دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کے زیر نگرانی

دلائل کی تخریج، حوالہ جات اور کمپیوٹر کتابت کیساتھ

مدلل مکمل

کفایت المفتی

مع عنوانات

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی

محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ

دارالاشاعت

کراچی

عرض ناشر

مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ دھلوی رحمتہ اللہ علیہ کا نام نامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ہندو پاکستان کا کوئی دارالافتاءٗ آپکے فتاوی جو ۹ جلد میں ''کفایت المفتی'' کے نام سے طبع ہوئے ہیں سے مستغنی نہیں۔ آپکے فتاوی دینی وعلمی حلقوں میں سند کا درجہ رکھتے۔ اب تک یہ مشہور فتاوی قدیم لیتھو کے انداز سے طبع ہورہے تھے اور اس میں حواشی درج نہ ہونے کی وجہ سے اس سے فائدہ اٹھانا مفتیانِ کرام وعلماً کے لیے ایک مسئلہ بنا ہوا تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ اس سے استفادہ کم سے کم ہوتا چلا جارہا تھا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی کے ذمہ داران کو جنھوں نے اس علمی ضرورت کو پورا کرنے کا ارادہ فرمایا اور اپنے دارالافتاءٗ کے ذریعہ اس ''کفایت المفتی'' ۹ جلد کی مکمل تخریج کرکے ہر فتوی پر دلائل اور حوالے درج کردیئے اور ہر مسئلہ پر عنوان قائم کیا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دارالاشاعت کراچی سے دینی موضوعات پر متعدد تحقیقی کتب شائع ہوئی ہیں جن میں فقہی کتب کا بھی ماشاء اللہ قابل قدر ذخیرہ ہے۔ اتفاق سے احقر اس کتاب کی کمپوزنگ شروع کرانے سے قبل مختلف علماً سے مشورہ کررہا تھا کہ اس میں افادیت کے نقطۂ نظر سے کیا کیا کام کرایا جائے کہ ایک روز '' مولانا زبیر اشرف بن حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم'' نے دورانِ مشورہ بتلایا کہ جو کام آپ شروع کرنے کا خیال کررہے ہیں وہ تو دارالافتاءٗ جامعہ فاروقیہ میں ہوا ہے آپ تحقیق کرلیں کہیں محنت ڈبل نہ ہوجائے۔

تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ کام ہوچکا ہے۔ احقر نے جامعہ کے ذمہ دار حضرات سے رابطہ کرکے مختلف تجاویز پیش کیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اِن حضرات کو ان سے مشورہ کے بعد ''رئیس الجامعہ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم'' کی اجازت سے یہ معاہدہ تحریری طے پا گیا اور اس طرح کفایت المفتی مکمل کو نئے کام کے ساتھ وجود میں لانے کے مجاز پائے۔

اس کام میں تصحیح کے مرحلہ میں نہایت مشکلات پیش آئیں لیکن علماً اور مصححین خود متخصص تھے ان کی محنت سے یہ کام تمام مراحل سے گزر کر آپکے ہاتھوں میں ہے۔ امید ہے حضرات مفتیان کرام، علماً وطلبا اس سے استفادہ کے وقت اپنی دعاؤں میں اُن تمام حضرات کو یاد رکھیں گے کہ جنھوں نے اس کام میں کسی درجہ بھی حصہ لیا ہے۔

ہم نے ہر ممکن کوشش کی ہے تصحیح، کمپوزنگ، کاغذ طباعت وجلد بندی کا معیار اچھا ہو۔ امید ہے کہ آپ پسند فرمائینگے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

ہمارے ادارے سے شائع شدہ فقہی ذخیرہ

کتاب	مصنف
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲ حصے	حضرت مفتی محمد شفیعؒ
بہشتی زیور مدلل مکمل	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ
فتاویٰ عالمگیری اردو ۱۰ جلد مع پیش لفظ	مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ہمارے عائلی مسائل	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
اسلام کا نظام اراضی	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
مسائل معارف القرآن	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
انسانی اعضاء کی پیوندکاری	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
پراویڈینٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
بیمۂ زندگی	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
رفیق سفر یعنی سفر کے آداب و احکام	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
معدن الحقائق شرح کنز الرقائق	مولانا محمد حنیف گنگوہی
الصبح النوری شرح قدوری	مولانا محمد حنیف گنگوہی
فتاویٰ رحیمیہ ۱۰ حصے کامل ترتیب جدید کمپوزنگ زیر طبع	حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کامل ۱۲ حصے ۱۰ جلد	حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب مدظلہم
خواتین کے لیے شرعی احکام	ترتیب الیف ظریف تھانوی صاحب
اسلامی قانون نکاح۔ طلاق۔ وراثت	مفتی فضیل الرحمن، ہلال عثمانی
علم الفقہ	مفتی عبدالشکورؒ صاحب
قانون وراثت	حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم
ڈاڑھی کی شرعی حیثیت	حضرت قاری محمد طیب صاحب
حیلۂ ناجزہ یعنی عورتوں کا حق تنسیخ نکاح	حضرت تھانویؒ
کفایت المفتی جدید مدلل مکمل	حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ
حضورؐ کے سوالات اور صحابہؓ کے جوابات	نصیف اللہ صدوح
صحابہؓ کے سوالات اور آنحضرتؐ کے جوابات	نصیف اللہ صدوح

عین الہدایہ جدید اردو

جس میں متن ہدایہ ترجمہ و تشریح سلیس زبان میں عنوانات و پیراگراف کے ساتھ جدید انداز میں،
خوبصورت کمپیوٹر کمپوزنگ۔ طلبہ و اساتذہ کے لیے بہترین تشریح زیر طبع

طالب دعا

خلیل اشرف عثمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الحمد لِلّٰہِ ربّ العٰلمین والصّلوۃ والسلام علیٰ نبیّہ الامّی الامین وعلیٰ

آلہ واصحابہ الطاہرین المہدیین

اما بعد۔ یہ کفایت المفتی کی جلد دوم قارئین کے پیشِ نظر ہے۔ جلد اوّل کے دیباچے میں عرض کیا گیا تھا کہ جو فتاویٰ جمع کیے گئے ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔ اوّل وہ فتاویٰ جو مدرسہ امینیہ کے رجسٹروں میں سے لیے گئے ہیں۔ ایسے فتاویٰ کی پہچان یہ ہے کہ لفظ المستفتی پر نمبر بھی ہے اور مستفتی کا نام و مختصر پتہ اور تاریخ روانگی بھی درج ہے۔ بعض جگہ سوال نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ لفظ جواب دیگر کے اوپر مستفتی کا نمبر ڈال دیا گیا ہے۔ دوسرے وہ فتاویٰ جو سہ روزہ الجمعیۃ سے لیے گئے ہیں، ان میں لفظ سوال کے نیچے اخبار کا حوالہ لکھا گیا ہے۔ تیسرے وہ فتاویٰ جو گھر میں موجود تھے یا باہر سے حاصل کیے گئے یا مطبوعہ کتب میں سے لیے گئے۔

لفظ جواب کے شروع میں جو نمبر لکھا گیا ہے وہ مجموعہ میں شامل شدہ فتاویٰ کی کل تعداد ظاہر کرنے کے لئے سیریل نمبر ہے۔ یہ جلد دوم جو آپ کے پیشِ نظر ہے اس میں درج شدہ فتاویٰ کی اقسام کی تفصیل یہ ہے۔

رجسٹروں سے ۲۲۹   الجمعیۃ سے ۵۵   متفرق ۸۷   کل ۳۷۱

کفایت المفتی جلد اوّل اور جلد دوم کے کل فتاویٰ کی تعداد سات سو نوے (۷۹۰) ہوئی۔

اب انشاء اللہ جلد سوم بھی جلد شائع ہوگی جو کتاب الصّلوٰۃ سے شروع ہوتی ہے۔

واخر دعوٰنا ان الحمدُ لِلّٰہِ ربّ العٰلمین

احقر حفیظ الرحمان واصف

۲۴ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

نحمدالله العلی العظیم و نصلی علیٰ رسوله الکریم ط

امّــا بـعـد ـ یہ کفایت المفتی کی جلد سوم قارئین ـ کے پیشِ نظر ہے ـ جلد اوّل کے دیباچے میں عرض کیا گیا تھا کہ جو فتاویٰ جمع کیے گئے ہیں وہ تین قسم کے ہیں ـ اوّل وہ فتاویٰ جو مدرسہ امینیہ کے رجسٹروں میں سے لیے گئے ہیں ـ ایسے فتاویٰ کی پہچان یہ ہے کہ لفظ المستفتی پر نمبر بھی ہے اور مستفتی کا نام و مختصر پتہ اور تاریخ روانگی بھی درج ہے ـ بعض جگہ سوال نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ لفظ جواب دیگر کے اوپر مستفتی کا نمبر ڈال دیا گیا ہے ـ دوسرے وہ فتاویٰ جو سہ روزہ الجمعیۃ سے لیے گئے ہیں ان میں لفظ سوال کے نیچے اخبار کا حوالہ دیا گیا ہے ـ تیسرے وہ فتاویٰ جو گھر میں موجود تھے یا باہر سے حاصل کیے گئے یا مطبوعہ کتب میں سے لیے گئے ـ

لفظ جواب کے شروع میں جو نمبر لکھا گیا ہے وہ مجموعہ میں شامل شدہ فتاویٰ کی کُل تعداد ظاہر کرنے کے لئے سیریل نمبر ہے ـ یہ جلد سوم جو آپ کے پیشِ نظر ہے اس میں درج شدہ فتاویٰ کی اقسام کی تفصیل یہ ہے ـ

رجسٹروں سے ۴۴۷   الجمعیۃ سے ۱۳۷   متفرق ۲۰۱   کُل ۷۸۶

کفایت المفتی جلد اوّل و دوم و سوم کے کُل فتاویٰ کی تعداد پندرہ سو اکسٹھ ہوئی ـ

اب انشاء اللہ جلد چہارم آئے گی جو کتاب الجنائز سے شروع ہوتی ہے ـ

و آخر دعوٰنا ان الحمد لله ربّ العٰلمین

احقر حفیظ الرحمان واصف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

نحمدالله العلی العظیم ونصلّی علیٰ رسوله الکریم

اما بعد. یہ کفایت المفتی کی جلد چہارم قارئین کے پیشِ نظر ہے۔ جلد اول کے دیباچے میں عرض کیا گیا تھا کہ جو فتاویٰ جمع کیے گئے ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔ اوّل وہ فتاویٰ جو مدرسہ امینیہ کے رجسٹروں سے لیے گئے ہیں۔ ایسے فتاویٰ کی پہچان یہ ہے کہ لفظ المستفتی پر نمبر بھی ہے اور مستفتی کا نام و مختصر پتہ اور تاریخ روانگی بھی درج ہے۔ بعض جگہ سوال نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ لفظ جواب دیگر کے اوپر مستفتی کا نمبر ڈال دیا گیا ہے۔ دوسرے وہ فتاویٰ جو سہ روزہ الجمعیۃ سے لیے گئے ہیں۔ ان میں لفظ سوال کے نیچے اخبار کا حوالہ دیا گیا ہے۔ تیسرے وہ فتاویٰ جو گھر میں موجود تھے یا باہر سے حاصل کیے گئے یا مطبوعہ کتب میں سے لیے گئے۔

لفظ جواب کے شروع میں جو نمبر لکھا گیا ہے وہ مجموعہ میں شامل شدہ فتاویٰ کی کُل تعداد ظاہر کرنے کے لئے سیریل نمبر ہے۔ یہ جلد چہارم جو آپ کے پیشِ نظر ہے اس میں درج شدہ فتاویٰ کی اقسام کی تفصیل یہ ہے:

رجسٹروں سے ۲۲۹ الجمعیۃ سے ۶۵ متفرق ۱۳۴ کل ۴۲۸

کفایت المفتی جلد اوّل سے جلد چہارم تک کے کل فتاویٰ کی تعداد دو ہزار چار (۲۰۰۴) ہوئی۔

اب انشاء اللہ جلد پنجم آئے گی جو کتاب النکاح سے شروع ہوتی ہے۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

احقر حفیظ الرحمان واصف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

نحمدالله العلی العظیم ونصلّی علی رسوله الکریم

امــابـعـد. یہ کفایت المفتی کی جلد پنجم قارئین کے پیش نظر ہے۔جلد اوّل کے دیباچے میں عرض کیا گیا تھا کہ جو فتاویٰ جمع کیے گئے ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔اوّل وہ فتاویٰ جو مدرسہ امینیہ کے رجسٹروں سے لیے گئے ہیں۔ایسے فتاویٰ کی پہچان یہ ہے کہ لفظ المستفتی پر نمبر بھی ہے اور مستفتی کا نام مختصر پتہ اور تاریخ روانگی بھی درج ہے۔بعض جگہ سوال نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ لفظ جواب دیگر کے اوپر مستفتی کا نمبر ڈال دیا گیا ہے۔دوسرے وہ فتاویٰ جو سہ روزہ الجمعیۃ سے لیے گئے ہیں۔ان میں لفظ سوال کے نیچے اخبار کا حوالہ دیا گیا ہے۔تیسرے وہ فتاویٰ جو گھر میں موجود تھے یا باہر سے حاصل کیے گئے یا مطبوعہ کتب میں سے لیے گئے۔

لفظ جواب کے شروع میں جو نمبر لکھا گیا ہے وہ مجموعہ میں شامل شدہ فتاویٰ کی کل تعداد ظاہر کرنے کے لئے سیریل نمبر ہے۔یہ جلد پنجم جو آپ کے پیش نظر ہے اس میں درج شدہ فتاویٰ کی اقسام کی تفصیل یہ ہے:۔

رجسٹروں سے ۳۲۰   الجمعیۃ سے ۱۲۰   متفرق ۱۰۰   کل ۵۴۰

کفایت المفتی جلد اوّل سے جلد پنجم تک کے کل فتاویٰ کی تعداد دو ہزار پانچ سو چوالیس (۲۵۴۴) ہوئی۔

اس کے بعد انشاء اللہ جلد ششم آئے گی جو کتاب الطلاق پر مشتمل ہے۔فالحمد لله اولاً و آخراً

احقر حفیظ الرحمان واصف

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ اللہ العلی العظیم و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد - یہ کفایت المفتی کی جلد پنجم قارئین کے پیش نظر ہے۔ جلد اول کے دیباچے میں عرض کیا گیا تھا کہ جو فتاوے جمع کئے گئے ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔ اول وہ فتاوے جو مدرسہ امینیہ کے رجسٹروں سے لئے گئے ہیں۔ ایسے فتاویٰ کی پہچان یہ ہے کہ لفظ المستفتی پر نمبر بھی ہے اور مستفتی کا نام و مختصر پتہ اور تاریخ روانگی بھی درج ہے۔ بعض جگہ سوال نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ لفظ جواب دیگر کے اوپر مستفتی کا نمبر ڈال دیا گیا ہے۔ دوسرے وہ فتاویٰ جو سہ روزہ "الجمعیۃ" سے لئے گئے ہیں ان میں لفظ سوال کے نیچے اخبار کا حوالہ دیا گیا ہے۔ تیسرے وہ فتاویٰ جو گھر میں موجود تھے یا باہر سے حاصل کئے گئے یا مطبوعہ کتب میں سے لئے گئے۔

لفظ جواب کے شروع میں جو نمبر لکھا گیا ہے وہ مجموعہ میں شامل شدہ فتاویٰ کی کل تعداد ظاہر کرنے کے لئے سریل نمبر ہے۔ یہ جلد پنجم جو آپ کے پیش نظر ہے اس میں درج شدہ فتاویٰ کی اقسام کی تفصیل یہ ہے :-

رجسٹروں سے ۳۲۰ الجمعیۃ سے ۱۲۰ متفرق ۱۰۰۔ کل ۵۴۰

جلد اول سے جلد پنجم تک کے کل فتاویٰ کی تعداد دو ہزار پانسو چوالیس ہوئی۔ ۲۵۴۴ اس کے بعد انشاء اللہ جلد ششم آئے گی جو کتاب الطلاق پر مشتمل ہے۔ فالحمد للہ اولاً و اخراً

احقر حفیظ الرحمان واصف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

نحمداللّٰہ العلی العظیم ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

امـابعـد۔ یہ کفایت المفتی کی جلد ششم قارئین کے پیش نظر ہے۔جلد اول کے دیباچے میں عرض کیا گیا تھا کہ جو فتاویٰ جمع کیے گئے ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔اول وہ فتاویٰ جو مدرسہ امینیہ کے رجسٹروں سے لیے گئے ہیں۔ایسے فتاویٰ کی پہچان یہ ہے کہ لفظ المستفتی پر نمبر بھی ہے اور مستفتی کا نام و مختصر پتہ اور تاریخ روانگی بھی درج ہے۔بعض جگہ سوال نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ لفظ جواب دیگر کے اوپر مستفتی کا نمبر ڈال دیا گیا ہے۔دوسرے وہ فتاویٰ جو سہ روزہ الجمعیۃ سے لیے گئے ہیں۔ان میں لفظ سوال کے نیچے اخبار کا حوالہ دیا گیا ہے۔تیسرے وہ فتاویٰ جو گھر میں موجود تھے یا باہر سے حاصل کیے گئے یا مطبوعہ کتب میں سے لیے گئے۔

لفظ جواب کے شروع میں جو نمبر لکھا گیا ہے وہ مجموعہ میں شامل شدہ فتاویٰ کی کل تعداد ظاہر کرنے کے لئے سیریل نمبر ہے۔ یہ جلد ششم جو آپ کے پیش نظر ہے اس میں درج شدہ فتاویٰ کی اقسام کی تفصیل یہ ہے:

رجسٹروں سے ۳۱۸ الجمعیۃ سے ۱۷ متفرق ۸۳ کل ۴۷۲

کفایت المفتی جلد اوّل سے جلد ششم تک کے کل فتاوی کی تعداد تین ہزار سولہ (۳۰۱۶) ہوئی۔

اس کے بعد انشاء اللہ جلد ہفتم آئے گی جو کتاب الوقف سے شروع ہوتی ہے۔

والحمدللّٰہ اولاً و اخرا۔

احقر حفیظ الرحمان واصف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

نحمداللّٰہ العلی العظیم ونصلّی علی رسولہ الکریم

اما بعد. یہ کفایت المفتی کی جلد ہفتم قارئین کے پیشِ نظر ہے۔ جلد اوّل کے دیباچے میں عرض کیا گیا تھا کہ جو فتاویٰ جمع کیے گئے ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔ اوّل وہ فتاویٰ جو مدرسہ امینیہ کے رجسٹروں سے لیے گئے ہیں۔ ایسے فتاویٰ کی پہچان یہ ہے کہ لفظ المستفتی پر نمبر بھی ہے اور مستفتی کا نام و مختصر پتہ اور تاریخ روانگی بھی درج ہے۔ بعض جگہ سوال نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ لفظ جواب دیگر کے اوپر مستفتی کا نمبر ڈال دیا گیا ہے۔ دوسرے وہ فتاویٰ جو سہ روزہ الجمعیۃ سے لیے گئے ہیں۔ ان میں لفظ سوال کے نیچے اخبار کا حوالہ دیا گیا ہے۔ تیسرے وہ فتاویٰ جو گھر میں موجود تھے یا باہر سے حاصل کیے گئے یا مطبوعہ کتب میں سے لیے گئے۔

لفظ جواب کے شروع میں جو نمبر لکھا گیا ہے وہ مجموعہ میں شامل شدہ فتاویٰ کی کُل تعداد ظاہر کرنے کے لئے سیریل نمبر ہے۔ یہ جلد ہفتم جو آپ کے پیشِ نظر ہے اس میں درج شدہ فتاویٰ کی اقسام کی تفصیل یہ ہے:

رجسٹروں سے ۲۲۱   الجمعیۃ سے ۴۲   متفرق ۱۰۵   کل ۳٦۸

جلد اوّل سے جلد ہفتم تک کے کل فتاویٰ کی تعداد تین ہزار تین سو چوراسی (۳۳۸۴) ہوئی۔

اس کے بعد انشاء اللہ جلد ہشتم ہے جو کتاب البیوع سے شروع ہوتی ہے۔

فالمنۃ للّٰہ اولاً و آخراً.

احقر حفیظ الرحمان واصفؔ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

نحمدہ اللہ العلی العظیم و نصلی علی رسولہ الکریم

نہ در خاکساری چو من بینوائے — نہ در نازو تمکین چو او بادشاہے
برم تحفۂ پیش او از کجا من — نہ در دیدہ اشکے نہ در سینہ آہے
فگند از سر لطف آں شاہ خوباں — ظفر بر من بے بضاعت نگاہے

امابعد۔ یہ کفایت المفتی کی جلد نہم قارئین کے پیش نظر ہے۔ جلد اول کے دیباچے میں عرض کیا گیا تھا کہ جو فتاویٰ جمع کیے گئے ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔ اول وہ فتاویٰ جو مدرسہ امینیہ کے رجسٹروں سے لیے گئے ہیں۔ ایسے فتاویٰ کی پہچان یہ ہے کہ لفظ المستفتی پر نمبر بھی ہے اور مستفتی کا نام و مختصر پتہ اور تاریخ روانگی بھی درج ہے۔ بعض جگہ سوال نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ لفظ جواب دیگر کے اوپر مستفتی کا نمبر ڈال دیا گیا ہے۔ دوسرے وہ فتاویٰ جو سہ روزہ الجمعیۃ سے لیے گئے ہیں۔ ان میں لفظ سوال کے نیچے اخبار کا حوالہ دیا گیا ہے۔ تیسرے وہ فتاویٰ جو گھر میں موجود تھے یا باہر سے حاصل کیے گئے یا مطبوعہ کتب میں سے لیے گئے۔

لفظ جواب کے شروع میں جو نمبر لکھا گیا ہے وہ مجموعہ میں شامل شدہ فتاویٰ کی کُل تعداد ظاہر کرنے کے لئے سیریل نمبر ہے۔ یہ جلد نہم جو آپ کے پیش نظر ہے اس میں درج شدہ فتاویٰ کی اقسام کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

رجسٹروں سے ۳۳۳ — الجمعیۃ سے ۸۲ — متفرق ۱۵۵ — کل ۵۷۰

جلد اول سے جلد نہم تک کے کل فتاویٰ کی تعداد چار ہزار چار سو نواسی (۴۴۸۹) ہے۔ جن میں سے رجسٹروں کے فتاویٰ ۲۶۸۶ ہیں۔ اور دوسری تیسری قسم کے ۱۸۰۳ ہیں۔ یہ مجموعۂ فتاویٰ مسمّٰی بہ کفایت المفتی نو جلدوں میں مکمل ہو گیا۔

(مندرجۂ بالا تعداد میں تتمہ کے فتاویٰ کی تعداد شامل نہیں ہے)۔

و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین وصلی اللہ تعالیٰ علی رسولہ الامی الامین وعلیٰ الہ الطیبین الطاھرین۔

احقر حفیظ الرحمان واصف مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی
ابن حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ (نور اللہ مرقدہ)

فہرست عنوانات

پہلا باب
دارالاسلام اور دارالحرب

دوسرا باب
اسباب نجات

تیسرا باب
موجبات کفر

چوتھا باب
مسئلہ ارتداد

دوسرا باب
انبیاء علیہم السلام

صفحہ	عنوان

چھٹا باب

خلیفہ، امام، امیر

ساتواں باب
تقدیر و تدبیر

آٹھواں باب اختلافی مسائل، فصل اول مسئلہ عید میلاد

عنوان	صفحہ
تعزیہ کو برا بھلا کہنے کا حکم	۲۳۹
جعلی اور مصنوعی قبر بنانا گناہ ہے	″
بارہ ربیع الاول کو دکانیں بند کرنے کا حکم	۲۴۰
تعزیہ داری کی رسم ناجائز ہے	″
رجب کے مہینے میں نبی صاحب کا روٹ بنانا شرعی حکم نہیں بلکہ بدعت ہے	۲۴۱
یوم صدیق اکبر منانے کی خواہش پر کہنا کہ اس فقرے سے میرے دل کو بے حد تکلیف ہوئی اور یوم صدیق شریعت کی نظر میں	″
خواب میں کسی بزرگ کا کہنا کہ میری قبر پر پختہ گنبد بناؤ اور قبر پر گنبد وغیرہ بنانے کا شرعی حکم	۲۴۲
پانچ محرم الحرام کو شان اسلام دکھانے کی غرض سے جلوس کی شکل میں تعزیہ داری کرنا	۲۴۳
اللہ تعالیٰ کی ذات کو حضور ﷺ کے ساتھ شکل وصورت میں تشبیہ دینا اور یہ کہنا کہ احمد اور احد میں فرق صرف میم کا ہے	۲۴۴
حضور ﷺ اور اولیائے کرام کو حاضر ناظر کہنا	″
سرود سننا حرام ہے اس کو حلال سمجھنا کفر ہے	″
حضور ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفات ثابت کرنا شرک ہے	۲۴۵
آیت "انما المشرکون نجس الآیۃ" کے نزول کے بعد مشرک کے ساتھ کھانا کھانے کا حکم	۲۴۶
نماز میں حضور ﷺ کا خیال آئے تو گائے، بھینس، گدھے وغیرہ کا خیال آنے سے بدتر کہنا	۲۴۷
"اللہ تعالیٰ کی ذات کو زمان ومکان سے پاک جاننا اور ہر طرف سے دیدار الٰہی کو حق جاننا بدعت ہے" کہنے والے کا حکم	″
تشہد میں "السلام علیک ایھا النبی" اس خیال سے پڑھنا کہ حضور ﷺ خود سلام سنتے ہیں شرکیہ عقیدہ ہے	″
کن باتوں سے شرک لازم آتا ہے؟ اور ان سے بچنے کا طریقہ	۲۴۸
نماز میں کسی بزرگ یا حضور ﷺ کا خیال آنے کا حکم	″
جس مسجد میں شرکیہ افعال ہوتے ہوں اس میں نماز پڑھنے کا حکم	۲۴۹
محرم میں شیر کا لت بنانا شرعاً ناجائز ہے	۲۵۰
بت کی عبادت کرنا کفر ہے	″
غیر اللہ کی نذر کرنا اور منت ماننا حرام ہے	″

تیرھواں باب
مختلف فرقے

پندرھواں باب
متفرقات

فہرست مضامین کفایت المفتی جلد دوم

کتاب العلم

پہلا باب : دینی تعلیم اور تبلیغ

فصل اول : تعلیم کی فضیلت

فصل دوم : تعلیم قرآن

چوتھا باب : اعراب قرآن

پانچواں باب : متفرقات

کتاب الحدیث والآثار

پہلا باب : متفرق احادیث کی تشریح

صفحہ	مضمون
	پہلا باب : سیرت وشمائل (علیٰ صاحبها التحیة)
۱۶۰	۱۲۹ آیت "واقصد فی مشیك" اور حدیث "اذا مشی تكفأ تكفؤا كانما ینحط من صبب" الخ کی تطبیق
"	۱۳۰ کیا حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کسی بادشاہ کے نام خط لکھا یا دستخط کیا ہے؟
۱۶۱	۱۳۱ فضلات نبویہ کا حکم
۱۶۲	۱۳۲ حضور اکرم ﷺ امت کے وارث نہیں، شفیع ہیں
"	۱۳۳ (۱) حضور اکرم ﷺ کی تاریخ وفات کیا ہے؟
"	(۲) حضور ﷺ کی نماز جنازہ فرداً فرداً ادا کی گئی سب سے پہلے ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ نے ادا کی
	دوسرا باب : اہل بیت واہل قریش
۱۶۴	۱۳۴ روایات صحیحہ سے ابو طالب کا حالت کفر پر مرنا ثابت ہے
۱۶۵	۱۳۵ کیا "قدموا قریشاً ولا تقدموها" الخ صحیح حدیث ہے؟ اسکا صحیح مطلب کیا ہے؟
۱۶۶	۱۳۶ ابن زیاد کا حضرت حسینؓ کے سر کو بید سے مارنا ثابت ہے
"	۱۳۷ میدان کربلا میں اشارہ سے صف اول کے آدمیوں کا سر تن سے جدا کرنے کے واقعہ وغیرہ کی نسبت حضرت حسین کی طرف صحیح نہیں
"	۱۳۸ حضرت علیؓ حضور اکرم ﷺ کے خاندان سے تھے، ان کے والد ابو طالب حضور ﷺ کے چچا تھے
۱۶۷	۱۳۹ قاتلان حسین کو گالی دینا کیسا ہے؟
۱۶۸	۱۴۰ یزید ابن زیاد کے ہاتھوں حضرت حسینؓ کی شہادت سن کر مکدر ہوا
	تیسرا باب : صحابہ وتابعین
"	۱۴۱ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے وقت صحابہ کرامؓ کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی
۱۶۹	۱۴۲ (۱) صحابہ اور اہل بیت دونوں کے فضائل احادیث میں موجود ہیں
"	(۲) حضرت معاویہؓ صحابی ہیں عشرہ مبشرہ میں داخل نہیں
"	(۳) حضرت علیؓ کے نابالغی کی حالت میں ایمان لانے پر اعتراض لغو ہے
"	(۴) خلفاء کی ترتیب فضیلت ترتیب خلافت کے موافق ہے
"	(۵) حضرت علیؓ کے حسنینؓ کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے بھیجنے کو دکھاوا خیال کرنا بدگمانی ہے

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ
پہلا باب : عہد و پیمان اور حلف	
فصل اول - حلف کی تشریحات	

تیسرا باب دعویٰ اور گواہی

کتاب الطہارۃ

پہلا باب : حوض اور کنویں کے احکام

فصل پنجم : حد بلوغ

تیسرا باب : برتنوں اور کپڑوں کی پاکی

تم الفهرس بعون الله تعالیٰ و منّه العميم ، والحمد لله علی ذلك

فہرست عنوانات

کتاب الصلوٰۃ

پہلا باب
اذان و تکبیر

تیسرا باب

امامت و جماعت

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ
۲۶۱ دوران خطبہ چندہ کا حکم	۱۶۹
۲۶۲ ایضاً	//
۲۶۳ فرض نماز کے بعد دعا سے پہلے چندہ کرنا	//
فصل دہم : مسجد میں بدبودار چیز کا استعمال	۱۷۰
۲۶۴ مسجد کی دیواروں کو روغن لگانا	//
۲۶۵ مسجد میں مٹی کے تیل والے لالٹین کا استعمال	//
۲۶۶ مسجد کو ہر قسم کی گندگی سے پاک رکھا جائے	//
۲۶۷ مسجد میں لیمپ جلانا	۱۷۱
فصل یازدہم : مسجد میں مکتب یا مدرسہ جاری کرنا	//
۲۶۸ مسجد میں مدرسہ جاری کرنا	//
۲۶۹ مسجد میں دینی کتابیں پڑھانا	۱۷۲
۲۷۰ بے سمجھ بچوں کو مسجد میں نہ پڑھایا جائے	//
فصل دوازدہم : استقبال قبلہ	۱۷۳
۲۷۱ مکہ سے دور رہنے والوں کے لئے جہت قبلہ کافی ہے	//
۲۷۲ استقبال قبلہ کا طریقہ	۱۷۴
۲۷۳ معمولی انحراف مفسد نماز نہیں	//
۲۷۴ قطب ستارے کے ذریعے سمت قبلہ کا تعیین	//
۲۷۵ جس مسجد کا رخ قبلہ کی طرف درست نہ ہو	۱۷۵
۲۷۶ قبلہ سے معمولی انحراف	۱۷۶
۲۷۷ منحرف مسجد کا قبلہ درست کیا جائے	//
۲۷۸ قبلہ کی طرف پاؤں کر کے سونا خلاف ادب ہے	۱۷۷
۲۷۹ جہت مسجد سے منحرف ہو کر نماز پڑھنا	//
۲۸۰ دور والوں کے لئے جہت قبلہ کافی ہے	//
فصل سیزدہم : جماعت خانہ و صحن و فنائے مسجد	۱۷۸
۲۸۱ مسجد سے ملحق دکان پر امام کے لئے حجرہ بنانا	//
۲۸۲ مسجد کی دکان پر امام کے لئے حجرہ کی تعمیر	۱۷۹

پانچواں باب
نماز جمعہ

چھٹا باب
نماز عیدین

آٹھواں باب
دعا بعد نماز

نواں باب
مسافر کی نماز

بائیسواں باب
فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر، اور بسم اللہ بالجہر

مضمون	صفحہ

چوبیسواں باب
متفرقات

مضمون	صفحہ
۷۶۷ (۱) محراب سے ہٹ کر جماعت کرنا	۴۸۷
(۲) مسجد میں جماعت ثانیہ کا حکم	//
(۳) خطبہ جمعہ کے بعد اس کا ترجمہ پڑھنا	//
(۴) عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا افضل ہے	//
۷۶۸ بے نمازی کے ہاتھ کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟	۴۸۸
۷۶۹ بے نمازی کا جنازہ پڑھا جائے	//
۷۷۰ قرآن مجید سے پانچوں نمازوں کا ثبوت	//
۷۷۱ (۱) مسجد میں بآواز بلند "سورہ کہف" پڑھنا	۴۸۹
(۲) بعد نماز بلند آواز کلمہ پڑھنا کیسا ہے؟	//
۷۷۲ کپڑے سے منہ ڈھانپ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے	//
۷۷۳ نماز کے بعد مصافحہ بدعت ہے	۴۹۰
۷۷۴ منقش جانماز پر نماز کا حکم	//
۷۷۵ عمداً تارک نماز فاسق ہے	//
۷۷۶ (۱) جیل میں اذان دی جائے یا نہیں؟	۴۹۱
(۲) جیل میں پانی نہ ملے تو تیمم کیا جائے	//
(۳) جیل میں جماعت کرانا جائز ہے	//
(۴) احتجاجاً بھوک ہڑتال کا حکم	//
۷۷۷ بے نمازی کی نماز جنازہ پڑھی جائے	//
۷۷۸ عمداً تارک نماز فاسق ہے	۴۹۲
۷۷۹ نماز کے بعد مصلے کو الٹ دینا	//
۷۸۰ نماز میں خیالات اور وساوس کا حکم	//
۷۸۱ نماز کب معاف ہوتی ہے	۴۹۳
۷۸۲ "اللہ اکبار" کہنا مفسد نماز ہے یا نہیں؟	//
۷۸۳ نماز میں تصور شیخ کا حکم	//
۷۸۴ نمازی کے سامنے کتنے فاصلے پر گزرنا جائز ہے؟	//
۷۸۵ (۱) انتشار پھیلانے والا گناہ گار ہے	۴۹۴
(۲) غیر مقلدین اہل السنۃ والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟	//

فہرست عنوانات

کتاب الجنائز

پہلا باب
توبہ دم واپسیں

دوسرا باب
تجہیز و تکفین میت
فصل اول تجہیز و تکفین

فصل دوم۔ جنازہ لے جانے کا طریقہ

عنوان	صفحہ
فصل ششم۔ تلقین وطلب مغفرت	

چوتھا باب

رسوم مروجہ بخانہ میت

فصل اول غمی کی دعوتیں دسواں چالیسواں وغیرہ

فصل دوم۔ ایصال ثواب

(۱۷۵) استفتاء

(ماخوذ از مجموعہ دلیل الخیرات فی ترک المنکرات
مطبوعہ ۱۳۳۶ھ مرتبہ حضرت مفتی اعظمؒ)

دوسرا باب
نصاب زکوۃ

تیسرا باب
مصارف زکوۃ

چوتھا باب
ادائیگی زکوٰۃ

عنوان	صفحہ
فصل دوم۔ ادائیگی بسال قمری وشمسی	
انگریزی سال کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنے کی صورت........	۳۰۲
فصل سوم۔ تملیک اور حیلہ تملیک	
زکوٰۃ سے مدرسین کی تنخواہ دینا........	۳۰۳
حیلہ کے ذریعے زکوٰۃ کو مدرسہ پر خرچ کرنا........	۳۰۴
بذریعہ حیلہ زکوٰۃ سے کنواں، پل اور مسجد وغیرہ تعمیر کرنا........	"
جن کاموں پر زکوٰۃ جائز نہ ہو وہاں حیلہ کر کے زکوٰۃ خرچ کرنا........	۳۰۵
نوٹ کے ذریعے زکوٰۃ کی ادائیگی........	"
پانچواں باب **غیر مقبوضہ پر زکوٰۃ** **فصل اول رہن کی زکوٰۃ**	
قرض پر زکوٰۃ اور رہن رکھی ہوئی چیز سے نفع اٹھانا........	۳۰۶
فصل دوم۔ پروویڈنٹ فنڈ اور سود کی زکوٰۃ	
پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ........	"
پراویڈنٹ فنڈ اور اس کی سود پر زکوٰۃ........	۳۰۷
پراویڈنٹ فنڈ میں سود کے نام سے دی جانے والی رقم سود نہیں........	۳۰۸
پراویڈنٹ فنڈ اور بینک میں جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ........	۳۰۹
چھٹا باب **صدقہ فطر وغیرہ**	
صاع کی تحقیق........	۳۱۰
(۱) کسی قصبہ میں گندم نہ ہو تو وہ ضلع کی قیمت سے فطرہ ادا کر سکتا ہے........	۳۱۱
(۲) حدیث شریف میں جن چیزوں کی تصریح نہیں ان میں قیمت کا اعتبار ہوگا........	"
صرف فائدہ حاصل کرنے کے لئے دی ہوئی زمین سے صاحب نصاب نہیں بنتا........	۳۱۲
فطرہ کی مقدار اور بچوں کی طرف سے فطرہ........	"
رمضان کی آخری تاریخ کو پیدا ہونے والے بچے کا فطرہ بھی واجب ہے........	۳۱۳
قربانی اور صدقہ فطر صاحب نصاب پر واجب ہے........	"
صدقہ فطر سے امامت کی اجرت دینا جائز نہیں........	"

عنوان	صفحہ
چھٹا باب	
حج نفل	
کسی کو حج کرانے کی منت مانی اور وہ رقم کسی غریب کو دیدی	۳۵۱
حج کی نیت سے جمع کی ہوئی رقم کو خرچ کرنا جائز ہے	//
ساتواں باب	
فصل اول احرام	
محرم آدمی سانپ، بچھو، کوا، گرگٹ وغیرہ کو قتل کر سکتا ہے	۳۵۲
فصل دوم سنگ اسود	
حجر اسود جنت کا پتھر ہے اور اسے بوسہ دینا حضور ﷺ سے ثابت ہے	//
حجر اسود کا بوسہ محبت کی وجہ سے ہے تعظیم کے لئے نہیں	۳۵۳
آٹھواں باب	
متفرقات	
مطاف پر چھت بنانا	//
حج پر بنائی گئی فلم کا بھی دیکھنا حرام ہے	۳۵۴
حاجیوں کو مبارکباد دینا جائز ہے	//
غلط نام بتا کر حج کرنے سے حج ادا ہو جائے گا مگر جھوٹ بولنے کا گناہ ہوگا	//
الارجوزة السجنيه	۳۵۶
فرہنگ اصطلاحات	۳۵۷
خلاصہ مکتوبہائے گرامی	۳۶۳
تاریخ تکمیل مسودہ	۳۶۴

فہرست عنوات

کتاب النکاح
پہلا باب محرمات

عنوان	صفحہ

سترہواں باب
تعدد ازواج

فہرست عنوانات

کتاب الطلاق

پہلا باب ایقاع ووقوع طلاق

پہلی فصل تلفظ طلاق

دوسری فصل ۔ طلاق صریح

تیسری فصل ۔ کنایات

دوسری فصل۔ بیان حضرت مفتی اعظم

پانچواں باب مفقود الخبر

فہرست عنوانات

کتاب الوقف
پہلا باب : مسجد کی بناو تعمیر

پانچواں باب
تولیت وانتظام

ساتواں باب
مصارف وقف

صفحہ	عنوان
۲۶۸	نیک کاموں کے لئے وقف کی آمدنی کو واقف کے پڑپوتوں پر خرچ کرنا
۲۶۹	مسجد کی آمدنی سے سقہ کی تنخواہ مقرر کرنا
//	صدقہ جاریہ کا مصرف
//	یتیموں کے لئے وقف آمدنی سے واقف کے محتاج بھائیوں پر خرچ کرنا
//	مسجد کی ضرورت سے زائد روپیہ کو دوسری مسجد پر لگانا
۲۷۰	مسجد میں کم آمدنی پر رکھے ہوئے ملازم کی جگہ زیادہ آمدنی والا ملازم رکھنا
۲۷۱	ایضاً
//	چھوٹی مسجد کو ختم کر کے ایک بڑی مسجد بنانے کا حکم
۲۷۲	مسجد کی آمدنی یا یتیموں کے لئے جمع رقم مدرسہ پر خرچ کرنا
//	بوسیدہ مسجد کی لکڑیاں دوسری مسجد کے لئے وقف مکانوں پر لگانا
//	مساجد کی آمدنی کو اسلامی کاموں پر خرچ کرنا
۲۷۳	مسجد کی ضرورت سے زائد آمدنی مسجد پر ہی خرچ ہوگی
۲۷۴	کیا مسجد کی ضرورت سے زائد آمدنی علوم معاشیات پر خرچ ہو سکتی ہے؟
۲۷۵	مسجد کی آمدنی علوم عصری پر خرچ کرنا
//	آل اولاد پر خرچ کی صورت میں اولاد کا مصداق
۲۷۶	مساجد کی آمدنی قبرستان پر خرچ کرنے کا حکم
۲۷۷	مسجد کی کوئی چیز دوسری مسجد کو بیچنے یا ہبہ کرنے کا حکم
//	مسجد کے مال کے استعمال کے متعلق سوال
//	امام کو مقرر کرنے میں نمازیوں کی رائے کب معتبر ہوگی؟
۲۷۸	وقف کی آمدنی سے خریدی ہوئی جائیداد کو فروخت کرنے کا حکم
//	مسجد کی آمدنی سے اظہار شوکت اسلام کے لئے چراغاں کرنا
	آٹھواں باب
	تصرف فی الوقف
۲۷۹	مدرسہ کی زمین کو کسی دوسرے کار خیر کے لئے بیچنا
//	کیا مکان موقوفہ کو بعد میں دکانوں سے تبدیل کیا جا سکتا ہے؟
۲۸۱	مسجد کے لئے وقف کھیت کو دوسرے کھیت سے تبدیل کرنے کا حکم

نواں باب
وقف علی الاولاد

دسواں باب
متفرقات

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ
دوسرا باب	
زراعت وباغبانی	
زراعت کا پیشہ اختیار کرنے کا حکم	۳۳۵
مالک کی مرضی کے بغیر کاشت کار کی زمین پر قابض ہونا	۳۳۶
غیر شرعی شرائط کے ساتھ زمین کاشتکاری کے لئے دینا	۳۳۷
کاشتکاری کے لئے لی ہوئی زمین کو رہن رکھنا جائز نہیں	"
حق کاشت میں وراثت جاری نہ ہوگی	"
کاشت کار حق کاشت کی وجہ سے مالک نہیں بنتا	"
ہندو کو جلانے کے لئے مسلمان کا مزدوری پر لکڑی اٹھانا .... تنقیح سوال	۳۳۸
تیسرا باب	
صناعی ومزدوری	
انسان کا خود سواری کھینچنے پر اجرت لینا	"
ہندو کو جلانے کے لئے مسلمان کا مزدوری پر لکڑی اٹھانا	۳۳۹
چوتھا باب	
مختلف پیشے	
قصائیوں کا پیشہ درست ہے	۳۴۰
وثیقہ نویسی کا حکم	"
سودی قرض کے اسٹامپ کی تحریر کا حکم	۳۴۱
دلال کی دعوت کھانا مباح ہے	"
تحقیق حدیث	۳۴۹
قاطع الشجر کی بخشش نہ ہونے کا مقولہ بے اثر ہے	۳۵۰
حلال پیشہ اختیار کرنے والے مسجد کے متولی بن سکتے ہیں	"
پانچواں باب	
رشوت، چوربازاری پٹواری کا تنخواہ کے علاوہ کاشتکار سے لینے والی رقم کا حکم	
رشوت کی تعریف	۳۵۱
رشوت کا استعمال	"
رشوت لینے کی توبہ کا طریقہ	"

فہرست مضامین

کتاب البیوع

پہلا باب
بیع باطل اور بیع فاسد

دوسرا باب
زمین و مکان کی خرید و فروخت

تیسرا باب
حق شفعہ

چوتھا باب
نباتات کی خرید و فروخت

پانچواں باب
نیلام

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ
بارھواں باب	
بیع سلم	
عام بھاؤ سے کم قیمت کی شرط پر بیع سلم کرنا	۵۵
(۱) بیع سلم کرتے وقت بھاؤ متعین کرنا	۵۶
(۲) مقررہ نرخ میں کمی بیشی ہونیکی صورت میں بیع سلم کا حکم	"
رقم کی ادائیگی کے چھ ماہ بعد مبیع لینے کا کہنا بیع سلم ہے	۵۷
فلوس میں بیع سلم کا حکم	۵۸
بیع سلم میں وقت پر ادانہ کرنے پر جرمانے کی شرط لگانا	۵۹
مویشی رکھوالی کے لئے دینا کہ ان کے بچے آدھو آدھ تقسیم ہوں گے	۶۰
ابھی قرض لینا کہ غلہ کے موسم میں گندم دوں گا بیع سلم ہے	"
بیع سلم میں ادائیگی کے وقت بھاؤ میں کمی بیشی یا جنس کی تبدیلی کا حکم	۶۱
تیرھواں باب	
پیمائش اور اوزان	
شرعی گز اور تولہ کی مقدار	۶۲
چودھواں باب	
خرید و فروخت کے لئے وکیل بنانا	
دوسرے کے لئے خریدی گئی چیز پر نفع لینے کا حکم	"
پندرھواں باب	
متفرقات	
(۱) قرآن کریم کو بغرض تجارت بیچنے کا حکم	۶۳
(۲) قرآن کریم کو پارہ پارہ کر کے چھپوانا	"
(۳) قرآن پاک کو رنگ کرنے کا حکم	"
غلہ کی تجارت کا حکم	۶۴
کتاب الربوا	
پہلا باب	
بینک کے معاملات	
کفار کے بینکوں سے سود لینے کا حکم	۶۵

كتاب الصرف

پہلا باب

مبادلہ سکہ

صفحہ	مضمون
	دوسرا باب کرنسی نوٹ
	كتاب الشركة والمضاربة
	پہلا باب ایک شریک کی کارگزاری
	دوسرا باب مضاربت (ایک کا سرمایہ دوسرے کی محنت)
	تیسرا باب کمپنی کے حصص کی خرید و فروخت
	چوتھا باب متفرق مسائل
	كتاب الوديعة
	پہلا باب امانت اور اس کے ضائع ہونے کا تاوان

کتاب الدیون

پہلا باب

قرض کی تشریحات و تفریعات واحکام

دوسرا باب

دخلی رہن

صفحہ	مضمون

چھٹا باب
دین کی خرید و فروخت

ساتواں باب
ضامن بننا

آٹھواں باب
غیر جنس میں قرض وصول کرنا

کتاب الهبة والعارية

پہلا باب
صحت و جواز ہبہ

صفحہ	مضمون

دوسرا باب
ہبہ اولاد کے لئے

تیسرا باب
ہدیہ وعطیہ

کتاب الغصب

پہلا باب
قبضہ مخالفانہ

دوسرا باب
حق تلفی

تیسرا باب
تصرف بغیر اجازت

مضمون	صفحہ
چوتھا باب	
اتلاف واہلاک مال غیر	
کیامال کا تاوان قیمت خرید کے حساب سے لیاجاسکتاہے ؟	۱۷۶
کتاب الاضحیۃ والذبیحۃ	
پہلاباب	
قربانی کابیان	
فصل اول وجوب قربانی اور نصاب	
نابالغ پر زکوۃ اور قربانی واجب نہیں	۱۷۹
جائیداد مشترک ہونے کی صورت میں قربانی اورزکوۃ کا حکم	//
(۱) کیا قیدی اور ملازم پر قربانی واجب ہے ؟	۱۸۰
(۲) ایک شخص پر ایک قربانی واجب ہے خواہ کتناہی مالدار ہو	//
نابالغ لڑکے کے مال سے قربانی جائز نہیں	۱۸۱
گھر کے صاحب نصاب افراد پر قربانی واجب ہے	//
کیاقربانی کرنے والے ہی پر ذبح کرنالازم ہے ؟	۱۸۳
کیانابالغ مالدار اولاد کی طرف سے باپ پر قربانی واجب ہے ؟	//
صدقہ فطر اور قربانی صاحب نصاب پر واجب ہے	//
(۱) صحیح تلفظ "عید اضحیٰ" ہے	۱۸۴
(۲) کیامسافر پر قربانی واجب ہے ؟	//
۹ذی الحجہ کو عید اضحی کی قربانی کرنا جائز نہیں	
فصل دوم ۔ بڑے جانور	
قربانی کے لئے خریدی گئی گائے کے متعلق چند سوالات	//
گائے کی قربانی قرآن اور حدیث سے ثابت ہے	۱۸۶
گائے کی قربانی میں ہر شریک کاکم ازکم ساتواں حصہ ہوناضروری ہے	//
قربانی ذبح کرتے وقت تمام شرکاء کے نام لیناضروری نہیں	//
بڑے جانوروں میں سات حصوں سے کم بھی رکھ سکتے ہیں	۱۸۷
شرکاء میں سے کسی ایک کانکلنا قربانی کے لئے مضر نہیں	//
گائے کی قربانی میں ہر شریک کاحصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو	//

مضمون	صفحہ
فصل ششم گیابھن کی قربانی	
بچے والی گائے کی قربانی کا حکم	۲۰۴
فصل ہفتم ، میت کی طرف سے قربانی کرنا	
(۱) مردے کے نام پر قربانی کرنا	"
(۲) زندوں اور مردوں کے نام پر مشترک جانور ذبح کرنے کا حکم	"
(۳) غنی مردے کے نام پر قربانی کرے تو اس سے واجب ساقط نہیں ہوتا	"
میت کی طرف سے کی ہوئی قربانی کے گوشت کا حکم	۲۰۵
قربانی کرنے سے پہلے بچے کے فوت ہونے کی صورت میں عقیقہ کے حصوں کا حکم	"
مشترک قربانی سے سات آدمیوں کو ہی ثواب پہنچانا ضروری نہیں	۲۰۶
فصل ہشتم نفلی قربانی	
(۱) کیا ہندوستان میں موجود بچے کے عقیقہ کا جانور منی میں ذبح کر سکتے ہیں؟	"
(۲) نفلی قربانی کرنے کے بجائے نقد رقم اہل حاجت کو دے دینا بہتر ہے	"
قرض دار کی قربانی کا حکم	۲۰۷
قربانی نہ کر سکنے کی صورت میں اس کے لئے متعین رقم کا حکم	"
فصل نہم قیمت کا صدقہ کر دینا	
قربانی کے دنوں میں جانور کی جگہ کیا اس کی قیمت صدقہ کر سکتے ہیں؟	۲۰۸
کیا قربانی کے دنوں میں غنی اور فقیر دونوں کے لئے صدقہ کرنا ضروری ہے؟	۲۱۲
ایک آدمی کا تمام شہر والوں کی طرف سے قربانی کرنا	۲۱۳
فصل دہم قربانی کے جانوروں کی عمریں	
قربانی کے لئے جانور کے دانت معتبر ہیں یا عمر؟	۲۱۶
دوسرا باب	
چرم قربانی کے مصارف	
کیا قربانی کے بجائے اس کی قیمت دے سکتے ہیں؟	۲۱۸
قربانی کی کھال عیدگاہ اور یتیم خانہ کی تعمیر پر خرچ کرنا کیسا ہے؟	"
قربانی کی کھال کو غیر مصرف میں خرچ کرنے والے گناہ گار ہوں گے	"
قربانی کی کھال بطور اجرت امام کو دینا جائز نہیں	۲۱۹
کیا ہر حصہ دار کھال میں سے اپنا حصہ کاٹ کر لے سکتا ہے؟	۲۲۱

تیسرا باب

مااہل بہ لغیر اللہ

مضمون	صفحہ
چھٹا باب	
ذبیحہ	
فصل اول' اجرت ذبح	

فصل ششم غیر مسلم سے گوشت خریدنا

فصل ہفتم مسلمان کا ذبیحہ

فصل ہشتم تکبیر ذبح

فصل نہم گیابھن کا ذبیحہ

صفحہ	مضمون
	استدراک جواب مذکورہ
۳۵۳	تقسیم ترکہ مناسخہ کی صورت میں
۳۵۴	شوہر بہنوں اور دادی میں تقسیم
"	بیٹی اور بیٹے کو ملنے والی جائیداد کے تین حصے ہوں گے
۳۵۵	بیٹے کے ہوتے ہوئے بھائی محروم ہوگا
"	صرف شوہر اور بھائی وارث ہوں تو میراث نصف نصف تقسیم ہوگی
"	بہن کے معاف کردہ حصہ اس کا شوہر دوبارہ طلب نہیں کر سکتا
۳۵۶	تقسیم ترکہ کی ایک صورت
"	تقسیم ترکہ کی ایک صورت؟
۳۵۷	تقسیم ترکہ کی ایک صورت
"	تقسیم ترکہ کی ایک صورت
	تیسرا باب
	متفرقات
۳۵۸	خاوند کی میراث تقسیم سے پہلے نواسہ کو ہبہ کرنا
۳۵۹	تقسیم ترکہ کی ایک صورت
"	کیا زندگی میں علیحدہ حصہ وصول کرنے والا وفات کے بعد ترکہ میں سے حصہ لے سکتا ہے؟
۳۶۰	نکاح کے ثبوت کے بغیر بیوی اور اس کی اولاد ترکہ کی مستحق نہیں
"	شرعی شہادت سے ثابت ہونے والی بیوی اور اس کی اولاد وراثت کی مستحق ہے
۳۶۳	کیا وصیت کئے ہوئے مال کو موصی لہ کے وارث لے سکتے ہیں؟
"	سوتیلی ماں اور اس کی اولاد کو ذرا دھمکا کر وراثت سے محروم کرنا
۳۶۴	کیا مسلمان کے قادیانی وارث کو ترکہ میں سے حصہ ملے گا؟
۳۶۵	بیٹے کو عاق کر کے میراث سے محروم کرنا ناجائز ہے
"	لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنے کے لئے پیش کئے ہوئے بل کی ضمانت ناجائز ہے
	کتاب الوصیة
	پہلا باب
	صحت وجواز وصیت
۳۶۷	وصیت کی نفاذ کی صورت اور اس پر اجرت کا حکم

صفحہ	مضمون
	تیسرا باب
	ثلث میں وصیت

فہرست عنوانات

کتاب الحظر والاباحۃ

دوسرا باب

عملیات و تعویذات

تیسرا باب

رسوم مروجہ

چھٹا باب
ماکولات و مشروبات

گیارھواں باب
بالوں اور داڑھی کے احکام

سولہواں باب

ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر

اکیسواں باب
متفرقات

کتاب السیاسیات

پہلا باب حقوق مذہبی

فصل اول : شریعت بل

فصل دوم : مسجد شہید گنج

عنوان	صفحہ
فصل دہم: متفرقات	
دین وسیاست لازم وملزوم ہیں	۳۰۴
مسلم لیگ کا صدر	″
مشرقی کی تحریک ''خاکسار'' کے ہم عقیدہ لوگ خارج از اسلام ہیں	″
جیل میں اگر جابر حکام اذان کی اجازت نہ دے تو	۳۰۵
جیل میں اگر پانی پر قدرت نہ ہوتو تیمم کرے	″
جیل میں اگر باجماعت نماز کی اجازت نہ ملے تو	″
بھوک ہڑتال کب تک جائز ہے؟	″
مسلمانوں کو مذہبی تعلیم سے روکنے کا مجاز غیر مسلم ریاست نہیں	″
جو مدرس ریاست کے اس حکم کو تسلیم کرے اس کی امامت جائز نہیں	″
مسلمانوں کو مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی قسم کی اجازت کی ضرورت نہیں	″
ستیارتھ پرکاش نامی کتاب بہتان طرازی تمسخر اور استہزاء کا معجون مرکب ہے	۳۰۶
ستیارتھ پرکاش کا طرز بیان قابل مذمت ہے	۳۰۷
دوسرا باب **غیر مسلموں کے ساتھ معاملات**	
ماتھے پر ''چندن'' یا ''قشقہ'' لگانا	۳۰۸
ہندوؤں کے ساتھ معاملات کا حکم	″
مہورت اور مورتیوں کا جلوس	۳۰۹
کسی غیر مسلم کی درازی عمر کی دعا مانگنا	۳۱۰
اسلام کی توہین آمیز کلمات سے احتراز لازم ہے	۳۱۱
ہندوؤں کی آرتی کی رسم کو قانونی طریق سے روکنے کی کوشش کرنی چاہیے	۳۱۳
مسلمان مسجد میں نماز ہرگز نہ چھوڑیں	″
ایضاً	″
ہندوؤں کا مسلمانوں کی نماز میں شور وشغب کی وجہ سے خلل ڈالنا	۳۱۴
تبلیغ کی خاطر غیر مسلم سے حسن سلوک ضروری ہے	″
بلا ضرورت غیر مسلم یہود ونصاریٰ سے تعلقات قائم رکھنا درست نہیں	″

تیسرا باب

سیاست ملکی و ملی

تتمہ

نوٹ از واصف

متعلقہ کتاب العقائد پہلا باب

کتاب الطہارۃ

صفحہ	عنوان
۴۶۷	زکوۃ کی رقم مسجد میں لگانا جائز نہیں (متعلقہ : زکوۃ چوتھا باب فصل سوم)
"	صدقہ فطر کی مقدار پونے دو سیر گندم ہے (متعلقہ : زکوۃ چھٹا باب)
"	کنٹرول کے حساب سے صدقہ فطر کی قیمت دینا (متعلقہ : زکوۃ والصدقات چھٹا باب)
	کتاب النکاح
"	نکاح میں ایجاب وقبول کے صیغے کیا ہونا چاہئے ہیں (متعلقہ : نکاح پانچواں باب)
	کتاب الحظر والاباحۃ
۴۶۸	گائے بھینس وغیرہ کا نوزائیدہ بچے کے بعد تھن میں جو دودھ (پیوی) ہوتا ہے اس کا کھانا جائز ہے (متعلقہ : حظر والاباحۃ چھٹا باب)
۴۶۹	مصر سے واپسی اور فوٹو کے مسئلے پر لمبی گفتگو (متعلقہ : حظر واباحۃ بیسواں باب)

ابتدائیہ

از شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ، صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمدللّٰہ علی نعمہ الظاھرۃ والباطنۃ قدیماً وحدیثاً والصلاۃ والسلام علی نبیہ ورسولہ محمد وآلہ و صحبہ الذین ساروافی نصرۃ دینہ سیراً حثیثاً و علی اتباعھم الذین ورثوا العلم، والعلماء ورثۃ الانبیاء اکرم بھم وارثاوموروثاً

امابعد:

جس طرح قرآن مجید خدا کی آخری کتاب اور پیغمبر اسلام سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہے اسی طرح اسلام کا پیش کیا ہوا نظام حیات سب سے آخری ابدی اور مکمل دستور ہے، یہ نہ صرف اسلام کا دعویٰ ہے بلکہ ایک طویل تاریخ ہے جو اس کی تصدیق کرتی آرہی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جو بھی انسان کے خود ساختہ نظام ہیں، ان میں قوانین کی تدوین میں موجود اسباب وقتی مسائل اور ذرائع کی رعایت کی جاتی ہے مسائل اور اسباب کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ہمیشہ تبدیلی اور تغیر پیش آتا رہتا ہے اس لئے ان قوانین کا بھی حال یہ ہوتا ہے کہ ایک زمانہ گزرنے کے بعد دوسرے زمانے میں وہ فرسودہ اور بے کار ہو جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف اسلامی قانون میں انسان اور اس کی فطرت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

انسانی فطرت ہمیشہ یکساں رہتی ہے مثلاً: مسرت وغم، آرام وتکلیف، غصہ ورحم، دوستی ودشمنی اور مختلف واقعات پر منفی ومثبت ردعمل کھانے پینے اور معاشرت کی بنیادی ضرورتیں اور اس میں خوب سے خوب تر کی تلاش کا جذبہ، یہ چیزیں ہیں جو ابتدائے آفرینش سے انسان میں ہیں۔ اور جب تک انسان رہے گا اس کی یہ خصوصیات بھی قائم رہیں گی۔ اب فطری بات ہے کہ جس دستور حیات میں مرکزی حیثیت انہی امور کو دی جائے گی وہ خود بھی ابدی اور لافانی ہوگا۔

انسان کی زندگی کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں جس میں اسلام نے اس کی راہنمائی نہ کی ہو، پھر اسلام کے پاس فقہ وقانون کا جو ذخیرہ موجود ہے وہ قانونی دقیقہ سنجی اور ژرف نگاہی، مصالح کی رعایت اور انسانی فطرت سے ہم آہنگی کا شاہکار ہے اور دنیا کے کسی جدید سے جدید قانون کو بھی اس کے مقابلے میں پیش کرنا مشکل ہے۔

فقہائے اسلام نے اپنی بالغ نظری اور بلند نگاہی سے انسانی زندگی کے جزئیات کا اس قدر احاطہ کیا ہے کہ بجا طور پر آج کی اس نئی دنیا میں بھی ایسے کم کم ہی مسائل ملیں گے جن کے لئے فقہ کے اس قدیم ذخیرہ میں کوئی نظیر موجود نہ ہو۔ بالخصوص فقہائے احناف کے یہاں چونکہ فقہ تقدیری کا حصہ زیادہ ہے اس لئے ان کی کتب فقہ میں جامعیت اور وسعت اور بھی زیادہ ہے۔

برصغیر پاک وہند میں ماضی قریب کے زمانہ میں جو فتاویٰ مدون کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی اپنی

خصوصیت اور شان ہے، ''ہر گلے را رنگ و بوئے دیگراست'' کے پیش نظر ہر ایک کا اپنا ایک مقام ہے، لیکن حضرات علماء دیوبند کثر اللہ سوادہم کے فتاویٰ اور تحقیقات کو جو مقام اہل علم و تحقیق کے ہاں حاصل ہے اس کا انکار کوئی صاحب علم و عقل نہیں کر سکتا، آج وہ کونسی لائبریری یا دارالافتاء ہے جو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، امداد الفتاویٰ، فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ خلیلیہ، اور کفایت المفتی وغیرہ سے خالی ہو یا جہاں ان مذکورۃ الصدر کتابوں کو چھوڑ کر کوئی مفتی فتویٰ دے سکتا ہو۔

ان ہی کتب فتاویٰ میں سے ایک ''کفایت المفتی'' ہے جو حضرت اقدس فقیہ ہند ابوحنیفہ ثانی مفتی محمد کفایت اللہ کے نام سے منسوب ہے اس کتاب میں مندرجہ فتاویٰ جات کی سند کے لئے حضرت مفتی صاحب موصوف کا نام ہی کافی ہے۔ آپ کے تحریر کردہ فتاویٰ کی عبارات کی جامعیت اور مانعیت سے وہی شخص واقف ہوگا۔ جس نے ایک طویل زمانہ فقہ و فتاویٰ کی کتب کے کھنگالنے میں صرف کیا ہو اور علم فقہ سے غیر معمولی مناسبت بھی رکھتا ہو، بقول حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کہ مفتی کفایت اللہ صاحب کی تحریروں کا ایک ایک لفظ موزوں اور مناسب ہوتا ہے اور قید احترازی کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے، اس لئے مجھے ان کی کسی تحریر میں کتر و بیونت کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی.......

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو جن خوبیوں سے نوازا ہے ان کا اعتراف وہی شخص کر سکتا ہے جس نے آپ کو دیکھا ہو یا آپ کے علوم کا مطالعہ کیا ہو، تاہم ''کفایت المفتی'' میں مندرج فتاویٰ حضرت مفتی صاحب کی مستقل تصنیف اور تحقیقات نہیں، بلکہ سائلین اور مستفتی حضرات کے سوالات کے جوابات ہیں، اس لئے ان میں قدرے اختصار سے کام لیا گیا ہے مصادر اور مأخذ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اہل علم و دانش کے مزید افادہ کے لئے ''دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی'' کے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی کے اساتذہ اور متخصصین نے بڑی جانفشانی کیساتھ اس کی تخریج کی ہے اور ہر مسئلے کا عنوان قائم کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کو پڑھنے والوں کے لئے نافع، مقبول اور کام کرنے والوں کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے، آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ وصحبہ اجمعین

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ

مختصر سوانح، علمی مآثر و سیاسی کارناموں پر طائرانہ نظر

خاندانی پس منظر

تقریباً تین صدی پہلے جزیرۃ العرب کے جنوبی ساحلی خطہ میں بسنے والے اہل یمن بغرضِ تجارت بادبانی کشتیوں کے ذریعے ہندوستان آتے' بحرین سے موتی خرید کر یہاں لاتے اور تجارتی سامان و مسالہ جات لے کر عرب علاقوں میں فروخت کرتے' ایسی ہی بادبانی کشتی کو ساحل مراد سے پیشتر تند طوفانی موجوں نے آگھیرا، چند ثانیوں بعد یہ سفینہ طوفان کی تاب نہ لاکر شکست و ریخت اور اہل سفینہ دریا برد ہو کر آخرت کو سدھار گئے، کوئی ذی نفس زندہ نہ بچا سوائے اس کمسن بچے کے جو تختہ پر بہتا ہوا ساحل پہنچا بھوپال کا کوئی باشندہ اس کو ساحل سے اپنے ساتھ لے آیا یہ کمسن بچہ جس کا نام شیخ جمال تھا اور جو اس بدنصیب قافلہ کے سردار کا بیٹا تھا، اسی شخص کے زیرِ تربیت اور اسی کے سایہ شفقت میں پرورش پاتا رہا اس خداترس انسان نے اپنے خاندان کی دوشیزہ سے شادی کروا کے شیخ جمال کو اپنی فرزندی میں لے لیا' یہی شیخ جمال مفتی صاحب قدس سرہ کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔

کچھ عرصہ بعد یہ خاندان بھوپال سے نقل مکانی کر کے شاہجہان پور میں آباد ہو گیا اور یہیں بود و باش اختیار کی' یہاں کے محلّہ ''سب زئی'' میں حضرت مفتی صاحبؒ ۱۲۹۲ھ میں پیدا ہوئے اور اسی محلّہ کو آپ کا منشائے طفولیت ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ آپ کے والد بڑے متقی، پرہیزگار، صالح اور صاحب نسبت بزرگ تھے، کثیر العیال تھے، تنگئ معاش کے باوجود بڑی عالی ہمتی و جفاکشی سے نامساعد حالات سے نبرد آزما رہے، اپنے فرزند و جگر گوشہ کے بارے میں بڑے بلند الفاظ میں اظہار فرماتے کہ میں اس کو عالم دین بنانا چاہتا ہوں۔

تعلیم

پانچ برس کی عمر میں حافظ برکت اللہ صاحب کے مکتب میں تعلیم کا آغاز ہوا' قرآن مجید اسی مکتب میں ختم کر کے اردو و فارسی کی ابتدائی تعلیم حافظ نسیم اللہ کے مکتب واقع محلّہ ''درک زئی'' میں حاصل کی' مکتبوں سے فراغت و سیرابی کے بعد محلّہ خلیل شرقی میں مولوی اعزاز حسن خان کے مدرسۂ اعزازیہ میں داخلہ لیا' فارسی ادب کی کتاب ''سکندر نامہ'' اور عربی کی ابتدائی کتب ایک ماہرفن استاذ حافظ بدھن خان کے زیرِ سایہ شروع کیں' اسی مدرسے کے ایک اور استاذ محترم مولانا عبیدالحق خان افغانی جو مولانا لطف اللہ علی گڑھی جیسے شہرۂ آفاق عالم کے شاگرد تھے، کے حضور زانوئے تلمذ طے کئے۔

مولانا عبیداللہ کی نگاہِ جوہر شناس سے آپ کے وہبی کمالات و فطری صلاحیتیں چھپی نہ رہ سکیں، جلد ہی آپ کو اندازہ ہو گیا کہ یہ لڑکا آگے چل کر بڑا نام پیدا کرے گا۔ بنابریں آپ کے والد کو مشورہ دیا کہ صاحبزادہ کو اعلیٰ تعلیم

کے لئے دیوبند بھیج دیں' والدین کو اپنی غربت و تنگ دامنی اور صاحبزادہ کی خردسالی کی وجہ سے تردد ہوا اور وہ اس مشورہ پر رضامند نہ ہوئے' مفتی صاحب اس وقت اپنی عمر کی پندرہ بہاریں دیکھ چکے تھے۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں سلسلہ تعلیم جاری رہے، چنانچہ آپ وہاں داخل ہوئے اور حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھی مرحوم (تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) اور مولانا محمد حسن وغیرہ سے کسب فیض کیا' یہاں دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۱۲ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، اس زمانہ میں دارالعلوم کے مہتم مولانا محمد منیر صاحب اور صدر مدرس شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب تھے۔ دیوبند میں درج ذیل اساتذہ سے تعلیم حاصل کی:

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا حکیم محمد حسن (مولانا محمود حسن کے چھوٹے بھائی)، مولانا منفعت علی مرحوم وغیرہ قیام دیوبند کے زمانہ میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ان کے بھائی مولانا سید احمد فیض آبادی، مولانا عبدالخالق شاہجہانپوری وغیرہ .... حضرت مفتی صاحب کے خصوصی رفقاء میں رہے، اسی طرح دورۂ حدیث کے سال مولانا محمد انور شاہ کشمیری، مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ (شیخ الحدیث مدرسہ عبدالرب دہلی)، مولانا ضیاء الحق اور مولانا امین الدین وغیرہ آپ کے شریک درس رہے۔

فراغت وتدریس

آپ تقریباً ۲۲ برس کی عمر میں ۱۳۱۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر وطن مالوف واپس آ گئے۔ وہاں آپ کے استاذ و مربی اول مولانا عبیدالحق خان صاحب مدرسہ اعزازیہ میں مبتدعین کے غلبہ سے دلبرداشتہ ہو کر ۱۳۱۴ھ میں مدرسہ عین العلم کی بنیاد ڈال چکے تھے، جب آپ شاہجہانپور پہنچے تو انہوں نے آپ کو اپنے مدرسہ میں مدرس مقرر کیا' حضرت مفتی صاحب مدرسہ عین العلم کے تمام انتظامی امور بحسن وخوبی انجام دیتے رہے........ اگرچہ مدرسہ کی مالی حالت روز بروز خراب ہوتی رہی اور اساتذہ کی تنخواہ میں بجائے ترقی، تنزل آتا گیا، لیکن آپ دنیا کے مال ومتاع سے تمام تر استغناء کے ساتھ اپنے استاذ مولانا عبیدالحق خان صاحب کی وفات بتاریخ رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ تک تقریباً پانچ سال پورے انہماک واخلاص کے ساتھ مسند تدریس پر رونق افروز رہے' مدرسہ عین العلم میں آپ سے مستفید ہونے والوں میں مولانا حافظ اعزاز علی (استاذ ادب وفقہ دارالعلوم دیوبند) اور مفتی مہدی حسن (مفتی دارالعلوم دیوبند) سرفہرست ہیں۔

اسی زمانہ میں آپ کے رفیق خاص مولانا امین الدین نے دہلی میں مدرسہ امینیہ کے نام سے ایک درسگاہ قائم کی جس کے صدر مدرس مولانا انور شاہ کشمیریؒ مقرر ہوئے تھے لیکن کچھ خانگی وجوہات اور والد محترم کے اصرار پر آپ کو وطن واپس جانا پڑا۔ ان کے جانے کے بعد مولانا امین الدین کے ایماء پر حضرت مفتی صاحب مدرسہ امینیہ دہلی تشریف لا کر مسند تدریس پر متمکن ہوئے۔ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں مولانا امین الدین کا انتقال ہوا۔ انہی دنوں حضرت شیخ الہندؒ مالٹا سے رہا ہو کر ہندوستان تشریف لے آئے تھے........ انہوں نے اپنی موجودگی میں ۹ شوال ۱۳۲۸ھ میں ایک بڑے جلسے کے حضور آپ کو مدرسہ کا مہتمم بنایا۔

اسی طرح مدرسہ عالیہ فتح پور کے اہتمام کی ذمہ داری بھی آپ کو تفویض کی گئی، جس کے بعد مدرسہ نے حیرت انگیز ترقی کی اور اس کا تعلیمی معیار اس قدر بلند ہوا کہ مولوی فاضل کے امتحان میں اس مدرسہ کے طلبہ ہر سال اول درجہ پر کامیاب ہوتے اور پنجاب یونیورسٹی سے تمغہ حاصل کرتے۔

خانگی زندگی

آپ کی پہلی شادی مدرسہ عین العلم کی تدریس کے دوران ہوئی، اس زوجہ سے ایک لڑکا و ایک لڑکی تولید ہوئے، لیکن بچپن ہی میں فوت ہو گئے، کچھ عرصہ بعد رفیقہ حیات بھی داغ مفارقت دے گئی۔ بعد ازاں دوسرا عقد آپ نے جناب شرف الدین کی صاحبزادی سے کیا، ان سے سات اولادیں ہوئیں (جن میں دو لڑکے دو لڑکیاں بقید حیات رہیں)۔

دھلی میں مدرسہ امینیہ کی تدریس کے ساتھ آپ انجمن ہدایت الاسلام کے دفتر میں بطور محاسب کام کرتے رہے، لیکن کچھ عرصہ بعد آپ نے محض اس وجہ سے ملازمت کو خیر باد کہا کہ بعض غلط و ناجائز حسابات آپ کو لکھنے پڑتے تھے جس کی آپ کی دینی حمیت روادار نہ تھی۔ بعد ازیں ۱۳۲۲ھ میں حافظ زاہد حسن امروہوی کی شرکت میں کتابوں کی تجارت شروع کی، لیکن یہ شرکت بھی زیادہ دن نہ چلی۔ پھر مولوی عبدالغنی دہلوی کے ساتھ شرکت کی، جس کے نتیجہ میں کتب خانہ رحیمیہ قائم ہوا۔ یہ کتب خانہ آپ کی وفات اور اس کے بعد تک قائم رہا۔

دینی خدمات

حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی حیاتِ مستعار اسلام اور اہل اسلام کے لئے وقف کر لی تھی، تشنگان علوم شرعیہ کی سیرابی اور اسلام و مسلمانوں کی خدمت کے لئے آپ نے اپنا عیش و آرام تج دیا، اور اسی کو اپنا مطمح نظر اور ہدف زندگی قرار دیا۔ اسی کے ساتھ آپ نے اپنے فقہی خداداد ذوق کے ذریعے اسلام کی جو خدمت انجام دی وہ رہتی دنیا تک یاد رہے گی، مدرسہ عین العلم کی تدریس کے دوران ہی آپ نے فتویٰ نویسی کا شغل جاری فرما دیا تھا۔ سب سے پہلا فتویٰ جو بہت مدلل و مبسوط تھا اس کو شاہجہانپور کے تمام علماء اور خاص کر آپ کے استاذ مولانا عبیدالحق صاحب نے بہت سراہا۔ دھلی منتقل ہونے کے بعد دہلی کی تمام عدالتوں میں آپ کے فتویٰ کو معتبر سمجھا جانے لگا، اور آپ کی صاف و واضح تحریر سے عدالتوں کو کافی آسانی ہو گئی۔

خود فرماتے تھے کہ حصول تعلیم کے زمانہ میں، میں نے اگر چہ بہت کم محنت کی، مگر افتاء کے معاملہ میں بڑی احتیاط و حزم سے کام لیا کرتا تھا۔

فرقِ باطلہ کا تعاقب

حضرت مفتی صاحب اسلام بالخصوص دیوبندی مکتبۂ فکر کے عظیم ترجمان تھے اسلامی عقائد کا دفاع اور مسلمانوں کو فرقِ باطلہ کے مکر و خداع سے بچانا نہ صرف آپ کا نصب العین بلکہ مقصد حیات تھا۔ تحریک خلافت کے

خاتمہ کے بعد ۱۹۲۲ء میں جب سوامی شردھانند نے شدھی کی تحریک شروع کی اور ہزاروں مسلمانوں کو مرتد بنایا تو آپ نے بحیثیت صدر جمعیت علماء ہند اس کی روک تھام کے لئے کوششیں شروع کیں، تبلیغی وفود بھیجے گئے اور جلسے جلوس کے ذریعے رائے عامہ کو منظم و بیدار کیا گیا' آپ نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خود بھی ایک وفد لے کر بمقام اچھنیر پہنچے اور وہاں کے مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچایا۔

ردِ عیسائیت

شدھی تحریک کی طرح آپ نے دوسری باطل تحریکوں اور فتنوں کی سرکوبی میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا' عیسائی مشنیریاں جو حکومت کی سرپرستی میں پورے ملک خاص کر مسلمانوں کو مرتد بنانا چاہتی تھیں حضرت مفتی صاحب نے ان کا مقابلہ کر کے نہ صرف پسپائی پر مجبور کیا بلکہ انہیں ملک بدر ہونا پڑا' مدرسہ عین العلم میں آپ درس و تدریس کے ساتھ عیسائیوں سے مناظرہ کرنے سے بھی نہ چوکتے تھے' مولانا اعزاز علیؒ اس زمانے کے ایک مناظرہ کا حال اس طرح بیان فرماتے ہیں:

> ''میں حضرت مفتی صاحب سے شاہجہانپور میں سکندر نامہ پڑھتا تھا کہ معلوم ہوا کہ سبزی منڈی میں عیسائیوں نے اسلام اور داعی اسلام کے خلاف ہفوات بکنا شروع کر دیا ہے، حضرت مفتی اعظمؒ اپنے ایک شاگرد کو لے کر مجمع میں جا گھسے اور ان بدزبانوں پر اعتراضات شروع کر دیئے، اول تو وہ یہ سمجھے کہ کوئی ناواقف بول رہا ہے۔ مگر اعتراضات کی اہمیت نے بتایا کہ معترض کوئی معمولی آدمی نہیں تو مناظرہ سے انکار کر کے گانا شروع کر دیا۔ حضرتؒ نے تقریباً دس قدم کے فاصلہ پر کھڑے ہو کر ان اعتراضات کا جواب دیا اور انکے مسلّمات ہی سے ان پر اعتراضات شروع کر دیئے۔ ہفتہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا پھر ختم ہو گیا اور اس طرح ختم ہوا کہ عیسائیوں کی تقریر میں بجز میرے (کہ میں یادداشت مرتب کرنے کی غرض سے جایا کرتا تھا) سوا کوئی ایک متنفس بھی ان کے پاس نہ جایا کرتا تھا''

انگریزی سامراج نے برصغیر میں اپنی حکومت کی زندگی بڑھانے اور عیسائیت کی نشر و اشاعت کے لئے ان تحریکوں ہی کا سہارا نہیں لیا بلکہ بعض ایسے قانونی اقدامات بھی کئے جو اس کی پالیسی میں مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ ساردا ایکٹ ۱۹۲۹ء مخلوط شادیوں کا ایکٹ ایسے قانون مثال میں پیش کئے جا سکتے ہیں' حضرت مفتی اعظمؒ نے اس قانون کی مخالفت اور مسلمانوں کے دین و ایمان کے تحفظ کے لئے ۱۹۲۹ء میں ''مجلس تحفظ ناموس شریعت'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی اور عام ایجی ٹیشن اور قانون شکنی کا اعلان کیا، خود بھی اس قانون شکنی میں شریک ہوئے۔ ''ساردا بل'' پر آپ کی معرکۃ الآرا تنقید کو اہل علم حلقوں میں زبردست پذیرائی حاصل ہوئی اور آپ کی یہ تحریک پورے طور کامیاب ہوئی۔

ردِ قادیانیت

آپؒ قادیانیوں کا تعاقب کر کے ان کے حقیقی چہرہ کو دنیا کے سامنے پیش کرنے اور ان کے بے بنیاد مذہب

کی حقیقت اور پس پردہ کارفرما عناصر کے مقاصد کو مسلمانوں پر واضح کرنے میں بھی پیش پیش رہے۔ چنانچہ شاہجہانپور میں ایک تاجر حاجی عبدالقدیر، حافظ سید علی اور حافظ مختار احمد کے ذریعے فتنۂ قادیانیت نے ہاتھ پیر پھیلانے شروع کیے تو مولوی محمد اکرام اللہ خان مرحوم نے ان کے رد میں مضامین لکھے' حضرت مفتی صاحب نے اس کو ناکافی سمجھ کر خود ایک رسالہ ''البرہان'' جاری کیا جس کے مدیر آپ خود تھے۔ اس کا پہلا شمارہ شعبان ۱۳۲۱ھ میں شائع ہوا اور غالباً اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ آپ نے دھلی میں اقامت طے نہ فرمائی۔ اس رسالے میں قادیانیوں کے عقائد باطلہ کی زبردست تردید ہوتی تھی۔

فتویٰ نویسی

پہلے بتایا جا چکا کہ مفتی صاحب نے شاجہان پور کے زمانے سے ہی فتویٰ نویسی کا کام شروع فرمایا تھا اور یہ سلسلہ دھلی میں بھی جاری رہا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً پچاس سال کے عرصے میں آپ نے لاکھوں فتاویٰ کے جوابات دیئے' اس طرح آپ کے فتاویٰ کا عظیم الشان ذخیرہ، جزئیات فقہ اسلامی کا لازوال خزانہ اور فقہ اسلامی میں بیش بہا اضافہ ہے۔

فتویٰ نویسی کیلئے آپ ہر وقت مصروف رہتے، عام طور پر تدریس سے فارغ ہونے کے بعد دوپہر کے کھانے سے پہلے ضروری مسائل کے جوابات تحریر فرمایا کرتے، لیکن اگر کوئی وقت مقررہ سے پہلے بھی آتا تو اسی وقت اپنا کام چھوڑ کر پہلے جواب تحریر فرما کر سائل کو رخصت فرماتے' ایسا بھی ہوا کہ آپ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ کوئی مسئلہ دریافت کرنے آیا تو آپ کھانا چھوڑ کر فتویٰ نویسی میں مشغول ہو گئے' کوئی اگر بازار میں مسئلہ آپ کے پاس آتا تو وہیں کسی کونے میں بیٹھ کر جواب تحریر فرماتے' آپ کے جوابات پر تمام علماء اور آپ کے اساتذہ کو کامل اعتماد تھا' چنانچہ جب انگریزوں سے ترک موالات کے زمانے میں لوگوں نے حضرت شیخ الہندؒ سے فتویٰ طلب کیا تو آپ نے اس مسئلہ میں فتویٰ دینے کے لئے جن تین حضرات کے نام تجویز کئے ان میں حضرت مفتی صاحب کا نام گرامی سرفہرست تھا' حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کی یہ خصوصیت تھی کہ نہایت مختصر مگر مدلل اور عبارت واضح ہوتی کہ ہر ایک اس کو سمجھ سکے' اسی وجہ سے آپ کے فتاویٰ علماء عوام اور عدالتوں میں یکساں مشہور اور مقبول تھے۔

تصانیف

حضرت مفتی صاحب کے اوقات بہت مصروف رہتے، تدریسی اور سیاسی سرگرمیاں، فتویٰ نویسی کا کام، مختلف اداروں کی سرپرستی کی وجہ سے ہر وقت مشاغل میں گھرے رہتے، بایں ہمہ تصنیف و تالیف کے لئے وقت نکالنا بہت مشکل تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے اس میدان کو بھی خالی نہ چھوڑا۔ آپ کی مشہور و معروف تالیف ''تعلیم الاسلام'' ہے جو آپ نے بچوں کے لئے سوال و جواب کی شکل میں تحریر فرمائی مگر حقیقت یہ ہے کہ بڑے بھی اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔

یہ کتاب نہایت ضروری اسلامی عقائد اور اعمال پر مشتمل اور پاک و ہند کے اسلامی مدارس میں داخل نصاب

ہے۔ اس کے کئی زبانوں میں ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔ اور آج تک لاکھوں کی تعداد میں اس کے نسخے مفید عام و خاص ہو رہے ہیں۔

آپ کے جمع شدہ فتاویٰ بھی دنیائے تصنیف و تالیف کے آسمان کا روشن ستارہ ہیں' اس کے علاوہ آپ نے اپنے استاد حضرت شیخ الہندؒ کے حالات پر مشتمل ایک رسالہ تحریر فرمایا:

دوسرا رسالہ ''مسلمانوں کے مذہبی و قومی اغراض کی حفاظت کے عنوان سے ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا' اس طرح مختلف مجلات میں خصوصاً ماہنامہ ''البرہان'' میں شائع شدہ آپ کے مضامین و مقالات اور خطبات و مکتوبات کا بہت بڑا ذخیرہ بھی موجود ہے۔

سیاسی خدمات

چمنستان قاسمؒ و رشیدؒ سے حضرت مفتی صاحب صرف درس و تدریس اور علوم دینیہ کے چند پھول لے کر نہیں نکلے تھے، بلکہ آپ بہت بہترین مدرس اور بے مثال مفتی ہونے کے علاوہ بحر سیاست کے تجربہ کار شناور اور اس کے طوفانوں اور طغیانیوں سے نبرد آزما ہونے کا تجربہ کامل رکھتے تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا وہ تاریخی جملہ آج بھی مسلّم ہے:

''جب آپ کے کسی شاگرد نے ہر سیاسی مسئلہ کے بارے میں مفتی صاحب سے مشورہ کرنے کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا، بیشک تم لوگ سیاستداں ہو لیکن مولوی کفایت اللہ کا دماغ سیاست ساز ہے''۔

حضرت شیخ الہندؒ کی گرفتاری کے بعد ہندوستان کی سیاست کا رخ بدلنا شروع ہوا۔

جب کانگریس اور مسلم لیگ کا سمجھوتہ ''میثاق لکھنؤ'' کے نام سے شائع ہوا تو جماعت علماء میں سے سب سے پہلے حضرت مفتی صاحب کی نگاہِ دور اندیش نے اس کی خامیوں اور مضرات کا اندازہ لگایا اور مسلمانوں کو اس سے آگاہ کیا' جس کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں نے اس سمجھوتہ کو نا قابل قبول گردانا' علماء یہ خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ اگر قومی و ملّی نقطہ نظر سے مسلمانوں کو صحیح رہنمائی نہ کی گئی تو آئندہ چل کر اس سے مزید غلطیاں سرزد ہونے کا قوی امکان ہے' چنانچہ ۱۹۱۹ء میں جمعیت علماء ہند کا قیام عمل میں آیا اور تمام ہندوستان کے علماء نے متفقہ طور پر آپ کو صدر منتخب کیا۔

جمعیۃ کا سب سے پہلا دفتر مدرسہ امینیہ دہلی میں آپ کے کمرہ میں قائم ہوا' کوئی محرر اور خادم نہیں تھا، بلکہ آپ خود اور مولانا احمد سعید صاحب (ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند) اپنے ہاتھوں سے تمام کام کیا کرتے تھے۔

آپ کے بلند اخلاق اور پاکیزہ کردار اور مضبوط و محکم عزم و ارادہ کا نتیجہ تھا کہ مختلف الخیال علماء جو ہمیشہ جزوی مسائل میں الجھے رہتے تھے ایک جگہ جمع ہو کر مستقبل کے بارے میں سوچنے لگے۔

جمعیۃ علماء کی آپ نے اپنے ہاتھوں سے پرورش کی اور اپنی محنت و جانفشانی سے پروان چڑھایا۔

تقریباً ۲۰ برس آپ جمعیۃ علماء کے صدر رہے مگر تواضع و انکساری کا عالم یہ تھا کہ اس طویل عرصہ میں کبھی

سالانہ کانفرس کی صدارت نہیں فرمائی۔

قومی کاموں میں حتی الامکان اپنی جیب سے خرچ کرتے تھے۔

جمعیۃ علماء کے اجلاس پشاور ۱۹۲۸ء میں آپ کے صاحبزادے آپ کے ساتھ تھے استقبالیہ کمیٹی کے بے حد اصرار کے باوجود آپ نے صاحبزادے کا سفر خرچ لینے سے یہ فرما کر انکار کیا کہ یہ صدر کا بچہ ضرور ہے مگر جمعیۃ کا رکن نہیں ہے اس کا سفر خرچ لینے کا مجھے کوئی حق نہیں۔

۱۹۳۰ء کی تحریک سول نافرمانی میں آپ کو بے انتہا باغیانہ اور خطرناک تقریریں کرنے کے جرم میں ۱۱/۱۱ اکتوبر ۱۹۳۰ مطابق ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۹ھ کو اپنے دولت خانہ واقع کوچہ چیلان سے رات چار بجے گرفتار کیا گیا۔ چھ ماہ قید با مشقت کی سزا سنائی گئی اور اے کلاس دی گئی۔

کچھ دن دہلی جیل میں رہے اس کے بعد گجرات جیل میں منتقل کر دیا گیا جہاں ڈاکٹر احمد انصاری، مولانا احمد سعید دہلوی۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی وغیرہ آپ کے ساتھ رہے۔

دوسری گول میز کانفرس (۱۹۳۱ء) کی ناکامی کے بعد دوبارہ سول نافرمانی شروع ہوگئی اس موقعہ پر جمعیۃ علماء ہند نے سول نافرمانی کی تحریک کا سب سے پہلا ڈکٹیٹر مفتی صاحب کو مقرر کیا۔ اور دفعہ ۱۱۴ کی خلاف ورزی کے لئے ۱۱ مارچ ۱۹۳۲ بروز جمعہ جمعیۃ علماء کی طرف سے جلسہ وجلوس کا اعلان کیا گیا۔

مفتی صاحب جب اسٹیج پر کھڑے ہو کر اپنا طوفانی بیان پڑھنا چاہتے تھے تو پولیس نے بے تحاشہ لاٹھی چارج شروع کر دیا اور نہتے عوام کو بری طرح زدوکوب کیا جب عوام منتشر ہو گئے تو آپ کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا جیل میں عدالت قائم کی گئی اور آپ کو اٹھارہ ماہ قید با مشقت کی سزا دی گی پھر آپ کو نیو سنٹرل جیل ملتان میں رکھا گیا۔ وہاں مولانا احمد سعید دہلوی مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، ڈاکٹر انصاری وغیرہ ساتھ تھے جیل اور قید و بند کی صعوبتیں بھی آپ کے راستہ میں رکاوٹ نہ بن سکی چنانچہ آپ نے جیل ہی میں ایک طرف سے تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا چنانچہ مولانا احمد سعید دہلوی لکھتے ہیں کہ فتح الباری شرح بخاری کا آخری پارہ میں نے حضرت مفتی صاحب سے گجرات جیل میں سراجی اور دیوان حماسہ ملتان جیل میں پڑھا اور دوسری طرف جیل میں موجود ہندوستان کے چند حضرات سے سیاسی گفتگو اور آئندہ کا پروگرام طے فرمایا۔

مولانا احمد سعید مزید لکھتے ہیں کہ قیدیوں کے پھٹے ہوئے کپڑے عام طور پر مفتی صاحب سیا کرتے تھے اور قیدیوں سے کام لینے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ بھی ہماری طرح کے قیدی ہیں ان سے ہم خدمت کس طرح لے سکتے ہیں۔

مؤتمر حجاز

جب سلطان ابن سعود نے حجاز مقدس میں شریف مکہ کی حکومت ختم کر دی تو دنیا اسلام کا ایک نمائندہ اجتماع منعقد کرنے کی تجویز پیش ہوئی اسی کے مطابق ایک مؤتمر عالم اسلامی مورخہ ۲۶ ذی القعدہ ۱۳۴۴ مطابق ۱۹۲۶ء کو

شریف عدنان کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں عام اسلامی ممالک کے منتخب وفود شریک ہوئے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے جو وفد بھیجا گیا اس کے صدر حضرت مفتی صاحب تھے اس عظیم الشان بین الاقوامی کانفرنس میں ہند، مصر، فلسطین، جاوا، بیروت، شام، سوڈان، نجد، حجاز، روس، ترکمانستان، افغانستان اور دیگر ممالک کے وفود نے شرکت کی، مؤتمر عالم اسلامی کی سبجکٹ کمیٹی میں چھ افراد کو شامل کیا گیا جن میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب بھی شامل تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے مؤتمر اسلامی میں مرکزی کردار کے ساتھ کام کیا آپ نے حجاز کے علماء اور خود سلطان ابن سعود سے سرزمین حجاز کے انتظامی امور کے متعلق کئی اصلاحی تجاویز منظور کرائیں آپ نے حجاز میں تمام مذاہب فقہیہ اور وفود کے آزادئ خیال وعمل کا مطالبہ کیا اور حجاز میں بردہ فروشی کے غیر شرعی رواج کے انسداد کی تجاویز پیش کیں ان کے علاوہ بعض دیگر اصلاحی تجاویز پیش کیں اور اپنی خداداد قوت استدلال سے منظور کرائیں۔

مصر کی مؤتمر فلسطین

جب برطانیہ نے فلسطین کو تقسیم کیا اور ایک حصہ میں یہودیوں کی حکومت قائم کر دی تو فلسطین کے عربوں میں سخت بے چینی اور اضطراب پیدا ہو گیا اس لئے انہوں نے برطانیہ کے خلاف سخت تحریک چلائی جسے حکومت برطانیہ نے تشدد آمیز انداز میں ختم کرنے کی کوشش کی حضرت مفتی صاحب نے جمعیت علماء ہند کے زیر نگرانی مجلس تحفظ فلسطین قائم کی اور فلسطین کے مظلوموں کے لئے چندہ جمع کیا تقسیم فلسطین کے خلاف ۲۶ اگست ۱۹۳۸ء کو یوم فلسطین منایا گیا اس کے بعد قاہرہ میں عالم اسلام کی نمائندہ ایک کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز پیش ہوئی اور مورخہ ۷ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو قاہرہ میں جناب علی علویہ پاشا کی صدارت میں یہ مؤتمر فلسطین منعقد ہوئی جس میں عالم اسلام کے تقریباً ساڑھے تین ہزار نمائندے شریک ہوئے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے جو وفد بھیجا گیا اس کے صدر حضرت مفتی صاحب تھے قاہرہ پہنچنے پر حضرت مفتی صاحب کا بہت شاندار اور مثالی استقبال کیا گیا مفتی اکبر زندہ باد ہندی وفد زندہ باد کے فلک شگاف نعروں کے ساتھ ایک عظیم الشان جلوس کی شکل میں آپ کو قیام گاہ تک لے جایا گیا۔ ۷ا اکتوبر ۱۹۳۸ کو شام کے پانچ بجے مؤتمر شروع ہوئی اتنے بڑے اجلاس میں یہ شرف آپ کے حصے میں آیا کہ صدر کے دائیں جانب کی کرسی آپ کے لئے مخصوص کی گئی سبجکٹ کمیٹی میں آپ کا نام سب سے پہلے رکھا گیا لیکن حضرت مفتی صاحب کی بیماری جو دوران سفر شروع ہوئی مصر پہنچ کر شدت اختیار کر گئی اور آپ شدید بیماری میں مبتلا رہے اس لئے خود مؤتمر میں شریک نہ ہو سکے اس لئے مولانا عبدالحق مدنی نے مؤتمر میں آپ کا بیان پڑھا اور آپ کی نمائندگی کی۔

جاہ و جمال سے لوح خاک تک، حضرت مفتی صاحب نے اپنی زندگی خدمت دین اور مذہب و وطن کی آزادی کے لئے وقف فرمائی تھی تاکہ اہل اسلام اس خطہ زمین میں سکون واطمینان کے ساتھ تمام احکام شرعیہ کے مطابق زندگی بسر کر سکیں، لیکن یہ مجاہدین ملت اور شہیدان وطن کا خواب تھا جو آزادی کے بعد بھی پورا نہ ہوا اپنی

زندگی میں انہوں نے حصول مقصود کے لئے بڑی بڑی کٹھن منزلیں طے کیں، بڑی بڑی آفتیں جھیلیں، لیکن اس دنیائے کون وفساد سے کوچ کرنے سے پہلے خود اپنی آنکھوں سے اپنی آرزوؤں کا خون ہوتے ہوئے بھی دیکھ گئے یہ جگر کا ناسور وہ اپنے ساتھ لے گئے زندگی میں اس کو بہتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا آپ تقریباً دس برس سے گوشہ نشیں اور ہر قسم کی سیاسی سرگرمی سے دستبردار ہو گئے تھے الہ آباد کے ہندو اخبار "امرت بتر یکا" نے جب رحمۃ للعالمین کی شان میں گستاخی کی اور اس کے خلاف احتجاج کے طور پر ۱۴/۱۱ اگست ۱۹۵۲ کو جامع مسجد شاہ جہانی کے سامنے جمعیۃ علماء کے اہتمام سے بہت بڑا عظیم الشان جلسہ ہوا اس کی صدارت آپ نے ہی فرمائی یہ دس برس گوشہ نشینی کے بعد پہلی اور آخری صدارت تھی اسی وقت سے آپ کی صحت گرنے لگی آپ ہر وقت اداس اور ملول رہنے لگے ایک دن آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ ہم کو اپنی زندگی میں کیا کیا دیکھنا تھا کسی کو کیا خبر تھی کہ ملت اسلامیہ کے اس بوڑھے سپاہ سالار کے دل پر کیا گزر رہی ہے، آدھی صدی دینی و سیاسی جدوجہد میں گزار کر بوڑھا شہسوار زمانہ کی ناسازگاری سے تھک چکا تھا اب اسکو نیند و آرام کی ضرورت تھی۔

وفات

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت کا ایک جھونکا آیا اور ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء رات کو ساڑھے دس بجے اور نئے عیسوی سال کی آمد سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے اس پیکر اخلاص و وفا کو ابدی نیند آ گئی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یکم جنوری ۱۹۵۳ ستر کروڑ مسلمانوں کے مذہبی پیشوا کی خبر وفات جونہی شہر میں پھیلی ہر طرف سناٹا چھا گیا، شہر کے تمام مسلم علاقوں میں کاروبار بند ہو گئے نماز فجر کے بعد ہی مفتی صاحب کے مکان کے باہر لوگوں کا ہجوم ہو گیا سات بجے زیارت کے لئے چہرہ مبارک سے کفن ہٹا دیا گیا اور لوگ تقریباً پانچ گھنٹے تک مسلسل قطار لگا کر زیارت کرتے گئے یہ طے کیا گیا کہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نماز جنازہ پڑھائیں گے مگر وہ وقت پر دہلی نہ پہنچ سکے اس لئے حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں ایک لاکھ آدمی شریک ہوئے اس کے بعد جنازہ "مہرولی" لیجایا گیا اس وقت شیخ الاسلام مولانا مدنی، مولانا قاری محمد طیب، حضرت مولانا اعزاز علی اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی بھی پہنچ گئے اور آخری دیدار کے لئے تشریف لائے اس کے بعد مولانا احمد سعید اور مولوی حفیظ الرحمن واصف نے (حضرت مولانا کے بڑے صاحبزادے) قبر میں اتر کر میت کو لحد میں رکھا، تقریباً مغرب کے وقت ہزاروں انسان اپنی اس جلیل القدر اور گراں مایہ دولت کو سپرد خاک کر کے واپس ہوئے۔

ہو گیا گل آہ دہلی کا چراغ

۱۳۷۲ھ

کے جملہ سے نکلتی ہے تاریخ وفات اور یہی مادہ تاریخ لوح مزار پر مرقوم ہے۔

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین حمد الشاکرین، والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ و تابعیھم باحسان الٰی یوم الدین۔

امابعد:

فتویٰ کی لغوی تعریف

لفظ "فتویٰ" فاء کے فتحہ کیساتھ بھی منقول ہے اور فاء کے ضمہ کے ساتھ بھی لیکن صحیح فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں: کسی بھی سوال کا جواب دینا، چاہے وہ کوئی شرعی سوال ہو یا غیر شرعی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"یَآ اَیُّھَا الْمَلَأُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُؤْیَایَ اِنْ کُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ" (سورۂ یوسف ۱۲:۴۳)

ترجمہ: "اے دربار والو تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب کی اگر ہو تم خواب کی تعبیر بتانے والے۔

"یُوْسُفُ اَیُّھَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ" (سورۂ یوسف ۱۲:۴۶)

"اے یوسف! اے سچے! حکم دے ہم کو اس خواب میں سات گائیں موٹی۔

"قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیَانِ" (سورۂ یوسف ۱۲:۴۱)

"فیصل ہوا وہ کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے۔

"یَآ اَیُّھَا الْمَلَأُ اَفْتُوْنِیْ فِیْٓ اَمْرِیْ" (سورۃ النمل ۲۷:۳۲)

اے دربار والو مشورہ دو مجھ کو میرے کام میں۔

مذکورہ بالا آیتوں میں لفظ فتویٰ مطلق جواب حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے کوئی شرعی حکم دریافت کرنے کے لئے نہیں۔

لیکن بعد میں لفظ "فتویٰ" شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے خاص کیا گیا یعنی شرعی مسئلہ پوچھنے کو فتوی کہا گیا اور قرآن کریم میں بھی اسی معنی کے لئے استعمال کیا گیا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ فِیْھِنَّ" (سورۃ النساء ۴:۱۲۷)

اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کے نکاح کی کہہ دو اللہ تم کو اجازت دیتا ہے۔

یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَةِ (سورۃ النساء ۴:۱۷۶)

حکم پوچھتے ہیں تجھ سے سو کہہ دے اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا۔

احادیث مبارکہ میں بھی لفظ "فتویٰ" شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

"اجرؤ کم علی الفتیا أجرؤ کم علی النار"
(اخرجه الدارمی فی سننه : ۱/۱۵۷)
"الاثم ما حاک فی صدرک و ان افتاک الناس و افتوک"

اصطلاحی تعریف:

الاخبار بحکم اللّٰہ تعالیٰ عن مسئلة دینیة بمقتضی الادلة الشرعیة لمن سائل عنه فی امر نازل علی جهة العموم و الشمول لاعلی وجه الالزام. (المصباح ص ۱۶)

فتویٰ کا تاریخی پس منظر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فتوی

رسالت کے زمانہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود مفتی الثقلین تھے اور منصب افتاء پر فائز تھے، وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتوی دیا کرتے تھے، اور آپ کے فتاویٰ جوامع الکلم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فتاویٰ (یعنی احادیث) اسلام کا دوسرا ماخذ ہیں، ہر مسلمان کے لئے ان پر عمل کرنا ضروری ہے اور سرِ مو کسی کو انحراف کرنے کی گنجائش نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

مَآ اٰتَا کُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَا کُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ (الحشر ۵۹:۷)

ترجمہ: رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْئٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ

ترجمہ: پھر اگر کسی امر میں باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالہ کر دیا کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد زریں میں کوئی دوسرا فتویٰ دینے والا نہیں تھا، ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کو دور دراز علاقوں کے لئے کبھی کبھی مفتی بنا کر بھیج دیتے، تو وہ منصب قضاء وافتاء پر فائز ہوتے اور لوگوں کی صحیح رہنمائی فرماتے' جیسے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف قاضی بنا کر روانہ فرمایا اور آپ ﷺ نے ان کو قرآن، حدیث اور قیاس واجتہاد کے ذریعے سے فتوٰی دینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فتاوی کے ذریعے سے مسلمانوں کی ہر چیز میں یعنی عبادات میں معاملات، اخلاقیات وآداب، معاشرت سب چیزوں میں صحیح رہنمائی فرمائی، ہر بات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ وارشادات موجود ہیں اور مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔

صحابہ کرام کے دور میں فتویٰ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دار فانی سے رخصت ہونے کے بعد فتوٰی کے کام اور ذمہ داری کو صحابہ کرام نے سنبھالا اور احسن طریقے سے انجام دیا، حضرات صحابہ کرام میں سے جو فتوی دیا کرتے تھے ان کی تعداد

ایک سو تیس سے کچھ زائد تھی، جن میں مرد بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی۔

البتہ زیادہ فتویٰ دینے والے سات تھے جن کے نام یہ ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ان کے علاوہ وہ صحابہ کرام جو ان سے کم فتویٰ دیا کرتے تھے ان کی تعداد بھی بہت ہے ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہے:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت ام سلمہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو سعید خدری، حضرت عثمان بن عفان، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سلمان فارسی، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابوبکرہ، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

تابعین کے دور میں فتویٰ

تعلیم وتربیت اور فقہ وفتویٰ کا سلسلہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد کہیں جا کر رکا نہیں، بلکہ اس ذمہ داری کو حضرات صحابہ کرام کے شاگردوں نے احسن طریقے سے سنبھالا اور دل وجان سے اس کی حفاظت کر کے آنے والی نسل تک کماحقہ پہنچایا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور مبارک میں بفضل خداوندی بہت فتوحات حاصل ہوئیں، اس وجہ سے حضرات تابعین مختلف بلاد اسلامیہ میں دین متین کی خدمت سرانجام دے رہے تھے۔

اکثر بلاد اسلامیہ میں ایسے لوگ مقرر تھے جو لوگوں کی رہنمائی کرتے، مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن المسیب، ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عروۃ بن الزبیر، حضرت عبیداللہ، حضرت قاسم بن محمد، حضرت سلیمان بن یسار اور حضرت خارجہ بن زید، انہی کو فقہاء سبعہ بھی کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کی جگہ ابوبکر بن الحارث بن ہشام کا تذکرہ کیا ہے ان کے اسماء کو کسی شاعر نے شعر میں جمع کیا ہے:

"الا کل من لایقتدی بائمة، فقسمته ضیزیٰ عن الحق خارجه
فخذهم عبید اللّٰه عروة قاسم، سعید ابوبکر سلیمان خارجة"

مکہ مکرمہ میں عطا بن ابی رباح، علی بن ابی طلحہ اور عبدالملک بن جریج یہ کام کیا کرتے تھے۔

کوفہ میں ابراہیم نخعی ابن ابی سلیمان، عامر بن شراحیل شعبی، علقمہ، سعید اور مرہ ہمدانی، بصرہ میں حضرت حسن بصری، یمن میں طاؤس بن کیسان اور شام میں حضرت مکحول، ابوادریس الخولانی، شراحیل بن السمط عبداللہ بن ابی

زکریا الخزاعی، قبیصہ بن ابی ذوئیب الخزاعی، عبد بن امیہ، سلیمان بن الحبیب المحاربی، حارث بن عمیر الزبیدی، خالد بن معدان، عبدالرحمٰن بن غنم الاشعری، جبیر بن نفیر، عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر، عمر بن عبدالعزیز اور رجاء بن حیوۃ اس کام میں مصروف تھے۔

ان کے اکثر فتاویٰ جات، مؤطات، سنن، اور مسندات وغیرہ میں موجود ہیں۔

امام ابوحنیفہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تابعین میں سے ہیں، آپ کی پیدائش کے وقت بہت صحابہ کرام کوفہ میں موجود تھے، اور وہ حضرات صحابہؓ ام یہ ہیں: حضرت ابن نفیل، حضرت واثلہ، حضرت عبداللہ بن عامر، حضرت ابن ابی اوفیٰ، حضرت عتبہ، حضرت مقداد، حضرت ابن بسر، حضرت سہل بن سعد، حضرت انس، حضرت عبدالرحمٰن ابن یزید، حضرت محمود بن لبید، حضرت محمود بن الربیع، حضرت ابوامامہ، حضرت ابوالطفیل، حضرت عمرو بن حریث، حضرت عمرو بن سلمہ، حضرت ابن عباس، حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنا اجمعین۔

(ردالمحتار بمقدمہ، ج ۱ ص ۱۴۹، ۱۵۰، طبع جدید بیروت)

آٹھ صحابہ کرام سے آپ نے روایت نقل کی ہے اور وہ یہ ہیں:

حضرت انس، حضرت جابر، حضرت ابی اوفیٰ، حضرت عامر، حضرت ابن انیس، حضرت واثلہ، حضرت ابن جزؒ، حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعنہم اجمعین۔

علامہ شمس الدین محمد ابوالنصر بن عرب شاہ الانصاری الحنفی نے اپنی کتاب ''جواہر العقائد ودر القلائد'' میں ان صحابہ کرام کے نام کو شعر میں بیان فرمایا ہے جن سے امام صاحب نے روایت کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

معتقدا مذهب عظیم الشان،	ابی حنیفة الفتی النعمان
التابعی سابق الأ ئمة،	بالعلم والدین سراج الامة
جمعامن اصحاب النبی ادرکا	اثرهم قداقتفی ومسلکا
طریقه واضحة المنهاج،	سالمة من الضلال الداجی
وقدروی عن انس و جابر،	وابن ابی اوفی کذاعن عامر
اعنی اباالطفیل ذا ابن واثلة،	وابن انیس الفتی و واثلة
عن ابن جز قدروی الامام،	بنت عجرد هی التمام
رضی الله الکریم دائماً،	عنهم و عن کل الصحاب العظما

(الدر المختار، مقدمہ ص ۱۵۰، ۱۵۲)

کچھ اور بھی صحابہ ہیں جن سے امام صاحب کی روایت منقول ہے اور وہ درج ذیل ہیں

حضرت سہل بن سعد، حضرت سائب بن یزید بن سعید، حضرت عبداللہ بن بسر، حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

”وزاد (ای ابن الحجر الهیثمی) علی من ذکر هنا ممن روی عنهم الامام فقال: منهم سهل بن سعد ووفاته: سنة ۸۸ وقیل بعد ها، ومنهم السائب بن یزید بن سعید، ووفاته سنة احدی او اثنتین او اربع و تسعین، ومنهم عبداللّٰہ بن بسر ووفاته سنه ۹۶، ومنهم محمود بن الربیع ووفاته ۹۹“(رد المحتار، مقدمه، ج ۱، ص ۱۵۲)

استنباط مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا طریقہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ استنباط مسائل میں حد درجہ احتیاط فرماتے تھے آپ زمانے کے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت جمع کرتے اور اس جماعت میں ہر فن کے ماہر شریک ہوتے تھے جو اپنے علم وفن میں کامل دسترس رکھنے کے ساتھ خداترسی وفرض شناسی اور دیگر اوصاف حمیدہ کے ساتھ متصف تھے خود امام صاحب اس جماعت کے صدر کی حیثیت رکھتے، کوئی مشکل مسئلہ پیش آجاتا تو سب ملکر بحث ومباحثہ اور غور وخوض کرتے تھے، جب سب علماء کسی مسئلے پر متفق ہو جاتے تو امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف کو فرماتے کہ اس کو فلاں باب میں داخل کرو۔

”روی الامام ابوجعفر الشیرابازی عن شقیق البلخی انه کان یقول: کان الامام ابوحنیفة من اورع الناس وأعبدالناس، اکرم الناس، اکثرهم احتیاطاً فی الدین، وابعدهم عن القول بالرای فی دین اللّٰہ عزوجل، وکان لایضع مسئلةً فی العلم حتی یجمع اصحابه علیها ویعقد علیهامجلساً. فاذا اتفق اصحابه کلهم علی موافقتها للشریعة قال لأبی یوسف أوغیره ضعهافی الباب الفلانی اه کذا فی المیزان للامام الشعرانی قدس سرهٗ

ونقل ط عن مسند الخوارزمی: ان الامام : اجتمع معه الف من اصحابه، أجلهم و افضلهم اربعون قد بلغو احدا لاجتهاد فقربهم وأدناهم وقال لهم: انی الجمت هذا الفقه و اسرجته لکم فأعینونی، فان الناس قدجعلونی جسرًاعلی الناس فان المنتهی لغیری واللعب علی ظهری فکان اذا وقعت واقعة شاورهم ناظرهم وحاورهم وسألهم ، فیسمع ماعندهم من الاخباروالاثار ویقول ماعنده وناظرهم شهراً اواکثر حتی یستقرآخرالاقوال فیثبتهٗ ابویوسف، حتی أثبت الأصول علی هذا المنهاج شوریٰ، لاأنه تفرد بذلک کغیره من الائمة. اه“(ردالمحتار، مقدمہ ج:۱/۱۵۲ داراحیاء التراث بیروت)

امام صاحب کے شاگرد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام صاحب کو ایسے شاگرد عطا فرمائے تھے جنہوں نے شاگردی کا حق ادا کردیا اور امام صاحب کے علوم کو دنیا کے چاروں اطراف پہنچایا، ان اطراف میں امام صاحب کے علاوہ کسی دوسرے امام کے

مسلک سے لوگ واقف نہیں تھے۔

”حسبک من مناقبہ اشھار مذھبہ“

قوله اشتهار مذهبه اى فى عامة بلادالاسلام، بل فى كثير من الاقاليم والبلاد لايعرف الا مذهبه كبلاد الروم والهند والسند وماوراء النهر و سمرقند

(ردالمحتار ج:۱/ ۱۴۰ ادار احیاء التراث بیروت)

علامہ شامیؒ کی تحقیق کے مطابق ان شاگردوں کی تعداد چار ہزار ہے۔

”وروى انه نقل مذهبه نحو من أربعة آلاف نفر“ (حوالہ بالا)

فقہ حنفی بطور قانون

خلفائے عباسیہ کے دور سے لے کر گزشتہ صدی کے شروع ہونے تک اکثر اسلامی ممالک میں فقہ حنفی قانونی شکل میں نافذ و رائج رہی ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

فالدولة العباسية وان كان مذهبهم مذهب جدهم ، فاكثر قضاتها و مشايخ اسلامها حنفية يظهر ذلك لمن تصفح كتب التواريخ وكان مدة ملكهم خمسة سنة تقريباً واما السلجو قيون وبعد هم الخوارزميون فكلهم حنفيون وقضاة ممالكهم غالباً واما ملوک زماننا سلاطين آل عثمان ايدالله دولتهم ما كر الجديدان فمن تاريخ تسعمائة الىٰ يومنا هذا لا يولون القضاء و سائرمنا صبهم الا للحنفية

(ردالمحتار مقدمہ ج:۱/ ۱۶۱ ادار احیاء التراث)

اور آج اس پُرفتن دور میں الحمد للہ ثم الحمد للہ امارات اسلامی افغانستان میں بھی مذہب حنفی پر قانونی صورت میں عمل ہو رہا ہے۔

سلطنت مغلیہ کے بعد فتویٰ

سلطنت مغلیہ کے زوال اور انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد فتویٰ کا کام مدارس دینیہ کی طرف منتقل ہو گیا اور اب بھی یہ کام دینی مدارس ہی میں ہوتا ہے اس لئے کہ دینی مدارس ہی دین اور تعلیمات نبویہ کے آماجگاہ ہیں۔

جنگ آزادی کے بعد اسلام کے تحفظ اور فتویٰ کے کام کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے جانشین علماء نے سنبھالا، ان میں اکابر علماء دیوبند حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جن کے فتاویٰ مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔

فتویٰ کی اہمیت

افتاء کا منصب ایک عظیم الشان منصب ہے اس کی فضیلت واہمیت ہر شخص پر روز روشن کی طرح عیاں ہے اور فقہاء کرام اور مفتیان عظام کی وہ جماعت جنہوں نے اپنے آپ کو استنباط احکام اور استخراج مسائل کے لئے مختص کردیا اور حلال وحرام کو معلوم کرنے کے لئے قواعد وضوابط مرتب کئے وہ تاریک رات میں ستاروں کے مانند ہیں اور یہی لوگ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی وارث ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

" العلماء ورثة الانبياء وان الأنبياء لم يورثوا دينا را ولا درهما وانما ورثوا العلم فمن أخذ به فقد أخذ بحظ وافر"

(رواہ الترمذی فی کتاب العلم باب ما جاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، رقم ۲۶۸۲)

قرآن کریم میں "اولو الامر" کی اطاعت اور فرمانبرداری کو واجب اور ضروری قرار دیا گیا ایک تفسیر کے مطابق "اولوالامر" سے مراد حضرات علماء اور فقہاء ہیں۔

علامہ ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں:

"اختلف في تأويل اولى الأ مرفروى عن جابر بن عبدالله وابن عباس رواية والحسن وعطاء ومجاهد انهم اولو الفقه والعلم" (احکام القرآن باب فی طاعۃ اولی الامر ج ۲/۲۱۰)

اس طرح بعض آیتوں میں علماء کی اتباع اور امور شرعیہ کے معلوم کرنے میں ان کی طرف مراجعت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

"فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" الآیۃ

ترجمہ: اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔

دوسری جگہ میں ہے:

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ اِلَيَّ الاية

ترجمہ: پیروی کر اس شخص کے راستے کی جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔

لہٰذا ہر شخص پر ضروری ہے کہ جب مسئلہ کے متعلق دینی رہنمائی مطلوب ہو تو حکم خداوندی معلوم کرنے کے لئے مفتیان کرام سے مراجعت کرے جیسا کہ حضرات صحابہ کرام اپنے درپیش دینی مسائل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مراجعت کیا کرتے تھے۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وفي الآية دلالة على وجوب المراجعة الى العلماء فيما لا يعلم.

فتویٰ کے کام کی عظمت واہمیت اس سے بھی واضح ہے یہ سنت الٰہی ہے اللہ تعالیٰ نے فتویٰ کی نسبت اپنی طرف بھی کی ہے چنانچہ "کلالہ" کے متعلق امت کے استفتاء کے جواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

"یَسْتَفْتُوْنَکَ ، قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلَالَۃِ" الآیة

اور عورتوں کے متعلق سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"یَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْھِنَّ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتَابِ " الآیة

یہ کام امام المفتین ،محبوب رب العالمین ،خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی زندگی بھر کیا اور بیشمار فتاویٰ صادر فرمائے ،کتب احادیث آپ ﷺ کے فتاویٰ سے بھری پڑی ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

"وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ " الآیة

ترجمہ: اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تا کہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح وتوضیح کرتے جاؤ جوان کے لئے اتاری گئی ہے اور تا کہ لوگ (خود بھی) غور وفکر کریں۔

اسی اہمیت وعظمت کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ امت کا ایک طبقہ قرآن وسنت اور تفقہ فی الدین میں مہارت حاصل کر کے امت کے باقی طبقات کی راہنمائی کے فرائض انجام دے اور آیت قرآن کریم:

"فَلَوْلَا نَفَرَمِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْھُمْ طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ " الایة　کا تقاضا بھی ہے۔

مفتی کا مقام

امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقام مفتی پر طویل اور مفصل بحث فرمائی ہے اور اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مفتی امت میں افتاء تعلیم اور تبلیغ کے اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"المفتی قائم فی الأمة مقام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، والدلیل علی ذلک امور:

احدھا: النقل الشرعی فی الحدیث: أن العلماء ورثة الأنبیاء وبعث النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نذیرًا. بقولہ تعالیٰ: "فلولا نفرمن کل فرقة"

والثانی: أنہ نائب فی تبلیغ الأحکام.

والثالث: ان المفتی شارع من وجہ لأن مایبلغہ من الشریعة اما منقول عن صاحبھا واما مستنبط من المنقول، فالاول یکون فیہ مبلغا، والثانی یکون فیہ شارعا من وجہ، فھو من ھذا الوجہ واجب اتباعہ والعمل علی وفق ما قالہ، وھذہ ھی الخلافة علی التحقیق، وقدجاء فی الحدیث: ان من قرأ القرآن فقد استدرجت النبوة بین جنبیہ.

وعلی الجملة فالمفتی مخبرعن اللّٰہ تعالیٰ کالنبی ونأخذأمرہ فی الأمة بمنشور الخلافة کالنبی والذاسمّوا "اولی الأمر"وقرنت طاعتھم طاعة اللّٰہ و طاعة الرسول فی قولہ تعالیٰ: یا ایھاالذین امنوا أطیعوااللّٰہ واطیعوا الرسول وأولی الأمرمنکم"

(الموافقات ج ۴ ص ۲۴۴، ۲۴۵)

مفتی کے شرائط

مفتی کے لئے حضرات علماء کرام نے چند شرائط بیان کئے ہیں، مفتی میں ان کا پایا جانا ضروری ہے، وہ شرائط درج ذیل ہیں:

۱..... مکلف ہو یعنی عاقل ہو بالغ ہو۔

۲..... ثقہ ہو۔

۳..... گناہ اور منکرات سے پوری طرح اجتناب کرنے والا ہو۔

۴..... بد اخلاق اور بے مروت نہ ہو۔

۵..... فقیہ النفس ہو۔

۶..... مسائل میں غور وفکر کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۷..... بیدار مغز ہو۔

۸..... متقی اور پرہیز گار ہو۔

۹..... دیانت داری میں مشہور معروف ہو۔

۱۰..... مسائل غیر منصوصہ میں استنباط وتخریج پر قادر ہو۔

علامہ نووی المجموع شرح المہذب میں فرماتے ہیں۔

شرط المفتی کونه مکلفًا، مسلمًا ، ثقةً مأ مونًا متنزّ هًا عن اسباب الفسق و خوارم المروة، فقیه النفس سلیم الذهن ، وصین الفکر، صحیح التصرف و الاستنباط، متیقظاً......... (باب اداب الفتوی و المفتی و المستفتی، ج : ۱/۱ ۴)

فصل: قالوا وینبغی أن یکون المفتی ظاهر الورع مشهورًا. بالدّیانة الظاهرة و الصیانة الباهرة. (باب آداب الفتوی و المفتی و المستفتی، ج : ۱/۱ ۴)

اسی طرح مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس نے کسی ماہر مفتی کے زیر نگرانی کام کیا ہو اور قواعد فقہ، زمانہ کے عرف اور اس کے احوال سے واقف ہو اور اپنے امام کے مذہب پر پورا عبور رکھتا ہو اور اس کی ظاہری ہیئت بھی شرع کے موافق ہو۔

مفتی کا فریضہ:

مفتی چونکہ احکام خداوندی کا ترجمان اور اللہ تعالیٰ و مخلوق کے درمیان واسطہ ہے اس لئے اس پر لازم ہے کہ فتوٰی دیتے وقت پوری بصیرت سے کام لے اور اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے سوچ سمجھ کر جواب دیدے مسئلہ اگر معلوم نہ ہو تو محض انکل سے جواب دے کر اپنی آخرت خراب نہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''جو شخص کسی چیز کا علم رکھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ اسے بیان کرے اور جسے علم نہ ہو اسے کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کیونکہ یہ بھی علم ہے کہ جو بات نہ جانتا ہو اس کے متعلق کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے: کہ آپ فرمادیں کہ میں تم سے اجرت کا خواہاں نہیں اور نہ تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔

''یایھاالناس من علم شیئًا فلیقل به ومن لم یعلم فلیقل اللّٰه اعلم فان من العلم ان تقول لمالاتعلم اللّٰه أعلم . قال اللّٰه تعالیٰ لنبیه: قل ماأسئلکم علیه من أجر و ما أنامن المتکلفین ، متفق علیه (مشکوٰة کتاب العلم)

اسی طرح مفتی کو چاہئے کہ جواب دیتے وقت خوف خدا اور خوف آخرت کو سامنے رکھتے ہوئے پوری تحقیق کے ساتھ جواب دے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مفتی جب کسی سوال کا جواب دینا چاہے تو اسے چاہئے کہ جواب سے قبل اپنے آپ کو جنت اور دوزخ پر پیش کرے اور یہ سوچ لے کہ آخرت میں اس کی نجات کیسے ہوگی؟ پھر جواب تحریر کرے۔

''وکان مالک یقول: من أحب أن یجیب من مسئلة فلیعرض نفسه قبل أن یجیبه علی الجنة والنار ، وکیف یکون خلاصه فی الأخرة ثم یجیب''

(الموافقات للشاطبی ج:۴/۲۸۶)

فتویٰ دینے میں احتیاط

فتویٰ نویسی کا کام عظیم الشان اور باعث اجر وثواب ہونے کے ساتھ ساتھ نازک بھی ہے، اس لئے کہ مفتی اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہے، اگر مسئلہ درست بتایا تو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو کر اجر وثواب کا مستحق ہوگا اور اگر خدانخواستہ مسئلہ غلط بتایا تو مستفتی کے عمل کا وبال بھی اسی پر ہوگا، اسی بناء پر فتویٰ دینے میں احتیاط بہت ضروری ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جو شخص بغیر حجت اور دلیل کے فتویٰ دے گا اس پر عمل کرنے والے کا گناہ بھی اسی مفتی پر ہوگا''

''عن أبی هریرۃ رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: ''من افتیٰ بفتیا من غیر ثبت فانّما اثمه علی من أفتاہ''

أخرجه الدارمی فی باب الفتیا ومافیها من الشدة ج: ۸۳/۱، رقم: ۱۶۱ والحاکم فی کتاب العلم، ج: ۱۲۶/۱.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ علم کو (آخری زمانے میں) اس طرح نہیں اٹھالے گا کہ لوگوں (کے دل ودماغ) سے اسے نکال لے بلکہ علم

اس طرح اٹھالے گا کہ علماء کو (اس دنیا سے) اٹھالے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا' تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے ان سے مسئلے پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے لہذا وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

"عن عبداللّٰہ بن عمر و بن العاص قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: ان اللّٰہ لا یقبض العلم انتز اعاًینتزعہ من الناس ولکن یقبضہ بقبض العلماء حتی اذالم یبق عالما اتخذالناس رؤسًا جھالاً فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلّوا و اضلّوا"

(اخرجہ البخاری فی کتاب العلم ، باب کیف یقبض العلم، ومسلم ج: ۲/۳۴۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا جو شخص ہر پوچھی گئی بات کا جواب دیدے تو وہ پاگل ہے

"ان من افتی الناس فی کل مایسئلونہ عنہ لمجنون (اعلام الموقعین ، ج ۱/۱۲)

حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے ابو الفرج کے حوالے سے مرفوع اثر نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دیدے تو اس پر زمین آسمان کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔

"من أفتی الناس بغیر علم لعنتہ ملائکۃ السماء و ملائکۃالأرض"

(اعلام الموقعین ج ۲ / ۲۵۱)

امام شعبی، حسن بصری اور ابو حصین تابعی رحمہم اللہ سے منقول ہے وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ تم لوگ بعض مرتبہ ایسے مسئلہ کے بارے میں فتوی دیتے ہو کہ اگر اس جیسا مسئلہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش آتا تو وہ اس کا جواب معلوم کرنے کے لئے تمام اہل بدر کو جمع فرماتے اور اکیلے اپنی رائے پر اعتماد نہ فرماتے۔

"وعن الشعبی والحسن ابی حصین بفتح الحاء) التابعین قالوا: ان أحدکم لیفتی فی المسئلۃ ولوو ردت علی عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ لجمع لھا اھل بدر"

(المجموع شرح المہذب باب آداب الفتویٰ والمفتی والمستفتی ج ۱/۴۰)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ اگر علم ضائع ہونے کا خوف اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہرگز فتویٰ نہ دیتا کہ وہ عافیت میں ہوں اور بوجھ مجھ پر ہو۔

"وقال ابوحنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: لو لا الفرق من اللّٰہ تعالیٰ أن یضیع العلم ماأفتیت یکون لھم المھنأ وعلیّ الوزر" (حوالہ بالا)

حضرت سفیان بن عیینہ اور حضرت سحنون رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لوگوں میں فتوی دینے پر سب سے زیادہ جسارت وہ شخص کرتا ہے جو سب سے کم علم رکھتا ہو۔

"وعن سفیان بن عیینة و سحنون: أجسر الناس علی الفتیا أقلهم علمًا (حوالہ بالا)
خلاصہ کلام یہ کہ منصب افتاء کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے اس راہ میں پھونک پھونک کرقدم اٹھانا چاہئے۔

"لا ادری"

تحقیق اور تتبع وتلاش کے بعد اگر مسئلہ کا حکم معلوم نہ ہو یا حکم معلوم ہو لیکن اس پر تشفی اور شرح صدر نہیں تو مفتی پر اس کا جواب دینا ضروری نہیں بلکہ مفتی صاف کہہ دے کہ مجھے اس کا جواب معلوم نہیں۔
اور اس طرح کہنے سے اس کی شان وعزت ومرتبہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی بلکہ اس سے اور شان بلند ہوگی اس لئے کہ یہ قلبی طہارت، دینی قوت اور تقویٰ کی واضح دلیل ہے۔
یہ اصطلاح خود سرور کائنات جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیل علیہ السلام ودیگر بزرگوں سے مروی ہے تو ماوشما کون ہیں جو اس سے اعراض واجتناب کر کے اپنی طرف سے غلط سلط جواب دینے کی کوشش کریں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسی جگہ بری ہے؟
آپ ﷺ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہی سوال کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی "لاأدری" کہہ کر جواب دیدیا۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے پوچھا، اللہ تبارک وتعالیٰ سے جواب میں فرمایا کہ بازار بری جگہیں ہیں۔
سئل النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: أیّ البلاد شرّ؟
فقال: لاأدری، فسأل جبریل، فقال؛ لاأدری، فسأل ربه عزوجل، فقال شرّ البلاد أسواقها. (رواہ الامام احمد ج: ۴/ ۸۱ والحاکم فی المستدرک ج: ۲/۲ بسند حسن)
اسی طرح حدیث جبرئیل میں قیامت کے متعلق سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب "ماالمسئول عنها بأعلم من السائل" بھی اسی قبیل سے ہے۔
علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکیمانہ جواب سے یہ نکتہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کسی عالم سے کوئی ایسا سوال کیا جائے جس کے جواب سے وہ ناواقف ہو تو اسے "لاأعلم" کہنا چاہئے اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ "لا أعلم" کہنے سے وقعت ختم ہو جائے گی بلکہ درحقیقت یہ رفع منزلت کا باعث ہے۔
قوله صلی اللّٰہ علیه وسلم : ماالمسئول عنهابأ علم من السائل، فیه ینبغی للعالم والمفتی وغیرهمااذاسئل عمالایعلم أن یقول: لا أعلم وأن ذالک لا ینقصه بل یستدل به علیٰ تقواه ووفور علمه. (الصحیح لمسلم مع شرح للنووی، کتاب الایمان ج:۱/ ۲۸ قدیمی کتب خانہ)
حضرت ابن عباسؓ اور محمد بن عجلان فرماتے ہیں جب کسی عالم ومفتی کو مسئلہ معلوم نہیں تھا اس نے

''لاأدری'' نہیں کہا بلکہ اٹکل سے جواب دیا۔ تو اس پر نفس و شیطان کی ایسی ضرب لگی ہے کہ گویا اسے قتل کر ہی دیا۔

''وعن ابن عباس و محمد بن عجلان: اذاأخطاء العالم ''لاأدری'' أصیبت مقاتله.

(الموافقات للشاطبی ج ۴ ص ۲۱۱)

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے:

''جنة العالم لا ادری اذا أغفله اصیبت مقاتله''

ایک دفعہ امام مالک رحمہ اللہ سے اڑتالیس مسئلے پوچھے گئے، ان سے بتیس کے بارے میں آپ نے ''لاادری'' فرمایا اور ایک روایت ہے کہ آپ سے ایک مرتبہ چالیس مسئلے پوچھے گئے آپ نے صرف پانچ کا جواب دیا۔ بقیہ کے بارے میں فرمایا ''لاأدری''

''وعن الهیثم بن جمیل: شهدت مالكاًسئل عن ثمان وأربعین مسئلة فقال فی اثنتین وثلاثین منها ''لاأدری''

وعن مالک ایضاً أنه ربماكان یسئل عن خمسین مسئلة فلایجیب فی واحدة منها وكان یقول: من أجاب فی مسئلة فینبغی قبل الجواب أن یعرض نفسه علی الجنة والنار و كیف خلاصه ثم یجیب. (المجموع شرح المهذب)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد حضرت اثرم کہتے ہیں کہ امام احمد صاحب کثرت کے ساتھ ''لاادری'' فرمایا کرتے تھے۔

''وعن الاثرم: سمعت أحمد بن حنبل یكثر أن یقول ''لاأدری''

مفتی کفایت اللہ صاحب اور فتویٰ نویسی

اس سے پہلے جو کچھ تاریخ فتوی اور اس کی اہمیت وغیرہ کے بارے میں لکھا گیا وہ مقدمۃ العلم کی حیثیت رکھتا ہے اب مقدمۃ الکتاب کے طور پر حضرت مفتی صاحب کا فتوی نویسی، کفایۃ المفتی اور اس پر کام کی نوعیت کے بارے میں کچھ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جب دار العلوم دیوبند سے شعبان ۱۳۱۵ھ بمطابق ۱۸۹۸ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہو کر اپنے وطن شاہ جہاں پور تشریف لائے اور اپنے اولین استاذ حضرت مولانا عبید الحق خان قدس سرہ کے سایۂ عاطفت میں مدرسہ عین العلم میں درس و تدریس اور افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے پھر مولانا موصوف کی وفات کے بعد شوال ۱۳۲۱ھ بمطابق دسمبر ۱۹۰۳ء میں صدر مدرس اور مفتی کے عہدے پر دہلی میں تشریف لائے اور پھر عمر مبارک کے آخری لمحات تک صبر و توکل کے ساتھ انہیں مشاغل میں مصروف و منہمک رہے، یعنی پچپن (۵۵) برس آپ نے تمام علوم و فنون کی تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ افتاء کی خدمت بھی انجام

دی۔

اس نصف صدی سے زائد کے زمانے میں آپ کے فتاویٰ غیر منقسم ہندوستان کے علاوہ جاوہ، سماٹرا، برما، ملایا، چین، بخاری، سمرقند، بلخ، بدخشان، ختن، تاشقند، ترکستان، افغانستان، ایران، عرب، افریقہ، امریکہ، انگلستان غرضیکہ جہاں مسلمانوں کا وجود تھا وہاں تک پہنچے۔

آپ نے فتویٰ لکھنے کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا، مدرسے میں، گھر میں، چلتے پھرتے، دن کو، رات کو، سفر میں، حضر میں یعنی ہر وقت، ہر حال اور ہر مقام میں آپ نے فتویٰ لکھا، حتیٰ کہ بیماری کی حالت میں بھی فتویٰ لکھنے سے انکار نہیں فرمایا:

سہ روزہ الجمعیۃ اخبار میں مستقل ایک کالم "حوادث واحکام" کے عنوان سے آپ کے فتاویٰ کے لئے مختص تھا، اس میں آپ کے فتاویٰ شائع ہوا کرتے تھے۔

مفتی صاحب فتویٰ نویسی میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے، بروقت جواب دینا آپ کی عادت ثانیہ بن چکی تھی، فتاویٰ میں اصابت رائے آپ کا طرۂ امتیاز تھا، یہی وجہ تھی کہ آپ کے اساتذہ بالخصوص شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کوئی شخص فتویٰ طلب کرتا تو آپ اسے مفتی صاحب کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے' جس وقت حضرت شیخ الہند کی خدمت میں انگریزوں سے ترک موالات کا استفتاء پیش کیا گیا تو غایت انکساری کے ساتھ فرمایا کہ مجھے انگریزوں سے غیر معمولی بغض ونفرت ہے ان کے بارے میں فتویٰ دینے میں مجھے اپنے نفس پر اعتماد نہیں کہ وہ حدود کی رعایت رکھ سکے اور اپنے مخصوص تلامذہ میں سے فتویٰ لکھنے کے لئے جن تین حضرات کا نام لیا ان میں اولین نام حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا' آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ کا فتویٰ ہمیشہ مختصر اور جامع ہوتا تھا ذیل میں اس کے چند نمونے پیش کئے جارہے ہیں۔

تعزیہ اور ماتم

سوال: تعزیہ کو مذہب سے کیا تعلق ہے؟ ماتم کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: اہل سنت والجماعت کے نزدیک تعزیہ بنانا ناجائز ہے۔ اور ماتم کرنا بھی خلاف شریعت ہے، کیونکہ خدا اور رسول نے اس کی تعلیم نہیں دی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کتاب العقائد)

سینمابینی

سوال: عام طور پر مسلمان سینمابینی کو معمولی گناہ سمجھتے ہیں، آیا یہ مکروہ ہے یا حرام؟

جواب: سینما دیکھنا حرام ہے، اس میں غیر محرم عورتوں کی نیم برہنہ تصاویر کا مظاہرہ اور بولتا ہوا ان کا گانا ہوتا ہے نیز اخلاقیات میں خلاف شریعت بہت سے افعال واعمال کی تمثیل ہوتی ہے جو اخلاق اسلامی پر بے حد مضر اثر ڈالتی ہے، اس لئے مجموعہ منہیات بن جاتا ہے، پھر اسراف سب پر مستزاد ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کچھ کفایت المفتی کے بارے میں

حضرت مفتی صاحب جو فتاویٰ تحریر فرماتے تھے ان کے نقول کو محفوظ کرنے کا معقول انتظام نہیں کیا گیا نہ ہی ان کو لکھنے کے لئے مستقل کوئی محرر تھا بس جو طالب علم فن افتاء سیکھنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اکثر ان سے فتاویٰ نقل کرا لئے جاتے تھے پھر روزانہ ڈاک میں جو فتاویٰ روانہ کئے جاتے تھے سب کے سب رجسٹر پر نہیں چڑھائے جاتے تھے صرف اہم اور مفصل فتوے رجسٹر میں درج کئے جاتے تھے۔ ان رجسٹروں اور نقول فتویٰ کے بارے میں کفایت المفتی کے مرتب حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندار جمند حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن واصف تحریر فرماتے ہیں"

"آپ نے ۱۳۱۶ھ بمطابق ۱۸۹۸ء سے فتویٰ لکھنا شروع کیا اور ۱۳۲۱ھ بمطابق ۱۹۰۳ء میں دھلی تشریف لائے، لیکن مدرسہ امینیہ میں نقول فتاویٰ کا سب سے پہلا رجسٹر ربیع الاول ۱۳۵۲ھ بمطابق جون ۱۹۳۳ء سے شروع ہوتا ہے، یعنی چھتیس برس فتویٰ لکھنے کے بعد مدرسے میں آپ کے حین حیات میں صرف پانچ عدد رجسٹر نقول فتاویٰ تیار ہوئے، چار رجسٹر بھرے ہوئے ہیں، چوتھے رجسٹر میں آخری فتویٰ مورخہ ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۶۳ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۴۴ء کا ہے، اس کے بعد آپ کی وفات تک آٹھ برس کے زمانے میں پانچویں رجسٹر پر صرف پچیس (۲۵) فتوے درج ہوئے، ان رجسٹروں میں حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ نائب مفتی حضرت مولانا حبیب المرسلین صاحب اور دیگر نائبین وتلامذہ کے فتاویٰ بھی مخلوط ہیں، کل فتاویٰ کی تعداد تقریباً دو ہزار آٹھ سو چودہ (۲۸۱۴) ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نو جلدوں پر مشتمل مفتی صاحب کے فتاویٰ کا ذخیرہ کہاں سے آ گیا اور کیونکر مہیا ہوا تو اس بارے میں مولانا حفیظ الرحمٰن واصف صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"ضروری تھا کہ موجودہ ذخیرہ کے علاوہ مزید ذخیرہ جمع کیا جائے۔ چنانچہ بار بار اعلان کیا گیا اشتہار طبع کرایا گیا جواب تک بھی مدرسے کی روزانہ ڈاک میں رکھ کر مستقل طور پر بھیجا جا رہا ہے، جب باہر سفر میں جانے کا اتفاق ہوا تو لوگوں کو توجہ دلائی گئی اور اس طرح بھی کچھ فتوے دستیاب ہوئے کچھ نقول فتاویٰ کی کتابیں گھر میں محفوظ تھیں، کچھ فتاویٰ مطبوعہ کتب میں تھے، غرضیکہ جو کچھ بھی جہاں سے ملا مجموعہ میں شامل کیا گیا اور اس مجموعہ فتاویٰ کا نام کفایۃ المفتی رکھا گیا"

آگے لکھتے ہیں:

"جو فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں وہ تین قسم کے ہیں:

اول وہ فتاویٰ جو نقول فتاویٰ کے رجسٹروں میں سے لئے گئے ہیں ایسے فتاویٰ کی پہچان یہ ہے کہ لفظ "المستفتی" پر نمبر ہے اور مستفتی کا نام ومختصر پتہ اور تاریخ روانگی بھی درج ہے، بعض جگہ سوال نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ لفظ "جواب دیگر" کے اوپر مستفتی کا نمبر ڈال دیا گیا ہے۔

دوسرے وہ فتاویٰ جو سہ روزہ "الجمعیۃ" سے لئے گئے ہیں ان میں لفظ سوال کے نیچے حوالہ لکھا گیا ہے۔

تیسرے وہ فتاویٰ جو گھر میں موجود تھے یا باہر سے حاصل کئے گئے یا مطبوعہ کتابوں میں سے لئے گئے۔
لفظ جواب کے شروع میں جو نمبر لکھا گیا ہے وہ مجموعہ میں شامل شدہ فتاویٰ کی کل تعداد ظاہر کرنے کے لئے سیریل نمبر ہے"

کفایت المفتی پر کام کرنے کی نوعیت

واضح رہے کہ فتاویٰ کی کتابوں میں کفایت المفتی چونکہ تفصیلی کتاب تھی قدیم مسائل کے ساتھ اس میں پیش آمدہ مسائل کا حل بھی تھا، لیکن جوابات باحوالہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی طرف زیادہ التفات نہیں کیا جاتا تھا، اسی طرح فہرست وعنوانات نہ ہونے کی وجہ سے ہر ایک کے لئے اس بحر زخار سے استفادہ ممکن نہیں تھا۔ اس لئے جامعہ فاروقیہ کے "لجنۃ المشرفین" نے مناسب سمجھا کہ اس پر کام کیا جائے اور پھر طبع کرایا جائے تاکہ عوام وخواص سب کے لئے یکساں طور پر مفید ہو۔

"لجنۃ المشرفین" کی طرف سے جو امور کفایت المفتی پر کام کرنے کے لئے منتخب ہوئے ان کا مختصر خاکہ درج ذیل ہے:

تخریج

کفایت المفتی میں اکثر و بیشتر فتاویٰ بغیر تخریج کے ہیں یعنی بے حوالہ ہیں، اگر کہیں حوالہ ہے تو وہ بھی کالمعدوم کے درجے میں ہے، اس لئے ان کی تخریج کی گئی اور ہر فتویٰ کا حوالہ لکھا گیا اور جو حوالہ جات پہلے سے موجود تھے ان کی دوبارہ مراجعت کر کے نئے ایڈیشنوں کے مطابق کتاب کا صفحہ، جلد، باب اور مطبع لکھا گیا۔

تخریج میں ایچ، ایم سعید سے طبع شدہ فتاویٰ شامیہ، مکتبہ ماجدیہ و مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ سے طبع شدہ فتاویٰ عالمگیریہ، قدیمی کتب خانہ اور ایچ، ایم سعید سے چھپے ہوئے صحاح ستہ کے نسخوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور حاشیہ میں مطبع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ان کے علاوہ دوسری کتابوں سے حوالہ لکھنے میں ہر ایک کے ساتھ مطبع لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

عنوانات:

کفایت المفتی میں ہر مسئلے کا الگ عنوان نہیں تھا، بلکہ کتاب، باب اور فصل کے تحت متعلقہ مسائل درج کئے گئے تھے، اب ہر مسئلے کا الگ عنوان قائم کیا گیا تاکہ مطلوبہ مسئلے کا ملنا آسان ہو جائے اور اس سے استفادہ جلد ممکن ہو۔

بعض مقامات میں ایک سوال کے تحت مختلف سوالات ہیں ان میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ عنوانات قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تفصیلی فہرست

فہرست میں صرف کتاب، باب اور فصل کا تذکرہ تھا، عنوانات نہ ہونے کی وجہ سے ہر مسئلے کا ذکر نہیں تھا اب چونکہ ہر مسئلے کا عنوان ہے اس لئے فہرست میں ہر مسئلے کا عنوان لکھا گیا تو تفصیلی فہرست مرتب ہو گئی۔

غیر مفتیٰ بہ فتاویٰ کی نشاندہی

بعض مسائل کا دارومدار عرف پر ہوتا ہے، عرف اور زمانہ تبدیل ہونے کی وجہ سے حکم تبدیل ہو جاتا ہے، اس لئے کفایت المفتی میں وہ فتاویٰ جو مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے زمانے میں مفتیٰ بہ تھے اب وہ غیر مفتی بہ ہیں یا کسی مسئلے کا ہندوستان میں الگ حکم ہے اور پاکستان میں الگ، تو ان مسائل کی وضاحت اور نشاندہی کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس محنت کو قبول فرمائے اور محنت کرنے والوں کے لئے اسے صدقہ جاریہ بنائے۔

آمین ثم آمین

فللّٰہ الحمد اولاً و آخراً، و ظاھراً و باطناً، و صلی اللّٰہ تعالیٰ علی سید نا محمد و علی آلہ و صحبہ و بارک و سلم۔ و الحمد للّٰہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و نعت

از حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ

يَا خَالِقَ الْاَرْوَاحِ وَالْاَبْدَانِ — يَا مُنْبِتَ الْاَزْهَارِ فِي الْبُسْتَانِ
اے وہ کہ تو نے ارواح واجسام کو پیدا کیا — اے وہ کہ تو نے چمن میں پھولوں کو اُگایا

يَا مُودِعَ الْاَلْوَانِ فِي الرَّيْحَانِ — وَمُزَيِّنَ الْاَفْلَاکِ بِالشُّهْبَانِ
پھولوں کو مختلف رنگ عطا کیے — آسمانوں کو ستاروں سے سجایا

يَا مُرْسِلَ النُّشُرِ اللَّوَاقِحِ رَحْمَةً — يَا مُنْزِلَ الْاَمْطَارِ بِالْهَطَلَانِ
ہواؤں کو حاملِ رحمت بنا کر بھیجا — موسلا دھار بارشیں نازل کیں

يَا سَاقِيَ الرَّوْضِ الْبَهِيِّ نَضَارَةً — يَا مُخْرِجَ الْاَثْمَارِ وَالْقِنْوَانِ
تروتازہ گلستانوں کو رعنائی سے سیراب کیا — پھل اور کھجور کے خوشے پیدا کیے

يَا حَاشِرَ الْاَجْسَادِ مِنْ بَعْدِ الْبِلٰى — يَا نَافِخَ الْاَرْوَاحِ فِي الْجُثْمَانِ
بوسیدہ اجسام کو از سرِ نو اٹھانے والا تو ہے — مجسمے میں روح پھونکنے والا تو ہے

حَمْدًا لَّکَ اللّٰهُمَّ رَبِّيْ بَالِغًا — اَقْصَى الْمَدٰى مِنْ قُوَّةِ الْاِنْسَانِ
اے اللہ میرے پروردگار تیری ستائش کی — کوشش کرتا ہوں۔ قوتِ انسانی کے آخری حدود تک

حَمْدًا كَمَا اَنْتَ اصْطَفَيْتَ لِنَفْسِکَ — اَسْنَى الْمَحَامِدِ مُحْكَمَ الْاَرْكَانِ
ستائش ہے تیرے لیے جیسی کہ تو نے اپنے لئے — پسند کی ہے۔ تمام ستائشوں سے بالاتر پائدار

اَنْتَ الرَّقِيْبُ عَلَى الْعِبَادِ مُقِيْتُهُمْ — اَنْتَ الْعَلِيْمُ بِمَنْ يُطِيْعُ وَجَانِيْ
تو اپنے بندوں سے باخبر اور ان کا نگراں ہے — تو طاعت شعاروں اور خطا کاروں کو جاننے والا ہے

شَهِدَتْ بِتَوْحِيْدِ الْاِلٰهِ سَمَائُهٗ — وَبُرُوْجُهَا كَالْجَدْيِ وَالْمِيْزَانِ
گواہ ہیں خدا کی یکتائی پر آسمان — اور اس کے بروج مثلاً جدی ومیزان

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ الْمُنِيْرُ بِضَوْئِهَا — وَنُجُوْمُهَا وَالْاَرْضُ ذَاتُ حِسَانٍ
اور سورج اور اسی کی روشنی سے چمکنے والا چاند — اور تمام ستارے اور زمین جو مرکزِ حسن وجمال ہے

وَوِهَادُهَا وجِبَالُهَا وبِحَارُهَا ۔۔۔ وجمِيعُ مَافِيهَا مِن الْحِيْتَانِ

اور گھاٹیاں اور پہاڑ اور سمندر ۔۔۔ اور سمندر کی تمام مچھلیاں

شَهِدَتْ بِهِ ذَرَّاتُ رَمْلٍ عَالِجٍ ۔۔۔ وَنَبَاتُهَا وَالرَّوْضُ ذُوْ اَفْنَانِ

گواہ ہیں اس کی یکتائی پر ریگستانوں کے ذرات ۔۔۔ اور ان کی بوٹیاں اور گھنے باغات

اَوْرَاقُهَا وَغُصُوْنُهَا وَثِمَارُهَا ۔۔۔ اَزْهَارُهَا وَشَمَائِمُ الرَّيْحَانِ

باغوں کے پتے، شاخیں اور پھل ۔۔۔ پھول اور پھولوں کی خوشبوئیں

ثُمَّ الصَّلٰوةُ عَلَى الَّذِیْ قَدْ جَاءَ نَا ۔۔۔ بِشَرِيْعَةٍ غَرَّاءَ ذَاتِ اَمَانٍ

اس کے بعد درود وسلام ہے اس پر جو ہمارے لئے ۔۔۔ ایک روشن اور پُر امن شریعت لے کر آیا

بَيْضَاءَ صَافِيَةٍ نَقِيٍّ لَوْنُهَا ۔۔۔ عَنْ وَصْمَةِ التَّحْرِيْفِ وَالنُّقْصَانِ

صاف ستھری شریعت جو تحریف ۔۔۔ اور کمی بیشی کے عیب سے پاک ہے

اَلْهَاشِمِيِّ الْاَبْطَحِيِّ مُحَمَّدٍ ۔۔۔ مَنْ حَوَّلَ الْاَعْدَاءَ كَالْاِخْوَانِ

محمد ہاشمی مکی (صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے دشمنوں ۔۔۔ کے دل پھیر کر ان کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا

اَلْحَامِدِ الْمَحْمُوْدِ اَحْمَدِنَا الَّذِیْ ۔۔۔ نَجَّى الْوَرٰى مِنْ حُفْرَةِ النِّيْرَانِ

خدا کا حقیقی ثنا گر اور خود قابلِ ستائش ہمارا احمد ۔۔۔ جس نے مخلوق کو جہنم کے گڑھے سے نجات دلوائی

ثُمَّ الَّذِيْنَ اخْتَارَهُمْ مَوْلَاهُمْ ۔۔۔ لِتَحَمُّلِ الْاَخْبَارِ وَالْقُرْآنِ

پھر سلام ہے ان پر جن کو ان کے پروردگار نے ۔۔۔ حدیث اور قرآن کی امانت برداری کے لیے چنا

حَازُوا الْفَضَائِلَ ثُمَّ فَازُوْا بِالْمُنٰى ۔۔۔ وَسُقُوْا شَرَابَ الْفَضْلِ وَالرِّضْوَانِ

جو اپنے اندر فضائل کو جمع کر کے مقاصد میں کامیاب اور ۔۔۔ خدا کی مہربانی وخوشنودی کی شراب سے سرشار ہوئے

دیباچہ

جہاں جہاں نظر آئیں تمہیں لہو کے چراغ
مسافرانِ محبت! ہمیں دُعا دینا

ھوالموفق

سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

بڑے طویل انتظار کے بعد ''کفایت المفتی'' کی پہلی جلد ہدیۂ ناظرین کی جا رہی ہے۔ افسوس ہے کہ اس اہم کام کے انجام پذیر ہونے میں بہت تاخیر ہوئی لیکن بمصداق کُلُّ اَمْرٍ مَرْھُوْنٌ بِاَوْقَاتِھَا ۔ اس کے لیے یہی وقت مقدر تھا۔

حضرت العلامہ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ نور اللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔ آپ کے علم وفضل اور تفقہ فی الدین کی امتیازی خصوصیت سے کون واقف نہیں۔ مبدأ فیاض نے آپ کو شروع سے ہی افتاء کا ذوق اور تفقہ فی الدین کا ملکۂ فاضلہ عطا فرمایا تھا۔

آپ دارالعلوم دیو بند سے شعبان ۱۳۱۵ھ مطابق دسمبر ۱۸۹۷ء میں فارغ التحصیل ہو کر اپنے وطن مالوف شاہ جہان پور تشریف لے گئے اور جاتے ہی اپنے اولین استاد حضرت مولانا عُبید الحق خان قدس سرہ کے سایۂ عاطفت میں ''مدرسہ عین العلم'' سے وابستہ ہو گئے۔ درس وتدریس اور افتاء کی خدمت انجام دینی شروع کر دی۔ اور پھر مولانا موصوف کی وفات کے بعد شوال ۱۳۲۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۰۳ء میں شیخ الحدیث (صدر مدرس) اور مفتی کے عہدے پر ہی دہلی تشریف لائے۔ عمر مبارک کے آخری لمحات تک صبر وتوکل کے ساتھ انہیں مشاغل میں منہمک رہے۔ یعنی پچپن برس آپ نے تمام علوم وفنون کی تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ خدمت افتاء انجام دی۔ اس نصف صدی سے زائد کے زمانے میں آپ کے فتاویٰ غیر منقسم ہندوستان کے علاوہ جاوا، سماٹرا، برما، ملایا، چین، بخارا، سمرقند، بلخ، بدخشاں، ختن، تاشقند، ترکستان، افغانستان، ایران، عرب، افریقہ اور انگلستان غرضیکہ جہاں بھی مسلمانوں کا وجود ہے، وہاں تک پہنچے۔ اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ اس طویل مدت میں آپ نے کتنے فتوے تحریر فرمائے۔ فتویٰ لکھنے کے لیے آپ نے کبھی کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا۔ مدرسے میں، گھر میں، چلتے پھرتے، دن

کو، رات کو، سفر میں، حضر میں غرضیکہ ہر وقت میں، ہر حال میں، ہر مقام میں آپ نے فتویٰ لکھا حتی کہ بیماری کی حالت میں بھی فتویٰ لکھنے سے انکار نہ فرمایا۔ اگر کم سے کم ایک فتویٰ روزانہ کا اوسط لگایا جائے، تب بھی بیس ہزار فتوے ہوتے ہیں۔

درس وتدریس کے علاوہ مدرسہ امینیہ اور مدرسہ عالیہ فتحپوری کے انتظام واہتمام کی ذمہ داریاں اور پھر سیاسی وملّی خدماتِ جلیلہ، جنگِ آزادی میں شرکت ورہنمائی اور قید وبند کے مصائب۔ یہ سب مجاہدات بھی پورے انہاک سے جاری رہے اور خدمتِ افتاء بھی قائم رہی۔ مرضِ وفات میں بھی عیادت کے لیے حاضر ہونے والے حضرات کو مسائل بتانے اور سمجھانے کا مشغلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ وقت موعود آپہنچا اور مورخہ ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ (۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء) کو علوم نبویہ کا یہ رازداں اور دینِ الٰہی کا خادم آغوشِ رحمت میں جا سویا۔ بَرَّدَ اللّٰہُ مَضْجَعَہٗ ونَوَّرَ ضَرِیْحَہٗ۔ آپ کا مزارِ مبارک مہرولی میں ظفر محل کے پھاٹک کے نزدیک درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے باہر واقع ہے۔

تقسیم ہند کے بعد احقر نے حضرت موصوفؒ کی سوانح عمری لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ کافی عرصے تک اس کے لیے مواد اور یادداشتیں جمع کرتا رہا۔ ارادہ یہ تھا کہ سوانح عمری مرتب کرنے کے بعد فتاویٰ کی جمع تبویب کا اہم کام بھی شروع کیا جائے گا۔ ان دونوں کاموں کے لیے سہ روزہ اخبار الجمعیۃ دہلی کے مکمل فائل کی بھی سخت ضرورت تھی۔ جمعیۃ علمائے ہند کے یومِ تاسیس سے ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء تک تقریباً بیس سال آپ اس کے صدر بھی رہے۔ سہ روزہ الجمعیۃ اُسی عہد مسعود کی یادگار ہے۔ علاوہ اس کے کہ آپ کی سیاسی وملّی خدمات کے تذکرے میں اُس سے کافی مدد ملتی ہے۔ ایک مستقل کالم فتاویٰ کے لیے بھی مخصوص تھا۔ ''حوادث واحکام'' کے عنوان سے آپ کے فتاویٰ اخبار مذکور میں شائع ہوتے تھے۔ اس کا مکمل فائل نہ تو اخبار کے دفتر میں موجود تھا، نہ جمعیۃ علمائے ہند کے دفتر میں۔ نہ کسی لائبریری میں۔ بہر حال اللہ کا نام لے کر اخبار کے پرچے جمع کرنے شروع کیے۔ اور کچھ نہ پوچھئے کہ کیسی مشکلوں سے پانچ چھ برس لگا تار دیوانہ وار جستجو میں لگے رہنے اور رقمِ کثیر صرف کرنے کے بعد فائل جمع ہوا۔

سوانح کی تسوید پہلے سے جاری تھی اور ابھی وہ ابتدائی منزلوں میں تھی کہ حضرت کی وفات کا سانحۂ جاں گداز پیش آیا اور دل ودماغ کی دنیا زیر وزبر ہوگئی۔ آپ کی وفات کے بعد مدرسۂ امینیہ دہلی کی مجلس منتظمہ نے احقر کی عزت افزائی فرمائی۔ نائب مہتمم کا عہدہ تجویز فرما کر انتظامی خدمت تفویض فرمائی۔ اگرچہ ضابطے میں عہدہ

نائب مہتمم کا تھا مگر عملی طور پر اہتمام وانتظام کی پوری ذمہ داری احقر کے اوپر تھی۔ پھر تقریباً ڈھائی سال نائب مہتمم رہنے کے بعد باضابطہ مہتمم کا عہدہ تفویض کر دیا گیا۔ بگڑتے ہوئے حالات کی وجہ سے انتظامی مصروفیات میں بے انتہا زیادتی ہو چکی تھی اور سوانح نگاری کا کام پہلے ہی ملتوی ہو چکا تھا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے احقر کا ارادہ تھا کہ فتاویٰ کی جمع وتبویب کا کام سوانح کی تکمیل کے بعد شروع کیا جائے گا۔ لیکن اب حالات بدل چکے تھے۔ بڑے غور وفکر کے بعد دل نے یہ فیصلہ کیا کہ چوں کہ سوانح بالکل نامکمل حالت میں ہے اگر اس کو جاری رکھا جائے تو طویل مدت درکار ہوگی اور اس سے زیادہ اہم کام یعنی تبویب وجمع فتاویٰ میں بہت زیادہ تاخیر ہو جائے گی۔ لہٰذا اب پہلے یہی شروع ہونا چاہیے۔ چونکہ یہ کام خالص علمی کام تھا۔ رفقاء واقران سے استدعاء کی کہ اس اہم کام کو شروع کریں یا احقر کے ساتھ تعاون فرمائیں، مگر افسوس کہ ان کے کچھ اور ہی عزائم تھے۔ کسی نے ہامی نہ بھری۔ اپنی کم علمی وبے بضاعتی کی وجہ سے سخت تردد تھا اور ہمت پست ہوتی جا رہی تھی۔ جب یاس اپنے نقطۂ کمال پر پہنچی تو موفق حقیقی کے فضل وکرم نے سہارا دیا۔ اس کی کارسازی پر بھروسہ کر کے فتاویٰ کو جمع کرنے اور مبوب کرنے کا عزم مصمم کر لیا اور یہ سوچ لیا کہ تبویب صحیح ہو یا غلط کم از کم اتنا تو ہوگا کہ فتاویٰ کا ذخیرہ یکجا ہو کر سامنے آ جائے گا۔ اس طرح تائید غیبی نے شر میں خیر کی صورت پیدا کر دی۔ وَلَا خَیْرَ فِی مَنْ لَیْسَ یُعْرَفُ حَاسِدُہٗ

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ فتاویٰ کا ذخیرہ کہاں سے حاصل کیا جائے اور کیونکر مہیا کیا جائے؟ مدرسہ امینیہ میں جو کچھ تھا وہ ناکافی تھا۔ افسوس کہ نقول فتاویٰ کو محفوظ رکھنے کا معقول انتظام کبھی نہیں کیا گیا۔ آپ نے ۱۳۱۶ھ ۱۸۹۸ء سے فتویٰ لکھنا شروع کیا اور ۱۳۲۱ھ ۱۹۰۳ء میں دہلی تشریف لائے۔ لیکن مدرسہ امینیہ میں نقولِ فتاویٰ کا سب سے پہلا رجسٹر ربیع الاول ۱۳۵۲ھ مطابق جون ۱۹۳۳ء سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی چھتیس برس فتویٰ لکھنے کے بعد نقولِ فتاویٰ کا انتظام ہوا۔ مگر یہ انتظام بھی ناکافی اور ناقص تھا۔ مدرسے میں آپ کے حین حیات میں صرف پانچ عدد رجسٹر نقولِ فتاویٰ تیار ہوئے۔ چار رجسٹر بھرے ہوئے ہیں چوتھے رجسٹر میں آخری فتویٰ مورخہ ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ (اکتوبر ۱۹۴۴ء) کا ہے اس کے بعد آپ کی وفات تک آٹھ برس کے زمانے میں پانچویں رجسٹر پر صرف ۲۵ فتوے درج ہوئے ان رجسٹروں میں حضرت مفتی اعظم کے فتاویٰ کے علاوہ نائب مفتی حضرت مولانا حبیب المرسلین صاحب اور دیگر نائبین وتلامذہ کے فتاویٰ بھی مخلوط ہیں کل فتاویٰ کی تعداد تقریباً ۲۸۱۴ ہے۔

واضح ہو کہ آپ دارالافتائے مدرسہ امینیہ کے بھی اور دارالافتائے جمعیۃ علمائے ہند کے بھی صدر مفتی تھے

جب فتاوی کی آمد اور آپ کے مشاغل میں زیادتی ہوگئی تو دونوں جگہ نائب مفتی رکھے گئے جو آپ کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔

اندراجِ فتاوی کے لیے کوئی مستقل محرر کبھی نہیں رکھا گیا آپ کی خدمت میں جو تلامذہ فن افتاء سیکھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے اکثر نقل فتاوی کی خدمت وہی انجام دیتے تھے۔ یا دیگر طلبہ سے یا محرر مدرسہ سے نقل کرا لیے جاتے تھے۔ روزانہ کی ڈاک میں جو فتاوی روانہ ہوتے تھے وہ سب کے سب رجسٹر پر نہیں چڑھائے جاتے تھے۔ صرف اہم اور مفصل فتوے درج رجسٹر ہوتے تھے۔ بعض اہم فتاوی آپ اپنے قلم مبارک سے بھی نقل فرماتے تھے آپ کے قلمِ مبارک کی کچھ نقول رجسٹروں پر بھی موجود ہیں اور علیحدہ کاغذوں پر بھی ہیں جو گھر کے کاغذات میں دستیاب ہوئیں۔

ضروری تھا کہ موجودہ ذخیرے کے علاوہ مزید ذخیرہ جمع کیا جائے۔ چنانچہ بار بار اعلان کیا گیا۔ اشتہار طبع کرایا گیا جواب تک بھی مدرسے کی روزانہ ڈاک میں رکھ کر مستقل طور پر بھیجا جا رہا ہے۔ جب باہر سفر میں جانے کا اتفاق ہوا تو لوگوں کو توجہ دلائی گئی اور اس طرح بھی کچھ فتوے دستیاب ہوئے۔ کچھ نقول فتاوی کی کتابیں گھر میں محفوظ تھیں۔ کچھ فتاوی مطبوعہ کتب میں تھے۔ غرضیکہ جو کچھ بھی جہاں سے ملا مجموعہ میں شامل کیا گیا۔ اور اس مجموعۂ فتاوی کا نام کفایت المفتی رکھا گیا۔

حضرت کی وفات کے بعد سے یہ کام اب تک جاری ہے۔ اور قارئین کرام متحیر ہوں گے کہ سولہ برس میں بھی کفایت المفتی منظرِ عام پر نہ آ سکا۔ اس کا ایک جواب تو محض اظہارِ ندامت اور اظہارِ افسوس ہے۔ لیکن کچھ نہ کچھ عذر پیش کرنا ہی پڑتا ہے۔ وَالْعُذْرُ عِنْدَ كِرَامِ النَّاسِ مَقْبُوْلٌ۔

لغزشیں واصف کی جو مشہورِ دوراں ہوگئیں — خوش نصیبی سے وہی فرصت کا ساماں ہوگئیں
ایک دو گھڑیاں ملی تھیں کام کی اس عمر میں — ناگہاں دیکھا کہ غفلت میں گریزاں ہوگئیں
مل گیا اے ہم نشیں! اخلاص و محنت کا صلہ — کیسی کیسی حسرتیں نذرِ حریفاں ہوگئیں
ہوگیا پامال اپنا جذبۂ فکر و عمل — دل کی ساری قوتیں مصروفِ طوفاں ہوگئیں
جلوہ افگن تھیں یہاں کیا کیا مبارک ہستیاں — دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے پنہاں ہوگئیں
اب کہاں واصف ملیں گی وہ گذشتہ صحبتیں — اب وہ باتیں سر بسر خوابِ پریشاں ہوگئیں

حقیقت یہ ہے کہ حضرت والد ماجد کی وفات کے بعد احقر کی ناتواں ہستی پر اس قدر پے در پے آفات

ومصائب کا نزول ہوا کہ زندگی کا نظام بالکل درہم برہم ہوگیا۔ اور خاص کر مدرسے کے ساتھ انتظامی تعلق بڑا ہی کٹھن اور حوصلہ شکن ثابت ہوا۔ یہ جُرعۂ مرد آزما پینے کو پی تو لیا۔ لیکن اس کے عواقب ونتائج نے دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام کردی اور زندگی اجیرن بنادی۔ حالات ایسے پیدا کیے گئے اور حادثات ایسے پیش آئے کہ دل کی ساری قوتیں اور دماغ کی ساری صلاحیتیں مدرسے کو سنبھالنے اور حالات کا مقابلہ کرنے میں صرف ہوتی رہیں۔ اور جسم وروح کی تازگی وتوانائی غم واندوہ اور الم واضطراب کی نذر ہوتی رہی۔ وقت یہ تماشا دیکھتا رہا اور فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ گزرتا رہا۔ اِنَّمَآ اَشْکُوْبَثِّیْ وَ حُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ O

لیکن ان تمام حوادث وموانع اور تیرہ بختیوں کے باوجود نہاں خانۂ دل میں ایک چراغ جل رہا تھا۔ یعنی کفایت المفتی کا فکر ہر وقت تازہ تھا۔ اور یہی وہ فکر تھا جس نے شدید ترین صعوبتیں جھیل لینے اور کڑوے سے کڑوے گھونٹ پی جانے اور ہر قسم کی توہین وتحقیر برداشت کر لینے پر مجبور کردیا۔

یہ دنیا سازگار آئے نہ آئے لیکن اے واصفؔ بہر صورت ہمیں جینا یہاں یوں بھی ہے اور یوں بھی

تبویب تو احقر نے حضرت کی وفات کے بعد شروع کردی تھی۔ اور تبویب کے مطابق مسودہ کا کام بھی بہت کچھ نمٹایا جا چکا تھا۔ پانچ سال کام کرنے کے بعد ملتوی کرنا پڑا۔ بہت عرصے تک ملتوی رہا۔ ایک اور صاحب کے بھی سپرد کیا گیا مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ شروع ہوا پھر ملتوی ہوا۔ پھر شروع ہوا پھر ملتوی ہوا۔ بار بار ایسا ہوتا رہا۔ غرضکہ آٹھ سال تک تسلسل قائم نہیں رہ سکا۔

رفتم کہ خار از پاکشم محمل نہاں شد از نظر یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دُور شد

آخر میں اب سے چار سال قبل پھر احقر نے بتوفیقِ ایزدی ہمت کر کے کام شروع کیا۔ اور کارسازِ حقیقی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پہلی جلد قارئین کے پیش نظر ہے۔ اس کے بعد انشاء اللہ بہت جلد دوسری جلد شائع ہوگی۔ پوری کتاب نو جلدوں میں شائع ہوگی، اور جو فتاویٰ اس اثناء میں دستیاب ہوں گے ان کو بھی شامل کرلیا جائے گا۔ اور جو طباعت کے بعد موصول ہوں گے ان کو آئندہ ایڈیشن میں شامل کرنے کے لیے محفوظ رکھا جائے گا۔

فتاویٰ کو مہیا کرنے اور جمع کرنے کے علاوہ تسوید کے وقت بڑی دشواریاں اور مشکلات پیش آئیں رجسٹروں پر جن لوگوں نے فتاویٰ درج کیے تھے اُن میں سے اکثر نہایت بدخط تھے۔ اُن کے لکھے کو پڑھنے میں سخت محنت کرنی پڑی۔ بعض مرتبہ تو ایسا ہوا ہے کہ ایک ہی فتوے کو پڑھنے اور سمجھنے میں کئی کئی گھنٹے لگ گئے۔ عربی عبارتوں میں ناقلین نے اکثر غلطیاں کی ہیں۔ اُن عبارتوں کو اصل کتابوں سے درست کیا گیا۔ حضرت مفتی اعظمؒ نے جہاں

حوالہ میں صرف کتاب کا نام تحریر فرما دیا ہے صفحہ و باب وغیرہ نہیں لکھا اُن حوالوں کو اصل کتاب سے نکالنے میں بھی بہت وقت صرف ہوا۔ بہر حال کہیں عربی عبارت میں کچھ شک ہوا یا بدخطی کی وجہ سے صاف پڑھی نہیں گئی حتی الامکان اس کو اصل کتاب میں تلاش کر کے درست کر دیا گیا ہے۔ اور حوالہ کا صفحہ بھی درج کر دیا گیا ہے۔

فتاویٰ کو درج کرنے میں بہت احتیاط برتی گئی ہے۔ جو فتاویٰ باہر سے حاصل ہوئے اُن میں سے صرف اُنہیں فتاویٰ کو شامل مجموعہ کیا گیا ہے جو خاص حضرت مفتی اعظمؒ کے قلم مبارک کے تحریر کیے ہوئے تھے۔ اگر کسی نے نقل بھیجدی تو اس کو مجموعہ میں شامل نہیں کیا گیا۔ حضرت مفتی اعظمؒ کا اندازِ نگارش اور ان کے ہاتھ کی تحریر کو احقر خوب اچھی طرح پہچانتا ہے۔ تالیف کے وقت اگر کسی تحریر کے متعلق پورا یقین حاصل نہیں ہوا اس کو الگ کر دیا گیا۔ جن سوالات کی عبارتیں بہت طویل تھیں ان کو حتی الامکان مختصر کر دیا گیا ہے۔ لیکن صرف اسی قدر کہ سائل کا مقصود فوت نہ ہونے پائے۔ اگر کسی فتوے میں مختلف قسم کے چند سوالات و جوابات تھے تو اُن کو الگ الگ متعلقہ ابواب میں درج کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ایک فتوے کے کئی فتوے بن کر شمار میں آئے ہیں۔

جو فتاویٰ عربی یا فارسی زبان میں ہیں اُن کا ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے۔ تبویب کے لیے عنوانات قائم کرنے میں اس امر کا خیال رکھا گیا ہے کہ عام فہم ہوں۔ جزئیات کو زیادہ سے زیادہ عنوانات پر تقسیم کیا گیا ہے تا کہ مسائل کو تلاش کرنے میں سہولت ہو۔

اس مجموعے میں سب سے قدیم فتویٰ جو دستیاب ہو سکا وہ ۱۳۱۹ھ کا ہے جب کہ آپ مدرسہ عین العلم شاہجہانپور میں مدرس تھے۔ اس پر آپ کے اولین استاد مولانا عبید الحق خان اور دیگر علمائے شاہجہانپور کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں۔ یہ فتویٰ سنت فجر کے متعلق ہے۔ جو انشاء اللہ تیسری جلد میں آئے گا۔

جو فتاویٰ جمع کیے گئے ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔ اول وہ فتاویٰ جو نقولِ فتاویٰ کے رجسٹروں میں سے لیے گئے ہیں، ایسے فتاویٰ کی پہچان یہ ہے کہ لفظ المستفتی پر نمبر بھی ہے اور مستفتی کا نام و مختصر پتہ اور تاریخ روانگی بھی درج ہے۔ بعض جگہ سوال نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ لفظ ''جواب دیگر'' کے اوپر مستفتی کا نمبر ڈال دیا گیا ہے۔

دوسرے وہ فتاویٰ جو سہ روزہ ''الجمعیۃ'' سے لیے گئے ہیں۔ ان میں لفظِ سوال کے نیچے حوالہ لکھا گیا ہے۔

تیسرے وہ فتاویٰ جو گھر میں موجود تھے یا باہر سے حاصل کئے گئے یا مطبوعہ کتابوں میں سے لیے گئے لفظ جواب کے شروع میں جو نمبر لکھا گیا ہے وہ مجموعہ میں شامل فتاویٰ کی کل تعداد ظاہر کرنے کے لئے سیریل نمبر ہے۔

یہ جلد اول جو آپ کے پیش نظر ہے اس میں کل فتاویٰ چار سو انیس ہیں۔

تفصیل اقسام یہ ہے

رجسٹروں سے ۲۸۴	الجمعیۃ سے ۶۶	متفرق ۶۹	کل ۴۱۹

ابواب وعنوانات کے لیے علیحدہ علیحدہ سادہ کاغذ کی کتابیں بنائی گئی تھیں۔ ہر ایک مسئلے کو اُسی باب وعنوان کے تحت درج کیا گیا جس سے اُس کا تعلق تھا۔ اس طرح مسودہ تیار ہوا جو فل اسکیپ سائز کے تین ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے تیار ہونے کے بعد اس کی تصحیح اور مقابلہ بامعان نظر کیا گیا۔

احقر نے مسودہ کو لفظاً لفظاً پڑھا اور مقابل نے اصل کو دیکھا۔ تصحیح اور مقابلہ میں احقر کی رفیقہ حیات نے باحسن وجوہ شرکت اور پورا تعاون کیا۔ اور کبھی کبھی فرزند سعید برخوردار مولوی انیس الرحمٰن فاضل دیوبند شریک کار رہے۔ اور یہ تصحیح ومقابلہ کا کام تقریباً ایک سال میں مکمل ہوا۔

غرضکہ اب پھر دوبارہ تقریباً چار سال تک مسلسل محنت شاقہ اور عرق ریزی کے بعد مسودہ پورا ہوا۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَنِّهٖ وَ كَرَمِهٖ وَالشُّكْرُ لَهٗ اَوَّلاً وَّ اٰخِرًا۔

ہنر واصفؔ کا اس میں کچھ نہیں ہے ۔۔۔ وہ کوئی اور ہی خلوت نشیں ہے
وہ اپنا کام لے لے جس سے چاہے ۔۔۔ کہ می باید سید راہم گیا ہے
بایں کم مائگی اس کا کرم ہے ۔۔۔ یہاں کیا ہے بزرگوں کا بھرم ہے
تری توفیق سے فائز ہے بندہ ۔۔۔ خدایا شکر سے عاجز ہے بندہ

اب حضرات اہل علم اور ارباب کمال کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر کہیں ترجمہ میں کوئی لغزش وکوتاہی نظر سے گزرے۔ نیز تبویب میں اگر کوئی مسئلہ غلط جگہ درج ہو گیا ہو یا فرہنگ اصطلاحات میں کوئی غلطی ہو تو احقر کی کم علمی اور قصور فہم پر محمول فرمائیں اور احقر کو آگاہ فرمائیں

اور نکتہ چینوں سے میں کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا۔

دشمنوں کی حرف گیری سے نہ ہو واصفؔ ملول ۔۔۔ نقد دل بازار رسوائی میں پرکھا جائے گا

آخر میں قارئین کرام سے گزارش ہے کہ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جلیل القدر خدمات کے پیش نظر اپنے مخصوص اوقات کی دعاؤں میں ان کی ذات گرامی کو یاد رکھیں اور ایصال ثواب فرمائیں۔

اور اگرچہ اس موقع پر اپنا نام لینا بے ادبی ہے مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ ایک

مور بے مایہ کا تذکرہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظمت میں کسی قسم کے نقص کا موجب نہیں۔ احقر بے انتہا محتاج ہے آپ حضرات کی دعاؤں کا کہ بالکل بے بضاعت اور فقیر ہے۔

یہ عمر چند روزہ رایگاں یوں بھی ہے اور یوں بھی
رہے دنیا سے بھی محروم اور عقبیٰ سے بھی غافل

البتہ بحوائے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ایک شمعِ شوق وتمنا سیہ خانۂ دل میں روشن ہے اور انشاء اللہ روشن رہے گی۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔

احقر حفیظ الرحمان واصفؔ ابن حضرت علامہ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہؒ
مدرسہ امینیہ اسلامیہ کشمیری دروازہ دہلی
مورخہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ
(مئی ۱۹۶۹ء)

تاریخ تکمیل مسودہ

اے وہ کہ تیرا دامن ہے بیکسوں کا ماویٰ — اے وہ کہ تیری رحمت ہر درد کا مداوا

تیرے کرم سے میری مشکل ہوئی ہے آسان — سب ہو گئے مرتب بکھرے ہوئے فتاویٰ

عبرت فزا ہیں بیحد اس ناتواں کے حالات — غفلت کا معصیت کا آنکھوں پہ ہے غشاوہ

ہمت بھی ہے شکستہ منزل بھی بے نشاں ہے — چاروں طرف سے غم نے دل پر کیا ہے دھاوا

لیکن یہ ہے کرشمہ تائید ایزدی کا — رحمت نے ہر قدم پر دل کو دیا بڑھاوا

سولہ برس سے پیہم اپنا سفر ہے جاری — کھولا نہیں ہے دم بھر اس راہ میں کجاوہ

بارے بفضل باری منت کی کاوشوں سے — تیار ہو گیا یہ مجموعۂ فتاویٰ

تخریج وتحشیہ بھی تصحیح وترجمہ بھی — کافی ہوئی ہے محنت تبویب کے علاوہ

ہے ایک یادگار مفتی کفایت اللہ — کیا خوب سال ہجری ہے ارخ الفتاویٰ

۱۳ ھ ۸۵ — ۱۳ ۸۹

کیا لا سکے گا واصف جز تحفۂ ندامت

بااین حیات ہرزہ با این کلام یاوہ

پہلا باب
دار الاسلام اور دار الحرب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العلمين والعاقبة للمتقين والصلوٰة والسلام على رسوله محمد وآله واصحابه اجمعين۔ امابعد۔

دارالحرب میں بینک کی ملازمت

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ بینک کی وہ ملازمت جس میں سود کا حساب کتاب و عملدر آمد وصول باقی کرنا پڑتا ہے، یہ ملازمت اہل اسلام کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی۔ احقر العباد محمد یوسف تھانوی گلی لوہاران اجمیری گیٹ دہلی۔ مورخہ ۷ار مضان المبارک ۱۳۴۲ھ م ۲۲/اپریل ۱۹۲۴ء)

(جواب ۱) سرکاری بینک کی ملازمت اس حیثیت سے کہ اس میں سودی کاروبار ہوتا ہے ناجائز نہیں ہے کیونکہ بحالت موجودہ گورنمنٹ برطانیہ محارب ہے اور ہندوستان دارالحرب ہے(۱) اور اس میں گورنمنٹ سے سود لینا ناجائز نہیں ہے۔(۲) لیکن سرکاری بینکوں میں قصداً روپیہ جمع کرنا اور اس کے ذریعے سے ایک قسم کی امداد پہنچانی درست نہیں(۳)۔ فقط۔

ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالامن؟

(ازاخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۷رجب ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۲جنوری ۱۹۲۶ء

(سوال) واقعات حاضرہ سے دریائے اضطراب اس ہستی ناپائیدار میں جس قدر زور و شور سے لہریں مار رہا ہے اس کا خاکہ زمین شعر و سخن ذیل پر کشید کر کے متمنی ہوں کہ ازراہ شفقت مفصل و مشرح دلائل سے جواب مرحمت

۱۔ ہندوستان کے دارالحرب ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے، ایک جماعت کی رائے یہی ہے جو حضرت مفتی صاحبؒ نے تحریر فرمائی ہے، ان حضرات کا مستدل مندرجہ عبارت ہے (لا تصير دارالاسلام دارالحرب الا بامور ثلاثة الخ) وفي الشامية" وقالابشرط واحد لاغير، وهواظهارحكم الكفر (رد المحتار مع التنوير و شرحه ۱۷۴/۴)(ایچ ایم سعید) جبکہ دوسرے حضرات کی رائے اس کے خلاف ہے۔ تفصیل کے لئے (اعلاء السنن: ۱۴/ ۳۶۵)

۲۔ "لاربابين المسلم والحربي في دارالحرب (نصب الراية : ۴/ ۴۴) دارالمامون الطبعة الاولى۔ ذكر عن مكحول عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : لاربابين المسلمين وبين اهل دارالحرب في دارالحرب (اعلاء السنن ۱۴/ ۳۳۳) یہ امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے بعض علماء نے اس پر فتویٰ دیا ہے، امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دارالحرب میں بھی سود لینا جائز نہیں۔ دیکھئے امداد الفتاویٰ (۳/ ۱۵۵) امداد الاحکام ۱/ ۱۷۴، "اعلاء السنن" ۱۴/ ۲۳۲

۳۔ "ولاتعاونوا على الاثم والعدوان" (المائدہ: آیۃ: ۲)

فرما کر مضطرب قلوب کو موقع تشکر عطا فرمائیں۔ رباعی :

مشرک کے جور و ظلم سے مسلم غضب میں ہے، بیتاب اہل ہند ہیں خدشہ عرب میں ہے
گھر ہے امن کا ہند کہ دارالحرب ہے ہند، اے عالمو! بتادو لکھا کیا کتب میں ہے

پریشان خاطر شاہ صابری الہنوی از بمبئی

(جواب ۲) بہتر یہ تھا کہ سوال کو نثر کے ایک مختصر فقرے میں کہ "ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالامن ؟" ادا کر دیا جاتا۔ مگر خیر جواب عرض کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے دارالحرب ہونے نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے(۱) اور میرے نزدیک نہ پورا دارالحرب ہے نہ پورا دارالاسلام۔ بعض احکام میں مثلاً جواز جمعہ و عیدین وغیرہ میں دارالاسلام ہے(۲) اور بعض احکام مثلاً محارب گورنمنٹ سے سود لینے میں دارالحرب ہے۔ اگرچہ اختلاف علماء کی وجہ سے احتیاط اسی میں ہے کہ مسلمان سود لینے کا ارادہ کر کے گورنمنٹ کے بنکوں میں روپیہ جمع کرنے کی عادت نہ ڈالیں،(۳) تاہم جمع شدہ روپے کا سود گورنمنٹ کے پاس چھوڑیں بھی نہیں۔(۴) محمد کفایت اللہ غفرلہ'

دارالحرب کے کفار سے سود لینے کا فتویٰ۔

(سوال) دارالاسلام اور دارالحرب کی کیا تعریف ہے ؟ دارالحرب میں اہل کتاب کفار وغیرہ سے سود لینا جائز ہے یا نہیں ؟ زید اور بکر اخذ ربوا من غیر المسلمین میں باہم مختلف ہیں۔ زید کہتا ہے کہ ہندوستان میں جملہ شعار کفر بلاخوف کھلم کھلا علی الاعلان ئے جاتے ہیں۔ دوسرے اجرائے حدود و قصاص و قتل مرتد کی طاقت نہیں۔ تیسرے ساردا ایکٹ اور فریضہ حج میں ناجائز قیود کے ذریعہ گورنمنٹ نے مداخلت فی الدین شروع کر دی ہے۔ تحریک کشمیر وغیرہ میں محض اعلائے کلمۃ الحق و تبلیغ کلمۃ اللہ کے جرم میں سینکڑوں علمائے راسخین اسیر ہوئے، لہذا ہندوستان دارالحرب ہے، اس میں اہل کتاب وغیرہ کفار سے اخذ ربوا جائز ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ ہم اذان دیتے ہیں، نماز، جماعت، جمعہ، عیدین ادا کرتے ہیں۔ لہذا یہ دارالاسلام ہے اور اخذ ربوا ناجائز ہے۔ زید جواب میں کہتا ہے کہ ان اعمال صالحہ میں اس وقت تک آزادی ہے جب تک کہ یہ امور تعزیرات ہند کے کسی قانون سے نہ ٹکرائیں۔ اگر دفعہ ۱۴۴ وغیرہ آرڈیننس کے ذریعہ حکومت ان کاموں کو روکنا چاہے تو مسلمانان ہند میں اتنی سیاسی قوت نہیں جس کے بھروسہ پر وہ مقابلہ کر سکیں۔ جیسا کہ ساردا ایکٹ کے معاملے میں اور حرار کی تحریک میں اور معاملہ فریضہ حج میں مسلمان باوجود انتہائی کوشش کے کامیاب نہ ہو سکے۔

المستفتی نمبر ۲۷۳ بشیر احمد صاحب خطیب مسجد جامع پسرور۔ ۲۰ محرم ۱۳۵۳ھ ۵ مئی ۱۹۳۴ء۔

نوٹ :۔ فتاوی سے استفادہ کرتے وقت تاریخوں کے تقدم و تاخر کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ واصف

۱۔ دیکھئے اعلاء السنن : ۱۴ / ۳۶۵ ادارۃ القرآن کراچی
۲۔ واما فی [illegible] ولاۃ کفار، فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد. (الشامیہ : ۴ / ۱۷۵ سعید)
۳. وقد اتفقت الامة على ان الخروج من الخلاف مستحب قطعاً (اعلاء السنن : ۱۴ / ۳۶۶)
۴۔ اس رقم کا ان کے پاس چھوڑنا معصیت پر تعاون ہے، جو کہ درست نہیں۔ مواضع تعارض حلت و حرمت میں احتیاط اولی ہے۔

(جواب ۳) ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں تو زید کا بیان صحیح ہے۔(۱) لیکن سود لینے کا فتویٰ علی الاطلاق دین مسلمانوں کے لئے خطرناک ہے کہ سود کی حرمت کی اہمیت ان کے ذہن سے نکل جائے گی۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

دارالحرب میں قائم کفار کی کمپنی سے بیمہ کرانا

(سوال) زید ایک ہندوستانی مسلمان ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ اپنے اہل وعیال کی آئندہ بہبودی کے لئے اپنی جان کا بیمہ کرائے۔ جس بیمہ کمپنی میں وہ بیمہ کرانا چاہتا ہے وہ انگلستان میں ہے کمپنی کے حصہ دار اس کے ڈائریکٹر وغیرہ بھی انگریز ہیں۔ ہندوستان میں کاروبار کے لئے کمپنی کی ایک شاخ ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۱۷۶ محمد حسین بی، اے بی ٹی مدیگ فراشخانہ دہلی۔ ۱۱ شعبان ۱۳۵۴ھ م ۹ نومبر ۱۹۳۵ء

(جواب ٤) ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بنا پر زید کو جائز ہے کہ وہ انگلستان کی کمپنی میں زندگی کا بیمہ کرالے۔(۳)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

دارالحرب میں جمعہ عیدین اور سود لینے کا حکم

(سوال) ہمارے پٹھان لوگ آپس میں جھگڑتے ہیں کہ یہ ملک دارالحرب ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر دارالحرب ہو تو بیاج یار بوا جو کہ پٹھان لوگ لیتے ہیں آزاد ہے اور اگر دارالاسلام ہو تو بند ہے۔ نیز جمعہ کی نماز اس ملک میں جائز ہے یا نہیں۔ اگر جمعہ کی نماز جائز ہے تو احتیاطی چار رکعات وہ بھی جائز ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۷۱۵ لال محمد خاں پٹھان (بمبئی) ۲۵ شوال ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ٥) اگر دارالحرب بھی ہو جب بھی غیر مسلموں سے ربوا لینا (ان کی رضامندی سے) جائز ہے۔(۴) مسلمانوں سے یا جبراً غیر مسلموں سے لینا روا نہیں(۵) جمعہ کی نماز جائز ہے(۶) ظہر احتیاطی پڑھنا نہیں چاہئے۔(۷)

محمد کفایت اللہ

۱۔ هي البلاد التي ليس للمسلمين عليها ولاية، وسلطان، ولاتقام فيها اكثر شعائر الاسلام
(حاشیۃ الفقہ الاسلامی وادلتہ : ۸/ ۳۹ المکتبۃ الحقانیۃ) یہ ایک رائے ہے، دوسری رائے اس کے خلاف ہے

۲۔ قد اتفقت الائمۃ دیکھئے اعلاء السنن ۱٤/۳٦۵ على ان الخروج من الخلاف مستحب قطعا (اعلاء السنن ۱٤ / ۳٦٦)

۳۔ بیمہ سود اور قمارت مرکب ہے دارالحرب میں ان عقود فاسدہ کے جواز کے قول کو بنیاد بنا کر یہ فتویٰ دیا گیا ہے، دوسرے حضرات اس کو دارالحرب میں بھی ناجائز کہتے ہیں، دیکھئے امداد الفتاویٰ ۳/ ۱٦۱

٤۔ لان ماله ثمه مباح فيحل برضاه مطلقا ("درمختار" : ٤/ ۱۷۵)

۵۔ احترز بالحربي عن المسلم الاصلي، والذمي، وكذا عن المسلم الحربي اذا هاجر الينا. الخ ("الشامية: ۵/ ۱۸٦) (س)

٦۔ واما في بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد. (الشامية : ۵/ ۱۷۵ سعيد)

۷۔ في البحر قد أفتيت مرارا بعدم صلوة الاربع بعدها بنية آخر ظهر." (درمع الرد : ۲/ ۱۳۷ سعيد)

ہندوستان کا دارالحرب ہونا قوی اور راجح ہے

(سوال) حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے لحاظ سے ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ نیز شیخینؒ کی رائے کے لحاظ سے بھی؟ اور فتوٰی کس پر ہے؟

المستفتی نمبر ۷۴۰۔ عبدالحق (کاٹھیاواڑ) ۴ ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ م ۸ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۶) اب ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی رائے قوی اور راجح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ

دارالحرب میں کفار سے سود لینا اور اس کو فقراء اور مساکین پر خرچ کرنا

(سوال) (۱) ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟
(۲) اگر دارالحرب ہے تو کافروں سے مسلمان سود لے سکتا ہے یا نہیں؟
(۳) (الف) جس مسلمان کی رقم ڈاکخانہ میں رکھی ہوئی ہے وہ ۱۵۱۳ اپنی رقم سود ڈاک خانہ سے لے سکتا ہے یا نہیں؟ (ب) اگر لے سکتا ہے تو اس سود کو اپنی ذات پر یا کسی اسلامی ادارہ پر یا غیر مستطیع طلبہ پر خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۰۱۳ حبیب احمد (کیتھل ضلع کرنال) ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۲۳ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۷) (۱) ہندوستان بقول راجح دارالحرب ہے۔(۲)
(۲) ہاں حربی کافروں سے دارالحرب میں مسلمان کو سود لینا مباح ہے۔(۳) مگر چونکہ ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں اختلاف ہے، اس لئے مسلمانوں کو رباخوری سے بچنا احوط ہے۔(۴)
(۳) ڈاک خانہ سے ضرور سود کی رقم لے لے اور مساکین و یتامی پر خرچ کردے یا طلبہ کو دے دے۔(۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

ہندوستان سے ہجرت کرنا ضروری ہے نہ اس میں مسلمانوں کا آپس میں سودی لین دین جائز ہے

(سوال) کیا ہندوستان اور بلوچستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام۔ اور کیا دارالحرب سے مسلمانوں کو ابی دارالاسلام ہجرت کرنا واجب اور لازمی ہے یا نہیں۔ اور کیا ربوا یعنی سودی کاروبار کرنا دارالحرب میں بعض مسلمانوں کا بعض مسلمانوں سے جائز ہے یا نہیں؟

۱۔ "وقالا: بشرط واحد لاغير وهو اظهار حكم الكفر وهو قياس" (الشامية ٤/ ١٧٤ سعيد) بعض علماء نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ دیکھئے (اعلاء السنن: ۱۲/ ۳۶۵)
۲۔ "وقالا: بشرط واحد لا غير وهو اظهار حكم الكفر وهو قياس." (الشاميه ٤/ ١٧٤ سعيد) بعض علماء نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ دیکھئے (اعلاء السنن: ۱۲/ ۳۶۵)
۳۔ "لان ماله ثمه مباح فيحل برضاه مطلقا" (الردمع الدر: ٥/ ١٨٦ سعيد) یہ ایک قول ہے دوسرا قول عدم جواز کا ہے۔ دیکھئے امداد الفتاوٰی ۳/ ۵۵، امداد الاحکام: ۱/ ٦٤٧
۴۔ دیکھئے "اعلاء السنن": ۱۲/ ۳۶۵۔ ۳۶۶
۵۔ یہ رقم عیسائی مشنریوں کو دی جاتی تھی اور وہ اس کو کفر کی تبلیغ کے لئے استعمال کرتے تھے اس لئے یہ فتوٰی دیا جاتا تھا۔

المستفتی نمبر ۱۰۱۱ مولوی عطاء اللہ صاحب کوئٹہ (بلوچستان) ۱۹ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۸ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۸) ہاں ہندوستان اور بلوچستان جو حکومت انگریزی کے ماتحت محکوم ہیں دار الحرب ہیں(۱) اور دار الحرب میں عقود ربویہ حربی کافروں کے ساتھ جائز ہیں۔(۲) مگر ہجرت اس لئے فرض نہیں کہ ادائیگی فرائض ممکن ہے(۳) لیکن مسلمانوں کو عقود ربویہ کی اجازت دو وجہ سے دینا مشکل ہے۔ اول یہ کہ دار الحرب ہونے میں بعض علماء کا اختلاف ہے، اس لئے شبہ ربوا کا متحقق ہو سکتا ہے۔(۴) دوئم یہ کہ دار الحرب میں بھی مسلمانوں کو آپس میں سود لینا دینا بقول راجح جائز نہیں ہے۔(۵) اور ربوا کی مروجہ صورتوں میں مسلمانوں کی شرکت اکثری طور پر لازمی ہے۔　　　فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

ہندوستان دار الحرب ہے

(سوال) ہندوستان واقعی اس وقت دار الحرب ہے؟ اگر ہے تو کیوں؟ اگر نہیں تو کیسے؟

المستفتی ۔ نمبر ۱۱۹۱ محمد دانیال صاحب (لاہور) ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۹) ہندوستان دار الحرب ہے۔(۶)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

دار الحرب کی تعریف اور ہندوستان کے مسلمانوں کی ذمہ داریاں

(سوال) (۱) دار الحرب سے کیا مطلب ہے (۲) آیا اس وقت ہندوستان دار الحرب ہے یا نہیں اگر نہیں تو کیوں (۳) اگر ہے تو مسلمانوں پر کیا فرض ہے۔

المستفتی محمد رفیع صاحب (آلہ آباد) ۲۴ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ ۱۳ جولائی ۱۹۳۹ء

(جواب ۱۰) (۱) دار الحرب وہ ملک ہے جس میں کفار کی خود مختار حکومت ہو جو اپنی مرضی کے موافق احکام جاری کرنے پر قادر ہو۔(۷)

(۲) ہندوستان یقیناً دار الحرب ہے۔

(۳) مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ حسب استطاعت امارت شرعیہ قائم کرنے اور اسلامی حکومت[ل] کے اجراء میں آزادی حاصل کرنے کی کوشش کریں اور مسلسل جدو جہد جاری رکھیں۔(۸) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

ل۔ یہ نقل مطابق نقل ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہاں اصل میں لفظ اسلامی حکومت کے بجائے "اسلامی حدود" ہوگا۔ واصف عفی عنہ۔

....

۱۔ وقال ابو یوسف ومحمد : بشرط واحد لا غیر ، وهو اظهار احکام اهل الکفر وهو القیاس" (هندیه : ۲/۲۳۲ ماجدیه) (اعلاء السنن ۱۴/۳۶۵ ادارہ القران)

۲۔ لان ماله ثمه مباح فیحل برضاه مطلقا" (الشامیة ۵/ ۱۸۶ سعد) ، دیکھئے ، امداد الفتاوی ۲/ ۱۵۵

۳۔ والثانی : قادر لکنه یمکنه اظهار دینه واداء واجبته ومستحبه" (تکمله فتح الملهم ۳/ ۳۷۳)

۴۔ دیکھئے اعلاء السنن حوالہ سابقہ

۵۔ "فان مدلوله جواز الربا بین مسلم اصلی مع مثله، او مع الذمی هنا وهو غیر صحیح" ("الشامیة": ۵/ ۱۸۶ سعید)

۶۔ دیکھئے حاشیہ نمبر ۱

۷۔ هی البلاد التی لیس للمسلمین علیها ولایة، ولایقام فیها اکثر شعائر الاسلام حاشیہ الفقه الاسلامی وادلته (۸/ ۳۹ مکتبه حقانیه)

۸۔ اما فی البلاد علیها ولاة کفار ... ویجب علیهم طلب " وآل مسلم." (الشامیة ۴ ۱۷۵)

دارالحرب ہونے کی شرائط اور دارالحرب میں سودی لین دین

(سوال) (۱) ہندوستان دار حرب ہے یا نہیں؟
(۲) دارالحرب میں کفار سے بیاج لینا یا ان کو دینا جائز ہے یا نہیں؟
(۳) دارالحرب ہونے کی کون کون سی شرط ہے؟

المستفتی۔ نمبر ۲۶۳۴ محمد ولی شمس الدین صاحب (گجرات) ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ ۷ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۱) (۱) ہندوستان دارالحرب ہے مگر دارالحرب کے تمام احکام یہاں جاری نہیں (۱)
(۲) ہندوستان میں مسلمانوں کو سود لینا یا دینا بوجہ شبہ کے جائز نہیں۔ یعنی ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ (۲)
(۳) جو ملک ایک بار دارالاسلام ہو چکا ہو اس کے دارالحرب بننے میں امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک تین شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ اس میں حکومت سابقہ کی کوئی شرط امن و ذمہ داری یا معافی باقی نہ رہے۔ دوم یہ کہ احکام اسلامی جاری نہ رہیں۔ تیسرے یہ کہ اس کا دارالاسلام سے اتصال باقی نہ رہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

ہندوستان میں سود کا جواز

(سوال) ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں اب تو کوئی شک نہیں معلوم ہوتا۔ تو کیا اب سود لینا جائز ہوگا۔ اور اس کا استعمال جائز ہوگا؟

المستفتی۔ نمبر ۲۸۱۴ سلیمان موسیٰ حافظ فی بارڈولی ضلع سورت۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ (۲۸ دسمبر ۱۹۵۰ء)

(جواب ۱۲) ہندوستان اگرچہ پہلی حالت میں نہیں رہا، مگر دارالحرب نہیں بنا۔ بلکہ یہاں کی حکومت قانوناً مشترک حکومت ہے۔ جس میں مسلمان ممبر بھی شامل ہیں۔ اس لئے سود کا جواز سمجھ میں نہیں آتا۔ (۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

۱۔ کیونکہ دارالحرب کی تعریف میں یہ قید موجود ہے کہ
"لاتقام فیها اکثر شعائر الاسلام" اور ہندوستان ایسا نہیں ہے۔
۲۔ دیکھئے (اعلاء السنن : ۱۴ : ۳۶۵)
۳۔ لا تصیر دارالاسلام دار حرب الا بامور ثلاثه احدها باجراء احكام اهل الشرك على سبيل الاشتهار وان لايحكم فيها بحكم الاسلام و الثاني : ان تكون متصله بدارالحرب ولا يتخلل بينهما بلد من بلاد الاسلام الثالث : ان لا يبقى فيها مومن ولا ذمي آمنا بامانه الاول. (هنديه ۲ : ۲۳۲ ماجديه كوئته)
۴۔ "لو اجريت احكام المسلمين و احكام اهل الشرك لا تكون دارالحرب." (طحطاوی على الدر : ۲ : ۴۶۰) طبع دارالمعرفه بيروت

دوسرا باب
اسباب نجات

نیکو کار کافر و مشرک کی نجات نہ ہو گی۔

ایک شخص خاندانی مسلمان ہے اور خود بھی نہایت پابند صوم و صلوٰۃ ہے۔ تہجد گزار ہے ذکر و شغل کا بھی عادی ہے۔ وضع ظاہری بھی شریعت اسلام کے مطابق رکھتا ہے۔ لیکن زندگی اس کی مکر و فریب، کذب و افتراء ایذاء رسانی و قطع رحم میں بسر ہوتی ہے۔ دوسرا شخص قوم کا برہمن پشتینی کافر و مشرک ہے، اس کے گلے میں بتوں کی ہیکل پڑی

رہتی ہے، رات دن پوجاپاٹ کرتا رہتا ہے، مگر اسی کے ساتھ اس کی زندگی ابنائے جنس کی خدمت، یتامی کی پرورش، بیواؤں کی ہمدردی میں بسر ہوتی ہے اور اس کی ذات یکسر امن و سکون ہے۔ براہ کرم مذہب اسلام کے نقطہ نظر سے بتائیے کہ ان دونوں میں کون ناجی ہے اور کون ناری؟ یا دونوں ناجی ہیں یا دونوں ناری؟ اگر آپ چاہیں تو استناداً قرآن، حدیث و اقوال اکابر کا حوالہ دے دیں، ورنہ اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

مجھے صرف جناب کی رائے بحیثیت ایک عالم دین ہونے کے درکار ہے۔ میں پندرہ دن تک جناب کے فتویٰ کا انتظار کروں گا۔

المستفتی نیاز فتحپوری ایڈیٹر رسالہ نگار لکھنو۔

(جواب ۱۳) اسلامی اصول کے موافق نجات کے لئے ایمان لازم ہے۔ مشرک کے لئے نجات نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے :۔

ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذٰلك لمن يشآء (نساء) (۱)

یعنی اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس کے علاوہ جسے چاہے گا بخش دے گا۔ یعنی مشرک کی مغفرت کے ساتھ مشیت ایزدی متعلق ہی نہ ہو گی۔ خازن میں ہے۔

ومعنى الاية ان الله لايغفر لمشرك مات علىٰ شركه ويغفر مادون ذلك لمن يشاء يعني ويغفر مادون الشرك لمن يشاء من اصحاب الذنوب والاثام۔ (خازن ص ۴۵۳ مصر ج ۱)

آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ مشرک کو جو مشرک ہونے کی حالت میں مر جائے نہیں بخشے گا اور شرک کے علاوہ دوسرے گناہ اور جرائم والوں میں سے جسے چاہے گا بخش دے گا (خازن صفحہ ۴۵۳ مطبوعہ مصر جلد اول)

اور حدیث میں ہے :**ثم امر بلالاً فنادی فی الناس انه لايدخل الجنة الانفس مسلمة** ۔ (بخاری جلد اول ص ۴۳۱)(۲)

یعنی پھر حضور انور ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا تو انہوں نے لوگوں میں پکار کر کہہ دیا کہ جنت میں صرف نفوس مسلمہ داخل ہوں گے۔

۱۔ (آیت ۱۱۶)
۲۔ (بخاری شریف ۴۳۱) قدیمی کتب خانہ

ہاں جو مسلمان کہ ایمان واسلام کے ساتھ گناہوں کا مرتکب بھی ہوگا اگر توبہ کرکے نہ مرے تو اس کو گناہوں کے بدلے جہنم کا عذاب دیا جائے گا۔ یعنی وہ عذاب دیئے جانے کا مستحق ہے اگر حق تعالیٰ چاہے تو اس کو بغیر عذاب دیئے بخشش دے اور چاہے عذاب دے کر بالآخر نجات دے۔(۱) کافر اور مشرک کے پاس نجات کی اساسی شرط اور رضائے حق تعالیٰ کی کلید یعنی ایمان نہیں۔ اس لئے وہ نجات جس کو رضائے مولیٰ کے حصول یا وصول الی اللہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے نہیں پاسکتا۔ نہ نجات کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے۔(۲)

انسانی روح کی منزل مقصود رضائے مولیٰ یا بالفاظ دیگر وصول الیٰ اللہ ہے۔ اس منزل مقصود تک سفر کے لئے جس قوت کی ضرورت ہے وہ ایمان کی قوت (اسٹیم) ہے۔ اعمال حسنہ اس قوت کے معین ہو سکتے ہیں، لیکن اصل قوت کا کام نہیں دے سکتے۔ مثلاً ایک مقام پر دو ٹرینیں کھڑی ہیں۔ ایک ٹرین کے ڈبے نہایت نفیس صاف شفاف، اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ ڈبوں میں ہر قسم کے راحت کے سامان فواکہ الوان طعام سب موجود ہیں۔ اس میں بیٹھنے والے نہایت راحت و آرام پاتے ہیں۔ کھانا کھاتے اور مٹھائیوں اور میووں سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ دوسری ٹرین کے ڈبے نہایت میلے کچیلے، خراب خستہ، ٹوٹے پھوٹے۔ نہ کسی قسم کی راحت کا سامان نہ کھانے پینے کا آرام۔ اس کے پرزے بھی پرانے گھسے ہوئے۔ مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی ٹرین میں اسٹیم کا انجن نہیں ہے۔ اور دوسری میں اسٹیم والا انجن لگا ہوا ہے۔

ظاہر ہے کہ دوسری خراب خستہ ٹرین باوجود اپنی تمام قباحتوں اور خرابیوں کے واصل الی المقصود (ناجی) ہوگی۔ اور پہلی نفیس اور صاف شفاف ٹرین باوجود اپنی تمام خوبیوں بلکہ راحت پاشیوں اور فائدہ رسانیوں کے غیر واصل الیٰ المقصود (غیر ناجی) ہوگی، اس میں شک نہیں کہ اگر اس ٹرین میں سٹیم کا انجن لگا دیا جائے تو اس کی سیر الی المقصود اعلیٰ واکمل ہوگی۔ لیکن جب تک اصل قوت یعنی اسٹیم کا انجن نہ ہو اس کی تمام خوبیاں فائدہ رسانیوں زر پاشیاں، ڈبوں کی صفائی پرزوں کی خوبی و مضبوطی سب بے کار ہے۔ یہی مطلب اس آیۃ کریمہ کا ہے۔

ان الذین کفروا وما توا وھم کفار فلن یقبل من احدھم ملء الارض ذھباً ولو افتدیٰ بہ (آل عمران)(۳)

یعنی جو لوگ کافر ہوئے اور کفر کی حالت میں مر گئے تو ان میں سے کسی کی طرف سے زمین بھر سونا بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ اس نے یہ سونا فدیہ خسران (یعنی فدیہ عدم نجات) کے طور پر پیش کیا ہو۔

مراد یہ ہے کہ چونکہ اس نے وصول الیٰ اللہ کی اصل قوت محرکہ و موصلہ حاصل نہیں کی (یعنی ایمان) تو اگرچہ دنیا میں اس نے زمین بھر سونا بھی خرچ کیا ہو مگر یہ اس کے لئے ایمان (یعنی اصلی قوت موصلہ) کے قائم مقام نہ ہوگا۔

۱۔ "ویغفر لمن یشاء، ویعذب من یشاء وکان اللہ غفوراً رحیماً (الفتح : ۱۴)

(۲) ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ، ویغفر مادون ذلک لمن یشاء" (النساء : ۱۱۶)

۳۔ (آل عمران : ۹۱)

جس طرح کہ مثال مذکور میں پہلی ٹرین کی خوبصورتی، صفائی، مضبوطی، فائدہ وراحت رسانی وضول الی مقصود کے لئے کام نہ آئی کیونکہ ان میں سے کوئی چیز بھی قوت موصلہ کا کام نہیں دے سکتی اور جب تک قوت موصلہ نہ ہو، ہر ایک کا وجود بے کار ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات مالکیت، خالقیت، ربوبیت، رزاقیت وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے تو اس امر کو سمجھ لینا کچھ مشکل ہی نہیں کہ اسلام نے نجات کے لئے ایمان باللہ کو کیوں لازم قرار دیا ہے۔

بادشاہ سے بغاوت ایسا جرم ہے اس کے ہوتے ہوئے مجرم کی تمام صفاتِ حسنہ اس کے بچانے کے لئے کافی نہیں ہوتیں بالخصوص جب کہ بادشاہ نے یہ اعلان بھی کر دیا ہو کہ باغی کا جرم بغاوت معاف نہیں کروں گا باقی جرائم کو چاہوں گا تو معاف کر دوں گا۔

یہ شبہ کہ جس شخص کی زندگی ابنائے جنس کی خدمت یتامیٰ کی پرورش، بیواؤں کی ہمدردی میں بسر ہوئی ہے اس کا ناجی نہ ہونا اس امر کو مقتضی ہے کہ یہ اعمال حسنہ بے کار اور ضائع ہو جائیں اور یہ بات غیر معقول ہے، اس امر پر مبنی ہے کہ اعمال حسنہ کو نجات کے لئے موجب بالذات مانا جائے اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ نجات یعنی وصول الی اللہ کا تصور بغیر اللہ تعالیٰ کے اعتراف اور ایمان باللہ کے نہیں ہو سکتا اور کافر جب کہ بت پرست عابد صنم ہے مومن باللہ اور مصدق بالصفات موحد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تو اس کے افعال حسنہ بہ نیت تقرب الی اللہ (یعنی سیر الی اللہ) ہو ہی نہیں سکتے اور ان کو حقیقۃً افعال حسنہ کہنا ہی صحیح نہیں ہے، اس لئے یہ لازم ہی نہیں آیا کہ افعال حسنہ بے کار ہو جائیں۔

دوم یہ کہ ایسا شخص جو نیک کام کرتا ہے اس کی منزل مقصود حصول نیک نامی ہوتی ہے اور یہ مقصد اسے حاصل ہو جاتا ہے۔ من سمع سمع اللہ بہ ۔(۱) پس اس کے اعمال کا بطلان وضیاع لازم نہیں آیا۔

تیسرے یہ کہ باوجود کفر اور شرک کے اس کے اعمال صالحہ میں اگر ادنی سے ادنی شائبہ بھی اعتراف و ایمان باللہ کا ہوگا اور کسی درجہ میں بھی وہ حصول رضائی مولی تعالیٰ کا قصد رکھتا ہوگا تو حضرت حق تعالیٰ اس کے انہیں اعمال صالحہ کو اس کے لئے وسیلہ ایمان باللہ بنا دے گا۔ اور اس کے لئے سیر الی اللہ کی اصلی قوت (سٹیم) مہیا ومیسر فرما دے گا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد اسلمت علی ماسلف(۲) لك من خیر سے مفہوم ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور انور ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ اسلام لانے سے پہلے میں نے جو اعمال صالحہ (مثلاً صدقہ، غلام آزاد کرنا صلہ رحمی وغیرہ) کئے ہیں کیا مجھے ان کا بھی کچھ ثواب نہ ملے گا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ انہیں اعمال کے صلے اور نتیجے میں تو تم کو ایمان واسلام کی توفیق نصیب ہوئی۔(۳)

۱۔ مسلم شریف ۲ ۴۱۲

۲۔ مرجع بالا: ۲. ۷۶

۳۔ یہ حدیث حضرت عمر کی نہیں بلکہ حضرت حکیم بن حزام کی ہے۔ مسلم شریف میں ہے عن حکیم بن حزام أنه قال لرسول الله ﷺ أی رسول الله أرأیت امورا أتحنث بها فی الجاهلیة من الصدقة أو عتاق أو صلة رحم أفیها أجر فقال رسول الله ﷺ أسلمت علی ما أسلفت من خیر (مسلم ۱ / ۷۴) قدیمی

بالتفصیل تشریح کے بعد آپ کے سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ مومن عاصی آخر کار ضرور ناجی یعنی واصل الی اللہ ہے۔ اس کے ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اس کو اطاعت وانقیاد کے صلے میں آخر کار ضرور مندی کا تمغہ عطا فرمائے۔ اگرچہ وصول الی اللہ کے سفر میں اس کو اپنی خرابی خستگی کمزوری (جرائم معاصی) کی وجہ سے کتنی ہی دیر لگے اور کتنی ہی تکالیف اور مصائب برداشت کرنی پڑیں۔ مگر چونکہ قوت موصلہ (ایمان کی سلیم) موجود ہے اس لئے ایک نہ ایک دن ضرور منزل تک پہنچ کر رہے گا۔(۱)

اور کافر نیلو کار ناجی نہیں یعنی واصل الی اللہ وفائز برضاء اللہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں دنیا میں اس کے اعمال صالحہ کا بدلہ یعنی نیک نامی منقبت مقبولیت شہرت یا دولت وثروت مل جائے لیکن مالھم فی الاخرۃ من خلاق۔(۲) آخرۃ میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ دہلی۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۲۹ء

مکتوب حضرت مفتی اعظم بنام نیاز فتحپوری ایڈیٹر رسالہ نگار لکھنؤ۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۱ء

جناب عالی دام مجدہم۔ سلام مسنون!

آپ کا خط اور نومبر ودسمبر کے نگار کے پرچے اور اخبار حقیقت کا کٹنگ مولانا عارف صاحب کی معرفت پہنچا۔ میں نے آپ کی تحریر پر جو اخبار "حقیقت میں چھپی ہوئی ہے اعتماد کرتے ہوئے مسلمانوں کو تعرض نہ کرنے کا مشورہ دے دیا ہے۔ مرسلہ پرچے تفصیلی طور پر میں نہیں دیکھ سکا۔ اجمالی طور پر بعض مقامات دیکھے۔ میں آپ سے یہ عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت حق جل شانہ انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم السلام۔ صحابہ ؓ و لوایئے امت رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ دین اسلام والہیات واسلامیات کا احترام وتقدیس ہر مسلمان کا مذہبی واخلاقی فریضہ ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلمان ہوئے اور مسلمان رہنے کا پرزور اعلان فرماتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ اس اعلان کی ذمہ داری کو بھی آپ اچھی طرح محسوس فرماتے ہوں گے۔ اسلام اور مسلمان قوم آپ کا اصلی سرمایہ اور ذخیرہ شرف ہے اور یہی ہونا اور رہنا چاہئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ مسلمان میرے مشورے کو قبول کریں گے یا نہیں، لیکن یہ یقینی ہے کہ آپ کا آئندہ طرز عمل مسلمانوں کے آئندہ طرز عمل کا مدار ہوگا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔ دہلی۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۱ء م ۵ شعبان ۱۳۵۰ھ

وہ اہل کتاب جن کو آپ ﷺ کی دعوت پہنچ جائے پھر بھی آپ پر ایمان نہ لائے ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

(السوال) اہل کتاب سے جو شخص آج کل موحد ہو، اچھے کام کرتا ہو، برے کاموں سے روکتا ہو، پیشتر کے پیغمبروں کو مانتا ہو، ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو نہ مانتا ہو اور ہمارے قرآن وحدیث پر عمل نہ کرتا ہو، ایسا شخص اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنتی تک ہو سکتا ہے یا نہیں؟

ا۔ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : اذا دخل اھل الجنۃ الجنۃ ، واھل النار النار یقول اللہ تعالیٰ : من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان فاخرجوہ فیخرجون قدا متحشوا وعادو حما فیلقون فی نھر الحیوۃ فینبتون کما تنبت الحبۃ فی حمیل السیل الم تروانھا تخرج صفراء ملتویۃ ." (مشکوۃ المصابیح : ۴۹۰) قران محل

۲۔ البقرۃ : ۱۰۲

المستفتی نمبر ۶۵ مولوی عبدالرحیم کانپور۔ ۲۴ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱٤) جو شخص کہ حضرت نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لائے اور حضور ﷺ کی تصدیق نہ کرے حالانکہ اس کو حضور ﷺ کی دعوت پہنچ چکی ہو، آخرت میں اس کی نجات نہیں ہوگی۔

قرآن مجید میں ہے :

ومن اظلم ممن ذکر بایٰت ربہ ثم اعرض عنھا، انا من المجرمین منتقمون۔(۱)

دوسری جگہ ہے :

ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمی ۔ الی قولہ تعالی . وکذلک نجزی من اسرف ولم یؤمن بایٰت ربہ ولعذاب الاخرۃ اشد وابقی۔(۲)

ایک اور جگہ فرمایا :

ومن یکفر بہ فاولٰئک ھم الخسرون.(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

ایمان کے بغیر اعمال صالحہ جنت تک نہیں پہنچا سکتے۔

(سوال) ایک شخص ہندو ہے اور سخی بہت ہے۔ مردم آزاری سے بچا ہوا ہے۔ اس کو بو بہشت کی پہنچے گی یا نہیں جو بوئے بہشت مسلمانوں کو پانچ سو کوس دور سے پہنچے گی، اس ہندو کو بھی پہنچے گی یا کہ نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۴۳۶ چودھری خیر الدین صاحب راجپوت (ضلع انبالہ) ۷ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ

(جواب ۱۵) کافر کے لئے جنت یا جنت کی بو پہنچنے کی کوئی سبیل نہیں۔ ایمان کے بغیر اعمال صالحہ (سخاوت ومدارات وغیرہ) بھی جنت تک نہیں پہنچا سکتی۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ السجدۃ : ۲۲

۲۔ طٰہٰ : ۱۲۴

۳۔ البقرۃ : ۱۲۱

۴۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : والذی نفس محمد بیدہ لایسمع بی احد من ہذہ الامۃ یہودی ولانصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت بہ الاکان من اصحاب النار ، مشکوۃ المصابیح : ۱۲ (قرآن محل مولوی مسافر خانہ)

کفار و فساق کے معصوم بچے نیز حالت جنون میں بالغ ہو کر مرنے والا شخص جنتی ہے۔

(۱) مشرک و کافر کے معصوم بچے جو فوت ہوتے ہیں کیا یہ سب بلا حساب و کتاب جنت میں داخل نئے جائیں گے اور کیا یہی بچے جنت میں ہمارے خدمت گار ہوں گے؟

(۲) زانی کے مجہول النسب و نیز سود خوار کے معصوم بچوں کا کیا حشر ہوگا؟

(۳) ایک مشرک جو پیدائشی مجنون و مختل دماغ ہو اور ایسی ہی حالت میں بالغ ہو کر مر گیا ہو تو ایسی حالت میں اس کا کیا حشر ہوگا؟ (المستفتی نمبر ۲۰۸۵۔ شیخ عبداللہ مولا بخش چکی والے (بمبئی ۸) ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۳۷ء)

(جواب ۱۶) (۱) ہاں قول راجح یہی ہے کہ مشرکین و کفار کے معصوم بچے جنت میں جائیں گے۔(۱)

(۲) سود خوار کے معصوم بچے اور ولد الزنا بھی جو قبل بلوغ مر جائیں دوسرے نابالغ بچوں کی طرح جنتی ہوں گے۔(۲)

(۳) جو شخص جنون کی حالت میں بالغ ہو کر مر گیا وہ بھی جنتی ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ان الاصح انهم من اهل الجنة :" مرقاة المفاتيح : ۱۶۶/۹ مكتبه امداديه ملتان

۲۔عن محمد انی اعلم ان الله لایعذب احداً بغیر ذنب .الخ (البحرالرائق : ۲۰۵/۲ بیروت)

۳۔"ان الله لایظلم مثقال ذرة"(النساء : ۴۰)اس کو اللہ تعالیٰ جہنم میں نہیں بھیجیں گے جس کا کوئی قصور نہیں۔

تیسرا باب
موجبات کفر

دین کو ماننے سے انکار کرنایا اس کی کسی بات کا مذاق اڑانا کفر ہے

(السوال) ایک مقام پر بہ تقریب شادی منجملہ دیگر اہل اسلام کے چند علماء بھی جمع تھے۔جب دلہن کے مکان پر مولوی صاحبان تشریف لے گئے اور راگ وباجے سے منع فرمانے لگے تو مالک مکان نے کہاکہ ہم برابر راگ وباجہ بجوائیں گے۔ علماء نے کہاکہ قرآن وحدیث میں راگ وباجہ کی سخت ممانعت آئی ہے، یہ فعل ہرگز نہ کرو۔اس کے جواب میں ان مسلمانوں نے یہ کہاکہ ہم قرآن وحدیث کو نہیں مانتے ہم راگ وباجہ ضرور بجوائیں گے۔بعد کو وہی شخص دوسرے گاؤں شادی کرنے گیااور باجہ ہمراہ لے کر دلہن کے مکان پر پہنچ کر باجہ بجوانا شروع کردیا۔ دلہن کے والد نے کہاکہ باجہ مت بجواؤ، یہ رسم کفار کی ہے تو اس کے جواب میں کہنے لگاکہ ہم کافر ہیں، ہم کافر ہیں، ہم کافر ہیں، تین بار کہااور جو کوئی ہم سے رشتہ داری ومیل رکھے گا وہ بھی کافر ہے،لہذا شریعت میں ایسے اشخاص کے واسطے کیا حکم ہے؟

(جواب ۱۷) کسی شخص کا یہ کہنا کہ ہم قرآن وحدیث کوبالکل نہیں مانتے یا کسی ایسی بات کازبان سے نکالنا جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسل وکتب کی حقارت ہوتی ہو، صریح کفر ہے۔ایسے الفاظ کے استعمال کرنے سے مسلمان مرتد ہو جاتا ہے۔ایسے لوگوں سے اہل اسلام جیسابرتاؤ رکھنادرست نہیں۔ فتاوی بزازیہ میں ہے :
اذاوصف الله بما لایلیق به اوسخر اسما من اسمائه او بامرمن اوامره اوانکر وعدا اووعیداکفر ولوقال من خذ ایم یکفر(۱) . انتهی. والله اعلم۔	محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

رضی بالکفر کفر ہے۔

(سوال) ایک مسلمان عورت کسی کافر کے ساتھ کفر کے رسم ورواج کے موافق نکاح کر کے رہی اور اس کافر کے ساتھ اس کے بت خانے میں جاجاکر مذہبی رسوم پوجاپاٹ ادا کرتی رہی، ایسی عورت کے مرنے پر نماز جنازہ پڑھنااور اسے مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں۔بینوا توجروا۔

(جواب ۱۸) بت خانہ میں جانااور بت پرستی کے رسوم ادا کرنابتوں کو سجدہ کرنا کفر ہے اور چونکہ یہ کام اس نے خوشی اور رضامندی سے کئے ہیں اور رضابالکفر بھی کفر ہے(۲)،اس لئے وہ عورت کافرہ ہے۔لہذا اس کے جنازہ پر نماز پڑھنااور مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز نہیں۔ **وکما لو سجد الصنم اووضع مصحفا فی قاذورة فانه یکفروان کان مصدقاً لان ذلك فی حکم التکذیب کما افاده فی شرح العقائد(۳)** الخ (ردالمحتار)

---

۱. بزازیة علی هامش هندیه ۷/۳۲۳ مکتبه ماجدیه
۲. قال! هو یهودی اونصرانی لا نه رضاء بالکفر وهو کفر وعلیه الفتوی (جامع الفصولین ۲/۳۰۱ اسلامی کتب خانه
۳. "کما فرضنا ان احدا صدق بجمیع ماجاء به النبی صلی الله علیه وسلم و أقربه وعمل مع ذلك شد الزنا بالاختیار اوسجد الصنم بالاختیار نجعله کافرا، لما ان النبی صلی الله علیه وسلم جعل ذلك علامة التکذیب وانکار." (شرح العقائد ۱۹۵ ایچ ایم سعید)

اور چونکہ یہ مردہ ہے اس لئے اسے غسل دینا بھی جائز نہیں۔ ویغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبه کحاله الکافر الاصلی اما المرتد فیلقی فی حفرة کالکلب انتہی (در مختار ولا یغسل ویکفن ولا یدفع الی من انتقل الی دینهم. بحر عن الفتح (ردالمحتار)(۱)

اسلامی قانون وراثت کے کسی خبر کا انکار کرنا یا غیر شرعی قانون کو اس پر ترجیح دینے کا حکم۔

(السوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس جماعت کے بارے میں جو کچھ عرصے سے مسلمان ہوئے ہیں او تمام احکام شریعت کو وہ تسلیم کرتے ہیں مگر قانون وراثت شرعی کو بالکل نہیں مانتے اور اپنے آبائے قدیم ہنو کے قانون کو صراحۃ اپنا قانون بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے آبائے قدیم ہنود کے اس قانون وراثت نہیں چھوڑ سکتے۔ اور عدالت میں کہہ دیا ہے کہ ہم مسلمان ہیں مگر شریعت محمد کے قانون وراثت کو ہم نہیں تسلیم کرتے بلکہ ہندوانی یعنی قانون وراثت اہل ہنود کو اپنا قانون تسلیم کرتے ہیں۔ اس آیۃ شریفہ کا حکم ان عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ومن لم یحکم بما انزل الله فاولٰئك هم الكفرونْ۔

(جواب ۱۹) قانون وراثت کا اکثری حصہ نص قرآنی سے ثابت ہے، اس ثابت شدہ حصے کے کسی جزو کو تسلیم کرنا کسی دوسرے قانون کو اس پر ترجیح دینا قطعاً کفر ہے۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شریعت محمدی کے قانون وراثت کو ہم تسلیم نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ اور جب وہ کافر ہیں تو لو قاف شرعیہ کی تولیت کا انہیں کوئی استحقاق نہیں۔ فی البزازیة انکر اٰیة من القراٰن اوسخر باٰیة منه یکفر انتہیٰ۔(۲) وفی اعلام بقوا طع الاسلا ویکفر من کذب بشی مما صرح به القراٰن من حکم او خبرا وجملة التوراة والانجیل وکتب الله المنزلة او کفربها اولعنها اوسبها اواستخفها. انتہی .(۳) وفی الفصول العمادية اذا انکر اٰیة من القراٰن اوسخر باٰیة منه کفر الخ (۴)

ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں جو نبوت رسالت اور قرآن کے منکر کی نجات کا عقیدہ رکھتا ہو۔

(السوال) زید توحید و رسالت اور جمیع ضروریات دین کو تسلیم کرتے ہوئے اور اس پر عمل کرتے ہوئے یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ جو شخص صرف توحید کا قائل ہو اور رسالت اور قرآن کو نہ مانتا ہو وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا، بلکہ آخر میں اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی۔ زید کا امام بنانا جائز ہے۔ یا نہیں؟

المستفتی۔ نمبر ۹۲ محمد ابراہیم خان ضلع غازی پور ۹ رجب ۱۳۵۲ھ م ۱۳۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

---

۱. ۲ / ۲۳۰ سعید
۲. بزازیه علی هامش هندیه : ۶ / ۳۴۲ مکتبه ماجدیه
۳. دیکھئے الاعلام بقواطع الاسلام : ۴۷ مصر لابن حجر المکی
۴. جامع الفصولین ۲ ۴ ۳ اسلامی کتب خانه

(جواب ۲۰) جو شخص آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت کو نہ مانے اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی کتاب تسلیم نہ کرے وہ جماہیر امت محمدیہ علی صاحبہا از کی السلام والتحیہ کے نزدیک ناجی نہیں ہوگا(۱) ایسے شخص کو جو اس کی نجات کا عقیدہ رکھتا ہو، امام بنانا جائز نہیں ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

غیر اللہ کو پوجنا کفر ہے ایسے افعال کا مرتکب شخص امامت کا قابل نہیں۔

(السوال) زید نے (جو مسلمان ہے) اپنے لڑکے کی شادی میں رسم ہنوداں ماتا دیوی کی پوجا پاٹ کے ساتھ کی۔ جب اہل اسلام کی طرف سے متنبہ کیا گیا تو اس نے تین ارکین اسلام کے خلاف عدالت میں استغاثہ پیش کر کے مقدمہ چلایا اور خود بھی عدالت میں حلفاً بیان دیا اور بکر سے بھی جو پیش امام ہے خفیہ بیان دلوایا کہ مسلمان لوگوں میں ضرورت کے وقت ماتا پوجی جاتی ہے اور میں نے ماتا پوجی ہے۔ ایسے آدمیوں سے تعلق رکھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی۔ نمبر ۳۱۷ محبوب خان ولد مصطفےٰ خاں (مالوہ) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۷ جون سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۱) زید کا فعل ماتا کی پوجا کرنا اور بکر کا بیان کہ مسلمانوں میں ضرورت کے وقت ماتا پوجی جاتی ہے اسلام کے خلاف ہے اور شریعت میں بت پرستی اور اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت اور پوجا کرنے کی کسی حالت میں اجازت نہیں۔ بکر امامت کے قابل نہیں رہا۔(۳) دونوں سے توبہ کرانی چاہئے اور دونوں کے نکاح از سر نو پڑھائے جائیں۔(۴) اگر وہ توبہ نہ کریں اور تجدید نکاح نہ کریں تو مسلمان ان سے قطع تعلق کرلیں۔(۵)

اللہ کے نام کی توہین کفر ہے

(سوال) خدا کے نام کی ہتک و بے عزتی کرنے والے کا کیا حکم ہے ؟

المستفتی۔ نمبر ۱۴۴ فقیر محمد (ضلع ہزارہ) ۷ ۲ جمادی الثانیہ ۱۳۵۳ھ م ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۲) خدا کے نام کی ہتک اور توہین کرنی کفر ہے۔(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

اسلامی احکامات کے ماتحت بت گرانا واجب ہے اور اس کو بنانے والا مستحق ملامت و تعزیر ہے۔

(سوال) ضلع مظفر گڈھ پنجاب قصبہ خان گڈھ کے قریب ایک مشہور بزرگ جناب میران حیات رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ شریف کے احاطہ کے اندر ۵۔۶ فٹ کے فاصلہ پر مزار مبارک کے عین سامنے ایک مجسمہ

۱۔ یکفر اذا نکر آیة من القرآن (البحر الرائق : ۵ / ۱۳۱ بیروت)
۲۔ "وان انکر بعض ماعلم من الدین ضرورة کفر بها ... فلا یصح اقتداء به اصلاً." (الشامیه ۱ / ۵٦۱، ۵٦۲)
۳۔ کما لو سجد لصنم ... فانه یکفر (الشامیه : ٤ / ۲۲۲ سعید)
۴۔ ویبطل منه النکاح ، (تنویر مع الرد وشرحه ٤ / ۲۵۹) سعید
۵۔ فاما من جنی علیه ، عصی ربه فجاء ت الرخصة فی عقوبته بالهجران کالثلاثة المتخلفین ... وقال احمد :لا یبرأ من الهجرة الا بعوده الی الحالة التی کان علیها اولاً" (عمدة القاری : ۲۲/ ۱۳۷ بیروت)
٦۔او سخرا سما من اسمائه تعالیٰ ... یکفر" (بزازیه علی هامش هندیه : ٦ / ۳۲۳ ماجدیه)

اونٹنی کا بنا رکھا تھا۔ اس بت کی کرامات بیان کرتے تھے۔ بار سنگار، تیل پھلیل، نذر نیاز، چومنا اور کئی قسم کے چڑھاوے چڑھانا جائز سمجھتے تھے۔ وہ بت میاں میلو کے نام سے بہت متبرک مشہور ہو گیا تھا۔ ایک غیرت مند مسلمان عالم نے وہاں جاکر دیکھا کہ بہت لوگ گمراہ ہو رہے تھے۔ اللہ اکبر کا نعرہ کہہ کر اس نے اس بت کو مسمار کر کے صاف زمین کر دی۔ اس کی یہ بت شکنی جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی۔ نمبر ۴۳۹ محمد حبیب اللہ (خان گڈھ) ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ م ۳ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۳) یہ بت بنانا اور اس کی پوجا کرنا، نذر نیاز چڑھانا شریعت اسلامیہ کے احکام کی صریح خلاف ورزی اور شرک و بت پرستی کی ترویج ہے۔(۱) ایک بزرگ کے مزار کے پاس یہ مشرکانہ افعال کرنا اور اس بزرگ کے نام کے ساتھ اس کو منسوب کرنا اس مزار اور صاحب مزار کی بھی اسلامی عقیدے کے بموجب توہین ہے۔ اسلامی احکام کے ماتحت وہ بت۔

واجب الہدم اور اس کو بنانے والے مستحق ملامت و تعزیر تھے۔ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو ڈھانے والے کو انعام اور بنانے والے کو سزا دی جاتی۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین عفی عنہ

پیر کو خدا سمجھنا کفر ہے۔

(السوال) جو شخص کہتا ہے کہ خدا کیا ہے میرا تو پیر خدا ہے مجھ کو پیر نے بتایا ہے، خدا نے کیا بتایا ہے اور میں اپنے پیر کے حکم سے مردے کو زندہ کر سکتا ہوں۔ اور میں نماز خدا کی نہیں پڑھتا ہوں۔ اور خدا کے ذکر کے بجائے اپنے پیر کا ذکر کرتا ہے یا وارث، یا وارث کرتا ہے غسل میت کے فرض واجب نہیں جانتا ہے۔ اور اپنے آپ کو لوگوں میں ولی ظاہر کرتا ہے۔ ایسے آدمی کو مسجد میں جاروب کش یا مؤذن مقرر کرنا یا اس سے میت کو غسل کرانا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی۔ نمبر ۴۶۲ محمد حسین صاحب (سابر متی) ۱۵ محرم ۱۳۵۴ھ م ۲۰ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۴) یہ کلمات موجب کفر ہیں،(۳) اس کو ان کلمات سے توبہ کرنی چاہئے۔ ورنہ مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس کو علیحدہ کر دیں۔ اگر میت کے غسل کا طریقہ معلوم نہیں تو اس سے میت کو غسل نہ دلوایا جائے۔(۴)

فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

ہم خدا اور رسول کا حکم نہیں مانتے کہنے والے کا حکم۔

(السوال) قاضی صاحب نے اپنے گاؤں کے مسلمانوں کو زلزلہ کے موقع پر مجتمع کر کے استغفار و توبہ کی

۱۔ قال ابن كثير : تحت قوله تعالى واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئاً ..... يا مرتبارك وتعالى لعبادته وحده ..... ولا يشرك به شيأمن مخلوقاته" تفسير ابن كثير : ۱ / ۴۹۳ سہیل اکیڈمی لاہور

۲۔ "من رای منکم منکراً الخ (مسلم : ۱ / ۵۱ قدیمی کتب خانہ)

۳۔ اذا وصف الله تعالى بما لايليق ..... يكفر اذا كان الجزاء ثابتاً (بزازية على هامش هنديه : ٦ / ٣٢٣)

۴۔ اسے بالکل غسل دلوانا ہی نہیں چاہئے۔ کیونکہ اس کے غسل دینے سے مسلمانوں کے ذمہ سے واجب ساقط نہیں ہوتا اور نہ ان کو ثواب ملتا ہے۔ دیکھئے (الشامیہ : ۲ / ۱۹۹ سعید)

ترغیب دی اور خدا اور رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل کرنے پر متوجہ کیا۔ بعض سود خوار مسلمانوں نے قاضی صاحب کی باتوں پر عمل کرنے اور توبہ کرنے سے انکار کیا۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ ہم خدا رسول ﷺ کا حکم نہیں مانتے۔ قاضی صاحب نے بہت کچھ سمجھایا، مگر وہ شریک نہیں ہوئے۔ لہذا ان لوگوں کو وہاں کے مسلمانوں نے جماعت سے خارج کردیا۔ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۱۸ قاضی محمد خالق (ضلع بنگلور) ۶ ربیع الثانی سن ۱۳۵۴ھ م ۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۵) دعاء واستغفار کے اجتماع میں شریک ہونا فرض وواجب نہیں تھا۔ صرف جائز تھا۔ اس لئے شرکت سے انکار کرنے والوں پر کوئی شرعی مواخذہ نہیں تھا۔ مگر نہ شریک ہونے والوں کے یہ الفاظ کہ "ہم خدا و رسول ﷺ کا حکم نہیں مانتے۔" اگر اس سے مراد یہ تھی کہ خدا ورسول ﷺ کے احکام جو خدا اور رسول ﷺ کے احکام ہیں انہیں ہم نہیں مانتے، تو یہ لوگ کافر ہوگئے۔ ان کو تجدید ایمان و تجدید نکاح لازم ہے۔(۱) اور اگر یہ مطلب ہو کہ قاضی صاحب جو ہمیں خدا اور رسول ﷺ کی طرف سے یہ احکام بتاتے ہیں کہ ایک جگہ جمع ہو، توبہ کرو۔ تو ہم ان احکام کو خدا اور رسول ﷺ کا حکم نہیں مانتے اور اس لئے اس کی تعمیل نہیں کرتے۔ تو اس صورت میں ان کی تکفیر میں احتیاط کی جائے۔(۲) مگر زجراً توبہ کرنے تک ان سے تعلقات ترک کردیئے جائیں۔(۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

ہم شریعت محمدی کے پابند نہیں کہنے سے کفر کا قوی خطرہ ہے۔

(السوال) زید عدالت میں یہ کہہ کر کہ جو کہوں گا ایمان سے سچ کہوں گا کہتا ہے، میں یا ہم شریعت محمدی ﷺ کے پابند نہیں ہیں۔ رسم ورواج کے پابند ہیں۔ زید کی ان الفاظ کے بقائمی ہوش وحواس ادا کرنے سے کفر لازم آتا ہے کہ نہیں۔ ایسے شخص کے لئے تجدید اسلام کی ضرورت ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۶۲۴ ملک محمد امین صاحب (جالندھر) ۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۶) "ہم شریعت محمدی ﷺ کے پابند نہیں ہیں۔" یہ جملہ بہت سخت گناہ کا موجب ہے، اس کا مفہوم شریعت محمدی کی تعمیل کا ترک اور رواج کی پابندی کا التزام ہے جو فسق تو یقیناً ہے اور کفر کا قوی خطرہ ہے، مگر چونکہ اس سے اعتقاد حقانیت شریعت کا انکار صاف طور سے ثابت نہیں ہوتا، اس لئے تکفیر میں احتیاط کی جاتی ہے۔(۴) لیکن اگر کوئی یہ کہدے کہ میں رواج کو شریعت سے بہتر سمجھتا ہوں، تو اس کی تکفیر میں تامل نہیں(۵) اور پہلی صورت میں بھی تجدید اسلام و تجدید نکاح احتیاطاً لازم ہے۔(۶) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

۱۔ "مایکون کفراً اتفاقا یبطل العمل والنکاح." (الشامیہ : ٤ / ٢٤٦ سعید)
۲۔ "وقد سئل فی الخیریة عمن قال له الحاکم: ارض بالشرع لا اقبل...... فأجاب بانه لاینبغی للعالم ان یبادر بتکفیر اهل الاسلام". (الشامیہ : ٤ / ٢٢٠ سعید)
۳۔ اما من جنی علیه وعصی ربه فانت الرخصة فی عقوبة بالهجران کالثلاثه المتخلفین علیها اولا. (عمدة القاری : ٢٢ / ١٣٧ بیروت)
۴۔ اذا کان فی المسئلة وجوه توجب الکفر ووجه یمنع فعلی المفتی ان یمیل الی ذلك الوجه. (هندیه : ٢ / ٢٨٣ ماجدیه)
۵۔ "قال: لخصمه آنچه حکم شریعت است بر آن رویم ، فقال خصمه : من سیاست کار کنم بشرع نی ، کفر." (بزازیه علی هامش هندیه : ٦ / ٣٣٨ ماجدیه) ۶۔ دیکھئے الشامیہ : ۴ / ۲۴۷ سعید

یااللہ تو نے بڑا ظلم کیا انتہائی صدمے کی حالت میں کہنا۔

(السوال) زید نے فرط غم اور انتہائی صدمہ کی حالت میں مثلاً کسی کی موت یا کسی چیز کے فوت پر کہا یا اللہ تو نے بڑا ظلم کیا۔ زید کی دماغی حالت متعدد اولادوں کے فوت ہونے، بال بچوں کی علالت اور تیمارداری، اپنوں اور غیروں کی بد سلوکی وایذاء رسانی و کثرت صدمات سے اچھی نہ تھی۔ بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات تو اس وقت کی حالت پر غور کرنے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ دماغ صحیح ہی نہ تھا۔ لیکن بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ بے اختیار محض تو نہ تھا کہ ان کلمات کا حسن و قبح نہ سمجھتا ہو اور اکل و شرب و حوائج و ضروریات سے بے خبر ہو۔

ہاں سالہا سال کے متواتر صدمات و ہموم و غموم وافکار و ترددات اور ناقابل برداشت پریشانیوں اور اس پر سے کسی صدمہ عظیم کا یکبارگی دماغ پر پڑ جانے سے ایک مغلوبیت کی حالت تھی۔ بہر حال زید کی حالت ایک عجیب کشمکش و پیچ اور حیص بیص کی حالت ہے کہ وہ پورے طور سے یہ بھی فیصلہ نہیں کر سکتا کہ دماغی حالت درست بھی تھی یا نہیں۔ اور بحالت موجودہ بھی دماغی امراض و عوارض میں مبتلا رہتا ہے اور دوا علاج کرتا رہتا ہے۔ لہذا ایسی حالت میں زید پر کفر لازم آتا ہے یا نہیں اور اس کا نکاح درست ہے یا نہیں۔ حالت اوائل غم میں ایک بار اور تجدید نکاح کی تھی یہ تو ہے کہ کوئی معاملہ طلاق وغیرہ کا نہ تھا نہ کوئی ایسا لفظ زبان سے نکالا تھا اور الفاظ کفر یہ ہی کی بنا یا شبہ پر تھا یا احتیاطاً تھا اور کوئی واقعہ یاد نہیں۔ پس ایسی حالت میں زید کا نکاح درست ہے یا نہیں۔ اور تجدید نکاح کرے یا نہیں؟

المستفتی۔ نمبر ۱۶۹۲ مولوی محمد یوسف صاحب شہر سلطان پور (اودھ) ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ ۲۴ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۷) اگر اس کی دماغی حالت درست نہ ہو۔ معتوہ مغلوب العقل کی حالت ہو تو کفر عائد نہیں(۱) احتیاط یہی ہے کہ توبہ کرے اور تجدید نکاح کرے۔ اگر پہلے تجدید نکاح اسی بنا پر یعنی شبہ کفر کی بناء پر ہو چکی ہو تاہم اب پھر تجدید جائز ہے اور احوط ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

اسلام، اہل اسلام، اور خدائے پاک کے متعلق مغلظات بکنے والے شخص کا حکم۔

(السوال) (۱) جہانیا منڈی ضلع ملتان میں سر بازار بھرے مجمع میں چودھری دلدار خاں ولد صوبے دار بلند ے خاں نمبردار جہانیاں نے مذہب اسلام کے متعلق کہا ”اسلام تیل لے گیا۔“

(۲) مسلمانوں کے متعلق کہا ”سب مسلمان اپنی مائیں چدوا کے میرے ساتھ حقہ پویں گے۔ اور جب پھر اس سے کہا کہ کیا تم نعوذ باللہ خدا بن بیٹھے ہو تو اس نے کہا ”خدا کی ایسی تیسی۔“ مذہب اسلام سب مسلمانوں اور خدا کے متعلق اس قسم کے مغلظات کہنے والا کیا از روئے شریعت مسلمان ہے اگر وہ مسلمان نہیں رہا

۱۔”فلا تصح ردة مجنون و معتوه “(الشامية : ٤ / ٢٢٤ سعيد)
۲۔وما فيه خلاف يومر بالا ستغفار والتوبة و تجديد النكاح، (الشامية: ٤ / ٢٤٧)

تو اس کے ساتھ میل جول رکھنا کیا حکم رکھتا ہے۔

المستفتی ۔ نمبر ۲۰۵۴ غلام محمد لودھیانوی (ملتان) ۵ا رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۸) یہ الفاظ یقیناً موجب استخفاف و توہین ہیں اور کہنے والا اس کا مرتکب کبیرہ ہے اور آخری فقرہ (خدا کی ایسی تیسی) صراحۃً موجب کفر ہے (۱) جب تک یہ شخص توبہ نہ کرے اس سے مقاطعہ کر لیا جائے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۔ دہلی

"میں ایسے شرعی فتوے کو نہیں مانتا" کہنے والا کا حکم ؟

(السوال) ایک فتویٰ قرآن مجید اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے مطابق علماء دین نے دیا جس کو ایک مسلمان کہتا ہے کہ میں ایسے شرعی فتوے کو نہیں مانتا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ شخص اسلام میں رہایا نہیں اگر اسلامیہ حکومت ہو تو یہ شخص واجب القتل ہے یا نہیں ؟ اور اگر کفار کی حکومت ہے پھر ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے ؟

المستفتی ۔ نمبر ۲۳۵۹ انوار احمد صاحب دہلی ۷ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۶ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب) (از مفتی مظہر اللہ صاحب)۔ اگر فتویٰ صحیح ہے اور یہ شخص اسی اعتبار سے کہ وہ شرعی حکم ہے اس کے ماننے سے انکار کرتا ہے تو بے شک یہ کفر ہے (۳) اور اگر کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو تو یہ بھی صحیح ہے کہ ایسا شخص واجب القتل ہے (۴) جس کا حکم ہندوستان میں یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنا بھی جائز نہیں۔ لیکن چونکہ یہ حکم انتہاء درجہ کی تحقیق کے بعد لگایا جا سکتا ہے۔ اس لئے جب تک علماء کے سامنے اس شخص کو اور اس واقعہ کی نوعیت کو پوری طرح سے پیش کر کے حکم حاصل نہ کیا جائے مسلمانوں کو اس سے انقطاع جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد مظہر اللہ غفر لہ امام مسجد جامع فتحپوری دہلی۔

(جواب ۲۹) (از حضرت مفتی اعظمؒ) کسی فتوے کے ماننے سے انکار کرنا دو طرح پر ہے۔ اول یہ کہ منکر اس فتوٰی کو شرعی صحیح فتوٰی جانتے ہوئے ماننے سے انکار کر دے تو یہ تو حقیقۃً شریعت کا انکار ہے اور یہ کفر ہے۔(۵) دوم یہ کہ منکر اس فتوے کو صحیح شرعی فتویٰ نہ سمجھے اور اس بناء پر ماننے سے انکار کر دے تو یہ شریعت کا انکار نہیں ہو بلکہ اس شخصی فتوے کا انکار ہوا۔ پھر اگر وہ فتویٰ کسی فرض قطعی یا ضروریات دین میں سے کسی ضروری چیز کے متعلق تھا تو اس کا انکار مستلزم انکار شریعت ہو جائے گا اور یہ بھی منجر بکفر ہوگا : اور اگر وہ فتویٰ کسی قطعی اور ضروری چیز کے متعلق نہ تھا بلکہ کسی مجتہد فیہ امر کے متعلق تھا تو اس کا انکار کفر نہیں۔(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔" اذا وصف اللّٰہ بمالا یلیق یکفر" (بزازیة علی هامش هندیه : ۶ / ۳۲۳ ماجدیه)

۲۔" وان جنی علیه وعصی ربه قال احمدیبر امن الهجرة الا بعوده الی الحالة التی کان علیها."(عمدة القاری : ۲۲ / ۱۳۷ بیروت)

۳. ولو نظر الی الفتوی وقال : "بازنامه فتوی آوردی" یکفر ان اراد به الا ستحفاف بالشریعة" (هندیه : ۲ / ۲۷۲)

٤. "من بدل دینه فاقتلوه " (مشکوة : ۳۰۷ ، محمد سعید اینڈ سنز)

۵۔ ھندیہ حوالہ سابق

۶۔" والا صل ان من اعتقد الحرام حلالاً .... وان کان دلیله قطعیا کفر والا فلا" (الشامیه : ٤ / ۲۲۳ سعید) عــہ یہ بھی کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

جو شخص توحید کا قائل مگر رسالت کا منکر وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا؟

(السوال)(۱)ایک شخص توحید کا قائل ہے اور خدا تعالیٰ کو وحدہ لا شریک سمجھتا ہے۔ نیز اعمال صالحہ کرتا ہے اور افعال شنیعہ سے بچتا ہے، مگر رسالت کا منکر ہے یعنی آنحضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتا ہے کیا ازروئے شرع شریف یہ شخص ابدی جہنمی ہے؟

(۲)زید مسلمان ہے، توحید و رسالت کا قائل ہے۔ مذکورہ بالا شخص کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ رسالت کا منکر کافر ہے اور اس انکار کی وجہ سے ایک عرصہ تک جہنم میں سزا بھگتنے کے بعد آخر کار جنت میں ضرور داخل ہوگا اور اپنے اس خیال کی تصدیق میں یہ آیت کریمہ پیش کرتا ہے۔ **ان اللّٰہ لا یغفران یشرك به ویغفر مادون ذٰلك لمن یشآء** ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا خیال رکھنے سے زید کے ایمان میں کوئی خرابی واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

المستفتی۔ نمبر ۲۳۹۱ منظور احمد خان۔ نیو دہلی۔ ۸ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۷ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۰) جو شخص آنحضرت ﷺ کی نبوت کا منکر ہے وہ اگرچہ توحید کا قائل ہو، خلود فی النار سے نہیں بچے گا۔(۱) آیت کریمہ میں لفظ شرک سے مراد کفر ہے یعنی جو کفر کرے گا وہ بخشا نہیں جائے گا کیونکہ بہت سی آیات قرآنیہ کفار کے لئے خلود و دوام فی النار ۔ پر صراحۃً دلیل ہیں مثلاً **والذین کفروا وکذ بوا بایاتنا اولئك اصحٰب النارھم فیھا خلدون. ای لا یخرجون منھا ولا یموتون فیھا (خازن)** ۔(۲)دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ **وما ھم بخارجین من النار** (۳) کہ کافر دوزخ سے نکالے نہ جائیں گے اور آیۂ کریمہ۔ **ویغفر مادون ذٰلك لمن یشاء**(۴) میں کفر کی مغفرت مراد نہیں ہے کیونکہ کفر کی جزا تو خلود فی النار قرآن مجید کی بہت سی آیات میں بتصریح وارد ہے۔

پس جو شخص توحید کا قائل ہے اور رسالت کا منکر ہے وہ یقیناً کافر ہے اور آیت منقول بالا کے بموجب اس کی سزا خلود ہے۔ **والمراد بالشرك فی ھذہ الأیة الکفرلان من جحد نبوۃ محمدصلی اللّٰہ علیه وسلم مثلاً کان کافرا و لولم یجعل مع اللّٰہ الھًا آخر و المغفرۃ منتفیة عنه بلا خلاف** (فتح الباری انصاری جزاول صفحہ ۴۵)(۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کردے وہ کافر ہے اگرچہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو اور اس کی مغفرت نہ ہونا متفق علیہ ہے۔

موحدین کا دوزخ میں ہمیشہ نہ رہنا اور آخر الامر نکالا جانا اگرچہ بعض روایات میں حضرت عمر اور حضرت ابن مسعودؓ کی طرف نسبت کیا گیا ہے مگر اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ مذہب صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری پارہ ۲۷ مطبوعہ انصاری صفحہ ۱۸۷ میں اس کو مذھب ردی مردود علی قائلہ فرمایا ہے۔ اور کفار کے

۱۔ عن ابی ھریرۃؓ والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ھذہ الامة من یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یومن بالذی ارسلت به الا کان من اصحاب النار " (مشکوۃ : ۱۲)

۲۔ (خازن: ۱/ ۴۴ مصر)

۳۔ البقرۃ: ۱۶۷)

۴۔ النساء: ۴۸)

۵۔ فتح الباری: ۱/ ۷۹ مصر)

خلود فی النار کو اہل سنۃ کا اجماعی مذہب بتلایا ہے(۱) اور کفار میں وہ موحدین بھی شامل ہیں جو انکار نبوت کی وجہ سے باوجود عقیدہ توحید کے کافر ہوئے ہیں۔(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

مسلمان کے لئے موجب کفر اقوال وافعال سے بچنا ضروری ہے۔

(السوال) ایک شخص ہے جس کو مشرف باسلام ہوئے عرصہ تقریباً بیس برس کا گذر چکا ہے اور اس کی زندگی کا نصب العین یہ ہے جو اس نے اپنی زبان سے بیان کیا ہے کہ :۔

(۱) میرے یہاں گھر میں جملہ رسومات ہندوانی ہوتی ہیں (۲) اور میں روزہ نماز کا پابند ہوں۔ (۳) اور میں اپنی برادری میں چماروں کو سمجھتا ہوں (۴) اور میں مسلمانوں کو اپنی برادری میں نہیں سمجھتا ہوں (۵) اور میں دونوں طرف ہوں۔ (۶) جو لڑکا کہ میرے مشرف باسلام ہو جانے کے بعد پیدا ہوا ہے اس بیٹے کی ختنہ نہیں کراؤں گا اس لئے کہ ختنہ کرانے سے مسلمان تھوڑا ہی ہوتے ہیں (۷) اور شخص مذکور نے اپنی بیٹی کو جو مشرف باسلام ہو جانے کے بعد پیدا ہوئی۔ اس بیٹی کی منگنی جانب یعنی چمار کے ساتھ کر دی اور اسی جانب کے ساتھ شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

المستفتی ۔ نمبر ۲۲۷ ۲ عبدالرشید خاں (آگرہ) ۲۹ جمادی الاول ۱۳۶۱ھ م ۱۴ جون ۱۹۴۲ء

(جواب) نمبر ۱ کا اگر یہ مطلب ہے کہ میرے گھر میں جملہ رسومات ہندوانہ ہوتی ہیں اور میری رضامندی سے ہوتی ہیں ان کو منع نہیں کرتا بلکہ پسند کرتا ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ بات ایک سچے مسلمان سے نہیں ہو سکتی(۳) نمبر ۳ کا اگر مطلب یہ ہے کہ میں جانب یعنی چماروں کو اپنا بھائی بند سمجھتا ہوں اور ان کے ساتھ برادرانہ تعلقات رکھتا ہوں یا رکھنا پسند کرتا ہوں تو یہ بھی سچے مسلمان سے نہیں ہو سکتا(۴) اور نمبر ۵ کہ میں دونوں طرف ہوں، اس کا مطلب کیا ہے یعنی مذہب کے لحاظ سے دونوں طرف ہوں، اگر یہ مطلب ہو تو یہ شخص مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔(۵) اور نمبر ۶ یعنی جو لڑکا کہ میرے مسلمان ہونے کے بعد پیدا ہوا ہے اس کی ختنہ نہیں کراؤں گا۔ یہ بات بہت شبہ میں ڈالتی ہے

کیونکہ اگرچہ ختنہ کرانا فی حد ذاتہ فرض نہیں ہے، لیکن مسلمانوں کا خاص شعار ہے۔(۶) اور نمبر ۷ یعنی اپنی مسلمان لڑکی کی بیاہ جانب سے کروں گا۔ اگر جانب مسلمان ہے تو خیر مضائقہ نہیں، لیکن اگر وہ غیر مسلم ہے تو

۱۔ "السابع یزول عذابها ویخرج اهلها منها جاء ذلك من بعض الصحابة ..... وهو مذهب ردی مردود علی قائله ." (مرجع بالا ۱۱ / ۳۶۳ مصر)

۲۔ لان الکفار اصناف خمسة ... ینکر بعثة الرسل کالفلاسفة .(الشامیه ٤ /٢٢٦ سعید)

۳۔ "ویکفر ای شی اصنع ... وکذامن حسن رسوم الکفرة." (البحرالرائق:٥/ ١٣٤ بیروت)

۴۔ "لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ." نهی تبارك وتعالیٰ عباده المؤمنین ان یوالوا الکافرین ، وان یتخذوهم اولیاء." (تفسیر ابن کثیر : ١ / ٣٥٧ سهیل اکیڈمی لاهور)

۵۔ "من اعتقد ان الایمان والکفر واحد کفر" (جامع الفصولین : ۲ / ۲۹۲ اسلامی کتب خانہ کراچی)

۶. والاصل ان الختان سنة کما جاء فی الخبر وهو من شعائر الاسلام وخصائصه فلوا جتمع اهل بلدة علی ترکه حاربهم الامام، فلا یترك الا لعذر .(الدرالمختار/ر۶ / ۷۵۱ سعید)

مسلمان لڑکا کا نکاح غیر مسلم سے حرام ہے۔(۱) بہر حال یہ اقوال اس شخص کے مسلمان ہونے میں شبہ پیدا کرتے ہیں۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

کتب فقہ سے بعض منتخب مسائل کی صحت کے بارے میں استفسار .

(السوال) میں در مختار، فتاویٰ عالمگیری، بہار شریعت وغیرہ کتابوں میں سے کچھ مسائل مسجد میں بیان کر دیا کرتا ہوں۔ مندرجہ ذیل چند مسائل جو میں نے بیان کئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ مسائل غلط ہیں(۱) محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسجد اللہ کا گھر ہے یہاں اللہ و رسول ﷺ کا ذکر کرنا جائز ہے کوئی ممانعت نہیں اور کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔(۳)

(۲) اگر کوئی شخص اللہ و رسول ﷺ کے فرمان کے خلاف مسجد میں ذکر کرے اسے روکنا جائز ہے(۴)

(۳) اگر کوئی یوں کہے کہ ہم تمہارے مسئلے وغیرہ نہیں سنتے، یہ کفر ہے۔(۵)

(۴) شرعی مسائل کا مذاق اڑانا یا ہنسنا کفر ہے۔(۶)

(۵) علمائے دین کا فتویٰ نہ ماننا کفر ہے۔(۷)

(۶) مسئلہ کی ایک بات مسلمان بھائی کو سنانا لاکھ درم دینے سے بہتر ہے۔(۸)

(۷) کوئی شخص کہے کہ شرع سے یہ حکم ہے اور سننے والا کہے کہ ہم شرع ورع نہیں مانتے یہ کفر ہے(۹)

(۸) کسی نے کہا گناہ مت کرو، خدا جہنم میں ڈالے گا، وہ کہے ہم جہنم سے نہیں ڈرتے یہ کفر ہے(۱۰)

(۹) ڈاڑھی منڈے مذاق کرتے ہیں کلا سوف تعلمون۔ یہ مذاق کرنا کفر ہے۔(۱۱)

۱۔ "ولا تنكحوا المشركين حتى يومنوا" (البقرة : ۲۲۱)
۲۔ اذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر و وجه يمنع فعلى المفتي ان يميل الى ذلك الوجه (هنديه : ۲ / ۲۸۳ ماجديه)
۳۔ "انما هي الذكر الله والصلوة وقراء ة القرآن" (مسلم : ۱ / ۱۳۸ قديمي كتب خانه)
۴۔ من راى منكم منكرا فليغيره بيده ، فان لم يستطع فبلسانه، فان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان ، (مشكوة : ۴۳۶)
۵۔ گر بطور اہانت کے ہے تو کفر ہے۔
۶۔ "هكذاء استهزاء باحكام الشرع كفر" (هنديه ۲ / ۲۸۱ ماجديه)
۷۔ نہ ماننے کی دو صورتیں (ا) اس مسئلہ شرعی نہ سمجھے اس خیال سے کہ علماء نے غلط فتویٰ دیا ہے اس صورت میں کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا (ب) دوسری صورت یہ ہے کہ مسئلہ سمجھ کر انکار کرے تو اگر مسئلہ قطعی دلائل سے ثابت ہے تو کافر ہو جائے گا ورنہ نہیں۔
ورد النصوص بان ينكر الا حكام التى دلت عليها النصوص القطعيه من الكتاب والسنة كحشر الاجساد، يكفر، لكونه تكذيباً صريحاً لله ورسوله (شرح العقائد : ۲۴۵ ايچ ايم سعيد)
۸۔ "قول معروف ومغفره خير من صدقة" (البقره : ۲۶۳)
۹۔ "قال : "اين چه شرع است" يكفر، لانه ردحكم الشرع." (بزازيه على هامش هنديه : ۶ / ۳۳۷ ماجديه)
۱۰۔ اوقال : لا اخاف القيامه يكفر هنديه : ۲ / ۲۷۴ ماجديه
۱۱۔ " ويكفر　المزاح بالقرآن " البحر الرائق : ۵ / ۱۳۱ بيروت

(۱۰) شراب پیتے وقت یازنا کرتے وقت یاجوا کھیلتے وقت بسم اللہ کہنا کفر ہے۔(۱)
(۱۱) کوئی حضور ﷺ کی توہین کرے، آپ ﷺ کا لباس، ناخن وغیرہ خراب بتلادے یا عیب لگاوے یہ کفر ہے۔ان مسائل کے متعلق فتویٰ صادر فرمائیں۔(۲)

المستفتی نظر الدین امیر الدین (املیزہ ضلع مشرقی خاندیس)

(جواب ۳۲) یہ گیارہ مسئلے جو سوال میں لکھے ہیں صحیح ہیں۔ان کو سنانا اور مسلمانوں کو بتانا ثواب کا کام ہے(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

مسلمان بہر حال کافروں سے بہتر ہے .

(سوال) متعلقہ افضلیت مؤمن

(جواب ۳۳) کافر، مسلمان سے کسی حال میں اچھا نہیں ہو سکتا۔ مسلمان بہر حال کافروں سے بہتر ہے(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

پنچایت کے الفاظ ”کس سسرے نے شرع بنائی ہے“ حکم شرعی بیان کرنے میں تحقیق طلب ہے .

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲ نومبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) ایک پنچ نے پنچایت میں یہ الفاظ کہے کہ کس سسرے نے ایسی شرع بنائی۔اس کا کیا حکم ہے۔

(جواب ۳۴) جس شخص نے مذکورہ الفاظ کہے ہیں اس کا پورا واقعہ معلوم ہونا چاہئے کہ کس بات پر اور کس موقع پر اس نے یہ کہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ آیا اس کے یہ الفاظ شریعت اور شارع کی توہین قرار دیئے جا سکتے ہیں یا نہیں ؟(۵) محمد کفایت اللہ غفرلہ

اگر رسول اللہ بھی اس معاملے میں مجھے کہیں گے تو میں ہر گز نہیں مانوں گا“ کے قائل کا حکم۔

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک شخص کو لین دین کے بارے میں سمجھا رہے تھے کہ جس کا تم نے دینا ہے اس کے ساتھ فیصلہ کر لو، تو اس شخص نے ایک نہیں بلکہ کئی بار یہ الفاظ کہے کہ ”اگر رسول اللہ بھی اس معاملے کے بارے میں مجھے کہیں گے تو میں ہر گز نہیں مانوں گا“ (نعوذ باللہ) اور علاوہ ازیں نمازیوں کو ہر وقت بد زبانی سے یاد کرتا رہتا ہے۔یہ بات قابل ذکر ہے کہ مذکورہ الفاظ کہتے وقت اس سے کہہ دیا گیا تھا کہ یہ کلمات کفر ہیں مگر پھر بھی باز نہ آیا۔

۱۔ وكذا لو قال عند الشرب الخمر والزنا : بسم الله . شرح العقائد: ۲۴۷
۲۔ "لو عاب نبياً بشئ ... كفر ." جامع الفصولين : ۲ /۳۰۳ اسلامی کتب خانہ
۳۔ ان الله وملائكته ، واهل السموٰت ، والارض حتى النملة فى حجرها وحتى الحوت يصلون على معلم الناس الخير" مشکوٰۃ: ۳۴ ایچ ایم سعید۔
۴۔ "ولعبد مؤمن خير من مشرك ولو اعجبكم ، لما له وجماله" تفسير جلالين : ۳۳
۵۔ "واعلم انه لا يفتى بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن." (تنویر مع شرحہ : ۴ /۲۲۹ سعید)

(جواب ۳۵) اگر یہ الفاظ کہنے سے اس کی نیت یہ تھی کہ "میرا معاملہ سچا ہے اور میں حق پر ہوں، اگر بالفرض رسول اللہ ﷺ بھی اس معاملے میں میرے اوپر صلح کرنے کا دباؤ ڈالیں جب بھی نہیں کروں گا۔" تو یہ کلمات کفر نہ ہوں گے۔(۱) مگر بہر صورت ان کلمات کا ظاہر مفہوم بُرا ہے اور اطاعت رسول اللہ ﷺ سے انکار مفہوم ہوتا ہے۔ اس لئے باوجود حکم کفر نہ کرنے کے احوط یہی ہے کہ شخص مذکور کو توبہ کا حکم دیا جائے اور جب تک وہ توبہ نہ کرے اس سے تعلقات اسلامیہ ترک کردیئے جائیں۔(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ

عالم دین کی توہین کفر ہے۔

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء)

(السوال) کسی عالم کی توہین و بے حرمتی کرنے کے بارے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

(جواب ۳٦) کسی عالم دین کی بحیثیت عالم دین ہونے کے توہین کرنا موجب کفر ہے۔ اگر توہین اس جہت سے نہ ہو بلکہ کسی اور دنیاوی معاملہ کی وجہ سے ہو تو موجب کفر نہیں ہے۔(۳)

۱۔ اذا کان فی المسئلة وجوه توجب الکفر و وجه یمنع فعلی المفتی ان یمیل الی ذلك الوجه " (ھندیہ : ۲ / ۲۸۳ ماجدیہ)

۲۔ قال کعب بن مالك : حین تخلف عن النبی ﷺ ونهی النبی ﷺ المسلمین عن کلامنا و ذکر خمسین لیلة . (بخاری شریف : ۲ / ۸۹۷ قدیمی کتب خانہ)

۳۔ الا ستخفاف بالعلماء لکونه علماء استخفاف بالعلم والعلم صفة الله تعالیٰ منحه فضلاً علی خیار عباده لید لوا خلقه علی شریعته نیابة عن رسله فاستخفافه بهذا یعلم انه الی من یعود " (بزازیہ علی ہامش ھندیہ : ۲ / ۳۳٦)

چوتھا باب
مسئلہ ارتداد

مرتد کے لئے توبہ کی شرائط

(سوال)(۱)مرتد فطری دین اسلام میں واپس آسکتا ہے یا نہیں ؟
(۲)اگر واپس آسکتا ہے تو اس کے کیا شرائط ہیں ؟
(۳)اگر کوئی شخص اپنی ملازمت کے تعلق سے ظاہر اً اپنا ہندو ہو جانا ظاہر کرے مگر دل یا زبان سے ہندو ہو جانے کا اقرار نہ کیا ہو (جیسا کہ سی آئی ڈی پولیس کے ملازمان اکثر حسب ضرورت اپنے کو ہندو عیسائی وغیرہ ہونا دکھلاتے ہیں،اس صورت میں کوئی ثبوت عینی شہادتوں وغیرہ کا بھی اس کے خلاف رسوم یا عبادت بطور ہندواں ادا کرنے کا بھی نہ ہو تو اس شخص کو مسلمان ماننا چاہئے یا نہیں ؟

المستفتی ۔ نمبر ۷۰ اسید ناظم حسین (ریاست الور) ۱۰ رمضان ۱۳۵۲ھ م ۲۸ دسمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۷) (۱)اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو وہ بھی توبہ کر کے اسلام میں واپس آسکتا ہے(۱)۔
(۲)اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسلام کا کلمہ پڑھے اور سوائے اسلام کے باقی دینوں سے اپنی بیزاری کا اعلان کرے۔(۲)
(۳)جب تک یہ نہ بتایا جائے کہ اس کو کس فعل کی بناء پر ہندو سمجھا گیا،اس کے متعلق کوئی حکم نہیں دیا جاسکتا۔ اور بہر صورت ہندو ہو جانے کے بعد بھی توبہ اور تجدید اسلام کر کے وہ شخص مسلمان ہو سکتا ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

کسی شخص پر دین تبدیل کرنے کا بہتان لگانا سخت گناہ ہے۔

(سوال)منکہ مسمی محمد امیر ولد سمندر (قوم وربووال) ساکن موضع کفری ضلع سرگودھا کا ہوں ، میرے متعلق نہ معلوم کس وجہ سے لوگوں نے یہ بات مشہور کر دی کہ خدانخواستہ میں کرشان ہو گیا ہوں،حالانکہ اس چیز کی کوئی اصلیت نہیں۔واقعہ صرف اتنا ہے کہ میرے چچا کے لڑکے مسمی اللہ دتہ جو کسی وجہ سے کرشان ہو گیا تھا وہ جب خدا کی توفیق سے مشرف باسلام ہو گیا اور ارتداد سے واپس آگیا تو میں اور وہ دونوں پاس اٹھتے بیٹھتے تھے ،اور جس زمانے میں وہ مرتد رہا،اس زمانے میں اس کے ساتھ میرا کچھ سروکار نہ تھا۔اب میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں نے نہ کبھی دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا ارادہ کیا اور نہ خارج از اسلام ہوا ہوں اور نہ آئندہ ہونے کا ارادہ۔پس ایسی صورت میں جب کہ میرا قطعاً کوئی ارادہ ظاہری وباطنی طور پر اسلام سے خارج ہونے کا نہ تھا اور نہ ہے،لوگوں کا مجھ پر یہ اتہام لگانا کہ تم کرشان ہو گئے ہو کہاں تک صحیح اور قابل تسلیم ہے میرے اس اقرار کے بعد بھی اگر کوئی شخص نہ مانے اور مجھ کو کرشان ہی

(۱،۲،۳) "اسلامه ان يبرأ عن الاديان سوى الا سلام، او عما انتقل اليه." (تنویر الابصار مع شرحہ : ۴/ ۲۲۶)

کہتا ہے تو اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے ؟

المستفتی ۔ نمبر ۶۷۵ محمد امیر (ضلع سرگودھا) ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۳ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۸) جب کہ مسمی محمد امیر کرسٹان ہونے سے حلفیہ انکار کرتا ہے اور اسلام پر قائم رہنے کا اقرار کرتا ہے اور اسلام کے سوا دوسرے دینوں سے بیزاری ظاہر کرتا ہے اور جو لوگ اس پر کرسٹان ہونے کا الزام لگاتے ہیں ان کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ تو محمد امیر کے ساتھ اسلامی برادری کے تعلقات رکھنا جائز ہے اور بلاوجہ اور بغیر ثبوت کسی مسلمان پر تبدیل مذہب کی تہمت نہیں لگانی چاہئے کہ یہ سخت گناہ ہے۔(۱)

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مذہبی معاملات میں ہندوں کا تعاون کرنا درست نہیں۔

(سوال) (۱) ایک عورت کافرہ (ہندو) مسلمان ہو گئی۔ ایک مسلمان لوہار کے ساتھ نکل گئی، بغیر نکاح کے اس کے ساتھ رہی۔ تقریباً عرصہ ۲ دو سال اس کے ہمراہ مسلمان رہی۔ کسی وجہ سے ناراض ہو کر بلکہ ورغلا کر پھر اس کو ہندو بنا لیا گیا اور پھر واپس اپنے سابقہ خاوند ہندو کے گھر آگئی۔ ہندو ترکھان برادری اکٹھی ہو گئی اور اس عورت کو اس بدلے میں کہ وہ مسلمان ہو گئی تھی بہت برا بھلا کہا گیا اور اس کے خاوند ہندو کو اس کی پاداش میں کفارہ یہ مقرر کیا کہ اول تو دونوں میاں بیوی بمعہ ایک زائد ہندو کے گنگا اشنان کر کے آویں اور پھر کسی رفاہ عام کی جگہ پر ایک کنواں لگوائیں اور ۲۵ روپے نقد خیرات کریں۔ جب یہ شرطیں پوری ہو جائیں پھر برادری کو اکٹھا کر کے اس وقت اگر برادری کی منشاء ہوئی تو اصلی ہندو خاوند کی بیوی بنائی جاوے گی۔

(۲) یہ کنواں صرف مسلمان ہونے کی سزا ہے۔ ایسے کنویں کا پانی پینا جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) اگر جائز نہیں تو ایسا کنواں لگانے کے لئے کسی مسلمان کا جگہ دینا جائز ہے یا نہیں اور جگہ بھی مفت دینا۔

(۴) اس کنویں کے لگانے میں مسلمانوں کو مدد کرنی جائز ہے یا نہیں۔ ؟

(۵) اگر جائز نہیں تو جگہ دینے والے اور مدد کرنے والے مسلمانوں کے لئے کیا حکم ہے یعنی جو مدد کر چکے ہیں۔

(۶) ان لوگوں کے لئے جن کو منع بھی کیا گیا ہو کہ یہ اسلام کے لئے بدنما داغ ہے پھر بھی مدد کریں تو ان کے لئے کیا حکم ہے ؟

(۷) اور اگر منع کرنے سے کوئی مسلمان باصرار اس کی مدد کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے۔

(۸) اور اگر جگہ دینے والے شخص کو منع کیا جائے اور وہ کہے کہ کچھ بھی ہو میں ضرور جگہ دوں گا۔

(۹) اس مسلمان لوہار کو جو اس عورت کو بغیر نکاح لئے پھرتا رہا کیا حکم ہے۔ ؟

(۱۰) اگر یہ مسلمان لوہار بھی کوئی کنواں یا نلکا لگوائے اس کا پانی پینا جائز ہے یا نہیں ؟

(۱۱) اس کی مدد کرنا کیسا ہے ؟

(۱۲) اگر یہ مسلمان لوہار اس ہندو کے کنویں کے مقابلہ میں کوئی نلکا یا کنواں لگوائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے ؟

۱۔ "عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : أیما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بھا (ای رجع باثم تلک المقالۃ) احدھما" (مرقاۃ : ۹ / ۴۷ مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۱۳)اس مسلمان لوہار کے ساتھ میل جول کرنا کیسا ہے اور ہندو ترکھان کے ساتھ میل ملاقات کرنی کیسی ہے؟

المستفتی ۔ نمبر ۱۶۳۳ یوسف علی خاں لائل پور۔ ۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۵ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب)(از مولوی محمد مسلم صاحب لائلپور) ۔ (۱) باللہ التوفیق۔ چونکہ ہندو برادری کے تقاضہ پر مسلمان ہونے کی سزا میں کنواں وغیرہ تجویز کیا گیا ہے اس لئے اسلامی توہین ہونے کی وجہ سے کسی مسلمان کو اس میں شریک نہ ہونا چاہئے۔ قیمتاً زمین دینا بھی اس موقع میں جائز نہیں۔ مفت امداد کرنا تو مذہبی توہین میں شریک ہونا ہے جو کسی طرح بھی شرعاً جائز نہیں ہو سکتا۔

(۲) زمین دینے پر اصرار کرنے والا مسلمان گنہگار ہے۔ اسے اس بات سے باز آجانا چاہئے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کو اس کام سے روکنے کی کوشش کریں۔ اسلام کی توہین کر کے مسلمان رہنے والے کی مسلمانوں کو ضرورت نہیں۔

(۳) لوہار کو توبہ کرنی چاہئے۔ اگر وہ کنواں بنواتا ہے تو بنوائے۔ اس سے پانی پینا جائز ہے۔

کتبہ محمد مسلم کان اللہ لہ صدر مدرس مدرسہ عربیہ لائل پور۔

الجواب صحیح۔ احقر محمد یونس عفا اللہ عنہ۔ خطیب جامع مسجد لائل پور۔ ۷ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ۔

(جواب ۳۹)(از حضرت مفتی اعظمؒ) عورت کا اسلام لانا اور پھر مرتد ہو جانا اور اسلام کی حالت میں بے نکاح زنا کاری میں مبتلا رہنا مسلمانوں کے لئے کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اسلام تو بہر حال مقبول ہوتا۔ لیکن اب تو وہ مرتد ہو گئی۔ اور اس کی غیر مسلم برادری نے اس کے خاوند پر جو تعزیر لگائی وہ عورت کے مسلمان ہونے کی وجہ سے نہیں۔ اگر یہ وجہ ہوتی تو اس کے مرتد ہونے سے پہلے ہی لگائی جاتی۔ اب مرتد ہونے کے بعد اس کو پھر ہندو برادری میں شامل کرنے کی یہ شرط ہے کہ وہ کوئی رفاہ عام کا کام کرے تو ہندو برادری میں شامل ہو سکے گی اور اس کا خاوند اس کو رکھ سکے گا تو اس میں اسلام کی توہین نہیں ہے، بلکہ ایک ہندو مرتد عورت کو اپنے ساتھ ملانے کی شرط ہے، اس سے مسلمانوں کو کیا واسطہ۔ البتہ مسلمانوں کے لئے ان کے اس فعل میں کسی قسم کی شرکت اور مدد کرنی مناسب نہیں ہے۔ (۱) بہتر صورت یہ ہے کہ مسلمان جس نے زمین دی ہے وہ ہندوؤں کی لاگت خود یا مسلمانوں کی امداد سے ادا کرے اور کنویں کو رفاہ عام کے لئے وقف کر دے۔ ایک بدکار عورت مرتدہ کی خاطر ایک اچھے خاصے مسلمان کو اتنا تنگ کرنا کہ وہ مرتد ہونے پر آمادہ ہو جائے خطرناک فعل ہے۔ وہ عورت تو مسلمان بھی نہیں رہی۔ اور ایک مسلمان خدانخواستہ اور مرتد ہو گیا تو یہ مسلمانوں کے لئے خوشی کی بات نہ ہو گی۔

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

۱۔"تعاونوا علی البر و التقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان یا مر اللہ تعالیٰ عبادہ المؤمنین بنھا ھم التنا صر علی الباطل و التعاون علی الاثم والمحارم" (تفسیر ابن کثیر : ۲/ ۶ سہیل اکیڈمی لاہور)

آنحضرت ﷺ کی شان میں اعلانیہ گستاخی ناقابل برداشت ہے۔

(سوال) علماء دین اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں :۔
(۱) جس نے جوانی میں ختنہ کرائی تکلیف ہونے پر رسول اللہ ﷺ کو متواتر ایک ماہ تک گالیاں دیتا رہا (نعوذ باللہ من ذلک)
(۲) رمضان المبارک میں دوستوں کو ہمراہ لے کر علانیہ کھاتا پیتا رہا، ایک شخص کے ٹوکنے پر جواب دیا کہ ہم کیا مفلس ہیں جو بھوکے مریں۔
(۳) اس کے اس بات کے جواب میں کہ تم نے ماہ صیام کی توہین کی ہے توبہ کرو۔ اس شخص نے آنحضرت ﷺ کو فحش گالیاں کئی مسلمانوں کے سامنے دیں۔
(۴) ان مسلمانوں کے شوروغل کرنے پر کہ تم توبہ کرو۔ یہ توہین ہم برداشت نہیں کرتے اس نے اور اس کے تین چار ساتھیوں نے جواب دیا کہ تم لے آؤ شریعت کو ہم منہ پھوڑ کر رکھ دیں گے (نعوذ باللہ منہ)
(۵) یہ تنازعہ تین دن ہوتا رہا، وہ نہ تائب ہوئے نہ نادم ہوئے بلکہ اور زیادہ کفر کرتے رہے۔
(۶) پھر اپنے آپ کو سکھ مشہور کرنے لگا، کہ میں اسلام ترک کر کے سکھ ہو گیا ہوں، سکھوں کا شعار اختیار کیا، کیا شریعت کی اس طرح توہین کرنے والا اور رسول اکرم (فداہ ابی وامی) ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی اور سب وشتم کرنے والا اور مصر علی الارتداد مستحق عفو ہے۔ ایسے مردود پر مقدمہ چلانا چاہئے یا نہیں ؟ کیا مسلمانوں کو گورنمنٹ وقت سے عبرتناک سزا کے لئے قانون پاس کرانا چاہئے یا نہیں ؟۔ سکھ لوگ اس کی مدد کرتے ہیں۔ کیا ایسے شخص کی توبہ قبول ہوتی ہے، وہ توبہ کی طرف خود بھی نہیں آتا، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کو دھمکا کر جرمانہ کر کے معاف کر دینا چاہئے اور تحریری معافی نامہ لے لینا چاہئے۔ مقدمہ وغیرہ کی حاجت نہیں، ان کا کیا حکم ہے ؟

المستفتی ۔ نمبر ۲۱۵۵ مولوی محمد لائیل پوری دیوبندی رائے کوٹ (لدھیانہ) ۲۶ شوال ۱۳۵۶ھ م ۳۰ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٠) آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں یہ انتہائی گستاخی اور توہین مسلمانوں کے ضبط و تحمل سے باہر ہے ان کو انتہائی چارہ جوئی اور عدالتی کارروائی کرنی لازم ہے اور جب کہ وہ خود ندامت ظاہر نہیں کرتا اور توبہ پر آمادہ نہیں تو توبہ قبول ہونے نہ ہونے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

گواہوں کی گواہی کب بے اثر ہو گی ؟

(سوال) جناب کے حافظہ اور مجموعہ فتاویٰ میں یہ سوال و جواب ہو گا کہ زید نے کہا کہ "میں نے زمین و آسمان پیدا کیا۔" وغیر ذالک۔ پھر آٹھ ماہ کے بعد شہادت ہوتی ہے اور زید کے دعوائے خدائی کا تذکرہ جس پر تجدید ایمان اور نکاح کا سوال پیدا ہوا جس کی پوری تفصیل آپ کے پاس جا چکی ہے اور جناب نے یہ جواب مرحمت فرمایا تھا کہ "زید کا قول معتبر ہو گا، ان لوگوں کا قول جو آٹھ دس مہینے کے بعد اس کا اظہار کرتے ہیں نا قابل

التفات ہے۔

لہذا گزارش ہے کہ جناب تھوڑی سی وقت کی قربانی دے کر شاہدین کی شہادت کے ناقابل التفات ہونے کی جو جیاد ہے اور دلیل شرعی مع عبارات کتب مرحمت فرمادیں تاکہ متردین و منکرین کے سامنے مسئلہ اپنی پوری روشنی میں آجائے اور ہر ایک کے لئے بلا ریب و شک باعث طمانیت ہو۔

(جواب ٤١) زید کا قول معتبر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا قول مع حلف کے معتبر ہوگا۔ اور شہود کی شہادت معتبر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شہادت دیانت اور حسبۃ یعنی للّٰہیت پر مبنی ہے اور ایسی شہادت بلا وجہ معقول تاخیر کرنے سے نامقبول ہو جاتی ہے۔ **ومتی اخر شاھد الحسبة شھادته بلا عذر فسق فترد (درمختار)**. (١) اس کے علاوہ یہ شہادت ردۃ پر ہے۔ اور اس میں جب مشہود علیہ انکار کر دے اور شہادتین کا اقرار کر لے تو شہادت بے اثر ہو جاتی ہے۔ **شھدوا علیٰ مسلم بالردة وھو منکر لایتعرض له (درمختار)**(٢)۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

ارتداد سے توبہ کرنے والے سے نفرت اور تعلقات ختم کرنا جائز نہیں

(السوال) میں مسماۃ جنت خاتون دختر الا ذات تیلی ساکن قصبہ راہوں ضلع جالندھر کی خانہ جنگی عرصہ پانچ چھ سال سے خاوند خود سے رہی اور میری بے کسی اور بے بسی کی داستان قوم کے کسی آدمی نے نہیں سنی۔ میں نے مجبوراً جناب مولوی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند سے اپنی ساری داستان عرض کر کے فتویٰ طلب کیا۔ ان کے حکم فرمانے پر خلع کیلئے میں نے دو سو روپے پیش کئے کہ مجھے اس تلخ زندگی سے رہا کرایا جائے پھر بھی قوم نے کوئی توجہ نہیں دی میں نے تنگ آکر مذہب عسائیت اختیار کیا۔ مسلمان حاکم نے نکاح فسخ قرار دیا۔ فسخ ہونے پر میں نے پھر پوری ندامت سے توبہ کر کے اسلام قبول اور فتویٰ طلب کیا اور جمعیۃ علماء ہند سے مندرجہ ذیل جواب آیا۔

"جب کہ مسماۃ جنت خاتون اپنے اس گناہ عظیم یعنی ارتداد سے نادم ہو کر توبہ کر چکی ہیں اور دوبارہ اسلام میں داخل ہو چکی ہے تو مسلمانوں کا اس سے اور اس کے والدین سے نفرت کرنا یا طعنہ زنی کرنا نامناسب ہے۔ مسلمانوں کو اس لعن طعن سے اجتناب کرنا چاہئے۔"

اس کے بعد مورخہ .... کو قوم تیلیان نے تقریباً نوے ٩٠ گاؤں کے لوگوں کو جمع کر کے میرے والدین سے مقاطعہ کلی طے کر دیا۔ اب گذارش ہے کہ کیا میری توبہ قبول نہیں؟ کیا میں مقولہ ھذا کا مصداق نہیں ہوں۔ **التائب من الذنب کمن لاذنب له** ۔ کیا میں اور میرا خاندان پھر داخل عیسائیت ہو جاؤں، جب کہ مجھے اسلام سے علیحدہ کیا جاتا ہے۔ میں تعلیم یافتہ ہوں، اگر مجھے اسلام نے سہارا دیا تو غیر مذاہب میرے خیر مقدم کے لے تیار ہیں۔

١۔ الدر المختار مع رد المحتار : ٥ / ٤٦٣ ط۔ ایچ۔ ایم سعید
٢۔ مرجع بالا : (٤ / ٢٤٦)

المستفتی ۔ نمبر ۷۷ ۱۹ جنت خاتون (ضلع جالندھر) ۲۷ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲ نومبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۴۲) ارتداد بہت بڑا گناہ اور جرم عظیم ہے۔(۱) مگر جب کہ مرتدہ نے صدق دل سے توبہ کرلی ہے اور داخل اسلام ہوگئی ہے تو اب مسلمان اس کو اپنے میں شامل کرلیں۔(۲) پھر اس کے والدین کا اس میں کیا قصور ہے کہ ان سے مقاطعہ کرلیا گیا۔(۳) پنچایت کو اپنا فیصلہ بدلنا چاہئے اور ان سب کو اسلام کے دامن کے نیچے پناہ دینی چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

بے اختیاری کی حالت میں کفریہ الفاظ کہنے کا حکم.

(سوال) متعلقہ حکم ارتداد بتلفظ الفاظ کفریہ بخواب (سوال دستیاب نہیں ہوا)
(جواب ٤٣) سوال میں صاحب واقعہ کے دو واقعہ مذکور ہیں، ایک حالت خواب کا دوسرا حالت بیداری کا۔ حالت خواب کے واقعہ کا تو اصول شرعیہ کے موافق حکم صاف ہے کہ حسب ارشاد رفع القلم عن ثلاثة الخ(٤) نائم مرفوع القلم ہے، حالت نوم کا کوئی فعل اور کلام شرعاً معتبر نہیں بلکہ حالت نوم کا کلام کلام طیور کے مشابہ اور اسی حکم میں ہے۔ وفي التحرير و تبطل عبادته من الا سلام والردة والطلاق ولم توصف بخبرو لا انشاء و صدق و كذب كالحان الطيور راه و مثله في التلويح فهذا صريح في ان كلام النائم لايسمى كلاماً لغة ولا شرعاً بمنزلة المهمل (ردالمحتار)(٥) پھر اس خواب کے واقعہ کی حکایت ایک ایسے واقعہ کی حکایت ہے کہ وہ کفر نہیں تھا۔ اگرچہ الفاظ کفریہ ہیں۔ لیکن الفاظ کفریہ کی محض نقل کافر نہیں بناتی۔
اگر کوئی کہے کہ نصاریٰ کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں تو اس کہنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ الفاظ کفریہ کی نقل تو قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وقالت اليهود عزيرا بن الله وقالت النصارى المسيح ابن الله . (٦) یہ الفاظ کہ "عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔" یقیناً کفر کے کلمات ہیں، اور مسلمان انہیں رات دن تلاوت قرآن مجید اور نماز میں پڑھتے ہیں اور یہود و نصاریٰ کے یہ کلمات نقل کرتے ہیں تو جب کہ ان کلمات کا نقل کرنا باوجود یہ کہ منقول عنہم نے ان کا تکلم بحالت اختیار کیا تھا اور ان پر انہیں کلمات کے تکلم کی وجہ سے کفر کا حکم کیا گیا۔ کما قال الله تعالیٰ . لقد كفر

۱۔ جیسے ایمان سب سے بڑی نیکی ہے، اس کا ترک یعنی ارتداد سب سے بڑا جرم ہوگا، قرآن مجید میں ہے ان الذين أمنوا ثم كفروا ثم امنوا، ثم كفروا، ثم ازدادوا كفرا لم يكن الله ليغفر لهم، ولاليهديهم سبيلاً (النساء : ١٣٧)
۲۔ الا الذين تابوا واصلحوا وبينوا فاولئك اتوب عليهم وانا التواب الرحيم . (البقرة : ١٦٠)
"انما المؤمنون إخوة اى الجميع اخوة فى الدين" (تفسیر ابن کثیر : ۴ / ۲۱۱ سہیل اکیڈمی لاہور)
۳۔ "ولا تزر وازرة وزر اخرى" (اسراء : ۱۵) اور حدیث شریف میں ہے "لا يحل لمسلم ان يهجر اخاه فوق ثلث ايام ." (بخاری شریف : ۲ / ۸۹۶..... قدیمی کتب خانہ
۴۔ (ابوداؤد : ۲ / ۲۵۶ مکتبہ امدادیہ ملتان)
۵۔ الشامیہ : ۳ / ۲۴۵ سعید)
۶۔ (التوبہ : ۳۰)

الذین قالوا اتخذالله ولداً(۱) ناقلین کے لئے موجب کفر نہ ہوا تو حالت خواب کے وہ کلمات کہ نہ ان کا قائل کافر ہوا نہ نوم کی حالت میں ان کلمات کو کلمات کفر کہا جا سکتا ہے۔ نقل کرنے سے کفر کا حکم بدرجہ اولیٰ نہیں دیا جا سکتا۔

رہا دوسرا واقعہ جو حالت بیداری کا ہے، اس کے متعلق صاحب واقعہ کا بیان یہ ہے کہ وہ اپنی حالت خواب کی غلطی سے نادم اور پریشان ہو کر چاہتا ہے کہ درود شریف پڑھ کر اس کا تدارک کرے، اور درود شریف پڑھتا ہے لیکن اس میں بھی جائے آنحضرت ﷺ کے نام مبارک کے زید کا نام اس کی زبان سے نکلتا ہے۔ اسے اس غلطی کا احساس تھا، مگر کہتا ہے کہ زبان پر قابو نہ تھا، بے اختیار تھا، مجبور تھا۔ اس واقعہ کے متعلق دو باتیں تنقیح طلب ہیں۔

اول یہ کہ آیا حالت بیداری میں ایسی بے اختیاری اور مجبوری کہ زبان قابو میں نہ رہے بغیر اس کے کہ نشہ ہو، جنون ہو، اکراہ ہو، عتہ ہو ممکن اور متصور ہے یا نہیں؟ کیونکہ ان چیزوں میں سے کسی کا موجود ہونا سوال میں ذکر نہیں کیا گیا۔ تو ظاہر یہی ہے کہ ان اسباب میں سے کوئی سبب بے اختیاری پیدا کرنے والا نہ تھا۔
دوسرے یہ کہ اگر بے اختیاری اور مجبوری ممکن اور متصور ہو تو صاحب واقعہ کی تصدیق بھی کی جائے گی یا نہیں؟
امر اول کا جواب یہ ہے کہ بے اختیاری کے بہت سے اسباب ہیں۔ صرف سکر و جنون و اکراہ و عتہ میں منحصر نہیں۔ کتب اصول فقہ و فقہ میں ان اسباب کے ذکر پر اقتصار کرنا تحدید و حصر پر مبنی نہیں، بلکہ اکثری اسباب کے طور پر انہیں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ متعدد کتب فقہیہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ خواہ کسی وجہ سے عقل مغلوب ہو جائے وہ مغلوبیت موجب رفع قلم ہو جاتی ہے۔ **الا فی بعض المواقع** فیکون الزجر مقصوداً۔(۲)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے :۔ **من اصابه برسام اواطعم شيئا فذهب عقله فهذىٰ فارتد لم يكن ذلك ارتداداو كذالو كان معتوها او موسوسا اومغلوبا علىٰ عقله بوجه من الوجوه فهو علىٰ هذا كذا فى السراج الوهاج** (ہندیہ مطبوعہ مصر(۳) صفحہ ۲۸۲ ج ۲)۔ اس عبارت میں لفظ موسوس اور لفظ بوجہ من الوجوہ قابل غور ہے۔ لیکن واقعہ مسئولہ عنہا میں نہ تو زوال شعور و زوال عقل کی تصریح ہے اور نہ میں واقعات مذکورہ کی بناء پر زوال شعور کا ہونا صحیح سمجھتا ہوں کیونکہ صاحب واقعہ بحالت تکلم اپنی غلطی کا ادراک ہونا بیان کرتا ہے اور عذر میں صرف بے اختیاری مجبوری، زبان کا قابو میں نہ ہونا ذکر کرتا ہے۔ اس لئے میں صرف اسی بات کو ٹھیک سمجھتا ہوں وہ باوجود شعور وادراک کے کلمہ کفریہ کہتا ہے، مگر بے اختیاری سے مجبوری سے اور عین تکلم کی حالت میں بھی اسے غلطی اور خلاف عقیدہ سمجھتا ہے اور بعد **الفراغ من التكلم** بھی اس پر نادم ہوتا ہے، پریشان ہوتا ہے، روتا ہے۔ اسباب معلومہ (شرک، جنون، اکراہ، عتہ) کے علاوہ کبر سنی، مرض، مصیبت، غلبہ

۱۔ "لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح ابن مريم" (المائدة : ۱۷) قالوا اتخذ الله ولدا سبحنه (يونس : ۶۸)
۲۔ جیسا کہ نشے کی حالت میں طلاق دینا دیکھئے (الشامیہ : ۳ : ۲۳۹ سعید)
۳۔ ہندیہ ۲ / ۲۵۷ ماجدیہ

خوشی غلبہ حزن فرط محبت وغیرہ بھی زوال عقل یازوال اختیار کے سبب بن سکتے ہیں۔اور جہاں زوال عقل یازوال اختیار ہووہاں حکم ردۃ ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۱)در مختار میں ہے :. **وما ظهر منه من كلمات كفرية يغتفرفي حقه ويعامل معاملة موتى المسلمين حملا على انه في حال زوال عقله انتهى**(۱)۔یعنی قریب موت ونزع روح اگر محتضر سے کچھ کلمات کفریہ ظاہر ہوں توانہیں معاف سمجھا جائے اور اس کے ساتھ اموات مسلمین کا سامعاملہ کیا جائے اور ظہور کلمات کفریہ کوزوال عقل واختیار پر محمول کیا جائے۔

اس عبارت سے صرف یہ غرض ہے کہ اسباب مذکورہ معلومہ میں سے یہاں کوئی سبب نہیں پھر بھی ایک اور چیز یعنی شدت مرض یاکلفت نزع روح کوزوال عقل کے لئے معتبر کیاگیااور میت کے ساتھ مرتد کا معاملہ کرناجائز نہیں رکھاگیا۔اگرچہ نزع کی سخت تکلیف کی وجہ سے ایسے وقت زوال عقل متصور ہے لیکن یقینی نہیں ہے۔صرف **تحسیناً للظن بالمسلم** احتمال زوال عقل کو قائم مقام زوال عقل کر لیا گیا ہے۔

(۲) صحیح مسلم کی روایت میں آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے گنہگار بندے کے توبہ کرنے پر اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جیسے کہ ایک مسافر کا جنگل میں سامان سے لدا ہوا اونٹ گم ہو جائے اور وہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ناامید ہونے کے بعد مرنے پر تیار ہو کر بیٹھ جائے اور اسی حالت میں اس کی آنکھ لگ جائے تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھلے تو دیکھئے کہ اس کا اونٹ مع سامان اس کے پاس کھڑا ہے۔اسی روایت میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی زبان سے غایت خوشی میں بے ساختہ یہ لفظ نکل جاتے ہیں۔ **انت عبدی وانا ربك**. یعنی خدا تعالیٰ کی جناب میں یوں بول اٹھا کہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا خدا ہوں۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں **خطا من شدة الفرح**۔یعنی شدت خوشی کی وجہ سے اس سے خطا یہ لفظ نکل گئے۔(۲)

اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہو گیا کہ شدت فرح بھی زوال اختیار کا سبب ہو جاتی ہے۔اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے اس کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ الفاظ کفریہ کا یہ تکلم جو خطأ ہوا تھا جب کفر اور مزیل ایمان تھا، اس لئے آپ کے سکوت سے معلوم ہو گیا کہ الفاظ کفر کا تلفظ جو خطا کے طور پر ہو مثبت ردۃ نہیں۔

(۳) صلح حدیبیہ کے قصے میں جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے ذکر کیا گیا ہے کہ جب صلح مکمل ہو گئی آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم فرمایا کہ سر منڈاڈالو اور قربانیاں ذبح کرو تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بوجہ فرط حزن وغم کہ اپنی تمناو آرزو کے خلاف خانہ کعبہ تک نہ جاسکے۔ایسے بے خود ہوئے کہ باوجود حضرت ﷺ کے مکرر سہ کرر فرمانے کے کسی نے فرمان عالی کی تعمیل نہ کی۔آپ غمگین ہو کر خیمے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔انہوں نے پریشانی کا سبب دریافت کیا اور

۱۔تنویر مع شرحہ :۲ / ۱۹۲سعید)

۲۔"انس بن مالك وهو عمه قال : قال رسول الله ﷺ الله اشد فرحاً بتوبة عبده حين يتوب اليه من احدكم كان على راحلته بارض فلاة فانفلتت منه وعليها طعامه، وشرابه فايس منها، فاتى شجرة فاضطجع في ظلها قد ايس من راحلته، فبينا هو كذلك اذهوبها قائمة عنده فاخذ بخطامها، ثم قال من شدة الفرح : اللّهم انت عبدی و انا ربك اخطأ من (شدة الفرح." (مسلم :۲ / ۳۵۵)

عرض کیا کہ آپ باہر تشریف لے جاکر اپنا سر منڈادیں اور کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ آپ باہر تشریف لائے اور حالق کو بلا کر اپنا سر منڈادیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دیکھا تو ان کے ہوش و حواس بجا ہوئے اور ایک دم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔(۱) اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ فرط حزن بھی موجب زوال اختیار ہو جاتا ہے، کیونکہ قصد واختیار سے آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل نہ کرنے کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جانب وہم بھی نہیں ہو سکتا۔

(۴) امتحان تقریری کے وقت جن طلبہ کی طبیعت زیادہ مرعوب ہو جاتی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کی زبان سے باوجود ادراک و شعور کے بے قصد غلط الفاظ نکل جاتے ہیں، حالانکہ صحیح جواب ان کے ذہن میں ہوتا ہے۔ مگر فرط رعب کی وجہ سے زبان قابو میں نہیں ہوتی۔

(۵) رسول خدا ﷺ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں عدل کی پوری رعایت کر کے فرماتے :۔

اللهم هذه قسمتي فيما املك فلا تأخذني فيما تملك ولا املك (۲)

"یعنی اے خداوند میں نے اختیاری امور میں تو برابر کی تقسیم کر دی، اب اگر فرط محبت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ سے میلان قلب بے اختیاری طور پر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف زیادہ ہو جائے تو اس میں مؤاخذہ نہ فرمانا کیونکہ وہ میرا اختیاری نہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اگر فرط محبت کی وجہ سے بے اختیاری طور پر کوئی امر صادر ہو جائے وہ قابل مؤاخذہ نہیں۔ رہا اطرائے ممنوع جو فرط محبت سے پیدا ہوتا ہے وہ اختیاری حد تک ممنوع ہے وہ بھی غیر اختیاری حد تک پہنچ جائے تو یقیناً مرفوع القلم ہوگا۔ نیز حدیث **لا تطرونی الخ** (۳) میں اطراء کی نہی ضرور ہے لیکن یہ ضرور نہیں کہ اطراء کا سبب فرط محبت ہی ہو بلکہ جہالت، تعصب، غلط فہمی وغیرہ اسباب بھی موجب اطراء ہو سکتے ہیں۔ پس نہی عن الاطراء **مستلزم نهي عن غلبة المحبت** نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح غلبہ محبت منحصر فی **الا طراء الاضطراری** نہیں۔ اس لئے نہی عن الاطراء کو مستلزم نہی عن غلبۃ المحبۃ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حدیث مذکور اس امر پر صاف دلالت کرتی ہے کہ غلبہ محبت بسا اوقات غیر اختیاری طور پر محبوب کی طرف میلان پیدا کر دیتا ہے۔ اور یہ میلان قابل مؤاخذہ نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ غیر اختیاری ہے، اور اس کو غیر اختیاری کس چیز نے بنایا؟ غلبہ محبت نے۔

بخاری شریف کی وہ حدیث دیکھئے جس میں امم سابقہ میں سے ایک شخص کا یہ حال مذکور ہے کہ اس نے اپنے بیٹوں سے موت کے وقت کہا تھا کہ مجھے جلا کر میری خاک تیز ہوا میں اڑا دینا۔ **فهو الله لئن قدر الله على**

۱۔ قال رسول الله ﷺ لاصحابه : قوموا فانحروا ثم احلقوا، قال : فوالله ما قام منهم رجل حتى قال ذلك ثلاث مرات، فلما لم يقم منهم احد، دخل على ام سلمة فذكر لها مالقي من الناس فقالت ام سلمة يا نبي الله ! اتحب ذلك؟ اخرج ثم لا تكلم منهم احدا حتى تنحر بدنك ، تدعو حالقك ، فخرج فلم يكلم منهم حتى فعل ذلك، نحر بدنه ودعا حالقه (بخاری شریف ۲ ص ۳)

۲۔ ترمذی شریف : ۱ ص ۲۱۲ ایچ ایم سعید

۳۔ عن ابن عباس سمع عمر يقول على المنبر سمعت النبي ﷺ يقول : لا تطروني كما اطرت النصارى عيسى ابن مريم فانما انا عبده ولكن قولوا عبدالله ورسوله." (بخاری شریف : ۱ ص ۴۹۰ قدیمی کتب خانہ)

الخ .(۱)ان الفاظ کے (اس تقدیر پر کہ قدر کو قدرت سے مشتق مانا جائے) الفاظ کفریہ ہونے میں شبہ نہیں لیکن اس کا جواب رب خشیتک اسے کفر سے بچا کر مغفرت خداوندی ٹھہرا دیتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خوف خداوندی نے اس کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلوا دیئے اور بے اختیاری کی وجہ سے وہ مؤاخذہ سے بچ گیا۔

بہر حال وجوہ مذکورہ سے صاف ثابت ہو گیا کہ اسباب معلومہ (سکر، جنون، اکراہ کے علاوہ بھی بہت سے اسباب ہیں جن سے شعور و ادراک یا ارادہ و اختیار زائل ہو جاتا ہے پس واقعہ مسئولہ عنہا میں سکر جنون اکراہ عدم نہیں ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ محض ان اسباب کے عدم کی وجہ سے لازم کر دیا جائے کہ اس نے الفاظ مذکورہ ضرور ارادے اور اختیار سے کہے ہیں۔

اس کے بعد دوسرا امر تنقیح طلب یہ تھا کہ اگر بے اختیاری اور مجبوری ممکن ہو تو صاحب واقعہ کی تصدیق بھی کی جائیگی یا نہیں۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ اس سے پہلے کہ اس کی تصدیق یا عدم تصدیق کی بحث کی جائے۔ اول یہ بتا دینا ضروری ہے کہ صاحب واقعہ اپنی بے اختیاری کس قسم کی ظاہر کرتا ہے اور اس کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟ سو واضح ہو کہ صاحب واقعہ کا قول یہ ہے "لیکن حالت بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دور کیا جائے، اس واسطے کہ پھر کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے باایں خیال بندہ بیٹھ گیا اور پھر دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہوں لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں اللھم صل علی سیدنا و مولانا و نبینا زید . حالانکہ اب بیدار ہوں خواب نہیں لیکن بے اختیار ہوں مجبور ہوں، زبان اپنے قابو میں نہیں۔" اس کلام سے صاف واضح ہے کہ اسے اپنی خواب کی حالت میں غلطی کرنے کا افسوس اور پریشانی بیداری میں لاحق تھی اور اسی غلطی کا تدارک کرنے کے لئے اس نے درود شریف پڑھنا چاہا۔ اس کا قصد تھا کہ صحیح طور پر وہ آنحضرت ﷺ پر درود پڑھ کر اپنی سابق غلطی کا تدارک کرے لیکن اب بھی اس سے بے اختیاری طور پر وہی غلطی سرزد ہوتی ہے۔ اور اس کی زبان، اس کے ارادے اور اعتقاد کے ساتھ موافقت نہیں کرتی، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ غلطی اس سے خطاءً سرزد ہوئی یعنی وہ اپنی اس غلطی کو خطاءً سرزد ہونا بیان کرتا ہے۔ کیونکہ خطا کے معنی یہی ہیں کہ انسان کا قصد اور کچھ ہو اور جوارح سے فعل اس کے قصد کے خلاف صادر ہو جائے۔(۲) مثلاً کوئی ارادہ کرے کہ اللہُ واحدٌ کہوں۔ اس ارادے سے زبان کو حرکت دے لیکن زبان سے بے اختیار اللہُ عابدٌ نکل جائے۔ خطا کے یہ معنی عبارات ذیل سے صراحۃً ثابت ہوتے ہیں۔ **الخاطیء من یجری علی لسانه من غیر قصد کلمة مکان کلمة** (فتاویٰ قاضی خاں) **خاطی اذا جری علی لسانه کلمة الکفر خطأً بان کان یرید ان یتکلم**

۱۔" عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله ﷺ قال : قال رجل لم یعمل خیرا قط : اذامات فاحرقوه و اذروانصفه فی البرونصفه فی البحر، فوالله لئن قدر الله علیه لیعذبنه عذاباً لا یعذ به احداً من العالمین ، فامر الله البحرفجمع مافیه ، وامر البر فجمع مافیه ثم قال لم فعلت ؟ قال من خشیتك و انت اعلم ، فغفرله" (بخاری شریف : ۲ / ۱۱۱۷ قدیمی کتب خانہ)

۲۔ "هو مالیس للانسان فیه قصد" (التعریفات للجرجانی : ۷۲ مطبوعه دار المنار مصر)

بمالیس بکفر فجری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطأ (قاضی خاں)(۱)امااذا اراد ان یتکلم بکلمۃ مباحۃ فجری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطا بلا قصد(بزازیہ)(۲)

ان عبارتوں سے صاف معلوم ہو گیا کہ خطا کے معنی یہی ہیں کہ بلا قصد شعور وادراک کی حالت میں جو کلمہ زبان سے نکل جائے وہ خطا ہے۔ تو صاف ظاہر ہے کہ صاحب واقعہ کا ان الفاظ کفریہ کے ساتھ تکلم کرنا خطا ہے۔ کیونکہ اس کا قصد اس کے خلاف الفاظ مباحہ کہنے کا تھا اور بلا قصد اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے۔ اور جب ان الفاظ کا خطاءً صادر ہونا ثابت ہو گیا تو اب یہ دیکھنا چاہئے کہ اگر الفاظ کفر خطاءً کسی کی زبان سے نکل جائے تو ان کا حکم کیا ہے ؟ اس کے لئے کتب فقہ میں مختلف عبارتیں ملتی ہیں۔

اول یہ کہ الفاظ کفریہ کا خطاءً زبان سے نکل جانا موجب کفر نہیں۔ رجل قال عبدالعزیز عبدالخالق عبدالغفار عبدالرحمن بالحاق الکاف فی اخر الاسم قالوا ان قصد ذلک یکفروان جریٰ علی لسانہ من غیر قصد او کان جا ھلا لا یکفرو علی من سمع ذلک منہ ان یعلمہ الصواب (قاضی خان) (۳) المخطیٔ اذا جری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاءً بان کان یرید ان یتکلم بما لیس بکفر فجریٰ علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاءً لم یکن ذلک کفراً عندا لکل کذا فی العالمگیریۃ نقلاً عن الخانیہ (۴)

(۲)دوسرے یہ کہ الفاظ کفریہ کا خطاءً تکلم اگرچہ دیانۃً بالا تفاق موجب کفر نہیں مگر قضاءً تصدیق نہ کی جائے گی۔ اما اذا اراد ان یتکلم بکلمۃ مباحۃ فجری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاءً و العیاذ باللہ لا یکفر لکن القاضی لا یصدقہ علی ذلک (بزازیہ) بدلیل ماصر حوابہ من انہ اذا اراد ان یتکلم بکلمۃ مباحۃ فجریٰ علی لسانہ کلمۃ الکفر خطاءً بلا قصد لا یصدقہ القاضی وان کان لا یکفر فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ فتامل ذلک اھ (رد المحتار)(۵)۔ اگر کہا جائے ممکن ہے کہ قاضی خاں کی دونوں عبارتیں صرف حکم دیانت بتاتی ہوں۔ کیونکہ بزازیہ اور ردالمحتار کی عبارتوں میں بھی حکم دیانت یہی بتایا گیا ہے کہ کافر نہیں ہو گا لیکن اس کے بعد حکم قضا یہ بتایا کہ قاضی تصدیق نہ کرے اور حکم قضاء کی قاضی خاں کی عبارتوں میں نفی نہیں۔ بلکہ وہ حکم قضا سے ساکت ہیں۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ ہاں بے شک یہ احتمال ہے۔ لیکن اول تو مفتی کا منصب صرف یہ ہے کہ وہ حکم دیانت بتائے اس لئے صورت مسئولہ میں مفتی کو یہی فتویٰ دینا لازم ہے کہ قائل مرتد نہیں ہوا۔ دوم یہ بھی دیکھنا ہے کہ جب کہ شرائط صحت ردۃ میں طوع واختیار بھی داخل ہے اور بے اختیاری میں ردۃ معتبر نہیں ہوتی تو یہ عدم اعتبار صرف مفتی کے اعتبار سے ہوتا ہے یا قاضی بھی غیر اختیاری ردۃ کو معتبر نہیں سمجھتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے اختیاری کے اسباب اگر ظاہر ہوں تو اس میں مفتی اور قاضی دونوں بے اختیاری کو تسلیم کرتے اور ردۃ کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔

۱۔ قاضی خان علی ہامش ہندیہ : ۳ / ۵۷۷
۲۔ بزازیہ علی ہامش ہندیہ : ٦ / ۳۲۱ ماجدیہ
۳۔ قاضی خان علی ہامش ہندیہ : ۳ / ۵۷٦ ماجدیہ
۴۔ ہندیہ : ۲ / ۲۷٦ ماجدیہ
۵۔ الشامیۃ : ۴ / ۲۲۹ سعید

جیسے کہ جنون معروف یا سکر ثابت عند القاضی یا طفولیۃ مشاہدہ وغیرہ۔

پس صورت مسئولہ میں اگر اس کی حالت بے خودی وبے اختیاری کو اور لوگوں نے بھی محسوس کیا ہو جب تو ظاہر ہے کہ قاضی کو بھی اس کا اعتبار کرنا پڑے گا ورنہ زیادہ سے زیادہ قاضی کو صاحب واقعہ سے اس کی اس حالت بے خودی وبے اختیاری کے متعلق قسم لینے کا حق ہوگا۔

(۳) سوم یہ کہ اگر قاضی کے سامنے یہ واقعہ اس طرح جاتا کہ اس شخص نے فلاں الفاظ کفریہ کا تکلم کیا ہے اور پھر یہ شخص قاضی کے سامنے عذر بے اختیاری پیش کرتا، ضرور تھا کہ قاضی اس سے بے اختیاری کا ثبوت مانگتا اور صرف اس کے کہنے سے حکم ردۃ کو اس پر سے مرتفع نہ کرتا۔ لیکن یہاں یہ واقعہ نہیں ہے بلکہ قاضی کے سامنے اس قائل کا بیان جائے گا تو اس طرح جائے گا کہ میں نے بحالت بے خودی وبے اختیاری کہ زبان قابو میں نہ تھی یہ الفاظ کہے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ الفاظ بایں حیثیت کہ بے خودی اور بے اختیاری سے سرزد ہوئے ہوں موجب کفر نہیں ہیں۔

(۴) چہارم یہ کہ ردۃ حقوق اللہ خالصۃً میں سے ہے اور اگرچہ بعد ثبوت ردۃ بعض عباد کے حقوق متعلق ہو جاتے ہیں، لیکن نفس ثبوت واثبات ردۃ میں دخل نہیں بلکہ بعد ثبوت ردۃ مترتب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بزازیہ میں اس کی تصریح ہے۔(۱) پس کسی متکلم کے دعویٰ خطا کرنے سے کوئی حق عبد زائل نہیں ہوتا۔ اور اس لئے قاضی کو اس کی تصدیق کر لینا ہی راجح ہے جیسا کہ حدیث الخطاء من شدۃ الفرح اور (۲) حدیث واللہ لئن قدر اللہ علی (۳) اور مختصر کے کلمات کفریہ کا اعتبار نہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔(۴) اس کے بعد یہ بات باقی رہی کہ آیا صاحب واقعہ کی اس قول میں کہ ان الفاظ کا صدور بے اختیاری سے ہوا تصدیق کی جائے گی یا نہیں؟ اس کا جواب ضمناً تو آچکا لیکن زیادہ وضاحت کی غرض سے عرض کیا جاتا ہے کہ اگر اسی کلام میں متعدد وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو مفتی اسی ایک وجہ کو اختیار کرے جس سے حکم کفر عائد نہ ہو۔ کیونکہ جہت اسلام راجح ہے (۵) اور مسلمان کے ساتھ حسن ظن لازم۔(۶) یہ دوسری بات ہے کہ اگر مفتی کی تاویل فی الواقع صحیح نہ ہوگی تو اس کا فتویٰ قائل کو حقیقی کفر سے نہیں بچا سکے گا۔(۷)

صورت مسئولہ میں جب کہ قائل خود اپنا کلمہ کفر سے ڈرنا، پریشان ہونا اور پھر تدارک کے خیال سے درود شریف پڑھنا اور اس میں بے اختیاری سے غلطی کرنا اور پھر اس پر افسوس کرنا اور رونا بیان کرتا ہے تو اس بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں کہ اس نے یہ الفاظ کفریہ اپنے ارادے اور اختیار سے کہے یہ خیال کہ جب اسے معلوم تھا

۱۔ وبخلاف الارتداد، لانه معنی لا حق لغیرہ من آلادمین (بزازیہ علی هامش هندیہ ماجدیہ : ۶ / ۳۲۲)
۲۔ مسلم شریف ۲ / ۳۵۵ قدیمی
۳۔ بخاری شریف : ۲ / ۱۱۰۷ قدیمی کتب خانہ
۴۔ وما ظهر منه من كلمات كفريه يغتفر في حقه ويعامل معامله مولیٰ المسلمين. (التنویر مع الدر (۴ / ۱۹۲) ایچ ایم سعید)
۵۔ اذا كان في المسئلة وجود توجب الكفر و وجه واحد يمنع فعلى المفتي ان يميل الى ذلك (عالمگیری : ۲ / ۲۸۳)
۶۔ عن ابن عباس فی قوله تعالی : "یآیها الذین امنو اجتنبوا كثيرا من الظن" قال : نهى الله المومن ان يظن بالمومن سوءا (تفسیر الدر المنثور : ۶ / ۹۱ بیروت)
۷۔ فمن قضيب له بحق مسلم فانما هي قطعة من النار فلياخذها او يتركها (بخاری شریف : ۲ / ۱۰۶۴) جیسا کہ قضا اگر حقیقت واقعہ کے مطابق نہ ہو تو مسلم

کہ میری زبان قابو میں نہیں تو سکوت کرنا چاہئے تھا لیکن اس نے سکوت نہ کیا اور کلمہ کفر زبان سے نکالا تو گویا قصداً کلمہ کفر کے ساتھ تکلم کیا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس نے قصداً درود شریف صحیح پڑھنے کا کیا تھا مگر تلفظ کے وقت زبان سے دوسرے لفظ نکلے پھر قصد کیا کہ صحیح پڑھوں بقصد الاصلاح والتدارک سے افضل نہیں ہو سکتا۔ پس ممکن ہے اور اقرب الی القیاس یہی ہے کہ اس کے دل پر کوئی ایسی حالت طاری ہوئی جس کی وجہ سے اس کے جوارح کے افعال مختل ہو گئے۔ خود اس کے بیان میں موجود ہے کہ بیداری کے بعد بھی بدن میں بے حسی اور اثر نا طاقتی بدستور تھا۔ اس لئے مفتی کے ذمہ صورت واقعہ میں لازم ہے کہ اس طرح فتویٰ دے کہ جب صاحب واقعہ نے اپنے اختیار اور ارادہ سے الفاظ مذکورہ نہیں کہے ہیں تو وہ بالاتفاق مرتد نہیں ہوا۔ اور چونکہ ان الفاظ کا اس کی زبان سے صدور خطاءً ہوا ہے اور اس صورت میں اتفاقاً کفر عائد نہیں ہوتا۔ جیسا کہ قاضی خاں کی عبارت سے معلوم ہو چکا۔ اس لئے اس کو تجدید نکاح یا تجدید ایمان کا حکم بھی نہیں کیا جائے گا۔ احتیاطاً تجدید کر لینا مبحث سے خارج ہے۔ اس کی منکوحہ قطعاً اس کے نکاح میں ہے اور اسے ہرگز دوسرا نکاح جائز نہیں۔(۱) اگر اس کی یہ حالت بے خودی و بے اختیاری معروف ہو جب تو حکم قضاء و دیانت میں کوئی فرق ہی نہیں۔ اگر یہ حالت معروف نہ ہو تاہم بوجوہ مذکورہ بالا قضاء بھی بلا قسم یا زیادہ سے زیادہ قسم کے ساتھ تصدیق کی جائے گی۔

کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ مورخہ ۳۰ جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ

اسلام قبول کرنے سے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

(از اخبار سہ روزہ "الجمعیۃ" دہلی مورخہ ۲۲ جون ۱۹۲۷ء)

(سوال) بعد اسلام قبول کر لینے کے مشرک مرتد کا کیا حکم ہے۔ اس کی مشرکیت و مرتدیت کیا ہو جاتی ہے؟

(جواب ٤٤) الا سلام یهدم ما کان قبله (۲) یعنی اسلام قبول کرنے سے پہلے کے تمام گناہ اسلام لانے سے معاف ہو جاتے ہیں۔　　　محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

کسی دنیاوی غرض سے کفر اختیار کرنا

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک شخص کسی ضرورت کی وجہ سے مذہب اسلام ترک کرتا ہے لیکن حقیقت میں اس نے اسلام کو ترک نہیں کیا ہے۔ صرف اپنی غرض کو حاصل کرنے کے لئے اس نے ایسا کیا ہے۔ ارکان اسلام پر عامل ہے۔

(جواب ٤٥) ترک اسلام اور اجرائے کلمہ کفر یا کوئی عمل کفر کرنا حالت اضطرار میں جب کہ جان کا خطرہ ہو جائز ہو جاتا ہے (۳) اس کے علاوہ کسی حالت میں جائز نہیں۔ پس اگر شخص مذکور نے کسی اضطراری حالت میں ایسا کیا ہے اور قلب میں ایمان و ایقان بدستور ہے تو وہ خدا کے نزدیک مسلمان ہے۔ واللہ اعلم۔(۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ

۱۔ النوع الخامس المحرمة لحق الغير كمنكوحة الغير و معتدته (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ۲/ ۱۰۱ طبع مکتبہ امدادیہ ملتان)
۲۔ مسلم شریف: ۱/ ۷۶
(۳-۴) "ومن كفر بالله من بعد ايمانه الا من اكره، وقلبه مطمئن بالايمان" (النحل: ۱۰۶)

پانچواں باب
اہل کتاب

کیا موجودہ زمانے کے یہود و نصاریٰ اہل کتاب ہیں ؟
یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ اور ان سے نکاح کا حکم ؟

(سوال)(۱) موجودہ زمانہ کے یہود اور نصاریٰ اہل کتاب ہیں یا نہیں ؟
(۲) یہود اور نصاریٰ کے ذبیحہ کو مسلمان کھا سکتا ہے یا نہیں ؟
(۳) یہود اور نصاریٰ کی عورتوں سے بغیر اسلام پیش کئے اور بغیر اسلام کی قبولیت ان سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔
المستفتی۔ نمبر ۱۹۶۷ مولوی سید امداد اللہ صاحب (جالندھر) ۳ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۹ ستمبر ۱۹۳۷ء
(جواب ٤٦) (۱) موجودہ زمانہ کے یہود و نصاریٰ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر اور توراۃ یا انجیل کو آسمانی کتاب مانتے ہوں، اہل کتاب ہیں، اگرچہ تثلیث کے قائل ہوں۔(۱)
ہاں جو دہریہ عقیدہ رکھتے ہوں یعنی نبوت و رسالت کے ہی قائل نہ ہوں اور نہ آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں وہ اہل کتاب نہیں۔(۲)
(۲) یہود و نصاریٰ جو دین موسوی یا دین عیسوی کے معتقد ہوں، ان کا ذبیحہ حلال ہے۔(۳)
(۳) یہود و نصاریٰ جو دین موسوی یا دین عیسوی کے قائل ہوں ایسی یہودیہ یا نصرانیہ سے مسلمان شادی کر سکتا ہے۔ عرض اسلام کرنا جواز نکاح کے لئے لازم نہیں۔(۴)　　　　محمد کفایت اللہ غفرلہ

یہود و نصاریٰ کے ذلیل اور لعنتی ہونے کا مطلب۔

(سوال) قرآن کریم کی تصریحات مثلاً غیر المغضوب علیہم اور ضربت علیہم الذلة الخ و دیگر آیات بینات اور مفسرین و علمائے سلف و خلف کی تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہودی دنیا میں بھی ذلیل و ملعون رہیں گے۔ مگر عرب کے موجودہ حالات و شواہد سے بظاہر اس کے خلاف معاملہ نظر آتا ہے۔ چونکہ کلام الٰہی اپنی جگہ کامل و مکمل ہے، اس کی تعلیمات و احکام کی سچائی و پختگی پر ہمارا ایمان ہے، اس لئے لازمی طور پر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس کا مطلب سمجھنے میں غلطی کر رہے ہیں۔ یا اس کی کوئی دوسری توجیہ ہو سکتی ہے ؟

المستفتی۔ نمبر ۲۸۱۵ مولوی محمد عبدالعزیز۔ نوشہرہ ضلع پشاور

۱۔ وصح نکاح کتابیه وان کره تنزیها (مومنة بنبی) مرسل (مقرة بکتاب) منزل و ان اعتقدوا المسیح الها . (الدر مع التنویر : ۳/ ۴۵ قدیمی)
۲۔ "الکتابی عند الحنفیة من یومن بنبی ویقر بکتاب" (القاموس الفقہی : ۱۶ بیروت)
۳۔ "وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم." روی عن ابن عباس ، وابی الدرداء والحسن ، ومجاهد، وابراهیم والسدی انه ذبائحهم ، لان ذبائحهم من طعامهم" (احکام القرآن للجصاص ۲/ ۳۲۲ بیروت)
۴۔ "والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم" (المائدہ : ۵)

(جواب ۴۷) یہود کی ذلت سے مراد ان کی باطنی اور عقیدے کی ذلت ہے۔ اسی پر غضب خداوندی کے وہ مستحق ہیں۔ ظاہر ہے کہ دنیوی غربت و مسکنت موجب غضب خداوندی نہیں ہو سکتی۔ ورنہ دنیوی حیثیت سے تو وہ حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی بڑے تاجر، بڑے مالدار اور اپنی اپنی بستیوں میں صاحب امر تھے۔ پھر ان کے مغضوب علیہم اور ذلیل ہونے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کوئی شبہ نہیں ہوا۔ کیونکہ ان کی باطنی ذلت تمام اہل عقل اور اہل حق کے نزدیک مسلم تھی(۱)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

قرآن کریم کی آیت "ولتجد نهم اقربهم مودة للذين اٰمنوا الذين قالوا : انا نصارٰى" کا کیا مطلب ہے؟

لتجدن اشدالناس عداوة للذين اٰمنوا اليهود والذين اشركوا . ولتجدن اقربهم مودة للذين اٰمنوا الذين قالوا انا نصارى الخ ۔ اس آیۂ کریمہ کا کیا مطلب ہے؟

المستفتی ۔ نمبر ۲۵۳۳ محمد ضیاء الحق متعلم مدرسہ امینیہ دہلی مورخہ ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ م ۱۶ اگست ۱۹۳۹ء

(جواب ۴۸) آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ یہود اور مشرکین کو تم مسلمانوں کا سخت دشمن پاؤ گے۔ اور نصاریٰ مسلمانوں کے ساتھ محبت میں قریب تر ہوں گے مگر وہ نصاریٰ مراد ہیں جو اپنے مذہب پر قائم اور دنیا کی محبت اور جاہ و مال کی رغبت سے بے نیاز ہیں۔(۲) موجودہ نصاریٰ تو نام کے نصاریٰ ہیں۔ یہ تو در حقیقت نصرانیت کے قائل بھی نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج یہ نام کے نصاریٰ مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

موجودہ توریت یا انجیل کی کسی آیت پر بغیر تصدیق کے اعتراض کرنا۔

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۳۵ء)

(سوال) (۱) کیا موجودہ عیسائی و یہودی اہل کتاب کہلائے جانے کے مستحق ہیں؟

(۲) کیا موجودہ انجیل یا توریت کی کسی آیت پر ہم کو بغیر تصدیق اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے؟

(جواب ۴۹) (۱) وہ یہودی جو توریت کو مانتے ہوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہوں، اور وہ عیسائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کو مانتے ہوں اہل کتاب کہلانے کے مستحق ہیں(۳)

(۲) چونکہ موجودہ توریت اور انجیل تحریف شدہ ہیں اس لئے ان کے احکام پر وثوق نہیں اگر ان میں کوئی ایسی

۱۔ اما الغضب فهو ارادته انزال العقاب المستحق بهم ، ولعنهم، وبراءته منهم، (تفسیر مجمع البیان : ۲ / ۳۰ بیروت)

۲۔ اما النصارى فانهم فى اكثر الامر معرضون عن الدنيا مقبلون على العبادة و ترك طلب الرياسة و التكبر والترفع . (التفسیر الکبیر للرازی : ۱۲ / ۶۲ دار الکتب العلمیہ تہران)

۳۔ واعلم من اعتقد ديناً سماوياً وله كتاب منزل ...... فهو من اهل الكتاب (رد المحتار : ۳ / ۴۵ سعید)

بات ہو جو اصول دین کے خلاف ہو تو اس پر ہمیں اعتراض کرنے کا حق ہے مثلاً کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے یا یوسف نجار کے بیٹے تھے۔ اور اگر فروعی مسائل میں کوئی مسئلہ اسلامی احکام کے خلاف ہو تو ہمیں اس کی نہ تصدیق کرنی چاہئے نہ تکذیب۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

۱۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ ... فقال رسول اللہ ﷺ لاتصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم ، وقولوا آمنا باللہ وما انزل الینا (بخاری شریف : ۲/ ۱۰۹۴ قدیمی کتب خانہ)

چھٹا باب
متفرق مسائل

جنگلی لوگوں کو مسلمان کرنا.

(سوال) پہاڑ میں ایک قوم ہے جس کو اس ملک میں گارو کہتے ہیں، جنگلی ہیں، ان کی نہ کوئی ذات ہے نہ انسانیت ہے، اگر وہ مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں تو ان کو مسلمان کر سکتے ہیں یا نہیں، خوراک ان سب کی حلال و حرام سب ہے، حتیٰ کہ کتا تک کھاتے ہیں۔ اس ملک کے عالم لوگ کراہت کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے مسلمان کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

المستفتی۔ نمبر ۲۱۸۴ جناب قسمت اللہ صاحب ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۰) ان کو ضرور مسلمان کر لینا چاہئے۔ ان کو اسلامی تعلیم دے کر انسان بنانا اور حرام اشیاء ترک کرانا چاہئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

جس کتاب سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہوں اس کو ممنوع قرار دینے کے لئے کوشش کرنا باعث اجر و ثواب ہے.

(سوال) کتاب "ستیار تھ پرکاش" کا چودھواں باب ملاحظہ فرمائیں کیا یہ اسلام پر بدترین حملہ ہے یا نہیں ؟ اور کیا اس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے یا نہیں ؟ اگر کوئی مسلمان اس کتاب کی مخالفت کرے اور سزا پائے تو وہ مستحق اجر و ثواب ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۷۸۴۔ مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۴۴ء

(جواب ۵۱) "ستیار تھ پرکاش" میں دوسرے مذاہب کے خلاف جو تنقید کی گئی ہے وہ علمی حدود سے قطعاً باہر ہے۔ وہ تو بازاری پھکڑ بازی، بہتان تراشی، تہمت طرازی، تمسخر و استہزاء، تبدیل و تحریف کا معجون مرکب ہے۔ وہ دل آزار اور اشتعال انگیز ہونے میں محتاج کسی دلیل و ثبوت کی نہیں ہے۔ اس کو ممنوع الاشاعت قرار دینے کے لئے جس قدر جدو جہد کی جائے حق بجانب ہے۔ جو مسلمان اور دوسرے مذاہب والے اس میں سعی کریں گے وہ انسانیت، تہذیب و شرافت کی خدمت کریں گے۔ اور مذہبی حیثیت سے مسلمان انبیاء علیہم السلام کی توقیر و تکریم کی حفاظت کا اجر و ثواب پائیں گے۔ (۱)　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

فاسق و فاجر شخص کے مسجد میں آنے کو ناپسند کرنا کیسا ہے ؟

(السوال) ایک ہندو شرعی طریق پر اسلام لانے کے بعد پھر بھی ہندوؤں سے تعلقات اور میل جول رکھتا ہے اور انہیں کے ہمسایہ میں رہتا ہے۔ اور ایک عورت کے ساتھ زنا میں مبتلا ہے۔ بعض مسلمان اس کا

---

(۱) ثم اعلم اذا کان المنکر حراما ، وجب الزجر عنہ (مرقات باب الامر بالمعروف : ۹ / ۳۲۹ امدادیہ)

مسجد میں آنا پسند نہیں کرتے۔

المستفتی۔ نمبر ۲۰۳۴ منشی سید الطاف حسین (ضلع گنتور) ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۲) اس کو نماز کی ترغیب دینا اور مسجد میں بلانا جائز ہے۔(۱) اور ترک زنا کی نصیحت بھی کرنا چاہئے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

سیاسی اختلاف کی وجہ سے کسی کو کافر کہنا مسلمان کہلانے کیلئے زبان سے اقرار ضروری ہے .

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) (۱) سیاسی اختلاف کی بناء پر کسی شخص کو کافر کہا جاسکتا ہے ؟۔ مثلاً زید مہاتما گاندھی کے خیال کا آدمی ہے۔ بکر کہتا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کی اکثریت گاندھی کے خلاف ہے اور تو نے ایک کافر کی تقلید کی ہے اس لئے تیرا حشر کافر کے ساتھ ہوگا۔ کیا شرعاً ایسا کہنا جائز ہے ؟

(۲) دو لڑکے اہل ہنود کے میرے شاگرد ہیں جو ہنوز بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں۔ ان کے عقائد بالکل اسلامی ہیں، وحدانیت کے قائل ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ حشر نشر کے قائل ہیں۔ مگر باپ کے خوف سے اسلام کا اظہار نہیں کر سکتے۔ کیا وہ اپنا نام ہندوؤں جیسا قائم رکھ کر بھی مسلمان ہو سکتے ہیں۔ ان کے در پردہ مسلمان ہونے میں شک نہیں، لیکن کیا ان کو مسلمان کہا جاسکتا ہے۔ ؟

(جواب ۵۳) (۱) سیاسی اختلاف کی بناء پر کسی کو کافر کہہ دینا بہت بڑی غلطی ہے۔ اور گاندھی کے ساتھ اگر کوئی سیاسی پروگرام میں متفق ہو اور اپنا مذہب ہر طرح محفوظ رکھے۔ عقائد میں کسی طرح نقصان نہ آنے دے تو اس میں کوئی شرعی مؤاخذہ نہیں ہے۔ جو شخص محض سیاسی اختلاف کی وجہ سے کسی کو کافر بتانے لگے اور مسلمان کو کہے کہ تیرا حشر گاندھی کے ساتھ ہوگا۔ اس کو ایمان کی سلامتی کی فکر کرنی چاہئے کہ مسلمانوں کو کافر کہنا بہت سخت بری بات ہے۔(۳)

(۲) جو شخص اسلامی عقائد قبول کرے، یعنی دل سے ان کو حق سمجھے اور زبان سے حقانیت کا اقرار کرے وہ شرعاً مسلمان ہے۔ اگر دل سے حق سمجھنے کے باوجود کسی کے خوف سے زبان سے اعلان و اظہار نہ کرے تو وہ احکام شرعیہ کی رو سے مسلمان نہیں کہلائے گا اور اسلام کے احکام دنیا میں اس پر جاری نہ ہوں گے کیونکہ اجرائے احکام کے لئے سوائے اقرار لسانی کے ہمارے لئے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

۱۔ یہ آدمی مسلمان ہے، اور مسلمان کو نماز کی ترغیب دینا اور مسجد کی طرف بلانا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن اور کار خیر ہے۔

۲۔ من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ ، فان لم یستطع فبقلبہ ذلک اضعف الایمان ۔ (مشکوٰۃ ۴۳۶ قرآن محل مولوی مسافر خانہ کراچی)

۳۔ عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ قال : قال رسول اللہ ﷺ ایما رجل قال لاخیہ : کافر ... ان معناہ رجع باثم ذلک القول ...... رجعت علیہ نقیصتہ ومعصیۃ تکفیرہ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۹ / ۳۷ امدادیہ)

۴۔ ہو تصدیق محمد ﷺ ... ہل ہو فقط او مع الاقرار قولان ... والاقرار شرط لا جراء الاحکام الدنیویۃ (الشامیہ : ۴ / ۲۲۱ سعید)

کتاب العقائد

پہلا باب
اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنا

(سوال) زید اللہ کو تعظیم کی وجہ سے تم یا آپ کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ جیسے یا اللہ تم نے سچ کہا آپ کا فرمان سچا ہے۔ اس طرح کہنا کیسا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے شرک لازم آتا ہے؟

المستفتی۔ نمبر ۶۸۸ سکریٹری انجمن حفظ الاسلام (ضلع بھروچ) ۷ ار مضان ۱۳۵۴ھ م ۴ ۲ دسمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۵۴) شرک لازم آنا یا گناہ ہونا تو درست نہیں۔ کیونکہ جمع کا صیغہ بطور تعظیم کے استعمال کرنا جائز ہے، خود قرآن مجید میں بہت سے مواقع میں موجود ہے۔ جیسے وانا له لحافظون(۱) اور ولقد نادنا نوح فلنعم المجيبون(۲)۔ لیکن اردو کے محاورہ کے لحاظ سے واحد کا صیغہ استعمال کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

جملہ "لا تتحرك ذرة الا باذن الله" پر اعتراض کا جواب .

(سوال) حدیث شریف میں ہے لا تحرک ذرۃ الا باذن اللہ۔ خدا کے حکم کے سوا ذرہ نہیں ہل سکتا۔ تو جملہ سے خطا ہوتی ہے۔ مثلاً شراب، تاڑی پینا، جوا وغیرہ کھیلنا۔ اس کا خلاصہ جواب فرمایئے گا۔

المستفتی ۔ نمبر ۱۰۷۴ حاجی محمد علی صاحب (احمد آباد) جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۷ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۵) اذن کے معنی اس عبارت میں ارادے کے ہیں۔ رضامندی اور اجازت کے نہیں ہیں اور مطلب یہ ہے کہ عالم میں کوئی ذرہ اللہ تعالیٰ کسی ذرے کو حرکت دینا چاہے، تو ذرہ حرکت کر سکے گا، اور نہ دینا چاہے تو ذرے کیلئے حرکت کرنا ناممکن ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قوت خالقیت اور ارادی طاقت سے جو چیزیں وجود میں آتی ہیں ان کے ساتھ رضا اور اجازت بھی شامل ہوتی ہے۔ بلکہ افعال و اعمال انسانی سب خدا کے ارادے اور قوت خالقیت سے وجود میں آتے ہیں۔ اچھے اعمال کے ساتھ اس کی رضامندی بھی شامل ہوتی ہے۔ اور برے اعمال سے وہ ناراض اور غضب ناک ہوتا ہے۔ اور ثواب و عذاب کا تعلق رضامندی اور ناراضگی سے ہے نہ ارادے اور خالقیت کے متعلقات سے۔(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

۱۔(الحجر : ۹)
۲۔(الصافات : ۷۵)
۳۔ قال الله تعالى : ولا يرضى لعباده الكفر ، يعنى ان الارادة والمشيئة ، والتقدير يتعلق بالكل ، والرضاء والمحبة والامر لايتعلق الا بالحسن دون القبيح.(شرح العقائد : ۵۶ ط ایچ ایم سعید)

کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے ؟

(سوال) آیا خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں۔ وہ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے :۔

ان الله علی کل شئی قدیر یعنی اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اگر خدا جھوٹ نہیں بول سکتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ایک چیز یعنی جھوٹ پر قدرت حاصل نہیں ہے (نعوذ باللہ)۔ زید کہتا ہے کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے۔ کیا زید پر کفر کا فتویٰ عائد ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(المستفتی نمبر ۱۳۷۶ رمضان علی صاحب بمبئی نمبر ۸۔ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۰ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۶) حق تعالیٰ و تقدس نے نہ کبھی جھوٹ بولا ہے نہ بولے گا۔ اور نہ خدا تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ جھوٹ کے ساتھ متصف ہو ،(۱) لیکن بندے جو جھوٹ بولتے ہیں ، اس جھوٹ کا خالق وہ ہے کیونکہ بندے کے تمام اعمال و افعال حق تعالیٰ کے مخلوق ہیں۔ اس لحاظ سے کذب بھی خدا تعالیٰ کا مخلوق ہے۔ اور ہر مخلوق مقدور ہے ، اس لئے کذب بھی مقدور ہے اور اس میں کوئی شبہ اور اہل سنت والجماعت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور جھوٹ کو پیدا کرنا اور اس پر قادر ہونا حق تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس میں کوئی نقصان نہیں پیدا کرتا۔ یہ کلام تو کذب عباد کے متعلق تھا اور یہ اصول کہ اللہ تعالیٰ کذب عباد کا خالق اور اس پر قادر ہے۔ بلاشک و شبہ صحیح اور اہل سنت و الجماعۃ کے نزدیک متفق علیہ ہے۔(۲)

دوسری بات یہ ہے کہ جنت و دوزخ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں شامل ہیں اور جنت کو ذریعہ ثواب اور دوزخ کو آلہ عذاب قرار دینا بھی حق تعالیٰ ہی کا کام ہے وہ اس پر قادر ہے کہ وہ اپنی مخلوق سے جو چاہے کام لے اور جو معاملہ چاہے کرے ، نیکوں کو دوزخ میں بھیجدے اور بدوں کو جنت میں داخل کردے تو کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔ لا یسئل عما یفعل (۳) صرف اس کی شان ہے۔ اور خلف فی الوعید رحم و کرم ہے۔ اس لئے اگر خلف فی الوعید کو کسی نے کذب سے تعبیر کر کے مقدور کہہ دیا تو کوئی جرم نہیں۔ لیکن یہ متفق علیہ ہے کہ خلف فی الوعد مطلقاً اور خلف فی الوعید ایسی صورت سے کہ نقص و عیب کا موجب ہو حضرت حق سے باوجود مقدور ہونے کے صادر ہونا محال ہے مگر یہ استحالہ ذاتی نہیں ہے بلکہ حضرت حق کے صدق وعد کے لازم ہونے کی بناء پر استحالہ بالغیر ہے۔(۴)

یہ تعبیر کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے مذکورہ بالا تفصیل کی بناء پر فی حد ذاتہ صحیح ہے۔ مگر عام مسلمانوں کو حیرت اور تشویش اور فتنہ میں ڈالنے والی ہے اس لئے اس کو عوام کے سامنے ذکر کرنا نہیں چاہئے۔ فقط(۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ ان الله تعالیٰ منزہ من ان یتصف بصفة الکذب ، ولیست فی کلامه شائبه الکذب أبدا کما قال الله تعالیٰ : "ومن اصدق من الله قیلا"..... (المہند علی المفند : ۵۴ دارالاشاعت)

۲۔ دیکھئے (مہند علی المفند : ۵۵۔ ۶۰ مکتبہ دارالاشاعت)

۳۔ (الانبیاء : ۲۳)

۴۔ ان امثال هذه الاشیاء مقدور قطعا لکنه غیر جائز الوقوع عند اهل السنة و الجماعة من الاشاعرة (المہند علی المفند : ۵۹)

۵۔ عن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال : حدثوا الناس بما یعرفون، اتحبون ان یکذب الله ورسوله (کنز العمال : ۱۰ حدیث نمبر ۲۹۵۱۵ بیروت)

خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان اور ابو منصور ماتریدی کے قول کے درمیان تطبیق۔

(السوال)دو قولوں میں سے (باوجود یہ کہ دونوں قول فقہ کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں) کون سا قول صحیح ہے

قول اول (۱) فتاویٰ شامی جلد اول ص ۴۸ میں ہے۔ کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خدا کو ننانوے مرتبہ خواب میں دیکھا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر سویں ۱۰۰ مرتبہ خدا کو خواب میں دیکھوں تو اللہ رب العزت سے وہ عمل پوچھوں گا کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اس کے عذاب سے نجات حاصل ہو۔ پھر مجھ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا۔ الخ۔ مطلب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں سو ۱۰۰ مرتبہ دیکھا۔ چنانچہ در مختار میں بھی مرقوم ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کو سو ۱۰۰ مرتبہ خواب میں دیکھا۔

(۲) قول فتاویٰ قاضی خاں جلد ۴ فصل فضل التسبیح والتسلیم میں لکھا ہے کہ :۔

ولوقال الرجل رأيت الله تعالىٰ في المنام قال الشيخ رئيس اهل السنة ابو منصور الماتريدى رحمة الله عليه رايت هذا الرجل شراً من عابدا لوثن.

اگر کوئی آدمی کہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ہے تو اس شخص کے حق میں شیخ الرئیس اہل سنت والجماعت ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ شخص بتوں کی پوجا کرنے والوں سے بدتر ہے۔ المستفتی نمبر ۲۴۶۶۔ ۲۳ رمضان ۱۳۵۷ھ م ۷ نومبر ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۷) اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا انسان کا غیر اختیاری امر ہے۔ سینکڑوں آدمی یہ خواب دیکھتے ہیں کہ انہوں نے خدائے تعالیٰ کو دیکھا اور اس خواب کو بیان کرنا شریعت نے ناجائز اور ممنوع قرار نہیں دیا۔ سید المرسلین ﷺ نے فرمایا۔ **رأيت ربى فى احسن صورة الخ رواه الدار مى والترمذى كذافى المشكوة۔ وفى المرقاة الظاهران هذا الحديث مستند الى رؤيا راها صلى الله عليه وسلم۔**(۱)

پس حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو ننانوے مرتبہ یا سو مرتبہ خواب میں دیکھا ہے،(۲) شرعی قواعد کے بموجب محل اعتراض نہیں بلکہ درست اور صحیح ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں نے شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول نقل کیا ہے اس کو ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے مرقاۃ کتاب الرؤیا میں نقل کر کے بتایا ہے کہ کسی شخص کا اپنے خواب کو بیان کرنا موجب کفر نہیں ہو سکتا (۳) پس شیخ ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے معنی یہی ہیں کہ اگر کوئی ذات خداوندی کو خواب میں دیکھنا بیان

۱۔ (سنن الدارمی : ۲/ ۷۰ اقدیمی کتب خانہ) ترمذی میں یہ حدیث نہیں ملی۔ (مرقاۃ المفاتیح : ۲/ ۱۰۹ مکتبہ امدادیہ ملتان)

۲۔ ان الا مام رضی الله تعالى عنه قال : رايت رب العزة فى المنام تسعاوتسعين مرة...... قال فرأيته سبحانه وتعالى (الشامية ۱ : ۵۱ سعيد)

۳۔ لا ن كثيراً من الناس يرونه سبحانه تعالى فى المنام . فلا ينبغى ان يفتى بمجرد قوله: انه راى الله تعالىٰ بكفره كما قاله بعض علمائنا .... (مرقاة : ۹ / ۲۴ مكتبہ امدادیہ ملتان)

کرے یعنی یہ دعویٰ کرے کہ میں نے جس کو خواب میں دیکھا ہے وہی حقیقۃ ذات احدیت ہے تو وہ عابد وثن سے زیادہ برا ہے، کیونکہ خواب میں دیکھی ہوئی چیز خیالی صورت ہوتی ہے نہ کہ اصل ذات و حقیقت۔ پس امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی صحیح ہے اور امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی اس معنی کے اعتبار سے صحیح ہے اور دونوں میں تعارض نہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

"خدا عالم الغیب نہیں ہے" کا عقیدہ رکھنے والے کا حکم

(سوال) اگر کسی شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ خدا عالم الغیب نہیں آیا ایسے شخص کا اسلام باقی رہتا ہے یا نہیں اس کا اس کی بیوی سے نکاح باقی رہتا ہے یا نہیں۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۵۸۵ مولوی محمد یوسف فقیر دہلوی ۴ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ ۱۳ اپریل ۱۹۴۰ء

(جواب ۵۸) یہ لفظ مبہم ہے۔ اس قائل سے اس کا مطلب دریافت کرنا لازم ہے، اس کے بعد کوئی حکم دیا جاسکتا ہے۔ یہ تعبیر تو اس کی نصوص کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں حق تعالیٰ کی صفات عالم الغیب والشہادۃ اور علام الغیوب فرمایا گیا ہے، لہذا یہ قول تو گمراہی اور جہالت ہے مگر قائل کی تکفیر اس کے بیان سے پہلے نہیں کی جاسکتی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف مجازاً بھول کی نسبت کرنا بھی سخت بے ادبی اور گستاخی ہے

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۲۸ء)

(سوال) ایک شخص نے "اخبار ترجمان سرحد" مورخہ ۳۱ جنوری سن ۱۹۲۸ء میں ایک نظم شائع کی ہے جس کا ایک شعر یہ ہے :۔

سرائے دہر میں وہ ہستی فضول ہوں میں ☆ کہ گویا صانع قدرت کی ایک بھول ہوں میں

مصرع ثانی میں صانع قدرت کی طرف جو بھول کی نسبت کی گئی ہے آیا یہ جائز ہے؟

(جواب ۵۹) دوسرے مصرع میں صانع قدرت کی طرف بھول کو منسوب کرنا بے شک خلاف ادب اور سخت جرات اور گستاخی ہے۔ اگرچہ لفظ گویا نے اس نسبت کو اپنے اصل مفہوم سے ہلکا کردیا ہے جس کی وجہ سے قائل تکفیر سے بچ سکتا ہے، مگر پھر بھی ایسا عنوان اور تعبیر جائز نہیں ہو سکتا اسے توبہ کرنی چاہئے اور آئندہ ایسی بے احتیاطی اور بے ادبی سے احتراز کرنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

(۱) اللہ تعالیٰ کو اس وقت سے خالق کہتے ہیں جب کہ اس نے کچھ پیدا کیا.
(۲) اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر ہے مگر جھوٹ بولتا نہیں" کے قائل کا حکم.
(۳) اللہ تعالیٰ مسجود ہونے میں مخلوق کا محتاج نہیں.

---

(۱) واعلم انه لایفتی بکفر مسلم أمکن حمل کلامه علی محمل حسن (تنویر الابصار مع شرحہ : ۴/ ۲۲۹ سعید)

(۴) لفظ "اللہ" اسم ذات ہے
(۵) جو اعتقاد اوپر درج ہیں یہ صحیح ہیں یا غلط ؟

(السوال)(۱) زید کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ میں خلق کرنے کی قوت و قدرت ہمیشہ سے موجود ہے لیکن اس کو خالق اس وقت سے کہتے ہیں جب کہ اس نے کچھ پیدا کیا۔ جب تک کچھ پیدا نہیں کیا تھا، اس وقت اس کو خالق نہیں کہہ سکتے۔

(السوال)(۲) زید کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن بعض باتیں ایسی ہیں کہ جن کو وہ نہیں کرتا۔ مثلاً یہ کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا، مگر یہ بات اس کی قدرت سے خارج نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس کی بناء پر ایسا نہ کہیں لیکن حقیقت یہی ہے۔

(سوال)(۳) زید کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ اگر مخلوق کو پیدا نہ کرتا خواہ کسی قسم کی ہو یعنی اس کی ذات کے سوا کچھ بھی نہ ہوتا تو سجدہ کرنے والے میں وہ محتاج رہتا۔ بغیر دوسری ذات کے پیدا کئے اس کو سجدہ کون کرتا۔

(سوال)(٤) زید کہتا ہے کہ اللہ اسم ذات ہے۔ اسم صفت نہیں ہے۔

(سوال) جو اعتقاد اوپر درج ہیں یہ صحیح ہے یا غلط ؟

(جواب ٦٠) (۱) یہ صحیح ہے کہ حضرت حق جل شانہ میں قدرت خلق ازلاً ابداً موجود تھی اور ہے اور رہے گی اور وہ ہمیشہ سے اس قدرت خلق کی بناء پر خالق ہے۔ ہاں اس صفت کا تعلق مخلوقات کے ساتھ اسی وقت ہوا جب مخلوق پیدا ہوئی۔ پس صفت خلق قدیم ہے اور تعلق صفت بالخلق حادث ہے۔ ان تعلقات کے حدوث سے نفس صفت کی قدرت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور خالق کا اطلاق اس معنی سے کہ صفت خلق اس میں موجود تھی قبل تعلق کے بھی ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے اس میں کچھ خرابی نہیں ہے۔(۱)

(۲) ہزاروں چیزیں ایسی ہیں کہ خدا ان پر قادر ہے مگر کرتا نہیں ہے۔ مثلاً وہ قادر ہے کہ ہر شخص کے سامنے ہر وقت سونے کا پہاڑ پیدا کر دے، چاندی کے درخت اُگا دے (وغیرہ) مگر کرتا نہیں اور جھوٹ بولنے کا وقوع محال ہے نہ کبھی جھوٹ بولا ہے نہ بولے گا، نہ جھوٹ بولنا شان الوہیت کے لائق ہے۔(۲) امکان کذب کا مشہور مسئلہ در حقیقت خلف فی الوعید کی طرف راجع ہے جو علمائے متبحرین ہی سمجھ سکتے ہیں۔

(۳) سجدہ کرنے والے کو اگر خدا پیدا نہ کرتا تو سجدے کا وقوع نہ ہوتا، مگر خدا کی الوہیت میں اس کی وجہ سے کوئی کمی یا نقصان نہیں آسکتا تھا۔(۳) پس یہ کہنا کہ خدا اپنے لئے سجدہ کرانے میں مخلوق کا محتاج تھا، ایک غلط تعبیر ہے جس سے نافہم لوگ دھوکے میں پڑ سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات تمام احتیاجات سے پاک اور منزہ ہے۔(۴)

(۴) یہ صحیح ہے کہ اللہ اسم ذات ہے اسم صفت نہیں ہے۔

(۵) ان خیالات کے اصول صحیح ہیں، تعبیرات میں احتیاط کی جائے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

۱۔ان الله تعالیٰ موصوف بانه الرب قبل ان يوجد مربوب. وموصوف بانه خالق قبل ان يوجد المخلوق (شرح العقيدة الطحاوية : ۸۰ المکتب الاسلامی الطبعة الثانية)

۲۔ ان الله منزه من ان يتصف بصفة الكذب ، وليست في كلامه شائبة الكذب أبدا كما قال الله تعالىٰ : "ومن اصدق من الله قيلا (المہند علی المفند : ۵۴ / دار الاشاعت)

۳۔ عن ابی ذر عن النبی ﷺ ...... يا عبادی ! لو ان اولكم و آخركم، وانسكم وجنكم علىٰ افجر قلب رجل واحد منكم مانقص ذلك من ملكی شيئاً (مسلم شریف : ۲ / ۳۱۹ قدیمی کتب خانہ) ۴۔ الله الصمد . (الاخلاص : ۲)

دوسرا باب
انبیاء علیہم السلام

حیات انبیاء علیہم السلام

(سوال) انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں یا نہیں؟

(جواب ۶۱) انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین اپنی قبور میں زندہ ہیں، مگر ان کی زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے۔ بلکہ برزخی اور تمام دوسرے لوگوں کی زندگی سے ممتاز ہے۔(۱) اسی طرح شہداء کی زندگی بھی برزخی ہے اور انبیاء کی زندگی سے نیچے درجے کی ہے۔ دنیا کے اعتبار سے تو وہ سب اموات میں داخل ہیں۔ انك میت و انهم میتون اس کی صریح دلیل ہے۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

آنحضرت ﷺ کا بشر ہونا اسلام کا قطعی مسئلہ ہے۔

(السوال) ایک شخص جناب رسول اللہ ﷺ کو سید الانبیاء والرسل مانتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ ﷺ کو بشر کہنا جائز ہے۔ اور اس میں کوئی ترک ادب نہیں ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے اور حدیث ترمذی رحمۃ اللہ علیہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے کہ کان رسول الله صلی الله علیه وسلم بشرا من البشر یخصف نعله ویفلی ثوبه. نیز سیر توں (مواہب لدنیہ۔ شرح مواہب زرقانی وغیرہ) اور بزرگوں کے کلام مثلاً قصیدہ بردہ میں ہے . فمبلغ العلم فیه انه بشر،.

المستفتی نمبر ۳۰ مولانا کریم بخش ایم،اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور ۹ جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۶۲) آنحضرت ﷺ کا بشر ہونا قطعی ہے قطعیات سے ثابت ہے حضرت حق جل مجدہ، نے حضور ﷺ کو حکم دیا کہ اپنی بشریت کا اعلان و تبلیغ فرمادیں۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ الآیہ(۲) اس اعلان و تبلیغ کی ضرورت یہ تھی کہ حضور ﷺ کی حقیقت بشریت کا امت کو علم ہو جائے اور وہ عیسائیوں کی طرح آپ کو الوہیت میں داخل کر دینے کی غلطی اور گمراہی میں مبتلا نہ ہوں۔ اور یہ کہ کفار کے اس قول کا صریح رد ہو جائے جو کہتے تھے ما انزل الله علیٰ بشر من شیء .(۳) اور ان کی اس غلطی کا بھی ازالہ ہو جائے جو بشریت کو نبوت کے

۱۔ مامن احد یسلم علیّ إلا رد الله علی روحي حتی ارد علیه السلام (ابوداؤد: ۱/ ۲۷۹ ایچ ایم سعید)
عن اوس بن اوس قال قال رسول الله ﷺ ان من افضل ایامکم یوم الجمعة فیه خلق آدم وفیه قبض وفیه النفخه وفیه الصعقه فاکثر علی من الصلوة فیه ان صلوتکم معروضة علی قال : قالوا یا رسول الله وکیف تعرض صلاتنا علیك و قدارمت قال یقولون بلیت فقال : ان الله حرم علی الارض اجساد الانبیاء (ابوداؤد: ۱/ ۱۵۰ ایچ ایم سعید)
حضرت انس سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے "الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون" شفاء السقام : ۱۲۴، حیات الانبیاء للبیهقی : (نقلا عن تسکین الصدور : ۲۲۰ مکتبہ صفدریہ)
۲۔ (حم السجدہ : ۶)
۳۔ الانعام : ۹۱

منافی قرار دیتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کرنے کے لئے ان کی بشریت کو حیلہ بناتے تھے اور ان انتم الا بشر مثلنا کہا کرتے تھے۔(۱) حضرت حق نے انبیائے سابقین کی طرف سے جو جواب نقل فرمایا وہ یہ ہے :۔ قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلكم ولكن الله يمن على من يشاء من عباده (۲) کہ اس میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بشریت کا صاف لفظوں میں اعتراف فرمایا اور یہ بتایا کہ بشر کو رسالت و نبوت سے سرفراز فرمانا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، جس میں وہ مختار مطلق ہے۔ بشریت کے لوازم کو بھی کفار نبوت کے خلاف پیش کیا کرتے تھے کہ یہ کھانا کھاتے ہیں، بازار میں آمد و رفت رکھتے ہیں تو نبی کس طرح ہو سکتے ہیں۔(۳) حضرت حق نے ان چیزوں کا بھی اثبات فرمایا اور کہا کہ ہم نے پہلے بھی جو رسول بھیجے تھے وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازار میں بھی آتے جاتے تھے۔ غرض یہ کہ یہ تو کفار کا عقیدہ اور خیال تھا کہ رسول اور نبی کو بشر نہ ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ابتداء سے انسانوں کی ہدایت کے لئے جتنے نبی بھیجے سب بشر تھے، اور انبیاء علیہم السلام نے اپنی بشریت کا اعتراف فرمایا اور اس کی تبلیغ کی اور اسی اعتراف و تبلیغ کا حضور ﷺ کو قل انما انا بشر مثلكم (۴) میں حکم فرمایا گیا۔ پس حضور ﷺ کی بشریت کا منکر قرآن کی نصف کا منکر اور حضرت حق اور انبیاء علیہم السلام اور خود حضور ﷺ کی تعلیم کا منکر اور مخالف ہے۔

رہی یہ بات کہ بشر ہونے کا اقرار کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ گو فی الحقیقت حضور ﷺ بشر تھے لیکن حضور ﷺ کو بشر کہنا نہیں چاہئے تو یہ قول بھی غلط ہے۔ کیونکہ احادیث میں بکثرت وارد ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور ﷺ کو بشر کہا(۵) اور اس کو نہ خلاف ادب سمجھا، نہ کسی نے اس پر اعتراض کیا۔ بلکہ بشر کہنے سے منع کرنے میں ان کفار کے عقیدہ کی جھلک ہے جو بشریت کو نبی کے مرتبے کے خلاف سمجھتے تھے۔ ہمارا تو یہ فرض ہے کہ ہم بطور تحدیث بالنعمۃ کے اس کا اعلان کریں کہ حضرت حق جل مجدہ، کا نوع بشر پر یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے اپنی پیغام رسانی کی اعلیٰ ترین خدمت اور نبوت و رسالت کے افضل ترین منصب سے بشر کو نوازا۔ اور تمام ماسوی اللہ میں سے ایک بشر (نبی امی ارواحنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو چن کر اپنا حبیب بنایا اور تمام مخلوق پر اس کو فضیلت دی۔ هذا هو الحق الذى لا محيص عنه.

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ مدرسہ امینیہ دہلی۔

(۱) ایسی باتیں جنسے عوام کا عقیدہ خراب ہونے کا اندیشہ ہو بیان نہیں کرنا چاہئے۔
(۲) آیت "فتکونا من الظالمین" کا ظاہری معنی مراد لینا سبب النفی ہے یا نہیں؟

(سوال) زید نے دوران وعظ میں فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہا کہ

۱۔ ابراھیم : ۱۰
۲۔ ابراہیم : ۱۱
۳۔ وما ارسلنا قبلك من المرسلين الا انهم لياكلون الطعام ، ويمشون في الأسواق (الفرقان : ۲۰)
۴۔ (حم السجدۃ : ۶)
۵۔ اللهم انما انا بشر فاى المسلمين لعنته او سبه فجعله زكوة واجرا (مسلم : ۲ / ۳۲۳ قدیمی)

اصل المعاصی ثلثۃ اشیاء الکبر والحسد والحرص الخ۔ الغرض جس میں تکبر کا موجد ابلیس ، حسد کا قابیل ، اور حرص کی نسبت حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کی۔ پس واعظ اس قول میں صادق ہے یا کاذب نیز فتکونا من الظٰلمین کا ظاہر معنی ارادہ کرنا سب انبیاء کی ہے یا نہیں ؟ ایسے واعظ کو مرتد کہنا درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۸۱ ڈاکٹر عزیز الرحمن (ضلع پشاور) ۷ ۲ محرم ۱۳۵۳ھ م ۱۲ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۶۳) واعظ نے جو عبارت نقل کی اور جو معنی اس کے بیان کئے وہ قابل تاویل ہیں اس لئے واعظ پر ارتداد کا حکم کرنا درست نہیں ہے۔(۱) ہاں ان کو اس قسم کی عبارت عوام کے ساتھ بیان نہیں کرنی چاہئے جس سے عوام کے عقیدے خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔ اور انبیاء علیہم السلام کی طرف معصیت کی نسبت کرنے کا احترام ہو سکے۔(۲) آیت کریمہ میں **ظالمین** کا لفظ اپنے معنی میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم باوجود یاد ہونے کے بقصد نافرمانی اس درخت کے قریب جاؤ گے (یعنی اس میں سے کھاؤ گے) تو تم ظالم ہو جاؤ گے۔ اور یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے شجرہ ممنوعہ کو قصداً نہیں کھایا بلکہ ممانعت کو بھول گئے اور بلا قصد بھول کر ان سے فعل ممنوع سرزد ہوا۔ قرآن مجید میں ہے :۔ **ولقد عهدنا الی ادم من قبل فنسی ولم نجد له عزما**(۳) اس لئے حضرت آدم علیہ السلام ظالم نہیں ہوئے۔ موقوف تھا بالقصد نافرمانی اور وہ پائی نہیں گئی۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

آنحضرت ﷺ کی شان میں بے ادبی کرنے والا یا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان لگانے والا کافر ہے، ایسے گستاخ سے اظہار ناراضگی نہ کرنے والا بھی کافر ہے .

(سوال) ایک مولوی بنام زید اور چند مسلمان ناخواندہ امی اس کے ہمراہ ایک پادری مذہب عیسوی کے ہاں نشست و برخاست ایک وقت معین پر رکھتے ہیں اور خورد و نوش اکل و شرب میں پادری صاحب کے ہمراہ ہوتے ہیں۔ یعنی پان، چائے وغیرہ خاص پادری صاحب کے ہاں کا بنا ہوا کھاتے ہیں۔ اور گفتگو میں یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ وہ حضرت سرور کائنات ﷺ کی شان میں بے ادبی کرتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں افک و بہتان لگاتا ہے اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا و زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں لفظ گستاخانہ کہتا ہے۔ دوسرے مسلمان اس مولوی کو کہتے ہیں کہ پادری کے یہاں اکل و شرب نہ کرنا چاہئے تو جواب یہ دیتا ہے کہ کچھ حرج نہیں۔ اس سے ہمارے ایمان میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اگر فرق آتا تو ہمیں قرآن و حدیث سے ثبوت دو۔ لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس مولوی کے ایمان میں کچھ خلل آیا یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ ؟

(جواب ۶۴) جناب رسالت پناہ روحی فداہ ﷺ کی یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں

۱۔ اذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر و وجه يمنعه ، فعلى المفتي ان يميل الى ذلك الوجه (هنديه : ۲ / ۲۸۳ ماجديه)
۲. لكن الاولى ان لايقرا بالعربية صيانة لدينهم . (الدر مع الرد ، ۱ / ۵۴۱ سعيد)
۳. طه : ۱۱۵

گستاخی کرنے والا(۱) یا کسی گستاخی کرنے والے سے ناراض نہ ہونے والا کافر ہے(۲) فقهاء رحمهم الله تعالی اجمعین متفق ہیں کہ نبی کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہے۔ وکل مسلم ارتد فتوبة مقبولة الا الکافر بسب نبی من الانبیاء فانه یقتل حداً ولا تقبل توبته مطلقا ولو سب الله تعالی قبلت لا نه حق الله تعالی والا ول حق عبد لایزول بالتوبة وکذالوا بغضه بالقلب. فتح و اشباه وفی فتاوی المصنف ویجب الحاق الا ستهزاء والا ستخفاف به لتعلق حقه ایضاً. انتهی مختصراً (در مختار ص۳۱۹ ج ۳)(۳)
پس جو شخص ایسی آدمی کے فعل پر خواہ وہ عیسائی ہو یا اور کوئی ہو اظہار ناراضگی نہ کرے یا کم از کم دل سے برا سمجھ کر اس جگہ سے اٹھ نہ جائے، بے شک وہ بھی کافر ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست نہیں۔(۴)
رہا صرف کھانا پینا تو وہ عیسائی کے مکان کا بشرطیکہ کسی ناپاک یا حرام چیز کی آمیزش کا گمان غالب نہ ہو درست ہے۔

ہندو کا نبی علیہ السلام کی توہین کرنے کے بعد معافی طلب کرنا

(سوال) ایک بنگالی ہندو راؤ بہادر آر تعلقدار سرکاری وکیل نے ایک ایسے موقع پر جہاں کثرت سے اشخاص جمع تھے مسلمانوں سے آپس کی گفتگو میں ایک دل آزار جملہ شان رسول کریم ﷺ میں استعمال کیا، یعنی یوں کہا کہ (نعوذباللہ) محمد ﷺ نے اپنی والدہ سے شادی کر لی تھی۔ جس پر مقامی مسلمانوں نے مقدمہ دائر کیا اور اس کے خلاف سارے برما میں جذبات نفرت بھڑک اٹھے۔ بالآخر وکیل مذکور حسب ذیل تحریری معافی نامہ دینا چاہتا ہے جس کا عدالت میں باقاعدہ ریکارڈ رہے۔ اخباروں میں اس کو شائع کرانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اس کی قوم کے معزز اور بااثر حضرات یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر اس معافی نامہ پر اکتفا نہ ہو تو ہم پبلک میں آکر اپنی تمام قوم کی طرف سے معافی مانگنے پر تیار ہیں۔ تو کیا شخص مذکور کا معافی نامہ جو مندرجہ ذیل ہے شرعاً و مصلحتاً قابل قبول و جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ عدالت میں خطرہ ہے کہ باوجود زر صرف ہونے کے کامیابی نہ بھی ہو۔ علاوہ ازیں یہ بھی خطرہ ہے کہ دو قوموں میں منافرت کی بنیاد قائم ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ اس قسم کا معافی نامہ منظور نہ ہو تو جیسا منظور کیا جائے دے دو معافی نامہ حسب ذیل ہے :-
"میں اپنے ان دل آزار الفاظ کو جو پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی ﷺ شان اقدس میں استعمال کئے ہیں واپس لیتا ہوں اور ان پر اظہار افسوس و ندامت کرتے ہوئے معافی کا طالب ہوں۔ اور آئندہ کے لئے وعدہ کرتا ہوں کہ اس قسم کے الفاظ ہرگز استعمال نہیں کروں گا۔ نیز ان دل آزار الفاظ سے تمام مسلمانوں، بالخصوص مسلمانان شوبیو کو جو صدمہ پہنچا ہے اس کے متعلق بھی دلی رنج و افسوس کو ظاہر کرتے ہوئے مسلمانان شوبیو

۱۔ ولا شك في تكفير من قذف السيدة عائشه رضي الله تعالى عنها (الشامیہ : ۴ / ۲۳۷ سعید)
۲۔ ان الرضا بكفر الغير انما يكون كفراً (منحۃ الخالق علی البحر الرائق ۵ / ۱۳۳ بیروت)
۳۔ ردالمحتار ۴ / ۲۳۱
۴۔ اذا منكر اً معلوماً من الدين بالضرورة فلم ينكر، ولم يكره ورضي به واستحسنه كان كافراً (مرقاۃ المفاتیح : ۹ / ۳۲۸ امدادیہ ملتان)

کو پورا اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ لوگوں کے ساتھ میرا برتاؤ پہلے کے مانند دوستانہ اور مخلصانہ رہے گا۔ اور میں اپنی طرف سے اخبارات میں اپنی معافی مانگنے کو شائع کرادوں گا۔"

اگر شرعاد مصلحتاً قابل قبول و جائز ہے تو ایک شخص جو یوں کہتا ہے کہ ایسے شخص کے لئے معافی ہے نہیں کیونکہ یہ حق عام بھی ہے اور جو حق عام ہوتا ہے وہ حقوق اللہ میں سے ہوتا ہے اور حقوق اللہ کے لئے معافی نہیں الخ۔ نیز یہ کہ ہرگز کسی طرح معاف نہیں ہو سکتا ہے الخ۔ نیز یہ کہ معاف کرنے اور سزا کا حق کسی مسلمان کو نہیں صرف بادشاہ اسلام کو ہے الخ۔ قابل اقتدا ہے یا نہیں؟ اور طرہ یہ کہ بادشاہ اسلام کا حق درباوہ سزا و معافی تسلیم کرتے ہوئے یوں بھی کہتا ہے کہ یہاں جب کہ بادشاہ اسلام نہیں تو حاکم وقت سے چارہ جوئی کرنا ضروری ہے الخ۔ نیز آگے ہم کو صرف مقدمہ کرنا۔ ان کی خوشی جو چاہے سزا دیں الخ۔

کیا یہ کلام اس کو مستلزم نہیں کہ اس مسئلے کو خالص اسلامی مسئلہ تسلیم کرتے ہوئے اور قرار دیتے ہوئے معافی نامہ کو قبول نہ کر کے غیر مسلم حکومت کے پاس مقدمہ کو ضروری سمجھنا اسلام پرسنل لاء میں مداخلت کو جائز قرار دینا ہے یا نہیں؟

(جواب ۶۵) آنحضرت ﷺ ارواحنا فداہ کے متعلق کوئی بے ادبی مسلمان برداشت نہیں کر سکتے۔ سوال میں جو الفاظ وکیل مذکور کے کہے ہوئے منقول ہیں وہ تاریخی حیثیت سے بالکل غلط اور افتراء ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ وکیل کو کوئی دھوکہ اور غلطی لگی ہو لیکن واقعہ کے غلط اور بہتان ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس قسم کے واقعات میں کسی محب رسول سے حالت بے اختیاری و اضطرار میں کوئی حرکت ہو جائے تو وہ خارج از بحث ہے مگر شرعی قانون کے ماتحت سزا جاری کرنا سلطان اسلام کا حق ہے اس ملک میں شرعی قانون تو نافذ نہیں اور موجودہ حکومت کا قانون وہ سزا جاری نہیں کرتا جو شرعی سزا ہے۔ اس غیر شرعی سزا کو جاری کرانے کی سعی مسلمانوں کی طرف سے منشائے شریعت پورا کرانے کی غرض سے تو ہو نہیں سکتی البتہ اس جہت سے واجب ہے(۱) کہ اس قسم کی جسارت کا آئندہ کے لئے سدباب ہو جائے۔ حدود الہیہ میں تغیر و تبدل کسی طرح ممکن نہیں۔ اور کسی تبدیل شدہ سزا کو حد شرعی کی وقعت دینا یا حد شرعی کی احکام اس پر جاری کرنا درست نہیں۔ پس موجودہ قانونی مواخذہ اور قانونی سزا کو سیاست یا تعزیری وقعت دی جا سکتی ہے۔ اور اگر مسلمان وکیل مذکور کے اظہار افسوس و ندامت اور آئندہ ایسے کلمات کے اعادہ سے اجتناب کے حتمی وعدہ کو ہی مقدمہ کو آگے بڑھانے سے زیادہ مفید سمجھیں تو انہیں مقدمے سے دست کش ہو جانے میں گناہ نہ ہوگا۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ امور ذیل کا لحاظ رکھا جائے :۔

(۱) معافی نامہ کے الفاظ یہ ہوں کہ :۔

"میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف جو واقعہ منسوب کیا تھا کہ انہوں نے (نعوذ باللہ) اپنی والدہ سے شادی کر لی تھی یہ واقعہ سراسر غلط اور جھوٹ ہے اور میں نے اس

۱۔ من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ ، فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ ذلک اضعف الایمان (مسلم ۱/ ۵۱ قدیمی کتب خانہ)

نسبت کرنے میں سخت غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ میں اپنی اس غلطی پر افسوس کرتا ہوں اور سخت نادم ہوں۔ میں پختہ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں کوئی بے ادبی کا کلمہ استعمال نہ کروں گا۔ مجھے اس کا بھی رنج ہے کہ میری اس غلطی سے تمام مسلمانوں کو عموماً اور مسلمانان شوبیو کو خصوصاً صدمہ پہنچا۔ میں ان کو اطمینان دلاتا ہوں کہ آئندہ وہ مجھے اپنا ایک دوست اور مخلص پائیں گے اور اس قسم کی شکایت کا ہرگز کوئی موقعہ پیدا نہ ہوگا۔"

(۴) یہ بیان عدالت میں داخل مسل مقدمہ کیا جائے اور اس کو وکیل مذکور کی طرف سے اخبارات میں شائع کردیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ مدرسہ امینیہ دہلی ۵ رجب ۱۳۵۰ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۱ء

الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

(۱) آنحضرت ﷺ ازروئے تخلیق نور ہیں یا بشر؟
(۲) کیا آپ ﷺ کی بعض دعائیں قبول نہیں کی گئیں؟
(۳) آپ ﷺ کا دنیاوی امور میں امت کو اختیار دینے کا مطلب۔

(سوال) (۱) زید کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ماں باپ سے پیدا ہوئے۔ عمرو کہتا ہے کہ اللہ کے نور سے پیدا ہوئے۔

(۲) زید کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعاء قبول بھی ہوتی تھی اور بعض دعا نہیں ہوتی تھی۔

(۳) رسول اللہ ﷺ نے دنیاوی کاموں میں امت کو اختیار دیا ہے۔

(۴) کیا آپ ﷺ طبعی موت سے وفات پاگئے؟

(۵) رسول اللہ ﷺ اپنی طبعی موت سے وفات پاگئے۔ عمرو انکار کرتا ہے۔

المستفتی نمبر ۵۵ مولوی محمد یوسف صاحب ٹونک۔ ۲۰ جمادی الآخری ۱۳۵۲ھ م ۱۱ اکتوبر ۱۹ء

(جواب ۶۶) (۱) حضور انور ﷺ والدین سے پیدا ہوئے۔ آپ حضرت عبداللہ حضرت آمنہ کے فرزند اور عبدالمطلب کے پوتے۔ حضرت حمزہ و عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بھتیجے تھے۔ عربی اور قریشی تھے۔(۱) انسان تھے۔(۲)

(۲) آپ ﷺ کی بعض دعائیں قبول نہیں کی گئیں۔ مثلاً حضور ﷺ نے دعاء فرمائی تھی کہ میری امت آپس میں جنگ و جدال اور قتل و قتال سے باز رہے۔ یہ دعا قبول نہیں ہوئی۔(۳)

۱۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه جاء الی النبی صلی اللہ علیه وسلم فكانه سمع شيئا فقام النبی صلی اللہ علیه وسلم علی المنبر ، فقال : من انا ؟ فقالوا : انت رسول اللہ ، قال : محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (ترمذی شریف ۲ /۲۰۱ ایچ ایم سعید)

۲۔ انما انا بشر مثلکم یوحی الی.

۳۔ عن ثوبان قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انی سالت ربی لامتی ان لایهلکها بسنة عامة ، وان لایسلط عدوا حتی یکون بعضهم یهلك بعضا ، ویسبی بعضهم بعضا . (مسلم : ۲ /۳۹۰ قدیمی کتب خانہ)

(۳) جو امور کہ خالص دنیوی حیثیت رکھتے ہیں اور شریعت سے کسی طرح ٹکراتے نہیں ان میں امت کو اختیار ہے کہ جو چاہے اپنے لئے پسند کرے۔(۱)

(۴) حضور ﷺ نے اپنی عمر پوری کر کے وفات پائی اور آپ کی وفات کو موت سے تعبیر کرنا صحیح ہے۔ قرآن مجید میں ہے **افان مات او قتل** اور **انك ميت وانهم ميتون**.(۲)

اللہ کے نور سے پیدا ہونے کا یہ مطلب تو کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں کہ آپ کی بشریت مع اپنے لوازم جسمانیت وغیرہ کے نور سے پیدا ہوئی تھی۔ اور نہ آپ کی حیات کا یہ مطلب ہے کہ آپ پر موت طبعی وارد نہیں ہوئی ہے اور جیسے آپ ﷺ زندہ تھے اسی طرح اب بھی زندہ ہیں۔ کہ یہ بات صریح البطلان ہے۔ واللہ اعلم

(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ خدا بخش عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی سکندر دین۔ عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ عبد الغفور عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ انظار حسین عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔

حضور اکرم ﷺ کے سایہ کی تحقیق

(سوال) حضور اکرم ﷺ کا سایہ دن کی روشنی میں اور رات کی چاندنی میں ہوتا تھا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۱۔ مولانا کریم بخش ایم، اے۔ پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور۔ ۲۱ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۶۷) اگرچہ بہت سے ارباب سیر نے حضور ﷺ کے معجزات اور خصائص میں اس کا ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ دھوپ اور چاندنی میں زمین پر نہ پڑتا تھا۔ مگر ان سب اقوال کا مدار دو روایتوں پر ہے۔ ایک ذکوان کی روایت ہے جو حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نوادر الاصول کی طرف منسوب کی جاتی ہے جیسا کہ شیخ عبد الحق نور اللہ مرقدہ نے مدارج النبوۃ میں اور جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفاء میں اس حدیث کو بحوالہ نوادر ذکر کیا ہے۔ مدارج کی عبارت یہ ہے :۔ ونبود مر آں حضرت ﷺ را سایہ نہ در آفتاب ونہ در قمر (**رواه الحكيم الترمذى عن ذكوان فى نوا در الاصول**) (۴) اور خصائص کبریٰ کی عبارت یہ ہے :۔ **اخرج الحكيم الترمذى عن ذكوان ان رسول الله ﷺ لم يكن يرى له ظل فى شمس ولا قمر**(۵) شرح شفاء علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت یہ ہے :۔ **وهذا معنى**

---

(۱) عن انس رضى الله تعالى عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم مربقوم يلقحون فقال لولم تفعلوا لصلح، قال فخرج شيصا فمربهم فقال مالنخلكم قالوا قلت كذا وكذا قال انتم اعلم بامر دنيا كم (مسلم : ۲ / ۲۶۴)
وفى شرحه "قال العلماء قوله صلى الله عليه وسلم من راى، اى فى امر الدنيا و معايشها لا على التشريع، فاما ماقاله باجتهاده صلى الله عليه وسلم وراه شرعا فيجب العمل به (مسلم مع شرحه لنووى : ۲ / ۲۶۴)
(۲) (الزمر : ۳۰)
(۳) آپ ﷺ کی موت کا وقوع تو یقینی اور قطعی ہے لیکن موت، موت میں فرق ہے، جیسا کہ آیت میں موت کے لفظ کا تکرار خود اس پر دلالت کر رہا ہے۔
(۴) مدارج النبوۃ : ۱ / ۲۶ شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ
(۵) الخصائص الکبریٰ : ۱ / ۶۸ حیدر آباد دکن

مافی النوا درو لفظها لم یکن له ظل فی شمس ولا قمر .(۳) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کتاب میں حدیث ذکوان کی سند اس طرح ذکر کی ہے ۔ ذکرہ الحکیم الترمذی فی نوا درالاصول عن عبدالرحمن بن قیس وھو مطعون عن عبدالملك بن عبدالله بن الولید وھو مجھول عن ذکوان من انه کان لاظل لشخصه فی شمس ولا قمر. اس سے معلوم ہوا کہ ذکوان کی روایت میں ایک راوی مطعون اور دوسرا مجہول ہے۔

دوسری روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جس کو خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفاء میں کتاب الوفا فی فضائل المصطفیٰ سے نقل کیا ہے۔ خفاجی کی عبارت یہ ہے :۔ وھذا رواہ صاحب الوفاء عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال لم یکن لرسول الله صلی الله علیه وسلم ظل ولم یقم مع شمس الا غلب ضوء ہ ضوئها ولا مع سراج الا غلب ضوء ہ ضوء ہ.(۱)

اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرح شمائل میں اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ عبارت یہ ہے :۔

وفی حدیث ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه قال لم یکن لرسول الله صلی الله علیه وسلم ظل ولم یقم مع شمس الا غلب ضوء ہ ضوء الشمس ولم یقم مع سراج قط الا غلب ضوء ہ ضوء السراج .ذکر ابن الجوزی. انتھی.(۲) اس روایت کی سند معلوم نہ ہو سکی۔ اور نہ کتاب الوفاء دستیاب ہوئی دو روایتوں کے علاوہ اور کسی روایت کا پتہ نہیں۔ اکثر کتابوں میں تو صرف اس کو ابن سبع سبتی سے نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ جیسے کہ نزھۃ الناظرین میں ہے :۔ ومن فضائله ماذکرہ ابن سبع اور انوار محمدیہ میں ہے۔ قال ابن سبع کان صلی الله علیه وسلم نورا فکان اذامشی بالشمس اوا لقمر لایظھر له ظل انتھی.(۳) اس بارے میں یہ بات غور طلب ہے کہ اگر دھوپ اور چاندنی میں اور چراغ کی روشنی میں حضور ﷺ کا سایہ ظاہر نہ ہوتا تھا تو یہ بات عام طور پر اور مخالف کے مشاہدے میں رات دن آتی رہتی اور اس کثرت وقوع کے ساتھ نقل ہوتی کہ حد تواتر کو پہنچ جاتی اور حدیث کی کوئی کتاب اس روایت سے خالی نہ ہوتی اور دوسرے تمام معجزات سے ظہور و ثبوت میں اول نمبر پر ہوتی۔ خلاف اس کے اس کا سوائے مذکورہ بالا دو روایتوں کے (جن میں سے ایک سند میں مطعون و مجہول راوی ہیں (۲) اور دوسری کی سند بھی معلوم نہیں) کسی روایت میں حدیث کی کتابوں میں ذکر ہی نہیں۔ اور یہ بات اس کی قوت صحت میں شبہ ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

۱۔ جمع الوسائل فی شرح الشمائل لملاعلی القاری : ۱ / ۲۷٦ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)
۲۔ عبدالرحمن بن قیس زعفرانی پانی ضعیف مجروح اور ناقابل اعتبار ہے "وکان واسطیا لیس حدیثه بشی، حدیثه حدیث ضعیف" (الکامل فی ضعفاء الرجال ۔ ٤ / ۲۹۱ دار الفکر)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں آنے کا منکر گمراہ ہے۔

(السوال) اگر کوئی مسلمان یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں دوبارہ تشریف لانے کا ثبوت نہیں تو وہ مسلمان غلطی پر ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۶۵ مولوی عبدالرحیم کانپور۔ ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۲ھ م ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۶۸) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں آنا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، جو شخص ان صحیح حدیثوں کو نہ مانے وہ گمراہ ہے۔ بخاری شریف میں ہے: یوشك ان ینزل فیکم ابن مریم حکما مقسطا الخ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

آپ ﷺ کو عالم الغیب سمجھنا درست نہیں۔
(۲) حیات النبی ﷺ ثابت ہے یا نہیں؟
(۳) کیا زیارت قبور اور ایصال ثواب کرنا ضروری ہے؟
(۴) کرامات اولیاء کا قائل ہونا چاہئے یا نہیں؟

(السوال) کیا ہر مسلمان سنی الحنفی کو حضور سرکار رسالت مآب ﷺ پر علم غیب کے مسئلے میں ایمان لانا ضروری ہے یا نہیں؟ یعنی حضور ﷺ کو علم غیب تھا یا نہیں حضور ﷺ حیات النبی ﷺ ہیں یا نہیں۔ ہر سنی مسلمان کو زیارت قبور و فاتحہ و غیرہ ایصال ثواب کے لئے کرنا لازمی ہے یا نہیں۔ اولیاء اللہ کی کرامات کا قائل ہونا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۹۸۔ مرزا ولی اللہ بیگ رائے پور۔ ۲۶ شوال ۱۳۵۲ھ م ۱۱ فروری ۱۹۳۴ء

(جواب ۶۹) آنحضرت ﷺ کو حضرت حق جل شانہ، نے تمام مخلوق سے زیادہ علم عطا فرمایا تھا اور بے شمار غیوب کا علم بھی دیا تھا، لیکن باوجود اس کے حضور اکرم ﷺ کو عالم الغیب کہنا، سمجھنا درست نہیں۔ کیونکہ عالم الغیب ہونا صرف حضرت حق تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے۔ کوئی نبی، رسول، فرشتہ اس صفت میں باری تعالیٰ کا شریک نہیں، وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمها الا ھو۔(۲)

(۲) ہاں انبیاء علیہم السلام کو حضرت حق تعالیٰ نے ایک مخصوص اور ممتاز حیات عطا فرمائی ہے جو شہداء کی حیات سے ممتاز ہے۔ اور شہداء کو ایک حیات عطا ہوئی ہے جو اولیاء کی حیات سے امتیاز رکھتی ہے مگر یہ زندگیاں دنیا کی زندگی سے علیحدہ ہیں۔ کیونکہ دنیاکی زندگی کے لوازم ان میں پائے نہیں جاتے۔(۳)

(۳) زیارت قبور حصول عبرت اور موت یاد آنے اور اموات کے لئے دعا کرنے کی غرض سے جائز ہے۔ اور ایصال ثواب بھی جائز ہے لیکن نہ زیارت لازم اور فرض ہے نہ ایصال ثواب ضروری ہے۔ یہ سب مستحبات میں داخل ہیں۔

۱۔ بخاری شریف ۱ / ۴۹۰ قدیمی کتب خانہ
۲۔ الانعام: ۵۹
۳۔ الانبیاء احیاء فی قبور ھم یصلون۔ (شفاء السقام: ۱۳۴۔ بحوالہ تسکین الصدور ۲۲۰ مکتبہ صفدریہ)
فزوروا القبور فانها تذکرکم الموت (مسلم ۱: ۳۱۴)

(۴) اولیاء اللہ سے کرامات ظاہر ہونا حق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے سے کوئی ایسا کام کرادیتا ہے یا اس کے ہاتھ سے کوئی ایسی بات ظاہر کر دیتا ہے جو عادت کے خلاف ہوتی ہے اس میں اس شخص کے اپنے اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام مشہور کرامتیں درست اور صحیح ہیں جو لوگوں نے گھڑ گھڑ کر اولیاء کی طرف منسوب کر رکھی ہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

کیا ہندوستان میں پیغمبر آئے ہیں؟

(سوال) زید کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کرشن جی کا ایک ہی درجہ ہے۔ کرشن جی بھی نبی اور وید بھی الہامی کتاب ہے ایک لاکھ کئی ہزار پیغمبر گذرے مگر کلام الٰہی میں چندرسولوں کے نام ہیں۔ بقیہ کرشن جی وغیرہ تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے کسی قول کے مطابق زید کا خیال ہے کرشن جی ہندوستان میں نہیں ہوئے ہیں۔ عام علماء کے نزدیک تمام پیغمبر حجاز یا ملک شام میں ہوئے مگر نہیں، ہر جگہ پیغمبر ہوئے ہیں۔ اس میں ہندوستان بھی ہے یہاں بھی ہوئے۔ ہر قوم میں پیغمبر ہوئے (کیا ہندوستان میں بھی ؟) آیت قرآنی کے موافق یعنی خدا نے ہر قوم میں نبی بھیجا، اس کا کیا مطلب ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برا کہتا ہے۔

بکر کہتا ہے کہ وید الہامی کتاب نہیں، صرف چار کتابیں جو مشہور ہیں وہی کتاب الٰہی ہیں کرشن جی نبی نہیں تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کرشن جی برابر نہیں ہو سکتے۔ ہندوستان میں کسی نبی کے آنے کا پتہ شریعت یا کسی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا علمائے متقدمین سے نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہیں۔ براہ کرم مطلع فرمائیے کہ زید کے اقوال صحیح ہیں یا بکر کے؟

المستفتی نمبر ۳۱۳ عبدالحلیم لکھنوی (کھیری لکھیم پور) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۷ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۷۰) یہ قول غلط ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کرشن جی کا ایک درجہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور بزرگی قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے۔(۲) کرشن جی کی نبوت اور بزرگی کا کوئی پختہ ثبوت موجود نہیں، پھر دونوں برابر کس طرح ہو سکتے ہیں۔ کرشن جی کو نبی کہنا بے دلیل اور بے ثبوت ہے۔ وید کا الہامی کتاب ہونا بے ثبوت ہے۔ ہاں نبی اور رسول بہت ہوئے ہیں اور سب کے نام قرآن مجید یا حدیثوں میں نہیں آئے صرف تھوڑے سے پیغمبروں اور رسولوں کے نام آئے ہیں (۳) مگر جس شخص کو نبی کہا جائے اس کی نبوت کا ثبوت بھی تو درکار ہے اور کرشن جی کی نبوت کا کوئی ثبوت موجود نہیں اس لئے ان کو نبی کہنا غلط ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کرشن جی کی تعلیم صحیح تھی اور ان کے افعال انبیاء علیہم السلام کے افعال کی طرح جادۂ نبوت کے موافق تھے تو ممکن ہے کہ وہ نبی ہوں لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ نبی تھے۔ ایسا کوئی قول

---

(۱) وکرامات الاولیاء حق ..... وکرامتہ ظہور أمر خارق للعادۃ من قبلہ من قبلہ غیر مقارن للدعوی النبوۃ . (شرح العقائد : ۱۴۴ ایچ۔ ایم سعید)

۲ . قال : انی عبداللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا ، وجعلنی مبارکاً این ما کنت ..... (مریم : ۳۱)

۳ ۔ ولقد ارسلنا رسلاً من قبلک منہم من قصصنا علیک ومنہم من لم نقصص علیک . (المؤمن : ۷۸)

آنحضرت ﷺ کا ہماری نظر میں نہیں جس سے کرشن جی کی نبوت ثابت ہو سکتی ہو۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی نبی ہندوستان میں مبعوث ہوئے ہوں لیکن ان کے نام اور حالات معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ہم اپنی طرف سے کسی خاص شخص کو نبی نہیں بتا سکتے۔ ہاں ہر قوم میں ہادی کا آنا آیت سے ثابت ہے۔(۱) لیکن اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ ہر قوم کے کسی خاص شخص کو ہم نبی سمجھنے لگیں۔ دیکھو نمبر ۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برا کہنے والے کا ایمان سلامت نہیں رہ سکتا، کیونکہ کسی نبی کی توہین موجب کفر ہے

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

انبیاء اور اولیاء پر شیطان کا تسلط، واستیلاء ہو سکتا ہے یا نہیں؟ استمداد بغیر اللہ کا حکم .

(السوال) نبی اور رسول پر ارواح خبیثہ کا تسلط ہو سکتا ہے یا نہیں۔ نیز اگر کسی غیر اللہ سے مدد طلب کی جائے تو وہ امداد دے سکتے ہیں یا نہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ سے مدد مانگنے سے مل جاتی ہے۔

المستفتی نمبر ۳۸۹ سراج الدین دہلی۔ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۴ء

(جواب ۷۱) انبیائے کرام اور اولیاء پر شیطان کا تسلط اور استیلاء نہیں ہو سکتا۔ ان عبادی لیس لك علیهم سلطان (۲) لیکن اس تسلط سے یہ مطلب ہے کہ شیاطین ان کا راہ حق سے منحرف کرنے پر قابو نہیں پاسکتے۔(۳)

ہاں سحر کے بعض اقسام کا اثر وہ بھی جسمانی اذیت کی حد تک نبی یا ولی پر ہونا ممکن ہے جیسے کہ زہر یا دوسری موذیات جسمانی کا اثر ہونا ناممکن نہیں ہے۔(۴)

غیر اللہ کو کسی کی امداد کرنے کی قدرت نہیں اس لئے غیر اللہ سے استمداد بھی ناجائز ہے۔ اذا سألت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله. حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(۱) رسول اللہ ﷺ کا بول براز پاک تھا یا نہیں ؟
(۲) حضور ﷺ کے سر مبارک میں جوئیں پڑتی تھیں یا نہیں ابو داؤد کی روایت "تفلی راسه" کا کیا مطلب ہے ؟

(السوال) (۱) حضور ﷺ کا پیشاب، پاخانہ پاک تھا یا نجس ؟

(۲) حضور ﷺ کے سر مبارک میں جوئیں پڑتی تھیں یا نہیں؟ اگر نہیں پڑتی تھیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے جو ابو داؤد میں اس طرح ہے تفلی راسه اور اس کے حاشیے کا کیا مطلب ہے جو اس طرح ہے ای تفتش القمل من راسه و تخرج و تقتله . بینوا توجروا۔

۱۔ وان من امة الا خلا فیها نذیر (فاطر : ۲۴) اخذتهم ، فکیف کان عقاب . (الرعد : ۳۲)
۲۔ بنی اسرائیل : ۶۵
۳۔ ان عبادی المخلصین لیس لك علیهم تسلط بالا غواء لا نهم فی حفظی وامانی ، صفوة التفاسیر : ۲ / ۱۲۶ دار القرآن بیروت
۴۔ عن عائشه قالت : سحر رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی انه یخیل الیه انه فعل الشئ وما فعله (بخاری : ۲ / ۸۵۸ قدیمی کتب خانہ)
۵۔ ترمذی : ۲ / ۷۸ ایچ ایم سعید

المستفتی نمبر ۷۵۸ شیر محمد خان (دہلی) ۲ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م یکم ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۷۲) شوافع میں بعض علمائے محققین نے آنحضرت ﷺ کے بول وبراز کی طہارت کا حکم کیا ہے، اور علمائے حنفیہ نے اس کو نقل کر کے اس کے ساتھ اپنی موافقت بیان کی ہے۔(۱) اور بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و صحابیات کے اس واقعہ سے کہ انہوں نے حضور ﷺ کا پیشاب نادانستگی میں پی لیا تھا مگر حضور ﷺ نے خبر پا کر ان کو دعادی اور انکار نہیں فرمایا، طہارت پر استدلال کیا ہے۔(۲)

اکثر علمائے سیر نے تصریح کی ہے کہ حضور ﷺ کے سر مبارک میں جوں نہیں پڑتی تھی، اور اس میں کوئی تعجب اور انکار کی وجہ بھی نہیں۔ حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث اس کے خلاف پر دلالت بھی نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ گو حضور ﷺ کے سر میں جوں پیدا نہیں ہوتی تھی مگر دوسروں کے بدن یا کپڑے کی جوں رینگ کر چڑھ جاتی ہوگی اور وہ حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھ لگ جاتی تھی اور وہ پکڑ کر مار ڈالتی تھی۔ اس کے علاوہ حدیث کے الفاظ صرف تفلی راسہ ہیں جس کے معنی صرف جوں کو تلاش کرنے کے ہیں اور محشی کا قول و تخرج و تقتلہ محتاج دلیل ہے۔(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

(۱) کیا آنحضرت ﷺ خدا کے نور میں سے ہیں؟
(۲) اشعار مذکورہ کا ترک ضروری ہے۔

(سوال)(۱) کیا یہ صحیح ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے نور سے نکلے۔ یعنی حضور ﷺ کا نور خدا تعالیٰ کے نور سے نکلا ہے، یا خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت ﷺ کا نور پیدا کیا ہے

(۲) مندرجہ ذیل شعر پڑھنا یا مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

خدا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں پانچوں تن — محمد است و علی فاطمہ حسین و حسن
جس نوں پنج تن نال پیار ناہیں — اوہ دے کلمے وا اعتبار ناہیں

المستفتی نمبر ۶۱۳ شیخ ظہور الدین (ہوشیار پور) ۷ اجمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۶ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۷۳) آنحضرت ﷺ کے نور کو اللہ تعالیٰ کے نور کا حصہ یا جزو سمجھنا درست نہیں کیونکہ حضور انور ﷺ کے لئے قرآنی اور حدیثی تعلیم یہ ہے نشهد ان محمدا عبده ورسوله یعنی ہم اس کی گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور پیغمبر ہیں۔ حضور ﷺ اور حضور کا نور مخلوق ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا نور غیر مخلوق ہے۔ اور مخلوق غیر مخلوق کا جزو یا حصہ نہیں ہو سکتا۔

(۲) یہ شعر اور عبارت اسلامی تعلیم کے لحاظ سے غلط ہے۔ مسجد میں لگانے کے قابل نہیں ہے۔ کفایت اللہ

۱۔ صحح بعض ائمة الشافعية طهارة بوله ﷺ وسائر فضلاته ، وبه قال : ابو حنيفة (الشامية : ۱ / ۳۱۸ سعيد)
۲۔ شرب مالك بن سنان دمه يوم احد ، ومصه اياه وتصويغه ﷺ اياه ... ولم يامر واحد منهم غسل فمه، ولا نهاه عن عوده ، شرح الشفاء : ۱ / ۱۶۱ ، ۱۶۳ مصر عن ام ايمن قالت قام النبي ﷺ من الليل الى فخارة فبال فيها قمت من الليل وانا عطشانة فشربت ما فيها خصائص الكبرى ۱ / ۷۱ دار الكتب
۳۔ و مراد عدم وجود قملست و آنکه در بعض حدث واقع شده مراد بداں حقیقت نسبت مدارج النبوة ۱ : ۱۴۶

غلط اور ناموزوں شعر کہہ کر آیت "ماعلمناہ الشعر و ما ینبغی لہ"
سے استدلال کرنا جہالت ہے۔

(السوال) ایک صاحب نے اپنی تحریر میں شعر غلط اور ناموزوں لکھے۔ جب الفاظ پر ان کو تنبیہا لکھا گیا تو جواب میں انہوں نے بجائے اعتراف کے آیہ شریفہ سے تمسک کیا اور لکھا کہ بعد حمد و صلوۃ علی النبی الذی قال اللہ تعالی فی حقہ وماعلمناہ الشعر وما ینبغی لہ فقط۔ آیا یہ فخر الانبیاء ﷺ کی توہین و تحقیر ہے یا نہیں اور بصورت اولی ایسے شخص کا شرعا کیا حکم ہے جس نے محض اپنے عیب کو چھپانے کے لئے پیغمبر ﷺ کو اس میں شریک کرنے کی بیجا جرات کی ہو۔ حالانکہ پیغمبر ﷺ کے لئے شاعری کا عدم علم ان کے کمال رسالت کی دلیل تھا۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں شعرائے عرب کا طبقہ نہایت ہی فصیح و بلیغ واقع ہوا تھا چنانچہ اسی زعم باطل کی بناء پر کفار عرب نے قرآن مجید کے معجز بیان کلام کو معاذ اللہ شاعری کا ایک شعبہ اور رسالت مآب کو شاعر سمجھ لیا تھا۔ جس کا رد اللہ تعالی نے اس آیۃ شریفہ سے کیا اور ظاہر کیا کہ باوجود حضرت ﷺ کے شاعر نہ ہونے کے جو آپ ﷺ کی چالیس سالہ قبل از بعثت زندگی پر نظر ڈالنے سے محتاج بیان نہیں۔ مشاہیر شعرائے فصیح البیان کا مقام تحدی اس کلام کی چھوٹی سے چھوٹی جزو کی نظیر و مثل لانے سے عاجز رہنا اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ کلام منزل من اللہ ہے اس میں آیۃ شریفہ میں یہی نکتہ ہے۔ نیز رسالت مآب ﷺ کو ان من الشعر لحکمۃ فرمانا اور قصیدہ کعب میں زہیر کو سن کر اپنی چادر مبارک اتار کر دینا اسی توجیہ کا مؤید ہے۔ علی ہذا القیاس امی ہونا بھی ہمارے نبی ﷺ کے لئے ایک مخصوص باعث فخر امر تھا۔ چنانچہ محقق جار اللہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کشاف میں فرماتے ہیں کہ جعلناہ امیالا یھتدی للخط ولا یحسنہ لتکون الحجۃ اثبت والشبھۃ وحض؟۔ حالانکہ غیر پیغمبر کے حق میں امی ہونا ایک مسلمہ عیب اور نقص ہے جس میں کسی کو بھی کلام نہیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۶۳۰ مولوی حبیب اللہ (ضلع لودھیانہ) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء

(جواب ۹۷) حضور ﷺ نہ شاعر تھے اور نہ کبھی آپ ﷺ نے شعر موزوں فرمایا۔ (۱) مجیب کا یہ آیت جواب میں لکھنا بے محل ہے۔ کیونکہ اس پر اعتراض یہ تھا کہ غلط شعر کیوں کہتا ہے تو اس کا جواب آیت سے اسی ہوتا کہ خدانخواستہ حضور ﷺ نے کوئی غلط شعر کبھی کہا ہوتا تو اس کو ایسے غلط گو شاعر اپنے لئے سند بناتے تو بتاتے۔ لیکن حضور ﷺ نے تو کبھی شعر بنایا ہی نہیں۔ حضور ﷺ کے وصف سے استدلال کرنا ہے تو اس کی صورت تو یہ ہے کہ شعر بنانا چھوڑ دو اور جب کوئی تقاضا کرے کہ شعر لکھو تو یہ کہہ دو کہ چونکہ شعر نہ کہنا آنحضرت ﷺ کی صفت ہے اس لئے میں بھی شعر کہنا نہیں چاہتا۔ غلط شعر اور حضور ﷺ کی صفت شاعر نہ ہونے اور شعر نہ بنانے کو اپنی غلطی کے لئے عذر ٹھہرانا جہالت ہے۔

---

(۱) ماعلمناہ الشعر وماینبغی لہ .
وقال ابی زرعۃ الرازی ... اللہ قال : ماولد عبدالمطلب ذکر اوانثی الا یقول الشعر الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تفسیر ابن کثیر : ۳ / ۵۸۷ سہیل اکیڈمی لاہور)

خدائے قدوس اپنے پیغمبر ﷺ کو شعر بنانے کی اجازت دیتا تو یقیناً آپ ﷺ کے شعر اعلیٰ درجے کے فصحاء وبلغاء کے شعروں سے بڑھ کر فصیح وبلیغ ہوتے۔ بہر حال شخص مذکور کا یہ جواب غلط اور نامناسب تو ہے مگر اس کو توہین پر محمول نہ کرنا چاہئے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کیا نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو پیارے نبی کہنا بے ادبی ہے ؟

(السوال) نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو پیارے نبی کہنا ادب ہے یا بے ادبی ؟

المستفتی نمبر ۶۳۱۔ عبدالستار (بلاری ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(جواب ۷۵) بے ادبی نہیں کہا جاسکتا۔

گاڑی کا نام نبی رکھنا معاذ اللہ

(السوال) یک شخص نے اپنی موٹر کا نام نبی ﷺ کر کے رکھا ہوا ہے۔ یہ جائز ہے یا ناجائز ؟

المستفتی نمبر ۹۶۷ کے ، جی ، مولوی محمد عبدالسلام (ضلع جنوبی ارکاٹ) ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۸ فروری

(جواب ۷۶) موٹر کا نام نبی ﷺ رکھا ہے تو یہ لفظ نبی ﷺ کی توہین کے مرادف ہے۔ اور اس میں نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ تمام فرقوں کی جو نبی کے قائل اور سلسلہ نبوت پر ایمان رکھتے ہیں، دل آزاری اور اس کو اس فعل سے روکنا ضروری ہے۔(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کیا آنحضرت ﷺ کو بشر سمجھنا یا کہنا کفر ہے ؟

(السوال) کیا حضور علیہ السلام کو بحیثیت بشر ہونے کے بشر سمجھنا یا کہنا کفر ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۱۸۸ عبدالعزیز صاحب (ضلع سیالکوٹ) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۶ ستمبر

(جواب ۷۷) آنحضرت ﷺ بشر تھے آپ ﷺ کو بشر ہی سمجھنا اور بشر کہنا اسلام کی تعلیم ہے (۳) ہاں بشر ہونے کے ساتھ اللہ کے پیغمبر اور رسول اور نبی اور حبیب تھے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ اذا کان فی المسئلہ وجوہ توجب الکفر ووجہ یمنع فعلی المفتی ان یمیل الی ذلک الوجہ (الھندیہ : ۲ / ۲۸۳ ماجدیہ کوئٹہ)
۲۔ واعلم انہ اذا کان المنکر حراما وجب الزجر عنہ "(مرقاۃ المفاتیح : ۹ / ۳۲۹ مکتبہ امدادیہ ملتان)
۳۔ قل : انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی ...... (حم السجدۃ : ۶)
۴۔ عن ابن عباس ...... انا حبیب اللہ ولا فخر . (ترمذی : ۲ / ۲۰۲ ایچ۔ ایم سعید)

حضور ﷺ کا علم غیب ذاتی ہے یا عطائی ؟

(سوال) (۱) کیا حضور علیہ السلام کو ذاتی علم غیب حاصل تھا یا کہ جتنا علم ان کو دیا گیا تھا وہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے عطائی تھا۔
(۲) حضور علیہ السلام اپنی ذاتی رائے سے شریعت میں کمی کر سکتے تھے۔ یا آیت ان اتبع الا ما یوحی الی کے ماتحت وحی کی اتباع کرتے تھے۔ ؟ عبدالعزیز مشین والا (ضلع سیالکوٹ)

(جواب ۷۸) (۱) حضور ﷺ عالم الغیب نہیں تھے ،(۱) ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے غیوب کا علم آپ ﷺ کو عطا ہوا تھا۔(۲)
(۲) حضور ﷺ اپنی ذاتی رائے سے احکام الٰہی میں کمی بیشی نہیں کر سکتے تھے۔(۳) ہاں اجتہادی مسائل میں اجتہاد سے کوئی حکم بتا سکتے تھے ،(۴) مگر جن امور میں کہ قرآن مجید کی آیت نازل ہو اور کوئی حکم بتا دیا جاوے اس میں اجتہاد نہیں کیا جاتا۔ بلکہ وحی کی متابعت ضروری ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

گستاخ رسول ﷺ کو قتل کرنے والے کا حکم .

(سوال) (۱) ایک غیر مسلم شخص نے رسول اللہ ﷺ کی شان پاک میں بہت بیہودہ اور ناپاک الفاظ استعمال کئے ہیں۔ پولیس نے اس کو حراست میں لے کر چالان کر دیا ہے۔ اب وہ شخص اپنے اس گناہ سے شرمسار ہو کر معافی مانگتا ہے اور مسلمان نہیں ہونا چاہتا ، حالت کفر ہی میں رہنا چاہتا ہے تو کیا اس حالت میں اس کو بروئے شریعت معافی ہو سکتی ہے یا نہیں ، اگر معافی نہیں ہو سکتی تو کیا اس کی سزا ہے۔ کیا وہ شخص واجب القتل ہے ؟

(۲) اس سے پہلے ایک فتویٰ صادر ہوا ہے ، وہ لکھتے ہیں کہ ہر ایسے شخص کے لئے سزائے موت کے سوا اور کوئی سزا نہیں بشرطیکہ حکومت اسلام کی ہو ، اگر اسلام کی حکومت نہیں ہے تو وہ شخص اگر معافی مانگتا ہے تو اس کو معافی دی جا سکتی ہے۔ لہذا آپ بھی اس مسئلہ پر رائے دے کر مطمئن فرمائیں۔

(۳) اس سے پہلے اس قسم کے کئی ایک معاملے رونما ہوئے ہیں جن کے نتیجہ یا آپ کو معلوم ہوں گے کہ تمام وہ اشخاص جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں بے حرمتی کی تھی ، مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے مثلاً علم الدین ، عبدالرشید وغیرہ جنہوں نے ان کو قتل کر کے خود تختہ دار پر چڑھ کر بروئے قانون سرکاری جان دے دی اور ان کو شہید کہا جاتا ہے۔ تو کیا ان کا یہ قتل کرنا شریعت کے لحاظ سے جائز تھا یا ناجائز۔ کیونکہ شریعت میں ایسے شخص کا قتل کرنا واجب ہے ، بشرطیکہ حکومت اسلام کی ہو ، یہاں پر حکومت ہے

۱۔ قل : لا اقول لکم : عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب .(الانعام :۵۰)
۲۔ وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب (فعرفوا قلوب المخلصین والمنافقین) ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء (جامع البیان علی حاشیہ جلالین : ۶۶ ط۔ ایم سعید)
۳۔ قل : مایکون لی ان ابدلہ من تلقآء نفسی . ان اتبع الا مایوحی الی ۔ (یونس :۱۵)
۴۔ قال العلماء ۔ فاما ما قال باجتہادہ ﷺ رآہ شرعا فیجب العمل بہ (شرح مسلم للنووی : ۲ : ۲۶۵ قدیمی کتب خانہ)

انگریزی کی۔ تو کیا اس صورت میں علم الدین، عبدالرشید شہید ہوئے ہیں یا نہیں؟ کیا ایسا شخص جو رسول اللہ ﷺ کی عزت پر ان کی بے حرمتی کرنے والے کو قتل کرے اور حکومت اسلام کی نہ ہو، اس شخص کو قتل کے عوض میں پھانسی دی جائے تو ایسے شخص کو شہید کہا جا سکتا ہے۔ یا نہیں اگر وہ شہید نہیں ہے تو وہ کس شمار و قطار میں ہے۔

المستفتی نمبر ۱۲۰۷ مولوی عزیز احمد صاحب (شہر راولپنڈی) ۱۱ رجب ۱۳۵۵ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۷۹) چونکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں۔ اس لئے اگر غیر مسلم معافی مانگے تو اس کو معاف دے دینا جائز ہے۔ کسی مسلمان کو قتل کر دینے کا حق نہیں ہے۔ اگر کوئی محبت رسول میں سرشار اور بخود ہو کر قتل کر دے تو وہ معذور قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اس صورت میں اس کو شہید کہنا بے جا نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کیا آپ ﷺ کے مختار کل ہونے کا عقیدہ درست ہے؟

(سوال) بہار شریعت حصہ اول صفحہ ۲۲ میں مولوی حکیم ابو العلا محمد امجد علی رضوی مدرس دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیری نے درج کیا ہے۔

(عقیدہ) حضور اقدس ﷺ ...... اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں، تمام جہان حضور ﷺ کے تحت تصرف کر دیا گیا جو چاہیں کریں۔ جسے جو چاہیں دیں جس سے جو چاہیں واپس لیں۔ تمام جہان میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں، تمام جہاں ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کا محکوم نہیں۔ تمام آدمیوں کے مالک ہیں۔ جو انہیں اپنا مالک نہ جانے حلاوت سنت سے محروم رہے۔ تمام زمین ان کی ملک ہے، تمام جنت ان کی جاگیر ہے۔ ملکوت السموات والارض حضور ﷺ کے زیر فرمان جنت و نار کی کنجیاں دست اقدس میں دیدی گئیں رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ﷺ کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں۔ دنیا و آخرت حضور ﷺ کی عطا کا ایک حصہ ہے۔ احکام تشریعیہ حضور ﷺ کے قبضہ میں کر دیئے گئے کہ جس پر جو چاہیں حرام فرما دیں اور جس کے لئے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرما دیں۔ مسلمانوں کو مسطورہ بالا تحریر پر عقیدہ رکھنا کیسا ہے۔ فقط

المستفتی نمبر ۱۲۳۰ شیخ عبدالرزاق ولد عبدالعزیز صاحب (دہلی) ۲۶ رجب ۱۳۵۵ھ

(جواب ۸۰) یہ عقیدہ سراسر قرآن و حدیث اور شریعت مقدسہ کی تعلیم کے خلاف ہے۔ اور ضلالت و گمراہی کی تعلیم ہے۔ حضور انور ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔(۱) سید المرسلین خاتم النبیین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے افضل اور اعلم ہیں۔(۲) لیکن فرائض کو معاف کر دینا، حلال کو حرام کر دینا، حرام کو حلال کر دینا، جنت و دوزخ کی کنجیاں آپ کے ہاتھ میں ہونا، یہ کوئی بات قرآن و سنت سے ثابت نہیں۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) ماکان محمد اباأحد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبین. (الاحزاب : ٤٠) سبحان الذی اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام......(بنی اسرائیل :۱)

(۲) ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال : فضلت علی الانبیاء بست : اعطیت جوامع الکلم، واحلت لی الغنائم، وجعلت لی الارض مسجدا وطهورا، وارسلت الی الخلق کافة، وختم بی النبیون . (مسند احمد : ۲ / ٤١٢ بیروت) اناسید ولد آدم یوم القیامة (شرح عقیدة الطحاوی : ١٠٦ المکتب الاسلامی)

(۳) یا ایها النبی لم تحرم ما احل الله......(التحریم :۱)

ایسے کاغذ پر پاؤں رکھنا جس پر قابل احترام لفظ لکھا ہو درست نہیں۔

(سوال) ایک مسلمان شخص نے جوتوں کا کارخانہ کھولا ہوا ہے۔ اور پیر کا ناپ لینے کے واسطے ایک کتاب بنا رکھی ہے۔ اس کتاب پر ناپ لینے کے بعد پیر کے نشان کے اندر اس شخص کا نام جس کا ناپ لیا گیا ہے تحریر کر لیا جاتا ہے، اکثر ناموں میں محمد اسحاق، محمد اقبال، محمد صدیق وغیرہ بھی ہوتے ہیں، چونکہ یہ سلسلہ ناپ لینے کا جاری ہے اس وجہ سے سابقہ ناپ کے بعد دوسرے ناپ کے لئے پیر اس نام پاک ﷺ لکھے ہوئے کاغذ پر رکھا جاتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ طریقہ مذکورہ بالا سے نام پاک ﷺ کی تو بے ادبی نہیں ہوتی، یا ہوتی ہے؟

المستفتی نمبر ۱۲۵۰ عمر الٰہی صاحب سوداگر باٹپی اینجے جی دہلی ۲۱ رمضان ۱۳۵۵ھ م ۷ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۸۱) اگرچہ اس میں قصد ناپ لینے کا ہوتا ہے۔ مگر اس کاغذ پر پاؤں رکھنے سے جس میں لفظ اللہ مثلاً عبداللہ، امانت اللہ وغیرہ (اسماء ہیں) یا لفظ محمد یا اور کوئی قابل احترام لفظ لکھا ہو، بے ادبی کی صورت ضرور ہے(۱) اس لئے اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ نام اور پتہ کا رجسٹر علیحدہ ہو اور ناپ کی کتاب جدا ہو۔ ہر ناپ پر صرف وہ نمبر ڈالا جائے جو نام کے رجسٹر پر اس قدم والے کا نمبر ہو۔ اس میں پھر کوئی بے ادبی یا بے ادبی کا شبہ نہیں رہے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

درود شریف میں "کما صلیت علی ابراہیم" کہہ کر دعا مانگنے کی وجہ :

(سوال) وہ کیا فضیلت ہے جس کے لئے ہم لوگ درود شریف میں رسول اللہ ﷺ کے لئے ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام کی طرح برکت نازل فرمانے کے لئے دعا کرتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۱۳۹۷ احمد احمد صاحب (دہلی) ۵ اذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۷ ۲ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۸۲) وہ خاص منصب نبوت کا ایک اعلیٰ کمال اور اس پر مرتب ہونے والے افضال الٰہیہ ہیں، جن کی تفصیل حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل تھے اور حضور ﷺ حبیب ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء تھے اور حضور خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں۔(۲) محمد کفایت اللہ

کیا درود شریف میں "کما صلیت علی ابراہیم" کہنے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضور ﷺ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے؟

(سوال) ایک شخص کہتا ہے، درود شریف میں کما صلیت علی ابراہیم کہنے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیادہ فضیلت ثابت ہوئی، حالانکہ سب کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی فضیلت زیادہ ہونی چاہئے، گویا قائل کا یہ مطلب ہے کہ رحمت سے مراد نبوت ہے کہ جس طرح سلسلہ نبوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جاری رہا

۱۔ بساط او مصلی کتب علیہ "الملك لله" یكره بسطه والقعود علیه (هندیه : ۵ / ۳۲۳ ماجدیه)
۲۔ عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما ... ان ابراهیم خلیل الله و انا حبیب الله ولا فخر (ترمذی : ۲ / ۲۰۲ سعید)

ہے،اسی طرح ہمارے نبی کا سلسلہ نبوت جاری ہے یعنی کہتا ہے کہ اس سے ختم نبوت کا رد ہو رہا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۳۶۸ محمد احمد صاحب دہلی ۵ ا ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۷ ۲ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۸۳) درود شریف میں صلوٰۃ ورحمت سے مراد حق تعالیٰ کے وہ احسانات اور مہربانیاں ہیں جو ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئی تھیں اور آنحضرت ﷺ پر جو رحمتیں نازل ہوئیں وہ ابراہیم علیہ السلام پر نازل شدہ رحمتوں سے کم نہیں ہیں۔ کما صلیت سے یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کوئی زیادہ رحمتیں نازل ہوئی تھیں بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی تو نے رحمتیں نازل فرمائی تھیں اور محمد ﷺ پر بھی نازل فرما۔(۱) سلسلہ نبوت کا باقی رہنا اس لئے مراد نہیں کہ حضور ﷺ نے خود **لا نبی بعدی انا خاتم النبیین** (۲) فرما کر فیصلہ کر دیا کہ حضور ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ باقی نہیں رہا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

کیا آپ ﷺ ہمارے ہر حال کو دیکھ رہے ہیں ؟
"ہم اندھے نبی سے پناہ مانگتے ہیں" کہنے والے کا حکم .
نبی کریم ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہے کیونکہ شیطان ہر جگہ حاضر ناظر ہے کلمہ کفر ہے ؟

(سوال) (۱) ایک واعظ صاحب وعظ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ ہمارے حال کو دیکھ رہے ہیں کیا تم اندھے نبی کی امت ہو۔ایسے اندھے نبی سے پناہ مانگتے ہیں جو ہمارے حال کو نہیں دیکھتا۔

(۲) نبی کریم ﷺ ہر شے کو دیکھ رہے ہیں، حتی کہ لوگوں کے زنا کو بھی دیکھ رہے ہیں۔

(۳) مدعی کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ حاضر و ناظر ہیں۔ مخاطب کہتا ہے کس دلیل سے، مدعی کہتا ہے کہ کیا شیطان ہر جگہ حاضر و ناظر ہے یا نہ۔ کیا کلمات مذکورہ سے سرکار دو عالم ﷺ کی توہین ہے اگر ہے تو قائل کا کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۵۹۲ مولانا محمد عبدالخالق صاحب صدر مدرس

شہر ملتان مدرسہ (نعمانیہ) ۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۸۴) اس شخص کا یہ مقولہ "کہ نبی کریم ﷺ ہمارے حال کو دیکھ رہے ہیں ورنہ ہم ایسے اندھے نبی سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں جو ہمارے حال کو نہیں دیکھتا۔ کیا تم اندھے نبی کی امت ہو۔" انتہیٰ کلامہ بمضمونہ۔ شریعت اور حقیقت کے خلاف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ امت کے حالات دیکھ نہ رہے ہوں تو معاذ اللہ وہ اندھے ہیں۔ اور قائل ایسے نبی سے خدا کی پناہ مانگتا ہے۔ اور شریعت کے دلائل قاطعہ اس پر قائم ہیں کہ آنحضرت ﷺ امت کے حالات نہیں دیکھ رہے ہیں کہ یہ تو صرف خدا کی صفت ہے(۳) تو حضور ﷺ کے نبی ہونے کی اصلی حالت یہی ہے اور اس میں قائل حضور ﷺ کو معاذ اللہ اندھا اور مستعاذ منہ قرار دیتا ہے اور یہ

۱۔التشبہ فی اصل الصلوۃ لا فی القدر ...... وفائدۃ التشبیہ تاکید الطلب ای کما صلیت علی ابراہیم فصل علی محمد الذی ہو افضل منہ.(الشامیۃ : ۱ / ۵۱۴ سعید)

۲۔ترمذی : ۲ / ۴۵ ط ایچ ایم سعید)

۳. قل لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا اللہ (النمل : ٦٥)

قول اور عقیدہ حضور ﷺ کی توہین اور تکذیب کو مستلزم ہے۔(۱) اور یہ جملہ کہ زنا کو بھی دیکھ رہے ہیں، بے شبہ توہین ہے۔
یہ کہنا کہ شیطان ہر جگہ حاضر و ناظر ہے جہالت ہے۔ شیطان یعنی ابلیس نہ ہر جگہ (ایک آن میں) حاضر ہوتا ہے نہ ناظر۔ پس اس قائل پر توبہ اور تجدید نکاح کرنی لازم ہے۔(۲) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفرلہ،

آنحضرت ﷺ کے متعلق عالم الغیب اور حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ رکھنا قرآن و حدیث اور تمام امت کے اجماعی عقیدے کے خلاف ہے۔

(السوال) زید کہتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ عالم الغیب ہیں۔ اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ جو شخص حضور ﷺ کو عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر نہ سمجھے وہ شخص کافر ہے، خارج از اسلام ہے، ان سے السلام علیکم درست نہیں، ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، حتیٰ کہ ان سے بالکل قطع تعلق کر لیا جائے۔ زید کا یہ عقیدہ از روئے قرآن و حدیث درست ہے یا کہ نہیں، نیز امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ میں کیا عقیدہ ہے؟

المستفتی عبدالرحمٰن۔ نصیر آبادی۔

(جواب ۸۵) امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور تمام ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ بلکہ جمیع امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اجماعی اور متفق علیہ عقیدہ ہے کہ علم غیب حق تعالیٰ جل شانہ کی مخصوص صفت ہے اور قرآن پاک کی آیات صریح طور پر ثابت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی عالم الغیب نہیں (۳)، آنحضرت ﷺ کا علم خدا کے بعد تمام مخلوق سے زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے بہت سی غیب کی باتوں کو بھی حضور ﷺ کو بتلا دیا تھا، مگر اس کے باوجود حضور ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔(۴) پس زید کا یہ عقیدہ قرآن پاک اور حدیث شریف اور تمام امت کے اجماعی عقیدے کے خلاف ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

(۱) کیا حدیث قرآن کی طرح ہے؟
(۲) کیا حضور ﷺ کا ہر فعل مذہب ہے؟
(۳) مذہب بنانا کس کا حق ہے؟

(السوال) (۱) حدیث مثل قرآن ہے یا نہیں؟
(۲) پیغمبر ﷺ کا فعل مذہب ہے یا نہیں؟
(۳) مذہب قائم کرنا از روئے تعلیم پیغمبر کا حق یا کسی دوسرے کا؟

المستفتی نمبر ۱۸۲۷ محمد میاں صاحب حویلی اعظم خاں دہلی۔ ۲۴ رجب ۱۳۵۵ھ م ۳۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

۱۔ ویکفر ... او عیب نبیا بشئ، (البحر الرائق: ۵ / ۱۳۰ بیروت)
۲۔ مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح وما فیہ خلاف یومر بالا ستغفار والتوبة و تجدید النکاح (الشامیہ: ۴ / ۲۳۰ سعید)
(۳) لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمٰن الرحیم (الحشر ۲۲)
(۴)۔ حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ سے فرمایا "قم یا حذیفة فاتنا بخبر القوم" (مسلم: ۲ / ۱۰۷ قدیمی)

(جواب ۸۶)(۱) آنحضرت ﷺ کے اقوال متعلقہ دین ان لوگوں کے لئے جو خود حضور ﷺ کی زبان سے سنتے تھے یا جن کو تواتر سے پہنچیں قرآنی احکام کے موافق واجب التعمیل ہیں، لیکن جو احادیث کہ نقل غیر متواتر سے منقول ہو کر آئیں ان کا درجہ بوجہ طریق نقل کے اُدُوْن ہونے کے آیات قرآنی سے کم ہے تاہم احادیث صحیحہ ثابتہ پر عمل لازم ہے۔(۱)

(۲) حضور ﷺ کے افعال دینیہ مذہب ہیں۔ یعنی اعمال دینیہ واجب الا تباع ہیں کسی فعل کے متعلق تخصیص کی دلیل قائم ہو تو وہ حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے گا۔(۲)

(۳) مذہب قائم کرنا یعنی تشریع کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اصالۃً اور پیغمبر کا رسالۃً حق ہے اور کسی کو تشریع کا حق نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال و افعال و اجتہادات مجتہدین کے قیاسات و استنباطات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہی مستند ہوتے ہیں۔(۳)　　واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

"حضور ﷺ کی روح مبارک ہر جگہ حاضر ناظر ہے" کا عقیدہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے .

(سوال) ایک فقہ کی کتاب میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روح پاک ہر جگہ کائنات میں تشریف فرما ہے آیا یہ عقیدہ درست ہے، اگر درست نہیں ہے تو اس طور کا عقیدہ رکھنے والا اہلسنت والجماعت میں گنا جائے گا کہ نہیں، اس عقیدے میں شرک کا گناہ لازم آتا ہے کہ نہیں۔

المستفتی نمبر ۱۸۲۸ منشی آرام خانپور (ضلع بہرائچ) ۲۴ رجب ۱۳۵۵ھ م ۳۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۸۷) یہ عقیدہ اسلامی تعلیم اور شرعی اصول کے خلاف ہے، اس عقیدے کا معتقد خاطی اور گنہگار ہے (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

کرشن جی کو نبی اور گیتا نامی کتاب کو آسمانی کتاب کہنا غلط ہے .

(سوال) ہمارے یہاں چند آدمی نئی روشنی اور انگریزی تہذیب کے کہتے ہیں کہ ہندو کے اوتار کرشن کیا تعجب ہے کہ نبی ہو اور اس کی تصنیف کردہ کتاب گیتا منزل من اللہ ہے اور استشہاداً کہتے ہیں کہ قولہ تعالیٰ کے مضمون (میں کسی کو بھی عذاب نہیں بھیجتا جب تک کہ ان پر کسی نبی کو مبعوث کر کے حجت قائم نہ کر دوں) سو بنگالہ اور ہندوستان میں کوئی نبی تو آیا نہیں تو یقین ہے کہ کرشن ہی نبی تھا، نیز کہتے ہیں کہ "اسود الھند نبی"

۱۔ کالمتواتر　کنقل القرآن　انه یوجب علم الیقین کالعیان علما ضروریاً ، اویکون اتصالافیه شبهة کالمشهور انه یوجب علم طمانینة ، اویکون اتصالافیه شبهة صورة و معنا کخبرالواحد...　وانه یوجب العمل دون علم الیقین بالکتاب (نورالانوار : ۱۷۶ـ۱۷۷ سعید)

۲۔ واجماع الصحابة علی التاسی به صلی الله علیه وسلم فی اقواله وافعاله...　مالم یقم دلیل علی اختصاصه به . (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۱/۲۲۰ مکتبہ امدادیہ)

۳۔ یا یهاالذین اٰمنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ... (النساء : ۵۹)

۴۔ ولو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ینعقد، ویکفر لاعتقاده　ان النبی ﷺ یعلم الغیب . (البحرالرائق : ۳/۹۴ بیروت)

ایک حدیث ہے اس کے مصداق وہی کرشن کو بتاتے ہیں۔ جناب عالی جواب میں ان ادلہ کورد فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۰۲۱ محمد مقبول الرحمٰن (سلہٹ) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۸۸) یہ کہنا کہ کرشن جی نبی تھے، بے دلیل اور بے ثبوت بات ہے، قرآن مجید کی جن آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر قریہ میں اور ہر قوم میں کوئی نبی یا نذیر آیا ہے(۱) وہ اس کو مستلزم نہیں کہ کرشن جی کو نبی کہہ دیا جائے اور اگر کرشن جی کی سیرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرت سے ملتی جلتی ہو اور ان کی تعلیم آسمانی تعلیم کے خلاف نہ ہو تو یہ کہنا جائز ہوگا کہ ان کے نبی ہونے کا امکان ہے، لیکن یہ کہنا کہ وہ یقیناً نبی تھے۔بغیر ثبوت کے قابل قبول نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

(۱) حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے نور کا جزیا ٹکڑا نہیں۔

(۲) جو لوگ حضور ﷺ کو ہر جگہ حاضر ناظر مانتے ہیں اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہیں .

(سوال) زید کا یہ اعتقاد ہے کہ نبی ﷺ خدا کے نور میں سے پیدا ہوئے ہیں اور خدا نے اپنے نور سے جدا کر کے دنیا میں بھیجا اور زندہ ہیں، ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ایسا عقیدہ رکھنے والا کیسا ہے۔

ہمارے شہر کے تمام احناف رحمۃ اللہ علیہم کا یہی عقیدہ ہے جو آئمہ مساجد ہیں قرآن و حدیث سے بالکل ناواقف ہیں بلکہ قرآن صحیح نہیں پڑھ سکتے اور جو یہاں کے برائے نام چند اہل حدیث ہیں وہ ان کے پیچھے نمازیں پڑھ لیتے ہیں۔اگر آئمہ مساجد میں سے کسی امام کو قرآن کی تعلیم سے متنبہ کیا جائے تو آگے سے دست و گریبان ہوتے ہیں اور قرآن کی آیات کا انکار کرنے لگتے ہیں۔ سربازار کہتے ہیں کہ ہمارا یہی عقیدہ ہے۔آپ ہمیں ہزار حدیثیں اور آیتیں پڑھ کر سنائیں، ہم اپنے عقیدہ سے باز نہیں آئیں گے، ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں اور ایسے عقیدہ والے آدمی کس درجہ کے گنہگار ہیں۔اگر ان کا اسی پر خاتمہ ہو جائے تو وہ کس جماعت میں شمار ہوں گے۔؟

المستفتی نمبر ۲۳۵۲۔ حافظ عبدالرب صاحب لاہور ۲ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۳ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۸۹) آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ حضور ﷺ کا نور بھی خدا تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے نور کا جزو یا ٹکڑا نہیں ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خالق اور مخلوق میں جزئیت کا علاقہ ہو۔(۲) اور جو لوگ آنحضرت ﷺ کو ہر جگہ حاضر ناظر جانتے ہیں وہ اسلامی تعلیم سے ناواقف ہیں، ان کو کتاب اللہ اور احادیث سے صحیح عقیدہ کی تعلیم دینا چاہئے۔ تاکہ وہ اس غلط عقیدہ سے توبہ کریں۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

---

۱. ولکل قوم هاد. (الرعد : ۷) وان من امة الا خلا فیها نذیر (فاطر : ۲۴)

۲۔عن ابن عباس ...... ان محمد اعبده ورسوله (مسلم : ۱ / ۳۲ قدیمی)
هوالله تعالیٰ ..... ولا متبعض ولا متجزء ای ذی ابعاض و اجزاء (شرح العقائد : ۱۹۸ ایچ۔ایم سعید)

۳۔ وماکنت لدیهم اذیختصمون .... وما کنت یا محمد ! عند قوم مریم اذیختصمون (تفسیر الطبری ۳ / ۱۸۵ بیروت لبنان)

(۱) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بے کار ثابت کیا ہے، کے قائل کا حکم کیا ہے؟
(۲) ہم جس کا کھائیں گے اس کا گائیں گے کہنا.
(۳) رسول خدا ﷺ نبی مختار تھے.
(۴) خدا چاہے تو "جھوٹ بول سکتا ہے مگر بولتا نہیں" کہنے والے کا حکم.
(۵) کیا آپ ﷺ قبر اطہر میں زندہ ہے؟

(سوال) (۱) زید کہتا ہے، میرا دعویٰ ہے کہ قرآن کے اندر کئی جگہ سے میں ثابت کر سکتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بے کار ثابت کر دیا ہے۔ کیا یہ کہنے پر زید مسلمان ہی رہتا ہے شریعت کا اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

(۲) ایک عالم صاحب نے وعظ میں خدا کے رسول کی تعریف فرمائی اور احکام پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں اکثر لوگ بے ادب ہیں، لیکن ہم جس کا کھائیں گے اس کا گائیں گے۔ شرع شریف کا ان کے لئے کیا حکم ہے؟

(۳) رسول خدا ﷺ نبی مختار تھے یا نہیں۔؟

(۴) زید کہتا ہے، خدا اگر چاہے تو جھوٹ بول سکتا ہے۔ اگرچہ وہ بولتا نہیں۔

(۵) رسول اللہ ﷺ حیات ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۸۸ بی۔ ٹی۔ بی۔ مرزا سلطان بیگ ۹ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۴ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۹۰) (۱) قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو رسول، نبی، شاہد، بشیر، نذیر، داعی الی اللہ، نور، سراج، منیر، رؤف، رحیم، ہادی اور بہت سے القاب جلیلہ اور اوصاف فاخرہ کے ساتھ ملقب فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ حضور انور ارواحنا فداہ ﷺ نے حق نبوت ورسالت ادا فرمایا اور باحسن وجوہ ادا فرمایا۔ تمام دنیا کو ایمان و توحید کی دعوت دی اطاعت گذاروں کو رضائے الٰہی کی بشارت اور نافرمانوں کو انذار و وعید عذاب پہنچائی۔ دنیا کو نور اسلام سے منور فرمادیا۔ غرض کہ ایک ہادی اور رہبر کے فرائض اس درجہ علیا پر ادا کئے کہ کوئی دوسرا حضور کا مثیل نہ پیدا ہوا نہ ہوگا، پس زید کے اس قول کا کہ قرآن پاک میں حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بے کار ثابت کیا ہے کیا مطلب ہے۔؟ اگر حضور ﷺ کے ان اوصاف و کمالات اور تبلیغی کارناموں کا انکار مقصود ہے تو یہ صریح کفر ہے کہ اس سے قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے۔(۱) مزید یہ کہ یہ جملہ حضور ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی اور توہین کو بھی مستلزم ہے اور یہ بھی موجب کفر ہے اور زید کا کچھ مطلب اور ہے تو اسے ظاہر کرے۔(۲)

(۲) واعظ صاحب کے اس فقرہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔

(۳) مختار کے معنی پسندیدہ، چنا ہوا۔ اس معنی سے حضور ﷺ کو بھی مختار کہنا صحیح ہے اور اگر مختار کے معنی لئے جائیں "با اختیار" یعنی کہ پیدا کرنے، موت دینے، اولاد عطا کرنے، مصیبت لانے یا دفع کرنے کے

---

۱. ویکفر اذا انکر اٰیۃ من القرآن. (البحر الرائق : ۵ / ۱۳۱ بیروت)
۲. ویکفر ...... او عیّب نبیاً بشی ...... (مرجع سابق)

اختیارات رکھتے تھے تو اس معنی سے حضور ﷺ کو مختار کہنا صحیح نہیں۔(۱)

(۴) اس مسئلہ کی یہ تعبیر نہایت موحش ہے۔ اصل اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین اور کفار کو جنت میں داخل کرنے پر قدرت رکھتا ہے یا نہیں۔ ایک جماعت محققین کا یہ قول ہے کہ داخل کر تو سکتا ہے، قدرت ہے، مگر کرے گا نہیں۔ پس یہ حقیقت ہے، دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ داخل کرنے کی قدرت ہی نہیں۔(۲)

(۵) جماہیر امت محمدیہ کا یہ قول ہے کہ آنحضرت ﷺ قبر اطہر میں حیات مخصوص کے ساتھ حیات ہیں۔ باقی یہ بات کہ اس حیات کی حقیقت کیا ہے، یہ حضرت حق کو ہی معلوم ہے وہ حیات حضور انور پر میت کے اطلاق کے منافی نہیں۔(۳) اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں حضور ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا انك ميت وانهم ميتون .(۴) اور دوسری جگہ فرمایا۔ افان مات اوقتل(۵) اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد مجمع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا تھا من كان منكم يعبد محمدا فان محمداً قدمات .(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

آپ ﷺ کو باعتبار حقیقت انسان اور بشر سمجھنا اور باعتبار صفات نور سمجھنا صحیح ہے .

(سوال) ایک شخص سید المرسلین ﷺ کا غلام ہے، امتی ہے، مؤدب ہے۔ ان کی محبت و اتباع کا دم بھرتا ہے ان کو نور ان آیات و احادیث سے قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین اور داعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا اور يريدون ليطفئوا نور الله بافواههم والله متم نوره ولو كره الكافرون اور اول ماخلق الله نوری انا من نور الله و کل خلائق من نوری سمجھتا ہے اور رسول کی تعریف علم عقائد میں بایں الفاظ جو لکھی ہے۔ هو انسان بعثه الله تعالىٰ الى الخلق لتبليغ الا حكام مع شريعة جديدة اس کی رو سے اور خلق الانسان علمه البيان اور علم الانسان مالم يعلم اور اوحى الى عبده ما اوحى او قل انما انا بشر مثلكم کی رو سے، ان کو بشر، عبد اور انسان بھی جانتا ہے۔ مگر سب مخلوقات دنیویہ و اخرویہ سے ان کو یکتا و بے ہمتا ہی جانتا ہے اور آپ کی عدم مثلیت یا نساء النبي لستن كا حدن من النساء اور مثلی يطعمني ربي ويسقيني اور لست كهيئتكم اور خاتم النبین وغیرہ سے ثابت کرتا ہے۔ اور قل انما انا بشر مثلكم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ حدیث موقوف بھی پیش کرتا ہے۔ قال ابن عباس

---

۱. قل لا املك لنفسي ضرا ولانفعا (يونس : ۴۹)
۲. والله تعالى لا يغفران يشرك به باجماع المسلمين لكنهم اختلفوا في انه هل يجوز عقلا ام لا مذهب بعضهم وهم الا شاعره ..... الى انه يجوز عقلا. (شرح العقائد : ۱۸۷ ایچ ایم سعید)
۳. ونحن نومن ونصدق بانه صلى الله عليه وسلم حي يرزق في قبره و ان جسده الشريف لا تاكله الارض والاجماع على هذا (القول البديع : ۱۲۵ بحوالہ آنکھوں کی ٹھنڈک ۱۲۹ مکتبہ صفدریہ)
۴. (الزمر : ۳۰)
۵. آل عمران : ۱۴۴)
۶. بخاری شریف : ۲ / ۶۴۰ قدیمی کتب خانہ

علم الله تعالیٰ رسوله صلی الله علیه واله وسلم التواضع لئلا یزهی علی خلقه فامره ان یقرء فیقول انا ادمی مثلکم الا انی خصصت بالوحی اکرمنی الله به وهو قوله یوحی الی اور انما کو کلمہ حصر ہی سمجھتا ہے اور پھر بھی آپ کو بے مثل فی الخلق سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ آیۂ مذکورہ کا معنی یہ بھی بدلائل مذکورہ ہو سکتا ہے، تحقیق میں تمہاری طرح کا بشر نہیں ہوں اور ہاں نہیں ہوں تمہارے جیسا بشر یعنی نفی بشریت کی نہیں کرتا، نفی مثلیت کرتا ہے اور کہتا ہے انما مرکب ہے ان حرف مشبہ بفعل سے حرف ایجاب سے اور ما کافہ نافیہ ہے۔ نحو میر میں ہے۔ حروف ایجاب شش است۔ نعم۔ اجل۔ ای۔ جیر۔ ان۔ اور مغنی میں ہے وزعم جماعة من الاصولیین والبیانیین ان ماالکافة عن ان نافیه اور ما کو مشترک قرار دیتا ہے کیونکہ ان کا معنی تحقیق اور نعم کا آیا ہے اور ما نافیہ مصدریہ اور موصولہ وغیرہ آتا ہے کیا وہ کافر ہے یا مومن ہے ؟ اور جو اس کو اس معنی کی بنا پر کافر کہتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۴۲۸ چودھری شاہ دین صاحب (سیالکوٹ) ۲۲ شوال ۱۳۵۷ھ م ۱۵ دسمبر ۱۹۳۸ء

(جواب ۹۱) اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کا غلام اور امتی اور فرمانبردار سمجھنا، حضور ﷺ سے محبت رکھنا، حضور ﷺ کا ادب اور احترام اور توقیر و تعظیم دائرہ شریعت کے اندر رہ کر بجالانا اور سنن نبویہ کی متابعت کرنا ایمان و صلاح کی علامات ہیں(۱) حضور ﷺ کو باعتبار حقیقت انسان اور بشر سمجھنا اور باعتبار صفات نور کہنا صحیح ہے۔ انا من نور الله و الخلائق من نوری کے معنی یہ ہیں انا منورمن نور الله والخلق منور من نوری۔(۲) یعنی میں نے روحانیت اور کمال انسانیت کا نور براہ راست حق تعالیٰ سے (بذریعہ وحی و فیض ربانی) حاصل کیا اور تمام مخلوق نے علم وہدایت اور تزکیہ نفس کا نور مجھ سے حاصل کیا اور اول ماخلق الله نوری سے جہاں حضور انور ﷺ کے نور کی اولیت ظاہر ہوتی ہے وہاں یہ بھی تصریحاً ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا نور مخلوق ہے اور حضور ﷺ کا نور ذات خداوندی سے جدا ہے اس کا جزو نہیں ہے کیونکہ نہ ذات خداوندی اجزاء میں تقسیم ہو سکتی ہے نہ اس کا کوئی جزو مخلوق ہو سکتا ہے۔(۳) حضور ﷺ کو صفات کے لحاظ سے بے مثل کہنا بھی صحیح ہے کیونکہ تقرب بالمعراج اور خاتم الانبیاء والمرسلین ہونے میں اور بہت سی صفات میں آپ ﷺ کا کوئی مثیل اور نظیر نہیں ہے مگر آیت(۴) انما انا بشر مثلکم کے یہ معنی بیان کرنا کہ (تحقیق میں تمہاری طرح کا بشر نہیں ہوں) یا (ہاں نہیں ہوں میں تمہارے جیسا بشر) صحیح نہیں۔ یہ معنی اس پر مبنی ہیں کہ انما میں کلمہ ما کے معنی نفی کے لئے جائیں حالانکہ یہ صحیح نہیں انما کو متضمن معنی ما و الا کا قرار دیا گیا ہے یعنی نفی اس میں باقی نہیں نوٹ چکی ہے اور اگر ما کلمہ نفی قرار دیا جائے تو اس خبر سے پہلے مقدر ماننا پڑے گا اور معنی یوں کرنے ہوں گے انما انا الا بشر مثلکم یعنی نہیں میں مگر بشر مثل تمہارے۔ یعنی حقیقت بشریت میں میں بھی تم جیسا ہوں کہ انسان ہوں، ماں باپ سے پیدا ہوا ہوں، کھاتا

۱۔ قال ذوالنون المصری : من علامة حب الله تعالیٰ متابعة حبیب الله صلی الله علیه وسلم فی اخلاقه و افعاله وامره وسننه (الاعتصام ۱: ۹۰ طبع دار الفکر)

۲۔ کشف الخفاء للعجلونی (۱: ۲۶۵ دار احیاء التراث العربی)

۳۔ ولا متبعض ولا متجزء ای ذی ابعاض ، ولا مترکب منها لما فی ذلک من الاحتیاج المنافی للوجوب . (شرح العقائد ۱۹۸ طبع ایچ ایم سعید)

۴۔ الکہف ۱۱۰

ہوں، پیتا ہوں، سوتا ہوں، جاگتا ہوں، چلتا ہوں، پھرتا ہوں، بھول اور ذہول سے مبرا نہیں ہوں،(۱) ہاں بہت سے اوصاف میں لست کا حد کم اور ایکم مثلی فرمانا بھی صحیح اور درست ہے۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کا مخالفین کو جواب اسی طرح نقل فرمایا گیا ہے۔ ان نحن الا بشر مثلکم یعنی نہیں ہم مگر بشر مثل تمہارے۔ خود سائل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا جو قول نقل کیا ہے اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی انما انا بشر مثلکم کا مطلب یہ بتایا ہے انا آدمی مثلکم ۔(۲) یعنی انہوں نے بھی ما کو نافیہ قرار نہیں دیا۔ انما انا بشر مثلکم جملہ مثبتہ ہے منفیہ نہیں، اس میں خبر یعنی بشر کا مبتدا یعنی انا کے لئے اثبات مقصود ہے نفی مقصود نہیں ہے۔ پس شخص مذکور کا یہ کہنا کہ مانافیہ ہے اور یہ معنی کرنا کہ میں نہیں بشر تمہارے جیسا، صحیح نہیں۔ قرآن مجید میں کلمہ انما بہت سے مقامات میں آیا ہے جیسے انما اللہ الہ واحد(۳) اگر اس میں ما نافیہ قرار دیا جائے۔ اور جیسے انما انا بشر مثلکم(۴)۔ کے معنی شخص مذکور نے کئے ہیں اسی طرز پر اس آیت کے معنی لئے جائیں تو یہ معنی ہوں گے کہ نہیں اللہ ایک معبود، اور ظاہر ہے کہ یہ معنی فاسد اور غلط اور خلاف شریعت ہیں اور دوسرے انما المشرکون نجس (۵) کے معنی ہوں گے بے شک نہیں مشرک نجس ۔ انما حرم علیکم المیتہ (۶) کے معنی ہوں گے۔ بے شک نہیں حرام کیا تم پر میتہ کو اور یہ سب معنی غلط ہیں۔

جب کہ انما کو متضمن معنی ماو الا کہا جائے تو انما انا بشر مثلکم میں ما کو نافیہ قرار دے کر بشر پر الا مقدر ماننا پڑے گا۔ اس کے سوا کوئی صورت نہیں۔ اگر مثلکم کی طرف نفی راجع کر کے مثلیت کی نفی مراد لی جائے تو الا کی تقدیر کہاں گئی اور نفی کہاں ٹوٹی لہذا آیت کا درست اور لغت کے موافق معنی یہی ہیں کہ میں تم جیسا انسان ہی ہوں، جن یا فرشتہ یا اور کسی حقیقت کا فرد نہیں ہوں ہاں مجھے حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے وحی نبوت و رسالت کے ساتھ نوازا اور ختم نبوت اور دیگر فضائل کے ساتھ امتیاز بخشا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کیا آپ ﷺ معراج میں جوتوں سمیت عرش پر گئے ؟
شب معراج میں اللہ تعالیٰ کا بغیر حجاب کے کلام فرمانا صراحۃً ثابت نہیں ہے۔

(السوال) ایک شخص کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب شب معراج میں اللہ پاک سے ملاقات کرنے تشریف لے گئے، جب آپ ﷺ پہنچے تو اللہ پاک نے فرمایا کہ اے میرے حبیب جوتوں سمیت آیئے تاکہ میرا عرش مزین ہو جائے، چنانچہ آپ مع جوتوں کے عرش پر گئے اور یہ بھی کہتا ہے کہ آپ ﷺ اور اللہ پاک کے مابین

۱۔ قال انما انا بشر مثلکم اذکر کما تذکرون وانسی کما تنسون (مسلم ۱: ۲۱۳ قدیمی)
۲۔ بخاری شریف ۱: ۲۶۳ قدیمی کتب خانہ
۳۔ ابراھیم : ۱۱
۴۔ النساء : ۱۷۱
۵۔ التوبہ : ۲۸
۶۔ البقرہ : ۱۷۳

بغیر کسی پردہ وغیرہ کے باتیں ہو گئیں، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۲۵۴۲ کرم نواز خان (دہلی)
۲۵ رجب ۱۳۵۸ھ م ۱۱ ستمبر ۱۹۳۹ء

(جواب ۹۲) نعلین شریفین کے متعلق یہ بات کہ حضرت حق جل جلالہ نے حضور ﷺ کو نعلین سمیت عرش پر بلایا بعض سیر و تفاسیر میں مذکور ہے۔ واعظ اسے دیکھ کر بیان کر دیتے ہیں مگر سند اور صحت کے لحاظ سے ہمیں اس کی کوئی پختہ سند نہیں ملی۔

اور حضور ﷺ کا لیلۃ المعراج میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت بغیر حجاب سے مشرف ہونا ثابت ہے اگرچہ کلام بغیر حجاب کا صراحۃً ثبوت نہیں ہے۔(۱)　فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سورہ توبہ کی آیت "ما کان للنبی" کا شان نزول .

(سوال)(۱) پارہ ۱۱ اخیر سورۃ توبہ ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفرو اللمشرکین ولو کانوا اولی قربی من بعد ماتبین لھم انھم اصحٰب الحجیم. اس آیت شریفہ کا ترجمہ اور یہ کہ کس کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ آیا حضور اکرم ﷺ کے والدین کے حق میں ہے یا کفار مشرکین کے حق میں ہے اور یہ آیت ناسخ ہے یا منسوخ۔

اور ہمارے سرکار آقائے نامدار فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ کے آباؤ اجداد پشت در پشت حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ و السلام تک مسلمان تھے یا نہیں، آیا درمیان میں بت پرستی ہوئی ہے یا نہیں۔ صاف صاف قرآن وحدیث سے اس کا جواب دیں۔

المستفتی نمبر ۲۶۰۱ سیٹھ قاسم باوا (گجرات) ۶ ربیع الثانی سن ۱۳۵۹ھ م ۱۵ مئی سن ۱۹۴۰ء

(جواب ۹۳) اس آیت کریمہ کے شان نزول میں تینوں روایتیں موجود ہیں۔ اول یہ کہ آیت ابو طالب کے بارے میں اتری۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا جب تک مجھ کو خدا کی طرف سے منع نہ کر دیا جائے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضور ﷺ کو منع کر دیا گیا۔

دوم۔ یہ کہ یہ آیت جب اتری کہ حضور ﷺ نے اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنے کی اجازت حضرت حق جل مجدہ، سے طلب کی تو اس آیت کے ذریعہ سے حضور ﷺ کو منع کیا گیا۔

سوم یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے استغفار کیا میں بھی اپنے والد کے لئے استغفار کروں گا، تو یہ آیت اتری اور حضور ﷺ کو اپنے والد کے لئے استغفار سے منع کیا گیا۔(۲)

۱۔ اختلف الصحابۃ رضی اللہ عنھم فی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھل رای ربہ لیلۃ المعراج ام لا ...... (شرح العقائد : ۱۴۴) ایچ۔ ایم سعید

۲۔ قیل قال صلی اللہ علیہ وسلم لعمہ ابی طالب ...... فقل حکمہ تجب لک بھا شفاعتی فابی ...... فنزلت)
(روح المعانی: ۱۱/۳۳ مکتبہ امدادیہ ملتان تفسیر طبری : ۱۱ / ۳۰ بیروت)

یہ ثابت نہیں کہ حضور ﷺ کے تمام اجداد کرام مسلمان تھے، ان میں کوئی مشرک نہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا مشرک ہونا تو یقینی ہے۔ پس یہ قاعدہ نہیں ہے کہ نبی علیہ السلام کے اجداد میں مشرک نہیں ہوتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

یہ عقیدہ غلط ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرح ہر جگہ حاضر ناظر ہیں.

(سوال) جس طرح اللہ پاک ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اسی طرح حضور بھی ہر جگہ موجود ہیں، شیطان ہر وقت ہر جگہ موجود۔ ملک الموت ہر جگہ موجود۔ غوث پاک اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی کوئی شے ہم سے پوشیدہ نہیں، پھر حضور ﷺ تو ان سے ہزاروں لاکھوں درجہ ارفع و اعلیٰ ہیں، ہر وقت ہر ساعت چودہ طبق میں ہر آن موجود ہیں، کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے۔ المستفتی نمبر ۲۶۷۵ پیر زادہ عبدالرحیم ولی محمد صاحب مارواڑ ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ م ۸ جولائی ۱۹۴۱ء۔

(جواب ۹۴) یہ عقیدہ غلط ہے کہ آنحضرت ﷺ حق تعالیٰ کی طرح ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں(۱) اور یہ خیال بھی باطل ہے کہ شیطان (یعنی ابلیس) ہر جگہ موجود ہے یا ملک الموت ایک وقت میں ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ شیاطین بہت سے ہیں(۲) اور ملک الموت کے ماتحت بھی بے شمار فرشتے کام کر رہے ہیں۔ شیاطین کے کام کو لوگ ابلیس کی طرف منسوب کر دیتے ہیں یا فرشتوں کے عمل کو خود عزرائیل کا عمل سمجھ لیتے ہیں اور اس غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ایک وقت میں ہزاروں مرنے والوں ارواح کو تنہا عزرائیل علیہ السلام نے قبض کیا۔(۳) آنحضرت ﷺ نے خود ایک لڑکی کو جس نے یہ مصرعہ پڑھا تھا **وفینا نبی یعلم مافی غد**. یعنی ہمارے اندر ایک نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔ اس سے منع فرمایا اور روک دیا تھا۔(۴) ہر جگہ (علم و قدرت کے لحاظ سے) موجود ہونا اور ہر بات کو بغیر غیر کی مدد کے جاننا خاص اللہ تعالیٰ کی صفت۔ غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ جو سوال میں نقل کیا ہے بسند صحیح ثابت نہیں۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

حضور ﷺ کو خدا کا چپڑاسی کہنا کیسا ہے؟

(سوال) زید نے ترجمہ کلام پاک کرتے ہوئے کہا کہ حضور ﷺ لبلاغ حکم خداوندی میں مثل چپڑاسی حکومت کے ہیں۔ جس طرح اس کو حکومت کی طرف سے لبلاغ حکم کا ارشاد ہوتا ہے اسی طرح (نعوذ باللہ) حضور ﷺ اپنے خدا کے حکم کے چپڑاسی ہیں۔

۱۔ وما کنت لدیهم اذ یختصمون آل عمران ۴۴
۲۔ عن جابر قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابلیس یضع عرشه علی الماء ثم یبعث سرایاه یفتنون الناس (مسلم: ۲: ۳۷۶)
۳۔ والمراد من الملائکه ملك الموت و اعوانه ... والا عوان هم المزاولون لا خراج الروح (روح المعانی : ۵ / ۵ ۲۱ امدادیہ)
۴۔ بخاری شریف : ۲ / ۷۷۳ قدیمی کتب خانہ
۵۔ لا الٰه الا هو عالم الغیب و الشهادة (الحشر: ۲۲)

(الف) کیاایسی مثالیں شرعاًدرست ہیں ؟
(ب) لفظ چپڑاسی میں توہین یا تحقیر شان نبوی ﷺ عیاں ہے یا نہیں ؟
(ج) اگر لفظ چپڑاسی فی المعنی توہینی لفظ ہے توزید کو کس طرح تائب ہونا چاہئے ؟ . .
(د) ایسے عقیدہ والا قابل امامت وفتویٰ ہے ؟
(ہ) ایسا قبیح لفظ استعمال کرنے والے کے حق میں شرع مقدس کیا حکم دیتی ہے۔

المستفتی نمبر ۲۶۹۸ غلام حسن صاحب۔ ۸ محرم ۱۳۶۱ھ م ۲۶ جنوری ۱۹۴۲ء

(جواب) (از مولوی سید گل حسن صاحب)۔ چونکہ زید نے آنحضرت ﷺ کو ابلاغ حکم خداوندی میں (مطابق تحریر سوال) مثل چپڑاسی کے بتلایا ہے ، نہ شان نبوی ﷺ کو مثل شان چپڑاسی کے ، لہذا اس مثال سے کوئی قباحت یا اہانت سرور دوعالم ﷺ کی عیاں نہیں ہوتی اور نہ مثال سے زید نے سرکار مدینہ ماواوملجاء غریباں محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی عزت وحرمت میں (نعوذباللہ) کوئی کمی یا تحقیر شان کی ہے ، اس لئے زید مستحق ملامت شرعاً نہیں ہو سکتا۔

(الف) جس مثال سے اہانت عیاں نہ ہوتی ہو۔ ایسی مثال شرعاً درست ہے اور ادب بھی شرع اسلام میں داخل ہے۔ شرع اسلام ادب کا سبق دینے والی ہے ، جتنا ادب بغیر کسی تکلف کے شرع اسلام میں پایا جاتا ہے ، اس سے زیادہ ادب کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا ، عوام کے نزدیک جو ادب وتہذیب ہے وہ شرع اسلام کے خلاف ہے۔

(ب) کلمہ چپڑاسی ابلاغ حکم خداوندی کا (موجب تحریر سوال) کوئی توہین یا تحقیر شان نبوی ﷺ نہیں کرتا۔ چپڑاسی کا لفظ ازروئے لغت کوئی قبیح لفظ نہیں۔ باقی رہا عرف عام ، تو عرف عام میں چپڑاسی بمنزلہ قاصد کے ہوتا ہے ، جو ہر وقت اپنے افسر کے قریب ہی رہتا ہے اور جو حکم اسے ملتا ہے فوراً پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ قرب خداوندی میں رہنے والے ہیں اور جو حکم آپ ﷺ کو بارگاہ ایزدی سے ارشاد ہوتا ہے وہ لفظ بلفظ بلا کسی کمی بیشی کے (بلغ ماانزل الیک) اپنی امت کو پہنچانے والے ہیں۔ اور یہی معنی عرف عام میں چپڑاسی کا ہے۔

(ج) لفظ چپڑاسی فی المعنی توہینی لفظ نہیں (ملاحظہ ہو غیاث اللغات فارسی) جب توہینی لفظ نہیں تو پھر تائب ہونا کیسا ؟

(د) چونکہ زید کا عقیدہ ابلاغ حکم خداوندی میں (مطابق تحریر سوال) کوئی تحقیر شان نہیں کرتا اس لئے وہ قابل امامت وفتویٰ ہے۔

(ہ) یہ لفظ ازروئے لغت کوئی قبیح لفظ نہیں ، اس لئے اس کے استعمال کرنے والے کے حق میں شرع مطہرہ کوئی حکم نہیں دیتی۔ نیز یہ مثال تو ایسی مثال نہیں جس سے اہانت یا حقارت عیاں ہوتی ہو ، اس سے زیادہ تو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے مثال دی ہے کہ رسول خدا ﷺ پشتیبان ہیں تو عرف عام میں پشتیبان روڈ کو کہتے ہیں ، تو کیا آنحضرت ﷺ نعوذباللہ من ذلک روڈ بن گئے ، نہیں ہرگز نہیں ، اسی طرح چپڑاسی کی مثال کو سمجھیں۔

واللہ اعلم بالصواب دعاء گو سید گل حسن عفی عنہ۔

(جواب ۹۵) بے شک اس میں کوئی توہین اور بے ادبی نہیں ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کے لئے تو ہر نماز میں ہر

مسلمان یہ اقرار کرتا ہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ بندے کا لفظ اگر توہین نہیں تو چپراسی جس کا مفہوم پیغام پہنچانے والا قاصد ہے کیسے توہین کا لفظ ہو سکتا ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کیا ہندوں کے تمام پیشوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث تھے ؟

(السوال) چہ می فرمانید حضور پر نور دریں مسئلہ کہ تمام اوتاران ہر آنکہ در ہندوستان آمدند ہندو بودند ایں ہمہ اوتاران از جانب خدائے عزوجل بودند یا خود نمائی کردہ بودند ؟ حضور مفصل تحریر کنند۔

(ترجمہ) کیا فرماتے ہیں حضور پر نور اس مسئلے میں کہ ہندوؤں کے تمام اوتار جو ہندوستان میں آئے ، کیا یہ سب خدائے عزوجل کی طرف سے مبعوث تھے یا خود نمائی کرتے تھے ؟ آپ مفصل تحریر کریں۔

المستفتی نمبر ۲۷۰۳ سید خورشید حسن صاحب (کلکتہ) ۲۹ محرم ۱۳۶۱ھ م ۱۶ فروری ۱۹۴۲ء

(جواب ۹۶) اوتاران ورشیان کہ در ہندوستان آمدند حالات ایشاں باسانید معتبرہ مایان رانرسیدہ و حالاتے کہ در کتب ہنود یافتہ می شود قابل اعتماد نیست ، ازیں جہت امکان است کہ در ایشاں شخصے صحیح العقیدہ و صحیح الاعمال ہم باشد و از جانب حق تعالیٰ مبعوث ہم باشد زیرا کہ قول باری تعالیٰ **و لکل قوم ھاد**(۲) مقتضی ایں امر است کہ در ہندوستان ہم از جہت حق ہادی و رہنما آمدہ باشد لیکن ما شخصے معین را ازیں اوتاران نبی و مرسل و مبعوث ندانیم و نہ گوئیم و اعتقاد نہ کنیم تاوقتیکہ نبوت او ثابت نہ شود و حالات او و نوعیت تعلیم او بدلائل یقینیہ بہ ثبوت نہ رسد۔

پس کسانے کہ سری کرشن را نبی می دانند خاطی ہستند چہ بر نبوت سری کرشن دلیلے در ادلہ شرعیہ موجود نیست و ہمچنیں حال دیگر پیشوایان و اوتاران ہنود ہست(۳)

(ترجمہ) جو اوتار اور رشی ہندوستان میں آئے ان کے حالات معتبر ذرائع سے ہم تک نہیں پہنچے ہیں۔ اور جو حالات کہ ہندوؤں کی کتابوں میں ملتے ہیں قابل اعتماد نہیں ہیں اور اس صورت میں اس امر کا امکان ہے کہ ان میں سے کوئی شخص صحیح العقیدہ اور صحیح الاعمال بھی ہو ، اور حق تعالیٰ کی طرف سے مبعوث بھی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "**ولکل قوم ھاد**" کا مقتضا یہی ہے کہ ہندوستان میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہادی اور رہنما ضرور آیا ہوگا۔ لیکن ہم ان اوتاروں میں سے کسی خاص شخص کو نہ مبعوث جانتے ہیں نہ کہہ سکتے ہیں ، نہ اعتقاد رکھ سکتے ہیں جب تک کہ اس کی نبوت کا ثبوت ہمیں نہ مل جائے۔ اور اس کے حالات اور تعلیم کی نوعیت قطعی دلائل سے معلوم نہ ہو جائے۔

پس جو لوگ سری کرشن کو نبی مانتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ سری کرشن کی نبوت پر ادلہ شرعیہ میں کوئی دلیل موجود نہیں۔ اور یہی حکم ہندوؤں کے دیگر پیشواؤں اور اوتاروں کے متعلق بھی ہے۔

۱۔ اشهد ان لا اله الا الله ، اشهد ان محمداً عبده ورسوله (مسلم : ۱/ ۳۲ قدیمی کتب خانہ)

۲۔ الرعد : ۷

۳۔ والاولی ان لا یقتصر علی عدد ... ویحتمل مخالفة الواقع هو عد النبی من غیر الانبیاء وغیر النبی من الانبیاء (شرح العقائد : ۱۳۲ ایچ۔ ایم سعید)

کیا خواب میں شیطان آنحضرت ﷺ کے علاوہ دوسرے نبی کی شکل میں آسکتا ہے ؟

(سوال) حدیث شریف میں ہے کہ شیطان خواب میں رسول اللہ ﷺ کی شکل مبارک بن کر اپنے کو نہیں دکھلا سکتا۔ کیا اسی طرح دوسرے انبیاء کی شکل بنا کر خواب میں نہیں آسکتا ؟
المستفتی نمبر ۳۹ ۷ ۲ ابراہیم اسمٰعیل پٹیل۔ علی پورولیا بلمیورہ ضلع سورت ۸ ذی الحجہ سن ۱۳۶۱ھ م ۱۹۴۲ء
(جواب ۹۷) حضور ﷺ کی صورت پر متمثل نہ ہونا تو صراحۃً احادیث میں وارد ہے ۔(۱) مگر کسی روایت میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کی تصریح نہیں ملی۔ہاں علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شمائل میں یہ نقل کیا ہے کہ بعض شراح مصابیح نے لکھا ہے **ومثله فی ذلك جمیع الانبیاء والملائكة** یعنی اس بارے میں آنحضرت ﷺ کی طرح اور انبیاء اور ملائکہ کی رویت کا بھی یہی حکم ہے واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

خواجہ معین الدین اجمیری کے بارے میں ”رشک پیغمبر آں “ کا کہنا کیسا ہے ؟

(سوال) زید تقریباً پندرہ سال سے خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی سجادگی پر مامور ہے۔اس تمام عرصے میں تمام مجالس میں خواہ وہ ہفتہ وار ہوں یا ماہانہ یا سالانہ درگاہ شریف کے مقررہ نعت خواں حضرت خواجہ خواجگاں رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں نواب خادم حسین کی تصنیف کردہ ایک نظم پڑھا کرتے تھے جس سے صوفیائے کرام اور علمائے طریقت کافی متاثر و محفوظ ہوتے رہے۔ سجادہ صاحب موصوف اکثر ان مجالس میں خود رونق افروز ہوتے تھے۔ایک مجلس میں سجادہ صاحب موصوف کی طرف سے ان کے صاحبزادے جانشینی فرمارہے تھے اور قوال نظم مذکورہ پڑھ رہے تھے۔جب تیسرا شعر پڑھا گیا تو صاحبزادہ صاحب نے اس کی تکرار سے منع فرمایا۔ نظم کے اشعار یہ ہیں :۔

قبلہ عاشقاں معین الدین — کعبہ عارفاں معین الدین
حامئ بے کساں معین الدین — رہبر کاملاں معین الدین
نائب مصطفیٰ و دین کشور — رشکِ پیغمبراں معین الدین
بہر تسکین روح اے خادم — از دل وجاں بخواں معین الدین

درخواست ہے کہ ”رشک پیغمبران علیہم السلام“ کی تشریح اور اس کے جواز و عدم جواز کے متعلق شریعت کا حکم مدلل تحریر فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۹۷۷ ۲ سید امتیاز علی حال وارد دہلی مورخہ ۱۹ جون ۱۹۴۴ م ۱۳۶۳ھ

---

(۱) ان ابا هريرة قال : سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول : من رانى فى المنام فسيرانى فى اليقظة ولا يتمثل الشيطان بى. (بخاری شریف : ۲ / ۱۰۳۵ قدیمی کتب خانہ)

(جواب ۹۸) ہاں "رشک پیغمبراں معین الدین" قابل ترک ہے۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کی شان میں سوئے ادب کا پہلو واضح ہے۔ خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بہر حال امتی تھے۔ اور امتی خواہ کتنا ہی اعلیٰ ہو جائے، پیغمبر کی ذات گرامی سے نیچا ہی رہتا ہے۔ اس لئے خواجہ تو خواجہ حضرۂ صدیق و فاروق، ذوالنورین و حیدر رضی اللہ عنہم کو بھی رشک پیغمبراں نہیں کہہ سکتے۔ انبیاء علیہم السلام نے اگر حضور ﷺ کی امت میں ہونے کی تمنا کی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حضور ﷺ کی امت کے کسی ایسے فرد سے کم درجہ ہو جائیں جو نبوت کی فضیلت سے بہرہ ور نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول، حضور ﷺ کی امت کے ایک فرد بھی ہوں گے، اس کے باوجود بنی اسرائیل کے پیغمبر ہونے کی فضیلت کی وجہ سے جو انہیں زمانہ پیغمبری میں حاصل ہو چکی ہے صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل ہوں گے۔(۱) کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

غلط قصیدہ پڑھنا گناہ ہے:

(السوال) شب معراج میں ایک شاعر صاحب نے یہ قصیدہ پڑھا کہ نبی صاحب جب معراج کی شب خدا سے ملے تو آپ ﷺ نے خدا سے کہا کہ یا اللہ میری امت کے لئے بخشش و رحمت ہو، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا آج ہی قیامت کھڑی ہے جو تم امت کے لئے بخشش چاہتے ہو۔ ؟ ان کا ایسا قصیدہ پڑھنا۔

ہم سامعین کو ناگوار ہوا، اور ہم نے ان سے پوچھا کہ یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے تو شاعر صاحب خاموش رہے۔ المستفتی نظیر الدین، امیر الدین۔ مشرقی خاندیس۔

(جواب ۹۹) یہ بات کہ "اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ کیا آج ہی قیامت کھڑی ہے جو تم امت کے لئے بخشش چاہتے ہو۔" ثابت نہیں۔(۲) اس قسم کے غلط روایت بیان کرنا نہیں چاہئے۔ گناہ ہے۔ بیان کرنے والے کو توبہ کرنی چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

میں آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عیادت کے لئے گیا تھا اس کے سر میں درد تھا اور بخار چڑھا ہوا تھا" کہنے والے کا حکم،

(السوال) ایک شخص باہر سے آیا۔ کسی نے پوچھا کہ تم کہاں گئے تھے؟ اس نے کہا کہ میں آسمان پر عیسیٰ علیہ السلام کی عیادت کے لئے گیا تھا، اس کے سر میں درد تھا اور بخار چڑھا تھا۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۱۷۱۱ ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۳۱ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۰) یہ شخص مجنون، یا کاذب یا مسخرہ ہے اور آخری صورت میں اس کے کلام سے استہزاء ٹپکتا ہے جس میں کفر کا قوی خطرہ ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

....

۱۔ والفضل البشر بعد نبينا عليه الصلوة السلام ابو بكر الصديق ، والأحسن ان يقال بعد الانبياء لكنه اراد البعدية الزمانيه وليس بعد نبينا نبي ، ومع ذلك لا بد من تخصيص عيسى عليه الصلوة و السلام (شرح العقائد: ۱۲۳ ط ایچ ایم سعید)

۲۔ اتفقوا على تحريم رواية الموضوع الا مقرونا ببيانه . (نخبة الفكر : ۵۹ قرآن محل کراچی)

۳۔ ان کلمات سے بظاہر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے اور قرب قیامت اس کے نزول کے اجماعی اور منصوص عقیدے کی تکذیب مسخر مقصود جو کہ کفر ہے، لیکن حضرت مفتی صاحب نے احتیاطاً کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔

(۱) کسی بزرگ کو شمس الکونین کہنے کا حکم؟
(۲) کیااولیاء کرام کے تمام الہامات صحیح اور حجت ہیں؟

(السوال)(۱) زید ایک بزرگ کو "شمس الکونین" کے لقب سے اعتقاداً مخاطب یا ملقب کرتا ہے اور جو شخص اس اعتقاد میں ہنوز نہ ہو تو وہ اس سے سخت ناراض ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کو ملہم سمجھتا ہے عمرو کہتا ہے کہ آقائے دو جہاں سرور کائنات سرکار دو عالم تاجدار مدینہ سید الکونین وغیرہ الفاظ متکلمین اسلام کی اصطلاح میں آقائے دو جہاں سید المرسلین احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ ﷺ کی ذات بابرکات کے لئے مختص ہیں اور کچھ ایسے مختص ہو چکے ہیں کہ علامتہ المسلمین کا ذہن فوراً ایسے الفاظ پر حضور ﷺ کی ذات اقدس کی طرف متبادر ہو جاتا ہے شمس الکونین بھی اسی قبیل سے معلوم ہوتا ہے ورنہ ملتبس ضرور ہے۔ حضور ﷺ کی ذات کے سوا کسی امتی کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال خلط مراتب کا باعث ہے اور دھوکہ میں ڈالتا ہے۔ اور فرق مراتب کی اہمیت ظاہر ہے اس لئے ایسے الفاظ سے کسی امتی کو مخاطب کرنا درست نہیں۔ دونوں میں سے کس کا خیال صحیح ہے؟

(۲) سالکان راہ طریقت کے کیا تمام الہامات صحیح اور حجت ہوتے ہیں؟

المستفتی نمبر ۲۰۲۵۵۵ ذی قعدہ ۱۳۵۸ھ م یکم جنوری ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۰۱) (۱) زید کا قول بے شک نامناسب اور حدیث لا تزكوا على الله احداً (او كما قال) (۱) کے خلاف ہے۔ عمرو کا قول صحیح ہے۔ کسی بزرگ متبع شریعت شیدائے سنت کی بزرگی کا اعتراف تو ناجائز نہیں، مگر حد سے بڑھ جانا اور آخرت کی نجات کا شخصی طور پر یقینی حکم لگا دینا درست نہیں آنحضرت ﷺ نے ایسے ہی موقع پر وما يدريك ان الله اكرمه (۲) فرمایا تھا۔

(۲) اولیاء کے الہام قطعی نہیں، ان میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے اور دوسروں کے حق میں ولی کا کوئی الہام حجت نہیں۔ خود ملہم اگر یقین رکھتا ہو کہ اس کا فلاں الہام قطعی من الله ہے تو وہ خود اس کے موافق عمل کر سکتا ہے مگر اس کے سوا کسی پر لازم نہیں۔ کسی ولی کے کسی خاص الہام پر کسی مسلمان کو ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

کیا رسول مقبول ﷺ کا سایہ نہ تھا؟

(السوال) رسول مقبول ﷺ کا سایہ تھا یا نہیں؟ اور بعض جگہ جو آتا ہے کہ سایہ تھا تو اس کا کیا جواب ہے؟

المستفتی غلام احمد عصیر ساکن میانوالی متعلم دار العلوم دیوبند مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء

۱۔ بخاری شریف: ۲/ ۸۹۵ قدیمی کتب خانہ
۲۔ بخاری شریف: ۱/ ۱۶۶ قدیمی کتب خانہ
۳۔ الهام الاولياء حجة في حق انفسهم ان وافق الشريعة ولم يتعد الى غيرهم الا اذا اخذنا بقولهم بطريق الادب . (نورالانوار : ۲۱۵ ط ایچ۔ ایم سعید)

(جواب ۱۰۲) کتب سیرۃ میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ اور بہت سے علمائے سیرۃ نے اس کو اپنی تصنیفات میں نقل کر دیا ہے۔ اور اس کی دلیل میں حضرت ذکوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب نوادر الاصول سے اور دوسری روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الوفاء سے نقل کی جاتی ہے۔ ذکوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت کو علامہ ملا علی قاریؒ نے شرح شفاء میں مجروح و ضعیف بتایا ہے۔(۱) اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی سند معلوم نہیں۔ نہ کتاب الوفاء موجود ہے کہ اس میں سند دیکھی جائے۔ مگر خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفاء میں اس کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے۔ **وھذا رواہ صاحب الوفاء عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال لم یکن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظل ولم یقم مع شمس الا غلب ضوئہ ضوئھا ولا مع سراج الا غلب ضوئہ ضوء ھا**(۲) یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "آنحضرت ﷺ کا ظل نہ تھا اور جب حضور ﷺ دھوپ میں کھڑے ہوتے تو آپ ﷺ کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب ہوتی۔ اور جب چراغ کے سامنے ہوتے تو حضور ﷺ کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب ہوتی۔"

یہ روایت اس مسئلے پر بطور دلیل کے بیان کی گئی ہے۔ مگر صحت سند سے قطع نظر کر لینے کے بعد بھی اس روایت کے بطور دلیل و حجت کام میں لانے پر شبہات وارد ہوتے ہیں۔ مثلاً کہا جا سکتا ہے کہ ظل کے معنی سایہ کے حدیث میں مراد نہیں بلکہ ظل سے مراد نظیر ہے۔ یعنی **لم یکن لہ صلی اللہ علیہ وسلم نظیر فی کمالاتہ** اس جملے کی تفسیر ہے جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ اور سورج کی یا چراغ کی روشنی پر حضور ﷺ کی روشنی کا غالب ہونا روحانی اور وجدانی غلبہ ہے۔ اور اگر حسی غلبہ مراد ہو تو کلام مبالغہ پر محمول ہے۔ جیسے **مھند من سیوف اللہ مسلول**۔ میں حضور ﷺ کا سیف ہونا روحانی یا معنوی طور پر مراد ہے نہ حسی طور پر اور حسی طور پر مراد ہو تو کلام مبالغہ پر محمول ہے۔ (ناتمام)

جو شخص رسول اللہ ﷺ کو زبان سے بندہ کہے اور دل سے نہ کہے اس کا کیا حکم.

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲ / اکتوبر ۱۹۲۶ء)

(السوال) جو شخص رسول اللہ ﷺ کو زبان سے بندہ کہے اور دل سے نہ کہے وہ کیسا ہے ؟

(جواب ۱۰۳) رسول اللہ ﷺ خدا کے بندے اور رسول ﷺ تھے۔ حضور ﷺ کو زبان سے بندہ کہنا اور دل سے بھی خدا کا بندہ سمجھنا ضروری ہے۔ جو شخص حضور ﷺ کو بندہ نہیں سمجھتا تو آخر کیا سمجھتا ہے۔ اور جب زبان سے بندہ کہتا ہے تو دل سے نہ سمجھنے کے کیا معنی ہیں، کیا وہ کلمہ شہادت کے اس جملے کو دل سے نہیں مانتا۔ **واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ**۔ یعنی گواہی دیتا ہوں میں کہ محمد ﷺ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ کیا وہ حضور ﷺ کو عبد کی جگہ معبود قرار دیتا ہے ؟ اگر ایسا ہی ہے تو اس کے ایمان کی خیر نہیں۔(۲) حضور نبی کریم ﷺ بشر بھی

۱۔ **وما ذکرہ الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول عن عبدالرحمن بن قیس ھو مطعون عن عبدالملک بن عبداللہ بن الولید وھو مجھول عن ذکوان.** (شرح شفاء : ۱ / ۵۳۷ خانقاہ سراجیہ)
۲۔ **من یشرک باللہ ای فیعبد معہ غیرہ** (تفسیر ابن کثیر : ۲ / ۸۱ سہیل اکیڈمی لاہور)

تھے اور خدا کے بندے اور مخلوق بھی۔ قرآن پاک میں آپ کو بندہ اور بشر کہا گیا ہے۔ تمام صحابہ کرام ائمہ عظام اور علماء مجتہدین کا یہی مذہب ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

حضور اکرم ﷺ کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں سے لگانا ثابت نہیں .

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۲۷ء)

(السوال) آنحضرت ﷺ کا نام مبارک سن کر دونوں انگوٹھوں کے ناخن چومنا کیسا ہے ؟

(جواب ۱۰٤) حضور انور ﷺ کا اسم مبارک سن کر انگوٹھوں کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا کسی پختہ اور معتبر دلیل سے ثابت نہیں۔(۲) محمد کفایت اللہ غفرلہ، دہلی۔

سرکار دو عالم ﷺ کے موئے مبارک اور اولیائے کرام کے خرقہ کی زیارت کرنا درست ہے یا نہیں۔ ؟

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۴ء)

(السوال) سرکار دو عالم ﷺ کے موئے مبارک اور اولیائے کرام کے خرقہ مبارک کی زیارت کرنا درست ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۰۵) موئے مبارک اگر اصل ہوں تو ان کی زیارت موجب برکت ہے۔ اسی طرح خرقہ کا حکم ہے مگر غلو کرنا جائز نہیں ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

کیا محفل میلاد میں آپ ﷺ خود تشریف لاتے ہیں ؟
معراج میں شیخ عبد القادر جیلانی کا آپ ﷺ کو کندھا دینا بے اصل ہے .

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۴ء)

(السوال) (۱) زید کہتا ہے کہ مولود شریف میں آقائے نامدار محمد مصطفیٰ ﷺ خود حاضر ہوتے ہیں عمرو کہتا ہے کہ حاضر نہیں ہوتے ہیں بلکہ ہمارا درود بذریعہ ملائکہ آپ ﷺ تک پہنچتا ہے۔ زید نے عمرو کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔

(۲) زید کہتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سدرۃ المنتہیٰ سے درگاہ باری تک حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کندھے پر اپنا قدم مبارک رکھ کر پہنچے ہیں۔

۱۔" قل انما انا بشر مثلکم "(الکھف : ۱۱۰)
شہادۃ ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا عبدہ ورسولہ (مسلم : ۱ / ۳۲)

۲۔ ثم یقول : اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الا بھا مین علی العینین ... ولم یصح فی المرفوع من کل ھذا الشئ .(ردالمحتار : ۱ / ۳۹۸ سعید)

۳۔ لا تغلوا فی دینکم (النساء : ۱۷۱)

(جواب ۱۰۶) عمرو کا قول صحیح ہے۔(۱) زید کا قول بے دلیل اور شرعی اصول کے لحاظ سے غلط ہے عمرو صحیح العقیدہ ہے اس کے پیچھے نماز جائز ہے بلکہ اولیٰ ہے۔(۲)
(۲) یہ بات بھی بے دلیل اور شرعی اصول کے خلاف ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

رسول مقبول ﷺ کے فضلات اور لہو مبارک کا حکم .

(السوال) زید کہتا ہے کہ رسول مقبول ﷺ کے بول و براز اور لہو کو لوگ استعمال نہیں کرتے تھے اور دھو کے سے کسی نے استعمال کر لیا ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس نے نفع پہنچایا ہو لیکن اس کے پاک اور حلال ہونے کا کوئی حکم نہیں ہے۔

(جواب ۱۰۷) آنحضرت ﷺ کے فضلات طیبہ کی طہارت کے بہت سے علمائے شافعیہ و حنفیہ قائل ہیں۔ مگر یہ مسئلہ قیاس کی حدود سے باہر ہے اور اس میں کلام کرنا مفید نہیں۔ جو لوگ کہ طہارت فضلات کے قائل نہیں وہ عمومات شرعیہ سے استدلال کرتے ہیں اور جو قائل ہیں وہ تخصیص کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ ولکل وجهة هو موليها فاستبقوا الخيرات. (۳) محمد کفایت اللہ

۱۔ ان للہ ملائکة سياحين في الارض يبلغوني من امتي السلام (نسائی : ۱/ ۱۸۹ قدیمی کتب خانہ)
کیونکہ آپ ﷺ حاضر ناظر نہیں۔ کامر۔
۲۔ والأعلم احق بالا مامة في غاية البيان بالفقه واحكام الشريعة(البحر الرائق : ۱/ ۳۶۷ بیروت)
۳۔ فقد قال قوم من اهل العلم بطهارة هذين الحدثين منه صلى الله عليه وسلم وهو قول بعض اصحاب الشافعي منهم القائل به على النجاسة .(شرح شفا : ۱/ ۱۶۰ مصر)

تیسرا باب
ملائکہ علیہم السلام

شب برات میں روزی کن ذرائع سے پہنچائی جاتی ہے ؟
اس فرشتے کا کیا نام ہے جو سال بھر کی روزی تقسیم کرتا ہے؟

(السوال) اللہ تعالیٰ نے جو روزی سب بندوں کی لوح محفوظ پر مقرر کی ہے اور شب برات پندرہ تاریخ کو ایک برس کی روزی لوح محفوظ سے بندوں کو تقسیم کی جاتی ہے تو یہ روزی بذریعہ فرشتوں کے تقسیم کی جاتی ہے یا بذریعہ نبی یا رسول کے پہنچائی جاتی ہے۔ اگر فرشتوں کے ذریعے سے تقسیم ہوتی ہے۔ تو اس فرشتے کا کیا نام ہے جو روزی تقسیم کرتا ہے سال بھر کی۔ المستفتی نمبر ۹۱۳ حافظ محمد علی احمد آباد۔ ۱۲ صفر ۱۳۵۵ھ

(جواب ۱۰۸) ایک روایت کے بموجب ۱۵ شعبان کو سال بھر کے انتظامات فرشتوں کو بتا دیئے جاتے ہیں جن میں ہر بندے کی روزی کی مقدار اس کی بہم رسانی کی کیفیت بھی ہوتی ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ سال بھر کی روزی ہر بندے کو اس ایک رات میں دے دی جاتی ہے۔ روزی بہم پہنچانے اس کے محکمہ کے افسر حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں۔ پھر ان کے ماتحت اتنے فرشتے کام کرتے ہیں کہ جن کی تعداد اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ یہ فرشتے حضرت میکائیل علیہ السلام کی ہدایتوں کے بموجب اللہ کی بے شمار مخلوق اور بندوں کی روزی رسانی کا انتظام کرتے ہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

کیا ملائکہ اور عقول مجردہ ایک چیز ہے ؟

(السوال) ملائکہ جو بقول اہل اسلام اجسام نوریہ ہیں۔ اور عقول جو بقول فلاسفہ مجردات غیر اجسام ہیں کیا ان دونوں کے مصداق ایک ہے ، تو اہل اسلام دونوں کو کیوں نہیں مانتے ؟ یا جدا جدا ہے تو بعض نے اس تعبیر "الفن الثالث فی الملائکۃ وھی العقول المجردۃ الخ" سے کیوں لکھ دیا ہے ؟

(جواب ۱۰۹) ملائکہ اجسام نوریہ ہیں(۲) (در حقیقت ناریہ ہیں مگر ان کا مادہ نار مصفاۃ مثل نور کے ہے۔ اس لئے ان کو اجسام نوریہ سے تعبیر کر دیا گیا ہے) اور فلاسفہ جن عقول مجردہ کے قائل ہیں ان سے جداگانہ مجردات کے دائرہ میں ہیں۔ ملائکہ کے بیان میں جہاں یہ کہہ دیا ہے وھی العقول المجردۃ یہ مسامحت ہے اور اس کا منشاء یہ ہے کہ اہل اسلام جو قوتیں اور افعال کہ ملائکہ کے لئے ثابت کرتے ہیں فلاسفہ اس طرح کے قویٰ اور افعال عقول مجردہ کے لئے مانتے ہیں اور عقول مجردہ کے علاوہ وہ کسی ایسی مادی مخلوق کے قائل نہیں جن کو ملائکہ کہا جاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ فلاسفہ کی مانی ہوئی عقول مجردہ اور اسلام کے مانے ہوئے ملائکہ در حقیقت ایک شئے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ فتدفع نسخۃ الارزاق الی میکائیل ... یعطی کل عامل برکات المال (تفسیر القرطبی : ۱۶ / ۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت)
۲۔ خلقت الملائکۃ من نور (مسلم ۲ / ۴۱۳ قدیمی)

چوتھا باب
معجزات وکرامات

(۱) نبی کریم ﷺ کا مردوں کو زندہ کرنا ثابت نہیں .
(۲) کیا آپ ﷺ کا سایہ زمین پر پڑتا تھا؟
(۳) چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے ؟

(سوال) (۱) آنحضرت ﷺ نے کبھی مردوں کو زندہ کیا ہے یا نہیں ؟
(۲) رسول مقبول روحی فداہ کا سایہ زمین پر پڑتا تھا یا نہیں ؟
(۳) چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے ؟
(۳) رسول خدا ﷺ نے چاند کو شق کیا ہے یا نہیں ؟
(۴) رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مردہ زندہ کرنے کو خداوند تعالیٰ نے کلام مجید میں منع فرمایا ہے ، اگر منع فرمایا ہے تو کیوں ؟ جب کہ آپ ﷺ کے غلاموں نے مردہ زندہ کیا تو آپ ﷺ کو کیوں منع کیا گیا۔ ؟
(جواب ۱۱۰) کسی صحیح روایت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ آپ ﷺ نے مردے کو زندہ کیا ہو۔نہ اس کے متعلق کچھ ذکر ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔(۱) ہاں معجزہ شق القمر ثابت ہے اس میں کچھ تردد نہیں۔(۲)

ولی کی کرامت کے منکر کا حکم .

(سوال) جو شخص خدا اور رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے اور جمیع صحابہ کرام واولیاء عظام کا معتقد ہے مگر صرف ولی کی کرامت کا منکر ہے۔ آیا یہ شخص کافر ہوتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۲۰۷ سلیمان کشمیری ۱۶ رمضان ۱۳۵۵ھ م ۲ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۱۱) ولی کی کرامت کا انکار کس جہت سے ہے۔ اگر کسی خاص ولی کی طرف کوئی خاص کرامت منسوب ہو اور شہرت پا گئی ہو ، اس کا کوئی انکار کردے اور انکار کی جہت یہ ہو کہ اس کرامت کا ثبوت منکر کے نزدیک قابل اعتماد نہ ہو تو اس صورت میں اگر فی الحقیقت وہ کرامت ثابت اور متحقق نہ ہو تو منکر حق پر ہے ، لیکن اگر کرامت کا تحقق بھی ہو جب بھی منکر کا انکار عدم علم پر مبنی ہے زیادہ سے زیادہ اس کو خاطی کہہ سکتے ہیں۔ اور اگر کوئی کرامت کا انکار اس بناء پر کرتا ہے کہ اولیاء اللہ سے کوئی امر خارق للعادۃ ظاہر ہی نہیں ہو سکتا تو یہ شخص اہل سنت و الجماعت کے مذہب کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک کرامات اولیاء اللہ کا ثبوت

۱۔ خصائص کبری میں ایک روایت ہے ملا علی قاری نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔
اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن له ظل فی شمس ولا فی قمر (الخصائص الکبری: ۱ / ۶۸ دار الکتب العلمیہ)
۲۔ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنه قال انشق القمر علی عهد النبی صلی اللہ علیه وسلم شقتین فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم : اشهدوا. (بخاری شریف : ۱ / ۵۱۳ قدیمی)

اور تحقیق حق ہے مگر اس بات پر تکفیر نہیں کی جاسکتی۔(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

آنحضرت ﷺ کے قدم مبارک کا نقش بطور معجزہ پتھر پر نقش ہو جانا کسی روایت سے ثابت نہیں .

(سوال) آیا رسول اللہ ﷺ کا معجزہ یعنی پائے مبارک حضرت خاتم النبوت ﷺ کے نیچے پتھر کا موم ہو کر قدم پاک کا نقشہ پتھر پر آجانا کہیں صحاح ستہ یا دوسری حدیث کی کتابوں یا دیگر معتبر یا غیر معتبر کتابوں سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۴۰۴ شہاب الدین (مالدہ) ۷ صفر ۱۳۵۶ھ م ۱۸ اپریل ۱۹۳۷ء

(جواب)(از نائب مفتی دار العلوم دیوبند) آج کل جو بعض لوگ ایک نشان لئے پھرتے ہیں اور اس کو نقش اور نشان قدم مبارک آنحضرت ﷺ کا بتاتے ہیں۔یہ قول ان کا صحیح نہیں ہے۔یہ نشان مصنوعی اور بناوٹی ہے۔

فقط واللہ اعلم۔ مسعود احمد نائب مفتی دار العلوم دیوبند ۲۹ شعبان ۱۳۵۵ھ

(جواب)(از حضرت شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہ) جناب رسول اللہ ﷺ کے معجزات بہت زیادہ اور نہایت عظیم ہیں۔ان کے سامنے پتھر کا مثل موم بن جانا اور نقش قدم اس پر پڑ جانا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔یہ تو ادنی بات ہے۔مگر اس وقت تک میری نظر سے کسی حدیث یا سیر کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں یہ معجزہ نہیں گذرا۔ واللہ اعلم حسین احمد غفر لہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ (مہر دیوبند)

(جواب ۱۱۲)(حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ)اگرچہ پتھر پر نشان قدم مبارک آنحضرت ﷺ کا بطور معجزہ کے نقش ہو جانا مستبعد نہیں۔مگر اس کے باور کرنے کے لئے سند اور روایت کی ضرورت ہے اور ایسی کوئی سند اور روایت نظر میں نہیں آئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

عرش کے اوپر ہمارا لقب حبیب الرحمن پکارا گیا کہنے والے کا حکم .

(سوال) تذکرہ حضرت سائیں توکل شاہ قدس سرہ میں لکھا ہے کہ ایک روز کسی نے عرض کیا کہ حضور ﷺ اللہ تعالی کی طرف سے تمام اولیاء اللہ کو ایک لقب عنایت ہوتا ہے، آپ کا بھی تو کوئی لقب اللہ تعالی کے حضور میں ہوگا، فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی حضور میں تو ہمیں انبالہ والا میت کہتے ہیں اور عرش کے اوپر ہمارا لقب حبیب الرحمن پکارا گیا ہے۔ جیسا کہ مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عبد الرحمن پکارا گیا ہے، مرزا جان جاناں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حبیب الرحمن پکارا گیا. شمس عرفان، شمس کونین۔ خواجہ قادر بخش رحمۃ اللہ علیہ کو، زید کہتا ہے حضور ﷺ کے لقب میں التباس آتا ہے۔ المستفتی نمبر ۲۵۵۹ نور احمد بازار کھجوری دہلی۔ ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ م ۱۴ جنوری ۱۹۴۰ء

---

(۱) کرامات الاولیاء حق (شرح العقائد ص ۲۲۰ ایچ ایم سعید کراچی)
والصواب ان لا یسارع الی تکفیر اهل البدع لانهم بمنزلة الجاهل او المجتهد المخطی (مرقاة المفاتیح: ۱ / ۱۷۷ مکتبہ امدادیہ ملتان)

(جواب ۱۱۳) یہ بزرگوں کی باتیں ہیں ان کے کشف ہیں جو شرعی طور پر دلیل نہیں ہیں اور اگر یہ بات صحیح بھی ہو تو(۱) التباس کا شبہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا لقب مبارک حبیب اللہ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

غوث الاعظم کی طرف منسوب بعض کرامات کی صحت کے بارے میں ایک استفتاء .

(سوال) کتب مناقب غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ میں بعض کرامات ایسی ہیں کہ جن سے صفات ربانیہ کا اطلاق مثلاً مارنا، جلانا وغیرہ بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر بھی لازم آتا ہے، کیا ان صفات مذکورہ میں سے خدائی مخلوق کا کوئی فرد آدم تا ایندم شریک ہو سکتا ہے، یا ان صفات کا اطلاق جزوی یا کلی یا عطائی یا کسی صورت میں مخلوق خدا پر ہو سکتا ہے؟

مثلاً (۱) بارہ برس کے غرق شدہ جہاز کا مع مال و اسباب و آدمیوں کے صحیح سالم برآمد ہونا۔ (۲) یا حضرت عزرائیل علیہ السلام سے روحوں کے تھیلے کا چھین لیا جانا۔ (۳) مرغا تناول فرمانے کے بعد زندہ کر دینا، جلا دینا۔ (۴) کرامت غوث الاعظم تبدیل شدن صورت، کذا فی بستان سنی ص ۲۲۹ مطبع کریمی بمبئی (۵) یا آپ کا خاص، آفتاب سماوی پر سوار ہونا کذا فی ایضاً ص ۲۳۲ (۶) وکرامت ایشاں کہ پسر ضعیفہ غرق شدہ بود باز زندہ شد ص ۲۴۳۔ (۷) کرامت زندہ شدن شوہر زن بیوہ ص ۲۴۰ (۸) کرامت کہ یازدہ دختران شخصے مردانہ گشتند ص ۲۴۲ (۹) وکامل ایک گائے فربہ کو ایک ہی وقت تناول فرمانا۔ کذا فی گلدستہ کرامات لغلام سرور۔ (۱۰) اسی میں ہے کہ ایک طبیب نصرانی آپ کا قارورہ دیکھ کر ایمان لایا اور کہا کہ ماھذا المرض الا مرض عشق الالھی . کیا یہ ممکن ہے کہ کفار مکہ و عرب شب و روز متواتر جمال نبوی ﷺ کو دیکھیں اور ایمان نہ لاویں اور طبیب نصرانی مذکور کو بہ طفیل پیشاب ایمان نصیب ہو (معاذ اللہ)

کتاب شیر الوجد فی اخبار النجد میں عبدالواھاب نجدی کو حنبلی المذھب لکھا ہے، آپ کی کیا تحقیق ہے؟ سنتا ہوں کہ بڑے پیر صاحب بھی حنبلی تھے بلکہ کتاب "غنیۃ الطالبین" میں بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ادب سے اس طرح کرتے ہیں کہ قال اما منا رحمۃ اللہ علیہ واماتنا علی مذھبہ اصلا و فرعا. کیا مذہب حنبلی کے کسی اصول و فروع کی میزان پر ان کی کرامات کی تصدیق ہوتی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ عبدالوہاب نجدی اور بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ متحد المذہب یعنی حنبلی ہوں پھر مقدم الذکر کافر مطلق اور متوخر الذکر مومن مطلق۔

المستفتی نمبر ۲۷۲۶ مولوی سلطان احمد علی گڈھی۔ (بالاسور) ۸ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ م ۲۳ جون ۱۹۴۲ء

(جواب ۱۱۴) یہ تمام کرامتیں جو غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ نے نقل فرمائی ہیں بے اصل اور بے سند اور ناقابل اعتماد ہیں، لوگوں نے ان کے مناقب و فضائل بیان کرنے میں سند اور صحت کا لحاظ نہیں رکھا اور حد سے زیادہ غلو کیا ہے۔ ماہرین شریعت پر یہ مخفی نہیں کہ اس قسم کی کرامتیں بیان کرنے کا مہلک اثر یہ

۱۔ والھام الاولیاء حجۃ فی حق انفسھم ان وافق الشریعۃ ولم یتعدالی غیرھم الا اذا اخذنا بقولھم بطریق الا دب ، (نور الانوار ۲۱۵، سعید)

ہوا ہے کہ عوام بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں خدائی قوتوں کے قائل ہو گئے اور ان کو پیغمبروں اور خصوصاً آنحضرت ﷺ سے افضل و اعلیٰ ماننے لگے اور خدائی منصب پر ان کو پہنچا دیا اور اس کی وجہ سے ان کا دین برباد ہو گیا۔ والی اللہ المشتکی . محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

(۱) ضعیف روایات سے ثابت شدہ بعض معجزات کا حکم .
(۲) دائی حلیمہ کا آنحضرت ﷺ کو دودھ پلانا ثابت ہے .
(۳) "گیارہ مجالس" نامی کتاب کا پڑھنا کیسا ہے ؟

(سوال) مندرجہ ذیل معجزوں کو ہمارے پیش امام بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ حضور ﷺ کی شان میں توہین کرتے ہیں۔ جس سے مسلمانوں پر بڑا رنج و ملال ہو رہا ہے۔

معجزہ ا۔ حضور ﷺ کا جھاڑا پیشاب زمین نگل جاتی تھی۔

معجزہ ۲۔ غار حرا میں آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر آرام فرما رہے تھے اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز عصر قضا ہو گئی۔ آپ ﷺ نے اشارہ کیا، ڈوبا ہوا سورج پھر نکل آیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عصر ادا کر لی۔

معجزہ ۳۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت اور ان کے لڑکوں کا مذبوح ہونا اور آپ ﷺ کا خدا سے دعاء کر کے زندہ کرنا۔

معجزہ ۴۔ حضور ﷺ کی پیدائش کے وقت کسریٰ کے محل کے کنگوروں کا گرنا۔

معجزہ ۵۔ آپ ﷺ نورانی تھے اور آپ ﷺ کے نور کی روشنی سے سورج پشیمان رہا کرتا تھا۔

معجزہ ۶۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سوئی رات کے وقت مکان میں گر گئی۔ حضور ﷺ تشریف لائے، آپ ﷺ کے دندان مبارک کی روشنی سے سوئی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اٹھا لی۔ ان معجزوں کو امام صاحب جھوٹ بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دائی حلیمہ نے حضرت ﷺ کو دودھ پلایا تھا، یہ بھی غلط ہے۔

گیارہ مجالس جو کتاب حضرت پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامتوں کے بیان میں لکھی ہوئی ہے، اس کو پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۱۵) جو امور سوال میں مذکور ہیں ان میں سے دائی حلیمہ کا حضور ﷺ کو دودھ پلانا تو ثابت ہے باقی معجزوں کا پختہ ثبوت موجود نہیں ہے۔ سیرۃ کی کتابوں میں ان معجزات کا ذکر ہے مگر ان کی سندیں صحت کے درجے تک نہیں پہنچیں۔[۱] گیارہ مجالس جو کتاب ہے وہ بھی بہت سی غیر مستند باتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے تمام بیانات قابل یقین نہیں ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ قال علماء السیر : ثم احتضنته حلیمة السعدیه بنت ابی ذویب . (حدائق الانوار : ۱/ ۵ ۱۳ قطر داوطبنہ)

(جواب دیگر ۱۱۶) یہ کہنا تو نہیں چاہئے کہ یہ معجزات جھوٹے ہیں،(۱) مگر یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ معجزے جن روایتوں سے ثابت ہوتے ہیں وہ روایتیں ضعیف ہیں۔اگر کوئی ان معجزات پر یقین نہ کرے اور کہے کہ ان کی روایتیں ضعیف ہیں تو اس پر کوئی الزام نہیں،اور جو ان معجزات کو مانے وہ بھی الزام رکھنے کے قابل نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

کیا نبی ہر وقت معجزہ دکھانے پر قادر ہوتا ہے؟

(ازاخبار الجمعیۃ سہ روزہ دہلی مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) الحمد للہ میں نے جناب کی کتاب "تعلیم الاسلام" کا تیسرا حصہ دیکھا۔اس میں معجزہ اور کرامت کی تعریف صفحہ ۱۵ پر کی گئی ہے اور پھر معجزوں میں حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے بیان فرما کر رسول اکرم ﷺ کے معجزے بیان کئے ہیں۔(۱) "کلام اللہ کہ جس کی مثل کوئی نہیں بنا سکا۔" کیا معجزے پر ہر وقت قادر ہونا اور جب چاہنا اس کو دکھانا بھی لازمی ہے یا نہیں؟ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر وقت ہر روز اپنے معجزے سے کام لیتے تھے۔کیا رسول پاک ﷺ بھی آیات قرآنی کے ہر وقت نزول پر قادر تھے؟ (۲) معراج معجزہ ہے فرمائیے یہ معجزہ کس کو دکھایا گیا؟ کیا یہ بھی رسول مقبول ﷺ کی قدرت میں تھا؟ (۳) شق القمر۔(۴) بہت سی باتیں فرماتے تھے جو بعد میں ٹھیک ہو جاتی تھیں۔کیا یہ معجزہ ہے؟ مجھ ملعون کو ان کے صحیح ہونے میں شبہ ہے۔بندہ حکیم احسان الحق از انبالہ۔

(جواب ۱۱۷) تعلیم الاسلام میں حضور انور ﷺ کے معجزات میں سے پہلے نمبر پر قرآن مجید کو ذکر کیا ہے۔اس کے متعلق جناب کے استفسار کا خلاصہ جو میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ "کیا معجزہ دکھانے والے کا ہر وقت معجزے پر قادر ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو کیا حضور ﷺ ہر وقت آیات قرآنی نازل کر لینے پر قادر تھے۔"

آپ کا مطلب غالباً یہ ہو گا کہ چونکہ دوسری تردید کا جواب نفی میں ہے۔یعنی حضور ﷺ ہر وقت تنزیل قرآن پر قادر نہ تھے اس لئے قرآن پاک کو معجزے میں داخل کرنے کی صورت یہ ہے کہ تردید اول میں نفی کی شق کو اختیار کیا جائے یعنی کہا جائے کہ معجزہ دکھانے والے کا ہر وقت معجزے پر قادر ہونا ضروری نہیں۔اور اس میں آپ کو تامل ہے جو آپ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ "جیسا کہ حضرت عیسیٰ ہر وقت ہر روز اپنے معجزے سے کام لیتے تھے۔" یعنی آپ کے خیال میں ضروری ہے کہ معجزہ دکھانے والا ہر وقت معجزہ دکھانے پر قادر ہو۔اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کو آپ اس لئے معجزہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہر وقت ہر روز اپنے معجزہ سے کام لیتے تھے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ تعلیم الاسلام حصہ سوم میں معجزے کی جو تعریف کی گئی ہے اگر آپ

۱۔کیونکہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔

اس پر غور فرما لیتے تو یہ شبہات پیدا ہی نہ ہوتے۔ ملاحظہ فرمایئے تعلیم الاسلام حصہ سوم میں معجزے کی تعریف یہ کی گئی ہے۔ "اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے ہاتھ سے کبھی کبھی ایسی خلاف عادت باتیں ظاہر کرا دیتا ہے جن کے کرنے سے دنیا کے اور لوگ عاجز ہوتے ہیں تاکہ لوگ ایسی باتوں کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں۔" اس تعریف سے یہ باتیں صاف طور پر سمجھ میں آتی ہیں۔

(الف) معجزہ انہیں چیزوں کو کہا جاتا ہے جو عادۃ جاریہ کے خلاف اور انسانی طاقت سے باہر ہوں۔

(ب) جس نبی یا رسول کے ذریعے سے وہ ظاہر ہوتا ہے وہ نبی یا رسول بھی اپنی طاقت اور قدرت سے ظاہر نہیں کرتا، بلکہ خدا تعالیٰ اس کے ذریعے سے ظاہر کراتا ہے۔

(ج) معجزہ کا ہر وقت اور ہر روز ظاہر ہونا ضروری نہیں۔ اگر کوئی خلاف عادت بات صرف ایک ہی مرتبہ ظاہر ہوئی ہو، جب بھی وہ معجزہ کہلائے گی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریائے نیل کا خشک ہو جانا یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں ڈالے جانے کے بعد محفوظ رہنا۔ وغیرہ

جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ پیغمبروں کو معجزے دکھانے پر خود قادر ہونا چاہئے اور جو معجزہ جس وقت طلب کیا جائے دکھا دینا چاہئے۔ اور اس غلط خیال کی بناء پر عجیب و غریب معجزات طلب کرتے تھے، ان کے اس غلط خیال کی اصلاح کے لئے رب العزۃ جل شانہ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کی زبان مبارک سے یہ کلمات طیبات کہلوا دیئے :۔

قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا.(۱)

(ترجمہ) اے محمد! ان معجزہ طلب کرنے والوں سے کہہ دو کہ پاک ہے میرا پروردگار، میں تو صرف اس کا پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔

یعنی معجزات ظاہر کرنے کی قدرت اسی ذات پاک کو ہے۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ نبی اسی وقت نبی مانا جا سکتا ہو جب کہ وہ ہر طلب لئے ہوئے معجزے کو دکھانے پر قادر ہو۔ اور دکھا دے۔

قرآن کے معجزہ ہونے کی جہت یہ ہے کہ اس کی ایک چھوٹی سی سورۃ کے مثل بھی کوئی نہ بنا سکا حضور ﷺ نے ایک ایسا کلام پیش کیا جو اگر خود حضور ﷺ کا کلام ہوتا تو دوسرے انسان بھی بنا سکتے لیکن بڑے بڑے فصحاء و بلغا کے عاجز رہنے سے ثابت ہوا کہ ایسا کلام بنانا انسانی طاقت سے باہر ہے اور قرآن پاک پر معجزے کی تعریف مذکور اس طرح بخوبی صادق آگئی کہ خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ذریعے سے ایک خارق عادت کلام مخلوق کے سامنے پیش کرایا جس کے مثل لانے سے دوسرے بڑے بڑے فصیح و بلیغ انسان عاجز رہے۔ اور قرآن مجید کا یہ اعجاز ہر وقت ہر زمانے میں قائم اور علیٰ حالہ موجود ہے اور قیامت تک رہے گا۔ یعنی یہ ایسا زندہ معجزہ ہے کہ جس دن سے پیش کیا گیا ہے اس دن سے قیامت تک موجود اور قائم رہے گا۔(۲)

اگر بالفرض معجزے کے لئے یہ بھی ضروری ہو تا کہ معجزہ دکھانے والا ہر وقت اسے ظاہر کر سکے تب

۱۔(الاسراء : ۹۳)

۲۔ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة، فان لم تفعلوا ولن تفعلوا، (البقرة : ۲۳۔۲۴)

بھی قرآن پاک کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ اس کی تو ہر چھوٹی سے چھوٹی سورۃ بھی ہر وقت معجزہ ہے اور جہت اعجاز اس میں موجود ہے اور تحدی برابر قائم ہے۔

آپ نے یہ کیا کہا کہ "کیا حضور ﷺ ہر وقت آیات قرآنی کے نزول پر قادر تھے۔" معجزے کو ہر وقت ظاہر کرنے کے ضروری مان لینے کی صورت میں بھی یہ سوال وارد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایک مرتبہ کا اتارا ہوا کلام پاک وقت نزول سے قیامت تک معجزہ ہے۔ آپ اسی اترے ہوئے کلام پاک کو ہر وقت ہر روز تحدی کے ساتھ پیش فرماسکتے تھے۔ اس لحاظ سے گویا صاحب معجزہ ہر وقت معجزہ دکھاسکتے تھے۔

یہ ممکن ہے کہ بعض معجزات ایسے طور پر عنایت فرمائے جائیں کہ صاحب معجزہ ہر وقت انہیں ظاہر کر سکے اور ان سے کام لے سکے۔ لیکن تمام معجزوں کے لئے یہ ضروری نہیں۔ اور اگر ہر وقت ظاہر کر کے کام لیا جائے تاہم وہ معجزے خدا تعالیٰ کے ظاہر فرمانے سے ہی ہر وقت ظاہر ہوں گے۔ صاحب معجزہ یعنی معجزہ ظاہر کرنے والا پیغمبر مستقل طور پر براہ راست اس پر قادر نہیں۔

اور یہ کہاں سے آپ نے معلوم کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر وقت ہر روز اپنے معجزے سے کام لیتے تھے۔ مجھے تو کوئی ایسی دلیل نہیں معلوم جس سے ہر وقت ہر روز ان کا اپنے معجزے سے کام لینا ثابت ہوتا ہو براہ مہربانی اس کتاب کا حوالہ دیجئے جہاں آپ نے یہ مضمون دیکھا ہے۔

(۲) معراج کے متعلق آپ نے یہ شبہ ظاہر فرمایا ہے کہ یہ معجزہ کس کو دکھایا گیا؟ اور کیا یہ بھی رسول مقبول ﷺ کی قدرت میں تھا؟ اس شبہ کا ازالہ بھی اس طرح فرمالیجئے کہ معراج کا معجزہ ہونا اس بناء پر ہے کہ ایک انسان کا ایک رات میں تمام عالم ملکوت کی سیر کر آنا ایسی بات ہے جس سے تمام انسان عاجز ہیں۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ معراج کا ہونا بھی ثابت ہے یا نہیں؟ تو وہ اس کا ثبوت طلب کر سکتا ہے۔ لیکن جو شخص معراج کے ہونے کو صحیح تسلیم کرتا ہے وہ اس کے معجزہ ہونے میں کسی طرح شبہ نہیں کر سکتا۔ رہا حضور ﷺ کی قدرت میں ہونا نہ ہونا اس کے متعلق مفصل بیان اوپر گذر چکا۔

معجزہ ۳۔ شق القمر (۴) بہت سی باتیں فرماتے تھے جو بعد میں ٹھیک ہو جاتی تھیں "کیا یہ معجزہ ہے؟ مجھ ملعون کو ان کے صحیح ہونے میں شبہ ہے۔"

ان دونوں نمبروں میں آپ کو معلوم نہیں کیا شبہ ہے۔ کیا آپ معجزہ شق القمر کا واقع ہونا تسلیم نہیں کرتے؟ شبہ اس میں ہے کہ شق القمر ہوا یا نہیں؟ اگر یہ بات ہو تو میں اس کے متعلق آپ کو قرآن پاک کی آیت اقتربت الساعة وانشق القمر (۱) اور اس کی تفسیر کی اور کتب احادیث و سیر کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اگر جناب چاہیں گے تو میں شق القمر کا کافی ثبوت پیش کر دوں گا۔ اور اگر آپ شق القمر کو تسلیم کرتے ہیں مگر اس کو معجزہ سے تعبیر کرنے میں تامل ہے تو یہ شبہ معجزہ کی تعریف اور ہماری بیان کی ہوئی تفصیل پر غور کرنے سے دور ہو جائے گا۔ حضور ﷺ کی انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا اور پھر آپس میں مل جانا ایسی بات ہے کہ تمام دنیا کے لوگ ایسا کرنے سے عاجز ہیں۔ یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟

۱۔ (القمر : ۱)

اسی طرح حضور ﷺ کا بہت سی آئندہ ہونے والی باتوں کا ان کے وقوع سے پہلے خبر دینا اور پھر ان باتوں کا اسی کے مطابق ظاہر ہونا بھی کھلا ہوا معجزہ ہے۔(۱) اگر آپ کو اس کے وجود میں شبہ ہو تو میں ان باتوں کی تفصیل بیان کر سکتا ہوں جن کے واقع ہونے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خبر دی تھی۔ اور ان کے وقوع کا علم کسی تجربہ و تخمین اور آثار و اسباب سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ بلکہ عقل سلیم یقین کر لیتی ہے کہ ان کے مخبر نے مافوق العادۃ طریقے سے ان کی خبر دی اور وہ صحیح نکلی۔

لیکن اگر آپ ایسی باتوں کے وقوع کو تسلیم کرتے ہیں مگر ان کو معجزہ کہنے میں تامل ہے تو بیان سابق سے یہ شبہ دور ہو جائے گا۔ مہربانی فرما کر آپ اپنے شبہات کی نوعیت کو ذرا واضح کر کے بیان فرما دیں تو اس کے ازالہ کی مزید کوشش کی جائے گی۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ دہلی

---

(۱) غزوہ خندق کے موقع پر روم و فارس کی فتح کی خوشخبری دی وہ پوری ہوئی

ضربت ضربتی الا ولی فبرق الذی رایتم اضاءت لی منها قصور الحیرۃ..... ان امتی ظاهرۃ علیها، (تاریخ طبری : ۲/ ۲۳۶ مؤسسۃ العلمی بیروت)

پانچواں باب
قرآن مجید اور دیگر کتب سماویہ

مسجد اقصیٰ آنحضرت ﷺ اور قرآن شریف میں کون افضل ہے ؟

(سوال) مسجد بیت المقدس، آنحضرت ﷺ اور قرآن شریف۔ ان تینوں چیزوں میں سے ازروئے عقائد کس کو بزرگ وبرتر خیال کرنا چاہئے ؟

(جواب ۱۱۸) قرآن سے مراد اگر کلام نفسی ہے جو خداوند تعالیٰ کی صفت ہے تو اس کا افضل ہونا ظاہر ہے اور اگر مراد یہ کاغذ پر لکھا ہوا یا چھپا ہوا قرآن مجید ہے تو اس قرآن مجید اور مسجد بیت المقدس وکعبۃ اللہ ومسجد حرام و مسجد نبوی سے آنحضرت ﷺ افضل ہیں۔ کیونکہ قبر اقدس واطہر کا وہ حصہ جو حضور انور ﷺ کے جسم مطہر سے مماس ہے وہ بوجہ اس تعلق کے ان تمام اشیاء سے افضل ہے تو پھر آپ کی ذات مقدس کا افضل ہونا ظاہر ہے۔ ومكة افضل منها (اى المدينة على الراجح الا ماضم اعضاء ه عليه الصلوٰة و السلام فانه افضل مطلقا حتى من الكعبة والعرش و الكرسى (درمختار ص ۲۷۸ ج ۲)وفى رد المحتار قال فى اللباب و الخلاف فيما عدا موضع القبرا لمقدس فما ضم اعضاءه الشريفة فهوا فضل بقاع الارض بالاجماع قال شارحه وكذا اى الخلاف فى غير البيت فان الكعبة افضل من المدينة ماعدا الضريح الا قدس وكذا الضريح افضل من المسجد الحرام وقد نقل القاضى عياض وغيره الاجماع على تفضيله حتى الكعبة والخلاف فيما عداه الخ انتهى (ص ۲۷۸ ج ۲)۔(۱)

موجودہ دور میں پہلی آسمانی کتابوں پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
پہلی کتابوں کی منسوخ نہ ماننے والا غلطی پر ہے .

(سوال)(۱) کیا اس وقت اہل کتاب والوں میں سے کوئی شخص زبور، توریت، انجیل پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر عمل کر سکتا ہو تو اس کی دلیل کیا ہے۔ ؟

(۲) مندرجہ بالا کتابیں منسوخ ہیں یا نہیں ؟ اگر کوئی مسلمان منسوخ نہ مانتا ہو تو وہ صحیح راہ پر ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۵ مولوی عبدالرحیم کانپور ۲۴ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۱۹) توراۃ، زبور، انجیل پوری پوری منسوخ نہیں ہوئیں، ان میں کے بعض احکام منسوخ ہوئے ہیں لیکن اب چونکہ موجودہ توراۃ اور انجیل تحریف شدہ ہیں اس لئے ان پر عمل نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں آیا ہے لا تصدقوا اهل الكتاب و لا تكذبوهم .(۲)

---

۱. (ردالمحتار : ۲ / ۶۲۶ سعید)
۲. بخاری شریف ۲ / ۱۰۹۴ قدیمی کتب خانہ

(۲) جو مسلمان یہ کہتا ہو کہ توراۃ وانجیل کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوا اور جو موجودہ تورات وانجیل و صحیح اور قابل عمل سمجھتا ہو وہ غلط راستے پر ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

قرآن مجید افضل ہے یا آپ ﷺ ؟

(سوال) قرآن شریف افضل ہے یا حضور انور رسول خدا ﷺ ؟ المستفتی نمبر ۱۵۸ سید پیر ولی محمد شاہ صاحب سجادہ نشین درگاہ سید قلندر لعل شہباز رحمۃ اللہ علیہ سیوان ضلع دادو ۲۵ شعبان ۱۳۵۲ھ م ۱۴ دسمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۲۰) اگر قرآن مجید سے مراد کلام اللہ ہو جو حضرت حق جل شانہ کی صفت ہے تو اس کے افضل ہونے میں شبہ نہیں اور اگر قرآن مجید سے مراد مصحف یعنی قرآن مجید مطبوع یا مکتوب ہو تو آنحضرت ﷺ کے افضل ہونے میں کوئی شک نہیں۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

(۱) قرآن مجید سے اونچا ہو کر بیٹھنا یا لیٹنا بے ادبی ہے۔
(۲) جس چارپائی کے نیچے قرآن شریف رکھا ہوا ہو اس پر بیٹھنا سخت بے ادبی ہے۔
(۳) ادب کا کیا معنی ؟
(۴) جس صورت کو عرف عام میں بے ادبی قرار دیا جاتا ہو وہ بے ادبی ہو گی۔

(سوال) (۱) اگر ایک آدمی زمین پر بیٹھا ہوا قرآن پاک سامنے رکھ کر تلاوت کر رہا ہو اور دوسرا آدمی چارپائی پر سامنے بیٹھا ہو یا لیٹا ہو تو قرآن پاک کی بے ادبی ہے یا نہیں ؟ اور وہ چارپائی پر بیٹھا یا لیٹا ہوا آدمی گناہ گار ہو گا یا نہیں ؟

(۲) ایک آدمی چارپائی پر لیٹا یا بیٹھا ہوا ہو اور قرآن پاک چارپائی کے نیچے رکھا ہو یہ بے ادبی ہے یا نہیں ؟ قرآن وحدیث سے حوالہ عنایت فرمائیں۔

(۳) ادب کے کیا معنی ہوتے ہیں ؟

(۴) ایک آدمی مولوی ہے اور امام مسجد بھی ہے اس کا قول ہے کہ نمبر ایک اور نمبر دو میں قرآن پاک کی کوئی بے ادبی نہیں ہے۔ یہ ادب صرف ہندوستان کا گھڑا ہوا ہے۔ قران پاک کا ادب صرف یہ ہے کہ اس میں جو احکام خداوندی ہیں ان پر عمل کیا جاوے۔ ہاں اگر کوئی عالم کسی آیت یا حدیث یا فقہ سے ثابت کر دے کہ چارپائی پر آدمی بیٹھا ہو اور نیچے قرآن پاک ہو یہ بے ادبی ہے تو میں مان لوں گا۔ اور یہ بھی قول ہے کہ جو شخص

۱۔ عن جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم حين اتاه عمر فقال : انا نسمع احاديث من يهود تعجبنا أفترى ان نكتب بعضها. فقال أمتهو كون أنتم كما تهوكت اليهود. لو كان موسى حيا ما وسعه إلا اتباعي (مشكوة ۳۰ ایچ ایم سعید)
۲۔ نكتب بعضها ، فقال : امتهو كون انتم كما تهوكت اليهود لوكان موسى حيا ماوسعه الا اتباع (مشکوۃ ۱۳۰ ایچ ایم سعید)
اس صورت میں یہ مخلوق ہے، اور مخلوق میں آپ ﷺ سب سے افضل ہیں۔ وفي السراجية نبينا صلى الله عليه وسلم اكرم الخلق و افضلهم .(البحر الرائق : ۸/ ۲۰۲ بیروت)

قرآن پاک سامنے رکھ کر پڑھ رہا ہو وہ خود قرآن پاک کا ادب کرنے کا اس وقت مکلّف ہے کہ کوئی حرکت بے ادبی کی نہ کرے اور جو آدمی چارپائی پر بیٹھا یا لیٹا ہے یا بیٹھا ہوا پڑھ رہا ہے وہ قرآن پاک کے ادب کا مکلّف نہیں ہے۔ جس طرح قرآن پاک میں آتا ہے کہ بغیر وضو قرآن کو ہاتھ نہ لگاؤ، اسی طرح قرآن یا حدیث سے ثابت کرو کہ مذکورہ صورت بے ادبی میں داخل ہے ورنہ یہ گھڑا ہوا ادب میں نہیں مانتا۔ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۵۵۶ محمود حسن (سہارنپور) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۲۸ جولائی ۱۹۳۵ء۔

(جواب ۱۲۱) اگر ایک ہی مکان میں اور ایک ہی جگہ ایسی صورت ہو تو عرف عام میں اس کو بے ادبی قرار دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ کتب فقہ میں "تلاش کرنے پر اس صورت کی تصریح تو نہیں ملی مگر عرفی بے ادبی کا مدار عرف عام پر ہے۔ اور اسی پر حکم دائر ہوتا ہے۔

(۲) یہ صورت پہلی صورت سے زیادہ قبیح ہے کہ بالکل قریب ہی نیچے قرآن مجید ہو اور اوپر کوئی شخص لیٹا یا بیٹھا ہو۔(۱)

(۳) ادب سے مراد تکریم ہے یعنی قرآن مجید کیساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جس سے اس کی بزرگی اور عظمت ظاہر ہو اور ایسی کارروائی سے احتراز کیا جائے جس سے اس کی بے قدری یا اہانت ہوتی ہو۔

نمبر (۴) سے آخر تک جو باتیں ہیں یہ اس شخص کا خیال ہے اور عرف اس کے خلاف ہے۔ اگر کسی صورت کو عرف عام میں بے ادبی قرار دیا جاتا ہو تو وہ بے ادبی ہوگی خواہ اس کی تصریح کسی کتاب میں نہ ملے۔ مثلاً بوسیدہ اوراق قرآن مجید کو دفن کرنے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کو بغلی قبر میں رکھا جائے۔ سیدھے گڑھے میں رکھ کر اس پر مٹی نہ ڈالی جائے کہ اس میں بے ادبی ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو جلانے کا حکم۔

(سوال) اگر بوسیدہ اوراق قرآن مجید کو اس خیال سے جلا دیا جائے کہ ان کی توہین نہ ہو تو یہ فعل جائز ہے یا ناجائز؟ المستفتی نمبر ۶۳۴ مولوی نور اللہ (ضلع لائل پور) ۲ رجب ۱۳۵۴ھ م یکم اکتوبر ۱۹۳۵ء۔

(جواب ۱۲۲) توہین سے محفوظ رکھنے کی غرض سے جلانا مباح ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصاحف کو جب کہ ان کو باقی رکھنا مناسب نہ تھا، جلا دیا تھا۔ فقط(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

طاقوں میں رکھے ہوئے قرآن مجید کی طرف پیٹھ ہو جانے میں گناہ نہیں۔

(سوال) (۱) مسجد کے طاقوں میں دریچوں میں چاروں طرف قرآن شریف رکھے رہتے ہیں۔ فرش سے

۱۔ ولا تقعد واعلی مکان ارفع مماعلیه القرآن ، (حیوٰۃ المسلمین لحلیم الامة : ۵۴ ادارہ اسلامیات لاہور)
۲۔ المصحف اذا صار خلقا... یلحد له، لانه لوشق ودفن یحتاج الی اهالة التراب علیه وفی ذلک نوع تحقیر الا اذا جعل فوقه سقف بحیث لا یصل التراب الیه فهو حسن . (ہندیہ : ۵/ ۳۲۳ ماجدیہ کوئٹہ)
۳۔ بہتر یہ ہے جلایا نہ جائے بلکہ دفن کر دیا جائے یا پانی میں بہا دیا جائے۔ بہر حال اثر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جواز کی دلیل ہے۔
وامر بما سواه من القرآن فی کل صحیفة او مصحف ان یحرق (بخاری : ۲/ ۷۴۶ قدیمی)

ایک اور دو گز کی بلندی کے درمیان میں۔ درمیانے تو بالکل ہاتھ ہی بھر اونچے ہیں۔ ایک مولوی صاحب وعظ فرمارہے تھے کہ مونڈھے سے اونچے رکھنے چاہئیں پھر پیٹھ ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ابھی تک امام صاحب جونڈلہ نے آپ کے فرمان تک ملتوی رکھا ہے۔ ادب لازمی ہے کیا کیا جائے۔ آنے والوں کو سمجھایا جائے یا بریکٹ تختے کسی خاص بلندی پر لگوائے جائیں؟

(۲) نمازی فرداً فرداً قبل جماعت یا بعد جماعت نماز پڑھتے رہتے ہیں، قرآن خواں بھی تلاوت کرنے لگتے ہیں، اکثر زور زور سے بھی اور بعض بازار کی دکان میں اس قدر زور زور سے پڑھتے ہیں کہ مسجد کے نمازیوں کا دھیان ہٹ جاتا ہے۔ ایسے موقعوں پر کیا کیا جائے؟

المستفتی نمبر ۷۴۶ نور محمد صاحب ہیڈ ماسٹر جونڈلہ ضلع کرنال ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۲۳) ہاں مونڈھوں سے اونچے ہوں تو بہتر ہے۔ ورنہ طاقوں میں رکھے ہوئے قرآن مجید کی طرف پیٹھ ہو جانے میں گناہ نہیں۔

(۲) جب کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو تلاوت کرنے والے کو آہستہ آہستہ پڑھنا لازم ہے۔ زور زور سے پڑھنا مکروہ ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کا حکم.

(سوال) پرانے ورق مصحف کے کہ قابل انتفاع نہ رہیں تو آگ (۱) میں جلائے جائیں یا پانی (۲) میں دھوئے جائیں پھر پانی کو پاک جگہ میں ڈالا جائے، یا زمین میں محفوظ جگہ پر دفن کئے جائیں۔ جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے۔ **المصحف اذا صار بحال لايقرء فيه يدفن كالمسلم . رد المحتار جلد اول ص ۱۳۰ قوله يد فن اى يجعل فى خرقة طاهرة ويد فن فى محل غير ممتهن لايوطأ وفى الذخيرة وينبغى ان يلحد له ولا يشق له لا نه يحتاج الى اهلة التراب عليه وفى ذلك نوع تحقير الا اذا جعل فوقه سقفا بحيث لا يصل التراب اليه فهو حسن ايضاً الخ در مختار جلد اول ۱۳۰ قوله كا لمسلم فانه مكرم واذا مات و عدم نفسه يد فن و كذلك المصحف فليس فى اهانة اهالة له بل ذلك اكرام خوفا من الامتهان . درمختار جلد اول ص ۱۳۱ . بينوا توجروا.**

المستفتی نمبر ۷۵۱ مولوی سراج الدین (ضلع ملتان) ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۲ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۲۴) محفوظ مقام میں دفن کر دینا بھی جائز ہے لیکن جلا دینا آج کل زیادہ بہتر ہے کیونکہ ایسا محفوظ مقام دستیاب ہونا مشکل ہے کہ وہاں آدمی یا جانور نہ پہنچ سکیں۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مصاحف کو جلانا اس کے جواز کی دلیل ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

۱۔ وفی المحیط یکرہ رفع الصوت لقراءۃ القرآن عند المشتغلین بالاعمال ، مجموعۃ الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی ، (۴ ۔ ۳۰۳ امجد اکیڈمی لاہور)
۲۔ وامر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ اومصحف ان یحرق (بخاری: ۲ ۷۴۶)

(جواب ۱۲۵) دیگر بوسیدہ اوراق قرآن مجید جب انتفاع کے قابل نہ رہیں توان کو دفن کر دینا چاہئے، مگر ایسے مقام پر کہ وہاں آدمیوں یا جانوروں کے قدم نہ پہنچیں اور اگر ایسا مقام دستیاب نہ ہو تو پھر احتیاط سے جلا کر راکھ دریا میں بہا دینا چاہئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصاحب کو اسی غرض سے جلاویا تھا۔ جلانا بغرض احترام ناجائز نہیں ہے۔　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

قرآنی آیات اور قابل احترام مضامین والے اوراق کو ردی میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے .

(سوال) اخباروں کے اندر جو قرآن پاک کی آیتیں لکھی ہوتی ہیں اور ان اخباروں کو پڑھنے کے بعد ردی میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۹۵۱ عبدالرزاق صاحب (لوجین) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۲۶) اخباروں کے اندر قرآن پاک کی آیتیں یا اور قابل احترام مضامین ہوں توان کو ردی میں استعمال کرنا ناجائز ہے۔(۱)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

جلسہ میں قرآن مجید کی تلاوت کو بقیہ امور پر مقدم رکھنا چاہئے .

(سوال) بچوں کو سکھانے کے لئے جلسہ کرایا جاتا ہے۔ اس میں قرآن شریف کی تلاوت اور کہانی یا مضمون اور نظم تین چیزیں ہوتی ہیں۔ اس میں ایک ترتیب تو یہ ہے کہ اول بچے قرآن شریف کی تلاوت کریں اس کے بعد کہانی اور نظم کا مرتبہ رکھا جائے۔ دوسری ترتیب یہ ہے کہ اول کہانی پھر قرآن شریف پھر نظم ان دونوں صورتوں میں سے بہتر صورت کون سی ہے۔ قرآن شریف کی تقدیم افضل ہے یا نظم اور کہانیوں کا مقدم کرنا جو صورت شرعاً افضل ہو بیان فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۱۰۸۳ عبدالعلیم سلمہ، (دہلی) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۳۰ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۲۷) قرآن شریف کی تقدیم افضل ہے۔ تاکہ وہ پہلے ہو جانے کی وجہ سے کہانی اور نظم کے ساتھ اختلاط سے محفوظ رہے۔　　　فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ الجواب صحیح۔ ریاض الدین عفی عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند الجواب صحیح محمد مظہر اللہ غفر لہ، امام مسجد فتحپوری دہلی۔

قرآن مجید کا بغیر عربی متن کے محض ترجمہ شائع کرنا کیسا ہے؟
کیا قرآن شریف کا ایسا ترجمہ جس میں عربی عبارت بالکل نہ ہو اور بامحاورہ عبارت ہو شائع کرنا درست ہے .

المستفتی نمبر ۱۱۹۸ انیس احمد صاحب (لاہور) ۷ رجب ۱۳۵۵ھ م ۲۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

---

(۱) ویکرہ ان یجعل شیا فی کاغذہ فیها اسم اللہ تعالیٰ کانت الکتابۃ علی ظاهر ها او باطنها. (الهندیہ: ۵/ ۳۲۳)

(جواب ۱۲۸) قرآن مجید کی اصل نظم عربی اور اس کی خصوصیات کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی عبارت ترجمہ کے ساتھ ضرور ہے۔ خالص ترجمہ کی اشاعت میں تغیر و تبدیل کے امکانات زیادہ ہیں اس لئے اس پر اقدام کرنا مسلمانوں کے لئے قریب صواب نہیں۔(۱)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

"میں مولوی کے مقابلے میں قرآن وحدیث کو نہیں مانتا نہ سننا چاہتا ہوں" کہنا کیسا ہے ؟

(سوال) ایک شخص کہتا ہے کہ میں قرآن وحدیث کو نہیں جانتا، نہ میں مولوی کے مقابلہ میں کوئی بات قرآن وحدیث کی سننا چاہتا ہوں، خواہ ہمارے مولوی غلط ہی کہیں۔ ایسے آدمی کے واسطے کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۲۸۸ محمد اسمٰعیل صاحب (امرتسر) ۲۳ شوال ۱۳۵۵ھ م ۷ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۲۹) یہ قول کہ میں مولوی کے مقابلہ میں قرآن وحدیث کو نہیں جانتا اور نہ سننا چاہتا ہوں۔ بہت سخت گناہ کی بات ہے اور موجب فسق ہے۔(۲)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

قرآن مجید کی طبع ونشر اور تجارت سے نفع حاصل کرنا جائز ہے .
قرآن کریم کو بغرض تعلیم پارہ پارہ کرکے چھاپنا درست ہے .

(سوال) (۱) قرآن کریم کی طبع ونشر غیر مسلم اقوام کے ہاتھ میں نہیں ہونا چاہئے۔ اگر کوئی مسلم کمپنی کوئی بنک مسلم ایسا کام اپنے ہاتھ میں لے تو لوگوں کو اس ہستی کا مشکور ہونا چاہئے۔ لیکن اس ہستی کو قرآن کریم کو ایک مال تجارت تصور نہ کرنا چاہئے۔ ہاں اس کے متعلق جس قدر مصارف (خواہ کثیر یا قلیل) ہوں ان کو وصول کرنے کا حق حاصل ہے۔ مگر اس سے زیادہ وصول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔ جو روپیہ بطور منافع اس طرح سے حاصل ہوگا وہ ناجائز ہے۔ میرا یہ خیال صحیح ہے تو پھر ایسے منافع کے حصہ داران بھی جائز روپیہ حاصل نہیں کرتے اور احتیاط اسی میں ہے کہ اس منافع سے پرہیز کیا جاوے۔ عوام کو عموماً اور امراء کو خصوصاً۔

(۲) قرآن کریم کو حصہ حصہ کرکے (مثلاً پنج سورہ۔ یازدہ سورہ۔ سیزدہ سورہ) چھپوانا درست ہے کیا اس طرح قرآن کریم کا پارہ پارہ ہو جانے کا اندیشہ نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ دار خود اللہ کریم ہے۔

(۳) قرآن کا ہشت رنگ وغیرہ کرنا کہ اس کی صورت مزین معلوم ہو، نیز موجودہ زمانہ کے مطابق بھی ہے تو یہ کہاں تک درست ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۳۵۹ محمد برکت علی صاحب سب جج پنشنر (جالندھر) ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۶ فروری ۱۹۳۷ء۔

۱۔ ان اعتاد القراءة بالفارسیة او اراد ان یکتب مصحفا بها یمنع ... (الشامیة : ۱/ ۴۸۶)
۲۔ حضرت مفتی صاحب نے احتیاطاً کفر کا فتوی نہیں دیا، ورنہ ایسے کلمات کہنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ ویکفر اذا انکر آیة من القرآن او سخر بآیة منه۔ (البحر الرائق : ۵/ ۱۳۱ بیروت)

(جواب ۱۳۰)(۱)مصاحف مطبوعہ یا قلمی مالک کی ملک ہیں اور وہ ان کو بیع کر سکتے ہیں، اور ان کی تجارت ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور قرآن کریم کی طبع اور نشر اور تجارت سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔(۱)
(۲) حصہ حصہ کر کے شائع کرنا مباح ہے اور بغرض تعلیم بچوں کے لئے پارہ پارہ کر کے چھاپنا بھی مفید ہے اور سلفاً اور خلفاً معمول بہ ہے۔
(۳) یہ صورت خلاف اولیٰ ہے، لیکن اگر غرض قرآن مجید کی عظمت واحترام ہو تو مباح ہے(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

بلا قصد سپارہ ہاتھ سے گر جانے پر پکڑ نہیں۔

(سوال) تین سال کا عرصہ ہوا کہ مسجد میں شب کو زید و بکر کا کچھ جھگڑا ہوا۔ دونوں بیٹھے ہوئے تھے اور غصہ میں گفتگو باہمی کر رہے تھے۔ زید نے سپارہ ہاتھ میں لے کر بکر سے یہ کہا کہ میں نے پہلے بھی قسم کھائی تھی جس پر تم نے اعتبار نہیں کیا۔ پس زید کے ہاتھ سے سپارہ فرش پر گر پڑا۔ بعد اس کے دونوں کچھ عرصہ تک ہم کلام نہیں ہوئے۔ جب لوگوں نے باہمی صلح پر دونوں کو مجبور کیا تو زید نے خود چھوٹے ہونے کے سبب بکر سے معافی مانگ لی اور دونوں راضی ہو گئے، لیکن بکر پھر بھی مسجد میں نہیں آیا اور مسجد اور جماعت کو اس نے ترک ہی رکھا۔ بکر سے جب دریافت کیا گیا تو اس نے یہ کہا کہ زید کے ہاتھ سے جو سپارہ گر پڑا ہے اس پر شرعی کسی مولوی صاحب کا حکم ہونا چاہئے، جب میں مسجد میں آوں گا۔ اور زید مسجد میں تمام نمازیوں کے روبرو یہ اعلان کر چکا ہے کہ میں نے بحیثیت چھوٹے ہونے کے بکر سے راضی نامہ کر لیا اور معافی کا خواستگار ہوا۔ اور جو سپارہ کہ غصے میں میرے ہاتھ سے گرا اس پر اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں توبہ کی۔ اب حضور مہربانی فرما کر دونوں کے بارے میں جو حکم شرعی ہو، جواب دیجئے گا۔ تاکہ حضور کے جواب پر سب متفق ہوں۔ المستفتی نمبر ۱۴۰۰ مولوی بہادر خان صاحب۔ اے۔ ٹی۔ کمپنی نمبر ۱۳ چھاؤنی (چمن) ۲۷ محرم ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۱۳۱) زید کے ہاتھ سے بلا قصد سپارہ گر گیا تو زید پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ صرف اس بے احتیاطی اور غفلت کی وجہ سے اس کو بارگاہ رب العزت جل شانہ میں توبہ واستغفار کر لینا کافی ہے بکر کو اس میں مداخلت کا کوئی حق نہیں۔ زید اور بکر کے درمیان کشیدگی کے جو اسباب تھے وہ رفع کر دیئے گئے اور معافی ہو گئی تو بکر کو زید کے ساتھ کلام و سلام کرنے اور مسجد و جماعت میں شریک ہونے سے باز نہیں رہنا چاہئے۔(۳) فقط محمد کفایت اللہ

ہندی رسم الخط میں قرآن کریم شائع کرنا جائز نہیں۔

ہندوؤں میں قرآنی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور ان کی ہدایت کے لئے ہندی ترجمہ کے ساتھ اگر

۱۔ کاغذ اور سیاہی مال متقوم ہے اس لئے مصحف کی تجارت جائز ہے۔
۲۔ وجاز تحلیة المصحف لما فیه من تعظیمه۔ (تنویر مع الدر : ۶/ ۳۸۶ سعید)
۳۔ عن ابی ایوب الانصاری ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال : لا یحل لرجل یهجر اخاه فوق ثلث لیال۔ (بخاری شریف : ۲/ ۸۹۷ قدیمی کتب خانہ)

ہندی رسم الخط میں بھی متن بھی درج کیا جائے تو کیسا ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۵۶ محمد عبدالحی (کانپور) ۲۰ محرم ۱۳۵۹ھ م ۲۹ فروری ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۳۲) چونکہ ہندی رسم الخط میں عربی کے کئی حرف نہیں ہیں اور نہ ان کو ظاہر کرنے کے لئے وہ فنی قطعی علامات ہیں اس لئے متن قرآن اور نظم فرقان کو ہندی رسم الخط میں شائع کرنا جائز نہیں ہندی ترجمہ ہندی رسم الخط میں شائع کیا جاسکتا ہے ، مگر نظم قرآن کو عربی رسم الخط میں ہی لکھا جائے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

غیر مسلم سے قرآن پاک کی جلد بنوانا .

(سوال) جہاں جلد ساز مسلمان نہ ہو وہاں ہندو جلد ساز سے کلام مجید مترجم کی جلد بنوانا جائز یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۲۵۱ شجاعت حسین (ضلع آرہ) ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۶ مئی ۱۹۳۸ء۔

(جواب ۱۳۳) ہندو جلد ساز سے حتی الامکان قرآن مجید کی جلد نہ بنوائی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کا حکم .

(سوال) قرآن مجید کے اوراق کہنہ کو کس طرح ضائع کیا جائے ؟

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۵ء)

(جواب ۱۳۴) فقہائے کرام نے قرآن پاک کے اوراق کہنہ کے لئے یہ ترکیب بتائی ہے کہ ان کو کسی برتن میں رکھ کر بغلی قبر کے مشابہ گڑھا کھود کر ایسے مقام میں دفن کر دیا جائے جہاں آدمی اور جانور نہ پہنچتے ہوں ،(۱) مگر ایسی جگہ کا آج کل ملنا مشکل ہے ، اس لئے اگر جلا کر ان کی راکھ دریا میں ڈال دی جائے تو اس میں زیادہ امن ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ

قرآن پاک کے علاوہ جو دس پارے بتائے جاتے ہیں . ان کو ناپاک چیز کے ساتھ تشبیہ دینا .

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۲۷ء)

(سوال) بمقام اودگیر مجلس شب قدر میں ایک واعظ صاحب نے اثنائے وعظ میں یوں فرمایا کہ کلام مجید میں تیس پاروں کے علاوہ دس پارے اور ہیں جو صوفیا بیان کرتے ہیں ، انہوں نے ان پاروں کو ایسا پوشیدہ رکھا ہے جیسا کہ عورت اپنی حیض کی چندیوں کو پوشیدہ رکھتی ہے۔ پس ایسی مجلس متبرک میں واعظ صاحب کا کلام پاک کو ایک ایسی نجس چیز سے تمثیل دینا جائز ہے یا نہیں۔ ؟

۱۔ اعتاد القراءة بالفارسية واراد ان يكتب مصحفا بها يمنع، وان كتب القرآن و تفسير كل حرف و ترجمته جاز . (ردالمحتار ۱ / ۳۸۶ سعید)

۲۔ المصحف اذا صار خلقا ... يلحده ... (هندیہ : ۵ / ۳۲۳ ماجدیہ)

۳۔ بہتر یہ ہے کہ جلائے بغیر دریا میں بہا دیا جائے المصحف اذا صار خلقا و تعذرت القراءة منه لا يحرق بالنار ... وبه ناخذ (هندیہ ۱ / ۳۲۳ ماجدیہ ولا باس بان تلقى في ماء جار . (ردالمحتار : ۱ / ۱۷۷ سعید)

(جواب ۱۳۵) اگرچہ واعظ صاحب نے غالباً یہ الفاظ بطور طنز کے بیان کئے ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ قرآن مجید انہیں تیس پاروں میں جو موجود ہیں کامل و مکمل ہے۔ اس کے علاوہ اور دس پارے نہیں ہیں۔ جو لوگ اور دس پارے بیان کرتے ہیں تو کیوں ان کو منظر عام پر نہیں لاتے؟ اور کیوں ان افتراء کردہ پاروں کو بیض کے چوری کی طرح چھپاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو دس پارے اور بتائے جاتے ہیں اور ان کو قرآن کا جزو قرار دیا جاتا ہے وہ بحیثیت کذب و افتراء کے ناپاک ہی ہوں گے۔ اس لئے مضمون مذکور کی نوعیت اگر یہی ہو تو مضمون فی نفسہ قابل الزام نہیں ہے۔ تاہم اس طرح سے تعبیر کرنا بھی صحیح طریقے پر مبنی نہیں ہے کہ اس سے غلط فہمی ہو سکتی ہے اور ہوئی کہ اس سوال کی نوبت آئی۔(۱)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

مسئلہ خلق قرآن.

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

(سوال) مولوی محمد مسلم صاحب ایل پوری نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ کاغذ، سیاہی مخلوق ہے اور اللہ کا کلام خالق ہے۔ کیا یہ بات درست ہے؟

(جواب ۱۳۶) قرآن مجید۔ عوام جس کو قرآن مجید، کلام مجید کہتے ہیں وہ مصحف ہے۔ یعنی کاغذ یا کسی اور چیز پر لکھا ہوا یا چھپا ہوا قرآن۔ یہ یقیناً مخلوق ہے، حادث ہے۔ اور کلام پاک جو ہم اپنی زبان سے پڑھتے ہیں اور ہمارے الفاظ سے اس کی عبارت بنتی ہے، یہ بھی مخلوق اور حادث ہے۔ اس کے اوپر اس کا مدلول یعنی وہ کلام ہے جس کو ہم سمجھتے ہیں کہ خدا کا کلام ہے تو وہ کلام نفسی مخلوق نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی صفت ہے۔ وہ فی حد ذاتہ خالق یا مخلوق نہیں ہے۔ بلکہ خالق کی ذاتی صفت ہے۔(۲)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

(۱) قرآنی آیت والے اخبارات کو ردی میں استعمال کرنا مناسب نہیں.
(۲) قرآن کریم پاس موجود ہو کسی کی تعظیم کیلئے کھڑا ہونا۔

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ یکم اپریل ۱۹۳۶ء)

(سوال) (۱) اکثر اخبارات وغیرہ میں اللہ عزوجل کے اسماء یا آیات قرآنی یا رسول اللہ ﷺ کا اسم مبارک یا احادیث وغیرہ لکھی رہتی ہیں، ایسے اخبار لوگ ردی میں بیچ دیتے ہیں، پھر وہ ردی کاغذ پڑیوں میں لفافوں میں لگایا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) جب کہ ہمارے سامنے یا پاس قرآن کریم موجود ہو تو کیا ہم کسی شخص کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر تعظیم کے لئے قرآن کریم لئے ہوئے کھڑے ہو جائیں تو کیسا ہے؟

۱۔ فقہاء نے ایسی باتوں سے منع فرمایا ہے، جسے عوام غلط فہمی کا شکار ہو جائے، "لکن الاولی ان لا یقرء بالغریبة عند العوام صیانة لدینهم" (الدر مع الرد ۱: ۵۴۱ سعید)

۲۔ والقرآن کلام اللہ تعالی غیر مخلوق و عقب القرآن کلام اللہ تعالیٰ لما ذکر المشائخ من انه یقال القرآن کلام اللہ تعالی غیر مخلوق و لا یقال القرآن غیر مخلوق لئلا یسبق الی الفهم ان المؤلف من الاصوات و الحروف قدیم　الخ (شرح العقائد ۱۱۹ طبع ایچ ایم سعید)

(جواب ۱۳۷) (۱) ایسے اخباروں کو جلا دینا چاہئے، ردی میں فروخت کرنا مناسب نہیں۔
(۲) قرآن مجید کے تعظیم کے لئے کھڑا ہونا شرعاً ثابت نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

استدراک (الجمعیۃ مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۳۶ء)

سوال نمبر ۲ کا صحیح جواب یہ ہے کہ اثنائے تلاوت قرآن مجید میں کسی شخص کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا نہیں چاہئے(۱) اور اگر تلاوت نہیں کر رہا، صرف قرآن مجید پاس رکھا ہے تو کسی آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے میں مضائقہ نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ، دہلی۔

(۱) قرآن شریف کو بغیر وضو کے چھونا ناجائز ہے۔
(۲) قرآن مجید کا غیر عربی میں ترجمہ جائز ہے۔
(۳) قرآن شریف کے ترجمے کو بغیر وضو کے ہاتھ لگانا۔
(۴) قرآن مجید کا ترجمہ غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کرنا۔
(۵) قرآن مجید کا متن غیر عربی رسم الخط میں لکھنا۔
(۶) کاغذ پر لکھی ہوئی آیت کو بغیر وضو کے چھونا۔
(۷) قرآن شریف کے بوسیدہ جلدوں کا حکم۔
(۸ / ۹) تلاوت پر اجرت لینا جائز نہیں اور اجرت لینے والے کی امامت درست نہیں۔
(۱۰) امامت کی اجرت کا حکم۔
(۱۱) "لا یمسہ الا المطھرون" سے کیا مراد ہے؟

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء)

(سوال) (۱) قرآن شریف کو بغیر وضو کے چھونا کیسا ہے؟
(۲) قرآن شریف کا ترجمہ کرنا مثلاً انگریزی، گجراتی، ملیالم وغیرہ میں جائز ہے یا ناجائز؟
(۳) قرآن شریف پورا ترجمہ کیا ہوا یا تھوڑا بغیر وضو کے ہر فاسق و فاجر مسلمان کے ہاتھوں استعمال کرنا کیسا ہے؟
(۴) قرآن شریف کا ترجمہ کسی غیر مسلم کے ہاتھوں فروخت کرنا کیسا ہے؟
(۵) قرآن شریف کی اصلی عربی عبارت کسی غیر عربی رسم الخط میں لکھنا جائز ہے یا نہیں؟
(۶) قرآن شریف کی کوئی آیت کسی کاغذ پر لکھی ہوئی ہو اس کو بغیر وضو کے چھو سکتے ہیں یا نہیں؟
(۷) قرآن شریف کی پھٹی ہوئی ایسی جلدیں جو بوجہ شکستگی استعمال میں نہ رکھ سکتے ہوں انہیں کیا کرنا چاہئے؟

(۱) یعنی اس وقت جب کہ آنے والا عالم یا اس کا استاد یا اس کا باپ ہو یا ان میں سے کوئی آئے تو دوران تلاوت کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ قوم يقرئون القرآن من المصاحف اويقرء رجل واحد فدخل عليه من الاجلة والا شراف . فقام القارى لاجله قالو ان دخل عالم اوابوه او استاذه الذى علمه العلم، جازله ان يقوم لاجله، وسوا ذلك لايجوز . (هندية: ۵/ ۳۱۶ ماجدية)

(۸) قرآن شریف کی تلاوت کرنا کسی مقررہ معاوضے پر جائز ہے یا نہیں ؟

(۹) ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جو بامعاوضہ قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہو جائز ہے یا ناجائز ؟

(۱۰) بامعاوضہ مسجد میں نماز پڑھانا کیا حکم رکھتا ہے ؟

(جواب ۱۳۸) (۱) قرآن شریف کو بغیر وضو کے چھونا مسلمان کے لئے ناجائز ہے۔(۱) (۲) قرآن کریم کا غیر زبان میں ترجمہ کرنا بغرض تبلیغ جائز ہے (۲) (۳) قرآن کریم کا ترجمہ مسلمان کے حق میں قرآن مجید کا حکم رکھتا ہے اور غیر مسلموں کو تبلیغ کے لئے دینا جائز ہے (۳) (۴) بغرض تبلیغ جائز ہے (۵) بغرض تبلیغ و تفہیم بقدر ضرورت جائز ہے (۴) (۶) مسلمان کے لئے ناجائز ہے (۵) (۷) بہتر ہے کہ ان کو محفوظ طریقے پر دفن کردیں۔ ایسی جگہ دفن کریں جو پامال نہ ہوتی ہو یا جلا کر راکھ دریا میں ڈال دیں (۶) (۸) تلاوت کی اجرت دینا یا لینا ناجائز ہے (۷) (۹) جائز ہے مگر خلاف اولیٰ (۸) (۱۰) امامت کی اجرت لینی جائز ہے۔(۹) (۱۱) آیت کریمہ کے معنی یہ بھی ہیں کہ قرآن شریف کو پاک لوگوں کے سوا دوسرے نہ چھوئیں۔ اور دوسرے معنی بھی ہیں۔(۱۰)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

موجودہ انجیل اور توریت محرف ہے۔

ازاخبار الجمعیۃ دہلی مؤرخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۷ء

(السوال) موجودہ انجیل و توراۃ کے مضامین قبل کے مطابق ہیں یا نہیں ؟

(الجواب ۱۳۹) موجودہ انجیل و توراۃ محرف ہیں۔ ان کے اندر تحریف و تبدیل کا وقوع قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اس لئے ان کے مضامین پر بھروسہ نہیں رہا کہ کون سی عبارت منزل من اللہ ہے اور کون سی تحریف شدہ (۱۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ لایمسہ الا المطہرون .(الواقعہ : ۷۹)

۲۔ فان کتب القرآن و تفسیر کل حرف و ترجمتہ جاز ،(ردالمحتار : ۱ / ۱۷۷)

۳۔ یہ مفتی صاحب کی رائے ہے فقہاء کرام جواز کے قائل ہیں۔ وقد جوز اصحابنا مس کتب التفسیر للمحدث (الدرالمختار ۱ / ۱۷۷ سعید)

۴۔ تجوز کتابة آیة او آیاتین بالفارسیة لا اکثر . (الدرالمختار : ۱ / ۳۸۶)

۵۔ لایمسہ الا المطہرون . (الواقعہ ۷۹)

۶۔ المصحف اذا صار خلقا　یلحد الخ (ہندیہ : ۵ / ۳۲۳ ماجدیہ)

۷۔ اقول : المفتی بہ جواز الاخذ استحسانا علی تعلیم القرآن لا علی القراءة المجردة .(الشامیہ : ۵ / ۵۶ سعید)

۸۔ مکروہ ہے کیونکہ گناہ پر اصرار کرنے سے آدمی فاسق ہو جاتا اور فاسق کی امامت مکروہ ہے دیکھئے (الشامیہ : ۱ / ۵۵۶)

۹۔ استحسنوا الاستیجار　وزاد فی متن المجمع الامامة .(ردالمحتار : ۶ / ۵۵ سعید)

۱۰۔ وقال العوفی عن ابن عباس (لا یمسہ الا المطہرون) یعنی الملائکہ، وعن قتادة (لایمسہ الا المطہرون) قال لا یمسہ عند اللہ الا المطہرون الخ ، وقال: ابن زید زعمت کفار قریش ان ھذا القرآن تنزلت بہ الشیاطین فاخبر اللہ تعالی انہ لایمسہ الا المطہرون ، وقال الاخرون : (لا یمسہ الا المطہرون) ای من الجنابة والحدث،(تفسیر ابن کثیر ۴ / ۲۹۸ سہیل اکیڈمی لاہور)

۱۱۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ . (النساء ۴۶)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم، (بخاری : ۲ / ۱۰۹۴ قدیمی کتب خانہ)

چھٹا باب
خلیفہ، امام، امیر

حدیث میں بارہ خلفاء سے کون مراد ہے؟

(سوال) بموجب حدیث مندرجہ ذیل جن کے اسمائے گرامی کی تصریح نہیں کون سے خلفاء مقصود ہیں۔ برائے مہربانی ان خلفاء کے اسمائے مبارک سے اطلاع بخشیں۔ حدیث یہ ہے۔ **عن جابر بن سمرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يزال الا سلام عزيز ا الى اثنى عشر خليفة كلهم من قريش . وفي رواية لايزال امرالناس ماضيا ماولهم اثنا عشر رجلا كلهم من قريش وفي رواية لايزال الدين قائما حتى تقوم الساعة اويكون عليهم اثنا عشر خليفةكلهم من قريش. مشكوة المصابيح جلد چهارم . مناقب قريش.**

(جواب ۱٤۰) اس حدیث کے معنی میں تین قول ہیں۔ قول اول کا خلاصہ یہ ہے کہ اثنا عشر خلیفہ سے وہ امرائے بنی امیہ مراد ہیں جو زمانہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ اور یہ قول بنا بر مدح نہیں بلکہ صرف استقامت سلطنت کا بتانا مقصود ہے۔ اور اس صورت میں ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) یزید بن معاویہ (۲) معاویہ بن یزید (۳) عبدالملک۔ (۴) ولید۔ (۵) سلیمان۔ (۶) عمر بن عبدالعزیز۔ (۷) یزید بن عبدالملک۔ (۸) ہشام۔ (۹) ولید بن یزید۔ (۱۰) یزید بن الولید بن عبدالملک۔ (۱۱) ابراہیم بن الولید۔ (۱۲) مروان بن محمد۔ چنانچہ بنی امیہ میں یہ بارہ خلفاء ہوئے ان کے بعد سلطنت بنی امیہ سے نکل کر بنی عباس میں چلی گئی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بارہ خلیفہ ہیں جو امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ہوں گے جن میں سے پانچ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہوں گے اور پانچ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے۔ ان سب کے بعد پھر ایک بزرگ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہوں گے اور ان کے بعد ان کے صاحبزادے۔ اس طرح بارہ خلیفہ ہوں گے اور سب امام برحق ہوں گے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ بارہ خلیفہ برحق قیامت تک پورے ہو جائیں گے۔ متصل ہونا ضروری نہیں۔ یہ تینوں قول مجمع البحار میں موجود ہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

حضرت علی سب سے افضل ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے بارے میں "آپ ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا" کہنے والے کی امامت کا حکم .

(سوال) زید کہتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، خلفاء میں افضل ہیں اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے متفق ہو کر کری اور آنحضرت ﷺ نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی بابت کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) مجمع بحار الانوار : ۱ : ۸۳ مجلس دائرة المعارف حیدر آباد دکن الهند

(جواب ۱۴۱) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل بتانا اور فضیلت کلیہ دینا تمام علمائے اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے۔ اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام امت محمدیہ سے افضل ہیں(۱) صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے متعلق یہ کہنا کہ انصار نے متفق ہو کر انہیں خلیفہ بنالیا، قائل کی ناواقفیت پر مبنی ہے۔ انصار تو شروع سے قریش کے خلاف تھے۔ کسی انصاری کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ بالآخر یہاں تک کہا کہ ایک خلیفہ قریشی ہو تو ایک انصاری(۲) لیکن تمام مہاجرین وانصار میں سے یہ کسی نے نہ کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل یا خلافت کے زیادہ مستحق اور حقدار ہیں۔ حضرت صدیق کی خلافت کو تمام مہاجرین وانصار نے تسلیم کیا۔(۳) اور کیوں نہ تسلیم کرتے جب کہ خود رسول اکرم ﷺ نے اپنے طرز عمل سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا جانشین بنادیا۔ اور نماز پڑھانے میں باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور چند اور اشخاص کے اس اصرار کے کہ کسی دوسرے کو امام بنایا جائے، آپ ﷺ نے نہ مانا۔ اور ناگواری کے لہجے میں فرمایا کہ تم صواحب یوسف علیہ السلام ہو، یعنی مجھ کو ایک امر حق سے پھیرنا چاہتی ہو۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی امام بنایا۔(۴) اور آنحضرت ﷺ نے بطور پیشگوئی پہلے ہی فرمادیا تھا کہ یابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر یعنی نہ خدا کسی دوسرے کو خلیفہ ہونے دے گا، نہ مسلمان کسی دوسرے کو خلیفہ بنائیں گے۔(۵) آپ ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ کو نور وحی سے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ میرے بعد خود حضرت رب العزۃ جل جلالہ کی ہی طرف سے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنائے جائیں گے۔ نیز مسلمان بھی کسی دوسرے کو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہوتے ہوئے پسند نہ کریں گے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے صراحۃً ان کی خلافت کے متعلق کچھ ارشاد فرمانے کی ضرورت نہ سمجھی۔ لیکن آپ ﷺ کا یہ طرز عمل اور یہ ارشادات بھی تصریح سے کم نہیں ہیں۔

پس مذہب حق یہی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تمام امت محمدیہ سے افضل تھے۔ یہ کہنا کہ حضرت ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے متعلق کچھ نہیں فرمایا صحیح نہیں۔ جیسا کہ آپ کے ارشادات جو مثل تصریح کے ہیں بخلافت صدیق پر دلالت کرتے ہیں۔ نیز آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے متعلق بھی تو کچھ تصریح نہیں فرمائی پھر ان کو کس وجہ سے مستحق خلافت قرار دے لیا گیا۔ پس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کلیہ کا قائل مبتدع ہے اور اس کی امامت مکروہ ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔(۱)

۱۔ افضل البشر بعد نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ. (شرح العقائد: ۱۲۳ طبع ایچ ایم سعید)
۲۔ فقال حباب بن المنذر لا واللہ لا نفعل، منا امیر و منکم امیر. (بخاری شریف ۱: ۵۱۸ قدیمی کتب خانہ)
۳۔ لان الصحابۃ قد اجتمعوا یوم توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واستقر رأیہم علی خلافۃ ابی بکر فاجمعوا علی ذلک وبایعہ علی علی رؤس الاشہاد بعد توقف کان منہ (شرح العقائد ۱۲۶ طبع ایچ ایم سعید)
۴۔ ترمذی شریف ۲: ۵۵۵ [illegible]
۵۔ مسلم شریف ۲: ۲۷۳ قدیمی کتب خانہ
۶۔ الرافضی ان کان یفضل علیا کرم اللہ وجہہ علی ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یکون کافرا الا انہ مبتدع (ہندیہ ۲: ۲۶۳ ماجدیہ) ویکرہ امامۃ مبتدع صاحب البدعۃ وہی الاعتقاد خلاف المعروف (الدر المختار ۱: ۵۵۹ سعید)

امام اور ولی میں فرق .

(سوال) امام اور ولی میں کیا فرق ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۳۵۴ انور الاسلام (رنگون) ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۵ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۴۲) ولی امام بھی ہو سکتا ہے اور امام ولی ہو سکتا ہے۔ امام تو اس کو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اپنا پیشوا اور مقتدا قرار دے لے(۱) اور ولی اس کو کہتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور معصیت سے بچے اور خدا کا دوست بن جائے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

اشتہار علمائے اہل حدیث اور احناف کا متفقہ فتویٰ میں درج فتویٰ کی وضاحت .

(سوال) عرض ہے کہ ایک مطبوعہ پوسٹر قبل از عیدالضحیٰ شائع ہوا جس کی سرخی یہ ہے کہ "علماء اہل حدیث و احناف کا متفقہ فتویٰ" جو منسلک عریضہ ہذا ہے۔ اس میں مجھ عاجز اور والد محترم جناب مولانا عبدالوہاب صاحب مرحوم و نیز جماعت غرباء اہل حدیث کے خود ساختہ عقائد از سائل بشکل سوال ا تا ۴ ظاہر کئے گئے ہیں۔ ان کے جوابات میں جناب کی طرف سے بجواب نمبر ۲۶ درج ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا سوالات نمبر ا تا نمبر ۴ بعینہ آپ کے پاس سائل لے کر آیا اور جواب جو آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ فی الواقع انہیں سوالات کے جواب میں آں جناب ہی نے تحریر فرمایا ہے، امید کہ اخلاق کریمانہ کو مد نظر رکھتے ہوئے اصل حقیقت سے آگاہ فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں گے۔

دیگر۔ سائل نے سوالات میں جو عقائد ہماری طرف منسوب کئے ہیں، وہ بالکل غلط اور تعصب پر مبنی ہیں۔ ہمارے جو عقائد ہیں وہ اشتہار بعنوان "اعلان عام برائے رفع اتہام" میں درج ہیں۔ جس کی ایک کاپی ارسال خدمت ہے۔ کیا ان عقائد کے سبب سے میں اور میرے والد اور میری جماعت خارج از اسلام ہو سکتے ہیں اور جمیع حقوق اسلامی سے محروم۔ نیز جو شخص کسی کے متعلق خلاف واقعہ سوالات کر کے مسلمانوں میں تشتیت و تفریق کا باعث ہو اس کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے۔ آں جناب بلا کسی رو رعایت کے آزادانہ جواب تحریر فرما کر ممنون فرمادیں۔ فقط

المستفتی نمبر ۱۳۷۳ ابو محمد عبدالستار خادم جماعت غرباء اہل حدیث صدر بازار دہلی ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۶ مارچ ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۱۴۳) پوسٹر معنون بعنوان "علمائے اہل حدیث و احناف کا متفقہ فتویٰ" میں نے دیکھا، مجھے افسوس ہے کہ اس بارے میں جو استفتاء میرے پاس آیا تھا اور جو جواب میں نے لکھا تھا، اس کی نقل نہیں رکھی گئی۔ جواب نمبر ۲۶ کی عبارت پڑھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ عبارت میری ہے لیکن مجھے یہ یاد نہیں آتا کہ سوال کی

۱۔ ویصیر اماما بالمبایعۃ وفی الشامیۃ واما بیعۃ جماعۃ من العلماء او من اھل الرای والتدبیر (الشامیہ : ۴ / ۲۶۳ سعید)

۲۔ والولی ھو العارف باللہ تعالی وصفاتہ حسب مایمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن انھماک فی اللذات والشھوت (شرح العقائد : ۱۲۰ ، ایچ ایم سعید)

عبارت بھی یہی تھی یا نہیں۔ بہر حال میرا جواب ان دعاوی اور خیالات کے متعلق ہے جو سوال میں مذکور تھے۔ اشخاص کے متعلق نہیں۔ جن لوگوں کے وہ عقائد و دعاوی اور خیالات ہوں ان کے ساتھ فتوی کا تعلق ہے اور جن کے وہ عقائد و خیالات نہ ہوں ان کے ساتھ میرا جواب متعلق نہیں مثلاً ان کا یہ خیال نہ ہو کہ مولوی عبدالوہاب صاحب یا آپ ایسے واجب الاطاعت امام ہیں کہ جو شخص ان کی بیعت میں داخل نہیں تھا یا آپ کی بیعت میں داخل نہیں، وہ باغی، کافر، جاہلیت کی موت مرنے والا ہے۔ اگر آپ باوجود ادعائے امامت کے بھی دوسرے اہل حدیث واحناف کو جو آپ کی یا آپ کے محترم والد صاحب کی بیعت میں داخل نہیں، مسلمان سمجھتے ہوں۔ باغی، کافر، جاہلیت کی موت مرنے والا نہ قرار دیتے ہوں۔ اور مسلمانوں کی زکوۃ کو جو آپ کو نہیں دی جاتی بلکہ مصارف زکوۃ میں لوگ خود ادا کرتے ہیں، باطل نہ قرار دیتے ہوں۔ دوسرے مسلمانوں یعنی آپ کے مبایعین کے سوا دیگر اہل حدیث اور احناف کی بیویوں کو ان کی صحیح منکوحات اور بغیر طلاق دوسرے لوگوں کے لئے حرام سمجھتے ہوں اور الفاظ کفریہ شرکیہ سے رقیہ کو ناجائز قرار دیتے ہوں تو میرا یہ جواب آپ کے متعلق نہیں ہے۔ آپ نے اپنے پوسٹر "اعلان عام برائے رفع اتہام" میں اپنے جو عقائد بیان فرمائے ہیں ان میں سے پہلے عقیدہ کے متعلق گذارش ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کا ایک امام ہونا چاہئے اور ایسا ہونا چاہئے نہ صرف لوگوں کی صحیح رہنمائی کرے بلکہ مظلوم کا انصاف بھی ظالم سے دلوائے۔ کفر و شرک کی بیخ کنی بھی کرے۔ حدود و قصاص بھی جاری کرے۔ بوقت ضرورت جہاد بھی جاری کرے۔ اور فتنہ و فساد کا انسداد کرکے عدل وانصاف اور امن قائم کرے۔(۱)

لیکن یہ سوال تو باقی رہ گیا کہ اگر بد قسمتی سے ایسا امام میسر نہ ہو تو آیا مسلمان ایسے امام کے نہ ہونے کی حالت میں مسلمان رہیں گے یا نہیں بلکہ ان کی موت موت جاہلیت ہو جائے گی۔ اور انگریزی حکومت میں ایسے امام کا جو صفات مذکورہ بالا سے متصف ہو وجود معدوم ہے، تو انگریزی حکومت کے رہنے والے مسلمان کیا کریں اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص جو اپنے محلّہ بلکہ اپنے گھر کے اندر بھی فتنہ و فساد کو قوت و طاقت سے نہ روک سکے وہ حقیقۃً امامت شرعیہ کا محل و مصداق نہیں۔ اور دوسرے عقیدے میں جس حدیث کا ذکر ہے۔(۲) وہ صحیح اور شرعی امامت کے موجود ہوتے ہوئے متخلف عن البیعت پر تو چسپاں کی جاسکتی ہے۔ لیکن ایسے معذورین کے لئے جن کو بد قسمتی سے صحیح شرعی امام میسر نہیں اور نہ وہ قائم کر سکتے ہیں۔ یہ سزا جو حدیث میں مذکور ہے عائد نہیں ہو سکتی، اس کے علاوہ بیعت سے بیعت خدا اور رسول بھی مراد ہو سکتی ہے خواہ امام ہو یا نہ ہو۔

نمبر ۳ میں جو حدیث مذکور ہے اس کا مفاد بھی یہ نہیں کہ اگر مزکی اپنے مال کی زکوۃ خود ادا کردے تو زکوۃ ادا نہیں ہوتی اور خصوصاً ان حالات میں کہ امام شرعی صحیح موجود نہیں بطلان زکوۃ کا حکم اور بھی تعدی ہے۔

۱۔ والمسلمون لا بدلهم من امام يقوم بتنفيذ احكامهم واقامة حدودهم وسد ثغورهم ، تجهيز جيوشهم واخذ صدقاتهم . (شرح العقائد : ۱۴۲۹ ایچ ایم سعید)

۲۔ من خلع يدا من طاعة لقى الله يوم القيامة لا حجة له ومن مات وليس فى عنقه بيعة مات مية جاهلية (مسلم : ۲ : ۱۲۸ قدیمی)

نمبر ۴ میں آپ نے جو ذکر کیا ہے کہ آپ کا عقیدہ وہی ہے جو مولوی محمد صاحب جوناگڈھی و مولوی احمد اللہ صاحب و مولوی ثناءاللہ صاحب و مولوی عبید اللہ صاحب کا ہے۔ تو میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس کی تفصیل معلوم نہیں کہ وہ عقیدہ کیا ہے؟ میں اس قدر عرض کر سکتا ہوں کہ اکراہ کے وقت کلمہ کفر زبان سے کہہ دینے کی جو اجازت ہے اس پر رقیہ کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اجازت کی صورت وہ ہے جہاں اجراء کلمۃ الکفر کا یقینی نتیجہ جان کا محفوظ ہو جانا ہو اور رقیہ کا یہ اثر کہ مرض مہلک کو اس شرکیہ رقیہ سے ضرور شفا ہو جائے گی، یقینی بلکہ ظنی بھی نہیں محض موہوم ہے اس لئے رقیہ کو اجراء کلمۃ الکفر پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

خلاف شرع حکم کرنے والے حکمران طاغوت ہیں ان کو "اولی الامر" میں داخل کرنے والے کی امامت ناجائز ہے۔

(سوال) جو شخص آیت شریفہ واولی الامر منکم کو حکام آئین موجودہ پر محمول کرتا ہو اور حکام آئین موجودہ کے حکم کو اس آیۃ شریفہ سے استدلال کر کے واجب العمل کہتا ہو تو ایسے شخص کا شریعت میں کیا حکم ہے اور اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۴۶۲ مولوی محمد شفیع صاحب مدرس اول مدرسہ اسلامیہ شہر ملتان ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۳ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۴۴) واولی الامر منکم سے علماء یا حکام مسلمین مراد ہیں۔ یعنی ایسے حکام جو مسلمان ہوں اور خدا و رسول ﷺ کے حکم کے موافق احکام جاری کریں۔(۱) ایسے مسلمان حاکم جو خدا و رسول کے احکام کے خلاف حکم جاری کریں۔ من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك ھم الکفرون میں داخل ہیں اور خدا اور رسول کے خلاف حکم جاری کرنے والوں کو قرآن پاک میں طاغوت فرمایا گیا ہے۔ اور طاغوت کی اطاعت حرام ہے۔(۲) پس جو شخص ایسے حکام کو جو الہٰی شریعت اور آسمانی قانون کے خلاف حکم کرتے ہیں "اولی الامر منکم" میں داخل قرار دے وہ قرآن پاک کی نصوص صریحہ کی مخالفت کرتا ہے۔ انگریزی قانون کے ماتحت خلاف شرع حکم کرنے والے خواہ غیر مسلم ہوں، خواہ نام کے مسلمان طاغوت ہیں۔ اولی الامر میں کسی طرح داخل نہیں ہو سکتے۔ ان کو اولی الامر میں داخل کرنے والا یا مجنون ہے یا جاہل یا فاسق۔ اور ایسی حالت میں اس کو مقتدا بنانا اور امام مقرر کرنا ناجائز ہے۔(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ عن ابن عباس (واولی الا مرمنکم) یعنی اھل الفقہ والدین و کذا قال مجاھد و عطاء والحسن البصری وابو العالیہ (واولی الا مرمنکم) یعنی العلماء والظاھر واللہ اعلم انھا عامۃ فی کل اولی الامر من الا مراء والعلماء ... (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۱۸ سہیل اکیڈمی لاہور)

۲۔ یریدون ان یتحا کموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ۔ (النساء: ۶۰)

۳۔ وان قدموا غیر الا ولی فقد اساؤ و کرہ امامۃ ... جاھل وفاسق (نورالایضاح ۳۱ مصر)

(۱) جس کے افعال خلاف شرع ہو اس کی بیعت جائز نہیں .
(۲) بیعت امارت پر طعن کرنا اور ایک امیر کی موجودگی میں دوسرے امیر کی بیعت کا حکم .

(سوال) (۱) زید حنفی المذہب ہے اور حرام کو وہ اعتقاداً حلال سمجھ کر لوگوں میں پھیلائے اور سرود وغیرہ قبرستان میں بجوائے اور اس کے بعض فعل مخالف شرع محمدی ہوں، کیا اس کی بیعت حلال ہے ؟
(۲) بیعت امارت حق ہے یا فضول ہے ؟ اور اس کے معتقد پر طعن کرنا درست ہے ؟ ایک امیر کی موجودگی میں دوسرا امیر بیعت کرا سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۰۶ ۱ مشتاق احمد قریشی (ڈیرہ غازی خاں) ۸ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۴۵) (۱) حرام جس کو وہ حلال قرار دیتا ہے وہ کیا ہے۔ سرود وغیرہ قبرستان میں بجوانا ناجائز ہے۔ جس کے افعال خلاف شرع ہوں اس کی بیعت ناجائز ہے۔(۱)
(۲) بیعت امارت جائز ہے مگر جب کہ امارت صحیح اصول کے موافق ممکن ہو ایک امیر متبع شریعت کی موجودگی میں اسی حلقے میں دوسرے امیر کی بیعت ناجائز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

بارہ خلیفوں والی روایت صحیح ہے .
یزید کو ملعون یا کافر کہنے کا حکم .

(سوال) کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بعد میرے بارہ خلیفہ ہوں گے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو ان کے نام تحریر فرمادیں۔ دوسرے یہ کہ یزید بن معاویہ کافر یا ملعون کہنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۴۰۷ عبدالغفار خاں (مالیر کوٹلہ) ۵ رجب ۱۳۵۷ھ م یکم ستمبر ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۴۶) بارہ خلیفوں والی روایات صحیح ہیں۔(۳) مگر ان کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے بارہ خلیفوں تک اسلام کی قوت و شوکت قائم رہنے کی خبر دی ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ بارہ خلیفہ خلفائے راشدین ہوں گے۔ خلافت راشدہ یا خلافت نبوت کی مدت تو تیس ۳۰ سال تک بیان فرمائی ہے۔(۴)
یزید بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافر ملعون کہنے والے خاطی ہیں، ان کو کافر کہنا بھی نہیں چاہئے۔(۵)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ استماع صوت الملاهی حرام (الشامیہ ۶: ۳۴۹ سعید)
۲۔ لایجوز نصب الامامین فی عصر واحد .(شرح فقہ اکبر :۱۷۹ ایچ ایم سعید)
۳۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال الدین قائما حتی تقوم الساعۃ اویکون علیکم اثنا عشر خلیفۃ کلهم من قریش (مسلم ۲: ۱۱۹ قدیمی)
۴۔ الخلافۃ بعدی فی امتی ثلاثون سنۃ کنز العمال(ج ۶ حدیث نمبر :۱۴۹۶۰) التراث الاسلامی بیروت۔
۵۔ حقیقۃ اللعن المشهورۃ هی الطرد عن الرحمۃ وهی لا تکون الا لکافر ولذا لم تجز علی معین لم یعلم موته علی الکفر بدلیل وان کان فاسقا مشهورا کیزید علی المعتمد .(الشامیۃ ۳: ۴۱۶ سعید)

ایک صوبے کے دو امیر نہیں ہو سکتے .
(۲) صوبے میں ایک امیر کی موجودگی میں دوسرے شخص کا دعوی امارت باطل ہے .
(۳) امیر کی اجازت کے بغیر ضلعی امیر کا انتخاب درست نہیں .
(۴) امیر صوبہ کے عطاء کردہ لقب کے علاوہ کوئی اور لقب اختیار کرنا .

(سوال) (۱) ایسے صوبہ میں جہاں صوبہ کے مسلمانوں کے اجتماع عام میں باتفاق ارباب حل و عقد کے لئے امیر شریعت کا انتخاب کیا گیا ہو، اس صوبہ میں دوسرے امیر شریعت کا انتخاب کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی دوسرا شخص اس صوبہ میں امیر شریعت ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کی متعلق شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے ؟

(۳) ایسے صوبہ میں جہاں صوبہ کے ارباب حل و عقد کے اتفاق سے پورے صوبہ کے لئے امیر شریعت منتخب ہو، اس صوبہ کے کسی ضلع میں بغیر استصواب واجازت امیر شریعت صوبہ کے کسی شخص کا کسی حیثیت سے امیر ہونا یا امیر شریعت منتخب کیا جانا شرعاً صحیح ہو گا؟ جب کہ استصواب اجازت کے حصول کے لئے کوئی مانع شرعی نہ ہو اور نہ کوئی داعیہ شرعی انتخاب کو مقتضی ہو۔

(۴) ایسی صورت میں کہ امیر شریعت صوبہ کی جانب سے نظام امارت شرعیہ کے تحت اضلاع میں اس طرح مسلمانوں کی تنظیم ہو کہ ہر چھوٹے حلقہ کے لئے ایک سردار اس حلقہ کے مسلمانوں کے اتفاق سے مقرر ہو جس کا نام "نقیب" ہو اور چند چھوٹے چھوٹے حلقوں کے مجموعہ کے لئے سردار "رئیس النقبا" اور "صدر النقیب" کے نام سے مقرر ہو۔ ایسی حالت میں کسی ضلع کے اندر بجائے نقیب "یا" رئیس النقباء "یا" صدر النقیب "کیا امیر شریعت صوبہ کی مقرر کردہ اصطلاح کے خلاف امیر شریعت کے نام سے سردار مقرر کرنا اور اس پر اصرار کرنا اس اصرار پر مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو جانا تفریق جماعت کو مستلزم ہے یا نہیں ؟ اور اس طرح کی تقرری شرعاً درست ہے یا نہیں۔

المستفتی نمبر ۲۷۱۱ عبداللہ صاحب بہاری۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ م ۲۶ مارچ ۱۹۴۲ء۔

(جواب ۱۴۷) (۱) صوبہ میں جب ایک امیر پہلے سے منتخب شدہ موجود ہے تو دوسرا امیر صوبہ بنانا ناجائز ہے۔ کیونکہ ایک صوبہ میں دو امیر نہیں ہو سکتے۔ یہ عمل حدیث صحیح صریح **وان لا ننازع الامر اهله** کے خلاف ہے .(۱)

(۲) امیر شریعت صوبہ ہونے کا مدعی باطل پر ہے۔ اس کا دعویٰ نامقبول، اس کی مساعی مردود، اس کی اطاعت حرام ہو گی۔

(۳) اگر کسی ضلع یا احاطہ کے لئے کوئی امیر متعین کیا جائے تو اس کے لئے امیر صوبہ کی طرف سے اذن بلکہ نصب و تعیین ہی امیر صوبہ کی طرف سے ہونی چاہئے، امیر صوبہ کی اجازت کے بغیر یہ شخص اطاعت امیر شریعت سے خارج اور عاصی ہو گا۔

۱۔ (بخاری شریف: ۲ / ۱۰۶۹ قدیمی)

(۴)امیر صوبہ اگر نقیب یا صدر النقباء یا رئیس النقباء کے نام سے کسی کو نامزد کرے تو یہی نام اور لقب اختیار کرنا ہوگا اور اگر امیر صوبہ کسی کو "امیر ناحیہ فلاں" کا لقب استعمال کرنے کی اجازت دے دے تو یہ لقب استعمال کرنا جائز ہوگا اور اجازت نہ دے تو یہ لقب اختیار کرنا جائز نہ ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

قوم کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لئے امیر شریعت کے تقرر کے لئے سعی کرنا۔ اگر امیر شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

(سوال) در علاقہ ما کہ معروف بہ سمرانزئی ایجنسی ملاکنڈ است از طرف حاکم وقت اختیارات فیصلہ ہا بہ جرگہ قوم سپرد است۔ اما در جرگہ اتفاق وامیر نیست بلکہ سہ فریق اند و ہر یک فریق بلحاظ دوستی خود یا بموجب رشوت وہی خصم اظہار رائے می کند و دوست خود را غالب می کند ارا کین جمعیۃ العلماء علاقہ ہذا ایں تجویز پاس کردہ:۔ کہ مایاں سعی و کوشش کردہ بہ ملکان و خانان قوم منت وزاری کردہ باشیم کہ اوشاں باتفاق خود یک مرکز معین کردہ امیر منتخب نمایند تاکہ فیصلہ ہائے قوم حسب شرع نبوی فیصل خواہد شد۔ لہذا تصدیعہ افزائے اوقات ہمایوں شدیم کہ برائے ما فتویٰ حسب سوالہائے مسطور ذیل از کتب معتبر خارج ساختہ ارسال فرمایند۔

(۱) سعی و کوشش کردن درامر مذکور الصدر بہتر است یانہ ؟

(۲) اگر خوب و بہتر بود و بفضلہ کامیاب شدیم پس کسیکہ باتفاق جرگہ معین شد امیر شرعی باشد یانہ ؟

(۳) اگر امیر شرعی شود پس اطاعت او تاکدام حدود در کدام امور برمالازم باشد ؟

(۴) اگر بعد از تقرر ہم فیصلہ با حسب شریعت نہ کند پس او امیر شرعی متصور بود یانہ و فیصلہ با دریں صورت (بہ یک مرکز و یک امیر) فیصل کردن بہتر باشد یا مثل ما مفتی باشخاص متعدد و پراگندہ اولیٰ باشد۔

(۵) معہ منشور فتویٰ چند احکام زجریہ و عقلیہ د حق کسانیکہ فیصلہ با بموجب عقل خود فیصل کنند واجر و ثواب کیساں یکہ فیصلہ بارب شریعت نبوی بانجام رسانند تحریر فرمودہ ارسال فرمایند۔

(ترجمہ) ہمارے علاقہ سمران زئی ایجنسی ملاکنڈ میں حکومت کی طرف سے مقدمات کے فیصل کرنے کا اختیار قوم کے جرگہ کے سپرد ہے۔ لیکن جرگہ کے اندر اتفاق واتحاد نہیں ہے اور امیر شریعت بھی نہیں ہے۔ بلکہ تین پارٹیاں ہیں اور ہر پارٹی دوستی و تعلقات یا صاحب معاملہ سے رشوت لینے کی بناء پر اظہار رائے کرتی ہے اور اسی ایک فریق کے حق میں فیصلہ کردیتی ہے اب اس علاقے کی جمعیۃ علماء کے اراکین نے مندرجہ ذیل تجویز پاس کی ہے :۔

کہ ملکان و خانان قوم سے منت سماجت کے ساتھ یہ درخواست کی جائے کہ وہ سب آپس میں متحد و متفق ہو کر ایک مرکز پر جمع ہو جائیں اور اپنا ایک امیر منتخب کریں تاکہ قوم کے تمام فیصلے شریعت کے مطابق انجام پذیر ہوں۔ لہذا جناب کو زحمت دی جاتی ہے کہ مندرجہ ذیل امور کے جوابات معتبر کتابوں سے عنایت فرمائیں۔

(۱) مذکورہ بالا تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرنا درست ہے یا نہیں ؟

(۲) اگر اس کوشش میں ہم کامیاب ہو جائیں ایک امیر منتخب کرلیں تو وہ امیر شرعی ہوگا یا نہیں۔
(۳) اگر وہ امیر شرعی ہوگا تو ہم پر اس کی اطاعت کس حد تک اور کن امور میں لازم ہوگی ؟
(۴) اگر وہ منتخب شدہ امیر بھی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرے تو اس کو امیر شرعی سمجھا جائے یا نہیں اور اس صورت میں بیک مرکز و یک امیر فیصلے کرانا ہوگا یا سابق کی طرح مختلف الرائے و پراگندہ اشخاص سے فیصلے کرانا بہتر ہوگا ؟
(۵) جو لوگ محض اپنی رائے اور اپنی عقل سے فیصلے کریں آخرت میں ان کے لئے کیا سزا ہے اور جو لوگ خالص شریعت کے مطابق فیصلے کریں، ان کے لئے کیا اجر و جزا ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۵۷۲ پیر گل بادشاہ شاہ صاحب (پشاور) ۶ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ م ۲۳ اپریل ۱۹۴۲ء

(جواب ۱۴۸) ان الحکم الا للّٰہ امر ان لا تعبدوا الا ایاہ .(۱) حضرت حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ حکم (یعنی فیصلہ) صرف اللہ کا ہے۔ اس نے بندوں کو حکم دیا ہے کہ کسی کی بجز خدا کے عبادت نہ کریں۔ تمام منازعات کا فیصلہ خدا اور رسول کی شریعت کے موافق کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔
خدا اور رسول کے خلاف فیصلہ کرنا طاغوتی اور شیطانی کام ہے جس سے ہر مسلمان کو بچنا لازم ہے۔(۲)
پس آپ ضرور امیر شریعت کے تقرر کی سعی کریں اور ایسا امیر مقرر کریں جو شریعت کے احکام سے واقف اور متورع اور متدین ہو(۳) اس کی اطاعت فی المعروف لازم ہوگی،(۴) اگر وہ شریعت کے احکام سے تجاوز کرے تو اس کو آئندہ معزول کردیں اور دوسرا امیر جو متبع شریعت ہو مقرر کرلیں۔ بہر حال ایک مرکز اور ایک امیر بہتر ہے، اگر مجبوری ہو اور ایسا امیر میسر نہ ہو یا کسی پر اتفاق نہ ہو سکے تو بدرجہ مجبوری ایک مختصر سی جماعت تین آدمیوں کی مقرر کریں جو شریعت کے موافق فیصلے کرے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

بادشاہ اسلام کے خلاف خروج کب جائز ہے ؟

(از اخبار الجمعیۃ سہ روزہ دہلی مورخہ یکم مارچ ۱۹۲۹ء)

(سوال) جو فرماں روائے اسلام مسلمانوں کی ترقی کی خاطر اصول سائنس یا دیگر اصلاحات یورپ کے بموجب احکام کا نفاذ کرے اور ملک کا پورا طبقہ ان اصلاحات کو قبول کرلے تو اس حاکم پر شرعی حکم کیا ہے ؟ کیا وہ اسلام سے خارج ہے یا نہیں ؟ اگر خارج ہے تو اس پر شرعی سزا کون سی عائد ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ جو سرکردہ گروہ یا علمائے محترم کا کوئی فرد ایسے بادشاہ کے افعال کو مورد لعنت اور اسلام کے خلاف قرار دے اور

۱۔ (یوسف ۴۰)
۲۔ من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون ۔(المائدۃ : ۴۴)
۳۔ ویشترط ان یکون من اھل الولایۃ المطلقۃ الکاملۃ ای مسلما، حرا، عاقلا، بالغا الخ (شرح العقائد : ۲۳۴)
۴۔ عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم السمع الطاعۃ علی المرء المسلم فیما احب وکرہ مالم یومر بمعصیۃ ، فاذا امر بالمعصیۃ فلا سمع وطاعۃ (بخاری شریف : ۲ / ۱۰۵۷)
۵۔ اما الشوری فالکل بمنزلۃ امام واحد .(شرح العقائد : ۲۳۴ ایچ ایم سعید)

اپنے گروہ کے اثر سے مقدس مقامات اور اسلامی ممالک میں بغاوتیں رونما کرے۔ مثلاً ترکی، حجاز، ایران، مصر، چین وغیرہ تو اس کو شرعاً کیا سزا دینا چاہئے ؟ کیا ایسی بغاوت میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو قتل کرنا یا لوٹنا جائز ہے یا ناجائز ؟ اگر ناجائز ہے تو ایسے باغی اور ایسے عالم کے لئے شرعاً کیا حکم ہے ؟

(جواب ۱۴۹) اسلام نے مادی ترقی کو منع نہیں کیا۔ سائنس اور کیمسٹری اور علوم عقلیہ کے دوسرے شعبوں سے فائدہ اٹھانے کو نہیں روکا۔ اسلامی ممالک میں جو نئی نئی چیزیں اصلاحات کے نام سے جاری ہو رہی ہیں وہ مختلف مدارج کی ہیں۔ بعض عقائد و خیالات سے تعلق رکھتی ہیں، بعض اعمال و فعال سے۔ پہلی قسم میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو الحاد و دہریت تک پہنچاتی ہیں اور اس سے کم درجہ بھی ہیں پس اجمالی طور پر تمام امور جدیدہ کو شامل کر کے نہ سوال کرنا درست ہے اور نہ جواب دینا ہی مناسب ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ان کا اجراء مسلمانوں کے لئے نہ صرف مفید بلکہ مقتضیات زمانہ کی بناء پر واجب و لازم ہے۔ اس سوال کے جواب میں اسی قدر کہا جا سکتا ہے کہ جس بادشاہ کی نافذ کردہ اصلاحات حدود اللہ سے متجاوز نہ ہوں اس کی اطاعت لازم ہے۔ اور بادشاہ اسلام کے خلاف خروج و بغاوت اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ اسلام کا حلقہ بگوش رہے۔ اور کھلم کھلا کفر اختیار نہ کرے، ایسی بغاوتوں میں مسلمانوں کو قتل کرنا، لوٹنا سخت حرام اور موجب وبال و نکال اخروی ہے

محمد کفایت اللہ غفر لہ دہلی۔

ساتواں باب
تقدیر و تدبیر

تقدیر کے منکر کا حکم

(سوال) ایک شخص عام جلسوں میں تقدیر اور وسیلہ پکڑنے سے لوگوں کو منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بھائیو ں تقدیر کوئی چیز نہیں، تدبیر کرو۔ اور وسیلہ کیا چیز ہے اپنی جانوں پر کھیلو۔

(جواب ۱۵۰) جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ تقدیر کچھ نہیں جو کچھ ہے تدبیر ہے وہ سخت غلطی پر ہے اور صریح نصوص کا انکار کرنے والا ہے۔ بکثرت احادیث اس کی شاہد ہیں۔(۱) ہاں تدبیر بھی محض بے کار نہیں ہے۔ مگر تقدیر کا انکار کرنا اور صرف تدبیر پر اعتماد کر لینا بھی غلطی ہے۔ اسی طرح صرف تقدیر پر ہاتھ پاؤں باندھ کر بیٹھ جانا بھی منشائے شریعت کے خلاف ہے۔ انسان کو لازم ہے کہ وہ اسباب کے موافق ہاتھ پاؤں مارے اور ان سے کام لے اور پھر یہ اعتقاد رکھے کہ میری تدبیر بھی اسی وقت کار آمد و مفید ہو گی کہ تقدیر موافق ہو۔ اس قسم کا عقیدہ رکھنے والوں سے اجتناب چاہئے اور ان کو اپنے مدرسے میں نہ رکھنا چاہئے تاکہ ان کا برا عقیدہ اوروں تک متعدی نہ ہو۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

تقدیر و تدبیر کا صحیح مفہوم

(سوال) زید کہتا ہے کہ ذریعہ معاش اختیار کرنا۔ اچھے یا خراب کام کرنا۔ دوزخ یا بہشت ملنا۔ امیر یا غریب ہونا، منجانب اللہ میری تقدیر میں پہلے ہی سے لکھے ہوئے ہیں۔

عمرو کہتا ہے کہ یہ سب میرے کام ہیں منجانب اللہ نہیں ہیں۔ تقدیر اندازہ یا فعل کے نتیجے کا نام ہے جو منجانب اللہ اٹل ہے۔ صحیح راستے پر زید ہے یا عمرو؟

المستفتی نمبر ۲۷۵۸ مظہر علی ولد نجف علی۔ محلہ قاضی گلی۔ امروہہ ضلع مراد آباد ۸ صفر ۱۳۶۲ھ م ۱۴ فروری ۱۹۴۳ء

(جواب ۱۵۱) زید کا یہ قول اس حد تک تو صحیح ہے کہ تمام کام جو انسانوں سے سرزد ہوتے ہیں تقدیر الٰہی سے ہوتے ہیں۔ یعنی ازل سے ابد تک کے تمام حوادث و واقعات کا اللہ تعالیٰ کو علم اور اندازہ تھا اسی علم خداوندی اور قدر ایزدی کے موافق تمام حوادث و واقعات اپنے اپنے وقت پر ہوتے رہتے ہیں، کوئی ایک ذرہ بھی خدا تعالیٰ کے علم و قدر سے باہر نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حق تعالیٰ بندوں کو اچھے برے کام پر مجبور کر چکا ہے یا کرتا ہے۔ بندے جو اچھے یا برے کام کرتے ہیں یا ذرائع معیشت اختیار کرتے ہیں وہ خدا کی دی ہوئی طاقت کو اپنے اختیار سے اس کے علم و قدر کے ماتحت استعمال کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے جزا یا سزا کے مستحق ہوتے ہیں کہ نیکی یا بدی کے

۱۔ عن ابن عمر رضی الله تعالی عنه کل شیء یقدر حتی العجز والکیس ، (مسلم : ۲/ ۳۳۶ قدیمی)
۲۔ کل شیء فعلوه فی الزبر ۝ کل صغیر و کبیر مستطر . (القمر : ۵۳)

ارتکاب میں ان کے قصد اور ارادے کو دخل ہے۔

عمرو کے اس قول کا (میرا ہی فعل ہے منجانب اللہ نہیں) اگر مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم و انداز سے میں یہ باتیں نہ تھیں جو بندے نے کیں تو یہ غلط ہے اس سے نعوذ باللہ جہل باری تعالیٰ لازم آتا ہے۔ اور اگر مطلب یہ ہے کہ خدا نے بندے کو ان باتوں پر مجبور نہیں کیا۔ اگرچہ اس کے علم و قدر کے مطابق سب باتیں ہوتی ہیں تو یہ بات صحیح ہے۔

بہر حال دونوں کی عبارتیں صاف نہیں ہیں۔ صاف عبارت یوں ہونی چاہئے کہ ہم جو ذریعہ معاش اختیار کرتے ہیں یا اچھے برے کام کرتے ہیں یا امیر و غریب ہوتے ہیں یہ سب کچھ اللہ کے علم و انداز سے کے موافق ہوتا ہے، باوجود اس کے ہم پتھروں کے مثل مجبور اور بے بس نہیں ہیں اور اپنے اچھے برے کاموں کے اچھے برے نتائج کے مستحق اور ذمہ دار اپنے اختیاری اعمال کی بناء پر ہوتے ہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) للعباد افعال إختيارية يثابون بها ان كانت طاعة ويعاقبون عليها ان كانت معصية لا كمازعمت الجبرية ... بمنزلة حركات الجمادات لاقدرة عليها ولا قصد ولا اختيار هذا باطل .. (شرح العقائد: ۵۰ دالتج - ایم سعید)

آٹھواں باب
اختلافی مسائل
فصل اول مسئلہ عید میلاد

یوم ولادت کی صحیح تاریخ اور میلاد منانے کا حکم.

(سوال) آج کل عام طور پر ۱۲ ربیع الاول کو حضور رسول خدا ﷺ کا یوم ولادت مناتے ہیں حالانکہ صحیح تاریخ یوم ولادت کی ۹ ربیع الاول ہے۔ نہ معلوم کس طرح یوم ولادت ۱۲ ربیع الاول کو منایا جاتا ہے۔ اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ یوم ولادت نہیں منایا جاتا بلکہ یوم وفات منایا جاتا ہے تو اس صورت میں بھی ۱۲ ربیع الاول کی بجائے ۱۳ ربیع الاول ہے۔

المستفتی نمبر احمد عبدالجلیل عثمانی۔ ایبٹ آباد۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ م ۱۲ جولائی ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۵۲) حضور سرور عالم ﷺ کی تاریخ ولادت میں پہلے سے مؤرخین واہل سیر کا اختلاف ہے۔ دوشنبہ کا دن اور ربیع الاول کا مہینہ تو متفق علیہ ہے، مگر تاریخ کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں۔ کسی نے دوسری، کسی نے تیسری کسی نے آٹھویں، کسی نے نویں، کسی نے بارھویں تاریخ بتائی ہے۔ ازروئے حساب جو جانچا گیا تو ۹ تاریخ والا قول زیادہ قوی ثابت ہوا۔ اسی وجہ سے علامہ شبلی نعمانی مرحوم اور مولانا قاضی محمد سلیمان مرحوم نے اسی قوی اور راجح قول کو اختیار فرمایا ہے۔ لیکن عوام میں بارھویں تاریخ والے قول کی شہرت زیادہ ہوگئی تھی، اس بناء پر عوام بارھویں ہی کو یوم ولادت سمجھتے ہیں اور سمجھتے رہے ہیں۔ (۱)

رہا عید میلاد منانا تو یہ کوئی شرعی چیز نہیں ہے۔ نہ سلف صالحین اور صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عید میلاد منائی نہ منانے کی ہدایت کی۔ حدیث شریف کی کتابیں اس عید میلاد کے ذکر سے خالی ہیں۔ ہاں حضور انور ﷺ کی سیرت پاک کے بیان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ یوم ولادت میں ہی ہو۔ اس کے لئے سال کے تمام دن مستحق ہیں کہ اس شرف کو حاصل کریں اور بہتر ہے کہ اس کو مختلف مہینوں کی مختلف تاریخوں میں منعقد کیا جائے۔ (۲) محمد کفایت اللہ غفرلہ دہلی۔

عید میلاد النبی منانا اسلام کی تعلیمات کے منافی ہے.

(سوال) ۱۲ ربیع الاول جو کہ آج سے چھ سال پہلے بارہ وفات کے نام سے مشہور تھا اور ان دنوں یوم النبی۔ عید میلاد النبی۔ یوم التبلیغ کے نام سے موسوم ہے۔ اس دن جلسے ہوتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی سیرت پر

۱۔ سیرۃ النبی ۱: ۱۷۶ اوپنی کتب خانہ لاہور

۲۔ انها تشابه الطريقة الشرعية من غير ان تكون في الحقيقة ومنها التزام الكيفيات والهيئات المعينه واتخاذ يوم ولادة النبي صلى الله عليه وسلم عيدا ۔ (الاعتصام ۱: ۳۹ الشاطبی طبع دار الفکر)

تقریریں ہوتی ہیں۔ نیز بڑا بھاری جلوس بڑے تزک و احتشام سے نکلتا ہے جس میں ارکان جلوس نعتیں نعرہ ہائے تکبیر لگاتے ہیں اور پرچم اسلام لہراتے ہوئے تمام شہر میں چکر لگاتے ہیں جس سے در و دیوار گونج اٹھتے ہیں۔ اس جلوس میں باجے، ڈھول اور نقارے بھی بجائے جاتے ہیں۔ غرض کہ بڑی رونق اور شان ہوتی ہے۔ دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب غیر قومیں اپنے اپنے پیشواؤں کے دن مناتی ہیں تو مسلمان اپنے پیشوا بلکہ دنیا کے پیشوائے اعظم کا دن کیوں نہ منائیں۔ لہذا مندرجہ ذیل سوالات کے جواب مطلوب ہیں۔

(۱) کیا قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ یا کسی اور نبی کی پیدائش یا وفات کا دن اس طرح منایا جائے۔ یا آنحضرت ﷺ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ میرے بعد میری پیدائش یا وفات کا دن اس طرح منایا جائے۔ کیا حضرات خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور ﷺ کی پیدائش یا وفات کا دن منایا ہے ؟ جس چیز کا حکم خدا اور رسول نے نہ دیا ہو اور اسلام کے ایک ایک حکم کو عملاً کر دکھانے والی جماعت یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اسے نہ کیا ہو کیا اس کو احدث فی الدین اور بدعت نہ کہا جائے گا۔

جب کہ حسب روایات معتبرہ مشہور یہی دن پیدائش کا ہے اور یہی وفات کا تو شرعاً مسلمان کون سا دن منائیں۔ کیا آدھا دن پیدائش کی خوشی اور نصف دن وفات کا غم کریں۔ کیا مجمعوں اور جلسوں میں جہاں باجہ اور ڈھول وغیرہ بجایا جائے شامل ہونا جائز ہے ؟ بدعت کی تعریف کیا ہے ؟

المستفتی نمبر ۳۴۰ کمیشن ایجنٹ ٹریڈنگ کمپنی ہوشیارپور۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۲۱ جون ۱۹۳۴ء۔

(جواب ۱۵۳) آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے دن عید منانا یا وفات کے دن ماتم اور غم منانا اسلامی تعلیم نہیں ہے۔ نہ آنحضرت ﷺ نے اس کا حکم دیا نہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ دن منایا۔ اور جلوس نکالنا باجے بجانا اور اسی قسم کے اور افعال مثلاً آتشبازی چھوڑنا افراط کے ساتھ روشنی کرنا چراغاں کرنا، اکھاڑے نکالنا یہ سب باتیں درست نہیں ہیں۔ ہاں حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کے بیان و تبلیغ اور حضور ﷺ کی تعلیم کی اشاعت کے لئے اجتماع منعقد کرنا اور اس میں مسلموں اور غیر مسلموں کو دعوت دینا اور حضور ﷺ کے فضائل و کمالات بیان کرنا جائز ہے۔ ابتداء میں یہ جلسے اسی غرض سے تجویز ہوئے تھے۔ اور سیرت کے بیان کے لئے یہ مقرر کئے گئے تھے اور اسی صورت سے میں نے بھی ان جلسوں کے موافق رائے ظاہر کی تھی مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کی کوئی تاریخ ہمیشہ کے لئے معین نہ کی جائے بلکہ ہر سال موسم کے لحاظ سے ایک مناسب تاریخ کا اعلان کر دیا جایا کرے۔ یا سال کی پہلی تاریخ (یکم محرم) مقرر کر دی جائے تاکہ عید میلاد کا شبہ نہ ہو اور یہ نام جو غیر شرعی ہے قائم نہ ہو جائے اور اصل مقصد جو نہایت نیک اور اہم ہے وہ حاصل ہو جائے یعنی آنحضرت ﷺ وارواحنا فداہ کے فضائل و کمالات چار دانگ عالم میں پہنچ جائیں اور غیر مسلموں کو بھی حضور ﷺ کے کمالات ذاتیہ کا علم ہو جائے اور اسلامی تعلیم کی فضیلت بھی آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہو جائے۔ مگر افسوس کہ لوگوں نے ان جلسہ ہائے سیرت کو مجلس میلاد بنالیا اور وہ وہ باتیں شامل کر لیں جو نہ صرف اصل مقصد سے دور ہیں بلکہ ان کا دارومدار ریاو نمود اور شہرت و ناموری حاصل کرنے کے نامناسب و ناملائم جذبات پر ہے۔ اکثر حالات میں ان

مجالس سے فائدہ کے بجائے دینی ضرر کا خوف ہے اور غیر مسلموں کے دل پر بھی اس کا کچھ اچھا اثر نہ ہو گا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

عید میلاد النبی کے دن جلسہ ، جلوس اور شیرینی تقسیم کرنا .

(سوال)(۱) یوم میلاد النبی منانا بموجب پروگرام سیرت کمیٹی کے ۔(۲) جلوس شہر میں نکالنا ۔ (۳) میلاد پڑھتے ہوئے راستہ سے چلنا ۔(۴) ایک جگہ جمع ہو کر جلسہ کر کے سیرت نبوی واسلام اور بانی اسلام کا ذکر تذکرہ کرنا (۵) اور بعدہ شیرینی عوام میں تقسیم کرنا۔ شرع میں ہر ایک عمل کے لئے کیا حکم ہے۔ کیا مذکورہ بالا عمل شرک و بدعت ہے شرع میں ایسا یعنی شرک و بدعت کا فتویٰ دینے والے عالم کے لئے جو جامع مسجد کا پیش امام ہے۔ کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۴۶۴ خواجہ مصلح الدین صاحب (مغربی خاندیس) ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۳ جون ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۱۵٤) سوال میں جتنی باتیں مذکور ہیں ان میں سے صرف نمبر ۴ بلا تخصیص تاریخ و یوم جائز ہے باقی افعال کا ترک لازم ہے۔ مذکورہ بالا اعمال شرک تو نہیں مگر ان کو لازم سمجھنا اور جلوس وغیرہ کو شرعی امور قرار دینا بدعت ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

محفل میلاد سجانے اور معطر کرنے کا حکم .

(سوال) محفل میلاد النبی ﷺ کو کاغذی پھول و فرش و قالین سے سجانا اور عطر و گلاب سے معطر کرنا از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۳۱۷ سید علی صاحب (ٹاٹا نگر) ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۴ جون ۱۹۳۸ء۔

(جواب ۱۵۵) مروجہ مجالس میلاد کا منعقد کرنا ہی بے اصل ہے۔ وعظ کے لئے مجلس منعقد کی جائے اور وعظ کے اثنائے بیان میں آنحضرت ﷺ کے حالات اور فضائل بیان کر دیئے جائیں اسی میں حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کے صحیح واقعات بھی بیان کر دے ، اس قدر جائز اور درست ہے۔ اس قسم کی دینی اور مبارک مجلس کو دنیاوی اور نمائشی آرائش سے صاف رکھنا بہتر ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھورد ، مشکوٰۃ المصابیح (ص ۲۷ طبع ایچ ایم سعید)
۲۔ ولا باس بالجلوس للوعظ اذا ارادبه وجه اللہ تعالیٰ (ھندیہ ۵ / ۳۱۹ ماجدیہ)

ماہ ربیع الاول میں مجالس وعظ و تبلیغ منعقد کرنا .

(سوال) تقریب ماہ ربیع الاول مجالس وعظ و تبلیغ منعقد کرنا جن میں حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام کی سیرت طاہرہ اور آپ کے فضائل و مناقب بیان کرنا دینی و دنیوی حیثیت سے باعث خیر و برکت ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۵۶۷ انچارج سکریٹری سیغہ تعلیمات گورنمنٹ (بھوپال اسٹیٹ) ۶ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۱ جون ۱۹۴۲ء۔

(جواب ۱۵۶) آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارک کا ذکر کرنا دینی حیثیت سے موجب صد خیر و برکت ہے اور دنیوی حیثیت سے حضور ﷺ کے فضائل و مناقب اور کمالات کی تبلیغ و اشاعت بے حد مفید ہے اور انسانیت کی بیش بہا خدمت ہے، لیکن اس کے لئے ماہ ربیع الاول یا اس مہینے کی کسی تاریخ کی تخصیص نہیں ہے بلکہ سال بھر کے تمام مہینے اور تمام ایام میں یہ خدمت انجام دینا اور اس عمل خیر کو عمل میں لانا یکساں موجب ثواب ہے۔ نیز اس مجلس کی حیثیت بھی مجلس وعظ و تذکیر کی حیثیت ہے۔ نہ عید و جشن میلاد کی اور یہ بھی لازم ہے کہ اس کو بدعات مروجہ سے محفوظ اور پاک رکھا جائے۔ عام طور سے مجالس سیرت کے نام سے لوگ میلاد مروج کے جلسے کرتے اور ان میں وہ تمام بدعات جو قدیم مبتدعین کیا کرتے تھے عمل میں لاتے ہیں، یہ باتیں مذموم ہیں اور مجلس کے اصل مقصد کے خلاف ہیں اور اس کے فائدہ کو تباہ کر دیتی ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

(جواب ۱۵۷) نمبر ۷۵۷ دیگر۔ آنحضرت ﷺ کے حالات طیبہ کی اشاعت و تبلیغ کی غرض سے مجالس سیرت منعقد کرنا جائز اور مستحسن ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ان مجالس کو بدعات مروجہ سے پاک رکھا جائے۔ اور ان کو عید میلاد یا مجلس مولود کا لقب نہ دیا جائے۔ اور نہ ماہ ربیع الاول یا بارھویں تاریخ کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

مروجہ میلاد کی اصل حقیقت اور اس کے انعقاد کی ابتداء .

(۲) میلاد میں قیام پر حدیث "قوموا لسید کم" سے استدلال درست نہیں .

(۳) "مااھل بہ لغیر اللہ" میں صحیح مسلک کیا ہے؟

(سوال) (۱) مروجہ میلاد شریف کی کوئی حقیقت بھی ہے یا نہیں اور اس کی بنیاد کب سے پڑی اور کس شخص نے ترویج دی۔ نیز اگر میلاد شریف کیا جائے تو قرآن کریم و احادیث سے کس طرح ثابت ہے۔ اور اس کا کیا طریقہ ہے۔؟ ایک مولوی صاحب قرآن عظیم سے میلاد شریف ثابت کرتے ہیں اور ثبوت میں یہ آیت شریفہ پیش کرتے ہیں :۔ واذا اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم الایۃ ۔ یہ آیت شریفہ تیسرے پارے، سولھویں رکوع میں موجود ہے۔ اس کی تشریح کی جائے اور شان نزول سے بھی آگاہ کیا جائے۔

(۲) میلاد شریف میں جو قیام کیا جاتا ہے، آیا اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں۔ قال اللہ قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے آگاہ فرمایا جائے۔ بعض حضرات قیام کے ثبوت میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں :۔ قوموا لسید کم

(۳) وما اهل به لغیر الله میں حنفیہ کا کیا مسلک ہے آیا عند الذبح مراد ہے یا اس کے برعکس حنفیہ کا استدلال بسط کے ساتھ بیان کیا جائے۔ اور شیخ سدّو کے بکرے اور سید سالار کے مرغ وغیرہ کا حکم بتلایا جائے کہ حرام ہے یا حلال۔

المستفتی نمبر ۲۵۹۹ عطاء اللہ (کلکتہ) ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ م ۱۴ مئی ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۵۸) آنحضرت ﷺ کے حالات طیبہ اور فضائل و کمالات آپ کی رسالت و تبلیغ کی خدمات کا بیان ہر وقت جائز بلکہ مستحسن ہے۔ لیکن صرف ذکر ولادت شریفہ کے لئے اسی نام سے مجلس میلاد منعقد کرنا سلف صالحین میں نہیں پایا گیا۔ یہ مجالس ساتویں صدی ہجری سے شروع ہوئیں (۱) اور ان کے بارے میں علماء کا اسی وقت سے اختلاف چلا آتا ہے کوئی اس کو جائز اور مستحسن قرار دیتا تھا اور کوئی بدعت۔ قول راجح یہ ہے کہ حضور ﷺ کے حالات طیبہ بیان کرنے کے لئے بطور مجلس وعظ کے اجتماع ہو، اس میں حضور ﷺ کے کمالات بیان کئے جائیں، صحیح روایات بیان کی جائیں۔ اسراف اور دیگر بدعات سے مجلس خالی ہو تو جائز ہے۔ (۲)

قیام مروج جو ولادت کے ذکر کے وقت کیا جاتا ہے بے اصل ہے اور بدعت ہے۔ قوموا السید کم سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ وہاں تو سید موجود تھے اور مجلس میلاد میں حضور ﷺ کا موجود ہونا ظاہر ہے کہ متیقن نہیں ہے۔

شیخ سدّو کا بکرا اور سید سالار کا مرغا اور ہر جانور جس کی جان غیر اللہ کے لئے دینی مقصود ہو حرام ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کیا جائے۔ حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کا صحیح مسلک یہی ہے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

واعظ کے کہنے پر حاضرین کا باآواز بلند درود شریف پڑھنا.
(۲) دور سے آنحضرت ﷺ کا خود درود شریف سننا ثابت نہیں .
(۳) میلاد کے موقع پر پکائے جانے والے کھانوں کا حکم .

(سوال) (۱) جب کوئی صاحب وعظ یا مولود شریف فرماتے ہوں، ان کے ارشاد پر حاضرین باآواز بلند درود شریف پڑھیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایک صاحب کہتے ہیں کہ جب درود شریف پڑھا جاوے تو آنحضرت ﷺ بذات خود سنتے ہیں اور پڑھنے والے کو پہچانتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(۳) چند مسلمان چندہ جمع کرکے طعام پکویں اور نیاز آں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا حضرت پیران پیر غوث پاک علیہ الرحمۃ کی دینا چاہیں تو جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ طعام صاحب نصاب اہل ثروت اور ہمسایہ اور خود صاحب چندہ کس کس کو کھانا جائز ہے؟

۱۔ اس کا بانی ابو سعید مظفر الدین ابن اربل ہے جو کہ ایک مسرف بادشاہ تھا۔ (تاریخ ابن خلکان ۱ / ۴۳۵ مصر)
۲۔ لا باس بالجلوس للوعظ اذا اراد به وجه الله تعالى. (هنديه ۵ / ۳۱۹ ماجديه)
۳۔ ذبح لقدوم الامير ونحوه كواحد من العظماء يحرم لانه اهل به لغير ولو ذكر اسم الله تعالى. (الشامية ۶ / ۳۰۹ ط سعيد)

(جواب ۱۵۹) (۱) کرسی مجلس کے لئے واعظ کا باآواز بلند درود پڑھوانا اور حاضرین کا پڑھنا دونوں ناجائز ہیں۔ حضور ﷺ کا نام نامی سن کر سامعین کو خود درود شریف پڑھنا چاہئے۔ واعظ کہے یا نہ کہے۔ اس کے کہنے کا انتظار نہ کرنا چاہئے۔

(۲) حضور ﷺ کا بذات خود درود شریف سننا ثابت نہیں۔ ملائکہ سیاحین کے ذریعے سے درود شریف حضور ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے۔(۱)

(۳) یہ کھانا اگر بہ نیت صدقہ وایصال ثواب کھلایا جاتا ہے تو صاحب نصاب اور خود پکانے پکوانے والے کو کھانا درست نہیں۔ صرف فقراء و مساکین کا حق ہے۔ اور اس میں بھی التزام نہ ہونا چاہئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

میلاد شریف کب کہاں، اور کیوں شروع ہوئی؟

(از اخبار الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

(السوال) میلاد شریف کی بنیاد کہاں سے ہے؟ اور کب سے شروع ہوئی؟ اور کیوں شروع ہوئی؟

(جواب ۱۶۰) میلاد شریف حضور ﷺ کے زمانہ مبارک کے صدیوں بعد ایجاد ہوئی ہے۔ حضور ﷺ کے عہد مسعود اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین وائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے زمانہ مبارک میں اس کا وجود نہ تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے حالات وواقعات اور فضائل ومعجزات کا بیان کرنا مسلمانوں کیلئے بصیرت افروز اور موجب سعادت دارین ہے مگر اول تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ واقعات اور روایات صحیح صحیح بیان کئے جائیں۔ غلط اور موضوع قصے نہ بیان کئے جائیں۔ دوسرے یہ کہ مجلس خاص اہتمام سے اور میلاد کے نام سے منعقد کرنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ مجالس وعظ سے ہی یہ کام لیا جائے۔ تیسرے یہ کہ منکرات شرعیہ مثلاً اسراف، تفاخر، ریا سے اجتناب کیا جائے۔ چوتھے کسی خاص وقت تاریخ کو اس کے لئے شرعاً مخصوص یا مفید زیادت ثواب نہ سمجھا جائے۔ تو نفس ذکر اوصاف وفضائل آنحضرت ﷺ افضل مستحبات میں سے ہے۔(۲) واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام (نسائی ۱: ۱۸۹ قدیمی)

۲۔ ویحتفل المولدالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الربیع الاول وھواول من احدث من الملوک ھذا العمل (القول المعتمد فی عمل المولد بحوالہ راہ سنت : ۱۶۲ صفدریہ)

میلاد کے نام سے جلسہ کرنا صحیح نہیں .

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۹ مئی ۱۹۳۷ء)

(السوال) عید میلاد النبی موجودہ وقت میں مذہبی حیثیت رکھتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۶۱) عید میلاد النبی کے نام سے کوئی جلسہ کرنا صحیح نہیں۔(۱)ہاں سیرت مقدسہ کی تبلیغ و بیان کے لئے جلسہ کرنے میں مضائقہ نہیں۔اور اس کے لئے کسی خاص تاریخ کی تخصیص نہیں اور فضولیات و بدعات سے احتراز رکھنا لازم ہے۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

فصل دوم

جلسہ سیرۃ

(۱) عید میلاد النبی کے نام سے جلسہ کرنا بدعت ہے .
(۲) یہ کہنا کہ سارے علماء وقت امام مہدی کے خلاف ہونگے غلط ہے .

بارہ ربیع الاول ۱۴ جون ۱۹۳۵ء کو عید میلاد کا جلسہ نہایت شان و شوکت سے منایا گیا۔صوبہ سرحد کے مشہور علماء جو مدعو تھے اجلاس میں شامل ہوئے اور سیرت نبی پر تقریریں کیں۔لیکن ٹنگو کا امام مسجد کا نام ملا بلال ہے اور دوسرا خانزادہ غلام احمد خاں نے سیرت کے جلسے کی سخت مخالفت کرنے لگے اور مسجدوں میں خلاف تقریریں کرنے لگے۔تقریر میں وہ کہتے تھے کہ بارہ وفات کا نام عید میلاد رکھنا بدعت ہے۔اور اس دن جلسہ کرنا شرک وبدعت ہے۔کیونکہ یہ جلسہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نہیں کیا ہے۔نہ قرآن و حدیث میں کسی جگہ درج ہے۔میں نے غلام احمد خاں پر سوال کیا کہ تمام دنیا کے علمائے کرام نے اس دن جلسہ کرنے کا حکم دیا ہے تو کیا تمام دنیا کے علمائے کرام غلطی پر ہیں ؟ اس کا جواب انہوں نے یوں دیا کہ جب امام مہدی آخر الزماں ظہور کریں گے تو تمام دنیا کے علمائے کرام ایک طرف ہوں گے اور امام مہدی دوسری طرف ہوں گے ، قرآن و حدیث سے ثابت ہوا ہے۔مجھ کو چونکہ علم نہ تھا اس لئے میں نے اس کو کہا کہ میں دہلی کو لکھوں گا۔

المستفتی نمبر ۵۱۳ عبدالمنان (ٹنگو) ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۷ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۶۲) یہ صحیح ہے کہ عید میلاد کے نام سے اور عید منانے کے خیال سے بارہ ربیع الاول کو جلسہ کرنا بے اصل ہے اور اسے بدعت کہہ دینے میں مضائقہ نہیں اور تمام علماء نے اس نام اور اس خیال سے جلسہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔علمائے نے جلسہ سیرۃ کے نام سے جلسہ کرنے کی اجازت دی ہے جس کا مطلب کوئی عید منانا نہیں اور نہ اس کو میلاد کے مروجہ اعمال و رسوم سے تعلق ہے۔۔اس کی غرض تو یہ تھی کہ مسلمانوں کے اندر جو ایک غلط طریقہ اور مبتدع رسم مجلس مولود منعقد کرنے کی رواج پائی گئی ہے اور اس میں اسراف ، نمود اور بدعات وخرافات پھیل گئی ہیں اور مولود خواں جھوٹی اور موضوع روایتیں بیان کرتے ہیں ان کی اس طرح اصلاح ہو جائے کہ سیرۃ نبی کریم ﷺ کے بیان اور حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ کی اشاعت و تبلیغ کی غرض سے جلسہ

۱۔بہت سارے منکرات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے

منعقد کیا جائے جو تمام فضولیات اور بدعات و خرافات سے پاک ہو اور اس میں سیرۃ مبارکہ و مقدسہ کے صحیح صحیح حالات بیان کئے جائیں۔ اور مسلمانوں کو اتباع سنت کی ترغیب دی جائے۔ کوشش کرکے غیر مسلموں کو بھی جلسے میں شریک کیا جائے تاکہ وہ بھی پیغمبر اسلام ارواحنا فداہ کے حقیقی اور صحیح اور سچے حالات و کمالات سے واقف ہوں اور تبلیغ کی صحیح صورت پر عمل ہو سکے۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے بجائے جلسہ سیرۃ کے اس کو مجلس مولود بلکہ ترقی کرکے عید میلاد بنالیا اور اس کے ساتھ جلوس اور نمائش کے بہت سے کاموں کا اضافہ کرلیا وفقھم اللہ تعالی للاھتداء بھدیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

الحاصل اشاعت سیرۃ مقدسہ کی غرض سے انعقاد جلسہ جائز بلکہ مندوب ہے۔ اور عید میلاد کے نام یا اعتقاد سے جلسہ منعقد کرنا بے اصل ہے۔ باقی یہ قول کہ امام مہدی علیہ السلام کے زمانے میں سارے علماء ایک طرف اور امام مہدی ایک طرف ہوں گے صحیح نہیں ہے۔ اور مجلس میلاد کو شرک بتانا بھی زیادتی ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

کیا عید میلاد النبی قرآن و سنت سے ثابت ہے؟
(۱) عید میلاد النبی کے متعلق مختلف سوالات

(السوال) گذشتہ کئی سال سے مسلمانوں کے اندر ایک نئی تقریب موسومہ عید میلاد النبی شروع ہوئی ہے اور ہر سال اس تقریب کو رونق دینے کے لئے نئی نئی تجاویز عمل میں لائی جارہی ہیں اور ان پر ہر سال مجموعی حیثیت سے کئی لاکھ روپیہ صرف ہو جاتا ہے۔ مجھے اس کے متعلق چند شکوک ہیں :۔

کیا اس تقریب کو منانے کے لئے کوئی نص قرآنی یا حدیث نبوی ہے؟ اگر ہے تو نقل فرمائیں یا اس کا حوالہ درج فرمائیں۔

(۲) کیا قرون اولیٰ میں یہ تقریب کبھی کسی زمانے میں منائی گئی؟ اگر منائی گئی تو کس طرح؟

(۳) اگر اس تقریب سے مسلمانوں کے اندر تنظیم کا جذبہ پیدا کرنا مقصود ہو تو کیا شارع علیہ السلام نے ہمیں کوئی طریقہ تنظیم کا اپنی زبان مبارک سے یا اپنے کسی فعل مبارک سے بتایا ہے یا نہیں؟

(۴) کیا پنجگانہ نمازیں اور نماز عیدین اور حج مسلمانوں کی تنظیم کے لئے کافی نہیں ہیں؟

(۵) کیا ان کی پابندی کی طرف سے توجہ ہٹا کر اسلام کے اندر نئی نئی باتوں کا رائج کرنا بدعت میں داخل نہیں ہے اور جو روپیہ اس تقریب کے منانے پر خرچ کیا جاتا ہے وہ اسراف میں داخل نہیں ہے؟

(۶) اگر آئے دن شریعت سے بے نیاز ہو کر تنظیم کی خاطر نئی نئی ایجادات کرنا جائز ہے تو مرزا قادیانی کو جس کا دماغ ایسی باتوں میں بہت اچھا کام کرتا ہے اور جس نے اپنی جماعت کی عدیم النظیر تنظیم کی ہوئی ہے، کیوں نہ استاد بنالیا جائے؟

المستفتی نمبر ۸۸۱ حبیب احمد خاں ۴ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۶۳) جس وقت یہ تقریب شروع کی گئی تھی تو اس کو اشاعت سیرت مقدسہ کے نام سے شروع کیا

گیا تھا۔ یہ سیدھا سادہ عنوان ہر مسلمان کے لئے جاذب توجہ تھا۔ اس وقت نہ کسی مخصوص تاریخ کا ذکر تھا۔ اور نہ کسی خاص مبتدع کیفیت کا۔ نہ جلوس نکالنے کا تصور تھا نہ باجوں اور تماشوں کا تخیل۔ اس سیدھے سادے عنوان کو ہم نے بھی تبلیغ و تذکیر کا ایک طریقہ اور موثر ذریعہ سمجھ کر انعقاد مجالس سیرت کی اجازت دی تھی۔ اور یہ سمجھا تھا کہ خدا تعالیٰ کے آخری رسول خاتم الانبیاء سید المرسلین ﷺ کی سیرۃ مبارکہ صحیح اور مستند روایات کے ساتھ ادب مخلوق کے سامنے پیش کی جائے گی۔ تو یہ غیر مسلموں کے لئے ایک اچھا ذریعہ تبلیغ و تذکیر ہو گا اور ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے رسمی محافل میلاد اور ان کی مروجہ بدعات کا مسلمانوں میں بھی انسداد ہو جائے۔ اور یہ مجالس رسمی محافل میلاد کے تبلیغ سیرت کے صحیح طریقے پر کاربند ہو جائیں مگر افسوس ! ۔

خود غلط بود آنچہ ماپند اشتیم

کا معاملہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے بہت جلد جلسہ ہائے سیرت کی اصلی غرض و غایت کو نظر انداز کر کے انہیں رسمی محافل میلاد میں مدغم کر دیا۔ پہلے تو جلسے سیرت کے ان اجتماعات کا نام ہی عید میلاد کر دیا۔ جو یقیناً قرون اولیٰ مشہود لہا بالخیر کے خلاف ایک نئی ایجاد تھی اور اسلام کی ثابت عیدین (عید الفطر و عید الاضحیٰ) پر ایک جدید عید کا اضافہ تھا۔ جو ایک متبع سنت مسلمان کی اسلامی واقفیت میں ناقابل قبول ہے۔ پھر ان جلسوں کے لئے ایک معین تاریخ ۱۲ ربیع الاول لازم کر دی گئی۔ اس کے بعد جلسوں کے اوپر جلوسوں کا اضافہ کیا گیا اور منچلے لوگوں نے باجوں نعروں کھیلوں تماشوں کو شامل کر کے اسے اچھا خاصہ مجموعہ لہو و لعب بنا دیا۔ فالی اللہ المشتکی وانا للہ وانا الیہ راجعون ۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوالات کے نمبر وار جوابات یہ ہیں :۔

(۱) اس تقریب کو بہیئت کذائی منانے کے لئے (یعنی عید میلاد یا جشن میلاد کے نام سے مخصوص تاریخ ولادت میں یا کسی اور تاریخ میں منانے کے واسطے) نہ قرآن پاک میں کوئی نص ہے۔ نہ حدیث میں نہ صحابہ کرام یا تابعین عظام یا مجتہدین امت خیر الانام کی قولی یا فعلی ہدایات میں کہیں اس کا وجود ہے۔(۱)

(۲) قرون اولیٰ میں اس تقریب کا وجود نہ تھا حالانکہ اس زمانے کے مسلمان آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ تعلق اور فداکاری و محبت میں اعلیٰ درجے پر فائز تھے اور دوسری قوموں کو اپنے پیشواؤں کے یوم ولادت پر خوشی کی تقریبیں مناتے ہوئے دیکھتے تھے مگر ان کو کبھی اس ایجاد کی طرف توجہ نہ ہوئی۔

(۳) اگر تنظیم مسلمین کا جذبہ پیدا کرنا بھی مقصود ہو تو وہ ان بدعات و مخترعات کے ارتکاب پر موقوف نہیں بلکہ وہ سیدھے سادہ طور پر تبلیغ سیرۃ مقدسہ کے جلسے سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تنظیم مسلمین ایک صحیح اور شرعی مقصد ہے۔ لیکن کسی صحیح اور شرعی مقصد کے لئے غیر شرعی اور مبتدع صورتیں اختیار نہیں کی جا سکتیں اور کی جائیں تو جائز اور مستحسن نہیں ہو سکتیں۔

---

(۱) ان عمل المولد بدعة لم يقل به ، ولم يفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء والائمة (كذا في الشرعة الالهية بحواله راه سنت : ۱٦٤ صفدریه)

(۴) بلا شبہ نماز کی پنجگانہ جماعت اور جمعہ کی ہفتہ وار جماعت اور عیدین کی جماعتیں اور حج کا اجتماع عظیم مسلمانوں کی صحیح تنظیم کے لئے مقرر تھے، مگر افسوس کہ مسلمان ان جماعات مہمہ کی اصل روح کو بھول گئے۔ اور ان تمام چیزوں کو بھی انہوں نے ایک عادی اور رسمی امور کی حیثیت دے دی مگر چونکہ یہ ثابت شدہ اور مامور بہا اعمال شرعیہ ہیں اس لئے ان کو عمل میں لانا ضروری ہے اور یہ بھی لازمی ہے کہ ان کی اصل روح کے ساتھ ان کو ادا کیا جائے۔ اور ان سے ہی تنظیم ملت اجتماع امت کا فائدہ حاصل کیا جائے۔ واللہ الموفق۔

(۵) اگر کوئی نئی چیز ان امور شرعیہ کی اہمیت کی طرف سے مسلمانوں کی توجہ ہٹانے کی موجب ہو تو اس کے حرام ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ ان فرائض اور شعائر اسلامیہ سے توجہ ہٹانے کی موجب نہیں بلکہ ایک جدید صورت تنظیم ہے تو اس کی اباحت کا اس شرط سے حکم دیا جا سکتا ہے کہ اس کی اصل شریعت مقدسہ میں موجود ہو۔ اور اشاعت سیرۃ مقدسہ کے لئے سادہ طریق پر جلسہ سیرت کے نام سے اجتماع کیا جائے تو وہ تو تبلیغ و تذکیر کی شرعی ثابت شدہ اصل کے ماتحت آسکتا ہے۔ لیکن عید میلاد یا جشن میلاد کے نام سے اور اس مقصد سے کیا جائے تو اس کی شریعت مقدسہ میں اصل نہیں ہے اور اس پر زائد از حاجت مصارف کرنا یقیناً حد اسراف میں داخل ہوگا۔(۱)

(۶) آہ یہ سوال بہت زیادہ پیچیدہ اور تفصیل طلب ہے۔ میں سر دست اس کے جواب میں صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں اور وہ یہ ہے ؎ پندار سعدی کہ راہ صفا توان رفت جز بر پے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیرا محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

سیرت النبی کے جلسہ کی صدارت کافر و مشرک کے حوالے کرنا

(سوال) نصیر آباد میں چند افراد نے سیرت النبی ﷺ کے جلسہ کی صدارت کا متواتر تین روز کافر اور مشرک کے حوالہ کی۔ آیا اس جماعت کا یہ فعل شریعت اسلام کے موافق ہے یا مخالف۔ تقریر کرنے والے علماء اہل سنت والجماعت تھے۔

المستفتی نمبر ۱۰۲۳ عبدالرحمن صاحب نصیر آبادی حال مقیم میرٹھ ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۳۰ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۶٤) صدر کو بسا اوقات مقررین کی تقریروں پر محاکمہ یا بعض مقررین کے بیانات پر تنقید کرنی ہوتی ہے اس لئے کسی خاص جلسہ کی صدارت کے لئے مقصد جلسہ اور متعلقات مقصد کا ماہر شخص ہی موزوں ہوتا ہے۔ نیز مذہبی اجتماعات میں مذہبی حیثیت سے ممتاز شخصیت کو صدر بنانا مناسب ہے۔ بنابریں ان لوگوں کا انتخاب ناموزوں اور نامناسب واقع ہوا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ اور اسراف کا مذموم ہونا قرآن میں وارد ہے۔ "ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین" (بنی اسرائیل: ۲۷)

فصل سوم

مسئلہ قیام

مجلس میلاد کا قیام بے اصل ہے۔

(سوال) **ماقولکم رحکم اللہ۔** اس زمانے میں لوگ جس طرح مولود شریف پڑھتے ہیں اور حضرت رسول خدا ﷺ کی پیدائش کے بیان میں قیام کرتے ہیں وہ حضرت ﷺ کے زمانے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم و تبع تابعین کے زمانے میں تھا یا نہیں۔ ائمہ اربعہ یا ان کے زمانہ میں کسی نے یہ قیام کئے ہیں یا نہیں اور ان سے کچھ روایت ہے یا نہیں اور کیسے یہ قیام شروع ہوا اور کس نے پہلا قیام کیا اور وہ کس طبقے کا لوگ تھا۔ اور قیام کرنا کیسا ہے اور نہ کرنے سے گنہگار ہوتا ہے یا نہیں یہ قیام ہر مجلس میں کرنا چاہئے یا کبھی ترک کرنا اچھا ہے ؟

(جواب ۱۶۵) مجالس میلاد مروجہ کا قیام معہود شریعت میں ثابت نہیں۔ قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی وجود نہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم کے زمانے میں نہیں تھا۔(۱) نہ ان حضرات سے اس کے بارے میں کوئی روایت جواز کی منقول نہ اصول شریعۃ غراء سے اس کا کوئی ثبوت قیام کرنے والے اگر تعظیم ذکر ولادت کی نیت سے قیام کرتے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ ذکر کی تعظیم قیام کے ساتھ شریعت میں معہود نہیں، نیز ذکر ولادت کی تخصیص بے معنی ہے۔ نیز ذکر اللہ اور قراءۃ قرآن زیادہ مستحق تعظیم ہے حالانکہ ذکر اللہ اور قراءۃ قرآن کے وقت کوئی شخص تعظیماً قیام نہیں کرتا، پھر ذکر ولادت کی تعظیم قیام سے کرنا بھی مجلس مولود کے ساتھ خاص کیوں ہے ؟ اگر وعظ میں کوئی واعظ ولادت شریفہ کا ذکر کرے یا بغیر انعقاد مجلس گھر میں کوئی ذکر ولادت کرے تو کوئی شخص تعظیماً قیام نہیں کرتا۔ یہ سب تخصیصات بے دلیل ہیں۔ اور اگر اس خیال سے قیام کرتے ہیں کہ روح مبارک آنحضرت ﷺ کی مجلس میلاد میں آتی ہے تو یہ خیال پہلے خیال سے بھی زیادہ جہالت آمیز ہے کیونکہ روح مبارک کے آنے کی دلیل شرعی کوئی نہیں۔ نیز آن واحد میں ہزاروں مجلسیں دنیا میں ہوتی ہیں، اگر ہر مجلس میں آپ ﷺ کی روح مبارک کو حاضر مانا جائے تو اس میں شائبہ شرک بھی ہے کہ آن واحد میں مجالس متعددہ میں حاضر و ناظر ہونا آپ ﷺ کے لئے ثابت کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہر جگہ حاضر و ناظر خواص ذات احدیت سے ہے۔(۲) کسی امر مستحب کو ضروری سمجھنا اس کو حد کراہت تک پہنچا دیتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے(۳) اور مل علی

۱۔ "ان عمل المولود بدعة لم يقل به ولم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء والائمة" (کذا فی الشرعۃ الالہیۃ بحوالہ راہ سنت : ص ۱۶۴ ط مکتبہ صفدریہ)

۲۔ "و فی الواقع ہم چوں اعتقاد کہ حضرات انبیاء و اولیاء ہر وقت حاضر و ناظر اند ..... شرک است چہ ایں صفت از مختصات حق جل جلالہ است کہ راو را آں شرکت نیست ۔ ۔ ونیز در بزازیہ است وعن هذا قال علمائنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم يكفر انتهى" (مجموعۃ الفتاوی : ج ۱ ص ۲۸ مجموعہ فتاوی عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ اردو : ج ۱ ص ۶۳ ط ایچ ایم سعید)

۳۔ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : "لايجعل احد كم للشيطان شيئاً من صلاته يرى ان حقا عليه ان لا ينصرف الا عن يمينه ! لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم كثيراً ينصرف عن شماله" (بخاری ، کتاب الآذان ، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال : ۱ / ۱۱۸ ط قدیمی)

قاری رحمۃ اللہ علیہ اور طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوۃ میں تصریح کی ہے۔(۱) پس اگر قیام مستحب بھی ہوتا تو اس کا یہ التزام واہتمام جو مشاہد ہے اسے مکروہ بنا دیتا ہے۔(۲) چہ جائے یہ کہ وہ مستحب بھی نہیں بلکہ ایک بے اصل چیز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

میلاد اور قیام کو بدعت کہنے والوں کو وہابی کہنا درست نہیں

(سوال) ہمارے یہاں شہر احمد آباد میں میلاد وقیام کو اس زمانے میں بعض بدعقیدوں نے رواج دیا ہے۔ اب ان کو کتاب "براہین قاطعہ" کے صفحہ ۲۰ کی یہ عبارت دکھائی گئی ۔

"اس عاجز نے ایک عالم نابینا سے جو مسجد مکہ میں بعد نماز عصر وعظ کہتے تھے، حال مجلس مولود کا پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے حرام ہے۔"

اور ہم نے ان کو سمجھایا کہ یہ رواج بدعت حرام ہے تو وہ لوگ یہ جواب دیتے ہیں کہ میلاد وقیام کو بدعت محرمہ کہنا خلاف قرآن مجید وحدیث کے ہے۔ اور جو قیام وقت بیان پیدائش کیا جاتا ہے اس کو بھی بدعت کہتے ہیں تو وہ لوگ یہ جواب دیتے ہیں کہ میلاد وقیام کو جو بدعت کہے وہ وہابی ہے۔ یہ مسائل کا موافق مذہب حنفی کے درست ہے یا غلط۔ بینوا توجروا۔

(جواب ۱۶۶) مجالس میلاد مروجہ میں طرح طرح کے منکرات یعنی امور غیر مشروعہ ہوتے ہیں۔(۳) اور غلط اور موضوع روایات بیان کی جاتی ہیں(۴) اور اسراف وریاء وتفاخر پر مشتمل ہوتی ہیں(۵) یہ بدعت اور ناجائز ہیں حضور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا ذکر مبارک اور بیان حال ولادت ومعراج ونبوت بے شبہ افضل مندوبات واحسن مستحبات ہے ۔ لیکن اس کے لئے خاص اہتمام سے مجالس منعقد کرنا قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں نہیں تھا۔(۶) حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سے بڑھ کر کون

(۱) قال الطیبی : "وفیہ من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف بمن اصر علی بدعۃ او منکر" (مرقاۃ ج ۳ ص ۳۱ ط امدادیہ ملتان)

(۲) جیسے "سورہ سجدہ" اور "دہر" کا جمعہ کی فجر میں اور "سورہ جمعہ" اور "منافقون" کا جمعہ میں پڑھنا مستحب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان نمازوں میں یہ سورتیں پڑھنا منقول ہے، لیکن تمام فقہاء نے متفقہ طور پر ان مذکورہ سورتوں کو ان نمازوں کے ساتھ خاص کر لینے کو مکروہ لکھا ہے ۔ چنانچہ "ہدایہ" میں ہے "ویکرہ ان یوقت بشیء من القرآن لشیء من الصلوت ." (فصل فی القراءۃ ج ۱ ص ۱۲۰ المکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(۳) "ومن جملۃ ما احدثوہ من البدع مع اعتقادھم ان ذلک من اکبر العبادات واظہار الشعائر ما یفعلونہ فی شہر ربیع الاول من المولد وقد احتوی علی بدع و محرمات جمۃ" ابن الحاج المالکی ، المدخل ج ۲ ص ۳ ط مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۴) ایسی روایات بیان کرنا ... اور ... من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار" (بخاری ، کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، ۱ / ۲۱ ط قدیمی)

(۵) جیسے شامیانے لگانا، قمقموں سے چراغاں ... اور ... سے امور غیر ضروریہ کو ضروری سمجھنا، خود بھی اہتمام ... اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دینا، ان امور کے بغیر جشن میلاد ادھورا اور پھیکا سمجھنا۔ ان چیزوں میں ناحق اسراف ہوتا ہے "ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین" (بنی اسرائیل ۲۷)

(۶) ... چند اصناف ... زمان صحابہ و تابعین و تبع تابعین وائمہ مجتہدین جاری ماندہ ... آن ... خوان ... التزام ... ("تحفۃ القضاۃ ..." ج ۲ ص ۳۴۳ ط ...)

حضرت رسالت مآب سے محبت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ پس باوجود اس محبت اور عشق کے جوان حضرات اکابر سلف کو حضور رسول کریم ﷺ سے تھی، ان کے زمانے میں مجالس میلاد کا منعقد نہ ہونا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ یہ مجالس کوئی مستحسن فعل نہیں۔ ورنہ عاشقین رسول ﷺ ضرور اس کو عمل میں لاتے۔(۱) پھر موضوع روایات بیان کرنا اور اسراف و تفاخر کے ارادہ سے مولود کرنا خود حرام ہے۔ اور ذکر ولادت باسعادت کے وقت قیام کرنا بالکل بے اصل اور بدعت ہے۔(۲) کیونکہ ذکر کی تعظیم قیام کے ساتھ شریعت میں معہود و ثابت نہیں۔ اور یہ خیال کہ حضور رسول کریم ﷺ مجلس میلاد میں تشریف لاتے ہیں ایک جاہلانہ خیال اور **مفضی الی الشرک** ہے۔(۳) کس آیت یا حدیث یا قول ائمہ رحمۃ اللہ علیہم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مجلس میں بوقت ذکر ولادت قیام کرنا چاہئے۔ یا یہ کہ حضور انور ﷺ تشریف لاتے ہیں۔ الغرض علمائے اہل سنت والجماعت کا صحیح مذہب یہی ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مولود یا قیام کچھ بھی ثابت نہیں۔ جو لوگ ان مسائل کو وہابیوں کے مسئلے بتاتے ہیں وہ یا تو خود جاہل ہیں یا قصداً عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

مولود شریف میں قیام کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(سوال) مولود شریف میں قیام کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۴۱ الٰہی خان (مئوے) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۶۷) میلاد کی مجالس میں مروجہ قیام ایک بے اصل چیز ہے جس کا ثبوت شریعت میں نہیں ہے (۴) اگر کوئی شخص قیام کو شرعی چیز سمجھ کر اور ثواب سمجھ کر کرے گا تو وہ ایک غلط چیز کا ارتکاب کرے گا۔(۵)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

میلاد شریف میں قیام پر اصرار کرنا۔

(سوال) میلاد شریف میں تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اور سب کو مجبور کرنا کہاں تک درست ہے۔

المستفتی نمبر ۹۵۱ عبدالرزاق صاحب (اجین) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۶۸) میلاد شریف میں قیام کرنے کا ثبوت شریعت مقدسہ سے ثابت نہیں۔ یہ ایک رسم ہوگئی

۱۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : "واما اهل السنة والجماعة فيقولون فى كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة رضى الله تعالى عنهم هو بدعة لانه لو كان خيرا لسبقونا اليه لانهم لم يتركوا خصلة من خصال الخير الا وقد بادروا اليها ." (تفسیر ابن کثیر : ج ۴ ص ۱۵۶ ط سہیل اکیڈمی لاہور)
۲۔ بے اصل اس وجہ سے ہے کہ اس پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں ہے اور بدعت اس وجہ سے کہ خیر القرون کے بعد بلا حجت شرعیہ دین میں ایجاد کیا گیا ہے۔
۳۔ اگر علم یا قدرت بالذات کا عقیدہ ہو تو بالکل شرک ہے ورنہ کذب و افتراء علی اللہ والرسول ہے۔
۴۔ یعنی ادلہ اربعہ شرعیہ قرآن، سنت رسول، اجماع اور قیاس میں سے کسی دلیل سے ثابت نہیں۔
۵۔ کیونکہ ایسی صورت میں یہ عمل بدعت کہلائے گا اور بدعت کا غلط اور مذموم ہونا واضح ہے۔ لقوله عليه السلام : "من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد " (مسلم باب نقض الاحکام الباطلۃ ورد محدثات الامور ج ۲ ص ۷۷ ط قدیمی)

ہے جو بے اصل اور بے ثبوت ہے۔ اور اس پر لوگوں کو مجبور کرنا یا قیام نہ کرنے والوں کو برا کہنا سخت گناہ ہے۔(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

محفل میلاد میں کھڑے ہو کر سلام پڑھنا۔

(سوال) محفل میلاد میں کھڑے ہو کر سلام پڑھا جاتا ہے تو اس فعل کا کرنا بہتر ہے یا ترک بہتر ہے۔
المستفتی نمبر ۱۵۲۴ مولانا عبدالحق صاحب صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ ملتان ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۷ء

(جواب)(از نائب مفتی صاحب) محفل میلاد میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنا ادلہ اربعہ میں سے کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ تو اس قیام کو حکم شرعی و ضروری ٹھہرانا بدعت و گمراہی ہے۔(۲) اس کو ترک کردینا ضروری ہوگا۔ کیونکہ عوام الناس متبدعین اس کو حکم شرعی و ضروری ٹھہراتے ہیں اس فعل کو ترک کرنے والے پر طرح طرح کے طعن و اعتراض کرتے ہیں۔ اجابہ وکتبہ، حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ الجواب صحیح بندہ محمد یوسف عفا عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔

(جواب ۱۶۹) (از حضرت مفتی اعظمؒ) ھو الموفق۔ محفل میلاد میں قیام مروج بے اصل اور بدعت ہے

صلوٰۃ و سلام پڑھنا تو جائز مگر اس کی ہیئت کذائی اور پھر اس پر اصرار کرنا اور تارک کو مطعون اور موم بنانا یہ سب ناجائز اور بدعت ہے۔(۳) ذکر کی تعظیم قیام کے ساتھ کرنی شریعت میں معہود نہیں اور اس کو شرعی حکم قرار دینا خدا اور رسول ﷺ کے خلاف تشریع ہے جو حرام ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

الجواب حق۔ محمد شفیع عفی عنہ مدرسہ عبدالرب دہلی۔

ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا بھی بے اصل ہے۔

(سوال) قیام کرنا خاص ذکر ولادت شریف کے وقت واسطے تعظیم حضرت ﷺ کے مستحسن و مستحب ہے یا

۱۔ "من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف بمن اصر علی بدعۃ اومنکر." (مرقاۃ : ج ۳ ص ۳۱ ط المکتبۃ الحبیبیۃ کوئٹہ)

۲۔ "وان العادیات من حیث ھی عادیۃ لا بدعۃ فیھا، و من حیث یتعبد بھا او توضع وضع التعبد تدخلھا البدعۃ" (علامہ شاطبی، الاعتصام : ج ۲ ص ۹۸ دارالفکر) اور غیر ضروری کو ضروری جاننا بھی بدعات قبیحہ سے ہے "ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم" (الحدید : ۲۷) وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ: "لا یجعل احدکم للشیطان شیئا من صلاتہ یری ان حقا علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ؛ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن شمالہ." (بخاری، کتاب الاذان، باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال، ۱ /۱۱۸ ط قدیمی)

۳۔ "منھا وضع الحدود و التزام الکیفیات والھیئات المعینۃ، والتزام العبادات المعینۃ فی اوقات معینۃ لم یوجد لھا ذلک التعیین فی الشریعۃ" (علامہ شاطبی، الاعتصام، فصل فی تعریف البدع: ج ۱ ص ۳۹ ط دارالفکر)

۴۔ "ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ" (الشوری : ۲۱) وقولہ تعالی: "ولا تقولوا لما تصف السنتکم ھذا حلال وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب" (النحل : ۱۱۶)۔ وقال ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ: "ویدخل فی ھذا کل من ابتدع بدعۃ لیس لہ فیھا مستند شرعی او حلل شیئا مما حرم اللہ او حرم شیئا مما اباح اللہ بمجرد رایہ وتشھیہ" (تفسیر ابن کثیر: ج ۲ ص ۵۹۰ ط سہیل اکیڈمی لاہور)

حرام ہے اور مولود شریف کے قیام کو حرام کہنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

المستفتی نمبر ۱۵۲۵ مولانا عبدالخالق صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ ملتان ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ

(جواب) (از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی) مولود مروج بنفسہ ناجائز ہے اور اس میں قیام کرنا اور اس کو حکم شرعی ٹھہرانا بہت ہی بڑی گمراہی ہے۔ کیونکہ مولود مروج میں بجائے تعظیم کے آنحضرت ﷺ کی توہین ہوتی ہے کہ فساق فجار گانے کے لہجے میں گاتے ہیں اور حقہ سگریٹ بھی پیتے جاتے ہیں اور آپ کا ذکر و نام مبارک نہایت بے ادبی و بے حرمتی کی ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ کی محبت کے جھوٹے دعوے کرتے ہیں اور آپ کی سنن کی متابعت و نماز روزہ کے بھی پابند نہیں ہوتے۔ صورتیں شکلیں اہل ہنود کی رکھتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی عالم وعظ کے لہجہ میں میلاد کے واقعات کو بیان کرے گا تو یہ مستحسن ہوگا۔ (۱) اور قیام کا ثبوت کسی سند شرعی سے نہیں۔ لہذا یہ بھی بدعات مخترعات سے ہے۔ فقط حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(جواب ۱۷۰) (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہوالموفق۔ آنحضرت ﷺ کے مقدس حالات اور سیرت مبارکہ کا ذکر کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن اور افضل الاذکار ہے۔ لیکن محافل میلاد جس نوعیت سے منعقد کی جاتی ہیں، یہ سر تا سر امور غیر مشروعہ پر مشتمل ہوتی ہیں۔ (۲) روایات موضوعہ منکرہ بیان کی جاتی ہیں۔ (۳) بیان کرنے والے اکثر غیر متشرع فساق و فجار ہوتے ہیں، (۴) اسراف و ریاکاری سمعہ و نمود مقصد ہوتا ہے۔ (۵) التزام مالا یلزم کی حد سے گزر کر اس کو فرائض و واجبات سے بھی آگے بڑھا دیا جاتا ہے۔ (٦) قیام بوقت ذکر ولادت کو ایک فریضہ شرعیہ قرار دے لیا ہے اس کے تارک کو لعن و طعن کیا جاتا ہے۔ (۷) الغرض مروجہ مجالس میلاد بدعات و خرافات کا ایک مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔ اس لئے اس ہیئت کذائی کا ترک کرنا واجب ہے۔ (۸) حضور ﷺ کے فضائل و کمالات کے بیان کرنے کے لئے مثل مجالس وعظ کے ایک بے تکلف مجلس میں وعظ کی طرح بیان کر دینے کو اختیار کیا جائے تو بہتر اور موجب ثواب ہوگا۔ (۹) صحیح واقعات، مستند روایات بیان کی جائیں اور شیرینی

۱۔ "لاباس بالجلوس للوعظ اذا اراد به وجه الله تعالىٰ كذافي الوجيز لكردريؒ" (الفتاوى العالمگیریة: ۵/۳۱۹ ط ماجدیہ کوئٹہ)

۲۔ "...... ما يفعلونه في شهر ربيع الاول من المولد . قد احتوى على بدع و محرمات جمة" (ابن الحاج المالکی، المدخل: ج ۲ ص ۲ ط مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

۳۔ ان کا بیان کرنا اور سننا اس وعید میں داخل ہے: "من كذب عليّ متعمداً فليتبوا مقعده من النار" (بخاری: ۱/۲۱ ط قدیمی)

۴۔ ان کے ساتھ ناحق مسابلت و مداہنت کرنی پڑتی ہے، اور بلکہ ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: "فلا تقعد بعد الذكرىٰ مع القوم الظالمين" (الانعام: ٦۸)

۵۔ "ان المبذرين كانوا اخوان الشيطين" (بنی اسرائیل: ۲۷)

٦۔ اور غیر ضروری کو ضروری جاننا بدعات قبیحہ سے ہے "ورهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم" (الحديد: ۲۷) وقال ابن مسعود رضي الله تعالى عنه: "لا يجعل احدكم للشيطان شيئا من صلاته يرى ان حقا عليه ان لا ينصرف الا عن يمينه! ولقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم كثيرا ينصرف عن شماله." (بخاری: ۱/۱۱۸ ط قدیمی)

۷۔ قیام کو فریضہ شرعیہ قرار دینا بدعت و معصیت ہے اور معصیت پر اصرار کرنا سخت معصیت ہے۔ علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں: "ان العاديات من حيث هي عادية لابدعة فيها، و من حيث يتعبد بها او توضع وضع التعبد تدخلها البدعة" (الاعتصام: ج ۲ ص ۹۸ ط دار الفکر)

۸۔ کیونکہ بدعات و مکروہات کے ملنے سے عبادت بھی معصیت ہو جاتی ہے جیسے کوئی حالت جنابت میں بوقت دوپہر کے نماز پڑھنے لگے سخت گنہگار ہوگا حالانکہ نماز افضل العبادات ہے۔ اسی طرح نفس ذکر سیرت مبارکہ نہ صرف جائز بلکہ مستحسن اور افضل الاذکار ہے مگر بدعات و خرافات کے ملنے سے مروجہ مجالس میلاد کا ترک ضروری ہو جائے گا واللہ اعلم۔

۹۔ "التذكير على المنابر للوعظ والاتعاظ سنة الانبياء والمرسلين" (الدر المختار: ج ٦ ص ۴۲۱ ط سعید)

وغیرہ تقسیم کرنے کارواج ترک کردیاجائے۔ مسلم، غیر مسلم سب کوبلایاجائے اور ایسی طرح بیان کیاجائے کہ غیر مسلموں کے لئے خاصی تبلیغ ہو جائے اور اسلام کی صداقت اور پیغمبر اسلام کی محبت ان کے دلوں میں سما جائے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

(جواب ۱۷۱) نمبر ۵۲۸ ادیگر۔ مولود شریف کامروجہ اہتمام بے اصل ہے اور ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا بھی بے اصل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۷ء۔

نبی علیہ السلام کانام سن کر انگوٹھوں کوچومنا بے اصل ہے .

(سوال) کیامیلاد شریف میں وقت ذکر ولادت شریف قیام کرنااور آنحضرت ﷺ کانام مبارک سن کر درود شریف پڑھ کر انگوٹھوں کوچوم لیناشرک ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۵۶۴ جناب سید عبدالمعبود صاحب بدایوں۔ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۴ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۷۲) میلاد شریف میں ذکر ولادت کے وقت قیام کرناشرعاً بے اصل ہے۔ کیونکہ ذکر کی تعظیم قیام کے ساتھ شریعت میں معہود نہیں اور نام مبارک سن کر درود شریف پڑھنا صحیح اور مستحب ہے۔(۱) مگر انگوٹھوں کو چومنااور آنکھوں سے لگانا بے اصل ہے،(۲) تاہم اس کو شرک نہیں کہاجاسکتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

مجلس میلاد میں حضور علیہ السلام کاتشریف لانا .

(سوال) (۱) ایک مسلمان کا یہ اعتقاد ہے کہ حضور ﷺ کی پیدائش کے ذکر کے وقت حضور ﷺ مجسم یاروح حضور علیہ السلام کی آتی ہے۔ مجلس میلاد میں اس وجہ سے ہم تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں اور سلام پڑھتے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ قرآن مجید یا حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ مجلس میلاد میں تشریف لاتے ہیں یا

۱۔"ونص العلماء علی استحبا بھا فی مواضع : وعند ذکر اوسماع اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم۔"(ردالمحتار : ج ۱ص ۵۱۸ ط سعید)

۲۔ کیونکہ اکثر لوگ آنحضرت ﷺ کانام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے کوثواب سمجھتے ہیں، اور وہ موقوف ہے روایت پر، اور روایت اس باب میں کوئی ثابت نہیں۔ لہذا بے اصل ہوا۔ شامی میں ہے :"وذکر ذلک الجراحی واطال ثم قال : ولم یصح فی المرفوع من کل ھذا شیئی "(ج ۱ص ۳۹۸ ط سعید)۔ اور فضائل اعمال میں کمزور روایت پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں : ایک یہ ہے وہ روایت بہت زیادہ کمزور نہ ہو، دوسرے یہ کہ وہ چیز شریعت کے کسی عام اصول کے تحت داخل ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کو سنت نہ سمجھاجائے (درمختار : ج ۱ص ۱۲۸ ط سعید)۔ جب کہ انگوٹھے چومنے کے بارے میں جو روایت بیان کی جاتی ہے بد قسمتی سے اس میں مذکورہ بالا تین شرطوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی۔ پھر آج کل لوگ ثواب سمجھنے کے علاوہ تارک پر ملامت کرتے ہیں، اس لئے اس فعل سے روکاجائے گا۔ یہاں یہ شبہ نہ کیاجائے کہ بعض فقہاء نے اپنی کتابوں میں انگوٹھے چومنے کو مستحب لکھا ہے۔ اس بارے میں علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں :"این تقبیل را در بعض کتب فقہ مستحب نوشتہ است، نہ واجب ونہ سنت مثل کنزالعباد و خزانۃ الروایات وجامع الرموز وفتاویٰ صوفیہ وغیرہ مگر در اکثر کتب معتبرہ ومتداولہ نشان آں نیست و آن کتب کہ در انہا این مسئلہ مذکور است غیر معتبر اند چنانکہ جامع الرموز وفتاویٰ صوفیہ وکنزالعباد وغیرہ از این وجہ کہ در این کتب رطب ویابس بلا تنقیح مجتمع است تفصیل آن در رسالہ من "النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر" موجود است۔ واحادیثکہ دریں باب فقہاء نقل میکنند آن بتحقیق محدثین صحیح نیستند الخ"(مجموعۃ الفتاویٰ علی ھامش خلاصۃ الفتاویٰ : ج ۴ص ۳۲۵ ط امجد اکیڈمی لاہور)

نہیں، اگر حضور ﷺ تشریف لاتے ہیں تو مجسم آتے ہیں یا روح پاک آتی ہے۔

المستفتی نمبر ۲۳۵۹ انوار احمد صاحب حویلی اعظم خاں دہلی ، جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۶ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب)(از مولانا مظہر اللہ صاحب) نہ یہ ثابت ہے کہ ذکر پیدائش کے وقت حضور اکرم ﷺ کی روح اطہر مجلس میں ہمیشہ تشریف لاتی ہے نہ اس غرض سے قیام کیا جاتا ہے لیکن کسی مجلس میں کسی صاحب باطن نے ایسا ملاحظہ کیا ہو تو کچھ بعید بھی نہیں لیکن اس کی وجہ سے ایک عام حکم نہیں لگایا جا سکتا(۱)

فقط واللہ اعلم۔ محمد مظہر اللہ غفرلہ امام مسجد جامع فتحپوری دہلی۔

(جواب ۱۷۳) (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہو الموفق۔ حضور انور ﷺ کا تشریف لانا تو بالکل بے اصل اور بے حقیقت ہے اور کسی مجلس میں کسی صاحب باطن نے کشفی طور پر مشاہدہ بھی کیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں کہ حضور ﷺ خود مجلس میں تشریف لائے۔ کیونکہ کشف میں ایسی چیزوں کا ایسے مقام پر مشاہدہ ہو جاتا ہے جہاں وہ چیزیں خود نہیں ہوتیں۔ آنحضرت ﷺ نے نماز کسوف میں جنت و دوزخ کو قبلہ کی دیوار میں مشاہدہ فرمایا۔ صحیح بخاری کی صحیح حدیث میں اس کی تصریح ہے مامن شئ کنت لم اره الا قدرأيته في مقامي هذا حتى الجنة والنار -(۲) اور ایک روایت میں في عرض هذا الحائط او مثله بھی آیا ہے۔(۳) اور ظاہر ہے کہ تمام مرئیات اور جنت و نار خود وہاں موجود نہ تھیں بلکہ یہ کشفی مشاہدہ تھا۔ اور قیام تعظیمی کا کوئی صحیح معنی نہیں ہے ذکر کی تعظیم قیام کے ساتھ معہود نہیں اور بفرض ہو بھی تو حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کا تمام ذکر مستحق تعظیم ہے، نہ صرف ذکر ولادت و سلام۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ کیونکہ اگر بفرض محال کبھی ایسا اتفاق ہوا بھی ہو تو خرق عادت ہے اور خرق عادت دائم اور مستمر نہیں ہوتا، علاوہ بریں یہ امر متعلق کشف کے ہے اور کشف حجت تامہ نہیں کہ اس کی وجہ سے عام حکم لگایا جا سکے۔ ملا علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: "المكاشفة والالهام او المنام التي هي ظنيات لا تسمى علوما يقينيا" (مرقاۃ ۱/۲۶ ط امدادیہ)

۲۔ بخاری، ابواب الكسوف، باب صلوٰة النسآء مع الرجال في الكسوف: ج ۱ ص ۱۴۴ ط سعید۔

۳۔ بخاری، كتاب مواقيت الصلوٰة، باب وقت الظهر عند الزوال، ولفظه: "ثم قال عرضت على الجنة والنار انفاً في عرض هذا الحائط فلم ار كالخير والشر۔" وكذا في كتاب الاعتصام، باب مايكره من كثرة السوال الخ: ج ۲ ص ۱۰۸۳ ط قدیمی۔

فصل چہارم
مسئلہ علم غیب

(۱) محفل میلاد کا شرعی حکم۔
(۲) حضور علیہ السلام کا محفل میلاد میں تشریف لانا۔
(۳) رسول اکرم ﷺ کو علم غیب تھا یا نہیں ؟
(۴) ایصال ثواب کیلئے دن مقرر کرنا کیسا ہے ؟
(۵) شرک وبدعت کسے کہتے ہیں ؟

(السوال) (۱) محفل میلاد شریف کرنا شرعاً جائز ہے یا بدعت ہے ؟
(۲) رسول کریم ﷺ محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں یا نہیں ؟ اور اگر ایک ہی وقت میں روئے زمین پر ہزار جگہ محفل میلاد ہو تو کیا رسول کریم ﷺ ہر جگہ تشریف لا سکتے ہیں یا نہیں یا مجبور ہیں ؟
(۳) آنحضرت ﷺ کو علم غیب تھا یا نہیں ؟
(۴) بزرگان دین کی ارواح کو ثواب پہنچانے کیلئے فاتحہ نیاز نذر کا دن مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
(۵) شرک وبدعت کسے کہتے ہیں ؟

المستفتی ماسٹر عابد یار خاں مدرسہ ساہو کارہ جدید بریلی۔

(جواب ۱۷٤) آنحضرت ﷺ کے حالات مبارکہ اور فضائل و کمالات طیبہ کا بیان کرنا بہت اچھا اور موجب خیر وبرکت ہے مگر مجلس میلاد جس صورت سے کہ مروج ہے یہ غیر شرعی ہے کیونکہ اول تو اس نام سے انعقاد مجلس کرنا سلف صالحین کا معمول نہیں تھا۔(۱) بلکہ وعظ و ذکر کی مجالس میں حضور انور ﷺ کے حالات طیبہ بھی بیان کر دیئے جاتے تھے(۲)

دوسرے اکثری طور پر ان مجالس میں روایات غیر معتبرہ اور موضوعہ بیان کی جاتی ہیں جن کا بیان کرنا بلکہ سننا بھی گناہ ہے۔(۳)

تیسرے اکثری حالات میں مجلس منعقد کرنے والے کی نیت ریا وشہرت و ناموری کی ہوتی ہے جو اعمال حسنہ کے ثواب کو بھی ضائع کر دیتی ہے۔(۴)

۱۔"ان عمل المولود بدعة لم يقل به ولم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء والائمة" (كذافى الشرعة الالهية بحواله راہ سنت : ص ١٦٤ ط مكتبه صفدريه)

۲۔"التذكير على المنابر للوعظ والا تعاظ سنة الانبياء و المرسلين"(الدر المختار : ج ٦ ص ۴۲۱ ط سعید)

۳۔قال في الشامية :"(قوله والموضوع) اى المكذوب على رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وهو محرم اجماعاً بل قال بعضهم انه كفر . قال عليه الصلاة و السلام :"من قال على مالم اقل فليتبوأ مقعده من النار۔"(ج ۱ ص ۸۲ ط سعید)

۴۔وقد اخرج مسلم حديث الغازى و العالم و الجواد و عقابهم على فعلهم ذلك لغير الله عن ابى هريرة فى كتاب الا مارة . باب من قاتل للرياء والسمعة استحق النار . وقد قال الا مام النووى رحمة الله عليه فى شرحه مانصه :"وفيه ان العمومات الواردة فى فضل الجهاد انما هى لمن اراد الله تعالىٰ بذلك مخلصاً وكذلك الثناء على العلماء وعلى المنفقين فى وجوه الخيرات كله محمول على من فعل ذلك لله تعالىٰ مخلصاً" (انظر الصحيح لمسلم مع شرحه الكامل للنووى رحمة الله عليه : ج ٢ ص ١٤٠ ط قديمى)

چوتھے ان مجالس میں بعض غیر شرعی امور عمل میں لائے جاتے ہیں اور ان کو نہ صرف شرعی سمجھا جاتا ہے بلکہ فرض وواجب کا مرتبہ دے دیا جاتا ہے۔ مثلاً ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا کہ یہ ایک بے اصل اور بے ثبوت چیز ہے(۱) مگر عملاً اس کو ایسا لازم کر لیا گیا ہے کہ اگر کوئی قیام کرے تو اس کو لعن طعن سب و شتم کرتے اور بسااوقات مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔(۲) مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ مجالس مروجہ میلاد کا انعقاد شرعی نہیں ہے۔(۳)

(۲) یہ خیال اور عقیدہ کہ حضور انور ﷺ مجالس میلاد میں تشریف لاتے ہیں ایک عامیانہ اور بے اصل خیال ہے اور نہ یہ اصول شرعیہ کے لحاظ سے درست ہو سکتا ہے کیونکہ ایک وقت میں ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا حضرت حق تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہے۔(۴)

(۳) علم غیب حضرت حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ آنحضرت ﷺ کو حق تعالیٰ نے اس قدر مغیبات کا علم عطا فرمایا تھا کہ ہم اس کا احصار نہیں کر سکتے۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا علم حضرت حق تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ ہے، مگر باوجود اس کے حضور ﷺ عالم الغیب نہ تھے۔ کیونکہ علم غیب کے معنی یہ ہیں کہ وہ بغیر واسطہ حواس اور بغیر کسی کے بتائے ہوئے حاصل ہو(۵) اور حضور ﷺ کا تمام علم حضرت حق تعالیٰ کے بتانے سے حاصل ہوا ہے۔ وہ حقیقۃً علم غیب ہے اور نہ حضور ﷺ کو عالم الغیب کہنا درست۔(۶)

(۴) ایصال ثواب کی شرعی حقیقت یہ ہے کہ انسان کوئی ثواب کا کام (یعنی عبادت مالیہ یا بدنیہ ادا کرے۔ اور خود ثواب پانے کا مستحق بنے۔ پھر حضرت حق تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ یہ ثواب جس کا تیرے فضل و کرم کے وعدہ سے میں مستحق ہوا ہوں میرے فلاں بزرگ یا عزیز یا دوست کو پہنچا دے(۷) ثواب کا کام ثواب کی نیت سے کیا جائے اور انہیں اوصاف کے ساتھ جو شریعت نے ثابت کئے ہیں ادا ہو جب وہ مفید ہو گا۔ ورنہ برادری کی رسم کی پابندی یا ریا و نمود کی غرض سے جو کام کیا جائے یا اوصاف شرعیہ کے خلاف ہو تو اس میں خود کرنے والا ہی ثواب کا مستحق نہیں ہوتا دوسرے کو کیا بخشے گا اور کیا پہنچے گا۔(۸) پس عبادات مالیہ یعنی

۱۔ کیونکہ اس پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں ہے۔
۲۔ اور التزام مالا یلزم بدعت ہے۔ "ورهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم" (الحدید : ۲۷)
۳۔ لہٰذا اس کا ترک ضروری ہے۔
۴۔ "وفی الواقع ہم چوں اعتقاد کہ حضرات انبیاء و اولیاء ہر وقت حاظر و ناظر اند...... شرک است چہ ایں صفت مخصات حق جل جلالہ است کہ راور آں شرکت نیست و نیز ورواز یہ است وعن هذا قال علمائنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم يكفر انتهى" (مجموعۃ الفتاویٰ فارسی : ج ۱ ص ۲۸، مجموعۃ الفتاویٰ اردو : ج ۱ ص ۶۳ ط ایچ ایم سعید)
۵۔ "والتحقيق ان الغيب ماغاب عن الحواس والعلم الضروری والعلم الاستدلالی۔" (علامہ محمد عبدالعزیز الفرہاری، النبراس : ص ۳۴۳ ط امدادیہ ملتان)
۶۔ وقال العلامة الفرهاری رحمة الله عليه : "وقد نطق القرآن بنفی علمه عمن سواه تعالیٰ فمن ادعى انه يعلمه كفر ومن صدق المدعی كفر واما ماعلم بحاسة او ضرورة او دليل فليس بغيب ولا كفر فی دعواه ولا فی تصديقه على الجزم فی اليقينی والظن فی الظنی عند المحققين." (النبراس : ص ۳۴۳ ط امدادیہ)
۷۔ قال فی الدر المختار : "الاصل ان كل من اتى بعبادة ما له جعل ثوابها لغيره وان نواها عند الفعل لنفسه لظاهر الادلة."
وقال فی الرد : (قوله بعبادة ما) ای سواء كانت صلاة او صوما او صدقة او قراءة او ذكرا او طوافا او حجا او عمرة ..... وجميع انواع البر كما فی الهندية۔" (رد المحتار : ۲ / ۵۹۵ ط سعید)
۸۔ "يايها الذين آمنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالكم." (محمد : ۳۳) ای امتثلوا اوامر الله واوامر رسوله ولا تبطلوا اعمالكم بما ابطل به هولاء اعمالهم من الكفر والنفاق . والعجب والرياء (الشیخ محمد علی الصابونی، صفوۃ التفاسیر : ۳ / ۲۱۳ ط دار القرآن الکریم بیروت)

صدقات کے ذریعہ سے جو ثواب پہنچانا ہے اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ جو کچھ میسر ہو اور جس وقت میسر ہو اس کو خالصاً لوجہ اللہ کسی مستحق پر صدقہ کر دو اور اس کا ثواب جسے پہنچانا ہو پہنچادو۔ اس میں کسی خاص چیز اور خاص وقت کا التزام غیر شرعی ہے۔(۱) اور عبادات بدنیہ کے ذریعے سے ثواب پہنچانے کی صورت یہ ہے کہ نفل نماز پڑھو نفل روزہ رکھو یا قرآن مجید کی تلاوت کرو وغیرہ۔ ان عبادات کا ثواب جسے پہنچانا ہو پہنچادو اس میں بھی کسی خاص صورت اور ہیئت اور نوعیت کی اپنی طرف سے تخصیص کرنا غیر شرعی ہے۔(۲)

(۵) خدا تعالیٰ کے اوصاف مخصوصہ میں کسی دوسرے کو شریک کرنا شرک ہے۔ پھر اس کی بہت سی قسمیں ہیں جس کی تفصیل کے لئے بہت وقت درکار ہے اس لئے بہتر ہے کہ کسی مقامی عالم سے مشافہہ دریافت فرمالیں۔ بدعت وہ کام ہے جو قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں نہ ہوا ہو اور نہ اس کی اصل پائی جائے۔(۳) اور اس کو دین کا کام سمجھ کر کیا جائے یا چھوڑا جائے تو یہ کرنا یا اس کے چھوڑنے کو دین کا کام سمجھ کر چھوڑنا بدعت ہے۔(۴) اس کی تفصیل بھی کسی مقامی عالم سے دریافت فرمائی جائے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

"یارسول اللہ" کہنے کا حکم.

(سوال) اگر رسول اللہ ﷺ کو غائبانہ ان الفاظ سے آواز دی جائے یا محمد۔ یا رسول اللہ۔ یا محبوب رب العالمین وغیرہ بلا درود شریف کے۔ ان الفاظ کو کبھی یا ہر وقت اس ندا سے کوئی محبت رکھتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور دلیل جواز السلام علیک ایھا النبی جو التحیات میں ہے ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۷۵) (یا محمد۔ یا رسول اللہ ﷺ کہنے والا اگر یہ سمجھ کر ندا کرتا ہے کہ حضور ﷺ میری آواز کو ہر وقت اور ہر جگہ سے سنتے ہیں تو یہ ندا ناجائز اور یہ خیال غلط ہے۔(۵) اور اگر اس خیال سے کہ میرے یہ الفاظ حضور ﷺ کو فرشتے پہنچادیتے ہیں تو درود و سلام کے ساتھ یہ خیال درست ہے۔(۶) لیکن بغیر درود و سلام کے اس عقیدہ اور خیال کی صحت کے لئے کوئی دلیل شرعی نہیں۔(۷) اور اگر محض فرط محبت میں بغیر اس عقیدے کے کہتا ہے

۱۔ قال العلامۃ الشاطبی رحمۃ اللہ علیہ فی الاعتصام: "منها وضع الحدود والتزام الکیفیات والهیآت المعینۃ والتزام العبادات المعینۃ فی اوقات معینۃ لم یوجد لها ذلک التعیین فی الشریعۃ۔" (الباب الاول فی تعریف البدع الخ: ۱ / ۳۹ ط دار الفکر)

۲۔ حوالہ بالا

۳۔ "وکل حدث فی الدین بعد زمن الصحابۃ بلا حجۃ شرعیۃ۔" (النبراس: ص ۱۵ ط امدادیہ ملتان)

۴۔ "ان البدعۃ من حیث قیل فیها: انها طریقۃ فی الدین مخترعۃ۔ الی آخرہ۔ یدخل فی عموم لفظها البدعۃ الترکیۃ، کما یدخل فیہ البدعۃ غیر الترکیۃ فقد یقع الابتداع بنفس الترک تحریما للمتروک اوغیر تحریم، فان الفعل۔ مثلاً۔ قد یکون حلالاً بالشرع فیحرمہ الانسان علی نفسہ او یقصد ترکہ قصداً۔ الی آن قال۔ وکما یشمل الحد الترک یشمل ایضا ضد ذلک۔" (الاعتصام: ج ۱ ص ۴۲، ۴۵ ط دار الفکر)

۵۔ مطلب یہ کہ اگر لفظ "یا" سے ندا کسی شرکیہ عقیدہ مثلاً بارادہ استعانت واستغاثہ یا دور و نزدیک سے سننے یا حاضر و ناظر ہونے کے اعتقاد سے ہو تو بوجہ شرک کے ناجائز ہے۔ آج کل لفظ "یا" کے ساتھ ندا سے مقصود اس عقیدے کا اظہار ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرح آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی بھی حاضر و ناظر ہے، اور آپ ہر جگہ سے سنتے ہیں۔ یہ عقیدہ محض غلط اور باطل ہے لہذا لفظ "یا" کے ساتھ ندا بھی ناجائز ہے۔

۶۔ لقولہ علیہ السلام: "ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔" (النسائی، کتاب الصلاۃ، باب التسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۱ / ۱۴۳ ط سعید)

۷۔ کہ آپ ﷺ "یارسول اللہ" کہنے والے کی آواز سنتے ہیں یا یہ ندا آپ تک پہنچائی جاتی ہے۔

کہ حضور ﷺ سنتے ہیں یا حضور ﷺ کو یہ الفاظ فرشتے پہنچاتے ہیں تو فی نفسہ مباح ہے۔ مگر چونکہ اکثر عوام اس بد عقیدگی میں مبتلا ہیں کہ حضور ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور ہر جگہ سے یا محمد، یا، یا رسول اللہ کہنے والے کی آواز سن لیتے ہیں، اس لئے ایسے موہم الفاظ کا نہ کہنا اور لوگوں کو ان کے استعمال سے منع کرنا ہی احوط ہے۔(۱) قرآن پاک کے الفاظ **ایھا المزمل**۔(۲) **یا ایھا النبی جاھد الکفار**۔(۳)**الایۃ . یاایھا النبی** جو تشہد میں ہے ان سے حضور ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔ **یا ایھا المزمل** اور قرآن پاک کے تمام خطابات حالت حیات میں نازل ہوئے اور بعد وفات حکایۃً پڑھے جاتے ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک نقطہ واجب الحفاظت ہے۔ اور تشہد کا خطاب سلام کے ساتھ ہے۔ جو فرشتے حضور ﷺ تک پہنچا دیتے ہیں۔
فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ دہلی۔

(۱) مجلس میلاد کا انعقاد اور اس میں قیام کرنا کیسا ہے ؟
(۲) یارسول اللہ، یا غوث پکارنا کیسا ہے ؟
(۳) گیارھویں شریف کی نیاز کرنا اور اس کے کھانے کا حکم .
(۴) نماز میں حضور علیہ السلام کا تصور آنے کا حکم .

(السوال) مجلس میلاد شریف و قیام کرنا کیسا ہے ؟ یارسول اللہ، یا غوث پکارنا کیسا ہے ؟ ان سے مدد مانگنا کیسا ہے ؟ گیارھویں شریف کی نیاز کرنا اور اس کا کھانا کیسا ہے ؟ نماز میں حضرت محمد ﷺ کا تصور آنا کیسا ہے ؟
(جواب ۱۷۶) آنحضرت ﷺ کے حالات و فضائل و اوصاف کا ذکر احسن الاذکار اور افضل الاوراد ہے ۔ لیکن مروجہ مجالس میلاد میں بہت سی باتیں شریعت مقدسہ کے خلاف ہوتی ہیں مثلاً روایات ضعیفہ بلکہ موضوعہ کا بیان کرنا۔ موضوع روایتوں کا بیان کرنا حرام ہے۔(۴) اور غیر متشرع لوگوں اور امردوں کا مولود پڑھنا، گانا، مکان کی زینت میں حد سے زیادہ مبالغہ کرنا۔ مولود کی مجلس کو ضروری اور لازم سمجھنا۔ ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا شریک نہ ہونے والے یا قیام نہ کرنے والے کو لعن طعن کرنا۔ یہ تمام امور ناجائز ہیں۔ شریعت مقدسہ میں ان کا کوئی ثبوت نہیں۔

یارسول اللہ کہنا اگر صلوٰۃ و سلام کے ساتھ ہو تو جائز ہے اور اس میں بھی یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ درود اور سلام کو فرشتے حضور ﷺ تک پہنچا دیتے ہیں۔(۵) یہ عقیدہ نہ ہو کہ ہر جگہ سے لفظ یارسول اللہ یا اور کسی

۱۔ کیونکہ جیسے شرک سے بچنا ضروری ہے شائبہ شرک سے بچنا بھی ضروری ہے۔ لقوله علیه السلام :"فمن اتق الشبهات فقد استبرا لدینه وعرضه۔ ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام."(بخاری، کتاب الایمان باب فضل من استبرا الدین :ج ا ص ۱۳ ط قدیمی)
۲۔ المزمل : ۱
۳۔ التوبۃ : ۷۳
٤ . قال فی الشامیة : " (قوله واما الموضوع) ای المكذوب علی رسول الله صلی الله علیه وسلم ، وهو محرم اجماعا بل قال بعضهم انه كفر. قال علیه الصلاة و السلام : من قال علی ما لم اقل فلیتبوا مقعده من النار ." (ج ۱ ص ۱۲۸ ط سعید)
۵ .لقوله علیه السلام : "ان لله ملائكة سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام." (النسائی ، كتاب الصلوة ، باب التسلیم علی النبی صلی الله علیه وسلم : ۱ / ۱٤۳ ط سعید)

بات کو حضور خود سن لیتے ہیں۔ کیونکہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خاص اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔(۱) اور یا غوث کہنا بہر حال ناجائز ہے۔ کیونکہ غوث نہ خود سن سکتے ہیں اور نہ ان تک ان الفاظ کو پہنچانے کے لئے کسی ذریعہ کا شرعاً ثبوت ہے۔

گیارھویں کی نیاز سے اگر مقصد ایصال ثواب ہے تو اس کے لئے گیارھویں تاریخ کی تعیین شرعی نہیں۔(۲) نیز حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تخصیص نہیں۔ تمام اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اور صحابہ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے مستحق ہیں۔(۳) سال کے جن دنوں میں میسر ہو اور جو کچھ میسر ہو صدقہ کر دیا جائے اور اس کا ثواب بزرگان دین اور اموات مسلمین کو بخش دیا جائے۔ فقراء اس کھانے کو کھا سکتے ہیں۔ امراء اور صاحب نصاب نہیں کھا سکتے۔ کیونکہ یہ ایصال ثواب کے لئے بطور صدقہ کے ہوتا ہے۔(۴)

آنحضرت ﷺ کا نماز میں قصداً تصور کرنا اگر اس خیال سے ہو کہ حضور ﷺ خدا تعالیٰ کے بندے اور رسول تھے تو مضائقہ نہیں، لیکن اگر تعظیم کے طور پر ہو تو درست نہیں۔ جو لوگ منع کرتے ہیں ان کا یہی مطلب ہے کہ خدا کی تعظیم کے موقع پر کسی مخلوق کی تعظیم کا خیال نہ کرنا چاہئے ورنہ مطلقاً تصور سے کون بچ سکتا ہے۔ جب کہ التحیات میں **السلام علیك ایھاالنبی** موجود ہے تو اس کو پڑھتے وقت حضور ﷺ کا ذہن میں آنا لازمی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مجلس مولود میں صلوٰۃ و سلام کے ساتھ "یارسول" کے الفاظ سے پکارنا.

(سوال) مولود میں لفظ **یا رسول الله السلام علیك یا حبیب السلام علیك** پکار کر کہنا اس غرض سے کہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک محفل میلاد میں آتی ہے۔ لہذا برائے تعظیم کھڑے ہو کر لفظ مذکور کو پکار کر کہتے ہیں۔ آیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۷۷) صلوٰۃ و سلام کے ساتھ "یارسول" و "یا حبیب" ندا کے الفاظ سے پکارنا اس خیال سے کہ صلوٰۃ و سلام آنحضرت ﷺ کو فرشتوں کے ذریعہ پہنچادیا جاتا ہے۔ اور آپ ﷺ تک ہماری ندا اور خطاب پہنچ جاتا ہے جائز اور درست ہے۔ کیونکہ بعض روایات معتبرہ سے ثابت ہے کہ باری تعالیٰ و تقدس نے آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک پر ایک فرشتہ مقرر فرمادیا ہے اور اس کو ایسی قوت سامعہ عطا فرمائی ہے کہ وہ تمام مخلوق کے صلوٰۃ و سلام سن کر حضرت نبوی ﷺ میں عرض کر دیتا ہے اور آنحضرت ﷺ جواب دیتے ہیں۔ **قال النواب صدیق**

۱۔ "وفی الواقع ہم چوں اعتقاد کہ حضرات انبیاء و اولیاء ہر وقت حاضر و ناظر اند...... شرک است چہ ایں صفت از مختصات حق جل جلالہ است کہ رادر آں شرکت نیست...... و نیز دریں باب است وعن هذا قال علماؤنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر انتهی۔" (مجموعۃ الفتاوی فارسی : ج ۱ ص ۴۸، مجموعۃ الفتاوی اردو . ج ۱ ص ۴۶ ط سعید)

۲۔ قال فی الاعتصام : "ومنها التزام العبادات المعینة فی اوقات معیّنة لم یوجد لها ذلك التعیین۔" (ج ۱ ص ۳۹ ط دار الفکر) وقال الامام اللکھنوی رحمة الله علیه فی مجموعة الفتاوی۔ "مقرر کردن روز سوم وغیرہ با تخصیص و اوراضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت نیست" (مجموعۃ الفتاوی علی ھامش خلاصۃ الفتاوی : ۱ : ۹۵ ط امجد اکیڈمی)

۳۔ "الافضل لمن یتصدق نفلاً ان ینوی لجمیع المؤمنین و المؤمنات لانها تصل الیهم ولا ینقص من اجره شی" (ردالمحتار : ۲ : ۲۴۳، ۵۹۵ ط سعید)

۴۔ اور صدقہ کا مصرف فقراء و مساکین ہیں لقوله تعالیٰ : "انما الصدقات للفقراء والمساکین الخ" (التوبۃ : ۶۰)

حسن خان البو فالی القنوجی فی نزل الابرار فی بیان فوائد الصلوٰة علیه صلی الله علیه وسلم ومنها قیام ملك علی قبره صلی الله علیه وسلم اعطاه اسماع الخلائق یبلغه ایاها کما فی حدیث رواتق ابن حبان رواته ووردت احادیث بمعناه ثانیة ولله الحمد و منها انها سبب لرد النبی صلی الله علیه وسلم علی المصلی والمسلّم علیه کماورد بسند حسن بل صححه النووی فی الاذکار وغیره . انتهی ملتقطاً۔

ہاں اس خیال اور اعتقاد سے ندا کرنا کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک مجلس مولود میں آتی ہے۔ اس کا شریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت نہیں اور کئی وجہ سے یہ خیال باطل ہے۔ اول یہ کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔(۱) تو پھر آپ ﷺ کی روح مبارک کا مجالس میلاد میں آنا بدن سے مفارقت کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقے سے ؟ اگر مفارقت کر کے مانا جائے تو آپ ﷺ کا قبر مطہر میں زندہ ہونا باطل ہوتا ہے۔ یا کم از کم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہوتا ہے۔ تو یہ صورت علاوہ اس کے کہ بے ثبوت ہے، باعث توہین ہے نہ موجب تعظیم۔ اور اگر مفارقت نہیں ہوتی تو پھر ہر مجلس مولود میں آپ ﷺ کی موجودگی بدن وروح کے ساتھ ہوتی ہے یا محض بطور کشف و علم کے پہلی صورت بداہتاً باطل ہے۔ اور دوسری صورت بے ثبوت اور بعض اعتبار سے موجب شرک ہے کہ آن واحد میں مجالس کثیرہ کا علم ہونا اس طرح کہ گویا آپ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یہ خاصہ ذات احدیت ہے۔ آنحضرت ﷺ کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنا شرک ہے۔(۲)

رہی مجلس میلاد تو اس کا حکم یہ ہے کہ نفس ذکر ولادت و معجزات و اقوال و افعال و واقعات آنحضرت ﷺ جائز بلکہ محبوب و مستحسن ہے۔ لیکن قیود مروجہ اور ہیئات مخصوصہ جو آج کل اکثر مجالس مروجہ میں پائی جاتی ہیں بدعت اور بے اصل ہیں۔(۳) ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا بالکل بے اصل ہے۔ شریعت مقدسہ میں اس کی کوئی اصل نہیں، نہ قرون ثلثہ میں اس کا وجود تھا، نہ کوئی دلیل اس کے جواز پر دال ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ دہلی۔

۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس رادروی خلافے نیست حیات جسمانی ودنیاوی نہ حیات معنوی روحانی چنانکہ شہداء راست۔" (اشعة اللمعات ترجمه مشکوٰة ، کتاب الصلوٰة ، باب الجمعة فصل ۳ : ج ۱ ص ۶۱۳ مطبع نامی لکھنؤ)

۲۔ "وفی الواقع ہم چوں اعتقاد کہ حضرات انبیاء و اولیاء ہر وقت حاضر و ناظر اند..... شرک است چہ ایں صفت از مختصات حق جل جلالہ است کہ را در آں شرکت نیست...... و نیز در بزازیہ است وعن هذا قال علماء نامن قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر انتهی۔" (مجموعۃ الفتاوی: ج ۱ ص ۲۸، مجموعہ فتاویٰ عبدالحی اردو: ج ۱ ص ۴۶ ط سعید)

۳۔ قال العلامة الشاطبیؒ فی الا عتصام : "منها وضع الحدود و التزام الکیفیات والهیات المعینة و التزام العبادات المعینة فی اوقات معینة لم یوجد لها ذلك التعیین فی الشریعة۔"(الباب الاول ، فصل فی تعریف البدع الخ :ج ۱ ص ۳۹ ط دار الفکر)

۴۔ لہذا یہ عمل بھی خالص بدعت ہے۔ کیونکہ بدعت کی تعریف ہے: "کل حدث فی الدین بعد زمن الصحابة بلا حجة شرعیة" (النبراس : ص ۵ ط امدادیہ)

مسئلہ علم غیب :

(سوال) حضرت رسول مقبول ﷺ عالم الغیب تھے یا نہیں ؟ بصورت عالم الغیب ہونے کے آپ ﷺ کا علم خدا کے علم کے مساوی ہے یا کم ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۱۷۸) کسی کا یہ دعویٰ کرنا کہ حضرت رسول مقبول ﷺ عالم الغیب تھے اور آپ ﷺ کو تمام مغیبات کا علم تھا محض غلط و افتراء اور اس شخص کی دیدہ دلیری ہے۔ اس قسم کا عقیدہ نہ تو قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث شریف سے اس کا کچھ پتہ چلتا ہے، نہ ائمہ کبار کے اقوال سے کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث و اقوال ائمہ بڑے زور سے اس کی تردید کرتے ہیں۔ چونکہ یہ مسئلہ اصول اعتقاد یہ سے ہے اس لئے نہ صرف علمائے حنفیہ ہی اس کے منکر ہیں بلکہ شوافع، مالکیہ، حنبلیہ سب ہی اس کے خلاف ہیں اور اس کی تردید کرتے ہیں۔ قرآن پاک صاف و صحیح طریقے پر فرماتا ہے۔ **قل لا يعلم من في السموٰت والارض الغيب الا الله . الاية**۔(۱) **وقال الله تعالىٰ قل لا املك لنفسي نفعا ولا ضرا الا ماشاء الله ولو كنت اعلم الغيب لا ستكثرت من الخير الاية**(۲) **ان الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم مافي الارحام الاية وغير ذلك**۔(۳)

یہ آیات بینات صراحۃً ثابت کرتی ہیں کہ عالم الغیب ہونا خدا ہی کی صفت ہے اور دنیا و مافیہا میں کوئی ایسا فرد مخلوق نہیں جو علم غیب رکھتا ہو اور خود خداوند جل و علا شانہ، اپنے کلام میں حضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اے ہمارے رسول لوگوں کو اس سے مطلع کر دو شاید کوئی تمہارے اس مرتبے کو دیکھ کر اور تمہارے بعض مغیبات کو بتلا دینے سے کہیں اس دھوکہ میں نہ پڑ جائے کہ تمہیں بھی علم غیب آتا ہے۔ اس لئے تم ان سے کہہ دو کہ یہ صفت خاص خدائی ہے اس میں اس کا کوئی مساہم و شریک نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس متعدد احادیث اس کی شاہد ہیں۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ کی کتاب الایمان کی پہلی حدیث کا یہ ٹکڑا۔ **ماالمسئول عنها باعلم من السائل**-(۴)
یعنی قیامت کے باب میں میں فرشتہ مخاطب یعنی جبریل سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔

یعنی جس طرح کہ جبریل کو صرف علامات قیامت کا علم ہے اسی طرح مجھ کو ہے۔ پھر آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن میرے بعض اصحاب کو دوزخ کی طرف لے جائیں گے اور آپ فرمائیں گے **اصیحابی۔اصیحابی**۔ اور وہ فرشتے آپ کو جواب دیں گے کہ آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد دنیا میں کیا کیا ؟ یعنی مرتد ہو گئے۔(۵) صاف اس کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو علم غیب نہیں پھر آپ کا عام حجة

---

۱. النحل : ٦٥
۲. الاعراف : ۱۸۸
۳. لقمٰن : ۳٤
۴۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان، الفصل الاول : ج ۱ ص ۱۱ ط قرآن محل. و الحديث اخرجه البخاري في كتاب الايمان، باب سوال جبريل النبي صلى الله عليه وسلم عن الايمان الخ(۱ /۱۲ قدیمی) وكذافي كتاب التفسير، سورة لقمان، باب ان الله عنده علم الساعة(۱ /۷۰۴) ومسلم في صحيحه في كتاب الايمان(۱ /۲۹ قدیمی)
۵۔ الحديث اخرجه البخاري في كتاب الانبياء ، باب قول الله عزوجل واتخذالله ابراهيم خليلاً الخ و لفظه "فاقول اصيحابي اصيحابي فيقول انهم لم يزالوامرتدين على اعقابهم منذ فارقتهم۔"(۱ /۴۷۳ قدیمی)واخرجه ايضا بمعناه في كتاب الحوض بلفظ"اصحابي"(۲ /۹۷۴،۹۷۵ ط قدیمی)

الوداع میں یہ فرمانا لعلی لا اراکم بعد عامی هذا۔(۱) اس کی دلیل ہے کہ آپ کو علم غیب نہیں۔ورنہ آپ کا ان الفاظ کو شک و شبہ کے ساتھ استعمال کرنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ قصہ افک(۲) میں آپ کا ایک عرصہ تک متردد و متفکر رہنا اور غایت درجہ محزون و مغموم ہونا بھی اس کی دلیل ہے،ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ آپ ﷺ عالم الغیب بھی ہوں اور ایسی مہتم بالشان قصہ میں اتنی مدت تک پریشان بھی رہیں اور جب تک کہ قرآن نازل نہ ہو آپ ﷺ کو کچھ علم نہ ہو۔ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں :۔

ثم اعلم ان الانبیاء لم یعلموا المغیبات من الا شیاء الا ما اعلمهم الله تعالیٰ احیانا وذکر الحنفیة تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی الله علیه وسلم یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالیٰ قل لایعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا الله۔انتهیٰ۔(۳)

یعنی انبیا علیہم السلام تمام مغیبات کو نہیں جانتے مگر اس قدر جتنی کہ خداوند تعالیٰ نے انہیں بتادی ہیں اور حنفیہ نے تو اس کی تصریح کر دی ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ حضرت رسول مقبول ﷺ عالم الغیب تھے وہ کافر ہے کیونکہ اس کا یہ عقیدہ صریح نص قرآنی **قل لایعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا الله الأیة** کے مخالف ہے اور اس کا انکار ہے۔اور نص قرآنی کا انکار کفر ہے۔

قاضی عیاض اپنی کتاب شفا میں تحریر فرماتے ہیں :۔

واما ما یعتقد فی امور احکام البشر الجاریة علی یدیه وقضا یا هم ومعرفة المحق من المبطل وعلم المفسد من المصلح فبهذه السبیل لقوله علیه السلام انما انا بشروا نکم تختصمون لی ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجته الخ الی ان قال فانه تعالیٰ لوشاء لا طلعه علی سرائر عباده و مخبآت ضمائرامته الی ان قال وطی ذلك من علم الغیب الذی یستاثربه عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احداً الا من ارتضیٰ به رسول فیعلم منه ماشاء ویستاثر بما شاء ولا یقدح هذا فی ثبوته ولا یعصم عروة من عصمته انتهیٰ۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ حضور پرنور ﷺ علم ذات و صفات و معرفت الٰہی کامل و اکمل اور تمام باتوں کے عالم تھے اور یہی مطلب فرمان **فعلمت علم الا ولین و الا خرین** کا ہے۔اور اسی کے متعلق حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :۔

"وے ﷺ دانا است بر ہمہ چیز از شیونات ذات الٰہی و احکام و صفات حق و اسمائے و افعال و آثار و جمیع علوم ظاہر و باطن و اول و آخر احاطہ نمودہ است و مصداق فوق کل ذی علم علیم شدہ۔"(۴)

یعنی وہ علوم صفات باری جو احاطہ بشری میں آسکتے ہیں اور دوسرے انبیاء اس سے واقف تھے، آپ ﷺ

۱۔ رواہ الترمذی فی ابواب الحج ، باب ماجاء فی الافاضة من عرفات : ۱/ ۷۸ ط سعید۔
۲۔بخاری ، کتاب المغازی ، باب حدیث الافك : ۲/ ۵۹۳ ط قدیمی۔
۳۔ شرح کتاب الفقه الا کبر ، مسالة فی ان تصدیق الکاهن بما یخبربه من الغیب : ص ۲۲۵ ط دارالکتب العلمیة بیروت۔
۴۔ دیکھئے مقدمہ مدارج النبوۃ (فارسی)

واقف تھے نہ کہ عالم الغیب تھے۔ارشاد علمت مافی السمٰوات والارض کا(۱) مطلب بھی یہی ہے۔واللہ اعلم۔

حدیث "اتقوا فراسة المؤمن" کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

(السوال) حدیث اتقوا فراسة المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ (۳) کا ترجمہ زید یہ کرتا ہے کہ "مومن کی دانائی سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ خدا کے نور اور بصیرت سے لوگوں کے حالات معلوم کر لیتا ہے" فرمایئے کیا اس کا ترجمہ یہی ہے؟

(جواب ۱۷۹) حدیث میں صرف یہ غرض ہے کہ مومن اللہ کے دیئے ہوئے نور اور عطا کی ہوئی بصیرت سے بعض وہ باتیں معلوم کر لیتا ہے جن کا معلوم ہونا فراست سے متعلق ہے نہ کہ علم غیب سے(۲)۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

آنحضرت ﷺ کو حاضر ناظر سمجھ کر آپ سے استمداد کرنے والے کا حکم؟

(السوال) بریلوی عقائد والا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر و ناظر سمجھنے والا اور ایسے عقیدے رکھ کر آپ سے استمداد کرنے والا کافر ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۸۲۲ محمد نذر شاہ (ضلع گجرات) ۶ محرم ۱۳۵۵ھ م ۳۰ مارچ ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۸۰) جو شخص کہ آنحضرت ﷺ کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھے اور حضور ﷺ سے اس عقیدے کی بنا پر استمداد کرے وہ ایک طرح شرک میں مبتلا ہے۔(۳) لیکن تکفیر میں احتیاط کی جائے ۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے؟

(السوال) اکثر علمائے کرام یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ہر ایک قسم کا علم سکھا دیا تھا اور اس واسطے سرور عالم ﷺ ہر وقت بدون وحی یہ بتا سکتے تھے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ اور یہاں تک بھی فرماتے ہیں کہ اتنا علم تو حضور پرنور ﷺ کے غلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی تھا۔ اور فتح خیبر کے موقع پر آنحضرت ﷺ کو علم تھا کہ خیبر فتح ہو جائے گا۔ اور یہ بھی علم تھا کہ یہ نمایاں کام حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کے دست مبارک سے سرانجام پائے گا، لیکن علمائے کرام کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ

۱۔ الحديث اخرجه الترمذى عن ابن عباس فى كتاب التفسير ، سورة والصافات و لفظه :"فعلمت مافي السمٰوات وما في الارض"وفى رواية عنه :"فعلمت مابين المشرق و المغرب۔"وكذا رواه ايضاً عن معاذ بن جبل ولفظه :"فتجلّى لى كل شيء وعرفت۔"(راجع جامع الترمذی : ۲ /۱۵۹ سعید)

۲۔ رواه الترمذى عن ابى سعيد الخدرى فى كتاب التفسير ، سورة الحجر :۲ /۱۴۵ ط سعید)

۳۔ "اعتقاد اینکہ کسے غیر حق سبحانہ حاضر و ناظر و عالم خفی و جلی در ہر وقت و ہر آن است اعتقاد شرک است"(مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ : ۴ /۳۳۱ ط امجد اکیڈمی)

۴۔ "اذا كان فى المسئلة وجوه توجب الكفر و وجه واحد يمنع فعلى المفتى ان يميل الى هذا الوجه"(الامام طاهر بن عبدالرشيد البخارى، خلاصة الفتاوى ، الفصل الثانى فى الفاظ الكفر الخ :ج ۴ ص ۳۸۲ ط امجد اکیڈمی)

اللہ تعالیٰ سے دوسرے درجہ پر نبی علیہ السلام کا علم تھا جو جملہ انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر تھا۔ مگر علم غیب کے متعلق خود اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ اطلاع فرماتے تھے۔ مثلاً اگر کوئی پوچھتا کہ فلاں حاملہ لڑکا جنے گی یا لڑکی تو اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی کو وحی کے ذریعے خبر دیتے اور اسی طرح فتح خیبر کے موقع پر وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے کل قلعہ خیبر فتح ہو جائے گا، اس لئے کل آپ کے ہاتھ میں علم دیا جائے ان دونوں عقائد میں سے کون سے عقائد درست ہیں؟

المستفتی نمبر ۱۷۸ غلام محمد (ضلع اٹک) ۲۳ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۸۱) دوسرے گروہ کا عقیدہ اور بیان صحیح ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی صریح آیات اور صحیح احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ عالم الغیب صرف باری تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو تمام مخلوق سے زیادہ علم عطا فرمایا تھا لیکن پھر بھی وہ عالم الغیب نہ تھے۔ قرآن مجید میں ہے :۔

لایعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ۔ (۱) یعنی آسمان و زمین والوں میں سے کوئی بھی عالم الغیب نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

اسی طرح بہت سی آیات ہیں۔ یہ خیال کہ حضور ﷺ بغیر وحی ہر وقت یہ بتا سکتے تھے کہ "پیٹ کا بچہ نر ہے یا مادہ۔" غلط ہے۔ اور قرآن مجید کی آیت و یعلم مافی الارحام (۱) کے مطلب کے خلاف ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

یارسول اللہ کہنے اور کھانے پر فاتحہ پڑھنے کے متعلق ایک طویل عربی استفتاء۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(السوال) حضرة الا ستاذ الشيخ الجليل المفتي مولانا محمد كفايت الله طالت حياته ولا زالت ظلاله مرفوفة على رؤوس المسلمين السلام عليكم ورحمة الله وبركاته. اتى هنا (منگلور) رجل يدعي المولوي شيراحمد اللكهنوى وطلب من بعض اهل البلدة ان يتقررله وعظ في المسجد فاجا زوه بالقاء المحاضرة عشرليال (من الليلة الا ولىٰ من المحرم الى الليلة العاشرة) ونشرواالاعلان الوعظ (ارسلنا نسخة منه الى فضيلتك) فوعظ واظهر في الوعظ عقائده الفاسده وشتم كل من يقوم بقمع البدعة وسبهم بكل ماخطرله مما لايحصىٰ اكثره حتى نشاء بسببه بين المسلمين تفرق وتباغض واخذ العوام يشتمون الموحدين مع الواعظ فاضطررناالى ان ارسلنا ه هذين السئوالين فكتب الينا الجواب وقدارسلنا ه اليكم ولا يخفى عليكم انه غير مطابق لسئوالنا وان فيه اغلاطاً خطية ونحوية ولغوية فاحشة. وقدوعدناالناس باننانرسل سئوالنا وجواب الوعظ عنه الى فضيلتك والعلماء الكرام الثلاثة المذكورين في السؤال ونطبع سئوالنا وجوابه وار كم فيهما معاو ننشرهابين المسلمين اعلان الوعظ والسؤال والجواب هاهي قد بعثنا ولكم منا جزيل

(۱) النمل : ۶۵

(۱) لقمٰن : ۳۴

الشکر اذاتفضلتم علینا بمصافحة التماسناهذابراحات القبول وبعثتم باجوبتکم علی جناح الشرعة وقد ارسلنا مع هذا تذاکرالا جوبة والسلام .

بسم الله الرحمن الرحیم.

والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر مااکتسبوا فقد احتملو ابهتا ناواثما مبینا .(القرآن الحکیم الاحزاب،رکوع) (۱) الی حضرة الفاضل المولوی بشیر احمد الواعظ فی مسجد کچی میمن منگلور لما شهد نا محاضرتك سمعنا ك تقول مسائل تباین کتاب الله وسنة رسوله صلی الله علیه وسلم فنر جو امنك قصاری الرجاء بان تجیب السئوالین الآتیین جوابابان یطابق الکتاب والسنة ویود نا ان نرسل السوال وجوابك الی امام الهند ابی الکلام اٰزادو العلامة المفتی محمد کفایۃ الله صدرجمعیة علماء هندو مولا نا ثناء الله شیر پنجاب محرر جریدة اهل حدیث والعلامة السید سلیمان الندوی مؤرخ الا سلام . هاهما السئوالان

(۱)انك قلت ان بعض المسلمین ینکرون ان ینادی یارسول الله ونحن لاندری ان فی المسلمین من یقول بعدم جوازنداء یارسول الله مطلقا غیران نداء رسول الله وجعله کالورد والوظیفة والذکر کما تعوده العوام اونداء ہ بقصدانه صلی الله علیه وسلم حاضر فی کل مکان وزمان او نداء ہ لاعانته وامداده لیس بجائزفی دین الله الذی جاء بالحق لمحق الشرك لان ذلك لیس فی القرآن والحدیث ولم یفعله الصحابة ولا التابعون ولا تبع التابعین ولا قال به الائمة الاربعة وغیرهم من العلماء الثقات ولا یجوز للمسلمین ان یعتقدوا بان النبی صلی الله علیه وسلم یعلم الغیب . قال الله تعالیٰ قل لااقول لکم عندی خزائن الله و لا اعلم الغیب . (۲)

وعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه قال کنت خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم یوما فقال یا غلام احفظ الله یحفظك احفظ الله تجد تجاهك واذا سألت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله . رواه احمد والترمذی کذافی المشکوٰة (باب التوکل)(۳)

وننقل هنا اقوال بعض علماء الدین تثق بهم. فقد کتب العلامة ملا علی القاریؒ فی شرح الحدیث المذکور قوله اذا سالت فاسئل الله ای فاسئله وحده لا ن خزائن العطایا عنده ومفاتیح المواهب والمزایابیده وکل نعمة اونقمة دنیویه اواخرویة فانها تصل الی العبداوتندفع عنه برحمته من غیر شائبة غرض و علة لا نه الجواد المطلق والغنی الذی لا یفتقر فینبغی ان لایرجی الا رحمته ولا یخشی الانقمته ویلتجی عظام المهام الیه ویعتمد فی جمهور الامور علیه ولایسئل غیره لان غیره غیر قادر علی العطایا والمنع والنفع والضرر وجلب النفع فانهم لایملکون لانفسهم نفعاولا

۱۔الاحزاب : ۵۸

۲۔الانعام : ۵۰

۳۔مشکوٰة ، کتاب الرقاق، باب التوکل والصبر: ج ۲ ص ۴۵۳ ط قرآن محل کراچی، ومسند احمد بن حنبل :ج ۱ص ۵۰۵،۲۹۹،۲۸۳ طمؤسسة التاریخ العربی داراحیاء التراث العربی ، وترمذی، آخرابواب صفة القیامة :ج۲ص۷۸ ط سعید۔

ضرا ولا یملکون موتا ولا حیٰوۃ ولا نشورا (مرقاۃ) (۱)

وفی فتاوی قاضی خان(المجلد الرابع) رجل تزوج بغیر شھود فقال الرجل للمرأۃ (خدا و پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم راگواہ کردیم) قالوایکون کفرا لا نہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھو ماکان یعلم الغیب حین کان فی الا حیاء فکیف بعد الموت. (۲)

وفی الفتاوی البزازیۃ رعلی ھامش العالمگیریۃ ج ۳ ص ۳۲۱) قال علماء نا من قال ارواح المشائخ حاضرۃ یکفروکذلک (۳)ایضاً فی مجموعۃ الفتاوی (۴) اللکنوی ج ۲ ص ۳٤ وفیہ ایضاً ج ۲ ص ۱۰٤ وفی التفسیر الکبیر. اوالعلم المحیط لیس الا للہ تعالیٰ وقال ملا حسین الخباز فی مفتاح القلوب "واز کلمات کفر است ندا کردن اموات غائبات بگمان انکہ حاضر اند مثل یا رسول اللہ و یا شیخ عبدالقادر ومانندان۔"

وفی مجمع البحار.(۵) کرہ الامام مالک ان یقول زرنا قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم وعللوہ بان لفظ الزیارۃ صارمشترکاً بین ماشرع ومالم یشرع. فان منھم من قصد بزیارۃ قبورالا نبیاء والصلحاء ان یصلی عند قبورھم ویدعو عندھا ویسئلھم الحوائج وھذا لایجوز عند احد من علماء المسلمین فان العبادۃ وطلب الحوائج والا ستعانۃ حق اللہ وحدہ.

وفی الدرالمختار المجلد الاول ص ۱۷۰ ومقدمۃ الھدایۃالمجلدالاول ص ۵۹ ان علم الغیب لیس لمخلوق سوی اللہ وفی شرح الفقہ الاکبر ص ۱۸۵ واعلم ان الانبیاء لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمھم اللہ تعالیٰ احیانا وذکرالحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیہ السلام یعلم الغیب لعارضۃ قولہ تعالیٰ قل لایعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ. (۶)

(ترجمہ) حضرت الاستاذ شیخ جلیل مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب اللہ آپ کی عمر دراز کرے اور آپ کا سایہ مسلمانوں کے سروں پر قائم رکھے۔بعد سلام مسنون گذارش ہے کہ یہاں منگلور میں ایک شخص مسمی مولوی بشیر احمد لکھنوی آیا ہوا ہے۔اس نے شہر کے بعض آدمیوں سے مسجد میں وعظ کہنے کا معاملہ طے کیا۔انہوں نے اس کو محرم الحرام کی ابتدائی دس راتوں میں مجلسیں منعقد کرنے کی اجازت دی۔اور اشتہار چھپوا کر تقسیم کیا۔اس

۱۔مرقاۃ ، کتاب الرقاق، باب التوکل والصبر، الفصل الثانی : ج۱۰ص ۵۴ط امدادیہ
۲۔ فتاوی قاضی خان علی ھامش الھندیۃ ، کتاب السیر ،باب مایکون کفراً من المسلم وما لایکون : ج ۳ ص ۵۷٦ ط ماجدیہ کوئٹہ
۳۔ الفتاوی البزازیۃ ، کتاب الفاظ تکون اسلاماً او کفراً اوخطأً ، الثانی فیما یتعلق باللہ تعالیٰ : ج٦ ص ۳۲٦ ط ماجدیہ کوئٹہ
۴۔دیکھئے مجموعہ فتاوی عبدالحی (اردو)، کتاب العقائد : ج ۱ ص ۴٦، ۴۷، ۸۵ ط ایچ ایم سعید، مجموعۃ الفتاوی علی ھامش خلاصۃ الفتاوی : ج ۴ ص ۳۳۱ ط امجد اکیڈمی لاہور۔
۵۔علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی ، مجمع بحار الا نوار ، مادہ "زور" : ج ۲ ص ۴۴۴ ط مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد دکن ہند۔
٦۔ ملا علی القاری ،شرح کتاب الفقہ الاکبر ، مسألۃ ان تصدیق الکاھن بمایخبر بہ من الغیب : ص ۲۲۵ ط دارالکتب العلمیۃ بیروت۔

میں سے ایک اشتہار آپ کی خدمت میں بھیجا جارہا ہے۔ اس نے وعظ شروع کیا اور اپنے عقائد فاسدہ کا اظہار کیا۔ اور سب وشتم کیا۔ غرض کہ جو کچھ دل میں آیا بے دھڑک کہا۔ جس کا قلم بند کرنا مشکل ہے۔ اس کی اس حرکت سے مسلمانوں میں لڑائی جھگڑا بغض وعناد پیدا ہو گیا۔ اور بعض لوگ موحدو اعظین کو گالیاں دینے لگے۔ مجبوراً ہم نے اس کو مندرجہ ذیل دو سوال لکھ کر بھیجے۔ اس نے ہم کو جواب دیا۔ یہ سوال و جواب ہم آپ کو بھیج رہے ہیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ اس کا جواب ہمارے سوال کے مطابق نہیں ہے اور اس میں نحوی لغوی اور رسم الخط کی اغلاط بھی ہیں۔ ہم نے عوام الناس سے وعدہ کیا ہے کہ یہ سوال و جواب ہم جناب کی خدمت میں اور ان تین علماء کی خدمت میں بھیجیں گے جن کا ذکر سوال میں ہے۔ اور پھر آپ حضرات کے جوابات کو شائع کیا جائے گا۔

اعلان وعظ اور سوال و جواب ارسال خدمت کر کے ہم سب لوگ بے صبری سے آپ کے جواب کے منتظر ہیں۔

امید ہے کہ آپ اپنی رائے سے جلد از جلد مطلع فرمائیں گے، ہم آں جناب کے بہت ہی ممنون ہوں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جو لوگ مؤمنین اور مؤمنات کو ایسے کام کی تہمت لگا کر رنج پہنچاتے ہیں جو انہوں نے نہیں کیا تو وہ لوگ بہت بڑا وبال اور کھلا ہوا گناہ اٹھا رہے ہیں۔ قرآن حکیم (الاحزاب)

بخدمت مولوی بشیر احمد صاحب واعظ مسجد کچی میمن بنگلور۔ گذارش ہے کہ ہم جب آپ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو آپ کو ایسے مسائل بیان کرتے ہوئے سنا، جو قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔ پس ہم آپ سے امید کرتے ہیں کہ آپ ہمارے مندرجہ ذیل سوالات کا ایسا تسلی بخش جواب دیں گے جو کتاب و سنت کے مطابق ہو۔ اور ہم اپنے سوال اور آپ کے جواب کو امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد اور علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صدر جمعیۃ علمائے ہند اور مولانا ثناء اللہ شیر پنجاب ایڈیٹر رسالہ "اہل حدیث" اور علامہ سید سلیمان ندوی مؤرخ اسلام کی خدمت میں بھیجیں گے۔ وہ دو سوال یہ ہیں :۔

(۱) آپ نے وعظ میں فرمایا کہ بعض مسلمان لفظ یارسول اللہ کے ساتھ ندا کرنے کو ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے خیال میں ایسا کوئی مسلمان نہیں ہے جو مطلقاً ندائے یارسول اللہ کے عدم جواز کا قائل ہو۔ البتہ ندائے رسول اللہ اس طریقے سے جیسے کہ عوام کی عادت ہے اور اس کو ورد و وظیفہ اور ذکر بنا لیا ہے یارسول اللہ ﷺ کو اس نیت اور عقیدہ کے ساتھ ندا کرنا آپ ﷺ ہر جگہ اور ہر وقت حاضر ہیں یا آپ ﷺ کو ندا کرنا اپنی اعانت و دستگیری کے لئے، یہ اللہ کے برحق دین میں جائز نہیں ہے۔ نہ اس کی اجازت قرآن و حدیث میں ہے، نہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے ایسا عمل کیا، نہ ائمہ اربعہ اور فقہائے اسلام نے اس کی اجازت دی۔ اور نبی ﷺ کے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھنا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے پیغمبر! کہہ دو کہ میں تم لوگوں سے ایسی بات کبھی نہیں کہوں گا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں عالم الغیب ہوں۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے (سواری پر) تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے لڑکے اللہ کو یاد رکھ وہ تجھ کو (ہر مصیبت سے) بچائے گا۔ اللہ کو یاد رکھ تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔ اور کچھ مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ اور مدد چاہنے تو اللہ سے مدد چاہو (مشکوۃ باب التوکل)

اور ان کی تائید میں ہم بعض دیگر علمائے دین کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ علامہ ملا علی قاریؒ حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے قول فاسئل الله سے مراد یہ ہے کہ صرف اللہ سے طلب کر۔ کیونکہ عطاو بخشش کے خزانے اسی کے پاس ہیں اور نعمتوں کی کنجیاں اسی کے قبضے میں ہیں اور ہر قسم کی نعمت دنیاوی ہو یا اخروی جو بندے کو پہنچتی ہے یا مصیبت جو اس سے دور ہوتی ہے اسی کی رحمت سے ہوتی ہے۔ اس میں کسی غرض یا علت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ خود مختار سخی اور غیر محتاج غنی ہے۔ پس وہی اس لائق ہے کہ صرف اسی کی رحمت سے امید کی جائے اور صرف اسی کے انتقام سے خوف کیا جائے اور اہم امور میں اسی سے التجا کی جائے اور تمام معاملات میں اسی پر بھروسہ کیا جائے۔ اور اس کے غیر سے کوئی سوال نہ کیا جائے۔ کیونکہ غیر اللہ، دینے اور روکنے اور نفع نقصان پہنچانے اور خود نفع حاصل کرنے پر قادر نہیں ہے پس یہ اپنی ذات کے لئے بھی نفع وضرر پر قادر نہیں ہیں اور خود اپنی موت وحیات اور نشر ان کے قبضے میں نہیں ہے۔ (مرقاۃ)

فتاویٰ قاضی خان جلد چہارم میں ہے کہ ایک شخص بغیر گواہوں کے نکاح کرے اور عورت سے کہے کہ خدا اور پیغمبر ﷺ کو گواہ کیا ہم نے تو فقہاء کہتے ہیں کہ اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔ کیونکہ اس نے اس امر کا اعتقاد رکھا کہ رسول اللہ ﷺ غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنی زندگی میں بھی عالم الغیب نہیں تھے تو وفات کے بعد یہ کیونکہ ہو سکتا ہے؟

فتاویٰ بزازیہ میں ہے "ہمارے علماء کا قول ہے کہ جو شخص مشائخؒ کی ارواح کو حاضر سمجھے وہ کافر ہو جاتا ہے۔" فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی جلد ۲ ص ۴۳ اور جلد ۴ ص ۱۰۴ میں بھی اسی کے مطابق لکھا ہے۔ اور تفسیر کبیر میں ہے کہ علم محیط سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے لئے ثابت نہیں ہے۔ اور ملا حسین خباز مفتاح القلوب میں فرماتے ہیں کہ اموات غائبات کو حاضر سمجھ کر پکارنا کفر ہے جیسے یا رسول اللہ اور یا شیخ عبدالقادر وغیرہ۔

مجمع البحار میں ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ ہم نے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کی تو امام مالکؒ اس کو مکروہ کہتے ہیں اور وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ لفظ زیارت مشروع اور غیر مشروع دونوں معنی کے لئے عام ہو گیا ہے۔ کیونکہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو انبیاء وصلحاء کی قبور کی زیارت کا ارادہ کرتے ہیں اور وہاں جا کر نماز پڑھتے اور دعائیں مانگنے اور اہل قبور سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں۔ اور علماء میں سے کسی کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے عبادات اور طلب حاجات اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

در مختار جلد اول اور مقدمہ ہدایہ میں ہے کہ علم غیب اللہ کے سوا کسی مخلوق کے لئے ثابت نہیں ہے۔ اور شرح فقہ اکبر میں ہے کہ جاننا چاہئے کہ کسی غائب چیز کا علم انبیاء علیہم السلام نہیں رکھتے سوائے ان چیزوں کے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہو اور احنافؒ نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ رکھنے کو صراحۃ کفر کہا ہے کیونکہ یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی کہدو کہ زمین اور آسمان کے

رہنے والوں میں سے کوئی عالم الغیب نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

فيا ايها الفاضل ! هل تقول ان هؤلاء العلماء الكرام مخطئون حيث قالوا ان النبي صلى الله عليه وسلم لايعلم الغيب ولا يجوز نداء ه على نحو ما ذكروا استعانة والا فما ذا تقول فيهم وما تقول في الأية والحديث المتقدم ذكرهما. هلا رأيت ما قال الشيخ عبدالقادر الجيلاني قدس روحه اجعل الكتاب والسنة امامك وانظر فيهما بتا مل و تدبروا عمل بهما ولا تغتر بالقال والقيل والهوس. قال الله تعالىٰ وما اتكم الرسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا فتوح الغيب (۱) المقالة السادسة والثلاثون).

(۲) انك قلت ان غيرا لمقلدين يقولون لايجوز قراء ة الفاتحة. سبحان الله ماهذا الا بهتان مبين نحن نسألك هل في المسلمين فرقة تنكر قراء ة الفاتحة مطلقا واما اذا اردت بقولك ماراج من قراء ة الفاتحة على الطعام في ليلة الجمعة وليلة الاثنين واليوم الثالث للموت وغيره فلا ريب انها بدعة لم تكن في خير القرون ولم يامر به الكتاب ولا الحديث. لله درالقائل

تو مولانا محترم! کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ علمائے کرام غلطی پر تھے جنہوں نے نبی ﷺ کے عالم الغیب ہونے سے انکار کیا اور بطریقہ مذکورہ ندا اور استعانت کو ناجائز قرار دیا۔ اور اگر یہ بات نہیں تو ان کے مذکورۃ الصدر اقوال اور آیت اور حدیث کی آپ کیا توجیہ فرمائیں گے۔ کیا آپ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس روحہ کا قول نہیں دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت کو اپنے سامنے رکھو اور اس میں غور و فکر کے ساتھ نظر کرو اور ان ہی دونوں چیزوں پر عمل کرو اور قیل و قال اور شک کی وجہ سے دھوکہ اور غفلت میں نہ پڑو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رسول ﷺ تم کو جو کچھ دے اس کو لے لو اور جس چیز سے روکے اس سے رک جاؤ (فتوح الغیب)۔

(۲) آپ نے کہا کہ غیر مقلدین فاتحہ پڑھنے کو ناجائز کہتے ہیں۔ سبحان اللہ یہ محض بہتان ہے۔ ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے کوئی ایسا فرقہ بھی ہے جو مطلق فاتحہ پڑھنے کو ناجائز کہتا ہے۔ اور اگر اس سے آپ کی مراد مروجہ فاتحہ ہے جو کھانے پر جمعرات کو پڑھتے ہیں یا موت کے تیسرے دن پڑھتے ہیں وغیرہ تو بے شک یہ بدعت ہے اور خیر القرون میں اس کا رواج نہیں تھا۔ اور قرآن و حدیث میں اس کا ثبوت نہیں ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ولم يات الكتاب ولا الحديث بما انتم عليه عاكفون ولم يقل به امام ولا عالم معتبر من السلف والخلف قال الله تعالى وما اتكم الرسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا۔(۲) فيجب على الامة المحمدية ان يتركوا كل بدعة لهذه الاية . وقال النبي صلى الله عليه وسلم من احدث في امرنا هذا ماليس منه فهو رد. رواه البخاري و مسلم . (اربعين حديثا النووية والمشكوٰة)(۳)

۱۔ فتوح الغیب، المقالة السادسة والثلاثون : ص ۶۵ ط مصر۔
۲۔ الحشر : ۷
۳۔ مشكوة كتاب الايمان ، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الاول : ۱/ ۲۷ ط قرآن محل وبخاری ، کتاب الصلح ، باب اذا اصطلحوا على صلح جور فهومردود : ج ۱ ص ۳۷۱ ط قدیمی۔ و مسلم ، کتاب الاقضية ، باب نقض الاحكام الباطلة ورد محدثات الامور :ج ۲ ص ۷۷ ط قدیمی۔
۳۔ مسلم، کتاب الاقضیة ، باب نقض الاحكام الباطلة ورد محدثات الامور :ج ۲ ص ۷۷ ط قدیمی۔

وفی روایة لمسلم من عمل عملا لیس علیه امرنا فهورد (اربعون حدیثا النوویة)

وقال صلی الله علیه وسلم ایضاً ایاکم ومحدثات الا مور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة ۔ رواہ احمد و ابو داؤد والترمذی وابن ماجة (مشکوٰة (۱) باب الاعتصام) و ایضاً قال صلی الله علیه وسلم شرالا مور محد ثا تها وکل بدعة ضلالة رواه (۲) مسلم کذافی الباب المذکور واذالم نشرك الأیة والحدیث فنحن نلفت نظرك الی قول العلماء فقد قال العلامة شاه ولی الله المحدث الدهلوی فی

شعر۔۔وہ چیز جس کو تم پکڑے بیٹھے ہو۔اس پر نہ کتاب اللہ اتری ہے نہ کوئی حدیث آئی ہے۔

اور کسی امام نے اور اگلے پچھلے علماء میں سے کسی نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رسول تم کو جو کچھ دے وہ لے لو اور جس چیز سے روکے اس سے رک جاؤ۔ پس امت محمدیہ پر اس آیت کی رو سے واجب ہے کہ ہر قسم کی بدعت کو چھوڑ دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس نے ہمارے احکام میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جس کا ثبوت ہمارے احکام سے نہ ملتا ہو وہ مردود ہے بخاری و مسلم۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے کوئی ایسا کام کیا جس کے متعلق ہمارا کوئی حکم موجود نہ ہو، پس وہ نامقبول ہے۔

اور فرمایا کہ دین میں نئی باتیں نکالنے سے بچو کیوں کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور فرمایا کہ امور دینیہ میں سب سے برا امر وہ ہے جو ایجاد کر لیا جائے اور ہر ایجاد کردہ امر گمراہی ہے (روایت مسلم)

اب جب کہ آیات واحادیث سے ہم نے ثبوت پیش کر دیا تو ہم علماء کے اقوال کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :۔

وصیت نامة النبی فی اللغة الفارسیة

"از عادات شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتم ہا و سیوم و چہلم و ششماہی و فاتحہ سالینہ و ایں ہمہ را در عرب اول وجود نہ بود مصلحت آں کہ غیر تعزیہ وارثان میت تا سہ روز و طعام ایشاں یک شباں روز زیادہ نہ باشد۔" (۳)

ماتقول فی شاه ولی الله هل هو شقی اوقلیل الحظ والعیاذ بالله کما تقول عن بعض المسلمین الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا والعلامة المذکور قد منع قراء ة الفاتحة الرائجة حاشالله.

۱۔ مشکوۃ ،کتاب الایمان، باب الاعتصام :ج ۱ ص ۳۰ ط قرآن محل. و مسند احمد :ج ۵ ص ۱۰ ط مؤسسة التاریخ العربی داراحیاء التراث العربی . وابو داؤد، کتاب السنة ، باب فی لزوم السنة : ج ۲ ص ۲۸۷ ط امدادیه . وترمذی، ابواب العلم ، باب ماجاء فی من دعا الی هدیً الخ، ولفظه :"وایاکم ومحدثات الامور فانها ضلالة" :ج ۲ ص ۹۲ ط سعید. وابن ماجه، باب من حدث عن رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو یری انه کذب ،ولفظه :"وایاکم والامور المحدثات فان کل بدعة ضلالة" :ج ۱ ص ۵ ط میر محمد .

۲. مسلم، کتاب الجمعة ، فصل فی الخطبة والصلوة قصداً :ج ۱ ص ۲۸۵ ط قدیمی۔

۳۔ المقالة الوضیه فی النصیحه والوصیه (فارسی) المطبوعۃ فی کتاب "مجموعہ وصایا اربعہ" مرتب ومترجم محمد ایوب القادری : ص ۳ ۵ ط شاہ ولی اللہ اکیڈمی ،صدر ،حیدر آباد پاکستان۔

وما ذا تقول في سائر العلماء الحنفيين الذين تعتبرهم وغيرهم من الاعلام فمن منع تلك البدعة فانه قد نهى رسم الفاتحة وماشاكله مولانا عبدالحي الحنفي اللكهنوي في مجموعة الفتاوى (۱) والشيخ علي متقي في رسالة رد بدعات و مولانا شاه اسحق الحنفي في مأة مسائل.

وفي فتاوى العالمگيرية (۲) قراء ة الكافرون الى الاخرمع الجمع مكروهة لانها بدعة لم ينقل ذلك عن الصحابة وفي شرح مراقي الفلاح المطبوع بمصر ص ۳۶۳ (۳)

"ہم لوگوں نے جو بدعات اختیار کر رکھی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ غمی کی تقریبات سیوم اور چالیسویں اور ششماہی اور فاتحہ سالانہ میں بے انتہا اسراف کیا جاتا ہے۔ اور ان تمام رسوم کا قرون اولیٰ میں وجود نہ تھا۔ بہتر یہ ہے کہ صرف تین دن تک وارثان میت سے تعزیت مسنونہ ادا کی جائے اور ایک دن رات ان کو کھانا دیا جائے۔ اس کے علاوہ کوئی رسم ادا نہ کی جائے۔"

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ کیا نعوذ باللہ وہ بدبخت یا کم بخت تھے؟ جیسا کہ آپ بعض موحد مسلمانوں کے بارے میں کہا کرتے ہیں۔

اور ان تمام حنفی علماء کے متعلق آپ کیا کہیں گے جو آپ کے نزدیک بھی معتبر ہیں اور ان کے علاوہ دیگر مذاہب کے علماء بھی جو فاتحہ مروجہ اور اسی قسم کی رسموں کو منع کرتے تھے۔ مثلاً مولانا عبدالحی لکھنوی اپنے مجموعۃ الفتاویٰ میں اور شیخ علی متقی رسالہ ردبدعات میں اور مولانا شاہ محمد اسحٰق مأۃ مسائل میں لکھتے ہیں۔

نیز فتاویٰ عالمگیر میں ہے کہ سورۂ کافرون سے آخر تک مجلس میں کھانے پر پڑھنا مکروہ ہے بوجہ بدعت ہونے کے یہ فعل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت نہیں۔ اور شرح مراقی الفلاح مطبوعہ مصر ص ۳۶۳ میں ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ مکروہ ہے اس لئے کہ یہ مردار کھانا ہے اور اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات ثابت نہیں ہے۔ اور فتاویٰ سمرقندیہ میں ہے کہ کھانے پر فاتحہ پڑھنا بدعت ہے۔ اسی طرح شامی اور کبیری اور مجموعة الفتاوی اور طحطاوی شرح مراقی الفلاح میں بھی مذکور ہے۔

قال الامام (الاعظم) تكره لان اكلها جيفة ولم يصح فيها شئ عنده عنه صلى الله عليه وسلم. وفي الفتاوى السمر قندية منقولا من اريجه ص ۴۹ قراء ة الفاتحة على الطعام بدعة. وكذلك في الشامي(۴) ص ۵۷ ج ۵ و ص ۴۸ ج ۵ وفي الكبيرى (۵) شرح منية ص ۵۶۵

۱۔ مجموعة الفتاوىٰ على هامش خلاصة الفتاوى، ابواب الجنائز: ج ۱ ص ۹۵ ط امجد اکیڈمی لاہور۔

۲۔ كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراء ة القرآن الخ: ج ۵ ص ۳۱۷ ط ماجدیہ۔

(ف) عبارت کا ترجمہ کرتے وقت لفظ "کھانے پر" کا اضافہ اپنی طرف سے کیا گیا ہے۔ اصل عبارت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

۳۔ مراقی الفلاح کی شرح میں مذکورہ عبارت یا اس کے ہم معنی مسئلہ نہیں ملا۔

۴۔ سائل نے شامیہ، کبیری شرح منیہ اور حاشیہ طحطاوی علی المراقی کے حوالے سے کھانے پر فاتحہ پڑھنے کا بدعت ہونا مذکورہ کتب میں درج ذیل عبارت سے بالمعنی اخذ کیا ہے۔ چنانچہ شامیہ اور دیگر کتب مذکورہ میں ہے: "وفي البزازيه: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الى: القبر في المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءة سورة الانعام او الاخلاص۔" (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من اهل الميت: ج ۲ ص ۲۴۰ ط سعید)

۵۔ غنية المستملي شرح منية المصلي المعروف بحلبي كبير، فصل في الجنائز وفيه ايضاً: وفي فتاوى البزازى ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث الخ كما مر في الحاشية الاولى۔ ط سہیل اکیڈمی لاہور۔

و مجموعة الفتاوی (۱) ص ٦٨ ج ٣ وفی الطحطاوی (۲)شرح مراقی الفلاح ص ٣٩٩ وعلی هذامختصر فانا اذا کتبنا عن کل ماقلت فی الوعظ من الخرافات والا غلاط کان مجلدا کبیرا فلضیق نطاق الکلام نکتفی بهذا القدر وانما عمد نا علی کتابة هذا السؤال بالعربیة لانا سمعناك تقول غیر مرة انك لا تعتبر بالاردویة ونرجو ان تسرع بالاجابة غایة السرعة لکی تسلی قلوبنا وقلوب الناس ولابدمن ان یکون الجواب بالعربیة تحریراً والسلام۔

المستفتی نمبر ۹۱۰ کاٹھ کے عبدالقادر منگلور ۱۱ صفر ۱۳۵۵ھ م ۳ مئی ۱۹۳۶ء

ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ اگر وہ تمام خرافات اور غلط باتیں جو آپ وعظ میں کہتے رہے ہیں قلم بند کی جائیں تو ایک دفتر درکار ہوگا۔ اور ہم نے سوال کو عربی زبان میں اس لئے لکھا ہے کہ آپ نے کئی مرتبہ یہ فرمایا ہے کہ ہم اردو زبان کا اعتبار نہیں کرتے۔ امید ہے کہ آپ جواب جلد دیں گے تاکہ ہمارے اور دیگر مسلمانوں کے دل مطمئن ہوں۔ اور جواب عربی زبان میں ہونا چاہئے۔ والسلام

(جواب) از مولوی بشیر احمد

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم الحمد لله رب العٰلمین الذی قال فی کتابه الحکیم. واصبر علی ما یقولون واهجرهم هجراً جمیلاً والصلوة والسلام علی سیدنا محمد ارسله الی الحق کافة نبیا ورسولا۔

امابعد۔من بشیر احمد الی من سئلنی بسئوالات مخالفات لا جروة له بوجوه. الاول . ترکت الحمد والصلوة والثانی . لسئوالك بلا ذکر اسمك فی اول کتابةوالثالث اهانة لمسئولك بالکذب والرابع غلطك فی العبارة بقیاس النحو ولهذه البیان ما اردت العلم لك الجواب. ولکن ارجولك ان تحررالی مجلس نصیحتی فاقول لك جوابا شافیالمرضات قلبك واعلم ان القلب هو معینة الروح الاعظم والخلیفة الاکبرا لمنزل الی هذه المنزلة وهوالمدبر للجسم الانسانی المتعلق به تعلق العاشق بالمعشوق و ذلك بوا سطة الروح الحیوانی لا ن الروح المذکورة فی غایة اللطافة والجسم فی غایة الکثافة والروح الحیوانی بین اللطافة والکثافة فلذلك صلح ان یکون واسطة بین الروح الاعظم بعد تنزله.وبین الجسم . ولتعانق الروح اللطیفة مع النفس الشهوانیة قلبا کان ذاجهتین جهة لعالم الجنس والشهادة وجهة لعالم القدس و الطیب و متی کان قلبك متوجها الی الجسد بالتنعمات واللذات الدنیویة والشهوات النفسانیة کان قلبك محجوبا بنصیحتی حتی فافهم ولا تکن من الخاسرین . کتبه حاجی بشیر احمد وعفی عنه ۔

۱۔ مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۹۵ امجد اکیڈمی لاہور۔ عبارت یہ ہے "این طور مخصوص (یعنی فاتحہ مروجہ حال) نہ درزمان آنحضرت ﷺ بودنہ درزمان خلفاء بلکہ وجود آن در قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر ہم منقول نشدہ ... واگر کسی این طور مخصوص بعمل آوردن آن طعام حرام نمیشود خوردنش مضائقہ نیست واین را ضروری دانستن مذموم است الخ۔"

۲۔ الطحطاوی علی المراقی ، الطبعة الاولی ، باب احکام الجنائز ، فصل فی حملها ودفنها : ص ۳۴۲ ط مصطفی البابی الحلبی۔ اس میں بھی حاشیہ دوم کی عبارت ہے۔

حمد و نعت اور درود و سلام کے بعد گزارش ہے کہ آپ نے چند مخالفانہ سوالات بھیجے ہیں جو چند وجوہ کی بناء پر بے نتیجہ اور ناقص ہیں۔

اول یہ کہ آپ نے شروع میں حمد و صلوۃ نہیں لکھی۔ دوسرے یہ کہ تحریر کے شروع میں آپ نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ تیسرے یہ کہ اپنے مخاطب کے خلاف غلط بیانی کر کے اس کی توہین کی ہے۔ چوتھے یہ کہ آپ نے عبارت میں نحوی غلطیاں کی ہیں۔ اور اس سے آپ کی علمیت معلوم ہو گئی ہے۔ اس اظہار کے بعد میں آپ کو جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔ اور امید کرتا ہوں کہ آپ میرے وعظ کی مجلس میں تشریف لائیں تاکہ میں آپ کو تسلی بخش جواب دوں۔

جاننا چاہئے کہ قلب ہی روح اعظم اور خلیفہ اکبر کا مستقر ہے اور وہ روح حیوانی کے واسطے سے اس جسم انسانی کا مدبر ہے جو اس کے ساتھ عاشقانہ تعلق رکھتا ہے۔ چونکہ روح اعظم بے انتہا لطیف ہے اور جسم بے انتہا کثیف اور روح حیوانی لطافت و کثافت میں معتدل ہے اس لئے وہی روح اعظم اور جسم کے درمیان واسطہ بننے کے لائق تھی۔ اور دل میں روح لطیفہ کا نفس شہوانیہ کے ساتھ یہ گہرا تعلق دو رخ رکھتا ہے۔ ایک طرف اس تعلق عالم شہود سے ہے اور دوسری طرف عالم قدس کے ساتھ۔ اور جب کہ تمہارا دل آسائش و لذات دنیاوی اور شہوات نفسانی کی وجہ سے جسم کی طرف متوجہ ہے تو میری نصیحت تمہارے دل تک نہیں پہنچ سکتی۔ پس سمجھو اور گھاٹا اٹھانے والوں میں سے نہ بنو۔ (حاجی بشیر احمد)

(جواب ۱۸۲) (از حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ)الحمد لو لیہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ اما بعد فانا رأینا السؤال و الجواب ووجدنا الجواب لا یکشف عن الحقیقۃ ولا یغنی عن شئ والحق ان نداء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقول قائل یا رسول اللہ و یا نبی اللہ ویا محمد وغیر ھا من الا لفاظ قدیکون بمجرد الشوق لا یقصد قائلہ اسماع المناذیٰ ولا یقصد سماعہ و حضورہ فھذا مما لا مضائقۃ فیہ وقد یکون مع الصلوۃ والسلام کقولہ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ او الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ویعتقد قائلہ ان ھذا الکلام یصل الیہ صلی اللہ علیہ وسلم بواسطۃ الملائکۃ الذین یبلغونہ عن امتہ الصلوٰۃ والسلام و ھذا ایضاً جائز لحدیث ورد فیہ۔(۱)

وقد یکون باعتقاد ان رسول صلی اللہ علیہ وسلم یسمع خطاب کل واحد و یحضر کل مکان فھذا ممارذتہ النصوص القرآنیۃ والحدیثیۃ واجمعت الا مۃ علی ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یعلم الغیب الا ما أعلمہ اللہ تعالیٰ ومن اعتقدان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کان یعلم الغیب فھو کافر۔(۲)واما الفاتحۃ المرسومۃ المروجۃ بھیئۃ معلومۃ فی ایام معینۃ بحضرۃ الوان

۱۔"ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام"(نسائی، کتاب الصلاۃ، باب التسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ۱/ ۱۴۳ ط سعید)

۲۔"واعلم ان الا نبیاء علیھم الصلاۃ والسلام لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ماعلمھم اللہ تعالیٰ أحیاناً وذکرا لحنفیۃ تصریحاً بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیہ الصلوۃ والسلام یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ : "قل لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ کذافی المسایرۃ۔"(ملا علی قاری، شرح کتاب الفقہ الاکبر، مسألۃ فی ان تصدیق الکاھن بما یخبر بہ من الغیب : ص ۲۲۵ ط دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

الطعام بين يدى القارى فلا شك فى كونها مبتدعة مخترعة لم يكن فى القرون المشهود لها بالخير ولم تردلها آية ولا حديث ولم يقل بها احد من العلماء الامة ممن يعتمد على علمه و دينه وتقوله۔(۱)

عصمنا الله واياكم وجميع المسلمين من كل مايخالف الشرع ويصاد الحق الذى جاء به سيدناومولانا محمد صلى الله عليه وسلم وجعلنا من المقتفين اثاره والمهتدين بهديه صلى الله عليه وسلم امين.　　　　محمد كفاية الله كان الله له، دهلى۔

جواب از حضرت مفتی اعظم۔ الحمد لوليه والصلوٰة والسلام على نبيه۔

امابعد۔ ہم نے سوال اور جواب کو دیکھا اور محسوس کیا کہ جواب مذکورہ سے کوئی حقیقت واضح نہ ہوئی اور کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ صحیح بات یہ ہے کہ نبی ﷺ کو یارسول اللہ اور یا نبی اللہ اور یا محمد اور اسی قسم کے دیگر الفاظ کے ساتھ پکارنے کی چند صورتیں ہیں۔ (۱) کبھی تو یہ محض جذبہ اشتیاق کی بناپر ہوتا ہے کہ پکارنے والے کا مقصد اپنی آواز کو سنانا نہیں ہوتا ہے اور نہ اس کے خیال میں یہ بات ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حاضر ہیں اور اس کی آواز کو سن رہے ہیں تو یہ صورت جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور (۲) دوسری صورت ندا در ودو سلام کے ساتھ جیسے کہا جائے صلی اللہ علیک یارسول اللہ، یا الصلوٰة والسلام علیک یارسول اللہ۔ اور کہنے والا یہ عقیدہ رکھے کہ یہ کلام رسول اللہ ﷺ تک ان ملائکہ کے ذریعے سے پہنچتا ہے جو امت کے درودو سلام کو آپ تک پہنچانے کی خدمت میں مقرر ہیں تو یہ صورت بھی حدیث کی رو سے جائز ہے۔ (۳) تیسری صورت ندا کی یہ ہے کہ ندا کے وقت

یہ اعتقاد ہو کہ رسول اللہ ﷺ ہر ایک شخص کے خطاب کو سنتے ہیں اور ہر جگہ حاضر وناظر ہیں۔ تو اس قسم کی ندا قرآن شریف کی صریح آیات اور احادیث صحیحہ کی رو سے ناجائز ہے اور تمام علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم حاصل نہیں تھا۔ آپ کو صرف اتنا علم حاصل تھا جتنا اللہ نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا تھا۔ اور جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب تھے وہ کافر ہے۔

اور یہ رسمی فاتحہ مروجہ جو خاص شکل میں اور خاص مقررہ ایام میں پڑھی جاتی ہے اور پڑھنے والے کے سامنے قسم قسم کے کھانے رکھے جاتے ہیں تو اس میں شک نہیں کہ یہ ایک گھڑی ہوئی بدعت ہے۔ یہ قرون اولیٰ میں ہرگز نہ تھی اور اس کے جواز میں کوئی آیت یا حدیث وارد نہیں ہے اور معتمد و ثقہ علمائے امت میں سے کسی نے اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو ہر اس چیز سے محفوظ رکھے جو شریعت کے خلاف اور اس دین حق کے منافی ہو جس کو ہمارے سیدو آقا حضرت محمد ﷺ لے کر آئے۔ اللہ ہم کو ان کے قدم بقدم چلنے کی اور ان کے اسوہ حسنہ سے ہدایت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

---

(۱) ایں طور مخصوص (یعنی فاتحہ مروجہ حال) نہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود ونہ در زمان خلفاء بلکہ وجود آں در قرون ثلثہ کہ مشہود بہا بالخیر اند منقول نشدہ ...... واگر کسے ایں طور مخصوص بعمل آوردن آں طعام حرام میشود وخوردنش مضائقہ نیست واین راضروری دانستن مذموم است الخ" (مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ: ج ا ص ۱۹۵ ط امجد اکیڈمی لاہور)

(۱) مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کی کتاب "نشر الطیب" پڑھنے والے کو کافر کہنے والے کا حکم
(۲) "یا رسول اللہ" اس نیت سے کہنا کہ حضور سنتے ہیں جہالت اور شرک ہے
(۳) حضور علیہ السلام عالم الغیب نہ تھے
(۴) حضور کا نام سن کر انگوٹھے چومنا ثابت نہیں .
(۵) نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا ثابت نہیں .
(۶) قبر پر اذان دینا .
(۷) مدد صرف خدا سے مانگنی چاہئے

(سوال) زید نے حضرت حکیم الامت مولانا الحاج محمد اشرف علی صاحب مد ظلہم العالی کو کافر کہا (معاذ اللہ) کہتا ہے کہ حضرت موصوف کی مولفہ نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب کا پڑھنے والا اور سننے والا کافر ہے۔ اور جیسے خدا سنتا ہے، ایسے حضور ﷺ سنتے ہیں۔ اور حضور ﷺ کو علم غیب بلاواسطہ ہے۔ اور ذکر میلاد شریف میں قیام کے لئے اٹھنا شرعاً جائز ہے۔ اور اشهدان محمداً رسول الله، موذن کے اس پر انگوٹھا چومنا مستحب ہے۔ اور جو نہ چومے وہ کافر وہابی ہے۔ میت کے جنازہ کی نماز پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست اور جائز ہے۔ میت کی قبر پر بعد دفنانے کے اذان دینا احیاء سنت اور جائز ہے۔ اولیاء اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے۔

المستفتی نمبر ۱۳۷۲ حافظ عبدالرزاق صاحب (چوک بازار اوجین) ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۴ مارچ ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۱۸۳) مولانا اشرف علی صاحب ایک باخدا عالم اور حنفی مذہب کے بزرگ ہیں۔ ان کو کافر بتانے والا دشمن اسلام ہے کہ ایسے بزرگ عالم کو کافر کہتا ہے۔ جس کے فیض سے تمام ہندوستان کے مسلمان سیراب ہو رہے ہیں۔ نشر الطیب بہت اچھی کتاب ہے وہ قابل پڑھنے کے ہے۔ یارسول اللہ یہ سمجھ کر کہنا کہ خدا کی طرح حضور ﷺ بھی سنتے ہیں، جہالت اور شرک ہے۔(۱) حضور ﷺ کو جس قدر علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا وہ ساری مخلوق سے زیادہ ہے مگر حضور عالم الغیب نہیں تھے۔ عالم الغیب ہونا خاص اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔(۲) حضور ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چومنے اور آنکھوں سے لگانے کی کوئی صحیح و پختہ دلیل نہیں۔(۳) جنازے کی نماز

۱۔ "اعتقاد اینکہ غیر حق سبحانہ حاضر و ناظر و عالم خفی و جلی در ہر وقت و ہر آن است اعتقاد شرک است ... وقال علمائنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم يكفر انتهى۔" (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى ج ٤ ص ۳۳۱ ط امجد اکیدمی.

۲۔ "وبالجملة فالعلم بالغيب امر تفرد به سبحانه ، ولا سبيل للعباد اليه الا باعلام منه والهام بطريق المعجزة ، او الكرامة،او الارشاد الى الاستدلال بالامارات فيما يمكن فيه ذلك وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد ان النبي عليه الصلاة و السلام يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى : "قل لايعلم من في السموات والارض الغيب الا الله" كذافي المسايرة." (ملا علی قاری ، شرح كتاب الفقه الاكبر ، مسالة في ان تصديق الكاهن بما يخبر به من الغيب : ص ۲۲۵ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

۳۔ "وذكر ذلك الجراحي واطال ثم قال : ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء" (ردالمحتار ، باب الاذان : ج ۱ ص ۳۹۸ ط سعید)۔ علامہ عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ لکھنوی فرماتے ہیں : "این تقبیل را در بعض کتب فقہ مستحب نوشتہ است شد واجب و نہ سنت ...... و آں کتب کہ در آنہا این مسئلہ مذکور است ہمہ غیر معتبر اند ...... از یں وجہ کہ در یں کتب رطب و یابس بلا تنقیح مجمع است ...... و احادیث کہ در یں باب فقہاء نقل میکنند آں بتحقیق محدثین صحیح نیستند ان" (مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ : ج ۴ ص ۳۲۵ ط امجد اکیڈمی لاہور)

کے بعد دعا مانگنا حضور ﷺ سے یا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یا اماموں سے ثابت نہیں۔(۱) قبر کی اذان کا بھی شریعت سے کوئی ثبوت نہیں۔(۲) مدد صرف خدا سے مانگنی چاہئے۔(۳) اولیاء اللہ بھی خدا کی مدد کے محتاج ہیں(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

مصیبت کے وقت حضرت جنید بغدادی کو پکارنے پر نجات کا قصہ من گھڑت ہے .

(سوال) ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب مولود خوانی کے واسطے تشریف لایا کرتے ہیں۔ان کے مریدین بھی یہاں بہت ہیں۔ ہمارے محلہ میں ایک دن لوگوں نے چندہ سے جلسہ مولود شریف منعقد کیا۔ اثنائے وعظ میں انہوں نے ایک قصہ بیان کیا کہ بغداد شریف میں مسلمانوں کے ایک قافلہ میں ڈاکہ پڑا جس وقت ڈاکوؤں نے لوٹ مار شروع کی تو کچھ لوگوں نے پکارنا شروع کیا کہ پروردگار عالم ہم کو اس آفت سے بچا اور کچھ لوگوں نے پکارا کہ یا حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہم کو بچایئے۔ جنہوں نے خداوند عالم کو پکارا تھا وہ لٹ گئے اور جنہوں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو پکارا تھا وہ محفوظ رہے۔

المستفتی نمبر ۱۶۱۱ انذیر احمد عزیز احمد (ریوان) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۸٤) یہ قصہ بے ثبوت ہے اس کی کوئی سند نہیں۔　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

آنحضرت ﷺ کے بارے میں غیب کلی کا اعتقاد رکھنا کفر ہے .

(سوال) ایک شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ حضور ﷺ غیب کلی جانتے تھے۔ ایسے شخص کے متعلق حنفی مذہب کے معتبر فتاووں مثل شامی ، بحر الرائق ، قاضی خاں وغیرہ میں کیا حکم ہے ۔ کیا ان فتاووں میں سے کسی فتاوے میں ایسے شخص کے متعلق کافر یا فاسق یا بد اعتقاد یا بے ادب ہونے کا حکم بھی ہے اگر ہے تو از راہ کرم اس فتاوی کی عبارت معہ حوالہ باب و صفحہ جواب میں تحریر فرمائیں اور اگر اس قسم کا حکم نہیں ہے تو یہ تحریر فرما دیں کہ یہ اعتقاد حنفی مذہب کی رو سے صحیح ہے یا غلط۔

المستفتی نمبر ۱۷۳۲ رحمت علی۔ امین الدین کوچہ پنڈت (دہلی) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۶ ستمبر ۱۹۳۷ء

۱۔"لا یقوم بالدعاء بعد صلاۃ الجنائز لانہ دعا مرۃ لان اکثر ھا دعا۔" (فتاوی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ، کتاب الصلوۃ نوع المختار ان الامام الاعظم اولی الخ ۴ / ۸۰ طماجدیہ کوئٹہ)،فی خلاصۃ الفتاویٰ :"لا یقوم بالدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ ... ولا یقوم بالدعا فی قراءۃ القرآن لا جل المیت بعد صلوۃ الجنازۃ وقبلھا واللہ اعلم ۔"(خلاصۃ الفتاوی ، کتاب الصلوۃ ، نوع منہ اذا اجتمعت الجنائز ج ۱ ص ۲۲۵ مجد اکیڈمی لاہور)

۲۔"لایسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن و قد صرح ابن حجر فی فتاویہ بانہ بدعۃ"(ردالمحتار، باب صلاۃ الجنائز : ج ۱ ص ۲۳۵ ط سعید)

۳۔"ایاک نعبد وایاک نستعین ." (الفاتحۃ) وفی الحدیث :"اذا سالت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ"(ترمذی آخر ابواب صفۃ القیامۃ : ج ۲ ص ۷۸ ط سعید)

۴۔"وکل شیئ الیہ فقیر"(متن العقیدۃ الطحاویۃ : ص ۵ طبع جمعیۃ انصار السنۃ المحمدیۃ مکران بلوچستان ۱۴۰۶ھ)

(جواب ۱۸۵) آنحضرت ﷺ کے متعلق عالم الغیب ہونے کے اعتقاد کو کفر قرار دیا ہے اور یہ بات حنفی مذہب کے فتاوی میں تبصریح موجود ہے۔ بحر الرائق جلد سوم کے صفحہ ۹۴ میں ہے(۱) **وفي الخانية والخلاصة لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقدويكفر لا عتقاد ه ان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب انتهى**۔ اور در مختار ص ۲۹۹(۲) میں ہے **تزوج بشهادة الله ورسوله لم يجز بل قيل يكفر**۔ اور شامی کے اسی صفحہ ۲۹۹ میں ہے **قوله قيل يكفر لانه اعتقد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم عالم الغيب**۔ اور اسی طرح یہ مسئلہ فتاوی قاضی خاں (۳) اور فتاوی بزازیہ میں بھی موجود ہے۔(۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

حضور علیہ السلام کو عالم الغیب نہ ماننے والے عالم کے وعظ پر پابندی لگانا :

(سوال) مسجد کے اندر یہ قید لگانا کہ اس مولوی سے جو حضور رسول مقبول ﷺ کو عالم الغیب نہ جانے ہرگز وعظ نہ کہلوایا جائے۔ ایسی قید لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟
(جواب ۱۸۶) یہ قید لگانا بالکل ناجائز ہے۔ اور حضور ﷺ کو عالم الغیب جاننا غلط ہے۔(۵)
محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ دہلی۔

(۱) ایک من گھڑت قصے سے صحابی کی جوتی کو مشکل کشا ثابت کرنا .
(۲) واقعہ معراج سے حضور ﷺ کے عالم الغیب ہونے پر استدلال کرنا ؟
(۳) علمائے دہلی کو برا بھلا کہنا ؟

(سوال) (۱) ہمارے محلے میں ایک شخص دوران وعظ میں یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک کافر بادشاہ کے سر میں درد ہوتا ہے اس کا وزیر ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آکر کہتا ہے کہ ہمارے بادشاہ کے سر میں درد ہے کوئی تعویذ دے دو۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعویذ دینے سے انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ میری جوتی لے جاؤ اس کے سر پر رکھ دو۔ وزیر جوتی لے کر بادشاہ کے سر پر رکھ دیتا ہے، درد کو آرام ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد واعظ صاحب سامعین سے کہتے ہیں، کیوں، صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعلین مبارک مشکل کشا ہوئیں یا نہیں ؟ اور ہم صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جوتی کو مشکل کشا مانیں تو اسلام سے خارج تو نہ ہوں گے ؟

۱۔ البحر الرائق (الطبعة الثانية) كتاب النكاح ، ط دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت لبنان۔
۲۔ کتاب النکاح ، قبیل فصل في المحرمات : ج ۳ ص ۲۷ ط سعید۔
۳۔ فتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية ، كتاب السير ، باب مايكون كفراً من المسلم وما لايكون : ج ۳ ص ۵۷۶ ط ماجدیہ کوئٹہ۔
۴۔ الفتاوىٰ البزازية على هامش الهندية ، كتاب الفاظ تكون اسلاماً او كفراً او خطاء، الثاني فيما يتعلق بالله تعالىٰ : ج ۶ ص ۳۲۶ ط ماجدیہ کوئٹہ۔
۵۔ "ثم اعلم ان الانبياء عليهم الصلاة والسلام لم يعلموا المغيبات من الا شياء الا ماعلمهم الله تعالىٰ احياناً . وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد ان النبي عليه الصلوة والسلام يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالىٰ : "قل لايعلم من في السموات والارض الغيب الا الله۔" (ملا علی قاری، شرح كتاب الفقه الاكبر ، مسألة في ان تصديق الكاهن مما يخبر به من الغيب : ص ۲۲۵ ط دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

(۲) واعظ صاحب نے معراج کا تمام واقعہ بیان کرنے کے بعد سامعین سے فرمایا کیوں حضور ﷺ غیب داں ہوئے یا نہیں ؟ اگر ہم حضور ﷺ کو غیب داں تسلیم کرلیں تو کوئی حرج تو نہیں ؟

(۳) ایسے واعظ کا وعظ سن کر ہمارے نور ایمان میں ترقی ہوگی یا کمزوری ؟ اور ثواب دارین میں شریک ہوئے یا نہیں ؟

(۴) علمائے دہلی کو لچہ غنڈہ اور بہت کچھ برا بھلا کہہ کر فرمایا کہ علمائے دہلی کو علم کی ہوا بھی نہیں لگی۔ ایسے واعظوں کا وعظ سننا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۸۷) اس قصے کا اول تو ثبوت درکار ہے، دوسرے اس سے جوتی کو مشکل کشا کہنے کا نتیجہ نکالنا اسی واعظ جیسے خوش فہم کا کام ہے۔ اس کو خدا تعالیٰ کے غضب سے ڈرنا چاہئے کہ مشکل اور مصیبت کو دور کرنا خدا تعالیٰ کی صفت ہے(۱) اور وہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ نعوذ باللہ ایک جوتی کو شریک کر رہا ہے۔ اگر واعظ صاحب نے جوتی کے مشکل کشا ہونے کے ثبوت میں یہ روایت ذکر کی ہو تو بہت سخت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اور اگر اس بات کے انکار میں بطور الزامی جواب کے یہ قصہ ذکر کیا ہے تو یہ ایک الزامی جواب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح معراج کے واقعہ کو بیان کر کے یہ کہنا کہ اگر ہم حضور ﷺ کو غیب داں تسلیم کرلیں تو کچھ حرج تو نہیں اگر غیب دانی کے اثبات کے لئے ہے تو غلط ہے کیونکہ اس میں غیب دانی کا ثبوت نہیں۔ اور اگر بطور الزام ذکر کیا ہے تو پوری تقریر معلوم ہونے پر بتایا جاسکتا ہے کہ الزام قائم ہوا یا نہیں ؟ البتہ علمائے دہلی کو لچے، غنڈہ اور برا بھلا کہنا ہر شخص جانتا ہے کہ بری بات ہے۔ اس کے متعلق فتویٰ دریافت کرنا فضول ہے۔ اگر اس سوال سے بھی یہ کام لینا مقصود ہے جو پہلے ایک فتوے سے لیا گیا ہے کہ "مفتی صاحب کا فلاں واعظ کے بارے میں فتویٰ" تو سائل صاحب یہ جان رکھیں کہ وہ اشتہار بھی میرے اوپر تہمت اور افترا تھا۔ اور اس فتوے کو بھی کسی خاص شخص کے متعلق میرا فتویٰ ظاہر کر کے شائع کیا گیا تو یہ بھی تہمت اور افتراء ہوگا۔ میں نے کسی خاص واعظ کے متعلق نہ پہلے فتویٰ دیا تھا۔ نہ یہ دے رہا ہوں۔ کیونکہ فتویٰ سوال پر دیا جاتا ہے نہ کسی خاص شخص پر اور نہ مفتی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کس شخص کے متعلق ہے۔ اور جس کے متعلق کیا گیا ہے اس کی طرف ان واقعات کی جو سوال میں مذکور ہیں نسبت صحیح ہے یا نہیں ؟ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

(سوال) فریقین کا "علم غیب" میں بنیادی اختلاف کیا ہے ؟

حامداً ومصلیاً ومسلماً

(جواب ۱۸۸) آج کل آنحضرت ﷺ کے عالم الغیب ہونے نہ ہونے میں سخت اختلاف ہو رہا ہے۔ علمائے کرام کا بڑا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ عالم الغیب ہونا خدائے تبارک وتعالیٰ کی خاص صفت ہے۔ اس میں کوئی اس کا ساجھی اور شریک نہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا علم خدا تعالیٰ کے علم سے وہی نسبت رکھتا ہے جو متناہی کو غیر متناہی سے نسبت ہے۔

---

(۱) وإن يمسسك الله بضر فلا كاشف له إلا هو (الانعام: ۱۷) وقال تعالىٰ فلا يملكون كشف الضر عنكم ولا تحويلا (الاسراء : ۵۶)

ان کے خلاف ایک دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام بلکہ اولیاء بھی عالم الغیب ہیں۔ اور خصوصاً آنحضرت ﷺ تو تمام مغیبات و مخفیات کے ایسے ہی عالم ہیں جیسے خدائے تعالیٰ۔ صرف اتنا فرق ہے کہ خدا تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور آنحضرت ﷺ کا بالعرض۔ یعنی خدا تعالیٰ کے اعلام و اطلاع سے حاصل ہوا، مگر اسی قدر جس قدر خدا تعالیٰ کو ہے ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ آپ ﷺ کے سامنے ہے۔ چیونٹی کی چال اور پتہ گرنے کی کھڑ کھڑاہٹ آپ کو ایسی معلوم ہے جیسی ہم دیکھتے اور سنتے ہیں۔(۱)

یہ جماعت علمائے کرام کے اس گروہ کو جو آنحضرت ﷺ کے عالم الغیب ہونے کے قائل نہیں ہیں کافر کہتی ہے اور ان کے ذمہ آنحضرت ﷺ کی ہتک اور کسر شان کا الزام لگاتی ہے۔

ہم خدائے برتر وحدہ لاشریک کو گواہ کر کے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کو اعلم الخلق یعنی خدا تعالیٰ و تبارک کے بعد تمام مخلوق سے زیادہ عالم جانتے ہیں اور اسی علمی کمال کے باعث آپ تمام انبیائے کرام و رسل عظام و ملائکہ مقربین سے افضل ہیں۔ تمام انبیاء و رسل صلوات اللہ علیہم کو جس قدر علم عطا ہوا تھا وہ تمام آپ کو خدا تعالیٰ نے عنایت فرمایا اور ہزاروں لاکھوں مغیبات امور پر آپ کو مطلع فرمایا۔ غرض کہ بعد خدائے واحد کے آپ ﷺ سے زیادہ اعلم نہیں۔

تقریر ماسبق سے معلوم ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کا بے شمار مغیبات پر مطلع ہونا اور بکثرت غیب کی باتیں جاننا اور خبر دینا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اس میں ہم اور ہمارے مخالف دونوں متفق ہیں۔ اسی طرح یہ بھی متفق علیہ ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جملہ مخلوق کے تمام علوم خدا تعالیٰ کے عطائے ہوئے ہیں۔ سوائے خدائے واحد کے کسی کا علم ذاتی نہیں۔ سب کا علم خدا کا دیا ہوا ہے۔ اور اس مدعاء پر نصوص شاہد عدل ہیں۔

تو اب ہمارا ان کا اختلاف فقط اس بات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو تمام مغیبات کا علم (بالعرض ہی سہی) تھا یا نہیں؟ اور کیا آپ ﷺ کا علم خدا تعالیٰ کے علم کے برابر تھا؟ ہم کہتے ہیں کہ تمام مغیبات اور ذرہ ذرہ کا علم سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ اور ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا علم خدا کے علم سے (سوائے فرق بالذات و بالعرض کے) کم نہیں۔ اور جیسے خدا تعالیٰ ذرہ ذرہ کا عالم اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ ایسے ہی آنحضرت ﷺ بھی ہیں۔ ہمارے مخالف آنحضرت ﷺ کے لئے ایجاب کلی کے مدعی ہیں۔(۲) اور ہم رفع ایجاب کلی یا اس کے مساوی سلب جزئی کے قائل ہیں یعنی آپ کو تمام غیب کی باتیں معلوم نہ تھیں یا بالفاظ دیگر آپ بہت سی غیب کی باتیں نہیں جانتے ہیں۔

---

(۱) مولانا احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں: "روز اول سے "ماکان و مایکون" انہیں بتایا، اشیاء مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ علم عظیم حبیب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ان سب کو محیط ہوا، نہ صرف اجمالاً بلکہ صغیر کبیر، ہر رطب ویابس، جو پتہ گرتا ہے زمین کی اندھیریوں میں، جو دانہ کہیں پڑا ہے سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا۔" (انباء المصطفیٰ ص ۳ بحوالہ مقدمہ کتاب التوحید از مولانا عبدالغنی جاجروی رحمۃ اللہ علیہ: ج ۱ ص ۴۲۳، کتب خانہ حمادیہ جامعہ اسلامیہ بدر العلوم حمادیہ رحیم یار خان پاکستان)

(۲) مشہور بریلوی عالم مولانا اچھروی صاحب لکھتے ہیں: "بہر صورت اس حدیث پاک کے مطابق نبی ﷺ کے واسطے ہر مسلمان کو غیب کی تسلیم کرنا عین ایمان ہے" (مقیاس حنفیت، عنوان علم غیب از احادیث: ص ۲۶۷ و المقیاس پبلشرز لاہور، ایڈیشن ستائیس بوال سن ۱۴۱۳ھ)

ہمارا دعویٰ ہے کہ تمام سلف صالحین کا یہی مذہب ہے۔ اور قرآن وحدیث واقوال علمائے محققین سے یہی ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ یا کسی اور کے لئے علم محیط اور علم مساوی علم باری تعالیٰ ثابت کرنا اور اعتقاد کرنا شرک فی الصفات ہے۔(۱) اب پہلے ہم وہ دلیلیں بیان کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علم محیط خاص خدا کی صفت ہے، اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور یہ کہ آنحضرت ﷺ بہت سی باتوں سے واقف نہ تھے۔

دلیل اول۔ **قوله تعالیٰ فلا تعلم نفس مااخفی لهم من قرة اعین** (۲)

(حاصل ترجمہ) جنت میں مسلمانوں کیلئے جو آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے اس کو کوئی نفس نہیں جانتا۔

اس آیت میں لفظ نفس نکرہ ہے جو سیاق نفی میں واقع ہوا ہے۔ اور کتب اصول میں ثابت ہو چکا ہے کہ نکرہ سیاق نفی میں عام ہوتا ہے۔ پس اس میں انبیاء اولیاء اور جملہ مخلوق کے نفوس آگئے۔ کہ جنت کی مخفی نعمتوں سے کوئی بھی واقف نہیں۔ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ بھی جنت کی مخفی نعمتوں سے واقف نہ تھے۔

دلیل دوم۔ **قوله تعالیٰ وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الاهو** ۔(۳)

(حاصل ترجمہ) تمام غیب کی کنجیاں خدا کے پاس ہیں۔ اس کے سوا کوئی انہیں نہیں جانتا۔

اس آیت میں علم غیب کو باری تعالیٰ پر منحصر فرمادیا ہے۔ آیت کا سیاق بتارہا ہے کہ مقصود بیان سے یہاں پر یہی ہے کہ غیوب کا علم محیط خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں (ناتمام)(۴)

مسئلہ استعانت بالغیر

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۲۵ء)

زید عوام الناس کو علی الاعلان استمداد از غیر اللہ کی تعلیم بالفاظ ذیل دے رہا ہے۔ (۱) غیر اللہ سے مدد مانگنا بلا شبہ درست ہے۔ (۲) **اياك نستعين** میں جو مفعول مقدم ہے جس سے بقاعدہ نحوی حصر کے معنی پیدا ہوتے ہیں اس کے معنی یہ ہے کہ کارساز حقیقی تو ہی ہے اور حقیقی مدد تجھی سے طلب کرتے ہیں کیونکہ مدد حقیقی تیرے ساتھ مختص ہے ۔باقی دوسروں سے استعانت مجازی ہے جو محض ظاہر عون سے ہیں۔ پس استعانت غیر اللہ سے اس طرح پر کہ اعتقاد مستقل اس غیر پر ہو اور اس کو مظہر عون الٰہی نہ جانے بے شبہ حرام بلکہ شرک ہے۔ اور اگر التفات محض بجانب حق ہے اور اس کو ایک مظہر مظاہر عون سے جان کر استمداد و استعانت کرے تو

۱۔ "ومن اعتقد تسوية علم الله ورسوله يكفر اجماعاً كما لا يخفى" (ملا علی قاری، الموضوعات الکبیر : ص ۱۶۲ ط نور محمد، اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی)

۲۔ (الم السجدة : ۱۴)

۳۔ الانعام : ۵۹

۴۔ قال العلامة الالوسی رحمة الله عليه : "وتقديم الخبر لافادة الحصر" (روح المعانی : ج ۷ ص ۱۷۰) وقال العلامة الخفاجی رحمة الله عليه : والاحاطة توخذ من لام الاستغراق" (حاشیۃ الشہاب : ج ۴ ص ۷۳) وقال العلامة شيخ زاده رحمة الله عليه على حاشية البيضاوی : "ولما كان عنده تلك المفاتح كان المتوصل الى مافي الخزائن من المغيبات هولا غير" (شیخ زادہ : ج ۱ ص ۱۷۱) راجع مقدمة كتاب التوحيد للجاجروی رحمة الله عليه ج ۱ ص ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳ کتب خانہ حمادیہ رحیم یار خان پاکستان۔

ایسی استعانت مشروع و جائز ہے۔ تمام انبیاء و اولیاء اس قسم کی استعانت طلب کرتے رہے ہیں۔ یہ استمداد و استعانت حقیقۃً غیر سے نہیں بلکہ اسی سے ہے۔ **ھکذا فی تفسیر فتح العزیز** ۔(۱) اب تو معنی حصری بھی درست ہو گئے۔ اور سب اعتراض بھی اٹھ گئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مستقل حاجت روا کسی کو سمجھ کر مدد طلب کی جائے تو ناجائز اور حرام ہے۔ مگر مسلمان کے ساتھ ایسا گمان کسی طرح درست نہیں ورنہ جائز اور درست ہونے میں کسی طرح کا کلام نہیں۔ انتہی بلفظہ۔ زید نے اپنے عقیدہ مذکور الصدر کے لئے حسب ذیل ثبوت پیش کیا ہے :۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **استعینوا بالصبر والصلوٰۃ** ۔(۲) اور یہ ظاہر ہے کہ صبر و صلوٰۃ غیر اللہ ہیں

(۲) اس کی تائید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول **کونوا من انصاری الی اللہ**(۳) سے ہوتی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے۔

(۳) حکیم و ڈاکٹر سے دفع مرض کے لیے مدد مانگنا اور مظلوم کا بروقت حق طلبی و ایذاء دہی ظالم، حکام سے چارہ جوئی کرنا وغیرہ کے جائز و مسنون ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔

(۴) خود رسول اللہ ﷺ نے غیر اللہ سے مدد مانگنے کی تعلیم فرمائی۔ چنانچہ طبرانی میں عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ **اذا ضل احدکم شیئاً و اراد عونا وھو بارض لیس لھا انیس فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباداللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی فان للہ عباداً لایراھم**۔(۴)

(۵) تفسیر فتح العزیز میں جیسا کہ مذکور ہوا یہی تعلیم ہے۔

اس کے متعلق عمرو کہتا ہے کہ لفظ غیر اللہ عام ہے اور مدد کی بھی علماء نے دو قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک یہ کہ نظر بر کارخانہ اسباب و حکمت باری تعالیٰ بعض امور میں ایک مخلوق دوسری مخلوق سے مدد لینے کی مجاز ہے۔ مثلاً کسی بیمار کا حکیم یا ڈاکٹر سے مشورہ علاج میں اور مظلوم کا بروقت حق طلبی و ایذادہی ظالم، حکام سے چارہ جوئی میں مدد لینا۔ نوکروں اور فقیروں کا اپنے معاملات میں امیروں اور بادشاہوں سے مدد طلب کرنا یا زندہ اولیائے کرام سے دعا کے لئے اس طرح عرض معروض کرنا کہ ہمارے فلاں مطلب کے لئے بارگاہ خداوندی میں دعا فرمایئے وغیرہ۔ ایسی استمداد شرعاً جائز ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ مگر جو اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم وفات پا چکے ہیں ان سے دعا کے لئے عرض معروض کرنے میں اختلاف ہے۔ اکثر فقہائے حنفیہ جو سماع موتی کے قائل نہیں ہیں اس کو نادرست بتاتے ہیں۔ صاحب تفسیر فتح العزیز بھی انہیں علمائے جامع شریعت و

۱۔ تفسیر فتح العزیز ، المعروف تفسیر عزیزی : ص ۸ ط محمدی لاہور
۲۔ البقرہ : ۴۵
۳۔ مذکورہ آیت اس طرح نہیں ہے غالباً یہ آیت مراد ہوگی :"کونوا انصار اللہ کما قال عیسی بن مریم للحواریین من انصاری الی اللہ "(الصف : ۱۴)
۴۔ الحافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المعجم الکبیر ، ما اسند عتبۃ بن غزوان، رقم الحدیث(۲۹۰) : ج ۱۷ ص ۱۱۷، ۱۱۸ ط دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان۔

طریقت میں سے ہیں جو سماع موتیٰ کے قائل اور اولیائے کاملین سے خواہ وہ مردہ ہوں خواہ زندہ دعا کے لئے عرض معروض کرنے کے مجوز ہیں۔ مگر ایسی استمداد کو لول تواقسام استمداد ہی میں شمار نہیں فرماتے بلکہ طلب مشورہ کے نام سے موسوم فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ استمداد اگر ہے بھی تو خداوند تعالیٰ سے ہے۔ گویا کہ ان کے نزدیک بھی استمداد اسی مسبب الاسباب اور حکیم مطلق سے ہے جس نے اپنی حکمت بالغہ سے بعض مخلوق کو بعض امور کے لئے سبب بنادیا ہے۔ لہذا اس مخلوق کو مظہر عون الٰہی سمجھ کر اس سے مدد لینا اسی تعالیٰ شانہ سے مدد لینا ہے۔

دوسری قسم مدد مانگنے کی یہ ہے کہ جو امور بالا ستقلال جناب باری تعالیٰ سے خصوصیت رکھتے ہیں جیسے لولاد کا دینا، بارش کا برسانا، مرض کا دور کرنا، عمر کو بڑھانا وغیرہ ان میں سے کسی کے متعلق مخلوق سے مدد مانگی جائے اور جناب باری عزاسمہ سے دعا کرنا مد نظر نہ ہو تو یہ استمداد حرام مطلق بلکہ کفر ہے۔ ایسی استمداد اگر کوئی مسلمان اپنے مذہب کے لولیائے کرام سے بھی کرے گا تو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا ۔ یہی وجہ ہے کہ محتاط علمائے دین نے قسم لول کو نظر انداز کر کے قسم دوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے استمداد از غیر اللہ کو مطلقاً ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ فرماتے ہیں :۔

"عبادت غیر خدا را جائز نیست ونہ مدد خواستن از غیر حق۔" (ارشاد الطالبین ص ۱۸)(۱)

لہذا زید کا علی العموم غیر اللہ سے مدد مانگنے کی اجازت و تعلیم دینا ہر گز مناسب نہیں۔ اس کو تفصیل و تشریح کے ساتھ مسئلہ بتانا چاہئے تھا۔ تاکہ علاقہ راجپوتانہ کے جاہل مسلمانوں میں برا اثر نہ پھیلے جن میں پہلے ہی سے استعانت غیر مشروع کی گرم بازاری ہو رہی ہے۔ اگر بقول زید ہر چیز سے خواہ وہ کچھ ہو صرف اپنے ذہن میں مظہر عون الٰہی سمجھ کر ہر امر میں مدد مانگنے کی اجازت دے دی جائے لور کار خانہ اسباب و حکمت باری پر نظر نہ رکھی جائے تو پھر جاہلوں کی اصلاح کا ہو نادر کنار، ان کی مزید گمراہی کا ایک ذریعہ پیدا ہو جائے گا۔

عمرو نے زید کی پیش کردہ دلیلوں کا مندرجہ ذیل جواب دیا ہے۔

(۱) آیہ واستعینو ابالصبر والصلوٰۃ میں کسی مخلوق سے مدد مانگنے کی تعلیم نہیں ہے۔ بلکہ مدد تو جناب باری تعالیٰ سے مانگنے کا حکم ہے اور صبر و صلوٰۃ کو جو فعل عبد ہے ایک ذریعہ مانگنے کا قرار دیا ہے۔ یعنی صبر کرنے لور صلوٰۃ کی بجا آوری کو ذریعہ بتایا ہے حصول امداد الٰہی کا اس سے استمداد از غیر اللہ پر استدلال کرنا محض مغالطہ ہے۔

(۲) کونوامن انصاری الی اللہ۔ قرآن شریف کی آیت یوں نہیں ہے۔ زید جو محض اردو خواں ہے اور عربی و فارسی سے مطلق مس نہیں رکھتا ہے اس نے کسی اردو رسالے میں یہ الفاظ دیکھ کر یاد کر لئے ہیں۔ غالباً مندرجہ ذیل آیت مراد ہو گی۔ یاایھاالذین امنوا کونوا انصار اللہ کماقال عیسی بن مریم للحواریین

۱۔ ۲۔ البقرہ : ۴۵

من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ (سورۃ صف (۱) رکوع ۲ پارہ ۲۸) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے اسی امر میں مدد مانگی ہوگی جو نظر بکارخانہ اسباب و حکمت باری تعالیٰ ایک مخلوق کو دوسری مخلوق سے مدد مانگنا جائز ہے۔ اس لئے اس سے بھی غیر اللہ سے کل امور میں عام طور سے مدد مانگنے کی اجازت ہرگز نہیں نکلتی ہے۔ اس لئے کہ مسبب الاسباب نے اپنی بعض مخلوق کو سبب عون بنادیا ہے۔ یہ دراصل اسی سے مدد مانگنا ہے۔

(۳) حکیم ڈاکٹر اور حکام کو بھی اسی قادر مطلق نے سبب بنادیا ہے۔ اور اس کی بھی وہی کیفیت ہے۔ جو نمبر ۲ کے جواب میں مذکور ہوئی۔

(۴) حضور سرور عالم ﷺ نے بھی اسی قسم کی استعانت کی تعلیم فرمائی جو مدد کی قسم اول میں داخل ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے ہی مدد مانگنا ہے۔ عام اجازت کا اس سے وہم بھی نہیں ہو سکتا۔

(۵) تفسیر فتح العزیز میں ہرگز عام اجازت نہیں دی گئی اور فتاویٰ عزیزی میں جو صاحب تفسیر فتح العزیز اول کی طرف منسوب ہے مدد کی قسم دوم کو حرام کفر اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو :۔

"دریں جا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد برآں غیر باشد و اور امظہر عون الٰہی نداند حرام است و اگر التفات محض بجانب حق است و اورا یکے از مظاہر عون دانستہ و نظر بکارخانہ اسباب و حکمت او تعالیٰ دراں نمودہ بغیر استعانت ظاہر نماید دور از عرفان نخواہد بود و در شرع نیز جائز و رواست وانبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت از غیر کردہ اند و در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ بحضرت حق است لا غیر۔" (۲) (تفسیر فتح العزیز سورۃ فاتحہ ص ۸)

صاحب تفسیر علیہ الرحمۃ نے اس موقع پر نظر بکارخانہ اسباب و حکمت او تعالیٰ رکھنے کی قید لگا کر استمداد کو خاص فرمادیا ہے ان چیزوں کے ساتھ اور ان کے متعلق جو اس عالم اسباب میں سبب و مظہر عون بنا دیئے گئے ہیں۔ اور بعض امور ان سے متعلق کردیئے گئے ہیں۔ پس جو چیز کہ نظر بکارخانہ اسباب و حکمت باری تعالیٰ سبب و مظہر عون تھی اس سے ان امور میں جو اس چیز سے متعلق نہیں کئے گئے ہیں، مدد مانگنے کی اجازت صاحب تفسیر علیہ الرحمۃ کے ارشاد سے مستنبط نہیں ہو سکتی۔ مگر جس رسالہ سے زید نے ان کا ترجمہ نقل کیا ہے اس میں "نظر بکارخانہ اسباب و حکمت او تعالیٰ" کا ترجمہ غالباً سہواً کسی اور وجہ سے نقل کرنا رہ گیا ہوگا۔ اور اسی وجہ سے زید کو غلط فہمی ہوئی ورنہ اصل عبارت کے دیکھنے سے ایسا خیال ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔

(۶) باقی ماندہ تفصیل عبادت و استعانت از غیر (بعد بیان تفصیل عبادت)

واستعانت یا چیز نیست کہ توہم استقلال آں چیز در وہم و فہم ہیچکس از مشرکین و موحدین نمی گذرد مثل استعانت بمحبوب و نعمات در دفع گرسنگی۔ واستعانت بآب و شربتہا در دفع تشنگی۔ استعانت برائے راحت بسایہ

۱۔ الصف ۱۴
۲۔ تفسیر فتح العزیز المعروف تفسیر عزیزی ص ۸ ط محمدی لاہور۔

درخت وامانند آں دردفع مرض بادویہ وعقاقیر و در تعین وجہ معاش باامیر و بادشاہ کہ در حقیقت معاوضہ خدمت ومال است وموجب تذلل است یا باطباء و معالجین کہ بہ نسبت تجربہ علم زائد از آنہا طلب مشورہ است و استقلالے متوہم نمی شد۔ پس ایں قسم استعانت باا۔ ۔ انت جائز است زیراکہ در حقیقت استعانت نیست و اگر استعانت است استعانت بخدا است۔ (تفسیر فتح العزیز سورہ فاتحہ ص ۷ ۳)(۱)

یہ عبارت پہلی عبارت کی تفصیل ہے۔اور دونوں عبارتوں کے ملانے سے اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ جو چیزیں اس عالم اسباب میں اس مسبب الاسباب نے اپنی حکمت کاملہ سے سبب و مظہر عون بنادی ہیں صرف ان سے مدد لینے کی اجازت ہے۔اور چونکہ نظر بکارخانہ اسباب حکمت باری تعالیٰ ان سے مدد لینا عین اس قادر مطلق سے مدد لینا ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام واولیائے کرام نے بھی اس قسم کی امداد مخلوق سے لی ہے۔نہ یہ کہ ہر چیز سے ہر قسم کی مدد عیاذاً باللہ لی ہو۔جیساکہ زید کے مقولہ کا مفہوم ہے :۔

(۳) "مدد خواستن دو طور می باشد۔مدد خواستن مخلوقے از مخلوقے مثل آنکہ از امیر و بادشاہ نوکر و گدا در مہمات مرجوعہ مدد می جویند۔ وعوام الناس از اولیاء۔ وعامی خواہند کہ از جناب الٰہی فلاں مطلب ما را در خواست نمایند ایں نوع مدد خواستن در شرع از زندہ و مردہ جائز است۔دوم آنکہ بالاستقلال چیزے کہ مخصوصیت بجناب الٰہی دارد مثل دادن فرزند یا بارش باراں یا دفع امراض یا طول عمر و مانند آں چیزہا بے آنکہ دعا و سوال از جناب الٰہی در نیت منظور باشد از مخلوقے در خواست نمایند۔ایں نوع حرام مطلق بلکہ کفر است۔واگر از مسلماناں کسے از اولیائے مذہب خود خواہ زندہ باشد یا مردہ ایں نوع مدد خواہد از دائرہ مسلمانان خارج می شود۔" (فتاویٰ(۲) عزیزی جلد اول ص ۴ ۳ ۔)

اس سے ثابت ہے کہ صرف انہیں امور میں مخلوق سے مدد مانگنے کی اجازت ہے جو مختص بذات باری تعالیٰ نہیں ہیں۔اور وفات یافتہ اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم سے بھی صرف دعا کے لئے عرض کرنے کی مثل زندوں کے اجازت دی گئی ہے۔

(۴) اما استمداد باہل قبور از غیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا غیر از انبیاء علیہم السلام منکر شدہ اند آں را بسیارے از فقہاء می گویند کہ نیست زیارت مگر برائے رسانیدن نفع باموات بدعاؤ استغفار و قائل گشتہ اند بآں بعضے از ایشاں۔وظاہر است کہ از فقہا آنانکہ قائل سماع و ادراک میت اند قائل بجواز اند و آنانکہ منکر اند آں را نیز انکار می کنند و ایں امر یست ثابت و مقرر نزد مشائخ صوفیہ از اہل کشف و کمال (فتاویٰ عزیزی جلد دوم ص ۷ ۱۰)(۳) اس سے مسئلہ استمداد از اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اختلافی ہونا ظاہر ہے۔اور گو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ انہیں حضرات علماء میں شامل ہیں جنہوں نے جواز کا فتویٰ دیا ہے مگر صورت استمداد حسب ذیل بتائی ہے۔

۱۔ تفسیر فتح العزیز، سورۃ فاتحہ : ص ۷ ۳ ط محمدی لاہور۔

۱۔ فتاویٰ عزیزی، بیان در شبہات بت پرستان : ج ا ص ۵ ۳، ۳۶ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی۔

۲۔ فتاویٰ عزیزی، مسائل متفرقہ، ضمیمہ رنگ سبز یا گل خوشبو نہادن بر قبر : ج ۲ ص ۷ ۱۰، ۱۰۸ ط کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی۔

(الف) ونیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند حاجت خود را از جناب الٰہی بتوسل روحانیت بندہ کہ مقرب ومکرم درگاہ والا است وگوید کہ خداوندا بہ برکت ایں بندہ کہ تو رحمت واکرام کردہ واو را بر وردہ گرداں حاجت مرا۔

(ب) یا ندا کند آں بندہ مقرب ومکرم را کہ اے بندہ خدا ولی وے شفاعت کن مرا وبخواہ از خدا تعالیٰ مطلوب مرا تا قضا کند حاجت مرا۔ فتاویٰ جلد دوم ص ۱۰۸ (۱)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرات اولیاء اللہ سے جس قسم کی استعانت انہوں نے جائز بتائی ہے اس میں سے قسم اول تو سرے سے استعانت ہی نہیں ہے، بلکہ توسل ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ قسم دوم اگرچہ مسئلہ سماع موتی کی وجہ سے مختلف فیہا ہے لیکن اس میں بھی کسی ایسی چیز کا سوال حضرات اولیاء اللہ سے نہیں ہوگا جو مختص بذات باری تعالیٰ ہے۔ لہذا اس میں بھی بجز اس کے اور کچھ خرابی نہیں کہ جو عوام کالانعام دوسرے اشخاص کے افعال سے اپنے افعال ناجائز پر استدلال کیا کرتے ہیں ان کے عقائد پر برا اثر پڑے گا۔ تاہم اگر زید صرف اتنے کی اجازت دیتا تو مضائقہ نہ تھا مگر وہ تو ہر چیز سے ہر قسم کی مدد مانگنے کی عام اجازت دیتا ہے۔ اور صرف مظہر عون الٰہی وحاجت روائے مجازی اپنے ذہن میں قرار دے لینے کو کافی سمجھتا ہے۔

لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید ٹھیک کہتا ہے یا عمرو؟

(جواب ۱۸۹) عمرو کا بیان صحیح اور آیات واحادیث واقوال فقہائے حنفیہ کے موافق ہے۔ اور زید کے قول میں تغلیط وتلبیس ہے حق یہی ہے کہ جن چیزوں میں سلسلہ اسباب پر نظر ڈالتے ہوئے ظاہری مدد کسی غیر اللہ سے حاصل ہونی متصور ہے اس میں استمداد اسی قید یعنی رعایت سلسلہ اسباب کے ساتھ جائز ہے۔ مثلاً کسی شخص سے جو پانی دینے پر قادر ہے پیاس کے وقت پانی مانگنا۔ کسی شخص سے جو کھانا دینے پر قادر ہے بھوک کے وقت کھانا مانگنا۔ بادشاہ یا امیر سے کوئی عہدہ یا خدمت یا عطایا انصاف کا سوال کرنا۔ کہ یہ لوگ ان چیزوں پر ظاہرا اسباب کے لحاظ سے قادر ہیں۔

واضح طور پر یوں سمجھئے کہ خدا تعالیٰ نے اس عالم میں اسباب وعلل کا ایک سلسلہ قائم کردیا ہے اگرچہ وہ اسباب صرف ظاہر کے اعتبار سے اسباب ہیں ورنہ مؤثر حقیقی خدا تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن اس ظاہری انظام کے لحاظ سے ایک شی کو دوسرے کا سبب کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً آگ کو جلانے اور پکانے کا سبب بنادیا ہے۔ پانی کو ٹھنڈا کرنے اور پیاس بجھانے کا سبب مقرر فرمایا۔ اسی طرح اور بے شمار اسباب ہیں جو اس عالم میں موجود ومشاہد ہیں ان میں سے کسی کے ساتھ فائدہ حاصل کرنا اور اپنے کاموں میں مدد لینا ناجائز نہیں۔ آگ سے کھانا پکانے کا کام لینا پانی سے پیاس بجھانا بھی استعانت ہے لیکن اس استعانت کا مبنیٰ وہی ظاہری سبب ہونا اور نظام عالم میں اسی سببیت کو داخل ہونا ہے یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی استعانت کو کوئی اعانت واستعانت سے تعبیر نہیں کرتا۔ اور نہ آگ سے کھانا پکاتے وقت پکانے والے کو یہ خیال ہوتا ہے کہ میں آگ سے استعانت کر رہا ہوں۔ اسباب

---

(۱) فتاویٰ عزیزی، مسائل متفرقہ، تحکیم ہرگ سبز یا گل خوشبو نہادن بر قبر: ج ۲ ص ۱۰۸ ط کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی۔

طبعیہ میں تو یہ بات نہایت واضح ہے۔ رہے اسباب اختیاریہ جیسے بادشاہ سے دفع ظلم میں اعانت طلب کرنا۔ اس پر اگرچہ استعانت کا اطلاق معروف ہے۔ اور ان سے سوال کرتے وقت استعانت کا خیال بھی ہوتا ہے لیکن اس کا مبنا بھی وہی سببیت ہے۔ بادشاہ بوجہ اپنی قوت و شوکت کے اپنے حشم و خدم اعوان و انصار کی وجہ سے انتقام لینے پر اور ظلم دفع کرنے پر قدرت رکھتا ہے اور اس کے اسباب اسے میسر ہوتے ہیں اس لئے اس سے مدد مانگی جاتی ہے۔ اگرچہ اس کی یہ قدرت ظاہری ہے ورنہ ان تمام امور کی حقیقی باگ خدائے جبار کے ہاتھ میں ہے۔

پس ثابت ہو گیا کہ جو امور مختصہ بالباری تعالیٰ ہیں اور اس عالم اسباب میں ان کا کوئی سبب نہیں۔ یا وہ امور کہ اگرچہ وہ باری تعالیٰ کے ساتھ مختص نہیں مگر ان کے اسباب خاصہ کے سوا کسی دوسرے سے ان کے وجود میں استعانت کرنا یقیناً حرام اور کفر ہے۔ مثلاً کسی مردہ بزرگ پیر یا ولی سے اولاد مانگنا یا نوکری مانگنا حرام ہے۔ اس لئے کہ اولاد دینا ان امور میں سے ہے جو ذات باری کے ساتھ خاص ہیں، اور نوکری دینا اگرچہ نظر بظاہر خدا کے ساتھ خاص نہیں۔ لیکن وہ وفات یافتہ پیر یا بزرگ اس کے واسطے ظاہری سبب بھی نہیں کہ اس سلسلہ اسباب ظاہرہ کے لحاظ سے ان سے نوکری مانگی جائے۔ اسی طرح کسی زندہ بزرگ سے کوئی ایسی چیز مانگنا جو خدا کے ساتھ مختص ہو۔ یا جو نظر بر اسباب ان کے قبضے میں نہ ہو ناجائز ہے۔

اور عوام کے عقائد کی اصلاح علماء کے ذمہ واجب ہے۔ انہیں کوئی ایسا فتویٰ دینا جس سے عوام کے عقائد فاسد ہوں ناجائز ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ۔ **اذا سألت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله** ۔(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو کچھ مانگے تو خدا سے مانگ اور جب استعانت کرے تو خدا سے کر (ترمذی ج ۲ ص ۷۴) اور فرمایا ۔ **لیسأل احدکم ربه حاجته کلها حتی یسأل شسع نعله اذا انقطع** (ترمذی ج ۲ ص ۲۰۰) یعنی ہر شخص کو چاہئے کہ اپنی تمام حاجتیں خدا سے مانگے یہاں تک کہ جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا سے مانگے۔ یہ تعلیم اصلاح عقائد عوام کے لئے حضور ﷺ نے فرمائی ہے۔ پس زید کو لازم ہے کہ وہ اپنے اس طرز سے جس سے عقائد عوام بگڑیں، احتراز کرے اور انہیں صاف اور مفصل مسئلہ بتائے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی۔

۱۔ ترمذی، آخر ابواب القیامۃ: ج ۲ ص ۷۸ ط سعید۔
۲۔ ترمذی، آخری ابواب الدعوات: ج ۲ ص ۲۰۱ ط سعید۔

حاجت روائی صرف حق تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۶ نومبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) باوجود خدا کی وحدانیت و قدرت کے قائل ہونے کے بزرگوں کی ارواح طیبہ سے براہ راست مشکل کشائی و حاجت روائی کی التجاء کرنا فعل مستحسن ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۹۰) کسی بزرگ یا پیر ولی سے اولاد یا رزق یا کوئی حاجت طلب کرنا جائز نہیں ہے حاجت روائی صرف حق تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔(۱) بزرگوں کے وسیلے سے خدا تعالیٰ سے دعا کرنے میں تو مضائقہ نہیں(۲) مگر خود بزرگوں سے مانگنا درست نہیں۔　　　　محمد کفایت اللہ غفر لہ دہلی۔

(۱) "اغثنی یا رسول الله" کہنے کا حکم.
(۲) "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً لله" کہنا کیسا ہے؟
(۳) کیا غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے؟

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) (۱) اغثنی یا رسول الله کہنا درست ہے یا نہیں؟
(۲) یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً لله کہنا کیسا ہے؟
(۳) وفات شدہ بزرگان دین سے مدد مانگنا کیسا ہے؟
(۴) کیا استعانت غیر اللہ سے درست ہے؟

(جواب ۱۹۱) اغثنی یارسول الله کہنا اگر اس خیال سے ہو کہ آنحضرت ﷺ ہر جگہ سے اس کلمے کو سنتے ہیں اور فریاد رسی کرتے ہیں تو شرک ہے۔(۳) اور اگر اس خیال سے ہو کہ آپ فریاد رسی کرنے پر اور ہر قسم کی حاجت روائی کرنے پر قدرت رکھتے ہیں جب بھی شرک ہے۔(۴)

۱۔ "وایاك نستعین" (الفاتحة : ٤) وفی الحدیث : "واذا سالت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله" (ترمذی، آخر ابواب القیامة : ج ۲ ص ۷۸ ط سعید)

۲۔ چاہے ان کی زندگی میں ہو یا ان کے مرنے کے بعد۔ شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
"دعا بایں طور کہ الٰہی بحرمت نبی وولی حاجت مرا روا کن جائز است" (مائۃ مسائل : ص ۲۱) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : "وآں چناں ست کہ توسل وطلب دعا از صالحان ودوستان خدا در حالت حیات کنند وآں جائز است باتفاق پس آں چرا جائز نباشد۔ وفرقے نیست در ارواح کاملاں در حین حیات وبعد از ممات مگر ترقی کمال۔" (فتاویٰ عزیزی، مسائل متفرقہ، ضمیمہ سبزہ گل خوشبو نمادن بر قبر : ج ۲ ص ۱۰۸، ۱۰۹ ط کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی)

۳۔ کیونکہ ہر جگہ سے پکار کو سننا اور امداد طلب کرنے والے کی امداد کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ "امن یجیب المضطر اذا دعاه ویکشف السوء" (النمل : ۶۲) وقال تعالیٰ : "وان یمسسك الله بضر فلا کاشف له الا هو" (الانعام : ۱۷) وفی الحدیث : عن رجل من بلهجیم قال قلت یارسول الله الام تدعو؟ قال : ادعو الی الله وحده الذی ان مسك خیر فدعوته کشف عنك" (ابن کثیر : ج ۳ ص ۴۰۷ ط سہیل اکیڈمی لاہور)

۴۔ "قل ادعوا الذین زعمتم من دون الله لا یملکون مثقال ذرة فی السموات ولا فی الارض وما لهم فیهما من شرك وما له منهم من ظهیر" (سباء : ۲۲) . علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ "من دون الله" کی وضاحت میں فرماتے ہیں "المعبود ین من دون الله من الملائکة والانبیاء والاصنام" (تفسیر قرطبی آیت ۲۲ کے ذیل میں : ۱۴ / ۱۸۹ ط دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہاں اگر فریاد رسی سے مراد خدا تعالیٰ کی جناب میں شفاعت ہو اور ہر جگہ سے حضور ﷺ کے سننے کا اعتقاد نہ ہو تو شرک نہیں مگر بے کار اور عبث ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ تک اس کلمے کے پہنچنے کا کوئی ثبوت شرعی نہیں۔(۱)

یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ۔ یہ بھی مشرکانہ کلمہ اور عبث و ناجائز ہے۔(۲) جو چیزیں کہ حضرت حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً اولاد دینا، رزق دینا، مصیبتوں کا دور کرنا وغیرہ ان کو حضرت حق کے سوا کسی دوسرے زندہ یا وفات یافتہ ولی سے مانگنا جائز نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا :۔

اذا استعنت فاستعن باللہ و اذا سألت فاسأل اللہ۔(۳) "یعنی جب تو مدد مانگے تو خدا سے مانگ اور جب کوئی چیز مانگے تو خدا سے مانگ۔"

اور مسلمان نماز میں پانچوں وقت خدا سے معاہدہ کرتے ہیں۔

ایاك نعبدو ایاك نستعین(۴) یعنی "اے مولیٰ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔"

پس خدا کے سوا کسی دوسرے سے مدد مانگتے وقت اس معاہدہ کو پیش نظر رکھا جائے تو ناممکن ہے کہ انسان خدا کے سوا کسی دوسرے سے استعانت کرے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

ہر وقت "یارسول اللہ" کا ورد کرنا اور اس سے منع کرنے والے کو کافر کہنا .

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) زید اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے۔ یارسول اللہ کہتا ہے۔ بکر کہتا ہے کہ صرف اللہ کا نام اس قابل ہے کہ ہر وقت ورد زبان ہو۔ اللہ سے سوا کسی دوسرے کے نام کا ورد کرنا شرک ہے۔ خواہ کسی پیغمبر کا نام ہو یا شہید کا یا ولی کا زید کہتا ہے کہ جو شخص یارسول اللہ کہنے سے منع کرے وہ کافر ہے۔

۱۔ شرعی ثبوت صرف درود پہنچنے کا ہے، جو کہ فرشتے دور سے پہنچاتے ہیں۔ دیکھئے سنن نسائی، کتاب الصلوۃ، باب التسلیم علی النبی ﷺ ۱۴۳/۱ ط سعید۔

۲۔ ازیں چنیں وظیفہ احتراز لازم و واجب اولا ازیں جہت کہ ایں وظیفہ متضمن شیئاً للہ است و بعض فقہاء راز ہمچو لفظ حکم کفر کردہ اند چنانکہ در درمختار می نویسند کذا قول شیء للہ قیل یکفر انتہی. و در رد المحتار آرد و لعل وجہہ انہ طلب شیئا للہ واللہ غنی من کل شئی والکل مفتقر و محتاج الیہ . وینبغی ان یرجح عدم التکفیر فانہ یمکن ان یقول اردت طلب شیئی اکراما للہ شرح الوھبانیۃ . قلت فینبغی او یجب التباعد عن ھذہ العبارۃ وقد مر ان مافیہ خلاف یؤمر بالتوبۃ والاستغفار و تجدید النکاح انتہی وثانیاً ازیں جہت کہ ایں وظیفہ متضمن ست ندائے اموات را از امکنہ بعیدہ وشرعاً ثابت نیست کہ اولیاء را قدرتے حاصل است کہ از امکنہ بعیدہ ندا را بشنوند۔" (مجموعۃ الفتاوی علی ھامش خلاصۃ الفتاوی : ج ٤ ص ۳۳۱ ط امجد اکیڈمی لاھور)

۳۔ ترمذی، آخر ابواب القیامۃ ج ۲ ص ۷۸ ط سعید

۴۔ الفاتحۃ ۴

(جواب ۱۹۲) بکر کا یہ قول صحیح ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کا نام اس کا مستحق ہے کہ ہر وقت ورد زبان ہو۔(۱) اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پیغمبر، ولی، شہید، کا نام اٹھتے بیٹھتے ورد زبان کرنا اور وہ بھی لفظ "یا" کے ساتھ، جو کلمہ ندائیہ ہے،(۲) جس سے کہنے والے کا یہ خیال ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھتا ہے، یقیناً درست نہیں۔(۳) اور اسلامی توحید کی روح کے خلاف ہے۔ اور اس میں شرک کا شائبہ ہے۔ اس صحیح بات کے قائل کو کافر بتانا غلط ہے۔(۴) اور اس سے خود زید کے کافر ہو جانے کا خطرہ ہے۔(۵) واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مختلف مشرکانہ عقائد کی تردید

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۳۶ء)

(سوال) ایک مفتی و پیش امام مندرجہ ذیل عقیدے رکھتا ہے اور دوسروں کو ترغیب دے کر فرقہ بندی کرتا ہے۔

(۱) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ غیب داں ہیں۔ (۲) آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ (۳) فریاد رسی کے لئے یا رسول اللہ پکارتے ہی، اس کی مدد کرتے ہیں۔ (۴) حضرت محبوب سبحانی کو اتنی قدرت ہے کہ خدا کے قضاو بلا کو دور کر دیتے ہیں۔ (۵) دور دور سے مشکلات میں یا محبوب سبحانی پکارنے والوں کی آواز کو سن کر خود مشکل آسان کر دیتے ہیں۔ (۶) اولیاء اللہ سے مدد مانگنی، اللہ جل شانہ سے مدد مانگنا ہر دو ایک ہے۔ (۷) یہی عقیدہ سنت جماعت کا ہے۔ (۸) اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے سب غیر مقلد، وہابی، نجدی، اسلام سے خارج، کفر کے مستحق ہیں۔ ان سے میل ملاپ رکھنا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا سخت حرام ہے۔

(جواب ۱۹۳) نمبر اول سے نمبر ہشتم تک جو باتیں مذکور ہیں۔ یہ صریح طور پر اسلامی تعلیم اور نصوص کتاب و سنت کے خلاف ہیں۔ قرآن پاک میں صاف اور صریح طور پر مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب

۱۔ "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ عزوجل علی کل احیانہ۔" (ابو داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی الرجل یذکر اللہ تعالیٰ علی غیر طہر: ۱/ ۳ ط امدادیہ ملتان)

۲۔ "گفتن یا رسول اللہ، یا ولی اللہ کی عادت ہندیاں است کہ در انشت وہر خاست میگویند نزد فقہاء حنفیاں ناجائز است" (مجموعۃ الفتاوی علی حامش خلاصۃ الفتاوی: ج ۴ ص ۳۳۲ ط امجد اکیڈمی لاہور)

۳۔ "اعتقاد اینکہ غیر حق سبحانہ حاضر و ناظر و عالم خفی و جلی در ہر وقت و ہر آن است اعتقاد شرک است........ وقال علمائنا من قال ان اروح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر انتہی۔" (حوالہ بالا: ۴/ ۳۳۱)

۴۔ "ولا یکفر بقولہ یا حاضر یا ناظر ولا بقولہ درویش درویشان والقول بالکفر بکل منہما باطل۔" (البحر الرائق، الطبعۃ الثانیہ، کتاب السیر، باب احکام المرتدین: ج ۵ ص ۱۳٤ ط دار المعرفۃ بیروت) وکذافی الدر المحتار، کتاب الجہاد، باب المرتد: ج ٤ ص ۲۵۹ ط سعید.

۵۔ "ایما امری قال لاخیہ کافر فقد باء بہا احدہما ان کان کما قال والارجعت علیہ" (مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال الایمان من قال لاخیہ المسلم یا کافر: ۱ / ۵۷ ط قدیمی کراچی)

نہیں۔ وہی تنہا علم غیب کی صفت کے ساتھ موصوف ہے۔(۱) پیغمبر ﷺ باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ نے انہیں ہزاروں غیوب کا علم عطا فرمایا تھا، عالم الغیب نہیں تھے۔(۲) ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا بھی خاص خدائے تعالیٰ کی صفت ہے۔(۳) ہر جگہ سے پکار کر سننا اور امداد طلب کرنے والے کی امداد کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔(۴) نمبر ۴ کا یعنی عقیدہ کہ حضرت غوث الاعظم ؒ کو اتنی قدرت ہے کہ قضا و قدر کو رد کر دیں صریح کفریہ شرکیہ عقیدہ ہے۔ اسی طرح نمبر ۵ بھی خطا اور جہل ہے۔ نمبر ۶ کی تاویل نہ کی جائے تو وہ بھی مشرکانہ خیال ہے۔(۵) نمبر ۷ یہ بالکل غلط ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ ان مشرکانہ عقائد کے قائل ہیں۔ نمبر ۸، یہ بھی جہالت اور تہمت و افترا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ کو اس کے ساتھ مخصوص کرنے والے اور انبیاء و مرسلین کو اپنے درجے پر رکھنے والے اور اولیاء اللہ کو اپنے مرتبہ پر ماننے والے وہابی، غیر مقلد، نجدی، اسلام سے خارج ہیں۔

یہ سب باتیں مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے والی اور اسلامی وحدت کے شیرازے کو بکھیرنے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت کرے اور راہ راست دکھائے۔ آمین۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

۱۔ "قل لایعلم من فی السمٰوت والارض الغیب الا اللہ" (النمل: ۶۵)

۲۔ شرح عقائد نسفی میں ہے: "وبالجملة العلم بالغيب امر تفرد به الله تعالىٰ لاسبيل للعباد اليه الا باعلام منه بالوحي والهام بطريق المعجزة او الكرامة او ارشاد الى الاستدلال بالامارات." وفي النبراس: "والتحقيق ان الغيب ماغاب عن الحواس والعلم الضروري والعلم الاستدلالي. وقد نطق القرآن بنفي علمه عمن سواه تعالى. فمن ادعى انه يعلمه كفر و من صدق المدعي كفر الخ۔" (النبراس: ص ۳۴۳ ط امدادیہ ملتان)

۳۔ "وفی الواقع ہم چوں اعتقاد کہ حضرات انبیاء و اولیاء ہر وقت حاضر و ناظر اند .... شرک است چہ ایں صفت از مختصات حق جل جلالہ است کسے را در آں شرکت نیست .... ونیز در بزازیہ است وعن هذا قال علماؤنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرة تعلم يكفر انتهى۔"
(مجموعۃ الفتاویٰ فارسی: ج ا ص ۲۸، مجموعۃ الفتاویٰ عبدالحیؒ اردو: ج ا ص ۳۶ ط ایچ ایم سعید)

۴۔ "امن یجیب المضطر اذا دعاه ویکشف السوء" (النمل: ۶۲) وقال تعالی: وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ہو" (الانعام) وفی الحدیث: عن رجل من بلهجيم قال قلت یارسول اللہ الام تدعو؟ قال: ادعو الی اللہ وحدہ الذی ان مسک ضر فدعوتہ کشف عنک الخ" (ابن کثیر: ۳/ ۴۰۷ ط سہیل اکیڈمی لاہور)

۵۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: "دوم آنکہ بلا استقلال چیزے خصوصیت جناب الٰہی دارد مثل دادن فرزند یا بارش باران یا دفع امراض یا طول عمر و مانند ایں چیز ہا بے آنکہ دعا و سوال از جناب الٰہی در نیت منظور باشد از مخلوقے درخواست نماید ایں نوع حرام مطلق بلکہ کفر است۔ واگر از مسلمانان کسے از اولیائے مذہب خود خواہ زندہ باشد یا مردہ ایں نوع مدد خواہد از دائرہ مسلمانان خارج میشود۔" (فتاویٰ عزیزی بیان در تہمات مت پرستان: ج ا ص ۶۴ ط کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی)

مختلف فیہ مسائل میں الجمعیۃ کا مسلک

(شذرہ اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۵ء از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مدیر اخبار الجمعیۃ)

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ الجمعیۃ مورخہ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ میں "حوادث واحکام" کے زیر عنوان حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کا ایک فتویٰ شائع ہوا تھا، جو اغثنی یا رسول اللہ کے شرعی حکم کے بحث و مباحثہ کا میدان بنانا تو مناسب ہے نہ وہ اس کے متحمل ہیں۔ اگر چہ الجمعیۃ میں شائع شدہ فتوے بھی میری شخصی رائے ہی کی حیثیت رکھتے ہیں، جمعیۃ علمائے ہند کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔ تاہم اختلافی مسائل کی اشاعت بھی الجمعیۃ کے ذریعہ سے مناسب نہیں ہیں۔

آگے چل کر حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ :

"میں الجمعیۃ کے صفحات میں مولانا نثار احمد صاحب کے فتوے پر تنقید کرنی مناسب نہیں سمجھتا۔ اس لئے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں اور بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں صلوٰۃ والسلام کے ساتھ "یا رسول اللہ" کہنے کو اس خیال کے ساتھ جائز سمجھتا ہوں کہ فرشتے ان کلمات کو حضور ﷺ تک پہنچا دیتے ہیں۔(۱) اور اگر کوئی شخص فرط شوق میں بغیر اختیار اور بغیر اس خیال کے کہ حضور سن رہے ہیں یا رسول اللہ کہے تو اس کا یہ والہانہ اور مضطربانہ فعل عدم جواز کے حدود میں نہیں آئے گا۔"

ان تمام تحریرات و مفتی صاحب کے اس گرامی نامہ سمیت ہم شائع کرنے والے تھے کہ دفعتاً ہمارے پاس ایک پمفلٹ آیا۔ جس کا عنوان "جمعیۃ العلماء کے فتوے پر ایک نظر" تھا۔ اور اس میں وہ تمام دستاویزیں موجود تھیں جن کا پلندہ مولوی عبدالغنی صاحب نے ہمارے پاس بھیجا تھا۔ اس میں سب سے بڑی زیادتی (جسے ہماری جگہ کوئی دوسرا شخص کم از کم بددیانتی سے تعبیر کرتا) یہ کی گئی تھی کہ مفتی صاحب کے اس شخصی فتوے کو جمعیۃ العلماء کے فتوے کی حیثیت دی گئی تھی۔ حالانکہ اس کے نیچے مفتی صاحب کے دستخط موجود تھے اور اس پر کوئی اس قسم کے آثار نہیں تھے جن سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہو کہ وہ صدر جمعیۃ علماء کی حیثیت سے لکھا گیا تھا۔ مولوی عبدالغنی صاحب کی اس بے صبری اور تلبیس کو دیکھ کر ہمیں مجبوراً ان تحریرات کی اشاعت کا ارادہ فسخ کرنا پڑا۔ اور اب ہم صرف اس امر کی تصریح کر دینے پر قناعت کرتے ہیں کہ اس فتوے کی اشاعت میں اس نیت کو ہرگز دخل نہیں تھا جو ہماری طرف منسوب کی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک فروگزاشت ضرور تھی اور اس پر اظہار معذرت کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اشاعت سے پہلے وہ فتویٰ ہماری نظر سے نہیں گزرا تھا۔ ورنہ ہم اسے ہرگز شائع نہ کرتے۔ ہم نے "حوادث احکام" کا عنوان محض اس غرض سے قائم کیا ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو عام شرعی مسائل سے واقفیت حاصل ہوتی رہے اور روزمرہ کے معاملات میں احکام شرع سے ناواقفیت کی بناء پر جو غلطیاں مسلمانوں سے سرزد ہوتی ہیں ان کا سدباب

---

(۱) "ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام" (نسائی ، کتاب الصلاۃ ، باب التسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ۱/ ۱۴۳ ط سعید)

ہو سکے۔ اس مقصد میں کسی بھی افتراق انگیز غرض کی آمیزش نہیں ہے جس سے مختلف فیہ مسائل میں کسی مخصوص جماعت کے اعتقادات کی اشاعت مد نظر ہو۔ اگر ہمارے دل میں اس قسم کا کوئی ادنیٰ سا ارادہ بھی ہوتا تو ایسی مختلف فیہ مسائل کی کمی نہیں ہے۔ جن پر ہم اپنے عقائد کا اظہار کر سکتے تھے۔

فصل پنجم
مجلس شہادت

محرم کے پہلے عشرہ میں بیان شہادت کے لئے مجلس کا انعقاد بدعت ہے۔

(سوال) محرم کے عشرۂ اول میں دس دن شہادت کا بیان کروانا کیسا ہے۔ اور ایسی مجلس میں شریک ہونا کیسا ہے۔
(المستفتی نمبر ۲۶۳۳ مولوی عبدالحق) امام جامع مسجد دوحد ضلع پنچ محل مورخہ ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۹۴) بیان شہادت کے لئے انعقاد مجلس بدعت ہے۔(۱) ہاں وعظ و تذکیر کے لئے جائز ہے۔(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

فصل ششم
مسئلہ سماع موتی

سماع موتی محققین علماء کے نزدیک ثابت ہے یا نہیں؟

(سوال) سماع موتی محققین علماء کے نزدیک ثابت ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۹۵) مسئلہ سماع موتی قرون اولیٰ سے مختلف فیہ چلا آتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی اس میں اختلاف تھا۔ قرن صحابہ کے بعد بھی ہمیشہ علماء اس میں مختلف رہے۔ اکثر صوفیہ سماع موتی کے قائل ہیں۔ لیکن علمائے حنفیہ کے نزدیک ثابت نہیں۔ ہاں میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس قدر حیات اس میں ڈالی

۱۔ یہ ایام مخصوصہ عشرہ محرم میں مذہبی رنگ میں منعقد کیا جاتا ہے اس طرح وقت کے اجتماع سے کہ شریعت میں اس قسم کی تخصیص و تعیین نہیں ہے۔ علامہ شاطبی بدعت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "منها وضع الحدود والتزام الکیفیات والهیئات المعینة والتزام العبادات المعینة فی اوقات معینة لم یوجد لها ذلک التعیین فی الشریعة" (الاعتصام: ۱/ ۳۹ دارالفکر بیروت) نیز اس میں تشبہ بالروافض بھی ہے کیونکہ ان ایام میں اس قسم کی مجالس برپا کرنا ان کا شعار ہے۔ لہٰذا اس سے احتراز واجب ہے لقوله علیه السلام: "من تشبه بقوم فهو منهم." (ابو داؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الاقبیة: ج ۲ ص ۲۰۳ ط امدادیہ ملتان)
۲۔ بشرطیکہ وعظ و نصیحت بلا تعیین و ہیئات کے اجتماع کے ہو، نیز اس میں صحیح اور معتبر روایات بیان کی جائیں اور خلاف شرع افعال و اقوال سے اجتناب کیا جائے۔ عالمگیری میں ہے "لاباس بالجلوس للوعظ اذا اراد به وجه الله تعالی کذافی الوجیز للکردری." (کتاب الکراهیة الباب الرابع: ۵/ ۳۱۹ ط ماجدیہ کوئٹہ)

جاتی ہے کہ وہ آرام یا تکلیف کو محسوس کرے۔فی الشامی۔(۱)(ص ۴ ۳ ۱ ج ۳)ولا یرد تعذیب المیت فی قبرہ لانہ توضع فیہ الحیوۃ عند العامۃ بقدر مایحس بالالم والبنیۃ لیست بشرط عند اھل السنۃ بل تجعل الحیاۃ فی تلک الاجزاء المتفرقۃ التی لایدرکہ البصر. وقال بعد اربعۃ اسطر. ولایردمافی الصحیح من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لاھل قلیب بدرھل وجدتم ماوعدکم ربکم حقا فقال عمراتکلم المیت یارسول اللہ فقال علیہ السلام والذی نفسی بیدہ ماانتم باسمع من ھؤلاء اومنھم. فقد اجاب عنہ المشائخ بانہ غیر ثابت یعنی من جھۃ المعنی وذلک لان عائشۃ ردتہ بقولہ تعالیٰ وما انت بمسمع من فی القبور انک لاتسمع الموتی وانہ انما قالہ علی وجہ الموعظۃ للاحیاء وبانہ مخصوص باولئک تضعیفاً للحسرۃ علیھم وبانہ خصوصیۃ لہ علیہ السلام معجزۃ لکن یشکل علیھم مافی مسلم ان المیت لیسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا الاان یخصوا ذلک باول الوضع فی القبر مقدمۃ للسؤال جمعابینہ وبین الاٰیتین فانہ شبہ فیھما الکفار بالموتی لافادۃ بعد سماعھم وھو فرع عدم سماع الموتی الخ۔ تاہم کسی فریق کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے فریق کی تضلیل یا تفسیق یا تجہیل کر سکے۔ کیونکہ اس صورت میں کہ مسئلہ قرون اولیٰ میں بھی مختلف فیہ تھا اس تضلیل یا تفسیق یا تجہیل کا اثر صحابہ کرام تک پہنچے گا۔ولاشک فی فسادہ

فصل ہفتم
وہابی کی تحقیق

۱۔ وہابی فرقے کا تعارف اور ہندوستان میں "وہابی" کی اصطلاح
۲۔ علمائے دیوبند کو وہابی کہنے کی وجہ .
۳۔ میلاد شریف سے منع کرنے والوں کو کافر کہنا .
۴۔ مروجہ عرسوں میں شرکت کرنا حرام ہے۔
۵۔ وہابیوں کو مسجد میں آنے سے روکنا
۶۔ علمائے دیوبند کے اکابر کو کافر کہنے والے کا حکم .
۷۔ ایسی مساجد میں جانا جہاں علمائے حق کو برا بھلا کہا جائے .

(سوال)(۱)وہابی کس فرقے اور کس مذہب کے لوگوں کو کہتے ہیں۔اس کا موجد کون تھا۔اس کی ابتدا کب سے ہوئی اور یہ لوگ کس خیال و عقیدے کے ہیں۔ ہندوستان میں یہ فرقہ کب پایا گیا؟(۲) کیا وہابی علمائے دیوبند کو بھی کہتے ہیں۔اگر یہ لوگ وہابی ہیں تو کن عقائد و اعمال کی وجہ سے؟(۳) جس شخص کا یہ خیال ہو

---

۱. ردالمحتار، کتاب الایمان، باب الیمین فی الضرب والقتل وغیرذلک، مطلب ترد الحیاۃ الی المیت بقدر مایحس بالالم ومطلب فی سماع المیت الکلام : ۳ / ۸۳۵، ۸۳۶ ط سعید.

کہ اس شور وشغب کے زمانے میں جب کہ عوام کے عقائد میں عام طور پر فتور آگیا ہو قیام میلاد شریف ضروری نہیں جانتابلکہ اس کا ترک اولیٰ سمجھتا ہے اور خود قیام نہیں کرتا اور نہ دوسروں کے لئے پسند کرتا ہے۔اس صورت میں ایک گروہ جس میں چند مولوی بھی شامل ہیں مانعین و تارکین کو کافر کہتے ہیں۔کیا ان کا یہ کہنا اور تکفیر کرنا درست ہے۔اور اگر مانعین قیام حق پر ہیں تو جو تارک قیام کے کفر کے قائل ہیں عند الشرع وہ کون ہیں؟ (۴) ایسا شخص جو اعراس بزرگاں کو جہاں سیکڑوں خلاف شرع امور ہوتے ہیں مثلاً عورتوں کا اجتماع، چراغاں ہونا، قوالی بامزامیر اور رنڈی بھڑوے کا ناچ گانا اور صاحب قبر سے منت مرادیں مانگنا وغیرہ، برا سمجھے اور گناہ بتلائے تو کیا اس انکار سے وہ شخص کافر ہو جاتا ہے؟اور اعراس بزرگان جائز ہے؟ (۵) وہابی مسلمانوں کی مسجدوں میں نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟اور کیا مسلمانوں کو حق ہے کہ وہابیوں کو اپنی مسجدوں میں نماز پڑھنے نہ دیں۔اور اس طرح کرنے سے ان مساجد میں جہاں مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے بندش وانکار ہو حکم مسجد کا ہے یا غیر مسجد کا؟ (۶) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی اور مولانا محمد فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی اور مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی لکھنوی اور مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی اور مولانا سید محمد علی صاحب خلیفہ ارشد مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ لوگ کامل مسلمان تھے یا کافر؟اور کیا زید کا یہ قول صحیح ہے کہ جوان کو کافر نہ جانے وہ کافر ہے۔اور کیا یہ صحیح ہے کہ بعض خاص عقیدہ یا مضمون یا تصانیف کی وجہ سے ان پر کفر عائد ہو گیا ہے۔اور وہ ایسا اٹل ہو کر جم گیا ہے کہ کسی طرح کفر اٹھتا نہیں ہے۔حالانکہ ان لوگوں نے التصدیقات لدفع التلبیسات، ایک کتاب ان الزامات کے جواب میں لکھ کر علمائے ہند و عرب و شام وغیرہ سے دستخط و تصدیق کرا کر شائع کی ہے لیکن اس پر بھی کفر ان پر عائد کیا جاتا ہے۔آیا یہ تکفیر زیادتی و تعدی ہے یا نہیں؟ (۷) مسلمانوں کو ایسی مساجد میں جانا اور وہاں نمازیں پڑھنا درست ہے؟ جہاں علمائے دین اہل حق و بزرگان دین کو علی العموم برا بھلا کہا جاتا ہو اور ان کی تکفیر و تضلیل کی جاتی ہو اور پکے مسلمانوں کو کان پکڑ کر نکالا جاتا ہو اور لوگوں کو فساد پر آمادہ کیا جاتا ہو؟بینوا توجروا۔

(جواب ۱۹۶) (۱) فرقہ وہابیہ کی ابتدا محمد بن عبدالوہاب نجدی سے ہوئی۔یہ شخص حنبلی مذہب رکھتے تھے مزاج میں سختی زیادہ تھی۔ان کے خیالات اور اعتقادات کے متعلق مختلف روایات سنی جاتی ہیں۔حقیقت حال خدا تعالیٰ کو معلوم ہے۔مگر ہندوستان کے بعض مبتدعین نے تو آج کل متبع سنت کا نام وہابی رکھ دیا ہے۔یہ ان مبتدعین کی اصطلاح جدید ہے۔

(۲) علمائے دیوبند یا ان کے ہم خیال علماء کو جو شخص وہابی یعنی متبع نجدی کہے وہ خود وہابی یعنی سخت گیری میں متبع نجدی ہے۔علمائے دیوبند نہایت عمدہ اور پاکیزہ عقیدے والے حضرات ہیں،ان کا مذہب اور عقیدہ وہی ہے جو سلف صالحین و تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا تھا۔ان کو وہابی کہنا گویا صحابہ و تابعین کو وہابی کہنا ہے۔حالانکہ صحابہ

کی شان آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں **اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم** (۱) یعنی میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم جس کی اقتداء کرو گے راہ پاؤ گے۔ پھر صحابہ کو برا کہنا نعوذ باللہ من ذلک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنی ہے۔ اور جو شخص آنحضرت ﷺ کی تکذیب کرے اس کا خود ایمان سلامت نہیں ہے۔ (۲)

(۳) آنحضرت ﷺ کا ذکر ولادت افضل المستحبات ہے، لیکن اس کی مروجہ صورتیں اور اس کے لئے انعقاد مجالس بدعت ہے اور ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ ہر ایسا کام جس کی کسی وقت، کسی مجلس، کسی حال کے ساتھ خصوصیت شریعت سے ثابت نہیں، اس کو کسی وقت کسی مجلس کسی حال کے ساتھ خاص کر لینا اور دین کا جزو سمجھ لینا ہی تو بدعت ہے۔ (۳) اور جب کہ یہ بدعت ہے تو جو علماء اس کو ناجائز کہتے ہیں وہ حق پر ہیں۔ ان کو کافر کہنے والے کے ایمان کی خود خیر نہیں۔ اگر بفرض محال قیام جائز بھی ہو تاہم زیادہ سے زیادہ مستحب ہو سکتا ہے۔ اور تارک مستحب مستحق ملامت بھی نہیں (۴) چہ جائے کہ اس کی تکفیر و تضلیل، **نعوذ بالله من ذلك**۔

(۴) عرس کی حقیقت شرعی نقطہ نظر سے صرف یہی ہو سکتی ہے کہ مقابر اولیاء اللہ کی زیارت کی جائے تو اگر چہ سفر طویل کر کے زیارت جانا جائز ہے (۵) لیکن ایام عرس میں وہاں جانے میں علاوہ اس کے کہ کسی

۱۔ مشکوۃ باب مناقب الصحابہ، الفصل الثالث: ج ۲ ص ۵۵۴ ط سعید۔

۲۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے درمیان اور بعد کی امت کے درمیان سب سے پہلا واسطہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ اور اگر وہ لائق اعتماد نہیں تو دین کی کوئی چیز بھی لائق اعتماد نہیں رہتی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی کتاب، آپ کی نبوت اور آپ کے لائے ہوئے دین کی ایک ایک چیز ہمیں اسی جماعت کے ذریعہ ملی۔ لہذا صحابہ کرام کے اعتماد کو مجروح کرنا در حقیقت دین کے اعتماد کو مجروح کرنا ہے۔ علامہ ابن حجر نے "الاصابہ" کے دیباچہ میں امام ابو زرعہ رازی کا قول نقل کیا ہے:

"اذا رأیت الرجل ینتقص احدا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم انه زنديق، وذلك ان الرسول حق، والقرآن حق، وماجاء به حق، وانما ادّى الينا ذلك كله الصحابة، وهؤلاء يريدون ان يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم اولى، وهم زنادقة." (الاصابة في تمييز الصحابة، خطبة الكتاب ومقدمته، الفصل الثالث في بيان حال الصحابة من العدالة: ۱ / ۱۰ ط دار الفكر بيروت)

۳۔ علامہ شاطبیؒ بدعت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "منها وضع الحدود والتزام الكيفيات والهيآت المعينة والتزام العبادات المعينة في اوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة۔" (الاعتصام: ج ۱ ص ۳۹ ط دار الفکر بیروت)

٤. "وحكمه عدم اللوم على الترك" (ردالمحتار: كتاب الطهارة، مطلب لافرق بين المندوب والمستحب والنفل والتطوع: ج ۱ ص ۱۲۳ ط سعيد)

۵۔ دور دراز کی مسافت طے کر کے زیارت قبور کے لئے جانا اہل سنت کے ہاں مختلف فیہ امر ہے۔ شامیہ میں ہے: "قلت استفيد منه ندب الزيارة و ان بعد محلها. وهل تندب الرحلة لها؟ لم ار من صرح به انمتنا. و منع منه بعض ائمة الشافعية الا لزيارته صلى الله عليه وسلم، قياسا على منع الرحلة لغير المساجد الثلاث. ورده الغزالي بوضوح الفرق الخ" (ردالمحتار: ۲ / ۲۴۲ ط سعید) جو حضرات منع کرتے ہیں وہ حدیث "لا تشد الرحال الا الى ثلثة مساجد الخ (بخاري، كتاب الصوم: ۱ / ۲۶۸ قديمي) سے استدلال کرتے ہیں۔ نیز حضرت ابو ہریرہؓ جب "طور" سے واپس آئے تو اس حدیث کے راوی حضرت بصرہ بن ابی بصرہ الغفاریؓ نے اسی حدیث سے طور کا سفر اختیار کرنے کی ممانعت ثابت کی (نسائی ۱ / ۲۰ ط سعید) جو حضرات جواز کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حدیث "لا تشد الرحال" سے معنی یہ ہیں کہ بہ نیت تضاعف صلوۃ اور کسی مسجد کی طرف سفر کرنا ممنوع ہے، اس کو زیارت قبور سے کوئی علاقہ نہیں۔ اور اس کی تائید مسند احمد کی حدیث سے ہوتی ہے۔ "لا ينبغي للمطي ان تشد رحاله الي مسجد يبتغي فيه الصلوة غير المسجد الحرام و المسجد الاقصى ومسجدى هذا" (مسند احمد: ج ۳ ص ۶۴ ط موسسۃ التاریخ العربی دار احیاء التراث العربی بیروت)۔ سو یہ روایت مذکورہ حدیث "لا تشد الرحال" کی تفسیر ہو سکتی ہے۔ اور اگر بالفرض تفسیر نہ بھی ہو تو کم از کم اس معنی کا احتمال تو ہے۔ اور قبور سے متعلق کوئی نص نہیں۔ واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ رہی طور پر جانے کی ممانعت تو اس کا محمل یہ ہے کہ بہ نیت تقرب کے کسی مقام کا سفر ممنوع ہے، مطلب یہ کہ جس طرح ان مساجد کی طرف بہ نیت تقرب سفر کیا جاتا ہے اس نیت سے دوسرے مشاہد کو قیاس کرنا جائز نہیں کیونکہ ان مساجد میں نماز پڑھنے میں تو تضاعف ثواب موعود ہے بخلاف دوسرے مشاہد کے کہ وہاں وہ بات نہیں۔ ... (بقیہ اگلے صفحہ پر)

خاص تاریخ کو عرس کے لئے متعین کرلینا بدعت ہے۔(۱)بڑی قباحت یہ ہے کہ آج کل اعراس مروجہ میں اتنے غیر مشروع اور ناجائز کام ہوتے ہیں کہ ان سب کا مجموعہ شرکت عرس کو حرام بنادیتا ہے۔(۲)مثلاً عورتوں کا جانا مزامیر کے ساتھ قوالی ہونا۔ طوائف کا ناچ گانا وغیرہ وغیرہ۔ پس جو شخص اس کو جائز اور باعث ثواب بتائے وہ سخت گناہگار ہوگا۔ ایسا شخص ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کے کسی قول پر کان دھرا جائے۔ اور جو شخص مانعین کو وہابی اور کافر بتائے اس کے خود ایمان کی خیر نہیں۔(۳) نعوذ باللہ من ذلک۔

(۵) جیسا کہ پہلے سوال کے جواب سے معلوم ہوگیا کہ آج کل مبتدعین کی اصطلاح میں متبعین سنت کو (عداوۃ) وہابی کہا جاتا ہے تو ایسے وہابیوں یعنی ان لوگوں کو جو سنت نبوی پر عمل کرتے ہیں مسجد میں آنے سے روکنا سخت ظلم اور گناہ ہے۔(۴)بلکہ روکنے والے مبتدعین خود اس کے مستحق ہیں کہ ان کو مسجدوں سے روکا جائے ان کو یہ حق کہاں سے حاصل ہوگیا کہ وہ کسی مسلمان کو اتباع سنت کی وجہ سے مسجد میں آنے سے روکیں مسجدیں ان کی مملوک تو نہیں ہیں کہ جس کو چاہیں آنے دیں اور جسے چاہیں روک دیں۔

(۶) یہ حضرات علمائے کرام اعلیٰ درجے کے مسلمان اور پکے دیندار تھے۔ جو شخص ان کو کافر کہے وہ بہت بڑا ظالم اور ایمان کا دشمن ہے۔ ان لوگوں کی کسی تصنیف اور کسی مضمون میں کوئی ایسا فقرہ یا لفظ نہیں جس کی وجہ سے نعوذباللہ من ذلک ان کی طرف کفر کی نسبت کی جائے۔ ان لوگوں کی جتنی تصانیف ہیں بہت کار آمد مفید اور رد بدعت کے لئے نہایت عمدہ ذخیرہ ہیں۔ ہر مسلمان کو ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ یہ لوگ سنت نبوی و احکام شرعیہ کے پابند اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قدم بقدم چلتے تھے۔ ان کو سب وشتم کرنا گویا احکام شرعیہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرنا ہے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرنا، اوپر معلوم ہو چکا کیسا ہے۔ جو لوگ ان حضرات علمائے کرام کو کافر بتائیں، ان کو اپنی مجلسوں اور محفلوں میں شریک نہیں کرنا چاہئے اور نہ خود ان کی محفلوں میں شرکت کرنا چاہئے۔ تاکہ ان کے برے اور فاسد عقیدے مسلمانوں میں سرایت نہ کریں۔(۵) یہ لوگ مسلمانوں کے دشمن اسلام کے دشمن اور خدا رسول کے دشمن ہیں۔

(۷) جس جگہ اور جس وعظ کی شرکت سے فساد عقیدہ اور فساد بین المسلمین ہوتا ہو اس میں شرکت کرنا اور وہاں جانا کسی مسلمان کو جائز نہیں خواہ وہ جگہ مسجد ہو یا اور کوئی جگہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ فی نفسہ

(بقیہ حاشیہ) جب کہ دوسری صورت میں سفر ممنوع ہوگا کیونکہ وہاں اس نیت سے سفر کرنا امر غیر ثابت کا اعتقاد ہے۔ البتہ الرسفر الی المقابر میں کوئی مفسدہ ہو تو اس کو اس مفسدہ کی بناء پر منع کیا جائے گا جیسے کہ حضرت علامہ نے اگلی سطور میں عرس کے ایام میں زیارت کے لئے جانے کو حرام کہا ہے۔ بہر حال حضرت مفتی اعظم کی رائے یہی ہے کہ زیارت قبور کے لئے سفر کرنا جائز ہے اور یہی راجح ہے واللہ اعلم۔

۱۔ "مقرر ساختن روز عرس جائز نیست" (شاہ محمد اسحاق، مسائل اربعین: ص ۳۸ ط)

۲۔ کیونکہ سفر محرم محرم ہے۔

۳۔ "ایما رجل قال لا خیہ کافر فقد باء بھا احدھما." (بخاری، کتاب الادب، باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل فھو کما قال: ج ۲ ص ۹۰۱ ط قدیمی)

٤۔ "من اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ" (البقرۃ: ۱۱٤)

۵۔ "فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین" (الانعام: ۶۸)۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے: "فان المجالسۃ و نحوھا من المماشاۃ من علامات المحبۃ و امارات المحنۃ، فالمعنی لا تجالسوھم مجالسۃ تانیس و تعظیم لھم لانھم اما ان یدعوکم الی بدعتھم واما ان یعود علیکم من تعصبھم وسوء عملھم مایوثر فی قلوبکم و اعما لکم اذ مجالسۃ الاغیار تجر الی غایۃ البوار و نھایۃ الخسار." (مجالس اھل الضلالۃ ممنوع: ۱ / ۱۷۹ ط امدادیہ ملتان)

مسجد بہت اچھی جگہ ہے لیکن جبکہ وہاں فساد عقیدہ اور فساد بین المسلمین ہوتا ہو تو نہ مسجد ہونے کی جہت سے بلکہ ان مفسد لوگوں کے اثر بد سے بچنے کے لئے وہاں نہ جانا لازم ہے۔ واللہ اعلم۔

اکابر علمائے دیوبند مسلمان ہیں یا کافر ؟

(سوال) ہمارے موضع میں بقر عید کی نماز مولوی عبدالحکیم صدر مدرس جامع العلوم حسین پور پڑھاتے ہیں اور مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا اشرف علی تھانوی کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ آیا مولوی عبدالحکیم صاحب مسلمان ہیں یا کافر۔ اور جو ان کے کفر میں شک کرے آیا اس کی بیوی اس کی نکاح میں رہے گی یا نہیں ؟ اور ہم لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۴۸۲ فریاد حسین (برما) ۲۱ صفر ۱۳۵۴ھ م ۲۵ مئی ۱۹۳۵ء

(جواب) (از مولوی حشمت علی خاں لکھنوی)۔ قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب تحذیر الناس مطبع خیر خواہ سرکار کے صفحہ ۳ پر حضور اقدس ﷺ کے خاتم النبین ہونے کے اس معنی کو کہ حضور سب سے پچھلے ہیں جاہلوں کا خیال ٹھہرایا۔ صفحہ ۱۴ پر حضور کے زمانے میں کئی اور نبی کے پیدا ہونے کو جائز بتایا۔ صفحہ ۲۸ پر حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں جدید نبی کے پیدا ہونے کو جائز اور ختم نبوت میں غیر مخل بتایا۔ رشید احمد گنگوہی و خلیل احمد انبیٹھوی نے اپنی مصدقہ مصنفہ براہین قاطعہ ص ۵۱ پر حضور اقدس ﷺ سے زائد اپنے پیر ابلیس ملعون کا علم گایا۔ اشرف علی تھانوی نے اپنی حفظ الایمان صفحہ ۸ پر اپنے بزرگوں پاگلوں جانوروں کے علم غیب کو حضور اکرم ﷺ کے علم غیب کے مثل بتایا اور انہیں کفریات خبیثہ ملعونہ کی بنا پر مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے علمائے کرام و مفتیان عظام سے کافر و مرتد ہونے کا متفقہ فتویٰ پایا۔ کما ہو مصرح فی حسام الحرمین والصوارم الہندیہ۔ لہذا جو شخص ان چاروں شیاطین مرتدین میں سے کسی ایک کی کفری عبارت پر بخوبی مطلع ہونے کے بعد بھی اس کو مسلمان سمجھے یا اس کے کافر ہونے سے انکار کرے یا اس کے کافر و مرتد ہونے میں شک کرے یا اس کو کافر و مرتد کہنے میں توقف کرے تو خود بھی قطعاً یقیناً کافر و مرتد ہے۔ اور بے توبہ مرا تو ملعون و مستحق نار ابد ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز مطلقاً حرام و باطل محض ہے۔ ایسا شخص مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے اپنا نام عبدالحکیم رکھے یا کھلم کھلا اپنے کفر کا اقرار کر کے اپنے آپ کو مرتد رجیم کہے۔ نماز جمعہ ہو یا نماز عید یا نماز پنجگانہ اس کے پیچھے کوئی نماز جائز و صحیح نہیں ہو سکتی۔ امام علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مستطاب الشفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ میں فرماتے ہیں اجماع المسلمون ان مشاتمہ صلی اللہ علیہ وسلم کافر. من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر و ھکذا فی الدرالمختار وغیرہ من الغرر الا سفار۔ اس کی جورو اس کے نکاح سے نکل گئی۔ سیدنا امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ اپنی کتاب الخراج میں فرماتے ہیں ایما رجل مسلم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او کذبہ او عابہ اوتنقصہ فقد کفر باللہ تعالیٰ و بانت منہ امرأتہ اھ واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔ فقیر ابو الفتح عبیدالرضا محمد حشمت علی خاں قادری رضوی لکھنوی غفرلہ لوالدیہ ولابویہ ولاخویہ ربہ العزیز القوی۔

المجیب مصیب فقیر غلام محی الدین غفرلہ بلیاوی مدرس مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم۔ الجواب صحیح شمس الحق عفاعنہ مدرس مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور۔ الجواب صحیح محمد علیم اللہ فتحپوری۔ الجواب صحیح اسد الحق عفا عنہ مراد آبادی۔

(جواب ۱۹۷)(از مفتی اعظمؒ) جناب نے جو فتویٰ بھیجا ہے وہ میں نے دیکھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی سلمہ اللہ تعالیٰ یہ تمام حضرات ان باخدا اور محترم علماء میں سے ہیں جن کے علمی فیوض وبرکات سے تمام ہندوستان فیض یاب ہوا ہے۔ یہ علماء ہندوستان میں دین اسلام کے آفتاب ہیں۔ ان کی ہدایت کی روشنی سے ظلمت کدہ ہندروشن ہے۔ ان کو کافر بتانا کسی ایماندار مسلمان کا کام نہیں ہے۔ تحذیر الناس۔ براہین قاطعہ حفظ الا یمان کی طرف جن مضامین کو منسوب کر کے ان کو کافر کہنے والے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ وہ مضامین ان کتابوں میں نہیں ہیں۔ کتابوں کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر کے زبردستی ان کا مطلب بدلا جاتا ہے۔ اگر یہ حضرات بھی نعوذباللہ آنحضرت ﷺ کی شان مبارک کو نہ سمجھیں یا خدانخواستہ کسی طرح کی منقصت کریں تو ہندوستان میں کوئی دوسرا سلسلہ نہیں ہے جو خاندان نبوت اور اسلامی شریعت کی تقدیس کر سکے۔ آج ہندوستان کے فی صدی نوے بلکہ پچانوے علماء انہیں حضرات کے سلسلہ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ اگر یہ سب کافر ہوں تو ہندوستان میں اسلام کا خدا ہی حافظ ہے۔

آپ رنگون سے مولوی حافظ عبدالروف خاں کی کتاب براءۃ الابرار عن مکائد الاشرار منگا کر ملاحظہ فرمائیں۔(۱) اس سے آپ کو اس فتویٰ کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ بہر حال یہ فتویٰ شرعی فتویٰ نہیں ہے بلکہ کذب وافترا اور تہمت کی دستاویز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

(جواب ۱۹۸) نمبر ۴۸۲ دیگر۔ یہ فتویٰ مسلمانوں کی بدقسمتی اور غفلت کی روشن ترین مثال ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیو بندی قدس اللہ اسرارہم اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نہ صرف ہندوستان کے بلکہ دنیائے اسلام کے منتخب اور برگزیدہ علمائے اتقیا میں سے ہیں۔ جن کی اسلامی اور علمی خدمات بے شمار ہیں۔ ان کو کافر بتانے والے جس افتراء و تہمت کی بنا پر ان کو کافر قرار دیتے ہیں وہ کذب ودجل اور ظلم وعدوان کی بدترین مثال ہے۔ جواب میں جن باتوں کو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ خالص تہمتیں ہیں۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

---

(۱) اس موضوع پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب مدظلہ العالی کی تصنیف "عبارات اکابر" مطبوعہ مکتبہ صفدریہ نیز دیدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ ملاحظہ کی جائے۔

۱۔ کسی عالم دین کی توہین کرنا کیسا ہے ؟
۲۔ "حضور کا نماز میں خیال لانا گدھے اور بیل سے برا ہے" کے قائل کا حکم .
۳۔ دیوبندی اور غیر مقلد کو کافر کہنے والے کی امامت کا حکم .
۴۔ قوالی سننا کیسا ہے ؟

(سوال)(۱) کسی عالم کی توہین کرنا کیسا ہے ؟ (۲) ایک عالم دیوبندی کہتا ہے کہ حضور کا نماز میں خیال آنا گدھے اور بیل سے برا ہے۔ یہ کہنا توہین حضرت کی ہوگی یا نہیں ؟ (۳) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگرچہ حافظ ہو یا مولوی، دیوبندی کافر ہے۔ غیر مقلد کافر۔ اور اس کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر اور اس کے کفر میں شبہ کرنے وہ بھی کافر۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ (۴) قوالی سننا ڈھولک وغیرہ کے ساتھ کسی مزار پر یا کسی اور جگہ کیسا ہے ؟

المستفتی نمبر ۶۴۶ عبدالاحد (ضلع دربھنگہ) ۴ رجب ۱۳۵۴ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۹۹)(۱) عالم کی، عالم ہونے کی حیثیت سے توہین کرنا سخت گناہ ہے۔(۱) (۲) یہ بات یوں نہیں ہے لوگ اسے غلط طریقہ سے بیان کرتے ہیں اور غلط سمجھتے ہیں۔ اصل بات میں کوئی توہین نہیں ہے۔(۲) (۳) یہ شخص جاہل ہے۔ اس کی امامت مکروہ ہے۔(۳) (۴) ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

۱۔ علمائے حق کو وہابی، کافر کہنے والے کا حکم .
۲۔ تقویۃ الایمان، صراط مستقیم وغیرہ کتب اور ان کے مؤلفین کا حکم .

(سوال) آج کل بمبئی کی فضا بگڑ گئی ہے۔ یہاں پر علمائے دیوبند و بریلی دونوں وعظ بیان کرتے ہیں۔ اب ہم اس مصیبت میں پڑ گئے ہیں کہ کس کے وعظ کو سچا مانیں۔ مولوی حشمت علی صاحب نے اپنی کتاب ردالمہند میں آپ کو امام الوہابیہ (نعوذ باللہ) لکھا ہے اور آگے لکھتے ہیں کہ جتنے علمائے دیوبند ہیں سب کے سب وہابی کافر ہیں (معاذ اللہ)۔ یہاں پر مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور مولانا محمد منظور صاحب کے بھی وعظ ہوتے ہیں۔ مگر وہ کسی کو برا بھلا نہیں کہتے۔ ہمارے محلے میں بریلی پارٹی کا بہت زور ہے وہ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ اس لئے آپ کی، مندرجہ، ذیل کتابوں کے بارے میں کیا رائے ہے :۔ تقویۃ الایمان، صراط مستقیم مصنفہ مولانا اسمعیل شہید، براہین قاطعہ، تحذیر الناس، فتاویٰ رشیدیہ اور ان کے مصنفوں کے بارے میں آپ کا کیا عقیدہ ہے ؟

المستفتی نمبر ۹۵۲ ایوب خاں (بمبئی) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

۱۔ "ویخاف علیہ الکفر اذا شتم عالما او فقیہا من غیر سبب۔" (البحر الرائق، کتاب السیر، باب احکام المرتدین: ج ۵ ص ۱۳۲ ط دارالمعرفۃ بیروت)

۲۔ اس کی مفصل بحث "عبارات اکابرؒ" میں دیکھیں۔

۳۔ یونکہ ناحق کافر کہنے کی وجہ سے یہ شخص فاسق اور مبتدع ہو گیا لہذا اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے : "ویکرہ امامۃ فاسق ومبتدع . واما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ بانہ لایھتم لامر دینہ، وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ، وقد وجب علیہم اھانتہ شرعا" (الدرالمختار مع شرحہ، کتاب الصلوٰۃ، باب الامامۃ ۱ : ۵۶۰ ط سعید)

(جواب ۲۰۰) جو لوگ کہ مسلمانوں کو کافر بتاتے اور جماعت مسلمیں میں تفریق کرتے اور علمائے ربانی کو سب و شتم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت فرمائے۔ میں قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ ﷺ اور اقوال و افعال صحابہ کرام و تابعین و مجتہدین عظام پر ایمان اور عمل رکھتا ہوں۔ البتہ بدعات و مخترعات کو بموجب ارشاد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام قابل رد سمجھتا ہوں۔(۱)

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو بزرگ اور علمائے حقانیین سمجھتا ہوں ان کی کتابیں تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، براہین قاطعہ، فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ کو صحیح اور قابل عمل جانتا ہوں۔ میں کسی مسلمان اور خصوصاً عالم باعمل کو کافر کہنے کی جرات نہیں کرتا۔(۲) اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آئندہ بھی تکفیر مسلمین سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ وہابیوں اور رضاخانیوں کے عقائد کیا ہیں ؟
۲۔ اہل حق کی بعض عبارات سے غلط مفہوم لینا .
۳۔ کسی کلمہ گو کو کافر کہنا کب جائز ہو گا ؟

(۱) وہابی کس جماعت کے لوگوں کو کہتے ہیں۔ اور ان کے کیا اعتقاد ہیں۔ رضاخانی کس جماعت کے لوگوں کو کہتے ہیں۔ اور ان کے کیا اعتقاد ہیں ؟ (۲) زید نے کہا کہ حضور اقدس سرور عالم ﷺ عالم الغیب ہیں۔ اللہ نے اپنے حبیب کو سکھلا دیا جو کچھ نہ جانتا تھا۔ اللہ کے نزدیک حضور کی بڑی عزت ہے۔ اس کے جواب میں عمرو نے کہا کہ اس میں حضور کی کیا تخصیص۔ ایسا علم غیب ہر خاص و عام کو حاصل ہے۔ حضور اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل اور اس کے روبرو ایک ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔ اب فرمائیے ان دونوں میں کس کا قول قابل یقین ہے۔ جو مسلمان ہو کر کسی نبی یا صحابی کی تقریری یا تحریری ادنیٰ گستاخی کرے وہ مسلمان ہے یا کافر ؟ (۳) بکر نے عالم ہونے کی وجہ سے کہا کسی کلمہ گو کو کافر نہ کہنا چاہئے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہابی و رضاخانی و غیر مقلد قادیانی و رافضی وغیرہ وغیرہ جماعتیں کلمہ گو ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں۔ اور اگر ہیں تو ان جماعتوں میں سے کون سی جماعت حق و صحیح راستہ پر ہے۔

نمبر ۱۷۱ مولوی محمد سلیمان صاحب میرٹھی ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۷ ستمبر ۱۹۳۶ عیسوی

(جواب ۲۰۱) وہابی اصل میں وہ لوگ تھے جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیرو تھے۔ مگر ہندوستان میں یہ لفظ غلط معنی میں استعمال کیا جانے لگا۔ جو لوگ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیرو نہیں ہیں۔ مگر آنحضرت ﷺ کی

۱۔ لقوله عليه السلام : "من احدث في امرنا هذا ماليس منه فهو رد" (مسلم، کتاب الاقضیہ باب نقض الاحکام الباطلۃ ورد محدثات الامور : ج ۲ ص ۷۷ ط قدیمی)
۲۔ لقوله عليه السلام : "ايما رجل قال لاخيه كافر فقد باء بها احدهما" (بخاری، کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل ج ۲ : ۹۰۱ ط قدیمی)

سنت پر عمل کرتے ہیں اور بدعتوں سے منع کرتے ہیں ، ان کو وہابی کہہ دیا جاتا ہے۔ اور لوگوں کو ان سے متنفر کرنے کے لئے یہ ایک چلتا ہوا جادو ہے۔ جہاں وہابی کہا اس پھر کیا تھا وہ مردود و ملعون و ہابڑا لہابڑا سب کچھ ہو گیا نعوذ باللہ من ذلک۔

رضاخانی وہ جماعت ہے جو مولوی احمد رضاخاں صاحب بریلوی کی متبع ہے۔

(۲) یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بے شمار غیب کی باتوں کا علم عطا فرمادیا تھا اور حضور کا علم تمام مخلوق سے زیادہ ہے۔ باوجود اس کے حضور کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں کیونکہ عالم الغیب خاص اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔(۱)

یہ کوئی نہیں کہتا کہ حضور کے برابر علم ہر خاص و عام کو حاصل ہے۔ اور نہ معاذ اللہ کسی نے یہ کہا ہے کہ حضور اللہ کے آگے چمار سے زیادہ ذلیل ہیں۔ جن کتابوں کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے۔ ان کی عبارتوں کا مطلب بگاڑ کر یہ باتیں کہی جاتی ہیں۔(۲)

(۳) جہاں تک کسی کلمہ گو کو کافر نہ کہنے کی گنجائش ہو اس وقت تک کافر کہنا درست نہیں۔(۳) لیکن جب اس کی گنجائش نہ رہے تو کافر کہنا جائز ہے۔ مثلاً کوئی کلمہ گو نماز کی فرضیت سے انکار کردے۔ زکوۃ کی فرضیت سے انکار کردے تو اس کو لامحالہ کافر کہا جائے گا۔ اسی طرح کسی اور قطعی بات سے انکار کردے تو اس کی تکفیر ضروری کی جائے گی۔(۴) مثلاً تمام قادیانیوں کے اور رافضیوں کے بعض فرقوں کے کافر ہونے میں شبہہ نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ کیا وہابیوں کے پیچھے نماز جائز ہے؟
۲۔ کیا حنفیوں کے ہاں فقہ حدیث سے بالاتر ہے؟

(سوال)(۱) کیا وہابیوں کے پیچھے نماز جائز ہے؟(۲) کیا حنفیوں کے یہاں حدیث شریف سے بالاتر کتاب فقہ تصور کی جاتی ہے؟

المستفتی نمبر ۱۵۶۴ سید عبدالمعبود صاحب (ضلع بدایون)۔ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۴ جولائی ۱۹۳۷ء

۱۔ وبالجملة فالعلم بالغيب امر تفرد به سبحانه، ولاسبيل للعباد اليه الا باعلام منه والهام بطريق المعجزة، اوالكرامة، اوالارشاد الى الاستدلال بالا مارات فيما يمكن فيه ذلك ..... وذكر الحنفية تصريحاً بالتكفير باعتقاد ان النبي عليه الصلاة و السلام يعلم الغيب لمعارضةقوله تعالى : "قل لا يعلم من في السموات والارض الغيب الا الله" كذا في المسايرة." (ملا على قارى ، شرح كتاب الفقه الاكبر، مسالة في ان تصديق الكاهن بمايخبربه من الغيب : ص ۲۲۵ ط دارالكتب العلمية بيروت لبنان)

۲۔ اس کی مفصل بحث "عبارات اکابر" مصنفه شيخ الحديث مولانا سرفراز خان صفدر مدظلّه العالى (مطبوعه مكتبه صفدريه نزد مدرسه نصرة العلوم گھنٹہ گھر گوجرانواله) میں ملاحظه فرمائیں۔

۳۔ "اذا كان في المسئلة وجوه يوجب التكفير ووجه واحد يمنع فعلى المفتي ان يميل الى هذا الوجه (خلاصة الفتاوىٰ، کتاب الکراهیة، الفصل الثاني في الفاظ الكفر انواع : ج ۴ ص ۳۸۲ ط امجد اکیڈمی لاہور)

۴۔ "وقال القاضي عضد الدين في المواقف: لا يكفر احد من اهل القبلة الا فيما فيه نفي الصانع القادر العليم، او شركه، او انكار للنبوة او ماعلم مجيئه بالضرورة، او المجمع عليه كاستحلال المحرمات، واما ما عداه فالقائل به مبتدع لا كافر انتهى" (ملا علی قاری، شرح کتاب الفقه الاکبر، مطلب یجب معرفة المکفرات : ص ۲۴۱ ط دار الکتب العلمیہ بیروت)

(جواب ۲۰۲)(۱)وہابیوں کے کوئی ایسے معنی نہیں جن سے پتہ تعین ہو سکے کہ کون لوگ مراد ہیں۔ کیونکہ آج کل تو لوگ ہر اس شخص کو وہابی کہہ دیتے ہیں جو کسی بدعت سے منع کرے۔ تو ایسے متبعین سنت کے پیچھے کیسے نماز ناجائز ہو سکتی ہے۔ جن کو لوگ وہابی کہہ دیا کرتے ہیں۔

(۲) یہ صحیح نہیں ہے کہ حنفیوں کے نزدیک حدیث کی معتبر کتابوں سے فقہ کی کتاب بالاتر ہے۔ کیونکہ حدیث خود اصول شرعیہ میں سے کتاب اللہ کے بعد دوسری اصل ہے۔ اور اصل شرعیہ چار ہیں۔ ان سے حاصل کئے ہوئے احکام فرعیہ کا نام فقہ ہے۔(۱)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

علمائے دیوبند اہل سنت والجماعت حنفی ہیں۔

(سوال) بعد از ماھوالمسنون عرض اینکہ دریں ایام فرخندہ نام گرامی شمایاں درمابین محققین و مدققین زیادہ تر ازروشنائی آفتاب درمابین ستارہ ہاست ومی دانیم کہ ازدریائے فیض تشنگان جہالت سیراب شدہ۔ ومی شنوم کہ لقب مبارک مفتی الہند در آفاق شہرت یافتہ ومی بینیم کہ کوران راہ مستقیم بہدایتش راہ یاب شدہ۔ ودرہر کنج دنیا اگر روم از تصنیفاتش خالی نیست وہنوز دانستم کہ اگر خدانخواستہ حدیقہ شریعت بیضاء خالی از تربیت اش یافتہ شود ظلمات علی الظلمات واقعہ خواہد شد۔ وپنداشتیم کہ دیوار شریعت انوریہ برقش معمور و آباد است ونیز یاد دارم کہ قلعہ دین مبین بہ حراستش محفوظ از حملہ حملہ آوراں است۔ مگر افسوس صد افسوس کہ ؎

بلبل　　خموش　　گشت　　پرداز　　سرچمن

زاغان　　و　　غوک　　معتکف　　بوستان　　شدند

چہ جائے گریہ اگر بجائے اشک خون دل از چشم ببارد ہم کم است کہ بایں ہمہ خوبی ہائے مذکورہ وعلاوہ ازیں درمابین ہمعصر اں امتیاز خاص دارد کہ عبارت از دیانتداری و تقویٰ بایں کہ جامع منقول و معقول است و منسوب بوہابیت است چنانچہ در ضلع کاٹھیاواڑ قریہ بقر یہ پارچہ از تختہائے ناشائستہ مملو شدہ اشاعت یافت از طرف مفتی عبدالرشید خان حال ساکن وہوراجی کاٹھیاواڑ منسوب بہ فتح پور مدرس مدرسہ مسکینیہ وہوراجی چنانچہ موجودہ علمائے ہند ہمگی در یک فہرست درج کردہ مقلد و غیر مقلد وہابی ہمہ را از یک دیگر جدا کردہ مشہور عوام الناس شد۔ مگر چونکہ اسلامی زیر فہرست را در ینجا گنجائش تحریر نیست لہذا از مقصد اعظم خود را اطلاع غرض میشود کہ آیا اسماء مبارک تحت الذیل علماء کرام را متصف باوصاف ناشائستہ مفتی عبدالرشید فتح پوری راست است یا دروغ ؟

(۱) مفتی کفایت اللہ	وہابی	مدرسہ امینیہ دہلی
(۲) مولوی ثناء اللہ	غیر مقلد	امرتسری
(۳) مولوی اشرف علی	وہابی	تھانوی
(۴) مفتی عزیز الرحمن	وہابی	دیوبندی

(۱) "واصطلاحا عندالاصولین العلم بالاحکام الشرعیة الفرعیة المکتسب من ادلتها التفصیلیة" (الدر المختار علی ہامش رد المحتار، مقدمہ: ۱ / ۳۶ ط سعید)

(۵) مولوی محمد انور کشمیری وہابی ڈابھیل

علاوہ ازیں نیز مفتی اشتہر دربارۂ سیرت کمیٹی یک رسالہ گجراتی ہم چھاپ کردہ شائع نمودہ کہ سیرت کمیٹی چنیں وچناں است۔ غرض کہ در شان بانئ سیرت کمیٹی از حد زیادہ گستاخانہ الفاظ درج است۔ مکرر مکرر عرض بلنب ادب ہست کہ از روئے الطاف و مہربانی دربارۂ علماء کرام فوق الذکر تحریر فرمائید۔ اگر رائے جناب ہمایاں مخالف ازرائے عبدالرشید مذکورہ بباشد ضرور شمشیر زہر آلود پیش تربیت یافتہ مفتی عبدالرشید در دستم می افتد واگر موافق بجائے آں باشد فانا برئی منکم و منهم واسال الله انکشاف الحق کما ھوا لحق

المستفتی نمبر ۱۳۴۹ عثمان میاں عبدالغنی میاں (کاٹھیاواڑ) ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۹ جون ۱۹۳۸ء

(ترجمہ) بعد سلام مسنون عرض ہے کہ اس مبارک زمانے میں جناب کا اسم گرامی محققین اہل علم کے درمیان ایسا روشن ہے جیسے ستاروں کے درمیان آفتاب۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ آپ کے دریائے فیض سے تشنگان جہالت سیراب ہوئے اور آپ کا لقب مبارک مفتی الہند تمام عالم میں شہرت رکھتا ہے۔ آپ کے رشد و ہدایت سے راہ مستقیم سے بھٹکنے والے راہ یاب ہوئے اور دنیا کے کسی گوشہ میں ہم جائیں، آپ کی تصانیف ہر جگہ شائع ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اگر شریعت بیضاء کا باغ آپ کی تربیت سے خدانخواستہ محروم ہو جائے تو گھٹاٹوپ اندھیرا چھا جائے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ شرع منور کی چار دیواری آپ کی توجہ ونگرانی سے معمور آباد ہے اور دین مبین کا قلعہ آپ کی نگہبانی کی وجہ سے دشمنوں کے حملے سے محفوظ ہے۔ مگر افسوس کہ ؎

بلبل خاموش ہوکر باغ سے اڑ گیا اور
کوے اور مینڈک باغ میں براجمان ہوگئے

کیسا رونے کا مقام ہے، اگر آنسوؤں کے بجائے خون دل آنکھ سے برسے تو کم ہے کہ ایسا جامع کمالات جو اپنے معاصرین میں از روئے دیانت و تقویٰ خاص امتیاز رکھتا ہے اس کو وہابیت کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ضلع کاٹھیاواڑ میں گاؤں در گاؤں ایسے اشتہارات شائع کئے جاتے ہیں جن میں نہایت گستاخانہ باتیں لکھی ہیں۔ ایک چیز یں مفتی عبدالرشید خان ساکن فتحپور وارد حال دھوراجی مدرس مدرسہ مسکینیہ دھوراجی کی طرف سے شائع کی جارہی ہیں۔ مثلاً تمام موجودہ علماء ہند کی ایک طویل فہرست شائع کی گئی ہے اور ہر ایک کے نام کے آگے مقلد، غیر مقلد، وہابی کا لفظ درج کر کے ایک دوسرے سے ممتاز دکھایا گیا ہے۔ مگر چونکہ اس طویل فہرست کا یہاں درج کرنا مشکل ہے اس لئے ہم اپنے اصل مقصد کو ظاہر کرتے ہوئے ذیل میں چند اسماء مبارک تحریر کرتے ہیں اور دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ مفتی عبدالرشید نے ان حضرات کو جن ناشائستہ اوصاف کے ساتھ متصف کیا ہے یہ صحیح ہے یا غلط؟

علاوہ ازیں اس اشتہار کے شائع کرنے والے مفتی نے سیرت کمیٹی کے بارے میں بھی ایک رسالہ بزبان گجراتی چھاپ کر شائع کیا ہے کہ سیرت کمیٹی ایسی ہے ویسی ہے۔ اور اس کے بانی کی شان میں بے حد گستاخانہ الفاظ لکھے ہیں۔ مکرر باادب گزارش ہے کہ براہ لطف و کرم مذکورہ بالا علماء کے متعلق اپنی رائے تحریر فرمائیں۔ اگر

جناب کی رائے مفتی عبدالرشید کی رائے کے مخالف ہوگی تو عبدالرشید کے چیلوں کو سزا دینے کے لئے میرے ہاتھ میں شمشیر زہر آلود ہوگی۔ اور اگر آپ کی رائے اس کی رائے کے موافق ہوگی تو میں آپ کی اور انکی طرف سے بری الذمہ ہوں گا اور اللہ سے انکشاف حق کی آرزو کروں گا۔

(جواب ۲۰۳) ایں فقیر بے بضاعت مفتی عبدالرشید صاحب را نمید اند۔ وایں ہم مرا معلوم نیست کہ مفتی مذکور بکدام علت مرا وہابی می گوید۔

فقیر و حضرت مولانا اشرف علی تھانوی و حضرت مولانا عزیز الرحمٰن مرحوم و حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری مرحوم بر کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ بجان و دل ایمان داریم و عمل بہ فقہ امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ میکنیم مایاں اہل سنت والجماعت و حنفی ہستیم واللہ علی نقول شهيد۔

مولوی ثناء اللہ صاحب حنفی نیستند۔ ایشاں از گروہ اہل حدیث ہستند کہ تقلید شخصی معمول ایشاں نیست۔ فقیر از شمایاں التجامی کند کہ بر قول عبدالرشید صاحب کہ مراد مولانا تھانوی و مولانا دیوبندی و مولانا کشمیری را وہابی گوید یقین نکنید و بحکمت و موعظت حسنہ ایشاں را ازیں غلطی بازدارید تشدد ہرگز نکنید کہ مفید نیست۔ واللہ الموافق۔(۱) فقیر محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(ترجمہ) یہ فقیر بے نوا مفتی عبدالرشید سے واقف نہیں اور یہ بھی مجھے معلوم نہیں کہ مفتی مذکور مجھ کو کس وجہ سے وہابی کہتا ہے۔

میں فقیر اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت مولانا عزیز الرحمٰن مرحوم اور حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری مرحوم کتاب و سنت پر بجان و دل ایمان رکھتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی فقہ پر عامل ہیں۔ ہم لوگ اہل سنت والجماعت حنفی ہیں اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ رب العزۃ گواہ ہے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب حنفی نہیں ہیں۔ وہ گروہ اہلحدیث سے تعلق رکھتے ہیں جو تقلید شخصی پر عامل نہیں ہیں۔ فقیر آپ سے درخواست کرتا ہے کہ مفتی عبدالرشید جو مجھ کو اور مولانا تھانوی اور مولانا دیوبندی اور مولانا کشمیری کو وہابی کہتا ہے، اس کی باتوں پر ہرگز یقین نہ کیجئے اور اس کو اور اس کے پیروں کی حکمت و دانائی اور پندو نصیحت سے ان کی غلط خیالی تنبیہ کیجئے۔ تشدد ہرگز نہ کیجئے کیونکہ تشدد غیر مفید اور مضر ہے۔ واللہ الموافق۔

شرک و بدعت کا مخالف اور علمائے دیوبند کو برحق سمجھنے والا مستحق امامت ہے یا نہیں؟

(سوال) ایک شخص جامع مسجد کا پیش امام ہے۔ اچھا خاصا وعظ بیان کرتا ہے۔ شرک اور بدعت کی تردید کرتا ہے۔ رسوم قبیحہ اور حالات وہابیہ سے لوگوں کو روکتا ہے۔ اپنے آپ کو امام ہمام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا معتقد بتلاتا ہے۔ سیدھے سادے لوگ ان کو دیوبندی وہابی لہاذی بد مذہب وغیرہ افتراء سے بدنام کرتے ہیں۔ وہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ میں دیوبند پڑھا نہیں لیکن حضرات علماء دیوبند کو حق بجانب اور صحیح سنت نبویہ کا عامل پاتا ہوں۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی صاحب، مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی، مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کو بزرگ اور مسلمانوں کا پیشوا سمجھتا ہوں۔ کیا ایسے معتقدات رکھنے

والے کو ہم امام مسجد بنا سکتے ہیں۔

(المستفتی نمبر ۲۳۹۸ قاضی حسن علی صاحب (کاٹھیاواڑ) ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۵ اگست ۱۹۳۸ء)

(جواب ۲۰۴) یہ علماء جن کے نام لکھے ہیں، حنفی عالم اور بزرگ ہیں۔ انہوں نے دین اسلام کی اور حنفی مذہب کی بے حد مخلصانہ خدمت کی ہے۔ یہ لوگ ظاہری علوم کی بھی انتہائی مہارت رکھتے تھے اور باطنی علوم میں بھی کمال تھا۔ اہل اللہ تھے اور فقیرانہ کمالات میں ہندوستان کے مشہور اولیاء میں داخل تھے۔ امام کا عقیدہ ان لوگوں کے متعلق درست اور صحیح ہے اور وہ امامت کا مستحق ہے۔　　فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

قبر پر اذان کو درست نہ سمجھنے والا اہل سنت والجماعت میں داخل ہے یا نہیں؟

(سوال) جو شخص اذان علی القبر وغیرہ کو درست نہ سمجھتا ہو وہ اہل سنت والجماعت میں داخل ہے یا نہیں۔

(المستفتی نمبر ۷۱۷ ۲ راجہ فیروز خان (جہلم) یکم جمادی الاول ۱۳۶۱ھ م ۱۸ مئی ۱۹۴۲ء)

(جواب ۲۰۵) جو شخص کہ اذان قبر کا قائل نہ ہو۔ انگوٹھے چومنے اور آنکھوں سے لگانے کا قائل نہ ہو۔ اسقاط کے مروجہ طریقہ کو غلط بتاتا ہو۔ عید کی نماز باہر جا کر پڑھنے کی تاکید کرتا ہو۔ ظہر احتیاطی کا قائل نہ ہو وہ اہل سنت والجماعت میں سے ہے بلکہ صحیح العقیدہ وہی ہے اور اس کو برا کہنے والا غلط گو اور غلط کار ہے۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

کیا بہشتی زیور معتبر کتاب ہے؟

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) مولوی اشرف علی تھانوی کا بہشتی زیور اہل سنت والجماعت کو پڑھنا اور اس پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۰۶) کتاب بہشتی زیور مذہب حنفی کے موافق مسائل وغیرہ کی کتاب ہے اور معتبر ہے۔ اس کو پڑھنا اور عمل کرنا درست ہے۔　　محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ۔ دہلی۔

فصل ہشتم

احترام اولیاء

"سبحان اللہ اس دربار کا کیا کہنا" بولنا جائز ہے یا نہیں ؟

(سوال) ایک شخص نے حضرت معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کی۔ دوسرے نے کہا سبحان اللہ (یا ماشاء اللہ یا الحمد للہ) اس دربار کا کیا کہنا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں ؟

(المستفتی نمبر ۲۴ا حبیب اللہ (ضلع غازی پور) یکم شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۳۳ء)

(جواب ۲۰۷) اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

۱۔ کسی بزرگ کو شمس الکونین کہنے کا حکم
۲۔ الہام حجت ہے یا نہیں ؟

(سوال) (۱) زید ایک بزرگ کو "شمس الکونین" کے لقب سے اعتقاداً مخاطب یا ملقب کرتا ہے اور جو شخص اس اعتقاد میں ہمنوا نہ ہو تو وہ اس سے سخت ناراض ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کو ملہم سمجھتا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ آقائے دو جہاں سرور کائنات سرکار دو عالم تاجدار مدینہ سید الکونین وغیرہ الفاظ متکلمین اسلام کی اصطلاح میں آقائے دو جہاں سید المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات کے لئے مختص ہیں اور کچھ ایسے مختص ہو چکے ہیں کہ عامۃ المسلمین کا ذہن فوراً ایسے الفاظ پر حضور ﷺ کی ذات اقدس کی طرف متبادر ہو جاتا ہے۔ شمس الکونین بھی اسی قبیل سے معلوم ہوتا ہے ورنہ ملتبس ضرور ہے۔ حضور ﷺ کی ذات کے سوا کسی امتی کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال خلط مراتب کا باعث ہے اور دھوکہ میں ڈالتا ہے اور فرق مراتب کی اہمیت ظاہر ہے۔ اس لئے ایسے الفاظ سے کسی امت کو مخاطب کرنا درست نہیں۔ دونوں میں سے کس کا خیال صحیح ہے ؟

(۲) سالکان راہ طریقت کے کیا تمام الہامات صحیح اور حجت ہوتے ہیں ؟

(المستفتی نمبر ۲۵۵۵، ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ م یکم جنوری ۱۹۴۰ء)

(جواب ۲۰۸) (۱) زید کا قول بے شک نامناسب اور حدیث لاتزکوا علی اللہ احداً (۱) (او کما قال) کے خلاف ہے۔ عمرو کا قول صحیح ہے۔ کسی بزرگ متبع شریعت شیدائے سنت کی بزرگی کا اعتراف تو ناجائز نہیں۔ مگر حد سے بڑھ جانا اور آخرت کی نجات کا شخصی طور پر یقینی حکم لگا دینا درست نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ایسے ہی موقع پر وما یدریک ان اللہ اکرمہ (۲) فرمایا تھا۔

(۲) اولیاء کے الہام قطعی نہیں۔ ان میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔ (۳) اور دوسروں کے حق میں ولی کا

۱۔ بخاری، کتاب الادب باب ما یکرہ من التمادح: ۲: ۸۹۵ ط قدیمی و لفظہ : "ولا یزکی علی اللہ احداً"
۲۔ بخاری، کتاب الجنائز باب ما جاء فی الجنائز: ۱: ۱۶۶ ط قدیمی
۳۔ "وما ذکرہ بعض الاولیاء من باب الکرامۃ ... بطریق المکاشفۃ او الالہام او المنام التی ھی ظنیات لاتسمی علوما یقینیات۔" (ملا علی قاری، مرقاۃ کتاب الایمان: ج ۱: ۲۶ ط امدادیہ)

کوئی الہام حجت نہیں۔ خود ملہم اگر یقین رکھتا ہو کہ اس کا فلاں الہام قطعی من اللہ ہے تو وہ خود اس کے موافق عمل کر سکتا ہے۔ مگر اس کے سوا کسی پر لازم نہیں۔ کسی ولی کے کسی خاص الہام پر کسی مسلمان کو ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔(۱)		محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

فصل نہم۔ نذر نیاز اور فاتحہ

۱۔ پیران پیر کی نیاز کے لئے بکرا ذبح کرنے کا حکم .
۲۔ قبروں پر پھول، چادر، شیرینی وغیرہ چڑھانا حرام ہے .

(سوال) یہاں پر دو جماعتوں کے درمیان مسئلہ ہذا کے بارے میں تنازعہ چل رہا ہے۔ ایک فریق کہتا ہے کہ پیران پیر غوث الاعظم جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی نیاز کے لئے بکرا خرید کر ذبح کرنا اور اس کا کھانا جائز ہے۔ دوسرا فریق اس کو حرام ٹھہراتا ہے۔ ایک فریق کا عالم یہ فرماتا ہے کہ کسی بزرگ کی قبر پر پھولوں کی چادر چڑھانا یا چڑھاوے چڑھانا جائز ہے۔ دوسرا فریق اس کو ناجائز ٹھہرتا ہے۔

(المستفتی نمبر ۲۰۰ غلام نبی۔ سوداگر چرم۔ ضلع ستارہ۔ ۲۶ شوال ۱۳۵۲ھ م ۱۱ فروری ۱۹۳۴ء)

(جواب ۲۰۹) اگر بڑے پیر صاحب یا کسی دوسرے بزرگ کو ثواب پہنچانے کیلئے جانور ذبح کر کے اس کا گوشت پکا کر کھلا دیا جائے تو یہ جائز ہے۔(۲) لیکن اگر بکرا ان کے نام پر ذبح کیا جائے یعنی بکرے کی جان ان کے لئے دی جائے تو وہ بکرا حرام ہے، خواہ بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر ہی ذبح کیا جائے۔(۳) پہلی صورت جو جائز ہے اس میں گوشت کا ثواب پہنچانا مقصود ہے اور اس کی شناخت یہ ہے کہ اگر اس کو بکرے کے برابر گوشت دے دیا جائے تو وہ بکرا ذبح کرنے پر اصرار نہ کرے اور دوسری صورت جو حرام ہے اس میں بزرگ کے لئے بکرے کی جان نذر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس لئے وہ شخص بغیر بکرا ذبح کرنے کے مطمئن نہ ہوگا۔ یہ حرام ہے۔ قبروں پر پھول(۴) یا پھولوں کی چادر(۵) یا شیرینی یا اور کوئی چیز چڑھانا حرام(۶) ہے۔		محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

۱۔ "الهام الاولیاء حجة فی حق انفسهم ان وافق الشریعة ولم یتعد الی غیرهم۔" (نور الانوار، مبحث افعال النبی صلعم، ص ۲۱۵، ۲۱۶ ط ایچ ایم سعید)

۲۔ "ان الانسان له ان یجعل ثواب علمه لغیره صلوۃ اوصوماً اوصدقة او غیرها عند اهل السنة والجماعة" (هدایة اولین، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر : ج ۱ ص ۲۹۶) ط شرکة علمیة۔

۳۔ "(ذبح لقدوم الامیر)) ونحوه کواحد من العظماء (یحرم) لانه اهل به لغیر الله (ولو ذکراسم الله تعالی)" (الدر المختار، کتاب الذبائح : ج ۶ ص ۳۰۹ ط سعید)

۴۔ قال العینی فی العمدة : وکذلك مایفعله اکثر الناس من وضعها فیه رطوبة من الریاحین والبقول ونحوها علی القبور لیس بشیئی وانما السنة الغرز۔" (عمدة القاری : ج ۱ ص ۸۷۹) وقال المحدث البنوری فی معارف السنن : "اتفق الخطابی والطرطوشی والقاضی عیاض علی المنع وقولهم اولی بلااتباع حیث اصبح مثل تلك المسامحات والتعللات مثارا للبدع المنکرة والفتن السائرة فتری العامة یلقون الزهور علی القبور وبالاخص علی قبور الصلحاء والاولیاء فالمصلحة العامة فی الشریعة تقتضی منع ذلك بتاتاً استئصالاً لشافة البدع وحسماً لمادة المنکرات المحدثة. وبالجملة هذه بدعة مشرفیه منکرة الخ" (باب التشدید فی البول : ۱/۲۲۵ ط المکتبة البنوریة)

۵۔ "فی الاحکام عن الحجة : تکره الستور علی القبور۔" (رد المحتار : ج ۲ ص ۲۳۸ ط سعید)

۶۔ "واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقرباً الیهم فهو بالاجماع باطل و حرام۔" (در مختار : ج ۲ ص ۴۳۹ ط سعید)

گیارہویں شریف کے کھانے کا حکم

(سوال) گیارہویں شریف کا کھانا علاوہ غرباء و مساکین کے برادری کو بھی کھلایا جاتا ہے۔ کیا برادری کو کھانا جائز ہے؟

(المستفتی نمبر ۵۸ بابو محمد یٰسین خان (شملہ) ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۱۰ اپریل ۱۹۳۴ء)

(جواب ۲۱۰) اگر یہ کھانا بغرض ایصال ثواب کھلایا جاتا ہے تو صرف غرباء و مساکین کو کھلایا جائے کہ صدقات کے وہی مستحق ہیں۔(۱) اور اگر بطور نذر و تقرب الی السید الغوث الاعظم کھلایا جائے تو کسی کو بھی کھانا جائز نہیں۔ کیونکہ نذر لغیر اللہ اور تقرب الی غیر اللہ جائز(۲) ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

۱۔ آنحضرت ﷺ کا کھانے پر سورۂ فاتحہ پڑھنا کسی روایت سے ثابت نہیں۔
۲۔ گیارہویں کا ذکر کتب فقہ میں ہے یا نہیں؟
۳۔ غیر اللہ کے نام کا بکرا ذبح کرنا

(سوال) (۱) حضرت رسول خدا ﷺ نے کھانے پر سورۂ فاتحہ پڑھی ہے یا نہیں۔ یہ ذکر ترمذی شریف باب علامات النبوۃ میں ہے یا نہیں؟

(۲) گیارہویں کا ذکر کتب فقہ میں ہے یا نہیں؟ غیر اللہ کا بکرا مسلمان کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(المستفتی نمبر ۶۳۱ عبدالستار صاحب (ضلع بلاری) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۳۵ء)

(جواب ۲۱۱) (۱) غلط ہے۔ ترمذی شریف میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے۔

(۲) گیارہویں کا ذکر کسی فقہ کی معتبر کتاب میں نہیں ہے۔ غیر اللہ کے نام کا بکرا حرام(۳) ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

۱۔ مراد پوری ہونے پر کسی بزرگ کے مزار پر کھیر پکانے اور کھلانے کا حکم
۲۔ شہداء اور اولیاء کی ارواح کو حاجت روا سمجھنا اور ان کے وسیلے سے مرادیں مانگنا؟
۳۔ کیا مروجہ میلاد میں شریک نہ ہونے والا اور نماز چھوڑنے والا برابر کے گناہ گار ہیں؟
۴۔ نماز عیدین اور دیگر نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے کا حکم؟

(۱) بعد پوری ہونے مراد کے، دودھ، چاول، چینی وغیرہ کسی مزار کے قریب لے جاکر کھیر پکانا اور

---

(۱) "وبهتر آنست که هر چه خواهند خوانده ثواب آن بمیت رسانند وطعام رابه نیت تصدق بفقرا خورانند و ثوابش نیز باموات رسانند." (مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی: ج ا ص ۹۵ ط امجد اکیڈمی لاہور)

(۲) "واعلم ان النذر الذی یقع الاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیهم فهو بالاجماع باطل و حرام." (رد المحتار: ج ۲ ص ۴۳۹ ط سعید)

(۳) "ذبح کردن جانور بنام غیر خدا خواہ پیغمبر باشد خواہ شہید خواہ غیر انسان حرام است واگر بقصد تقرب بنام اینہا ذبح کردہ باشد نعش آن جانور ہم حرام ومردار میشود وذبح کنندہ مرتد میشود توبہ ازیں فعل منع لازم است در تفسیر کبیر ونیشاپوری ودیگر تفاسیر مرقوم است قال العلماء لوان مسلما ذبح ذبیحة وقصد بذبحه التقرب الی غیر الله صار مرتدا وذبیحته ذبیحة مرتد انتهی." (فتاوی عزیزی، مسئلہ ذبح جانور بنام غیر اللہ تعالی: ج ۱ ص ۵۰ ط کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یو۔پی)

صاحب مزار کی نیاز کر کے اپنے احباب کو جمع کر کے وہیں بیٹھ کر کھانا اور کھلانا شرعاً کیسا ہے ؟

(۲) ارواح شہداء و اولیاء کے ساتھ عقیدہ رکھنا کہ دنیا میں بغرض حاجت روائی آتی ہیں اور ان سے توسل سے مرادیں مانگنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) میلاد مروجہ میں شرکت نہ کرنے والا اور تارک الصلوٰۃ یکساں گناہ گار ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟

(۴) نماز عیدین کے بعد معانقہ کرنا یا کسی وقتی نماز کے بعد باخود با مصافحہ کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(المستفتی نمبر ۸۲۴ حبیب اللہ صاحب۔ (ضلع غازی پور) ۸ محرم ۱۳۵۵ھ م یکم اپریل ۱۹۳۶ء)

(جواب ۲۱۲) (۱) منت اگر یہ تھی کہ مراد پوری ہونے پر میں فلاں بزرگ کے مزار پر کھیر پکاؤں گا۔ اور احباب کو کھلاؤں گا تو یہ منت ہی درست نہیں۔ اور اگر یہ تھی کہ فلاں بزرگ کے مزار کے فقراء کو کھلاؤں گا تو یہ منت درست ہے(۱) مگر وہاں جا کر پکانا یا قبر کے پاس لے جا کر تقسیم کرنا ضروری نہیں۔ وہاں کے فقراء کو اپنے گھر بلا کر بھی دے سکتا ہے۔

(۲) ارواح کا دنیا میں حاجت روائی کرنے کے لئے آنا ثابت نہیں۔(۲) حاجت روائی کرنا صرف خدا کی صفت ہے۔

(۳) میلاد مروجہ میں شرکت نہ کرنا گناہ نہیں۔ تارک الصلوٰۃ تو گناہ گار اور مرتکب کبیرہ(۳) ہے۔

(۴) نماز عید کے بعد یا کسی وقتی نماز کے بعد مصافحے کو خصوصیت سے کرنا مکروہ(۴) ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ

پیران پیر کی گیارہویں کرنا کیسا ہے ؟

(سوال) گیارہویں مروجہ جس طرح آج کل لوگ ہر چاند کی گیارہ تاریخ کو پیر صاحب کے نام پڑھتے ہیں، شرع محمدی میں اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں ؟

(المستفتی نمبر ۱۱۸۸ عبدالعزیز صاحب مشین والا (ضلع سیالکوٹ) ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۶ ستمبر ۱۹۳۶ء)

(جواب ۲۱۳) یہ گیارہویں بدعت ہے(۵)۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

۱۔"واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام الی ضرائح الاولیاء الکرام تقرباً الیهم فهو بالاجماع باطل و حرام مالم یقصدوا صرفها للفقراء الانام۔" (الدر المختار: ج ۲ص ۴۳۹ط سعید)

۲۔"ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله واعتقاده ذلک کفر۔" (رد المحتار: ج ۲ص ۴۳۹ط سعید)

۳۔"وتارکها عمداً مجانة ای تکاسلاً فاسق" (الدر المختار: ج ۱ص ۳۵۲ط سعید)

۴۔"ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انه تکره المصافحة بعد اداء الصلاة بکل حال، لان الصحابة رضی الله تعالی عنهم ماصافحوا بعد اداء الصلاة، ولانها من سنن الروافض اھ ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعیة انها بدعة مکروهة لا اصل لها فی الشرع، وانه ینبه فاعلها اولا ویعزر ثانیا ثم قال : وقال ابن الحاج من المالکیة فی المدخل إنها من البدع وموضع المصافحة فی الشرع انما هو عندلقاء المسلم لاخیه لافی ادبار الصلوات فحیث وضعها الشرع یضعها فینهی عن ذلک ویزجر فاعله لما اتی به من خلاف السنة اھ ثم اطال فی ذلک۔" (رد المحتار: ج ۶ص ۳۸۱ط سعید)

(۵) "ومنها وضع الحدود، والتزام الکیفیات والهیئات المعینة، والتزام العبادات المعینة لم یوجد لها ذلک التعیین فی الشریعة"۔ (الاعتصام، الباب الاول فی تعریف البدع: ج ۱ص ۳۹ط دار الفکر بیروت)

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کا حکم .

(سوال) کیا اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے سامنے حلوہ اور میوہ رکھ کر فاتحہ کرنا جائز ہے یا ناجائز ؟ اگر ناجائز ہے تو اس کا سبب بتایئے۔

(المستفتی نمبر ۱۳۵۴ انوار الاسلام (رنگون) ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۵ فروری ۱۹۳۷ء)

(جواب ۲۱۴) کسی بزرگ کے مزار کے سامنے حلوی یا میوہ وغیرہ رکھ کر یا صرف اپنے سامنے کھانا شیرینی وغیرہ رکھ کر فاتحہ دینا صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور اماموں سے ثابت نہیں۔(۱) اس لئے یہ طریقہ اور اس کا التزام شرعی امور میں داخل نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

گیارھویں شریف کی محفل کا انعقاد اور مخصوص طریقے پر فاتحہ دینا بے اصل اور بدعت ہے .

(سوال) ہمارے یہاں شہر میں ماہ ربیع الثانی میں گیارھویں شریف کی محفلیں منعقد ہوا کرتی ہیں۔ اور فاتحہ بھی بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ فاتحہ میں "۱۱" کے عدد کی خصوصیت لازمی ہے۔ گیارہ کوڑی سے لگا کر خواہ کتنی تعداد بڑھادی جائے مگر گیارہ کی تخصیص ضروری ہے۔ اور فاتحہ بھی کوئی خاص ہے جس کو بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ خواندہ لوگوں کو بھی تلاش کرنا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں چھوٹے بچوں کو عورتیں حضرت غوث پاک کے نام کی چاندی کی ہنسلی پہناتی ہیں۔ خیال یہ ہوتا ہے کہ فاتحہ خوانی اور ہنسلی پہنانے کے بعد بچہ حضرت غوث پاک کی حفاظت میں رہتا ہے۔ میں ۱۹۱۴ء میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گنج مراد آبادی سے بیعت حاصل کی انہوں نے مجھے یہ تعلیم فرمایا تھا کہ استغفار ۲۵ بار" درود شریف دس بار" سورہ فاتحہ ایک بار، سورہ اخلاص تین بار پڑھ کر بخشا کرو بروح پاک حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ و نیز اصحاب کبار رضی اللہ تعالیٰ عنھم وجد پیران طریقت وبزرگان دین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم خصوصاً بروح حضرت قبلہ و مولانا فضل الرحمن صاحب قدس اللہ سرہ۔ یہ فاتحہ بعد نماز فجر و مغرب حتی الامکان پڑھتا ہوں۔ ہاں کوئی دن یا تاریخ مقرر کر کے فاتحہ خوانی کا جلسہ میں کرتا ہوں۔ فقرا و مساکین کی خدمت کرتا ہوں اور حتیٰ الامکان اپنے حاجت مند بھائیوں کی بھی خدمت کرتا ہوں۔ اولیائے کرام کے ساتھ مجھے حسن عقیدت ہے۔ اور ان کے طرز عمل پر چلنا نہایت مبارک سمجھتا ہوں۔ اور کسی بزرگ کے نام اگر کسی کھانے کا یا شیرنی کا ثواب پہنچانا ہے تو اس کو کسی غریب کو دے کر اللہ تعالیٰ کے واسطے اس کا ثواب ان بزرگ کو پہنچاتا ہوں۔ اس پر اہل محلہ اکثر مجھ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ خیر ان کی طعنہ زنی سے مجھے کوئی رنج نہیں ہے۔ مگر خیال یہ ہوتا ہے کہ کہیں میرے یہ حرکات اصول شرع کے خلاف تو نہیں ہیں۔ ان معاملات میں کیا کرنا چاہئے۔

۱۔ "ایں طور مخصوص (یعنی فاتحہ مروجہ کہ طعام را روبرو نہادہ دست برداشتہ چیزی خواندن) نہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود و نہ در زمان خلفاء بلکہ وجود آں در قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر اند منقول نہ شدہ ..... و ایں را ضروری دانستن مذموم است۔" (مجموعۃ الفتاوی علی ھامش خلاصۃ الفتاوی: ج ۱ ص ۱۹۵ طا امجد اکیڈمی لاہور)

(المستفتی نمبر ۱۶۰۹ عزیز احمد نذیر احمد صاحبان ۔ سوداگران چوڑی ۔ دیوان (ریاست) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء)

(جواب ۲۱۵) اولیاء اللہ سے خوش عقیدگی اور محبت اور ان کے افعال کی اقتداء بہت مستحسن اور موجب برکت ہے۔ البتہ اس قدر احتیاط لازم ہے کہ جس کو اللہ کا ولی سمجھا ہے، وہ اپنے اعمال اور ارشاد و تعلیم کے لحاظ سے ولی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یعنی اس کے کردار اور اعمال شریعت مطہرہ اسلامیہ کے خلاف نہ ہوں۔ اور وہ متبع شریعت اور سنت نبویہ کا پابند ہو۔(۱) آپ کے مرشد صاحب نے جو آپ کو تعلیم کیا ہے اس کو پڑھنا اور جن بزرگوں کو ثواب بخشنے کے لئے انہوں نے ہدایت کی ہے ان کو ثواب بخشنا صحیح اور درست ہے۔ اسی طرح کسی خاص تاریخ یا دن یا کسی خاص چیز کی تخصیص کئے بغیر اپنی وسعت کے موافق کسی فقیر مسکین کو صدقہ دے کر بزرگوں یا دوستوں یا عزیزوں کو ثواب بخشنا بھی جائز اور مستحسن ہے۔(۲) مگر گیارھویں کی تخصیص اور گیارہ کے عدد کا التزام(۳) اور بڑے پیر صاحب کے نام کی ہنسلی بچوں کو پہنانا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ بچہ بڑے پیر صاحب کی حفاظت میں رہتا ہے، غلط اور گمراہی ہے۔ گیارھویں کی محفلیں منعقد کرنا اور دھوم دھام سے فاتحہ دلانا اور فاتحہ بھی خاص مقرر کرنا کہ اس کے لئے خاص آدمی ہی تلاش کرنا پڑے، یہ سب باتیں بے اصل اور بدعت ہیں (۴) ہر شخص اپنی وسعت کے مطابق کھانا کپڑا نقد یا کوئی جنس صدقہ کر کے یا کوئی بدنی عبادت مثلاً نفل نماز نفلی روزہ تلاوت قرآن مجید وغیرہ ادا کر کے جس کو چاہے ثواب بخش دے۔ کسی مولوی یا پڑھے لکھے آدمی کی تلاش کرنے اور فاتحہ دلوانے کی ضرورت نہیں ۔ بلکہ ایسے لوگوں کی فاتحہ سے جو عوض اور اجرت لے کر فاتحہ پڑھیں ثواب بھی نہیں ہوتا۔ اور نہ پہنچتا ہے۔(۵) اس لئے فاتحہ اور ایصال ثواب کا مروجہ طریقہ ترک کر کے اس سیدھے سادے طریقے سے جو ہم نے بتایا ہے ایصال ثواب کرنا چاہئے کہ ایصال ثواب کا صحیح شرعی طریقہ یہی ہے۔　　　　فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ "الولی ھو العارف باللہ وصفاتہ مایمکن لہ، المواظب علی الطاعات المجتنب عن السیئات المعرض عن الا نہماک فی اللذات والشھوات والملھوات انتھی" (مجموعۃ الفتاویٰ : ج ۴ ص ۵۳۳ ط امجد اکیڈمی لاہور)۔ علامہ شاطبیؒ الاعتصام میں لکھتے ہیں : "وقال ابو الحسن الوراق : لا یصل العبد الی اللہ الا باللہ وبموافقۃ حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شرائعہ ۔ ومن جعل الطریق الی الوصول فی غیر الا قتداء یضل من حیث انہ مھتد ۔ وقال ابو النصراباذی : اصل التصوف ملازمۃ الکتاب و السنۃ، وترک البدع والا ھواء الخ۔" (ج ۱ ص ۹۲، ۹۸ ط دار الفکر بیروت)

۲۔ "الا صل ان الا نسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوٰۃ اوصوماً او صدقۃ او غیر ھا عند اھل السنۃ والجماعۃ" (الھدایۃ باب الحج عن الغیر : ج ۱ ص ۲۹۶ ط شرکۃ علمیۃ ملتان، وکذا فی الشامیۃ : ۲ / ۲۴۳، ۵۹۵ ط سعید کراچی)

۳۔ مقرر کردن روز سوم وغیرہ با تخصیص واو را ضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت نیست" (مجموعۃ الفتاویٰ علیٰ ہامش خلاصۃ الفتاویٰ : ۱ / ۱۹۵ ط امجد اکیڈمی لاہور)

۴۔ "منھا وضع الحدود، والتزام الکیفیات والھیئات المعینۃ والتزام العبادات المعینۃ فی اوقات معینۃ لم یوجد لھا ذلک التعیین فی الشریعۃ۔" (الاعتصام، الباب الاول فی تعریف البدع : ج ۱ ص ۳۹ ط دار الفکر بیروت)

۵۔ وفی کتاب الصلوۃ ، باب الا مامۃ ، مطلب فی امامۃ لا مرد : "بخلاف الا ستئجار علی التلاوۃ المجردۃ وبقیۃ الطاعات مما لا ضرورۃ الیہ فانہ لا یجوز اصلاً." وفی کتاب الا جارۃ، مطلب تحریر مھم فی عدم جواز الا ستئجار علی التلاوۃ الخ: ولا یصح الا ستئجار علی القراءۃ واھدائھا الی المیت ، لا نہ لم ینقل عن احد من الا ئمۃ الا ذن فی ذلک ۔ وقد قال العلماء: ان القاری اذا قرا لا جل المال فلا ثواب لہ فای شیء یھدیہ الی المیت، وانما یصل الی المیت العمل الصالح، والاستئجار علی مجرد التلاوۃ لم یقل بہ احد من الائمۃ۔" (رد المحتار : ج ۱ ص ۵۶۲، ۵۶۳، ج ۶ ص ۵۷ ط سعید)

گیارھویں شریف اور اس کی فاتحہ کو بے بنیاد قصے سے ثابت کرنا درست نہیں .

(سوال) ہمارے ملاقاتیوں میں ایک صاحب ہیں۔انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے وعظ میں سنا ہے کہ حضرت غوث پاک نے فرمایا ہے کہ میں اار بیع الثانی کو مقام "ھو" تک گیا اور پھر واپس آگیا۔اس لئے اس تاریخ مبارک میں جو کوئی گیارہ کے عدد سے میری فاتحہ پڑھے گا وہ بھی اس مقام "ھو" تک جہاں تک میں گیا ہوں پہنچے گا۔ اور لفظ "ھو" کے عدد بھی نکال کر بتائے کہ ہ کے ۵ اور و کے ۶ عدد ہوئے۔اس حساب سے گیارہ کے عدد کی بڑی برکت ہے گیارھویں شریف کا جلسہ یا فاتحہ ۱۱ ہی کو ہونا چاہئے کیا یہ صحیح ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۶۱۰ انذیر احمد عزیز احمد (ریاست ریوان) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۱۶) یہ تمام قصہ اور استدلال کا یہ طریقہ شرعی اصول کے خلاف ہے۔ابجد کے احکام کے لحاظ سے احکام شرعیہ کا ترتب نہیں ہوتا۔لفظ ھو کے گیارہ عدد ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ۱۱ تاریخ کو فاتحہ دینا جائز ہو جائے۔یا کچھ برکت آجائے۔اگر ایسا ہو تو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی اور آنحضرت ﷺ کے اسماء مبارک کے عدد بھی متبرک ہونے چاہئیں۔اور ہر عدد کے مطابق دن تاریخ یا چیزوں کی تعداد معین ہونی چاہئے۔حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

ایصال ثواب جائز اور مستحسن ہے مگر اس کے لئے معروف ایام کی پابندی درست نہیں .

(السوال) زید اپنے شیخ کا ان کے یوم وصال کے روز عرس کرتا ہے ۔ لیکن قوالی یا قبر کو سجدہ اور کوئی ایسا امر نہیں کرتا جو ممنوع ہے۔کچھ قرآن شریف پڑھوا کر اور کسی قدر شرینی وطعام ماحضر کو خالص اللہ کے لئے دینے کی نیت سے اپنے شیخ کو ایصال ثواب کرتا ہے اور پھر شیرینی کو تقسیم کر دیتا ہے۔اور طعام ماحضر کو طالب علموں وغیرہ کو کھلا دیتا ہے۔اور اسی طریق پر گیارھویں وبارھویں تاریخ حضور غوث پاک اور دو جہاں کے آقا محمد ﷺ کے لئے بھی ایصال ثواب ہر ماہ کرتا رہتا ہے۔بکر زید کے اس فعل کو بدعت و گناہ بتلا کر مسلمانوں کو اس سے برگشتہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دن مقرر کرنا بدعت ہے۔اور اس طریق سے ایصال ثواب کرنے سے شیرینی وغیرہ بھی حرام ہو جاتی ہے۔زید جواباً کہتا ہے کہ نہ میں تخصیص یوم کو واجب جانتا ہوں نہ میں غیر اللہ کے نام پر ان کی عبادت کی نیت سے شیرینی دیتا ہوں۔میرا اس میں سے کوئی فعل بھی خراب نہیں۔میرا طریقہ تو وہی ہے جو پچھلے بزرگوں کا رہا ہے۔چنانچہ ابو الخیر صاحب ، شاہ محمد عمر صاحب کرامت اللہ صاحب، شاہ محمد یعقوب صاحب، شاہ عبد الرشید صاحب رحمہم اللہ وغیرہم کو میں نے اپنی آنکھوں سے اس طریق کا کاربند دیکھا۔پس سوال یہ ہے کہ زید کا یہ فعل بدعت ہے یا ناجائز ہے ؟ اگر بدعت ہے تو اس کا اور جن بزرگوں کا وہ حوالہ دیتا ہے ان کا کیا حکم ہے ؟ زید اگر کبھی امامت کرے تو ہم اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور اگر جائز ہے تو بکر کا منہ بند کرنے کے لئے ہمیں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے ؟

(۲) زید سوم چہلم اور مولود شریف مع القیام بھی کرتا ہے۔لیکن اس کے ساتھ ہی جو لوگ یہ فعل نہیں کرتے ان کو بھی برا نہیں کہتا۔البتہ یہ ضرور کہتا ہے کہ میں ایسے لوگوں کو اچھا نہیں جانتا کہ جو ایسے افعال کو

بدعت اور گناہ بتلا کر لاکھوں بزرگوں کو بدعتی جہنمی ٹھہراتے ہیں۔ جو علماء ان افعال پر کاربند رہے ہیں، وہ چونکہ ظاہری و باطنی دونوں علموں میں کامل تھے اس لئے ان میں کسی قسم کی برائی کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بکر ان افعال کو بھی حرام بتلاتا ہے۔ لہذا سوال یہ ہے کہ زید حق پر ہے یا بکر ؟

المستفتی نمبر ۲۳۰۷ حافظ اشرف علی صاحب۔ پہاڑی دھیرج۔ دہلی ۵ جمادی الثانی

(جواب ۲۱۷) ایصال ثواب جائز و مستحسن ہے۔(۱) اس کو کوئی ناجائز اور بدعت نہیں کہتا۔ لیکن ایصال ثواب کے لئے شریعت مقدسہ نے تعیین تاریخ و یوم اور تخصیص اشیاء نہیں کی ہے۔ اس لئے مانعین کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے معین و مخصوص نہیں کیا اسے ہم بھی معین و مخصوص نہ کریں۔ گیارہویں بارہویں سوم دہم چہلم وغیرہ لوگوں نے مقرر کر لیے ہیں۔ ورنہ حضور انور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ سے ان ایام کی تعیین و تخصیص منقول اور مروی نہیں ہے۔ نہ ان بابرکت زمانوں میں یہ نام تھے۔ اور نہ ان زمانوں میں ایصال ثواب کا کوئی اہتمام کیا جاتا تھا۔ جن بزرگوں کے نام سوال میں ذکر کئے گئے ہیں۔ وہ بے شک بزرگ اور صلحاء امت میں سے ہیں۔ مگر اتباع و اقتداء کے لئے آنحضرت ﷺ کا اسوہ حسنہ اور صحابہ کرام اور سلف صالحین کا طریقہ مسلوکہ اولیٰ اور افضل ہے۔(۲)

ان بزرگوں کے اعمال کی ایسی تاویل کرنی لازم ہے کہ ان کا فعل سنت نبویہ علی صاحبہا السلام والتحیۃ کے خلاف قرار نہ پایا جائے۔ ایک صاحب ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام اور سنت نبویہ و اسوہ آنحضرت ﷺ کے اتباع میں کامل نجات ہے۔(۳) پس ایصال ثواب کے لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ صدقات مالیہ کا ثواب پہنچانا ہو تو مال حلال میں سے جس وقت جو چیز میسر ہو اس کو خالصاً للہ کسی مستحق پر صدقہ کر دیا جاوے۔ یا عبادات بدنیہ میں سے کسی چیز کا ثواب پہنچانا ہو مثلاً تلاوت قرآن مجید کا یا نفل نماز کا یا نفلی روزے کا تو اس کو جب موقعہ اور فراغت میسر ہو ادا کیا جائے۔

پس جو شخص کہ ایام کی تخصیص کو شرعی تخصیص نہ سمجھے اور ایام معینہ میں ہی ادا کرے تو اگرچہ اس نے اعتقادی طور پر التزام و تعیین نہیں کی۔ مگر اس کے عمل سے ان بے علم لوگوں کو جو اس تخصیص و تعیین کو شرعی حکم اور لازمی اور ضروری سمجھتے ہیں، التباس پیش آئے گا اور وہ جواز کی محبت پکڑیں گے۔ اس لئے اس کے

۱۔ قال القونوی رحمه الله: "والا صل فی ذلك عند اهل السنة ان للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة اوصوما او حجا او صدقة او غير ها" (ملا علی قاری: شرح كتاب الفقه الا كبر، مسألة فی ان الدعاء للميت ينفع خلافا للمعتزلة: ص ۹۵ ط دار الکتب العلمیہ بیروت)

۲۔ لقوله عليه السلام: خير امتی قرنی ثم الذين يلو نهم ثم الذين يلونهم ثم ان بعد كم قوماً يشهدون ولا يستشهدون ويخونون ولا يؤتمنون وينذرون ولا يفون ويظهر فيهم السمن ۔ (بخاری، کتاب المناقب، باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۱ / ۵۱۵ ط قدیمی)

وقال عليه السلام: فانه من يعش منكم بعدی فسيری اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ و اياكم ومحدثات الا مور فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة ." (ابو داؤد، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة : ۲ / ۲۸۷ ط امداديه ، وترمذی، ابواب العلم ، باب ماجاء فی من دعا الی هدی الخ ۲ / ۹۶ ط سعيد)

۳۔ "تركت فيكم امرين لن تضلوا ماتمسكتم بهما كتاب الله وسنة رسوله ." (مشكوة عن الموطا ، باب الاعتصام بالكتاب والسنة : ج ۱ ص ۳۱ ط سعيد) ولفظ الموطا فی باب النهی عن القول فی القدر : "كتاب الله وسنة نبيه." (ص ۷۰۲ ط مير محمد كراچی)

حق میں بھی بہتر یہی ہے کہ ان ایام معینہ عرفیہ کو چھوڑ کر اور جس دن چاہے کرے۔ رہا وہ کھانا جو صدقہ کی نیت سے دیا جائے وہ حرام نہیں ہو جاتا اگرچہ ایام معینہ عرفیہ میں ہی دیا جائے۔(۱) مگر یہ ضرور ہے کہ وہ فقراء و مساکین کا حق ہے،(۲) خواہ کھانا ہو یا شیرینی یا نقد یا جنس۔ بہر حال نفس ایصال ثواب بدعت نہیں ہے۔ بدعت ان قیود و تعیینات و تخصیصات کو کہا جاتا ہے جو غیر شرعی ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

ا۔ شب برات اور گیارہویں کی نیاز کا حکم
۲۔ کسی مزار پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا۔

(السوال) (۱) شب برات کی نیاز اور گیارہویں کی نیازوں وغیرہ کا کیا مسئلہ ہے۔

(۲) کسی مزار پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے۔

المستفتی نمبر ۷۴۷ محمد صدیق ۔ چتلی قبر۔ (دہلی) ۷ رجب ۱۳۵۵ھ م ۱۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب) (۱) شب برات یعنی شعبان کی پندرھویں رات ایک بابرکت رات ہے۔ اس میں عبادت کرنا اولی اور افضل ہے۔(۳) مگر مروجہ نیاز اور اس کی مروجہ رسوم بے اصل اور بے ثبوت ہیں۔

(۲) مزار پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا مباح ہے۔(۴) مگر بہتر یہ ہے کہ یا تو مزار کی طرف منہ کر کے بغیر ہاتھ اٹھائے فاتحہ پڑھے(۵) یا قبلہ رخ کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھ لے۔ فاتحہ سے مراد یہ ہے کہ ایصال ثواب کی غرض سے کچھ قرآن مجید پڑھ کر اس کا ثواب بخش دے۔ اور میت کے لئے دعائے مغفرت کرے۔ صاحب قبر سے مرادیں مانگنا۔ حاجتیں طلب کرنا یا ان کی منتیں ماننا یہ سب ناجائز ہیں۔(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

تیجہ، چالیسوں وغیرہ سے دوسروں کو روکنا اور خود شرکت کرنے کا حکم

(السوال) زید نے عمر سے پوچھا کہ آیا تم گیارھویں بارھویں کرتے ہو۔ عمر نے کہا کہ ہم سب کچھ کرتے ہیں۔ تم کیا کہتے ہو۔ یہ سن کر زید نے کہا کہ تم حرام کھاتے ہو۔ اس پر عمر نے کہا کہ زبان سنبھالو۔ پہلے تم عمل کرو

۱۔ "اگر کسی این طور مخصوص بعمل آورد آن طعام حرام نمیشود" (مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی : ج ۱ / ۱۹۵ ط امجد اکیڈمی لاهور)

۲۔ "و بہتر آنست کہ ہر چہ خواہند خواندو ثواب آن بمیت رسانند وطعام را بہ نیت تصدق بفقرا خورانند و ثوابش نیز باموات رسانند۔" (حوالہ بالا)

۳۔ قال في الدرالمختار في باب الوتر و النوافل : "ومن المندوبات احياء ليلة العيدين، والنصف من شعبان" (ج ۲ ص ۲۴، ۲۵ ط سعید)

۴۔ "حتى جاء البقيع مقام فاطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات ۔" (مسلم، کتاب الجنائز : ج ۱ ص ۳۱۳ ط قدیمی) وقال الامام نووی : فيه استحباب اطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه ، وفيه ان دعاء القائم اكمل من دعاء الجالس في القبور۔ (حوالہ مذکورہ)

۵۔ تاکہ اہل قبر سے مانگنے کا ایہام نہ ہو۔

۶۔ "دوم آنکہ بالا ستقلال چیزیکہ خصوصیت بجناب الہی دارد مثل دادن فرزند یا بارش باران یا دفع امراض یا طول عمر و مانند این چیزہا بے آنکہ دعا و سوال از جناب الہی در نیت منظور باشد از مخلوقے درخواست نماید این نوع حرام مطلق بلکہ کفر است و اگر از مسلمانان کسے از اولیائے مذہب خود خواہ زندہ باشند یا مردہ این نوع مدد خواہد از دائرہ مسلمانان خارج میشود" (فتاوی عزیزی بیان در شبہات مت پرستان : ج ۱ ص ۴۶ ط کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی)

بعد ازاں دوسروں کو نصیحت کرو۔ خود تمہارا گوشت وخون انہیں کھانوں یعنی گیارھویں، بارھویں، تیجہ، دسواں، بیسواں، چہلم، برسی وغیرہ کے ناجائز کھانوں سے پلا اور پل رہا ہے۔ تم ان ناجائز کھانوں سے پرہیز کرنے والوں پر لعن طعن کرتے ہو چہ خوش! جواب دیا کہ ہم توبہ کر چکے، اب نہیں کھاتے۔ باوجود اتنا کہنے کے دو چار ہی دن میں خود زید مذکور نے ایک ہی روز میں دو جگہ ظہر اور عصر کے درمیان چہلم کی دعوت میں بڑے ملاں بن کر خود فاتحہ خوانی کر کے اس چہلم کے بدعتی کھانے سے پیٹ بھرا اور ڈکارتا ہوا نکلا۔ پھر دوسرے اہل سنت پر بے جا اعتراض کرتا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۹۳۶ حاجی غلام محمد صاحب شوکت۔ مطبع شوکت الاسلام (بنگلور) ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۱۹) تیجہ، دسواں، چالیسواں بطور رسم کے کرنا بدعت ہے کیونکہ شریعت نے ایصال ثواب اور صدقہ وخیرات کے لئے کسی تاریخ کسی دن اور کسی زمانے اور کسی کھانے اور کسی چیز کی تخصیص نہیں کی ہے۔(۱) لیکن کھانا جو بغرض صدقہ وبہ نیت ایصال ثواب پکایا اور کھلایا جائے وہ کھانا ناجائز وحرام نہیں ہے۔(۲) البتہ پیشواؤں کو ایسے اجتماعات میں شرکت سے احتراز کرنا چاہئے۔ تاکہ ان کی شرکت کو ان اجتماعات کے جواز کے لئے بطور دلیل کے پیش نہ کیا جا سکے۔(۳) اور چونکہ یہ کھانا صدقہ کا حکم رکھتا ہے(۴) اس لئے صاحب نصاب کے لئے اس کا اپنے استعمال میں لانا، اصل مقصد کو باطل کر دیتا ہے۔ اور جو شخص کہ دوسروں کو منع کرے اور خود شریک ہو اور فاتح خوانی کرے وہ اتامرون الناس الخ(۵) کے ماتحت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے باوجود بے عملی کا مجرم ہے۔ محمد کفایت اللہ۔

۱۔ ایصال ثواب کے لئے فاتحہ کا مخصوص طریقہ اختیار کرنا
۲۔ میلاد میں قیام کو واجب اور اس کے چھوڑنے والے کو فاسق اور وہابی کہنا
(۳) شب برات فضیلت والی رات ہے

(السوال)(۱) زید کہتا ہے کہ اس صورت سے فاتحہ یعنی ایصال ثواب کرنا چاہئے کہ کسی مقررہ دن میں آگے

۱۔ وفي البزازية ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث وبعدالاسبوع و نقل الطعام الى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن و جمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءة سورة الا نعام او الا خلاص۔" (ردالمحتار، مطلب فی کراہة الضیافة من اهل المیت: ج ۲ ص ۲۴۰ ط سعید)

۲۔ "واگر کسی این طور مخصوص بعمل آورد آن طعام حرام میشود و خوردنش مضائقه نیست واین راضروری دانستن مذموم است۔" (مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی: ج ۱ ص ۱۹۵ ط امجد اکیڈمی لاہور)

۳۔ "الاول. ان يعمل بها الخواص من الناس عموماً، وخاصة العلماء خصوصاً، و تظهر من جهتهم وهذه مفسدة في الاسلام ينشأعنها عادة من جهة العوام استسهالها واستجازتها، لان العالم المنتصب مفتياً للناس بعمله كماهو مفت بقوله. فاذا نظر الناس اليه وهو يعمل بامر هو مخالفة حصل في اعتقاد هم جوازه، ويقولون: لوكان ممنوعاً او مكروهاً لا متنع منه العالم۔ (الاعتصام، فصل فان قیل: اما الابتداع الخ: ج ۲ ص ۹۸ ط دار الفکر بیروت)

۴۔ "وبهتر آنست که هرچه خواهند خوانند وثواب آن میت رسانند وطعام رابه نیت تصدق بفقراء خورانند وثوابش نیز باموات رسانند" مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتاوی: ج ۱ ص ۱۹۵ ط امجد اکیڈمی لاہور)

۵. البقرة: ٤٤

کھانا رکھے اور الحمد اور چاروں قل اور درود شریف پڑھنے کے بعد یہ کہہ کر بخشے کہ ان الحمد اور قل اور درود شریف کا ثواب بنور خدا بطفیل پیغمبر فلاں روح پاک کو پہنچے۔

(۲) اور زید کہتا ہے کہ میلاد میں قیام کرنا واجب ہے اور اس کا تارک فاسق اور وہابی ہے۔

(۳) اور زید کہتا ہے کہ شب برات شب قدر ہے اور اس میں عبادت کرنا ایک ثواب عظیم ہے۔ اور اسی رات کو اللہ تعالیٰ آخری آسمان سے ندا دیتا ہے کہ کوئی ہے مریض جو مجھ سے شفائے امراض طلب کرے، اور کوئی ہے بے روزگار جو روزی طلب کرے۔ غرض اسی قسم سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ندا دیتا ہے۔ اور اسی شب میں موت و حیات کے قصے طے ہوتے ہیں۔ اور بکر کہتا ہے کہ بلا تعیین دن و بلا تعیین طعام اور بلا اس لمبی چوڑی عبادت کے اللہ کے واسطے میت کی طرف سے کسی غریب مسلمان کو کھانا کھلانا چاہئے، اور پڑے دینا چاہئے وغیرہ۔

(۴) اور بکر کہتا ہے کہ قیام میلاد شرک ہے۔ جیسا کہ تمہارا خیال ہے کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لاتے ہیں۔ (۵) اور بکر کہتا ہے کہ اس رات کا شب قدر ہونا یا خدا تعالیٰ کا آخری آسمان سے ندا دینا یہ باتیں ضعیف حدیث سے ثابت ہیں۔ اور اس رات کو اور راتوں کے برابر سمجھو۔ اس کو اہمیت مت دو۔

المستفتی نمبر ۲۰۳۲ صوفی قمر الدین صاحب بہاری (آگرہ) ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۷ انومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۲۰) (۱) ایصال ثواب جائز ہے۔(۱) اس کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ کچھ مال نقد، کھانا، کپڑا یا کوئی اور سامان خالصاً للہ صدقہ کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ اس کا ثواب فلاں شخص کی روح کو پہنچا دیا جائے اسی طرح عبادات بدنیہ کا ثواب بھی پہنچایا جا سکتا ہے کہ نفل نماز پڑھ کر یا نفلی روزہ رکھ کر یا تلاوت قرآن مجید کر کے یہ درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب بخش دیا جائے۔ ایصال ثواب کے لئے کسی خاص دن یا تاریخ یا کسی خاص چیز یا خاص ہیئت یا مخصوص سورتوں کا التزام کر لینا بے ثبوت ہے۔(۲)

(۲) میلاد میں قیام کرنا یعنی ذکر ولادت کے وقت کھڑا ہو جانا بے ثبوت ہے ۔ شریعت میں اس کی اصل نہیں (۳) اس کو واجب بتانے والا خاطی ہے۔ اور اس کے تارک کو فاسق یا وہابی کہنا بڑا گناہ ہے۔

(۳) شعبان کی پندرھویں شب ایک افضل رات ہے اس میں آسمان دنیا پر رحمت خداوندی سے گناہگاروں کی

۱۔ قال فی الشامیة : "صرح علماؤنا فی باب الحج عن الغیر بان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلاة او صوما او صدقة او غیرها كذافی الهداية۔" (ج ۲ ص ۲۴۳، ۵۹۵ ط سعید)

۲۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ایصال ثواب کے بارے میں فرماتے ہیں: "انسان در کار خود مختار است میرسد کہ ثواب خود برائے بزرگان بایمان گرداند لیکن برائے اینکار وقت و روز تعیین نمودن و ماہے مقرر کردن بدعت ست۔ وہر چیز کہ بر آن ترغیب صاحب شرع و تعیین وقت نباشد آن فعل عبث است و مخالف سنت سید الانام و مخالفت سنت حرام است پس ہر گز روا نباشد۔" (فتاویٰ عزیزی، بعام ایصال ثواب : ج ۱ ص ط کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی)

۳۔ نیز جب آپ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں اپنے لئے قیام کو پسند نہیں فرمایا "کانوا اذا راوه لم یقوموا لما یعلمون من كراهيته لذلك ۔" (ترمذی، ابواب الآداب، باب ماجاء فی کراهية قیام الرجل للرجل : ۲ ۱۰۴ ط سعید) تو آپ کی وفات کے بعد قیام کیونکر جائز یا مستحب ہو سکتا ہے جب کہ آپ کا مجلس میلاد میں آنا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں اور نہ آپ کسی کو نظر آتے ہیں۔

معافی کا اعلان ہوتا ہے۔ اور عبادت کرنے والوں کو ثواب زیادہ ملتا ہے۔(۱) اس کی فضیلت کی روایت قابل عمل ہے۔(۲)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کا حکم.

(السوال) کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ و پنج آیت پڑھنا کیسا ہے۔ ہمارے موضع میں دستور ہے کہ پہلے فاتحہ امام مسجد سے دلوا کر آدھا کھانا تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ آدھا دریا یا ندی میں لے جا کر ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ کیسا ہے ؟ اس کو بھید یا اسرار تصور کرنا کیسا ہے۔ شرک تو نہیں ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۳۲۵ حافظ محمد صدیق صاحب (سہارنپور) ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۹ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۲۱) کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کی رسم بے اصل ہے۔(۳) کھانا اللہ کے واسطے کسی مسکین کو دے دیا جائے۔(۴) بس یہی کافی ہے۔ اور جو کچھ پڑھ کر ثواب پہنچانا ہے وہ بغیر کھانا سامنے رکھے ہوئے پڑھ کر ثواب پہنچا دیا جائے۔ آدھا کھانا دریا یا ندی میں ڈالنا ناجائز ہے۔ اور اس کو اسرار سمجھنا غلط ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ شب برات کے موقع پر نیاز فاتحہ کا حکم.
۲۔ میلاد میں ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا کیسا ہے

(السوال) (۱) شب برات کے موقعہ پر نیاز فاتحہ جیسا کہ عموماً رائج ہے کیا ہے۔ فاتحہ کرنے کا کیا طریقہ ہے یا کیونکر ہونا چاہئے۔ (۲) میلاد شریف میں وقت ذکر ولادت شریف آنحضرت ﷺ قیام کرنا کیسا ہے۔ آیا درست ہے یا نادرست ہے۔

المستفتی نمبر ۲۴۰۴ نبی یار خان (فیض آباد) ۳ رجب ۱۳۵۷ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۲۲) (۱) شب برات کے موقعہ پر نیاز فاتحہ جو عموماً رائج ہے کہ حلوا پکا کر اس پر نیاز فاتحہ ضروری سمجھتے ہیں یہ بے اصل ہے۔ شریعت مقدسہ میں اس کی کوئی سند نہیں ہے۔

....

۱۔ "ومن المندوبات احیاء لیالی العشر من رمضان ولیلتی العیدین وعشر ذی الحجة و لیلة النصف من شعبان۔" (فتح المعین علی شرح الکنز لملا مسکین، باب الوتر والنوافل : ج ا ص ۲۵۴ ط سعید)۔

۲۔ شیخ علامہ عبدالرحمن مبارک پوری اپنی کتاب "تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی" میں شب برات کی فضیلت پر متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں : "فهذه الاحادیث بمجموعها حجة علی من زعم انه لم یثبت فی فضیلة لیلة النصف من شعبان شیء۔" (ابواب الصوم، باب ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان : ج ۳ ص ۴۴۲ الناشر محمد عبدالمحسن الکتبی صاحب المکتبۃ السلفیۃ بالمدینۃ المنورۃ)

۳۔ "ایں طور مخصوص (یعنی طعام را روبرو نہادہ دست بر داشتہ چیزی خواندن) نہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بودونہ در زمان خلفا بلکہ وجود آں در قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر منقول نہ شدہ واین را ضروری دانستن مذموم است۔" (مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ : ج ا ص ۱۹۵ ط امجد اکیڈمی لاہور)

۴۔ "وبہتر آنست کہ ہرچہ خواہند خوانند وثواب آں بمیت رسانند وطعام را بہ نیت تصدیق بفقرا خورانند وثوابش نیز باموات رسانند۔" (حوالہ بالا)

(۲) میلاد میں ذکر ولادت کے وقت قیام کرنے کی کوئی سند نہیں۔ اس لئے یہ قیام ترک کرنا چاہئے(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

ایصال ثواب کے لئے جمع ہونے والوں کو کھانا کھلانے کا حکم .

(السوال) اس قصبے میں ایک شخص سال بھر میں چند مرتبہ حسب اتفاق اپنے شیخ کی روح کو ایصال ثواب، کھانا کھلا کر قرآن شریف وکلمہ طیبہ پڑھوا کر کرتا ہے۔ تعین تاریخ وماہ نہ عقیدۃ ضروری سمجھتا ہے اور نہ عمل ہی میں اس نے تاریخ وماہ کا التزام کیا ہے۔ بلکہ جب اس کو استطاعت و توفیق ہوتی ہے نمازی و نیک لوگوں کو بلا کر خواندہ حضرات سے قرآن شریف اور ناخواندہ لوگوں سے کلمہ طیبہ پڑھواتا ہے۔ اس کا یہ عمل دس سال سے ہے اور چند سال تک ایصال ثواب میں کھانا کھلاتا رہا۔ حاضرین میں اہل علم وذکر ہونے کی وجہ سے اس مجلس میں علمی مذاکرہ و علماء وصلحاء امت کے احوال، اللہ کی یاد تازہ کرنے والی حکایات ہوتی تھیں۔ اس فرصت احباب سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے خیال کیا گیا کہ اگر اس موقعہ پر کچھ قرآن اور کلمہ خوانی ہو جایا کرے تو ہم خرما وہم ثواب کا مضمون ہو۔

چنانچہ سال بعد تلاوت وکلمہ خوانی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ پنج آیت یا دیگر کسی مخصوص سورت کی تلاوت یا کھانے پر ایصال مروجہ یہاں مطلقاً نہیں اور نہ شخص مذکور ان چیزوں کو جائز سمجھتا ہے۔ وہ نہایت راسخ العقیدہ متبع سنت بزرگان امت کی صحبت سے فیض یافتہ ہے۔ اس کے شیخ نہایت عابد و زاہد حامی سنت ماحی بدعت اور مقبول خلائق ولی تھے۔ موافق و مخالف ان کے تقدس کے قائل ہیں۔ اطراف میں ان کے مریدین و معتقدین کی کافی تعداد ہے۔ مدعوئین اپنے شیخ کے ایصال ثواب کو باعث خیر وبرکت سمجھتے ہوئے شریک ہوتے ہیں۔ یہ طعام قرآن خوانی کی اجرت میں یا قرآن خوانی طعام کے لالچ میں نہیں ہے۔ یہ بات اول تو ابتدائے معمول پر نظر کرنے سے معلوم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ شروع میں صرف طعام سے ایصال ہوتا تھا۔ فرصت احباب کو غنیمت سمجھتے ہوئے قرآن خوانی جاری کی گئی۔ ثانیاً مجلس کے طرز وہیئت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قرآنی خوانی میں اجرت کا شائبہ نہیں ہے۔ حاضرین میں ایسے متورع اور مقدس لوگ ہوتے ہیں جو اس سے بالا ہیں کہ اجرت پر کہیں قرآن خوانی کرنے جائیں۔ انہیں حاضرین میں شیخ کے مرید باہر سے خرچ کرکے اس ایصال میں شرکت کے لئے آتے ہیں۔ اجرت کے شائبہ کی نسبت بھی ان کی طرف بعید ہے۔ ان کا صرف شدہ خرچ اس حاصل شدہ اجرت یعنی طعام سے یقیناً زیادہ ہوتا ہے۔ پھر ان پڑھنے والوں میں کتنے ہی آدمی طعام میں شریک نہیں ہوتے اور کتنے ہی کھانے والے ایسے ہوتے ہیں جن کو پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوتا۔ اس جز کو

۱۔ عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال : "لم یکن شخص احب الیہم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا راوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذلک (ترمذی : ۲ : ۱۰۴ ط سعید)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اپنے لئے قیام کو پسند نہ کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم باوجودیکہ ان کو آپ سے انتہائی محبت تھی قیام نہ کرتے تھے۔ تو پھر آج جب کہ آپ کا کسی مجلس میلاد میں آنا کسی شرعی دلیل سے ثابت ہی نہیں اور نہ کسی کو نظر آتے ہیں تو پھر کس طرح قیام کرنا جائز اور مستحب قرار دیا جا سکتا ہے۔

خاص طور پر اس لئے صاف کیا گیا کہ جناب والا کا ایک فتویٰ یہاں پیش کیا جارہا ہے جس میں کہ تلاوت کی اجرت میں طعام ہونے کے شائبہ پر اس کو ناجائز تحریر فرمایا ہے۔

فی زمانہ درس قرآن درس حدیث وفقہ امامت وافتاء وغیرہ کتنی چیزیں ہیں جن میں کہ اجرت کا شائبہ نہیں بلکہ تیقن ہے۔ اور جو مجبوری واضطرار کی حد سے متجاوز بھی اجرت پر کرائی جارہی ہیں۔ اس صورت میں کھلانے اور کھانے والوں کی نیت کا علم ہوئے بغیر محض شبہ میں حرمت کا حکم بعید معلوم ہوتا ہے۔ جو استفتا یہاں سے بھیجا گیا تھا اور جس پر آپ نے اجرت کا شائبہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہونے کا حکم تحریر فرمایا تھا اور اس میں واقعات کو اصلی حالت میں نہیں دکھلایا گیا۔ عریضہ ہذا میں حالات کو صحیح طور پر دکھایا گیا ہے۔ بہر حال مذکورہ بالا صورت میں جو حکم کہ جناب والا کی رائے عالی میں ہو تحریر فرمائیں۔ بنظر سہولت آپ کے اس فتویٰ مذکور کی (جو اتفاق سے مجھ تک پہنچ گیا ہے) نقل بھیجتا ہوں۔ اور ایک نقل حضرت مرجع عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کی بھیجتا ہوں جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شائبہ اجرت لگائے بغیر جواز وعدم جواز کی صورتیں صاف طور سے تحریر فرمائی ہیں۔

نقل فتویٰ علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب

(سوال) ایک صوفی شرع صاحب، حال اپنے پیشوایان شریعت وطریقت کو دوسرے تیسرے ماہ ثواب رسانی کی غرض سے کلام مجید وفرقان حمید اور کلمہ طیبہ سوا لاکھ مرتبہ کا وظیفہ کراتا ہے اور قرآن خوانی اور کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کو کھانا لوجہ اللہ تعالیٰ کھلاتا ہے لیکن ان امور کو واجب اور فرض بھی نہیں سمجھتا محض فعل مشائخ خیال کرتا ہے۔ دوسرے لوگ مکروہ بدعت اور ناجائز کہتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ فعل مشائخ نے کبھی نہیں کیا۔ لہذا یہ جائز ہے یا مکروہ یا بدعت؟ بینوا توجروا ۱۵ اپریل ۳۹ء

(جواب ۲۲۳) قرآن پڑھنے والوں کو اور کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کو کھانا کھلانا اجرت کا شائبہ رکھتا ہے۔ اس لئے ایسا کرنا جائز نہیں(۱) کیونکہ تلاوت اور کلمہ خوانی کی اجرت لینا دینا جائز نہیں۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ "وقد رده الشيخ خير الدين الرملي في حاشية البحر في كتاب الوقف حيث قال : اقول المفتى به جواز الا خذ استحسانا على تعليم القرآن لا على القراء ة المجردة كما صرح به في التاتارخانية حيث قال : لا معين لهذه الوصية ولصلة القارى بقراء ته لان هذا بمنزلة الا جرة و الا جارة في ذلك باطلة وهي بدعة ولم يفعلها احدٌ من الخلفاء...... وقال في الو لوا لجية ما نصه : ولو زار قبر صديق او قريب له و قرا عنده شيئاً من القرآن فهو حسن ، اما الوصية بذلك فلا معنى لها ولا معنى ايضا لصلة القارى ، لان ذلك يشبه استنجاره على قراء ة القرآن و ذلك باطل ولم يفعل ذلك احدمن الخلفاء ا ه" (رد المحتار ج ۶ ص ۵۶ طبع سعید)

۲۔ قال تاج الشريعة في شرح الهداية : ان القرآن بالا جرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ . وقال العيني في شرح الهداية : ويمنع القارى للدنيا ، والآخذ و المعطى آثمان۔" (رد المحتار ج ۶ ص ۵۶ طبع سعید)

نقل فتوی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ از فتاویٰ رشیدیہ

حضرت گنگوہی کے فتویٰ کی وضاحت اور سوال مذکور کا مکرر جواب۔

(سوال) اٹھارواں۔ ہر سال اپنے پیر یا استاد کی برسی کرے۔ یعنی جب سال بھر مرے ہوئے ہو جائے تو ایک دن مقرر کر کے اس روز کا نام عرس شریف رکھتے ہیں اور اس دن کھانا پکا کر تقسیم کرا دے۔ مساکین کو اور ختم کرے پنج آیت قرآنی کا تو یہ صوفیائے کرام کے یہاں اور ہماری شریعت میں کیا حکم ہے۔ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(جواب) کھانا تاریخ معین پر کھلانا کہ پس و پیش نہ ہو بدعت ہے(۱) اگرچہ ثواب پہنچے گا۔ اور طریقہ معینہ عرس کا، طریقہ سنت کے خلاف ہے۔ لہذا بدعت ہے۔(۲) اور بلا تعین کر دینا درست۔(۳) فقط انتہی فتاویٰ رشیدیہ ص ۸۰ مطبوعہ شمس المطابع۔ مراد آباد جلد اول۔

المستفتی نمبر ۲۴۸۹ عبداللہ خاں صاحب (بجنور) ۹ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ م ۳۰ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۲٤) حضرت اقدس محدث گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے سامنے جو سوال پیش کیا گیا تھا۔ اس میں تعین یوم کا ذکر تھا اور قرآن خوانی یا کلمہ خوانی کا مطلقاً ذکر نہ تھا۔ صرف ایک معین تاریخ پر بغرض ایصال ثواب کھانا کھلانے کے متعلق سوال تھا۔ حضرت اقدس کا جواب بالکل صحیح ہے کہ کھانا کھلانا بتعیین تاریخ بدعت ہے۔ بغیر تعین تاریخ (اور بغیر قرآن خوانی و کلمہ خوانی) ہو تو درست ہے۔ میرے سامنے جو سوال آیا اس میں تعین یوم و تاریخ کا ذکر نہ تھا۔ یہ پوچھا گیا تھا کہ یہ قرآن مجید اور کلمہ پڑھوا کر پڑھنے والوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے اس میں اجرت کا شائبہ ہونا ظاہر ہے۔ اس لئے میں نے اپنے جواب میں اس کی تصریح کر دی اور اب مزید تفصیل مندرجہ سوال سے اتنا اور معلوم ہوا کہ اس مجلس کا اس قدر اہتمام کیا جاتا ہے کہ دور دور سے لوگ کرایہ خرچ کر کے آتے ہیں اور شریک مجلس ہوتے ہیں۔ یہ وجہ بھی اس مجلس کی کراہت اور بدعت کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ ایصال ثواب کی مجلس کا یہ اہتمام قرون ثلثہ میں نہ تھا اور نہ اس کی کوئی اصل ہے۔ جو لوگ سفر کر کے آتے ہیں وہ بغیر سفر کئے اور بغیر خرچ کئے اپنے گھروں پر قرآن مجید اور کلمہ پڑھ کر ایصال ثواب کر سکتے ہیں۔ اور یہ کھانا اگر ایصال ثواب اور صدقہ کی نیت سے کھلایا جاتا ہے تو کیا اس میں کوئی مالک نصاب شریک

۱۔ "مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص واورا ضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت نیست" (مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۹۵ امجد اکیڈمی لاہور)۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی در فتاویٰ عزیزی می فرمایند "انسان در کار خود مختار است میرسد کہ ثواب خود را بہ بزرگان بایمان نرواند لیکن برائے اینکار وقت دروز تعیین نمودن دماہے مقرر کردن بدعت ست" (عنوان طعام ایصال ثواب: ج ۱ ص ۹۷ ط کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی)

۲۔ "لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج و المساجد الیها ومن الاجتماع بعد الحول کالا عیاد ویسمونه عرسا" (قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، آل عمران تفسیر آیت ۶۴ فائدہ ثانیہ: ج ۲ ص ۶۵ ط حافظ کتب خانہ مسجد روڈ کوئٹہ)

۳۔ بشرطیکہ خلاف شرع امور کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

نہیں ہوتا صرف فقراء و مساکین ہی کھاتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ایصال ثواب کے پردہ میں ایک جدید رسم کی ایجاد ہے۔ **ولا نجاۃ الا فی اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابہ** محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

چہلم اور کھانے پر فاتحہ دلانا بدعت ہے

(السوال) متعلقہ چہلم وغیرہ

(جواب ۲۲۵) چہلم (۱) اور مروجہ دودھ پر یا کھانے پر فاتحہ (۲) دلانا بے اصل بدعت ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

بزرگان دین کی قبروں پر چادریں چڑھانا، عرس منانا اور ان کو حاجت روا سمجھنا ناجائز ہے؟

(سوال) قبور بزرگان دین پر غلاف بہ آرائش چڑھانا اور ایک دن مقرر کر کے سال بہ سال میلہ کرنا یا سوا خدا کے دلی مراد ان سے طلب کرنا جائز ہے یا نہیں۔

(جواب ۲۲۶) بزرگان دین کی قبروں پر غلاف چڑھانا (۳) اور میلے کرنا (۴) یا ان سے اپنی مرادیں مانگنا ناجائز ہے۔ (۵) جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ سخت گنہگار ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے مراد پوری کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اور اس کے سوا کسی دوسرے کو حاجت روا سمجھنا شرک ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح احقر مظہر الدین غفر لہ

۱۔ "از عادات شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتم ہا و سویم و چہلم و ششماہی و فاتحہ سالینہ و ایں ہمہ را در عرب اول وجود نبود مصلحت آں است کہ غیر تعزیت وارثان میت تا سہ روز و اطعام ایشاں یک شبانہ روز رسمے نباشد۔" (شاہ ولی اللہ، المقالۃ الوضیہ فی النصیحۃ والوصیہ در کتاب مجموعہ وصایا اربعہ مرتب و مترجم محمد ایوب قادری : ص ۵۳ ط شاہ ولی اللہ اکیڈمی۔ صدر، حیدر آباد پاکستان سن طباعت ۱۹۶۴ء)

مولانا عبدالحی لکھنوی مجموعۃ الفتاویٰ میں لکھتے ہیں : "شیخ عبدالحق محدث دہلوی در جامع البرکات مے نویسد و آنکہ بعد سالے یا ششماہی یا چہل روز دریں دیار پزند و در میان برادران بخشش کنند و آں را بھاجی میگویند چیزے داخل اعتبار نیست بہتر آنست کہ نہ خورند" (مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ : ج ۱ ص ۱۹۵ ط امجد اکیڈمی لاہور)

۲۔ "فاتحہ مروجہ (یعنی طعام را روبرو نہادہ دست برداشتہ چیزی خواندن) ایں طور مخصوص نہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود نہ در زمان خلفا بلکہ وجود آں در قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر اند منقول نشدہ۔" (مجموعۃ الفتاوی علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ حوالہ بالا)

۳۔ قال فی الشامیۃ : "فی الاحکام عن الحجۃ : تکرہ الستور علی القبور اھ" (۲ / ۲۳۸ ط سعید)

٤. " لا تجعل قبری عیداً " (ابو داؤد ، کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور : ۱ / ۲۸۶ ط امدادیہ ملتان) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں : لا تجعلوا زیارۃ قبری عیداً اقول ھذا اشارۃ الی سد مدخل التحریف کما فعل الیھود و النصاری بقبور انبیاء ھم وجعلو ھا عیداً او موسما بمنزلۃ الحج" (حجۃ اللہ البالغہ ، مبحث فی الاذکار وما یتعلق بھا : ج ۲ ص ۷۷ ط المکتبۃ السلفیۃ لاھور)۔ نیز تفہیمات الٰہیہ میں لکھتے ہیں : "ومن اعظم البدع مااخترعوا فی امر القبور واتخذوھا عیداً ." (ج ۲ ص ٦٤)

۵۔ "دوم آنکہ بالا ستقلال چیزیکہ خصوصیت بجناب الٰہی دارد مثل دادن فرزند یا بارش باران یا دفع امراض یا طول عمر و مانند ایں چیز بے سبب آنکہ دعا و سوال از جناب الٰہی در نیت منظور باشد از مخلوقے درخواست نماید ایں نوع حرام مطلق بلکہ کفر است۔ واگر از مسلمانان کسے از اولیائے مذہب خود خواہ زندہ باشند یا مردہ ایں نوع مدد خواہد از دائرہ مسلمانان خارج میشود۔" (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ، فتاوی عزیزی، بیان در تشبہات بت پرستان : ج ۱ ص ۴۶ ط کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی)

فصل دہم
مسئلہ سجدہ تعظیمی

۱۔ سجدہ تعظیمی کا حکم۔
۲۔ کسی بزرگ کے ہاتھوں کو بوسہ دینا اور اس کے گھٹنے کو ہاتھ لگانے کا حکم۔
۳۔ علی بخش، رسول بخش، نام رکھنا اور یا رسول اللہ کہنے کا حکم؟

(سوال) (۱) سجدہ تعظیمی کا حکم کیا ہے؟ (۲) کسی بزرگ کے ہاتھ کو بوسہ دینا اور گھٹنے کو ہاتھ لگانا کیسا ہے جب کہ اس کے لئے جھکنا بھی پڑتا ہے۔ (۳) علی بخش، رسول بخش، پیر بخش نام رکھنے اور یا رسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۱۱ ظفر علی قریشی صاحب۔ امرتسر) ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۲۰ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۲۷) (۱) سجدہ تعظیمی غیر اللہ کو حرام ہے۔ اور بہ نیت عبادت ہو تو کفر ہے۔(۱) (۲) کسی بزرگ کے ہاتھ کو بوسہ دینا جائز ہے(۲) اور اس کے گھٹنے کو ہاتھ لگانا مباح ہے۔ ان دونوں صورتوں میں جو جھکنا پڑتا ہے، وہ بضرورت ہوتا ہے۔ اس جھکنے سے تعظیم مقصود نہیں ہوتی۔ ہاں قصداً تعظیم کی غرض سے جھکنا کہ رکوع کی حد تک پہنچ جائے حرام ہے۔(۳) (۳) علی بخش، پیر بخش، رسول بخش نام رکھنا اچھا نہیں ہے کہ اس میں شرک کا شائبہ اور ایہام ہے۔(۴) اسی طرح صلوۃ و سلام کے علاوہ یا رسول اللہ کہنا اور یہ سمجھنا کہ فرشتے حضور کو صلوۃ و سلام پہنچا دیتے ہیں، جائز ہے۔(۵)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

قبر کے سامنے سجدہ تعظیمی یا سجدہ عبادت کا حکم

(از اخبار الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) زید کہتا ہے کہ قبر کو سجدہ تعظیمی کرنا حرام ہے اور سجدہ عبادت کفر ہے۔ مگر سجدہ تعظیمی سے کفر لازم نہیں۔ یعنی سجدہ تعظیمی کے کرنے والے کو کافر نہیں کہنا چاہئے۔ البتہ مرتکب فعل حرام کا ہے۔

۱۔ "وكذا مايفعلونه من تقبيل الارض بين يدى العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضى به آثمان لانه يشبه عبادة الوثن . وهل يكفر ان على وجه العبادة والتعظيم كفر وان على وجه التحية لا وصار آثما مرتكبا للكبيرة . وفي الملتقط التواضع لغير الله حرام۔" (التنویر مع الدر : ۶ ۳۸۳، ۳۸۴ ط سعید)

۲۔ "ولا بأس بتقبيل يد الرجل العالم والمتورع على سبيل التبرك درر۔" (تنویر الابصار مع در مختار : ۶ ۳۸۳ ط سعید)

۳۔ "وفي الزاهدى الايماء في السلام الى قريب الركوع كالسجود . وفي المحيط انه يكره الانحناء للسلطان وغيره اه" (رد المحتار : ج ۶ ص ۳۸۳ ط سعید)

۴۔ "ہمچو اسم کہ ایہام مذموم غیر مشروع سازد احتراز لازم ہمین سبب علماء از تسمیہ عبد النبی وغیرہ منع ساختہ اند۔" (مجموعۃ الفتاوی علی حاشیۃ خلاصۃ الفتاوی : ج ۴ ص ۳۴۷ ط امجد اکیڈمی لاہور)

۵۔ "ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني من امتي السلام۔" (نسائی، کتاب الصلوۃ، باب التسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱ ۱۴۳ ط سعید)

(جواب ۲۲۸) زید کا یہ کہنا کہ "قبر کو سجدہ تعظیمی کرنا حرام اور سجدہ عبادت کرنا کفر ہے" صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ تعظیم کے ارادے سے سجدہ کرنا اور عبادت کی نیت سے سجدہ کرنا ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ اور عوام ان دونوں باتوں میں کوئی صحیح فرق نہیں کر سکتے۔ نہ سمجھ سکتے ہیں۔ اس قائل کو بھی دھوکہ لگا ہے۔ شاید یہ سجدہ تحیۃ کو سجدہ تعظیمی کے لفظ سے تعبیر کر رہا ہے۔ سجدہ تحیۃ البتہ باعتبار اپنے مفہوم کے سجدہ عبادت سے جدا گانہ شے ہے۔ لیکن عوام کے مناسب حال یہی ہے کہ ان کو مطلقاً سجدہ لغیر اللہ کا شرک ہونا سمجھایا جائے۔ تاکہ احتراز کامل کی ان سے امید ہو۔ باقی رہا کسی سجدہ تحیۃ کے کرنے والے پر مشرک کا حکم لگانا تو اس میں احتیاط کرنا مفتی کا کام ہے۔ والتواضع لغیرالله حرام كذافي الملتقط (ھندیہ(۱) ص ۴۰۴ ج ۵) وان سجد للسلطان بنية العبادة اولم تحضره النية فقد كفر كذافي جواهر الاخلاطي (ھندیہ(۲) ص ۴۰۴ ج ۵) وكذاما يفعلونه من تقبيل الارض بين يدى العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضي به اثمان لانه يشبه عبادة الوثن وهل يكفران على وجه العبادة والتعظيم كفروان على وجه التحية لا وصار اثما مرتكبا للكبيرة وفي الملتقط التواضع لغيرالله حرام (درمختار(۳) ص ۲۶۸ ج ۵)

محمد کفایت اللہ غفر لہ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

مرشد یا والدین کو سجدہ تعظیمی کرنا جائز نہیں .

(از اخبار الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۲۸ء)

(سوال) مرشد کو اور ماں باپ کو سجدہ تعظیمی کرنا کیسا ہے ؟

(جواب ۲۲۹) سجدہ تعظیمی اور سجدہ عبادت ایک چیز ہے۔ اور سجدہ تحیۃ دوسرا ہے۔ سجدہ تعظیم اور سجدہ عبادت غیر اللہ کے لئے موجب کفر ہے۔ کیونکہ غیر اللہ کی تعظیم سجدہ کے ساتھ کرنا اور اس کی عبادت سجدہ کے ساتھ کرنا دونوں کا منشا ایک ہے۔ ہاں سجدہ تحیۃ میں مقصد جداگانہ ہوتا ہے۔ تحیت کے معنی اور ہیں کہ اپنے ملنے والے کو ملاقات کے وقت کوئی ایسا لفظ کہنا یا ایسا کام کرنا جو تہذیب ملاقات اور ملنے والے کی خوشنودی کا باعث ہو تحیۃ کہلاتا ہے۔ تحیۃ کے لئے ضروری نہیں کہ ملنے والا بڑا ہو بلکہ برابر درجے والے اور چھوٹے بڑے سب تحیۃ کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور تحیۃ کا معاملہ سب کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے صاحبزادوں کا سجدہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے سجدہ تعظیم نہ تھا بلکہ سجدہ تحیۃ تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں ملاقات کے وقت تحیۃ کا یہ طریقہ رائج اور شریعت حاضرہ میں جائز تھا۔(۴) قرآن پاک میں ملائکہ کا سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی تحیۃ تھا۔(۵) یہ دونوں سجدے (فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ۔ اور

۱۔ کتاب الکراھیۃ، الباب الثامن والعشرون ج ۵ ص ۳۶۸ ط ماجدیہ کوئٹہ۔
۲۔ عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، الباب الثامن والعشرون ج ۵ ص ۳۶۹ ط ماجدیہ کوئٹہ۔
۳۔ درمختار : ۶ / ۳۸۴، ۳۸۳ ط سعید۔
۴۔ "لم يكن عبادةً له بل تحية واكراما ، ولذا امتنع عنه ابليس وكان جائزا فيما مضى كما في قصة يوسف" (ردالمحتار : ۶ / ۳۸۴ ط سعید)
۵۔ "اختلفوا في سجود الملائكة قيل كان لله تعالىٰ والتوجه الى آدم للتشريف وقيل بل لآدم على وجه التحية والاكرام ثم نسخ، والصحيح الثاني ولم يكن عبادة له بل تحية واكراما۔" (ردالمحتار : ۶ / ۳۸۴، ۳۸۳ ط سعید)

حضرت یعقوب علیہ السلام اور بھائیوں یا صرف بھائیوں کا سجدہ حضرت یوسف علیہ السلام کو) سجدہ تحیۃ تھے اور جائز تھے۔ حضرت حق تعالیٰ نے نقل فرمائے ہیں۔ اور شرائع سابقہ کے احکام جو قرآن پاک یا حدیث میں نقل کئے جائیں شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس وقت حجت اور قابل عمل ہوتے ہیں۔ جب شریعت محمدیہ میں ان کے خلاف احکام موجود نہ ہوں۔ اگر شریعت محمدیہ میں ان کے خلاف احکام موجود ہوں تو شرائع ماقبل کے احکام حجت نہیں ہوتے۔

اب شریعت محمدیہ کا حکم یہ ہے کہ سجدہ تعظیمی یعنی سجدہ عبادت غیر اللہ کے لئے اتفاقاً کفر ہے(۱) اور سجدہ تحیۃ غیر اللہ کے لئے حرام ہے۔(۲) اور اس کے جواز کی کوئی دلیل نہیں۔ جو لوگ کہ قرآن مجید میں ذکر کئے ہوئے سجدوں سے شریعت محمدیہ میں سجدہ تحیت کے جواز پر استدلال کرتے ہیں وہ قانون استدلال واحتجاج سے ناواقف ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔"إن علی وجه العبادة والتعظیم کفر . وقال شمس الائمة السرخسی : ان کان لغیر الله علی وجه التعظیم کفر اه قال القهستانی : وفی الظهیریة یکفر بالسجدة مطلقاً۔"(درمختار مع ردالمحتار: ج۶ص ۳۸۳ط سعید)

۲۔"وان علی وجه التحیة لا وصار آثما مرتکباً للکبیرة۔"(درمختار: ۶/ ۳۸۳ط سعید)

نواں باب

بدعات اور اقسام شرک

اہل بدعت کے ساتھ میل جول رکھنا کیسا ہے ؟

(سوال) بدعتیوں کے یہاں کھانا جائز ہے یا نہیں اور ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۷۰۷ عبدالستار (گیا)

(جواب ۲۳۰) اہل بدعت سے خلا ملا رکھنا اچھا نہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ مجالس تعزیہ منعقد کرنے والے کے ایمان اور امامت کا حکم .
۲۔ مولود شریف منانا اور اس میں قیام کرنا بے اصل ہے .

(سوال) تعزیہ داری کرنے والا شخص جو شیعوں کی طرح تعزیہ داری کرتا ہے اور تعزیہ کی مجالس منعقد کرتا ہے اس میں میر انیس و دبیر و دیگر شعرائے کذاب کی غزلیں و نوحے گاتا اور سنتا ہے۔ علم چڑھاتا ہے منت مانتا ہے۔ اور منت تعزیہ کی رکھتا ہے ، مسلمان کہلا سکتا ہے یا مشرک ہے۔ اس کی امامت جائز ہے یا نہیں۔

(۲) مولود شریف جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو اس کا طریقہ کیا ہے ؟ قیام کرنا کیسا ہے ؟

المستفتی نمبر ۳۴ نذیر احمد۔ ضلع بلیا۔ ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ م ۴ ستمبر ۱۹۲۳ء

جواب ۲۳۱) (۱) ایسا شخص گناہگار ہے۔ مشرک ہونے کا بھی خوف ہے۔ اس کی امامت بھی مکروہ ہے(۲)۔

(۲) حضور انور ﷺ کے حالات مبارکہ بیان کرنا تو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔ مگر موجودہ مجالس میلاد بہت سے امور منکرہ پر شامل ہونے کی وجہ سے غیر شرعی ہیں۔(۳) قیام جو مخصوص ذکر ولادت کے موقع پر کیا جاتا ہے ، بے اصل ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار (ھود : ۱۱۳) وعن الحسن : "لا تجالس صاحب بدعة فانه یمرض قلبك." (الا عتصام، الوجه الثالث من النقل الخ، ومما جاء عمن بعد الصحابة رضی الله تعالی عنهم : ج ۱ ص ۸۳ ط دار الفکر بیروت)

(۲) ویکرہ امامۃ فاسق ومبتدع ای صاحب بدعۃ الخ (تنویر الابصار مع در مختار ج ۱ ص ۵۵۹، ۵۶۰ ط سعید)

(۳) لہذا ایسی مجالس میں شرکت کرنا اور انکا قائم کرنا دونوں ناجائز ہیں۔

(۴) یعنی اس پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں ہے۔ بلکہ آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں کبھی اپنے لئے قیام کو پسند نہیں فرمایا تو آپ کی وفات کے بعد آپ کے لئے قیام کیونکر جائز یا مستحب ہو سکتا ہے ، جب کہ آپ کا مجلس میلاد میں آنا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں اور نہ آپ کسی کو نظر آتے ہیں۔ ترمذی ابواب الآداب میں ہے : "کانوا اذا راوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیته لذلك" (باب ماجاء فی کراھیۃ قیام الرجل للرجل : ۲ : ۱۰۴ ط سعید)

دس محرم کو کھچڑہ پکانا، شربت پلانا، نیا کپڑا پہننا اور سرمہ لگانا بے اصل ہے۔

(سوال) زید کہتا ہے کہ شربت پلانا۔ کھچڑہ پکانا۔ نیا کپڑا پہننا۔ آنکھوں میں سرمہ لگانا یہ سب سنت ہے۔ کھچڑہ اس وجہ سے سنت ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر جا کر لگی۔ جب کشتی سے اترے تو کھچڑہ پکایا یہی دن عشرہ محرم کا تھا۔ بکر کہتا ہے کہ شربت پلانا، کھچڑا پکانا نیا کپڑا پہننا آنکھوں میں سرمہ لگانا نبی علیہ ﷺ سے اس کے متعلق کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔ یہ سب افتراء ہے۔

المستفتی نمبر ۳۴۹ سید حاکم علی شاہ (میرٹھ) ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۴ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۳۲) کھچڑا پکانے کی کوئی سند نہیں۔ یہ بالکل بے اصل ہے۔ البتہ عاشورا کے دن روزہ رکھنا۔(۱) اور اپنے اہل و عیال پر رزق یعنی کھانے پینے کی اس روز فراخی کرنا(۲) مسنون ہے۔ البتہ سرمہ لگانے کی روایت ضعیف ہے۔(۳) بعضوں نے اسے موضوع بھی کہا ہے۔(۴) نیا کپڑا پہننے کی کوئی روایت نہیں۔ اور جو کام کہ روافض کرتے ہیں، ان میں ان کی مشابہت اہل سنت کو نہ کرنی چاہئے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

عشرہ محرم میں سبیل لگانا، فاتحہ دینا بدعت ہے۔

(سوال) محرم کے شروع عشرہ میں یعنی چاندرات سے دسویں تاریخ تک شربت کھانا پڑا یا اور کوئی چیز پر فاتحہ امام حسین علیہ السلام کی دے کر کسی کو دینا یا اسی ارادہ سے سبیل کرنا کیسا ہے۔ اور اس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں۔

المستفتی نمبر ۳۶۵ امیر بخش صاحب گڈھ مکتیسر ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۲ جولائی ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۳۳) ایصال ثواب کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ اور حنفیہ کے نزدیک عبادات بدنیہ ومالیہ دونوں کا ثواب پہنچتا ہے۔(۶) لیکن ایصال ثواب کے لئے کسی تاریخ یا کسی شے کی تخصیص جو قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر یا ائمہ ومشائخ مذہب رحمهم اللہ سے منقول نہ ہو، نہ کرنی چاہئے۔(۷) حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ثواب

۱۔"عن ابن عباس قال : "مارأيت النبي صلى الله عليه وسلم يتحرى صيام يوم فضله على غيره الا هذا اليوم يوم عاشوراء وهذا الشهر يعني شهر رمضان۔" (بخاری، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء : ج ۱ ص ۲۶۸ ط قدیمی)

۲۔ قال في الدرالمختار : وحديث التوسعة على العيال يوم عاشوراء صحيح. وقال ابن عابدين في الرد: وهو " من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها ." ثم اطال الكلام وقال نعم حديث التوسعة ثابت صحيح كما قال الحافظ السيوطي في الدرر۔" (الدرالمختار مع ردالمحتار : ج ۲ ص ۴۱۸، ۴۱۹ ط سعید)

۳۔"وحديث الاكتحال فيه ضعفه لا موضوعة كما زعمه ابن عبدالعزيز۔" (درمختار : ۲ : ۴۱۹ ط سعید)

۴۔قال ابن عابدين : "ولا يلزم منه الإحتجاج بحديث الاكتحال يوم عاشوراء كيف و قد جزم بوضعه الحافظ السخاوى في المقاصد الحسنة ، وتبعه غيره منهم ملا على القارى في كتاب الموضوعات ، ونقل السيوطي في الدرر المنتثرة عن الحاكم انه منكر الخ" (ردالمحتار : ۲ : ۴۱۹ ط سعید)

۵۔"نقل في مطالب المؤمنين عن امامنا ابي حنيفة انه لا يجوز التشبه بالروافض ..... ومن تشبه بقوم فهو منهم" (نفع المفتي السائل : ص ۱۶۶ ط کتب خانہ مجیدیہ ملتان)

۶۔"الاصل ... ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة او صوما او صدقة او غيرها عند اهل السنة والجماعة" (ہدایہ : ۱ : ۲۹۶ ط مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

۷۔"ومنها وضع الحدود ، والتزام الكيفيات، والهيئات المعينة ، والعبادات المعينة في اوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة۔" (الاعتصام، ابو اسحاق الشاطبی الغرناطی، الباب الاول : ۱ : ۳۹ ط دارالفکر بیروت)

پہنچانے کے لئے محرم کے عشرہ اولیٰ کو مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسی طرح شربت یا کھچڑا یا فیرینی وغیرہ کی تخصیص بھی غیر موجہ ہے۔ بلکہ تمام سال میں جس وقت بھی کوئی صدقہ خیرات کرکے یا کوئی بدنی عبادت کرکے حضرات امامین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ثواب پہنچایا جائے، بہتر اور اوفق بالشریعۃ ہوگا۔ عوام مسلمین نے اعتقاداً یا عملاً و التزاماً چونکہ محرم کے عشرہ اولیٰ کو اس کام کے لئے مخصوص اور موجب زیادت ثواب سمجھ رکھا ہے۔ اور اسی طرح مخصوص چیزوں کو (مثلاً شربت کی سبیل لگانے یا شربت پلانے یا کھچڑا یا فیرینی پکانے کو) ہی حضرات امامین کے ایصال ثواب کے لئے لازم سمجھتے ہیں اس لئے حضرات علمائے کرام اور متبعین ائمہ کرام اور طالبین اتباع سنت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وظیفہ علمیہ یہی ہے کہ ان تخصیصات غیر ثابتہ وغیر متوارثہ کے ترک کرانے کا اہتمام کریں واللہ ہو الموفق۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

بدعت کی قسمیں اور ان کا حکم

(سوال) کیا بدعت کی دو قسمیں ہیں؟ حسنہ اور سیئہ۔

المستفتی نمبر ۸۳۱ مولوی محمد انور (ضلع جالندھر) ۱۳ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۳۴) شرعی بدعت تو ہمیشہ سیئہ ہوتی ہے۔ لغوی بدعت حسنہ ہو سکتی ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

"آستانہ سرور عالم" کے نام سے عمارت بنا کر اس کی تعظیم کرنا گمراہی ہے

(سوال) کیا "آستانہ سرور عالم" کے نام سے کوئی عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے۔ اور اس کی تعظیم و احترام کی نسبت شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۸۷۰ سلطان احمد خاں (برار) ۲۳ محرم ۱۳۵۵ھ ۱۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۳۵) "آستانہ سرور عالم" کے نام سے کوئی عمارت بنانا بدعت، گمراہی اور فتنہ عظیمہ ہے۔(۲) ایسی عمارت ہرگز نہ بنائی جائے۔ اور نہ اس کی کوئی عزت اور حرمت تسلیم کی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

صفر کے آخری بدھ کی رسومات اور فاتحہ کا حکم

(سوال) آخری چار شنبہ جو صفر کے مہینے میں ہوتا ہے، اس کا کرنا شریعت میں جائز ہے یا نہیں۔ کھانے پر فاتحہ دلانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۹۸۸ عبدالرزاق (اوجین) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

---

(۱) "فکل من احدث شیئاً ونسبه الی الدین ولم یکن له اصل من الدین یرجع الیه فهو ضلالة والدین بری منه وسواء فی ذلك الاعتقادات اوالاعمال او الاقوال الظاهرة والباطنة واما ما وقع فی کلام السلف من استحسان بعض البدع فانما ذلك البدع اللغوية لا الشرعية" (جامع العلوم والحکم لابن رجب حنبلی: ص ۱۹۳)

(۲) "ہجوم عام کا ایسا مذموم غیر مشروع ساز و احترام لازم" (مجموعة الفتاوی علی ہامش خلاصة الفتاوی ۴/ ۳۳۷ طبع امجد اکیڈمی لاہور)

(جواب ۲۳۶) آخری چار شنبہ کے متعلق جو باتیں مشہور ہیں اور جو رسمیں ادا کی جاتی ہیں یہ سب بے اصل ہیں۔ کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینا بے اصل ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

محرم کے ایام میں تعزیہ بنانے کے لئے چندہ دینے کے بجائے حلیم تیار کر کے تقسیم کرنا کیسا ہے؟

(سوال) زید اور اس کے بعض احباب تعزیہ اور براق کے بنانے میں چندہ دیا کرتے تھے۔ اب منع کرنے سے اس بات پر راضی ہوئے ہیں کہ تعزیہ اور براق میں کوئی چندہ نہ دیا جائے۔ اور آپس میں چندہ کر کے حلیم پکا کر غربا میں تقسیم کر دی جائے۔ اس صورت میں تعزیہ اور براق کی شرکت سے علیحدگی رہے گی۔ اور بہت سے آدمی جو ان دونوں چیزوں میں چندہ دیتے ہیں وہ بھی چندہ بند کر دیں گے۔ اور اس دوسری تحریک میں شریک ہو جائیں گے آیا اس غرض سے یہ دوسری تحریک جائز ہے یا نہیں۔ اور شرعاً اس کی کچھ اجازت ہو سکتی ہے یا نہیں۔

المستفتی نمبر ۱۳۹۵ مولوی محمد یوسف۔ چوڑی والان۔ دہلی ۱۱ محرم ۱۳۵۶ھ ۲۱ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۳۷) تعزیہ اور براق تو قطعاً ناجائز ہیں۔(۲) اور ان میں چندہ دینا گناہ ہے۔(۳) اگر اس کام کو چھوڑ کر اس رقم کا حلیم پکا کر غربا کو تقسیم کر دیا جائے تو تعزیہ اور براق بنانے کے گناہ سے تو نجات مل جائے گی مگر محرم کے ایام مخصوصہ میں خاص طور پر حلیم پکانا اور تقسیم کرنا یہ بھی بدعت ہے۔(۴) شہیدان کربلا رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی ارواح طیبہ کو ثواب پہنچانے کے لئے محرم کا انتظار نہ کرنا چاہئے۔ اور نہ حلیم شریف کی تخصیص کرنی چاہئے۔ بلکہ جس وقت جو کچھ میسر ہو صدقہ کر کے اس کا ثواب بخش دینا چاہئے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) تعزیہ، علم، دلدل بنانا، ان کی تعظیم کرنا اور مرادیں مانگنا، اور سینہ کوبی کرنا وغیرہ سب امور حرام ہیں۔
(۲) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر غصب خلافت اور یزید کی ولی عہدی کے لئے بیعت لینے کا الزام کہاں تک درست ہے؟

(سوال)(۱) تعزیہ بنانا۔ علم نکالنا، دلدل بنانا، تخت اٹھانا، مہندی نکالنا، مرثیہ پڑھنا، تعزیہ سے منت مراد مانگنا اور اس کا چومنا چاٹنا، نوحہ وزاری کرنا، چھاتیاں کوٹنا وغیرہ وغیرہ ازروئے شرع شریف کیسا ہے۔

۱۔ "این طور مخصوص (یعنی فاتحہ مروجہ) نہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود نہ در زمان خلفاء بلکہ وجود آں در قرون ثلثہ کہ مشہود لہا بالخیر اند منقول شد" (مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ: ج ۱ ص ۹۵ اط امجد اکیڈمی لاہور)

۲۔ "تعزیہ داری در عشرہ محرم یا غیر آن وساختن ضرائح وصورت قبور وعلم تیار کردن دلدل وغیر ذلک این ہمہ امور بدعت است نہ در قرن اول بود نہ در قرن ثانی نہ در قرن ثالث۔" (مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ: ج ۴ ص ۳۴۴ ط امجد اکیڈمی لاہور)

۳. لقوله تعالى: "ولا تعاونوا على الاثم والعدوان." (المائدة: ۲)

٤. "ومنها وضع الحدود، والتزام الكيفيات والهيات المعينة، والتزام العبادات المعينة في اوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة" (الاعتصام، ابو اسحاق الشاطبي، الباب الاول في تعريف البدع الخ: ۱ / ۳۹ ط دار الفكر بيروت)

(۴) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت غصب خلافت کا الزام نیز یزید کو آپ کا ولی عہد سلطنت باوجود اس کے فسق و فجور کے بنانا جس کو بعض سنی بھی کہتے ہیں کس حد تک صحیح و درست ہے۔ امور متذکرہ بالا کا جواب معہ ثبوت آیات واحادیث کے مرحمت فرمایا جائے۔ نیز یہ کہ اگر یہ افعال حرام وناجائز ہیں تو اس کے متعلق کافی ثبوت کی ضرورت ہے جس پر خاص توجہ فرمائی جائے۔

المستفتی نمبر ۱۴۰۲ سید خلیل حیدر صاحب (کانپور) ۵ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۷ اپریل ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۳۸) تعزیہ بنانا، اس کی تعظیم کرنا۔ اس سے منت مرادیں مانگنا۔ چومنا، علم نکالنا، دلدل بنانا تخت اٹھانا۔ مہندی نکالنا، مرثیہ پڑھنا، ماتم اور نوحہ کرنا، چھاتیاں کوٹنا یہ سب کام ناجائز حرام اور مفضی الی الشرک ہیں۔(۱) شریعت مقدسہ ایسے کاموں کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ اسلامی توحید اور پیغمبر ﷺ کی صحیح اور سچی تعلیم کے خلاف ہیں۔ اور عقل صحیح بھی ان کی اجازت نہیں دیتی۔ سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کے کارناموں میں اس قسم کی فضولیات کا نام ونشان نہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صلح کرلی تھی اور اس کے بعد وہ جائز طور پر خلافت کے حامل تھے۔(۲) انہوں نے یزید کے لئے بیعت لینے میں غلطی کی کیونکہ یزید سے بہتر اور اولیٰ وافضل افراد موجود تھے۔ لیکن اس غلطی کے باوجود یزید کے اعمال و افعال کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہوگی۔ کیونکہ اسلام اور قرآن پاک کا اصول ہے لا تزر وازرۃ وزر اخری۔(۳) اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی اور درشتی نہیں کرنی چاہئے۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

۱۔ یا" شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کہنے کا حکم۔
۲۔ قبروں پر پھولوں کے ہار رکھنا۔
۳۔ قبر پر چادر چڑھانا یا قبر کے پاس شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا بدعت ہے۔

(سوال) (۱) یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کہنا درست ہے یا نہیں۔ (۲) قبروں پر جو پھولوں کے ہار رکھ دیتے ہیں یہ کیسا ہے۔ (۳) زید نے ایک کپڑے کی چادر اور کچھ شیرینی ایک بزرگ ولی اللہ کی قبر پر لے جاکر شیرینی بعد فاتحہ خوانی لوگوں کو تقسیم کردی اور چادر اس قبر کو اڑھادی۔ زید کی نیت اور غرض اس عمل کے کرنے سے عبادت خدا ہے۔

المستفتی منشی عبدالوحید صاحب (ضلع بلند شہر) ۷ صفر ۱۳۵۶ھ ۱۸ اپریل ۱۹۳۷ء

۱۔ "تعزیہ داری در عشرۂ محرم یا غیر آں و ساختن ضرائح و صورت قبور و علم تیار کردن و دلدل وغیرہ ذلک ایں ہمہ امور بدعت است نہ در قرن اول بود نہ در قرن ثانی نہ در قرن ثالث۔" (مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ: ۴ / ۳۴۴ ط امجد اکیڈمی)
۲۔ قال ابن العربی: "فنفذ المیعاد، وصحت البیعۃ لمعاویۃ، وذلک لتحقیق رجاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمعاویۃ خلیفۃ ولیس بملک" (العواصم من القواصم ص ۲۰۰ ط سہیل اکیڈمی)
۳۔ الانعام: ۱۶۴
۴۔ لقولہ علیہ السلام: اکرموا اصحابی فانہم خیارکم الخ" (مشکوٰۃ: ج ۲ ص ۵۵۴ ط ایچ ایم سعید) وفی العقیدۃ الطحاویۃ: "ومن احسن القول فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد بریٔ من النفاق" (شرح العقیدۃ الطحاویۃ، الطبعۃ الثالثۃ: ص ۴۹۱ ط المکتب الاسلامی للطباعۃ والنشر)

(جواب ۲۳۹) (۱) یہ وظیفہ پڑھنا ناجائز اور موہم شرک ہے۔(۱) (۲) یہ بھی ناجائز ہے۔(۲) کیونکہ اکثری طور پر اس سے مراد تقرب الی صاحب القبر ہوتا ہے۔ (۳) قبر پر چادر اڑھانا(۳) خدا کی عبادت کس طرح ہوگئی۔ یہ تو قبر یا صاحب قبر کی تعظیم یا عبادت ہوئی۔ خدا کی عبادت میں وہ افعال داخل ہو سکتے ہیں، جن کا خدا یا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا یا اجازت دی۔ شیرینی یا کھانا یا غلہ محتاجوں کو تقسیم کرنا بیشک خدا کی عبادت میں داخل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ محتاجوں کی امداد اور حاجت روائی کا خدا نے حکم دیا ہے۔ مگر ان چیزوں کو قبر پر لے جانا غلط ہے۔(۴) اور عبادت کی حیثیت کو مکدر اور خراب کر دیتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

تعزیوں کو ناجائز اور بدعت کہنا صحیح ہے.

(سوال) کیا تعزیوں کی شان میں گستاخانہ الفاظ اور برا بھلا کہنے سے شرعاً کوئی گناہ عائد ہوتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۶۴ جناب سید عبدالمعبود صاحب (ضلع بدایون) ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۴ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۴۰) تعزیوں کو ناجائز اور بدعت کہنا صحیح ہے اگر گستاخانہ الفاظ سے ایسے الفاظ مراد ہیں جو ان کا شرعی حکم ظاہر کرنے کے لئے استعمال کئے جائیں تو یہ گستاخانہ الفاظ نہیں اور اگر اور کوئی برے اور بھونڈے الفاظ مراد ہیں تو وہ مسلمان کی زبان کے شایان نہیں۔ (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

جعلی اور مصنوعی قبر بنا کر عوام کو گمراہ کرنا.

(سوال) ہمارے یہاں چند اشخاص فتنہ پردازوں نے ایک جعلی قبر بنا کر تیار کر لی ہے جس میں میت وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ جہلا کو ورغلا کر پرستش کراتے ہیں اور فاتحہ دلاتے ہیں۔ اس بارے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

۱۔ "ازیں چنین وظیفہ احتراز لازم و واجب اولا ازیں جہت کہ ایں وظیفہ متضمن شیئاً للہ است و بعض فقہاء را از ہیچو لفظ حکم کفر کردہ اند چنانچہ در در مختار فی نویسند کذا قول شیء للہ قیل یکفر انتھی۔ و در رد المحتار آوردہ لعل وجھہ انہ طلب شیئا للہ واللہ غنی عن کل شیء والکل مفتقر و محتاج الیہ وینبغی ان یرجح عدم التکفیر فانہ یمکن ان یقول اردت طلب شی اکراماً للہ شرح الوھبانیۃ قلت فینبغی او یجب التباعد عن ھذہ العبارۃ وقد مر ان مافیہ خلاف یؤمر بالتوبۃ والاستغفار وتجدید النکاح انتھی ثانیاً ازیں جہت کہ ایں وظیفہ متضمن ست ندای اموات را از امکنہ بعیدہ و شرعاً ثابت نیست کہ اولیاء را قدرتے حاصل است کہ از امکنہ بعیدہ ندا را بشنوند" (مجموعۃ الفتاویٰ علی حاشیہ خلاصۃ الفتاویٰ: ج ۴ ص ۳۳۱ ط امجد اکیڈمی)

۲۔ قال العینی: "وکذلک مایفعلہ اکثر الناس من وضعھا فیہ رطوبۃ من الریاحین والبقول ونحوھا علی القبور لیس بشیء وانما السنۃ الغرز." (عمدۃ القاری: ج ۱ ص ۸۷۹ ط مصر) وقال محدث العصر البنوری: اتفق الخطابی والطرطوشی والقاضی عیاض علی المنع و قولھم اولیٰ بالاتباع حیث اصبح مثلاً تلک المسامحات و التعللات مثاراً للبدع المنکرۃ والفتن السائرۃ فتری العامۃ یلقون الزھور علی القبور وبالاخص علی قبور الصلحاء والاولیاء فالمصلحۃ العامۃ فی الشریعۃ تقتضی منع ذلک بتاتا استئصالا لشافۃ البدع وحسماً لمادۃ المنکرات المحدثۃ وبالجملۃ ھذہ بدعۃ مشرقیۃ منکرۃ الخ" (معارف السنن باب التشدید فی البول: ۱/ ۲۲۵ ط المکتبۃ البنوریۃ)

۳۔ "فی الاحکام عن الحجۃ: تکرہ الستور علی القبور۔" (رد المحتار: ج ۲ ص ۲۳۸ ط سعید)

۴۔ "وفی البزازیۃ: یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم۔" (رد المحتار: ۲/ ۲۴۰ ط سعید)

۵۔ "تعزیہ داری در عشرہ محرم و ساختن ضرائح و صورت وغیرہ درست نیست۔ این ھمہ بدعت است بلکہ بدعت سیئہ است۔" (فتاویٰ عزیزی، مسئلہ تعزیہ داری محرم و صورت ۱/ ۷۵ ط کتب خانہ رحیمیہ دیوبند یوپی)

المستفتی نمبر ۲۶۳۷ ابابو لعل بھوسائی (ضلع پونہ) ۲ارجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۸ ستمبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۲۴۱) جعلی اور مصنوعی قبر بنانا گناہ ہے خصوصاً جب کہ مقصود روپیہ کمانا ہو۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

بارہ ربیع الاول کو کاروبار بند رکھنا اور اس پر مجبور کرنا کیسا ہے ؟

(سوال) بنگلور سے مسلمانوں کے دو گروہوں سے دو مختلف اشتہارات شائع ہوئے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ بارھویں ربیع الاول کو دکانیں بند کرنا بدعت ہے تو دوسرا گروہ کہتا ہے کہ سنت عشق رسول ہے۔ چونکہ دونوں اشتہارات میں ہندوستان کے عالم بے بدل ہیں۔ جس کی بدولت عوام میں بے چینی بڑھتی چلی جارہی ہے۔ ساتھ ہی اشتہارات بھی روانہ خدمت ہیں۔

المستفتی نمبر ۲۲۴۸ جناب مرتضی خانصاحب (بنگلور سٹی) ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۴ مئی ۱۹۳۸ء
(جواب ۲۴۲) جماعت تاجران میوہ جات معسکر بنگلور کی طرف سے جو اشتہار شائع ہوا ہے اور اس میں میرا جو فتویٰ درج ہے، وہ فتویٰ ان لوگوں کے متعلق ہے جو شرعی احکام وراثت پر عمل نہیں کرتے اور رواج کو شریعت پر مقدم رکھتے ہیں۔ اس فتویٰ کا تعلق ۱۲ ربیع الاول کو کاروبار بند رکھنے سے کچھ نہیں۔ کاروبار بند رکھنے کے بارے میں اس اشتہار کا لب ولہجہ اسلامی تعلیم اور تہذیب کے خلاف ہے۔ مخالفین کے متعلق اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا جیسے کہ اس اشتہار میں استعمال کئے ہیں اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں میں اختلاف وبغض و عداوت پیدا کرنا ہے جو ہر طرح قابل افسوس ہے۔

۱۲ ربیع الاول کو کاروبار بند رکھنا کوئی شرعی حکم نہیں ہے جو دکان بند نہ کرے اس پر خدا اور رسول کی طرف سے کوئی الزام نہیں ہے۔ مگر یہ لوگ اس کو چغد اور وہابی کہتے ہوئے خدا ورسول سے نہیں ڈرتے اگر یہ لوگ عشق رسول اسی کو سمجھتے ہیں کہ اس دن اپنا کاروبار بند رکھیں تو بشرطیکہ اس کو شرعی حکم نہ سمجھیں اور کسی کو لعن وطعن نہ کریں اور کسی کو مجبور نہ کریں تو خیر، لیکن ان کو اس بات کا حق نہیں کہ بغیر ہدایت شرعیہ خود ایک بات ایجاد کریں پھر اس کو دوسروں سے جبراً کرائیں۔ اور جو نہ کرے اس کو ایسے الفاظ سے یاد کریں جو اشتہار میں لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

تعزیہ داری کی رسم ناجائز ہے .

(سوال) تعزیہ داری جو عموماً ہندوستان میں رائج ہے درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۴۰۴ نبی یار خاں ضلع فیض آباد ۳۰ رجب ۱۳۵۷ھ مطابق ۳۰ اگست ۱۹۳۸ء
(جواب ۲۴۳) تعزیہ داری کی رسم سر تاسر ناجائز ہے۔(۱) اس میں بعض چیزیں حرام اور بعض افعال شرک اور بعض بدعات محدثہ ہیں۔ یہ رسم واجب الترک ہے۔　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(۱) "تعزیہ داری در عشرہ محرم یا غیر آن و ساختن ضرائح و صورت قبور و علم تیار کردن دلدل وغیر ذلک این ہمہ امور بدعت است نہ در قرن اول بود نہ در قرن ثانی نہ در قرن ثالث۔" (مجموعۃ الفتاویٰ علی حامش خلاصۃ الفتاویٰ : ج ۴ ص ۳۴۴ ط امجد اکیڈمی لاہور)

ماہ رجب میں ''نبی کا روٹ'' بنانا بدعت اور جہالت ہے .

(سوال) لوگ علی الخصوص کاٹھیاواڑ کے آدمی اس ماہ رجب المرجب میں ''نبی صاحب کا روٹ'' بناتے ہیں (یعنی گندم کے آٹے کے ساتھ حسب استطاعت مصالحہ یعنی بیضہ مرغ، گھی، شکر، بادام، پستہ، چلغوزہ، خشخاش، سونف، کشمش، وغیرہ ملا کر کوئی گھر میں اور کوئی تنور میں روٹی پکاتے ہیں۔ بعضے اس روٹ کو رکھ دیتے ہیں۔ اور عیدالبقر کے گوشت کے ساتھ نیز عیدالبقر کے اندوختہ گوشت کو اس روٹ کے ساتھ کھاتے ہیں۔ اور ثواب سمجھتے ہیں) اور اس روٹ کے بنانے کو اس ماہ رجب میں ضروری بلکہ ثواب عظیم جانتے ہیں۔ اور اگر کوئی کتابی ملانہ بنائے یا اسے خلاف امر شرع شریف کہہ ڈالے تو اسے وہابی وغیرہ نام سے موسوم کر دیتے ہیں اور اپنی بات کو جانے نہیں دیتے۔ پس :-

(۱) کیا یہ روٹ نبی ﷺ کا فرمان ہے؟ (۲) کیا حضرات خلفاء رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمان کیا ہے؟ (۳) کیا عشرہ مبشرہ یا کسی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے حکم شدہ ہے؟ (۴) کیا فعل تابعینؒ یا تبع تابعینؒ سے ثابت ہے؟ (۵) کیا امامان مذاہب اربعہ حنفیؒ شافعیؒ مالکیؒ حنبلیؒ کی فقہ سے لیا گیا ہے؟ (۶) کیا پیران پیر غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی نے اس کی تعلیم دی ہے؟ (۷) کیا کسی پیر فقیر بزرگان دین کا یہ فعل ہے؟ (۸) کیا علمائے زمانہ حالیہ کا حکم ہے کہ ایسا نبی صاحب کا روٹ کیا کرو؟ (۹) اگر مذکورہ سوالات سے کہیں ثبوت نہیں تو اس پر اڑے رہنا اور بلاناغہ ہر سال کرتے رہنا بلکہ کرنا ضروری جاننا گمراہی ہے یا نہیں؟ (۱۰) کیا ہم ایسا مستفسرہ صفت کا روٹ کریں؟ ایسا شرع شریف کا حکم یا آپ علماء حق کا ہے؟ برائے مہربانی جواب باصواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۶۸۰ ایم۔ یو۔ شیرازی۔ جام نگر (کاٹھیاواڑ) ۳ رجب ۱۳۶۰ھ م ۲۹ جولائی ۱۹۴۱ء

(جواب ۲۴۴) اس روٹ کے بارے میں نہ نبی صاحب ﷺ کا فرمان ہے، نہ حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ارشاد ہے، نہ حضرات عشرہ مبشرہ یا کسی اور صحابی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اجازت ہے، نہ یہ چاروں اماموں یا تابعین یا تبع تابعین رحمہم اللہ سے ثابت ہے نہ حضرت پیران پیر یا کسی اور مرشد طریقت نے اس کا حکم دیا، نہ معتبر علماء امت نے اس کو جاری کیا۔ لہذا یہ محض ایک بدعت اور جہالت ہے۔(۱) اور اس پر اڑے رہنا ضلالت و گمراہی ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

''یوم صدیق اکبر'' منانے کا حکم .

(سوال) چند اشخاص ایک صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ ہم ''یوم صدیق'' منانا چاہتے ہیں۔ اس شخص نے

۱۔ کیونکہ ''بدعت ہر وہ چیز ہے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ کے بعد دین میں بغیر کسی شرعی دلیل کے نکالی جائے۔'' (النبراس شرح شرح العقائد، ص ۵ ط مکتبہ امدادیہ ملتان)

۲۔ ''من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان من الا ضلال فكيف بمن اصر علی بدعة اومنكر۔'' (مرقاة: ج ۳ ص ۳۱ ط المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ)

برجستہ جواب دیا کہ تمہارے اس فقرے سے میرے قلب کو بے حد تکلیف ہوئی۔ تم اس خیال کو ترک کردو اور یہ نیا فتنہ نہ کھڑا کرو۔ اب آپ بروئے شریعت ایسے شخص کے بارے میں تحریر فرمائیں کہ اس شخص کے متعلق شریعت میں کیا حکم ہے؟ یوم صدیق، ازروئے شریعت کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۲۷۳۰ محمد افتخار الدین خان صاحب شاہ جہاں پوری ۲۴ جمادی الثانی ۶۱ھ

(جواب ۲۴۵) "یوم صدیق" منانے سے اگر یہ غرض ہو کہ ایک دن کوئی جلسہ کر کے حضرت صدیق ؓ کے مناقب و فضائل کی تبلیغ کی جائے تو یہ جائز ہے۔(۱)
اگر اس شخص کا مقصد اس جواب سے یہ ہو کہ وہ صدیق اکبرؓ کے مناقب کی تبلیغ کو ناپسند کرتا ہے تو بے شک وہ مورد الزام ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کا مقصد یہ ہو کہ اس طرح خاص یوم صدیق کے نام سے ایک جدید رسم پیدا کرنا مصلحت عامہ اسلامیہ کے منافی ہے، اور بجائے فائدے کے اس کا ضرر زیادہ ہے تو اس پر کوئی الزام نہیں آسکتا۔(۲) یوم صدیق کا نام رکھے بغیر بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب کی تبلیغ کی جا سکتی ہے۔ اور اس میں کوئی فتنہ بھی نہیں ہوگا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

قبر پر گنبد بنانا یا قبر کو پختہ بنانا ناجائز ہے۔

(سوال) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر اولیائے کرام میں سے دہلی میں گذرے ہیں، ان کا مزار آج تک خام چلا آرہا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ مجھ کو بشارت ہوئی ہے کہ میرا مزار ننگا پڑا ہے اس پر گنبد پختہ بناؤ۔ چنانچہ ایک شخص مستعد ہو گیا ہے کہ ان کے مزار پر گنبد بنادے۔ لہذا علماء کرام سے سوال ہے کہ کیا شرعاً اس بشارت پر عمل کرنا نیز کسی قبر پر عمارت و گنبد وغیرہ پختہ بنانا درست ہے یا نہیں۔ مطابق کتاب و سنت و مذہب حنفیہ کے جواب مرحمت فرمایا جائے بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۲۷۳۵ حاجی محمد صدیق ولد حاجی احمد۔ قوم شیخ۔ ساکن پھاٹک حبش خاں دہلی۔

(جواب ۲۴۶) قبر پر گنبد بنانا یا قبر کو پختہ بنانا ناجائز ہے۔ صریح طور پر حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔(۳) ایسی بشارت (یعنی خواب) جو کسی نامشروع فعل کے ارتکاب کی ترغیب دے قابل التفات و قابل عمل نہیں ہے۔ اس کا جب خیال آئے تو لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنا چاہئے۔ یہاں تک کہ یہ خیال جاتا رہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

---

(۱) " لاباس بالجلوس للوعظ إذا أراد به وجه الله تعالىٰ كذا في الوجيز للكردري " (الفتاوىٰ العالمگيرية . كتاب الكراهية ، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح الخ : ج۵ ص: ۳۱۹ ط: ماجديه كوئٹه)
(۲) " ومنها وضع الحدود ، والتزام الكيفيات والهيآت المعينة والتزام العبادات المعينة في أوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعين في الشريعة" (الاعتصام أبو إسحاق الشاطبي ، الباب الاول في تعريف البدع الخ: ۳۹/۱ ط: دارالفكر ، بيروت ، لبنان.
(۳) "ولا يجصص، ولا يطين ، ولا يرفع عليه بناء وقيل لا بأس به وهو المختار كما في عبارة السراجية وقوله وقيل لاباس به الخ المناسب ذكره عقب قوله ولا يطين لان عبارة السراجية كما نقله الرحمتي ذكر في تجريد ابي الفضل ان تطيين القبور مكروه ، والمختار انه لا يكره اه و عزاه اليها المصنف في المنح ايضاً . واما البناء عليه فلم ار من اختار جوازه . وفي شرح المنية عن منية المفتي : المختار انه لايكره التطيين .وعن ابي حنيفة : يكره ان يبني عليه بناء من بيت اوقبة او نحو ذلك لماروى جابر : نهى رسول الله عن تجصيص القبور و ان يكتب عليها وان يبنى عليها رواه مسلم وغيره اه "(الدرالمختار مع ردالمحتار : ج۲ ص۲۳۷ ط سعيد)

پانچ محرم الحرام کو "سبز چوکی" کا تعزیہ نکالنا بدعت ہے .

(سوال) زید ہر سال پانچویں محرم الحرام کو بنام "سبز چوکی" اپنے محلے سے اپنے اہتمام میں چندہ وغیرہ کر کے نہایت شان و شوکت سے اٹھاتا ہے۔ سبز چوکی بہت بڑے جلوس کی شکل میں اٹھتی ہے۔ گیس کے ہنڈے ہوتے ہیں۔ ماتم کرنے والے ہوتے ہیں۔ عورتوں کا مجمع بغرض زیارت جلوس ہوتا ہے۔ انگریزی باجہ بھی بجتا ہے۔ زید کہتا ہے کہ اس تعزیہ داری سے ہمارا مقصد شان اسلام دکھانا ہے۔ اور یہ کہ کافر اس کو روکتے ہیں، ان کی ضد مد نظر ہے۔

اس چوکی کی واسطے راستہ لینے اور چوک کی زمین حاصل کرنے کے واسطے مقدمہ بھی ہو چکا ہے لیکن مسلمانوں کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اب وہ چوکی دوسرے راستہ سے اٹھتی ہے۔ اس راستے کو بھی روکنے کی کوشش کی گئی، مگر اس کوشش میں کفار ناکام رہے۔

المستفتی نمبر ۲۷۴۰ منشی مہدی حسن کاتب، مفتی پورہ غازی پور۔ ۱۳ محرم ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۴۳ء

(جواب ۲۴۷) لاخیر الا فی اطاعۃ اللہ و اطاعۃ رسولہ واضح ہو کہ دنیا اور آخرت کی کوئی بھلائی اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدس نبی کی اطاعت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ کفار کی ضد میں کوئی کام کرنا یا یہ سمجھنا کہ کسی ناجائز چیز میں اسلام کی شوکت ظاہر ہوگی، صحیح نہیں ہے۔ یہ سبز چوکی بدعت ہے۔(۱) اس میں روپیہ خرچ کرانا اسراف ہے جو حرام ہے۔(۲) باجے بجانا، (۳) عورتوں کا اجتماع (۴) یہ سب امور ممنوعہ محرمہ ہیں۔ روافض کی اقتدا ہے۔(۵) اہل سنت کے مذہب کی اور سنت رسول ﷺ کی مخالفت ہے۔ لہذا اہل سنت پر اس عمل کا ترک کرنا اور گزشتہ سے توبہ کرنا واجب ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

۱۔ کیونکہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں "لان من حقیقۃ البدعۃ ان لا یدل علیہا دلیل شرعی لا من نصوص الشرع ولا من قواعدہ۔" (الاعتصام، الباب الثالث: ج ۱ ص ۱۹۱، ۱۹۲ ط دار الفکر بیروت)
۲۔ "ان المبذرین کانوا اخوان الشیٰطین" (الاسراء: ۲۷)
۳۔ "ومن الناس من یشتری لہو الحدیث الخ، (لقمٰن: ٦) وقال الحسن البصری: نزلت ہذہ الآیۃ فی الغناء والمزامیر" (تفسیر ابن کثیر: ج ۳ ص ۴۴۲ ط سہیل اکیڈمی لاہور)
۴۔ "لیس للنساء نصیب فی الخروج الا مضطرۃ (الی قولہ) ولیس لہن نصیب فی الطرق الا الحواشی۔" (رواہ الطبرانی فی الکبیر، بحوالہ پردہ کے شرعی احکام از مولانا اشرف علی تھانوی: ص ۳۵ ط ادارہ اسلامیات لاہور)
۵۔ "نقل فی مطالب المومنین عن امامنا ابی حنیفۃ انہ لایجوز التشبہ بالروافض...... ومن تشبہ بقوم فہو منہم" (نفع المفتی والسائل: ص ۱۲۶ ط کتب خانہ مجیدیہ ملتان)

۱۔ اللہ کی ذات و صفات میں حضور علیہ السلام کو شریک کرنا۔
۲۔ یہ کہنا کہ احمد اور احد میں صرف میم کا فرق ہے۔
۳۔ عالم الغیب ہونا صرف خدا کی شان ہے۔
۴۔ رسول اللہ ﷺ اور تمام اولیاء کو حاضر و ناظر جاننا۔
۵۔ سرود سننا حرام ہے۔

(سوال) ایک شخص یہ شعر وعظ میں پڑھتا ہے۔

جمال خدا گر نہ دیکھا ہو تم نے محمد کو دیکھو وہی ہو بہو ہے

پڑھنے کے بعد کہتا ہے یہ شعر بالکل صحیح ہے اس واسطے کہ جو صورت محمد ﷺ کی ہے وہی صورت بعینہ باری تعالیٰ کی ہے۔ کیونکہ باری تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی شکل پر پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد کہتا ہے کہ احمد اور احد میں صرف میم کا فرق ہے۔ دوم یہ کہ وہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب ہیں۔ تمام اشیاء اور ذرات کو جانتے ہیں۔ ان سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اور تمام اولیاء کو حاضر و ناظر جانتا ہے اور کہتا ہے جس جگہ اور جس وقت ان کو پکارو ہماری فریاد سنتے ہیں اور امداد کرتے ہیں۔ سوم یہ کہ سرود سنتا ہے اور اس کو حلال اور باعث نجات جانتا ہے۔ ایسے شخص کے متعلق شرع کا کیا حکم ہے۔

(جواب ۲۴۸) یہ شعر بالکل شرک ہے اور جو شخص اس کو سچ سمجھ کر پڑھے وہ مشرک ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ آنحضرت ﷺ روحی فداہ افضل الموجودات اور خاتم الانبیاء والرسل ہیں۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ لیکن آپ بھی خدا تعالیٰ کی ایک مخلوق اور بندے ہیں۔ خالق و مخلوق بھلا ایک کیونکر ہو سکتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نہ جسم ہے نہ جسمانی اور تمام ضروریات سے مبرا ہے۔ نہ اس کا کوئی مکان نہ کوئی اس کی شکل و صورت۔ آنحضرت ﷺ بعینہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ تمام ضروریات جسمانی آپ کو لاحق تھیں۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے وہ مشرک ہے۔(۱) نیز یہ کہنا کہ احمد اور احد میں صرف میم کا فرق ہے۔ یہ بھی الحاد اور زندقہ ہے۔(۲) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خالق اور مخلوق دونوں ایک ہو جائیں۔

(۳) آنحضرت ﷺ کو تمام اشیاء کا عالم جاننا بھی شرک ہے۔ شرک اسی کا نام نہیں کہ خدا کی ذات میں کسی کو شریک مانا جائے بلکہ اس کی صفات خاصہ میں بھی کسی کو شریک کرنا شرک ہے۔ عالم الغیب ہونا صرف خدا کی شان ہے۔ دوسرا ہرگز اس کا مصداق نہیں بن سکتا۔ حضرت حق جل شانہ قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے

۱۔ قال تعالیٰ : "لیس کمثلہ شئ۔" (الشوریٰ : ۱۱) وفی شرح کتاب الفقہ الا کبر لملا علی القاری : لیس کمثلہ شئ ای کذاتہ او صفتہ. وقال اسحاق بن راھویہ : من وصف اللہ فشبہ صفاتہ بصفات احد من خلق اللہ فھو کافر باللہ العظیم۔" (الطبعۃ الاولیٰ : ص ۲۴ ط دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

۲۔ "الزندیق فی لسان العرب یطلق علی من ینفی الباری تعالیٰ ، وعلی من یثبت الشریک الخ" والملحد ھو من مال عن الشرع القویم الی جھۃ من جھات الکفر۔" (رد المحتار : ج ۴ ص ۲۴۱ ط سعید)

ولو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر وما مسنی السوء۔(۱) بحر الرائق میں ہے وفی الخانیۃ والخلاصۃ تزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد ویکفر لا عتقادہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب انتہی(۲) اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے رجل تزوج امراۃ بغیر شہود فقال الرجل و المراۃ خدائے را و پیغمبر را گواہ کردیم قالوا یکون کفرا لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وہو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت انتہی۔(۳) اور جب کہ آپ عالم الغیب نہیں تو پھر کسی دوسرے کا عالم الغیب ہونا تو صراحۃً باطل ہے۔ لہذا آپ کو یا کسی ولی کو حاضر و ناظر حقیقی طور پر عقیدہ اسلامیہ کے خلاف اور شرک ہے۔(۴) جو شخص یہ عقیدہ رکھے وہ مشرک ہے مسلمانوں کو اس سے احتراز واجب ہے۔

(۳) سرود سننا حرام ہے اور اس کو حلال سمجھنا کفر ہے۔(۵) ایسا شخص جو ان تمام امور مذکورہ کا معتقد و مرتکب ہو وہ باتفاق علمائے اہل سنت والجماعت مشرک ہے۔ واللہ اعلم۔

حضور علیہ السلام کے لئے خدائی صفات ثابت کرنا شرک ہے۔

(سوال) ہمارے یہاں کے بعض واعظ بیان کرتے ہیں کہ عالم برزخ میں جانے کے بعد آنحضرت رسول کریم ﷺ کی آنکھوں میں اللہ تعالیٰ نے وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ آپ امت کا سب حال دیکھتے ہیں۔ کانوں میں وہ قوت ہے کہ امتی جو کچھ درود وغیرہ کا اظہار کرتے ہیں آپ اس کو سنتے ہیں اور آپ کی روح پر فتوح مومنین کے مکانوں میں رہتی ہے۔ امتی یا رسول اللہ پکارتے ہیں آپ سنتے ہیں اور ہر ایک امتی کو پہچانتے ہیں۔ اور ہر ایک امتی کے کچے پکے ہر قسم کے ارادوں کو اپنے نور کمالات نبوت سے دیکھتے اور جانتے ہیں۔ ایسے حاضر و ناظر جان کر یا رسول اللہ مدد جانتے ہیں اور اپنی حاجت ان کے سامنے بیان کرنے سے آپ اس حاجت کو خدا سے پورا کرا دیتے ہیں۔ اس قسم کے کلمے ہمارے یہاں کے واعظ وعظ میں کہہ کر جاہلوں کے عقیدے بگاڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے دین کا یہی اعلیٰ عقیدہ ہے۔ یہ بیان ان کا صحیح ہے یا غلط؟

(جواب ۴۴۹) آنحضرت ﷺ افضل الرسل خاتم الانبیاء سید الاولین والآخرین غرض کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے بعد تمام مخلوق سے افضل و برتر ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں لا یمکن الثناء کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ لیکن یہ کہنا کہ آپ اپنی آنکھوں سے امت کے تمام احوال دیکھتے ہیں۔ اپنے کانوں سے امت کے تمام اقوال و عرض معروض سنتے ہیں۔ آپ کی روح پر فتوح ہر امتی کے مکان میں حاضر رہتی

۱۔ الاعراف ۱۸۸

۲۔ البحر الرائق اوائل کتاب النکاح ج ۳ ص [illegible] ط [illegible]

۳۔ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ کتاب السیر باب ما یکون کفرا من المسلم وما لا یکون ج ۳ ص [illegible] ط [illegible] (...)

۴۔ [illegible] شرک است۔" (مجموعہ فتاوی علی ہامش خلاصۃ الفتاوی ج [illegible] ص ۳۳۳ امجد اکیڈمی لاہور)

۵۔ فتاویٰ عزیزی میں ہے "وفی جامع الفتاوی استماع الملاهی و الجلوس علیها وضرب المزامیر والرقص کلها حرام ومستحلها کافر وفی الحمادیۃ من النافع اعلم ان التغنی حرام فی جمیع الادیان" (ج ۱ ص ۳ [illegible] ط کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

ہے، آپ ہر امتی کے یا رسول اللہ نہہ کر پکارنے کو سنتے ہیں، آپ ہر امتی کے دل کے پکے اور کچے ارادوں کو دیکھتے اور جانتے ہیں۔ یہ سب بے دلیل باتیں ہیں۔ اور بے شک ان عقائد و خیالات سے شرک صریح لازم آتا ہے اور یہ عقائد آنحضرت ﷺ کے ارشاد **لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی بن مریم** (۱) اور آپ کے ارشاد **ماالمسؤل عنها باعلم من السائل** (۲) اور آپ کے ارشاد **والله مادری وانا رسول الله ما یفعل به اوبی** (۳) اور حضرت عائشہ صدیقہ کے فرمان **و من قال ان محمدا یعلم الغیب فقد اعظم الفریة علی الله** (۴) اور جناب باری عزاسمہ، کے پر جلال قول **وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو** (۵) اور حضرت حق سبحانہ کے فرمان **ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر و ما مسنی السوء** (۶) اور بے شمار آیات واحادیث کے خلاف ہیں۔ علماؤ فقہائے امت محمدیہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ علم غیب حضرت حق جل شانہ کی خاص صفت ہے۔ کوئی دوسرا اس صفت میں اس کا شریک نہیں۔ حضور رسول اکرم ﷺ کو جناب باری عزاسمہ، نے بے شمار غیب کی باتوں پر مطلع فرمادیا تھا۔ اور حضور ﷺ نے بہت سی غیب کی باتیں امت کو بھی بتادیں۔ لیکن باوجود اس کے آپ کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ جو غیب کی باتیں آپ نے باعلام خداوندی معلوم کیں ان میں آپ کا علم علم غیب نہیں۔ نیز عالم کی ہر ایک جزئی کو جاننا اور امت کے دل کے بھیدوں پر مطلع ہونا ثابت نہیں۔ اور دلائل شرعیہ اس کے خلاف پر قائم ہیں۔ پس یہ عقیدہ جو سوال میں مذکور ہے شرکیہ عقیدہ ہے اور مسلمانوں کو ایسے خیالات سے احتراز لازم ہے۔ واللہ اعلم۔

آیت ”انما المشرکون نجس“ کے تحت کسی مشرک کا جھوٹا کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

(سوال) اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں رسول اللہ ﷺ کے آخر عہد میں مشرک کو نجس العین فرمایا ہے۔ ایسی صورت میں ان کا جھوٹا کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول (ﷺ) خدا نے کسی مشرک کے ساتھ کھانا کھایا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۳۵ نذیر احمد۔ ضلع بلیا ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۵۰) قرآن پاک میں مشرکوں کو نجس فرمایا ہے اس سے اعتقادی نجاست مراد ہے۔(۷) ورنہ انسان کا

....

۱۔ بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم الخ : ۱ / ۴۹۰ ط قدیمی۔
۲۔ بخاری، کتاب الایمان باب سوال جبریل الخ : ۱ / ۱۲ ط قدیمی
۳۔ بخاری، کتاب التعبیر باب العین الجاریۃ فی المنام : ۲ / ۱۰۳۹ ط قدیمی۔
۴۔ یہ روایت مذکورہ الفاظ کے ساتھ نہیں ملی البتہ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل ولقد راہ نزلۃ اخری الخ میں روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ ”ومن زعم انه یخبر بما یکون فی غد فقد اعظم علی الله الفریة“ (۱ / ۹۸ ط قدیمی)
۵۔ الانعام : ۵۷
۶۔ الاعراف : ۱۸۸
۷۔ امام ابن کثیرؒ آیت ”انما المشرکون نجس“ کے ذیل میں فرماتے ہیں : ”امر تعالیٰ عبادہ المومنین الطاهرین دیناً وذاتاً بنفی المشرکین الذین هم نجس دینا عن المسجد الحرام وان لا یقربوا بعد نزول هذه الآیة۔“ (ج ۲ ص ۳۴۶ ط سہیل اکیڈمی لاہور)

جسم ناپاک نہیں ہے۔(۱) قرآن مجید میں نصاریٰ کو مشرک قرار دیا ہے۔باوجود اس کے طعام الذین اوتو االکتاب حل لکم(۲) کا حکم بھی موجود ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

۱۔ کیا نماز میں حضور ﷺ کا خیال آنا گائے اور گدھے کے خیال آنے سے بد تر ہے ؟
۲۔ "حق تعالیٰ کو زمان و مکان سے پاک جاننا بدعت ہے" کہنے والے کا حکم
۳۔ نماز میں "السلام علیك ایها النبی" اس خیال سے پڑھنا کہ حضور خود اسے سنتے ہیں شرک ہے .

(سوال)(۱) کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ نماز میں حضور ﷺ کا خیال آنا، گائے بھیس اور گدھے کے خیال آنے سے بد تر ہے۔ایسا عقیدہ رکھنے والا مسلمان ہے یا کافر ؟

(۲) جو شخص یہ کہتا ہے کہ جناب باری عز اسمہ کو زمان و مکان اور ترتیب عقلی سے پاک جاننا اور اس کا دیدار بے جہت اور بے محاذات حق جاننا بدعت ہے۔کیا ایسا کہنے والا مسلمان ہے یا نہیں ؟

(۳) کسی صاحب نے ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ تشہد میں صیغہ خطاب السلام علیك ایها النبی کے بجائے صیغہ غائب السلام علی النبی کہنا چاہئے یا السلام علیك ایها النبی پڑھنا چاہئے ؟ اس کے جواب میں مولوی صاحب نے فرمایا کہ اگر کسی کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام خود خطاب سلام کا سنتے ہیں وہ کفر ہے۔کیا جواب مولوی صاحب کا صحیح ہے ؟

المستفتی نمبر ۹۷ ۴ مرزا علی جان۔دہلی ۱۱ صفر ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۵۱) (۱) نماز حق تعالیٰ کی عبادت بلا شرکت غیرے ہے۔عبادت میں معبود کی عظمت اور جلال و جبروت کا تصور مقصود ہے۔اور اسی پر اقتصار ہونا چاہئے۔اور کسی دوسرے کا تصور بجہت تعظیم نہ ہونا چاہئے۔یہ ظاہر ہے کہ نماز میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے۔قرآن مجید میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسماء مبارک آتے ہیں۔ان کے قصے اور واقعات مذکور ہیں۔فرعون ہامان اور دیگر کفار کے نام بھی آتے ہیں، ان کے قصے بھی بیان کئے جاتے ہیں۔شیطان کا نام بھی آتا ہے، جس سے پناہ مانگی جاتی ہے۔اور جن مکرم و معظم ہستیوں کے اسمائے گرامی اور قصص قرآن پاک کے نظم عبارت میں زبان پر آئیں گے ان کا تصور اور خیال بھی لازمی طور پر آئے گا۔اسی طرح فرعون ہامان اور شیطان کا جب نام لیا جائے گا تو ان کی طرف بھی خیال منعطف ہوگا۔اور اس کو آج تک کسی نے بھی قابل اعتراض اور مذموم نہیں کہا۔اب رہی یہ بات کہ نمازی بحیثیت تعظیم معبودیت کے اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کا تصور کرے تو وہ شرک فی العبادۃ ہوگا۔اور شرک اعلیٰ درجے کا گناہ، نا قابل مغفرت ہے۔

پس خلاصہ ہوا کہ اگر کوئی شخص نماز میں آنحضرت ﷺ کا تصور بجہت تعظیم عبادت کے کرے تو یہ

۱۔"واما نجاسة بدنه فالجمهور على انه ليس بنجس البدن والذات لان الله تعالىٰ احل طعام اهل الكتاب۔"(حوالہ بالا)
۲۔ المائدة : ۵

اتقادرکھنا(شرک)ہے کہ نماز بھی باطل ہوئی اور مغفرت کی بھی امید نہیں۔اور اس صورت میں یہ تصور کسی شیخ یا شے کے تصور سے زیادہ مضر ہے جس کی تعظیم (عبادت) مقصود نہیں ہوتی کہ اس تصور سے عبادت کے خلوص اور خشوع میں تو نقصان آئے گا اور عبادت خراب ہو جائے گی لیکن شرک لازم نہیں آئے گا۔ اس کے علاوہ اور کوئی مطلب اس قول کا نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے۔

(۲) اس قائل کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حق تعالیٰ کو زمان یا مکان کے ساتھ مقید یا محدود مانتا ہے۔بلکہ اس کی غرض صرف یہ ہے کہ یہ ابحاث دقیقہ اور تدقیقات منطقیہ وفلسفیہ سلف صالحین کے اندر معروف نہ تھیں اس لئے ان میں پڑنا بدعت ہے اور یہ ایک سادگی اور تکلفات فلسفیہ سے بچنے کی راہ ہے۔ جس کا سالک قابل مواخذہ نہیں ہے۔

(۳) یہ عقیدہ رکھنا کہ آنحضرت ﷺ ہر شخص کا ہر جگہ سے خطاب اور کلام سن لیتے ہیں۔ گویا حضرت حق کی یہ صفت کہ ہر جگہ ہر شخص کی بات سنتا اور ہر شے کو دیکھتا ہے حضور انور میں بھی اسی طرح پائی جاتی ہے کہ ہر جگہ حضور اپنے حواس اور ذرائع علم کے ساتھ موجود اور ہر شخص کی بات سنتے ہیں ایک شرکیہ عقیدہ ہے (۱)

ہاں صلوٰۃ وسلام میں السلام علیك ایھاالنبی کہنا اس بنا پر جائز ہے کہ درود وسلام پہنچانے کے لئے فرشتے مقرر ہیں وہ حضور کو یہ الفاظ پہنچا دیتے ہیں تو اس عقیدے سے خطاب کے صیغے درود وسلام میں استعمال کرنا درست ہے۔(۲)	فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

کن باتوں سے شرک لازم آتا ہے اور اس کا تدارک کیا ہے؟

(سوال) انسان پر کون کون سی باتوں سے شرک وکفر عائد ہوتا ہے۔اور ایسی صورت میں اس کا تدارک کیا ہے؟

(جواب ۲۵۲) غیر اللہ کی عبادت کرنے اور اس کو حاجت روا سمجھنے یا کسی مخلوق میں خدا کی صفت ثابت کرنے سے شرک لازم آتا ہے۔اور اس کا علاج توبہ ہے۔	محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

نماز میں کسی بزرگ یا حضور کا خیال آنے کا حکم.

(سوال) کیا نماز میں کسی بزرگ (یعنی اپنے پیر یا کسی اور ولی اللہ کا) یا حضور اکرم ﷺ کا خیال آجانا شرک ہے؟
المستفتی نمبر ۱۵۲۴ جناب سید عبدالمعبود صاحب (ضلع بدایوں) ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۴ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۵۳) کسی بزرگ یا حضور اکرم ﷺ کا نماز میں خیال آجانا شرک کس [illegible] ہو سکتا ہے۔اور کون شخص

۱۔ "اعتقاد اینکہ غیر حق [illegible] حاضر و ناظر و عالم [illegible] در ہر وقت [illegible] است اعتقاد شرک است" ([illegible] ج ۱ ص ۱۳۴ [illegible])
۲۔ "ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني من امتي السلام" (نسائی، کتاب الصلوٰۃ، باب التسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱/ ۱۴۳ ط سعید)

ایسی بیہودہ قوفی کی بات کہہ سکتا ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ نماز میں تعوذ یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور تمام قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے اور قرآن مجید میں پیغمبروں کے نام اولیاء اللہ کا تذکرہ آتا ہے۔ حضور کا نام نامی موجود ہے۔ ان کے بالمقابل کفار کا ذکر شیطان کا ذکر۔ فرعون کا ذکر اور ہامان کا ذکر موجود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب ان لوگوں کے نام زبان پر آئیں گے تو ان کا خیال اور تصور بھی آئے گا۔ تو اس کو کون شرک کہہ سکتا ہے یا کون یہ کہہ سکتا ہے کہ نام تو زبان پر آئے مگر ان کا خیال اور تصور نہ آئے۔

جن لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ نماز موقع عبادت ہے۔ اس موقع میں حضور کا تصور علی جہتہ التعظیم العبادتہ آنا چاہئے۔ بس اس سے زیادہ ان کا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

جس مسجد میں شرکیہ افعال ہوتے ہوں اس میں نماز پڑھنے کا حکم

(از اخبار الجمعیۃ سہ روزہ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۵ء)

ایک مسجد میں چند قبریں ہیں جو بعض بزرگوں کی بتائی جاتی ہیں۔ زید ان قبروں پر (۱) جھنڈا گاڑتا ہے۔ اور (۲) مسجد میں ہر وقت اور ہر روز شاہ لطیف کا نعرہ لگاتا رہتا ہے۔ اس کے (۳) چند چیلے بھی اس کے ساتھ شریک ہیں۔ جب ان کو منع کیا جاتا ہے تو جھگڑا کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ (۴) زید غیب دانی کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور مستقبل کی باتیں بتاتا رہتا ہے۔ جس مسجد میں اس قسم کے افعال ہوتے ہوں اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے۔

(جواب ۲۵۴) سوالات مذکورہ بالا کا شرعی جواب یہ ہے کہ زید کے یہ افعال شرعاً ناجائز اور حرام ہیں۔ نعرے لگانا۔ غیب دانی کا دعویٰ کرنا بدعت و شرک ہے۔ مسجد کے اندر ایسے ان افعال کے ارتکاب کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اہل محلہ اسے منع کر سکتے ہیں۔(۱) اور جو لوگ اس کی ان افعال میں اعانت و حمایت کریں گے وہ بھی گناہگار ہوں گے۔(۲)

مسجد میں نماز جائز ہے اس کے مسجد میں رہنے اور افعال ناجائز کرنے سے مسجد میں کوئی خرابی نہیں آئی۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

۱۔ لقولہ علیہ السلام "من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ" وقال القاری فی المرقاۃ "ثم اعلم انہ ان کان المنکر حراماً وجب الزجر عنہ" (مرقاۃ ۹ / ۳۲۹ ط امدادیہ)

۲۔ لقولہ تعالیٰ "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (المائدۃ ۲)

۱۔ محرم میں تعظیم و تکریم کی غرض سے مٹی کا شیر بنانا .
۲۔ بت کی پوجا کرنا .
۳۔ غیر اللہ کی نذر و نیاز .
۴۔ بتوں کو حاجت روا سمجھنا
۵۔ اس گوشت کا حکم جو بت کو خوش کرنے کے لئے اس کے منہ میں ڈالا جائے .
۶۔ "شیر گلی میں روح، رسالت پناہ ہے" کے قائل کا حکم .
۷۔ مسلمانوں میں بت پرستی اور مشرکانہ رسوم کو مٹانے کی سعی کرنا .
۸۔ مورتیوں کی حمایت کرنا اور ان کو برقرار رکھنے کی کوشش کرنا حرام ہے .

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۲۸ء)

(سوال) ملک دکن میں، جس میں مدراس، بمبئی، میسور اور حیدر آباد وغیرہ سب شامل ہیں، منجملہ دیگر افعال مشرکانہ کے مسلمانوں میں ایک یہ رسم جاری ہے کہ مٹی کا شیر پانچ چھ فٹ یا کچھ کم و بیش بنا کر محرم میں اس کی پوجا کرتے ہیں۔ اور اس مٹی کے شیر کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کر کے اس کو مولا علی کا شیر کہتے ہیں۔ محرم میں اس کے گلے میں کھوپروں کا ہار ڈالتے ہیں اور منہ میں اس کو خوش کرنے کے لئے کچا گوشت ٹھونستے ہیں۔ مرد و عورت اس سے مرادیں طلب کرتے ہیں۔ منتیں مانتے ہیں۔ اور ہر طرح اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ ایک جاہل یوں کہتا ہے "شیر گلی میں روح رسالت پناہ ہے"

(۱) آیا مذہب اسلام میں ایسا بت بنانا جائز ہے؟ (۲) اس کی پوجا پاٹ کرنے والے کا کیا حکم ہے؟ (۳) غیر اللہ کی نذر کرنا اور منت ماننا کیسا ہے؟ (۴) ایسے بتوں کو لینے دینے والا سمجھنا اور ان کی پوجا اور تعظیم کو جائز و حلال سمجھنا کیسا ہے؟ (۵) یہ گوشت کھانا جو اس کے منہ میں اس کو خوش کرنے اور مرادیں بر لانے کے لئے ڈالا جاتا ہے کیسا ہے؟ (۶) جو شاعر کہتا ہے کہ اس مٹی کے شیر میں معاذ اللہ آنحضرت ﷺ کی روح ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ (۷) مسلمانوں سے اس بت پرستی یا رسم کا مٹانا اور اس کی سعی کرنا موجب ثواب ہے یا نہیں۔ (۸) ایسی مورتیوں کی حمایت کرنا اور ان کے قائم رکھنے کی کوشش کرنا گناہ ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۵۵) یہ شیر بنانا جس کا سوال میں ذکر ہے اور اس کے ساتھ یہ معاملہ کرنا جو بیان کیا گیا ہے، مسلمانوں کا کام نہیں۔ کیونکہ اسلام تو اس قسم کی مشرکانہ حرکات کو مٹانے اور صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ کی توحید و عبادت پھیلانے کے لئے آیا ہے۔ خدائی اور سماوی دین ان بیہودہ مشرکانہ افعال و اعمال کا دشمن ہے۔ ایسی باتیں کرنے والے اگرچہ بظاہر مسلمان ہوں، اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں مگر ان کو اسلام سے کیا واسطہ۔ ہندوستان کی بت پرست قوموں کے تعلق سے ان کی طبیعتوں میں بھی بت پرستی کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور چونکہ بظاہر مسلمان کہلاتے ہیں اس لئے اس بت پرستی کے شوق کو اسلامی رنگ دے کر مذہبی کام بنا کر پورا کرتے ہیں۔ اسلام

اور پیغمبر اسلام اور اللہ تعالیٰ ان چیزوں پر لعنت فرماتے ہیں۔ اور ایسے بتوں کو رجس اور پلید قرار دیتے ہیں۔(۱) نعوذ باللہ من ذلک۔(۱) بت بنانا اور اس کی تعظیم وتکریم کرنے کی غرض سے بنانا قطعاً حرام اور مشرکوں کا کام ہے۔(۲) (۲) غیر اللہ کی پوجا (عبادت) کرنا شرک اور کفر ہے۔ اسلام میں تو صرف خدا کی عبادت اور بندگی کا حکم ہے اور خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی پوجا اور عبادت حلال نہیں۔(۳) (۳) غیر اللہ کی نذر کرنا اور منت ماننا حرام ہے۔(۴) (۴) ان بے جان اور بے شعور تصویروں اور مجسموں کو دینے والا اور حاجت پوری کرنے والا سمجھنا نہ صرف اسلام کے خلاف اور شرک ہے، بلکہ نری جہالت اور خالص حماقت ہے۔(۵) (۵) یہ گوشت بھی جو اس کے منہ میں ڈالا جاتا ہے کھانا حرام ہے۔(۶) (۶) جو شاعر یہ کہتا ہے "شیر گلی میں روح رسالت پناہ ہے۔" وہ سخت جاہل اور بے باک ہے۔ اگر اس کا یہ عقیدہ بھی ہو تو اس کے ایمان کی خیر نہیں۔ اسلامی حکومت ہو تو وہ سخت تعزیر دے سکتی ہے (۷) ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس کفر و شرک کی رسم کو مٹانے میں جس قدر سعی کر سکتا ہے کرے۔ جان سے، مال سے، قلم سے، زبان سے ان خرافات رسموں کو مٹانے میں جو سعی کرے گا اس کو بے حد اجر و ثواب ملے گا۔(۷) (۸) ان مورتیوں کی حمایت کرنا اور ان کے قائم رکھنے کی کوشش کرنا حرام اور اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی۔

۱۔ دس محرم کی رسوم۔
۲۔ عاشوراء کے دن حلوہ، کھچڑا وغیرہ پکانا اور فاتحہ دینا:
۳۔ ۹ محرم کو تعزیوں پر مہندی چڑھانا، سبز کپڑے پہننا، فاتحہ دلانا:
۴۔ دس محرم کو اکھاڑے قائم کرنا:
۵۔ انیس ودبیر شعراء کے مرثیئے اور نوحے پڑھنا۔
۶۔ عاشوراء کا روزہ رکھنا۔
۷۔ اہل بیت کے ساتھ اظہار محبت کا طریقہ۔
۸۔ شوکت اسلام اور تعزیئے:

(از اخبار الجمعیۃ (سہ روزہ) دہلی مؤرخہ ۱۳ جولائی ۱۹۲۸ء

(۱) جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے قبل عرب میں محرم کی دسویں تاریخ کو کیا رسوم ادا ہوتی تھیں؟
(۲) حلوے کرنا، کھچڑے پکانا، اور فاتحہ دلا کر خود مع اہل برادر کے کھانا۔ محتاج اگر آگیا تو ایک آدھ

۱۔ "یا ایها الذین اٰمنوا إنما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان" (المائدۃ: ۹۰)
۲۔ "فاجتنبوا الرجس من الاوثان" (الحج: ۳۰) وقال تعالیٰ: انما تعبدون من دون الله اوثاناً وتخلقون افکاً (العنکبوت: ۱۷)
۳۔ "واعبدوا الله ولا تشرکوا به شیئاً" (النساء ۳۶)
۴۔ "واعلم أن النذر الذی یقع للاموات ...... فهو بالاجماع باطل و حرام" (درمختار: ۲/ ۴۳۹ ط سعید)
۵۔ "ماهذه التماثیل التی انتم لها عاکفون" (الانبیاء: ۵۲)
۶۔ لقوله تعالیٰ: "وما اهل به لغیر الله" (البقرۃ: ۱۷۳)
۷۔ "من رایٰ منکم منکراً فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه وان لم یستطع فبقلبه" (مسلم: ج ۱ ص ۵۱ ط قدیمی)

خوشی سے دی جاتی ہے۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۳) سبز کپڑے پہننا، بتاشے، ریوڑیوں پر فاتحہ دلانا، تعزیوں پر ۹ تاریخ کو مہندیاں چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ (۴) اکھاڑے میں لنگوٹ باندھ کر قلابازیاں کھانا، شعبدہ بازی کرنا، گلی کوچوں میں انیس اور دبیر کے مرثیے اور نوحے پڑھنا، یا علی یا حسین کہہ کر آواز کا اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ (۵) کیا انیس و دبیر کے مرثیوں کا مضمون صحیح ہے؟ یا مبالغہ ہے۔ (۶) کیا دس محرم کا روزہ رکھنا مسنون ہے؟ (۷) کوئی غریب آدمی اپنی محبت کا اظہار کیسے کرے۔ امراء تو خوب کھاتے ہیں اور لٹاتے ہیں اور یہ محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ (۸) بعض اہل علم حضرات کہتے ہیں کہ تعزیے بناؤ مہندی چڑھاؤ۔ عام رسوم ادا کرو۔ اسی سے شوکت اسلام ہے۔ مگر ثابت نہیں کرتے کہ یہ باعث ثواب ہے۔ بعض اس کے خلاف ہیں جو وہابی کہلاتے ہیں۔

(جواب ۲۵۶) (۱) یوم عاشوراء اسلام سے پہلے بھی ایک محترم اور معظم دن تھا۔ یہود اس کی تعظیم کرتے اور اس دن روزہ رکھتے تھے۔(۱) اور خانہ کعبہ کو اس روز غلاف پہنایا جاتا تھا۔(۲) حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے اس دن کے متعلق فرمایا ہے کہ اسی روز حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے۔ اور اسی دن جنت سے دنیا میں بھیجے گئے۔ اور اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ہوئی۔ غرض کہ یہ دن پہلے سے ایک فضیلت واحترام کا دن ہے۔ حضور نے اس روز روزہ رکھا اور مسلمانوں کو روزہ رکھنے کی ترغیب دی۔(۳) (۲) عاشوراء کے دن اچھا کھانا پکانا اور اپنے بال بچوں اور عزیزوں اور پڑوسیوں کو کھلانا مسنون و مستحب ہے۔(۴) باقی حلوا کھچڑا فیرنی پکانے کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اور ایصال ثواب بروح حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقصود ہو تو اس کے لئے بھی اس دن کی تخصیص نہیں۔ جب چاہیں صدقہ کرکے حضرت امام کی روح مبارک کو ثواب پہنچا سکتے ہیں۔ (۳) سبز کپڑے پہننا، بتاشوں، ریوڑیوں پر فاتحہ دلانا، تعزیوں پر مہندی چڑھانا، تعزیے بنانا، علم، شدے اٹھانا، ڈھول باجے بجانا۔ تعزیوں سے مرادیں مانگنا اور ان کی تعظیم کرنا اور اسی قسم کے کام سب خلاف شرع اور بے اصل ہیں۔ اور بعض کام ان میں سے سخت گناہ کے ہیں جن سے کفر کا بھی خوف ہوتا ہے۔ جیسے تعزیوں سے مرادیں مانگنا اور ان کو حاجت روا سمجھنا وغیرہ۔(۶) (۴) اکھاڑے قائم کرنا اور ان میں جو جو افعال قبیحہ کئے جاتے ہیں وہ کرنا ناجائز اور سخت برا ہے۔ ہاں ورزش اور لکڑی کے کرتب سیکھنا اور ان کی مشق کرنا، یہ فی حد ذاتہ اچھا کام ہے۔ مگر اس کے لئے عاشوراء کو خاص کرلینا نہیں

۱۔ "فقالوا هذا اليوم الذى اظهر الله فيه موسى و بنى اسرائيل على فرعون فنحن نصوم تعظيما له" (مسلم: ج ۱ ص ۳۵۹ ط قدیمی)

۲۔ عن خارجة بن زيد بن ثابت عن ابيه قال "ليس يوم عاشوراء باليوم الذى يقوله الناس انما كان يوم تستر فيه الكعبة وكان يدور فى السنة الخ" (سندہ حسن، فتح الباری: ج ۴ ص ۳۱۰ ط مصر)

۳۔ "فصامه رسول الله صلى الله عليه وسلم وامر بصيامه" (مسلم: ج ۱ ص ۳۵۹ ط قدیمی کتب خانہ)

۴۔ لما روى عنه عليه السلام: "من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها" قال فى الدر المختار "وحديث التوسعة على العيال يوم عاشوراء صحيح" (در مختار: ج ۲ ص ۴۱۸ ط سعید)

۵۔ "تعزیہ داری در عشرۂ محرم یا غیر آں وساختن ضرائح و صورت قبور و علم تیار کردن ... وغیر ذلک ایں ہمہ امور بدعت است" (مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى: ج ۴ ص ۳۴۴ ط امجد اکیڈمی)

۶۔ واگر فاعل ایں فعل تعزیہ را منفعت درانجاح مرام میداند کافر است (حوالہ سابق: ص ۳۴۵)

چاہئے بلکہ اس فن کی تحصیل و تکمیل کے لئے سال بھر کوشش کرنا اور مشغول کی صورت پیدا کرنا چاہئے۔(۵) انیس و دبیر و دیگر شعراء کے مرثیے بہت مبالغہ آمیز ہیں۔ ان کا پڑھنا اور مجلسیں قائم کرنا اور سینہ کوبی کرنا یہ سب ناجائز اور مذموم اور تعلیم اسلام کے خلاف ہیں۔(۱)(۶) اس تاریخ کا روزہ مسنون ہے مگر اس سے پہلے ۹ تاریخ کا روزہ بھی ملا کر دو روزے رکھنے چاہئیں۔ اگر ۹ کا روزہ نہ رکھ سکے تو ۱۰ اور ۱۱ کے روزے رکھ لے۔(۲)(۷) غریب آدمی اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ اظہار محبت کثرت دعا اور عبادت بدنیہ کا ثواب پہنچانے کی صورت میں کر سکتا ہے۔ نوافل پڑھ کر روزہ رکھ کر تلاوت قرآن مجید کر کے ثواب پہنچا سکتا ہے(۸) یہ خیال کہ تعزیوں سے شوکت اسلام ظاہر ہوتی ہے غلط ہے۔ کسی غیر مشروع فعل سے اسلام کی شوکت نہیں ہو سکتی جو اعمال اسلامی کے خلاف ہیں وہ مفید شوکت نہیں ہو سکتے۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

جواب دیگر از رسومات محرم و رجب اور شب برات۔

(جواب ۲۵۷) جواب دیگر :۔ رجب کے کونڈوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے یہ گھڑی ہوئی باتیں ہیں جن کو ترک کر دینا چاہئے۔ تبارک پڑھنے اور پڑھوانے کا طریقہ بھی شریعت سے ثابت نہیں۔ یہ بھی لوگوں کا خود بنایا ہوا طریقہ ہے۔ اسے بھی ترک کر دینا لازم ہے۔ شب برات کا حلوہ محرم کا کھچڑا کونڈے اور تبارک یہ کوئی شرعی چیز نہیں ہیں۔ ان کو شرعی سمجھ کر پکانا بنانا بدعت ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

تعزیہ بنا کر جلوس نکالنا اور اس سے مرادیں مانگنا۔

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) ہم لوگ حنفی ہیں اور شہر میں اور بھی حنفی کہلانے والے لوگ ہیں۔ مگر ان کا طرز عمل حنفیت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ تعزیہ بناتے ہیں اور نو تاریخ کو شب کے گیارہ بجے مرد و زن اکٹھے ہو کر تعزیہ کو گشت کرانے کے لئے لے جاتے ہیں۔ آگے آگے نقارے ڈھول وغیرہ بجاتے جاتے ہیں۔ پھر صبح کے پانچ چھ بجے اپنے مقام پر لاتے ہیں۔ اور دس تاریخ کو مقام مقررہ پر تعزیہ رکھا جاتا ہے اور روٹیاں چرونجی دانے وغیرہ

۱۔"و سینہ کوبی و شق کردن پارچہ و نوحہ کردن و خاک بر سر انداختن مو بار اختر ساختن وغیرہ و امور از قبیل منہیات و ممنوعات است و در حدیث بر نائحہ لعنت آمدہ است و در گنج اہبرہ ت ی آریکرہ للرجل تسوید الثیاب وتمزیقها التعزیة واما تسوید الخدود والایدی وشق الجیوب وخدش الوجوه و نشر العشور ونثر التراب علی الرؤوس والضرب علی الصدر والفخذ وایقاد النار علی القبور فمن رسوم الجاهلیة والباطل کذافی المضمرات"(مجموعۃ الفتاوی علی حاشیہ خلاصۃ الفتاوی : ۴/ ۳۴۵ ط امجدیہ)

۲۔"قالوا یارسول الله انه یوم" یعظمه الیهود والنصاری فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم فاذا کان العام المقبل انشاء الله صمنا الیوم التاسع قال فلم یات العام المقبل حتی توفی رسول الله صلی الله علیه وسلم" (مسلم ج ۱ ص ۳۵۹ ط قدیمی) قال فی ردالمختار : ویستحب ان یصوم یوم عاشوراء بصوم یوم قبله اویوم بعده لیکون مخالفا لاهل الکتاب' '(ردالمحتار : ۲/ ۳۷۵ ط سعید)

۳۔'ومنها وضع الحدود والتزام الکیفیات، والهیآت المعینة، والعبادات المعینة فی اوقات معینة لم یوجد لها ذلك التعیین فی الشریعة"(الاعتصام، ابو اسحاق الشاطبی، الباب الاول فی تعریف البدع الخ۔ "۱/ ۳۹ ط دار الفکر بیروت لبنان)

چڑھائے جاتے ہیں اور مرادیں مانگی جاتی ہیں۔ پھر تین بجے تعزیہ اٹھا کر مع مرد وزن ہمراہ تعزیہ ڈھول تاشے بجاتے ہوئے تالاب پر لے جا کر پانی میں ٹھنڈا کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد تین روز تک ماتم کر کے تیجہ کیا جاتا ہے۔ ان کو سمجھایا جاتا ہے تو وہ لوگ ہم کو وہابی غیر مقلد کہتے ہیں۔

(جواب ۲۵۸) تعزیہ بنانا(۱) اور اس کے ساتھ باجے بجانا(۲) اور عورتوں اور مردوں کا مل جل کر اس کے جلوس میں شریک ہونا اور تعزیہ پر نذریں چڑھانا،(۳) یہ سب کام تمام ائمہ کے نزدیک ناجائز اور حرام ہیں۔ جو لوگ حنفی کہلا کر ایسے کام کرتے ہیں۔ وہی در حقیقت غیر مقلد ہیں۔ کیونکہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کاموں کی کہیں اجازت نہیں دی ہے اور نہ کسی حنفی فقیہ نے ان حرکات کی اجازت دی ہے۔ جو لوگ کہ ان کاموں سے علیحدہ رہتے ہیں وہ امام ابو حنیفہؒ کے سچے مقلد ہیں۔　　محمد کفایت اللہ غفرلہ

قبر پر فاتحہ خوانی اور میلاد کا رواج ڈالنا

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۳۴ء)

(سوال) محلہ مولوی چک میں ایک قبر خام ایک آدمی کے دروازے پر تھا۔ بوجہ دروازہ کے کسی ذی علم نے یہ رائے دیا کہ قبر ہو کر چلنا وغیرہ منع ہے، اس قبر کو گھیر دو تاکہ قبر گزرگاہ نہ ہو۔ چند بزرگوں سے معلوم ہوا کہ صاحب قبر محلہ کے ایک مولوی تھے۔ جب وہ قضا کئے تو اس قبر میں دفن ہوئے۔ اس لئے محلہ کا نام مولوی چک رکھا گیا۔ اس کے سوا کوئی بات معلوم نہیں۔ کچھ عرصے کے بعد غیر جگہ کا ایک شخص بصورت شاہ صاحب آیا۔ چند لوگوں کو کہا کہ ہم کو خواب ہوا ہے کہ اس قبر میں بزرگ لیٹے ہوئے ہیں۔ ہر سال بارہویں ربیع الثانی کو میلاد شریف و فاتحہ خوانی کیا کرو۔ چنانچہ شاہ صاحب نے اسی سال سے فاتحہ خوانی و میلاد شریف کا رواج ڈال دیا۔ ہر سال تاریخ مذکورہ پر عورت مرد موضع کے قرب و جوار کے لوگ جمع ہو کر کرتے ہیں، اور اپنی اپنی مرادیں مانگتے ہیں۔

(جواب ۲۵۹) یہ سب معاملہ غلط اور ناجائز ہے۔ اس رسم کو بند کرنیکی سعی کرنا چاہئے۔(۴) اس میں شرکت کرنا یا اس کی حمایت کرنا شرعی جرم ہے۔(۵)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

۱۔ تعزیه داری در عشره محرم وغیر آن وساختن ضرائح و صورت قبور و علم تیار کردن دلدل وغیره ذلك این همه امور بدعت است (مجموعة الفتاویٰ علی هامش خلاصة الفتاویٰ : ۴/۳۴۴ ط امجد اکیڈمی)

۲۔"ومن الناس من یشتری لهو الحدیث(لقمٰن : ۶)قال الحسن البصری : نزلت فی الغناء و المزامیر "(صفوة التفاسیر : ۲/۴۸۸ ط دار القرآن الکریم بیروت)

۳۔"والنذر للمخلوق لا یجوز لانه عبادة والعبادة لا تکون لمخلوق"(رد المحتار : ۲/۴۳۹ ط سعید)

۴۔" لقوله علیه السلام : من رای منکم منکراً فلیغیّره بیده الخ"(مسلم : ج ۱ ص ۵۱ ط قدیمی)

۵۔"ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان"(المائدة : ۲)

۱۔ ایصال ثواب کا طریقہ .
۲۔ مخصوص ایام میں ایصال ثواب .
۳۔ مخصوص غذاؤں سے ایصال ثواب .
۴۔ شب برات کا حلوا اور سلف صالحین .
۵۔ مستحب کام کو فرض اور واجب کی طرح ضروری سمجھنا .

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) (۱) شرع شریف نے ایصال ثواب کا کیا طریقہ مقرر کیا ہے ؟ اگر نہیں مقرر کیا تو اس کی کیا وجہ ہے ؟

(۲) کیا مخصوص ایام میں ایصال ثواب کا کوئی حکم آیا ہے۔ کیا شعبان کی چودھویں تاریخ کو شریعت نے ایصال ثواب کے لئے مقرر کیا ہے ؟ اگر نہیں تو از خود مقرر کر لینا کیسا ہے ؟

(۳) مخصوص دنوں کے علاوہ مخصوص غذاؤں سے ایصال ثواب کرنا اور ہمیشہ ایک غذا کو ایصال ثواب کے لئے مخصوص کر لینا کیسا ہے ؟ مثلاً شب برات کو حلوا پکانا۔ اور ہر سال اسی کو مخصوص کر لینا کیسا ہے ؟

(۴) کیا صحابہ تابعین تبع تابعین ائمہ اربعہ ، محدثین اور عہد اول کے مسلمانوں میں شب برات کا حلوا مقرر تھا ؟ کیا فقہاء نے بھی کہیں شب برات کے حلوے کا ذکر کیا ہے ؟ (۵) کیا فقہاء نے جو یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی امر مندوب اجتماعی طور کیا جانے لگے تو اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ مثلاً منیۃ المصلی کی شرح غنیۃ المستملی میں لکھا ہے کہ شعبان کی پندرھویں شب اور رمضان کی ستائیسویں شب میں نماز باجماعت بدعت ہے۔ ایصال ثواب کے بارے میں بھی کیا ایسا لکھا ہے ؟

(جواب ۲۶۰) ایصال ثواب ایک اچھا اور مستحسن کام ہے۔ (۱) بشرطیکہ اس میں احکام و حدود شرعیہ سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اس کی اصل شرعی یہ ہے کہ انسان کوئی نیک عمل کرتا ہے اور اس سے اس کی غرض حضرت حق جل مجدہ کی رضاجوئی یا اس کی عبادت کرنی ہوتی ہے ریاد سمعہ یا رسوم مروجہ کی پابندی مقصود نہیں ہوتی۔ اخلاص پر عمل کا مدار ہوتا ہے تو حضرت حق تعالیٰ شانہ کے رحیم و کریم بارگاہ سے اس کو اس عمل خیر کا ثواب دیا جانے کا وعدہ صادقہ فرمایا گیا ہے۔ اور رحمت بالائے رحمت یہ ہے کہ اگر وہ اخلاص کے ساتھ یہ دعا کرے کہ یا اللہ اس ناچیز عمل کا جو ثواب مجھے عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ فلاں شخص کو میں بخشتا ہوں۔ اس کو پہنچادیا جائے، تو حضرت حق اس شخص کو جسے ثواب بخشا گیا ہے عطا فرمادیتے ہیں۔ شریعت مقدسہ نے اس عمل ایصال ثواب کے لئے کوئی خاص وقت یا خاص چیز یا خاص ہیئت کی شرط اور قید نہ لگائی ہو تو اپنی طرف سے ایسی تخصیص کرنی

۱۔ "صرح علماؤنا فی باب الحج عن الغیر بان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃ او صوماً او صدقۃ او غیرھا کذا فی الھدایۃ ۔ وفی البحر : من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ، ویصل ثوابھا الیھم عند اھل السنۃ والجماعۃ کذا فی البدائع" (ردالمحتار : ج ۲ ص ۲۴۳ سعید)

ناجائز اور حد شرعی سے تجاوز ہوگا۔(۱)

(۲) جو لوگ ایصال ثواب کے لئے اپنی طرف سے کوئی خاص دن یا کوئی خاص غذا مقرر کر لیتے ہیں اور اس کا التزام کر لیتے ہیں اور اس کو شرعی طور پر موجب ثواب یا موجب زیادت ثواب سمجھتے ہیں وہ حد شرعی سے تجاوز کرتے ہیں(۲)

مثلاً شعبان کی چودھویں تاریخ کی تعیین ایصال ثواب کے لئے شریعت سے ثابت نہیں۔ اسی طرح حلوے کی تخصیص بے اصل ہے۔ اگر اس کو شرعی حیثیت دی جائے گی جیسا کہ عام مسلمانوں کا خیال اور عقیدہ ہے تو یہ درست نہیں ہوگا۔

(۳) اس کا جواب بھی نمبر دو میں آگیا کہ حلوے کی تخصیص اور التزام شرعی چیز نہیں ہے۔ اور اس کو شرعی بات سمجھ کر کرنا دین میں زیادتی کرنا ہے جو سخت مذموم اور قابل مواخذہ ہے۔

(۴) سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

(۵) نہیں۔

(۶) ہاں اگر کسی مستحب چیز پر بھی فرائض وواجبات کی طرح عمل کیا جانے لگے اور لوگ اس ترک و فرائض وواجبات کے ترک کی طرح بلکہ اس سے زیادہ اہمیت دینے لگیں تو اس کا ترک لازم ہو جاتا ہے۔(۱) فقہائے کرام کے کلام میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کے بعد داہنی طرف مڑ کر بیٹھنے کو ضروری سمجھنے کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ خیال اور التزام کرنا نماز میں شیطان کا حصہ قائم کر دینا ہے۔(۲) اور جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز چاشت کے لئے اہتمام سے لوگوں کے مسجد میں جمع ہونے اور فرض نماز کی طرح اس کے لئے اہتمام کرنے کو بدعت فرمایا (رواهما البخاري في صحيحه) حالانکہ سیدھی طرف مڑنا اور نماز چاشت پڑھنا دونوں جائز اور حضور رسول کریم ﷺ سے ثابت ہیں۔(۳) اسی طرح حلوے کا لازم کر لینا اور فرائض کی طرح اس کو ضروری سمجھنا بھی اسی مد میں داخل ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱،۲) "من احدث في امرنا هذا ماليس منه فهو رد" (مسلم ج ۲ ص ۷۷ ط قدیمی)
"ومنها وضع الحدود، والتزام الكيفيات والهيات المعينة، والتزام العبادات المعينة في اوقات معينة لم يوجد كلها ذلك التعيين في الشريعة" (الاعتصام ابو اسحاق الشاطبی، الباب الاول فی تعریف البدع ج ۱ ص ۳۹ ط دار الفکر)

۱۔ قال في الهداية: "ويكره ان يوقت بشئ من القرآن لشئ من الصلوات" وقال في فتح القدير: قال الطحاوي و الاسبيجابي: هذا اذا رآه حتما يكره غيره، اما لو قرأ للتيسير عليه او تبركا بقراء ته صلى الله عليه وسلم فلا كراهة، لكن بشرط أن يقرأ غيرهما احيانا لئلا يظن الجاهل أن غيرهما لايجوز ولاتحرير في هذه العبارة بعد العلم بان الكلام في المداومة، والحق ان المداومة مطلقا مكروهة سواء رآه حتما يكره غيره اولا۔" (شرح فتح القدير على الهداية ۱/ ۳۳۳ ط مطبع مصطفی البابی الحلبی مصر)

۲۔ قال عبدالله: لا يجعل احدكم للشيطان شيئا من صلاته يرى ان حقا عليه ان لاينصرف الا عن يمينه لقد رأيت النبي صلى الله عليه وسلم كثيرا ينصرف عن يساره" (بخاری ۱: ۱۱۸ ط قدیمی)

۳۔ "فاذا عبدالله بن عمر جالس الى حجرة عائشة واذا ناس يصلون في المسجد صلوة الضحى قال فسألناه عن صلاتهم فقال بدعة" (بخاری ج ۱ ص ۲۳۸ ط قدیمی)

۴۔ "ومنها وضع الحدود، والتزام الكيفيات، والهيآت المعينة، والعبادات المعينة في اوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة" (الاعتصام، الباب الاول فی تعریف البدع ۱/ ۳۹ ط دار الفکر بیروت)

۱۔ سنتوں کے بعد فاتحہ خوانی اور درود کا التزام بدعت ہے .
۲۔ کسی ولی کا جھنڈا نکالنا .

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۳۷ء)

(السوال) (۱) سنتوں کے بعد امام با جماعت کا فاتحہ خوانی اور درود بھیجنا کار ثواب ہے یا بدعت ہے ؟ (۲) اگر کسی مسلمان کے ٹولہ والوں نے کسی ایک اولیاء کا جھنڈا نکالا تو کیا یہ بدعت ہے ؟ (۳) اولیاء و شہدا کی درگاہوں کی زیارت کو جانا وہاں اپنی مرادیں مانگنا بطور تاکید روا ہے یا بدعت ہے ؟

(جواب ۲۶۱) (۱) سنتوں کے بعد اس عمل کا التزام کر لینا سنت نہیں۔ اور اس پر اصرار اور التزام کرنا بدعت ہے۔ (۱) (۲) جھنڈا نکالنا بدعت ہے یعنی اولیاء کے نام سے جھنڈا نکالنا بدعت ہے۔ (۲) (۳) زیارت کو جانا تو جائز ہے۔ (۳) اور وہاں ان کے لئے دعائے مغفرت کرنا اور السلام علیکم یا اہل القبور انتم سلفنا ونحن بالاثر پڑھنا سنت ہے۔ (۴) اور ان سے مرادیں مانگنا ناجائز ہے۔ (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

....

۱۔ یعنی جو صورت فاتحہ و درود کی سوال میں مذکور ہے یہ بدعت ہے، اس کی کچھ اصل نہیں، بالخصوص التزام اور اصرار کی وجہ سے یہ بدعت سیئہ میں داخل ہے "من اصر علی امر مندوب و جعله عزما ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال فکیف بمن اصر علی بدعة او منکر (مرقاۃ: ج ۳ ص ۳۱ ط المکتبۃ الحبیبیۃ کوئٹہ)

۲۔ " تعزیه داری در عشره محرم و ساختن ضرائح و صورت قبور و علم تیار کردن دلدل وغیر ذلك این همه امور بدعت است" (مجموعة الفتاوی: ٤ / ٣٤٤ ط امجد اکیڈمی)

۳۔ عن بریدة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها الخ" (مسلم)

۴۔ عن ابن عباس قال مرالنبی صلی الله علیه وسلم بقبور المدینة فاقبل علیهم بوجهه فقال: السلام علیکم یا اهل القبور یغفر الله لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر (ترمذی: ج ۱ ص ۲۰۳ ط ایچ ایم سعید)

۵۔ لقوله تعالی: ولا تدع من دون الله مالا ینفعك ولا یضرك (یونس: ۱۰۶)

دسواں باب
کائنات عالم

پیشن گوئی پر اعتقاد رکھنا.

(السوال) شمالی بہار میں جو قیامت خیز زلزلہ ہوا اس کے متعلق تین چار مہینے پیشتر بمبئی کے چند جوتشیوں نے گجراتی اخبار میں یہ پیشین گوئی کی تھی کہ ان دنوں میں سات گہن ایک ساتھ جمع ہوں گے اور ایسا ایک واقعہ ضرور ہوگا۔ ان باتوں پر میرا بھی اعتقاد بالکل نہیں لیکن جو مذبذب تھے ان کا اعتقاد پختہ ہو گیا ہے۔ اس کے متعلق شریعت میں کیا حکم ہے ؟ کیا گہن ایک ساتھ جمع ہونے سے زمین کے اوپر کچھ اثر ہوتا ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۸۹ اسمعیل ابراہیم محمدی۔ ۱۱ شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۷ ۲ جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۶۲) آسمان اور اس کے متعلقہ مخلوقات کے آثار طبیعیہ زمین اور اس کے مخلوقات پر ہوتے ہیں۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے مقرر کئے ہونے اور پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اور اس کے ارادے اور مشیت کے ماتحت وقوع میں آتے ہیں۔ بعض اثار تو معلوم اور مشاہد ہیں جیسے سمندر کا مدوجزر چاند کے طلوع و غروب کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور زمین کے نباتات کی ترقی و تنزل، پختگی و رنگ و مزہ آفتاب و ماہتاب سے تعلق رکھتا ہے وعلیٰ ہذا۔ اور بعض آثار معلوم و مشاہد نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ چند ستاروں کا کسی خاص برج میں اور خاص ہیئت پر جمع ہو جانا زمین کے اوپر حوادث عظیمہ کے ظہور کی علامت ہو۔ مگر ان حوادث کا ظہور حضرت حق کے حکم و مشیت سے ہی ہوگا۔(۱) کہ حضرت حق نے ہی ان ستاروں کی حرکات اور ان کے اوضاع مقرر کر کے ان کے ساتھ خاص خاص حوادث کو متعلق کر دیا ہے تو اس میں کسی قسم کی بد عقیدگی اور اصول اسلامیہ سے انحراف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(جواب ۲۶۳) قطعی طور پر شریعت میں سیارات یا زمین کے حرکت کرنے کی تصریح نہیں۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

بارش بادلوں سے برستی ہے یا آسمان سے ؟

(السوال) زید موجودہ سائنسدانوں کے نظریئے دیکھ کر یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ بارش بادلوں سے آتی ہے۔ اور بادلوں میں پانی سمندر سے بخارات اٹھ کر آتا ہے۔ عمرو اس پر یوں معترض ہوتا ہے کہ کلام الٰہی (قرآن

....

۱۔ قال فی العقیدة الطحاویة : "ولا یکون الا مایرید" وفی شرحه : واما الا رادة الکونیة فهی الا رادة المذکورة فی قول المسلمین : ماشاء الله کان ومالم یشالم یکن۔ (شرح العقیدة الطحاویة، الطبعة الثالثة : ص ۵۳، ۵۵ ط المکتب الاسلامی)

۲۔ قدیم ہیئت کے علماء زمین کو ساکن مانتے تھے۔ جدید فلکیات کے ماہرین نے دلائل عقلیہ سے زمین کی حرکت کو ثابت کیا ہے۔ اور یہی درست ہے۔ قرآن مجید کی آیت الم نجعل الارض مهادا (کیا ہم نے زمین کو جھولا نہیں بنایا) میں زمین کی سالانہ گردش کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے "الهیئة الوسطیٰ مع شرحها النجوم النشطیٰ" مصنفه مولانا محمد موسیٰ الروحانی البازی" مطبوعة دفتر وفاق المدارس العربیة پاکستان ملتان۔ "نیز شیخ محمد علی الصابونی کی کتاب "حرکة الارض و دورانها حقیقة اثبتها القرآن" ط دار القلم دمشق۔

شریف) میں پانی کا نازل ہونا آسمان سے ثابت ہے۔ کیونکہ کئی مقامات پر لفظ سماء کا استعمال آیا ہے۔ اور سماء عام الفاظ میں آسمان کو کہا جاتا ہے۔ اور عمرو اپنے اس ثبوت میں تفسیر روح البیان میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول پیش کرتا ہے۔ چنانچہ پارہ الم سورہ بقرہ رکوع ۲، ۱۳، ۲ میں آیت **او کصیب من السمآء فیه ظلمٰت" (الی) بالکفرین** کی تفسیر کرتے ہوئے بارش کا برسنا اور بجلیوں بیان کیا ہے۔ آسمان کے اوپر پانی کا ایک دریا ہے وہاں سے پانی حسب منشاء الٰہی بادلوں میں آتا ہے۔ اور پھر بادلوں میں سے وہی پانی چھن چھن کر اتارا جاتا ہے۔ ہر ایک قطرہ کے ساتھ فرشتہ ہوتا ہے وغیرہ الخ اور اس بیان میں یونانی حکماء کے خیال کا رد بیان کیا گیا ہے کہ بادلوں میں سمندر کے بخارات سے ہرگز نہیں آتا۔ اب حل طلب سوال یہ ہے کہ ان دونوں اقوال میں سے کس کو قبول کیا جائے اور کون سے کو رد۔ اگر پہلے کو لیا جائے تو قرآن مجید کے لفظ سماء کو کس معنی میں لیا جائے اور اگر دوسرے قول کو لیا جائے کہ آسمان کے اوپر تالاب ہے۔ وہاں سے پانی بادلوں میں آتا ہے تو پھر اس کا کیا جواب ہے۔ ہزارہا تجربوں اور مشاہدوں سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ حرارت سے پانی گرم ہو کر ہوا میں ملتا رہتا ہے۔ اور اس لئے ہم اپنے گرد ہوا میں پانی موجود پاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی قرآن شریف میں بھی ہواؤں کو پانی سے لدا ہوا بتایا گیا ہے یعنی بادل وغیرہ۔

المستفتی نمبر ۱۲۰۴ مسٹر عبدالرحمن صاحب مروت۔ بی۔ اے ٹیچر اسلامیہ ہائی اسکول ڈیرہ اسمٰعیل خاں ۱۰ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۷ ۲ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۶٤) قرآن شریف میں بارش کا آسمان سے آنا مذکور ہے۔(۱) لہذا اس پر ایمان رکھنا لازم ہے لیکن اس کی کیفیت کہ کس طرح آتا ہے قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ لہذا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ بارش آسمان سے آتی ہے مگر اس کیفیت کے ساتھ جو خدا کو معلوم ہے ہمیں معلوم نہیں۔ قرآن مجید میں بادل کو بارش کا سبب بھی بتایا گیا ہے۔ **قالوا هذا عارض ممطرنا**۔(۲) لہذا بادل کو بارش کا سبب جاننا قرآن مجید کے خلاف نہیں بادلوں میں پانی کہاں سے آتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ، سمندر کے بخارات بادل بن جاتے ہیں، یہ بھی ممکن ہے، اور اس طرح بارش ہونا بھی ممکن ہے، اور آسمان سے کسی نامعلوم طریقہ سے بادلوں میں پانی آنا بھی ممکن۔ اس لئے ان دونوں باتوں میں تنافی اور تضاد نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

جنات کی تخلیق پہلے ہوئی یا انسانوں کی؟

(السوال) متعلقہ پیدائش جن

(جواب ۲٦٥) جن انسان سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

....

۱۔ "وانزل من السماء ماء" (البقرة : ۲۲)
۲۔ الاحقاف : ۲۴
۳۔ "والجآن خلقنه من قبل من نار السموم" (الحجر : ۲۹) قال ابن كثير : "(من قبل) اى من قبل الانسان۔" (تفسیر ابن کثیر : ۲ ۵۵۰ ط سہیل اکیڈمی لاہور)

ا۔ بیل کے سینگ پر زمین کا ہونا ۔
۲۔ کیا زمین گول ہے ؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ زمین کے نیچے بیل ہے۔ اس نے زمین کو اپنے سینگوں میں پکڑا ہوا ہے نیز یہ کہ زمین سات عدد ہیں۔ (۲) سائنسدان کہتے ہیں کہ زمین گول ہے۔ کیا شرعاً یہ ٹھیک ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۴۱۷ کامراں صاحب (ریاست سوات، صوبہ سرحد) ۸ صفر ۱۳۵۸ھ
مطابق ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۶۶) (ا) یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے۔ اور عقیدہ قائم کرنے کے قابل نہیں۔ (۲) شریعت کو اس سے بحث نہیں کہ زمین گول ہے۔ یا مسطح۔ وہ تزکیہ قلب و تصحیح عقائد اور اصلاح اعمال کی تعلیم کے لئے نازل ہوئی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

چاند میں روشنی آنے پر مغرب کی اذان کہنا ؟

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲ مئی ۱۹۲۸ء)

(السوال) غروب شمس کے واسطے عوام میں مشہور ہے کہ جب چاند میں روشنی آجائے تو اذان مغرب کہہ دینی درست ہے۔

(جواب ۲۶۷) چاند میں روشنی کی خاص کیفیت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ بات بطور علامت کے سمجھی جاتی ہے۔ اور ایک حد تک صحیح ہے۔ مگر یقینی اور کلی طور پر دلیل نہیں ہے۔
محمد کفایت اللہ غفرلہ

(سوال) ا۔ کتاب "ہزار مسئلہ" معتبر نہیں ؟

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۳۸ء)

کتاب ہزار مسئلہ کے مسائل اجتماعی طور پر کہاں تک مستند اور معتبر ہیں جب کہ نہ مصنف کا پتہ ہے اور نہ جن کے مسائل میں کسی معتبر کتب حدیثیہ کے دلائل و حوالہ جات ہیں۔

(الف) علی الخصوص زمین کی ساخت کے بارے میں کہ ایک موتی تھا، خدا کے خوف سے پگھل کر پانی ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہوا کو بنا کر پانی پر چلنے کا حکم دیا۔ ہوا کے چلنے سے پانی زور سے ہلنے لگا۔ اور پانی میں کف پیدا ہو گیا۔ یہی کف خشک ہو کر زمین بن گئی ۔ قرآن کریم کے لفظ کن فیکون سے کیا مراد ہے ؟

(ب) زمین کی استقامت کے بارے میں کہ زمین ایک بیل کے سینگ پر ہے۔ بیل ایک پہاڑ پر ہے جس کا نام کوہ مسعود ہے۔ کوہ مسعود کوہ غضبان پر ہے۔ علیٰ ہذا یکے بعد دیگرے سے چلا گیا ہے۔ آخر کے متعلق کسی کو علم نہیں۔

(ج) یہ اعتقاد کہ خدائے جل شانہ نے دنیا کو اپنی قدرت سے بالکل معلق رکھا ہے کیسا ہے ؟

(جواب ۲۶۸) کتاب ہزار مسئلہ میں جو مسائل مذکور ہیں وہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

زمین کا گائے کے سینگ پر ہونے کی ایک روایت پر تبصرہ .

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۲۷ء)

(السوال) زید کہتا ہے کہ زیر زمین دریا ہے اور دریا میں مچھلی ہے اور مچھلی کی پشت پر گائے ہے۔اور گائے کے سینگ پر زمین ہے۔کیا یہ صحیح ہے؟

(جواب ۲۶۹) یہ روایت اس ترتیب کے ساتھ سند صحیح سے ثابت نہیں۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ

گیارھواں باب

ذات پات، نسل قبیلہ

۱۔ حضرت صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ، اور عثمان غنیؓ کی اولاد کا صدیقی، فاروقی اور عثمانی کہلانا درست ہے .
۲۔ صدیقی، فاروقی، اور عثمانی کا اپنے آپ کو قریشی کہنا جائز ہے .
۳۔ خلفائے اربعہ کی سب اولادیں نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں .

(السوال) جو شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں ہے وہ فاروقی کہلا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد عثمانی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صدیقی کہلائے گی یا نہیں؟ (۲) جو شخص آج تک اپنے کو اولاد حضرت سیدنا فاروق یا حضرت سیدنا ابو بکر صدیق میں رکھ کر اپنے کو فاروقی یا صدیقی کہتا رہا ہے، آیا اس کا یہ فعل کہ اب محض قانونی فائدہ اٹھانے کے لئے اپنے کو قریشی سے منسوب کرے اخلاقاً اور شرعاً جائز ہو گا یا ناجائز؟ (۳) یہ کہ ہندوستان میں سوائے نضر بن کنانہ کی اولادوں کے خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اولادیں کہلاتی ہیں یا نہیں؟

المستفتی سید مطلبی فرید آبادی ۲۰ جولائی ۱۹۲۹ء

(جواب ۲۷۰) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد اور اولاد در اولاد فاروقی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد اور اولاد در اولاد عثمانی اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد اور اولاد در اولاد صدیقی ہے۔اور یہ سب قریشی ہیں۔ یعنی تمام فاروقی قریشی ہیں اور تمام عثمانی قریشی ہیں اور تمام صدیقی قریشی ہیں۔ کیونکہ ان کے جد اعلیٰ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریشی ہیں۔(۲) کسی فاروقی کا اپنے کو قریشی کہنا اور کسی عثمانی کا اپنے کو قریشی کہنا اور کسی صدیقی کا اپنے کو قریشی کہنا نہ واقعۃً غلط ہے اور نہ شرعاً ناجائز۔بلکہ ایک حقیقت واقعیہ کا اظہار ہے اور اس میں کوئی شرعی عرفی اخلاقی قانونی قباحت نہیں ہے۔(۳) خلفاء اربعہ کی اولادیں سب کی سب نضر بن کنانہ کی اولاد میں ہیں۔(۱) اور سب کی سب قریشی ہیں۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔مدرسہ امینیہ دہلی

---

(۱) "بنو النضر الذی الیہ جماع قریش علی الصحیح" (البدایۃ والنھایۃ: ۱/ ۲۵۴ ط مصر)

کسی مسلمان کو نو مسلم یا کم ذات ہونے کی وجہ سے ذلیل سمجھنا؟

(السوال) ایک عورت ہندو سے مسلمان ہوئی جس کو عرصہ قریب پچیس برس کے گذرا اور مارواڑی قوم کے مسلمان کے ساتھ نکاح کیا۔ چار اولادیں مسلمان حیات ہیں۔ صوم و صلوٰۃ کی پابند رہی۔ اب مارواڑی لوگ اس کو برادری میں بٹھانے سے انکار کرتے ہیں کیا وہ عورت مسلمان نہیں ہوئی؟ برادری میں بیٹھنے کے قابل نہیں؟

(جواب ۲۷۱) کسی کا یہ خیال کرنا کہ نو مسلم ہماری قوم سے نہیں اور اس وجہ سے اس کو ذلیل و حقیر سمجھنا گناہ ہے۔ اسلام میں ذات پات کا کوئی لحاظ نہیں۔ اسلام تو یہ تعلیم دیتا ہے انما المومنون اخوۃ۔(۱) جتنے مسلمان ہیں سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ احکام اسلام کے خلاف کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ کسی کو ذلیل و حقیر سمجھے۔ جو ایسا کرے گا سخت گناہگار ہوگا۔ خداوند تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے۔ وجعلکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم(۲) یعنی خداوند تعالیٰ نے تمہارے قبیلے اور خاندان اس لئے مقرر کئے کہ آپس میں تعارف اور شناخت کے کام آئیں۔ بے شک شریف تر تم میں وہی ہے جو پرہیزگار تر ہے۔ یعنی خدا کے نزدیک شرافت کا معیار تقویٰ ہے۔ نہ ذات پات۔ جو لوگ کسی نیک بخت مسلمان کو محض نو مسلم یا کم ذات ہونے کی وجہ سے ذلیل سمجھیں ان کو خدا کے عذاب سے ڈرنا چاہئے اور توبہ کرنا چاہئے۔ معلوم نہیں کس وقت موت آجائے۔ بغیر توبہ مرنے میں عذاب خداوندی کا سخت خوف ہے۔

خلفائے ثلثہ کی اولاد کو سید کہنا درست ہے یا نہیں؟

(السوال) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کے سوا حضرات خلفائے ثلثہ کی اولاد کو سید لکھنا یا کہنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۷۲) سید عربی لفظ ہے جس کے معنی سردار کے ہیں۔ اور اس معنی کے لحاظ سے یہ لفظ ہر بزرگ اور واجب التعظیم شخص کے حق میں استعمال کیا جاتا ہے۔ متقدمین میں طریقہ یہ تھا کہ شاگرد اپنے استاد کو مرید اپنے پیر کو۔ بیٹا اپنے باپ کو۔ غلام اپنے آقا کو سیدنا و مولانا، یا سیدی و مولائی کہا کرتا تھا۔ بے شمار مثالیں اس کی کتب متقدمین سے مل سکتی ہیں۔ لیکن ہمارے عرف میں اس لفظ کے معنی دوسرے ہوگئے ہیں اور وہ یہ کہ "سید" بول کر "علوی" یعنی اولاد علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ سے ہونا مراد لیا جاتا ہے۔ اور اردو فارسی عبارتوں میں اس کے یہی پچھلے معنی غالب الاستعمال ہیں۔ اگرچہ عربی کلام میں ابھی تک علوی کے معنی میں یہ غالب الاستعمال نہیں ہے لیکن کسی ایسے کلام میں جس میں یہ لفظ علوی کے معنی میں غالب الاستعمال ہوگیا ہو اور اس لفظ سے یہی سمجھا جائے کہ اولاد علی ہونا مراد ہے کسی غیر علوی کے لئے اس کا استعمال کرنا مناسب نہیں کہ اس میں انتساب غیر واقعی کا ایہام ہے اگرچہ استعمال کرنے والے نے سردار کے معنی میں استعمال کیا ہو اور اس وجہ سے اس پر کوئی گناہ نہیں۔ لیکن ایہام غیر مقصود کی وجہ سے نامناسب ضرور ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۔ الحجرات: ۱۰

۲۔ "المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یخذله ولا یحقره الخ" (مسلم: ج ۲ ص ۳۱۷ ط قدیمی)

خاکروبی کا پیشہ اختیار کرنے کی وجہ سے نو مسلم سے حقارت کا برتاؤ کرنا .

(السوال) تابعدار فدوی کانسٹیبل عبدالرحیم ولد محمد ہاشم کے خاندان اہل سنت والجماعت نے پیشہ خاکروب کیا تھا۔ چند سال ہوا کہ ہم بھائیوں نے پیشہ ترک کیا۔ اور سنت جماعت بھائیوں کا سوال ہے کہ ہم لوگ مسلمان نہیں ہیں۔ تو تابعدار کا جواب یہ ہے کہ مسلمان نہیں ہیں تو ہر ایک بات سے کیوں بند نہیں کر دیتے مسجد میں آنا، موت میں آنا، اور قرآن شریف پڑھنا۔ ہمارے سرور کائنات سرکار دو عالم ﷺ کا کیا فرمان ہے۔ تابعدار کے خاندان نے پیشہ خاکروبی کیا۔ اس لئے ہم بھائیوں کے ہاتھ کا کھانا ناجائز ہے، تو تابعدار کا سوال ہے کہ کون سی حدیث اور فقہ میں ہے کہ جس نے غلاظت صاف کی اس کے ہاتھ کا کھانا ناجائز ہے۔ اور جو غلاظت کھاتے ہیں ان کے ہاتھ کا جائز ہے۔ جس روز سے تابعدار نے یہ لفظ سنا کہ مسلمان نہیں اس روز سے تابعدار نے اسلام کی ہر ایک بات چھوڑ دیا ہے۔ لہذا تابعدار کو دوسرے مذہب میں شامل ہونے کی اجازت دی جائے۔

المستفتی نمبر ۷۶ عبدالرحیم کانسٹیبل نمبر ۱۶۱ پولیس بلڈانہ برار۔ مورخہ ۲۵ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء

یہ غالباً نو مسلم ہیں اور مسلمان ان سے حقارت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ لہذا ان کی تائید میں کوئی جواب ہو جائے تو ان کی آسانی کا باعث ہوگا۔ خواجہ حسن نظامی۔

(جواب ۲۷۴) اسلام کا حکم یہ ہے کہ جو شخص خدا و رسول پر ایمان لے آیا اور جو باتیں کہ پیغمبر خدا لائے ہیں ان کو مان لیا اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی کتاب تسلیم کر کے اس کے احکام کو قبول کر لیا، وہ سب مسلمانوں کا بھائی ہو گیا، خواہ کسی قوم اور کسی ذات کا ہو۔ اسلام نے چھوت چھات قائم نہیں کی بلکہ اس کو اٹھادیا ہے۔ جو لوگ اس سے چھوت کریں یا تمہارے ہاتھ کی چیز سے پرہیز کریں یا تم کو ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھیں وہ اسلامی احکام سے ناواقف ہیں۔ خدا اور رسول کے نافرمان اور گنہگار ہیں۔(۱) تم ہرگز دل تنگ نہ ہو اور اسلامی کاموں کو ادا کرتے رہو اور مضبوط رہو۔ اور ان لوگوں سے کہو کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی عزت دی ہے۔ تم ہم کو حقارت سے دیکھ کر گنہگار نہ ہو۔ انما المومنون اخوۃ(۲) قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

حدیث ”قدموا قریشا“ کی تخریج اور اس کا مفہوم .

(السوال) میں نے ایک رسالہ میں یہ حدیث دیکھی ہے۔ قدموا قریشا ولا تقدموھا و تعلموا منھا ولا تعلموھا۔ الحدیث۔ اخرجہ ابن النجاری (از کنز جلد ۷ ص ۱۴۰) آیا یہ حدیث صحیح ہے یا غیر صحیح اور بصورت صحیح ہونے کے اس کا مطلب کیا ہے؟

۱۔ ”المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یخذله ولا یحقره الخ“ (مسلم: ج ۲ ص ۳۱۷ ط قدیمی)
۲۔ الحجرات: ۱۰

المستفتی نمبر ۱۴۱۳ مولوی محمد زکریا۔ عربک ٹیچر مسلم ہائی اسکول انبالہ۔ ۲۴ شوال ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۷۴) یہ حدیث کنز العمال کے ص ۱۴۰ جلد ہفتم میں موجود ہے۔(۱) ابن النجار سے نقل کی ہے اور مناوی نے کنوز الحقائق میں اس کو روایت کر کے (الشافعی) کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور **لا تعلموها** کے بجائے **لا تعالموها** ذکر کیا ہے اور جامع صغیر میں کئی حوالوں سے بالفاظ مختلفہ ذکر کیا ہے (۲) مثلاً اس میں ہے **قدموا قريشا ولا تقدموها وتعلموا من قريش ولا تعالموها. الشافعي والبيهقي في المعرفة عن ابن شهاب بلاغا (عد) عن ابى هريرة (صح) قدموا قريشا ولا تقدموها وتعلموا من قريش ولا تعلموها ولولا ان تبطر قريش لا خبر تهابمالخيارها عند الله تعالى (طبراني) عن عبدالله بن السائب (صح) قدموا قريشا ولا تقدموها ولولا ان تبطر قريش لا خبر تها بما لها عندالله . البزاز عن على (صح)** یعنی یہ حدیث ابن النجار اور شافعی اور بیہقی اور ابن عدی اور طبرانی اور بزاز نے روایت کی ہے۔ اور جامع صغیر میں اس کی تمام روایتوں پر صحت کی علامت کی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث صحیح ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ قریش مقدم (مقتدا) ہونے کے اہل ہیں۔ ان کو مقدم رکھو اور **(ماقاموا الدين)**(۳) جب تک ان کی اہلیت قائم ہو تم ان سے مقدم ہونے کی کوشش نہ کرو۔ اور قریش (یعنی عترت نبویہ) سے دین سیکھو یا قرآن مجید کی قرائت (لان القرآن أنزل بلغة قريش)(۴) حاصل کرو اور اس بارے میں ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کی راہ اختیار نہ کرو۔ یہ فقط ایصال حق الی اھلہ کی تعلیم ہے اور اہلیت کا ثبوت ان کے لئے علی ماینبغی ہے نہ کہ بطور لزوم جیسے کہ لفظ ما اقاموا الدین سے ظاہر ہے کہ دین سے روگردانی پر وہ قیادت اور تقدم کے مستحق نہیں۔

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

بنو ہاشم بھی سید ہیں۔

(السوال) بنو فاطمہ کے علاوہ بنو ہاشم بھی سید ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۸۲۲ محمد نذر شاہ (ضلع گجرات) ۶ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۷۵) بنو ہاشم کے علاوہ دوسرے ہاشمی بھی لغۃً واحتراماً سید ہیں اور حرمت صدقہ کے حکم میں شامل ہیں۔ مگر اصطلاحاً "سید" کا لفظ صرف بنو فاطمہ کے لئے خاص ہو گیا ہے۔ محمد کفایت اللہ

جن لوگوں کے لئے صدقہ لینا حرام ہے ان کو سید پکارنا ضروری نہیں۔

(السوال) کیا مذہب اسلام کا یہ حکم ہے کہ جن افراد پر ازروئے شرع شریف صدقہ حرام ہے اور وہ مستحق

۱۔ كنز العمال ، الباب الرابع في القبائل و ذكر هم نمبر ۳۳۸۰۸، نمبر ۳۳۸۲۳ مکتبۃ التراث الاسلامی۔
۲۔ الجامع الصغير (حرف القاف قدموا) : ۲ / ۲۱۱ ط مصر۔
۳۔ بخاری ، كتاب الاحكام ، باب قول الله اطيعو الله واطيعوا الرسول الخ : ۲ / ۱۰۵۷ ط قدیمی۔
۴۔ "فاكتبوها بلسان قريش فان القرآن انزل بلسانهم" (بخاری باب نزول القرآن بلسان قریش الخ : ۲ / ۷۴۶ ط قدیمی)

خمس ہیں۔ان کو بغرض اظہار نسب سید اور سادات سے موسوم و مخاطب کیا جائے۔بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۹۳۸ سید کمال احمد۔ دہلی۔ ۲۸ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۷۶) صدقہ بنی ہاشم پر حرام ہے۔اور بنی ہاشم میں جن پر صدقہ حرام ہے عباسی اور بنو حارث اور اولاد جعفر بن ابی طالب اور اولاد عقیل بن ابی طالب اور اولاد علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب شامل ہیں۔(۱) ان سب کے لئے لفظ ہاشمی ایسا لفظ ہے جو اظہار نسب کے ساتھ اظہار حرمت صدقہ کے لئے کافی ہے۔ سید کا لفظ اس معنی میں محاورات عرب میں مستعمل نہ تھا۔ ہندوستان میں بھی اتنے عام معنی میں متعارف نہیں ہے۔بلکہ حضرت علی کی تمام اولاد پر بھی حاوی نہیں۔ صرف اولاد فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر عرفاً بولا جاتا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ شریعت میں کسی ایسے حکم کا وجود نہیں کہ لفظ سید اپنے نام کے ساتھ حرمت صدقہ کے اظہار کی غرض سے لکھنا یا کہنا ضروری ہو۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

محض نسب کی بنا پر دوسرے مسلمان کو ذلیل سمجھنا.

(السوال) جو مسلمان دوسرے مسلمان کو کسی حیثیت سے ذلیل سمجھے اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرے وہ کیسا ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۰۰۱ غلام محمد۔امروہہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۷ اجنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۷۷) محض نسب کی بنا پر کسی کو ذلیل سمجھنا اور ذلیل کہنا اسلامی تعلیم کی رو سے غلط اور ناجائز ہے(۲) اور اس بنا پر مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا موجب فسق ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔دہلی

سید ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو ذلیل سمجھنا.

(السوال) کسی کا محض اس بنا پر کہ میں شیخ و سید ہوں ،اپنے کو بڑا سمجھنا اور پیشہ ور اقوام مثلاً بافندہ نداف حجام وغیرہ کو ذلیل سمجھنا باعتبار نسب کے جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۰۱۹ ایم۔ عمر صاحب (ضلع سارن) ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۴ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۷۸) سادات کے لئے اور اسی طرح صحابہ کرام اور بزرگوں کی اولاد کے لئے ایک قسم کا شرف حاصل ہے۔ لیکن وہ اسی وقت معتبر اور کار آمد ہے کہ اعمال کے لحاظ سے بھی وہ شخص اچھا ہو اور باوجود اس کے دوسروں کو ذلیل نہ سمجھے(۳) اور ان کے ساتھ شودر کی طرح معاملہ نہ کرے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

۱۔"ولا تدفع الی بنی هاشم وهم ال علی وال عباس وال عقیل وال الحارث بن عبدالمطلب"(ہدایہ: ۱/ ۲۰۶ مکتبہ شرکت علمیہ)
۲۔"یا ایها الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند الله اتقکم"(الحجرات : ۱۳)
۳۔"یاایها الذین امنوا لا یسخر قوم" من قوم عسی ان یکونوا خیرا منهم"(الحجرات :۱۱)

۱۔ ذات پات کی وجہ سے عزت اور ذلت کا فرق کرنا.
۲۔ اعلیٰ ذات والے غیر مسلم کو گھٹیا پیشہ والے مسلمان پر ترجیح دینا.

(السوال)(۱) مثل ہندوں کے شیخ سید مغل پٹھان کو اعلیٰ ذات سمجھنا اور باقی کو ذلیل سمجھتے ہوئے اپنے برابر بٹھانا ان کے ساتھ شودر جیسا سلوک کرنا کیسا ہے ؟

(۲) ہندوؤں کے اعلیٰ ذات برہمن راجپوت وغیرہ کو برابر بٹھانا، اور مسلم پیشہ ور اقوام مثل بافندہ وغیرہ کو برابر نہ بٹھانا کیسا ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۰۱۹ ایم۔ عمر صاحب انصاری (ضلع سارن) ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۴ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۷۹) مسلمانوں میں اور اسلام میں ذات کے طبقات پر شرافت اور رذالت کا فرق نہیں۔ اسلام میں شرافت صلاحیت اعمال و تقویٰ پر ہے۔ (۲) اسلامی شرافت نسبی شرافت سے بالاتر ہے۔ ایک مسلمان پیشہ ور صالح متقی غیر مسلم نسبی شریف سے اکرام و اعزاز کا زیادہ مستحق ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

غیر مسلم کا جھوٹا استعمال کرنا درست ہے بشرطیکہ اس کے منہ سے کوئی نجاست نہ لگی ہو :

(السوال) ملک حاجی عبدالعزیز نے اچھوت کا جھوٹا پانی پیا۔ (روزنامہ آفتاب ۲۵ جولائی ۱۹۳۶ء)

(۱) گذشتہ شب مہاواڑہ میں مسٹر چندرا کی تقریر ہو چکی تو مولانا مولوی محمد عثمان صاحب نے جو جلسہ کے صدر تھے، اپنی فاضلانہ تقریر کے دوران میں اسلام کی تعلیم اور نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو حاضرین کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے اچھوت بھائیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایک مسلمان ان کے ساتھ بیٹھ کر ایک تھالی میں کھانا کھا سکتا ہے۔ اور ایک گلاس میں پانی پی سکتا ہے۔ مولانا کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ ملک حاجی عبدالعزیز نے ہوکر سب اچھوت بھائیوں کے سامنے مسٹر چندرا کا جھوٹا پانی جو گلاس میں میز پر رکھا تھا، پی لیا اور ثابت کر دیا کہ مسلمانوں میں بالکل چھوت چھات نہیں ہے۔ ملک صاحب نے پانی پیا تو چاروں طرف سے احسنت و مرحبا کے نعرے بلند ہوئے۔ مولوی محمد عثمان صاحب نے تقریر کرتے ہوئے بہت سے واقعات کا ذکر کیا۔ پھر ملک صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جس طرح انہوں نے آپ کے سامنے مسٹر چندرا کا پانی پیا، کیا کوئی ہندو کر سکتا ہے۔ اس پر ایک ہندو نوجوان جلسہ میں کھڑے ہوکر بولا کہ ہاں میں پی سکتا ہوں۔ چنانچہ اس نے سب کے سامنے ایک دوسرے اچھوت کا جھوٹا پانی پیا۔ مولانا نے اس پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ یہ اسلام کی پاک تعلیمات کا اور حضور نبی کریم ﷺ کی پیش گوئی کا اثر ہے کہ آج ہندوں بھی اسلام کی تعلیمات کی طرف رجوع کر رہے ہیں اور بری رسومات کو چھوڑ رہے ہیں۔ جلسہ خیر و خوبی سے ختم ہوا۔

(۲) مسلمانوں میں کسی قسم کی چھوت چھات نہیں۔ مدیر آفتاب اچھوت بھائیوں کا مہمان

گذشتہ شب مسٹر چندرا جب تقریر ختم کر چکے اور جلسہ برخاست ہو چکا تو کمہار واڑہ کے اچھوتوں نے مسٹر چندرا اور درخواست کی کہ وہ ان کے پاس رات گذاریں اور ان کے مہمان ہوں۔ انہوں نے مدیر آفتاب سے دریافت کیا کہ ان کو بھنگیوں کے ہاں رہنے میں کچھ عذر ہو گا۔ وہ چاہتے تھے کہ مدیر آفتاب ان کے ترجمان کا فرض ادا کریں۔ اس لئے کہ مسٹر چندرا کی زبان سے ناواقف ہیں۔ مدیر آفتاب نے اچھوت بھائیوں کی دعوت کو نہایت خوشی سے قبول کر لیا۔ اور وہ مسٹر چندرا کے ساتھ شب بھر بھنگیوں کے کوارٹر میں قیام پذیر رہا۔ اچھوت بھائیوں نے اپنی حیثیت کے مطابق اپنے مہمان کی خاطر داری میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ اور صبح کا ناشتہ کرا کے ان کو رخصت کیا۔ نقیب کراچی ۲۷ جولائی ۱۹۳۶ء۔

علمائے کرام کیوں خاموش ہیں ؟

کراچی میں ایک نیچری خیال کا لا مذہب ایک اردو اخبار کی پناہ لے کر علی رؤس الاشہاد سورہ ممتحنہ اور قرآن پاک کی مقدس آیات کا خاکہ اڑا رہا ہے، لیکن کسی بھی عالم دین کو یہ جرات نہیں ہوتی کہ اس دریدہ دہن کے منہ میں لگام دے۔ یوں تو معمولی معمولی ناکارہ چیزوں پر وہ فتویٰ دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور الیکشن تک کے معاملات بھی ان کے افتاء کی زد سے محفوظ نہیں رہتے لیکن ظلم کی بات ہے کہ ایک لا مذہب شخص اسلام اور مسلمانوں کی کھلم کھلا تضحیک کر رہا ہے۔ اور علماء حق کو "بجومت" کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ مگر کسی عالم کی غیرت ایمانی کو احساس نہیں ہوتا۔ آج کہاں ہیں وہ مبلغ اسلام حافظ مولوی محمد حسن صاحب، مولانا مولوی ایوب بیگ صاحب، مولوی رحمت اللہ صاحب مولوی محمد عثمان صاحب اور حکیم علی محمد صاحب۔ ذرا ملاحظہ تو کریں کہ ملک عبدالعزیز آف پنجاب ہوٹل اور مدیر آفتاب جیسے نمائشی مسلمان مردار خوار لوگوں کے ساتھ چائے پیتے اور ان کا جھوٹا پانی پیتے ہیں اور وہ بھی بر سر عام بے علم اور سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے۔ اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ کسی ایسے شخص کا جھوٹا کھایا جائے جو حرام اور مردار اشیاء کو جائز اور حلال سمجھ کر کھا رہا ہو، تاوقتیکہ وہ مسلمان ہو کر ان اشیاء سے تائب نہ ہو جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ صرف غیر مسلموں پر جھوٹا اثر قائم کرنے کے لئے یہ علم دین سے بے خبر لوگ اسلام کو ذلیل کرتے پھرتے ہیں۔ کیا غیر مسلموں پر اسلام کا اثر اسی صورت سے ڈالا جا سکتا ہے کہ ان کا جھوٹا پانی پیا جائے۔ اور ان کے ساتھ کھانا کھایا جائے۔ اسلام کی سطح محبت ارفع واعلیٰ ہے۔ اس کی مقدس تعلیم اور زرین اصولوں پر کاربند ہو کر ہر مسلمان وہ نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے کہ غیر مسلم خود اسلام کے شیدائی بن جائیں۔ آج اس قسم کے نئے مسلمان اپنی حرکات سے اسلام کو بجائے فائدہ پہنچانے کے نقصان پہنچاتے ہیں۔ مسلمانوں کو ضرورت نہیں ہے کہ وہ کسی بے دین یا مشرک کا جھوٹا کھائیں۔ بلکہ دنیا اور دین میں باعزت اور خوشگوار زندگی بسر کرنے کے لئے بے دینوں اور مشرکوں کو اسلام کی پناہ میں آنے کی ضرورت ہے اور جیسے جیسے ان کو احساس ہوتا ہے وہ حلقہ بگوش اسلام ہوتے جاتے ہیں۔ شیخ خالد لطیف گابا اور شیخ عبداللہ گاندھی اور دوسرے ہزاروں نو مسلم اس لئے مسلمان نہیں ہوئے کہ ملک عبدالعزیز نے ان کا جھوٹا پانی پیا تھا۔ یا قاضی محمد مجتبیٰ صاحب نے ان کے سامنے بھنگیوں اور چماروں کی محفل میں بیٹھ کر چائے نوشی کی تھی۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا

آج کراچی کے علماء دین اور مبلغین کا فرض ہے کہ وہ اپنے عشرت کدوں سے باہر نکلیں اور میدان میں آکر اسلام کی صحیح تعلیم مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سامنے پیش کریں اور اس غلط فہمی کو دور کریں جو ان جاہلوں کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے۔ اسلام کی نظر میں تمام غیر مسلم خواہ وہ اچھوت ہوں یا برہمن چھتری ہوں یا ویش ایک ہیں۔ ان میں سے جو بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو وہ ان کا بھائی ہے۔

المستفتی نمبر ۱۰۸۷ محمد یوسف صاحب دہلوی۔ (کراچی) ۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۵ء مطابق یکم اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۸۰) اسلام میں چھوت چھات نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے وزن کے لحاظ سے مسلمانوں یا غیر مسلموں کو کلاسز میں تقسیم نہیں کیا ہے۔ اور کوئی شخص اپنی نسل اور قومیت کے لحاظ سے اچھوت نہیں۔ ہاں اگر وہ کوئی ایسی شے استعمال کرتا ہے جو اسلام نے ناپاک یا حرام قرار دی ہے تو اس سے مسلمان اس لئے احتراز کرے گا کہ ناپاک یا حرام چیز کا اس کے ساتھ لگاؤ نہ ہو جائے۔ خواہ استعمال کرنے والا مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اسلام نے انسان کے بدن کو (جب کہ اس پر کوئی خارجی نجاست نہ ہو) پاک قرار دیا ہے اور اس میں مسلمان اور کافر کا فرق نہیں کیا۔ اور اسی بناء پر انسان کا جھوٹا پاک ہے۔(۱) خواہ مسلمان ہو یا کافر۔ پس اگر کوئی مسلمان کسی کافر شریف یا اچھوت کا جھوٹا پانی پی لے تو بشرطیکہ اس کافر نے کوئی ناپاک چیز کھائی پی نہ تھی، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اگر کوئی مسلمان یا کافر شراب پی کر فوراً اس سے پانی لے تو یہ جھوٹا پانی پینا ناجائز ہے کہ اس میں شراب پینے کی وجہ سے نجاست آگئی۔(۲) پس نقیب کراچی کا مضمون بھی اعتدال سے متجاوز ہے۔

فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

۱۔ ایک برتن میں غیر مسلم بھنگی کے ساتھ کھانا کھانا۔
۲۔ غیر مسلم سے مسجد میں جھاڑو دلوانا۔

(السوال) (۱) ایک غیر مذہب بھنگی کے ساتھ مسلمان کو کھانا ایک پلیٹ میں کیسا ہے؟
(۲) ایک غیر مسلم بھنگی کو بلا کر مسجد میں جھاڑو دلوانا کیسا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۳۳۶ شیخ عبدالغفور صاحب (دہلی) ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ ۶ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۸۱) (۱) اسلام کا اصول یہ ہے کہ انسان کا بدن پاک ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔(۳) اس میں بھنگی اور چمار کا بھی سوال نہیں ہے۔ سوال میں غیر مذہب بھنگی کی تصریح کی گئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر غیر

۱۔ "الاول من الاقسام سؤر" طاهر مطهر بالاتفاق من غير كراهة في استعماله وهوما شرب منه آدمي ليس بفمه نجاسة...... ولا فرق بين الصغير والكبير والمسلم والكافر والحائض والجنب." (نورالايضاء مع شرحه مراقي الفلاح الطبعة الاولى : ص ۱۸ ط مصطفى البابي الحلبي واولاده بمصر)

۲۔ "واذا تنجس فمه فشرب الماء من فوره تنجس۔" (حوالہ بالا)

۳۔ واما نجاسة بدنه فالجمهور على انه ليس بنجس البدن والذات لان الله تعالى احل طعام اهل الكتاب. (تفسير ابن كثير تحت قوله تعالى انما المشركون نجس الآية : ۳۴۶/۲ ط سهيل اكيڈمي)

مسلم بھنگی کو نہلا دھلا کر اس کا بدن اور ہاتھ پاک صاف کرالئے جائیں تو اس کے ساتھ ایک برتن میں کھانے والا محض اس بناء پر کہ غیر مذہب کے ساتھ کھایا ہے ناپاک کھانے یا حرام کھانے کا مرتکب قرار نہ دیا جائے گا کیونکہ اس مفروضہ صورت میں اس کے ہاتھ پاک کرالئے گئے ہیں۔ رہی یہ بات کہ اس نے غیر مذہب اور بھنگی کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیوں کیا تو یہ بات مختلف حالات اور مختلف مصالح کے لحاظ سے بدل سکتی ہے۔ اگر کوئی معقول وجہ اپنے ساتھ کھلانے کی ہو تو پھر کوئی الزام واعتراض نہیں اور اگر کوئی معقول وجہ نہ ہو تو بلاوجہ غیر مسلموں کے ساتھ کھانے پینے کے تعلقات قائم کرلینا الزام ہوگا مگر ناپاک یا حرام کھانے کا الزام نہ ہوگا۔

(۲) احاطہ مسجد میں نماز کی جگہ کے علاوہ باقی جگہ میں بھنگی سے جھاڑو دلوائی جائے تو کوئی حرج نہیں اور اگر بھنگی کے پاؤں اور بدن پاک ہونے کا یقین ہو تو نماز کی جگہ میں بھی اس سے جھاڑو دلوائی جاسکتی ہے۔ کیونکہ انسان کا بدن فی حد ذاتہ اسلامی اصول کے لحاظ سے پاک ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

(۱) ذات پات کی تمیز مٹانے کے لئے بطور تواضع فقیر کا لفظ استعمال کرنا۔
(۲) فقیر کا مفہوم گداگر متعین کر کے ایسے افراد کی تذلیل کرنا اور مستحقہ حقوق سے محروم کرنا ظلم ہے۔
(۳) فقیر کا لفظ چھوڑ کر اپنے اصلی قبیلہ کی طرف انتساب درست ہے۔

(السوال) ہمارے علاقہ ہریانہ میں ائمہ مساجد، متولی خانقاہ ایک زمانہ سے پشت در پشت نسلاً بعد نسل تبلیغ اسلام کا اہم فریضہ ادا کر رہے ہیں اور اس تبلیغی جماعت کے افراد نے اپنی اصلی ذات و قبیلہ شیخ، قریش، سید، مغل، پٹھان وغیرہم سے منسوب ہونے کے بجائے محض باتباع سنت نبوی ﷺ الفقر فخری و بتقلید علماء عظام و صوفیائے کرام ہندی اقوام سے ذات پات کی تمیز مٹانے کے لئے اپنے آپ کو بطور انکساری کلمہ فقیر سے موسوم کیا اور ہر تقریر و تحریر میں منکسرانہ طریق پر فقیر ظاہر کرتے رہے۔ جیسا کہ اس کلمہ کا استعمال روشن ضمیر علمائے عظام پر بخوبی روشن ہے۔ چنانچہ اس علاقہ میں اس جمعیت (ملا امام متولی خانقاہ) کے افراد اسی کلمہ سے موسوم ہو رہے ہیں لیکن ایکٹ انتقال اراضی کے باعث پنجاب وبالخصوص علاقہ ہریانہ میں زراعت و غیر زراعت پیشہ یعنی ذات پات کی تمیز خود مسلمانوں میں ہو چکی ہے بلکہ حقوق ملکی، زرعی، ملازمتی میں اس ذات پاک کا امتیاز قائم ہو چلا ہے اور اس جمعیت کے افراد از مہد تا لحد خدمت اسلام و مسلمین کے صلہ میں سید القوم خادمہم کی بجائے محض فقیر موسوم ہونے کے باعث باوجود جملہ صفات و ضروریات زمانہ ہر شعبہ، صیغہ سوسائٹی، حکومت میں ذلیل کئے جارہے ہیں اور چند مواضعات کے واحد بسویدار و بمثل و دیگر کاشتکاران پیداوار اراضی پر بسر اوقات کرنے کے باوجود حقوق زرعی فوجی ملازمتی سے محروم کئے جارہے ہیں۔ اس اللہ کا نام بلند کرنے والی، اللہ کے گھروں کو آباد کرنے والی جماعت کے افراد پر فی زمانہ جملہ وسائل ترقی ہر طرح و ہر طرف سے بند کر کے ان پر دائرۂ معیشت تنگ کیا جارہا ہے۔ لہذا علمائے عظام کی خدمت میں اس طبقہ کی موجودہ حالت پیش کر کے التماس ہے کہ براہ مہربانی سوالات ذیل کا جواب باصواب فرداً فرداً بروئے

شریعت حقہ عطا فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(۱) طبقہ مسلمین میں مثل قریش، سید، مغل، پٹھان وغیرہم قبائل، فقیر بھی کوئی ایسی قوم یا ذات ہے یا کلمہ انکسار ہے۔ جس سے سلف صالحین اور ان کی اولاد و جانشین موسوم ہوتے رہے ہیں۔

(۲) زید اور اس کی برادری بصورت مذکورۂ بالا لفظ فقیر سے موسوم ہے۔ ان کو باوجود جملہ صفات ضروریات کی ذات فقیر (جس کے معنی فی زمانہ پیشہ ور گداگر کے لئے جا رہے ہیں) حقارتاً کہہ کر سوسائٹی و حکومت میں ذلیل کرنا اور ہر مستحقہ حقوق سے محروم کرنا اور کرانا بلکہ ملازمت تک سے برطرف کرانا مسلم آزادی و ظلم موجب گناہ ہے یا نہیں۔

(۳) اس تذلیل سے بچنے اور اپنے تمدنی و معاشرتی ترقی کے لئے اپنے اصلی قبیلہ (قریش، سید، مغل، پٹھان وغیرہم سے منسوب ہو کر بدستور خدمت اسلام بجالانا کیسا ہے (اور بجائے فقیر اپنی اصلی نسبی شیخ، سید، مغل وغیرہ درج کرانا کیسا ہے۔

(المستفتی نمبر ۱۵۸۱ محمد سلیمان صاحب صدیقی (ضلع حصار) ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۸ جولائی ۱۹۳۷ء)

(جواب ۲۸۲) مسلمانوں میں فقیر کوئی ذات اور کوئی نسل نہیں ہے۔ فقیر ایک لقب تھا جو کوئی شخص بطور انکسار اپنے لئے یا بطور اظہار زہد دوسرے شخص کے لئے استعمال کرتا تھا اور ہر نسل والا شخص (خواہ علوی ہو یا فاطمی مغل یا افغان یا اور کوئی) اس لفظ کو استعمال کر سکتا تھا۔ پس اس کو ایک ذات قرار دے لینا صریح غلطی ہے اور اس کا مفہوم گداگر متعین کر دینا خواہ سادات، قریش یا عرب نسل سے ہوں یا مغل، پٹھان وغیرہ نسلوں سے ہوں۔ ایک ظلم ہے جس کا رفع کرنا ضروریات میں سے ہے۔ اور فقیروں کی اس جماعت میں سے ہر شخص کو اپنی نسل کے لحاظ سے سید یا قریشی یا مغل وغیرہ کا لقب اپنے نام سے ملحق کرنا جائز ہے۔ فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

مسلمانوں کو جائز پیشہ کی بناء پر ”جولاہا“ کہہ کر اس کی تذلیل کرنا .

(السوال) ایک مسلم و مومن کی شان میں کسی ایسے لفظ کا استعمال کرنا جس سے اس کی تضحیک و تذلیل ہوتی ہو شرعاً جائز ہے یا ناجائز اور ایسے معاملہ میں مسلمانوں کو کس طرح کا احتیاط لازم ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو کہ ایک مسلم خاندان جس میں علماء و مشائخ صالحین و مدرسین کثرت سے موجود ہوں ان کے آبائی پیشے بافندگی کی بناء پر اس پورے قبیلے کا نام جولاہا رکھ دیا گیا ہے اور اس لفظ جولاہے کو تمام باشندگان ہندوستانی خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم عرف و حقیقت دونوں میں اتنا معیوب اور مذموم سمجھتے ہیں کہ مسلم خاندان تو درکنار اگر ڈوم اور چمار کو بھی لفظ جولاہے سے تعبیر کیا جائے تو چراغ پا ہو جاتا ہے اور اپنے لئے اسے نہایت تذلیل و تضحیک کا سبب سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ کوئی دوسرا لفظ اس سے بدتر کسی خاندان کی تضحیک و تذلیل کے لئے عرف میں ہنوز نہیں ہے۔ تو اب ایسی صورت میں خاندان کے متعلق جن کے آباؤاجداد بافندہ تھے یا اس کے اکثر افراد اب بھی اسی پیشہ کو کرتے ہیں تو اس پیشے کی بناء پر ایسے ذلت آمیز لفظ ”جولاہا“ کا استعمال کرنے والا

کسی شرعی سزا کا مستحق ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اس کے ساتھ مسلمانوں کا کیسا برتاؤ ہونا چاہئے۔ قرآن مجید، حدیث شریف و فقہ حنیف کی رو سے حکم صادر فرما کر اس شر و فتن کے زمانے میں صحیح طریق عمل بتلا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(المستفتی نمبر ۱۷۷۸ محمد نصیر الدین عفی عنہ (گیا) ۱۴ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء)

(جواب ۲۸۳) جائز پیشے کی بناء پر کسی کو ذلیل سمجھنا اسلامی احکام اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ مسلمانوں میں یہ مرض ہندوستان میں ہندوؤں کے اختلاط سے (کہ ان میں ذات پات کی تقسیم اور پیشوں پر شرافت اور ذلت کی بنیاد رکھی گئی ہے) پیدا ہوا ہے اور بد قسمتی سے اسی درجے پر پہنچ گیا ہے، جس درجے پر ہندوؤں میں ہے اور اس نے اسلامی وحدت کو پاش پاش کر دیا۔ چونکہ پیشوں پر شرافت اور رذالت کی بنیاد قلوب واذہان میں راسخ ہو گئی ہے اس لئے ایسے الفاظ جو دراصل پیشوں کے ظاہر کرنے کے لئے وضع کئے گئے تھے ان کی اصل وضع میں عزت و ذلت کا مفہوم نہ تھا، جیسے لفظ جولاہا صرف بافندگی کے اظہار کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ اس عام تخیل کی بناء پر ذلت و رذالت کے مفہوم کے حامل بن گئے اور جولاہے کا اطلاق کرنا گویا اس کو ذلیل کہہ دینے کے قائم مقام ہو گیا اس لئے یا تو اس تخیل کو رد کیا جائے یا ایسے الفاظ کے اطلاق سے احتراز کیا جائے۔ یہ احتراز کا حکم اسی اصول پر مبنی ہے کہ گو اطلاق کرنے والے کی نیت میں تذلیل و توہین نہ ہو۔ اظہار حرفت واظہار حقیقت ہی مقصود ہو۔ مگر یہ لفظ عام تخیل کی لحاظ سے توہین و تذلیل کا حامل ہو گیا ہے۔ جیسے حدیث شریف کے وہ الفاظ جو آنحضرت ﷺ کے حالات کے بیان میں آتے ہیں۔ یعنی کان یرکب الحمار(۱) ویخصف نعلہ(۲) اس کے ترجمہ میں حمار کا ترجمہ دراز گوش کرنا لازم ہے اور یخصف کا ترجمہ اصلاح فرمالیتے تھے کرنا لازم ہے اور اگر اطلاق کرنے والے کی نیت بھی تذلیل و توہین کی ہو تو پھر وہ سباب المسلم فسوق(۳) میں داخل ہو کر کم از کم فاسق تو ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

سادات کن لوگوں کو کہا جاتا ہے؟

(السوال) بہت سے لوگ یہ سوال پیش کرتے ہیں کہ سید قوم کہاں سے شروع ہے اور اس لقب سے کیا مراد ہے؟ یعنی سادات کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوا اور سید کس لئے کہلائے گئے اور یہ نسب کیا ہے اور سید کے کیا معنی ہیں اور شیعہ کیا ہے؟

(المستفتی نمبر ۱۱۷۹ عابد علی صاحب، بنگال۔ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۳۶ء)

۱۔ شمائل ترمذی، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ص ۲۲ ط ایچ ایم سعید۔
۲۔ مشکوۃ بحوالہ ترمذی، باب فی اخلاقہ و شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم: ج ۲ ص ۵۲۰ ط سعید۔
۳۔ بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاترجعوا بعدی کفاراً: ۲/۱۰۴۸ ط قدیمی

(جواب ۲۸٤) یہ ذاتوں کا سلسلہ جس طرح کہ عجم میں اب قائم ہو گیا ہے، اسلام کے ابتدائی زمانہ میں نہ تھا۔ اب تو شیخ، صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی اور سید سب الگ الگ ذاتیں سمجھی جانے لگیں۔ حالانکہ یہ سب قریش اور شیخ قریشی ہیں۔ ان میں سے سید وہ کہلاتے ہیں جو حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کی اولاد میں داخل ہیں۔ پس سید تمام کے تمام قریشی بھی ہیں۔ انصاری وہ لوگ ہیں جو قریشی نہیں ہیں۔ مدینہ طیبہ کے رہنے والے غیر قریشی انصاری کہلاتے تھے۔ ان کی اولاد شیوخ انصاری کہلاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ سید اور صدیقی اور فاروقی اور عثمانی اور حضرت علی کی وہ اولاد جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہیں سب قریش میں داخل اور باہم ایک دوسرے کے ہم کفو ہیں اور پٹھان اور مغل عجمی قومیں ہیں۔ ان کا عرب کے ساتھ سلسلہ النسب نہیں ملتا۔ اسی طرح عجم اور ہندوستان کی دوسری نو مسلم اقوام شیخ کہلاتی ہیں۔ پس شیخ کا لفظ عرب کے بہت سے سلسلوں (مثلاً انصاری، صدیقی، فاروقی، عثمانی، زبیری وغیرہم) اور بہت سے عجمی نو مسلم قوموں پر بولا جاتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

محض پیشے کی بناء پر اپنے آپ کو انصاری کہنا درست نہیں

(سوال) رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حضرت ایوب انصاری صاحب کپڑا بن کر تیار کرتے تھے اور فروخت کرتے تھے اس لئے اس زمانے کے وہ مسلمان جو کہ کپڑا بنتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں اپنے کو انصاری قرار دیتے ہیں، جس کو کہ ہندوستان میں مومن یا نورباف یا جولاہا کہہ کر پکارا جاتا ہے، کیا ان اصحاب کے زمانے میں کوئی ایسا بھی فرقہ تھا جو روئی کو صاف کر کے یعنی دھن کر قابل سوت بناتا تھا۔ یعنی روئی کو دھنتا بھی تھا اور دھن کر سوت تیار کرتا تھا اور سوت تیار کر کے کپڑا بھی بنتا تھا۔ ایسے لوگ اس زمانے میں تھے تو ان کا کیا نام تھا اور کس فرقے اور کس جماعت سے موسوم کئے جاتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ایوب کے فرقے کے لوگ لقب انصاری سے موسوم کئے جاتے ہیں، اور جن کا فرقہ ہندوستان میں اس زمانہ میں نداف یا دھنیا کے نام سے پکارا جاتا ہے اور فرقہ انصاری کے قدم بقدم چلنے والا ہے۔ اس لئے التماس ہے کہ اس فرقہ کے لوگ زمانہ خلافت و زمانہ اصحاب میں کس نام و حرفہ سے موسوم کئے جاتے ہیں اور اس کا پتہ کن کن کتب کے دیکھنے سے مفصلاً معلوم ہو سکتا ہے۔

(المستفتی نمبر ۱۹۰۹ ڈاکٹر حسن علی (ہردوئی) ۷ اشعبان ۱۳۵۶ھ موافق ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء)

(جواب ۲۸۵) حضور اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں انصار ان لوگوں کا لقب تھا جنہوں نے مسلمان مہاجرین کی مدد اور نصرت کی تھی۔ یہ لوگ مدینہ منورہ کے باشندے تھے اور ان میں ہر قوم کے پیشہ والے اور ہر نسب سے منتسب شامل تھے۔ انصاری کا لقب کسی خاص پیشے یا کسی نسب کی بناء پر نہیں تھا۔ جو لوگ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد میں ہوں وہ اپنے کو انصاری کہہ سکتے ہیں۔ خواہ ان کا موجودہ پیشہ کچھ بھی ہو۔ اور جو ان کی اولاد میں نہیں، وہ محض پیشہ کی بناء پر اپنے کو انصاری نہیں کہہ سکتے۔ پیشوں کی بناء پر وہی الفاظ بولے جاتے ہیں جو ان پیشوں پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً دباغ حائک حجام وغیرہ۔ ہاں اس وقت ان پیشوں کو بنظر حقارت نہیں دیکھا جاتا تھا اور اس نسبت کو موجب توہین قرار نہیں دیا جاتا تھا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

(۱) "میراسی" بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔
(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے وقت کسی کا زنا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟
(السوال) جو قوم مطرب و مغنی کی یعنی میراسی کی ہے۔ یہ قوم آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں یا کسی اور جنس حیوان، درندہ یا پرندہ۔ اب دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آتش نمرود میں کافر ڈالنے لگے تو اس وقت کس کس شخص نے وہاں پر فعل یعنی زنا کیا تھا؟
(المستفتی نمبر ۲۰۵ ۱امیر الدین صاحب (منٹگمری) ۸ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء)
(جواب ۲۸۶) (۱) میراسی بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ (۱) کسی اور کی اولاد میں سے نہیں۔
(۲) اس واقعہ کا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے وقت کسی نے گناہ کیا تھا کوئی ثبوت نہیں ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

ہندوستان کی "پارچہ باف برادری" کا اپنے آپ کو انصاری کہنا۔

(السوال) دہلی میں پارچہ باف برادری کے چند نوجوانوں نے ایک انجمن بنام اصلاح الانصار قائم کی ہے اور وہ کہتے ہیں۔
(۱) ہم انصار ہیں اس لئے ہر موقعہ پر ہمیں اپنی ذات انصار ہی ظاہر کرنی چاہئے۔
(۲) انجمن اصلاح الانصار کا دعویٰ ہے کہ ہندوستان کے چار کروڑ پارچہ باف انصاری کی اولاد ہیں۔
(۳) انصار مدینہ کا پیشہ پارچہ بافی تھا۔ اس لئے ہر مسلمان جس کا پیشہ پارچہ بافی ہے انصاف کہلایا جاسکتا ہے۔ دہلی جیسے مرکزی شہر میں جہاں تقریباً ہندوستان کے ہر صوبہ کے اور ہر قوم کے افراد آباد ہیں اور اسی طرح پارچہ باف برادری کے افراد بھی ہندوستان کے مختلف حصص میں آکر آباد ہوگئے ہیں۔ بعض راجپوت ہیں اور بعض جاٹ وغیرہ ہیں اور بہت سے ہندو پارچہ بافوں کی اولاد میں سے ہیں جن کے آباؤ اجداد کسی زمانہ میں مسلمان ہوگئے تھے، کیا بغیر ثبوت کے یہ لوگ اپنے تئیں انصار کہلوا سکتے ہیں۔ اور من نسب الی اخرہ اور و من ادی علی غیر ابیه فالجنة حرام وغیرہ احادیث کا کیا مطلب ہے؟
(المستفتی نمبر ۲۴۴۳ منشی محمد عثمان صاحب دہلی۔ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ ۲ جنوری ۱۹۳۹ء)
(جواب ۲۸۷) یہ دعویٰ کہ ہندوستان کے تمام پارچہ باف انصار مدینہ کی اولاد اور نسل سے ہیں۔ بظاہر صحیح نہیں اور اس کا ثبوت تقریباً نا ممکن ہے۔ اس لحاظ سے پارچہ باف جماعت کو انصار (یعنی انصار مدینہ کی نسل) کہنا ایک بے اصل اور بے ثبوت دعویٰ ہے اور اس معنی کے لحاظ سے مدعی کا وعید من ادعی الی غیر ابیه میں داخل ہونا اغلب ہے۔ ہاں اس جماعت میں سے اگر کوئی خاندان ایسے ہوں جو اپنے سلسلہ نسب کو محفوظ رکھتے ہوں اور ان کا جد اعلیٰ کوئی انصاری ہو، وہ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ پارچہ بافوں کے بعض خاندان بلحاظ نسب انصار مدینہ کی نسل سے ہوں۔

(۱) "انتم بنو آدم" (ابوداؤد، باب في التفاخر بالاحساب : ج ۲ ص ۳۵۰ ط امدادیه)

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنی جماعت کا نام انصاریا انصاری تو رکھیں، مگر یہ دعویٰ نہ کریں کہ ہم سب کے سب انصار مدینہ کی نسل سے ہیں۔ تو اس صورت میں ان پر ادعی غیر اب(۱) کا گناہ تو نہ ہوگا۔ مگر اس نام سے انصاری النسل ہونے کا اشتباہ ہونے کی وجہ سے ایک مشتبہ لقب اختیار کرنے کا نامناسب عمل ضرور قرار پائے گا۔ الا یہ کہ وہ اس کی تصریح کردیں کہ ہم نے لفظ انصاری محض ایک نام اور لقب کے طور پر اختیار کیا ہے۔ نہ اظہار نسب ونسل کے لئے تو پھر اس نام کے اختیار کرنے کا بھی کوئی شرعی الزام ان پر عائد نہ ہوگا اور جو خاندان کہ فی الحقیقت انصاری النسل ہوں وہ معروف معنی سے بھی اپنے کو انصاری کہہ سکتے ہیں۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

نو مسلم بھنگیوں سے مسلمانوں کا کراہت کرنا۔

(السوال) بنام فیروز الدین والقمر دتا خاکروب نو مسلم ملازم پلٹن نمبر ۲ ریاست جموں و کشمیر چھاؤنی سے درخواست ہذا خدمت حضور ہے۔ تاریخ ۲۷ پوہ ۱۹۶ اء حسب دریافت فتویٰ انجمن جموں مفتی صاحب سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ آپ لوگ مطابق اصول اسلام نماز روزہ وغیرہ کے پابند ہوں۔ مگر ہمارا پیشہ خاکروب ہے اور ہندو اور مسلمانوں ہر دونوں کی نوکری دیتے ہیں۔ ہر دونوں سے نان پختہ کھاتے ہیں۔ مگر حرام چیز سے پرہیز ہے۔ وہ ہمارے واسطے حرام ہی ہے۔ کیونکہ ہم نو مسلم خاکروب ہیں اور ہم کو مسلمان اپنے ساتھ کھانا نہیں دیتے۔ اس لئے درخواست ہذا پیش خدمت ہے۔ برائے خدا شرع کے مطابق فتویٰ دیا جائے کہ ہم خاکروب نو مسلم عام و خاص کو مسلمان کے ساتھ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟
(المستفتی نمبر ۲۵۹۰ مولوی عبدالمجید صاحب (لاہور) ۹ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۴۰ء)

(جواب ۲۸۸) مسلمان خاکروب بھی مسلمانوں کے بھائی ہیں۔(۲) اور وہ پاک صاف ہو کر مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں اور جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں اور صفائی ستھرائی اور پاکی کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہو سکتے ہیں۔ جو مسلمانوں کی خاکروبوں کو باوجود ان کی صفائی اور پاکی کے مسجد میں آنے سے روکیں یا ان کے ساتھ کھانے پینے سے روکیں وہ یا تو اسلامی تعلیم سے ناواقف ہیں یا سخت گناہ گار اور فاسق ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

قریش اور انصار کو ایک دوسرے پر فضیلت ہے یا نہیں؟

(السوال) قبیلہ قریش اور انصار کے درمیان باعتبار مسلم برادری ہونے کے، ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل ہے یا نہیں۔

۱۔ ابو داؤد، باب "فی الرجل ینتمی الی غیر موالیہ" ۲: ۳۵۰ ط امدادیہ۔
۲۔ "انما المؤمنون اخوة" (الحجرات: ۱۰)

(المستفتی نمبر ۲۵۹۸ محمد جلال الدین صاحب (گوڑ گانوہ) ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ، ۱۲ مئی ۱۹۴۰ء)

(جواب ۲۸۹) انصار اور قریش دونوں عرب کے قبائل ہیں وہ اپنے انساب کے لحاظ سے انصار اور قریش کے جداگانہ ناموں سے نامزد ہو گئے ہیں۔ پھر قریش میں بھی بہت سی شاخیں بنو امیہ، ہاشمی، مطلبی، تیمی، عدوی، صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی ہیں۔ یہ سب قریشی ہیں۔ اسی طرح انصار میں بھی بہت سی شاخیں ہو گئیں۔ مگر یہ سب عربی النسل ہیں اور ان کے باہم قبائلی خصوصیات کے علاوہ اسلامی برادری کے احکام میں تفاوت نہیں ہے۔ بعض حیثیتوں سے بعض کو بعض پر فضیلت بے شک حاصل ہے۔ مثلاً فاطمی، علویوں کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ وہ فاطمہ زہرا کی اولاد ہیں۔ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری بیوی سے اولاد کو حاصل نہیں۔ مگر علوی اور قریشی ہونے میں ان کے بھی شبہ نہیں۔　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

سڑک پر جھاڑو دینے والے نو مسلموں کو مسجد سے روکنا اور ان کے ساتھ کھانے کا حکم۔

(از اخبار الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۲۷ء)

قوم حلال خور جو عرصہ سے مسلمان ہو گئی ہے۔ اور یہ لوگ صرف سڑکوں پر جھاڑو دیتے ہیں اور دیگر کوئی پیشہ سنڈاس وغیرہ کا نہیں کرتے۔ ان لوگوں کو مسجدوں میں آنے سے لوگ منع کرتے ہیں اور اپنے کھانا پانی کے برتنوں کو ہاتھ لگانے سے روکتے ہیں۔

(جواب ۲۹۰) جو شخص اسلام لے آئے وہ مسلمانوں کا دینی بھائی ہو جاتا ہے، چمار ہو یا حلال خور یا اور کوئی اسلام لانے کے بعد وہ مسجدوں اور اسلامی معابد میں دوسرے مسلمانوں کی طرح داخل ہونے اور عبادت کرنے کا حق اور اختیار رکھتا ہے۔ کسی مسلمانوں کو یہ حق نہیں کہ اس کو مسجد میں آنے سے روکے۔ ہاں اسلامی احکام کی رو سے مسجد میں آنے والے کو پاک صاف ہو کر آنا ضرور ہے اور یہ حکم ان تمام لوگوں کے لئے جو مسجد میں داخل ہونا چاہیں۔ اگر یہ حلال خور جو مسلمان ہیں۔ پاک صاف ہو کر مسجد میں آتے ہیں تو کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ ان کو منع کرے۔ جو منع کرے گا وہ سخت ظالم اور فاسق ہو گا۔ اور **ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه**(۱) کے حکم میں داخل ہو گا۔ جب کہ ان لوگوں کے ہاتھ پاک صاف ہوں تو ان کے ساتھ کھانا پینا اور اپنے برتنوں میں ان کو کھلانا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔　محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

”حلال خور“ کا پیشہ کرنے والوں کو اسلامی برادری سے خارج کرنا:

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۳۳ء)

(جواب ۲۹۱) جو لوگ مسلمان ہیں وہ اسلامی برادری میں شامل ہیں اور بفرمان خدائے قدوس **انما المؤمنون اخوة**(۲) بھائی بھائی ہیں۔ حلال خور کا پیشہ کرنے سے وہ اخوت اسلامیہ سے باہر نہیں ہو جاتے۔ اگر وہ صفائی جسم

۱۔ البقرۃ: ۱۱۴
۲۔ الحجرات: ۱۰

ولباس کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ شریعت مقدسہ اسلامیہ نے کسی پیشہ کی بناء پر کسی مسلمان کو اسلامی برادری سے خارج نہیں کیا ہے۔واللہ اعلم۔
محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ۔ دہلی۔

اسلام میں ہندوانہ طبقاتی تقسیم کا کوئی اعتبار نہیں۔

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۳۴ء)

(السوال)اب سے ایک ہزار سال پہلے ہندوستان میں ہندوؤں کا راج تھا اور یہاں کے بسنے والوں کو ہندو مذہبی قانون کے بموجب مختلف طبقوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جن میں سے بعض عزت اور مرتبہ میں اعلیٰ خیال کئے جاتے تھے- جیسے برہمن بعض ان سے کم تھے جیسے چھتری۔ بعض متوسط حالت میں شمار ہوتے تھے۔ جیسے ویش۔ اور بعض کو بالکل ادنیٰ خیال کیا جاتا تھا جیسے بھنگی، چمار، کوری، نٹ وغیرہ۔ اس پر چوتھی قسم والے انسانوں کے ساتھ مذکورہ بالا تین قسم والوں کا برتاؤ نہایت جابرانہ اور غیر منصفانہ تھا۔ یہ ان کو اپنے برابر بیٹھنے نہیں دیتے تھے اور اپنی کھانے پینے کی چیزوں کو انہیں چھونے نہیں دیتے تھے-ان کا یہ مذہبی خیال تھا کہ یہ چوتھی قسم والے انسان ہمارا کھانا پانی چھو لیں گے تو وہ نجس ہو جائے گا۔ وہ ان کو کتے سؤر سے بھی بدتر سمجھتے تھے۔ مسلمان جب اس ملک میں فاتحانہ آئے تو انہوں نے بحیثیت حکومت تو کامیابی حاصل کی۔ مگر ہندوؤں کے ان مذہبی احکام سے مفتوح ہو گئے اور مثل اعلیٰ طبقات ہنود کے ہندوستان کے پرانے باشندوں میں سے چوتھی قسم والوں سے نفرت کا برتاؤ کرنے لگے۔ عام مسلمانان ہند کا طرز عمل یہ ہے کہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ ان کے کھانے پانی سے پرہیز نہیں کرتے۔ لیکن چوتھی قسم کے ہندوؤں کو ہندوؤں کی طرح اپنے برابر بیٹھنے نہیں دیتے خواہ وہ ظاہر میں کتنا ہی صاف ستھرا اور خوش پوشاک ہو۔

(جواب ۲۹۲) بحیثیت غیر مسلم ہونے کے سب برابر ہیں۔برہمن ہوں یا ویش یا شودر، ہندوؤں کی ذاتوں کی تفریق کا اسلام کے اصول سے کچھ اعتبار نہیں۔ محض ہندوانہ خیال کی بناء پر برہمنوں کی اعلیٰ اور ویش شودروں کو ادنیٰ قرار دینا اور اس قسم کا معاملہ کرنا جائز نہیں۔ باقی اسلامی اصول کی رو سے انسانی جسم جب کہ بیرونی نجاست سے آلودہ نہ ہو، پاک ہے اور اس میں مسلمان کافر جنبی حائضہ وغیرہ سب یکساں ہیں۔(۱) غیر مسلموں میں برہمن، چھتری، ویش، شودر کا کوئی تفاوت اس حکم میں نہیں ہے-البتہ جو لوگ کہ نجاست میں آلودہ رہتے ہوں۔ ان کے یہاں کی گیلی چیزوں اور کھانے پینے سے پرہیز کرنے کا مضائقہ نہیں اور اس بارے میں غیر مسلم اور غیر محتاط مسلمان برابر ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

ضمیمہ نہایات الارب فی غایات النسب از احمد عثمانی۔

(السوال)اس زمانہ پر فتن میں ہر چہار طرف سے آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ کہیں سے آواز آتی ہے کہ زلزلہ

---

(۱) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال لقیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا جنب فمد یدہ الیّ فقبضت یدی عنہ وقلت انی جنب فقال سبحان اللہ ان المسلم لا ینجس (شرح معانی الآثار ۱: ۱۶ ط سعید)

سے فلاں آبادی تباہ ہوگئی۔ کہیں سے صدا بلند ہو رہی ہے کہ مشرکین و کفار کی جانب سے فلاں ظلم و تشدد ہو رہا ہے۔ واقعی یہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ درست و راست ہے۔ مگر اس کی طرف بالکل توجہ نہیں کہ اصلی سبب ان تمام واقعات کا امور شرعیہ کو ترک کر دینا ہے۔ ہم جملہ اقوام سے اس کی استدعا نہیں کر سکتے کہ وہ کیا کریں۔ مگر اپنی قوم حضرات شیوخ سے ضرور درخواست کریں گے کہ تاوقتیکہ آپ حضرات امور شرعیہ پر عامل نہ ہوں گے۔ ان مصائب سے نجات نہ ہوگی۔ امور شرعیہ منجملہ دیگر امور کے یہ بھی ہیں کہ رذیل اقوام سے خلط ملط بالکل نہ رکھیں۔ کیونکہ ان کی رذالت کا اثر ضرور واقع ہوگا۔ تخم تاثیر، صحبت کا اثر مشہور مقولہ ہے۔ و نیز ان دیگر اقوام رذیلہ سے معاملات خرید و فروخت و امور دینیہ تحقیق مسائل وغیرہ مطلقاً تعلق نہ رکھیں کیونکہ یہ جملہ امور بھی قیامت سے ہیں کہ اخیر زمانہ میں اقوام شریفہ پستی میں ہوں گی اور اقوام رذیلہ کو ترقی ہوگی۔ آج دیکھا جاتا ہے کہ جولاہوں، تیلیوں، قصائیوں، نائیوں، دھوبیوں، بھٹیاروں، لوہاروں، درزیوں، سناروں، بساطیوں، راجپوتوں وغیرہ وغیرہ کو ترقی ہو رہی ہے۔ بلحاظ دنیا بڑے بڑے عہدوں پر قائم ہیں۔ محلات کھڑے ہیں۔ مولوی، مفتی، قاری، صوفی، شاہ صاحب، بابو، مسٹر وغیرہ کہلاتے ہیں مگر یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ باتیں ہماری اندر کیوں آرہی ہیں۔ بس وہی قرب قیامت کی نشانی ہے لیکن یہ جاہل لوگ خوش ہو رہے ہیں۔ جہنم کو بھول رہے ہیں۔ صاحبو! جب تک علم دین حضرات شیوخ میں رہا اور اقوام دیگر تابع رہیں کوئی آفت نہیں آئی۔ مگر جب سے قصائی، نائی، تیلی، لوہار، بساطی، کلال، جولاہہ وغیرہ مولوی مدرس، قاری، صوفی، حافظ وغیرہ ہونے لگے، مصائب کا دور دورہ بھی آنے لگا۔ کیونکہ یہ لوگ مطلقاً عقل سے کورے ہوتے ہیں اور بوجہ نادانی دل کے اندھے ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ دجال پر ایمان لانے والے اکثر جولاہے ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ ہر وقت اسی خیال میں رہتے ہیں کہ جیسے بھی ہو خیانت کی جاوے۔ چونکہ یہ خیانت ایک زہریلی بلا ہے، اس وجہ سے دجال پر ایمان لانے کی علت ہوئی۔ اور یہ خیانت جملہ دیگر اقوام میں موجود ہے۔ الاشاذ و نادر کالمعدوم۔ تو ثابت ہوا کہ یہ اقوام ہمراہ دجال ہوں گی۔ البتہ اگر یہ اقوام تابعداری شیوخ میں مصروف رہیں تو ان کی برکت سے اتباع دجال سے نجات ہو سکتی ہے۔ غور کی ضرورت ہے کہ اس سے پہلے دیگر اقوام بوجہ اتباع شیوخ راحت سے زندگی بسر کر رہی تھیں۔ ان میں خود بینی آتے ہی مصائب کی آمد شروع ہوگئی۔ مثلاً ہمارے سہارنپور میں مولوی حبیب احمد قصائی، مولوی منظور حسن قصائی، قاری عبدالخالق نائی، مولوی سعید جولاہا پان فروش، منشی عبدالکریم سراب جولاہہ، مولوی مقبول احمد بساطی، مولوی نور محمد بھٹیارہ، مولوی عبدالمجید گاڑا وغیرہ افراد رذیل موجود ہیں کہ اپنی نادانی اور خبط عقل کی وجہ سے کوئی مہتمم ہونے پر ناز کر رہا ہے، کوئی مدرس یا مناظر ہونے پر فخار ہے۔ کوئی قاری ہونے پر کود رہا ہے۔ کوئی اپنی ولایت پر مغرور ہے۔ کوئی مؤلف بن کر علمائے حقانی پر اعتراض کر رہا ہے۔ ہم کو یہ سن کر کہ ہمارے بھائی حاجی عزیز احمد صاحب، ایک جاہل گھڑی ساز بازار نخاسہ محمد صادق لوہار سے مرید ہوگئے ہیں، افسوس ہوا کہ بھلا ولایت سے دیگر اقوام کا کیا تعلق؟ کیا مرید ہونے کے لئے مظاہر العلوم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند، تھانہ بھون کے

مشائخ نہ تھے ؟ ہم اپنی قوم شیوخ سے درخواست کرتے ہیں کہ دیگر اقوام سے اجتناب کلی رکھیں۔ الحمد اللہ۔ شیوخ میں علماء، فضلاء، قراء، مشائخ، محدثین، مفسرین، مناظرین وغیرہ بکثرت موجود ہیں۔ دنیاوی لحاظ سے تجار بھی موجود ہیں۔ کل معاملات اپنی قوم شیوخ سے وابستہ رکھیں۔ تاکہ ہر قسم کی ترقی قوم کو ہو۔ دیگر اقوام سے جدا رہیں۔ چونکہ ان کی حالت ایمانیہ بہت خراب ہوتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا فرمان ”فقل اخاک فی الدبر“ روشن موجود ہے۔ اب غور کر لیجئے کہ مرزا قادیان پر ایمان کون لاتا ہے۔ جز جولاہوں۔ تیلیوں، لوہاروں وغیرہ کے ؟ شیوخ میں سے بھی کوئی سنا ہے ؟ سو جبکہ ہمارے سامنے دجال اصغر پر ایمان لارہے ہیں تو ضرور دجال اکبر پر بھی یہ لوگ ایمان لاویں گے۔ اس سے قبل کچھ مضمون اخبار محقق سہارنپور مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۳۵ء میں شائع ہو چکا ہے، وہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔ باقی آئندہ بھی ہم ایسے مضامین کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ حاصل یہ ہے کہ دیگر اقوام سے انقطاع کلی کریں۔ اور جو امور شرعیہ ہوں ان کی پابندی کریں۔ اس میں اپنی قوم سے ہمدردی بھی ہے اور ہر قسم کی فلاح دارین ہے۔
فقط والسلام۔ خادم قوم شیوخ احمد عثمانی سہارنپور۔

(۱) شیوخ برادری کا ادنیٰ قوموں کے ساتھ تعلقات رکھنا .
(۲) گھٹیا پیشہ سے منسلک افراد کا دینی تعلیم حاصل کرنا .
(۳) ادنیٰ قوموں کا دینی و دنیاوی ترقی کرنا کیسا ہے ؟
(۴) خدا کی نعمتیں کسی مخصوص قوم کے ساتھ خاص نہیں .
(۵) یہ غلط ہے کہ گھٹیا اقوام کو مراتب ولایت عطا نہیں ہوتے .
(۶) احمد عثمانی کے ضمیمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟

ضمیمہ مذکورہ بالا کے متعلق علمائے دین سے چند سوالات :۔

(السوال) (۱) کیا حضرات شیوخ کا دیگر اقوام مندرجہ ضمیمہ بالا سے تعلقات رکھنا خلاف شریعت ہے ؟ اگر ہے تو ابتدائے اسلام سے اب تک اس کی طرف رہنمائی نہ کرنے کی قانون اسلام میں کیا مصلحت رہی ؟

(۲) دیگر اقوام مندرجہ ضمیمہ کی علم دین حاصل کرنے کے لئے کیا قرآن شریف میں ممانعت آئی ہے ؟ اگر اجازت ہے تو کیا یہ شرط ہے کہ ان کا یہ فعل موجب مصائب ہوگا ؟

(۳) دیگر اقوام مندرجہ ضمیمہ کا دینی و دنیاوی ترقی کرنا کیا شرعاً ناجائز ہے ؟

(۴) کیا مراتب ولایت صرف شیوخ زہاد کے لئے ہیں ؟ دیگر اقوام کے جو افراد ان کے ہم پلہ یا ان سے زیادہ خدا پرست گزر چکے یا موجود ہیں یا آئندہ ہوں گے کیا وہ مراتب ولایت کے مستحق نہیں ہیں ؟

(۵) دیگر اقوام مندرجہ ضمیمہ کے افراد عابد و زاہد کو اگر خداوند کریم مراتب ولایت عطا کرنا پسند نہیں فرماتے تو پھر اس آیت ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم کی تفسیر کیا ہوگی ؟

(۶) کتاب ”غایات النسب“ ایڈیشن اول اور اس کے ضمیمہ کو بعض علمائے دین حق بجانب اور صحیح بتا

چلے ہیں۔ کیا احمد عثمانی صاحب کے ضمیمہ کی بھی وہی حیثیت ہے ؟

(المستفتی سرپرست جمعیۃ الانصار ضلع سہارنپور ۳ محرم ۱۳۵۴ھ)

(جواب ۲۹۳) (۱) تمام مسلمان دینی اخوت کے لحاظ سے بھائی ہیں - انما المؤمنون اخوة قرآن مجید میں موجود ہے -(۱) اور لافضل لعربی علی عجمی. الناس کلهم بنوأدم وادم من تراب(۲)۔ المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضا(۳)۔ احادیث صریحہ موجود ہیں۔ (۲) کسی مسلمان کو علوم دینیہ حاصل کرنے کی ممانعت نہیں۔ بلکہ ہر مومن تحصیل علم کے لئے مامور ہے - (۳) قطعاً جائز ہے - (۴) کسی قوم یا فرقہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی نعمتیں اور انعامات مخصوص نہیں۔ ان اکرمکم عندالله اتقکم (۴)۔ اس کے یہاں تقویٰ یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کا اعتبار ہے۔ (۵) یہ غلط ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے اقوام مندرجہ ضمیمہ کو مراتب ولایت عطا نہیں ہوتے۔ (۶) یہ مضمون صراحۃ نصوص صحیحہ صریحہ کے خلاف ہے -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۔ دہلی۔

---

۱. الحجرات : ۱۰

۲. ابو داؤد، باب فی التفاخر بالاحساب : ۲ / ۳۵۰ ط امدادیہ

۳. ترمذی، باب ماجاء فی شفقة المسلم علی المسلم ج ۲ ص ۱٤ ط سعید

٤. الحجرات : ۱۳

بارھواں باب
معاصی اور توبہ

(۱) تکمیل توبہ کی شرط .
(۲) بوجہ مجبوری توبہ کرنا .

(سوال) (۱) زید نے ڈاکے اور چوریاں کیں۔ جن لوگوں کا مال کھایا اب تک وہ لوگ یا ان کی اولاد زندہ ہے۔ اس نے ان لوگوں سے مال مسروقہ خوردہ بخشوایا نہیں ہے۔ ایسی ہی سوکھی توبہ کی ہے۔ کیا ایسی توبہ شرعاً مقبول ہے۔ (۲) ڈاکہ زن کا زور جب ڈاکہ اور چوری پر نہ ہو سکے بوجہ مجبوری توبہ کرے اور پھر پیری مریدی کرے تو ایسا آدمی قابل بیعت ہے یا نہیں ؟

(المستفتی نمبر ۴۱۴ فقیر محمد خان (ضلع ہزارہ) ۲۹ جمادی الثانیہ ۱۳۵۳ھ مطابق ۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(جواب ۲۹٤) (۱) جن لوگوں کا مال ڈاکہ اور چوری سے لیا ہے ان کا مال واپس کرنا یا ان سے معاف کرانا تکمیل توبہ کے لئے ضروری ہے(۱)۔ (۲) توبہ تو ہر وقت لازم ہے اگر طاقت کے وقت توفیق نہیں ہوتی تو جس وقت ممکن ہو اسی وقت کرلے۔

حقوق اللہ سے توبہ کے بعد ان کی قضایا وصیت کرنا ضروری ہے۔

(سوال) یہ مسئلہ مشہورہ متفقہ ہے کہ حقوق اللہ اگر کسی سے تلف ہو جاتے ہیں۔ وہ اگر توبہ خالص کرے تو بفضل اللہ تعالیٰ توبہ مقبول و منظور ہو جاتی ہے اور اس کے گناہ صغیرہ ہوں مثل بوسہ یا ناجائز یا کبیرہ ہوں مثل تمام تفویت نماز و تلف زکوٰۃ، معاف ہو جاتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ توبوا الی اللہ توبة نصوحا عسٰی ربکم ان یکفر عنکم سیئاتکم الآیہ (سورہ تحریم) پھر توبہ کے بعد اگر وہ سلامت و زندہ رہا۔ اس پر نماز و مافات کا مثلاً قضا کرنا واجب ہے یا نہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی وغیر ذلک۔ اگر واجب ہے تو عفو کیا چیز ہوتی ہے۔ اگر واجب نہیں تو خیر الحمد للہ اور اگر زندہ نہ رہے تو کیا اس پر وصیت اسقاط صلوٰۃ کی واجب ہے یا نہیں۔ اگر وصیت نہ کی تو ماخوذ ہو گا یا نہیں ؟

(المستفتی نمبر ۱۳۳۵ مولوی عبداللہ صاحب (ضلع ملتان) ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ٦ فروری ۱۹۳۷ء)

(جواب ۲۹۵) توبہ سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، خواہ حقوق اللہ ہوں یا حق العباد(۲)۔ مگر توبہ کے معنی یہ

۱۔ اس کی اصل بخاری کی یہ روایت ہے۔ "من کانت له مظلمة لاخيه من عرضه او شئ فليتحلله منه اليوم قبل ان لايكون دينار ولادرهم ان كان له عمل صالح اخذمنه بقدر مظلمته وان لم تكن له حسنات اخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه" (بخاری، ابواب المظالم والقصاص باب من کانت له مظلمة عند الرجل الخ: ۱/ ۳۳۱ ط قدیمی)

۲۔ "لاتقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا" (الزمر: ۳۹)

ہیں جو بیضاوی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہیں۔ **وسئل علی رضی اللہ عنه من التوبة فقال یجمعها ستة اشیاء علی الماضی عن الذنوب الندامة وللفرائض الاعادة ورد المظالم واستحلال الخصوم وان تعزم علی ان لاتعود وان تربی نفسك فی طاعة الله کماربیتها فی معصیة انتهی۔**(۱) یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے توبہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ توبہ میں چھ باتیں ہونی چاہئیں۔(۱) گزشتہ گناہ پر ندامت۔(۲) فرائض کی ادائیگی۔(۳) حقوق ادا کرنا۔(۴) صاحب حق سے معافی طلب کرنا۔(۵) اور آئندہ اجتناب کا پختہ ارادہ کرلینا۔(۶) اور اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لئے تربیت کرنا۔ تو ظاہر ہے کہ ایسی توبہ سے حقوق اللہ اور حقوق العباد سب معاف ہو جائیں گے اور یہ سوال پیدا نہیں ہوگا کہ فرائض فائتہ کو ادا کرنا ذمے پر باقی رہے گا یا نہیں۔ رہا یہ شبہ کہ اگر فرائض کی ادائیگی لازم رہی تو معافی بے معنی ہوگی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں معافی اس کوتاہی اور معصیت کی ہوگی جو فرائض کو اپنے معینہ وقت کے اندر ادا نہ کرنے کے ضمن میں مستحق ہوتی تھی(۲)۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ حقوق اللہ میں فرائض فائتہ کی ادائیگی کو موقعہ اور قدرت علی الادا کے ساتھ مقید کر دیا جائے۔ یعنی اگر باوجود قدرت کے فرائض فائتہ کو ادا نہ کرے تو کہا جائے کہ توبہ ہی کامل نہیں ہوئی اور اگر توبہ کے بعد ادائے فرائض کا موقعہ ہی نہ ملے تو توبہ کو کامل و مقبول قرار دے دیا جائے اور اس سے مواخذہ نہ ہو۔ قدرت علی الادا میں قدرت علی الوصیت بھی شامل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہنا۔

(سوال) اگر کوئی مسلمان کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو تو اسے کافر کہنا درست ہے یا نہیں۔ اور عدم جواز کی صورت میں کافر کہنے والے پر شرعاً کیا حکم صادر ہوگا۔

(المستفتی نمبر ۱۵۲۲ خواجہ عبدالمجید صاحب (بنگال) ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۳۷ء)

(جواب ۲۹۶) گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کفر لازم نہیں آتا۔ محض گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر کسی کو کافر کہنا سخت گناہ ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

۱۔ آیت "یاایها الذین امنوا توبوا الی الله توبة نصوحا" (التحریم: ۸) کے ذیل میں تفسیر بیضاوی ملاحظہ کریں۔ نیز تفسیر کشاف میں بھی اسی مقام پر مذکور روایت موجود ہے۔

۲۔ وقال عیاض : "اجمع اهل السنة والجماعة ان الکبائر لایکفرها الا التوبة، ولا قائل بسقوط الدین ولو حقا لله تعالی کدین صلاة وزکاة، نعم اثم المطل وتاخیر الصلاة ونحوها یسقط." (در مختار باب الهدی: ۲: ۶۲۳ ط سعید)

۳۔ "ان العبد المؤمن لایکون کافرا بالفسق والمعصیة" (شرح فقه الاکبر، فصل المؤمن لایکفر بالفسق: ص ۷۵ ط قطر)

بار بار گناہ کرنا اور بار بار توبہ کرنا .

(سوال) بار بار گناہ کرنا اور بار بار توبہ کرنا کیسا ہے ؟

(المستفتی نمبر ۱۵۹۱ جلال الدین صاحب (ضلع حصار پنجاب) ۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۳ جولائی ۱۹۳۷ء)

(جواب ۲۹۷) توبہ کر کے پھر گناہ کرنا۔ پھر توبہ پھر گناہ کرنا۔ غرضیکہ بار بار ایسا کرنا بہت برا ہے۔ مگر پھر بھی توبہ کرنا لازم ہے مایوسی کہ اب توبہ قبول نہ ہو گی نہیں ہونی چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

معصیت کے ارادے سے گناہ عائد ہوتا ہے یا نہیں ؟

(سوال) ایک شخص گھر سے زنا کی نیت سے نکلا اور وہ کسی وجہ سے واپس لوٹ آیا۔ آیا اس پر گناہ عائد ہوا یا نہیں ؟

(المستفتی نمبر ۲۲۷۹ اے۔ ی۔ منصوری (بمبئی) ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۲ جون ۱۹۳۸ء)

(جواب ۲۹۸) زنا یا گناہ تو نہیں ہوا۔ یہ ارادہ برا تھا اور جب پورا نہیں ہوا تو گناہ نہیں لکھا گیا۔ توبہ کرے تو اس ارادہ بد کا مواخذہ بھی نہیں ہو گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

سچی توبہ کرنے سے گناہ معاف ہو جاتا ہے۔

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۲۲ جون ۱۹۲۷ء)

(سوال) جس گناہ کی وجہ سے توبہ کیا جاتا ہے، بعد توبہ کر لینے کے وہ گناہ کیا جاتا ہے ؟ توبہ کے بعد اگر گناہ پورا یا کم باقی رہ جاتا ہے تو پھر توبہ سے کیا حاصل ؟ اور اس توبہ کا کیا مقصد ہوا ؟

(جواب ۲۹۹) جس گناہ سے سچی توبہ کر لی جائے وہ گناہ معاف ہو جاتا ہے(۱)۔ یعنی پھر اس کا مواخذہ نہیں ہو گا۔ کامل اور سچی توبہ کے بعد گناہ بالکل باقی نہیں رہتا(۲)۔ کامل توبہ کے ارکان یہ ہیں۔ (۱) ادائے حق، یعنی کسی کا مال چرایا تھا یا روزہ چھوڑ دیا تھا تو پہلے اس شخص کا مال اسے دے دیا جائے یا روزہ قضا کر لیا جائے۔ اگر حق قابل ادا نہ ہو تو صاحب حق سے معاف کرا لیا جائے۔ (۲) گذشتہ ارتکاب گناہ پر ندامت اور استغفار۔ (۳) آئندہ کے لئے پختہ ارادہ کہ اب یہ کام نہ کروں گا۔(۳) محمد کفایت اللہ غفر لہ۔ مدرسہ امینیہ دہلی۔

۱۔ "فان العبد اذا اعترف ثم تاب تاب الله علیه" (بخاری، کتاب المغازی، حدیث الافك ۲/۵۹۶ ط قدیمی)

۲۔ "التائب من الذنب کمن لاذنب له" (ابن ماجه، باب ذکر التوبة ص ۳۱۳ ط قدیمی)

۳۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "کشاف" اور "بیضاوی" میں سورۂ تحریم کی آیت ۸ کے ذیل میں مذکور ہے۔

کیا فطری طور پر اندھا، بہرا، گونگا شخص گناہ گار ہو سکتا ہے؟

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۶ جون ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک آدمی جو آنکھوں سے اندھا، کانوں سے بہرا اور زبان سے گونگا ہے۔ یعنی یہ ہر سہ حس قدرت نے اس کو عطا ہی نہیں کیا، تو کیا وہ گناہ گار ہو سکتا ہے؟ مذکورہ آدمی جوانی کی حالت میں گھاس کاٹ کر لاتا اور بھیک مانگتا رہا مگر بوساطت دوسرے اشخاص کے۔

(جواب ۳۰۰) جو شخص فطری اندھا، گونگا، بہرا ہے اس پر ان اعضاء کے متعلق جو اعمال وافعال ہیں، ان کے بجانہ لانے کا کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔(۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

غلطی سے آگاہ ہو کر گمراہی سے توبہ کر لینا۔

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) چند مسلمانوں نے ایک بے شرع گمراہ فقیر کے پھندے میں پھنس کر اس کا عقیدہ اختیار کیا۔ اس کے مرید ہوئے۔ نماز روزہ چھوڑ دیا اور وقتاً فوقتاً کلمات نامشروع بھی زبان سے نکالتے تھے۔ اب وہ لوگ اپنی غلطی سے آگاہ ہو کر فقیر کی صحبت کو ترک کر دیا اور اپنی بدعت سے باز آئے اور بہت سے مسلمانوں کے مجمع میں ایک عالم کے سامنے یہ اظہار کیا کہ ہم لوگوں نے جس عقیدہ کو اختیار کیا تھا اس سے باز آئے اور توبہ کیا۔ اب کبھی ہم فقیر کے پاس نہیں جائیں گے۔ ان لوگوں کا توبہ صحیح ہو گیا یا نہیں؟

(جواب ۳۰۱) جب ان لوگوں نے علی الاعلان توبہ کرلی اور نماز پڑھنی شروع کر دی تو مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ ان کے ساتھ اسلامی برتاؤ اور محبت و سلوک کا معاملہ کر کے ان کے قلوب کو اپنی طرف مائل اور جہالت سے بالکلیہ علیحدہ کر دیں۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

عالم کا توبہ کے الفاظ تلقین کرنے کی اجرت طلب کرنا۔

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۲۸ء)

(سوال) چند لوگوں نے توبہ کرنے کے لئے ایک مولوی صاحب کو دعوت دی۔ مولوی صاحب نے ان سے روپیہ کا مطالبہ کیا۔ داعی نے روپیہ دینے کا وعدہ کیا۔ مولوی صاحب وقت مقررہ پر کشتی سے وہاں پہنچا اور بولا کہ روپیہ ادا کرو ورنہ کشتی میں سے نہیں نکلوں گا۔ بہت کہنے پر اٹھا اور بولا۔ روپیہ نہ دینے پر توبہ نہیں کراؤں گا۔ داعی نے مجبوراً حسب وعدہ دس روپے دے دیئے۔ حاضرین تائبین میں سے ایک شخص بولا کہ ایسے مولوی صاحب کے ہاتھ پر توبہ نہیں کروں گا اور کل دوسرا مولوی صاحب کو بلا کر توبہ کرلوں گا۔ اس پر مولوی صاحب نے خفا ہو کر برا بھلا کہا۔ اس شخص نے بھی اس کا جواب دیا اور یہ بھی کہا کہ تم عالم نہیں،

---

(۱) "لایکلف اللہ نفسا الا وسعها" (البقرۃ: ۲۸۶)

مولوی نہیں۔ ان باتوں کی وجہ سے مولوی صاحب نے ان لوگوں پر کفر کا فتویٰ دیا ہے اور کہا ہے کہ ان کی بیویاں مطلقہ بطلاق بائن ہو گئیں۔ کسی مسلمان کو ان کے ساتھ ملنا جلنا جائز نہیں اور اسی حالت میں ان کے جو اولاد ہوں گے۔ وہ حرام زادے ہوں گے۔ واضح رہے کہ متعدد شاہدوں کی شہادت سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب مذکور کے اخلاق و اعمال بہت خراب ہیں۔ تاش، پانسہ وغیرہ کھیلتے ہیں۔ بعض کی زمین غصب کیا ہے اور جعلی مقدمہ کر کے کئی مدیوناں سے دوبارہ روپیہ وصول کیا اور بھی اسی قسم کے کئی کبائر کے مرتکب ہیں۔

(جواب ۲۰۲) معلوم نہیں کہ یہ توبہ کرانے کے لئے مولوی صاحب کو بلانا اور ان کا روپیہ لے کر توبہ کرانا اس کا کیا مطلب ہے اور یہ کیسی رسم ہے۔ ہمارے اطراف میں تو یہ رسم نہیں ہے۔ ہمیں اس کی حقیقت معلوم بھی نہیں توبہ کرنے والے خود خدا تعالیٰ کی جناب میں توبہ کر سکتے ہیں۔ کسی مولوی کو بلانے کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر کسی عالم کو توبہ کے الفاظ تلقین کرنے کے لئے بلایا جائے تو اس کو اجرت طلب کرنا نہیں چاہئے۔ ہاں اگر مقام دور ہو تو سواری کا کرایہ لے سکتا ہے۔

اگر شخص مختلف نے مولوی صاحب کے متعلق صرف یہی لفظ کہے ہیں کہ "تم عالم نہیں، مولوی نہیں۔" تو اس پر کفر کا حکم درست نہیں۔ نہ ان لوگوں سے مقاطعہ کرنا درست جو اس کے ساتھ ہوں کیونکہ اس میں عالم کی بحیثیت عالم ہونے کی توہین نہیں ہے بلکہ عالم ہونے سے انکار ہے۔

اور اگر مولوی صاحب کے یہ افعال جو سوال میں مذکور ہیں صحیح ہیں تو وہ بوجہ ارتکاب کبائر اور فسق کے کسی تعظیم کے مستحق نہیں ہیں۔(۱)　　　محمد کفایت اللہ غفر لہ

کتنی عمر تک بچے معصوم ہوتے ہیں؟

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۹ء)

(سوال) باری تعالیٰ کے نزدیک کس عمر کے بچے معصوم قرار دیئے جائیں گے اور معصوم کا کیا درجہ ہے؟

(جواب ۲۰۳) بچہ جب تک نابالغ ہے اس وقت تک معصوم ہے(۲)۔ یعنی اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ اس کی شفاعت قبول ہوگی اور حق تعالیٰ کی نظر رحمت اس کی طرف زیادہ ہوگی۔　　　محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

توبہ سے حرام مال حلال نہیں ہوتا۔

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) زانیہ اگر تائب ہو جائے تو اس کا کسب کردہ مال حلال ہو جاتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۰۴) توبہ سے مال حلال نہیں ہوتا۔ زنا کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

۱۔ "واما الفاسق　　وقد وجب علیہم اہانتہ شرعا" (ردالمحتار : ۱ / ۵۶۰ ط سعید)
۲۔ "رفع القلم عن ثلاثۃ　　عن الصغیر حتی یکبر الخ" (ابن ماجہ، ابواب الطلاق، باب طلاق المعتوہ : ص ۱۴۷ ط قدیمی)

نابالغی کی حالت میں سرزد گناہوں پر مواخذہ نہیں۔

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) میرے بزرگ میرے رہبر جناب مفتی صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ دست بستہ گزارش بندۂ حقیر کی یہ ہے کہ میں جب کہ قرآن شریف پڑھنے کے لئے مسجد میں جایا کرتا تھا اور رات کے وقت گھر میں مطالعہ کیا کرتا تھا۔ ایک روز جب کہ میری طبیعت پڑھنے کی طرف بالکل رجوع نہ تھی مگر والدہ اور ہمشیرہ محترمہ کی تنبیہ اور زبردستیوں کے باعث مجھ کو قرآن شریف لے کر بیٹھنا پڑا مگر میں بد نصیبی اور غصے کے غلبے میں اندھا ہو کر قرآن شریف کی بے حرمتی کر بیٹھا (یعنی قرآن شریف کے اوپر اپنا پیر رکھ دیا) اور اس گناہ عظیم کے تقریباً دوڈھائی سال بعد نادانی کے جوش میں آکر اپنا پیشاب نکال کر خود ہی پی گیا۔ میرے بزرگ یہ دونوں غلطیاں میری نابالغی کے زمانے میں سرزد ہوئی تھی۔ میرا گمان غالب یہ ہے کہ پہلی غلطی پر میری عمر تقریباً نو سال اور دوسری غلطی کے وقت بارہ سال تھی۔ میں بوجہ شرم کے خود حاضر نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ گناہ عظیم ایسا سرزد ہوا ہے کہ شاید دنیا میں کسی نے بھی نہ کیا ہوگا۔ آپ اس کا جواب اخبار الجمعیۃ میں شائع فرمادیں۔ جو جو کفارہ یا ہدایات ہوں وہ بھی تحریر فرمادیں۔

دہلی کا ایک گناہ گار مسلمان لڑکا۔

(جواب ۳۰۵) عزیز من سلمکم اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ اگر تمہارا یہ خط بے نام ونشان نہ ہوتا تو میں اس کا جواب خود تمہارے پاس آکر تم کو زبانی بتاتا اور تمہاری تسلی کر دیتا۔ تمہارے اس خط کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا ہے کیونکہ اٹھارہ سال کی عمر میں اپنی نادانی کے زمانے کی غلطیوں کا اتنا زبردست احساس و تاثر تمہاری فطری سعادت اور ایمانی قوت کی دلیل ہے۔ میں نے تمہارے لئے بہت مخلصانہ دعائیں کی ہیں کہ رب العزت جل شانہ، تم کو اس ایمانی جذبہ میں مزید درمزید ترقی عطا فرمائے۔ آمین!

عزیز م جو غلطیاں کہ تم سے ہوئی تھیں وہ غلطیاں ضرور تھیں مگر اول تو نابالغی اور نادانی کے زمانے کی غلطیاں حضرت حق جل شانہ کے یہاں قابل مواخذہ نہیں کیونکہ صریح حدیث شریف میں ہے رفع القلم عن ثلثة عن المعتوه حتىٰ يفيق والنائم حتىٰ يستيقظ والصبى حتىٰ يحتلم او كما قال۔(۱) یعنی بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے اس وقت تک قابل مواخذہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ تمہاری یہ ندامت اور شرمندگی جس کا ثبوت تمہارے اس خط کے ایک ایک حرف سے ہوتا ہے اس سے بہت بڑی غلطیوں کی معافی کے لئے بھی کافی ہے۔ فان العبد اذا اعترف وتاب تاب الله عليه۔(۲) یعنی جب کوئی بندہ اپنے مولیٰ کے سامنے اپنے گناہ کا اعتراف کرے، توبہ کرلے تو مولائے کریم اسے معاف ہی فرمادیتا ہے۔ اس لئے اب ان غلطیوں کی بناء پر تمہیں تشویش نہیں ہونی چاہئے اور اس کا کوئی کفارہ تمہارے ذمہ واجب نہیں۔ بس آئندہ زندگی میں اطاعت خدا اور رسول اور اتباع سنت پر قائم رہنا ہی اس قسم کی تمام گزشتہ غلطیوں کے لئے کفارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو بایں جذبہ ایمانی اپنی

۱. ابن ماجه، ابواب الطلاق، باب طلاق المعتوه والصغيرة والنائم: ص ۱۴۷ ط قديمي.
۲. بخاری، كتاب المغازی، حديث الافك: ۲، ۵۹۶ ط قديمي.

توفیق خاص سے نوازے اور تمہارا حافظ و ناصر ہو۔ والسلام علیکم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

توبہ کے بعد دوبارہ گناہ کا ارتکاب کرنا .

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ ادسمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) جو شخص کسی بد عقیدہ کے قول یا فعل سے ایک مجمع عام میں براجان کر توبہ گار ہو اور پھر اسی قول یا فعل کی اتباع کرے اس کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے ؟

(جواب ۳۰۶) توبہ کے بعد پھر اسی برائی کا ارتکاب کرنا بہت زیادہ برا ہے اور اس کا مواخذہ زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

انشاء اللہ کے ساتھ کیا گیا وعدہ پورا نہ ہونے پر جھوٹ کا گناہ ہو گا یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مئی ۱۹۲۷ء)

(سوال) کوئی شادی کی تقریب یا مکان کی تعمیر یا کسی کا قرضہ ہو اس کا بغیر کسی ظاہر اسامان ہونے کے صرف خدا کے بھروسے پھر انشاء اللہ کے ساتھ وعدہ کرلے کہ فلاں مہینے یا فلاں تاریخ کو یہ کام کردوں گا اور اللہ کے دربار سے کافی امید ہو اور پھر وہ کام مقررہ وقت پر نہ ہو تو جھوٹ ہوا یا نہیں ؟

(جواب ۳۰۷) اس صورت میں جھوٹ کا گناہ نہ ہو گا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ

عابد اور تائب میں افضل کون ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) عابد اور تائب میں کس کا مرتبہ زیادہ ہے ؟

(جواب ۳۰۸) عابد کا مرتبہ زیادہ ہے۔ اگرچہ عاصی تائب جب کہ اس کی توبہ قبول ہو جائے خدا کے نزدیک محل عتاب نہیں رہتا لیکن وہ فضیلت جو عابد نے اوقات عبادت میں عبادت کر کے حاصل کی ہے وہ قاعدہ کی رو سے تائب کو حاصل نہیں۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ

تیرھواں باب
مختلف فرقے

فصل اول : فرقہ شیعہ

شیعوں کا ذبیحہ، ان سے رشتہ داری اور دیگر تعلقات استوار کرنے کا حکم .

(سوال) شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ اور ان کے ساتھ کھانا اور رشتہ کرنا درست ہے یا نہیں۔ نیز سلام علیک کرنا اور جواب سلام دینا کیسا ہے ؟

(جواب ۴۰۹) رافضیوں کا وہ فرقہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (عیاذاً باللہ) خدا یا اور جو اسی طرح جو شرعاً کفر ہو، مانتا ہو ، ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا درست نہیں(۱)۔ اور جو لوگ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلفائے ثلثہ پر صرف افضل مانتے ہوں، ان کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے(۲)۔ اور ان لوگوں کی لڑکیوں سے نکاح کر لینا بھی جائز ہے۔ مگر انہیں اپنی لڑکیاں نہیں دینا چاہئے۔ بلا ضرورت ان سے سلام کرنا یا خلا ملا رکھنا بھی اچھا نہیں(۳)۔

شیعہ اسماعیلیہ کا سنیوں کے ساتھ ان کی مسجد میں عبادت بجالانے کا حکم .

(سوال) ایک ہندو ریاست میں ایک شکستہ شاہی جامع مسجد سرکار کے عطیہ اور سنی و شیعہ کے متفقہ چندہ سے انجمن اسلام کی نگرانی میں جس کا صدر ایک شیعہ اسماعیلیہ اور منصرمہ کمیٹی کے اراکین دونوں فریق سے منتخب ہوئے تھے تخمیناً ڈیڑھ لاکھ روپے کے خرچ سے تعمیر ہوئی۔ اس مسجد میں ایک مدت تک فرقہ شیعہ اسماعیلیہ کی ایک شاخ سلیمانیہ کے اراکین جب کبھی نماز کے وقت موجود ہوئے تو حنفی پیش امام کی کامل اقتداء میں نماز باجماعت ادا کر لیا کرتے تھے، کیونکہ یہ گروہ اس مسئلے میں دوسرے شیعوں مثلاً داؤدی اور اثناء عشری وغیرہ (جو کبھی سنیوں کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھتے) سے مختلف ہے۔ علاوہ اس کے یہ گروہ سب شیخین نہیں کرتے۔ ہاں عقائد میں تفضیلیہ ہیں۔ تھوڑے عرصے سے سنیوں نے اس بناء پر کہ شیعوں کا داخلہ اس مسجد میں قطعاً ممنوع ہے فرقہ سلیمانیہ مذکورہ بالا کو مسجد میں داخل ہونے، نماز پڑھنے، قرآن مجید اور وعظ سننے سے روکا اور حال میں اس فرقہ کے لوگوں کو جب کہ وہ ایک سنی عالم کا وعظ سننے مسجد میں آئے زدوکوب کیا۔ لہذا کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ :

(۱) شیعہ اسماعیلیہ مذکورہ بالا مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟ اور سنیوں کی نماز میں ان کی شرکت باجماعت سے کسی قسم کا خلل تو نہیں آتا؟

---

۱. "فلا توکل ذبیحۃ اهل الشرك والمرتد" (الفتاوی الهندیه ، کتاب الذبائح الباب الاول: ۵ /۲۸۵ ط ماجدید)

۲. "وان كان يفضل عليا كرم الله تعالى وجهه على ابي بكر رضي الله عنه لا يكون كافرا الا انه مبتدع" (الهندية، باب المرتد : ۲/ ۲۶۴ ط ماجدیه)

۳. "ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار." (هود : ۱۱۳)

(۲) شیعہ اس مسجد میں قرآن مجید اور وعظ سننے آسکتے ہیں یا نہیں ؟ اور ان میں سے اگر کوئی شخص اس میں علیحدہ اپنے طریق پر نماز ادا کرے تو اس کی اجازت ہے یا نہیں ؟

(۳) جو لوگ مسجد میں اہل قبلہ کو زدوکوب کریں ان کے لئے کیا حکم ہے ؟ دراں حالیکہ وہ اہل قبلہ نماز پڑھنے یا وعظ سننے یا کلام مجید کی تلاوت کے لئے حاضر ہوں۔ بینوا توجروا۔

(المستفتی سید نواب علی۔ پروفیسر بڑودہ کالج)

(جواب ۳۱۰) اگر سوال کے امور مذکورہ صحیح ہیں یعنی شیعہ اسماعیلیہ اعتقاداً صرف تفضیلیہ ہیں اور اہل سنت کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے ہیں اور یہ کہ پہلے وہ اس مسجد میں نماز پڑھتے رہے ہیں، تو اب بھی وہ مسجد میں نماز اور استماع وعظ کے لئے آسکتے ہیں۔ مسجد میں زدوکوب کرنا سخت مذموم ہے اور جس فریق نے اس کی ابتداء کی ہے وہی ذمہ دار ہے۔

(جواب دیگر ۳۱۱) شیعہ تفضیلیہ جو تبرا نہیں کرتے سنیوں کی مسجد میں سنی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے آئیں تو آسکتے ہیں، مگر اپنے مذہب کے ایسے کام جو سنیوں کے مذہب میں ناجائز ہوں یا موجب فتنہ ہوں نہیں کر سکتے۔ اسی طرح قرآن خوانی اور وعظ میں بھی شامل ہو سکتے ہیں۔

اہلسنت کی مسجد میں سنی امام کے پیچھے شیعہ کا نماز پڑھنا۔

(سوال) سنی حنفی مذہب کی جامع مسجد جو سرکاری نگرانی میں ہے اس میں حنفی المذہب پیش امام کے پیچھے شیعہ نماز پڑھنے کے مستحق ہیں یا نہیں ؟ مذکورہ بالا مسجد میں اگر قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہو اس وقت قرآن مجید سننے کے لئے شیعہ بیٹھ سکتے ہیں یا نہیں۔ مذکورہ بالا مسجد میں شیعہ وعظ سننے جا سکتے ہیں یا نہیں ؟

(المستفتی احمد حسین قاضی شہر نواب باڑہ بڑودہ)

(جواب ۳۱۲) سنی فرقہ کی مسجد یا جامع مسجد میں سنی حنفی امام کے پیچھے شیعوں کے ان فرقوں کے افراد جو حد کفر تک نہیں پہنچتے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مگر وہ ایسے اعمال نہیں کر سکتے جو سنی مذہب میں ناجائز یا موجب فتنہ ہوں۔ تلاوت کے وقت بشروط متذکرہ بیٹھ سکتے ہیں اور بشروط متقدمہ وعظ سننے جا سکتے ہیں۔ مگر ان امور کے استحقاق کے دعوے کا فیصلہ دستور قدیم پر ہوگا۔ مسلمانوں کی مسجد میں سرکاری نگرانی کا کیا مطلب ؟ اگر نگرانی سے مراد صرف حفظ امن ہے تو خیر !! اور اگر مسجد کے انتظامات میں مداخلت مراد ہے تو ناجائز ہے۔ غیر مسلم مسجد کے انتظامات میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ فقط

(جواب دیگر ۳۱۳) ایسے لوگوں کا مسجد میں آنا اور سنی امام کے پیچھے نماز ادا کر لینا جائز ہے۔ لیکن بصورت نزاع استحقاق کا فیصلہ دستور قدیم کے موافق ہوگا۔ اگر وہ پہلے سے آتے رہے ہیں اور نماز ادا کرتے رہے ہیں تو آنے اور نماز پڑھنے کا ان کا حق ہے اور اگر پہلے کبھی نہیں آئے اور نماز نہیں پڑھی تو سنیوں کی رواداری پر ہے کہ اب آنے دیں یا نہ آنے دیں۔ بہر حال ان کی شرکت سے سنیوں کی نماز میں خلل نہیں آتا۔ فقط

(جواب دیگر ۳۱۴) جو لوگ کہ اعتقاداً حد کفر تک نہ پہنچیں مثلاً شیعہ تفضیلیہ وہ مسجد میں نماز پڑھ سکتے

ہیں۔ اہل سنت والجماعت کی مسجد میں اگر پہلے سے یہ لوگ نماز پڑھتے چلے آئے ہیں تو اب بھی آسکتے ہیں اور ان میں کا کوئی فرد امین و معتمد ہو اور مسجد کی بھلائی کی امید ہو تو اس کو منتظمہ جماعت کا رکن بھی بنایا جا سکتا ہے۔ مگر ان کو اس مسجد میں اپنے عقائد کی تبلیغ واشاعت کرنی یا کوئی امر موجب فتنہ نکالنا جائز نہیں اور نہ اس صورت میں ان کو آنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ سنی حنفی امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا یا وعظ سننا ہو اور کوئی امر تبلیغ مذہب کی غرض سے نہ کرنا ہو تو مضائقہ نہیں کہ آنے دیا جائے۔ جامع مسجد اور دیگر مساجد کا حکم ایک ہے۔ فقط

شیعہ لڑکے کا سنی لڑکی سے نکاح.

(سوال) ایک شیعہ لڑکا سنی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ اگر سنی قاضی یا پیش امام نکاح پڑھانے سے انکار کرے اور کوئی شیعہ پڑھا دے تو کیا حکم ہے؟ یہ شیعہ تفضیلی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باقی خلفاء پر فضیلت دیتے ہیں۔ عالمگیری جلد دوم صفحہ ۲۴۲ میں یہ عبارت ہے **الرافضی اذا کان یسب الشیخین او یلعنهما والعیاذ باللہ، فھو کافر۔ وان کان یفضل علیا کرم اللہ وجھه علی ابی بکر الصدیق لایکون کافراً الا انما ھو مبتدع**. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ سے سنی لڑکی کا نکاح درست نہیں ہے۔

(المستفتی نمبر ۲۳۲ ۶ حافظ محمد اسحاق (کوئٹہ) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۳۵ء)

(**جواب ۳۱۵**) شیعہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے صحابہ پر فضیلت دیتا ہے، بس اس کے علاوہ اور کوئی بات اس میں شیعیت کی نہیں تو یہ کافر نہیں ہے(۱)۔ اور ایسے شیعہ کے ساتھ سنی لڑکا کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر شیعہ غلطی وحی یا الوہیت علیؓ یا افک صدیقہؓ کا قائل ہو یا قرآن مجید میں کمی بیشی ہونے کا معتقد ہو، صحبت صدیقؓ کا منکر(۲) ہو تو ایسے شیعوں کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح منعقد نہیں ہوتا اور چونکہ شیعوں میں تقیہ کا مسئلہ شائع اور معمول ہے اس لئے یہ بات معلوم کرنی مشکل ہے کہ فلاں شیعہ قسم اول میں سے ہے یا قسم دوم سے۔ اس لئے لازم ہے کہ شیعوں کے ساتھ مناکحت کا تعلق نہ رکھا جائے۔ شیعہ لڑکی کے ساتھ سنی مرد کا نکاح ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ تعلق پیدا کرنا اکثر حالات میں مضر ہوتا ہے۔ اس لئے اجتناب ہی اولیٰ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

شیعہ سنی مناکحت کا حکم.

(سوال) زید کے دادا اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ میں اہلسنت والجماعت ہوں۔ مگر انہوں نے اپنا نکاح ایک

۱۔ وان کان یفضل علیاً کرم اللہ تعالی وجھه علی ابی بکر رضی اللہ عنه لایکون کافراً الا انه مبتدع (الهندیة، باب المرتد ۲ / ۲۶۴ ط ما جدید)

۲۔ "الرافضی ان کان یسب الشیخین ویلعنهما والعیاذ باللہ فھو کافر ولو قذف عائشة کفر ویجب اکفار بقولهم ان جبرئیل علیه السلام غلط فی الوحی الی محمد صلی اللہ علیه وسلم دون علی بن ابی طالب رضی اللہ عنه وهولاء القوم خرجوا عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین." (الهندیة، باب المرتد: ۲ / ۲۶۴ ط ما جدیه)

عورت شیعہ یعنی عورت رافضی سے کیا ہوا ہے اور اس رافضی عورت سے چار بچے ہیں اور انہوں نے اپنی لڑکیوں کی شادیاں بھی شیعہ لوگوں میں کر رکھی ہیں اور زید کا کہنا ہے کہ میں شیعہ نہیں ہوں۔ سنت والجماعت ہوں۔ حالانکہ اس نے اپنی شادی بھی ایک عورت شیعہ سے کر رکھی ہے اور ملنا جلنا خلط ملط سب اسی طرح ہے کوئی فرق نہیں ہے۔ زید کہتا ہے میں سنت جماعت ہوں اور ایک سنت جماعت حنفی المذہب کے ہاں رقعہ اپنی شادی کا بھیجا ہے اور شادی سنت جماعت میں کرنا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں اس لڑکے سے سنت جماعت کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا۔ جو اولاد رافضی کے تخم سے پیدا ہوئی اور وہیں پرورش پائی، وہ کون ہوئی۔ رافضی ہوئی یا سنت والجماعت ہوئی۔ شیعہ لوگوں میں دھوکہ دینا جائز کر رکھا ہے۔ اپنی مطلب برآری کے واسطے جس کو وہ لوگ تقیہ کہتے ہیں۔ آیا شرعاً کیا حکم ہے؟

(المستفتی نمبر ۱۳۵۳ محمد دین صاحب دہلوی، ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۳۷ء)

(جواب ۳۱۶) شیعوں کے بہت فرقے ہیں۔ بعض فرقے کافر ہیں۔ مثلاً جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت یا حلول کا اعتقاد رکھتے ہیں یا غلط فی الوحی یا افک عائشہ صدیقہؓ یا قرآن مجید میں کمی زیادتی کے قائل ہیں۔ ایسے شیعوں کے ساتھ رشتہ کرنا ناجائز ہے(۱)۔ اور جو لوگ کہ حد کفر تک نہیں پہنچتے ان کے ساتھ مناکحت جائز ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شیعوں کے یہاں تقیہ کا مسئلہ ہے اور اس بناء پر ان کے خیالات اور عقائد کا پتہ لگانا مشکل ہے اور جو شخص اس بات سے واقف ہیں وہ شیعوں میں رشتہ ناتہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ

رافضیت اختیار کر کے خلفائے راشدین بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالی دینے والا مرتد ہے۔

(سوال) (۱) نذیر احمد قوم نداف ساکن نجیب آباد معہ متعلقین جو عرصہ تقریباً ڈیڑھ سال سے اپنا مذہب ترک کر کے رافضی ہو گیا ہے اور اب تمام کام وہی کرتا ہے جو رافضی کرتے ہیں اور خلفائے راشدین خصوصاً سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کر رہا ہے وہ شرعاً مرتد ہے یا مسلمان۔ (۲) نذیر احمد مذکور کے ساتھ مسلمانوں کو کیا برتاؤ کرنا چاہئے۔ (۳) ہم لوگوں کی برادری کی پنچایت ہے۔ شرعاً ہمیں نذیر احمد سے ترک تعلقات کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ (۴) اگر برادری کی پنچایت نذیر احمد کو برادری سے خارج نہ کرے تو تمام برادری گناہ گار ہو گی یا نہیں۔ (۵) نذیر احمد مذکور سے اور اس کے متعلقین سے جو رافضی ہو چکے ہیں سلسلہ مناکحت قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(المستفتی نمبر ۱۵۵۲ میاں جی خدا بخش نداف (ضلع بجنور) ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۰ جون ۱۹۳۷ء)

۱۔ "وحرم نكاح (الوثنية)، وفي الشامية : وفي شرح الوجيز وكل مذهب يكفر به معتقده". (ردالمحتار : ۳/۴۵ ط سعيد)

(جواب) از مفتی مسعود احمد نائب مفتی دارالعلوم (دیوبند) اگر فی الواقع نذیر احمد نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا ہے اور سب شیخین کرتا ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالی دیتا ہے، تو وہ مرتد ہے۔ فتاویٰ عالمگیری باب المرتد میں ہے الرافضي اذا كان يسب الشيخين ويلعنهما العياذ بالله فهو كافر الخ (۱)۔ (۲) اول نذیر احمد کو نرمی سے سمجھایا جائے اور اس باطل مذہب سے اس کو ہٹانے کی کوشش حسن تدبیر کے ساتھ کی جائے۔ اگر وہ کسی طرح اور کسی صورت سے باز نہ آوے تو اس سے تعلقات برادرانہ منقطع کر دیئے جائیں (۲)۔ (۴) اگر باوجود سمجھانے کے اور باوجود کوشش کے بھی نذیر احمد راہ راست پر نہ آئے تو اس سے قطع تعلق کرنا ضروری ہے۔ اگر برادری اس سے قطع تعلق نہ کرے گی تو گناہ گار ہوگی۔ (۵) ان لوگوں سے سلسلہ مناکحت کرنا اہل سنت والجماعت کو ناجائز اور حرام ہے کیونکہ مسلمان اور کافر میں باہم نکاح صحیح اور منعقد نہیں ہوتا۔ کذافی الشامی باب المحرمات (۳) فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۱۸ محرم ۱۳۵۶ھ

(جواب ۳۱۷) (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہو الموفق۔ اگر نذیر احمد غالی شیعہ ہو گیا ہے یعنی حضرت عائشہؓ کے تہمت کا قائل ہے یا قرآن مجید کو صحیح اور کامل نہیں سمجھتا، یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت کا منکر ہے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وحی کا اصل مستحق سمجھتا ہے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا قائل ہے تو بے شک وہ کافر ہے اور اس صورت میں باقی سب جواب صحیح ہیں۔ فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

کیا "تفضیلیہ" اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے؟

(سوال) فتویٰ کا جواب ۲۵ جنوری ۱۹۳۸ء موصول ہوا تھا۔ اس کو دیکھ کر ایک شخص نے اعتراض کیا ہے کہ اہل سنت والجماعت کو ایسا فتویٰ دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ چونکہ اہل سنت کے نزدیک ہر مسلم مومن ہے۔ اور ہر مومن کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ اور ہر مومن یا مسلم کی شناخت یہ ہے کہ وہ تینوں اصول کا قائل ہو۔ توحید، نبوت، قیامت۔ شیعہ علی العموم تینوں اصول کے قائل ہیں۔ لیکن اس فتویٰ میں مفتی صاحب نے صاف نہیں کیا ہے۔ چونکہ شیعہ غالی نصیری کو کہتے ہیں اور تفضیلیہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے جس مذہب سے اصل میں معاملہ درپیش ہے اس کو بالکل اڑا دیا ہے یعنی شیعہ اثنا عشری۔ اور علاوہ ازیں کوئی شیعہ اثنا عشری اپنے آپ کو تفضیلیہ یا غالی نہیں کہتا۔ چونکہ زمانہ موجودہ میں تقیہ جائز نہیں ہے۔ اور تبرا اصول مذہب اہل سنت سے کسی طرح بھی مانع نکاح نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۲۲۶۵ جناب شمشاد حسین صاحب (میرٹھ) ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۹۳۸ء

۱۔ ج ۲ ص ۲٦٤ ط المكتبة الماجدية
۲۔ "لاتجد قوما يؤمنون بالله واليوم الاخر يوآدون من حادالله ورسوله" (المجادلة : ۲۲)
۳۔ "(و) حرم نكاح (الوثنية) وفي الشامية : وفي شرح الوجيز وكل مذهب يكفر به معتقده" (۳ / ٤٥ ط سعيد)

(جواب ۳۱۸) تفضیلیہ مذہب اہل سنت والجماعت کا نہیں ہے۔ یہ شیعہ مذہب کی ایک شاخ ہے، اور غالی سے مراد وہ شیعہ ہیں جو کسی ایسے عقیدہ کے قائل ہوں جس سے کفر لازم آتا ہے مثلاً افک عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا قرآن مجید میں کمی واقع ہونے کا عقیدہ یا غلط فی الوحی یا الوہیت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ یا حلت تبرا یعنی سب و شتم صحابہ وغیرہ۔ اور جواب سابق جو میں نے لکھا تھا وہ صحیح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

کیا شیعوں پر سید کا اطلاق کرنا درست ہے؟

(سوال) شاہا کہ در خدمت عرضی مفلس در جہاں بود مرضی احول از یں باشد کہ در مقام بہرام پور ضلع گنجام در اسم شیعہ نزاع عظیم برپا شدہ ہست چند نفر می گویند کہ شیعہ سادات را گفتن روا نباشد بلکہ ایں اسم روافض را باشد نہ کہ سادات را گویند و بعض گویند کہ شیعہ سادات اثنا عشری را گویند نہ آنکہ سادات سنت و جماعت را۔ و لیکن گمان فقیر ایں نباید چرا کہ سادات ہمگی از اولاد نبی آخر زماں باشند چنانکہ خداوند تبارک و تعالیٰ در کتاب پاک خود دلالت می کند در سورہ کوثر انا اعطيناك الكوثر خبر داد و پیغمبر خود از کثرت اولاد در دنیا و عقبیٰ منقطع نشوند اولاد پیغمبر ما در یں جا ہر دو گروہ سادات یک باشند ہر چند کہ مذہب جدا باشد۔ در نہایۃ ابن اثیر جزری در لغت شیعہ

(ترجمہ) بہرام پور ضلع گنجام میں لفظ شیعہ کے متعلق بڑا اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیعہ سادات کو کہتے ہیں۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ سادات کو شیعہ کہنا درست نہیں ہے بلکہ شیعہ روافض کا نام ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیعہ سادات اثنا عشریہ کو کہتے ہیں، نہ کہ سادات اہل سنت والجماعت کو۔ لیکن فقیر کا خیال ہے کہ سادات سب کے سب نبی آخر الزماں ﷺ کی اولاد میں سے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب پاک میں ارشاد فرماتا ہے انا اعطيناك الكوثر اور خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی کثرت اولاد کے بارے میں خبر دی ہے کہ دنیا و عقبیٰ میں ہمارے پیغمبر کی نسل منقطع نہیں ہو گی۔ اس صورت میں دونوں گروہ سادات ہی ہیں ہر چند کہ مذہب جدا جدا ہوں۔ نہایہ ابن اثیر جزری میں لغت شیعہ کے متعلق لکھا ہے۔ شيعة الرجل الخ

نوشتہ است

شيعة الرجل بالكسر اتباعه و انصاره وقد غلب هذا الاسم على كل من يتولى على ابن ابی طالب۔ خلاصہ مطلب این است کہ شیعہ اکثر آں را گویند کہ محب علی ابن ابی طالب باشد بے شک چنانکہ جملہ سادات اولاد علی علیہ السلام ہی باشند اگر شیعہ گویند چہ اہانت ندارد۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیعہ اس کو کہتے ہیں جو حضرت علی ابن ابی طالب سے محبت رکھتا ہو۔ اور جب کہ تمام سادات حضرت علی علیہ السلام کی اولاد ہیں اگر ان کو شیعہ کہا جائے تو کیا حرج ہے؟

ایں حالات از لغات کشوری باب شین فصل ش ی ع

(۱) (شیعہ (ع) مطیع۔ تابعدار۔ مددگار گروہ۔ سر خود۔ غالب۔

(۲) مطیع (ع) فرمانبردار۔ خادم۔ اطاعت کنندہ

(۳) تابعدار (ف) فرمانبردار۔ خادم۔ اطاعت کنندہ

(۴) مدد (ع) کمک مددگار۔ مدد کنندہ

(۵) گروہ (ف) غول۔ جمعیت آدمیاں

(۶) سر خود (ف) خود مختار

(۷) غالب (ع) زبردست۔ زور آور

ومن یطع اللہ والرسول فاولئك مع الذین الخ ومن یقنت منکن للہ ورسولہ الخ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون انا اعطیناك الکوثر لایملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمن عھداً وانتم الا علون

در نصائح از حضرت علی رضی اللہ عنہ رہبر کامل باب ہمزہ سے متعلق صف ۱۱۸ نصائح

"سب سے زیادہ سعادت مند وہ ہے جس نے ہماری فضیلت کو معلوم کیا ہمارے طفیل سے مقربان بارگاہ الٰہی میں داخل ہوا۔ ہم سے خاص دوستی اور محبت پیدا کی۔ ہماری ہدایات پر چلا۔ اور جن باتوں سے ہم نے منع کیا ان سے باز رہا سو ایسا شخص ہمارے گروہ میں شامل اور بہشت میں ہمارے ساتھ ہوگا۔"

ازیں تمام حال کہ ظاہر شدہ است امید می دارم کہ از قلم قدرت جناب فتویٰ روانہ فرمائی

ان تمام حالات کے بعد گزارش ہے کہ آپ فتویٰ صادر فرمائیں۔

(المستفتی نمبر ۲۳۱۴ مولوی ولدار بیگ (بہرام پور) (گنجام) ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۴ جون ۱۹۳۸ء)

(جواب ۳۱۹) لفظ شیعہ یک معنی باعتبار لغت دارد و دیگر معنی باعتبار عرف دارد۔ معنے لغوی ہماں است کہ جناب ایشاں از لغت نقل فرمودند و بمعنی دیگر آں جماعت را گویند کہ مذہب ایشاں مقابل مذہب اہل سنت و الجماعت ہست و حضرت علی مرتضیٰ را خلیفہ بلا فصل و افضل از جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم دانند و در ایشاں فرقہائے مختلفہ ہستند۔ بعض می گویند کہ حضرت علی خدا ہستند بعض می گویند کہ خدا در حضرت علی حلول کردہ۔ بعض می گویند کہ وحی بر حضرت علی نازل شدہ بود۔ جبرئیل علیہ السلام غلط کردہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسانید۔ بعض می گویند کہ ایں قرآن کہ نزد ما موجود است قرآن منزل نیست بلکہ بیاض عثمانی است بعض می گویند کہ بعد از وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ صحابہ مرتد شدند الا معدودے چند۔ و ہمچنیں خیلے عقائد کفریہ دارند۔

پس لفظ شیعہ برائے فرقہا و لفظ روافض و رافضی برائے ایشاں مستعمل می شود اما آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ ایں قسم عقائد ندارند شیعہ نیستند۔ نہ ہر شیعہ از سادات است و نہ ہر سید شیعہ باشد۔

(ترجمہ) لفظ شیعہ کے ایک معنی باعتبار لغت کے ہیں۔ اور دوسرے معنی باعتبار عرف کے۔ لغوی معنی تو وہی ہیں جو آپ نے لغت سے نقل لئے ہیں۔ اور عرف میں شیعہ اس گروہ کو کہتے ہیں جن کا مذہب اہل سنت والجماعت کے مذہب کے بالمقابل ہے۔ جو حضرت علی مرتضیٰ کو خلیفہ بلا فصل اور تمام صحابہ سے افضل

مانتے ہیں۔ اس گروہ میں بھی مختلف فرقے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی خدا ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا نے حضرت علی کے اندر حلول کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وحی حضرت علی کی طرف اتاری گئی تھی مگر جبرئیل علیہ السلام نے غلطی سے حضرت محمد ﷺ کو پہنچادی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قرآن جو اس وقت موجود ہے، وہ قرآن نہیں ہے جو آسمان سے اتارا گیا تھا۔ بلکہ یہ بیاض عثمانی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بعد چند صحابہ کے علاوہ تمام مسلمان مرتد ہوگئے تھے۔ اسی قسم کے بہت سے کفریہ عقائد رکھتے ہیں۔ پس لفظ شیعہ اور رافضی اور روافض ان فرقوں کے لئے (عرفا) استعمال ہوتا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے جو لوگ ایسے عقائد نہیں رکھتے وہ شیعہ نہیں۔ ہر شیعہ سید نہیں ہوتا اور ہر سید شیعہ نہیں ہوتا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

کیا شیعہ مسلمان ہیں؟

(سوال) شیعہ مسلمان ہیں یا نہیں؟

(المستفتی نمبر ۲۳۵۶ محمد ابراہیم صاحب (فورٹ بمبئی) ۵ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۴ جولائی ۱۹۳۸ء)

(جواب ۳۲۰) شیعہ اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے۔ لیکن اہل سنت والجماعۃ فرقہ ناجیہ ہے اور باقی تمام فرقے ناجیہ نہیں ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے موافق شیعوں کے کئی فرقے اسلام سے خارج ہیں۔ یہ فرقے فرقہ شیعہ کی ضمنی شاخیں ہیں۔ باوجود اس کے ادعائی طور پر وہ فرقہائے اسلام میں داخل سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا حکم اہل کتاب کی طرح ہے کہ وہ باوجود کفریہ عقائد کے (مثلاً الوہیت مسیح بابنیت مسیح کے) دوسرے غیر کتابی کفار سے جداگانہ حکم رکھتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(۱) کیا اذان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا اعلان خلفائے ثلاثہ پر تبرا نہیں؟
(۲) ایسے فتنہ کے خلاف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کا حکم؟

(سوال) (۱) ایک فرقہ ضالہ اپنی اذانوں میں اور اپنے جنازوں کے ساتھ اشھدان علیا ولی اللہ وصی رسول اللہ خلیفتہ بلا فصل باآواز بلند پکارتا ہے۔ تو کیا اس سے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت حقہ کی تکذیب نہیں ہوتی۔ اور کیا فرقہ شاتمہ کی زبان سے اہل سنت والجماعت کے روبرو اس کلمہ کا اظہار ایک قسم کا تبرا نہیں ہے؟

(۲) کیا جس مقام پر علی الاعلان و بر سر راہ یہ کلمہ کہا جاتا ہو اور حکومت وقت نے اس کو قانوناً جائز قرار دیا ہو وہاں کے اہل سنت والجماعت پر یہ لازم نہیں ہے کہ حضرات خلفائے کرام کی خلافت حقہ اور فضیلت بلحاظ ترتیب علی الاعلان و بر سر راہ واضح کریں اور ان حضرات کے محامد و فضائل بیان کریں تاکہ جماعت اہل سنت کا کوئی واقف شخص فرقہ ضالہ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر عقیدہ فاسدہ میں مبتلا نہ ہو۔

المستفتی نمبر ۲۴۵۶ مولانا ظفر الملک صاحب (الناظر) لکھنؤ ۲ محرم ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۲ فروری ۱۹۲۹ء
(جواب ۳۲۱) تبرا سے مراد سب و شتم ہے تو اس کلمہ کو تبرا میں داخل کرنا مشکل ہے۔ یہ کلمہ اگرچہ اہل سنت و الجماعت کے مذہب کے موافق باطل اور غلط ہے، تاہم اس کو کہنے والے اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں، جو اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے اور ان کے نزدیک باطل ہے۔ اور اگر اس سے اشتعال جذبات اور فساد کا خطرہ ہو تو اس جہت سے اس کی بندش کرنا مقامی حکام کے فریضہ حکومت میں داخل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنے اور فسق و فجور میں مبتلا شخص کا حکم

(سوال) زید نے اپنی ابتدائی زندگی میں کافی علم حاصل کیا۔ مگر وہ ہمیشہ بے عمل رہا۔ وہ تارک صوم و صلوۃ بھی ہے اور خائن بھی۔ وہ فاسق و فاجر بھی ہے اور عیاش بھی۔ وہ ظالم و غاصب بھی ہے اور غدار بھی۔ اس کے پاس ہر وقت نازنینوں کا جمگھٹ رہتا ہے اور وہ ایک بڑی درگاہ کا سجادہ نشین ہوتے ہوئے بھی ہر وقت اوباشوں کی صحبت میں رہتا ہے۔ جائیداد موقوفہ پر متصرف ہونے کی وجہ سے ایک بڑی حیثیت رکھتا ہے اور جہلا میں اسے مذہبی پیشوائی حاصل ہے۔ گو وہ عالم ہے مگر الجاهل الصوفی مرکب الشيطان کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ وہ ایک سنی وقف کا متولی ہے اور اپنے کو سنی اور حنفی کہتا ہے۔ لیکن وہ حضرت امیر معاویہ پر لعن و طعن کرتا ہے۔ اس کا دن بھر کا مشغلہ صرف تبرابازی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ گالی تک کے ناشائستہ الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اس نے عوام میں اپنے اثر سے کام لے کر رافضیوں کو بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ مدح صحابہ جیسی اہم تحریک کا مذاق اڑاتا ہے اور اسے بیکار بتلاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سنیوں کی تعداد تمام فرقوں سے کم ہے۔

وہ صرف اس بنا پر حضرت مجدد صاحب کی شان میں اور دیگر علمائے اسلام کی شان میں گستاخیاں کیا کرتا ہے کہ وہ حضرات صحابہ سے حسن ظن رکھنے کی تلقین کرتے تھے۔ وہ اکثر مسجد میں امیر معاویہ پر لعنت کرتا ہے اور اسے شعار حیدری بتلاتا ہے۔ اس کے عقائد جو نظم مرسلہ سے (جسے شیخوں نے اپنی طرف سے چھپوا کر تقسیم کیا ہے) بخوبی ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کے کیرکٹر اور اس کے عقائد سے مفصل مطلع کر دیا ہے تاکہ نظم مرسلہ میں عقائد باطلہ کی کافی شافی تردید اخبار الجمعیۃ میں جلد از جلد شائع کر دی جائے۔ کیا ایسا شخص شرعاً مسلمان اور سنی کہلانے کا مستحق ہے کیا عقائد مطبوعہ واقعی سنیوں کے عقائد ہیں۔ اگر نہیں تو پھر مسلمانوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا عقائد رکھنے چاہئیں۔ کیا ایسے عقائد اور ایسے کریکٹر کا شخص اس قابل ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ کیا نظم مرسلہ تبرا کی حد میں داخل نہیں ہے۔ کیا حوالجات نظم صحیح ہیں۔ عوام کے عقائد اس وقت متزلزل ہیں۔ وہ سخت سراسیمگی اور بےچینی کی حالت میں ہیں۔ لہذا امید قوی ہے کہ جریدہ الجمعیۃ میں جلد از جلد کافی و شافی مفصل اور صریح فتویٰ دے کر جناب والا مسلمانوں کو تفریق اور اختلاف کے گڑھے سے نکال دیں گے اور مسلمانوں کو اپنے عقائد صحیح کرنے کا موقع دیں گے۔

المستفتی نمبر ۲۵۰۹ جناب محمد فرید عطا صاحب (ضلع رائے بریلی) ۵ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ

مطابق ۲۳ جون ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۲۲) جس شخص کے یہ اشعار ہیں وہ یقیناً اہل سنت والجماعت کے دائرہ سے خارج ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ روافض کے خیالات اور عقائد ہیں۔ وہ شعر جس کی ابتداء "جو دنیا کا" کے الفاظ سے ہوتی ہے، کھلا ہوا تبرا ہے۔ یہ قائل جس کی زبان سے یہ الفاظ نکلیں چھپا ہوا شیعہ نہیں بلکہ کھلا ہوا رافضی ہے۔ سنیوں کو اس سے مجتنب اور بے تعلق رہنا چاہئے۔(۱) اور ان عقائد سے بیزاری کا اظہار کرنا چاہئے۔　　　فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

"جو دنیا کا کتا ہو ہمنام سگ جو حق علی کے لئے بن جائے ٹھگ" یہ شعر کھلا ہوا تبرا ہے۔

پوری نظم مسئلہ استفتا کا ایک شعر پیش خدمت ہے آیا یہ تبرا میں داخل ہے یا نہیں۔

(المستفتی نمبر ۲۵۰۹)

(جواب ۳۲۳) یہ شعر یقیناً تبرا کے اندر داخل ہے۔　　　فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

مقدمہ جونپور میں حضرت مفتی علام کا گواہی دینے کی تردید

(سوال)(۱) پٹیالہ میں دو تین برس سے ایک مولوی محبوب علی صاحب لکھنوی مفتی ہیں۔ جو تین چار مہینے سے جونپور کے کسی مقدمہ کی نقل دکھا دکھا کر آپ اور مولانا حسین احمد شیخ الحدیث دیوبند اور مولانا عبدالشکور صاحب کاکوروی کو خارجی وہابی وغیرہ وغیرہ بتاتے ہیں۔ اور یہ کہ اس مقدمہ کی تائید اور اس کو حق و صحیح ثابت کرنے کے لئے آپ اور مولانا حسین احمد صاحب اور مولانا عبدالشکور صاحب کاکوری نے شہادتیں دی ہیں کہ یزید اور عمرو بن سعد و عبدالرحمن بن ملجم و عبیداللہ بن زیاد و شمر اور سنان بن انس اور ابوایوب بن غنوی وغیرہم خبثاء مسلمانوں کے پیشوا ہیں اور محسن الاسلام والمسلمین ہیں اور ان ملاعنہ کی تعریف و مناقب بیان کرنا عبادت ہے۔ خدارا ہم مسلمانوں پر رحم کیجئے اور جلد از جلد جواب دیجئے۔ کیا واقعی آپ صاحبان نے اس مقدمہ میں گواہیاں دی ہیں۔ اگر نہیں تو فوراً اپنی برائت پیش فرمائیں اور اگر دی ہیں تو خدارا ہم مسلمان سنیوں کو یہ بتا کر خلجان سے چھڑائیے کہ اس گواہی کی وجہ کیا ہے۔ اس سے مذہب اہل سنت والجماعت کو کیا فائدہ ہے۔

(۲) کیا جناب والا ان شہادتوں کی نقول عطا فرما سکتے ہیں تاکہ یہاں کے مسلمانوں کو دکھا دکھا کر انہیں راہ راست پر لایا جا سکے۔ اور مفتی صاحب کا جھوٹ ثابت کیا جائے۔ تینوں شہادتوں کی نقل نہ سہی۔ صرف آنجناب کی ہی شہادت نقل آجائے تو یہاں کا فتنہ بہت کچھ دور ہو جائے۔ نقل کی روانگی میں تاخیر نہ فرمائیں۔ یہ مذہب کی خدمت ہے۔

---

(۱) "ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار" (هود: ۱۱۳)

(۳) مدعیان نے بیان دعویٰ میں لکھوایا ہے کہ وہ شیعہ بنی امیہ ہیں تو تحریر فرمایا جائے کہ شیعہ بنی امیہ کون سا فرقہ ہے۔اب تو صرف شیعان علی تھے۔یہ دوسرے شیعہ نکل پڑے۔ان کی تعریف اور پہچان لکھئے اور یہ بھی لکھئے کہ شیعہ بنی امیہ اہل سنت میں داخل ہیں یا خارج۔یا اہل سنت ہی کو شیعہ بنی امیہ کہتے ہیں۔

(۴) پٹیالہ میں انہوں نے ایک فتویٰ کا فوٹو بھی پیش کیا ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے "وقوع کذب باری کے معنی درست ہو گئے۔" یہ فتویٰ حق و صحیح ہے یا نہیں۔اگر صحیح مانا جائے تو کیا خرابی لازم آئے گی،جب کہ مولانا نے وقوع کذب باری کے معنی درست بتائے۔ہاں صرف وقوع کا ثبوت باقی رہتا ہے۔

(المستفتی ۲۶۶۴ حافظ علی محمد صاحب (پٹیالہ) ۸ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۶ اپریل ۱۹۴۱ء)

(جواب ۳۲۴) میں نے جونپور کے مقدمہ میں شہادت نہیں دی۔نہ ان کے لئے کوئی سعی کی۔نہ کوئی تائید کی۔میرے اوپر یہ تہمت اور بہتان ہے۔جہاں تک مجھے علم ہے حضرت مولانا حسین احمد صاحب اور مولانا عبدالشکور صاحب نے بھی شہادت نہیں دی۔لوگ تہمت لگانے اور بہتان باندھنے میں خدا کے غضب سے نہیں ڈرتے۔

شیعان بنی امیہ کے متعلق مجھے معلوم نہیں کہ جونپور کے کون لوگ تھے اور انہوں نے کیا دعویٰ کیا تھا۔اس قدر معلوم ہوا ہے کہ وہاں رافضیوں کے مقابلے پر کچھ لوگ کھڑے ہوئے ہیں جو رافضیوں کے تبرائے صحابہ کے مقابلے پر تبرائے علی (رضی اللہ عنہ) کی اجازت مانگتے ہیں۔ہم تو دونوں تبراؤں کو ایک لعنتی فعل سمجھتے ہیں۔اعاذنا اللہ منہما۔حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کے فتویٰ کی جب تک پوری عبارت سامنے نہ ہو اس وقت تک ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ آیا وہ مولانا قدس سرہ کی عبارت ہے یا نہیں۔اور ہے تو اس کا کیا مطلب ہے۔وقوع کذب باری تعالیٰ بالاتفاق محال ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔دہلی۔

کیا کربلا کی لڑائی جہاد تھا؟

جنگ کربلا جہاد تھا یا کوئی سیاسی جنگ تھی؟

(المستفتی نمبر ۲۶۹۹ نسیم میرٹھی۔۹ محرم ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۷ جنوری ۱۹۴۲ء)

(جواب ۳۲۵) جنگ کربلا یزید کی طرف سے محض سیاسی تھی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی سیاست حقہ کا پہلو غالب تھا۔مسلمانوں اور کافروں کی جنگ نہ تھی۔مسلمانوں مسلمانوں ہی کی باہمی لڑائی تھی۔ایک فریق باطل پر تھا اور اس کی طرف سے انتہائی ظلم و فساد اور خونخواری کا مظاہرہ ہوا اور امام مظلوم کی طرف سے حقانیت مظلومیت اور صبر و رضا کا انتہائی درجہ ظہور میں آیا۔

عہد نامہ[۱] مرسلہ کے متعلق واضح ہے کہ سر گلوں ہو کر دو منٹ کی خاموشی اور عہد نامہ شائع شدہ کی تلاوت کا پروگرام سنیوں کے لئے ناقابل عمل اور ایسی بدعت ہے کہ اس کے نتائج نہایت ہولناک ہوں گے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔دہلی۔

۱۔(نوٹ) عہد نامہ مذکور کی نقل رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔

(۱) یادگار حسینی میں شرکت حرام ہے۔
(۲) یادگار حسینی کی تکذیب کرنا ثواب کا کام ہے۔
(۳) یادگار حسینی میں اہلسنت کی شرکت۔
(۴) جلسہ یادگار حسینی کے خلاف کوشش و سعی کرنا کیسا ہے ؟

(سوال) (۱) یادگار حسینی میں اہل سنت کی شرکت کا شرعاً کیا حکم ہے ؟
(۲) جب شیعہ اس کو بین الاقوامی جلسہ کہتے ہیں تو شرعاً ان کی تکذیب و تردید کرنے کا کیا حکم ہے ؟
(۳) جو اہل سنت مقررین اس میں شریک ہوتے ہیں ان کے متعلق عام مسلمانوں کو شرعاً کیا حکم ہے ؟
(۴) اگر شرعاً یادگار حسینی کی شرکت جائز نہ ہو تو ان کے خلاف تبلیغ و سعی کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

(المستفتی نمبر ۲۷۴۴ ناظم مجلس خیر (گونڈہ) ۵ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۰ جون ۱۹۴۲ء)

(جواب ۳۲۶) ہوالموفق۔ یادگار حسینی اور اس کا پروگرام ۱۳۶۱ھ کی شیعی بدعات میں سے ایک ایسی بدعت ہے جس کے نتائج اور ثمرات اسلام اور اہل سنت والجماعت کے حق میں نہایت ہولناک ہوں گے اور رسم تعزیہ داری اور علم اور شدّوں اور ذوالجناح وغیرہ وغیرہ بدعات کی طرح یہ بھی اسلام اور تعلیم اسلام کے پاک صاف دامن پر ناپاک داغ بن کر موجب رسوائی ہوگا۔ شیعوں نے یہ تجویز نکالی اور وہی پوری سرگرمی سے اس کو پھیلا رہے ہیں۔

اس کو بین الاقوامی بتانا نظر فریب دھوکا ہے۔ مقصد شیعیت کی تبلیغ اور فروغ ہے۔ بالغ النظر اہل سنت اس کے عواقب وخیمہ کو سمجھ کر اس سے اپنی علیحدگی اور بیزاری کا اعلان کر چکے ہیں۔ اس میں شرکت کسی سنی کے لئے جائز نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

قاتلان حسین اور یزید کو گالیاں دینے کا حکم

(سوال) قاتلان حسین اور یزید پلید کو گالیاں دینا جائز ہے یا نہیں ؟

(المستفتی نظیر الدین امیر الدین (املہزہ۔ ضلع مشرقی خاندیس)

(جواب ۳۲۷) قاتلان حسین کے متعلق اتنا کہنا تو جائز ہے کہ انہوں نے بہت بڑا گناہ اور ظلم کیا۔ مگر گالیاں دینا درست نہیں اور لعنت کرنا جائز نہیں۔ المؤمن لایکون لعانا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

۱۔ ترمذی، باب ماجاء فی اللعن والطعن ولفظہ : "لایکون المؤمن لعانا" : ج ۲ ص ۲۲ ط سعید.

تعزیہ اور ماتم خلاف شرع ہیں۔

(از اخبار الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۳۵ء)

(سوال) تعزیہ کو مذہب سے کیا تعلق ہے؟ ماتم کی حقیقت کیا ہے؟

(جواب ۳۲۸) اہل سنت والجماعت کے نزدیک تعزیہ بنانا ناجائز ہے(۱)۔ اور ماتم کرنا بھی خلاف شریعت ہے کیونکہ خدا اور رسول ﷺ نے اس کی تعلیم نہیں دی۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

شیعہ کا کفن دفن مسلمانوں پر ضروری ہے یا نہیں؟

(از اخبار الجمعیۃ دہلی۔ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) یہاں پر فقط ایک گھر روافض درمیان مسلمانوں اور برہموں کے اپنی زندگی بسر کررہے ہیں۔ اگر وہ روافض مرجائے تو اس کا کفن دفن مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں؟ اگر لازم ہے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

(جواب ۳۲۹) اگر ان روافض میں سے کوئی شخص مرجائے اور لوگ ان میں موجود ہوں تو وہی اپنی میت کی تجہیز و تکفین کرلیں۔ لیکن اگر ان میں کوئی موجود نہ ہو تو دوسرے مسلمانوں کو لازم ہے کہ ان کی میت کی تجہیز و تکفین کریں(۳)۔ پھر اگر وہ رافضی ایسے عقیدے کا تھا کہ اس پر حکم کفر جاری نہیں ہوتا تھا تو اس کی تجہیز و تکفین مثل مسلمین کے کریں۔ اور نماز جنازہ بھی پڑھ کر دفن کریں۔ لیکن اگر اس پر حکم کفر جاری ہوسکتا تھا تو اس کی تجہیز و تکفین میں رعایت سنت نہ کریں اور نہ نماز جنازہ پڑھیں۔ ویسے ہی دفن کردیں۔ (۴) واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ

۱۔ تعزیہ داری درعشرۂ محرم یا غیر آں و ساختن ضرائح ... این همه امور بدعت است الخ (مجموعة الفتاوی علی هامش خلاصة الفتوی: ۴/ ۳۴۴ ط امجد اکیڈمی لاہور)

۲۔ "لیس منامن شق الجیوب وضرب الخدود الخ" (ترمذی کتاب الجنائز باب ماجاء فی النہی عن ضرب الخدود الخ ۱/ ۱۹۵ ط سعید)

۳۔ "واذا مات الکافر وله ولی مسلم فانه یغسله ویکفنه ویدفنه" (الهدایة باب الجنائز ۱/ ۱۸۱ ط شرکت علمیہ ملتان)

۴۔ "اماالمرتد فیلقی فی حفرة کالکلب عندالاحتیاج فلوله قریب فالاولی ترکه لهم من غیر مراعاة السنة فیغسله غسل الثوب النجس ویلف فی خرقة" (الدر المختار باب صلاة الجنائز ۲/ ۲۳۰ ط سعید، وکذافی الهدایة ۱/ ۱۸۲ ط شرکت علمیہ)

فصل دوم : فرقہ دہریہ

"ان الله هو الدهر" کا صحیح مفہوم .

(سوال) نیچر، دہر، زمانے کو اپنا معبود (الٰہ) کہنے والے درستی پر ہیں یا نہیں؟ محالیکہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ ھل الدھر الا لیلۃ و نھارھا۔ والا طلوع الشمس ثم غیابھا۔ یعنی دہر (زمانہ نیچر) نظام شمسی، سورج، چاند، ستارے عناصر وغیرہ وغیرہ ہیں۔ مگر بخاری میں **ولا تقولوا خيبة الدهرى فان الله هو الدهر وقال الله يسب بنو ادم الدهر وانا الدهر بيدى الليل والنهار.** موطا امام مالک میں **لايقل احدكم ياخيبة الدهر فان الله هو الدهر** لکھا ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری اور امام مالک دہر کو ہی اپنا معبود (الٰہ) مانتے ہیں۔

(المستفتی نمبر ۴۲۸ ابراہیم حنیف (لاہور) ۳۰ شعبان ۱۳۵۳ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۳۴ء)

(جواب ۴۳۰) نیچر، دہر، زمانہ کو معبود کہنے والے غلطی پر ہیں۔ اگر ان کو حدیث کے الفاظ **فان الله هو الدهر** یا **وانا الدهر** سے کوئی اشتباہ ہوا ہے تو یہ ان کی کم فہمی اور معانی احادیث سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ **ان الله هو الدهر** اور **انا الدهر** کے معنی یہ ہیں **ان الله هو صاحب الدهر ومدبر الامور** اور **انا صاحب الدهر ومدبر الامور** یعنی دہر کا مالک اور امور کا مدبر میں ہوں۔ لوگ ناواقفیت اور جہالت سے دہر یعنی زمانے کو حوادث کا فاعل قرار دے کر اسے برا بھلا کہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ دہر خود حوادث کا فاعل نہیں تو ان کا سب و شتم حقیقی فاعل اور خالق اور متصرف فی الامور پر پہنچے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: **كان اهل الجاهلية يقولون انما يهلكنا الليل والنهار فقال الله فى كتابه "وقالوا ماهى الاحياتنا الدنيا نموت ونحيا وما يهلكنا الا الدهر"** (۱) **وقال الله يوذينى ابن ادم يسب الدهر واناالدهر بيدى الامر اقلب الليل والنهار** (رواہ ابن جریر و ابن ابی حاتم والحاکم و ابن مردویہ کذافی الدر المنثور) (۲) اہل جاہلیت کہا کرتے تھے کہ ہم کو رات اور دن ہی ہلاک کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا قول اپنی کتاب میں ذکر فرمایا کہ انہوں نے کہا کہ بس یہی ہماری زندگی پر قصہ ختم ہے۔ مرتے ہیں پیدا ہوتے ہیں اور ہم کو زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ حالانکہ حضرت حق نے (ایک حدیث قدسی میں) فرمایا ہے کہ ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے کہ دہر کو برا کہتا ہے (کیونکہ وہ دہر کو فاعل متصرف سمجھتا ہے) اور دہر (کا خالق اور حقیقی متصرف) تو میں ہوں۔ تمام تدبیر و تصرف میرے ہاتھ اور میرے قبضے میں ہے۔ رات اور دن کو میں ہی الٹتا پلٹتا رہتا ہوں۔ **والحديث اخرجه الطبرى عن ابى كريب عن ابن عيينة بهذا الاسناد عن النبى صلى الله عليه وسلم قال كان اهل الجاهلية يقولون انما يهلكنا الليل والنهار هوالذى يميتنا ويحيينا الحديث** (کذافی فتح الباری) (۳) یعنی اسی حدیث کو

---

۱. تفسير ابن كثير تحت قوله تعالى، وقالوا ماهي الا حياتنا الدنيا الخ: ۱۵۱/٤ ط سهيل اكيڈمى)
۲. الدرالمنثور، تفسير سورة الجاثية : ۳۵/٦ ط مصر . وكذا فى البخارى، كتب التفسير، سورة الجاثية : ۷۱۵/۲ ط قديمى)
۳. فتح البارى، سورة الجاثية : ٤٤١/٨ ط مصر

طبری نے ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اہل جاہلیت کہتے تھے کہ رات اور دن ہی ہمیں ہلاک کرتے ہیں (یعنی ان کی گردش ہی ہمیں موت اور زندگی دیتی ہے) جب کہ امام بخاری اور امام مالک اور دوسرے ائمہ حدیث اور علمائے اسلام کے نزدیک حدیث اناالدھر اور فان الله هو الدهر کے یہ معنی ہیں جو مذکور ہوئے - یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میں دہر کا خالق اور مالک ہوں۔" تو یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ان ائمہ کا خیال یہ تھا کہ دہر معبود ہے اور چونکہ دہر اسمائے الٰہیہ میں کسی کے نزدیک داخل نہیں اس لئے انا الدھر کے اور کوئی معنی لئے نہیں جا سکتے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

مولانا شبلیؒ کے بارے میں محتاط رائے -

(سوال) ایک رسالہ آپ کا ۱۳۲۲ھ میں چھپا ہوا نظر سے گذرا جو کہ مولانا شبلی مرحوم کے ملحدانہ اور زندیقانہ خیالات پر ہے۔ لیکن ایک مولوی صاحب کے کہنے سے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے رجوع فرمالیا ہے - اس لئے مہربانی فرما کر جواب عنایت فرمائیے کہ مولوی صاحب کا کہنا درست ہے کہ نہیں۔

(المستفتی نمبر ۱۳۹۶ ابراہیم محمد اولا۔ (راندیر۔ سورت) ۲۲ محرم ۱۳۵۶ھ مطابق ۵ اپریل ۱۹۳۷ء)

(جواب ۳۳۱) ۱۳۲۲ھ کے رسالے میں مولانا شبلی مرحوم کے چند اقوال و خیالات پر انہیں کا فتویٰ حاصل کر کے اس کو شائع کیا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ان کی کتابوں میں ایسے عقائد موجود ہیں جن کو مولانا شبلی خود بھی کفر و الحاد قرار دیتے ہیں۔ مگر ۱۹۳۶ء میں مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے مولانا شبلی مرحوم کا ایک اعتراف نامہ شائع کیا تھا کہ وہ عقائد اسلامیہ کے پابند تھے اور فلاسفہ اور دہریوں کے عقائد سے بے زار تھے۔ اس کی بناء پر میں نے لکھا تھا کہ علماء کو مولانا شبلی مرحوم کی تکفیر نہ کرنی چاہئے کیونکہ تکفیر بہت بڑی ذمہ داری کی چیز ہے اور کسی مسلمان کو کافر کہنے میں انتہائی احتیاط لازم ہے۔(۱) فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

---

(۱) " اذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر ووجه واحد يمنعه فعلى المفتي ان يميل الى ذالك الوجه۔" (الهندية، باب المرتد : ۲ / ۲۸۳ ط کوئٹہ)

فصل سوم : فرقہ خاکساراں

(۱) عنایت اللہ مشرقی کے عقائد اور اس کی جماعت کا حکم .
(۲) مرتد کا نکاح باطل اور مہر کی ادائیگی ضروری ہے .
(۳) تحریک خاکساراں میں شامل ہونے والے غلطی پر ہیں۔
(۴) فوجی پریکٹس کے لئے تحریک مذکور میں شرکت۔
(۵) اپنے ساتھ بیلچہ رکھنے کا شرعی حکم .
(۶) سلف کا اجتہاد کافی نہیں کہنے والے کا حکم .

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۵ مارچ ۱۹۳۶ء)

(سوال) عنایت اللہ مشرقی اپنے تذکرہ واصلاح اخبار میں یہ لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ عمل صالح فقط نئی نئی چیزیں بنانا ہے - نماز، روزہ، حج، زکوۃ، کلمہ شریف وغیرہ میرے نزدیک نیک کام نہیں ہیں اور انگریزوں کی تعریف کرتے کرتے اس قدر بڑھایا اور کہا کہ بجائے آدم علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کے سچے خلیفہ زمین پر انگریز ہی ہیں۔ اور انگریزوں کو فرشتے سجدہ کرتے ہیں۔ اور ان کی خدمت و عبادت کرتے ہیں اور انگریزوں کے برابر کسی نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا اور نہ اس کی قدر کی۔ انگریز، یہودی بت پرست ہی پکے ایماندار اور مسلمان ہیں۔ اور یہی لوگ جنت کے وارث ہیں۔ موجودہ مسلمان اور علماء اور پہلے زمانے کے مسلمان بزرگ اولیاء صلحا انبیاء سب کے سب دوزخ کا ایندھن ہیں اور ہر روز انگریزوں کو فرشتے سلام کرتے ہیں۔ سب مسلمان اندھے، بہرے گمراہ ہیں۔ سب مسلمان گمراہ اور سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ فقط انگریز ہی پکے کامل مسلمان ہیں۔ بت پرست یہودی وانگریز ہی توحید کے ماننے والے ہیں۔ اللہ احد کہنا اور جاننا توحید نہیں ہے - دنیاوی ترقی خواہ کسی طریق سے خواہ حلال یا حرام سے ہو یہی توحید ہے۔ ہزاروں خداؤں کے ماننے والے پکے موحد اور عابد خدا ہیں۔ کسی نبی نے نماز نہیں پڑھی، نہ روزہ رکھا، نہ حج کیا، نہ زکوۃ دی۔ حج کے لئے بیت اللہ شریف، مکہ شریف میں جانے کی ضرورت نہیں - اچھرہ (جو کہ مشرقی کا گاؤں ہے) مکہ سے افضل ہے۔ اسلام کی بناء نماز روزہ حج زکوۃ کلمہ شہادت پر نہیں ہے - بلکہ اسلام کے لئے اور خدا کی عبادت کے لئے کسی مذہب کی قید نہیں ہے - بت پرستی و صلیب پرستی اور تین خدا ماننا بھی خدائی قانون ہے - انگریزوں کی تابعداری کرنا ہی اللہ تعالیٰ کی تابعداری کرنا ہے - کسی کے ڈر و خوف کے بغیر کفر کی بات کہنے اور کفر کا فعل کرنے سے انسان کافر نہیں ہوتا۔ بدھ اور کرشن کو بھی نبی مانتا ہے - اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا انکار کرتا ہے - محمدی نماز کی ظاہری صورت یعنی رکوع سجود وغیرہ اور ارکان نماز سے کوئی سروکار نہیں۔ کسی بزرگ یا امام یا ولی کی تابعداری شرک ہے۔ تمام اولیاء اور بزرگ عذاب کے مستحق ہیں۔ حنفی، شافعی، مقلد، غیر مقلد سب جہنم کی تیاری ہے اور سب مشرک ہیں - فقہ شریعت پر عمل کرنا سب کفر ہے - اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اور اس کے حکموں کو ماننے اور کرنے کی ضرورت نہیں۔

اخبار اصلاح میں لکھا ہے کہ جس کے پاس بیلچہ نہیں ہے وہ مسلمان ہی نہیں ہے - گویا بیلچہ کو جزو ایمان قرار دیا ہے - اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا مسخرہ پن ہے - اور نماز فقط پنجوقتہ سلام کرنا ہے، جیسے نوکر اپنے آقا کو سلام حاضری وغیرہ کرلیتا ہے - موجودہ صورت سے نماز مراد لینا غلط ہے - جو کثرت سے نمازیں پڑھیں اور عبادت کریں وہ حرام خور، کام چور، گستاخ، بدمعاش ہیں۔ مصلوں پر بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا، اعتکاف کرنا کفر، شرک اور بدمعاشی ہے - مکہ شریف، مدینہ شریف پر قبضہ کرنے کے مستحق لندن اور پیرس والے ہیں۔ جتنے مسلمان اس وقت موجود ہیں سب کافر اور مشرک ہیں اور بت پرست ہزاروں خداؤں کو ماننے والے پکے موحد اور مومن ہیں۔ بت پرستوں کو مشرک کہنا اندھا پن ہے۔ تین خدا ماننے والے پکے ایماندار مومن ہیں۔ اعتقادیت پرستی بت پرستی نہیں ہے۔ نہ زبان سے تلاوت کرنا اور نماز پڑھنا اور درود شریف پڑھنا عبادت ہے - مسیلمہ کذاب کی بنائی ہوئی کتاب کو افضل کہتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو مسخرہ پن بتلاتا ہے۔ خدا کی دوستی کے لئے کسی مذہب کی تخصیص اور ضرورت نہیں۔ مسجد میں سنتیں پڑھنا گستاخی ہے - ایسے ہی اور بہت گندے اقوال ہیں - مقدمہ تذکرہ وغیرہ میں اور دیباچہ تذکرہ اردو مقدمہ تذکرہ اردو سے یہ سب اقوال لئے گئے ہیں۔

(۱) شریعت میں ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ (۲) اور جو شخص ایسے لوگوں کو اچھا سمجھے ان کی تائید کرے اور برا نہ جانے بلکہ ان کی حمایت کرے اور کہے کہ میں دل سے تمہارے ساتھ ہوں اور ظاہر میں بوجہ امامت، نوکری کی وجہ سے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ ایسے شخص کی امامت درست ہے یا نہیں؟ (۳) جب کہ وہ لوگ ازروئے شریعت مرتد قرار پاویں تو ان کے موجودہ نکاح ٹوٹ گئے یا نہیں اور ان کو تائب ہونے پر دوبارہ نکاح پڑھنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور پہلے مہر کا کیا حکم ہے؟ (۴) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم کو مشرقی کے عقیدے اور اس کے قول و فعل اور اس کی کتابوں سے کوئی تعلق نہیں اور پھر بھی اس کی خاکساری جماعت میں شریک ہوتے ہیں اور دوسروں کو شریک ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور ان کی کتابوں کی اشاعت کرتے ہیں۔ (۵) جو لوگ ورزش اور فوجی قواعد کے لئے اس جماعت میں شریک ہوں ان کا کیا حکم ہے؟ (۶) بیلچہ رکھنا سنت ہے یا فرض؟ کیا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے؟ (۷) جو مولوی اپنی تقریر میں یہ کہے کہ جو معنی قرآن و حدیث کے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ نے لئے وہ اس وقت کافی نہیں ہیں۔ ہم بھی اپنے اجتہاد و ذہانت سے مناسب وقت معنی لے سکتے ہیں اور اس وقت عالم و حافظ بننے کی ضرورت نہیں بلکہ صناع بننے کی ضرورت ہے - اس کا کیا حکم ہے؟

(جواب ۳۳۲) یہ جتنے اقوال و خیالات آپ نے سوالات میں نقل کئے ہیں اگرچہ فرداً فرداً ہر قول اور ہر عقیدے کو مشرقی کی کتابوں سے ملانے کی ضرورت ہے تاہم کتاب تذکرہ کو ہم نے بھی دیکھا تھا اور بالاجمال اس قدر صحیح ہے کہ مشرقی اس قسم کے خیالات و عقائد ضرور رکھتا ہے جو جمہور اہل اسلام اور اصول اسلام کے خلاف ہیں۔ آپ کے سوالات جو مذکورہ بالا اعتقاد پر مبنی ہیں ان کا جواب یہ ہے :-

(۱) جو شخص ان عقائد کا حامل ہو وہ اسلام کا مبلغ نہیں بلکہ اسلام کا دشمن اور دائرہ اسلام سے خارج

ہے(۱)(۲)اور جو شخص کہ ایسے شخص کو اچھا سمجھے اور اس کی جماعت میں شامل ہو اور در پردہ ان کی حمایت کرے اس کا بھی یہی حکم ہے(۲)۔ مشرقی اور اس کی جماعت سے میل جول رکھنا خطرناک ہے (۳)۔ (۳) جو شخص کہ مرتد ہو جائے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے(۴) اور اس پر اسلام لانے کے بعد تجدید نکاح لازم ہوتی ہے اور پہلا مہر بھی واجب الادا ہوتا ہے(۵)۔ (۴) یہ غلطی ہے کہ مشرقی کی کتابوں سے اور اس کے عقائد و اعمال سے بے تعلقی اور بے غرضی ظاہر کرتے ہوئے اس تحریک میں، جس کا وہ مذہبی تحریک اور اسلام کی روح ظاہر کرتا ہے، شرکت کی جائے یا شرکت کی ترغیب دی جائے۔ (۵) بغرض ورزش اور بغرض تحصیل قواعد کسی صحیح العقیدہ متشرع شخص کے ماتحت کام کرنا چاہئے۔ صرف ورزش اور قواعد کے لئے جو ثانوی درجے میں ہے اصل مذہب کو تباہ کرنا عقل و دیانت کے خلاف ہے۔ (۶) بیلچہ رکھنا نہ فرض، نہ سنت، نہ مستحب۔ البتہ آیہ کریمہ واعدوا لھم ما استطعتم (۶) کے تحت آلات و اسباب جہاد رکھنا ماموربہ ہے۔ (۷) ایسا شخص راہ حق سے بھٹکا ہوا ہے۔ سلف صالحین کے مسلک مجمع علیہ سے ہٹنا ضلالت و گمراہی ہے۔ صناع بننے کی ضرورت و مصلحت سے انکار نہیں۔ مگر یہ کہنا کہ عالم حافظ صوفی بننے کی اب ضرورت نہیں صریح گمراہی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

لاعلمی کی وجہ سے تحریک خاکساراں میں شمولیت سے ارتداد لازم نہیں آتا۔

(سوال) محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ پرسوں مجھے اخبار دیر بھارت دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس میں کسی نامہ نگار نے آپ کے اخبار الجمعیۃ کا حوالہ دے کر طویل مضمون شائع کیا ہے جس میں ایک مسلمان نے علامہ مشرقی بانی تحریک خاکساراں کے عقائد بیان کرتے ہوئے، آپ سے چند استفسارات کئے ہیں اور ساتھ ہی آپ کی طرف سے ان سوالات کے جواب بھی درج ہیں۔ چونکہ وہ مضمون اہم ہے اور میرے خیال میں اس کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اس لئے بہتر ہوتا کہ آپ اسے صرف اپنے اخبار میں جگہ دینے کی بجائے ہندوستان کے دیگر مسلم جرائد کو بھی اس کی نقول ارسال فرمادیں تاکہ مسلمانوں کا پڑھا لکھا طبقہ اس سے استفادہ حاصل کر سکے۔ آپ نے اس مضمون کے سوال نمبر ۵ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو شخص مرتد ہو جائے تو اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر بعد اسلام لانے کے تجدید نکاح لازم ہو جاتی ہے اور پہلا مہر بھی واجب الادا ہوتا ہے۔ میرے چند احباب جو اس تحریک میں بے علمی کی وجہ سے شامل تھے اور یہ معلوم کر کے کہ اس تحریک کا مدعا صرف انگریزی غلامی اور مذہب سے انحراف ہے انہوں نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی ہے

۱۔ "المرتد الراجع عن دين الاسلام وركنها اجراء كلمة الكفر على اللسان بعد الايمان." (التنوير مع شرحه، باب المرتد : ۴/ ۲۲۱ ط سعيد)
۲۔ "والرضا بالكفر كفر" (قاضي خان على هامش الهندية، باب مايكون كفراً من المسلم ومالايكون : ۳/ ۵۷۳ ط ماجديه كوئٹه)
۳۔ "اذا مجالسة الاغيار تجر الى غاية البوار" (مرقاة، مجالسة اهل الضلالة ممنوع : ۱/ ۱۷۹ ط امداديه)
۴۔ كانت من زوجها بنعلى كالردة (الهندية، الفصل الثالث في تكرار المتصر : ج ۱ ص ۳۲۳ ط ماجديه كوئٹه)
۵۔ "كان عليه المهر بالنكاح الاول ومهر كامل بالنكاح الثاني" (حواله سابق)
۶۔ الانفال : ۶۰

مگر جب سے انہوں نے آپ کا بیان پڑھا ہے سخت پریشان ہیں کیونکہ مذکورہ بالا جواب کی عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا پہلا نکاح فسخ ہو چکا ہے۔ اس لئے تجدید نکاح لازم ہے۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ ہماری اس جماعت میں شمولیت نیک نیتی پر مبنی تھی۔ ہم علامہ صاحب کو ایک مخلص رہنما تصور کرتے تھے مگر جب سے ہمیں سید عنایت اللہ شاہ بخاری نے ان کے عقائد اور مقاصد سے آگاہ کیا ہے ہم نے اس تحریک سے علیحدگی اختیار کرلی ہے۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ علامہ موصوف ایسے بد عقیدہ انسان ہیں تو ہم ان کی تحریک میں کبھی شامل نہ ہوتے۔

(المستفتی نمبر ۹۱۱ شیر محمد بی اے (گجرات پنجاب) ۱۱ صفر ۱۳۵۵ھ ۳ مئی ۱۹۳۶ء)

(جواب ۳۳۳) جو لوگ کہ مشرقی کے عقائد سے بے خبر تھے اور محض تحریک خاکسار ان میں اس کو ایک مفید تحریک سمجھ کر شریک ہوگئے تھے، وہ خدانخواستہ مرتد نہیں ہوئے۔ اور ان کے متعلق وہ فتویٰ عائد نہیں ہوتا جو مرتد کے متعلق ہے۔ میرا فتویٰ جو ۵ مارچ ۱۹۳۶ء کے الجمعیۃ میں شائع ہوا ہے۔ اس کو بغور ملاحظہ فرمانے سے یہ شبہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں نمبر ا سے نمبر ۳ تک کے جواب تو ان اعمال و افعال سے متعلق ہیں جو سوال میں مذکور ہیں اور جواب نمبر ۴ جو خصوصی طور پر مشرقی سے متعلق ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ "مشرقی اور اس کی جماعت سے میل جول رکھنا خطرناک ہے۔" یعنی اس کو کفر اور ارتداد نہیں کہا گیا خطرناک بتایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص مشرقی یا اس کی جماعت سے میل جول رکھے، اس کے لئے یہ بات مشکل ہے کہ وہ صرف بیلچہ داری میں تو مشرقی کا متبع اور اس کے احکام کا فرمانبردار اور مشرقی کی بد عقیدگی کے اثرات سے محفوظ رہے۔ نمبر ۵ میں ارتداد کا حکم شرعی بتایا گیا ہے جو صحیح و ثابت ہے۔ لیکن اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ مشرقی کی تحریک کے تمام شرکاء مرتد ہیں اور ان پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے اور میں نے تو یہاں تک احتیاط برتی ہے کہ مشرقی کے خیالات و عقائد کو تو بے شبہ جمہور اہل اسلام اور اصول اسلام کے خلاف بتایا ہے مگر مشرقی کی ذاتی اور شخصی حیثیت سے اس کو مرتد اور ملحد نہیں کہا۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جو امور اسانید صحیحہ کے ذریعہ سے ثابت ہیں اور وہ سنن نبویہ کے درجے سے بھی آگے (یعنی فرض و واجب تک) نہیں بڑھتے ان میں سے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ عمل کا استخفاف و استہزاء کفر ہے(۱)۔ اور تذکرہ میں کتنے ہی مقامات ایسے ہیں کہ سنن نبویہ صحیحہ ثابتہ کا استخفاف و استہزاء ان میں آفتاب کی طرح روشن ہے اور ان مضامین کو پڑھنے والے کے دل میں سنت نبویہ کے خلاف ایک قسم کا توہین آمیز خیال پیدا ہونے کے سوا اور کوئی نتیجہ مرتب ہی نہیں ہو سکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(۳۳٤ جواب دیگر نمبر ۱۰۲۸) جو لوگ کہ عنایت اللہ مشرقی، صاحب تذکرہ کے ہم عقیدہ ہیں وہ گمراہ اور ضال و مضل ہیں۔ مشرقی کے عقائد تعلیمات اسلامی کے خلاف ہیں۔ ہاں جو لوگ مشرقی کے عقائد میں اس کے موافق نہ ہوں، صرف تحریک بیلچہ میں شریک ہوں ان کا حکم جداگانہ۔ ان کے عقائد کے موافق ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

۱۔ "ویکفر ... لاستخفافہم بالشرع." (البحر الرائق، باب احکام المرتدین: ۵/۱۳۲ ط بیروت)

تحریک خاکساران میں شامل ہونے والے کا ایمان خطرے میں ہے۔

میں خاکسار تحریک میں شامل ہوں اور میرے خیال میں سپاہیانہ و مجاہدانہ زندگی ہی قرن اول کا صحیح اسلام ہے۔ اور میرے عقائد یہ ہیں کہ اللہ ایک ہے، قیامت برحق، جنت و دوزخ پر میرا ایمان ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ قرآن کریم آخری کتاب اللہ ہے اور پانچوں ارکان اسلام پر عمل کرنا میرا ایمان ہے۔ اور بندہ اہل سنت والجماعت کا ادنیٰ خادم ہے۔ باوجود ان عقائد کے یہاں پر میں ملازم ہوں، ان مالک کارخانہ کو تسلی نہیں اور فرماتے ہیں کہ تم مفتی صاحب کا فتویٰ لاؤ۔ کہیں تم کفر کے مرتکب یا خارج از اسلام تو نہیں ہو گئے ہو۔

(المستفتی نمبر ۱۳۹۴ سید لئیق حسن چشتی دہلی۔ ۱۷ محرم ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۱ مارچ ۱۹۳۷ء)

(جواب ۳۳۵) سپاہیانہ اور مجاہدانہ زندگی بے شک اچھی اور محبوب ہے مگر خاکساروں کی تحریک کے بانی یعنی مشرقی صاحب کی کتابوں اور رسالوں ٹریکٹوں میں اسلام کے اصولی عقائد و مسائل و فرائض وواجبات کے متعلق ایسی باتیں درج ہیں جو صریحاً اسلامی تعلیم کے خلاف ہیں۔ نماز کو روزے کو حج کو اور بہت سی صحیح سنتوں کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ ان کی طرف سے نفرت و حقارت کے جذبات دلوں میں پیدا ہوں اور علمائے اسلام کو برا بھلا کہنا، جاہل بتانا، ان کے اعمال، نماز، روزے کا مذاق اڑانا تو معمولی بات ہے۔ ان وجوہ پر مسلمانوں کو اس تحریک میں شریک ہونا، اگرچہ وہ مشرقی کے عقائد و خیالات سے اپنی بے تعلقی کا اظہار بھی کریں سخت خطرناک ہے۔ اور ایمان کی سلامتی کی امید نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

تحریک خاکساران کے متعلق حضرت مفتی اعظم کی رائے۔

(سوال) یہاں خاکسار تحریک شروع ہو گئی ہے۔ لوگ بڑی تندہی اور جانفشانی سے خدمت خلق میں مصروف ہیں۔ ہم لوگ آپ کے ان ارادتمندوں میں ہیں کہ بلا اصلاح و مشورہ کے کام کرنا پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ مولانا ظفر علی خان صاحب، مولانا اسلم جیراجپوری و مولانا سید سلیمان ندوی کے اعلانات خاکسار تحریک کی تائید میں آچکے ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ آپ کے اعلان کے منتظر ہیں اور بڑی بے تابی سے چشم براہ ہیں کہ کب آنجناب کا اقراری یا انکاری ارشاد ہوتا ہے۔ آپ کی ذات گرامی سے قوی امید ہے کہ اس عریضہ کا ضرور خیال فرمائیں گے۔

(المستفتی نمبر ۱۳۹۸ حکیم محمود خان صاحب (برار) ۲۷ محرم ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۳۷ء)

(جواب ۳۳۶) خاکسار تحریک کے بانی عنایت اللہ خان مشرقی کے خیالات و عقائد سے لوگ واقف نہیں ہیں اور تحریک کی محض ظاہری سطح کو (کہ خدمت خلق اور مسلمانوں میں سپاہیانہ زندگی پیدا کرنا ہے) دیکھ کر اسے پسند کرتے اور شریک ہو جاتے ہیں۔ اس شخص کا مقصد ایک جدید فرقہ پیدا کرنا ہے اور اس کا واجب الاطاعت امیر خود بن کر مسلمانوں کو دہریت والحاد کے رستہ پر لگا دینا ہے۔ مشرقی کی کتاب "تذکرہ" ان کے فلسفیانہ خیالات

اورڈارون تھیوری کے عقیدہ کی آئینہ دار ہے۔سب سے پہلے کام ان کا یہ ہے کہ مسلمانوں کو علمائے اسلام سے متنفر کریں۔اس کے لئے ان کے مرکز اچھرہ سے ٹریکٹ شائع ہو رہے ہیں۔وہ نماز،روزہ،حج وغیرہ کو ظاہری صورتوں میں عبادات کا درجہ اور فرائض قرار نہیں دیتے بلکہ کہتے ہیں کہ نماز کی روح اطاعت امیر ہے اور جب کوئی شخص اپنے نفس کو امیر کے حوالہ کردے اور اس کے حکم کی اطاعت کرنے لگے بس اس کی نماز کی روح حاصل ہو گئی اور اس میں وہ نماز ادا کرنے سے مستغنی ہو گیا۔

تحریک خاکساراں میں جہاں تک خدمت خلق اور سپاہیانہ اسپرٹ کا تعلق ہے وہ اچھی چیز ہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ جو شخص اس تحریک میں شریک ہو وہ بانی تحریک کے خیالات وعقائد سے متاثر نہ ہو۔قادیانی تحریک کی ابتداء بھی ایک خوش نما عنوان سے ہوئی تھی کہ مرزا غلام احمد قادیانی آریوں اور عیسائیوں کے گندے اور ناپاک حملوں سے ناموس رسالت کی حفاظت کرنے میں علمائے وقت سے پیش پیش ہیں اور ان کے رو میں تن من دھن سبھی کچھ قربان کر رہے ہیں۔لیکن یہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آج یہ قادیانی فرقہ اسلام کے لئے اور مسلمانوں کی قومیت کے لئے سب سے زیادہ مہلک اور تباہ کن ہے اور اس کے بانی نے آہستہ آہستہ مسند نبوت پر نہ صرف اپنی جگہ نکالنے کی کوشش کی بلکہ اب تمام پیغمبروں پر ایمان لانا اور خود آنحضرت ﷺ پر ایمان لانا بھی ان کے نزدیک مومن ہونے کے لئے کافی نہیں ہے تاوقتیکہ مرزا غلام احمد پر ایمان نہ لائے نہ کسی کا ایمان معتبر ہے نہ عمل مفید۔خاکساروں کی تحریک کو حقیقت شناس حضرات قادیانی تحریک سے زیادہ خطرناک سمجھتے ہیں۔وہ مذہب کے نام سے شروع ہوئی تھی اور یہ خدمت خلق اور سپاہیانہ اسپرٹ کے نام سے شروع ہوئی ہے اور اس نے مذہبی طبقے کے خلاف اور علم بر داران مذہب یعنی علماء کے خلاف جہاد شروع کر دیا ہے۔یہ قرآن مجید کے نام سے ملاحدۂ یورپ کے عقائد پھیلا رہی ہے اور یہ انگریزوں کو خدا کے مخلص اور مقبول بندے ظاہر کر رہی ہے اور اسی طرح بہت سی خرافات پر مشتمل ہے۔فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔دہلی۔

تحریک خاکساراں کے عقائد مسلمانوں کے لئے خطرناک ہیں۔

(سوال) حضرت اقدس جناب قبلہ مفتی صاحب دام ظلکم۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔سوال کے بعد گرامی نامہ پہنچ کر باعث مسرت ہوا جو جناب کے دست مبارک کا تحریر کردہ معلوم ہوتا ہے۔جناب کی اس بزرگانہ شفقت اور محبت کا دل سے شکر گذار ہوں اور شرمندہ ہوں کہ ایک عظیم الشان اور واجب التعظیم ہستی کو کیوں جواب لکھنے کی تکلیف دی۔

مجھ کو اس سوا سال کی مدت میں علمائے کرام کی جانب سے انتہائی مایوسی ہو گئی تھی اور میں نے سمجھ لیا تھا کہ واقعی ہمارے علماء کو قوم کا درد نہیں رہا اور جوان کی تسلی تشفی کر سکیں۔مدوجزر کی طرح جناب کے اس اقدام نے پھر امید کی ایک لہر جسم میں دوڑائی۔

خموشی نے بڑی مدت میں کھولی ہے زباں ان کی چلا ہے رکتے رکتے درد دل سے پھر قلم ان کا

جناب والا آپ خود فیصلہ فرمالیں کہ جو شخص سوا سال پیشتر مفصل طور پر اپنے خیالات اور عقائد کا صاف صاف اظہار کر چکا ہو اور آپ سے تسلی و تشفی کا طالب ہو اور شریعت اسلامیہ کی روشنی میں سب کچھ معلوم کرنا چاہتا ہو اور بار بار جناب سے التجائیں اور یاد دہانی کر تا رہا ہو اور بے چین ہو کر آپ کے خیالات و احکام کی طرف ٹکٹکی لگائی دیکھتا ہو ۔ پھر ایسے قابل رحم اور قابل توجہ شخص کو ایک عرصہ دراز کے بعد صرف یہ جواب دینا کہ "مشرقی صاحب کے حالیہ اعلانات، ان کی تحریک کا مقصد سمجھنے کے لئے کافی ہیں" کہاں تک تسلی بخش اور مفید ہو سکتے ہیں۔ جب کہ میں پورے طور پر تفصیل کا بھی طالب تھا۔ میں جناب کے قیمتی وقت کو ضائع اور عظیم الشان مشاغل میں سدراہ ہر گز نہیں بننا چاہتا، بلکہ اپنی ذاتی اور قوم کی مذہبی ابتری اور روز قیامت کے خوف سے مجبور ہو کر آپ کی جناب میں مئودبانہ گذارش کر رہا ہوں۔ مسلم قوم کی ذلت اور تباہی ان آنکھوں سے دیکھی نہیں جاتی حتیٰ کہ صبر و تامل اور شریعت اسلامیہ یعنی صراط مستقیم کو جانچنے اور پہچاننے میں جوبال کی کھال نکل رہی ہیں اس نے قوم اور افراد کو موت کے دروازے پر لاڈالا ہے۔ صرف قضاو قدر کے حکم کی دیر ہے۔ پھر ایسی صورت اختلاف میں جو عام طور پر مسلم علماء میں جاری ہے۔ اگر آپ سے مفصل طور پر نہ معلوم کیا جائے تو صحیح راستہ پر پہنچنا دشوار ہے۔ میں جناب کا ادنیٰ عقیدت مند ہونے کی حیثیت سے یہ استدعا کرتا ہوں کہ تحریک خاکسار ان کے جو اعمال و اقوال ہیں وہ اسلامی نقطہ نظر سے مسلمانوں کے دینی و دنیوی حالت پر کیا اثر ڈال رہے ہیں اور اس کی کیا کیفیت ہے تفصیلی طور پر تحریر فرمائیں تو عین بندہ نوازی ہو گی۔

المستفتی نمبر ۱۵۴۲ محمد اسماعیل خاں صاحب (نجیب آباد) ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۲۸ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۷) جناب مکرم دام فضلہم بعد سلام مسنون۔ جناب کا عنایت نامہ باعث ممنونیت ہوا۔ میں پہلے خط میں تاخیر جواب کی معذرت کر چکا تھا، اب مکرر آپ کے عتاب آمیز شکوے پر زحمت انتظار کی معافی کا طلبگار ہوں۔

میں نے ردو کد میں پڑنا کبھی پسند نہیں کیا۔ اپنے ناقص خیال کے موافق مسئلہ بتادینا اور اظہار حق کر دینا ہی کافی سمجھتا ہوں۔ اس سے زیادہ کی فرصت بھی نہیں ہے اور ردو کد کچھ مفید بھی ثابت نہیں ہوئی۔ جناب نے پہلی تحریر میرے جس جواب کو پڑھ کر اور اس سے متاثر ہو کر لکھی تھی، میں اظہار حق کے لئے اس کو کافی سمجھتا ہوں اسی کو مجملاً پھر لکھے دیتا ہوں۔ اگر جناب غور فرمائیں گے تو اس میں تسلی و تسکین پائیں گے۔

مشرقی صاحب کی کتاب تذکرہ میں نے پڑھی ہے۔ اور ان کی دوسری تحریریں بھی پڑھی ہیں۔ ان کی تحریرات میں بہت سی باتیں صحیح اور اچھی ہیں۔ ان کی یہ شکایت بھی بجا ہے کہ مسلمانوں نے عبادات نماز، روزہ، حج وغیرہ کی صورتیں تو خوب مضبوطی سے پکڑ رکھی ہیں مگر ان عبادتوں کی روح باقی نہیں ہے۔ اکثر مسلمانوں کی رسمی عبادات کے متعلق یہ خیال ایک حد تک صحیح نہیں ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ان کا یہ خیال جو ان کی تحریرات سے صاف طور پر ہر پڑھنے والے کے دل میں گھر کر جاتا ہے کہ نماز کی روح اطاعت امیر ہے۔ اور اطاعت امیر مضبوطی سے اپنا شعار بنالی جائے تو پھر نماز پڑھنے کی حاجت نہیں رہتی۔ اور ایک ایسا شخص جو اپنے

امیر کی پوری اطاعت کرتا ہے، ایسے شخص سے بہتر ہے جو رسمی نماز تو ادا کرتا ہے لیکن امیر کے احکام کو بلا چوں وچرا عمل میں نہیں لاتا۔ نہ صرف غلط ہے بلکہ گمراہ کن اور شریعت کو پلٹ دینے والا ہے۔ ان کی کتابوں میں بیسیوں سنتوں کا، جو صحیح سندوں سے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول و متوارث ہیں ایسے طور پر مذاق اڑایا گیا ہے اور استہزا کیا گیا ہے کہ ایک ایماندار خشیۃ خداوندی رکھنے والے کا دل لرز جاتا ہے۔ اگرچہ وہ ان سب باتوں کی تاویل کرتے ہیں، وہ تاویل اہل علم کے خیال میں بھی ان کی کتاب پڑھتے وقت مشکل ہی آسکتی ہے۔ عام لوگ تو سمجھانے سے بھی اس تاویل کو نہیں سمجھ سکتے۔ ان کے قلوب واذہان پر ان کی کتابوں کا براہ راست جو اثر ہوتا ہے وہ یہ کہ نمازو روزہ سب رسمی عبادتیں اور بے جان صورتیں ہیں۔ اور بہت سی سنن و مستحبات کو نہ صرف فضول بلکہ خلاف تہذیب اور قابل نفرت امور سمجھنے لگے ہیں۔ اور اسی مرحلے پر وہ ایمان کھو بیٹھتے ہیں۔ میں نے ان کی کتابوں کو پڑھ کر ابتدا ہی میں سمجھ لیا تھا کہ یہ تحریک مرزا قادیانی کی تحریک سے زیادہ خطرناک اور مسلمانوں کے ایمان کے لئے تباہ کن ہے۔ وہ تو مجددیت اور مسیحیت اور بالآخر دعویٰ نبوت تک پہنچا جس کے لئے اس کو خدا اور رسول کے ساتھ ایمان اور احترام رکھنے کی تلقین لازم تھی لیکن مشرقی صاحب نے جو بنیاد ڈالی تھی وہ خدا اور رسول اور ایمان واسلام سب کی بیخ کنی کر کے سیدھی دہریت والحاد کی طرف لے جانے والی تھی۔ ان کی کتابیں پڑھ کر نہ خدا کی وقعت دل میں رہ سکتی ہے نہ رسول کی۔ صرف دنیا میں عمل اور عمل بھی مادی اور مادیات سے متعلق انسان کے لئے انتہائی معراج ترقی ہے۔ لیکن انہوں نے اس خیال کو مذہب کے پردے میں بیان کیا اور نصوص قرآنیہ کو توڑ مروڑ کر الحاد وزندقہ کی دلیلوں کے مواقع پر استعمال کیا۔

اور بالآخر تو انہوں نے اعلان کر ہی دیا کہ امیر کا (یعنی خود ان کا) ہر امر واجب الاطاعۃ ہے۔ بلکہ ان کے ماتحت امراکا حکم بھی علی الاطلاق واجب الاطاعۃ۔ خواہ وہ قرآن کی صریح آیات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو ان کے اس اقدام سے مسلمانوں کے لئے ان کی تحریک کی حقیقت سمجھنے کا راستہ صاف ہو گیا ہے کہ وہ شریعت الہیہ کے بالمقابل ایک نئی شریعت ایک نیا مشرقی دین قائم کر کے مسلمانوں کو حجاز مقدس سے پھیر کر اچھرہ شریف کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا فتنہ ہے جو قادیانی فتنہ سے بدرجہا زیادہ خوفناک ہے۔ رہی بیلچہ برداری اور سپاہیانہ اسپرٹ تو وہ اگر ایمان کی سلامتی کے ساتھ ہوتی تو چشم ما روشن دل ماشاد لیکن اگر اس پردے میں متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالنا مد نظر ہو تو اس کی شرکت سے زیادہ بد نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

تحریک خاکساران پر مختصر تبصرہ۔

(سوال) (۱) تحریک خاکساران کے متعلق آپ کی شرعی رائے کیا ہے؟ (۲) اس تحریک کے بانی کے متعلق جو کفر والحاد منسوب کیا جاتا ہے وہ کہاں تک درست ہے۔ کیا جناب والا نے اس تحریک اور بانی تحریک کی تصنیفات کا مطالعہ فرمایا ہے۔ اگر فرمایا ہے تو ہماری رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۲۳ الملک محمد امین صاحب (جالندھر) ۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۳۸)(۱، ۲) تحریک خاکساران بظاہر خوشنما اور مفید ہے۔لیکن اس کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک بڑا فتنہ ہے۔بہت سے اسلامی عقائد و اعمال حتی کہ فرائض قطعیہ سے انکار و استخفاف اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ مشرقی کے عقائد تذکرہ اور ان کی دوسری تالیفات میں واضح طور سے موجود ہیں۔ان کا یقینی نتیجہ ملحدان یورپ کی تحسین و تصویب اور علمائے اسلام کی تقبیح و توہین ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(۱) تحریک خاکسار غیر اسلامی تحریک ہے اس میں شامل ہونا جائز نہیں .
(۲) اس تحریک کی مدد اور تعریف کرنا بھی ناجائز ہے .

(سوال) کئی سال سے ہندوستان میں امر تسر کے ایک شخص عنایت اللہ خاں نامی نے جس کا تخلص مشرقی ہے۔اور جس کا موجودہ قیام گاہ لاہور ہے ایک تحریک جاری کی ہے جو تحریک خاکساران کے نام سے مشہور ہے۔ مشرقی مذکور اس تحریک میں شامل ہونے والے خاکساران کا امیر ہے وہ کہتا ہے کہ (۱) امیر کے ہر حکم کی تعمیل معروف و منکر کی شرط کے بغیر ہر ایک خاکسار کو بلا چون و چرا کرنی چاہئے (اخبار الاصلاح)۔(۲) وہ کہتا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک یہ قطعی فیصلہ نہ ہو سکا کہ کون سا مذہب سچا ہے۔کون سا شارع کائنات کی منشاء کے عین مطابق ہے۔ پھر کہتا ہے کہ نہ اعتقادی بت پرستی کوئی بت پرستی ہے نہ قولی خدا پرستی کو عبودیت کہہ سکتے ہیں۔ یہ بھی کہتا ہے کہ اسلام میں عمل کے سوا کسی عقیدہ کی ضرورت نہیں۔(تذکرہ دیباچہ)۔(۳) مشرقی کہتا ہے کہ سو برس سے مولویوں کا مذہب غلط ہے۔دوسری جگہ کہتا ہے کہ تین سو برس سے مولویوں کا مذہب غلط ہے۔ پھر ایک جگہ کہتا ہے کہ مولویوں کے بنائے ہوئے اسلام کا قرآن مجید میں ایک لفظ یا ایک حرف بھی نہیں۔ پھر ایک جگہ کہتا ہے کہ خاکسار تحریک اس لئے جاری کی گئی ہے کہ مولویوں کے بنائے ہوئے اسلام کو غلط ثابت کرے وغیرہ (الاصلاح اخبار کے مختلف پرچے)۔(۴) مشرقی کہتا ہے کہ کلمہ شہادت، نماز روزہ حج زکوۃ پر اسلام کی بنیاد ہرگز نہیں (تذکرہ حصہ عربی ص ۵۶)۔(۵) مشرقی رمضان کے روزوں کی فضیلت و فرضیت کو من گھڑت باتیں دروغ بافی اور فاقہ مستی کے نام سے یاد کرتا ہے اور تیرہ سو برس تک کے مسلمانوں کے روزوں کا تمسخر اڑاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ پچھلے کئی سو برس کی نمازیں اور روزے سب اکارت ہیں۔ان سے جنت تو کیا دوزخ کا بہترین گوشہ بھی نہیں مل سکتا۔(الاصلاح ۵ اپریل ۳۵ء)

(۶) مشرقی نے اپنے اخبار الاصلاح ماہ جولائی ۳۷ء کے کسی نمبر میں اپنے کسی معتقد کا یہ اعلان کہ مشرقی مجدد دین اسلام اور مامور من اللہ ہے شائع کیا اور اس طرح اپنے مامور من اللہ اور مجدد ہونے کے دعویٰ کی بنیاد رکھ دی ہے۔ کیونکہ اس نے خود اس کو شائع کیا اور اس میں کوئی ترمیم نہیں کی۔

(۷) مشرقی کہتا ہے کہ انگریز نصرانی جن کو دنیوی ساز و سامان حاصل ہیں در حقیقت یہی عبادی الصالحون کے مصداق ہیں اور انگریز خدا کے صالح بندے ہیں۔ مسلمان کہلانے والوں میں تو اسلام چھو بھی نہیں۔ہاں نصرانی انگریز حقیقی مسلمان ہیں۔انگریز ہی خلیفة الله في الارض ہیں اور اکثر فرشتے اس قوم کے

سامنے سجدہ کرتے ہیں۔(تذکرہ حصہ عربی)

(۸) مشرقی کہتا ہے کہ لحم خنزیر کو حرام سمجھنا فی الحقیقت انسان کی معاشرتی و دنیاوی زندگی کی اصلاح کا ایک منظر ہے اس کو حتما روحانیت سے کوئی تعلق نہیں (تذکرہ مقدمہ) اس طرح مشرقی انگریزوں کی خنزیر خوری کو حقیقت دکھا کر ان کی روحانیت کو گویا محفوظ دکھانا چاہتا ہے۔

(۹) مشرقی نے الاصلاح کے قول فیصل نمبر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مال غنیمت کی چادروں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عمر پر اعتراض کرنے والے صحابی کی نسبت (جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے) لکھا ہے کہ وہ بدبخت جہنمی خود چور ہوگا (نعوذباللہ، نعوذباللہ، نعوذباللہ)

(۱۰) مشرقی نے ابتداء اپنی تحریک خاکساران کی بنیاد صرف خدمت خلق اور فوجی قواعد دو چیزوں پر ظاہر کی اور مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو دنیوی حکومت و سلطنت مل جائے گی۔ یہ بھی اعلان کیا کہ اس تحریک میں کسی کے مذہبی عقائد سے کوئی بحث نہیں حتیٰ کہ ہندو، عیسائی، یہودی، پارسی وغیرہ کے لئے بھی اس میں شرکت کا موقع ہے۔ مذکورہ دونوں کاموں کو اچھا کام سمجھ کر مسلمان اس تحریک میں شامل ہونا شروع ہوئے۔ اس لئے کہ مشرقی کی پہلے لکھی ہوئی کتاب تذکرہ سے لوگوں کو عام طور پر کوئی واقفیت نہیں تھی۔ مشرقی نے تحریک خاکساران کی تبلیغ کے لئے اخبار الاصلاح جاری کیا اور نہایت چالاکی اور ہوشیاری کے ساتھ الاصلاح کے ذریعہ بتدریج لوگوں کے خیالات و عقائد پر اثر ڈالا اور تذکرہ کی اشاعت بھی ہونے لگی۔ اب یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ مختار ناطق، امیر اور مذہبی پیشوا بن گیا۔ اور مامور من اللہ اور مجدد وقت بننے کی تیاری کر ہی دی۔ اور اپنی جماعت کے لوگوں سے خونی معاہدے بھی لے رہا ہے اور اپنے جانبازوں اور فدائیوں کی ایک جماعت بنا رہا ہے۔ اس مذکورہ تفصیل کے علاوہ ہندوستان کے علمائے کرام کو اس تحریک کے متعلق اپنے اپنے ذرائع واقفیت کے موافق اور بھی صحیح باتیں ممکن ہے کہ معلوم ہوں۔ بہر حال دریافت طلب امور یہ ہیں :-

(۱) مسلمانوں کو خاکسار تحریک میں شامل ہونا چاہئے یا نہیں ؟ یہ تحریک اسلامی ہے یا غیر اسلامی ؟

(۲) جو لوگ تحریک میں شامل ہیں ان کو ازروئے احکام شرع اب کیا کرنا چاہئے ؟

(۳) جن لوگوں کو اس تحریک میں شامل رہنے اور مشرقی کی بد عقیدگیوں کا علم ہو جانے کے بعد بھی اس تحریک کی اشاعت وحمایت پر اصرار ہے ان کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے ؟

(۴) اس جماعت کے اعمال میں فوجی کیمپ مصنوعی جنگ فوجی مارچ جلسے وغیرہ بھی شامل ہیں۔ مسلمانوں کو ان کے کیمپ اور مصنوعی جنگ کا تماشہ دیکھنے اور ان کے جلسوں میں شریک ہونے اور ان کی تقریر سننے کے لئے جانا چاہئے یا نہیں۔ ان کے جلسے اور تقریروں کے سننے اور ان کی نمائشی چیزوں کا تماشہ دیکھنے سے مسلمانوں کو روکنا اور باز رکھنا ضروری اور ثواب کا کام ہے یا گناہ ؟

(۵) اس تحریک اور اس جماعت کی ہمت افزائی اور امداد کرنا یا مدح اور ستائش کرنا۔ ان کے جلسوں اور کیمپوں کے سامان بہم پہنچانا جائز ہے یا ناجائز۔ نیز اور جو احکام اس تحریک کے معاملے میں مناسب اور ضروری ہوں ان سے آگاہی بخشی جائے۔

المستفتی نمبر ۱۶۷۵ محمد ایوب خاں (نجیب آباد) ۷ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۵ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۳۹) (۱) مسلمانوں کو اس تحریک میں شامل نہیں ہونا چاہئے اور اگر محرک اس تحریک میں شامل ہونے والوں کے لئے اسلام کی شرط نہیں کرتا، ہندوؤں عیسائیوں یہودیوں وغیرہم کے لئے بھی صلائے عام ہے تو تحریک کا اسلامی نہ ہونا ظاہر ہے۔

(۲) ان لوگوں کو جو ناواقفیت سے شریک ہوگئے تھے فوراً علیحدگی اختیار کر لینا چاہئے۔(۱)

(۳) یہ لوگ خود بھی غلطی میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی مبتلا کرنا چاہتے ہیں اور اگر مشرقی کے عقائد میں بھی شریک ہیں تو زوال ایمان کا بھی خطرہ ہے۔(۲)

(۴) ان کے اعمال کی تحسین اور بغرض تماشہ ان کے مجامع میں جانا بھی خطرناک ہے۔

(۵) اس جماعت کی ہمت افزائی اور اعانت اور مدح و ستائش کرنا باطل کی ہمت افزائی اور اعانت اور ناحق کی مدح و ستائش ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(۱) تحریک خاکسار میں شرکت جائز نہیں .
(۲) اس تحریک کا رکن بننے والے کی امامت درست نہیں .

(سوال) (۱) بہرائچ میں کچھ دنوں سے عنایت اللہ مشرقی کی جماعت خاکسار قائم ہوئی ہے۔ جو کتاب تذکرہ کی اشاعت کرتی ہے۔ علماء کو برا بھلا کہتی ہے اور عنایت اللہ کو امیر مطلق مانتی ہے۔ کیا اس تحریک میں حصہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) تذکرہ کے مضامین میں الحاد و کفر ہے یا نہیں ؟ (۳) جو مولوی صاحب عنایت اللہ کے خیالات سے واقف ہوتے ہوئے اس تحریک میں حصہ لیں اور اس کے ممبر بنیں ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۰۱۹ احمد شاہ (بہرائچ) ۱۰ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۳۷ء

اسلامی حدود میں رہتے ہوئے جہاد کی ٹریننگ سیکھنا ضروری ہے .

(سوال) (۱) ہرگاہ مواقعات تاریخ اسلام و قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے مطالعہ حیات سے یہ پایا جاتا ہے کہ آغاز اسلام میں "عسکریت" بالفاظ دیگر تنظیم و عمل جہاد مسلمانوں کے تمدن و حیات ملی کا ایک اہم جزر ہی ہے اور تابزماں کہ فدایان اسلام میں ایثار فنافی الملت روح جہاد اطاعت امیر اخوت جو عسکریت اور قومیت کے اعضائے رئیسہ ہیں اور اخلاص کے زرین اصول قائم رہے اور جب تک تبلیغ اسلام اور ترویج و اشاعت

---

۱ ."فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین" (الانعام : ٦٨)
۲ . "والرضا بالکفر کفر." (قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ،باب مایکون کفراً من المسلم وما لایکون : ۵۷۳/۳ ط کوئٹہ)
۳ ."ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (المائدۃ : ۲)

قوانین الٰہیہ اور اپنی قومی زندگی کو بر قرار رکھنے کے لئے کتب علیکم القتال ان کے پیش نظر رہا، صحیح معنوں میں کنتم خیر امۃ رہے اور ربع مسکون کے خطے خطے میں اللہ اکبر کی پر جوش صداؤں سے فضاء عالم گونج اٹھی۔ مگر جب ان خصائص سے یکسر خالی ہوگئے وتجاهد وافي سبيل الله سے عملاً روگردانی کی یگانگی واخوت کی بجائے لا تعداد فرقوں میں منقسم ہوگئے تو ایسے قعر مذلت میں گرے کہ عرصہ حیات تنگ ہوگیا۔ مظلوموں کی داد دیتے خود مظلوم بن گئے۔ غریبوں بیکسوں محتاجوں کی خبر گیری کرنے والے، غلامی کا نام و نشان مٹا کر غلاموں کو برابر کرنے والے خود غلام ہو کر رہ گئے۔ دنیا سے جہالت و بربریت کو مٹانے والے خود دوسروں کی بربریت کا شکار ہوگئے۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

فی الجملہ جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے، اظہر ہے۔ قاعدہ ہے کہ اکثر زمانہ خود ٹھوکریں مار مار کر بیدار کرتا ہے اغیار کی روز روز کی یلغاریں ببانگ دہل کہہ رہی ہیں کہ اگر مسلمان کم از کم اپنا تحفظ اور قوانین شریعت کی عملاً ترویج چاہتے ہیں تو انہیں پھر سے مجاہد بننا چاہئے۔ مگر فی زمانہ سنین ماضیہ کا طریق جنگ بیکار اور عبث خیال کیا جاتا ہے۔ اس وقت مادی طاقتیں جس چیز سے مرعوب ہوتی ہیں اور موجودہ تہذیب و تمدن کے ماحول میں قومی وقار کے لئے جو چیز مابہ الامتیاز خیال کی جاتی ہے وہ مروجہ اصول عسکریت ہیں جن میں قابل ذکر قواعد یک رنگی جن کے لئے معروف انگریزی الفاظ بالترتیب پریڈ و یونیفارم استعمال ہوتے ہیں اور توپ تفنگ وغیرہ ہیں۔ جس قوم میں اس کا رواج نہیں دنیاوی طاقتوں کے نزدیک اسے اب اس دنیا میں رہنے کا حق نہیں۔ چنانچہ اکثر جگہ اس نظریہ پر عمل ہو رہا ہے۔ بناء علیہ اگر کوئی اسلامی انجمن عقائد اسلامی کی حد میں رہ کر تحفظ اسلام کی خاطر مسلمانوں میں عسکریت کی تبلیغ کرے۔ لباس میں سادگی و یکرنگی پیدا کرے۔ مسلمانوں کو استعمال اسلحہ اور دیگر ضروریات سے واقف کرے تنظیم واخوت کا سبق دے اسوۂ حسنہ رسول اللہ صلعم پر عمل کرائے صوم و صلوٰۃ کی پابندی کرے اور اس کے ساتھ بالالتزام پریڈ کا عمل بھی کرائے تو اس کی یہ حرکت شرعاً کیسا ہے اور کیا مسلمانوں کو اس سے اتحاد کرنا چاہئے۔

المستفتی نمبر ۲۴۳۱ محمد آفاق صاحب (پٹیالہ) ۸ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۴۱) اسلامی عقائد و اعمال کی صحیح صحیح اتباع و تعمیل کے ساتھ عسکریت نہایت ضروری اور بہتر اور مفید ہے۔ مگر واضح رہے کہ اگر سائل کا مقصد جماعت خاکساران کی عسکریت میں داخل ہونے سے ہے تو افسوس کے ساتھ یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اس جماعت کے قائد اعظم مشرقی صاحب کے عقائد اسلامی عقائد سے منحرف ہیں۔ ان کی کتابیں اسلامی عقائد کے خلاف اور بزرگان سلف کے خلاف مضامین سے بھری پڑی ہیں۔ ان کی عسکریت مسلمانوں کے خلاف کام لینے کے لئے بنی ہے۔ انگریزوں کی اطاعت اور خدمت ان کا منتہائے مقصد ہے۔ اس لئے ان کی جماعت میں داخل ہونا اسلام کے لئے مفید نہیں بلکہ عقائد اسلامیہ کے لئے مضر ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(۱)علامہ مشرقی کے عقائد سے بیزاری کا اعلان کرنے
والے خاکساران مسلمان ہیں یا نہیں ؟
(۲)خاکسار تحریک کا معاون بننا جائز ہے .

(سوال) ہم خاکسار اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمدا عبدہ ورسولہ (خلاصہ ترجمہ) سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ **ایمان مفصل امنت باللہ و ملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر و القدرخیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت (ایمان مجمل) امنت باللہ کما ھو باسمائہ وصفاتہ وقبلت جمیع احکامہ اقرار باللسان و تصدیق بالقلب** (خلاصہ ترجمہ) ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کے دن اور تقدیر خیر و شر من اللہ اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر نیز اللہ تعالیٰ کے اسموں اور صفتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کے تمام احکام کو قبول کرتے ہیں۔ ان عقائد کا اقرار زبان کے ساتھ اور دل سے بھی ان کو سچ سمجھتے ہیں۔ نیز ہم اسلام کے پانچ ارکان کلمہ شہادت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کو بنائے اسلام سمجھتے ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خدائے تعالیٰ کا آخری پیغمبر سمجھتے ہیں ۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ ان کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نیز ہم خاکساروں کے عقائد کو علامہ عنایت اللہ خان المشرقی بانی خاکسار تحریک کی کتاب تذکرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمارا دستور العمل مسائل اصول و فروع میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ ہم خاکسار خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے سپاہی ہیں اور قرون اولیٰ کے مجاہدین کے طریقہ پر تنظیم کے ساتھ خدمت خلق اور غلبہ اسلام کے خواہش مند اور اسی طریق پر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ تو کیا ان عقائد کے رکھنے والے خاکساران مسلمان ہیں۔ یا اسلام سے خارج ؟ اگر مسلمان ہیں تو جو انہیں کافر کہیں وہ گنہگار ہوں گے یا نہیں۔

المستفتی نمبر ۲۴۹۷ سید مبارک علی صاحب (فیروز پور شہر) ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۴۲) جو خاکسار کہ عنایت اللہ خان مشرقی کے عقائد میں ان سے متفق نہ ہوں اور ان کے ملحدانہ عقائد سے بیزار ہوں اور ضروریات اسلامیہ کے قائل ہوں وہ اس جہت سے اسلام سے خارج نہ ہوں گے لیکن ایک ملحد کی دینی اور دنیوی امور میں غیر مشروط اطاعت جو خاکسار تحریک کا اصل اصول ہے ان کے لئے جائز نہیں(۱) اور خاکسار تحریک گو بظاہر عسکری تنظیم معلوم ہوتی ہے مگر علمائے اسلام اور سلف صالحین کی تجہیل اور تضلیل اس کے خمیر میں داخل ہے۔ اس لئے اس تحریک میں شریک ہونے والے تحریک کے بنیادی اصول سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ یہ تحریک اسلامی نقطہ نظر سے بہت خطرناک اور روح اسلام کے لئے تباہ کن اور مہلک ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

۱۔"ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (المائدہ : ۲)

علامہ مشرقی مرتد ہے۔

عنایت اللہ خاں المعروف علامہ مشرقی بانی تحریک خاکسار کے خیالات بذریعہ "تذکرہ" اور اشارات وغیرہ عیاں ہو چکے ہیں اور ان کے متعلق جو کچھ مولویوں کے طبقے میں اضطراب ہے وہ بھی جناب پر روشن ہو چکا ہوگا۔لہذا علامہ مشرقی کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے۔وہ کافر ہے یا مسلم۔اگر کافر ہے تو جناب کے یہاں ان کے کفر کے متعلق سب سے بڑا ثبوت کیا ہے۔

مجھے ایسے فتویٰ کی ضرورت ہے جس پر مولانا محمد کفایت اللہ صاحب کی تصدیق ہو۔

المستفتی نمبر ۲۵۳۷ مولوی غلام محمد صاحب (ضلع ملتان) ۶ رجب ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۳ اگست ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۴۳) بانی تحریک خاکساران یعنی مشرقی کے عقائد جو اس کی کتاب تذکرہ اور اشارات وغیرہ سے ثابت ہیں جمہور امت محمدیہ کے اجماعی عقیدوں کے خلاف ہیں۔وہ صرف عمل اور مادی ترقی کو اصل ایمان کہتے ہیں ۔نماز روزے حج کی یہ صورتیں ان کے نزدیک فضول ہیں۔نماز ان کے نزدیک اطاعت امیر کا نام ہے۔وہ ڈارون تھیوری کے قائل ہیں۔وہ تمام نصاریٰ کو جنتی اور پکا مومن قرار دیتے ہیں۔ان وجوہات سے مشرقی اور ان کے تمام معتقد جو ان کے عقائد کو حق سمجھتے ہیں، سب دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

تحریک خاکسار کے مقتولین کو شہید سمجھنا۔

(سوال) ایک شخص مرتد ہے جس کے عقائد باطلہ کی وجہ سے روئے زمین کے علمائے حقہ نے اس کے ارتداد کا متفقہ فتویٰ صادر فرما کر شائع کر دیا ہے یعنی عنایت اللہ مشرقی۔اب سوال یہ ہے کہ جو شخص اس مرتد کو مسلمان تصور کرے آیا یہ شخص عند الشرع کیسا ہے ؟ مسلمان یا مرتد اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو لوگ مشرقی کی تنظیم میں شامل ہیں۔بیلچہ اٹھائے پھرتے ہیں وہ مشرقی کو مسلمان سمجھتے ہیں اور وہ لوگ علوم دینی سے جاہل ہونے کی وجہ سے اس کے ہر حکم پر جان دینے کو تیار ہیں خواہ وہ حکم جائز ہو یا ناجائز۔جیسا کہ لاہور میں ہوا کہ جب کہ مشرقی نے حکومت وقت کے ساتھ تشدد کا حکم دے دیا جس کی وجہ سے بہت سے خاکساروں نے اپنی جانیں دے دیں۔آیا یہ لوگ شہید کہلانے کے مستحق ہیں یا کیا؟ دوسری شق ممکن ہے کہ کوئی شخص اس کو مسلمان نہیں سمجھتا مگر تنظیم بیلچہ میں شامل ہے اور اس کے ہر حکم کی اطاعت کرنے کو اور جان دینے کو ہر وقت تیار ہے۔اور اطاعت بھی مرتد کی بغیر تنخواہ کے۔یہ شخص اس کے تشددانہ حکم کی تعمیل میں مارا جائے تو شہید ہوگا یا نہیں ؟ تیسری شق یہ ہے کہ جو خاکسار مشرقی کے معتقد اس کے متشددانہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان مقتولوں کو جو شخص شہید تصور کرتا ہو۔زبان سے اعلان کرے کہ یہ لوگ شہید ہیں اور ان کی اور ان کے ورثاء کی امداد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے ،وہ شخص کیسا ہے۔شریعت ایسے شخص کے متعلق کیا حکم

۱۔"من اعتقدان الایمان والکفر واحد کفر۔"(جامع الفصولین ، الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر :۲/ ۲۹۶ ط اسلامی کتب خانہ کراچی)

دیتی ہے۔ یہاں لدھیانہ میں بازاروں میں دکانوں پر دن رات یہ جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ اگر علمائے کرام ان لوگوں کی شہادت کا فتویٰ دے دیں تو ہم بھی علامہ مشرقی کی تحریک میں شامل ہو کر شہادت حاصل کریں۔

المستفتی نمبر ۲۶۱۱ محمد عیسیٰ دکاندار (لدھیانہ) ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق یکم جون ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۴۴) مشرقی کے عقائد اور خیالات اسلامی اصول اور الٰہی تعلیم کے خلاف ہیں اور ان عقائد کی بنا پر مشرقی کو علماء اسلام نے خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ لیکن مشرقی کی تحریک خاکساری اور فوجی تنظیم میں جتنے مسلمان شریک ہوگئے ہیں وہ سب مشرقی کے عقائد سے واقف نہیں ہیں۔ وہ صرف تنظیم کی ظاہری صورت سے دھوکا کھا کر شریک ہو گئے ہیں۔ اس لئے اگرچہ ان کی شرکت ایک خطرناک امر ہے، مگر ان سب کو مرتد کہنا مشکل ہے۔ وہ غلط کار ضرور ہیں اور ان کے ایمان خطرے میں ہیں۔ لیکن ارتداد کا قطعی حکم ان پر لگا دینا درست نہیں۔

لاہور کے واقعہ میں جن خاکساروں نے تشدد کیا (اگر یہ صحیح ہو کہ انہوں نے تشدد کیا) انہوں نے غلطی کی اور بہت بڑی غلطی کی جس کی شرعی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے لیکن جس قدر خاکسار مرے یا زخمی ہوئے ان سب نے تو یقیناً تشدد نہیں کیا تھا اور وہ قتل کے مستحق نہ تھے۔ پھر اگر فائرنگ بلا ضرورت کیا گیا اور اس میں بہت سے ایسے لوگ مر گئے جو مجرم نہ تھے اور قتل کے مستحق نہ تھے وہ مظلوم مرے اور مظلوم مقتول شہید ہوتا ہے۔(۱) اس لئے لاہور کے ۱۹ مارچ کے واقعہ کے مقتولین پر عام طور سے حرام موت مرنے کا حکم لگانا درست نہیں۔ جس طرح عام طور پر تمام مقتولین کو شہید بتانا بھی اس لئے صحیح نہیں کہ اگر کوئی شخص تشدد کی ابتداء کر کے اس کے جواب میں مارا گیا ہو تو وہ شہید نہیں۔ تاہم یہ بات عوام کے لئے ناممکن ہے کہ وہ شخصی طور پر کسی مقتول کو شہید اور کسی کو حرام موت کا مقتول قرار دیں اس لئے ان کے لئے یہی بہتر ہے کہ اس قصے میں نہ پڑیں اور جب تک کچی بے لاگ تحقیقات سے یہ امر ثابت نہ ہو جائے کہ آیا خاکساروں نے تشدد کی ابتدا کی تھی اور وہ تمام اس قتل و خون کے ذمہ دار ہیں یا نہیں اس معاملہ میں گفتگو نہ کی جائے اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیا جائے۔ جو شخص کہ بغیر استحقاق قتل کے مظلوم مرا ہے وہ شہید ہے اور جس نے تشدد کی ابتدا کی اور اس کے جواب میں مارا گیا اس کو شہید کہنا مشکل ہے۔ یہ بات بھی مشکل ہے کہ ان مقتولین میں کتنے مشرقی کے ہم عقیدہ تھے اور کتنے محض فوجی تنظیم کے خوشنما پھندے میں پھنس کر شریک ہوگئے تھے۔ اس کا علم بھی ہمیں نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سب پر ایک ہی حکم جاری نہیں کرنا چاہئے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(۱) علامہ مشرقی اور اس کے مددگاروں کی مذہبی امداد حرام ہے۔

(۲) مشرقی کے مذہبی عقائد کی حمایت کرنے والے اخبار کو اسلامی ترجمان سمجھنا۔

۱۔ "الشہید ..... او قتلہ ..... ظلماً" (کنز الدقائق، باب الشہید ۱: ۶۸ ط محمد سعید اینڈ سنز)

(۳) مشرقی اور اس کے رضاکاروں کے ساتھ اتحاد عمل کرنے کا حکم

(سوال) مسٹر عنایت اللہ مشرقی جو لندن کے پولیٹیکل اسکول کے تعلیم یافتہ اور تحریک خاکساران کے بانی ہیں اور جنہوں نے تذکرہ نامی ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ جس میں انہوں نے جابجا احکام کفر کا فتویٰ دیا۔ مگر انہوں نے علماء کے فتویٰ کی کوئی پروانہ کی اور تاہنوز تمام عبارت تذکرہ بدستور باقی ہے۔ یہ شخص ۱۴ ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کے خاکساروں کے جلسہ عام (اردو باغ) میں بزور طاقت عام مسلمانوں سے اس تذکرہ پر عمل کا اعلام کرتا ہے۔ اب سوالات یہ ہیں :-

(۱) جس شخص پر جس کتاب کی تصنیف کے باعث کفر کا فتویٰ عائد کیا گیا ہو اور وہ مجمع عام میں طاقت کے ساتھ تمام مسلمانوں سے اسی کفریہ تذکرہ پر عمل کرانے کا اعلان کرتا ہے تو کیا ایسے شخص کی اعانت میں مضامین شائع کرنا اور اس کے مددگاروں حامیوں اور اس کے رضاکاروں یعنی خاکساروں کی ہمدردی و اعانت کرنا جائز ہے؟ (۲) جو اخبار مشرقی کی کفریہ عبارت سے توبہ کئے بغیر اس کی اور اس کے گروہ خاکساروں کی حمایت کریں کیا ان اخباروں کو اسلامی ترجمان سمجھا جا سکتا ہے؟ (۳) اگر جمعیۃ اور احرار کے اراکین اعلانیہ یا در پردہ ایسے شخص کی یا اس کے رضا کاروں کی اعانت و ہمدردی کریں تو ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ (۴) جمعیۃ اور احرار کے کارکنان ور رضاکاران مشرقی سے اتحاد عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو کیا وہ علماء کے شرعی احکام کی توہین کے مرتکب ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۷۹۷ محمد زکریا۔ دہلی۔ ۷ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ

(جواب ۳٤٥) (۱) مشرقی کی کتاب تذکرہ اور ان کے عقائد بے شک اسلام کے خلاف ہیں۔ اس میں ان کا ساتھ دینا یا امداد کرنا حرام ہے۔[۱] مگر مذہبی عقائد کے علاوہ سیاسی طور پر اگر وہ صحیح راستے پر ہوں تو ان کا ساتھ دینا مباح ہے۔ جس طرح کہ موجودہ وقت میں مسلمان انگریزی حکومت کا ساتھ دے رہے ہیں۔ تو جن معاملات میں دین کو نقصان نہ پہنچے ان میں انگریزوں کا ساتھ دینا مباح ہے۔

(۲) مشرقی کے مذہبی عقائد کی کوئی اخبار حمایت کرے تو وہ غلط ہے۔ لیکن اگر کوئی اخبار ان کی سیاسی تحریک کی حمایت کرے تو وہ دوسری بات ہے۔

(۳) اگر مشرقی کی حمایت اور جنبہ داری حق بات میں ہو تو وہ کافر کی بھی ہو سکتی ہے۔ اور ناحق بات میں ہو تو وہ ناجائز اور باطل ہے۔

(۴) کسی ایسی بات میں جو شرعاً جائز اور اس میں موافقت کرنے سے مسلمانوں کو کوئی دینی ضرورت نہ پہنچے اور کوئی فائدہ مدنظر ہو، ان کے ساتھ اتحاد عمل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں شرعی حکومت تو ہے نہیں۔ انگریزی حکومت ہے۔ یہاں شرعی حکومت کے سیاسی احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

۱۔ "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔" (المائدۃ: ۲)

علامہ مشرقی کی جماعت کے اراکین کا حکم.

(سوال) استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صدر جمعیۃ علمائے ہند! السلام علیکم

آج کل علمائے کرام نے علامہ مشرقی قائد تحریک خاکسار اور کل خاکساروں پر کفر کا فتویٰ صادر فرمادیا ہے۔ اور ان کو واجب القتل قرار دیا ہے۔ اور ان کے ساتھ نکاح کو بھی ناجائز فرمایا ہے۔ میں ذیل میں جو مقابلہ کرتا ہوں اس کو ملاحظہ فرماکر جواب مرحمت فرمائیں۔

قائد تحریک خاکسار۔ علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی :-

عقائد :۔ علامہ مشرقی مطابق بیان علامہ موصوف خدائے برتر کو واحد مانتا ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء محمد ﷺ تک تمام انبیاء کو برحق اور خدا کے بھیجے ہوئے نبی مانتا ہوں۔ قیامت برحق ہے۔ فرشتوں پر میرا ایمان ہے۔ ارکان اسلام کا پابند ہوں۔ قرآن برحق ہے وغیرہ۔

بالفرض علامہ مشرقہ کافر ہے۔ لیکن خاکسار کس طرح کافر ہو سکتا ہے جب کہ خاکسار علامہ مشرقی کو نہ خدا مانتے ہیں نہ نبی گردانتے ہیں۔ نہ علامہ موصوف سے بیعت کی ہے۔ صرف ان کی جاری کردہ خاکسار تحریک کے پروگرام کے مطابق کام کرتے ہیں اور علامہ کو جرنیل یا افسر اعلیٰ خیال کرتے ہیں۔ خاکساروں کا جرنیل ایک مسلمان ہے۔ خاکسار علامہ موصوف کو اپنا جرنیل یا قائد تحریک سمجھ کر واجب القتل کیوں ہو گیا؟

قائد کانگریس۔ مہاتما گاندھی :-

عقائد :۔ گاندھی غیر مسلم ہے۔ کافر ہے۔ مشرک ہے اسلام کی کسی کتاب، فرشتوں، انبیاء پر اس کا ایمان نہیں ہے وغیرہ۔

جواہر لال نہرو۔ لیڈر کانگریس۔ منکر خدا ہے۔ دہریہ ہے کانگریسی مسلمان اپنے لیڈر گاندھی مذکور کو نہ خدا سمجھتے ہیں نہ نبی بتاتے ہیں نہ گاندھی سے بیعت کی ہے۔ بلکہ گاندھی کو صرف اپنا لیڈر تصور کرتے ہیں۔ اس کی کانگریس کے پروگرام کے مطابق کام کرتے ہیں۔ کانگریسی مسلمانوں کا لیڈر کافر ہے تو کانگریسی مسلمان واجب القتل کیوں نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر ہو سکتا ہے تو ساٹھ سال سے آج تک ان پر کفر کا فتویٰ کیوں نہیں صادر فرمایا گیا۔ اور بے چارے خاکساروں پر چاروں طرف سے فتووں کی بارش ہو گئی اور زمین و آسمان سر پر اٹھالیا۔

اگر کانگریسی مسلمان بھی واجب القتل ہو سکتا ہے تو علمائے کرام کو لازم ہے کہ پہلے ان کا خاتمہ کر کے بعد میں خاکسار سے بات کرنی چاہئے۔

المستفتی نمبر ۲۵۴۱ عبداللہ خان لاہور مورخہ ۲۳ رجب ۱۳۵۸ھ مطابق ۹ ستمبر ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۴۶) تمام خاکساروں پر کفر کا فتویٰ نہیں ہے۔ صرف مشرقی پر ان کے عقائد کی بنا پر کفر کا فتویٰ ہے اور کانگریسی مسلمان گاندھی کے کفر کا اقرار کرتے ہیں۔ اگر خاکسار بھی مشرقی کے کفر کا اقرار کرتے ہیں تو پھر وہ خطرہ نہیں۔ لیکن وہ تو مشرقی کو علامہ پکا مسلمان واجب الاطاعت امیر اور امام قرار دیتے ہیں۔ کوئی کانگریسی مسلمان گاندھی یا جواہر لال کو واجب الاطاعت امام نہیں سمجھتا۔ نہ یہ خطرہ ہو سکتا ہے کیونکہ دونوں کا مسلمان نہ ہونا ظاہر ہے۔ جو خاکسار مشرقی کے عقائد کو مشرکانہ عقائد سمجھتے ہوں وہ کافر نہیں۔ مگر ان کو واجب الاطاعت

امیر اور امام سمجھنے پر وہ گمراہ ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

فصل چہارم : فرقہ قادیانی

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں .
(۲) قرآنی آیات "من بعدی اسمه احمد" کا مصداق بلاتردد حضور ﷺ ہیں .
(۳) حضور ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا مردود و مرتد ہے ؟

(سوال) (۱) فرقہ قادیان کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور قریب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول آسمان سے ہوگا اور زمین پر تشریف لاکر خلیفہ وقت ہوں گے اور دجال کو ماریں گے۔ آپ آسمان پر زندہ تشریف رکھتے ہیں یا انتقال فرماگئے ؟ (۲) فرقہ قادیان کہتے ہیں کہ من بعدی اسمہ احمد جو آیت قرآن شریف کی ہے، وہ غلام احمد قادیانی کی نسبت ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کے مصداق حضرت محمد ﷺ ہیں اور آپ کی ہی تشریف آوری کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ (۳) قادیانی کہتے ہیں کہ غلام احمد قادیانی عیسیٰ موعود ۱۳۰۰ھ کے نبی تھے حنفیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اس حالت میں غلام احمد نبی کیسے ہوئے جب کہ نبوت کے ختم ہونے کا ثبوت قرآن شریف دیتا ہے ؟

(جواب ۳۴۷) صرف حنفیہ کا نہیں بلکہ تمام فرقہ اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ آسمان پر تشریف رکھتے ہیں اور بے شک قریب قیامت نازل ہو کر دجال کو قتل کریں گے۔(۱) جو شخص ان کی وفات کا دعویٰ کرے وہ زمرہ اہل السنت والجماعت سے خارج ہے۔ ایسا شخص ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کے قول پر کان لگایا جائے۔ (۲) آیت شریفہ **مبشر ابرسول یاتی من بعدی اسمه احمد**(۲) کو مرزا غلام احمد قادیانی کا اپنے لئے بتلانا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اول تو باتفاق مفسرین یہ آیت حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے متعلق ہے جس میں خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ بشارت نقل فرمائی ہے جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے متعلق بطور پیشگوئی اپنی امت کو دی تھی تو اب آیت میں آنحضرت ﷺ کے سوا کسی دوسرے کو مراد لینا اجماع مفسرین کا خلاف کرنا ہے۔(۳) دوم یہ کہ مرزا غلام احمد کے متعلق یہ آیت کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں آنے والے رسول کا نام احمد بتایا گیا ہے اور مرزا صاحب کا نام غلام احمد ہے نہ احمد۔ تو ایسی صورت میں ان کا یہ دعویٰ کہ یہ آیت میرے متعلق ہے

۱۔ کذافی روح المعانی تحت قولہ تعالیٰ : "بل رفعه الله اليه .... وهو حي في السماء .... هنالك مقيم حتى ينزل الى الارض يقتل الدجال." (روح المعانی : ۲ .۲ اوشرح العقائد : ص ۱۳۴)

۲۔ الصف : ۶

۳۔ "فعيسى عليه الصلوة والسلام هو خاتم انبياء بنى اسرائيل و قد اقام بنى اسرائيل مبشراً بمحمد وهو احمد خاتم الانبياء و المرسلين لا رسالة بعده ولا نبوة الخ ." (تفسیر ابن کثیر : ۴ .۳۵۹ ط مصر)

صراحۃً غلط اور کھلم کھلا باطل ہے۔ سوم یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس آنے والے کو بشارت دی ہے اس کو رسول کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ان کے بعد جو رسول آئے وہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ روحی فداہ ہیں اور آپ خاتم النبیین اور خاتم الرسل ہیں اور مرزا صاحب یقیناً وبداہۃً آنحضرت ﷺ کے بعد پیدا ہوئے۔ پس اگر مرزا صاحب کو دعویٰ رسالت نہ ہو تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کا مصداق اس لئے نہیں ہو سکتے کہ یہ پیشگوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے رسول کے متعلق ہے اور مرزا صاحب رسول نہیں۔ اور اگر ان کو دعوائے رسالت ہو تو یہ دعویٰ صراحۃً آیت قرآنی ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین(۱) کے خلاف اور حدیث رسول مقبول انا خاتم النبیین لا نبی بعدی(۲) کے مخالف ہونے کی وجہ سے باطل اور مردود ہے۔ چہارم یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ پیشین گوئی اور بشارت جس نبی کے متعلق ارشاد فرمائی ہے اسے اپنے بعد آنے والا بتایا اور بعدیت سے ظاہر اور متبادر بعدیت متصلہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک رسول یعنی آنحضرت ﷺ تشریف لائے جن کی رسالت کو قادیانی بھی مانتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت و پیشگوئی کا مصداق تو پورا ہو گیا۔ اب مرزا صاحب کا اپنے آپ کو اس آیت کا مصداق بتانا تو جب صحیح ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس کلام میں ایک سے زائد رسولوں کے آنے کی بشارت ہوتی حالانکہ نہیں ہے۔ بلکہ صرف ایک رسول کے آنے کا ذکر ہے جو آچکے۔ لہذا مرزا صاحب کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک رسول کے آنے کو تسلیم کرتے ہوئے اس آیت کا مصداق اپنے آپ کو ٹھہرانا صریح ہٹ دھرمی اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ یاد رہے کہ ان کے اس دعویٰ میں حضور انور نبی ہاشمی ﷺ کی توہین بھی مضمر ہے۔ اور وہ منجر الی الکفر ہے۔(۳) (۴) اس سوال کا جواب بھی مندرجہ بالا جواب کے ضمن میں آگیا ہے۔

(۱) غلام احمد قادیانی کے عقائد کی تصدیق کرنے والے کافر ہیں، ان سے مناکحت جائز نہیں.
(۲) زوجین میں سے کسی ایک کا قادیانی عقائد کی تصدیق کرنے سے نکاح فاسد ہو جائے گا.

(السوال) مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) آیت مبشر ابرسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کا مصداق میں ہوں (ازالہ اوہام طبع اول ص ۶۷۳)

(۲) مسیح موعود جن کے آنے کی خبر احادیث میں آئی ہے میں ہوں۔ (ازالہ اوہام طبع اول ص ۶۶۵)

(۳) میں مہدی مسعود اور بعض نبیوں سے افضل ہوں۔ (معیار الاخیار ص ۱۱)

....

۱۔ الاحزاب : ۴۰
۲۔ ترمذی، باب ماجاء لا تقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون : ۲/ ۴۵ ط سعید۔
۳۔ "اجمع العلماء علی أن شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم والمنتقص لہ کافر۔" (مجموعہ رسائل ابن عابدین : ۱/ ۳۱۶ ط سہیل اکیڈمی لاہور)

(۴)ان قدمی علی منارۃ ختم علیہ کل رفعۃ (خطبہ الہامیہ ص ۳۵)
(۵) لا تقیسونی باحد ولا احدابی (خطبہ الہامیہ ص ۱۹)
(۶) میں مسلمانوں کے لئے مسیح مہدی اور ہندوؤں کے لئے کرشن ہوں۔ (لیکچر سیالکوٹ ص ۳۳)
(۷) میں امام حسین سے افضل ہوں۔ (دافع البلاء ص ۱۳)
(۸) وانی قتیل الحب لکن حسینکم قتیل العدی فالفرق اجلی واظہر (اعجاز احمدی ص ۸۱)
(۹) یسوع مسیح کی تین دادیاں اور تین نانیاں زناکار تھیں۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵)
(۱۰) یسوع مسیح کو جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵)
(۱۱) یسوع مسیح کے معجزات مسمریزم تھے۔ اس کے پاس بجز دھوکہ کے اور کچھ نہ تھا۔ (ازالہ اوہام ص ۳۰۳، ۳۲۲ و ضمیمہ انجام آتھم ص ۷)
(۱۲) میں نبی ہوں اس امت میں نبی کا نام میرے لئے مخصوص ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۳۹۱)
(۱۳) مجھے الہام ہوا۔ یا ایھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا۔ (معیار الاخیار ص ۱۱)
(۱۴) میرا منکر کافر ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳)
(۱۵) میرے منکروں بلکہ متاملوں کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں۔ (فتاوی احمدیہ اول)
(۱۶) مجھے خدا نے کہا اسمع ولدی۔ اے میرے بیٹے سن! (البشری ص ۴۹)
(۱۷) لولاک لما خلقت الا فلاک ۔ (حقیقۃ الوحی ص ۹۹)
(۱۸) میرا الہام ہے وما ینطق عن الھوی (اربعین ص ۳)
(۱۹) وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (حقیقۃ الوحی ص ۸۲)
(۲۰) انک لمن المرسلین ۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۷)
(۲۱) اتانی مالم یوت احد امن العالمین ۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۷)
(۲۲) اللہ معک یقوم اینما قمت (ضمیمہ انجام آتھم ص ۱۷)
(۲۳) مجھے حوض کوثر ملا ہے انا اعطینٰک الکوثر ۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۸۵)
(۲۴) میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ہو بہو اللہ ہوں رایتنی فی المنام عین اللہ وتیقنت انی ھو فخلقت السمٰوات والارض ۔ (آئینہ کمالات مرزا ص ۵۶۴، ۵۶۵)
(۲۵) میرے مرید کسی غیر مرید سے لڑکی نہ بیاہا کریں (فتاوی احمدیہ ص ۷)
جو شخص مرزا قادیانی کا ان اقوال میں مصدق ہو اس کے ساتھ مسلم غیر مصدق کا رشتہ زوجیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور تصدیق بعد نکاح موجب افتراق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۳۴۸) مرزا غلام احمد قادیانی کے یہ اقوال جو سوال میں نقل کئے گئے ہیں اکثر ان میں سے میرے دیکھے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ان کے بے شمار اقوال ایسے ہیں جو ایک مسلمان کو مرتد بنانے کے لئے کافی

ہیں۔ پس خود مرزا صاحب اور جو شخص ان کا ان کلمات کفریہ میں مصدق ہو سب کافر ہیں(۱) اور ان کے ساتھ اسلامی تعلقات مناکحت وغیرہ رکھنا حرام ہے۔(۲) تعجب ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے جانشین تو اپنے مریدوں کو غیر مرزائی کا جنازہ پڑھنا بھی حرام بتائیں اور غیر احمدی انہیں مسلمان سمجھ کر ان کے ساتھ رشتے ناتے کریں۔ آخر غیرت بھی کوئی چیز ہے۔

مرزائیوں کے ذبیحہ کا حکم .

(السوال) جو شخص احمدی فرقہ (المعروف مرزائی فرقہ) سے تعلق رکھنے والا ہو۔ خواہ مرزا آنجہانی کو نبی مانتا ہو یا مجدد اور ولی وغیرہ اس کے ہاتھ کا مذبوحہ حلال ہے یا حرام ؟

المستفتی نمبر ۴۶۹ عبداللہ (بھاولپور)

(جواب ۳۴۹) اگر یہ شخص خود مرزائی عقیدہ اختیار کرنے والا ہے یعنی اس کے ماں باپ مرزائی نہ تھے تو یہ مرتد ہے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست نہیں۔ لیکن اگر اس کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک مرزائی تھا تو یہ اہل کتاب کے حکم میں ہے اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی .

قادیانی اور لاہوری دونوں جماعتیں کافر ہیں .

(السوال) بعض مقتدر و بااثر مسلمان مرزا قادیانی اور اس کے مریدوں کو پوری قوت سے مسلمان کہتے ہیں۔ ان سے فیصلہ ہوا تھا کہ مندرجہ ذیل پانچ علمائے کرام سے فتویٰ حاصل کر لیا جائے۔ مولانا ابو الکلام صاحب آزاد۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری۔ اس سلسلہ میں مولوی محمد داؤد صاحب پلیڈر قصور نے آنجناب کی خدمت اقدس میں ایک استفتاء ارسال کیا تھا۔ اس کا جواب موصول ہو چکا ہے۔ چونکہ وہ جواب آنجناب کے قلم مبارک سے نہ تھا اس لئے فریق ثانی نے اس کو قبول کرنے میں تامل کیا۔

المستفتی نمبر ۴۹۱ حاجی عبدالقادر۔ میونسپل کمشنر کورٹ بدر الدین قصور۔ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۶ جون ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۵۰) مرزائے قادیانی نے اپنی تالیفات میں نبوت مجددیت، محدثیت، مسیحیت مہدویت کا اتنی صراحت اور اتنی کثرت سے دعویٰ کیا ہے کہ اس کا انکار یا اس کی تاویل ناممکن ہے۔ خاتم المرسلین ﷺ کے بعد

۱۔ کیونکہ رضا بالکفر کفر ہے۔ (قاضی خان علی حامش الھندیة، باب مایکون کفرا من المسلم الخ : ۳ / ۵۷۳ ط ماجدیہ) "وکذا فی المرقاة لملا علی القاری وفیہ اذا رای منکرا معلوما من الدین بالضرورة فلم ینکرہ ولم یکرھه ورضی به واستحسنه کان کافرا" (ج ۹ ص ۳۲۸ ط امدادیہ ملتان)

۲۔ "مایکون کفرا یبطل العمل والنکاح۔" (الدر المختار علی حامش رد المحتار، باب المرتد : ۴ / ۲۴۶ ط سعید)

۳۔ "وعن ابی علی انه تحل ذبیحة ۔۔۔ ان کان ابائهم ۔۔۔ فانهم کأهل الذمة وان کان ابائهم من اهل العدل لم تحل لأنهم بمنزلة المرتدین۔" (رد المحتار، کتاب الذبائح : ۶ / ۲۹۸ ط سعید)

نبوت کا دعویٰ کرنا کفر ہے۔(۱) ملت اسلامیہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی مدعی نبوت کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں، خواہ وہ نبوت ظلیہ بروزیہ جزئیہ کی تاویلات رکیکہ کی پناہ لے یا کھلم کھلا نبوت تشریعیہ کا مدعی ہو۔ مرزا قادیانی کے کفر کی اور بھی وجوہ ہیں۔ مثلاً عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کی توہین۔ معجزات قرآنیہ کا انکار اور ناقابل اعتبار تاویلات سے ان کو رد کرنا یا استہزا کرنا۔ اور چونکہ یہ امور مرزا صاحب کی تالیفات میں آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہیں اس لئے لاہوری جماعت کا انکار اور تاویلیں بھی لاہوری جماعت کو کفر سے نہیں بچا سکتیں۔ اگرچہ یہ دونوں جماعتیں اسلام کی مدعی ہیں، لیکن عالم اسلامی کے معتمد علیہ علماء ان دونوں کو ملت اسلامیہ سے خارج قرار دے چکے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(۱) قادیانیوں سے میل جول، رشتہ ناتا ناجائز ہے۔
(۲) قادیانیوں کے ساتھ قائم شدہ رشتوں کو ختم کرنا ضروری ہے۔
(۳) قادیانیوں کے عقائد جاننے کے باوجود ان کو مسلمان سمجھنے والے اسلام سے خارج ہیں۔

(السوال) آج کل نئے فیشن کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی حالت یہ ہے کہ ان کو اپنے مذہب و عقائد کی تو بہت کم خبر ہوتی ہے، بسا اوقات وہ لوگ آج کل کے عقائد باطلہ و افعال ممنوعہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں چنانچہ فی زمانہ قادیانیوں کا سلسلہ عام ہو رہا ہے اور عموماً ان کو لوگ کلمہ گو کہہ کر مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور باوجود ان کے عقائد کفریہ عام ہو جانے کے پھر بھی ان سے پرہیز اور اجتناب نہیں کرتے۔ اور اگر ان سے کہا جائے کہ ان لوگوں سے بچنا چاہئے کیونکہ ان کی صحبت کا برا اثر پڑتے پڑتے ایک روز ان کے عقائد کی خرابی کا دل میں احساس بھی باقی نہیں رہتا۔ لیکن یہ لوگ نہیں مانتے اور ان کو برا بھی نہیں سمجھتے بلکہ اپنی رشتہ داری یا ذاتی اغراض کی وجہ سے خلا ملا رکھتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ ان کے اس قدر حامی اور مددگار ہو جاتے ہیں کہ اصل قادیانی بھی ان سے زیادہ ان کے عقائد باطلہ کی تائید نہیں کر سکتے۔ لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ۔

(۱) آیا قادیانی یا جو ان کو اچھا سمجھیں ان سے میل جول رشتہ ناطہ کرنا ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا اور ان کی اعانت و مدد کرنا کیسا ہے؟

(۲) نیز جو رشتے ایسے لوگوں کے ساتھ ہو گئے ہیں ان کو باقی رکھنا بہتر ہے یا ان سے تعلق منقطع کر کے نیک اور دیندار مسلمانوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنا بہتر ہے؟

(۳) اگر کوئی شخص باوجود سمجھانے اور باوجود شرعی حکم پہنچانے اور باوجود قادیانی کے عقائد باطلہ کو جان لینے کے بھی ان کے ساتھ خلا ملا رکھے اور ان کو اچھا سمجھے اور ان سے علیحدگی کو گوارا نہ کرے بلکہ سچے پکے

۱۔ "وقد اخبر اللہ تعالی فی کتابه ورسوله صلی اللہ علیه وسلم فی السنة المتواترة انه لا نبی بعده لیعلموا أن کل من ادعی هذا المقام بعده فهو کذاب افاك دجال ضال مضل۔" (تفسیر ابن کثیر: سورۃ الاحزاب ۳ / ۴۹۴ ط سہیل اکیڈمی)

دیندار مسلمانوں کو برا سمجھے، ایسے شخص سے میل جول رکھنا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۶۸ عبدالرحمٰن (ریاست جیند) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۵۱) (۱) قادیانی فرقہ جمہور علمائے اسلام کے فتوے کے بموجب دائرہ اسلام سے باہر ہے۔ اس لئے اس فرقہ کے ساتھ میل جول اور تعلقات رکھنا سخت مضر اور دین کے لئے تباہ کن ہے۔ اس حکم میں قادیانی اور لاہوری دونوں برابر ہیں۔

(۲) اگر ناواقفی سے ان لوگوں کے ساتھ رشتہ ہو گیا ہو تو معلوم ہونے پر اسے منقطع کر دینا لازم ہے تاکہ خدا اور رسول کی ناخوشی اور آخرت کے وبال سے نجات ہو۔

(۳) جو لوگ کہ قادیانیوں کے عقائد کفریہ سے واقف ہوں اور پھر بھی ان کو مسلمان سمجھیں وہ گویا خود بھی ان عقائد کفریہ کے معتقد ہیں۔ اس لئے وہ بھی اسلام سے خارج اور قادیانیوں کے زمرے میں شمار ہوں گے۔(۱) دیندار مسلمانوں کو ان سے بھی علیحدگی اور بیزاری کا سلوک کرنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شائع شدہ اخبار الجمعیۃ ۲۰ / اگست ۳۵ء

(جواب ۳۵۲) قادیان کے نبی کے مقلد (دونوں لاہوری احمدی اور قادیانی) اسلام سے خارج ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور بہت سے کام مسلمان کے مذہب کے خلاف کئے۔ ان وجوہ سے وہ تمام علمائے اسلام کے نزدیک اسلام سے خارج سمجھے جاتے ہیں۔ اور دونوں فرقے جو کہ یقین کرتے ہیں کہ مرزا صاحب ہادی تھے یا مسیح موعود تھے یا مہدی تھے یا امام وقت تھے اس لئے وہ لوگ اپنے مقتدا کے مانند ہیں اور وہ لوگ کافر ہیں۔ اور لاہوری جماعت بھی یقین کرتی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی قابل تقلید تھے وہ بھی کافر ہیں۔

محمد کفایت اللہ (صدر جمعیۃ علمائے ہند) ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۳۵ء

قادیانیوں کے بارے میں فتویٰ کی تصدیق

(السوال) متعلقہ فتویٰ مذکورہ۔ ہماری نظر سے ایک فتویٰ جو قادیانیوں کی بابت انگریزی میں ممبئی کا چھپا ہوا نظر سے گزرا ہے۔ ہمارے بعض احباب فرماتے ہیں کہ یہ مولانا کفایت اللہ کا فتویٰ نہیں ہے۔ ہم یہ فتویٰ انگریزی کا جناب کی خدمت میں ارسال کر رہے ہیں۔ اگر یہ فتویٰ آنجناب کا ہو تو مہربانی فرما کر اس کی پشت پر اپنی مہر اور دستخط وغیرہ کر کے بھیج دیں۔

المستفتی نمبر ۷۶۲ حافظ وزیر محمد (دارجلنگ) ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۵۳) ہاں اس فتویٰ میں جو جواب مرزائی فرقہ کے دونوں گروہ (لاہوری و قادیانی) کے متعلق درج ہے اس کا مضمون صحیح ہے۔ اور اصل جواب میرا لکھا ہوا تھا جس کا انگریزی ترجمہ کر کے شائع کر دیا گیا ہے۔

محمد کفایت اللہ

---

(۱) "لانہ اذا رای منکرا معلوما من الدین بالضرورۃ فلم ینکرہ ولم یکرھہ ورضی بہ واستحسنہ کان کافرا" (مرقاۃ: ۹ / ۳۲۸ ط امدادیہ)

(۱) مرزاغلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکاروں کا حکم .
(۲) قادیانیوں سے قطع تعلق ضروری ہے .

(السوال) (۱) علمائے اسلام مطابق شریعت مرزاغلام احمد قادیانی کو کیا سمجھتے ہیں ؟ (۲) ان کا پیرو کیسا ہوگا ؟ (۳) مسلمانوں کو مرزائیوں سے قطع تعلق کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟ (۴) اور قطع تعلق کہاں تک ہے ؟

المستفتی نمبر ۷۴۳ مسلمانان بھدرا ول۔ ۸ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵۴) (۱) جمہور علمائے اسلام مرزاغلام احمد صاحب قادیانی کو بوجہ ان کے دعوائے نبوت اور توہین انبیاء کے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ (۲) ان کے پیرووں اور ان کو سچا ماننے والوں کا بھی یہی حکم ہے ۔ (۳) ہاں اگر دین کو فتنہ سے محفوظ رکھنا چاہتے ہوں تو قطع تعلق کرلینا چاہئے ۔ (۴) ان سے رشتہ ناتا کرنا ان کے ساتھ خلط ملط رکھنا جس کا دین اور عقائد پر اثر پڑے ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۔ دہلی

قادیانیوں کے ہاں کھانا کھانے والے کا حکم .

(السوال) یہاں قادیانی لوگ ہیں۔ مگر بڑے بے شرم ہیں۔ ان کو کتنا جواب دیں مگر وہ لوگ نہیں مانتے اور ان کے ہاں جو شخص کھانا کھا آیا اس کے لئے کیا سزا ہونی چاہئے ؟

المستفتی نمبر ۸۰۶ منشی مقبول احمد (چھکوہی) ۷ ارذی الحجہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۲ ار مارچ ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵۵) قادیانیوں کے یہاں جس شخص نے کھانا کھایا ہے اس سے توبہ کرالی جائے کہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔ اور قادیانیوں کے ساتھ کھانا پینا رکھنا خطرناک ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۔

نسلی مرزائی اہل کتاب ہیں .

(السوال) آنجناب نے مرزائیوں کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ نسل مرزائی کو اہل کتاب کا حکم دیا جائے گا۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیسے اہل کتاب ہو سکتے ہیں۔ مفصل دلائل ارشاد فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۸۴۱ مولوی محمد انور (ضلع جالندھر) ۱۳ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۶ ار پریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵۶) نسلی مرزائی اسی طرح اہل کتاب کے حکم میں ہیں جس طرح یہود و نصاریٰ۔ شامی میں اس مسئلہ کی بحث ہے اور یہی راجح ہے۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۔

غلام احمد قادیانی کی تصدیق کرنے والا اور اپنے آپ کو ہندوؤں کا اوتار بتانے والا کافر ہے .

(السوال) ایک بزرگ جو اپنے آپ کو اللہ والا اور روحانیت کا بادشاہ جتاتے ہیں، مرزاغلام احمد صاحب کے معتقد اور موجودہ جماعت احمدیہ کے قائل ہیں ۔ قوم ہنود کے ایک فرقے کے اوتار ہونے کے مدعی اور

۱۔ "واعلم أن من اعتقد دیناً سماویاً وله کتاب .... فهو من اهل کتاب۔" (ردالمحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳ / ۴۵ ط سعید)

مامور جماعت احمدیہ کے ممتنی۔ مذکورہ اعتقاد رکھنے والے کی رائے امور شرعیہ میں کیا حیثیت رکھتی ہے۔
ایسے بزرگ کا شرعی معاملات میں اعتماد کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۸۷۰ سلطان احمد خاں (برار) ۲۳ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵۷) جو شخص غلام احمد قادیانی کو مانے اور ان کے دعووں کی تصدیق کرے اور اپنے آپ کو اوتار بتائے وہ گمراہ اور اسلام سے خارج ہے۔(۱) اس کی بات ماننا اور اس کو پیر بنانا یا اس کی جماعت میں شریک ہونا حرام ہے۔ مسلمانوں کو اس سے قطعاً محترز اور مجتنب رہنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ

تبلیغ کے لئے قادیانیوں کو چندہ دینا جائز نہیں .

(السوال) کسی فنڈ میں سے کچھ رقوم تبلیغ اسلام کے لئے مندرجہ ذیل انجمن کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر دیا جائے تو جائز ہے یا ناجائز جب کہ ان کے اعتقاد یہ ہیں۔ فریق اول۔ مولوی محمد علی کی پارٹی جو لاہور میں "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام" کے نام سے موسوم ہے۔ اور برلن ایشیاء و افریقہ میں اس مشن کے ذریعہ تبلیغ کا کام کر رہی ہے۔ فریق ثانی۔ خواجہ کمال الدین کی پارٹی جو لندن میں ووکنگ مشن کی بنیاد قائم کر کے لندن اور اس کے قرب و جوار میں اشاعت اسلام کا کام انجام دے رہی ہے۔ ہر دو فریق مرزا غلام احمد قادیانی کے معتقد ہیں۔ فریق اول مرزا غلام احمد قادیانی کو چودھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں، نبی نہیں مانتے اور ان کا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مجدد آئیں گے نبی نہیں آئیں گے۔ حدیثوں میں جو نزول مسیح کا ذکر ہے اسے وہ درست مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ چونکہ قرآن کریم حضرت مسیح کی وفات کا ذکر صاف الفاظ میں فرماتا ہے اس لئے وہ اس سے مراد ایک مجدد کا مثیل مسیح ہو کر ظاہر ہونا لیتے ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کو چودھویں صدی کا مجدد اور نزول مسیح کی پیشن گوئی کا مصداق مانتے ہیں۔ اور یہ اشعار حسب ذیل مرزا غلام احمد قادیانی کی شان میں فرماتے ہیں۔ آں مسیحا کہ بر افلاک مقامش گویند لطف کردی کہ ازیں خاک نمایاں کر دی۔ فریق ثانی قریب قریب یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ خود کو پکا سنی حنفی المذہب کہتے ہیں۔ صحیح صورتوں میں اسلام کی تبلیغ کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو کیا ان ہر دو فریقین میں سے کوئی اسلام کی تبلیغ کا کام صحیح معنوں و صورتوں میں انجام دے رہا ہے۔ کیا ان ہر دو فریقین میں سے کسی بھی ایک فریق کو تبلیغ کے لئے کچھ رقوم اس فنڈ میں سے دی جائے تو کیا مسلمانان عالم و علمائے اسلام کے نزدیک مذہبی نقطہ نظر سے خلاف سمجھا جائے گا۔

المستفتی نمبر ۱۱۳۵ متولیان اوقاف حاجی اسماعیل حاجی یوسف احمد آبادی۔ میمن ایجوکیشنل ٹرسٹ فنڈ بمبئی ۲۸ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۷ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵۸) یہ دونوں جماعتیں احمدی قادیانی فرقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ایک ایسے شخص سے

---

(۱) "اذا رای منکرا معلوما من الدین بالضرورۃ فلم ینکرہ ولم یکرھہ ورضی بہ واستحسنہ کان کافرا" (مرقاۃ: ۹: ۳۲۸ ط امدادیہ)

مسلمانوں کو روشناس کراتی اور اس کے حلقہ ارادت میں داخل کرتی ہیں جس نے جمہوا سلام کے علم و تحقیق کے بموجب نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور اس کے مرکزی مقام میں اس کے جانشین اور خلفا اس کو نبی اور رسول ہی مانتے ہیں اور منوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس کا اپنا لٹریچر دعوائے نبوت میں اتنا صاف اور واضح اور روشن ہے کہ محمد علی پارٹی یا خواجہ کمال الدین پارٹی کی تاویلات تحریف سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ اور یہ دونوں پارٹیاں ممالک یورپ میں احمدی تبلیغ کرتی ہیں۔ اسلامی تبلیغ کا محض نام مسلمانوں سے چندہ لینے کے لئے ہے۔ ورنہ ان کا ذاتی نصب العین قادیانی مشن کی تبلیغ ہے۔ پس مسلمانوں کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ کسی قومی تعلیمی فنڈ سے بلکہ اپنی جیب خاص سے بھی ان کو چندہ دیں۔ ایسا کرنے میں وہ قادیانی نبوت کاذبہ کی اعانت و امداد کے گنہگار اور مواخذہ دار ہوں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

کلمہ پڑھ کر مرنے والے قادیانی کا اہلسنت کو جنازہ پڑھنا کیسا ہے ؟

(السوال) ایک شخص جو مرزائی عقائد رکھتا تھا مگر نہایت نیک اور پابند صوم و صلوٰۃ علم احادیث و فقہ سے واقف عالم ربانی کے خصائل و شمائل سے متصف مغرب کی نماز کے لئے وضو کیا اور روزہ افطار کرنے کے انتظار میں مصلے پر دو زانو ہو کر بیٹھا کہ اچانک دل میں گھبراہٹ ہوئی اور بآواز بلند اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ پڑھا۔ حالت بدل گئی اور اسی حالت میں روزہ افطار کیا۔ پھر دو چار منٹ میں ہی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اہل سنت والجماعۃ نے اس کا جنازہ پڑھا۔ کیا جنازہ پڑھنے والوں پر کوئی شرعی تعزیر عائد ہو سکتی ہے یا نہیں۔ نیز فرمان نبوی ﷺ الصلوٰۃ علی بر و فاجر کیسے لوگوں کے لئے ہے۔

المستفتی نمبر ۲۰۵۱ محمد اسماعیل صاحب (جہلم) ۱۵ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۵۹) مرزائی عقائد رکھنے والا یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان لانے والا اسلامی اصول سے خارج از اسلام ہے۔ اس کے جنازے کی نماز پڑھنا درست نہیں تھا۔(۱) اس کے انتقال کے وقت کے یہ حالات جو سوال میں مذکور ہیں اس کے غیر اسلامی عقیدے کو بدل نہیں سکتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

اسلامی انجمن میں قادیانیوں کو ممبر بنانا .

(السوال) (۱) کسی اسلامی انجمن میں قادیانیوں کو ممبر بنانا شرعاً کیا حکم ہے۔ (۲) اگر کثرت رائے اور متفقہ رائے سے یہ تجویز منظور ہو جائے کہ قادیانیوں کو بھی ممبر بنایا جائے پھر اس انجمن میں شریک ہونا یا اس کی امداد کرنا کیسا ہے۔

المستفتی نمبر ۲۰۴۲ احمد صدیق (کراچی) ۱۳ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

۱۔"اما المرتد فیلقی فی حفرۃ کا لکلب عند الاحتیاج فلوله قریب فالاولی ترکه لهم من غیر مراعاۃ السنة فیغسله غسل الثوب النجس ویلف فی خرقة۔" (التنویر و شرحہ علی ہامش رد المحتار باب صلوٰۃ الجنائز: ۲ / ۲۳۰ ط سعید)

(جواب ۳۶۰)(۱) قادیانیوں کو کسی انجمن میں ممبر نہ بنایا جائے۔(۲) ہرگز نہیں۔بلکہ اس انجمن سے علیحدہ ہو جانا چاہئے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔دہلی

کیا قادیانی مرتد ہے ؟

(از اخبار الجمعیۃ سہ روزہ دہلی مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۲۸ء)

(السوال) یہ گروہ جو قادیانی اور احمدی کے نام سے مشہور ہے حقیقۃ مرتد ہے ؟ اگر مرتد ہے تو ان لوگوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے ؟

(جواب ۳۶۱) جو شخص پہلے مسلمان ہو پھر قادیانی ہو جائے وہ مرتد کے حکم میں ہے۔اور جو ابتدائے شعور سے ہی قادیانی ہو وہ اگرچہ دائرہ اسلام سے خارج ہے مگر مرتد کے حکم میں نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

فصل پنجم فرقہ مودودی

کیا جماعت اسلامی والے گمراہ ہیں ؟

(السوال) محترمی و مکرمی مفتی صاحب مدظلہ العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی نے جناب کے اسم گرامی سے یہ فتویٰ موسوم کیا ہے کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی جماعت اسلامی سے متعلق حضرات کافر ہیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا یہ بات درست ہے کہ جناب نے جماعت اسلامی کے متعلق ایسا فتویٰ صادر فرمایا ہے تو پھر خاکسار بلا چوں وچرا اس کو تسلیم کرلے گا۔اس لئے کہ جناب کی ذات والا صفات پر بندہ کو کامل اعتماد ہے کہ آپ دین کے معاملہ میں امت محمدی کے کسی فرد کو کسی حالت میں گمراہ نہ کریں گے۔

المستفتی خادم میر مشتاق احمد۔اردو ہال۔اردو بازار۔دہلی۔

(جواب ۳۶۲) مکرمی جناب میر صاحب ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مولوی ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کی اسلامی جماعت کے متعلق میں نے گمراہ ہونے اور اسلام میں ایک فتنہ ہونے کا بیان تو دیا ہے۔کافر ہونے کا بیان ابھی تک نہیں دیا ہے۔تاہم فتنہ قوی اور بہت اندیشہ ناک ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔دہلی ۹ جون ۵۱ء

جماعت اسلامی کا رکن بننا جائز ہے .

(السوال) مودودی صاحب کے زیر اثر جو جماعت اسلامی ہے اس میں شرکت کرنا ان سے تعلق رکھنا ان کی تصانیف پڑھنا کیسا ہے ؟

(جواب ۳۶۳) مودودی جماعت کے افسر مولوی ابوالاعلیٰ کو میں جانتا ہوں۔وہ کسی معتبر اور معتمد علیہ عالم کے

۱۔"فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین۔"(الانعام : ۶۸)

شاگرد اور فیض یافتہ نہیں ہیں۔ اگرچہ ان کی نظر اپنے مطالعہ کی وسعت کے لحاظ سے وسیع ہے۔ تاہم دینی رجحان ضعیف ہے۔ اجتہادی شان نمایاں ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کے مضامین میں بڑے بڑے علمائے اعلام بلکہ صحابہ کرام پر بھی اعتراضات ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو اس تحریک سے علیحدہ رہنا چاہئے اور ان سے میل جول ربط و اتحاد نہ رکھنا چاہئے۔ ان کے مضامین ظاہر دلکش اور اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر ان میں ہی وہ باتیں دل میں بیٹھتی جاتی ہیں جو طبیعت کو آزاد کر دیتی ہیں اور بزرگان اسلام سے بد ظن بنا دیتی ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

فصل ششم فرقہ مہدویہ

فرقہ مہدویہ کا ذبیحہ حرام ہے۔

(السوال) فرقہ مہدویہ جو یہ کہتے ہیں کہ توبہ کا دروازہ بند ہو گیا ان کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ٣٦٤) فرقہ مہدویہ جو اطراف دکن میں پایا جاتا ہے، کافر ہے۔ اس کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں (۱)

فصل ہفتم فرقہ حران (سندھ)

(۱) انسان کو خدا سمجھنے ، شعائر اللہ کی توہین کرنے اور قبر کو سجدہ کرنے والے ملحد اور زندیق ہیں۔

(۲) ایسے لوگوں کے ساتھ رشتہ ناتا کا حکم۔

(السوال) ایک مستند پیر جس کے ہزاروں مرید ہیں چند سال سے اپنے دادا پر اس طرح درود پڑھتا ہو اللھم صلی علی محمد الزمان السند ھی اللواری۔ (۲) اپنے دادا کے ساتھ جل جلاله و جل شانه کہنے کی تلقین کرتا ہو اور اس کو انسانی صورت و جسمانی جامے میں اللہ سمجھنے کی تعلیم دیتا ہو اور اس کے بعد رکن چہارم اسلامی یعنی حج بیت اللہ کی نقل اتار کر شعائر اللہ کی اس طرح توہین کرتا ہو کہ ایک قصبہ کو مکہ اور اس کے نزدیک ایک گاؤں کو مدینہ ایک کوئیں کو چاہ زمزم اور ایک میدان کو عرفات اور ایک قبرستان کو جنۃ البقیع کے نام سے موسوم کر کے نو ذی الحجہ کے دن تین بجے ایک کثیر اجتماع کے سامنے ایک بڑے ممبر پر خطبہ حج پڑھاتا ہو اور اختتام حج مصنوعی پر اپنی زبان سے حاضرین کو حج مبارک دیتا ہو اور بطور سند مریدوں کو حج مبارک کا سرٹیفکیٹ دیتا ہو اور اپنے دادا کو مقبرہ کا طواف و سجدہ کراتا ہو اور اس کے اشعار پڑھاتا ہو جن میں چند بطور نمونہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ ؎

نور ذاتی کاندراں اوصاف حسنہ شد پدید	شد ظہورش زیں مکان و قصبہ ، نور القریٰ
در لواری نور حق شاہ نبیاں آمدہ	آدم و نوح و خلیل و نور رحماں آمدہ

۱۔ "فلا تؤكل ذبيحة اهل الشرك و المرتد" (الھندیۃ، کتاب الذبائح، الباب الاول : ٥ / ٢٨٥ ط ماجدیہ کوئٹہ)۔

اے ملقب با محمد سید شاہ زمان ! اے امام الرسل مظہر مصطفیٰ تاج شہاں
مالک ملک نبوت ہم ولایت آمدہ در جہاں ایں نورذاتی مجسم آمدہ

(۱) ایسے پیر اور اس کے مریدوں کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے ؟ (۲) ایسے پیر اور اس کے مریدوں سے رشتہ ناتہ کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ (۳) اور جن سے رشتہ ناتہ ہو چکا ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟ (۴) ان تمام حالات و حقائق کا علم رکھنے کے باوجود کوئی شخص پیر سے یا پیر کے کسی مرید سے رشتہ ناتہ کرے تو شرعاً کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۶۶۱ احمد صدیق مدیر اخبار رہبر سندھ کراچی

(جواب ۳۶۵) یہ پیر اور اس کے مرید جو ان عقائد شنیعہ کے معتقد ہوں ملحد اور زندیق ہیں۔(۱) ان زنادقہ سے علیحدہ رہنا واجب ہے اور ایسے فاسد العقیدہ لوگوں سے رشتہ ناتہ کرنا ناجائز ہے۔ لیکن اس کے اقارب میں سے اگر کوئی شخص ان عقائد شنیعہ کا معتقد نہ ہو تو محض پیر کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اس پر یہ حکم عائد نہ ہوگا۔(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی ۷ ۲ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۵ اگست ۱۹۳۷ء

(۱) کسی پیر کو امام الرسل اور بیت اللہ کے بجائے اور جگہ حج کرنا کفر ہے .
(۲) کفر اور خوف کفر میں فرق .

(السوال) (۱) کسی پیر کو شاہ نبیاں ، مالک ملک نبوت ، سید انس و جاں ، امام الرسل سمجھنا اور بجائے کعبۃ اللہ کے کراچی میں حج ادا کرنا ایک میدان کو عرفات سمجھنا اور ایک قبرستان کو جنت البقیع کہنا اور ۹ ذی الحجہ کو تین بجے ایک بڑے ممبر پر خطبہ حج ادا کرنا یہ باتیں کہنے اور عقائد رکھنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے یا نہیں۔ یہ عقائد کفریہ ہیں یا خوف کفر ہے ؟ (۲) کفر اور خوف کفر میں کیا فرق ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۰۴۲ احمد صدیقی (کراچی) ۳ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۶۶) (۱) یہ عقائد کفریہ ہیں۔ ان سے ہر مسلمان کو تبری کرنا لازم ہے۔ (۲) کفر کا یقیناً حکم کر دینا اس وقت ہوتا ہے جب کہ کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ اور دلیل میں کوئی شبہ پیش آجائے اور وہاں کہا جاتا ہے کہ خوف کفر ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

۱۔ دیکھئے رد المحتار، باب المرتد، مطالب الفرق بین الزندیق والملحد : ۴/ ۲۴۱ ط سعید
۲۔ "ولا تزر وازرۃ وزر اخری" (الاسراء : ۱۵)

چودھواں باب
تقلید و اجتہاد

کیا مذکورہ خیالات کے حامل غیر مقلدین اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں ؟

(السوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و ماہران شرع مبین دربارہ غیر مقلدین جن کے قول حسب ذیل ہیں تمام دین اسلام کے احکام حلال و حرام فرض و سنت قرآن کریم و حدیث رسول میں ہیں اور تمام دین آنحضرت ﷺ پر پورا ہو چکا ہے اور یہی قرآن شریف میں ہے تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تمام امت کے پیشوا ہیں۔ ان کے بعد امام اور مجتہد ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں نرالا ہے کوئی اس جیسا نہیں۔ جو کوئی سوا اللہ تعالیٰ کے اوروں سے دعا مانگتے یا ان کو عالم الغیب کہتے ہیں اور مانتے ہیں یا اوروں کا وظیفہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرح کرتے ہیں یا مردوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ قبروں پر عرس میلے کرتے ہیں۔ ان کا طواف کرتے ہیں۔ ان مردوں کو حاضر ناظر جانتے ہیں یا ان کو اولاد دینے والا نفع نقصان پہنچانے والا مانتے ہیں، مشرک ہیں۔ ان کا کوئی عمل روزہ نماز عبادت مقبول نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے نبی ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری سب پر فرض ہے اوروں کی اس طرح نہیں۔ بلکہ جو کوئی امام یا صحابی غلطی سے خلاف قرآن و حدیث کے حکم دیوے وہ ماننے کے قابل نہیں ہے۔ تقلید شخصی قرآن وحدیث اور صحابہ اور چاروں اماموں اور محدثین متقدین سے ثابت نہیں۔ تقلید کا حکم نہ رسول خدا ﷺ نے دیا نہ چاروں اماموں نے اور نہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے تقلید جاری کی تھی نہ اس کا ذکر تھا۔ بلکہ قرآن و حدیث اور چاروں اماموں کے کلام میں اور صحابہ کے عملدرآمد میں تقلید کا لفظ بھی نہیں پایا جاتا جس سے تقلید شخصی جس کا آج کل شور ہے سمجھی جاوے لہذا یہ تقلید نہ قرآن نہ حدیث نہ صحابہ نہ اماموں سے ثابت اور نہ کہیں اس کا حکم۔ اور بدعت بڑا گناہ ہے اس سے آدمی مردود و خارج از اسلام ہو جاتا ہے۔ اور بدعت وہ کام ہے جس کو بعد زمانہ آنحضرت رسالت مآب ﷺ بغیر آپ کے حکم کے اور بعد زمانہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بغیر ان کے عملدرآمد کے دین میں داخل کیا گیا ہے جس کو لازم سمجھا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک طریق و مذہب چھوڑا ہے۔ کئی مذہبوں کی تعلیم و ہدایت نہیں فرمائی۔ اہل سنت و الجماعۃ سے مراد آنحضرت ﷺ کی سنت اور جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تابعدار ہیں۔ جو لوگ کسی بزرگ یا امام وغیرہ کی اطاعت و فرمانبرداری کو لازم جانتے ہیں حدیث پر بھی جبھی عمل کرتے ہیں اور اسی حدیث پر کرتے ہیں جس پر ان کے امام و مرشد نے کہا ہو یا عمل کیا ہو۔ ورنہ حدیث سے بھی انکار و نفرت و ضد ہے۔ وہ رسالت کے مخالف ہیں۔ ان کا کسی حدیث پر عمل کرنا بھی حدیث اور رسول کی عزت اور قدر اور بڑائی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ کسی اور کی عزت کی وجہ سے ورنہ وہ سب حدیثوں پر عمل کرتے۔ سب اماماں و بزرگان دین کی عزت دل میں رکھنی چاہئے۔ کوئی کلمہ ان کے حق میں سب و شتم یا مذمت کا نہ کہنا چاہئے۔ اتباع رسول ﷺ و سبیل المومنین کو اختیار کرنا چاہئے۔ تمام امت محمدیہ میں قرن اول یعنی جماعت

صحابہؓ کرام قرآن و حدیث مسلم و مستقل پیشوا اور اماموں کی جماعت ہے۔ جن کی اتباع اور تابعداری حکم شرعی ہے۔ سہو و نسیان و غلطی اس امت کی معاف ہے۔ حالت خلاف قرآن و حدیث پر پیش کرنا ضروری ہے اول وقت نماز پڑھتے ہیں۔ اور جہری نمازوں میں مقتدی و امام بعد ختم سورہ فاتحہ امین آواز سے کہتے ہیں۔ اور سورہ فاتحہ ضرور پڑھتے ہیں۔ امام ہو یا مقتدی یا تنہا۔ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھوں کو اسی طرح اٹھاتے ہیں۔ جس طرح نیت باندھتے وقت اٹھاتے ہیں۔ اور نماز ٹھہر ٹھہرا کر پڑھتے ہیں۔ از روئے شرع شریف یہ اچھے مسلمان سنی ہیں یا نہیں۔ اور ان کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ان کے وعظ سننے اچھے ہیں یا ناجائز؟ اور ان سے ملنا سلام کلام کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۳۶۷) غیر مقلدین جن کے خیالات سوال میں مذکور ہیں اصولاً تو اہل السنت والجماعۃ میں داخل ہیں۔ اور اشخاص کے لحاظ سے اگر ان میں کوئی فرد ائمہ مجتہدین کو سب و شتم کریں یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بدعتیں نکالیں یا سلف صالحین کو برا بھلا کہیں یا مسلمانوں کو بعض معمولی کوتاہیوں پر مشرک و کافر بنائیں یا عدم امامت مطلقہ کا دعویٰ کریں تو میرا اپنا عقیدہ یہ ہے کہ ان باتوں کی ذمہ داری انہیں افراد پر ہوگی جن سے سرزد ہوں۔ نہ یہ کہ عام غیر مقلدوں کو مورد الزام بنایا جائے یا نفس ترک تقلید پر اہل سنت والجماعۃ سے خارج ہونے کا حکم لگا دیا جائے۔

رہے یہ مسائل جن کا سوال میں ذکر ہے، ان میں بہت سے مسائل تو متفق علیہ ہیں اور بہت سے مختلف فیہ اور بعض ہمارے خیال میں افراط و تفریط پر مبنی ہیں۔ ان کی تفصیل کا نہ یہ فتویٰ متحمل ہے اور نہ سائل کا سوال ان سے متعلق ہے۔ اس لئے ان تمام افعال کی جملۃً تصویب نہیں کی جا سکتی۔ اور نہ عام غیر مقلدوں کو اہل السنت والجماعۃ سے خارج کیا جا سکتا ہے اور نہ بالعموم ان سے سلام و کلام کو ناجائز بتایا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔
محمد کفایت اللہ غفر لہ۔ دہلی ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۵ء

مقلدین کو مشرک کہنے والے کی امامت کا حکم.

(السوال) ایک شخص تقلید کرنے والے کو مشرک کہتا ہے۔ سو ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ مدلل بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(جواب ۳۶۸) جو شخص کہ تقلید کو شرک کہے وہ خود خاطی ہے۔ اور اگر تمام مقلدین کو مشرک بتائے تو اس کے ایمان کی سلامتی مخدوش ہے۔(۱) اس کے پیچھے نماز بھی نہیں ہوتی۔ کیونکہ مطلق تقلید کا ثبوت قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ اور تعامل سلف سے یقینی طور پر موجود ہے اور تقلید شخصی کا جواز بھی قرآن و حدیث و اقوال صحابہ و تعامل سلف سے ثابت ہے۔ پس اس کو شرک کہنا جہالت ہے۔

غیر مقلدین کے ساتھ کھانا پینا کیسا ہے؟

(السوال) غیر مقلدین کے یہاں کھانا پینا اور ان کو کھلانا پلانا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

(۱) "ایما رجل قال لاخیه کافر فقد باء بها احدهما" (بخاری، کتاب الادب باب من اکفر اخاه بغیر تاویل: ۲/ ۹۰۱ ط قدیمی)

المستفتی نمبر ۱۱۴۳ محمد عنایت حسین۔ کھنور۔ ۲۶ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء
(جواب ۳۶۹) بلا کراہت جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

اہل حدیث اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں.

(السوال) اہل حدیث جن کو ہم لوگ غیر مقلد بھی کہتے ہیں مسلمان ہیں یا نہیں ؟ اور وہ اہل سنت والجماعۃ میں داخل ہیں یا نہیں۔ اور ان سے نکاح شادی کا معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۱۷۴ اسمٰعیل محمود ولی صاحب (سورت) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۷۰) ہاں اہل حدیث مسلمان ہیں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں۔ ان سے شادی بیاہ کا معاملہ کرنا درست ہے۔ محض ترک تقلید سے اسلام میں فرق نہیں پڑتا اور نہ اہل سنت والجماعۃ سے تارک تقلید باہر ہوتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(۱) اہل حدیث کو کافر کہنا سخت غلطی ہے .
(۲) اہل حدیث عورت کے غسل دینے کی وجہ سے میت کا جنازہ نہ پڑھنا .
(۳) جنازے میں اہل حدیث شامل نہ ہو تو میت جنتی ہے کہنے والے امام کا حکم .
(۴) کیا اہل حدیث حضرات کا پیسہ مسجد میں خرچ کیا جا سکتا ہے ؟

(السوال) (۱) فرقہ اہل حدیث جو فاتحہ خلف الامام آمین بالجہر رفع یدین وغیرہ کرتے ہیں اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کے قائل ہیں ہم ان کو کافر کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو جو ان کو کافر لکھے یا سمجھے اس کے واسطے کیا حکم ہے ؟

(۲) ایک معصوم حنفیہ لڑکی فوت ہوتی ہے ۔ اس کو ایک اہل حدیث عورت غسل دیتی ہے بدیں وجہ محلّہ کا امام اس کا جنازہ نہیں پڑھاتا۔ کیا اس کا فعل شریعت محمدیہ کے موافق ہے۔ اگر نہیں تو ایسے امام کے واسطے کیا حکم ہے ؟ (۳) امام مسجد کہتا ہے کہ میں جس آدمی کا جنازہ پڑھاؤں اور جنازہ میں کوئی اہل حدیث شامل نہ ہو تو وہ آدمی قطعی جنتی ہے۔ کیا یہ سرٹیفکٹ صحیح ہے۔ اگر نہیں تو اس کے قائل کے واسطے کیا حکم ہے ؟

(۴) ایک شخص کچھ روپیہ مسجد کی توسیع کے واسطے خرچ کرنا چاہتا ہے مگر مولوی کا کہنا ہے کہ وہ اہل حدیث ہے لہذا اس کا روپیہ مسجد میں خرچ نہیں ہو سکتا مگر جب وہ شخص خود مولوی سے پوچھتا ہے تو مولوی کہتا ہے کہ وہ روپیہ ہم کو دے دو۔ جب اس کا مال مسجد میں حرام ہے تو مولوی کو کھانا کس وجہ سے حلال ہوا۔ ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے ؟

(المستفتی) نمبر ۱۲۸۸ محمد اسمٰعیل صاحب (امرتسر) ۲۳ شوال ۱۳۵۵ھ م ۷ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۷۱) (۱) فرقہ اہل حدیث کو کافر کہنا سخت غلطی ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کو بشر سمجھنے کی بنا پر کافر کہنا تو خود کافر کہنے والے کو کفر کی تاریکیوں میں گرانے کے لئے کافی ہے، کیونکہ حضور ﷺ کا بشر ہونا قرآن کی آیات

بینات سے ثابت ہے۔(۱) (۲) اس بنا پر کہ معصومہ بچی کو ایک اہل حدیث عورت نے غسل دے دیا، اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھنا سخت جہالت اور گناہ کی بات ہے۔ (۳) امام کا دعویٰ کہ میں جس کے جنازہ کی نماز پڑھاؤں اور نماز میں کوئی اہل حدیث شامل نہ ہو تو وہ میت قطعی جنتی ہے، امام کی جہالت پر مبنی ہے۔ یہ شخص اسلامی تعلیم سے ناواقف یا کوئی بے دین ہے۔ (۴) اہل حدیث کا روپیہ مسجد میں خرچ ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر مسجد میں خرچ کر کے اہل حدیث اس پر قبضہ کرنا چاہے تو اس کے روپیہ کو خرچ نہ کرنا مباح ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(۱) فاتحہ خلف الامام کا حکم .
(۲) کیا نماز میں رفع یدین ضروری ہے ؟
(۳) تراویح کتنی رکعات ہے ؟
(۴) کیا صرف اہل حدیث ہی جنتی ہیں ؟

(السوال) (۱) یہاں پر اہل حدیث اور حنفیوں میں جھگڑا ہے۔ بہت سے حنفیوں کو ان کے مولویوں نے اہل حدیث کر لیا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ الحمد رفع یدین حضرت نے ہمیشہ کیا اور حضرت نے سینہ پر ہاتھ باندھے اور یہ بھی تحریر فرمایئے کہ تراویح کتنی پڑھی جاتی ہیں۔ مولوی عبدالغفار اہل حدیث کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے رفع یدین مرتے وقت تک کیا ہے۔ آپ تحریر فرمایئے کہ حضور نے رفع یدین کیا یا نہیں اور تراویح ۸ پڑھیں یا ۲۰ پڑھیں۔ اور اہل حدیث کہتے ہیں کہ یہی گروہ جنتی ہے اس کا جواب مع آیت اور حدیث کے تحریر فرمایئے تاکہ مسلمان اس طرف ہو جائیں۔
المستفتی نمبر ۱۵۴۳ مولانا عبدالحق صاحب (ضلع متھرا) ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۸ جون ۱۹۳۷ء
(جواب ۳۷۲) (۱) امام کے پیچھے مقتدی کو الحمد نہیں پڑھنی چاہئے۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا واذا قرأ فانصتوا (۲) یعنی جب امام قرائت کرے تو تم خاموش رہو (۲) رفع یدین پہلے رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت کیا جاتا تھا لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ اخیر میں یہ رفع یدین ترک کر دیا گیا تھا۔ (۳) وفات تک حضور ﷺ سے رفع یدین کرنے کا ثبوت نہیں۔ (۳) تراویح کی بیس رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ (۴) آٹھ رکعتیں تہجد کی ہیں۔ تراویح کی بیس رکعتیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ سے ثابت ہیں۔ اور چاروں اماموں میں سے کوئی بیس سے کم کا قائل نہیں۔ (۴) قرآن اور حدیث اور فقہ پر عمل کرنے والے ان شاء اللہ سب جنتی ہوں گے۔ اہل حدیث کا یہ دعویٰ کہ ان کا فرقہ ہی جنتی ہے غلط ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

۱۔ "قل انما انا بشر مثلکم" (حم السجدۃ: ٦)
٢۔ مسلم، باب التشهد فی الصلوۃ : ١ / ١٧٤ ط قدیمی
٣۔ ترمذی، باب رفع الیدین عند الرکوع : ١ / ٥٩ ط سعید.
٤۔ "وهی عشرون رکعة ، وفی الشامیة وهو قول الجمهور." (تنویر الابصار، مبحث صلوۃ التراویح : ٢ / ٤٥ ط سعید)

(۱) امام کا غیر مقلد ہونا نماز باجماعت میں شرکت سے مانع نہیں ہے.
(۲) غیر مقلد کے پیچھے نماز درست ہے.
(۳) غیر مقلد کو کافر کہنا درست نہیں.
(۴) غیر مقلد کے ساتھ تعلقات قائم کرنا جائز ہے.

(السوال) (۱) زید فرضی جماعت کے برابر منفرد نماز پڑھتا ہے۔ اس کے ساتھ نہیں ملتا۔ کیا اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ امام غیر مقلد ہے؟

(۲) کیا موجودہ وہابیوں یا غیر مقلدوں کے خلف نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں۔ اثبات و نفی کی وجہ تحریر فرمائیں؟

(۳) موجودہ وہابیوں یا غیر مقلدوں کو کافر اسلام سے خارج اور جہنمی اور گمراہ کہنا جائز ہے یا نہیں کیا جو شخص یہ الفاظ استعمال کرتا ہے اس پر کوئی حرف منجانب قرآن اور حدیث اور فقہ سے آتا ہے یا نہیں؟

(۴) ان کے ساتھ مصافحہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) ان کے ساتھ رشتہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۲۸۹ محمد پنجابی معرفت امیر نواب پشاوری متعلم مدرسہ امینیہ ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۵ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۷۳) (۱) نماز تو ہو جاتی ہے مگر وہ ترک جماعت کی وجہ سے گنہگار ہوتا ہے۔ امام کا غیر مقلد ہونا جماعت میں شریک نہ ہونے کے لئے عذر صحیح نہیں ہے۔ (۲) غیر مقلدوں کے پیچھے حنفی کی نماز جائز ہے۔ (۳) غیر مقلدوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا صحیح نہیں۔ ایسا کہنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ کیونکہ تقلید فی حد ذاتہ کفر نہیں ہے۔ (۴) جائز ہے۔ (۵) جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(۱) ائمہ مجتہدین کی تقلید درست ہے.
(۲) کیا تقلید ائمہ سے ترک سنت لازم آتا ہے؟
(۳) حضور ﷺ کی وفات کے بعد تقلید ائمہ کی پیروی کیونکر کی جائے؟
(۴) کیا ائمہ نے اپنی پیروی کا حکم دیا ہے؟
(۵) ائمہ اربعہ کس کے مقلد تھے؟
(۶) ائمہ کی بات شریعت کے موافق ہے.
(۷) ائمہ کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف کیوں ہے؟

(السوال) ہمارے یہاں ایک اہل حدیث غیر مقلد مولوی صاحب آئے اور تقریریں فرمائیں جس میں تقلید کی رد اکثر بیان کی۔ اس تقریر سے لوگوں کا دل جانب اہل حدیث ہو گیا اور اہل حدیث بننے کے لئے آمادہ ہیں مگر انتظار آپ کے فتویٰ کا ہے۔ اس لئے ہمارے سوال کا جواب جلدی سے دیویں۔

(۱) کیا تقلید ائمہ اربعہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے ؟
(۲) تقلید ائمہ اربعہ سے بعض فرمان نبوی بھی چھوٹ جاتے ہیں تو کیا رسول کی پیروی چھوڑ کر امام کی پیروی کریں ؟
(۳) رسول مقبول ﷺ کی وفات کے بعد کوئی امام سو برس کے بعد اور کوئی ڈیڑھ سو برس کے بعد پیدا ہوئے تو پھر ان کی پیروی کس طرح کریں ؟
(۴) کیا اماموں نے فرمایا تھا کہ ہماری پیروی کرو ؟
(۵) کیا اماموں کا بھی کوئی امام تھا۔ ہمیں جب ضرورت ہے تو ان کو کیوں ضرورت نہ ہو ؟
(۶) بعض فقہ کی کتابوں میں مسئلہ بیان کرتے ہیں تو ایسا لکھتے ہیں کہ فلاں امام نے ایسا کیا فلاں نے ایسا کہا۔ رسول مقبول نے یہ فرمایا ایسا کیوں نہیں لکھتے ؟
(۷) کوئی امام فرماتے ہیں حرام ہے اور کوئی فرماتے ہیں حلال ہے تو کیا اسلام نے ایسے فرقے بنائے ہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۴۹۲ ابراہیم سلیمان صاحب (سوت) ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۴ مئی ۱۹۳۹ء

(جواب) قرآن مجید میں ہے فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون۔(۱) یعنی (مسلمانو !) تمہیں علم نہ ہو تو اہل علم سے دریافت کرو۔ اہل علم میں حضرات ائمہ مجتہدین بدرجہ اولیٰ داخل ہیں۔ ان کی تقلید کرنا اس بنا پر ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے عالم اور ماہر اور مجتہد تھے۔ وہ جو کچھ کہتے تھے قرآن اور حدیث کے ماتحت کہتے تھے۔ اس لئے ان کی بات خدا اور رسول کے احکام کے خلاف نہیں ہوتی تھی۔
(۲) ائمہ اربعہ کی تقلید سے حدیث نبوی چھوٹ نہیں سکتی کیونکہ ان چار اماموں کو تمام امت نے مانا ہے کہ یہ امام عالم مجتہد متبع قرآن وحدیث تھے۔
(۳) جس طرح رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد کوئی محدث سو برس کے بعد کوئی دو سو برس کے بعد کوئی اس سے زیادہ زمانہ کے بعد پیدا ہوئے اور اس کے بعد انہوں نے حدیث کی کتابیں لکھیں مگر اس سے ان کی کتابیں کمزور اور ناقابل اعتبار نہیں سمجھی گئی۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور امام شافعی ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور خدا نے انہیں عالم اور مجتہد اور امام بنادیا اور انہوں نے قرآن وحدیث سے دین کے مسائل استنباط لئے تو اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں۔
(۴) اماموں نے کہا ہو یا نہ کہا ہو خدا اور رسول نے حکم دیا ہے کہ اہل علم واجتہاد کی پیروی کرو۔
(۵) اماموں کا علم اور قوت اجتہاد۔ دین کو سمجھنے اور مسائل کا استنباط کرنے کے لئے کافی تھی۔ وہ براہ راست قرآن وحدیث کے مقلد تھے اور ہم ان کے ذریعہ سے قرآن وحدیث کے مقلد ہیں۔
(۶) فلاں امام نے ایسا کہا اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں امام نے قرآن وحدیث کا یہ مطلب بیان کیا۔ یہ

۱۔ النحل : ۱۲

مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ فلاں امام نے اپنی طرف سے یہ بات کہی۔
(۷) یہ اختلاف تو صحابہ میں بھی تھا۔اور حدیثوں میں بھی ایسا اختلاف ہے کہ ایک حدیث سے ایک چیز کا جواز معلوم ہوتا ہے اور دوسری سے اسی چیز کا عدم جواز۔ پھر مجتہد کا یہ کام ہے کہ وہ یہ بتائے کہ کون سی حدیث قابل عمل ہے اور کون سی منسوخ یا ماؤل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔دہلی

چاروں اماموں کا مذہب سنت نبوی کے موافق ہے .

(السوال) اہل سنت والجماعۃ کے چار امام ہیں اور چاروں کے چار طریقے ہیں۔ان چاروں میں سے کون سا امام موافق طریق نبوی ہے۔باقی تین کے لئے کیا حکم ہے۔

المستفتی نمبر ۲۸۰۲ محمد انعام الحق،دہلی ۸ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ

(جواب ۳۷۵) ائمہ اربعہ اسلام کے اصول و مبادی میں متفق ہیں۔ایک ذرہ بھر اختلاف نہیں ہے۔ہاں عملی مسائل میں ان کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے۔وہ اختلاف دراصل اسلام میں نہیں ہے۔بلکہ آپس کے دماغی تناسب اور رجحانات کا اختلاف ہے۔رسول کریم ﷺ نے اعمال میں مختلف مدارج تسہیل کی غرض سے طے فرمائے ہیں۔ان مختلف مدارج کی ترتیب نہ معلوم ہونے یا تسلیم نہ کرنے یا مختلف مقاصد پر محمول کرنے کی وجہ سے آپس میں اختلاف ہو گیا۔مگر مآل اور مقصد میں سب متفق ہیں۔اس قسم کا اختلاف ہر نیک سے نیک کام میں ہو جاتا ہے۔مثلاً دس آدمی اس امر میں متفق ہوتے ہوئے کہ محتاج کو کھانا کھلانا ثواب کا کام ہے جب عمل کرنے لگیں تو ایک شخص تو کھانے کی جگہ اس کو نقد پیسے دے دے دوسرا ایک قسم کا کھانا اور تیسرا دوسری قسم کا کھانا دے تو دس آدمیوں کے عمل کی دس صورتیں ہو جائیں گی مگر مقصد میں سب متفق ہیں۔اہل سنت کے چار اماموں میں اسی قسم کا اختلاف ہے۔حقیقت اسلام میں سب متفق ہیں۔عملی فریضے کی عملی صورت میں اختلاف ہے۔اور جو صورتیں اختلاف میں متحقق ہوتی ہیں،وہ سب رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں۔پس ان میں سے کسی ایک صورت کو کسی نے آخری سمجھا اور اس کو عمل کے لئے متعین کر لیا۔کسی نے دوسری صورت کو۔اور کسی نے سب صورتوں کو جائز سمجھ کر عامل کو اختیار دے دیا کہ جو چاہے اختیار کر لے۔مقصود سب کا اتباع سنت نبویہ ہے۔اختلاف اس میں ہے کہ کون سی صورت سنت ہے۔تو یہ اختلاف دین میں نہیں ہے۔بلکہ لوگوں کے خیال اور تتبع اور تلاش میں ہے اور اس کا دین پر کچھ اثر نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔دہلی

مجتہد کی تعریف اور کیا مجتہد ہر زمانے میں ہو سکتا ہے ؟

مجتہد کس کو کہتے ہیں ؟ مجتہد ہر زمانے میں ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں تو کیوں ؟

المستفتی نمبر ۲۵۳۳ محمد ضیاء الحق متعلم مدرسہ امینیہ دہلی مورخہ ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۷۶) مجتہد اس کو کہتے ہیں جس کو قرآن مجید، حدیث شریف اور علوم شرعیہ میں اتنی دسترس ہو کہ وہ احکام شرعیہ کا استنباط کر سکے۔(۱) مجتہد کا وجود ہر زمانے میں ممکن ہے۔ مگر فقہائے کرام نے قرن اول کے مجتہد کے بعد عوام مسلمین کو سلف کے مجتہدین کے اتباع کا حکم اس لئے دے دیا ہے کہ آئندہ دین متین میں ہر مدعی اجتہاد رخنہ اندازی نہ کر سکے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

کیا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے شرعی مسائل اپنی طرف سے بنائے ہیں؟

متعلقہ ائمہ مجتہدین (سوال دستیاب نہیں ہوا)

(جواب ۳۷۷) واضح ہو کہ ہم لوگ حضرت سراج الامۃ امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کے پیرو اور مقلد ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کتاب اللہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ علی صاحبہا افضل السلام واز کی التحیۃ کے اعلیٰ درجے کے عالم اور علوم دینیہ کے اول درجے کے ماہر تھے۔ انہوں نے قرآن پاک اور احادیث سے جو احکام فقہیہ نکال کر فقہ کو مدون کیا ہے وہ صحیح معنوں میں قرآن پاک اور احادیث کا عطر ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ کے لازوال خزانوں سے فقہ فی الدین کا بیش قدر ذخیرہ انہیں عطا فرمایا تھا۔ اور تفقہ فی الدین میں ان کی رفعت شان نہ صرف احناف بلکہ علمائے مذاہب اربعہ کے نزدیک مسلم ہے۔ اس لئے ان کے بتائے ہوئے اور نکالے ہوئے احکام پر عمل کرنا بعینہ قرآن و حدیث پر عمل کرنا ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ہمارا یہ خیال و عقیدہ ہرگز نہیں کہ امام ابو حنیفہ کو منصب تشریع احکام حاصل ہے۔ یعنی احکام شرعیہ محض اپنے قیاس و رائے سے وہ بنا سکتے ہیں یا بناتے تھے۔ یا ان کے احکام بہر صورت واجب التعمیل ہیں، خواہ وہ قرآن و حدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم انہیں معصوم نہیں سمجھتے۔ صحابہ کرام کے برابر نہیں سمجھتے۔ پھر نعوذ باللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر سمجھنا تو کجا۔ وہ صرف ایک امتی تھے۔ بشر تھے۔ لوازم بشریت، خطا و نسیان سے بھی مبرا و منزہ نہ تھے۔ مگر ہاں عالم تھے اور بہت بڑے عالم تھے۔ فقیہ تھے اور کامل فقیہ تھے مجتہد تھے اور مسلم مجتہد تھے۔ مبدا فیاض نے زیور علم و تفقہ تقویٰ و پرہیز گاری سے آراستہ کرنے کے ساتھ ہی انہیں شرف تابعیت بھی عطا فرمایا تھا۔(۳) اور خیر القرون میں ہونے کی بزرگی عطا فرمائی تھی۔ باوجود اس علم و اعتقاد کے وہ ایک انسان تھے۔ اور ان سے غلطی اور خطا ممکن۔ ہمارا یہ اعتقاد بھی ہے کہ ہر کس و ناکس کو یہ مرتبہ اور حق حاصل نہیں کہ ان کے اقوال میں سے کسی قول کو بے اصل یا بے دلیل بتائے یا ان کے کسی قول کو خلاف حدیث ہونے کا الزام لگا کر چھوڑ دے۔ ہمارے مبلغ علم ہی کیا ہیں کہ ہم احادیث کے ناسخ و منسوخ، مقدم و مؤخر، ماول و مفسر اور محکم کو معلوم کر سکیں اور حدیث کی چند کتابیں یا چند رسالے پڑھ کر ایسے مسلم مجتہد کے

۱۔ "وشرط الاجتهاد أن يحوى علم الكتاب بمعانيه اللغوية والشرعية و علم السنة بطرقها و ان يعرف وجوه القياس بطرقها۔" (نور الانوار ص ۲۴۶ ط سعید)

۲۔ اس کی مفصل بحث شامیہ میں ہے دیکھئے: "مطلب القياس بعد عصر الاربع مأة منقطع فليس لاحد أن يقيس" (باب الامامۃ ۱/ ۵۸۹ سعید)

۳۔ "وصح ان أبا حنيفة سمع الحديث من سبعة من الصحابة۔" (الدر المختار، مقدمہ ۱/ ۶۳ ط سعید)

اقوال کی تغلیط اور اس کے تخطیہ پر آمادہ ہو جائیں۔
بزرگان سلف میں سے جو لوگ کہ علوم دینیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اور قدرت نے انہیں خزانہ علوم سے پورا حصہ عطا فرمایا تھا، انہوں نے امام اعظم کے اقوال اور مسائل کو نظر تدقیق و تحقیق سے دیکھا اور جانچا۔ مخالفین کے اعتراضات کی جانچ پڑتال کی اور امام صاحب کے اقوال کے ماخذ نکال کر دکھائے اور ان کے اقوال کو مدلل کر دکھایا۔ ہاں معدودے چند بعض مسائل ایسے بھی ملے کہ ان میں امام صاحب کے قول کے ماخذ پر انہیں بھی پوری اطلاع نہ ملی اور امام ابو یوسف یا امام محمد رحمہما اللہ کے اقوال کو انہوں نے اس مسئلے میں اپنے علم اور خیال کے موافق راجح بتایا تو متاخرین حنفیہ نے بلا تردد ایسے مسائل میں امام صاحب کے قول کو چھوڑ کر ان علمائے اعلام کے قول کے موافق امام ابو یوسف یا امام محمد رحمہما اللہ وغیرہما کے اقوال کو معمول بہا بنالیا۔ فقہ حنفی میں بہت سے مواقع ایسے ہیں کہ ان میں امام صاحب کے قول پر فتویٰ نہیں ہے بلکہ صاحبین وغیرہما کے اقوال مفتی بہا ہیں۔ اور یہ صاف اس امر کی دلیل ہے کہ ہم خدانخواستہ امام ابو حنیفہ کو بالذات واجب الاطاعت نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کا اتباع اور تقلید صرف اسی حیثیت سے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی صراط مستقیم پر چلانے والے ہیں۔ اور شاہراہ سنت پر ہمارے رہبر ہیں۔ اگر کسی موقع پر علمائے متبحرین کاملین کے ارشاد سے امام ابو حنیفہ کے اقوال کا ماخذ ہمیں معلوم نہیں ہوتا اور صاحبین وغیرہما کا قول بظاہر زیادہ اوفق بالکتاب والسنۃ ہوتا ہے تو ہم وہاں امام صاحب کے قول پر اصرار نہیں کرتے بلکہ صاحبین وغیرہما کے قول پر عمل کر لیتے ہیں، کیونکہ مقصود اصلی اتباع خدا اور رسول ہے۔

مگر اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ جو مسائل امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ میں مختلف فیہا تھے اور اس میں امام صاحب کی قوت اجتہادیہ نے ایک طرف پر فیصلہ کیا اور امام شافعی کی قوت اجتہادیہ نے دوسری طرح فیصلہ کیا اور یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ امام شافعی نے جن احادیث کی بنا پر یہ حکم دیا ہے کہ وہ حدیثیں امام صاحب کو پہنچیں مگر پھر بھی امام صاحب نے ان کا وہ مطلب نہیں سمجھا اور نہ ان کے نزدیک وہ اس حکم کے اثبات کے لئے کافی ہوئیں جو حکم امام شافعی نے ان کی بموجب دیا ہے تو ایسے مسائل میں ہماری یعنی حنفیہ کے ذمہ لازم ہے کہ (ناتمام)

حنفی مذہب چھوڑ کر شافعی مذہب اختیار کرنا .

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۲۷ء)

میرا ارادہ ہے کہ میں شافعی مذہب میں ہو جاؤں۔ کوئی کتاب ایسی ہووے جس میں مفصل چاروں مذاہب کا خلاصہ ہو اور میں اب تک حنفی مذہب پر رہا۔

(جواب ۳۷۸) کیوں حنفی مذہب چھوڑ کر شافعی ہو جانے کا ارادہ کیوں ہے؟ ایسی کیا ضرورت پیش آئی ہے؟

محمد کفایت اللہ غفرلہ، دہلی

پندرھواں باب
متفرقات

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کو لوگوں کے گناہوں کا کفارہ کہنا باطل اور بے ہودہ خیال ہے۔

(السوال) عامہ مسلمین کی ایک کثیر جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح امت محمدیہ کے گناہوں کا کفارہ ہوگئے اور محض حضرت امام کی شہادت کی وجہ سے ہزارہا سیاہ کاران امت بہشت میں داخل ہوں گے۔ چونکہ یہ عقیدہ عام ہوتا جاتا ہے۔ اور ایک گروہ کثیر اس کی جانب رغبت رکھتا ہے بلکہ اس کو بالکل سچ سمجھتا ہے لہذا ضرورت ہے کہ گہری تنقیدی نظر ڈالی جائے تاکہ جہلا کے عقائد درست ہوں۔

(جواب ۳۷۹) قال اللہ تعالیٰ لا تزر وازرۃ وزر اخری(۱) یعنی ایک کا گناہ دوسرا نہیں اٹھائے گا۔ یہ نص قرآنی اس بارے میں صریح ہے کہ اصول اسلام کے بموجب کفارہ کا خیال غلط اور محض باطل ہے۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ مسیح گناہگاروں کے گناہوں کا کفارہ بن گئے خود ان کا تراشیدہ عقیدہ ہے۔ عقل اور قوانین الٰہیہ کے خلاف ہے۔ زید کے بدلے عمرو کو پھانسی دینا یا سزا دینا کسی عقلمند کے نزدیک جائز نہیں۔ پس احکم الحاکمین کا عدل ایسے ظلم کو کیسے جائز رکھ سکتا ہے۔ اور اسلام کا مسئلہ شفاعت اس مسئلے سے بالکل جدا ہے۔ کفارہ کو شفاعت پر قیاس کرنا غلط ہے۔ شفاعت کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی مقرب بارگاہ خداوندی کسی گناہگار کے متعلق بارگاہ قدسی میں اس کے گناہ معاف کئے جانے کی درخواست کرے۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی عقلی قباحت نہیں ہے۔ کیونکہ سزا دینا خداوند تعالیٰ کا حق ہے۔ اور صاحب حق سے معافی طلب کرنا اور عفو کی درخواست کرنا کسی طرح ظلم یا ناانصافی میں داخل نہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا شفاعت کو قبول فرمالینا یہ ہے کہ وہ اپنے حق کو معاف فرما دے۔ اور صاحب حق کا اپنے حق کو معاف فرما دینا رحم و شفقت ہے نہ ظلم و ناانصافی۔ اور کفارہ کی حقیقت یہ ہے کہ زید عمرو وغیرہ نے گناہ کئے اور مستحق سزا ہوئے لیکن خدا نے ان کے بدلے میں ایک ناکردہ گناہ کو پکڑ لیا اور ان کے گناہوں کی سزا اس کو دے دی۔ یہ صریح ظلم ہے جو خدا تعالیٰ کی مقدس ذات سے بالکل ناممکن ہے۔ نیز یہ کہنا کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت امت محمدیہ کے گناہوں کا کفارہ ہوئی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ کے گناہگاروں کے گناہوں کی سزا امام حسین علیہ السلام کو دے دی۔ اور یہ خیال سراسر باطل اور بیہودہ ہے۔ اول تو یہ کہ اس کے لئے کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ کیا امت محمدیہ ﷺ حضرت امام حسین علیہ السلام سے زیادہ خدا کے نزدیک پیاری ہے کہ اس کے بلا ان کے سر ڈال دی گئی حضرت امام حسین رسول مقبول ﷺ کے جگر گوشہ اور نواسے اور محبوب تھے۔ اور امت اگرچہ امت ہونے

---

(۱) الاسراء : ۱۵

کی جہت سے آپ کو پیاری ہے لیکن نہ اتنی پیاری کہ آپ کے جگر گوشہ کو امت پر سے قربان کر دیا جائے ۔ الغرض یہ خیال اور عقیدہ شریعت محمدیہ کے سراسر مخالف ہے اور نصوص قرآنیہ سے بالکل مباین۔ اس سے توبہ کرنا چاہئے۔

کسی خاص چشمے میں شفا کی نیت سے نہانے کو شرک کہنا .

(السوال) ایک جگہ خلق خدا نے مقرر کی ہے کہ اگر کوئی شخص اس جگہ کے چشمہ میں نہائے تو اس کی بیماری دور ہو جاتی ہے جس پر ایک شخص مدعی ہے کہ یہ شرک ہے۔ حکیم کا علاج کرنا چاہئے۔

(جواب ۳۸۰) بعض چشمے ایسے ہوتے ہیں کہ بعض قدرتی نامعلوم اسباب کی وجہ سے ان کے پانی میں کوئی خاص تاثیر ہوتی ہے ۔ پس اگر شہادت تجربہ سے کسی چشمے کے پانی میں کوئی خاص تاثیر ثابت ہو جائے تو اس میں نہانے کا حکم وہی ہے جو دوا و علاج کرنے کا ہے۔ اور اسے شرک کہنے والا غلط کہتا ہے۔ لیکن پانی میں اگر کوئی خاص تاثیر نہ ہو مگر لوگ اسے متبرک اور بزرگ پانی سمجھ کر نہاتے ہوں تو اگر اس کی برکت اور بزرگی کے لئے کافی وجہ ہو۔ جیسے آب زمزم اور شفاء دینے والا خدا کو ہی سمجھیں تاہم جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی کافی وجہ بزرگی اور برکت کی نہ ہو یا اس چشمے کی نسبت یہ عقیدہ ہو کہ حقیقی شفاء دینے والا یہی ہے تو نہانا جائز نہیں ہے اور یہ دوسرا خیال شرک ہے۔

کیا ہر شہر اور بستی میں قطب کا ہونا ضروری ہے ؟

مسلمانوں میں بہت سے لوگوں میں یہ خیال پختہ ہے کہ ہر شہر اور قریہ میں ایک قطب کا ہونا لازمی ہے۔ کیا یہ واقعہ ہے ؟ اگر ہے تو جہاں مسلمانوں کی آبادی بالکل نہیں جیسے یورپ اور امریکہ کے بعض شہر تو کیا وہاں بھی قطب ہوتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۱۸۹ ا اسمعیل ابراہیم محمدی ۱۱ شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۷ جنوری ۱۹۳۴ء

جواب ۳۸۱) ہر شہر اور قریہ میں قطب کا ہونا روایات صحیحہ سے ثابت نہیں۔ ہاں جہاں مسلم آبادی ہو ان میں خدا کے مقبول بندے بھی ضرور ہوتے ہیں گو وہ عام لوگوں کو معلوم نہ ہوں۔ بعض اولیاء اللہ اصحاب خدمت ہوتے ہیں اور اکثری طور پر وہ لوگوں کی واقفیت سے باہر ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد اور ان کے نظم کے متعلق بھی کوئی صحیح معلومات نہیں ہیں۔ اہل تصوف نے ابدال او تاد اقطاب کے درجے مقرر کئے ہیں اور ان کی تعداد اور نوعیت خدمات کے متعلق کچھ بزرگوں کے مکاشفات ہیں۔ تاہم یہ کوئی عقائد کی بات نہیں۔(۱) اللہ پر ہی اس کے علم کو مفوض کرنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) "هي ظنيات لا تسمى علوما يقينا." (مرقاة، بحث كشف الاولياء والهام، ج ۱ ص ۶۶ ط امدادیہ)

۲۹ کے چاند کی خبر سن کر افطار کرانا جائز نہیں .

(السوال) ایک مولوی نے یہ خبر سنی کہ دہلی سے تار آیا ہے کہ وہاں انتیس کا چاند ہو گیا ہے۔ اسی خبر پر اس نے روزے افطار کرا دیئے اور عید کر لی اور یہ کہہ دیا کہ اس کا تمام گناہ میرے ذمہ ہے۔ آیا اس تار کی خبر پر روزے افطار کرانا اور اپنے ذمہ گناہ لینا درست ہے ؟

(جواب ۳۸۲) صرف اس طرح خبر سن کر کہ دہلی سے تار آیا ہے کہ وہاں چاند انتیس کا ہو گیا ہے روزے افطار کر ڈالنا اور عید کر لینا ہرگز درست نہیں۔ عید کے چاند کے ثبوت کے لئے دو عادل آدمیوں کی گواہی شرط ہے۔ صورت مسئولہ میں اول تو تار خود اپنے پاس نہیں آیا۔ اور پھر اگر اپنے پاس بھی آئے جب بھی چونکہ تار میں کمی بیشی اور غلطی ہوتی رہتی ہے اس لئے وہ ثبوت رویت ہلال کے واسطے کافی نہیں۔ وان کان بالسماء علة لا تقبل الا شهادة رجلین اورجل و امرء تین و یشترط فیه الحریة ولفظ الشهادة كذافي خزانة المفتين و تشترط العدالة هكذا في النقاية انتهى مختصرا (ہندیہ(۱) ص ۲۱۰ ج ۱) اور کسی شخص کا نعوذباللہ یہ کہنا کہ روزے افطار کر لو اس کا تمام گناہ میرے ذمہ ہے بہت بڑی دیدہ دلیری ہے۔ بلکہ اس میں خوف کفر ہے کس میں اتنی طاقت ہے کہ عذاب خداوندی کا متحمل ہو سکے۔ ایسی باتوں سے احتراز واجب ہے۔

ردّ منکرات حسب الاستطاعت ضروری ہے۔

(السوال) کسی منکر (برا فعل بری رسم) کا ازالہ بروئے شریعت اسلامیہ ضروری ہے یا نہیں ؟ کسی شیخ یا پیر کا اپنی جماعت کو یہ ہدایت کرنا کہ صرف میری جماعت سے رشتہ نکاح قائم کرو دوسرے مسلمانوں سے یہ تعلق قائم نہ کیا جائے۔ یا اس کی جماعت اپنے طور سے یہ عقیدہ قائم کر لے۔ ایسا عقیدہ ایسا حکم بروئے شریعت منکرات میں داخل ہے یا نہیں ؟ منکرات کے ازالہ اور دور کرنے کی کیا صورت ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۲۸ محمد الدین نصیر آبادی ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۳ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۸۳) یہ ہدایت اور تلقین اگر اس بنا پر ہے کہ اپنی جماعت کے سوا دوسرے مسلمانوں کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کرنے کو وہ ناجائز قرار دیتا ہے تو یہ حکم شریعت کی صریح خلاف ورزی ہے۔ منکر سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔ اگر وہ اتفاقی طور پر منکر ہیں تو ہر مسلمان کو ان کے روکنے کی سعی کرنی چاہئے اور اگر اختلافی ہیں تو اپنے فریق میں روک سکتے ہیں۔ مثلاً کچھوے کا گوشت کھانا حنفیہ کے نزدیک منکر ہے شوافع کے نزدیک منکر نہیں۔ (۲) تو حنفیوں کو روکنا اور منع کرنا درست ہے۔ شوافع کو ہم نہیں روک سکتے۔ ازالہ منکر کی وہ صورتیں جو ہماری استطاعت میں ہوں اختیار کرنی جائز ہیں۔ اور وہ زبانی نصیحت و تبلیغ، کبائر کے لئے مقاطعہ معاشرتی کی صورت ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ

۱۔ الهندية، الباب الثاني في رؤية الهلال : ۱ / ۱۹۸ ط کوئٹہ)

۲۔ "وعند الثلاثة يحل والسلحفاة الخ" (تنویر الابصار، کتاب الذبائح : ۶ / ۳۰۴، ۳۰۵ ط سعید)

کیا شریعت کے احکام تمام مسلمانوں پر یکساں ضروری ہیں ؟

(السوال) شریعت کے احکام امیر و غریب دونوں پر یکساں ہیں یا اس میں کچھ تفاوت ہے ؟

(جواب ۳۸۴) بعض احکام میں فرق ہے۔ مثلاً فقیر پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ حج فرض نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

کیا لفظ ”غفران پناہ“ غیر خدا پر بولا جاسکتا ہے ؟

لفظ غفران پناہ غیر خدا پر بولا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۰۷۵ سیٹھ عبدالستار صاحب (سورت) ۸ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ

مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۸۵) جب کہ غفران پناہ غیر خدا کے لئے استعمال کیا جائے مثلاً یوں کہیں زید غفران پناہ تو اس کے معنی یہ ہوں گے زید جس کی پناہ غفران ہے یعنی حضرت حق کی مغفرت اور بخشش اس کی پناہ گاہ ہے تو یہ معنی صحیح اور درست ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(۱) شہداء کربلا کے مبالغہ آمیز حالات بیان کرنا جائز نہیں .
(۲) یزید کو کافر کہنے کا حکم .

(السوال) (۱) عاشورہ کے دس روز کے وعظ میں یہاں گشتی مولوی نے وعظ کہا جس میں شہدائے کربلا کے حالات بہت مبالغہ آمیز اور غم واندوہ کے جذبات کو مشتعل کرانے والے الفاظ میں مرثیہ اور نوحے وغیرہ کے اشعار ملا کر بیان کئے۔ مذہب اہل سنت والجماعت کے مطابق ایسے طرز پر بیان کرنا جائز ہے یا نہیں (۲) یزید کو کافر کہہ سکتے ہیں یا نہیں اور اس پر لعنت کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۱۶۵ عبدالرحمٰن و محمد حسین صاحبان (سادہ) ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ

مطابق ۲۵ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۸۶) مبالغہ آمیز حالات بیان کرنا اور لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔
(۲) یزید کو کافر کہنا احتیاط کے خلاف ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

کیا علامہ شبلی نے اپنے کفریہ عقائد سے توبہ کی ہے ؟

آج کل اکثر اخبارات و رسائل میں تکفیر کے جھگڑے دیکھے جاتے ہیں۔ علمائے حق میں سے اکثر لوگ مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین فراہی کو کافر سمجھتے ہیں اور اکثر لوگ اس کے مخالف ہیں جیسے حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی۔ اس کی متعلق حضور کا کیا خیال ہے۔ کیا واقعی وہ لوگ قابل تکفیر ہیں۔

اس مضمون کے زیر عنوان حضور نے جواب عنایت فرمایا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضرت کے فتویٰ سے مولانا حمید الدین فراہی اور دیگر کارکنان مدرستہ الاصلاح کی بریت تو ثابت ہوتی ہے۔

مگر مولانا شبلی صاحب کی بریت ثابت نہیں ہوتی ۔بعض لوگ مولانا کے فتویٰ سے تاویل کرتے ہیں کہ مولانا نے مولانا سید الدین صاحب فراہی اور مدرسۃ الاصلاح کے دیگر کارکنوں کی تکفیر کے لئے میری نظر میں شرعی وجوہ نہیں ہیں لکھا ہے تو اس جگہ پر لفظ دیگر مولانا شبلی کو کسی طرح شامل ہی نہیں ہو سکتا اور لفظ کارکنان بھی اسی طرح مولانا شبلی کو شامل نہیں۔اب دریافت طلب یہ ہے کہ مولانا شبلی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔اور ظاہر ہے کہ مولانا شبلی صاحب مادہ کو غیر حادث اور نبوت کو اکتسابی مانتے تھے جیسا کہ ان کی کتابوں میں مصرح ہے۔پس ایسے شخص کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔

المستفتی نمبر ۱۱۷۹ حافظ محمد رفیق صاحب (شہر مانڈلے برما) ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۸۷) مولانا شبلی مرحوم کی ایک تحریر مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے شائع کی ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ مولانا شبلی نے مادہ کے قدیم ہونے اور نبوت کے اکتسابی ہونے کے عقیدے سے تبری کی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس تحریر کو نظر انداز کر دیا جائے۔اس لئے مولانا شبلی کی تکفیر نہ کرنی چاہئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔دہلی

علامہ شبلی کے بارے میں فتویٰ کے متعلق وضاحت .

(السوال) گذارش یہ ہے کہ آپ کا ارسال کردہ فتویٰ موصول ہوا جس کو پڑھ کر مضمون مافیہا سے آگاہ ہوا آنجناب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ مولانا شبلی کی ایک تحریر مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے شائع کی ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ مولانا شبلی نے مادہ کے قدیم ہونے اور نبوت کے اکتسابی ہونے کے عقیدے سے تبری کی ہے۔کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس تحریر کو نظر انداز کر دیا جائے۔اس لئے مولانا شبلی صاحب کی تکفیر نہ کرنی چاہئے۔خیر یہ تو معلوم ہوا مگر اب چند شبہات در پیش ہیں۔امید کہ آپ ان کا ازالہ فرمائیں گے۔اولاً تو یہ کہ آپ نے اس سے پہلے فتویٰ میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ کفر کا معاملہ بہت سخت اور واجب الاحتیاط ہے۔بے شک یہ لکھنا آپ کا بہت ہی درست ہے اور کتب فقہ اس مسئلہ سے پر ہیں تاوقتیکہ کوئی تاویل موجود ہو کسی مسلمان کو کافر نہیں کہنا چاہئے۔اب اس میں یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ حکم عام ہے یا خاص۔اگر عام ہے تو حضرت والا سے دریافت ہے کہ جس زمانے میں آپ نے مولانا شبلی صاحب پر کفر کا فتویٰ دیا تھا وہ کس دلیل سے اور اس وقت یہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کہاں تھے جو اس تصریح کو شائع نہیں فرمایا۔نیز آپ نے ان سے تبادلہ خیال کیوں نہیں کیا اور بغیر تحقیق کئے ہوئے ایک مسلمان کی تکفیر کر دی مسلمان ہی نہیں بلکہ علامہ زماں جس کو آج تک دنیا کافر ہی سمجھتی ہے اور ایک مسلمان کو کافر کہنا کتنے بڑے ظلم کی بات ہے حالانکہ وہ کافر نہیں اور علامہ سید سلیمان ندوی نے جو کچھ اخبار الجمعیۃ اور مدینہ میں شائع کیا ہے اولاً تو اخباری چیزیں صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہیں۔عامہ مسلمین اس تحریر سے مطمئن نہیں اس لئے کہ آپ کا وہ فتویٰ بھی نظروں کے سامنے ہے۔اس کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس لئے آپ پر یہ واجب اور لازم ہے کہ اپنے سابق فتویٰ کی تردید شائع کر دیں تاکہ عامہ مسلمین اس

گناہ سے بری ہو جائیں یعنی ان کو کافر نہ سمجھیں۔

المستفتی نمبر ۱۲۰۲ حافظ محمد رفیق صاحب (شہر مانڈلے برما) ۹ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۸۸) میرا پہلا کون سا فتویٰ تکفیر کا ہے جس کا آپ حوالہ دیتے ہیں۔ اگر ۱۳۳۲ھ کا مطبوعہ فتویٰ مراد ہے تو اسے غور سے پڑھئے اور یہ بھی لحاظ رکھئے کہ اس کے بعد عرصہ تک علامہ شبلی زندہ رہے اور توفیق الٰہی ایک آن میں ملحد کو تائب کر سکتی ہے۔ میں اب بھی کہتا ہوں کہ جو شخص مادہ کو قدیم مانے اور خدا کو فاعل بالاضطرار جانے نبوت کو اکتسابی کہے وہ ملحد ہے(۱) ۱۳۳۲ھ کا فتویٰ الزامی طور پر مرحوم کی تحریرات سے عائد کیا گیا تھا۔ لیکن اگر اس کے بعد انہوں نے تبری کی ہو جیسا کہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے شائع کی ہے تو اسے نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

علامہ شبلی کی عدم تکفیر کا مسئلہ .

(السوال)(۱) آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ میرا پہلا کونسا فتویٰ تکفیر کا ہے جس کا آپ حوالہ دیتے ہیں۔ اگر ۱۳۳۲ھ کا مطبوعہ فتویٰ مراد ہے تو اسے غور سے پڑھئے اور یہ بھی لحاظ رکھئے کہ اس کے بعد عرصہ تک علامہ شبلی زندہ رہے اور توفیق الٰہی ایک آن میں ملحد کو تائب کر سکتی ہے۔ بے شک یہ لکھنا آپ کا بہت ہی درست ہے۔ مگر اب یہ دیکھنا ہے کہ ان کو بھی توفیق الٰہی ہوئی یا نہیں اور انہوں نے توبہ بھی کی یا نہیں اگر یہ کہا جائے کہ وہ تائب ہو گئے تھے تو اس کا کیا ثبوت ہے اور انہوں نے اپنی کس تصنیف اور کس کتاب اور کس صفحہ پر اپنے سابق عقائد کی تبری کی ہے۔ براہ کرم اس کا حوالہ دیں۔ جس تصریح کا آپ بار بار حوالہ دیتے ہیں اس تصریح کو تو آپ خود رد کر چکے ہیں اور وہی تصریح ہے جس کے سائل سید عبدالسلام صاحب مالک مطبع فاروقی دہلی ہیں اور مجیب علامہ شبلی فقط فرق یہ ہے کہ اس وقت اس کو شائع کرنے والے علامہ سید سلیمان صاحب ندوی ہیں۔ نیز آپ نے اس تحریر کو اپنے مطبوعہ فتویٰ کے شروع میں نقل کر کے اس کی کماحقہ تردید کر دی ہے۔ اب اس کے بار بار حوالہ دینے کا کیا معنی۔ اور فتویٰ سے وہی فتویٰ مراد ہے جس کو آنجناب نے ۱۳۳۲ھ میں مرتب فرمایا تھا تو انہوں نے اس کی کسی مقام پر تبری کی ہے براہ کرام اس کا حوالہ دیجئے معہ کتاب اور صفحہ کے اور حوالہ بھی اس تحریر کے علاوہ ہو۔ کیونکہ یہ تحریر تو خود آپ کے نزدیک غیر مسلم ہے تو دوسروں کے لئے آپ کے نزدیک کیونکر مفید ہونے لگی۔

(۲) اگر یہ صحیح ہے کہ انہوں نے اپنی سابق تحریرات سے رجوع نہیں کیا پس ایسے شخص کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے جو نبوت کو اکتسابی اور مادہ کو غیر حادث اور غیر مخلوق اور خدا کو فاعل بالاضطرار جانتا تھا۔

المستفتی نمبر ۱۲۵۵ حافظ محمد رفیق صاحب (شہر مانڈلے) ۲۸ رمضان ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

۱۔ "الملحد هو من مال عن الشرع القويم الى جهة من جهات الكفر ...... ولا بوجود الصانع۔" (ردالمحتار باب المرتد مطلب فی الفرق بین الزندیق الخ : ۴/ ۲۴۱ ط سعید)

(جواب ۳۸۹) جناب محترم دام فضلہم۔ بعد سلام مسنون میں جس قدر لکھ چکا ہوں وہی کافی ہے۔ تکفیر مسلم میں انتہائی احتیاط کرنی چاہئے۔(۱) میں نے ان کے جواب پر جو کچھ لکھا تھا وہ الزاما تھا اور خود اپنی طرف سے تکفیر نہیں کی تھی۔ اور اگر علامہ شبلی ان عقائد سے تبری کرتے ہیں تو ان کی طرف ان عقائد کی نسبت کر کے ان کی تکفیر کا اپنی طرف سے حکم لگانا احتیاط کے خلاف ہے اور وہ بھی اب کہ ان کے انتقال کو سالہا سال گذر چکے ہیں یہ صحیح ہے کہ نبوت کو اکتسابی ماننا اور مادہ کو غیر حادث کہنا اور خدا کو فاعل بالاضطرار بتانا یہ عقائد کفریہ ہیں اور ان کے عقائد کفریہ ہونے کو علامہ شبلی بھی تسلیم کرتے ہیں تو ضرور ہے کہ وہ اپنی پہلی عبارتوں کو ماول یا منقول یا منسوخ قرار دیتے ہیں۔ تو عدم تکفیر کے لئے اتنی کافی ہے۔		محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

کیا درج ذیل عبارت لکھنے والا کافر ہے ؟

(السوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مضمون ذیل مطبوعہ کے متعلق جو مجلسہ رائے عالی کے لئے پیش کیا جاتا ہے کیا ایک سیکنڈ بھی خدا ہونا خدائی کا اہل اپنے تئیں سمجھنا شرک و کفر نہیں ہے۔ اور یہ الفاظ کہ "چالیس روز تک یہ بوجھ اٹھا سکتا ہوں۔ ہاں مجھ میں اس بار کے تحمل کی ہمت ہے۔ تو دیکھے گا کہ میری چالیس روز کی خدائی کیسی آن بان کی ہوتی ہے۔"

المستفتی نمبر ۱۲۰۳ سید فدا حسین صاحب (جامع مسجد دہلی) ۱۰ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۷ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۹۰) میں نے خواجہ حسن نظامی کا سفر نامہ نہیں پڑھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ محولہ بالا عبارت اس میں ہے یا نہیں۔ اور ہے تو اس کا اسلوب و محل بیان کیا ہے۔ منقولہ عبارت جتنی اس میں موجود ہے۔ یہ ایک شاعرانہ تخیل کا انداز رکھتی ہے۔ اور خود اس عبارت کے آخر میں اس کی حیثیت ایک مجذوبانہ گفتگو کی ظاہر کی گئی ہے اور اس کے متکلم کو حد سے گذرنے والا بندہ کہا ہے۔ اس لئے اس پر کفر یا ارتداد کا حکم نہیں کیا جا سکتا ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ انداز تحریر ایک غیر مجذوب کے لئے حالت اختیار میں شایان اسلام نہیں کہ عوام کے لئے موجب گمراہی ہو سکتا ہے۔ فقط۔		محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(۱) قبر والے سے مدد مانگنا جائز نہیں۔
(۲) گیارھویں دینے کا حکم۔
(۳) مسلمان کے عقائد کس قسم کے ہونے چاہیں ؟

(السوال) (۱) کسی قبر پر جا کر قبر والے سے کہنا۔ اے فلاں۔ اللہ سے میرا فلاں کام کرا دو۔ کیا جائز ہے یا ناجائز۔

۱۔"واعلم انه لا يفتى بكفر مسلم ان امكن حمل كلامه على محمل حسن او كان فى كفره خلاف" (التنویر و شرحہ، باب المرتد: ۴/ ۲۲۹ سعید)

(۲) گیاھویں دینا جائز ہے یا ناجائز۔ (۳) انسان مسلم کے عقائد صحیح کیا ہونے چاہئے۔

المستفتی نمبر ۱۵۷۲ عبد المجید صاحب (آگرہ) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۶ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۹۱) (۱) قبر پر جاکر صاحب قبر سے یہ کہنا کہ اللہ سے میرا فلاں کام کرا دو جائز نہیں کیونکہ کسی کو اللہ سے کام کرا دینے کی قدرت نہیں۔(۱) اور اگر یہ مطلب ہو کہ اللہ سے دعا کرو کہ وہ اپنی رحمت سے میرا کام کر دے۔ یہ بھی مفید نہیں۔ کیونکہ اصحاب قبور کا سماع ثابت نہیں(۲) پس ہر حاجت مند کو اللہ تعالیٰ سے ہی سوال اور دعا کرنا چاہئے۔ یہی ہمارے سید و مولیٰ خاتم الانبیاء ﷺ کی ہمیں تعلیم ہے۔ (۲) گیارھویں دینے کا شریعت مقدسہ میں کوئی حکم اور کوئی ثبوت نہیں ۔ حضور ﷺ اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام سے یہ امر ثابت نہیں اور نہ ان میں سے کسی کی تاریخ ہائے وفات پر کوئی عمل منقول و معمول ہے۔(۳) (۳) ایک مسلمان کا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق و رازق اور تمام حاجتیں پوری کرنے والا، ہر شخص کی دعا سننے والا اور رحمت سے قبول کرنے والا ہے۔ انبیاء کرام اس کے پیغامبر اس کی ہدایت اور وحی کو مخلوق تک پہنچانے کے لئے آئے تھے۔ انبیاء سب معصوم تھے۔ اور اولیاء کرام خدا کے مقبول بندے ہیں مگر خدا کی مرضی کے بغیر نہ کچھ کر سکتے ہیں نہ کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اتباع سنت میں نجات ہے۔ اور ہر بدعت سیئہ گمراہی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(۱) خواجہ باقی باللہ کے مزار میں قدم شریف کی حقیقت .
(۲) گیارھویں شریف کی حقیقت کیا ہے ؟
(۳) مزارات پر پھول، چراغ اور چادر چڑھانا ناجائز ہے .

(السوال) (۱) قبرستان نبی کریم (خواجہ باقی باللہ) میں جو قدم شریف ہے اس کی سند کے بارے میں جناب والا کا کیا خیال ہے۔ (۲) گیاھویں شریف کی کیا حقیقت ہے۔ (۳) مزارات پر پھول چڑھانا چراغ جلانا چادر چڑھانا کیسا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۶۴۱ بشیر احمد صاحب۔ مالک فیض عالم دواخانہ۔ پہاڑ گنج نئی دہلی۔ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۷ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱) یہ قدم شریف جو مزار شریف میں لگا ہوا ہے، مجھے اس کی سند کے متعلق کوئی معلومات نہیں۔ اللہ کو علم ہے کہ اس کی کوئی قابل وثوق سند ہے یا نہیں۔ مگر دہلی میں بعض بزرگوں کے کشف سے اس کے بعض آثار برکت منقول ہیں۔ کشف اصول شریعت میں صاحب کشف کے سوا دوسروں کے لئے حجت نہیں۔(۴)

۱۔ "من ذاالذی یشفع عندہ الا باذنہ۔" (البقرۃ، آیت الکرسی پارہ ۳، رکوع ۲)

۲۔ "انک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء" (الروم : ۵۲)

۳۔ "مقرر کردن روز سوم وغیرہ با تخصیص و اورا ضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت نیست۔" (مجموعۃ الفتاویٰ علی حاشیہ خلاصۃ الفتاویٰ : ۱ : ۱۹۵ ط امجد اکیڈمی)

۴۔ والھام الاولیاء حجۃ فی حق انفسھم ان وافق الشریعۃ ولم یتعد الی غیر ھم الا اذا اخذنا بقولھم بطریق الادب۔" (نور الانوار، مبحث افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۱۵ ط سعید)

(۲) گیارھویں کاالتزام اور اس تاریخ کی تخصیص اصول شریعت کے خلاف ہے۔(۱) (۳) مزارات پر پھول چڑھانا۔(۲) چراغ جلانا (۳) چادر چڑھانا (۴) ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں مشرکانہ حکایت بیان کرنے والے امام کا حکم .

(السوال) امام نے خطبہ اولیٰ جمعہ عربی میں پڑھنے کے بعد اردو میں تقریر کرتے ہوئے بیان کیا کہ محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے خدا کو دیکھا۔ خدا نے پوچھا اے محی الدین کیا چاہتے ہو فرمایا کہ تیرے پاس رکھا ہی کیا ہے جو تو دے گا۔ نبوت، رسالت شہادت سب ختم ہی ہو چکا ہے۔ تب خدا نے فرمایا کہ اپنی قادریت میں نے تجھ کو دی۔ اس لئے عبدالقادر ان کا نام ہوا۔ کیا ازروئے شرع محمدی درست ہے۔ اور ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے۔

المستفتی نمبر ۱۷۵۶ حکیم عبدالغفور صاحب (ضلع بھاگلپور) ۸ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۹۳) یہ روایت غلط اور مشرکانہ مضمون پر مشتمل ہے۔ ایسے امام کی امامت بھی مکروہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

ایک سو تمیں فرائض پر اعتقاد نہ رکھنے والا گناہ گار ہے .

(السوال) بعض الناس يقول ان مائة وثلثين مسئلة من عظائم فرائضه ومن لم يعتقد هاكان من الأثمين . وتلك المسائل هذه :۔

(۱) ستون فرضافی صوم رمضان (۲) سبعة عشر فرضافی عد دركعات الصلوة الخمس (۳) ثلثة عشر فرضا فی شرائط الصلوة واركنها (۴) ثلثة فی الغسل (۵) وثلثة فی التيمم (۶) اربعة فی الوضوء (۷) وخمسة فی معرفة اوقات الصلوة (۸) وخمسة فی نية الصلوة الخمس (۹) سبعة فی اركان الايمان (۱۰) خمسة فی اركان الا سلام (۱۱) اربعة فی معرفة مذاهب الا ربعة (۱۲) اربعة فی معرفة رسول الله صلی الله عليه وسلم

(ترجمہ) ایک شخص کہتا ہے کہ ایک سو تمیں مسائل بہت اہم ہیں۔ جو شخص ان پر اعتقاد نہ رکھے وہ گنہگار ہوگا۔ وہ یہ ہیں :۔

---

(۱) "مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص وا ورا ضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت نیست" (تحفۃ الفتاویٰ علی حاشیہ خلاصۃ الفتاویٰ ۱۹۵:۱ ط امجد اکیڈمی)
(۲) دیکھئے ص ۳۲۹ حاشیہ ۲۔
(۳) "واعلم ان النذر الذی يقع للاموات من اكثر العوام وما يوخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الی ضرائح الاولياء ... الكرام تقربا اليهم فهو بالا جماع باطل و حرام" (ردالمحتار ۴۳۹/۲ ط سعید)
(۴) وفی الاحكام عن الحجة : نكره الستور على القبور اه (ردالمحتار ۲۳۸:۲ ط سعید)

(۱) رمضان کے روزوں میں ساٹھ فرض ہیں۔ (۲) پنج وقتہ نماز کی رکعات میں سترہ فرض ہیں۔ (۳) شرائط نماز اور ارکان نماز میں تیرہ فرض (۴) تین فرض غسل میں۔ (۵) تین فرض تیمم میں۔ (۶) چار فرض وضو میں۔ (۷) پانچ فرض اوقات نماز کا جاننا۔ (۸) پانچ فرض پانچ نمازوں کی نیتیں۔ (۹) سات ارکان ایمان میں (۱۰) پانچ ارکان اسلام میں (۱۱) چار فرض چار مذاہب کا جاننا (۱۲) چار فرض رسول اللہ ﷺ کی معرفت ہیں۔

المستفتی نمبر ۲۹۷ محمد عبدالملک صاحب (بریسال) ۱۳ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۹٤) عبادات کے فرائض واجبات اور سنن کا علم تو بے شک چاہئے ۔ لیکن فرائض کی یہ تفصیل جو سوال میں مذکور ہے فضول تطویل ہے۔ رمضان میں ساٹھ فرض اس کا مطلب دو فرض کہہ کر بھی ادا ہو سکتا ہے ۔ایک نیت دوسرے رمضان کے روزے۔ اسی طرح دوسرے فرائض کو سمجھئے۔ اور چار مذاہب کا علم ہونا۔ اس کو فرائض میں داخل کرنے کا مطلب بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ اسی طرح دوسرے نمبروں میں بھی غیر معروف اور غیر مقبول باتیں ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

کیا اولیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں ؟

اولیاء اللہ قبر میں زندہ ہیں یا نہیں۔

المستفتی نمبر ۲۳۱۸ اے۔ سی۔ منصوری (بمبئی) ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۵ جون ۱۹۳۸ء

(جواب شہیدوں کی حیات تو ثابت ہے۔ (۱) اولیاء اللہ کی حیات شہیدوں کی طرح نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

(۱) مشرکانہ افعال کرنے والے سے کس طرح کا برتاؤ کیا جائے ؟
(۲) علی الاعلان زنان کار سے بائیکاٹ ضروری ہے .

(السوال) ایک شخص مسلمان مسمی زید ہندوؤں کے دیوتاؤں کے تھان پر جاکر حسب رسم اہل ہنود سلام وغیرہ کرے اور منت وغیرہ مانے اور چڑھاوا وغیرہ چڑھاوے عنداللہ مذہب حنفیہ کی رو سے مع حوالہ کتب جواب باصواب سے آگاہ فرمائیں کہ آیا یہ شخص زید مشرک قرار دیا گیا یا نہیں۔ اور زید کے ساتھ دوسرے مسلمان کس طرح برتاؤ رکھیں۔

(۲) مسمی بکر ایک عورت کا خسر مسماۃ ہندہ کے ساتھ جو کہ ایک نہایت پنچ قوم سے ہے، علی الاعلان زنا کرتا ہے۔ اور اس کے ہمراہ خورد و نوش بھی کرتا ہے۔ عنداللہ مذہب حنفیہ کی رو سے مع حوالہ کتب آگاہ فرمائیں کہ اس کے ساتھ شرعاً مسلمان کیا برتاؤ رکھیں۔

المستفتی نمبر ۲۳۵۸ قاری حکیم شفیق احمد صاحب مارواڑ، ۶ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۵ جولائی ۱۹۳۸ء

۱۔ "بل احیاء ولکن لا تشعرون" (البقرہ : ۱۵۴)

(جواب ۳۹۶) (۱) دیوتاؤں کے تھان پر جاکر سلام کرنا۔ منت ماننا اور چڑھاوا چڑھانا یہ سب مشرکانہ افعال ہیں۔ اس سے توبہ کرانی چاہئے اور جب تک توبہ نہ کرے اس سے اسلامی تعلقات منقطع کر لئے جائیں۔
(۲) اس زناکار سے مسلمان اسلامی تعلقات سلام کلام اکل و شرب منقطع کر لیں تاوقتیکہ وہ اس فعل سے تائب نہ ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(۱) قرآن پاک سمجھ کر پڑھنا چاہئے۔
(۲) اہل مقابر سے مدد مانگنا ناجائز ہے۔
(۳) معراج کی رات نبی علیہ السلام کہاں تک گئے تھے؟

(السوال) (۱) قرآن شریف کے بھیجنے کا کیا مقصد ہے۔ بعض لوگ اسے رٹا لیتے ہیں۔ اور اس سے افسوں کا کام لیتے ہیں۔ چند آدمیوں سے میں نے کہا کہ قرآن شریف کو یاد کرنے کی جگہ اس کا ترجمہ کرو اور عمل بھی کرو تو یہ اچھا ہوگا۔ وہ جھگڑنے لگے۔ کیا قرآن شریف کو بغیر ترجمہ کے پڑھا جائے اور نہ تو سمجھے نہ عمل کرے اس کو ایک حرف کے بدلہ دس نیکیاں مل سکتی ہیں۔ اور بے ترجمہ اچھا ہے یا کہ باترجمہ؟
(۲) لوگ ولیوں اور بزرگوں کے مقبروں پر جاتے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں۔ اور مختلف قسم کی تکالیف کو رفع کرنے کے لئے انہوں نے ایک ایک زیارت پکڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اکثر تو اپنے گھر سے نکل کر میلوں دور جاتے ہیں۔ اور راستہ میں فرض نماز بھی ان سے فوت ہو جاتی ہے۔ یہ کہاں تک درست ہے۔ کیا کوئی پیر یا ولی بہ حالت مرگ کسی کی مدد کر سکتا ہے۔
(۳) رسول اللہ ﷺ جب معراج کی رات کو اوپر گئے تو آپ کہاں تک گئے تھے۔ جس رات کو آپ معراج گئے وہ رات اٹھارہ برس کی تھی؟

المستفتی نمبر ۲۴۷۱ جناب کامران صاحب منگورہ (پشاور) ۸ صفر ۱۳۵۸ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۹۷) (۱) قرآن مجید کے نزول کی اصل غرض ہدایت اور ارشاد ہے۔ اس کو سمجھ کر پڑھنا اور اس کی ہدایتوں پر عمل کرنا ہر مسلمان کو لازم ہے۔ اس کے ساتھ بے ترجمہ پڑھنے کا بھی ثواب ہے۔ صرف تلاوت بھی مفید ہے اور ترجمہ کے ساتھ پڑھنا اس سے زیادہ مفید ہے۔
(۲) ولیوں کی قبروں پر زیارت کے لئے جانا جائز ہے۔ مگر زیارت کا مقصد یہ ہے کہ زیارت کرنے والے کو اپنی موت اور آخرت یاد آجائے۔ اور میت کے لئے دعائے مغفرت کرے۔ مرادیں مانگنا نذریں چڑھانا اور سفر میں فرض نمازوں کی ادائیگی سے غفلت برتنا۔ یہ سب باتیں ناجائز ہیں۔(۱)
(۳) معراج میں آنحضرت ﷺ کو مقام قرب حضرت احدیت میں جو مرتبہ علیا عطا فرمایا گیا، وہ تمام مخلوق کے عطا شدہ مراتب سے اونچا تھا۔ بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں۔ بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی الجواب صحیح۔ فقیر محمد یوسف دہلوی۔ مدرسہ امینیہ۔ دہلی

۱۔ "واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یوخذ من الدراھم و الشمع و الزیت و نحوھا والی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل و حرام." (الدرالمختار و شرحہ: ۲ / ۴۳۹ ط سعید)

ایک عبارت سے شتم صحابہ کا پہلو نکلنے کی تحقیق .

(السوال) حسب الذیل الفاظ کہنے والے شخص شاتم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہوتا ہے یا نہیں۔ اور اگر شاتم ہونا ثابت ہو شرعی نقطہ نگاہ سے تو وہ شاتم کونسی جزا کا مستحق ہوتا ہے۔ الفاظ شخص مذکور کے یہ ہیں۔
کبھی آپ نے غور فرمایا کہ جب ملوکیت پرستی و نجی ملکیت اور خاندانی امارت نے اسلامی معاشرہ میں گھر کر لیا ہو تو ایک خاص قسم کی بے دینی پھیلنے لگی جس کے آثار پہلے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بزرگوں میں اور اسی کے بعد خوارج کی مرتب تحریک میں نظر آئے۔

المستفتی نمبر ۲۴۷۷ محمد امین صاحب (بمبئی) ۱۹ صفر ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۹۸) اس عبارت میں یہ لفظ ہیں ایک خاص قسم کی بے دینی لہذا اس کے قائل کے کلام سے خاص اس قسم کی بے دینی کی تشریح کوئی شرعی حکم بتانے کے لئے ضروری ہے۔ جس عبارت سے یہ اقتباس آپ نے لیا ہے براہ کرم اس کے سیاق و سباق سے اگر اس خاص قسم کی بے دینی کی کوئی تشریح نکل سکتی ہو تو اسے بھی نقل فرما کر بھیجئے تاکہ غور کے بعد اس کا حکم بتایا جا سکے۔ ممکن ہے کہ یہ فقرہ ایسا ہو جیسے کہ حضرات امام شافعیؒ کا یہ قول مشہور ہے :- فلیشهد الثقلان انی رافض محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(۱) مسلمان فاسق و فاجر کے لئے مرحوم کے لفظ کا استعمال .
(۲) کیا یزید کے لئے مرحوم کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے ؟

(السوال) (۱) الف۔ زید کہتا ہے کہ مسلمان فاسق و فاجر کے لئے بھی لفظ مرحوم کا استعمال کرنا چاہئے۔ آیا جائز ہے یا ناجائز - (ب) اور اہل تسنن کے نزدیک یزید فاسق و فاجر مسلمان تھا۔ اس لئے اس کو بھی مرحوم کہنا جائز ہے۔ کیا زید کے ہر دو قول (اوب) صحیح ہیں۔
(۲) ہندو کے ساتھ ایک برتن میں کھانا شاید دودھ جلیبی وغیرہ مسلمان کے لئے جائز ہے یا ناجائز اور حرام؟

المستفتی نمبر ۲۵۰۱ محمد اشرف علی صاحب ضلع ہردوئی ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ مطابق ۴ جون ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۹۹) کسی میت کے حق میں مرحوم کا لفظ احتراماً بولا جاتا ہے۔ اس لئے جو میت احترام سے یاد کئے جانے کا مستحق ہے اس کے نام کے ساتھ لفظ مرحوم بولنا درست ہے۔ البتہ اگر مرحوم کا لفظ اس حیثیت سے بولا جائے کہ وہ دعائے رحمت کے قائم مقام ہے تو پھر ہر مسلمان کے نام کے ساتھ بولنا جائز اور درست ہوگا خواہ وہ فاسق ہو یا صالح ہو۔ (۲) غیر مسلم کے ساتھ جب کہ اس کے ہاتھ پاک ہوں اور کھانا بھی حلال اور پاک ہو ایک برتن میں مسلمان کے لئے کھانا فی حد ذاتہ مباح ہے۔(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی الجواب صحیح ۔ فقیر محمد یوسف دہلوی ۔ مدرسہ امینیہ دہلی۔

۱۔ ”واما نجاسة بدنه فلجمهور علی انه لیس بنجس البدن والذات لان الله تعالیٰ احل طعام اهل الكتاب۔“ (تفسیر ابن کثیر ۲: ۳۴۶ ط سہیل اکیڈمی)

(۱) کافر و مشرک کے ساتھ کھانا پینا کیسا ہے ؟
(۲) علامہ مشرقی کیوں کافر ہے ؟

(السوال) کیا مسلمانوں کو ایسے لوگوں کے ہاتھ کا کھانا جائز ہے جو خدا اور رسول۔ قرآن۔ حشر و نشر ملائکہ کے منکر ہوں۔ اور ہر طریقہ سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور برباد کرنے کے در پے ہوں۔ اور جب کہ انہیں اشیاء کے فروخت کرنے والے مسلمان ہر جگہ موجود ہوں۔ کھانے کی اشیاء سے مراد پانی دودھ۔ مٹھائی۔ پان ڈبل روٹی مکھن وغیرہ۔ مسلمان فروخت کرنے والوں کے ہوتے ہوئے مذکورۃ الصدر لوگوں سے مذکورہ بالا اشیاء کے خریدنے کا شرع شریف سے جواز کس طرح پر ہے۔ اور منکرین خدا اور سول کے علاوہ شیعہ حضرات کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے یا ناجائز ؟

(۲) علامہ مشرقی کے خلاف کفر کا فتویٰ کن عقائد کی بنا پر دیا گیا ہے۔

المستفتی نمبر ۲۵۱۳ مستری غلام حسین صاحب۔ دہلی۔ ۹ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۸ جون ۱۹۳۹ء

(جواب ۴۰۰) اسلام ایک فطری اور بااصول دین ہے۔ اس کے اصول و ضوابط مستحکم اور عقل صحیح کے موافق ہیں اسلام نے انسان کے بدن کو (جب کہ وہ خارجی نجاست سے ملوث نہ ہو) پاک قرار دیا ہے۔ اور اس میں مسلم و کافر کی تمیز نہیں رکھی۔ پس اصول شرعیہ کے ماتحت انسان کا بدن (خواہ وہ کافر و مشرک ہی ہو) پاک ہے اور اس کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا تر اشیاء سب پاک ہیں۔(۱) یہ دوسری بات ہے کہ مسلمان کے لئے قومی ہمدردی۔ مذہبی غیرت بلکہ انسانی حمیت کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک اس کو مسلمانوں سے یہ اشیاء بہم پہنچ سکیں اس وقت تک ایسے لوگوں سے نہ خریدے جو اس کو ناپاک سمجھتے اور کتے سے زیادہ ذلیل قرار دیتے ہیں۔ نیز خارجی نجاستوں سے انہیں کوئی احتیاط اور پرہیز نہیں ہے۔ مسلمان سے خریدنے میں قومی ہمدردی بھی ہے۔ اور اپنے مسلمان بھائی کو فائدہ پہنچانا اپنے آپ کو فائدہ پہنچانا ہے۔ بھائی کا نقصان اپنا نقصان ہے۔ شیعہ حضرات کا کوئی حکم جدا نہیں ہے۔ وہ بھی انسان اور اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے۔ ان کا بدن ان کے ہاتھ بھی پاک ہیں اور کسی عارضی وجہ سے ان کے یہاں کا کھانا وغیرہ نہ کھایا جائے، تو دوسری بات ہے۔

(۲) مشرقی کی کتاب "تذکرہ" اصول اسلام اور اجماعیات کی مخالفت سے بھرا ہوا ہے۔ وہ ڈارون تھیوری کے معتقد اور عبادات شرعیہ کی ایسی تاویلیں کرنے والے ہیں جو بدلبۂ باطل اور انکار قطعیات پر منتج ہیں۔ اس لئے علمائے اسلام نے ان کی تکفیر کی ہے۔ اور ان کی تحریک کو قادیانی تحریک سے زیادہ مضر اور خطرناک قرار دیا ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

---

(۱) "واما نجاسة بدنه فالجمهور علی انه لیس بنجس البدن والذات لان الله تعالی احل طعام اهل الکتاب." (تفسیر ابن کثیر ۲/ ۳۴۶ ط سہیل اکیڈمی)

مذکورہ چند علماء و بزرگان دین کی اقتداء میں نماز درست تھی یا نہیں ؟

(السوال) سیدی و مولائی مرشدو آقائی حضرت راس الا تقیا فخر الا تقیا حاجی امداد اللہ صاحب طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ حضرت شیخ ابو الخیر صاحب و مولانا کرامت اللہ صاحب۔ نیز مولانا محمد عمر صاحب المعروف باخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اعتقاد و اعمال کے اعتبار سے کیسے تھے۔ ان کی پیچھے نماز صحیح تھی یا جن لوگوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی واجب الاعادہ ہے۔ اور ان کی اقتدا کرنے والے لوگ عند اللہ گنہگار ہیں ایک عالم جن کی عمر کا اکثر حصہ کتب حدیث و فقہ و تفسیر کی تدریس میں گذرا۔ عزیز زندگی پندو نصائح میں گذری اور یہ عالم موصوف راس الاولیاء تاج الا تقیا سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے روح پر فتوح پر قرآن خوانی اور اطعام غربا سے بلا تعین ایام جب انہیں توفیق ہوئی اور کچھ پاس موجود ہوا ایصال ثواب کرتے رہے۔ اور اب بھی ان کا یہی معمول ہے۔ اولیاء اللہ سے خاص لگاؤ اور باخدا ہستیوں سے انہیں خاص تعلق ہو۔ کبھی کسی موقعہ پر کسی بزرگ کے عرس میں شرکت کا موقعہ بھی ملا ہو اور ہر لحاظ اور ہر حیثیت سے عالم موصوف متقی و پرہیز گار ہو۔ اسی حالت میں ان کا وعظ اور ان کی امامت شرعاً مستحسن اور مقبول ہیں اور علماء کرام عرس کے عامل اپنی تمام ظاہری زندگی میں رہے ہوں اور یہ عالم ایک مرتبہ عرس میں شریک ہوئے ہوں تو ایسی صورت میں موصوف عالم کی اقتداء عند الشرع جائز نہیں تو ان بزرگان دین کی اقتداء کرنے والوں کا عند الشرع کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۵۴۸ جناب حمایت علی شاہ۔ ۲۴ رمضان ۱۳۵۸ھ مطابق ۷ نومبر ۱۹۳۹ء

(جواب ۴۰۱) یہ تمام حضرات عالم صاحب ارشاد و تلقین بزرگ تھے۔ ان میں سے بعض کے بعض اعمال ایسے تھے کہ ان پر سنت نبویہ کے قانون کے لحاظ سے تنقید کی جاسکتی تھی۔ مگر پھر بھی ان کی شان میں تنقیص کے الفاظ نہیں کہے جاسکتے۔

بلا تعین اور بلا شرط ایصال ثواب کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ اسی طرح عرس میں اتفاقی غیر لازمی شرکت بھی قابل گرفت و اعتراض نہیں ہے۔ فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(۱) بے نمازی کے باقی اعمال خیر قابل قبول ہیں .

(السوال) (الف) زید خاندانی مسلمان ہے مگر نماز نہیں پڑھتا اور کبھی کبھی جمعہ کے دن یا عید بقر عید شرما حضوری سے پڑھ بھی لیتا ہے۔ تو ایسی صورت میں آیا اس کے دیگر نیک اعمال مثلاً قربانی و صدقات یا خیرات وغیرہ عند اللہ مقبول ہوں گے یا نہیں۔

(۲) عمرو کہتا ہے کہ بغیر پنجوقتہ نماز پڑھے کوئی دیگر نیک اعمال عند اللہ مقبول نہیں ہوتے۔ کیا یہ بات صحیح ہے۔ عمرو کا ثبوت ذیل میں درج ہے۔

(۱) ثبوت از قرآن مجید **واتل عليهم نبأ ابنى ادم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احد هما ولم يتقبل من الاخر قال لا قتلنك قال انما يتقبل الله من المتقين۔**(۱) ترجمہ اور اے محمد ﷺ لوگوں

سے حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل و قابیل کا سچا واقعہ بیان فرمایئے جب ان دونوں نے قربانی کی تو ہابیل کی مقبول ہوئی اور قابیل کی مقبول نہیں ہوئی تو قابیل بولا کہ میں تجھ کو مار ڈالوں گا۔ ہابیل نے کہا کہ خدا فقط متقی لوگوں کے نیک اعمال قبول فرماتا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ ایک بے نمازی مسلمان چونکہ اہل تقوی سے نہیں ہے لہذا اس کے دیگر نیک اعمال عند اللہ مقبول نہیں ہوتے۔

(۲) ثبوت از حدیث۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نماز کا تذکرہ فرما رہے تھے تو فرمایا کہ جو نماز کی پابندی کرے گا اس کو قیامت کے روز ایک نور عطا ہوگا۔ اور نماز اس کے پاس اہل ایمان میں سے ہونے کا ثبوت ہوگی اور وہ نجات پائے گا۔ اور جو نماز کی پابندی نہ کرے گا وہ بے نور رہے گا۔ اس کے اہل ایمان میں سے ہونے کا ثبوت نہ ہوگا اور نہ اس کی نجات ہوگی۔ اور ایسا شخص قیامت کے دن قارون اور فرعون اور ہامان اور ابی بن خلف کے ہمراہ ہوگا۔(۱) دارمی۔ بیھقی فی شعب الایمان عمرو کہتا ہے کہ ایک بے نمازی مسلمان کے دیگر نیک اعمال اگر عند اللہ مقبول ہوتے تو وہ قیامت کے روز قارون و فرعون وغیرہ کے ہمراہ کیوں ہوتا۔

المستفتی نمبر ۲۵۶۳ عنایت اللہ خاں صاحب۔ لکھنؤ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ ۲۸ جنوری ۱۹۴۰ء

(جواب ۴۰۲) قرآن مجید کی متعدد آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی کا نیک عمل ضائع نہیں ہوتا۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ(۲) یعنی جو شخص ذرہ برابر خیر کرے گا اسے دیکھے گا یعنی پائے گا۔ دوسری آیۃ لا یلتکم من اعمالکم شیا (۳) یعنی خدا تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔ تیسری آیت ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین(۴) بے شبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ چوتھی آیت ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ وان تلک حسنۃ یضعفھا (۵) یعنی بے شبہ اللہ تعالیٰ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے بڑھاتا ہے۔ ان آیات کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نیک عمل کتنا ہی چھوٹا ہو ضائع نہیں ہوتا۔ اور آیت انما یتقبل اللہ من المتقین(۶) میں متقین سے مراد مومنین ہیں۔ یعنی شرک سے بچنے والے۔ اور قابیل چونکہ مومن نہیں رہا تھا کافر ہو گیا تھا اس لئے ہابیل کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ خدا مومنین کی قربانی یا طاعت قبول فرماتا ہے۔

یہاں قبول سے مراد قبول رضا ہے نہ اعطاء اجر یعنی گنہگاروں کے اعمال حسنہ کا اجر ضرور عطا فرمائے گا۔ (بموجب آیات منقولہ سابقہ) مگر ان اعمال حسنہ کو قبول نہ کرے گا یعنی ان لوگوں سے راضی اور خوش نہ ہوگا۔

۱۔ مسند احمد: ۲/ ۱۶۹ ط دار احیاء التراث العربی۔
۲۔ الزلزال: ۷
۳۔ الحجرات: ۱۴
۴۔ ھود: ۱۱۵
۵۔ النساء ۴۰
۶۔ المائدہ: ۲۷

حدیثوں میں عدم قبول اعمال کا جو ذکر آیا ہے۔اس سے مراد بھی یہی قبول رضا ہے۔یا یہ مطلب ہے کہ بعض گناہ اپنی شدت سے اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ ان کا وزن طاعت کے وزن سے بڑھ جاتا ہے تو اگرچہ طاعات کے اجور اور ثواب بھی ملیں مگر ان کا مجموعی وزن اس شدید گناہ کے وزن سے کم رہ کر بے اثر اور بے فائدہ اور بے حقیقت ہو جاتا ہے۔اس کو قبول نہ ہونے سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔دہلی

کرشن جی کے پیغام کے پرچار کو باعث برکت کہنے والے کا حکم.

(السوال)ایک مسلمان اگر مندرجہ ذیل بیان اخبار میں شائع کرادے تو اس کی یہ حرکت جائز ہے یا ناجائز۔ اس پر کفر عائد ہوتا ہے یا نہیں"شری کرشن جی کے مقدس پیغام کا سالانہ پرچار اخبار کے لئے یقیناً باعث برکت اور پڑھنے والوں کے لئے وجہ رحمت ہے۔انسانی زندگی کی تاریکیوں کے لئے اس شمع سرمدی کی روشنی لازماً بے انتہا مفید ہے۔میں اس سلسلہ کے جاری کرنے والوں کو اور اس کے قائم رکھنے والوں کو ملک کا واقعی بہی خواہ سمجھتا ہوں کیونکہ شری کرشن جی کا پیغام اس ملک کی موجودہ کشمکشوں میں ایک نایاب نفع رساں چیز ہے۔"

المستفتی نمبر ۲۵۷۱ دوست محمد ولد مدار بخش صاحب دہلی۔ ۳ محرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۰ مارچ ۱۹۴۰ء

(جواب ۴۰۳) اس عبارت میں کرشن جی کے پیغام کا مضمون درج نہیں۔یہ معلوم نہیں ہوا کہ ان کے کس پیغام کے متعلق یہ بات کہی گئی ہے۔اگر پیغام کا مضمون صحیح اور اسلام کے خلاف نہ ہو۔اور مخلوق خدا کے لئے نفع رساں ہو تو اس کے حق میں تائیدی بیان دیا جا سکتا ہے۔کسی شخص کے لئے تقدس اور شمع سرمدی ہونے کا حکم لگانے کے لئے دلیل درکار ہے۔مگر یہ بات کہ ہندوستان میں بھی خدا کی طرف سے مخلوق کو ہدایت کرنے والے انسان آئے ہوں گے یقینی ہے۔ لکل قوم هاد۔(۱) بہر حال اس بات پر کفر عائد ہونے کا حکم نہیں کیا جا سکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔دہلی

کیا حجر اسود عام پتھروں کی طرح ایک پتھر ہے؟

(السوال)زید و بکر میں تکرار ہوئی دربارہ حجر اسود یعنی بکر کہتا ہے کہ پتھر پتھر ہے مثلاً ایک بت ہے۔وہ بھی پتھر ہے۔ایک قبر ہے وہ بھی پتھر ہے جس سے متبدعین بوسہ قبور کا جواز بھی لیتے ہیں۔بکر کہتا ہے پھر دوسری اقوام پر اسلام کیوں معترض ہے۔زید کہتا ہے ارکان اسلام یعنی رکن حج میں شامل ہے۔لیکن مسلمان اس کو پتھر ہی مانتے ہیں۔اس کو حاجت روا مشکل کشا نہیں مانتے۔زید خود حاجی ہے۔بالکل موحد راسخ الاعتقاد لیکن کچھ شبہات ضرور پیدا ہو گئے ہیں ان کا رفع کرنا ضروری و لازمی ہے۔

---

(۱) (الرعد : ۷)

(۱) قرآن شریف میں اس کے متعلق کیا ذکر ہے۔ (۲) رسول اللہ ﷺ نے کچھ اصلیت بیان کی ہے؟ (۳) از روئے قرآن پاک و حدیث شریف و تاریخ اصلیت کیا ہے۔ اور کب سے ہے۔ (۴) اس پتھر کو یہ خاص فضیلت کیوں حاصل ہے۔ یعنی انبیاء سابقین و خصوصاً آنحضرت ﷺ نے بوسہ دیا ہے؟

فقط المستفتی نمبر ۲۴۷۵ عبدالرحمن صاحب (بمبئی) ۴ صفر ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۴ مارچ ۱۹۴۰ء

(جواب ٤٠٤) حجر اسود ایک پتھر ہے۔ حضرت عمر نے اسے بوسہ دیتے وقت یہ الفاظ فرمائے تھے۔ **اعلم انك حجر لا تضرولا تنفع ولولا انی رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقبلك ماقبلتك**(۱) یعنی میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حجر اسود جنت سے نازل ہوا(۲) اور آخرت میں بھی وہ محشور ہوگا اور بوسہ دینے والوں کے حق میں شہادت دے گا۔(۳)

بوسہ دینا صرف محبت کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کی تعظیم یا عبادت کی بنا پر۔(۴) محبت کی وجہ سے اس کا جنت کی نشانی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہوتا ہے۔ **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی**

ایک محاکمہ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب آثار کا حکم

(السوال) یہاں بنگلور میں چند مساجد اور کئی گھروں میں آثار شریف کی عام نمائش کی جاتی ہے اور ان آثاروں کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب سمجھ کر ان کی بہت کچھ عزت و تکریم اور احترام کیا جاتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آثار جو عموماً ایک بال ہوتا ہے چاندی وغیرہ کی نلکی میں رکھ کر اس پر غلاف در غلاف چڑھا کر ایک صندوق میں رکھا جاتا ہے۔ یہ آثار چند مساجد اور کئی گھروں میں رکھے ہوئے ہیں ربیع الاول میں ان مساجد اور گھروں کو خوب آراستہ کیا جاتا ہے اور پھر ان آثاروں کو نعت اور قصائد مدحیہ پڑھتے ہوئے بصد احترام کھولا جاتا ہے۔ مساجد میں عموماً مردوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ اور گھروں میں عموماً بوقت شب مستورات کا اجتماع ہوتا ہے۔ اور ساری رات مستورات قصائد وغیرہ پڑھتی ہیں۔ نیز مستورات سے نذرانے بھی لئے جاتے ہیں) یکے بعد دیگر زائرین کمر بستہ بڑے ادب و احترام کے ساتھ آکر ان آثار کو بوسہ دیتے ہیں اور آنکھوں سے لگا دیتے ہیں۔ اور بعض لوگ آثار کی طرف دست بستہ کھڑے ہو کر یا ہاتھ اٹھا کر دعا بھی مانگتے ہیں۔

پس آنجناب سے التماس ہے کہ زید و عمرو کے مندرجہ ذیل دلائل پر تنقید و تبصرہ فرماتے ہوئے واضح

۱۔ سنن نسائی، کتاب الحج، تقبیل الحجر: ۲ / ۳۰ ط سعید
۲۔ "نزل الحجر الاسود من الجنة۔" (ترمذی باب ماجاء فی فضل الحجر الاسود: ۱ / ۱۷۷ ط سعید)
۳۔ "لیاتین هذا الحجر یوم القیامة وله عینان یبصر بهما ولسان ینطق بها یشهد علی من یستلمه بحق۔" (ابن ماجه، ابواب المناسک باب استلام الحجر ص ۲۱۱ ط قدیمی)
۴۔ "فالمقصود استماع الحاضرین لیعلموا ان العرض الاتباع لا تعظیم الحجر الخ۔" (حاشیہ سنن نسائی باب تقبیل الحجر ۲ / ۳۰ ط سعید)

دلائل شرعیہ سے جواب تحریر فرمائیں کہ ان آثاروں کی زیارت و عزت کرنا جائز ہے یا ناجائز ؟ کیونکہ یہاں مسلمانوں میں دو متضاد خیالات کے لوگ موجود ہیں۔ایک زید کے ہم خیال جو ان آثاروں کے حامی ہیں اور ان آثاروں کے مخالفوں پر توہین رسول اکرم ﷺ کا الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں محبت رسول اکرم ہی نہیں۔ دوسری طرف عمرو کے ہم خیال ہیں جو آثار پرستوں کو بدعتی اور گمراہی تصور کرتے ہیں اور ان آثار کی زیارت اور نمائش کرنا ناجائز سمجھتے ہیں۔

زید کے خیالات اور دلائل ..... زید کہتا ہے آثار مبارک کی زیارت و عزت کرنا نہ صرف جائز بلکہ موجب ثواب عظیم ہے۔اور جو شخص ان آثار کی عزت اور زیارت نہیں کرتا وہ دائرہ حب نبی ﷺ سے خارج ہے جس کے دلائل یہ ہیں۔

دلیل اول۔ یہ آنحضرت ﷺ کے آثار ہیں جن کی نسبت حدیث شریف میں ہے کہ جس نے میری یا میرے جزو کی زیارت کی تو مجھ پر اس کی شفاعت واجب ہو گئی۔

دلیل دوم۔ تاریخ اور سیر سے پتہ چلتا ہے کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس آنحضرت ﷺ کے ناخن وغیرہ ہوتے تھے جن کو وہ بصد احترام اپنے پاس رکھتے تھے۔پس جس کام کو صحابہ کرام نے کیا ہو اس سے ہمیں کیوں روکا جائے۔

دلیل سوئم۔ قرآن شریف اور تفاسیر میں ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس ایک تابوت ہوتا تھا جس میں انبیاء سابقین علیہم وعلی نبینا التحیہ والتسلیم کے آثار ہوتے تھے،اس تابوت سے بنی اسرائیل کی تسکین اور تسلی ہوتی تھی یہاں تک کہ بنی اسرائیل اس تابوت کو جنگوں میں بھی ساتھ رکھتے تھے اور اس کی برکت سے کامیاب ہوتے تھے۔اس لئے ہم بھی اپنی نبی اقدس ﷺ کے آثار مقدس اپنے پاس رکھتے ہیں۔اور ان کی زیارت و تکریم کرتے ہیں اور شرعاً اس کی کوئی ممانعت بھی نہیں۔

عمرو کے خیالات اور دلائل ۔ عمرو کہتا ہے کہ ان آثار کی زیارت کرنا اور عزت و تعظیم بجالانا شرعاً ناجائز اور بدعت ہے۔ کیونکہ باقاعدہ ثبوت ہی نہیں کہ یہ آثار آنحضرت ﷺ کے ہیں۔اور جب باقاعدہ ثبوت نہیں تو ایسے آثار کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنا گناہ عظیم ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں ہے کہ **من کذب علی متعمد افلیتبوا مقعدہ من النار** (۱) او کما قال **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا پس اس نے اپنا ٹھکانا جہنم بنالیا۔اب بغیر تحقیق کے کسی آثار کی صرف اس لئے عزت کرنا کہ وہ آنحضرت کے نام سے منسوب ہے یہ بھی اس حدیث کی وعید کا مستحق بنتا ہے۔بلکہ اگر اس قاعدہ کو مان لیا جائے تو اسلام کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا کہ حضور علیہ السلام کے نام سے کئی ناجائز احکام کی اتباع اور غلط چیزوں کی تعظیم کرائی جائے گی۔ حضور علیہ السلام کی ذات پر اس سے بڑھ کر اور کیا بہتان عظیم ہوگا۔خدا معلوم کس کے بال ہیں جن کو آنحضرت ﷺ کی مقدس ہستی کی طرف منسوب کر کے ان کی عزت و تکریم کی جاتی ہے۔کیا یہ حقیقت نہیں کہ مفروضہ بشارتوں کی بنا پر کسی کو دیوار میں یا شربت میں بال مل

(۱) مسلم، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۷ ط قدیمی

جاتا ہے تو اس بال کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کر کے اس کی نمائش اور عزت و تکریم کی جاتی ہے۔ نعوذ باللہ اگر آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک صحابہ کرام بطور آثار رکھتے تو آج وہ موئے مبارک مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں موجود ہوتے۔ حالانکہ وہاں ان موئے مبارک کا نام و نشان تک نہیں اور نہ ممالک اسلامیہ میں یہ آثار اس کثرت سے ہیں جیسا کہ بنگلور میں ہیں۔ پنجاب و سندھ کے پورے دو صوبوں میں صرف اوڑھی (سندھ) میں ایک موئے مبارک بتایا جاتا ہے اور یوپی سی پی دہلی وغیرہ میں صرف ایک مقام یعنی دہلی کی جامع میں کچھ آثار موجود ہیں اور کہا جاتا ہے کہ شاہان اسلام نے بصرف زر کثیر اور بے انتہا کوشش سے ان کو حاصل کیا تھا۔ پھر بھی محققین علمائے اہل سنت والجماعۃ کو شبہ ہے کہ آیا واقعی وہ آثار آنحضرت ﷺ کے ہیں یا نہیں۔ بنگلور میں ان بالوں کی بہتات اور کثرت ہی صاف شہادت دے رہی ہے کہ یہ بال جھوٹے اور جعلی ہیں اور صرف گھرانے کی شہرت اور پیٹ پالنے کے ذرائع ہیں۔

زید کے دلائل کی تردید۔ (۱) دلیل اول کی تردید۔ زید نے جو حدیث پیش کی ہے کہ جس نے میری یا میرے جز کی زیارت کی تو اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہوگئی۔ اس مضمون کی تمام حدیثیں ضعیف بلکہ من گھڑت ہیں۔ صحیح احادیث میں اس کا کوئی ثبوت ہی نہیں۔

(۲) دلیل دوم کی تردید۔ بے شک بعض روایات اور تواریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام کے پاس آنحضرت ﷺ کے ناخن اور موئے مبارک وغیرہ ہوتے مگر انہیں روایات میں یہ بھی ہے کہ ان آثاروں کو انہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی وصیت کے مطابق ان کے کفنوں سے باندھ کر ان کے ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا ہرگز ہرگز ثبوت نہیں ملتا کہ صحابہ کرام ان آثاروں کی نمائش کیا کرتے یا ان آثار کی زیارت کے لئے مسلمانوں کا کوئی اجتماع ہوتا تھا۔ پس نمائش اور اجتماع کا موجودہ طریقہ نہ نبی اقدس ﷺ کے زمانہ میں تھا نہ صحابہ کرام کے زمانہ میں۔ حالانکہ صحابہ کرام کے پاک دلوں میں آنحضرت ﷺ کی پاک محبت اس حد تک تھی کہ صحابہ کرام اپنا جان و مال تک آپ پر قربان کر دیتے تھے۔ پس جس طریقہ کو صحابہ کرام نے نہ کیا ہو اس کو کرنا بدعت اور گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ خصوصاً جعلی اور جھوٹے بالوں کی نمائش اور عزت۔ خدا مسلمانوں کو اس سے بچائے۔ کون مسلمان برداشت کر سکتا ہے کہ کسی اور کے بالوں کو آنحضرت ﷺ کی مقدس ہستی کی طرف منسوب کیا جائے۔

(۳) دلیل سوم کی تردید۔ قرآن مجید اور تفاسیر میں بے شک ایک تابوت کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل کے پاس تھا اور وراثۃً انبیاء بنی اسرائیل اور سرداران بنی اسرائیل کو دیا جاتا تھا۔ اور بے شک بنی اسرائیل میں آثار پرستی تھی۔ اور اسی آثار پرستی کا نتیجہ ہے کہ بنی اسرائیل نے انبیاء اور اپنے سرداروں کی تصویریں اور بت تک بنوا دیئے ہیں۔ اس لئے ان پر خدائی لعنت اور غضب بھی ہے، مگر آنحضرت ﷺ کو نہ تو اس قسم کا انبیاء سابقین سے کوئی تابوت دیا گیا ہے اور نہ ہی آنحضرت ﷺ نے اپنے آثار کا کوئی تابوت اپنے مقدس جانشینوں یعنی صحابہ کرام کے حوالے کیا ہے۔ البتہ بوقت وصال الی اللہ آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید ہی کو مضبوط پکڑنے کی وصیت فرمائی ہے اور بس۔ اور خدائے تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کے لئے قرآن مجید ہی کو شفا اور رحمت قرار دیا ہے۔

غرض مسلمان اگر تسکین اور شفا، برکت اور راحت حاصل کر سکتے ہیں تو وہ صرف قرآن مجید ہی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس قرآن مجید ہی ایک سچا اور واقعی آثار مبارک ہے جو آنحضرت ﷺ سے ہم تک پہنچتا ہے اور اسی اصلی اور سچے آثار سے ہی مسلمان یہود و نصاریٰ پر غالب بھی آئے ہیں۔ پس مسلمان اس قرآن مجید کی عزت و تکریم جتنی کریں اتنی کم ہے۔ اس کے سوا مشکوک اور جعلی آثار کی عزت و توقیر کرنا یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے تشبہ ہوگا نہ کہ صحابہ کرام کے ساتھ۔

براہ کرم تحریر فرمائیں کہ ان آثاروں کی اصلیت اور واقعیت کی تحقیق اس زمانہ میں کس طرح کی جائے۔

المستفتی نمبر ۲۵۷۸ غلام دستگیر (بنگلور) ۱۱ صفر ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۴۰ء

(جواب ۴۰۵) اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ کا موئے مبارک یا اور کوئی چیز کسی کے پاس موجود ہے تو اس اصلی چیز کو محبت کے طور پر احترام سے رکھنا اور اس سے استشفا جائز ہے۔ مگر چونکہ عام طور پر جو آثار حضور کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں ان کا ثبوت اور سند نہیں اس لئے ان کی تکریم اور احترام کرنا بے اصل اور بے سند ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

کسی چیز کو بے ثبوت اور بے پختہ سند کے حضور کی طرف منسوب کرنا حرام ہے۔ نیز اصلی آثار کے ساتھ بھی اس قدر غلو کا معاملہ کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے ناجائز اور بدعت ہے۔ بے ثبوت ہونے کی بنا پر اگر کوئی شخص ان آثار کی تعظیم و احترام سے منع کرے تو اس کو آنحضرت ﷺ کی توہین کا الزام لگانا ظلم اور جہالت ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(۱) امت کا ۷۳ فرقوں میں بٹنے والی حدیث میں امت سے کیا مراد ہے؟
(۲) "ما انا علیہ واصحابی" سے کیا مراد ہے؟

(السوال) (۱) حدیث میں جو وارد ہوا ہے کہ میری امت تہتر گروہ میں تقسیم ہو جائے گی۔ اس لفظ امت سے کیا مراد ہے۔ ساری دنیا کے انسان عام اس سے کہ مسلمان ہوں یا کافر؟ یا صرف مسلمان مراد ہیں۔ مسلمان اور کافر مل کر تہتر گروہ ہو جائیں گے۔ یا مسلمانوں میں تہتر گروہ ہوں گے۔ کیا امت میں مسلمان و کافر دونوں ہی داخل ہیں۔ یہ حدیث کس قسم کی ہے؟

(۲) ناجی کون گروہ ہے۔ کل مسلمان یا ان میں کوئی خاص گروہ مراد ہے۔ ما انا علیہ و اصحابی کا کیا مطلب ہے۔

المستفتی نمبر ۲۶۱۲ ابراہیم حسین صاحب (بنگلور) ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق یکم جون ۱۹۴۰ء

(جواب ۴۰۶) اس حدیث میں امت سے مراد امت دعوت بھی لی گئی ہے اور امت اجابت بھی مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ ثم قیل یحتمل امة الدعوة فیندرج سائر الملل الذین لیسوا علی قبلتنا فی عدد الثلاث والسبعین ویحتمل امة الا جابة فیکون الملل الثلاث والسبعون منحصرة فی اهل قبلتنا والثانی

هر الا ظهر و نقل الا بهر، ان المراد بالا مة امة الا جابة عند الا کثر. انتهی۔(۱) اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ امت اجابت مراد ہے۔ یہ حدیث ترمذی اور مسند امام احمد اور ابوداؤد میں ہے۔ ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔
(۲)"ما انا علیه واصحابی " سے وہ طریقہ مراد ہے جو آنحضرت ﷺ کا اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کا طریقہ تھا یعنی جو آجکل اھل السنۃ والجماعۃ کا طریقہ ہے۔ اس میں حنفی شافعی مالکی حنبلی اہل حدیث سب داخل ہیں ۔ البتہ مبتدع فرقے باۓ ضالہ جیسے معتزلی خارجی۔ مرجئہ مشبہہ روافض وغیرہ اس سے خارج ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

کسی ولی کے بارے میں حد سے زیادہ تعریف میں مبالغہ آرائی جائز نہیں .

(السوال) مع عریضہ ہذا ایک اشتہار بعنوان "اعلان خوش بیان" ارسال خدمت ہے۔ اس اشتہار میں سرخ قوسین سے گھرے ہوئے الفاظ یعنی امام الصدیقین ، قدوۃ الاولین ، صاحب مقام وراء الوری حاکم علی القدر والقضاء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں۔ حالانکہ "امام الصدیقین" حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہو سکتے ہیں۔ "قدوۃ الاولین" تو آنحضرت ﷺ کا ہی درجہ ہے۔ نیز واقعہ معراج کی نسبت سے بھی آنحضرت ﷺ کو صاحب مقام وراء الوری کہا جا سکتا ہے اگرچہ حقیقتاً صاحب مقام وراء الوری خدائے تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اور حاکم علی القدر والقضاء تو خدائے وحدہ لاشریک کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا مگر المعلن صاحب یہ الفاظ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق استعمال کئے ہیں۔ کیا اس سے خود حضرت شیخ موصوف کی توہین لازم نہیں آتی کہ آپ کی طرف وہ درجے منسوب لئے گئے ہیں جو فی الواقع آپ میں نہیں ہیں۔ نیز کیا اس سے المعلن نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توہین کا ارتکاب نہیں کیا۔ اور کیا آنحضرت ﷺ کی شان میں اس سے بڑھ کر اور کوئی گستاخی اور بے ادبی ہو سکتی ہے کہ نعوذ باللہ من ذلک آپ کے امتی کو آپ پر فوقیت دی جائے ۔ کیونکہ قدوۃ الاولین کے معنی پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا سردار۔ ان پہلوں میں تمام پیغمبر اور صحابہ کرام اور خود آنحضرت ﷺ کی ذات ہے۔ اب شیخ عبدالقادر جیلانی کو قدوۃ الاولین یعنی پہلوں کا سردار کہنا گویا شیخ موصوف کو نعوذ باللہ منہ (نقل کفر کفر نباشد) تمام پیغمبروں تمام صحابہ کرام اور آنحضرت ﷺ کا سردار بنانا ہے۔ الاماں۔
نیز جب حاکم علی القدر والقضا خدائے تعالیٰ ہی ہے تو خدا کی مخلوق کو حاکم علی القدر والقضا ماننا شرک اور کفر نہ ہوگا ؟
اس لئے براہ نوازش شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق الفاظ مندرجہ اشتہار منسلک عریضہ ، ہذا کے استعمال سے شرعاً جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان نتائج کو تحریر فرمائیے۔ اور ان پر روشنی ڈالئے یا کوئی ایسی

۱۔ مرقاۃ: ۱/ ۲۴۸ ط امدادیہ
۲۔ ترمذی، کتاب الایمان، باب افتراق ہذہ الامۃ: ۲/ ۹۳ ط سعید)

تاویل تحریر فرمائیے جس سے ایسے الفاظ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے متعلق شرعاً استعمال کئے جاسکیں۔

المستفتی نمبر ۲۶۲۵ رانا عبدالواحد صاحب نیاز۔ بنگلور کینٹ۔ ۲۷ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ مطابق ۳ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۴۰۷) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی طاب ثراہ کی رفعت منزلت میں کلام نہیں۔ وہ ایک بڑے درجہ کے بزرگ اور ولی کامل تھے۔ مگر ان کی ثناء و منقبت میں اس قدر مبالغہ کرنا جو حد اطراء تک پہنچے مذموم ہے سید المرسلین ارواحنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خود حضور کی مدح و ثناء میں اطراء کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی بن مریم (علیه السلام)(۱) یعنی میری ثناء میں اطراء نہ کرنا جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں اطراء سے کام لیا۔

حضرت غوث الاعظم کے لئے امام الصدیقین اور قدوۃ الاولین کے الفاظ استعمال کرنا بھی فی الجملہ اطراء میں داخل ہے مگر اس میں تو یہ تاویل ممکن ہے کہ الصدیقین اور قدوۃ الاولین میں الف لام استغراق کا نہ لیا جائے یعنی الصدیقین اور اولین سے تمام صدیق اور تمام پہلے لوگ مراد نہ ہوں لیکن صاحب مقام وراء الوریٰ اور حاکم علی القدر والقضاء میں کوئی مقبول تاویل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ان الفاظ کا استعمال حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے قطعاً ناجائز ہے۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ۔ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(۱) صرف گناہ کے ارادے سے گناہ نہیں لکھا جاتا۔
(۲) نیکی کے ارادے سے نیکی لکھی جاتی ہے۔

(السوال)(۱) ایک شخص کچھ روپیہ لے کر زنا کرنے کی نیت سے چلا۔ اور کسی وجہ سے راستہ سے پلٹ آتا ہے۔ ایسے موقع میں وہ گناہ کا مرتکب ہو گیا یا نہیں؟

(۲) ایک شخص حج کرنے کی نیت سے چلا اور اثناء راہ میں وہ مر گیا۔ مرحوم کو حج کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۷۰۶ ایم عبدالرحمن صاحب (گیا) ۷ جمادی الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۴ جون ۱۹۴۱ء

(جواب ۴۰۸) بدی اور گناہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس وقت تک نہیں لکھا جاتا جب تک عمل میں نہ آجائے۔ اور نیکی ارادہ کرنے پر لکھ لی جاتی ہے۔ اور عمل میں آنے کے بعد اس کا حقیقی بدلہ لکھا جاتا ہے پس زنا کرنے کے ارادے سے چلا تو اس کا گناہ نہیں لکھا جائے گا۔(۲) اور جب زنا واقع ہونے سے پہلے لوٹ آیا اور نادم ہوا تو یہ جانا کالعدم ہو گیا۔ اور حج کا ارادہ کر کے چلا تو اسی وقت سے اس کے نامہ اعمال میں نیکی (ارادہ حج) لکھی جانے

۱۔ بخاری، کتاب الانبیاء، باب واذکر فی الکتاب مریم: ۱/ ۴۹۰ ط قدیمی۔
۲۔ "اذا هم عبدی بسیئة فلا تکتبو ها علیه . فان عملها فا کتبو ها سیئة . واذا هم بحسنة فلم یعملها فاکتبو ها حسنة . فان عملها فا کتبوها عشراً ۔" (مسلم، باب بیان تجاوز اللہ تعالیٰ عن حدیث النفس: ۱/ ۷۸ ط قدیمی)

گی۔ اگر حج وجود میں آگیا تو حج کا حقیقی کامل بدلہ اس کیلئے لکھا گیا اور اگر حج کرنے سے پہلے مر گیا تو ارادہ حج کی نیکی نامہ اعمال میں لکھی رہی اور اس کو حکمی حج کا بھی ثواب مل جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(السوال) کیا درج ذیل شعر حضور ﷺ کی شان میں بے ادبی ہے ؟

اگر حقیقت دیکھنی ہو کفر اور اسلام کی روئے انور دیکھ گیسوئے محمد دیکھ کر

مذکورہ بالا شعر میں شاعر نے حضور کی زلف مبارک کی سیاہی سے کفر کی ظلمت کو تشبیہ دی ہے شاعر کا یہ خیال شرعی نقطہ نظر سے سوء ادبی لئے ہوئے ہے یا کیا۔ مدلل جواب شرعی مرحمت فرمایا جائے۔

المستفتی نمبر ۲۶۷۱ احمد خاں۔ ٹونک (راجپوتانہ) ۸ جمادی الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۵ جون ۱۹۴۱ء

(جواب ۴۰۹) یہ تعبیر نامناسب ضرور ہے۔ مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ تشبیہ کے لحاظ سے یکسانیت نہیں ہے۔ اس لئے یہ مضمون بھی کوئی مستحسن اور بہتر نہیں ہے۔ کفر و اسلام کے نور و ظلمت میں اجتماع غیر متصور ہے۔ اور ظلمت کفر بجائے خود مذموم اور قابل محو ہے۔ اور زلف و روئے انور کی سیاہی اور نور مجتمع ہیں۔ اور ان کا اجتماع مستحسن اور مطلوب ہے۔ اور زلف کی سیاہی بجائے خود محمود اور قابل حفاظت ہے محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

افعال میں عقل دل کے تابع ہے۔

(السوال) دل حاوی ہے عقل پر یا عقل حاوی ہے دل پر ؟ یعنی کسی کام کسی بات یا کسی فعل کے کرنے میں دل عقل کی متابعت میں چلتا ہے یا عقل دل کی ؟ آپ اپنی رائے کا اظہار فرما کر صرف مجھے ہی نہیں بلکہ تقریباً ایک ہزار دیگر سیاسی قیدیوں کو بھی جو اس بحث میں بڑی شدت سے حصہ لے رہے ہیں، شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں

المستفتی نمبر ۲۷۶۳ تاج محمد میر۔ سیاسی قیدی۔ سینٹرل جیل۔ ڈیرہ اسماعیل خان ۷ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۴۳ء

(جواب ۴۱۰) تمام رجحانات و تحریکات نفسانیہ کا مبنیٰ قلب ہے۔ وہی منشائے تحریک ہوتا ہے۔ پھر عقل اس کی رہبری کرتی ہے۔ اگر قلب نے عقل کی رہبری قبول کر لی تو اپنے اعمال میں رشد و استقامت پیدا کر لیتا ہے۔ اور اگر اس سے انحراف کیا تو خیبت و ضلال کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ ہمارے سید و مولیٰ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا۔ **الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب۔**(۱) یعنی جسم میں ایک مضغہ لحم ہے وہ درست رہے تو سارا جسم درست رہتا ہے اور وہ بگڑ جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ ہاں! وہ دل ہے۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جسم انسانی اور حرکات نفسانی اور صلاح و فساد کی ذمہ داری دل پر ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ دوزخ میں دوزخی کہیں گے **لو كنا نسمع او نعقل ما كنا في اصحب السعير** (۲) یعنی اگر ہم سماعت سے کام لیتے یا عقل سے کام لیتے تو آج دوزخ میں نہ

۱۔ بخاری، کتاب الایمان باب فضل من استبرأ الدینہ: ۱۳/۱ ط قدیمی
۲۔ الملک: ۱۰

ہوتے۔" معلوم ہوا کہ ان کے تمام اعمال کی ذمہ داری دل پر تھی۔ عقل سے تو انہوں نے کام ہی نہیں لیا۔ ساری زندگی دل کی خواہشات اور تحریکات پوری کرنے میں گذاری لہذا دل ہی تمام اعمال کا ذمہ دار ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۔ دہلی

کیا مندرجہ ذیل عقائد اہلسنت کے عقائد ہیں ؟

(السوال) زید جو مفتی بھی ہیں اہل سنت والجماعت کے عقائد مندرجہ ذیل قرار دیتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ جس کے عقائد یہ نہ ہوں وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں کیا یہ شخص اس قابل ہے کہ مسلمانوں کا مفتی بن سکے۔ اور کیا ان عقائد کو نہ رکھنے والا اہل سنت سے خارج ہے۔ مفتی صاحب مذکور اہل سنت والجماعت کے مندرجہ ذیل عقائد بتاتے ہیں :۔

(۱) مجلس میلاد شریف میں قیام تعظیمی مستحسن ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا تھا۔ (۳) فاتحہ کھانے پر جائز ہے۔ (۴) عرس گیارھویں شریف جائز ہے۔ (۵) اولیاء اہل قبور سے استمداد جائز ہے۔ (۶) یہ کہنا کسی ولی سے جو انتقال فرما چکے ہیں کہ آپ مدد فرمائیے یا خدا سے دعا کیجئے جائز ہے۔ (۷) تمام مردے قبروں میں سنتے ہیں۔ (۸) یا غوث اور یا رسول اللہ کہنا جائز ہے۔ (۹) عبدالنبی عبدالمصطفیٰ، غلام نبی غلام رسول نام رکھنا جائز ہے۔ (۱۰) تقویۃ الایمان مصنفہ مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی کے عقائد و مسائل خلاف مذہب اہل سنت والجماعۃ ہیں۔ بینوا بالا دلة الواضحة۔

المستفتی نمبر ۷۸۸ ۲ افضل المناظرین جہانگیر خاں (آگرہ) ۷ ۲ ذی قعدہ ۱۳۶۳ھ

(جواب ٤١١) اہل سنت والجماعۃ کی یہ تعریف من گھڑت ہے جو کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے۔ جو شخص اہل سنت والجماعۃ کی یہ تعریف بتاتا ہے اس سے دریافت کیا جائے کہ یہ تعریف کس کتاب میں لکھی ہے ؟ جو عقائد وہ اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب کرتا ہے ان میں سے بعض تو قرآن مجید کی صریح آیات اور حدیث صحیحہ کے خلاف ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جن کو وہ خود مستحسن کا درجہ دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کے مستحسن ہونے کو نہ ماننے والا اہل سنت والجماعۃ سے خارج نہیں ہو سکتا۔ اس کے بیان کردہ عقائد کی مختصر تفصیل یہ ہے :۔

(۱) "مجلس میلاد شریف میں قیام تعظیمی مستحسن ہے۔" اس سے پوچھا جائے کہ اہل سنت والجماعۃ کا یہ عقیدہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ اہل سنت والجماعت وہ ہے جو مجلس میلاد میں قیام تعظیمی کو مستحسن سمجھتا ہو۔ پھر یہ بھی دریافت کیا جائے کہ قیام تعظیمی صرف مجلس میلاد میں مستحسن ہونے کی وجہ کیا ہے۔ اگر حضور انور ﷺ کی سیرۃ مطہرہ اور ولادت طیبہ کا مجلس وعظ میں ذکر کیا جائے تو اس میں قیام کیوں نہیں کیا جاتا ؟ اور اس میں قیام نہ کرنے والے اہل سنت والجماعۃ سے خارج کیوں نہیں ہوتے۔ یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ مجلس میلاد معروف و مروج کی ابتدا یا ایجاد ساتویں صدی ہجری کے شروع میں ہوئی ہے۔ حضور رسول کریم ﷺ کے مبارک زمانے سے چھ سو سال تک مجلس میلاد کا وجود نہ تھا۔ سب سے پہلے یہ مجلس اربل کے بادشاہ ملک مظفر ابو سعید نے ایجاد کی۔ اول من احدث فعل ذلك صاحب اربل الملك المظفر ابو سعيد كو كرى ابن

زین الدین علی (الحاوی)(۱) ملک مظفر نے مولود کی ابتدا شاہانہ طریق پر کی۔ مجلس مولود پر ہر سال تین لاکھ اشرفیاں خرچ کرتا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ مصارف بیت المال سے کئے جاتے تھے یا ذاتی ملکیت سے۔ اگر بیت المال سے ہوتے تھے تو اس کا حق نہ تھا۔ اور اگر ذاتی ہوتے تھے تو پھر بھی اس سے زیادہ ضروری اور مفید صیغوں میں مثلاً تبلیغ اسلام و تعلیم میں یہ رقم خطیر خرچ کرنا مناسب تھا سبط ابن الجوزی نے مرآۃ الزمان میں ملک مظفر کی مجلس مولود کے بعض شرکاء سے نقل کیا ہے کہ جس مجلس میں وہ شریک تھا اس میں پانچ ہزار بکری کی بھنی ہوئی سریاں اور دس ہزار بھنی ہوئی مرغیاں اور ایک سو گھوڑے اور ایک لاکھ کھانے کی رکابیاں اور تیس ہزار حلوے کی قابیں شمار کی تھیں۔ ملک مظفر ایک تو مجلس مولود اس شان و شوکت سے کرتا۔ دوسرے یہ کہ ظہر کے بعد سے نماز فجر تک مجلس قوالی گرم رہتی۔ اس میں خود شریک ہوتا اور حال کھیلتا اور رقص کرتا تھا۔ اور جو علماء اور صوفی آتے ان کو خلعتیں دیتا اور خزانے ان کے لئے کھول دیتا ۔ وقال سبط ابن الجوزی فی مرآۃ الزمان حکی بعض من حضر سماط المظفر فی بعض الموالدانه عدنی ذلك السماط خمسه الاف رأس غنم مشوی وعشرة الاف دجاجة ومائة فرس ومائة الف زبدیة و ثلثین الف صحن حلوی . قال وکان یحضر عنده فی المولد اعیان العلماء والصوفیة فیخلع علیهم ویطلق لهم ویعمل للصوفیة سماعاً من الظهر الی الفجر ویرقص بنفسه معهم وکان یصرف علی المولد فی کل سنةثلث مأة الف دینار (الحاوی للسیوطی) (۲) جب کہ مجلس مولود کا وجود چھ صدیوں تک نہ تھا تو چھ صدی تک مسلمان جو نہ مجلس مولود منعقد کرتے تھے نہ قیام کرتے تھے وہ اہل سنت والجماعت تھے یا نہیں۔ اور ان کا ایمان و اسلام کامل تھا یا ناقص ؟ اگر تمام صحابہ کرام اور تابعین عظام اور مجتہدین واجب الاحترام مجلس مولود کے اور قیام کے بغیر سچے اور پکے مومن و مسلم اور اہل سنت والجماعۃ تھے تو آج بھی وہی اسلام مومن و مسلم اور اہل سنت والجماعۃ بننے کے لئے کافی ہے۔ ملک مظفر کی ایجاد سے اسلام و ایمان کی حقیقت نہیں بدل سکتی۔ اور نہ اہل سنت والجماعۃ میں شمار کئے جانے کی شرطیں بن سکتی ہے۔ ورنہ تو قوالی اور حال کھیلنا اور رقص کرنا بھی اسلام و ایمان میں داخل اور اہل سنت والجماعت کی علامت قرار دیا جائے گا۔ وحاشا عن ذلك

(۲) "اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا۔" ہاں اللہ تعالیٰ نے بیشمار مغیبات کا علم حضور ﷺ کو عطا فرمایا تھا۔ ہمارا ایمان اس پر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے بعد تمام خلق سے زیادہ تھا۔ مگر جب مغیبات کا علم اللہ تعالیٰ کے بتانے سے حضور کو حاصل ہوا تو حضور عالم الغیب نہیں ہوئے۔ کسی غیب کی بات کا علم جو بتانے سے حاصل ہو وہ علم غیب اس شخص کے حق میں نہیں رہتا اور اس لئے اس پر عالم الغیب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک میں حضور کو حکم دیا گیا کہ امت سے کہہ دو کہ میں عالم الغیب نہیں ہوں قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملك (۳) تمام امت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ علم

۱۔ الحاوی للفتاوی للامام السیوطیؒ، حسن المقصد فی عمل المولد: ۱/ ۱۸۹، ۱۹۰ مکتبہ النوریۃ الرضویہ فیصل آباد۔
۲۔ حوالہ بالا
۳۔ الانعام : ۵۰

غیب خاص حق تعالیٰ شانہ کی صفت ہے۔

(۳ و ۴) "کھانے پر فاتحہ دینا اور عرس اور گیارھویں۔" ان میں دو باتیں ہیں۔ اول ایصال ثواب یعنی صدقہ کر کے (خواہ کھانا دیا جائے یا نقد یا اور کوئی چیز) اس کا ثواب کسی میت کو بخش دیا جائے۔ یا کوئی عبادت بدنیہ نافلہ ادا کی جائے (جیسے نماز پڑھے یا روزہ رکھے یا تلاوت قرآن پاک کرے) اور اس کا ثواب کسی کو بخش دے۔ تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔(۱) دوم ان رسومات کی تخصیص اور تعیین ایام(۲) و شمول منکرات۔ جیسے کھانا سامنے رکھنا۔ فاتحہ کی جگہ کو لیپنا پوتنا۔ کھانے کے سامنے پان کی گلوری عطر کی پھریری حتی کہ اگر میت افیون کھاتا تھا تو افیون۔ اور حقہ پیتا تھا تو بھرا ہوا حقہ بھی سامنے رکھ کر فاتحہ دینا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ میت کو گویا یہ تمام چیزیں پہنچتی ہیں۔ جو صریح جہالت ہے۔ پھر اس کو لازم وضروری سمجھنا۔(۳) گیارھویں تاریخ کو اہتمام سے گیارھویں کرنا۔ عرس میں دور و دراز مسافت سے شد رحال کر کے جانا۔ عورتوں کے ساتھ اجتماع واختلاط کرنا۔ غیر محرم عورتوں کا گانا بجانا۔ یہ تمام باتیں بدعت ہیں۔ ان بدعات کے مرتکب تو اہل سنت والجماعت قرار دیے جائیں اور جو ان بدعات ومنکرات سے بچیں اور امت مرحومہ کو بچائیں وہ اہل سنت والجماعۃ سے خارج ہوں۔ یہ بات ایک ادنیٰ سمجھ والا بھی سمجھ سکتا ہے۔

(۵، ۶، ۷) اہل قبور سے مدد مانگنا تو اس لئے ناجائز ہے کہ وہ ظاہری زندگی کے لوازم اور اسباب اعانت سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ اور روحانی اور باطنی امداد دینے کی قرآن وحدیث وفقہ میں کوئی دلیل نہیں۔ ان کے مزارات کی زیارت مسنون ومستحب ہے۔ مگر زیارت کی غرض تذکر آخرت وتذکر موت اور صاحب قبر کے لئے دعائے مغفرت ہے۔ اور ان کے قرب سے برکت وسعادت حاصل ہوتی ہے جو ان سے مانگنے پر موقوف نہیں ہے۔ اور مردوں کا سننا نہ سننا صحابہ کرام کے زمانے سے مختلف فیہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بہت سے صحابہ کرام سماع اموات کا انکار فرماتے تھے اور قرآن کریم کی آیات سے استدلال فرماتے تھے۔ پس منکر سماع کو اہل سنت والجماعت سے خارج کرنے والا گویا حضرات صحابہ کو بھی اہل السنّت والجماعۃ سے خارج کرتا ہے۔ **معاذاللہ**

(۸) یارسول اللہ صلوٰۃ وسلام کے ساتھ مثلاً الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ اس نیت سے کہنا کہ ہمارا یہ کلام فرشتے حضور کو پہنچادیں گے جائز ہے۔(۴) اور اس اعتقاد سے کہنا کہ خود حضور سنتے ہیں ناجائز اور مفضی الی الشرک ہے۔ اور یاغوث کہنا اور غوث سے مراد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ہونا اور یہ سمجھنا کہ حضرت شیخ قدس سرہ ہر شخص کی ندا ہر مقام سے سن لیتے ہیں شرک ہے۔

۱۔ "ان الانسان له آن یجعل ثواب عمله لغیره صلوة او صوما او صدقةً او غیرها عند اهل السنة والجماعة." (هدایة، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۱ / ۲۹۶ ط شرکة علمیه)

۲۔ "ومنها وضع الحدود والتزام الکیفیات والهیات المعینة والتزام العبادات المعینة لم یوجد لها ذلك التعین فی الشریعة." (الاعتصام، الباب الاول فی تعریف البدع: ج ۱ ص ۳۹ ط دارالفکر بیروت)

۳۔ "وفیه من اصر علی امر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد آصاب منه الشیطان من الاضلال فکیف بمن اصر علی بدعة او منکر." (مرقاة: ۳ / ۳۱ ط المکتبة الحبیبة کوئٹه)

۴۔ "ان لله ملائکة سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔" (نسائی، کتاب الصلوٰۃ باب التسلیم علی النبی: ۱ / ۱۴۳ ط سعید)

(۹) عبدالنبی عبدالمصطفیٰ غلام نبی، غلام رسول اور اس قسم کے نام رکھنے کو اس غرض سے منع کیا جاتا ہے کہ اس میں ایہام واشتباہ ہو سکتا ہے۔(۱) اور عوام اس غلطی اور بد عقیدگی میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ ہم جیسے اللہ کے بندے ہیں ایسے ہی نبی اور رسول کے بندے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس بات کو اہل سنت والجماعت کی پہچان قرار دینا کسی ذی فہم آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام باوجود فدائے شمع رسالت ہونے کے عبدالمصطفیٰ عبدالنبی نام نہیں رکھتے تھے۔

(۱۰) تقویۃ الایمان حضرت مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی کے مسائل قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے موافق اور مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کا آئینہ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ لفظی تعبیرتیں کسی کو تامل ہو۔ لیکن مسائل میں کسی سنی حنفی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

علمائے دیوبند کو گمراہ کہنا غلط ہے۔

(السوال) حضرات علمائے دیوبند کو گمراہ جاننا اور ان کے وعظ کو بند کرنا اور ان کو وہابی کہنا کیسا ہے؟

(جواب ۴۱۲) علمائے دیوبند پکے حنفی اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ ان کو گمراہ جاننا یا وہابی کہنا غلط ہے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ۔ مدرسہ امینیہ، دہلی

ملحدانہ کلام کے خلاف کوشش کرنا باعث اجر ہے۔

(السوال) ایک شاعر مندرجہ ذیل قسم کے اشعار اردو زبان میں کہتا پڑھتا اور شائع کراتا ہے۔ اور خدا اور رسول کے خلاف ایسا لٹریچر پیدا کرتا ہے جو آئندہ نسلوں کے لئے خطرناک ہے۔

اشعار

افق سے سحر مسکرانے لگی　　　　موذن کی آواز آنے لگی
یہ آواز ہر چند فرسودہ ہے　　　　جہاں سوز صدیوں سے آلودہ ہے
مگر اس کی ہر سانس میں متصل　　　　دھڑکتا ہے اب تک محمد کا دل

رباعیاب

حق کا ہو عروج ہر ولی چاہتا ہے　　　　باطل مٹ جائے ہر نبی چاہتا ہے
لیکن ان بزرگواروں سے کوئی پوچھے　　　　کیا قادر مطلق بھی یہی چاہتا ہے
آتے نہیں جن کو اور دھندے ساقی　　　　اوہام کے بنتے ہیں وہ پھندے ساقی
جس مے کو چھڑا سکا نہ اللہ اب تک　　　　اس مے کو چھڑا رہے ہیں بندے ساقی

(۱) "ہیچو اسم کہ ایہام مذموم غیر مشروع سازد احتراز لازم است۔" (مجموعۃ الفتاویٰ علی هامش خلاصۃ الفتاویٰ: ۴ / ۳۳۰ ط امجد اکیڈمی

ایسے شاعروں اور ایسے اشعار کے خلاف آواز بلند کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ اور احترام مذاہب کا خیال رکھتے ہوئے حکومت کو ایسے شاعر کے خلاف قانونی کارروائی کرنی چاہئے یا نہیں ؟

(جواب ۴۱۳) ایک فتویٰ اس سے پہلے شاعر مذکور کے کلام کے متعلق میں لکھ چکا ہوں۔ وہی اس کا جواب بھی سمجھ لیا جائے۔ یہ کلام ملحدانہ ہے۔ اس سے چھنا اور اس کو نقل کرنے سے احتراز کرنا لازم ہے۔ حکوت موجودہ کوئی اسلامی حکومت تو ہے نہیں کہ وہ ملحدانہ کلام پر کوئی گرفت کرے۔ ہاں مسلمان اپنے طرز علم سے شاعر کو اس قسم کی شاعری سے روک سکیں تو ان پر لازم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے دیگر علماء اور ان کی تصانیف کا حکم.

(السوال) زید کہتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شاہ رفیع الدین اور ان کے والد ماجد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی یہ تمام کوئی بڑے پایہ کے علمانہ تھے۔ جس طرح میاں نظیر حسین محدث دہلوی بڑے عالم تھے۔ ان علمانے حدیث کی اور دین کی کوئی نمایاں خدمت نہیں کی۔ بلکہ ہندوستان میں تقلید کی بدعت پھیلانے کے یہی لوگ سبب ہوئے۔ عمرو کہتا ہے کہ مذکور بالا علماء بڑے پایہ کے عالم تھے۔ ہندوستان میں آج علم حدیث کا وجود انہیں حضرات کا طفیل ہے۔ حدیث کی اور دین کی بڑی خدمتیں کیں۔ اور ان کے بعد کے علماء ان کو اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھتے ہیں۔ دیکھو حضرت شاہ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ کی شرح اشعۃ اللمعات تحریر فرمائی اور عقائد میں تکمیل الایمان تحریر فرمائی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے رد شیعہ میں تحفہ اثنا عشریہ تحریر فرمائی اور تفسیر عزیزی فتاوی عزیزیہ وغیرہ لکھی۔ وغیرہ۔

سوال یہ ہے کہ دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟ المستفتی منشی رحیم بخش (جھانس)

(جواب ۴۱۴) عمرو کا قول صحیح ہے۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ تعالیٰ اور اسی خاندان کے دوسرے بزرگ بڑے مقدس اور متبحر علماء تھے۔ تمام ہندوستان ان کے علمی فیوض سے متمتع ہے۔ میاں نظیر حسین صاحب محدث دہلوی بھی اسی خاندان کے خوشہ چین اور حضرت شاہ محمد اسحٰق رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے احسانات دینیہ سے ہندوستان کے مسلمان سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ ان کی تصنیفات معتبر اور لائق استفادہ ہیں۔ اسی طرح حضرت شاہ اہل اللہ، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ محمد اسحٰق، شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یہ سب مقدس بزرگ ہیں۔ اور ان کی تصنیفات معتبر اور مقبول ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۲۸ء مطابق ۲۲ شوال ۱۳۴۶ھ)

گزارش ہے کہ ایک مطبوعہ اشتہار عریضہ ہذا کے ساتھ ارسال خدمت ہے۔ بارہا اس قسم کے اشتہارات ہر دو تین سال بعد دیکھنے میں آتے ہیں۔ مگر اشتہار ہذا میں یہ نئی بات ہے کہ بقید سنین پیش گوئی درج

ہے لہذا استدعا ہے کہ ان کے متعلق رائے عالی سے مطلع فرمائیں۔ اشتہار۔

فرمان مصطفوی

ہم مسلمان مدد مانگتے ہیں اور درود و سلام بھیجتے ہیں دونوں جہان کے سردار سرور عالم ﷺ اور ان کے آل واصحاب پر اس وصیت سے سب مسلمان بھائیوں کو اطلاع کرتا ہوں۔ مدینہ منورہ سے شیخ احمد خادم روضہ مبارک کی طرف سے کہتے ہیں کہ جمعرات کو میں قرآن مجید کی تلاوت کے بعد اللہ پاک کے نام کا ورد کرنے بیٹھا تھا کہ نیند کا غلبہ ہوا۔ تو میں وہیں سو گیا اور خدائے پاک کی مہربانی سے حضرت رسول خدا ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور نے پکار کر فرمایا اے شیخ! میں نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں نہایت برے کام ہو رہے ہیں اور میں شرمندہ ہو رہا ہوں۔ اور پروردگار کو اور اس کے ملائک کو منہ نہیں دکھا سکتا۔ اس سبب سے آپ کہ اس جمعہ سے آتے جمعہ تک ایک لاکھ آٹھ ہزار اسلام کے سوائے دوسرے مذہب پر چل رہے ہیں ۔ میں خدا کے آگے پناہ مانگتا ہوں حال میں ایسا ہو رہا ہے۔ مال دار لوگ غریبوں پر رحم نہیں کرتے۔ صبح اٹھتے ہی برے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں ۔ ہر ایک شخص گناہوں کی طرف رجوع ہو رہا ہے۔ کوئی شراب دارو پیتا ہے۔ کوئی ناپ تول کم کر دیتا ہے۔ بیاج کھا رہا ہے۔ زکوٰۃ نہیں دیتے اے شیخ احمد اس میری وصیت کو لوگوں تک پہنچا دے کہ غفلت میں نہ رہیں۔ میں ان کی حالت دیکھ کر حیران و پریشان ہوں۔ کیونکہ ان کے اوپر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ اور خدائے پاک ان کا رزق بند کرنے والا ہے۔ اس لئے ان کو خبر کر دو کہ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں۔ اس زمانے کے لوگ نیک کاموں سے دور اور برے کاموں کے نزدیک ہو رہے ہیں۔ دین اسلام سے دور بھاگ رہے ہیں۔ آخرت کا دن قریب آرہا ہے۔ اور ۱۳۴۰ھ میں عورت اپنے خاوند کی بے اجازت گھر سے باہر جائے گی۔ اور ۱۳۵۰ھ میں ایک نشانی مرغی کے انڈے کے مانند دکھائی دے گی۔ اور ۱۳۶۰ھ میں تین دن اور تین رات آفتاب غروب رہے گا۔ اس کے بعد مغرب سے طلوع ہوگا۔ اس وقت توبہ کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اور ۱۳۸۰ھ میں حافظوں کے سینے سے قرآن شریف نکل جائے گا یادداشت کمزور ہو جائے گی۔ اور مسیح اور دجال ظاہر ہوں گے۔ اور آخری زمانے کے حالات دیکھ کر میں بہت پریشان ہوں گا۔ شیخ یہ ہماری نصیحت لوگوں پر پہنچا دے اور ان کو خبر کر دے کہ اس وصیت کو جو کوئی نقل کر کے ایک شہر سے دوسرے شہر پہنچا دے گا تو خداوند کریم اس کے لئے ایک محل جنت میں تیار کرے گا۔ جو کوئی اس طرح نہ کرے گا تو قیامت کے دن اس کو میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ اور جس کسی کو لکھنا نہ آتا ہو تو تین درم دے کر لکھائے اور جو کوئی مفت لکھ دے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں محل دے گا ۔ اور قرض دار لکھوا کر اپنے پاس رکھے تو خداوند کریم اس کا قرض ادا کرے گا۔ اس کے اور اس کے ماں باپ کے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور جو لکھ کر نہ دے اس کا منہ دنیا میں اور آخرت میں کالا ہوگا۔

شیخ احمد کہتے ہیں خدا کی قسم خدا کی قسم خدا کی قسم یہ اوپر لکھی ہوئی حقیقت سب سچ ہے۔ اور میں

جھوٹ کہتا ہوں تو دنیا میں اسلام کے سوائے غیر مذہب کے اوپر میری موت ہو۔ اور جو شخص اس حقیقت کو غلط سمجھے اور ایمان نہ لائے تو وہ کافر ہے۔ اور ایمان لائے گا تو دوزخ کی آگ سے نجات پائے گا۔ میں درود بھیجتا ہوں دونوں جہان کے سردار پر اور سلام بھیجتا ہوں نبی کریم ﷺ پر اور ان کے آل واصحاب پر۔ خداوند کریم یہ وصیت ظاہر کرنے والے پر اجر عظیم اور جنات نعیم ظاہر فرما۔ نماز پڑھو اور عذاب سے بچو۔ اور نیک چلنی اختیار کرو۔ امین ثم امین

(جواب ٤١٥) یہ وصیت نامہ اور اسی قسم کے وصیت نامے جو مدت سے شائع کئے جا رہے ہیں، ہرگز اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔ شیخ احمد ایک فرضی نام ہے۔ اور تمام واقعہ محض بناوٹی اور گھڑا ہوا ہے۔ یا تو یہ کارروائی دشمنان اسلام کی ہے کہ وہ مسلمانوں کے عقیدے بگاڑنے کے لئے اس قسم کی بے سروپا باتیں شائع کرتے ہیں۔ یا ان ناواقف اور جاہل مسلمانوں کا کام جو اصول اسلام سے ناواقف اور بے خبر ہیں بہر حال یہ اشتہار بالکل ناقابل اعتماد ہیں کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ وہ انہیں چھپوائے یا شائع کرے یا اسے پڑھ کر دوسروں کو سنائے۔ بلکہ لازم ہے کہ جسے ملے وہ فوراً ضائع کردے۔

(جواب ٤١٦) جواب دیگر۔ یہ اشتہار جس کا عنوان "فرمان مصطفوی" ہے عرصہ دراز سے ہندوستان میں چھپتا اور شائع ہوتا ہے۔ تقریباً پینتالیس برس سے تو میں دیکھ رہا ہوں۔ ابتداء میں اس کی اشاعت غالباً کسی دشمن اسلام نے کی ہوگی۔ پھر بھولے بھالے مسلمان اپنی ناواقفیت کے باعث پھنس گئے۔ اور کوئی نہ کوئی مسلمان اس کو چھپوا کر شائع کر دیتا ہے۔ اس کا مضمون شریعت کے اصول کے خلاف ہے۔ اور اس پر یقین کرنا جہالت اور گناہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

کسی دینی کتاب میں قیامت کی تعیین کا ذکر موجود نہیں ہے .

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۳۴ء)

(السوال) کسی دینی کتاب میں قیامت کے آنے کے لئے کوئی وقت یا صدی معین کی گئی ہے یا نہیں ؟ ہم پر اغیار اعتراض کرتے ہیں کہ تمہاری کتابوں میں لکھا ہے کہ چودھویں صدی میں قیامت ہے۔ کیا یہ صحیح ہے ؟

(جواب ٤١٧) قیامت کا کوئی وقت معین طور پر نہیں بتلایا گیا۔ نہ کوئی صدی معین کی گئی ہے۔ اس کا صحیح وقت خدائے تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

۱۔ "ان اللہ عندہ علم الساعۃ" (لقمن ۳۴)

اشعار ذیل کا شرعی حکم.
(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۰ جولائی سن ۱۹۳۷ء)

(السوال) ہندوستان کے مشہور شاعر سیماب صاحب کے لئے چند شاعروں نے قصیدے لکھے ہیں جن میں سے ایک نے لکھا ہے :۔

اے ضیا سیماب وہ پیغمبر اسرار ہے رہنما ہے راہبر ہے قافلہ سالار ہے

اس کے علاوہ مضطر لاہوری نے بھی سیماب کے لئے مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں :۔

عشق کا پیغمبر جذبات نقاش بہار خالق رومانیت تہذیب کا پروردگار
رہبر راہ طریقت بربط نغمہ فروش عارف کعبہ بداماں ساقی کوثر بدوش
ہم زماں روح القدس کا ہمنوائے ساز غیب عشق کے بھیدوں کا محرم آشنائے راز غیب
غنچہ گل کو سکھانے والا طرز گفتگو بھرنے والا چشم مینا میں مذاق جستجو
جوڑنے والا لب گفتار سے سازو جود توڑنے والا بت پندار کا باطل جمود
جس کے لب الہام زا جس کی نظر جبریل ساز جس کی پستی میں ہزاروں آسمانوں کا فراز
جس کی ہر ہر سانس میں پنہاں حدیث راز ہے آسماتو کیا فرشتوں کا بھی جس پر ناز ہے
خار صحرا کو کیا جس نے چمن سے آشنا بے زبانوں کو کیا جس نے سخن سے آشنا

کیا کسی شاعر کو پیغمبر اسرار کہنا جائز ہے ؟ مضطر لاہوری کے مندرجہ بالا اشعار شریعت مطہرہ کی رو سے کیسے ہیں ؟

(جواب ٤١٨) شعراء کے کلام میں اس قسم کی باتیں بکثرت ہوتی ہیں اور یہ مبالغہ میں ہمیشہ حدود واعتدال سے گزر جاتے ہیں ۔

در شعر مپیچ و در فن او چونکہ اکذب اوست احسن او

پیغمبر اسرار کہنے سے کفر عائد نہیں کیا جائے گا کیونکہ اسرار سے اسرار الہیہ مراد نہیں ہیں بلکہ اسرار کلام یا اسرار عشق و محبت یا اسرار فصاحت وبلاغت مراد ہو سکتے ہیں - اسی طرح تہذیب کا پروردگار یعنی رب التہذیب بالاضافۃ ایسا ہے جیسے رب الغنم رب المال وغیرہ ۔ ساقی کوثر بدوش ان تمام الفاظ میں زیادہ سخت ہے مگر شاعر کے لئے والشعراء یتبعهم الغاوون. الم تر انهم فی کل واد یهیمون وانهم یقولون مالا یفعلون (۱) کے تمغہ رکھنے کے بعد یہ باتیں مستبعد نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) الشعراء : ۲۲۴، ۲۲۵

بغیر دلیل کسی پر زنا کی تہمت لگانا اور قرآن کی بے ادبی کرنے کا حکم۔

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۱ء)

(السوال) چند اشخاص ہم نوالہ و ہم مشرب تھے۔ یکایک فروعی مسائل میں اختلاف ہو گیا اور ذاتی عداوتیں شروع ہو گئیں۔ زید نے بکر کو زنا کی تہمت لگا کر نماز سے نکال دیا۔ بکر نے ہر چند کہا کہ میں بری ہوں۔ قرآن شریف اٹھا سکتا ہوں اگر تم سچے ہو تو گواہ لاؤ۔ بکر نے قرآن شریف کے حق میں بے ادبی کے الفاظ کہے۔ وغیرہ۔

(جواب ۴۱۹) فروعی اختلاف میں تو یہ طرز عمل مناسب نہیں ہے۔ لیکن فروعی اختلاف کو صاف صاف ذکر کرنا چاہئے کہ کس مسئلہ کی بناء پر اختلاف ہوا ہے اور زنا کی تہمت تو بہر حال سخت چیز ہے۔ بغیر حجت شرعیہ کسی کو متہم بالزنا کرنا سخت گناہ ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں توہین کے الفاظ کہنا موجب فسق ہے اور بعض صورتیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں(۱)۔ علمائے کرام اور محدثین عظام کی شان میں بے ادبی کرنا موجب فسق ہے(۲)۔ اور اگر بے ادبی بحیثیت کسی شرعی مسئلے کے یا علم کی توہین پر مبنی ہو تو موجب کفر ہو سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ

---

۱. "لو انکر یة من القرآن او سخر بآیة منه کفر." (جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون : ۳۰۴/۲ ط اسلامی کتب خانہ)

۲. "یخاف علیه الکفر، اذاشتم عالماً اوفقیهاً من غیر سبب." (البحر الرائق، باب احکام المرتد : ۱۳۲/۵ ط بیروت)

فرہنگ اصطلاحات

الف

احوط۔ قریب باحتیاط، جواز کی دو برابر کی صورتوں میں سے وہ صورت جو تقویٰ کے قریب تر ہو۔
استخفاف۔ حقیر سمجھنا۔
احتضار۔ نزع کا وقت، موت کے فرشتوں کا قبض روح کے لئے حاضر ہونا۔
اطراء۔ کسی کی تعریف میں حد سے زیادہ مبالغہ کرنا۔
اضطرار۔ ایسے حالات کا پیدا ہو جانا کہ جان کے ہلاک ہو جانے کا یا کسی عضو کے ٹوٹ جانے کا یقین ہو جائے۔
اجماعی مسئلہ۔ وہ عقیدہ یا حکم جس پر صحابہ وائمہ مجتہدین متفق ہوں۔
الہام۔ خدا کے نیک بندوں کے دل میں خدا کی طرف سے جو کوئی بات ڈالی جاتی ہے اسے الہام کہتے ہیں۔ یہ وحی کے بعد کا درجہ ہے۔ ملہِم اسم فاعل۔ ملہَم اسم مفعول۔
ادلہ اربعہ شرعیہ۔ چار شرعی دلیلیں جن پر احکام شرعیہ کا مدار ہے۔ اول قرآن مجید، دوم حدیث شریف، سوم اجماع امت، چہارم قیاس (اجتہاد)
احناف۔ حنفی کی جمع۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین۔
اتفاقاً۔ متفقہ طور سے، بالاتفاق۔
استدلال۔ دلیل پکڑنا، یعنی کسی مسئلہ مطلوبہ کو ثابت کرنے کے لئے کوئی اصول پیش کرنا۔
احتجاج۔ حجت پکڑنا۔ یعنی کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے ایسی صاف اور واضح دلیل پیش کرنا جو مقابل کی دلیلوں کو کاٹ دے اور اس کو مغلوب کر دے۔
اسرائیلیات۔ زمانہ ماقبل اسلام کے پیغمبروں، امتوں، ملکوں اور سلطنتوں سے تعلق رکھنے والی وہ روایات وحکایات جو اہل کتاب کی مذہبی کتابوں سے منقول ہیں۔
الحاد۔ بے دینی، ملحد اس کا اسم فاعل ہے۔

ب

برزخ۔ موت کے بعد قیامت تک کا زمانہ

ت

تعزیر۔ سزا دینا، کسی جرم کی وہ سزا جو حاکم اسلام اپنی صوابدید اور رائے سے تجویز کرے اور شرعاً اس کی کوئی خاص سزا مقرر نہ کی گئی ہو۔
تکفیر۔ کفر کا حکم لگانا۔

تاویل۔ لفظ مشترک کے چند معانی محتملہ میں سے بقرائن ایک معنی کو ترجیح دینا۔ (اگر وہ ترجیح اصول شرعیہ کے خلاف نہ ہو تو تاویل مقبول ہے ورنہ تاویل باطل۔)

تعبیر۔ کسی مفہوم و معنی کو بیان کرنے کے لئے چند اسالیب بیان میں سے ایک اسلوب بیان کو یا چند مرادف الفاظ میں سے ایک کو اختیار کرنا۔

تحریف۔ الفاظ یا مفہوم میں اصل مقصد کے خلاف اپنی مرضی کے مطابق ادل بدل کر دینا۔

تواتر۔ کسی بات کا اتنے کثیر راویوں کے ذریعے سے تسلسل کے ساتھ ہم تک پہنچنا جن کے متعلق جھوٹ کا گمان نہ ہو سکے جیسے قرآن مجید کہ ہم تک بطریق تواتر پہنچا ہے۔

تشریع۔ کسی بات کو دین قرار دینا، مذہب قائم کرنا۔

تحدی۔ قوت مضبوطی اور دعوے کے ساتھ کسی بات کو دوسروں کے سامنے پیش کرنا، چیلنج کرنا۔

تلبیس۔ جھوٹ سچ کو ملا دینا، صحیح بات کو مشتبہ کر دینا۔

توجیہہ۔ کلام کے محمل کو بیان کرنا اور وجہ و علت کو ظاہر کرنا تاکہ اس کا اغلاق و ابہام دور ہو جائے اور دوسرے کلام سے اس کا تعارض رفع ہو جائے۔

تھیوری۔ (انگریزی) نظریہ

تثلیث۔ تین خدا ماننا (عیسائیوں کا عقیدہ)

ج

جماہیر۔ (جمہور کی جمع) مراد اسلام کے علماء اور صاحب الرائے لوگ۔

جاہلیت۔ (عہد جاہلیت) حضرت رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے کا زمانہ۔

ح

حربی۔ دار الحرب کے غیر مسلم باشندے یا رعایا۔

حنفیہ (حنفی کی جمع) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین۔

حنبلیہ۔ (حنبلی کی جمع) حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مقلدین۔

حجت۔ (برہان) ایسی صاف اور واضح دلیل جو مقابل کی دلیلوں کو کاٹ دے اور اس کو مغلوب کر دے۔

حمد۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنا۔

حد۔ جرم کی وہ سزا جو دلیل قطعی کی رو سے شرعاً ثابت اور مقرر ہو۔

خ

خارق عادت۔ کوئی ایسا کام یا واقعہ جو فطرت کے عام دستور و معمول کے خلاف کسی آدمی سے بغیر اسباب و آلات کے ظاہر ہو۔ (پیغمبر سے ظاہر ہو تو اس کو معجزہ اور ولی سے ظاہر ہو تو اس کو کرامت اور غیر مسلم سے ظاہر ہو تو اس کو استدراج کہتے ہیں۔ لیکن ان تینوں میں اور بھی بہت سے باریک فرق ہیں۔)

د

دارالاسلام۔ وہ ملک جس میں مسلمانوں کی خود مختار حکومت ہو اور اسلامی احکام و قوانین جاری کرنے پر قادر ہو۔

دارالحرب۔ وہ ملک جس میں اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو۔

دیانۃ۔ وہ معاملہ جو بندے اور خدا کے درمیان ہو۔

دلیل۔ کوئی اصول جس سے مسائل ثابت کئے جائیں۔

دلیل قطعی۔ وہ دلیل جو صاف و صریح اور واضح طور پر کتاب و سنت میں موجود ہو اس میں توجیہ و تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

ڈ

ڈارون تھیوری۔ ڈارون کا نظریہ۔ (ڈارون یورپ کا ایک فلاسفر تھا۔ اس نے اسلامی عقیدے کے خلاف یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ انسان کی آفرینش حضرت آدم علیہ السلام کی صورت میں نہیں ہوئی ہے بلکہ پہلے ایک کیڑا تھا، پھر اس نے گرگٹ وغیرہ کی شکل اختیار کی پھر تدریجاً بہت سی مختلف صورتیں اختیار کرتا ہوا بندر کی صورت میں آیا اور بندر سے ترقی کر کے انسان بنا۔)

ر

ربوٰ۔ ربا۔ سود، بیاج

ردۃ۔ ارتداد، مرتد ہونا، اسلام سے پھر جانا۔

ز

زجراً۔ تنبیہاً، اظہار نفرت کے طور پر۔

زندیق۔ جو شخص آخرۃ کو نہ مانے اور خالق کے وجود کا قائل نہ ہو۔ زنادقہ جمع۔

زندقہ۔ آخرۃ کو نہ ماننا اور خالق کے وجود سے انکار کرنا۔

زمانہ جاہلیت۔ عہد جاہلیت، حضور انور رسول خدا ﷺ کی بعثت سے پہلے کا زمانہ۔

س

سیر۔ (سیرۃ کی جمع) سیرۃ کے معنی کسی شخص کی سوانح عمری۔ مگر اصطلاحاً رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی مراد لئے جاتے ہیں۔ سیر کے دوسرے معنی مغازی۔

سنت۔ حدیث شریف یعنی رسول اللہ ﷺ نے دین کی حیثیت سے جو کام کئے یا کرنے کا حکم دیا۔ (آپ کا طریقہ اور نمونہ عمل)

سماع موتی۔ مردوں کا سننا۔ (یعنی یہ مسئلہ کہ آیا قبروں میں مردے باہر کی آواز سنتے ہیں یا نہیں؟)

سیاست۔ کسی جرم کی سزا جو حاکم انتظاماً اپنی رائے سے جاری کرے۔

ش

شہود۔ (شاہد کی جمع) گواہ۔

شہادتین۔ دو شہادتیں جو کلمہ شہادت میں ہیں۔ اللہ کی وحدانیت کی شہادت اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کی شہادت۔

شان نزول۔ جن حالات کی وجہ سے یا جن اسباب کی بناء پر کوئی آیت نازل ہو۔ (سبب نزول یا موقعہ نزول)

شوافع۔ (شافعی کی جمع) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے مقلدین۔

ص

صراحتہً۔ صاف، واضح، غیر مشتبہ طور پر۔

ع

عقود ربویہ۔ سودی معاملات۔

غ

غالی۔ کٹر، متشدد

غلو۔ کٹرپن، شدت

غیر موجہ۔ وہ کلام جس میں توجیہ نہ کی گئی ہو۔

ف

فروعی مسائل۔ جزوی مسائل۔ ایسے مسائل جو بطریق اجتہاد اخذ کئے گئے ہوں۔

ق

قاضی۔ وہ بااختیار مسلم جج جو سلطان اسلام کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو اور شریعت کے مطابق فیصلے کرے۔

قضا۔ وہ حکم یا فیصلہ جو قاضی کی عدالت سے جاری ہو۔

قرون ثلثہ مشہود لھا بالخیر یا قرون اولیٰ مشہود لھا بالخیر۔ وہ تین زمانے جن کے افضل و علیٰ اور باخیر ہونے کی شہادت مخبر صادق ﷺ نے دی۔ آپ نے فرمایا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم لذین یلونھم۔ یعنی بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر ان لوگوں کا زمانہ جو میرے زمانے کے لوگوں کے بعد آئیں گے۔ پھر ان کا زمانہ جو ان کے بعد آئیں گے۔

م

محارب۔ دارالحرب کے غیر مسلم باشندے جو برسر جنگ ہوں۔

معتوہ۔ ناقص العقل۔ ملخولیا زدہ آدمی۔

مقاطعہ۔ قطع تعلق بائیکاٹ۔

منجر بکفر۔ کفر تک پہنچانے والا۔ یعنی کوئی ناجائز کام جو کفر کے قریب قریب ہو۔

مجتہد فیہ۔ وہ مسئلہ جس کا حکم قرآن و حدیث میں صاف اور واضح طور پر موجود نہ ہو اور بطریق اجتہاد اخذ کیا گیا ہو۔

متفق علیہ۔ وہ مسئلہ جس میں ائمہ مجتہدین کا اتفاق رائے ہو۔
محتضر۔ وہ شخص جو نزع کی حالت میں ہو۔
مخبر صادق۔ سچی خبر دینے والا۔ یعنی حضرت رسول خدا ﷺ۔
معہود۔ ایسا کام جو اوپر سے ہوتا چلا آتا ہو۔
مندوب۔ مستحب۔
مختلف فیہ۔ وہ مسئلہ جس میں مختلف رائیں ہوں۔ ضد متفق علیہ۔
محدث۔ نئی ایجاد کردہ چیز۔ اس کا مصدر احداث اور اسم فاعل محدث ہے۔
محدث۔ حدیث شریف کا جید عالم۔
مالکیہ۔ مالکی کی جمع۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین۔
ملہم۔ وہ شخص جس کو الہام ہو۔ اس کا مصدر الہام اور اسم فاعل ملہم ہے۔
ملائکہ سیاحین۔ وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس خدمت پر مقرر ہیں کہ دنیا میں ہر جگہ چلتے پھرتے رہیں اور جہاں کہیں لوگ عبادت اور وعظ و تذکیر و تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی گواہی دیں۔ درود و سلام رسول اللہ ﷺ تک وہی ملائکہ سیاحین پہنچاتے ہیں۔
منقبت۔ صحابہ و اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے اوصاف اور کارنامے۔
ملحد۔ بے دین۔ وہ شخص جو کسی دین کا قائل نہ ہو۔
متخلف۔ وعدہ خلافی کرنے والا۔ اس کا مصدر تخلف ہے۔
منکر۔ وہ چیزیں یا وہ کام جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔
منکر۔ انکار کرنے والا۔ انکار کا اسم فاعل۔
مضطر۔ وہ شخص جو حالت اضطرار میں ہو (دیکھو اضطرار)
متواتر۔ بطریق تواتر پہنچنے والی چیز۔ (دیکھو تواتر)
مباشرۃ۔ عملدرآمد کرنا، عمل میں لانا، بوس و کنار کرنا، اردو کے محاورہ میں مباشرت کے معنی جماع اور وطی کرنا ہیں لیکن عربی میں صرف بوس و کنار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ن

نص۔ حلت و حرمت کا وہ واضح اور صاف حکم جو کتاب و سنت سے ثابت ہو۔ اس میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔
نظم قرآن۔ مراد قرآن شریف کی عبارت۔
نعت۔ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان کرنا۔ (خاص کر اشعار میں)

و

واجب الہدم۔ ڈھادینے کے لائق۔ جس کا ختم کردینا ضروری ہو۔
وظیفہ۔ فرض، ڈیوٹی۔

واردات دل

خدا کا ہے یہ مجھ پر خاص انعام
ہوا رحمت سے اس کی اک اہم کام

کہاں یہ ایک علمی کارنامہ
کہاں یہ واصف بے علم وبدنام

خدا نانے تصرف ہے یہ کس کا
کہ بہتر ہوگئی تبویب احکام

بڑی محنت بڑی کاوش ہوئی ہے
بہت ہی سخت گزرے ہیں یہ ایام

موانع سیکڑوں پیش نظر تھے
مقابل یاس آتی تھی بہر گام

رفیقوں کی نگاہیں ! اللہ اللہ!
خدا کے ہاتھ میں ہے عز واکرام

دل مظلوم کو معزور سمجھو!
چھلک جاتا ہے جب لبریز ہو جام

ادھر دن رات اک دُھن تھی لگن تھی
ادھر تشمیت واستخفاف وابرام

یہاں دل میں کڑھن لب پر دعا تھی
وہاں ایذا، حسد ، توہین والزام

بڑے ہمت شکن تھے اپنے حالات
مسلط دل پہ تھے افکار وآلام

معاذ اللہ غضب کا ابتلا تھا
دعا قاصر تھی اور تدبیر ناکام

نہ حامی تھا نہ کوئی تھا مددگار
نہ دل جمعی میسر تھی نہ آرام

اسی غم میں یہ سولہ سال گزرے
کہ تھا خطرے میں ہر دم حسن انجام

مگر اس کام کی ایسی لگن تھی
رہا جاری بایں آفات وآلام

بایں بیچارگی ، الحمد للہ
کہ مسودہ فتاوی کا ہوا تام

سوادِ منزلِ مقصود آیا
بتوفیق خدائے پاکِ علام

ادائے شکر گو ممکن نہیں ہے
مگر بندوں کے لائق ہے یہی کام

اگر فردوس کی جانب گزر ہوں
تو لے جانا صبا میرا یہ پیغام

کہ اے فخر وطن صدر افاضل
امام اتقیا ، سرخیل اسلام

فقیہ امت ونباض ملت
خجستہ سیرت وپاکیزہ انجام

نہ ہونے سے ترے سونی ہے محفل
زبانیں گنگ ہیں عاجز ہیں اقلام

نہیں تجھ سا کوئی اب صاحب فیض
مبارک طلعت وفرخندہ اقدام

ترے واصف نے رولے ہیں یہ موتی
بامعان نگاہ ومحنت تام

جواہر پارے جو بکھرے ہوئے تھے
دیا ہے ان کو یکجا زیب ارقام

تری یہ باقیات جاودانی
رہے گی مرجع احبار واعلام

مگر تیرے نہ ہونے کا قلق ہے
عجب ہے یہ سرور وغم کا ادغام

کہے جو آفریں کوئی نہیں ہے | یہاں جو ہے وہ ہے مغرور وخود کام
نہیں کوئی جو دے داد مشقت | سوائے منعم ستار وعلام
کروں اب اس سے عرض مدعا کیا | کہا ہے جس نے خود لست بظلام
یہ مسودہ تو بیشک ہے مکمل | ہوا ہے اس کا نو جلدوں میں اتمام
مگر اب فکر یہ ہے دل پاطاری | کہ ہوجائے یہ محنت نیک فرجام
تمنا ہے کہ شائع جلد ہوجائے | مگر بے زر بنے کیونکر کوئی کام
جگر سوزی ہے رہن بے نوائی | یہاں کچھ ہے تو بس اللہ کا نام
قلندر بھی ہے قدرت کی نشانی | اگر اس کا غم الفت نہ ہو خام
یہ ہے کس کام کی طبع درخشاں | نہ ہو روشن اگر بخت سیہ فام
ادیباں را بکیسہ چوں درم نیست | بسا اہل قلم رفتند گمنام
کہاں عادت ہے عرض مدعا کی | نہیں طاقت کہ لوں احباب سے وام
عجب خوف ورجا میں مبتلا ہوں | کہ گردش میں یہ کیونکر آئے گا جام
بھروسہ خالق اسباب پر ہے | اُسی سے لو لگی ہے صبح اور شام
وہی ہے کارساز ہر دوعالم | وہی ہے مالک آغاز وانجام
پے تاریخ جب دل کو ہوا فکر | کئے دو مصرعے ہاتف نے الہام
مبارک نسخہ رشد واطاعت | خجستہ معہد احکام اسلام

۱۹۲۹ء   ۱۳۸۹ھ

سخن کیا اور کیا واصف کی پونجی
بجز حرفِ دعا واللہ منعام

پریشان خاطر شاد صابری انبہوی از بمبئی

مردے از غیب بروں آمد

جب کفایت المفتی کا مسودہ مکمل ہوا تو دل ودماغ پر اس کی طباعت کا فکر مسلط تھا اور اکثر زبان حال پر نوح ناروی کا یہ شعر ی جاری ہوتا تھا

سواد منزل مقصد نظر آنے لگا مجھ کو کسی صورت سے طے اتنی مسافت اور ہو جاتی

مسودہ کی تکمیل کا اعلان اخبار الجمعیۃ میں بھی کر دیا گیا تھا۔ ملاقات کے وقت احباب سے، اور متفرق محفلوں میں فکر طباعت کے تذکرے بھی رہتے تھے۔ اسی حالت میں انتظار میں کافی عرصہ گزر گیا

شاید کہ ملتفت ہو کوئی شہسوار ناز کس آرزو سے ہم سر منزل کھڑے رہے (واصف)

ناگاہ کارساز حقیقی کی رحمت متوجہ ہوئی اور ایک صاحب دل جواں ہمت، رجال الغیب کی طرح پردۂ غیب سے خود بخود نمودار ہوا۔ قربان جائیے رب العزۃ کی کارسازی پر!

وہ چراغ جو دہلی میں جھلملا رہا تھا اس کی روشنی کہاں جا کر چمکی! یہ سعادت کس خوش نصیب کے لئے مقدر تھی؟ وہ کون صاحب دل عالی حوصلہ بندۂ صالح ہے جس کی مبارک آنکھوں نے اس روشنی کو محسوس کیا؟

اپنے گردوپیش کے کرم فرماؤں سے معذرت چاہتے ہوئے بصمیم قلب شکریہ ادا کرتا ہوں جناب حاجی ابراہیم محمد ڈایا (ٹرانسوال) کا، اور دعا کرتا ہوں کہ رب العزۃ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور تمام دینی و دنیاوی نعمتوں سے نوازے! انہیں کی بھرپور اعانت سے یہ علمی ذخیرہ اشاعت پذیر ہو رہا ہے

فدائے ہمت آں اہل خیرم کہ کار خیر بے روی و ریا کرد
خوشش بادا نسیم صبح گاہی کہ درد شب نشیناں را دوا کرد

الدال علی الخیر کفاعله

اس اعانت کا وسیلہ اور واسطہ وہ سعید النفس و مبارک نفس بزرگ ہیں جو احقر کے محسن قدیم ہیں اور رشتہ تسبیح کی طرح اپنے اسم گرامی کو گہرہائے تسبیح کے اندر پنہاں رکھنا چاہتے ہیں۔

اگرچہ حضرات محرکین و معاونین کا خلوص و ایثار احقر کے اظہار تشکر سے بے نیاز ہے لیکن بمقتضائے من لم یشکر الناس لم یشکر الله نعمت خداوندی کو یاد کرنا نیز اس کے محرکات و بواعث کا ممنون احسان ہونا ایک انسانی فریضہ ہے-وان اجرهم لاعلی الله۔

اولین معاونین

مسودہ کی تحریر کے سلسلے میں مندرجہ ذیل اہل خیر حضرات نے مالی تعاون فرمایا۔ ان کے جذبات بھی بمقتضائے

الاقدم فالاقدم درخور صد تحسین ہیں۔ احقر ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے کہ ان کی ابتدائی اعانت و ہمت افزائی سے قلم کا سفر جاری رہا۔

(۱) جناب مولانا صالح ابن محمد منگیرا (جوہانسبرگ)، (۲) جناب حاجی ابراہیم ابن حاجی یوسف لہر (جوہانسبرگ)، (۳) جناب مولانا حاجی محمد بن موسیٰ میاں (جوہانسبرگ)، (۴) از طرف مجلس علمی جوہانسبرگ، (۵) جناب حاجی ابراہیم تو تلا (اسٹانگر)، (۶) از وقف حاجی محمد میاں پٹیل (جوہانسبرگ)، (۷) جناب حافظ احمد علی صاحب (متھرا)، (۸) جناب ایچ آئی نقارچی صاحب (ضلع بیلگام)، (۹) جناب محمد ادریس صاحب (بمبئی)، (۱۰) جناب محمد یوسف ابن شیخ علی صاحب (بمبئی)، (۱۱) جناب محمد عمر صاحب (ضلع ریوا)

رب العزۃ تمام معاونین کی اس اہم دینی خدمت کو قبول فرمائے۔ امین

احقر حفیظ الرحمان واصف عفی عنہ

۱۳۹۱ھ

کتاب العلم

پہلا باب، دینی تعلیم اور تبلیغ

فصل اول، دینی تعلیم اور تبلیغ کی فضیلت

دینی مدرسہ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والے شخص سے تعلقات ختم کر دینے چاہئیں

(سوال) ہمارے یہاں کچھ عرصہ سے ایک مدرسہ قائم ہے جس کی آمدنی کے یہ ذریعہ ہیں کہ ہم سب بستی والے اس کا چندہ بھی دیتے ہیں اور گولک(۱) بھی ہر ایک کے یہاں رہتی ہے اور آٹے کی چٹکی(۲) بھی لی جاتی ہے گولک میں ہر شخص حسب حیثیت وقتاً فوقتاً کچھ ڈالتا رہتا ہے سال بھر کے بعد گولک سب سے واپس لی جاتی ہے لہذا مسمی عمرو جو بستی میں ایک سربرآوردہ آدمی ہے اس کے پاس جب محصل چندہ گولک لینے گیا تو اس نے کہا کہ میں تو ماہواری چندہ گولک سے دیتا ہوں محصل کے پوچھنے پر کہا کہ میرے والد بھی اسی طرح دیتے تھے میں تو ان کی تقلید کروں گا محصل نے کہا کہ وہ تو وعدہ کر چکے تھے کہ گولک الگ دیں گے اور چندہ الگ دیں گے عمرو نے کہا کہ جا کر ان کی قبر پر پوچھو۔ محصل واپس آیا جب اس کو منتظمان مدرسہ نے زیادہ کہا تو اس نے کہا چندہ کا رجسٹر دکھاؤ، منتظمان نے کہا کہ تم کو پہلے جواب دینا چاہئے تھا پھر ہم رجسٹر دکھائیں گے غرضیکہ اس پر بہت دیر تک جھگڑا رہا اور اس نے جواب نہ دیا بعدہ عمرو نے دو چار دیگر لوگوں سے مل کر گاؤں میں گھر گھر یہ اعلان کرایا کہ جو کوئی شخص مدرسے میں چٹکی اور گولک دیگا، اس سے ہم سمجھ لیں گے۔ لہذا سوال یہ ہے کہ اس شخص سے اسلامی تعلقات منقطع کر دینا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۱) فی زمانہ جب کہ دیگر اقوام روز بروز اسی فکر میں ہیں کہ ترقی کی جائے اور نعوذ باللہ من ذلک اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے تو مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ بھی ایسے اسباب مہیا کریں جس کی وجہ سے دیگر اقوام کو ان کے مقابلے میں اول تو جرأت مقابلہ ہی نہ ہو سکے اور اگر کسی وقت جرأت کر کے آگے بڑھیں تو ان کو پسپائی نصیب ہو اور وہ اسباب جن کی وجہ سے مخالف اقوام کا وار مسلمانوں پر نہ چل سکے ان کی اپنی دینی تعلیم ہے جس قدر تعلیم عام ہوگی اسی قدر مخالفین کو زک اٹھانا پڑے گی۔ اس لئے ہر جگہ اور ہر ملک کے باشندوں کا فرض ہے کہ وہ اسلامی تعلیم کی ترقی میں کوشاں رہیں(۳) جو خدا کے بندے اس ضرورت کو محسوس کر کے مدرسے اور انجمنیں قائم کرتے ہیں دیگر مسلمانوں کو ان کی امداد و اعانت

---

۱) قولہ گولک: روز مرہ کی بچری (آمدنی) رکھنے کا ظرف (فیروز اللغات)

(۲) قولہ چٹکی: مٹھی بھر آٹا (فیروز اللغات)

(۳) قال العلامی فی فصولہ: من فرائض الاسلام تعلمہ ما یحتاج الیہ العبد فی اقامۃ دینہ، و اخلاص عملہ للہ تعالی و معاشرۃ عبادہ (رد المحتار، مقدمہ ۱/۴۲ ط سعید)

کرنا واجب ہے (۱) جو کوئی شخص اس کے برخلاف ان کی ترقی میں روڑے اٹکائے وہ درحقیقت ان باخدا لوگوں کا ہی دشمن نہیں ہے بلکہ وہ اسلام کا دشمن ہے وہ رسول عربی روحی فداہ کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے - ایسے شخص سے مسلمانوں کو اسلامی تعلقات زجراً منقطع کر دینے چاہئیں ایسا شخص ہرگز اس قابل نہیں کہ مسلمان اس سے خلا ملا رکھیں جو شخص اسلام کی بیخ کنی خود اپنے ہاتھوں سے کرے وہ کب اس قابل ہے کہ مسلمان اس سے اسلامی اخوت کو قائم رکھیں - (۲)

ہر کس از دست غیر نالہ کند　　سعدی از دست خویشتن فریاد　　واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) تبلیغ اسلام کی نیت سے غیر مسلم سے رواداری و حسن سلوک مستحسن ہے
(۲) نو مسلموں کو حقیر و ذلیل سمجھنا موجب گناہ ہے
(۳) پست اقوام کو مسلمان بنانے میں رکاوٹ پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ اور رسول کے مجرم ہیں
(۴) کم نسب اقوام کے نو مسلم عام مسلمانوں کے بھائی ہیں
(۵) ہر مسلمان پر بقدر معلومات تبلیغ لازمی ہے

(سوال) بعض مقامات پر بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ خود مسلمان جو احکام اسلام سے ناواقف ہیں یا ہنود کی صحبت سے متاثر ہو کر یا ہنود سے دبے ہوئے ہونے کے سبب یا ہنود کا دست نگر ہونے کے باعث یا اپنی ذاتی ثروت و شرافت پر مغرور ہوتے ہوئے پست اقوام کے مسلمان ہونے میں حارج و مانع نظر آتے ہیں اس جہالت کو مد نظر رکھتے ہوئے عامۃ المسلمین کی آگاہی کے لئے ارقام فرمایا جائے -

(۱) تبلیغ اسلام و تالیف قلوب کی نیت سے ہر مسلمان کو غیر مسلم پست اقوام کے ساتھ رواداری خیر طلبی اور جاذبانہ حسن سلوک کا کیا حکم ہے؟

(۲) جو لوگ خود مسلمان ہو کر نو مسلموں کو ذلیل سمجھیں ان سے نفرت و حقارت کا برتاؤ کریں ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟

(۳) جو لوگ خود مسلمان ہو کر پست اقوام کو مسلمان بنانے میں رکاوٹ پیدا کریں اور مخالفت پر آمادہ

---

(۱) ذلک انہ اذا اضطرب حبل الامن فی الامۃ او انتشر المرض فی ابنائھا او کثر الجھل فی افرادھا، ولا سبیل لدرء هذا الا ببذل المال، وجب علی الاغنیاء ان یبذلوہ لدفع هذہ المفاسد وازالۃ هذہ الطواری لحفظ المصالح العامۃ (تفسیر المراغی البقرۃ ۲۵۴ الجزء الثالث ص ۹ ط شرکۃ مکتبہ مصطفی، مصر)

(۲) فتبین هنا السبب المسوغ للھجر و هو لمن صدرت منہ معصیۃ فیسوغ لمن طلع علیھا منہ ھجرہ علیھا لیکف عنھا ... قال المھلب، غرض البخاری فی هذا الباب: ان یبین صفۃ الھجران الجائز وانہ یسوغ بقدر الجرم، فمن کان من اھل العصیان یستحق الھجران بترک المکالمۃ کما فی قصۃ کعب وصاحبیہ (فتح الباری شرح صحیح البخاری، باب ما یجوز من الھجران لمن عصی ۱۰/۴۱۵ ط المطبعۃ الکبریٰ المیریہ مصر)

ہوں، ان کے لئے کیا حکم ہے ؟

(۴) جدید مسلمان پست اقوام کے ساتھ محبت، اخوت، کھانے پینے، مسجدوں میں پہلو بہ پہلو نماز پڑھنے ان کو کلمہ کا شریک بھائی جاننے کا کیا حکم ہے ؟

(۵) تبلیغ اسلام کیا صرف علماء کرام کا کام ہے ؟ یا ہر مسلمان کو سرگرمی سے اپنی اپنی وسعت و ہمت کے مطابق اس خدمت کو انجام دینا چاہئے - المستفتی نمبر ۱۶۷ محمد ذکریا - ناظم جمعیۃ تبلیغ الاسلام بمبئی - ۲۵ شوال ۱۳۵۴ھ م ۲۱ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲) (۱) نہایت مناسب بلکہ ضروری اور موجب اجر ہے کیونکہ حسن سلوک بھی ایک طرح سے فریضہ تبلیغ کی ادائیگی ہے -(۱)

(۲) نو مسلموں کو حقیر و ذلیل سمجھنا سخت گناہ اور قرآن و حدیث کی تعلیم کے خلاف ہے -(۲)

(۳) یہ لوگ خدا اور رسول کے مجرم اور اسلام کے باغی ہیں -(۳)

(۴) ضروری ہے اور اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ سب کلمہ گو بھائی بھائی ہیں -(۴)

(۵) ہر مسلمان پر بقدر اس کی معلومات کے تبلیغ فرض ہے -(۵) (محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ)

مسلمان ہونے کے لئے آنے والے شخص کو مسلمان کر لینا ضروری ہے

(سوال) ایک مشرک بغرض قبول اسلام مسجد میں آیا اور امام مسجد سے کہا کہ مجھ کو کلمہ پڑھا کے مسلمان بنائیے اور سند دے دیجئے جس میں چندہ خیرات کا ذکر نہ ہو - امام صاحب نے کہا کہ مسلمان ہونے سے ہر مسلمان اعلان کی سند نہیں دے سکتے مشرک نے عاجزی سے کہا کہ آخر مسلمانی کے اعلان کی سند دینے سے آپ کا کیا نقصان ہے امام صاحب نے کہا کہ متولی صاحب سے دریافت کروں گا وہ شخص بیٹھا رہا پھر امام

(۱) و فی مجموع النوازل : اذا دخل یهودی الحمام، هل یباح للخادم المسلم ان یخدمه ، ینظر ان فعل ذلك لیمیل قلبه الی الاسلام فلا باس به .... وعلی هذا اذا دخل ذمی علی مسلم فقام له ، ان قام طمعاً فی اسلامه فلا باس به (عالمگیریه : الباب الرابع عشر فی اهل الذمة والاحکام التی تعود الیهم ۵/۳۴۸ ، ط ماجدیه، کوئٹه)

(۲) وفی الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: بئس ان یسمی الرجل کافراً او زانیاً بعد اسلامه و توبته ...... و قیل نزلت فی عکرمه بن ابی جهل حین قدم المدینة مسلماً وکان المسلمون اذا رأوه قالوا : ابن فرعون هذه الامة فشکا ذلك الی رسول الله ﷺ فنزلت - (الحجرات ۱۱ - ۲۱،۳/۱۶ ط دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۳) قل یا اهل الکتاب لم تصدون عن سبیل الله من آمن تبغونها عوجا (الآیة) (آل عمران : ۹۹)

(۴) یا ایها الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی (الآیة) و فی تفسیر القرطبی : انزل الله هذه الآیة زجرهم عن التفاخر بالانساب والتکاثر بالاموال والازدراء بالفقراء فان المدار علی التقوی (الحجرات ۱۳، ۲۲۳/۱۶، ط دار الکتب العلمیه، بیروت، لبنان)

(۵) بلغوا عنی ولو آیة (الحدیث) و فی المرقاة : ای انقلوا الی الناس وافیدوهم مامکنکم او ما استطعتم مما سمعتموه منی وماخذ تموه عنی من قول او فعل او تقریر بواسطة اوبغیر واسطة (ولو آیة) ای ولو کان المبلغ آیة - (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح کتاب العلم، ۱/۲۶۴ ،ط امدادیه ملتان)

صاحب اور متولی صاحب سے گفتگو ہوئی یا نہیں ہم کو اس کا علم نہیں عشاء کے بعد امام صاحب نے کلمہ نہیں پڑھایا اور کمرہ کی طرف چل دیئے ایک مصلی نے متولی صاحب سے کہا کہ یہ شخص مسلمان ہونا چاہتے ہیں متولی صاحب نے کہا کہ کدھر کا، ڈھیر چمار ہے ہم پہچانتے نہیں مسلمان سند دیکے مسلمان نہیں بنا سکتے غرضیکہ اس مصلی اور متولی میں بہت حجت ہوئی اور متولی نے الٹی سیدھی بکو اس کی اور اس کو کلمہ نہ پڑھایا۔ المستفتی نمبر ۷۲۰ ایم اے مصطفےٰ (برما)۔

۲۹ شوال ۱۳۵۴ھ ۲۵ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳) جو شخص مسلمان ہونے کے لئے آئے اس کو مسلمان کر لینا ضروری ہے اور اسلام لانے کی سند دیدینا ضروری تو نہیں ہے مگر جائز ہے، ناجائز یا ممنوع نہیں مسلمان نہ کرنا یا اس کو حقیر و ذلیل سمجھ کر مسلمان کرنے سے انکار کر دینا یا برا بھلا کہنا یہ سب گناہ کی باتیں ہیں متولی کا یہ فعل سخت گناہ تھا جس سے ایمان جاتے رہنے کا خطرہ ہے(۱) امام کا فعل بھی گناہ تھا۔ ان دونوں کو فوراً توبہ کرنی لازم ہے اور اگر وہ آدمی مل سکے جو مسلمان ہونے آیا تھا اور انہوں نے اس کو زجر کر کے مسجد سے نکال دیا تو ان پر لازم ہے کہ اس سے معافی مانگیں اگر وہ مسلمان ہو گیا ہو جب بھی اور نہ ہوا ہو جب بھی اور اگر مسلمان نہ ہوا ہو تو اس کو ترغیب دیکر مسلمان کرنے کی کوشش کریں۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) کیا مروجہ طریقہ تبلیغ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں بھی تھا؟
(۲) صحابہ کرام فرداً فرداً اور جماعت کی شکل میں تبلیغ کا کام انجام دیتے تھے
(۳، ۴) تبلیغ فرض کفایہ ہے
(۵) کیا مروجہ تبلیغ کو جہاد کہا جا سکتا ہے؟
(۶) تبلیغ چھوڑنے پر جہاد چھوڑنے کی وعیدیں چسپاں کرنا صحیح نہیں
(۷) تبلیغ کسی خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص ہے یا عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے؟
(۸) ہر مسلمان کلمہ کے صحیح مفہوم اور نماز وغیرہ کے مسائل کی تبلیغ کا محتاج ہے

(سوال) (۱) کیا حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی تبلیغی تحریک ہیئت کذائی قرون اولیٰ میں پائی جاتی ہے؟ (۲) کیا صحابہ کرامؓ وفود بنا کر مسلمانوں میں کلمہ و نماز سکھانے کے لئے تشریف لے گئے تھے یا علماء سلف بددین مسلمانوں کے گھروں پر کلمہ و نماز وغیرہ کے لئے جماعتیں بنا کر اپنا ایک امیر بنا کر تشریف لے جاتے تھے؟ (۳) یہ تحریک فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ (۴) اس تحریک میں شامل ہونے کو فرض عین

---

(۱) قال كافر لمسلم اعرض علي الاسلام فقال لا ادري، او قال اذهب الى عالم، او قام كافر في المجلس واراد ان يسلم فقال له العالم اجلس الى آخر المجلس - يكفر في هذه كله (جامع الفصولين : الفصل الثامن والثلثون ۲۹۶/۲ ، ط مطبعه ازهريه، ناشر اسلامى كتب خانه كراچى)

کہنے والے حق بجانب ہیں یا نہیں ؟ (۵) اس تحریک پر جہاد متعارف جو قرآن و حدیث میں آتا ہے صادق آتا ہے یا نہیں ؟ نیز انفرو اخفافا و ثقالا (۱) کی آیات جہاد ولغدوۃ و روحۃ فی سبیل اللہ (۲) کی احادیث جہاد کا اس تحریک کو مصداق ٹھہرانا درست ہے یا نہیں ؟ (۶) جو وعیدیں قرآن و حدیث میں ترک جہاد پر وارد ہوئی ہیں اس تحریک میں شامل نہ ہونے والوں پر چسپاں ہو سکتی ہیں یا نہیں ؟ (۷) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ عام مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے یا مخصوص طبقے کے ساتھ خاص ہے ؟ (۸) جب کہ کلمہ و نماز کا ہر شخص قائل ہے اور اس کو کلمہ کی حقیقت اور نماز کی فرضیت معلوم ہے لیکن اپنی سستی و کاہلی کی وجہ سے ان کا پابند نہیں ہے یا کلمہ کے صحیح الفاظ کا تلفظ نہیں کر سکتا تو اب نماز کی پابندی کے متعلق کہنا یا کلمہ کی صحت الفاظی کرانا یہ تبلیغ ہے یا ترغیب ؟ **المستفتی** نمبر ۲۷۹۴ - حاجی حنیف الدین صاحب بندوق والے - دہلی مورخہ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ

(جواب ٤) (۱) یہ تحریک اصل حقیقت کے اعتبار سے تو اسلام کی بنیادی چیز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں کو پہنچانا اور ان کے گھروں پر جا کر خود پہنچانا ہی اصل تبلیغ ہے قرون اولیٰ میں ہر شخص بجائے خود یہ خدمت انجام دیتا اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کو پیش نظر رکھتا تھا - اس لئے اس وقت جماعتیں بنانے اور کسی نظام کی جداگانہ قائم کرنے کی ضرورت نہ تھی - (۳)

(۲) صحابہ کرامؓ فرداً فرداً اور کئی مل کر یہ خدمت انجام دیتے تھے مگر اس وقت یہ خدمت کلمہ پڑھانے اور نماز سکھانے کی صورت میں ہوتی تھی یعنی غیر مسلم کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے اور نماز وغیرہ سیکھتے تھے قرآن مجید پڑھتے اور یاد کرتے تھے آنحضرت ﷺ نے بعض کو فرداً (۴) اور بعض کو دوسرے رفقاء کے ساتھ تبلیغ اسلام و تعلیم احکام کے لئے بھیجا ہے (۵) آج کل بد قسمتی سے مسلمانوں کو کلمہ صحیح یاد کرایا

---

(۱) التوبۃ : ٤١

(۲) بخاری : باب الغدوۃ والروحۃ فی سبیل اللہ ۱/۳۹۲، ط قدیمی کتب خانہ، کراچی

(۳) وقد کان المسلمون فی الصدر الاول علی ھذا المنھج من المراقبہ للقائمین بالاعمال العامۃ فقد خطب عمر علی المنبر وکان مما قال : إذا رایتم فی اعوجاجا فقوموہ ،فقام احد رعاۃ الابل وقال لو راینا فیك اعوجاجا لقومناہ سیوفنا - وکان الخاصۃ من الصحابۃ متکاتفین فی اداء ھذا الواجب، یشعر کل منھم، بمایشعر الاخر من الحاجۃ الی نشر لواء الاسلام و حفظہ و مقاومۃ کل من یمس شیئا من عقائد وآدابہ واحکامہ و مصالح اھلہ، وکان سائر المسلمین تبعالھم (تفسیر المراغی، آل عمران: ١٠٤ - ٤/٢٢ ط مصر)

(٤) عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ ﷺ لمعاذ بن جبل حین بعثہ الی الیمن: انك ستأتی قوما من اھل الکتاب فاذا جئتھم فادعھم الی ان یشھد وا ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ، فان ھم اطاعو الك بذلك فاخبرھم ان اللہ فرض علیکم خمس صلوٰۃ کل یوم ولیلۃ (الحدیث) (صحیح البخاری: باب بعث ابی موسیٰ و معاذ الی الیمن قبل حجۃ الوداع ٢/٦٢٣، ط قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

(٥) عن انسؓ قال: بعث النبی ﷺ سبعین رجلا لحاجۃ یقال لھم القراء (الحدیث) و فی الفتح : قدم ابوبرا عامر بن مالك المعروف علا عب الا سنۃ علی رسول اللہ ﷺ فعرض علیہ الاسلام فلم - یسلم ولم یبعد وقال محمد لو بعثت رجالا من اصحابك الی اھل نجد رجوت ان یستجیبوا لك وانا جارہم فبعث المنذر بن عمرو فی اربعین رجلا الخ (باب غزوۃ الرجیع و رعل و ذکوان و بئر معونۃ ٧/٢٩٨، ط مطبعہ میریہ مصر)

جاتا ہے اور ان کو گھیر کر مسجد میں نماز کے لئے لایا جاتا ہے غیر مسلموں میں تبلیغ کے لئے جانے کا موقع ہی دستیاب نہیں ہوتا ان نام کے مسلمانوں کی حالت اصلاح پذیر ہو تو پھر غیر مسلموں کی طرف توجہ کی جائے۔

(۳، ۴) فرض عین تو نہیں ہے مگر فرض کفایہ ہونے میں شبہ نہیں ہے۔(۱)

(۵) جہاد کے تو ایک مخصوص معنی ہیں یعنی اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے قتال کرنا اور ظاہر ہے کہ یہ تحریک اس معنی کے لحاظ سے جہاد نہیں ہے (۲) جہاد کے دوسرے معنی اللہ کے راستے میں کوشش اور ریاضت سے کام لینا اس معنی کے لحاظ سے اس تحریک کو جہاد کہہ سکتے ہیں اور آیۂ کریمہ انفروا خفافا وثقالا اور حدیث شریف لغدوۃ اوروحۃ فی سبیل اللہ کے حکم میں اس کو داخل کر سکتے ہیں۔(۳)

(۶) ترک قتال کی وعیدیں اس پر چسپاں کرنا صحیح نہیں ہاں ترک تبلیغ اور مداہنت کی وعیدیں اس کے ساتھ متعلق ہوں گی۔(۴)

(۷) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بہت سے درجات ہیں اس کا ابتدائی اور عام درجہ ہر مسلمان کے ساتھ متعلق ہے۔(۵)

(۸) اس کو تبلیغ کہا جائے یا ترغیب اس کا کچھ فرق نہیں کلمہ کا بالاجمال قائل بھی اس کے صحیح مفہوم اور صحیح تلفظ کی تبلیغ کا محتاج ہے اسی طرح نماز کو فرض جاننے والا اور ماننے والا بھی احکام و مسائل نماز کی تفصیلات کی تبلیغ کا محتاج ہے۔(۶)　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) ان الدعوۃ الاسلامیۃ و نشرھا فی آفاق العالم، والامر بالمعروف والنهی عن المنکر من فروض الاسلام الکفائیہ (التفسیر المنیر فی العقیدہ والشریعہ والمنهج – آل عمران ۱۰۴، ۴/ ۳۵ ط دار الفکر۔ بیروت)

(۲) فالجهاد هو الدعا الی الدین الحق والقتال مع من امتنع و تمرد عن القبول اما بالنفس او بالمال (عالمگیریہ الباب الاول فی تفسیرہ شرعا ۲/ ۱۸۸ ط ماجدیہ کوئٹہ

(۳) الجهاد احتمال المشقة و مکافحة الشدائد فیشمل: الحرب للدفاع عن الدین واهله واعلاء کلمته اوجهاد النفس الذی سماه السلف الجهاد الاکبر ومن ذلک مجاهدة الانسان لشهواته خصوصا فی سن الشباب. والمجاهدة بالمال لا عمال الخیر النافعه للامة والدین الخ (تفسیر المراغی، آل عمران ۱۴۲، ۴/ ۸۳ ط مصر)

(۴) عن حذیفه ان النبی ﷺ قال والذی نفسه بیده لتامرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر او لیوشکن الله ان یبعث علیکم عذابا من عنده ثم لتدعنه ولایستجاب لکم (مشکوۃ المصابیح باب الامر بالمعروف ص ۴۳۶ ط سعید)

(۵) و فی المرقاۃ لملاعلی القاری وقد قال بعض علمائنا، الامر الاول (ای النهی بالید) للأمراء والثانی (ای النهی باللسان) للعلماء والثالث (ای النهی باستنکار القلب) لعامة المسلمین (باب الامر بالمعروف ۹/ ۲۳۸، ط امدادیہ، ملتان)

(۶) و فرض علی کل مکلف و مکلفة بعد تعلمه علم الدین والهدایة تعلم علم الوضؤ والغسل والصلوۃ الخ (رد المحتار: مقدمه ۱/ ۴۲، ط سعید)

خواتین کے لئے تبلیغی سفر کا حکم

(سوال) (۱) کیا عورتوں کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا مع محرم کے درست ہے ؟ (۲) مردوں کا تبلیغ کو جانا اور اپنے اہل و عیال کے نان و نفقہ کا انتظام بھی نہ کرنا کہاں تک درست ہے ؟ (۳) کیا تبلیغ کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے ؟ یا واجب یا سنت ؟

(جواب ۵) تبلیغ دین ہر مسلمان پر بقدر اس کے مبلغ علم کے لازم ہے لیکن تبلیغ کی غرض سے سفر کرنا ہر مسلمان پر فرض نہیں بلکہ صرف ان لوگوں پر جو تبلیغ کی اہلیت بھی رکھتے ہوں اور فکر معاش سے بھی فارغ ہوں تبلیغ کے لئے سفر کرنا جائز ہے فرض لازم ہر مسلمان کے ذمے نہیں ہے اور عورتوں کا تبلیغ کیلئے گھروں سے نکلنا زمانہ خیر الامم میں نہ تھا اور نہ اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے کہ عورتیں تنہا تبلیغ کے لئے سفر کریں عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی بھی اجازت نہیں حج فرض کے لئے بھی بغیر محرم کے جانا جائز نہیں تو صرف تبلیغ کے لئے کیسے جا سکتی ہیں۔ (۱) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

فصل دوم، تعلیم قرآن

(۱) معنی و مطلب سمجھے بغیر بھی قرآن مجید کی تلاوت سے ثواب ملے گا
(۲) قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا اور اس کے حلال و حرام کو جاننا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے
(۳) اتنا قرآن مجید یاد کرنا جس سے نماز درست ہو ضروری ہے

(سوال) (۱) قرآن شریف بے سمجھے پڑھنے سے کیا قرآن شریف کی بے عزتی ہوتی ہے اگر نہیں تو کیا بے سمجھے پڑھنا داخل ثواب ہے ؟
(۲) قرآن شریف سمجھ کر پڑھنا کیا مسلمانوں پر فرض ہے ؟
(۳) جو شخص مطلقاً قرآن شریف نہ پڑھا ہو تو کیا وہ گناہ گار ہے ؟ (نیاز مند محمد سلیمان، واوڑا)

(جواب ۶) قرآن شریف کی عبارت کی تلاوت خواہ سمجھ کر ہو یا بے معنی سمجھے ہو موجب اجر و ثواب ہے ہاں سمجھ کر پڑھنے والے کو ثواب زیادہ ہو گا اور بے سمجھے ہوئے پڑھنے والے کو کم۔ لیکن ثواب دونوں کو ملے گا یہ خیال کہ بے سمجھے ہوئے پڑھنے سے قرآن کی بے عزتی ہوتی ہے غلط ہے (۲) بلکہ اس میں تو اس بات کا ثبوت ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں قرآن مجید کی اتنی عزت ہے کہ باوجود معنی نہ سمجھنے اور معنی سے لطف اندوز نہ ہونے کے بھی وہ اس کی تلاوت میں اپنا وقت اور قوت خرچ کرتا ہے حدیث شریف

---

(۱) و مع زوج او محرم بالغ – لا مراة حرة ولو عجوزا في سفر (التنوير و شرحه : كتاب الحج ۲ / ۴۶۴، ط سعيد)
(۲) قال ابن حجر : اما الثواب على قرآته (اى القرآن) فهو حاصل لمن فهم ولمن لم يفهم بالكلية للتعبد– وان كان متفاوت بين القرآن وغيره و بين من فهم و بين من لم يفهم (مرقاة المفاتيح – باب بعد كتاب فضائل القرآن. الفصل الثاني ۵ : ۹، ط امداديه. ملتان)

میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو قرآن مجید کا ایک حرف پڑھے اسے دس نیکیاں ملتی ہیں، اور مثال میں فرمایا کہ الٓمٓ ایک حرف نہیں بلکہ تین حرف ہیں۔ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے، میم ایک حرف ہے تو اس کلمہ الٓمٓ کے پڑھنے والے کو تیس نیکیاں ملیں گی(۱) باوجودیکہ اس کلمہ یعنی حروف مقطعات کے معنی کو کوئی نہیں سمجھتا ہے کیونکہ اس کے معنی خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے یہ حضرت حق اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے درمیان راز ہے۔

(۲) سمجھ کر قرآن شریف پڑھنا اور اس کے حلال و حرام امر و نہی کا علم حاصل کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے یعنی کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو قرآن پاک کے معانی اور مطالب سمجھتے ہوں اور وہ لوگوں کو بتاتے رہیں ہر ایک مسلمان کے ذمے یہ فرض نہیں ہے(۲) ہاں ہر مسلمان کے ذمے قرآن مجید کی اتنی عبارت یاد کرنی فرض ہے جس سے نماز پوری ہو سکے۔(۳)

(۳) اگر نماز درست ہونے کے لائق بھی قرآن مجید اس نے نہیں پڑھا اور یاد نہیں کیا تو گناہ گار ہوگا (۴) بشرطیکہ پڑھنے اور یاد کرنے کا وقت پایا ہو اور قدرت رکھتا ہو، یعنی نو مسلم اس وقت تک معذور ہے کہ اسے پڑھنے اور یاد کرنے کے لائق وقت ملے اور گونگا عمر بھر کے لئے معذور ہے۔(۵)

قاعدہ "یسرنا القرآن" بچوں کو پڑھانا کیسا ہے؟

(سوال) زید کے پاس چند چھوٹے چھوٹے بچے قرآن شریف پڑھتے ہیں جنہیں ابتداء میں قاعدہ یسرنا القرآن (جس کے مصنف ایک قادیانی ہیں) پڑھایا جاتا ہے محض اس خیال سے کہ قاعدہ مذکورہ بہ نسبت مروجہ قاعدوں کے آسان ہے آیا جائز ہے یا نہیں؟ علیٰ ہذا غیر مترجم قرآن شریف یسرنا القرآن مطبوعہ قادیان پر مسلمان کو پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۹۳ عبدالحق کراچی ۹ رجب ۱۳۵۲ھ ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء**

---

(۱) عن عبداللہ بن مسعود: قال قال رسول اللہ ﷺ من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ، والحسنۃ بعشر امثالھا، لا اقول آلم حرف ولکن الف حرف و لام حرف و میم حرف (جامع الترمذی، باب ماجاء فی من قرأ حرفا من القرآن مالہ من الاجر ۲/۱۱۹، ط سعید)

(۲) قال تعالیٰ، فلو لا نفر من کل فرقة منھم طائفة لیتفقھو فی الدین (الآیة) قال القاضی ابو السعود فی تفسیرہ: و فیہ دلیل علی ان التفقہ فی الدین من فروض الکفایة (التوبة ۲۲، ۲ ۶۱۷، ط مکتبة الریاض الحدثیة بالریاض)

(۳) و فرض القرأة آیة علی المذھب، و حفظھا فرض عین، و حفظ فاتحة الکتاب و سورة واجب علی کل مسلم (التنویر مع الدر المختار، باب صفة الصلاة ۱/۵۳۷، ط سعید)

(۴) لان تعلم بعض القرآن فرض عین علی الکل فاذا لم یوجد ھناک احد یقرء اثموا جمیعا (مرقاة المفاتیح، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثانی ۴/۳۶۲، ط امدادیہ، ملتان)

(۵) ولا یلزم العاجز النطق کاخرس والی تحریک لسانہ وکذا فی حق القرأة، ھو الصحیح لتعذر الواجب (التنویر و شرحہ: باب الاذان، مطلب فی حدیث الاذان حزم، ۱/۴۸۱، ط سعید)

جواب ۷) اس قاعدہ اور قرآن مجید کو تعلیم کے لئے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ قاعدہ اور قرآن مجید کے ساتھ قادیانی مشن کی تبلیغ اور تعریف کا مضمون چھپا ہوا نہ ہو۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

معنی و مطلب سمجھے بغیر قرآن مجید کی تلاوت سے ثواب ملے گا

سوال) زید کہتا ہے کہ بغیر معنی اور مطلب سمجھے ہوئے قرآن شریف کی تلاوت کرنا بیسود اور بے ثواب ہے۔ المستفتی عبدالعلیم عزیز اللہ متعلم عربک کالج دہلی۔ ۲۹ رجب ۱۳۵۴ھ م ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۵ء

جواب ۸) قرآن مجید کی عبارت اور نظم کی حفاظت بھی ایک مقصود اور مہتم بالشان امر ہے، حضرت حق تعالیٰ نے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (۲) میں قرآن مجید کے اپنی طرف سے نازل فرمانے کو ذکر کرنے کے ساتھ اس کی حفاظت کا بھی خود ہی ذمہ لیا ہے اور عالم اسباب میں حفاظت کا ذریعہ یہ قرار دیا کہ مسلمان اپنے سینوں میں اس کی حفاظت کریں اور ظاہر ہے کہ اسی حفاظت کے لئے اس کی عبارت اور نظم کو پڑھنا اور یاد کرنا لازمی تھا اس لئے شریعت مقدسہ نے نفس عبارت کی تلاوت کو بھی موجب اجر و ثواب قرار دیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص نظم قرآنی میں سے ایک حرف کی تلاوت کرے وہ دس نیکیوں کے اجر کا مستحق ہوتا ہے اور پھر یہ نہیں کہ الٓم ایک حرف قرار دیا جائے بلکہ اس کے تین حرف الف۔ لام۔ میم جدا جدا معتبر ہوں گے اور تیس نیکیاں ملیں گی (۳) کتب سماویہ میں سے تبدیل و تحریف سے محفوظ رہنے میں کوئی کتاب قرآن مجید کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی اور اس خاص تفوق کی اصل وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں نے نظم قرآنی کی تلاوت اور حفظ کے ساتھ والہانہ شغف رکھا اور یقیناً ان کا یہ فعل موجب اجر و ثواب ہے کہ اس سے قرآن پاک کا تحفظ مربوط ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نزول قرآن کا اصل مقصد اس کی ہدایات پر عمل کرنا ہے تو وہ اس کو مستلزم نہیں کہ عبارت کی تلاوت موجب اجر نہ ہو یہ بجائے خود ایک ثواب کا عمل ہے اور عمل کرنا بجائے خود دوسرا عمل ہے اور موجب اجر ہے اور وہ راجح و فائق ہے اور عمل نہ ہو تو معنی و مطلب سمجھ کر پڑھنے اور بے سمجھے پڑھنے میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ۔ الجواب صحیح

---

۱) اس قاعدہ میں خلاف شریعت یا قادیانی مشن کی تبلیغ اور تعریف کا کوئی مضمون نہیں، اس لئے بچوں کو اس کا پڑھانا مباح ہے۔

۲) (الحجر : ۹)

۳) عن عبداللہ بن مسعود قال : قال رسول اللہ ﷺ من قرا حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ، والحسنۃ بعشرۃ مثالھا، لا اقول الم حرف و لکن الف حرف ولا م حرف، و میم حرف (جامع الترمذی : باب ماجاء فی من قرأ حرفا من القرآن مالہ من الاجر ۲ / ۱۱۹ ط سعید)

٤) قال ابن حجر : اما الثواب علی قرأتہ (ای القرآن) فھو حاصل لمن فھم ولمن لم یفھم بالکلیۃ للتعبد۔ وان کان متفاوت بین القرآن وغیرہ و بین من فھم و بین من لم یفھم (مرقاۃ المفاتیح، باب بعد کتاب فضائل القرآن ۵ / ۹ ط امدادیہ، ملتان)

صواب بندہ محمد یوسف عفی عنہ

بچوں کو کھڑا کر کے ان سے قرآن مجید سننا خلاف ادب نہیں

(سوال) زید اور عمرو کے عقائد حنفی ہیں زید کہتا ہے کہ بچوں سے کھڑے کھڑے قرآن مجید پڑھوا خلاف ادب ہے عمرو کہتا ہے کہ مبلغین و قراء قیام فرما کر حدیث شریف اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور حاضرین جلسہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہتے ہیں تو کیا یہ خلاف ادب نہیں ہو تا زید نے ایک جلسے کے موقعہ پر ایک قاری صاحب کا رکوع سنوایا اور تمام جلسے کو کھڑا کر دیا۔ یہ کہاں تک صحیح ہے۔
المستفتی نمبر ۱۰۱۲ حافظ محمد صدیق (ہمت نگر) کیم ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۲۲ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۹) بچوں سے قرآن مجید کا آموختہ یا سبق کھڑا کر کے سننا جائز ہے زید کا قول کہ کھڑے کھڑے قرآن مجید پڑھوانا خلاف ادب ہے صحیح نہیں جلسے میں قاری کے کھڑے ہونے پر سارے جلسے کو کھڑا کر دینا درست نہ تھا یہ فضول حرکت کی گئی آنحضرت ﷺ اور صحابہ خطبہ جمعہ میں قرآن مجید پڑھتے تھے اور ساری جماعت بیٹھی رہتی تھی اور یہی طریقہ متوارث چلا آتا ہے۔(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

مجلس میں تلاوت و نظم وغیرہ پڑھی جائے تو تلاوت کی تقدیم افضل ہے

(سوال) بچوں کو سکھانے کے لئے جلسہ کرایا جاتا ہے اس میں قرآن شریف کی تلاوت اور کہانی یا منثور اور نظم تین چیزیں ہوتی ہیں اس میں ایک ترتیب تو یہ ہے کہ اول بچے قرآن شریف کی تلاوت کر لیں اس کے بعد کہانی اور نظم کا مرتبہ رکھا جائے دوسری ترتیب یہ ہے کہ اول کہانی پھر قرآن شریف، پھر نظم ان دونوں صورتوں میں بہتر صورت کونسی ہے قرآن شریف کی تقدیم افضل ہے یا نظم اور کہانیوں کا مقدم کرنا جو صورت شرعاً افضل ہو ارقام فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۱۰۸۳ عبدالعلیم دہلی - ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ۳۰ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰) قرآن شریف کی تقدیم افضل ہے(۲) تاکہ وہ پہلے ہو جانے کی وجہ سے کہانی اور نظم کے ساتھ اختلاط سے محفوظ رہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ

---

(۱) عن جابر بن سمرة قال: کانت للنبی ﷺ خطبتان یجلس بینهما یقرء القرآن ویذکر الناس (صحیح مسلم کتاب الجمعة ۱ / ۲۸۳، ط قدیمی کتب خانہ کراچی) و فیہ عن جابر بن عبداللہ قال بینا النبی ﷺ یخطب یوم الجمعة، اذا جاء رجل فقال له النبی ﷺ اصلیت یا فلان؟ قال: لا قال قم، فارکع. (کتاب الجمعة ۱ / ۲۸۷ ط قدیمی)

(۲) ان یقدم علی الشروع فی البحث والتدریس قراءة شیء من کلام اللہ تبرکاً و تیمناً، اذا تعددت الدروس قدم الاشرف فالاشرف والاهم فالاهم لأمة الدروس فقدم تفسیر القرآن ثم الحدیث (تذکرة السامع والمتکلم فی آداب العالم والمتعلم، ص ۳۴ - ۳۵ مکتبہ دار الباز مکة المکرمة)

نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی-الجواب صحیح- ریاض الدین عفی عنہ، مدرس دار العلوم دیوبند-الجواب صحیح محمد مظہر اللہ غفر لہ-امام مسجد فتحپوری، دہلی-

کیا غیر مسلم کو قرآن شریف پڑھانا جائز ہے؟

(سوال) ایک شخص ہندو اپنے شوق سے قرآن مجید پڑھنا چاہتا ہے بلکہ قرآن مجید پڑھنے کا دل سے بہت شوق رکھتا ہے پڑھانے والا بوجہ حرمت وادب کلام پاک تامل کرتا ہے اس لئے تصدیعہ خدمت ہے کہ ایسے غیر مسلم کو قرآن مجید کا پڑھانا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۰۲ ملا عبد الغنی صاحب (جے پور) ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۱۹ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱) غیر مسلم کو قرآن شریف کی تعلیم دینا جائز ہے معلم اس کو احترام کلام مجید کی تعلیم بھی دے اور اپنے اوپر بے حرمتی کا کام نہ ہونے دے اس قدر کافی ہے-اس کا بھی اندازہ کرلے کہ غیر مسلم کی نیت تو خراب نہیں ہے-(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

معنی ومطالب سمجھے بغیر بھی قرآن مجید کی تلاوت سے ثواب ملے گا

(سوال) قرآن پاک کی تلاوت بغیر فہم معانی باوجود مترجم قرآن کے باعث اجر وثواب ہے یا نہیں؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں المستفتی نمبر ۲۷۶۵ حکیم محمد ایوب مراد آباد ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ ۲۵ اپریل ۱۹۴۳ء

(جواب ۱۲) قرآن پاک کی تلاوت بغیر فہم معانی کے بھی موجب ثواب ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک کا ایک حرف پڑھے اس کو دس نیکیاں ملتی ہیں پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ الم ایک حرف نہیں بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے یعنی صرف الم پڑھنے والے کے لئے تیس نیکیاں ہیں(۲) اس سے صاف ظاہر ہے کہ صرف نظم قرآن کی عبارت پڑھنا بھی موجب اجر ہے اور الم تو معلوم المعنی بھی نہیں ہے متشابہات میں سے ہے ہاں قرأت قرآن فہم معنی کے ساتھ ہو تو اور زیادہ ثواب ملے گا-(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) قال الامام محمد فی السیر الکبیر: واذا قال الحربی او الذمی للمسلم علمنی القرآن فلا باس بان یعلمه و یفقهه فی الدین لعل الله یقلب قلبه- والحاصل مماسبق ان وقوع المصحف باید الکفار انما یمنع منه اذا خیف منهم اهانته، اما اذا لم یکن مثل هذا الخوف فلا باس بذلك لا سیما لتعلیم القرآن و تبلیغه- والله اعلم (تکمله فتح الملهم بشرح صحیح الامام مسلم- باب النهی ان سافر بالمصحف الخ ،۳/ ۳۸٦، ط مکتبه دار العلوم، کراچی)

(۲) عن عبدالله بن مسعود قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من قراحرفا من کتاب الله فله به حسنه، والحسنة بعشرة امثالها، لا اقول الم حرف ولکن الف حرف، ولام حرف، و میم حرف (جامع الترمذی: باب ماجاء من قرا حرفا من القرآن فله من الاجر ۲/ ۱۱۹ ، ط سعید)

(۳) قال ابن حجر: اما الثواب علی قرأة (ای القرآن) فهو حاصل لمن فهم و لمن لم یفهم للتعبد بالکلیه- وان کان یتفاوت بین القرآن وغیره و بین من فهم ومن لم یفهم (مرقاة المفاتیح . باب بعد کتاب فضائل القرآن. الفصل الثانی ۵/ ۹، ط امدادیه ملتان)

دینی تعلیم پڑھنے والے بچوں کو سرکاری لازمی (جبری) تعلیم سے مستثنیٰ کرایا جائے

(سوال) چونکہ آج کل جبریہ تعلیم کا نفاذ روز بروز ترقی پر ہے اور اس میں بعض جگہ میونسپل کمیٹی وغیرہ نے استثنائے تعلیم مذہبی کو برقرار نہیں رکھا جو کہ اصل قانون میں موجود ہے (ایکٹ نمبر ۷ ۱۹۱۹ء دفعہ ۱۰ میں درج ہے کہ (ب) لڑکے کو مذہبی وجوہات کی بناء پر کمیٹی حاضری مدرسہ نے حاضر ہونے سے معاف کر دیا ہے) ایسی صورت میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟

(جواب ۱۳) مسلمانوں کے بچوں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم (حفظ و ناظرہ) ضروری ہے(۱) اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کے لئے گیارہ سال سے کم عمری کا وقت ہی مناسب ہے(۲) اس لئے ضروری ہے کہ جو بچے قرآن مجید کے مکتبوں میں قرآن مجید پڑھ رہے ہیں خواہ حفظ یا ناظرہ، ان کو اس شرط کے ساتھ کہ وہ قرآن مجید پڑھتے رہیں اس جبریہ تعلیم سے مستثنیٰ کرایا جائے لیکن جب وہ قرآن بھی نہ پڑھیں بیکار پھرنے لگیں تو پھر ان کو تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کیا جائے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

(ماخوذ از رسالہ جبریہ تعلیم شائع کردہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کاندھلوی ۱۳۴۶ھ)

دوسرا باب
تعلیم کے احکام و آداب
فصل اول، تعلیم کا معاوضہ لینا

دینی تعلیم یا امامت پر تنخواہ لینا جائز ہے

(سوال) امامت یا تعلیم قرآن و دیگر کتب دینیہ کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۴) امامت و تعلیم قرآن کی اجرت لینا (بنابر فتویٰ متاخرین حنفیہ) جائز ہے۔ قال فی الهدایة

و بعض مشائخنا رحمهم الله تعالیٰ استحسنو الا استجار علیٰ تعلیم القرآن الیوم لظهور التوانی فی الامور الدینیة ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن و علیه الفتوی و زاد فی مختصر الوقایة و متن الاصلاح تعلیم الفقه و زاد فی متن المجمع الامامة و مثله فی متن الملتقی و در البحار (رد المختار (۳) مختصراً)

---

(۱) وایضاً فی اطلاقه ایماء الی قوله الأئمه ان حفظ القرآن من فروض الکفایات فیخاطب به کل الامة فی کل زمن، نعم ان حفظه جمع منهم یقوم بهم الکفایة سقط الحرج عن جمیعهم والا اثموا کلهم (مرقاة المفاتیح کتاب فضائل القرآن ، الفصل الثالث ٤/ ٤٨٠ ، ط امدادیه ملتان) و فیها: و ظاهر کلام الزرکشی ان کل بلد لا بد فیه ان یکون ممن یتلو القرآن فی الجملة لان تعلم بعض القرآن فرض عین علی الکل، فاذا لم یوجد هناك احد یقرا اثموا جمیعاً (مرقاة: کتاب فضائل القرآن، ٤/ ٤٦٢ . ط امدادیه ، ملتان)

(۲) و حجة من اجاز (ای تعلیم القرآن الصبیان)انه ادعی الی ثبوته و رسوخه عنده کما یقال: التعلم فی الصغر کالنقش فی الحجر (فتح الباری، شرح صحیح البخاری. باب تعلیم الصبیان القرآن، ۹ ۷۵ . ط مطبعه کبری میریه، مصر) (۳) کتاب الاجارة، مطلب فی الاستنجارة علی الطاعات ، ٦/٥٥ ط سعید)

(۱) قرآن مجید پڑھانے کی تنخواہ لینا جائز ہے، تراویح وشبینہ کی اجرت جائز نہیں
(۲) پیشگی وعدہ اور طے کئے بغیر اگر حافظ صاحب کو کچھ دیا جائے تو گنجائش ہے
(۳) شبینہ پڑھنا کیسا ہے؟

(سوال) (۱) حفاظ کے لئے اجرت و معاوضہ جائز ہے یا نہیں؟ خواہ وہ تعلیم قرآن شریف کا ہو یا ایصال ثواب کے لئے ختم پڑھنا یا رمضان المبارک میں تراویح یا شبینہ پر ہو۔ (۲) اجرت و معاوضہ اگر جائز ہے تو تعین کے ساتھ یا بلا تعین؟ (۳) شبینہ کی دو صورتیں ہیں (ایک رات میں اور تین رات میں) ہر دو جائز ہے یا ناجائز؟ یا کوئی ایک جائز ہے؟ المستفتی نمبر ۳۰۲ حافظ محمد عزیز اللہ خوشنویس (اجمیر شریف) ۱۸ صفر ۱۳۵۳ھ م ۲ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۵) قرآن پاک اور علوم دینیہ کی تعلیم کی اجرت متاخرین حنفیہ کے فتوے کے بموجب جائز ہے حنفیہ کا اصل مسلک عدم جواز تھا۔ جواز کا فتویٰ انہوں نے ضرورت کی بناء پر دیا ہے تعلیم کی اجرت کے جواز کی ضرورت ظاہر ہے کہ اگر اجرت لینی ناجائز قرار دی جائے تو اس کا نتیجہ ترک تعلیم کی صورت میں ظاہر ہوگا اور قرآن مجید اور علوم دینیہ کی تعلیم کا متروک ہونا عظیم الشان نقصان ہے اس لئے جواز اجرت کا فتویٰ دیدیا گیا اسی پر امامت و افتاء کو بھی قیاس کیا گیا(۱) مگر صرف تلاوت قرآن مجید (بغرض ایصال ثواب) کی اجرت کو اصل مسلک کے موافق ناجائز ہی رکھا گیا کیونکہ اگر عدم جواز اجرت کی وجہ سے تلاوت قرآن بغرض ایصال ثواب متروک ہو جائے تو کسی ضرورت دینیہ میں کمی نہیں آتی اس لئے قرآن مجید تراویح میں سنانے کی اجرت بھی ناجائز قرار دی گئی کہ اس کے ترک سے کسی ضرورت دینیہ میں کمی نہیں آتی سورتوں کے ساتھ تراویح پڑھ کر سنت قیام رمضان ادا کر سکتے ہیں۔(۲) (۲) بلا تعیین دے دیا جائے اور نہ دینے پر کوئی شکوہ شکایت نہ ہو تو یہ صورت اجرت سے خارج اور حد جواز میں داخل ہو سکتی ہے۔(۳)

---

(۱) الاصل ان کل طاعة یختص بها المسلم لا یجوز الاستئجار علیها- قال فی الهدایه: و بعض مشایخنا رحمهم الله تعالیٰ استحسنوا الاستئجار علی تعلیم القرآن الیوم لظهور التوانی فی الامور الدینیه ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن، و علیه الفتویٰ - و زاد فی متن المجمع: الامة، و مثله فی متن الملتقی و درر البحار (رد المحتار، کتاب الاجارة، مطلب فی الاستئجار، علی الطاعات ۵۵/۶ ط سعید) (۲) فهذا دلیل قاطع و برهان ساطع علی ان المفتی به لیس هو جواز الاستئجار علی کل طاعة بل علی ما ذکروه فقط فما فیه ضرورة ظاهرة تبیح الخروج من اصل المذهب من طرو المنع- وقد ذکرنا مسئلة تعلیم القرآن علی استحسان اه یعنی للضرورة، ولا ضرورة فی الاستئجار علی القرأة علی القبر - ولا یصح الاستئجار علی القرأة (رد المحتار مطلب تحریر مهم فی عدم جواز الاستئجار علی التلاوة ۵۶/۶، ۵۷ ط سعید) (۳) فان اعطی المعلم شیئاً من غیر شرط فظاهر کلام جوازه، وهو قولنا معشر الحنفیه - ولا اذا کان بغیر شرط کان هبة مجردة، فجاز - کما لو لم یعلمه شیئاً (اعلاء السنن، باب الاجرة علی تعلیم القرآن، ۱۶/ ۱۶۹-۱۷۰ ط ادارة القرآن والعلوم الاسلامیه، کراچی) اگر نیت خالص ہو قرآن سنانے والا محض للہ سنائے، اور دینے والا بھی محض اللہ تعالیٰ کے واسطے غریب سمجھ کر کچھ دے دیں تو یہ قرآن پڑھنے کا معاوضہ نہیں ہوگا، اس کے جواز میں تامل نہیں لیکن ایسا اس زمانہ میں کہاں ہے؟ مذکورہ معیار کے قرآن سنانے اور پیسے دینے والوں کا وجود اس زمانہ میں عنقا ہے، اس لئے اب بلا تعیین بھی سنانے والے کے لئے لینا اور دینے والے کیلئے دینا جائز نہیں - وفی الشامیة: ولو لا الاجرة ما قرأ احد فی هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسباً ووسیلة الی جمع الدنیا - انا لله و انا الیه راجعون (کتاب الاجارة، ۵۷/۶، ط سعید)

(۳) تبینہ کی دونوں صورتیں بوجہ ان عوارض کے جو پیش آتے ہیں اور تقریباً لازم ہیں مکروہ ہیں اگر پڑھنے والا اور سننے والے سب کے سب مخلص ہوں اور بہ نیت عبادت شوق سے پڑھیں اور سنیں تو تین دن میں ختم کرنا بہتر ہوگا-(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

(۱) کیا ایسے امام کو امامت پر ثواب ملے گا اگر تنخواہ نہ دی جائے تو امامت چھوڑ دے
(۲) تنخواہ لیکر دینی کتابیں پڑھانے پر ثواب ملے گا
(۳) غریب اور مالداروں کو تنخواہ لیکر دینی کتابیں پڑھانے یا امامت پر ثواب ملے گا
(۴) دینی تعلیم اور امامت پر تنخواہ مقرر کر کے لینا جائز ہے
(۵) طلباء سے خدمت لینے کا حکم
(۶) میں اللہ واسطے امامت یا خدمت کروں گا، تم اللہ واسطے تنخواہ دو سوال ممنوع میں داخل نہیں
(۷) عبادات پر اجرت لینے کے بارے میں شاہ عبدالعزیزؒ کے ایک قول کی تشریح

(سوال) زید ایک جگہ ملازم ہے وہاں دینی کتابیں پڑھاتا ہے اور امامت کرتا ہے اور اس کو تنخواہ ملتی ہے کتابیں پڑھانے کو وہ کار کردنی سمجھتا ہے یعنی اگر ملازمت نہ رہے تب بھی وہ تھوڑا بہت پڑھانے کا کام جاری رکھے اور امامت کے کام کو وہ کار کردنی نہیں سمجھتا یعنی اگر امامت کی تنخواہ نہ ملے تو وہ امامت نہ کرے امامت کرنے کو پسند نہیں کرتا امامت کے پندرہ روپے اور مدرسی کے دس روپے ملتے ہیں اگر امامت کو چھوڑ دے تو اس جگہ مدرسی کرنا مشکل ہو جاتا ہے تو عرض یہ ہے-
(۱) صورت مذکورہ میں تنخواہ لیکر امامت کرنے سے امامت کا ثواب ملے گا یا نہیں ؟
(۲) صورت مذکورہ میں تنخواہ لیکر دینی کتابیں پڑھانے کا ثواب ملے گا یا نہیں ؟
(۳) کوئی شخص تنخواہ لیکر اگر امامت کرے یا تعلیم دینی کرے تو کن وجوہ میں ثواب ہوگا اور کن وجوہ میں ثواب نہ ہوگا کس طرح نیت کرنے سے ثواب ہوگا مالدار اور غریب میں فرق ہے یا نہیں ؟
(۴) تعلیم دینی و امامت پر تنخواہ ٹھہرا کر لینا جائز ہے یا نہیں ؟
(۵) طلباء سے استاد کام لے تو جائز ہے یا نہیں ؟ اور استاد کو اجر ملے گا یا جاتا رہے گا ؟
(۶) اگر کوئی شخص محلّہ والوں کو یا متولی مسجد کو یوں کہے کہ میں امامت کروں گا یا مسجد کا کام کروں گا اللہ واسطے اور تم مجھ کو اللہ کے واسطے کھانا اور تنخواہ دو تو اس طرح للہ مانگنا جائز ہے یا نہیں اور یہ مانگنا سوال ممنوع میں داخل ہے یا نہیں ؟
(۷) شاہ عبدالعزیزؒ نے سورہ بقر آیت **وفي ذلكم بلاء من ربكم عظيم** کے تحت میں فرمایا ہے کہ "

---

(۱) ولا يختم في اقل من ثلاثة ايام تعظيماله (عالمگيرية: الباب الرابع في الصلاة والتسبيح و قراة القرآن الخ، ۵/۳۱۷، ط مكتبه ماجديه، كوئٹه)

اجرت بر عبادت گرفتن دراں صورت جائز است کہ نیت خالص محض برائے خدا باشد و بودن و نبودن اجرت برابر گردد - آں عبادت راکار کردنی خود داند خواہ کسے براں اجرت بدہد یا نہ دہد و اگر مانند حرفتہا و مزدوریہائے دنیاوی آں عبادت را معلق بر گرفتن اجرت سازد کہ اگر اجرت داد ندبجاآورد والا ترک کرد پس او محض مزدور است از ثواب بہرہ ندارد بلکہ خوف عقاب دارد کہ کار دین را برائے دنیا کرد و آخرت را بادنیٰ فروخت، معاذ اللہ من ذلک -" عبارت مذکورہ کا کیا مطلب ہے ؟ فی زمانہ امامت کو شاید ہی کوئی کار کردنی سمجھتا ہو اس لئے کہ اس میں بہت ذمہ داری ہے اگر تنخواہ نہ دی جائے تو اکثر مساجد خالی رہیں -

المستفتی نمبر ۵۲۰ محمد ابراہیم (احمد آباد) ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۶) نمبر ۱ سے لیکر ۴ تک کا جواب یہ ہے : کہ امامت اور تعلیم و تدریس کی تنخواہ ٹھہرا کر لینا جائز ہے (۱) اور اگر اس کی نیت یہ ہو کہ رفع ضروریات کے لئے تنخواہ لیتا ہوں اور اگر ان کاموں کو دینی کام سمجھ کر اختیار کرتا ہوں تو اس کا ثواب بھی ملے گا اگرچہ بلا تنخواہ حسبۃ للہ یہ کام کرے تو ثواب زیادہ ہوگا - (۲)

(۵) طلباء سے عرفی طور پر کوئی کام لینا جو وہ بطیب خاطر خدمت استاد سمجھ کر کر دیں اور خوش ہوں جائز ہے اور اس میں اس کے ثواب تعلیم پر کوئی اثر نہ ہوگا -

(۶) یہ تعبیر تو ممنوع نہیں اور نہ یہ سوال میں داخل ہے مگر جب کہ نیت معاوضہ کی ہو تو اس کام سے کچھ فائدہ نہیں - (۳)

(۷) شاہ صاحب کی عبارت اس قول پر مبنی ہے کہ عبادت پر اجرت لینا ناجائز ہے اور جو صورت جواز کی تحریر فرمائی ہے وہ درحقیقت اجرت کی حد میں داخل نہیں ہوتی اور جو صورت عدم جواز کی تحریر فرمائی ہے وہ اجرت ہے جیسا کہ ان کا فقرہ "پس او محض مزدور است" اس کی دلیل ہے اور یہ متقدمین کے نزدیک ناجائز اور متاخرین کے فتوے کے موجب جائز ہے - (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) و یفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والامامة والاذان - فیجب المسمی بعقد (الدر المختار مع رد المحتار . مطلب فی الاستئجار علی الطاعات، ۶/ ۵۵، ط سعید)

(۲) نعم قد یقال ان کان قصده وجه الله تعالی لکن بمراعاته للاوقات، والاشتغال به یقل الاکتساب عما یکفیه لنفسه و عیاله فیاخذ الاجرة لئلایمنعه الاکتساب عن اقامة هذه الوظیفة الشریفة، ولولا ذلك لم یاخذ اجرا فله الثواب المذکور بل یکون قد جمع بین عبادتین: وهما الاذان، والسعی علی العیال، وانما الاعمال بالنیات (رد المحتار باب الاذان، مطلب فی المؤذن اذا کان غیر محتسب فی اذانه ۱/ ۳۹۲، ط سعید)

(۳) انما الاعمال بالنیات (الحدیث) (بخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول الله ﷺ ۱/ ۲، ط قدیمی کتب خانه، کراچی)

(۴) اما الاجارة علی الطاعات فاصول المذهب الحنفیة تقتضی انها غیر صحیحة ایضا - لکن المتاخرین من الحنفیة نظروا الی حالة ضرورة طارئة فافتوا بجواز اخذ الاجرة علی بعض الطاعات للضرورة (کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة مبحث ماتجوز اجارته وما لا تجوز ۳/ ۱۱۰، ط دار الفکر، بیروت)

حضور ﷺ کبھی کبھار صحابہ کرام ؓ کے گھر بطور محبت وصداقت کھانا تناول فرماتے تھے نہ کہ بطور اجرت

(سوال) عوام رسول اللہ ﷺ کے گھر سے کھانا کھایا کرتے تھے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کسی کے گھر سے کھاتے تھے اور نہ ہی کوئی مزدوری یا اجرت لیتے تھے اور قرآن اس حکم کو کئی جگہ فرماتا ہے اس کے مخالف آج علماء مقتدیوں کے گھروں سے کھاتے ہیں اور اپنی نماز پڑھائی جنازہ یا نکاح پڑھائی کی اجرت لے لیتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۶۹۹ حکیم سید عبداللہ شاہ دہلی ۹ شوال ۱۳۵۴ھ م ۵ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۷) قرآن مجید میں کہیں پیغمبر ﷺ کو امت کے گھر کھانا کھانے سے منع فرمایا نہیں گیا اس لئے امت کے افراد بھی حضور ﷺ کے دولت خانے پر کھانا کھاتے تھے اور حضور ﷺ کبھی کبھی اپنے مخلصین کے مکان پر کھانا تناول فرماتے تھے(۱) لیکن حضور ﷺ کا تناول فرمانا معاذاللہ اجرت کے طور پر نہیں ہوتا تھا بلکہ محبت وصداقت کی بناء پر ہوتا تھا جس کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہے(۲) رہا آج کل مساجد کے اماموں، موذنوں یا استادوں کا اجرت امامت واذان یا اجرت تعلیم لینا تو یہ مسئلہ مجتہدین امت میں مختلف فیہ تھا۔امام ابو حنیفہ عبادات کی اجرت لینے دینے کو ناجائز فرماتے تھے اور دوسرے ائمہ جائز فرماتے تھے متأخرین حنفیہ نے بھی دوسرے کے قول کے موافق تعلیم وامامت واذان کی اجرت کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے کیونکہ بغیر اجرت ان چیزوں کا بقاء اور انظام کا قیام مشکل ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

طالب علم کو اگر تعلیم کے ساتھ ہنر بھی سکھایا جائے تو بہتر ہے

(سوال) دینی طلباء کو آج کل علمائے کرام دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہنر کیوں نہیں سکھاتے تاکہ ہنر کے ذریعے اپنی روزی کما سکیں اور علم دین سے دوسروں کو بلا کسی مزدوری کے فیض پہنچائیں؟
المستفتی نمبر ۶۹۹ حکیم سید عبداللہ شاہ زنجانی (دہلی)

---

(۱) عن ابی هريرة قال: خرج رسول الله ﷺ ذات يوم اوليلة - فاتى رجلاً من الانصار فاذا هو ليس فى بيته فلما رآته المراة قالت مرحباً (إلى قوله) ما نطلق فجاء هم بعذق فيه بسر و تمرو رطب فقال كلو امن هذه، واخذ المدية، فقال له رسول الله ﷺ اياك والحلوب، فذبح بهم فاكلوا من الشاة ومن ذلك العذق (الحديث) (صحيح الامام مسلم: باب جواز استتاعه غيره الى دار من يثق ۲/۱۷۶، ط قديمى كتب خانه، كراچى)
(۲) و فى تفسير القرطبى (قوله تعالى: قل ما سألتكم من اجر) اى جعل على تبليغ الرسالة (فهو لكم) اى ذلك الجعل لكم ان كنت سالتكموه (ان اجرى الا على الله وهو على كل شئ شهيد) (سبا: ۴۷- ۷/۱۹۹، ط دار الفكر، بيروت)
(۳) ولا حل الطاعات مثل الاذان والحج والامامة و تعليم القرآن والفقه، و يفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والامامة والاذان (تنوير الابصار و شرحه) قال المحقق فى الشامية (قوله: و يفتى اليوم الخ) قال فى الهداية: و بعض مشايخنا استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التوانى فى الامور الدينيه - وزاد فى متن المجمع: الامامة- وزاد بعضهم الاذان (رد المحتار مطلب تحرير مهم فى عدم جواز الاستئجار على التلاوة ۶/۵۵، ط سعيد)

(جواب ۱۸) ہاں یہ بات کہ طالب علم کو علم کے ساتھ کوئی صنعت و حرفت بھی سکھائی جائے بہتر ہے اور بہت سے لوگوں نے اس پر عمل شروع بھی کر دیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف دینی علوم کی تعلیم دینا ناجائز یا غیر مفید ہے۔　　محمد کفایت اللہ

(۱) داخلہ فیس کا حکم
(۲) ماہوار فیس لی جا سکتی ہے

(سوال) ایک اسلامی مدرسہ کی مالی حالت نہایت خراب ہے، یہاں کے مسلمان اس قدر بے حس ہیں کہ باوجود خدمات کے اعتراف کے مالی امداد کی طرف راغب نہیں ہوتے اس مدرسہ میں نہ گورنمنٹ سے کوئی مالی امداد لی جاتی ہے نہ کسی بورڈ وغیرہ سے اندریں صورت (۱) اگر بچوں کے داخلہ کے وقت کوئی رقم داخلہ فیس کے طور پر لی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۲) درجہ قرآن یا حفظ و ناظرہ اردو یا فارسی یا عربی ان میں سے کسی درجہ کے لڑکوں پر ماہواری فیس شرعاً مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی مہتمم مدرسہ دینیہ اسلامیہ، غازی پور (یوپی) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۳۰ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۹) (۱) داخلہ کی فیس تو کوئی معقول نہیں (۱) (۲) ماہوار فیس لی جا سکتی ہے۔ (۲)

متاخرین نے ضرورت کی وجہ سے بعض عبادات پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تعلیم قرآن مجید اور اذان و امامت کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۰) واضح ہو کہ یہ مسئلہ قدیم سے مختلف فیہ ہے۔ امام شافعیؒ اور امام بن حنبل (۳) اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ایسی اطاعت پر جو اجیر کے ذمہ متعین نہ ہوں عقد اجارہ منعقد کرنا اور اجرت لینا دینا جائز ہے جیسے تعلیم قرآن مجید، اذان، امامت وغیرہ اور امام ابو حنیفہؒ اور زہری اور قاضی شریحؒ اور ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ طاعات پر اجارہ ناجائز ہے ہمارے اصحاب متقدمین حنفیہ کا یہی مسلک تھا کہ

---

(۱) معقول اس اعتبار سے نہیں کہ یہ طے نہیں ہو سکا کہ داخلہ فیس کس چیز کی اجرت ہے، خصوصاً جب داخلہ فیس کے ساتھ ماہوار فیس بھی لی جائے، غایۃ مافی الباب یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ داخلہ سے متعلق امور نمٹانے کی اجرت ہے

(۲) و یفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه (الدر المختار مع رد المحتار: مطلب تحریر مهم فی عدم جواز الاستجاره علی التلاوة الخ ۶/ ۵۵ ط سعید)

(۳) امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق یہ نقل ہے کہ وہ طاعات پر اجرت لینے کے مجوزین میں ہیں مبنی بر قول ضعیف یا قول قدیم یا بااشرط اجرت لینے پر ہے، ان کا مشہور اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں (دیکھئے الانصاف: عمل فقه الامام احمد بن حنبل، باب اجاره ۶/ ۴۵، ۴۶ ط دار احیاء التراث بیروت و کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه، مبحث ما تجوز اجارته وما لا تجوز، ۳/ ۱۲۶، ط دار الفکر، بیروت)

طاعات پر اجرت لینا دینا ناجائز ہے اور قدمائے حنفیہ اسی کے موافق فتویٰ دیتے اور عمل کرتے رہے علم دین پڑھانے والوں، اذان کہنے والوں اور امامت کرنے والوں کے وظائف بیت المال سے مقرر ہوتے تھے اور یہ لوگ نہایت اطمینان اور فارغ البالی سے اپنا کام انجام دیتے تھے۔

کچھ عرصے کے بعد اسلامی سلطنت نہ رہنے یا بیت المال کے مصارف میں بعض مسلمان بادشاہوں کے شرعی حدود سے تجاوز کر جانے کی وجہ سے ان علماء اور موذنین وائمہ کے وظائف بند ہوگئے اور تعلیم علوم دینیہ یا اذان وامامت کی انجام دہی میں جو فراغت قلبی انہیں حاصل تھی وہ جاتی رہی چونکہ یہ لوگ بھی آخر انسان تھے اور انسانی ضروریات معاش ان کی زندگی کے لوازمات میں بھی داخل تھیں اس لئے ان کو مجبوراً مال حاصل کرنے کے ذرائع کی طرف متوجہ ہونا پڑا جس کے وسیلے سے اپنی اور اپنی اولاد و متعلقین کی اوقات بسری کر سکیں ذرائع معاش چونکہ مختلف اقسام کے ہیں کسی نے کوئی طریقہ اختیار کیا کسی نے کوئی۔ کسی نے تجارت، کسی نے زراعت، کسی نے ملازمت، کسی نے صنعت و دستکاری اختیار کی اسی طرح ضرورتیں بھی کمی بیشی میں مختلف تھیں اس لئے رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں ایک بڑا حصہ کسب معاش میں خرچ کر دینے کے باوجود بھی بعض افراد کی ضرورتیں پوری نہ ہوئیں۔

ان حالات کی وجہ سے بہت سے علماء بہت سے موذن، بہت سے امام مجبوراً ان مشاغل کی وجہ سے تعلیم یا اذان یا امامت کی خدمت کو باالتزام پورا نہ کر سکے اور بلاآخر انہیں اضطراری حالت سے ان خدمات کو چھوڑنا پڑا لیکن تعلیم چھوڑنے سے یہ نقصان متصور تھا کہ علم دین کا سلسلہ منقطع ہو جانے کا کیونکہ جب پڑھانے والوں کو اپنی ضروریات معاش میں مشغولی کی وجہ سے اتنی فرصت نہ ملتی کہ طلبہ کو پڑھا سکیں تو پھر علم دین کی زندگی اور بقاء کی کیا صورت تھی اذان چھوڑ دینے سے یہ نقصان متصور تھا کہ نماز کے اوقات کا انضباط جو معین موذن ہونے کی صورت میں ہو سکتا ہے درہم برہم ہو جاتا چونکہ اس زمانے میں بڑے بڑے شہروں بلکہ بعض قصبوں میں بھی اکثر غریب مسلمان کارخانوں اور کمپنیوں اور ملوں میں مزدوری پر کام کرتے ہیں اور اپنے افسروں کی خوشامد کر کے نماز اور جماعت کے لئے اجازت حاصل کرتے ہیں ایسے لوگوں کو اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ اذان اور نماز کا وقت معین ہو کہ اس کے موافق وہ کارخانوں سے ٹھیک وقت پر آجایا کریں اور جماعت سے نماز پڑھ کر اپنے کام پر چلے جائیں اگر اذان وجماعت کے اوقات معین نہ ہوں تو ان لوگوں کو یا تو جماعت چھوڑنی پڑے یا اپنے کام میں زیادہ دیر تک غیر حاضر رہنے کی وجہ سے افسروں سے ناچاقی پیش آئے اور اپنے ذرائع معاش کو کھو بیٹھیں امام معین نہ ہونے کی صورت میں جماعت کا انتظام درست نہیں رہ سکتا، اور پورے انضباط سے نماز نہیں ہو سکتی جن مساجد میں کوئی موذن اور امام مقرر نہیں ہے نماز کے وقت جو پہلے آگیا اس نے اذان کہہ دی اور جس کو مناسب سمجھا امام بنا دیا ایسی مسجدوں میں جماعت کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہو سکتا اور اس لئے ان لوگوں کو جو دوسروں کی تابعداری میں پھنسے ہوئے ہیں اکثر اوقات ایسی مسجدوں میں جماعت سے

نماز نصیب نہیں ہوتی۔

پس متاخرین فقہاء حنفیہ نے اس ضرورت شرعیہ کی وجہ سے حضرت امام شافعیؒ کے قول کے موافق یہ فتوی دیا ہے کہ مواقع ضرورت میں طاعات پر اجرت لینا جائز ہے اور قرآن مجید و حدیث و فقہ کی تعلیم اور اذان و امامت پر اجرت لینے کی جواز کی تصریح کر دی کیونکہ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ بغیر ان کے بقاء کے اسلامی حقیقت کا باقی رہنا بھی مشکل ہے۔

ہم ذیل میں فقہاء کی وہ تصریحات نقل کرتے ہیں جن میں آج کل اذان و امامت اور تعلیم پر اجرت لینے کا جواز مذکور ہے۔

و بعض مشائخنا رحمهم الله استحسنوا الاستيجاز على تعليم القرآن اليوم لظهور التوانى فى الامور الدينية ففى الامتناع تضييع حفظ القرآن و عليه الفتوى اه كذافى الهداية-(١)

اور ہمارے بعض مشائخ رحمہم اللہ نے آج کل تعلیم قرآن پر اجرت لینے دینے کا جواز بہتر سمجھا کیونکہ امور دینیہ میں لوگوں کی سستی ظاہر ہوگئی ہے تو ممانعت کے حکم میں اندیشہ ہے کہ حفظ قرآن ضائع ہو جائے اور اسی جواز اجرت پر فتوی ہے۔

و مشائخ بلخ جوزو االاستيجار على تعليم القر ن اذا ضرب لذلك مدة وافتوا بوجوب المسمى كذافى المحيط-

اور مشائخ بلخ نے تعلیم قرآن کی اجرت لینے کو جائز فرمایا ہے جب کہ اس کی مدت معین کی جائے اور معین شدہ اجرت کے واجب التسلیم ہونے کا فتوی دیا جائے۔

و كذا جوز واالاستيجار على تعليم الفقه و نحوه والمختار للفتوى فى زماننا قول هولاء كذافى الفتاوى العتابية فتاوى عالمگیری باختصار (٢)

اسی طرح تعلیم فقہ اور اس کے امثال (اذان و امامت) پر اجرت لینے کا جواز بھی ہے اور ہمارے زمانے میں فتوی کے لئے انہیں لوگوں کا قول مختار ہے۔

الاستيجار على الطاعات كتعليم القرآن و الفقه والتدريس والو عظ لا يجوز اى لا يجب الاجر واهل المدينة طيب الله ساكنها جوزوه وبه اخذ الامام الشافعىؒ قال فى المحيط و فتوى مشائخ بلخ على الجواز قال الامام الفضلى والمتاخرون على جوازه وكان الامام الكرمانى يفتى "بدرنا رسیده معلم را خوشنود بکنید" و فتوى علمائنا على ان الاجارة ان صحت يجب المسمى وان لم تصح يجب اجر المثل الخ فتاوى بزازيه(٣)

---

(١) كتاب الاجارة ، مطلب تحرير مهم فى عدم جواز الاجرة على التلاوة الخ ٦/٥٥، ط سعيد)

(٢) الباب السادس عشر فى مسائل الشيوع فى الاجارة والاستحارة على الطاعات. ٤/٤٤٨، ط ماجديه كوئٹه)

(٣) نوع فى تعليم القرآن والحرف ٥/٣٧، ط ماجديه كوئٹه-

طاعات پر عقد اجارہ مثلاً تعلیم قرآن وفقہ اور تدریس اور وعظ پر اجرت لینا جائز نہیں یعنی اجرت واجب نہیں ہوتی اور اہل مدینہ طیب اللہ ساکنہا طاعات پر اجرت لینے کو جائز کہتے ہیں اور امام شافعیؒ اس کے قائل ہیں محیط میں فرمایا کہ مشائخ بلخ کا فتوی جواز پر ہے۔

امام فضلیؒ نے فرمایا کہ متاخرین حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور امام کرمانی فتوی دیتے تھے کہ " دروازے تک پہنچنے سے پہلے معلم کو خوش کر دو" اور ہمارے علماء کا فتوی ہے کہ اگر عقد اجارہ صحیح طور پر کیا گیا تو اجرت معینہ واجب ہوگی ورنہ اجر مثل لازم ہوگا۔

وقال محمد بن الفضل كره المتقدمون الاستيجار لتعليم القرآن وكرهوا اخذ الاجرة عليه لوجود العطية من بيت المال مع الرغبة في امور الدين و في زماننا انقطعت فلواشتغلوا بالتعليم بلا اجر مع الحاجة الى معاش لضاعو او تعطلت المصالح فقلنا بماقالوا۔ فتاوى بزازيه (۱) و مثله في الخانية۔(۲)

امام محمد بن الفضلؒ نے فرمایا کہ متقدمین حنفیہ نے قرآن مجید کی تعلیم پر اجرت لینے کو اس لئے مکروہ فرمایا تھا کہ بیت المال سے معلمین کے لئے عطیات مقرر تھے اور لوگوں کو امور دین کی رغبت بھی تھی اور ہمارے زمانے میں عطیات منقطع ہو گئے تو اب اگر تعلیم میں مشغول ہوں اور اسباب معیشت کی حاجت اسی طرح باقی رہنے کے باوجود اجرت نہ لیں تو مرنے لگیں گے اور مصالح زندگی درہم برہم ہو جائیں گے اس لئے ہم بھی اسی بات کے قائل ہو گئے جس کے (یعنی امام شافعیؒ وامام احمد واہل مدینہ وغیرہ) قائل تھے یعنی جواز اجرت کا فتوی ہم نے بھی دے دیا ہے۔

قال الشيخ الامام شمس الائمة السرخسي رحمه الله تعالىٰ ان مشائخ بلخ جوزو االاجارة على تعليم القرآن واخذ وافى ذلك بقول اهل المدينة وانا افتى بجواز الاستيجار ووجوب المسمى - فتاوى قاضي خان(۳)

امام شمس الائمہ سرخسیؒ نے فرمایا کہ مشائخ بلخ نے تعلیم القرآن پر اجرت لینے دینے کو جائز فرمایا ہے اور اس بارے میں انہوں نے اہل مدینہ کے قول پر عمل کیا ہے۔ اور میں بھی اجرت لینے دینے کے جواز اور اجرت معینہ کے واجب ہونے کا فتوی دیتا ہوں۔

والفتوىٰ اليوم علىٰ جواز الاستيجار لتعليم القرآن وهو مذهب المتاخرين من مشائخ بلخ استحسنو اذلك لظهور التوانى فى الامور الدينية وكسل الناس فى الاحتساب۔

آج کل تعلیم قرآن کی اجرت لینے کے جواز پر فتوی ہے اور یہ متاخرین مشائخ بلخ کا مذہب ہے، انہوں نے

---

(۱) نوع في تعليم القرآن والحرف، ۵/۳۸ ط ماجديه ، كوئٹه

(۲) باب اجارة الفاسدة ۴/۳۲۵ ، ط ماجديه كوئٹه

(۳) حواله بالا

اس جواز اجرت کو اس لئے بہتر سمجھا کہ امور دینیہ میں لوگوں کی سستی ظاہر ہو رہی ہے اور ثواب کی نیت سے کام کرنے میں لوگ کسل کرنے لگے ہیں-

و كذا يجوز على الامامة في هذا اليوم لان الائمة كانت لهم عطيات في بيت المال و انقطعت اليوم بسبب استيلاء الظلمة عليها-

اور اسی طرح اس زمانہ میں امامت کی اجرت بھی جائز ہے کیونکہ پہلے اماموں کے لئے بیت المال سے وظائف مقرر ہوتے تھے وہ اب بند ہو گئے- کیونکہ بیت المال ظالموں کے قبضے میں ہیں-

و في روضة الزند ويستي كان شيخنا ابو محمد عبدالله الخيز اخيزى يقول في زماننا يجوز للامام والموذن و المعلم اخذ الاجرة - انتهى عينى (۱) شرح كنز الدقائق

اور روضہ زندویستی میں ہے کہ شیخ ابو محمد عبداللہ الخیز اخیزی فرماتے تھے کہ ہمارے زمانے میں امام، اور موذن اور معلم کو اجرت لینا جائز ہے-

ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والا مامة والاذان - انتهى (درمختار) (۲)

اورآج کل قرآن وفقہ کی تعلیم اور امامت اور اذان پر اجرت لینے دینے کے جواز پر فتویٰ دیا جاتا ہے-

ان نصوص فقہیہ سے امور ذیل بوضاحت ثابت ہو گئے-

(۱) متقدمین حنفیہ طاعات پر اجرت لینے دینے کو ناجائز فرماتے تھے اور اہل مدینہ اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور ایک جماعت اس کے جواز کی قائل ہے-

(۲) متاخرین حنفیہ نے یہ دیکھ کر بیت المال کے عطیات موقوف ہو گئے اور ذرائع معیشت میں دشواریاں پیدا ہو گئیں اور امور دین میں سستی اور بے پروائی ظاہر ہو گئی پس ایسی حالت میں عدم جواز اجرت کا حکم دینے سے دین اور شعائر مذہب کو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ تھا اس لئے انہوں نے اس مسئلہ میں امام شافعیؒ اور اہل مدینہ کا قول اختیار کر لیا جیسے کہ متاخرین حنفیہ نے اسی قسم کی ضرورتوں کی وجہ سے زوجہ مفقود کے بارے میں امام مالک کے قول کو اختیار کیا ہے-

(۳) متاخرین حنفیہ کا متقدمین کے قول سے اختلاف کرنا اس ضرورت شرعیہ پر مبنی تھا' پس جن ضرورتوں میں یہ ضرورت متحقق ہو گی وہیں یہ حکم ہو گا اور جہاں یہ ضرورت نہ ہو گی وہاں یہ حکم جاری نہ ہو گا چنانچہ علامہ شامیؒ نے ردالمحتار (۳) میں تصریح کر دی ہے کہ تلاوت قرآن اور تسبیح و تہلیل بغرض ایصال ثواب پر اجرت لینا دینا اب بھی ناجائز ہے کیوں کہ اس میں کوئی ضرورت نہیں اور ان کے چھوڑنے سے دین اور شعائر مذہب کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا- اسی طرح وعظ کی اجرت اس صورت سے کہ وعظ

---

(۱) كتاب الاجارة' باب الاجارة الفاسدة ۲/ ۱۵٤' ط ادارہ القرآن دار العلوم الاسلاميه' كراچی)

(۲) كتاب الاجارة ' مطلب في الاستئجار على الطاعات ٦/ ٥٥ ' ط سعيد)

(۳) كتاب الاجارة' مطلب تحرير مهم في عدم جواز اخذ الاجرة على التلاوة الخ ٦/ ٥٦ ط سعيد)

کہنے کی نوکری کرلی جائے جائز ہے - لیکن متفرق طور پر واعظ جو وعظ کہتے ہیں ان کی اجرت لینا جائز نہیں اور عدم جواز کی وجہ ایک (۱) عارضی خارجی ہے - جو اکثری طور پر ان متفرق وعظوں کو لاحق ہے وہ یہ کہ اجرت کے خیال سے واعظ کتمان حق کر جاتا ہے یعنی اگر اجرت دینے والے کے اندر کوئی خلاف شرع امر پایا جاتا ہو تو واعظ اس کا رد نہیں کرتا کہ مبادا اجرت ملنے میں کوئی روک پیدا ہو جائے کیونکہ ایسے متفق وعظوں کی اجرت اکثری طور پر شخصیت سے متعلق ہوتی ہے یا سامعین سے ہی وصول اجرت کی امید ہوتی ہے اور نوکری کی صورت میں اکثری طور پر یہ عارض نہیں پایا جاتا - اور اگر کسی ملازمت میں بھی کتمان حق کی نوبت آئے تو وہ بھی ناجائز ہوگی -

(۴) تعلیم قرآن مجید - تدریس حدیث و فقہ - اذان و امامت کی مذکورہ بالا عبارتوں میں تصریح موجود ہے پس ان چیزوں کی اجرت جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں - واللہ اعلم

کتبه الراجی رحمة مولاه محمد کفایت الله عفا عنه ما جناه المدرس فی المدرسة الامینیة الواقعة بدهلی - ۲۰ شعبان ۱۳۳۴ھ

الجواب صواب محمد انور عفا اللہ عنہ معلم دار العلوم دیوبند - الجواب صحیح - خلیل احمد عفی عنہ الجواب صحیح عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

فصل دوم - آداب تعلیم

عید گاہ میں بچوں کو دینی تعلیم دینا کیسا ہے ؟

(سوال) شہر بھاگلپور میں شہر اور میونسپل حلقے سے کچھ دور شاہ جنگی تالاب سے متصل پورب کی طرف ایک قدیم عید گاہ کی مسجد ہے اب جماعت کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے اتر دکھن اور پورب کی جانب پختہ چار دیواری سے اس کا محاصرہ کر دیا گیا ہے جماعت اس میں کثیر ہوتی ہے پانچ ہزار کی جماعت ہوتی ہے سوائے عیدین - اس کے پچھم جانب بڑا تالاب اور اتر اور دکھن جانب میدان کربلا ہے صرف پورب جانب دو تین رسی کے فاصلے پر بستی ہے چند روز سے اس مسجد کے اندر ایک شخص نے چھوٹے بچوں کی تعلیم کا سلسلہ جاری کیا ہے جس میں چھوٹی چھوٹی ابتدائی درسی کتابوں اور قرآن شریف کی تعلیم بچوں کو

(۱) احقر کے نزدیک "عارضی" کہنے کی ضرورت نہیں فقہاء نے وعظ کو امامت و تعلیم قرآن کے ساتھ ذکر کیا ہے یہ قرینہ ہے اس کا کہ اس کا حکم مثل ان دونوں کے ہے اور ان کا حکم یہ ہے کہ اگر التزام کے طور پر عمل ہو تو استیجار جائز ہے اور اگر کسی نے ایک مسئلہ پوچھ لیا یا ایک وقت کی نماز پڑھانے کو کہہ دیا تو اجرت لینا جائز نہیں پس یہی حکم وعظ کا ہوگا کہ اتفاقاً کسی نے وعظ کی درخواست کی اس پر اجرت لینا جائز نہ ہوگا اور جب نوکری کرلی تو جائز ہوگا - ہذا ما فہمت - البتہ حضرت مفتی صاحب سلمہ نے جو متن میں ذکر کیا ہے وہ ان دونوں صورتوں میں فرق ہونے کا ایک لطیف نکتہ ہو سکتا ہے - واللہ اعلم - ۱۲ اشرف علی (تھانوی)

دی جاتی ہے وہ بھی باضابطہ اور منظم طریقے سے نہیں مسجد کے اندر اس تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کے بارے میں دو مختلف جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں ایک جماعت کا خیال ہے کہ مسجد کے اندر تعلیمی سلسلہ رہے تو کوئی قباحت نہیں اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ مسجد صرف نماز کی جگہ ہے اس میں سوائے نماز کے اور کوئی کام جائز نہیں اس کے متعلق آپ شریعت کا حکم بتائیں۔ **المستفتی** نمبر ۷۴۴ سید احسن علی (بھاگلپور) ۲ محرم ۱۳۵۴ھ م ۷ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۱) عیدگاہ کا حکم مسجد کے احکام سے تھوڑا سا مختلف ہے لیکن تعلیم کے حق میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں حتی الامکان مسجد یا عیدگاہ میں بچوں کی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ کیا جائے کہ بچے پاکی ناپاکی اور احترام مسجد کا خیال نہیں رکھ سکتے لیکن اگر کسی دوسری جگہ کا انتظام نہ ہو سکے تو پھر مجبوری کی حالت میں مسجد یا عیدگاہ میں بھی تعلیم دینا ناجائز نہیں(۱) ہاں معلم کا فرض ہے کہ وہ مسجد یا عیدگاہ کے احترام و صفائی کا لحاظ رکھے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شریعت میں عاق کر دینے کا اختیار کسی کو نہیں!

(الجمعیۃ دہلی' مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) استاد شاگرد کو عاق کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر عاق کر دیا تو کیا حکم ہے؟

(جواب ۲۲) عاق کر دینے کا کسی کو اختیار نہیں اور نہ یہ کوئی شرعی اصطلاح ہے جو شخص استاد کا فرمان اور ایذا رساں ہے وہ خود عاق ہے خواہ استاد عاق کرے یعنی عاق کرنے کا اعلان کرے یا نہ کرے اور جو فی الحقیقت نافرمان نہیں ہے اس کو اگر استاد عاق کرنے کا اعلان بھی کر دے جب بھی وہ عاق نہیں ہو سکتا(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تیسرا باب
تعلیم زنان

(۱) اسلام میں خواتین کی تعلیم
(۲) لڑکی کی مدت بلوغ کیا ہے' اور مشتہاۃ کب ہوتی ہے؟

---

(۱) واما المعلم الذی یعلم الصبیان اذا جلس فی المسجد یعلم الصبیان لضرورۃ الحر أو غیرہ لایکرہ (عالمگیریۃ: فصل کرہ غلق باب المسجد ۱/ ۱۱۰ ط ماجدیہ' کوئٹہ)

(۲) فمن تاذی منہ استاذہ یحرم برکۃ العلم الا قلیلاً (تعلیم المتعلم وطریق التعلم مترجم فصل فی تعظیم العلم واھلہ ص ۵۷ ط میر محمد کتب خانہ' کراچی)

(۳) والدین پر لڑکیوں کی تربیت کے سلسلے میں حقوق
(٤) بلوغ سے پہلے اور بعد میں ستر کی تفصیل
(۵) قرآن وحدیث سے مستنبط علوم کون کون سے ہیں اور ان کے درجات کیا ہیں ؟
(۶) حصول تعلیم کے لئے عورتوں کا اجتماع ثابت ہے
(۷) عورتوں کے حقوق کیا ہیں اور ان پر کون سے علوم کی تحصیل ضروری ہے ؟

(سوال) استفتائے وزارت جلیلہ معارف (افغانستان) از جمعیۃ عالیہ علمائے ہند در دہلی نمبر ۱۰۵۴ مورخہ ۴ ابرج سنبلہ -

معلوم فقاہت ودرایت حضرات علمائے حقیقی است کہ دریں روزہا مرکز خلافت ودار الفتوائے اسلامی

(ترجمہ) یہ فتویٰ حکومت افغانستان کی وزارت معارف کی طرف سے جمعیۃ علمائے ہند سے طلب کیا گیا- متنازع فیہ افادہ مصالح وحوائج طبقہ اہل اسلام در ہر مملکت بنابر سبب فوق تشتت گردیدہ- رجحان حکم نسبت باختلاف آرائے مجتہدین سابق ولاحق در مسائل متفرعہ متزلزل ماندہ عجالۃً فیصلہ احتیاجات فقہی وعقلی بدون استفتاہائے متفرق ومنفرد امکان تلفیق نمی یابد خاصۃً مسائل اجتماعیہ امت محمدیہ ﷺ کہ عمدہ آں دریں عصر بصدہا بالغ می شود-

ازاں جملہ امروز با مسئلہ تحصیل مستورات بنابر آرائے علماء ایں ولا بسکتہ انجامیدہ حال آنکہ بیشتر علمائے ہند' ایران' ترکستان' کافکاس' ترک' عربستان وافریقا جواز ولزوم آں بدعت حسنہ (عموماً مدرسہ وخصوصاً مدرسہ اناثیہ) را تقویت فرمودہ اند-

اما علمائے افغانستان دلائل نصی واصولی سائر قطعات اسلامی را طلب می نمایند-

اینست کہ وزارت جلیلہ معارف دولت متبوعہ ما استفتائے مسئلہ فوق را از مقام رفیع استدلال، افتائے شما استفسار می کند کہ ''آیا مجتمعا در مدارس تحصیل اناث استحسان شرعی وارد یا نے ؟ کیفیت اجرائے آں چگونہ باید کرد'' ؟

ایں قدر را کاطر نشان خدمت شما مرشداں دینی میدارد کہ در فتوائے فوق جہت ہائے ذیل در نظر گرفتہ می شود-

(۱) سن بلوغ یعنی ابتدائے مکلفیت صنف اناث اصغری چیست ؟ واعظمی کدام ؟ بشرط آب وہوا نسل واصول معیشت) مشتہاۃ چہ درجہ دارد ؟ ستر مشتہاۃ تاچہ اندازہ است ؟
(۲) حقوق ووظائف تربیوی آنہا پیش از بلوغ چیست ؟ وبعد از بلوغ تاچہ اندازہ است ؟ یعنی جبر واختیار آنہا را نقل (شرع) چہ حدود گزاشتہ ؟
(۳) رکن وشرط ستر حقیقی چیست ؟ یعنی استتار عورت آنہا ؟ پیش از سن تکلیف وبعد از تکلیف ہمچنیں قبل از

نابل وبعد ازاں برائے اجنبی و محارم چه فرقها دارد چنانچه تستر احتیاطی یعنی شعائر عصمت برائے آنها چه
شرائط اجتماعی و دینی وارد ؟
۴) علوم مفروضه و استحسانیه که از آیات کریمه و احادیث صحیحه مستنبط میگردد کدام هاست یعنی درجه
تحصیل آنها راشریعت اسلامیه تا کجا لزوم وجوازمی دہد ؟
۵) ممنوعیت اجتماع نسواں نظر بدلائل اربعه تا کدام حد ست و در کدام مقامهاست ؟
۶) حقوق و وظائف نسوان محترم تنہا بقواعد اجتماعی و مدنی علاوه بر حقوق شرعی 'نسبت بحالت امروزه ما
سلماناں چه باید شد ؟ از علوم و صنائع نظر باحتیاج تمدنی - کدام ها پے در پے لزوم وارد ؟
۷) حکمہائے فوق عموما در مذاہب اہل سنت و خصوصا در مذہب امام ابو حنیفہؒ سنجیده شود چیست ؟ و تلفیق
نہا بچه ذریعه ممکن می شود ؟
لاصه - مسئله فوق یکے از مسائل اجتماعی و اخلاقی است که حل و فصل او راازدین و مذہب استنباط کرده
لائل حقیقی باید اثبات نمود و علمائے ایں ولادر بسیار مسائل مختلف فیه که از امور مہمه انام اسلام است تا
شکل و تمرکز مقام خلافت و مشیخت اسلامیه دریوزه واستفتار می نمایند - بریں وجه پے در پے مسائل مغلقه
باجماع علمائے امت 'اگر ممکن باشد استدعائے فیصله دارند -
حاشیه) تائید فتوائے مذکور بواسطه تاریخ اسلام نیز کرده شود جائے امتنان است - فیض محمد وزیر معارف
حقیقت شناس علمائے حق پر یہ بات روشن ہے کہ فی زمانہ کوئی ایک اسلامی و شرعی مرکز نہ ہونے
وجہ سے ہر ملک کے مسلمانوں کے دینی و شرعی ضرورتیں اور احکام مختلف فیہ ہو گئے ہیں اور فروعی
سائل میں متقدمین و متاخرین کے اختلاف رائے کی وجہ سے کسی قطعی فیصلے پر جلد پہنچنا دشوار ہو گیا ہے -
خاص کروہ فقہی و عقلی مسائل جو اس زمانے میں اجتماعی طور پر امت محمدیہ کو پیش آرہے ہیں
پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے جب تک کہ متعدد مقامات سے استفتا طلب نہ کئے جائیں -
ان سینکڑوں مسائل میں سے ایک مسئلہ تعلیم نسواں کا ہے جو مقامی علماء کی رائے کی بناء پر
رض التواء میں ہے اور صورت حال یہ ہے کہ ہندوستان 'ایران 'ترکستان 'قفقاز 'ترکی عرب و افریقہ کے
تر علماء عام اسکولوں میں اور خاص کر زنانہ اسکولوں میں لڑکیوں کی تعلیم کو جائز اور ضروری (بدعت
نہ) قرار دیتے ہیں -
لیکن علمائے افغانستان تمام دنیائے اسلام کے علماء سے اسکے جواز و استحسان کے لئے واضح اور
ی دلائل طلب کرتے ہیں -
اس بناء پر ہماری واجب الاطاعت حکومت کی وزارت معارف کی طرف سے مذکورہ بالا مسئلے
آپ کا مدلل فتوے مطلوب ہے کہ آیا اجتماعی طور پر اسکولوں کالجوں میں لڑکیوں کو تعلیم دلانا شرعا
تحسن ہے یا نہیں ؟ اور اس کو جاری کرنے کی کیا صورت اختیار کی جائے ؟

رہنمایان دین کو اتنا ذہن نشین کرا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ مسئلے کی تحقیق میں مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھا جائے۔

(۱) لڑکیوں کی عمر بلوغ بلحاظ آب و ہوا نسل اور پیشوں کے کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کیا ہے ؟ مشتہاۃ کب ہوتی ہے اور مشتہاۃ کا ستر کس قدر ہے ؟

(۲) لڑکیوں کی تربیت کے حقوق والدین پر قبل بلوغ کیا کیا ہیں ؟ اور بعد بلوغ کس قدر ہیں یعنی لڑکیوں کو شریعت نے کس عمر میں خود مختار قرار دیا ہے اور کس عمر تک باپ کی ولایت میں رکھا ہے ؟

(۳) ستر عورت کی تفصیل کیا ہے ؟ مکلف ہونے سے پہلے اور بعد تاہل سے پہلے اور بعد اجانب سے اور محارم سے کتنا ستر ہے اور کیا کیا فرق ہے اسی طرح پردہ کے کیا کیا حدود شرائط شریعت نے اور اسلامی معاشرے نے مقرر کئے ہیں ؟

(۴) وہ فرض اور مستحب علوم جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں کون کون سے ہیں ؟ شریعت نے ان کے حصول کے لئے لزوم و جواز کے کیا درجات مقرر کئے ہیں ؟

(۵) ائمہ اربعہ کے مسلک کے لحاظ سے عورتوں کا اجتماع کس حد تک ممنوع ہے اور کن مقامات میں ؟

(۶) عورتوں کے حقوق شرعی کے علاوہ محض اجتماعی و شہری حقوق عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق کیا کیا ہونے چاہئیں اور موجودہ طرز تمدن کی ضرورتوں کے پیش نظر کون کون سے علوم و فنون اور ہنر درجہ بدرجہ ضروری ہیں ؟

(۷) مذکورہ بالا مسائل میں تمام اہل سنت کے مذاہب اور خاص کر مذہب حنفیہ کے مطابق حکم دیا جائے اور قابل عمل بنانے کا سہل طریقہ ارشاد فرمایا جائے۔

غرض کہ مذکورہ بالا مسئلہ اخلاقی و اجتماعی مسائل میں سے اہم ترین مسئلہ ہے اس کا فیصلہ دین و شریعت سے مضبوط دلائل کے ساتھ ہونا چاہئے ہمارے مقامی علماء عالم اسلام کے اور بھی بہت سے اہم ترین اور مختلف فیہ مسائل میں آپ سے استصواب کرنا چاہتے ہیں مثلاً خلافت اور اسلامی مرکزیت کی تشکیل اور مقام خلافت کی تعیین اور اسی قسم کے اور بہت سے پیچیدہ مسائل بشرط امکان تمام علمائے امت کے اجماع کے ساتھ حل کرنے کے خواہشمند ہیں۔

(نوٹ) فتویٰ ہذا کی تائید میں اگر اسلامی تاریخ سے بھی کچھ شواہد پیش کئے جائیں تو موجب ممنونیت ہوگا۔

(جواب ۲۳) **باسمہ و بحمدہ سبحانہ و تعالی** حضرت منعم حقیقی جل شانہ و عز سلطانہ انسان را بحلیہ علم و حلیہ ہنر آراستہ، لوائے تکریم او بمنشور و لقد کرمنا بنی آدم (۱) برافرشتہ و صدور بنی آدم را مستودع امانات ربانیہ و مستقر ودیعات رحمانیہ گردانیدہ بہ پرتو ضیائے علوم لدنیہ منور ساختہ و امت محمدیہ

---

(۱) بنی اسرائیل ۷۰

راعلی صاحبہاافضل الصلوۃ والتحیہ بخطاب کنتم خیر امۃ اخرجت للناس(۱) سربلند بخشیدہ وعلمائے ایشاں را بمیراث انبیاء ومرسلین بہرہ ور فرمودہ شریعت اسلامیہ را برائے ایشاں مکمل و مختتم نازل فرمودہ بطغرائے " الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" (۲) مسجلنمود خاتم الانبیاء سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ از مامفارقت نہ ورزید تا آنکہ شریعت مقدسہ اسلامیہ درجہ شریعۃ بیضاء لیلہا و نہارہا سواء نگرفتنہ - بابے ازابواب معاش ومعاد نگزاشتہ کہ توضیح احکام او نفرمودہ ونوعے ازانواع نفسیات و اجتماعیات نماندہ کہ کشف حقائق آں نہ نمودہ -

تکمیل تعلیم اسلامی برائے نجات اسلامیاں کفیل و منار ارشاد نبوی برائے ہدایت ایشاں خیر دلیل است اسفار ائمہ ومجتہدین از تفصیلات احکام مملو ومشحون واز تلفیق اغیار مصون ومامون -

اقوام غیر اسلامیہ از تعلیم وتہذیب اسلامی خوشہ چین وحامیان تہذیب نوع انسانی بجہف ہدایت اسلامیاں پناہ گزین اسلام تہذیبے دارد کہ بمرور اعصار ودہور مبدل نہ شدو نخواہد شدو تازگی و نضارت آں بسموم وحرور حوادث پژمردگی نہ پذیرفت و نخواہد پذیرفت مکون الاکوان ومقدر الاقدر جامہ تہذیب کہ بقد اسلامیاں راست فرمودہ حقاکہ کہنگی وخرق دراں راہ یافتن نمی تواند -

طبقات انام کہ باجتماعیات حکم ارکان حقیقت واحدہ دارند ہر یکے راازایشاں مرتبہ مقرر وہر رکن رامحلے مقدروجائے معین ہست اگر ذکور بمزیتے شرف دارند اناث ہم بخصوصیتے ممتاز اند -

عملہا است کہ مرداں راشاید وہنرہا است کہ زناں رامی زیبد دراجتماعیات مرداں راحدیست مقرروزناں رامقریست محدود ہر یکے راازمحل ومقر خویش اعتدا نباید (۳) واین سخن شکے وشبہتے نشاید -

مسئلہ تعلیم زناں کہ امروزہا محل اختلاف است دومرتبہ دارد مرتبہ اولی تحصیل علم فی حد ذاتہ و مرتبہ ثانیہ صورت وتشکیل تحصیل

مسئلہ اولی اختلاف رانشاید کہ ازبدیہیات اسلام است خطابات افتراض تحصیل علوم واوامر تفکر و تدبر درآیات نفسی وآفاقی مخصوص بذکور نیست (۴) وضرورت تنور بنور علم اختصاصے بمرداں واقتصارے بصنفے نہ دارد چہ علم ازلوازم حیات نفس انسانی ہست -

---

(۱) آل عمران: ۱۱۰

(۲) المائدہ : ۳

(۳) ان اللہ کلف کلا من الرجال والناس اعمالا فما کان خاصا بالرجال لهم نصيب من اجره لا يشاركهم فيه النساء، وما كان خاصا بالنساء لهن نصيب من اجره لا يشاركهن فيه الرجال، وليس لاحد هما ان يتمنى ماهو مختص بالآخر وقد اراد الله ان يختص النساء باعمال البيوت والرجال بالاعمال الشاقة التي في خارجها ليتقن كل منهما عمله و يقوم بما يجب عليه مع الاخلاص (تفسير المراغي النساء : ۳۲، ۵/۲۳ ط مصر)

(۴) و منها ما قيل ما حكم المسلمات في ذلك لانه ذكر جمع التذكير واجيب بان هذا من باب التغليب فإن المسلمات يدخلن فيه كما في سائر النصوص والمخاطبات (عمدة القارى، باب من سلم المسلمون من لسانه ويده، ۱/۱۳۳، ط منيريه، بيروت)

انسانے مرد باشد یا زن کہ بہرہ از علم نہ دارد در حقیقت از حیات انسانیہ حظے ندارد واز ینجا است کہ حق تعالیٰ شانہ عالم را حی و جاہل را میت خواندہ حیث قال وما یستوی الاحیاء ولا الا موات (۱) رسول کریم ﷺ فرمود طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة (۲) (اگر زیادت لفظ مسلمہ کہ در اکثر طرق نیست بصحت نہ رسد ثبوت حکم خلل نہ پذیرد - زیرا کہ عموم خطابات شرعیہ ذکور واناث را شامل است پس لفظ مسلم بمعنی صاحب اسلام ست مرد باشد یا زن' چنانکہ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ (۳) ودیگر نصوص ہمر داں خصوصیتے نہ دارد - واللہ اعلم محمد کفایت اللہ)

صحابیات کبار برائے تحصیل علم اعتنائے بلیغ فرمودہ وصالحات سلف بتعلم علوم اہتمامے عظیم نمودہ -

زنان پاک طینت برائے اکتساب فوائد علمیہ در ذات اقدس رسالت پناہ راہ منافست اختیار نمودند وگفتند کہ غلبنا علیك الرجال فاجعل لنا یوماً من نفسك (٤)

و مربی اعظم سوال ایشاں را درجہ اجابت عطا فرمودہ بمکان یک صحابیہ تشریف ارزانی داشتند و زنان مجتمعہ را درس و تعلیم فرمودند (۵)

در خطبہ عید مرداں را خطبہ دادہ گماں بردند کہ شاید زناں از سماع خطبہ محروم مانند پس خود بہ نفس نفیس نزد جماعت زناں رفتند وایشاں را خطبہ دادند (۶)

پس افتراض تحصیل علوم ضروریہ واستحباب اکتساب علوم مستحبہ واباحت اخذ علوم مباحہ برائے زناں محل تردد نیست ودلیلے فارق میان مرداں وزناں دریں باب در شریعت مقدسہ وجود ندارد (۷)

---

(۱) الفاطر : ۲۲

(۲) سنن ابن ماجه : باب فضل العلماء والحث على طلب العلم' ص ۲ ط قديمي كتب خانه' كراچي' و فى المرقاة' اى و مسلمة كما فى رواية (كتاب العلم' الفصل الثانى ۱ /۲۸٤' ط امداديه' ملتان)

(۳) بخارى باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده ۱ /٦ ط قديمي كتب خانه' كراچي

(٤) عن ابى سعيد الخدرى قال قال النساء: للنبى ﷺ فاجعل لنا يوماً من نفسك فوعد هن يوماً لقيهن فيه فو عظهن وامر هن (الحديث) (صحيح البخارى' باب هل يجعل للنساء يوماً على حدةٍ فى العلم ۱ /۲۰' ط قديمى كتب خانه كراچى) (۵) ووقع فى رواية سهل بن ابى صالح عن ابيه عن ابى هريرة بنحو هذه القصة: فقال : موعد كن بيت فلانة فأتاهن فحدثهن (فتح البارى شرح صحيح البخارى : باب هل يجعل للنساء يوماً على حده ۱ /۱۷۵ ط مكتبه مصطفىٰ مصر)

(٦) قال عطاء : اشهد على ابن عباس ان رسول الله ﷺ خرج' و معه بلال' فظن انه لم يسمع النساء فو عظهن وامرهن بالصدقه' فجعلت المرآة تلقى القرط والخاتم و بلال ياخذ (صحيح البخارى' باب عظة النساء و تعليمهن ۱ /۲۰ ط قديمي كتب خانه كراچي)

(۷) واعلم ان تعلم العلم قد يكون فرض عين' وهو بقدر ما يحتاج لدينه' و فرض كفايه: وهو مازاد عليه لنفع غيره و مندوبا: وهو التبحر فى الفقه' (الدر المختار) قال المحقق فى الشاميه : قال العلامى فى فصوله' من فرائض الاسلام تعلم ما يحتاج اليه العبد فى اقامة دينه و اخلاص عمله لله تعالےٰ و معاشرة عباده' و فرض على كل مكلف و مكلفة بعد تعلمه علم الدين والهداية علم الوضؤ والغسل (قوله فرض كفايه) واما فرض الكفاية من العلم فهو كل علم لا يستغنى عنه فى قوام امورالدنيا كالطب والحساب والنحو الخ (رد المحتار : مطلب فى فرض الكفايه و فرض العين ۱ /٤۲ ط سعيد)

اما مسئلہ ثانیہ کہ صورت تحصیل و تشکیل آں تعلق دارد پس بیان آں تمہید مقدمہ رامی خواہد و آں مقدمہ ایں کہ حق تعالیٰ شانہ انسان راحوائج گونا گون و مقتضیات بو قلمون آفرید۔

اکل و شرب و ازدواج وغیرہ از ضروریات طبیعیہ انسان است - اما برائے ہر یکے حدود و ضوابط معینہ ہست کسے رانمی رسد کہ بوقت جوع مال غیر یا چیزے حرام را بخورد -

و نمی رسد کہ بوقت تشنگی آب نجس و حرام نبوشد و نمی رسد کہ بجز زنان مباحہ راہ استمتاع بجوید -

چنانکہ برائے تحصیل مآکل و مشارب وجوہ معینہ ہست ہمچنیں برائے تحصیل ازواج طرق محدودہ است و چنانکہ اعتداء از حدود تحصیل غذا و شرب و لباس بجرائم ظلم و عدوان و غصب و سرقہ و رشوت وغیرہ می رساند و مغضوب خالق می سازد ہمچنیں اعتداء از حدود مخالطت بفواحش زنا و نظر محرم و قبلہ محرمہ می برد و ممقوت منتقم حقیقی می کند -

ہر گاہ کہ فتنہ اعتدائے حدود مخالطت خیلے عظیم و فساد او فساد ہائل بود شریعت مطہرہ اسلامیہ دریں باب خیلے احتیاط مرعی داشت و مردان و زنان رابہ تجنب از دواعی فساد بتاکید اکید امر فرمود - رب العزة بجناب رسالت پناہ خطاب فرمودہ گفت **قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم و يحفظوا فروجهم** و گفت **و قل للمؤمنات يغضضن من ابصارهن و يحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها وليضربن بخمر هن على جيوبهن ولا يبدين زينتهن الا لبعو لتهن او آباء هن (الآية)** (۱)

وحضرت رسالت پناہ ﷺ زناں را از حضور مجالس رجال و اجتماع بایشاں باز داشت تا آنکہ نماز زنے را اندرون خانہ از نمازش بدالان و نمازش را بدالان از نمازش بصحن و نمازش را بصحن دار از نمازش بمسجد محلہ و نمازش را بمسجد محلہ از نمازش بمسجد جامع افضل و بہتر فرمود (۲) و زناں از اتباع جنائز منع فرمود (۳) بلکہ مطلقاً خروج زناں از بیوت بغیر ضرورت مستحسن نشمردہ (۴) و فرمود **المرأة عورة وانها اذا**

---

(۱) النور : ۳۰-۳۱

(۲) عن ام حميد الساعدية انها جاء ت الى رسول الله ﷺ فقالت : يا رسول الله انى احب الصلوة معك' قال قد علمت انك تحبين الصلوة معى' و صلوتك فى بيتك خير لك من صلوتك فى حجرتك' وصلوتك فى حجرتك خير لك من صلوتك فى دارك وصلوتك فى دارك خير لك من صلوتك فى مسجد قومك' وصلوتك فى مسجدقومك خير لك من صلوتك فى مسجد الجماعة (فتح البارى شرح صحيح البخارى : باب خروج النساء الى المساجد بالليل بالغلس ۲ / ۲۹۰' ط مصر)

(۳) عن ام عطيه انها قالت : نهينا عن اتباع الجنائز ولم يعزم علينا (صحيح البخارى : باب اتباع النساء الجنائز' ۱ / ۱۷۰' ط قديمى كتب خانه كراچى)

(٤) قال الله تعالىٰ و قرن فى بيوتكن (الآية) قال القرطبى فى تفسيره ' معنى هذه الاية الامر بلزوم البيت' وان كان الخطاب لنساء النبى ﷺ فقد دخل غير هن فيه بالمعنى' هذا لولم يرد دليل نهى جميع النساء' كيف والشريعة طافحة بلزوم النساء بيوتهن والا نكفاف عن الخروج الا لضرورة (الاحزاب :۳۳' ۱۱۷/۷' دار الكتب العربية' بيروت لبنان

خرجت استشرفہا الشيطان وانها اقرب ما تكون الى الله وهى فى تعزيتها (رواہ الطبرانی فی الکبیر مجمع الزوائد)(۱) ونیز فرمود ومامن امراة تخرج فى شهرة من الطيب فينظر الرجال اليها الا لم نزل فى سخط الله حتى ترجع الى بيتها (مجمع الزوائد من الطبرانى) (۲)

ازیں تمام نصوص شرعیہ واضح شد کہ شریعت مقدسہ مطہرہ برائے زناں اطلاقے ناجائز نداشتہ کہ برائے مرداں مباح است ؤ در سدباب مفاسد ودواعی اعتداء از حدود استمتاع خیلے اہتمام و تاکید فرمود۔

ولا ریب کہ مسلماناں بہ برکت اتباع اوامر الہیہ و تعمیل ارشادات نبویہ در معاشرات امم معاشرتے دارند کہ از ہمہ فسادات مبراء از جمیع فواحش منزہ است۔

پردہ متعارف اسلامیاں شعبہ از شعب ہمیں معاشرہ و تہذیب است۔مفاسد نسائیہ کہ در اقوام غیر مسلمہ ایشیاویورپ و افریقہ وامریکہ مشاہدہ می رود در شرفائے اہل اسلام اثرے ازاں یافتہ نمی شود۔

اسلامیاں رامی سزد کہ بر جمیع اقوام عالم در خصوص ایں امر نازند و طبل افتخار بنوازند۔امروزہا مفاسد اطلاق زناں در ممالک یورپ بر ہمہ عالم ہویدا است۔

دریں زمان پر فتن بر ذمم اولی الامر سلاطین اسلام متحتم است کہ مراقبہ احوال مسلمین بکنند و ایشاں را از حضیض تنزل باوج ترقی برسانند۔

ضروریات زمانہ حاضر بتوسیع تعلیم واشاعت علوم در جماعت زناں احتیاجے شدید پیدا کردہ اہم ترین فوائد از تعلیم زناں حاصل وبسبب جہالت ایشاں فوت می شود لیکن شک نیست کہ وظائف حفظ حدود الہیہ وصیانت شعار اسلامیہ وترویج سنت نبویہ وابقائے قوانین متعارفہ قومیہ نسبت بہمہ وظائف اقدم واہم است۔چہ سلاطین اسلام بمقتضائے السلطان ظل اللہ فی الارض (۳) اظلال حضرت احدیت و نائبین حاملین رسالت اندو ظل شے را باید کہ از ذی ظل متفاوت نباشد۔

نظر بریں لازم آمد کہ سلاطین اسلام اولاً وبالذات احیائے ملت وسلوک لسالک تہذیب اسلامی ورعایت آداب معاشرۃ سلف صالحین لازم دارند وصیبات را حدے اطلاق نہ دہند کہ ایشاں عادات واطوار زنان یورپ آموختہ از معاشرۃ اسلامیہ و تہذیب سلف مطلق و آزاد شوند و عواقب وخیمہ اطلاق و آزادی بایشاں رسد۔

اگر اسلامیاں از قوانین وشعائر اسلامیہ بے نیاز شدہ ترقی کردند (اگر تسلیم کردہ شود کہ ایں چنیں

---

(۱) كتاب الادب باب خروج النساء ۲/ ۵۷۰ ط بيروت

(۲) حواله بالا

(۳) عن ابن عمر ان النبى ﷺ قال ان السلطان ظل الله فى الارض (الحديث) (مشكوة المصابيح كتاب الامارة والقضاء ۲/ ۳۱۹ ط سعيد)

ترقی نترقی ہست) ترقی اسلام و اقوام مسلمہ نباشد - والله لن یفلح آخر هذه الامة الا بما افلح به اولها - (۱) نظر بر امور فوق جواب استفتاء این که

افتتاح و اجرائے مدارس خاصہ بزنان و اجتماع صبیات برائے تعلیم - و تعلیم فنون لائقہ بزنان و تعلیم کتابت بزنان ہمہ امور مشروعہ ہست و استحسان شعری وارد(۲) چہ اصل آں نظم تعلیم است و از حامل لوائے رسالت ﷺ فی الجملہ زناں بہ تعلیم مجتمعا در مکانے مروی شدہ و ازیں است کہ امام بخاری عقد بابے بایں ترجمہ نمودہ ھل یجعل للنساء یوماً علی حدة و اثبات حکم حدیثے کہ مشعر است جواز اجتماع زناں در مکانے برائے تعلیم فرمودہ(۳) و تجربہ شاہد کہ فائدہ کہ در تعلیم اجتماعی میسر شود در انفرادی حاصل نمی گردد-

اجرائے مدارس زناں اگر بصورت شخصیہ در قرون اولی نبود مضائقہ ندارد چہ قیام مدارس صبیان ہم بصورت شخصیہ در زمان سلف نشانے ندارد مع ہذا جماہیر امت محمدیہ بجوازش قائل و در مدارس رجال بتعلیم و تعلم شاغل اند- (۴)

تعلیم فرائض اسلامیہ و واجبات شرعیہ معادیہ و معاشیہ فرض و تعلیم علوم مستحبہ مثل سیر صالحین و عبر و حکم مستحب و تعلیم فنون مباحہ مباح است-(۵)

وظیفہ سلطان الاسلام و المسلمین ظل اللہ فی الارضین اینکہ صیانت او ضاع اسلامیہ و مراقبہ احوال مدارس صبیات و سد ابواب خلل و رفع اسباب زلل بذمہ ہمت مبارک خود بگیرند و وظیفہ قوم اینکہ

---

(۱) کتاب الاعتصام الشاطبی : ۲/۲۱۵ ط بیروت امداد المفتین - کتاب السنة والبدعة ۱/۲۰۸ ط ادارة المعارف کراچی

(۲) عن الشفاء بنت عبدالله قالت : دخل علی النبی ﷺ و انا عند حفصة فقال لی الا تعلمین هذه رقیة النملة کما علمتیها الکتابة (سنن ابی داؤد' باب ماجاء فی الرقی ۲/۱۸۶' ط سعید) قال الشیخ فی بذل الجمهور' فیه دلیل علی جواز کتابة النساء' واما حدیث لا تعلموهن الکتابة فمحمول علی من یخشی علیها الفساد (بذل المجهود' فی حل سنن ابی داؤد ۵/۸' ط معهد الخلیل الاسلامی' کراچی)

(۳) عن ابی سعید الخدریؓ قال : قال النساء للنبی ﷺ غلبنا علیك الرجال فاجعل لنا یوماً من نفسك فوعدهن یوماً لقیهن فیه فوعظهن و امرهن (الحدیث) (صحیح البخاری' باب هل یجعل للنساء یوماً علی حده ۱/۲۰ ط قدیمی کتب خانه' کراچی)

(٤) و فی المرقاة لملا علی القاری : قال الشیخ عز الدین بن عبدالسلام فی آخر کتاب القواعد: البدعة اما واجبة کتعلم النحو - واما مندوبة ' کاحداث الربط والمدارس' و کل احسان لم یعهد فی الصدر الاول- (باب الاعتصام بالکتاب والسنة " الفصل الاول ۱/۲۱٦' ط امدادیه ' ملتان)

(٥) واعلم ان تعلیم العلم یکون فرض عین: وهو بقدر ما یحتاج لدینه و فرض کفایة : وهو مازاد علیه لنفع غیره و مندوباً ' وهو التبحر فی الفقه و علم القلب' الدر المختار قال المحقق فی الشامیة : قال العلامی فی فصوله من فرائض الاسلام تعلم ما یحتاج الیه العبد فی اقامة دینه و اخلاص عمله لله تعالی و معاشرة عباده و فرض علی کل مکلف و مکلفة بعد تعلمه علم الدین والهدایة تعلم علم الوضوء والغسل - (قوله و فرض کفایه) فهو کل علم لایستغنی عنه فی قوام امور الدنیا کالطب والحساب والنحو الخ (مقدمة : مطلب فی فرض الکفایة و فرض العین' ۱/٤۲ ط سعید)

باقتثال اوامر ظل اللہ تقدم نمایند اگر ہر وظیفہ بجائے خود بجمال انجامید خیلے فوائد مہمہ و عوائد فاضلہ بقوم و ملک خواہد رسید انشاء اللہ تعالیٰ۔

کیفیت اجزائے آں بہ نہجیکہ سلطان الاسلام والمسلمین ظل اللہ فی الارضین بمشورہ الساطین علم و حامیان تہذیب اسلامی و محافظین شعائر اسلامیہ و قومیہ نظر بخصوص احوال افغانستان مناسب بینند بکنند (۱)

جملۃ الامر ایں کہ مدارس صبیات مختصہ بہ بصبیات باشد و اجتماع و حضور و آمد و رفت ایشاں بمدارس بطورے منضبط کردہ شود کہ احتمال تطرق فساد باقی نماند۔(۲)

نسائے صالحات را خدمت تعلیم و تہذیب تفویض کردہ شود اگر زنان معلمہ میسر نہ آیند باضطرار رجال صالحین معتمد علیہم را معین نمایند و مراقبہ احوال ایشاں لازم دانند۔(۳)

(۱) ابتدائے سن بلوغ نہ سال و انتہایش پانزدہ سال است یعنی امکان دارد کہ صبیہ نہ سالہ بالغہ و مکلفہ شود (۴) و باختلاف قوت واستعداد و صلاحیت جسمانیہ و تنوع آب وہوا و خصوصیات نسلیہ و قومیہ سن بلوغ و تکلیف مختلف می شود ارباب بصیرت در ہر مقام تعیین سال می توانند کرد۔

درجہ مشتہاۃ نیز باختلاف مقام و احوال متفاوت می شود ممکن کہ صبیہ ہشت سالہ یا ہفت سالہ مشتہاۃ گردد ممکن کہ تا یازدہ دوازدہ سال بحد مشتہاۃ نہ رسد۔

حکم ستر صبیات آنکہ بعمر دہ سالگی ستر واجب می شود حد ستر صبیہ دہ سالہ مثل حد ستر بالغہ ہست در در مختار می آرد ثم کبالغ۔ صاحب رد المحتار می گوید ای عورته تکون بعد العشرة كعورة البالغين (۵) وصاحب رد المحتار در بیان درجہ مشتہاۃ می آرد واختلفوا في حد المشتهاة و صحح الزيلعي و غيره انه لا اعتبار بالسن من السبع على ما قيل اوالتسع وانما المعتبران تصلح للجماع بان تكون عبلة ضخمة والعبلة المرأة التامة الخلق (۶)

(۲) وظائف تربیت اولاد بذمہ پدر متعلقہ بغذا و لباس و تہذیب و تعلیم بر درجات متفاوتہ منقسم

---

(۱) يجب على الامام ان يشاور اهل الحل والعقد في مهمات الامور التي لانص فيها (تكملة فتح الملهم : كتاب الامارة ۳/۲۷۵ ط مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۲) واذا كان الشرع اذن للمراة ان تتعلم ما ينفعها في امر دينها و دنيا ها فيجب ان يكون هذا التعليم بمعزل من الذكور دنيائي عنهم حتى يسلم البنت عرضها و شرفها الخ (تربیت الاولا دفی الاسلام : مسئولية الواجب التعليمي ۱/۲۷٦ ط دار الاسلام قاہرہ بیروت)

(۳) امراة متعلم من الاعمى ان تعلمت من المراة احب (خلاصة الفتاوىٰ : القراء ة خارج الصلوة ۱/۱۰۳ ط امجد اکیڈمی لاہور)

(٤) وادنى مدته له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنين هو المختار كما في احكام الصغار (تنوير الابصار و شرحه مع رد المحتار : فصل بلوغ الغلام ٦/١٥٤ ط سعيد)

(٥) كتاب الصلاة مطلب في ستر العورة ۱/٤٠٨ ط سعيد

(٦) باب صفة الصلاة باب الامامة ۱/٥٧٣ ط سعيد

است تعلیم فرائض وواجبات شرعیہ فرض و تعلیم محاسن اخلاق و حسن معاشرت و فنون ممدہ معیشت و حرف وصنائع مستحب و مباح بقدر درجہ ہائے شرعیہ وطبعیہ ہست-(۱)

پدر را می رسد کہ اولاد را بر تعلم فرائض وواجبات مجبور کند و تادیب نماید-

قال النبی ﷺ علموا الصبی الصلوۃ ابن سبع سنین واضربوہ علیہا ابن عشرۃ (ترمذی) (۲) **وقال النبی ﷺ لان یودب الرجل ولدہ خیر من ان یتصدق بصاع (ترمذی)** (۳) **وقال ﷺ مانحل والد ولداً من نحل افضل من ادب حسن (ترمذی)** (۴)

(۳) سترے کہ در نماز شرط است سوائے وجہ ویدین وقدمین ہمہ جسم را شامل است(۵) و ستر عرفی کہ نظر حفظ عصمت است وجہ ویدین وقدمین را نیز شامل است زیرا کہ نیاطت فتنہ بکشف وجہ اغلب است(۶) و حکم دائر بعلت خود باشد- حجت تحتم ستر عرفی قول باری عزاسمہ **واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب** (۷) **وقول نبی ﷺ افعمیا وان انتما**(۸) ہست نعم فرق در میان اجانب و محارم چیزے است معتمد علیہ چہ در محارم احتمال فساد منعدم و ضروریات معاشرۃ مقتضیہ تسامح موجود است (۹) و ہمچنیں درمیان صبیان صغیرالسن(۱۰) وصبیات صغیرۃ السن کہ غایت بہ نہ سالگی باشند(۱۱) ومیان زائد العمر فرقے ہست کہ اشارتے بآں در فوق رفت اما قبل تامل وبعد تامل فرقے بنظر

---

(۱) و فی القنیۃ : لہ اکراہ طفلہ علی تعلیم قرآن وادب و علم لفریضتہ علی الوالدین (الدر المختار : باب التعزیر ۷۸/۴ ط سعید)

(۲) باب ماجاء متی یؤمر الصبی بالصلوۃ ۹۳/۱ ط سعید)

(۳) باب ماجاء فی ادب فی ادب الولد ۱۶/۱ ط سعید

(۴) حوالہ بالا

(۵) بدن الحرہ عورۃ الا وجھہا و کفیہا و قدمیہا کذافی المتون (عالمگیریۃ الفصل الاول فی الطھارۃ و ستر العورۃ ۵۸/۱ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۶) و تمنع الشابۃ من کشف الوجہ بین رجال لانہ عورۃبل لخوف الفتنۃ کمسہ (تنویر الابصار و شرحہ) قال المحقق فی الشامیہ : والمعنی تمنع من الکشف تخوف ان یری الرجال و جھہا فتقع الفتنۃ لانہ مع الکشف قد یقع النظر الیہا بشہوۃ (کتاب الصلاۃ مطلب فی ستر العورۃ ۴۰۶/۱ ط سعید)

(۷) الاحزاب : ۵۳

(۸) سنن ابی داؤد : باب قولہ تعالیٰ و قل للمؤ منات یغضضن من ابصار ھن ۲۱۴/۲ ط سعید

(۹) و ینظر الرجل ...... من محرمہ ھی من لا یحل لہ نکاحہا ابدًا بنسب او سبب ولو بزنا الی الراس والوجہ والصدر والساق والعضد ان امن شہوتہا (تنویر الابصار و شرحہ مع رد المحتار : فصل فی المس والنظر ۳۶۷/۶ ط سعید)

(۱۰) قال اللہ تعالیٰ : ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن (الی قولہ تعالیٰ) اوالطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء (الایۃ) (النور : ۳۱)

(۱۱) و فی السراج : لا عورۃللصغیر جدًا ثم مادام لم یشتہ فقبل و دبر ثم تغلظ إلی عشر سنین ثم کبالغ (الدر المختار) قال المحقق فی الشامیہ واختلفوا فی تقدیر حد الشہوۃ فقیل سبع و قیل تسع (مطلب فی ستر العورۃ ۴۰۷/۱ ط سعید)

نیامده-

(۴) علوم فرائض وواجبات اسلامیہ از عبادات و معاملات و معاشرات واجتماعات فرض-و علوم مستحبات مستحب-و علوم مباحات مباح-(۱) حسب تفصیل نمبر ۲ باید فہمید-

(۵) اجتماع نسواں فی حد ذاتہ محظور نیست-اگر زناں در جائے مجتمع شوند واجتماع را غرضے مفید وغایتے نافع باشد شرعاً خطرے لازم نیاید-(۲) اما اختلاط زناں بر جال در مجامع نظر بر تطرق فتن ممنوع است-واز یں است کہ زناں از اتباع جنائز و خروج از خانہائے خود بلا ضرورت شدیدہ باز داشتہ شدند و ترغیب نماز در خانہا ایشاں را دادہ شد-و نماز خانہ در حق ایشاں از نماز مسجد محلّہ بلکہ مسجد نبوی ہم افضل شمردہ شد(۳)

(۶) حقوق نسوان محترم تنہا بقواعد اجتماعیہ مدنی ہمیں قدر است کہ ایشاں بعد ادائے حقوق دینیہ خالصہ ادائے حقوق اقارب و زوج و تربیت اولاد و تنظیم امور منزل شعار خود سازند واز اجانب احتراز و اجتناب در زیدہ اگر صحتے بدست دارند و فرصت بہم رسد بداں مشغول باشند-در مجالس و محافل بے باکانہ در آمدن و در مجامع لہو و لعب بے حجابانہ شریک شدن و راہ اختلاط با جانب پوئیدن نہ صرف ذاتیات نسواں را مضرت بالکلیہ مساند بلکہ تہذیب اسلامی را از بیخ بر کند-(۴)

(۷) ایں ہمہ لوائح کہ بر روئے قرطاس آوردیم بر طبق اصول سادات حنفیہ بود-شواہد و نظائر ہر ایکے در کتب مشائخ واسفار مذہب موجود است واللہ اعلم-

کتبہ الراجی رحمتہ مولاہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ وکفاہ ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ

(یادداشت) فتوائے حیثیت شخصیہ کاتب الحروف مقصر باید داشت

---

(۱) و اعلم ان تعلم العلم يكون فرض عين: وهو بقدر ما يحتاج لدينه' و فرض كفايه: وهو مازاد عليه لنفع غيره و مندوبا وهو التبحر في الفقه و علم القلب (الدر المختار) قال المحقق في الشاميه: و فرض على كل مكلف و مكلفة بعد تعلمه علم الدين والهداية تعلم علم الوضو والغسل . . (و فرض كفايه) واما فرض الكفاية من العلم فهو كل علم لا يستغنى عنه في قوام امور الدنيا الخ (مقدمه: مطلب في فرض الكفاية و فرض العين ١/٤٢' ط سعيد)

(٢) عن ابي سعيد ن الخدري قال جاء ت امراة الى رسول الله ﷺ فقالت : يا رسول الله ذهب الرجال بحديثك فاجعل لنا يوما من نفسك' يوماناتيك فيه يعلمنا مما علمك الله فقال اجتمعن في يوم كذا وكذافي مكان كذا وكذا فاجتمعن فاتا هن رسول الله ﷺ فعلمهن مما علمه الله الحديث(صحيح البخارى: باب تعلم النبى امته من الرجال والنساء ٢/١٠٨٧' ط قديمى كتب خانه' كراچى)

(٣) عن ام حميد الساعديه انها جاء ت الى رسول الله ﷺ فقالت : يا رسول الله انى احب الصلوة معك قال قد علمت انك تحبين الصلوة معي و صلوتك في بيتك خير لك من صلوتك في حجر تك و صلوتك في حجرتك خير لك من صلوة في دارك وصلوتك في دارك خير لك من صلوتك في مسجد قومك وصلوتك في مسجدقومك خير لك من صلوتك في مسجد الجماعة (فتح البارى : باب خروج النساء الى المساجد (بالليل بالغلس ٢/٢٩٠ ط مصر) و في رواية احمد : " في مسجدى" (٢٦٥٥ ' ٧/٥١٤-٥١٥ ط دار احياء التراث العربى' بيروت' لبنان)

(٤) فلا تخرج الا لحق لها او لزيارة ابو يهاكل جمعه مرة او المحارم كل سنة' ولكونها قابلة وغاسلة لا فيما عدا ذلك (الدر المختار مع رد المحتار : مطلب في منع الزوجة لنفسها بقبض المهر ٣/١٤٣-١٤٤ ط سعيد)

(ترجمہ) اس کے نام اور تعریف کے ساتھ پاک اور بلند ہے وہ بارگاہ منعم حقیقی جل شانہ و عز سلطانہ جس نے انسان کو لباس علم اور زیور ہنر سے آراستہ کر کے اس کی عظمت کے جھنڈے کو بفرمان" **ولقد کرمنا بنی آدم**" بلند کیا اور اولاد آدم کے سینوں کو امانت ربانی اور ودیعت رحمانی کا مستقر بنا کر خدا داد علوم کی روشنی سے منور کیا اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کو **کنتم خیر امة اخرجت للناس** سے سرفرازی بخشی اور اس امت کے علماء کو انبیاء و مرسلین کی میراث سے بہرہ مند فرما کر اور ان کے لئے اسلام کی تکمیل اور آخریت شریعت نازل فرما کر " **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی**" کی مہر لگادی' خاتم الانبیاء سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پہلے شریعت اسلام کو ایک واضح روشن اور معتدل شریعت بنایا جا چکا تھا دنیا و آخرت کا کوئی ایسا باب نہیں چھوڑا جس کے متعلق احکام وضاحت کے ساتھ بیان نہ فرمائے ہوں اور نفسیات و اجتماعیات کا کوئی شعبہ ایسا باقی نہیں رہا جس کی حقیقت کا انکشاف نہ کیا ہو دین کی مکمل تعلیم مسلمانوں کی نجات کی کفیل اور ارشادات نبوی کا مینار ان کے لئے بہترین رہنما ہے ائمہ مجتہدین کی تصانیف مفصل احکام و مسائل سے معمور اور اغیار کی تلبیس سے دور ہیں۔

دنیا کی غیر مسلم اقوام نے اسلام کی تعلیم و تہذیب سے بہت کچھ خوشہ چینی کی ہے اور حامیان تمدن و تہذیب نے اسلام کی رہنمائی میں ہی پناہ لی ہے اسلام ایک ایسا مضبوط کلچر رکھتا ہے جو تغیرات زمانہ کے ساتھ متغیر نہیں ہو سکتا اور اس کی تازگی و رعنائی میں حوادث کی گرم ہواؤں سے کوئی پژمردگی پیدا نہیں ہو سکتی مومن کے قدرو قامت پر پروردگار عالم اور کارکنان قضاء و قدر نے جو مخصوص ثقافتی لباس چست کیا ہے واللہ اس کو کبھی بوسیدگی و کہنگی لاحق نہ ہو سکے گی۔

مختلف انسانی طبقات جو اجتماعیات میں حقیت واحدہ کے ارکان کا حکم رکھتے ہیں ان میں سے ہر ایک رکن کا ایک خاص درجہ مقرر اور ہر ایک کا ایک موقف و مقام معین و مقدر ہے اگر مرد کو خاص اعزازات بخشے گئے ہیں تو عورت کو بھی خاص خاص امتیازات عطا فرمائے گئے ہیں۔

بعض کام مردوں کے مناسب ہیں اور بعض کام عورتوں کے لائق ہیں' اجتماعی زندگی میں مردوں اور عورتوں کے لئے جدا جدا حدود مقرر ہیں لہذا ہر ایک کو اپنے اپنے مقام اور حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہئیے اور یہ ایک ایسی ناقابل تردید بات ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ جو آج کل زیر بحث ہے اس کے دو حصے ہیں ایک تو یہ کہ عورتوں کو تعلیم دینی چاہئیے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ان کو تعلیم دینے کی کیا صورت اختیار کی جائے؟

صورت اول میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں کیونکہ حصول علم اسلام کے فرائض میں سے ہے تحصیل علم کی فرضیت کا خطاب اور انفرادی و اجتماعی آیات قرآنیہ میں تدبر و تفکر کا حکم صرف مردوں کے لئے مخصوص نہیں ہے علم کی روشنی حاصل کرنے کی ضرورت صرف مردوں یا کسی ایک

صنف کے لئے منحصر نہیں ہے کیونکہ علم حیات انسانی کے لوازم میں سے ہے۔

کوئی انسان مرد ہو یا عورت جو علم سے بہرہ مند نہیں ہے وہ حقیقۃً حیات انسانی سے محروم ہے اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے عالم کو زندہ اور جاہل کو مردہ کہا ہے جیسا کہ فرمایا **وما یستوی الاحیاء و لا الاموات** اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے "**طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة**" لفظ مسلمہ جو اکثر روایتوں میں نہیں ہے اگر صحیح تسلیم نہ کیا جائے تب بھی ثبوت حکم میں خلل واقع نہ ہو گا کیونکہ شریعت میں خطابات کا عموم ذکور وا ناث کو شامل ہوا کرتا ہے پس مسلم سے مراد صاحب اسلام ہے خواہ مرد ہو یا عورت' جیسا کہ **المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده** اور اسی قسم کے دیگر نصوص صرف مردوں کے لئے نہیں ہیں۔واللہ اعلم

بڑی بڑی صحابیات نے تحصیل علم کے لئے سخت جدو جہد فرمائی ہے اور سلف میں سے بہت سی صالحات نے علم حاصل کرنے میں بڑی بڑی کوششیں کی ہیں ان پاک طینت مخدرات عصمت نے استفادہ علم کے لئے رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس سے گلے شکوے کئے اور کہا کہ ہمارے مقابلے میں مردوں نے آپ کو گھیر لیا ہے پس آپ ہم کو بھی اپنا ایک دن عطا فرمایئے چنانچہ مربی اعظم ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی آپ ایک صحابیہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں بہت سی عورتوں کا اجتماع ہوا اور آپ نے ان کو احکام شریعت کی تعلیم دی۔

اسی طرح ایک عید کے موقعہ پر آپ نے عید کا خطبہ دیا اور پھر خیال ہوا کہ عورتیں خطبہ نہیں سن سکیں لہذا آپ خود بہ نفس نفیس عورتوں کے اجتماع کے قریب تشریف لے گئے اور دوبارہ خطبہ دیا۔

پس علوم ضروریہ کی تحصیل کی فرضیت اور علوم مستحبہ کے حصول کا استحباب اور مباح علوم کے اکتساب کی اباحت عورتوں کے لئے محل تردد نہیں ہے اور اس مسئلہ میں عورتوں مردوں کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں کو تعلیم دلانے کی صورت اور طریقہ کیا ہونا چاہئیے پس اس پر بحث کرنے سے پہلے تمہید ذیل پر غور کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے انسان کو انواع واقسام کی احتیاجات و خواہشات کے ساتھ پیدا کیا ہے مثلاً کھانا پینا اور ازدواج وغیرہ انسان کی فطری ضرورتیں ہیں لیکن ہر ایک ضرورت پوری کرنے کے لئے کچھ حدود اور ضابطے مقرر ہیں' کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ بھوک کے وقت غیر کا مال یا کوئی حرام چیز کھالے یا پیاس کے وقت ناپاک یا حرام مشروب پی لے اور جائز نہیں کہ جائز و حلال عورت کے سوا کسی عورت سے حظ نفس حاصل کرے۔

جس طرح معاش حاصل کرنے کے لئے جائز طریقے مقرر ہیں اسی طرح زوجہ حاصل کرنے کے لئے بھی خاص حدود ہیں اور جس طرح کہ تحصیل رزق و لباس کے مقررہ طریقوں سے تجاوز کرنا جرائم و ظلم' عدوان و غصب' سرقہ و رشوت کی طرف لیجاتا ہے اور خالق کا غضب کا سبب بنتا ہے اسی طرح

صنفی تعلقات کے حدود سے تجاوز کرنا بدکاری و بد نگاہی اور ناجائز اختلاط کی طرف لے جاتا ہے اور منتقم حقیقی کے عتاب کا مستحق بنادیتا ہے۔

یہ ناجائز اختلاط کا فتنہ چونکہ عظیم الشان فتنہ ہے اور اس کے نتائج بہت تباہ کن ہوتے ہیں اس لئے شریعت اسلامیہ نے اس باب میں بہت زیادہ احتیاط مد نظر رکھی ہے اور مردوں اور عورتوں کو دواعی فساد سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے اللہ تعالیٰ حضرت رسالت پناہ صلعم کو خطاب فرماتا ہے۔ "**و قل للمومنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم**" اور فرمایا "**وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن و یحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا و لیضربن بخمر ھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعو لتھن او آباء ھن**"

اور حضرت رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کو مردوں کے اجتماعات میں شریک ہونے سے منع فرمایا ہے یہاں تک فرمایا کہ عورت کا کوٹھڑی کے اندر نماز پڑھنا دالان میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور دالان کی نماز صحن کی نماز سے اور گھر کے صحن کی نماز مسجد محلہ کی نماز سے اور مسجد محلہ کی نماز مسجد جامع کی نماز سے بہتر ہے اور عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے منع فرمایا۔ بلکہ مطلقاً گھروں سے بلا ضرورت عورتوں کے نکلنے کو اچھا نہیں سمجھا۔ فرمایا "**المراۃ عورۃ وانھا اذا خرجت استشر فھا الشیطان وانھا اقرب ما تکون الی اللہ وھی فی قعربیتھا** (رواہ الطبرانی فی الکبیر مجمع الزوائد) اور فرمایا "**مامن امراۃ تخرج فی شھرۃ من الطیب فینظر الرجال الیھا الا لم تزل فی سخط اللہ** (مجمع الزوائد من الطبرانی)

ان تمام نصوص شرعیہ سے واضح ہے کہ جو آزادی مردوں کو دی گئی ہے شریعت مطہرہ نے عورتوں کے لئے جائز نہیں رکھی اور صنفی تعلقات کی حدود سے تجاوز کرنے کے اسباب اور اس کے مفاسد کے سدباب کے لئے بے انتہا سعی بلیغ فرمائی ہے بیشک احکام خداوندی کی اطاعت اور ارشادات نبوی کی تعمیل کی برکت سے دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں کا معاشرہ بدکاری و فواحش سے پاک اور محفوظ ہے۔

پردہ جو مسلمانوں میں رائج ہے وہ اسی تہذیب و معاشرہ کا ایک حصہ اور شعبہ ہے صنفی بگاڑ جو ایشیا یورپ افریقہ اور امریکہ کی غیر مسلم اقوام میں دیکھا جارہا ہے شرفائے اہل اسلام کے اندر اس کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔

خاص کر اس باب میں اگر مسلم قوم تمام اقوام عالم پر فوقیت کا ناز کرے اور فخر کرے تو زیبا ہے دور حاضر کی عورتوں کی مطلق العنانی سے ممالک یورپ میں جو تباہی برپا ہے وہ دنیا پر روشن ہے اس عہد پر فتن میں سلاطین اسلام کے ذمہ واجب ہے کہ مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیں اور ان کو تنزل کی پستی سے اوج ترقی پر پہنچانے کی کوشش کریں۔

زمانہ حاضر کے مقتضیات نے عورتوں کے اندر تعلیم کی توسیع واشاعت کی شدید ضرورت پیدا کر دی ہے' وہ اہم فوائد جو ان کی تعلیم کی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں وہ محض ان کی جہالت کی وجہ سے فوت ہو رہے ہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ حدود الہیہ کی نگہداری اور شعائر اسلامیہ اور ترویج سنت نبویہ کی پاسداری اور قومی تہذیب و معاشرہ کا باقی رکھنا دوسرے تمام امور سے زیادہ اہم اور مقدم ہے کیونکہ سلاطین اسلام خدائے واحد کے سائے اور انبیاء کے قائم مقام ہیں اور کسی چیز کا سایہ اس چیز کے مطابق ہی ہونا چاہئیے۔

ان امور کے پیش نظر لازم آیا کہ سلاطین اسلام سب سے پہلے اور بذات خود دین کا احیاء کریں اور اسلامی تہذیب کے راستے اختیار کریں اور سلف صالحین کے آداب معاشرۃ کی حفاظت ضروری سمجھیں اور لڑکیوں کو اتنی آزادی نہ دیں کہ وہ زنان یورپ کی عادات واطوار سیکھ کر اسلامی معاشرۃ اور اسلاف کی تہذیب کو خیرباد کہہ دیں' اور پھر اس آزادی کے خطرناک نتائج اور ان کو بھگتنے پڑیں۔

اگر مسلم قوم اسلامی قوانین و شعائر کو چھوڑ کر ترقی کرے (بشر طیکہ اس کو ترقی مانا جائے) تو یہ ترقی اسلام کی اور مسلم قوم کی ترقی نہ ہو گی خدا کی قسم اس امت کے متاخرین ہر گز ترقی نہ کر سکیں گے جب تک کہ متقدمین کے اسوہ حسنہ کو اختیار نہ کریں امور مذکورہ بالا کو پیش نظر رکھتے ہوئے استفتاء کا جواب یہ ہے کہ۔

زنانہ مدارس کا کھولنا اور جاری کرنا اور لڑکیوں کا تعلیم کے لئے وہاں جانا اور عورتوں کو انکی صنف کے مناسب علوم و فنون سکھانا اور کتابت سکھانا یہ تمام امور شریعت کے مطابق اور مستحسن ہیں کیونکہ ان کا مبنا تعلیم و تعلم کی تنظیم اور تشکیل ہے تعلیم کے لئے اجتماعی طور پر عورتوں کا ایک مقام پر جمع ہونا احادیث سے ثابت ہے اور اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے ایک باب اس عنوان کا باندھا ہے کہ **هل يجعل للنساء يوما على حدة** اور اس کے تحت وہ حدیث لائے ہیں جس سے تحصیل علم کے لئے کسی مکان میں عورتوں کا اجتماع ثابت ہوتا ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ اجتماعی طور پر تعلیم جس قدر مفید ہے انفرادی طریقے سے اتنی مفید نہیں۔

زنانہ مدارس کی تشکیل اگر قرون اولیٰ میں نہیں تھی تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ لڑکیوں کے اسکول اور مدرسے بھی زمانہ ماضی میں نہیں تھے پھر بھی امت محمدیہ کے تمام علما اس کے جواز کے قائل ہیں اور مردانہ مدارس کے اندر پڑھتے پڑھاتے چلے آرہے ہیں۔

فرائض اسلامیہ اور واجبات شرعیہ خواہ عبادات میں سے ہوں خواہ معاملات میں سے ان کی تعلیم فرض ہے اور علوم مستحبہ مثلاً صلحاو علما کے تذکرے اور عبرت آموز تاریخی روایات اور اخلاقیات وغیرہ کی تعلیم مستحب ہے اور فنون مباحہ کی تعلیم مباح ہے۔

۔ سلطان اسلام ظل اللہ کا فرض ہے کہ اسلامی طرز معاشرت کی حفاظت کرے اور زنانہ

مدارس کے حالات کی نگرانی اور مفاسد و فتن کی روک تھام کو اپنے ذمہ لازم سمجھے اور رعایا کا فرض ہے کہ ظل اللہ کی اطاعت کریں اگر ہر کام کو حدود شناسی کے ساتھ عمدہ طریقے سے انجام دیا جائے تو ملک و قوم کو انشاء اللہ بہت فائدہ پہنچے گا۔

زنانہ اسکولوں کے اجرا کا طریقہ پادشاہ اسلام، مشورہ ارکان دولت و علمائے ملت و حکمائی امت طے کرے خاص کر افغانستان کے حالات کو مد نظر رکھ کر جو طریقہ مناسب ہو وہ اختیار کیا جائے۔

اجمالاً یہ کہ لڑکیوں کے اسکول صرف لڑکیوں کے لئے مخصوص ہونے چاہئیں اور ان کے لئے اسکولوں میں جمع ہونے اور آمد و رفت کے ایسے طریقے اختیار کئے جائیں کہ فتنہ کا احتمال باقی نہ رہے نیک کردار اور پاک دامن عورتوں کو تعلیم و تربیت کی خدمت کے لئے مقرر کیا جائے اگر معلمات نہ مل سکیں تو مجبوراً نیک اور صالح قابل اعتماد مردوں کو معین کیا جائے اور ان کی کڑی نگرانی کی جائے۔

(۱) سن بلوغ کی عمر کم سے کم نو سال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال ہے یعنی نو سال کی لڑکی کا بالغ اور مکلف ہو جانا ممکن ہے اور جسمانی قوت و استعداد اور نوعیت آب و ہوا اور نسلی و قومی خصوصیات کے اختلاف سے بلوغ و مکلفیت کی عمروں میں اختلاف ہوتا ہے ارباب بصیرت مختلف مقامات کے مطابق عمر بلوغ متعین کر سکتے ہیں۔

مشتہات کے درجات بھی احوال و مقامات کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں ہو سکتا ہے کہ سات آٹھ سال کی لڑکی مشتہات ہو جائے اور ہو سکتا ہے کہ گیارہ بارہ سال تک مشتہات نہ ہو۔

لڑکیوں کے لئے ستر عورت کا حکم یہ ہے کہ دس سال کی عمر میں ستر واجب ہو جاتا ہے اور دس سال کی لڑکی کے لئے ستر کی حد مثل بالغہ عورت کے ہے در مختار میں ہے ثم کبالغ صاحب رد المختار فرماتے ہیں ای عورته تکون بعد العشرة کعورة البالغین اور صاحب رد المختار نے درجہ مشتہاۃ کو اس طرح بیان کیا ہے واختلفوا فی حد المشتهاة و صحح الزیلعی وغیره انه لا اعتبار بالسن عن السبع علی ما قیل او التسع وانما المعتبر ان تصلح للجماع بان تکون عبلة ضخمة والعبلة المرأة التامة الخلق

(۲) باپ کے اوپر اولاد کی تربیت کی ذمہ داریاں جو غذا لباس اور تادیب و تعلیم سے تعلق رکھتی ہیں چند درجات پر منقسم ہیں فرائض و واجبات شرعیہ کی تعلیم فرض ہے اور حسن اخلاق و معاشرۃ اور روزگار اور پیشہ و ہنر وغیرہ کی تعلیم شرعی و طبعی درجات کے مطابق مستحب و مباح ہے۔

باپ کا حق ہے کہ اولاد کو فرائض اور واجبات شرعیہ کے سیکھنے پر مجبور کرے اور ضرورت ہو تو سزا دے۔قال النبی ﷺ علموا الصبی الصلوة ابن سبع سنین واضربوه علیها ابن عشرة (ترمذی) وقال النبی ﷺ لان یودب الرجل ولده خیر من ان یتصدق بصاع (ترمذی) وقال ﷺ ما نحل والد ولدا من نحل افضل من ادب حسن (ترمذی)

(۳) عورتوں کے لئے جو ستر کہ نماز میں شرط ہے چہرے اور دونوں ہاتھوں اور پیروں کے علاوہ تمام جسم پر مشتمل ہے اور پردہ عرفی کہ شعار عصمت ہے چہرہ اور دونوں ہاتھوں اور پیروں کو بھی شامل ہے کیونکہ چہرے سے ہی فتنے کا قوی تعلق ہے اور حکم اپنی علت پر ہی جاری ہوتا ہے اس پردہ عرفی کے وجوب کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ **واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب** اور نبی ﷺ کا فرمان **افعمیاوان انتما** البتہ اجنبی اور محرم کے فرق کا اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ محارم میں بدنیتی کا احتمال نہیں ہوتا اور معاشری ضروریات کشف حجاب کی اجازت کی مقتضی ہیں اسی طرح چھوٹے لڑکوں اور زیادہ سے زیادہ نو سال کی لڑکیوں اور زیادہ عمر والوں کے درمیان بھی فرق ہے جس کے بارے میں کچھ اشارات اوپر گزر چکے ہیں لیکن قبل تاہل اور بعد تاہل کا فرق میری نظر سے نہیں گزرا۔

(۴) شرعی فرائض وواجبات کا علم حاصل کرنا فرض ہے 'خواہ وہ علوم عبادات و معاملات سے تعلق رکھتے ہوں خواہ معاشرۃ اور تہذیب و تمدن سے اور مستحبات کا علم مستحب اور مباحات کا علم مباح جیسا کہ نمبر ۲ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

(۵) محض اجتماع عورتوں کا ممنوع نہیں ہے اگر صرف عورتیں کسی جگہ جمع ہوں اور اجتماع کی غرض و غایت مفید ہو تو شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے لیکن عورتوں اور مردوں کا مخلوط اجتماع بہت سے فتنوں کا سبب ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے اسی وجہ سے عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے اور بلا ضرورت شدیدہ گھر سے نکلنے سے منع فرمایا ہے اور ان کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور گھر میں نماز پڑھنے کو مسجد محلّہ سے اور مسجد نبوی سے بھی بہتر قرار دیا گیا ہے۔

(۶) اجتماعی و تمدنی حیثیت سے محترم خواتین کے صرف اتنے ہی حقوق ہیں کہ وہ حقوق دینیہ کی ادائیگی کے بعد شوہر اور اقارب کے حقوق بجالائیں اولاد کی تربیت امور خانہ داری میں دلچسپی لیں اجنبی سوسائٹی سے دور رہیں اور اگر کوئی ہنر آتا ہو تو اور فرصت ملے تو اس میں مشغول رہیں اور بیباکانہ مردانہ اجتماعات اور جلسوں میں شریک ہونا اور بے حجابانہ لہو و لعب کے مجمعوں میں جانا اور غیر مردوں سے بے تکلف ہونا نہ صرف یہ کہ نسوانی خصوصیات کو فنا کر دے گا بلکہ اسلامی تہذیب کو بھی تباہ کر دے گا۔

(۷) یہ جو کچھ مسائل لکھے گئے ہیں اکابر حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہیں ہر مضمون کے متعلقہ دلائل و شواہد مشائخ مذہب کی تصانیف میں موجود ہیں۔واللہ اعلم۔

کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ و کفاہ - ۱۴ جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ

(نوٹ) فتوی ہذا کو راقم الحروف کا ذاتی جواب سمجھنا چاہئے۔

مکمل شرعی پردہ کی رعایت کے ساتھ لڑکیوں کو تعلیم دینے میں کوئی مضائقہ نہیں

(سوال) بعض کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو لکھانا پڑھانا ہی نہیں چاہئے بس قرآن شریف پڑھا دینا چاہئے کیونکہ بڑے اسکولوں کی نازیبا افواہیں پہنچی ہوئی ہیں مسلمان راجپوتوں کی بستی ہے اکثر گھرانے مہذب ہیں پردہ کی پابندی ہے لیکن اس عمر کی لڑکیاں ملاجی کے پاس تقریباً بیس تیس جاتی ہیں اس مدرسے کی مدد کرنی چاہئے یا نہیں -؟ المستفتی نور محمد صاحب ہیڈ ماسٹر جونڈلہ ضلع کرنال - ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۴) لڑکیوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا جائز ہے حساب، اردو وغیرہ پڑھانے اور ہنر سینا پکانا کاڑھنا وغیرہ سکھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہاں پردے اور صلاحیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ

پردہ کی رعایت کے ساتھ عورت کار خیر میں حصہ لے سکتی ہے

(سوال) شریعت عورت کو کار خیر یا رفاہ عام میں اقدام کرنے کی اجازت دیتی ہے یا نہیں حضور ﷺ نے تعلیم یافتہ خواتین کے متعلق ارشاد فرمایا ہے لہذا عرض ہے کہ پنجاب میں بڑی بڑی قابل ترین عورتیں مل سکتی ہیں -المستفتی نمبر ۱۲۰۵ مختار جہاں بیگم معرفت آغا محمد حفیظ اللہ صاحب (جالندھر) ۱۰ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۷ / ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۵) شریعت مقدسہ اسلامیہ عورتوں کو کسی اسلامی خدمت سے جوان کے لائق ہو منع نہیں کرتی پردہ کی محافظت کے ساتھ عورت مردوں کے مجمع میں تقریر کر سکتی ہے -(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بچی سے مجمع میں تلاوت کرانا

(از اخبار الجمعیۃ دہلی - مورخہ ۲۴ جون ۱۹۳۳ء)

(سوال) ایک صاحب جو علم دین کے مدعی ہیں اور ایک اسلامی جامعہ کے پرنسپل ہیں اپنے وعظ کا افتتاح ایک نابالغ لڑکی کی قرآن خوانی سے فرماتے ہیں باوجودیکہ اس کی حاجت نہیں جلسہ میں بہترین

---

(۱) عن الشفاء بنت عبدالله قالت دخل علي النبي ﷺ وانا عند حفصة فقال لي الا تعلمين هذه رقية النملة كما علمتيها الكتابة (سنن ابي داؤد، باب ماجاء في الرقى، ۲/۱۸٦ ط سعيد) قال الشيخ في بذل المجهور، فيه دليل على جواز كتابة النساء واماحديث لا تعلمو هن الكتابة فمحمول على من يخشى عليها الفساد- (بذل المجهور في حل سنن ابي داؤد ۵/۱۸، ط معهد الخليل الاسلامي، كراجي)

(۲) عورت کی آواز کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ عورت ہے اس لئے بلاضرورت شدیدہ غیر محرم کے سامنے بولنا جائز نہیں-
وفي الشاميه (قال عليه الصلوة والسلام) التسبيح للرجال والتصفيق للنساء فلا يحسن ان يسمعها الرجل و في الكافي : ولا تلبي جهراً لان صوتها عورة و مشى عليه في المحيط في باب الاذان مطلب في ستر العورة ۱/ ٤٠٦ ط سعيد

حفاظ موجود ہوتے ہیں کیا یہ جائز ہے ؟

(جواب ۲۶) نابالغہ بچی سے قرآن شریف کی تلاوت کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ بچی اتنی چھوٹی ہو جس کی طرف بد نظری سے دیکھنے کا موقع نہ ہو۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

لڑکیوں کو لکھائی سکھانے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) لڑکیوں کو کتابت کی تعلیم دینی بروئے شریعت جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۷) لڑکیوں کو کتابت کی تعلیم دینے کے بارے میں فقہا کا اختلاف ہے بعض فقہا سداً للذریعۃ الفساد منع کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ جائز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

چوتھا باب
متفرقات

بہشتی زیور مفید اور معتبر کتاب ہے

(سوال) بہشتی زیور مولانا اشرف علی صاحب کی لکھی ہوئی کتاب ہمارے مدرسہ میں چلانے کا ارادہ ہے اس کے پڑھانے میں کچھ برکت ہے یا نہیں اس کتاب میں غلط مسئلہ ہے یا نہیں جاہلوں میں یہ بات مشہور ہے اس لئے آپ کا جواب آنے کے بعد اس میں چلانے کا ارادہ ہے۔ المستفتی نمبر ۱۸۲۰ محمد اسماعیل جی پٹیل (ضلع سورت) ۲۲ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۸) بہشتی زیور بہت اچھی اور معتبر اور مفید کتاب ہے اس کے مضامین اور مسائل جو اس میں لکھے ہیں معتبر اور صحیح ہیں اور بچوں طالب علموں کو اس سے دینی اور دنیوی فائدے پہنچیں گے تعلیم الاسلام بھی بچوں کے لئے مفید ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) وفی السراج : لا عورۃ للصغیر جداً ثم مادام لم یشتہ فقبل و دبر' ثم تغلظ الی عشر سنین (الدرالمختار) قال المحقق فی الشامیہ (قولہ : لا عورۃ للصغیر جداً) وکذا الصغیرۃ کما فی السراج (مطلب فی ستر العورۃ ۱/ ۴۰۷' ط سعید)

(۲) عن الشفاء بنت عبداللہ قالت دخل علی النبی ﷺ وانا عند حفصۃ فقال لی الا تعلمین ھذہ رقیۃ النملۃ کما علمتیھا الکتابۃ۔ (سنن ابی داؤد: باب ماجاء فی الرقی ۲/ ۲۱۶' ط سعید) قال الشیخ فی بذل المجھود' فیہ دلیل علی جواز کتابۃ النساء' واما حدیث لا تعلمو ھن الکتابۃ' محمول علی من یخشی علیھا الفساد (۵/ ۸۰ ط' معھد الخلیل الاسلامی' کراچی)

علماء کو شیطان، بد معاش، ظالم کہنے والا فاسق ہے!

(سوال) ایک شخص نے کہا کہ فی زمانہ جتنے علماء واعظ ہیں وہ سب شیطان ہیں اور بد معاش اور ظالم اور چور ہیں۔ المستفتی نمبر ۱۸۴۷ محمد عبدالحق صاحب (ضلع ہوڑہ) ۲۸ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۹) یہ کہنا کہ فی زمانہ جتنے واعظین ہیں سب شیطان اور بد معاش اور ظالم اور چور ہیں غلط ہے اور کہنے والا ظالم اور فاسق ہے، اس کو توبہ کرنی چاہئے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نو مسلم اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے مالدار مسلمانوں سے امداد کی درخواست کر سکتا ہے

(سوال) میں ایک نو مسلم ہوں آغوش اسلام میں آئے ہوئے صرف پانچ سال ہوئے ہیں لیکن تعلیم الاسلام اور دیگر اسلامی کتابوں کا مطالعہ میں نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں کیا تھا یہ اعزاز مجھے میرے محسن استاد مولانا مولوی رحمت اللہ صاحب ورنیکلر ٹیچر مشن ہائی اسکول لاہور کی بدولت نصیب ہوا قصہ بڑا طویل ہے اور آزمائشوں سے بھرا ہوا ہے لیکن اللہ کریم نے میری ہر حال میں مدد فرمائی اور لغزش سے محفوظ رکھا مختصراً عرض ہے کہ میں نے ایک متمول ہندو گھرانے میں پرورش پائی ہے میرے والد لالہ ہیرالال صاحب جائیداد ہیں اور سات سو روپیہ ماہوار کے قریب صرف مکانات کا کرایہ آمدنی ہے مجھ کو انہوں نے بی اے تک تعلیم دلائی اور میرے اسلامی خیالات سے ہمیشہ خائف رہے اور ڈی اے وی کالج میں خاص طور پر مجھ پر نگاہ رکھی جاتی تھی اور ہندو مذہب کی تعلیم میں کوشاں تھے لیکن میری رغبت دن بدن اسلام کی طرف ہوتی گئی اور میں نے اپنے رہبر مولانا صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا انہوں نے بھی مجھے قرآن شریف اور دینیات اور دیگر اسلامی مسائل کا درس دیا یہ سب تعلیم بالکل خفیہ طریق پر ہوتی رہی میں نے اس اثناء میں اپنے اسلام پاک کا اعلان کرنے کا ارادہ کیا لیکن میرے اخراجات، بیوی بچوں کا گزارہ بچوں کی تعلیم بیوی کا اپنے ہی مذہب پر رہنے کا اصرار، والدین کی محبت اور دیگر امیرانہ زندگی تھی الغرض شیطانی وسوسے تھے لیکن میں مولوی صاحب کے دست مبارک پر اسلام قبول کر چکا تھا اور صوم و صلوۃ کا پابند تھا میرے والدین ہر ممکن طریقے سے میرے اس مبارک کام میں حائل ہوتے تھے لیکن میرا ذوق اور مولوی صاحب کا اخلاص بالکل بھی اثر نہ ہونے دیتا تھا والدین روپیہ

---

(۱) یہ حکم اس وقت ہے جب علماء کی توہین بلا وجہ یا کسی دنیوی معاملہ کی وجہ سے کرے، وفی جامع الفصولین' بغض عالما او فقیها بلا سبب ظاهر خیف علیه الکفر جامع الفصولین' الباب الثامن والثلثون فی مسائل کلمات الکفر ۲/ ۳۰۹' ناشر اسلامی کتب خانه کراچی اور اگر علماء کی توہین و تضلیل ان کے حاملین علم ہونے کی وجہ سے کرے تو بلا شبہ کافر ہوگا۔ قال فی الاشباه والنظائر 'الا ستهزاء بالعلم والعلماء کفر (الفن الثانی' کتاب السیر ص ۱۹۱' ط دار الکتب العلمیة ' بیروت)

پیسہ مجھ پر بہت خرچ کرتے اور تمام جائیداد کا مجھ کو انچارج بنایا لیکن میرے مذہب نے مجھ کو دیانتداری سچ بولنا اور سچائی کی حمایت کا درس پہلے ہی دیا تھا لہذا میں نے اپنے ملازموں سے اچھا منافع دکھایا آخیر میں میری بیوی بھی قبول اسلام پر رضا مند ہو گئی اور میرے دو بڑے لڑکے جو انٹر لیس کلاس میں پڑھتے تھے تعلیم الاسلام مجھ سے لیتے اور پورے طور پر مجھ سے متفق تھے اور ۱۹۳۲ء کے درمیان میں ۱۵ جون کو ہم نے اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتے ہوئے قبول اسلام کر لیا اس کے بعد جو مجھ پر اور میری نیک بیوی پر گزری وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن ہم نے صبر سے برداشت کیا میرے والدین نے میری بیوی کا تمام زیور اور جہیز جو اس کے قبضے میں تھا طلب کیا یہ امتحان عورت کے لئے بہت سخت تھا لیکن خدا کا فضل شامل حال تھا بلا دریغ سب پیش کر دیا اور ہم لوگ ننگے تنہا علیحدہ رہے اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا میں نے محنت مزدوری کی اور اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالا ہاں البتہ بچوں کی تعلیم جاری نہ رکھ سکا لیکن ایک ماہ کی آزمائش کے بعد بچوں کو میری والدہ نے کالج میں داخل بلا کسی شرط کے کروادیا۔ اس وقت دو بچے بڑا بی ایس سی اور چھوٹا ایف ایس سی میں تعلیم پاتا ہے ذہین محنتی اور اسلامی رکن پر پابند ہیں لیکن اب جب کہ میرے بچے اعلیٰ تعلیم کے اختتام پر ہیں میرے دیگر عزیز و اقارب نے والدین کو مجبور کر دیا ہے اور انہوں نے میرے بچوں کو تعلیم دلوانے سے اگست ۱۹۳۷ء سے انکار کر دیا ہے اور فیس وغیرہ بچوں کی نہیں دی چند مسلم بھائیوں نے مل کر بچوں کی چار چار ماہ کی فیس اور ان کے خورد و نوش کا انتظام کر دیا تھا لیکن آئندہ کے لئے ان کا خرچ مشکل نظر آتا ہے بچوں کو اتنے اعلیٰ مقام تعلیم پر لے جاکر چھوڑ نا ایک صدمے سے خالی نہیں لیکن یہ قربانی بھی میں اور میرے بچے کرنے کو تیار ہیں اسلام قبول کرنے سے پیشتر ہم لوگوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ ہم لوگ اسلام پر بار ڈالنے کے لئے اسلام میں داخل نہیں ہوئے ہیں اور کسی مسلم برادر کو تکلیف نہیں دیں گے مولوی صاحب مرحوم کا ارشاد تھا کہ خدا کے سوا کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا لیکن میرے چند دوست مصر ہیں لہذا اب از روئے شرع جو مناسب احکام ہیں اس کے متعلق فتویٰ صادر فرمائیں۔

(۱) مندرجہ بالا بیان کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا اسلام مجھے اجازت دیتا ہے کہ اپنے متمول مسلم بھائیوں سے امداد کے لئے عرض کر دوں (۲) کیا امداد کنندہ بھائی کے روپے کا مصرف جائز ہوگا (۳) کیا اس قسم کی امداد کی درخواست میرے لئے خدا کی درگاہ میں قابل مواخذہ تو نہ ہوگی جبکہ امداد دنیاوی تعلیم کے لئے طلب کی جائے کیا امداد کنندگان کو اس کا اجر ویسے ہی ملے گا جیسا کہ دیگر اسلامی کاموں میں روپیہ خرچ کرنے سے ملتا ہے۔

(نوٹ) میری مستقل آمدنی اس وقت ۵۴ روپیہ ماہوار ہے بچوں کا خرچ تعلیم تقریباً ۸۰ روپے ہے موجودہ تعلیم سے فارغ ہونے میں ۸ ماہ باقی ہیں میں اپنی آمدنی میں سے ۲۲ روپے ماہوار ان کو دے سکتا ہوں باقی تقریباً ۶۰ روپے ماہوار کا خرچ ہے اس طرح سے مجھے تقریباً ۴۸۰ روپے کی ضرورت ہے یہ

فتویٰ صرف اپنے چند مہربانوں کے اصرار پر طلب کیا گیا ہے کیونکہ وہ لوگ مجھے دست سوال دراز کرنے پر مجبور کرتے ہیں لیکن میرے ضمیر نے اس کی اجازت نہیں دی میرا خدا میرا خود کفیل ہے بچوں کے لئے بھی وہی کفالت فرمائے گا یہ میرے بچوں پر امتحان کا موقعہ ہے دعا فرمایئے اللہ کریم صبر عطا فرمائے میں اپنے کافر والدین کے سامنے دست سوال دراز نہیں کروں گا - انشاء اللہ المستفتی نمبر ۲۱۹۷ محمد عبداللہ نومسلم معرفت سید محمد احسان صاحب - نیو دہلی ۷ ۲ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۰) آپ اپنے مسلم دوستوں کے سامنے یہ تمام حالات بیان کرنے میں مواخذہ دار نہیں ہوں گے پھر مسلم احباب آپ کے بچوں کی تعلیم کی تکمیل میں جو خرچ کریں گے ان کو اس کا ثواب ضرور ملے گا آپ ان کی اعانت قبول کرنے سے انکار نہ کریں(۱) اللہ تعالیٰ آپ کی آپ کے بچوں کی صداقت واخلاص کا نعم البدل اور اجر جزیل عطا فرمائے گا یہ تعلیم اگرچہ دنیوی ہے لیکن یہ بھی صدق نیت اور اخلاص کے ساتھ دینی حیثیت حاصل کر سکتی ہے کیونکہ فراغت کے بعد اس کے ذریعہ سے بھی دین کی خدمت کی جا سکتی ہے(۲) اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں اور برکتوں سے آپ کو نوازے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

غیر عالم معتبر کتابوں سے تبلیغ کا کام کر سکتا ہے!

(سوال) تبلیغ کا کام اگر کوئی شخص اردو یا فارسی خواں کتاب دیکھ کر بیان کرے تو جائز ہے یا نہیں ایک شخص کو دلچسپی ہے اور اکثر اشخاص کو امر معروف نہی منکر کرتا ہے اور کئی سال سے دینیات سے شوق ہے تو ایسا شخص کسی کو وعظ و پند وغیرہ کہنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں - المستفتی عبدالعزیز ٹونکی

(جواب ۳۱) اگر یہ شخص خود عالم نہ ہو تو تبلیغ کا کام کتابوں سے کر سکتا ہے مگر صرف کتابیں سنا دے اپنی طرف سے کچھ بیان نہ کرے اور کتابیں بھی معتبر اور معتمد علیہ ہوں(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) والغنی لا یمنع من تناولها عند الحاجة کابن السبیل' بحر عن البدائع' وهذا التعلیل یقوی ما نسب للواقعات من ان طالب العلم یجوز له اخذ الزکوة ولو غنیا اذا فرغ نفسه لا فادة العلم واستفادته لعجزه عن الکسب' والحاجة داعیة الی مالا بدمنه کذا ذکره المصنف (الدر المختار) قال المحقق فی الشامیة' یکون طلب العلم مرخصا لجواز سؤاله من الزکاة وغیرها وان کان قادرا علی الکسب - (باب المصرف ۲ / ۳٤۰ ط سعید)

(۲) قال النبی ﷺ انما الاعمال بالنیات (الحدیث) (صحیح البخاری: باب کیف کان بدء الوحی الی رسول الله ﷺ ۱ / ۲ ط قدیمی کتب خانه' کراچی)

(۳) ثم انه کان یامر وینهی من کان عالما بما یامربه و ینهی عنه' و ذلك یختلف باختلاف الشئ فان کان من الواجبات الظاهرة والمحرمات المشهورة کالصلوة' والصیام والزنا والخمر و نحو ها فکل مسلمین عالم بهاء وان کان من دقائق الافعال والاقوال ومایتعلق بالا جتهاد فلم یکن للعوام مدخل فیه (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح: باب الامر بالمعروف' ۹ / ۳۲۹ ط امدادیه ملتان)

کیا حکومت کی طرف سے مدح صحابہ کو روکنا مداخلت فی الدین نہیں؟

(سوال) حکومت ہند نے مدح صحابہؓ کی ممانعت کا ایک دل آزار قانون بنایا ہے جس کا نفاذ لکھنؤ میں بالکل جابرانہ طور پر ہو رہا ہے اہل السنت والجماعت کے بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ مدح صحابہؓ کی ممانعت مداخلت فی الدین ہے اس موقع پر خاموش رہنا حرام ہے لہذا ہم طلبہ دار العلوم آپ کی رائے دریافت کرتے ہیں کہ تعلیم کا خیال کریں یا قانون شکنی کے لئے تیار ہو جائیں؟ المستفتی نمبر ۱۱۹۶ خواجہ محمد احمد غازی پوری متعلم دار العلوم دیوبند ۶ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۲) مداخلت فی الدین کا مفہوم بہت عام ہے اور عموم کے لحاظ سے ہر آن میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں مداخلتیں ہندوستان میں ہو رہی ہیں امتناع مدح صحابہؓ کا قانون جہاں تک مجھے معلوم ہے نہ حکومت ہند کا ہے نہ حکومت صوبہ کا وہ صرف ایک مقامی کمیٹی کا جو اس کام کے لئے مقرر کی گئی تھی' فیصلہ تھا' جسے مقامی حکومت نے انتظاماً نافذ کر دیا ہے۔

میرے خیال میں دار العلوم کے طلبہ مذہباً ابھی تک شرکت پر مجبور نہیں ہیں مسلمان تحریک کو چلا رہے ہیں طلبہ کو تعلیمی ضروریات میں مشغول رہنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فحش گو فسادی وعظ کرنے کے لائق نہیں

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۸ جون ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک شخص جو اپنے آپ کو مولوی اور واعظ اسلام کہتا اور لکھتا ہے' مسجد میں کھڑے ہو کر نہایت بیباکی سے فحش کلامی کرتا ہے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرتا ہے' مسلم خادمان قوم کو مسلم نما ہندو کہتا ہے نعرہ تکبیر کے مقابلے میں ہر ہر مہادیو کا جیکارہ لگاتا ہے دوسرے لوگوں کو بھی اس جیکارہ کی تلقین کرتا ہے مسلمانوں پر جھوٹے بہتان باندھتا ہے ماؤں بچوں' بوڑھوں کی موجودگی میں مسجد کے اندر فحش مغلظات گالیاں زباں سے نکالتا ہے جن کا نقل کرنا بھی خلاف تہذیب ہے مسلمان شہدائے مقتولین کو کوئی شہید کے نام سے یاد کرتا ہے وغیرہ۔

(جواب ۳۳) ایسا شخص اس لائق نہیں کہ اس کو وعظ کی اجازت دی جائے وعظ و تذکیر کا مقصود لوگوں کی اصلاح اور ان کے اخلاق کی درستی ہے ان میں اسلامی اتفاق و اتحاد پیدا کرنا واعظ کا پہلا فرض ہے ہر ہر مہادیو کا جیکارہ لگانا کفر کی نشانی اور کافروں کا شعار ہے۔ مسلمان کی شان کے لائق نہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) ان رسول اللہ ﷺ قال : لیس من تشبہ بغیر نا ولا تشبھو اابالیھود ولا بالنصاری (الحدیث) (جامع الترمذی: باب ماجاء فی کراھیۃ اشارۃ الید فی السلام ۲/۹۹' ط سعید)

بخلاف وضع قلنسوۃ المجوس وشد الزنار' لانہ امارۃ الکفر کالختان امارۃ الاسلام۔ (الفتاویٰ البزازیہ علی ھامش الہندیہ' الثالث فی الحظر والا باحۃ ۶/۳۱۱' ط ماجدیہ کوئٹہ)

بچوں کو قاعدہ "یسرنا القرآن" پڑھنا کیسا ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) ایک شخص پیرزادہ منظور محمد نام نے ایک طویل قاعدہ بچوں کی تعلیم کے لئے بنایا ہے جس کا نام قاعدہ یسرنا القرآن ہے یہ شخص قادیانی ہے اور مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور صاحب وحی مانتا ہے اس قاعدہ کو پڑھانا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر کوئی شخص قاعدہ لکھے اور قاعدہ کا نام یسرنا القرآن رکھ دے تو جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۴) میں نے قاعدہ یسرنا القرآن اب تک نہیں دیکھا اگر اس قاعدہ میں قادیانی مشن کی باتیں لکھی ہوں تو یقیناً اسے بچوں کو پڑھانا نہیں چاہئیے ایسا نہ ہو کہ ابتدا ہی سے ان کے دل میں گمراہی کی طرف میلان ہو جائے اور صرف حروف اور تراکیب حروف کی پہچان کرانے اور تعلیم دینے کے طریقے ہی مذکور ہوں اور قادیانیت کی کوئی بات نہ ہو تو اس کی تعلیم مباح ہو گی(۱) لیکن بہر صورت اس سے احتراز اولیٰ وانسب ہے کیونکہ بچوں کی تعلیم کے لئے دوسرے قاعدے بہت اچھے اچھے (مثلاً نورانی قاعدہ وغیرہ) موجود ہیں قاعدہ کا نام 'یسرنا القرآن رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) قاعدہ یسرنا القرآن میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے قادیانی مشن کی تبلیغ ہو لہذا بچوں کو اس کی تعلیم دینا مباح ہے۔

كتاب السلوك و الطريقة

پہلا باب
اذکار و اشغال
فصل اول ذکر جلی و خفی اور ختم وغیرہ

عارضی مانع نہ ہو تو ذکر جلی جائز ہے مگر خفی اولیٰ ہے!
(ازاخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) زید کہتا ہے کہ جلی ذکر حرام ہے اور عمرو کہتا ہے کہ ذکر جلی جائز ہے؟

(جواب ۳۵) ذکر جلی جائز ہے اور مشائخ صوفیہ کا معمول و متوارث ہے احادیث کثیرہ سے اس کا ثبوت ہوتا ہے جن مواقع میں کہ شریعت نے خود ذکر جلی مقرر فرمایا ہے اس کے اندر تو کوئی کلام ہی نہیں کر سکتا جیسے اذان، تکبیر، تلبیہ، حج، تکبیر، تشریق وغیرہ کہ یہ سب اذکار ہیں اور جہر سے ثابت ہیں ہاں جن مواقع میں کہ شریعت سے ثبوت نہیں وہاں اگر کوئی وجہ عارضی مانع نہ ہو تو نفس حکم یہی ہے کہ جائز ہے اور اگر کوئی عارضی مانع موجود ہو تو ناجائز ہو جائے گا موانع عارضیہ کی مثال یہ ہے کہ ذاکر کے جہر سے کسی سونے والے کو تکلیف ہو یا کسی نماز پڑھنے والے کی نماز میں خلل پڑتا ہو یا ذکر کرنے والا جہر کو ضروری یا لازم سمجھے وغیرہ(۱) اور جہاں یہ موانع موجود نہ ہوں وہاں ذکر جلی جائز مگر ذکر خفی اولیٰ ہے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) بلند آواز سے تلاوت کرنے سے اگر کسی کی نماز میں خلل آئے تو جائز نہیں
(۲) جماعت کے بعد بلند آواز سے ذکر کی رسم غلط ہے!

(سوال) (۱) بوقت خطبہ جمعہ سورہ کہف کا دور بآواز بلند ایک ایک رکوع کر کے پڑھتے ہیں نووارد مصلیوں کی نمازوں میں خلل آتا ہے۔

(۲) جماعت کے ختم ہوتے ہی فوراً کلمہ طیبہ کا ذکر بالجہر کیا کرتے ہیں تین مرتبہ اس طرح **لا الہ الا اللہ الا اللہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ** یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۶۰۱ سیٹھ قاسم باپو ولد حسین باپو (مہی کانٹھا) مورخہ ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۹۴۰ء۔

---

(۱) اما رفع الصوت بالذکر فجائز کما فی الاذان والخطبہ والحج، وقد حرر المسئلہ فی الخیریہ و حمل ما فی فتاوی القاضی علی الجہر المضر وقال: ان ہناک احادیث اقتضت طلب الجہر و احادیث طلب الاسرار والجمع بینہما بان ذلک یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال، فالاسرار افضل حیث خیف الریاء او تاذی المصلین او النام الخ (رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع، ۶/۳۹۸ ط سعید)

(۲) واما الادعیہ والاذکار فبالخفیۃ اولی (رد المحتار: قبیل مطلب الثناء علی الکریم دعا ۲/۵۰۷، ط سعید)

(جواب ٣٦) سورہ کہف آواز بلند سے مسجد میں پڑھنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل آئے ناجائز ہے(۱)

(۲) اسی طرح نماز کے بعد کلمہ طیبہ کو بلند آواز سے پڑھنے کی رسم بھی درست نہیں(۲) اتنی آواز سے کہ کسی نمازی کی نماز میں خلل نہ آئے سلام کے بعد کلمات ماثورہ کو پڑھنا جائز ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

حكم انعقاد المحافل الموسومه بحلقة الذكر

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) (۱) ان في ديارنا انعقدت محافل متعددة في اماكن مختلفة موسومة بحلقة الذكر بين معاشر المسلمين فمن الناس من ينعقد ها في اسبوع مرة و منهم من يحضرها في شهر مرة فيها يذكرون الله تعالىٰ و يكبرونه ويسبحونه و يمجدون و يهللون و يستغفرون و يحمدون و يتلون القرآن و يصلون على النبي الكريم واحياناً يقرأ فيها المولد و يذكر وغير ذالك من الاوراد يقرؤن مجتمعين و الغرض من ذالك ان يؤلف الله تعالى بهذه البركات بين قلوب المؤمنين و ينور قلوبهم بنور الهداية فيفوز وابا لفلاح والنجاح يوم الدين —

(۲) وقوافل من شبان الاسلام متعلقة بها الموسومون بالمبلغين وهم يتعلمون المواعظ الحسنة والمسائل الشرعية منظومةً لتكون اقرب الى الحفظ والقبول فاحياناً هم يخرجون مزينا بالا علام والبياض ويطوفون في اماكن مختلفة وينشدون المنظوم المذكور مبلغاً و يكبرون الله تعالىٰ بين ذالك لكلمة الله معليًا فوجدت زهاء ثلثة آلاف من شبان المبلغين انهم صاروا مصليًا و محسنا مزكيا فما قول جمعية علماء الهند في ذالك الامر؟

(ترجمہ) ہمارے علاقے میں مختلف مقامات پر متعدد محفلیں قائم ہیں جن کو حلقہ ذکر کہا جاتا ہے بعض لوگ ایسی محفلیں ہفتے میں ایک مرتبہ منعقد کرتے ہیں اور بعض مہینے میں ایک مرتبہ ان محفلوں میں

---

(۱) و في حاشية الحموى للشعراني اجمع العلماء سلفًا و خلفًا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد و غيرها الا ان يشوش جهرهم على قائم او مصل او قارى الخ (رد المحتار' باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱/ ٦٦٠ ط سعيد)

(۲) ثم قال في النهر عن المعراج' واما ما يفعل عقب الصلوة من السجدة فمكروه اجماعًا' لان العوام يعتقدون انها واجبة او سنة— اى وكل جائز ادى الى اعتقاد ذلك كره (رد المحتار: كتاب الصلاة ۱/ ۳۷۱ ط سعيد)

(۳) والا سرار افضل حيث خيف الرياء او تاذى المصلين او النيام (رد المحتار' كتاب الحظر والاباحة' فصل في البيع' ٦/ ۳۹۸' ط سعيد)

لوگ جمع ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں' اور تکبیر و تسبیح و تمجید بیان کرتے ہیں کلمہ طیبہ استغفار تحمید کا ورد کرتے ہیں تلاوت کرتے ہیں اور درود شریف پڑھتے ہیں کبھی کبھی ان محفلوں میں مولود شریف اور دیگر اذکار بھی پڑھتے ہیں اور اس سے مقصد یہ ہے کہ ان اذکار کی برکت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے قلوب میں محبت و الفت پیدا کر دے اور نور ہدایت سے منور کر دے تاکہ آخرت میں ان کی کامیابی کا سبب ہو۔

ان محفلوں سے مسلم نوجوانوں کی کچھ ٹولیاں وابستہ ہیں جن کو مبلغین کہا جاتا ہے وہ وعظ و نصیحت کے مضامین اور مسائل شرعیہ بصورت نظم سیکھتے ہیں تاکہ جلدی اور بآسانی یاد ہو جائیں پھر کبھی کبھی وہ ٹولیاں جھنڈیاں اور روشنی لیکر نکلتی ہیں اور وہ نظمیں بآواز بلند پڑھتی ہوئی آبادی میں چکر لگاتی پھرتی ہیں اور اس سے مقصد تبلیغ اور اللہ کے نام کو بلند کرنا ہے چنانچہ میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ کئی ہزار ایسے مبلغ نوجوان نمازی اور نیک بن گئے تو اس مسئلے میں ہندوستان کے علماء کی جمعیۃ کیا رائے رکھتی ہے ؟

(جواب ۳۷)اعلموا رحمكم الله انه لا خير الا في اتباع سيدنا و مولانامحمد ن المصطفى ﷺ وما من رجل احدث في الدين ما ليس منه الا يكون مردودًا عليه ما احدث (۱) **وما من حدث الا وقد يرى المحدث انه احدث خيرًا فيضل و يضل وقد راى ابن مسعودؓ قومًا يجتمعون فيذكرون الله تعالىٰ -يسبحون و يهللون فقام فقال انا ابن مسعود ولا اركم الا قداحد ثتم ما هكذا وجدنا اصحاب النبي ﷺ فمن كان منكم ذاكرًا فليذكر الله في نفسه و في بيته او كما قال** (۲) **وانكرابن عمرؓ على قوم كانوا يجتمعون في المسجد لصلوة الضحى و يهتمون لها كالفرائض وقال انها بدعة** (۳) **فهذه الحلق المسئول عنها من الاحداث التي يرى محدثوها انها خيرو ذريعة للاصلاح وماهي الا وبال ولكال اذ ليس لها في الشريعة الاسلامية اصل يعتمد عليه** (٤) **ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم-**

وكذا انشاد الا شعار في الطرق والاسواق ليس من التبليغ في شئ وانما هو تهييج النفوس المستعدة للشهوات

وتزكية النفوس بكتاب الله و السنة واحوال صالحي الامة وسير الصحابة

---

(۱) عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله ﷺ من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهورد' (مشكوٰة المصابيح: باب الاعتصام بالكتاب والسنة ۱/۲۷ ط سعيد)

(۲) رد المحتار' كتاب الحظر والا باحة ٦/۳۹۸' ط سعيد)

(۳) واما ما صح عن ابن عمر انه قال في الضحى هي بدعة محمول على ان صلاتها في المسجد والتظافر بها كما كانوا يفعلونه بدعة لا ان اصلها في البيوت و نحو ها مذموم' او يقال قوله بدعة اى المواظبة عليها (شرح النووى على الصحيح لمسلم باب استحباب صلوة الضحى ۱/۲٤۹ ط قديمي كتب خانه ،كراچى)

(٤) والمبتدع قدم هوى نفسه على هدىالله مكان اضل الناس وهو يظن انه على هدى (كتاب الاعتصام للشاطبي' ۱/۵۲ ط مصر)

والتابعین اولیٰ من ھذا الطریق واللہ الموفق -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ مدرسہ امینیہ ' دھلی

(ترجمہ) جان لو خدا تم پر رحم فرمائے کہ بھلائی اگر ہے تو صرف رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں ہے اور جس آدمی نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو ہم تک نبی ﷺ سے نہیں پہنچی تو وہ اس کی ایجاد کی ہوئی بدعت اس پر رد کردی جائے گی یعنی نامقبول ہے اور ہر بدعت کا موجد یہی سمجھتا ہے کہ اس نے بڑا عمدہ اور مفید کام جاری کیا ہے اس غلط فہمی میں وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے ایک جگہ دیکھا کہ کچھ لوگ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تسبیح و تہلیل کرتے ہیں آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں ابن مسعود ہوں' یہ جو کچھ تم کر رہے ہو یہ تمہاری ایجاد کی ہوئی بدعت ہے ہم نے نبی ﷺ کے اصحاب کو کبھی ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا پس تم میں سے جو شخص ذکر کرنا چاہے وہ چپکے چپکے اپنے دل میں کرے اور اپنے گھر میں جاکر کرے او کما قال اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ان لوگوں کو منع کیا جو نماز چاشت کے لئے مسجد میں جمع ہوتے تھے اور اس کے لئے فرائض کی طرح اہتمام کرتے تھے آپ نے فرمایا کہ اس طرح اہتمام کرنا اور جمع ہونا بدعت ہے - پس یہ حلقہ ہائے ذکر جن کے متعلق دریافت کیا گیا ہے اسی قسم کی بدعات میں سے ہیں جن کے ایجاد کرنے والے ان کو عبادت سمجھتے ہیں اور اصلاح کا ذریعہ جانتے ہیں حالانکہ یہ گناہ اور موجب عذاب ہے' کیونکہ شریعت میں اس (قسم کے حلقہ ہائے ذکر کے اہتمام و انتظام) کا کوئی قابل اعتبار ثبوت نہیں ہے اور گمراہی سے بچنے اور سیدھا راستہ پانے کی توفیق خدائے بزرگ و برتر ہی کی طرف سے ہوتی ہے -

اور یہی حکم ہے نظمیں پڑھنے اسطرح ٹولیاں بنا کر جھنڈیاں اور روشنی لیکر بازاروں اور گزرگاہوں میں نظمیں پڑھنا کوئی تبلیغ نہیں ہے یہ تو محض رنگین طبائع کے لئے حظ نفس کا ذریعہ اور تحریک ہے -

نفوس کی اصلاح و تزکیہ قرآن و حدیث اور امت کے صلحا کے حالات اور صحابہ و تابعین کی سیرت کے ساتھ بہتر ہے بہ نسبت ایسے من گھڑت طریقوں کے - اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) ختم قرآن کے بعد چند سورتیں اور " صل علی نبینا الخ" پڑھنے کو ضروری سمجھنا کیسا ہے ؟

(۲) تبارک پڑھنے اور پڑھوانے کا مروجہ طریقہ شریعت سے ثابت نہیں

(۳) مجلس ذکر میں انبیاء و اولیاء کے ارواح کی موجودگی کا عقیدہ کیسا ہے ؟

(سوال) (۱) بستی میں عام طور سے یہ طریقہ رائج ہے کہ لوگ ثواب کی خاطر قرآن ختم کراتے ہیں اور ختم کے بعد کچھ سورتیں یعنی قل یا ایھا الکفرون سے لیکر مفلحون تک پڑھتے ہیں اور صل

علی نبینا صل علی کریمنا صلّ علی محمد اس ختم کا ایک سلام پڑھتے ہیں اور اس کو اتنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اکثر اوقات فرض نماز بھی قضا کر دیتے ہیں۔
(۲) یہ لوگ تبارک پڑھواتے ہیں اگر کوئی نہیں پڑھتا تو اس کو ذلیل کرتے اور برا بھلا کہتے ہیں۔
(۳) بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس مجلس میں ذکر ہوتا ہو اس میں تمام انبیاء و اولیاء کی ارواح موجود ہوتی ہیں اس لئے اس مجلس میں سے نماز کے لئے بھی اٹھ کر نہیں جانا چاہئیے۔
(جواب ۳۸) (۱) ختم کا یہ طریقہ مسنون نہیں ہے اس کو ضروری سمجھنا اور اس کی وجہ سے نماز فرض قضا کر دینا ناجائز ہے اس طریقے کو بند کر دینا چاہئیے(۱)
(۲) تبارک پڑھنے اور پڑھوانے کا طریقہ بھی شریعت سے ثابت نہیں یہ بھی لوگوں کا خود گھڑا ہوا طریقہ ہے اسے بھی ترک کر دینا لازم ہے(۲)
(۳) یہ قول بھی بے اصل ہے تمام انبیاء اور اولیاء کی روحوں کا آنا بے دلیل ہے(۳) اور یہ بات کہ مجلس ذکر میں سے نماز کے لئے بھی اٹھکر نہیں جانا چاہئیے بے دینی ہے فریضہ نماز اللہ تعالیٰ کا فرض کیا ہوا ہے اس کی ادائیگی سے کوئی چیز نہیں روک سکتی نہ اس پر غالب آسکتی ہے(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل دوم اسمائے حسنیٰ وغیرہ

اسم اعظم کے ورد سے حاضرات کا حکم

(سوال) نودونہ (۹۹) اسمائے الٰہی کہ مندرج کلام شریف میں ہیں مثل رحیم کریم، علی وغیرہ میں سے کوئی اسم مبارک لیویں اور اس کی دعوت کریں اور حسب شرائط علم عمل کے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ متقدمین نے ہر اسم الٰہیہ کو باشرائط مزبورہ جدا جدا دعوت کے ساتھ معہ موکلہائے ان اسماء کے قبضہ عمل کا کیا ہے مجاہدات کلیہ اور محنت تامہ اپنے سے باتباع ان متقدمین کے صاحب مذکور عمل اسم الٰہی کا کریں اور موکل اسم کو کہ اثر اسم ہے حاضر کریں کہ جس کا نام حاضرات ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور نیز حاضری موکلہا کے کہ جو اللہ پاک کے نام کے موکل ہیں ان کے توسط سے اکثر دخل آسیب و خارجی

---

(۱) ای وكل جائز ادى الى اعتقاد ذلك كره' (رد المحتار' كتاب الصلاة ۱/ ۳۷۱' ط سعيد)
(۲) وقراة الكافرون الى آخره مع الجمع مكروهة لانها بدعة لم ينقل عن الصحابة ولا عن التابعين' (عالمگيرية' الباب الرابع في الصلوة والتسبيح و قراة القرآن ۵/ ۳۱۷' ط ماجديه كوئته)
(۳) حتی کہ روحوں کے آنے کے اعتقاد رکھنے والے کو فقہاکرام نے کفر کہا ہے " وعن هذا قال علمائنا "من قال ارواح المشائخ حاضرة يكفر" (الفتاوى البزازية على هامش العالمگيرية' الثاني فيما يتعلق بالله تعالى ۶/ ۳۲۶ ط ماجديه كوئته)
(۴) ان الصلوة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا (سورة النساء) و في تفسير الجلالين' كتابا مكتوبا اى مفروضا موقوتا مقدرا وقتها فلا تؤخرعنه (تفسير الجلالين: النساء ۸۶' ط قديمي كتب خانه ' كراچي)

امراض جسم انسانی وغیرہ کے جو بالکل موہومیت سے متعلق ہیں دریافت کا ذریعہ وہ موکلما کئے جا کر افادہ عامہ بسوئے خلائق عامل کا رجوع ہونا اور فیض عام جاری کرنا خلقت کی طرف شریعت پاک کیا حکم نافذ کرتی ہے بینوا توجروا۔

(جواب) (از مولوی محمد وزیر الدین چشتی نظامی سلیمانی) اسمائے صفات الٰہی کی دعوت بوجوہات کلیہ ازروئے شرع شریف کے جائز ہے اس دعوت مین کسی کا اختلاف نہیں ہے بلکہ دلائل کے ساتھ دعوت اسمائے الٰہی کا حکم نافذ ہے اور اللہ پاک زور کے ساتھ اپنے بندوں کو ارشاد فرمارہے ہیں کہ **وللہ الاسماء الحسنی فادعوہ بھا** (وخدائے راست نامہائے نیک پس بخوانید اور باآں نامہا سورہ اعراف ۹) اور منکر دعوت اسمائے الٰہی کا بدلیل نص صریح قطعی کافر ہے اور وہ نصوص صریح یہ ہے **وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ سیجزون ما کانوا یعملون** (۱) (وبگزارید آناں راکہ کجروی می کنند درنامہائے خداداوہ خواہد شد مرایشاں را جزائے آنچہ می کردند - سورہ اعراف) اور مشکوۃ کے عذاب قبر میں لکھا ہے کہ جو کوئی نو دونہ ناموں کا منکر ہووے اس کو قبر میں ننانوے سانپ آویں گے کہ بہت زہردار ہوں گے اور اس کو کھاویں گے۔

از علمائے صوفیہؒ طریق شرائط خواندن اسم اعظم یابدیع العجائب بالخیر یابدیع دریابد ایں مشترک ہم بصفت جلالی وہم بصفت جمالی موصوف است و دعوت اسم مذکور جمیع اولیاء اللہ متقدم و متاخر کردہ اند - چنانچہ حضرت میراں سید محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اللہ سرہ العزیز و حضرت شاہ مدار بدیع الدین و حضرت نور قطب عالم و حضرت شیخ حسام الدین مانک پوری و اکثر خواجگان چشت از تصرف ایں اسم متصرف بودہ اند چنانچہ میر سید علاؤ الدین کنوزی خلیفہ حضرت سلطان نصر الدین محمود چشتی یک رسالہ جدا خاصیت اسم مذکور نوشتہ است کہ علم ہیمیاو ریمیاو سیمیاو کیمیا ہر چہار علم از دعوت اسم مذکور نوشتہ اند و از ارواح انبیاء و اولیاء و شہدا در بیداری ملاقات کنند و صاحب عمل ہر مقامے را کہ خواہد بیند و در ساعت سیر کند و سیر افلاک نیز از اندک توجہ میسر آید - عالم ملکوت و جبروت و لاہوت را معائنہ کند - واللہ اعلم بالصواب و در جواہر خمسہ شیخ محمد غوث گوالیریؒ درجوہر سوم می نویسد عبارۃ ہذا ''ایں دعائے کبیر منزل است بر مہتر آدم علیہ السلام و صحف آدم بزبان ہندی بود دراں ایں دعا مسطور است و از توریت و از صحف ابراہیم علیہ السلام ہم روایت کردہ اند و اکثر انبیائے عظام و اولیائے کرام ایں دعا خواندہ اند و قوم عیسٰی ہنوز بدعوت ایں دعاء عامل اند و حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اسناد ایں دعا بے نہایت فرمودہ اند و بعضے مشائخ نیز گفتہ اند کہ ایں دعا را مقید باسناد بکنند بہر نیتے کہ خواند مستجاب گردد دریں دعا الفاظ گوناگوں افتادہ اند زیرا کہ بہر لسانے آدم علیہ السلام سخن کردہ اند حق تعالیٰ ایشاں را اسمائے الٰہی وکونی معلوم کردہ بود

---

(۱) الاعراف : ۱۸

کقوله تعالی وعلم آدم الا سماء کلها(۱) شاہد بر آنست دعائے کبیر این است **یاحی حین لا حی فی دعوة ملکه و بقائه یا حی اوام هوام** (تمن نسرین پرین رائی پرم ہنسا اونک بانک رہنک پرنگ سرنگ انگک اءنک نمو۔ بلکہ بعض اسمائے فرقان شریف کے علاوہ صحیفہ آدم علیہ السلام نازل ہوئے ان کے دعوت بھی ہمارے اولیاء اللہ و مشائخ عظام نے بہت کچھ کئے ہیں بلکہ تعلیم و تلقین دعوت اسماء الٰہی کا سلسلہ ہمیشہ تا قیام جاری رکھا گیا ہے کیونکہ آدم علیہ السلام ابو البشر کو تمام اسم تعلیم ہوئے ہیں ہر اقلیم کی زبان میں ان اسموں کی دعوت آدم علیہ السلام نے کی اور اولاد میں بھی دعوت اسماء کا سلسلہ جاری ہوا۔ **الولد سر لابیه** جس نبی علیہ السلام نے جس اسم کو لیا اور اپنے عمل میں لانا چاہا مع موکل اس کی دعوت کے وہی اسم ان کے لئے اسم اعظم بن گیا اللہ پاک کے تمام ہی نام اسم اعظم ہیں و علی ہذا امت محمد رسول اللہ ﷺ میں اولیاء اللہ و مشائخ متقدمین و متاخرین اسی طرح تمام دعوت کرتے رہے ہیں اور اسم اعظم وہی اسم ان کے حق میں ہوا عمل دو طرح ہیں ایک ورد اور ایک عمل ورد وہ ہے جو تبرکاً پڑھا جاوے عمل وہ ہے کہ باموکل ترک حیوانات کے ساتھ واسطے حاضری موکلہا کے پڑھا جاوے اگر با موکل پڑھا گیا اور اثر ظاہر ہوا یعنی موکل حاضر ہوئے اسم اعظم ہو گیا واللہ اعلم بالصواب۔ فقیر محمد وزیر الدین چشتی النظامی السلیمانی

(جواب ۳۹) (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہو المصوب خدا تعالیٰ و تقدس کے اسماء بطور ورد کے پڑھنا اور ان کے ذریعے سے خدائے تعالیٰ کو اپنی دعا میں پکارنا شریعت مقدسہ میں ثابت اور محمود و مستحسن ہے(۲) باقی رہا بطور عمل کے پڑھنا اور موکلوں کو تابع یا حاضر کرنا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس طریقہ عمل اور قواعد دعوت میں کوئی بات قوانین شرعیہ کے خلاف نہ ہو تو حد جواز و اباحت میں داخل ہے اور اگر اس میں کوئی بات خلاف شریعت یا اس دعوت سے غرض کوئی بری بات ہو تو قطعاً ناجائز ہوگا۔

اور جواب مذکور بچند وجوہ مخدوش ہے اول تو جواز دعوت پر آیہ کریمہ **فادعوه بها** سے استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس میں فقط یہ حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ پکارو نہ کہ اور گھڑے ہوئے ناموں کے ساتھ اور نہ اس کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ پکارنے کو برا سمجھو آیت میں یہ مراد نہیں کہ دعوت اصطلاحی اسماء کی ادا کرو کیونکہ یہ دعوت جس کو عامل اپنی اصطلاح میں دعوت کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ اور اصحاب کرامؓ سے ثابت نہیں **و من ادعی فعلیه البیان** پس اس دعوت اصطلاحیہ کے منکر کو کافر کہنا سخت جرأت ہے اور کافر کہنے والے کے ایمان کی خیر نہیں(۳) اور جواہر خمسہ

---

(۱) (البقرة: ۳۱)

(۲) و فی التتار خانیه معزیاً للملتقی عن ابی یوسف عن ابی حنیفه لا ینبغی ان یدعو الله الابه' والدعاء الماذون فیه الما موربه ما استفید من قوله تعالیٰ' ولله اسماء الحسنی فادعوه بها (الدر المختار ، قال المحقق فی الشامیة (قوله به) ای بذاته و صفاته و اسمائه (کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع ۳۹۶/۶' ط سعید)

(۳) وعذر الشاتم " فیا کافر" وهل یکفر؟ ان اعتقد المسلم کافراً نعم (تنویر وشرحه) قال المحقق فی الشامیة' قوله " ان اعتقد المسلم کافراً نعم" ای یکفر ان اعتقده کافر لا بسبب مکفر (باب التعزیر ۶۹/۴' ط سعید)

اور اس قسم کی اور اعمال کی کتابیں اس بارے میں حجت نہیں ہیں اور نہ ان کے مضامین فتوے میں بطور دلیل پیش کئے جاسکتے ہیں اور عالموں اور صوفیہ کے اقوال شرعاً دلیل نہیں ہیں (۱) پس سوال مذکور کا جواب وہی ہے جو اوپر بندہ نے تحریر کیا ہے۔ واللہ اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

فصل سوم ۔ توسل

آیت ”وابتغوا الیہ الوسیلۃ“ میں وسیلہ سے کیا مراد ہے؟

(سوال) یا ایھا الذین آمنوا اتقو اللہ وابتغو الیہ الوسیلۃ الخ (۲) زید کہتا ہے کہ اس آیت میں جو وسیلہ کا لفظ آیا ہے اس سے اولیاء اللہ مراد ہیں یعنی اولیاء اللہ کو وسیلہ بناؤ نیز حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ کی مترجم حمائل کے ص ۸۳ پارہ ششم سورہ مائدہ رکوع ٦ کے حاشیہ میں یہ عبارت مندرج ہے۔ ”حضرت ابن عباسؓ نے کہا مراد وسیلہ سے قربت ہے یہی قول مجاہدؒ اور بہت سے مفسرین کا ہے قتادہؒ نے کہا یعنی تقرب حاصل کرو اللہ کا اطاعت کر کے اور عمل پسندیدہ بجالا کے بعض جاہل لوگوں نے لفظ وسیلہ کو اس جگہ پیری مریدی پر اتارا ہے یہ تفسیر حقیقت میں مجرد رائے کے ساتھ کی ہے حدیث شریف میں آیا ہے ۔ جس شخص نے قرآن شریف کی تفسیر اپنی رائے کے ساتھ کی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنالے (ابن کثیر و فتح)“ (۳)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ حمائل شریف کی یہ عبارت صحیح ہے یا زید کا قول؟

(جواب ۰ ٤) آیہ کریمہ میں وسیلہ سے مراد اعمال صالحہ یا قرآن پاک پر عمل کرنا ہے (۴) اور اگر نبی یا ولی بھی مراد ہوں تو ان کی اطاعت اور فرمان برداری امور شرعیہ میں مراد ہوگی نہ ان کی ذات اور شخصیت ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

---

(۱) ولا یخفی ان مبنی الاعتقاد ولا یکون الا علی الادلۃ الیقینیۃ ٗ و مثل ھذا المعنی الذی اساسہ علی ذلک المبنی لا یصلح ان یکون من الا دلۃ الظنیۃ ولذا لم یعتبر احد من الفقھا ء جواز العمل فی الفروع الفقھیۃ بما یظھر للصوفیۃ من الامور الکشفیۃ او الحالات المنامیۃ (مرقاۃ المصابیح ٗ باب اشراط الساعۃ ٗ ۱/۱۷۹–۱۸۰ ط امدادیۃ ملتان)

(۲) المائدۃ : ۳۵

(۳) واما التفسیر بمجرد الرای فحرام لما رواہ محمد بن حریر ٗ عن ابن عباس عن النبی ﷺ من قال فی القرآن برایہ او بمالم یعلم فلیتبوا مقعدہ من النار (مقدمہ تفسیر ابن کثیر ۱/۵ ط سھیل اکیڈمی ٗ لاھور)

(٤) قال فی روح المعانی : ”الوسیلہ“ فعلیۃ بمعنی ما یتوسل بہ و یتقرب الی اللہ عزو جل من فعل الطاعات و ترک المعاصی الخ (المائدۃ ۳۵ ٗ ۵/۱۸۲ ٗ ط دار الفکر بیروت ٗ لبنان)

توسل بالذات میں اہل السنۃ والجماعت کا مسلک

(سوال) جناب نبی کریم ﷺ و دیگر اکابر امت کے ساتھ دعا میں توسل کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ یعنی حضور ﷺ و دیگر حضرات انبیاء کرام و اولیائے کرامؒ کے توسل سے دعا مانگنا قرون ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں اہل سنت والجماعت و دیگر اکابر امت کا اس مسئلے میں کیا مسلک رہا ہے - المستفتی نمبر ۵۰۰ مولانا محمود احمد صدیقی حسن پور - ۲۲ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ ۲۵ جون ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۱) توسل بالصالحین کے مسئلے میں اختلاف ہے بعض علماء منع کرتے ہیں لیکن اکثر جواز کے قائل ہیں قائلین بالجواز کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حق تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ وہ فلاں اپنے مقرب و مقبول بندے کی برکت سے یا اپنے عباد مقبولین مقربین کی برکت سے میری دعا قبول فرمائے تو اس میں مضائقہ نہیں ہے(۱) اللهم انی اتوجه الیك بنبیك نبی الرحمة الخ (۲) حدیث میں موجود مذکور ہے جو جواز کے لئے دلیل ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بزرگان دین کے وسیلے کے بغیر بھی دعا قبول ہوتی ہے !

(سوال) عمر کہتا ہے کہ جسطرح دنیا میں کسی شخص کو بغیر وسیلہ امیر وزیر کے بادشاہ تک رسائی نہیں ہو سکتی' ٹھیک اسی طرح بغیر بزرگان دین کا وسیلہ پکڑے ہماری دعا درگاہ رب العزۃ میں قبول ہونا تو در کنار وہاں تک پہنچ بھی نہیں سکتی اگر کسی بزرگ کا وسیلہ نہ بھی لیا جائے تو حرج نہیں مگر حضور ﷺ کا وسیلہ لینا تو ضروری ہے آپ کے وسیلے کے بغیر ہماری کوئی مراد پوری نہیں ہو سکتی یعنی یوں دعا مانگنی چاہئے "اے معبود حقیقی مالک دو جہاں اپنے محبوب پاک ﷺ کے صدقے یا طفیل سے میری یہ دعا قبول فرما" بکر جواب دیتا ہے کہ یہ صریح شرک ہے کیونکہ ہمارے نبی ﷺ کے زمانے کے مشرک بھی اپنے معبودوں کو خدا نہیں سمجھتے تھے بلکہ خدا کا مقرب سمجھ کر ان کا وسیلہ لیتے تھے اور اسی فاسد عقیدے کو مٹانے کے لئے خداوند عالم نے حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا البتہ یہ دعا جائز ہے کہ "اے معبود حقیقی مالک دو عالم اپنے محبوب پاک کی برکت سے میری یہ دعا قبول فرما"

براہ کرم تحریر فرمائیں کہ طفیل صدقہ اور برکت میں کیا فرق ہے ؟ دعا میں اگر لفظ طفیل یا صدقہ استعمال کیا جائے تو شرک ہو جاتا ہے اور اگر برکت کہا جائے تو جائز ہو جاتی ہے کیا ان کے معنی میں کچھ فرق ہے ؟ المستفتی نمبر ۵۴۴ فقیر احمد (سنگرور) ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء

---

(۱) او یراد بالحق الحرمة والعظمة' فیکون من باب الوسیلة وقد قال تعالیٰ وابتغوا الیه الوسیلة' وقد عد من آداب الدعاء التوسل(رد المحتار ' باب الاستبراء' وغیره ۶/ ۳۹۷' ط سعید)

(۲) عن عثمان بن حنیف' ان رجلا ضریر البصر اتی النبی ﷺ فقال..... یدعو بهذا الدعا اللهم انی اسئلك وأ توجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة (جامع الترمذی ' باب ماجاء فی دعاء النبی ﷺ و تعوذه فی دبر کل صلوة ۲/ ۱۹۸' ط سعید)

(جواب ۴۲) بکر کا جواب صحیح ہے حضرت حق کی جناب مقدس میں کسی واسطے اور وسیلے کی ضرورت نہیں ہے دعا میں وہی الفاظ جو بکر کے بیان میں ہیں کہے جائیں یا لفظ وسیلہ کہا جائے اور اس سے وہی مطلب مراد ہو تو جائز ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

"بحق النبی و آلہ الامجاد" سے دعا کا حکم

(سوال) اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے اور یہ کہے کہ بحق النبی و آلہ الامجاد کیا یہ جائز ہے ؟
المستفتی نمبر ۷۹۵ مولوی عبدالحلیم (پشاور) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء
(جواب ۴۳) بحق النبی و آله الامجاد کہنا منع ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مدد طلب کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول کا نام شریک کرنا جائز نہیں

(سوال) عوام الناس میں مشہور ہے کہ حاجت اور ضرورت مصیبت کے وقت اللہ و رسول ﷺ کی مدد مانگتے ہیں اور اللہ و محمد کی مدد یا اللہ و رسول ﷺ کی مدد یا یوں کہتے ہیں یا اللہ و رسول ﷺ مدد کر یا یوں کہتے ہیں یا اللہ و یا رسول اللہ ﷺ مدد کر سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے مدد مانگنا الفاظ مذکورہ سے یا اس کے ہم معنی الفاظ سے جائز ہے یا نہیں جو شق اختیار کی جائے مدلل بیان ہو در صورت عدم جواز امداد الفاظ مذکورہ کے ساتھ چاہنے والے اور مانگنے والے کا حکم کیا ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۱۴۲ مولوی محمد صدیق صاحب مدرس مدرسہ صدیقیہ (پھاٹک حبش خاں' دہلی)

(جواب ۴۴) ہر حاجت اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ سے مدد مانگنے والے کا اگر قصد یہ ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر شخص کی دعا اور درخواست کو سنتا ہے اور جانتا ہے' اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی سنتے اور جانتے ہیں اور جس طرح اللہ تعالیٰ ہر حاجت کو رفع اور ہر مصیبت کو دفع کرنے پر قادر ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی ہر حاجت کو رفع اور ہر مصیبت کو دفع کرنے پر قادر ہیں اور اس قصد اور اس خیال سے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ناموں کو استمداد و استعانت کے وقت جمع کرتا ہے تو یہ کھلی ہوئی بد عقیدگی اور اسلامی تعلیم کی مخالفت ہے(۳) اسلامی تعلیم یہ ہے کہ جو خود آنحضرت ﷺ سے ترمذی شریف میں مروی ہے اذا سالت فاسئل الله و اذا استعنت فاستعن بالله

---

(۱) و يكره ان يقول في دعائه بحق فلان او بحق انبيائك و رسلك' لانه لا حق للمخلوق على الخالق (تنوير و شرحه) قال المحقق في الشاميه (قوله لانه لاحق للمخلوق على الخالق) قد يقال انه لا حق لهم وجوبا على الله تعالى (كتاب الحظر والاباحة' فصل في البيع' ٦/٣٩٧ ط سعيد)

(۲) حواله بالا

(۳) والثاني انه دعاه وناداه (اى الرسول ﷺ بالتضرع و اظهار الفاقة' والا ضطرار اليه' وسال منه هذه المطالب التي لا تطلب الامن الله' وذلك هو الشرك في الا لهية (تفسير العزيز الحميد في شرح كتاب التوحيد باب من الشرك ان يستغيث بغير الله ص ١٨٧ ط المكتبة السلفيه)

(۱) (او کما قال) یعنی حضور انور ﷺ کا ارشاد اور حکم ہے کہ جب کچھ مانگے تو اللہ سے مانگ اور جب مدد طلب کرے تو اللہ سے مدد طلب کر اس تعلیم اور اس حکم کے موافق مسلمانوں کو مدد طلب کرتے وقت صرف حضرت حق کا نام لینا چاہئے رسول اللہ ﷺ کا نام شریک کرنا درست نہیں - فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نقشہ نعل مبارک مسجد میں لگا کر نماز کے بعد اسے بوسہ دینا اور مصافحہ کرنا جائز نہیں

(سوال) مسجد کے ایک امام صاحب نے محراب پر ایک چھپا ہوا نقشہ نعلین کا لگا رکھا ہے اور وہ اس کو حضور پاک کی نعلین مبارک کی صورت قرار دیکر ہر نماز پڑھانے کے بعد اس پر ہاتھ پھیر کر اور آنکھوں سے لگا کر اس کو بوسہ دیتے ہیں اور تمام مقتدیوں کو مسجد میں وہ اپنے اس نئے فعل کی اور مصافحے کی ترغیب دیتے ہیں اور ان سے کراتے ہیں آیا یہ ایسا عمل شریعت میں درست ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۴۰۶ حافظ محمد رحیم بخش صاحب 'لال دروازہ متھرا ۷ صفر ۱۳۵۶ھ ۱۹ اپریل ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٥) آنحضرت ﷺ کے نعل مبارک کا نقشہ کسی کے پاس ہو اور وہ براہ محبت اس کو بوسہ دے تو مضائقہ نہیں (۲) لیکن اس کو کسی جگہ لگا کر لوگوں کو ہدایت کرنا کہ وہ اس پر ہاتھ پھیریں اور بوسہ دیں یہ جائز نہیں کہ اس میں ایک رسم پڑ جانے اور تعظیم میں غلو پیدا ہونے سے ایک بدعت قائم ہو جائے گی - (۳) اور نماز کے بعد خصوصیت سے مصافحہ کرنا بھی جائز نہیں ہے (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

حضور اکرم ﷺ سے کسی حاجت کے لئے دعا مانگنا جائز نہیں !

(سوال) کیا حضور ﷺ سے کسی مقصد کی استدعا کرنا جائز ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۵۶۴ جناب سید عبدالمعبود صاحب (ضلع بدایون) ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۴ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٦) حضور اکرم ﷺ سے کسی مقصد کی استدعا کرنا صحیح نہیں دعا اور سوال سب اللہ تعالیٰ سے ہونے چاہئیں خود آنحضرت ﷺ نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے فرماتے ہیں اذا سالت فاسئل اللہ واذا

---

(۱) جامع الترمذی' باب ۲/ ۷۸ ط سعید

(۲) فی هذه الاحادیث ' التبرك بآثار الصالحین و بیان ما کانت الصحابة علیه من التبرك بآثاره' و تبرکهم بادخال یده الکریمه فی آنیتهم و تبرکهم بشعره الکریم (شرح النووی مع الصحیح لمسلم: باب قربه ﷺ من الناس و تبرکهم به ۲/ ۲۵٦ ط قدیمی کتب خانه کراچی)

(۳) ثم قال فی النهر عن المعراج واما ما یفعل عقب الصلوة من السجدة فمکروه اجماعاً لان الناس یعتقدون انها واجب او سنة - ای و کل جائز ادی الی اعتقاد ذلك کره (رد المحتار - کتاب الصلاة ۱/ ۳۷۱ ط سعید)

(٤) وقد صرح بعض علمائنا و غیر هم : بکراهة المصافحة المعتاده عقب الصلوة مع ان المصافحة سنة وما ذاك - الا لکونها لم تؤ ثر فی خصوص هذا الموضع (رد المحتار ' مطلب فی دفن المیت ۲/ ۲۳۵ ط سعید)

استعنت فاستعن بالله(۱) کہ جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کرو اور جب مدد چاہے تو اللہ سے مدد مانگ اس پر عمل کرنا۔ امتی کو لازم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حضور اکرم ﷺ کے نام کے ساتھ لفظ "یا" کا حکم!

(سوال) اکثر علما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے نام کے آگے یا کا حرف لگا سکتے ہیں اور کسی کے نام کے آگے نہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے نام کے آگے یا کا حرف لگایا گیا تو غوث پاک ان کی اولاد میں سے ہیں اگر یا غوث کر کے یاد کیا یا پکارا تو کیا حرج ہے۔ المستفتی نمبر ۲۳۱۸ اے سی منصوری (بمبئی) ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۵ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۷) آنحضرت ﷺ کے نام کے ساتھ بھی یا لگانا جائز نہیں ہاں درود شریف میں صلی اللہ علیک یا رسول اللہ کہنا جائز ہے وہ بھی اس خیال سے کہ فرشتے یہ درود حضور ﷺ کو پہنچا دیں گے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱تا۴) نقشہ نعل مبارک سے توسل و تبرک اور اس کو شائع کرنے کا حکم
(۵) نام سے پہلے خادم دربار محمدی لکھ دینا کیسا ہے؟
(۶) بلا علم کسی بات کا اعتقاد رکھنا صحیح نہیں

(سوال) استفتاء ہذا کی پشت پر رسول کریم ﷺ کے نعل مبارک کا نقشہ ہے اور اسی کے ساتھ نعل مبارک کے بعض آثار و خواص اور اس کی تعریف میں بعض بزرگوں کے اشعار اور اس نعل مبارک کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے حاجات طلب کرنے کا طریقہ بھی تحریر ہے زید نے یہ نقشہ نعل مبارک مع امور بالا حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کی کتاب زاد السعید سے ملحقہ رسالہ نیل الشفا بنعل المصطفے سے نقل کر کے طبع کرایا اور مسلمانوں کے مجمع میں اس لئے تقسیم کیا تاکہ وہ اس کی برکات سے بہرہ اندوز ہوں حضرات اکابر تحریر فرمائیں کہ کیا (۱) زید کا یہ فعل ناجائز ہے (۲) اس کے آثار و خواص میں جن برکات کے ظہور کا ذکر ہے ان کا اعتقاد ناجائز ہے (۳) اس نقشہ مبارک کو باعث برکت سمجھنا جائز ہے (۴) اس نقشہ مبارک کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا جائز ہے (۵) زید جو ایک مسجد میں امام ہے اس نے اس نقشہ کو طبع کرا کے اپنے نام سے پہلے خادم دربار محمدی لکھ دیا کیا یہ لکھنا ناجائز ہے (۶) زید نے صبح کو یہ مبارک نقشے مسلمانوں میں تقسیم کئے دوسرے دن صبح کو زید کی کمر میں

---

(۱) جامع الترمذی : باب ۲/۷۸ ط سعید)

(۲) اور حاضر و ناظر سمجھ کر استعانت و استمداد کے لئے کہنا شرک ہے۔ الثاني انه دعاه و ناداه (الرسول ﷺ بالتصریح ولہ ظهار الفاقة والاضطرار اليه و سال منه هذه المطالب التي لا تطلب الا من الله وذلك هو الشرك في الالهية (تفسير العزيز الحميد شرح كتاب التوحيد باب من الشرك ان يستغيث بغير الله ص ۱۸۷ ط المكتبة السلفيه)

کپڑے وغیرہ اتار کر ٹھنڈی ہوامیں لیٹنے کی وجہ سے درد ہو گیا اس پر ایک شخص نے زید سے کہا کہ تم نے یہ نقشہ طبع کرا کے تقسیم کیا تھا اس وجہ سے تمہارے سر اور کمر میں درد ہو گیا اور تم دو دن ترجمہ نہ کر سکے کیا اس شخص کا یہ قول صحیح ہے ؟ اگر غلط ہے تو اس شخص کا شرعاً کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا

المستفتی نمبر ۱۵۵۷ مولوی محمد یوسف صاحب امام مسجد حوض والی محلّہ چوڑی والان دہلی مورخہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۸۴) آنحضرت ﷺ کے آثار متبرکہ طیبہ سے برکت حاصل کرنا تو علماء متقدمین اور صحابہؓ اور تابعینؒ سے ثابت ہے(۱) لیکن آثار واشیاء متبرکہ سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں کے متعلق یہ بات ثابت ہو کہ وہ حضور ﷺ کی استعمال کی ہوئی اشیاء (مثل جبہ مبارک یا قمیص مبارک یا نعل مبارک) یا حضور کے جسم اطہر کے اجزاء (مثل موئے مبارک) یا حضور کے جسم اطہر کے ساتھ مس کی ہوئی چیزیں ہیں (مثل اس خاص پتھر کے جس پر قدم مبارک رکھنے سے نشان قدم بن گیا ہو) لیکن ان میں سے کسی چیز کی تصویر بنا کر اس سے برکت حاصل کرنے کا معتمد اہل علم وارباب تحقیق سے ثبوت نہیں(۲)

اگر تصویر سے تبرک حاصل کرنا بھی صحیح ہو تو پھر نعل مبارک کی کوئی تخصیص نہ ہو گی بلکہ جبہ مبارک ' قمیص شریف ' موئے مبارک اور قدم شریف کی کاغذ پر تصویر بنانے اور ان سے تبرک و توسل کرنے کا حکم اور نقشہ نعل مبارک سے تبرک و توسل کا حکم ایک ہو گا اور ایک ماہر بالشریعۃ اور ماہر نفسیات اہل زمانہ اس کے نتائج سے بے خبر نہیں رہ سکتا جن بزرگوں نے نعل مبارک کے نقش کو سر پر رکھا بوسہ دیا اس سے توسل کیا وہ ان کے وجدانی اور انتہائے محبت بالنبی ﷺ کے اضطراری افعال ہیں ان کو تعمیم حکم اور تشریع للناس کے موقع پر استعمال کرنا صحیح نہیں۔(۳)

نیز اس امر کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ نعل مبارک کا یہ نقشہ فی الحقیقت حضور ﷺ کے نعل

---

(۱) عن انس بن مالک قال کان رسول اللہ ﷺ اذا صلی الغداۃ جاء خدم المدینۃ بآنیتھم فیھا الماء فما یؤتی باناء الا غمس یدہ فیھا- و عنہ قال لقدرأیت رسول اللہ ﷺ والحلاق یحلقہ واطاف اصحابہ فما یریدون ان تقع شعرۃ الا فی یدرجل (صحیح الامام مسلم) قال النووی فی شرحہ فی ھذہ الاحادیث - التبرک بآثار الصالحین و بیان ماکانت الصحابۃ علیہ من التبرک بآثارہ و تبرکھم بادخال یدہ الکریمۃ فی الآنیۃ و تبرکھم بشعرہ الکریم (باب قربہ ﷺ من الناس و تبرکھم بہ ۲/۲۵۶ ' ط قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۲) عن ابی الحوراء السعدۃ قال : " قلت لحسن بن علی ": ما حفظت من رسول اللہ ﷺ ؟ قال : حفظت من رسول اللہ ﷺ " دع ما یریبک الی مالا یریبک (الحدیث) (ترمذی : قبیل ابواب صفۃ الجنۃ ۲/۷۸' ط سعید)

وفی المرقاۃ: " والمعنی اترک ما تشک فیہ من الاقوال والا عمال انہ منھی عنہ اولا او سنۃ او بدعۃ واعدل الی مالا تشک فیہ منھما' والمقصود ان یبنی المکلف امرہ علی الیقین البحث والتحقیق والصرف و یکون علی بصیرۃ فی دینہ (کتاب البیوع' باب الکسب وطلب الحلال' ۶/۴۳' ط امدادیہ' ملتان)

(۳) ولا یخفی ان مبنی الا عتقاد لا یکون الا علی الا دلۃ الیقینیۃ و مثل ھذا المعنی الذی اساسہ علی ذلک المبنی لا یصلح ان یکون من الادلۃ الظنیۃ' ولذالم یعتبر احد من الفقھاء جواز العمل فی الفروع الفقھیۃ بما یظھر للصوفیہ من الامور الکشفیہ او من الحالات المنامیۃ (مرقاۃ المفاتیح' شرح مشکوٰۃ المصابیح :باب اشراط الساعۃ" الفصل الثانی ۱۰/۱۷۹-۱۸۰ ' ط امدادیہ' ملتان)

مبارک کی صحیح تصویر ہے یعنی حضور ﷺ کے نعل مبارک کے درمیانی پٹھے (شراک) کے وسط میں اور آگے کے تسموں (قبالین) پر ایسے ہی پھول اور نقش و نگار بنے تھے جیسے اس نقشے میں بنے ہوئے ہیں اور بلا ثبوت صورت وہیئت کے حضور ﷺ کی طرف نسبت کرنا بہت خوفناک امر ہے اندیشہ ہے کہ من کذب علی متعمداً الخ (۱) کے مفہوم کے عموم میں شامل نہ ہو جائے کیونکہ اس ہیئت کے ساتھ اس کو مثال نعل مصطفیٰ قرار دینے کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ اس کو مثال قرار دینے والا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضور ﷺ نے ایسی نعل مبارک استعمال کی تھی جس کے پٹھوں اور اگلے تسموں پر اس قسم کے پھول بنے تھے اور اس طرح کے نقش و نگار بھی تھے۔

پھر یہ سوال بھی پیدا ہوگا کہ یہ نقش و نگار ریشم سے بنائے گئے تھے یا کلابتوں اور زری کے تھے یا محض ٹھپہ تھا اور ان تمام امور میں سے کسی ایک کا بھی ثبوت مہیا نہ ہوگا اور اختلاف اہواء سے مختلف حکم لگائے جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال تصویر کو اصل کا منصب دینا اور اس کے ساتھ اصل کا معاملہ کرنا احکام شرعیہ سے ثابت نہیں اگر حضور ﷺ کی نعل مبارک جو حضور ﷺ کے قدم مبارک سے مس کر چکی ہو کسی کو مل جائے تو زہے سعادت اس کو بوسہ دینا سر پر رکھنا سب صحیح مگر نعل کی تصویر اور وہ بھی ایسی تصویر جس کی اصل سے مطابقت کی بھی کوئی دلیل نہیں' اصل نعل مبارک کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

سوال نمبر ۱ سے ۴ تک کا تو یہ جواب ہو گیا' نمبر ۵ کا جواب یہ ہے کہ کسی شخص کا اپنے متعلق خادم دربار محمدی لکھ دینا ناجائز نہیں ہے اور نمبر ۶ کا جواب یہ ہے کہ جو شخص سر اور کمر کے درد کو اس پرچہ کی اشاعت کا نتیجہ ہونے کا اعتقاد رکھے وہ بھی غلطی کرتا ہے اور لا تقف ما لیس لک بہ علم (۲) کے تحت اس کو ایسا حکم لگانے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

معروف نقشہ کیا حضور ﷺ کے نعل ہی کا نقشہ ہے؟ اس کو بوسہ دینا کیسا ہے؟

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نقشہ معہ ہدایت شائع ہوا ہے جس میں شان کف پائے مبارک کا نقشہ دیا گیا ہے یہ نقشہ جو شائع کیا گیا ہے حضور ﷺ کے نعلین شریف کا درست نقشہ ہے کیا اس کی اصل احادیث شریف یا اقوال خلفائے راشدین سے ثابت ہے دوسرے مشتہر نے یہ بھی تحریر کیا کہ بتوسل نعلین شریف دعا کرنا چاہئے یہ نقشہ معہ تحریر ارسال ہے لہذا شرع شریف میں اس نقشہ کو بوسہ دینا سر پر رکھنا اس کے توسل سے اپنی حاجت طلب کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۶۸ انوار احمد صاحب (دریبہ کلاں دہلی - مورخہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۵

---

(۱) صحیح الامام مسلم : باب تغليظ الكذب على رسول الله ﷺ ۱/۷' ط قديمي كتب خانه ' كراچی
(۲) بنی اسرائیل : ۳۶

جولائی ۱۹۳۰ء)

(جواب ٤٩) اگر آنحضرت ﷺ کی استعمال کی ہوئی نعل شریف کسی کو مل جائے تو زہے سعادت اور فرط محبت سے اس کو بوسہ دینا سر پر اٹھالینا بھی موجب سعادت ہے(۱) مگر یہ تو اصل نعل نہیں اس کی تصویر ہے اور یہ بھی متیقن نہیں کہ یہ تصویر اصل کے مطابق ہے یا نہیں اور تصویر کے ساتھ اصل شے کا معاملہ کرنا شریعت میں معہود نہیں ورنہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پائے مبارک موئے مبارک اور قمیص مبارک' جبہ مبارک کی تصویریں بھی بنائی جاسکتی ہیں اور اگر ان میں بھی اصل کی مطابقت کے ثبوت سے قطع نظر کرلی جائے تو پھر آج ہی بیشمار تصویریں بن جائیں گی اور ایک فتنۂ عظیمہ کا دروازہ کھل جائے گا (۲) جن بزرگوں نے اس تصویر کے ساتھ محبت کا معاملہ کیا وہ ان کے والہانہ جذبات محبت کا نتیجہ تھا مگر دستور العمل قرار دینے کے لئے حجت نہیں ہو سکتا۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

خط و کتابت
(ماخوذ از رسالہ اتمام المقال)

(سوال) مذکورہ بالا دو فتوؤں کے بعد بھی حضرت مفتی صاحب قبلہ کی خدمت میں مختلف اشخاص کی طرف سے سوالات آئے اور بعض مخلصین نے حاضر خدمت ہو کر موافق و مخالف اپنے خیالات کا اظہار کیا اور مسلمانوں میں اس مسئلہ کے متعلق اختلاف ہونے لگا۔

حضرت مفتی صاحب نے دیکھا کہ اختلاف و شقاق بین المسلمین کا ایک نیا دروازہ کھل رہا ہے اگر

---

(۱) عن انس بن مالک قال : قال رسول اللہ ﷺ اذا صلی الغداۃ جاء خدم المدینۃ بآنیتھم فیھا الماء' فما یؤتی باناء الا غمس یدہ فیھا – و عنہ لقدر ایت رسول اللہ ﷺ والحلاق یحلقہ واطاف بہ اصحابہ' فمایریدون ان تقع شعرۃ الا فی ید رجل (صحیح الامام مسلم) قال النووی فی شرحہ فی ھذہ الاحادیث- التبرک بآثار الصالحین و بیان ماکانت الصحابۃ علیہ من التبرک بآثارہ و تبرکھم بادخال یدہ الکریمہ فی الآنیۃ و تبرکھم شعرہ الکریم(باب قربہ ﷺ من الناس و تبرکھم بہ ۲/ ۲۵٦ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)

(۲) عن الحسن بن علی قال حفظتک من رسول اللہ ﷺ دع مایریبک الی مالا یریبک (جامع الترمذی : قبیل ابواب صفۃ الجنۃ ۲/ ۷۸ ط سعید) وفی المرقاۃ: والمعنی اترک ما تشک فیہ من الاقوال والاعمال انہ منھی عنہ اولا ارمنۃ او بدعۃ' واعدل الی لا تشک فیہ منھما والمقصود ان یبنی المکلف امرہ علی الیقین البحث والتحقیق الصرف و یکون علی بصیرہ فی دینہ (مرقاۃ: کتاب البیوع' باب الکسب وطلب الحلال ٦/ ٤۳' ط امدادیہ ملتان)

(۳) ولا یخفی ان مبنی الا عتقاد لا یکون الا علی الا دلۃ الیقینیۃ و مثل ھذا المعنی الذی اساسہ علی ذلک المبنی لا یصلح ان یکون من الادلۃ الظنیۃ؟ ولذالم یعتبر احد من الفقھاء جواز العمل فی الفروع الفقھیۃ بما یظھر للصوفیہ من الامور الکشفیہ او من الحالات المنامیۃ (مرقاۃ المفاتیح' شرح مشکوۃ المصابیح: باب اشراط الساعۃ" الفصل الثانی ۱۰/ ۱۷۹–۱۸۰ ' ط امدادیہ' ملتان)

ممکن ہو تو اسی وقت اس کا تدارک کر لیا جائے چنانچہ حضرت ممدوح نے اپنے دونوں جواب حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی صاحب مد ظلہم کی خدمت میں ایک مکتوب کے ساتھ روانہ کر دیئے افسوس کہ اس مکتوب کی نقل مفتی صاحب نے نہیں رکھی تھی (غالباً حضرت حکیم الامتہ مد ظلہم العالی کے یہاں محفوظ ہوگی) مگر اس کا خلاصہ مضمون یہ تھا :-

خلاصہ مضمون مکتوب مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مد ظلہ

بخدمت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب دام فیضہم

حضرت محترم دام فیوضکم السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ یہاں اپنی جماعت کے ایک اچھے مستعد عالم نے یہ نقشہ جو ارسال خدمت ہے چھپوا کر شائع کیا لوگوں میں اس کی اشاعت سے کچھ اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور اس کے جواز و عدم جواز کے متعلق سوالات ہو رہے ہیں میرے پاس بھی دو سوال آچکے ہیں میں نے جو جواب تحریر کئے ہیں وہ ملاحظہ اقدس کے لئے ملفوف ہذا ہیں براہ کرم ملاحظہ کے بعد رائے عالی سے مطلع کر کے ممنون فرمائیں اگر جواب درست نہ ہونے کا مجھے اطمینان ہو جائے گا تو میں بلا تکلف رجوع کرلوں گا یہ عرض کر دینا مناسب ہے کہ رسالہ نیل الشفا میں نے مطالعہ کیا ہے وہ میرے لئے موجب اطمینان نہیں ہوا - والسلام - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

مفتی صاحب کے خط کے جواب میں حضرت مولانا تھانوی کا جو گرامی نامہ آیا اس کی نقل یہ ہے

ارشاد نامہ حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی صاحب مد ظلہم

جواب مکتوب مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دامت فیوضہم

تصحیح الجواب وتوثیقه من الاحقر الافقر اشرف علی عفی عنه

بعد الحمد والصلوٰۃ احقر نے دونوں جواب پڑھے جو بالکل حق ہیں اور صحت معنی کے ساتھ اسلوب(۱) کلام میں ادب کی رعایت خاص طور پر قابل داد ہے جس کی ایسے نازک مسائل میں سخت ضرورت ہے اب ان کے مضامین کے متعلق بغرض توضیح بعض ضروری معروضات پیش کرتا ہوں -

نمبر ۱- بدلائل ثابت ہو چکا کہ یہ اعمال(۲) شرعیہ نہیں اور ایسے اعمال کے لئے جن کا منشا حب و شوق طبعی وادب ہو مستقل دلیل کی حاجت نہیں خلاف دلیل نہ ہونا کافی ہے **کما قال عثمانؓ ولا مسست ذکری بیمینی منذ بایعت رسول اللہ ﷺ رواہ ابن ماجه**(۳)

---

(۱) هذا مفاد کلامه مدظله و لفظه لفظی ادب

(۲) یدله فی مکتوبه الاخیر با مقاصد الشرعیة

(۳) باب کراهیة مس الذکر بالیمین والاستنجاء بالیمین ' ص ۲۷ ط سعید)

ظاہر ہے کہ یہ رعایت بنابر حکم شرعی نہیں ورنہ ثوب نجس کا دلک یا عصر بھی یمین سے جائز نہ ہوتا۔

نمبر ۲- جب ان اعمال کی بنا ادب و حب و شوق طبعی ہے اور بعض اوقات صرف تشاکل و تشابہ بھی منشا ان جذبات کا ہو جاتا ہے تو وہاں بھی اجازت دی جائے گی۔ **كما في فتاوى العلامة عبدالحي صفحه ۳۲۲- نقل عياض عن احمد بن فضلويه الزاهدالغازی قوله ما مسست القوس بيدى الا على طهارة منذ بلغني ان رسول الله ﷺ اخذ القوس بيده** - ظاہر ہے کہ مبنی اس کا جز دونوں قوس کے تشابہ کے اور کیا تھا پھر تشابہ و تشاکل عام ہے ناقص ہو یا تام اور کسی عین کا ہو یا تمثال کا چنانچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے تصویر روضہ منورہ و نقشہ مدینہ منورہ و مکہ مکرمہ واقعہ دلائل الخیرات کے باب میں جواب دیا ہے کہ بوسہ دادن و چشم مالیدن بریں نقشہ ہا ثابت نیست و اگر از غایت شوق سرزد ملامت و عتاب ہم بر جانباشد اھ من الفتاوی الامدادیہ جلد ثالث ص ۱۴۰ اور نعل شریف کی تمثال اگر پوری مطابق بھی نہ ہو مگر کسی درجہ میں تو مشابہ ضرور ہے جیسا روضہ شریفہ کا نقشہ واقعہ دلائل الخیرات پس غایت مافی الباب تطابق تام کا دعویٰ و اعتقاد ناجائز و محتاج نقل صحیح ہو گا باقی مطلق تشابہ تو احادیث سے ثابت ہے۔

نمبر ۳- ایسے احکام حبیہ شوقیہ میں تعدیہ نہیں ہوتا اس لئے ضروری نہیں کہ نعل مبارک کے تمثال کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا مستلزم ہو دوسرے تبرکات کے تماثیل کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرنے کو **كما قال بعض العشاق- امر على الديار ديار ليلى- اقبل ذاالجدار و ذاالجدارا- وما حب الديار شغفن قلبي- ولكن حب من سكن الديارا- ولم يقل اقبل ذى الثمار و ذى الثمارا** - اور مثلاً مساجد میں مستعمل طاہر جوتہ پہن کر نہ جانا جس کی بناء محض ادب طبعی عرفی ہے اسکو مستلزم نہیں کہ جرابیں پہن کر بھی جانا مساجد میں قیاساً خلاف ادب سمجھا جاوے اور مثلاً تقبیل تمثال روضہ شریفہ کا جواز مذکور نمبر ۲- اس کو مستلزم نہیں کہ اصل قبر شریف کی تقبیل کی اجازت دی جائے بلکہ اس کا مدار اہل ادب کے ذوق و عادت پر ہے باقی تمثال نعل شریف کی تخصیص اول تو بوجہ ذوقی ہونے کے محل سوال نہیں لیکن ممکن ہے کہ داعی اس تخصیص عادی کا طالب کا اپنے لئے غایت تذلل اختیار کرنا ہو کہ اس سے زیادہ درجہ کی چیزوں تک میری کہاں رسائی ہوتی۔ کما قیل۔

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

والله اعلم باسرار عباده -

نمبر ۴- یہ سب تفصیل حکم فی نفسہ کی ہے ورنہ جہاں احتمال غالب مفاسد کا ہو وہاں نقشہ تو کیا خود اصل تبرکات کا انعدام بھی بشرط عدم اہانت و بشرط عدم لزوم ابقا مطلوب و مامور بہ ہو گا جیسا حضرت عمرؓ کا قصہ قطع شجرہ کا منقول ہے۔(۱)

---

(۱) كان الناس ياتون الشجرة التي يقال لها شجرة الرضوان فيصلون عندها فبلغ ذلك عمر بن الخطاب فاوعدهم فيها وامر بها فقطعت (طبقات ابن سعد غزوة الحديبية ۲/ ۱۰۰ ط بيروت)

نمبر ۵- میں نے جب رسالہ نیل الشفا بنعل المصطفے لکھا تھا جس کو غالباً چھتیس سال کا زمانہ ہوگیا گو اس میں بھی کافی احتیاطیں کرلی گئی تھیں منشاءیں بھی کہ ثقات سے نقل کیا گیا اور ناشی میں بھی کہ آخر میں غلو سے اہتمام کے ساتھ روک دیا گیا مگر تاہم اتنے مفاسد محتملہ سے ذہن خالی تھا لیکن پندرہ سال سے زائد مدت گزری کہ اس قسم کے شبہات قلب میں پیدا ہوئے کہ عوام غلو نہ کرنے لگیں اس کے چند روز بعد ایک صاحب توفیق نے اس کے متعلق استفسار کیا جس کا جواب لکھ کر میں مطمئن ہوگیا یہ جواب النور محرم ۱۳۴۲ھ کے صفحہ ۹ میں بعنوان تنبیہ بر اصلاح معاملہ با تمثال نعل شریف شائع ہوا ہے پھر مزید احتیاط کے لئے النور شوال ۱۳۴۴ھ کے صفحہ ۲۰ میں اس تنبیہ کی تجدید اس عبارت سے کردی کہ نیل الشفاء کے متعلق النور نمبر ۹ جلد ۳ میں ایک تنبیہ شائع ہوئی ہے اس کے خلاف نہ کریں۔ اھ

اب بحمد اللہ دوسرے علماء کی تحریر سے بھی میرے مقصود کی تائید ہوگئی پس کسی کو غلو کی گنجائش نہیں رہی اور اس مفصل و مکمل تحقیق کے بعد احقر کی تحریرات میں باہم بھی اور دوسرے حضرات اہل تحقیق کی تحریر سے بھی تعارض کا احتمال نہیں رہ سکتا لیکن اگر اب بھی کسی کے خیال میں تعارض کا شبہ ہو تو اس کے لئے میں اعلان کر رہا ہوں کہ دوسرے حضرات کی تحقیق پر عمل کیا جاوے اور میری تحریر کو مرجوح بلکہ مجروح و ممنوع عنہ بلکہ مرجوع عنہ سمجھا جاوے۔ فقط ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ

مفتی صاحب قبلہ کے دونوں جوابوں کی تصدیق و تصحیح اور نفس مسئلہ کی توضیح کے متعلق تو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی دام ظلہ کی یہ تحریر تھی جو اوپر نقل کی گئی اس کے ساتھ ایک مکتوب بھی تھا جس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

مکتوب حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی دام فیضہ
بنام مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مد ظلہ

مولانا۔ السلام علیکم۔ اگر اصل جواب شائع ہو تو بشرط خلاف مصلحت نہ ہونے کے میری تحریر(۱) بھی شائع فرمادی جائے خواہ بعینہ خواہ بعد تلخیص و حذف اجزاء مضرہ للعوام۔ البتہ صورت ثانیہ میں اگر تلخیص کو میں بھی دیکھ لوں تو یہ فائدہ ہے کہ اس کو یہاں بھی محفوظ کرلوں تاکہ آئندہ جواب میں اس کی رعایت رہے

اور بعینہ شائع کرنے کی صورت میں یہ بھی اختیار ہے کہ اجزاء مضرہ کا جواب درد بھی ساتھ ساتھ حواشی میں شائع کردیا جائے اور اس صورت میں مجھ کو دکھلانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ

---

(۱) (اس تحریر سے وہ تحریر مراد ہے جو اوپر بعنوان تصحیح الجواب و توثیقہ نقل کی جاچکی ہے)

تصرف میری عبارت میں نہ ہو گا جیسا تلخیص کی صورت میں ہو گا۔

اور اگر خلاف مذاق نہ ہو تو اس مجموعہ کا کوئی لقب بھی رکھ دیا جائے۔ خواہ "(۱) تمام المقال فی بعض احکام التمثال" یا اور کچھ اور اشاعت کی صورت میں النور کا مضمون بعنوان تنبیہ (۲) بھی شائع ہو جائے تو انفع ہے جس کا پتہ نمبر ۵ میں لکھا ہے فقط۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی مد ظلہ کے اس ارشاد نامے کے موصول ہونے پر حضرت مفتی صاحب قبلہ نے پھر ایک خط حضرت حکیم الامت مد ظلہ کی خدمت میں لکھا جس کی نقل حسب ذیل ہے۔

مکتوب دوم مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مد ظلہ

بخدمت حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی دام فیوضہم

۳۰ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

حضرت مخدوم محترم دام فضلہم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ مکرمت نامہ نے معزز و مفتخر فرمایا جزاکم اللہ تعالیٰ۔ مجھے دو باتیں عرض کرنی ہیں امید کہ تسلی بخش جواب سے شاد کام فرمائیں گے حضرت عثمانؓ کی حدیث کے ابن ماجہ (۳) میں یہ الفاظ ہیں **ما تغنیت ولا تمنیت ولا مسست ذکری بیمینی منذ بایعت بھا رسول اللہ** ﷺ اس میں تین باتیں مذکور ہیں اور تینوں اسلام میں ممنوع ہیں تو کیا اس قول کا مطلب یہ ہو سکتا ہے یا نہیں کہ جب سے میں نے حضور سے بیعت کی یعنی اسلام لایا ہوں یہ کام نہیں کئے جیسے حضرت عمرؓ کا قول ہے **مابلت قائماً منذ اسلمت (رواہ البزاز و رجالہ ثقات کذا فی الزوائد)** (۴) اگر یہ مطلب ہو تو مس ذکر بالیمین نہ کرنے کی وجہ اس کا اسلام میں ممنوع ہونا ہو گا نہ یہ کہ حضور ﷺ کے دست مبارک سے مس کرنے کی وجہ سے مس ذکر بالیمین ترک کیا۔

دوسری بات یہ کہ احمد بن فضلویہ کا قول **ما مسست القوس بیدی الا علی طھارۃ الخ** ہر قوس کے متعلق ہے یا القوس میں الف لام عہد کا ہے اور اس سے ایک خاص قوس مراد ہے جس کے متعلق انہیں یہ علم ہوا تھا کہ اس قوس کو حضور کے دست مبارک میں جانے کا شرف حاصل ہوا ہے میرے خیال میں قوس معہود کا مراد لینا راجح ہے کیونکہ عام قوس کا مراد لینا اور محض اس خیال سے کہ کمان

---

(۱) (اس مشورہ مفیدہ کے ماتحت یہ مجموعہ اسی لقب سے ملقب کر دیا گیا ہے حضرت اقدس کی پوری تحریر شائع کر دی گئی اس کی تلخیص نہیں کی گئی)

(۲) (یہ مضمون ابتدائے رسالہ اتمام المقال میں ہے)

(۳) باب کراھیۃ مس الذکر والیمین والاستنجاء بالیمین ص ۲۷ ط سعید

(۴) باب البول قائماً ۱/ ۲۰۶ ط دار الفکر بیروت لبنان

کو حضور ﷺ نے ہاتھ میں لیا ہے اس لئے تمام کمانوں کو محض مشاکلت کی وجہ سے بے وضو نہ چھونا موجہ نہیں حضور ﷺ نے صرف کمان دست مبارک سے نہیں پکڑی بلکہ تلوار سکین 'ازار' رداء' عمامہ' قمیص اور بہت سی چیزیں دست مبارک سے چھوئی ہیں تو اگر محض مشاکلت اس کی وجہ ہوتی تو ان کا یہ جذبہ صرف قوس میں نہ پایا جاتا اگر دوسرا احتمال مراد ہو تو معقول بات ہے اور جو چیز بھی اس کو ایسی مل جاتی کہ حضور کے دست مبارک میں آئی ہوتی تو اس کے ساتھ یہی معاملہ کرتے مگر اور کوئی ایسی چیز نہ ملی صرف کوئی کمان ایسی ہاتھ لگی جس کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے دست مبارک سے مس کرنے کا شرف اس کو حاصل ہے تو ان کے جذبہ محبت نے اس کمان کو بے وضو چھونے سے انہیں باز رکھا جناب نے اس عبارت کا حوالہ مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی کے صفحہ ۳۲۲ کا دیا ہے میرے پاس جو مجموعہ فتاویٰ ہے اس کی جلد اول ودوم کے ص ۳۲۲ میں یہ عبارت نہیں ملی اور جلد سوم کے صفحات ہی اتنے نہیں ہیں براہ کرم جلد کی تعیین کے ساتھ کوئی مزید نشان بھی تحریر فرمادیں ان دو باتوں کے علاوہ ایک اور بات بھی عرض کرنی ہے کہ جذبہ محبت سے جو افعال سرزد ہوں وہ اختیاری ہوں گے یا اضطراری اگر اختیاری ہوں گے تو احکام شرعیہ (وجوب' سنیت' ندب' اباحت' کراہت' حرمت) میں سے ان کے ساتھ کوئی حکم ضرور متعلق ہوگا ہاں اگر اضطراری ہوں گے تو ان احکام میں سے کوئی حکم ان سے متعلق نہ ہوگا تو تصویر اور نقشہ کو بوسہ دینا سر پر رکھنا اگر اختیاری ہو تو وہ کم از کم مستحب یا مباح ضرور ہوگا یا بصورت دیگر اس کو کم از کم مکروہ کہا جائے گا پھر اس کو امور شرعیہ سے خارج کرنے کی کیا صورت ہے۔

استحباب کی صورت میں اس کی تشریع اور عمل کی ترغیب بھی صحیح ہوگی۔

لیکن اگر اضطراری ہونے کی صورت میں اس کو جائز فرمایا جائے تو یہ کہنا تو صحیح ہے کہ وہ امور شرعیہ میں سے نہیں کیونکہ شرع کا تعلق اختیار سے ہے نہ اضطرار سے مگر اس صورت میں مضطر کا یہ فعل (بوسہ دینا سر پر رکھنا' توسل کرنا) جواز یا استحباب یا اباحت یا کراہت کے ساتھ متصف نہ ہو سکے گا بلکہ زیادہ سے زیادہ مسکوت عنہ ہوگا اور تشریع للعوام اور ترغیب للناس کے لئے حجت بھی نہ ہو سکے گا کیونکہ امور اضطراریہ کی تشریع اور ترغیب غیر معقول ہے وہ تو اضطرار اور غلبہ شوق سے خود بخود سرزد ہو سکتے ہیں نہ کسی کے کہنے اور ترغیب دینے سے۔

میری جرات کو معاف فرماتے ہوئے تسلی بخش جواب سے سرفراز فرمائیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اس کے جواب میں حضرت حکیم الامتہ کا جو ارشاد نامہ آیا اس کی نقل حسب ذیل ہے

ارشاد نامہ دوم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دام فیضہم

بنام حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ

مولانا۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ الطاف نامہ نے ممنون فرمایا فبارک اللہ تعالیٰ فی صو نکم

للدین جو احتمال منذ بایعت بھا الخ میں اور اسی طرح ما مسست القوس کے الف لام میں ظاہر کیا گیا ہے گو ذوق (۱) اس سے آبی ہے خصوص لفظ بہا پر نظر کر کے۔ مگر صون دین عوام کے لئے نافع ہے۔ باقی تخصیص قوس (۲) کی سو اول تو ایسے احکام ادبیہ میں تعدیہ نہیں ہوتا کما ذکر تہ فی نمبر ۲ من تحریری السابق دوسرے کثرت استعمال فی عبادة الغزو فی ذاک الزمان۔ اس تخصیص کی ایک وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کو تلبس دینی زیادہ ہے اور یہ عبارت مجموعہ فتاویٰ کی جلد اول مطبوعہ شوکت اسلام ۱۳۰۲ھ صفحہ ۳۲۲ میں ہے صفحہ ۳۱۸ سے کتاب النوادر کے تحت میں شروع ہو کر صفحہ ۳۲۷ تک چلی گئی ہے۔ اصل مجیب مولانا محمد اسماعیل ہیں اور مولانا محمد عبدالحی صاحب مصوب ہیں اور امور شرعیہ سے خارج کرنے کے متعلق جو صورت پوچھی گئی ہے یہاں افعال مقصودہ فی الشرع مراد ہیں نہ کہ احکام شرعیہ میں نے یہ عنوان آپ ہی کی رعایت سے اختیار کیا تھا کہ آپ کی عبارت خط سابق میں ہے اب اس کو مقاصد شرعیہ کے عنوان سے بدلتا ہوں اور اس کے اختیاری ہونے اور اس کے ساتھ حکم شرعی کے متعلق ہونے سے انکار نہیں کرتا اور وہ حکم اباحت فی نفسہ اور استحباب یا کراہت لغیرہ باتسبب للمقاصد او للمفاسد ہے۔ یہ تو طالب علمانہ کلام ہے جس میں جانبین کو بیت وسعت ہے ہر جواب پر شبہ اور ہر شبہہ کا جواب ہو سکتا ہے لیکن شیخ شیرازی کا ارشاد یاد آتا ہے۔

---

(۱) حضرت عثمانؓ کی حدیث میں چونکہ تین باتوں کا ذکر ہے ما تغنیت ولا تمنیت ولا مسست ذکری بیمینی الخ یعنی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے گانے کا ارتکاب نہیں کیا اور جھوٹ نہیں بولا اور ذکر کو سیدھا ہاتھ نہیں لگایا اور یہ تینوں باتیں اسلام میں ممنوع ہیں تو غالباً ان کا مقصد یہ ہے کہ جب سے میں نے حضور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی یعنی اسلام لایا ان ممنوعات شرعیہ میں سے کسی کا ارتکاب نہیں کیا اور اس تقدیر پر لفظ منذ کا تعلق تینوں باتوں سے ہے نہ صرف مسست سے اور جب کہ تینوں سے تعلق ہو تو پھر منذ بایعت کے معنی منذ اسلمت ہی زیادہ موزوں اور مناسب ہیں اور اب وجہ مس ذکر بالیمین نہ کرنے کی اسلام لانا ہے کیونکہ یہ فعل اسلام میں ممنوع ہے یعنی اگر ان کا سیدھا ہاتھ حضور ﷺ کے دست مبارک سے مس بھی نہ کرتا جب بھی بحکم اسلام یہ مس ذکر بالیمین ترک کرتے جیسے کہ بحکم اسلام غناء اور امنیہ کو ترک کر دیا تھا ہاں چونکہ مس ذکر بالیمین میں ترک کی ایک دوسری لطیف وجہ بھی تھی اس کی طرف خاص اشارہ کرنے کے لئے بہا بڑھا دیا مگر مطلب یہی ہے کہ جب سے اسلام لایا ہوں ان تینوں باتوں کا ارتکاب نہیں کیا ہے اگر ان کا مقصد یہ ہوتا کہ اپنے یمین کے حضور کے دست مبارک سے مس کرنے کی بناء پر میں نے مس ذکر بالیمین ترک کر دیا تو اس کی تعبیر بجائے منذ بایعت بہا کے منذ صافحت بہا زیادہ موزوں ہوتی اور شیخ احمد بن فضلویہ کے کلام میں قوس سے خاص قوس مراد لینے کو میں زیادہ قوی اور راجح سمجھتا ہوں اور مولانا محمد اسماعیل صاحب بھی خاص قوس مراد لینے کو ہی راجح سمجھے اور اسی لئے وہ ترجمہ کیا جو حاشیہ آئندہ میں مجموعہ فتاویٰ سے نقل کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(۲) حضرت مولانا تھانوی مد ظلہم العالی کے اس گرامی نامہ سے جب اس عبارت کا پورا پتہ معلوم ہوا تو میں نے اپنے پاس کے مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ مطبع یوسفی ۱۳۲۱ھ کے جلد اول ص ۲۷۸ میں یہ عبارت دیکھی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مجیب نے اس عبارت کا جو ترجمہ کیا ہے وہ میری توجیہ کے موافق ہے ان کے ترجمہ کی عبارت یہ ہے (انہوں نے کہا کہ جب سے میں نے یہ سنا کہ میری کمان کو آنحضرت ﷺ نے دست مبارک سے چھوا اس وقت سے میں نے اس کو کبھی بے وضو نہیں چھوا) یعنی انہوں نے کمان سے ایک خاص کمان ہی مراد لی ہے ہر کمان کے متعلق یہ طرز عمل قرار نہیں دیا۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

ندانی کہ مارا سر جنگ نیست
وگرنہ مجال سخن تنگ نیست

اس لئے مناظرانہ کلام کو بند کر کے ناظرانہ عرض کرتا ہوں کہ گو احتیاطی تحریرات میں ہمیشہ شائع کرتا رہا چنانچہ مکتوبات خبرت کے حصہ سوم بابت ۱۹۳۳ء کے صفحہ ۱۵ میں بھی ایک صاف مضمون ہے مگر مسئلہ میں تردد نہ ہوا تھا لیکن اب مجھ کو خواص کے اس اختلاف آراء سے نفس مسئلہ میں تردد پیدا ہو گیا پھر اس کے ساتھ عوام کے اختلاق اہواء سے جس سے میرا ذہن خالی تھا مصالح دینیہ اس کو مقتضی ہیں کہ بحکم دع ما یریبك الی مالا یریبك (الحدیث)(۱) اپنے رسالہ نیل الشفاء سے رجوع کرتا ہوں اور کوئی درجہ تسبب لضرر کا اگر واقع ہو گیا ہو اس سے استغفار اور کسی عاشق صادق کے اس فیصلہ کا استحضار اور تکرار کرتا ہوں۔

علی اننی راض بان احمل الھوی واخلص منه لا علی ولالیا والسلام

(نوٹ) اگر ممکن ہو کم از کم اس مضمون کو مکملاً یا ملخصاً جلدی شائع فرمادیں پھر خواہ مستقلاً ہو یا اولی یا اخبار میں۔ اشرف علی ۴ جمادی الاولی ۱۳۵۶ھ

حاشیہ از مولانا تھانوی مدظلہ متعلقہ حاشیہ صفحہ ۶۸

قولہ ترجمہ کی عبارت یہ ہے الخ اقول گو اس میں سہو کاتب کا بھی احتمال ہے نیز اس کی کوئی دلیل بھی نہیں لیکن مانع کو دلیل کی حاجت نہیں احتمال کافی ہے اور اس احتمال کے فرض وقوع کے بعد بھی منشا اس کا حکم شرعی نہیں محض عاشقانہ ادب ہے اور اسی حکم شرعی نہ ہونے کی بناء پر حضرت عثمانؓ کے قول ما مسست الخ کو ظاہر معدول کیا گیا ہے۔

ضروری توضیح

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ کے رسالہ نیل الشفا سے اس اعلان رجوع کا مطلب یہ ہے کہ رسالہ نیل الشفا سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ نقشہ نعل شریف سے استبراک و توسل کی مسلمانوں کو تلقین وترغیب اور نقشہ کی تشہیر واشاعت کی تحریض مقصود ہے اب حضرت مولانا دام فیضہم نے عوام کے تجاوز عن الحد اور غلو کو مد نظر رکھ کر استبراک و توسل کی ترغیب اور تشہیر و اشاعت کی تلقین سے رجوع فرمالیا ہے رہا کسی عاشق صادق اور مجذوب محبت کا والہانہ طرز عمل تو وہ بجائے خود مذموم نہیں بلکہ مسکوت عنہ ہے اسی طرح نفس مسئلہ میں تردد پیدا ہو جانے کا جو ذکر ہے اس کا حاصل بھی بجائے جزم جواز سابق کے عدم جزم جواز ہے نہ کہ جزم عدم جواز پس عشاق پر طعن نہ کیا جائے۔

---

(۱) جامع الترمذی ابواب صفة القیمة ۲/ ۷۸ ط سعید

حضرت مولانا کے اعلان رجوع سے کوئی غلط فہمی نہ ہو اس نظر سے یہ ضروری توضیح کردی گئی اور حضرت مولانا کی اجازت سے شائع کی گئی۔

میں نے اس مجموعہ کی اشاعت کا ارادہ حضرت مولانا پر ظاہر کیا تو جواب میں فرمایا کہ (اشاعت) عین مطلوب ہے اور ساتھ ہی یہ دعا بھی ارشاد فرمائی جزاکم اللہ تعالیٰ وبارک فیکم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل چہارم۔درود شریف اور دعائے گنج العرش وغیرہ

درود تاج اور دعائے گنج العرش کی اسناد بے اصل ہیں۔

(سوال) درود تاج' درود لکھی' دعائے گنج العرش وغیرہ کی اسناد جو لکھی ہیں یہ کہاں تک صحیح ہیں؟

المستفتی نمبر ۱۲۰۱ غلام ربانی عباسی صاحب (ضلع غازی پور) ۹ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۰) درود تاج اور دعائے گنج العرش کی اسناد بے اصل ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حضور ﷺ کا تعلیم کردہ درود کیا ہے؟ اور صلی اللہ علیک یا رسول اللہ کا حکم

(سوال) آج کل مروجہ درود صلی اللہ علیک یا رسول اللہ وسلم علیک یا حبیب اللہ کب کی ایجاد ہے اور یہ غنا کے طور پر پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور نبی ﷺ کی بابت دریافت ہوا تو آپ نے کون سا ارشاد فرمایا؟

المستفتی نمبر ۱۲۸۸ محمد اسمٰعیل صاحب (امرتسر) ۲۳ شوال ۱۳۵۵ھ مطابق ۷ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۱) یہ درود بھی جائز ہے (۱) اور اس کی اصل نماز کی یہ تعلیم السلام علیک ایہا النبی حضور ﷺ کا تعلیم کردہ درود یہ ہے اللھم صل علی محمد وازواجہ و ذریتہ کما صلیت علی آل ابراھیم و بارك علی محمد وازواجہ و ذریتہ کما بارکت علی آل ابراھیم انك حمید مجید (۲) اس کے علاوہ اور بھی درود حضور ﷺ کے تعلیم فرمودہ ہیں (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) ایسے صیغے اس غرض سے پڑھنا کہ فرشتے آپ ﷺ کو پہنچادیں' جائز ہے (امداد الفتاوی' کتاب العقائد والکلام ۵/۲۰۴' ط دار العلوم کراچی) اور اس عقیدے سے پڑھنا کہ حضور ﷺ حاضر وناظر ہے ممنوع ہے' والثانی انه دعاه و ناداه (ای الرسول ﷺ) بالتضرع واظهار الفاقةوالا ضطرار اليه و سال منه هذه المطالب التى لاتطلب الا من الله تعالى وذلك هو الشرك فى الا لهيه (تیسر العزیز الحمید فی شرح کتاب التوحید' باب من الشرك ان يستغيث بغير الله ص ۱۸۷ ط مکتبہ سلفیہ) (۲) صحیح البخاری' باب الصلوة على النبی ﷺ ۲/۹٤۰ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی) (۳) حوالہ بالا

ہر جمعرات کو درود شریف کے ختم کے لئے اجتماع کا التزام بے اصل ہے

(سوال) ہر جمعرات کو ایک جگہ پر جمع ہو کر درود شریف کا ختم سوالا کھ کا مسلمانوں کی بہبودی کے لئے پڑھ کر دعا مانگنا کیسا ہے اس مجمع میں شریک ہونا اور درود شریف پڑھنا چاہئیے یا نہ پڑھنا چاہئیے ؟
المستفتی نمبر ۱۳۳۳ محمد عزت علی خاں صاحب (ضلع ہر دوئی) ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۶ فروری ۱۹۳۷ء
(جواب ۵۱) ایسے اجتماع کا التزام کرنا بے اصل ہے (۱) درود شریف فرداً فرداً پڑھنے کا بہت ثواب ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جماعت بنا کر بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کا حکم...

(سوال) چند لوگوں کا مجتمع ہو کر زور زور سے درود شریف پڑھنا یاذکر کرنا کیسا ہے اگر جواب نفی میں ہے تو دلیل کیا ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۹۶۱ محمد انصار الدین صاحب (آسام) ۲۵ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۵۳) اس طرح جماعت بنا کر درود پڑھنا ثابت نہیں اس لئے اس ہیئت کا التزام نہ چاہئیے (۲) بطور خود درود شریف جس قدر پڑھا جائے موجب ثواب ہے اور زور سے پڑھنا بھی جائز ہے بشر طیکہ کسی نماز پڑھنے والے یا مریض کو تکلیف نہ ہو (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا درود شریف کا ثواب حضور ﷺ کے علاوہ دوسرے کو بخشا جا سکتا ہے ؟

(سوال) کیا درود شریف کا ثواب مخصوص بذات آنحضرت ﷺ ہے یا اس کا ثواب دوسروں کو بھی بخشا جا سکتا ہے عموماً مشہور ہے کہ بجز سرور عالم ﷺ کسی اور کو نہیں پہنچ سکتا۔ المستفتی نمبر ۲۴۶۹ مولوی محمد ابراہیم صاحب (گوڑگاؤں) ۲۲ شوال ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۳۸ء
(جواب ۵۴) ایک ثواب تو درود شریف پڑھنے کا ہے وہ تو پڑھنے والے کو ملتا ہے اور اسے اختیار ہے کہ وہ اپنا ثواب کسی دوسرے کو بخش دے (۴) اور ایک وہ ثواب ہے جو درود میں آنحضرت ﷺ کے لئے

---

(۱) صح عن ابن مسعود انه اخرج جماعة من المسجد يهللون و يصلون على النبى ﷺ جهرا وقال لهم ما اراكم الا مبتدعين (رد المحتار' فصل فى البيع ۶/۳۹۸' ط سعيد)
(۲) صح عن ابن مسعود انه اخرج جماعة من المسجد يهللون و يصلون على النبى ﷺ جهرا وقال لهم ما اراكم الا مبتدعين (رد المحتار' كتاب الحظر والا باحة' فصل فى البيع' ۶/۳۹۸' ط سعيد)
(۳) والا سرار افضل حيث خيف الرياء او تاذى المصلين او النيام (رد المحتار ' كتاب الحظر والا باحة' فصل فى البيع' ۶/۳۹۸' ط سعيد) (۴) صرح علمائنا فى باب الحج عن الغير : بان للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره و فى البحر من صام او صلى او تصدق و جعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز' و يصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة (رد المحتار' مطلب فى القراءة للميت واهداء ثوابها له ۲/۲۴۳ ط سعيد)

اللہ تعالیٰ سے طلب کیا جاتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ لفظ صلوۃ یا اس کے مشتقات سے صرف انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے لئے وہ طلب کرنا چاہئے 'قصداً وبالذات دوسروں کے لئے **اللھم صل علی فلان** نہ کہنا چاہئے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

درود تاج حدیث سے ثابت نہیں اس کے بعض جملے مفہوم کے لحاظ سے قابل اعتراض ہیں

(سوال) درود تاج کا ثبوت کسی حدیث سے ہے یا نہیں؟

(جواب ۵۵) درود تاج کوئی ایسا درود نہیں ہے جو آنحضرت ﷺ سے مروی ہو اور اس کے بعض جملے مفہوم کے لحاظ سے بھی قابل اعتراض ہیں (۲) اس سے بہتر وہ درود ہیں جو نبی اکرم ﷺ سے مروی ہیں جیسے نماز کے درود۔ یہ افضل و اعلیٰ ہیں (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) درود تاج کے بجائے ماثور دعا پڑھنا افضل ہے
(۲) درود اکبر اور دعائے گنج العرش پڑھنا جائز ہے مگر ان کی اسناد بے اصل ہیں!

(اخبار الجمعیۃ حبیب نمبر مورخہ ۶ فروری ۱۹۲۸ء)

(سوال) (۱) درود تاج کے پڑھنے میں جناب کا کیا ارشاد ہے؟ (۲) درود اکبر اور دعائے گنج العرش کا پڑھنا کیسا ہے؟

(جواب ۵۶) (۱) درود تاج کا پڑھنا کوئی گناہ نہیں ہے مگر دوسرے ماثور درود اس سے افضل ہیں (۴)
(۲) جائز ہے مگر ان کی اسنادیں معتبر نہیں ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) وكذالا يصلى احد على احد الا على النبى (الدر المختار) قال المحقق فى الشاميه (قوله : وكذا لا يصلى احد على احد) اى استقلالاً (كتاب الحظر والا باحة' فصل فى البيع ٦/ ٣٩٦ ط سعيد)

(۲) درود تاج کے بعض الفاظ مثلاً دامع البلا والوباء والقحط والمرض والا لم الخ موہم شرک ہونے کی وجہ سے قابل اجتناب احتراز ہیں (مجموعة الفتاوىٰ) (اردو) ۱۹۷/۲ ط سعيد)

(۳) ان النبى ﷺ خرج علينا فقلنا قد علمنا كيف نسلم عليك' فكيف نصلى عليك؟ فقال' قولوا : اللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على ابراهيم (الحديث) (صحيح البخارى' باب الصلوٰة على النبى ﷺ ٢/ ٩٤٠ ط قديمى كتب خانه' كراچى)

(٤) ولاشك ان اتباع الا دعية الماثوره اولى وارجى للقبول (تكملة فتح الملهم : مسئله التوسل ٥/ ٦٢٢ ط مكتبه دار العلوم' كراچى)

دوسرا باب
پیری مریدی
فصل اول ۔ بیعت

بیعت توبہ مسنون ہے 'معروف چار طریقوں میں مرید ہونا مستحب ہے !

(سوال) اکثر علمائے دین فی زمانہ بغیر ان پانچ طریقوں کے توبہ نہیں کراتے خصوصاً بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ان طریقوں کا نام لینا ضروری نہیں بس معروف و مشہور طریقہ محمدیہ کافی ہے آیا حسب شرع ان میں توبہ کرنا فرض ہے یا واجب یا سنت ؟ اگر کسی نے سوا ان طریقوں کے توبہ کی تو قبول ہوگی یا نہیں ؟

(جواب ۵۷) بیعت توبہ مسنون ہے 'اور چاروں طریقے جو مروج ہیں اور معروف ہیں ان میں مرید کرنا مستحب ہے واجب فرض یا سنت مؤکدہ نہیں پس ان طریقوں کے علاوہ بھی مرید کرنا اور توبہ کرانا جائز ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قول جمیل میں فرماتے ہیں اعلم ان البیعة سنة ولیست بواجبة لان الناس بایعوا النبی ﷺ و تقربو ابها الی الله تعالی ولم یدل دلیل علی تاثیم تارکها ولم ینکر احد من الائمة علی تارکها الخ (۱) اور اسی میں ہے 'اعلم ان البیعة المتوارثة بین الصوفیة علی وجوه احدها بیعة التوبة من المعاصی والثانی بیعة التبرك فی سلسلة الصالحین الخ (۲) اور اسی میں ہے' ولا بأس أن یلقنه فیقول قل اخترت الطریقة النقشبندیة او القادریة او الجشتیة (۳) الی آخره اور لفظ لاباس کی دلالت اس امر پر ظاہر ہے کہ ان طریقوں کا نام نہ لینا بھی جائز ہے (۴) واللہ اعلم کتبہ ' محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

ایک بزرگ سے صرف وظیفہ لینے کی وجہ سے دوسرے بزرگ سے بیعت ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں

(سوال) خادم نے ایک بزرگ سے کچھ درود وظیفہ خط کے ذریعہ دریافت کیا تھا اور ہاتھ پر بیعت نہیں ہوا تھا اب اگر میں کسی اور بزرگ کے ہاتھ پر بیعت ہو جاؤں تو شرعاً درست ہے یا نہیں ؟

(جواب ۵۸) صورت مسئولہ میں کسی دوسرے بزرگ کے ہاتھ پر بیعت ہونے میں کوئی مضائقہ

---

(۱) الفصل الثانی' سنیة البیعة' ص ۱۲ ط کلکتہ
(۲) حوالہ بالا ص ۱۹
(۳) حوالہ بالا' ص ۲۳
(٤) فکلمة لا باس وان کان الغالب استعما لها فیما ترکه اولی' لکنها قد تستعمل فی المندوب'کما صرح به فی البحر (رد المحتار' کتاب الصلاة مطلب کلمة " لاباس" قد تستعمل فی المندوب ۱/ ۱۱۹ ط سعید)

نہیں کسی دوسرے سے اس وقت بیعت ہونا مناسب نہیں جب کہ پہلے سے بیعت ہو جاؤ اور باوجود اس سے فائدہ پہنچنے کے دوسرے سے بیعت کی جائے لیکن اگر پہلے سے بیعت ہی نہ کی ہو تو دوسرے سے بیعت ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں(۱) واللہ اعلم

(۱) پیر کا تخت پر بیٹھ کر دوسروں کو نیچے بٹھا کر بلا ضرورت ذکر کرانا اچھا نہیں
(۲) دوسروں کو ہمیشہ نیچے بٹھا کر ذکر کرنا حضور ﷺ یا خلفاء راشدین یا کسی بزرگ سے ثابت ہے ؟
(۳) کرامت پیر کے اختیار میں نہیں .

(سوال) (۱) پیر بلند جگہ تخت پر بیٹھے اور دوسروں کو نیچے بٹھا کر بغیر ضرورت ذکر کراوے اس طرح خدا کے نام کی ہتک و بے حرمتی ہوتی ہے یا نہیں ؟
(۲) پیر دائما دوسروں کو نیچے بٹھا کر ذکر کراوے تو ایسا فعل حضرت سرور کائنات ﷺ یا خلفائے راشدین نے یا حضرت عبدالقادر جیلانی نے کیا ہے ؟
(۳) کرامت خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے یا پیر کی طرف سے ؟
المستفتی نمبر ۴۱۴ فقیر محمد دکاندار (ضلع ہزارہ) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق ۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء
(جواب ۵۹) (۱) یہ فعل پیر کا اچھا نہیں ہے (۲) حضور ﷺ و صحابہ کرام اور بزرگان دین کی یہ عادت نہ تھی (۳) کرامت خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے پیر کے اختیاری نہیں ہوتی(۲) محمد کفایت اللہ

کبائر کے مرتکب شخص کے ہاتھ پر بیعت جائز نہیں .

(سوال) زید تصویر کشی اور تصویروں کی زینت سے اپنے مکانوں کو زیبائش دیتا ہے اور اس کو جائز خیال کرتا ہو اور لوگوں کو مرید کرنے میں کسی مذہب و ملت کی قید نہ رکھتا ہو مسلم ہندو عیسائی پارسی کو بلا دعوت اسلام پیش کئے اور بلا توبہ کرائے مرید کرتا ہو اور اس طریقہ کار کو جائز اور اچھا سمجھتا ہو اور طوائفوں کا گانا سنتا ہو اور ریڈیو پر غزلیں اور گانا بھی سنتا ہو اور نماز جماعت کا پابند نہ ہو عین نماز جماعت کے وقت سینما ہال میں تماشہ اور ناچ و رنگ دیکھتا ہو اور اپنی مرید بہنوں کو اور دوستوں کی عورتوں کا حلیہ اور خدوخال اور زلفوں کا حال اپنے اخبارات میں لکھتا ہو اور اس سے دلچسپی اور مزہ لیتا ہو اور مولویوں کو برا بھلا کہتا ہو اور سجدہ تعظیمی مقابر وغیرہ کو جائز قرار دیتا ہو اور اپنے اخبار میں بھی تحریر کرتا ہو کہ نہ میں سنی ہوں نہ

---

(۱) فان كان بظهور خلل فيمن بايعه فلا باس و كذلك بعد موته او غيبة منقطعة واما بلا عذر فانه يشبه المتلاعب و يذهب بالبركة و يصرف قلوب الشيوخ عن تعهده (القول الجميل' الفصل الثاني ص ۲۰ ط كلكتة)
(۲) ظهور الكرامة ليس من لوازم الولي ولا في استطاعته كل من اراد (نبراس شرح شرح العقائد ص ۵۵ ط امداديه ملتان)

میں شیعہ ہوں اپنا مذاق مذہبی بفضلہ رکھتا ہو بہت سے امور بدعت کا مرتکب ہو عورتوں کو بے حجابانہ اپنے سامنے رکھتا ہو اور اپنی اولاد کو تھیٹر سینما اور اپنے مریدوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہو تو کیا ایسے شخص کو جس کے اندر اس قدر منہیات شرع مذکورہ بالا موجود ہوں اس سے بیعت جائز ہے۔ **المستفتی** نمبر ۱۲۰۹ اعجاز حسین صاحب (دہلی) ۱۲ رجب ۱۳۵۵ھ ۲۹ ستمبر ۱۹۳۶ء

(**جواب ۶۰**) تصویر بنانا اور بنوانا اور تصویروں سے گھر کو مزین کرنا صریح اور صحیح احادیث کے بموجب ناجائز ہے(۱) مذہب راجح یہی ہے کہ تصویر کی حرمت دستی تصاویر اور فوٹو اور تصویروں اور نصف تصویروں کو شامل ہے(۲) غیر مسلموں کو مرید کرنا اگر ان کو اسلام میں داخل کرنے کیلئے ہو تو حد اباحت میں آسکتا ہے لیکن غیر مسلم کے غیر مسلم رہنے اور رہنے دینے کے ساتھ اسکو مرید کرنے کے کوئی معنی نہیں کیونکہ مرید کرنے کی غرض ارشاد حق اور تصفیہ باطن ہے اور غیر مسلم غیر مسلم رہنے کی حالت میں تصفیہ باطن کا اہل نہیں اسلام کے بغیر نور قلب کا حصول ناممکن ہے اور غیر مسلم کو مرید کرنا اور اس کو صحیح و جائز طور پر مرید سمجھنا عملی طور پر اس امر کا اعلان ہے کہ نور باطن کے حصول کے لئے اسلام لانا ضروری نہیں اور یہ خیال بداہتہً اصول اسلامیہ کے خلاف اور باطل ہے طوائفوں کا گانا سننا حرام ہے(۳) ریڈیو پر جائز باتیں سننا جائز ہے اور ناجائز باتیں سننا ناجائز(۴) ترک نماز موجب گناہ کبیرہ اور ترک جماعت بلا عذر احیاناً ہو تو موجب ملامت اور عادۃً ہو اور اکثری ہو تو موجب گناہ ہے(۵) سجدہ تعظیمی غیر اللہ کو کرنا حرام اور سجدہ عبادت غیر اللہ کو کرنا کفر ہے(۶) بہر حال جو شخص امور مذکورہ فی السوال کا مرتکب ہو وہ ارشاد و تلقین کا اہل نہیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنی جائز نہیں(۷) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) ومن اجل هذه الاحاديث والآثار ذهب جمهور الفقهاء الى تحريم التصوير واتخاذ الصور في البيوت سواء كانت مجسمة لها ظل او كانت غير مجسمة ليس لها ظل فيقول النووي تحت حديث الباب قال اصحابنا وغيرهم من العلماء : تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم ' وهو من الكبائر لانه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور في الاحاديث' وسواء صنعه' بما يمتهن او بغيره' فصنعته حرام بكل حال لان فيه مضاهاة لخلق الله تعالى (تكملة فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم : حكم الصورة الشمسية ٤/١٦٢' ط مكتبه دار العلوم كراچى)

(۲) ولكن كثير من علماء البلاد العربية' جلهم او كلهم في البلاد الهنديه' قد افتوا بانه لا فرق بين الصور المرسومة والصور الشمسية في الحكم (تكملة فتح الملهم' كتاب اللباس والزينة' باب تحريم تصوير صورة الحيوان' حكم الصور الشمسية ٤/١٦٢' ط دار العلوم كراچى)

(۳) وان كان سماع غناء وهو حرام باجماع العلماء (شاميه: الحظر والاباحة ٦/٣٤٩' ط سعيد)

(٤) استماع اشعار العرب لوفيها ذكر الفسق تكره (الدرالمختار) قال المحقق في الشامية: قراءة الاشعار ان لم يكن فيها ذكر الفسق والغلام ونحوه لاتكره (ردالمحتار' الحظر والاباحة ٦/٣٤٩' ٣٥٠ ط سعيد)

(٥) تارك الجماعة يستوجب اساءة ولايقبل شهادته اذا تركها استخفافاً بذلك و مجانة اما اذا تركها سهواً او تركها بتاويل بان يكون الامام من اهل الاهواء ...... لا يستوجب الاساءة (البحر الرائق' باب الامامة ١/٣٦٥ ط بيروت)

(٦) ان على وجه التعظيم والعبادة كفر وان على وجه التحية لا وصار آثماً مرتكبا للكبيرة (الدرالمختار' باب الاعشر ٦/٣٨٣ ط سعيد) (٧) والولي هو العارف بالله تعالى حسب ما يمكن المواظب على الطاعات المجتنب عن المعاصي (شرح العقائد ص ١٤٥' ط مكتبه خير كثير كراچى)

کبائر کے مرتکب شخص سے بیعت اور پیری و مریدی جائز نہیں

(سوال) فی زماننا مشائخین جو سلسلہ بیعت جاری رکھتے ہیں عوام الناس کو حلقہ اطاعت میں لانا فرض عین سمجھتے ہیں ہر ممکن طریقہ سے ہزاروں لاکھوں کو مرید بننے کی ترغیب دیکر مرید بنالیتے ہیں پھر مرید غیر مرید پیر صاحب کی قدم بوسی باعث برکت سمجھتے ہیں حتی کہ پیر صاحب کے مبارک قدموں کو آنکھوں سے لگاتے ہیں علاوہ بریں پیر صاحب طبقہ نسواں کو اپنے حلقہ میں بے پردہ داخل فرماکر رشد و ہدایت کرتے ہیں مذکورہ طبقہ بھی پیر صاحب کی قدم بوسی کا شرف حاصل کرتا ہے ازاں بعد پیر صاحب اشغال ذکر میں مصروف کراتے ہیں ہزاروں عورتیں بے پردہ حلقہ ذکر میں مستغرق ذکر ہو کر بیخود ہو جاتی ہیں آیا یہ طریقہ بیعت و طریقہ ذکر جائز ہے یا نہیں ؟

دیگر پیر صاحب خوان طعام ماحضر نوش فرماتے ہوئے گاہ گاہ اپنے مریدوں پر توجہ فرماتے ہوئے لقمہ دہان نکال کر مریدوں کے برتنوں میں ڈال دیتے ہیں لقمہ مذکور کو مریدان بہترین نعمت سمجھ کر نوش کرتے ہیں اس قسم کی حرکت پیر کے لئے جائز ہے یا نہیں ؟

پرچہ ہذا جو اس میں ملفوف ہے اس قسم کے مضامین بڑھا چڑھا کر مشتہر کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۶۳۷ سید افضل صاحب (میسور اسٹیٹ) ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۶۱) بیعت توبہ کا طریقہ مسنونہ یہ ہے کہ مرشد لوگوں سے اس بات پر بیعت لے کہ وہ گناہوں سے اجتناب کریں گے اور فرائض الہیہ بجالاتے رہیں گے(۱) نیز لازم ہے کہ مرشد خود بھی سنت نبویہ کا متبع ہو اور کوئی امر قصداً سنت کے خلاف نہ کرے پس پیری مریدی اگر اس حد تک محدود رہے تو وہ صحیح اور جائز ہے اور اگر اس حد سے متجاوز ہو مثلاً مرشد خود ہی بے شرع ہو سنت کے خلاف اعمال کرتا ہو مریدوں کو بھی اتباع شریعت اور پیروی سنت کی تلقین نہ کرتا ہو گناہوں سے بچنے کی ہدایت نہ کرتا ہو ان سے کوئی ٹیکس وصول کرتا ہو عورتوں کو بے پردہ سامنے آتے دیتا ہو ان سے پاؤں دبواتا ہو یا بے پردہ حلقہ ذکر عورتوں کا منعقد کرتا ہو تو ان حالات میں بیعت اور پیری مریدی ناجائز ہے(۲)

اگر پیر صاحب نے یہ طریقہ بنالیا ہو کہ نیک متبع شریعت مریدوں کی درخواست کے بغیر اپنے منہ کا لقمہ نکال کر ان کے آگے کھانے میں ڈال دیتے ہیں تو یہ ناجائز اور بد تہذیبی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

---

(۱) اعلم انا البیعة المتوارثه بین الصوفیة علی وجوه: احد ها بیعة التوبة من المعاصی (القول الجمیل: الفصل الثانی ص ۲۳ کلکتة)

(۲) والولی هو العارف بالله تعالی حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی (شرح العقائد ص ۱۴۵ ط مکتبه خیر کثیر کراچی) وفی شرحه ' النبراس حتی انه یخرج بالکبیرة واصرار الصغیرة عن الولایة (ص: ۲۹۵ ط امدادیه ' ملتان)

مرشد منع نہ کرے تو سیاسی معاملہ میں مرشد کے خلاف رائے دینے سے بیعت پر کوئی اثر نہیں پڑتا

(سوال) ایک شخص مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ سے بیعت ہے اور ان کی رحلت کے بعد اس نے ان کے ایک خلیفہ مجاز سے تجدید بیعت کر رکھی ہے ایسی صورت میں وہ اس بات کے بھی خواہشمند ہیں کہ ان حضرات کے سیاسی عقیدہ کے خلاف کانگریس میں شریک ہو جائیں اور کانگریس یا کانگریس کی بعض دیگر ہم خیال وہمنوا جماعتوں میں سے کسی کے امیدوار کو الیکشن میں ووٹ دے پس کیا ایسا کرنے سے بیعت فسخ ہو جائے گی؟ المستفتی محشر حسینی (ضلع بلیا) ۲۰ محرم ۱۳۶۵ھ

(جواب ۶۲) سیاسی معاملہ بیعت سے علیحدہ ہے مرشد کے خلاف رائے دینے سے بیعت پر کوئی اثر نہیں پڑتا مگر جب کہ مرشد اس بات سے منع نہ کرے اور ناراض نہ ہو اور اگر وہ منع کرے اور ناراض ہو تو پھر اس کے خلاف کرنا معتبر ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

پیر و مریدی کے متعلق چند سوالات کے جوابات

(**جواب دیگر ۶۳**) برادر مکرم السلام علیکم۔ آپ کا خط موصول ہوا کثرت مشاغل کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی امید کہ معاف فرمائیں گے آپ کے سوالات کے مختصر جواب تحریر کرتا ہوں کیونکہ تفصیل بہت زیادہ وقت چاہتی ہے۔

(۱) پیر کی حیثیت ایک استاد کی ہے اگر استاد کی ہر شخص کو ضرورت ہے تو پیر کی بھی ہر شخص کو ضرورت ہے پیر اخلاق رذیلہ کو دور کرنے اور اخلاق حسنہ کو حاصل کرنے کے طریقے تعلیم کرتا ہے اور ان طریقوں پر عمل کرنے کے راستے بتاتا ہے (۲) تمام ان لوگوں کو پیر کی ضرورت ہے جو مذکورہ بالا باتیں خود نہ کر سکیں اور اس لئے کہ استاد کے ذریعے سے تحصیل معارف آسان ہوتی ہے (۱) (۳) میں بھی ایک مرشد سے بیعت رکھتا ہوں اب ان کا وصال ہو چکا ہے (۴) ہاں بزرگوں اور اولیاء اللہ سے کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں مگر یہ ضروری نہیں کہ بزرگوں سے کرامتیں ضرور ظاہر ہوں (۲) اور ایسے پیر بھی ہو سکتے ہیں جو اپنی روحانی قوت سے مرید کی قلبی کثافتیں دور کر دیں (۳) (۵) موجود ہوں گے اگرچہ ہمیں

---

(۱) ولا تيسير ذلك الا بالمعاهدة على يد شيخ كامل قد جاهد نفسه و خالف هواه' و تخلى عن الاخلاق الذميمة و تحلى بالاخلاق الحميدة' ومن ظن من نفسه انه يظفر بذلك بمجرد العلم و درس الكتب فقد ضل ضلالا بعيدا فكما ان العلم بالتعلم من العلماء فكذلك الخلق بالتخلق على يد العرفاء...القرآن (اعلاء السنن' باب الزهد والورع ۱۸/۴۴۳ ط ادارة القرآن و العلوم الاسلامية' كراچى)

(۲) ظهور الكرامة ليس من لوازم الولي ولا في استطاعته كل من اراد' بل كل من باشر المجاهدات لظهور الخوارق لم يبلغ الولاية ولم يظهر عنه الكرامة (النبراس شرح شرح العقائد : ص ۵۵' ط امداديه ملتان)

(۳) فقال : نقض العادة على سبيل الكرامة لاهل الولاية جائز عند اهل السنة (رد المحتار' مطلب في كرامات الاولياء ۴ : ۲۶۰' ط سعيد)

معلوم نہ ہوں جیسے یہ ممکن ہے کہ بدخشاں کے پہاڑوں میں لعل موجود ہوں لیکن ان کا علم نہ ہو (٦) بزرگوں اور اولیاء اللہ کی حقیقی پہچان مشکل ہے ظاہری پہچان اتباع سنت ہے جو شخص جس قدر زیادہ آنحضرت ﷺ کی سنت اور طریقوں کا متبع ہوگا اسی قدر زیادہ بزرگ ہوگا (٧) میرے خیال میں آج کل تصفیہ باطن کے لئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی ذات گرامی مغتنم ہے آپ قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں قیام رکھتے ہیں (٨) جب کہ کوئی شخص اس بات پر ایمان لائے کہ خدا ہے اور اس نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کو بھیجا ہے اور حضرت محمد ﷺ خدا کے سچے پیغمبر اور رسول تھے قرآن پاک خدا کی کتاب ہے تو اس کے بعد قرآن پاک کے تمام احکام اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا اتباع واجب ہونے میں کوئی شبہ اور تامل باقی نہیں رہتا اور نہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ پانچ نمازیں کیوں ہوئیں یا ایک مہینے کے روزے کیوں ہوئے یہ خدا کے احکام ہیں اور ہر شخص جو خدا اور رسول اور قرآن کو مانتا ہے اسے ان احکام کا ماننا لازم ہے (٩) دنیاوی عیش و آرام حاصل کرنے سے اسلام نے منع نہیں کیا اسلام صرف یہ چاہتا ہے کہ شریعت کے موافق عیش و آرام اٹھایا جائے (١٠) دنیا کی زندگی یقیناً فانی ہے اس میں کسی کو ہمیشہ نہیں رہنا اس کے بعد جس عالم سے سابقہ پڑنا ہے وہ باقی ہے عقل مند کا فرض ہے کہ وہ فانی پر باقی کو قربان نہ کرے شریعت کی متابعت اس عالم باقی کی بہتری کی کفیل ہے اس کی فکر رکھنی اور ہمیشہ کا آرام حاصل کرنے کی سبیل پیدا کرنی عقل کا مقتضا ہے نہ کہ خلاف عقل (١١) جن صاحب کا نام آپ نے تحریر فرمایا ہے میرے خیال میں وہ ارشاد و ہدایت کے لئے منتخب کئے جانے کے لائق نہیں (١) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تستحب البيعة في طريق من طرق المشائخ

از اخبار الجمعیۃ دہلی مؤرخہ ٦ نومبر ١٩٢٥ء

(سوال) هل يلزم بيعة الطريقة للمشائخ المعروف بالقادرية الشاذلية وغيرهما و يجب العمل بما يلقنه ام لا وان لم ياخذ البيعة يخشى عليه سؤ الخاتمة؟

(ترجمہ) مشائخ طریقت کے جو سلسلے مشہور ہیں مثلاً قادریہ شاذلیہ وغیرہ تو کیا ان میں سے کسی سلسلے میں کسی مرشد سے بیعت ہونا اور مرشد کی ہر ہدایت پر عمل کرنا واجب ہے؟ اور اگر کوئی شخص کسی مرشد سے بیعت نہ ہو تو کیا سوئے خاتمہ کا خطرہ ہے؟

(جواب ٦٤) لا يلزم بيعة الرسمية في طريقة من طرق المشائخ نعم تستحب فمن اتى بها و في توفى اجرها ومن لم يات بها و سلك الطريق المستقيم اخذا من الكتاب والسنة واداب السلف الصالحين لا يخشى عليه سوء الخاتمة هذا والله اعلم محمد كفايت الله كان الله له' مدرسه امينيه دهلي

---

(١) والولي هو العارف بالله تعالى و صفاته حسب ما يمكن المواظب على الطاعات المجتنب عن المعاصي (شرح العقائد ص ١٤٥ ' ط مكتبه خير كثير' كراچي)

(ترجمہ) مشائخ طریقت کے مشہور و مروجہ سلسلوں میں بیعت ہونا (شرعاً) لازم نہیں ہے ہاں مستحب ہے تو جو شخص بیعت اختیار کرے اور کماحقہ عمل کرے تو ماجور ہوگا اور جو بیعت اختیار نہ کرے مگر کتاب و سنت اور آداب سلف و صالحین کے مطابق صراط مستقیم پر گامزن رہے اس کے سوئے خاتمہ کا خطرہ نہیں ہے(۱) میری رائے تو یہی ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ علیم و خبیر ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) مرید ہونے کا مطلب
(۲) مرید ہونا مستحب ہے
(۳) بیعت کرنا اور مرید ہونا دونوں کا ایک ہی مطلب ہے
(۴) کیا بغیر مرید ہونے مرنے سے نقصان پہنچے گا؟
(۵) مرید ہونا ضروری نہیں
(۶) خلاف شرع حرکت کرنے والے پیروں کا مرید ہونا جائز نہیں۔
(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۳۴ء)

(سوال) (۱) مرید کرنے یا مرید ہونے کے کیا معنی ہیں؟ (۲) مرید ہونے کے متعلق شریعت میں کوئی تاکید یا ہدایت ہے یا نہیں (۳) کیا بیعت کرنا اور مرید ہونا دونوں ایک ہی طرح کا عمل ہے (۴) اگر کوئی شخص بغیر مرید ہوئے مر جائے تو کیا آخرت میں اس کو کچھ نقصان پہنچے گا (۵) اگر مرید ہونا لازمی ہے تو مرید کرنے کا حق کس کو ہے؟ (۶) مرید ہونے کے متعلق اگر مزید تفصیلات ہوں تو تحریر فرمایئے؟

(جواب ٦٥) کسی بزرگ کے ہاتھ پر یہ معاہدہ کرنا کہ میں آئندہ معصیت نہ کروں گا اور تصفیہ قلب کے لئے آپ کی ہدایات پر عمل کروں گا' اس کا نام بیعت کرنا یا مرید ہونا ہے(۲) (۲) کوئی تاکید نہیں صرف استحباب اور اولویت کا درجہ ہے(۳) (۳) دونوں کا ایک ہی مطلب ہے (۴) اگر وہ شریعت کے احکام کے مطابق عمل کرتا رہا تو اس کو صرف اس وجہ سے کہ وہ کسی کا مرید نہیں تھا کوئی نقصان نہیں ہوگا (۵) لازمی تو نہیں مگر جائز ہے اور مرید کرنے والا شخص واقف شریعت اور متبع سنت ہونا چاہئیے (۶) عام طور پر لوگ ایسے پیروں کے مرید ہو جاتے ہیں جن کے افعال صریحاً خلاف شریعت ہوتے ہیں مثلاً پیر صاحب

---

(۱) اعلم ان البیعة سنة و لیست بواجبة لان الناس بایعوا النبی ﷺ و تقربو ابها الی اللہ تعالیٰ ولم یدل دلیل علی تاثیم تارکها ولم ینکر احد من الائمه علی تارکها (القول الجمیل: الفصل الثانی' ص ۱۲ ط کلکۃ)

(۲) اعلم ان البیعة المتوارثه بین الصوفیة علی وجوه : احد ها بیعة التوبة من المعاصی الخ (القول الجمیل: الفصل الثانی' ص ۱۲ ط کلکۃ)

(۳) اعلم ان البیعة سنة و لیست بواجبة ...... ولم یدل دلیل علی تاثیم تارکها ولم ینکر احد علی تارکها (القول الجمیل. والفصل الثانی' ص ۱۲ ط کلکۃ)

نماز نہیں پڑھتے یا نشہ استعمال کرتے ہیں یا اور اسی قسم کی خلاف شرع حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں اور لوگ ان کو خدا رسیدہ سمجھتے ہیں یہ سخت غلطی ہے ایسے لوگوں کا مرید ہونا ناجائز ہے پیر کو عالم متقی متبع سنت پابند شریعت ہونا چاہئے۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حرام افعال کے مرتکب پیر کے حلقہ بیعت میں داخل ہونا حرام ہے

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۶ء)

(سوال) یہاں چاٹگام کے قریب ایک قریہ ہے جس میں ایک بزرگ کا درگاہ ہے جسکا نام مجھبندار شریف رکھا گیا ہے اور جو بزرگ درگاہ میں ہیں اس کا نام مولانا مولوی احمد اللہ شاہ تھا جو عرصہ تیس سال قبل ان کا انتقال ہوا اور آج ان کا خلیفہ جانشین خود کا لڑکا مولوی غلام الرحمٰن ہے جو ہمیشہ مست رہتا ہے چلم حقہ خوب پیتا ہے کھانا پینا کبھی کبھی کھاتا پیتا ہے مگر غسل وضو کبھی نہیں کرتا ہاتھ منہ بھی نہیں دھوتا بالکل مادر زاد برہنہ رہتا ہے اس کی اولاد بھی ہے لوگ مرد و عورت سب اس کے لئے اور درگاہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں اور عورتیں بھی اس کے ستر کو دیکھتی ہیں چند مولوی حضرات جو اس کے خلیفہ ہیں مثلاً مولوی امین الحق فرہاد آبادی و مولوی عبدالسلام وغیرہ کہتے ہیں کہ سجدہ کرنا بزرگان دین کے لئے جائز ہے اس کے اکثر مرید مالدار ہیں مگر بے نمازی ہیں زکوۃ بھی نہیں نکالتے ہر سال چندہ کر کے عرس منایا جاتا ہے اس میں ہزاروں مرد و عورت تماشے کے لئے جمع ہوتے ہیں طوائفیں بھی آتی ہیں خوب ناچ گانا ہوتا ہے زائرین قربانیاں نذر و نیاز کے نام سے لاکر ذبح کرتے ہیں ذبح کے وقت بسم ہنداری یا بسم احمد اللہ پڑھتے ہیں پھول ہار سے مزین کر کے ذبح کرتے ہیں کہتے ہیں جنہوں نے چالیس بار زیارت کیا وہ حج کا ثواب ہوگا اس لئے اکثر لوگ حج کو نہیں جاتے وغیرہ۔

(جواب ۶۶) وضو و غسل نہ کرنا۔ نماز روزہ زکوۃ اور فرائض شرعیہ ادا نہ کرنا اور اپنے لئے سجدہ کرانا اور جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا یا کرانا اور رنڈیوں کو ناچ گانے کی اجازت دینا اور فواحشات کا مرتکب ہونا یہ تمام افعال حرام اور سخت کبائر اور موجبات فسق ہیں (۲) اور ان کو حلال سمجھنا کفر ہے (۳) یہ لوگ جو ان فواحش کے مرتکب اور ذمہ دار ہیں زندیق ہیں ان کے حلقہ بیعت میں داخل ہونا حرام ہے (۴) غیر

---

(۱) والولی ھو العارف باللہ تعالی و صفاتہ حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی (شرح العقائد' ص ۱۴۵' ط مکتبہ خیر کثیر' کراچی)

(۲) و یجوز ان یکون مرتکب الکبیرہ مؤمنا فاسقا غیر کافر (شرح الفقہ الاکبر' مرتکب الکبیرۃ' ص ۱۴۰ ط قطر)

(۳) لکن فی شرح العقائد للنسفی' استحلال المعصیۃ کفر اذا ثبت کونھا معصیۃ بدلیل قطعی (رد المحتار' باب زکوۃ الغنم' مطلب استحلال المعصیۃ کفر ۲/ ۲۹۲ ط سعید)

(٤) والولی ھو العارف باللہ تعالی و صفاتہ حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی (شرح العقائد ص ۱۴۵ ط مکتبہ خیر کثیر کراچی)

اللہ کو سجدہ کرنا شریعت محمدیہ میں ہرگز مباح نہیں آیات سجدہ ملائکہ اور سجدہ برادران حضرت یوسف علیہ السلام امم سابقہ کے واقعات ہیں اور امم سابقہ کے احکام ہمارے لئے اس وقت حجت ہوتے ہیں جب کہ ہماری شریعت میں اس کے خلاف حکم نہ آیا ہو اور ظاہر ہے کہ شریعت محمدیہ میں سجدہ غیر اللہ کی حرمت اور ممانعت صراحۃً موجود ہے(۱) اگر غیر اللہ کو سجدہ عبادت کیا جائے تو کفر ہے اور سجدہ تحیۃ ہو تو حرام اور موجب فسق ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل دوم۔ ریاضت

تزکیہ نفس کے لئے کئے جانے والے مراقبے میں ناجائز کام نہ ہو تو مباح ہے

(سوال) کیا ازروئے قرآن کریم یا احادیث صحیحہ مراقبہ یعنی چند آدمیوں کا اندھیرے میں بیٹھ کر مسجد کے ایک پہلو میں کچھ پڑھنا یا امام صاحب کا ان پر توجہ ڈالنا یا منہ پر کپڑا ڈال کر کسی کا تصور باندھ کر کچھ وظائف وغیرہ پڑھنا جائز ہے ؟ کیا رسول کریم ﷺ نے اس طرح کا فعل کیا یا کرنے کا حکم دیا ہے ؟

المستفتی نمبر ۵۴۸ رحیم بخش (آبادان ایران) ۲۲ ربیع الثانی مطابق ۲۴ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۶۷) مراقبہ اور اسی قسم کے اور افعال جو مشائخ کے یہاں تزکیہ نفس اور ریاضت کے سلسلے میں معمول ہیں بشرطیکہ ان میں کوئی ناجائز چیز شامل نہ ہو مباح ہیں فی حد ذاتہ مقاصد میں داخل نہیں ہیں بلکہ اصل مقصود یعنی تذکر قلب یا تخلیۂ رذائل یا تحلیہ بالفضائل کے ذرائع میں سے ہیں(۳) پس اگر کوئی انہیں عمل میں نہ لائے یا ان کو نہ مانے تو اس پر کوئی شرعی مواخذہ نہیں حضور ﷺ یا صحابہ کرامؓ سے ان اعمال کی موجودہ مروجہ شکلیں ثابت نہیں ہاں اصولاً یہ چیزیں شریعت کے دائرہ کے اندر ہیں بشرطیکہ بتانے والا شیخ عالم متقی اور متبع سنت ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) وقد کان ھذا شائعا فی شرائعھم اذا سلموا علی الکبیر یسجدون لہ' ولم یزل ھذا جائز امن لدن آدم الی شریعۃ عیسی علیہ السلام فحرم ھذا فی ھذہ الملۃ و جعل السجود مختصا بجناب الرب سبحانہ (تفسیر ابن کثیر' یوسف ۱۰۰' ۲/۴۹۱' ط سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) ان علی وجہ التعظیم والعبادۃ کفر' وان علی وجہ التحیۃ لا ' وصار آثما مرتکبا للکبیرۃ (الدر المختار و شرحہ ' کتاب الحظر والا باحۃ باب الاستبراء ' ۶/۳۸۳ ط سعید)

(۳) فلیتلفظ السالک اللہ حاضری اللہ ناظری اللہ معی' او یتخیل فی الجنان ثم یتصور حضورہ تعالی ونظرہ و معیۃ تصورا جیدا مستحیما مع تنزیہ عن الجہۃ والمکان' حتی یستغرق فی ھذاالتصور الخ (القول الجمیل' الفصل الرابع ص ۳۸ ط کلکتۃ) وفی اعلاء السنن' وبھذا اندحض ابرار بعض الناس علی الصوفیۃ بانھم اخترعوا اذکارا من انفسھم لا اصل لھا فی السنۃ کذکر الاثبات بلفظ الا اللہ' الا اللہ فالاذکار التی اخترعھا المشایخ وان لم تکن ماثورۃ فانھا مقدمات لقبول القلب وصلاحیتہ للذکر الماثور (باب الذکر' ۱۸/۴۵۳' ۴۵۴ ط ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیۃ' کراچی)

تصور شیخ کا حکم

(سوال) آج کل عموماً جتنے پیر و مرشد ہوا کرتے ہیں وہ مرید کرنے کے بعد مرید کو پہلے وظائف بتلاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ میری صورت کا تصور کرو اور اپنی صورت کو وسیلہ قرار دیتے ہیں ذات باری تعالیٰ جل شانہ کے تصور کا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا رہبر کی صورت کا تصور جائز ہے یا ناجائز اگر جائز ہے تو اس میں کچھ ثواب ہے یا نہیں اور یہ کہ اگر مرید کا جام عمر اس صورت میں لبریز ہو گیا تو کیا اس کی موت صورت پرستی پر ہو گی ؟

المستفتی نمبر ۷۷۷ سید حمید شاہ (پامرو، ضلع کسٹنا) یکم ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۵ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۸) تصور کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ مرشد کا خیال پیش نظر رہے تاکہ منہیات کے ارتکاب سے احتراز کرنا آسان ہو اس سے زیادہ اس کی کوئی وقعت نہیں اور عبادت یعنی نماز کے اندر یہ تصور اور خیال بھی نہ ہونا چاہئے نماز میں تو تعبد اللہ کانک تراہ (۱) کی تعلیم ہے یعنی یہ خیال رہے کہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور میں اور اس کے سامنے ہوں اور گویا اس کو دیکھ رہا ہوں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

نماز یا مراقبہ میں تصور شیخ کا حکم

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۴ جون ۱۹۳۷ء)

(سوال) تصور شیخ جو کہ اکثر مشائخ اپنے مریدوں کو تلقین کرتے ہیں مراقبہ میں یا نماز میں جائز ہے یا نہیں ؟ خصوصاً جب کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ ہو۔

(جواب ۶۹) تصور کا مسئلہ تصوف کا مسئلہ ہے صوفیہ اس کو توحید خیال کے لئے مفید سمجھتے ہیں لیکن نماز کی حالت میں اصول فقہیہ کی رو سے اس کی اجازت دینی مشکل ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح : کتاب الایمان' الفصل الاول ۱/ ۱۱' ط سعید

(۲) قال ابوذر : قال رسول اللہ ﷺ لا یزال اللہ عزو جل مقبلا علی العبد' وھو فی صلوتہ' مالم یلتفت فاذا التفت انصرف عنہ (سنن ابی داؤد' باب الالتفات فی الصلوۃ ۱/ ۱۳۸' ط امدادیہ' ملتان)

تیسرا باب
متفرقات

شعر " اللہ کے پلے میں سوائے وحدت " الخ ملحدانہ شعر ہے ' ایسی غزل خوانی کی مجالس میں شرکت سے بچنا ضروری ہے

(سوال) چار پانچ ڈاڑھی منڈے بے نماز زنانی و مردانی مجلسوں میں بیٹھ کر نعت خوانی و غزل خوانی اور منڈھا خوانی نہایت خوش الحانی سے کرتے ہیں اور ایسے اشعار پڑھتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی توہین ہوتی ہے مثلاً " اللہ کے پلے میں سوائے وحدت کے رکھا ہی کیا ہے ' ہمیں جو کچھ لینا ہے وہ سرکار محمد سے لے لیں گے " وغیرہ ایسی مجلسوں میں شرکت جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۶۲ - ۲۳ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۰) یہ اشعار جو سوال میں مذکور ہیں سخت ملحدانہ اور عوام مسلمین کی گمراہی کا باعث ہیں اور اسی قسم کی غزل خوانی کو نعت خوانی کے نام سے مشہور کیا جاتا ہے در حقیقت شریعت اور پیغمبر اسلام ﷺ کی توہین ہے اور عورتوں کے مجمع میں نوجوان مردوں کا خوش الحانی سے گانا موجب شیوع فسق ہے لہذا یہ تمام باتیں جو سوال میں مذکور ہیں ناجائز اور حرام ہیں اور بعض تو زندقہ والحاد میں داخل ہیں (۱) مسلمانوں کو ایسی مجالس سے بچنا فرض ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

متبع شرع عالم دین کی توہین اس کے علم کی وجہ سے کرنا کفر ہے ' تصوف شرعی علوم میں داخل ہے

(سوال) ایک بزرگ عالم باعمل اہل سنت والجماعت ذکر الٰہی میں ہمیشہ مشغول رہتے ہیں سنت جناب رسول اکرم ﷺ پر قربان و فدا اور بدعات سے نہایت متنفر اور بیزار اہل اسلام کو ذکر الٰہی کرنے کی ترغیب و ہدایت دیتے ہیں جن کے وعظ و ہدایت سے ایک گروہ اہل اسلام نماز پنجگانہ ' نوافل و تہجد و ذکر و شغل رابطہ مراقبہ محاسبہ میں مشغول ہے اور شریعت جناب سرور عالم ﷺ پر قائم اگر کوئی شخص یا بہت سے آدمی مل کر اس گروہ یاد الٰہی والوں کی خواہ مخواہ مخالفت کریں یا ان پر استہزا کریں تو عند الشرع ان پر کیا حکم ہوگا۔

جو شخص اپنے آپ کو مسلمان اور مقلد ظاہر کرے اور علم تصوف سے منکر ہو یا علم تصوف اور صوفیوں اور ذکر الٰہی کرنے والوں کو حقیر جانے اس پر کیا حکم ہے ؟

---

(۱) اذا وصف اللہ تعالی بما لا یلیق بہ او سخر اسما من اسمائہ تعالیٰ او بامر من اوامرہ اوانکر وعداو وعیدا یکفر الخ (الفتاوی البزازیہ علی ہامش الہندیہ الثانی فیما یتعلق باللہ تعالی ۶/۳۴۳ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(جواب ۷۱) جو لوگ کہ احکام شرعیہ کے پابند اور سنت نبویہ علی صاحبہا افضل الصلوۃ والتحیۃ کے موافق عامل اور ذکر واشغال مشروعہ میں مشغول رہتے ہیں ان کی توہین وتذلیل کرنا یا استخفاف واستہزاء سے پیش آنا اگر ان کے عمل واتباع شریعت وامتثال احکام الٰہیہ ونبویہ کی وجہ سے ہو تو بے شک وشبہ کفر ہے کیونکہ وہ در حقیقت شریعت بیضاء سنت غرا کا استخفاف ہے جس کے کفر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ترك السنن فان راها حقًا اثم والا كفر (در مختار) قوله والا كفر اى بان استخف فيقول هى فعل النبى ﷺ وانا لا افعله الخ (ردالمحتار) (۱) وفى العقائد النسفية والا ستهزاء على الشريعة كفر انتهى (۲) بالخصوص کسی بزرگ عالم کی توہین یا تذلیل کرنا بہت سخت گناہ ہے عن ابى امامة مرفوعا ثلاثة لا يستخفهم الا المنافق ذو الشيبة فى الاسلام و ذو العلم وامام مقسط (رواه الطبرانى فى الكبير انتهى (كذافى مجموعة الفتاوىٰ) (۳) و فيها نقلا عن البزازية الاستخفاف بالعلماء لكونهم علماء استخفاف بالعلم والعلم صفة الله تعالى منحه فضلا على خيار عباده ليد لواخلقه على شرعه نيابة عن رسله فاستخفافه بهذا يعلم انه من يهود انتهى (۴)

علم تصوف جسے علم اخلاق وعلم القلب کہا جاتا ہے شرعی علوم میں داخل ہے اور اس میں سے اتنی مقدار کا سیکھنا جس کے ذریعے سے اپنے رذائل باطنیہ کا ازالہ اور اخلاق وملکات نفسانیہ کے استعمال محرم سے اجتناب ہو سکے لازم ہے فى تبيين المحارم لاشك فى فرضية علم الفرائض الخمس و علم الاخلاص لان صحة العمل موقوفة عليه و علم الحلال والحرام و علم الرياء لان العابد محروم من ثواب عمله بالرياء و علم الحسد وا لعجب اذ هما يا كلان العمل كما تاكل النار الحطب الخ (رد المحتار) (۵) وقال فى رد المحتارلما علمت ان علم الاخلاص والعجب والحسد والرياء فرض عين و مثلها غير ها من آفات النفوس كالكبر والشح والحقد والغش والغضب والعداوة والبغضاء والطمع والبخل والبطرو الخيلاء والخيانة والمداهنة والا ستكبار عن الحق والمكرو المخادعة والقسوة وطول الامل و نحوها مما هو مبين فى ربع المهلكات من الاحياء قال فيه ولا ينفك عنها بشر فيلزمه ان يتعلم منها ما يرى نفسه محتاجا اليه وازالتها فرض عين الخ (رد المحتار) (۶) ہاں صوفیہ

---

(۱) باب الوتر والنوافل ۲ : ۲۲ ط سعید
(۲) ص : ۱۶۷ ط مکتبہ خیر کثیر کراچی
(۳) کتاب الكراهية ٤ / ۳۵۳ ط لکھنو
(٤) کتاب الكراهية ٤ / ۳۵۲ ط لکھنو
(۵) مطلب فی فرض الکفایۃ و فرض العین ۱ / ٤۲ ط سعید
(٦) مقدمه ۱ / ٤۳ ط سعید

کے اذکار و مراقبات وغیرہ کا علم جو زائد از حاجت ہو وہ فرض وواجب نہیں مگر مستحب ضرور ہے(۱) پس اس علم کو مطلقاً برا کہنے والا فاسق ہے اور استخفاف واستہزا میں خوف کفر ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

پمفلٹ میں مذکور تمام باتیں صحیح ہیں!

(سوال) ایک شخص نے جو اپنے آپ کو طبقہ فقرا میں سے بتاتے ہیں اپنی قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے اور ایک پمفلٹ شائع کیا ہے جس میں مندرجہ ذیل امور پر نفیاوا ثباتاً روشنی ڈالی ہے۔

(۱) نسل و خاندان پر فخر و غرور زمانہ جاہلیت کی یادگار ہے اور اسلام نے پتھر کے بتوں کی طرح اس کو بھی توڑا ہے۔

(۲) فقراء کو چاہیئے کہ وہ سستی کاہلی اور بے عملی جمود اور نشہ بازی کی عادتوں کو ترک کر دیں۔

(۳) جو فقر الوبا پہنتے' سینگ جاتے' ماتھے پر بصورت الف ٹیکا لگاتے' بدن پر راکھ ملتے اور لنگوٹا باندھ کر برہنہ رہتے ہیں وہ گناہ گار ہیں اور اسلامی تعلیمات کے خلاف جا رہے ہیں

(۴) فقیروں کو نفس کشی کے بہانے گداگری کرنا اور مرید بنا کر لوگوں کو خلاف سنت اعمال کی ترغیب دینا' عقل و خرد رکھتے ہوئے اپنے آپ کو ملنگ کہنا منع ہے۔

(۵) السلام علیکم کے بجائے یا علی مدد اور وعلیکم السلام کے بجائے مولی علی مدد کہنا ناجائز ہے۔

(۶) ڈھولک سارنگی کے ساتھ گانا سننا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔

(۷) فقیری کو ایک مستقل پیشہ بنانا سخت معیوب ہے۔

(۸) فقرا کا فرض ہے کہ اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے مدرسے کھولیں اور ان میں مذہبی تعلیم کا انتظام کریں ان مدارس میں دستکاری کی تعلیم بھی دی جائے۔

(۹) فقراء کو صرف خدا ہی کا محتاج ہونا چاہیئے۔

(۱۰) فقراء صرف خدا سے لو لگائیں اسی ذات کو مستعان اور حاجت روا سمجھیں

(۱۱) شادیوں میں گانٹھ رنگ وغیرہ ترک کر دیئے جائیں۔

(۱۲) بارات میں ناچ رنگ اور تاشہ باجہ ممنوع ہیں۔

(۱۳) رخصت کے وقت لوگوں کو جہیز وغیرہ نہیں دکھانا چاہیئے۔

(۱۴) چالا گونہ وغیرہ قابل ترک ہیں کھانے کی جو رسم جھوٹ کے نام سے موسوم ہے ترک کر دینی چاہیئے۔

(۱۵) غمی کے موقع پر تعزیت کنندگان کے لئے پان حقہ اور کھانا مہیا کرنا قابل ترک ہے۔

---

(۱) و مندوبا. وهو التبحر في الفقه و علم القلب (الدر المختار مع رد المحتار' مقدمه ۱ /۴۳ ط سعيد)

(۲) الاستهزاء بالعلم والعلماء كفر (الاشباه والنظائر' الفن الاول' كتاب السير ص ۱۹۱ ط بيروت)

(۱۶) تیجہ دسواں چہلم وغیرہ رسوم کا ترک کرنا مستحسن ہے۔

صاحب رسالہ نے مندرجہ بالا امور لکھے ہیں وہ ازروئے شرع شریف صحیح ہیں یا نہیں اور فقرا کو ان پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۵۳ محمد عمر علی قصبہ پلکھوہ ضلع میرٹھ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۳۵ء

(جواب ۷۲) یہ تمام امور صحیح ہیں اور شرع شریف کی تعلیم کے مطابق ہیں پہلے نمبر کا مطلب یہ ہے کہ نسل اور خاندان پر تکبر اور ایسا فخر کرنا جس سے دوسرے مسلمانوں کی توہین ہوتی ہو ناجائز ہے اور باقی سب نمبر درست ہیں (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کیا جاہل شخص ولی بن سکتا ہے؟

(سوال) جاہل آدمی عارف ولی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر قسمت کی تیزی سے ہو جائے تو اس کو علم لدنی حاصل ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۹۴۴ محمد مقصود احمد خاں (تانبوے) ۲۹ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۳۱ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۷۳) عرفی طور پر جاہل آدمی یعنی لوگ جس کو جاہل سمجھتے ہوں وہ ولی ہو سکتا ہے اور روایت

---

(۱) (۱) عن ابی ہریرۃ قال : قال رسول اللہ ﷺ: " ان اللہ قد اذہب عنکم عبیۃ الجاہلیۃ و فخرہا بالآباء مؤمن تقی و فاجر شقی انتم بنو آدم و آدم من تراب لیدعن رجال فخرہم باقوام" (سنن ابی داؤد باب التفاخر بالاحساب ۲ : ۳۵۰ ط امدادیہ ملتان)

(۲) عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال : " کل مسکر خمر و کل مسکر حرام (صحیح مسلم باب ان کل مسکر حرام ۲ : ۱۶۷ ط قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۳-۶) قال رحمہ اللہ تعالی : " السماع والقول والرقص الذی یفعلہ المتصوفۃ فی زماننا حرام لا یجوز القصد الیہ والجلوس علیہ وہو والغناء والمزامیر سواء (العالمگیریۃ الباب السابع عشر فی الغناء واللہو ۵ : ۳۵۲ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(٤) واما الذین یتعبدون بالریاضیات والخلوات ویترکون الجمع والجماعات فہم الذین ضل سعیہم فی الحیاۃ الدنیا وہم یحسبون انہم یحسنون صنعا (شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص ٥١٤ ط قدیمی کتب خانہ کراچی)

(٥) عن عبداللہ بن بسر قال : " کان رسول اللہ ﷺ اذا اتی باب قوم ... ویقول : " السلام علیکم" (سنن ابی داود باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستئذان ۲ : ۲٥۸ ط امدادیہ ملتان)

(۸) وفی القنیۃ : " لہ اکراہ طفلہ علی تعلیم قرآن وادب و علم لفریضتہ علی الوالدین" (الدر المختار باب التعزیر ٤ : ۷۸ ط سعید)

(۱۱-۱۲) استماع صوت الملاہی کضرب قصب و نحوہ حرام (الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ ٦ : ۳٤۹ ط سعید)

(۱٤-۱٥) و یکرہ اتخاذ الضیافۃ من اہل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وہی بدعۃ مستقبحۃ وروی الامام احمد و ابن ماجہ باسنادہ عن جریر بن عبداللہ کنا نعد الاجتماع الی اہل المیت و صنعہم الطعام من النیاحۃ (رد المحتار کتاب الجنائز مطلب فی کراہیۃ الضیافۃ من اہل المیت ۲ : ۲٤۰ ط سعید)

(۱٦) و یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث و بعد الاسبوع (مرجع سابق)

کے لئے جس قدر علم ضروری ہے وہ خداوند تعالیٰ اس کو عطا فرما دیتا ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کرامت بعد الموت ممکن نہیں

(سوال) کیا مرنے کے بعد کسی ولی کی کرامت ماننا کفر ہے؟ المستفتی نمبر ۷۹۵ مولوی عبدالحلیم (ضلع پشاور) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۷۴) ولی کی کرامت بعد موت بھی ممکن ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حضور ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چومنے آنکھوں پر لگانے کا حکم.

(سوال) (۱) اذان کے درمیان جب مؤذن اشهد ان محمدا رسول الله کہتا ہے تمام مبارک محمد پر سامعین اپنے دونوں ہاتھوں کے ابہام کو چوم کر آنکھوں پر رکھتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۱۲۸۳ محمد گھوڑو خاں صاحب (ضلع دھارواڑ) ۱۹ شوال ۱۳۵۵ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۷۵) آنحضرت ﷺ کا نام نامی سننے پر ابہام کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا سنت نہیں ہے حضور ﷺ نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا اور نہ صحابہ کرامؓ سے یہ عمل در آمد ہوا ہاں مسند فردوس دیلمی سے ایک روایت اس کے متعلق نقل کی گئی ہے وہ روایت ضعیف ہے(۳) بعض بزرگوں نے اس عمل کو آنکھیں نہ دکھنے کے لئے مؤثر بتایا ہے تو اگر کوئی شخص اس کو سنت نہ سمجھے اور آنکھوں کے نہ دکھنے کے لئے بطور ایک علاج کے عمل کرے تو اس کے لئے فی نفسہ یہ عمل مباح ہوگا مگر لوگ اس کو شرعی چیز اور سنت سمجھ کرتے ہیں اس لئے اس کو ترک کر دینا ہی بہتر ہے تاکہ لوگ التباس میں مبتلا نہ ہوں۔(۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شجرہ کو قبر میں دفن کرنا جائز نہیں.

(سوال) جو شخص کسی پیر کا مرید ہو اور اس کا شجرہ دوسرے گاؤں کو رہ گیا ہو اور اس شخص کا دوسری جگہ

---

(۱) و الولی هو العارف بالله تعالی و صفاته حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی (شرح العقائد النسفیة' ص ۱۴۵ ط مکتبه خیر کثیر کراچی)
(۲) عن عائشة : لما مات النجاشی کنا نتحدث انه لا یزال یری علی قبره نور رواه ابوداؤد (مشکوة المصابیح' باب الکرامات ۲/۵۴۵' ط سعید)
(۳) و کتاب الفردوس : من قبل ظفری ابهامه' عند سماع اشهدان محمدا رسول الله فی الاذان' انا قائده' و مدخله فی صفوف الجنة" و تمامه فی حواشی البحر للرملی عن المقاصد الحسنة للسخاوی' و ذکر ذلک الجراحی و طال' ثم قال: ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شیئ (رد المحتار' باب الاذان ۱/۳۵۸ ط سعید)
(۴) ای و کل جائز ادی الی اعتقاد ذلک کره (رد المحتار' کتاب الصلاة ۱/۳۷۱' ط سعید)

انتقال ہو جائے تو اس شجرہ کو کیا کرنا چاہئے بعض کہتے ہیں کہ بعد میں اس قبر پر تھوڑا کھود کر اس میں دفن کر دینا چاہئے۔ **المستفتی** نمبر ۱۳۷۸ شیخ اعظم شیخ معظم ملاجی صاحب (مغربی خاندلیس) ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۱ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۷۶) شجرہ کو قبر میں دفن کرنا جائز ہے انتقال کے بعد شجرہ کسی دوسرے شخص کے کام میں آجائے گا۔(۱) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی**

نامحرم عورت کا مرشد کے ساتھ رہنا جائز نہیں.

(سوال) زید بعمر ۷۵ سال ایک مستند عالم فاضل اجل مدرسہ عربیہ دیوبند کا قدیم سند یافتہ حافظ قاری حاجی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کا کامل مکمل بزرگ متبع سنت کہ شاید اس کی نظیر متقدمین میں ہی ملے زہد واتقا میں آپ اپنی نظیر۔ صحبت ایسی بابرکت اور پر اثر کہ بہت سے نسبت مجددیہ سے سرشار ہو کر سلوک ختم کر چکے اور بفضلہ تعالیٰ اشاعت طریقہ میں مشغول ہیں۔

ایک عورت مسماۃ خالدہ بعمر ۳۰ سال انگریزی تعلیم یافتہ جدید تہذیب و تمدن کی دلدادہ اس کی اپنے خاوند سے اس بنا پر ناچاقی ہو گئی کہ وہ قادیانی مذہب پر تھا خالدہ کو بھی مجبور کرتا تھا کہ قادیانی مذہب اختیار کرے خاوند نے خالدہ کو میکے پہنچادیا اور کہہ دیا کہ میرے یہاں آنے پر تجھ کو طلاق ہے بلکہ اس کو لکھ دیا خالدہ نے میکے آکر زید کی صحبت اختیار کی اور مرید ہو گئی زید کی صحبت اور توجہ کا خالدہ پر یہ اثر ہوا کہ انگریزی تہذیب و تمدن غائب ہو گیا خالدہ پر اب زید کی جدائی شاق ہے معمولات طریقت پر حسب ہدایت سختی سے پابند ہے زید کی ہر خدمت مثلاً وضو کا پانی دینا سوتے میں پنکھا جھلنا، غسل کرانا کپڑے سینا سب کچھ اپنے ذمے لے لیا ہے زید کو بھی اس سے مثل بیٹی کے ایسی ہی محبت ہے چنانچہ زید اس کو بیٹی ہی کہتا اور لکھتا ہے پردہ نہیں ہے چنانچہ جہاں جاتا ہے خالدہ بھی ساتھ جاتی ہے کھانا بھی ساتھ کھاتے ہیں ایک ہی کمرے میں سوتے ہیں حتیٰ کہ زید کبھی اپنے ہاتھ سے خالدہ کے منہ میں لقمہ بھی دیتا ہے خالدہ کی یوماً فیوماً استقامت شریعت ترقی پذیر ہے سلوک قریب الختم ہے لباس اور ہر چیز شریعت و طریقت ہے۔

لوگ ان تعلقات پر انگشت بدنداں ہیں زید یہ جواب دیتا ہے کہ میری عمر تقریباً ۷۵ سال ہو چکی ہے شہوانی خیالات کا مجھ پر اثر بھی باقی نہیں ہے میں جو کچھ کرتا ہوں حسبۃً للہ خالدہ کی تکمیل کے واسطے کرتا ہوں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ زید اس امر میں کذب کا مرتکب ہو نہ ان امور کو پوشیدہ

---

(۱) وقد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان یکتب علی الکفن "یٰسین" والکھف و نحوھما خوفاً من صدید للمیت والقیاس المذکور ممنوع لان القصد ثم التمیز و ھنا التبرک فالا سماء المعدلمہ باقیہ علی حالھا فلا یجوز تعریضھا للنجاسۃ (رد المحتار' مطلب فیما یکتب علی کفن المیت ۲ ۲۴۶' ط سعید)

رکھتا ہے خالدہ کے خاندان کے سب لوگ موجود ہوتے ہیں دلیل میں پارہ نمبر ۷ اکی آیت حجاب (غیر اولی الاربة) اور حدیث جابر حجۃ الوداع واقعہ فضل بن عباس اور حدیث ام ہانی فتح مکہ بیان کرتا ہے۔

اگر ان امور میں شرعی حرمت یا عدم جواز ہے تو زید و خالدہ کے باطنی امور سلب ہو جانے چاہئیے تھے مگر ایسا نہیں ہے بلکہ جملہ مشاغل شرعی ترقی پذیر اور صحبت و توجہ میں اثر بدستور ہے۔ **المستفتی** نمبر ۲۷۸۱ حکیم عبدالقدیر خاں۔ بہرائچ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۴۴ء

(جواب ۷۷) آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ خالدہ ابھی تک منکوحہ عورت ہے اس کے شوہر نے اس کو میکے پہنچادیا ہے اور یہ کہہ دیا ہے یا لکھ دیا ہے کہ اگر تو میرے یہاں آئی تو تجھ پر طلاق ہے اور سوال سے یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ اس کے بعد خالدہ زوج کے یہاں گئی اور مطلقہ ہو گئی پس اگر وہ اب تک منکوحہ عورت ہے تو اس کو اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر میکے کے سوا کسی دوسری جگہ رہنا ہی جائز نہیں (۱) پھر منکوحہ غیر منکوحہ کے امتیاز سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی وہ اپنے مرشد زید کی غیر محرم ہے غیر محرم عورت کا مرشد کے ساتھ ایک حجرے میں تنہا رہنا' سونا' زید کا اس کے منہ میں لقمہ دینا' یہ سب باتیں باوجود بد نظمی نہ کرنے کے بھی قانون شریعت کے خلاف ہیں (۲) اور قانون شریعت کی خلاف ورزی مرشد کے لئے دوسروں سے زیادہ قابل گرفت ہے کیونکہ اس کا فعل دوسروں کے لئے حجت ہوتا ہے اور نفس پرست اس سے اپنی بوالہوسی کے لئے استدلال کر سکتا ہے۔

رہی یہ بات کہ "اگر یہ امور خلاف شریعت ہیں تو زید و خالدہ کے باطنی امور سلب ہو جانے چاہئیے تھے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے" تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ان کے باطنی امور سلب نہیں ہوئے تو یہ بات بھی ہمارے جواب پر اثر انداز نہیں ہو سکتی کیونکہ جواب قانون شرع پر مبنی ہے اور سلب ہونا نہ ہونا معاملہ خداوندی پر موقوف ہے جو علیم بذات الصدور ہے' ایک شخص قانون کی رو سے ماخوذ اور عند اللہ بری ہو سکتا ہے جیسے منصور حلاج اور اگر ہم اسے تسلیم ہی نہ کریں کہ ان دونوں کے باطنی کمالات سلب نہیں ہوئے تو یہ بھی درست ہے کیونکہ ہمارے پاس علم بالباطن کا کوئی ذریعہ نہیں ہے **وما یدریك ان اللہ اکرمہ والله لا ادری وانا رسول الله ما یفعل بی** (۳) ہم تو اس کے مکلف ہیں کہ کسی شخص کے اعمال کو اسوہ حسنہ اور سیرۃ مقدسہ جناب خاتم المرسلین رحمۃ للعلمین ﷺ کی کسوٹی پر جانچیں حضور ﷺ کا فرمان یہ ہے **لا یخلون رجل بامراۃ الا کان ثالثہا**

---

(۱) فلا تخرج الا لحق لها او علیها اولزیارۃ ابویها کل جمعۃ او المحارم کل سنۃ او لکونها قابلۃ او غاسلۃ لا فیما عداذلك (الدرالمختار مع ردالمحتار' مطلب فی منع الزوجہ نفسها بقبض المهر ۳/ ۱۴۳' ط سعید)

(۲) عن جابر قال : قال رسول الله ﷺ الا لا یبیتن رجل عند امراۃ ثیب الا ان یکون ناکحا او ذا محرم (صحیح الامام مسلم: باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیہ ۲/ ۲۱۵' ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)

(۳) مشکوۃ المصابیح باب البکاء والخوف' الفصل الاول ۲: ۴۵۶' ط سعید)

الشیطان (۱) اور حضور کا عمل یہ ہے واللہ ما مست یدہ ید امراۃ قط (۲) یعنی تمام عمر حضور ﷺ نے عورتوں کو بیعت کرتے وقت بھی عورت کے ہاتھ کو اپنا دست مبارک نہیں لگایا۔ ﷺ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

ماثور وظائف کو ثابت شدہ ترتیب سے پڑھنا چاہئے' غیر ماثور میں اختیار ہے

(سوال) متعلق وظائف ماثورہ وغیر ماثورہ

(جواب ۷۸) جو وظائف آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں ان کو اسی ثابت شدہ ترکیب وترتیب سے پڑھنا چاہئے اس میں برکت اور امید قبولیت ہے (۳) اور جو وظائف حضور ﷺ سے منقول نہیں ان میں اختیار ہے جس طرح چاہے پڑھے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مخصوص وقت میں اجتماعی طور پر درود شریف پڑھنے کا التزام درست نہیں!

(سوال) متعلقہ التزام وظائف اجتماعا

(جواب ۷۹) نماز عشاء کے بعد روزانہ درود شریف پڑھنے کو لازم کرلینا بھی درست نہیں جو لوگ فارغ ہوں اور اپنی خوشی اور اخلاص سے پڑھنا چاہیں وہ پڑھیں اور جو نہ پڑھنا چاہے اس پر کوئی دباؤ اور جبر نہ کیا جائے (۴) درود شریف کا دم کیا ہوا پانی پینا ہر شخص پر لازم نہیں جو پینا چاہے پیئے نہ پینا چاہے نہ پئے۔ اس کو برا بھی نہ کہا جائے اور نہ کوئی بدگمانی کی جائے۔ وظیفہ کے شمار کے لئے پتھر کی کنکریاں ہوں یا بادام ہوں دونوں برابر ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حضور ﷺ کا معراج کے وقت حضرت عبدالقادر جیلانی کی گردن پر قدم رکھ کر براق پر سوار ہونے کا واقعہ جہلاء کی طرف سے گھڑا ہوا ہے۔

(سوال) اکثر مولود خواں صاحبان معراج مبارک کے واقعات میں یہ بات بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ معراج میں تشریف لے گئے اور براق پر سوار ہونے لگے تو براق نے شوخی کرنا شروع کی اس وقت حضرت غوث پاک محی الدین جیلانی نے اپنی گردن مبارک حضور ﷺ کے قدم کے نیچے رکھ

---

(۱) جامع الترمذی' باب کراہیۃ الدخول علی المغیبات ۱/ ۲۲۰ ط سعید

(۲) صحیح البخاری' باب اذا جاء کم المؤمنات مہاجرات ۲/ ۷۲۶ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی

(۳) ولا شک ان اتباع الادعیۃ الماثورۃ اولی وارجی للقبول (تکملۃ فتح الملہم' مسئلۃ التوسل' ۵/ ٦٢٤ ط مکتبہ دار العلوم' کراچی)

(٤) لماصح عن ابن مسعود انہ اخرج جماعۃ المسجد یہللون و یصلون علی النبی ﷺ جہرا وقال ما اراکم الا مبتدعین (رد المحتار' فصل فی البیع' ٦/ ۳۹۸ ط سعید)

دی اس وقت آپ براق پر سوار ہو گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا جیسا میرا قدم تیری گردن پر ہے ویسا ہی میرا قدم کل اولیاء اللہ کی گردن پر ہوگا کیا یہ روایت صحیح ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۶۱۱ نذیر احمد عزیز احمد ریاست ریواں ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۸۰) یہ قصہ بے اصل ہے اس کی کوئی معتبر سند اور ثبوت نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سماع متعارف 'قوالی ڈھول' طبلہ 'سارنگی سننا ممنوع ہے ۔

(سوال) سماع متعارف یعنی قوالی مع مزامیر ڈھول طبلہ 'ستار' سارنگی وغیرہ محرمات شرعیہ کے ساتھ از روئے شرع خواص و عوام کے لئے جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۸۱) قوالی اور مزامیر اور ڈھول 'طبلہ' سارنگی وغیرہ سب شرعاً ممنوع اور بدعت ہیں۔ کل بدعة ضلالة (۱) بدعت کو رواج دینے والا اور اس میں شریک ہونے والا اور سننے والا سب فاسق ہیں۔ التغنی باللهو معصية فی جمیع الادیان و علل بانه یجمع الناس علی ارتکاب کبیرة کذافی العینی (۲) علی الهدایة و فی الحدیث نهی رسول الله ﷺ عن الصوتین الاحمقین النائحة والمغنية كذافی الهدایة (۳) ص ۱٤٦ قال رحمه الله تعالی السماع والقول والرقص الذی یفعله المتصوفة فی زماننا حرام لا یجوز القصد الیه والجلوس علیه وهو والغناء والمزامیر سواء كذافی الهندیه (٤) واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) مشکوۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنة ۱ / ۲۷ ط سعید

(۲) یہ عبارت "عینی" میں تلاش کے باوجود نہیں مل سکی " التغنی للهو معصية فی جمیع الادیان " (العنایة کتاب الشهادة باب من تقبل شهادته ومن لا تقبل ۷ / ٤۰۸ ط مصر) میں اور " و علل بانه یجمع الناس علی ارتکاب کبیرة " (مرجع سابق ۷ / ٤۰۹) میں موجود ہے

(۳) کتاب الشهادة باب من تقبل شهادته ومن لا تقبل ۳ / ۱٦۲ ط مکتبه شرکة علمیه ملتان

(٤) الباب السابع عشر فی الغناء واللهو و سائر المعاصی ۵ / ۳۵۲ ط ماجدیه کوئٹه

كتاب التفسير والتجويد

پہلا باب
آیات کی تشریح

آیت " ولو علم الله فیهم خیراً لا سمعهم " الایہ کا صحیح مطلب

(سوال) ولو علم الله فیهم خیرا لاسمعهم ولو اسمعهم لتولواوهم معرضون.(۱) اگر اللہ جانتاان میں بھلائی توان کو سناتااور اگران کو سنادیتا تو بھاگتے منہ پھیر کر۔
اللہ تعالیٰ ان کو سمجھاتااور سناتااور پھر بھی وہ نہ سنتے اور نہ سمجھتے اور بھاگ جاتے یہ عقل میں نہیں آتا اس سے قلب پر یہ اثر ہوتا ہے کہ گویااللہ تعالیٰ کا یہ کہنا ہے کہ میں کیاان کو سناتا میرا سنانا بے کار ہے اگر میں ان کو سناتا تو بھی وہ نہیں سنتے اور منہ پھیر کر بھاگ جاتے اس آیت کے صحیح مطلب سے آگاہ فرمائیں تاکہ یہ اثر رفع ہو۔ فقط المستفتی نمبر ۲۳۸۴ ایس محمد اسماعیل صاحب۔ صدر بازار (دہلی)
۲۷ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۲۶ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۸۲) آیت کے شان نزول میں یہ مذکور ہے کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے مطالبہ کیا تھا کہ اگر آپ سچے پیغمبر ہیں تو قصی کو زندہ کیجئے (قصی عرب کے ایک جد اعلیٰ کا نام ہے) قصی بڑا اچھااور مبارک آدمی تھا اگر وہ زندہ ہو کر آپ کی نبوت کی تصدیق کرے اور ہم خود ان کی تصدیق ان کی زبانی سن لیں تو آپ کی نبوت پر ایمان لائیں گے(۲)
اس مطالبے کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی حضرت حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ جانتا کہ ان کے دل میں خیر ہے اور وہ ایمان لانے کے لئے تیار ہیں تو ان کو قصی کی زبان سے تمہاری نبوت کی تصدیق سنا دیتا (مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کے دل میں خیر نہ تھی اور اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ان کا یہ مطالبہ خلوص پر مبنی نہیں ہے اگر قصی زندہ ہو کر بھی حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق کر دے اور یہ لوگ قصی کو زندہ دیکھ لیں اور اس کی زبان سے تصدیق نبوت سن لیں جب بھی ایمان نہ لائیں گے اس لئے حضرت حق نے انکا مطالبہ پورا نہ کیا اور قصی کی زبان سے ان کو تصدیق نبوت نہیں سنائی)اور اگر وہ باوجود ان کی بد نیتی اور خبث باطن کے علم کے ان کو قصی کی زبان سے تمہاری نبوت کی تصدیق سنا بھی دیتا تو اس کا بھی نتیجہ یہی ہوتا کہ ایمان نہ لاتے اور اعراض کرتے اور پشت پھیر کر بھاگ جاتے۔
اس شان نزول کے واقعہ کو پیش نظر رکھ کر آیت کریمہ کا مطلب اور مضمون سمجھنے میں کوئی

---

(۱) الانفال : ۲۳
(۲) و عن الجبائی انهم کانو یقولون لرسول الله ﷺ احیی لنا قصیا فانه کان شیخا مبارکا حتی یشهد لك ونؤمن بك فالمعنی ولو اسمعهم کلام قصی الخ (روح المعانی ۶ ' ۲۷۶ ط دار الفکر' بیروت)

دشواری اور پریشانی باقی نہیں رہتی اس کے علاوہ اور بھی توجیہ ہے مگر مسلمانوں کے اطمینان قلب کے لئے یہ کافی ہے جو میں نے ذکر کردی۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

" قل انما (انا) بشر مثلکم " کا ترجمہ " کہہ دو تحقیق نہیں ہوں بشر مانند تمہارے " کرنا غلط اور تحریف قرآن ہے

(سوال) ایک عالم مندرجہ ذیل آیت میں انما کے معنی اس طرح کرتا ہے قل ان ما انا بشر مثلکم (۱) کہہ دو تحقیق نہیں ہوں میں بشر مانند تمہارے ایک بار نہیں بلکہ بار بار وہ عالم یہی کہتا ہے کہ انما کے معنی ہیں تحقیق نہیں اب سوال یہ ہے کہ (۱) انما کے صحیح معنی کیا ہیں مدلل بیان فرمائیں (۲) اور ایسا شخص جو انما کے معنی " تحقیق نہیں " کرتا ہے شریعت کی طرف سے اس پر کیا حکم وارد ہوتا ہے نیز ایسے شخص کی امامت جائز ہے یا نہیں ؟ (۳) جو مسلمان ضد اور ہٹ سے یہ کہیں کہ ہمارے عالم کے معنی (تحقیق نہیں) ہی صحیح ہیں اور ہم یہی مانیں گے ان کے لئے شریعت کا حکم واضح فرمایا جائے۔ المستفتی نمبر ۲۴۰۹ حکیم محمد صادق صاحب۔ سیالکوٹ ۷ رجب ۱۳۵۷ھ مطابق ۳ ستمبر ۱۹۳۸ء

(جواب ۸۳) یہ ترجمہ غلط ہے اور قرآن پاک کے مفہوم کی تحریف ہے انما کلمہ حصر ہے جس کے ترجمہ کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ جس جملہ پر یہ داخل ہو اس میں خبر یا مسند کا مبتدا یا مسند الیہ کے لئے ثبوت لازم اور ضروری ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے انما ھو الہ واحد – ھو کی ضمیر کا مرجع اللہ ہے اور معنی یہ ہوئے ضروری طور پر اللہ تنہا معبود ہے اور دوسری جگہ فرمایا انما الھکم الہ واحد یعنی ضروری طور پر تمہارا معبود ایک ہے اس کلمہ کا ترجمہ اہل علم جز ایں نیست ' کے ساتھ کرتے تھے ایسے ہی آیت کریمہ انما انا بشر مثلکم کا ترجمہ یہ ہے ضروری طور پر میں بشر ہوں مثل تمہارے۔ یعنی بشریت میں تمہاری طرح ماں باپ سے پیدا ہوا ہوں کھاتا پیتا سوتا جاگتا بول و براز کرتا بولتا چالتا چلتا پھرتا ہوں (۲)

اس لفظ میں ما نفی کے معنی میں نہیں دیتا۔ ورنہ انما ھو الہ واحد کے معنی یہ ہو جائیں گے تحقیق نہیں وہ (یعنی اللہ) ایک معبود اور انما الھکم الہ واحد کے معنی یہ ہوں گے تحقیق نہیں معبود تمہارا ایک معبود اور یہ دونوں معنی کفر کو مستلزم ہیں پس جو شخص کہ انما انا بشر مثلکم کا ترجمہ یوں کرتا ہے کہ تحقیق نہیں میں بشر مانند تمہارے وہ قرآن مجید کی تحریف کرتا ہے اس کی امامت بھی

---

(۱) الکہف : ۱۱

(۲) قل لھولاء المشرکین یا محمد انما انا بشر مثلکم من بنی آدم لا علم لی الا ما علمنی اللہ وان اللہ یوحی الی ان معبودکم الذی یجب علیکم ان تعبدوہ ولا تشرکوا بہ شیئا معبود واحد (جامع البیان للطبری' الکہف ۱۱۰' ۱۶' ۳۱ ط بیروت لبنان)

درست ہے محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘ دہلی

آیت " وات ذالقربیٰ حقه الخ وبالوالدين احسانًا" (الآیۃ)وغیرہ کی تفسیر

(سوال) آیات ذیل کا مطلب وضاحت کے ساتھ مع اس کی تفسیر کے بیان فرمائیں ؟

(۱) وآت ذاالقربی حقه والمسکین (۲) الخ (۲) وبالوالدین احسانا و بذی القربی والیتامی و المساکین (۳) الخ (۳) واذا حضر القسمة اولو القربی والیتا می والمساکین فارزقوهم منه وقولوا لهم قولاً معروفا (٤) (٤) وات ذاالقربی حقه والمسکین وابن السبيل ولا تبذر تبذیرا -

اب یہ عام بات ہے کہ غیر لوگ آتے ہیں زکوۃ خیرات چندہ وغیرہ خوشامد در آمد سے وصول کر لیتے ہیں اور دینے والے صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اگر ہمارا نام صف اول میں ہو گا تو ہم اور دیں گے مگر اپنے عزیزان کا منہ دیکھتے رہتے ہیں حالانکہ صاحب مال کو یہ معلوم رہتا ہے کہ ہمارے عزیز قرضدار ہیں ضرورت مند ہیں لیکن وہ ان کو خیال میں نہیں لاتے‘ حالانکہ جو پوزیشن خاندانی ان کی ہے وہی ان کی ہے فرق اتنا ہے کہ وہ صاحب مال ہیں اور یہ بے مال وزر ہیں شرم وحیا کے مارے زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کو حقیر سمجھا جاتا ہے دعاو سلام میں گریز کیا جاتا ہے۔ اگر کسی رشتہ دار کو ملازم رکھ لیں تو اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے کہ غیر ملازمان سے بھی نہیں کرتے۔ اس پر بھی بس نہیں ہوتا تو طعن و تشنیع وغیرہ سے بھی گریز نہیں کرتے کلاں ہوں یا خورد سب ہی سے ایک طرح کا ہی برتاؤ کرتے ہیں کیا اسلام کے لوگوں نے یہی معنی اخذ کئے ہیں ؟

(نوٹ) صاحب مال کو چاہئیے کہ وہ خود اپنے عزیزوں کو جو کچھ دینا ہے دے یا ضرورت مند کو چاہئیے کہ وہ سوال کرے‘ حالانکہ صاحب مال جانتا ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۷۰۲ محمد سرور ولد حمید اللہ صاحب (جہلم) ۷ محرم ۱۳۶۱ھ مطابق ۴ فروری ۱۹۴۲ء

(جواب ۸٤) ان آیات کریمہ میں ذوی القربیٰ اور مساکین اور مسافر کا ذکر ہے ذوی القربیٰ سے کنبہ کے لوگ مراد ہیں قریب وبعید ہونے کے لحاظ سے ان کے درجات مختلف ہیں ان کے حقوق بھی مختلف ہیں بعض کے حقوق مؤکد اور مقدم ہیں اور بعض کے مستحب اور مؤخر ہیں مثلاً مستطیع پر اس کی اولاد اور

---

(۱) (ویکرہ امامته) مبتدع ای صاحب بدعة وهی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول (تنویر الابصار و شرحه مع رد المحتار باب الامامة ۱ / ۵٦۰ ط سعید)

(۲) بنی اسرائیل: ۲٦

(۳) النساء : ۳٦

(٤) النساء : ۸

ماں باپ کا نفقہ واجب ہے(۱) مگر ایسے شخص پر جو یا تو اولاد کو نفقہ دے سکتا ہے یا ماں باپ کو یعنی دونوں کو دینے کی استطاعت نہیں رکھتا اولاد کا نفقہ مقدم ہے(۲)

صدقات واجبہ یعنی زکوۃ' فطرہ' عشر' کفارہ اپنے اصول و فروع کو نہیں دے سکتا ان کے علاوہ باقی تمام قرابت داروں کو' جب کہ وہ مسکین ہوں' دے سکتا ہے بلکہ اجنبی مسکینوں سے ان کا حق مقدم ہے(۳)

صاحب مال کو جب علم ہو کہ اس کے کنبے میں غریب اور حاجت مند لوگ ہیں تو اس کو خود ان کو دینا چاہئے ان کے مانگنے کا انتظار نہ کرنا چاہئے ضروری نہیں ہے کہ یہ ان کو زکوۃ یا صدقہ جتا کر دے بلکہ جتا کر نہ دینا ہی بہتر ہے کیونکہ زکوۃ' صدقہ خیرات کا نام سن کر وہ قبول کرنے سے احتراز کریں گے۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

آیت " ان عبادی لیس لك علیهم "الآیۃ اور " لا غوینهم اجمعین " میں شبہ تعارض کا رفع

(سوال) قرآن شریف میں حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ میں مذکور ہے کہ ابلیس کو جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ان عبادی لیس لك علیهم سلطان اور خود ابلیس کا اقرار بھی ہے کہ لا غوینهم اجمعین الا عبادك منهم المخلصین حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے مخلصین میں سے ہونے میں شک نہیں اور صراحتہً یہ بھی مذکور ہے کہ ابلیس نے دونوں کو بھکایا مثلاً فازلهما الشیطان وغیرہ اس سے من وجہ سلطان اور اغوا بھی ثابت ہوتا ہے ان آیات کا تعارض رفع فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۷۸۳ مولوی عبدالحمید۔ مہتمم مدرسہ رشیدیہ لدھیانہ۔ مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۴۴ء

(جواب ۸۵) قرآن مجید میں ان عبادی لیس لك علیهم سلطان اس بارے میں صریح ہے کہ شیطان کا مقربین و مخلصین پر قابو اور غلبہ نہیں ہوتا بھکانا یا بھکانے کی کوشش کرنا منفی نہیں ہے اور لا غوینهم اجمعین الا عبادك منهم المخلصین (۵) میں استثناء اصل لاغوینهم سے نہیں ہے بلکہ

---

(۱) قال و یجبر الولد الموسر علی نفقة الابوین المعسرین (عالمگیریہ' الفصل الخامس فی نفقة ذوی الارحام' ۱/ ۵٦٤ ط ماجدیه کوئٹه)(۲) وان کان للرجل اب و ابن صغیر' وهو لا یقدر الا علی نفقة احد هما فالا بن احق (عالمگیریة' الفصل الخامس فی نفقة ذوی الارحام' ۱/ ۵٦۵ ط ماجدیه کوئٹه)

(۳) ولا الی من بینهما ولاء (تنویر شرحه) و فی الشامیه : ای اصله وان علا کابویه و اجدده' واجداده من قبلها و فرعه وان سفل.... و قید بالولاء لجوازه لبقیة الا قارب کالا خوة والاعمام والاخوال الفقراء بل هم اولی لانه صلة و صدقة و فی الظهیریه' و یبدا بالصدقات فی الاقارب' الخ (رد المحتار: باب المصرف ۲/ ۳٤٦ ط سعید)

(٤) ومن اعطی مسکینا دراهم وسماها هبة او قرضا ونوی الزکاة فانها تجزیه وهو الاصح (عالمگیریه: الباب الاول فی تفسیر ها وصفتها و شرائطها' ۱/ ۱۷۰ ط ماجدیه کوئٹه)

(۵) الحجرات : ۳۹' ٤۰' ٤۲

اس کے مطاوع سے ہے تقدیر عبارت کی یوں ہے **لا غوینهم اجمعين فيكونون من الغاوين الا عبادك منهم المخلصين** مگر چونکہ مطاوع مذکور نہیں ہے (گو مراد ہے) اس لئے مستثنیٰ کا اعراب نصب لایا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے جو لغزش ہوئی وہ ابلیس کے سلطان اور قابو پانے سے نہیں ہوئی بلکہ سہوا ہوئی اسکی شہادت قرآن مجید میں موجود ہے۔ **ولقد عهدنا الى آدم من قبل فنسى ولم نجد له عزما** (۱) **فازلهما** میں شیطان کی طرف نسبت اس کی سعی اور کوشش کے اظہار کے لئے کی گئی ہے کہ اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر آدم پر قابو نہ پاسکا لیکن آدم سے نسیاناً وہ فعل سرزد ہو گیا جو شیطان چاہتا تھا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) آیت "يعيسى انى متوفيك و رافعك" (الایۃ) کا صحیح معنی.
(۲) آیت مرج البحرين سے علیؓ اور يخرج منهما اللؤلؤ والمرجان سے حسن وحسینؓ مراد لینا غلط ہے

(ازاخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) (۱) **يعيسى انى متوفيك ورافعك الى و مطهرك الخ** (۲) اس آیت میں متوفیک کے کیا معنی ہیں ؟

(۲) **مرج البحرين يلتقين بينهما برزخ لا يبغيان** (۳) **يخرج منهم اللؤلؤ والمرجان** (۴) ایک مولوی صاحب نے آیات مذکورہ کی تشریح میں حوالہ تفسیر روح البیان یہ بیان کیا ہے کہ اول سے مراد حضرت علیؓ وحضرت فاطمہ الزہرأ ہیں اور آیت ثانی کا تعلق حضرت حسن وحسینؓ سے ہے کیا یہ صحیح ہے ؟

(جواب ۸۶) (۱) آیت شریفہ کے معنی یہ ہیں کہ اے عیسیٰ میں ہی تم کو وفات دینے والا ہوں یہود تم کو قتل نہیں کر سکتے جب وفات کا وقت آئے گا تو میں تم کو قبض کروں گا اور تم کو اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تم کو کفار کی تہمت سے پاک کروں گا (۵)

(۲) یہ مطلب لغت اور محاورے کے لحاظ سے نہیں بلکہ ایک تخیل ہے جو کسی طرح حجت نہیں

---

(۱) طه : ۱۱۵

(۲) آل عمران : ۵۵

(۳) الرحمن : ۱۹ ، ۲۰

(٤) ایضا : ۲۲

(۵) وفی التفسير الكبير للامام الرازی قوله تعالى (انى متوفيك) اى متمم عمرك فحينئذ اتوفاك ' فلا اتركهم حتى يقتلوك بل انا رافعك الى سمائى و مقربك بملائكتى واصونك عن ان يتمكنوا من قتلك وهذا تاويل حسن (آل عمران : ۵۵ ' ۸/ ٦٧ ' ط دار الكتب العلمية' تهران)

ہو سکتا(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

(۱) قرآن مجید میں بعض ایسی آیتیں ہیں جن کا حکم مؤقت تھا۔
(۲) قوانین اسلام مقتضائے عقل کے موافق ہیں۔

(ازاخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۳۵ء)

(سوال) (۱) کیا کلام پاک کی کوئی آیت منسوخ الکلام بھی ہے؟ یعنی ایک مرتبہ ایک بات کا حکم صادر ہوا اور پھر دوسرے موقعہ پر کلام پاک ہی میں اس کی تردید کردی گئی ہو (۲) قانون مذہب اسلام کی بنیاد عقل پر ہے یا محض اعتقاد پر؟

(جواب ۸۷) (۱) ہاں بعض آیتیں ایسی ہیں جن کا حکم موقت تھا اور دوسری آیت کے نازل ہو جانے سے سابقہ آیت کا حکم مرتفع ہو گیا یہ بات نہیں کہ کوئی حکم دیا گیا تھا اور اس کی تردید کردی گئی بلکہ سابقہ حکم اسی وقت تک کے لئے تھا جب تک دوسری آیت نازل ہو(۲) (۲) اسلامی قانون کی بنیاد قرآن پاک اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات و تعلیمات پر ہے اور تمام اسلامی قانون مقتضائے عقل کے موافق ہے اسلام کا کوئی مسئلہ عقل صحیح ورائے سلیم کے خلاف نہیں البتہ بعض مسائل ایسے دقیق ضرور ہیں کہ عقل کی وہاں تک رسائی نہیں مگر یہ بات نہیں کہ عقل ان کے خلاف کوئی دلیل قائم کر سکتی ہے جیسے محسوسات میں بعض جرم ایسے ہیں کہ قوت بصارت ان کے ادراک سے قاصر ہے مگر ان کا وجود صحیح و ثابت ہے اور خوردبین کے ذریعے سے وہ دیکھے جاسکتے ہیں ایسے ہی معقولات میں بعض مسائل ایسے باریک ہیں کہ عقل بغیر الہام یا وحی کے خوردبین کے انہیں دریافت نہیں کر سکتی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

دوسرا باب
رموز او قاف

قرآن مجید میں مواضع وقف کا حکم

(سوال) ایک شخص اپنے کو قاری واقف تجوید بتاتا ہے مگر وقت تلاوت قرآن مجید او قاف پر وقف نہیں کرتا یعنی آیات و مطلق وغیرہ حتیٰ کہ رکوع پر نیز اختتام سورت پر بھی وقف نہیں کرتا برابر اعراب

---

(۱) بخلاف نحو تاویل البحرین بعلی و فاطمۃ واللؤلؤ والمرجان بالحسن والحسین فانہ من تاویل الجہلۃ والحمقاء کالروافض (مرقاۃ المفاتیح کتاب العلم الفصل الثانی ۱/ ۲۹۲ ط امدادیہ ملتان)

(۲) فمعنی النسخ عندھم ازالۃ بعض الاوصاف من الآیۃ بآیۃ اخری اما بانتہاء مدۃ العمل الخ (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۳۸ مکتبہ خیر کثیر کراچی)

کے ساتھ پڑھے جاتا ہے جب ہم لوگوں نے اس کے متعلق کہا کہ متقدمین و متاخرین نے یہ علامتیں مقرر کی ہیں تم اس کے خلاف ہو تو اس کے جواب میں قاری صاحب نے یہ کہا کہ اول تو صحت لفظ آخر حرف کی حرکت سے ہو جاتی ہے دوسرے علم تجوید دنیا سے مفقود کے قریب ہو چکا ہے صحیح ہم پڑھتے ہیں سوئم یہ کہ قرآن پڑھنے والا مسافر ہے کہ اس کو اپنی منزل پر پہنچنا ہے لہذا اگر تھکا نہ ہو تو اور تھوڑا راستہ طے کرے گا اگر قاری وقف کرے گا تو راستہ طے نہ ہوگا اور اگر برابر چلا جائے تو زیادہ تلاوت کرے گا ہاں سانس ٹوٹ جائے تو وہیں وقف کرنا اولیٰ واجب ہے ورنہ اور سب فضول ہے وقف لازم وغیرہ کسی وقف کے کرنے کی ضرورت نہیں لہذا غور و خوض سے جواب عنایت فرمائیں؟

(جواب ۸۸) شخص مذکور فی السوال کا قول غلط ہے اور اس کی تمام دلیلیں باطل ہیں آیات قرآن مجید توقیفی ہیں ان پر وقف کرنا عین اتباع ما نزل ہے بعض مقامات میں وقف کرنا ضروری ہے کیونکہ وقف نہ کرنے سے معنی فاسد ہو جاتے ہیں یہ کہنا کہ وقف نہ کرنے سے آخر حرف کی صحت حرکت ہو جائے گی غلط ہے کیونکہ وقف کے موقع پر وقف کرنا ہی صحیح ہے نہ کرنے سے اختلال نظم واقع ہوگا نیز وقف کرنا بھی عرب عرباء کی اسالیب کلام میں داخل ہے پس اسالیب عربیت کی رعایت نہ کرنے کا نام صحت رکھنا ناواقفیت کا نتیجہ ہے اور یہ فرمانا کہ علم تجوید تقریباً مفقود ہو چکا ہے یہ بھی مغالطہ ہے علم تجوید ویسا ہی موجود ہے جیسے پہلے تھا اور اس کی کتابیں اور قواعد تجوید ان کتابوں میں موجود ہیں اگر اس علم کے عالموں کا وجود کم بھی ہو تاہم علم کا فقدان غلط ہے اوقاف کے قواعد کتب تجوید میں موجود ہیں جو شخص مذکور کی بات کی صریح تغلیط کرتے ہیں' قرآن پڑھنے والے کا مثل مسافر کے ہونا مسلم' لیکن یہ کون عقل مند کہہ سکتا ہے کہ مسافر کو حالت سفر میں ٹھہرنے اور توقف کرنے کے مواقع میں بھی ٹھہرنا نہ چاہئے مثلاً کھانے پینے یا دیگر ضروریات کے لئے وغیرہ وغیرہ جو مواقع کہ وقف کے لئے مقرر کئے ہیں وہ وہی ہیں جہاں ٹھہرنا مناسب یا ضروری ہے(۱) واللہ اعلم　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

"غشاوۃ" پر سانس ٹوٹنے میں " ولھم" سے ابتداء کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں.

(سوال) اگر سانس ٹوٹنے یا کسی اور عذر کی وجہ سے **"غشاوۃ"** پر وقف کر دیا اور **"ولھم"** کو علیحدہ پڑھ دیا تو جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۱۵۱ نذیر احمد (ضلع منٹگمری' پنجاب) ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۹ اگست ۱۹۳۶ء

---

(۱) قال النحاس : فهذا الحديث يدل على انهم كانوا يتعلمون الاوقاف كما يتعلمون القرآن و قول ابن عمرؓ لقد عشنا برهة من دهرنا " يدل على ان ذلك اجماع من الصحابة ثابت ...... و عن علي في قوله تعالىٰ " و رتل القرآن ترتيلا قال الترتيل تجويد الحروف و معرفة الوقف قال ابن الانباري: من تمام معرفة القرآن معرفة الوقف والابتداء (الاتقان في علوم القرآن : النوع الثامن والعشرون في معرفة الوقف والابتداء ۱/۸۳ ط سهيل اكيڈمي لاهور)

(جواب ۸۹) سانس ٹوٹنے یا کسی اور عذر سے ”غشاوۃ“ پر وقف کر دینا اور ”ولھم“ کو علیحدہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ایسے لفظ پر سانس ٹوٹے جہاں وقف نہ ہو تو اعادہ افضل ہے

(سوال) اگر کسی لفظ پر سانس ٹوٹ جائے اور وہاں وقف نہ ہو تو اس لفظ کا دوبارہ لوٹانا کیسا ہے ؟
(جواب ۹۰) سانس ٹوٹ جائے تو اس لفظ کو جس پر سانس ٹوٹا ہے اور وقف نہیں ہے' دوبارہ پڑھ لینا بہتر ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(سوال) ایضاً
(جواب ۹۱ از استفتاء دیگر) سانس ایسی جگہ ٹوٹ جائے کہ وہاں وقف نہ ہو تو اوپر سے ملا کر پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تیسرا باب
مخارج حروف

ضاد اکثر صفات میں ظاء کا مشابہ ہے لیکن مستقل حرف ہے۔

(سوال) (۱) حرف ضاد کا مشتبہ الصوت بظا جو کہ اکثر کتابوں میں اور زندہ قاریوں کے فتاوے میں مصرح ہے تو اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ صورت صفائی میں تشابہ ہے سننے میں ظا کی آواز کے مشابہ نہ ہو گا اس دعویٰ میں یہ بھی دلیل پیش کرتے ہیں کہ مفتی کفایت اللہ صاحب استاد کل ہیں تشابہ کے قائل ہیں اور اس کا قرات یہ تھا کہ اس کا ضاد سننے میں ظا کے ہرگز قریب نہ تھا۔
(۲) حرف ضاد اگر سننے میں نہ دال ہو نہ دال مفخم ہو نہ دال کے مشابہ ہو نہ مخلوط بدال ہو نہ مشابہ بالظا ہو بلکہ مستقل صوت ہو یہ صحیح ہے۔

---

(۱) و فی النشر لابن الجزری: لما لم یمکن للقاری ان یقرأ سورۃ اوالقصۃ فی نفس واحد' ولم یجز التنفس بین کلمتین حالۃ الوصل بل ذلک کالتنفس فی اثناء لکلمۃ' وجب حینئذٍ اختیار وقفۃ للتنفس والا ستراحۃ و تعین ارتضاء وابتداء و بعدہ و یتحتم ان لا یکون ذلک مما یحیل المعنیٰ ولا یتحل بالفھم (الاتقان فی علوم القرآن: النوع الثامن والعشرون فی معرفۃ الوقف والابتداء' ۱/۸۳ ط سھیل اکیڈمی' لاھور)
(۲) وقال ابن الانباری: الوقف علی ثلاثہ اوجہ : تام' وحسن' و قبیح۔ والحسن الذی یحسن الوقف علیہ ولا یحسن الابتداء بما بعدہ کقولہ : الحمد للہ' لان الابتداء بقولہ رب العلمین' لا یحسن لکونہ صفۃ لما قبلہ (الاتقان فی علوم القرآن' النوع الثامن والعشرون' ۱/۸٤ ط سھیل اکیڈمی'لاھور)
(۳) حوالہ بالا

(۳) فتاوی سعدیہ ص ۴۴ میں مفتی سعد اللہ فرماتے ہیں کہ "حال دال و ضاد مثل صاد صالحات و طائے طالحات کہ ہر کسے فرق بینہما بلا مشقت حاصل تواں کرد و زبان وقت ادائے ہر یکے بر دیگرے لغزش نہ کند نیست الخ" اس کا کیا مطلب ہے؟ یہ ضاد صحیحہ اور دال کے درمیان کی نسبت کا ذکر ہے یا ضاد غیر صحیحہ اور دال کے درمیان ہے؟

(۴) مولانا رشید احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دال پُر خود کوئی مستقل حرف نہیں بلکہ وہی ضاد ہے ضاد کے ہی مخرج سے پورے طور ادا نہ ہوا تو کیا ان کے کلام سے وہی ضاد ہے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ ضاد جو کہ سمع میں دال کے مشابہ ہے اور ظا کے مشابہ نہیں صحیح ہے؟ (فتاوی رشیدیہ حصہ سوم ص ۹۳ - ۹۴)

(۵) دال پر کی آواز میں پڑھنے والے کی نماز صحیح لکھا ہے قاری کا نماز بھی اس کے پیچھے صحیح لکھا ہے قصد و غیر قصد کا ذکر نہیں اس کی وضاحت فرما دیں۔ المستفتی نمبر ۳۳ خان محمد ہوری متعلم مدرسہ امینیہ دہلی ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۹۲) (۱) کتب تجوید میں جو لکھا ہے اور قرائے موجودین جو فرماتے ہیں کہ ضاد صفات میں ظا کے مشابہ ہے یہ صحیح ہے مگر ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ضاد مستقل اور ظا ت جداگانہ حرف ہے ادا کے وقت سماع میں بھی اسکو ظا سے علیحدہ آواز میں مسموع ہونا چاہئیے یہ دوسری بات ہے کہ اس کی آواز میں ظا کی آواز کے ساتھ مشابہت پائی جائے(۱) جس آواز کو دال مفخم کی آواز سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ محض برائے تفہیم ہے ورنہ دال مفخم کوئی حرف نہیں اور نہ اس کی کوئی آواز ہے ضاد کی ادا دو قسم کی آواز سے کی جاتی ہے ایک آواز تو بالکل ظا کی آواز ہوتی ہے اور دوسری وہ آواز ہے جو نہ ظا کی طرح ہے نہ دال کی طرح اس کو بوجہ اس کے مستقل نام نہ موجود ہونے کے دال مفخم کی آواز سے بغرض تعبیر کر دیتے ہیں وہ ضاد ہی کی آواز ہے جو مختلف ادا کرنے والوں کی قوت ادا کے اختلاف کی وجہ سے بیشمار مراتب و مدارج رکھتی ہے بعض مراتب میں وہ صحیح ضاد اور بعض میں اقرب الی الصحۃ اور بعض میں قریب الی الصحۃ اور بعض میں غلط اور بعض میں اقرب الی الغلط ہو جاتی ہے مگر بہر صورت وہ ضاد ادا کرنے کی نیت سے ادا کی جائے تو اقرب الی الصواب ہے۔(۲)

(۲) بیشک ضاد مستقل حرف ہے اور اس کے لئے مستقل صوت ہے نہ وہ دال ہے نہ ظا۔ اور جسے دال مفخم کی آواز کہا جاتا ہے وہ ضاد کو ادا کرنے کی نیت سے مستقل آواز ہے جو دال سے بالکل جدا ہے اور صفات ظا کی حامل ہے(۳)

---

(۱) والضاد والظاء اشتر کا صفة جهرا و رخاوة و استعلاء و اطباقا وافترقا مخرجا وانفردت الضاد بالاستطالة (الاتقان في علوم القرآن : فصل من المهمات تجويدالقرآن ۱/۱۰۱ ط سهيل اكيڈمى لاهور)

(۲) المختار عندنا ان اشتباهالضاد بالظاء لا يبطل الصلوة و يدل على ان المشابهة حاصلة بينهما جدا والتميز عسر فوجب ان يسقط التكليف (التفسير الكبير : المسالة العاشره ۱ / ۷۶۲ ط دار الكتب العلميه تهران)

(۳) حصل فی الضاد انبساط لا جل رخاوتها و بهذا السبب يقرب مخرجه من مخرج الظاء الخ (التفسير الكبير المسالة العاشرة ۱/۶۳ ط دار الكتب العلميه تهران)

(۳) یہ عوام کے ضاد اور دال کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ بسا اوقات اس کو دال خالص کی آواز سے ادا کرتے ہیں بالخصوص جب کہ وہ کلمہ کا ابتدائی حرف ہو اور مکسور ہو۔ مثلاً ضد اکہ عوام اس کو خالص دوا پڑھ دیتے ہیں۔

(۴۔۵) حضرت مولانا رشید احمد کا یہ فرمانا کہ دال پُر کوئی حرف نہیں ہے صحیح ہے اور جس آواز کو دال پُر کی آواز سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ دال نہیں ہے بلکہ ضاد ہے جو اپنے مخرج سے پورا ادا ہونے کی صورت میں صفات ظا کا حامل ہوتا ہے اور نہ ہونے کی صورت میں اس کو تفہیم کے لئے دال پُر سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ اس آواز کو اور کسی لفظ سے تعبیر کرنا دشوار تھا (۱) ایسے شخص کی اپنی نماز بھی صحیح ہے اور اس کی اقتدا بھی درست ہے اور اگر کوئی قاری مجود ضاد کو اپنے صحیح مخرج سے ادا کرے اور بوجہ صفات ظا کا حامل ہونے کے اس کی آواز ظا کے مشابہ مسموع ہو وہ بھی درست ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

"ضاد" کو مشابہ "ظاء" پڑھنا درست ہے یا دال پُر پڑھنا.

(سوال) حرف ضاد کو مشابہ ظا پڑھنا درست ہے یا دال پُر پڑھنا درست ہے نیز کس طرح ادائیگی سے نماز درست ہوگی اور کس طرح ادائیگی سے فاسد ہوگی؟ المستفتی نمبر ۲۸۴ قاری امیر احمد صاحب۔ امام مسجد مور سرائے دہلی ۲۹ محرم ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب) (از قاری محی الاسلام پانی پتی) حرف ضاد اکثر صفات میں ظا سے مشابہ ہے لیکن مخرج میں ظا سے قطعاً جدا اور صفت استطالت کی بنا پر صفت بھی ممتاز ہے (۳) صحیح یہ ہے کہ ضاد کو حافہ لسان یعنی زبان کی کروٹ اور اضراس سے ادا کیا جائے اس کی صورت میں تشابہ بالظا ضرور ہوتا ہے مگر عینیت نہیں ہوتی (۴) ضاد کے ادا کرنے والوں کی کئی حالتیں ہیں بعض آدمی اس کو اس کے مخرج سے برعایت صفات صحیح ادا کرتے ہیں اور بعض غلط ان میں سے جو لوگ ادا پر قادر نہیں ہوتے یا ان کو سکھانے والا نہیں ملتا وہ معذور ہیں اور جو لوگ صحیح ادا کر سکتے ہیں مگر نہیں کرتے یا سیکھ سکتے ہیں مگر نہیں سیکھتے وہ خاطی ہیں غلط پڑھنے والوں میں سے بعض آدمی زبان کی نوک اور سامنے کے دانتوں کے سر (یعنی ظا کے مخرج) سے ادا

---

(۱) حصل فی الضاد انبساط لا جل رخاوتها و بهذا السبب يقرب مخرجه من مخرج الظاء الخ (التفسير الكبير: المسألة العاشرة ۱/۷۶۳ ط دار الكتب العربيه تهران)

(۲) وان كان لا يمكن الفصل بين الحرفين الا بمشقة كالظاء مع الضاد و الصاد مع السين والطاء مع التا اختلف المشايخ قال اكثرهم لا تفسد صلاته (عالمگيريه: الفصل الخامس في زلة القارى ۱/۷۹ ط ماجديه' كوئته)

(۳) والضاد والظاء اشتر كا صفة: جهراً و رخاوة واستعلاء واطباقاً وافترقا مخرجاً وانفردت الضاد بالاستطالة (الاتقان فی علوم القرآن' فصل من المهمات' تجويد القرآن' ۱/۱۰۱ ط سهيل اكيڈمی' لاهور)

(٤) ان الظاء وان كان مخرجه من بين طرف اللسان واطراف الثنايا العلياء ومخرج الضاد من اول حافة اللسان وما يليها من الاضراس الا انه حصل فی الضاد انبساط لا جل رخاوتها الخ (التفسير الكبير. المسئلة العاشرة ۱/۷۶۲ ط' دار الكتب العلميه تهران)

کرتے ہیں جو عین ظا ہو جاتا ہے یہ غلط ہے اور بعض آدمی زبان کی نوک اور سامنے کے دانتوں کی جڑ (یعنی دال کے مخرج) سے ادا کرتے ہیں یہ دال بن جاتا ہے جو غلط تر ہے اگرچہ پر ہو۔ خلاصہ یہ کہ ضاد صحیح ایک ممتاز حرف ہے مگر ظا سے صفاتی تشابہ ضرور رکھتا ہے(۱) اور دال سے اس کو بہت بعد ہے یہ حضرات علماء بتلا سکتے ہیں کہ نماز کس سے درست ہوتی ہے اور کس سے غلط۔ واللہ اعلم بالصواب۔ خاکسار ابو محمد محی الاسلام عفی عنہ پانی پتی۔ دولت خانہ حضرت مولانا قاری محمد اسحٰق صاحب مدظلہ دہلی۔ ۲۸ محرم ۱۳۵۳ھ - ما اجاب المجیب اللبیب فهو حق صحیح و بالقبول حقیق احقر محمد اسحاق عفی عنہ میرٹھی مہر

(جواب ۹۳) از حضرت مفتی اعظمؒ۔ جو لوگ قصداً خالص ظا پڑھیں یا خالص دال پڑھیں ان کی نماز نہیں ہوگی اور جو ادائے صحیح کا قصد کریں مگر صحیح ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے مشابہ بظا مسموع ہو یا دال پُر سنائی دے(۲) ان دونوں کی نماز درست ہو جاتی ہے مشابہ بظا پڑھنے والوں کے ادا اقرب الی الصحة ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ' نائب مفتی مدرسہ امینیہ' دہلی

(جواب) (از مولوی قاری سید طاہر حسن) امام عید گاہ دہلی۔ حرف (ض) کے متعلق ایک فتویٰ اور بھی ہو چکا ہے جو جمعیۃ القراء والحفاظ دہلی کی جانب سے شائع ہوا ہے جس پر اکثر علماء و قراء کے مفصل بیان اور دستخط ثبت ہیں وہ قابل ملاحظہ ہے خلاصہ یہ ہے کہ اس کو مخرج سے ادا کرنا نہایت مشکل ہے جن حضرات سے اس کا مخرج پورا ادا نہ ہو اسکو اہل فن سے حاصل کرنا ضروری ہے باوجود کوشش کے پھر بھی ادا نہ ہو سکے تو معذوری خیال کی جائے گی اور نماز درست ہو جائے گی(۳) احقر الزمن سید طاہر حسن عفی عنہ شاہی امام عید گاہ دہلی - ۲۹ محرم ۵۳ء

الجواب صحیح۔ احقر محمد یوسف عفی عنہ۔ ناظم اعلیٰ جمعیۃ القراء والحفاظ دہلی
الجواب صحیح۔ حفیظ الدین احمد امام مسجد رنگریزاں۔ باڑہ ہندو راؤ۔ دہلی

---

(۱) الضاد والظاء اشتر کا صفة: جهراً ورخاوة و استعلاءً و اطباقاً وافترقا مخرجاً و انفردت الضاد بالا ستطالة (الاتقان في علوم القرآن : فصل من المهمات تجويد القرآن ۱/ ۱۰۱ ط سهيل اكيڈمی' لاهور)

(۲) وفي خزانة الا كمل قال القاضي ابو عاصم : ان تعمد ذلك تفسد' وان جرىٰ على لسانه' اولا يعرف التمييز لا تفسد وهو المختار' حليه و في البزازيه وهو اعدل الا قاويل' وهو المختار (ردالمحتار: مطلب مسائل زلة القارى' ۱/ ۶۳۳ ط سعيد)

(۳) وان كان لا يمكن الفصل بين الحرفين الا بمشقة كالظاء مع الضاد قال اكثرهم لا تفسد صلاته - ومن لايعرف بعض الحروف ينبغي ان يجهد ولا بعذر في ذلك ' فان كان لا ينطق لسانه في بعض الحروف ان لم يجد آية ليس فيها تلك الحروف تجوز صلاته (عالمگيريه: الباب الخامس في زلة القارى ۱/ ۷۹' ط ماجديه' كوئٹه)

"ضاد" کر دار صفات میں مشابہ "ظاء" کے ہے "ضاد" کو "دال پر" پڑھنے والے کی نماز بھی صحیح ہو گی

(سوال) ضاد مشابہ بالصوت ظاء کے ہے یا مشابہ بالصوت دال کے کس صورت میں نماز فاسد ہو گی مولانا عبدالحی لکھنوی فتاوی جلدی اول ص ۱۹۵ پر لکھتے ہیں کہ "مشابہ بالدال پڑھنے سے نماز باتفاق علما فاسد ہو جاتی ہے اور مشابہ بظاپڑھنے سے اکثروں کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی" یہ صحیح ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۹۳ مولوی محمد سعید (سکھر ضلع اٹک) ۱۴ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۹۴) ضاد جب اپنے مخرج سے صحیح ادا ہو تو وہ ظا کے مشابہ ہوتا ہے لیکن عام طور پر جو دال پر کے مشابہ ادا کرتے ہیں یہ اسی ضاد کی بگڑی ہوئی ادا ہے اور جو لوگ کہ بالکل ظا کی آواز سے پڑھ دیتے ہیں وہ بھی صحیح نہیں لہذا دال پر کی آواز پڑھنے والے اور مشابہ بظاپڑھنے والے دونوں کی نماز صحیح ہو جاتی ہے' اس میں جھگڑا فساد نہ کرنا چاہئیے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

"ضاد" کو مشابہ "ظاء" پڑھنے والے کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے

(سوال) ضاد کو مشابہ بظاء پڑھنے والے کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۵۷۱ عبدالرشید (ضلع سلہٹ) ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۹۵) جو لوگ کہ ضاد کو اس کے اصل مخرج سے ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور سننے والے ان کی ادا میں صوت مشابہ بظا سنتے ہیں ان کی ادا صحیح ہے اور جو لوگ اصل مخرج سے ادا کرنے کی کوشش میں اس طرح پڑھتے ہیں کہ سننے والے کو دال مفخم کی آواز سنائی دیتی ہے یہ بھی درست ہے وہ بھی ضاد ہی کی آواز ہے کیونکہ صرف دال میں در حقیقت تفخیم کی صلاحیت ہی نہیں ہے مگر ان دونوں اداؤں میں وہ ادا جس میں صوت مشابہ بظا مسموع ہوتی ہے اقرب الی الصحتہ ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۔

"ضاد" صحیح طور پر مخرج سے ادا کیا جائے تو مشابہ "ظاء" ہو گی یا نہ ؟ ضاد کو مشابہ دال پڑھنا کیسا ہے ؟

(سوال) حرف (ض) کو اگر صحیح طور پر ادا کیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے قراء مجودین اور حفاظ متقنین کے صدور میں ہم تک پہنچا ہے تو اس کی آواز مانند آواز ظائے معجمہ کے ہو گی یا نہیں نیز آج کل عام طور پر حرف (ض) کو دال مفخم یا مشابہ دال کے پڑھتے ہیں اور عوام کالانعام سے کیا شکایت بہت سے

---

(۱) المختار عندنا ان اشتباہ الضاد بالظاء لا یبطل الصلوٰۃ' ویدل علیٰ ان المشابھۃ حاصلۃ بینھما جداً والتمیز عسر فوجب ان یسقط التکلیف (التفسیر الکبیر : المسألۃ العاشرۃ' ۱ / ۶۲ ط ' دار الکتب العربیہ' تھران)

(۲) مرجع سابق

علماء اتقیا بھی بلا در لیغ بغیر تحقیق ہر ایک کے پیچھے نماز پڑھتے رہتے ہیں موجودہ زمانے کے رسائل کو جب ہم نے غور سے مطالعہ کیا جیسا کہ رسالہ الاقتصاد فی الضاد یا الارشاد فی الضاد وغیر ذلک تو ہم نے بحوالہ کتب معتبرہ تجوید وفقہ و تفسیر وصرف کے مصرح پایا کہ حرف (ض) صحیحہ عربیہ صوت اور سمع میں ظاء کے مانند ہے اور غیر اس کے دال مفخمہ یا مشابہ دال کے جو کہ آج کل مروج ہے غلط اور لحن جلی قرار دیا ہے برائے نمونہ عبارت جہد المقل نقل کی جاتی ہے۔ فان لفظت بالضاد فان جعلت مخرجها من حافة اللسان مع ما يليهامن الاضراس بدون اكمال حصر الصوت واغلبت لها الاطباق والتفخيم الوسطين و التفشي القليل فهذا هو الحق المؤيد بكلمات ائمة التجويد والتصريف في كتبهم و يشبه صوتها حينئذٍ صوت الظاء المعجمة بالضرورة وما ذابعد الحق الا الضلال اور جہد المقل کے منہیہ پر عبارت شعلہ (فارسی) کی یہ ہے : وانا اقول لو كان حق اداء الضاد المعجمة كالدال المهملة المطبقة اوالدال الخالصة كما هو الدائع بين اكثر الناس من الخواص والعوام في زماننا هذا يقدر عليه الشارع في اول الشروع ولا يتعسر على احد فما اسعدزماننا بعد زمان صاحب الرعاية بثمان مائة و ستين سنة انتهى اب ہم حیران ہیں کہ اگر دین کی کتابوں کو دیکھیں تو حرف (ض) صحیحہ عربیہ آواز میں مانند ظا کے معلوم ہوتا ہے اور اگر چودھویں صدی کے عمل کو دیکھتے ہیں تو مشابہ دال کے پڑھتے ہیں لہذا یہ بات قابل دریافت ہے کہ اگر ضاد مروجہ یعنی مشابہ دال کی صحت کسی کتاب میں کتب دین سے ہو تو براہ کرم نام کتاب مع عبارت درج استفتا فرمادیں اور اگر نہیں تو جو صحیح حرف ہے اس کی ترویج واشاعت میں عضو علیها بالنواجذ کا مصداق بن جائیں حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک سنت کو میری سنتوں میں سے بعد اماتت کے رائج کرے تو اس کے واسطے اتنا ثواب ہے۔

المستفتی نمبر ۸۱۱ سید خلیل احمد شاہ (ضلع مظفر گڑھ) ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۳۶ء

(جواب) (از مولانا غلام رسول ہوی) ہو الموفق للصواب۔ حرف (ض) کو اگر صحیح ادا کیا جائے تو ضرور اس کی آواز مانند آواز ظاء کے ہوگی کیونکہ ان سب میں باہم سخت مشابہت ہے تفسیر کبیر (۱) جلد اول میں ہے۔ والمختار عندنا ان اشتباه الضاد بالظاء لا يبطل الصلوة و يدل عليه ان المشابهة حاصلة بينهما جدًا و التمييز عسير فوجب ان يسقط التكليف بالفرق دوسری جگہ اس جلد میں ہے فثبت بما ذكرنا ان المشابهة بين الضاد والظاء شديدة والتمييز عسير فنقول لو كان هذا الفرق معتبر الوقع السوال عنه في زمان رسول الله ﷺ او في ازمنة الصحابة لا سيما عند دخول العجم في الاسلام فلما لم ينقل وقوع السوال عن هذه المسئلة علمنا ان

---

(۱) المسألة العاشرة ۱/۶۲، ط دار الكتب العلميه تهران

التميیز بین هذین الحرفین لیس فی محل التکلیف اور شیخ احمد مکی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے.
لو ابدل الضاد بغیر ظاء لم یصح قرأته قطعا فعلم من هذاانه لم یقع خلاف فی ابدالهاد الاً کما وقع فی الظاء فالنطق بها دالاً لم یقل احد بصحته (۱) اور مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے مجموعۃ الفتاویٰ (۲) میں پوری تحقیق اس مسئلہ میں کی ہے جو شخص دیکھنا چاہے دیکھ سکتا ہے وما علینا الا البلاغ فقط کتبہ غلام رسول ہوی۔ سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی هذا الجواب هو الصحیح العبد محمد صدیق بقلم خود اصاب المجیب فیما اجاب بارك الله فی علمه و عمله سلطان محمود بقلم خود عفا عنه

(جواب ۹۶) (از حضرت مفتی اعظمؒ) یہ صحیح ہے کہ ضاد کی آواز صحت ادا کی صورت میں ظا کے مشابہ ہوتی ہے (۳) اور صحت ادا نہ ہو تو یہ آواز ایک ایسی آواز ہو جاتی ہے کہ وہ نہ ظا کی آواز ہوتی ہے نہ دال کی اور جو شخص صحت ادا پر قادر ہو اس کو صحیح ادا کرنی چاہئے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب ۹۷ دیگر ۸۵۶) ضاد کو جب صحیح طور پر اپنے مخرج سے ادا کیا جائے تو اس کی آواز ظاء کے مشابہ ہے اس لئے جو لوگ کہ اس کو مشتبہ الصوت بظا پڑھتے ہیں وہ غلط نہیں ہے ہاں جو خالص ظا پڑھیں تو وہ غلط ہے اور خالص دال کی آواز سے پڑھنا جیسے اکثر عوام پڑھتے ہیں یہ بھی غلط ہے (۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' ۲۱ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء

غیر المغضوب یا ولا الضالین میں ضاد کو قصداً ظاء پڑھنا غلط ہے' صحیح ادا کیا جائے تو مشابہ ظاء ہوگی

(سوال) قرآن پاک میں غیر المغضوب یا ولاالضالین ظا کے ساتھ قصداً اور دال پر کے ساتھ پڑھنا اور مقصود غیر المغضوب کو ادا کرنا ہے اور مروج یعنی دال پر ہے اور ظا سے فتنہ پیدا ہوتا ہے اب دونوں جائز ہیں یا ایک اور اگر ایک جائز ہے تو کون سا جائز ہے اور اگر ناجائز کو کوئی پڑھے تو کیا سزا ہے؟ المستفتی نمبر ۱۱۷۵ اکرم خاں طالب علم مسجد چوری خیل (صوبہ سرحد) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۸) ضاد کو ظا پڑھنا غلط ہے اسی طرح دال پڑھنا بھی غلط ہے ضاد اگر اپنے مخرج سے صحیح طور پر ادا ہو تو اس کی آواز ظا کے مشابہ ہوتی ہے دال پر جسے کہا جاتا ہے وہ بھی ضاد کی آواز ہے اور ضاد ادا

---

(۱) فتاوی حدیثیہ: ص ۲۰۹ ط مصر
(۲) ۱/ ۸۱ تا ۸۷ ط سهیل اکیدمی لاهور
(۳) والضاد والظاء اشترکا صفتهٗ جهر اور خوة واستعلاءً و اطباقاً و افترقا مخرجاً و انفردت الضاد بالا ستطالة (الاتقان فی علوم القرآن: فصل فی المهمات ۱/ ۱۰۱ ط سهیل اکیدمی' لاهور)
(۴) حوالہ بالا

کرنے کی نیت سے ہی آواز نکالی جاتی ہے لہذا دونوں فریق ایک دوسرے پر اعتراض کرنے کا حق نہیں رکھتے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب ۹۹ دیگر ۱٤٥٥) ضاد اپنے مخرج و صفات میں ظا کے قریب اور مشتبہ الصوت ظا ہے یہ بات تمام تجوید کی کتابوں میں مذکور ہے اور فقہ حنفی میں بھی اسی طرح مرقوم ہے(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' ۹ ربیع الاول ۱۳۵٦ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۹۳۷ء

"ضاد" کو خالص "ظا" یا "دال" پڑھنا غلط ہے.

(سوال) عام طور سے بعض جگہ ضاد کو مشابہ بمخرج دال پڑھتے ہیں جیسا کہ رضی اللہ عنہ کو ردی اللہ عنہ ولا الضالین کو ولا الدالین اور عید الضحی کو عید الدحی وغیرہ مگر اکثر مقامات پر ضاد کو ضاد ہی پڑھتے ہیں مثلاً ماہ رمضان کو رمدان حضرت کو حدرت اور مرض کو مرد نہیں کہتے اور رضی اللہ عنہ کو ردی اللہ عنہ کہتے ہیں تو معنی ہی بدل جاتے ہیں رد کے معنی پھیرنا انکار' شوخی وغیرہ کے ہیں اگرچہ اس کے یہ معنی نہیں لیتے مگر ظاہر میں ردی اللہ کہنا کریہ ہے رسالہ زینت القاری میں لکھا ہے کہ ہم لوگوں میں یہ ایک ایسی وبا پھیل گئی ہے کہ ضاد کو داد پڑھتے ہیں اور باوجودیکہ ضاد کا تلفظ ظ سے ملتا ہوا ہے دال سے نہیں ملتا جیسا کہ تمام تفاسیر اور کتب قرأت مثلاً فتح العزیز اور فتح القدیر نیز اتقان وغیرہ میں لکھا ہے کہ ض ظ سے ملتا ہوا حرف ہے دال سے ملتا ہوا نہیں ہے لہذا ضاد کو داد پڑھنا غلط ہے۔

المستفتی نمبر ۱۵۲۹ مدیر راہ نجات (کاٹھیاواڑ) ۴ ربیع الثانی ۱۳۵٦ھ مطابق ۲۴ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۰) یہ صحیح ہے کہ حرف ضاد کو دال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ کہ وہ ظا کے ساتھ اپنی اکثر صفات میں مشابہ ہے مگر ظاء سے بھی وہ جداگانہ حقیقت رکھتا ہے پس جو شخص اس کو خالص ظا پڑھے وہ اور جو شخص خالص دال پڑھے وہ دونوں تبدیل حرف کی مرتکب ہیں اور جو شخص ضاد کو ادا کرنے کے قصد سے پڑھے اور اس کی آواز دال پر کی نکلے یا ظا کے مشابہ نکلے ان دونوں کی نماز صحیح ہو گی اور ظا کے مشابہ پڑھنے والا اقرب الی الصحتہ ہو گا(۳) اور خالص دال کی آواز سے ادا کرنا غلط ہے دال پر جس آواز کو ہم نے کہا ہے وہ ضاد کی بگڑی ہوئی آواز ہے کیونکہ دال میں فی حد ذاتہ تفخیم نہیں ہوتی۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی ۔

---

(۱) مرجع سابق
(۲) مرجع سابق
(۳) ایضاً

ولا الضالین کو ولا الظالین (بالظاء) پڑھنا غلط ہے

(سوال) شہر اکولہ میں کچھ روز سے ایک فتنہ پھیلا ہوا ہے کہ ایک شخص جو پیش امام ہے اس کا کہنا ہے کہ سورہ فاتحہ میں ولا الضالین کو لفظ ظ سے پڑھنا صحیح ہے اور والضالین کو ض سے پڑھنا غلط ہے لہذا بروئے اظہار حق یہ استدعا ہے کہ ولا الضالین پڑھنا چاہئے یا ولا الظالین اور شخص مذکور کا کہنا ہے ولا الضالین پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ۔ المستفتی نمبر ۱۸۱۴ اسماعیل خاں حسن خاں (برار) ۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۱) یہ کہنا کہ الضالین کو لفظ ظا سے پڑھنا صحیح ہے اور لفظ ض سے پڑھنا صحیح نہیں ہے' درست نہیں ہے اس کو ض سے پڑھنا چاہئے ظا سے پڑھنا جائز نہیں ہے مگر بات یہ ہے کہ ض کو اصل مخرج سے ادا کیا جائے تو اس کی آواز ظا کے زیادہ مشابہ ہوتی ہے اور دال سے اس کو کوئی نسبت نہیں ہے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ظا سے پڑھا ہے حالانکہ وہ ضاد ہی ہوتا ہے ظا نہیں ہوتا پس ضاد پڑھنے کا قصد کر کے اصل مخرج سے نکالنے کی سعی کرنے والا ٹھیک پڑھتا ہے اگرچہ سننے والوں کو ظا معلوم ہو لیکن اگر وہ ظا پڑھنے کا قصد کر کے ظالین پڑھے تو یہ غلط ہے(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ولا الضالین کو ولا الظالین پڑھنا درست ہے یا ولا الدوالین؟

(سوال) ولا الضالین کے ضاد کو کوئی نماز میں (یا باہر نماز سے) مخرج بالظا مثلاً ظوالین پڑھتے اور کوئی ضاد مخرج بالدال پڑھتے مثلاً دوالین پڑھا کرتے ہیں اب بتلایئے کہ کس کی نماز صحیح ہوئی اور کس کی باطل اور کس کا پڑھنا غلط ہو گا۔

اکثر علماء کا فتویٰ مخرج بالدال پر ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو عوام الناس و اکثر حافظ قرآن و علماء ضاد کو مخرج بالدال کیوں پڑھتے ہیں آیا ان لوگوں کا پڑھنا غلط ہے یا صحیح عوام الناس خصوصاً مریدان مونگیر کے کہتے ہیں کہ میرے پیر و مرشد مجمع فیوض البرکات مولانا محمد علی مونگیریؒ بھی ضاد کو تازیست مخرج بالدال مثلاً دوالین پڑھتے تھے آیا حضور کا پڑھنا کیا غلط تھا پھر ایسا ہی مکہ و مدینہ منورہ کہ قراء حرمین شریفین کے چاروں مصلوں کے امام و علمائے محدثین بلکہ تمام اہل عرب ولا الضالین کو مخرج بالدال مثلاً دوالین پڑھتے ہیں تمام جگہ سارے قرآن میں ضاد کو مخرج بالدال پڑھتے ہیں آیا ان حضرات مجمع الفیوض والبرکات واقف احادیث و آیات مجدد العلم والفرقان کا پڑھنا کیا غلط ہے ؟

مفتی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ نے اس مسئلہ کا جواب یوں دیا ہے کہ ض اور ظ یہ دونوں حرف قریب المخرج ہیں اس لئے اگر ضالین میں باوجود کوشش کے ض صحیح مخرج سے ادا نہ ہوا اور اس کی جگہ ظ پڑھا گیا ہو تو نماز فاسد نہ ہو گی بخلاف اس کے اگر دال پڑھا جائے گا تو نماز فاسد ہو گی کیونکہ یہ

---

(۱) مرجع سابق

خلاف مخرج بھی ہے اور اس سے معنی بھی متغیر ہوجاتے ہیں (فتاویٰ قاضی خاں میں ایسا ہی لکھا ہے ص ۶۹ ج ۱) باقی رہا قراء اور علماء جو قرأت و تجوید کے فن سے واقف ہیں وہ ضاد کو صحیح مخرج سے ادا کرتے ہیں وہ دوالین نہیں پڑھتے لیکن جو لوگ اس فن سے ناواقف ہیں وہ قراء کی غلط نقل کر کے دوالین پڑھتے ہیں تو ان کی نماز اس سے فاسد ہوتی ہے ایسے لوگوں کو کسی قاری سے سیکھ لینا چاہئے اور کوشش کرنا چاہئے کہ ض کو صحیح مخرج سے ادا کریں۔ فقط **المستفتی نمبر ۲۶۶۹** منشی جلال الدین صاحب ۶ جمادی الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۳ جون ۱۹۴۱ء

(جواب ۱۰۲) ضاد کو قصداً دال یا ظا کے مخرج سے ادا کرنا غلط ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن ایسا کوئی شخص نہیں کرتا کہ قصداً دال پڑھے یا قصداً ظا پڑھے۔

لوگ ارادہ تو یہی کرتے ہیں کہ ضاد کو صحیح اپنے مخرج سے ادا کریں لیکن ان سے صحیح ادا نہیں ہوتا اور اس میں تین صورتیں ہو جاتی ہیں اول تو عوام کی قرأت کہ وہ صاف دال پڑھتے ہیں اور کبھی کوشش بھی نہیں کرتے کہ اس کو اور دال سے علیحدہ کر کے اصل مخرج سے یا اس کے قریب قریب ادا کریں ان کا یہ فعل ناجائز اور عمل غلط ہے ان کی نماز بھی نہیں ہوتی (۱)

دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ دال سے تو ممتاز کر لیتے ہیں اور ظا سے دور رہتے ہیں ان دونوں سے ممتاز اور جدا ایک آواز ہوتی ہے جس کو بتانے کے لئے کوئی صحیح تعبیر نہیں مگر عام طور سے اس کو دال مفخم کی آواز کہا جاتا ہے (حالانکہ حقیقت میں وہ دال کی آواز نہیں ہے کیونکہ اس میں تفخیم ہوتی ہے اور اصل دال میں تفخیم کا تصور اور وجود نہیں) یہ آواز چونکہ علیحدہ آواز ہے نہ دال ہے نہ ظا ہے اور ضاد کو ادا کرنے کی نیت کی گئی ہے اس لئے ادائے حرف ضاد کے لئے کافی ہوگی اور نماز ہو جائے گی قراء اور علماء اور اکثر حضرات اسی طرح سے پڑھتے ہیں پھر ان میں سے جو مخارج کے عالم ہیں ان کی ادا بالکل صحیح ہوتی ہے اور جو اچھی واقفیت یا مہارت نہیں رکھتے ان کی ادا میں نقصان رہتا ہے مگر یہ یقینی ہے کہ ان کا ادا کیا ہوا حرف دال اور ظا نہیں ہوتا (۲)

تیسری صورت یہ ہے کہ ادا کرنے والا ظالین پڑھے یعنی بالکل ظا پڑھ دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ چونکہ میں ضاد کو ادا نہیں کر سکتا اس لئے اسکو ظا کی آواز کے مشابہ ادا کروں کیونکہ ضاد اور ظا آپس میں قریب الصوت اور مشابہ صفات رکھنے والے ہیں تو اگرچہ یہ خیال تو صحیح نہیں مگر اس شخص کی نماز اس لئے ہو جائے گی کہ یہ ضاد کو اسکے اصل مخرج سے ادا نہیں کر سکتا اور جس طرح ادا کیا ہے وہ اس کے

---

(۱) ماداد فی التصحیح والتعلم ولم یقدر علیہ فصلاتہ جائزۃ، وان ترک جھدہ فصلاتہ فاسدۃ کذافی المحیط (رد المحتار، مطلب فی الالثغ ۱/۵۸۲، ط سعید)

(۲) والضاد والظاء اشترکا صفۃ: جھرا ورخاوۃ واستعلاء و اطباقا و افترقا مخرجا و انفردت الضاد بالاستطالۃ الخ (الاتقان فی علوم القرآن : فصل فی المھمات ۱/۱۰۱، ط سھیل اکیڈمی، لاھور)

مخرج کے بعد ض اوصاف پر مشتمل ہے اور اگر یہ شخص یہ نیت کرلے کہ میں ظا پڑھتا ہوں تو اس کی نماز بھی نہ ہوگی۔(۱)
نماز اسی صورت میں ہوگی کہ قصد تو کرے ضاد کا اور ادائیگی میں مشتبہ الصوت بظا معلوم ہو۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

چوتھا باب
اعراب قرآن

قرآن مجید کے اعراب حضور ﷺ کے زمانہ سے کتنے برس بعد لگائے گئے؟

(سوال) قرآن شریف کے اعراب کس زمانے میں اور کس نے لگائے ہیں؟ المستفتی نمبر ۲۹۹ حسین جمال الدین منہار راجپور ۱۸ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۲ جون ۱۹۳۴ء
(جواب ۱۰۳) قرآن مجید کے اعراب زمانہ آنحضرت ﷺ سے تقریباً ستر برس کے بعد لگائے گئے ہیں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

پیش (ُ) کو واؤ معروف اور زیر (ِ) کو یا معروف کی طرف مائل کر کے پڑھا جائے۔

(سوال) اعراب زیر اور پیش کو کس طرح پڑھا جائے کوئی یہ کہتا ہے کہ زیر اور پیش کو باریک آواز سے پڑھنا صحیح ہے کوئی کہتا ہے کہ موٹی آواز سے پڑھنا چاہئے مثلاً الف زیر اے۔ ب زیر بے۔ یا الف زیر ائی ب زیر بی کون سا صحیح ہے؟
المستفتی نمبر ۵۱۷ عبدالغفور (کوٹہ راجپوتانہ) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۸ جولائی ۱۹۳۵ء
(جواب ۱۰۴) صحیح یہ ہے کہ پیش کو واؤ معروف کی طرف اور زیر کو یائے معروف کی طرف مائل کر کے پڑھا جائے مگر زیادہ کھینچا نہ جائے کیونکہ کھینچنے سے پوری واؤ یا پوری یا ہو جائے گی اور وہ صحیح نہیں اور واؤ مجہول یا یائے مجہول کی طرف مائل کرنا عربی لہجے کے خلاف ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) قال القاضی ابو عاصم ان تعمد ذلک تفسد، وان جری علی لسانه اولا یعرف التمییز لا تفسد وهو المختار حلیه و فی البزازیه : وهو اعدل الاقوال، وهو المختار (رد المحتار ، مطلب مسائل زلة القاری ۱ / ۶۳۳ ط سعید)
(۲) انظر تفسیر القرطبی : مقدمه المؤلف ۱ / ۴۵ ، ط دار الکتب العلمیه، بیروت)
(۳) قلت : دل الحدیث علی ان التغنی بالقرآن لا یجوز علی الاطلاق بل هو مقید لقید عدم اخراج القرآن من لعربیة الی غیر هابان یفرط فی المد و فی اشباع الحرکات حتی یتولد من الفتحه الف و من الضمة واو، و من الکسریاء، او یدغم فی غیر موضع الا دغام فان لم ینته الی هذا الحد فلا کراهة (علاء السنن، باب ماجاء فی وجوب تجوید القرآن ۴ : ۱۵۵ ، ط ادارة القرآن و العلوم الاسلامیه، کراچی)

جواب کی توضیح

(جواب ۱۰۵)(۶۳۷) متعلقہ سوال مذکورہ۔ فقیر کے پہلے جواب کا مطلب یہ ہے کہ الحمد کی دال پر جو پیش ہے اس کو واؤ معروف کی طرف مائل کر کے پڑھا جائے اور للہ کی ہا کے نیچے جو زیر ہے اس کو یائے معروف کی طرف مائل کر کے پڑھا جائے مگر زیادہ نہ کھینچنا چاہئے کہ الحمدو ہو جائے یا للهی بن جائے۔

قاعدہ یسرنا القرآن مطبوعہ علمی پرنٹنگ پریس لاہور ہمارے پاس موجود نہیں ہے ہمیں معلوم نہیں اس میں کیا لکھا ہے اگر یہ بات لکھی ہے کہ جس حرف پر پیش ہو اس کی حرکت یعنی پیش کو واؤ مجہول کی طرح پڑھا جائے، تو یہ بات غلط ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، ۳ رجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء

پانچواں باب
متفرق مسائل

سورۃ توبۃ کی ابتداء میں "اعوذ باللہ من النار الخ،، پڑھنا ثابت نہیں!

(سوال) بعض قرآن مجید مطبوعہ بمبئی میں سورہ توبہ کے حاشیہ پر یہ عبارت مرقوم ہے ونقل الجزری یقرء عند مکان البسملۃ اعوذ باللہ من النار ومن شر الکفار و من غضب الجبار العزۃ للہ و لرسولہ وللمؤمنین کذافی المبسوط انتھی دریافت طلب امر یہ ہے کہ جزری یا مبسوط یا دیگر کسی کتاب میں یہ عبارت پڑھنا لکھا ہے؟

(جواب ۱۰۶) اس دعا کا کسی معتبر کتاب سے ثبوت نہیں ملتا سورہ توبہ سے پہلے بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ وہی ہے جو حضرت عثمانؓ سے ترمذی میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وفات سے پہلے اس سورت کے متعلق یہ بیان نہ فرمایا تھا کہ یہ کہاں پر لکھی جائے اس لئے انہوں نے اپنے اجتہاد سے اس کو یہاں پر درج کر دیا اور بسم اللہ نہ لکھی(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

مولوی نذیر احمد دہلوی کے ترجمہ قرآن میں بہت سی غلطیاں ہیں!

(سوال) مولوی نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ قرآنی صحیح ہے یا نہیں اور حنفی مذہب کے موافق ہے یا نہیں؟

---

(۱) مرجع سابق

(۲) فقال عثمان فظننت انھا منھا فقبض رسول اللہ ﷺ ولم یبین لنا انھا منھا فمن اجل ذلک قرنت بینھما ولم اکتب بینھما سطر بسم اللہ الرحمن الرحیم ووضعتھا فی السبع الطول (جامع الترمذی، ومن سورۃ التوبۃ، ۱۳۹/۲ ط سعید)

یہ ترجمہ لڑکوں کو کار آمد ثابت ہوگا یا مضر ؟ کیونکہ اس ترجمہ کی بنا ایک آزاد شخص نے حنفیوں کے مدرسے میں ڈالی ہے جس کا عقیدہ بہت سے مسلمانوں کے نزدیک برا ہے کیونکہ وہ شخص عام جلسوں میں تقدیر اور وسیلہ پکڑنے سے لوگوں کو منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بھائیو! تقدیر کوئی چیز نہیں تدبیر کرو اور وسیلہ کیا چیز ہے اپنی جانوں پر کھیلو۔

(جواب ۱۰۷) مولوی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ قرآنی میں بہت سی غلطیاں ہیں علمائے احناف کے خلاف ایسی بہت سی باتیں اس میں ہیں جو لڑکوں کو مضر ہوں گی لہذا اگر وہ ترجمہ مدرسے میں داخل کر لیا گیا ہے تو مناسب ہے کہ اس کے ساتھ اصلاح ترجمہ دہلویہ جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب ہے بچوں کو ضرور پڑھائی جائے تاکہ جو کچھ غلطیاں اس ترجمہ میں ہیں اس کتاب سے ان کی اصلاح ہو جائے مولانا نے مولوی نذیر احمد کی غلطیوں کی اس کتاب میں اصلاح کی ہے اور بتایا ہے کہ انہوں نے کیا کیا غلطیاں کی ہیں۔

"آیت الکرسی" ایک آیت ہے!

(سوال) آیت الکرسی جو کہ سورۃ بقرہ کے چونتیسویں رکوع میں الله لا اله الا هو سے وهو العلی العظیم تک ہے یہ ایک ہی آیت مانی جائے گی یا درمیان میں علامات وقف ہیں یہ بھی آیت کا حکم رکھتی ہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آیت الکرسی میں دس آیات ہیں۔ المستفتی نمبر ۴۸۶ حافظ محمد شفیع (ضلع بجنور) ۲۸ صفر ۱۳۵۴ھ مطابق یکم جون ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۰۸) آیت الکرسی الله لا اله الا هو سے شروع ہو کر وهو العلی العظیم پر ختم ہوتی ہے' یہ کوئی ایک آیت ہے درمیان میں جو رموز او قاف ہیں وہ آیات نہیں ہیں لفظ آیت الکرسی میں بھی اس کو واحد کے صیغے سے تعبیر کیا گیا ہے آیات الکرسی نہیں کہا گیا(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

آیت "وما انزل علی الملکین ببابل" (الآیۃ) کی صحیح تشریح

(سوال) کلام مجید میں ہاروت و ماروت کا جو ذکر آیا ہے اس کا صحیح شان نزول اور اصل قصہ کیا ہے ؟ حضرت مولانا عبدالحق صاحب تفسیر حقانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہاروت اور ماروت شہر بابل میں دو شخص تھے جن کو ان کے عجائب افعال اور نیک چلنی کی وجہ سے فرشتہ کہتے تھے اور ان کا یہ لقب مشہور ہو گیا تھا اور اس بات کی وہ قراءۃ مؤید ہے جس میں ملکین کو بکسر لام پڑھا ہے اور حسن بصری کا بھی یہی

---

(۱) وفی التفسیر لابن کثیر: هذه آیة الکرسی ولها شان عظیم' قد صح عن رسول اللهﷺ بانها افضل آیة فی کتاب الله قال الامام احمد حدثنا عبدالرزاق..... عن ابی ابن کعب ان النبی ﷺ سالته ای آیة اعظم ؟ قال : الله و رسوله اعلم' فردو ها مرارا ثم قال ابی : آیة الکرسی(البقرة ۲۵۵' ۱/ ۳۰۴) و فیه : وهذه الآیة مشتملة علی عشر جمل مستقلة فقوله (الله لا اله الاهو) اخبار الخ (۱/ ۳۰۸' ط سهیل اکیڈمی' لاهور)

قول ہے (بیضاوی تفسیر کبیر) یہ دو شخص اس فن سے واقف تھے مگر اس کو برا سمجھتے تھے یہاں تک کہ جو ان کے پاس سیکھنے آتا اس سے یہ کہہ دیتے تھے کہ بھائی خدا نے یہ علم ہم کو تمہاری آزمائش کے لئے دیا ہے کہ تم ایمان پر ثابت قدم رہتے ہو یا نہیں اس کو نہ سیکھو ورنہ ایمان جاتا رہے گا مگر یہود ایمان کی کیا پروا کرتے تھے سیکھنے سے باز نہ آتے تھے پس ان پر نازل ہونے سے مراد یہ ہے کہ خدا نے ان کو اس فن میں ماہر و عالم ہونے کی قدرت عطا کی تھی نہ یہ کہ کتاب آسمانی کی طرح ان پر خدا نے جادو نازل کیا تھا کہ وہ اس کو تعلیم دیا کرتے تھے بعض مفسرین نے لفظ انزال سے یہ سمجھ لیا کہ وہ فرشتے تھے جو حضرت ادریس علیہ السلام کے عہد میں زمین شہر بابل میں آئے تھے پھر ایک حسین عورت زہرہ پر عاشق ہو گئے تھے اس کے کہنے سے شراب پیکر اس کے خاوند کو قتل کیا اور بت کو سجدہ کیا اور زہرہ نے اسم اعظم ان سے سیکھ لیا جس سے وہ تو آسمان پر چلی گئی اور یہ بابل کے کنویں میں الٹے لٹکے ہیں اور وہاں آگ سے ان کو عذاب ہوتا ہے پھر جو کوئی ان کے پاس جادو سیکھنے جاتا ہے پہلے اس کو سمجھا دیتے ہیں پھر سکھا دیتے ہیں چنانچہ ایک شخص عبدالملک بن مروان کے پاس ان سے مل کر آیا تھا الخ۔ یہ بے اصل کہانیاں ہیں دریافت طلب یہ امر ہے کہ مولانا عبدالحق نے بحوالہ حسن بصریؒ بیضاوی و تفسیر کبیر جو لکھا ہے وہ ٹھیک ہے یا دیگر مفسرین کا قول صحیح ہے؟ **المستفتی** نمبر ۵۴۴ فقیر احمد نقشبندی (سگرو) ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء۔

(جواب ۱۰۹) ہاروت وماروت فرشتے نہیں تھے اور ان کا آسمان سے اترنا اور زہرہ پر عاشق ہونا اور زہرہ کا ان سے اسم اعظم سیکھ کر آسمان پر جانا اور فرشتہ بن جانا یا ستارہ بن جانا اور ان فرشتوں کا بابل میں ایک کنویں میں الٹا لٹکایا جانا یہ معتبر قصہ نہیں ہے ظاہر یہ ہے کہ مولانا عبدالحق صاحب کا بیان کردہ قصہ ہی قابل قبول ہے۔(۱) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ**

عربی عبارت کے بغیر قرآن مجید کے ترجمہ شائع کرنے کا حکم

(سوال) کیا قرآن شریف کا اردو میں ایسا ترجمہ جس میں عربی عبارت بالکل نہ ہو اور با محاورہ عبارت ہو شائع کرنا درست ہے۔ **المستفتی** نمبر ۱۱۹۸ نیاز احمد صاحب (لاہور) ۶ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۱۰) قرآن مجید کے اصل نظم عربی اور اس کی خصوصیات کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی عبارت ترجمہ کے ساتھ ضرور ہے خالص ترجمہ کی اشاعت میں تغیر و تبدیل کے امکانات

---

(۱) وهذه القصة من اخبار الآحاد بل من الروايات الضعيفة الشاذة، ولا دلالة عليها في القرآن بشئ و في روايات هذه القصة ما يأباه العقل والنقل وهو ما نقل عن الربيع بن انس : انه مسخ الله الزهرة كوكبا و صعدت الى السماء حين تعلمت الاسم الاعظم قال الشيخ كمال الدين : و ائمة النقل لم يصححوا لهذه القصة ولا اثبتوا روايتها عن على وله عن ابن عباس الخ (التفسير المظهرى ۱/۱۰۹ ط حافظ كتب خانه كوئته)

زیادہ ہیں اس لئے اس پر اقدام کرنا مسلمانوں کے لئے قرین صواب نہیں (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

قرآن کریم کو خوش آوازی سے پڑھنا کیسا ہے۔

(سوال) قرآن کریم کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۵۹۱ جلال الدین صاحب (ضلع حصار) ۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۱) قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنا جائز ہے مگر گانے کے لہجے میں پڑھنا مکروہ ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا حروف مقطعات کے معانی کا علم حضور ﷺ کو تھا؟

(سوال) حروف مقطعات کے بارے میں بڑا اختلاف برپا ہے چنانچہ ایک عالم فرماتا ہے کہ حروف مقطعات کا علم اللہ اور اللہ کے رسول کو معلوم ہے کیونکہ یہ ایک راز ہے جو مرسل اور مرسل (اللہ) کے درمیان واقع ہے جس کو ان کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا اور دوسرا عالم یہ فرماتا ہے کہ اس کا علم بغیر اللہ کے کوئی نہیں جانتا خواہ وہ رسول ہو یا فرد من عامۃ الناس ہو جو شخص یہ کہے کہ حروف مقطعات اللہ اور رسول ﷺ کے درمیان راز ہے وہ شخص کافر ہے اور اگر اس اعتقاد میں کفر عائد نہ ہو تو ایسے معتقد کا گناہ گار ہونا یقینی ہے چنانچہ اس اختلاف کی وجہ سے عامہ مخلوق میں کشیدگی پھیلنے کے بعد یہ بات عمل میں آئی کہ اس کا فیصلہ مفتی صاحب سے کرانا چاہئیے لہذا آنجناب کی خدمت میں التماس ہے کہ جو فیصلہ شرعی ہو تحریر فرماکر قاطع اختلاف ہوں اور اگر اختلاف مذاہب اس میں واقع ہو تو جو قول آپ کے نزدیک مرجح ہو تحریر فرمائیں ؟ المستفتی نمبر ۲۶۸۱ غلام محمد صاحب مظفر گڑھ پنجاب۔ ۹ رجب ۱۳۶۰ھ مطابق ۴ اگست ۱۹۴۱ء

(جواب ۱۱۲) حرف مقطعات کے متعلق سلف صالحین سے متعدد اقوال منقول ہیں نصوص کتاب و سنت کے لحاظ سے راجح اور قوی قول یہ ہے کہ ان کے معنی اور مراد کا علم ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اسی مذہب کی رعایت کرتے ہوئے جلالین میں الٓمٓ کے آگے الله اعلم بمراده بذلك (۳) فرمایا گیا ہے اور اس پر صاحب جمل فرماتے ہیں اشار بهذا الى ارجح الاقوال فى هذه الاحرف

---

(۱) قال المحقق فى الشامية : و فى الفتح عن الكافى : ان اعتبار القراة بالفارسية او اراد ان يكتب مصحفا بها يمنع لو ان فعل فى آية او آيتين لا' فان كتب القرآن و تفسير كل حرف و ترجمه جاز (رد المحتار : مطلب بيان المتواتر والشاذ ۱/۴۸۶' ط سعيد)

(۲) قلت فيه استحباب التغنى بالقرآن و تحسين الصوت بالقراة' وتزينها لا سيماء وقدجاء الامربه كما سياتى' ولكنه مقيد' بما اذا لم يخرج الى حد التحطيط (اعلاء السنن : باب ماجاء فى وجوب تجويد القرآن ۴' ۱۵۳' ط ادارة القرآن و العلوم الاسلامية' كراچى)

(۳) ۱/ ۴' ط سعيد

التی ابتدئ بها کثیر من السور وهو انها من المتشابه وانه جری علی مذهب السلف القائلین باختصاص اللہ تعالی بعلم المراد منها انتہی مختصراً (جمل جلد ۱) (۱)

مگر اس کے ساتھ ہی دوسرا قول یہ بھی ہے کہ حروف مقطعات اللہ اور اس کے رسول کے درمیان میں اسرار ہیں یعنی آنحضرت ﷺ کو ان کا علم عطا فرمایا گیا تھا مگر چونکہ وہ ایک سر تھا اس لئے حضور ﷺ نے اس کو امت پر ظاہر نہیں فرمایا حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے تفسیر عزیزی میں ان اقوال کو ذکر فرمایا ہے جو حروف مقطعات کے بارے میں سلف سے منقول ہیں۔ فرماتے ہیں

اول آنست کہ ایں حروف اسرار محبت است کہ از اغیار پوشیدہ بہ پیغمبر حبیب خود صلعم نشان دادہ اند۔ گویند کہ التخاطب بالحروف المفردة سنة الاحباب فان سر الحبیب مع الحبیب یجب ان لا یطلع علیه الرقیب (فتح العزیز سورہ بقرہ مطبوعہ مجتبائی ص ۷۴)

اور بیضاوی نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے :-

" و قیل انه سر استاثره الله بعلمه وقدروی عن الخلفاء الاربعة وغیر هم من الصحابة ما یقرب منه ولعلهم ارادوانها اسرار بین الله و رسوله ورموز لم یقصد بها افهام غیره الخ "
(بیضاوی جلد اول ص ۱۵ مجتبائی) (۲)

یعنی بیضاوی نے خلفائے اربعہ اور دیگر صحابہؓ کے ان اقوال کو جن میں حروف مقطعات کو اسرار یاالمکتوم الذی لا یفسر یا صفوۃالقرآن فرمایا تھا اس پر محمول کیا کہ یہ اللہ اور رسول کے درمیان اسرار ورموز ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ان کی مراد معلوم ہے پھر تعیین مراد میں بہت اقوال ہیں اور امام شافعیؒ کا یہ مذہب مشہور ہے کہ متشابہات کے معانی راسخین فی العلم جانتے ہیں پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ حروف مقطعات اللہ اور رسول کے درمیان میں راز ہیں وہ اقوال سلف سے باہر نہیں نکلتا یہ دوسری بات کہ راجح اور قوی قول کے خلاف ہے مگر اس کی بناء پر اس کی تکفیر تو کجا تفسیق وتضلیل بھی نہیں کی جاسکتی (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) ۱/ ۱۰ ط مصر
(۲) ۱ / ۱۶ ط سعید
(۳) وقد اختلف اهل العلم فی معنی قوله (وما یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم والراسخون فی العلم) فمنهم من جعل تمام الکلام عند قوله تعالی (والراسخون فی العلم فمن قال بالقول الاول جعل الراسخین فی العلم عالمین ببعض المتشابه (احکام القرآن للجصاص ۲ / ۴ ط دار الکتاب العربی بیروت)

سورہ براءۃ سے پہلے ''بسم اللہ'' نہ ہونے کی وجہ

(سوال) قرآن مجید کے دسویں پارے میں سورہ براءت میں بسم اللہ نہیں نازل ہوئی ؟ کیا وجہ ہے ؟
المستفتی نمبر ۲۴۷۲ شیخ اعظم شیخ معظم (دھولیہ ۔ ضلع مغربی خاندیس) ۸ صفر ۱۳۵۸ھ ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء۔

(جواب ۱۱۳) اس میں حضور ﷺ نے بسم اللہ نہیں لکھوائی تھی یہ سورت پہلی سورت کے ساتھ بسم اللہ میں شامل ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) فقال عثمان کان رسول اللہ ﷺ مما یاتی علیہ الزمان وهوینزل علیه السورة ذوات العدد فکان اذا نزل علیه الشي دعا بعض من کان یکتب ... وکانت براة من آخر القرآن وکانت قصتها شبیهة بقصتها فظننت انها منها فقبض رسول اللہ ﷺ ولم یبین لنا انها منها فمن اجل ذلك قرنت بینهما ولم اکتب بینهما سطر بسم الله الرحمن الرحیم ووضعتها فی السبع الطول (جامع الترمذی : ومن سورة التوبة ۲ ۱۳۹ ط سعید)

كتاب الحديث والآثار

پہلا باب
متفرق احادیث کی تشریحات

حدیث شریف کی تعلیم فرض کفایہ ہے 'صحابہ کرام کے زمانہ میں 'تدوین حدیث کا اہتمام خلط بالقرآن کے خوف سے نہیں کیا گیا.

(سوال) حدیث شریف فرائض دین میں سے ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو رسول اللہ ﷺ و صحابہ کبار نے بہ طریق قرآن مجید حدیث شریف لکھوا کر حفاظت کیوں نہیں فرمائی۔ خلفائے اربعہؓ نے اپنے عہد خلافت میں بکثرت حدیث بیان کرنے کو منع کیوں فرمایا؟ المستفتی نمبر ۳۴ نذیر احمد ضلع بلیا۔ ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء۔

(جواب ۱۱۴) حدیث شریف کی تعلیم اور تعلم بھی بقدر ضرورت فرض کفایہ ہے(۱) اس کی تدوین کا اہتمام خلط بالقرآن کے خوف سے ابتدا میں نہیں کیا گیا(۲) بکثرت بیان کرنے سے ممانعت اس احتیاط کے لئے تھی کہ لوگوں کو غیر مستند احادیث کے بیان کرنے سے روکا جائے اور جرات مضرہ سے ڈرایا جائے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حضور ﷺ کا خچر پر سوار ہونے کی حدیث کا حوالہ.

(سوال) خچر کی سواری کی جو حدیث ہے وہ کس کتاب کی ہے حوالہ سے ممنون فرمائیں؟ المستفتی نمبر ۷۹۱ محمد نور بدیع (ضلع جالندھر) ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۲ مارچ ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۱۵) خچر کی سواری کی حدیث بخاری شریف ترمذی شریف اور دوسری کتابوں میں موجود ہے بخاری(۱) شریف جلد اول ص ۴۲۷ (۴) میں ہے و کان ابو سفیان بن الحارث اخذاً بعنان بغلته یعنی یوم حنین میں ابو سفیان بن الحارث حضور ﷺ کے سفید خچر کی باگ تھامے ہوئے تھے جس پر

---

(۱) واما فرض الكفاية من العلم فهو كل علم لايستغنى عنه في قوام امور الدنيا كالطب والحساب والنحو اللغة والكلام والقرائات و اسانيد الحديث و كل هذه آلة لعلم التفسيروالحديث وكذلك علم الآثار والا خبار والعلم بالرجال واساميهم الخ (رد المحتار : مطلب في فرض الكفاية و فرض العين ۱/ ۴۲ ط سعيد)

(۲) اعلم علمني الله و اياك ان آثار النبي ﷺ لم تكن في عصر اصحابه و كبار تبعهم مدونة في الجوامع ولا مرتبة لامرين : احدهما انهم كانوا في ابتداء الحال قدنهوا عن ذلك كما ثبت في صحيح مسلم خشية ان يختلط بعض ذلك بالقرآن العظيم (مقدمت فتح الباري' ص ٤ ط مكتبه مصطفى' مصر)

(۳) انما كانوا يمنعون منها او ينهون عن الاكثار في التحديث لا عن التحديث بالكلية وذلك منهم خشية وقوع المكثر في الخطاء وهو لا يشعر (الامام البخاري وصحيحه: الاسباب التي حملتهم عن الامتناع والنهى ص ١٠٤' ط دار المنار جده)

(٤) (باب بغلة النبي ﷺ ١/ ٤٠٢ ط قديمي كتب خانه' كراچی)

حضور ﷺ سوار تھے اور ترمذی شریف جلد اول ص ۲۰۲(۱) میں ہے۔ و رسول اللہ ﷺ علی بغلته الخ
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حدیث ''نحن احق بالشك من ابراهيم'' کا صحیح مطلب.

(سوال) نحن احق بالشك من ابراهيم تو نبی احق کیوں ہے اور اس حدیث کا مطلب کیا ہے ؟
المستفتی نمبر ۷۵۵ مولوی عبدالحلیم (ضلع پشاور) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء
(جواب ۱۱۶) نحن احق بالشك من ابراهيم تواضعاً فرمایا ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ
حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کوئی شک تھا(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

''خلق الله التربة يوم السبت الخ'' صحیح حدیث ہے.

(سوال) بعض احباب عمل سے بچنے اور اس سے چھٹکارا پانے کے لئے ہر حدیث کو روایت اسرائیلی کہہ دیتے ہیں مشکوۃ کی ذیل کی حدیث کو بھی انہوں نے روایت اسرائیلی بتادیا از راہ کرم حدیث مذکورہ سے متعلق واضح فرمائیں۔

عن ابی هريرة قال اخذ رسول الله ﷺ بيدی فقال خلق الله التربة يوم السبت و خلق فيها الجبال يوم الاحد و خلق الشجر يوم الاثنين و خلق المكروه يوم الثلثاء و خلق النور يوم الاربعاء و بث فيها الدواب يوم الخميس و خلق آدم بعد العصر من يوم الجمعة فی آخر الخلق و آخر ساعة من النهار فيما بين العصر الی الليل مشكوة ص ۵۰۱ مطبع مجتبائی دهلی

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی
(جواب ۱۱۷) یہ روایت مشکوۃ(۳) میں امام مسلم کی طرف منسوب ہے اور مسلم کی روایتیں صحیح ہیں (۴) اس حدیث کو اسرائیلی کہنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے کیونکہ اس میں اسرائیلیات کی کوئی بات نہیں

---

(۱) (باب ماجاء فی الخروج عند الفزع ۱/۲۹۸ ط سعید)
(۲) معناه ان الشك مستحيل فی حق ابراهيم فان الشك فی احياء الموتی لو كان متطرقا إلی الانبياء لكنت انا احق به من ابراهيم وقد علمتم انی لم اشك فاعلموا ان ابراهيم لم يشك ..... وانما رجح ابراهيم علی نفسه عليه الصلوة والسلام تواضعا (شرح النووی علی الصحيح الامام مسلم' باب زيادة طمانية القلب بتظاهر الادلة' ۱/۸۵ ط قديمی كتب خانه' كراچی)
(۳) باب بدء الخلق و ذكر الانبياء ص ۵۱۰ ط سعيد)
(۴) قال الشيخ الامام ابو عمرو بن الصلاح : شرط مسلم فی صحيحه ان يكون الحديث متصلا الاسناد بنقل الثقة عن الثقة من اوله الی انتهاءه سالما من الشذوذ والعلة قال وهذا حد الصحيح فكل حديث اجتمعت فيه هذه شروط فهو صحيح بلاخلاف بين اهل الحديث (مقدمة النووی شرحه علی الصحيح للامام مسلم : فصل قال الشيخ ۱/۳۰ ط قديمی كتب خانه كراچی)

ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حدیث" فمن وصلها وصلته" الخ کا صحیح ترجمہ

(سوال) محترم حضرت علامہ مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ۔ سلام مسنون
کرم فرما کر حضرت عبدالرحمن بن عوف کی یہ حدیث جو مشکوۃ ص ۴۲۰ پر ہے اور جو اس الجمعیۃ اخبار میں بھی شائع ہے اس کو ملاحظہ فرما کر اس کے ترجمہ اور فٹ نوٹ کے متعلق فرمایئے صحیح ہے کہ نہیں؟ المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی ۹ ۔ ۴۹ ۔ ۸ ۔ ۲۲

(جواب ۱۱۸) حدیث کا ترجمہ حاصل مطلب کے لحاظ سے ٹھیک ہے فمن وصلها وصلته و من قطعها بانته (۱) کا ترجمہ مناسب الفاظ میں یوں ہونا چاہئے تو جو شخص رحم یعنی رحمی رشتہ داری کو جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو اسے توڑے گا میں اس کو توڑ دوں گا۔

شققت لها من اسمی کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنا نام رحمن سے بھی اس کے لئے رحم کا نام نکالا ہے(۲) یہاں اشتقاق اصطلاحی مراد نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حدیث" یا عباد اللہ اعینونی" الخ کا صحیح مطلب

(سوال) کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب تم کو کہیں کوئی مصیبت پڑے اور اس جگہ تم تنہا ہو کوئی دوسرا موجود نہیں ہے تو اس طرح کہو کہ اے خدا کے بندو ہماری مدد کرو اور یہ حدیث طبرانی سے روایت ہے یہ بات مجھے ٹھیک معلوم نہیں ہوئی اور مجھے یہ خیال ہوا کہ ایسی باتوں کا بیان کرنا کیسا ہے' اور کیا کوئی روایت ایسی ہے۔ المستفتی نمبر ۱۶۱۱ انذیر احمد عزیز احمد (ریوان) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۱۱۹) حدیث یاعباد اللہ اعینونی الخ حصن حصین(۳) میں بروایت طبرانی مروی ہے مگر اس میں عباد اللہ سے فرشتے یا مسلمان جن مراد ہیں جو انسان کی نظر سے مخفی مگر وہاں قریب موجود ہوتے ہیں یا ان کا وجود مظنون ہے اور ان کو مدد کے لئے پکارنا اس تصور پر ہے کہ وہ پکارنے والے کے قریب ہے اس کی آواز سن کر اس کی مدد کر سکتے ہیں جیسے ایک انسان دوسرے مصیبت زدہ انسان کی فریاد سن کر اس کی مدد کر سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) (باب البر والصلة : الفصل الثانی' ص ۴۲۰' ط سعید)

(۲) قوله : و شققت ای اخرجت واخذت اسمها قوله : لها ای للرحم قوله' من اسمی ای الرحمن' و فیه ایماء الی المناسبة الاسمیة واجبة الرعایة وان کان المعنی علی انها اثر من آثار رحمة الرحمن الخ (مرقاة المفاتیح ' شرح مشکوة المصابیح' باب البر والصله ۹ : ۱۰۲ 'ط امدادیه' ملتان)

(۳) مترجم ص ۱۲۳' ط میر محمد کتب خانه کراچی

معراج کی رات حضور ﷺ کا عبد القادر جیلانی کی گردن پر قدم رکھ کر براق پر سوار ہونے کا واقعہ من گھڑت ہے

(سوال) اکثر مولود خواں صاحبان معراج مبارک کے واقعات میں یہ بات بیان کرتے ہیں کہ جب رسول خدا محمد ﷺ معراج میں تشریف لے گئے اور براق پر سوار ہونے لگے تو براق نے شوخی کرنا شروع کی اس وقت غوث پاک محی الدین جیلانیؒ نے اپنی گردن مبارک حضور ﷺ کے قدم کے نیچے رکھ دی اس وقت آپ براق پر سوار ہو گئے' اور آپ نے فرمایا کہ جیسا میرا قدم تیری گردن پر ہے ویسا ہی تیرا قدم کل اولیاء اللہ کی گردن پر ہو گا کیا یہ روایت صحیح ہے؟ المستفتی نمبر ۱۶۱۱ نذیر احمد عزیز احمد (ریوان)

(جواب ۱۲۰) یہ قصہ بے اصل ہے اس کی کوئی معتبر سند اور ثبوت نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

حدیث منکر 'معلل' موقوف وغیرہ نہیں ہو سکتی' کہنا صحیح نہیں۔

(سوال) زید کہتا ہے کہ (۱) شان صاحب لولاک سردار انبیاء شفیع المذنبین محمد بن عبداللہ ہاشمی العربی المدنی بحکم رب اکبر ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی ہے اللہ و رسول میں فرق نہیں کرتا پھر جو کوئی آنحضرت ﷺ کے قول مبارک حدیث شریف کو قول ضعیف یا موضوع یا منکر یا معلل یا مدلس یا مدرج کہتا ہے وہ آنحضرت ﷺ کی حدیث شریف کی کھلی توہین کرتا ہے اور جو کوئی اقوال صحابی و تابعی یا تبع تابعی کو حدیث موقوف یا حدیث مرفوع یا حدیث مرسل یا حدیث منقطع کہتا ہے وہ غیر نبی کے قول کو برابر قول جناب سردار انبیاء والمرسلین کر کے حدیث فرد و حدیث شاذ و حدیث معلق و حدیث آنحضرت میں شامل کرتا ہے وہ بھی کھلی توہین آنحضرت ﷺ کی کرتا ہے۔

(۲) آنحضرت ﷺ کے تمام ارشادات صحیح ہیں کوئی ضعیف یا موضوع یا منکر نہیں کہا جا سکتا اور قول غیر معصوم کا قول معصوم کے برابر ہرگز نہیں کیا جا سکتا اس لئے جو کوئی آنحضرت ﷺ کی توہین کا مرتکب ہو وہ کافر ہے خدا کا دشمن ہے اور آنحضرت ﷺ کا دشمن ہے۔

(۳) اور اگر امام اسمٰعیل بخاری نے غلطی کی ہو تو خدا کے نزدیک سب کی غلطیاں حسب دستور الٰہی قابل سزا ہوں گی میں نہیں جانتا کہ امام اسمٰعیل بخاری نے غلطی کی ہے یا نہیں اگر کی تو ضرور سزا کے مستحق ہوئے۔

المستفتی نمبر ۱۶۶۸ منشی فضل الرحمٰن' پہاڑ گنج' دہلی۔ ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۱۲۱) (۱) یہ قائل اصطلاح فن حدیث اور حقیقت حال سے ناواقف ہے حدیث کو ضعیف یا موضوع یا منکر یا معلل یا مدلس یا مدرج باعتبار ثبوت اور سند کے کہا جاتا ہے قول رسول ہونے کی جہت

سے یہ اوصاف حدیث شریف کے نہیں ہیں جس حدیث کو منکر کہیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ اس کی سند منکر ہے جس کو ضعیف کہیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ اس کی سند ضعیف ہے اس طرح ذکر کرنے سے حدیث رسول اللہ ﷺ کی کوئی توہین نہیں ہوتی(۱) صحابی کے قول کو حدیث موقوف کہنا صحیح ہے اس میں حدیث کے معنی قول رسول ﷺ کے نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ قول صحابیؓ کا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا نہیں ہے اس میں بھی کوئی توہین نہیں ہے(۲)

(۲) حضور ﷺ کا قول تو بے شک موضوع اور ضعیف یا منکر نہیں ہو سکتا مگر سندیں تو ضعیف اور منکر ہوتی ہیں اور لفظ حدیث ان مثالوں میں مطلق قول یا خبر کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے(۳)

(۳) ہاں اختیاری اور قصدی غلطی میں مواخذہ ہے(۴) خواہ کسی سے ہو اور بے قصد غلطی ہو جائے تو اس میں مواخذہ نہیں خواہ کسی سے ہو(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا احادیث مثل قرآن ہیں

(سوال) حدیث مثل قرآن ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۸۲۷ محمد میاں حویلی اعظم خاں' دہلی ۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۳ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۲) آنحضرت ﷺ کے اقوال متعلقہ دین ان لوگوں کے لئے جو خود حضور ﷺ کی زبان سے سنتے تھے یا جن کو تواتر سے پہنچیں قرآنی احکام کے موافق واجب التعمیل ہیں لیکن جو احادیث کہ نقل غیر متواتر سے منقول ہو کر آئیں ان کا درجہ بہ وجہ طریق نقل کے اودن ہونے کے آیات قرآنی سے کم ہے تاہم احادیث صحیحہ ثابتہ پر عمل لازم ہے(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) واذا قیل هذا حدیث غیر صحیح (لوقال : ضعیف لکان اخصر) فمعناه لم یصح اسناده علی الشرط المذکور لانه کذب فی نفس الامر (مقدمة اعلاء السنن : الفصل الثانی ۱/۳۷ ط ادارة القرآن والعلوم الاسلامیه' کراچی)

(۲) واما انتهی الی الصحابی یقال له الموقوف کما یقال قال او فعل او قررابن عباس موقوفا (المقدمة للشیخ عبدالحق الدهلوی علی مشکوة المصابیح : ص ۵ سعید)

(۳) (مقدمة اعلاء السنن' المرجع السابق ۱/۳۷)

(٤) قال الشیخ ابو الحسن لاستاذه ابی علی الجبائی اما تقول فی ثلثة إخوة مات احدهم مطیعا والآخر عاصیا والثالث صغیرا فقال ان الاول یثاب فی الجنة والثانی یعاقب فی النار (شرح العقائد ص٦ مکتبه خیر کثیر' کراچی)

(۵) عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال : " ان الله وضع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکره هو اعلیه (ابن ماجه : باب طلاق المکره والناسی ص ۱٤۷' ط قدیمی)

(٦) الاتصال منا من رسول الله ﷺ وهو ان یکون کاملاً کالمتواتر' وهو الخبر الذی...... کنقل القرآن والصلوة الخمس وانه یوجب علم الیقین' او یکون اتصالاً فیه شبهة صورةً کالمشهور ......' وانه یوجب علم طما نینة ...... او یکون اتصالاً فیه شبهة صورة و معنی کخبر الواحد...... وانه یوجب العمل دون العلم الیقین (المنار مع شرحه نور الانوار) وفی الحاشیة: قوله : کالمتواتر او رد کاف التمثیل' لان الاتصال الکامل قد یکون بغیر التواتر کالسماع من فی رسول الله ﷺ مشافهة (باب اقسام السنة ص ۱۷۷' ۱۷۸ ط سعید)

حدیث" ستفترق امتی علی ثلث و سبعین"الخ میں امت سے امت دعوت مراد ہے یا امت اجابت

(سوال)(۱) حدیث میں جو وارد ہوا ہے کہ میری امت تہتر گروہ میں تقسیم ہو جائے گی اس لفظ امت سے کیا مراد ہے ساری دنیا کے انسان عام اس سے کہ مسلمان ہوں یا کافر یا صرف مسلمان مراد ہیں مسلمان اور کافر مل کر تہتر گروہ ہو جائیں گے یا مسلمانوں میں تہتر گروہ ہوں گے کیا امت میں مسلمان و کافر دونوں ہی داخل ہیں؟ یہ حدیث کس قسم کی ہے؟

(۲) ناجی کون گروہ ہے کل مسلمان یا ان میں کوئی خاص گروہ مراد ہے "ماانا علیه واصحابی" کا کیا مطلب ہے؟ المستفتی نمبر ۲۶۱۲ ابراہیم حسین (بنگلور) ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق یکم جون ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۲۳) اس حدیث میں امت سے مراد امت دعوت بھی لی گئی ہے اور امت اجابت بھی مرقاۃ(۱) شرح مشکوۃ میں ہے ثم قیل یحتمل امة الدعوة فیندرج سائر الملل الذین لیسوا علی قبلتنا فی مدد الثلاث و السبعین و یحتمل امة الاجابة فیکون الملل الثلاث والسبعون منحصرة فی اهل قبلتنا والثانی هو الاظهر و نقل الا بهری ان المراد بالامة امة الاجابة عند الاکثر انتهی اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ امت اجابت مراد ہے یہ حدیث ترمذی(۲) اور مسند امام احمد(۳) اور ابوداؤد(۴) میں ہے ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے ما انا علیه واصحابی سے وہ طریقہ مراد ہے جو آنحضرت ﷺ کا اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کا طریقہ تھا یعنی جو آج کل اہل السنة والجماعة کا طریقہ ہے اس میں حنفی شافعی مالکی حنبلی اہل حدیث سب داخل ہیں البتہ مبتدع فرقہ ہائے ضالہ جیسے معتزلی خارجی مرجئہ مشبہہ روافض وغیرہ اس سے خارج ہیں(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

محدثین کا چوتھے طبقہ کی کتب رزین، شعب الایمان و بیہقی اور ابن عساکر وغیرہ سے حدیث لینے کی وجہ

(سوال) (۱) رزین۔ شعب الایمان ۔ بیہقی ابن عساکر وغیرہ کتابوں کا شمار حدیث کے تیسرے اور چوتھے طبقہ میں ہے اور ان کا پایہ زیادہ بلند نہیں ہے پھر کیا وجہ ہے کہ بڑے بڑے محدثین ان احادیث کو

---

(۱) (باب الاعتصام بالکتاب والسنة ۱ /۲٤۸ ط امدادیه ملتان)

(۲) (باب افتراق هذه الامة ۲ /۹۲ ط سعید)

(۳) (رقم الحدیث ۸۱۹٤ /۲ /۲۸۳ ط دار احیاء التراث العربی بیروت)

(٤) (باب شرح السنة ۲ /۲۸۳ ط امدادیه ملتان)

(۵) المراد هم المهتدون المتمسکون بسنتی کون بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین من بعد فلا شك ولا ریب انهم اهل السنة والجماعة (مرقاة المفاتیح' باب الاعتصام بالکتاب والسنة ۱ /۲٤۸ ط امدادیه ملتان)

اپنی تصانیف میں لائے ہیں۔ حتی کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ میں مواہب لدنیہ وغیرہ کی بہت احادیث ذکر کی ہیں، جنہیں صاحب سیرت النبی نے غیر مستند قرار دیا ہے؟

(۲) علم الصیغہ میں لفظ لا کے ماضی پر داخل ہونے کی شرط رکھی گئی ہے کہ تکرار لا ہونا ضروری ہے دراں حالیکہ یہ کلیہ بعض مقامات پر ٹوٹ بھی گیا ہے مثلاً مشکوۃ شریف ص ۱۶ میں ہے **انك مررت ولا سلمت** (حدیث عثمانؓ مشکوۃ(۱) ص ۱۶ نور محمدی) یہاں لا ماضی پر داخل ہوا ہے لیکن تکرار نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۲۶۷۲ نجم الحسن صاحب رضوی (سیتاپور) ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۴۱ء

(جواب ۱۲۴) (۱) ان کتابوں میں چونکہ ضعیف روایتیں بھی ہیں اسلئے ان کا درجہ گھٹادیا گیا ہے مگر یہ مطلب نہیں کہ ان کی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں مشکوۃ میں بھی ان کی روایتیں لی گئی ہیں اور دوسری کتابوں میں بھی لی جاتی ہیں اخبار و سیر کی کتابوں میں زیادہ چھان بین نہیں ہوتی اس لئے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور سیرت کے دوسرے مصنفین نے ان کتابوں کی حدیثوں سے اسناد کیا(۲) جن مولفین نے سیرت میں بھی تنقید کا راستہ اختیار کیا انہوں نے ضعیف روایات کو علیحدہ کر دیا۔

(۲) لا کا ماضی پر نفی کے لئے داخل ہونا صرف تکرار کے ساتھ مشروط نہیں ہے بلکہ یا تو لا کی تکرار ہو جیسے **فلا صدق ولا صلی**(۳) یا نفی کی تکرار ہو جیسے **ما طلعت الشمس ولا غربت** یا موضع دعا میں ہو **الا لا بارك الله في سهيل** یا معنی تکرار نکل سکتی ہو جیسے **فلا اقتحم العقبة**(۴) کہ یہاں معنی تکرار نکل سکتی ہے اور **لا اقتحم** کو **لا فك رقبة ولا اطعم مسكينا** کے معنی میں لے سکتے ہیں ان کے علاوہ علی سبیل ندرت بغیر تکرار اور بغیر موضع دعا کے بھی لا کا ماضی پر استعمال ہوا ہے جیسے **وای عبد لك لا الما** آپ نے جو جملہ نقل فرمایا ہے اس میں تو معنوی تکرار موجود ہے کیونکہ اس کی عبارت یوں ہوتی ہے **ماشعرت انك مررت ولا سمعت انك سلمت** محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حدیث "ثلثة لاينظر الله اليهم يوم القيمة" الخ کا حوالہ

(سوال) (۱) وہ حدیث مع اعراب کے اور حوالہ کتاب کے درج فرمائیے جس کے معنی ہیں کہ تین

---

(۱) باب الکبائر و علامات النفاق' ص ۱۶ ط سعید

(۲) حدیث " لوان الناس یعلمون مافی الغداء والصف الاول الخ" کا حوالہ

وفی مقدمة اعلاء السنن: قال فی الدر المختار' فیعمل به فی فضائل الاعمال اه قال محشیه ابن عابدین: لاجل تحصیل الفضیلة المقربة علی الاعمال ' قال ابن حجر فی شرح الا ربعین لانه ان کان صحیحاً فی نفس الامر فقد اعطی حقه من العمل والا لم یترتب علی العمل به مفسدة تحلیل ولا تحریم ولا ضیاع حق الغیر (الفصل الثالث فی حکم العمل بالضعیف ۱/۵۷ ط ادارة القرآن دار العلوم الاسلامیة کراچی)

(۳) القیمة : ۳۱

(۴) البلد: ۱۱

آدمی بہشت میں [illegible] ایک متکبر دوسرا جس کا ازار ٹخنوں سے نیچا ہو اور تیسرا راقم کو یاد نہیں جو تفصیل درکار ہے کہ اگر ازار ٹخنوں سے نیچا ہو تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں کیا ازار کا ٹخنوں سے نیچے فخر سے ہو [illegible] ثابت ہیں؟

(۲) وہ حدیث مع اعراب و کتاب درکار ہے جس کے معنی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری امت کو تین چیزوں کے اجر و ثواب کا علم ہو تا تو وہ ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے آپس میں لڑ پڑتے ایک اذان۔ دوسرے پہلی صف میں کھڑا ہونا۔ لیکن تیسری راقم کو یاد نہیں۔ بینوا توجروا۔ المستفتی نمبر ۲۸۷۲ محمد حنیف قریشی معرفت حافظ حبیب الرحمٰن امام جامع مسجد کالکا۔ ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۸ جولائی ۱۹۴۲ء

(جواب ۱۲۵) (۱) اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں **ثلثة لا ینظر الله الیهم یوم القیٰمة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم المنان والمسبل ازاره والمنفق سلعته بالحلف الکاذب** یعنی تین شخص ہیں جن کی طرف قیامت میں اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں کرے گا نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اول احسان جتانے والا دوم ازار لٹکانے والا۔ سوم جھوٹی قسم کھا کھا کر اپنا مال نکالنے (یعنی بیچنے) والا (ترمذی شریف)۔(۱)

ازار ٹخنوں سے نیچی ہو نماز ہو تو جاتی ہے مگر کراہت کے ساتھ اور یہ کراہت جب ہے کہ ازار کا نیچا ہونا فخر و تکبر کے ساتھ ہو۔(۲)

(۲) اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں **لو ان الناس یعلمون ما فی الندآء والصف الاول ثم لم یجدوا الا ان یستهموا علیه لا ستهموا علیه** (ترمذی)(۳) یعنی اگر ان لوگوں کو اذان اور صف اول کے حقیقی ثواب کا علم ہو جاتا اور پھر یہ ان کو قرعہ ڈالے بغیر نہ مل سکتیں تو قرعہ ڈال کر حاصل کرتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حضرت سعد بن معاذ پر قبر کی تنگی کی وجہ ان کو نبی ﷺ کی شفقت پر ناز اور خالص رحمت الٰہی پر تکیہ نہ ہونا قرار دینا غلط ہے!

(سوال) زید نے اپنا اور کسی مولوی صاحب کا واقعہ یوں بیان کیا کہ ایک مولوی صاحب طالب علموں کو حدیث کا درس دے رہے تھے اس وقت یہ حدیث پڑھی گئی عن جابرؓ **قال خرجنا مع رسول الله**

---

(۱) باب ماجاء فیمن حلف علی بیعة کاذبا ۱ : ۲۳۰ ط سعید

(۲) وقد نص شافعی علی ان التحریم مخصوص بالخیلاء لالدلالة ظواهر الاحادیث فان کان للخیلاء فهو ممنوع منع تحریم والا فمنع تنزیه (مرقاة المصابیح کتاب اللباس الفصل الاول ۸ : ۲۳۹ ط امدادیه ملتان)

(۳) باب ماجاء فی فضل الصف الاول ۱ : ۵۳ ط سعید

ﷺ الی سعد ابن معاذ حین توفی فلما صلی علیه رسول ﷺ ووضع فی قبره و سوی علیه فسبح رسول الله ﷺ فسبحنا طویلاً ثم کبر فکبرنا فقیل یا رسول الله لم سبحت ثم کبرت قال لقد تضایق علی هذا العبد الصالح قبره حتیٰ فرجه الله عنه رواه احمد (۱) و ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ هذا الذی تحرک له العرش و فتحت له ابواب السماء و شهده سبعون الفاً من الملائکة لقد ضم ضمة ثم فرج عنه رواه النسائی (۲) یعنی فرمایا جابرؓ نے نکلے ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طرف سعد بن معاذ انصاری کے جب کہ فوت ہوئے پس پڑھی آپ نے ان پر نماز جنازہ اور رکھا قبر میں اور دفن کیا تو آپ نے تسبیح پڑھی یعنی سبحان الله والحمد لله و لا اله الا الله والله اکبر پس ہم نے بھی تسبیح کہی دراز پھر آپ نے تکبیر کہی یعنی الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله والله اکبر الله اکبر ولله الحمد پس ہم نے بھی تکبیر کہی بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیوں آپ نے اول تسبیح کہی اور بعد میں تکبیر ؟ فرمایا کہ تحقیق تنگ ہو گئی تھی اس بندہ صالح پر قبر اس کی حتی کہ کشادہ کیا اللہ نے اس کی قبر کو روایت کیا اس حدیث کو احمد نے اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ سعد بن معاذ ایسا شخص تھا کہ جنبش میں آیا عرش اور کھل گئے دروازے آسمانوں کے اور ستر ہزار فرشتے واسطے نماز جنازہ کے حاضر ہوئے تحقیق دبا لیا قبر نے جو حق دبانے کا تھا پھر فراخ ہوئی روایت کیا اس حدیث کو نسائی نے اس حدیث شریف کو بیان فرما کر مولوی صاحب رونے لگے کہ بڑے خوف کا مقام ہے جب رسول اللہ ﷺ کے صحابی کا یہ حال ہو تو عوام امت کا کیا ٹھکانا ہے۔

زید نے عرض کیا کہ جناب مولوی صاحب یہ تو رونے کا مقام نہیں بلکہ بڑی خوشی کا مقام ہے اس خبر عبرت اثر سے ارباب فہم کو نہایت عمدہ نصیحت حاصل ہوتی ہے یہ جائے غور ہے کہ حضرت سعد بن معاذ انصاری جیسے ذی رتبہ اور بزرگ صحابی کہ ان کے جنازے کی نماز رسول اللہ ﷺ نے پڑھی ان کے لئے عرش کو جنبش ہوئی آسمانوں کے دروازے کشادہ ہوئے ستر ہزار فرشتوں نے نماز جنازہ پڑھی پھر کیا سبب تھا کہ ان کی قبر تنگ ہو گئی ؟ ظاہر ہے کہ ان کو حضرت رسالت پناہ ﷺ کی شفقت و عنایت پر ناز تھا اپنی مغفرت و نجات کا ذریعہ رسول خدا ﷺ کو سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ ہمارے ہادی و شفیع تا دفن ہمارے ساتھ ہیں پس یہی خیال ان کا کہ خالصاً تکیہ رحمت الٰہی پر نہ تھا بلکہ رسول مقبول ﷺ کی عنایت کا سہارا بھی لگا ہوا تھا جو تنگی قبر کا باعث ہوا غیرت کبریائی اور عظمت الٰہی نے ان کو دکھا دیا کہ تم نے ہماری ذات پر اعتماد نہ کیا اب ایسا بڑا حامی تمہاری قبر پر کھڑا ہے دیکھیں تو وہ کیا مدد کر سکتا ہے اور کیونکر بچا سکتا ہے من ذاالذی یشفع عنده الا باذنه (۳) رسول خدا ﷺ نے راہنمائی خدا پرستی

---

(۱) رقم الحدیث ۱۴۰۹۶، ۴ / ۲۷۵ ط دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان

(۲) باب ضمة القبر و متعلقته ۱ / ۲۲۴ ط ایچ ایم سعید کمپنی (۳) البقرة : ۲۵۵

سکھائی۔ توحید ربانی کا نعرہ بلند کیا خدا پر توکل کرنا ذات حق پر بھروسہ رکھنا اور اس ذات کو فاعل مطلق اور لاشریک سمجھنا تعلیم فرمایا پس جو کوئی خلاف ان ہدایات کے غیر خدا پر نظر رکھے خواہ نبی پر خواہ ولی پر بیشک وہ مستحق عذاب و سزاوار عتاب ہے اور جس قدر اس کے دل میں تعلق ماسوی اللہ ہے اسی قدر تنگی قبر کا باعث ہے جب کہ خداوند ذوالجلال نے اپنی قدرت کاملہ اور رحمت شاملہ سے انسان کو پیدا کیا جان دی جسم دیا پالا پرورش کیا۔ زن و فرزند مال و متاع کا مالک بنادیا ان سب کاموں میں کوئی نبی یا ولی خدا کے ساتھ شریک نہ تھا نہ سفارشی تھا کسی کی خاطر و مروت سے اللہ تعالیٰ نے یہ عنایتیں نہیں کیں پھر حیف کی بات ہے کہ ایسی ذات کو چھوڑ کر نجات و مغفرت اور معاملہ آخرت کے لئے کسی دوسرے کی حمایت اور سفارش پر آدمی نظر ڈالے اور کوئی وسیلہ اور واسطہ تلاش کرے۔ مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون (۱)

اب سوال یہ ہے کہ مولوی صاحب کی بیان کردہ حدیثوں پر زید نے جو خیال ظاہر کیا ہے کیا وہ توہین رسالت اور انکار شفاعت کو شامل ہے ؟ اور یہ کہ زید کی اقتدا میں نماز درست ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۲۷۷۲ سردار علی ۔ سبزی منڈی ۔ دہلی مورخہ ۲ شعبان ۱۳۶۲ھ مطابق ۵ اگست ۱۹۴۳ء۔

(جواب ۱۲۶) زید کا بیان کو توہین رسالت اور انکار شفاعت کو شامل نہیں تاہم اس اعتبار سے صحیح نہیں ہے کہ اس نے حضرت سعد بن معاذؓ کی طرف ایک ایسی بات کو منسوب کردیا ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے یعنی یہ کہ حضرت سعدؓ نے شفاعت پر تکیہ کرلیا تھا اور رسول خدا ﷺ کی شفقت پر ناز تھا اور خالص رحمت الٰہی پر تکیہ نہ تھا یہ بے ثبوت بات ان کی طرف منسوب کرنا غلط اور جرات ہے اس سے توبہ کرنی چاہئیے قبر کی تنگی کا سبب رسول خدا ﷺ نے بیان فرمایا ہوتا تو اس پر یقین ہوتا اللہ ہی جانتا ہے کہ کیا سبب تھا (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

حدیث " اتبعوا السواد الاعظم" میں الاعظم سے رفعت شان مراد ہے یا کثرت تعداد؟

(سوال) مشہور حدیث اتبعوا السواد الاعظم (مشکوۃ) (۳) میں بعض کی رائے ہے کہ اعظم مقولہ کیف سے ہے جس کے معنی رفعت شان کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اعظم مقولہ کم سے ہے جس سے مراد عدد کثیر ہے۔ ارشاد فرمایا جائے کہ ان دونوں قولوں میں کون سا قول درست اور شارع کے منشا کے مطابق ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۷۹۳ ۔ ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ

---

(۱) العنکبوت : ۴۱

(۲) قال اللہ تعالیٰ : ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا (بنی اسرائیل : ۳۶)

(۳) باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۳۰ ط سعید

(جواب ۱۲۷) لفظ اعظم تو عظمت سے مشتق ہے جس کے معنی درجہ اور شان کی بڑائی بھی ہے اور عددی کثرت پر بھی اس کا اطلاق کر دیا جاتا ہے' حدیث میں اعظم سواد کی صفت کے طور پر مذکور ہے اور سواد کے معنی جماعت کے ہیں جس کے مفہوم میں عددی کثرت داخل ہے تو سواد اعظم کے معنی بڑی جماعت ہوئی اور بڑی جماعت کا مفہوم عرفاً عددی اکثریت لیا جاتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ ایسی عددی اکثریت جو باطل پر ہو قابل اتباع نہیں پس حدیث سے مراد یہ ہے اتبعوا السواد الاعظم من اهل الحق (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) بخاری شریف کا اصح الکتب' ہونے کی وجہ۔
(۲) حنفیہ کے نزدیک بھی بخاری کتاب اللہ کے بعد صحیح تر کتاب ہے۔
(۳) مشکوۃ المصابیح معتبر کتاب ہے
(۴) اخبار "الجمعیۃ" میں فتوے حنفی مذہب کے موافق دیئے جاتے ہیں
(۵) اخبار "الجمعیۃ" کے اراکین حنفی ہیں
(۶) فتاویٰ رشیدیہ و مجموعۃ الفتاویٰ معتبر اور حنفی مذہب کے فتاویٰ ہیں۔

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۸ء)

(سوال) (۱) بخاری شریف کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کیوں کہا جاتا ہے؟
(۲) قرآن شریف کے بعد درجہ بخاری شریف کا ہمارے حنفی مذہب میں بھی مانا جاتا ہے یا نہیں؟
(۳) کتاب مشکوۃ شریف ہمارے حنفی مذہب میں بھی قابل تسلیم ہے یا نہیں؟
(۴) آپ کے اخبار الجمعیۃ میں جس قدر فتوے شائع ہوتے ہیں وہ مذہب حنفی کے موافق ہوتے ہیں یا نہیں؟
(۵) اخبار الجمعیۃ کے اراکین اور مفتی صاحب حنفی مذہب کے پیرو ہیں یا کسی دوسرے مذہب کے؟
(۶) فتاویٰ رشیدیہ اور مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحئی ہمارے حنفی مذہب کی کتابیں ہیں یا نہیں؟

(جواب ۱۲۸) (۱) بخاری شریف کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کے اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے مؤلف حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری نے اس کتاب میں صحیح حدیثیں جمع کرنے کا جو التزام کیا تھا اس میں وہ بہ نسبت دوسرے مؤلفین صحاح کے زیادہ کامیاب ہوئے ہیں اور اس کی حدیثیں نسبتہً دوسرے صحاح سے زیادہ صحیح ہیں (۲)

(۱) وفي المرقاة : قوله' اتبعوا السواد الاعظم' يعبر به عن الجماعة الكثيرة والمراد ما عليه اكثر المسلمين الخ (باب الاعتصام بالكتاب والسنة ۱/ ۲۴۹' ط امدادية' ملتان) (۲) فالصفات التي تدور على الصحة في كتاب البخاري اتم منها في كتاب مسلم واشد اء شرطه فيها اقوى واسد واما رجحانه من حيث الاستدلال' واما رجحانه من حيث العدالة والضبط' ومن ثم اى و من هذه الجهة و هي او حجية بشرط البخاري على غيره قدم صحيح البخاري على غيره من الكتب المصنفه في الحديث (نخبة الفكر' مراتب الصحيح ص ۳۶ تا ۳۸ ط فاروقي كتب خانه' ملتان)

(۲) حنفیہ کو اس سے اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں(۱)
(۳) مشکوۃ شریف معتبر کتاب ہے مگر یہ مطلب نہیں کہ اس کی تمام حدیثیں صحیح ہیں(۲)
(۴) ہاں حنفی مذہب کے موافق فتوے دیئے جاتے ہیں
(۵) اراکین جمعیۃ اور خاکسار حنفی مذہب کے پیرو ہیں۔
(٦) فتاوی رشیدیہ اور مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحیؒ معتبر اور حنفی مذہب کے فتاوی ہیں۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

---

(۱) وقد صرح الجمهور بتقديم صحيح البخارى في الصحة ولم يوجد عن احدبتصريح بنقيضه (نخبة الفكر' مراتب الصحيح ص ۳۵' ط فاروقی کتب خانه' ملتان)

(۲) وما اشار اليه من غريب او ضعيف او وغيرهما بينت وجهه' غالباً ومالم يشرا ليه في الاصول فقد ففيته في تركه الا في مواضع لغرض صحيح (خطبة المشكوة) و في المرقاة' ومن الغرض ان الشيخ شرط انه اعرض عن ذكر المنكر وقد اتى فى كتابه بكثير منه و بين فى بعضها كونه منكراً و ترك في بعضها بنيت انه منكر (۱/۳۷' ط امداديه ملتان)

كتاب التاريخ والسير

پہلا باب
سیرت وشمائل (علی صاحبہا التحیۃ)

آیت "واقصد فی مشیک" اور حدیث "اذا مشی تکفا تکفؤا کا نماینحط من صبب" کی تطبیق

(سوال) سیرت النبی از مولانا شبلی (حصہ دوم باب شمائل) میں لکھا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی رفتار بہت تیز تھی چلتے تھے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ ڈھلوان زمین میں اتر رہے ہیں اور قرآن شریف کی آیت ہے **واقصد فی مشیک** (۱) تو آیت کریمہ اور حضور ﷺ کی رفتار میں جو تناقض معلوم ہو رہا ہے اس کی تطبیق کیا ہے؟ **المستفتی** محمد سلیمان واوڑا

(جواب ۱۲۹) آنحضرت ﷺ کی رفتار مبارک کا بیان جس حدیث میں آیا ہے (اور سیرت النبی میں غالباً اسی حدیث کا مطلب ادا کیا گیا ہے) اس کے الفاظ یہ ہیں **اذا مشی تکفا تکفؤاً کانماینحط من صبب** (۲) یعنی حضور اکرم ﷺ جب چلتے تھے تو ذرا آگے کو مائل ہوتے تھے گویا کہ نشیب کے سبب اتر رہے ہیں اور راوی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی چال متکبروں کی طرح اکڑ کر چلنے کی نہ تھی بلکہ متواضعانہ تھی اور سست رفتار نہ تھے بلکہ قوت و سرعت کے ساتھ چلتے تھے مگر یہ سرعت یعنی تیزی قوت کی وجہ سے تھی حد اعتدال و اقتصاد سے متجاوز نہ تھی تو آیہ کریمہ **واقصد فی مشیک** کی حضور ﷺ پوری تعمیل فرماتے تھے نہ کہ مخالفت (۳) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

کیا حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کسی بادشاہ کے نام خط لکھا یا دستخط کیا ہے؟

(سوال) آنجناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ سے خود کسی بادشاہ کے نام بطور عہد نامہ یا کسی دوسری بناء پر کوئی خط یا دستخط کیا ہے یا نہیں؟ **المستفتی** نمبر ۵۸۸ مولوی محمد دلبر (پشاور) ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۳۰) حضور ﷺ نے جو خطوط یا فرامین بھیجے ہیں یہ ثابت نہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کوئی خط یا فرمان تحریر کیا ہو، البتہ حدیبیہ کا صلح نامہ لکھتے وقت جب کفار نے لفظ رسول اللہ لکھے جانے پر اعتراض کیا تو حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے جو صلح نامہ لکھ رہے تھے فرمایا کہ بجائے

---

(۱) لقمان : ۱۹

(۲) شمائل الترمذی، باب ماجاء فی مشی رسول اللہ ﷺ ص ۸ ط سعید

(۳) فلا ینا فی الآیة وکذا ماورد فی صفته ﷺ، اذا یمشی کانماینحط من صبیب، وکذا لا ینا فیها قوله تعالیٰ: "وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض هونا" (الآیة) اذلیس الهون فیه المشی کدبیب النمل، وذکر بعض الافاضل، ان المذموم اعتیار الاسراع بالا فراط فیه (روح المعانی، لقمان : ۱۹، ط دار الفکر، بیروت، لبنان)

محمد رسول اللہ کے محمد بن عبد اللہ لکھ دو تو حضرت علی نے لفظ رسول اللہ کو اپنے ہاتھ سے مٹانے میں تامل اور عذر کیا اور حضور ﷺ نے مسودہ اپنے ہاتھ میں لے کر لفظ رسول اللہ کو مٹا دیا اور ایک روایت میں اس کے آگے و کتب محمد بن عبداللہ ہے یعنی آپ نے محمد بن عبد اللہ لکھ دیا بعض علماء نے اس سے یہ سمجھا کہ یہ لفظ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے بطور معجزہ کے لکھ دیا تو اگر ان علماء کی رائے کے موافق کوئی یہ کہے کہ حضور ﷺ سے معجزہ کے طور پر یہ لفظ لکھنا مروی ہے تو اس کی گنجائش ہے(۱) ورنہ حضور ﷺ کا فرمان نحن امة امية لا نكتب و لا نحسب (۲) موجود ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فضلات نبویہ کا حکم

(سوال) حضور ﷺ کا بول شریف آپ کی ایک خادمہ نے پی لیا تھا تو اس کے واسطے نہ منہ پاک کرنے کے لئے فرمایا اور نہ یہ فرمایا کہ دوبارہ ایسا مت کرنا (۲) حضور ﷺ کے پچھنوں کا خون ایک صحابی نے پی لیا تھا تو حضور ﷺ نے ان کے لئے فرمایا تھا کہ تم نے اپنی جان کو محفوظ رکھا (۳) حضور ﷺ کی ایک اور خادمہ نے بھی ایک مرتبہ اسی طرح بول شریف پی لیا تھا جو کہ شب میں پیالہ میں حضور ﷺ نے بول کیا تھا' ان کے واسطے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ تو ہرگز بیمار نہ ہوگی (۴) حضور ﷺ کے جمیع فضلات یعنی پیشاب پاخانہ وغیرہ پاک تھا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۱۴۵ محمد حسین (دہلی) ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۳۱) حضور ﷺ کا پیشاب یا خون بعض صحابہ نے پی لیا ہے لیکن حضور سے اجازت لے کر پیا ہو اس کا ثبوت نہیں اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ ان صحابہؓ کے اس فعل سے یا حضور کے ان الفاظ سے جو خبر ہونے پر آپ نے فرمائے تھے دوسرے لوگوں کے لئے پیشاب یا خون کا پینا جائز ہو گیا تھا بعض علماء شوافع اور ان کی متابعت میں بعض علمائے حنفیہ اس کے قائل ہو گئے ہیں کہ حضور ﷺ کا بول و براز پاک تھا(۳) لیکن قرآن و حدیث میں اس کی کوئی صریح دلیل جس میں یہ تصریح کی گئی ہو کہ حضور ﷺ

---

(۱) عن البراء قال: لما احصر النبي ﷺ عند البيت صالحه... فامر عليا ان يمحاها' فقال علي: لا و الله لا امحاها' فقال رسول الله ﷺ: ارني مكانها فاراه مكانها فمحاها و كتب ابن عبدالله الحديث (صحيح مسلم) قال النووي في شرحه (قوله ارني مكانها الخ) و زاد عنه في طريق ولا يحسن ان يكتب' فكتب قال اصحاب هذا المذهب: ان الله تعالى اجرى' ذلك على يده' اما بان كتب ذلك القلم بيده وهو غير عالم بما يكتب او ان الله تعالى علمه ذلك حينئذ حتى كتب وجعل هذا زيادة في معجزته فانه كان اميا كما علمه' مالم يعلم من العلم (شرح مسلم للنووي' باب صلح الحديبية ۲/۱۰۵ ط قديمي كتب خانه' كراچی) (۲) صحيح البخاري: باب قول النبي ﷺ' لا نكتب ولا نحسب' ۱/۲۵۶ ط قديمي كتب خانه' كراچی (۳) صحح بعض ائمة الشافعية طهارة بوله ﷺ وسائر فضلاته' وبه قال ابو حنيفه كما نقله في المواهب اللدنيه عن شرح البخاري للعيني و صرح به البيري في شرح الاشباه (رد المحتار' مطلب في طهارة فوله ﷺ ۱/۳۱۸' ط سعيد)

کے فضلات پاک تھے موجود نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'
الجواب صحیح۔ فقیر احمد سعید کان اللہ لہ۔ فقیر محمد یوسف دہلوی۔ عبدالشکور عفی عنہ مدرسہ حسین بخش دہلی۔ محمد اسحاق عفی عنہ

حضور ﷺ امت کے وارث نہیں شفیع ہیں.

(سوال) جناب پیغمبر رسول خدا ﷺ اپنی امت کے وارث ہیں یا نہیں اور حامی و مددگار ہیں یا نہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ کی جگہ مقام محمود ہے یا نہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ کی شان مبارک میں نعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور اس کی توہین کرنا کیسا ہے کہ یہ کیا اٹھالائے۔ المستفتی نمبر ۱۲۴۹ عثمان خاں ڈگے خاں صاحب۔ مقام دھرن گاؤں۔ خاندیس ۱۹ رمضان ۱۳۵۵ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۳۶ء
(جواب ۱۳۲) آنحضرت ﷺ اپنی امت کے وارث نہیں ہیں حضور ﷺ نے خود ارشاد فرمایا ہے نحن معاشر الانبیاء لانرث ولانورث (۱) یعنی ہماری پیغمبروں کی جماعت نہ کسی کی وارث ہوتی ہے اور نہ کوئی ان کا وارث ہوتا ہے ہاں حضور ﷺ اپنی امت کے حامی و مددگار تھے اور قیامت کے دن امت کی شفاعت فرمائیں گے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو مقام محمود عطا فرمائے گا جو حضور ﷺ کے لئے ہی مخصوص ہے (۲) حضور ﷺ کی نعت و مدح و ثنا پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ نعت کا مضمون صحیح ہو اور پڑھنے کا طریقہ بھی درست ہو (۳) گانا بجانا یا لونڈوں کا خوش آوازی سے پڑھنا درست نہیں (۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) حضور ﷺ کی تاریخ وفات کیا ہے؟
(۲) حضور ﷺ کی نماز جنازہ فرداً فرداً ادا کی گئی' سب سے پہلے ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ نے ادا کی!

(سوال) (۱) حضرت محمد ﷺ نے کس تاریخ کو وفات پائی؟
(۲) حضور ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ و حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ میں شریک تھے یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۱۳۲۷۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۲ فروری ۱۹۳۷ء

---

(۱) صحیح البخاری : باب فرض الخمس ۱/۴۳۵ ط' قدیمی کتب خانہ' کراچی
(۲) عن جابر بن عبداللہ ان رسول اللہ ﷺ قال : من قال' حین سمع النداء اللھم رب..... وابعثہ مقاماً محمود ان الذی وعدتہ حلت لہ شفاعتی یوم القیمۃ (صحیح البخاری' باب الدعاء عند النداء' ۱/۸۶ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)
(۳) واشعار العرب لو فیھا ذکر الفسق تکرہ (الدرالمختار) قال المحقق فی الشامیہ قراۃ الاشعار ان لم یکن فیھا ذکر الفسق والغلام و نحوہ لا تکرہ (ردالمحتار' الحضر والاباحۃ' ۶/۳۵۰' ط سعید)
(٤) قال' السماع والقول والرقص الذی یفعلہ المتصوفہ فی زماننا حرام (عالمگیریہ' الباب السابع عشر ۵/۳۵۲ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(جواب ۱۳۳) حضور ﷺ نے ماہ ربیع الاول میں دو شنبہ کے دن وفات پائی یہ اتنی بات تو متفق علیہ ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ربیع الاول کی تاریخ کیا تھی تو اس میں کئی قول ہیں دوسری تاریخ' پہلی تاریخ' بارہ تاریخ' تیرہ تاریخ اور اس کے علاوہ بھی قول ہیں(۱)

(۲) حضور ﷺ کے جنازہ کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی گئی لوگوں نے فرداً فرداً ادا کی ہے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ و حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے سب سے پہلے نماز ادا کی ہے۔ **فقد جاء ان ابابکرؓ دخل عليه ﷺ فكبر اربع تكبيرات ثم دخل عمرؓ فكبر اربعاً ثم دخل عثمانؓ فكبر اربعاً ثم طلحة بن عبيد الله والزبير بن العوامؓ ثم تتابع الناس ارسالاً يكبرون عليه**

(سيرت حلبيه) (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دوسرا باب
اہل بیت واہل قریش

روایات صحیحہ سے ابو طالب کا حالت کفر پر مرنا ثابت ہے

(سوال) حضرت ابو طالب مسلمان تھے یا کافر؟ ان کے ایمان اور کفر کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا کیا خیال تھا؟

(جواب ۱۳٤) جہاں تک کہ روایات صحیحہ معتبرہ سے ثابت ہے وہ یہی ہے کہ حضرت علیؓ کے والد ابو طالب کا اسلام لانا ثابت نہیں بلکہ کفر پر ہی انتقال ہونا ثابت ہوتا ہے بخاری شریف (۳) میں باب قصۃ ابی طالب میں یہ حدیث مذکور ہے۔ **عن المسيب ان اباطالب لما حضرته الوفاة دخل عليه النبی ﷺ و عنده ابو جهل فقال ای عم قل لا اله الا الله كلمة احاج لك بها عند الله فقال ابو جهل و عبد الله بن ابی امية يا ابا طالب ترغب عن ملة عبدالمطلب فلم يزالا يكلماه حتى قال آخرشئی كلمهم به علی ملة عبدالمطلب الحديث** یعنی مسیّب بیان کرتے ہیں کہ جب کہ ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آئے وہاں ابو جہل بھی موجود تھا حضور ﷺ نے فرمایا اے میرے چچا آپ لا الہ الا اللہ کہہ لیجئے یہ ایک کلمہ ہے جس کی وجہ سے میں آپ کے

---

(۱) ولما كان اليوم الاثنين ۱۳ ربيع الاول سنة ۱۱ (۸يونيه ٦٣٣) لحق عليه السلام بالرفيق الاعلى وقد اعلن الصحابه بوفاته (تاريخ الامم الاسلاميه، ۱/۱۵۷ ط مصر) وفي تاريخ الاسلام انتقل الرسول الى جوار ربه في يوم الاثنين ۱۲/ربيع الاول سنة ۱۱ه وهو في الثالث والستين، من عمره (۱/ ۱۵۰ ط دارالاحياء، بيروت)

(۲) ۳/۳۵٦، ط بيروت-

(۳) باب قصة ابی طالب ۱/٥٤۸، ط قديمی كتب خانه، كراچی

لئے خدا کے سامنے گواہی دیکر شفاعت کر سکوں گا اس پر ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا کہ اے ابو طالب کیا تم عبدالمطلب کے مذہب کو چھوڑ دو گے ؟ اور دونوں یہ بات برابر کہتے رہے یہاں تک کہ ابو طالب نے آخری بات جو کہی وہ یہ تھی کہ (میں) عبدالمطلب کے مذہب پر (قائم ہوں) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابو طالب نے آخری دم تک بھی اسلام قبول نہیں کیا بخاری (۱) میں اسی باب قصۃ ابی طالب میں یہ حدیث بھی مذکور ہے **قال عباس بن عبد المطلب للنبی ﷺ ما اغنیت عن عمك فانه كان يحوطك و يغضب لك قال هو في ضحضاح من نار ولو لا انا لكان في الدرك الاسفل من النار** یعنی حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ نے اپنے چچا (ابو طالب) کو کیا نفع پہنچایا وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کی وجہ سے آپ کے دشمنوں پر غضب ناک ہوتے تھے حضور ﷺ نے فرمایا وہ چھچلی آگ میں ہوں گے اور اگر میرا تعلق نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں جاتے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابو طالب کی وفات کفر پر ہوئی اور وہ مبتلائے عذاب بھی ہوں گے مگر حضور ﷺ کی شفاعت سے عذاب کی نوعیت میں تخفیف ہو جائے گی اسی باب کی تیسری حدیث یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ابو طالب کے متعلق فرمایا کہ **لعله تنفعه شفاعتي يوم القيامة فيجعل في ضحضاح من النار يبلغ كعبيه يغلي منه دماغه** (۲) یعنی امید ہے کہ ابو طالب کو میری شفاعت قیامت کے روز فائدہ پہنچائے گی وہ یہ کہ چھچلی آگ میں رکھے جائیں گے جو صرف پاؤں کے ٹخنوں تک ہو گی مگر اس کی گرمی سے دماغ کھولتا ہو گا اس حدیث سے قیامت کے روز حضور کی جانب سے شفاعت ہونا اور شفاعت سے صرف عذاب کی تخفیف ہونا معلوم ہوتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بعد وہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۳) میں اسی حدیث کے ذیل میں لکھا ہے کہ کافر کو حضور ﷺ کی شفاعت سے تخفیف عذاب کا فائدہ پہنچنا ابو طالب کی خصوصیت ہے کہ حضور ﷺ کی حفاظت اور حمایت کے صلہ میں حضور ﷺ کی برکت سے اس قدر فائدہ ان کو پہنچے گا یہی حدیث حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں مسلم سے نقل فرمائی ہے اس میں لعلہ نہیں بلکہ **ينفعه شفاعتي** کا لفظ ہے اور ظاہر ہے کہ قیامت کی یہ خبر اور عذاب کی تخفیف کی یہ صورت واقعات مستقبلہ میں سے ہے جس کا علم حضور ﷺ کو اعلام الٰہی سے ہوا ہو گا اس لئے اس کے محقق الوقوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اور اس بناء پر اب کوئی امکان اس کا باقی نہ رہا کہ ابو طالب کا اسلام کسی طور سے ثابت ہو سکے۔ واللہ اعلم

---

(۱) حوالہ بالا (گزشتہ صفحہ)
(۲) مرجع سابق
(۳) والنفع الذی حصل لابی طالب من خصائصه ببركة النبی ﷺ (فتح الباری شرح صحیح البخاری باب قصة ابی طالب ۷/۱۴۹ ط مکتبه مصطفی مصر)

قدموا قریشاً ولا تقدموا الخ صحیح حدیث ہے یا نہیں' اسکا صحیح مطلب.....

(سوال) میں نے ایک رسالہ میں یہ حدیث دیکھی ہے قدموا قریشا ولا تقدموها و تعلموا منها ولا تعلموها الحدیث اخرجه ابن النجاری (از کنز جلد ۷ ص ۱٤٠) اس حدیث کے متعلق یہ سوال آیا ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا غیر صحیح بصورت صحیح ہونے کے اس کا مطلب کیا ہے اور بصورت ضعیف یا موضوع ہونے کے اس کے ضعیف یا وضعی ہونے پر کیا ثبوت ہے؟ المستفتی نمبر ۲۱۷ مولوی محمد زکریا عربک ٹیچر مسلم ہائی اسکول انبالہ۔ ۲۴ شوال ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء۔

(جواب ۱۳۵) یہ حدیث کنز العمال(۱) کے صفحہ ۱۴۰ جلد ہفتم میں موجود ہے ابن النجار سے نقل کی ہے اور مناوی نے کنوز الحقائق(۲) میں اس کو روایت کر کے (الشافعی) کی طرف منسوب کیا ہے اور لا تعلموها کے بجائے لا تعالموها ذکر کیا ہے اور جامع صغیر(۳) میں کئی حوالوں سے بالفاظ مختلفہ ذکر کیا ہے مثلاً اس میں ہے قدموا قریشا ولا تقدموها و تعلموا من قریش ولا تعالموها الشافعی والبیهقی فی المعرفة عن ابن شهاب بلاغا (عد) عن ابی هریرة (صح) قدموا قریشا ولا تقدموها و تعلموا من قریش ولا تعلموها ولو لا ان تبطر قریش لا خبر تها مالخیارها عند الله تعالیٰ (طب) عن عبدالله بن السائب (صح) قدموا قریشا ولا تقدموها ولو لا ان تبطر قریش لاخبر تها بمالها عند الله- البزاز عن علی (صح) یعنی یہ حدیث ابن النجار اور شافعی اور بیہقی اور ابن عدی اور طبرانی اور بزاز نے روایت کی ہے اور جامع صغیر میں اس کی تمام روایتوں پر صحت کی علامت کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث صحیح ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ قریش مقدم (مقتدا) ہونے کے اہل ہیں ان کو مقدم رکھو اور اما اقاموا الدین جب تک ان کی اہلیت قائم ہو تم ان سے مقدم ہونے کی کوشش نہ کرو اور قریش یعنی عترت نبویہ سے دین سیکھو یا قرآن مجید کی قرأت (لان القرآن نزل بلغة قریش) حاصل کرو اور اس بارے میں ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کی راہ اختیار نہ کرو فقط ایصال الحق الی اهله کی تعلیم ہے اور اہلیت کا ثبوت انکے لئے علی ماینبغی ہے نہ بطور لزوم جیسے کہ لفظ ما اقاموا الدین سے ظاہر ہے کہ دین سے روگردانی پر وہ قیادت اور تقدم کے مستحق نہیں۔
فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) ۱۲ / ۲۲ رقم الحدیث ۳۳۷۸۹ - ۳۳۷۹۰ ط التراث الاسلامی' بیروت ' لبنان
(۲) حرف القاف' ص ۳۰ ط مکتبہ اسلامیہ' فیصل آباد
(۳) الجامع الصغیر للسیوطی' حرف القاف ص ۸۵ ط مکتبہ اسلامیہ پاکستان

ابن زیاد کا حضرت حسینؓ کے سر کو بید سے مارنا ثابت ہے۔

(سوال) حضرت امام حسینؓ کے سر مبارک کو ابن زیاد نے بید سے مارا اور ناک اور آنکھوں کی راہ شراب ڈالی اور کہا کہ حسینؓ تم کو شراب سے زندگی میں بہت انکار تھا اب مرنے کے بعد شراب ہم تم کو پلاتے ہیں کیا یہ واقعہ تاریخ کی کسی کتاب میں درج ہے ؟ اور کیا اس واقعہ کو عام پبلک کے سامنے منبر پر کہنا چاہئے ؟ المستفتی نمبر ۸۴۰ محمد اسرائیل خاں (آورہ) ۱۸ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۱ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۳۶) بید مارنے کا واقعہ تو دیکھا ہے شراب کا واقعہ نظر سے نہیں گزرا ایسے واقعات کا ذکر کچھ اچھا نہیں(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

میدان کربلا میں اشارہ سے صف اول کے آدمیوں کا سر تن سے جدا کرنے کے واقعہ وغیرہ کی نسبت حضرت حسینؓ کی طرف صحیح نہیں۔

(سوال) حضرت امام حسینؓ نے لشکر اعدا کے مقابلہ کے وقت تلوار کا ایک ہاتھ اس زور سے مارا کہ گھوڑا مع زین اور سوار معہ خود وغیرہ کٹ کر تلوار زمین میں اتر گئی امام حسینؓ جس طرف رخ پھیرتے تھے ہزاروں اعدا کو چشم زون میں فنا کر دیتے تھے ایک بار امامؓ نے لشکر اعدا کے سامنے ہاتھ اٹھا کر رومال سے اشارہ کیا تو تمام صف اول کے آدمیوں کے سر تن سے جدا ہو گئے یہ روایات صحیح ہیں اور کسی مستند و معتبر کتاب سے اس کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۱۷۵ عبدالرحمن و محمد حسین صاحبان (ساورہ) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۳۷) اس روایت کی سند اور حوالہ بیان کرنے والے سے دریافت کرنا چاہئے ہماری نظر میں اس کی سند نہیں ہے۔　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حضرت علیؓ حضور ﷺ کے خاندان سے تھے' ان کے والد ابو طالب حضور ﷺ کے چچا تھے

(سوال) دہرہ دون میں ۷ دسمبر ۱۹۳۶ء کو مندرجہ ذیل افسوسناک مکالمہ عمرو کے مکان پر زید اور بکر کے درمیان وقوع میں آیا تینوں صاحبان اوسط عمر کے مسلمان اہل سنت والجماعت ہیں مکالمہ مذکورہ مندرجہ ذیل عالی جناب کی خدمت بابرکات میں بطور استفسار ارسال کیا جاتا ہے کہ ہر دو صاحبان زید اور بکر یا دونوں میں سے کوئی کس حد تک مرتکب جرم شرعی ہے ؟
نیز در صورت ثابت ہونے گناہ کے گناہ گار پر کیا کفارہ اور ازالہ واجب و عائد ہوتا ہے۔ زید

---

(۱) قال: لما اتی عبداللہ زیاد براس الحسین جعل ینکت بالقضیب ثنایاہ (البدایہ والنہایہ - دخول سنۃ احدی و ستین ۵/۶۹۸' ط دار الفکر' بیروت)

(عمرو سے) حضرت علیؓ ایک معمولی گھرانے کے تھے پستہ قد تھے تناور تھے پہلوانی کیا کرتے تھے ہمارے رسول کریم ﷺ کی نگاہ کرم سے کہیں سے کہیں پہنچے اور شیر یزداں لکھا ہے۔

عمرو۔ معمولی گھرانے سے تمہارا کیا مطلب ہے کیا تمہارا مطلب ان کی نجابت سے ہے ؟

زید۔ نہیں عمرو میرا مطلب یہ ہے کہ وہ متمول نہیں تھے ان کی نجابت کے احترام سے کون منکر ہے۔

عمرو۔ حضرت علی تو رسول اکرم ﷺ کے گھرانے سے تھے۔

زید۔ ہرگز نہیں وہ علیحدہ تھے۔ بلکہ شاید کسی تنقید میں میں نے ایک اور تعجب خیز امر دیکھا تھا کہ ابو طالب عم رسول اکرم ﷺ اور ابو طالب والد حضرت علی دو جدا جدا شخص تھے۔

عمرو۔ اس کو تو شیعہ سنی سب مانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ ایک ہی خاندان تھا۔

زید۔ میرا مطلب خاندان کے ایک نہ ہونے سے نہیں ہے بلکہ حضرت علی الگ رہتے تھے۔

بکر۔ (نہایت طیش میں زید سے مخاطب ہو کر) لاحول ولا قوۃ تمہیں عربی نہیں آتی میں تم کو اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ تم کافر ہو۔ تم سے بات کرنا گناہ ہے۔

زید۔ (نہایت خندہ پیشانی سے) او ہو اس میں گناہ کیا ہے' ضمناً ایک بات ہے ایمان سے تو متعلق نہیں ہے کفر مجھ پر کیوں عائد کرتے ہو میں کوئی وعظ تو نہیں کہہ رہا ہوں اگر میں غلط ہوں تو صحت کر دو۔ میں نے شاید کہیں یہی پڑھا ہے۔ غالباً شاہنامہ یا کہیں اور۔

بکر۔ (پہلے سے بھی زیادہ طیش میں) لعنت ہے تم پر۔ تم جیسے کافر خارج از اسلام سے تو بات کرنا بھی گناہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ **المستفتی** نمبر ۱۲۷۹ مسٹر عبدالخالق انصاری ایم اے (دہرہ دون) ۲۸ شوال ۱۳۵۵ھ مطابق ۲ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۳۸) زید کے کلام میں کئی ایک غلطیاں ہیں یہ کہنا کہ انکے والد ابو طالب اور شخص تھے اور آنحضرت ﷺ کے عم مکرم ابو طالب اور شخص تھے بالکل غلط ہے اسی طرح یہ کہنا کہ حضرت علی الگ رہتے تھے یہ بھی غلط ہے پھر یہ کہ انہوں نے شاہنامہ میں یہ باتیں پڑھی ہیں یہ اور زیادہ غلط اور جاہلانہ بات ہے بکر کے کلام میں زید پر جو الزام ہیں عربی نہ آنا۔ اس قسم کی باتیں بلا تحقیق کرنا۔ روزہ نہ رکھنا اگر یہ واقعات ہیں تو بے شک الزامات درست ہیں' رہا لہجہ کا تشدد جو بکر کی طرف سے ظاہر ہوا اور زید پر کفر کا حکم کر دینا تو یہ نامناسب تشدد ہے اور تکفیر کی ان میں کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ **محمد کفایت اللہ** کان اللہ لہ، دہلی۔

قاتلان حسینؓ کو گالی دینا کیسا ہے ؟

(سوال) قاتلان حسین اور یزید پلید کو گالیاں دینا جائز ہے یا نہیں ؟ **المستفتی** نظر الدین امیر الدین (املیزہ ضلع مشرقی خاندیس)

(جواب ۱۳۹) قاتلان حسینؓ کے متعلق اتنا کہنا تو جائز ہے کہ انہوں نے بہت بڑا گناہ اور ظلم کیا مگر گالیاں دینا درست نہیں اور لعنت کرنا جائز نہیں(۱) المؤمن لا یکون لعانا (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

یزید ابن زیاد کے ہاتھوں، حضرت حسینؓ کی شہادت سن کر نادم ہوا.

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شہادت امام حسین کے اندر یزید کا بالکل ہاتھ نہ تھا بلکہ اس واقعہ پر یزید بہت نادم ہوا اور اہل بیت نے ساتھ ہمدردی سے پیش آیا یہ بات کہاں تک صحیح ہے ؟

(جواب ۱٤۰) ہاں یزید اس طرز عمل کی روداد سن کر جو اس کے لشکر والوں نے برتا مکدر ضرور ہوا (۳) اور اہل بیت کے ساتھ اس نے ان کے احترام کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی(۴) محمد کفایت اللہ

تیسرا باب
صحابہ و تابعین

حضور اکرم ﷺ کی وفات کے وقت صحابہ کرامؓ کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی.

(سوال) حضور ﷺ کی وفات کے وقت صحابہ کرام کی تعداد کل کتنی تھی ؟ المستفتی نمبر ۲۹۸ حسین جمال الدین منہار ۱۶ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۳۱ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۱٤۱) آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت صحابہ کرامؓ کی صحیح تعداد کا علم تو خدا کو ہی ہے تاہم محدث کبیر ابو زرعہ رازی نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت ایسے صحابہؓ جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے روایت یا سماع کے ذریعہ سے کوئی روایت کی ہے ان کی تعداد ایک لاکھ تھی اور ظاہر ہے کہ ایسے صحابی جن سے کوئی روایت نہیں ان کی تعداد اس کے علاوہ ہوگی(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) حقیقۃ اللعن المشہورۃ ، ہی الطرد عن الرحمۃ وہو لا تکون الا لکافر، ولذا لم تجز علی معین لم یعلم موتہ علی الکفر بدلیل، وان کان فاسقا مشہورا کیزید علی المعتمد بخلاف نحو ابلیس وابی لہب (رد المحتار باب الرجعۃ، مطلب فی حکم لعن العصاۃ، ۳ / ٤۱٦ ط سعید)

(۲) جامع الترمذی باب ماجاء فی اللعنۃ، ۲ / ۱۸ ط سعید

(۳) قال قد معت عینا یزید بن معاویۃ وقال کنت ارضی من طاعتکم بدون قتل الحسین لعن اللہ بن سمیۃ اما و اللہ لو انی صاحبہ لعفوت عنہ، و رحم اللہ الحسین ولم یصل الذی جاء براسہ بشئی (البدایہ والنہایہ: دخول سنۃ احدی و سبعین ۵ / ۷۰۰ ط دار الفکر بیروت)

(٤) وروی ابو مخنف عن الحارث بن کعب عن فاطمۃ بنت علی قالت : لما جلسنا بین یدی یزید رق لنا وامر لنا بشئی والطفنا (البدایہ والنہایہ دخول سنۃ احدی و ستین ۵ / ۲۰۲، ۷۰۳ ط دار الفکر بیروت)

(۵) عن ابی زرعۃ الرازی قال توفی رسول اللہ ﷺ ومن راہ و سمع منہ زیادۃ علی ماۃ الف انسان من رجل و امراۃ کلہم قد روی عنہ سماعا او روایۃ (مقدمۃ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۱ / ۳ ط مصر)

(۱) صحابہؓ اور اہل بیتؓ دونوں کے فضائل احادیث میں موجود ہیں......
(۲) حضرت معاویہؓ صحابی ہیں، عشرہ مبشرہ میں داخل نہیں
(۳) حضرت علیؓ کے نابالغی کی حالت میں ایمان لانے پر اعتراض لغو ہے
(۴) خلفاء کی ترتیب فضیلت' ترتیب خلافت کے موافق ہے
(۵) حضرت علیؓ کا حسینؓ و حسنؓ کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے بھیجنے کو دکھاوا خیال کرنا بدگمانی ہے.

(سوال) ایک روز چند اشخاص اہل السنت والجماعت کے ایک جگہ بیٹھے تھے اس میں تذکرہ مذہب کا تھا تفضیل الشیخین پر فریقین متفق ہیں (۱) احمد کا دعویٰ ہے کہ اولاد رسول اللہ ﷺ کی شان اعلیٰ ہے محمود کا دعویٰ ہے کہ صحابہ کی شان اہل بیت اطہار سے بڑھی ہوئی ہے اور یہ کہ صحابہ کی شان میں حدیث آئی ہے کہ جو کوئی ان کی پیروی کرے گا ہدایت پائے گا اس کے علاوہ قرآن پاک کی آیت سے بھی ان کی شان و مرتبہ کا پتہ چلتا ہے احمد نے کہا اہل بیت کی شان میں بھی حدیثیں آئی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں دو چیزیں اپنے بعد موجب نجات اپنی امت میں چھوڑے جاتا ہوں ان میں سے ایک قرآن پاک اور دوسری اہل بیت ہے جو ان دونوں کو اختیار کرے گا نجات پائے گا محمود نے کہا کہ وہ حدیث جو صحابہؓ کی شان میں ہے اس کے مقابل میں اہل بیت کی شان کی حدیث نہیں ہے۔

(۲) اسی مجلس میں ذکر حضرت معاویہؓ کا آیا اس پر محمود نے کہا کہ وہ عشرہ مبشرہ میں ہیں احمد نے کہا کہ مجھے عشرہ مبشرہ کی تو تحقیق نہیں لیکن آپ صحابیؓ ضرور ہیں مگر ان سے کچھ غلطی ہوئی چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثنا عشریہ میں لکھا ہے کہ ان سے خطا ضرور ہوئی محمود نے کہا کچھ بھی ہو لیکن حضرت امیر معاویہ کا درجہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ یعنی اہل بیت سے بڑھا ہوا ہے۔ براہ کرم اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

(۳) بعدہ ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ ایسا اعتراض حضرت علیؓ کے ایمان پر بھی ہے کیونکہ وہ نابالغی کی حالت میں ایمان لائے تھے اور نابالغی کے ایمان اور فعل کا اعتبار نہیں ہوتا۔

(۴) حضرت علیؓ پر کن کن صحابہ کو فضیلت ہے ؟

(۵) ایک بار تذکرہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا آیا تو کسی نے کہا کہ ان کی شہادت تو مروان کے فعل سے ہوئی جیسا کہ مشہور ہے کہ فاقبلوا کی جگہ فاقتلوا لکھ دیا جب حضرت علیؓ کو خبر ملی کہ دشمنوں نے خلیفہ سوم کے مکان کو گھیر لیا ہے اور حملہ آور ہیں تو اپنے دونوں صاحبزادوں کو مسلح کر کے بھیجا اور سمجھا دیا کہ حضرت عثمانؓ کو دشمنوں کی آزار سے بچانا اس پر محمود نے یہ کہا کہ یہ کام حضرت علیؓ کا صرف دکھانے کا تھا حقیقتاً ان کو حضرت عثمان کی حفاظت منظور نہ تھی۔

حضرات علماء سے دریافت کیا جاتا ہے کہ کیا واقعی حضرت علیؓ کا ظاہر کچھ تھا اور باطن کچھ ؟

المستفتی نمبر ۵۲۳ شیخ شفیق احمد (ضلع مونگھیر) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۱٤۲) (۱) صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان بھی رفیع ہے اور اہلبیتؓ کی شان بھی بلند ہے اہل بیت میں داخل ہونے کا شرف جدا ہے اور فضیلت صحبت جدا دونوں کے متعلق صحیح حدیثیں موجود ہیں جن لوگوں کو دونوں شرف حاصل ہوئے یعنی وہ اہل بیت میں بھی ہیں اور صحابی بھی ہیں جیسے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسینؓ ان دونوں کی فضیلت دونوں جہت سے ثابت ہے اور جو اہل بیت میں شامل ہیں مگر صحابی نہیں ان کو ایک شرف حاصل ہے دوسرا نہیں جو صحابی ہیں مگر اہل بیت میں شامل نہیں ان کو بھی ایک شرف حاصل ہے دوسرا نہیں اس کے بعد علم و تقویٰ اور دیگر صفات کی وجہ سے فضیلت کے مراتب کم و بیش ہوتے ہیں اس لئے اس بارے میں اسی قدر اعتقاد پر اکتفا کرنا اسلم ہے شیخین کی فضیلت کلیہ باوجود اہل بیت میں داخل نہ ہونے کے صرف صحابی ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے اوصاف کاملہ علم و تقویٰ اور خدمات دینیہ کی بنا پر ہے جن میں وہ خاص امتیازی شان رکھتے ہیں(۱)

(۲) حضرت امیر معاویہؓ جلیل القدر صحابی ہیں عشرہ مبشرہ میں داخل نہیں ہیں(۲) اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ وہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ سے افضل ہیں ان کے لئے وہ مناقب جو احادیث میں آئے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کے کاتب وحی تھے اور حضور ﷺ نے ان کو اپنا کرتہ مرحمت فرمایا تھا اور دعا دی تھی(۳) اور ان کے پاس حضور ﷺ کے

(۳) یہ اعتراض مہمل اور لغو ہے یہ تو حضرت علیؓ کی فطری اور طبعی صلاحیت کی دلیل ہے کہ بچپنے میں ہی ان کو معرفت حق اور قبول صداقت کی توفیق مبدا فیاض سے عطا ہوئی تھی۔

(۴) ترتیب فضیلت ترتیب خلافت کے موافق ہے یعنی حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ حضرت علیؓ سے افضل ہیں ان تینوں کے بعد حضرت علیؓ باقی صحابہ کرامؓ سے افضل ہیں(۴)

---

(۱) عن محمد بن الحنفية قال ' قلت لابی' ای الناس خیر بعد النبی ﷺ قال : ابوبکر قال قلت : ثم من ؟ قال: عمر (الحدیث) (صحیح البخاری' باب فضل ابی بکر بعدالنبی ﷺ ۱/ ۵۱۸ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)

(۲) عن عبدالرحمن بن عوف قال قال رسول الله ﷺ ابوبکر فی الجنة و عمر فی الجنة و عثمان فی الجنة و علی فی الجنة و طلحة فی الجنة و الزبیر فی الجنة و عبدالرحمن بن عوف فی الجنة و سعد بن وقاص فی الجنة و سعید بن زید فی الجنةو ابو عبیده بن الجراح فی الجنة (جامع الترمذی : مناقب عبدالرحمن ۲/ ۲۱۵' ط سعید)

(۳) اسلم (معاویة) قبل الفتح و اسلم ابوه بعده و صحب النبی ﷺ و کتب له (فتح الباری باب ذکر معاویه ۷/ ۸۰ ط مصر) عن عبدالرحمن بن ابی عمیرة وکان من اصحاب النبی ﷺ عن النبی ﷺ انه قال لمعاویه ' اللهم اجعله هادیًا مهدیًا و اهدیه (جامع الترمذی 'مناقب معاویة ۲/ ۲۲٤ ط سعید) وقدورومن غیر وجه انه اوصی الیه ان یکفن فی ثوب رسول الله ﷺ الذی کساه ایاه' (البدایه والنهایه' ترجمة معاویه و ذکرشی من ایامه' ۵/ ٦٤۷' ط دار الفکر بیروت)

(٤) و افضل البشر بعد نبینا ابوبکر الصدیق ثم الفاروق ثم عثمان ذوالنورین ثم علی المرتضی و خلافتهم علی هذا الترتیب (عقائد النسفی مع شرحه ص ۱٤۹ ط مکتبه خیر کثیر کراچی)

(۵) یہ خیال کہ حضرت علیؓ نے صرف دکھاوے کے لئے حضرت حسن و حسینؓ کو بھیجا تھا' حفاظت منظور نہ تھی' بد گمانی ہے حضرت علیؓ کی طرف سے ایسی بد گمانی کرنی مناسب نہیں ہے(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا حکومت کا مدح صحابہ کو روکنا مداخلت فی الدین نہیں' ان حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئیے ؟

(سوال) (۱) حضرات خلفائے ثلاثہؓ کے ساتھ گروہ شیعہ کو اس قدر بغض ہے کہ ایک طرف خود سراً وجہراً اپنے گھروں میں اور سنیوں کی سمعات میں ان پر سب و شتم اور لعن و طعن کرتے ہیں اور دوسری طرف اگر سنی ان کی مدح میں قصائد یا نظمیں پڑھیں تو کہتے ہیں کہ اس سے ہماری دل آزاری ہوتی ہے اور اس بنا پر اسے روکنے کی کوشش کرتے ہیں ایسی صورت میں سنیوں پر مدح خلفائے ثلاثہ میں قصائد یا نظموں کا پڑھنا اپنے گھروں' محفلوں میں عام مقامات اور شارع عام پر مذہباً ضروری ہے یا نہیں ؟

(۲) حکومت وقت نے شیعوں کی درخواست اور شکایات پر حفظ امن کے بہانہ سے شارع عام پر مجمع عام میں اور ایسے مقامات پر جو محاطہ نہ ہوں یا عامتہ الناس کے استعمال کے لئے ہوں حضرات خلفائے ثلاثہؓ کی مدح کرنا یا مدح میں قصائد اور نظمیں پڑھنا ممنوع قرار دیا ہے تو حکومت کی یہ کارروائی مداخلت فی الدین ہے یا نہیں ؟

(۳) شیعوں کی مخالفت اور حکومت وقت کی مزاحمت کی بنا پر جیسا کہ اوپر مذکور ہے ان سنیوں کے لئے جو ایسے مقام پر سکونت پذیر ہوں جہاں کہ یہ مخالفت اور مزاحمت کی جارہی ہو' اس مخالفت کا انسداد کرنا اور حضرات خلفائے ثلاثہؓ کے محامد و مناقب کو نثر یا نظم میں علی الاعلان و بر سر عام جلسوں یا جلوسوں میں بیان کرنے کا حق حاصل کرنا مذہباً لازم ہے یا نہیں ؟

(۴) جس مقام پر حضرات خلفائے ثلاثہؓ کے محامد و مناقب کا بیان علی الاعلان و بر سر عام کرنے کی مخالفت و مزاحمت ہوتی ہو جیسے کہ اوپر مذکور ہے اور وہاں کے کچھ سنی اس مخالفت و مزاحمت کے انسداد کے لئے کوشاں ہوں تو جو لوگ ان کی تائید و نصرت کریں اور ان کو مالی یا کسی قسم کی امداد دیں تو وہ عند اللہ ماجور ہوں گے یا نہیں اور جو اہل علم یا علمائے دین یا امراء یا ارباب ثروت اس کوشش کرنے والی جماعت کی تائید و نصرت اور امداد سے پہلو تہی کریں وہ اعانت روافض اور تعاون علی الاثم والعدوان کے مرتکب ہوں گے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۱۴۳ مولوی عبدالرحیم صاحب (انجمن تحفظ ملت لکھنؤ) ۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۹۳۶ء۔

---

(۱) قال اللہ تعالی . یایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم (الآیۃ) (الحجرات : ۲۶)

جواب از مولانا محمد اسباطؒ

(جواب) (از مولوی محمد اسباط صاحب مدرس مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ) جواب عرض کرنے سے پہلے چند مقدمات کی تمہید ضروری ہے۔

(۱) ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے کہ احکام شرعیہ و نیز رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرامؓ کے صحیح حالات ناواقف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں تک بھی پہنچائے تاکہ اسلامی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام کی صداقت کے اذعان اور ان کی محبت سے ان کے قلوب معمور ہو جائیں اور اللہ کی حجت بندوں پر پوری ہو جائے۔ قال اللہ تعالی ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة و جادلهم بالتی هی احسن (۱) وقال الله تعالى فاصدع بما تؤمر (۲) وقال الله تعالى وانذر عشيرتك الاقربين (۳) وقال رسول الله ﷺ بلغوا عنی ولو آية (٤) وقال عليه السلام نضر الله امرأ سمع منا شيئاً فبلّغه كما سمعه فرب مبلغ اوعى له من سامع (رواه الترمذی (٥) و ابن ماجه (٦) و رواه الدارمی (٧) عن ابی الدرداء) (مشکوة) (٨)

(۲) رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرام آپ کی امت اور آپ کے درمیان واسطہ کبری ہیں ان ہی کی مساعی جمیلہ اور ان کی ہی کوششوں اور جانفشانیوں سے ساری دنیا کے لوگوں کو دولت اسلام ملی ہے اور اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر حجت بنایا قال الله تعالى وكذلك جعلناكم امة وسطاً لتكونوا شهداء على الناس و يكون الرسول عليكم شهيدا (۹) اور امت کی گردن پر ان کا احسان ہے لہذا شریعت نے ان کی عظمت اور محبت اور ان کی اطاعت اور ان کے لئے دعائے مغفرت ہمارے اوپر لازم کردی قال الله تعالى والذين جآؤ امن بعدهم يقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين امنوا ربنا انك رؤف رحيم (۱۰) وعن عبدالله بن مغفل قال قال رسول الله ﷺ الله الله في اصحابي لا تتخذو هم غرضا من بعدی فمن احبهم فبحبي احبهم ومن ابغضهم فببغضي ابغضهم ومن آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقد

---

(۱) النحل : ٤٥
(۲) الحجر : ٩٤
(۳) الشعراء : ٢١٤
(٤) مشكوة المصابيح، كتاب العلم، فصل الاول، ١/ ٣٢ ط سعيد
(٥) باب ما جاء في الحث على تبليغ السماع ٢/ ٩٤ ط سعيد
(٦) باب من بلغ علما ص ٢١، ط مير محمد كتب خانه، كراچی
(٧) باب الاقتداء بالعلماء ١/ ٨٧ ط قديمی كتب خانه، كراچی
(٨) كتاب العلم فصل الاول ١/ ٣٥ ط سعيد
(٩) البقرة : ٤٣
(١٠) الحشر : ١٠

آذى الله ومن آذى الله فيوشك ان ياخذه (رواه الترمذی) (۱) وعن عمر قال قال رسول الله ﷺ اكرمو ا اصحابي فانهم خياركم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم يظهر الكذب الخ (مشكوة) (۲) و عن حذيفة قال قال رسول الله ﷺ انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذين من بعدی ابی بکرؓ وعمرؓ (۳)

(۳) شریعت نے چونکہ تبلیغ کے لئے کسی طریقہ خاص کا پابند نہیں بنایا ہے بلکہ مسلمانوں کو اختیار دیا ہے کہ شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے ہر ایسے طریقے کو اختیار کر سکتے ہیں جس سے مقصود تبلیغ ہو سکے لہذا ان کو اختیار ہے کہ خواہ وہ نثر میں خواہ وہ نظم میں۔ خواہ انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر جس طرح بھی ہو سکے ان کے فضائل و مناقب ان کے کارنامے ان کی اسلام کے ساتھ اور اپنے پیغمبر ﷺ کے ساتھ شیفتگی کے واقعات پڑھیں اور مسلمانوں کے سامنے پیش کریں خصوصاً نظم اور قصائد کی صورت میں کیونکہ اس صورت کے ساتھ تبلیغ کا خاص طور پر مؤثر اور مفید ہونا ظاہر ہے۔

(۴) یہ بھی ظاہر ہے کہ مذہبی مجالس اور محافل میں صرف وہی مسلمان شرکت کرتے ہیں کہ جن کو کسی نہ کسی درجہ میں مذہبی دلچسپی ہے لیکن جو مسلمان مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے ان کو مذہب اور بزرگان دین کی طرف مائل کرنے کا طریقہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ عام بازاروں اور سڑکوں اور تفریح گاہوں میں بھی ہم مذہبی تبلیغ کریں۔

(۵) یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں ہمیشہ مذہب والوں نے دوسرے مذاہب کو اور انکے اصول و فروع کو اپنے لئے دل آزار قرار دیا ہے خواہ کتنے ہی صحیح اور معقول کیوں نہ ہوں اپنی دسترس بھر انہوں نے دوسرے مذاہب کو مٹانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہندوستان اور یورپ کی ازمنہ ماضیہ کی تاریخ پڑھنے والوں پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے بلکہ آج بھی ہندوستان کی ریاستوں میں اذان اور نماز اور قربانی وغیرہ پر جو سخت پابندیاں عائد ہیں وہ اس دعوے کے لئے شاہد عدل ہیں اور خود قرآن کریم نے بھی فرمایا ولن ترضى عنك اليهود والنصارىٰ حتى تتبع ملتهم (۴) ایسی حالت میں کسی قوم کا یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں قوم فلاں مذہب کی فلاں بات سے ہماری دل آزاری ہوتی ہے ہرگز قابل سماعت نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے حقوق و حدود کی تعیین ضروری ہے ان حقوق اور حدود میں یہ چند باتیں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں (الف) جب ایک ملک میں مختلف قوم اور مختلف مذاہب و ملت کے لوگ آباد ہوں تو ہر قوم کا جان و مال عزت و مذہب دوسری قوم کی دست اندازی اور حملہ سے محفوظ رہنا ضروری ہے (ب) ہر قوم اپنے مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں آزاد ہے چاہے اپنے گھروں میں ہو یا عبادت گاہوں میں یا

---

(۱) باب ماجاء في من سب اصحاب النبي ﷺ ۲ / ۲۲۵ ط سعيد
(۲) باب مناقب الصحابة ۲ / ۵۵٤ ط سعيد
(۳) مشكوة المصابيح : باب مناقب ابی بكر و عمرؓ ۲ / ٥٦٠ ط سعيد
(٤) البقرة : ۱۲۰

شاہراہوں میں یا تفریح گاہوں میں ۔ جب تک کہ کسی قوم کی توہین اور دل آزاری نہ کریں (ج) یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا کے تمام اہل مذاہب کو یہ دعویٰ ہے کہ صرف انہیں کا مذہب حق ہے اور اس کے علاوہ تمام مذاہب جھوٹے اور غلط ہیں ایسی حالت میں یقیناً کسی ایک مذہب کی تبلیغ اور فضائل اور مناقب اور محاسن کو بیان کرنا لزوماً دوسرے مذہب کا رد ہے اور ایک مذہب کے بزرگوں کی تعریف دوسرے مذہب کا ابطال ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ اکثر مذاہب کے بزرگوں سے دوسرے مذہب اور مذہب والوں کو نقصان بھی پہنچا ہے کون نہیں جانتا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں آتش پرستوں کی قومیت کا شیرازہ بکھر گیا اور عیسائیوں کی روم اور مصر کی بڑی بڑی سلطنتیں برباد ہو گئیں ہندو برہمنوں نے بدھ مذہب والوں کو کس طرح ہندوستان سے مٹایا لیکن باایں ہمہ نہ کبھی عیسائیوں نے صحابہ کرامؓ کی مدح کو دل آزاری سمجھا نہ پارسیوں نے ہندو اور سکھ بھی اپنا مذہبی جلوس نکالتے ہیں لیکن کسی قوم نے آج تک یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس سے ہماری دل آزاری ہوتی ہے کیوں ؟ صرف اس لئے کہ دل آزاری صرف اسی وقت دل آزاری ہے جب قوم و مذہب پر تعریض ہو یا کسی طرح بھی اشارۃً یا کنایۃً اس کی توہین کی جاتی ہو ورنہ صرف اپنے بزرگوں کی مدح چاہے کسی دوسری قوم کے لئے وہ کیسے ہی مبغوض ہوں ہرگز دل آزاری نہیں ہو سکتی اور ہو تو قابل التفات نہیں (۶) حفظ امن کے معنی یہ ہیں کہ ایک قوم کو دوسری قوم کے حقوق میں دست اندازی کرنے سے روکا جائے نہ یہ کہ ایک قوم کی خاطر دوسری قوم کو اس کے واجبی حقوق سے روکا جائے۔

(۷) حکومت کا جو حکم مداخلت فی الدین کی قبیل سے ہو ہمیں ہرگز اطاعت جائز نہیں۔ **عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ السمع والطاعة على المرء المسلم فيما احب و كره مالم يؤمر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة (متفق عليه (۱) مشكوة (۲)) عن علیؓ قال قال رسول الله ﷺ لا طاعة في معصية انما الطاعة في المعروف (متفق عليه (۳) مشكوة (۴))**

(۸) ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہے کہ جب اس کے مذہب میں مداخلت کی جائے تو بقدر استطاعت اس کی مخالفت کرے اور ہرگز اس مداخلت کو روا نہ رکھے ورنہ تعاون اثم و عدوان کا مرتکب ہوگا۔ **عن ابی سعید الخدری عن رسول الله ﷺ قال من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان (رواه مسلم (۵) مشكوٰة (۶)) وقال الله تعالیٰ**

---

(۱) بخاری : باب السمع والطاعة للامام مالم تكن معصية ۳/ ۱۰۵۷ ط قديمی مسلم' كتاب الامارة' باب وجوب طاعة الامراء فی غير معصية ۲/ ۱۲۵ ط قديمی
(۲) كتاب الامارة والقضاء' الفصل الاول ۱/ ۳۱۹ ط سعيد
(۳) بخاری ' كتاب اخبار الآثار ۲/ ۱۰۷۶' ط قديمی كتب خانه' كراچی – مسلم: باب وجوب طاعة الامراء فی غير معصية ۲/ ۱۲۵ ط قديمی
(٤) كتاب الامارة والقضاء الفصل الاول ص ۳۱۹' ط سعيد
(٥) باب بيان كون النهی عن المنكر من الايمان الخ ۱/ ۵۱ ط قديمی
(٦) باب الامر بالمعروف ۱/ ۴۳۶' ط سعيد

تعاونوا على البر والتقوىٰ ولا تعاونوا على الاثم والعدوان (۱)
البتہ ابتداء سختی کی ضرورت نہیں ہے پہلے حدود قانون میں رہ کر تحصیل حق کی کوشش کرنا ضروری ہے اگر خدانخواستہ ناکامیابی ہو تو پھر خدائی قانون کے آگے کسی قانون کی پروانہ کریں۔
ان آٹھ مقدمات کے بعد ہر نمبر کا جواب ملاحظہ ہو۔
(۱) حسب مقدمہ ثانیہ آیات و احادیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں اور امت مسلمہ کے دولت اسلام پانے کیلئے واسطہ عظمیٰ ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ بسبب مسلمانوں کی گردن پر ان کے احسان عظیم کے ان پر شریعت نے صحابہ کرامؓ کے حقوق قائم و مقرر کئے ہیں عظمت و محبت و اطاعت و دعائے مغفرت۔ اور حسب مقدمہ اولیٰ یہ بھی ثابت ہوا کہ جملہ احکام شریعت کی تبلیغ مسلمانوں پر ضروری ہے اور منجملہ حقوق یہ حقوق اربعہ بھی ہیں لہذا ان کی تبلیغ بھی ضروری ہے اور حسب مقدمہ ثانیہ یہ بھی ثابت ہوا کہ تبلیغ کے کسی خاص طریقہ کا ہم کو شریعت نے پابند نہیں بنایا جب تک ہم حدود شریعت سے تجاوز نہ کریں۔ اور حسب مقدمہ رابعہ عامہ مسلمانوں تک ان احکام کے پہنچانے کی صرف یہی صورت ہے کہ ہم ہر جگہ بازاروں اور سڑکوں اور سیر گاہوں میں بھی تبلیغ کریں اور حسب مقدمہ خامسہ یہ بھی ثابت ہوا کہ صرف اپنے بزرگوں کے فضائل و مناقب بشرطیکہ دوسرے مذاہب اور ان کے بزرگوں کی توہین و تعریض کے ساتھ نہ ہو' موجب دل آزاری نہیں ہے یا ہے تو قابل التفات نہیں ہے لہذا ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کی عموماً اور خلفائے راشدین کی خصوصاً مدح اور ان کے فضائل و مناقب خواہ بصورت نظم ہو یا بصورت نثر، خواہ ایک آدمی پڑھے یا متعدد آدمی، خواہ گھروں میں ہو یا مسجدوں میں، بازاروں میں ہو یا سیر گاہوں میں' ہر جگہ اور ہر طرح پڑھ سکتے ہیں' بلکہ شرعاً ضروری ہے ورنہ ترک فریضہ تبلیغ کا گناہ بھی ہوگا اور **من لم یشکر الناس لم یشکر الله** (۲) کے بھی مصداق ہوں گے۔ خاص کر جب کہ ایک قوم ان پر سب و شتم تبرا وافترا نہایت منظم طریقہ پر کر رہی ہے نظم و نثر میں ان کی ہجو اور معائب بیان کرتی ہے حالانکہ ان کو ان چیزوں کا کوئی حق حاصل نہیں ایسی حالت میں مسلمانوں کا واقعی صحابہؓ کے فضائل اور مناقب بھی نہ بیان کرنا کس قدر خسران دنیوی و اخروی کا باعث ہے۔
(۲) حسب مقدمہ ثانیہ ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو مدح صحابہ سے روکنا یقیناً مداخلت فی الدین ہے جس میں اطاعت کرنے سے مسلمان اپنے مذہب کی رو سے معذور ہیں۔
(۳-۴) حسب مقدمہ ثانیہ مسلمانوں پر اپنے اس حق کو حاصل کرنا شرعاً ضروری ہے اور جو لوگ اس حق کے حاصل کرنے میں سعی کریں گے یا جو لوگ ان کی تائید و نصرت کریں گے وہ یقیناً ماجور و مثاب ہوں گے ورنہ بقدر اپنی استطاعت کے نہی عن المنکر نہ کرنے سے گناہ گار اور تعاون علی الاثم والعدوان)

---

(۱) (المائدة : ۲)
(۲) جامع الترمذی : باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیک ۲/۱۷ ط سعید)

کے مرتکب ہوں گے۔ هذا والله اعلم وعلمه اتم واحكم کتبہ محمد اسباط مدرس مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ ۲ جمادی الاولی ۱۳۵۵ھ

الجواب صحیح۔ محمد صدیق الہ آبادی مدرس مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ۔

الجواب صحیح۔ ظہور احمد کان اللہ لہ مدرس و مفتی مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ

الجواب صحیح۔ حیدر حسن　　　　الجواب صحیح۔ مہر۔ ابو العماد محمد شبلی

شیخ الحدیث و مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء　　　　مدرس دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۹ جولائی ۱۹۳۶ء

واقعی صحابہ کرامؓ کے کارناموں ان کے فضائل اور مناقب کا بیان کرنا امر دینی ہے اور اس پر حکومت کا پابندی عائد کرنا نہ صرف مداخلت فی الدین بلکہ جنبہ داری ہے۔ فصح الجواب و الله اعلم بالصواب۔ حررہ ابو الرحیم محمد ایوب غفرلہ ۵۵۔۵۔۵ ہجری مہر

الجواب صحیح۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ الجواب صواب۔ احقر محمد طیب غفرلہ مہتمم دار العلوم دیوبند ۵۵۔۵۔۲۴ ہجری

الجواب صواب۔ بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ۔ مدرس دار العلوم دیوبند۔ المجیب مصیب۔ ریاض الدین عفی عنہ مدرس دار العلوم دیوبند

الاجوبة كلها صحيحة وحصول هذا الحق فرض لاهل السنة والجماعة ممالا بد لا هل الاسلام قاطبة وان غصبه الحكومة المتسلطة لبعض اعوانه ويجب على المسلمين كافة الاجتهاد فى تحصيل هذا الحق الصريح باى طريق كان مما لم يتجاوز حدود الشرع۔ محمد اعزاز علی غفرلہ مقیم دار العلوم دیوبند۔ ۲ اجمادی الاول ۱۳۵۵ھ

جواب از مفتی دار العلوم دیوبند

(جواب ۱۰۲۷) (از نائب مفتی دار العلوم دیوبند) جواب صحیح ہے لیکن مسلمانوں کو ایسی تدبیر اور تنظیم سے کام کرنا چاہئے جو حصول مقصد کے لئے مؤثر اور مفید ہو اور بدامنی نہ ہو بلا سوچے سمجھے اپنے نفوس کو مقید کرنا اور کاروبار کو تباہ کرنا مناسب نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ مسعود احمد عفا اللہ عنہ۔ نائب مفتی دار العلوم دیوبند ۲۴ جمادی الاولی ۱۳۵۵ھ

الجواب صواب محمد سہول عثمانی عفی عنہ۔ مفتی دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح۔ شمس الحق۔ مدرس دار العلوم دیوبند

لقد اصاب من اجاب محمد عبدالحق نافع عفی عنہ مدرس دار العلوم دیوبند

مہر دار الافتاء　　دار العلوم دیوبند

جواب از مفتی اعظم

(جواب ۱۴۳) (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہوالموفق۔ صحابہ کرامؓ کے فضائل وکمالات اور مآثر حسنہ بیان کرنا اور ان کی اشاعت و تبلیغ کرنا اہل السنۃ والجماعۃ کا ایک مذہبی اور اخلاقی بلکہ قانونی حق ہے اس پر پابندی عائد کرنا حکومت کے لئے آئین اور انصاف کے خلاف ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی
مہر دارالافتاء / مدرسہ امینیہ دہلی

جواب از مفتی مظاہر علوم

(جواب ۱۵۱۸) (از حضرت مفتی مظاہر العلوم سہارنپور) حضرات خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام کا ذکر اور بیان اہل السنت کا ایسا شعار ہے کہ جس سے کوئی وعظ کوئی تقریر کوئی خطبہ کتاب کا یا جمعہ کا خالی نہیں ہوتا اور شرعاً مدح صحابہؓ کے لئے عام آزادی ہے کسی محل کی تقیید کرنا اور اہل السنۃ کو روکنا بلا وجہ شرعی یقیناً مداخلت فی الدین و ظلم ہے حکومت کا فرض ہے کہ وہ انصاف ہی کو قائم رکھے اور جنبہ داری سے کام لے جیسے دوسری اقوام کو مذہبی شعار کی ادائیگی میں آزادی ہے اسی طرح اہل السنت کو بھی آزادی ہونی چاہئیے ورنہ اس غلط اقدام سے جو برے نتائج رونما ہوں گے ان کی حکومت ذمہ دار ہوگی اگر حکومت مسلمانوں کے شعائر مذہبی میں مداخلت کرے تو مسلمانوں کو چاہئیے کہ وہ ہر ممکن تدبیر سے اس کی مدافعت کریں اور اپنا حق حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں اور امراء و علماء کو متفق ہو کر کوشش کرنی چاہئیے۔ ایسی صورت میں حکومت روافض کے ساتھ تعاون کرنا گناہ ہے امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب نمبر ۵ جلد ا میں تحریر فرماتے ہیں ذکر خلفائے راشدین اگرچہ از شرائط خطبہ نیست لیکن شعار اہل سنت است منہاج السنۃ (۱) میں ہے۔ **ان المسلمین والکفار اذا کان ھولآء شعار وھو لآء شعار وجب شعار الاسلام فی کل زمان وفی کل مکان** فقط واللہ اعلم۔ حررہ سعید احمد اجراڑوی غفر لہ' مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔ ۱۴ ج ا ۱۳۵۵ھ عبداللطیف عفا اللہ عنہ' ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۲۵ ج ا ۱۳۵۵ھ
جوابات سب صحیح ہیں۔ بندہ عبدالرحمٰن غفر لہ' صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۲۵ ج ا ۱۳۵۵ھ

کیا حکومت کا مدح صحابہ کو روکنا مداخلت فی الدین نہیں؟ مسلمانوں خصوصاً طلبہ دار العلوم دیوبند کو ان حالات میں کیا کرنا چاہئیے؟

(سوال) حکومت ہند نے مدح صحابہؓ کی ممانعت اور انسداد کا ایک دل آزار قانون بنایا ہے جس کا نفاذ

---

(۱) فصل فی شعائر الاسلام: ۱/ ۳۵۲ ط سعید

لکھنؤ میں بالکل جابرانہ طور پر ہو رہا ہے اہل السنت والجماعت کے بعض علماء کی نہ صرف رائے بلکہ فتویٰ ہے کہ مدح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ممانعت در حقیقت مداخلت فی الدین ہے اس موقع پر نطق پر سکوت کو ترجیح دینا حمایت دین پر اہانت دین کو ترجیح دینا ہے جو قطعاً حرام ہے لہذا ہر مسلمان اہل سنت والجماعت کا فرض اولین ہے کہ اس کار خیر میں اقدام کرے اور ایثار سے کام لے کر کبھی نہ فنا ہونے والا توشہ عقبیٰ تیار کر لے ثواب چند امور مذکورہ ذیل دریافت طلب ہیں۔

(۱) علمائے کرام کی مذکورہ بالا رائے یعنی ممانعت مدح صحابہؓ مداخلت فی الدین ہے یا نہیں ؟

(۲) ہر مسلمان اہل السنت والجماعت کو بلا امتیاز تذکیر و تانیث و بلا تفاوت سن و سال اس میں حصہ لینا چاہئیے یا نہیں ؟

(۳) ہم طلباء دار العلوم دیوبند وغیرہ کا اس موقعہ پر کیا فرض ہے ایثار کریں یا سکوت ؟ بالخصوص ایسی حالت میں ادھر تعلیم کا خیال ادھر قانون شکنی کا عزم۔ ہاں اتنا خیال رہے کہ اگر اہل علم طبقہ خصوصاً علماء و طلبہ نوجوان متفقہ طور پر کھڑے ہو گئے تو بحول و قوۃ الہی وہ دن کچھ دور نہیں کہ حکومت ہی اس قانون کو اپنے ہاتھوں پارہ پارہ کر دے گی۔ المستفتی نمبر ۱۱۹۶ خواجہ محمد احمد صاحب غازی پور متعلم دورہ دار العلوم دیوبند۔ ۲ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۴۴) مداخلت فی الدین کا مفہوم بہت عام ہے اور عموم کے لحاظ سے ہر آن میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں مداخلتیں ہندوستان میں ہو رہی ہیں امتناع مدح صحابہ کا قانون' جہاں تک مجھے معلوم ہے' نہ حکومت ہند کا ہے نہ حکومت صوبہ کا وہ صرف ایک مقامی کمیٹی کا جو اس کام کے لئے مقرر کی گئی تھی فیصلہ تھا جسے مقامی حکومت نے انتظاماً نافذ کر دیا ہے میرے خیال میں دار العلوم کے طلبہ مذہباً ابھی تک شرکت پر مجبور نہیں ہیں مسلمان تحریک کو چلا رہے ہیں طلبہ کو تعلیمی ضروریات میں مشغول رہنا چاہئیے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

صحابہؓ کا زمانہ ایک سو ہجری' تابعین کا ایک سو ستر ہجری' اور تبع تابعین کا دو سو بیس ہجری تک ہے۔

(سوال) (۱) زید کہتا ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے اسے صحابی کہتے ہیں اور جس نے صحابی کو دیکھا ہے اسے تابعی کہتے ہیں اور جس نے تابعی کو دیکھا ہے اسے تبع تابعی کہتے ہیں زید کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحابی کا زمانہ کتنا تھا اور صحابی سے تابعین تک کتنا وقت اور تابعین سے تبع تابعین تک کتنا وقت تھا۔ المستفتی نمبر ۱۳۵۴ نور الاسلام (رنگون) ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۴۵) صحابی وہ شخص ہے جس نے ایمان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو دیکھا یا حضور ﷺ

سے ملا ہے اور ایمان پر وفات پائی صحابہ کرام کا زمانہ سنہ ایک سو ہجری تک ہے اور تابعی وہ شخص ہے جس نے ایمان کی حالت میں صحابی کو دیکھا یا ملا اور ایمان پر وفات پائی تابعین کا زمانہ ایک سو ستر ہجری تک ہے تبع تابعین وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان کی حالت میں تابعی کو دیکھا اور ایمان پر وفات پائی تبع تابعین کا زمانہ دو سو بیس ہجری تک ہے۔ **کذافی المرقاۃ (۱) لعلی القاری ج ۵ ص ۵۲۰** محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شہادت عثمانؓ کے متعلق ایک سوال

(سوال) متعلقہ واقعہ شہادت حضرت عثمانؓ

(جواب ۱٤٦) جب مفسدوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا تو حضرت علیؓ نے حضرت امام حسن و حسینؓ کو ان کے دروازے پر حفاظت کے لئے متعین کر دیا تھا کہ کوئی مفسد گھر میں داخل نہ ہو سکے (۲) مفسد دروازہ چھوڑ کر دوسری طرف سے دیوار پر چڑھ کر گھر میں اترے اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا حضرت علیؓ کو جب خبر ہوئی تو انہوں نے آ کر امام حسنؓ کے منہ پر طمانچہ مارا اور حضرت امام حسینؓ کے سینے پر تھپڑ مارا اور فرمایا کہ تم دونوں کے موجود ہوتے ہوئے حضرت عثمانؓ کیسے شہید کر دیے گئے ۔ جب حضرت علیؓ کو واقعہ معلوم ہوا کہ قاتل دیوار پھاند کر گھر میں گھسے تو انہوں نے امام حسن و امام حسینؓ کو معذور سمجھا۔ حضرت عثمانؓ کے منہ پر طمانچہ مارنے کا بیان صحیح نہیں اور حضرت عثمانؓ دوسرے روز مدفون ہوئے تین دن نعش کا پڑا رہنا بھی غلط ہے اور جنت البقیع میں دفن ہوئے (۳) یہودیوں کے قبرستان میں دفن ہونا بھی درست نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حضرت معاویہؓ جائز خلیفہ تھے 'ان سے یزید کو ولی عہد بنانے میں اجتہادی غلطی ہوئی.

(سوال) حضرت معاویہؓ کی نسبت غصب خلافت کا الزام نیز یزید کو آپ کا ولی عہد سلطنت باوجود اس کے فسق و فجور کے بنانا جس کو بعض سنی بھی کہتے ہیں کس حد تک صحیح و درست ہے ؟ **المستفتی** نمبر ۱۴۰۲ سید خلیل حیدر (کانپور) ۵ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۷ اپریل ۱۹۳۷ء

(جواب ۱٤٧) حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت امام حسنؓ سے صلح کر لی تھی اور اس کے بعد وہ جائز طور پر خلافت کے حامل تھے (۴) انہوں نے یزید کے لئے بیعت لینے میں غلطی کی کیونکہ یزید سے بہتر

---

(۱) باب مناقب الصحابة ۱۱/۲۷٦ ط امدادیه' ملتان

(۲) ولزم كثير من الصحابة بيوتهم وسار الیه جماعة من ابناء الصحابة عن امر آبائهم منهم الحسن والحسين الخ (البدایه والنهایه' صفة حصر امیر المؤمنين عثمان بن عفان ۵/۲٦۲ ط دار الفكر بيروت)

(۳) وقد اعتنى معاوية في ايام امارته بقبر عثمان ورفع الجدار بينه و بين البقيع وامر الناس ان يدفنوا موتاهم حوله (البدایه والنهایه' قبيل ذكر صفته ۵/۲۸۰ ط دار الفكر بيروت) (٤) فلما رأى الحسن بن علي تفرق جيشه عليه مقتهم و كتب عند ذلك الى معاوية بن ابي سفيان وكان قدركب في اهل الشام فنزل مسكن يراوضه على الصلح بينهما فبعث اليه معاوية عبدالله بن عامر و عبدالله بن سمرة-- فاصطلحوا على ذلك واجتمعت الكلمة على معاويه (البدایه والنهایه' خلافة الحسن بن علي ۵/٤۹۸ ط دار الفكر بيروت)

اور اولیٰ و افضل افراد موجود تھے لیکن اس غلطی کے باوجود یزید کے اعمال و افعال کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہوگی کیونکہ اسلام اور قرآن پاک کا اصول ہے لا تزر وازرۃ وزر اخری (۱) اس لئے حضرت معاویہؓ کی شان میں گستاخی اور درشتی نہیں کرنی چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

چوتھا باب
ائمہ مجتہدین

امام ابو حنیفہؒ کی تاریخ وفات کیا ہے ؟

(سوال) تاریخ وفات امام اعظم ابو حنیفہؒ تحریر فرمائی جائے ایک کتاب میں ۲ شعبان لکھا ہے ایک کتاب میں صرف رجب ۱۵۰ھ ہجری لکھا ہے۔ المستفتی نمبر ۹۱۵ بدھا منیم صاحب (کھیری) ۲۴ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۶ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۱٤۸) کتب معتبرہ متداولہ سے اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ رجب ۱۵۰ھ میں حضرت سیدنا الامام الاعظم ابو حنیفہؒ کی وفات ہوئی ہے اس سے زیادہ کسی معتبر کتاب میں نہیں ملا۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

ابن الہمام بلند پایہ کے محقق ہیں' ان کی کتاب فتح القدیر نہایت مستند و معتبر ہے۔

(از اخبار الجمعیۃ سہ روزہ دہلی مورخہ ۱۸ جون ۱۹۲۸ء)

(سوال) ابن ہمام علمائے حنفیہ میں کس پایہ کے بزرگ تھے اور ان کی کتاب فتح القدیر کو علمائے حنفیہ میں کیا وقعت حاصل ہے ؟

(جواب ۱٤۹) علامہ ابن ہمامؒ علمائے حنفیہ میں بڑے پایہ کے محقق ہیں۔ اصحاب ترجیح میں سے ہیں فتح القدیر بہت معتبر اور مستند کتاب ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

علامہ ابن امیر الحاج حنفی المذہب اور ابن الحاج صاحب مدخل مالکی ہیں۔

(سوال) خادم نے عرض کیا تھا کہ طحطاوی علی المراقی آخر کتاب الجنائز میں نماز جنازہ کی تیسری تکبیر

---

(۱) الفاطر : ۱۸

(۲) قال الواقدی وغیرہ : مات ابو حنیفہ فی رجب سنة خمسین ومأة' وله سبعون سنة (مناقب الامام ابی حنیفہ و صاحبیہ' فصل فی وفاة ابی حنیفہ ص ۳۰ ط سعید)

(۳) وقدمنا غیر مرة ان الکمال من اهل الترجیح کما افاده فی قضاء البحر' بل صرح بعض معاصریه بانه من اهل الاجتهاد الخ (رد المحتار ' مطلب الکمال ابن الهمام من اهل الترجیح ۳/۶۸۸ ط سعید)

کے بعد ہاتھ اٹھانا مستحب لکھا ہے لیکن وہ ابن امیر حاجؒ کا قول تھا حضرت اقدس نے فرمایا تھا کہ وہ مالکی ہیں فقیر بھی یہی سمجھتا تھا لیکن بعض کتب فقہ میں ان کے اقوال سے استشہاد پایا اور شبہ ہوا تو فوائد بهیه میں نکال کر دیکھا تو مولانا عبدالحیؒ نے ان کو حنفیہ میں شمار کیا ہے ؟ **المستفتی** کفش بردار فقیر محمد یوسف دہلوی

(جواب ۱۵۰) غالبا یہ ابن امیر الحاجؒ حنفی(۱) ہیں جن کے قول سے یہ استشہاد ہے اور وہ ابن الحاج صاحب مدخل مالکی ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

پانچواں باب
متفرقات

مسجد اقصیٰ بیت المقدس میں ہے' جامع مسجد دہلی کا نقشہ مسجد اقصیٰ کے مشابہ نہیں.

(سوال) مسجد اقصیٰ کہاں ہے اور بیت المقدس میں جو مسجد ہے اس کا کیا نام ہے جامع مسجد دہلی کا نقشہ مسجد اقصیٰ کے مشابہ ہے یا نہیں ؟ اور اسکے ساتھ کوئی تاریخی واقعہ ثابت ہے یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۲۴۲ منشی محمد صدیق عاصی (بمبئی) یکم محرم ۱۳۵۴ھ مطابق ۶ ۱ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۵۱) مسجد اقصیٰ زمین پر ہے بیت المقدس کی مسجد کا نام مسجد اقصیٰ ہے(۲) جامع مسجد دہلی کا نقشہ مسجد اقصیٰ کے مشابہ نہیں ہے اور نہ اس کے نقشے کے ساتھ کوئی تاریخی واقعہ صحیح طور پر ثابت ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

قصص الانبیاء اور تذکرۃ الاولیاء معتبر و مستند کتاب ہیں یا نہیں ؟

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) کتاب قصص الانبیاء اور تذکرۃ الاولیاء مؤلفہ شیخ فرید الدین عطارؒ مستند اور صحیح ہیں یا نہیں ؟

(جواب ۱۵۲) قصص الانبیاء اور تذکرۃ الاولیاء میں صحیح اور ضعیف ہر قسم کی باتیں ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) الفوائد البهیه' الخاتمه' الفصل الاول فی تعیین المبهمات' ص ۲۴۳ ' ط نور محمد کتب خانه' کراچی

(۲) (إلی المسجدالاقصی) وهو بیت المقدس الذی بایلیاء معدن الانبیاء من لدن ابراهیم الخلیل علیه السلام (ابن کثیر: بنی اسرائیل: - ۲/۳ ط سهیل اکیدمی' لاهور)

كتاب الجهاد

پہلا باب

ہجرت و جہاد

حکم الهجرة من الهند والجهاد فيها

(سوال)

(جواب ١٥٣) هو الموفق قال النبی ﷺ الخیل معقود فی نواصیها الخیر الی یوم القیامة (١) وفقه هذا الحدیث ان الجهاد لا علاء کلمة الله ماض الی یوم القیامة ومن المعلوم ان الجهاد و القتال باعداء الله واعداء الاسلام لا بدله من امور و شرائط فمنها الامام و منها آلات الحرب و منها القدرة علی القتال وغیرها وهذا القدر ممالا خفاء فیه (٢)

اما الهجرة فهی انما کانت فریضة فی ابتداء الاسلام من مکة المکرمة لانها کانت دار کفر و عدوان کان المؤمنون لا یأمنون فیها علی انفسهم واعراضهم واموالهم وکان احدهم یؤذیٰ فی الله اشد ما یکون من ضرب و اهانة و نهبة وغیر ها وکانوا لا یقدرون علی اقامة الصلوات واداء الفرائض الاسلامیة وبالجملة کان الاسلام واهلوها ضعفاء ففرض الله سبحانه و تعالیٰ علیهم ان یهاجروا من مکة و یخرجوا عن اوطانهم کی یقدروا علی اقامة الدین و ینجوا عما یوقعه الکفار و الاعداء بهم

ولما فتح الله تعالی مکة علی رسوله قال ﷺ لا هجرة بعد الیوم ولکن جهاد و نیة واذا استنفرتم فانفروا (٣) فبین ﷺ ان الهجرة التی کانت فریضة لم تبق فریضة و هی الهجرة من مکة لانها صارت دار الاسلام بعد ان کانت دار کفر و عدوان

فقوله ﷺ لاهجرة بعد الیوم انما هو فی شان الهجرة الخاصة فلا یکون متعلقا بالهجرة العامة و نفی الهجرة من مکة انما کان بسبب رفع سببه الخاص والرفع برفع سبب خاص لا یستلزم عدم الثبوت مطلقا فانه لامزاحمة فی الاسباب۔

ویجوز ان یکون شی لها اسباب متعددة فان ارتفع منها سبب خاص جاز ان

---

(١) صحیح الامام مسلم' باب فضیلة الخیل ٢/ ١٣٢ ط قدیمی کتب خانه' کراچی

(٢) والثانی ان یرجوا الشوکة والقوة لا هل الاسلام باجتهاد او باجتهاد من یعتقد فی اجتهاده ورایه وان کان لایرجو القوة والشوکة للمسلمین فی القتال فانه لا یحل له القتال لما فیه من القاء نفسه التهلکة (عالمگیریه' الباب فی تفسیره شرعا و شرطه و حکمه' ٢/ ١٨٨ ط ماجدیه کوئٹه)

(٣) سنن ابی داؤد' باب الهجرة هل انقطعت' ١/ ٣٤٣ ط امدادیه ملتان قال الشیخ فی بذل المجهود' عن الخطابی قال کانت الهجرة فی اول الاسلام فرضا ثم صارت مندوبة وذلك قوله تعالیٰ و من یهاجر فی سبیل الله یجد فی الارض مراغما کثیرا و سعة (الایة) نزل حین اشتد اذی المشرکین علی المسلمین عند انتقال الرسول الی المدینه ٣/ ٤٠١ ط معهد الخلیل الاسلامی' کراچی)

يحكم برفع هذا الشئى من جهة ارتفاع هذا السبب الخاص المرتفع و حكم بوجوده بسبب وجود سبب آخر

الا ترىٰ انه ﷺ اشار على ذلك بقوله ولكن جهاد ونية يعني ان فريضة الهجرة انما ارتفعت برفع سببه وهو المنع عن اقامة الصلوات و غير ها من فرائض الدين لانه حصل بفتح مكة شوكة للمسلمين ولم يبق للمشركين المانعين قوة مانعة عن اداء الفرائض الاسلامية وارشد الى اهم الفرائض بقوله ولكن جهاد ونية فثبت بقوله هذا ان الجهاد ايضاً من الفرائض التى ان منع عنها لزمت الهجرة

لاسيمااذا بلغهم استيلاء الكفارعلى الممالك الاسلامية واستيصالهم للسلطنة الاسلامية و ظهورهم على المقامات المقدسة التى امرنا نبينا ﷺ با خراج المشركين عموما واخراج اليهود والنصارىٰ منها خصوصاً وجاء نا النفر الحكمى من سلطان الاسلام خلد الله مُلكه و سلطنته وانكشف لنا عجز السلطنة الاسلامية عن المقاومة والمدافعة

و بعد مامهدنا لايبقى خفاء في ان فريضة الجهاد والمدافعة توجهت على المسلمين عامةً (۱) حيث كانوا ومسلموا الهند وان كانوا عاجزين عن الجهادما داموا فى الهند لكن لهم سبيل الى اقامة هذه الفريضة وهو الخروج عن البلاد الهندية والهجرة الى البلاد الاسلامية فافتراض الهجرة فى هذه الاوان انما هو لا قامة فريضة الجهاد والمدافعة عن الاسلام والممالك الاسلامية لا لان المسلمين لا يقدرون فى الهند على الصوم والصلوة و غير ها وهذا الحكم ممالا خفاء فيه -

وما يقال ان الجهد لا يفترض على مسلمى الهند لانهم ليسوابقادرين عليه فلا تفترض الهجرة عليهم لانها حينئذٍ لا تكون مقدمة للفريضة قلنا نعم ان الجهاد ليس بمقدور عليه فى الهند لكن لامانع من اقامته اذا خرجوا عن الهند فالخروج عن الهند مقدمة لمساعدة الاسباب و ميسر لاقامة الفريضة فكيف لا تكون فرضاً-

نعم يشترط لا فتراض الهجرة حصول اليقين اوالظن الغالب بتيسر الغزووالمدافعة فما لم يحصل هذا اليقين اوالظن لم نحكم بافتراض الهجرة عينا وهذا ما كنا عليه الى اليوم من عدم الحكم بافتراض الهجرة عينا لانه لم يحصل لنا اليقين من جهة

---

(۱) فاذا احتيج اليهم بان عجزمن كان يقرب من العدو ، او تكاسلوا ولم يجاهدوا فانه يفترض على من يليهم فرض عين ثم وثم الى ان يفرض على جميع اهل الارض شرقا و غربا على هذا الترتيب (عالمگيريه، كتاب السير ، الباب الاول فى تفسير ہ وشرطه ۲/ ۱۸۰ ط ماجديه كوئٹه)

بان المهاجرين يحصل لهم قدرة على الجهاد والمدافعة بعدما خرجوا عن الهند وهجروا اوطانهم

مع انالم نشك في استحباب الهجرة واستحسانها لم يجد في نفسه قوة و استقامةً و تحملاً للشدائد فقلنا به وافتينا به مراراً(۱)، والحكم لله العلى الخبير وهو اعلم و علمه اتم واحكم فقط محمد كفايت الله غفرله مدرس مدرسه امينيه دهلى

(غالباً تحریر فرمودہ ۱۹۱۸ء۔ واصف)

(ترجمہ) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھلائی قیامت تک کے لئے ودیعت رکھی گئی ہے اس حدیث سے یہ حکم مستنبط ہوتا ہے کہ جہاد بغرض اعلائے کلمۃ اللہ قیامت تک جاری ہے اور یہ ہر شخص جانتا ہے کہ جہاد و قتال کچھ امور و شرائط کے بغیر نہیں ہو سکتا اس کے لئے امام کا ہونا اور سامان جنگ کا میسر آنا اور جنگ پر قادر ہونا ضروری ہے اتنی بات تو بالکل صاف ہے۔

اور ہجرت کا حکم یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں مکہ مکرمہ سے ہجرت فرض کی گئی تھی کیونکہ اس وقت مکہ دار الکفر اور دار العدوان تھا مسلمانوں کی جانیں آبرو اور اموال غیر محفوظ تھے اور ایمان لانے والوں میں سے ایک ایک کو مار پیٹ توہین اور لوٹ مار کی صورت میں زیادہ سے زیادہ سخت اذیت پہنچائی جارہی تھی وہ نماز قائم کرنے اور فرائض اسلامیہ ادا کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے تھے غرض کہ اس وقت مکہ میں اسلام اور اہل اسلام نہایت کمزور اور بے بس تھے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان پر یہ فریضہ عائد کیا کہ مکہ سے ہجرت کریں اور اپنے وطن کو چھوڑ دیں تاکہ وہ امن کے ساتھ دین کو قائم کر سکیں اور کفار کی دست برد اور ایذا سے نجات پائیں۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے مکہ پر رسول اللہ ﷺ کو فتح یاب کیا تو آپ نے فرمایا کہ آج کے بعد سے ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت (یعنی ہجرت عامہ) ہے اور جب بھی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو فوراً نکل پڑو۔ آپ نے یہ بات واضح فرمادی کہ جو ہجرت فرض تھی پھر حیثیت فریضہ باقی نہیں رہی وہ ہجرت مکہ تھی کیونکہ جو دار الکفر والعدوان تھا وہ دار الاسلام ہو گیا۔

پس آپ کا فرمان **لا هجرة بعد اليوم** یہ اسی خاص ہجرت کے بارے میں ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فریضہ ہجرت مطلقاً ساقط ہو گیا اور مکہ سے ہجرت کرنے کی ممانعت محض اس لئے فرمائی کہ اب وہ خالص سبب ہجرت باقی نہیں رہا تھا اور کسی سبب خاص کے باقی نہ رہنے سے کسی حکم کا اٹھ جانا اس کے مطلقاً عدم ثبوت کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ نئے اسباب کے پیدا ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں

---

(۱) الا ان المفارقة بسبب الجهاد باقية وكذا المفارقه بسبب نية صالحة كالفرار من دار الكفر والخروج فى طلب العلم' والفرار بالدين من الفتن (بذل المجهود فى حل سنن ابى داؤد: باب الهجره هل انقطعت ۴۰۲/۳ ط معهد الخليل الاسلامى' كراچى)

ہے ایک حکم کے لئے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں اگر ان میں سے ایک سبب مرتفع ہو گیا تو جائز ہے کہ اس حکم کو بھی مرتفع کر دیا جائے اور جب کبھی نئے اسباب پیدا ہو جائیں تو وہ حکم پھر عائد کر دیا جائے۔

دیکھو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد ولکن جهاد ونية میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ فریضہ ہجرت کا سبب مرتفع ہو جانے کی وجہ سے ہی فریضہ ہجرت بھی مرتفع ہو گیا اور وہ سبب یہ تھا کہ فریضہ نماز اور دیگر فرائض دینیہ کی ادائیگی میں سخت رکاوٹ تھی اور جب مکہ فتح ہو گیا تو مسلمانوں کی برتری کی وجہ سے ادائیگی فرائض اور اقامت دین میں سہولت حاصل ہو گئی اور کفار کے اندر ادائیگی فرائض سے روکنے کی قوت باقی نہ رہی آپ کے اس فرمان سے ایک اہم فریضہ کی طرف بھی رہنمائی ہوئی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ جہاد بھی ان فرائض میں سے ہے کہ اگر اس کی ادائیگی میں رکاوٹ ڈالی جائے تو ہجرت لازم ہو جانے کی خصوصاً ایسے حالات میں جب کہ مسلمانوں کو یہ خبر پہنچ چکی ہو کہ ممالک اسلامیہ پر کفار نے ہجوم کر کے اسلامی سلطنت کو مغلوب کر لیا ہے اور ان مقامات مقدسہ پر وہ قسلط ہو گئے ہیں جن سے کفار کو اور خاص کر یہود و نصاریٰ کو نکال دینے کا حکم رسول اللہ ﷺ نے ہم کو دیا تھا اور جب کہ سلطان اسلام خلد اللہ ملکہ کی طرف سے بزبان حال ہمارا ابلاوا آچکا ہو اور ہم پر یہ بات کھل چکی ہو کہ سلطنت اسلامیہ کی قوت مقابلہ اور قوت دفاع کمزور ہو گئی ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ جہاد و دفاع کا فریضہ علی الاطلاق تمام دنیا کے مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے اور مسلمانان ہند ہندوستان میں رہنے کی صورت میں اگرچہ جہاد کی طاقت نہیں رکھتے لیکن اس فریضے کی اقامت کے لئے دوسرا راستہ اختیار کر سکتے ہیں اور وہ ترک وطن کر کے بلاد اسلامیہ کی طرف ہجرت کرنا ہے پس اس زمانے میں ہجرت کی فرضیت جہاد کو قائم کرنے اور اسلام و مملکت اسلامیہ کی طرف سے دفاع کرنے کے لئے ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ مسلمانان ہند ادائیگی صوم و صلوۃ وغیرہ پر قادر نہیں ہیں اور یہ حکم بالکل صاف اور واضح ہے۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ مسلمانان ہند پر جہاد فرض نہیں ہے کیونکہ وہ جہاد کی طاقت نہیں رکھتے لہذا ہجرت بھی فرض نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ ادائے فریضہ کے اسباب پیدا نہیں کر سکتی اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک جہاد ہندوستان میں دشوار ہے لیکن اگر وہ ہندوستان سے باہر چلے جائیں تو اقامت جہاد کے لئے کوئی مانع نہیں ہے ہندوستان سے نکل جانا مساعدت اسباب کا پیش خیمہ ہے اور اقامت فریضہ میں سہولت پیدا کرنے والا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو فرض نہ مانا جائے۔

البتہ فرضیت ہجرت کے لئے یہ شرط ہے کہ جنگ و دفاع کر سکنے کا یقین یا ظن غالب ہو جب تک یہ یقین یا ظن غالب حاصل نہ ہو گا ہم ہجرت کے فرض عین ہونے کا حکم نہیں دیں گے اور حالات موجودہ ہماری رائے یہی ہے کہ ہجرت کو فرض عین قرار نہیں دیا جا سکتا کیوں کہ ہمیں اب تک کسی حیثیت سے یہ یقین نہیں ہے کہ ہند سے نکلنے اور ترک وطن کرنے کے بعد مہاجرین کو دفاع و جہاد کی

قوت حاصل ہو جائے گی۔

اس کے ساتھ ہی اس میں بھی شک نہیں ہے کہ ہجرت اس شخص کے لئے مستحب اور مستحسن ہے جو اپنے اندر سختیوں کے برداشت کرنے کی طاقت اور ثابت قدم رہنے کی قوت رکھتا ہو ایسے لوگوں کے لئے ہم نے متعدد مرتبہ استحباب ہجرت کا فتویٰ دیا ہے اور حکم خدا نے بلند و دانا کے لئے زیبا ہے وہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے اور اس کا علم کامل اور محکم ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دوسرا باب
شہادت

کیا قومی مفاد کے لئے خودکشی کرنا گناہ کبیرہ ہے؟

(سوال) اگر کوئی شخص قومی مفاد کے لئے اپنی جان کو بندوق چاقو یا زہر سے یا بھوک پیاس سے ہلاک کر دے اور منع کرنے سے باز نہ آئے وہ اگر مر جائے تو اس کو شہید کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۵۵۲ مولانا ابو الوفاق (ضلع ہزارہ) ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۵۴) جو فعل براہ راست قتل ہے مثلاً اپنے ہاتھ سے چھری یا چاقو سے اپنا گلا کاٹ لیا یا پیٹ پھاڑ ڈالا یا بندوق یا پستول سے گولی ماری یا خود کو کنوئیں میں گرا دیا یا تنور میں کود پڑا یہ تو خودکشی ہے اور یقیناً گناہ کبیرہ ہے(۱) اور جو فعل کہ براہ راست قتل نہیں بلکہ مفضی الی القتل ہو سکتا ہے مثلاً تنہا ہزاروں دشمنوں پر حملہ کر دیا ان کی صفوں میں گھس گیا یا کھانا ترک کر دیا کہ جب تک فلاں مطالبہ پورا نہ ہو گا کھانا نہ کھاؤں گا ایسے افعال اچھی نیت سے اچھے اور بری نیت سے برے ہو سکتے ہیں یعنی ان کو علی الاطلاق خودکشی قرار دینا اور بہر صورت حرام اور گناہ کہہ دینا درست نہیں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔
۲۸ جولائی ۱۹۳۵ء

دار الحرب میں غیر مسلم شاتم رسول کی سزا قتل ہے یا معافی بھی ہو سکتی ہے؟

(سوال) ایک غیر مسلم شخص نے رسول اللہ ﷺ کی شان پاک میں بیہودہ الفاظ استعمال کئے ہیں

---

(۱) من قتل نفسه عمدا يغسل و يصلى عليه به يفتى' وان كان اعظم وزرا قتل غيره (تنوير الابصار و شرحه) قال المحقق في الشاميه (قوله به يفتى) لانه فاسق غير ساع في الارض بالفساد وان كان باغيا على نفسه كسائر فساق المسلمين (مطلب في صلوة الجنازه ۲: ۲۱۱ ط سعيد)

(۲) ولكن ذكر في شرح السير ' انه لا باس ان يحمل الرجل وحده ان ظن انه يقتل اذا كان يصنع شيئا بقتل او بجرح او يهزم لقد فعل ذلك جماعة من الصحابة بين يدى رسول الله ﷺ يوم احد ومدحهم على ذلك (رد المحتار' مطلب اذا علم انه يقتل ' يجوز له ان يقاتل ٤: ١٣٥ ط سعيد) وفي البخاري' قال النبي ﷺ انما الاعمال بالنيات وانما لا مرئ ما نوى الحديث) (باب كيف كان بدا الوحي الى رسول الله ﷺ ۱: ۲ ط قديمى كتب خانه' كراچى)

پولیس نے اس کو حراست میں لے کر چالان کر دیا ہے اب وہ شخص اپنے اس گناہ سے شرمسار ہو کر معافی مانگتا ہے اور مسلمان نہیں ہونا چاہتا حالت کفر ہی میں رہنا چاہتا ہے تو کیا اس حالت میں اس کو بروئے شریعت معافی ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ اگر معافی نہیں ہو سکتی تو اس کی سزا کیا ہے ؟ کیا وہ شخص واجب القتل ہے ؟

(۲) اس سے پہلے ایک فتویٰ صادر ہوا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہر ایسے شخص کے لئے سزائے موت کے سوا اور کوئی سزا نہیں بشرطیکہ حکومت اسلام کی ہو اگر اسلام کی حکومت نہیں ہے تو وہ شخص اگر معافی مانگتا ہے تو اس کو معافی دی جا سکتی ہے لہذا آپ بھی اس مسئلہ پر رائے دیکر مطمئن فرمائیں۔

(۳) اس سے پہلے اس قسم کے کئی ایک معاملے رونما ہوئے ہیں جن کے نتیجہ یا آپ کو معلوم ہوں گے کہ وہ اشخاص جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں بے حرمتی کی تھی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے مثلاً علم الدین عبدالرشید وغیرہ جنہوں نے ان کو قتل کر کے خود تختہ دار پر چڑھ کر بروئے قانون سرکاری جان دیدی اور ان کو شہید کہا جاتا ہے تو کیا ان کا یہ قتل کرنا شریعت کے لحاظ سے جائز تھا یا ناجائز ؟ کیونکہ شریعت میں ایسے شخص کا قتل کرنا واجب ہے بشرطیکہ حکومت اسلام کی ہو یہاں پر حکومت ہے انگریزی کی تو کیا اس صورت میں علم الدین عبدالرشید شہید ہوئے ہیں یا نہیں ؟ کیا ہر ایسا شخص جو رسول اللہ ﷺ کی بے حرمتی کرنے والے کو قتل کرے اور حکومت اسلام کی نہ ہو اس شخص کو قتل کے عوض میں پھانسی دی جائے تو ایسے شخص کو شہید کہا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر وہ شہید نہیں ہے تو وہ کس شمار و قطار میں ہے ؟ **المستفتی** نمبر ۱۲۰۷ مولوی عزیز احمد صاحب (راولپنڈی) ۱۱ رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۳۶ء۔

(**جواب ۱۵۵**) چونکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں ہے اس لئے اگر غیر مسلم معافی مانگے تو اس کو معافی دے دینا جائز ہے کسی مسلمان کو قتل کر دینے کا حق نہیں ہے(۱) اگر کوئی محبت رسول میں سرشار اور بیخود ہو کر قتل کر دے تو وہ معذور قرار دیا جا سکتا ہے اور اس صورت میں اس کو شہید کہنا بیجا نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

باغیوں کے ہاتھوں مارے گئے انگریزی فوج کے مسلمان سپاہی شہید کے حکم میں نہیں.

(سوال) یہاں پر جس پلٹن میں 'میں رہتا ہوں چند دن گزرے کہ دو مسلمان پٹھانوں نے گولی سے مار دیئے تھے مولوی صاحب نے فتویٰ دیا تھا کہ یہ شہید ہیں کیونکہ باغیوں کے ہاتھ سے ان کی موت واقع

---

(۱) وكذا المسلم اذا قتل مسلما وهما داخلان في دار الحرب بان لا يجب القصاص عندنا' ولو قتل المسلم اسيرا مسلما في دار الحرب لا يجب القصاص عند الكل (عالمگيريه' كتاب الجنايات' الباب الثاني ۳/٦ ط ماجديه كوئته)

ہوئی ہے پھر ان کو اسی حالت پر دفن کیا گیا یہ صحیح ہے کہ پٹھان باغی ہیں جو مرے ہیں وہ شہید ہیں یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۱۵۶۷ مولوی محبت حسین شاہ امام مسجد پلٹن ۸ / ۴ پنجاب کیمپ رزمک وزیرستان۔
۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۵ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۵۶) انگریزی فوج کے سپاہی جو مقابل کی گولی سے مارے گئے ان کو غسل وغیرہ عام اموات کے مانند دینا چاہئے تھا(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

مذہبی معاملہ پر مسلمان اور گوتم بدھ مذہب کے افراد میں جھڑپ اور برمی حکومت کی فائرنگ سے مقتول مسلمانوں پر شہید کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں ؟

(سوال) ایک مذہبی معاملہ میں مسلمان اور برمی جو کہ گوتم بدھ کو ماننے والے ہیں ان دونوں کے درمیان فساد ہو گیا مسلمان کو ظلماً قتل کرنا شروع کر دیا بعد میں گورنمنٹ وقت نے بھی رفع فساد کے لئے مسلمانوں اور برمیوں پر بندوق سے فائر کیا جس سے بعض مسلمان مقتول ہوئے اب شہید مسلمانوں کے بارے میں کیا حکم ہے یہاں کے علماء میں اختلاف ہے بعض فرماتے ہیں کہ یہ وہ شہید نہیں ہیں جن کے لئے غسل وکفن کا مخصوص حکم ہے یہ حکم خاص کفار سے جو جنگ ہوا کرتی ہے اس کے لئے ہے دوسرا فریق کہتا ہے کہ چونکہ مذکورہ بالا مسلمان ظلماً مقتول ہوئے اور اکثر آلہ جارحہ سے بعض جلا دینے کی وجہ سے پس جن کے متعلق یہ علم ہو گیا کہ مقتول ہونے کے بعد کسی قسم کا نفع نہ اٹھایا ہو یا ایک وقت نماز سے کم زندہ رہا ہو اور گفتگو وغیرہ کی نوبت نہ آئی ہو وہ سب شہید ہیں اسی طرح جو مقتول پایا گیا اور اس کے بدن پر زخم ہے لیکن نہ معلوم ہوا کہ وہ زندہ رہا یا نفع بھی اٹھایا ایسوں کے لئے بھی قرینہ کی وجہ سے شہید ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور ان پر وہ احکام جاری ہوں گے جو ایک شہید کے لئے ہونا چاہئے نیز گورنمنٹ نے جن مسلمانوں پر گولی چلائی وہ بھی ظلماً مارے گئے اس لئے وہ بھی شہید ہوں گے پس صاف اس کے متعلق شرعی اور دینی حکم سے مطلع فرمادیں۔ المستفتی نمبر ۲۳۹۴ محمود راند یری رنگون برما ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۰ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۵۷) جو شخص معرکہ میں ہتھیار دھار دار سے مارا جائے یا شہر میں ظلماً قتل کیا جائے خواہ قاتل باغی ہو یا قاطع طریق یا مکابر ہو اور خواہ قتل بالمحدد ہو یا بالاحراق یا بالمثقل تو ان سب صورتوں میں مقتول پر شہید کے احکام جاری ہوں گے بشرطیکہ ارتثاث نہ پایا گیا ہو۔

اس فساد میں جو مسلمان برمیوں کے ہاتھ سے یا حکومت کے آدمیوں کی فائرنگ سے مقتول ہوئے یا ایسے فساد زدہ علاقہ میں مقتول یا محروق پائے گئے یہ سب شہید ہیں اگر ارتثاث نہ ہوا ہو تو شہید

---

(۱) قلت و فی الاحکام عن ابی اللیث ولو قتلوا فی غیر الحرب او ما تو ایصلی علیهم (رد المحتار مطلب فی صلوۃ الجنازۃ ۲ / ۲۱۱ ط سعید)

کے احکام جاری ہوں گے ایسے فساد کے وقت کہ شہر کا انتظام مختل ہو جائے اور دن دہاڑے قتل کا ارتکاب ہونے لگے قاتل قطاع الطریق میں داخل ہو جاتے ہیں اور قطاع الطریق کا فعل قتل محدود کے ساتھ مقید نہیں رہتا(۱) وهكذا كله ظاهر محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

تحریک کشمیر میں ظلماً مارا جانے والا مسلمان شہید ہے .

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۳۲ء مطابق ۸ شوال ۱۳۵۰ھ)

(سوال) موجودہ کشمیر کی تحریک آزادی میں کوئی آدمی ڈوگرے کے ہاتھ سے مارا جائے تو وہ شہید کہلائے گا یا نہیں ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بغیر ہتھیار کے جانا اور اپنا سر دشمن کے آگے رکھ دینا جہاد نہیں ہے کیا یہ صحیح ہے ؟

(جواب ۱۵۸) ڈوگرے یا اور کسی شخص کے ہاتھ سے ظلماً مارا جانے والا یقیناً شہید ہے(۲) اور جب کہ مسلح مقابلہ زیادہ مضر ہو تو خاموش مقابلہ ہی جہاد ہے موجودہ تحریک کشمیر بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

ظلماً مارا جانے والا مسلمان ثواب شہادت کا مستحق ہے .

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) مسجد قدیمی ہو یا نئی غیر معمولی طور پر ہندو مسجد کے سامنے باجا بجانے کی خاطر نماز میں خلل پیدا ہونے کی وجہ سے مسجد کی حفاظت کے لئے کسی ہندو کے ہاتھ سے موت ہوئی تو اس کا کیا حکم ہے ؟

(جواب ۱۵۹) اگر ہندو تعدی اور ظلم سے کسی مسلمان کو مار ڈالیں تو وہ مسلمان یقیناً ثواب شہادت کا مستحق ہو گا بشر طیکہ زیادتی کی ابتدا مسلمان نے نہ کی ہو(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

---

(۱) وكذا يكون شهيداً لو قتله باغ او حربي او قاطع طريق ولو تسببا او بغير آلة جارحة فان مقتولهم شهيد با آلة قتلوه (تنوير الابصار و شرحه) قال المحقق في الشاميه' اى بشرط ان لا ير تث ايضاً (باب الشهيد' ۲/ ۲٤۹ ط سعيد)

(۲) وهو (الشهيد) فى الشرع من قتله اهل الحرب والبغى و قطاع الطريق..... او قتله مسلم ظلماً ولم تجب به دية (عالمگيريه' الفصل السابع فى الشهيد ۱/ ۱٦۷' ۱٦۸' ط ماجديه' كوئٹه)

(۳) والمراد بشهيد الاخرة من قتل مظلوماً (رد المحتار' مطلب فى تعداد الشهداء ۳/ ۲٥۲' ط سعيد)

تیسرا باب
غلام و جاریہ

هل یجوز شراء المراة المشرکة من ابویها المشرکین بثمن معلوم؟

(سوال) ماقولکم دام فضلکم فی رجل اشتری امراةً من بنات المشرکین بثمن معلوم من ابویها هل یصح هذا البیع والتقویم؟ وهل یجوز مواقعتها وتدخل فی ملکه ام لا ؟ بینوا توجروا ؟

(جواب ۱۶۰) قلت تحقیق المسئلة یقتضی تمهید مقدمات المقدمة الاولی ان اهل الحرب احرار قال فی البحر (۱) ولو قهر حربی بعض احرارهم الخ و فی رد المحتار (۲) نقلاً عن الدرالمنتقی فلو أهدی ملکهم لمسلم هدیة من احرارهم الخ ففی هاتین الروایتین تصریح بان اهل الحرب احرار فی دارهم اماما قال فی المستصفی انهم لیسوبا حرار بل ارقاء فیها ای فی دار الحرب وان لم یکن ملك لاحد علیهم (رد المحتار) (۳) فلیس علی ظاهره بل المراد انهم ارقاء بعد القهر والغلبة کما قال فی رد المحتار ما نصه قلت لکن قد ینافی العتق ان المراد بکونهم ارقاء ای بعد الاستیلاء علیهم اما قبله فهم احرار الخ انتهی (رد المحتار (۴) ص ۲۵۳ ج ۳ طبع مصر)

المقدمة الثانیة ان بیع الحرو کذا شراء ه باطل (۵) وهذا ظاهر

المقدمة الثالثة ان الا ستیلاء بالقهر والغلبة موجب للملك سواء کان من مسلم او کافر بعد ان یکون المستولی علیه کافراحربیا او مالاً متقوماً (۶)

واذاتمهد هذا فاعلم ان بیع الحربی حربیاً اما ان یکون فی دار الا سلام بان دخل حربی دارنا مستامناً فباع فیها احداً او فی دار الحرب بان دخل مسلم دار هم مستامنا فباع فیها منه حربی حربیا آخر عن الاول لا یجوز البیع لانه بیع الحراذ لم یوجد

---

(۱) باب المستامن ۱۰۷/۵ ط بیروت
(۲) مطلب فی قولهم ان اهل الحرب ارقاء ۱۶۴/۴ ط سعید
(۳) حواله بالا
(۴) مطلب فی قولهم ان اهل الحرب ارقاء ۱۶۴/۴ ط سعید
(۵) بطل بیع ما لیس بمال کالدم والمیة والحر والبیع به ای جعله ثمنا بادخال الباء علیه لان رکن البیع مبادلة المال ولم یوجد (تنویر الأبصار و شرحه مع رد المحتار باب البیع الفاسد ۵/ ۵۰، ۵۱ ط سعید)
(۶) اذا سبی کافر کافرا فی دار الحرب واخذ ماله ملك لاستیلائه علی مباح (تنویر و شرحه) قال فی الشامیة حتی لو استولی کفار الترك والهند علی الروم واحرزوها بالهند ثبت الملك لکفار الترك ککفار الهند (باب استیلاء الکفار ۴/ ۱۵۹، ۱۶۰ ط سعید)

الاستیلاء الموجب للملك واهل الحرب احرار للمقدمة الاولی قال فی ردالمحتار نقلاً عن الو لوالجية ولو دخل دار نابامان مع ولده فباع الولد لا يجوز فی الروايات ای لان فی اجازة بيع الولد نقض امانه انتهیٰ (رد المحتار (۱) ص ۲۵۳ ج ۳ طبع مصر)

و علی الثانی فاما ان يکون البائع قد قهر المبيع واستولی عليه ام لا؟ و علی الثانی لا يجوز البيع ايضا لانه بيع الحر ولا سبيل الی جوازه و علی الاول ان لم يکن عندهم فی دينهم ان من قهر منهم احداً ملکه لم يجز هذا البيع لکونه بيع الحروالاستيلاء الواقع لا يکون موجباً للملك فی اعتقادهم و کذا عندنا لانه وجد فی دار هم من غير اخراج واحراز

وان کان المذهب عند هم ان من قهراحداً او استولی عليه ملکه جاز البيع لان البائع قدباع مملوکه فی اعتقاده قال فی البحر ولو قهر حربی بعض احرارهم ثم جاء بهم الی المسلم المستأمن فباعهم منه ينظر ان کان الحکم عندهم ان من قهر منهم صاحبه فقد صار ملکه جاز الشراء لانه باع المملوك وان لم يملکه لا يجوز لانه باع الحر انتهی (بحر) (۲)

ثم اعلم ان هذاالبيع وان جاز لکنه لا يکون مفيداً للملك للمشتری مالم يخرج المشتری المبيع الی دار الاسلام قهراً قال فی رد المحتار ولو دخل دارهم مسلم بامان ثم اشتری من احدهم ابنه ثم اخرجه الی دارنا قهراً ملکه واکثر المشائخ علی انه لا يملکهم فی دارهم وهو الصحيح انتهی رد المحتار (۳) ص ۲۵۳ ج ۳ طبع مصر)

و يعلم من حکم المشائخ بعدم دخول المبيع فی ملك المشتری ما دام فی دارهم ان الموجب للملك هو الاخراج قهراً لا البيع والشراء فان قيل اذا لم يکن هذا البيع مفيداً للملك فمافائدة الحکم بجوازه کما قلتم فی صورة بيع الحربی حربيا آخر قد قهره واعتقده مملوکه بالقهر وکما نقلتم من البحر قلت فائدة الحکم بجواز البيع انما هی نفی نسبة الغدر من المسلم المستامن الذی دخل دارهم بامان فانه مامور بان لا يغدربهم (۴) واخراجه احداً منهم الی دار الاسلام قهراً يعد غدراً الا اذا کان فی صورة البيع والشراء الجائز عندهم ايضاً فانه لا يکون غدراً والملك الحاصل للمسلم بالاخراج

---

(۱) باب استيلاء الکفار' مطلب فيما لو باع الحربی ولده ۴/ ۱۶۰ ط سعيد

(۲) باب المستامن ۵/ ۱۰۷ ط بيروت

(۳) مطلب فی قولهم ابن الحرب ارقاء ۴/ ۱۶۴ ط سعيد

(۴) دخل مسلم دار الحرب با مان حرم تعرضه بشئ من دم ومال و فرج منهم اذالمسلمون عند شروطهم فلو اخرج الينا شيئاً ملکه ملکا حراما للغدر (تنوير الابصار و شرحه الدر المختار مع رد المحتار' باب المستامن ۴/ ۱۶۶ ط سعيد)

الكذانى لا يكون ملكا خبيثا

وجملة الكلام ان الموجب للملك انما هو الاخراج قهرا من دار الحرب الى دار الاسلام و ليس للبيع والشراء في حصول الملك كثيرنفع وانما نفعه في نفي كون الاخراج غدراً فالبيوع التى حكم الفقهاء بجوازها معناها انها تصلح لنفى نسبة الغدر من الاخراج المترتب عليها والبيوع التي حكموا بعدم جوازها معناه انهالا تصلح لنفي هذه النسية والاخراج المترتب عليها يعد غدرا

ويوخذ مما ذكرنا حكم بيع كفار الهند اولادهم في المملكة الانجليزية من انه لا سبيل الى جواز هذا البيع فان هذه البلاد ان كانت دار الاسلام كما هورأى جماعة من العلماء لم يجز هذا البيع لما نقلنا سابقا عن رد المحتار من ان بيع الحربى حربياً في دار الاسلام لا يجوز في الروايات وان كانت دار حرب لا يجوز البيع ايضاً فان حكم جواز البيع في دار الحرب ايضا مشروط يكون البائع قاهر ا مستوليا على المبيع والقهر و الاستيلاء كذالك لا يوجد في الحكومة الا نجليزية وايضاً قدمنا ان حصول الملك للمشترى مشروطٌ باخراجه المبيع الى دار الاسلام وما دام في دار الحرب لا يحصل له الملك عند اكثر المشائخ وهو الصحيح

فالمسلم الذى يشترى في المملكة الانجليزية من كافر اولاده لا يجوزله البيع والشراء لكون هذا البيع والشراء غدراً بالحكومة التى نحن من معاهد يها ومن عهدها ان تجارة الانسان جريمة قانونية عندها و نحن التزمنا العهد وكذلك لايحصل له الملك على المبيع لعدم وجود الاخراج قهراً مع انه شرط لحصول الملك كما قدمنا ولا يفيد ان يكون اقدام من كفرة الهند يعتقدون جواز هذا البيع وان يتفق لبعضهم ان يقهر احدا سرا من عمال الحكومة لان اعتقاد اهل الامر هو المعتبر لا اعتقاد كل احد-

قال في ردالمحتار والغدر حرام الا اذا غدربه ملكهم فاخذ ما له او حبسه او فعل غيره بعلمه ولم يمنعه لا نهم هم الذين نقضو العهد انتهى

(رد المحتار (۱) ص ٢٥٤ ج ٣)

وايضاً قدمنا ان البيع انما كان لصحة نفى الغدر والغدر نقض العهد و عهدنا بالحكومة و عمالهم لامع الكفرة الذين يعتقدون جواز البيع فهذا البيع وان كان مع المجوزين لا يصلح النفى نسبة الغدر وكذا القهر والغلبة جريمة عند الحكومة فلا يؤثر في حصول الملك

---

(۱) باب المستامن ٤ ١٦٦ ط سعيد

فالحاصل ان هذا البیع و الشراء باطل ولا یدخل المبیع المذکور تحت التقویم ولا فی ملك المشتری والله تعالیٰ اعلم کتبه الراجی رحمة مولاه محمد کفایة الله مدرس مدرسه امینیه دهلی یکم رجب ۱۳۳۳ هجری

(ترجمہ) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک شخص نے مشرکین سے ایک لڑکی قیمت دیکر اس کے ماں باپ سے خریدی کیا یہ بیع و شرا صحیح ہے؟ اور کیا اس سے مجامعت کرنا جائز ہے اور کیا وہ لڑکی اس خریدار کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی؟

(جواب ۱۶۰) اس مسئلے کی تحقیق کے لئے چند مقدمات کی ضرورت ہے۔

(۱) اہل حرب (دار الحرب میں) آزاد ہیں (مملوک نہیں ہیں) بحر میں ہے **ولو قهر حربی بعض احرارهم الخ** اور ردالمحتار نے درمنتقی کے حوالہ سے لکھا ہے **فلو اهدی ملکهم لمسلم هدية من احرارهم الخ** ان دونوں روایتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حربی دارالحرب میں آزاد ہیں لیکن مستصفی میں جو کہا ہے کہ اہل حرب دارالحرب میں آزاد نہیں ہیں بلکہ غلام ہیں اگرچہ وہ کسی خاص شخص کی ملک نہ ہوں تو اس کے لفظی اور ظاہری معنی مراد نہیں ہیں بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ وہ تسلط اور غلبہ کے بعد مملوک بن سکتے ہیں جیسا کہ صاحب ردالمحتار نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم عتق کے بیان میں کہہ چکے ہیں کہ دارالحرب میں اہل حرب کے مملوک اور غلام ہونے سے مراد یہ ہے کہ استیلاء کے بعد وہ غلام بن سکتے ہیں لیکن استیلاء اور قبضہ یا اسیری سے قبل وہ آزاد ہیں (ردالمحتار ص ۲۵۳ ج ۳ طبع مصر)

(۲) آزاد کی بیع و شرا باطل ہے اور یہ ایک ظاہر امر ہے۔

(۳) تسلط باقتدار و غلبہ موجب ملک ہے تسلط خواہ مسلم ہو یا کفر۔

بشرطیکہ مغلوب کافر حربی یا مال متقوم ہو۔

مقدمات ثلاثہ کے ذہن نشین کرنے کے بعد جاننا چاہئے کہ ایک حربی کا دوسرے حربی کو فروخت کرنا دو طرح ہو سکتا ہے ایک یہ کہ یہ معاملہ دارالاسلام میں ہو کہ ایک حربی مستامن بن کر دارالاسلام میں داخل ہو اور دوسرے حربی کو فروخت کردے دوسری صورت یہ کہ یہ معاملہ دارالحرب میں ہو کہ ایک مسلمان مستامن بن کر دارالحرب میں داخل ہو اور وہاں ایک حربی دوسرے حربی کو اس کے ہاتھ فروخت کردے پہلی صورت میں یہ خرید و فروخت جائز نہیں کیونکہ یہ بیع ایک آزاد کی بیع ہوگی اور وہ استیلاء جو موجب ملک ہوتا ہے اس صورت میں نہیں پایا جاتا اور مقدمہ اولی کی رو سے اہل حرب آزاد ہیں۔ صاحب ردالمحتار نے بحوالہ ولوالجیہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی حربی اپنے بچہ کو لیکر دارالاسلام میں داخل ہو اور بچے کو فروخت کردیا تو یہ بیع منعقد نہ ہوگی کیونکہ وہ بچہ بھی مستامن ہے۔ اور اگر اس کی فروخت کی اجازت دے دی جائے تو نقض امان لازم آتا ہے (ردالمحتار ص ۲۵۳ ج ۳ طبع مصر)

دوسری صورت یعنی دارالحرب میں مسلم مستامن کسی حربی سے دوسرے حربی کو خریدے تو اس میں دیکھنا یہ ہے کہ بائع حربی کو مبیع پر غلبہ اور قبضہ حاصل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو یہ معاملہ بھی ناجائز ہوگا کیونکہ یہ بھی آزاد کی بیع ہے جس کے جواز کی کوئی صورت نہیں اور اگر غلبہ وقبضہ حاصل ہے تو اگر حربیوں کے مذہب میں اس قسم کا غلبہ وقبضہ موجب ملک نہیں ہے تو یہ خرید و فروخت جائز نہ ہوگی اور یہ قبضہ نہ تو حربیوں کے مذہب کی رو سے موجب ملک ہوگا اور نہ اسلام کی رو سے کیونکہ دارالحرب سے اخراج اور دارالاسلام میں داخلہ کے بغیر یہ غلبہ وقبضہ جواز بیع کا موجب نہیں ہوتا اور اگر حربیوں کے مذہب میں ایک حربی کا دوسرے حربی پر قبضہ واستیلاء موجب ملک ہو جاتا ہو اور اس قسم کا ایک حربی اپنے مملوک کو مسلم مستامن کے ہاتھ فروخت کردے تو یہ بیع جائز اور منعقد ہو جائے گی کیونکہ بائع نے جس کو فروخت کیا ہے وہ اس کے مذہب اور اعتقاد کی رو سے اس کی جائز ملکیت ہے صاحب بحر نے فرمایا ہے کہ اگر حربی نے دوسرے آزاد حربیوں پر استیلا حاصل کر کے ان کو مملوک بنالیا اور کسی مسلم مستامن کے ہاتھ فروخت کردیا تو یہ دیکھا جائے گا کہ اگر حربیوں کے مذہب کی رو سے یہ غلبہ موجب ملک ہے تو یہ خرید جائز ہوگی کیونکہ اس حربی نے ایک ایسی چیز کو فروخت کیا ہے جو اس کے مذہب کی رو سے اس کی جائز ملکیت ہے اور اگر اس کو اپنے مذہب کے لحاظ سے حق ملکیت حاصل نہیں ہے تو یہ آزاد کی بیع ہوگی جو ناجائز ہے (بحر)

یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ اوپر جس عقد بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے اگرچہ یہ خرید تو جائز ہے مگر اس میں بھی مسلم مستامن اس مبیع کا ملک نہیں بنتا جب تک کہ اس کو خود اپنے قبضے کے ساتھ دارالاسلام میں نہ لے آئے صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلم امان حاصل کر کے دارالحرب میں گیا اور پھر کسی کافر سے اس کا لڑکا خرید لیا اور اس کو اپنے قبضے کے ساتھ دارالاسلام میں لے آیا تو اب وہ اس لڑکے کا مالک بن جائے گا اور اکثر علما کا مذہب ہے کہ دارالحرب میں مالک نہیں بن سکتا اور یہی مذہب صحیح ہے (ردالمحتار ص ۲۵۳ ج ۳ طبع مصر)

اور مشائخ نے جو یہ فرمایا ہے کہ جب تک دارالحرب میں رہے وہ مبیع مسلم مستامن کی ملک میں داخل نہیں ہوتا اس سے معلوم ہو گیا کہ غلبہ واستیلا اور قبضہ وحراست کے ساتھ دارالحرب سے نکال لانا موجب ملک ہوتا ہے نہ کہ صرف خرید و فروخت اگر کہا جائے کہ جب کہ یہ معاملہ دارالحرب میں موجب ملک نہیں تو اس قسم کی خرید و فروخت کو جائز قرار دینے سے کیا فائدہ ہے؟ یعنی اوپر تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس معاملے کے جواز کا حکم دینے سے سب سے بڑا فائدہ ہے کہ اس صورت میں مسلم مستامن پر بدعہدی کا الزام نہیں آئے گا کیونکہ جو مسلمان کہ کفار کی امان میں ہو اس پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ بدعہدی (یا ان کے قوانین کی خلاف ورزی) نہ کرے اور مسلم مستامن کا کسی حربی کو جبرا پکڑ کر دارالاسلام میں لے جانا بدعہدی ہے لیکن اگر ایسی خرید و فروخت کی صورت میں ہو جو کفار کے نزدیک

جائز سمجھی جاتی ہو تو یہ بد عہدی نہ ہو گی اور اس طریقے سے اگر مسلم مستامن اس خرید کردہ مملوک کو دار الاسلام میں لے جائے تو وہ اس کا جائز مملوک ہو گا۔

غرضکہ دار الحرب سے صرف غلبہ و حراست کے ساتھ نکال کر لے جانا موجب ملکیت ہو سکتا ہے مذکورہ خرید و فروخت کی صورت میں جو حق ملکیت حاصل ہوتا ہے اس کا کچھ زیادہ فائدہ نہیں بس اتنا فائدہ ضرور ہے کہ اگر مسلم مستامن اس کو دار الحرب سے باہر لے جائے تو بد عہدی نہیں ہو گی پس جس خرید و فروخت کو فقہا نے جائز کہا ہے اس کے جواز سے غرض یہ ہے کہ اخراج کی صورت میں بد عہدی و غداری کا الزام نہ آئے اور جس کو ناجائز کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بد عہدی کے الزام سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی نہیں ہوتی اور اس کی وجہ سے جو اخراج ہوتا ہے اس کو عہد شکنی قرار دیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ حکومت انگلشیہ میں ہندوستان کے کفار اگر اپنی اولاد کو فروخت کریں تو اس کی خرید و فروخت کے جواز کی کوئی صورت نہیں کیونکہ اگر یہ مملکت بقول بعض علما دار الاسلام ہے تو یہ بیع ناجائز ہے جیسا کہ بحوالہ رد المحتار ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ دار الاسلام میں ایک حربی کا دوسرے حربی کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

اور اگر برٹش انڈیا کو دار الحرب مانا جائے تب بھی یہ بیع جائز نہیں کیونکہ دار الحرب میں بھی جواز بیع کے لئے یہ شرط ہے کہ بائع کو مبیع پر پورا قبضہ و اختیار اور حق تصرف حاصل ہو اور ایسا اختیار و قبضہ حکومت انگلشیہ میں موجود نہیں ہے اور اوپر ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ مشتری کے لئے ملکیت کا ثبوت بھی اخراج الی دار الاسلام کے ساتھ مشروط ہے اور جب تک وہ دار الحرب میں رہے گا اس کو اکثر علما کے نزدیک حق ملکیت حاصل نہیں ہوتا اور یہی مذہب صحیح ہے۔

پس جو مسلمان حکومت انگلشیہ میں کسی کافر سے اس کے بچے کو خریدے گا اس کی یہ خرید و فروخت ناجائز ہو گی کیونکہ یہ معاملہ اس حکومت کے ساتھ بد عہدی کے مترادف ہو گا جس کے قانون کے ہم پابند ہیں اور جس کے قانون کی رو سے بردہ فروشی جرم ہے اور ہم نے اس قانون کی پابندی کو اپنے اوپر عائد کر رکھا ہے اور نہ یہاں ملکیت حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ اخراج بالقہر کا وجود نہیں پایا جاتا جو حصول ملک کے لئے شرط ہے۔

اگر کفار ہند کے بعض قبائل اس قسم کی خرید و فروخت کو جائز سمجھتے ہوں اور کسی کو پوشیدہ طریقے پر ایسا قبضہ و تسلط جو ان کے اعتقاد میں موجب ملکیت ہو حاصل ہو جائے تب بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس معاملے میں حکومت کا عقیدہ و قانون معتبر ہو گا نہ کہ ہر کس و ناکس کا عقیدہ۔

رد المحتار میں ہے کہ کافر حکومت میں بھی بد عہدی و قانون شکنی حرام ہے سوائے اس صورت کے جب کہ بادشاہ خود ہی بد عہدی و پیمان شکنی کرے کہ مسلمانوں کا مال غصب کر لے قید کر دے یا کوئی

دوسرا ظالم ان کے ساتھ ایسا کرے اور بادشاہ جاننے کے باوجود ان کی حفاظت و دادرسی نہ کرے۔
ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ جواز بیع کا حکم محض اس لئے تھا کہ بد عہدی کا الزام مسلم مستامن پر نہ آئے اور بد عہدی سے مراد قانون شکنی ہے اور ہمارا قانونی معاہدہ حکومت و عمال حکومت سے ہے نہ کہ (رعیت میں سے) ان کفار کے ساتھ جو اس قسم کی بیع کے جواز کا عقیدہ رکھتے ہوں پس اس قسم کی بیع اگر ان کی طرف سے ہو تو مسلم مستامن کو الزام قانون شکنی سے بری نہیں کر سکتی اسی طرح غلبہ و قبضہ بھی حکومت انگلشیہ کے قانون کی رو سے جرم ہے اس لئے وہ بھی حصول ملک کے لئے مفید نہیں۔
غرضکہ بیع و شرا مذکورہ فی السوال باطل ہے اور مبیع مذکورہ قابل خرید و فروخت نہیں ہے نہ مشتری کی ملکیت میں داخل ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم   محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ہندوستان میں خریدی ہوئی باندی سے ہم بستری کا حکم

(سوال) ایک شخص نے ایک باندی خریدی اس سے ہم بستری کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ہم بستری کی جائے اور اولاد ہو تو وہ اولاد حرامی ہو گی یا حلالی؟
(جواب ۱۶۱) ہندوستان میں تو ایسی باندیاں نہیں ہیں جو شرعی قاعدے کے موافق باندیاں قرار دی جا سکیں لہذا اس کی تفصیل معلوم ہونی چاہئیے کہ باندی کہاں سے خریدی اور اس باندی کی حیثیت کیا تھی جب جواب دیا جا سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ہندو عورت کو شوہر سے چھڑا کر رکھ لینا اور باندی سمجھ کر جماع کرنا جائز نہیں.

(سوال) (۱) ایک مسلمان مرد نے ایک ہندو عورت کو اس کے شوہر سے چھڑا کر اپنے گھر میں لونڈی بنا کر رکھ لیا ہے اور اس سے ہم بستر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ باندی کے ساتھ صحبت جائز ہے اور نکاح کرنے سے انکار کرتا ہے۔
(۲) باندی کس عورت کو کہیں گے اور کتنی حیثیت کے لئے باندی جائز ہو سکتی ہے اور کہاں کے لئے؟
(۳) اگر کوئی ناجائز فعل کرے اور کہے کہ یہ جائز ہے تو ایسے شخص کو کیا کہا جائے گا؟
المستفتی نمبر ۱۵۳۴ حافظ محمد اسماعیل (گنجام) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۳۷ء
(جواب ۱۶۲) ہندوستان میں صحیح شرعی طریق پر باندی نہیں مل سکتی کسی ہندو کی بیوی کو اس کے شوہر سے چھڑا کر رکھ لینا اور اس کو باندی سمجھنا جائز نہیں(۱) اگر وہ عورت مسلمان ہو گئی اور اس کے خاوند نے مسلمان ہونا قبول نہ کیا ہو اور عدت گزر گئی ہو تو پھر کوئی مسلمان اس عورت سے نکاح کر سکتا

---

(۱) قلت لکن قدمنا فی العتق ان المراد بکونهم ارقاء ای بعد الاستیلاء علیهم اما قبلهم فهم احرار لما فی الظهیریه- قال وهذا دلیل علیٰ ان اهل الحرب احرار (رد المحتار' مطلب فی قولهم ان اهل الحرب ارقاء' ۴/۱۶۴' ط سعید)

ہے(۱)بغیر نکاح اس سے صحبت کرنا حرام ہے اور جو شخص ایسی عورت رکھے اور اس کو حلال سمجھے وہ سخت فاسق اور گناہ گار ہوگا بلکہ ایمان جاتے رہنے کا قوی خطرہ ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

آزاد شخص کو خرید نا جائز نہیں.

(سوال) ہندہ نے بہ سبب اپنی چند خاص ضرورتوں کے اپنے آپ کو فروخت کے لئے پیش کیا اور زید نے بالعوض زر نقد مطلوبہ اس کو خرید لیا یہ خرید و فروخت جائز ہے یا ناجائز ؟ المستفتی نمبر ۱۸۴۲ محمد مبین ضلع درگ ۲۸ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۳) یہ خرید و فروخت قطعاً ناجائز ہے کوئی آزاد شخص مرد ہو یا عورت اپنے نفس کو فروخت نہیں کر سکتا اور نہ کوئی آزاد شخص کو خرید سکتا ہے' ہندہ زر خرید لونڈی کا حکم نہیں رکھتی زید اس سے نکاح کر سکتا ہے اور دی ہوئی رقم کو مہر قرار دیا جاسکتا ہے وہ آزاد عورت ہے دوسرے شخص سے بھی اس کا نکاح جائز ہے اور زید نے جو رقم قیمت کے طور پر دی ہے وہ واپس لے سکتا ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نیپال اور منی پور میں فروخت ہونے والی عورتیں اصول شرع کے موافق لونڈیاں نہیں.

(از الجمعیۃ سہ روزہ مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) ریاست نیپال' اگرتلہ منی پور وغیرہ میں لونڈیاں فروخت ہوتی ہیں کیا کوئی مسلم ان جگہوں سے لونڈیاں خرید سکتا ہے ؟

(جواب ۱۶٤) یہ لونڈیاں جو نیپال اور منی پور وغیرہ میں فروخت ہوتی ہیں اصول شریعت مقدسہ کے موافق لونڈیاں نہیں ہیں لہذا ان کو خریدنا اور ان سے لونڈیوں کا کام لینا جائز نہیں ہے(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

---

(۱) واذا اسلم احد الزوجین فی دارالحرب...... والمرأة هی التی اسلمت فانه یتوقف انقطاع النکاح بینهما علی مضی ثلاث حیض سواء دخل بها او لم یدخل بها کذافی الکافی' فان اسلم الآخر قبل ذلك فالنکاح باطل (عالمگیریة' الباب العاشر فی نکاح الکفار ۱/۳۳۷'ط ماجدیه)

(۲) قال من استحل حراماً قد علم فی دین النبی ﷺ تحریمه کنکاح المحارم فکافر (رد المحتار' باب زکاة الغنم مطلب استحلال المعصیة کفر ۲/۲۹۲' ط سعید)

(۳) بطل بیع ما لیس بمال کالدم والمیتة والحر والبیع به ای جعله ثمنا لان رکن البیع مبادلة المال بالمال ولم یوجد. (تنویر الابصار و شرحه الدر المختار مع رد المحتار' باب البیع الفاسد ۵/ ۵۰'۵۱ ط سعید)

(٤) قلت :لکن قد منافی العتق ان المراد بکونهم ارقاء ای بعد الاستیلاء علیهم' اما قبلهم فهم احرار لما فی الظهیریه قال وهذا دلیل علی ان اهل الحرب احرار (رد المحتار' باب استیلاء والکفار' مطلب فی قولهم ان اهل الحرب ارقاء' ٤/۱٦٤' ط سعید)

چوتھا باب
متفرق

کلکتہ کی لڑائی شرعی جہاد نہیں' فساد ہے

(سوال) کلکتہ کے فساد کو بعض لوگ جہاد سے تعبیر کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر اس سے ناجائز فائدہ اٹھارہے ہیں جناب سے درخواست ہے کہ مذہبی اور اخلاقی نقطہ خیال سے جہاد پر چند سطور اپنے دست مبارک سے تحریر فرمادیں بچوں' عورتوں اور بوڑھوں ناتوانوں کو بے خبری میں تلوار کے گھاٹ اتارنا کسی طرح بھی جائز ہے ؟ المستفتی خادم میر مشتاق احمد دہلی ۲۲ اگست ۱۹۴۶ء

(جواب ۱۶۵) اس فساد کو جہاد بتانے والے کیا یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی ابتدا مسلمانوں نے بہ نیت جہاد کی تھی اگر وہ تسلیم کرتے ہوں تو پھر ان مجاہدین کے امیر اور پیشوا پر یہ ذمہ داری عائد ہو گی کہ اس نے عورتوں بچوں' بوڑھوں پر کیوں تعدی کرنے دی کیونکہ جہاد میں عورتوں' بچوں' بوڑھوں سے تعرض نہیں کیا جاتا ہمیں تو ابھی تک فساد کی صحیح نوعیت معلوم نہیں ہو سکی ہاں اس کی شخصی صورت کہ عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کو قتل کیا۔ جلادیا' ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے' مکانوں کو جلادیا' شرعی جہاد کی صورت نہیں ہے اسے تو فساد ہی کہا جاسکتا ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اقدامی جہاد بھی جائز ہے

(سوال)

مکتوب مولانا عبد الماجد دریا آبادی

۱۸ جون ۱۹۲۹ء دریاباد۔ بارہ بنکی

مخدوم مکرم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ حمد اللہ حج و زیارت سے واپس ہو کر ابھی دریا باد پہنچا ہوں' عنقریب انشاء اللہ دہلی کا بھی ارادہ ہے زمیندار کے پرچے پڑھ پڑھ کر سخت تکلیف ہوئی الجمعیتہ کی موجودہ روش بہت بہتر معلوم ہوئی وائسرائے کی ملاقات والے معاملہ کا جو جواب الجمعیتہ نے نکات ولطائف میں دیا ہے وہ بہت پر لطف ہے (یعنی خود صاحب زمیندار کا سارا معاملہ دوہرادیا ہے) اس کی داد دیتا ہوں اللہ ہی ہم سب پر رحم فرمائے۔ مدینہ منورہ میں بہت اطمینان سے قیام کا موقع مل گیا تھا اپنے سب جاننے والوں کے حق میں خوب دعائیں کیں اور سب سے زیادہ خود امت محمدیہ کے حق میں۔

---

(۱) و ینبغی للمسلمین ان لایقتلوا امراۃ ولا صبیا ولا مجنوناً ولا شیخاً فانیاً (عالمگیریہ' الباب الثانی فی کیفیۃ القتال ۲ / ۱۹٤ ط ماجدیہ' کوئٹہ)

اس عریضے کا مقصود ایک مسئلہ کی تحقیق ہے۔ میں اپنے مطالعہ سے اب تک اس نتیجے پر پہنچے ہوئے تھا کہ قتال کی اجازت کفر کے مقابلہ میں نہیں بلکہ حرب کے مقابلہ میں ہے یعنی صرف حربی کافروں کے خلاف نہ کہ محض کافروں کے خلاف ان کے عقائد کفریہ کی بنا پر چنانچہ سورہ بقر اور سورہ حج کی متعدد آیات (قاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا(۱) الخ اذن للذین ظلموا یقاتلون الخ (۲) وغیرہ) اپنی تائید میں رکھتا تھا نیز صاحب ہدایہ (۳) کی یہ تصریح یاد تھی کہ کافر عورتوں بچوں اندھوں وغیرہ سے قتال اس بنا پر جائز نہیں کہ وہ شریک جنگ نہیں ہوتے اپنے اس خیال میں بالکل مستحکم تھا مگر اثنائے سفر حج میں مولوی مناظر احسن صاحب نے اس کے بالکل برخلاف تقریر فرمائی اور یہ اصرار فرمایا کہ ہر کافر کا مجرد اس کے عقائد کفریہ کی بنا پر مباح الدم ہونا فقہ حنفی کا مسلم مسئلہ ہے نیز سورہ توبہ کی بھی بعض آیات سے استناد کیا۔ محاکمہ کے لئے جناب کو تکلیف دیتا ہوں مفصل جواب کی زحمت کی ضرورت نہیں مختصر اشارات مع فقہائے حنفی کے حوالہ جات کے کافی ہوں گے اگر ہر کافر محض اپنے عقائد کی بنا پر واجب القتل ہے تو آپ حضرات نے فتویٰ ترک موالاۃ میں نصاریٰ کے مظالم کا ذکر اہی حاصل ہی کیا صرف اس قدر لکھ دینا کافی تھا کہ یہ کافر ہیں اور ان کے کفر کی بنا پر ان سے ترک موالاۃ لازم ہے۔

والسلام　　　　　محتاج دعا عبدالماجد

جواب مکتوب بالا از حضرت مفتی اعظمؒ

۲۲ جون ۱۹۲۹ء　　مخدوم محترم دام فضلہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت اور مع الخیر مراجعت پر مخلصانہ مبارکباد قبول فرمائیں تقبل الله منکم وجعله ذخر الأخرتکم زمیندار کی عنایات طبعیہ کی مجھے کوئی شکایت نہیں ہے کیونکہ "تو پاک باش برادر مدار از کس باک" اور "مقتضائے طبعتش این است" هدانا الله وایاه الی ما یحبه و یرضاه

مولانا! مجھ جیسا ہیچ مداں کسی مسئلے پر کیا روشنی ڈال سکتا ہے لیکن تعمیلاً للامر اپنا خیال ناقص عرض کرتا ہوں یہ صحیح ہے کہ شریعت مقدسہ نے کفر کو فی حد ذاتہ اباحت دم کا سبب قرار نہیں دیا ورنہ مقاتلہ میں عورتوں' بوڑھوں اور راہبوں کے قتل سے ممانعت نہ کی جاتی جب کہ ان کا کفر کے ساتھ متصف ہونا بھی یقینی ہے مگر اس کے ساتھ شریعت مقدسہ نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ کفر فی حد ذاتہ ملزوم اور حرب اس کو لازم ہے یعنی اگر افراد کفار میں کوئی ایسے خاص حالات نہ ہوں جو حرب کے احتمال کو

---

(۱) البقرة : ۱۹۰

(۲) الحج : ۳۹

(۳) ولا یقتلوا امراة ولا صبیا ولا شیخا فانیا ولا مقعدا ولا اعمی لان المبیح للقتل عندنا هو الحرب ولا یتحقق منهم (هدایه' باب کیفیة القتال ۲ /۵٦۲' ط مکتبه شرکت علمیه ملتان)

مرتفع کردیں یا کم از کم ضعیف بنادیں تو تمام کافر حربی ہی قرار دیئے جائیں گے اس کا مقتضا یہ تھا کہ تمام کفار (اس نظریہ کے ساتھ کہ کفر مستلزم حرب ہے) مباح الدم ہو جاتے مگر معاہدہ استیمان نے حرب کا احتمال اٹھادیا (۱) اور انوثیت 'شیخوخت' رہبانیت نے احتمال حرب کو ضعیف کردیا اس لئے ان پر سے مباح الدم ہونے کا حکم جاتا رہا (۲)

جو آیات کہ مطلقاً کفار کے ساتھ قتال اور ان کے قتل کے جواز پر دلالت کرتی ہیں ان کا یہی مطلب ہے کہ تمام کفار و مشرکین طبعاً اسلام اور مسلمین کے دشمن اور محارب ہیں اور اسی وجہ سے ہر قوم کافر سے مسلمانوں کو ابتداءً القتال جائز ہے جب کہ ان سے کوئی معاہدہ یا مواعدہ نہ ہو مذکورہ بالا معروضات سے یہ ثابت ہوا کہ اسلام نے اجازت قتال میں یہ شرط نہیں لگائی کہ جب کفار کی جانب سے ابتداء ہو سلے جبھی مسلمان لڑیں ورنہ نہیں بلکہ مسلمان ہجوم و مدافعت دونوں قسم کی جنگ کر سکتے ہیں مگر صرف ان کفار سے جن کی حربیت کا حکم مرتفع یا ضعیف نہیں ہو چکا ہے خلاصہ یہ کہ نفس کفر فی حد ذاتہ موجب اباحت الدم نہیں مگر کفر کا ایک لازم یعنی حربیت موجب اباحت الدم ہے اور جن صورتوں میں یہ لازم مرتفع یا مضمحل ہو جائے وہاں اباحت دم کا حکم نہیں ہو گا اگرچہ کفر موجود ہو غالباً مولانا مناظر احسن صاحب کا یہی مطلب ہو گا اور انہوں نے لازم و ملزوم دونوں کو یکجائی کی نظر سے دیکھا ہو گا اور ارتفاع و اضمحلال لازم کو اپنے کلام میں واضح نہ کیا ہو گا اور غالباً جناب نے بھی حربیت کو بالفعل محاربہ پر مقصود نہ قرار دیا ہو گا بلکہ کفر و اسلام کی اس طبعی و جبلی محاربت کو جو **وما نقموا منهم الا ان يؤمنوا بالله العزيز الحميد الايه** سے ثابت ہے اور جس کا نتیجہ اسی آیت میں **قتل اصحاب الاخدود النار ذات الوقود اذهم عليها قعود وهم على ما يفعلون بالمؤمنين شهود** (۳) میں مذکور ہے جواز ہجوم کے لئے کافی سمجھا ہو گا اور اس صورت میں جناب کے اور مولانا مناظر احسن صاحب کے کلام میں فی الحقیقت تدافع نہیں ہو گا۔

اگر میری یہ پریشاں خیالی جناب کو صحیح معلوم ہو تو الحمد للہ۔ اور نہیں تو اس کے اسقام سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔ والسلام خیر ختام محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) اما قبل صیر ورته (المستامن) ذمیا فلا قصاص بقتله عمدا بل الدية قال في شرح سير الكبير' الاصل انه يجب على الامام نصرة المستامنين ماداموا في دارنا (رد المحتار' مطلب في احكام المستامن قبل ان يصير ذميا ٤/ ١٦٩ ط سعيد)

(۲) ولايقتلوا امراة ولا صبيا ولا شيخا فانيا ولا مقعدا ولا اعمى لان المبيح للقتل عندنا هو الحراب ولايتحقق منهم (هداية' باب كيفية القتال ٢/ ٥٦٢ ط مكتبه شركت علميه' ملتان)

(۳) البروج : ٤ تا ٧

كتاب الحدود والجنايات

پہلا باب
اقامت حدود شرعیہ

دارالحرب میں زانی سے توبہ کرالینا کافی ہے

(سوال) ایک شخص زنا کرتے ہوئے گرفتار ہو گیا اس پر کیا کفارہ ہے اور غریب شخص نے توبہ کر لیا تو اس کے لئے کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۸۲۹ شاہ محمد صاحب (ضلع اعظم گڈھ) ۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۶) اس شخص سے توبہ کرالینا کافی ہے کہ اجرائے حدود کے لئے اسلامی عدالت کا حکم ضروری ہے اور وہ موجود نہیں ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

دوسرا باب
تعزیر

استاذ شاگرد کو تعزیراً کتنا مار سکتا ہے ؟

(سوال) مدارس اور اسکولوں میں بہ سبب شرارت یا اسباق یاد نہ کرنے کے استاد یا ماسٹر لوگ بید یا کھچی یا ہاتھ سے اپنے شاگردوں کو تنبیہ اور تعزیر دیتے ہیں اس کے متعلق شرع شریف میں کتنی حد مقرر ہے ؟ کس حد تک تنبیہاً ان اشیاء کو استعمال کر سکتے ہیں ؟ یا بالکل جائز نہیں اور کس حد سے تجاوز کرنے سے استاد آثم ٹھیرے گا اور آثم ٹھیرنے میں اس پر شرعاً کیا تعزیر لازم آئے گی ؟ نیز اگر غصے کی حالت میں استاد کچھ درشتی کے الفاظ سب و شتم استعمال کرے تو کس حد تک استعمال کر سکتا ہے اور کس حد سے تجاوز حرام ہے ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۱۶۷) چہرہ اور مذاکیر کے علاوہ سارے بدن پر تاوقتیکہ تجاوز عن الحد نہ ہو مارنا جائز ہے یعنی اس طرح مارنا کہ بدن کہیں سے زخمی ہو جائے یا کہیں کی ہڈی ٹوٹ جائے یا بدن پر سیاہ داغ پڑ جائیں یا ایسی ضرب ہو جس کا اثر قلب پر پڑتا ہو جائز نہیں اگر مارنے میں حد معلومہ سے تجاوز ہو یا چہرہ اور مذاکیر پر خواہ ایک ہی ہاتھ چلائے گناہ گار ہوگا۔

استاد کو بشرط اجازت والدین اس قدر مارنے کا اختیار ہے جو مذکور ہوا اور وہ بھی جب کہ مارنے کے لئے کوئی صحیح غرض تادیب یا تنبیہ یا کسی بری بات پر سزا دہی ہو بے قصور مارنا یا مقدار قصور سے زیادہ

---

(۱) واما ظلمه على نفسه باقدامه على المعصية فيسقط بها (اى بالتوبة) تامل ..... فيشترط الامام لاستيفاء الحدود (رد المحتار' فصل فيما يوجب القود وفيمالا يوجب ۶:۵۴۹ ط سعيد)

مارنا جائز نہیں بلکہ استاد خود مستحق تعزیر ہوگا۔ او علی المذاکیر یجب الضمان بلا خلاف ولو سوطا واحدا لانه اتلاف (رد المحتار) (۱) ضرب المعلم الصبی ضربا فاحشا وهو الذی یکسر العظم و یخرق الجلد او یسوده (ردالمحتار) (۲) فانه یعزره ویضمنه لومات شمنی (درمختار) (۳) ضرب معلم صبیاً او عبداً بغیر اذن ابیه او مولاه فالضمان علی المعلم اجماعاً وان ضرب باذنهما لا ضمان علی المعلم اجماعاً (درمختار) (۴) سب و شتم میں ایسے الفاظ جن کا تعلق صرف لڑکے تک محدود رہے مثلاً بیوقوف گدھا پاجی نالائق الو وغیرہ اور زیادہ فحش نہ ہوں استعمال کرنے کا مضائقہ نہیں لیکن ایسے الفاظ جن کا تعلق لڑکے سے متجاوز ہو کر اس کے والدین یا اور کسی تک پہنچے مثلاً گدھے کا بچہ سور کا بچہ حرامی یا اور فحش الفاظ اور گالیاں استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے والضابط انه متی تسبه الی فعل اختیاری محرم شرعا و یعدعا را عرفا یعزر والالا ابن کمال (درمختار) (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بلاعذر منکوحہ بالغہ کی رخصتی نہ کرنے والا قابل مواخذہ ہے۔

(سوال) جو شخص منکوحہ لڑکی کو جو کہ عرصہ چار پانچ سال سے بالغ ہو رخصتی نہ کرے اس کے لئے تعزیر شرعی کیا ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۸۳۰ مولوی محمد بخش (ضلع جھنگ) ۱۴ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۸) اگر روانہ نہ کرنے کا کوئی معقول عذر ہو تو خیر ورنہ وہ شرعاً مواخذہ دار ہے (۶) تعزیر قاضی شرعی کی رائے پر مفوض ہے (۷) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) فصل فی الفعلین ۶ : ۵۶۶ ط سعید

(۲) باب التعزیر ۴ : ۷۹ ط سعید

(۳) حوالہ بالا

(۴) باب القود فیما دون النفس ' فصل فی الفعلین ۶ : ۵۶۶ ط سعید

(۵) (باب التعزیر ۴ : ۷۲ ط سعید) قال المحقق فی الشامیه (قوله والضابط) قال ابن کمال فخرج بالقید الاول النسبة الی الامور الخلقیة ' فلا یعزر فی یا حمار و نحوه' فان معناه الحقیقی غیر مراد' بل معناه المجازی کالبلید وهو امر خلقی (باب التعزیر ۴ : ۷۳'۷۲ ط سعید)

(۶) عن ابی هریرة قال . قال رسول الله ﷺ اذا خطب الیکم من ترضون دینه' و خلقه فزوجوه ان لا تفعلوه تکن فتنة فی الارض و فساد کبیر (مشکوٰة المصابیح' کتاب النکاح ۲ : ۲۶۷ ط سعید)

(۷) وذکر مشایخنا ان ادناه علی ما یراه الامام یقدر بقدر ما یعلم انه ینزجر به (عالمگیریه' فصل فی التعزیر ۲ : ۱۶۷ ط ماجدیه کوئٹه)

تیسرا باب
تعزیر باخذ المال (جرمانہ)

پنچ کا مجرموں سے جرمانہ لینا جائز نہیں' زجراً تاوقت توبہ قطع تعلق جائز ہے .

(سوال) ہماری قوم نجاران برادری میں ایک بھائی نے دوسرے سے یہ کہا کہ تو اپنی بیوی کو طلاق دیدے کیونکہ وہ غیر برادری کی ہے اور تیرا نکاح برادری میں کرادیا جائے گا اور میں بھی کرلوں گا بعد ازاں اس تحریک دہندہ نے بلا نکاح اس مطلقہ کو کچھ مدت تک اپنے گھر میں رکھا اب پنچوں کو جو اس کی یہ ناجائز حرکت پایہ ثبوت کو پہنچ گئی اور گواہوں سے اسکا قصور ثابت ہوگیا تو یہ فیصلہ دیا کہ مبلغ پچاس روپے تحریک دہندہ کے ذمہ جس نے بلا نکاح مطلقہ کو گھر میں رکھا تھا احتقانہ کئے اور مبلغ پچاس روپے طلاق دہندہ پر اس وجہ سے کہ تو نے اتنے دنوں تک اس کی ناجائز حرکت کا تذکرہ پنچوں کے سامنے کیوں نہیں کیا اور ایک اور شخص پر بھی اس معاملے میں بعد ثبوت قصور پانچ روپے احتقانہ نقد کئے۔

یہ احتقانہ برادری میں اس وجہ سے رائج کیا گیا ہے کہ حتی الامکان ان ناجائز طرق کا اصلاح ہوتا رہے اگر اس قسم کا تدارک نہ کیا جائے گا تو برادری میں تفرقہ اور ناجائز طرق کا کھلم کھلا رواج ہو جائے گا جو موجب تباہی ہے اب علماء سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ احتقانہ کا روپیہ یا آئندہ جو اس قسم کے واقعات سے احتقانہ وصول ہو پنچوں کو اپنے استعمال میں لانا یا برادری میں صرف کرنا یا فی سبیل اللہ دینا درست ہے یا نہیں اگر مذکورہ بالا مدات میں اس کا صرف کرنا درست نہیں تو اس کو کس مصرف میں لگایا کریں۔ بینوا توجروا

(جواب ۱۶۹) یہ احتقانہ اگر تعزیر سمجھا جائے تو واضح ہو کہ بغیر نکاح کے کسی عورت کو رکھنا اور اس سے زنا کرنا شرعاً موجب حد ہے اور جن گناہوں میں کہ کوئی حد شرعی مقرر ہے ان میں تعزیر نہیں ہے **التعزیر هو التادیب دون الحد و یجب فی جنایة لیست موجبة للحد کذافی النهایة (عالمگیری)** (۱) اور نیز حرمت زنا حق اللہ میں داخل ہے اور حقوق اللہ میں تعزیر کرنا صرف حال مباشرت میں عامہ مؤمنین کا حق ہے نہ بعد مباشرہ **قالو الکل مسلم اقامة التعزیر حال مباشرة المعصیة واما بعد المباشرة فلیس ذلك لغیر الحاکم (عالمگیری)** (۲) اور اگر زنا کرنا ثابت نہ ہو تاہم تعزیر بالمال امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے **و عند ابی یوسفؒ یجوز التعزیر باخذ المال للسلطان و عندهما و باقی الائمة الثلثة لا یجوز کذافی فتح القدیر (عالمگیری)** (۳)

---

(۱) فصل فی التعزیر ۲/۱۶۷ ط ماجدیه کوئٹه

(۲) حوالہ بالا

(۳) حوالہ بالا

اور اگرچہ امام ابو یوسف نے تعزیر بالمال کو جائز فرمایا ہے' مگر اس سے مراد یہ ہے کہ بادشاہ اس کے مال کو ایک مدت مناسبہ تک روک لے اور جب سمجھے کہ اب زجر حاصل ہو گیا پھر واپس کردے نہ یہ کہ بالکل خود اپنے لئے یا بیت المال کے لئے ضبط کرلے **و معنی التعزیر باخذالمال علی القول به امساك شئي من ماله عنده مدة لينز جرثم يعيده الحاكم اليه لا ان ياخذه الحاكم لنفسه او لبيت المال كما يتوهمه الظلمة اذ لا يجوز لاحد من المسلمين اخذ مال احد بغير سبب شرعي كذافي البحر الرائق (عالمگيری)**(۱) پس یہ احمقانہ لینا اور اس کا مصارف مذکورہ میں یا کسی اور مصرف میں صرف کرنا جائز نہیں بلکہ جن سے لیا ہے ان کو واپس دینا لازم ہے ہاں ایسے لوگوں کے زجر اور ایسی باتوں کو بند کرنے کے لئے یہ جائز ہے کہ ایسے لوگوں کو پنچایت اور برادری سے خارج کردیا جائے اور جب تک وہ اس فعل سے توبہ نہ کریں ان کے ساتھ برادری کے تعلقات نہ رکھے جائیں(۲)

کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

مالی جرمانہ جائز نہیں۔

(سوال) جرمانہ جو ہمارے دیار میں مروج ہے کیا شرعاً جائز ہے ؟ اگر ہے تو اس روپے کا مستحق کون ہے ؟(۲) نیز جو شخص سربر آوردہ سرقہ وزنا وغیرہ کا جرمانہ کرکے خود کھالیا کرے تو وہ شخص کیسا ہے ؟ بینوا توجروا

(جواب ۱۷۰) مالی جرمانہ ناجائز ہے اور امام ابو یوسف سے جو تعزیر بالمال کے جواز کی روایت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ مدت کے لئے اس کا مال روک لیا جائے اور جب انزجار کی امید ہو جائے تو اس کا مال واپس کردیا جائے(۳) (۲) یہ شخص ظالم اور فاسق ہے کہ لوگوں کا مال کھاتا ہے(۴)

کتبہ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مجرم سے مالی جرمانہ لینا جائز نہیں' تاوقت توبہ قطع تعلق کرنا جائز ہے۔

(سوال) ایک عورت اور اس کی لڑکی نے اپنے باپ کو اور اپنے خصم کو تہمت زنا کی لگائی اور بعد میں وہ

---

(۱) حوالہ بالا (صفحہ گزشتہ)

(۲) فتبين هنا السبب المسوغ للهجر وهو لمن صدرت منه معصية فيسوغ لمن اطلع عليها منه هجره - بما ليكف عنها قال المهلب غرض البخاري في هذه الباب' ان يبين صفة الهجران الجائز' وانه يسوغ بقدر الجرم فمن كان من اهل العصيان يستحق الهجر ان يترك المكالمه كما في قصة كعب و صاحبيه (فتح الباری بشرح صحيح البخاری' باب ما يجوز من الهجران لمن عصى ۱۰/ ۴۱۵ ط مكتبه مصطفى' مصر)

(۳) و عند ابي يوسف يجوز التعزير للسلطان باخذ المال' و عندها و باقي الائمه الثلاثه لا يجوز كذافي فتح القدير و معنى التعزير باخذ المال على القول به امساك شئي من ماله عنده مدة لينز جرثم يعيده الحاكم اليه (عالمگيريه' فصل في التعزير' ۲/ ۱۶۷ ط ماجديه كونه)

(۴) اذ لا يجوز لاحدمن المسلمين اخذ مال احد بغير سبب شرعي (عالمگيرية' فصل في التعزير ۲/ ۱۶۷ ط ماجديه كونه)

دونوں انکار کر گئیں اور کہا کہ ہم نے جھوٹ بولا تھا اب مہربانی فرما کر زانی کی تعزیر اور تہمت زنا کی تعزیر سے مطلع فرمائیں اور مالی تعزیر فرمادیں ؟ المستفتی نمبر ۱۷۴۳ سید محمد حسین صاحب (ضلع جالندھر) ۱۴ رمضان ۱۳۵۴ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۷۱) شریعت میں مالی تعزیر نہیں ہے(۱) اور زنا اور تہمت زنا کی جو سزا ہے وہ آج کل جاری نہیں ہو سکتی کیونکہ حکومت موجودہ کے قانون کے مطابق نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کو زانی یا تہمت لگانے والوں کو سزا دینے پر قدرت نہیں(۲) ہاں تنبیہ کرنے کے لئے اس کو اپنی پنچایت اور کھانے پینے سے علیحدہ کر سکتے ہیں اور جب تک وہ توبہ نہ کرے اس وقت تک اس کو علیحدہ رکھیں(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مالی جرمانہ جائز نہیں

(سوال) ایک قوم کی دو پارٹیوں میں کچھ نزاع تھی اب وہ اتفاق کے لئے دو ثالث مقرر کرتے ہیں اور ان سے بیان کرتے ہیں دونوں ثالث مسجد میں جا کر فیصلہ سناتے ہیں کہ تین صاحب تو تین حصے دے دیویں اور تین صاحب مسجد میں پانچ پانچ بدھنے دے دیویں ایک شخص کہتا ہے کہ یہ تاوان جو مجھ پر ڈالا گیا ہے میں بے گناہ ہوں اور پنچایت ان کا بے گناہ ہونا تسلیم کرتی ہے آیا عند الشرع ان کا قصور معاف ہو سکتا ہے ؟ اور یہ فیصلہ از روئے شرع ٹھیک ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۷۷۵ قیام الدین (جیپور) ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۷۲) معاملہ جس کے لئے ثالثی مقرر کی گئی تھیں ہمیں معلوم نہیں اور سوال میں یہ مذکور نہیں کہ اس نے دو فریقوں پر تاوان کس سلسلے میں عائد کیا اس لئے اس فیصلے کی صحت و عدم صحت کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی اجمالاً اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ تعزیر بالمال ہمارے نزدیک جائز و صحیح نہیں ہے(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

قاضی کو مالی جرمانہ کرنے کا حق نہیں

(سوال) کیا شرعاً قاضی کسی معاملے میں جرمانہ کر سکتے ہیں ؟ اور کیا وہ جرمانہ کا روپیہ اپنے ذاتی تصرف

---

(۱) والحاصل ان المذهب عدم التعزير باخذ المال (رد المحتار' مطلب في التعزير باخذ المال' ٤/ ٦٢ ط سعيد

(۲) فيشترط الامام لا ستيفاء الحدود (رد المحتار' فصل فيما يوجب القود و فيما لايوجبه' ٦/ ٥٤٩ ط سعيد)

(۳) فتبين هذا السبب المسوغ للهجر وهو لمن صدرت عنه معصية فيسوغ لمن اطلع عليها منه هجره عليها ليكف عنها..... قال المهلب غرض البخاري من هذا الباب' ان يبين صفته الهجران الجائز' وانه يسوغ بقدر الجرم فمن كان من اهل العصيان يستحق الهجران بترك المكالمة كما في قصة كعب و صاحبيه(فتح الباري' شرح صحيح البخاري' باب ما يجوز من الهجران لمن عصى' ١٠/ ٤١٥ ط مكتبه مصطفى' مصر)

(٤) والحاصل ان المذهب عدم التعزير باخذ المال (رد المحتار' مطلب في التعزير باخذ المال' ٤/ ٦٢ ط سعيد)

میں لا سکتے ہیں ؟

(جواب ۱۷۳) جرمانہ کرنے کا قاضی کو حق نہیں ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جبراً فیصلہ کرنے کی اجرت لینا اور مالی جرمانہ لینا جائز نہیں.

(سوال) ہمارے یہاں یہ دستور ہے کہ اگر کسی سے لڑائی جھگڑا ہو تو پنچ اور سرداران محلہ ملکر انصاف کرتے ہیں اور اسامی و فریادی جانبین سے جھگڑا مٹانے کے بدلے کچھ روپیہ وصول کرتے ہیں اور اپنے تضیع اوقات کا بدلہ خیال کرتے ہیں اور وہ لوگ اس روپے کو آپس میں تقسیم کرتے ہیں آیا اس رقم کا لینا جائز ہے یا نہیں اگر جواب جواز میں ہے تو اس روپے کو نیک کاموں میں یعنی مسجد و مدرسہ میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں اور اس کے بعد کچھ جرمانہ بھی کرتے ہیں اس کو بھی مسجد وغیرہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۹۲۱ محمد انصار الدین صاحب (آسام) ۲۵ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۷۴) جبراً فیصلہ کرنے کی اجرت لینا(۱) یا جرمانہ(۲) وصول کرنا جائز نہیں ہے ایسے روپے کو مدرسہ مسجد اور نیک کام میں صرف کرنا بھی ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مالی جرمانہ جائز نہیں

(سوال) ایک شخص امام مسجد بھی ہے اور اسکول میں معلم قرآن شریف بھی ہے اور نائب قاضی بھی ہے بعدم موجودگی قاضی صاحب قصداً نکاح پڑھایا کہ جیسے اجرت نکاح کا مفاد ہو ان سے اس معاملہ کی شکایت ہونے پر جواب طلب کیا گیا وقت مقررہ تک کوئی جواب نہیں دیا اور نہ اب تک دیا لہذا مطابق قواعد انجمن جیسا کہ ملازمان انجمن کے لئے طے شدہ ہے ان پر صدر نے ۸ / آنے جرمانہ کیا لہذا استدعا ہے کہ جواب باصواب مرحمت فرمائیں ؟ المستفتی نمبر ۲۱۱۵ جناب پریذیڈنٹ صاحب انجمن اسلامیہ (بتیا) ۱۱ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۷۵) مالی جرمانہ کرنا جائز نہیں ہے(۴) یہ جرمانہ واپس کیا جائے اور ان کو تنبیہ کردی جائے کہ اگر وہ آئندہ ایسا کریں گے تو ان کو نائب قاضی کے عہدے سے موقوف کردیا جائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) والحاصل ان المذهب عدم التعزير باخذ المال (رد المحتار' مطلب في التعزير باخذ المال ٤/ ٦٢ ط سعيد)

(۲) اذلا يجوز لا حد من المسلمين اخذ مال احد بغير سبب شرعي (عالمگيريه' فصل في التعزير ٢/ ١٦٧ ط ماجديه' كوئٹه)

(۳) والحاصل ان المذهب عدم التعزير باخذ المال (ردالمحتار' مطلب في التعزير باخذ المال ٤/ ٦٢ ط سعيد)

(٤) حوالہ بالا

جرمانہ میں لی ہوئی رقم مالکوں کو واپس کی جائے

(سوال) کچھ رقمیں وصول شدہ جرمانہ وچندہ تنظیم کمیٹی کی جمع ہیں 'ان رقموں کو کون سے مصرف میں لگانا جائز ہے؟ تنبیہاً جرمانہ یا تاوان لیکر کسی قسم کی تنبیہ کرنی جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۱۳۱ نصیر الدین ضلع رنگپور ۔ ۲۲ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۵ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۷۶) جرمانے کی رقمیں تو واپس کی جائیں اور چندہ جس کام کے لئے لیا گیا ہے 'اس میں خرچ کیا جائے مالی تعزیر یعنی جرمانہ کرنا جائز نہیں(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) گناہ کی ترغیب دینے والے پر مالی جرمانہ جائز نہیں.
(۲) تہمت لانے والے سے مالی جرمانہ لینا جائز نہیں

(سوال) (۱) جو مسلمان کسی مسلمان کو گناہ کی ترغیب دے اس پر اگر جرمانہ کیا جائے تو کیسا ہے؟(۲) ایک شخص تہمت چوری یا ڈاکہ کی لگاتا ہے اگر چند مسلمان دیندار اس پر جرمانہ کریں تو کیسا ہے؟ المستفتی نمبر ۱۸۲۹ شاہ محمد ضلع اعظم گڈھ ۔ ۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۷۷) (۱) گناہ کی ترغیب دینا ایسا ہی گناہ ہے جیسے اس گناہ کا ارتکاب کرنا(۲) مالی جرمانہ کرنا درست نہیں(۳)(۲) تہمت لگانا بڑا گناہ ہے مگر تہمت لگانے والے پر مالی جرمانہ کرنا درست نہیں کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مالی جرمانہ جائز نہیں' رقم مالک کو واپس کی جائے.
(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) کچھ عرصہ ہوا مسمی میر بادشاہ نے اپنی حقیقی بہن ایک شیعہ کے نکاح میں دے دیا ہے ان بھائی بہن کا اپنی ماں زندہ ہے جو محمد شیر کے نکاح میں ہے اسی وجہ سے یہ بھائی بہن محمد شیر کے مکان میں رہتے ہیں مسجد کے پیش امام ملا بلال صاحب اور خان زادہ غلام احمد خاں نے محمد شیر جو کہ لڑکی کا سوتیلا باپ ہے اس کے خلاف احتجاج شروع کیا اور روزانہ مسجد میں وعظ کرتے رہے اور اہل سنت والجماعۃ کو متنبہ کیا کہ آئندہ کے لئے محمد شیر سے جس نے لڑکی کو شیعہ کے نکاح میں دے دیا ہے ہر قسم کا بائیکاٹ کریں

---

(۱) والحاصل ان المذهب عدم التعزير باخذ المال (رد المحتار' باب التعزير' مطلب في التعزير باخذ المال ٤/ ٦٢' ط سعيد)

(۲) عن ابي هريرة ان رسول الله ﷺ قال : ومن دعا الى ضلالة كان عليه من الاثم مثل آثام من تبعه' لا ينقص ذلك من آثامهم شيئاً (صحيح الامام مسلم' باب من سن سنة حسنة او سيئة ومن دعا الى هدى او ضلالة ٢/ ٣٤١ ط قديمي كتب خانه' كراچی)

(۳) والحاصل ان المذهب عدم التعزير باخذ المال (رد المحتار' مطلب في التعزير باخذ المال ٤/ ٦٢ ط سعيد)

کیونکہ یہ لوگ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا محمد شیر نے تنگ آکر مولانا کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور عرض کیا کہ میرا کیا قصور ہے اس کی تمام تر ذمہ داری اس کے بھائی میر بادشاہ پر عائد ہوتی ہے اس پر دوبارہ جلسہ ہوا اس میں یہ قرارداد پاس ہو گیا کہ اس معاملہ میں محمد شیر اور اس کی عورت کے ہاتھ ہے اس لئے اس پر مبلغ بیس روپے جرمانہ اور لڑکی اور لڑکی کے بھائی کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں رکھو گے ورنہ پھر بائیکاٹ کی جاوے گی محمد شیر نے مبلغ بیس روپے ملا صاحب کو دے دیئے اور کہا کہ مسجد کی مرمت ہو رہی ہے یہ روپیہ اس میں لگا دیا جائے ملا صاحب نے کہا کہ یہ روپیہ حرام ہے دوسرے تمہارا ثواب جاتا رہے گا اس لئے یہ مجلس جس نے یہ فیصلہ کیا ہے اس کا پلاؤ کھائیں گے محمد شیر نے اعتراض کیا کہ مسجد کے لئے حرام اور پلاؤ کے لئے حلال! یہ کیسا شریعت ہے ؟

(جواب ۱۸۷) یہ بیس روپے جو شیر محمد سے لئے گئے ہیں ناحق لئے گئے ہیں محمد شیر کو واپس دیئے جائیں(۱) پھر اگر محمد شیر اپنی خوشی سے مسجد میں دیدے تو مسجد میں لگانا جائز ہوگا اس کی حقیقی اجازت اور رضامندی کے بغیر مسجد میں لگانا بھی جائز نہیں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مالی جرمانہ جائز نہیں' وصول شدہ رقم مالک کو واپس کی جائے .

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید کی عورت کو بکر اغوا کر کے لے گیا پنچایت نے بکر سے زید کی عورت زید کو واپس دلوا دی اور بکر پر زر نقد کا کچھ جرمانہ کیا یہ جرمانہ انجمن اسلامیہ تھانیسر (ضلع کرنال) کے فنڈ میں مدرسہ اسلامیہ وغیرہ کے خرچ یعنی مرمت مکان مدرسہ کے لئے دیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۷۹) جرمانہ کا روپیہ وصول کرنا ناجائز ہے جس سے لیا گیا ہے اسے واپس دیا جائے(۳) کسی نیک کام میں بدون رضامندی مالک کے خرچ نہیں ہو سکتا ہاں اگر وہ شخص جس سے روپیہ وصول کیا گیا ہے خود اجازت دیدے اور بجائے واپس لینے کے مدرسہ میں لگا دینا پسند کرے تو پھر مدرسہ میں لگایا جا سکتا ہے.(۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

---

(۱) مرجع سابق

(۲) عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمر قال. قال رسول اللہ ﷺ الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرء الا بطیب نفس منہ (مشکوۃ المصابیح' باب الغصب والعاریہ ۱/ ۲۵۵' ط سعید)

(۳) والحاصل ان المذھب عدم التعزیر باخذ المال (رد المحتار' باب التعزیر' مطلب فی التعزیر باخذ المال ٤/ ٦٢ ط سعید)

(٤) وعن ابی حرۃ الرقاشی عن عمر قال. قال رسول اللہ ﷺ : الا لا تظلموا الا لا یحل مال امری الا بطیب نفس منہ (مشکوۃ المصابیح' باب الغصب والعاریہ' ۱/ ۲۵۵ ط سعید)

چوتھا باب
قصاص ودیت

شبہ کی وجہ سے قاتل سے قصاص ساقط ہے ٗ دیت مغلظہ اور کفارہ لازم ہے

(سوال) متعلقہ قصاص

(جواب ۱۸۰) بسم اللہ سبحانہ — خاکسار نے احمد سعید مقتول اور جمیل احمد خاں قاتل کے مقدمہ ٗ قتل کے متعلق حسب ذیل کاغذات بغور دیکھے۔ اول بیان مقتول۔ دوم بیان ڈاکٹر۔ سوم بیان تصدیق احمد عہدہ دار پولیس۔ چہارم بیان نبی بخش گواہ۔ پنجم بیان رمضانی گواہ۔ ششم بیان اسمعیل خان کانسٹیبل۔ ان میں سے مقتول کا بیان تو صرف دعویٰ ہے ڈاکٹر کا بیان ظن و تخمین سے زیادہ وقیع نہیں تصدیق احمد کا بیان بھی شہادت معائنہ نہیں نبی بخش ور مضانی یہ دونوں واقعہ کے شاہد ہیں اسمعیل خان بھی من وجہ واقعہ کا شاہد ہے جمیل احمد خاں کا احمد سعید کی ناک کاٹنا تینوں کی شہادت سے بلا اختلاف ثابت ہے اور باقی پیٹ اور رانوں وغیرہ پر چاقو وغیرہ سے زخم لگانا نبی بخش اور رمضانی کی شہادت سے مع تھوڑے اختلاف کے ثابت ہے مثلاً نبی بخش کے بیان میں ہے کہ جمیل احمد نے احمد سعید کے پیٹ میں دو تین ضربیں لگائیں حالانکہ ڈاکٹری معائنہ اور رمضانی کے بیان سے پیٹ میں متعدد ضربیں ثابت نہیں ہوتیں لیکن یہ اختلاف مضر نہیں ہے ممکن ہے کہ قاتل نے دو تین مرتبہ ہاتھ چلایا لیکن ایک ہاتھ لگا اور باقی وار خالی گئے اور رمضانی نے صرف ایک وار دیکھا باقی نہ دیکھے ہوں اسی طرح اور بھی بعض جزوی اختلافات ہیں لیکن وہ بھی مضر نہیں اور خصوصاً ایسے وقت اور ایسے واقعہ کی شہادت میں مگر پھر بھی یہ شہادتیں اثبات قصاص کے لئے ناکافی ہیں اور اس کی کئی وجہیں ہیں۔

وجہ اول۔ گواہوں کی عدالت شرط مقبولیت شہادت لقوله تعالیٰ واشهدو اذوی عدل منکم (۱) وفی الهداية (۲) ولا بدفی ذلك كله من العدالة ولفظة الشهادة فان لم يذكر الشاهد لفظة الشهادة وقال اعلم او اتيقن لم يقبل شهادته' انتهى اور رمضانی کے بیان سے ثابت ہے کہ وہ تارک الصلوۃ عمداً ہے۔ اور ترک صلوۃ عمداً کبیرہ ہے' جس سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے اور نبی بخش پر مدعا علیہم نے جرح کرنی چاہی تھی جس کا انہیں حق تھا مگر عدالت نے اجازت نہ دی حالانکہ حدود و قصاص میں حاکم کا خود فرض ہے کہ شہود کی عدالت کے متعلق سوال کرے۔ ولا یسال عن حال الشهود حتى يطعن الخصم الا فی الحدود والقصاص فانه يسال عن الشهود (كذافی الهداية) (۳) وجہ دوم نبی بخش احمد سعید کا نوکر ہے اور اجیر کی گواہی مستاجر کے لئے جائز نہیں۔ اما

---

(۱) الطلاق ۲

(۲) کتاب الشهادة' ۳/ ۱۵٦ ط مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان

(۳) مرجع سابق

الاجير الواحد وهو الذى استاجر ہ مياومة او مشاهرةً او مساهة باجرة معلومةً لا تقبل استحساناً (فتاویٰ عالمگیری) (۱)

لا يقال ان شهادة نبی بخش ليست من باب شهادة الا جير للمستاجر فان المستاجر قد مات وانقطعت الاجارة بموته والشهادة للاولياء فان نفعها عائد اليهم لانا نقول مبنى الرد انما هو التهمة وهي موجودة ههنا و ايضا ان القصاص موجبه موجب الوارثة عند ابی يوسف و محمد حتى يثبت الملك فيه للمورث ابتداء ثم للوارث ولذا لوانقلب مالا يكون له فعلى هذا رجوع نفع شهادة الاجير الى مستاجره لازم كانه يشهد له والموضع احتياط فيجب التحرز عن الشبهة والله اعلم (كفاية الله)

وجہ سوم۔ لفظ شہادت کا ذکر کرنا بھی شرط مقبولیت ہے اور یہ کسی گواہ کے بیان میں نہیں ہے اور یہ لفظ ”حلف مذہبی بیان کرتا ہوں“ قائم مقام لفظ شہادت کے نہیں ہو سکتے۔ لما مرمن عبارة الهداية وفي الهندية (۲) وهل نشترط لفظة الشهادة قال مشائخ بلخ و مشائخ بخار انشترط وقال مشائخ العراق لا نشترط كذافى المحيط والقدورى اعتمد على الاول و عليه الفتوى كذافى الخلاصة وجہ چہارم۔ گواہان ثلثہ میں سے کسی گواہ کے بیان سے یہ ثابت نہیں کہ پیٹ کا زخم جو سبب موت ہوا ہے وہ اس نے جمیل احمد کے چاقو سے لگتے ہوئے دیکھا ہے پیٹ پر چاقو چلانا سب بیان کرتے ہیں اسی طرح کپڑوں اور مقتول کے پاؤں پر خون بہتا ہوا دیکھنا سب بیان کرتے ہیں لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ چاقو سے پیٹ میں زخم لگتے میں نے دیکھا ہے۔

پس یہ وجوہ اربعہ اس بات کو مستلزم ہیں کہ حکم قصاص اس شہادت پر نہیں دیا جا سکتا لیکن قصاص کا مندفع ہو جانا اس امر کو بھی مستلزم نہیں کہ جمیل احمد بالکل بری سمجھا جائے قصاص چونکہ شبہ سے بھی ساقط ہو جاتا ہے اس لئے اس کے سقوط سے برأت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس پر دیت مغلظہ و کفارہ لازم ہوگا والله اعلم و علمه اتم واحكم کتبہ محمد کفایت اللہ مدرس مدرسہ امینیہ سنہری مسجد دہلی ۲۱ اکتوبر ۱۹۱۶ء

تلوار سے بھی تیز آلہ سے قصاص لینا بنسبت تلوار کے اولیٰ ہے۔

(سوال) تلوار سے استیفائے قصاص میں بسا اوقات بلکہ ہمیشہ یہ صورت پیش آتی ہے کہ دو تین مرتبہ بھی تلوار مارنے سے جب گردن علیحدہ نہیں ہوتی تو اس کو حالت گر جانے کے تلوار کو بطور چھری کے گردن پر چلایا جاتا ہے گویا ذبح کیا جاتا ہے تو اگر استیفائے قصاص تلوار سے نہ کیا جائے بلکہ بجائے تلوار

---

(۱) الفصل الثالث فيما لا يقبل شهادته للتهمة ۳/ ۴۷۰ ط ماجديه كوئته

(۲) الباب الاول في تعريفها و ركنها و سبب ادائها ۳/ ۴۵۱ ط ماجديه كوئته

کوئی دوسرا آلہ دھار دار ایسا استعمال کیا جائے کہ وہ آلہ قاتل کی گردن کے محاذ میں اوپر سے چھوڑا جائے اور وہ آلہ ایسا تیز ہو اور اس کے ساتھ بوجھ ہو کہ یکایک گردن قاتل پر گرے اور فوراً اپنی تیزی اور ثقل کی وجہ سے گردن کاٹ کر الگ کردے یہ صورت شرعاً جائز ہوگی یا نہیں ؟ **المستفتی نمبر ۷۶۴** حضرت مولانا محمد حسن صاحب دفتر دارالقضاء بھوپال ۱۴ رجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۵ء۔

(**جواب ۱۸۱**) حنفیہ نے قصاص کے بارے میں یہ ضرور کہا ہے **ولا یقاد الا بالسیف** (۱) یعنی استیفائے قصاص صرف تلوار کے ذریعہ سے کیا جائے مگر اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ قتل کی دوسری صورتوں کو مثلاً پتھر سے کچل دینا پانی میں غرق کردینا لاٹھیوں سے مار کر ہلاک کردینا اختیار نہ کیا جائے بلکہ دھار دار آلہ سے ہی قتل کیا جائے تلوار کی شخصی صورت مراد نہیں ہے بلکہ نیزہ و خنجر کی اجازت بصراحت موجود ہے **وفی الدرر عن الکافی المراد بالسیف السلاح قلت و به صرح فی المضمرات حیث قال والتخصیص باسم العدد لا یمنع الحاق غیره به الا تری انا الحقنا الرمح والخنجر بالسیف فی قوله علیه السلام لا قود الا بالسیف انتهی (درمختار)** (۲) **و الحق ان یکون المراد بالسیف فی الحدیث المزبور السلاح مطلقا بطریق الکنایة کما اشار الیه المصنف بقوله والمراد به السلاح (فتح القدیر)** (۳) **و عن عبدالله بن مسعود واخرجه البیهقی ایضاً من الحدیث ابراهیم عن علقمة عنه ولفظة لا قود الا بالسلاح (عینی شرح بخاری)** (۴) پس صورت مسئولہ میں جس آلہ جارحہ کا ذکر ہے وہ سلاح میں داخل ہے اور بوجہ اس کے کہ اس کے ذریعہ سے استیفائے قصاص میں مقتول کو زیادہ تکلیف نہیں بلکہ تلوار کی نسبت اس کے لئے آسانی ہے بجائے تلوار کے اس کو کام میں لانا اولی ہوگا **لقوله علیه السلام ان الله تبارك و تعالی کتب الاحسان علی کل شئی فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة (الحدیث رواه مسلم** (۵) **کذافی المشکوة)** (۶) **والمراد بها المستحقة قصاصاً او حداً والا حسان فیها اختیاراً سهل الطرق واقلها ایلاماً (مرقاة شرح مشکوة)** (۷) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) تنویر الابصار مع رد المحتار' فصل فیما یوجب القود ومالا یوجبه ۶/۵۳۷' ط سعید

(۲) ایضا

(۳) باب ما یوجب القصاص وما لا یوجبه ۸/۲۶۱' ط مصر

(۴) باب سوال القاتل حتی یقر والا قرار فی الحدود ۲۴/۳۹ ط بیروت

(۵) باب الامر باحسان الذبح والقتل و تحدید الشفرة ۲/۱۵۲' ط قدیمی کتب خانه' کراچی

(۶) کتاب الصید والذبائح' الفصل الاول ص ۳۵۷' ط سعید

(۷) حواله بالا' ۸/۱۱۵ ط امدادیه' ملتان

مظلوم مقتول حملہ کرنے والے کو بھی قتل کردے تو ظالم کا خون رائیگاں ہے، مظلوم کا قصاص یا دیت واجب ہے۔

(سوال) شخصے زمین خود بندوبست کرد شخصے دیگر گفت بہ صاحب زمین کہ من ایں بند را بستن نہ دہم۔ شخص صاحب زمین گفت بوے یعنی بہ مدعی باطل بیا رویم من و تو نزد حکومت یا نزد قاضیش تا کہ فیصل منتظم پذیرد مگر مدعی باطل قبول نہ نمود پس بعد انکارش صاحب زمین بستن زمین خود شروع کرد آں مدعی باطل بر آشفت و آمد بر آں زمین و یک شخص دیگر ہمراہ او و لعن طعن کردن۔ و چند طمانچہ زدند و بعدہ صاحب زمین کار خود گذاشت کہ طرف حکومت می رود و روانہ شد پس پسران مدعی باطل معہ شخصے دیگر رفتند و بزدندش احاصل این ست کہ صاحب زمین را کشتند و صاحب زمین ہم پسر مدعی باطل را کشت ازاں دو۔

المستفتی نمبر ۱۶۴۷ مولوی عبدالرحمان (کاٹھیاواڑ) ۲۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۳۱ جولائی ۱۹۳۷ء۔

(ترجمہ) ایک شخص اپنی زمین کا بندوبست کر رہا تھا ایک دوسرے آدمی نے مالک زمین سے کہا کہ میں بندوبست نہیں کرنے دوں گا۔ مالک زمین نے مدعی باطل سے کہا کہ آؤ ہم تم حاکم کے پاس چلیں اور فیصلہ کرالیں مگر وہ مدعی باطل اس پر راضی نہ ہوا اور مالک زمین نے بھی اپنی زمین کا بندوبست شروع کر دیا۔

اس پر مدعی باطل آمادہ فساد ہو گیا اور ایک اور آدمی کے ہمراہ مالک زمین سے مار پیٹ شروع کر دی پھر مالک زمین نے اپنا کام چھوڑ کر حاکم کے پاس جانے کا ارادہ کیا اس کے بعد مدعی باطل کے لڑکے اور ایک تیسرا شخص آئے اور مالک زمین کو قتل کر دیا۔

اور مالک زمین نے بھی مدعی باطل کے دو لڑکوں میں سے ایک کو قتل کر دیا۔

اس کا حکم شرعاً کیا ہے؟

(جواب) (از مولانا عبدالرحمن صاحب) **لا علم لنا الا ما علمتنا الخ** خون پسر مدعی باطل ہدر و عاطل است و خون صاحب زمین باقی و ثابت است بر کشندہ و معین مدعی باطل چنانچہ منقول است در ہدایہ

(ترجمہ) مدعی باطل کے لڑکے کا خون ہدر اور عاطل (رائیگاں) ہے اور مالک زمین کا خون مدعی باطل کے ان مددگاروں پر باقی و ثابت ہے جو اس قتل میں شریک تھے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

در ہدایہ : **ومن شهر على المسلمين فعليهم ان يقتلوه لقوله عليه السلام من شهر على المسلمين سيفا فقد اطل دمه ولانه باغ فتسقط عصمته ببغيه و فى سرة (الجامع الصغير) ومن شهر على رجل سلاحا ليلا او نهارا او شهر عليه عصا ليلا فى مصر او نهارا فى طريق فى غير مصر فقتله المشهور عليه عمدا فلا شئى عليه لما بينا وهذا لان السلاح لا يلبث فيحتاج الى دفعه بالقتل و العصا الصغيرة وان كان يلبث ولا كن فى الليل لا يلحقه الغوث فيضطر الى دفعه بالقتل وكذا فى النهار فى غير المصر فى الطريق لا يلحقه الغوث فاذا قتله**

كان دمه هدراً قالوا فان كان عصا لا تلبث يحتمل ان يكون مثل السلاح عندهما هدايه(۱) باب القصاص والله اعلم

بندہ عبدالرحمن ابن رمضان بلوچ باہوائی تابع ایران۔ سند یافتہ از مولانا برکات احمدؒ ٹونکی۔

(جواب ۱۸۲) (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہاں عین حملہ کی حالت میں اگر مظلوم نے حملہ کرنے والے ظالم کو قتل کر دیا تو ظالم مقتول کا خون بدر ہوتا ہے اور مظلوم کے خون کا قصاص یا دیت (جیسی صورت ہو) واجب ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

استاذ کے جائز ڈرانے دھمکانے سے بچہ جان دیدے تو استاذ پر گناہ نہیں!

(سوال) اگر کوئی نابالغ بچہ کسی مربی استاد یا آقا کے خوف و دہشت یا ڈرانے دھمکانے سے یکایک خوف زدہ ہو کر جان دیدے یا خود کشی کرے یا فرار ہونے کی نیت سے نکل جائے اور راستہ میں لقمہ اجل بن جائے تو اس کا عذاب کس پر عائد ہوگا جب کہ مربی یا آقا کی نیت اس کی فلاح و بہبودی کی ہو اگر یہ گناہ ہے تو اس کا کفارہ کیا ادا کرنا ہوگا آیا ڈرانے دھمکانے والے اس سے مستثنیٰ ہوں گے؟ **المستفتی نمبر ۱۶۸۲** محمد مظہر الدین صاحب (امبا) ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۳ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۸۳) اگر مربی استاد آقا نے بچہ کو جائز حدود کے اندر تنبیہ کی ڈرایا دھمکایا مارا اور بچہ نے خوفزدہ ہو کر جان دیدی یا بھاگا اور اس میں لقمہ اجل ہو گیا تو اس کا گناہ اس مربی استاد و آقا پر نہ ہوگا(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

پانچواں باب
قتل اور خود کشی

قاتل غیر اسلامی حکومت کے فیصلہ پر دس سال سزا کاٹ کر آزاد ہو جائے تو گناہ سے بری الذمہ سمجھا جائے گا اور ثاء کو خون بہا دینا ہوگا!

(سوال) ایک شخص جو ایک مسلمان کو بے گناہ قتل کرنے کے جرم میں از روئے تعزیرات ہند انگریزی فیصلہ عدالت کے مطابق سات یا دس سال قید بھگت چکا ہو کیا شرعاً بھی اس کے لئے یہی سزا کافی سمجھی جائے گی۔؟

---

(۱) باب ما یوجب القصاص وما لا یوجبه ٤ / ٥٦٧ ط مکتبه شرکت علمیه ملتان

(۲) فضرب التادیب مقید لانه مباح و ضرب التعلیم لا نه واجب و محله فی الضرب المعتاد (الدر المختار مع رد المحتار فصل فی الفعلین ٦ / ٥٦٦ ط سعید)

اور کیا وہ شخص مقتول کے وارثوں کو خون کا معاوضہ دیئے بغیر اس گناہ سے بری الذمہ سمجھا جائے گا اور اگر مذکورہ بالا سزا قاتل کے حق میں شرعی سزا نہ سمجھی جائے اور نہ ہی مقتول کے وارثوں کو خون کا معاوضہ دیا گیا ہو تو ایسی حالت میں وہ شخص (قاتل) امامت کے لائق ہے یا نہیں؟ **المستفتی** نمبر ۲٦ سید شاہ محمود۔ کراچی۔ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۷/ اگست ۱۹۳۳ء

(جواب) (از نائب مفتی) اگر در حقیقت یہ شخص قتل کے جرم کا مرتکب ہے تو مقتول کے ورثہ کا حق قصاص کا یا دیت یعنی خون کا معاوضہ مالی ہوگا اور یہ سزا مرقوم کافی نہ ہوگی(۱) لہذا یہ شخص جب تک کہ ورثہ کے لئے حق خون کا ادا نہیں کرے گا یا معافی نہیں مانگے گا اور توبہ نہیں کرے گا اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔ (۲) فقط واللہ اعلم۔

اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ

الجواب صحیح۔ بندہ محمد یوسف عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

(جواب ۱۸٤) (از حضرت مفتی اعظمؒ) جواب صحیح ہے مگر کسی شخص کو قاتل قرار دینے کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود اقرار کرے یا کسی باقاعدہ شرعی عدالت میں اس کے اوپر شہادت شرعیہ سے جرم قتل ثابت ہو گیا ہو(۳) اور اگر یہ صورت نہ ہو تو عام مسلمانوں کو اس امر کا یقین کرنا کہ فلاں شخص قاتل ہے اور اس کے ساتھ قتل کی طرح معاملات کرنا درست نہیں۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ، دہلی

کیا قومی مفاد کے لئے خودکشی گناہ کبیرہ ہے......؟

(سوال) زید نے قومی مفاد کے لئے اپنی جان کو بندوق چاقو یا زہر سے یا اپنی جان کو بھوک اور پیاس میں رکھ کر ہلاک کرنے کا ارادہ کیا یہ فعل عمداً ہے کیونکہ لوگ اس کو روکتے ہیں مگر وہ باز نہیں آتا کیا ایسے شخص کو مرنے کے بعد شہید کہا جائے گا؟ **المستفتی** نمبر ۵۵۲ مولانا ابوالوفاق (ضلع ہزارہ) ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۸۵) جو فعل براہ راست قتل ہے مثلاً اپنے ہاتھ سے چھری یا چاقو سے اپنا گلا کاٹ لیا یا پیٹ پھاڑ ڈالا یا بندوق یا پستول سے گولی مار لی یا خود کو کنویں میں گرا دیا یا تنور میں کود پڑا یہ تو خودکشی ہے اور

---

(۱) وموجبه القود عيناً فلا يصير مالاً الا بالتراضي (تنوير الابصار و شرحه الدر المختار مع رد المحتار كتاب الجنايات ٦/٥٢٩ ط سعيد)

(۲) و تكره امامة عبد واعرابي وفاسق (تنوير الابصار) قال المحقق في الشاميه, قوله: وفاسق) من الفسق وهو الخروج من الاستقامة و لعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني و آكل الربوا و نحو ذلك (باب الامامة ۱/٥٦٠ ط سعيد)

(۳) والطريق فيما يرجع الى حقوق العباد المحضه عبارة عن الدعوى والحجة، وهي اما بالبينة او الا قرار (رد المحتار : مطلب الحكم الفعلي ٥/٣٥٤ ط سعيد)

یقیناً گناہ کبیرہ ہے(۱) اور جو فعل کہ براہ راست قتل نہیں ہے بلکہ مفضی الی القتل ہو سکتا ہے مثلاً تنہا ہزاروں دشمنوں پر حملہ کر دیا ان کی صفوں میں گھس گیا یا کھانا ترک کر دیا کہ جب تک فلاں مطالبہ پورا نہ ہو گا کھانا نہ کھاؤں گا ایسے افعال اچھی نیت سے اچھے اور بری نیت سے برے ہو سکتے ہیں یعنی ان کو علی الاطلاق خود کشی قرار دینا اور بہر صورت حرام اور گناہ کہہ دینا درست نہیں(۲) محمد کفایت اللہ

خود کشی کرنے والے کی مغفرت کے لئے ورثا صدقہ و استغفار کریں.

(سوال) ایک شخص نے عمداً اپنے نفس کو بذریعہ بندوق ہلاک کر دیا اور پوسٹ مارٹم ہونے کے بعد دفن ہوا۔ چونکہ آیت کریمہ ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق(۳) ہے اور دوسری جگہ فرمایا **ومن یقتل مؤمنا متعمداً فجزاءه جهنم خالداً فیها و غضب الله علیه و لعنه و اعدله عذاباً الیماً**(۴) اس سے صاف ظاہر ہے کہ عذاب میں مبتلا ہو گا اب اس کی تلافی کے لئے اس کے پسماندگان کیا کریں؟ **المستفتی** نمبر ۸۹۳ نواب لئیق احمد خاں۔ پانی پت ۶ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۸ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۸۶) دوسری آیت کا مضمون اس شخص پر عائد نہیں ہوتا جس نے خود کشی کر کے اپنی جان کو ضائع کر دیا تاہم خود کشی ایک گناہ اور سخت گناہ ہے(۵) اور اب متوفی کے وارث اس کی مغفرت کے لئے استغفار اور صدقہ ہی کر سکتے ہیں ان کے اختیار میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے اس کے لئے دعائے مغفرت کریں حق تعالیٰ غفار و رحیم ہے اور جو ممکن ہو صدقہ کر کے ایصال ثواب کریں(۶) لیکن صدقہ ترکہ مشترکہ میں سے نہ کیا جائے اور اس کام کے لئے قرض بھی نہ لیا جائے۔

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) ومن قتل نفسه ولو عمداً یغسل ویصلی علیه به یفتی وان کان اعظم وزراً من قاتل غیره (تنویر وشرحه) قال المحقق فی الشامیه (قوله به یفتی) لانه فاسق غیر ساع فی الارض بالفساد وان کان باغیا علی نفسه کسائر فساق المسلمین (مطلب فی صلوة الجنازة ۲/۲۱۱ ط سعید)

(۲) بنی اسرائیل : ۳۳

(۳) النساء : ۹۳

(٤) لکن ذکر فی شرح السیر انه لا باس ان یحمل الرجل وحده وان ظن انه یقتل اذا کان یصنع شیئاً بقتل او بجرح او بهزم فقد فعل ذلک جماعة من الصحابة بین یدی رسول الله ﷺ یوم احد و مدحهم (رد المحتار' مطلب اذا علم انه یقتل یجوز له ان یقاتل' ٤/۱۲۷ ط سعید) قال النبی ﷺ : انما الاعمال بالنیات وانما لامرء ما نوی (الحدیث) (صحیح البخاری' باب کیف کان بدء الوحی الی رسول الله ﷺ ۱/۲ ط قدیمی کتب خانه' کراچی)

(٥) ومن قتل نفسه ولو عمدا یغسل و یصلی علیه به یفتی وان کان اعظم وزراً من قاتل غیره (تنویر و شرحه) قال المحقق فی الشامیه (قوله ۔ وبه یفتی) لانه فاسق غیر ساع فی الارض بالفساد وان کان باغیاً علی نفسه کسائر فساق المسلمین (مطلب فی صلوة الجنازة ۲/۲۱۱' ط سعید)

(٦) صرح علمائنا فی باب الحج عن الغیر : بان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوة او صوما او صدقة او غیرها (رد المحتار' مطلب فی القراة للمیت واهداء ثوابها له' ۲/۲٤۳' ط سعید)

قاتل جرم قتل پر پھانسی دی جانے سے پہلے توبہ کرے تو نجات کا مستحق ہو سکتا ہے!

(سوال) متعلقہ توبہ قاتل

(جواب ۱۸۷) اگر قاتل کو اس کے جرم قتل میں پھانسی دی جائے اور پھانسی پانے والا پھانسی سے پہلے توبہ بھی کر لے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں نجات کا مستحق ہو (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

چھٹا باب
سرقہ

چوری کی ہوئی رقم مالک کو واپس کی جائے.

(سوال) ایک سیٹھ جس کا بیوپار پردیس میں ہے اس کے ہاں دو نوکر ہیں زید اور بکر سیٹھ کی دکان سے زید اور بکر نے مل کر پوشیدہ طریقہ پر روپیہ چوری کیا زید اپنی مدت ملازمت پوری ہونے پر روپیہ ساتھ لیکر وطن کی طرف روانہ ہوا راستے میں بمبئی ٹھہرا اور وہاں کسی دوکان پر چورایا ہوا روپیہ اپنے نام پر رکھنا چاہا شبہ ہونے پر اس سے روپیہ کی بابت سوال کئے گئے آخر اس نے قبول کیا کہ ایک تہائی روپیہ خود نے اور باقی روپیہ بکر نے سیٹھ کی دکان سے چرایا ہے بکر اس بات کا قطعی انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سراسر الزام ہے فی الحال وہ روپیہ سیٹھ کے پاس ہے اور وہ ایسا روپیہ کسی کار خیر میں صرف کرنا چاہتا ہے از روئے شریعت ایسا روپیہ کن کن کاموں میں صرف کیا جا سکتا ہے اگر مسلمان میت خانہ تیار کرنے میں صرف کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۳۵۶ حاجی رحمت اللہ (بانٹوا کاٹھیاواڑ) ۷ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۳۰ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۸۸) جس قدر روپے کا زید نے اقرار کیا ہے کہ اس نے سیٹھ کی دکان سے چورایا ہے اس قدر روپیہ سیٹھ کی ملک ہے اور سیٹھ اس کو جس کام میں چاہے صرف کر سکتا ہے میت خانہ بنانے میں بھی صرف ہو سکتا ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

ایضاً

(سوال) جواب فتویٰ ملا۔ شکریہ بکر گو اس بات کا انکار کرتا ہے کہ اس نے سیٹھ کی دکان سے روپیہ چرایا

---

(۱) لا تصح توبة القاتل حتى يسلم نفسه للقود (الدر المختار) قال المحقق فی الشامیه (قوله لا تصح توبة القاتل) ای لا تکفیه التوبة وحدها قال فی تبیین المحارم: واعلم ان توبة القاتل لا تکون بالا ستغفار والندامة فقط بل تتوقف علی رضاء اولیاء المقتول بان کان القتل عمدا لا بدان یمکنهم من القصاص منه، فصل فیما یوجب القود وما لا یوجبه: ۶ / ۵۴۹ ط سعید)

(۲) واذا قطع السارق والعین قائمة فی یده ردت علی صاحبها لبقائها علی ملکه کذا فی الهدایة (عالمگیریه: الفصل الرابع فی کیفیة القطع واثباته: ۲ / ۱۸۴ ط ماجدیه کوئٹه)

مگر چونکہ زید اس بات کی کہ اس نے چرایا ہے گواہی دیتا ہے اور بکر خود یہ منظوری دیتا ہے کہ دو تہائی چوری شدہ روپیہ (جو زید کہتا ہے کہ بکر نے چرایا ہے) کے لئے سیٹھ کو حق ہے چاہے جس طور پر استعمال کرے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بکر نے چرایا ضرور ہے مگر خود کو الزام سے بری رکھنے کے لئے انکار کرتا ہے فی الحال وہ دو تہائی چوری کردہ روپیہ بھی سیٹھ کے پاس ہے اور ایسی حالت میں جب کہ مشکوک بکر نے سیٹھ کو حق دیا ہے روپیہ کس طور پر استعمال کیا جائے ؟ المستفتی نمبر ۳۵۷ حاجی رحمت اللہ (بانٹوا۔ کاٹھیاواڑ)

(جواب ۱۸۹) جب بکر اس دو تہائی روپیہ کی بابت خود مدعی نہیں یعنی اپنی ملک ہونا بیان نہیں کرتا تو گویا زید اور بکر دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ وہ روپیہ سیٹھ کی ملک ہے گو اس کے حاصل کرنے کی صورت میں باہم اختلاف ہے اس لئے وہ روپیہ بھی سیٹھ کی ملک ہے اور سیٹھ کو اس کے خرچ کرنے کا بھی اختیار ہے خواہ اپنے صرف میں لائے یا کسی کار خیر میں صرف کردے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسروقہ مال مالک کو واپس کرنا یا اس سے معاف کرانا تکمیل توبہ کے لئے ضروری ہے !

(سوال) زید نے ڈاکے اور چوریاں کیں جن لوگوں کا مال کھایا اب تک وہ لوگ یا ان کی اولادیں زندہ ہیں ان لوگوں سے مال مسروقہ خوردہ بخشوایا نہیں ایسی ہی سوکھی توبہ کی ہے تو کیا ایسی توبہ شرعاً مقبول ہے ؟ ڈاکہ زنی کا زور جب ڈاکے اور چوری پر نہ ہو سکے بوجہ مجبوری توبہ کرے اور پیری مریدی کرے تو ایسا آدمی قابل بیعت ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۴۱۴ فقیر محمد (ضلع ہزارہ) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۹۰) جن لوگوں کا مال ڈاکہ اور چوری سے لیا ہے ان کا مال واپس کرنا یا ان سے معاف کرانا تکمیل توبہ کے لئے ضروری ہے توبہ فوراً لازم ہے اگر طاقت کے وقت توفیق نہیں ہوتی تو جس وقت ممکن ہو اسی وقت کرے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

بغیر اجازت سے کاٹی ہوئی سرکاری جنگلات کی لکڑیوں کا خرید نادرست نہیں .

(سوال) زید ایک ریاست کا باشندہ ہے اور یہ ریاست مسلمانوں کی جان ومال کی حفاظت کرتی ہے اور ہر طرح مذہبی آزادی دے رکھی ہے اس حالت میں زید سرکاری جنگلات کی ان لکڑیوں کو جن کا کاٹنا اور فروخت کرنا قانوناً ممنوع ہے چوروں سے کم قیمت پر خرید کر بیوپار کرتا ہے تو کیا اس قسم کی چوری کا مال

---

(۱) حوالہ بالا

(۲) وقسم يحتاج الى الزاد وهو حق الآدمي والزاد ههنا في الدنيا بالاستحلال او رد العين او بدله (مرقاة المفاتيح باب الكبائر و علامات النفاق ۱ / ۱۲۱ ط امدادیہ ملتان)

خفیہ طریقہ سے خرید کر تجارت کرنا جائز ہے ؟اور کیا ایسی چوری کے مال کے تاجر کی امامت جائز ہے ؟
المستفتی نمبر ۲۰۲۳ منشی رکن الدین صاحب (میسور) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۱۹۱) قانونی چوری سے بچانا ناموس و حفاظت عزت کے لئے لازم ہے جو لوگ چوری سے لکڑیاں کاٹ لاتے ہیں وہ سرکاری قانونی مجرم ہیں اور اگر وہ جنگل خود رو اور مباح الاصل نہ ہوں تو شرعی جرم بھی ہے(۱) پس ایسی مشتبہ مال کو خریدنا درست نہیں(۲) تاہم کسی شخص خاص پر فرد جرم عائد کرنے کے لئے بہت باتوں کی تحقیقات لازم ہو گی اس کے بعد کہیں امامت کے جواز یا عدم جواز کا معاملہ سامنے آئے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

شرکاء سے چوری چھپے شرکت کا مال بیچنے والے سے خریدنا جائز نہیں

(سوال) تین بھائی ہندو آپس میں شریک ہیں بڑا بھائی بلدر باہر کا مالک ہے چھوٹے بھائی نے اپنے دونوں بھائیوں سے چھپا کر اٹھارہ روپے کی سرسوں بدست حافظ عبدالرحمن فروخت کر دی بعد خرید نے کے حافظ صاحب موصوف کو خیال ہوا کہ یہ چوری کا مال ہے ہم پیسے بھی خرچ کریں اور پھر بھی حرام کھائیں اب اس سے واپسی کے لئے کہا تو اس نے کہا کہ ہمارے دونوں بھائی بھی ہم سے پوشیدہ طور پر فروخت کرتے ہیں ہم نے بھی اپنا مال سمجھ کر فروخت کیا ہے یہ چوری نہیں ہے اب اگر اس سے زیادہ اصرار واپسی پر کیا جاوے تو اس شرط سے واپس ہو گا کہ ہمارے ہی مکان پر کسی دوسرے بنیے کے ہاتھ پوشیدہ طور سے فروخت کرے گا جب ہمارا روپیہ وصول ہو گا۔ المستفتی مولوی عبدالرؤف خان۔ جگن پور

(جواب ۱۹۲) اگر اس بات کا علم ہو کہ یہ شخص شرکت کا مال چوری سے بیچتا ہے اور رقم خود اڑا لیتا ہے تو خریدنا ناجائز ہے اور خریدا ہوا مال واپس کرنا ضروری ہے اگر وہ واپس نہ کرے تو اس سے کہا جائے کہ ہم تیرے شرکاء سے کہہ کر واپس کرائیں گے اس مال کو لینا اور خود اس کی بیع کرنا یا اپنے کام میں لانا جائز نہیں(۳) نیز اس کو موقع دینا کہ وہ خریدار کے مکان میں چوری سے بیع کرے ناجائز ہے(۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) اما ان یکون ضررها بذی المال او به وبعامة المسلمین فالاول یسمی بالسرقة الصغری والثانی بالکبری...... ای لان المعتبر فی کل منهما اخذ المال خفیة لکن الخفیة فی الصغری هی الخفیة عن عین المالک و من یقوم مقامه کالمودع المستعیر وفی الکبری عن عین الامام الملتزم حفظ طرق المسلمین و بلادهم (ردالمحتار کتاب السرقة ۴/ ۸۲ ط سعید)
(۲) الحرام ینتقل (الدرالمختار) قال المحقق فی الشامیة ای تنتقل حرمته وان تداولته الایدی وتبدل الاملاک (باب المبیع الفاسد ۵/ ۹۸ ط سعید)
(۳) مرجع سابق
(۴) قال الله تعالی : "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (المائدة : ۲)

ساتواں باب
بدکاری وزنا

محرم عورت سے زنا کرنے والا فاسق ہے ایسے شخص سے تاوقت توبہ قطع تعلق کیا جائے۔

(سوال) کوئی شخص اپنی محرمات یعنی بہن اور ماں اور خالہ وغیرہ سے مرتکب زنا ہو رہا ہے ایسے شخص کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے کافر ہو گیا ہے یا مسلمان رہا؟ اس کے ذمہ کس درجہ کا گناہ ہے؟
(۲) ایک شخص ایک فاحشہ عورت سے مرتکب زنا ہے یعنی رنڈی سے۔ اس رنڈی کی ایک لڑکی ہے نہیں معلوم کہ اس شخص کے نطفے سے ہے یا اور کسی شخص کے نطفے سے۔ غرضکہ شخص مذکور رنڈی مذکورہ سے بھی اور اس کی بیٹی سے بھی مرتکب زنا ہے اس زانی کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

(جواب ۱۹۳) گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوتا فاسق ہوتا ہے ہاں اگر ماں بہن وغیرہ محرمات کے ساتھ زنا کو حلال بھی سمجھے تو کافر ہو جائے گا (۱) لیکن یہ بات مسلمان کی طرف بلا کسی قوی دلیل کے منسوب نہیں کر سکتے اسی طرح دوسری صورت کا جواب ہے کہ ان دونوں صورتوں میں زانی مذکور فاسق ہے شریعت محمدیہ میں اس پر حد زنا لازم ہے لیکن اقامت حدود کا زمانہ نہیں ہے (۲) اس لئے مسلمانوں کو لازم ہے کہ زجراً و توبیخاً ایسے شخص سے تعلقات اسلامیہ سلام کلام مخالطت وغیرہ ترک کر دیں اور جب تک وہ توبہ نہ کرے اور اس کی توبہ کا خلوص قرائن سے معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک اس سے مجانبت قائم رکھیں (۳) واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ۔ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

جانور سے بدکاری کرنے والا فاسق ہے جانور بدکار کے حوالہ کر کے قیمت لی جائے۔

(سوال) ایک شخص نے ایک گائے اور ایک بکری سے زنا کیا اب اس گائے اور بکری کو کیا کیا جائے ان سے نفع حاصل کیا جائے یا نہیں اور زانی کے لئے کیا حکم ہے اور اس حیوان کا تاوان کس کو دینا پڑے گا؟

(جواب ۱۹۴) جس گائے بکری سے زنا کیا گیا اس کو ذبح کر ڈالنا چاہئے اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز نہیں اور زانی کو صرف زجر و توبیخ کی جائے۔ **ولا يحد بوطي بهيمة بل يعزر و تذبح ثم تحرق**

---

(۱) من استحل حراماً قد علم في دين النبي ﷺ تحريمه كنكاح المحارم فكافر (ردالمحتار' باب زكاة الغنم' مطلب استحلال المعصية كفر ۲/ ۲۹۲ ط سعيد)

(۲) فيشترط الامام لاستيفاء الحدود (رد المحتار فصل فيما يوجب القود ومالا يوجبه' ٦/ ٥٤٩ ط سعيد)

(۳) فتبين هذا السبب المسوغ للهجر وهو عن صدرت منه معصية عليها ليكف عنها وقال المهلب غرض البخاري في هذا الباب : ان يبين صفة الهجران الجائز' وانه يتنوع بقدر الجرم فمن كان من اهل العصيان يستحق الهجران بترك المكالمه كما في قصة كعب وصاحبيه (فتح الباري بشرح صحيح البخاري' باب ما يجوز عن الهجران لمن عصى' ۱۰/ ٤١٥ ط مكتبه مصطفى مصر)

و یکرہ الانتفاع بھا حیة و میتة (درمختار) قیمت کا تاوان زانی کے ذمہ ہوگا۔ قال فی الخانیة کان لصاحبھا ان یدفعھا الیہ بالقیمة (رد المحتار)(۱) مگر یہ نہیں کہ مالک اپنے جانور کو خود ذبح کردے اور زانی سے خواہ مخواہ قیمت لے لے اگر خود ذبح کردے گا تو زانی پر اس کی قیمت دینا واجب نہیں بلکہ جانور کو اس کے حوالے کر کے اس سے قیمت لے لے۔

(جواب دیگر) ثبوت وطی بہیمہ کے لئے اقرار وطی کافی ہے اگر وہ اقرار نہ کرے اور مالک مدعی ہو تو شہادت سے اثبات ضروری ہوگا تاکہ واطی سے قیمت دلوائی جاسکے بہیمہ موطوءۃ سے انتفاع مکروہ تحریمی ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دار الحرب میں زانی اور زانیہ پر حد جاری نہیں ہو سکتی ' ان سے تاوقت توبہ قطع تعلق کیا جائے۔

(سوال) اگر محصن و محصنہ زنا کنند پس ثبوت رجم حق شاں مبنی بر کیست ولیلش چیست نیز صورت ہذا اگر بدار الحرب بوقوع آمد کہ دریں دیار اجرائے حکم شرعی یک قلم سلب است پس بدیں ہنگام مجبوری علماء دین راچہ حکم باید داد ؟ المستفتی نمبر ۱۱۱۲ محمد عبد الحکیم صاحب (مالدہ) ۱۷ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۶ اگست ۱۹۳۶ء

(ترجمہ) اگر شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت زنا کریں تو رجم کا ان پر نفاذ کس دلیل پر مبنی ہے ؟ اور اگر دار الحرب میں ایسی صورت پیش آئے جہاں احکام شرعیہ کا اجرا ممکن نہیں تو علمائے دین کو کیا حکم نافذ کرنا چاہئے ؟

(جواب ۱۹۵) تنفیذ حدود شرعیہ در دار الاسلام باشد۔ در دار الحرب بادشاہ اسلام نیز تنفیذ حدود شرعیہ نمی تواند کرد پس در ہندوستان کہ دار الحرب است امکان اقامت حدود معدوم(۳) علماء امت را لازم کہ زانی وزانیہ راایں قدر زجر کنند کہ در استطاعت ایشاں باشد و مصادم قانون حکومت نبود۔ مثلاً حکم مقاطعہ کنند یعنی تاوقتیکہ زانی وزانیہ توبہ نکنند کسے باایشاں تعلقات معاشرت ندارد(۴)

(ترجمہ) حدود شرعیہ کی تنفیذ دار الاسلام میں ہو سکتی ہے دار الحرب میں بادشاہ اسلام بھی حدود شرعیہ کا نفاذ نہیں کر سکتا۔ پس ہندوستان جو دار الحرب ہے اس میں اقامت حدود ممکن نہیں ہے علمائے امت پر

---

(۱) باب الوطء الذی یوجب الحد و الذی لا یوجبه مطلب فی وطء الدابة ۴/۲۶ ط سعید

(۲) حوالہ بالا

(۳) ورار الکمال فی دار الاسلام لانه لاحد بالزنا فی دار الحرب (تنویر الابصار و شرحه مع رد المحتار مطلب الزنا شرعا لا یختص بما یوجب الحد ۴/۵ ط سعید)

(٤) قال المهلب غرض البخاری من هذا الباب : ان یبین صفة الهجران الجائز وانه یتنوع بقدر الجرم فمن کان من اهل العصیان یستحق الهجران بترک المکالمة کما فی قصة کعب وصاحبیه (فتح الباری بشرح صحیح البخاری باب ما یجوز من الهجران لمن عصی ۱۰/۴۱۵ ط مکتبه مصطفی مصر)

لازم ہے کہ زانی وزانیہ کو اپنی طاقت بھر زجر کریں جو قانون وقت سے متصادم نہ ہو مثلاً مقاطعہ کا حکم دیں یعنی جب تک زانی وزانیہ توبہ نہ کریں اس وقت تک کوئی ان سے میل جول نہ رکھے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا زانی اور زانیہ کو قاضی کے فیصلے کے بغیر قتل کرنا جائز ہے؟

(سوال) زید نے اپنی بیوی کو دوسرے شخص سے زنا کرتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا تو زید زانی وزانیہ و بلا فیصلہ قاضی قتل کر سکتا ہے یا نہیں اور اگر نہیں کر سکتا تو دونوں کو کیا سزا دی جائے اگر بیوی توبہ کرتی ہے تو کیا جائز ہے کہ توبہ کرنے پر اس کو معافی دے دی جائے؟ المستفتی نمبر ۱۲۷۳ عبدالحفیظ خاں صاحب (سندھ) ۱۴ شوال ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۹۶) زانی کو اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ زنا کرتے ہوئے دیکھ لے تو اس کو خود قتل کرنا نہیں چاہئے کہ یہ قانون کا اپنے ہاتھ میں لینا ہے قاضی کے سامنے پیش کرے لیکن اگر جوش غضب میں خود قتل کردے تو وہ عنداللہ قتل پر ماخوذ نہ ہوگا ہاں قانوناً مجرم قرار دیا جائے گا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیٹے کی زوجہ سے ناجائز تعلق رکھنے والا شخص فاسق ہے' اس سے تا وقت توبہ قطع تعلق کیا جائے.

(سوال) ایک شخص کا اپنے بیٹے کی زوجہ سے ناجائز تعلق ہے اب اس نے اس الزام سے بچنے کے لئے اس عورت کا نکاح بھی کردیا ہے مگر شوہر کے پاس نہیں بھیجتا اس کے متعلق مسلمانوں کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے یعنی اس کے ساتھ تعلقات رکھیں یا منقطع کردیں اور شوہر بھی گناہ گار ہوگا یا نہیں کہ وہ جانتے ہوئے بھی نہیں لے جاتا۔ المستفتی نمبر ۱۹۳۵ حافظ غلام حسین صاحب (ریاست جنید) ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۹۷) یہ شخص بدکار ہے جو بیٹے کی زوجہ سے ناجائز تعلق رکھتا ہے لوگوں کو اس کا بائیکاٹ کردینا چاہئے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) اختلف فیمن قتل رجلا وزعم انہ وجد قدزنی با مراتہ فقال جمہور ہم' لا یقبل بل یلزمہ القصاص الا ان تقوم بذلک بینۃ او تعترف بہ ورثۃ القتیل والبینۃ اربعۃ من عدول الرجال یشہدون علی نفس الزنا و یکون القتیل محصنا واما فیما بینہ و بین اللہ تعالی فان کان صادقا فلا شئی علیہ (عمدۃ القاری للعینی : کتاب التفسیر باب قولہ عزو جل والذین یرمون ازواجہم الخ ۱۹/۷۵' ط ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ' بیروت) (۲) قال المہلب غرض البخاری من ہذا الباب؟ ان یبین صفۃ الہجران الجائز' وانہ یتنوع بقدر الجرم' فمن کان من اہل العصیان یستحق الہجران بترک المکالمۃ کما فی قصۃ کعب و صاحبیہ (فتح الباری بشرح صحیح البخاری' باب ما یجوز من الہجران لمن عصی ۱۰/۴۱۵' ط مکتبہ مصطفی' مصر)

جانور سے بدکاری کرنے والا فاسق ہے‘ اس سے تاوقت توبہ قطع تعلق کیا جائے ؟

(سوال) ایک مسلمان بالغ نے ایک شیر دار بھینس کے ساتھ زنا کیا ہے اسلامی حکومت ہو تو اس آدمی کو کیا سزا دی جائے اور اس بھینس کو کیا کیا جائے ؟ **المستفتی نمبر ۲۸۰۲** محمد انعام الحق دہلی کینٹ ۸ رمضان ۱۳۵۶ھ

(جواب ۱۹۸) بھینس کے ساتھ حرام کاری کرنے والا گناہ گار ہے جانور تو غیر مکلف اور بے سمجھ ہے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے ہاں اس خیال سے کہ لوگ اس جانور کو دیکھ کر یہ کہا کریں گے کہ اس کے ساتھ فلاں شخص نے برا کام کیا تھا تو اس برے کام کا ذکر باقی رہے گا اس جانور کو ذبح کر کے دفن کر دینے کا حکم کیا گیا ہے‘ جانور کا مالک کوئی اور ہے تو اسکو پوری قیمت حرام کار سے دلوائی جائے گی اور یہ نہ ہو سکے تو وہ اپنے جانور کو کام میں لاتا رہے گا (۱) حرام کار کو تعزیر کی جائے گی انگریزی حکومت میں تعزیر یہی ہو سکتی ہے کہ اس سے میل جول اور کھانا پینا بند کر دیا جائے یعنی لوگ اس کو کھانے میں شریک نہ کریں (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘ دہلی

ساس سے زنا کے اقرار سے بیوی حرام ہو جاتی ہے۔

(سوال) کالو نے مولوی محمد سعید سے کہا کہ مجھے معافی دو۔ مولوی صاحب نے دریافت کیا کاہے کی معافی دوں ؟ کالو نے کہا مجھے جو الزام لگایا ہوا ہے کہ میں نے ساس سے زنا کیا وہ جرم مجھ سے واقع ہوا ہے اس کی معافی چاہتا ہوں مجھے مسلمان کرو بعد ازاں اس نے تین بار کہا کہ راجو (منکوحہ کالو) میری ماں بہن‘ مولوی صاحب نے کہا تین طلاق دے پھر کالو نے تین بار طلاق طلاق طلاق کہہ دیا۔ **المستفتی نمبر ۱۶۷۰** معرفت مولوی محمد انور پنجابی۔ ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۹۹) اقرار زنا سے ثبوت زنا کے لئے یہ شرط ہے کہ اقرار مجلس قاضی میں ہو اور مقر چار مرتبہ چار مجلسوں میں اقرار کرے مجلس قضا کے باہر اقرار ہو تو وہ معتبر نہیں اور اقرار پر شہادت مقبول نہیں۔ **ولا یعتبر اقرارہ عند غیر القاضی ممن لا ولایة له فی اقامة الحدود ولو کان اربع مرات حتی لاتقبل الشهادة علیه بذلك كذلك فی التبیین ولا بدان یکون الاقرارصریحا (عالمگیری)** (۳) **والاقرار ان یقر البالغ العاقل علی نفسه بالزنا اربع مرات فی اربعة مجالس المقر كذافی الهدایة (عالمگیری)** (۴) لیکن اقرار زنا کے لئے یہ شرائط ثبوت حد زنا کے لئے ہیں اور حرمت زوجہ یا ثبوت حرمت مصاہرۃ کے لئے یہ شرائط نہیں ہیں بلکہ وہ ایک مرتبہ کے

(۱) ولایحد بوطء بهیمة بل یعزر‘ و تذبح ثم تحرق (تنویر الابصار و شرحه) قال المحقق فی الشامیه : (قوله وتذبح ثم تحرق) ای لقطع امتدادالتحدث به کلما رؤیت ولیس بواجب ...... فان كانت الدابة لغیر الواطی یطالب صاحبها ان یدفعها الیه بالقیمة ثم تذبح‘ هكذا قالوا‘ ولا یعرف ذلك الا سماعاً فیحمل علیه‘ (باب الوطء الذی یوجب الحدود الذی لا یوجبه‘ مطلب فی وطء الدابة‘ ۴/۲۶ ط سعید)
(۲) فتح الباری لابن الحجر المرجع السابق ۱۰/۴۱۵ ط مصر
(۳) (عالمگیریه‘ الباب الثانی فی الزنا ۲/۱۴۳ ط ماجدیه کوئٹه)
(۴) الباب الثانی فی الزناء ۲/۱۴۴ ‘ ط ماجدیه‘ کوئٹه

اقرار سے بھی ثابت ہو جائے گی اور اس کے لئے مجلس قضا بھی شرط نہیں۔ قيل لرجل ما فعلت بام امراتك قال جامعتها قال ثبت حرمة المصاهرة قيل ان كان السائل والمسئول هازلين قال لا يتفاوت ولا يصدق انه كذب كذافي المحيط (عالمگیری ص ۹۲٤ ج ۱)(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

آٹھواں باب
متفرقات

بے گناہ پر تہمت زنا لگانے والے مجرم ہیں / گناہ گار ہیں۔

(سوال) یہاں گوآ میں ایک افسوسناک واقعہ درپیش ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک جنازہ گورستان پہنچنے پر بوقت نماز جنازہ شیخ یعقوب نامی ایک شخص نے جملہ حاضرین کے روبرو یہ اعلان کیا کہ حاضرین میں ہے ایک شخص بنام شیخ حسین زانی ہے اس لئے اگر وہ شخص نماز جنازہ میں شریک ہو تو ہم نماز میں شریک نہ ہوں گے حاضرین میں سے اس کا ثبوت شیخ یعقوب سے طلب کرنے پر اس نے جواب یہ دیا کہ قاضی محمود صاحب (جو اس وقت حاضرین میں شریک نہیں تھے) نے چار اشخاص کے روبرو مذکور شیخ حسین زانی ہے ایسا کہا تھا ان چار اشخاص میں سے جو تین حاضرین میں شریک تھے ان سے دریافت کئے جانے پر انہوں نے اس کی تائید کی اس پر شیخ حسین نے یہ ظاہر کیا کہ یہ لوگ ذاتی اختلافات کی بنا پر مجھ پر یہ جھوٹا الزام عائد کر رہے ہیں آخر الامر جب طرفین میں سخت گفتگو شروع ہوئی تو جھگڑے کا اندیشہ ہونے پر حاضرین نے شیخ حسین کو آئندہ فیصلہ تک صبر اختیار کرنے کے لئے سمجھوتہ کرتے ہوئے اور تسلی دیتے ہوئے نماز جنازہ میں شریک ہونے سے روکا۔

بعد ازاں جب قاضی محمود صاحب سے دریافت کیا گیا کہ آیا انہوں نے مذکور شیخ حسین کو کبھی زانی کہا تھا مگر جناب قاضی صاحب نے صاف طور پر انکار کئے کہ میں مذکور شخص کو کبھی ہرگز زانی نہیں کہتا ہوں اس امر سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ شیخ یعقوب اور مذکورہ بالا گواہوں نے شیخ حسین کو تمام مسلمانوں میں بدنام ورسوا کرنے کے لئے یہ جھوٹا الزام بذات خود اپنی ہی طرف سے اس پر عائد کئے ہیں جس کی کوئی اصل یا تصدیق ثابت نہیں ہے۔

اور مدعی شیخ حسین جماعت المسلمین سے اس انصاف کا خواستگار ہے اس صورت میں اول دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکور شیخ یعقوب اور اس کی تائید کرنے والے تین اشخاص کے اس طرح جھوٹے الزام کے عائد کرنے کے جرم میں ان کے ساتھ شرعی قانون سے کیا کیا جائے؟

---

(۱) القسم الثاني : المحرمات بالصهرية ۱/۲۷٦، ط ماجدیه، کوئٹه

ثانیاًامر دریافت طلب یہ ہے کہ مذکورہ اعلان پر شیخ حسین کو نماز جنازہ سے روکنا شرعی قانون سے کہاں تک درست ہو سکتا ہے چونکہ یہ فیصلہ آنجناب کے امر مبارک پر منحصر اور ملتوی رکھا گیا ہے اور تمام مسلمانوں کے دلوں میں ایک عجیب کشمکش پیدا ہوئی ہے تمام مسلمان آنجناب کے امر کے لئے سخت منتظر ہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۴۸ شیخ ابراہیم شیخ محمود مجاور 'نواگوآ۔ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۲۸ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۰۰) اگر کوئی شخص زانی بھی ہو جب بھی وہ جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے یہ حکم نہیں ہے کہ زانی نماز میں شریک نہ ہو یا زانی شریک ہو جائے تو اور لوگ شریک نہ ہوں یہ بات جس نے کہی اس نے شریعت کا حکم صحیح نہیں بتایا شیخ حسین کو جماعت کے روبرو زانی بتانے سے شیخ حسین کی بے عزتی ہوئی اور جب کہ قاضی محمود نے انکار کر دیا کہ میں نے نہیں کہا تھا تو الزام بھی بے بنیاد اور بے اصل ثابت ہو گیا اب جماعت کے ان چاروں آدمیوں کو شیخ حسین سے معافی مانگنی چاہئیے ورنہ جماعت کو چاہئیے کہ وہ اعلان کر دے کہ شیخ حسین پر الزام زنا کا ثبوت نہیں ہوا اور یہ چاروں آدمی قوم کے سامنے شیخ حسین کے مجرم ہیں جب تک معافی نہ مانگیں ان کی کوئی بات قبول نہ ہوگی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) وهو (حد القذف) لغةً الرمي و شرعاً : الرمي بالزنا ء وهو من الكبائر (الدر المختار مع ردالمحتار ٤/٤٣ ط سعيد) وفي المرقاة: قسم' يغفر بالتوبة و بدونها تحت المشيه وهو الكبائر من حق الله تعالىٰ و قسم يحتاج الى التراد وهو حق الآدمي' والتراد اما في الدنيا بالاستحلال اورد العين او بدله (مرقاة المفاتيح بشرح مشكوة المصابيح' باب الكبائر ١/١٢١ ط امداديه' ملتان)

كتاب الاكراه والاضطرار

پہلا باب
مجبوری میں ارتکاب کفر

حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہے

(سوال) کوئی مسلمان بوقت اکراہ واضطرار بذریعہ شرک وکفر اپنی جان بچا سکتا ہے یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۵ مولوی محمد حسن صاحب لائل پور۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۸ جولائی ۱۹۳۳ء

(جواب) (از مولوی عبدالحلیم شاہ) قانون محمدی کی رو سے بوقت مجبوری شرک وکفر کے مرتکب ہونے کی اجازت ہے بشرطیکہ دل مطمئن ہو۔ ملاحظہ ہو آیت من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان (۱) الآیۃ (سورۃ نحل) شرک وکفر از قسم حرام ہے اور حرام سے بچنا چاہئے مگر حالت اضطرار میں رخصت ہے ملاحظہ ہو آیت وقد فصل لکم ماحرم علیکم الا ما اضطررتم الیہ (سورہ انعام) بخاری شریف (۲) ص ۱۰۲۶ جلد ۲ میں ہے کہ مجبور ضعیف ہوتا ہے اپنے ضعف کے باعث امر الٰہی کو ترک کرتا ہے (یعنی حرام کا مرتکب ہوتا ہے) لہذا ضعیف کو اللہ تعالیٰ نے معذور فرمایا ہے۔ مرقاۃ (۳) شرح مشکوۃ ص ۱۱۱ ج ۱ میں ہے کہ اما باعتبار اصل الجواز فیجوز له ان یتلفظ وان یفعل ما یقتضی الکفر کسب الاسلام و سجود الصنم اذاهدد ولو بنحو ضرب شدیدا واخذ مال له وقع کما افاد ذلک قوله تعالیٰ من کفر بالله من بعد ایمانه الا من اکره و قلبه مطمئن بالایمان الآیة یعنی اگر کسی شخص کو دھمکی دی جائے اگرچہ ضرب شدید اخذ مال کی ہو تو اس کے لئے کلمہ کفر کا تلفظ اور ایسے کام کا ارتکاب کہ جس سے کفر لازم آتا ہو جیسے کہ اسلام کو گالی دینا یا بت کو سجدہ کرنا جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول من کفر بالله من بعد ایمانه سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ احقر عبدالحلیم شاہ۔ مقام بدھولانہ ڈاکخانہ قائم بھروانہ ضلع جھنگ

(جواب ۲۰۱) (از حضرت مفتی اعظمؒ) محرمات شرعیہ کئی قسم کے ہیں ان میں سے بعض تو اکراہ اضطرار میں جائز ہو جاتے ہیں اس طرح کہ اگر ان کو کام میں نہ لائے اور ہلاک ہو جائے تو گناہ گار ہو جیسے خنزیر یا میتہ کو بوقت اضطرار یا اکراہ استعمال کرنا کہ اگر استعمال نہ کرے اور اپنے نفس کو ہلاک ہو جانے

---

(۱) النحل : ۱۰۶
(۲) قال ابو عبدالله فعذر الله المستضعفين الذين لا يمتنعون من ترك ما امر الله به' والمكره لا يكون الا مستضعف غير ممتنع من فعل ما امر به (صحيح البخاري : باب قول الله' الا من اكره و قلبه مطمئن بالايمان ۲/۱۰۲۶ ط قديمي كتب خانه' كراچي)
(۳) باب الكبائر' ۱/۱۳۱ ط امداديه' ملتان

ے تو گناہ گار ہو۔ دوسری قسم وہ کہ اگر ان کو استعمال کرلے تو مباح ہو یعنی مواخذہ نہ ہو اور استعمال نہ
رے اور جان دے دے تو موجب اجر و ثواب ہو جیسے کلمہ کفر کہنے یا بت کو سجدہ کرنے پر مجبور کیا جائے تو
ر طیکہ دل میں ایمان قائم رہے اور سجدہ میں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کی نیت کرلے کلمہ کفر زبان سے
ہہ دینا اور بت کے سامنے سجدہ کرلینا مباح ہو جاتا ہے لیکن اگر انکار کردے اور قتل کردیا جائے یا کوئی عضو
ٹ دیا جائے تو موجب اجر و ثواب ہے تیسری قسم وہ ہے جو کسی حال میں مباح نہیں ہوتی، جیسے کسی پر
ن کا اکراہ کیا جائے کہ اپنے باپ یا بیٹے یا بیوی کو یا اور کسی محقون الدم انسان کو قتل کردے تو اس کو ہرگز
باح نہیں کہ اس کو قتل کردے بلکہ اکراہ پر صبر کرے خواہ خود قتل کردیا جائے قرآن مجید کی آیت
لا من اکرہ دوسری قسم کے متعلق ہے اور فمن اضطر غیر باغ ولا عاد پہلی قسم کے متعلق ہے ان
ونوں میں ایک جان (مکرہ) بچانے کیلئے شریعت مقدسہ نے امور کی اجازت دے دی ہے مگر تیسری قسم
ں ایک جان بچانے کے لئے دوسری جان کو ہلاک کرنا لازم ہوتا ہے جو کسی طرح جائز نہیں ہے(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حالت اکراہ میں زبان پر کلمہ کفر جاری کرنے کی اجازت ہے۔

سوال) جب کسی تنہا مسلمان کو کفار گھیر لیں اور سر پر تلوار لے کر کھڑے ہو جائیں کہ کلمات کفر و
رک زبان سے کہہ دو ورنہ ہم تجھے جان سے مار ڈالیں گے اگر وہ اپنی جان بچانے کے لئے اپنے دل کو ایمان
قائم رکھ کر انکا کہا کردے تو کیا وہ شرعاً کافر و مشرک ہو جائے گا بدلیل آیت **الا من اکرہ و قلبہ
طمئن بالایمان** اور بدلیل عبارت در مختار و رد المحتار جلد دوم کتاب الاکراہ ص ۹۲ و ۹۳ اور بحر الرائق
لد پنجم احکام المرتدین۔ و تفاسیر وغیرہ **المستفتی** نمبر محمد اسحٰق دیوبندی ۵ / رجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۷
توبر ۱۹۳۵ء

جواب ۲۰۲) ہاں اضطرار کی حالت میں زبان سے کلمہ کفر و شرک کہہ دینے کی رخصت ہے دل
طمئن بالایمان رہے صرف زبان سے کلمہ کفر و شرک ادا کردیا جائے تو متلفظ کافر نہیں ہوتا اور نہ کہے اور
ا جائے تو یہ عزیمت ہے اور اس میں زیادہ ثواب اور شہادت کا اجر ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

۱) فان اکرہ علی اکل میتة او دم او لحم خنزیر او شرب خمر (تنویر الابصار) قال المحقق فی الشامیه (قوله فان
ره علی اکل میتة) الاکراہ علی المعاصی انواع، نوع یرخص فعله و یثاب علی ترکه کا جراء کلمة الکفر و شتم
بی ﷺ و ترك الصلوة وكل ماثبت بالكتاب، و قسم يحرم فعله و ياثم باتيانه كقتل مسلم او قطع عضوه و ضربه
ربا متلفا او شتمه او اذيته والزنا، و قسم يباح فعله ويا ثم تركه كالخمر و ماذكرمعه (رد المحتار، كتاب
کراہ ۶/۱۳۳ ط سعید)

۲) وان اکرہ علی الکفر باللہ تعالیٰ و سب النبی ﷺ مجمع وقد وری یقطع او قتل رخص له، ان یظهر ماامربه علی
سانه ویودی و قلبه مطمئن بالایمان...... ویؤجر لو صبر (تنویر و شرحه) قال المحقق فی الشامیه ای یؤجر اجر
شهداء (کتاب الاکراہ ۶/ ۱۳۴، ۱۳۵ ط سعید)

الجواب صواب۔ عبدالغفور غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی
الجواب صواب۔ خدا بخش عفی عنہ۔ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

حالت اضطرار کے سوا کسی حالت میں زبان پر کلمہ کفر جاری کرنے کی اجازت نہیں

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۹ جولائی ۱۹۳۵ء)

(سوال) ایک شخص نے کسی ضرورت کی وجہ سے مذہب اسلام ترک کیا لیکن حقیقت میں اس نے اسلام ترک نہیں کیا ہے صرف اپنی غرض کو حاصل کرنے کے لئے اس نے ایسا کیا اور اسلام کے ارکان پر عمل پیرا ہے؟

(جواب ۲۰۳) ترک اسلام یا اجرائے کلمہ کفر یا کوئی عمل کفر کرنا حالت اضطرار میں جب کہ جان خطرہ ہو جائز ہو جاتا ہے اس کے علاوہ کسی حالت میں جائز نہیں پس اگر شخص مذکور نے کسی اضطرار حالت میں ایسا کیا ہے اور قلب میں ایمان وایقان بدستور ہے تو وہ خدا کے نزدیک مسلمان ہے(۱) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

دوسرا باب
بیچارگی میں ارتکاب حرام

حالت اضطرار میں سودی قرض لینے کا حکم

(سوال) سخت تکلیف پر کوئی مدد دینے والا نہ ہو اس وقت مجبوراً سود سے پیسے مارواڑیوں یا دیگر بنکوں ذریعے سے لے سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۴۰۰ مولوی محمد عبدالحفیظ (ضلع تیل گیری) جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ ۲۶ ستمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۰۴) اضطرار کی حالت میں جب کہ تین فاقے ہو چکے ہوں بقدر سد رمق سودی رقم حاصل کرنا مباح ہے اس سے زیادہ رقم لینا یا اس سے کم ضرورت میں لینا جائز نہیں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ

---

(۱) حوالہ بالا

(۲) قال اللہ تعالیٰ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ (الآیۃ) قال الحافظ عماد الدین فی تفسیرہ ای فی بغی ولا عدوان وھو مجاوزۃ الحد ولا یا کل الا العلقۃ و یحمل معہ ما یبلغہ الحلال (تفسیر ابن کثیر ۱/۲۰۶، ۱۷۳ ط سھیل اکیدمی لاھور)

مسلمان ماہر معالج بیماری کا علاج شراب میں منحصر بتادے
تو شراب سے علاج کی اجازت ہے۔

(سوال) اگر انگریزی ڈاکٹر یہ کہے کہ اس بیماری کا علاج سوائے شراب کے اور کوئی نہیں یا کسی بیماری کے متعلق جو کہ خطرناک درجے تک پہنچ گئی ہو انگریزی ڈاکٹر یہ کہے کہ آخری علاج یہ ہے کہ چند قطرے شراب کے دیں تو یہ استعمال کرنا درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۶۳۹ ابراہیم کادیہ نیلسپروٹ ایس افریقہ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۲۷ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۰۵) شئ حرام نجس کے ساتھ علاج بالشرب کرنے کی اجازت اس شرط سے دی گئی ہے کہ کوئی مسلمان طبیب یا ڈاکٹر یہ کہے کہ بیماری کی شفا اسی میں منحصر ہے اور کوئی اور دوا اس کے لئے مفید نہیں غیر مسلم ڈاکٹر کا قول کافی نہیں۔ یجوز للعلیل شرب البول والدم والمیتة للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفائه فیه ولم یجد من المباح ما یقوم مقامه وهل یجوز شرب القلیل من الخمر للتداوی فیه وجهان انتهی مختصراً (رد المحتار)(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) کتاب الحظر والاباحة' فصل فی البیع' ۳۸۹/۶' ط سعید

كتاب اللقيط و اللقطه

پہلا باب
پڑی ہوئی چیز پانا

ملی ہوئی کم قیمت چیز کا مالک معلوم ہو تو بھی واپس کرنا ضروری ہے .

(سوال) رہگذر پر اگر کوئی ایک پیسہ پائے تو اس کو خود اپنے مصرف میں لائے یا مالک کو تلاش کر کے دے دے ؟ یہاں ایک مولوی صاحب سے معلوم ہوا کہ ایک پیسہ حلال ہے مالک کو دینے کی ضرورت نہیں ہے ہاں اگر اس سے زیادہ رقم ہو تو مالک کو تلاش کرے۔
المستفتی نمبر ۱۲۴ حبیب اللہ صاحب ۔ ضلع غازی پور ۔ یکم شعبان ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۰۶) اگرچہ پائی ہوئی چیز ایک پیسہ ہی ہو اس کے مالک کو تلاش کیا جائے اور اگر مالک مل جائے تو اس کو دے دی جائے ہاں کم قیمت چیز کے مالک کی تلاش زیادہ دنوں تک ضروری نہیں ہے اگر مالک نہ ملے تو پانے والا اگر غریب ہو تو خود خرچ کر سکتا ہے غنی ہو تو کسی فقیر کو دے دے(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مالک سے ناامیدی کے بعد ملی ہوئی چیز صدقہ کیا جائے .

(سوال) دوکان پر جو بیوپاری مال خرید نے کے لئے آتے ہیں اور وہ بازار کا خریدا ہوا مال لاتے ہیں ان میں سے وہ اکثر چیزیں بھول جاتے ہیں وہ چیزیں امانت کر کے رکھ لی جاتی ہیں یہ بھولی ہوئی چیزیں کب تک امانت کر کے رکھی جائیں اور ان بھولی ہوئی چیزوں کا کیا کیا جائے ؟ المستفتی نمبر ۲۳۹۷ شیخ محمد اسماعیل ۔ دہلی ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۳ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۰۷) اگر ان بھولی ہوئی چیزوں کا مالک معلوم ہو تو اسے اطلاع کر دینی ضروری ہے اور اگر مالک معلوم نہ ہو تو پھر اتنے دنوں تک انہیں محفوظ رکھا جائے جتنے دن مالک کو اس کی تلاش و فکر رہنے کا ظن غالب ہو اور پھر اس کے بعد ان اشیاء کو اس نیت سے صدقہ کر دیا جائے کہ ان کا ثواب مالک کو پہنچے (۲) صدقہ کرنے کے بعد بھی اگر مالک معلوم ہو جائے اور وہ طلب کرے تو اس کی قیمت ادا کرنی ہو گی(۳)

---

(۱) و یکفیه ان یقول من سمعتموه ینشد لقطة فدلوه علی وعرف ای نادی علیه حیث وجدها و فی الجامع الی ان علم ان صاحبها لا یطلبها. ... فینتفع الرافع بهالو فقیرا والا تصدق بها (تنویر الابصار و شرحه الدرالمختار ' کتاب اللقطه ٤ ٢٧٨' ٢٧٩ ط سعید)
(۲) حواله بالا
(۳) فان جاء مالکها بعد التصدق خیر بین اجازة فعله و بعد هلاکها وله' ثوابها او تضمینه (تنویر الابصار و شرحه الدر المختار مع رد المحتار' کتاب اللقطة ٤ ٢٨٠' ط سعید)

ملی ہوئی چیز کے اعلان کے بعد مالک نہ ملنے پر پانے والا
محتاج ہو تو خود استعمال کر دے ورنہ کسی فقیر کو دیدے
(از اخبار الجمعیۃ سہ روزہ دہلی مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۶ء)

(سوال) میری نابالغ بچی کو ایک کپڑے میں بندھا ہوا کچھ زیور نقرئی شارع عام پر پڑا ہوا ملا جس کو وہ بجنسہ اٹھا کر لے آئی مالک کی تلاش ہے مگر اب تک کوئی مالک نہیں ملا اب کیا کیا جائے ؟

(جواب ۲۰۸) مالیت کے لحاظ سے اتنی مدت تک مالک کی تلاش جاری رکھی جائے جب تک اس بات کا گمان غالب ہو کہ مالک کو اسکی فکر ہو گی اس کے بعد اگر پانے والا خود حاجت مند ہو تو خود خرچ کر لے اور خود غنی ہو تو فقراء پر صدقہ کر دے اور دونوں صورتوں میں اس کی مخصوص علامتیں یاد رکھنا ضروری ہے تاکہ اگر مالک آجائے اور مخصوص علامتیں بتا کر باور کرادے کہ اس کی چیز تھی تو اس کو قیمت ادا کی جائے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) حوالہ بالا (صفحہ گزشتہ حاشیہ ۱-۳)

كتاب اليمين والنذر

پہلا باب
عہد و پیمان اور حلف
فصل اول۔ حلف کی تشریحات

دوسرے کے قسم دینے پر بنیت قسم "ہاں" نہ کہے تو قسم نہیں ہوگی

(سوال) کسی دوسرے کے قسم دلانے سے قسم ہوتی ہے یا نہیں؟ مثلاً زید نے عمرو سے یوں کہا کہ تم اپنے خدا کی قسم اس کام کو انجام دے دو تو اس زید کے قسم دلانے سے عمرو پر قسم آیا یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۰۹) اس طرح کسی دوسرے کے قسم دلانے سے قسم نہیں ہوتی لیکن اگر جس کو قسم دلائی گئی ہے اس نے حلف کی نیت سے ہاں یا اچھا کہہ دیا تو قسم ہو جائے گی فان نوی الاستحلاف فلا شئی علی واحد منهما خانیه و فتح ای لان المخاطب لم یجبه بقوله نعم حتی یصیر حا لفاً انتهی

(ردالمحتار ص ۱۵۰ ج ۳) (۱) الخامس ان یرید المبتدی الاستحلاف والمجیب الحلف والمجیب حالف لا غیر (ایضاً) (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

قرآن مجید کی قسم کھا کر پوری نہ کرے تو کفارہ واجب ہوگا.

(سوال) قرآن شریف کی قسم اگر کوئی شخص کھائے اور اس کام کو پورا نہ کرے تو اس کے ذمہ کفارہ واجب ہوگا یا نہیں اور یہ قسم ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۱۰) جو شخص قرآن شریف کی قسم کھائے اور اس کام کو پورا نہ کرے وہ اپنی قسم میں حانث ہو جائے گا اور اس پر کفارہ قسم واجب ہوگا۔ قال الکمال ولا یخفی ان الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمیناً (در مختار) وقال محمد بن مقاتل الرازی انه یمین وبه اخذ جمهور مشائخنا اه (ردالمحتار) (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

گھر کا کھانا نہ کھانے کی قسم کے بعد گھر کا کھانا کھانے سے کفارہ واجب ہوگا.

(سوال) کسی شخص نے کہا کہ تیرے گھر کا کھانا اور پانی مجھ پر حرام ہے اور پھر خائف و نادم ہوا اس کہنے کے بعد اگر کھانا وغیرہ کھائے تو حانث ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) کتاب الایمان' مطلب قال لتفعلن کذا فقال نعم' ۳/۸۴۹' ط سعید
(۲) حوالہ بالا
(۳) کتاب الایمان ' مطلب فی القرآن ۳/۷۱۲ ط سعید

(جواب ۲۱۱) کسی کا یہ کہنا کہ تیرے گھر کا کھانا مجھے حرام ہے یمین ہے اب اگر اس کے بعد کھا لیگا تو اپنی اس یمین میں حانث ہوگا اور قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ حرم علی نفسه شيئاً ثم فعله با كل او نفقة كفر ليمينه (درمختار ملتقطا)(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ایک جائز معاہدہ کے بعد دوسرا معاہدہ جس سے پہلے معاہدہ کی خلاف ورزی ہو صحیح نہیں

(سوال) زید نے عمرو سے کسی معاملے میں یہ عہد کیا کہ تم یہ کام کرو میں اس معاملے میں تمہاری پوری مدد کروں گا عمرو اچانک حادثہ کی وجہ سے مجبوراً کئی روز تک نہ مل سکا زید کے پاس عمرو کے مخالفین آئے اور اس پر زور ڈالا کہ تم ہماری مدد کرو زید نے مجبور ہو کر کہا کہ اگر عمرو نہ آیا تو میں تمہاری مدد کروں گا اور اگر عمرو آیا تو نہ تمہاری مدد کروں گا' نہ عمرو کی مدد کروں گا اب عمرو زید کے پاس آیا اور اس نے اپنی غیر حاضری کی وجہ اچانک حادثہ بیان کی زید کہتا ہے کہ میں نے تمہارے مخالف سے غیر جانبدار رہنے کا عہد کر لیا ہے عمرو کہتا ہے کہ تم نے مجھ سے پہلے عہد کیا ہے' میرا عہد پورا کرو اگر میرے عہد کے بعد دوسرا عہد کیا ہے تو اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے' لہذا زید علماء سے دریافت کرتا ہے کہ مجھ پر کون سے عہد کی پابندی لازم ہے ؟المستفتی نمبر ۲۳۵ امین الدین صاحب دہلی۔ ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۷ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۱۲) معاہدہ جب کہ وہ کسی معصیت اور خلاف شرع امر پر نہ ہو واجب الایفا ہے اور ایک جائز معاہدہ کے بعد کوئی ایسا معاہدہ کرنا جس سے پہلے معاہدہ کی خلاف ورزی ہوتی ہو صحیح نہیں اگر کسی شخص نے ایسے دو معاہدہ کئے ہیں جن میں سے ہر ایک دوسرے معاہدہ کی نقیض ہے تو اس کو لازم ہے کہ وہ پہلے معاہدہ کو جب کہ اس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو اور دوسرے معاہدہ کے مضمون سے پہلے معاہدہ کا مضمون خیر اور بہتر ہو پورا کرے اور بغیر عذر معقول شرعی کے اس سے انحراف نہ کرے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین عفی عنہ۔ نائب مفتی

قسم کے بعد بلا عذر شرعی قسم سے پھر جانا سخت گناہ ہے

(سوال) جو مسلمان لوگوں کے روبرو قرآن مجید کے ساتھ حلف اٹھانے کے باوجود اپنے معاہدے سے

---

(۱) كتاب الايمان' مطلب في تحريم الحلال' ۳/ ۷۲۹-۷۳۰ ط سعيد

(۲) لان المواعيد قد تكون لازمة لحاجة الناس (الدر المختار) قال المحقق في الشاميه (قوله: المواعيد قد تكون لازمة) قال في البزازية في اول كتاب الكفالة' اذا كفل معلقا بان قال: ان لم يؤد فلان فلاناً ادفعه اليك و نحوه' يكون كفالة لما علم ان المواعيد باكتساء صدر التعليق تكون لازمة (باب الصرف' مطلب في بيع الوفاء ۵/ ۲۷۷ ط سعيد)

پھر جائے اس کے ساتھ دوسرے مسلمانوں کو دینی ودنیاوی تعلقات رکھنے جائز ہیں یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۲۸۹ منظور علی (دہلی) ۷ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۱۳) حلف کرنے کے بعد اس سے بغیر کسی عذر شرعی کے پھر جانا سخت گناہ ہے جن لوگوں نے حلف بلاوجہ توڑا وہ گناہ گار ہیں (۱) اگر حلف کسی اہم امر کے متعلق تھا اور حلف شکنی سے مذہب یا قوم کو کوئی ضرر پہنچا تو مسلمانوں کو حق ہے کہ حلف توڑنے والوں سے مقاطعہ کرلیں (۲) فقط محمد کفایت اللہ دہلی

"بیوی سے زندگی کروں گا تو اس کے نطفہ سے ہوں گا" کا حکم

(سوال) زید کی بیوی اور زید کی والدہ ہر دو میں فساد ہوا زید کی والدہ نے زید سے شکایت کی۔ زید نے سخت غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کی غیر موجودگی میں کہا کہ "اگر میں اس سے زندگی کروں گا تو اس کے نطفے سے پیدا ہوں گا" اس کا شرعاً کیا حکم ہے ؟ **المستفتی** نمبر ۴۲۰ عیسیٰ خان (ضلع امراؤتی) ۱۹ رجب ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۱۴) اس قسم کا حکم یہ ہے کہ زید اپنی بیوی کے ساتھ میاں بیوی کے تعلقات اور خانہ داری کے تعلقات رکھ سکتا ہے (۳) اور اس قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا ہر مسکین کو پونے دو سیر گیہوں دیدے یا دس مسکینوں کو ایک ایک چادر دے دے اس کی قدرت نہ ہو تو تین روزے متواتر پے در پے رکھ لے۔ (۴) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی تو مرغ یا بٹیر کھانے سے حانث نہ ہوگا

(سوال) زید نے یہ لفظ کہہ کر قسم کھائی کہ اگر میں گوشت کھاؤں تو سؤر کھاؤں اور گوشت میں بکری بھیڑ گائے بھینس اور مرغ وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور اب زید اس قسم کی وجہ سے ہر ایک حلال جانور کا گوشت مطلق نہیں کھاتا ہے تو اس کا (زید کا) یہ فعل کیسا ہے اور شرعاً ایسے شخص کے واسطے کیا حکم

---

(۱) ونوع منها یجب اتمام البر فیها وهو ان یعقد علی فعل طاعة امر به او امتناع عن معصية وذلك فرض عليه قبل اليمين وباليمين يزداد و كادةً (عالمگیریه' الباب الاول في تفسير ها شرعاً وركنها و شرطها ۲/۵۲ ط ماجدیه' کوئٹه)

(۲) قال المهلب غرض البخاری فی هذا الباب' ان یبین صفة الهجران الجائز' وانه یسوغ بقدر الجرم من كان من اهل العصيان يستحق الهجران بترك المكالمة كما في قصة كعب وصاحبيه (فتح الباری بشرح صحیح البخاری' باب ما يجوز من اصبح ان لمن عصی ۱۰/۴۱۵' ط مکتبه مصطفی مصر)

(۳) ونوع لا يجوز حفظهما وهو ان يحلف على ترك طاعة او فعل معصية(عالمگیریه' الباب الاول فی تفسیر ها شرعا و رکنها و صفتها ۲/۵۲' ط ماجدیه کوئٹه)

(۴) و کفارته' تحریر رقبة او اطعام عشرة مساكين او كسوتهم بما يستر عامة البدن....... وان عجز عنها وقت الاداء (تنوير الابصار مع رد المحتار' مطلب كفارة اليمين ۳/۷۲۵' ۷۲۶ ط سعید)

ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۹۸۲ قطبی قصبہ لونی (ضلع میرٹھ) ۲۹ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۱۵) اگر زید مرغ بٹیر کھائے تو یہ اس کے لئے جائز ہے یعنی اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی اور گائے بھینس بکری دنبہ بھیڑ کا گوشت کھائے تو اس کو قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا(۱) قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو پونے دو سیر گیہوں دے دینے سے ادا ہو جائے گا(۲) ایسی قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کر دینا بہتر ہے(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حلف بالقرآن جائز ہے' حانث ہونے پر کفارہ دینا لازم ہوگا.

(سوال) حلف بالقرآن جائز ہے یا نہیں اور بصورت جواز کیا کفارہ ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۲۳۳ میاں سراج الدین (ضلع گوجرانوالہ) ۲۵ صفر ۱۳۵۷ھ ۲۶ اپریل ۱۹۳۸ء

(جواب) (از نائب مفتی صاحب) (۱) حلف بالقرآن جائز ہے کیونکہ بمعنی کلام اللہ کے اللہ کی صفات میں سے ہے اور اس زمانے میں حلف بالقرآن متعارف بھی ہے۔ قال الکمال ولا یخفی ان الحلف بالقرآن متعارف فیکون یمیناً (درمختار) اس کے علاوہ اسی کے متعلق علامہ شامی رد المحتار میں یہ لکھتے ہیں (قوله قال الکمال الخ) مبنی علی ان القرآن بمعنی کلام اللہ فیکون من صفاته تعالیٰ کما یفیده کلام الهدایة حیث قال ومن حلف بغیر الله تعالیٰ لم یکن حلفاً کالنبی والکعبة لقوله علیه الصلوٰة والسلام من کان منکم حالفاً فلیحلف بالله او لیذر وکذا اذا حلف بالقرآن لانه غیر متعارف اه فقوله وکذا یفید انه لیس من قسم الحلف لغیر الله تعالیٰ بل هو من قسم الصفات ولذا علله بانه غیر متعارف ولو کان من القسم الاول کما هو المتبادر من کلام المصنف والقدوری لکانت العلة فیه النهی المذکور اوغیره لان التعارف انما یعتبر فی الصفات المشترکة لا فی غیرها وقال فی الفتح و تعلیل عدم کونه یمیناً بأنه غیره تعالیٰ لانه مخلوق لانه حروف وغیر المخلوق هو الکلام النفسی منع بان القرآن کلام الله منزل غیر مخلوق الخ و فی آخر هذه القول" و نقل فی الهندیة

---

(۱) ولا حنث فی حلفه " لا یاکل لحماً" باکل مرقة او سمك الا اذا نواهما..... مع تسمیتها فی القرآن لحماً و دابة و اوتاراً للعرف......و لحم الانسان والکبد والکرش والرمة والقلب والطحال والخنز لخم هذا فی عرف اهل الکوفه' اما فی عرفنا فلا (تنویر الابصار و شرحه) قال المحقق فی الشامیه (قوله لحم)...... ولا یخفی انه لا یسمی لحماً فی عرف مصر ایضاً' فعلم ان مافی المختصر ای الکنز مبنی علی عرف اهل الکوفة وان ذلك یختلف باختلاف العرف (کتاب الایمان' مطلب حلف لا یاکل لحماً ۳/۷۷۱' ط سعید).

(۲) و کفارته تحریر رقبة او اطعام عشرة مساکین الخ (ردالمحتار' مطلب فی کفارة الیمین ۳/۷۲۵' ط سعید)

(۳) نوع یتخیر بین الرد والحنث' والحنث خیر من البرّ فیندب فیه الحنث (عالمگیریه' الباب الاول فی تفسیر ها ورکنها و صفتها' ۲/۵۲ ط ماجدیه کوئٹه)

عن المضمرات وقد قیل ھذا فی زمانھم اما فی زماننا فیمین وبه ناخذ ونا مرو نعتقد وقال محمد بن مقاتل الرازی انه یمین و به اخذ جمھور مشائخنا اہ فھذا مؤید لکونه تعورف الحلف بھا کعزۃ اللہ و جلاله (رد المحتار ص ۵۶ ج۳) (۱)

(۲) بر تقدیر حانث ہو جانے کے وہی کفارہ اس پر لازم آئے گا جو حلف توڑنے والے پر لازم آتا ہے کہ غلام آزاد کرے یا دس محتاجوں کو کھانا دو وقتی کھلائے یا دس محتاجوں کو پوشاک دے دیوے بجائے کھانا کھلانے کے اگر دس محتاجوں کو ساڑھے سترہ سیر گیہوں ہر ایک محتاج کو پونے دو سیر گیہوں دے دے گا تو جب بھی کفارہ ادا ہو جائے گا (۲) فقط واللہ اعلم۔ اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(جواب ۲۱۶) (از حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ) اصل مذہب تو یہی تھا کہ حلف بالقرآن معتبر نہیں لیکن فقہائے متاخرین نے اس تاویل کے ساتھ کہ قرآن سے مراد کلام اللہ جو صفت ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کی حلف بالقرآن کو معتبر قرار دے دیا ہے متاخرین کے قول کے موافق حلف بالقرآن پر حنث کی صورت میں کفارہ لازم آئے گا اور کفارہ یہی ہے جو جواب بالا میں تحریر ہے (۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

قرآن کی قسم کھانے میں نیت الفاظ منظومہ اور حروف منزلہ کی ہو تو قسم نہیں ہوگی۔

(سوال) (۱) میں قرآن شریف کی قسم کھاتا ہوں اور میری مراد وہ حروف منظومہ اور الفاظ ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنے گئے ہیں اور جو کہ حفاظ قرآن نماز تراویح میں ہمیں سناتے ہیں اور جو کلام اللہ الذی ھو صفۃ ازلیۃ ہے وہ میری مراد نہیں ہے تو کیا یہ میری قسم ہو جائے گی یا نہیں؟ علامہ کاشانی نے بدائع ص ۸ ج ۳ میں اس کے متعلق کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے یا کہ نہیں؟

(۲) زید کہتا ہے کہ یہ حروف منظومہ اور آیات کہ جو رسول اللہ ﷺ سے سنی گئی ہیں اور حفاظ قرآن ہمیں سنایا کرتے ہیں یہ کلام اللہ الذی ھو صفۃ ازلیۃ ہیں اور بکر کہتا ہے کہ بے شک یہ کلام اللہ تو ہیں لیکن حادث ہیں خدائے تعالیٰ کی صفت ازلیہ نہیں ہیں اس لئے کہ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد ص ۴۹ میں کلام اللہ کو مشترک لکھا ہے اور ان آیات اور حروف منظومہ کو مخلوق اللہ اور حادث کہا ہے اور صفت ازلیہ نہیں کہا ہے نیز بکر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونه (۴) (الآیۃ) اور

---

(۱) کتاب الایمان، مطلب فی القرآن ۳/۷۱۲، ط سعید

(۲) و کفارته تحریر رقبة او اطعام عشرۃ مساکین او کسوتھم بما یستر عامة البدن..... وان عجز عنھا وقت الاداء صام ثلثة ایام ولاء (تنویر الابصار مع رد المحتار، مطلب کفارۃ الیمین ۳/۷۲۵، ۷۲۶ ط سعید)

(۳) مرجع سابق رقم ۱-۲

(۴) البقرۃ: ۷۵

جو کلام اللہ کو خدائے تعالیٰ کی صفت ازلیہ ہے اور قائم بذاتہ تعالیٰ ہے اس کی تحریف اور اس پر تصرف ناممکن ہے تو آپ فرمائیں کہ ان میں سے کون حق پر ہے زید یا کہ بکر ؟
(۳) آپ نے جو فتویٰ کے اندر کلام اللہ کا ذکر کیا ہے کہ (قرآن مجید سے مراد حالف نے کلام اللہ لی ہے تو یہ قسم ہو جائے گی) اس کلام اللہ سے آپ کی کیا مراد ہے وہ کلام جو صفت ازلیہ باری تعالیٰ کی ہے قائم بذاتہ یا کہ یہ حروف منظومہ اور آیات جو کہ حفاظ قرآن نماز تراویح میں سنایا کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے سنے گئے ہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۲۲۴۲ مولوی محمد فاروق صاحب (ضلع گوجرانوالہ) ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۱۷) (۱) اگر کوئی حالف اس تفصیل سے قسم کھائے جو آپ نے فرض کی ہے تو وہ قسم نہیں ہوگی کیونکہ اس میں محلوف بہ ایک ایسی متعین ہو گئی جو اللہ تعالیٰ کی صفت ازلیہ نہیں ہے اور صاحب بدائع کی عبارت کا یہی مطلب ہے اور ان کی یہ تحقیق مذہب متقدمین کے مطابق ہے(۱)
(۲) زید کا یہ قول کہ قرآن جو ہم پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں یہ کلام اللہ ہے اس معنی سے صحیح ہے کہ یہ دال ہے اور اللہ کا کلام جو صفت ازلیہ ہے اس کا مدلول ہے اور عوام چونکہ دال و مدلول کا فرق نہیں سمجھتے اس لئے متاخرین نے قائل کے اس قول کو (میں قرآن کی قسم کھاتا ہوں) قسم قرار دیدیا ہے کیونکہ اس میں لفظ قرآن دال اور مدلول دونوں کا محتمل ہو سکتا ہے لہذا انہوں نے زجراً و تغلیظاً مدلول پر حمل کر کے قسم ہو جانے کا فتویٰ دے دیا ہے(۲) "**وهو الاليق للعوام**" ہاں اگر زید کا مطلب یہ ہو کہ یہ الفاظ اور حروف جو ہماری زبان سے ادا ہوئے اور یہ آواز جو ہمارے منہ سے نکلی یہی بشخصہ اللہ کی صفت ہے تو یہ بات ظاہر البطلان ہے(۳) (**يسمعون كلام الله**) میں کلام اللہ کا اطلاق اس معنی سے کیا گیا ہے جس معنی سے میں کسی کی زبان سے بنام جہاں دار جان آفرین سن کر یہ کہتا ہوں کہ میں نے فلاں شخص کی زبان سے سعدی کا کلام یا سعدی کا شعر سنا۔
(۳) میں نے کلام اللہ کا لفظ اسی لئے لکھا ہے کہ عوام سے جب کہ وہ قرآن کی قسم کھاتے ہیں اگر دریافت کیا جائے کہ قرآن سے تمہارا کیا مطلب ہے اگر وہ جواب میں کہیں کہ ہماری مراد کلام اللہ ہے تو یہ لفظ

---

(۱) ولو قال بالقرآن او با لمصحف او بسورہ کذا من القرآن فلیس بیمین لانه حلف بغیر الله تعالیٰ واما المصحف فلا شك فیه واما القرآن سورة کذا فلان المتعارف من اسم القرآن الحروف المنظومة والا صوات المقطوعة تقطیع خاص لا کلام الله الذی هو صفة ازلیة قائمة بذاته منافی السکوت والآخر (بدائع الصنائع فصل واما رکن الیمین ۳/۸ ط سعید)
(۲) قال الکمال : ولا یخفی ان الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمینا (الدر المختار) قال المحقق فی الشامیة (قوله قال الکمال) مبنی علیٰ ان القرآن بمعنی کلام الله فیکون من صفاته تعالیٰ (رد المحتار مطلب فی القرآن ۳/ ۷۱۲ ط سعید)
(۳) وحاصله ان غیر المخلوق هو القرآن بمعنی کلام الله الصفته النفسیه به تعالی لا بمعنی الحروف المنزله (رد المحتار مطلب فی القرآن ۳ ۷۱۲ ط سعید)

دال اور مدلول دونوں پر محمول ہو سکتا ہے اس لئے تغلیظاً اس کو قسم قرار دیا جائے گا اور اگر وہ جواب میں مصحف کو بتائیں کہ یہ مراد ہے تو اس کو قسم نہیں قرار دیا جائے گا کیونکہ مصحف یقیناً غیر اللہ اور حادث اور مخلوق ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مشروع کام کرنے کی قسم کا حکم

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) کسی اسلامی انجمن کے کام کو نہایت اخلاص سے کرنے کے لئے آپس میں بد ظنی کے خیال کو دور کرنے کے لئے کارکنوں کا حلف اٹھانا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۱۸) کسی مشروع کام کرنے کا معاہدہ یا حلف کرنا ناجائز تو نہیں ہے لیکن بہتر نہیں ہے کیونکہ وہ کام اگر ضروری (فرض یا واجب) ہے تو خود شریعت کا حکم اس کے لئے کافی ہے اور مسنون یا مستحب ہے تو معاہدہ یا حلف سے ایک قسم کی پابندی اور سختی عائد ہو جاتی ہے اور در صورت خلاف عہد شکنی یا حلف شکنی لازم آتی ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

خدا کی قسم کھا کر توڑنے سے کفارہ واجب ہو گا.

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ یکم جون ۱۹۳۵ء)

(سوال) جو شخص جھوٹی قسمیں کھاتا ہو اور خدا اور رسول کی قسم کھا کر خلاف کرتا ہو اس کا کیا حکم ہے ؟

(جواب ۲۱۹) زیادہ قسمیں کھانا اچھا نہیں ہے(۳) اور جو شخص زیادہ قسمیں کھاتا ہے اس سے اکثر خلاف ہو جاتا ہے اگر اس نے خدا کی قسم کھا کر توڑی ہو تو اس کے ذمہ کفارہ دینا واجب ہے اور کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلائے یا کپڑا پہنائے اور ان دونوں کی طاقت نہ ہو تو تین روزے رکھے(۴) قرآن اور رسول کی قسم کھانا شریعت میں جائز ہی نہیں(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) حوالہ بالا رقم ۲، ۳

(۲) الیمین باللہ تعالیٰ لا تکرہ ولکن تقلیلہ اولیٰ من تکفیرہ (عالمگیریہ' الباب الاول فی تفسیر ھاشرعاً ورکنھا و صفتھا ۲/۵۲ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۳) حوالہ بالا

(٤) و کفارتہ تحریر رقبۃ او اطعام عشرہ مساکین او کسوتھم بما یستر عامۃ البدن..... وان عجز عنھا وقت الاداء صام ثلثۃ ایام ولاء (تنویر الابصار مع رد المحتار' مطلب کفارۃ الیمین ۳/۷۲۵' ۷۲۶' ط سعید)

(٥) لا یقسم بغیر اللہ تعالیٰ کالنبی والقرآن والکعبۃ (تنویر و شرحہ) قال المحقق فی الشامیہ (قولہ لا یقسم بغیر اللہ تعالیٰ) بل یحرم کما فی القھستانی (رد المحتار قبیل مطلب فی القرآن ۳/ ۷۱۲ ط سعید)

"فلاں کے گھر کھانا کھاؤں تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب نہ ہو" قسم کا حکم!

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۳۷ء)

(سوال) زید نے قسم کھائی کہ میں بکر کے یہاں کھانا پینا ہرگز نہیں کروں گا کیونکہ وہ برادری سے باہر ہے اگر کھاؤں تو مجھے حشر میں رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب نہ ہو (دونوں مسلمان ہیں) ایک ماہ بعد زید نے بکر کے یہاں کھانا کھالیا اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

(جواب ۲۲۰) ایسی قسم جس کا توڑنا شرعاً مطلوب ہو توڑ دینا جائز ہے اور اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہئیے۔ بکر کے یہاں کھانا پینا نہ کرنے کی قسم اگر کسی معقول وجہ پر مبنی نہ تھی تو اسے توڑ دینا بہتر تھا(۱) اور اس کا کفارہ دس مسکینوں کو فی مسکین پونے دو سیر گیہوں دے دینے سے ادا ہو جائے گا(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

فصل دوم - قسم توڑنے کا کفارہ

قسم کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑا پہنانا، ان کی طاقت نہ ہو تو تین دن مسلسل روزہ رکھنا ہے.

(سوال) ایک آدمی نے قسم کھائی مگر یاد نہیں کہ کس کا نام لیکر قسم کھائی تھی کہ جب تک منکوحہ عورت یعنی اپنی بیوی سے فرمائش نہ کرے وہاں تک اس سے صحبت نہیں کروں گا بعد اس کے بغیر کہے عورت کے صحبت کرلی اور قسم کھاتے وقت طلاق کی نیت بھی نہیں کی تھی تو اس شخص پر کفارہ کیا لازم ہوگا؟ وہ ہمیشہ آج تک صحبت کرتا رہا اور کفارہ بھی نہیں دیا اس کے لئے کیا حکم ہوگا؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۲۱) اگر قسم خدا تعالیٰ کی ذات یا صفات کے ساتھ کھائی ہو تو اس کا خلاف کرنے سے کفارہ لازم ہوگا ورنہ نہیں(۳) اور جب کہ طلاق کو معلق نہیں کیا تو طلاق بھی نہیں ہوگی کفارہ قسم یہ ہے کہ یا ایک غلام آزاد کیا جائے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے یا ایک ایک جوڑا کپڑا دیا جائے اگر ان تینوں میں سے کچھ نہ ہو سکے تو تین دن کے مسلسل روزے رکھے لیکن اگر کوئی شخص غلام کے آزاد کرنے یا دس مسکینوں کو کھانا کپڑا دینے پر قادر ہو اور پھر بھی روزے رکھ لے تو کفارہ ادا نہ ہوگا(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) نوع يتخير فيه بين البر والحنث' والحنث خير من البر فيندب فيه الحنث (عالمگیریه' الباب الاول في تفسيرها وركنها و شرطها ۲/۵۲' ط ماجدیه کوئٹه)

(۲) انظر المرجع الرابع صفحه گذشته(۳) والحاصل ان اليمين ما يكون باسم من اسماء الله او بالصفات ما كان متعارفاً (خلاصة الفتاوىٰ' الجنس الاول في الفاظ اليمين ۲/۱۲۵' ط سهيل اكيڈمي' لاهور)

(٤) و كفارته تحرير رقبة او اطعام عشرة مساكين او كسوتهم بما يستر عامة البدن.....وان عجز عنها وقت الأداء صام ثلاثة ايام ولاء (تنوير الابصار مع رد المحتار' مطلب كفارة اليمين ۳/۷۲۵' ۷۲٦' ط سعيد)

خدا کی قسم کھاکر توڑی تو کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑا پہنانا یا ان کی طاقت نہ ہو تو مسلسل تین دن روزہ رکھنا واجب ہے.

(سوال) ایک شخص ایک مجمع میں قسم کلام پاک کی کھا چکا کہ میں آئندہ آپ کے پاس نہیں آؤں گا اور پھر اس جگہ آجاتا ہے پہلے بھی ایسا واقعہ ہو چکا ہے یہ شخص جھوٹی قسمیں کھانے کا عادی ہے۔ المستفتی نمبر ۱۶۷ اچھوٹے۔دہلی ۶ رمضان ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۳۰ء

(جواب ۲۲۲) زیادہ قسمیں کھانا اچھا نہیں ہے اور جو شخص زیادہ قسمیں کھاتا ہے اس سے اکثر خلاف ہو جاتا ہے اگر اس نے خدا کی قسم کھا کر توڑی ہو تو اس کے ذمے کفارہ دینا واجب ہے اور کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلائے یا کپڑا پہنائے اور ان دونوں کی طاقت نہ ہو تو تین روزے رکھے قرآن اور رسول کی قسم کھانا شریعت میں جائز ہی نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد میں نہ آنے کی قسم کے بعد لوگوں کے کہنے پر مسجد جانے سے بھی کفارہ لازم ہوگا.

(سوال) زید نے مسجد میں آنے سے قسم کھائی کہ میں اس مسجد میں نہیں آؤں گا بعد چند روز کے چند آدمی جاکر اس کو لے آئے تو اس صورت میں قسم کا کفارہ زید پر ہوگا یا لانے والوں پر کفارہ دس مسکینوں کو صبح و شام کھلانے سے ادا ہوگا یا اس طرح بھی گنجائش ہے کہ ایک غریب عاقل بالغ کو دس روز تک دونوں وقت کھلادے اور بچوں کے کھلانے سے بھی ادا ہوگا کہ نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۳۴۹ محمد یونس صاحب (متھرا) ۷ ۲ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۰فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۲۳) زید نے قسم کھائی تھی کہ میں فلاں مسجد میں نہ جاؤں گا پھر لوگوں کے کہنے سننے سے چلا گیا تو قسم کا کفارہ زید پر لازم ہوگا ان لوگوں پر لازم نہ ہوگا جو زید کو سمجھا بجھا کر مسجد میں لے گئے(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سچ بولنے کی قسم کھانے کے بعد جھوٹ بولنے سے کفارہ لازم ہوگا.

(سوال) ایک شخص حاکم کی پیشی میں بحیثیت گواہ پیش ہوتا ہے حاکم اس کو قرآن مجید پر ہاتھ رکھوا کر ان الفاظ سے قسم لیتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا اس کے بعد وہ جو کچھ پوچھنا چاہتا ہے پوچھتا ہے اور اسی مجلس میں وہ شخص گواہی بیان کرتا ہے اس صورت میں اگر وہ گواہ خلاف واقعہ کے شہادت دے اور اسکا جھوٹ ثابت ہو جائے یا بعد میں وہ جھوٹ کا اقرار کرے

---

(۱) ومن فعل المحلوف علیه مکرها او ناسیاً فهو سواء (هدایة' کتاب الایمان ۲/ ۴۷۹ ط مکتبه شرکه علمیه ملتان ، و فی العالمگیریه' فتصح من المکره وکذا الجدو العمد فتصح من الخاطئی والهازل (الباب الاول فی تفسیرها شرعا ورکنها و شرطها و حکمها ۲/ ۵۱ ط ماجدیه' کوئته)

تو آیا قسم مذکورہ بالا میں وہ حانث ہو جائے گا ؟ یہ قسم منعقدہ کہلائے گی یا غموس ؟ان الفاظ سے قسم ہو جاتی ہے یا نہیں ؟اور مذکورہ بالا قسم میں اور اس طرح قسم کھانے میں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم (بخدا) یا کسی زبان میں کہو کہ میں اس کام میں شریک تھا اور فلاں فلاں آدمی بھی موجود تھا اور بات دراصل غلط اور بناوٹی تھی جو شہادت بیان یہ دے رہا ہے سب خلاف ہے کیا فرق ہے یمین اول منعقدہ ہے اور ثانی غموس ہے یا دونوں غموس ہیں تو بہ لازم ہے یا دونوں لغو ہیں کیا فرق ہے اور ان کا کیا حکم ہے اور بصورت یمین غموس علاوہ توبہ و ناوانستہ کے کوئی تعزیر شرعادی جاسکتی ہے کہ اس نے بے باکانہ حلف کذب پر کی ہے تاکہ آئندہ اسے اور دیگر لوگوں کو عبرت اور تنبیہ ہو کہ کوئی ایسی جرأت نہ کرے اور اپنی مذہبی قسم کو ہلکا اور معمولی کلام نہ سمجھے جس سے اغیار کی نظر میں حقارت ہو۔ **المستفتی** نمبر ۱۹۸۰ شریف احمد۔ نئی چھاؤنی۔ دہلی ۲۸ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۳ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۲٤) ہاں یہ قسم ہو جاتی ہے اور اگر جھوٹ بولے تو کفارہ قسم ادا کرنا ہو گا یہ قسم آئندہ سچ بولنے یا جھوٹ بولنے کے حق میں منعقدہ ہے(۱) اور دوسری قسم جو سوال میں مذکور ہے وہ غموس ہے' یمین غموس پر تعزیر و تنبیہ کی جاسکتی ہے(۲) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی**

ایک کام پر چند قسموں سے ایک ہی کفارہ کافی ہو گا.

(سوال) ایک شخص کسی بارے میں قسم کھاوے تو اس کو قسم مذکور کا کیا کفارہ دینا چاہئیے اور اسی بارے میں چند قسمیں کھاوے تو اسکا کفارہ کیا ہے ؟

(جواب ۲۲۵) ایک امر پر چند قسموں سے ایک ہی کفارہ کافی ہو جاتا ہے۔**وفی البغیة کفارات الایمان اذا کثرت تداخلت ویخرج بالکفارة الواحدة عن عهدة الجمیع (کذافی الشامی ص ۵٦)**(۳) اور کفارہ غلام کو آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور اگر ان تینوں چیزوں پر قدرت نہ ہو تو تین متواتر روزے رکھے **کفارة الیمین عتق رقبة یجزئ فیها ما یجزی فی الظهار وان شاء کسا عشرة مساکین کل واحد ثوباً فما زاد وادناه ما یجوز فیه الصلوة وان شاء اطعم عشرة مساکین کالا طعام فی کفارة الظهار فان لم یقدر علی حد الا شیاء الثلثة صام ثلثة ایام متتابعات** (٤) **واللہ اعلم بالصواب** محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) و منعقدة وهو ان یحلف علی امر فی المستقبل ان یفعله او لایفعله' و حکمها لزوم الکفارة عندالحنث (عالمگیریه' الباب الاول فی تفسیرها شرعا و رکنها و صفتها ۲ / ۵۲ ط ماجدیه' کوئٹه)

(۲) غموس : و هو الحلف علی اثبات شئ او نفیه فی الماضی والحال یتعمدا لکذب فیه فهذه الیمین یاثم فیها صاحبها' و علیه الاستغفار و التوبة دون الکفارة (عالمگیریه' الباب الاول فی تفسیرها شرعاً ورکنها و صفتها ۲ ۵۲ ط ماجدیه' کوئٹه)

(۳) کتاب الایمان' مطلب تتعددالکفار بتعددالیمین ۳' ۷۱٤' ط سعید

(٤) هدایه' فصل فی الکفارة' ۲ ٤۸۱' ط مکتبه شرکت علمیه' ملتان

دوسرا باب
منت ماننا

بیماری سے صحت پر مسجد کے نمازیوں کو کھانا کھلانے کی منت کا حکم

(سوال) ایک شخص مسمی زید نے مرض میں گرفتار ہونے کی وجہ سے نذر مانی کہ اگر شافی مطلق نے مجھے کامل صحت مرحمت فرمائی تو میں مقابل کی مسجد یا فلاں مسجد کے نمازیوں کو کھانا کھلاؤں گا اب وہ شخص منذورہ زید نے صحت پاکر یا قبل صحت تمام نمازیوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا ہے سوال یہ ہے کہ امراء و اغنیاء جو نماز میں شامل ہوتے ہیں وہ اس نذر کی شیرینی کھا سکتے ہیں یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۲۶) فلاں مسجد کے تمام نمازیوں کو کھانا یا شیرینی کھلانا اگر بطور ہبہ یا اباحت مقصود تھا تو یہ قربت مقصودہ نہیں ہے اور اگر بطور صدقہ مراد تھا تو چونکہ نمازیوں میں غنی اور محتاج دونوں شامل ہوتے ہیں اور تصدق علی الغنی صحیح نہیں ہوتا لہذا یہ نذر صحیح یعنی لازم نہیں ہوتی اب اگر وہ کھانا یا شیرینی کھلائے تو تبرع ہوگا اور اس تبرع میں نیت تصدق نہ ہو تو اغنیاء اور فقراء کو کھانا جائز ہے۔ نذر التصدق علی الاغنیاء لم یصح مالم ینو ابناء السبیل (درمختار) قلت و لعل وجه عدم الصحة فی الاول عدم كونها قربةً الخ (ردالمحتار) (۱) ولو قال ان فعلت كذا فلله علی ان أضيف جماعة قرابتي فحنث لا يلزمه شئي الخ (هنديه) (۲) کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار پر چادر چڑھانے کی نذر کا حکم۔

(سوال) ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ میں بغداد میں حضرات پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار پر ایک غلاف چڑھاؤں گا تو اس پر اس نذر کا ادا کرنا واجب ہے یا نہیں اور اگر یہ شخص اس غلاف پر جتنا روپیہ لگتا ہے اتنا روپیہ حضرت پیران پیر کی روح مبارک کو ثواب پہنچانے کی غرض سے کسی مصرف خیر میں صرف کرے تو درست ہے یا نہیں ؟ اور اگر وہ اسطرح کرے تو اس کی نذر ادا ہو گی یا نہیں ؟

(جواب ۲۲۷) اگر اس نذر سے نذر کرنے والے کا صاحب قبر کی نذر کرنا اور اس کی طرف تقرب مقصود تھا اور ظاہر یہی ہے تو یہ نذر ہی معصیت و حرام ہے اور ایسی صورت میں نذر منعقد و صحیح نہیں ہوتی اس نذر کا معصیت ہونا تو عبارت ذیل سے واضح ہے۔

وقد نص العلامة قاسم بن قطلو بغافي شرح در رالبحار ان النذر الذی يقع من اكثر العوام للاموات كان يقول يا سيدي ان رد غائبي او شفي مريضي فلك من الذهب والفضة كذا

---

(۱) كتاب الايمان مطلب في احكام النذر ۳/ ۷۳۸' ط سعيد

(۲) كتاب الايمان ومما يتصل بذلك مسائل النذر ۲/ ٦٦' ط ماجديه كوئته

ومن الثياب كذا او الطعام او الشمع والزيت كذا حرام و باطل لكونه نذر المخلوق و ما يؤخذ من الشمع والزيت والدرهم و نحوها الى الضرائح الاولياء تقرباً اليهم حرام لا يحل اكله لا لغني ولا لفقير ولا يجوز لخادم القبور اخذه انتهى (عمدة الرعاية (۱) و مثله في الدر المختار) (۲) اور نذر معصیت کا صحیح نہ ہونا بھی اسی عبارت مذکورہ سے واضح ہو گیا نیز عبارات ذیل بھی ملاحظہ ہوں۔

لا يلزمه النذر الااذا كان طاعة و ليس بواجب وكان من جنسه واجب على التعيين فلا يصح النذربالمعاصي ولا بالواجبات الخ (الاشباه والنظائر) (۳) اعلم انهم صرحوا بان شرط لزوم النذر ثلاثة كون المنذور ليس بمعصية و كونه من جنسه واجب الخ (بحر الرائق) (۴) ہاں اگر نذر کرنے والے کا مقصود صاحب قبر کی نذر کرنا نہ تھا اور ان کی جانب تقرب منظور نہ تھا بلکہ غلاف کو صدقہ کرنا اور مجاوروں کو اس کی قیمت یا اس کے کپڑے سے نفع پہنچانا مقصود تھا تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ جن پر تصدق مقصود ہے وہ غنی ہوں اس صورت میں بھی نذر صحیح نہیں ہوئی کیونکہ تصدق علی الاغنیاء قربت مقصودہ نہیں نیز اس کی جنس سے کوئی دوسرا واجب شرعی بھی نہیں ہے۔نذر التصدق على الاغنياء لم يصح مالم ينوابناء السبيل (ردالمحتار) (۵) دوسری صورت یہ کہ وہ محتاج ہوں تو اس صورت میں نذر تو صحیح ہو جائے گی لیکن صرف اس طور سے کہ بقدر قیمت غلاف صدقہ کردیا جائے گا اور اس صورت میں فقیر کی تعیین ضروری نہیں ہے (۶) اور غلاف چڑھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ فعل منذور اگر خود معصیت نہ ہو لیکن کوئی خارجی معصیت اسے عارض ہوتی ہو تو اس معصیت کا ترک لازم ہو جاتا ہےولو نذر ذبح ولده يلزمه الشاة استحساناً (عالمگیری) (۷) قلت وجه لزوم الشاة ان النذر بالذبح قدصح والذبح قربة مقصودة و من جنسه واجب شرعي وهوالا ضحية اما اضافة الذبح الى الولد فلغاة لكونها معصية وانما

---

(۱) باب موجب الافساد ۱/۲۵۵، ط سعید
(۲) کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم ۲/۴۳۹، ط سعید
(۳) الفن الثانی، کتاب الصوم ۲/۷۱، ۷۲، ط ادارة القرآن والعلوم الاسلامیه، کراتشی
(۴) فصل و من نذر صوم یوم النحر ۲/۳۱۶، ط بیروت لبنان
(۵) کتاب الایمان، مطلب فی احکام النذر ۳/۷۳۸، ط سعید
(۶) رجل قال مالي صدقة على فقراء مكة ان فعلت كذا فحنث و تصدق على فقراء بلخ او بلد اخرى جاز و يخرج عن النذر (عالمگیریه، ومما یتصل بذلک مسائل النذر ۲/۶۵، ط ماجدیه کوئٹه)
(۷) حواله بالا

لم تو ثر فی ابطال النذر لکونها عارضة عن مفهوم المنذور وهو الذبح ولما بطلت الاضافة الی الولد حکمنا بوجوب الشاة التی هی ادنی الذبائح (کفایت اللہ) الحاصل اگر صورت مسئولہ میں مقصود نذر میں تقرب الی صاحب القبر ہو تو نذر صحیح نہیں اور اگر مقصود تقرب الی اللہ اور تصدق علی المجاورین ہو تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ مجاورین اکثر اغنیا ہوتے ہیں ہاں اگر تقرب الی اللہ مقصود ہو اور فقراء پر تصدق تو نذر صحیح ہوئی اور ناذر کو جائز ہے کہ وہ قیمت غلاف فقراء و مساکین و طلبہ پر تقسیم کردے۔ واللہ اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

یصح التضحیه بالشاة المشتراة قبل ایام النحر بنیة التضحیه الواجبه

(سوال) ما قول العلماء رحمهم الله تعالیٰ فی هذه المسئلة رجل موسر اشتری شاة قبل ایام النحر قال عند شرائها اذبح هذه الشاة فی ایام النحر للاضحیة التی اوجبها الله علی عباده الموسرین ولم یقل لله علی ان اضحی بها ای لا اوجبها علی نفسه بل قال اضحی ما اوجب الله تعالی افی هذه الصورة ان ضحی بها فی ایام النحر تؤدی عنه الاضحیة ام تصیر نذراً فیذبح للاضحیة شاةً اخری ؟ بینوا توجروا

(ترجمہ) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک مال دار آدمی نے ایام نحر سے قبل ایک بکری خریدی اور خریدتے وقت یہ کہا کہ اس بکری کو میں ایام نحر میں اس قربانی کے طور پر ذبح کروں گا جو اللہ نے اپنے مالدار بندوں پر واجب کی ہے اور یہ نہیں کہا کہ اس کا قربان کرنا مجھ پر واجب ہے یعنی اس کو اپنے اوپر واجب نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ وہ قربانی کروں گا جو اللہ نے واجب کی ہے تو اگر اس نے اس بکری کو ایام نحر میں ذبح کیا اس کی واجب قربانی ادا ہو جائے گی ؟ یا وہ بکری نذر ہو جائے گی ؟ اور قربانی کی ادائیگی کے لئے اس کو دوسری بکری خریدنی پڑے گی ؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۲۸) لو ضحی بهذه الشاة المشتراة بنیة التضحیة الواجبة علیه تتادی بها فریضة الله و یصیر فارغ الذمة ولا یجب علیه التضحیة بشاة اخری وذلك لانه لم ینو ولم یوجب علی نفسه شاةً مبتداةً لتصیر نذراً وانما عین الشاة المشتراة لاقامة الواجب الشرعی الذی کان علیه قبل الشراء و بمثل هذا الکلام لا ینعقد النذر کرجل قال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاةً فبری لا یلزمه شئی الا ان یقول ان برئت فلله علی ان اذبح شاة (کذافی الهندیة ص ۷۱ ج ۲) (۱)

و علم منه ان النذر لا یصح حتی یاتی الناذر بصیغة الا لتزام و الا یجاب علیه لله و هی غیر موجودة فی صورة السوال والله اعلم

---

(۱) المرجع السابق ۲: ٦٦

كتبه محمد كفاية الله غفرله سنهری مسجد مدرسه امينيه دهلی ۹ محرم ۱۳۳۵هجری

(ترجمہ) اگراس شخص نے اپنی واجب قربانی کی ادائیگی کی نیت سے اس خریدی ہوئی بکری کو قربان کیا تو اللہ تعالیٰ کا فریضہ اس سے ادا ہو جائے گا اور وہ شخص بری الذمہ ہو جائے گا اور دوسری بکری خرید کر قربانی کرنا اس پر واجب نہیں ہوگا کیونکہ اس نے پہلی بکری خریدتے وقت اپنے اوپر خود واجب کرنے یا بطور خود اپنی طرف سے قربانی کرنے کی نیت نہیں کی تھی اگر ایسا ہوتا تو وہ نذر بن جاتی اور اس خریدی ہوئی بکری کو اس نے واجب شرعی کی ادائیگی کے لئے متعین کیا ہے جو خریدنے سے پہلے اس کے ذمہ تھا اور اس قسم کے کلام سے نذر منعقد نہیں ہوتی جیسے کہ ایک شخص نے کہا کہ اگر میں اپنی اس بیماری سے شفا یاب ہو جاؤں تو ایک بکری ذبح کروں گا پس اگر وہ شفایاب ہو جائے تو اس پر ذبح کرنا ضروری نہیں ہاں اگر یہ کہے کہ اگر میں شفایاب ہو جاؤں گا تو اللہ کے لئے ایک بکری قربان کروں گا تو وہ نذر ہوگی اور اس کی ادائیگی ضروری ہوگی

معلوم ہوا کہ نذر صحیح نہیں ہوتی جب تک کہ اللہ کے لئے اپنے اوپر واجب اور لازم کرنے کے الفاظ نہ بولے جائیں اور اس قسم کے الفاظ صورت مسئولہ میں موجود نہیں ہیں۔

(ردالجواب) (از مولوی عبدالرحمن شکارپور۔ سندھ) در صورت مسئولہ بر غنی مذکور دو شاۃ لازم خواہد شد یکے بہ نذر و دیگر بہ ایجاب شرع چرا کہ نذر مختص بہ لفظ للہ علی یا علی نیست بلکہ اگر گوید ایں شاۃ را اضحیٰ خواہم نمود یا ایں را اضحیٰ کردم تاہم نذر خواہد شد قال في الكفاية (۱) **تحت قول الماتن ان كان اوجب على نفسه الخ اى شاة بعينها بان في ملكه شاةً فيقول اضحى بهذه الخ**

وقال في ردالمحتار (۲) تحت قول الماتن ناذر لمعينة الخ فالمنذور به بان قال لله على ان اضحى شاةً او بدنةً او هذه الشاة او البدنة او قال جعلت هذه اضحية انتهى

باقی ماند اگر در ایام نحر ایں صیغہا بوقت شرا گوید و در قصد ش اخبار عن الواجب الشرعی نیست تاہم دو شاۃ واجب خواہد گردید۔ واگر در قصد ش اخبار عن الواجب بود پس یک شاۃ لازم خواہد شد واگر قبل از ایام نحر ایں صیغہا گوید بہر حال بر او دو شاۃ واجب خواہد گردید بر ابر است کہ در قصد ش اخبار عن الواجب بود یا نہ۔

قال في رد المحتار (۳) باب الاضحية و اعلم انه قال في البدائع ولو نذران يضحى شاةً و ذلك في ايام النحر وهو موسر فعليه ان يضحى شاتين عندنا شاةً بالنذر و شاةً بايجاب الشرع ابتداءً الا اذا عنى به الاخبار عن الواجب عليه فلا يلزمه الا واحدة ولو

---

(۱) كتاب الاضحية ۸/ ۴۳۲ ط مكتبه رشيديه كوئته پاكستان

(۲) كتاب الاضحية ۶/ ۳۲۰ ط سعيد

(۳) حواله بالا

قبل ايام النحر لزمه شاتان بلا خلاف لان الصيغة لا تحتمل الاخبار عن الواجب قبل الوقت انتهى وقال في موضع آخر و قدمنا ان الغني اذا قصدبالنذر الاخبار عن الواجب عليه و كان في ايام النحر لزمه واحدة والا فشاتان (۱) انتهى

پس ازیں عبارت واضح گردید کہ صیغہ نذر مختص بہ لله علي یا علي نیست ودر صورت مسئولہ بر غنی مذکور دو شاۃ لازم خواہد شد وانچہ قبل النحر اخبار عن الواجب نمود قطعاً معتبر نیست پس انچہ مولانا مشتاق احمد صاحب و مولوی کفایت اللہ صاحب قلمی نمودہ اند کہ قول مذکور نذر نیست۔ ونہ بر غنی مذکور سوائے یک شاۃ مشترکۃ لازم خواہد گردید در نظر فقیر از روایات فقہا معلوم نمی شود۔ کما عرفت۔ واللہ اعلم

حررہ الفقیر عبدالرحمٰن' شکارپوری

(ترجمہ) صورت مسئولہ میں غنی مذکور پر دو بکریاں لازم ہو جائیں گی ایک نذر کی وجہ سے اور دوسری واجب شرعی کی وجہ سے کیونکہ نذر میں اللہ کے لئے اپنے اوپر واجب و لازم کرنے کے الفاظ ضروری نہیں ہیں بلکہ اگر اس نے کہا کہ اس بکری کی قربانی کروں گا یا اس کی قربانی کروں گا تو نذر منعقد ہو جائے گی کفایہ میں ہے کہ اگر اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا یعنی ایک جانور کو بعینہ واجب کر لیا مثلاً ایک جانور پہلے سے اس کی ملک میں تھا اس نے اس کے متعلق کہا کہ میں اس کی قربانی کروں گا (تو وہ نذر ہو جائے گی) اور ردالمحتار میں قول ماتن ناذر لمعينة کی تشریح میں کہا ہے کہ منذور بہ اس طرح ہو گا کہ اس نے کہا کہ اللہ کے لئے مجھ کو ایک بکری یا اونٹ کرنا ہے یا یہ خاص بکری یا اونٹ کہا یا یہ کہا کہ میں نے اس کو قربانی کے لئے قرار دیا۔ انتہی

رہی یہ بات کہ اگر ایام نحر میں بوقت خرید الفاظ مذکورہ کہے اور اس کی نیت اخبار عن الواجب الشرعی کی نہ تھی تو بھی دو بکریاں واجب ہوں گی اور اگر بقصد اخبار عن الواجب کہے تو ایک بکری لازم ہو گی اور اگر ایام نحر سے قبل الفاظ مذکورہ کہے تو اس پر دونوں صورتوں میں دو بکریاں واجب ہوں گی خواہ اس نے اخبار عن الواجب کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

ردالمحتار باب الاضحیہ میں بحوالہ بدائع منقول ہے کہ اگر اس نے ایام نحر میں منت مانی کہ ایک بکری کی قربانی کروں گا تو اگر وہ مالدار ہے تو اس پر دو بکریوں کی قربانی واجب ہو گی ایک منت کی اور ایک ایجاب شرعی کی لیکن اگر اس کی مراد اخبار عن الواجب تھی تو ایک ہی قربانی واجب ہو گی اور اگر ایام نحر سے قبل نذر مانی تو بالاتفاق اس پر دو ہی قربانیاں واجب ہوں گی کیونکہ الفاظ میں قبل از وقت اخبار عن الواجب کا احتمال نہیں ہے انتہی دوسری جگہ لکھا ہے کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اگر نذر سے مراد اخبار عن الواجب ہو اور زمانہ قربانی کا ہو تو اس پر ایک بکری لازم ہو گی ورنہ دو بکریاں۔ انتہی

---

(۱) رد المحتار' كتاب الاضحيه ۶/ ۳۳۲ ط سعيد

پس اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ نذر کا صیغہ لله علي یا علي کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور صورت مسئولہ میں غنی مذکور پر دو بکریاں لازم ہوں گی اور ایام نحر سے قبل اخبار عن الواجب قطعاً غیر معتبر ہے۔

پس جو کچھ مولانا مشتاق احمد صاب اور مولانا کفایت اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ قول مذکور نذر نہیں ہے اور غنی مذکور پر ایک ہی جانور کی قربانی واجب ہو گی فقیر کے خیال میں روایات فقہیہ کے مطابق نہیں ہے۔ کما عرفت۔ واللہ اعلم

(نوٹ) اس کا جواب الجواب معلوم نہیں کہ حضرت مفتی اعظمؒ نے لکھا تھا یا نہیں ؟ مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ (واصف عفی عنہ)

مسجد بنانے کی منت واجب الاداء نہیں .

(سوال) زید نے حالت بیماری میں یہ منت مانی کہ بعد صحت تین کام انشاء اللہ کروں گا اول یہ کہ لڑکی کا عقد جہاں تک ممکن ہو گا جلد کر دوں گا دوم یہ کہ جائیداد کل وقف علی الاولاد کر دوں گا سوم یہ کہ مسجد کی تعمیر تنہا بذات خود کروں گا اب وہ مسجد تعمیر کرا رہا ہے اور روپیہ بھی کافی ہے لیکن اثنائے تعمیر میں بکر نے کہا کہ ایک سو روپے واسطے تعمیر مسجد ہمارا بھی جمع کیا جائے علاوہ ازیں ایک سو روپیہ اور بھی دیں گے ایسی صورت میں بکر کا روپیہ شامل تعمیر مسجد کرنا جائز ہے یا نہیں جب کہ منت والے کے پاس روپیہ بھی کافی ہے اور تنہا تعمیر کی منت بھی ہے ؟

المستفتی نمبر ۶۷ حاجی عبدالرحمن جونابلا سپور۔ ۱۶ رمضان ۱۳۵۲ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۲۹) مسجد بنانے کی منت واجب الادا نہیں ہوتی اس لئے زید کو جائز ہے کہ اپنے خالص مال سے مسجد بنادے یا دوسرے کو بھی شریک کر لے اگر وہ چاہے کہ اپنی منت کو اسی صورت سے پورا کرے جس صورت سے اس نے مانی ہے تو یہ بھی کر سکتا ہے کہ مسجد کی عمارت اپنے روپے سے بنادے اور بکر کے سو یا دو سو روپے لیکر اس کی تکمیل یعنی استر کاری وغیرہ میں صرف کر دے(۱) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ، دہلی

نذر کی قربانی میں عید قربانی کے جانور کی شرائط کا ہونا ضروری ہے .

(سوال) کسی شخص نے منت مانی کہ اگر فلاں کام ہو گیا تو قربانی کروں گا اس قربانی اور عید کی قربانی میں کیا فرق ہے ؟

---

(۱) وفي البدائع من شروطه ان يكون قربة مقصودة فلا يصح النذر بعيادة المريض وتشييع الجنازة...... وبناء الرباطات والمساجد (رد المحتار، مطلب في احكام النذر ۳/۷۳۵ ط سعيد)

المستفتی نمبر ۱۰۴۱ مولوی عبدالقدوس امام (ترکمان دروازہ دہلی) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۷ جنوری ۱۹۳۶ء۔

(جواب ۲۳۰) قربانی کے جانور کی صفات اور اس نذر سے واجب ہونے والے جانور کی صفات یکساں ہونی ضروری ہیں اور اگر اس نے عید اضحیٰ کے زمانہ میں ذبح کرنے کی نیت کی ہو تو ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کے اندر ہی ذبح کرنا لازم ہوگا(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حج کرانے کی نذر واجب الاداء نہیں.

(سوال) زید نے یہ منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں کسی کو حج کراؤں گا زید کا کام ہو گیا زید اگر اتنا روپیہ جتنا کہ حج میں خرچ ہوتا ہو کسی ایسے شریف نادار کثیر الاولاد کو کام کاج کے لئے دے دے جس کی حالت ناگفتہ بہ ہو فاقوں پر نوبت ہو ایسے شخص کو روپیہ دینے سے زید کی منت ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۰۹۸ محمد نذیر صاحب (دہلی) ۱۴ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۳ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۳۱) یہ منت اس طرح لازم ہو جاتی کہ میں خود حج کروں گا لیکن کسی کو حج کراؤں گا اس طریق پر لازم نہیں ہوئی اور اس لئے جائز ہے کہ زید بجائے حج کرانے کے یہ روپیہ کسی نادار تنگدست شخص کی امداد میں دیدے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حج کرانے کی نذر کی رقم محتاج کو دینا جائز ہے

(سوال) میری والدہ ماجدہ صاحبہ بیمار ہوئی تھیں میں نے خدا تعالیٰ سے یہ منت مانی تھی اگر یہ تندرست ہو جائیں گی تو میں ایک ایسے شخص کو حج کراؤں گا جس نے حج نہ کیا ہو اللہ پاک نے میری دعا قبول فرمائی اور میری والدہ ماجدہ صاحبہ کو تندرستی عطا کی اب میں نے ایک شخص کو تجویز کر کے یہاں سے دہلی لکھا مگر انہوں نے یہ جواب لکھا ہے کہ ایک ایسے شخص کثیر الاولاد ہیں بوجہ افلاس کے فاقوں تک نوبت رہتی ہے لہذا بجائے میرے حج کرانے کے انکو روپیہ دے دیجئے تاکہ اس رقم سے یہ کچھ کام کاج کرلیں اپنی اور اپنے بچوں کی پرورش کر سکیں مگر میری دلی تمنا یہ ہے کہ میں حج کراؤں شرعی حیثیت سے مجھے کیا کرنا چاہئے ؟

المستفتی نمبر ۱۱۲۸ سلطان احمد صاحب (کلکتہ) ۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۵ اگست ۱۹۳۶ء

---

(۱) ولوقال لله علي ان اذبح جزورا و اتصدق بلحمه فذبح مكانه سبع شياه جاز ووجهه لا يخفى (الدر المختار) قال المحقق في الشاميه (قوله : وجهه لايخفى) وهو ان السبع تقوم مقامه في الضحايا والهدايا (كتاب الايمان، مطلب في احكام النذر، ۳ / ۷۴۰ ط سعيد)

(۲) ولم يلزم الناذر ما ليس من جنسه فرض كعيادة مريض و تشييع جنازه ودخول مسجد (التنوير و شرحه كتاب الايمان ۳ / ۷۳۶ ط سعيد)

(جواب ۲۳۲) اس منت کو آپ اس کی اصلی صورت میں بھی پورا کر سکتے ہیں یعنی کسی کو حج کرادیں اور دوسری صورت اختیار کرنا یعنی کسی حاجت مند کو اس قدر رقم دیدینا جس قدر حج کرانے میں خرچ ہوتی تو یہ بھی جائز ہے جو صورت آپ پسند کریں اس کی شرعی اجازت ہے اولیٰ اور بہتر دوسری صورت ہے(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نذر کی قربانی میں قربانی اور عقیقہ کے جانور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے!

(سوال) قربانی اور عقیقہ کی طرح نذر کے جانوروں میں عمر وغیرہ کی قیود و شروط ہیں یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۱۱۸۷ پروفیسر محمد طاہر صاحب ایم اے۔(ضلع میمن سنگھ) ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۳۳) ہاں نذر کے جانور کے لئے بھی وہی شروط ہیں اور وہی عمر معتبر ہے جو قربانی کے جانور کے لئے(۲) الا یہ کہ نذر کسی خاص مشخص جانور کے متعلق ہو تو پھر شرائط کا اعتبار نہ ہوگا(۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) بکری سے پانچ فیصد مسجد کو دینے کی نذر واجب الادا ہے.
(۲) پانچ سو روپے ہونے پر ہر روز دو پیسے مسجد کو دینے کی نذر واجب الاداء ہے.

(سوال) (۱) اگر کسی دوکاندار نے اپنی بکری پر ۵ / سیکڑا مسجد میں دینا کر لیا اور اس نے کچھ دیکر پھر نہ دیا تو کیا ہوگا؟ (۲) اگر کسی شخص نے اپنے دل میں سوچ لیا کہ اگر مجھ پر پانچ سو روپے ہو جائیں گے تو مسجد میں دو پیسے روز دیا کروں گا اگر اس پر پانچ سو روپیہ ہو جائیں اور وہ دو پیسے روز مسجد میں نہ دے اور وہ ایک سال میں زکوۃ دے تو کیا ہوگا۔ المستفتی نمبر ۱۲۹۸ منشی عظمت اللہ خاں صاحب ضلع بجنور۔ ۴ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۳۴) (۱) اگر مسجد میں دینے کا ارادہ کیا تھا اور پھر نہ دیا تو مضائقہ نہیں لیکن اگر بطور نذر کے اپنے اوپر دینا لازم کر لیا تھا تو ادا کرنا واجب ہے(۴) (۲) یہ تو نذر ہو گئی جب پانچ سو روپے ہو جائیں گے تو ہر

---

(۱) حوالہ بالا (صفحہ گزشتہ)
(۲) ولو قال لله علی ان اذبح جزورا واتصدق بلحمه فذبح مكانه سبع شياه جاز ووجهه لا يخفى (الدر المختار) قال المحقق فی الشامیه(قوله: ووجهه لايخفى) وهوان السبع تقوم مقامه فی الضحايا والهدايا (كتاب الايمان' مطلب فی احكام النذر ۳ / ۷٤٠ ط سعيد)
(۳) وكذا لو قال لا هدين هذه الشاه والمسئلة بحالها يلزمه (عالمگیریه' وما يتصل بذلك مسائل النذر ۲ / ٦٥ ط ماجدیه' کوئٹه)(٤) ومن نذر نذرا مطلقاً اومعلقاً بشرط وكان من جنسه واجب اى فرض ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر لحديث من نذر و سمى فعليه الوفاء بما سمى كصوم وصلوٰة و صدقة (التنویر و شرحه' کتاب الایمان ۳ / ۷۳۵ ط سعيد)

روزاس وقت تک دیتا ہوں گے جب تک پانچ سو روپے رہیں اور جب پانچ سو روپے سے کم ہو جائیں تو پھر دینا لازم نہ ہوگا (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کام پورا ہونے پر ہر جمعہ کے روز روزہ کی نذر ماننے والا روزہ اور فدیہ دینے سے عاجز ہو تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک شخص نے منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام پورا ہو جائے گا تو میں اپنی تمام زندگی کے اندر ہر جمعہ کا روزہ رکھا کروں گا مگر بعض مجبوریاں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اس کو پورا نہیں کر سکتا اس کی مالی حالت بھی بہت کمزور ہے کوئی معقول کفارہ بھی ادا نہیں کر سکتا۔ المستفتی نمبر ۱۴۶۹ ممتاز جہاں بیگم منیجر مسلم گرلس اسکول۔ کرلا۔ بمبئی ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۶ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۳۵) اگر نذر کی شرط پوری ہو گئی یعنی وہ کام پورا ہو گیا تھا تو وفائے نذر اس کے ذمہ لازم ہے (۲) روزہ رکھے یا بصورت مجبوری روزے کا فدیہ ادا کرے (۳) ہر جمعہ کا روزہ رکھنا لازم ہوا ہے جس جمعہ کو روزہ نہ رکھ سکتا ہو اس کا فدیہ پونے دو سیر گیہوں صدقہ کر دینا ہے اگر مہینے کے چار جمعے ہوں تو سات سیر گیہوں مہینہ بھر کا فدیہ ہوا اگر نہ روزے پر قادر ہو اور نہ فدیہ دینے کی قدرت ہو تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرے کہ وہ اس کی کوتاہی کو اپنی رحمت سے معاف کر دے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

مسجد میں چراغ جلانے اور کھانا رکھنے کی نذر لازم نہیں .

(از الجمعیۃ سہ روزہ دہلی مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) اکثر لوگ یہ منت مانتے ہیں کہ اگر کوئی مراد پوری ہو جائے تو ہم مسجد میں چراغ جلائیں گے اور کچھ پکا کر مسجد کے اندر جابجا رکھ دیں گے اور ایسا کر کے چلے جاتے ہیں صبح کو جو نمازی آتے ہیں وہ اٹھا کر کھا لیتے ہیں آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۳۶) یہ نذر کہ ہمارا فلاں کام ہو گیا تو مسجد میں چراغ جلائیں گے یا مسجد میں کھانا رکھ آئیں گے منعقد نہیں ہوتی اور نہ اس کا پورا کرنا لازم ہے اگر کوئی شخص اس کو پورا کرنا چاہے اور مسجد کی معمولی روشنی کے لئے تیل یا روپیہ دیدے اور اسی طرح مسجد میں کھانا دے آئے تو جائز ہے (۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

---

(۱) حوالہ بالا (صفحہ گزشتہ)

(۲) (حوالہ بالا صفحہ گزشتہ)

(۳)ولو اخر القضاء حتی صار شیخا فانیاً او کان النذر لصیام الا بد فعجز لذلک او باشتغالہ بالمعیشۃ..... فلہ ان یفطر و یطعم لکل یوم مسکینا علی ما تقدم وان لم یقدر علی ذلک لعسرتہ یستغفر اللہ انہ ہو الغفور الرحیم (عالمگیریہ' الباب السادس فی النذر ۱/ ۲۰۹' ط ماجدیہ' کوئٹہ)

(٤) ولم یلزم الناذر ما لیس من جنسہ واجب ای فرض....... کعیادۃ مریض و تشییع جنازۃ و دخول مسجد (التنویر و شرحہ' کتاب الایمان ۳ / ۷۳۶ ط سعید)

نذر کا بکرا عقیقہ یا واجب قربانی میں ذبح کرنا جائز نہیں

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۶ء)

(سوال) زید نے ایک بکرا اللہ واسطے کا چھوڑ رکھا ہے بعد ازاں زید کے ایک لڑکا پیدا ہوا اب زید اس بکرے کو اپنے لڑکے کے عقیقہ میں کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا قربانی کے دنوں میں اس بکرے کی قربانی کر سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۳۷) یہ بکرا تو مستقل طور پر نذر کا ہو گیا اس کو عقیقہ میں یا اپنی واجب قربانی میں ذبح کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو اپنی نیت کے موافق قربان کرنا چاہئے(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عزیز کی بسلامتی واپسی پر جانور کی نذر مانی تو نذر پوری کرنا ضروری ہے.

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۳۶ء)

(سوال) کسی عزیز کی بسلامت واپسی پر کسی جانور کو جو پانچ روپے کا ہو دینے کی نیت کر کے عزیز کی واپسی پر بجائے جانور کے ان روپیوں کی دیگر اشیاء مثلاً ایک نمازی عورت کے لئے چادر یا یتیم بچوں کے لئے کپڑے خرید کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۳۸) دینے سے اس عزیز کو دینا مراد ہے تو جو چاہے دے سکتے ہیں اور اگر جانور کا قربان کرنا مراد ہے تو یہ نذر ہو گئی اور نذر تو اسی طرح ادا کرنا چاہئے جس طرح مانی تھی(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بکرا ذبح کرنے کی نذر کے بعد بھیڑ ذبح کر دے تو نذر پوری ہو جائے گی.

(سوال) ایک شخص نے نذر کی کہ اگر میں تندرست ہو جاؤں تو اللہ کے واسطے ایک بکرا ذبح کر کے خیرات کرنا میرے ذمہ لازم ہے یہ شخص اگر تندرست ہونے کے بعد بجائے بکرے کے بھیڑ قربان کر دے تو نذر پوری ہو جائے گی یا نہیں؟

(جواب ۲۳۹) یہ تبدیلی جائز ہے کیونکہ قربانی اور نذر کا حکم ایک ہے۔ **ولو قال لله علی ان اذبح جزورا واتصدق بلحمه فذبح مكانه سبع شياه جاز (درمختار ص ۷٦ ج ۱)**(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱)ومن نذر ان يضحي شاة وذلك في ايام النحر وهو موسر فعليه ان يضحي بشاتين عندنا' شاة بالنذر و شاة بايجاب الشرع ابتداء الا اذا عنى به الاخبار عن الجواب عليه فلا يلزمه الا واحدة' ولو قبل ايام النحر لزمه شاتان بلا خلاف (رد المحتار' كتاب الاضحية ٦/ ۳۲۰' ط سعيد)

(۲) ومن نذرنذراً مطلقاً او معلقاً بشرط وكان من جنسه واجب اى فرض ...... ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر لحديث' من نذر وسمى فعليه الوفاء بما سمى كصوم وصلوٰة و صدقة (تنوير الابصار وشرحه الدر المختار مع رد المحتار'
مطلب في احكام النذر ۳/ ۷۳۵ ط سعيد)

(۳) كتاب الايمان' مطلب في احكام النذر ۳/ ۷٤۰ ط سعيد

كتاب القضاء والافتاء

پہلا باب
ثالث بنانا

فریقین کی رضامندی سے بنایا گیا ثالث کا فیصلہ صحیح اور معتبر ہے

(سوال) شہر ساگر عملداری سرکار قیصر ہند (انگریزی) میں ایک پنچایت کے مجمع میں یہ پنچ لوگ برادری کے جھگڑوں زنا وغیرہ کے معاملات میں ڈنڈ یعنی جرمانہ وغیرہ کر دیتے ہیں اور بموجودگی قاضی شہر (قاضی شہر یہ ایک ایسا شخص ہے جس کو کہ شہر کے مسلمانوں نے اپنی رضامندی سے بعد وفات اس کے والد کے معاملات نکاح خوانی و طلاق وغیرہ کے واسطے پگڑی باندھ کر قاضی مقرر کرلیا ہے اور نماز عیدین بھی اس کے پیچھے جماعت اہل اسلام ادا کرتی ہے) زید نے اپنی عورت مسماۃ ہندہ منکوحہ پر الزام زنا عمرو کے ساتھ لگایا اور چار مرتبہ روبرو حاضرین مجلس قسم کھا کر گواہی دی کہ میں نے اس کو عمرو کے ساتھ زنا کراتے دیکھا اور پانچویں مرتبہ کہا کہ لعنت خدا کی مجھ پر ہو اگر ہندہ سچی ہو اور ہندہ بھی اس پنچایت میں موجود تھی پھر ہندہ نے اسی طرح چار مرتبہ قسم کھا کر یہ کہا کہ خاوند میرا زنا کی تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور لعنت خدا کی ہو مجھ پر اگر وہ سچا ہو دریافت پر معلوم ہوا کہ اس عورت پر کبھی تہمت زنا کی نہیں لگائی گئی (یہ پنچایت تاریخ وقوعہ کے چار پانچ روز بعد جمع کی گئی تھی اور زید نے ہندہ کو اپنے مکان سے وقت شب نکال دیا تھا اور اس وقت سے اب تک ہندہ اور زید میں علیحدگی ہے) اس واسطے قاضی مذکور الصدر نے بمشورہ پنچان موجودہ باہم زید و ہندہ کے مجمع پنچایت میں تفریق کرادی اب قابل استفسار یہ امر ہے کہ کیا حالت مندرجہ بالا میں جو تفریق کہ قاضی مذکور نے بمشورہ پنچان کرادی ہے وہ عملداری انگریزی میں جہاں کوئی شرعی حاکم نہیں ہے جائز قرار دی جائے گی یا ناجائز؟ اور قاضی مذکور کی یہ تفریق جو مجمع پنچایت میں کی اس قاضی کے حکم کے مطابق جس کا کتب فقہ میں تذکرہ ہے سمجھی جائے گی یا نہیں؟ اور اس کارروائی سے جو زید و ہندہ کے باہم ہوئی اور زید نے ہندہ کو اپنے مکان سے وقوعہ کے بعد سے نکال دیا ہے کیا باہم زید و ہندہ کے طلاق ہو گئی یا نہیں اور اب ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ کسی طریقے سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ جو نکاح کہ ہندہ کا زید کے ساتھ ہوا کیا اس کارروائی سے فسخ ہو گیا؟

معاملات فسخ نکاح کے متعلق جناب مولانا مولوی ابوالکلام آزاد مدظلہ نے اخبار صداقت مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء پر یہ عبارت درج فرمائی ہے (اولاً تو جو عدالتیں آج موجود ہیں شرعاً ان کو قاضی و حاکم قرار نہیں دیا جا سکتا اور احکام شرعیہ میں جہاں کہیں قاضی یا حاکم کا لفظ آتا ہے اس سے موجودہ عدالتیں مقصود نہیں ہو سکتیں پس بحالت موجودہ ہندوستان میں سوائے اس کے چارہ نہیں ہے کہ مسلمان اپنے شرعی مقدمات کے لئے یا علما کی طرف رجوع کریں یا پنچایتی طریقے سے کام لیں) اور جناب مولانا مولوی عبدالرؤف صاحب نے اخبار مذکور الصدر تاریخ ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۶ء میں مولانا ممدوح کی اس

طریقے پر تائید فرمائی ہے (لیکن اگر مسلمان ایک اجتماعی کوشش اس امر کی کریں کہ ایک قاضی اپنا یہاں مقرر کرلیں تو باتفاق فقہا یہ صورت جائز ہوگی اور دوسرے ایسے ممالک میں جہاں مسلمان عیسائی سلطنتوں کے ماتحت آباد ہیں یہی صورت کی گئی ہے) تو کیا ان عبارات کا فائدہ دیگر ایسے ہی امورات شرعی میں قاضی مذکور الصدر اور پنچان سے لیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ اور اگر ان طریقوں سے مسلمان تفریق کرالیں تو کیا وہ تفریق جائز متصور ہوگی یا نہیں ؟ جواب باصواب سے سرفراز فرمائیں خادم محمد عبدالسلام بر مکان قاضی محمد عبدالعزیز قاضی شہر ساگر۔ مورخہ ۲ اکتوبر ۱۹۱۷ء

(جواب ۲۴۰) یہ قاضی جو ہندوستان کے اکثر شہروں میں نکاح یا عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں شرعاً وہ قاضی نہیں ہیں جو احکام اور قضا کے اختیارات رکھتے ہیں اس لئے ان کا کوئی فیصلہ قضا نہیں ہوگا۔ اور جن مسائل میں قضا کی ضرورت ہے ان میں ان کا حکم کافی نہ ہوگا جمعہ اور عیدین اور اسی قسم کے مسائل دینیہ میں تو مسلمان جسے قاضی بنالیں وہ قاضی ہو سکتا ہے اور اس کا فیصلہ معتبر ہے کیونکہ حکومت موجودہ نے مذہبی معاملات میں آزادی دے رکھی ہے۔(۱) اور خود کچھ دست اندازی نہیں کرتی لیکن فصل خصومات کی عدالتیں خود اپنے قبضہ واختیار میں رکھی ہیں اس لئے رعایا کا فصل خصومات کے لئے کسی کو قاضی بنانا اس وقت تک معتبر نہ ہوگا جب تک حکومت سے انہیں یہ اختیار حاصل نہ ہو جائے۔

مگر صورت مسئولہ میں جب کہ زید و ہندہ نے اپنا فیصلہ کسی شخص کے سپرد کردیا اور اس شخص کی تفریق پر فریقین راضی ہو گئے تو وہ شخص حکم ہو گیا اور اس کی تفریق صحیح اور معتبر ہوگی(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

ثالث بنانے کے اقرار نامہ پر دستخط کے بعد ثالث کا فیصلہ معتبر ہے

(سوال) زید و عابدہ زن و شوہر ہیں دونوں میں ناچاقی ہوئی اپنے نزاع کو رجوع ثالثی کیا گیا مگر ثالث نے گواہان طلاق کے بیان قلم بند کر کے واقعہ طلاق کو ثابت قرار دیا اور افتراق کا فیصلہ کردیا بالآخر فیصلہ ثالثی منجانب عابدہ عدالت میں بدیں مضمون پیش ہوا کہ "زید نے طلاق مغلظہ دیا تھا۔ فریقین نے باد خال اقرار نامہ جات اپنے نزاعات طلاق کو رجوع ثالثی کیا ثالث نے افتراق کا فیصلہ کردیا لہذا فیصلہ ثالثی عدالتی قرار دیا جائے" زید نے عابدہ کو طلاق دینے نیز ثالث کو طلاق کے تصفیہ کا اختیار تفویض کرنے سے انکار کیا فیصلہ ثالثی پر زید کے دستخط نہیں ہیں صرف اقرار نامہ پر دستخط ہیں اور اقرار نامہ پر بھی اقربائے عابدہ

---

(۱) ولو فقد وال لغلبة کفار وجب علی المسلمین تعیین وال وامام للجمعة (الدر المختار' کتاب القضاء' مطلب فی حکم تولیة القضاء فی بلاد تغلب علیها الکفار ۵/ ۳۶۹' ط سعید)

(۲) فحکم بینهما ببینة او اقرار او نکول و رضیا بحکمه صح لو فی غیر حدوقود ودیة علی عاقلة (تنویر الابصار و شرحه الدر المختار مع رد المحتار' باب التحکیم ۵/ ۴۲۸' ۴۲۹' ط سعید)

نے بالجبر دستخط کروا لینے کی نسبت ایک فوجداری کارروائی بھی کی خیر چونکہ یہ ایک شرعی معاملہ ہے جو ضابطہ کے تحت آگیا ہے عدالت نے مقدمہ ہذا میں بعد سماعت بحث یہ تنقیح برائے تصفیہ قائم کی ہے آیا قرار نامجات بنائے ثالثی مورخہ ...... اگزبٹ نمبر ۲'۳ مابین فریقین شرعاً جائز و قابل نفاذ ہے ؟ اور کیا ثالثی امر شرعی طلاق کے تصفیہ کی مجاز ہو سکتی ہے ؟ بینوا توجروا المستفتی نمبر ۳۱۴ محمد امیر (حیدر آباد دکن) ۳ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۷ جون ۱۹۳۴ء۔

(جواب ۲۴۱) اگر اقرار نامہ میں اس امر کی تصریح ہو کہ ثالث کو طلاق کا فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے تو ثالث کا فیصلہ درباره طلاق صحیح نہ ہوگا اور اگر یہ تصریح نہیں اور جھگڑا ایسی تھا کہ طلاق دینے نہ دینے میں اختلاف تھا اور یہ مقدمہ ثالث کے سپرد کیا گیا تھا تو اس کا فیصلہ باقاعدہ ہے(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

ثالث بنانے کے اقرار نامہ پر دستخط کے بعد ثالث کا فیصلہ معتبر ہے

(سوال) دو اقرار نامہ جات منسلکہ استفتائے ہذا کی بنا پر ثالث نے گواہان طلاق کے بیانات قلم بند کر کے طلاق ثابت قرار دیا اور افتراق کا فیصلہ کر دیا یہ فیصلہ ثالثی عدالت میں بدیں مضمون منجانب النساپیش ہوا کہ فریقین نے بادخال اقرار نامہ جات اپنے تنازعات طلاق کو رجوع ثالثی کیا ثالث نے افتراق کا فیصلہ کر دیا لہذا فیصلہ ثالثی عدالتی قرار دیا جائے عدالت نے حسب ذیل تنقیح برائے مقدمہ بعد سماعت قائم کی۔

آیا اقرار نامہ جات بنائے ثالثی مورخہ ۲۶ مرداد ۱۳۴۱ف اگزبٹ نمبر ۲'۳ مابین فریقین شرعاً جائز و قابل نفاذ ہے ؟ اور ثالثی امر فیصلہ طلاق کی مجاز ہو سکتی ہے واضح ہو کہ ہر دو اقرار نامہ جات پر فریقین کے دستخط ہیں اور فیصلہ ثالثی پر مدعا علیہ محمد امیر کے دستخط نہیں ہیں۔ المستفتی نمبر ۳۴۸ محمد امیر (حیدر آباد دکن) ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۴ جون ۱۹۳۴ء۔

(جواب ۲۴۲) اقرار نامہ جات منسلکہ کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس میں بالتصریح ثالثوں کو طلاق مہر جہیز اور اخراجات زچگی کے متعلق تصفیہ کرنے کا فریقین نے اختیار دیا ہے اس لئے ثالثوں کو حق تھا کہ وہ طلاق کے متعلق فیصلہ کریں اور ان کا فیصلہ متعلق طلاق ان کے حدود اختیارات کے اندر ہے(۲) اور فیصلہ ثالثی پر فریقین یا ان میں سے ایک فریق کے دستخط نہ ہوں تو کچھ حرج نہیں اقرار ناموں پر دونوں

---

(۱) وصح اخباره باقرار احد الخصمين و بعدالة الشاهد حال ولايته اى بقاء تحكيمه (تنوير الابصار و شرحه الدر المختار) قال المحقق فى الشاميه (قوله و صح الاخبار الخ) اى اذا قال لاحد هما اقررت عندى اوقامت عندى بينة عليك لهذا فعدلوه عندى والزمت بذلك و حكمت لهذا فانكر المقضى عليه لايلتفت الى انكاره (باب التحكيم ۵ '٤۳۰ ط سعيد)

(۲) فان حكم لزمها ...... ثم استثناء الثلاثه يفيد صحة التحكيم فى كل المجتهدات (تنوير الابصار و شرحه الدر المختار مع ردا لمحتار' باب التحكيم ۵ /٤۲۹' ٤۳۰ ط سعيد)

فریقوں نے دستخط کئے ہیں جو ثالثی صحیح ہونے کے لئے کافی ہیں (۱) اقرار ناموں کی نقلوں پر میں نے سرخ روشنائی سے دستخط کر دیئے ہیں) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) عورت تین طلاق کی مدعیہ ہے شوہر دو کا تو کیا حکم ہے ؟
(۲) دی ہوئی طلاقوں کی تعداد میں شوہر شک ظاہر کرے تو کیا حکم ہے ؟
(۳) عورت تین طلاق کی مدعیہ ہے اور شوہر منکر تو کیا حکم ہے ؟
(۴) ثالث مقدمہ کا فیصلہ کر سکتا ہے
(۵) ثالث شرعی مسئلہ سے ناواقف ہو تو عالم سے مسئلہ معلوم کر کے اس کے موافق فیصلہ کرنا ضروری ہے۔

(سوال) (۱) عورت دعویٰ کرتی ہے کہ میرے شوہر نے میرے سامنے تین طلاق دی ہیں اور شوہر کہتا ہے کہ میں نے ہرگز نہیں دیا بلکہ صرف دو طلاق گواہ کسی کے پاس نہیں تو اس صورت میں کس کا قول معتبر ہوگا نیز شوہر رجعت کر سکتا ہے یا نہیں ؟
(۲) اگر کوئی دوسری صورت ایسی ہی پیش آئے جس میں شوہر شک وتردد ظاہر کرتا ہو تو کیا حکم ہوگا ؟
(۳) اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو تین طلاق دیتے ہوئے سنے اور شوہر منکر ہو تو اس عورت کو شوہر کے پاس رہنا جائز ہے یا نہیں ؟
(۴) فی زمانہ ہندوستان میں شرعی قاضی کہیں بھی موجود نہیں تو رفع نزاع کے لئے شرعی فیصلہ کی کیا صورت ہوگی ؟ فریقین کسی کو حکم مقرر کر کے یا پنچایت سے اگر فیصلہ حاصل کریں تو معتبر ہوگا یا نہیں ؟
(۵) اگر پنچ یا حکم مسئلہ شرعی سے ناواقف ہوں تو وہاں کا مفتی یا اور کوئی شخص قضا کا حکم بتا سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔ المستفتی نمبر ۳۸۳ عبداللطیف قاسمی (ضلع اعظم گڑھ) ۲ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۴ اگست ۱۹۳۴ء

(جواب ۲٤۳) اگر زوجہ تین طلاق کی مدعی اور شوہر تین کا منکر اور دو کا مقر ہے تو اس صورت میں حکم دیانت (عنداللہ) یہ ہے کہ واقع میں تین طلاق دی ہیں تو طلاق مغلظہ ہوئی اور دو دی ہیں تو حق رجعت ہے لیکن اگر فریقین حکم دیانت پر قانع اور عامل نہ ہوں تو حکم قضا یہ ہے کہ یا تو عورت تین طلاقوں کا ثبوت (بینہ عادلہ) پیش کرے ورنہ شوہر سے حلف لیکر اسکے موافق دو طلاق کا حکم دیا جائے گا اور اس کو اس صورت میں ظاہر کے لحاظ سے رجعت کا اختیار ہوگا۔

---

(۱) ورکنه لفظه الدال علیه مع قبول الآخر (تنویر الابصار و شرحه) قال المحقق فی الشامیه (قوله ورکنه لفظه) ای رکن التحکیم لفظه الدال علیه ای اللفظ الدال علی التحکیم کا حکم بیننا او جعلناك حکما او حکمناك فی کذا (باب التحکیم ۵/۴۲۸ ط سعید)

(اگرچہ فی الحقیقت قسم جھوٹی ہونے کی صورت میں اسے رجعت کا کوئی حق نہیں رہا ہے) سوال دوم کا حکم بھی یہی ہے(۱)

(۳) اگر عورت نے خود شوہر کی زبان سے تین طلاقیں سنی ہیں تو اس کو شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں یعنی دیانۃً وہ اس کے لئے حلال نہیں رہی استخلاص نفس کی سعی کرے(۲)

(۴) حکم اور ثالث اس مقدمے کا فیصلہ کر سکتا ہے اور عدالت کا مسلمان جج بھی قاضی کے حکم میں ہو سکتا ہے(۳) اور جج یا سوال نمبر ۵ میں ذکر کئے ہوئے ثالث یا پنچایت جب خود مسئلہ سے ناواقف ہوں تو ان کا فرض ہے کہ کسی عالم سے دریافت کر کے اس کے موافق فیصلہ کریں اور عالم ان کو قضا کی صورت شرعیہ بتادے(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

پنچایت کو قوم کی دینی و دنیوی فلاح پر نظر رکھ کر موافق شرع فیصلہ کرنا چاہئے۔

(سوال) زید و بکر کے برادری ہے اور سب کام شادی غمی وغیرہ کے برادرانہ طریق پر انجام ہوتے ہیں قومی پنچایت بھی بنی ہوئی ہے اور شادی غمی زیر تحت رسومات مروجہ قبیحہ انجام پاتے ہیں مثلاً برادری میں کسی بچہ کی ختنہ ہیں تو اس میں علاوہ اور رسومات وغیرہ کے پاؤ پاؤ بھر گڑ فی گھر تقسیم ہوتا ہے اور اس کی یہاں تک پابندی ہے کہ اگر وہ تقسیم نہ کرے تو اس جرم میں برادری سے باہر کر دیا جاتا ہے اور اگر اہل برادری میں سے کوئی مخص حصہ نہ لے تو اس کو بھی برادری سے باہر کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ اپنے اس قصور یعنی گڑ تقسیم نہ کرنے یا حصہ نہ لینے کی معافی چاہے تو برادری اس پر جرمانہ کرتی ہے اور زر جرمانہ وصول کر کے پھر ان کو برادری میں شامل کیا جاتا ہے زید کہتا ہے کہ رسومات مروجہ کو ترک کر دو بری ہیں بکر کہتا ہے کہ اگر ان رسومات کو ترک کرتے ہیں تو برادری کا نظام بگڑتا ہے زید کہتا ہے کہ اگر نظام بگڑتا ہے تو بگڑنے دو بدعات سے تو بچیں گے بکر کہتا ہے کہ یہ حرام تو نہیں ہیں زید کہتا ہے کہ اس میں بوجہ

---

(۱) فان اختلفا في وجود الشرط اى ثبوته ليعم العدمى فالقول له مع اليمين لانكاره الطلاق (تنوير الابصار و شرحه) قال المحقق في الشاميه' و في البزازيه' ادعى الاستثناء او الشرط فالقول له' ثم قال و ذكر النفي' ادعى الزوج الاستثناء وانكرت فالقول لها ولا يصدق بلا بينة' وان ادعى تعليق الطلاق بالشرط وادعت الارسال فالقول له (كتاب الطلاق' باب التعليق' مطلب اختلاف الزوجين في وجود الشرط ۳/۳۵۶ ط سعيد)

(۲) والمراة كالقاضي اذا سمعته او اخبرها عدل لا يحل لها تمكينه (رد المحتار' كتاب الطلاق' مطلب في قول البحر الصريح يحتاج في وقوعه الى النية ۳/۲۵۲' ط سعيد)

(۳) ثم استثناء الثلاثه يفيد التحكيم في كل المجتهدات (الدر المختار) قال المحقق في الشاميه (قوله في كل المجتهدات) اى المسائل التي يسوغ فيها الاجتهاد من حقوق العباد كالطلاق والعتاق (باب التحكيم ۵/۴۳۰' ط سعيد)

(۴) ويحرم على غير الاهل الدخول فيه قطعا من غير تردد مر في الحرمة (تنوير الابصار و شرحه) قال المحقق في الشاميه (قوله و يحرم على غير الاهل) بل المراد به مامر في قوله' و ينبغي ان يكون موثوقا آ في عفافه و عقله و يحتمل ان يراد به الجاهل (مطلب ابو حنيفه دعي الى القضاء ثلاث مرات فأبى ۵/۳۶۸ ط سعيد)

بدعات قوم کی تباہی بے جز کہتا ہے کہ ان کو ہم دین میں تھوڑا ہی داخل کر رہے ہیں۔ **المستفتی نمبر** ۴۲۴ منشی محمد اختر خاں (دہلی) ۲۸ رجب ۱۳۵۳ھ مطابق ۷ نومبر ۱۹۳۴ء

(**جواب ۲۴۴**) زید کا خیال صحیح ہے اور جس قوم کی پنچایت بنی ہوئی اور قائم ہے وہ بڑی خوش نصیب ہے یہ اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت ہے کہ کسی جماعت کا شیرازہ بندھا ہوا ہو مگر یہ خوش نصیبی اور رحمت اسی صورت میں ہے کہ پنچایت قوم کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود پر نظر رکھے اور فیصلے شریعت کے موافق کرے بے شک فضول اور تباہ کن رسمیں اگرچہ فی حد ذاتہ مباح بھی ہوں مگر ان کے التزام کی وجہ سے قوم اور بالخصوص قوم کے بے مایہ افراد تباہ اور زیربار ہوتے ہوں واجب الترک ہیں قومی بہبود کے نقطہ نظر سے ان کو ترک کرانا ضروری ہے اور انتظام کیوں بگڑنے لگا ؟ جب پنچایت کا فیصلہ ہو کہ فلاں رسم نہ کی جائے اور قوم اس کے فیصلے کے ماتحت اس رسم کو ترک کردے تو یہ تو نظام کی درستگی اور خوبی ہوگی اس کو نظام کا بگڑنا کون کہہ سکتا ہے ؟(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

رضامندی سے بنایا گیا ثالث نکاح فسخ کر سکتا ہے .

(**سوال**) ایک لڑکی کا نکاح حالت نابالغی میں ایک لڑکے کے ساتھ لڑکی کے باپ نے کردیا عقد نکاح کے بعد لڑکا مجنون ہو گیا اور ڈھائی سال سے مجنون ہے لڑکے کا باپ کہتا ہے کہ اب وہ تزوج کے قابل نہیں لڑکی فسخ نکاح چاہتی ہے فریقین نے فسخ نکاح کے لئے ایک حکم مقرر کیا ہے کیا حکم بغیر تاجیل کے فسخ نکاح کر سکتا ہے ؟ **المستفتی نمبر** ۲۰۳ مولوی محمد عظیم (ضلع میانوالی) ۲۷ شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۲ فروری ۱۹۳۴ء

(**جواب ۲۴۵**) حکم کو جب فریقین نے رضامندی سے حکم بنایا ہے اور اسکو فسخ نکاح کا اختیار دیا ہے اور زوج مجنون ہے تو حکم دونوں کا نکاح فسخ کر سکتا ہے اور تاجیل کی حاجت نہیں کیونکہ جنون جب کہ ڈھائی سال سے ہے تو جنون مطبق ہے اس میں تاجیل کی ضرورت نہیں ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

---

(۱) استثناء الثلثة یفید صحة التحکیم فی کل المجتهدات (الدر المختار) قال المحقق فی الشامیة : قوله فی کل المجتهدات) ای المسائل التی یسوغ فیها الاجتهاد من حقوق العباد کالطلاق والعتاق والکتابة والشفعة بخلاف ماخالف کتابا او سنة او اجماعا (باب التحکیم ۵ / ۴۳۰ ط سعید)

(۲) فحکم بینهما ببینة او اقرار او نکول و رضیا بحکمه صح (الدر المختار باب التحکیم ۵ / ۴۲۸، ۴۲۹ ط سعید)

دوسرا باب

عہدہ قضاء اور قاضی کے فرائض

(۱) مسلمانان ہند کے ذمہ قاضی مقرر کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ حکومت سے قاضی مقرر کرنے کا مطالبہ کیسا ہے؟
(۲) غیر مسلم حاکم کا فیصلہ اگر موافق شرع ہو تو مقبول ہے.
(۳) چند ایسے مسائل جن میں مسلمان قاضی ہی کا فیصلہ معتبر ہے.

(سوال) (۱) مسلمانان ہندوستان پر مسلمان قاضی مقرر کرنا ضروری ہے یا نہیں اور ہندوستان کے مسلمان اگر بطور خود قاضی مقرر کرلیں تو وہ قاضی شرعی ہوگا یا نہیں موجودہ صورت حالات میں کہ ہندوستان پر حکومت غیر مسلمہ مسلط ہے حکومت غیر مسلمہ سے مسلمان قاضی مقرر کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں اور حکومت غیر مسلمہ کے مقرر کئے ہوئے قاضی شرعی ہو سکتے ہیں یا نہیں؟
(۲) جن مسائل میں شرعی قاضی کا فیصلہ ضروری ہے ان میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ اگر قانون شریعت کے موافق بھی ہو کافی ہو سکتا ہے یا نہیں؟
(۳) مثال کے طور پر چند مسائل جن میں مسلمان قاضی کا فیصلہ ضروری ہو بتا دیئے جائیں؟

(جواب ٢٤٦) (۱) مسلمانوں پر پہلا اہم اور مقدم فرض یہ ہے کہ وہ مسلمان والی مقرر کریں کیونکہ غیر والی مسلم کے بہت سی اسلامی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔

ثم الاجماع على ان نصب الامام واجب والمذهب انه يجب على الخلق (شرح عقائد ص ١١٠) (١)

والمسلمون لا بدلهم من امام يقوم بتنفيذ احكامهم واقامة حدودهم و سد ثغورهم و تجهيز جيوشهم واخذ صدقاتهم و قهر المتغلبة والمتلصصة و قطاع الطريق واقامة الجمع والاعياد و قطع المنازعات الواقعة بين العباد و قبول الشهادات القائمة على الحقوق و تزويج الصغار والصغائر الذين لا اولياء لهم و قسمة الغنائم و نحو ذلك من الامور التى لا يتولا ها احاد الامة (العقائد النسفية ص ١١٠) (٢)

و نصبه اهم الواجبات فلذا قدموه على دفن صاحب المعجزات (در مختار) قوله اهم الواجبات اى من اهمها التوقف كثير من الواجبات الشرعية عليه (رد المحتار ص

---

(۱) ص: ۱۵۳ ط مكتبه خير كثير كراچی
(۲) مع شرحها للتفتازانی' ص: ۱۵۲' ۱۵۳ ط مكتبه خير كثير' كراچی

٤٠٤ ج ١) (١).

ولو فقد وال لغلبة كفار وجب على المسلمين تعيين وال و امام للجمعة فتح (درمختار) (٢).

(ترجمہ) اس بات پر اجماع ہے کہ امام مقرر کرنا فرض ہے اور مذہب اہل سنت کا یہ ہے کہ امام مقرر کرنا مخلوق (مسلمانوں) پر فرض ہے۔

مسلمانوں کے لئے ایک ایسا امام ضروری ہے جو احکام جاری کر سکے اور حدود قائم کر سکے اور سرحدوں کا انتظام اور جیوش مسلمین کی تیاری کر سکتا ہو اور صدقات وصول کرے اور متغلب لوگوں کو دبا سکے چوروں اور ٹھگوں کو مقہور کر سکے جمعہ اور عیدین قائم کرے اور مقدمات کا فیصلہ کرے شہادتیں قبول کرے نابالغوں کا جن کے ولی نہیں ہیں نکاح کردیا کرے غنائم تقسیم کرے اور اسی قسم کی بہت سی ضرورتیں ہیں جو افراد امت سے پوری نہیں ہو سکتیں۔

امام مقرر کرنا فرائض میں سے اہم فرض ہے اسی وجہ سے صاحب رسالت کے دفن سے پہلے صحابہ کرام نے امام مقرر کرلیا کیونکہ بہت سے واجبات شرعیہ امام پر موقوف ہیں۔

اگر غلبہ کفار کی وجہ سے والی مسلم نہ ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ ایک والی مسلم اور امام جمعہ مقرر کریں۔

قاضی مقرر کرنے کا اختیار بادشاہ اور امام کو ہے لوگ اگر خود قاضی مقرر کرلیں تو وہ قاضی نہ ہوگا کیونکہ ان کے مقرر کئے ہوئے قاضی کو تنفیذ احکام کا اختیار اور قدرت نہ ہوگی۔

واذا اجتمع اهل بلدة على رجل و جعلوه قاضياً يقضى فيما بينهم لا يصير قاضياً (عالمگيرى) (٣).

اذا قلد السلطان رجلاً قضاء بلدة كذا لا يصير قاضياً فى سواد تلك البلدة مالم يقلد قضاء البلدة ونواحيها (عالمگيرى) (٤).

الا اذا كان لم يصلح له الا رجل واحد تعين هو لا قامة هذه العبادة فصار فرض عين عليه الا انه لا بد من التقليد فاذا قلد افترض عليه القبول (بدائع باختصار) (٥).

واذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو فى بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين ان يتفقوا على واحد منهم

---

(١) مطلب شروط الامامة الكبرى ١ / ٥٤٨ ط سعيد

(٢) كتاب القضاء مطلب فى حكم تولية القضاء فى بلاد تغلب عليها الكفار ٥ / ٣٦٩ ط سعيد

(٣) الباب الخامس فى التقليد والعزل ٣ / ٣١٥ ط ماجديه كوئٹه

(٤) مرجع سابق

(٥) فصل واما بيان من يفترض عليه قبول تقليد القضاء ٧ / ٤ ط سعيد

یجعلونه والیاً فیولی قاضیاً ویکون هو الذی یقضی بینهم الخ (شامی (۱) نقلاً عن النهر ناقلاً عن الفتح)
(ترجمہ) جبکہ کسی شہر کے لوگ متفق ہو کر کسی کو قاضی بنالیں جو فیصلے کیا کرے تو وہ واقعی قاضی نہیں بن جائے گا۔

جب کہ بادشاہ کسی شخص کو کسی شہر کا قاضی مقرر کرے تو وہ شخص مضافات شہر کا قاضی نہ ہوگا جب تک کہ بادشاہ شہر اور مضافات کی قضا سپرد نہ کرے۔

جب کہ شہر میں قضا کے لائق ایک ہی شخص ہو تو فریضہ قضاء ادا کرنے کے لئے وہ متعین ہے اور قضا اس پر فرض عین ہے مگر بادشاہ کی طرف سے قاضی بنایا جانا ضروری ہے تو جب کہ اسے قاضی بنایا جائے تو قبول کرنا اس پر فرض ہے۔

اور جب کہ بادشاہ اسلام اور ایسا مسلم حاکم جو قاضی مقرر کر سکتا ہے نہ ہو جیسے کہ مسلمانوں کے بعض شہروں میں جن پر کفار غالب ہوگئے ہیں مثل قرطبہ کے آج کل ہے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ متفق ہو کر کسی مسلمان کو والی مقرر کریں اور وہ والی قاضی کا تقرر کرے اور قاضی مسلمانوں کے فیصلے کیا کرے۔

اگر بادشاہ مسلمان نہ ہو اور مسلمان بھی کوئی والی مسلم مقرر نہ کر سکیں تو حالت مجبوری مسلمانوں کو حق ہے کہ غیر مسلم بادشاہ سے مسلمان قاضی مقرر کرنے کا مطالبہ کریں ایسی حالت میں غیر مسلم بادشاہ کے مقرر کئے ہوئے مسلمان قاضی قاضی شرعی ہو سکتے ہیں بشرطیکہ قاضی کو تنفیذ احکام کا اختیار ہو اور مسائل شرعیہ کے موافق فیصلہ کرنے سے روکا نہ جائے۔

و یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً (درمختار) فی التتارخانیة الاسلام لیس بشرط فیه ای فی السلطان الذی یقلد (ردالمحتار) (۲) الا اذا کان یمنعه عن القضاء بالحق فیحرم (درمختار) (۳) ولکن انما یجوز تقلد القضاء من السلطان الجائر اذا کان یمکنه من القضاء بحق ولا یخوض فی قضایاه بشر ولا ینهاه عن تنفیذ بعض الاحکام کما ینبغی اما اذا کان لا یمکنه من القضاء بحق و یخوض فی قضایاه بشر ولا یمکنه من تنفیذ بعض الاحکام کماینبغی لا یتقلد منه (الفتاوی العالمگیریه ص ۳۷۷ ج ۳) (۴)

لکن اذا ولی الکافر علیهم قاضیاً و رضیه المسلمون صحت تولیته بلاشبهة

---

(۱) مطلب فی تولیة حکم القضاء فی بلاد تغلب علیها الکفار ۵: ۳٦۹ ط سعید
(۲) مطلب ابو حنیفه دعی الی القضاء ثلاث مرات فابی ۵ / ۳٦۸ ط سعید
(۳) ایضا
(٤) کتاب ادب القاضی الباب الاول ۳ / ۳۰۷ ط ماجدیه کوئٹه

(ردالمحتار)(۱)

(ترجمہ) منصب قضا قبول کرنا سلطان عادل اور ظالم کی طرف سے جائز ہے اگرچہ بادشاہ کافر ہو (درمختار) تاتارخانیہ میں ہے کہ قاضی مقرر کرنے والے بادشاہ کا مسلمان ہونا (صحت قضاء کے لئے لازمی) شرط نہیں ہے مگر جب کہ بادشاہ (خواہ غیر مسلم ہو یا ظالم) قاضی کو فیصلہ حق سے روکے تو حرام ہے لیکن بادشاہ ظالم (خواہ غیر مسلم ہو یا مسلم) سے منصب قضا ایسی حالت میں قبول کرنا جائز ہے کہ بادشاہ قاضی کو حق کے موافق فیصلے صادر کرنے کی قدرت دے دے اور اس کے فیصلوں میں ناحق دخل نہ دے اور اس کو بعض احکام کی تنفیذ مناسب سے نہ روکے اگر بادشاہ قاضی کو حق فیصلہ نہ کرنے دے یا اس کے فیصلوں میں ناحق دخل دے یا بعض احکام کی تنفیذ مناسب نہ کرنے دے تو قضا قبول نہ کرنا چاہئے لیکن جب کافر بادشاہ کوئی قاضی مقرر کر دے اور مسلمان اس پر رضامندی ظاہر کر دیں تو یہ تقرر بلاشبہ درست ہے۔

(۲) غیر مسلم کو قاضی بنانا درست نہیں تھا کیونکہ قضا کے شرائط میں سے یہ شرط بھی ہے کہ قاضی مسلمان ہو پس غیر مسلم حکام قاضی شرعی کے قائم مقام نہیں ہو سکتے اور ان کا فیصلہ ضرورت شرعیہ کو پورا نہیں کر سکتا۔

ولا تصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة كذافي الهداية من الاسلام والتكليف والحرية الخ (عالمگیری)(۲) الصلاحية للقضاء لها شرائط منها العقل و منها البلوغ و منها الاسلام و منها الحرية الخ (بدائع)(۳)

قاضی کو قاضی بنانا صحیح نہیں جب تک اس میں شہادت کے شرائط نہ پائے جائیں یعنی مسلمان ہونا مکلف ہونا آزاد ہونا وغیرہ۔

صلاحیت منصب قضا کے لئے چند شرطیں ہیں ان میں سے عاقل ہونا اور بالغ ہونا اور مسلمان ہونا اور آزاد ہونا الخ ہے۔(بدائع)

یوں تو مسلمانوں کے تمام نزاعات کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان حاکم ان کو فیصل کرے لانه لا ولاية لكافر على مسلم (۴) لیکن نزاعات کی ایک قسم تو ایسی ہے کہ ان کے لئے قاضی مسلم بااختیار کا ہونا اشد ضروری ہے جس کے نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی اسلامی ضرورتیں معطل ہی نہیں بلکہ مسلمان سخت مواخذات شرعیہ میں مبتلا ہوتے ہیں صرف مثال کے طور پر اس قسم کے

(۱) مطلب في تولية القضاء في بلاد تغلب عليها الكفار ۵ / ۳۶۹ ط سعيد
(۲) كتاب ادب القاضي' الباب الاول ۳ / ۳۰۷ ط ماجديه كوئٹه
(۳) فصل واما بيان من يصلح للقضاء ۷ / ۳ ط سعيد
(۴) رد المحتار' مطلب شروط الامامة الكبرى' ۱ / ۵۴۸ ط سعيد

چند مسائل ذکر کئے جاتے ہیں :-

(۱) آج کل بسا اوقات کسی عورت کا خاوند مفقود ہو جاتا ہے اور عورت بھی نو عمر اور محتاج ہوتی ہے متاخرین حنفیہ کے فتویٰ کے موجب اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ اپنی طبعی اور مالی مشکلات سے گلو خلاصی کی سبیل بہم پہنچائے لیکن اس کی تکمیل بغیر قاضی مسلم کے فیصلے اور حکم کے نہیں ہو سکتی ہزاروں عورتیں اس مصیبت میں مبتلا ہیں اور موجودہ حکومت کا قانون ان کی مصیبت رفع کرنے کے لئے ناکافی اور قاضی مسلم کا نہ ہونا ان تمام مصائب کا ذمہ دار ہے(۱)

(۲) بہت سی نابالغہ لڑکیوں کا نکاح ان کے ولی کر دیتے ہیں نکاح شرعاً درست ہو جاتا ہے مگر لڑکی کو بلوغ کے وقت اختیار ہوتا ہے کہ وہ نکاح کو باقی رکھے یا فسخ کرا دے مگر فسخ کے لئے قاضی کا حکم ضروری ہے اور بغیر قاضی شرعی کے حکم کے نکاح منفسخ نہیں ہوتا موجودہ عدالتوں کے غیر مسلم حاکم اگر فسخ بھی کر دیں تو شرعاً ایسے فسخ کا اعتبار نہیں(۲)

(۳) بہت سے جاہل مسلمان اپنی بیوی پر ناجائز زنا کی تہمت لگا کر اسے کس مپرسی کے عالم میں چھوڑ دیتے ہیں شریعت مقدسہ اسلامیہ نے ایسی صورت میں اس کا علاج لعان مقرر کیا ہے لیکن لعان کے لئے قاضی مسلمان ہونا ضروری ہے بغیر قاضی مسلمان کے لعان کرائے ہوئے اس مشکل کا کوئی حل نہیں(۳)

(۴) اسی طرح کوئی شریف اپنی بیوی کو بد چلنی میں مبتلا پائے اس کی سبیل بھی لعان ہے جس کے لئے قاضی مسلم ضروری ہے(۴)

(۵) اگر کوئی جاہل اپنی ساس کے ساتھ ناجائز حرکت کرے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے لیکن ان دونوں میں تفریق قاضی شرعی کر سکتا ہے اور اس کے نہ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات عورتیں سخت گناہ میں مبتلا رہتی ہیں اور کوئی چارہ کار نہیں پاتیں(۵)

(۶) بہت سی عورتوں کو ان کے خاوند معلقہ کر کے چھوڑ دیتے ہیں نان نفقہ نہیں دیتے اور

---

(۱) انما یحکم بموته بقضاء لانه امر محتمل فما لم ینظم الیه القضاء لا یکون حجة (الدر المختار) قال المحقق فی الشامیه (قوله بقضاء) ان هذا ای ماروی عن ابی حنیفة من تفویض موته الی رای القاضی نص علی انه یحکم بموته بقضاء (مطلب فی الافتاء بمذهب مالک فی زوجة المفقود: ۴/ ۲۹۷ ط سعید)

(۲) و حاصله انه اذا کان الزوج للصغیر والصغیرة غیر الاب والجد فلهما الخیار بالبلوغ او العلم به فان اختار الفسخ لا یثبت الفسخ الا بشرط القضاء (رد المحتار باب الولی ۴/ ۷۰ ط سعید)

(۳) و صفة اللعان ان یبتدای القاضی بالزوج فیشهد اربع مرات ... واذا التعنا لا تقع الفرقة حتی یفرق القاضی بینهما (هدایة باب اللعان ۲/ ۴۱۸ ط مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(۴) ایضاً

(۵) و تحرم المصاهرة لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لها التزوج الا بعد المتارکة (الدر المختار) قال المحقق فی الشامیه و عبارة الحاوی الا بعد تفریق القاضی او بعد المتارکة وقد علمت ان النکاح لا یرتفع بل یفسد (باب المحرمات ۳/ ۳۷ ط سعید)

کسی طرح راہ راست پر نہیں آتے ایسے وقت شرعاً بعض ائمہ کے مذہب کے موافق قاضی تفریق کر سکتا ہے لیکن قاضی شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہزاروں عورتیں مبتلائے عذاب ہیں اگر غیر مسلم تفریق کا حکم بھی کر دے تاہم نکاح منفسخ نہیں ہوگا(۱)

(۷) اگر عورت کو مرد نے طلاق نہیں دی ہے مگر عورت نے طلاق دے دینے کا دعویٰ کر دیا اور گواہ پیش کر دیئے اور موجودہ عدالت نے طلاق تسلیم کر کے تفریق کا حکم کر دیا تو یہ حکم شرعی عدالت نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے البتہ شرعی عدالت ہوتی اور قاضی مسلم یہ حکم کرتا تو درست ہو جاتا اور عورت بعد عدت دوسرا نکاح کر لیتی تو زنا کے گناہ میں گرفتار نہ ہوتی(۲)

(۸) عنین کے معاملے میں اور مجنون کے معاملے میں قاضی شرعی کا فیصلہ ضروری ہے غیر مسلم حاکم اگر نکاح کو فسخ بھی کر دیں جب بھی شرعاً وہ منفسخ نہیں ہوتا اور زوجین یا دونوں میں سے ایک گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں(۳)

(۹) رمضان شریف کے چاند دیکھنے عید کے چاند دیکھنے کی شہادت قبول کرنا اور صوم یا فطر کا حکم دینا قاضی مسلم کا کام ہے جس کے نہ ہونے سے بہت سے جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں(۴)

اسی طرح اور بہت سے مسائل ہیں جن کا شرعی فیصلہ مسلمان قاضی پر موقوف ہے۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفر لہ'

(۱-۲) عہدہ قضا کے استحقاق کے لئے صلاحیت واستعداد شرط ہے
(۳) قاضی مقرر کرنے کا حق مسلمان حاکم کو ہے وہ نہ ہو تو مسلمان جماعت کو ہے
(۴) قاضی کن اوصاف کے آدمی کو بنانا چاہئیے؟
(۵) قاضی کی خدمات اجازت کے بغیر انجام نہیں دینی چاہئیں۔

(سوال) قضاءت ازروئے شرع شریف خاندانی حق یا ورثہ (ترکہ) ہے یا نہیں؟ (۲) اگر ورثہ ترکہ

---

(۱) والحاصل ان التفریق بالعجز عن النفقه جائز عند الشافعی حال حضرۃ الزوج و کذا حال غیبته مطلقا والحالة الاولی جعلها مشایخنا حکما مجتهدا فیه فینفذ فیه القضاء (رد المحتار' مطلب فی فسخ النکاح بالعجز عن النفقه و بالغیبة ۳/ ۵۹۰ ط سعید)

(۲) و ینفذ القضاء بشهادة الزور ظاهرا و باطنا فی العقود و الفسوخ کاقالة و طلاق (تنویر الابصار و شرحه) قال المحقق فی الشامیه (قوله الفسوخ) ادعت انه طلقها ثلاثا وهو ینکر و اقامت بینة زور فقضی بالفرقة فزوجت باخر بعد العدة حل له وطؤها عند الله وان علم بحقیقة الحال و حل لاحد الشاهدین ان یتزوجها ولا یحل للاول وطوها ولا یحل لها تمکینه (رد المحتار' مطلب فی القضاء شهادة الزور' ۵/ ۴۰۵ ط سعید)

(۳) والا بانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقها بطلبها (تنویر الابصار و شرحه الدر المختار مع رد المحتار' باب العنین وغیره ۵/ ۴۹۸ ط سعید)

(۴) و قبل بلا دعوی و بلا لفظ اشهد و بلا حکم و مجلس قضاء لانه خبر لا شهادة للصوم مع علة غیم ... و شرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة و لفظ اشهد (تنویر الابصار و شرحه الدر المختار مع رد المحتار کتاب الصوم ۲/ ۳۸۵' ۳۸۶ ط سعید)

نہیں ہے تو شرعی قانون کے مطابق قاضی بنانے کا حق ہندوستان جیسے مقام میں کس کو ہے؟(۳) کیا غیر مسلم حاکم بغیر رضامندی جماعت مسلمین قاضی کسی کو مقرر کر سکتا ہے؟(۴) قاضی کیسے آدمی کو بنانا افضل ہے؟ اس کی افضلیت کے کیا کیا اوصاف ہیں (۵) شرعی قاضی کی موجودگی میں منصب امامت صلوٰۃ جمعہ وغیرہ و اقامت جمعہ واعیاد وغیرہ دوسرے کو شرعاً حاصل ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۳۴۶ عبدالمجید صاحب (مدراس) ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۴۷) (۱) عہدہ قضا کا استحقاق صرف وراثت کے طور پر نہیں ہو تا بلکہ صلاحیت و استعداد لازم ہے ہاں صلاحیت اور استعداد رکھنے والے متعدد شخصوں میں سے اس کو ترجیح دی جائے جو قاضی سابق کا فرزند یا قریب ہو لیکن قاضی سابق کے فرزند یا قریب میں صلاحیت اور اہلیت نہ ہو تو اجنبی کو جو صلاحیت اور اہلیت رکھتا ہو مقدم رکھا جائے گا(۱)

(۲) قاضی بنانے کا حق مسلمان حاکم کو ہے اور مسلمان حاکم نہ ہو تو مسلمان کی جماعت کو(۲) اگر غیر مسلم حاکم کسی کو بشرط رضامندی جماعت مسلمین قاضی بنادے تو یہ بھی درست ہے(۳)

(۳) جماعت مسلمین کی رضامندی کے بغیر اگر غیر مسلم حاکم کسی کو قاضی بنادے تو وہ قاضی صحیح قاضی نہ ہوگا اگرچہ قانوناً قاضی قرار دے دیا جائے۔

(۴) ہندوستان میں قاضی اپنے اصلی مفہوم کے لحاظ سے قاضی نہیں بنائے جاتے بلکہ صرف نکاح پڑھانے اور عیدین کی امامت وغیرہ جیسے کام ان کے سپرد ہوتے ہیں اس لحاظ سے ہر نیک اور صالح پڑھا لکھا آدمی قاضی بنایا جا سکتا ہے(۴)

(۵) آج کل تو شرعی قاضی کی خدمات یہی ہیں اور جب ایسا شخص موجود ہو جو شرعی طور پر ان خدمات کی اہلیت رکھتا ہے اور یہ خدمات اس کو تفویض کی گئی ہیں تو دوسرے کسی شخص کو اس کی اجازت کے بغیر یہ کام نہ کرنے چاہئیں(۵) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

الجواب صحیح۔ فقیر محمد یوسف دہلوی

---

(۱) الصلاحیة للقضاء لها شرائط، منها العقل و منها البلوغ و منها الاسلام و منها الحریة و منها البصر الخ (بدائع الصنائع، کتاب آداب القاضی ۳/۷ ط سعید)

(۲) واما بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین امامة الجمع والا عیاد و یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین (رد المحتار، قبیل مطلب فی حکم تولیة القضاء فی بلاد تغلب علیها الکفار ۵/۳۶۹، ط سعید)

(۳) اذا ولی الکافر علیهم قاضیاً و رضیه المسلمون صحت تولیته بلاشبهة (رد المحتار، مطلب فی حکم تولیة القضاء فی بلاد تغلب علیها الکفار ۵/۳۶۹، ط سعید)

(۴) حوالہ بالا

(۵) واعلم ان صاحب البیت و مثله امام المسجد الراتب اولی بالامامة من غیره مطلقا (تنویر الابصار و شرحه الدر المحتار مع رد المحتار، باب الامامة ۱/۵۵۹، ط سعید)

زوجین کے درمیان انگریز عدالت کے مسلم جج تفریق کر سکتے ہیں!

(سوال) اگر زوجین میں تفریق کی ضرورت ہو تو اس ملک میں کون تفریق کر سکتا ہے؟ کیونکہ حاکم وقت نصاریٰ کی طرف سے کوئی قاضی مقرر نہیں ہے اور مسلمانوں کی تراضی و اتفاق سے بھی کسی کو منصب قضا نہیں ملا ہے بعض علما حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ کی عبارت واذا خلا الزمان من سلطان ذی كفاية فالا مور موكلة الى العلماء و يجب على الامة الرجوع اليهم و يصرون ولاة فاذا عسر جمعهم على واحدٍ استقل كل قطر باتباع علمائه فان كثروا فالمتبع اعلمهم فان استووا اقرع بينهم سے ہر عالم کو قاضی تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر ذی علم اس وقت اس ملک میں تفریق کر سکتا ہے حاکم وقت نصاریٰ کی طرف سے جو جج یا مجسٹریٹ یا اکسٹرا اسسٹنٹ ہیں اگر یہ علوم شریعۃ سے واقف ہوں اور مسلمان ہوں تو قاضی کے قائم مقام ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۴۸) ہاں ضرورۃ انگریزی عدالتوں کے مسلم جج یا منصف قائم مقام قاضی شرعی کے ہو سکتے ہیں کیونکہ انکو حکومت کی طرف سے معاملات مخصوصہ اہل اسلام مثل طلاق' نکاح میراث وغیرہ میں احکام شرعیہ کے موافق فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے(۱) حدیقہ ندیہ کی جو عبارت سوال میں مذکور ہے وہ یا تو دیانات پر محمول ہے کہ دیانات میں آج کل علماء بضرورت قائم مقام قاضی کے سمجھے جا سکتے ہیں لیکن فصل خصومات میں چونکہ گورنمنٹ کی طرف سے علما کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا ہے اس لئے خصومات میں ان کا کوئی فیصلہ معتبر نہیں یا اس عبارت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جہاں مسلمان حکام نہ ہوں وہاں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے علماء کو اپنے فصل خصومات کے لئے والی بنالیں اور اگر مسلمان ایسا کر لیں تو بیشک ان علما کا فیصلہ معتبر ہوگا لیکن جب تک مسلمان ایسا نہ کریں اس وقت تک علما قائم مقام ولاۃ احکام نہیں ہو سکتے(۲) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) کبائر کا مرتکب شخص قاضی بننے کے لائق نہیں
(۲-۳) فاسق کے مکان کو محکمہ شرعیہ سمجھ کر اس میں شرعی امور کے تصفیہ کے لئے جانا جائز نہیں

---

(۱) يجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافرا (تنوير الابصار و شرحه الدر المختار مع رد المحتار' مطلب ابو حنيفه دعى الى القضاء ثلاث مرات فأبى ۳۶۸/۵ ط سعيد)

(۲) ولو فقد وال لغلبة كفار وجب على المسلمين تعيين وال و امام للجمعة (الدرالمختار) قال المحقق في الشاميه : و في الفتح واذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين ان يتفقوا على واحد منهم' يجعلونه واليا' فيولى قاضياً و يكون هو الذى يقضي بينهم و كذا ينصبوا اماماً يصلي بهم الجمعة (مطلب في تولية القضاء في بلاد تغلب عليها الكفار ۳۶۹/۵ ط

(۴) کبائر کا مرتکب مردود الشہادۃ ہے
(۵) حرام مجلس کے انعقاد کے لئے چندہ دینا موجب فسق ہے
(۶) حق چھپانے والا مولوی بھی فاسق ہے
(۷) متبع شرع عالم دین کی توہین سخت گناہ ہے.

(سوال) (۱) جوان پڑھ خاندانی قاضی کہ عیدین کی نماز کے لئے مع باجے کے گھوڑے پر سوار ہو کر عید گاہ جاتا ہو اور داڑھی منڈاتا ہو اور احکام شرعی پر آبائی رواج کو مقدم رکھتا ہو اور مسائل دینیہ سے بالکل نابلد ہو اور تارک صوم و صلوۃ ہو اور بدعت کے کاموں کو رواج دیتا ہو اور تعزیہ کے سامنے لوبان وغیرہ جلاتا ہو اور تعزیہ داروں کا حامی ہو ایسے شخص کو قاضی سمجھنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس سے نکاح پڑھوانا اور اس کی حمایت کرنا کیسا ہے ؟ (۲) ایسے قاضی کے مکان پر علماء کو امور شرعیہ کے تصفیہ کے لئے جانا درست ہے یا نہیں (۳) اور اس کے مکان کو محکمہ شرعیہ سمجھنا کیسا ہے ؟ (۴) جو شخص کہ باوجود ذیعلم ہونے کے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالتا ہو اور محرم میں لونڈے نچانے والوں اور مرثیہ سنانے والوں کا معاون و مددگار ہو بلکہ خود اس مجلس میں شریک ہوتا ہو اور رنڈیوں کا ناچ دیکھتا ہو اور محرم الحرام میں عناصر الشہادتین جیسی غیر معتبر کتاب کا واعظ ہو اور اسے خوب منہ بنا بنا کر پڑھتا ہو کہ سننے والے خوب روئیں اور یہ سمجھتا ہو کہ سامعین جتنا روئیں گے زیادہ ثواب ملے گا اور ہتک حرمت اہل بیت کا مرتکب ہو اور باوجود حکم شرعی دیکھ لینے کے بھی باز نہ آتا ہو اور علمائے محققین کے فتویٰ کو جو ادلہ شرعیہ کے موافق ہو محض اپنی ضد اور نفسانیت سے نہ مانتا ہو ایسے شخص کی گواہی شرعاً مقبول ہے یا نہیں (۵) جو مولوی کہ بزرگوں کے عرس مروجہ فی العوام میں جہاں رنڈیوں کا ناچ وغیرہ لہو و لعب ہوتا ہو چندہ دے اور لوگوں سے چندہ وصول کرائے اور ترغیب دے وہ کیسا ہے ؟ (۶) جو مولوی بایں خیال کہ عوام مجھ سے بدظن ہو جائیں گے میری بے قدری ہوگی اور روزی میں نقصان پہنچے گا حق بات کو چھپائے اور معلوم ہو کر فتویٰ نہ دے وہ کیسا ہے اور ایسے شخص سے فتویٰ پوچھنا کیسا ہے ؟ (۷) ممنوعات شرعیہ سے روکنے والے علما کو سخت سست کہنا اور ان کی ہتک عزت کے درپے ہونا کیسا ہے ؟ المستفتی فقیر بلدار خاں الملقب بہ نبی بخش چشتی عفی عنہ (مالی گاؤں)

(جواب ۲۴۹) جس شخص میں یہ باتیں ہوں کہ ڈاڑھی منڈاتا ہو اور ناجائز باجے کے ساتھ عید گاہ کو نماز کے لئے جاتا ہو احکام شرعیہ پر رواج کو مقدم رکھتا ہو تارک صوم و صلوۃ ہو تعزیہ پر لوبان جلاتا ہو تعزیہ داروں کی اس بدعت میں حمایت کرتا ہو وہ فاسق ہے اور ہرگز قاضی بننے کے لائق نہیں(۱) ہے (۲،۳) ایسے شخص کو قاضی بنانا اور اس کے پاس فیصلے کے لئے جانا جائز نہیں اور اس کے مکان کو محکمہ

---

(۱) لكن لا ينبغي ان يقلد الفاسق لان القضاء امانة عظيمة وهي امانة الاموال والا بضاع والنفوس فلا يقوم بوفائها الا من كمل ورعه ثم تقواه (بدائع الصنائع' فصل واما بيان من يصلح القضاء ۳/۷ ط سعيد)

شرعیہ سمجھنا خطا ہے(۱) (۴) یہ شخص بھی فاسق اور مردود الشہادۃ ہے(۲) (۵) ایسے عرسوں میں جہاں رنڈیوں کا ناچ ہو اور محرمات و منکرات کا مجمع ہو جیسا آج کل اکثر عرسوں میں ہوتا ہے جانے اور چندہ دینے والا وہ بھی فاسق اور دین کو تباہ کرنے والا ہے(۳) (۶) ایسا مولوی بھی فاسق ہے (۷) عالم باعمل متبع شریعت کو برا کہنا اور اس کی توہین کرنا سخت گناہ ہے اور بسا اوقات یہ بات کفر تک پہنچا دیتی ہے(۴)

واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرس مدرسہ امینیہ سنہری مسجد دہلی

الجواب صحیح۔ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند۔ ۲۷ شعبان ۱۳۳۳ھ

تیسرا باب
دعویٰ اور گواہی

ٹیلی فون پر عادل گواہوں کی شہادت بھی مقبول نہیں

(سوال) رمضان المبارک کی انتیس تاریخ کو ٹیلی فون پر چار معتبر عادل گواہوں نے شہادت دی کہ ہم نے ہلال فطر دیکھا ہے ان چار آدمیوں کو اور ان کی آوازوں کو میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں اور پہچانتا ہوں جب کہ تمام کاروباری اور خانگی امور میں ٹیلی فون پر ان لوگوں کا اعتبار کیا جاتا ہے تو چاند کی گواہی کیوں نہ معتبر سمجھی جائے اور اب تو یہ معلوم ہوا ہے کہ آئندہ ٹیلی فون پر گفتگو کرنے والے کا فوٹو بھی سامنے آجایا کرے گا اگرچہ اب تک رائج نہیں ہے موجودہ شکل میں اور جو آئندہ آنے والی ہے کچھ فرق ہے یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۲۸۸ مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب راندیر ضلع سورت ۲ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۵۰) ٹیلی فون کی حیثیت اگرچہ ٹیلی گراف سے مختلف ہے لیکن شہادت کے موقع پر دونوں کا حکم شرعی ایک ہے جس طرح کہ تار کے ذریعے سے شہادت ادا نہیں کی جاسکتی اسی طرح ٹیلی فون بھی ادائے شہادت کے لئے مفید و مقبول نہیں قانونی عدالتیں بھی تار یا ٹیلی فون پر شہادت قبول نہیں کرتیں اگر آئندہ فون پر بات کرنے والے کا فوٹو بھی سننے والے کے سامنے آجائے جب بھی باب شہادت

---

(۱) والفاسق اهلها فيكون اهله لكن لا يقلد وجوبا و يا ثم مقلده كقابل شهادته به يفتى (تنوير الابصار و شرحه الدرالمختار مع رد المحتار' مطلب في حكم القاضي الدرزي' والنصراني' ٥/٣٥٥' ٣٥٦ ط سعيد)

(۲) اتفقوا على' ان الا علان بكبيرة يمنع الشهادة..... لا تقبل شهادة من يجلس مجلس الفجور والمجانه والشراب وان لم يشرب (عالمگيريه' الفصل الثاني فيمن لا يقبل شهادته لفسقه ٣/٤٦٦' ط ماجديه كوئته)

(۳) قال السماع والقول والرقص الذى يفعله المتصوفه في زماننا حرام (عالمگيريه الباب السابع عشر في الغناء واللهو و سائر المعاصي ٥/٣٥٢ ط ماجديه كوئته) قال الله تعالىٰ : ولا تعاونوا على الاثم والعدوان (الآية) (المائدة: ٢)

(٤) و يخاف عليه الكفر اذا شتم عالما اوفقيها من غير سبب (البحر الرائق ' باب احكام المرتدين ٥/١٣٢ ط بيروت)

میں وہ ناقابل اعتبار رہے گا تمام کاروبار کا اس پر مدار ہونا اور روزانہ لوگوں کا تجارتی اور نجی کاموں میں اسکو معتبر سمجھنا اس کے لئے کافی نہیں کہ شہادت میں بھی اس پر اعتبار کیا جائے جیسے کہ حکومت ہند کے اہم سے اہم کام تار کے ذریعے انجام پاتے ہیں لیکن اگزیکیوٹو (انتظامی) صیغہ میں تار پر بھروسہ کرنے کے باوجود جوڈیشنل (عدالتی) صیغہ اس کو معتبر نہیں سمجھتا۔

ہاں جب کہ کثرت تار یا ٹیلی فون کی وجہ سے کسی کو خبر کا یقین ہو جائے تو وہ شخصی طور پر عمل کے لئے کافی ہو سکتا ہے لیکن حکم کے لئے کافی نہیں کیونکہ اس پر رویت ہلال یا افطار یا عید کا عام حکم نہیں دیا جا سکتا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جس گواہی سے حقوق العباد ضائع ہوں اس کا چھپانا حرام ہے۔

(سوال) ایک قوم قلیل التعداد تمام واقعات صحیحہ کے معلومات ہونے کے باوجود شہادت حقہ کا کتمان کرتی ہے اقرار صحیحہ سے سبکدوش نہیں ہوتی اور ایک مظلوم جو کہ عالمانہ حیثیت میں ہے فریب و دغابازی سے مبرا اور پاک ہے اس کی مظلومیت محفوظ نہیں رکھتی ایسی قوم کے لئے عند اللہ کیا سزا ہے اور باشندگان شہر کو از روئے شریعت ایسی قوم کے ساتھ کیسا برتاؤ رکھنا چاہئیے ؟ المستفتی نمبر ۲۰۸۸ مولانا عبدالرحیم صاحب (چھاؤنی نیمچ) ۲۹ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۴ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۵۱) ایسی شہادت کا کتمان کرنا جس سے حقوق العباد ضائع ہوں حرام ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) شرعی شہادت پر حکومت سے طلبانہ و خوراک نہیں لینا چاہئیے
(۲) شہادت شرعی ہو تو آمد و رفت کا کرایہ لینا جائز ہے
(۳) عدالت میں موجود شخص چال چلن کی تصدیق کرنے پر اجرت نہیں لے سکتا
(۴) رشوت کی تعریف
(۵) زبانی کوشش سے ہو سکنے والے کام کی اجرت لینا کیسا ہے ؟

(سوال) (۱) گورنمنٹ کسی شخص کو کسی کام کے لئے بلاتی ہے تو اس کو طلبانہ یعنی خوراک و کرایہ دیتی

---

(۱) ولو سمعه من وراء الحجاب لا يسعه ان يشهد لاحتمال ان يكون غيره اذالنغمة تشبه النغمة الا اذا كان في الداخل وحده و دخل و علم الشاهدانه ليس فيه غيره ثم جلس على المسلك و ليس له مسلك غيره فسمع اقرار الداخل ولا يراه لانه يحصل به العلم' و ينبغي للقاضي اذا فسرله لا يقبله (عالمگيريه' الباب الثاني في بيان تحمل الشهادة۳/ ۴۵۲ ط ماجديه كوئته)

(۲) و سبب وجوبها طلب ذى الحق اوخوف فوت حقه بان لم يعلم بهاذو الحق و خاف فوته لزمه ان يشهد بلا طلب (الدر المختار مع رد المحتار: كتاب الشهادات ۵/ ۴۶۱'۴۶۲ ط سعيد)

ہے اس کا لینا عند الشرع جائز ہے یا نہیں اسی طرح اگر کوئی بھائی شہادت کے لئے لے جائے تو وہ بھی طلبانہ دیتا ہے اس کا کیا حکم ہے ؟ (۲) اگر کوئی شخص کسی شخص کو شہادت کے لئے یا کسی اور کام کے لئے دوسری جگہ ضلع یا تحصیل میں لے جائے تو اس شخص کو اپنے کام کے چھوٹنے کا حرجانہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر لے سکتا ہے تو کس مقدار تک لے سکتا ہے ؟ (۳) اگر کوئی نمبردار وہیں عدالت میں موجود ہو اور کوئی شخص اس سے چال چلن یا حیثیت کی تصدیق کرائے تو اس سے حیثیت یا چال چلن کی تصدیق کرانے کے عوض کرایہ خوراک لینا جائز ہے یا نہیں ؟ (۴) رشوت کی مفصل تعریف کیا ہے کہ جس سے رشوت و غیر رشوت میں امتیاز ہو سکے (۵) اگر کسی شخص کی صرف زبانی کوشش سے کسی کا کام ہو سکتا ہے تو اس کے عوض کچھ لینا جائز ہے یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۲۱۰۰ عبدالمجید خاں نمبردار روہتک ۷ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۵۲) (۱) گورنمنٹ سے طلبانہ و خوراک لینا جائز ہے شہادت اگر شرعی شہادت ہو تو اس پر اجرت و خوراک نہیں لینا چاہئیے (۱) (۲) صرف کرایہ آمدورفت لے سکتا ہے بشرطیکہ شرعی شہادت ہو (۲) (۳) نہیں چاہئیے (۳) (۴) جو کام کہ خود اس پر کرنا لازم ہے اس کے کرنے پر اجرت لینا یا حق کو رشوت لے کر ناحق کر دینا یہ رشوت ہے (۴) (۵) اس میں تفصیل ہے خاص صورت ظاہر کر کے اس کا حکم دریافت کرو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

ہندو کی گواہی ہندو کے لئے معتبر ہے مسلمان کے خلاف نہیں

(سوال) ہندو کی شہادت شریعت میں معتبر ہے یا نہیں ؟ ازروئے شریعت ہندو کی گواہی ماننا چاہئیے یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۲۳۰۸ عبدالشکور صاحب (الہ آباد) ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۲ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۵۳) ہندو کی گواہی ہندو کے لئے معتبر ہوگی (۵) مسلمان کے خلاف ہندو کی گواہی مقبول نہیں ہوگی (۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

---

(۱) وکذا الکاتب اذا تعین لکن له اخذ الاجرة لا للشاهد حتی لو ارکبه بلا عذر لم تقبل و به تقبل لحدیث "اکرموا الشهود" وجوز الثانی الاکل مطلقا وبه یفتی (الدر المختار مع رد المحتار کتاب الشهادات ۵ /۴۶۳ ط سعید)

(۲) حوالہ بالا

(۳) حوالہ بالا

(۴) قال فی الشامیه وفی المصباح الرشوة ما یعطه الشخص الحاکم وغیره لیحکم له او یحمله علی ما یرید (مطلب فی الکلام علی الرشوة والهدیه ۵/ ۳۶۲ ط سعید)

(۵) تقبل من اهل الاهواء والذمی علی مثله وان اختلفا ملته کالیهود والنصاری (تنویر الابصار مع رد المحتار باب القبول و عدمه ۵ /۴۷۲ ط سعید)

(۶) وفی الاشباه لا تقبل شهادة کافر علی مسلم الاتبعا (الدر المختار مع رد المحتار باب القبول و عدمه ۵ /۴۷۵ ط سعید)

طلاق یا بیوی کو بیچنے کی گواہی دینا جائز بعض صورتوں میں واجب ہے!

(سوال) اگر کوئی شخص اپنی بی بی کو طلاق دے یا خرید و فروخت کرے تو اس کی طلاق کی یا بیع کی شہادت دینا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۶۳۹ محمد خاں صاحب (آگرہ) ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۲۵٤) طلاق یا بیوی کو بیچنے کی شہادت دینا نہ صرف جائز بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شرعی شہادت دینے کے لئے اجرت لینا جائز نہیں.

(سوال) گواہ کو اپنی گواہی دینے کی اجرت لینی جائز ہے یا نہیں یعنی طلبانہ جو دیا جاتا ہے یا اور کسی قسم کی چیز بطور مزدوری وغیرہ۔ المستفتی نمبر ۲۶۶۲ مولانا محمد یوسف صاحب فقیر' دہلوی ۵ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ مطابق ۸ اپریل ۱۹۴۱ء

(جواب ۲۵۵) قانون شہادت انگریزی کے ماتحت جن گواہوں کے نام سمن نکلوائے جاتے ہیں اور عدالت میں طلب کر لیا جاتا ہے وہ سب شرعی طور پر شاہد نہیں ہوتے تو جو گواہ شرعی طور پر شہادت کے لئے طلب کیا جائے اس کو شہادت کی اجرت لینا ناجائز ہے لیکن وہ گواہ جس کو شرعی شہادت کے لئے طلب نہیں کیا گیا بلکہ خواہ مخواہ انگریزی قانون شہادت کے بل پر طلب کر لیا گیا ہے وہ شرعاً شاہد نہیں اور وہ اپنے وقت کی اجرت لے سکتا ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

داڑھی منڈے کی شہادت یا وکالت سے نکاح منعقد ہوتا ہے.

(سوال) داڑھی منڈانے والے کی شہادت یا وکالت شادی کے موقعہ پر جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح ایسے شخص کی رمضان المبارک کا چاند دیکھنے کی گواہی لینا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۴۷۲ شیخ اعظم شیخ معظم (دھولیہ ضلع مغربی خاندیس) ۸ صفر ۱۳۵۸ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۵٦) داڑھی منڈانے والے کی شہادت یا وکالت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے مگر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کو شاہد یا وکیل نہ بنایا جائے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) و یجب الاداء بلا طلب لو الشہادۃ فی حقوق اللہ تعالی وھی کثیرۃ ' کطلاق امرأۃ (تنویر الابصار و شرحہ الدر المختار' مع رد المحتار: کتاب الشہادات ۵ ۴۶۳ ط سعید) (۲) وکذا لکاتب اذا تعین' لکن لہ اخذ الاجرۃ لا للشاھد حتی لو ارکبہ بلا عذر لم تقبل' و بہ تقبل لحدیث "اکرموا الشہود" (الدر المختار مع ردالمحتار کتاب الشہادات ۵ ۴۶۳ ط سعید) (۳) وشرط حضور شاھدین حرین اوحر وحرتین مکلفین سامعین قولھما معا علی الاصح فاھمین انہ نکاح علی المذھب یجز مسلمین لنکاح مسلمۃ ولو فاسقین (تنویر الابصار و شرحہ الدر المختار) قال المحقق فی الشامیہ (قولہ ولوفاسقین) اعلم ان النکاح لہ حکمان' حکم الانعقاد' و حکم الاظھار' فالاول ماذکرہ والثانی انما یکون عند التجاحد فلا یقبل فی الاظھار الاشہادۃ من تقبل شہادتہ فی سائر الاحکام (قبیل مطلب فی عطف الخاص علی العام ۳' ۲۱'۲۲'۲۳ ط ...)

مدعی ایک اور مدعی علیہ دو ہوں تو مدعی کے ذمہ دونوں کے سامنے ثبوت پیش کرنا ضروری ہے۔

(سوال) مشکور علی خاں بالغ بولایت اپنے باپ اسد علی خاں کے اپنا نکاح مسماۃ سلطان زمن بیگم نابالغہ کے ساتھ بولایت اس کے باپ محمد ظہیر الدین خاں کے ظاہر کرتا ہے اور محمد عبدالغنی خاں بولایت اپنے باپ حاجی عبدالوہاب کے اپنا نکاح مسماۃ سلطان زمن بیگم کے ساتھ بولایت اس کے باپ محمد ظہیر الدین خاں کے ظاہر کرتا ہے اور مسماۃ سلطان زمن بیگم کا باپ محمد ظہیر الدین خاں اپنے حلفیہ بیان میں روبروئے عدالت بیان کرتا ہے کہ میں نے اپنی دختر مسماۃ سلطان زمن بیگم کا نکاح محمد عبدالغنی خاں ولد حاجی عبدالوہاب کے ساتھ کیا ہے مشکور علی خان کے ساتھ نہیں کیا۔

اب عبدالغنی خاں اثبات نکاح کا عدالت دہلی میں دعویدار ہے جس میں مشکور علی خاں مدعا علیہ ہے اور مشکور علی خاں اثبات نکاح کا عدالت ریاست رام پور میں دعویدار ہے جس میں محمد عبدالغنی خاں مدعا علیہ نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ عبدالغنی خاں کو ازروئے شرع شریف مدعا علیہ بنانا چاہئے یا نہیں ؟ کیونکہ خوف یہ ہے کہ عدم موجودگی عبدالغنی خاں میں اگر مشکور علی خاں کامیاب ہو جائے تو اس نکاح کا کیا حال ہوگا جس میں عبدالغنی خاں کو مدعا علیہ ریاست رامپور نے نہیں بنایا۔

(جواب ۲۵۷) مشکور علی خاں کے دعویٰ کا تعلق صرف سلطان زمن کے ساتھ نہیں بلکہ نکاح کے دوسرے دعویدار عبدالغنی خاں سے بھی ہے کیونکہ وہ بھی سلطان زمن کے نکاح کا مدعی ہے اس لئے مشکور علی خاں کو اپنے اثبات دعویٰ کے لئے ضروری ہے کہ وہ عبدالغنی خاں کو بھی مدعا علیہ قرار دے اور اس کے ولی کے روبرو اپنی شہادت وثبوت وغیرہ پیش کرے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ مدرس مدرسہ امینیہ ٗ دہلی۔

ثالث کے سامنے ایک شخص مدعی طلاق ہو ٗ میاں بیوی منکر ہوں تو کیا حکم ہے۔

(سوال) زید نے خالد کو یہ الزام دیا کہ اے خالد تو نے اپنی منکوحہ ہندہ کو میرے سامنے تین طلاقیں دیں اور خالد و ہندہ سراسر انکار کرتے ہیں زید اور خالد نے فیصلے کے لئے ایک قاضی صاحب پر اتفاق کیا مگر ہندہ نے سراسر انکار کیا اور کہا کہ یہ قاضی صاحب ضرور میرے خلاف فیصلہ کریں گے زید و خالد فیصلے

---

(۱) ولا یقضی علی غائب ٗ ولا لہ ای لا یصح بل ولا ینفذ علی المفتی بہ بحر ٗ الا بحضور نائبہ او من یقوم مقام الغائب (تنویر الابصار و شرحہ الدر المختار) قال المحقق فی الشامیہ (قولہ ولا یقضی علی غائب) ای بالبینۃ سواء کان غائبا وقت الشہادۃ او بعضہا و بعد التزکیۃ وسواء کان غائبا عن المجلس او البلد (کتاب القضاء مطلب فی ابر الامیر و قضائہ ۵/۴۰۹ ط سعید)

کے لئے قاضی صاحب کے پاس حاضر ہوئے زید نے بحیثیت مدعی ہونے کے دعویٰ کیا کہ خالد نے میرے روبرو اپنی منکوحہ ہندہ کو تین طلاق دیں اور خالد نے اس دعویٰ سے انکار کیا قاضی صاحب نے مدعی سے شہادۃ کا مطالبہ کیا مدعی نے دو گواہ پیش کئے قاضی صاحب نے خالد سے سوال کیا کہ ان دو گواہوں کی شہادت پر جو فیصلہ مرتب ہوگا وہ تجھے منظور ہے یا نہیں ؟ خالد نے کہا کہ اگر فلاں گواہ مسمی بکر حلف اللہ کہہ کر شہادت دے تو مجھے منظور ہے قاضی صاحب نے گواہ مسمی بکر کو کہا کہ زید نے جو دعویٰ کیا ہے اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے قسم اٹھاکر تو شہادت دینے کے لئے تیار ہے یا نہیں ؟ بکر گواہ نے کہا کہ پہلے خالد قسم اٹھائے کہ میں نے ہندہ کو تین طلاق نہیں دیں تب میں قسم اٹھاؤں گا لیکن قاضی نے بکر کو کہا کہ مدعا علیہ کا حق قسم کھانے کا نہیں ہے لہذا قسم تمہیں ہی اٹھانی پڑے گی بیان بکر ہے کہ واللہ باللہ تعالیٰ خالد نے میرے سامنے ہندہ منکوحہ کو تین طلاق دیں بیان گواہ مسمی عمرو کہ خالد نے میرے سامنے منکوحہ کو تین طلاق دیں اگر میری شہادت کاذبہ ہو تو میری منکوحہ پر طلاق ہے قاضی صاحب نے فیصلہ سنادیا کہ خالد کی منکوحہ ہندہ کو تین طلاق خالد پر حرام ہے۔

اب علمائے اسلام کا آپس میں اختلاف ہو گیا اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ قاضی صاحب کا فیصلہ نافذ نہیں ہوا۔

المستفتی نمبر ۵۰ ۷ امر زا خاں ۷ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۳ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۵۸) کسی شخص کا یہ کہنا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے جب کہ زوج اور زوجہ دونوں طلاق کے منکر ہوں یہ دعویٰ نہیں ہے کیونکہ دعویٰ اپنا حق طلب کرنے کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اجنبی اس اخبار میں اپنا کوئی حق طلب نہیں کر رہا بلکہ ایک حق اللہ یعنی حرمت زوجہ علی زوجہا کی خبر دے رہا ہے جو حقیقۃً شہادت ہے پس اس کا یہ قول دعویٰ قرار نہیں دیا جا سکتا اور اس بنا پر اس کا یہ قول غیر مجلس قضا میں لغو ہے اور اس لغو قول کی وجہ سے یہ خصم نہیں بن سکتا اور جب یہ خصم نہیں ہوا تو اس کی اور زوج کی جانب سے تحکیم صحیح نہیں ہوئی کیونکہ تحکیم خصمین کی طرف سے ہوتی ہے اور صورت مسئولہ میں خصمین کا وجود ہی نہیں ہوا پس حکم کے سامنے جو شہادتیں ہوئیں وہ بھی غیر معتبر اور حکم کا فیصلہ بھی غیر معتبر ہے۔(۱)

ہاں اس معاملے میں یہ اجنبی بھی ایک شاہد ہے اور طلاق کی شہادت دینے کے لئے دعویٰ بھی شرط نہیں مگر شہادت ادا کرنے کے لئے مجلس قضا شرط ہے اگر یہ اجنبی قاضی شرعی کے سامنے مجلس قضا میں جاکر شہادت دیتا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے اور قاضی اس شہادت پر کارروائی کرتا تو وہ درست ہوتی(۲) بشرطیکہ شاہد کی طرف سے ادائے شہادت میں تاریخ طلاق سے غیر ضروری

---

(۱) التحکیم : هو لغة جعل الحكم فيما لك لغيرك و عرفا تولية الخصمين حاكما يحكم بينهما (تنوير الابصار وشرحه الدر المختار مع رد المحتار باب التحكيم ٥/ ٤٢٨ ط سعيد)

(۲) هي اخبار صدق لاثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القاضي (تنوير الابصار مع رد المحتار : كتاب الشهادات ٥/ ٤٦١ ط سعيد)

تاخیر نہ ہوئی ہوتی(۱) کیونکہ قاضی شرعی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حقوق اللہ کی حفاظت کے لئے کارروائی کرے(۲) اور حکم اسی وقت قاضی کے قائم مقام ہو سکتا ہے جب کہ خصمین اس کو اپنی طرف سے فیصلے کا حق دیں اور جب تک خصومت متحقق نہ ہو تحکیم متحقق نہیں ہو سکتی(۳) پس صورت مسئولہ میں لفظ قاضی صاحب سے مراد اگر حکم ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو میرے نزدیک یہ تمام کارروائی عبث ہوئی واللہ تعالیٰ اعلم۔ دوسرے علمائے تجربہ کار سے بھی تحقیق کی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(نوٹ) مکمل استفتاء مذکورہ بالا کتاب الطلاق باب متفرقات میں بھی درج کیا گیا ہے وہاں اس کے ساتھ حضرت مولانا تھانوی کی رائے بھی تحریر ہے (واصف عفی عنہ)

عورت کے غلط دعویٰ پر قاضی کا فسخ نکاح قضاء صحیح ہوگا

(سوال) ہندہ نے خلاف واقعہ باغوائے چند اشخاص جو بدنیتی سے اپنے کسی عزیز کے ساتھ عقد کرنا چاہتے ہیں اپنے شوہر پر مظالم و عدم ادائے حقوق زوجیت کا دعویٰ عدالت منصفی میں کرکے فسخ نکاح کی درخواست کی ہے جب کہ عورت اس دعویٰ میں بالکل خلاف واقع اور جھوٹ کہتی ہو تو ایسی صورت میں کیا حکم حاکم فسخ نکاح ہو سکتا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۶۶۳ چودھری عبدالعزیز امروہہ۔ ۲۴ صفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۴۱ء۔

(جواب ۲۵۹) اگر عورت کا دعویٰ غلط اور خلاف واقع ہے تو شوہر کو لازم ہے کہ وہ حاکم پر یہ بات واضح کردے اور عورت کے بیان کا غلط ہونا ثابت کردے تاکہ حاکم عورت کو ڈگری نہ دے لیکن اگر حاکم پر عورت کے بیان کی غلطی واضح نہیں ہوئی اور اس نے عورت کو سچا سمجھتے ہوئے نکاح کو فسخ کردیا تو قضاء یہ فسخ صحیح ہوگا مگر خدا کے نزدیک عورت اور جھوٹی گواہی دینے والے شخص سے نکاح کرے گی تو نکاح بشرط کفاءۃ و مہر مثل صحیح ہوگا۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) و متی اخر شاهد الحسبة شهادته بلا عذر فسق فترد کطلاق امراة (تنویر الابصار و شرحه الدر المختار کتاب الشهادات ٥/٤٦٣ ط سعید)

(۲) وادب القاضی التزامه لماندب الیه الشرع من بسط العدل و رفع الظلم و ترك المیل والمحافظة علی حدود الشرع و الجری علی سنن السنة (عالمگیریه' الباب الاول فی تفسیر معنی الادب والقضاء ٣/٣٠٦ ط ماجدیه کوئٹه) (۳) تفسیره تصییر غیره حاکما فیکون الحکم فیما بین الخصمین کالقاضی (عالمگیریه' الباب الرابع والعشرون فی الحکم ٣/٣٩٧ ط ماجدیه کوئٹه)

(٤) و ینفذ القضاء بشهادة الزور ظاهرا و باطنا فی العقود والفسوخ ...... کاقالة وطلاق (تنویر الابصار و شرحه الدر المختار) قال المحقق فی الشامیه (قوله' والفسوخ) .... ادعت انه طلقها ثلاثا وهو ینکر و اقامت بینة زور فقضی القاضی بالفرقة فتزوجت بآخر بعد العدة حل له و طؤ ها عندالله وان علم بحقیقة الحال (رد المحتار مطلب فی القضاء شهادة الزور ٥/٤٠٥ ط سعید) عن عبدالرحمن بن ابی بکرة قال کنا عند رسول الله ﷺ فقال الا انبئکم باکبر الکبائر ثلاثا ...... و شهادة الزور (صحیح الامام مسلم' باب الکبائر واکبرها ١/٦٤ ط قدیمی کتب خانه' کراچی)

حسبت پر مبنی شہادت بلاوجہ تاخیر سے غیر مقبول ہو جاتی ہے

(سوال) جناب کے حافظے اور مجموعہ فتاویٰ میں یہ سوال و جواب ہوگا کہ زید نے کہا "میں نے زمین و آسمان پیدا کئے ، وغیر ذلک" پھر آٹھ ماہ کے بعد شہادت ہوتی ہے اور زید کے دعویٰ خدائی کا تذکرہ جس پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا سوال پیدا ہوا جس کی پوری تفصیل آپ کے پاس جاچکی ہے اور جناب نے یہ جواب مرحمت فرمایا تھا کہ "زید کا قول معتبر ہوگا ان لوگوں کا قول جو آٹھ دس ماہ کے بعد اس کا اظہار کرتے ہیں نا قابل التفات ہے"۔

لہذا گزارش ہے کہ جناب تھوڑی سی وقت کی قربانی دیکر شاہدین کی شہادت کا نا قابل التفات ہونے کی جو بنیاد ہے اور دلیل شرعی مع عبارات کتب مرحمت فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۲۷۳۱ محمد سجاد (بنارس) ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۴۲ء

(جواب ۲۶۰) زید کا قول معتبر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا قول مع حلف کے معتبر ہوگا اور شہود کی شہادت معتبر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شہادت دیانت اور حسبت یعنی للّٰہیت پر مبنی ہے اور ایسی شہادت بلاوجہ معقول تاخیر کرنے سے نا مقبول ہو جاتی ہے ومتی اخر شاهد الحسبة شهادته بلاعذر فسق فترد (درمختار) (۱) اس کے علاوہ یہ شہادت ردة پر ہے اور اس میں جب مشہود علیہ انکار کردے اور شہادتین کا اقرار کر لے تو شہادت شاہدین بے اثر ہو جاتی ہے۔ شهد واعلی مسلم بالردة وهو منکر لا یتعرض له (درمختار) (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مرض الموت میں مملوکہ زمین ایک بیٹے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے۔
(۲) خرید و فروخت پر گواہوں کی گواہی معتبر ہے
(۳) شہادت کے لئے لفظ اشہد کافی ہے
(۴) عادل گواہ کی گواہی میں کذب کا عقلی احتمال شرعاً و عرفاً معتبر نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) ایک شخص نے اپنا ایک قطعہ اراضی (جو اس کی ملکیت میں صرف وہی قطعہ تھا) اپنے مرض الموت میں اپنے چار بیٹوں میں سے ایک بیٹے کے ہاتھ فروخت کیا اور بیٹے نے بطور سند و حجت باپ سے ایک خط لکھوا کر اپنے پاس رکھ لیا اب اس بائع کی وفات کے بعد بقیہ تین فرزندوں نے اپنے چوتھے بھائی کیساتھ اس متروکہ قطعہ اراضی پر شرکت کا دعویٰ کیا ہے مگر وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے یہ قطعہ زمین قیمتاً خریدا ہے جس کی شہادت میں وہی خط پیش کرتا ہے جو بطور سند باپ سے لکھوایا تھا مگر

---

(۱) کتاب الشهادات ٥/٤٦٣ ط سعيد

(۲) باب المرتد' مطلب جمله من لا يقتل اذا ارتد' ٤/٢٤٦ ط سعيد

قاضی اس خط کو بحکم الخط یشبہ الخط رد کرتا ہے پھر وہی مشتری اپنی طرف سے دو گواہ پیش کرتا ہے ایک کاتب یعنی جس نے وہ خط لکھا تھا دوسرا گواہ جس کا نام بھی اسی خط پر مرقوم ہے اب مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں :-

(۱) مرض الموت میں ایک قطعہ اراضی کو اپنے دیگر وارثوں کو محروم کرنے کی نیت سے فروخت کر دینا جائز تھا یا نہیں جب کہ وہی ایک قطعہ اراضی کل ملکیت تھی (۲) جب کہ بحکم الخط یشبہ الخط مرقوم شدہ بیع نامہ شرعاً رد کیا جا سکتا ہے تو پھر اس کا کاتب اور اس پر مرقوم شدہ گواہ کس طرح اور کس دلیل کی بناء پر شرعاً مقبول ہو سکتے ہیں (۳) اگر بفرض محال ان گواہوں کو شرعاً تسلیم کیا جائے تو پھر ان کی شہادت بغیر حلف کے معتبر ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ اگرچہ قاضی ان کی شہادت بغیر حلف کے قبول کرتا ہو (۴) جب الخط یشبہ الخط کے اصول کے مطابق مدعا علیہ کے خط کو بوجہ احتمال مشابہۃ الخط کے مسترد کیا جاتا ہے تو پھر اگر کاتب اور مرقوم شدہ گواہ کو تسلیم کیا جائے گا تو اس حالت میں ان ہر دو گواہوں کی زبانی شہادت میں احتمال کذب کا موجود ہے یا نہیں ؟ اگر واقعی احتمال کذب موجود ہے تو پھر بروئے قانون اصولی اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال مذکورہ صورت میں بطل الشواھد کا حکم دیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۶۱) (۱) بیع جائز ہے کیونکہ یہ تبرع نہیں ہے عقد معاوضہ ہے(۱) (۲) ان لوگوں کی گواہی مقبول ہو سکتی ہے کیونکہ خط کا رد کر دینا اس وجہ سے تھا کہ اس کا ثبوت نہ تھا تو اس کا ثبوت پیش کرنے اور ثابت کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں(۲) (۳) شہادت میں لفظ اشہد کافی ہے پس یہ لفظ ہی قائم مقام حلف کے ہے اس کے علاوہ مزید حلف ضروری نہیں ہے(۳) (۴) شاہد عادل کی زبانی شہادت میں کذب کا عقلی احتمال شرعاً عرفاً قابل اعتبار نہیں ورنہ باب شہادت ہی مسدود ہو جائے گا(۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

عورت یا مرد کے دعویٰ کے بغیر ان کے نکاح پر کسی کی شہادت مقبول نہیں.

(سوال) مسمی امان خان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مسماۃ صاحبزادی نے حکیم محمد شریف سے نکاح کیا اور یہ ہر

---

(۱) اما تعریفها فمبادلة المال بالمال بالتراضی و اما رکنه فنوعان' احد هما الایجاب والقبول والثانی ..... واما حکمه فثبوت الملك فی البیع للمشتری و فی الثمن للبائع اذا كان البیع تاما (عالمگیریه' الباب الاول فی تعریف البیع ورکنه وشرطه و حکمه ۳/۲' ط ماجدیه کوئٹه)

(۲) ونصابها لغیرها من الحقوق سواء كان لحق مالا اوغیره كنكاح و طلاق ووكالة واستهلال صبی ولو للارث رجلان..... او رجل وامراتان (تنویر الابصار و شرحه الدر المختار' كتاب الشهادات ۵/۴۶۵' ط سعید)

(۳) ورکنها لفظ اشهد لاغیر لتضمنه معنی مشاهدة و قسم واخبار للحال (تنویر الابصار و شرحه الدر المختار مع ردالمحتار' كتاب الشهادات ۵/۴۶۲' ط سعید)

(۴) والعدالة' و هی شرط وجوب القبول علی القاضی لا جوازه كذافی البحر الرائق (عالمگیریه' الباب الاول فی تعریفها ورکنها و سبب ادائها ۳/۴۵۰' ط ماجدیه کوئٹه)

دو یعنی مسماۃ صاحبزادی اور حکیم محمد شریف اس نکاح سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے درمیان انعقاد نکاح ہوا ہی نہیں امان خاں انعقاد نکاح کے دو گواہ پیش کرتا ہے بیان یہ ہے کہ مسماۃ صاحبزادی کا جس روز نکاح ہوا اس روز صرف جان محمد و نور محمد دو اشخاص موجود تھے اور مسماۃ صاحبزادی و حکیم محمد شریف تھے اور کوئی نہیں تھا حکیم نے کہا کہ میں اس سے نکاح کرتا ہوں اور مسماۃ صاحبزادی نے تین دفعہ کہا کہ میں نے تجھ کو اپنا تن بخشا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ امان خاں جو ایک ثالث شخص ہے جس نے دعویٰ نکاح کیا باوجودیکہ مسماۃ صاحبزادی و حکیم محمد شریف انکار کر رہے ہیں اس ثالث شخص کے پیش کئے ہوئے گواہوں کی شہادت سے نکاح ثابت ہو گا یا نہیں ؟

(جواب ۲۶۲) نکاح پر بغیر دعویٰ احد الزوجین شہادت مقبول نہیں پس جب تک زوجین میں سے کوئی نکاح کا مقر نہ ہو کسی تیسرے شخص کا شہادت پیش کرنا غیر معتبر ہے جن چیزوں میں شہادت بغیر دعویٰ مسموع ہو جاتی ہے وہ خالص حقوق اللہ ہیں نکاح ان میں داخل نہیں(۱) واللہ اعلم ۔

چوتھا باب
منصب افتا اور مفتی کے فرائض

مطلقہ مغلظہ جھوٹی گواہی کی بناء پر مفتی کے فتویٰ سے حلال نہیں ہوتی .

(سوال) ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو طلاق مغلظہ دی اور طلاق نامہ لکھ دیا چند روز کے بعد اس نے کہا کہ میں نے شرطی طلاق دی ہے اور جھوٹے گواہ لے جا کر مفتی سے فتویٰ لا کر اس کو حلال سمجھ کر اپنے تصرف میں لاتا ہے ؟ **المستفتی** نمبر ۳۷۰ ینگ مسلم نورانی کلب ڈیگون ۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۶۳) اگر شخص مذکور بلا شرط طلاق دے چکا ہے اور تین طلاقیں دی ہیں تو اس کی زوجہ اس کے لئے حرام ہو چکی ہے(۲) جن لوگوں نے جھوٹی گواہی دی وہ سخت گناہ گار اور فاسق ہوئے(۳) اور ان کی جھوٹی گواہی کی بناپر اور مفتی کے فتوے سے وہ عورت اس شخص کے لئے حلال نہیں

---

(۱) و یجب ادائها بالطلب ولو حکما کما مر لکن و جوبه بشروط سبعه مبسوطة فی البحر وغیره منها عدالة قاض و قرب مکانه..... و طلب المدعی لو فی حق العبد (تنویر الابصار و شرحه الدر المختار کتاب الشهادة ۵ /۴۶۳ ط سعید)

(۲) وان کان الطلاق ثلثا فی الحرة ..... لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره (هدایه فصل فیما تحل به المطلقه ۲ /۳۹۹ ط مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(۳) عن عبدالرحمن بن ابی بکرة قال : کنا عند رسول الله ﷺ فقال : الا انبئکم باکبر الکبائر ثلثا الاشراك بالله و حقوق الوالدین و شهادة الزور (صحیح الامام مسلم باب الکبائر واکبرها ۱ /۶۴ ط قدیمی کتب خانه کراچی)

ہو جائے گی کیونکہ مفتی کا فتویٰ تو بیان سائل پر ہوتا ہے اگر بیان جھوٹا ہو تو مفتی اس کا ذمہ دار نہیں اور نہ اس کے فتوے سے حرام چیز حلال ہو سکتی ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بغیر علم کے فتویٰ دینا حرام ہے۔

(سوال) زید نہ فقہ حدیث صرف و نحو کی عبارت پڑھ سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں نہ قرآن صحیح پڑھ سکتے ہیں ناحق فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو فتنے میں مبتلا کرتے ہیں گویا پیشہ ہی یہ ہے کسی سے قرض لیتے ہیں تو دینا نہیں جانتے جھوٹ بول کر دغا و مکر سے لوگوں کا مال غصب کرتے ہیں آیا ایسے لوگوں سے خلط ملط رکھنا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۵۳۲ عبدالرحمن (ضلع ناسک) ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۶۴) بغیر علم کے فتویٰ دینا حرام ہے(۲) اور لوگوں کے حقوق غصب کرنا' جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب ۲۶۵) (۵۵۳) واقعہ مذکورہ فی السوال کے متعلق دو فتوے میں پہلے لکھ چکا ہوں یہ تیسرا ہے اور افسوس کہ پہلے فتووں کی نقل بھی میرے پاس موجود نہیں رکھی گئی اگر جوابوں میں کچھ اختلاف نظر آئے تو وہ بیان سائل کے اختلاف پر مبنی ہوگا کیونکہ مفتی کے پاس اس بات کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ کون سا بیان سچا اور واقعہ کے مطابق ہے اور کون سا جھوٹا اور واقعہ کے خلاف ہے۔ محمد کفایت اللہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۳۵ء

یہ فیصلہ کرنا اہل شوریٰ کا کام ہے کہ فلاں کام دارالعلوم کے لئے مضر ہے یا نہیں ؟

(سوال) مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم جن کے رسالے (مساوات اسلامی) کی وجہ سے ہندوستان کی بہت بڑی مسلم آبادی کے قلوب مجروح ہوئے ہیں اور دارالعلوم کو ہزار ہا روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے دارالعلوم میں رکھنے کے لائق ہیں یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۶۶۴ ناظم جمعیۃ الطلبہ دارالعلوم دیوبند ۴ شعبان ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۶۶) دارالعلوم کو ایسی باتوں سے محفوظ رکھنا جو اس کی حالت مالیہ و انتظامیہ اور وقار کے لئے

---

(۱) فالحاکم مخبر منفذ والمفتی مخبر غیر منفذ' والمفتی مخبر غیر منفذ (اعلام الموقعین' لا یفتی ولا یحکم الا بما یکون عالماً بالحق فیہ' ۴ ۱۳۳ ط دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(۲) من افتی الناس ولیس باھل للفتوی فھو آثم وعاص (اعلام الموقعین ۴/۱۶۶ ط دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(۳) عن سلیمان بن عمرو بن الاحوص عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ...... فان دماء کم واموالکم واعراضکم بینکم حرام (جامع الترمذی' باب ماجاء فی تحریم الدماء والاحوال ۲/۳۹ ط سعید)

مضر ہوں اہل شوریٰ کا فرض ہے اور یہ فیصلہ کرنا کہ فلاں امر دارالعلوم کے لئے مضر ہے یا نہیں یہ بھی اہل شوریٰ کا منصب ہے میں اشخاص کے متعلق اظہار رائے بھی مفتی کے منصب سے خارج سمجھتا ہوں چہ جائیکہ حکم شرعی لگانا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مسئلہ پوچھنے پر عالم کا یہ کہنا' جاؤ میں نہیں جانتا...... کیسا ہے ؟

(سوال) امام صاحب سے اگر کوئی مقتدی شرعی مسئلہ دریافت کرے تو کیا امام صاحب کو ازروئے شریعت اسلام مقتدی کو یہ جواب دینا جائز ہوگا کہ جاؤ میں نہیں جانتا اگر مقتدی اس پر اصرار کرے تو امام صاحب کا یہ کہنا کہ مجھے تمہاری پرواہ نہیں خواہ میرے پیچھے نماز پڑھو یا نہ پڑھو' جائز ہے یا ناجائز ؟
المستفتی نمبر ۸۴۲ عبدالمجید خاں (شملہ) ۱۶ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۹ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۶۷) امام صاحب کو اگر وہ مسئلہ معلوم نہ ہو تو ان کا یہ کہنا کہ " میں نہیں جانتا " بجا ہے مقتدی کو اصرار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جو مسئلہ معلوم نہ ہو اس کے متعلق یہی جواب صحیح ہے کہ " میں نہیں جانتا " (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مفتی پر زبانی جواب واجب ہے تحریری نہیں .

(سوال) کسی مفتی صاحب سے شرعی فتویٰ دریافت کیا جائے اور وہ یہ کہہ دے کہ مجھ کو کتاب دیکھنے کی فرصت نہیں ہے اور نہ قوت کسی اور جگہ تحقیق کر لیا جائے نیز مستفتی اپنا پتہ لفافے پر لکھتا ہوں گیا مفتی صاحب کو پتہ لکھنا پڑا اس پر ان کا یہ لکھنا کہ لفافے پر پتہ لکھنا ضروری تھا حق مجھ کو تکلیف دی ایسے مفتی کے لئے شرعاً کیا حکم ہے مفتی کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں ؟ کیونکہ مسلمان تو علمائے اسلام سے ہی فتویٰ حاصل کریں گے ؟ المستفتی نمبر ۸۴۲ عبدالمجید خاں (کوہ شملہ)

(جواب ۲۶۸) بھائی صاحب! عالم اور مفتی کے ذمہ اتنی بات ہے کہ جو مسئلہ اس کے علم میں مستحضر ہو اور کوئی دریافت کرے تو بتا دے اور مستحضر نہ ہو مگر کتاب دیکھ کر بتانے پر قدرت ہو اور اس میں اسے کوئی کلفت نہ ہو تو دیکھ کر بتادے لیکن کسی حال میں تحریری جواب دینا اس پر لازم نہیں اور پھر مکتوب الیہ یعنی مستفتی کے نام کا خط اور لفافہ اور پتہ لکھنا کسی حال میں لازم نہیں جو علما کہ یہ سب کام کرتے ہیں یعنی تحریری جواب دیتے ہیں (حالانکہ مستفتی مقامی علما سے زبانی دریافت کر لینے پر قادر ہیں) وہ محض تبرعاً اور بہ نیت ثواب یہ کام کرتے ہیں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر یہ بات فرض ہے جا ئے خدا

---

(۱) وعن عبدالله قال يا يها الناس من علم شيئا فليقل به ومن لم يعلم فليقل الله اعلم (مشكوة المصابيح) و في المرقاة . وذكر الزمخشري في ربيع الابرار ان عليا كرم الله وجهه سئل عن شئ وهو على المنبر فقال لا ادري فقيل كيف تقول لا ادري وانت طلعت فوق المنبر فقال انما طلعت بقدر علمي و طلعت بقدر جهلي لباعت السماء (كتاب العلم الفصل الثالث ١ / ٣١٤ ط امداديه ملتان)

نے یہ فرض نہیں کیا(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) مفتی کے لئے صاحب علم ماہر احوال زمانہ سے واقف ہونا ضروری ہے.
(۲) غیر عالم فتویٰ دینے کا اہل نہیں بلا تحقیق و تصدیق اس کی باتوں پر عمل نہیں کرنا چاہئیے
(۳) مفتی کا قصداً کسی مسلمان کے خلاف نام کی تصریح کے ساتھ غلط فتویٰ دینا سخت گناہ ہے
(۴) تکبر اور نام و نمود کی نیت سے اپنی تعریف شائع کر کے لوگوں کو دھوکہ دینا گناہ ہے.

(سوال) (۱) زید نے کسی دارالعلوم دینی میں تعلیم دینیات باقاعدہ حاصل نہیں کی نہ درسی کتابیں پڑھنے کے بعد سند حاصل کی ہے نہ دستار فضیلت باندھی گئی ہے مگر دینی امور میں بحیثیت مفتی فتوے صادر کرتا ہے کیا ایسی ناقابل اطمینان صورت میں زید فتویٰ شرعی صادر کرنے کا مجاز ہے اور کیا زید کا فتویٰ قابل اعتماد ہے؟
(۲) کیا بصورت مذکور الصدر زید کے فتووں پر مسلمانوں کو صحیح سمجھ کر عمل کرنا چاہئیے؟
(۳) اگر کوئی مفتی غلطی سے عمداً کسی جلیل القدر مستند عالم متقی بزرگ امام کے خلاف غلط فتویٰ صادر کر دے جس سے عالم موصوف کی عزت و حرمت خطرہ میں پڑ جائے اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد جنگ و جدل کی آگ بھڑک جائے ایسے مقتضی مفتی کے لئے کیا حکم ہے؟
(۴) اگر کوئی نماز پڑھانے والا اجیر امام جاہل مسلمانوں کو اپنے ہاتھوں کی بوسہ بازی کرانے سے منع نہ کرے اور کبر و رعونت سے دیگر بزرگان دین کی عظمت و علو مرتبت کا لحاظ و ادب نہ کرے اور اپنی شہرت و نمود کے لئے پوسٹروں اور اخبارات میں جاہل سازشی اشخاص کی طرف سے بڑے بڑے القاب اور خطاب جو انبیاء کرام و اولیاء اللہ کی شان کے لائق ہوں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہوں طبع کرا کر عوام الناس کو اپنے دام تزویر میں لائے اور ایسی دھوکہ بازی و فریب کاری کے جال میں نادان مسلمانوں کو پھانسے گمراہ کرے ایسے امام کے واسطے کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۱۴۹۵ مولوی موسیٰ خان صاحب مدرس مدرسہ حسینیہ دہلی ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۵ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۶۹) فتویٰ دینے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ عالم صاحب بصیرت کثیر المطالعہ وسیع النظر احوال زمانہ سے واقف ہو جس شخص میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ افتا کا اہل نہیں اور اس کے فتوے پر بدون تحقیق و تصدیق کے عمل جائز نہیں اور خود اس کو فتویٰ دینا جائز نہیں(۲)

---

(۱) لان الواجب علیه الجواب باللسان دون الکتابة بالبنان (الدر المختار مع رد المحتار مطلب فی اجرة صك القاضی و المفتی ۹۲/٦ ط سعید) (۲) لا ینبغی لاحد ان یفتی الا من کان هکذا ویرید ان یکون المفتی عدلا عالما بالکتاب والسنة واجتهاد الرای الا ان یفتی بشیء قد سمعه (عالمگیریه: الباب الاول فی تفسیر الادب والقضاء ۳۰۸/۳ ط ماجدیه کوئٹه) وفی الشامیه: ان المفتی فی الوقائع لا بدله من ضرب اجتهاد و معرفة باحوال الناس (باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده مطلب منهم ۳۹۸/۲ ط سعید)

اگر کوئی مفتی قصداً اور عمداً کسی مسلمان کے خلاف اس کے نام کی تصریح کے ساتھ غلط فتویٰ صادر کردے اور مقصود اس کو رسوا اور بدنام کرنا ہو تو ایسا مفتی سخت گناہ گار اور مفتری ہوگا(۱) اور اگر فتوے میں کسی نام کی تصریح نہ ہو بلکہ فرضی نام کے ساتھ مثلاً زید و عمر کے نام سے سوال کیا گیا ہو اور مفتی واقعات مندرجہ فی السوال پر حکم شرعی بتائے اور حکم شرعی صحیح ہو تو مفتی پر کوئی الزام نہیں اس میں مجرم وہ لوگ ہوں گے جو اس فتویٰ کو کسی خاص شخص پر چپکائیں گے حالانکہ اس شخص میں وہ باتیں موجود نہ ہوں جو سوال میں مذکور ہیں اور جن پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ اگر ریا و نمود کی نیت سے کوئی شخص اپنی تعریف خود شائع کرے یا کرائے تو وہ گناہ گار ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دینی مسئلہ بغیر علم کے بتانا سخت گناہ ہے.

(سوال) متعلقہ ذمہ داری مفتی

(جواب ۲۷۰) مذہبی مسئلہ بغیر علم کے من گھڑت بتانا بڑا گناہ ہے اس سے لوگوں کو مسئلہ نہیں پوچھنا چاہئے اور اس کے بتائے ہوئے مسئلہ پر جب تک کوئی عالم تصدیق نہ کردے عمل نہیں کرنا چاہئے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فتویٰ کو بلاوجہ نہ ماننا موجب فسق اور بعض صورتوں میں موجب کفر ہے

(سوال) جو شخص فتویٰ کو نہ مانے اس کا کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۵۹۱ جلال الدین صاحب (حصار) ۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۷۱) جو شخص بلاوجہ فتویٰ کو نہ مانے وہ فاسق ہے اور اگر وہ کوئی معقول وجہ بیان کرے تو پھر اس وجہ پر غور کیا جاسکتا ہے(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ایضاً..........

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) جو شخص علمائے اہل سنت والجماعۃ کے فتوے سے انکار کرے اس کے لئے کیا حکم ہے ؟

---

(۱) عن ابی ہریرۃ قال : قال رسول اللہ ﷺ ، من افتی بغیر علم کان اثمه علی من افتاہ (سنن ابی داؤد' باب التوقی فی الفتیا ۲ / ۱۵۹ ط امدادیہ' ملتان)

(۲) قال النبی ﷺ من سمع سمع اللہ به ومن یرای یرا اللہ به (صحیح البخاری' باب الریاء والسمعة ۲ / ۹۶۲ قدیمی کتب خانہ' کراچی)

(۳) من افتی الناس ولیس باهل للفتوی فهو آثم وعاص (اعلام الموقعین ٤ / ۱٦٦ ط دار الکتب العلمیة' بیروت)

(٤) اذا جاء احد الخصمین الی صاحبه بفتوی الائمة فقال صاحبه : لیس کما افتوا لو قال لا نعمل بهذا کان علیه التعزیر (عالمگیریه' منها ما یتعلق بالعلم والعلماء ۲ / ۲۷۲' ط ماجدیه' کوئٹه)

(جواب ۲۷۲) فتویٰ سے بغیر وجہ انکار کرنا فسق اور بسا اوقات موجب کفر ہو جاتا ہے(۱) ہاں اگر انکار کی کوئی وجہ ہو' مثلاً فتویٰ غلط ہو تو غلط فتویٰ کا انکار ہی کرنا چاہئیے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بغیر علم کے مسئلہ بتانا گناہ ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) جو شخص بغیر علم کے مسئلہ بتائے اس کا حکم ماننا چاہئیے یا نہیں ؟

(جواب ۲۷۳) بغیر علم کے مسئلہ بیان کرنا گناہ ہے(۲) اور لوگوں پر بھی ایسے شخص کی بات ماننا ضروری نہیں اگر صحیح مسئلہ بتائے تو مان لینا چاہئے لیکن صحت میں شک ہو تو کسی عالم سے تصدیق کرلینی چاہئیے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جواب کے آخر میں " واللہ اعلم " لکھنا علماء کا طریقہ مسلوکہ ہے' اس سے جواب مشکوک نہیں ہوتا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) اگر کوئی عالم صاحب کسی ایسے مسئلہ کا جواب جس کو اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول ﷺ نے بخوبی واضح کر دیا ہو' لکھیں اور آخر میں واللہ اعلم بالصواب لکھ دیں یا زبانی جواب بتا کر آخر میں یہ کلمہ کہہ دیں تو کیا یہ سمجھا جائے کہ عالم صاحب کو اس مسئلے میں شک ہے۔

(جواب ۲۷۴) واللہ اعلم بالصواب لکھنا یا کہنا علمائے ربانیین کا طریقہ مسلوکہ ہے اور اس سے ان کے لکھے ہوئے یا بتائے ہوئے مسئلے میں کوئی شک وشبہ پیدا نہیں ہوتا نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود عالم صاحب کو اس میں شک ہے بہر حال یہ فقرہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز اور ہر صواب بات پر محیط ہے اور اس کا اقرار مؤمن کا وظیفہ ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

غیر قاضی کا فیصلہ قضاء نہیں

(سوال) زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور اس کے بعد اس کی زوجہ نے ایک مولوی صاحب کے پاس گواہ قائم کئے کہ مجھے زوج نے پہلے ہی سے طلاق دی ہوئی ہے لیکن ان کی گواہی سے پہلی طلاق ثابت نہ

---

(۱) رجل عرض عليه خصمه فتوى الائمة فردها...... قيل يكفر لانه رد حكم الشرع (عالمگيريه' منها ما يتعلق بالعلم والعلماء ۲/ ۲۷۲ ط ماجديه كوئٹه)

(۲) من افتى الناس و ليس باهل للفتوى فهو آثم عاص (اعلام الموقعين ٤/ ١٦٦ ط دار الكتب العلمية' بيروت)

(۳) واذا اجاب المفتي ينبغي ان يكتب عقيب جوابه والله اعلم او نحوذلك (عالمگيريه' الباب الاول في تفسير معنى الادب والقضاء ۳/ ۳۰۹' ط ماجديه كوئٹه)

ہو سکی اس لئے مولوی صاحب نے فیصلہ کیا کہ پہلی طلاق ثابت نہیں اس لئے جب تک عدت نہ گزرے نکاح جائز نہیں اس فیصلے کے بعد اسی عورت نے اور گواہ اسی مولوی صاحب کے پاس پیش کئے کہ زید نے پہلے طلاق دی ہوئی ہے اس کے بعد اسی مولوی صاحب نے دوبارہ یہ فیصلہ کیا کہ پہلی طلاق ثابت ہے اور مدت جدا رہنے کی بھی درمیان میں موجود ہے لہذا اب جدید عدت کی ضرورت نہیں وہ جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے اس پر دوسرے مولوی صاحب نے کہا کہ یہ ثانی فیصلہ غلط ہے کیونکہ پہلے ایک دفعہ قضاء ہو چکی اب ثانی فیصلہ سے قضاء اول کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں اور در مختار(۱) کی اس عبارت کو پیش کیا :-قضی القاضی ببینۃ فی حادثۃ ثم قال رجعت عن قضائی او بداغیر ذلک او وقعت فی تلبیس الشھود او ابطلت کما لا یقع تو کیا اب مولوی صاحب کا فیصلہ صحیح ہے یا ثانی کا اعتراض صحیح ہے اور اس عورت کا نکاح بغیر عدت جدید کے ہو سکتا ہے یا نہیں اور کیا موجودہ زمانہ کے علماء کے فیصلوں کو فقہ میں بیان کردہ احکام قضاۃ پر قیاس کر سکتے ہیں ؟ اور اگر زوج خود بھی اس صورت میں بعد الطلاق جدید اقرار کرے کہ میں نے پہلے طلاق دی ہوئی ہے اور اس کی عدت گزر چکی تو کیا اس کے قول کا بھی اعتبار ہے یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۱۵۰۴ حافظ محمد خلیل صاحب مدرس مدرسہ ہاشمیہ سجاول (ضلع کراچی)

(جواب ۲۷۵) اول تو مولوی صاحب قاضی نہیں کہ ان کے فیصلے کو قضا قرار دیا جائے دوسرے یہ کہ محض عورت کے گواہوں کو نا قابل اعتماد قرار دیکر یہ فیصلہ کر دینا کہ پہلی طلاق ثابت نہیں یہ فیصلہ ہی صحیح نہیں کیونکہ گواہوں کے نہ ہونے یا قابل اعتماد نہ ہونے کی صورت میں مدعا علیہ یعنی زوج کی یمین پر فیصلہ کرنا تھا(۲) اس کا سوال میں ذکر نہیں پس مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ پہلی طلاق ثابت نہیں قضا نہیں ہے اور دوسری بار یہ کہنا کہ پہلی طلاق ثابت ہے یہ بھی قضا نہیں کیونکہ مولوی صاحب قاضی نہیں ہیں پس یہ دونوں فیصلے محض ان کے خیال اور مشورے ہیں عورت دیانۃً جس امر کو حق سمجھے اس پر عمل کر سکتی ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

ایک شخص مدعی نکاح ہو، عورت اور اس کے والد منکر ہوں تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک استفتا اور اس کا جواب غلام مصطفےٰ شاہ ساکن راولپنڈی نے شائع کیا ہے اس میں مسماۃ شاہ جہاں بیگم دختر منشی عبدالرحمٰن نے اپنے نکاح کا جو ذکر مستفتی غلام مصطفےٰ شاہ نے کیا ہے اس کی صحت

---

(۱) مطلب لا یصح رجوع القاضی عن قضائہ الا فی ثلاث ۵/۴۲۳ ط سعید

(۲) فان اختلفا فی وجود الشرط ای ثبوتہ لیعم العدمی فالقول لہ مع الیمین لانکارہ الطلاق (التنویر و شرحہ باب التعلیق مطلب اختلاف الزوجین فی وجود الشرط ۳/۳۵۶ ط سعید)

(۳) واذا جتمع اھل بلدۃ علی رجل و جعلوہ قاضیا یقضی فیما بینھم لا یصیر قاضیا (عالمگیریہ الباب الخامس فی التقلید والعزل ۳/۳۱۵ ط ماجدیہ کوئٹہ)

سے شاہ جہاں بیگم اور اس کا والد منشی عبدالرحمٰن دونوں انکار کرتے ہیں چنانچہ ان کے تحریری بیانات شائع ہو کر عوام الناس میں تقسیم ہو چکے ہیں کیا شاہ جہاں بیگم کا کسی دوسری جگہ نکاح نہیں ہو سکتا؟

(جواب ۲۷۶) اس استفتا کی حیثیت بھی وہی ہے جو اس استفتاو فتویٰ کی تھی جو غلام مصطفیٰ شاہ کی طرف سے شائع کیا گیا تھا اور باہر کے علما کے لئے اس کی بھی صحت معلوم کرنے کا وسیلہ مسدود ہے اور شخصی ناموں سے استفتا کرنا اور شخصیات کے متعلق جواب دینا آداب استفتا و افتا کے خلاف ہے لہذا ہم غلام مصطفیٰ شاہ اور شاہ جہاں بیگم کے معاملے کے متعلق کوئی جواب نہیں دے سکتے صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اگر غلام مصطفے شاہ کا بیان صحیح ہے تو نکاح ہو گیا ہے اور اگر منشی عبدالرحمٰن اور شاہ جہاں بیگم کا بیان صحیح ہے تو غلام مصطفیٰ شاہ کی طرف سے بہتان ہے اور عزت و ناموس کی توہین کی گئی ہے اس کا فیصلہ کسی ثالث مسلم فریقین کے سامنے ہو سکتا ہے کہ کس کا بیان صحیح اور کس کا غلط ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی۔

كتاب الطهارة

پہلا باب

حوض اور کنویں کے احکام

بکری کنویں میں گر کر مر جائے تو تمام پانی نکالنا ضروری ہے .

(سوال) ایک بکری کنویں میں گرتے ہی مر گئی اور اس کی ناک سے خون وغیرہ بھی نکلا آدھ گھنٹے کے بعد نکالی گئی اب کنویں میں سے کس قدر پانی نکالنا چاہیئے۔ بینوا بالدلیل

(جواب ۲۷۷) یہ کنواں ناپاک ہو گیا اس کا تمام پانی نکالنا چاہیئے بکری کا مر جانا ہی کنویں کی ناپاکی کے لئے کافی تھا پھر خون کا نکلنا اور پانی میں مخلوط ہو جانا اور دوسرا سبب بھی ناپاکی کا جمع ہو گیا(۱) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' سنہری مسجد دہلی۔

کنویں میں بکری یا اونٹ کی کتنی مینگنیاں گر جائیں تو ناپاک ہو گا .

(سوال) کنویں میں بکری یا اونٹ کی مینگنیاں گر جائیں اور ٹوٹ نہ جائیں تو کتنے عدد تک پانی پاک رہے گا اور کب ناپاکی کا حکم دیا جائے گا ؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۷۸) کنویں میں اونٹ کی مینگنی گری ہو یا بکری کی۔ ٹوٹی ہو یا نہیں' سارا پانی نکالنا چاہیئے۔ **واکثرهم علی انه و فیه ضرورة و بلوی لا ینتجس والا نجس (ردالمحتار)** (۲) البتہ اگر کسی جگہ ضرورت اور ابتلائے عام ہو جس سے حفاظت مشکل ہو تو وہاں دو چار مینگنیاں ثابت نکلنے سے ناپاکی کا حکم نہ دیا جائے گا (۳) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

چشمہ دار کنواں ناپاک ہو تو بھی موجود تمام پانی نکالنا ضروری ہے .

(سوال) مولانا الوری نے اپنی کتاب "رکن دین" میں لکھا ہے کہ جو کنواں سوت دار ہو کہ جس کا پانی کبھی ٹوٹتا نہ ہو اس کا تمام پانی نکالا جائے جو عالم اس کا یہ فتویٰ دے کہ اس کا پانی دو سو سے تین سو ڈول تک نکالا جائے وہ بڑی غلطی پر ہے کیونکہ یہ فتویٰ امام محمدؒ نے خاص کر بغداد کے کنوؤں کے بارے میں لکھا تھا بغداد کے کنوؤں میں عموماً دو سو سے تین سو ڈول تک پانی تھا آیا مولانا الوری صاحب کا یہ حکم صحیح ہے یا نہیں ؟

---

(۱) وان مات فیها شاة...... نزح جمیع ما فیهامن الماء (هدایة: فصل فی البئر ۱/۴۳ مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۲) فصل فی البئر' مطلب فی تعریف الاستحسان ۱/۲۲۱ ط سعید

(۳) وان کان صلبا نحو بعر الابل والغنم ذکر فی الاصل ان القیاس ان ینجس الماء قل الواقع فیه او کثر' و فی الاستحسان ان کان قلیلاً لا ینجس وان کان کثیراً ینجس ولم یفصل بین الرطب والیابس والصحیح والمنکسر (بدائع الصنائع' واما بیان المقدار الذی یصیر به المحل نجسا ۱/۷٦ ط سعید)

(جواب ۲۷۹) صحیح یہی ہے کہ تمام پانی نکالا جائے دو تین سو ڈول نکالنا کافی نہیں ہے(۱) واللہ اعلم

کنویں میں پیشاب کا ڈھیلا گر جائے تو تمام پانی نکالنا ضروری ہے۔

(سوال) پیشاب کا ڈھیلہ مسجد کے کنویں میں گر گیا اور کنویں مذکورہ میں پانی ۲۵ گز نمبری ہے اور عرصہ ۴ ماہ سے بند پڑا ہے نمازیوں کو سخت تکلیف ہے۔

(جواب ۲۸۰) صورت مسئولہ میں کنویں کا تمام پانی نکالنا ضروری ہے(۲) اور پانی توڑ دینا ضروری نہیں بلکہ موجودہ پانی نکل جانا چاہئے جس کی صورت یہ ہے کہ ایک خاص کیفیت سے ایک گھنٹہ اس کا پانی نکال کر دیکھا جائے کہ کتنا کم ہوا پھر اسی کیفیت سے اتنے گھنٹوں تک پانی نکالیں کہ ۲۵ گز پانی اس حساب سے نکل جائے(۳) واللہ اعلم　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کنویں میں جوتا گر جائے تو کیا حکم ہے؟

(سوال) کنویں میں جوتا گر جائے تو کیا حکم ہے؟ **المستفتی نمبر ۵۶۵** مولوی رضی الحسن (ضلع بلیا) ۵ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ مطابق ۶ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۸۱) کنویں میں پاک جوتا گر جائے تو کنواں پاک ہے اور یقینی طور پر یا بظن غالب ناپاک ہو تو کنواں ناپاک ہو گیا جوتا نکلے یا نہ نکلے کنواں حسب قاعدہ پاک ہو سکتا ہے(۴) تمام موجودہ پانی نکال دیا جائے تو کنواں پاک ہو جائے گا(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) وان تعذر نزح کلها لکونهامعینا فقدر ما فیها وقت ابتداء النزح قاله الحلبی(تنویر الابصار و شرحه الدر المختار مع ردالمحتار ' فصل فی البئر ۱/۲۱٤ ط سعید)

(۲) ولو وقع فی البئرخرقة او خشبة نجسة نزح کل الماء (الفتاوی الخانیه علی هامش الفتاوی الهندیه' واما ما یفسد ماء البئر ۱/۹ ' ط ماجدیه کوئٹه)

(۳) وان کانت البئر معینة بحیث لا یمکن نزحها اخرجوا مقدارماکان فیها من الماء' و طریق معرفته ان تحفر حفر مثل موضع الماء من البئر و یصب فیها ما ینزح منها الی ان تمتلی' او ترسل فیها قصبة و تجعل المبلغ الماء علامة ثم ینزح منها مثلا عشر دلوا تعادا القصبة فتنظرکم انقص ینزح لکل قدر منها عشر دلوا (هدایه' فصل فی البئر ۱/٤۳ ط مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(٤) ولو وقعت فی البئر خشبة نجسة او قطعة ثوب نجس و تعذر اخراجها و تغیبت فیها طهرت الخشبة والثوب تبعا لطهارة البئر (عالمگیریه' الباب الثالث فی المیاه ۱/۲۰ ' ط ماجدیه' کوئٹه)

(۵) اذا وقعت فی البئر نجاسة نزحت وکان نزح ما فیها من الماء طهارة لها (هدایه : فصل فی البئر ۱/٤۱ ط مکتبه شرکت علمیه' ملتان)

کنویں کے قریب نجس پانی ہو تو جب تک کنویں کے پانی کا رنگ یا بو یا ذائقہ تبدیل نہ ہو کنواں پاک ہے۔

(سوال) ایک مسجد کے قریب ایک کنواں ہے اس کے قریب سٹا ہوا ایک گڑھا ہے جس میں سب جائے ضرورت بھی کرتے ہیں اور اسی کے متا ہو ابرسات کے زمانے میں بہہ کر اسی گڑھا میں جمع ہو تا ہے جب زیادہ بارش ہوتی ہے تو گڑھے سے جب زیادہ پانی ہو تا ہے تو تھوڑا بہت بہہ جاتا ہے ورنہ سب اسی گڑھے میں جمع رہا کرتا ہے بلکہ سیاہ پانی ہو جاتا ہے اور گندگی پھیلتی ہے اور کنواں پٹا ہوا ہے جو اس کے اندر بھی اس کا سوت جاتا ہے اس حالت میں اس کنویں کا پانی پاک ہے یا ناپاک ؟ اس سے وضو اور غسل کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ بعض آدمی کہتے ہیں کہ مزہ میں بھی فرق معلوم ہو تا ہے ؟ **المستفتی** نمبر ۶۰۶ عبدالغنی خاں (ضلع مونگھیر) ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۸۲) اگر اس گڑھے کا نجس پانی کنویں میں جاتا ہے یا نجاست کا رنگ بو مزہ پانی میں ظاہر ہو تا ہے تو کنواں ناپاک ہے اور اگر پانی کنویں میں نہیں جاتا یا نجاست کا رنگ بو مزہ پانی میں ظاہر نہیں ہو تا تو کنواں پاک ہے(۱) گڑھے کا کنویں کے قریب ہونا یا پانی کے مزے میں کچھ فرق معلوم ہو مگر وہ فرق ایسا نہ ہو کہ اس کو نجاست کا مزہ قرار دیا جا سکے تو اس سے کنویں کی ناپاکی کا حکم نہیں دیا جائے گا۔(۲)

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جب تک ناپاکی کا یقین نہ ہو محض ہندو کھٹیک کے پانی بھرنے سے کنواں ناپاک نہ ہو گا۔

(سوال) جہاں ایک ہی کنواں ہو اور اس سے ہندو کھٹیک وغیرہ پانی بھرتے ہوں جو نجاست کا کوئی خیال نہیں رکھتے ایسے کنویں سے مسلمان پانی بھریں یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۱۵۹۱ جلال الدین صاحب (ضلع حصار) ۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ

(جواب ۲۸۳) جہاں ایک ہی کنواں ہو اور اس سے ہندو کھٹیک وغیرہ بھی پانی بھرتے ہوں تو وہاں بوجہ ضرورت اور عموم بلوئی کے مسلمان بھی پانی بھر سکتے ہیں اور جب تک نجاست کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک پانی استعمال کر سکتے ہیں۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) بئر الماء اذا كانت بقرب البئر النجسة فهي طاهرة مالم يتغير طعمه اولونه او ريحه كذافي الظهيريه (الباب الثالث في المياه ۱ / ۲۰ ط ماجديه ' كوئته)

(۲) ولا يقدر هذا بالذرعان' حتى اذا كان بينهما عشرة اذرع وكان يوجد في البئر اثر البالوعة فماء البئر نجس' وان كان بينهما ذراع واحد ولا يوجد اثر البالوعة فماء البئر طاهر (عالمگيرية' الباب الثالث في المياه ۱ / ۲۰ ط ماجديه' كوئته)

(۳) ولو ادخل الكفار او الصبيان ايديهم لا يتنجس اذا لم يكن تملى ايديهم نجاسة حقيقة (حلبي كبير' فصل في احكام الحياض ص۱۰۳ ط سهيل اكيدمي' لاهور)

دہ دردہ کنواں جوتا گرنے سے ناپاک نہ ہوگا.

(سوال) ریاست دوجانہ میں ایک باؤلی ہے جس کا طول ساڑھے گیارہ ہاتھ اور عرض ساڑھے گیارہ ہاتھ ہے (ہاتھ انگریزی گز کا نصف ۱۸ انچ کا مانا گیا ہے یعنی کہنی کی ہڈی سے وسطی کے ناخن تک) گہرائی پانی کی بہت ہے یعنی ۱۵ ہاتھ کے قریب۔ تو یہ پانی مسلمان یا کسی غیر قوم کی جوتی گر جانے سے ناپاک ہو سکتا ہے یا نہیں اور اس پیمائش کے باؤلی حوض کبیر کی حد سے بھی زیادہ ہے یا نہیں مکرر عرض ہے کہ باؤلی چوکور ہے گول نہیں۔ المستفتی نمبر ۱۶۷۱ مرزا محمد حمید الدین صاحب (رہتک) ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب) (از نائب مفتی مولوی حبیب المرسلین) اس باؤلی مذکور کی مقدار دہ دردہ حوض سے بھی زیادہ ہے لہذا باؤلی بوجہ گر جانے ناپاک جوتی وغیرہ کے ناپاک نہیں ہوگی بلکہ بدستور سابق پاک ہی رہے گی (۱)
فقط واللہ اعلم۔ اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

بحضور اقدس عالی جناب مولانا مولوی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند دام فیوضہم

السلام علیکم۔ اس خطاکار سے گزارش کرنے میں بوجہ بیان ایک شخص کے صرف یہ غلطی ہوئی ہے کہ اس باؤلی کو چوکور لکھ دیا ہے حالانکہ یہ باؤلی گول ہے جسکا قطر ساڑھے گیارہ ہاتھ ہے حوض کبیر کا رقبہ ۱۰ اور ۱۰ کے حساب سے ۱۰۰ ہاتھ ہوتا ہے اور گول ½ ۱۱ ہاتھ قطر کے حساب سے ۱۰۳ ⅞ ہاتھ رقبہ ہوتا ہے یعنی سطح پانی کی تو اس صورت میں بھی باؤلی مذکورہ بالا حوض کبیر کی حد سے زیادہ ہوگی اور پاک ہی رہے گی یا نہیں ؟

(جواب ۲۸۴) (از حضرت مفتی اعظمؒ) جب پانی کی سطح کا رقبہ سو ذراع (ایک ذراع ۱۹ انچ کا) سے کم نہ ہو تو وہ باؤلی دہ دردہ یعنی حوض کبیر کے حکم میں ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

ہشت پہلو حوض کا رقبہ دہ دردہ کے رقبہ کے برابر ہو تو حوض کبیر کے حکم میں ہے !

(سوال) ایک حوض وضو کرنے کے لئے ہشت پہلو بنایا گیا ہے جس کا اندرونی رقبہ بھی پانی کا حصہ ساٹھ فٹ ہے اور دہ دردہ حوض کا بھی پیمائش کی رو سے پانی کا حصہ ساٹھ فٹ ہی ہوا کرتا ہے غرض پانی کا حصہ اس ہشت پہل حوض کا مربع حوض کے بالکل برابر بلکہ کچھ زائد ہے ہشت پہل حوض کا ہر پہل ساڑھے سات فٹ طولاً اور مربع دہ دردہ حوض کا ہر ضلع پندرہ پندرہ فٹ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اس ہشت

---

(۱) واذا كان الحوض عشرا في عشر فهو كبير لا يتنجس بوقوع النجاسة.......اذا لم يرلها اثر (حلبي كبير : فصل في احكام الحياض ص ۹۸ ط سهيل اكيڈمي' لاهور

(۲) الحوض اذا كان عشرا في عشر اى طوله عشرة اذرع وعرضه كذالك فيكون وجه الماء مائة ذراع (حلبي كبير . فصل في احكام الحياض ص ۹۷ ط سهيل اكيڈمي' لاهور)

پہل حوض سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۸۰۷ حافظ محمد یعقوب پل بنگش۔ دہلی ۱۵ رجب ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۱ ستمبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب)(از نائب مفتی مولوی حبیب المرسلین) حوض مربع دہ دردہ کے سوا اور اشکال کے حوض اگر مقدار میں حوض مربع دہ دردہ کے برابر ہوں تو ان کا حکم بھی مربع دہ دردہ کا ہی ہوتا ہے لہذا ہشت پہلو حوض مرقوم سے وضو کرنا جائز ہو گا اور وقوع نجاست سے یہ حوض ناپاک نہ ہو گا ولو له طول لا عرض لكنه يبلغ عشرا في عشر جاز تيسيرا (درمختار) فتاوی شامی میں اس کے متعلق یہ ہے (قوله جاز تيسيراً) اى جاز الوضؤ منه بناء على نجاسة الماء المستعمل او المراد جاز وان وقعت فيه نجاسة الخ (ردالمحتار (۱) ج ۱ ص ۱۴۱) اجابه و كتبه حبيب المرسلين نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(جواب ۲۸۵) (از حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ) جب کہ حوض کا رقبہ دہ دردہ حوض کے رقبہ کے برابر ہو تو اس کا حکم دہ دردہ کے موافق ہو گا خواہ شکل کچھ بھی ہو مربع حوض جب کہ اس کی ہر جہت ۱۵ فٹ ہو تو اس کا رقبہ ۲۲۵ مربع فٹ ہوتا ہے اتنا ہی رقبہ جس شکل میں پورا ہو جائے اس کا حکم اس مربع حوض کے حکم کے موافق ہو گا (۲) فقط　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

(۱) کنویں میں عورت گر کر زندہ نکال لی جائے تو کنواں پاک ہے .

(۲) کنویں میں پیشاب کیا گیا ہو تو تمام پانی نکالنا ضروری ہے .

(سوال) (۱) ایک عورت حاملہ ہے اور حمل قریب آٹھ ماہ کا ہوا کہ اسی عرصہ میں بچہ پیٹ میں مر گیا جس کے صدمہ سے وہ زیادہ بیمار ہو گئی یہاں تک کہ اس کے ہوش و حواس نادرست ہو گئے رات کے وقت اسے دردزہ شروع ہوا وہ جا کر ایک کنویں میں برہنہ گر پڑی معلوم ہونے پر وہ زندہ کنویں سے نکال لی گئی کنویں سے نکالنے کے بعد ۲۴ گھنٹے کے درمیان میں مرا ہوا بچہ پیدا ہوا اور عورت مذکورہ تقریبا ۳۶ گھنٹے کے بعد انتقال کر گئی ایسی حالت میں کنویں کا پانی کس طریق پر پاک ہو گا ؟

(۲) اسی کنویں میں جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ایک دوسرا شخص جو دیوانہ اور پاگل ہے پاگل پنے کی حالت میں اس نے کنویں میں پیشاب کر دیا اور آج قریباً آٹھ نو ماہ کے بعد جب وہ کچھ اچھا ہو گیا تو بتلاتا ہے کہ میں نے کنویں میں پیشاب کر دیا ہے تو ایسی حالت میں کنواں کس طریق پر پاک ہو گا ؟ المستفتی نمبر ۱۹۸۹ بہادر خاں صاحب۔ یکم رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۶ نومبر ۱۹۳۷ء۔

---

(۱) باب المياه: ۱ /۱۹۳ ط سعيد

(۲) حواله بالا

(جواب ۲۸۶) (۱) عورت کے گرنے اور زندہ نکال لینے سے تو کنواں ناپاک ہی نہیں ہوا(۱)
(۲) ہاں پیشاب کرنے کی وجہ سے (اگر پیشاب کرنا ثابت ہو) کنواں ناپاک ہوا اور سارا پانی نکال دینے سے پاک ہو جائے گا یعنی موجودہ تمام پانی نکل جانا کافی ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کنواں چھپکلی کے گر کر مرنے یا پھولنے پھٹنے سے ناپاک نہیں ہوتا.

(سوال) جس چاہ میں چھپکلی مر جائے تو کتنے ڈول نکالنے چاہئیں اور اگر پھٹ جائے یا پھول جائے تو کل پانی نکالا جائے گا یا نہیں کیونکہ صاحب قدوری (۳) یوں فرماتے ہیں **فان ماتت فیها فارة او عصفورة او صعوة او سودانیة او سام ابرص** (جس کے معنی سراج اللغات میں چلپاسہ و بہمنی کٹکٹی و چھپکلی کے لکھے ہیں) **نزح منها ما بین عشرین دلواً الی ثلثین** یہ صرف اس کے لئے ہے جو مر جائے اور اگر پھٹ جائے یا پھول جائے اس کے لئے صاحب مذکور یوں فرماتے ہیں **وان انتفخ الحیوان او تفسخ نزح جمیع ما فیها من الماء صغر الحیوان او کبر** (۴) اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ بعض لوگ چھپکلی میں دم سائل نہیں بتاتے جب دم سائل نہیں تو چھپکلی کو چوہا اور چڑیا کے حکم میں کیوں رکھا نیز چھپکلی میں اگر دم سائلہ نہیں تو نجس ہونے میں تو کوئی کلام نہیں کیونکہ سابق علما کیا محقق نہ تھے نیز جو سلف کے اقوال کو (جن کی بدولت ہم تک یہ علم پہنچا ان کے قول کو) یوں کہیں کہ ان کا قول اتمام حجت نہیں یہ الفاظ ان کی شان میں بحنا گستاخی و توہین ہے یا نہیں نیز توہین و گستاخی کرنے والے کا کیا حکم ہے کیونکہ وہ یوں کہتے ہیں کہ حدیث میں دکھاؤ امید ہے کہ مدلل و مفصل جواب سے **مستفیض** فرما کر عند اللہ ماجور ہوں گے کہ اس صورت میں چاہ کا کیا حکم ہوگا۔ **المستفتی نمبر ۲۶۰۵** محمد احمد ولد نیاز احمد (دہلی) ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۹۴۰ء

(جواب ۲۸۷) چھپکلی میں دم سائل نہیں ہے اس لئے اس کے پانی میں مرنے یا پھولنے پھٹنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا اس کی دلیل بھی فقہ کی کتابوں میں صاف طور پر لکھی ہے۔ **و موت ما لیس له نفس سائلة لا ینجس الماء** (۵) یعنی ایسے جانور کا پانی میں مر جانا جس میں دم سائل نہیں پانی کو ناپاک نہیں کرتا پس اس قاعدے کے ماتحت سام ابرص سے کوئی ایسا جانور مراد ہو سکتا ہے جس میں دم سائل ہو مثلاً

---

(۱) وکل حیوان سوی الخنزیر والکلب علی ماذکرہ اذا اخرج حیاً من البئر بعد الوقوع والحال انه قد اصاب الماء فمه فانه ینظر ان کان سورہ طاهراً ولم یعلم ان علیه نجاسةً لا ینجس الماء (حلبی کبیر فصل فی البئر ص ۱۵۹' ط سهیل اکیڈمی لاهور)
(۲) وان بالت شاة او بقرة او غیر هما مما یؤکل لحمه فی البئر تنجس (حلبی کبیر' فصل فی البئر ص ۱۶۲ ط سهیل اکیڈمی لاهور)
(۳) ص ۱۱ ط سعید
(٤) حواله بالا
(۵) هدایة' باب الماء الذی یجوز به الوضوء وما لا یجوز به ۱/۳۷ ط مکتبه شرکت علمیه ملتان)

گرگٹ جس میں دم سائل ہوتا ہے سام ابرص میں گرگٹ چھپکلی دونوں شامل ہیں جوہرہ نیرہ شرح قدوری میں سام ابرص کی تفسیر میں الوزغ الکبیر اسی لئے لکھا ہے یعنی بڑا گرگٹ جس میں دم سائل ہوتا ہے(۱)

جن جانوروں میں دم سائل نہیں وہ اگرچہ حرام ہوں مگر ناپاک نہیں جیسے مکھی جھینگر کہ اگر یہ پانی میں، شوربے میں گر جائیں، مر جائیں تو پانی یا شوربا ناپاک نہیں ہوگا(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حوض دہ در دہ ہونے کے لئے ۲۲۵ مربع فٹ ہونا کافی ہے خواہ جس شکل میں ہوں!

(سوال) بمبئی جیل روڈ کھدلباری میں ایک چھوٹی مسجد بہت پرانی ہے جسکے بعض حصے بوسیدگی کی وجہ سے گر گئے تھے، اب دوبارہ تعمیر ہو رہی ہے اس کے حوض کی حالت یہ ہے کہ چوڑائی میں بارہ فٹ اور لمبائی میں ۲۵ فٹ اور گہرائی میں ساڑھے چار فٹ ہے اس پر بعض لوگوں نے اس وقت اعتراض کیا کہ یہ حوض دہ در دہ کے خلاف ہے ۱۵ فٹ عرض میں اور ۱۵ فٹ طول میں ہونا چاہئیے بعض کہتے ہیں کہ ساڑھے سترہ فٹ عرض میں اور ساڑھے سترہ فٹ طول میں ہونا چاہئیے پس از روئے شرع شریف حوض مذکورہ بالا کی نسبت کیا حکم ہے آیا اس میں وضو جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۶۲۸ فتح محمد صاحب بمبئی نمبر ۸ ۲ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۲۸۸) ۱۵ فٹ طویل ۱۵ فٹ عریض حوض دہ در دہ ہوتا ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ حوض کا رقبہ ۲۲۵ مربع فٹ ہونا کافی ہے یہ لازم نہیں کہ پندرہ فٹ سے ۱۵ فٹ ضرور ہو یعنی اگر ایک جانب ۱۵ کے بجائے ۲۵ فٹ اور دوسری طرف صرف ۹ فٹ ہو تو یہ دہ در دہ ہوگا کیونکہ رقبہ ۲۲۵ ہو گیا(۳)

پس صورت مسئولہ میں جو حوض کہ بارہ فٹ سے پچیس فٹ ہے اس کا رقبہ ۳۰۰ فٹ ہوتا ہے جو دہ در دہ کے مطلوب رقبے ۲۲۵ سے ۷۵ فٹ زیادہ ہے تو اس کے جائز حوض ہونے میں کوئی شبہ نہیں موجودہ مقدار تو ساڑھے سترہ سے بھی تقریباً ۲ فٹ زیادہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

غیر مسلم کو نہلا دھلا کر کنویں میں داخل کیا جائے تو کنواں ناپاک نہ ہوگا.

(سوال) کوئی غیر مسلم نہلا دھلا کر اور پاک کپڑا پہنا کر اگر کسی کنویں میں کسی ضرورت سے داخل کیا

---

(۱) (قوله او سام ابرص) و فی الجوهرة بتشديد الميم الوزغ الكبير (الجوهر النيرة: ۱/۱۸، ط امدادیه ملتان)

(۲) و موت ما ليس له دم سائل لا ينجس الماء ولا غيره اذا وقع فيه فمات اومات ثم وقع فيه و ذلك كا لبق اى البعوض والذباب والزنابير بجميع انواعها (حلبی کبیر، فصل فی البئر ص ۱٦٤، ط سهیل اکیڈمی، لاهور)

(۳) ولوله طول لا عرض لكنه يبلغ عشرا فی عشر جاز تيسيرا (الدر المختار) قال المحقق فی الشامیه (قوله: لكنه يبلغ) كان يكون طوله خمسين وعرضه ذراعين مثلا فانه لوربع صار عشراً فی عشر (رد المحتار، باب المیاه ۱/۱۹۳ ط سعید)

جائے تو اس سے کنواں نجس تو نہ ہوگا؟ المستفتی نمبر ۲۶۷۶ نجم الحسن رضوی سیتاپور۔ ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۴۱ء

(جواب ۲۸۹) غیر مسلم کا بدن ناپاک نہیں اور صورت مسئولہ میں کنواں ناپاک نہیں ہوگا(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شرعی گز نمبری گز سے ساڑھے آٹھ گرہ کا ہوتا ہے.

(سوال) شرعی گز کتنا ہوتا ہے؟

(جواب ۲۹۰) شرعی گز نمبری گز سے ساڑھے آٹھ گرہ کا ہوتا ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ہندوؤں کے پانی بھرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا!

(سوال) ایک مسجد کے صحن میں ایک کنواں ہے چونکہ اس کا پانی نہایت خوشگوار اور صاف ہے اس لئے چھ سات برس سے تقریباً دو سو ہندو مسلم اس کا پانی استعمال کرتے ہیں زید کہتا ہے کہ اس کنویں کے پانی سے مسلمانوں کا وضو نہیں ہوتا ہندوؤں کے لئے اس کا استعمال ممنوع کرنا چاہئے۔ المستفتی نمبر ۲۰۳۴ منشی سید الطاف حسین (ضلع گنتور) ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹۱) مسلمانوں کا وضو نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہندوؤں کو پانی سے بند کر دینا ٹھیک نہیں ہاں ان کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ احتیاط سے پانی بھرا کریں۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دہ دردہ رقبہ یا اس سے زیادہ رقبہ کے تالاب میں نجاست کا کوئی اثر نہ ہو تو اس سے غسل اور وضو جائز ہے.

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) موضع پالی میں ایک ناڈی بنام پانچولائی شہر سے ڈھائی سو قدم اور حلال خوروں کے مکانات اور پاخانے کی ٹٹیوں سے ڈیڑھ سو قدم کے فاصلے پر واقع ہے جس میں برسات کا پانی شہر کی گلیوں سے بہہ کر آتا ہے اور جنگل سے زیادہ مقدار میں پاک پانی اس میں نہیں آتا البتہ کسی قدر راستوں اور قبروں کا

---

(۱) حتى لو اغتسل (اى الكافر) فوقع فيها من ساعته لا ينزح منها شئ (رد المحتار' فصل فى البئر ۱/ ۲۱۴' ط سعيد)

(۲) المعتبر فى الذراع ذراع الكرباس وهو سبع قبضات (حلبى كبير' فصل فى احكام الحياض ص ۹۸' ط سهيل اكيدمى' لاهور)

(۳) ولو ادخل الكفار او الصبيان ايديهم لا يتنجس اذا لم يكن على ايديهم نجاسة حقيقة (حلبى كبير' فصل فى احكام الحياض' ص ۱۰۳ ط سهيل اكيدمى' لاهور)

پانی اس ناڈی میں ضرور آتا ہے اور حلال خوروں کے مکانات کے پاس کوڑا اور غلاظت وغیرہ کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور اس ڈھیر میں مردار جانور مثلاً کتے سور وغیرہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں اس کا پانی بھی اسی ناڈی میں جاتا ہے اور رقبہ ناڈی کا دہ در دہ سے بہت زیادہ ہے ایسے پانی سے وضو غسل وغیرہ جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۹۲) اگر اس تالاب کا رقبہ دہ در دہ سے زیادہ ہے اور اس کے پانی میں نجاست کا کوئی اثر نہیں ہے صاف شفاف پانی ہے تو اس سے وضو اور غسل جائز ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

چشمہ دار کنواں ناپاک ہو تو اس میں موجود تمام پانی نکالنا ضروری ہے.

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۵ جون ۱۹۳۴ء)

(سوال) ایک کنواں جس کا اسکوائر یعنی ایریا سولہ فٹ دو انچ ہے اس میں ایک ڈھیلا جسکو کھڑو کہتے ہیں وہ بجائے اینٹ کے خشک تھا گر گیا جس کی وجہ سے کنواں ناپاک ہو گیا کنویں میں پانی کی آمد بہت ہے ٹوٹ نہیں سکتا' اس میں اٹھارہ فٹ پانی ہے جگہ نہیں ہے مگر پھر بھی دو کوس جو تیں تو بھی چار فٹ پانی رہتا ہے ہم نے تین سو ڈول نکال کر پانی کو استعمال کر لیا ہے۔

(جواب ۲۹۳) جب کہ پانی ٹوٹ نہ سکے تو موجودہ پانی نکال دینا کافی ہے یعنی جتنا پانی موجود ہے وہ نکل جائے اور نیا پانی آتے رہنے کی وجہ سے نہ ٹوٹے تو مضائقہ نہیں صرف تین سو ڈول نکالنا کافی نہیں ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اوپر سے تنگ اندر سے کشادہ حوض میں نجاست گر جائے تو اس سے وضو کا حکم.

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) حوض اوپر سے تنگ ہے اور اندر سے کشادہ ہے ڈاٹ کھلی نہیں نظر آتی بلکہ ڈھکی ہوئی ہے پانی اوپر ہے تو اس حوض میں وضو ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۹۴) اگر کھلا ہوا پانی مقدار شرعی سے کم ہے تو اس سے وضو اس وقت تک کیا جا سکتا ہے جب تک کوئی نجاست اس میں نہ پڑے نجاست پڑنے سے وہ حوض ناپاک ہو جائے گا(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) واذا کان الحوض عشراً فی عشر فهو کبیر لا یتنجس بوقوع النجاسه......اذا لم یرلها اثر (حلبی کبیر' فصل فی احکام الحیاض ص ۹۸ ط سهیل' اکیڈمی' لاهور)

(۲) وان تعذر نزح کلها لکونها معینا فبقدر ما فیها وقت ابتداء والنزح' قاله الحلبی (تنویر الابصار و شرحه الدر المختار مع رد المحتار' فصل فی البئر ۱/ ۲۱٤ ط سعید)

(۳) وان کان اعلیٰ الحوض اقل من عشرة فی عشرة واسفله عشر فی عشر او اکثر' فوقعت فیه نجاسته فی اعلی الحوض حکم بنجاسة الاعلی ثم انتقص الماء و انتهی الی موضع هو عشر فی عشر' فالا صح انه یجوز التوضؤ به والا غتسال فیه (عالمگیریه' الباب الثالث فی المیاه ۱/ ۱۹ ط ماجدیه' کوئٹه)

کنویں میں مرا ہوا کتا گر جائے تو تمام پانی نکالنا ضروری ہے .
(از اخبار الجمعیۃ مورخہ یکم اگست ۱۹۲۹ء)

(سوال) ایک کتا زہر کی گولی ڈالنے سے مر گیا اس کو کسی لڑکے نے مسجد کے کنویں میں ڈال دیا تین روز کامل وہ کنویں میں پڑا رہا اور پھول گیا کسی کو خبر نہ ہوئی تین روز بعد وہ کتا کنویں سے نکالا گیا مسجد کے پیش امام صاحب نے صرف پچاس ڈول جس میں چھ سیر پانی آتا ہے نکلوا دیئے پانی مسجد کے حمام وغیرہ میں اور محلے میں استعمال ہوتا رہا پانچ روز بعد جب مولوی صاحب سے استفسار کیا گیا کہ صرف پچاس ڈول نکلوانے سے کنواں کیونکر پاک ہو گیا؟ تو انہوں نے اسی ڈول اور نکلوا دیئے اس کنویں کا پانی برابر استعمال ہو رہا ہے؟

(جواب ۲۹۵) صورت مسئولہ میں کنویں کا تمام موجودہ پانی نکالنا ضروری تھا پچاس ڈول اور اس کے بعد اسی ڈول نکالنا کافی نہیں ہوا (۱) ہاں اگر کنویں میں مثلاً دو سو ڈول پانی ہو تو ایک سو تیس ڈول جو نکالے جا چکے ہیں محسوب کر لئے جائیں گے (۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

مینڈک کے مرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا.

(سوال) کنویں میں اگر مینڈک گر جائے تو کنواں ناپاک ہو گا یا نہیں؟ اگر ناپاک ہو جاوے تو کتنا پانی نکالا جاوے؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں۔ جگن پور ضلع فیض آباد.

(جواب ۲۹۶) مینڈک کے مرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ اس میں دم سائل نہیں ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) کنویں سے زندہ یا مردہ سانپ برآمد ہو تو کتنا پانی نکالا جائے؟
(۲) بچوں کے گرائے ہوئے پتھروں کے ناپاکی کا جب تک یقین نہ ہو کنواں پاک ہے.

(سوال) (۱) کنویں میں اگر سانپ زندہ یا مردہ نکلے تو کتنا پانی نکالا جاوے؟ (۲) بچے کھیلتے کھیلتے کنویں میں ڈھیلے یا ٹھیکری پھینک دیتے ہیں اور اس ڈھیلے یا ٹھیکری کے پاک یا ناپاک ہونے کا علم نہیں ہوتا ایسی صورت میں کتنا پانی نکالا جاوے؟

(جواب ۲۹۷) (۱) سانپ اگر زندہ نکلے تو کنواں پاک ہے اور مردہ نکلے اور سانپ آبی نہ ہو تو

---

(۱) وان ماتت فيها شاة او آدمي او كلب نزح جميع ما فيها من الماء (هداية' فصل في البئر' ۱ / ۴۳ ط مكتبه شركت علميه' ملتان)
(۲) ولو نزح بعضه ثم زاد في الغد نزح قدر الباقي في الصحيح (الدر المختار' فصل في البئر' ۱ / ۲۱۳ ط سعيد)
(۳) و موت مالا دم له كالسمك و نحوه كما لايفسد الماء لا يفسد غيره كالعصر و نحوه' و في رواية عن ابي يوسف و كذا الضفدع (فتاوى القاضي خان' على هامش الهنديه' فصل فيما يقع في البئر ۱ / ۱۰ ط ماجديه' كوئنه)

کنواں ناپاک ہے(۱) اور اس کا حکم مرغی مردہ نکلنے کا ہے(۲) (۲) ڈھیلے یا ٹھیکری کے ناپاک ہونے کا علم ہو تو کنواں ناپاک ہوگا اور نجاست غلیظ (پیشاب اور پاخانے) کی ناپاکی ہو تو سارا پانی نکالنا ہوگا(۳) اور اگر گرنے والی چیز کا ناپاک ہونا معلوم نہ ہو تو کنواں پاک رہے گا(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دہ دردہ کی گہرائی کتنی ہونی چاہئیے۔

(سوال) دہ دردہ حوض کی گہرائی کم از کم کتنی ہونی چاہئیے؟

(جواب ۲۹۸) گہرائی صرف اس قدر کافی ہے کہ دونوں ہاتھوں سے پانی اٹھایا جائے تو زمین یعنی پانی کے نیچے کی تہ نہ کھلے(۵) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دوسرا باب
انسان اور اس کے عوارض
فصل اول۔ بول وبراز کے احکام

شیر خوار لڑکا اور لڑکی دونوں کا پیشاب ناپاک ہے۔

(سوال) اگر چھ ماہ کی بچی کپڑے پر پیشاب کردے تو وہ پاک ہے یا ناپاک' اور اگر شیر خوار لڑکا چھ یا سات ماہ کا پاک کپڑے پر پیشاب کردے تو پاک سمجھا جائے یا ناپاک بعض کہتے ہیں کہ اگر شیر خوار لڑکا پیشاب کردے تو اس کپڑے پر پاک پانی کا چھینٹا دینے سے وہ کپڑا پاک ہو جاتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی نمبر ۲۰۹۳ حافظ محمد رفیق صاحب ضلع کھیڑا (بمبئی) ۳ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۷ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹۹) حنفیہ کے نزدیک شیر خوار لڑکے اور شیر خوار لڑکی دونوں کا پیشاب ناپاک ہے ہاں

---

(۱) اما الحية البرية التي لاتعيش في الماء اذا ماتت في الماء فانها تفسده (حلبي كبير : فصل في البئر' ص ۱٦٦ ط سهيل اكيدمي' لاهور)

(۲) ماتت فيها حمامة او دجاجة ... او ماقار بها في الجثة نزح منها اربعون دلوا او خمسون (حلبي كبير' فصل في البئر ص ۱۵۷ ط سهيل اكيدمي' لاهور)

(۳) ولو وقع في البئر خرقة او خشبة بنجسة ينزح كل الماء (فتاوى القاضي خان على هامش الهنديه' واما ما يفسد ماء البئر ۱/ ۹ ط ماجديه' كوئته)

(٤) اليقين لا يزول بالشك' الاصل بقاء ما كان على ما كان (الاشباه والنظائر' القاعدة الثالثه ص ۵۷ ط بيروت)

(۵) والمعتبر في عمقه ان يكون بحال لا ينحسر بالاغتراف هو الصحيح (عالمگيريه' الباب الثالث في المياه ۱/ ۱۸ ط ماجديه كوئته)

لڑکے کے پیشاب کو زیادہ مبالغہ کے ساتھ دھونا ضروری نہیں پانی بہادینا اور نچوڑ دینا کافی ہے(۱) فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

وضوء میں مستعمل پانی کے چھینٹوں کا حکم .

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۲۹ء)

(سوال) آبدست کے پانی کی چھینٹ اڑ کر دو ایک قطرے اگر جسم پر یا کپڑے پر پڑ جائے تو اس سے نماز پڑھنا جائز ہوگا ؟

(جواب ۳۰۰) آبدست کرتے وقت پانی کے قطرے کپڑوں پر گرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک وہ پانی جو نجاست دھلنے اور نجس ہونے کے بعد گرتا ہے وہ تو ناپاک ہے دوسرا وہ پانی جو لوٹے یا ہاتھ پر سے گر جاتا ہے قبل اس کے کہ نجاست سے مخلوط ہو وہ پاک ہے پہلی صورت میں ایک درہم کی مقدار تک عفو اور اس سے زیادہ واجب الغسل ہے(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

پیشاب کی پاکی کے لئے ڈھیلا اور پانی دونوں کا استعمال افضل ہے .

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۳۰ء)

(سوال) پیشاب کی پاکی کے لئے کلوخ کا لینا سنت ہے یا پانی کا لینا ؟

(جواب ۳۰۱) کلوخ (پتھر / ڈھیلا) لینا اس کے بعد پانی سے دھونا افضل ہے اور اگر صرف پانی سے استنجا کر لے تو یہ بھی جائز ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل دوم۔ حیض و نفاس

ایام حیض میں قرآن مجید یا کتاب کے جس ورق پر آیات ہوں ان پر ہاتھ لگانا جائز نہیں .

(سوال) اگر ایسے ایام ہوں جس میں حرام ہے کہ عورتیں ہاتھ لگائیں کلام پاک کو کیا ایسی حالت میں

---

(۱) وھذا ھو قولنا معشر الحنفیہ انہ یجب غسل بول الغلام کمایجب غسل بول الجاریۃ الاانہ لا یبالغ فی الاول کما یبالغ فی الثانی الخ (اعلاء السنن' باب وجوب غسل الثوب من بول الصبی الرضیع ۲۹۱/۱' ط ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ' کراچی)

(۲) وقال محمدؒ : ھو طاھر فان اصاب ذلک الماء ثوباً ان کان ماء الاستنجاء واصابہ اکثر من قدر الدرھم لا تجوز فیہ الصلوۃ (فتاوی القاضی خان علی ھامش الھندیہ' فصل فی الماء المستعمل ۱۵/۱ ط ماجدیہ' کوئٹہ)

(۳) ثم اعلم ان الجمع بین الماء و الحجر افضل و یلیہ فی الفضل الاقتصار علی الماء (رد المحتار' فصل فی الاستنجاء' ۳۳۸/۱ ط سعید)

ایسی کتاب کو بھی ہاتھ لگانا پڑھنا جائز ہے جس میں دس بارہ یا ایک دو آیات قرآن پاک کی ہوں ؟
المستفتی نمبر ۱۰۸ میر عبدالغفور صاحب سابق جج شملہ۔ ۲۲ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۳۳ء
(جواب ۳۰۲) حیض کی حالت میں قرآن مجید کو چھونا اور ایسی کتاب جس میں قرآن مجید کی آیتیں لکھی ہوں ان آیات کے ورق پر ہاتھ لگانا ناجائز ہے(۱) کتاب کو چھونا اٹھانا جائز ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ایام حیض میں عورت قرآن شریف کے علاوہ تمام اذکار کو پڑھ سکتی ہے.

(سوال) جس عورت کو حیض آتا ہو وہ درود شریف دلائل الخیرات پڑھ سکتی ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۱۸۰ سید جلال الدین (ضلع آرہ شاہ آباد) ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۳۶ء
(جواب ۳۰۳) ہاں سوائے قرآن مجید کے تمام اذکار پڑھنا مباح ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

شوہر نے بے خبری میں ایام حیض میں جماع کیا تو گناہ نہیں.

(سوال) ایک عورت کو ہمیشہ مہینہ کے آخری ہفتہ میں حیض ہوا کرتا تھا اس کی شادی مہینے کے دوسرے ہفتے میں ہوئی اول شب کو ہم بستر ہونے سے اسے حیض شروع ہو گیا لیکن بے خبری کی وجہ سے خاوند دوبارہ ہمبستر ہوا ایسی حالت میں دونوں میں سے کسی پر گناہ ہوا یا نہیں ؟ اگر گناہ ہوا تو اس کا کفارہ وغیرہ کتنا دینا چاہئیے شادی کے بعد سے حیض مہینہ کے دوسرے ہفتہ میں ہونے لگا ہے ؟ المستفتی حاجی محمد داؤد صاحب تاجر چٹلا و کمر بند۔ بازار بلیماران۔ دہلی
(جواب ۳۰۴) بے خبری سے ایسا ہو گیا تو دونوں میں سے کسی پر گناہ نہیں ہوا(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نفاس والی عورت کے چھوئے ہوئے برتنوں کو ناپاک سمجھنے والا اور دیگر حرام افعال کا مرتکب شخص سرداری کے لائق نہیں.

(سوال) نفاس والی عورت جب کہ تلویث کا ڈر نہ ہو اس کے چھوئے ہوئے مٹی کے ظروف کو عقیدۃً ناپاک سمجھنا۔ رسومات کافرہ کی پابندی کرنا مثلاً لڑکے کے کان کسی بزرگ کے نام پر چھدوانا۔ حقوق العباد

---

(۱) و یمنع ....قراء ۃ قرآن بقصدہ و مسہ ولو مکتوبا بالفارسیہ فی الاصح الا بغلافہ المنفصل کما مر و کذا یمنع حملہ کلوح وورق فیہ آیۃ(تنویر الابصار و شرحہ الدر المختار مع ردالمحتار: باب الحیض ۱/ ۲۹۳ ط سعید)
(۲) قال فی البحر، و فی شرح الدرر والغرر رخص المس بالید فی الکتب الشرعیہ (البحر الرائق' باب الحیض ۱/ ۲۱۲ ط بیروت)
(۳) ولا باس لحائض و جنب بقراۃ ادعیۃ و مسہاوحملہا و ذکر اللہ تعالیٰ و تسبیح الخ (تنویر الابصار و شرحہ الدر المختار مع رد المحتار' باب الحیض ۱/ ۲۹۳' ط سعید)
(٤) ثم ھو کبیرۃ لو عامداً مختاراً عالماً بالحرمۃ لا جاھلا او مکرھاً او ناسیاً (الدر المختار مع رد المحتار' باب الحیض ۱/ ۲۹۷' ط سعید)

کو تلف کرنا اور کھا جانا۔ بطلب حقوق شدت اور سختی سے پیش آکر حلف انکار کرنا یہ فاسد عادتیں ایک سردار قوم کے اندر پائی جائیں تو ایسے شخص کو سردار ازروئے شریعت تصور کرنا چاہئے یا نہیں۔ اور ایسے شخص سے مسلمانوں کو کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟ المستفتی نمبر ۲۰۸۸ مولانا عبدالرحیم صاحب (چھاؤنی شمحہ) ۲۹ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۴ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۰۵) حیض و نفاس والی عورت کے ہاتھ جب کہ ان پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو پاک ہیں اور ان کے لگنے چھونے سے مٹی تانبے وغیرہ کے برتن ناپاک نہیں ہوتے(۱)

کسی بزرگ کے نام پر بچوں کے کان چھیدنا حرام ہے کسی کا حق مارنا اور کھا جانا بھی حرام ہے ایسا شخص سرداری کے لائق نہیں جو لوگوں پر ظلم کرے اور ان کے مال مارے۔(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

عورت کو نفاس کا خون وقفہ وقفہ سے چالیس دن سے زیادہ آئے تو چالیس دن نفاس کے ہوں گے۔

(سوال) ایک عورت کو ۳۶ دن نفاس کا خون آیا اور بعد کی حالت یہ ہے کہ تین دن طہر پھر ایک دن خون پھر تین دن طہر پھر دس دن خون پھر ایک دن طہر پھر ایک دن خون پھر نو دن طہر نو دن خون اور اس کے بعد سے اب تک طہر ہے اس عورت کو پہلے ایک نفاس ہو چکا ہے جو ۳۵ یوم کا تھا پہلے عموماً اس کو آٹھ یوم کا حیض آتا تھا مگر تاریخیں یاد نہیں تو اب صورت مسئولہ میں اس کے نفاس کے یوم کتنے اور طہارت کے یوم کتنے اور حیض کے یوم کتنے شمار ہوں گے اگر خدانخواستہ آئندہ ایسی ہی گڑبڑی کی حالت رہی تو طہارت و حیض کے دن کس طرح شمار کئے جائیں گے اس کے لئے قاعدہ بتادیں نفاس اور حیض کے درمیان طہارت کم از کم دن کتنے ہوتے ہیں؟ المستفتی نمبر ۲۸۱۴ سلیمان موسیٰ حافظ جی یارڈولی ضلع سورت۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

(جواب ۳۰۶) نفاس کے چالیس دن ہوں گے اس کے بعد طہارت کا حکم ہوگا(۳) اور کیا اس کو ایام رضاعت میں پہلے بھی خون حیض کا آتا رہا ہے یا رضاعت کے ایام میں حیض نہیں آتا تھا اس کا جواب دیا جائے تو آئندہ کا حکم بتایا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) ولا یکرہ طبخها ولا استعمال ما مسته من عجین او ماء او نحوهما (رد المحتار' باب الحیض ۱/ ۲۹۲ ط سعید)

(۲) لا یجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی (عالمگیریه' فصل فی التعزیر ۲/ ۱۶۷ ط ماجدیه' کوئٹه)

(۳) اقل النفاس لاحد له' واکثره اربعون یوماً والزائد علیه استحاضه (هدایه' فصل فی النفاس ۱/ ۷۰ ط مکتبه شرکة علمیه' ملتان)

تتمہ سوال۔ جواب میں جو بات دریافت فرمائی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں پہلے بھی ایام رضاعت میں اس کو حیض کا خون آتا رہا ہے اور یہ وہی ہے جو سوال میں لکھا گیا ہے کہ اس کو پہلے عموماً آٹھ یوم کا حیض آتا تھا مگر اس کی تاریخیں یاد نہیں ہیں تو اب باقی ایام میں طہارت کے دن کتنے اور حیض کے دن کتنے ؟

حضرت والا! یہی مسئلہ میں نے جامعہ ڈابھیل کے مفتی اسمٰعیل بسم اللہ صاحب مدظلہ العالی پر بھی لکھا تھا مگر سوال میں فرق صرف اتنا ہے کہ اس آپ کے سوال میں آخری طہر ۱۹ دن کا ہے اور ان کے سوال میں پانچ دن کا ہے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان پر سوال لکھا اور اس کا جواب آیا اور پھر آپ پر سوال لکھا تو یہ جو ایام طہر کے گزرے وہ زیادہ کر دیئے گئے۔

انہوں نے جواب دیا ہے کہ حد فاصل دوم کے درمیان میں طہارت کے جو پندرہ دن ہونے چاہئیے وہ کہیں نہیں ہیں لہذا اس کی نفاس کی عادت کے ۳۵ یوم نفاس شمار کر کے باقی ایام استحاضہ میں شمار ہوں گے جس میں نماز روزے ادا کرنے ہوں گے لہذا اس کو جن تاریخوں میں پہلے آٹھ یوم حیض آتا تھا عادت کا وہ اب ان تاریخوں میں آٹھ یوم حیض شمار ہو گا اور باقی کا استحاضہ۔

حضرت والا! میرے ناقص مطالعہ کے لحاظ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ عرض کرتا ہوں اگر چالیس دن نفاس کے شمار کئے جائیں تب بھی دو خون کے درمیان کی اقل مدت طہر پندرہ یوم وہ نہیں آتی لہذا آخری طہر جو ۱۹ یوم کا ہے اور اس وقت ۲۸ یوم کا ہوا ہے اس کے علاوہ سب ایام استحاضہ کے ہیں لہذا اس کی نفاس کی سابقہ عادت جو ۳۵ یوم کی ہے وہ عود کر آئے گی تو اس کا یہ نفاس بھی ۳۵ یوم کا ہو گا اس کے بعد احتیاطاً ۱۵ دن کا طہر ہو گا اس کے بعد اس کی سابقہ عادت کے مطابق آٹھ دن حیض کے ہوں گے اور اس کے بعد اب تک کے ایام طہر کے ہوں گے اگر خدانخواستہ ان کو پندرہ دن کا طہر نہ آتا تو پھر ان کو بائیس دن طہر کے ہوتے پھر آٹھ دن حیض کے پھر بائیس دن طہر کے پھر آٹھ دن حیض کے اور ایسے ہی حکم چلتا رہتا اس لئے کہ عورتوں کو عموماً مہینے میں ایک بار دم حیض آتا ہے ایام رضاعت میں حیض نہ آنے کو اس مسئلہ سے کیا نسبت ہے وہ بھی ارشاد فرمائیں ؟

(جواب) (از مولانا مفتی عبدالغنی صاحب۔ صدر مفتی دار الافتاء مدرسہ امینیہ۔ بعد وفات حضرت مفتی اعظمؒ) جب کہ نفاس کی ۳۵ دن کی پہلی عادت تھی لیکن اس دفعہ خلاف عادت ۳۶ دن خون آیا لیکن تین دن بند رہ کر پھر چالیسویں دن بھی خون آ گیا اس کے بعد کچھ دن بند رہا اس صورت میں نفاس کے چالیس دن شمار ہوں گے البتہ اگر خون مستمر رہتا یہاں تک کہ چالیس یوم سے متجاوز ہو جاتا تو بے شک عادت سے زائد کو استحاضہ میں شمار کیا جاتا در مختار میں ہے اما المعتادہ فترد لعادتھا و کذا الحیض شامی(۱) میں ہے اذا کان عادتھا فی النفاس ثلاثین یوماً فانقطع دمھا علی راس عشرین یوماً و طھرت

---

(۱) باب الحیض ۱/ ۳۰۰ ط سعید

عشرة ايام تمام عادتها فصلت و صامت ثم عاودها الدم فاستمر بها حتى جاوز الا ربعين ذكر انها مستحاضة فيما زاد على الثلاثين دوسری جگہ ہے صورته في النفاس كانت عادتها في كل نفاس ثلاثين ثم رات مرة احدى و ثلثين ثم طهرت اربعة عشر ثم رات الحيض فانها ترد الى عادتها وهي الثلاثون و يحسب اليوم الزائد من الخمسة عشر التي هي طهر (۱) کیونکہ دم نفاس اور دم حیض میں کم از کم پورے پندرہ یوم کا فاصلہ ضروری ہے۔ اقل الطهر بين الحيضتين او النفاس والحيض خمسة عشر يوماً ولياليها اجماعا (۲) اگر عادت بھول گئی یعنی ایام حیض کے عدد یاد ہیں لیکن یہ بھول گئی کہ مہینے کے پہلے عشرہ میں حیض آیا ہے یا دوسرے عشرہ میں یا تیسرے عشرہ میں تو تحری کر کے ظن غالب پر عمل کرے گی۔ و من نسيت عادتها اما بعد او بمكان او بهما انها تتحرى (۳) الخ فقط محمد عبدالغنی غفر لہ (ذیقعدہ ۱۳۷۳ھ)

فصل سوم۔ آدمی کا جسم اور جھوٹا

بھنگی یا چمار نہلا دھلا کر پاک کر لیا جائے تو اس کے ہاتھ کی چیزیں پاک ہیں

(سوال) بعض مسلمان عیسائیوں چماروں بھنگیوں وغیرہ کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا یا ان کے ہاتھ کا پانی استعمال نہیں کرتے خواہ اپنا جسم و لباس پاک صاف رکھیں بر خلاف اس کے بعض ہندو اقوام مثلاً برہمن، راجپوت مہاجن مالی بڑھئی کہار وغیرہ کے ہاتھ کا کایا ہوا کھانا یا ان کے ہاتھ کا پانی استعمال کرتے ہیں ان مسلمانوں کا یہ فعل از روئے قرآن و حدیث جائز ہے یا ناجائز؟ المستفتی نمبر ۲۸۵ اللہ دیا صاحب ماسٹر (ضلع سہارنپور) ۲ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۷ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۰۷) شریعت مطہرہ نے غیر مسلم کے بدن کو پاک قرار دیا ہے، خواہ وہ بھنگی ہو یا چمار یا اور کوئی کام کرنے والا ہو اس میں کسی ذات یا پیشہ کی تخصیص نہیں ہے (۴) ہاں بھنگی یا چمار یا ایسے لوگ جو نجاست کے کاموں میں رہتے ہیں ان کا بدن یا لباس ظاہر کے لحاظ سے اکثر ناپاک رہتا ہے اس لئے اس ناپاکی کے غلبۂ ظن کی بنا پر ان کا حکم ایسے لوگوں سے مختلف ہے جو نجاست سے ایسا تعلق نہیں رکھتے مگر جب کہ کسی بھنگی یا چمار کو نہلا دھلا کر پاک صاف کر لیا جائے تو اس کے ہاتھ کی چیز اور کسی برہمن کے

---

(۱) المرجع السابق ۱/۳۰۰
(۲) المرجع السابق ۱/۲۸۵
(۳) المرجع السابق ۱/۲۸۶
(٤) فسؤر آدمي مطلقاً ولو جنباً او كافراً ..... طاهر (تنوير الابصار و شرحه الدر المختار مع رد المحتار مطلب في السؤر ۱/۲۲۲ ط سعيد)

ہاتھ کی چیز میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) بھنگی کے ہاتھ پاک ہوں تو اس کے ساتھ کھانا محض اس وجہ سے کہ بھنگی ہے ناجائز نہیں
(۲) بھنگی سے مسجد میں جھاڑو دلوانا کیسا ہے ؟

(سوال) (۱) ایک غیر مذہب بھنگی کے ساتھ مسلمان کو کھانا کھانا ایک پلیٹ میں کیسا ہے ؟
(۲) ایک غیر مذہب بھنگی کو بلا کر مسجد میں جھاڑو دلوانا کیسا ہے ؟ **المستفتی** نمبر ۱۳۳۶ شیخ عبدالغفور صاحب۔ دہلی ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۶ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۰۸) (۱) اسلام کا اصول یہ ہے کہ انسان کا بدن پاک ہے' خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم اس میں بھنگی اور چمار کا بھی سوال نہیں ہے(۲) سوال میں غیر مذہب بھنگی کی تصریح کی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر غیر مسلم بھنگی کو نہلا دھلا کر اس کا بدن اور ہاتھ پاک صاف کرلئے جائیں تو اس کے ساتھ ایک برتن میں کھانے والا محض اس بنا پر کہ غیر مذہب کے ساتھ کھایا ہے ناپاک کھانے یا حرام کھانے کا مرتکب قرار نہ دیا جائے گا کیونکہ اس مفروضہ صورت میں اس کے ہاتھ پاک کرالئے گئے ہیں رہی یہ بات کہ اس نے غیر مذہب اور بھنگی کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیوں کیا تو یہ بات مختلف حالات اور مختلف مصالح کے لحاظ سے بدل سکتی ہے اگر کوئی معقول وجہ اپنے ساتھ کھلانے کی ہو تو پھر کوئی الزام اور اعتراض نہیں(۳) اور کوئی معقول وجہ نہ ہو تو بلاوجہ غیر مسلموں کے ساتھ کھانے پینے کے تعلقات قائم کرلینے کا الزام ہوگا مگر ناپاک یا حرام کھانے کا الزام نہ ہوگا(۴)(۲) احاطہ مسجد میں نماز کی جگہ کے علاوہ باقی جگہ میں بھنگی سے جھاڑو دلوائی جائے تو کوئی حرج نہیں اور اگر بھنگی کے پاؤں اور بدن پاک ہونے کا یقین ہو تو نماز کی جگہ میں بھی اس سے جھاڑو دلوائی جا سکتی ہے کیونکہ انسان کا بدن فی حد ذاتہ اسلامی اصول کے لحاظ سے پاک ہے(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) حتی لو اغتسل (ای الکافر) فوقع فیها من ساعته لا ینزح منها شئ (رد المحتار' فصل فی البئر' ۱/۲۱۴ ط سعید)
(۲) فسؤر آدمی مطلقا ولو جنبا او کافرا طاهر (تنویر الابصار' و شرحه الدر المختار مع ردالمحتار ۱/۲۲۲ ط سعید)
(۳) وفی التفاریق لا باس بان یضیف کافرا لقرابة او لحاجة (عالمگیریه' الباب الرابع عشر فی اهل الذمه والا حکام التی تعود الیهم ۵/۳۴۷ ط ماجدیه کوئٹه)
(۴) ان ابتلی به المسلم مرة او مرتین فلا باس به واما الدوام علیه فیکره کذافی المحیط (عالمگیریه : الباب الرابع عشر فی اهل الذمه والا حکام التی تعود الیهم ۵/۳۴۷ ط ماجدیه کوئٹه)
(۵) لا باس بدخول اهل الذمة المسجد الحرام و سائر المساجد وهو الصحیح (عالمگیریه : الباب الرابع عشر فی اهل الذمه والا حکام التی تعود الیهم ۵/۳۴۶ ط ماجدیه کوئٹه)

بھنگی کے ہاتھ پاک ہوں تو اسکے ساتھ کھانا کھانا جائز ہے' تبلیغی مقصد کے پیش نظر یہ عمل قابل تحسین ہے.

(سوال) اگر کوئی شخص خاکروب (بھنگی غیر مسلم) کے ہاتھ دھلواکر اور خوب صاف کر کے اس کے ساتھ کھانا کھائے تو جائز ہے ؟ سوال مذکور کی صورت اس وجہ سے پیش آئی کہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے مجلس احرار سنبھل کے ایک بیان میں اسلام کی رواداری غیر مذاہب کے لوگوں پر واضح کرتے ہوئے اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک جگہ میں نے خود بھنگی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اس کے منہ کا آدھا کٹا ہوا آلو بھی میں نے کھالیا اب ایک صاحب نے شاہ صاحب موصوف کی تقلید میں ایک بھنگی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالیا ہے کچھ لوگ اس خیال پر چراغ پا ہو رہے ہیں براہ مہربانی اگر ممکن ہو تو دو چار دلیل بھی جواب کے ساتھ ارقام فرماکر ممنون فرمائیں ؟ المستفتی نمبر ۱۴۲۷ مولانا طاہر الانصاری صاحب فاضل دیوبند (سنبھل مراد آباد) ۲۷ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۹ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۰۹) اسلام کا مسلمہ اصول ہے کہ انسان کا بدن پاک ہے اور انسان کا جھوٹا پاک ہے 'خواہ مسلم ہو یا کافر(۱) اس اصول پر جب کہ کسی انسان کے ہاتھ پاک ہوں(۲) اور کھانا بھی حلال ہو(۳) برتن بھی پاک ہوں(۴) اور مسلمان اس کے ساتھ کھانا کھالے ' تو اس میں کوئی اصولی غلطی نہیں ہے اور اگر کسی موقعہ پر اسلامی اصول کی حقیقت واضح کرنے کے لئے کوئی شخص یہ کام کرے تو وہ قابل تحسین ہے نہ کہ محل الزام(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

غیر مسلم کے ہاتھ پاک ہوں تو اس کے ساتھ کھانا کھانا جائز ہے
تبلیغی مقصد کے پیش نظر یہ عمل مستحسن ہے.

(سوال) انجمن خدام اسلام جگراؤں کے زیر اہتمام ایک تبلیغی ہفتہ اوائل ستمبر میں منایا گیا جس میں علمائے کرام میں سے ایک نے اسلامی مساوات پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اسلام سب بنی نوع انسان

---

(۱) فسؤر الآدمی مطلقاً ولو جنباً او کافرا ...... طاهر (تنویر الابصار و شرحه مع رد المحتار' مطلب فی السور ۱/ ۲۲۲ ط سعید)

(۲) ولو ادخل الکفار او الصبیان ایدیهم لا یتنجس اذا لم یکن علی ایدیهم نجاسة حقیقة (حلبی کبیر' فی احکام الحیاض ص ۱۰۳ ط سهیل اکیدمی لاهور)

(۳) لا باس بطعام المجوس کله الا الذبیحة فان ذبیحتهم حرام (عالمگیریه' الباب الرابع عشر فی اهل الذمه الخ ۵/ ۳٤۷ ط ماجدیه' کوئته)

(٤) و یکره الا کل و الشرب فی اوانی المشرکین قبل الغسل (ایضاً)

(۵) وفی التفاریق : لا باس بان یضیف کافرا لقرابة او لحاجة کذا فی التمر تاشی ولا باس بالذهاب الی ضیافة اهل الذمة (عالمگیریه' نفس المکان) ان فعل ذلك لیمیل قلبه الی الاسلام فلا باس به (عالمگیریه' الباب الرابع عشر فی اهل الذمه ۵/ ۳٤۸ ' ط ماجدیه' کوئته)

کو یکساں سمجھتا ہے حتی کہ ایک مسلمان ایک کافر کا جھوٹا کھاپی سکتا ہے بلکہ اپنے دین کو ضرر پہنچائے بغیر ان کے گھر کا بھی کھاپی سکتا ہے اچھوتوں میں سے ایک نے جو سب اجلاسوں میں حاضر رہا اور جو مائل بہ اسلام تھا اور اب بھی اس دعوے کی صداقت کو آزمانے کے لئے علماء و دیگر معززین کی دعوت کردی جو قبول کرلی گئی کھانا تیار کرنے میں یہ اہتمام مد نظر تھا کہ مسلمان سے گوشت خریدنے کے بعد مسلمان ہی پکائے چنانچہ بریانی مسلمان نائی نے پکائی اور حلوا اچھوتوں نے تیار کیا البتہ کھانا مہمانوں کے آگے رکھنے والے اچھوت تھے علماء و اکابر کے اس فعل پر جو محض بنظر تالیف قلوب و بمقصد تبلیغ اس طور سے عمل میں لایا گیا کہ کھانا کھانے سے قبل محاسن اسلام پر ایک مبسوط تقریر اسی اچھوت کے گھر کی گئی اور اس میں دعوت اسلام دی گئی ۔ بعض معاندین نے بفحوائے **انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا** (۱) بطور استدلال پیش کیا اور مشہور اہل سنت کا متفقہ مذہب کہ ان کے بدن نجس نہیں اعتقادات نجس ہیں نظر انداز کردیا گیا اس شور و غل کی وجہ سے بہت سے اچھوت جو دائرہ اسلام کے بہت قریب آگئے تھے اب خاموش ہوگئے ہیں آپ ازروئے شریعت ظاہر فرمادیں کہ طرفین میں سے کون حق پر ہے۔ **المستفتی** نمبر ۱۸۹۴ جناب صفی عبداللہ ایم اے صدر انجمن خدام اسلام جگراؤں ۸ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۱۰) اسلامی اصول کے بموجب کافر و مشرک کا بدن نجس نہیں بلکہ جب بدن پر کوئی نجاست نہ ہو تو بدن پاک ہے (۲) اور ان کے ہاتھ کا کھانا بھی جائز ہے (۳) اور تبلیغی مقصد کے پیش نظر جن مسلمانوں نے اچھوتوں کے ہاتھ کا کھانا کھایا وہ مستحق اجر ہیں۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

کافر کا بدن پاک ہو تو اس کا جھوٹا اور پکایا ہوا کھانا کھانا جائز ہے'
تبلیغی مقصد سے یہ عمل موجب اجر ہے.

(سوال) ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب کچھ عرصہ سے فقہ شریف کا مسئلہ اپنی وعظوں میں اس طرح بیان فرماتے رہے ہیں کہ کافر کا جھوٹا پاک ہے چوہڑے بھی ہندوؤں کی مانند ہیں لہذا چوہڑوں کا کھانا بھی جائز ہے چنانچہ اب کی وعظ پر یعنی کل ۹/۳ ۶ کو ایک چوہڑے نے جو کہ اپنے آپ کو مذہبی سکھ کہلا رہا ہے اس نے مولوی صاحب کی مع چند احباب دعوت کردی مولوی صاحب نے نہایت خوشی

---

(۱) التوبة : ۲۸

(۲) ولو ادخل الكفار او الصبيان ايديهم لا يتنجس اذا لم يكن على ايديهم نجاسة حقيقة (حلبي كبير فصل احكام الحياض ص ۱۰۳ ط سهيل اكيدمي لاهور)

(۳) ولا باس بالذهاب الى ضيافة اهل الذمة (عالمگيريه : الباب الرابع عشر في اهل الذمة والا حكام التي تعود اليهم ۵/۳۴۷ ط ماجديه كوئٹه)

(۴) ينظر ان فعل ذلك ليميل قلبه الى الاسلام فلاباس به (عالمگيريه نفس المكان ۵/۳۴۸)

سے بے چون وچرا منظور فرمالی اور بوقت روانگی یعنی جب دعوت کھانے کیلئے جانے پر تیار ہوئے اس وقت نعرہ اللہ اکبر بلند آواز سے لگایا بعدہ مولوی صاحب معہ ایک جماعت کثیر کے نعتیں پڑھتے ہوئے اس چوہڑے کے گھر پہنچے اور چوہڑوں نے بدست خود ان کو کھانا اتارا اور اپنے گھر کا پانی وغیرہ بھی پینے کو دیا اور مولوی صاحب نے نہایت فراخدلی سے مع اپنے رفقاء کے دعوت کو نوش فرمالیا۔
دعوت کے اہتمام کی کیفیت حسب ذیل ہے :-

حلوے کو تو خود ان چوہڑوں نے اپنے گھر کے پانی وغیرہ سے تیار کیا اور پلاؤ کو ایک حجام نے تیار کیا حجام کہتا ہے کہ بجز پکانے کے باقی سب کام پانی وغیرہ کا ڈالنا غرض کہ سب اہتمام ان چوہڑوں ہی کا رہا ہے ہاں گوشت جو پلاؤ میں ڈالا گیا ہے ان کے ہمراہ میں نے قصاب کی دکان سے خرید کیا تھا جب کہ انہوں نے اپنے قبضے میں کرلیا میں بازار چلا گیا دو گھنٹے کے بعد میں بازار سے سودا سلف خرید کر کے جب ان چوہڑوں کے گھر پہنچا تو میں نے ان کے گھر سے منگوا کر دیگ میں پکادیا عالیجاہا ہم نہایت ہی ادب سے التماس کرتے ہیں کہ مولوی صاحب کے اس مسئلہ نے ہمارے یہاں ہر ایک مسلمان کے دل میں بے چینی پیدا کردی ہے لہذا معروض ہے کہ مندرجہ ذیل سوالات سے آگاہی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

(۱) کیا فقہیہ کتب میں مذکور ہے کہ کافر کا جھوٹا پاک ہے اور اس کے یہی معنی ہیں جس پر مولوی صاحب نے عمل کیا ہے ؟

(۲) کیا فقہاء عظام کے مسائل مستنبط من القرآن والاحادیث نہیں ہیں ؟ اگر ہیں تو کیا فقہا عظام کے مسائل کی مطابقت قرآن مجید واحادیث شریف سے ضروری نہیں ؟

(۳) اللہ جل جلالہ ایک جگہ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ مشرک تو نرے گندے ہیں اور دوسری جگہ فرماتا ہے کہ مسلمانوں تمہارے لئے اہل کتاب کا کھانا حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے کیا قرآن شریف کی ان آیات کی رو سے یہ نہیں پایا جاتا کہ فقہائے کرام نے جو کافر کا لفظ بیان فرمایا ہے اس سے اہل کتاب مراد ہیں جو کہ عیسائی یہودی وغیرہ ہیں۔

(۴) کیا کفار کی دعوت کو قبول کرنا خلاف امر جناب رسول اللہ ﷺ نہیں ہے آنحضور ﷺ تو مشکوۃ شریف میں فاسقین کی دعوت سے بھی منع فرماتے ہیں۔

(۵) ذبیحہ کا گوشت جو تقریباً دو گھنٹے چوہڑوں کے گھر انکے قبضے میں رہا کیا شرع شریف ایسے گوشت کے کھانے کی اجازت دیتی ہے ؟

(۶) اگر مولوی صاحب کی شرعاً اس میں کچھ گرفت ہو تو ان کے متعلق حکم شرع تحریر فرمایا جائے۔ **المستفتی** نمبر ۲۱۱۲ مستری نذیر احمد (ضلع لودھیانہ) ۱۰ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۱۱) مسئلہ شرعیہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک یہی ہے کہ کافر کا بدن پاک ہے جب کہ اس

پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو(۱) کافر کا جھوٹا بھی پاک ہے پس اگر اس کا اطمینان کرنے کے بعد کہ کھانے میں کوئی ناجائز و ناپاک چیز نہ تھی(۲) اور پکانے والے اور کھلانے والوں کے ہاتھ بھی کسی نجاست سے ملوث نہیں تھے تو ان کے ہاتھ کے کھانے میں کوئی شرعی جرم نہیں ہے(۳) اور اگر تبلیغی ضرورت یا اسلامی مساوات کی حقیقت ظاہر کرنے کے لئے ایسا کیا جائے تو موجب اجر و ثواب ہے(۴) آیت "انما المشرکون نجس" میں نجاست سے اعتقادی نجاست مراد ہے نہ کہ جسمانی(۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نجاست کا یقین یا ظن غالب نہ ہو تو کافر کا جھوٹا کھانا پینا جائز ہے

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید نے جان بوجھ کر کافر کا حقہ اپنا ہاتھ لگا کر پی لیا یہ فعل کیسا ہے ؟ کافر و مشرک کا جھوٹا کھانا پینا کیسا ہے ؟

(جواب ۳۱۲) جب کہ ناپاک ہونے کا ظن غالب نہ ہو تو اس صورت میں کوئی مواخذہ نہیں فی حد ذاتہ جائز ہے جب کہ نجاست کا ظن غالب نہ ہو (۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

(جواب دیگر ۳۱۳) کافر کے ہاتھ سے تر اور سیال چیز لینا فی حد ذاتہ جائز ہے لیکن اگر کافر کی بے احتیاطی کی وجہ سے ملوث بالنجاستہ ہونے کا گمان ہو تو بچنا بہتر ہے اور غالب گمان ہو تو لینا ناجائز ہے اور پاک ہونے کا یقین ہو تو بلا کراہت جائز ہے(۷) کیونکہ انسان کا بدن فی نفسہ اسلامی اصول کے لحاظ سے پاک قرار دیا گیا ہے(۸) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' (از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۴ء)

---

(۱) ولو ادخل الكفار او الصبيان ايديهم لا يتنجس اذا لم يكن على ايديهم نجاسة حقيقة (حلبى كبير ص ۱۰۳ سهيل اكيدمى' لاهور)

(۲) فسور الآدمى مطلقا ولو جنبا او كافرا ... طاهر (رد المحتار' مطلب فى السؤر' ۱ /۲۲۲ ط سعيد)

(۳) لا باس بطعام المجوس كله الا الذبيحه فان ذبيحتهم حرام ... ولا باس بالذهاب الى ضيافة اهل الذمة (عالمگيريه' الباب الرابع عشر فى اهل الذمة والا حكام التى تعود اليهم ۵ /۳۴۷ ط ماجديه كوئٹه)

(۴) ينظر ان فعل ذلك ليميل قلبه الى الاسلام فلا باس به (عالمگيريه' الباب الرابع عشر فى اهل الذمة والا حكام التى تعود اليهم ۵ /۳۴۸ ط ماجديه كوئٹه)

(۵) فالمراد بقوله تعالى : انما المشركون نجس النجاسة فى اعتقادهم (رد المحتار' مطلب فى السؤر ۱ /۲۲۲ ط سعيد)

(۶) فسور الآدمى مطلقا ولو جنبا او كافرا ... طاهر (رد المحتار' مطلب فى السؤر' ۱ /۲۲۲ ط سعيد)

(۷) ولو ادخل الكفار او الصبيان ايديهم لا يتنجس اذا لم يكن على ايديهم نجاسة حقيقة (حلبى كبير فصل فى احكام الحياض ص ۱۰۳ ط سهيل اكيدمى لاهور)

(۸) فسور الآدمى مطلقا ولو جنبا او كافرا ... طاهر (رد المحتار' مطلب فى السؤر' ۱ /۲۲۲ ط سعيد)

فصل چہارم۔ وضو غسل اور تیمّم

اعضاء تیمّم پر غبار آلود ہاتھ پھیرنا فرض ہے' کوئی عضو رہ جائے تو تیسری ضرب کی ضرورت نہیں

(سوال) تیمّم میں اعضا کو گرد لگانا فرض ہے؟ یا صرف ہاتھ پھیرنا فرض ہے' نیز یہ کہ تیمم دو ضرب سے ہوتا ہے اب اگر کوئی عضو چھوٹ جائے تو اس کے لئے تیسری ضرب لگائی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۳۱٤) تیمم میں اعضائے تیمم پر غبار آلود ہاتھ پھیرنا فرض ہے' یہ ضروری نہیں کہ اعضا پر بھی غبار نظر آنے لگے(۱) تیمم میں اگر کوئی عضو چھوٹ جائے تو اس کے لئے تیسری ضرب کی ضرورت نہیں ویسے ہی اس جگہ ہاتھ پھیر دینا کافی ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ٹخنوں سے نیچے پاجامہ رکھنا سخت گناہ ہے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا.

(سوال) پاجامہ اگر ٹخنوں سے نیچا ہو تو وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ بعض آدمی کہتے ہیں کہ مسلم شریف اور مشکوۃ شریف میں یہ حدیث شریف موجود ہے کہ پاجامہ ٹخنوں سے نیچے پہننے سے وضو باطل ہو جاتا ہے لہذا یہ حدیث شریف ہو تو اس سے مطلع فرمائیں؟

(جواب ۳۱۵) اس امر کی کوئی معتبر دلیل نہیں کہ ٹخنے سے نیچا پاجامہ پہننے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس میں شک نہیں کہ ٹخنے سے نیچا پاجامہ رکھنا سخت گناہ ہے(۳) لیکن ایسا کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور جو حدیث کہ ابو داؤد شریف(٤) میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو جو ٹخنے سے نیچے کپڑا پہنے ہوئے تھا وضو کرنے کا حکم دیا اول تو اس میں ایک راوی ابو جعفر ہے جو مجہول ہے(۵) دوسرے اس سے یہ بھی ثابت نہیں کہ وضو ٹوٹ جانے کی وجہ سے حکم دیا تھا ممکن ہے کہ اس کے گناہ کے کفارہ کے لحاظ سے یہ حکم دیا ہو کیونکہ وضو سے اعضاء کے گناہ جھڑ جاتے ہیں(٦) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) ثم عندهما ای عند ابی حنیفه و محمد الشرط فی صحة التیمم مجرد المس...... ولا یشترطان علوق شئ منهما (حلبی کبیر' باب التیمم ص ۷٦ ط سهیل اکیڈمی' لاهور)

(۲) امار کنه فضر بتان الخ (حلبی کبیر' باب التیمم ص ٦۲ ط سهیل اکیڈمی' لاهور)

(۳) عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال' ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار (صحیح البخاری' باب ما اسفل من الکعبین ففی النار ۲/۸٦۱ ط قدیمی کتب خانه' کراچی)

(٤) باب ماجاء فی ارسال الازار ۲/٥٦٥ ط امدادیه ملتان

(٥) و فی اسناده ابو جعفر رجل من اهل المدینة لا یعرف اسمه (معالم السنن لابی سلیمان الخطابی' باب ما اسفل من الکعبین ففی النار ٦/٥۱' ط انصار السنة المحمدیه)

(٦) یحتمل والله اعلم انه امره باعادة الوضوء دون الصلوة لان الوضوء مکفر للذنوب کما ورد فی الاحادیث الکثیره (بذل المجهود فی حل سنن ابی داؤد' باب ماجاء فی اسبال الازار' ٥/٥٤ ط معهد الخلیل الاسلامی' کراچی)

غسل جنابت میں سونے کے دانت کے نیچے پانی پہنچانا ضروری نہیں .

(سوال) اگر سونے کا دانت لگوالیا ہو تو کیونکر اس کے اندرونی حصہ یعنی جڑ اور برابروں میں غسل جنابت کے وقت پانی پہنچایا جاسکتا ہے اور نہ پہنچے تو غسل ہو جاتا ہے یا نہیں ؟ **المستفتی نمبر ۲۹۶** ، ۱۵ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۹۳۴ء

(**جواب ۳۱۶**) اندرونی حصہ میں پانی پہنچانا اس لئے ضروری نہیں کہ اب وہ دانت بوجہ لازم اور ثابت ہونے کے اصلی دانت کے حکم میں ہو جاتا ہے(۱) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ**،

(**جواب دیگر**) (از نائب مفتی صاحب) جب اصلی و خلقی دانت پر سونے کا پترہ چڑھا دیا جائے تو یہ سونے کا خول بوجہ شدت اتصال کے کالجزء ہی ہو جائے گا اور اس کے نیچے اصلی دانت کا غسل واجب نہ ہو گا تنویر الابصار و در مختار میں ہے (**غسل ما فيه حرج كعين**) **وان اكتحل بكحل نجس (و ثقب انضم و) لا (داخل قلفة) الخ على هامش ردالمحتار** (۲) **جلد اول ص ۱۱۳** سونے کا دانت ضرورۃً لگوایا ہو یا زینۃً دونوں صورتوں میں حکم مختلف نہ ہو گا۔ فقط حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ ' دہلی　　　　الجواب صحیح۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

غسل کرنے سے وضو ہو جاتا ہے 'وضو کے لئے چار اعضاء کو خاص کرنے کی وجہ .

(سوال) ہر نماز کے لئے پنج وقتہ وضو کیا جاتا ہے اگر ایک ہی دفعہ وضو کر لیا جائے اور چار وقت نہ کیا جائے تو عقل سلیم طہارت کا حکم نہیں لگا سکتی اور طہارت ظاہری کا اثر طہارت باطنی پر پڑتا ہے یا نہیں ؟ اور طہارت کے لئے ان اعضا کو کیوں خاص کیا گیا ؟ اگر ان اعضا کے دھونے کے بجائے غسل کر لیا جائے تو کیا وضو ہو جائے گا ؟ **المستفتی نمبر ۶۷۴** ابو محمد عبدالجبار (رنگون) ۱۰ صفر ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۳۵ء

(**جواب ۳۱۷**) نماز کے لئے طہارت کی ضرورت ہے طہارت کے لئے ان اعضا کو اس لئے خاص کیا گیا کہ یہ اعضا اکثر حالات میں خارجی موثرات سے متاثر ہوتے رہتے ہیں اور تلویث کا اثر ان اعضا پر بہ نسبت باقی اعضا کے زیادہ ہو سکتا ہے اس لئے انہیں اعضا کو دھونے کے لئے مخصوص کیا گیا وضو کی جگہ غسل کر لینا بدرجہ اتم کافی ہے اور غسل کے اندر وضو خود بخود ہو جاتا ہے (۳) لیکن اگر ہر نماز کے لئے غسل کا حکم عام دیا جاتا تو مسلمانوں پر اس کی تعمیل دشوار اور قریب قریب ناممکن ہو جاتی 'اس لئے حکم تطہیر میں لوگوں کی آسانی کا لحاظ بھی خدائے علیم و حکیم و خبیر کے احکام میں موجود ہے طہارت ظاہر کا اثر

---

(۱) الاصل وجوب الغسل الا انه سقط للحرج (رد المحتار' مطلب في ابحاث الغسل ۱ /۱۵۳ ط سعيد)

(۲) مبحث ابحاث الغسل ۱ /۱۵۲ ط سعيد)

(۳) عن عائشه قالت ' قال النبي ﷺ . لا يتوضؤ بعد الغسل (جامع الترمذي' باب الوضؤ بعد الغسل ۱ /۳۰ ط سعيد)

طہارت باطن پر پیشک پڑتا ہے اس لئے نماز جو طہارت باطن کا ذریعہ ہے اس کے لئے طہارت ظاہر کی شرط کردی گئی(۱) اور طہارت ظاہری میں مکلفین کی آسانی کا بھی پورا لحاظ رکھا گیا ہے کیونکہ بفحوائے الدین یسر اعمال دینیہ کا مبنہ آسانی پر رکھا گیا ہے واللہ اعلم　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دانتوں پر سونے کا چڑھایا ہوا خول مانع غسل اور وضو نہیں

(سوال) اگر کوئی شخص بصحت و سلامتی اپنے دانتوں پر بغرض زینت سونے کا پترہ اس طرح چڑھائے کہ دو یا چار دانتوں پر یا ساری بتیسی پر سونے کا خول منڈھا دے کہ جس سے دانت اور مسوڑھے سب بند ہو جائیں تو وضو اور غسل ہو جائے گا یا نہیں فقہائے کرام نے باب الغسل میں لکھا ہے کہ بدن کے جس حصے میں آٹا چپک کر سوکھ جائے یا چکنا میل ناخن کے اندر ہو جس کی وجہ سے پانی اس کے اندر نہ پہنچ سکے تو غسل نہیں ہو گا۔ المستفتی نمبر ۵۳۹ مولوی ظہور احمد (کاٹھیاواڑ) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۱۸) دانتوں کی کسی خرابی کی وجہ سے سونے کا خول چڑھوانا ناجائز نہیں اور محض زینت کے لئے چڑھانا مکروہ ہے اور ضرورۃً چڑھایا ہوا یا بلا ضرورت بہر صورت غسل و وضو کے لئے وہ مانع نہیں کیونکہ وہ ایک جزء لازم کی حیثیت رکھتا ہے(۲) بخلاف آٹے اور چکنے میل کے کہ وہ جزء لازم نہیں(۳) ہے فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ولا يشد سنه المتحرك بذهب بل بفضة وجوزهما محمدؒ تنوير الابصار و درمختار (۴) جلد/ ۵ الجواب صحيح حبيب المرسلين عفى عنه نائب مفتى –

حالت جنابت میں کھانا پینا جائز ہے 'بہتر یہ ہے کہ وضو یا ہاتھ منہ دھو کر کھا لیا جائے.

(سوال) حالت جنابت میں کھانا پینا درست ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۶۱۱ حکیم محمد قاسم (ضلع میانوالی) ۷ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۶ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۱۹) جنابت میں کھانا پینا درست ہے بہتر یہ ہے کہ وضو کر کے کھائے پئے اور بغیر وضو کئے صرف ہاتھ منہ دھو کر کھا پی لے تو یہ بھی ناجائز نہیں خلاف اولیٰ ہے(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) و قيل سببها الحدث فى الحكميه وهو وصف شرعى يحل فى الاعضاء يزيل بالطهارة (رد المحتار ' كتاب الطهارة ۱/ ۸۵ ط سعيد) (۲) الاصل وجوب الغسل الا انه سقط للحرج (رد المحتار ' مطلب فى ابحاث الغسل ۱/ ۱۵۲ ط سعيد) (۳) والعجين فى الظفر يمنع تمام الاغتسال (عالمگيريه' الباب الثانى فى الغسل ۱/ ۱۳ ط ماجديه كوئته) (٤) كتاب الحظر والاباحة' فصل فى اللبس ٦/ ٣٦١-٣٦٢ ط سعيد (٥) و فى الشاميه : قال فى الخلاصة اذا اراد الجنب ان ياكل فالمستحب له ان يغسل يديه و يتمضمض اه تامل وذكر فى الحليه عن ابى داؤد وغيره ' انه عليه الصلوة والسلام اذا اراد ان ياكل وهو جنب غسل كفيه وفى رواية مسلم يتوضا وضوئه للصلوة (باب الحيض ۱/ ۲۹۳-۲۹۴ ط سعيد)

دانت صاف کرنے کے برش میں اگر خنزیر کے بال ہوں تو اس کا استعمال ناجائز ہے!

(سوال) انگریزی برش جو دانتوں پر استعمال ہوتا ہے' اس میں اگر سور کے بال ہوں تو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۶۱۱ حکیم محمد قاسم (ضلع میانوالی)

(جواب ۳۲۰) اگر خنزیر کے بالوں کا برش ہو تو اس کا استعمال قطعاً ناجائز ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

وضو میں انگلیوں کا خلال کس وقت کرنا چاہئے .

(سوال) (۱) وضو میں ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال گٹوں تک ہاتھ دھونے میں کرے یعنی شروع وضو میں یا کہنیوں کے دھوتے وقت کرے ؟ سیدھی طرف سے یا الٹی طرف سے ؟

(۲) چوتھائی سر کا مسح یا تمام سر کا مسح کرتے ہیں ؟ اس کی کیا دلیل ہے ؟ المستفتی نمبر ۶۵۸ مجیدی دواخانہ بمبئی ۷ ۲ رجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۲۱) وضو میں انگلیوں کا خلال ابتدائے وضو میں ہاتھ دھوتے وقت کرنا چاہئے(۲)

(۲) حنفیہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے(۳) اور پورے سر کا مسح سنت ہے پورے سر کا مسح کرنا چاہئے تاکہ فرض اور سنت دونوں ادا ہو جائیں(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

وضو میں مسواک سنت مؤکدہ ہے .

(سوال) وضو میں مسواک سنت مؤکدہ ہے یا محض سنت ؟ المستفتی نمبر ۶۵۸ مجیدی دواخانہ بمبئی

(جواب ۳۲۲) وضو میں مسواک سنت مؤکدہ ہے(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دانت صاف کرنے کے برش میں خنزیر کے بال ہونے کا شبہ ہو تو اس کا استعمال نہیں کرنا چاہئے .

(سوال) دانت صاف کرنے کا برش خنزیر کے بالوں کا ہو تو جائز ہے یا نہیں ؟

---

(۱) خلا جلد خنزیر فلا یطهر (تنویر الابصار و شرحه الدر المختار) قال المحقق فی الشامیه (قوله فلا یطهر) ای لانه نجس العین بمعنی انه ذاته بجمیع اجزائه نجسة حیا و میتا (الطهارة مطلب فی احکام الدباغة ۱ ۲۰۴ ط سعید)

(۲) ان التخلیل انما یکون بعد التثلیث لانه سنة التثلیث (رد المحتار ۱/ ۱۱۷ ط سعید)

(۳) و مسح ربع الراس مرة (تنویر الابصار مع رد المحتار' و کان الوضو اربعة ۱/ ۹۹ ط سعید)

(۴) ومسح کل راسه مرة مستوعبة (تنویر الابصار و شرحه) قال المحقق فی الشامیه (قوله مستوعبة) هذا سنة ایضا کما جزم به فی الفتح (ارکان الوضو اربعه ۱/ ۱۲۱ ط سعید)

(۵) والمسواک سنة مؤکدة (تنویر الابصار و شرحه الدر المختار' کتاب الطهارة ۱ ۱۱۳ ط سعید)

المستفتی نمبر ۱۳۱ ۸ محمد انور (ضلع جالندھر) ۱۳ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۶ اپریل ۱۹۳۶ء
(جواب ۳۲۳) ولایتی برش جس میں خنزیر کے بال ہونے کا شبہ ہو استعمال نہیں کرنا چاہئیے(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ناک اور آنکھ سے آنے والے پانی کا حکم

(سوال) زکام کے وقت میں جو پانی ناک سے جاری ہوتا ہے ابتداءً سفید ہوتا ہے بعد میں زرد اور بدبودار ہو جاتا ہے یا آنکھوں میں درد ہونے کی صورت میں آنسو آتے ہیں یہ ناقض وضوء ہیں یا نہیں ؟
(جواب ۳۲۴) ناک سے آنے والا پانی جب تک متغیر اللون والریح نہ ہو اسی طرح آنکھ سے آنے والے آنسو جب تک پانی کی طرح صاف ہوں نواقض وضوء میں نہیں ہیں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سونے کا لگایا ہوا دانت مانع غسل نہیں.

(سوال) سونے کا دانت جیسا کہ آج کل لوگ بنواتے ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ دوسرے دونوں طرف کے دانتوں پر بھی خول چڑھ جاتا ہے غسل کی حالت میں خولوں کے اندر پانی نہیں پہنچ سکتا اور نہ یہ خول اتر سکتے ہیں ایسے دانت لگوانے شرعاً جائز ہیں یا نہیں ؟ غسل ہو جائے گا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۹۳۵ شیخ محمد ابراہیم (مانڈلے برما) ۷ ۲ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۳۶ء
(جواب ۳۲۵) ضرورت کی بناء پر یہ دانت لگوانا جائز ہے محض زینت کے لئے لگوانا مکروہ ہے(۳) غسل دونوں حالتوں میں درست ہو جائے گا کیونکہ یہ دانت لگنے کے بعد جسم کا حکم لے لیتے ہیں(۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سبیلین سے خارج ہونے والا مطلقاً ناقض وضو ہے.

(سوال) عاجز بہت ضعیف ہونے کے علاوہ اور مختلف امراض میں بھی مبتلا رہتا ہے بواسیر کا بھی خون اور کبھی کچھ اور مادہ کبھی کم کبھی زیادہ نکلتا ہے اور کپڑا ملوث ہو جاتا ہے فتاویٰ شامی جلد ۱ ص ۱۲ میں ایسے عذر

---

(۱) خلا جلد خنزیر فلا یطہر (تنویر الابصار و شرحہ الدر المختار) قال المحقق فی الشامیہ (قولہ فلا یطہر) ای لا نجس العین بمعنی ان ذاتہ بجمیع اجزائہ نجسۃ حیا و میتا (مطلب فی احکام الدباغۃ ۱ / ۲۰۴ ط سعید)
(۲) کما لا ینقض لو خرج من اذنہ و نحو ھا کعینہ و ثدیہ قیح و نحوہ کصدید (تنویر و شرحہ) قال المحقق فی الشامیہ' قال فی البحر' و فیہ نظر' بل الظاہر اذا کان الخارج قیحا او صدیدا النقض' سواء کان مع و جع او بدونہ لا نہما لا یخرجان الا عن علۃ (مطلب فی نواقض الوضو ۱ : ۱۴۹ ط سعید)
(۳) لو تحرکت سن رجل وخاف سقو طہا فشدھا بالذھب او بالفضہ لم یکن بہ باس (عالمگیریہ' الباب العاشر فی استعمال الذھب والفضہ ۵ : ۳۳۶ ط ماجدیہ کوئٹہ)
(۴) الاصل وجوب الغسل الا انہ سقط للحرج (ردالمحتار' مطلب ابحاث الغسل ۱ : ۱۵۲ ط سعید)

کی حالت میں کپڑے کے ناپاک نہ ہونے کو مفتی بہ بتایا گیا ہے مگر سبیلین سے خارج ہونے کو شرح منیۃ المصلی کے ص ۱۱۸ میں اس قاعدے سے مستثنیٰ کیا ہے کہ سبیلین کے خارج ہونے میں جو سیلان خون و پیپ ہو یا سیلان نہ ہو مجرد ظہور سے ناقض وضو قرار دیا ہے غالباً نجس ہی ہوگا میری نظر بہت ضعیف ہو گئی فتاوی پڑھا نہیں جاتا میرا خیال یہ ہوتا ہے کہ سبیلین سے بول وبراز کا اگر ظہور ہو تو یقیناً ناقض وضو اور نجس ہے اور اگر علاوہ بول وبراز کے خون یا پیپ نکلی تو موافق پہلے قاعدہ مرقومہ کے شاید نجس اور ناقض وضو نہ ہو جواب تحریر فرمائیں آپ کی تحریر مجھے اطمینان دہ ہے۔ المستفتی نمبر ۱۳۴۴ (مولوی) محمد مشتاق احمد صاحب (ضلع کرنال) ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۲ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۲۶) مخدوم مکرم حضرت مولانا دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ مکرمت نامہ نے ممنون و مشکور فرمایا حق تعالیٰ آپ کے سایہ مکرمت و فیوض کو تادیر مبسوط رکھے آمین آپ کا وجود باعث برکات و خیرات ہے سبیلین سے ہر خارج نجس و ناقض وضو ہے کم ہو یا زیادہ سائل ہو یا نہ ہو اور رطوبت دبر بہر صورت نجس ہے وكذا الدود والحصاة اذا خرج من احد هذين الموضعين لاستتباع الرطوبة وهي حدث في السبيلين وان قلت (غنية المستملي) (۱) اور کسی زخم سے خون یا پیپ کا تھوڑا تھوڑا لگتار بہنا اور کپڑے کو لگتا رہنا بے شک بقول مفتی بہ نہ ناقض وضو ہے اور نہ اس سے کپڑا ناپاک ہوتا ہے مگر یہ حکم سبیلین کا نہیں ہے ہاں بواسیر میں مخرج سے باہر مسے اور مسوں کی جڑ میں قروح ہو جاتے ہیں ان میں سے جو خون یا رطوبت نکلتی اور کپڑے پر لگتی رہتی ہے اس کا حکم دوسرے زخموں کا ہے کیونکہ اس سے نکلنے والی رطوبت خارج من السبیلین میں داخل نہیں ہے خارج من السبیلین میں وہی رطوبت داخل ہے جو مقعد کے اندر سے باہر آئے اور جو حوالی مقعد کے بیرونی مسوں یا زخموں سے نکلے' اس کا حکم مثل دیگر اجزاء جسم سے نکلنے والی رطوبت یا خون وریم کے ہوگا (۲) امید کہ دعائے خیر میں خادم کو یاد فرماتے رہیں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ

وضو یا غسل میں کوئی جگہ خشک رہ جائے تو صرف اسی جگہ کو دھولینا کافی ہے' خواہ باقی اعضا خشک ہوں یا نہ ہوں.

(سوال) وضو یا غسل میں کوئی عضو یا جگہ بھولے سے خشک رہ جائے تو اسی عضو یا جگہ کو دھوئے یا دوبارہ وضو کرے اگر اسی جگہ کا دھونا کافی ہے تو آیا یہ حکم جب تک ہے جب تک اعضا تر ہیں یا اعضاء کے خشک ہونے کے بعد بھی ہے؟ المستفتی نمبر ۱۳۴۹ محمد یونس صاحب (متھرا) ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء

---

(۱) فصل في نواقض الوضوء ص ۱۲۵ ط سهيل اكيدمي' لاهور پاكستان
(۲) ثم المراد بالخروج من السبيلين مجرد الظهور و في غيرهما عين السيلان (الدر المختار مع رد المحتار' مطلب في نواقض الوضوء ۱/۱۳۵ ط سعيد)

(جواب ۳۲۷) صرف خشک رہ جانے والے عضو کو دھولینا کافی ہے خواہ باقی اعضا کے خشک ہونے سے پہلے دھوئے یا خشک ہونے کے بعد(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دخول حشفہ سے بیوی پر بھی غسل واجب ہوگا.

(سوال) زوجہ پر جو کہ (بوجہ خامی کے) حظ مجامعت سے مبرا ہے. غسل جنابت لازم ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۱۵۷۹ محمد خاں صاحب (ملک مالوہ) ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۸ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۲۸) بقدر دخول حشفہ موقع ہو اور دخول حشفہ ہو جائے تو عورت پر بھی غسل واجب ہوگا ورنہ نہیں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جنازے کے لئے کئے ہوئے وضو سے فرائض ونوافل پڑھنا جائز ہے

(سوال) جنازہ کے لئے جو وضو کیا ہو کیا اس سے دوسرے فرض اور نفل نمازیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۲۰۳۹ ولی محمد صاحب (کاٹھیاواڑ) ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ مطابق ۷ نومبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۳۲۹) جنازہ کے لئے جو وضو کیا ہو اس سے فرض اور نفل ہر نماز پڑھی جاسکتی ہے(۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) ضرورت کی وجہ سے دانتوں پر سونے کا خول چڑھانا جائز ہے' زینت کے لئے مکروہ
(۲) دانتوں پر سونے کا چڑھا ہوا سونے کا خول مانع غسل ووضو نہیں.

(سوال) (۱) آج کل عام طور پر دانتوں پر سونے اور چاندی کے خول پہنائے جاتے ہیں جو پورے دانت کو ڈھانک لیتے ہیں اور پورا دانت خول میں پوشیدہ ہو جاتا ہے اس طرح مرد کے لئے دانتوں پر چاندی اور سونے کا استعمال درست ہے یا نہیں ؟

---

(۱) ولو ترکها ای ترك المضمضة اوالا ستنشاق اواللمعة من ای موضع کان من البدن ناسیاً فصلی ثم تذکر ذلك يتمضمض او يستنشق او يغسل اللمعة و يعيد ماصلى الخ (حلبی کبیر' فرائض الغسل ص ۵۰ ط سهيل اكيدمی' لاهور)

(۲) الا يلاج في احد السبيلين اذا توارت الحشفة يوجب الغسل على الفاعل والمفعول به انزل اولم ينزل وهذا هو المذهب لعلمائنا (عالمگیریه' الفصل الثالث في المعاني الموجبه للغسل ۱/ ۱۵ ط ماجدیه' کوئٹه)

(۳) تیمم لصلوٰة الجنازة او السجدة التلاوة اجزاه ان يصلى به المكتوبة بلا خلاف (عالمگیریه' الفصل الاول فی امور لا بد منها في التيمم ۱/ ۲۶ ط ماجدیه' کوئٹه)

(۲) یہ چاندی اور سونے کا خول غسل کے تو مانع نہیں ہوتا غسل میں کلی کرنا فرض ہے خول شدہ دانت کی حالت میں غسل کا یہ فرض (کلی کرنا) ادا ہو جاتا ہے کہ نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۳۱۵ سکریٹری صاحب محمڈن ایجوکیشنل سوسائٹی (کولہاپور اسٹیٹ) ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۴ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۳۰) دانتوں پر چاندی یا سونے کے خول بلا ضرورت چڑھانا مکروہ ہے لیکن اگر ضرورت کی وجہ سے چڑھائے جائیں تو مکروہ نہیں (۱) اور بہر صورت چڑھانے کے بعد یہ خول وضو اور غسل کے جواز پر اثر انداز نہیں ہوتے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

گردن کے مسح کے بعد انگلیوں کے خلال کا کوئی ثبوت نہیں.

(سوال) وضو میں سر اور گردن کے مسح کے بعد ہاتھ کی انگلیوں کا خلال کرنا چاہیئے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۲۸۱۲ محمد عبدالشکور فیض آباد ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

(جواب ۳۳۱) سر اور گردن کے مسح کے بعد انگلیوں کے خلال کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے اسے ترک کر دیا جائے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

جنبی کے ہاتھ پاک ہوں تو اس کا پکایا ہوا کھانا یا روٹی کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں :

(سوال) متعلقہ احکام جنابت

(جواب ۳۳۲) جس کو جنابت یعنی غسل کی حاجت ہو اس کو ناپاک کہہ سکتے ہیں مگر یہ ناپاکی ایسی نہیں ہے کہ اس کے بدن پر ناپاکی کے احکام جاری ہوں۔ یہ ناپاکی حکماً ہے یعنی نماز پڑھنے مسجد میں داخل ہونے ' قرآن مجید کی تلاوت کرنے میں تو وہ ناپاک ہے (۴) مگر کھانے پینے میں اس کے ہاتھ کی پکائی ہوئی روٹی کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

---

(۱) لو تحرکت سن رجل وخاف سقوطها فشدها بالذهب او بالفضة لم يكن به باس (عالمگیریہ : الباب العاشر في استعمال الذهب والفضه ۵/۳۳۶ ط ماجدیہ ' کوئٹہ)

(۲) الاصل وجوب الغسل الا انه سقط لحرج (رد المحتار ' مطلب في ابحاث الغسل ۱/۱۵۲ ط سعید)

(۳) ان التحليل انما يكون بعد التثليث لانه سنة التثليث (رد المحتار ' کتاب الطهارة ۱/۱۱۷ ط سعید)

(۴) و يمنع دخول مسجد - وقراءة قرآن و مسه الا بغلافه وكذا حمله ولاباس بقراءة ادعية و مسها و حملها وذكر الله تعالى و تسبيح واكل وشرب بعد مضمضه و غسل يده (تنویرالابصار وشرحہ مع رد المحتار ' باب الحيض ۱/۱۹۳ ' ۱۹۴ ط سعید)

(۵) ولا يكره طبخها ولا استعمال ما مسته من عجين او ماء و نحوهما (رد المحتار ' باب الحيض ۱/۲۹۲ ط سعید)

کمزور بوڑھے کو پانی کے استعمال سے سخت بیماری کا اندیشہ ہو تو غسل کے لئے تیمّم کر سکتا ہے

(سوال) متعلقہ تیمّم بوجہ ضعف و مرض

(جواب ۳۳۳) بوڑھا کمزور آدمی جسے خوف ہو کہ اگر غسل کرے گا تو سخت بیمار ہو جائے گا اسے جائز ہے کہ غسل کے بجائے غسل کا تیمّم کر کے اور وضو کر کے نماز پڑھ لے پھر دھوپ کے وقت غسل کر لے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حنفیہ کے نزدیک بھی تیمّم میں کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا فرض ہے

(سوال) بسم الله الرحمن الرحيم عن ابن عباس انه سئل عن التيمم فقال ان الله تعالى قال في كتابه حين ذكر الوضؤ فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق وقال في التيمم فامسحوا وجوهكم و ايديكم منه وقال والسارق و السارقة فاقطعوا ايديهما فكان السنة في القطع الكفين انما هو الوجه والكفين (۲)

مذہب حنفیہ این است کہ مرفقان داخل است در غسل و عند الشافعی داخل نیست هذا القياس في التيمم ودر قطع یدین مذہب حنفیہ این است کہ قطع تار سغین باشد۔

ازابن عباس کسے سوال کرد کہ در تیمّم کدام حکم مقرر است آیا قیاس بر وضو است یا بر قطع ایدی یعنی اگر قیاس بر وضو شود تا مرفقین مسح لازم می آید و اگر بر قطع قیاس شود تا رسغین لازم می آید۔

الحال اگر قیاس بر وضو شود بالکل موافق باشد با مذہب حنفیہ و اگر قیاس بر قطع شود چنانچہ از فکان السنة في القطع الكفين الخ معلوم میشود بظاہر از مذہب حنفیہ مخالف باشد تاہم مضر نیست زیرا کہ ایں اجتہاد حضرت ابن عباس باشد دیگر ایں است کہ مخالف از حدیث صریح است کہ درباب تیمّم ذکر شدہ ضربتین فرمودہ یک للوجہ و دیگر للذراعین دیگر این کہ تیمّم خلف وضو است۔ چنانچہ در وضو مرفقین داخل است در تیمّم نیز داخل شود۔

امام الدین ۱۹۲۸ء

(ترجمہ) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ان سے تیمّم کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں وضو کے متعلق فرمایا ہے کہ پس تم اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ اور تیمّم کے متعلق فرمایا پس تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو اور فرمایا چوری کرنے والے مرد اور

---

(۱) و يجوز التيمم اذا خاف الجنب اذا اغتسل بالماء ان يقتله البرد او يمرضه (عالمگیریہ' الفصل الاول فی امور لا بدمنها في التيمم' ۱/ ۲۸ ط ماجدیہ' کوئٹہ)

(۲) جامع الترمذي' باب ماجاء في التيمم ۱/ ۳۸ ط سعید

عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو تو قطع میں مسنون طریقہ کفین کا قطع ہے تو تیمّم میں بھی چہرہ اور کفین کا مسح ہے۔

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ دونوں کہنیاں دھونے کے حکم میں داخل ہیں اور امام شافعی کے نزدیک داخل نہیں ہیں یہی قیاس تیمّم میں بھی ہے اور قطع یدین کے باب میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ قطع کلائی تک ہے۔

ابن عباس سے کسی شخص نے پوچھا کہ تیمّم میں کون سا حکم مقرر ہے؟ آیا وضو پر قیاس کیا جائے گا یا قطع ایدی پر؟ یعنی اگر وضو پر قیاس ہو تو کہنیوں تک مسح ضروری ہوتا ہے اور قطع قیاس ہو تو صرف کلائیوں تک ہوتا ہے۔

اب اگر وضو پر قیاس کیا جائے تو مذہب حنفیہ کے موافق ہوگا اور قطع پر قیاس کیا جائے جیسا کہ **فكان السنة في القطع الكفين الخ** سے معلوم ہوتا ہے تو اگرچہ بظاہر حنفیہ کے مخالف ہے مگر مضر نہیں کیونکہ یہ حضرت ابن عباس کا اجتہاد ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث صریح کے مخالف ہے جو تیمّم کے بارے میں آئی ہے کہ دو ضربیں ہیں ایک چہرے کے لئے دوسری ذراعین کے لئے۔

پھر یہ کہ تیمّم وضو کا قائم مقام ہے تو جیسے وضو میں کہنیاں داخل ہیں تیمّم میں بھی داخل ہوں گی۔

(نوٹ) یہ امتحان کے پرچہ کا جواب ہے حاصل کردہ نمبر ۵۰ / ۴۰ واصف

(**جواب ۳۳٤**) مطلب جواب ابن عباس نہ این است کہ مجیب فہمید بلکہ ابن عباس تیمم را تا رسغین ثابت می کنند و گویند کہ اگر تا مرفقین بودے حق تعالیٰ الی المرافق ذکر نمودے چناں کہ در آیہ وضو ذکر فرمود و چناں کہ در آیہ قطع ذکر غایت نیست وازیں وجہ دراں قصر بر رسغین سنت شد ہمچنیں عدم ذکر غایت در تیمّم مستلزم قصر بر رسغین است۔

اما جواب حنفیہ پس قدرے ازاں ذکر کردید و قدرے ترک نمودید۔ محمد کفایت اللہ ۷ صفر ۱۳۲۸ھ

(ترجمہ) **ریمارك ممتحن** ۔ حضرت ابن عباسؓ کے جواب کا مطلب یہ نہیں ہے جو مجیب نے سمجھا ہے بلکہ ابن عباس تیمّم کو کلائیوں تک ثابت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تیمّم مرفقین تک ہوتا تو حق تعالیٰ الی المرافق بھی فرماتا جیسا کہ آیہ وضو میں ذکر فرمایا ہے اور جس طرح آیہ قطع میں غایت کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے کلائیوں پر قصر کرنا مسنون ہوا اسی طرح تیمّم میں عدم ذکر غایت قصر بر رسغین کو مستلزم ہے۔

لیکن حنفیہ کا جواب تم نے کچھ لکھا اور کچھ چھوڑ دیا۔ محمد کفایت اللہ ۷ صفر ۱۳۲۸ھ

دانت صاف کرنے کے لئے ایسے برش کا استعمال جس میں خنزیر کے بال ہوں حرام ہے۔ (از الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) دانتوں میں انگریزی دوائی لگانے کے لئے ان برشوں کا استعمال ہوتا ہے جن کے ڈبوں پر "برسلز" لکھا ہوتا ہے جس کے معنی "موئے خنزیر" ہیں اور تجربہ کار واقف حضرات کہتے ہیں کہ اگر یہ برش بالوں کے ہیں تو ضرور خنزیر کے بال ہیں کیونکہ وہی سخت ہوتے ہیں ان کو جلایا جائے تو بال کی طرح سکڑ جاتا ہے اور بدبو دیتا ہے۔

(جواب ۳۳۵) اگر برش کے متعلق یقین یا گمان غالب ہو کہ وہ خنزیر کے بالوں سے بنائے جاتے ہیں تو ان کا استعمال مسلمانوں کے لئے حرام ہے اور جب کہ ان پر ایسے الفاظ لکھے ہیں جنکا ترجمہ "موئے خنزیر" ہوتا ہے تو بہر صورت ان کا استعمال اسلامی غیرت وحمیت کے بھی منافی ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ایسے برشوں کو جن پر لفظ "موئے خنزیر) کے ہم معنی الفاظ لکھے ہوئے ہوں اور ایسے برش جن میں خنزیر کے بالوں کا ہونا متیقن یا مظنون ہو ہرگز استعمال نہ کریں(۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

سخت اونی یا سوتی موزے جن پر سے پانی نہ چھنے اور چمڑے کے موزوں پر مسح جائز ہے۔ (از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۸ء)

(سوال) موزہ اگر پہنے ہو رات کو یا صبح کو نماز کے وضو کی ضرورت ہو تو بوجہ سردی کے موزہ اتار نہ سکے اس پر تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ موزہ سوت یا ریشم یا اون کا ہے؟

(جواب ۳۳۶) چمڑے کے موزوں پر مسح جائز ہے(۲) اگر اونی یا سوتی موزے بھی اس قدر دبیز اور موٹے ہوں کہ ان پر سے پانی نہ چھنے تو ان پر بھی مسح کرنا جائز ہے(۳) محمد کفایت اللہ غفر لہ' دہلی

حالت جنابت میں تیل لگا کر غسل کرنے سے غسل درست ہوگا۔ (از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) جنابت کی حالت میں پاک تیل لگا کر غسل کر سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۳۷) ہاں غسل درست ہو جائے گا(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) خلا جلد خنزیر فانه لا یطهر (تنویر الابصار و شرحه) قال المحقق فی الشامیه (قوله ' فلا یطهر) ای لانه نجس العین بمعنی ان ذاته بجمیع اجزائه نجسة حیاً و میتاً (مطلب فی احکام الدباغة ۱/ ۲۰۴ ط سعید)

(۲) المسح علی الخفین جائز والا خبار فیهامستفیضة (هدایه' باب المسح علی الخفین ۱/ ۵۶ ط مکتبه شرکت علمیه' ملتان)

(۳) او جوربیه ولو من غزل او شعر الثخینین بحیث یمشی فرسخاً و یثبت علی الساق بنفسه ولا یری ما تحته' ولا یشف الا ان ینفذ إلی خف قدرالفرض (تنویر الابصار و شرحه مع رد المحتار' باب المسح علی الخفین ۱/ ۲۶۹ ط سعید)

(۴) واذا ادهن فامر الماء فلم یصل یجزی (عالمگیریه: الفصل الاول فی فرائضه ۱/ ۱۴ ط ماجدیه' کوئٹه)

مسواک سے دانتوں کو صاف کرنا مسنون ہے برش اگر پاک ہو تو اس کا استعمال مباح ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) دانت صاف کرنے کے لئے کئی قسم کے برش ملتے ہیں کیا ان سے دانتوں کا صاف کرنا جائز ہے ؟

(جواب ۳۳۸) دانتوں کو مسواک سے صاف کرنا مسنون ہے(۱) برش اگر پاک ہو تو اس کا استعمال اگرچہ طریقہ مسنونہ کے موافق نہیں تاہم مباح ہوگا(۲) مگر سنا ہے کہ دانت مانجھنے کے برش خنزیر کے بالوں سے بنائے جاتے ہیں اگر یہ صحیح ہو یا اس کا شبہ بھی ہو تو ایسے برش کا استعمال قطعاً ناجائز ہے(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تمباکو نوشی اور نسوار رکھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا.

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۳۵ء)

(سوال) تمباکو نوشی اور نسوار کشی سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۳۹) تمباکو نوشی اور نسوار کشی سے وضو نہیں ٹوٹتا(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بواسیر میں مبتلا شخص جس کے کپڑے ہمیشہ ناپاک رہتے ہوں کیسے نماز پڑھے ؟

(سوال) ایک شخص مرض بواسیر میں مبتلا ہے ہر وقت مسے باہر نکلے رہتے ہیں گھڑی گھڑی انگلی سے دبا کر اندر کرتا رہتا ہے اور نیز فوطہ پر پھوڑا نکلا تھا جو ٹوٹ گیا ہے ایک سوراخ نیچے ہوا ہے اور دوسرا اوپر ہے دونوں ہر وقت جاری رہتے ہیں اور جب ہوا کھلتی ہے تو نیچے والے سوراخ سے بھی نکلتی ہے لونگی بدل کر نماز پڑھتا ہے جب بھی نجاست سے کچھ نہ کچھ کپڑے آلودہ ہو جاتے ہیں اور مریض کے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں جو ہر وقت کپڑے دھو سکے ایسی صورت میں مریض نماز کس طرح ادا کرے ؟

المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور ضلع فیض آباد

(جواب ۳۴۰) مریض کے پاس اگر کوئی آدمی نہیں ہے تو وہ جہاں تک خود صفائی اور پاکی پر قادر ہو وہاں تک کرے اس کے بعد خدا تعالیٰ کے عفو و کرم پر نظر رکھے(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) والسواك سنة مؤكدة (تنوير الابصار و شرحه ۱/۱۱۳ ط سعيد)

(۲) و عند فقده او فقد اسنانه تقوم الخرقة او الخشبة او الا صبع مقامه (الدر المختار مع رد المحتار' مطلب في منافع السواك ۱/۱۱۵ ط سعيد)

(۳) خلا جلد خنزير فانه لا يطهر (تنوير الابصار و شرحه) قال المحقق في الشاميه (قوله فلا يطهر) اى لانه نجس العين بمعنى ان ذاته بجميع اجزائه نجسة حيا و ميتا (مطلب في احكام الدباغة ۱/۲۰٤ ط سعيد)

(٤) والمعاني الناقضة للوضوء كل ما خرج من السبيلين والدم والقيح والصديد ..... والقئ اذا كان ملء الفم والنوم الخ (مختصر القدوري' كتاب الطهارة ص ٦ ط سعيد)(٥) فاذا فاتت القدرة سقط التكليف فهذا جملة ما يتعلق من المسائل بآية الوضوء (التفسير الكبير' المائدة : ٦ ۱۱/۱٦٤ ط دار الكتب العلمية تهران)

بدن سے نجاست زائل کئے بغیر نماز نہ ہو گی.

(سوال) ایک شخص وجع مفاصل کی بیماری میں مبتلا ہے اور اس کو پانی نقصان کرتا ہے اگر اس کو احتلام ہو جائے تو وہ بلا دھوئے نجاست حقیقیہ کے تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور

(جواب ۳٤۱) نجاست لگی رہے تو نماز نہیں ہو گی نجاست زائل کرنا ضروری ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل پنجم۔ حد بلوغ

لڑکی حیض آنے یا پندرہ سال کی ہونے سے بالغہ ہو جاتی ہے

(سوال) لڑکی کس عمر میں بالغ ہوتی ہے ؟

(جواب ۳٤۲) جب لڑکی کو حیض آنے لگے یا پندرہ سال کی پوری ہو جائے بالغہ ہو جاتی ہے (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱۔ ۴۔ ۷) لڑکی حیض آنے یا احتلام یا پندرہ سال کی ہونے سے بالغہ ہو جاتی ہے.
(۲) موئے زیر ناف کا ظاہر ہونا علامت بلوغ نہیں
(۳) حیض آنے کے بعد بھی لڑکی باکرہ کہلائے گی
(۵) لڑکے کی علامات بلوغ
(۶) مراہق و مراہقہ کی پہچان

(سوال) (۱) لڑکی کے شرعی بالغہ ہونے کا قطعی معیار اور یقینی پہچان کیا ہے ؟ (۲) کیا صرف موئے زیر ناف کا ظاہر ہونا لڑکی کے شرعی بالغہ ہونے کا کافی ثبوت ہے ؟ (۳) اگر حیض کا آنا بالغہ ہونے کی دلیل ہو تو شبہ یہ ہے کہ بعض لڑکیوں کو محض آٹھ نو برس کے سن میں جب کہ نہ موئے زیر ناف کا پتہ ہوتا ہے نہ کسی اور علامت کا مگر حیض کا آنا شروع ہو جاتا ہے پھر کیا ایسی لڑکیوں کو ہم بالغہ کہیں گے ؟ (۴) یہ ظاہر ہے کہ بالغہ لڑکیوں کو اپنے نکاح میں اختیار ہے اور ان کی رضامندی کے بغیر نکاح درست نہیں ہوتا تو معاملہ نکاح میں لڑکی کے بالغہ یا نابالغہ ہونے کی پہچان کیا ہے ؟ (۵) خون حیض آنے کے بعد لڑکی باکرہ

---

(۱) تطهير النجاسة واجب من بدن المصلي....... و يجوز تطهير ها بالماء وبكل مائع طاهر (هدايه' باب انجاس و تطهير ها ۱ /۷۱ ط مكتبه شركت علميه' ملتان)

(۲) بلوغ الجارية بالا حتلام والحيض والحبل فان لم يوجد منهما فحتي يتم بكل منهما خمس عشرة سنة به يفتي (تنوير الابصار مع رد المحتار' فصل بلوغ الغلام بالا حتلام ۶/۱۵۳' ط سعيد)

کہلائے گی یا نہیں ؟(۶) مراہق اور مراہقہ کی پہچان کیا ہے ؟(۷) معاملات میں شہادت بالغ ہونا شرط ہے تو اس وقت علامت بلوغ کون سی چیز قرار پائے گی ؟(۸) لڑکوں کے بالغ ہونے کی کیا کیا علامتیں ہیں ؟ المستفتی نمبر ۹۳۰ محمد حسین ضلع پٹنہ ۲۶ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۸ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۴۳) (۱) حیض احتلام حمل علامات بلوغ ہیں یا پندرہ سال کی عمر پوری ہو جانا(۱)(۲) نہیں (۲)(۳) اگر نو سال کی عمر والی لڑکی کو باقاعدہ حیض آنے لگے تو وہ بالغہ قرار دی جائے گی(۳)(۴) باقاعدہ حیض یا پندرہ سال کی عمر پوری ہونا(۴)(احتلام یا حمل حیض کے بعد ہی واقع ہوتے ہیں)(۵) ہاں باکرہ کہلائے گی یعنی حیض آنے سے بکارت زائل نہیں ہوتی(۵)(۶) قریب البلوغ کو مراہق کہتے ہیں لڑکیوں میں اس کی پہچان چھاتیوں کا ابھار وغیرہ ہے(۶)(۷) وہی علامتیں جو اوپر مذکور ہوئیں (۸) احتلام یا انزال یا پندرہ سال کی عمر پوری ہو جانا(۷) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

تیسرا باب
برتنوں اور کپڑوں کی پاکی

معذورین کے کپڑے کب تک پاک شمار ہوں گے

(سوال) درمختار صفحہ ۲۱۳ پر ایک مسئلہ معذورین کے بیان میں آیا ہے جس کی عبارت یہ ہے (و حکمه الوضؤ) لا غسل ثوبه و نحوه الخ اس میں شبہ یہ باقی رہا کہ غسل ثوب کا بالتفصیل کوئی عرصہ نہیں بتایا کہ کب تک نہ دھویا جائے اور ثوب معذورین کب تک پاک ہی کے حکم میں رہے گا۔ المستفتی نمبر ۴۳۳ وصی الحسن (گنجپورہ ضلع کرنال) ۱۹ رمضان ۱۳۵۳ھ ۲۴ دسمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۴۴) آپ نے درمختار کی عبارت وحکمه الوضو لا غسل ثوبه کے متعلق دریافت

---

(۱) حوالہ بالا ، صفحہ گزشتہ ،

(۲) مفادہ انه لا اعتبار لنبات العانة (رد المحتار' فصل في بلوغ الغلام' ۶ / ۱۵۳ ' ۱۵۴ ط سعید)

(۳) بلوغ الجارية بالاحتلام والحيض والحبل ... وادنى مدته ... لها تسع سنين (تنوير الابصار مع رد المحتار' فصل في بلوغ الغلام ۶ / ۱۵۳ ' ۱۵۴ ط سعید)

(۴) حوالہ بالا

(۵) واذا زالت بكارتها بوثبة او حيضة ... فهي في حكم الابكار (هداية' باب الاولياء والاكفاء ۲ / ۳۱۵ ط مكتبه شركت علميه' ملتان)

(۶) واما نهود الثدى فلا يحكم به البلوغ في ظاهر الرواية (رد المحتار' فصل في بلوغ الغلام ۶ / ۱۵۳ ط سعید)

(۷) بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والجارية بالاحتلام والحيض والحبل' فان لم يوجد منهما فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة (تنوير الابصار مع رد المحتار' فصل بلوغ الغلام بالاحتلام ۶ / ۱۵۳ ' ۱۵۴ ط سعید)

فرمایا ہے کہ کپڑا کب تک نہ دھویا جائے اس میں تین قول ہیں اول یہ کہ اگر دھونے کے بعد دوبارہ نجس ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو دھونا واجب ہے اور اگر دوبارہ نجس ہونے کا اندیشہ ہو تو دھونا واجب نہیں دوسرا قول یہ ہے کہ اگر دھو کر ادائے نماز کا موقعہ مل سکتا ہے یعنی دوبارہ ناپاک ہونے سے پہلے نماز ادا کر سکتا ہے تو دھونا واجب ہے ورنہ نہیں تیسرا قول یہ ہے کہ دھونے کے بعد نماز کے وقت کے اندر ناپاک ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو تو دھونا واجب ہے اور نماز کے وقت کے اندر دوبارہ ناپاک ہو جائے تو دھونا واجب نہیں درمختار نے قول ثانی کو مختار للفتویٰ کہا ہے اس کی تصریح وحکمہ الوضو کے پانچ سطر کے بعد وان سال علی ثوبه میں موجود ہے(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘ دہلی

خریدا ہوا کوٹ یا واسکٹ کا پلید ہونا یقینی نہ ہو تو دھونا واجب نہیں

(سوال) جو کوٹ یا واسکٹ مستعمل شدہ نیلام میں خریدے جاتے ہیں جن کے اصلی استعمال کرنے والے کا کچھ پتہ نہیں ‘اس کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۴۵) ان کو دھو کر پہننا بہتر ہے اگرچہ جب تک نجاست کا یقین نہ ہو جائے دھونا واجب نہیں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘

مٹی کے برتن میں کتا منہ ڈالے تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا.

(سوال) پانی سے بھرے ہوئے مٹی کے مٹکے میں کتے نے منہ ڈال دیا تو پانی کے ساتھ اگر برتن بھی ناپاک ہو گیا تو اس کی پاکی کی کیا شکل ہو گی؟ المستفتی نمبر ۱۵۹۱ جلال الدین صاحب (ضلع حصار) ۳ جمادی الاول ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۴۶) مٹی کے پانی سے بھرے ہوئے مٹکے میں کتا منہ ڈال دے تو اس کا پانی بھی ناپاک ہو جائے گا اور مٹکا بھی ناپاک ہو جائے گا پانی پھینک دیا جائے اور مٹکا تین مرتبہ دھولیا جائے ہر مرتبہ دھو کر

---

(۱) وان سال علی ثوبه فوق الدرهم جاز له ان لا يغسله ان كان لوغسله تنجس قبل الفراغ منها اى الصلوٰة والا يتنجس قبل فراغه فلا يجوز ترك غسله هو المختار للفتوىٰ وكذا مريض لا يبسط ثوباً الا تنجس فوراً له تركه (تنوير الابصار و شرحه) قال المحقق فی الشامیه (قوله وهو المختار للفتوىٰ) و قيل لا يجب غسله اصلاً و قيل ان كان مقيدا بان لا يصيبه مرة اخرىٰ يجب‘ وان كان يصيبه المرة بعد الاخرىٰ فلا ......لكن فيها من الزاهدى ايضاً عن قاضى صدر : انه لو يبقى طاهرا الى ان تفرغ من الصلوٰة‘ ولايبقى الى ان يخرج الوقت مقتديا يصلى بدون غسله خلافاً للشافعى لان الرخصة مقدرة عنه بخروج الوقت (مطلب فى احكام المعذور ۱/ ۳۰۶‘ ۳۰۷‘ ط سعيد)

(۲) وفى التتارخانيه‘ من شك فى انائه او ثوبه او بدنه اصابته النجاسة اولا فهو طاهر مالم يستيقن...... وكذا ما تتخذه اهل الشرك او الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والا طعمة والثياب (رد المحتار‘ قبيل مطلب فى ابحاث الغسل ۱/ ۱۵۱‘ ط سعيد)

اتنی دیر چھوڑ دیا جائے کہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے(۱)

کفار کو حرام گوشت پکانے کے لئے مسلمان اپنی دیگیں دے سکتے ہیں، جھٹکے کے واسطے بکری ان کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے

(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) جھٹکہ اور خنزیر کھانے والے مشرکوں کو جھٹکہ پکانے کے لئے مسلمان اپنی دیگیں برتن وغیرہ دے دیں تو جائز ہے یا نہیں؟ اور ان کے ہاتھ جھٹکے کے واسطے بکرا فروخت کرنا کیسا ہے؟ جس برتن میں جھٹکہ پکایا جائے وہ پاک کس طرح کیا جائے؟

(جواب ۳٤۷) کفار کو مسلمان اپنے تانبے پیتل لوہے کے برتن عاریۃً یا کرایہ پر دے سکتے ہیں اور اگر مشرکین و کفار ان برتنوں میں جھٹکہ یا میتہ یا خنزیر کا گوشت پکائیں تو یہ برتن دھونے سے پاک ہو جائیں گے(۲) البتہ مٹی کے برتن نہیں دینے چاہئیں کہ ان میں یہ چیزیں پکنے کے بعد (اگرچہ شرعاً وہ بھی پاک کئے جا سکتے ہیں) مسلمان کی طبعیت میں نفرت پیدا ہو جائے گی اور ان کا استعمال کرنے پر قلب مطمئن نہ ہو سکے گا اسی طرح مسلمان کسی مشرک و کافر کے ہاتھ جانور فروخت کر سکتا ہے بیع میں کوئی گناہ نہیں جھٹکہ کرنا اس کا فعل ہے اس فعل کا گناہ اس مسلمان بائع کے ذمہ نہیں ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کافر کے دھلے ہوئے کپڑوں کے ناپاک نہ ہونے کا غالب گمان ہو تو ان میں نماز جائز ہے

(از اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۹ء)

(سوال) کمبل پر اور کفار کے ہاتھ کے دھلے ہوئے کپڑے پہن کر نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳٤۸) کفار کے دھوئے ہوئے کپڑے جب تک کہ ان کے ناپاک ہونے کا ظن غالب نہ ہو پاک قرار دیئے جائیں گے اور ان میں نماز جائز ہوگی(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) وقدر بتثلیث جفاف ای انقطاع تقاطر فی غیرہ ای غیر منعصر مما یتشرب النجاسۃ (تنویر الابصار و شرحہ الدر المختار مع رد المحتار باب الانجاس ۱/ ۳۳۲ ط سعید)

(۲) فاما اذا علم فانہ لا یجوز ان یشرب ویاکل منھا قبل الغسل (عالمگیریہ الباب الرابع عشر فی اھل الذمۃ و الاحکام التی تعود الیھم ۵/ ۳٤۷ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۳) و جاز بیع عصیر عنب ممن یعلم انہ یتخذہ خمرا لان المعصیۃ لا تقوم بعینہ بل بعد تغیرہ (تنویر الابصار و شرحہ) قال المحقق فی الشامیہ (قولہ لا تقوم المعصیہ بعینہ) یؤخذ منہ ان المراد بما تقوم المعصیۃ بعینہ ما یحدث لہ بعد البیع وصف آخر یکون فیہ قیام المعصیۃ (رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع ٦/ ۳۹۱ ط سعید)

(٤) وفی التتارخانیہ من شک فی انائہ او ثوبہ او بدنہ اصابتہ النجاسۃ او لا فھو طاھر مالم یستیقن وکذا ما یتخذہ اھل الشرک والجھلۃ من المسلمین کالسمن والخبز والاطعمۃ والثیاب (رد المحتار قبیل مطلب ابحاث الغسل ۱/ ۱۵۱ ط سعید)

تانبے، پیتل اور لوہے کے برتن جائز تقاریب کے لئے
غیر مسلموں کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔
(از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۳۶ء)
(سوال) یہاں سنی مسلمانوں کی ایک جماعت ہے جس میں کھانا پکانے کا دیگچہ وغیرہ برتن اور کئی قسم کا دیگر اسباب ہے وہ مسلمانوں کو کرایہ پر دیا جاتا ہے یہ سامان ہندوؤں اور احمدی یا قادیانی جیسے لوگوں کو کرایہ پر دینا اور اس کی اجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
(جواب ۳۴۹) تانبے پیتل لوہے وغیرہ ایسی دھات کے برتن جس میں جذب کی صلاحیت نہیں ہے مسلموں غیر مسلموں کو کرایہ پر دینے سے ان برتنوں کے ناپاک ہو جانے کا شبہ نہیں ہو سکتا اگر جائز تقاریب میں کرایہ پر برتن دے دیئے جائیں تو مضائقہ نہیں ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جنبی کا دھویا ہوا کپڑا پاک ہے
(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۳۷ء)
(سوال) حالت جنابت میں کپڑا جو ناپاک ہو گیا اس کو غسل جنابت کے بعد پاک کرنا چاہئے یا غسل جنابت سے پہلے؟ اور حالت جنابت میں کپڑا دھونے سے پاک ہو جائے گا یا نہیں؟
(جواب ۳۵۰) حالت جنابت میں ناپاک کپڑے کو دھو کر پاک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جنابت کی حالت میں ناپاک کپڑا دھونے اور پاک کرنے سے کپڑا پاک نہیں ہوتا غلط ہے(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے۔
(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء)
(سوال) کیا دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑے سے نماز جائز ہے؟
(جواب ۳۵۱) دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑوں سے نماز جائز ہے(۳) محمد کفایت اللہ غفرلہ'

---

(۱) وجاز اجارة بيت - ليتخذ بيت نار اوكنيسة او بيعة (تنوير الابصار و شرحه مع رد المحتار' كتاب الحظر والا باحة ، فصل في البيع ۱/ ۳۹۲ ط سعيد)
(۲) ولا يكره طبخها واستعمال ما مسته من عجين او ماء او نحو هما (رد المحتار' باب الحيض ۱/ ۲۹۲ ط سعيد)
(۳) وكذا (اى طاهر مالم يستيقن نجاسة) ما يتخذه اهل الشرك و الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والا طعمة والثياب (ردالمحتار' قبيل مطلب ابحاث الغسل ۱/ ۱۵۱ ط سعيد)

چوتھاباب
صابون

ولایتی صابون جس میں خنزیر کی چربی پڑتی ہے، کے استعمال کا حکم

(سوال) آج کل ولایتی صابون عموماً استعمال کیا جاتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں خنزیر کی چربی پڑتی ہے اس وجہ سے اس کے استعمال میں تردد پیدا ہو گیا ہے شرعی حکم سے مطلع فرما کر ممنون فرمایا جائے واجر کم علی اللہ

(جواب ۳۵۲) اول تو یہ امر محقق نہیں کہ صابون میں خنزیر کی چربی پڑتی ہے اگرچہ نصاریٰ کے نزدیک خنزیر کا استعمال جائز ہے اور انہیں اس سے کوئی پرہیز واجتناب نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ ضروری نہیں کہ صابون میں اس کی چربی ضرور ڈالی جاتی ہو ظاہر ہے کہ یورپین کارخانے تجارت کی غرض سے صابون بناتے ہیں اور ایسے ذرائع مہیا کرتے ہیں جن سے ان کی مصنوعہ اشیاء کی تجارت میں ترقی ہو۔

آپ نے اکثر یورپین چیزوں کے اشتہاروں میں یہ الفاظ ملاحظہ فرمائے ہوں گے کہ "اس چیز میں بنانے کے وقت ہاتھ نہیں لگایا گیا اس چیز میں کسی مذہب کے خلاف کوئی چیز نہیں ڈالی گئی اس چیز کو ہر مذہب کے لوگ استعمال کر سکتے ہیں" وغیرہ وغیرہ ان باتوں سے ان کا مقصود کیا ہوتا ہے؟ صرف یہی کہ اہل عالم کی رغبتیں اس چیز کی طرف مائل ہوں اور ان کے مذہبی جذبات اور قومی خیالات ان اشیاء کے استعمال میں مزاحم نہ ہوں اور ان کی تجارت ہر قوم میں عام ہو جائے اور یہی ہر تجارت کرنے والے کے لئے پہلا مہتم بالشان اصول ہے کہ وہ اپنی تجارت کو پھیلانے کے لئے ان لوگوں کے مذہبی جذبات اور قومی خیالات کا لحاظ کرے جن میں اس کی تجارت فروغ پذیر ہو سکتی ہے اور اس کے مال کی کھپت ہے اہل یورپ جو ہندوستان اور اکثر اطراف عالم میں اپنا مال پھیلانا چاہتے ہیں اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ مسلمان ہر حصہ عالم میں بکثرت موجود ہیں اور یہ کہ مسلمان خنزیر اور اس کے اجزا کے استعمال کو حرام مطلق سمجھتے ہیں پس موافق اصول تجارت ان کا اولین فرض یہ ہے کہ اشیاء تجارتی میں جن کی اشاعت و ترویج ان کا مطمح نظر ہے ایسی چیزیں نہ ڈالیں جن کی خبر ہو جانے پر مسلمان ان چیزوں کے استعمال کو حرام سمجھیں اور ان کی تجارت کو ایک بڑا صدمہ پہنچے میرا یہ مطلب نہیں کہ یورپین اشیاء میں ایسی چیزوں کا استعمال جو مسلمانوں کے نزدیک حرام ہیں غیر ممکن ہے بلکہ غرض صرف یہ ہے کہ یقینی طور پر معلوم نہ ہونے کی صورت میں گمان غالب یہ ہے کہ اصول تجارت کے موافق وہ ایسی چیزیں نہ ڈالتے ہوں گے پس صرف اس بنا پر کہ یہ چیزیں یورپ سے آتی ہیں اور اہل یورپ کے نزدیک خنزیر حلال ہے یہ خیال قائم کر لینا کہ ان میں ضروری طور پر خنزیر کی چربی پڑتی ہوگی یا پڑنے کا گمان غالب ہے صحیح نہیں ہندو جن کے ہاتھ میں ہندوستان کی اکثری تجارت کی باگ ہے بہت سی ناپاک چیزوں کو پاک اور پوتر

سمجھتے ہیں گائے کا گوبر اور پیشاب ان کے نزدیک نہ صرف پاک بلکہ متبرک بھی ہے باوجود اس کے ان کے ہاتھ کی بنی مٹھائیاں اور بہت سی خوردنی چیزیں عام طور پر مسلمان استعمال کرتے ہیں اور استعمال کرنا شرعاً جائز بھی ہے یہ کیوں 'صرف اس لئے کہ چونکہ ہندو دوکاندار جانتے ہیں کہ ہمارے خرید ہندو و مسلمان اور دیگر اقوام کے لوگ ہیں اور ہندوؤں کے علاوہ دوسرے لوگ گائے کے گوبر اور پیشاب کو ناپاک سمجھتے ہیں اس لئے وہ تجارتی اشیاء کو ایسی چیزوں سے علیحدہ اور صاف رکھتے ہیں تاکہ خریداروں کو ان سے خریدنے میں تامل نہ ہو اور خریداروں کے مذہبی جذبات ان کی تجارتی اغراض کی مزاحمت نہ کریں۔

یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے جس پر بہت سے جزئیات کا حکم متفرع ہوتا ہے اور نہ صرف صابون بلکہ یورپ کی تمام مصنوعات کی طہارت و نجاست اسی قاعدے کے نیچے داخل ہے والایتی کپڑے اور بالخصوص رنگین کپڑے جو مسلمان عموماً استعمال کرتے ہیں 'کسے خبر ہے کہ ان رنگوں میں کیا کیا چیز یں ملائی جاتی ہیں اور کن پاک یا ناپاک اشیاء کی آمیزش ہوتی ہے لیکن قاعدہ مذکورہ کی بنا پر ان چیزوں کا حکم بھی یہی ہے کہ جب تک یقینی طور پر یا گمان غالب یہ ثابت نہ ہو کہ کوئی ناپاک چیز ملائی جاتی ہے ناپاکی کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔

طہارت و نجاست کے باب میں کتب فقہیہ میں بہت سی ایسی نظیریں موجود ہیں جن میں محض گمان اور شک کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا ماہرین کتب فقہ پر یہ امر واضح ہے(۱)

ثانیاً۔ اگر اس امر کا ثبوت اور کوئی دلیل بھی موجود ہو کہ صابون میں خنزیر کی چربی پڑتی ہے تاہم صابون کا استعمال جائز ہے کیونکہ صابن میں جو ناپاک تیل یا چربی پڑتی ہے وہ صابون بن جانے کے بعد پاک ہو جاتی ہے روایات ملاحظہ ہوں۔

ویطھر زیت تنجس بجعله صابوناً به یفتی للبلوی کتنور رش بماء نجس لا باس بالخبز فیه (درمختار) (۲) یعنی روغن زیتون ناپاک ہو جائے تو صابون بنا لینے سے پاک ہو جاتا ہے اسی پر عموم بلوی کی وجہ سے فتویٰ دیا جاتا ہے جیسے تنور میں ناپاک پانی چھڑک دیا جائے تو اس میں روٹی پکانے کا مضائقہ نہیں۔ **جعل الدھن النجس فی صابون یفتی بطھارته لانه تغیر والتغیر یطھر عند محمد و یفتی به للبلوی اھ (مجتبی کذافی رد المحتار)** (۳) یعنی ناپاک تیل صابون میں ڈال دیا جائے تو پاک ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی حقیقت پلٹ جاتی ہے اور حقیقت کا پلٹ جانا امام محمدؒ کے نزدیک پاک کر دیتا ہے اور عموم بلوی کی وجہ سے اسی پر فتویٰ ہے۔

---

(۱) وفي التتارخانية' من شك' في انائه و ثوبه او بدنه اصابته النجاسة اولا فهو طاهرمالم يستيقن وكذا ما يتخذه اهل الشرك والجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والا طعمة والثياب(ردالمحتار' قبيل مطلب ابحاث الغسل ۱/ ۱۵۱ ط سعيد) وفي الاشباه : اليقين لا يزول بالشك(الفصل الاول القاعدة الثالثه ص ۵۷ ط بيروت)
(۲) باب الانجاس ۱/ ۳۱۵' ط سعيد
(۳) باب الانجاس ۱/ ۳۱٦ ط سعيد

قدذکر هذه المسئلة العلامة قاسم فی فتاواه وكذا ما سیاتی متنا و شرحا من مسائل التطهیر بانقلاب العین وذکر الادلة علی ذلك بما لامزید علیه و حقق و دقق کما هو دابه رحمه الله فلیر اجع ثم هذه المسئلة قدفرعوها علی قول محمد بالطهارة بانقلاب العین الذی علیه الفتوی واختاره اکثر المشائخ خلافا لا بی یوسف کما فی شرح المنیة والفتح وغیر هما (رد المحتار) (۱) یعنی اس مسئلہ کو علامہ قاسمؒ نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح وہ مسائل جو متن و شرح میں آگے آتے ہیں جن میں انقلاب عین پر پاکی کا حکم دیا گیا ہے اور علامہ قاسمؒ نے اس کے دلائل نہایت تحقیق و تدقیق سے بیان فرمائے جیسا کہ ان کا طریقہ ہے خدا تعالیٰ ان پر باران رحمت نازل فرمائے پھر سمجھنا چاہیئے کہ یہ مسئلہ فقہا نے امام محمدؒ کے قول پر متفرع کیا ہے کہ ان کے نزدیک انقلاب عین سے پاکی حاصل ہو جاتی ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے اور اسی کو اکثر مشائخ نے اختیار کیا ہے امام ابو یوسفؒ کا اس میں خلاف ہے جیسا کہ شرح منیہ اور فتح القدیر (۲) میں مذکور ہے المرتب علیها اه (رد المحتار) یعنی فتح القدیر میں ہے کہ بہت سے مشائخ نے اس کو اختیار کیا ہے اور یہی مذہب مختار ہے کیونکہ شریعت نے وصف نجاست اس حقیقت پر مرتب کیا تھا اور حقیقت بعض اجزاء کے منتفی ہو جانے سے منتفی ہو جاتی ہے تو بالکل پلٹ جانے سے کیوں منتفی نہ ہو کیونکہ نمک گوشت اور ہڈی سے مغائر ہے پس ہڈی اور گوشت جب کہ نمک بن جائیں تو ان کو نمک ہی قرار دیا جائے گا اور اس کی نظیر شریعت میں یہ ہے کہ نطفہ ناپاک ہے پھر وہ علقہ یعنی خون بستہ بن جاتا ہے وہ بھی ناپاک ہے پھر مضغہ یعنی گوشت بن کر پاک ہو جاتا ہے اور شیرہ انگور پاک ہے پھر شراب بن کر ناپاک ہو جاتا ہے پھر سرکہ بن کر پاک ہو جاتا ہے اس سے ہم نے جان لیا کہ حقیقت کا پلٹ جانا اس وصف کے زوال کو مستلزم ہے جو اس حقیقت پر مرتب تھا یجوز اکل ذلك الملح (ردالمحتار) (۳) الحمار والخنزیر اذا وقع فی المملحة فصار ملحا او بئر البالوعة اذا صار طینا یطهر عندهما خلافا لا بی یوسف کذافی محیط السرخسی (فتاوی عالمگیری) (۴) اس نمک کا کھانا جائز ہے اھ۔ گدھا یا خنزیر کان نمک میں گر کر نمک بن جائیں یا نجاست کا کنواں بالکل کیچڑ ہو جائے تو پاک ہو جاتا ہے یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا مذہب ہے اور امام ابو یوسفؒ کا خلاف ہے اھ۔ ولو احرقت العذرة او الروث فصار کل منهما رمادا او مات الحمار فی المملحة وكذا ان وقع فیها بعد موته وكذا الكلب والخنزیر لو وقع فیها فصار ملحا طهر عند محمد واكثر المشائخ اختار واقول محمد و علیه الفتوی لان الشرع رتب وصف النجاسة علی تلك الحقیقة و قد زالت بالكلیة فان الملح غیر

---

(۱) حوالا بالا (صفحہ گزشتہ)
(۲) باب الانجاس و تطهیرها ۱ / ۲۰۱ ط مصر
(۳) باب الانجاس ۱ / ۳۱۷ ط سعید
(۴) الباب السابع الفصل الاول فی تطهیر الانجاس ۱ / ۴۵ ط ماجدیه کوئٹه

العظم واللحم فاذا صارت الحقيقة ملحاً ترتب حكم الملح حتى لواكل الملح جاز و نظيره النطفة نجسة و تصير علقة وهي نجسة و تصير مضغة فتطهر وكذا الخمر تصير خلا و على قول محمد فرعو اطهارة صابون صنع من دهن نجس و عليه يتفرع ما لو وقع انسان او كلب في قدر الصابون فصار صابوناً يكون طاهراً لتبدل الحقيقة انتهى مختصرا (غنية (۱) المستملي شرح منية المصلي) (ترجمہ) اگر پاخانہ یا گوبر جلا کر راکھ کر دیا جائے یا گدھا کان نمک میں گر کر مر جائے یا مر کر گر جائے اسی طرح کتا یا خنزیر گر جائے اور نمک بن جائے تو امام محمد کے نزدیک پاک ہو جاتا ہے اور اکثر مشائخ نے امام محمدؒ کے قول کو اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ شریعت نے نجاست کا حکم اس حقیقت پر لگایا تھا جو بالکلیہ زائل ہو گئی کیونکہ نمک اور چیز ہے ہڈی گوشت اور چیز ہے پس جب کہ حقیقت نمک بن گئی تو نمک کا حکم اس پر لگ گیا یہاں تک کہ اس کا کھانا بھی جائز ہو گیا اور اس کی نظیر نطفہ ہے کہ وہ ناپاک ہے پھر خون بستہ بن جاتا ہے وہ بھی ناپاک ہے پھر گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے اور پاک ہو جاتا ہے اسی طرح شراب کہ نجس ہے سرکہ بن کر پاک ہو جاتی ہے اور امام محمدؒ کے اس قول پر اس صابون کی طہارت بھی متفرع ہے جو ناپاک تیل سے بنایا جائے اور اسی قول پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ انسان یا کتا صابون کی دیگ میں گر کر صابون بن جائے تو پاک ہو جائے گا کیونکہ حقیقت بدل گئی ان روایات منقولہ سے امور ذیل بصراحت ثابت ہوگئے۔

(۱) انقلاب حقیقت سے طہارت و نجاست کا حکم بدل جاتا ہے۔

(۲) یہ حکم طہارت بانقلاب حقیقت امام محمد کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور اکثر مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۳) صابون میں روغن نجس یا چربی کی حقیقت بدل جاتی ہے اور انقلاب عین حاصل ہو جاتا ہے (در مختار اور مجتبیٰ کی مذکورہ بالا عبارتیں دیکھو)

پس اب سوال کا جواب واضح ہو گیا کہ صابون خواہ کسی چیز کی چربی یا روغن نجس سے بنایا جائے صابون بن جانے کے بعد وہ پاک ہو جاتا ہے اور اس کا استعمال جائز ہے کیونکہ انقلاب حقیقت کی وجہ سے وہ چربی چربی اور روغن روغن نہ رہا بلکہ صابون ہو کر پاک ہو گیا جیسے مشک اصل میں خون ناپاک ہوتا ہے لیکن مشک بن جانے کے بعد وہ پاک اور جائز الاستعمال ہو جاتا ہے پس ولایتی صابون کے استعمال کے لئے اس تحقیقات کی کچھ ضرورت نہیں کہ اس کے اجزاء کیا ہیں؟ وہ پاک ہیں یا ناپاک؟ کیونکہ حقیقت صابونیہ اس کی طہارت کی کفیل ہے جیسے کہ حقیقت مسکیہ اس کی طہارت کی ضامن ہے۔

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ روایات مذکورہ سابقہ سے روغن نجس کے صابون کا پاک ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن ممکن ہے کہ یہ حکم روغن کے ساتھ خاص ہو کیونکہ اصل اس کی پاک ہے ناپاکی باہر سے اسے

---

(۱) فصل في الآسار ص ۱۸۸-۱۸۹ ط سہیل اکیڈمی لاہور پاکستان

عارض ہوتی ہے پس اس سے خنزیر کی چربی کے صابون کا حکم نکالنا صحیح نہیں ہے کیونکہ خنزیر اور اس کے اجزاء نجس العین ہیں تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ انقلاب عین سے پاک ہو جانا نجس العین اور غیر نجس العین دونوں میں یکساں طور پر جاری ہوتا ہے خون بھی نجس العین ہے مشک بن جانے سے پاک ہو جاتا ہے خود خنزیر کا انقلاب حقیقت کے بعد پاک ہو جانا بھی روایات ذیل سے ثابت ہے :-

ولاملح كان حماراً او خنزيراً ولا قذر وقع في بئر فصار حماة لانقلاب العين به يفتي (درمختار)(۱) یعنی وہ نمک پاک نہیں جو دراصل گدھا یا خنزیر تھا اور وہ پلیدی بھی جو کنویں میں گر کر کیچڑ بن جائے ناپاک نہیں کیونکہ انقلاب حقیقت ہو گیا اسی پر فتویٰ ہے قوله لا نقلاب العين علة للكل وهذا قول محمدؒ و ذكر معه فيّ الذخيرة والمحيط ابا حنيفةؒ (حليه)(۲) یعنی مصنف کا قول کہ انقلاب عین موجب طہارت ہے' یہ گدھے اور خنزیر کے نمک اور پلیدی کے کیچڑ بن جانے کے بعد پاک ہو جانے کی دلیل ہے اور یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور ذخیرہ اور محیط میں امام ابو حنیفہؒ کو بھی امام محمدؒ کے ساتھ ذکر کیا ہے قال في الفتح (۳) وكثير من المشائخ اختاروه وهو المختار لان الشرع رتب وصف النجاسة علىٰ تلك الحقيقة و تنتفي الحقيقة بانتفاء بعض اجزاء مفهومها فكيف بالكل فان الملح غير العظم واللحم فاذا صار ملحا ترتب حكم الملح و نظيره في الشرع النطفة نجسة و تصير علقةً وهي نجسة و تصير مضغةً فتطهر والعصير طاهر فيصير خمراً فينجس و يصير خلاً فيطهر فعرفنا ان استحالة العين تستتبع زوال الوصف -

ان نصوص فقہیہ سے امور ذیل ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) گدھا' خنزیر' کتا' انسان انقلاب حقیقت کے حکم میں سب برابر ہیں کچھ تفاوت نہیں۔

(۲) یہ کان نمک میں گر کر مریں یا مرے ہوئے گریں' دونوں حالتوں میں یکساں حکم ہے یعنی میتہ جو بنص قرآنی حرام اور نجس ہے وہ بھی اسی حکم میں شامل ہے۔

(۳) انسان جس کے اجزاء سے بوجہ کرامت انتفاع حرام ہے اور خنزیر و میتہ جن سے بوجہ نجاست انتفاع حرام ہے انقلاب حقیقت کے بعد ان پر انسان اور خنزیر و میتہ کا حکم باقی نہیں رہتا بلکہ بعد انقلاب حقیقت پاک اور جائز الانتفاع ہو جاتے ہیں جب کہ انقلاب' حقیقت طاہرہ کی طرف ہو۔

(۴) کان نمک میں گرنے اور صابون کی دیگ میں گرنے کا حکم یکساں ہے کہ یہ دونوں صورتیں موجب انقلاب حقیقت ہیں جیسا کہ کبیری شرح منیہ کی عبارت میں صراحتہً مذکور ہے۔

ان امور کے ثبوت کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ خنزیر یا میتہ یا کتے کی چربی سے بنے ہوئے صابون

---

(۱) باب الانجاس ۱/ ۳۲۶ ط سعید

(۲) رد المحتار' باب الانجاس ۱/ ۳۲۷ ط سعید

(۳) باب الأنجاس و تطهيرها ۱/ ۲۰۰ ' ۲۰۱ ط مصر

کے جواز استعمال میں تردد کیا جائے۔

اور یہ شبہ کچھ وقعت نہیں رکھتا کہ خنزیر بنص قرآنی حرام اور نجس ہے پس صابون بن جانے کے بعد اس کی طہارت کا حکم کرنا نص قرآنی کا معارضہ ہے جواب اس کا یہ ہے کہ یہ معارضہ نہیں نص قرآنی نے خنزیر بایئتہ کو نجس بتایا ہے لیکن نمک یا صابون بن جانے کے بعد وہ خنزیر بایئتہ ہی کہاں رہے دیکھو شراب بنص قرآنی حرام اور نجس ہے اور سرکہ بن جانے کے بعد باتفاق وہ پاک اور حلال ہو جاتی ہے پس جس طرح کہ شراب منصوص النجاستہ پر سرکہ بن جانے کے بعد طہارت وحلت کا حکم کرنا نص قرآنی کا معارضہ نہیں اسی طرح خنزیر کے صابون بن جانے کے بعد اس کی طہارت کا حکم نص قرآنی کا معارضہ نہیں۔

اصل یہ ہے کہ شریعت نے جس حقیقت پر نجاست کا حکم لگایا تھا وہ حقیقت ہی نہیں رہی اور بعد انقلاب جو حقیقت متحقق ہوئی وہ شریعت کے نزدیک پاک ہے' پس یہ حکم طہارت بھی حکم شرعی ہے نہ غیر۔

تنبیہ اول۔ یہ بات ضروری طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگرچہ خنزیر یومیتہ وغیرہ کی چربی سے بنے ہوئے صابون کا استعمال جائز ہے لیکن کسی مسلمان کو یہ حلال نہیں کہ وہ خنزیر وغیرہ کی چربی سے صابون بنائے کیونکہ قصداً ان چیزوں کو صابون بنانے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں اور یہ بات ہے کہ غیر مسلموں کے بنانے اور صابون بن جانے کے بعد استعمال جائز ہو جائے۔

تنبیہ دوم۔ انقلاب حقیقت سے حکم بدل جانے کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں اتنی بات تو یقیناً ثابت ہے اور فقہا کی تصریحات بھی اس کے متعلق آپ ملاحظہ فرما چکے کہ جب انقلاب حقیقت ہو جائے تو حکم بدل جاتا ہے لیکن یہ بات ابھی تک قابل تحقیق ہے کہ انقلاب حقیقت سے مراد کیا ہے تو واضح ہو کہ انقلاب حقیقت سے مراد یہ ہے کہ وہ شے فی نفسہ اپنی حقیقت چھوڑ کر کسی دوسری حقیقت میں متبدل ہو جائے جیسے شراب سرکہ ہو جائے یا خون مشک بن جائے یا نطفہ گوشت کا لوتھڑا وغیرہ وغیرہ کہ ان صورتوں میں شراب نے فی نفسہ اپنی حقیقت خمریہ اور خون نے اپنی حقیقت دمویہ اور نطفہ نے اپنی حقیقت منویہ چھوڑ دی اور دوسری حقیقتوں میں متبدل ہو گئے حقیقت بدل جانے کا حکم اسی وقت دیا جا سکتا ہے کہ حقیقت اولیٰ منقلبہ کے آثار مختصہ اس میں باقی نہ رہیں جیسا کہ امثلہ مذکورہ میں پایا جاتا ہے کہ سرکہ بن جانے کے بعد شراب کے آثار مختصہ بالکل زائل ہو جاتے ہیں۔

بعض آثار کا زائل ہو جانا یا وجہ قلت آثار کا محسوس نہ ہونا موجب انقلاب نہیں جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر آٹے میں کچھ شراب ملا کر گوندھ لیا جائے اور روٹی پکالی جائے تو وہ روٹی ناپاک

ہے(۱) یا گھڑے سے دو گھڑے پانی میں تولہ دو تولہ شراب یا پیشاب ملا دیا جائے تو وہ پانی ناپاک ہے(۲) حالانکہ روٹی یا پانی میں اس قلیل المقدار شراب کا کوئی اثر محسوس نہ ہوگا لیکن چونکہ شراب نے ان صورتوں میں فی نفسہ اپنی حقیقت نہیں چھوڑی ہے اس لئے ناپاکی کا حکم باقی ہے اور محسوس نہ ہونا بوجہ قلت اجزا کے ہے چونکہ شراب کے اجزا کم تھے اور آٹے کے اجزا زیادہ اس لئے وہ روٹی میں محسوس نہیں پس یہ اختلاط ہے نہ کہ انقلاب۔

اسی طرح حقیقت منقلبہ کی بعض کیفیات غیر مختصہ کا باقی رہنا مانع انقلاب نہیں جیسے شراب کے سرکہ بن جانے کے بعد بھی اس کی رقت باقی رہتی ہے یا صابون میں قدرے دسومت روغن نجس کی باقی رہتی ہے کیونکہ رقت حقیقت خمریہ کے ساتھ اور دسومت حقیقت دہنیہ کے ساتھ مختص نہیں ہے پس انقلاب عین کی وجہ سے تبدل احکام کا حکم کرتے وقت بہت غور و احتیاط سے کام لینا ضروری ہے کیونکہ بسا اوقات انقلاب و اختلاط میں اشتباہ پیش آجاتا ہے اور انقلاب کو اختلاط یا اختلاط کو انقلاب سمجھ لیا جاتا ہے۔ واللہ الموفق

تنبیہ سوم۔ اس انقلاب و اختلاط کے اشتباہ کا ہمارے اس مسئلہ صابون پر کوئی اثر نہیں ہے کیونکہ ہم نے تصریحات فقہاء سے یہ بات ثابت کردی ہے کہ کسی چیز کا صابون بن جانا انقلاب حقیقت ہے نہ کہ اختلاط۔ اس لئے اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں واللہ اعلم و علمہ اتم کتبہ الراجی رحمة ربہ محمد کفایة اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ الامینیة الواقعة بدھلی ۲۵ شعبان ۱۳۳۴ھ

ہذا التحقیق صحیح عزیزالرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ الجواب صواب محمد انور عفا اللہ عنہ' دار العلوم دیوبند

پانچواں باب
متفرقات

مستعمل جاری پانی سے وضو کا حکم۔

(سوال) (۱) ٹین کی سوفٹ کی نالی ہے جس پر بیٹھے ہوئے بہت سے لوگ اپنے اپنے لوٹوں سے وضو

---

(۱) قلت: لکن قد یقال . ان الدبس لیس فیہ انقلاب حقیقة لا نہ عصیر جمد بطبخ وکذا بسمسم اذا درس واختلط دھنہ باجزاءہ ففیہ تغیر وصف فقط کلبن صار جبنا و بر صار صحینا و طحین صار خبزا بخلاف نحو خمر صار خلا (رد المحتار باب الانجاس ۱ / ۳۱٦ ط سعید)
(۲) اذا وردت النجاسة علی الماء تنجس الماء اجماعاً (الدر المختار مع ردالمحتار ' باب الانجاس ۱ / ۳۲٦ ط سعید)

کر رہے ہیں اب اسکا پانی بہتا ہوا نالی کے باہر جاتا ہے اگر کوئی شخص نالی کے اخیر میں بیٹھ کر وضو کرنے لگے اس خیال سے کہ یہ ماء جاری ہے تو کیا اس شخص کے لئے یہ فعل جائز ہوگا کہ نہیں ؟
(۲) اگر اس پانی کے علاوہ دوسرا پانی بھی نہ ہو تو دوسرے لوگ کیا کریں ؟ آیا وضو اور تیمم دونوں کریں یا صرف وضو اور تیمم ؟ المستفتی نمبر ۱۲۱۴ کریم اللہ خاں صاحب (ضلع بلاس پور) ۷ ارجب ۱۳۵۵ھ م ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵۳) اگر اس نالی میں صرف وہی پانی بہہ کر جاتا ہے جو لوگوں کے استعمال سے گرتا ہے تو وہ سارا پانی غیر مطہر ہے اس سے وضو جائز نہیں لیکن اگر پانی میں وضو کے استعمالی پانی کے علاوہ اور پانی بھی آتا ہو اور وہ غیر مستعمل پانی مقدار میں مستعمل سے زیادہ ہو تو وہ پاک اور پاک کرنے والا ہے اس سے وضو جائز ہوگا(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیلوں کے پیشاب سے غلہ کو پاک کرنے کے لئے غلہ کی کوئی مقدار نکال دینا.

(سوال) زمیندار جو دانہ و غلہ نکالنے کے وقت تھوڑے سے دانے دانوں کے انبار میں سے اللہ واسطے نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیل جو پیشاب پاخانہ غلہ کو روندتے وقت کرتے ہیں ان کو یہ نکالے ہوئے کم و بیش دانے پاک کر دیتے ہیں جیسے کہ زکوۃ' تحریر فرمائیں کہ نکالنے چاہئیں یا نہیں ؟ اگر نکالنے چاہئیں تو نکالنے کا کیا اندازہ ہو ؟

(جواب ۳۵٤) جو غلہ زمیندار اس نیت سے نکالتے ہیں کہ روندتے وقت بیلوں نے جو پیشاب پاخانہ کر دیا تھا اس کی طہارت ہو جائے تو زمینداروں کا یہ فعل درست اور ٹھیک ہے اس ترکیب سے سارا غلہ پاک ہو جاتا ہے جو سائل کو دیا ہے اور جو باقی بچا ہے اور غلہ کی اتنی مقدار نکالنا چاہئیے جتنا کہ اندازاً بیلوں کے پیشاب پاخانے سے خراب ہوا تھا ولو بالت الحمر علی الحنطة حال الدوس فذهب بعض الحنطة فالباقي طاهر و كذا الذاهب ايضاً (كبيرى(۲) مجتبائى ص ۲۰۳) كما لو بال حمر على نحو حنطة تدوسها فقسم او غسل بعضه او ذهب بهبة او اكل او بيع حيث يطهر و كذا الذاهب لا حتمال وقوع النجس في كل طرف (درمختار مختصراً)(۳)

---

(۱) او مماثلا کمستعمل فبالا جزاء فان المطلق اكثر من النصف جاز التطهر بالكل والا لا وهذا يعم الملقى الملاقي ففي الفساقي يجوز التوضؤ مالم يعلم تساوي المستعملين على ما حققه في البحر والنهر (الدر المختار مع رد المحتار' باب المياه ۱۸۲/۱ ط سعيد)
(۲) فروع مشتى' ص ۲۰۵ ط سهيل اكيدمى لاهور
(۳) باب الانجاس ۳۲۸/۱ ط سعيد

راستوں کی کیچڑ اور پانی میں آثار نجاست نہ ہو تو پاک ہیں

(سوال) راستوں کی کیچڑ اور ناپاک پانی معاف ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۵۵) راستوں کی کیچڑ پر مواضع ضرورت میں پاکی کا حکم کیا جائے گا بشر طیکہ اس میں آثار نجاست ظاہر نہ ہوں(۱)

جنبی شخص کے لئے بہتر یہ ہے کہ وضو یا ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھائے .

(سوال) رمضان شریف میں سحری کے وقت کسی آدمی کو احتلام ہوا اور اسے یقین ہے کہ غسل کرنے کے بعد کھانے کا وقت باقی رہے گا مگر اس نے کاہلی کی وجہ سے غسل نہیں کیا اور کھانا کھالیا تو اس کا روزہ ہو گا ؟ یا نہیں اور حالت جنابت میں کھانا کھانے سے گناہ گار ہو گا یا نہیں اور حالت جنابت میں کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو کس طرح کھائے وضو کر کے یا ہاتھ دھو کے کھائے ؟

(جواب ۳۵٦) حالت جنابت میں بغیر منہ دھوئے ہوئے یا وضو کئے ہوئے کھانا پینا خواہ رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں خلاف اولیٰ ہے بشر طیکہ ہاتھوں پر کسی قسم کی نجاست نہ لگی ہو سحری کھاتے ہوئے تو مناسب یہ ہے کہ غسل کر ڈالے یا وضو کر لے یا کم از کم ہاتھ دھو ڈالے(۲) واللہ اعلم

(۱) مشرکوں میں نجاست اعتقادی ہے اور ان کا جھوٹا پاک ہے .
(۲) بلی کا جھوٹا مکروہ ہے .

(سوال) اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں رسول خدا ﷺ کے آخر عہد میں مشرک کو نجس العین فرمایا ہے لہذا ان کا جھوٹا کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ اور رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے نزول کے بعد کسی مشرک کے ساتھ کھانا کھایا ہے یا نہیں ؟
(۲) بلی کا جھوٹا کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۳۴ نذیر احمد۔ ضلع بلیا۔ ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۵۷) قرآن شریف میں مشرکوں کو نجس فرمایا ہے اس سے اعتقادی نجاست مراد ہے ورنہ انسان کا جسم ناپاک نہیں ہے(۳) قرآن مجید میں نصاریٰ کو مشرک قرار دیا ہے باوجود اس کے طعام الذین

---

(۱) وفي الفيض طين الشوارع عفو وإن ملاء الثوب للضرورة- والعفو مقيد بما اذا لم يظهر فيه اثرالنجاسة (ردالمحتار' مطلب في العفو عن الشوارع ۱/۳۲٤ ط سعيد) (۲) وفي الشاميه : قال في الخلاصة اذا اراد الجنب ان ياكل فالمستحب له ان يغسل يديه و يتمضمض (تامل وذكر في الحليه عن ابى داؤد وغيره انه عليه الصلوة والسلام اذا اراد ان ياكل وهو جنب غسل كفيه وفي رواية مسلم' متوضا وضوئه' للصلوة (باب الحيض ۲۹۳-۲۹٤ ط سعيد) (۳) فسور آدمي مطلقا ولو جنبا او كافرا-طاهر (تنوير الابصار و شرحه) قال المحقق في الشاميه (قوله كافرا) لانه عليه السلام انزل بعض المشركين في المسجد على ما في الصحيحين' فالمراد بقوله تعالى' انما المشركون نجس" النجاسة في اعتقادهم (مطلب في السؤر ۱/۲۲۲ ط سعيد)

او تو الکتاب حل لکم (۱) کا حکم بھی موجود ہے۔
(۲) بلی کا جھوٹا مکروہ ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ مدرسہ امینیہ دہلی

کفار کے مستعمل کنوؤں یا دیگر اشیاء میں جب تک نجاست یقینی نہ ہو پاک ہیں.

(سوال) آپ نے عنایت نامے میں ہر چند شرح و بسط کے ساتھ مسئلہ مستفسرہ پر روشنی ڈالی ہے لیکن افسوس کہ ایک اہم ٹکڑا نظر انداز ہو گیا جس کی وجہ سے مسئلے کا جواب نامکمل رہ گیا۔

میں نے عرض کیا تھا کہ علاوہ نجاست بدنی کے غیر مسلم (اہل ہنود) اشیائے خوردنی کے تیار کرنے میں ایسے اجزا استعمال کرتے ہیں جو شرعی نقطہ خیال سے پاکیزہ نہیں ہو سکتے الجواب "لازمی طور پر نہیں بلکہ امکانی طور پر کبھی کر گزرتے ہوں گے"

مثلاً ایک کنویں میں چوہا گر کر مر گیا شریعت کی رو سے اس کنویں کا پانی پاک نہیں رہا اور ظاہر ہے کہ جب یہ پاک نہیں رہا تو کھانے پینے کے کام میں کیسے لایا جا سکتا ہے اس کی نجاست حکمی ہی سہی عینی نہ سہی۔ الجواب "حکمی نہیں بلکہ حقیقی ہے"

اس پانی کو پاک تو نہیں جا سکتا۔ الجواب "پینا کھانا وضو کرنا سب ناجائز"

شریعت نے اسے پاک کرنے کا طریقہ تجویز کر دیا لیکن اس میں بالتحقیق یہ معلوم ہے کہ غیر مسلم اس کنویں کو اس طریقہ سے پاک نہیں کریں گے زیادہ سے زیادہ اس جانور کو نکال کر باہر پھینک دیں گے الجواب "بیشک وہ خود پاک کرنے کی فکر نہ کریں گے لیکن اس کنویں سے مسلمان بھی پانی بھرتے ہیں تو مسلمان اس کو پاک کر لیں گے اور ہندو مزاحم نہ ہوں گے"

کلمہ شریف پڑھنا نہ سہی۔ الجواب "یہ تو پاکی کا طریقہ شرعیہ نہیں"

پانی نکالنا تو ضروری ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرتے سوال یہ ہے کہ جن چیزوں میں یہ پانی پڑا ہوا ان کا کھانا کیسا ہے الجواب "اگر مسلمانوں کو اس کا علم ہو جائے تو اس کا کھانا ناجائز ہے"

نجاست بدنی کے لئے تو کہہ دیا کہ خود دیکھ لیجئے کہ اس کے ہاتھوں کی نجاست تو یہیں تک ہے لیکن ایسے پانی کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں کہ ایسے کنویں کا یا برتن کا ہے جو شرعی طور پر پاک نہیں ہے۔ الجواب "جب تک کسی پانی کا ناپاک ہونا معلوم اور متیقن نہ ہو جائے اس وقت تک وہ پاک ہے" جیسے نل کا پانی اور تمام ان کنوؤں کا پانی جو غیر مسلم بستیوں میں ہوں اور وہاں مسلمان پہنچیں اور خود کنویں سے نکالیں۔

---

(۱) المائدۃ : ۵

(۲) وسؤر هرة- طاهر للضرورة مكروه تنزيها في الاصح (تنوير الابصار و شرحه' مطلب في السؤر ۱ ۲۲۳-۲۲۴ ط سعید)

اس میں قیاس وظن کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہ چیز ہمارے تحقیقی علم میں ہے کہ یہ لوگ پانی کو اس طرح سے پاک نہیں کرتے اس طرح کتے کا جھوٹا ہمارے یہاں ناپاک ہے لیکن وہ اس سے استعمال سے کراہت بھی نہیں کرتے یہی چیزیں وہ ان اشیا کے تیار کرنے میں استعمال کرتے ہیں تو یہ چیزیں مسلمانوں کے نزدیک کس طرح کھانے کے قابل ہو سکیں گی اس میں ظن اور قیاس کو دخل نہیں بلکہ مشاہدہ اس کا شاہد ہے۔ کم از کم ایک مسلمان جب پانی یا دودھ یا گھی استعمال کرے گا تو وہ خود کتنا ہی غلیظ کیوں نہ ہو لیکن ایسی چیزیں ہرگز استعمال نہیں کرے گا جو شرعی معیار کے مطابق ناپاک ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ "نجاست بدنی کو پانی سے صاف کرلیں تو کافر و مسلم دونوں پاک ہو جائیں گے" بالکل درست اور بجا لیکن نجاست کو صاف کرنے کے لئے پانی بھی تو پاک ہونا چاہئے نہ یہ کہ ظاہری نجاست کو تو پانی سے دھو دیا لیکن جو نجاست پانی کے اندر خود موجود تھی وہ سارے بدن پر چپک کر رہ گئی اتنا فرق ضرور ہے کہ پہلی نجاست سامنے نظر آتی تھی یہ دوسری نظر نہیں آتی میں یہ نہیں کہتا کہ ایک غیر مسلم محض اس لئے نجس ہے کہ وہ غیر مسلم ہے بلکہ یہ کہ غیر مسلم ان چیزوں کو بلا تکلف استعمال کرتا ہے جو مسلمانوں کے نزدیک نجس ہیں جن میں سے بعض تو دیکھی جا سکتی ہیں لیکن اکثر دیکھی نہیں جا سکتیں ان کا استعمال محض اس لئے تو جائز ہو نہیں سکتا کہ وہ نظر نہیں آتیں جب کہ ہمارا تمدنی تجربہ اور عملی مشاہدہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ان چیزوں کے استعمال سے دریغ نہیں کرتے جو مسلمان کے نزدیک نجس ہیں الجواب "بیشک دریغ نہیں کرتے لیکن یہ لازم نہیں کہ روزانہ ان کا استعمال یہی ہے"

المستفتی نمبر ۸۸۲ چودھری غلام احمد خاں (شملہ) ۲۷ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵۸) اگرچہ آپ کے سوالات میری گزشتہ تحریروں پر عرض کرنے سے حل ہو جاتے ہیں تاہم مزید وضاحت کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔

کنویں میں گر کر چوہا مر جائے یا مرا ہوا چوہا گر جائے تو یہ پانی اسلامی احکام کی رو سے ناپاک ہو گیا اور جب کسی مسلمان کو علم یا ظن غالب ہو جائے کہ کسی ہندو (بلکہ مسلمان) نے اس پانی سے کوئی چیز بنائی ہے تو اسکا اس کو استعمال کرنا جائز نہیں مگر یہ ناپاکی ایک ناپاک چیز کے ذریعہ سے پانی میں آئی ہے اس میں کفر و اسلام کا تفاوت نہیں ہے یہ صحیح ہے کہ ہندو اسے ناپاک نہیں سمجھتا اور اس لئے وہ اس کنویں کے پانی کو بے تامل استعمال کرے گا لیکن ایسے واقعات کہ کنویں میں چوہا گر کر مر جائے کثیر الوقوع اور نیز مسلموں کے کنویں کے لئے لازم نہیں ہیں اس قسم کے معاملات میں ظن غالب پر عمل کیا جاتا ہے اور کیا جا سکتا ہے۔(۱)

---

(۱) وفی التتارخانیۃ من شک فی انائہ او ثوبہ او بدنہ اصابتہ نجاسۃ اولا فہو طاہر مالم یستیقن وکذا ما یتخذہ اہل الشرک والجہلۃ من المسلمین کالسمن والخبز والاطعمۃ والثیاب (رد [illegible] قبیل مطلب ابحاث الغسل ۱ / ۱۵۱ ط سعید)

اس کے علاوہ اگر غیر مسلم کے ہاتھ کی بنائی ہوئی مٹھائی وغیرہ کے استعمال سے اس بنا پر پرہیز کیا جائے کہ وہ اس قسم کی ناپاکیوں سے احتراز نہیں کرتے گو ایسے واقعات شاذو نادر ہی وجود میں آتے ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ اصل مسئلہ پر اس سے کوئی زد نہیں پڑتی اور یہ کہ اسلام نے غیر مسلم کے جسم کو (جب کہ اس پر کوئی حقیقی نجاست نہ ہو) پاک قرار دیا ہے اور جب کہ ہم کسی ہندو کو اپنے سامنے بلا کر اپنے پاک پانی سے اس کے ہاتھ دھلوا کر اپنے سامنے اس پانی سے آٹا گوندھوا کر یا قند کا قوام بنوا کر اس کے ہاتھ سے روٹی پکوائیں یا مٹھائی بنوائیں تو وہ مٹھائی یا روٹی پاک ہے محض غیر مسلم کے ہاتھ سے تیار ہونے کی بنا پر وہ ناپاک نہیں[1] میری سابقہ تحریرات کا مطلب اسی قدر تھا۔

جب کہ مسئلہ کی یہ نوعیت صاف ہوگئی کہ انسانی جسم پاک ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر تو اب صورت مسئلہ آپ کی اس تحریر کے بموجب یہ ہوئی کہ جسم انسانی بحیثیت جسم انسانی ہونے کے پاک ہے مگر چونکہ غیر مسلم بہت سی ایسی چیزوں کو استعمال کرتے ہیں جو اسلامی احکام کی رو سے ناپاک ہیں اور وہ انہیں ناپاک نہیں سمجھتے بلکہ پاک اور مقدس خیال کرتے ہیں (مثلاً گائے کا پیشاب) تو ان حالات میں مسلمانوں کو ان کی بنائی ہوئی چیزوں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بعض مرتبہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ ہندو مسلمانوں کے ہاتھوں کو ناپاک سمجھ کر ان کے ہاتھ کی تر چیزوں کے استعمال سے اجتناب کرتے ہیں اور اپنی چیزوں میں مسلمانوں کا ہاتھ نہیں لگنے دیتے اور لگ جائے تو اسے پھینک دیتے ہیں اور مسلمانوں کو کوئی چیز دیتے ہیں تو نہایت ذلت آمیز طریقے سے اوپر سے ان کے ہاتھوں میں ڈال دیتے ہیں ان کے اس سلوک کو دیکھتے ہوئے اسلامی غیرت کس طرح اجازت دے سکتی ہے کہ ان کے ہاتھ کی مٹھائی یا پوریاں کچوریاں مسلمان استعمال کریں۔

میں اسکے متعلق یہ عرض کرتا ہوں کہ جہاں تک ہندوؤں کے عقیدے اور اس سلوک کا تعلق ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمان بھی قومی غیرت اور خودداری پر عمل کریں اور جو ہندو ان کے ہاتھ کو ناپاک قرار دیتے ہیں اور ان کے ہاتھ کی چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں وہ بھی بہ تقاضائے غیرت و خودداری ان سے پرہیز کریں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ جزاء سیئة سیئة مثلها کے ماتحت گرفت نہیں مگر یہ یاد رہے کہ اگر مسلمانوں کے نزدیک ہندوؤں کا یہ فعل غلط اور خلاف عقل اور ذلیل ہے تو وہ خود اپنے اس فعل کو فی حد ذاتہ صحیح اور موافق عقل و شریعت قرار نہ دیں۔ بلکہ یہی کہیں کہ انسانوں کے درمیان اس قسم کا طرز عمل جاری کرنا غلط اور خلاف عقل اور مبتذل تو ضرور ہے مگر ہم صرف مجازاۃ کرتے ہیں نہ یہ کہ یہ طرز عمل ہمارے نزدیک مستحسن ہے۔

---

(۱) فسؤر الادمی مطلقاً ولو جبا اوکافراً – طاھر (تنویر الابصار و شرحه مع رد المحتار' مطلب فی السؤر ۱/۲۲۲ ط سعید) ولو ادخل الکفار اوالصبیان ایدیهم لا یتنجس اذا لم یکن علی ایدیهم نجاسة حقیقة (حلبی کبیر' فی احکام الحیاض ص ۱۰۳ ط سهیل اکیڈمی' لاهور)

اب رہی یہ بات کہ ہندوؤں کا ناپاکیوں سے احتراز نہ کرنا اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ جب کہ کسی قوم یا جماعت کے متعلق یہ یقین یا ظن غالب ہو کہ وہ ناپاکی کا استعمال ضرور کرتی ہے تو اس سے احتراز لازم و فرض ہے مگر محض کسی قوم کا یہ عقیدہ کہ چوہا گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا یا کتے کا جھوٹا پاک ہے اس سے احتراز کرنے کو لازم نہیں کرتا مثلاً مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ ہیں جو منی کو ناپاک قرار نہیں دیتے (۱) ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کو پاک سمجھتے ہیں (۲) تو محض اس وجہ سے ہم ان کے ہاتھ کے کھانے سے پرہیز کرنے لگیں کہ ممکن ہے جو پانی انہوں نے استعمال کیا ہے اس میں بکری کا پیشاب پڑ گیا ہو اور انہوں نے اسے پاک قرار دے کر وہی پانی استعمال کر لیا ہو اسلئے ہم استعمال نہیں کر سکتے یہ حکم عام طور سے صحیح اور قابل عمل نہیں کوئی شخص بنابر زہد و تقویٰ اپنے نفس کے لئے یہ طرز عمل اختیار کرے تو مضائقہ نہیں مگر حنفی مسلمان عام طور پر اس کے پابند کر دیئے جائیں کہ شوافع و مالکیہ کے کھانے وغیرہ سے اس بنا پر احتراز کرو کہ ان کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے' یہ درست نہیں۔

بہر حال دیکھنا یہ ہے کہ غیر مسلم اگرچہ اس کنویں کے پانی کو استعمال کر لیں گے جس میں چوپایا شراب گر جائے مگر کیا روزمرہ کے واقعات میں یہ چیز کثیر الوقوع ہے؟ کیا ان کے پانی میں جسے وہ روزانہ استعمال کرتے ہیں' غالب گمان یہی ہے کہ ضرور وہ چوہا گرے ہوئے کنویں کا پانی ہوگا تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کا التزام آپ بھی نہ کر سکیں گے۔ اور اگر التزام کر لیں تو میرا جواب یہ ہوگا کہ ہاں اگر روزانہ استعمال کے پانی میں نجس شے کی آمیزش کا گمان غالب ہے تو بیشک احتراز لازم ہے مگر میں اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتا کہ ایسا گمان غالب ہے بالخصوص ایسی حالتوں میں کہ اب اکثری طور پر شہروں میں نلوں کا پانی استعمال کیا جاتا ہے اور نلوں کے پانی کا خزانہ یعنی وہ حوض جن میں سے نل میں پانی آتا ہے اکثری طور پر غیر مسلموں کی نگرانی میں ہوتے ہیں اور ان میں چوہے گھونس بلی کتے گر کر مر جانے کا اور نکال پھینکنے کا احتمال موجود ہے اور اس بنا پر نلوں کے پانی کے استعمال میں بھی عدم جواز کا پہلو ہے جس سے احتراز عموماً آج کل تقریباً ناممکن ہے۔

اس اصول کے موافق سلف صالحین میں بہت سے نظائر موجود ہیں بخاری (۳) میں حضرت عمر کا یہ اثر کہ "انہوں نے ایک سفر میں ایک نصرانیہ کے گھر سے پانی لیکر وضو کیا" اسی سلسلے میں لایا گیا ہے کہ غیر مسلم کے گھر کا پانی وضو کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے' جب کہ خاص اس پانی کے ناپاک ہونے

---

(۱) قال الشافعي : المني طاهر الخ (هداية' باب الانجاس و تطهيرها' ۱/۷۳ ط مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) وبول ماكول اللحم نجس نجاسة خفيفه وطهره محمد (تنوير الابصار و شرحه مع رد المحتار' قبيل مطلب في التداوي بالمحرم ۱/۲۱۰ ط سعيد)

(۳) وتوضأ عمر بالحميم ومن بيت نصرانية (صحيح البخاري' باب وضوء الرجل مع امراته و فضل وضوء المراة ۱/۲۳ ط قديمي كتب خانه' كراچي)

کا ظن غالب نہ ہوا گرچہ یہ بات قطعی تھی کہ نصرانی خنزیر اور شراب عام طور پر استعمال کرتے تھے مگر یہ عام استعمال اس خاص پانی کے ناپاک قرار دینے کے لئے کافی نہ تھا امید ہے کہ اس گزارش کے بعد کوئی شبہ باقی نہ رہے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تولیہ یا رومال سے پاؤں یا جوتا جھاڑنے کے بعد چہرہ پونچھا یا اس پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

(سوال) ایک صاحب کی عادت ہے کہ پیدل سفر کر کے کسی مقام پر پہنچ کر تولیہ یا رومال جو ان کے پاس موجود ہو جوتے اور پیر پر مار کر جھٹک کر گرد صاف کر دیتے ہیں اور پھر اسی پر نماز پڑھتے اور وضو کرکے ہاتھ اور منہ پونچھ لیتے ہیں اگر اعتراض کیا جاتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ خشک چیز ہے جو شرعاً پاک ہے اور جائز ہے دوسروں کا خیال ہے کہ وہ پاک سہی مگر مکروہ ضرور ہے۔ المستفتی نمبر ۱۵۷۹ محمد خاں صاحب (ملک مالوہ) ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۸ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۵۹) تولیہ یا رومال سے جوتی اور پاؤں جھاڑنے کے بعد منہ پونچھنا یا اس پر نماز پڑھنا جائز ہے اور جب کہ رومال یا تولیہ پر غبار کا اثر نہ رہے تو کوئی کراہت بھی نہیں(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مقعد میں تھرمامیٹر لگانے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔

(سوال) یہاں پر ایک اسپتال ہے جس میں مخصوص طور پر تپ دق اور سل کا علاج ہوتا ہے اس اسپتال میں بخار کے درجہ کو ناپنے کے لئے تھرمامیٹر بجائے منہ یا بغل میں رکھنے کے مقعد میں رکھا جاتا ہے وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ منہ یا جسم کے کسی اور جگہ کی گرمی قابل اعتبار نہیں ہے بخار کا درجہ روزانہ اس طور سے کم سے کم چار دفعہ صبح' دوپہر' شام اور رات کو ناپا جاتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی حالت میں مریض نماز کس طرح ادا کرے اور قرآن شریف کو کس طرح چھوئے کیونکہ مریض دن میں چار چھ دفعہ کیسے نہائے امید کہ جواب سے سرفراز فرمائیے گا۔

المستفتی نمبر ۲۴۳۵ محمد یونس صاحب۔ مدن پال۔ ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ م ۹ جنوری ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۶۰) مقعد میں تھرمامیٹر لگانے سے غسل واجب نہیں ہوتا(۲) پس مریض اس عمل کے بعد صرف وضو یا تیمم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے اور قرآن مجید کو چھو سکتا ہے(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) وفي التتارخانية' من شك في انائه او ثوبه او بدنه اصابته نجاسة او لا فهو طاهر مالم يستيقن (رد المحتار' قبيل مطلب في ابحاث الغسل ۱/۱۵۱ ط سعيد)

(۲) والمعاني الموجبة للغسل انزال المني على وجه الدفق والشهوة من الرجل والمراة والتقاء الختانين من غير انزال والحيض والنفاس (مختصر القدوري ص ۷ ط سعيد)

(۳) وكذا لو ادخل اصبعه في دبره ولم يغيبها فان غيبها او ادخلها عند الاستنجاء بطل وضوئه(الدر المختار مع رد المحتار' مطلب في نواقض الوضوء ۱/۱۴۹ ط سعيد)

دری یاٹاٹ جو نچڑ نہ سکے کے پاک کرنے کا طریقہ .

(سوال) مسجد کی جانماز دری یا ٹاٹ کی جو نچڑ نہ سکے ناپاک ہو گئی وہ کس طرح پاک ہو سکتی ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۲۹۵ عبدالحکیم (نارنول) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق ۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۶۱) دری یا ٹاٹ کو دھو کر ڈال دو جب پانی ٹپکنا بند ہو جائے تو دوسری بار دھوؤ اور پھر جب پانی ٹپکنا بند ہو جائے تو تیسری بار دھوؤ پاک ہو جائے گی(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جلتے تنور میں کتا گرے اور جل کر مر جائے تو تنور کا کیا حکم ہے؟

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) اگر جلتے ہوئے تنور میں کتا گرے اور جل کر مر جائے تو اس تنور کا کیا حکم ہے ؟

(جواب ۳۶۲) جلتے ہوئے تنور میں کتا گر کر مر جائے تو جب کتا جل کر راکھ ہو جائے یا اس کو نکال کر پھینک دیا جائے اس کے بعد تھوڑا سا توقف کر کے روٹی پکانے میں کوئی حرج نہیں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ.

---

(۱) وقدر تثلیث جفاف ای انقطاع تقاطرہ فی غیرہ ای غیر منعصر مما یتشرب النجاسۃ (تنویر الابصار و شرحہ الدر المختار' باب الانجاس ۱/ ۳۳۲ ط سعید)

(۲) کتنور رش بماء نجس لا باس بالخبز فیہ - یطہر ان لم یظہر فیہ اثر النجس بعد الطبخ ذکرہ الحلبی (تنویر الابصار وشرحہ)قال المحقق فی الشامیۃ' بخلاف- عذرۃ صارت رمادا (قولہ ذکرہ الحلبی)وعللہ بقولہ لاضمحلال النجاسۃ بالنار و زوال اثرھا (رد المحتار' باب الانجاس ۱/ ۳۱۵-۳۱۶ ط سعید)

كتاب الختان والخفاض

بے ختنہ بالغ شخص دوسرے سے ختنہ کرا سکتا ہے.

(سوال) زید کے موضع اور نواح میں بوجہ نہ ہونے رواج سنت نبوی (ختنہ) اکثر معمر وجوان آدمی بے ختنہ ہیں جب کہ وہ لوگ اس کوتاہی سے آگاہ ہوئے ہیں اس کمی کو پورا کرنا چاہتے ہیں لیکن اول تو بہت سے لوگ بوجہ کمزوری دل خود ختنہ کرنے سے قاصر ہیں دوم اگر موافق سنت شریف لونڈی سے کراویں تو اس زمانے میں معدوم ہیں اب یہی ہو سکتا ہے کہ یا تو وہ تارک فرض ہو کر کسی تجربہ کار شخص سے ختنہ کراویں یا تارک سنت رہیں اگر کوئی صورت امکان کی ہو تو مطلع فرمائیں ؟

(جواب ٣٦٣) صورت مسئولہ میں اگر ایسے شخص خود ختنہ نہیں کر سکتے اور آج کل باندیاں بھی نہیں ہیں جو ختنہ کر سکیں تو وہ اپنا ختنہ کرا سکتے ہیں (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ختنہ کی تقریب میں دعوت دینا ضروری نہیں.

(سوال) اگر کوئی شخص اپنے لڑکے کے ختنے میں کسی کو دعوت نہ دے نہ کھانا کھلائے تو کیا حکم ہے ؟ ایک شخص نے ایسا کیا تو لوگوں نے اس کا بائیکاٹ کر دیا پھر اس نے قربانی کی تو لوگوں نے قربانی کا گوشت لینے سے انکار کر دیا اور دوسرے لوگوں کو بھی روکا وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس نے ختنہ کی تقریب میں ہم کو دعوت نہیں دی تھی۔ المستفتی نمبر ۲۶۹ شاہ محمد صاحب ۱۲ محرم ۱۳۵۳ھ مطابق یکم مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ٣٦٤) ختنے کی تقریب میں دعوت دینا اور بستی کے لوگوں کو کھانا کھلانا لازم نہیں ہے اگر کسی کو وسعت ہو اور وہ اپنی خوشی سے دعوت دے دے تو اسے اختیار ہے لیکن لوگوں کو اس سے زبردستی دعوت لینے کا کوئی حق نہیں ہے (۲) اور نہ دینے کی وجہ سے اس کا بائیکاٹ کر دینا اور قربانی کا گوشت نہ لینا اور دوسروں کو بھی لینے سے باز رکھنا یہ سب ناجائز باتیں ہیں (۳) یہ لوگ شریعت سے ناواقف ہیں ان کو نرمی اور آہستگی سے تبلیغ کر کے واقف کرانا چاہئے فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا عورتوں کا ختنہ بھی سنت ہے ؟

(سوال) زید کہتا ہے اور ایک کتاب کا بھی ثبوت پیش کرتا ہے کہ عورتوں کی ختنہ ہونا چاہئے شرع

---

(۱) قيل في ختان الكبير اذا امكن ان يختن نفسه فعل والا لم يفعل الا ان يمكنه ان يتزوج او يشترى ختانة فتختنه وذكر الكرخي في الجامع الصغير و يختنه الحمامي (عالمگیریہ' الباب التاسع عشر في الختان ٥/٣٥٧ ط ماجدیہ' کوئٹہ)

(۲) لا ينبغي التخلف عن اجابة الدعوة العامة كدعوة العرس والختان و نحوهما - وان لم ياكل فلا باس (عالمگیریہ' الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات ٥/٣٤٣' ط ماجدیہ' کوئٹہ)

(۳) عن عائشه ان رسول الله ﷺ قال لا يكون لمسلم ان يهجر مسلما فوق ثلثة فاذا لقيه سلم عليه ثلاث مرار كل ذلك لا يرد عليه فقد باء باثمه (سنن ابی داؤد' باب في هجرة الرجل اخاه ٢/٣٢٥' ط امدادیہ ملتان)

شریف میں کیا حکم ہے ؟ **المستفتی** نمبر ۳۲۹۳ محمد لال شاہ (ضلع متھرا) ٦ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۳٦٥) عورتوں کا ختنہ جس کو عربی میں خفاض کہتے ہیں 'عرب میں اس کا رواج تھا اور ایک حدیث میں یہ ذکر آیا ہے کہ ایک عورت سے جو عورتوں کا ختنہ کیا کرتی تھی آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس میں مبالغہ نہ کیا کرو بلکہ بہت تھوڑی سی مقدار قطع کیا کرو کہ اس میں مرد اور عورت دونوں کا فائدہ ہے (۱) اور عورتوں کے ختنے کو بعض فقہا نے سنت اور بعض نے مکرمت یعنی ایک اچھی اور شرافت کی بات بتایا ہے (۲) لیکن یہ سنت مؤکدہ اور ضروری نہیں ہے اگر کیا جائے تو اچھا ہے نہ کیا جائے تو کوئی شرعی الزام اور مواخذہ نہیں ہے بخلاف لڑکوں کے ختنے کے کہ وہ سنت مؤکدہ ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) کیا بے ختنہ مسلمان کا ختنہ ضروری ہے ؟
(۲) بے ختنہ مسلمان کا نکاح جائز ہے .
(۳) بے ختنہ مسلمان کی اولاد کا نکاح باختنہ مسلمان کی اولاد سے جائز ہے .
(۴) بالغ نو مسلم کا ختنہ کر دینا بہتر ہے .
(۵) کیا بے ختنہ بالغ مسلمان پر ختنہ کے لئے سختی کی جا سکتی ہے ؟
(٦) بے ختنہ کے پیشاب کی پاکی اور نماز درست ہو سکتی ہے .
(۷) بے ختنہ بالغ مسلمان کا ختنہ جائز ہے .
(۸) بے ختنہ مسلمان کا نکاح جائز ہے .
(۹) بے ختنہ بالغ مسلمان طہارت میں احتیاط کرے تو باختنہ مسلمانوں کی امامت کر سکتا ہے

(سوال) (۱) بے ختنہ بالغ مسلمان کی ختنہ کرانا جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) بے ختنہ بالغ مسلمان کا نکاح جائز ہے یا نہیں ؟ (۳) بے ختنہ بالغ مسلمان کی اولاد سے باختنہ بالغ مسلمان کی اولاد کا نکاح درست ہے یا نہیں ؟ (۴) ایک بالغ ہندو مسلمان ہو کر ختنہ کرانا چاہتا ہے کیا اس کا ختنہ کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ (۵) بے ختنہ بالغ مسلمان کا نکاح اگر جائز ہے تو قریہ یا شہر کے غفلتی لوگ ختنہ سے بے پرواہو جائیں گے ؟ (٦) سنا گیا ہے کہ بے ختنہ بالغ مسلمان کی پیشاب کی پاکی نہیں ہوتی اور اس وجہ سے اس کی نماز بھی درست نہیں ہوتی ؟ (۷) بالغ ہونے کے بعد بے ختنہ مسلمان کا ختنہ کرانا حرام ہے تو اگر ختنہ کرالیا تو اس کی سزا کیا

---

(۱) عن ام عطية الانصارية' ان امراة كانت تختن بالمدينة فقال لها النبي ﷺ لا تنهكي فان ذلك احظى للمراة واحب للبعل (سنن ابي داؤد' باب في الختان ۲ : ۳٦۸ ط امداديه ملتان)

(۲) اختلفت الروايات في ختان النساء ذكر في بعضها انها سنة هكذا في المحيط عن بعض المشايخ و ذكر شمس الائمه في ادب القاضي للخصاف ان ختان النساء مكرمة (عالمگيريه' الباب التاسع عشر في الختان ۵ : ۳۵۷ ط ماجديه كوئٹه)

سے ؟ (۸) بے ختنہ بالغ مسلمان کا نکاح اگر جائز نہیں ہے تو کیا وہ ہمیشہ بے نکاح ہی رہے گا ؟ (۹) بے ختنہ بالغ مسلمان باختنہ مسلمانوں کی امامت کر سکتا ہے یا نہیں ؟ **المستفتی نمبر ۳۹۷** محمد حیات (ضلع بیجاپور) ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۳۴ء

(**جواب ۳۶۶**) غیر مختون بالغ مسلمان کی ختنہ کرانا اگر کسی وجہ سے ضروری ہو جائے تو جائز ہے مثلاً وہ ختنہ کی اہمیت سے عملاً محترز ہو یا اس کی وجہ سے دوسرے کے لئے یہ رسم قائم ہو جانے کا احتمال ہو (۱) (۲) بے ختنہ مسلمان کا نکاح جائز ہے (۲) (۳) بے ختنہ مسلمان کی اولاد کا نکاح ختنہ والے مسلمان کی اولاد کے ساتھ جائز ہے (۳) (۴) اگر بالغ غیر مسلم مسلمان ہو جائے تو اس کا ختنہ کرا دینا بہتر ہے کہ اس سے خوف ارتداد نہیں رہتا یا کم ہو جاتا ہے (۴) (۵) اتفاقی طور پر کوئی مسلمان غیر مختون رہ جائے تو اس کے لئے ختنہ کی اتنی سختی برتنی مناسب نہیں (۵) ہاں اگر کوئی عناداً ختنہ نہ کرائے تو اس کو ختنہ کے لئے مجبور کرنے میں مضائقہ نہیں (۶) (۶) بے ختنہ مسلمان کے ناپاک رہنے کا شبہ ضرور رہتا ہے لیکن یہ مطلب نہیں کہ وہ پاک ہو نہیں سکتا اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ غیر مختون ہمیشہ بے نماز ہی رہتا ہے (۷) (۷) اوپر بتایا گیا ہے کہ ضرورت اور مصالح شرعیہ کی بنا پر بالغ کا ختنہ کرانا جائز ہے (۸) مطلقاً حرام نہیں ہے (۸) نمبر ۲ ملاحظہ ہو (۹) اگر وہ استنجا اور طہارت میں احتیاط کرتا ہو تو وہ ختنہ والے مسلمان کی امامت بھی کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اتفاقی طور پر غیر مختون رہ گیا ہو ختنہ کے سنت ہونے کا قائل ہو (۹) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ**

---

(۱) واذا اجتمع اهل مصر على ترك الختان قاتلهم الامام كما يقاتلهم كما في ترك سائر السنن (فتاوى القاضي خان على هامش الهندية' فصل في الختان ۳ : ۴۰۹ ط ماجدية كوئته)

(۲) لانه يمكن ان يتزوج امراة او يشترى امة تختنه..... لان الختان سنة للرجال (رد المحتار' فصل في المس والنظر ۶ : ۳۷۱ ط سعيد)

(۳) ايضا

(۴) قيل في ختان الكبير اذا امكن ان يختن نفسه فعل والا لم يفعل الا ان يمكنه' ان يتزوج او يشترى ختانة فتختنه' وذكر في الجامع الصغير و يختنه الحمامى (عالمگيرية' الباب التاسع عشر في الختان ۵ : ۳۵۷' ط ماجدية كوئته)

(۵) واختلفوا في الختان قيل انه سنة وهو الصحيح (عالمگيرية: الباب التاسع عشر في الختان ۵ : ۳۵۷ ط ماجدية كوئته)

(۶) اذا اجتمع اهل مصر على ترك الختان قاتلهم الامام كما يقاتلهم في ترك سائر السنن (فتاوى القاضي خان على هامش الهندية' فصل في الختان ۳ : ۴۰۹ ط ماجدية كوئته)

(۷) الا قلف ..... ولو توضا ولم يوصل الماء تحت الجلدة جاز (فتاوى القاضي خان على هامش الهندية' فصل في الختان' ۳ : ۴۰۹ ط ماجدية كوئته)

(۸) قيل في ختان الكبير اذا مكن ان يختن نفسه فعل الخ (عالمگيرية: الباب التاسع عشر في الختان ۵ : ۳۵۷' ط ماجدية' كوئته)

(۹) فان قالوا هو على خلاف ما يمكن الا ختان فانه لا يشدد عليه ولا يتعرض بل يترك ويكون ذلك عذراً' والواجبات تسقط بالا عذار فالسنة اولى (فتاوى القاضي على هامش الهندية' فصل في الختان ۳ : ۴۰۹ ط ماجدية كوئته)

ختنہ کی تقریب میں ناجائز کام نہ ہو تو شرکت جائز ہے.

(سوال) میرا نواسہ ہے اور اس کی ختنہ ہو گئی ہے اس کے دادا کہتے ہیں کہ میں اس کا کھانا کروں گا اس میں اگر مجھے بلایا جائے تو میں شریک ہو جاؤں یا نہیں ؟ کیونکہ میں فی الحال تو ختنے میں شریک نہیں ہوتا جب سے مجھے معلوم ہوا ہے لیکن کھانے کے متعلق مجھے معلوم نہیں ہے۔ المستفتی نمبر ۸۵۷ محمد حیات (ضلع علی گڑھ) ۲۱ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۶۷) ختنہ کی تقریب میں شریک ہونا اور کھانے میں شریک ہونا فی حد ذاتہ جائز ہے بشرطیکہ ریاو شہرت کے لئے یہ کام نہ ہو اور قرض ادھار لیکر یہ کام نہ کیا جائے اور کوئی ناجائز کام مثلاً گانا بجانا نہ ہو(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا عورت کا ختنہ بھی مسنون ہے ؟

(سوال) زید کا بیان ہے کہ عورت کا ختنہ سنت رسول اللہ ﷺ ہے اور بلکہ زواجر ہندی آدم فی الحدیث میں یہ مسئلہ تحریر ہے لیکن عمرو اس مسئلہ کے خلاف ہے اور کہتا ہے کہ عورت کا ختنہ سنت رسول اللہ ﷺ نہیں ہے اور نہ زواجر ہندی آدم فی الحدیث کو مانتا ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۴۲۳ مسماۃ فاطمہ بائی صاحبہ (بمبئی) ۲۱ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۳ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۶۸) عورت کے ختنے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے جیسے کہ شامی(۲) جلد خامس ص ۵۲۲ میں مذکور ہے بعض فقہاء اس کو سنت بعض مستحب کہتے ہیں اور اس پر سب متفق ہیں کہ اس کی کوئی تاکید نہیں ہے ختنہ نہ کرانے میں کوئی گناہ یا ملامت نہیں ہے ابو داؤد(۳) میں حدیث ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک عورت عورتوں کا ختنہ کیا کرتی تھی تو حضور ﷺ نے اس کو فرمایا تھا لا تنهکی یعنی ختنہ میں کھال زیادہ نہ کاٹا کرے۔ اور شامی(۴) میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ختان الرجال سنة و ختان النساء مكرمة یعنی مردوں کا ختنہ سنت ہے اور عورتوں کا ختنہ مکرمت یعنی مردوں کی خوشنودی کے لئے ہے مطلب یہ کہ مردوں کے ختنے کی طرح سنت مستقلہ مؤکدہ نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) لا ينبغي التخلف عن اجابة الدعوة العامة كدعوة العرس والختان و نحوهما ... واما اذا علم قبل الحضور فلايحضره لانه لا يلزمه حق الدعوة (عالمگیریه . الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات ۳۴۳/۵ ط ماجديه كوئته)

(۲) و في كتاب الطهارة من السراج الوهاج' اعلم ان الختان سنة عندنا للرجال والنسآء' وقال الشافعي واجب وقال بعضهم سنة للرجال مستحب للنساء (رد المحتار' مسائل شتى ۷۵۱/۶ ط سعيد)

(۳) باب في الختان ۳۶۸/۲ ط امداديه' ملتان

(٤) مسائل شتى ۷۵۱/٦

ختنہ کی دعوت جائز ہے

(سوال) ختنہ میں دعوت کرنی درست ہے یا نہیں ؟ حدیث طبرانی الخرس والا عذار والتوکیرانت فیه بالخیار سے گنجائش معلوم ہوتی ہے اور حدیث مسند احمد ولیمة الختان لم یکن یدعی لها سے ممانعت وبدعت ثابت ہوتی ہے پس اس بارے میں کیا تو جیہ ہوگی ؟ المستفتی نمبر ۲۲۲۳ محمد یسین صاحب اعظم گڑھ ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۶۹) ولیمة الختان لم یکن یدعی لها کا مفہوم اسی قدر ہے کہ یہ معمول نہ تھا ولیمہ کا لفظ اس کو شامل ہے اس لئے فی حد ذاتہ اباحت ہے(۱) ہاں آج کل کے مصالح اسلامیہ اس کے مقتضی ہیں کہ ایسی دعوتیں جس قدر کم ہوں بہتر ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ختنہ کرنا سنت اور مسلمانوں کا شعار ہے .

(سوال) ایک شخص اپنے لڑکوں کی ختنہ نہیں کراتا اور اس بات سے بھی انکار کرتا ہے اور اس کے چار لڑکے ہیں جن میں ایک لڑکے کی عمر تئیس سال اور دوسرے کی چھبیس سال اور تیسرے کی انیس سال اور چوتھے کی تیرہ سال ہے مگر اس نے کسی کی ختنہ نہیں کرائی تمام ویسے ہی ہیں اب لوگ اس سے کراہت کرتے ہیں کیا وہ اس سے قطع تعلق کر سکتے ہیں یا کہ نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۵۱۹ محمد اسلوب (بلند شہر) ۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۵ جولائی ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۷۰) ختنہ سنت ہے مگر مسلمانوں کے لئے اسلامی شعار ہے یہ شخص کسی وجہ سے ختنہ نہیں کراتا چار بچوں کا ختنہ نہ کرانا بظاہر کسی عذر پر مبنی نہیں ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اسے بچوں کے ختنے کرانے پر مجبور کریں اور نہ مانے تو اس کو حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ سمجھائیں یہاں تک کہ وہ اپنی ضد سے باز آجائے اگر مناسب حد تک اس کے ساتھ سختی بھی کی جائے تو مضائقہ نہیں (۲) سختی سے صرف یہ مراد ہے کہ مسلمان اس کو اپنی تقریبات شادی و غمی میں شرکت کی دعوت نہ دیں۔ اس کے یہاں تقریبات میں شریک نہ ہوں (۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) لا ینبغی التخلف عن اجابة الدعوة العامة کدعوة العرس والختان و نحوهما (عالمگیریه: الباب الثانی عشر فی الهدایا و الضیافات ۵/ ۳۴۷ ط ماجدیه کوئٹه)

(۲) والا صل ان الختان سنة کما جاء فی الخبر وهو من شعائر الاسلام و خصائصه فلو اجتمع اهل بلدة علی ترکه حاربهم الامام فلا یترک الا لعذر (تنویر الابصار و شرحه مع رد المحتار' مسائل شتی ۶/ ۷۵۱ ط سعید)

(۳) قال المهلب غرض البخاری فی هذا الباب ' ان یبین صفة الهجران الجائز' وانه یتنوع بقدر الجرم فمن کان من اهل العصیان یستحق الهجران بترک المکالمه کما فی قصة کعب و صاحبیه (فتح الباری شرح صحیح البخاری باب مایجوز من الهجران لمن عصی ۱۰/ ۴۱۵ ط مکتبه مصطفی مصر)

غیر مسلم ماہر ڈاکٹر سے ختنہ کرانا جائز ہے۔

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۲۸ء)

(سوال) غیر مسلم ڈاکٹر (سکھ یا ہندو) سے لڑکے کی ختنہ کرانی جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۷۱) واقف کار غیر مسلم ڈاکٹر سے ختنہ کرانا جائز ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) واقار فی النہر تبعا للمجتبیٰ جواز التطبیب بالکافر فیما لیس فیہ ابطال عبادۃ (الدر المختار) قال المحقق فی الشامیہ (قولہ . واقار فی النہر) - و فیہ اشارۃ الی ان المریض یجوز لہ ان یستطیب بالکافر فیما عدا ابطال العبادۃ (ردالمحتار' فصل العوارض المبیحۃ لعدم الصوم ۲/۴۲۲-۴۲۳ ط سعید)

(الحمد للہ الذی تتم بنعمتہ الصالحات)

پہلا باب
اذان و تکبیر

نماز کے علاوہ کن مواقع پر اذان کہنا جائز ہے ؟
(سوال) اذان کی مشروعیت علاوہ پنجگانہ نماز کے کسی اور طریق سے بھی حدیث یا فقہ سے ثابت ہوئی یا نہیں ؟ جیسا کہ کثرت جنات میں یا آگ کے لگنے میں یا اعمال بزرگوں سے بوقت وباء بعد صلوٰۃ عشاء چند اشخاص کا جمعاً یا فرداً فرداً اذانوں کا کہنا سنا جاتا ہے فی الشرع ثبوت رکھتا ہے یا نہیں ؟
(جواب ۱) نماز کے علاوہ اذان کئی چیزوں کے لئے ثابت ہے بچے کے کان میں اذان دینا تو معروف و مشہور ہے اس کے علاوہ بھی فقہاء نے لکھا ہے کہ شدت غم کے وقت مغموم کے کان میں اذان کہی جائے تو اس کے غم کو زائل کر دیتی ہے قال الملا علی القاری فی شرح المشکوٰۃ قالوا یسن للمهموم ان یامر غیرہ ان یؤذن فی اذنه فانه یزیل الهم کذا عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه و نقل الاحادیث الواردۃ فی ذلك فراجعه انتهیٰ (رد المحتار)(۱) بحر الرائق کے حاشیے میں علامہ خیر رملی نے ذکر کیا ہے کہ کتب شافعیہ میں ہے کہ نماز کے علاوہ بچے کے کان میں اذان کہنا اور مہموم و مصروع اور غضبناک شخص یا کسی بگڑے ہوئے انسان یا جانور کے کان میں اذان کہنا یا دشمن کے حملے کے وقت یا آگ لگ جانے کے وقت یا جنات کی کثرت کی صورت میں اذان مسنون ہے پھر کہا کہ ہمارے نزدیک بھی اس میں کچھ بعد نہیں ۔ وفی حاشیة البحر للخیر الرملی رأیت فی کتب الشافعیة انه قد یسن الا ذان لغیر الصلوٰۃ کما فی اذن المولود و المهموم والمصروع و الغضبان ومن ساء خلقه من انسان او بهیمةٍ و عند مزدحم الجیش و عند الحریق و عند تغول الغیلان ای عند تمرد الجن لخبر صحیح فیه اقول ولا بعد فیه عندنا انتهیٰ مختصراً (۲) شدت وباء کے وقت بطور عمل کے اگر اذان کہی جائے اور اسے سنت یا مستحب نہ سمجھا جائے تو مباح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فرض نماز کے لئے اذان سنت مؤکدہ ہے
(سوال) بغیر اذان مسجد میں جماعت کرتے ہیں اور جب کہو تو کہتے ہیں کہ کیا نماز اذان کے سوا بھاگتی ہے اس کا جواب حدیث و فقہ سے عنایت فرمائیں ؟

---

(۱) (باب الأذان ۱/۳۸۵، ط سعید کمپنی کراچی)
(۲) منحة الخالق علی هامش البحر الرائق' باب الأذان ۱/۲۶۹، ط دار المعرفة بیروت لبنان و رد المحتار: باب الأذن ۱/۳۸۵، ط سعید)

(جواب ۲) فرض نماز کے لئے اذان کہنا سنت مؤکدہ ہے چونکہ یہ شعائر اسلام سے ہے اس کے تارک کو گناہ بہت ہوگا بلکہ اگر کسی شہر والے مصر ہوں تو فقہاء ان سے جہاد کا فتویٰ دیتے ہیں وھو سنۃ مؤکدۃ ھی کالواجب فی لحوق الاثم (در مختار) قولہ ھی کالوا جب بل اطلق بعضھم اسم الواجب علیہ لقول محمد رحمہ اللہ لواجتمع اھل بلدۃ علی ترکہ قاتلتھم علیہ ولو ترکہ واحد ضربتہ و حبستہ (ردالمختار)(۱)

اذان سے پہلے یا بعد میں گھنٹہ بجانا

(سوال) بعض شہروں میں اذان کے بعد مسجد میں گھنٹہ بجا کر وقت کا اعلام کیا جاتا ہے آیا یہ امر بدعت حسنہ جائز ہے یا نہیں اور کلاک مسجدوں میں رکھی جاتی ہے اس میں بھی ہر ایک کلاک پر وقت کا اعلام اور کلاکوں کی تعداد کا گھنٹہ بجتا ہے اور یہ امر بھی مروج ہے آیا یہ بھی بدعت حسنہ ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳) اذان کے بعد اعلام الصلوۃ کی غرض سے گھنٹہ بجانا بدعت ہے اگرچہ بعض فقہاء نے تثویب کی اجازت دی ہے اور تثویب کی صورتوں کو تعارف پر چھوڑ دیا ہے لیکن راجح قول یہی ہے کہ تثویب مکروہ و بدعت ہے وھو الموافق للسنۃ ہاں مسجد میں گھڑی لگانا اور اس کے گھنٹوں کے موافق گھنٹہ بجانے میں مضائقہ نہیں کیونکہ یہ گھنٹہ شرعی جہت سے نہیں بجایا جاتا بلکہ وقت کا اعلام ہے اس میں کوئی حرج نہیں (۲) واللہ تعالیٰ اعلم

اقامت میں دائیں بائیں مڑنے کا حکم

(سوال) اقامت میں بھی مثل اذان کے حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا چاہئے یا نہیں اکثر کتب متون و شروح فقہ میں لکھا ہے کہ الاقامۃ مثل الاذان او مثلہ الخ تو آیا مثلیت میں تحویل وجہ اور التفات الی الیمین والشمال داخل ہے یا نہیں ؟

(جواب ٤) ہاں اقامت میں بھی مثل اذان حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے وقت منہ پھیرنا چاہئے کیونکہ تحول وجہ سنت ہے و یتحول فیہ وکذا فیھا مطلقا یمیناً و یساراً بصلوٰۃ وفلاح لانہ سنۃ الاذان مطلقاً (درمختار)(۳) واللہ اعلم

نابالغ لڑکے کی اذان کا حکم

(سوال) نابالغ بچے جو اکثر مسجدوں میں اذان کہتے ہیں یا امام خود ان سے اذان کہلا دیتے ہیں اس اذان کو دہرانا

---

(۱) (باب الأذان ۱/ ۳۸٤ ط سعید) (۲) ولا تثویب إلا فی صلاۃ الفجر لماروی أن علیا . رضی اللہ عنہ . رأی مؤذنا یثوب فی العشاء فقال : " أخرجوا ھذا المبتدع من المسجد الخ (المبسوط للسرخسی : باب الأذان ۱/ ۱۳۰ ط دار المعرفۃ بیروت لبنان) (۳) (باب الأذان ۱/ ۳۸۷ ط سعید)

چاہئیے یا نہیں؟

(جواب ۵) بچے اگر نا سمجھ ہوں تو ان کی اذان کو دہرانا چاہئیے کیونکہ ان کی اذان سے مقصود اذان یعنی اعلام حاصل نہیں ہوتا' اس لئے کہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ بچے کھیل میں کہہ رہے ہیں لیکن اگر بچے سمجھدار ہوں اور ان کی اذان سے مقصود حاصل ہو جائے تو وہ اذان جائز ہے دہرانے کی حاجت نہیں(۱)

اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

(سوال) اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر مناجات کرنا کیسا ہے اس کا کچھ ثبوت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۶) اذان کے بعد جو الفاظ ادا کئے جاتے ہیں وہ دعا کے الفاظ ہیں اور رفع یدین آداب دعا میں سے ہے اس لئے ہاتھ اٹھانے میں مضائقہ نہیں(۲)

اذان میں بوقت شہادتین انگوٹھے چومنا

(سوال) بے شک حدیث صدیق اکبرؓ موضوع ہے لیکن شامی نے لکھا ہے کہ تقبیل ظفر ابہامین عند استماع اسمہ ﷺ عند الاذان جائز ہے؟

(جواب ۷) شامی نے اس مسئلے کو قہستانی سے اور قہستانی نے کنز العباد سے نقل کیا ہے نیز شامی نے فتاوی صوفیہ کا حوالہ دیا ہے کنز العباد اور فتاوی صوفیہ دونوں قابل فتوی دینے کے نہیں ہیں اور جب کہ حدیث کا ناقابل استدلال ہونا ثابت ہے تو پھر اس کو سنت یا مستحب سمجھنا بے دلیل ہے اور اس کے تارک کو ملامت یا طعن کرنا مذموم۔ زیادہ سے زیادہ اس کو بطور علاج رمد کے ایک عمل سمجھ کر کوئی کرلے تو مثل دیگر اعمال کے مباح ہو سکتا ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت ثابت نہیں(۳) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

"اقامت کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں" وجواب دیگر

(سوال) تکبیر داہنی طرف امام کے ہونی چاہئیے یا پشت پر یا بائیں جانب؟ کونسی جگہ افضل اور جائز ہے؟

المستفتی نمبر ۱۶۵ ۷ رمضان ۵۲ھ

---

(۱) فیصح أذان الکل سوی الصبی الذی لا یعقل: لأن من سمعه لا یعلم أنه مؤذن بل یظن أنه یلعب' بخلاف الصبی العاقل: لأنه قریب من الرجال الخ (رد المحتار: باب الأذان' ۱ / ۳۹٤ ط سعید)

(۲) الأفضل فی الدعاء أن یبسط کفیه و یکون بینهما فرجة وإن قلت الخ (عالمگیریة: کتاب الکراهیة الباب الرابع فی الصلاة والتسبیح والذکر والدعاء' ۵/۳۱۸' ط مکتبه ماجدیه' کوئٹه)

(۳) وذکر ذلك الجراحی' والحال ثم قال' ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شئی الخ (شامیة: باب الأذان' ۱/۳۹۸' ط سعید)

(جواب ۸) تکبیر کے لئے کوئی جہت اور کوئی صف متعین نہیں ہے(۱)

(جواب دیگر ۹) مسجد میں اذان ایسی جگہ کہنی چاہئیے جہاں سے آواز زیادہ نمازیوں کو پہنچے خواہ جنوب میں ہو یا شمال میں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اقامت میں بوقت کلمہ شہادت امام کا پیٹھ پھیرنا

(سوال) امام تکبیر میں حضور ﷺ کا نام سن کر اپنی پشت ادباً پھیرے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۶۵ ' ۷ رمضان ۱۳۵۲ھ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۰ء

(جواب ۱۰) امام حضور ﷺ کا نام سن کر اپنی پشت نہ پھیرے کیونکہ پشت پھیرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

اذان سے پہلے یا بعد میں گھنٹہ بجانا

(سوال) مسجد میں قبل اذان یا بعد اذان کانسی کی گھنٹی ہاتھ سے بجانا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۸۳ سید محمد شاہ (ضلع احمد آباد) ۲۹ محرم ۱۳۵۳ھ ۱۴ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۱) اگر مسجد بڑی ہو جس کے مختلف گوشوں میں متعدد مؤذن اذان کہتے ہوں جیسے دہلی کی جامع مسجد اور ان موذنوں کو وقت اذان کی اطلاع دینے کے لئے گھنٹہ بجایا جائے یعنی اذان سے پہلے اس لئے کہ سب مؤذن ایک وقت میں ایک ساتھ اذان کہیں تو یہ جائز ہے نمازیوں کو اطلاع دینے کی غرض سے اذان مقرر ہے اذان کے قائم مقام گھنٹہ بجانا جائز نہیں(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

بے نماز اور غلیظ شخص کو مؤذن بنانا درست نہیں

(سوال) جو شخص غلاظت پسند ہو اور پاکی ناپاکی نہ جانتا ہو تارک صوم و صلوٰۃ ہو ایسے شخص کو مسجد میں مؤذن و جاروب کش رکھنا کیسا ہے اور ایسے آدمی کے ہاتھ سے بھرے ہوئے پانی سے وضو کرنا کیسا ہے ؟ بے نمازی کے ہاتھ کا بھرا ہوا پانی غیر مطہر ہے یا نہیں ؟ المستفتی محمد حسین صاحب (سابرمتی)

(جواب ۱۲) غلاظت پسند اور بے نمازی کو مؤذن بنانا درست نہیں اگرچہ اس کے ہاتھ کا پانی مطلقاً غیر

---

(۱) ویقیم علی الأرض هکذا فی القنیة و فی المسجد الخ (هندیة : باب الأذان' الفصل الثانی فی کلمات الأذان و الاقامة و کیفیتهما' ۱/ ۵٦ ط ماجدیه)

(۲) وفی العالمیگیریة : " والسنة ان یؤذن فی موضع عال یکون أسمع لجیرانه و یرفع صوته (باب الأذان' الفصل الثانی فی کلمات الأذان والاقامة و کیفیتهما' ۱/ ۵۵ ط ماجدیه)

(۳) ولا تثویب إلا فی صلاة الفجر : لماروی ان علیا رضی الله عنه رأی مؤذنا یثوب فی العشاء فقال:" أخرجوا هذا المبتدع من المسجد الخ (مبسوط السرخسی : باب الأذان' ۱/ ۱۳۰ ط دار المعرفة' بیروت' لبنان)

مطہر تو نہیں لیکن احتیاطاًور زجراً استعمال نہ کیا جائے تو مضائقہ نہیں(۱) فقط

اذان سے پہلے یا بعد میں نقارہ بجانا درست نہیں

(سوال) ضرب نقارہ قبل اذان یا بعد اذان برائے ہوشیاری وبیداری غافلین جو کہ مسجدوں سے دور رہتے ہیں اور اذان کی آواز کان تک نہیں پہنچتی جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۴۹۳ محمد صالح مدراسی ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ ۲۲ جون ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۳) ضرب نقارہ سلف صالحین میں مروج نہ تھی اور ممکن ہے کہ عوام اس کو شرعی چیز سمجھنے لگیں اس لئے اس کا رواج قابل ترک ہے اور اذان کے بعد تو اس کو تثویب کی حیثیت حاصل ہو جائے گی جو مکروہ اور بدعت ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ایضاً

(سوال) شہر پیراں پٹن گجرات میں مسجدوں کی اذان گاہ پر ایک پیتل کی تختی جسے گھنٹہ کہتے ہیں صلوٰۃ خمسہ کی اذان مسنون کے بعد بجایا جاتا ہے شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۵۵۱ محمد سعید (بمبئی) ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۲۷ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۴)شریعت مقدسہ نے صلوات خمسہ کی اطلاع کے لئے اذان مقرر فرمائی ہے اور وہ شعائر اسلامیہ میں سے ہے اذان کے بعد کوئی اور چیز اطلاع اور اعلام کے لئے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام اور ائمہ عظامؒ نے تعلیم نہیں کی اذان کے بعد مساجد میں گھنٹہ بجانے کا طریقہ مقرر کرنے سے اذان کی بے وقتی اور کفار کی مشابہت ہوتی ہے'اس لئے یہ بدعت ہے اور اس کو ترک کرنا لازم ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اذان واقامت کے اختتام پر محمد رسول اللہ کا اضافہ

(سوال) اذان واقامت اور دعا بعد صلوٰۃ جماعت کا اختتام صرف لا الہ الا اللہ پر ہونا چاہئیے یا محمد رسول اللہ بھی کہنا چاہئیے ؟ المستفتی نمبر ۶۶۱ حمید الدین احمد (ضلع رنگپور)

۲۸ رجب ۱۳۵۴ھ م ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء۔

---

(۱) من سنن المؤذن كونه رجلاً عاقلاً' صالحاً' عالماً' بالسنن الأوقات' مواظباً عليه' محتسباً ثقة متطهراً الخ (رد المختار' باب الأذان ۱/۳۹۳' ط سعيد)

(۲) ولا تثويب إلا في صلاة الفجر لما روى أن علياً . رضي الله عنه . رأى مؤذنا يثوب في العشاء فقال : " أخرجوا هذا المتبدع من المسجد الخ (المبسوط للسرخسي: باب الأذان ۱ / ۱۳۰ ط بيروت)

(۳) عن ابن عمر . رضي الله عنهما . كان المسلمون حين قدموا المدينة : يجتمعون' فيتحينون الصلوات و ليس ينادى بها أحد فتكلموا في ذلك يوماً ' فقال بعضهم : " اتخذوا ناقوساً مثل ناقوس النصارى " وقال بعضهم :" اتخذوا قرناً مثل قرن اليهود " قال : فقال عمر : " أولا تبعثون رجلاً ينادى بالصلاة " فقال رسول الله ﷺ :" يا بلال ! قم فناد بالصلاة (ترمذي' باب ماجاء في بدء الأذان' ۱ /۴۸' ط سعيد كمپني)

(جواب ۱۵) اذان واقامت کے آخر میں تو بے شک صرف لاالہ الا اللہ پر اذان واقامت ختم ہوتی ہے اس کے بعد محمد رسول اللہ کا اضافہ نہیں کرنا چاہئیے اور بعد جماعت کے بھی ادعیہ ماثورہ میں محمد رسول اللہ کا اضافہ اپنی طرف سے نہیں کرنا چاہئیے دعائے ماثورہ کے جتنے الفاظ حدیثوں میں ثابت اور منقول ہوں اس کو انہیں الفاظ پر رکھنا چاہئیے اگر اذان اور اقامت کے اخیر میں محمد رسول اللہ کا اضافہ اسی آواز اور لہجے سے کیا جائے جس آواز اور لہجے سے اذان واقامت کہی ہے تو یہ اضافہ بدعت ہے اور اگر آہستہ سے کوئی اپنے دل میں محمد رسول اللہ بھی کہہ لے تو یہ مباح ہوگا اسی طرح کسی دعائے ماثورہ میں اپنی طرف سے یہ اضافہ مکروہ ہے(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فوٹوگرافر کے اذان یا تکبیر کہنے سے نماز مکروہ نہیں ہوتی

(سوال) زید فوٹوگرافی کا کام کرتا ہے اور پابندی کے ساتھ نماز پڑھتا ہے بکر کہتا ہے کہ زید کا یہ پیشہ فوٹو گرافی درست نہیں ہے اس لئے نماز میں زید کے تکبیر پڑھنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے یہ صحیح ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۷۹۸ محمد یسین (دہلی) ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ ۱۱ مئی ۱۹۳۶ء
(جواب ۱۶) تصویر اور فوٹو بنانا بے شک ناجائز ہے یعنی جاندار کے فوٹو تصویر کے ہی حکم میں ہیں مگر زید کے اذان یا اقامت کہنے سے نماز میں کراہت نہیں ہوتی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اقامت میں حی علی الصلاۃ پر کھڑا ہونا مستحب ہے

(سوال) عبارت شرح وقایہ کی و یقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوٰۃ و یشرع عند قد قامت الصلوۃ آیا یہ سنت ہے یا مستحبات یا کچھ اور ؟ اگر بارادہ آراستگی صف قبل حی علی الصلوٰۃ کھڑے ہو جائے تو کوئی حرج ہے یا نہیں ؟ اگر بروقت حی علی الصلوٰۃ امام مع قوم کھڑا ہو لیکن بوجہ صف آرائی بعد قد قامت الصلوٰۃ نماز شروع کرے تو کیا حرج ہے ؟

المستفتی نمبر ۹۴۸ متولی جامع مسجد (ڈبروگڈھ آسام) ۲ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۲۴ مئی ۱۹۳۶ء
(جواب ۱۷) و یقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوٰۃ و یشرع عند قد قامت الصلوۃ (۲) یہ مستحبات میں سے ہے اور یہ بھی جب کہ پہلے سے لوگ اتنے درست ہو کر بیٹھیں کہ کھڑے ہونے کے بعد صفیں درست نہ کرنا پڑیں بلکہ خود بخود درست ہو جائیں اس کا خلاف یعنی حی علی الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہو جانا جب کہ امام موجود ہو مکروہ نہیں اسی طرح قد قامت الصلوٰۃ کے بعد نماز شروع کرنا مکروہ نہیں خصوصاً جب کہ تاخیر اقامت و تسویہ صفوف کی وجہ سے واقع ہو یہ مسئلہ صرف اسی قدر حیثیت رکھتا ہے اس

---

(۱) والزیادۃ فی الأذان مکروھۃ الخ (البحر الرائق : باب الأذان ۱/ ۲۶۱ ط بیروت)
(۲) (باب الأذان ۱/ ۱۳۶ ط سعید)

سے زیادہ اس کو اہمیت دینا غلط ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دفع وباء کے لئے اذان کہنا مباح ہے

(سوال) دفع وباء کے لئے اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟ تنہا یا گروہ کے ساتھ مسجد میں یا گھر میں؟

المستفتی ۷۰۰۱ عبدالستار صاحب (گیا) ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۸) دفع وباء کے لئے اذان دینا تنہا یا جمع ہو کر بطور علاج اور عمل کے مباح ہے سنت یا مستحب نہیں ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اذان میں بوقت شہادتین انگوٹھے چومنا

(سوال) اذان کے وقت اشہد ان محمداً رسول اللہ پر لوگ اکثر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگاتے ہیں تو یہ جائز ہے کہ ناجائز؟ اس کو بالتشریح تحریر کیجئے گا۔

المستفتی نمبر ۱۱۷۳ عبدالرزاق صاحب (ضلع میدنی پور) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۹) انگوٹھا چوم کر آنکھوں پر لگانے کا کوئی ثبوت نہیں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اذان کے بعد جماعت کے لئے گھنٹہ بجانا مکروہ ہے

(سوال) شہر پیران پٹن علاقہ گجرات میں مسجدوں کی اذان گاہ پر بعد اذان مسنونہ صلوٰۃ خمسہ کے ایک پیتل کی تختی جسے عرف عام میں (گھنٹہ) کہتے ہیں بجایا جاتا ہے اس کا بجانا شریعت محمدی سے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۲۲۳ محمد سعید۔ ناگدیوی اسٹریٹ نمبر ۱۵۰ بمبئی نمبر ۳

۲۱ رجب ۱۳۵۵ھ ۸ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب) (از اشرف علی مفتی اول بلدہ و صدارت عالیہ) حامداً و مصلیاً۔ ابتداء زمانہ اسلام میں لوگ بہ یک وقت نماز کے لئے جمع نہ ہو سکتے تھے اور ضرورت تھی کہ نماز کے اعلان کا کوئی مخصوص طریقہ ہو صحابہ کرامؓ میں سے بعض نے بوق اور بعض نے ناقوس وغیرہ کی بابت رائے دی جو بوجہ تشبہ یہود و نصاریٰ ناپسند ہوئی ابھی اس امر کی بابت کوئی تصفیہ نہ ہوا تھا کہ حضرت عبداللہ بن زید عبدرب انصاری نے اسی غنودگی کی حالت میں جو نیند اور بیداری کے درمیان تھی دیکھا کہ ایک شخص آسمان سے نازل ہوا جس کے ہاتھ میں ناقوس ہے

---

(۱) وفی حاشیة البحر للخیر الرملی : " رأیت فی کتب الشافعیة أنه قد یسن الأذان لغیر الصلاة کما فی أذان المولود .. قال الملا علی القاری فی " شرح المشکاة " قالوا : " یسن للمهموم أن یأمر غیره ان یؤذن فی اذنه فانه یزیل الهم الخ (رد المحتار : باب الأذان ۱ /۳۸۵' ط سعید)

(۲) وذکر ذلك الجراحی وأطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شئی الخ (رد المحتار: باب الأذان' ۱ /۳۹۸ ط سعید)

مشابہ کوئی شئے تھی حضرت عبداللہ بن زید انصاری نے اسے خریدنا چاہا تو اس نے پوچھا کہ کیا کرو گے انہوں نے جواب دیا کہ ہم اپنی نمازوں کا اس سے اعلان کریں گے اس نے کہا کہ میں کیوں ایسی شے تمہیں نہ بتاؤں جو اس سے بہتر ہو بہر حال اس شخص نے اذان کی تعلیم دی اور یہ خواب سماعت فرما کر حضرت نبی کریم ﷺ نے تصدیق فرمائی۔ والمشهور انه ﷺ لما قدم المدينة كان يؤخر الصلوٰة تارةً و يعجلها اخرىٰ فاستشار الصحابة في علامة يعرفون بها وقت اداء الصلوٰة لكي لا تفوتهم الجماعة فقال بعضهم ننصب علامة حتى اذا رآها الناس اذن بعضهم بعضا فلم يعجبه ذلك واشاربعضهم بضرب الناقوس فكرهه لاجل انصارى و بعضهم النفخ في الشبور فكرهه لا جل اليهود و بعضهم بالبوق فكرهه لا جل المجوس فتفرقوا قبل ان يجتمعوا على شئى قال عبدالله بن زيد الانصارى فبت لا يأخذنى النوم و كنت بين النائم واليقظان اذرأيت شخصا نزل من السمآء و عليه ثوبان اخضران و في يده شبه الناقوس فقلت اتبيعني هذا فقال ما تصنع به فقلت نضربه عند صلاتنا فقال الا ادلك على ما هو خير من هذا فقلت نعم الخ ص ۱۲۷ جلد اول مبسوط باب الاذان. اسلام میں اذان ہی طریقہ اعلان نماز پنجگانہ ہے اذان کے بجائے یا اذان کے بعد ناقوس یا اس سے مشابہ کسی چیز سے اعلان نماز شرعاً درست نہیں ہے ایسے طریقہ ہائے اعلان کو حضرت نبی کریم ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے فقط اشرف علی مفتی اول بلدہ و صدارت العالیہ

(جواب ۲۰) (از حضرت مفتی اعظمؒ) بے شک بجائے اذان کے یا اذان کے بعد گھنٹہ بجانا اور اس کو نماز باجماعت کا اعلان قرار دینا مکروہ اور بدعت ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

اذان کے لئے اسپیکر کا استعمال مباح ہے

(سوال) اذان کی آواز دور تک پہنچانے کے لئے منارے پر آلہ مکبر الصوت یعنی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال عند الشرع جائز ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۱۴۴۲ امام عبدالصمد (جنوبی افریقہ)

۹ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۰ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۱) اذان کی آواز دور تک پہنچانے کے لئے منارے پر لاؤڈ اسپیکر لگانا مباح ہے(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

امام مصلے پر کب کھڑا ہو؟

(سوال) جب مؤذن نماز جماعت کے وقت تکبیر پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے امام کو تکبیر اولیٰ میں مصلے

---

(۱) ولا تثويب إلا في صلاة الفجر لما روى أن علياً ، رضي الله عنه ، رأى مؤذنا يثوب في العشاء فقال : " أخرجوا هذا المبتدع من المسجد ولحديث مجاهد، المبسوط للسرخسي: باب الأذان ۱/۲۷۵ ط بيروت' لبنان) (۲) و ينبغي للمؤذن في موضع يكون أسمع للجيران و يرفع صوته الخ (البحر الرائق' باب الأذان ۱/۲٦۸' ط بيروت' لبنان)

کے اوپر کھڑا ہونا چاہئیے یا بعد کو اللہ اکبر جس وقت مؤذن کہتا ہے اس وقت کھڑا ہو یا حی علی الفلاح کے بعد کھڑا ہو امام اگر محمد رسول اللہ کے بعد مصلے پر کھڑا ہو جائے تو مقتدی گناہ گار ہوتے ہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۴۹۶ قاضی کمال الدین صاحب (ضلع کاٹھیاواڑ)

(جواب ۲۲) مؤذن جس وقت اقامت شروع کرے اسی وقت امام مصلے پر کھڑا ہو سکتا ہے اور اگر اس وقت کھڑا نہ ہو بلکہ حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑا ہو تو یہ بھی جائز ہے اس کے بعد بیٹھنا نہیں چاہئیے بلکہ حی علی الصلوٰۃ پر ضرور کھڑا ہونا چاہئیے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

امام اور مقتدیوں کا شروع اقامت میں کھڑا ہونا

(سوال) مقتدی اور امام کے لئے حی علی الفلاح پر کھڑے ہو جانا اور قد قامت الصلوٰۃ پر تحریمہ باندھ لینا ہر وقت مستحب اور ضروری ہے یا کسی تعذر مثلاً صف بندی کی درستگی کی بنا پر ضروری اور مستحب نہیں ۔

المستفتی نمبر ۱۵۵۱ محمد حبیب حسین (بہار) ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۹ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۳) مقتدی اور امام حی علی الفلاح پر کھڑے ہو جائیں یعنی اس کے بعد بیٹھے نہ رہیں یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کھڑے نہ ہوں اگر صف بندی کرنی ہو تو پہلے سے (یعنی شروع اقامت سے) کھڑا ہو جانا بہتر ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تکبیر اولیٰ میں شرکت کی حد

(سوال) تکبیر اولیٰ کا ثواب سورہ فاتحہ کے ختم سے قبل شریک ہونے میں ملتا ہے یا کسی بھی رکعت میں شامل ہونے سے مل جاتا ہے۔ المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ۲۴) تکبیر اولیٰ کا ثواب پہلی رکعت میں بعض فقہاء کے نزدیک قرأت شروع ہونے سے پہلے شریک ہونے والے کو اور بعض کے نزدیک سورہ فاتحہ کے ختم تک اور بعض کے نزدیک پہلی رکعت میں شریک ہونے والے کو ملتا ہے' اور ہر قول مقبول ہے وسعت رحمت باری کے لحاظ سے آخری قول راجح ہے (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) فذهب مالك و جمهور العلماء إلى أنه ليس لقيامهم حد ولكن استحب عامتهم القيام إذا أخذ المؤذن في الإقامة (عمدة القارى : باب متى يقوم الناس ۵/۱۵۳ ط بيروت) وقال الطحطاوى تحت قوله : " والقيام لإمام و مؤتم " : " والظاهر أنه احتراز عن التأخير' لا التقديم' حتى لو قام أول الاقامة لا بأس به " (حاشية الطحطاوى على الدر المختار : باب صفة الصلاة ۱/ ۲۱۵ ط دار المعرفة' بيروت' لبنان)

(۲) ايضاً

(۳) و تظهر فائدة الخلاف في وقت إدراك فضيلة تكبيرة الافتتاح فعنده بالمقارنة و عندهما إذا كبر في وقت الثناء .. و قيل بادراك الركعة الأولى و هذا اوسع' وهو الصحيح الخ (رد المحتار : باب صفة الصلاة' مطلب في وقت إدراك فضيلة الافتتاح' ۱/۵۲۶ ط سعيد)

اذان کا جواب دینا سنت ہے

(سوال) جب مؤذن اذان پڑھتا ہے تو اذان کے الفاظ دہرانا اور بعد میں دعا کا پڑھنا واجب ہے یا سنت یا مستحب اور نہ پڑھنے سے کوئی گناہ تو نہیں ہوتا۔

المستفتی نمبر ۱۶۷۳ فقیر سید منور علی صاحب (ہمت نگر) ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۴ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۵) اذان کے وقت اذان کے الفاظ کو دہرانا اور حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کی جگہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہنا اور ختم اذان کے بعد اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ الخ دعا پڑھنا سنت ہے نہ پڑھنے سے ترک سنت ہوگا۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

شہادتین سن کر انگوٹھے چومنا ثابت نہیں

(سوال) جب مؤذن اذان دیتا ہے تو سننے والا اشہد ان محمداً رسول اللہ پر دونوں انگشت چوم کر آنکھوں پر رکھتے ہیں تو کیا یہ گناہ ہے یا ثواب؟ المستفتی ۱۱۹۱ محمد موسیٰ صاحب امام مسجد مچن آباد (بہاولپور)

۱۷ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۶) شہادتین سن کر انگوٹھے چومنا ثابت نہیں (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

اذان کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں

(سوال) بعد الاذان عند الدعاء رفع یدین ثابت ہے یا نہیں۔ اگر جواب عدم میں ہو تو بخاری شریف میں جو حدیث ہے اس کا کیا مطلب ہے اذا دعا رسول اللہ ﷺ رفع یدیہ الحدیث

المستفتی نمبر ۱۹۶۱ محمد انصار الدین صاحب ۲۵ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۷) اذان کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانے کا کوئی خاص ثبوت نہیں پس عموم سے استدلال کر کے ہاتھ اٹھانا اور خصوصی ثبوت نہ ہونے کی بنا پر نہ اٹھانا دونوں باتیں جائز ہیں (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

اذان کے بعد نماز کے لئے بلانا تثویب میں داخل ہے

(سوال) (۱) اذان و اقامت کے درمیان ان الفاظ میں تثویب "اعلام بعد اعلام" ہر نماز کے لئے پکارنا الصلوٰۃ

---

(۱) ویجب وجوباً وقال الحلوانی "ندبا" والواجب الا جابة بالقدم من سمع الأذان . بان یقول بلسانه کمقالته الا فی الحیعلتین فیحوقل و فی "الصلوة خیر من النوم" فیقول صدقت و بررت . و یدعوا عند فراغة بالوسیلة لرسول الله ﷺ . (التنویر و شرحه باب الأذان ۱ / ۳۹۶ تا ۳۹۸ ط سعید)
(۲) وذکر ذلك الجراحی واطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شئ الخ (رد المحتار باب الأذان ۱ / ۳۹۸ ط سعید کمپنی) (۳) الا فضل فی الدعاء ان یبسط کفیه و یکون بینهما فرجة الخ (عالمگیریة کتاب الکراهیة باب الرابع فی الصلاة والتسبیح والذکر والدعاء ۵ / ۳۱۸ مکتبه ماجدیه کوئٹه)

والسلام علیک یارسول اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ۔ جائز ہے یا ناجائز لغت اور اصطلاح شرعیہ میں تثویب کے کیا معنی ہیں جس مسجد میں یہ تثویب کبھی نہ پکاری گئی ہو اگر وہاں کچھ لوگ اس کو پکاریں اور بغیر پکارے نماز نہ پڑھیں نہ دوسروں کو پڑھنے دیں اور ان لوگوں پر جو اس فعل کو نا مناسب اور خلاف حکم نبی کریم ﷺ کہتے ہیں لعن وطعن کریں اور ان کو وہابی دیوبندی مردود کافر کہیں اور لڑنے جھگڑنے کو تیار ہو جائیں ان کے متعلق کیا حکم ہے۔

(۲) حدیث لا تثوبن فی شیء من الصلوٰۃ الا فی صلوٰۃ الفجر ترمذی ص ۲۷(۱) کی روایت میں جو ایک راوی اسرائیلی واقع ہوئے ہیں ان کو صاحب ترمذی نے ضعیف کہا ہے تو کیا اس سے روایت قابل عمل رہتی ہے یا نہیں ان کی ثقاہت وعدالت وضبط وغیرہ کے بارے میں کتب اصول سے کیا مستنبط ہوتا ہے۔

المستفتی نمبر ۲۲۶۸ حافظ عبدالجلیل خان صاحب ۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۶ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۸) تثویب اس معنی کے لحاظ سے کہ اس سے مراد اذان اور اقامت کے درمیان میں کچھ الفاظ پکار کر لوگوں کو نماز کے لئے بلانا مد نظر ہو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اذان اور اقامت کے درمیان میں ایسی کوئی چیز نہ تھی نہ حضور ﷺ نے تعلیم فرمائی اس کو لوگوں نے بعد حضور ﷺ کے ایجاد کیا اور صحابہؓ نے اس کا انکار کیا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز کے لئے ایک مسجد میں گئے اور وہاں تثویب پکاری گئی تو وہ اس مسجد سے بغیر نماز پڑھے چلے آئے اور کہا کہ اس مبتدع کے پاس سے مجھے لے چلو یہ واقعہ ترمذی اور ابو داؤد میں موجود ہے امام ابو یوسفؒ نے قاضی یا مفتی یا کسی ایسے ہی شخص کے لئے جو خدمت مسلمین میں مشغول رہتا ہو اس امر کی اجازت دی ہے کہ اس کو اقامت سے کچھ قبل اطلاع دیدی جایا کرے تو وہ جماعت میں شریک ہو جائے اور خدمت خلق میں نقصان نہ پڑے ان کی اجازت کا بھی یہ مطلب نہیں کہ اذان اور اقامت کے درمیان تثویب کی رسم ہی قائم کرلی جائے اور پھر طرفہ یہ کہ اس کو ایک واجب کا درجہ دے دیا جائے اور منکر یا تارک کو وہابی مردود کہہ کر لعن طعن کیا جائے یہ تو یقینی تعدی اور ظلم اور انتہائی بدعت ہے ترمذی کی روایت ابو اسرائیل الملائی کی اگرچہ ضعیف ہے مگر عبداللہ بن عمرؓ کی روایت مذکورہ بالا سے اس کی تقویت ہو جاتی ہے اور وہ قابل عمل ہو جاتی ہے(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جماعت کے وقت مؤذن کا آوازبلند درود پڑھنا

(سوال) بعض جگہ یہ دستور ہے کہ جس وقت نماز کے واسطے جماعت کھڑی ہوتی ہے تو مؤذن تکبیر

---

(۱) (ترمذی' باب ماجاء فی التثویب فی الفجر ۱/ ۵۰ ط سعید کمپنی)

(۲) قال فی العنایة : " أحدث المتاخرون التثویب بین الأذان والإقامة علی حسب ما تعارفوه فی جمیع الصلوات الخ و حصر ابو یوسف بمن یشتغل بمصالح العامة کالقاضی والمفتی والمدرس الخ (رد المحتار' باب الأذان ۱/ ۳۸۹ ط سعید کمپنی) و عند المتقدمین هو مکروه فی غیر الفجر' وهو قول الجمهور الخ (البحر الرائق' باب الأذان ۱/ ۲۷۵ ط بیروت' لبنان)

پڑھنے سے پہلے باآواز بلند درود شریف پڑھتا ہے پھر اس کے ملحق تکبیر پڑھتا ہے اور ہر جماعت کے وقت یہی دستور اختیار کیا جاتا ہے آیا یہ طریقہ شرعاً مستحسن ہے اور اس طریقہ کے لئے شرعی ثبوت موجود ہے اگر شرعی ثبوت نہیں تو یہ فعل کیسا ہے؟ **المستفتی نمبر ۲۳۹۶ چودھری اسلوب الٰہی صاحب دہلی**

۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ ۱۱ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۹) اقامت سے پہلے باآواز بلند درود شریف پڑھنا کہیں ثابت نہیں نہ حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں نہ صحابہ کرامؓ اور ائمہ عظام کے زمانے میں اور اگر اس کو ایک طریقہ وائمہ بنالیا جائے تو بدعت ہے (۱) واللہ اعلم۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مؤذن کی موجودگی میں دوسرے شخص کا اذان کہنا

(سوال) ایک شخص عرصے سے مسجد کی خدمت یعنی اذان پڑھنی، تکبیر کہنی، مسجد کی صفائی دیکھ بھال وغیرہ بے غرض حسبۃً للہ باجازت موذن انجام دیا کرتا تھا وہی نہیں بلکہ اس شخص کا باپ کا بھی یہی حال تھا بعض خود غرض دشمنوں نے مسجد کے ممبران کمیٹی سے شکایت کی ممبران میں سے بعض انگریزی واں اور وکیل بھی ہیں وہ وکیل صاحبان یہ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کے سامنے کیا جواب دیں گے یہ کہہ کر اس شخص کو نیک کام سے رکوا کر محروم کر دیا کیا یہ فعل ممبران کمیٹی کو جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۶۰۰ نور الٰہی صاحب (دہلی) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ ۱۵ مئی ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۰) اگر کوئی شخص حسبۃً للہ مسجد کی خدمت، صفائی، نگرانی وغیرہ کرے تو وہ ثواب کا مستحق ہے اور اگر مؤذن مقرر نہ ہو تو اذان و اقامت کہنی بھی موجب ثواب ہے لیکن اگر مؤذن مقرر ہے تو پھر اذان و اقامت مؤذن کا حق بلکہ اس کا منصبی فریضہ ہے اگر ممبران کمیٹی مؤذن سے مواخذہ نہ کریں کہ وہ خود اذان کیوں نہیں کہتا تو مؤذن دوسرے شخص کو اذان و اقامت کی اجازت دے سکتا ہے اور اس کی اجازت سے دوسرا شخص اذان و اقامت کہہ سکتا ہے لیکن اگر کمیٹی مؤذن سے اذان نہ کہنے پر مواخذہ کرے تو کمیٹی کو اس کا حق ہے اور مؤذن کو بھی حق ہے کہ وہ خود اذان کہنے پر اصرار کرے اور دوسرے شخص کو اجازت نہ دے ایسی حالت میں اس شخص کو جو حسبۃً للہ اذان کہنا چاہتا ہے کمیٹی کے قاعدے میں اور مؤذن کے فرض منصبی کی انجام دہی میں مداخلت نہ کرنی چاہئے بلکہ اگر وہ اس ثواب کو حاصل کرنے کا آرزومند ہے تو کسی ایسی مسجد میں جہاں مؤذن تنخواہ دار مقرر نہ ہو اذان کہہ کر یہ فضیلت حاصل کرنا چاہئے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) عن عائشہؓ قالت: " قال رسول اللہ ﷺ " من أحدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فہو رد (بخاری باب اذا اصطلحوا علی صلح جوز ۱/۳۶ ط قدیمی کتب خانہ کراچی) التسلیم بعد الأذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبعمأۃ وإحدی وثمانین الخ وہو بدعۃ حسنۃ (الدر المختار باب الأذان ۱/۳۹۰ ط سعید کمپنی)

(۲) أقام غیر من أذن بغیبتہ أی المؤذن لا یکرہ مطلقاً وإن بحضورہ کرہ إن لحقہ وحشۃ الخ (التنویر و شرحہ) وفی الشامیۃ: " أی بأن لم یرض بہ الخ (باب الأذان ۱/۳۹۵ ط سعید)

شہادتیں سن کر انگوٹھے چومنا بدعت ہے

(سوال) پنجابی زبان میں ایک کتاب ہے جس کا نام پکی روٹی کلاں ہے اس میں تقبیل ابہامین وقت اذان نزدیک سننے اشہد ان محمد ارسول اللہ کے متعلق حدیث لکھی ہے کہ پیغمبر خدا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی شہادت دے نوں سن دائیں انگوٹھیاں دے اے اکھیں دے رکھدا اتے چمدا اتے پڑھدا قرة عيني بك يا رسول حق تعالٰی گناہ اسدے بخشیندا اوہے او سیدیاں اکھیں کدی درد کرن اتے پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا لے دڑساں اسنوں طرف بہشت دے جناب یہ تحریر فرمائیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا موضوع اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۶۲۹۱ علی جہاں خاں ضلع میانوالی (پنجاب)
۷ اذی الحجہ ۱۳۶۰ھ م ۵ جنوری ۱۹۴۲ء

(جواب ۳۱) تقبیل ابہامین کا کوئی پختہ ثبوت نہیں اس لئے اس کو موجب ثواب سمجھ کر کرنا بے ثبوت بات ہے البتہ بعض لوگ اس کو بیماری چشم سے محفوظ رہنے کا عمل سمجھ کر کرتے ہیں تو اس صورت میں مثل دیگر عملیات و تعویذات کے یہ عمل بھی مباح ہوگا مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تارک پر کوئی طعن یا ملامت نہ کی جائے جو اس عمل کو کرے کرے جو نہ کرے نہ کرے (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سوال مثل بالا و جواب دیگر

(سوال) اذان کے وقت انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھنا حدیث صحیح سے ثابت ہے یا نہیں اور بشرط ثبوت تارک قابل ملامت ہے یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۱۷۷۲ فیروز خاں (جہلم) یکم جمادی الاول ۱۳۶۱ھ ۱۸ مئی ۱۹۴۲ء

(جواب ۳۲) اذان میں کلمہ اشہد ان محمد ارسول اللہ سن کر انگوٹھوں کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا کوئی شرعی حکم نہیں ہے اس کے متعلق جو روایت مسند فردوس وغیرہ میں ہے وہ صحیح نہیں ہے بعض بزرگوں نے اس فعل کو آنکھوں کی بیماری سے محفوظ رہنے کا ایک عمل قرار دیا ہے تو یہ شرعی بات نہ ہوئی اگر اس کو یہ سمجھ کر کرے کہ اس عمل کو کرنے سے آنکھیں نہیں دکھتیں تو اسے اختیار ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی یہ عمل نہ کرے تو اسے مجبور نہ کیا جائے نہ اس پر اعتراض کیا جائے کیونکہ عملیات و تعویذات کوئی شرعی چیزیں نہیں ہیں ہر شخص کو حق ہے کہ کوئی عمل کرے اور تعویذ باندھے یا عمل نہ کرے اور تعویذ نہ باندھے (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) وذكر ذلك الجراحي وأطال ثم قال ولم يصح في المرفوع من كل هذا شئ الخ (رد المحتار' باب الأذان' ۱/۳۹۸ ط سعيد كمپني)
(۲) (حواله بالا)

(جواب دیگر ۳۳) تقبیل ابہامین حیثیت ایک شرعی فعل کے صحیح سند سے ثابت نہیں ہاں ایک رقیہ کی حیثیت سے بعض بزرگوں نے یہ عمل اس لئے کیا ہے کہ آنکھیں دکھنے سے محفوظ رہیں تو حیثیت رقیہ کے کوئی کرے کرے اور نہ کرے تو مورد الزام نہیں ہو سکتا(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

اذان فجر کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے بلانا

(سوال) فجر کی اذان دینے کے بعد موذن یا دوسرا کوئی شخص محلہ والوں کو نماز کے سارے محلہ میں گھر گھر پھر کر بیدار کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو کیونکر اور نہیں کر سکتا تو اس کی توضیح فرمائیں۔
المستفتی نمبر ۲۳۷۶ منشی مسرور علی صاحب۔ ملازم ہمدرد دواخانہ دہلی۔
۲۹ جولائی ۱۹۴۲ء ۱۴ رجب ۱۳۶۱ھ

(جواب ۳٤) یہ عمل اول تو تثویب میں داخل نہیں بلکہ اس سے زیادہ حیثیت رکھتا ہے دوسرے تثویب بھی ایک امر محدث اور مبتدع ہے اذان سے پہلے بہ نیت امر بالمعروف اس امر کی گنجائش ہے اذان کے بعد یہ امر کراہت سے خالی نہیں ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

(جواب از مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب) ہاں اس فعل میں کچھ مضائقہ نہیں بلکہ موجب ثواب ہے کہ یہ تثویب کے معنی میں ہے والتثویب حسن عند المتاخرین تبیین میں ہے ویؤذن الفجر ثم یقعد قدر ما یقرأ عشرین اٰیۃ ثم یثوب ثم یقعد مثل ذلک ثم یقیم ھکذا فی العالمگیری (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔ محمد مظہر اللہ غفر لہ امام مسجد جامع فتح پوری دہلی

(جواب الجواب) از حضرت مفتی اعظمؒ۔ تثویب کو اگرچہ متاخرین حنفیہ نے مستحسن قرار دیا ہے مگر اس میں شبہ نہیں کہ یہ امر محدث ہے یعنی رسول خدا ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں تثویب نہ تھی حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ اس کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے ایک مسجد میں نماز پڑھنے گئے وہاں مؤذن نے تثویب کی تو وہ بغیر نماز پڑھے چلے آئے اور چونکہ نابینا ہو گئے تھے اس لئے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس بدعتی کے پاس سے ہم کو لے چلو عن مجاھد قال دخلت مع عبداللّٰہ بن عمر مسجد او قد اذن فیہ و نحن نرید ان نصلی فیہ فثوب المؤذن فخرج عبداللہ بن عمر من المسجد وقال اخرج بنا من عند ھذا المبتدع ولم یصل فیہ (ترمذی شریف)(٤) نیز متاخرین حنفیہ کا تثویب کو مستحسن فرمانا اور اس کی یہ تعریف کرنا کہ اذان کے بعد تھوڑا وقفہ کر کے مؤذن یہ الفاظ پکار کر کہے الصلوۃ یا قامت

---

(۱) (حوالہ بالا ۲ صفحہ گزشتہ)
(۲) قال فی العنایۃ : " احدث المتاخرون بین الأذان والا قامۃ علی حسب ما تعارفوہ . و خصہ أبو یوسف بمن یشتغل بمصالح العامۃ کالقاضی والمفتی والمدرس الخ (رد المختار : باب الأذان ۱/ ۳۸۹ ط سعید)
(۳) (باب الأذان' الفصل الثانی فی کلمات الأذان والا قامۃ و کیفیتھما' ۱ /۵٦ ط ماجدیہ)
(٤) (باب ماجاء فی التثویب فی الفجر' ۱/ ۵۰ ط سعید)

قامت وغیرہ تو یہ عمل عام طور پر مساجد حنفیہ میں معمول نہیں ہے عام عمل اس پر ہے کہ جو جامع صغیر کی روایت سے تثویب کا مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے و فی الجامع الصغیر انه یکرہ فی سائر الصلوٰت (جامع الرموز ص ۵۷ ج ۱)(۱) پھر تثویب جس کو متاخرین حنفیہ مستحسن فرماتے ہیں وہ صرف مؤذن کا عمل ہے دوسروں کا نہیں۔ قید بکون المثوب هو المؤذن لانه لا ینبغی لاحدان یقول لمن فوقه فی العلم والجاہ حان وقت الصلوۃ سوی المؤذن لانه استفضال لنفسه (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۰۷)(۲) میں نے پہلے جواب میں اس امر کی طرف اشارہ کیا تھا کہ محلہ میں گھر گھر جا کر بیدار کرنا تثویب سے کچھ زیادہ ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ تثویب تو مؤذن کا مسجد میں اذان کے بعد الفاظ معہودہ پکار کر کہنے کا نام ہے اور یہ عمل اس سے آگے بڑھ کر گھروں پر جانے اور کنڈیاں کھٹکھٹا کر لوگوں کو جگانے اور کئی کئی آدمیوں کا مل کر گھومنے پر مشتمل ہے اور یہ امور تثویب معروف عند الفقہا سے جس کو انہوں نے مستحسن فرمایا ہے یقیناً زیادہ ہیں صرف مؤذن کی تثویب بھی نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کے زمانہ مبارک میں نہیں تھی ولم یکن فی زمنه ﷺ ولا فی زمن الصحابةؓ (طحطاوی) یعنی تثویب حضور ﷺ کے زمانے میں اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں نہ تھی۔

اور ان زیادہ باتوں کا وجود بھی مستحدث اور مبتدع ہونے کے علاوہ کئی منکرات پر مشتمل یا محتمل ہو سکتا ہے اول یہ کہ جگانے والے اور کنڈیاں بجا بجا کر بیدار کرنے والے بسا اوقات ایسے گھروں کی کنڈیاں بھی کھٹکھٹا دیں گے جن میں کوئی مریض ہو جو درد و تکلیف کی وجہ سے رات بھر سو نہ سکا تھا اس کی اسی وقت آنکھ لگی تھی وہ جاگ کر پھر درد و کرب میں مبتلا ہو گیا۔ دوم یہ کہ بعض گھر والے بیباک اور دنیوی حیثیت سے بڑی پوزیشن والے ہوتے ہیں اور جگانے والے بے چارے غریب اور دنیوی حیثیت سے کم درجے کے ہوتے ہیں تو گھر والے بجائے ان کی بات سننے کے ان کو گالیاں دینے لگتے ہیں یہاں تک بھی صبر کیا جا سکتا تھا مگر وہ بیباکی اور دلیری سے نعوذ باللہ خدا اور رسول اور نماز کی شان میں بھی ایسے کلمات کہہ دیتے ہیں جو کفر تک نوبت پہنچا دیتے ہیں اور چونکہ اسلامی حکومت اور محکمہ احتساب موجود نہیں اس لئے اس کا کوئی تدارک نہیں ہو سکتا مجھے خوف ہے کہ ایسی صورت میں ان کے کفر کی کسی حد تک ذمہ داری ان جگانے والوں پر بھی نہ آجائے جنہوں نے تبلیغ و تذکیر میں حکمت و موعظہ حسنہ کی رعایت میں کوتاہی کی اور اس وجہ سے ایک مسلمان (گو فاسق ہو) کافر ہو گیا سوم یہ کہ یہ جگانے والے اگر مرتاض اور مخلص نہ ہوں تو ان میں اپنے متعلق تکبر اور ترفع اور دوسرے لوگوں کے متعلق نفرت و حقارت کے جذبات بڑی حد تک پیدا ہونے کا یہ عمل قوی ذریعہ بن جاتا ہے حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں یہ عمل اختیار نہیں کیا گیا باوجود یہ کہ نماز اور جماعت سے رہ جانے والوں کا وجود اس زمانہ میں بھی تھا جو وعید احراق بیوت کی روایت سے واضح

---

(۱) (فصل الأذان ۱/ ۱۲۵ ط قران)

(۲) (باب الأذان ۱/ ۱۱۷ ط مصر)

ہے۔

بہر حال اذان کے بعد تو یہ عمل ضرور مکروہ ہے اور اذان سے پہلے بھی ہر دروازے کی بلا تمیز کنڈی بجانا خطرناک اور گلی میں سے درمیانی درجہ کی آواز دیتے ہوئے نکل جانا مباح اور جس شخص پر بھروسہ ہو یا جس کی طرف سے اجازت ہو اس کو جگا دینا مستحسن ہے۔

حضرت امام یوسفؒ نے ایسے لوگوں کے لئے جو امور مسلمین یعنی اسلامی ضروریات میں مصروف رہتے ہوں یہ اجازت دی ہے کہ اذان کے بعد جب جماعت کا وقت قریب ہو اور موذن ان کو دوبارہ اطلاع کردے تو وہ دوسری بات ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے

(سوال) مسئلہ درمختار میں لکھا ہے کہ ایک شخص کو ایک وقت میں دو مسجدوں میں اذان کہنا مکروہ ہے اور رکن الدین کتاب میں لکھا ہے کہ اذان کے بعد نماز اس مسجد میں نہ پڑھے تو دوسری مسجد میں اذان کہنا مکروہ نہیں ان دونوں میں سے صحیح مسئلہ کون سا ہے؟

المستفتی نظیر الدین امیر الدین (امیزہ ضلع مغربی خاندیس)

(جواب ۳۵) ہاں اگر اذان کے بعد نماز اس مسجد میں نہ پڑھے تو دوسری مسجد میں اذان کہنا مکروہ نہیں یہی مطلب درمختار کی عبارت کا ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اذان کے بعد دعا میں "والدرجة الرفيعة" اور "وارزقنا شفاعة" کا اضافہ

(سوال) اذان کی دعا میں بعد والفضيلة کے والدرجة الرفيعة اور بعد وعدته کے وارزقنا شفاعته اکثر لوگ پڑھتے ہیں کیا ان کلمات کی کوئی اصل ہے؟

(جواب ۳۶) اذان کے بعد دعائے مسنون یہ ہے۔ **اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوٰة القائمة آت محمد ان الوسيلة والفضيلة وبعثه مقاما محمودان الذى وعدته (كذافى البخارى ص ۸۶)** (۲) اور **الدرجة الرفيعة** اور **وارزقنا شفاعته يوم القيامة** کا ثبوت نہیں۔ ہاں آخر میں **انك لا تخلف الميعاد** بیہقی کی ایک روایت میں آیا ہے (کذافی الشامی)(۳) پس غیر ثابت الفاظ کو نہ پڑھنا ہی بہتر ہے لیکن

---

(۱) يكره له أن يؤذن فى مسجدين (درمختار) و فى الشامية : " إذا صلى فى المسجد الأول يكون متنفلاً بالأذان فى المسجد الثانى' والنفل بالأذان غير مشروع' ولأن الأذان للمكتوبة' وهو فى المسجد الثانى يصلى النافلة' فلا ينبغى أن يدعو الناس إلى المكتوبة' وهو لا يساعد هم فيها الخ (باب الأذان' ۱/ ۴۰۰ ط سعيد كمپنى)

(۲) (بخارى' باب الدعاء عند النداء' ۱/ ۸۶ ط قديمى كتب خانه ' كراچى)

(۳) وروى البخارى وغيره : " من قال حين يسمع النداء اللهم رب هذه الدعوة التامة" الخ وقال ابن حجر فى شرح المنهاج: " و زيادة والدرجة الرفيعة و ختم بيا أرحم الراحمين لا أصل لهما " (رد المحتار : باب الأذان' ۱/ ۳۹۸ ط سعيد كمپنى)

اگر کوئی شخص اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں پڑھ لے تو مضائقہ بھی نہیں۔
محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

رمضان المبارک میں مغرب کی نماز کو تاخیر سے پڑھنا

(سوال) رمضان المبارک میں بعد اذان مغرب کے عموماً افطاری کی وجہ سے جماعت میں توقف ہوتا ہے اس کی کیا دلیل ہے اور کس قدر وقفہ چاہئیے ؟

(جواب ۳۷) مغرب کی اذان اور اقامت میں اتصال نہ کرنا چاہئیے تھوڑا سا فرق ضروری ہے مقدار فرق میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہونا چاہئیے اور امام ابو یوسف و امام محمدؒ کے نزدیک اس قدر بیٹھنا چاہئیے جس قدر دو خطبوں کے درمیان بیٹھتے ہیں **ان العلماء اتفقوا علی انه لا یصل الاقامة بالا ذان فی المغرب بل یفصل بینهما لکنهم اختلفوا فی مقدار الفصل فعند ابی حنیفةؒ المستحب ان یفصل بینهما بسکتة یسکت قائما ساعة ثم یقیم و مقدار السکتة عنده قدرما یتمکن فیه من قراء ة ثلث ایات اوایة طویلة و عندهما یفصل بینهما بجلسة خفیفة مقدار الجلسة بین الخطبتین کذافی الهدایة**(۱) **الجلد الاول ص ۷۳** اور رمضان المبارک میں اگر افطاری کی وجہ سے قدرے تاخیر بھی ہو جائے تو مضائقہ نہیں ہے یہ تاخیر کسی کے انتظار کی نہیں ہے بلکہ ایک واقعی ضرورت ہے ہاں زیادہ تاخیر نہ کی جائے۔ واللہ اعلم بالصواب
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ مدرسہ امینیہ دہلی

اذان میں روافض کی طرف سے کیا گیا اضافہ ثابت نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۵ فروری ۱۹۳۴ء)

(سوال) شیعہ صاحبان اپنی اذان میں بآواز بلند ان مقامات میں جہاں مکانات اہل سنت والجماعت کے ملحق بہ مسجد شیعان ہیں مندرجہ ذیل کلمات بھی کہتے ہیں **علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفة بلا فصل.** یہ کلمات تبرا میں داخل ہیں یا نہیں اور پانچوں وقت اذان میں ہم لوگوں کو سننا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۸) یہ الفاظ اگرچہ اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے خلاف ہیں مگر حدود تبرا میں داخل نہیں ہیں اور سنیوں کو ان کے سننے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) (حاشیه هدایة ، باب الأذان ۱ / ۹۳ ط مکتبه شرکة علمیه ملتان)
(۲) والزیادة فی الأذان مکروهة الخ (البحر الرائق باب الأذان ۱ / ۲۶۱ ط بیروت لبنان)

دوسرا باب
اوقات نماز

نماز فجر، ظہر اور عصر کا مستحب وقت کیا ہے؟

(سوال) ایک شخص پابند نماز پنجگانہ باجماعت کا ہے اور اعتقاداً مسائل شافعی پر کاربند ہے اور مسجد ہذا کا مہتمم بھی ہے اگرچہ اکثر نمازیان حنفی المذہب بھی اس جامع مسجد کے مہتمم ہیں لیکن بوجہ پابندی جماعت اور خاندانی شرافت اور مولوی صاحب کہلانے کے اور تمام محلے کے نمازیوں پر حاوی ہو جانے کے نماز صبح اور نماز ظہر و عصر پر تکرار کر کے اپنے اعتقاد کے موافق اوقات ہذا میں امام کو زبردستی کھڑا کر لیتے ہیں بسا اوقات یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ جس کو اس مسجد میں نماز پڑھنی ہو انہیں اوقات میں پڑھے۔ کہتے ہیں کہ نماز صبح کی غلس میں پڑھو اور حنفی کہتے ہیں اسفار میں پڑھو ہم ان لفظوں کے معنی نہیں سمجھتے ہمیں گھڑی کی رو سے وقت بتایئے؟

(جواب ۳۹) حنفیہ کے نزدیک نماز فجر اسفار میں (یعنی اجالا کر کے) پڑھنا مستحب ہے لیکن یہاں تک کہ اگر نماز میں کوئی فساد واقع ہو جائے تو قراۃ مستحبہ کے ساتھ طلوع آفتاب سے قبل نماز کا اعادہ ہو سکے یستحب تاخیر الفجر ولا یؤخرھا بحیث یقع الشك فی طلوع الشمس بل یسفر بھا بحیث لو ظھر فساد صلوۃ یمکنه ان یعید ھا فی الوقت بقراء ۃ مستحبة کذافی التبیین (ہندیہ)(۱) اور غلس یعنی اندھیرے میں پڑھنا خلاف اولیٰ ہے اور امام جب کہ ہمیشہ اسی وقت نماز پڑھائے اور نمازیوں کا اکثر حصہ جماعت میں شریک نہ ہو سکے تو اسے روک دینے کا حق جماعت کے غالب گروہ کو حاصل ہے ظہر کا وقت آفتاب ڈھلنے کے بعد شروع ہو کر ہر شے کے سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل سایہ ہونے تک ہے ووقت الظھر من الزوال الی بلوغ الظل مثلیه سوی الفئی کذافی الکافی وھو الصحیح ھکذا فی محیط السرخسی (ھندیه) (۲) اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ ووقت العصر من صیرورۃ الظل مثلیه غیر فیئی الزوال الی غروب الشمس ھکذا فی شرح المجمع (ہندیہ)(۳) اور وقت مستحب آفتاب کے زرد ہونے سے پہلے تک ہے اس کے بعد غروب آفتاب تک وقت مکروہ ہے لیکن گرمیوں میں ظہر کی نماز مؤخر کر کے پڑھنا اور جاڑوں میں اول وقت پڑھنا مستحب ہے اور عصر کی نماز اس قدر مؤخر کرنا کہ آفتاب زرد نہ ہو جائے مستحب ہے ویستحب تاخیر الظھر فی الصیف و تعجیله فی الشتاء ھکذا فی

---

(۱) (الفصل الثانی فی بیان فضیلة الأوقات' ۱/ ۵۱، ۵۲ ط مکتبه ماجدیه کوئٹه)

(۲) (الفصل الأول فی أوقات الصلاۃ' ۱: ۵۱ ط مکتبه ماجدیه' کوئٹه)

(۳) (ایضاً)

الکافی و یستحب تاخیر العصر فی کل زمان مالم تتغیر الشمس الخ (ہندیہ مختصراً)(۱)
محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی

ظہر اور عصر کے وقت کی تحقیق

(سوال) حنفیہ کے نزدیک انتہائے وقت ظہر کہاں تک ہے ایک مثل تک یا دو مثل تک۔ یعنی نماز کب سے قضاء پڑھنی چاہیے اور نماز عصر کس وقت پڑھنی چاہیے ؟

(جواب ٤٠) امام ابو حنیفہؒ سے ظاہر روایت جو اکثر متون میں منقول ہے وہ یہی ہے کہ ظہر کا وقت زوال سے شروع ہو کر دو مثل سایہ ہونے تک باقی رہتا ہے اور اس روایت کو بدائع و محیط و ینابیع میں صحیح اور غیاثیہ میں مختار بتایا ہے اور اسی کو امام محبوبی نے اختیار کیا ہے اور امام نسفی اور امام صدر الشریعۃ نے اس پر اعتماد کیا ہے لیکن خود امام صاحبؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے اور دوسرے مثل سے عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور یہ مذہب امام ابو یوسفؒ اور امام محمد اور امام زفر اور ائمہ ثلاثہ (امام مالک امام شافعی اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کا ہے اور امام طحاوی نے فرمایا کہ ہم اسی کو لیتے ہیں اور غرر الاذکار میں اسے ماخوذ بہ اور برہان میں اسے اظہر کہا ہے اور فیض میں لکھا ہے کہ اسی پر لوگوں کا عمل ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ انتہی۔ یہ تمام مضمون درمختار اور ردالمحتار میں موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلے میں مشائخ مذہب کا اختلاف ہے اور تصحیح اور فتویٰ بھی مختلف ہے بعضوں نے دو مثل کے قول کو ترجیح دی ہے اور بعضوں نے ایک مثل کی روایت کو مختار اور مفتی بہ بتایا ان دو قولوں اور دو روایتوں کے علاوہ امام صاحب سے ایک تیسری روایت اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل کے اندر پڑھ لی جائے اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھی جائے اور اس روایت کو شیخ الاسلام نے بہ نظر احتیاط پسند کیا ہے کہ اس میں دونوں نمازیں باتفاق ائمہ اپنے وقت میں بے تردد صحیح ہو جائیں گی۔(۲) واللہ اعلم

مثل اول کے بعد نماز عصر کا حکم

(سوال) یہاں ازروئے مذہب شافعی نماز عصر سایہ اصلی کے سوا ایک سایہ پر ادا کی جاتی ہے۔ دریافت

---

(۱) (الفصل الثانی فی بیان فضیلة الأوقات ۱/ ۵۲ ط ماجدیه)

(۲) (وقت الظهر من زواله الی بلوغ الظل مثلیه و عنده مثله وهو قولهما وزفر والا ئمة الثلاثة 'قال الإمام الطحاوی: "و به ناخذ' و فی غرر الأذکار وهو ماخوذ به' و فی البرهان : " هو الأظهر " و فی الفیض : " و علیه عمل الناس الیوم" و به یفتی (درمختار) و فی الشامیة : " (قوله إلی بلوغ مثلیه) هذا ظاهر الروایة عن الإمام " نهایة" وهو الصحیح " بدائع و محیط و ینابیع" وهو المختار " غیاثیة " واختاره الإمام المحبوبی الخ و فی روایة عنه ایضاً أنه بالمثل یخرج وقت الظهر ولا یدخل وقت العصر الإ بالمثلین ذکرها الزیلعی وغیره' والأحسن ما فی السراج عن شیخ الإسلام ان الاحتیاط أن لا یؤخر الظهر إلی المثل وأن لا یصلی العصر حتی یبلغ المثلین لیکون مؤدیا للصلاتین فی وقتهما بالإ جماع (کتاب الصلوة : ۱/ ۳۵۹ ط سعید کمپنی)

طلب یہ ہے کہ آیا احناف مقتدیوں کی اقتدا شافعی المذہب امام کے ساتھ درست ہو گی یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۳۱ منشی ناظم حسین صاحب کلیان۔ ۴ شعبان ۱۳۵۲ھ م ۲۳ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۴۱) ایک مثل سایہ ہو جانے پر عصر کا وقت ہو جانے کا بہت سے مشائخ حنفیہ نے بھی فتویٰ دیا ہے اس لئے ایک مثل ہو جانے کے بعد شافعی جماعت میں حنفی شریک ہو کر نماز عصر ادا کر سکتے ہیں (ایک مثل سے مراد سایہ اصلی کے سوا مثل ہے) وعنہ مثلہ وھو قولھما وزفر والائمۃ الثلاثۃ قال الامام الطحاوی وبہ ناخذ وفی غرر الاذکار وھوالماخوذ بہ وفی البرھان وھوالاظھر لبیان جبریل وھو نص فی الباب وفی الفیض وعلیہ عمل الناس وبہ یفتی (در مختار علی ہامش رد المحتار ص ۲۵۱ ج ۱)(۱)

نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے

(سوال) بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نماز نہ پڑھی جائے اگر یہ صحیح ہے تو فقہ کی کتابوں میں نفل نماز کے سوا دیگر نمازوں کا جواز کیوں بتایا ہے ؟

المستفتی نمبر ۴۰۱ محمد عبدالحفیظ (ضلع نیل گری) ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ م ۲۶ ستمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۲) بخاری شریف کی وہ حدیث جس میں عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز پڑھنے کی ممانعت ہے اس میں نفل نماز کی ہی ممانعت مراد ہے یہ تصریح نہیں ہے کہ نفل و فرض کوئی نماز نہیں ہو سکتی (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عشاء کو کب تک مؤخر کر سکتے ہیں ؟

(سوال) مسجد کے باہر کوئی پچاس فٹ پر وعظ ہو رہا تھا اتنے میں نماز عشاء کے لئے اذان ہوئی جس کو لوگوں نے بخوبی سنا یہاں کی مسجد میں اذان ہوا کرتی ہے جس کی آواز عام طور سے دوڈھائی سو گز کے فاصلے سے سنی جاتی ہے کیا بعد اذان وعظ یا کسی دنیاوی اغراض کے لئے نماز میں تاخیر کی جا سکتی ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۱۳۱ نصیر الدین صاحب (ضلع رنگپور) ۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ۱۵ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۳) اذان سننے کے بعد جماعت میں شرکت بہتر تھی لیکن اگر اہل جلسہ اسی مسجد کے نمازی نہ تھے اور جلسہ بھی کسی صحیح شرعی غرض کے لئے تھا اور انہوں نے ختم جلسہ کے بعد کسی دوسری مسجد یا دوسری جگہ میں جماعت سے نماز پڑھنے کا ارادہ کر لیا تھا تو وقت مستحب تک نماز کی تاخیر کا مضائقہ نہ تھا (۳) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) (کتاب الصلوۃ : ۱/ ۳۵۹ ط سعید کمپنی)

(۲) عن ابن عباس قال : " شهد عندی رجال مرضيون وأرضاهم عندی عمرؓ ان النبی ﷺ نهیٰ عن الصلاة بعد الصبح حتی تشرق الشمس و بعد العصر حتی تغرب (باب الصلاة بعد الفجر حتی مرتفع الشمس ۱/ ۸۲ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)

(۳) و یستحب . و کذا تاخیر العشاء إلی ثلث اللیل (عالمگیریه الفصل الثانی فی بیان فضیلة الأوقات: ۱/ ۵۲ ماجدیه کوئٹه)

شفق ابیض غائب ہونے کے بعد عشاء پڑھنا بہتر ہے

(سوال) آپ تعلیم الاسلام میں شفق ابیض کے غائب ہو جانے سے مغرب کا اخیر وقت بتلاتے ہیں حالانکہ شامی وغیرہ کتابوں میں شفق احمر کے غائب ہو جانے سے اخیر وقت بتاتے ہیں (بنابر مذہب مفتی بہ) اس میں محقق قول کیا ہے؟ المستفتی نمبر ۱۱۸۷ پروفیسر محمد طاہر صاحب ایم اے (ضلع میمن سنگھ)
۲۶ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ٤٤) شفق ابیض غائب ہونے کے بعد عشاء پڑھنا احوط ہے اس احتیاط کے پیش نظر یہ قول اختیار کیا گیا ہے (۱)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نماز فجر اور عصر کے بعد نوافل کا حکم

(سوال) فجر اور عصر کی فرض نمازوں کے پڑھنے کے بعد دوسری کوئی نماز پڑھنی کیوں ممنوع ہے؟
المستفتی ۱۵۲۲ خواجہ عبدالمجید شاہ صاحب (بنگال) ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ۲۲ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٥) فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نفل نماز مکروہ ہے قضا فرض اور واجب نماز کی جائز ہے (۲)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

طلوع فجر کے بعد سنت کے علاوہ نوافل پڑھنا مکروہ ہے

(سوال) کیا صبح کی نماز سے پہلے نوافل نہیں پڑھے جا سکتے؟
المستفتی نمبر ۱۶۲۳ ملک محمد امین صاحب (جالندھر) ۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٦) ہاں طلوع صبح صادق کے بعد سوائے سنت فجر کے اور کوئی نفل نماز نہیں (۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد میں جماعت کی نماز کے لئے وقت مقرر کرنا

(سوال) عام رواج ہے کہ مقررہ وقت گھڑیوں سے لیا جاتا ہے کوئٹہ میں نماز ظہر کا وقت تین بجے ہے اور عصر کا وقت ساڑھے پانچ بجے ہے اور مغرب کا وقت آٹھ بجکر بیس منٹ کا ہے اور عشاء کا وقت ۹ بجکر ۴۵

---

(۱) ووقت المغرب منه إلى غيبوبة الشفق' وهو الحمرة عند هما' و به يفتي و عندابي حنيفة الشفق هو البياض الذى يلي الحمرة وقول ابي حنيفة . رحمه الله أحوط لأن الأصل في باب الصلوٰة أن لا يثبت فيها ركن ولا شرط إلا بما فيه يقين (عالمگيرية : الفصل الأول في اوقات الصلاة ١ / ٥١ ط ماجديه كوئته)
(۲) وكره نفل . ولو سنة الفجر بعد صلاة الفجر و صلاة العصر . ولا يكره قضاء فائتة ولو وتراً الخ الدر المختار : كتاب الصلاة ' ١ / ٣٧٤' ط سعيد كمپنى)
وكذا الحكم من كراهة نفل وواجب لغيره ' لا فرض و واجب لعينه بعد طلوع فجر سوى سنته لشغل
(۳) الوقت به تقديراً الخ (الدر المختار : كتاب الصلاة ١ / ٣٧٥ ط سعيد كمپنى)

منٹ اور مسجد میں گھڑی موجود ہے اگر مولوی صاحب سے کہا جاتا ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے تو مولوی صاحب جواب دیتے ہیں کہ وقت مقرر کرنے والا کافر ہے اور پیش امام سے کہنے والا کافر۔ جب ان سے سوال کیا گیا تو کہتے ہیں کہ ہم آل رسول ہیں ابو طالب کے پوتے ہیں ایسوں کو کوئی حق نہیں ہے جو آل رسول ﷺ سے یا پیش امام سے کہے کہ نماز پڑھایئے جس وقت امام کی خوشی ہو نماز ادا کر سکتا ہے اگر ان سے گھڑی دیکھ کر کہا جائے کہ مولانا صاحب نماز کا وقت ہو گیا ہے تو ان الفاظ کو بے ادبی سمجھتے ہیں اور مثلاً نماز کا وقت ۳ بجے مقرر ہے پچاس ساٹھ آدمی نماز کے واسطے بیٹھے ہیں یکےبعد دیگرے آدمی آتے ہیں اور سنت ادا کرتے ہیں توان کی سنت کی وجہ سے فرض نماز ادا نہیں کر سکتے یا ان کے واسطے ٹھہرنا چاہئے اور مولانا صاحب کو ۲۲ روپے ماہوار تنخواہ صرف نماز ادا کرنے کی ملتی ہے تو تنخواہ مقرر کر کے نماز پڑھانی جائز ہے کہ نہیں اس مسجد میں نماز پڑھنے والے ملازمت پیشہ آتے ہیں ان کو وقت کی بڑی پابندی ہوتی ہے اور مولانا صاحب کا یہ فرمان ہے کہ جس کی تم ملازمت کرتے ہو اگر وہ تم کو نماز کی چھٹی نہ دے تو نوکری کرنی حرام ہے نماز کی چھٹی ملتی ہے مگر وقت کی پابندی نہیں ہے۔ المستفتی نمبر ۱۹۱۷ ایس ایم یوسف علی۔ کوئٹہ بلوچستان

۱۹ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۷) امام کا یہ کہنا کہ "وقت مقرر کرنے والا کافر ہے اور امام سے یہ کہنے والا کہ وقت ہو گیا کافر ہے اور امام کو حق ہے کہ جب چاہے نماز پڑھاوے اور اس سے نماز پڑھانے کو کہنا توہین ہے" یہ سب باتیں غلط ہیں امام کو چاہئے کہ نمازیوں کی آسانی کا لحاظ کرتے ہوئے وقت مقرر کرے اور مقررہ وقت پر نماز پڑھاوے ورنہ خود گناہ گار ہو گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

رمضان المبارک میں صبح کی نماز جلدی پڑھ لینے میں مضائقہ نہیں

(سوال) ہماری مسجد کے امام عرصہ چھ برس سے رمضان المبارک میں ایک مہینہ تک صبح کی نماز اس وقت پڑھاتے ہیں کہ جب سحری کے آخری گولے چھوٹ جاتے ہیں تو فوراً اذان دلواتے ہیں اذان کے دس منٹ کے بعد فوراً نماز پڑھانے کھڑے ہو جاتے ہیں اکثر مقتدیوں نے دریافت کیا تو یہ حدیث انہوں نے سنائی کہ (والفجر حین حرم الطعام والشراب علی الصائم) حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھائی جبریل نے مجھے صبح کی اس وقت جب کہ حرام ہوا کھانا پینا روزہ دار پر (رواہ ابو داؤد وغیرہ)(۱) اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے لہذا گزارش ہے کہ یہ نماز صحیح ہوئی یا نہیں یہ بھی واضح رہے کہ اس نماز میں کم از کم دو سو آدمی جمع ہو جاتے ہیں تمام مقتدی امام صاحب کے موافق ہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۹۷۹ محمد نذیر لال کنواں دہلی۔ ۲۶ شعبان ۱۳۵۶ھ ۳ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۸) جبرئیلؑ کی نماز اوقات کی ابتدا اور انتہا معین کرنے کی نیت سے تھی پس اس حدیث کا

---

(۱) (سنن ابی داؤد : باب فی المواقیت ' ۱ / ۶۲ ط مکتبۃ امدادیۃ' ملتان)

مطلب یہ ہے کہ نماز فجر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے کہ صائم پر کھانا پینا حرام ہو جائے یعنی صبح صادق طلوع ہو جائے حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رمضان شریف میں صبح کی نماز باقی سال کی صبح کی نماز سے کچھ مختلف ہے یہ نماز اگر صبح صادق ہونے کے بعد ہوتی ہے تو نماز صحیح ہو جاتی ہے اور رمضان المبارک میں مصلحتہً جلدی پڑھ لینے میں مضائقہ نہیں ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نماز جمعہ کا وقت ظہر کی طرح ہے

(سوال) نماز جمعہ کا صحیح وقت از روئے حدیث و قرآن کیا ہے اور مذہب حنفیہ میں کس وقت نماز جمعہ جائز ہے ؟ کیونکہ یہاں کے مفتی صاحبان کہتے ہیں کہ دوپہر کے وقت بعد زوال سایہ کو دس قدم و آٹھ قدم و ساڑھے چھ قدم ماپو۔ حدیث قرآن میں اس کی کچھ اصلیت ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۴۷۵ عبدالقدوس صاحب اسلام آباد (کشمیر) ۱۸ صفر ۱۳۵۸ھ ۹ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۴۹) آنحضرت ﷺ جمعہ کی نماز زوال کے بعد متصل پڑھتے تھے یعنی زیادہ تاخیر نہیں فرماتے تھے سردی کے موسم میں زوال کے بعد متصل نماز پڑھنا اولیٰ اور افضل ہے اور گرمی کے موسم میں زوال کے بعد ایک گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ کی تاخیر کرنے کا مضائقہ نہیں 'مگر پونے چار بجے جمعہ کی نماز پڑھنا کسی طرح ثابت نہیں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جماعت کے وقت جنازہ آجائے تو کس کو مقدم کیا جائے ؟

(سوال) فجر 'ظہر 'عصر 'مغرب اور عشاء کے مستحب وقت میں جنازہ آئے تو پہلے نماز کونسی گزارنی چاہئیے۔

المستفتی نمبر ۲۴۸۳ محمد یوسف صاحب (ناسک) ۲۵ صفر ۱۳۵۸ھ ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۵۰) مغرب کی نماز کا تو ہمیشہ یہی حکم ہے کہ پہلے مغرب کی نماز ادا کی جائے پھر جنازے کی نماز پڑھی جائے باقی نمازوں کا حکم یہ ہے کہ اگر وقت فرض کے لئے تنگ ہو یا روزانہ جماعت کا مقررہ وقت ہو گیا تو ان دونوں صورتوں میں بھی پہلے فرض نماز ادا کی جائے پھر جنازہ کی نماز کیونکہ فرض کی جماعت میں بہت سے افراد ایسے ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں جو ضرورت مند اور کاروباری لوگ ہیں اور ان کی جنازے میں شرکت لازمی نہیں جمعہ اور عیدین کی نمازیں بھی جنازے سے پہلے اس غرض سے ادا کی جاتی ہیں کہ اس

---

(۱) عن قتادة عن أنس أن زيد بن ثابت حدثه انهم تسحروا مع النبي ﷺ ثم اقاموا إلى الصلوة' فقلت : " كم بينهم " قال: " قدر خمسين أو ستين" يعني آية (بخاری باب وقت الفجر ۸۱/۱ ط قديمي كتب خانه' كراچی) و وقت الفجر من طلوع الفجر الثاني' وهو البياض المنتشر المستطير لا المستطيل إلى قبيل طلوع ذكاء الخ (الدر المختار 'كتاب الصلوٰة ۳۵۹/۱' ط سعيد كمپنی)

(۲) و جمعة كظهر أصلاً واستحباباً في زمانين' لا نها خلفه الخ (درمختار) و في الشامية : " أي في الشتاء والصيف الخ (كتاب الصلاة' ۳۲۷/۱' ط سعيد كمپنی)

میں ایک جماعت عظیمہ شریک ہوتی ہے اور جنازے کی تقدیم کی صورت میں انتشار جماعت کا خوف ہے ہاں فجر اور ظہر 'عصر اور عشاء کی نمازوں کی جماعت کے روزانہ مقررہ وقت سے پہلے جنازہ آجائے تو جنازے کی نماز پڑھ لی جائے اس کے بعد مقررہ وقت پر جماعت فرض ادا کی جائے اس صورت میں یہ لازم نہیں کہ فرض نماز ضرور پہلے ادا کی جائے کیونکہ وقت میں گنجائش ہے اور روزانہ مقررہ وقت سے پہلے فرض پڑھ لینے میں تفویت یا تقلیل جماعت لازم آتی ہے یا جنازے کی بلاوجہ تاخیر کرنی پڑے گی اور یہ سب مکروہ ہے (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

مغرب کا وقت کب تک رہتا ہے ؟

(سوال) اگر چھ بج کر پندرہ منٹ پر مغرب کی نماز ہوتی ہے تو مغرب کی نماز کب تک پڑھ سکتے ہیں اور عشا کی نماز کا وقت کس وقت سے شروع ہو گا ؟ بینوا توجروا

المستفتی نمبر ۲۸۰۸ نعمت اللہ بار کپور۔ ۲۵ صفر ۱۳۶۵ھ

(جواب ۵۱) مغرب کا وقت غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ بیس منٹ سے ایک گھنٹہ پینتیس منٹ تک مختلف موسموں کے لحاظ سے رہتا ہے ایک گھنٹہ بیس منٹ سے کم نہیں ہے اور ایک گھنٹہ پینتیس منٹ سے زیادہ نہیں ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

طلوع آفتاب 'زوال اور غروب کے وقت کوئی نماز جائز نہیں۔ جواب دیگر

(سوال) طلوع آفتاب ونصف النہار وغروب آفتاب ان تینوں وقتوں میں نماز ' سجدہ تلاوت و نماز جنازہ کیوں ممنوع ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۴۷۲ شیخ اعظم شیخ معظم (دھولیہ ضلع مغربی خاندیس)

۸ صفر ۱۳۵۸ھ ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء

(جواب ۵۲) یہ تینوں وقت بتوں کی عبادت اور پوجا کے ہیں اور ان میں شیطان خوش ہوتا ہے کہ کوئی بتوں کی عبادت کرے اور خدا کی عبادت کرنے والوں کی حالت بھی مشتبہ ہو سکتی ہے اس لئے ان اوقات میں

---

(۱) و تقدم صلاتها على صلاة الجنازة إذا اجتمعا' لانه واجب عيناً و الجنازة كفاية و تقدم صلاة الجنازة على الخطبة و على سنة المغرب وغير ها الخ لكن فى آخر أحكام دين الأ شباه : ينبغي تقديم الجنازة والكسوف حتى على الفرض مالم يضق وقته الخ (درمختار) و في الشامية : ولو اجتمع عيد و كسوف و جنازة ينبغي تقديم الجنازة' وكذا لو اجتمعت مع فرض و جمعة ولم تحف خروج وقته الخ (باب العيدين' ۲ /۱۶۷ ' ط سعيد كمپنى)

(۲) ووقت المغرب منه إلى غيبوبة الشفق' وهو الحمرة عندهما و به يفتى ...(عالمگيرية' الفصل الأول فى الأوقات' ۱ /۵۱ ط ماجديه' كوئٹه)

(ووقت المغرب منه إلى غروب الشفق' وهو الحمرة .... (الدر المختار : كتاب الصلاة ۱ /۳۶۱ ط سعيد) (عموماً یہ وقت ایک گھنٹہ سے زائد ہوتا ہے)

نماز پڑھنے سے روک دیا گیا ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

(جواب دیگر ۵۳) فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز اس وقت نہ پڑھی جائے۔ آفتاب نکلنے کے بعد جب اونچا ہو جائے تو پڑھے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

رمضان المبارک میں صبح کی نماز جلدی پڑھنا جائز ہے

(سوال) زید کہتا ہے کہ چونکہ صبح صادق پانچ بجکر ۴۵ منٹ پر ہو رہی ہے اس لئے نماز فجر چھ بجے کے بعد ہونی چاہئے عمر کہتا ہے کہ صحابہ نے اندھیرے میں نماز فجر ادا کی ہے اگر ہم کسی صحابی کی اقتدا کرلیں اور رمضان المبارک میں لوگوں کی سستی کی وجہ سے ذرا پہلے کھڑے ہو جائیں تو کیا حرج ہے ؟

المستفتی خادم العلماء محمد سلطان زبیری

(جواب ۵۴) بعض احادیث سے رمضان المبارک میں فجر کی نماز ہمیشہ کے معمول سے کسی قدر پہلے پڑھنا مفہوم ہوتا ہے اس لئے اس کی گنجائش ہے کہ رمضان المبارک میں نماز فجر ذرا جلدی پڑھ لی جائے۔ لیکن طلوع صبح صادق سے پہلے نماز جائز نہیں صبح صادق پونے چھ بجے کے بھی کچھ بعد (آج کل یعنی دسمبر کے دوسرے عشرے میں) ہوتی ہے اس لئے نماز چھ بجے شروع کردی جائے تو مضائقہ نہیں اس سے پہلے نہیں ہونی چاہئیے (۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

وقت عصر کے بارے میں چند سوالات

(سوال) (۱) حنفی مذہب میں ایک مثل پر عصر کا وقت ہوتا ہے یا نہیں ؟ (۲) امام اعظمؒ سے جیسے دو مثل کی روایت ہے ویسے ان سے ایک مثل کی بھی روایت ہے یا نہیں ؟ (۳) امام اعظم کا رجوع صاحبین کے قول کی

---

(۱) وکرہ تحریما و کل مالا یجوز مکروہ (صلاۃ) مطلقاً . مع مشروق واستواء : و غروب (درمختار) و فی الشامیۃ "لکن الصحیح الذی علیہ المحققون انہ لا نقصا ن فی ذلک الجزء نفسہ بل فی الأ داء فیہ من التشبۃ بعبدۃ الشمس الخ (کتاب الصلاۃ' ۱/ ۳۷۳ ط سعید کمپنی)

و فی الھندیۃ" ثلث ساعات لا تجوز فیھا المکتوبۃ ولا صلاۃ الجنازۃ ولا سجدۃ التلاوۃ الخ حتی ترتفع و عند الا نتصاف إلی أن تزول و عند احمرا رھا الی أن تغیب الخ (عالمگیریۃ' الفصل الثانی' فی بیان فضیلۃ الاوقات ۱/ ۵۲ ط ماجدیہ' کوئٹہ)

(۲) یہ جواب مجمل ہے' تفصیل اس کی یہ ہے کہ فجر کی نماز کے بعد نوافل اور واجب لغیرہ پڑھنا مکروہ ہے' فرائض اور واجب لعینہ پڑھنا درست ہے۔

وکرہ نفل . و کل ما کان واجبا لا لعینہ' بل لغیرہ . بعد صلاۃ فجر و عصر الخ (التنویر مع شرحہ: کتاب الصلاۃ' ط سعید)

(۳) عن قتادۃ عن أنس أن زید بن ثابت حدثہ انھم تسحروا مع النبی ﷺ ثم قاموا إلی الصلاۃ قلت : " کم بینھم " قال : قدر خمسین أو ستین یعنی آیۃ (بخاری' باب وقت الفجر ۱/ ۸۲ ط قدیمی کتب خانہ) قال الشعرانی فی المیزان " و فی روایۃ لأحمد ان الاعتبار بحال المصلین' فان شق علیھم التغلیس کان الأسفار افضل وان اجتمعوا کان التغلیس افضل (فتح الملھم : کتاب الصلوۃ ۲/ ۲۱۲ ط ادارۃ القرآن' کراچی)

طرف ثابت ہے یا نہیں ؟ (۴) فتویٰ دو مثل کی روایت پر ہے یا صاحبین کے قول پر جو کہ امام صاحب سے دوسری روایت ایک مثل کی ہے موافق قول صاحبین کے (۵) جو شخص ایک مثل پر عصر کی نماز پڑھ لے تو اس کو اعادہ کرنا چاہئیے یا نہیں ؟ (۶) جو شخص عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھے اس کو غیر مقلد کہنا اور کہنا کہ تیری نماز نہیں ہوئی جائز ہے یا نہیں ؟ ۲۲ محرم ۱۳۳۹ھ

(جواب ۵۵) (۱) حنفی مذہب میں خود امام ابو حنیفہ سے دو مثل کے بعد عصر کا وقت ہونے کی روایت اشہر الروایات ہے اور متون میں اسی روایت کو اختیار کیا گیا ہے (۱) اور صاحبین سے ایک مثل کے بعد عصر کا وقت ہونا منقول ہے (۲) امام صاحب سے ایک روایت میں ایک مثل کے بعد عصر کا وقت ہو جانا بھی مروی ہے جیسا کہ صاحب در مختار نے ذکر کیا ہے (۲) (۳) امام صاحب سے بعض علما نے رجوع بھی نقل کیا ہے کہ حضرت امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا (۳) (۴) بہت سے فقہاء نے ایک مثل کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور بہت سے دو مثل والے قول کو ترجیح دیتے ہیں جیسے صاحب بحر الرائق بہر حال اس میں ترجیح اور فتویٰ دونوں جانب موجود ہے (۵) احتیاط یہ ہے کہ عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھی جائے اور ظہر کی نماز ایک مثل کے اندر اور احتیاطاً اگر اسی عصر کا جو دو مثل سے پہلے پڑھی گئی اعادہ کر لیا جائے تو مضائقہ نہیں (۴) (۶) ایسے شخص کو غیر مقلد کہنا یا یہ کہنا کہ تیری نماز صحیح نہیں ہوئی درست نہیں جب کہ خود حنفیہ میں سے صاحبین کا یہ مذہب ہے اور فقہائے حنفیہ میں سے ایک جماعت اسے ترجیح دے رہی ہے اور مفتی بہ بتا رہی ہے اسی طرح دو مثل کے بعد عصر پڑھنے والے کو یہ کہنا کہ یہ شخص قول مردود پر عمل کرتا ہے یا اس کا یہ عمل خطا ہے درست نہیں۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی

نمازیوں کی آسانی کے لئے جماعت کا وقت مقرر کرنا بہتر ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۲۷ء)

(سوال) امام مسجد اور مصلیوں نے باتفاق رائے اوقات نماز باجماعت مقرر کئے زید نے ایک روز جھگڑا کیا اور امام سے کہا کہ تم وقت مقرر کرنے والے کون ہوتے ہو اس کی ضرورت کیا ہے ہم جس وقت چاہیں اس وقت تمہیں نماز پڑھانی ہوگی ورنہ یہاں مار پیٹ ہوگی اور گردن پکڑ کر تمہیں مصلے پر کھڑا کروں گا اور نقشہ

---

(۱) قوله أى بلوغ الظل مثليه' هذا ظاهر الرواية عن الامام' وهو الصحيح (رد المحتار' كتاب الصلوٰة ۱/ ۳۵۹ ط سعيد كمپنى)

(۲) ووقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه و عنه مثله' وهو قولهما وزفر والائمة الثلاثة الخ (الدرالمختار' كتاب الصلوة ۱/ ۳۵۹ ط سعيد كمپنى)

(۳) قوله واليه رجع الامام أى إلى قولهما الذى هو رواية عنه أيضاً و صرح في المجمع بأن عليها الفتوىٰ الخ (ردالمحتار' كتاب الصلوة ۱/ ۳۶۱ ط سعيد كمپنى)

(۴) والأحسن مافي السراج عن شيخ الاسلام أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل ولا يصلى العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤدياً للصلاتين فى وقتهما بالا جماع الخ (رد المحتار' كتاب الصلوٰة ۱/ ۳۵۹ ط سعيد كمپنى)

او قات کو پھاڑ کر پھینک دوں گا۔ وغیرہ

(جواب ٥٦) بے شک زید نے امام اور جماعت کی توہین کی ہے نماز و جماعت کا وقت مقرر کرنا آسانی اور کثرت جماعت کے خیال سے جائز اور اکثر بلاد اسلامیہ میں معمول و متعارف ہے اس پر اعتراض کرنا ناواقفیت ہے زید کو توبہ کرنا اور امام سے معافی مانگنا لازم ہے اور جب اکثر جماعت تعیین وقت سے راضی ہے تو صرف ایک یا دو شخصوں کی ناراضی قابل اعتنا نہیں ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دو نمازوں کو اکٹھے ایک وقت میں پڑھنا جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۴ جولائی ۱۹۲۹ء)

(سوال) اگر کوئی محققین کی احادیث جمع بین الصلوٰتین کو جمع صوری پر محمول کرنے کو تاویل محض سمجھ کر جمع حقیقی پر محمول سمجھتا ہوا دیانۃً اس پر عمل کرے تو اس کا یہ فعل موافق سنت کے سمجھا جائے گا یا نہیں؟

(جواب ٥٧) حنفی کو جمع بین الصلوٰتین حقیقۃً کرنی جائز نہیں الا یہ کہ کسی شدید ضرورت کے موقع پر امام شافعی کے مسلک پر عمل کرے تو معذور ہوگا(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اذان و جماعت میں کتنا وقفہ کیا جائے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۵ جون ۱۹۳۷ء)

(سوال) اذان کے بعد کتنی دیر مقتدیوں کا انتظار کرنا چاہئے؟

(جواب ٥٨) کم از کم پندرہ منٹ کا وقفہ اذان و اقامت کے درمیان ہونا چاہئے۔ مگر مغرب میں نہیں(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نماز فجر سورج طلوع ہونے کے بعد قضا کی جاسکتی ہے

(سوال) سورج نکلنے کے بعد فجر کی نماز پڑھے تو کیا نیت کرے؟

المستفتی نمبر ۴۹۶ محمد انور (ضلع جالندھر) ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ م ۳۰ جون ۱۹۳۵ء

(جواب ٥٩) سورج نکلنے کے بعد فجر کی نماز قضا ہوتی ہے قضا کی نیت کرے(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) قال في التنوير و شرحه" و يجلس بينهما بقدر ما يحضر الملا زمون مراعياً لوقت النداء " الخ (باب الأذان ۱ /۳۸۹ ط سعيد كمپني) و في الهندية" " و ينبغي ان يؤذن في أول الوقت و يقيم في وسطه حتى يفرغ المتوضي من وضوئه والمصلي من صلاته و المختصر من قضاء حاجة (باب الأذان ۱ /۵۷ ط ماجديه)

(۲) ولا جمع بين فرضين في وقت بعذر سفر و مطر خلافا للشافعي الخ ولا بأس بالتقليد عند الضرورة الخ (الدر المختار' كتاب الصلوة' ۱ /۳۸۱ ط سعيد) (۳) قال في التنوير و شرحه " و يجلس بينهما بقدر ما يحضر الملا زمون مراعيا لوقت النداء الا في المغرب (باب الأذان ۱ /۳۸۹ ط سعيد) (٤) في التنوير ولا بدمن التعيين عند النية لفرض ولو قضاء (باب شروط الصلاة ۱ /٤۱۸ ط سعيد)

غروب آفتاب کے کتنی دیر بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے؟

(سوال) غروب آفتاب کے بعد کتنی دیر تک شفق باقی رہتی ہے یعنی کب غائب ہو کر عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے؟

(جواب ۶۰) یہ وقفہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ماہ بماہ یعنی تھوڑے تھوڑے دن میں اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے مگر یہ وقفہ ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ سے کبھی زائد نہیں ہوتا اور ایک گھنٹہ اکیس منٹ سے کبھی کم نہیں ہوتا جون کے مہینے میں وہ سب سے زائد یعنی ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ کا ہوتا ہے اور ستمبر میں سب سے کم یعنی ایک گھنٹہ اکیس منٹ کا ہوتا ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

تیسرا باب
امامت و جماعت
فصل اول امامت

نابالغ کی امامت کا حکم

(سوال) امامت نابالغ کی بالغین کے واسطے تراویح میں ازروئے مذہب حنفیہ جائز ہے یا نہیں؟ تمام کتب معتبرہ حنفیہ متون و شروح و فتاویٰ اس پر ہیں کہ امامت مسطورہ جائز نہیں ہے جیسا کہ ہدایہ 'کفایہ' عنایہ' کبیری' شامی' درالمختار' عینی' عالمگیری' قاضی خاں' مستخلص' بحر الرائق وغیرہ سب کے سب لکھتے ہیں کہ جائز نہیں ہیں بنا بر روایات صحیحہ ظاہر الروایۃ۔ المستفتی مولوی احمد الدین شاہپولی گنجالی

(جواب ۶۱) بیشک صحیح اور معتبر یہی ہے کہ نابالغ کی امامت تراویح میں بھی جائز نہیں اور یہ فقیر متعدد بار اسی روایت صحیحہ پر فتویٰ دے چکا ہے (۲) واللہ اعلم۔ کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

(۱) کشتی دیکھنے والے کی امامت
(۲) حنفیوں کو مشرک کہنے والے غیر مقلدوں کی امامت کا حکم

(سوال) پہلوانوں کی کشتی اور کبڈی دیکھنا کیسا ہے زید کہتا ہے کہ ان چیزوں کا دیکھنا جائز نہیں اور حدیث

---

(۱) ووقت المغرب منه إلى عيبوبة الشفق وهو الحمرة عند هما و به يفتي . و عند ابى حنيفة الشفق هو البياض الذى يلي الحمرة . و قول ابى حنيفة رحمه الله أحوط :لان الأصل في باب الصلاة أن لا يثبت فيها ركن ولا شرط إلا بما فيه يقين كذافي النهاية (عالمگيرية الفصل الأول في أوقات الصلاة ۱/ ۵۱ ط ماجديه كونته) عام طور پر یہ وقت ایک گھنٹہ تیس منٹ رہتا ہے۔

(۲) قال في التنوير و شرحه: " ولا يصح اقتداء رجل بامرأة و خنثى و صبي مطلقاً ولو جنازة و نفل على الأصح " الخ و في الشامية : " والمختار أنه لا يجوز في الصلاة كلها الخ (باب الأمامة ۱/ ۵۶۰ ط سعيد كمپنى)

پیش کرتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو زندہ اور مردہ کی ران دیکھنے سے منع فرمایا عمر کہتا ہے کہ یہ تمام باتیں جائز ہیں اور کبڈی و کشتی وغیرہ کی تعریف بھی کرتا ہے اب ایسی صورت میں عمر کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟ اور ہوتی ہے تو کیسے ہوتی ہے اور عمر کا کیا جواب ہے ؟
(۲) جو غیر مقلدین ڈھیلے سے استنجا نہیں کرتے اور بیس رکعت تراویح جو صحابہ کی سنت ہے اسے بدعت کہتے ہیں اور احناف کو کافر و مشرک بتاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے اور ایسے لوگوں کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں اگر ہوتی ہے تو کیسی ہوتی ہے ؟

(جواب ۶۲) کشتی ایسی طرح دیکھنا کہ ستر کھلے ناجائز ہے(۱) اور عمر جو اسے جائز کہتا ہے غلطی پر ہے اور اگر وہ باوجود ستر کھلنے کے اسے جائز کہنے پر اصرار کرے تو اس کی امامت مکروہ ہے(۲)
(۲) جو غیر مقلدین کہ حنفیوں کو مشرک اور کافر کہیں صحابہ کو بدعتی بتائیں ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔(۳) کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ۔

مسجد میں امام مقرر کرنے کا اختیار کس کو ہے ؟

(سوال) کسی مسجد میں امام مقرر کرنے کا شرعاً کسے اختیار ہے ؟

(جواب ۶۳) اگر مسجد کا بانی معلوم ہو اور موجود ہو تو امام اور مؤذن اور متولی مقرر کرنے اور مرمت وغیرہ کرانے کا اختیار خود بانی کو ہے۔ رجل بنیٰ مسجداً للہ تعالیٰ فھو احق الناس بمرمتہ و عمارتہ و بسط البواری والحصر والقنادیل والا ذان والا قامۃ والا مامۃ ان کان اھلا لذلک فان لم یکن فالرأی فی ذلک الیہ (قاضی (۴) ص ۶۵ ج ۱ علی ہامش الہندیہ وکذا فی فتاویٰ (۵) الہندیہ ص ۱۱۷ ج ۱) و کذلک لو فازعہ اھل السکۃ فی نصب الامام والمؤذن کان ذلک الیہ (فتاویٰ قاضی خان (۶) ص ۳۲۸ ج ۳ علی ہامش الہندیہ) لیکن اگر بانی معلوم و موجود نہ ہو تو اس نے اگر کسی کو متولی بنا کر اختیارات مذکورہ اسے دیئے ہوں تو اسے نصب امام وغیرہ کا اختیار ہوگا اور اگر بانی نے کسی کو متولی مقرر نہ کیا ہو تو متولی مقرر کرنے کا اختیار قاضی یعنی حاکم اسلام کو ہے وہ جسے مناسب سمجھے متولی مقرر کرے۔ و مع ھذا لا یکون لا ھل

---

(۱) ویجوز ان ینظر الرجل إلی الرجل إلا إلی عورتہ و عورتہ ما بین سرتہ حتی تجاوز رکبتہ (عالمگیریۃ' کتاب الکراھیۃ' الفصل الثامن فیما یحل للرجل النظر إلیہ وما لا یحل ۵/۳۲۷ ط ماجدیہ)
(۲) ویکرہ امامۃ عبد وأعرابی و فاسق الخ (التنویر و شرحہ) و فی الشامیۃ : " أما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تعدیمہ فان لا یھتم لأمر دینہ وبأن فی تقدیمۃ لا مامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً . بل مشی فی شرح المنیۃ علی أن کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم (باب الامامۃ ۱/ ۵۶۰ ط سعید)
(۳) ایضاً
(٤) (فصل فی المسجد' ۱/۶۷ ط ماجدیہ کوئٹہ)
(۵) (فصل کرہ غلق المسجد ۱/ ۱۱۰ ط ماجدیہ' کوئٹہ)
(٦) (باب الرجل یجعل دارہ مسجداً' ۳/۲۹۷ ' مکتبہ ماجدیہ)

مسجد نصب القیم والمتولی بدون استطلاع رأی القاضی (قاضی خان(۱) علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۲۲۸) لیکن جس جگہ حاکم اسلام نہ ہو تو پھر اہل مسجد قائم مقام قاضی کے ہیں وہ متولی مقرر کر سکتے ہیں اسی طرح نصب امام ومؤذن کا اختیار رکھتے ہیں۔ اهل مسجد با عواغلة المسجد او نقض المسجد ان فعلوا ذلك بامر القاضي جازوان فعلوا بغير امره لا يجوز الا ان يكون في موضع لم يكن هناك قاض انتهى مختصراً (قاضی خان ص ۳۴۲ ج ۳ ہندیہ)(۲) لیکن بانی یا متولی یا اہل مسجد کا اختیار اسی وقت راجح ہوگا کہ لائق شخص مستحق امامت کو امام مقرر کریں ورنہ اگر بانی یا متولی کسی غیر مستحق کو امام بنانا چاہے اور اہل مسجد کسی لائق شخص کو تو اہل مسجد کا حق راجح ہوگا۔ الا اذا عين الباني لذلك رجلا و عين اهل السكة رجلا آخر اصلح ممن عينه الباني فحينئذٍ لا يكون الباني اولىٰ (قاضی خان ص ۳۳۸ ج ۳ ہندیہ)(۳) اما اذا كان الباني موجود افنصب الامام اليه وهو مختار الا سكاف رحمه الله قال ابو الليث و به ناخذ الا ان ينصب شخصا والقوم يريدون من هو اصلح منه (عنایہ علی ہامش فتح القدیر جلد ۸ ص ۳۳۹ طبع مصر) اور اگر اہل مسجد کسی امام کے مقرر کرنے میں دو فریق ہو جائیں تو جس فریق کا تجویز کردہ امام زیادہ لائق ہو وہ راجح ہوگا اور دونوں فریق کے امام لائق ہوں تو بڑے فریق کا امام راجح ہوگا۔ رجلان في الفقة والصلاح سواء الا ان احدهما اقرأ فقدم اهل المسجد غير الا قرأ فقد اساء واوان اختار بعضهم الا قرء واختار بعضهم غيره فالعبرة للاكثر . كذافي السراج الوهاج. (فتاویٰ عالمگیری ص ۸۸ ج ۱)(۴) واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاواہ محمد المدعو بکفایۃ اللہ عفاعنہ مولاہ

مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

بغیر عذر شرعی کے پہلے امام کو معزول کرنا درست نہیں

(سوال) ایک قریہ میں جس میں تقریباً ساٹھ گھر ہوں گے ان کا ایک امام ۸ یا ۷ سال سے نماز پڑھایا کرتا تھا اب اس سے لوگوں کا اختلاف پڑ گیا ہے اور اس قریہ کے آدھے بلکہ زیادہ لوگوں نے دوسرا پیش امام مقرر کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو پیش امام نہیں رکھا تھا بلکہ ویسے ہی نماز پڑھاتا تھا آیا اس پیش امام ثانی کے لئے کوئی صورت جواز کی ہے یا نہیں اور مسجد مذکور میں دو جماعتیں ہوتی ہیں یہ جماعتیں جائز ہیں یا نہیں؟

(جواب ٦٤) صورت مسئولہ میں اگر کوئی وجہ کراہت شرعی موجود ہو جب تو لوگوں کو اختیار ہے بلکہ مناسب یہی ہے کہ اس کو علیحدہ کر کے دوسرا امام مقرر کرلیں اور اگر اختلاف کا باعث صرف نفسانیت ہے

---

(۱) (ایضاً) گذشتہ صفحہ حاشیہ آخری

(۲) (فصل فی وقف المنقول ۳/ ۳۱۲ ط ماجدیه)

(۳) (باب الرجل يجعل داره مسجداً ۳/ ۲۹۷)

(٤) (الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالأ مامة ۱/ ۸٤ ط ماجديه)

تو دوسرے لوگوں کو ایسا کرنا ناجائز ہے رجل ام قوما وهم له كارهون ان كانت الكراهة لفساد فيه اولا نهم احق بالا مامة يكره له ذلك وان كان هواحق بالا مامة لا يكره. هكذا في المحيط (ہندیہ ص ۹۱ ج ۱)(۱) اور ایک مسجد میں دو جماعتیں کرنا بہت برا ہے دوسری جماعت کرنے والے گناہ گار ہوں گے مگر یہ کہ پہلی جماعت کا امام ظالم اور مقتدی ناحق پر ہوں قوم جلوس في المسجد الداخل وقوم في المسجد الخارج اقام المؤذن فقام امام من اهل الخارج فامهم وقام امام من اهل الداخل فامهم من يسبق بالشروع فهو والمقتدون به لا كراهة في حقهم كذافي الخلاصة (ہندیہ ص ۸۸ ج ۱)(۲)

غلط خواں کی امامت

(سوال) ایک شخص امامت کرتا ہے اور کلام پاک کو غلط پڑھتا ہے یعنی بجائے قاف اور بڑے شین کے چھوٹا کاف اور چھوٹا سین پڑھتا ہے مثلاً اس آیہ کریمہ ان يبعثك ربك مقاماً محموداً کو ان يبعثق ربك مكاماً محموداً اور دیگر حروف کو بھی مثلاً ز کے بجائے ج وغیرہ ادا کرتا ہے اور ایسی غلطیاں کرتا ہے کہ ایک ادنیٰ درجہ کا قرآن خواں بھی تمیز کر لیتا ہے اور امام مذکور کے بعض مقتدی ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ اعلم بالسنۃ اور قرآن پاک کو اچھی طرح ادا کرنے والے تو ایسی صورت میں سب کی نماز ہوتی ہے یا نہیں اور اس امام کو امی کہہ سکتے ہیں یا نہیں اور امی اصطلاح فقہا میں کس کو کہتے ہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ٦٥) صورت مسئولہ میں جو شخص امامت کرتا ہے اگر وہ قاف کو اپنے مخرج سے ادا کرنے پر قادر ہی نہیں ہے تو اس کی امامت جائز نہیں اگر وہ امامت کرے گا تو نہ خود اس کی نماز ہو گی نہ مقتدیین کی۔ ولا يجوز امامة الالثغ الذى لا يقدر على التكلم ببعض الحروف الا لمثله اذا لم يكن فى القوم من يقدر على التكلم بتلك الحروف فاما اذا كان فى القوم من يقدر على التكلم بها فسدت صلوته وصلوة القوم (انتہی۔ ہندیہ ص ۹۰ ج ۱)(۳) ایسے شخص کی امامت صرف اس صورت میں جائز ہے کہ اس کے تمام مقتدی بھی اسی جیسے ہوں لیکن سوال میں مذکور ہے کہ اس کے پیچھے قاری بھی نماز پڑھتے ہیں اور اس حالت میں تمام جماعت کی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر وہ ایسا شخص ہے کہ مثلاً قاف کو اپنے مخرج سے ادا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے لیکن دقت سے۔ تو اس صورت میں بھی اس کی اور تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی لیکن اگر وہ کسی طرح قاف کو ادا نہیں کر سکتا تو اس کو ایسی آیت پڑھنی چاہئے جس میں یہ حرف نہ ہو اور اگر اس کو ایسی آیت نہ ملے یا یاد نہ ہو تو خود اس کی نماز ہو جائے گی لیکن امامت نہ کرے اور اگر اس کو ایسی آیت مل

---

(۱) (الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره' ۱ : ۸۷ ط ماجديه)
(۲) (الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالأمامة ۱ / ۸٤ ط ماجديه)
(۳) (الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره' ۱ / ۸٦ ط ماجديه)

جائے جس میں قاف نہ ہو تو اس کی نماز و امامت جائز ہے اور اگر باوجود ایسی آیت نہ ملنے کے اس نے ایسی آیت پڑھی جس میں قاف تھا اور قاف کی جگہ کاف پڑھا تو اس کی نماز تنہا بھی نہ ہوگی۔ ومن لا یحسن بعض الحروف ینبغی ان یجھد ولا یعذر فی ذلک فان کان لا ینطق لسانہ فی بعض الحروف ان لم یجد آیۃ لیس فیھا تلک الحروف تجوز صلوتہ ولا یؤم غیرہ وان وجد ایۃ لیس فیھا فقرأ جازت صلوتہ عند الکل وان قرأ الأیۃ التی فیھا تلک الحروف قال بعضھم لا تجوز صلوتہ . ھکذا فی فتاوی قاضی خان وھو الصحیح کذافی المحیط (ہندیہ ص ۸۳ ج ۱)(۱)

جھوٹ بولنے والے تنخواہ دار امام کے پیچھے نماز کا حکم

(سوال) ایک شخص مسجد میں بیٹھ کر مجمع عام میں جھوٹ بولے اور علانیہ طمع نفس کے واسطے امامت کرے ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟بینوا توجروا

(جواب ٦٦) سوائے ان مواقع کے جہاں توریہ جائز ہے جھوٹ بولنے کی عادت سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے اور اسکے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے(۲) رہا طمع نفس سے امامت کرنا تو اگر اس سے مراد یہ ہے کہ امامت کی تنخواہ لیتا ہے اور تنخواہ لیکر امامت کرتا ہے تو متاخرین حنفیہ کے فتویٰ کے مطابق امامت کی اجرت جائز ہے اور جب جائز ہے تو تنخواہ لینا اور تنخواہ لیکر امامت کرنا بھی جائز ہے ۔وفی روضۃ الزند و یستی کان شیخنا ابو محمد عبداللہ الخزا خیزی یقول فی زماننا یجوز للامام والمؤذن والمعلم اخذ الاجرۃ . انتھیٰ (عینی شرح کنز)(۳) اور اگر طمع سے مراد کچھ اور ہے تو اسے بیان کیا جائے۔

ضالین کو ظالین پڑھنے والے کی امامت

(سوال) ایک امام مسجد ضالین کو ہمیشہ غیر مقلدین اور روافض کی طرح ظالین پڑھتا ہے جب بعض مقتدیوں نے اس بات سے منع کیا تو کہا کہ اس کے جواز کا فتویٰ میرے پاس موجود ہے اور میں نے قاریوں سے بھی خوب تحقیق کر لیا ہے لہذا میں تو اسی طرح پڑھوں گا تم میرے پیچھے نماز پڑھو یا نہ پڑھو اختیار ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ٦٧) حرف ضاد۔ ظا اور ذال سے بالکل مبائن اور جداگانہ حرف ہے اس کو اپنے مخرج سے ادا کرنا چاہئیے اور مخرج سے ادا کرنے کے قصد وارادہ کے بعد اگر وہ ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ مشابہ ہو جائے تو مضائقہ نہیں لیکن اگر قصداً ظاء یا دال پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی ضاد اپنی صفات کے لحاظ سے ظاکے

---

(۱) (الفصل الخامس فی زلۃ القاری ۱/ ۷۹ ط ماجدیہ)
(۲) و یکرہ امامۃ عبد وأعرابی و فاسق الخ (الدر المختار باب الامامۃ ۱/ ٥٦٠ ط سعید کمپنی)
(۳) (باب الأجارۃ الفاسدۃ ۲/ ١٥٤ ط ادارۃ القرآن کراچی)

ساتھ زیادہ مشتبہ الصوت ہے مگر یہ اسی وقت جب کہ اپنے مخرج سے ادا کیا جائے ورنہ یہ آواز بھی جس کو والی مفخم کہا جاتا ہے اسی ضاد کی بگڑی ہوئی آواز ہے بوجہ امتیاز خالص ظا کی آواز سے بہتر ہے۔(۱)

امامت کی اجرت لینا جائز ہے

(سوال) امامت کی اجرت یا تعلیم قرآن و دیگر کتب دینیہ کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں اور اگر کوئی شخص اجرت لیکر امامت کرے یا اجرت لیکر قرآن شریف پڑھائے ایسے شخص کے واسطے شریعت میں کیا حکم ہے؟
(جواب ۶۸) امامت و تعلیم قرآن کی اجرت (بنابر فتویٰ متاخرین حنفیہ) لینا جائز ہے۔ قال فی الهداية و بعض مشائخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الا ستئجار على تعليم القران اليوم لظهور التوانى فى الا مور الدينية ففى الا متناع تضيع حفظ القران و عليه الفتوىٰ زاد فى مختصرا لوقاية و متن الاصلاح تعليم الفقة وزاد فى متن المجمع الامامة و مثله متن الملتقى و درر البحار (رد المحتار مختصراً)(۲)

صرف ٹوپی پہن کر امامت کرانا جائز ہے

(سوال) امام کو ٹوپی سے نماز پڑھانا جائز ہے یا عمامہ سے۔ اگر ٹوپی سے نماز پڑھانا جائز ہے تو وہ کون سی ہے؟ عمامہ اور ٹوپی میں ثواب کس کے ساتھ نماز پڑھانے میں زیادہ ہے؟
(جواب ۶۹) امامت عمامہ اور ٹوپی دونوں سے جائز ہے اور کسی خاص قسم کی ٹوپی سے ضروری نہیں جس ٹوپی سے چاہے امامت کر سکتا ہے عمامہ کے ساتھ ثواب زیادہ ہوگا لیکن ٹوپی میں کوئی کراہت نہیں ہے۔(۳)

حالت جنابت میں نماز پڑھانے والے کا حکم

(سوال) ایک شخص جنبی حالت جنابت میں نماز پڑھاتا ہے آیا ایسا شخص کون ہے اور لوگوں کی نماز اس کے پیچھے ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

---

(۱) وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشائخ' قال اكثرهم " لا تفسد صلوته " هكذا في فتاوىٰ قاضي خان و كثير من المشائخ أفتوابه قال القاضي الأ امام ابوالحسن والقاضي الأمام أبو عاصم إن تعمد فسدت وإن جرى على لسانه او كان لا يعرف التمييز لا تفسد وهو اعدل الا قاويل والمختار هكذا في الوجيز للكروري' (عالمگيرية' الفصل الخامس في زلة القارئ' ۱/ ۷۹ ط ماجديه)
(۲) (كتاب الأجارة' مطلب تحرير هم فى عدم جواز الا ستئجار على التلاوة والتهليل' ۶/ ۵۵ ط سعيد)
(۳) وقد ذكروا ان المستحب أن يصلي في قميص وازار وعمامة ولا يكره الا كتفاء بالقلنسوة ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك' وكذا ما اشتهر أن المؤتم لو كان معتما بعمامة والأمام مكتفيا بالقلنسوة يكره الخ (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية' كتاب الصلوٰة ۱/ ۱۶۹ ط سعيد كمپنى)

(جواب ۷۰) جو شخص حالت جنابت میں نماز پڑھائے وہ کافر ہے(۱) اور جن لوگوں نے ناواقفیت میں اس کے پیچھے نماز پڑھی ہے ان کو علم ہونے کے وقت نماز کا اعادہ لازم ہوگا لیکن اگر حالت جنابت میں نماز پڑھانا صرف اس کے قول سے معلوم ہوا ہو اور یہ بھی ثابت ہو کہ وہ بیباکی اور رندی کی وجہ سے ایسا کہتا ہے تو اس کا قول غیر معتبر سمجھا جائے گا اور اعادہ صلوٰۃ کا حکم نہیں دیا جائے گا ہاں اگر یہ خیال ہو کہ یہ شخص تورعاً اور خوف خدا کی وجہ سے یہ بات ظاہر کرتا ہے تو اعادہ نماز کرنا چاہئیے۔ واللہ اعلم

امام کا "در" یا "محراب" کے اندر کھڑا ہونا

(سوال) محراب کا اطلاق ازروئے شرع شریف آیا صرف اس پر ہوتا ہے جو منبر کے قریب دیوار میں کندہ ہوتا ہے یا باہر جو دروازے محراب نما ہوتے ہیں اس کو بھی محراب کہا جاسکتا ہے؟ محراب کی صحیح تعریف فرمایئے نیز باہر کے محراب نما دروازہ پر جو عوام کراہتِ صلوٰۃ کا حکم لگاتے ہیں صحیح ہے یا غلط جواب شافی ومدلل تحریر فرمائیں لوگوں میں اس مسئلے میں اختلاف شدید ہو رہا ہے۔ فقط بینوا توجروا؟

المستفتی حافظ محمد شفیع اللہ کوچہ میر ہاشم دہلی

(جواب ۷۱) محراب اصل تو وہی ہے جو دیوار قبلہ میں ہوتی ہے لیکن اس کا حکم ان دروں پر بھی جو باہر کے دروازوں میں بصورت محراب بنائے جاتے ہیں بعض فقہا نے عائد کیا ہے' اس لئے احتیاط یہ ہے کہ امام ان دروں کے باہر کھڑا ہو تاکہ کسی قسم کا شبہ اور شک باقی نہ رہے لیکن اگر امام در میں بھی کھڑا ہو جائے تو لڑنے جھگڑنے کا موقع نہیں ہے کیونکہ زیادہ سے زیادہ اولیٰ اور خلاف اولیٰ کا اختلاف ہے اور لڑائی جھگڑا حرام ہے (۲) فقط۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

خواہ مخواہ امام سے اختلاف نہ کیا جائے

(سوال) متولی و پیش امام صاحب سے اگر مسلمانوں کو کچھ شکایات پیدا ہو جائے اور وہ ان شکایات کو خاطر میں نہ لائیں اور مسلمانوں کے جذبات کی کچھ پروانہ کریں اور بایں وجہ مسلمان مسجد میں جانا چھوڑ دیں تو ایسی

---

(۱) کفر کا حکم اس وقت ہے جب کہ بطور استخفاف ایسا کرے۔ قال فی الدر المختار " وبھذا ظھر أن تعمد الصلاۃ بلا طھر غیر مکفر فلیحفظ وقد مر الخ ر فی الشامیۃ " قولہ وقدمر " أی فی أول کتاب الطھارۃ قدمنا ھناك عن الحلیۃ البحث فی ھذہ العلۃ وإن علۃ الأکفار انما ھی الاستخفاف "(کتاب الطھارۃ ۱/۱۵۱ ط سعید کمپنی) وفی العالمگیریۃ " رجل ام قوماً شھراً ثم قال : " کنت مجوسیا " الخ وکذا لوقال " صلیت بکم المدۃ علی غیر وضوء وھو ماجن لا یقبل قولہ وإن لم یکن کذلك والمحتمل أن قال علی وجہ التورع وإلا حتیاط أعادو اصلا تھم الخ وکذا إذا جان أن الأمام کافر او مجنون الخ او محدثا او جنباً الخ (الفصل الثانی فی بیان من یصلح إماما لغیرہ' ۱/۸۷ ط ماجدیہ)
(۲) او یکرہ قیام الأمام وحدہ فی الطاق' وھو المحراب ولا یکون سجودہ فیہ إذا کان قائماً خارج المحراب ھکذا فی التبیین وإذا ضاق المسجد بمن خلف الأمام فلا بأس بأن یقوم فی الطاق. (عالمگیریۃ' الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلاۃ وما لا یکرہ' ۱/۱۰۸ ط ماجدیہ)

صورت میں نماز باجماعت نہ پڑھنے اور نماز جمعہ مسجد میں ادا نہ کرنے کا گناہ کس پر عائد ہوگا۔ اور ان حالات میں متولی وامام مسجد پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے ؟

(جواب ۷۲) ہاں متولی و پیش امام کا مذہبی و اخلاقی فریضہ ہے کہ مسجد کے نمازیوں کی جماعت ان سے خوش رہے اور کوئی جائز شکایت پیدا نہ ہونے پائے اگر نمازیوں کو کوئی جائز شکایت ہو تو رفع کریں اور اگر لوگ ان کی بے پروائی سے اس مسجد میں آنا چھوڑ دیں گے تو اس کا وبال ان پر ہوگا بشر طیکہ وجہ شکایت اتنی قوی ہو جو ترک مسجد و ترک جماعت کے لئے عذر ہو سکتی ہو لیکن اگر لوگوں کو خواہ مخواہ متولی یا امام سے شکایت ہو اور متولی یا امام کے اندر فی الحقیقت کوئی عیب یا وجہ شکایت موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں نہ متولی و امام ان کی دلجوئی کا مکلف ہے اور نہ ان کے مسجد چھوڑ دینے کا مواخذہ متولی یا امام سے ہو سکتا ہے(۱)

ڈاڑھی کٹوانے والے اور مسائل سے ناواقف کی امامت مکروہ ہے

(سوال) ایسے امام کی امامت جائز ہے یا نہیں جو بالکل جاہل ہے اور نماز کی امامت کے واسطے جن مسائل اور جس قدر علم کی ضرورت ہے اس سے ناواقف ہے اور علاوہ اس جہالت کے فاسق معلن ہے ڈاڑھی کترواتا ہے حد شرعی تک نہیں بڑھنے دیتا اور بازاروں راستوں میں کھاتا پیتا ہے اور جھوٹ بہت بولتا ہے اور متولیان مسجد کے خانگی کاروبار میں غلاموں کی طرح ایسا ہر وقت مشغول رہتا ہے کہ نماز کی امامت کی بھی پروا نہیں کرتا اور دیگر مبتدعات میں مصروف رہتا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۵ عبدالرحیم میرٹھ۔ ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ مطابق ۳۱ جولائی ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۳) اگر واقعات مذکورہ سوال درست ہیں تو متولی کو لازم ہے کہ ایسے امام کو علیحدہ کر کے دوسرا صالح متقی امام مقرر کر لے ایسے شخص کو امام راتب مقرر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

تہبند باندھ کر نماز پڑھانا جائز ہے

(سوال) اگر پیش امام تہبند باندھے ہوئے نماز پڑھائے تو جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۵۶ پیر محمد پان فروش (ساگر) ۲۰ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۷٤) تہبند باندھ کر نماز پڑھانا بلا شبہ جائز ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) ولو ام قوما وهم له كارهون إن الكراهة لفساد فيه أو لا نهم أحق بلأمامة منه كره له ذلك تحريماً وإن هو أحق لا والكراهة عليهم الخ (الدر المختار باب الامامة ۱/ ۵۵۹ ط سعيد)

(۲) ويكره إمامة عبد وأعرابي و فاسق الخ (درمختار) و في الشامية : " قوله فاسق من الفسق وهو الخروج عن الا ستقامة الخ (باب الإمامة ۱/ ۵٦۰' ط سعيد كمپنى) (۳) والرابع سترعورته الخ وهى للرجل ما تحت سترته إلى ما تحت ركبته الخ (الدر المختار' باب شروط الصلاة' ۱/ ٤۰٤ ط سعيد كمپنى)

(۱) اس نابینا کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے جو طہارت میں محتاط ہو
(۲) حافظ نابینا کے پیچھے تراویح کا حکم
(۳) چوغہ پہن کر نماز پڑھانا جائز ہے

(سوال) (۱) حافظ نابینا کے پیچھے فرض نماز جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) نابینا کے پیچھے تراویح جائز ہے یا نہیں ؟ (۳) اگر امام بغیر چوغہ کے نماز پڑھاوے تو جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۸۷ پیر محمد پان فروش (ساگر) ۲۸ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۵) (۱) حافظ نابینا کے پیچھے نماز جائز ہے جب کہ وہ محتاط ہو اور اس سے بہتر کوئی دوسرا شخص یا دوسرا حافظ موجود نہ ہو (۲) فرض نماز ہو یا تراویح سب جائز ہیں (۱) (۳) امام بغیر چوغہ کے نماز پڑھائے تو جائز ہے

منکر رسالت کو امام بنانا جائز نہیں

(سوال) زید توحید و رسالت اور جمیع ضروریات دین کو تسلیم کرتے ہوئے اور عمل کرتے ہوئے یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ جو شخص صرف توحید کا قائل ہو اور رسالت اور قرآن کو نہ مانتا ہو وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ آخر میں اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی زید کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۹۶ محمد ابراہیم خاں ضلع غازی پور ۔ ۹ رجب ۱۳۵۲ھ م ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۶) جو شخص آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت کو نہ مانے اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی کتاب تسلیم نہ کرے وہ جماہیر امت محمدیہ علی صاحبہا ازکی السلام والتحیہ کے نزدیک ناجی نہیں ہوگا ایسا شخص جو اس کی نجات کا عقیدہ رکھتا ہو اس کو امام بنانا جائز نہیں ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

غلط پیشے سے تائب متقی اور پرہیزگار کی امامت

(سوال) جو قومیں حرام پیشے کی مرتکب ہیں جیسے گویا' نقال' ڈھاڑی' میراثی اگر ان میں سے کوئی حافظ ہو اور وہ بذات خود اپنے پیشے سے تائب ہو اور متقی ہو دوسرے یہ کہ ایک بھلے خاندان کے اس سے علم میں زیادہ متقی اور حفاظ وہاں موجود ہوں تو ان کے مقابل اس کو جامع مسجد کا امام اور شہر کا نکاح خواں بنانا درست ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۹۴ حافظ رحیم بخش (متھرا)

---

(۱) تبع ذلك صاحب النهر حيث قال " قيد كراهة إمامة الأعمى في المحيط و غيره بان لايكون افضل القوم ' فان كان افضلهم فهو أولى الخ (رد المحتار' باب الامامة ' ۱/ ۵۶۱ ط سعيد) وفي الهداية " و يكره تقديم العبد...... والأعمى' لأنه لا يتوقى النجاسة الخ (باب الإمامة ۱/ ۱۲۲ ط مكتبه شركة علميه' ملتان)

(۲) وإن انكر بعض ما علم من الدين ضرورة كفر بها فلا يصح الا قتداء به أصلاً (الدر المختار' باب الامامة ۱/ ۵۶۱ ط سعيد)

۹ رجب ۱۳۵۲ھ م ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۷) جب کہ کوئی شخص بذات خود متقی اور پرہیز گار ہو اور علم و فضل رکھتا ہو تو اس کو امامت کے لئے مقرر کرنا جائز ہے اگر اس کے مقابلے میں کوئی اونچے خاندان کا شخص بھی تقویٰ اور پرہیز گاری اور علم و فضل میں اس کے برابر موجود ہو تو اس کو امامت کے لئے ترجیح دینے میں مضائقہ نہیں ہے مگر باوجود اس کے ادنیٰ درجے کی قومیت والے شخص کو امام بنانے میں کراہت نہیں ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تراویح میں پختہ حفظ والے کو امام بنایا جائے

(سوال) دو حافظ ہیں اور دونوں متقی ہیں ان میں سے ایک صاحب کو تو رمضان میں محراب سناتے وقت بہت زیادہ متشابہ لگتے ہیں اور دوسرے صاحب کو بہت کم جن صاحب کو متشابہ زیادہ لگتے ہیں وہ بقدر ضرورت علم صرف و نحو و فارسی اور مسائل دینیہ سے اچھے واقف ہیں اور پیشہ سلائی کا کرتے ہیں اور جن صاحب کو متشابہ کم لگتے ہیں وہ حفظ کے علاوہ مسائل دینیہ سے ناواقف ہیں اور قوم کے مراثی ہیں مگر اپنے حرام پیشے سے تائب ہیں ان دونوں میں سے جامع مسجد کی پنجگانہ امامت کے لئے کس کو مقرر کیا جائے ؟

المستفتی نمبر ۹۵ حافظ رحیم بخش صاحب متھرا۔ ۹ رجب ۱۳۵۲ھ ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۸) پنجگانہ نماز کی امامت کے لئے جو صاحب مسائل سے زیادہ واقف ہیں ان کو مقرر کرنا بہتر ہے البتہ تراویح میں قرآن مجید سنانے کے لئے ایسے حافظ کو ترجیح دی جائے تو مضائقہ نہیں جس کو قرآن شریف خوب یاد ہے اور بقدر ضرورت مسائل سے بھی واقف ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عالم کی موجودگی میں غیر عالم کی امامت

(سوال) جماعت میں ایک عالم کے ہوتے ہوئے جس کے ساتھ کثیر جماعت راضی ہو ایسے معمولی خواندہ آدمی کو امامت کی اجازت دینا جس کے ساتھ قلیل جماعت راضی نہ ہو جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۱۳ محمد عنایت حسین صاحب کھنور۔ ۲۶ رجب ۱۳۵۲ھ ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۹) اتفاقیہ طور پر ایسا معاملہ پیش آجائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے البتہ مستقل طور پر افضل آدمی کو امام بنانا چاہئے اس کا خلاف مکروہ ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) والأحق بالا مامة تقديماً بل نصباً الأ علم باحكام الصلوة فقط صحة وفساداً بشرط اجتنا به للفواحش الظاهرة و حفظه قدر فرض و قيل واجب " (الدر المختار' باب الأمامة ۱/۵۵۷ ط سعيد)

(۲) والأ حق بالإ مامة تقديماً بل نصباً الأ علم بأ حكام الصلاة الخ ثم الا حسن تلاوةً و تجويداً للقراء ة (الدر المختار' باب الإمامة' ۱/۵۵۷ ط سعيد)

(۳) والأ حق بالإ مامة تقديما بل نصبا الأ علم باحكام الصلاة (إلى أن قال) فان اختلفوا اعتبر اكثرهم ولو قدموا غير الأو لى أساء و االخ (الدر المختار' باب الإمامة ۱/۵۵۹ ط سعيد)

پندرہ سال کی عمر والے کے پیچھے نماز جائز ہے

(سوال) ایک لڑکا جو قرآن شریف حفظ کر رہا ہے اس کی عمر پندرہ سال کچھ ماہ کی ہے یعنی کہ سولہواں سال جاری ہے اس کے پیچھے تراویح پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۷۷ اکبر علی ریواڑی ضلع گوڑ گانوہ۔ ۱۶ رمضان ۱۳۵۲ھ م ۳ جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۰) اگر اس کی عمر پندرہ سال کی پوری ہو چکی ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شہوت پرست مبتدع کے پیچھے نماز کا حکم

(سوال) یہاں کا ایک امام مسجد باوجود سخت مبتدع ہونے کے فاحشہ اور بازاری عورتوں کی دعوتیں بلا دغدغہ کھاتا ہے ان کے دیئے ہوئے کپڑے پہنتا ہے اور باوجود متعدد بار سمجھانے کے باز نہیں آتا ایسے امور کی ارتکاب کی وجہ سے لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے رک گئے ہیں وہ بوقت فہمائش یہی جواب دیتا ہے کہ تم ان کنجریوں اور بازاری عورتوں کو روکو کہ میری دعوت نہ کیا کریں اور نہ مجھے اپنے گھر بلایا کریں ورنہ میں تو ضرور کھاؤں گا اور ان کے ہاں ضرور جاؤں گا ہمارے شہر میں جھگڑا پڑا ہوا ہے عید کا بھی وہی امام ہے ایسے شخص کو عیدین و جمعہ و صلوات خمسہ میں امام بنانا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۸۵ محمد اسمٰعیل پوری دیوبندی۔ رائے کوٹ ضلع لودھیانہ

۸ شوال ۱۳۵۲ھ م ۲۴ جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۱) ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ ہے اگر وہ پہلے سے امام ہے تو اس حرکت کی وجہ سے اس کو امامت سے علیحدہ کر سکتے ہیں لیکن جب تک کہ وہ علیحدہ نہ ہو اس وقت تک وہی امامت کرے گا پنجگانہ نماز و جمعہ و عیدین سب کا یہی حکم ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بدعتی پیر کے موحد خلیفہ کے پیچھے نماز کا حکم

(سوال) ایک مسلمان جو بذات خود نیک متقی اور پرہیزگار ہے پیر ظہور شاہ کا مرید ہے عوام الناس میں مشہور ہے کہ پیر صاحب مذکور سجدہ تعظیمی کا قائل ہے اور نیز وہ حضرت صلعم کو غیب دان جانتا ہے لیکن ان کے مرید صاحب اپنے پیر کے ان اعتقادات کے قائل نہیں اندریں حالات کہ وہ پیر صاحب کا مرید ہے کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے کیا وہ امامت کا اہل ہے ؟ مکرر عرض ہے کہ مرید صاحب نہ ہی سجدہ تعظیمی کے

---

(۱) بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال الخ فان لم یوجد فیھما شئی فحتی یتم لکل منھما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی لقصر اعمار اھل زماننا (الدر المختار' فصل بلوغ الغلام بالاحتلام ۶/۱۵۳ ط سعید)

(۲) ویکرہ إمامۃ عبد و فاسق و مبتدع (درمختار) وفی الشامیۃ " فان امکن الصلاۃ خلف غیرھم وھو افضل' والا فالاقتداء أولی من الانفراد (باب الإمامۃ ۱/۵۵۹ ط سعید)

قائل ہیں اور نہ ہی ان کو اس پر اعتقاد ہے کہ خدا کے سوا اور کوئی بھی عالم الغیب ہے صرف وہ پیر ظہور شاہ کے مرید ضرور ہیں کیا عام مسلمان ان کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں عوام الناس امام صاحب سے خوش ہیں اس کے علاوہ ان کو کوئی اعتراض نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۹۹ غلام رسول صاحب اسکول ماسٹر سلیم پورہ راہوالی سیٹ ۲۶ شوال ۱۳۵۲ھ م ۱۱ فروری ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۲) اگر یہ امام صاحب خود سجدہ تعظیمی نہیں کرتے اور نہ اس کے جواز کے قائل ہیں اور نہ آنحضرت ﷺ کو عالم الغیب سمجھتے ہیں اور اپنے پیر کو ان مسائل میں غلطی پر جانتے ہیں تو ان کے پیچھے نماز جائز ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جو امام "قاف" کا مخرج ادا نہ کر سکے

(سوال) زید نے نماز میں سورہ منافقون کی آیت یعنی وانفقو مما رزقنکم جس میں چھ قاف آتے ہیں پڑھی عمرو نے کہا کہ تم نے قاف کے بجائے کاف پڑھے لہذا نماز فاسد ہے براہ کرم شرعی حکم سے مطلع فرمائیں دوسرے یہ کہ نابینا کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟ جماعت والوں کو توفیق ہے کہ اچھے آدمی کو رکھیں اور زیادہ تنخواہ دیں مسجد کا پیسہ بہت ہے مگر آنکھوں والے آدمی کو نہیں رکھتے۔

المستفتی نمبر ۲۶۴ غلام محمد صاحب مانگرول۔ کاٹھیاواڑ۔ ۷ محرم ۱۳۵۳ھ م ۲۲ اپریل ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۳) جو شخص ادائے قاف پر قادر نہیں اس کی اپنی نماز تو درست ہے اور ایسے لوگوں کی وہ امامت بھی کر سکتا ہے جو اس کی طرح ادائے قاف پر قادر نہ ہوں لیکن مسجد کے متولی کو لازم ہے کہ وہ صحیح طور پر حروف ادا کرنے والے کو امام مقرر کرے نابینا اگر محتاط ہو اور مسائل سے واقف ہو اور نماز باقاعدہ پڑھاتا ہو قرآن مجید صحیح پڑھتا ہو تو اس کی امامت جائز ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تعویذ گنڈے کرنے اور فالنامے دیکھنے والے کی امامت

(سوال) ایک امام مسجد تعویذ گنڈے کا کام کرتے ہیں فالنامہ کھولنا اور بیمار کے وارثوں کو بتادینا کہ پیسہ کی چھٹکری لیکر ہمارے پاس آؤ بیمار کے وارث لادیتے ہیں امام صاحب اس پر قرآن شریف کی کوئی آیت پڑھ کر بیمار کے وارث کو دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سات دفعہ بیمار کے اوپر سے اتار کر آگ میں ڈال دو پھر آگ سے نکال کر ہمارے پاس لے آؤ ہم چھٹکری دیکھ کر علاج کردیں گے تین مرتبہ یہ کام کرتے ہیں ایک سیاہ رنگ

---

(۱) والأحق بالامامة تقديما بل نصبا الأ علم بأحكام الصلاة' فقط صحة وفسادا' بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة الخ (الدر المختار' باب الإمامة ۱/ ۵۵۷' ط سعيد)
و يكره إمامة عبد . و فاسق . و مبتدع الخ (الدر المختار' باب الإمامة ۱/ ۵۵۹ ط سعيد)
(۲) ولا يجوز امامة الألثغ الذى لا يقدر على التكلم ببعض الحروف إلا لمثله اذا لم يكن في القوم من يقدر على التكلم بها فسدت صلاته و صلاة القوم الخ (عالمگيرية' الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره ۱/ ۸٦ ط ماجديه)

بکرا بتاتے ہیں ہمارے پاس لاوا سکے کان میں سورہ مزمل پڑھ کر خود ذبح کر کے یا اپنے سامنے دوسرے سے ذبح کرا کر گوشت کھال بیچ کرا پنے خرچ میں لاتے ہیں اور مالک موجود ہوا تو گوشت فی سبیل اللہ کہہ کر تقسیم کر دیا کھال کی قیمت اپنے خرچ میں آوے گی ایسے پیش امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۳۲۳ سید حاکم علی شاہ شہر میرٹھ۔ ۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۸ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۴) یہ کام جو سوال میں مذکور ہیں شرعاً درست نہیں ہیں اس لئے ایسے امام کے پیچھے جو ان افعال کا مرتکب ہو نماز مکروہ ہوتی ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ڈاڑھی منڈے سے خود کو بہتر کہنے والے کی امامت

(سوال) ایک امام صاحب نے کسی سے کہا کہ " آپ ڈاڑھی منڈاتے ہیں میں نہیں منڈاتا اس لئے میں آپ سے بہتر ہوں "لوگ کہتے ہیں کہ امام صاحب کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے کیونکہ انہوں نے یہ کلمہ تکبر کا کہا ہے۔ المستفتی نمبر ۳۴۱ نواب احمد خاں (ضلع کرتپور) ۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۲۱ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۵) کلام مذکور فی السوال کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ اس فعل میں میں بہتر ہوں اور اگر اسی طرح تھا تو اس کلام میں کوئی تکبر نہیں ہے کیونکہ اس کا خلاصہ یہی ہے کہ ڈاڑھی رکھنا ڈاڑھی منڈانے سے بہتر ہے اس کلام کی بنا پر امام صاحب کے پیچھے نماز نہ ہونے کا حکم لگانا غلط ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

غیر مختون کی امامت کا حکم

(سوال) بے ختنہ بالغ مسلمان باختنہ مسلمانوں کی امامت کر سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۳۹۷ محمد حیات (ضلع بیجاپور) ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۶) اگر وہ استنجا اور طہارت میں احتیاط کرتا ہو تو وہ ختنے والے مسلمانوں کی امامت کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اتفاقی طور پر غیر مختون رہ گیا ہو ختنہ کے سنت ہونے کا قائل ہو (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جوا کھیلنے والے والدین کے نافرمان کی امامت

(سوال) جو شخص اپنے والد کو دشنام دیتا ہو اور مارنے میں بھی دریغ نہ کرتا ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟ اور جو شخص جوا یا سٹہ اور تاش کھیلتا ہو اور تعزیہ بنانے میں کوشش کرتا ہو یا بناتا ہو اور نہ بنانے والوں کو

---

(۱) ویکرہ امامة عبد . و فاسق . و مبتدع الخ (الدر المختار ' باب الإمامة ۱/ ۵۵۹ ط سعید)

(۲) (فتاوی دار العلوم دیوبند ' باب الإمامة ۳/ ۱۹۶ مکتبہ امدادیہ ملتان)

گالیاں دیتا ہو اس کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۳۹۹ محمد صدیق رہتک۔ ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۴ء
(جواب ۸۷) جو شخص اپنے باپ کو دشنام دے یا مارنے کا ارادہ کرے وہ سخت فاسق اور گناہ گار ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے جب تک وہ توبہ نہ کرے اور باپ سے معافی نہ مانگے۔ اس کو ہر گز امام نہ بنایا جائے جوا سٹہ بازی لگا کر تاش کھیلنا بھی گناہ اور موجب فسق ہے ایسے شخص کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہے تعزیہ بنانا یا اس کے متعلق کوئی کام کرنا بھی گناہ ہے اس سے بھی آدمی فاسق ہو جاتا ہے اور اس کی امامت بھی مکروہ ہوتی ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

غسال کے پیچھے نماز جائز ہے

(سوال) غسال کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۴۵۸ مولانا فضل احمد صاحب (حیدر آباد سندھ) ۱۳ محرم ۱۳۵۴ھ ۱۸ اپریل ۱۹۳۵ء
(جواب ۸۸) غسال اگر نیک صالح ہو تو اس کی امامت جائز ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

غلط پڑھنے والے کی اقتداء کا حکم

(سوال) امام مسجد جامع بوقت خواندن نماز در سورہ الف لام الحمد للہ را نمی خواند بلکہ بجائے الحمد ' حمد للہ میخواند نمازش صحیح است یا نہ ؟ امامتش درست شود یا نہ ؟ المستفتی نمبر ۴۷۸ باسہ میاں مولمین برما۔
۱۱ صفر ۱۳۴۰ھ ۱۵ مئی ۱۹۳۵ء
(ترجمہ) جامع مسجد کے امام صاحب نماز میں سورہ فاتحہ پڑھتے وقت الحمد للہ کو بغیر الف لام کے پڑھتے ہیں اور بجائے الحمد للہ کے حمد للہ پڑھتے ہیں ان کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟ اور ان کی امامت درست ہے یا نہیں ؟
(جواب ۸۹) اگر امام تلفظ الف لام نمی کند از مکروہ میشود لیکن ایں بعید است ظاہر ایں است لفظ الف لام آہستہ واقع می شود کہ مقتدیان سموع نمی شود و دریں صورت در نماز کراہتے نمی شود۔ محمد کفایت اللہ
(ترجمہ) اگر امام صاحب الف لام کا تلفظ ہی نہیں کرتے تو نماز مکروہ ہوتی ہے لیکن یہ بعید از قیاس ہے ظاہر یہ ہے کہ الف لام کا تلفظ آہستہ کرتے ہوں گے جو مقتدیوں کو سنائی نہیں دیتا ہو گا اور اس صورت میں نماز مکروہ نہیں ہو گی۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

---

(۱) ویکرہ امامة عبد وأعرابی و فاسق و مبتدع (التنویر ' باب الإمامة ۱/ ۵۵۹ ، ۵۶۰ ' ط سعید)
(۲) والأحق بالإمامة تقدیما بل نصبا الا علم باحکام الصلوة فقط صحة و فساداً بشرط اجتنا به للفواحش الظاهرة الخ (الدر المختار ' باب الإمة ۱ ۵۵۷ ط سعید کمپنی)
(۳) فالذی لا یقدر علی اخراج الحروف إلا بالجهد ' ولم یکن تمتمة أوفأفأة فإذا اخرج الحروف اخرجها علی الصحة لا یکره ان یکون إماماً الخ (هندیة ' الفصل الثالث فی بیان من یصلح إماماً لغیره ' ۱/ ۸۷ ط ماجدیه)

غیر شرعی فعل کے مرتکب شخص کی امامت کا حکم

(سوال) کیا ایسا شخص جس میں مندرجہ ذیل خرابیاں ہوں امامت کے قابل ہے اور اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے ' داڑھی مطابق شرع نہ ہو ' خضاب کرتا ہو ' رمضان شریف میں قرآن شریف اجرت پر پڑھے ' اور اس کو جائز قرار دے ' افیون کو حرام نہ جانے ' اگر صبح کے فرض پڑھ لئے جائیں اور سنتیں رہ جائیں ان کو طلوع آفتاب سے قبل اگر موقع پڑ جائے خود بھی پڑھے اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی اجازت دے ' تیجا ' دسواں ' بیسواں ' چالیسواں وغیرہ کو اس لئے جائز جانے کہ اگر منع کروں گا تو لوگ ناراض ہو جائیں گے اور دعوتیں ختم ہو جائیں گی۔ المستفتی نمبر ۵۴۴ فقیر احمد (سنگرور) ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۹۰) سوائے آخری بات کے کہ دنیوی مفاد کے لئے صحیح مسئلہ نہ بتائے اور سب اختلافی مسائل ہیں جو مطلقاً موجب فسق نہیں ہیں بلکہ خاص خاص حالات میں وہ موجب فسق ہو سکتے ہیں اور آخری بات کا مدار بھی نیت پر ہے جو امر مخفی ہے اس لئے ایسے شخص کی امامت کو کلیتہً ناجائز کہنا محل تامل ہے (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

مؤذن اور خادم کے فرائض

(سوال) جس جامع مسجد میں ایک امام اور ایک مؤذن ہو (جو خادم مسجد بھی ہو) ان ہر دو کے مسجد کے متعلق فرائض کیا کیا ہیں دراں حالیکہ وہ ہر دو مسجد کے وظیفہ خوار بھی ہوں نیز امام مسجد اور مؤذن مذکور اپنے اپنے فرض منصبی میں مستقل بالذات ہیں یا ان میں علاقہ تابعیت اور متبوعیت کا بھی ہے؟

المستفتی نمبر ۶۱۶ حکیم عطا حسین (جالندھر) ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ ۱۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۹۱) امام اپنے منصب کے لحاظ سے صرف نماز پڑھانے کا ذمہ دار ہے البتہ اگر اس سے وعظ یا تعلیم طلباء وغیرہ کی شرط کر لی جائے اور وہ منظور کر لے تو اس کی ذمہ داری بھی اس پر عائد ہو گی یہ ضروری ہے کہ امام سے ایسے کاموں کے لئے شرائط نہ کئے جائیں جو اس کی حیثیت امامت اور وقعت کے خلاف ہوں مؤذن سے مسجد کی خدمت کی شرط کی گئی ہو تو وہ ذمہ دار ہو گا کہ شرط کے موافق کام پورا کرے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

امام مقرر کرنا متولی کا حق ہے

(سوال) (۱) ایک گاؤں میں بقدر ایک سال مولوی صاحب پیش امام رہا مولوی صاحب موصوف پانچ وقت

---

(۱) داڑھی مطابق شرع نہ ہونا سیاہ خضاب کرنا دنیوی غرض سے صحیح مسئلہ نہ بتانا یہ سب افعال موجب فسق ہیں اور ایسا شخص تحت گناہ گار ہے جب تک توبہ نہ کرے تب تک اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے ویکرہ امامۃ عبدو اعرابی و فاسق و مبتدع الخ (التنویر باب الامامۃ ۱/ ۵۵۹ ط سعید) و یستحب للرجل خضاب شعرہ ولحیتہ و یکرہ بالسواد (درمختار) و فی الشامیۃ قولہ یکرہ بالسواد ای لغیر الحرب . وان لیزین نفسہ للنساء فمکروہ و علیہ عامۃ المشائخ (کتاب الحظر والاباحۃ باب فی البیع ۶/ ۴۲۲ ط سعید)

ٹھیک طور پر حاضر نہ رہا بعض وقت حاضر بعض وقت غیر حاضر رہا گاؤں والے اس وجہ سے ناراض تھے قوم نے امام جدید بلا رضامندی امام سابق کے مقرر کیا کیا فعل مذکور قوم کے لئے شرعاً جائز تھا یا نہیں ؟

(۲) مولوی صاحب موصوف کے پاس رویت ہلال عید الفطر کی شہادت پیش ہوئی مولوی صاحب نے شہادت گزار کر شرعاً کافی تصور کر کے افطار کا حکم صادر فرمایا لیکن قوم نے شہادت پر اطمینان نہ کیا اور حکم کی تعمیل سے انحراف کیا اور صائم رہے کیا قوم اس خلاف ورزی کی وجہ سے عاق اور مستحق کفر ہو گئی ؟ اور کیا اس کا نماز روزہ قبول نہیں ؟ المستفتی نمبر ۷۹۴ معراج گل کوہاٹی

۸ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ ۳ مارچ ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۲) مسجد میں امام مسجد مقرر کرنا متولی مسجد کا حق ہے اگر متولی نہ ہو تو پھر قوم کا حق ہے اور جب امام پابندی نہ کرے اور اکثر اوقات نماز میں غیر حاضر رہے تو قوم دوسرا امام مقرر کر سکتی ہے جو پہلے امام سے افضل اور اوقات کا پابند ہو۔ قوم کو انحراف کا حق نہیں تھا ان کو امام کے فیصلے کی متابعت کرنی چاہئیے تھی لیکن وہ اس کی وجہ سے کافر یا فاسق نہیں ہوئے عاق ہو جانے کا حکم کر دینا بھی صحیح نہیں اور اس کی وجہ سے ان کی نماز روزہ بھی ناقابل قبول نہیں ہوئے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

افیون اور پوست پینے والے کی امامت

(سوال) جو امام مسجد افیم اور پوست پیتا ہو وہ امامت کے لائق ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۸۳۱ مولوی محمد انور (ضلع جالندھر) ۱۳ محرم ۱۳۵۵ھ ۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۳) افیون اور پوست پینے والا امام امامت کے لائق نہیں ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

امام وقت پر نہ پہنچے تو دوسرا شخص نماز پڑھا سکتا ہے

(سوال) اگر امام صاحب مسجد کے اوقات مقررہ پر جماعت کے لئے حاضر نہ ہوتے ہوں اور وقت گزر جانے کا اندیشہ ہو تو نمازیان مسجد کسی اور شخص کو امام مقرر کر کے جماعت ادا کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۸۴۲ عبدالمجید خاں (کوہ شملہ) ۱۶ محرم ۱۳۵۵ھ م ۹ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۴) ہاں جب مقررہ وقت پر امام صاحب بغیر کسی مجبوری اور بغیر کسی عذر کے حاضر نہ ہوں تو قوم کو حق ہے کہ وہ دوسرے شخص سے نماز پڑھوالے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) الباني للمسجد أولى من القوم بنصب الإمام والمؤذن في المختار إلا إذا عين القوم أصلح ممن عينه الباني الخ (الدر المختار' كتاب الوقف ٤ / ٤٣٠ ط سعيد)

(۲) وكذا تكره خلف أمرد و سفيه و مفلوج وأبرص شاع برصه و شارب الخمر وأكل الربا و نمام و مراء و متصنع الخ (الدر المختار' باب الإمامة ١ / ٥٦٢ ط سعيد)

(۳) (فتاوى دار العلوم ديوبند' باب الإمامة ٣ / ٢٩٩ ط مكتبه امداديه' ملتان)

بلاوجہ شرعی امام سے اختلاف جائز نہیں

(سوال) زید نے ایک امام صاحب کو خود عام مجلس کے اتفاق رائے سے امام مقرر کیا ان کے پیچھے نماز پڑھتا رہا اب تین چار سال کے بعد دنیاوی اختلاف کی بناء پر امام صاحب کی بے عزتی کی اور گالیاں دیں اور زد و کوب کیا اب امام صاحب اس کو اپنا عاق قرار دیتے ہیں عندالشرع کیا حکم ہے۔

المستفتی نمبر ۸۵۲ مولوی محمد شاہ (ریاست بھاولپور) ۲۰ محرم ۱۳۵۵ھ ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۵) اگر شخص مذکور نے امام صاحب کی بغیر کسی خطا و قصور کے توہین کی ہے تو وہ سخت گناہ گار ہوا ہے اور اس کو امام صاحب سے معافی طلب کرنی اور توبہ کرنی لازم ہے ورنہ وہ فاسق اور مستحق مواخذہ ہے عاق قرار دینا کوئی شرعی طریقہ نہیں ہے اور نہ کسی کے عاق بنانے سے کوئی عاق بنتا ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

ٹوپی پہن کر نماز پڑھانا جائز ہے

(سوال) اگر امام ترکی ٹوپی یا اور کسی قسم کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھائے تو نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۸۵۶ حکیم قاضی محمد نور الحق (چامراج نگر) ۲۱ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۶) ترکی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا اور امامت کرنا جائز ہے کوئی کراہت نہیں ہے ہاں امام صاحب کے لئے عمامہ افضل ہے عمامہ نہ ہو تو افضلیت حاصل نہ ہوگی مگر نماز مکروہ نہ ہوگی(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

ذبح کرنے والے کی امامت

(سوال) ایک ملا ماہوار بارہ روپے لیکر مسجد میں اذان دیکر پنجوقتہ پیش امامی بھی کرتا ہے دیگر اس گاؤں کے تمام قصابوں کی گائیں اور بکریاں گائے کو دو آنے اور بکری کو ایک آنہ لیکر ذبح کرتا ہے گاؤں کے لوگ اس ملا کو اس کام پر مقرر کئے ہیں علاوہ ازیں گاؤں میں شادی نکاح میں فی نکاح پانچ روپے لیکر نکاح پڑھاتا ہے بغیر اپنی فیس پانچ روپے دیئے کسی کو نکاح پڑھانے نہیں دیتا اور جنازے پر ڈالی ہوئی چادر اپنے سوائے دوسرے فقیروں کو دینے نہیں دیتا ایسے شخص کے پیچھے اقتدا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۸۹۹ حاجی شیخ محی الدین صاحب (بمبئی) ۸ صفر ۱۳۵۵ھ ۲۹ اپریل ۱۹۳۶ء

---

(۱) سباب المسلم فسوق و قتاله کفر (مسلم ' باب قول النبی ﷺ ' سباب المسلم فسوق وقتاله کفر ۱/ ۵۸ ط قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۲) "وقد ذکروا أن المستحب أن یصلی فی قمیص وازار و عمامة ولا یکرہ الا کتفاء بالقلنسوة ولا عبرة بما اشتهر بین العوام من کراهة ذلك" (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة' کتاب الصلوة ۱/ ۱۶۹ ط سعید کمپنی)

(جواب ۹۷) ذبح کرنا اور اس کی اجرت لینا فی حد ذاتہ جائز ہے مگر جو لوگ کہ اس کام کو بطور پیشہ کے اختیار کرتے ہیں اکثری طور پر ان کے عادات و اخلاق خراب اور قابل مذمت ہو جاتے ہیں تو ان عوارض اور اخلاق ذمیمہ کی وجہ سے لوگ ان سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور اس بناء پر ان کو امام بنانا مکروہ ہو جاتا ہے(۱)
نکاح خوانی کی اجرت پانچ روپے مقرر کر لینا اور پھر ہر شخص سے پانچ روپے جبراً وصول کرنا اور دوسرے شخص کو نکاح خوانی سے منع کرنا ناجائز ہے بلکہ یہ اجرت فریقین کی رضامندی سے مقرر ہونی چاہئیے اور ہر شخص کو حق ہے کہ وہ جس سے چاہے نکاح پڑھوائے اسی طرح جنازے کی چادر کو اپنا حق سمجھنا غلط ہے اور ان مکروہات کے مرتکب سے لوگوں کا نفرت کرنا بجا ہے اور اس کی امامت بھی مکروہ ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

میت کو غسل دینے والے کو امام مقرر کرنا کیسا ہے؟

(سوال) ہمارے علاقہ میں یہ رسم ہے کہ جس شخص کو امام مقرر کرتے ہیں غسل اموات عرفاً اسی کے ذمہ ہوتا ہے خواہ وہ خود یہ کام انجام دے یا کسی کو اپنا نائب مقرر کرے امام کیلئے اس کام کا علیحدہ کوئی معاوضہ متعین نہیں کیا جاتا بقدر وسعت اسقاط میت میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور صدقہ فطر عشر وغیرہ میں سے دے دیتے ہیں ایسی صورت میں کہ امام خود اموات کو غسل دے اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

(جواب) (از نائب مفتی صاحب) جس علاقہ میں یہ رسم ہے کہ پیش امام اموات کو غسل دیتے ہیں تو اس علاقہ کے لوگ اگر اس فعل کرنے والے امام کو بوجہ اس فعل کے حقیر جانتے ہیں تو نماز اس پیش امام کے پیچھے پڑھنی مکروہ تنزیہی ہوگی۔ والظاهر ان العلة النفرة (۲) اور اگر اس علاقہ کے لوگ غسل دینے اموات کو حقیر نہیں جانتے تو غاسل پیش امام کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے بوجہ نہ ہونے نفرت و تقلیل جماعت کے۔ واللہ اعلم اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ

(جواب ۹۸) (از حضرت مفتی اعظمؒ) اگر مردہ شوئی باجرت نہ ہو اور افعال خلاف مروت و خلاف مکارم اخلاق امام سے سرزد نہ ہوتے ہوں تو اس کی امامت جائز ہے مکروہ نہیں ہے اور اگر غسال اجرت لیتا ہو اور بد اخلاقی کے اعمال اس سے صادر ہوتے ہوں تو اس کی امامت مکروہ ہوگی کیونکہ ایسے شخص کو لوگ نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' الجواب صواب عبدالرحمٰن مدرسہ فتح پوری

---

(۱) و یجوز الاستئجار علی الذکاۃ' لأن المقصود منها قطع الأوداج دون افاتة الروح وذلك يقدر عليه فأشبه القصاص فيما دون النفس كذا فی السراج الوهاج (عالمگیریة' کتاب الإجارة ٤/٤٥٤ ط ماجدیه' کوئٹه)

(۲) (رد المحتار' باب الإمامة ١/٥٦٢' ط سعید کمپنی)

(۳) والأفضل أن يغسل الميت مجاناً' فان ابتغى الغاسل الأجر جاز إن كان ثمه غيره' وإلا لا' لتعينه عليه و ينفي حكم الحمال والحفار كذلك الخ (الدر المختار' باب صلوة الجنائز ٢/١٩٩ ط سعيد)
والأحق بالإمامة تقديما بل نصبا الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحة و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة الخ (الدر المختار' باب الإمامة ١/٥٥٧ ط سعيد)

دہلی' الجواب صحیح بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی' الجواب صواب غلام رسول غفرلہ' مدرسہ امینیہ' الجواب صواب خدا بخش عفی عنہ مدرسہ امینیہ' الجواب صحیح انظار حسین عفی عنہ مدرسہ امینیہ' الجواب حق محمد شفیع عفی عنہ مدرسہ عبدالرب دہلی للہ درہ مجیبا مصیبا محمد شریف اللہ عفی عنہ مدرسہ فتح پوری' الجواب صحیح محمد مظہر اللہ عفا اللہ عنہ' مدرسہ عبدالرب' الجواب حق محبوب الٰہی مدرسہ عبدالرب' دونوں جواب صحیح ہیں ولایت احمد عفی عنہ مدرسہ فتح پوری' الجواب حق اشفاق مدرس فتح پوری' الجواب صحیح خادم العلماء سلطان محمود مدرسہ فتح پوری دہلی ۔

بد چلن بیٹی والے کی امامت

(سوال) (۱) ایک مسجد کے امام تنخواہ دار کی تیس سالہ دوشیزہ پردہ دار لڑکی کا چال چلن خراب ہے اور اسے اپنی لڑکی کے مشتبہ چال چلن کا علم ہے لیکن وہ نہ تو اس کی روک تھام کرتا ہے نہ اس کا رشتہ کسی کو دیکر اس گناہ کبیرہ کا سدباب کرتا ہے امام مسجد حافظ قرآن بھی ہے کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے ؟

(۲) اس علاقہ کے عام رواج کے مطابق ائمہ مساجد کو نماز پڑھانے کے علاوہ مردہ شوئی اور نکاح خانی وغیرہ کے تمام کام سپرد ہوتے ہیں اور اس کے معاوضہ میں گاؤں کے ہر گھر سے روزانہ رات کو ایک روٹی ملتی ہے جو خود امام مسجد ہر گھر پر جاکر حاصل کرتا ہے نکاح خوانی جنازہ وغیرہ کا صلہ الگ بھی ملتا ہے کیا یہ گداگرانہ صورت نہیں ہے اور ایسے امام کی اقتدا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۷۹۳ خلیفہ محمد صاحب (ضلع منٹگمری) ۲۸ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۰ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۹) (۱) اگر امام اپنی لڑکی کے چال چلن کی خرابی سے واقف اور اس پر راضی ہے تو وہ فاسق ہے اور اس کی امامت مکروہ ہے اس کو لازم ہے کہ لڑکی کا نکاح کردے اور خود اپنی غفلت اور بے پروائی سے توبہ کرے تو اس کی امامت درست ہو سکتی ہے (۱)

(۲) جب کہ اماموں کے ذمہ یہ سب کام نمازیوں نے خود لگا رکھے ہیں اور خود ہی امام کو ایک ایک روٹی روزانہ گھر پر بلا کر دیتے ہیں یعنی امام کی نہ تو تنخواہ مقرر کرتے ہیں اور نہ مردہ شوئی اور نکاح خوانی کے لئے دوسرے آدمی مقرر کرتے ہیں اور نہ عزت واحترام سے اس کو کھانا پہنچاتے ہیں تو پھر ان کو یہ سوال کرنے کا حق کیسے ہوا کہ آیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں بلکہ ان حالات میں تو یہ سوال کیا جائے گا کہ کیا اس امام کے سوا کوئی امام ایسا بھی ہے جو ان کاموں سے مستثنیٰ ہو اور عزت سے اس کو کھانا اس کے گھر پہنچایا جاتا ہو یا اس کی تنخواہ اتنی مقرر کردی گئی ہو کہ وہ گھر گھر سے روٹی لانے کا محتاج نہ رہا ہو اگر کوئی ایسا کام مل سکتا ہو تو بیشک سابق الذکر امام کے پیچھے نماز مکروہ ہو گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) ویکرہ إمامة عبد وأعرابی و فاسق . و مبتدع الخ (التنویر ۱/ ۵۵۹ ، ۵۶۰ باب الإمامة ط سعید کمپنی)

(۱)یزید پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
(۲)خود کو یزید جیسا کہنے والے کی امامت
(۳)حضرت حسینؓ کی طرف منسوب ایک روایت

(سوال) (۱)یزید پر لعنت کرنا جائز ہے کہ نہیں ؟(۲)زید کہتا ہے کہ مجھے یزید سمجھو یزید کا بھائی آیا اس کے پیچھے ہم نماز پڑھیں یا نہیں ؟(۳) عمرو کہتا ہے کہ حضرت امام حسینؓ نے اپنے رومال کو جھاڑ دیا جس سے پہلی صف کٹ گئی کیا یہ روایت صحیح ہے یا غلط ؟ المستفتی نمبر ۲۴۶ مولوی محمد عالم (و یجاپور)
یکم ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۳ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰۰) (۱)یزید نے جو کچھ کیا اپنے لئے کیا اس کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے ہمارے لئے احتیاط یہ ہے کہ ہم اس کا نام لیکر لعنت نہ کریں (۱)(۲)اس کہنے والے کا مطلب کیا ہے اگر یزید کے اعمال کو اچھا قرار دیکر یہ کہتا ہے تو اس کی امامت مکروہ ہے(۳) یہ روایت صحیح نہیں۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسائل سے واقف پیشہ ور شخص کی امامت

(سوال) شرائط امامت کیا ہیں یا قوم بافندہ میں سے کوئی شیخ و سید سے علم شریعت میں بڑھا ہوا ہو اور شریعت کا ان لوگوں سے زیادہ پابند ہو مگر عورتیں پردہ کے بموجب شرع شریف کی پوری پابند نہ ہوں لیکن بد چلنی کی شکایت کبھی اس کے خاندان میں نہ ہو تو اس کی امامت بلا کراہت جائز ہو گی یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۱۰۱۹ ایم عمر صاحب (ضلع سارن) ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۴ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰۱) اگر کوئی بافندہ یا اور کوئی پیشہ ور شخص علوم شریعت اور صلاحیت میں شیخ و سید سے زیادہ ہو تو وہ امامت کا زیادہ مستحق ہے عورتوں کی بے پردگی اگر حدود شرعیہ سے متجاوز ہو اور وہ منع نہ کرے تو یہ اس کی امامت میں کراہت پیدا کرے گی(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱)شافعی مذہب چھوڑ کر حنفی بننے والے کی اقتداء کا حکم
(۲)شافعی مذہب والے کے پیچھے حنفی کی اقتداء
(۳)صبح کی نماز میں شافعی امام کے پیچھے حنفی قنوت پڑھیں یا نہیں ؟

---

(۱) وهي لا تكون إلا لكافر ولذا لم تجز على معين لم يعلم موته على الكفر بدليل وإن كان فاسقا تهورا كيزيد على المعتمد بخلاف نحو ابليس الخ و بخلاف غير المعين كالظالمين والكاذبين فيجوز الخ (رد المحتار' باب الرجعة' مطلب في حكم لعن العصاة' ۳ / ۴۱۶ ط سعيد)
(۲) والأحق بالإمامة تقديما بل نصبا الاعلم بأحكام الصلاة فقط صحة و فسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة الخ (الدر المختار' باب الامامة ۱ / ۵۵۷ ط سعيد)

(۴) جہاں اکثر مقتدی حنفی ہوں وہاں امام کس طرح نماز پڑھائے

(سوال) (۱) شافعی المذہب امام جماعت احناف کی کثرت کی وجہ سے جو اس کے مقتدی ہیں اپنا مذہب چھوڑ کر حنفی مذہب اختیار کر سکتا ہے یا نہیں ؟ (۲) کیا شافعی مذہب پر رہ کر نماز پڑھانے سے حنفیوں کی نماز نہیں ہوتی جب کہ اکثر مقتدی حنفی المذہب ہوں (۳) کیا شافعی امام کے نماز صبح میں دعائے قنوت پڑھنے سے حنفی مقتدیوں کی نماز میں کوئی قباحت آجاتی ہے (۴) جہاں اکثر مقتدی حنفی ہوں تو شافعی امام کو کن امور میں رعایت کرنی چاہئے ؟ المستفتی نمبر ۱۰۲۵ امام عبدالصمد صاحب ڈربن۔ ناٹال (جنوبی افریقہ)

۹ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۳۰ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰۲) (۱) بالکل مذہب بدل لینا یعنی مذہب شافعی چھوڑ کر حنفی مذہب اختیار کر لے یہ بھی جائز ہے اور نماز میں حنفی مذہب کی رعایت کر لیا کرے یہ بھی جائز ہے (۱) (۲) شافعی امام کے پیچھے حنفیوں کی نماز ہو جاتی ہے (۲) (۳) اگر شافعی امام نماز فجر میں قنوت پڑھے تو حنفی خاموش کھڑے رہیں حنفیوں کی نماز میں قباحت نہیں آئے گی مگر روزانہ ایسا ہونے سے اکثریت کے لئے وساوس تو پیدا ہوں گے (۳) (۴) جو امور کہ حنفیہ کے نزدیک موجب افساد نماز یا موجب کراہت نماز ہیں اور شوافع کے نزدیک ان کے ترک سے نماز میں فساد یا کراہت نہیں آتی انہیں ترک کر دے۔　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ضرورت کی بناء پر امام اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے

(سوال) (۱) جماعت لاہوری و قادیانی کے رشتہ دار اپنے رشتہ دار مرزائیوں کو مسلمان اور مذہب حنفی میں مسلمان تصور کرتے ہیں حالانکہ بروئے شریعت و فتویٰ ہائے علماء دین' مرزائی اور ان کے حامی و رشتہ دار اور جو ان کو مسلمان جانیں وہ سب خارج از اسلام و کافر ہیں اور یہ بھی ہم کو بخوبی معلوم ہے کہ ان کو مسجد اہل اسلام میں بھی داخل نہ ہونے دیں مگر ہم لوگ ان کو مسجد میں آنے سے روکنے میں سخت مجبور ہیں اگر روکتے ہیں تو وہ آمادہ فساد ہوتے ہیں اور مسجد میں جنگ و جدال کی نوبت ہو جاتی ہے اب جماعت مرزائی کے رشتہ دار ہماری مسجد میں آتے ہیں اور جس لوٹے سے وہ وضو کرتے ہیں اور مسجد میں جن گھڑوں سے ہم پانی پیتے ہیں وہ بھی پیتے ہیں اور ہماری جماعت نماز میں شریک نہیں ہوتے جو کہ مؤذن مسجد پڑھاتا ہے اور ان کی ضد یہ ہے کہ اگر امام صاحب معین جماعت کرائیں گے تو ہم بھی شریک جماعت ہوں گے کیونکہ ہمارا چندہ مشترکہ

---

(۱) ولو أن رجلاً برئ من مذهبه باجتهاد وضح له كان محموداً مأجوراً الخ (رد المحتار' باب التعزير مطلب فيما ارتحل إلى غير مذهبه ' ٤ / ٨٠ ط سعيد كمپنی)

(۲) وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز مالم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدي' عليه الإجماع (رد المحتار' باب الإمامة' مطلب في الاقتداء بالشافعي ١ /٥٦٣' ط سعيد)

(۳) وصح الاقتداء فيه بالشافعي على الأصح' الخ ويأتي المأموم بقنوت الوتر' لا الفجر' منسوخ' بل يقف ساكتاً على الأظهر الخ (الدر المحتار' باب الوتر والنوافل ٢ /٩' ط سعيد)

ہے (یہ چندہ اس وقت کا ہے جب کہ یہ اہل سنت والجماعت شمار کئے جاتے تھے) ایسی صورت میں اگر یہ لوگ ہماری جماعت فرض وواجب میں شامل ہو جائیں اور ہم ان کو علیحدہ کرنے کی طاقت نہ رکھیں تو نماز سب کی درست ہو جائے گی یا نہیں اور امام کی امامت کرانی درست ہے یا نہیں

(۲) جو لوگ باوجود واقف ہونے اس امر کے کہ ان کا مسجد میں آنا ازروئے شریعت منع ہے اور وہ لوگ بوجہ کسی خوف کے مسجد میں آنے سے نہ روکیں یا بوجہ لحاظ ورشتہ داری کے چشم پوشی کریں تو ایسے لوگ نمازی کسی جرم شرعی کے مرتکب ہیں یا نہیں

(۳) امام معین مسجد نے فتاویٰ علماء اہل اسلام کہ متعلق قادیانیوں کے جاری تھے مسجد میں محلہ والوں کو سنائے اور یہ کہا کہ قادیانی یا ان کے رشتہ دار ان جو ان کے ساتھ شامل ہیں وہ ہماری جماعت نماز میں شریک ہوں گے تو میں نماز نہیں پڑھاؤں گا جن کو سن کر اہل محلّہ نے مرزائیوں کے رشتہ داروں سے باوجود سمجھانے اور ان کا کہنا نہ ماننے کے قطع تعلق ان سے کر دیا اسی وجہ سے مرزائیوں کے رشتہ دار امام صاحب ہی کے مخالف ہو گئے اور وہ چاہتے ہیں کہ امام معین کسی طرح امامت سے جدا ہو جاویں اس واسطے جب امام صاحب جماعت کراتے ہیں تو ضداً یہ لوگ شامل جماعت نماز ہوتے ہیں جیسا کہ سوال نمبر ا سے واضح ہے اور اگر نائب امام جو مؤذن بھی ہے وہ جماعت کرائے یا دیگر شخص جماعت کرائے تو وہ شریک جماعت نماز نہیں ہوتے اس سے صاف عیاں ہے کہ ذاتی نقصان تنخواہ کا امام کو پہنچانا ہے ہم اہل محلّہ نے امام صاحب کو نہ امامت سے علیحدہ کیا ہے نہ انہوں نے استعفاد یا ہے بلکہ ہر نماز میں امام صاحب حاضر رہتے ہیں لیکن بوجہ فساد کے ہم لوگ نائب امام صاحب سے جماعت کراتے ہیں ایسی صورت میں مسجد فنڈ سے تنخواہ امام صاحب کو دینی اور امام صاحب کو لینی درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۱۴۱ عبدالرحمٰن صاحب (چاندنی چوک)

۵ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۴ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰۳) قادیانی فتنہ بہت زیادہ مضر اور مسلمانوں کی دینی اور اخلاقی بلکہ سیاسی حالت کے لئے بھی تباہ کن ہے اگر مسلمان ان سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے ان کے ساتھ تعلقات نہ رکھیں تو اس میں وہ حق بجانب ہیں، باقی رہا امام کا معاملہ تو اگر اہل مسجد امام سے کسی شرعی ضرورت کے ماتحت نماز نہ پڑھوائیں تو مضائقہ نہیں اور امام جب تک امام ہے اس کو مسجد فنڈ سے تنخواہ دی جاسکتی ہے جب کہ اس کی نیابت میں دوسرا شخص اہل مسجد کی رضامندی سے اس کا کام انجام دیتا رہتا ہے(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) الاستخلاف جائز مطلقاً أی سواء کان لضرورة أولا کما یعلم من عبارة مجمع الأنهر الخ (رد المحتار' باب الجمعة مطلب فی جواز استنابة الخطیب' ۲/۱٤۲ ط سعید)

(۲) وفی الشامیة عن القنیة: " استخلف الإمام خلیفة فی المسجد' لیوم فیه زمان غیبته لا یستحق الخلیفة من أوقاف الإمامة شیئاً إن کان الإمام ام اکثر السنة " و فی الخلاصة : " أن الإمام یجوز استخلافه بلا إذن بخلاف القاضی' و علی هذا لا تکون وظیفته شاغرة وتصح النیابة" (کتاب الوقف' مطلب فی الغیبة' التی یستحق بها العزل عن الوظیفة ومالا یستحق ٤/٤٢٠ ط سعید)

بیٹی کی بد کرداری پر راضی ہونے والے کی امامت

(سوال) شیخ فرید صاحب کند نظر مسجد کے پیش امام ہیں ان کی ایک بیس بائیس سالہ لڑکی سن بلوغت کو پہنچے ہوئے سات آٹھ سال ہوئے رہتی ہے امام صاحب باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے کئی ایک منگیتوں کو حیلہ ، حوالہ اور چناں چنیں کے بلاء میں مبتلا ہو کر ٹھکرادیا اور اب تک کسی کے نکاح میں نہ دے کر رکھے ہیں نتیجہ میں اس نا عقد الڑکی کے بطن سے ایک لڑکا تولد ہو کر پندرہ دن ہوئے اور اب تک زندہ موجود ہے (۲) مسلمانان محلّہ عموماً مصلیان مسجد ہذا نے باز پرس کی کہ حضرت یہ کیا معاملہ ہے جس نامعلوم شخص سے یہ حمل قرار پایا ہے کھوج لگا کے اس کے ساتھ نکاح کیوں نہیں کر دیتے تو امام صاحب جواباً (اوہام پرستی میں عام لوگوں کو مبتلا کرنے کی نیت سے) فرماتے ہیں کہ میری لڑکی تو کچھ جانتی ہی نہیں ہے وہ تو بڑی پارسا ہے اور جو بچہ کہ تولد ہوا ہے کسی ناجائز تعلقات سے نہیں ہے بلکہ جیسا کہ نعوذ باللہ پیغمبروں کے گھروں میں (مثلاً مریم و عیسیٰ) پیدا ہوئے اسی طرح میرے ہاں بھی یہ معاملہ قدرتی طور پر ہوا ہے ڈھٹائی اور بے شرمی سے یہ بھی کہتے ہیں کہ (**نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا الخ**) میرے ہاں ملائک اور مؤکلان نازل ہوتے رہتے ہیں کیونکہ میری پارسا لڑکی بڑی ہی عابدہ وزاہدہ ہے وغیرہ وغیرہ۔
(۴) اس پر اہل جماعت ناراض ہو گئے ہیں اور کہنے لگے ہیں کہ یہ معاملہ سراسر جھوٹ ہے نہ قدرتی ہے نہ اور کچھ بلا باپ کے بچہ ہونا فی زمانہ ناممکن ہے امام صاحب کاذب اور دھوکہ باز ہیں اور جان بوجھ کر احمق اور نادان بنانا چاہتے ہیں ایسے کاذب دیوث کے پیچھے نماز پڑھنا مناسب نہیں اور نہ پڑھیں گے کیونکہ ہم لوگوں کو کراہت ہے (۵) جناب امام صاحب (بہ لالچ آمدنی امامت و ملازمت) کہنے لگے کہ میری لڑکی کے ناجائز چال چلن سے میں قصوروار ہو نہیں سکتا مجھے امامت سے اتار دینا بے انصافی ہے (۶) مذکورہ حالات کے پیش نظر سوائے چند افراد کے جو ان کے ہوا خواہ اور کم فہم ہیں باقی تمام اہل جماعت امام صاحب سے کراہت کرتے ہیں اور ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔

المستفتی نمبر ۱۱۴۶ حکیم محمد عبداللہ صاحب۔بادشاہ صاحب (کسٹنا)
۷ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۲۶ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰٤) بیشک امام صاحب کی اس ڈھٹائی سے کہ میری لڑکی پاکباز اور پارسا ہے اور میرے یہاں ملائک و مؤکل نازل ہوتے ہیں اور یہ بچہ ایسا ہی ہے جیسے معاذ اللہ حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تھے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس فاحشہ کو جو لڑکی سے سرزد ہوئی نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ اس کو قابل تحسین قرار دیتے ہیں اور یہ بات اتنی خطرناک ہے کہ اس میں زوال ایمان کا قوی خطرہ ہے یہ ضرور ہے کہ لڑکی کی بد فعلی کا گناہ باپ پر عائد نہیں ہوتا مگر جب باپ اس بد فعلی کو جائز بلکہ اپنی لڑکی کی کرامت بتلائے تو وہ خود فاسق اور گناہ گار ہو گیا اور اس کی امامت یقیناً مکروہ تحریمی ہے اور جب کہ جماعت کا بڑا حصہ امام سے اس بات پر ناراض ہے تو اس کی ناراضی درست ہے اور ناراضی جماعت کی حالت میں امام کی امامت دوسری وجہ سے بھی مکروہ تحریمی

ہو گی(۱) فقط　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) ختم قرآن پر اجرت لینے والے کی امامت
(۲) دم اور تعویذ کی اجرت لینا جائز ہے

(سوال) (۱) حافظ قرآن کو کسی میت کے واسطے پڑھنے کے لئے اجرت پیشتر سے طے کرنا جائز ہے یا نا جائز ہے نماز اس حافظ کے پیچھے ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ (۲) حافظ قرآن کو شیطان یا جن یا بلیات کے واسطے دم کرنا اور اس سے اجرت طے کر لینا پیشتر سے کہ ہم اتنا لیں گے تب چلیں گے جائز ہے یا نا جائز ؟ ایسے شخص کی امامت میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۱۷۳ عبدالرزاق صاحب (ضلع میدنی پور)
۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰۵) (۱) ایصال ثواب کے لئے قرآن مجید پڑھنے کی اجرت طے کر کے لینا ناجائز ہے(۲) (۲) دم کرنے یعنی علاج کی اجرت لینی طے کرنی جائز ہے(۳)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

امام سے عمامہ باندھ کر نماز پڑھانے کا مطالبہ درست نہیں

(سوال) نماز کی حالت میں دوپٹہ باندھنا افضل ہے یا ضروری ہے ؟
المستفتی نمبر ۱۱۸۶ قاری حامد حسین صاحب مدرس فتح پوری دہلی ۔ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ
۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰۶) عمامہ کے ساتھ نماز افضل ہے اور اس میں ثواب زیادہ ہے لیکن بغیر عمامہ کے نماز پڑھنا یا نماز پڑھانا بھی جائز ہے یعنی اس میں کوئی کراہت نہیں حضور ﷺ کے عمامہ باندھنے کے متعلق عادۃ یا عبادۃ کا سوال بیکار ہے کیونکہ عمامہ کی فضیلت اور زیادتی اجر نماز مع العمامہ میں کلام نہیں ہو سکتا لوگوں کا انکار اگر اس بنا پر ہے کہ ترک عمامہ کو مکروہ سمجھتے ہیں تو غلط ہے اور اگر تحصیل فضیلت کے لئے ہے تو مضائقہ نہیں مگر اس کے لئے لازم ہے کہ ترک عمامہ پر امام کو برا نہ کہیں اور نہ اس کو مجبور کریں کہ ضرور عمامہ

---

(۱) قال في التنوير و شرحه: " ولو ام قوماً وهم له كارهون إن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحسن بالإمامة منه كره له ذلك تحريما: لحديث ابي داؤد: " لا يقبل الله صلاة من تقدم قوما' وهم له كارهون" (باب الإمامة ۱/ ۵۵۹ ط سعيد)

(۲) ولا يصح الا ستنجار على القراء ة واهدائها إلى الميت' لانه لم ينتقل عن أحد من الأئمة في ذلك وقد قال العلماء:" إن القارى إذ اقرأ لأجل المال فلا ثواب له فاى شئ يهديه إلى الميت (رد المحتار' باب الإجارة الفاسدة ۶/ ۵۷ ط سعيد)

(۳) قال النووى : قوله صلى الله عليه وسلم : " خذو منهم واضربوا لى بسهم معكم " هذا تصريح بجواز أخذ الأجرة على الرقية بالفاتحة والذكر و أنها حلال لا كراهية فيها و منعها ابو حنيفة فى تعليم القرآن و أجاز مافى الرقية (شرح النووى على مسلم : باب جواز أخذ الأجرة على الرقية بالقرآن ۳/ ۲۲۴ ط قديمى كتب خانه)

باندھے امام کو بھی تحصیل فضیلت کے لئے عمامہ باندھ کر نماز پڑھانے میں اعتراض نہ ہونا چاہئیے اور بیان جواز کے لئے کبھی بلا عمامہ نماز پڑھاوے تو مقتدیوں کو اعتراض نہ کرنا چاہئیے(۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

امام کی اجازت کے بغیر دوسرے شخص کو امامت کا حق نہیں

(سوال) ایک شخص بعہدہ قانون گو یا پٹواری بدون اجازت امام جی خود بخود بطور حکومت امامت کرتا ہے کچھ لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور کچھ نہیں پڑھتے آیا ایسے شخص کی امامت جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۲۷۷ برکت علی صاحب (ریاست کپور تھلہ) ۱۲ شوال ۱۳۵۵ھ ۳۱ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰۷) جب کسی مسجد میں امام مقرر ہو اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا امامت کرے تو اس کے لئے یہ امامت مکروہ ہے اور وہ بغیر اجازت امام جی امامت کرنے میں گناہ گار ہوگا اس کے پیچھے نماز بکراہت ہوگی(۲) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ترکی ٹوپی پہن کر نماز پڑھانا جائز ہے

(سوال) کسی صاحب علم کو عمامہ باندھنے کے عوض ترکی ٹوپی پہننے کی عادت ہے اب اگر وہ صاحب ٹوپی کے ساتھ نماز پنجگانہ میں جماعت کی امامت کریں تو اس ٹوپی سے نماز جائز ہوگی یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۲۸۳ محمد کھوڑو خاں صاحب ضلع دھارواڑ

(جواب ۱۰۸) ٹوپی یا ترکی ٹوپی پہن کر نماز پڑھانا یا پڑھنا جائز ہے ترکی ٹوپی پہن کر امامت کرنا مفسد نماز نہیں ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بدعات شنیعہ کے مرتکب کی امامت کا حکم

(سوال) جو شخص دائمی طور پر بدعات شنیعہ کا مرتکب ہو اس کی امامت درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۲۸۳ محمد کھوڑو خاں صاحب۔ ضلع دھارواڑ۔ ۱۹ شوال ۱۳۵۵ھ ۳ جنوری ۱۹۳۷ء

---

(۱) وقد ذكروا ان المستحب أن يصلي في قميص وإزار وعمامة ولا يكره الا كتفاء بالقلنسوة ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك الخ (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية : كتاب الصلوٰة ۱/۱۶۹ ط سعيد كمپنى)

(۲) واعلم أن صاحب البيت و مثله إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقاً الخ ولو ام قوماً وهم له كارهون إن الكراهة لفساد فيه أو لا نهم أحق بالإ مامة منه كره له ذلك تحريما الخ (الدر المحتار' باب الإمامة ۱/۵۵۹' ط سعيد كمپنى)

(۳) وقد ذكروا أن المستحب أن يصلي في قميص وإزار و عمامة ولا يكره الإكتفاء بالقلنسوة' ولا عبرة بما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك الخ (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية ۱/۱۶۹ ط سعيد)

(جواب ۱۰۹) بدعات شنیعہ کے مرتکب کی امامت مکروہ ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

نیک اور صالح ولد الزنا کی امامت کا حکم

(سوال) رنڈی زادہ قرآن کا حافظ ہے ایسی صورت میں اس کے پیچھے تراویح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور علاوہ ازیں اس کے پیچھے پنج وقتہ نماز فرائض پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۲۹۱ محمد مصطفیٰ صاحب (جے پور شاہ پور) ۲۳ شوال ۱۳۵۵ھ ۷ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۰) اگر رنڈی زادہ نیک اور صالح ہو اور اس کے اعمال و افعال میں کوئی بات قابل اعتراض نہ ہو صرف رنڈی کا لڑکا ہونا ہی باعث تامل ہو تو اس کی امامت فرائض اور تراویح میں جائز ہے اور رنڈی کا لڑکا ہونا مضر نہیں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

ڈاڑھی منڈانے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے

(سوال) جو شخص ہمیشہ کے لئے ڈاڑھی صاف کرتا رہتا ہے اور ڈاڑھی رکھتا نہیں اس کی امامت جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۳۷۸ شیخ اعظم شیخ معظم ملاجی صاحب (مغربی خاندیش)

۲۷ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ ۱۱ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۱) ڈاڑھی منڈانے والے کی امامت مکروہ ہے ہاں اگر سب مقتدی بھی ڈاڑھی منڈے ہوں تو ڈاڑھی منڈانے والا امام بن جائے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

بد کردار امام کو معزول کرنا جائز ہے

(سوال) ایک مسجد کے امام کے متعلق بعض نمازیان مسجد کو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں اور بچوں سے بداخلاقی سے پیش آتے ہیں اور وہ بداخلاقی اس قسم کی ہے کہ جس کا اظہار ایک مسلمان کے لئے امام کے متعلق زیبا نہیں ہے اس لئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو امام افعال قبیحہ کا مرتکب ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں اگر امام کی بدافعالی کا ثبوت بہم پہنچ جائے تو متولیان مسجد کو امام کا علیحدہ کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۳۸۴ نواب حسین صاحب۔ باغیچی اچھے جی۔ باڑہ ہندوراؤ۔ دہلی

---

(۱) ویکرہ امامة عبد واعرابی و فاسق . و مبتدع الخ (التنویر و باب الامامة ۱/۵۵۹ ط سعید)

(۲) قال فی التنویر : " ویکرہ إمامة عبد . وولد الزنا" الخ و فی الشامیة : " لکن مابحثه فی البحر صرح به فی الاختیار حیث قال : " ولو عدمت أی علة الکراهة بأن کان الأعرابی افضل من الحضری و العبد من الحر وولد الزنا من ولد الرشدة اوالأعمیٰ من البصیر فالحکم بالضد" الخ (باب الإمامة ۱/۵۶۰ ط سعید کمپنی)

(۳) قال فی التنویر : " ویکرہ امامة عبد وأعرابی و فاسق " الخ و فی الشامیة وأما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بأنه لا یهتم لأمر دینه وبأن فی تقدیمه للإمامة تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعاً الخ (باب الإمامة ۱/۵۵۹ ط سعید)

(جواب ۱۱۲) اگر امام کی بد افعالی کا ثبوت بہم پہنچ جائے تو متولی کو لازم ہے کہ ایسے امام کو امامت سے علیحدہ کردے کیونکہ ایسے بد افعال امام کی امامت مکروہ تحریمی ہے(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۱۸ مارچ ۱۹۳۷ء ۴ محرم ۱۳۵۶ھ

جو عالم حافظ و قاری ہو وہ زیادہ حقدار ہے

(سوال) (۱) زید صرف حافظ قرآن شریف و نو عمر ہے مگر مسائل سے بالکل ناواقف ہے یہاں تک کہ ارکان و شرائط و مفسدات نماز و نواقض وضو تک کا بھی علم نہیں ہے اور بکر مولوی، قاری، متقی، واعظ، خوش الحان سن رسیدہ ہے اب شاہی مسجد کے لئے جہاں کے مقتدی علماء، صوفیا و حفاظ و عوام مسئلہ داں ہوں کس کو امام مقرر کرنا چاہئے (۲) علماء و صوفیا و حفاظ و غیر ہم کی نماز زید مذکور کے پیچھے ہوگی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۶۵ معین الدین احمد صاحب (آرہ شاہ آباد) ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۵ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۳) ظاہر ہے کہ امامت کے لئے مقرر کرنے کے لائق بکر ہے جو مولوی حافظ، قاری، متقی ہے زید سے وہ احق واقدم ہے زید کے پیچھے نماز تو عالم، حافظ، صوفی، سب کی صحیح ہو جائے گی بشرطیکہ اس سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جو نماز کو فاسد کر دیتی ہے کہ ایسی حالت میں کسی کی نماز بھی نہ ہو گی(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

زیادہ عمر والے متقی عالم کو امام بنانا افضل ہے

(سوال) (۱) شہر کی ایسی جامع مسجد کہ جس میں ہر طبقہ کے لوگ علماء کرام و صوفیاء عظام وغیرہ نماز پڑھتے ہوں ایسی مسجد میں امام کس طرح کا مقرر کرنا چاہئے (۲) زید مولوی، حافظ، متقی ۳۵-۳۶ برس کا، بکر صرف حافظ ۱۸-۱۹ برس کا مسائل ضروریہ وضو و نماز سے ناواقف۔ ان دونوں میں ازروئے شرع شریف مستحق امامت کون ہے (۳) اگر ممبران یا مصلیان مسجد زید موصوف کے رہتے ہوئے بلا عذر شرعی بکر موصوف کو امام مقرر کریں تو ممبران کا یہ فعل مذموم مکروہ ہوگا یا نہیں اور ایسی صورت میں مسائل ضروریہ سے واقف بکر کے پیچھے نماز پڑھنے سے پرہیز کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۷۳ محمد عبدالحامد خاں صاحب (آگرہ) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۶ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۴) ظاہر ہے کہ عالم متقی اور زیادہ عمر والا زیادہ مستحق ہے لیکن اگر بکر کا کوئی اور استحقاق ہے مثلاً

---

(۱) قال فی التنویر : " و یکرہ إمامة عبد وأعرابی و فاسق " الخ (باب الإمامة ۱/۵۵۹، ط سعید) وفی الشامیة : " بل مشی فی شرح المنیة : أن کراھة تقدیمه کراھة تحریم " (باب الإمامة ۱/۵۶۰ ط سعید)

(۲) والأحق بالإمامة تقدیماً بل نصباً الأعلم بأحکام الصلوٰة الخ ثم الأحسن تلاوة و تجویداً للقراء ة ثم الأورع أی الأکثر اتقاءً للشبھات الخ (الدر المختار، باب الأمامة ۱/۵۵۷، ط سعید)

ائمہ سابق کا وہ بیٹا ہے تو اس کو امامت کے لئے مقرر کرنا اور اس کا نائب نماز پڑھانے کے لئے متعین کر کے بکر کی تعلیم کا انتظام کر دینا جائز ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘ دہلی

اختلاف کے وقت اکثریت رائے سے امام مقرر کیا جائے

(سوال) (۱)مصلیوں کی رائے امام مقرر کرنے میں کس وقت لی جائے گی(۲) مسجد کے مال وقف سے پیش امام کے ورثہ کو وظیفہ دینا پرورش یا تعلیم کے واسطے (باوجودیکہ واقف نے وقف نامہ میں اس کا کچھ تذکرہ نہ کیا ہو) جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۵۷۴ محمد عبدالحامد خاں صاحب (آگرہ)
۲۶ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۶ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۵) اگر متولیوں کا اختلاف ہو تو پھر نمازیوں کی رائے سے امام مقرر کرنا مناسب ہے(۲) اگر واقف نے تصریح نہ کی ہو اور متولیان سابق کا طرز عمل بھی ثابت نہ ہو تو پرورش یا تعلیم کے لئے وظیفہ وقف کی آمدنی میں سے نہ دیا جائے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘ دہلی

ڈاڑھی منڈے کے پیچھے نماز مکروہ ہے

(سوال) ڈاڑھی منڈانے والے کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۵۹۱ جلال الدین صاحب (ضلع حصار‘ پنجاب) ۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۶) ڈاڑھی منڈانے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘

زبردستی امام بننا درست نہیں

(سوال) زید ایک مسجد میں امامت کرتا ہے جماعت کثیر اس کی اقتدا سے نفرت کرتی ہے مگر زید کسی صورت میں بھی عہدہ امامت سے معزول ہونے کو پسند نہیں کرتا بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ امامت و قضاءت اس کا خاندانی پیشہ ہے وہ اپنے اس خاندانی حق سے دستبردار ہونا نہیں چاہتا حالانکہ شہر میں چند افراد کے سوا جماعت کثیر اس دعویٰ امامت کی سخت مخالف ہے زید نے اپنی مدد کے لئے اپنے خویش و اقارب کی ایک الگ جماعت بنائی ہے اس لئے مسجد میں نقض امن کا خطرہ پیدا ہو جانے کے باعث سرکار کی جانب سے تقریباً چھ

---

(۱) والا حق بالامامة . ثم الاسن الخ (ایضاً صفحہ گزشتہ حاشیہ ۲)
(۲) قال فی الدر المختار : " والخیار إلی القوم فان اختلفوا اعتبر اکثرھم (باب الإمامة ۱/ ۵۵۹ ط سعید)
(۳) شرط الواقف کنص الشارع أی فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به (الدر المختار' کتاب الوقف ۴/ ۴۳۳' ط سعید کمپنی)
(۴) قال فی التنویر :" ویکره إمامة عبد وأعرابی و فاسق الخ (باب الإمامة ۱/ ۵۵۹ ط سعید) وقال فی الدر المختار:" ولا بأس بنتف الشیب وأخذ أطراف اللحية والسنة فیها القبضة . ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیته (کتاب الحضر والإباحة' فصل فی البیع ۶/ ۴۰۷' ط سعید)

سات ماہ سے مسجد مقفل کر دی گئی ہے لہذا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ :
(۱) کیا زید کا دعویٰ امامت حق بجانب ہے جب کہ جماعت کثیر اس کے اس دعویٰ امامت سے سخت نفرت کا اظہار کرتی ہے (۲) کیا اسلامی شریعت کی رو سے زید کا اسی طرح اپنی خاندانی امامت و قضاءت کا حق جتلانا جائز ہے جب کہ مدعی اس کی اہلیت بھی نہ رکھتا ہو (۳) اب صورت مصدرہ میں اسلامی نقطہ نظر سے سرکاری والی مسجد (جو سرکار اور مسلمانان شہر کے مشترکہ سرمایہ سے تیار کی گئی ہے) کس کے حوالے کرنی چاہئے آیا زید کے حوالے یا جماعت کے (۴) خاندانی امامت و قضاءت کا دعویٰ کرنا شریعت اسلامیہ کی نظر میں کیا حیثیت رکھتا ہے چونکہ زید کا دعویٰ ہے کہ امامت و قضاءت اس کا خاندانی حق ہے لہذا سرکار والی مسجد زید کے حوالے کر دی جائے؟ **المستفتی** نمبر ۱۵۹۸ مرزا محمد علی بیگ (ضلع میسور)
۴ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۱۳ جولائی ۱۹۳۷ء

(**جواب ۱۱۷**) امامت میں اہلیت اور لیاقت درکار ہے اگر اہلیت موجود ہو اور جماعت راضی ہو تو خاندانی استحقاق موجب ترجیح ہو سکتا ہے لیکن اگر اہلیت نہ ہو اور جماعت راضی نہ ہو اور ان کے راضی نہ ہونے کی وجہ معقول ہو یعنی امام اہلیت نہ رکھتا ہو اور پھر زبردستی امامت کرے تو ایسے امام کے حق میں جو حدیث شریف وارد ہوئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔**لعن رسول الله ﷺ ثلثة. رجل ام قوماً وهم له كارهون الحديث** (ترمذی)(۱) یعنی رسول اللہ ﷺ نے تین شخصوں پر لعنت فرمائی ہے (ان میں ایک وہ ہے) جو کسی جماعت کا امام بن بیٹھے حالانکہ جماعت اس سے ناخوش ہے یہی حکم قضاءت کا ہے کہ اس کے لئے بھی اہلیت شرط ہے پس نااہل کا یہ دعویٰ کہ امامت و قضاءت میرا خاندانی حق ہے باطل اور ناقابل قبول ہے (۲) **محمد کفایت اللہ** کان اللہ لہ' دہلی

چوری کی سزا کاٹنے والے کی امامت

(**سوال**) ایک شخص حافظ ہے اور اس نے چوری کی اور سزا بھی کاٹی اور اب امامت کرنا چاہتے ہیں کیا ان کے پیچھے نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ **المستفتی** عزیز احمد مدرس مکتب عبداللہ پور (میرٹھ)
(**جواب ۱۱۸**) اس شخص کی امامت مکروہ ہے ہاں جب وہ نیک ہو جائے اور لوگوں کو اس پر اعتماد ہو جائے تو پھر امامت میں مضائقہ نہ ہوگا (۳) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی**

---

(۱) (باب من ام قوماً' وهم له كارهون ۱/۸۳' ط سعيد كمپنى)
(۲) قال في التنوير و شرحه : " ولو ام قوماً ' وهم له كارهون ان الكراهة لفساد فيه او لأنهم أحق بالإمامة منه كره له ذلك تحريماً لحديث أبي داؤد: " لا يقبل الله صلوة من تقدم قوماً وهم له كارهون" (باب الإمامة ۱/۵۵۹ ط سعيد)
(۳) قال في التنوير : " ويكره إمامة عبد وأعرابي و فاسق " (باب الإمامة ۱/۵۵۹، ۵۶۰ ط سعيد) التائب من الذنب كمن لا ذنب له (ابن ماجه : باب ذكر التوبة' ۳۱۳ قديمى كتب خانه' كراچى)

ہیجڑے کی امامت کا حکم

(سوال) ہیجڑا ہیجڑوں کی امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی
جواب ۱۱۹) ہیجڑا ہیجڑوں کی امامت کر سکتا ہے ہیجڑوں کی جماعت ہیجڑے کے پیچھے ہو جائے گی (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بدعتی کی امامت مکروہ ہے

(سوال) بدعتی امام کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۱۶۲۵ ملک محمد امین صاحب (جالندھر) ۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء
جواب ۱۲۰) بدعتی امام کی امامت مکروہ ہے۔ و یکرہ إمامة عبد و اعرابی و فاسق و اعمیٰ الا ان یکون اعلم القوم و مبتدع ای صاحب بدعة (در مختار)(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نامرد کی امامت جائز ہے

(سوال) ایک شخص فطرتی نامرد ہو یعنی قوت مردمی سے فطرۃً محروم ہو نیز اس کے چلنے اٹھنے بیٹھنے بولنے میں بھی عورتوں سے مشابہت ہو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز کی اقتدا صحیح ہو گی اور کیا ایسے شخص کو امام بنانا صحیح ہو گا۔ المستفتی قاضی عبدالحمید صاحب امام مسجد جامع کرلا (بمبئی)
جواب ۱۲۱) عنین کا نکاح صحیح ہو جاتا ہے خواہ مادر زاد عنین ہو جب کہ مرد کے اعضاء موجود ہوں اور عورت کے اعضاء نہ ہوں (جیسے کہ خنثیٰ میں دونوں اعضاء ہوتے ہیں) تو وہ مرد ہے اور اس کا نکاح صحیح ہے حرکات اور بول چال میں عورتوں کی مشابہت ہو تو یہ بات صحت نکاح کے لئے مانع نہیں ہے ایسے شخص کی امامت بھی درست ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مسجد کو دھرم شالہ اور امام کو پنڈت کہنے والے کی امامت کا حکم
(۲) غیر محرم کنواری لڑکی رکھنے والے کی امامت
(۳) بلاوجہ امام کو گالیاں دینے والے فاسق ہیں

(سوال) (۱) ایک شرعی احکام کی پابند مسجد جس میں کوئی بھی کام خلاف شریعت نہ ہوتا ہو اور امام مسجد جو کہ

---

(۱) و قد صرح فی القنیة: " بأن اقتداء الخنثی بمثله فیه روایتان وان روایة الجواز استحسان' لا قیاس" و یلزم من روایة الجواز لا تفسد صلوته بمحاذاته مثله الخ (رد المحتار' باب الإمامة ۱/ ۵۷۲ ' ط سعید)
(۲) (باب الإمامة ۱/ ۵۵۹ ط سعید)
(۳) عنین ہونے سے امامت پر کوئی اثر نہیں پڑتا یہ کوئی ظاہری اور نمایاں عیب نہیں جو باعث کراہت ہو (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۲/ ۱۵۶ ط مکتبہ امدادیہ' ملتان)

اہل سنت والجماعت حنفی المذہب شرعی امور کا پابند ہو کوئی شخص جو دوسری مسجد کا امام ہے اس مسجد کو دھرم شالہ اور امام مسجد کو پنڈت کے لقب سے تشبیہ دیتا ہے تو اس کے لئے شریعت کیا حکم دیتی ہے کیا وہ امام مسجد رہنے کے قابل ہے اور اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا جنازہ اس کے پیچھے پڑھنا جائز ہے یا نہیں نیز اگر مقتدی ہے تو اس کے لئے کیا حکم ہے ؟

(۲) ایک شخص کسی غیر قوم کی کنواری جوان لڑکی کو جس کا والد انتقال کر چکا ہو اپنی زبان سے بیٹی کہے کہ تو میری فلاں بیٹی کی مانند ہے میری نظروں میں جیسی تو ہے ویسی وہ بعد میں اسے گھلا کر اس سے زنا کرے اور جب اس کا حمل ظاہر ہو تو اسے بذریعہ دایہ نکلوا کر زندہ دفن کر دے یہ بات عام لوگوں پر ظاہر ہو تو شرم و حیا کے لئے اس لڑکی کو گھر سے نکال دے اس شخص مقتدی کے لئے کیا حکم ہے اگر امام مسجد اس کام کا خوگر ہو تو اسکے لئے کیا حکم ہے دونوں کے ساتھ برتاؤ کرنے اور نماز پڑھانے یا نماز میں کھڑے ہونے کے بارے میں شریعت کیا حکم دیتی ہے ؟

(۳) ان مقتدیوں کے لئے کیا حکم ہے جو پانچوں وقت ایک امام مسجد کے پیچھے نماز پڑھیں اور اعلیٰ اعلیٰ عہدے ہونے کے باعث امام مسجد کو خنزیر یا گدھے سے تشبیہ دیں کیا ان کی نماز اس امام مسجد کے پیچھے ہو سکتی ہے اگر نہیں ہو سکتی تو کھلے طور پر تحریر فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۱۸۳۳ محمد رفیق امام مسجد تحصیل پنڈی گھیپ (ضلع اٹک)

۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۲) (۱) کسی مسجد کو دھرم شالہ اور امام مسجد کو پنڈت کہنا کذب اور موجب تعزیر ہے اور ایسا کہنے والا فاسق اور مستحق تعزیر ہے اگر کہنے والا امام ہے تو جب تک وہ توبہ نہ کرے اور جس کو پنڈت کہا ہے اس سے معافی نہ مانگے اس کی امامت مکروہ ہے۔(۱)

(۲) اگر یہ حرکت واقعی سرزد ہوئی ہے اور ثبوت ہو جائے اور کرنے والا امام ہو تو یہ فاسق ہے اس کی امامت مکروہ ہے اور جب تک توبہ نہ کرے نہ اس کو امام بنایا جائے اور نہ اس سے تعلقات اسلامیہ رکھے جائیں اور امام نہیں ہے تو اس سے بھی زجراً تعلقات منقطع کر دیئے جائیں تاوقتیکہ توبہ نہ کرے اس سے تعلقات قائم نہ رکھے جائیں۔(۲)

(۳) امام کو خنزیر یا گدھا کہنا "سباب المسلم فسوق" میں داخل ہے اور ان کو فاسق بنانے کے لئے یہ حرکت کافی ہے اور خصوصاً امام کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا جو ادنیٰ مسلمانوں کے حق میں بھی نہیں کہے جاتے ہیں

---

(۱) " سباب المسلم فسوق و قتاله كفر " (صحيح مسلم باب قول النبي ﷺ : سباب المسلم فسوق و قتاله كفر ۱/ ۵۸ ط قديمي كتب خانه كراچي)

(۲) قال في التنوير : " ويكره امامة عبد واعرابي و فاسق الخ (باب الإمامة ۱/ ۵۵۹ ط سعيد كمپني) التائب من الذنب كمن لا ذنب له (ابن ماجه باب ذكر التوبة ۳۱۳ ط قديمي كتب خانه كراچي)

اشد درجہ کا فسق ہے مگر ان لوگوں کی نماز اس امام کے پیچھے ہو جاتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شراب پینے اور خشخشی ڈاڑھی رکھنے والے کی امامت

(سوال) ایک شخص ہمیشہ شراب پیتا ہے اور اس کی ڈاڑھی خشخشی ہے اور فتنہ مچانے والا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۰۶ شیخ سکندر صاحب نائب کوتوال

۷ اشعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۳) شراب پینے والے اور ڈاڑھی خشخشی رکھنے والے کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے کسی نیک شخص کو امام بنانا چاہئیے۔ فقط (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

میت کو غسل دینے والے کی امامت

(سوال) امام مسجد مردہ کو غسل فی سبیل اللہ دیوے اجرت نہ لیوے تو نماز امام کے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۱۱ محمد موسیٰ صاب امام مسجد چنن آباد (بہاولپور)

۷ اشعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۴) جو امام کہ بلا اجرت میت کو غسل دیتا ہے اس کی امامت جائز ہے (۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سودی کاروبار کرنے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے

(سوال) ایک شخص حافظ ہے اور وہ بیاج یعنی سود و غیرہ کا کاروبار کرتا ہے اور مسجد میں کھڑے ہو کر قرآن شریف سناتا ہے کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز تراویح جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۹۵۴ عبید اللہ صراف (فیروز پور چھاؤنی) ۲۴ شعبان ۱۳۵۶ھ ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۵) سود کا کاروبار کرنے والوں کے پیچھے نماز تراویح و غیرہ تو ہو جائے گی لیکن مکروہ ہوگی لہذا اس کے پیچھے قرآن شریف سننے سے نہ سننا بہتر و افضل ہے ہاں اگر سود کے لین دین سے توبہ کرلے گا تو اس کے پیچھے بغیر کراہت کے نماز پڑھنی جائز ہو جائے گی۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) وکذا تکرہ خلف امرد و سفیہ و مفلوج وابرص شاع برصہ و شارب الخمر الخ (الدر المختار' باب الإمامة ۱ / ۵۶۲ ط سعید)

(۲) والأفضل أن یغسل المیت مجانا فان ابتغی الغاسل الأجر جاز ان کان ثمة غیرہ' والا لا الخ (الدر المختار' باب صلاة الجنائز ۲ / ۱۹۹ ط سعید)

(۳) وکذا تکرہ خلف أمرد و کل الربا و مراء الخ (الدر المختار' باب الإمامة ۱ / ۵۵۹ ط سعید) عن عبدالله بن مسعود قال: "قال رسول الله ﷺ "التائب من الذنب کمن لا ذنب له" (ابن ماجه' باب ذکر التوبة ۳۱۳' ط قدیمی کتب خانہ کراچی)

جس کی بیوی کسی اور کے پاس گئی 'اس کی امامت

(سوال) ایک امام ہے اس کی بیوی اپنے باپ کے یہاں گئی تھی باپ کے گھر سے کسی دوسرے آدمی کے ساتھ چلی گئی دو ماہ تک اس اجنبی آدمی کے پاس رہی اب وہ عورت مذکورہ اپنے باپ کی کوشش سے امام صاحب کے یہاں واپس آگئی اب جناب کی خدمت میں یہ گزارش ہے کہ اس امام صاحب کے پیچھے قوم کی نماز درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۸۸ مولوی محمد سعید صاحب (ضلع روہتک)
کیم رمضان ۱۳۵۶ھ م ۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۶) ہاں امام کی اس میں خطا نہیں اس کی امامت ناجائز نہیں ہوئی (۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

(۱) بد چلن بیوی رکھنے والے کی امامت
(۲) ولد الزنا کے پیچھے نماز کا حکم

(سوال) ایک شخص ہے اور اس کی زوجہ بد روش ہے اور ایک دوسرے مرد سے جو اہل ہنود ہے اس کا تعلق ہو گیا ہے اور اس سے فعل بد سرزد ہوتا ہے اور اس فعل سے اس کا خاوند آگاہ ہے یا اگر اس کا خاوند ناواقفیت رکھتا ہے دوسرے لوگ اس کے فعل سے آگاہ ہیں تو ایسی حالت میں اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) حرامی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۶۸۶ بہادر خان صاحب
کیم رمضان ۱۳۵۶ھ ۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۷) خاوند اگر اس فعل بد سے آگاہ ہو اور عورت کو روکے نہیں تو وہ قابل گرفت ہوگا اور اس کی امامت مکروہ ہوگی ورنہ نہیں (۲) (۲) اگر وہ پڑھا لکھا اور جماعت میں سب سے بہتر اعمال اور علم رکھتا ہو تو اس کی امامت بلا کراہت جائز ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

نیک اور صالح ولد الزنا کی اقتداء کا حکم

(سوال) ایک حافظ صاحب ہیں جو خوش الحان صوم و صلوۃ کے پابند اور خلیق بھی ہیں قرآن شریف خوب یاد ہے لیکن ولد الزنا ہیں یعنی ایک طوائف کے لڑکے ہیں کیا ان کو امام بنایا جا سکتا ہے اور ان کے پیچھے نماز

---

(۱) ولاتزر وازرۃ وزر اخری الآیۃ (سورۃ فاطر آیت ۱۸)
(۲) قال فی التنویر یکرہ امامۃ عبد واعرابی وفاسق الخ وفی الشامیۃ بل مشی فی شرح المنیۃ علی أن کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم (باب الامامۃ ۱ ۵۵۹ ۵۶۰ ط سعید)
(۳) فی التنویر و یکرہ امامۃ عبد ..... وولدالزنا الخ ولوعدمت ای علۃ الکراھۃ بان کان الأعرابی افضل من الحضری والعبد من الحر وولدالزنا من ولد الرشد والأعمی من البصیر فالحکم بالضد (ردالمحتار باب الامامۃ ۱/ ۵۶۰ ط سعید)

فرض اور تراویح پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۹۹۳ محمد حسین تمبا کو فروش (ستنا)
۲ رمضان ۱۳۵۶ھ ۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۸) اگر یہ حافظ صاحب صالح اور نیک اور معاشرت کے لحاظ سے محفوظ ہیں تو ان کے پیچھے نماز جائز ہے ولد الزنا ہونا ایسی صورت میں موجب کراہت نہیں (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

امام کی اجازت کے بغیر نماز نہیں پڑھانی چاہئیے

(سوال) جس مسجد میں امام مقرر ہے اس میں بلا اجازت امام مقررہ کے اگر کسی شخص نے بموجودگی امام مقررہ نماز پڑھائی امام مقررہ مقتدی ہوا تو نماز کل جماعت کی ہوئی یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۰۱۵ ظفر یار خاں صاحب (ہر دوئی) ۱۰ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۵ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۹) نماز تو ہو گئی مگر امام معین سے اجازت لئے بغیر نماز پڑھانا نہیں چاہئیے (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

مسائل سے ناواقف اور جھوٹ بولنے والے حافظ کی امامت کا حکم

(سوال) زید ایک مسجد کا امام ہے اور حافظ ہے لیکن نماز کے مسائل ضروریہ سے اچھی طرح واقف نہیں ہے جھوٹ بولنے سے پرہیز نہیں آمدنی میں حلال و حرام ' جائز و ناجائز کا خیال نہیں ایسے شخص کو امام مقرر کرنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۰۲۹ شیخ حاجی مینگو و محمد مصطفیٰ سلطانپور (اودھ) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۳۰) دوسرا اچھا امام جو مسائل سے واقف ہو اور متقی پرہیزگار ہو پیدا کر کے اس کو مقرر کرنا چاہئیے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

فاسق کی تعریف اور اس کی امامت کا حکم

(سوال) اگر کوئی شخص باوجود عقیدہ صحیح رکھنے کے تارک ارکان اسلام ہو تو کیا بروئے شریعت اس کو کافر فاسق ' فاجر ' یا منافق کہنا صحیح ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو جو شخص ایسے آدمی کو کافر کہے تو عند الشرع اس کے لئے کیا حکم ہے اور ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟

---

(۱) ولو عدمت ای علة الکراهة. ....رد المحتار باب الامامة ۱ / ۵٦۰ ط سعید

(۲) واعلم أن صاحب البیت و مثله إمام المسجد الراتب أولی بالإ مامة من غیره مطلقا الخ (الدر المختار ' باب الإمامة ۱ / ۵۵۹ ط سعید)

(۳) قال فی التنویر : " ویکره إمامة عبدو اعرابی و فاسق الخ (باب الإمامة ۱ / ۵۵۹ ' ۵٦۰ ط سعید)

المستفتی نمبر ۲۰۴۳ مظفر خاں صاحب (لاہور) ۱۳ رمضان ۱۳۵۶ھ ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۳۱) اگر عقیدہ صحیح ہو مگر ارکان اسلام مثلاً نماز روزہ وغیرہ فرائض کا تارک ہو یا محرمات مثلاً شراب نوشی غیبت کذب وغیرہ کا مرتکب ہو اس کو اصطلاح میں فاسق کہا جاتا ہے کافر کہنا تو درست نہیں مگر ایسے شخص کو فاسق کہنا صحیح ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) دوران تقریر امام کا منبر پر گالیاں نکالنا
(۲) بلاوجہ امام کی مخالفت نہ کی جائے
(۳) احکام شرعیہ سے ناواقف کے فیصلے کا حکم
(۴) تراویح پڑھانے والے کی دودھ سے خدمت

(سوال) (۱) ایک شخص شاہ محمد اردو عربی کو روانی سے بھی نہیں پڑھ سکتا صرف و نحو عربی سے نابلد حدیث و قرآن کے معنی سے بیگانہ جمعہ کے روز قرآن شریف سورہ جمعہ رکوع آخر آیت شریفہ یآ ایھا الذین آمنو اذا نودی للصلوٰۃ سے شروع کر کے تعلمون تک پڑھنے کے بعد ممبر شریف پر وعظ فرمانے لگے تو پنجابی دہقانوں کے حسب رواج کچھ گالیاں بھی استعمال کیں مثلاً ہم پنجابی (گالی) لوگ حقہ نوشی میں مصروف رہتے ہیں (۲) جو شخص امام مسجد کا قلبی طور پر تو مقلد نہ ہو مگر ظاہر داری کے طور پر اس کے پیچھے نماز ادا کرے اور جب موقع ملے تب ہی فساد پر آمادہ ہو جائے اور بلاوجہ چھیڑ چھاڑ شروع کر دے تو کیا ایسے شخص کی نماز امام کے پیچھے جائز ہے (۳) جو شخص قانون شریعت سے قطعی ناواقف اور قانون رائج الوقت سے بھی قطعی واقفیت نہ رکھتا ہو تو اگر وہ فرقان حمید کا یہ حلف اٹھا کر اقرار کرے کہ میں پنچایت میں بیٹھ کر انصاف کروں گا ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے (۴) موجودہ رمضان المبارک کی ایک رات کا واقعہ ہے کہ بعد ختم نماز عشاء امام مسجد نے کہا کہ مجھے کچھ تکلیف ہے اگر دیہاتی نمازی میرے واسطے پچھلے سال کی طرح دودھ کا انتظام کر دیں تو ان کی مہربانی ہے مقتدی رضامند ہو گئے مگر شاہ محمد نامی ایک شخص نے کہا کہ تم آنتوں کو پیٹتے ہو الغرض امام صاحب نے شاہ محمد کی منت سماجت کی مگر وہ بار بار یہی کہتا رہا اور امام صاحب کے ڈنڈا اٹھا کر مارنے کو دوڑا مگر خود گر گیا نمازیوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی ہے اس بارے میں شاہ محمد کا ایسا کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۰۴۷ حافظ عباس حسین صاحب (ضلع لودھیانہ)

۱۳ رمضان ۱۳۵۶ھ ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۳۲) (۱) ایسے ناواقف اور بے علم شخص کو وعظ کہنا نہیں چاہئیے اور ممبر پر گالیاں زبان سے نکالنا

---

(۱) وتارک کها عمداً مجانتة ای تکا سلا فاسق الخ (الدر المختار کتاب الصلاۃ ۱ /۳۵۲ ط سعید) وفی الشامیة " والفاسق من فعل کبيرة او أصر علی صغيرة (کتاب الشهادة ۵ /۴۸۳ ط سعید) و فی قواعد الفقة من یر تکب الکبائر و یصر علی الصغائر ص ۴۰۵ ط دهاکه)

حرام ہے(۱)(۲) نماز تو ہو جائے گی مگر امام سے جھگڑا فساد کرنا ناجائز ہے(۳) اس پر اعتماد اور بھروسہ ہو تو خیر وہ احکام شریعت معلوم کر کے اس کے موافق انصاف کر سکتا ہے(۴) اس معاملے میں اگر یہ بیان صحیح ہو تو شاہ محمد کی زیادتی ہے اور اگر امام کی لوگ دودھ سے تواضع کر دیں تو یہ آیات پڑھنا نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

آدھی آستین والی قمیص میں نماز کا حکم

(سوال) ایک شخص جس کی امامت کو جماعت پسند کرتی ہے اور جس کی اتباع کئی بار کر چکی ہے اگر سر پر ٹوپی اور آدھی آستین کی شرٹ پہن کر خطبہ جمعہ پڑھائے تو درست ہے یا نادرست' جائز ہے یا ناجائز(۲) اگر نماز پڑھائے تو کیا حکم ہے(۳) کیا پوری آستین کی شرٹ آدھی آستین کی شرٹ پر کچھ فوقیت رکھتی ہے یا دونوں برابر ہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۰۵۵ بی عبداللطیف صاحب (گلین پیٹ)

۱۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۳۳) سر پر ٹوپی رکھنا تو موجب کراہت نہیں مگر آدھی آستین کی قمیص پہن کر خطبہ پڑھنا یا نماز پڑھانا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ وضع مسلمان کی عبادت کی وضع نہیں ہے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تنخواہ دار امام کے پیچھے نماز جائز ہے

(سوال) (۱) قصبہ کلیانہ میں مدرسہ اشاعت العلوم عرصہ ۲۰-۲۲ سال سے جاری ہے اور طلبائے عربی تعلیم پاتے ہیں طلبا کی تعلیم کے لئے ایک مولوی صاحب بشرح ۲۰ روپے ماہوار اور دوسرے قاری صاحب جو حافظ بھی ہیں بشرح ۲۰ روپے ماہوار اور تیسرے حافظ صاحب بشرح پندرہ روپے ماہوار ملازم ہیں ہمیشہ رمضان المبارک میں یہ صاحب قرآن مجید تراویح میں سناتے ہیں اور اہل محلہ سے چندہ باثر آدمی وصول کر کے اجرت دیتے ہیں شرعاً چندہ دینا ان اشخاص کو اور اجرت لینا ان صاحبوں کو جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) اور مسجدوں میں امام مقرر ہیں ایک مسجد میں امام صاحب رحم علی شاہ مقرر ہیں اور وہی مدرسہ میں بہ زمرہ چپراسیان ملازم ہیں اور پانچ روپے ماہوار مدرسہ سے اور دو روپے ماہوار اہل محلہ دیتے ہیں ان کو بھی چندہ موجب فقرہ نمبر ا دیا جاتا ہے وہ شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

---

(۱) سباب المسلم فسوق وقتاله كفر (مسلم ۱/ ۵۸ ط قديمي كتب خانه' كراچي)

(۲) لو صلى رافعا كميه الى المرفقين كره' كذافي فتاوى قاضي خان (عالمگيرية' الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره' ۱/ ۱۰۶ ط ماجديه كوئته) قال في التنوير و شرحه " كره كفه اى رفعه ولو لتراب كمشمر كم او ذيل (باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها' ۱/ ۶۴۰ ط سعيد كمپني)

(۳) ایک مسجد میں امام صاحب عبدالرحیم شاہ مقرر ہیں ان کو اہل محلہ تین روپے ماہوار دیتے ہیں اور وہ ملازم نہیں ہیں' ایک اور دوکان بساط خانہ وغیرہ کی ہے اس میں ان کا بھی حصہ حق یعنی چہارم حصہ ہے ان کو بھی فقرہ نمبر ا کے بموجب دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۰۶۰ سربلند خاں کلیانہ (ریاست جیند) ۱۶ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۱ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۳۴) امامت کی تنخواہ لینا جائز ہے مگر تراویح میں قرآن مجید سنانے کی اجرت لینا جائز نہیں ہے اگر امام مطالبہ نہ کرے اور لوگ خود کچھ رقم جمع کر کے اسے دے دیں تو یہ مباح ہے بشرطیکہ اس کی طرف سے مطالبہ اور خواہش نہ ہو اور نہ ملے تو ناراض بھی نہ ہو (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

غلط افعال والے کی امامت

(سوال) (۱) ایک امام مسجد اغلام کراتا ہے اور اس کو اس کی عادت ہے جو لوگ اس کے ساتھ اغلام کرتے ہیں وہ مسجد کے اندر شہادت دیتے ہیں کہ ہم نے یہ فعل اس امام کے ساتھ کیا امام وہاں کے لوگوں کے کہنے کی وجہ سے توبہ کرلیتا ہے اور مسجد میں اقرار کرتا ہے کہ اب ایسا فعل نہیں کراؤں گا مگر پھر اس کے بعد بھی وہ اس فعل کو کراتا ہے تو اس صورت میں اس امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اور اگر توبہ کے بعد اس نے یہ فعل نہیں کرایا مگر لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے کراہت کرتے ہیں اور شک ہے کہ اس نے توبہ توڑ دی تو پھر شرع کا حکم کیا ہے؟

(۳) اور اگر توبہ کے بعد لوگوں کو شک نہ ہو اور اس فعل کی وجہ سے لوگوں نے نہیں پڑھی یعنی ایک جماعت اس کے پیچھے نماز پڑھتی ہے ایک نہیں پڑھتی بلکہ دوسری جماعت اسی وقت دوسرا امام بلاتی ہے ایک مسجد میں ایک ہی وقت میں دو امام نماز پڑھاتے ہیں پہلی محراب میں پہلا امام اور دوسری محراب میں دوسرا امام فساد کی جڑ جو ہے یہ امام ہے تو اس صورت میں کون سی جماعت کی نماز ہوتی ہے امام سے کہا جاتا ہے کہ تم چلے جاؤ اس وجہ سے کہ تمہاری وجہ سے فساد ہو رہا ہے مگر وہ نہیں جاتا تو اس صورت میں بھی نماز جائز ہے یا نہیں اور امام کا جو حق ہے وہ بھی اس کو دینا چاہئیے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۰۷۱ ضامن حسین صاحب بیت السلام دیوبند (سہارنپور)

۲۴ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۹ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۳۵) اگر امام نے خود اس فعل قبیح کے ارتکاب کا اقرار کیا ہے اور اس کے اس فعل قبیح سے لوگ متنفر ہو گئے ہیں تو ان کا تنفر بے جا نہیں ہے اور جب تک وہ طرز عمل سے اپنی پوری صلاحیت اور نیک اعمال کا ثبوت نہ دے اور لوگ مطمئن نہ ہو جائیں تو ان کو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں معذور سمجھنا چاہئیے اور

---

(۱) ویفتی الیوم بصحتها' لیعلم القرآن والفقه والا مامة والأذان الخ (الدر المختار' کتاب الإجارة' مطلب فی الاستئجار علی الطاعات' ۶/ ۵۵ ط سعید)

اس امام کی حمایت میں جو لوگ اصرار کریں اور دو جماعتیں مسجد میں قائم کرلیں وہ گناہ گار ہوں گے یہ واضح رہے کہ اغلام کرنے والوں کی شہادت بالکل ساقط الاعتبار ہے امام کے اقرار کی صورت میں یہ حکم ہے جو تحریر کیا گیا ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تراویح پڑھانے والے کو روپے اور کپڑے دینا

(سوال) ایک حافظ مسجد کی پنجگانہ نماز پڑھاتے ہیں اور رمضان المبارک میں قرآن مجید بھی سناتے ہیں ملازم مسجد بھی ہیں ان کو متولیان رمضان المبارک میں بطور نذرانہ نقد روپیہ بھی اور پارچہ وغیرہ بھی دیتے ہیں اور یہ روپیہ اور پارچہ کی قیمت مسجد کا روپیہ ہے ایسی صورت میں مسجد کے روپے سے دینا درست ہے کہ نہیں ؟
المستفتی نمبر ۲۰۳۷ منشی محمد عبدالغفور صاحب (علی گڑھ) ۲۴ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۹ نومبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۱۳۶) اگر یہ رقم اور کپڑے پہلے سے ان کے لئے معین کئے ہوئے ہیں تو مسجد کی رقم سے دینا بطور ایک معین شدہ تنخواہ یا معاوضہ کے جائز ہے اور اگر معین کی ہوئی نہیں ہے تو جہاں تک عرف کا تعلق ہے اس حد تک جائز ہے۔لان المعروف کالمشروط لیکن یہ نذرانہ صرف قرآن مجید سناتے کا نہ ہو بلکہ سالانہ خدمت مسجد انجام دینے کا ہو(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) امام حافظ نہ ہو تو تراویح کے لئے حافظ کو مقرر کیا جائے
(۲) صحیح کی موجودگی میں نابینا کی امامت

(سوال) (۱) ایک شخص قرآن مجید متواتر کئی سال سے ایک مسجد میں امام مسجد کی اور مسلمانوں کی مرضی سے رمضان شریف میں قرآن شریف سناتا رہتا ہے اور امام مسجد اس کو اپنی غیر حاضری میں لوگوں کا نائب امام مقرر کرتا رہتا ہے لیکن اب امام مذکور لوگوں سے یہ کہتا ہے کہ میں اس حافظ کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ قرآن مجید سنائے اور امام مذکور اس میں کوئی شرعی نقص بھی نہیں بتاتا کیا جمہور مسلمان اس حافظ کا رمضان شریف میں قرآن سن سکتے ہیں یا نہیں جب کہ وتر اور فرض خود امام پڑھائے گا۔
(۲) امام کہتا ہے کہ لوگ میری اجازت کے بغیر حافظ مذکور کو اپنا امام تراویح میں مقرر نہیں کرسکتے ہیں کیا لوگ اس کو اپنا امام تراویح میں مقرر کرسکتے ہیں جب کہ امام مذکور کو شرعاً اس حافظ پر کوئی اعتراض نہیں
(۳) اگر نابینا حافظ قرآن مجید ماہ رمضان میں بحیثیت امام تراویح سنائے اس حالت میں جب کہ آنکھوں والے حافظ قرآن موجود ہیں جن میں کوئی شرعی نقص نہ ہو تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں ؟

---

(۱) ویکرہ إمامة عبد واعرابی و فاسق الخ (التنویر) و فی الشامیة : " وأما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بأنه لا یهتم لأمر دینه وبأن فی تقدیمه لإ مامة تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعاً (باب الإمامة ۱ / ۵۶۰ ط سعید)
(۲) و یفتی الیوم بصحتها لیعلم القرآن و الفقه والإمامة والأذان الخ (الدر المختار کتاب الإجارة' مطلب فی الاستئجار علی الطاعات' ۶/۵۵ ط سعید)

المستفتی نمبر ۲۰۷۸ محمد شریف رنگریز شمس پور (اٹک) ۲۴ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۹ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۳۷) (۱) و (۲) اگر امام خود حافظ نہیں ہے تو مسلمان نمازیان مسجد کو حق ہے کہ جس حافظ کو پسند کریں اس کو تراویح میں قرآن مجید سنانے کے لئے مقرر کرلیں امام مسجد کی اجازت ضروری نہیں اور جب کہ حافظ صاحب کے اندر کوئی شرعی نقص بھی نہیں ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ امام صاحب ان کو قرآن سنانے سے روکیں (۱) (۳) محض نابینا ہونے کی وجہ سے تو نماز مکروہ نہ ہوگی ہاں اگر نابینا کے اندر بے احتیاطی اور کوئی شرعی قصور موجود ہو تو بے شک دوسرے حافظ احق بالامامۃ ہوں گے (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کم علم اور متکبر امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے

(سوال) جامع قدیم کے امام صاحب جو جمعہ و عیدین کے بھی امام ہیں جو حفظ قرآن کریم کے ساتھ چند اردو کتابیں بھی پڑھے ہوئے ہیں بوجہ کبر و غرور شریعت آشنا پبلک کو متواتر پے در پے روحانی صدمات پہنچا رہے ہیں اور متعدد مرتبہ جسمانی بھی مگر شریعت آشنا پبلک نے ہمیشہ ان کی تقصیرات پر پردہ ڈال کر ان کو متعدد مرتبہ معافیاں دیکر ان کے ادب و احترام کو بحال رکھا ہے لیکن اب جب کہ امام صاحب کی ذات گرامی سے بوئے استہزاء اسلام و استخفاف و تحقیر مسائل شرعیہ آنے لگی تو ہم مجبور ہو کر امام صاحب کے رویہ کو جو مقتدیوں کے ساتھ ہے نیز اس کے الفاظ بنا بر اظہار عامۃ المسلمین نقل کرتے ہیں امید ہے کہ حضرات علمائے کرام و مفتی صاحب جمعیۃ علمائے ہند مولانا حسین احمد صاحب خصوصاً اپنے قیمتی و بے بہا احکام شریعت مقدسہ کی رو سے ہم مصلین کی ہدایت فرمائیں گے کیونکہ ہزارہا اشخاص کی نمازوں کا سوال ہے

(امام صاحب موصوف کا مقتدیوں کے ساتھ رویہ)

(۱) سال گزشتہ یعنی رمضان المبارک ۱۹۳۵ء ایک حافظ صاحب محراب سنا رہے تھے جس کے امام صاحب مذکورہ بالا سامع تھے حافظ صاحب کو سہواً متشابہ ہوا امام صاحب نے دو دفعہ لقمہ دیا پھر اسی جگہ متشابہ ہوا تو تیسری مرتبہ امام صاحب نے حافظ صاحب کو حقارت کی نظر سے نہ صرف جھڑکا بلکہ اپنے جنون یا تکبر کو کام میں لاکر مسجد کا احترام مد نظر نہ رکھتے ہوئے مغلظ الفاظ کے ساتھ محراب سے جبراً اٹھا دیا اور آپ مصلے پر جا کھڑے ہوئے اور شروع سے قرآن شروع کیا حالانکہ چوبیس پارے ہو چکے تھے۔

(۲) امام صاحب نے مقتدیوں کو اس درجہ ذلیل و خوار سمجھ رکھا ہے کہ مقتدیوں کا بات کرنا بھی امام صاحب کی بے عزتی کا باعث ہے نیز اگر کوئی مقتدی موٹا تازہ مالدار ذی وجاہت مر جائے تو اس کے جنازے کی

---

(۱) قال فی التنویر و شرحہ "او الحیاز الی القوم فان اختلفوا اعتبر اکثرھم الخ (باب الإمامة ۱/۵۵۸ ط سعید)

(۲) قال فی التنویر و شرحہ " ویکرہ امامة عبد ... واعمی إلا أن یکون ای غیر الفاسق أعلم القوم فھو أولی (باب الإمامة ۱/۵۵۸ ط سعید)

نماز کو خود پڑھانا اس کے کوٹھی بنگلے پر جاکر عیادت بھی کرتے ہیں مگر ایک اوسط درجہ کا مقتدی اگر عالم دین بھی ہو تو پروا نہیں نماز جنازہ نائب یا کوئی اور پڑھا دیتا ہے کیا رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ اسی کا نام ہے ۔
(۳) امام صاحب نے ایک دن مقتدیان سے صبح کی نماز کے بعد فرمایا۔ لوگو! مجھ سے مصافحہ کرو میں نے تم کو مسجد قبا میں بحیثیت امام نماز پڑھائی ہے اور ایک دن فرمایا کہ جناب رسول کریم ﷺ مسجد میں بجسم تشریف لائے تھے مسجد کے چاروں طرف پھر کر اور مجھے دیکھ کر واپس چلے گئے تم مجھ سے مصافحہ کرو۔
(۴) ۱۵ ار مضان المبارک ۱۳۵۶ھ کو امام صاحب کو سورہ نمل میں آیت یمشی فی الاسواق پر متشابہ لگا پیچھے جو سامع تھا اس نے بجائے یمشی فی الاسواق کے یمشون فی الاسواق بتلایا سلام کے بعد جب امام صاحب بعارضہ سلس البول وضو کرنے چلے گئے تو نائب مؤذن نے کہا اس شخص کو جس نے لقمہ دیا تھا کہ یہ دریا ہے ذرا سوچ سمجھ کر لقمہ دیا کرو اس پر مقامی ایک عالم نے (جو با قاعدہ مدرسہ عربیہ امروہہ کا فارغ التحصیل اور سند یافتہ و دستار بند مولوی ہے) فرمایا کہ یہ شرعاً کوئی اعتراض نہیں کبھی سامع کو بھی لقمہ دیتے وقت متشابہ لگتا ہے اس پر چند آدمیوں نے کہا کہ مولوی صاحب حافظ یعنی امام صاحب سے دریافت کیا جائے کہ کیا سامع کا لقمہ دینا ان کو ناگوار معلوم ہوتا ہے چونکہ سولہ رکعتیں ہو چکی تھیں اس لئے اس دن دریافت کرنا مناسب معلوم نہ ہوا دوسرے دن امام صاحب کو ایک رکوع میں تین مرتبہ متشابہ ہوا اور مقتدی نے گزشتہ شب کے غصہ کی بنا پر لقمہ نہ دیا تو امام صاحب نے سلام کے بعد قرآن کو خود دیکھا پھر فوراً نیت باندھ لی جب یہ نماز تمام ہو چکی تو عالم صاحب نے امام صاحب سے کہا کہ کیا آپ کو مقتدی حفاظ کا لقمہ دینا ناگوار گزرتا ہے امام صاحب نے نہایت کرخت آواز سے جواب دیا ہاں سخت ناگوار گزرتا ہے مولوی صاحب نے پوچھا کیوں ؟ امام صاحب نے جواب دیا : میری مرضی اس کے بعد چہ میگوئیاں ہوتی رہیں اور معلوم ہوا کہ امام صاحب نے مؤذن مسجد کو کہہ دیا کہ کوئی شخص مجھ کو لقمہ نہ دے اس سے میری بے عزتی ہوتی ہے۔
(۵) ان کے عام رویہ سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اپنے برابر شہر بھر میں کسی کو بھی عالم نہیں سمجھتے ہیں۔
(۶) امام صاحب ہمیشہ روزانہ عشاء میں دوران نماز سلام کے بعد تازہ وضو کرتے ہیں معلوم ہوا کہ ان کو سلس البول کا مرض ہے ان کا اپنا بیان ہے کہ میں بہت روکتا ہوں قطرے کا شبہ ہو جاتا ہے اس لئے تازہ وضو کرتا ہوں بہت ممکن ہے کہ نماز کی حالت میں قطرہ باہر ہو۔ یہ ہیں وہ واقعات جن کا انکار پبلک نہیں کر سکتی۔ کیا ایسا شخص جو کم علم ہو' کج خلق ہو' مغرور و متکبر ہو' خاندانی لحاظ سے بھی کم درجہ کا ہو' یعنی نہ تو شیخ' نہ سادات سے ہو' جو علماء میں سے صدر جمعیۃ علماء وغیرہ کو برا کہتا ہو اس کی اہانت کرتا ہو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۰۸۴ محمد عبدالرحمن انصاری دہرہ دون ۲۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۳۰ نومبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۱۳۸) امور مندرجہ بالا اگر صحیح واقعات ہیں تو ایسے شخص کو امام قائم رکھنا مکروہ ہے نماز اس کے پیچھے

درست تو ہو جاتی ہے مگر کراہت کے ساتھ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

(۱) امامت کے لئے کیسا شخص مناسب ہے ؟
(۲) جس کی عورت پردہ نہ کرے ' اس کی امامت

(سوال) (۱) امامت کیسے شخص کی ہونی چاہئے اس کی تفصیل بیان کیجئے (۲) امامت میراسی کی اور غنڈہ گردی اور لوگوں میں اشتعال پھیلانے اور جھوٹ بولنے والے اور جس کی عورت بے پردہ ہو ' ایسے آدمی کی امامت کا کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۱۱۴ شیخ محمد شفیع صاحب (فیروزپور)
۱۱ شوال ۱۳۵۶ھ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۳۹) (۱) امامت کے لئے ایسا شخص مستحق ہے جو علم دین خصوصاً نماز روزہ کے مسائل سے واقف ہو متشرع ہو اور جماعت میں افضل و بہتر ہو (۲) (۲) میراسی ہونا تو امامت کے منافی نہیں ہاں جن لوگوں کی عورتیں بے پردہ پھریں اور وہ منع نہ کریں ' جھوٹ بولنے کے عادی ہوں ' لغویات کے مرتکب ہوں وہ امامت کے مستحق نہیں ہیں (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

منکر شفاعت اور قادیانی کو کافر نہ سمجھنے والے کی امامت

(سوال) ایک شخص اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہے اور ظاہراً نمازیں پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو اور شکل مسلمانوں والی ہو اور حافظ قرآن ہو اور دیوبندی ہو لیکن مرزا ملعون اور اس کے متبعین کو کافر نہ کہے بلکہ اصلی مسلمان سمجھے اور اس کے گھر سے شادی کی ہو اور اس کے ساتھ تعلق اور برت برتاؤ ہو اور عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا قائل ہو اور نبی اکرم ﷺ کی جسمانی معراج کا منکر ہو اور شفاعت اور کرامت اولیاء اللہ کا منکر ہو ' آیا ایسے عقیدہ والا شخص عند اللہ شریعت محمدیہ میں مسلمان ہے یا کافر ہے اور اس کے پیچھے نماز جمعہ و عیدو غیرہ پڑھنی درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۲۶۴ خلیل الرحمٰن (پنڈی بہاؤالدین)
۲۸ شوال ۱۳۵۶ھ م یکم جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۴۰) جو شخص مرزا اور مرزائی جماعت کو کافر نہ سمجھے اور مرزائیوں سے رشتہ ناتا رکھتا ہو اور وفات عیسیٰ علیہ السلام کا قائل ہو اور معراج جسمانی کا منکر ہو اور شفاعت کا منکر ہو وہ گمراہ اور بددین ہے اس

---

(۱) ویکرہ إمامة عبد و أعرابی و فاسق وأعمی الخ و فی النهر عن المحیط : " صلی خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة الخ (التنویر مع شرحه: باب الإمامة ۱ /۵۵۹ تا ۵٦۲ ' ط سعید)
(۲) والأ حق بالإ مامة تقدیما' بل نصبا الأ علم بأحکام الصلوة فقط صحة و فساداً بشرط اجتنا به للفواحش الظاهرة' ثم الأ حسن تلاوة و تجویداً للقراء ة ثم الأورع (الدر المختار' باب الإمامة ۱ /۵۵۷ ط سعید)
(۳) قال فی التنویر : " ویکره إمامة عبد وأعرابی و فاسق الخ (باب الإمامة ۱ /۵۵۸ ط سعید)

کی امامت جائز نہیں (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بے نکاحی عورت رکھنے والے اور سینما دیکھنے والے کی امامت

(سوال) زید ایک جامع مسجد کا امام ہے عرصہ بارہ سال سے اس کے خلاف چند بستی والوں کی درخواست اراکین جامع مسجد کے پاس آئی ہے کہ زید کے چال چلن کے متعلق بھی لوگوں کے بہت سے شکوک اور اعتراضات قابل وثوق ہیں اور اس کے متعلق بہت سی شہادتیں موجود ہیں اور وہ اکثر سینما تھیٹر اور ناچ گانوں کی محفلوں میں شریک رہتے ہیں درخواست دینے والے نے صرف چودہ گواہوں کے نام پیش کئے ہیں جن میں سے بارہ گواہوں کا بیان تو یہ ہے کہ ہم نے ایک دوسرے سے سنا اور ذکر کیا دو گواہوں نے جو بیان دیا وہ حسب ذیل ہے۔

ہم نے زید کو جنگل کی طرف دو کافرہ عورتوں کے ہمراہ جن میں سے ایک جوان اور دوسری بوڑھی تھی دن کے بارہ بجے قریباً دو سال پیشتر جاتے دیکھا ہم بھی پیچھے ہو لئے شہر سے قریب ڈیڑھ میل کے فاصلے پر زید اور دونوں عورتوں جنگل میں دس قدم ایک دوسرے سے فاصلے پر کھڑی ہوئیں زید ان میں سے ایک کو اپنی طرف بلا رہا تھا گواہ عمرو بکر جو الگ چھپے ہوئے تھے ان پر زید کی نگاہ پڑی اور زید وہاں سے چلا آیا گواہ بکر نے ان عورتوں سے دریافت کیا تو انہوں نے اقرار کیا کہ زید نے ایک روپیہ دینا تھا اس معاملہ میں دونوں گواہوں کی ایک ہی زبان ہے راستہ وغیرہ دونوں گواہ برابر بتاتے ہیں ایک گواہ نے جائے وقوع نہیں بتلائی لیکن جو نشانات پہلے گواہ نے بتلائے تھے وہی راستے بتلائے جن کے ہمراہ یہ دو گواہ مختلف اوقات میں جائے وقوع بتلانے گئے تھے ان میں کا ایک سیکریٹری جامع مسجد اور دوسرا ممبر ہے اور وہ دو اراکین بھی ان دو گواہوں کے بیان جائے وقوع کے بتلانے سے اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ زید جنگل میں گیا۔

دونوں گواہ صوم وصلوۃ کے پابند ہیں دونوں میں دوستی ہے ایک ہی جگہ کام کرتے ہیں دونوں نے بے نکاح عورتیں رکھی ہوئی ہیں زید یقیناً سینما دیکھتے ہیں زنا کا ثبوت نہیں ہے لیکن یہ سب کچھ شک پر ہو رہا ہے زید شادی شدہ ہے صاحب اولاد ہے عمر ۳۵ سال سے ۴۰ سال تک ہے نو بچوں کا باپ ہے اوپر لکھی باتوں پر زید کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۱۶۶ سیٹھ حاجی عمر ملاں (برار)

۲۶ شوال ۱۳۵۶ھ م ۲ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۴۱) گواہوں کے پاس بے نکاحی عورتیں ہیں تو وہ خود فاسق ہیں نیز دو سال پہلے کا واقعہ بیان کرنا بھی قابل سماعت نہیں دو برس تک انہوں نے یہ واقعہ کیوں بیان نہیں کیا اس کے اخفا کی وجہ سے بھی یہ

---

(۱) قال فی التنویر و شرحہ: " وإن أنکر بعض ما علم من الدین ضرورۃ کفر بها فلا یصح الاقتداء به أصلاً الخ (باب الإمامة ۱/ ۵۶۱ ط سعید)

شہادت قابل سماعت نہیں ہاں سینما دیکھنے کی وجہ سے امام کی امامت مکروہ ہے(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مرزائیوں سے تعلقات رکھنے والے کی امامت
(۲) مسجد کسی کی ملک نہیں
(۳) کچی مسجد کو گرا کر پختہ بنانا
(۴) نااہل متولی کو معزول کرنے کا حکم

(سوال) (۱) ایک بستی کے مسلمانوں نے ایک شخص کو امام بنایا پھر امام کے حالات خراب ہو گئے لوگ شک کی نظر سے دیکھنے لگے اور علاوہ ازیں امام مذکور کا مرزائیوں کے ساتھ بہت میل ملاپ ہے ایسا کئی دفعہ عید کے موقع پر بستی کے شریف مسلمانوں نے اپنا امام اور مقرر کر لیا کیا امام اول کو امامت سے ہٹانا اور دوسرا مقرر کرنا درست ہے (۲) کوئی مسلمان کہلانے والا شخص کسی مسجد کے مالک ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے امام اول اس مسجد کی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے

(۳) کیا کسی بستی کے اکثر مسلمان بستی کی کچی مسجد کو گرا کر اس جگہ پر پہلے کی نسبت مضبوط اور پختہ مسجد بنوا سکتے ہیں۔

(۴) اگر کوئی امام مسجد جس کا کیرکٹر (چال چلن) خراب ہو اور مرزائیوں کے ساتھ سخت میل جول رکھتا ہو وہ بلا ثبوت مسجد کے متولی ہونے کا دعویٰ کرے تو شریف اہل محلہ اس کو امامت اور خود ساختہ تولیت سے ہٹا سکتے ہیں؟ المستفتی نمبر ۲۱۹۵ قاضی محمد شفیع صاحب (لاہور)

۸ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۱۸ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۴۲) (۱) ان حالات میں پہلے امام کو علیحدہ کر دینا اور دوسرا امام مقرر کر لینا جائز ہے(۲)

(۲) مسجد کا مالک کوئی نہیں ہو سکتا ہاں متولی کو تولیت کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں مگر ملکیت کا دعویٰ کوئی نہیں کر سکتا (۳)

(۳) ہاں بستی والوں کو یہ حق ہے کہ وہ کچی مسجد کو پختہ بنانے کے لئے گرا دیں اور پختہ بنالیں(۴)

---

(۱) قال في التنوير: " ويكره إمامة عبد وأعرابي و فاسق " الخ و في الشامية : " وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم اهانته شرعاً الخ (باب الإمامة ١ / ٥٦٠ ط سعيد)

(٢) وينزع وجوباً لوالواقف فغيره بالأولى غير مامون أو عاجز أو ظهر به فسق الخ (الدر المختار، كتاب الوقف، ٤ / ٣٨٠، ط سعيد)

(٣) وأن المساجد لله الآية ، سورة جن)

(٤) أراد أهل المحلة نقض المسجد و بناء أحكم من الأول لهم ذلك (الدر المختار كتاب الوقف، مطلب أحكام المسجد ٤ / ٣٥٧، ط سعيد)

(۴) استحقاق تولیت کا ثبوت نہ ہو تو متولی ہونے کے مدعی کو ہٹایا جاسکتا ہے' بالخصوص جب کہ اس کے حالات بھی صلاحیت کے خلاف ہوں(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) ٹوپی پہن کر نماز پڑھانا جائز ہے
(۲) تماشے اور سینما دیکھنے والے کی امامت

(سوال) (۱) ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ہماری مسجد میں اس کا بہت جھگڑا ہے اگر امام عمامہ نہ باندھے اور ٹوپی اوڑھ کر نماز پڑھاوے تو ایک فریق کا اس پر اصرار ہے کہ نماز نہیں ہوتی یا مکروہ ہوتی ہے۔
(۲) یہاں بعض مساجد کے امام لوگ سینما ناٹک وغیرہ میں اکثر جاتے ہیں ایسے اماموں کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۲۴۷ جناب فیض اللہ میاں صاحب' مالیگاؤں (ناسک)
۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ ۱۲ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ۱٤۳) (۱) ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا اور پڑھانا بلا شبہ جائز ہے کوئی حدیث یا فقہ کی عبارت ایسی نہیں جو یہ ثابت کرے کہ بغیر عمامہ کے امامت جائز نہیں عمامہ باندھ کر نماز پڑھنا افضل تو ہے مگر بغیر عمامہ کے امامت کرنا مکروہ نہیں کراہت ایک امر شرعی ہے جس کے لئے شرعی دلیل کی ضرورت ہے' جو لوگ بغیر کسی شرعی دلیل کے کسی بات کو مکروہ قرار دیں ان کو خدا سے ڈرنا چاہئے(۲)
(۲) سینماؤں' تماشوں اور ناٹکوں میں شریک ہونا موجب فسق ہے ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے(۳) ایسے امام اگر توبہ نہ کریں اور یہ عمل ترک نہ کریں تو ان کو علیحدہ کر کے بہتر صالح امام مقرر کرنا چاہئے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

امامت کا حق کس شخص کو ہے

(سوال) (۱) زید و بکر معمولی سی بات پر ضد میں آکر امام مسجد کو بلا قصور بلا اجازت تمام مصلیان و اہل محلّہ ہٹا کر ایک ایسے لڑکے کو امام مقرر کرتے ہیں جو احکام دین سے بالکل ناواقف ہے اور بد رویہ ہے نصف مردمان محلّہ اس کی امامت سے ناراض ہیں جس کی وجہ سے وہ لوگ زید و بکر کے تظلّم و جابرانہ افعال سے رنجیدہ ہو کر دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے جاتے ہیں بروئے شریعت زید و بکر کا یہ فعل کیسا ہے ؟

---

(۱) قال في الإسعاف : " ولا يولى إلا أمين . من طالب التولية على الوقف لا يعطى له وهو كمن طلب القضاء لا يقلد (رد المحتار' كتاب الوقف' مطلب في شروط المتولي' ٤/۳۸۰' ط سعيد)
(۲) وقد [illegible] وا أن المستحب أن يصلي في قميص وإزار و عمامة ولا يكره الا كتفاء بالقلنسوة ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك الخ (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية' كتاب الصلوة ۱/۱٦۹ ط سعيد)
(۳) في التنوير : " ويكره إمامة عبد . و فاسق الخ وفي الشامية : " بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم (باب الإمامة' ۱ / ۵۵۹ ط سعيد)

(۲) تمام نمازیوں میں کس صفت اور کس قابلیت کا امام ہونا چاہئیے

المستفتی نمبر ۲۲۹۵ عبدالحکیم (نارنول) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱٤٤) (۱) یہ فعل زیدو بکر کا صحیح نہیں اور احکام دین سے ناواقف شخص کو امام بنانا جب کہ اس سے زیادہ مستحق شخص موجود ہو غلط کاری ہے جس سے زیدو بکر کو توبہ کرنا اور باز آنا چاہئیے۔

(۲) احکام نماز سے واقف قرآن مجید صحیح پڑھنے والا صالح شخص امامت کا مستحق ہے (۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) جذام والے شخص کے پیچھے نماز کا حکم
(۲) نابالغ کی امامت تراویح میں بھی جائز نہیں

(سوال) (۱) کوڑھ یا جذام والے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) نابالغ لڑکے کے پیچھے تراویح اور ولدالزنا کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۳۱۸ اے ی منصوری (بمبئی)

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۱۵ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱٤٥) (۱) اگر بدن سے رطوبت بہتی نہ ہو جسم خشک ہو تو اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی لیکن لوگ کراہت کریں تو اس کو امام بنانا نہیں چاہئیے (۲)

(۲) نابالغ کی امامت جائز نہیں (۳) ولدالزنا اگر عالم اور صالح ہو تو اس کی امامت درست ہے (۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

غیر مقلد کے پیچھے نماز کا حکم

(سوال) اہل حدیث کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۳۴۱ حافظ محمد اسماعیل صاحب (آگرہ) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱٤٦) اہل حدیث کے پیچھے نماز جائز ہے۔ (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) والأحق بالإمامة تقديماً بل نصبا الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحة و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة ثم الأحسن تلاوة ثم الأورع (الدر المختار' باب الإمامة ۱/۵۵۷ ط سعيد)

(۲) وكذا تكره خلف أمرد وسفيه و مفلوج وأبرص شاع برصه الخ (الدر المختار' باب الإمامة ۱/ ۵٦۲ ' ط سعيد)

(۳) ولا يصح اقتداء الرجل بامرأة وخنثى وصبي مطلقا الخ (تنوير الأبصار باب الإمامة ۱/۵۷۷ ط سعيد)

(٤) قال الشامي " ولو عدمت أي علة الكراهة بأن كان الأعرابي افضل من الحضري . وولد الزنا من ولد الرشد فالحكم بالضد (باب الإمامة ۱/ ۵٦۰ ' ط سعيد)

(۵) قال في الدر المختار :" و مخالف كشافعي' لكن في وتر إن تيقن المراعاة لم يكره أوعدمها لم يصح وإن شك كره و في الشامية : " وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز مالم يعلم منه (جاری ہے)

یتیموں کا مال کھانے والے شخص کی امامت

(سوال) ایک امام مسجد چند یتیم بچوں کو پریشان کرتا ہے ان کی حق رسی میں روڑے اٹکا کر ان کا حق ضبط کراتا ہے کچھ عرصہ ہوا یہی امام مسجد ان یتیموں کی حق رسی کا ضامن ہوا تھا مگر اب پر زور مخالفت کرتا ہے اس کی مخالفت کی وجہ محض ذاتی ہے کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے نماز میں کوئی خلل واقع تو نہیں ہوتا ؟ المستفتی نمبر ۲۳۷۱ عبداللہ صاحب (مالیر کوٹلہ) ۱۴ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ ۱۳ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۴۷)اگر امام مسجد یتیموں کا حق تلف کرتا ہے یا کراتا ہے یا اتلاف میں سعی کرتا ہے تو وہ فاسق ہے اس کی امامت مکروہ ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

رشوت خور اور جھوٹ بولنے والے شخص کی امامت

(سوال) ایک امام نے اپنے ہاتھ سے تحریر کر کے طلاق نامہ بی بی کو اور خلع نامہ شوہر کو دونوں کی راضی برضا پر دلوادیا ایک ماہ کے اندر ہی یعنی عدت پورا نہ گزرنے پر اس بی بی نے دوسری بستی جاکر دوسرے شوہر کے نکاح میں جانے کے لئے آمادہ ہو کر اس بستی کے قاضی سے دریافت کیا تو اس قاضی نے طلاق نامہ دیکھ کر عدت پورا نہ ہونے پر نکاح پڑھنے سے انکار کر دیا بعد میں یہی امام جس نے طلاق نامہ و خلع نامہ اپنے ہاتھ سے تحریر کر کے دلوایا تھا اس نے اپنی جماعت کو بغیر اطلاع کئے ہوئے خفیہ طور پر جاکر کچھ رشوت لیکر نکاح پڑھ دیا کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں بعد ہفتہ عشرہ جماعت کو یہ خبر معلوم ہونے پر اس پیش امام سے اس نکاح کے متعلق جماعت کے دریافت کرنے پر اس نکاح کو میں نے نہیں پڑھایا کہہ کر جھوٹ بول کر جماعت کو انکار کر دیا اس تاریخ سے جماعت نے اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کر دیا بعد دو چار دن کے اس پیش امام نے عام جماعت میں کہا کہ خود میں نے ہی یہ نکاح پڑھایا یہ اقرار کر کے معافی کا خواستگار ہوا تو کیا پھر یہ امام امامت کے قابل ہو گیا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۴۱۴ محمد غوث صاحب۔ گوا ور ی۔ ۲۳ رجب ۱۳۵۷ھ ۱۹ ستمبر ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۴۸) اس امام نے اول تو عدت کے اندر نکاح پڑھنے کا بڑا گناہ کیا دوسرے رشوت لی (اگر رشوت لینا ثابت ہو) تیسرے جھوٹ بولا کہ میں نے نکاح نہیں پڑھایا۔

پس اگرچہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر زجراً اس امام کو کچھ دنوں کے لئے امامت سے علیحدہ کر دیا جائے اور جو رشوت لی ہے وہ واپس کرائی جائے اور وہ نکاح عدت کے بعد از سر نو پڑھایا جائے جب

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ما یفسد الصلاۃ علی اعتقاد المقتدی ' علیہ الإجماع (باب الإمامۃ ۱/۵۶۳ ط سعید)اس غیر مقلد کے پیچھے نماز جائز ہے جو اہل السنت کے اجماعی مسائل کی مخالفت نہ کرے مثلاً متعہ کی حرمت کا قائل ہو اور سب سلف کرنا ناجائز سمجھتا ہو وغیرہ ورنہ ان کا حکم اہل البدعۃ جیسا ہے 'ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے(امداد الفتاوی ۱/۲۵۳' باب الإمامۃ ط دار العلوم' کراچی)

(۱) قال فی التنویر : " ویکرہ امامۃ عبد وأعرابی و فاسق الخ (باب الإمامۃ ۱/۵۵۹، ۵۶۰ ط سعید)

لوگوں کو اطمینان ہو جائے کہ امام نے سچی توبہ کرلی ہے اور آئندہ وہ ایسا کام نہ کرے گا تو پھر اس کو امام بنا سکتے ہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

امام نماز پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے

(سوال) ایک متبحر عالم دین جو عرصہ دراز تقریباً ۳۰ سال سے عیدگاہ میں عیدین کی امامت کرتا چلا آتا ہے اور چونکہ خطابت میں عدیم المثل ہے وقت اور ضرورت کے لحاظ سے اپنی خطابت میں مسلمانوں کو دینی اور دنیاوی فلاح و بہبود اور جماعتی زندگی کے لئے صحیح راہ عمل بتاتا رہتا ہے جس سے مسلمانوں کو گوناگوں فوائد حاصل ہو رہے ہیں آج کل ہندوستان میں سیاسی اختلافات کے باعث مسلمان دو جماعتوں میں منقسم ہو گئے ہیں یعنی مسلم لیگ اور کانگریس اس سیاسی اختلاف کی بنا پر ایک جماعت کے چند لوگ دوسری جماعت کے امام کے پیچھے جس کی تعریف اوپر درج ہے نماز پڑھنے کو ناجائز قرار دیکر مسلمانوں کو اس کی اقتداء سے روکتے ہیں اور مجبور کرتے ہیں اور بہت سے لوگ حسب سابق اسی امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنے پر مصر ہیں ایسی حالت میں مسلمانوں میں افتراق و تشتت اور ہنگامہ و فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہے لہذا سوال یہ ہے کہ سیاسی اختلاف کے باعث امام مذکور کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں عدم جواز کے دلائل و وجوہ کیا ہیں؟
المستفتی نمبر ۲۴۲۵ حاجی آلہ بخش صاحب محمد یوسف صاحب کلکتہ۔
۲۳ رمضان ۱۳۵۷ھ ۷ نومبر ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۴۹) جو عالم کہ عرصہ دراز سے امامت کرتے چلے آتے ہیں وہی امامت کے مستحق ہیں۔ بلاوجہ ان کو علیحدہ کرنا درست نہیں ہے بلکہ ایک طرح مسلمانوں میں تفریق اور فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے سیاسی مسلک کا اختلاف اس کی وجہ نہیں بن سکتا کہ امامت جیسے وظائف شرعیہ میں مداخلت کی جائے۔(۲) فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جس سے اکثر نمازی ناراض ہوں' اس کی امامت

(سوال) (۱) زید مسجد کا امام ہو یا مولوی امامت کی خدمت کو انجام دیتا ہے اور اس کو ایک دیرینہ اغلام بازی کا بھی شوق ہے مگر اس کے اس فعل کا لوگوں کو صرف شک و شبہ تھا مگر اب وثوق کے ساتھ وہ اس جرم کا پوری طرح مرتکب ہو چکا ہے تو کیا ایسے امام یا مولوی کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟
(۲) دوسرا امر دریافت طلب یہ ہے کہ منجملہ ایک کثیر جماعت کے کچھ تھوڑے لوگ امام کے موافق ہوں اور

---

(۱) عن عبداللہ بن مسعودؓ قال : " قال رسول اللہ ﷺ : " التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ" (ابن ماجہ ' باب ذکر التوبۃ ۳۱۳ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)
(۲) قال فی التنویر و شرحہ : " واعلم أن صاحب البیت و مثلہ إمام المسجد الراتب أولی بالإمامۃ من غیرہ مطلقاً (باب الإمامۃ' ۱/ ۵۵۹ ط سعید)

بہت سارا حصہ اس کے مخالف تو کیا ایسے امام کے پیچھے بھی نماز ہو سکتی ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۲۴۶۷ جناب ابو الفرح صاحب (حیدر آبادی) ۲۸ محرم ۱۳۵۸ھ ۲۰ مارچ ۱۹۳۹ء
(جواب ۱۵۰) اگر زید کا یہ فعل ثابت ہو یا جماعت کی اکثریت کو اس کی اس حرکت قبیحہ کا ظن غالب ہو تو ایسے امام کو معزول کر دیا جائے کیونکہ متہم امام کو امام رکھنا جماعت کی نماز کو خراب کرتا ہے اور جب کہ جماعت کی اکثریت ناراض ہے اور ناراضی کی وجہ بھی شرعی ہے تو ایسے امام کی امامت مکروہ تحریمی ہے(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فعل بد کرنے والے امام کی اقتداء کا حکم

(سوال) (۱) جب امام جامع مسجد کے متعلق (جو حافظ حاجی تہجد گزار اور عمر بھی ساٹھ سال سے متجاوز ہے) دو شخص کو ایک لڑکے کا باپ اور دوسرے استاد شرعی جو عالم بھی ہیں علم الیقین ہوا کہ اس لڑکے بعمر ۱۱ یا ۱۲ سال کے ساتھ مرتکب فعل لواطت ہوا ہے اس پر دریافت آپ نے یہ فتویٰ فرمایا تھا کہ ایسے امام کے پیچھے نماز با کراہت ہو جائے گی اور اس بدکار امام کی پردہ پوشی نہیں کرنا چاہئے اب دریافت طلب یہ ہے کہ علم الیقین والوں کو نماز میں اقتدا تا قیام امام رکھنی چاہئے یا ترک کر دینی چاہئے ؟
(۲) متولی صاحب مسجد نے بطور خود چند آثار کی وجہ سے امام مذکور کا راز معلم صاحب مذکور سے معلوم کر کے صرف یہ کہہ کر کہ پہلے تو یہ عادت نہیں تھی اب ہو گئی ہو گی معاملہ ختم کر دیا ہے متولی صاحب کی یہ پردہ پوشی مناسب ہے ؟ اور اگر نہیں ہے تو کیا کچھ گناہ ان کے ذمہ نہیں ہوتا ہے متولی صاحب کو مذبذب علم ہونے کی صورت میں کیا صرف سکوت مباح ہے یا کوئی اور عمل بھی ان پر واجب ہے۔
المستفتی نمبر ۲۵۳۹ شجاعت حسین صاحب (آگرہ) ۹ رجب ۱۳۵۸ھ ۲۶ اگست ۱۹۳۹ء
(جواب ۱۵۱) (۱) اگر ان کو یقین ہو گیا ہو تو امام کو علیحدہ کر دینا لازم ہے(۲)
(۲) جب کہ متولی صاحب کو یقینی علم نہ ہو تو وہ سکوت ہی کر سکتے ہیں(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بد کردار امام جس سے اکثر نمازی ناراض ہوں

(سوال) زید جو مسجد کا تنخواہ دار ملازم ہے اس کے اعمال و افعال سے مسلمان ناراض ہیں کیونکہ یہ باتیں اس

---

(۱) في التنوير : " ويكره إمامة عبد وأعرابي و فاسق " الخ و في الشامية : " بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم " (باب الامامة ۱ / ۵۵۹ ، ۵۶۰ ط سعيد)
(۲) قال في التنوير و شرحه : " ولو أم قوما وهم له كارهون إن الكراهة لفساد فيه أولا نهم أحق بالإ مامة منه كره له ذلك تحريما؟ لحديث ابي داؤد : " لا يقبل الله صلاة من تقدم قوما وهم له كارهون" (باب الإمامة ۱/ ۵۵۹ ط سعيد)
(۳) و ينزع وجوبا لو الواقف فغيره بالأولى غير مأمون أو عاجز أو ظهر به فسق (الدر المختار' كتاب الوقف' ۴ / ۳۸۰ ط سعيد)
اليقين لا يزول بالشك (الأشباه والنظائر ' القاعدة الثالثة' ۵۶' ط مير محمد كتب خانه' كراچی)

میں موجود ہیں ۔

(۱) جھوٹ بولنا اور جھوٹی شہادت دینا (۲) مسجد کا روپیہ اپنے ذاتی مفاد میں خرچ کرنا (۳) مسجد کا روپیہ اپنی وجاہت پیدا کرنے یا قائم رکھنے کے لئے خرچ کرنا (۴) مسجد کے ملازموں سے اپنے گھر کے ذاتی کام لینا اور اپنی خدمت کرانا (۵) قبرستان کی قبروں کو منہدم کر کے اس پر ذاتی مکان بنانا (۶) اپنے رشتہ داروں کو مسجد کا ملازم مقرر کرنا اور پھر ان سے مسجد کے کام میں غفلت اور بے پروائی پر باز پرس نہ کرنا (۷) اپنے مخالف مسلمانوں کی شکایتیں افسران و حکام بالا تک پہنچا کر ان کو نقصان پہنچانا۔

سوال یہ ہے کہ جس شخص میں یہ سب باتیں موجود ہوں تو مسلمانوں کا اس کی امامت سے ناخوش ہونا درست ہے یا نہیں اور وہ باوجود ان اعمال کے امامت کا اہل ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۶۴۷ محمد یوسف صاحب۔ پشاور۔ ۴ ارجب ۱۳۵۹ھ ۱۹ اگست ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۵۲) اگر یہ واقعہ ہو کہ کسی امام میں یہ باتیں پائی جائیں جو سوال میں نمبر ا سے ۶ تک لکھی گئی ہیں تو ایسا شخص امامت کے لائق نہیں ہے اور جماعت کا اس کی امامت سے ناخوش ہونا بجا ہے اور جب کہ امام سے تمام جماعت یا جماعت کی اکثریت وجوہ شرعیہ کی بناء پر ناراض ہو تو امام کو ہر گز امامت کرنا جائز نہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **ثلاثة لا تجاوز صلاتهم اذانهم العبد الأبق حتى يرجع وامرأة باتت و زوجها عليها ساخط وامام قوم وهم له كارهون** (ترمذی شریف)(۱) یعنی تین شخص ہیں جن کی نماز ان کے کانوں سے تجاوز نہیں کرتی (یعنی درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی) ایک غلام جو آقا کے پاس سے بھاگ گیا ہو جب تک واپس نہ آئے دوم وہ عورت جو خاوند کی ناراضی اور خفگی میں رات بسر کرے سوم وہ امام جس سے جماعت بیزار ہو یہ واضح رہے کہ جماعت کی بیزاری وہی معتبر ہے جو وجوہ شرعیہ پر مبنی ہو کیونکہ اگر امام صالح امامت کی اہلیت رکھنے والا متدین متبع سنت ہو تو جماعت کی ناراضی اور بیزاری مؤثر نہ ہو گی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ٹوپی پہن کر نماز جائز ہے

(سوال) اگر زید کے مقتدی نوے فیصدی دستار پوش ہوں تو کیا زید صرف معمولی ٹوپی پہن کر ہمیشہ امامت کر سکتا ہے یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۲۷۹۰ وزیر معارف ریاست قلات (بلوچستان) ۲۲ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ

(جواب ۱۵۳) ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے اور امامت بھی بلا کراہت جائز ہے خواہ مقتدی متعمم ہوں یا نہ ہوں زیادہ سے زیادہ (یہ کہہ سکتے ہیں کہ) خلاف اولیٰ ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(۱) (باب ماجاء من ام قوما وهم له كارهون ۱ / ۸۲ ط سعيد كمپنى) ولو ام قوماً وهم له كارهون' إن الكراهة لفساد فيه أو لأ نهم أحق بالا مامة منه كره له ذلك تحريما وإن هو أحق لا والكراهة عليهم (الدر المختار باب الإمامة ۱ / ۵۵۹ ط سعيد)

(۲) وقد ذكروا أن المستحب أن يصلي في قميص وإزار وعمامة ولا يكره الاكتفاء بالقلنسوة' ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك الخ (عمدة الرعاية' باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها' ۱ / ۱۶۹ سعيد كمپنى)

قعدہ اولیٰ میں درود پڑھنے والے کی اقتداء

(سوال) ایک امام درمیانی قعدے میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھ لیتا ہے اور اس کو جائز سمجھ کر سجدہ سہو بھی نہیں کرتا اور خود اقرار کرتا ہے کہ ہاں میں ایسا کرتا ہوں اس امام کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۷۹۲

(جواب ۱۵٤) **ولا يزيد في الفرض على التشهد في القعدة الاولى اجماعاً فان زاد عامداً كره فتجب الا عادة او ساهيا وجب عليه سجود السهو اذا قال اللّٰهم صل على محمد فقط على المذهب المفتى به (درمختار) قوله اجماعاً وهو قول اصحابنا و مالك و احمد و عند الشافعي على الصحيح انها مستحبة فيها للجمهور ما رواه احمد و ابن خزيمة من حديث ابن مسعود ثم ان كان النبي ﷺ في وسط الصلوة نهض حين فرغ من تشهده قال الطحاوي من زاد على هذا فقد خالف الا جماع بحر** (ردالمحتار)(۱) درمیانی قعدے میں جو امام تشہد کے بعد قصداً درود پڑھے اس کی نماز مکروہ واجب الاعادہ ہوتی ہے لہذا اس کے پیچھے اقتدا کرنی مکروہ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جس کی بیوی بے پردہ ہو اس کی امامت کا حکم

(سوال) جس شخص کی عورت پردے میں نہ رہے وہ شخص امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھ لیں تو دوہرانا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۶۳۳ عبدالحق امام جامع مسجد۔دوحد ضلع پنچ محل۔

۱۳ جمادی الاخری ۱۳۵۹ھ م ۲۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۵۵) اگر امام اپنی عورت کو بے پردگی سے منع کرتا ہو اور اس کے اس فعل سے راضی نہ ہو مگر عورت خاوند کی بات نہ مانے تو امام پر اس کا مواخذہ نہیں ہے اور اس کی امامت جائز ہے (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسائل سے ناواقف' ناغہ کرنے والے کی امامت

(سوال) ہمارے محلے کی مسجد میں ایک پیش امام صاحب ہیں وہ صرف قرآن شریف پڑھے ہوئے ہیں ان کو مسائل کا علم بھی نہیں ہے اب کچھ عرصے سے انہوں نے لکڑیوں کا بیوپار شروع کر دیا ہے بعض وقت وہ نماز میں غیر حاضر بھی رہتے ہیں۔

---

(۱) (باب صفة الصلاة ۱ / ۵۱۰' ط سعيد كمپني) قال الله تعالىٰ ولا تزر وازرة وزر اخرى (سورة فاطر : ۱۸)
(۲) قال الله تعالىٰ : " ولا تزر وازرة وزر اخرى الآية (فاطر ۱۸)

(المستفتی نظیر الدین امیر الدین (املیزہ ضلع مشرقی خاندیس)

(جواب ۱۵۶) تجارت کرنا تو ایسا فعل نہیں ہے جس کی وجہ سے امامت مکروہ ہو۔ مگر ان کا نمازوں کے وقت میں غیر حاضر رہنا اور مسائل سے واقف نہ ہونا یہ ایسی باتیں ہیں جن کی وجہ سے دوسرا عالم حافظ امام مقرر کرنا جائز ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

صرف ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا

(سوال) ایک امام صاحب جان بوجھ کر بغیر عذر کے ٹوپی پہن کر فرض نماز پڑھاتے ہیں رکن الدین فتاویٰ برہنہ بہار شریعت اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں لکھا ہے کہ نسیان کے ساتھ جائز ہے ورنہ مکروہ ہے۔

المستفتی نظیر الدین امیر الدین (املیزہ ضلع مشرقی خاندیس)

(جواب ۱۵۷) ٹوپی سے نماز پڑھانا مکروہ نہیں ہے عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا افضل ہے مگر بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی سے نماز پڑھانا بھی مکروہ نہیں ہے بھول سے اور قصداً ترک کرنے میں مختلف حکم نہیں (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حافظ قرآن ناظرہ خواں سے افضل ہے

(سوال) پیش امام حافظ قیامت کے دن مقتدیوں کی خدا سے بخشش کرائے گا ایسی کوئی حدیث ہے یا نہیں؟ اور ناظرہ پیش امام سے حافظ پیش امام کی بزرگی ہے یا نہیں؟

نظیر الدین امیر الدین (املیزہ ضلع مشرقی خاندیس)

(جواب ۱۵۸) حافظ قرآن ناظرہ خواں سے افضل ہے بشرطیکہ اعمال صالحہ دونوں کے یکساں ہوں(۳) نیک لوگ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بخشے جائیں اور اللہ تعالیٰ کے مقبول ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت کر سکیں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

متعلق صحت امامت

(سوال) متعلقہ صحت امامت

---

(۱) والأحق بالإمامة تقديماً بل نصباً الأعلم بأحكام الصلاة فقط صحة و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة الخ (الدر المختار' باب الإمامة ۱/ ۵۵۷ ط سعيد)

(۲) وقد ذكروا أن المستحب ان يصلي في قميص و إزار و عمامة ولا يكره الاكتفاء بالقلنسوة الخ (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية' باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱/ ۱۶۹ ط سعيد)

(۳) قال في التتار خانية: لو ان رجلين في الفقه والصلاح سواء الا أن أحدهما أقرأ فقدم القوم الآخر فقدأساؤا السنة (رد المحتار' باب الإمامة ۱/ ۵۵۹ ط سعيد)

(جواب ۱۵۹) اگر امام سود خوار کے ہاں روزہ افطار کرتا ہے تو وہ اپنا نقصان کرتا ہے اس سے تمہاری نماز میں کوئی خلل نہیں بیوی ہونا تو اچھی بات ہے لیکن جس کے بیوی نہیں اگر وہ اور باتوں کے لحاظ سے بیوی والے امام سے بہتر ہو تو اس کو ترجیح دی جائے گی مثلاً متقی پرہیز گار ہو' قرآن مجید اچھا پڑھتا ہو وغیرہ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

امام مقرر کرنے کا اختیار کس کو ہے

(سوال) (۱) جس ملک میں سلطان یا نائب سلطان نہ ہوں یا موجود تو ہوں لیکن شرعی امور کی طرف ان کی بالکل توجہ نہ ہو تو امام یا نائب امام مقرر کرنے کا حق شرعاً کس کو ہے ؟ (۲) اگر مصلیان و کمیٹی مسجد ایک ایسے متدین شخص کو نیابت کے لئے مقرر کریں جس پر جمہور مصلیان حسن اعتقاد رکھتے ہیں اور بطیب خاطر اس کی اقتدا کرتے ہیں اور امام نیابت کے لئے ایسے شخص کو پیش کرے جس پر مصلیوں کا اعتماد اور اطمینان نہ ہو تو کیا مصلیان امام کے پیش کردہ نائب کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں ؟ (ص ۱۴۰ ج ۲ سعید) (۳) شامی جلد اول ص ۵۶۲ میں ہے هو صريح في جواز استنابة الخطيب مطلقا او كالصريح (ص ۱۴۲ ج ۲ سعید)۔ اور ص ۵۶۳ ج ۱ میں ہے لو صلى احد بغير اذن الخطيب لا يجوز (ص ۱۴۳ ج ۲ سعید) اور ص ۵۶۴ ج ۱ میں ہے و نصب العامة الخطيب غير معتبر بعض ظاہر میں عالم مذکورہ فقہی روایات سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ نائب مقرر کرنے کا حق شرعاً صرف امام کو ہے۔

المستفتی عبدالوہاب سکریٹری مسجد کمیٹی

(جواب ۱۶۰) (۱) اگر مسجد کی کوئی کمیٹی ہے تو وہ امام یا نائب امام مقرر کرنے کی مستحق ہے لیکن اگر کمیٹی نہیں ہے تو مسجد کے نمازیوں کی جماعت کا حق ہے (۲) (۲) نائب امام وہی ہوگا جس کو مسجد کی کمیٹی یا نمازیوں کی کثرت رائے سے مقرر کیا گیا ہے صرف امام کو تنہا اس کا اختیار نہیں ہے خصوصاً جب کہ امام خود بھی امامت کا تنخواہ دار ملازم ہو (۳) (۳) خطیب سے تنخواہ دار خطیب مراد نہیں ہے کیونکہ تنخواہ دار خطیب تو ملازم مستاجر ہے اس کے اوپر احکام استیجار کے نافذ ہوں گے ۔　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) والأحق بالإمامة تقديماً بل نصباً الأعلم بأحكام الصلوٰة صحة و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة . ثم الأحسن تلاوة و تجويداً للقراءة ' ثم الأورع أى الأكثر اتقاءً للشبهات (التنوير مع الدر ' باب الإمامة' ۱/۵۵۷ ط سعيد كمپنى)

(۲) والخيار إلى القوم' فاختلفوا اعتبرا كثرهم . ولو ام قوما وهم له كارهون إن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق منه كره له ذلك تحريما لحديث ابى داؤد: " لا يقبل الله صلاة من تقدم قوماً وهم له كارهون الخ (التنوير مع الدر' باب الامامة' ۱/۵۵۷ ط سعيد)

(۳) واختار بعضهم الأقرأ واختار بعضهم غيره فالعبرة للأكثر كذافى السراج الوهاج (عالمگيرية' الفصل الثانى فى بيان من هوأحق بالإمامة ۱/ ۸٤ ط مكتبه ماجديه' كوئٹه)

زنا کے مرتکب کی امامت مکروہ ہے

(سوال) زید پیدائشی نیک اور پابند شریعت حد درجہ کا ہے اور نماز باجماعت کا پابند بھی اسی درجہ کا ہے اور عرصہ بیس سال سے نماز فی سبیل اللہ پڑھاتا ہے مگر اب کچھ دنوں سے ایک ایسے چکر میں پھنسا اور مجبوراً پھنسا کہ زنا کا مرتکب ہو گیا زید عرصہ چودہ سال سے مجرد تھا صرف نکاح کرنے کی غرض سے زنا کا مرتکب ہوا۔ مگر زید کا زنا کسی کو معلوم نہیں ہے اور واقعہ ٹھیک ہے اگر زید اس فعل سے باز آجائے اور توبہ کرے تو اس صورت میں زید کی امامت درست ہوگی یا نہیں؟

(جواب ۱۶۱) زید زنا کا مرتکب ہوا تو اس کی امامت ناجائز ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) رشوت دینے والے اور بلیک کرنے والے کی امامت
(۲) جواب دیگر
(۳) جواب دیگر

(سوال) زید رشوت دیکر اور بلیک کر کے اپنی روزی کماتا ہے اور زید کا لڑکا زید کی شرکت میں ہے اور زید دیگر تجارت بھی کرتا ہے وہ بلیک سے کہیں زیادہ ہے اور زید نے دوسروں کا روپیہ مار کر دیوالہ نکالا ہے کیا زید کے لڑکے کی امامت درست ہے؟

(جواب ۱۶۲) زید اور اس کے لڑکے کی امامت ناجائز ہے کیونکہ لڑکا بھی اس حرام کاروبار میں شریک ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(جواب دیگر ۱۶۳) پیش امام اگر ڈاڑھی کتروائے اور خشخاشی رکھے تو اس کی امامت مکروہ ہے اس کو امامت سے علیحدہ کردیا جائے مسجد کے بوریوں پر بلا کسی عذر کے سونا ناجائز ہے(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(جواب دیگر ۱۶۴) خدا اور رسول کے احکام میں سید اور امتی دونوں داخل ہیں اور مکلّف ہیں اگر کوئی سید کوئی خلاف شرع کام کرے تو اس پر بھی اسی طرح مواخذہ ہوگا جس طرح کسی غیر سید پر ہوتا ہے اگر سید نے کسی جائز معاہدے پر رضامندی دیدی اور اس کے بعد اس سے بلاوجہ انحراف کیا تو عہد شکنی اور وعدہ خلافی کا ان پر بھی گناہ عائد ہوگا سید ہونے کی وجہ سے وہ اس مواخذے سے بری نہ ہو جائیں گے چار آدمیوں کے سامنے اقرار کر کے پھر جانا بھی ایسی ہی عہد شکنی ہے جیسے کہ پوری پنچایت کے سامنے وعدہ کر کے پھر جانے

---

(۱) قال في التنوير: " ويكره إمامة عبد وأعرابي و فاسق " الخ و في الشامية : " من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني الخ (باب الامامة ۱/ ۵٦۰ ط سعيد)
(۲) قال في التنوير : " ويكره امامة عبد وأعرابي و فاسق الخ (باب الإمامة ۱/ ۵۵۹. ۵٦۰ ط سعيد)
(۳) في التنوير : " ويكره امامة عبد وأعرابي و فاسق الخ و في الشامية : " بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم (باب الامامة ۱/ ۵۵۹. ۵٦۰ ط سعيد)

کی صورت میں ہوتی بلکہ سیدوں پر اتباع شریعت کی ذمہ داری ان کے منصب کے لحاظ سے زیادہ ہوتی ہے اگر سید صاحب اپنے عہد کو پورا نہ کریں اور اپنی کوتاہی پر نادم ہو کر توبہ نہ کریں تو لوگوں کو حق ہے کہ وہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور دوسرا امام مقرر کر لیں(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

بطور دوا افیون کھانے والے کی امامت

(سوال) ایک شخص جس کی عمر اٹھتر ۷۸ سال ہے سولہ سال قبل پیچش میں مبتلا ہوا تھا عرصہ دراز تک علاج کرانے پر کوئی فائدہ نہیں ہوا تو حکیم صاحب نے افیون کھانے کا مشورہ دیا جب سے وہ افیون کھاتا ہے اس کی امامت جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۹۸۷ نذیر الدین ضلع چاندہ (سی پی)
یکم رمضان ۱۳۵۶ھ ۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۵) اگر افیون کھانے کی وجہ سے حرکات و سکنات اور شعور و احساسات میں تفاوت آتا ہو تو امامت ناجائز ہے اور اگر یہ بات نہ ہو اور کھانا بھی بربنائے علاج ہو تو امامت جائز ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

جس نے سنتیں نہ پڑھی ہوں ' نماز پڑھا سکتا ہے

(سوال) جو امام فرضوں سے پہلے کی سنتیں ادا نہ کرے اور نماز کے لئے کھڑا ہو جائے اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟
(جواب ۱۶۶) اس کے پیچھے نماز تو ہو جاتی ہے مگر اسے ایسا بلا ضرورت کے کرنا نہ چاہئیے (۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

پابند شریعت عالم کو امام بنانا افضل ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید پابند شریعت ہے اور مسائل سے واقف ہے دیندار اور متقی ہے امامت اور درس و تدریس مشغلہ ہے اور عمرو صاحب اکثر نماز نہیں پڑھتے عمر میں بڑے ہیں لیکن محصل مدرسہ ہیں اور اس بستی میں جتنا مسلمانوں کو قرض سودی دیا جاتا ہے اس کے محرر اور منیب ہیں امامت کے لئے ان دونوں میں سے کون بہتر ہے ؟

---

(۱) وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولاً (بني اسرائيل : ۳٤)
(۲) (احسن الفتاوىٰ : ۲۸٦/۳ ط سعيد كمپني' خير الفتاوىٰ ۲ / ۳۳۱ ط ملتان)

(جواب ۱۲۷) صورت مسئولہ میں زید امامت کا مستحق ہے اور عمرو جو نماز کا پابند بھی نہیں اس کی امامت مکروہ ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

استحقاق امامت کس کو ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) ———

(جواب ۱۶۸) جو شخص نماز روزے کا پابند اور نماز روزے کے احکام سے واقف ہے وہ امامت کا مستحق ہے امامت کے لئے ذاتی صلاحیت و لیاقت چاہئیے باپ دادا سے امامت چلی آنے سے لازمی استحقاق حاصل نہیں ہوتا ہاں اگر خود بھی صلاحیت و اہلیت رکھتا ہو تو خاندانی امامت وجہ ترجیح ہو سکتی ہے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ' دہلی

(۱) غلط پڑھنے والے کی اقتداء کا حکم
(۲) امام مسجد نماز پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک جامع مسجد میں باوجود امام مقررہ موجود ہونے کے ان کے حضوری میں متولی نے ایک ایسے شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دیا جو قرآن صحیح نہیں پڑھتا ک اور قاف میں فرق نہیں کرتا' مد اور قصر کا لحاظ نہیں پھر اکثر مصلی اس سے متنفر و کارہ ہیں اب اس نے نماز پڑھائی اور نماز میں سورۃ یسین کا پہلا رکوع پڑھا پس کثرت سے غلط فاحش سرزد ہوئے یہاں تک کہ لمن المرسلین کی جگہ لا من پڑھا اور حکیم کو حقیم پڑھا خشی الرحمن کی جگہ خُشی الرحمن بالضم پڑھا مقتدیوں میں عالم محقق موجود تھے انہوں نے امام مقررہ سے نماز کو اعادہ کرلیا یہ اعادہ کرانا کیسا ہے ؟

(جواب ۱۶۹) ایسے شخص کی موجودگی میں جو قرآن شریف صحیح پڑھ سکتا ہے غلط پڑھنے والی کی امامت درست نہیں(۳) اگر کسی شخص سے سہوا کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا حکم جداگانہ ہے اور صورت مسئولہ کا حکم جدا ہے اس صورت میں بیشک نماز کا اعادہ کرانا صحیح تھا کیونکہ پہلی نماز درست نہیں ہوئی تھی امام معین کے سامنے بدون اس کے اذن کے دوسرے شخص کا نماز پڑھانا بھی مکروہ ہے(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) وکذا تکرہ خلف امرد . و شارب الخمر و أکل الربا الخ (الدر المختار' بالإمامة ۱/ ۵٦۲ ط سعید)

(۲) والأحق بالإ مامة تقدیما' بل نصبا الأعلم بأحکام الصلاة فقط صحة و فساداً بشرط اجتنا به للفواحش الظاهرة الخ الدر المختار' باب الإمامة ۱/ ۵۵۷ ط سعید)

(۳) ولا غیر الألثغ به أی بالألثغ علی الأصح (الدر المختار' باب الإمامة ۱/ ۵۸۱ ط سعید)

(٤) واعلم أن صاحب البیت و مثله امام المسجد الراتب أولی بالإمامة من غیره مطلقاً الخ (الدر المختار' باب الامامة ۱/ ۵۵۹' ط سعید)

جس کی بیوی زانیہ ہو' اس کی امامت

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۲۸ء)

(سوال) ایک شخص کی عورت غیر مرد کے ساتھ کھلم کھلا زنا کراتی ہے خاوند کو بھی اس کا علم ہے ایسے شخص کو امام بنانا یا مقرر کرنا کیسا ہے؟

(جواب ۱۷۰) اگر یہ شخص اپنی عورت کو اس فعل شنیع سے منع کرتا ہو اور اس کو روکنے کی کوشش کرتا ہو مگر وہ باز نہ آتی ہو تو یہ معذور ہے لیکن اگر منع نہ کرے اور نہ اس کو روکنے کی کوشش کرے تو یہ دیوث اور بے غیرت ہو گا اور اس کی امامت مکروہ ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ناظرہ خواں کے پیچھے حافظ کی نماز درست ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۲۸ء)

(سوال) ناظرہ خواں یا ناخواندہ امام کے پیچھے حافظ قرآن کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۷۱) ناظرہ خواں یا ناخواندہ امام جب کہ قرآن مجید صحیح پڑھتا ہو اور مفسدات نماز کا ارتکاب نہ کرتا ہو اس کے پیچھے حافظ اور عالم کی نماز بھی ہو جاتی ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

برص والے شخص کی امامت

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۲۸ء)

(سوال) ایک شخص مرض برص میں مبتلا ہے ہاتھ پیر چہرہ اور جسم کے اکثر حصے پر سفید داغ سرخی مائل ہیں اطبا کہتے ہیں کہ یہ مرض جذام کی حد تک پہنچتا ہے کیا ایسے شخص کی امامت جائز ہے؟ کیا اس سے مصافحہ کر سکتے ہیں؟ کیا وہ مسجد کے حوض میں یا لوٹوں سے وضو کر سکتا ہے؟

(جواب ۱۷۲) مبروص کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے البتہ جب برص اس حد تک ظاہر ہو جائے کہ مقتدیوں کو نفرت اور کراہت پیدا ہو تو اس کی امامت مکروہ ہے(۳) حوض میں وضو کرنا جائز ہے کیونکہ برص میں ظاہری طور پر کوئی نجاست نہیں ہوتی صرف جلد پر دھبے ہوتے ہیں مسجد کے برتن بھی وہ وضو کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ

---

(۱) قال فی التنویر : " ویکرہ امامۃ عبد واعرابی و فاسق الخ (باب الإمامۃ ۱/۵۵۹، ۵۶۰ ط سعید)

(۲) واعلم أن صاحب البیت و مثلہ إمام المسجد الراتب أولی بالإمامۃ من غیرہ مطلقا (در مختار) وفی الشامیۃ: وإن کان غیرہ من الحاضرین ہو أعلم وأقرأ (باب الإمامۃ ۱/۵۵۹ ط سعید)

(۳) وکذا تکرہ خلف أمرد . و أبرص شاع برصہ الخ وفی الشامیۃ : " والظاہر أن العلۃ النفرۃ وکذا قید الأبرص بالشیوع' لیکون ظاہراً (باب الإمامۃ ۱/۵۶۲ ط سعید)

جولاہے کو امام بنانا کیسا ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ یکم اگست ۱۹۲۸ء)

(سوال) فی زمانہ سید لوگ کہتے ہیں کہ جولاہے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی اور وہ خود پنج وقتہ نماز ادا نہیں کرتے اور جاہل و ناخواندہ ہیں اور قوم جولاہان میں حافظ عالم ہیں ان کے پیچھے جاہل سید نماز نہیں پڑھتے ۔

(جواب ۱۷۳) جولاہے کی امامت جائز ہے اور جب کہ وہ علم و صلاح میں باقی لوگوں سے اچھا ہو تو اس کو امام مقرر کرنا افضل ہے یہ خیال کہ سید کی نماز جولاہے کے پیچھے نہیں ہوتی غلط ہے (۱) محمد کفایت اللہ غفرلہ'

امام مسجد نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۳۲ء)

(سوال) ایک شخص امام ہوتا ہوا کوئی غلطی کرتا ہے یا مسلمانوں میں نااتفاقی ڈال رہا ہے بعض مسلمانوں کو اس پر بہت سے شکوک ہیں یعنی اس کے ایسے جرم ہیں جو کہ ظاہر ہیں اگر وہ امام جنازے کی نماز پڑھائے تو کیا اس امام کے پیچھے نماز جنازہ ہو سکتی ہے ؟

(جواب ۱۷٤) اس امام کے وہ افعال لکھنا چاہئیے تھے تاکہ معلوم ہوتا کہ وہ کس درجے کے جرم ہیں اور جب وہ پنجگانہ نماز میں امامت کرتا ہے تو جنازے کی نماز بھی پڑھا سکتا ہے جو حکم پنجگانہ نمازوں میں امامت کا ہوگا وہی جنازے کی نماز میں امامت کا ہوگا (۲) محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ'

ڈاڑھی کاٹنے والے کی امامت

(الجمعیۃ مورخہ ۵ جولائی ۱۹۳۴ء)

(سوال) ہمارے شہر میں صرف ایک حافظ قرآن ہے لیکن اس کی ڈاڑھی ایک مشت سے کچھ کم ہے کیونکہ وہ ڈاڑھی کو تراش لیتا ہے اس کے پیچھے تراویح پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۷۵) اگر دوسرا امام اس سے بہتر مل سکتا ہے تو اس کو امام نہ بنایا جائے یا ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کے لئے اس کو کہا جائے اور وہ ڈاڑھی بڑھالے تو جائز ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) والأحق بالا مامة تقديماً' بل نصباً الأعلم بأحكام الصلوة فقط صحة و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة (الدر المختار' باب الإمامة ۱/۵۵۷ ط سعيد)

(۲) أولى الناس بالصلاة عليه السلطان . ثم إمام الحي' ثم المولي' هكذا في الاكثر المتون (عالمگيرية' باب الحادى والعشرون في الجنائز' ۱/۱٦۳' ط ماجديه كوئٹه)

(۳) ولا بأس بنتف الشيب وأخذ أطراف اللحية والسنة فيها القبضة . ولذايحرم على الرجل قطع لحيته الخ (الدر المختار' كتاب الحظر والإباحة فصل في البيع' ٦/٤۰۷ ط سعيد)

(۱) تعزیہ بنانے والے کی امامت
(۲) سگریٹ پینے والے اور محفل میلاد کرنے والے کی امامت

(سوال) (۱) ایک شخص امام مسجد اپنے ہاتھ سے تعزیہ بناتا ہے اور منع کرنے والے کو کہتا ہے کہ اس کی ممانعت قرآن مجید میں دکھاؤ اور امام مذکور پیشاب کے بعد ڈھیلا بھی استعمال نہیں کرتا ہے کیا ایسے شخص کی امامت درست ہے ؟

(۲) ایک دوسرا شخص امام مسجد محفل میلاد کی نعت خوانی میں باعتقاد تشریف آوری رسول کریم ﷺ قیام کو واجب جانتا ہے اور بیڑی سگریٹ بھی پیتا ہے اور نجومیوں کی پیشن گوئیوں کہ فلاں تاریخ کسوف خسوف ہوگا وغیرہ کی تصدیق کرتا ہے تو ایسے شخص کی امامت کیسی ہے ؟

(جواب ۱۷۶) (۱) تعزیہ بنانا اہل سنت والجماعت کے نزدیک سخت گناہ ہے کہ اس میں اسراف و تبذیر اور شرکیہ اعمال واعتقادات شامل ہوتے ہیں اس لئے اس فعل کے مرتکب کی امامت مکروہ ہے (۱)

(۲) قیام کو باعتقاد تشریف آوری آنحضرت ﷺ واجب جاننا جہالت اور ضلالت ہے حضور ﷺ کی تشریف آوری کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں اس فعل کے مرتکب کی امامت بھی مکروہ ہے کسوف خسوف کی خبر کو تجربہ کی بنا پر یہ سمجھنا کہ ممکن الوقوع ہے یہ غیب دانی سے علیحدہ ہے اور یہ وجہ ممانعت امامت کی نہیں ہو سکتی (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

(۱) بذریعہ مشین ذبح کئے ہوئے بکرے کا گوشت بیچنے والے کی امامت
(۲) قصاب کا امام بننا کیسا ہے ؟
(۳) کچے چمڑے کے تاجر کی امامت
(۴) جس کی بیوی بے پردہ ہو ' اس کی امامت
(۵) نشہ خور اور گالی دینے والے کی امامت
(۶) جس امام سے مقتدی ناخوش ہوں ' اس کی امامت
(۷) فاسق و فاجر کی امامت کا حکم
(۸) فاسق و فاجر کا زبردستی امام بننا
(الجمعیۃ مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) (۱) اگر ایک مسلمان حافظ قرآن باوجود دین کے ضروری احکام سے واقفیت رکھنے کے غیر مسلم اقوام کے پاس بغرض جھٹکہ یعنی گردن مارنے کے لئے جانور (بکرا وغیرہ) بیچتا ہو جب کہ اس کو علم ہے کہ وہ

---

(۱) قال في التنوير : " ويكره إمامة عبد وأعرابي و فاسق الخ (باب الإمامة ۱/ ۵۵۹ ط سعيد)
(۲) (ايضاً)

جھٹکہ کریں گے اور پھر صاف ہونے کے بعد ان کے پاس تول فروخت کرتا ہو یا زندہ بکرا ہی قیمت مقرر کر کے دے دیتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے ؟ اس سے گوشت خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) قصائی کا پیشہ اسلام میں کیسا ہے نیز ایک قصاب کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے ؟ جو خود ہی کھال اتارے ' خود ہی بوٹی کر کے بیچے اور اسی کو اپنا پیشہ بنائے کیا وہ جماعت کرا سکتا ہے ؟ (۳) کچے چمڑے کی تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر ناجائز ہے تو ایسا کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے ؟ (۴) اگر کسی شخص کی عورت گانے والی ہو یا برائے نام پردہ کرتی ہو اس کی امامت کے متعلق کیا حکم ہے ؟ (۵) ایک شخص بد کلام ہے (گالی گلوچ دیتا ہے) اور مدھک ' چنڈو ' گانجہ ' افیون وغیرہ میں سے کسی چیز کا نشہ کرتا ہے اس کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں ؟ یا ایک شخص گناہ کبیرہ علانیہ کرتا ہے مثلاً چوری کرنا ' سود خوری ' یا فوٹو کھنچواتا ہے اس کی امامت کا حکم بھی لکھیں نیز ایک خانساماں جو خنزیر پکا کر انگریزوں کو کھلاتا ہے اس کی امامت کا کیا حکم ہے ؟ کیا ایسا آدمی ایک مسلم جماعت یا انجمن کا صدر ہو سکتا ہے ؟ (۶) ایسا شخص جس میں مذکورہ عیوب ہیں اور مقتدی اس کی امامت نہیں چاہتے لیکن ایک صاحب اقتدار شخص کے بل پر وہ جبراً امامت کرتا ہے اس کے پیچھے جماعت سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ (۷) ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ نماز فاسق و فاجر کے پیچھے بھی ہو جاتی ہے فاسق کی تعریف کیا ہے ؟ (۸) اگر کچھ مقتدی باوجود تمام باتوں کے علم کے اپنی ضد پر قائم رہیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے رہیں تو ان کے بارے میں کیا حکم ہے ؟

(جواب ۱۷۷) (۱) اگر کوئی مسلمان کسی ایسے شخص کے ہاتھ بکرا بیچ دے جو جھٹکہ کرتا ہے تو یہ مسلمان گناہ گار نہیں ہوگا کیونکہ جھٹکہ کرنا اس کا فعل نہیں ہے ہاں اگر اس کو یہ معلوم ہے کہ یہ جھٹکہ کرے گا تو بیچنا بہتر ہے اور ذبح دے تو گناہ گار نہیں البتہ جھٹکہ کئے ہوئے بکرے کا گوشت بیچنا مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔ پہلی صورت میں امامت جائز ہے اور دوسری صورت میں مکروہ ہے یعنی جب کہ وہ اپنا جانور جھٹکہ کرا کر گوشت فروخت کرتا ہو(۱) (۲) قصاب کا پیشہ اسلام میں جائز ہے اور قصاب کے پیچھے نماز بھی جائز ہے اگرچہ وہ خود کھال اتارتا ہو اور گوشت فروخت کرتا ہو(۲) (۳) مذبوحہ حلال جانوروں کے کچے چمڑے کی تجارت جائز ہے ہاں غیر مذبوحہ جانوروں کی کھال کی تجارت بعد دباغت جائز ہوتی ہے(۳) (۴) اگر یہ شخص اپنی عورت کے اس فعل سے راضی نہ ہو اور اس کو منع کرتا ہو تو اس کی امامت جائز ہے(۴) (۵) جو شخص بد

---

(۱) لا بأس ببيع العصر لمن يعلم أن يتخذه خمرا ومن آجر بيتا ليتخذ فيه بيت نار او كنيسة أو بيعة أو يباع فيه الخمر بالسواد فلا بأس به (هداية' كتاب الكراهية' فصل في البيع: ٤/٤٧٦ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) ويجوز الاستئجار على الذكاة' لأن المقصود منها قطع الأوداج الخ (عالمگيرية' كتاب الإجارة' فصل في المتفرقات ٤/٤٥٤' ماجديه كوئٹه)

(۳) قال في التنوير و شرحه: " وجلد ميتة قبل الدبغ و بعده أى الدبغ يباع و ينتفع به الخ و في الشامية (قوله جلد ميتة) قيد بها لأ نها لو كانت مذبوحة فباع لحمها أو جلدها جاز' لأنه يطهر بالذكاة الخ (باب البيع الفاسدة ٥/٧٣ ط سعيد)

(٤) قال الله تعالىٰ : " ولا تزر وازرة وزر أخرى (سورة فاطر : ١٨)

کلام، دشنام دہندہ نشہ باز ہو یا علانیہ گناہ کبیرہ کرتا ہو مثلاً چور زانی شراب خور ہو (اس کو فاسق کہتے ہیں) اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے اسی طرح فوٹو کھنچوانے والے اور خنزیر پکا کر کھلانے والے کی امامت بھی مکروہ ہے اور ان صفات کا شخص اس قابل بھی نہیں کہ انجمن اسلامیہ کا صدر بنایا جائے صدر کوئی صالح دیندار ہونا چاہئے (۱) (٦) جب کہ مقتدی بجا طور پر امام صاحب کی امامت سے ناخوش ہوں تو امام صاحب کو نماز پڑھانی اور زبردستی امامت کرنی گناہ ہے (۲) (۷) فاسق و فاجر کے پیچھے نماز جائز ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ بغیر کراہت جائز ہے نماز ہو جاتی ہے مگر کراہت تحریمیہ کے ساتھ ہوتی ہے (۳) (۸) جو لوگ ایسے شخص کو امام بنانے پر اصرار کریں جس کی امامت ناجائز یا مکروہ ہے وہ خطاکار ہیں اور اگر ان کی ضد جان بوجھ کر ہو تو وہ بھی فاسق ہو جائیں گے۔

اگر وہ شخص جس کی امامت مکروہ ہے زبردستی امامت کرے تو دوسرے خیال کے لوگوں کو چاہئے کہ دوسری مسجد میں نماز باجماعت پڑھ لیا کریں اسی مسجد میں دوسری جماعت قائم نہ کریں یا اسی امام کے پیچھے نماز پڑھ کر اعادہ کر لیا کریں (۴) واللہ اعلم		محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کانے شخص کی امامت

(الجمعیۃ مورخہ ۱٦ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) ایک شخص یک چشم ہے امامت کرتا ہے حافظ قرآن بھی ہے کیا اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے جب کہ دونوں آنکھوں والا مل سکتا ہے؟

(جواب ۱۷۸) یک چشم کی امامت جائز ہے کوئی وجہ کراہت کی نہیں ہے (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بلاوجہ شرعی امام کے پیچھے نماز کا ترک

(الجمعیۃ مورخہ ۱٦ نومبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) زید محض غلط فہمی سے اپنے محلہ کی مسجد کے امام سے لڑا نوبت سخت کلامی اور ہاتھا پائی تک پہنچ گئی

---

(۱) قال فی التنویر: " ویکرہ أمامة عبد وأعرابی و فاسق الخ و فی الشامیة: بل مشی فی شرح المنیة علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم (باب الإمامة ۱/ ۵۵۹، ۵٦۰ ط سعید)

(۲) ولو ام قوماً وهم له کارهون إن الکراهة لفساد فیه اولأ نهم احق بالأ مامة کره له تحریماً لحدیث ابی داؤد " لا یقبل الله صلاة من تقدم قوما' وهم له کارهون " (الدر المختار' باب الإمامة ۱/ ۵۵۹ ط سعید)

(۳) قال فی التنویر " ویکره إمامة عبد وأعرابی و فاسق " الخ وفی الشامیة: بل مشی فی شرح المنیة علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم (باب الإمامة ۱/ ۵۵۹' ط سعید)

(۴) یہ حکم بطور تحریاً احتیاط کے ہے ورنہ فاسق کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے و فی النهر عن المحیط صلی خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة (رد المحتار' باب الإمامة ۱/ ۵۶۲ ط سعید)

(۵) (فتاوی دار العلوم' دیوبند ۳/ ۳۱۳، ۳۱۴ ط مکتبه امدادیه' ملتان)

تھی بیچ بچاؤ ہو گیا جب سے زید نے امام مذکور کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دی لوگوں نے اعتراض کیا تو زید نے کہا کہ میں نے مارنے کے واسطے ہاتھ اٹھایا تھا اس امام کے پیچھے نماز نہ ہو گی۔

(جواب ۱۷۹) زید کی یہ غلطی ہے اس کو امام سے معافی مانگنا چاہئیے اور صفائی کر لینی چاہئیے اور امام کے پیچھے نماز اس کی درست ہے معافی مانگنے اور صفائی کرنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بغیر عمامہ ٹوپی کے ساتھ نماز

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ ادسمبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) ۱۸ رجب ۱۳۵۳ھ کے الجمعیۃ کے حوادث واحکام میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھ کر نماز پڑھنی مکروہ ہوتی ہے" اس جواب پر مندرجہ ذیل کتابوں کی عبارت سے شبہ ہو گیا ہے امید ہے کہ اس شبہ کو رفع فرمائیں گے شرح سفر السعادت مطبوعہ نولکشور صفحہ ۴۳۶ مصنفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی میں ہے۔ "وآن حضرت ﷺ گاہ عمامہ بے کلاہ می پوشید گاہ بگاہ کلاہ بے عمامہ" اور مسند امام اعظمؒ مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ صفحہ ۲۰۴ کے حاشیے پر ہے یہ حاشیہ مولانا محمد حسن سنبھلی کا ہے۔ "رواہ الطبرانی عن ابن عمر انه ﷺ كان يلبس قلنسوة بيضاء و في رواية ابن عساكر عن عائشة كان له قلنسوة بيضاء لا طينية و في رواية انه كان يلبس القلانس تحت العمائم و بغير العمائم و يلبس العمائم بغير قلانس الخ كذا قال القاري (۲)

(جواب ۱۸۰) عمامہ بغیر ٹوپی کے اور ٹوپی بغیر عمامہ کے پہننا جائز بلا کراہت ہے اور ان دونوں صورتوں میں امامت بھی بلا کراہت جائز ہے الجمعیۃ میں جو فتویٰ ۱۸ رجب کے پرچہ میں مولانا حبیب المرسلین کے قلم سے شائع ہوا ہے کہ "بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھ کر نماز پڑھنی مکروہ ہے" اس میں کراہت سے مراد محض خلاف اولیٰ ہے نہ کراہت تنزیہیہ نہ تحریمیہ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دوسرے مذہب والے کی اقتدا کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۳۶ء)

(سوال) حنفی امام کی اقتدا کرتے ہوئے کسی شافعی مقتدی کو امام شافعی صاحب کے طریقے پر نماز کا پڑھنا جائز

---

(۱) ولو ام قوماً وهم له كارهون إن الكراهة لفساد فيه . كره له ذلك تحريماً . وإن هو أحق لا والكراهة عليهم (التنوير و شرحه، باب الإمامة ۱ / ۵۵۹ ط سعيد)

(۲) (مرقاة ، كتاب اللباس ، الفصل الثاني ۸ / ۲٤٦ ، ط مكتبه امداديه ملتان)

(۳) وقد ذكروا أن المستحب أن يصلي في قميص وإزار وعمامة ولا يكره الاكتفاء بالقلنسوة الخ (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱ / ۱٦۹ ، ط سعيد كمپنى كراچى)

ہے یا نہیں مثلاً رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ اسی طرح حنفی مقتدی شافعی امام کے پیچھے حنفی طریقے پر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۸۱) ہاں شافعی مقتدی حنفی امام کے پیچھے بھی رفع یدین اور آمین بالجہر پر عمل کر سکتا ہے اسی طرح حنفی مقتدی شافعی امام کے پیچھے اپنے طریق پر یعنی بغیر رفع یدین اور بغیر آمین بالجہر نماز پڑھ سکتا ہے(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

امام کا مقتدیوں سے بلند جگہ پر کھڑا ہونا

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جون ۱۹۳۶ء)

(سوال) اگر امام مقتدیوں سے چار یا چھ انگل اونچائی پر ہو تو نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۸۲) اگر امام دو چار انگل اونچی جگہ پر ہو تو نماز میں نقصان نہیں آتا(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مجاور کی امامت

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۳۷ء)

(سوال) اگر ایک مجاور ولی اللہ کا پیشہ امامت کر رہا ہو تو اس کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۸۳) مجاور اگر کوئی شرک و بدعت کا کام نہ کرتا ہو تو اس کی امامت درست ہے(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

پابندی سے نماز نہ پڑھنے والے کی امامت

(الجمعیۃ مورخہ ۵ جون ۱۹۳۷ء)

(سوال) (۱) زید ایک شہر کی جامع مسجد کا امام اور کونسل کا ممبر بھی ہے جمعہ اور عیدین بھی پڑھاتا ہے مگر وہ ظہر' عصر کی نماز نہیں پڑھتا اور جب کونسل میں جاتا ہے تو کئی وقت کی نمازیں غائب کر دیتا ہے۔

(۲) ایک شخص ایک مسجد میں مؤذن ہے اور امامت بھی کر لیتا ہے جمعہ اور پنج وقتی نماز پڑھا دیتا ہے کیا اس کے پیچھے نماز صحیح ہو جاتی ہے۔

---

(۱) وکذا تکرہ خلف أمرد (إلی أن قال) وزاد ابن ملک : و مخالف کشافعی' لکن فی وتر البحر إن تیقن المراعاۃ لم یکرہ الخ و فی الشامیۃ : " وأما الاقتداء بالمخالف فی الفروع کالشافعی فیجوز مالم یعلم منہ ما یفسد الصلاۃ علی اعتقاد المقتدی' علیہ الإجماع (باب الإمامۃ ۱ / ۵۶۲، ۵۶۳ ط سعید)

(۲) قال فی التنویر و شرحہ " وکرہ ۰۰ انفراد الإمام علی الدکان للنھی بقدر الارتفاع بذراع' ولا بأس بمادونہ و قیل ما یقع بہ الامتیاز وھو الاوجہ (باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا ۱ / ۶٤۶ ط سعید)

(۳) قال فی التنویر : " ویکرہ إمامۃ عبد وأعرابی و فاسق و مبتدع الخ (باب الإمامۃ ۱ / ۵۵۹' ط سعید)

(جواب ۱۸۴) (۱) ترک نماز موجب فسق ہے اور فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے (۱)
(۲) ایک شخص مؤذن بھی ہو وہی امامت بھی کرے اس میں کوئی کراہت نہیں (۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

پیش امام کی تعظیم و تکریم واجب ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۲۹ء)
(سوال) پیش امام کا کتنا رتبہ ہے؟
(جواب ۱۸۵) پیش امام کی عزت و توقیر کرنی چاہئے اس کی بے عزتی اور توہین اور ہتک کرنی گناہ ہے۔
محمد کفایت اللہ غفرلہ' دہلی

فصل دوم
جماعت

مسجد میں تکرار جماعت کا حکم

(سوال) جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟
(جواب ۱۸۶) جماعت ثانیہ اگر جماعت اولیٰ کی ہیئت پر ہو اور ایسی مسجد میں ہو کہ جس میں جماعت معینہ ہوتی ہے تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر بہ تبدیل ہیئت ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اور لفظ لاباس یفید جواز مکروہ تنزیہی کے منافی نہیں۔ (۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جماعت سے ہٹ کر الگ نماز پڑھنا

(سوال) ایک مسجد میں نماز فرض کی جماعت ہو رہی ہے اور ایک دوسرا شخص جماعت ہونے کے وقت اپنی الگ نماز پڑھنی شروع کر دیتا ہے حالانکہ وہ جماعت میں داخل ہو سکتا ہے تو اس شخص کی نماز ہوگی یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۳۵ عین اللہ ظفر دار ضلع میمن سنگھ۔ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء
(جواب ۱۸۷) نماز تو ہو جائے گی لیکن اگر وہ بلا عذر قصداً جماعت کو چھوڑ کر علیحدہ نماز پڑھے گا تو ترک

---

(۱) ایضاً حاشیہ ۳ صفحہ گزشتہ
(۲) الافضل کون الإمام هو المؤذن (الدر المختار' باب الأذان ۱/۴۰۱ ط سعید)
(۳) ویکره تکرار الجماعة باذان و اقامة في مسجد محلة (درمختار) و في الشامية :" وقد منافي باب الأذان ان عند ابي يوسف انه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولى لا تكره' والا تكره' وهو الصحيح (باب الامامة' مطلب في تكرار الجماعة في المسجد' ۱/۵۵۳ ط سعيد)

جماعت کا گناہ گار ہوگا(۱)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جماعت اعادہ میں نئے آنے والے کی شرکت درست نہیں

(سوال) فرض نماز کی جماعت میں امام صاحب سے واجب ترک ہوگیا اور سجدہ سہو بھی بھول گئے اس وجہ سے دوبارہ جماعت کی گئی دوبارہ ہونے والی جماعت میں کچھ نمازی جو پہلی جماعت میں شریک نہیں ہو سکے تھے شریک ہوئے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس پچھلی نماز میں شریک ہونے والوں کی نماز ہوگئی یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۳۵۵ محمد اختر خاں پہاڑ گنج دہلی۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۳۰ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۸۸) ان لوگوں کی نماز فرض ادا نہیں ہوئی جو اعادہ والی نماز میں آکر شریک ہوئے اور پہلے وہ شریک جماعت نہ تھے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جماعت میں عورتیں اور بچے کہاں کھڑے ہوں ؟

(سوال) (۱) جامع مسجد میں عیدین کی نماز پر اور رمضان المبارک کے بکثرت نمازی ہونے پر جماعت کی صفیں دس بارہ اور بیس پچیس تک ہو جاتی ہیں حکم ہے کہ اول صف مردوں کی ان کے پیچھے لڑکوں کی ان کے پیچھے خنثیٰ پھر عورتیں پھر لڑکیاں یہ تو جب ہو سکتا ہے کہ شروع میں قسم وار افراد موجود ہوں اور ہر قسم اپنی صف میں ختم ہو جائیں اور مرد ایک صف سے زیادہ نہ ہوں بچے وغیرہ تو زیادہ ہوتے ہی ہیں اگر مرد بہت زیادہ ہوں کچھ شروع میں آئے ہوئے نہ ہوں اور اخیر تک آتے رہیں تو کیا لڑکوں کی صف نمبر دو سے ہٹا ہٹا کر پیچھے کرتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ مسجد سے بر آمدے میں پہنچادیں اور بر آمدے سے صحن میں اور صحن سے اور بھی باہر۔ یا ایسے موقع پر ترتیب اور کوئی ہے ؟

(۲) میں بچوں لڑکوں کو مسجد میں نماز کی عادت پڑنے کے لئے بھیجتا ہوں جب چند لڑکے جمع ہو جاتے ہیں تو جماعت میں گاہے ہنس بھی پڑتے ہیں ان پر بعد نماز آنکھیں بھی دکھائی جاتی ہیں کوئی جوشیلا تھپڑ بھی مار دیتا ہے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسجد میں نہ آیا کرو تم ہماری نمازیں خراب کرتے ہو کیا کیا جاوے ؟

المستفتی نمبر ۷۴۶ نور محمد صاحب ہیڈ ماسٹر۔ جونڈلہ ضلع کرنال ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۸۹) (۱) یہ حکم ابتدائے نماز کا ہے مگر عورتیں بہر حال مردوں کے پیچھے رہیں اگر درمیان نماز میں عورتیں کسی مرد سے آگے ہو جائیں تو ان مردوں کی نماز نہ ہوگی جو عورتوں سے پیچھے ہوں گے لڑکے

---

(۱) الجماعة سنة مؤكدة للرجال . و قيل واجبة . ثمرته تظهر فى الإثم بتركها مرة (الدر المختار' باب الامامة ۱/ ۵۵٤' ط سعيد)

(۲) والمختار أنه جابر للأول' لأن الفرض لا يتكرر (درمختار) و فى الشامية : " اى الفعل الثانى جابر للأول بمنزلة الجبر بسجود السهو و بالأول يخرج عن العهدة و إن كان على وجه الكراهة على الأصح (باب صفة الصلاة مطلب واجبات الصلاة ۱/ ٤٥٧ ط سعيد)

درمیان میں آجائیں تو نماز فاسد نہ ہوگی ایک لڑکا ہو تو مردوں کی صف کے بائیں طرف کھڑا ہو سکتا ہے دو یا زیادہ ہوں تو ان کی صف علیحدہ پیچھے کردی جائے گی(۱)
(۲) بچوں کو نماز کے لئے مسجد میں لانا چاہئیے ان کی کسی شرارت اور ہنسی پر انہیں تنبیہ بھی کرنی چاہئیے مگر سختی سے مارنا یا مسجد میں آنے سے روک دینا درست نہیں ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مرتکب کبیرہ کی امامت کا حکم

(سوال) اگر کسی گاؤں میں ایک امام بد عمل صحیح ادائیگی میں کمزور لیکن مفسد صلوٰۃ نہ ہو نسبتہ صحیح مؤذن نسبتہ نیک عمل اگر ہمیشہ کے لئے اپنی علیحدہ پڑھتا رہے اس کے پیچھے پڑھنا اس کے اخلاق ذمیمہ وادائیگی قراۃ کی کمزوری وارتکاب کبیرہ کی وجہ سے پسند نہیں کرتا گناہ گار ہوگا یا نہیں ؟
(جواب ۱۹۰) جماعت کو چھوڑ دینا مکروہ ہے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرے جس کی اقتداء جائز ہے ہاں ایسے امام کی اقتدا کرنا صحیح نہیں جس کی اقتدا ناجائز ہو(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد میں تکرار جماعت مکروہ ہے

(سوال) جامع مسجد میں جہری نماز کے ختم کے بعد لوگ سنتیں پڑھ رہے تھے اس وقت کچھ لوگوں نے آکر جماعت ثانیہ شروع کردی اور قراۃ بھی بالجہر کی ایسی حالت میں جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں اور عموماً مساجد میں جماعت ثانیہ کا کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۹۷۵ مولوی عبدالخالق (میرٹھ)
۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۴ جون ۱۹۳۶ء
(جواب ۱۹۱) یہ دوسری جماعت ایسی حالت میں کہ لوگ سنن ونوافل میں مشغول ہیں ایسے مقام پر پڑھنا اور ایسی طرح پڑھنا کہ لوگوں کی نمازوں میں خلل پڑے اس وجہ سے بھی مکروہ ہے کہ دوسرے نمازیوں کی نماز میں خلل انداز ہے اور اس وجہ سے بھی مکروہ ہے کہ مسجد محلّہ میں تکرار جماعت مکروہ ہے مسجد محلّہ سے وہ مسجد مراد ہے جس میں پنج وقتہ التزام سے جماعت ہوتی ہو(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) قال فی التنویر مع شرحہ : " ویصف الرجال' ثم الصبیان' ظاہرہ تعدد ہم فلو واحدا دخل الصف' ثم الخنائی ثم النساء" (باب الامامۃ' ۱/۵۷۱ ط سعید) و فی الشامیۃ : " إن المرأۃ تفسد صلوۃ رجلین من جانبیہا: واحد عن یمینہا وواحد عن یسارہا . وکذا تفسد صلوٰۃ من خلفہا الخ (باب الإمامۃ ۱/۵۷۳ ط سعید)
(۲) ان تارکہا أی الجماعۃ من غیر عذر یعزر و ترد شہادتہ و یأثم الجیران بالسکوت الخ (حلبی کبیر: فصل فی الإمامۃ ص ۵۰۰ ' ط سہیل اکیڈمی' لاہور پاکستان) اگر دوسرا امام نہ ملے تو اس کے پیچھے پڑھ لی جائے و فی النہر عن المحیط' صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعۃ الخ (الدر المختار' باب الإمامۃ ۱/۵٦۲' ط سعید)
(۳) و مقتضی ہذا الا ستدلال کراہۃ التکرار فی مسجد المحلۃ ولو بدون أذان' و یؤ یدہ مافی الظہیریۃ لو دخل جماعۃ المسجد بعد ما صلی فیہ أہلہ یصلون وحدانا' وہو ظاہر الروایۃ (رد المحتار' باب الإمامۃ ۱/۵۵۳ ط سعید)

سوال مثل بالا

(سوال) ایک مسجد میں پیش امام مقرر ہیں نماز پابندی وقت کے ساتھ وباجماعت ہوا کرتی ہے تاہم کچھ لوگ ایسے بھی آجایا کرتے ہیں جو جماعت ثانیہ کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں کیا جماعت اولیٰ کے بعد ثانی جماعت بھی درست ہے یا الگ الگ ؟ المستفتی نمبر ۱۱۳۱ نصیر الدین صاحب (ضلع رنگ پور)
۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۵ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۹۲) جس مسجد میں باقاعدہ پابندی وقت کے ساتھ جماعت ہوتی ہو اس میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے اگر جماعت اولیٰ کے بعد کچھ لوگ آجائیں تو وہ علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ لیا کریں(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سوال مثل بالا

(سوال) ایک چھوٹی مسجد ہے جب ایک مرتبہ جماعت ہو چکی تو اسی مسجد میں دوبارہ جماعت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۱۶۲ شیخ حشمت اللہ (ضلع میرٹھ)
۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۳۱ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب۔ از مولوی ابو محمد عبدالستار صاحب) صورت مرقومہ و مسئولہ بالا میں واضح ہو کہ شرعاً دوبارہ جماعت ہو سکتی ہے احادیث سے ثابت ہے کذا فی المشکوٰۃ۔ فقط۔ ابو محمد عبدالستار غفرلہ' الغفار
(جواب) دوسری جماعت مسجد مذکور میں درست ہے۔ فقط واللہ اعلم حررہ احمد اللہ سلمہ' غفرلہ مدرس مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی۔ مورخہ ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ۔ الجواب صحیح مظفر احمد غفرلہ' نائب امام مسجد فتح پوری دہلی
(جواب ۱۹۳) (از حضرت مفتی اعظمؒ) اگر اس مسجد میں جماعت سے نماز ہونے کا انتظام ہے تو اس میں دوسری جماعت کرنی مکروہ ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مجذوم جماعت میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(سوال) مجذومی اپنے محلّہ کی مسجد چھوڑ کر دیگر محلّہ کی مسجد میں آکر نماز جماعت میں شریک ہو جاتا ہے اور صف میں مل کر سبھوں کے ساتھ نماز باجماعت پڑھتا ہے بخوف متعدی ہونے اس بیماری کے نمازیوں کو اس کا جماعت میں شریک ہونا دشوار گزرتا ہے اس لئے اس کو شرکت جماعت سے اور مسجد میں آنے سے روکا جا سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) (ایضاً صفحہ گزشتہ حاشیہ ۳)
(۲) ومقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار في مسجد المحلة الخ (شامية' باب الامامة ۱/۵۵۳ ط سعيد)

المستفتی نمبر ۱۳۹۱ محمد علی صاحب عطار کریمی دواخانہ (ضلع پٹنہ) ۱۴ محرم ۱۳۵۶ھ ۲۸ مارچ ۱۹۳۷ء
(جواب ۱۹۴) مجذوم کی مختلف حالتیں ہیں اگر جذام کا اثر زیادہ نہ ہو محض معمولی ہو اور لوگوں یعنی دوسرے دیکھنے والوں کو اس سے کراہت و نفرت کی اذیت نہ ہوتی ہو تو ایسے مجذوم کو جماعت میں شریک ہونا جائز ہے اور اس کو روکنا درست نہیں اور یہ بیماری لگ جانے کا خیال کوئی حقیقت نہیں رکھتا لیکن اگر مجذوم کی حالت زیادہ خراب ہو اور اس کو دیکھنے سے ہی طبعی طور پر نفرت پیدا ہوتی ہو یا اس کے بدن سے زخموں کی وجہ سے بو آتی ہو یا اس کے زخموں سے رطوبت بہتی ہو اور مسجد کے لوٹے وغیرہ ملوث ہوتے ہوں یا فرش پر اجزائے رطوبات لگنے کا اندیشہ ہو تو ان صورتوں میں خود مجذوم پر لازم ہے کہ وہ مسجد میں نہ جائے اور جماعت میں شریک نہ ہو اور اگر وہ نہ مانے تو لوگوں کو حق ہے کہ وہ اسے دخول مسجد اور شرکت جماعت سے روک دیں اور اس میں مسجد محلہ اور مسجد غیر محلہ کا فرق نہیں ہے محلہ کی مسجد سے بھی روکا جا سکتا ہے تو غیر محلہ کی مسجد سے بالاولیٰ روکنا جائز ہے اور یہ روکنا بیماری کے متعدی ہونے کے اعتقاد پر مبنی نہیں ہے بلکہ تعدیہ کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ نمازیوں کی ایذا یا خوف تلویث مسجد یا تخیس وباء نفرت و فروش پر مبنی ہے(۱)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

قعدہ اخیر میں ملنے والے کو جماعت کا ثواب ملتا ہے

(سوال) آخری رکعت کے قعدہ میں جماعت میں شامل ہونے سے جماعت کا ثواب ملتا ہے کہ نہیں؟
المستفتی مولوی محمد رفیق دہلوی
(جواب ۱۹۵) ہاں جماعت کا ثواب ملنے کی امید ہے(۲)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

اعادہ والی نماز میں نئے آنے والے شریک نہیں ہو سکتے

(سوال) امام سے واجب ترک ہوا اس نے سجدہ سہو نہیں کیا جب ان کو یاد دلایا گیا تو انہوں نے نماز کا اعادہ کیا اس لوٹانے والی نماز میں جو اور لوگ آکر شریک ہوئے ہیں ان کی نماز ہو گئی یا نہیں؟
المستفتی مولوی محمد رفیق دہلوی
(جواب ۱۹۶) اس نماز میں دوسرے لوگ جو پہلی جماعت میں شریک نہیں تھے شریک نہیں ہو سکتے اگر شریک ہوں گے تو ان کے فرض ادا نہ ہوں گے(۳)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) و یمنع منہ . وکذا کل مؤذ ولو بلسانہ (درمختار) و فی الشامیۃ :" وکذلک القصاب والسماک والمجذوم والأبرص أولی بالإلحاق " الخ (باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیہا مطلب فی الغرس فی المسجد ۱ / ۶۶۱ ط سعید) (۲) وکذا لو أدرک التشہد یکون مدرکا لفضیلتہا علی قولہم الخ (رد المحتار باب إدراک الفضیلۃ ۲ / ۵۶ ط سعید) (۳) والمختار أنہ جابر للأول لأن الفرض لا یتکرر (تنویر مع الدر) وفی الشامیۃ أی الفعل الثانی جابر للأول بمنزلۃ الجبر بسجود السہو و بالأول یخرج عن العہدۃ وإن کان علی وجہ الکراہۃ علی الأصح (باب صفۃ الصلاۃ مطلب واجبات الصلاۃ ۱ / ۴۵۷ ط سعید)

امام چار رکعت پڑھ کر پانچویں کے لئے اٹھ گیا تو مقتدی کیا کریں؟

(سوال) ظہر یا عصر کی نماز میں امام کو سہو ہوا اور وہ چار رکعت پڑھ کر پانچویں کے لئے کھڑا ہو گیا اور مقتدیوں کو یاد ہے کہ یہ چوتھی رکعت ہے تو وہ بیٹھے رہیں یا امام کی اقتدا میں وہ بھی کھڑے ہو جائیں۔

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ۱۹۷) مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ سبحان اللہ کہہ کر امام کو تنبیہ کریں تاکہ وہ بھی بیٹھ جائے اور اگر باوجود تنبیہ کے وہ نہ بیٹھے تو پھر مقتدی بھی کھڑے ہو جائیں ممکن ہے کہ امام سجدہ سہو کر کے نماز پوری کرے اور سب کی نماز ہو جائے یہ جب کہ آخری قعدہ کر کے کھڑا ہوا ہو (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

صف اول کی فضیلت

(سوال) (۱) کیا نماز میں صف اول میں کھڑے ہونے سے اور دوسری صف میں کھڑے ہونے سے ثواب میں فرق ہے۔ (۲) اور صف میں دائیں یا بائیں کھڑے ہونے میں کیا فرق ہے؟

المستفتی نمبر ۲۲۰۳ فرزند علی صاحب (برما) ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۲۰ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۹۸) (۱) پہلی صف کا ثواب زیادہ ہے (۲) امام کے پیچھے کھڑا ہونا بہتر ہے پھر دائیں طرف (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد میں جماعت ثانیہ کا حکم

(سوال) محلہ میں ایک مسجد ہے جس میں امام و مؤذن مقرر ہیں اور مصلیین بھی معین و معلوم ہیں وقت پر بلاناغہ نماز ہوتی ہے اور ہوتی چلی آئی ہے اب کچھ عرصہ سے بعض لوگوں نے علیحدہ جماعت ثانیہ کرنے کا ارادہ کیا ہے جو جماعت اولیٰ کی طرح بلا ناغہ پانچوں وقت اقامت کے ساتھ باالتزام و تداعی اور پابندی وقت کے ساتھ ہوا کرے گی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس قسم کی جماعت ثانیہ کرنا جائز ہے اور شریعت مقدسہ اور فقہ حنفی میں اس کی اجازت ہو سکتی ہے فقہ میں اگر کہیں جماعت ثانیہ کے لئے لا باس یا لم یکن علی الھیئۃ الاولی وغیرہ بیان کیا ہے اس سے جماعت ثانیہ اتفاقیہ گاہ بگاہ مراد ہے یا بالتداعی و باالتزام ور مختار یا فتویٰ عالمگیری میں جو اجازت دی ہے تو کیا اس سے اس قسم کی اجازت مراد ہے۔

المستفتی نمبر ۲۲۶۸ حافظ عبدالجلیل خاں صاحب (بریلی) ۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۶ مئی ۱۹۳۸ء

---

(۱) وان قعد فی الرابعة مثلا قدر التشهد ثم قام عاد و سلم ولو سلم قائما صح' ثم الأصح ان القوم ينتظرونه فان عاد تبعوه الخ (الدر المختار' باب سجود والسهو ۲/۸۷ ط سعيد)

(۲) والقيام فی الصف الأول أفضل من الثانی و فی الثانی افضل من الثالث و افضل مكان المأموم حيث يكون أقرب الی الإمام فإن تساوت المواضع ففی يمين الإمام الخ (عالمگيرية' الباب الخامس فی الإمامة ' الفصل الخامس فی بيان مقام الإمام والمأموم' ۱/۸۹ ط ماجدية' كوئٹه)

(جواب ۱۹۹) جس مسجد میں کہ پنج وقتہ جماعت اہتمام وانتظام سے ہوتی ہو اس میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جماعت ثانیہ مکروہ ہے کیونکہ جماعت دراصل پہلی جماعت ہے اور مسجد میں ایک وقت کی فرض نماز کی ایک ہی جماعت مطلوب ہے حضور انور ﷺ کے زمانہ مبارک اور خلفائے اربعہ وصحابہ کرامؓ کے زمانوں میں مساجد میں صرف ایک ہی مرتبہ جماعت کا معمول تھا پہلی جماعت کے بعد پھر جماعت کرنے کا طریقہ اور رواج نہیں تھا دوسری جماعت کی اجازت دینے سے پہلی جماعت میں نمازیوں کی حاضری میں سستی پیدا ہوتی ہے اور جماعت اولیٰ کی تقلیل لازمی ہوتی ہے اس لئے جماعت ثانیہ کو حضرت امام صاحبؒ نے مکروہ فرمایا اور اجازت نہ دی اور جن ائمہ نے اجازت دی انہوں نے بھی اتفاقی طور پر جماعت اولیٰ سے رہ جانے والوں کو اس شرط سے اجازت دی کہ وہ اذان واقامت کا اعادہ نہ کریں اور پہلی جماعت کی جگہ بھی چھوڑ دیں تو خیر پڑھ لیں لیکن روزانہ دوسری جماعت مقرر کر لینا اور اہتمام کے ساتھ اس کو ادا کرنا اور اس کے لئے تداعی یعنی لوگوں کو بلانا اور ترغیب دینا یہ تو کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں نہ اس کے لئے کوئی فقہی عبارت دلیل بن سکتی ہے یہ تو قطعاً ممنوع اور مکروہ ہے۔(۱)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) سلام اول کے بعد اقتداء درست نہیں
(۲) بدعتی شخص کی اقتداء کا حکم

(سوال) (۱) مقتدی بہ نیت اقتدا صرف تکبیر تحریمہ ہی کہنے پایا تھا کہ امام نے سلام پھیر دیا تو کیا مقتدی اس تحریمہ سے اپنی نماز پوری کرلے یا بار دیگر انفرادی نیت کر کے تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے۔
(۲) اگر پیش امام رسوم بدعیہ مروجہ فی زماننا مثل سوم وچہلم و مولود جو لحوق فسادات سے خالی نہیں اعتقادا موجب حصول اجر و ثواب اور داخل دین جانتا ہو۔ اس کی اقتداء میں کیا نماز بلا کراہت ہو جاتی ہے یا مکروہ مکروہ تحریمی ہے کیا واجب الاعادہ ہے۔
المستفتی نمبر ۲۴۲۹ مولوی محمد ابراہیم صاحب (گوڑ گاؤں) ۲۲ شوال ۱۳۵۷ھ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۸ء
(جواب ۲۰۰) (۱) اگر سلام سے پہلے مقتدی نے تکبیر تحریمہ ختم کر لی تھی تو وہ نماز میں شریک ہو گیا اور اسی نماز کو پورا کر لے(۲) (۲) ایسے امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے مگر بکراہت۔ ایسی نماز واجب الاعادہ نہیں ہے۔(۳)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) قال فی الدر المختار: " ویکرہ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلۃ" الخ و فی الشامیۃ : " و مقتضی ھذا الأستدلال کراھۃ التکرار فی مسجد محلۃ' ولو بدون أذان' و یؤیدہ ما فی الظھیریۃ:" لو دخل جماعۃ المسجد بعد ما صلی فیہ أھلہ یصلون واحدا انا الخ (باب الإمامۃ ۱ / ۵۵۲ ط سعید)
(۲) قال فی الدر المختار: " و تنقضی قدوۃ بالأول قبل علیکم علی المشھور عندنا و علیہ الشافعیۃ" الخ و فی الشامیۃ : " أی بالسلام الأول قال فی التجنیس الإمام إذا فرغ من صلاتہ فإذا قال السلام جاء رجل واقتدی بہ قبل ان یقول علیکم' لا یصیر داخلا فی صلاتہ" الخ (باب صفۃ الصلوۃ ۱ / ۴٦۸ ط سعید)
(۳) قال فی التنویر " و یکرہ إمامۃ عبد وأعرابی و فاسق ۔ و مبتدع الخ ' صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعۃ (الدر المختار' باب الإمامۃ ۱ / ۵۵۹ تا ۵٦۲' ط سعید)

عورتوں کی الگ جماعت جائز ہے یا نہیں ؟

(سوال) (الف) انگریزی تعلیم یافتہ عورتوں کی ایک جماعت نے پوری آزادی کے ساتھ اعلان کر کے مردوں کی طرح ایک بڑی جماعت میں بقر عید کی نماز قائم کرنی چاہی اور ایک اجنبی مرد کو پیش امام کر کے نماز پڑھ لی علمائے وقت نے عدم جواز کے فتوے دیئے مگر نہ مانیں کیا یہ کوئی شرعی نماز ہو گی نیز ان کا یہ فعل کیا احداث فی الدین نہ ہو گا اور ایسی عورتوں کو شرعاً کیا کہنا چاہئے ؟
(ب) ان کے مشیر کار مردوں کا یہ دعویٰ ہے کہ حدیث نبوی میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا نماز میں شریک ہونا ثابت ہے تو کیا اس وقت زمانہ کی ضرورت کے مطابق فقہا کے اقوال کو مسترد کر کے ہم اجتہاد نہیں کر سکتے کہ عورتوں کو بھی مردوں کی طرح جماعت سے نماز عید ادا کرنے کی آزادی دی جائے ایسے لوگوں کو شرعاً کیا کہنا چاہئے۔
المستفتی نمبر ۲۴۵۹ عبدالرشید صاحب (بنگال) ۱۶ محرم ۱۳۵۸ھ م ۸ مارچ ۱۹۳۹ء
(جواب ۲۰۱) صرف عورتوں کی علیحدہ اور مستقل جماعت قائم کرنا بے اصل اور بے ثبوت ہے اس کو بدعت کہنا صحیح ہے حضور ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کو عید کی نماز میں مردوں کی جماعت میں شامل ہونے کی اجازت بلکہ تاکید تھی عورتوں کو مردوں کے پیچھے کھڑے ہونے کی تاکید تھی لیکن حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک کے بعد صحابہ کرامؓ نے عورتوں کو جماعت میں آنے سے ممانعت کی۔ فقہائے کرام نے بھی زمانہ کی حالت اور لوگوں کی اخلاقی کیفیت بدل جانے کی وجہ سے ممانعت کو درست سمجھا۔
اب اگر عورتیں نہ مانیں تو وہی صورت اختیار کرنی چاہئے جو حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں تھی یعنی عورتیں مردوں کی جماعت میں شریک ہو جائیں ہاں ایسا انتظام کر دیا جائے کہ عورتوں اور مردوں کا اختلاط نہ ہو عورتوں کی صفیں مردوں کے پیچھے اور علیحدہ ہوں (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا مکروہ ہے

(سوال) (۱) منیۃ المصلی و کنز الدقائق۔ شرح وقایہ وغیرہ کتب میں امام کا محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانا مکروہ تحریمی میں سے لکھا ہے کہ اس میں مشابہت اہل کتاب کے ساتھ ہے اس لئے اس میں نماز مکروہ ہے۔
(۲) مرقاۃ جلد اول ص ۴۷۳ میں حضرت ملا علی قاری مرحوم فرماتے ہیں۔ ان المحاریب فی المساجد محدثة اول من احدثه عمر بن عبدالعزیز فی امارة الولید ومن ثم کره جمع من

---

(۱) ویکره تحریما جماعة النساء ' ولو فی التراویح . ویکره حضور هن الجماعة' ولو لجمعة و عید و وعظ' ولو عجوزا لیلا علی المذهب المفتی' لفساد الزمان (الدر المختار' باب الإمامة ۱ /۵۶۵ و ۵۶۶ ط سعید) و فی التنویر " و یصف الرجال' ثم الصبیان' ثم الخناثی' ثم النساء (باب الإمامة ۱ /۵۷۱ ' ط سعید)

السلف اتخاذها والصلوة فيها (مرقاۃ باب المساجد و مواضع الصلاۃ ص ۴۶۷ ج ۲ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ پاکستان)

اور مولانا عبدالحئی صاحب مرحوم لکھنوی فتاوی جلد اول میں فرماتے ہیں۔ المسجد الشريف لم يكن له محراب في عهده ﷺ ولا في زمن الخلفاء. انتهیٰ. اسی طرح سفر السعادت اور جذب القلوب میں ہے۔

(۳) عون المعبود میں شیخ ابن الہمام سے نقل کیا گیا ہے۔ بني المحاريب في المساجد من لدن رسول الله ﷺ وايضاً لا يكره الصلوة في المحاريب ومن ذهب الى الكراهة فعليه البينة (عون المعبود، كتاب الصلوٰة، باب في كراهية البزاق في المسجد ص ١٤٦ ج ٢، ط دار الفكر بيروت)

جناب سے جواب طلب امر یہ ہے کہ زید عبارت اول و دوم سے محراب کا بنانا اور اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی بتاتا ہے اور بکر عبارت نمبر سوم سے محراب کا بنانا اور اس میں نماز پڑھنا مسنون ثابت کرتا ہے دونوں میں سے کون حق پر ہے اور مفتی بہ قول مذہب حنفیہ میں کونسا ہے۔

المستفتی نمبر ۲۵۹۴ بشیر احمد بھاولپور۔ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ م ۲۲ اپریل ۱۹۴۰ء

(جواب ۲۰۲) صحیح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مسجد نبوی میں محراب نہ تھی اور یہ بھی محقق ہے کہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں مساجد میں محرابیں بنائی گئیں پس بناء محاریب کو ناجائز اور بدعت بتانا درست نہیں اور محراب میں نماز پڑھنا جائز ہے ہاں امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا مکروہ ہے اور کراہت کی وجہ یا تشبہ بالیہود یا اختفاء حال امام ہے یہ نہیں ہے کہ محراب بدعت ہے اگر امام کے قدم محراب سے باہر ہوں تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ قال في البحر الرائق . وجهة الكعبة تعرف بالدليل والدليل في الامصار والقرىٰ المحاريب التي نصبها الصحابة والتابعون رضي الله عنهم فعلينا اتباعهم في استقبال المحاريب المنصوبة الخ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

گھر میں نماز پڑھنے والے پر وعید

(سوال) حضور اکرم ﷺ کی حدیث مبارک ہے کہ جس وقت بہت سے آدمی نماز جمعہ کو نہیں آتے تھے تو اس وقت حضور اکرم ﷺ نے یوں فرمایا تھا کہ اگر اس وقت میری جگہ کوئی دوسرا آدمی پیش امام ہوتا تو میں جو نماز جمعہ پڑھنے کو نہیں آئے ان کے گھروں کو جا کر آگ لگادوں' یہ حدیث مبارک صحیح ہے یا نہیں اور ایک شخص یہاں پر یوں کہتے ہیں کہ حضور جناب ﷺ رحمتہ للعالمین ہیں ایسا اپنی زبان سے نہیں کہہ سکتے پس مذکورہ بالا حدیث مبارک صحیح ہے یا نہیں ؟

---

(۱) (باب شروط الصلاۃ ۱ / ۳۰۰ ط بیروت لبنان)

المستفتی نمبر ۲۶۴۴ سید احمد علی صاحب ضلع منماڑ۔ ۱۰ رجب ۱۳۵۹ھ ۱۵ اگست ۱۹۴۰ء

(جواب ۲۰۳) بخاری شریف میں یہ حدیث ہے۔ **لقد هممت ان امر المؤذن فيقيم ثم امر رجلاً يؤم الناس ثم اخذ شعلا من نارفا حرق على من لا يخرج الى الصلوة بعد** (۱) یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یقیناً میں نے ارادہ کیا کہ مؤذن کو حکم کروں کہ وہ اقامت کہے اور کسی شخص کو حکم کروں کہ وہ نماز پڑھادے اور پھر میں آگ کے شعلے لیکر جاؤں اور جو لوگ ابھی تک نماز کے لئے نہیں نکلے ان کے گھروں کو آگ لگادوں اکثر روایات میں یہ فرمان عشا کی نماز کے متعلق ہے اور بعض روایات میں جمعہ کے متعلق۔

اور یہ بات رحمتہ للعالمین کے خلاف نہیں ہے جیسے کہ خدا کا گناہ گاروں اور کافروں کو جہنم میں ڈالنا اس کے ارحم الراحمین ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے

(سوال) ایک عورت تدریس قرآن مجید کرتی ہے اور ایک لڑکی بالغہ کو حفظ قرآن کرایا اس عورت معلّمہ کا خیال ہوا کہ رات کو نماز تراویح باجماعت اپنے گھر میں شروع کروں تاآنکہ دیگر عورتیں بھی آجاویں گی اور لڑکی کا ختم بھی ہو جائے گا چنانچہ گزشتہ سال نماز تراویح باجماعت اپنے مکان میں جو کہ حویلی کے اندر ہے پڑھتی رہی ہیں اور بڑی جماعت ہو جاتی ہے اسی طرح اس سال میں بھی دوسری لڑکی سے نماز تراویح میں قرآن سننا شروع کر دیا ہے اندر مکان کے باجماعت پڑھتی ہیں کافی عورتیں جمع ہو جاتی ہیں جو امام ہوتی ہیں وہ درمیان میں کھڑی ہو جاتی ہے آیا ان کا یہ طرز عمل جائز ہے یا مکروہ تحریمی ہے اگر مکروہ ہے تو ان کے عمل کو بالکل بند کر دیا جائے یا کہ جائز مع الکراہت عمل کو کسی مصلحت کی بنا پر جاری رکھا جائے۔

المستفتی نمبر ۲۶۵۵ حکیم غلام رسول صاحب (ملتان) ۱۵ شوال ۱۳۵۹ھ ۱۶ نومبر ۱۹۴۰ء

(جواب ۲۰۴) حنفیہ کے نزدیک عورتوں کی جماعت مکروہ ہے کیونکہ قرون اولیٰ میں اس کا طریقہ جاری نہیں کیا گیا پس حنفیہ کے لئے تو اس طریقہ کا اختیار کرنا صحیح نہیں ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(اشکال برجواب بالا)

غریب نواز ہمارے حنفی ہی فرماتے ہیں کہ جائز بلا کراہت ہے چنانچہ مولانا عبدالحئی صاحب رحمتہ اللہ علیہ شرح وقایہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں (۳) **كما يكره جماعة النساء وحد هن سواء كان في الفرض او النفل وعللوه بانها لا يخلو عن ارتكاب ممنوع وهو قيام الامام وسط الصف و لايخفى ضعفه بل ضعف جميع ما وجهوا به الكراهة كما حققناه في تحفة النبلاء الفناه في**

---

(۱) (باب فضل الجماعة ۱/ ۹۰ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)

(۲) ويكره تحريما جماعة النساء ولو في التراويح (الدر المختار' باب الإمامة ۱/ ۵۶۶ ط سعيد)

(۳) (حاشية شرح الوقاية' باب الجماعة ۱/ ۱۵۳ ط سعید کمپنی)

مسئلۃجماعة النساء و ذکرنا هناك ان الحق عدم الکراهة کیف لا وقد امت بهن ام سلمة وعائشة فی التراویح وفی الفرض کما اخرجه(۱) ابن ابی شیبة وغیره و امت ام ورقة فی عهد النبی ﷺ بامره کما اخرجه ابو داؤد(۲) انتهی . حاشیہ (۳)مؤطا محمدؒ میں امامت حضرت عائشہ کی تراویح میں نقل فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر القرون میں مروج تھی۔

(جواب ۲۰۵) میں نے حنفیہ کے مذہب کے مطابق جواب لکھا تھا مولانا عبدالحیٔ نور اللہ مرقدہ' کی عبارت سے جو آپ نے نقل کی ہے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حنفیہ کا مذہب کراہت جماعت نساء کا ہے مولانا نے اس مسلک پر اعتراض کیا ہے اور دلائل کراہت کو ضعیف بتاکر عدم کراہت کو حق کہا ہے یہ ان کی رائے حنفیہ کے خلاف ہے میں خود بھی ان کی رائے کو قوی سمجھتا ہوں لیکن فتویٰ حنفی فقہ کے موافق دے سکتا ہوں ہاں یہ عرض کردوں کہ خاص خاص صحابیات نے جماعت سے نماز پڑھ لی یا پڑھادی تو اس نے میرا یہ لکھنا کہ قرون اولیٰ میں عورتوں کی جماعت کا رواج نہیں تھا غلط نہیں بلکہ وہ باوجود اس بات کو مان لینے کے کہ بعض صحابیات نے جماعت کرلی بحالہ قائم اور صحیح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مسجد میں تکرار جماعت مکروہ ہے

(۲) صرف ٹوپی کے ساتھ نماز جائز ہے

(سوال) مسجد میں جماعت سے نماز ہو گئی بعد میں چند آدمی اور آگئے تو جماعت ثانیہ کا کیا حکم ہے؟ یا علیحدہ علیحدہ ادا کی جائے ؟ (۲) امام صاحب ٹوپی پہن کر نماز پڑھائیں تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۴۲۷ شیخ اعظم شیخ معظم (دھولیہ ضلع مغربی خاندیس)

۸ صفر ۱۳۵۸ھ ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۰۶) جس مسجد میں نماز کا باقاعدہ انتظام اور التزام ہو اس میں دوسری جماعت کرنا مکروہ ہے اگر جماعت اولیٰ کے بعد کچھ لوگ آجائیں تو وہ اپنی اپنی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھیں(۴) ٹوپی پہن کر امامت کرنا بلا کراہت جائز ہے(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) (کتاب الصلوات المرأة تؤم النساء' ۱/۴۳۰' ط دار الکتب العلمیة بیروت' لبنان)

(۲) (ابو داؤد' باب إمامة النساء' ۱/۹۴' ط مکتبه امدادیه' ملتان)

(۳) (باب قیام شهر رمضان ص ۱۴۳ ط' نور محمد کتب خانه' کراچی)

(٤) ویکره تکرار الجماعة . فی مسجد محلة الخ (درمختار) و فی الشامیة : " و مقتضی هذا الاستدلال کراهة التکرار فی مسجد المحلة ولو بدون أذان و یؤیده ما فی الظهیریة' لودخل جماعة المسجد بعد ما صلی فیه أهله یصلون وحدانا الخ (باب الامامة ۱/۵۵۲ ط سعید)

(۵) وقد ذکروا أن المستحب ان یصلی فی قمیص وإزاروعمامة' ولا یکره الاکتفاء بالقلنسوة الخ (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة' باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها ۱/۱۶۹ ط سعید)

مقتدی نے زید کی نیت کی بعد میں معلوم ہوا کہ بکر تھا تو نماز نہیں ہوئی

(سوال) عالمگیری میں ہے نیت اقتدا میں یہ ضروری نہیں کہ امام کون ہے زید ہے عمرو ہے اگر یہ نیت کی کہ اس امام کے پیچھے اور اس کی نیت میں وہ زید ہے بعد کو معلوم ہوا کہ وہ عمرو ہے تو اقتدا صحیح ہے اور اگر اس شخص کی نیت نہ کی بلکہ یہ کہا زید کی اقتدا کرتا ہوں بعد کو معلوم ہوا کہ عمرو ہے تو صحیح نہیں عالمگیری یہ مسئلہ صحیح ہے یا غلط ؟

المستفتی نظیر الدین امیر الدین۔ املیزہ ضلع مشرقی خاندیس

(جواب ۲۰۷) جب اس شخص کی اقتدا کی نیت کی جو نماز پڑھا رہا ہے تو نماز ہو جائے گی خواہ مقتدی کو یہ علم ہو کہ وہ کون ہے یا نہ ہو یا اس کو وہ خود زید سمجھ رہا تھا حالانکہ وہ عمرو تھا ان سب صورتوں میں نماز ہو جائے گی لیکن اگر مقتدی نے امامت کرنے والے شخص کی اقتدا کی نیت نہ کی بلکہ پہلے سے یہ نیت کی کہ زید کی اقتدا کرتا ہوں اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ عمرو تھا تو زید کی نیت کرنے والے کی نماز نہ ہو گی(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا مکروہ ہے

(سوال) متعلقہ قیام امام محراب

(جواب ۲۰۸) اگر امام محراب میں کھڑا ہو اور مقتدی باہر ہوں تو نماز مکروہ ہوتی ہے ہاں امام کے قدم محراب سے باہر ہوں تو نماز درست ہو گی(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

صف کے پیچھے اکیلا کھڑا ہونا مکروہ ہے

(سوال) نمازی کو صف سے علیحدہ تنہا کھڑا ہونا باوجودیکہ صف میں فرجہ نہیں ہے مکروہ ہے یا کیا ؟

(جواب ۲۰۹) صف کے بعد اکیلا کھڑا ہونا مکروہ ہے اس شخص کو چاہئیے کہ اگلی صف میں سے ایک آدمی کو اپنے ساتھ کھڑا کرنے کے لئے لے لے ہاں اس کا لحاظ رکھے کہ کسی واقف کار کو لے تاکہ نماز میں مزاحمت کی صورت پیدا نہ ہو جائے(۳) واللہ اعلم بالصواب۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) ولو نوی الاقتداء بالإمام أولم یخطر ببالہ أنہ زید او عمرو أو یری أنہ زید فإذا ھو عمرو صح اقتداء ہ فإ ذا نوی الاقتداء بزید فإذا ھو عمرو لم یجز' کذافی التبیین (عالمگیریۃ' فصل فی النیۃ ۱ /۶۷ مکتبہ ماجدیہ' کوئٹہ)

(۲) وکرہ . و قیام الامام فی المحراب لا سجودہ فیہ' و قدماہ خارجہ' لأن العبرۃ للقدم الخ (التنویر و شرحہ' باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا' ۱ /۶۴۵' ط سعید)

(۳) قال فی الشامیۃ: " وان وجد فی الصف فرجۃ سدھا' وإلا انتظر حتی یجئی آخر فیقفان خلفہ وإن لم یجئی حتی رکع الإمام یختار اعلم الناس بھذہ المسئلۃ فیجذ بہ و یقفان خلفہ الخ (باب الامامۃ' ۱ /۵۶۸ ط سعید)

(۱) مسجد کی بالائی منزل پر جماعت کرنا
(۲) دروں کے درمیان صف بنانا

(سوال) (۱) مسجد میں نیچے نماز پڑھنا بہتر ہے یا اوپر؟ چند نمازی کہتے ہیں کہ جب اوپر بھی باقاعدہ مسجد و محراب بنی ہوئی ہے تو اوپر بھی نماز پڑھنے کا ثواب اتنا ہی ہے جتنا نیچے کا۔
(۲) بڑی جماعت میں تیسری یا چوتھی صف میں لوگ جگہ کم ہونے کی وجہ سے دروں کے بیچ میں نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں کیا ان لوگوں کی نماز ہو جاتی ہے؟

(جواب ۲۱۰) (۱) اگر اوپر بھی مسجد بنی ہوئی ہے تو نیچے یا اوپر نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر اوپر مسجد نہ بنی ہو یعنی محراب نہ ہو تو فرض کی جماعت نیچے پڑھیں سنتیں اور نوافل اوپر پڑھ سکتے ہیں(۱)
(۲) دروں کے درمیان کھڑے ہونے والوں کی نماز ہو جاتی ہے(۲)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جہاں امام مقرر ہو وہاں جماعت ثانیہ کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مئی ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک مسجد میں امام مقرر ہے پنج وقتہ جماعت ہوتی ہے اس میں جماعت ثانی کے واسطے کیا حکم ہے؟

(جواب ۲۱۱) ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

صحن مسجد میں نماز کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک مسجد کے متولی صاحبان نے مسجد کی خدمت کے لئے ایک شخص مسلمان کو تنخواہ مقرر کر کے رکھا اور اس سے یہ شرط کی ہے کہ مسجد کو خوب صاف رکھنا اور مسجد کی حفاظت کرنا اور جب نماز کی جماعت مسجد میں کھڑی ہووے اس وقت تم جوتے جہاں مصلیوں کے رکھے جاتے ہیں اس کے قریب کھڑے ہو کر نماز باجماعت ادا کرنا چنانچہ موافق اس شرط کے وہ خادم جماعت سے بہت دور بلکہ مسجد سے باہر جوتیوں کے نزدیک جماعت خانہ سے علیحدہ کھڑا ہو کر باجماعت نماز ادا کرتا ہے ایسی صورت میں اس خادم کی نماز میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ و بهذا إذا اشتد الحر یکره أن یصلون بالجماعة فوقه إلا إذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکره الصعود علی سطحه للضرورة الخ (عالمگیریة' کتاب الكراهية' الباب الخامس فی اداب المسجد الخ: ۵ ۳۲۲ ط سعید)
(۲) والا صطفاف بین الاسطوانتین غیر مکروه لانه صف فی حق کل فریق (مبسوط ' باب الجمعة ۲:۳۵ ط بیروت' لبنان)
(۳) ویکره تکرار الجماعة فی مسجد محلة الخ (الدر المختار' باب الإمامة ۱/ ۵۵۲ ط سعید)

(جواب ۲۱۲) اگر یہ شخص مسجد کے باہر ہو تو اس کی اقتدا صحیح نہ ہو گی اور مسجد کے کسی حصے میں ہو تو اقتدا تو صحیح ہو جائے گی مگر علیحدہ تنہا ہو جانے کی وجہ سے کراہت ہو گی اس کے ساتھ کوئی اور بھی دو ایک آدمی کھڑے ہو جائیں تو کراہت بھی جاتی رہے گی اگر اس کام پر کسی غیر مسلم کو رکھا جائے تو بہتر ہو گا (۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

صف میں جگہ نہ ہو' تو آنے والا کہاں کھڑا ہو؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۳۱ء)

(سوال) نماز باجماعت ہو رہی ہے کسی طرف جگہ نہیں ہے باہر سے آنے والا اگلی صف میں سے بائیں سے آدمی کو نکالے گا یا دائیں سے ؟ اگر باہر سے آنے والے کو بائیں والے پر یہ شک ہے کہ شاید یہ شخص واقف ہے یا نہیں اور دائیں والے سے واقف ہے کہ یہ جانتا ہے تو کس کو نکالے گا ؟ پھر اگر دونوں کو نہیں نکال سکتا تو اکیلے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ اگر اس نے کسی طرف سے آدمی کو نکال لیا ہے تو پھر بیچ میں کھینچ کر لے جائے یا وہیں پر دونوں کے پیچھے کی صف میں کھڑے ہو جائیں ؟ کتنی رکعت تک وہ پیچھے کھینچ سکتا ہے ؟

(جواب ۲۱۳) آنے والا صف کے دائیں بائیں جانب سے جس طرف ایسا آدمی ہو جو اشارہ پانے سے ہٹ آئے ایک کو لے کر وہیں پر پیچھے دونوں کھڑے ہو جائیں اسے کھینچ کر درمیان میں نہ لائے اگر دونوں طرف ایسا آدمی نہ ہو تو تنہا پیچھے کھڑا ہو جائے رکعت پہلی ہو یا دوسری یا تیسری یا چوتھی کا حکم یہی ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جماعت ثانیہ کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) جماعت ثانیہ (ایسی مسجد میں جس میں نماز کے اوقات مقرر اور مؤذن وامام مامور ہیں اور جماعت میں شریک ہونے والے یا مسجد میں نماز پڑھنے والے اکثر حضرات مقامی ہوتے ہیں) جائز ہے یا نہیں ؟ عدم شرکت جماعت کی وجہ سے اگر کوئی شرعی مجبوری یا عدم اطلاع اذان ہو تو ایسی صورت میں جماعت ثانیہ کی اجازت ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۱۴) جس مسجد میں پنجگانہ جماعت مقررہ اوقات پر ہوتی ہو اور مؤذن وامام مقرر ہو اس میں

---

(۱) فناء المسجد له حكم المسجد حتى لو قام في فناء المسجد و اقتدى بالإمام صح اقتداء ه و إن لم تكن الصفوف متصلة الخ (عالمگيرية' كتاب الصلوة فصل كره غلق المسجد ۱/ ۱۰۹ مكتبه ماجديه كوئته)

(۲) وإن وجد في الصف فرجة سدها وإلا انتظر حتى يجيئ آخر فيقفان خلفه وإن لم يجيئ حتى ركع الإمام يختار أعلم الناس بهذه المسئلة فيجذ به و يقفان خلفه ولو يجد عالماً يقف خلف الصف بحذاء الإمام للضرورة (رد المحتار' باب الإمامة ۱/۵٦۸ ط سعيد)

دوسری جماعت بتکرار اذان واقامت وقیام محراب باتفاق مکروہ ہے اور اگر اذان واقامت کی تکرار نہ کی جائے اور پہلی جماعت کی جگہ بھی بدل دی جائے تو مکروہ تحریمی نہیں ہے مگر علمائے محققین کی ایک بڑی جماعت اس کو خلاف اولیٰ بتاتی ہے اور دلائل اس کے قوی ہیں اور دوسری جماعت اس کو خلاف اولیٰ نہیں کہتی جماعت اولیٰ میں شرکت نہ ہونے کی وجہ کچھ بھی ہو اس کا اس مسئلے پر کچھ اثر نہیں(۱) واللہ اعلم۔

محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ'

بوقت تراویح فرض کی جماعت کرنا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۳۲ء)

(سوال) رمضان شریف میں تراویح کی جماعت ہو رہی ہے دوسری صف میں چار پانچ نمازیوں نے آکر فرض کی جماعت شروع کردی آیا دونوں جماعتوں کی نماز ہو گئی؟

(جواب ۲۱۵) دونوں کی نماز تو ہو گئی مگر ایسا کرنا مکروہ ہے دونوں جماعتیں علیحدہ علیحدہ ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر ہونی چاہئیں تھیں۔(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

مسجد محلہ میں تکرار جماعت کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) اگر کسی مسجد میں نماز باجماعت ہو چکی ہے تو کیا اسی مسجد میں دوبارہ جماعت ناجائز ہو گی؟ اور جماعت ہو جانے کے بعد انفرادی طور پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(جواب ۲۱۶) حنفیہ کے نزدیک ایسی مسجد میں جس میں پنج وقتہ منتظم طریقہ پر جماعت سے نماز ہوتی ہے پہلی جماعت ہو جانے کے بعد دوسری جماعت مکروہ ہے اگر دوسری جماعت اذان واقامت کے اعادہ کے ساتھ ہو تو ہمارے ائمہ ثلاثہ کراہت تحریمیہ پر متفق ہیں لیکن اگر اذان واقامت کا اعادہ نہ ہو اور محراب سے بھی عدول کر لیا جائے تو اس کو امام ابو یوسفؒ جائز فرماتے ہیں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ بھی مکروہ ہے لیکن کراہت تحریمی نہیں تنزیہی ہے ہاں انفرادی طور پر (جماعت اولیٰ کے بعد) نماز پڑھنا اسی مسجد میں جائز ہے (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) المسجد إذا كان له إمام معلوم و جماعة معلومة في محلة فصلى أهله فيه بالجماعة لا يباح تكرارها فيه بأذان ثان أما إذا صلوا بغير أذان يباح اجماعا الخ (عالمگيرية' الفصل الأول في الجماعة ۱/۸۳ ط ماجديه' كوئته)

(۲) (فتاوى دار العلوم ديوبند ۳/۵۳ ط مكتبه امداديه ملتان و احسن الفتاوى ۳/۲۶ ۵ ط سعيد كمپنى)

(۳) قال في الدر المختار " ويكره تكرار الجماعة بأذان و أقامة في مسجد محلة " الخ و في الشامية : " (قوله يكره) أى تحريما لقول الكافي : " لا يجوز " . ولو كرر اهله بدونهما أو كان مسجد طريق جاز اجماعا' كما في مسجد ليس له إمام ولا مؤذن . و مقتضى هذا الا ستدلال كراهة التكرار في مسجد المحلة ويز يده ما في الظهيرية لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى فيه أهله يصلون وحدانا الخ و عن ابى يوسف إذا لم تكن على الهيئة الأولى لا تكره وإلا تكره' وهو الصحيح و بالعدول عن المحراب تختلف الهيئة الخ (باب الإمامة' مطلب في تكرار الجماعة في المسجد ۱/۵۵۲ ، ۵۵۳ ط سعيد كمپنى)

محلّہ کی مسجد میں دوسری جماعت کا حکم

(سوال) محلّہ کی مسجد میں امام نہیں ہے لیکن اس کے قریب چھوٹا سا بازار بھی ہے اور بازار کی سڑک بھی مسجد کے دس بارہ ہاتھ کے فاصلے پر ہے آیا اس مسجد میں دوسری جماعت بلا کراہت جائز ہے یا نہیں اگر مکروہ ہو تو جماعت بہتر ہے یا الگ الگ ؟ المستفتی نمبر ۱۳۴۹ محمد یونس صاحب (متھرا)
۲۷ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۱۷) جس مسجد میں کہ جماعت کا انتظام ہو اور نماز کا وقت معین ہو اور امام بھی مقرر ہو اس میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے بازار کے قریب ہونے نہ ہونے سے اس حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

چوتھا باب
مسجد اور عیدگاہ کے آداب واحکام
فصل اول۔ مسجد میں جنبی کا داخل ہونا

مسجد میں سوتے ہوئے شخص کو احتلام ہو جائے ٗ تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) اگر کوئی مسجد میں سو گیا اور اس کو احتلام ہو گیا تو کیا کرے ؟
(جواب ۲۱۸) اگر کوئی شخص مسجد میں سو جائے اور اس کو احتلام ہو جائے تو تیمم کر کے باہر نکل جائے
اذا خاف الجنب اوالحائض سبعاً اولصاً او برداً فلا بأس بالمقام فیه والا ولیٰ ان یتیمم تعظیماً للمسجد . هکذا فی التتارخانیه (عالمگیری ص ۳۹ ج ۱)(۲) وفی فتاویٰ قاضی خان ص ۶۲ (۳) ولو کان الرجل فی المسجد فغلبة النوم و احتلم تکلموا فیه قال بعضهم لا یباح له الخروج قبل التیمم و قال بعضهم یباح ۔ انتهیٰ

جنبی صحن مسجد میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(سوال) صحن مسجد بھی مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں اور جنبی کے دخول اور خروج کا کیا حکم ہے ؟
(جواب ۲۱۹) صحن مسجد سے مراد شاید وہ جگہ ہو جو فرش مہیا للصلوۃ سے زائد خالی پڑا رہتا ہے وہ مسجد کے حکم وقف میں تو مسجد کے ساتھ شامل ہے مگر حرمت دخول جنبی میں نہیں کیونکہ وہ مصالح مسجد اور

---

(۱) قال فی الدر المختار: " و یکرہ تکرار الجماعة فی مسجد المحلة (باب الإمامة ۱/۵۵۲ ط سعید)
(۲) (الفصل الرابع فی أحکام الحیض والنفاس والاستحاضة ۱/۳۸ ط ماجدیه ' کوئٹه)
(۳) (فتاوی قاضی خان علی هامش العالمگیریة : فصل فیما یجوز به التیمم ۱/۶۴ ط سعید)

آرام مصلین کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس کا مبنیٰ واقف کی نیت پر ہے (۱) واللہ اعلم ۔
محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

فصل دوم۔ مسجد کی کسی چیز یا زمین کو استعمال کرنا یا میت کو دفن کرنا

مسجد کے اندر تیمم کرنا

(سوال) اگر کوئی شخص مسجد کے اندر تیمم کر کے نماز پڑھے تو درست ہے یا نہیں؟
(جواب ۲۲۰) مسجد کے اندر مسجد کے اجزاء سے تیمم کرنا غیر مستحسن ہے۔ فی الاشباہ والنظائر منها اخذ شئی من اجزائه قالوا فی ترابه ان کان مجتمعا جازا لا خذ منه و مسح الرجل منه والا لا. انتهی. (۲)

مسجد کی دری کا جلسہ میں استعمال

(سوال) مسجد کی ٹاٹ جو صرف مسجد کے لئے ہے اس کو کسی جلسہ جلوس میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۱۹۶۱ محمد انصار الدین صاحب (آسام) ۲۵ شعبان ۱۳۵۶ھ ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۲۲۱) مسجد کے ٹاٹ کو مسجد سے باہر لے جانا اور کسی جلسہ میں استعمال کرنا جائز نہیں (۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد کے پانی کا استعمال

(سوال) (۱) مساجد میں نمازیوں کے لئے پانی رکھا جاتا ہے اب اگر کوئی شخص خارج از مسجد بیٹھا ہو وہ مسجد کے اندر سے پانی منگا کر پی سکتا ہے یا نہیں؟ (۲) حمام میں وضو کے لئے پانی بھرا جاتا ہے تو اس پانی سے غسل بھی کر سکتے ہیں یا نہیں جب کہ کنواں موجود ہے نیز ایسا فعل کرنے والے پختہ نمازی بھی نہیں کا ہے کو ہے نماز پڑھ لیتے ہیں ایسے شخص و دیگر پابند صوم و صلوٰۃ دونوں کا حکم یکساں ہے۔ یا کچھ فرق ہے؟
المستفتی نمبر ۲۲۵۹ منشی دیدار احمد صاحب (جیند) ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۵ مئی ۱۹۳۸ء
(جواب ۲۲۲) (۱) اگر پانی رکھوانے والا صرف نمازیوں کے لئے پانی رکھواتا ہے تو سوائے نمازیوں کے اور

---

(۱) واما المتخذ لصلاة جنازة او عيد فهو مسجد فى حق جواز الاقتداء لا فى غيره فحل دخوله لجنب و حائض كفناء مسجد و رباط الخ (التنوير مع الدر' مطلب احكام المسجد ۱ ۶۵۷ ط سعيد كمپنی' پاكستان)
(۲) (الفن الثالث' القول فى احكام المسجد ٤ ٥٤ ط ادارة القرآن' كراچی)
(۳) (امداد الاحكام ۱ ۶۲۲ ط مكتبه دار العلوم' كراچی)

کوئی شخص یہ پانی نہیں پی سکے گا (۱) (۲) جو پانی صرف وضو کے لئے بھرا جاتا ہے اس کو غسل میں خرچ نہ کرنا چاہئیے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تلاوت کے لئے مسجد کی بتی کا استعمال

(سوال) متعلقہ استعمال مال مسجد

(جواب ۲۲۳) عمرو کو بڑی بتی جلانا نماز کے بعد درست نہیں اگر وہ قرآن شریف مسجد ہی میں پڑھنا چاہے تو چھوٹی بتی میں پڑھے ورنہ اپنے گھر جا کر تلاوت کرے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد کی زمین میں میت کو دفن کرنا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) ڈاموزی کی جامع مسجد میں متولیوں نے اپنی بد دیانتی اور حکام کی مدد سے ایک شخص منشی عبداللہ کو دفن کر دیا ہے جو علانیہ سود کھاتا تھا اور انگریزوں کے ساتھ بلا تمیز حلال و حرام کھانا کھانے کا عادی تھا کیا یہ فعل جائز ہے؟

(جواب ۲۲۴) جو زمین مسجد کے لئے وقف ہے اس پر سوائے مصالح مسجد کے اور کوئی تصرف جائز نہیں پس اس قطعہ زمین میں جو مسجد کا ہے اموات کو دفن کرنا ناجائز تھا اور اس حکم میں نیک و بد کا کوئی فرق نہیں (۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد کی دریوں کو عیدگاہ میں استعمال کرنا

(سوال) جامع مسجد کی دریاں وغیرہ عید کے روز عیدگاہ میں لے جانا اور اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور ضلع فیض آباد

(جواب ۲۲۵) جامع مسجد کی دریاں عیدگاہ میں عید کی نماز کے لئے لے جانا نہیں چاہئیے الا جب کہ دریاں

---

(۱) وإذا وقف للوضوء لا يجوز الشرب منه وكل ما اعد للشرب حتى الحياض لا يجوز فيها التوضؤ كذا في خزانة المفتين (عالمگیریة' كتاب الوقف' الباب الثاني عشر في الرباطات الخ ۲ / ٤٦٥ ط ماجدیه)

(۲) لا يجوز الوضوء من الحياض المعدة للشرب في الصحيح و يمنع من الوضوء منه وفيه و حمله لأهله إن ما دونابه جاز و إلا لا (الدر المختار' كتاب الحظر والإباحة' فصل في البيع ٦ / ٤٢٧ ط سعيد)

(۳) و يجوز أن يدرس الكتاب قبل الصلاة و بعدها ما دام الناس يصلون فيه (قاضي خان على هامش العالمگیریة' فصل في المسجد ۱ / ٦٨ ط ماجدیه) و في العالمگیریة' ولا بأس بأن يترك سراج المسجد في المسجد الى ثلث الليل ولا يترك اكثر من ذلك (فصل كره غلق المسجد ۱ / ۱۱۰ ط ماجدیه)

(٤) بل ينقل الى مقابر المسلمين و مقتضاه أنه لا يدفن في مدفن خاص كما يفعله من بنى مدرسة و نحوها و بنى له بقربها مدفنا الخ (رد المحتار' كتاب الجنائز' مطلب في دفن الميت ۲ / ۲۳۵ ط سعيد كمپنی)

کسی ایک شخص کی دی ہوئی ہوں اور اس نے اجازت دی ہو کہ جامع مسجد و عیدگاہ میں استعمال کی جائیں(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل سوم۔ مسجد کے سامنے باجہ بجانا

مسجد کے قریب باجہ بجانا

(سوال) عرصہ پچیس سال سے قصبہ سونی پت میں رام لیلا ہوتی ہے اس کے راستے میں چھ مسجدیں پڑتی ہیں حکم سرکاری سے ہر ایک مسجد کے قریب پچیس قدم آگے اور پچیس قدم پیچھے باجا بند ہو جاتا تھا لیکن امسال بعض مسلمانوں نے اس کے برعکس کام کرنا چاہا یعنی برادران وطن کے ساتھ مل کر باجا بجوانے کی کوشش کی اور ہر وقت اس کوشش میں سرگرم رہتے ہیں اور اسلام کے برخلاف کام کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا؟ المستفتی سید شریف حسین

(جواب ۲۲۶) جب کہ پچیس سال کے عرصہ سے مسلمانوں کا یہ حق مسلم ہے کہ ان کی مساجد کے سامنے مساجد کے احترام کے لحاظ سے باجا نہیں بجایا جاتا تھا اور اس حق کے ثبوت میں انتظامی قانون ان کا حامی ہے تو اب کوئی وجہ نہیں کہ کوئی مسلمان اس حق سے دستبرداری کریں اور وہ مساجد کے احترام کی مخالفت اور باجے کی اجازت کی صورت میں جو قطعاً اسلام میں حرام ہے خلاصہ یہ کہ باجے بجانا شریعت اسلامیہ میں ممنوع و حرام ہے اور مساجد کی اہانت یا ان کے احترام کے خلاف کوئی فعل کرنا یہ بھی حرام ہے اور ثابت شدہ حق جس کے چھوڑنے میں کسی حرام کی اجازت لازم آتی ہو اس سے دست برداری کرنا بھی ممنوع ہے جو لوگ محض ہندوؤں کی خاطر خلاف قاعدہ مستمرہ باجا بجانے کی اجازت دیں یا اس کی سعی کریں وہ گناہ گار اور فاسق ہوں گے(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

مسجد کے قریب شور مچانا اور گانا بجانا

(سوال) شہر کے مشرکین بغرض اہانت و حقارت مسجد و تذلیل و توہین اسلام و تحقیر مسلمین اپنے بتوں کے جلوس کو شان و شوکت سے مع باجوں گاجوں اور نعرہ ہائے غیر اللہ کے مساجد کے سامنے سے گزارنا چاہتے ہیں اور یہ امر ان کے مذہبی ضروری احکام میں سے بھی نہیں ہے شہر کی آبادی مساوی ہے یعنی ہندو و مسلم نصفا نصف تعداد میں ہیں ایسی صورت میں آیا مسلمانوں کو حتی الامکان و حسب استطاعت ان خرافات کو

---

(۱) شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل به الخ (الدرالمختار' کتاب الوقف' مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع ۴/ ۴۳۳' ط سعید)

(۲) قال الله تعالیٰ : " ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه و سعی فی خرابها الآیة (بقرة آیت ۱۴۴) وقال تعالیٰ : " تعاونوا علی البر والتقوی' ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (المائدة آیت : ۲)

روکنے اور مساجد کی حرمت قائم رکھنے کا شرعاً حق ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۵۲ سکریٹری جمعیۃ المسلمین مانگرول ضلع کاٹھیاواڑ۔

۱۹ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۲۷) ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں ہے انگریزی قانون رائج ہے عام سڑکیں گزرگاہ عامہ کے لئے ہیں غیر مسلموں کو بتوں کے جلوس نکالنے اور نعرے لگانے سے بازرکھنا مسلمانوں کے اختیار میں نہیں ہے مساجد کے سامنے سڑک پر باجا بجانے اور شور مچانے سے نماز و جماعت کے اوقات میں روکا جاسکتا ہے کہ اس سے نمازمیں اور عبادت میں خلل آتا ہے خالی اوقات میں غیر مسلموں کو حق ہمسائگی کی بنا پر باجہ روکنے کی فرمائش کی جاسکتی ہے مسلمانوں کو اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کرنا چاہئیے کہ وہ اپنی مساجد کی کس قدر تکریم کرتے ہیں اگر خود مسلمان اپنے جلوسوں شادیوں میں مساجد کے سامنے باجے بجائیں تو ان کو بھی شرم کرنی چاہئیے(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد کے قریب گانے والوں کو روکا جائے

(سوال) شہر کے مشرکین اپنے بتوں کے جلوس کو باجوں گاجوں اور نعرہائے غیر اللہ کے ساتھ مساجد کے سامنے سے گزارنا چاہتے ہیں مسلمانوں کو ان خرافات کو روکنے کا حق ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۶۳'۵۲ سکریٹری جمعیۃ المسلمین مانگرول

۲۳ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۴ اکتوبر ۳۳ء

(جواب ۲۲۸) مساجد شعائر اللہ میں داخل ہیں اور شعائر اللہ کا احترام مسلمانوں پر لازم ہے اصنام کے جلوس نکالنا اور شان و شوکت کے ساتھ ان کو شوارع عامہ پر گشت کرانا کفر و شرک کے شعائر میں سے ہے ہندوستان میں چونکہ حکومت متسلطہ کا قانون رائج ہے اور مسلمان غیر مسلموں کو اظہار شعائر کفر سے روکنے پر قادر نہیں ہیں اس لئے ان پر کوئی شرعی مواخذہ نہیں ہے رہا مسجد کے سامنے شور کرنا شرکیہ نعرے لگانا' تو یہ نماز و جماعت کے اوقات میں حقوق عامہ اور احکام نماز کے منافی ہے کہ اس سے نماز و عبادت میں خلل آتا ہے اس کے انسداد کے لئے مسلمانوں کو قانونی سعی کرنی چاہئیے جہاں تک ممکن ہو اس قضیے کو باہمی تصفیے سے سلجھانا چاہئیے مسلمانوں کا یہ بھی فرض ہے کہ خود اپنے جلوسوں' شادیوں میں بھی مساجد کا احترام قائم رکھیں اور مساجد کے سامنے ہرگز باجہ وغیرہ نہ بجائیں اور جنگ وجدل سے حتی الامکان احتراز کریں(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) قال النبی ﷺ : " من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ' فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ' وذلک أضعف الایمان (مسلم' باب کون النھی عن المنکر من الایمان ۱/ ۵۱ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)

(۲) (ایضاً)

مسجد کے سامنے باجے وغیرہ بجاتے ہوئے گزرنا

(سوال) گزشتہ ۷ جولائی کو یہاں ہندو مسلم فساد ہو گیا ہے عام مسلمان اور علماء پونے دو سو گرفتار ہو چکے ہیں ہنوز گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہے (خدارا دعا فرمائیے) جانبین سے متعدد مقدمات دائر ہیں مسجد کے سامنے باجا وغیرہ بجا کر جانے کے سلسلہ میں یہ فساد ہوا ہے یہ سلسلہ گفتگوئے صلح ہندوؤں نے ایک تحریر اس مضمون کی دستخط کر کے حاکم کے سامنے دے دی ہے کہ اگر شریعت اسلام اس کو منع کرے تو ہم چھوڑ دیں گے اب مع دلائل اور حوالجات ایک فتوے کی ضرورت ہے ورنہ کم از کم مسلمانوں کی عزت و آبرو خاک میں مل جائے گی اس سے زیادہ کیا عرض کروں مخفی نہ رہے کہ تمام ہندوستان میں اس قسم کے فسادات کی جو نوعیت ہے یہاں بھی وہی ہے اس لئے اور زیادہ توضیح کی ضرورت معلوم نہیں ہوئی صرف اتنی بات ہے کہ ہندو غیر اوقات صلوۃ میں بجانا چاہتے ہیں اور مسلمان یہ کہتے ہیں کہ مسجد عبادت بندگی کے لئے ہے اور کوئی وقت اس سے خالی نہیں ہے اس لئے کسی وقت میں مسجد کے سامنے باجا وغیرہ بجا کر جانے نہیں دیں گے اب حالت کا اندازہ لگا کر جلد ہماری خبر گیری فرمائیے دلائل پیش کرنے کی تاریخ مورخہ ۱۱ اگست مقرر ہوئی ہے اس لئے ہم زیادہ بیتاب ہیں قرآن 'حدیث' فقہ' غرضیکہ ہر چیز پر نظر رہے تو اچھا ہے اور چونکہ ہم جیسے بے بضاعتوں کو ہی دلائل پیش کرنا پڑے گا اس لئے توضیح اور تشریح کی طرف توجہ فرمائی جائے۔

المستفتی نمبر ۲۳۹۲ محمد عبداللطیف صاحب (آسام) ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۹ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۲۹) اوقات صلوۃ میں تو باجے وغیرہ سے نماز میں خلل واقع ہونے کی بنا پر باجے کو روکنا درست ہے لیکن غیر اوقات صلوۃ میں تو یہ وجہ نہیں اس میں تو صرف مسجد کا احترام پیش کیا جا سکتا ہے لیکن یہ احترام ایک اسلامی حکم ہے غیر مسلم اپنے مذہبی نقطہ نظر سے احترام کا پابند نہیں لہذا اس معاملے میں رواداری اور تعامل قدیم کو استدلال میں پیش کرنا قرین صواب ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل چہارم ۔ زمین مغصوبہ یا غیر موقوفہ پر بنائی ہوئی یا مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد

مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد میں نماز کا حکم

(سوال) جو مسجد ناجائز کمائی سے زمین مغصوبہ پر بنائی جائے اس میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۵۳ شیخ بھائی جی ماتھ خاندیس۔ ۱۹ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۳۰) جو مسجد مال حرام سے بنی ہو یا غصب کی زمین پر اس میں نماز پڑھنی مکروہ ہے(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) العادة محكمة (الأشباه والنظائر' القاعدة السادسة' الفن الاول في القواعد الكلية ١ / ٣٥٨ ط ادارة القرآن' كراچی)
(۲) وكذا تكره في اماكن كفوق كعبة و في طريق (الى ان قال) وأرض مغصوبة او للغير (الدر المختار' كتاب الصلاة ١ / ٣٨١ ط سعيد)

ہیجڑوں کی کمائی سے بنی ہوئی مسجد میں نماز کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) قصبہ کونچ ضلع جالون میں اہل ہنود کے محلے میں نہایت عمدہ موقع پر ایک مسجد قدیم شکستہ ہیجڑوں کی ناجائز کمائی سے بنائی ہوئی غیر آباد حالت میں موجود ہے کیا مسجد مذکور کو درست کر کے نماز پڑھنا جائز ہے؟ مسجد کا ملبہ اسی مسجد یا اس کے متعلقات میں یا کسی دوسری جگہ اسلامی مدرسہ میں لگایا جا سکتا ہے؟ کیا اسی زمین پر نئے اینٹ پتھر سے دوسرے مسلمان نئی مسجد بنا سکتے ہیں؟ بعض مفسد ہندو اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں؟

(جواب ۲۳۱) اس مسجد کو غیر مسلموں کے قبضہ سے بچانا مسلمانوں پر لازم ہے اور اس کو تعمیر کر کے آباد کرنا اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے اس کا ملبہ اگر اس میں صرف ہو سکتا ہے تو اسی میں لگا دینا چاہئیے ورنہ دوسری جگہ منتقل بقیمت کیا جا سکتا ہے اگر اصل بانی کے وارث موجود ہیں تو ان کو زمین کی قیمت دیدی جائے اور مسلمان اپنی طرف سے مسجد کو تعمیر و وقف کر دیں(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل پنجم۔ مسجد میں یا سقف مسجد پر سونا اور قیام کرنا یا نماز پڑھنا

مسجد کے اوپر امام کے لئے کمرہ بنانا

(سوال) مسجد کی چھت پر کمرہ وغیرہ بنانا امام کے رہنے یا کرانے پر دینے کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۶ عبدالمجید خاں ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ م یکم اگست ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۳۲) مسجد کی چھت پر رہائش کرنا یا رہائش کے لئے کمرہ بنانا درست نہیں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد میں سونا

(سوال) بعد نماز عشا مسجد میں شب بھر سونا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۶ پیر محمد پان فروش (ساگر) ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۲ھ م ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۳۳) مسجد میں بلا ضرورت سونا مکروہ ہے ہاں اگر کوئی شخص مسافر ہو اور اس کے لئے اور کوئی جگہ نہ ہو اور وہ ضرورۃً مسجد میں سو رہے تو مضائقہ نہیں(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) و نقضه يصرف إلى عمارته أو يحفظ لوقت الحاجة إليه [illegible] إليها بيع و صرف ثمنه إليها (شرح الوقاية كتاب الوقف ۲ / ۳۵۵ ط سعيد) (۲) [illegible] درست نہیں۔ قال في شرح التنوير: ولو بنى فوقه بيتا للإمام لا يضر لأنه من المصالح أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق (كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد ۴ / ۳۵۸ ط سعيد) (۳) و يكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف الخ ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد (عالمگيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد ۵ / ۳۲۱ ط سعيد)

خادم کا مسجد میں مستقل رہائش کرنا

(سوال) مسجد کے اندر یعنی اس جگہ جہاں جماعت ہوا کرتی ہے کسی شخص کا قیام بالا ستقامت ماہ دوماہ خواہ وہ مسافر ہو یا مقیم اس طور پر کہ شخص مذکور وہیں رہے سوئے اور باتیں دنیاوی اور تمام لوازمات زندگی وہیں مسجد میں پوری کرے شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۵۳ محمد عثمان صاحب بمبئی
۷ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۱۲ اپریل ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۳۴) اگر یہ شخص مسجد کے متعلقہ اشخاص میں سے ہو کہ مسجد کی ضروریات اس سے وابستہ ہوں مثلاً امام یا مؤذن یا خادم ہو اور اس کے لئے رہنے کی اور کوئی جگہ میسر نہ ہو اور اس کے رہنے سے نمازیوں کو تکلیف پیش نہ آئے اور وہ مسجد کے احترام کا پورا لحاظ رکھے تو ان شرائط کے ساتھ مسجد میں قیام کی اجازت ہے اور اگر دوسری جگہ سکونت کے لئے میسر ہو یا مسجد سے غیر متعلق ہو اور مسافر بھی نہ ہو یا اس کی رہائش سے نمازیوں کو تکلیف اور تنگی ہو یا مسجد کی بے ادبی یا توہین ہوتی ہو یا تلویث و تکلیف لازم آتی ہو تو ان صورتوں میں اس کو اجازت نہیں ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد میں رہائش کرنا

(سوال) کوئی ایسا شخص مسجد میں ٹھہر سکتا ہے یا نہیں جو مسجد میں ہی کھاتا پیتا ہے اور مسجد میں ہی سوتا ہے اور دنیاوی باتیں بھی مسجد میں ہی کرتا ہے ؟
المستفتی نمبر ۲۹۰ سیٹھ میاں محمد دوست محمد (ہمت نگر)
۷ صفر ۱۳۵۳ھ ۲۱ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۳۵) مسجد میں اس طرح ٹھہرنا کہ مسجد گویا قیام گاہ ہے اور نمازیوں پر نماز پڑھنے کی جگہ کو تنگ کرنا یا مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا اور بلا ضرورت شدیدہ مسجد میں سونا حنفیوں کے نزدیک مکروہ ہے کسی مسافر کو جب کہ اس کے لئے مسجد سے علیحدہ کوئی جگہ نہ ہو سخت ضرورت کے لئے مسجد میں سو رہنا جائز ہے مگر اسی شرط سے کہ اس کے ٹھہرنے سے مسجد کے احترام میں فرق نہ آئے اور نمازیوں کے لئے نماز کی جگہ تنگ نہ ہو اور ضرورت پوری ہوتے ہی وہ مسجد کو چھوڑ دے اور مسجد میں کھانے پینے سے اگر مسجد ملوث ہوتی ہے تو مکروہ ہے ورنہ نہیں اگر مسجد کے علاوہ کوئی قیام گاہ مسافروں کے لئے ہو تو مسجد کو مسافر خانہ بنانا مکروہ ہے (۲) وهذا كله معروف في الفقة الحنفي والله تعالىٰ و علمه اتم واحكم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) والعاشر أن لا يضيق على أحد في الصف . والرابع عشر أن ينزهه عن النجاسات والصبيان (عالمگيرية' كتاب الكراهية' آداب المسجد ۵/ ۳۲۱ ط ماجديه)
(۲) ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف الخ ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح من المذهب والأحسن أن يتورع فلا ينام الخ (عالمگيرية كتاب الكراهية' آداب المسجد ۵/ ۳۲۱ ط ماجديه' كوئٹه پاكستان)

نمازیوں کا مسجد میں سونے کی عادت بنانا

(سوال) (۱) جامع مسجد دہلی کے دالانوں میں مسلمان بے نمازی اور فقراء آوارہ گرد سوتے ہیں نماز ادا نہیں کرتے 'مسجد کو سرائے بنا رکھا ہے (۲) نمازی مسلمان بھی بعد نماز ظہر 'عصر کی نماز تک اندرون مسجد سوتے رہتے ہیں مسجد کے اندر یہ فعل جائز ہے یا ناجائز ؟

المستفتی نمبر ۱۱۱۱ محمد عثمان صاحب منتظم جامع مسجد دہلی۔ ۷ اجمادی الاول ۱۳۵۵ھ ۲۶ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۳۶) بے نمازیوں کو مسجد میں سونے اور اس کو خواب گاہ بنا لینے کا کوئی حق نہیں کیونکہ بے نمازی ہونے کی جہت سے بھی یہ اندیشہ ہے کہ وہ مسجد کی تطہیر و تنظیف کا خیال بھی نہ رکھیں نمازیوں کا مسجد میں اوقات نماز کے علاوہ لیٹ جانا اور سو جانا اگر اتفاقی طور پر ہو تو مباح ہے لیکن مسجد کو ایک خواب گاہ بنا لینا ان کے لئے بھی درست نہیں (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

(۱) مسجد کے برآمدے میں سونا
(۲) مسجد میں سامان کے لئے صندوق رکھنا
(۳) تعمیر کے لئے جمع شدہ چندہ کو امام و مؤذن کی تنخواہ میں دینا
(۴) مسجد میں رات کو وظیفہ پڑھنا

(سوال) (۱) ایک شخص متقی پرہیزگار کا جائے ٹھکانا نہیں اس شخص کا مسجد کے باہر برلعدہ میں رہنا سونا جائز ہے یا نہیں (۲) مسجد کا سامان مسجد کے اندر یا باہر برلعدہ میں پیٹی میں بند کر کے رکھنا جائز ہے یا نہیں (۳) مسجد میں مؤذن روزانہ پتی سے پیسہ اٹھاتا ہے مسجد کی مرمت کرنے کے واسطے سب آدمی بطور صدقہ دیتا ہے اس جمع شدہ پیسہ سے پیش امام کی تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں ؟ حالانکہ پیش امام کی تنخواہ بستی والوں کے چندہ سے مقرر و معین بھی ہے (۴) مسجد میں بعد نماز عشاء کے ایک دو بجے رات اس وقت کسی آدمی کا نام و نشان نہیں اس وقت میں ذکر و اذکار و مراقبہ کرنا جائز ہے یا نہیں حالانکہ جامع مسجد نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۳۳۷ مولوی سراج الحق صاحب (ضلع پردم) ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ ۷ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۳۷) (۱) مسجد کا برلعدہ اگر مسجد سے خارج ہے تو اس میں کسی نیک متقی کے اتفاقاً سو جانے کا مضائقہ نہیں اگر یہ شخص مسجد کے متعلقین میں سے ہے مثلاً امام ہے یا مؤذن یا نگراں تو اس کو برلعدہ میں (جب کہ برلعدہ مسجد سے خارج ہو) سونا روزانہ بھی جائز ہے لیکن اگر مسجد کے متعلقین میں سے نہیں ہے اور اکثر یا دوامی طور پر مسجد میں سونے کی عادت ڈال رکھی ہے تو یہ مکروہ ہے (۲)

---

(۱) ویکرہ النوم والأ کل لغیر المعتکف وإذا أراد أن یفعل ذلك ینبغي أن ینوی الاعتکاف فیدخل فیه ویذکر الله تعالی بقدر مانوی أویصلي ثم یفعل ماشاء (عالمگیریة' کتاب الکراهیة آداب المسجد ۵/ ۳۲۱ ط ماجدیه)

(۲) ویکره النوم والأ کل فیه أی المسجد لغیر المعتکف ولا بأس للغریب الخ عالمگیریة کتاب الکراهیة' آداب المسجد ۵/ ۳۲۱ ماجدیه)

(۲) مسجد کا سامان پیٹی میں بند کر کے مسجد کے ورانڈہ میں رکھ دینا جائز ہے بشر طیکہ اس کی حفاظت کا انتظام بھی کر لیا جائے اور چوری ہو جانے یا ضائع ہو جانے کا خوف نہ ہو(۱)

(۳) مؤذن روزانہ مسجد میں جو پیسہ جمع کرتا ہے اگر مرمت کے نام سے جمع کرتا ہے تو اس پیسہ کو مرمت کے کام میں ہی خرچ کرنا چاہئیے مؤذن کی یا امام کی تنخواہ اس میں سے دینا جائز نہیں(۲)

(۴) مسجد میں ایک دو بجے رات کو وظیفہ پڑھنا یا مراقبہ کرنا یا نماز پڑھنا جائز ہے مگر آواز سے پڑھنا اگر کسی سونے والے کو تکلیف پہنچائے تو مکروہ ہے' آہستہ پڑھنے میں مضائقہ نہیں(۳) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی**

مسافر کا مسجد میں سونا

(سوال) کیا فقراء و مساکین اور ہر کس و ناکس کا مسجد میں سونا جائز ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۸۰۷ محمد احسن کراچی۔ ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ

(جواب ۲۳۸) مسجد میں لوگوں کا سونا مکروہ ہے سوائے مسافر یا سخت ضرورت مند کے کہ بوقت ضرورت سو جائیں تو مباح ہے(۴) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی**

مسجد کی چھت پر کھانا پکانا اور سونا

(سوال) مسجد اور اس کے صحن میں سونا ٹھنا رات دن درست ہے یا نہیں ؟ اور مسجد کی چھت پر کھانا پکانا اور سونا درست ہے یا نہیں ؟ باوجود حجرہ ہونے کے حجرے کو استعمال نہیں کرتے ؟

(جواب ۲۳۹) مسجد اور اس کی چھت کو ایسے کاموں سے جن میں مسجد کی تلویث ہوتی ہو یا احتمال تلویث ہو یا مسجد کے احترام میں نقصان آتا ہو محفوظ رکھنا لازم ہے ضرورۃً کسی مسافر کو یا بیماری کی وجہ سے امام یا مؤذن کو مسجد میں سو رہنا مباح ہے مگر جب کہ حجرہ یا دوسری کوئی جگہ موجود ہو تو مسجد کو خواب گاہ بنانے سے احتراز ضروری ہے۔(۵) فقط　　**محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی**

---

(۱) ولا بأس بأن يتخذ في المسجد بيتاتوضع فيه البواري (عالمگيرية فصل كره غلق باب المسجد ۱/ ۱۱۰ ط ماجديه)

(۲) وإذا أراد أن يصرف شيئا من ذلك إلى امام المسجد أو إلى مؤذن المسجد ليس له ذلك إلا إذا كان الواقف شرط ذلك في الوقف' كذافي الذخيره (عالمگيرية' كتاب الوقف' الفصل الثاني في الوقف على المسجد ۲/ ۴۶۳ ط ماجديه)

(۳) وفي حاشية الحموى عن الامام شعراني : أجمع العلماء سلفاً و خلفاً على استحباب ذكر الجماعة في المساجد و غيرها إلا أن يشوش جهر هم على نائم أو مصل أو قارئ الخ (رد المحتار' كتاب الصلاة' مطلب في رفع الصوت بالذكر' ۱/ ۶۶۰ ط سعيد)

(۴) ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف الخ ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد (عالمگيرية' كتاب الكراهية' آداب المسجد ۵/ ۳۲۱ ط ماجديه)

(۵) (ايضاً)

(۱) مسجد کے اندر نماز کا ثواب زیادہ ہے یا اوپر ؟
(۲) دروازوں کے درمیان صف بنانا

(سوال) (۱) مسجد میں نیچے نماز پڑھنا بہتر ہے یا اوپر بھی نماز پڑھنے کا وہی ثواب ہے چند نمازی کہتے ہیں کہ جب اوپر بھی باقاعدہ مسجد و محراب بنی ہوئی ہے تو اوپر نماز پڑھنے کا ثواب بھی اتنا ہی ہے جتنا کہ نیچے نماز پڑھنے کا ہے۔

(۲) بڑی جماعت میں تیسری یا چوتھی صف میں لوگ جگہ کم ہونے کی وجہ سے دروں کے بیچ میں نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں کیا ان لوگوں کی نماز ہو جاتی ہے ؟

(جواب ۲۴۰) (۱) اگر اوپر بھی مسجد بنی ہوئی ہے تو نیچے یا اوپر نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر اوپر مسجد نہ بنی ہو یعنی محراب نہ ہو تو فرض کی جماعت نیچے پڑھیں سنتیں اور نوافل اوپر پڑھ سکتے ہیں(۱)

(۲) دروں کے درمیان کھڑے ہونے والوں کی نماز ہو جاتی ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز
(۲) جمعہ کی سنتوں کے "الصلوۃ قبل الجمعۃ" پکارنا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۱ء)

(سوال) مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا کیسا ہے ؟ جمعہ کے روز مسجد میں صلوۃ پکارتے ہیں۔ **الصلوۃ قبل الجمعہ الصلوۃ سنۃ رسول اللہ** پھر لوگ سنتیں پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں کیا یہ فعل مستحب ہے ؟

(جواب ۲۴۱) مسجد کی چھت بھی مسجد ہی کا حکم رکھتی ہے چھت پر نماز پڑھنا خصوصاً گرمی کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے(۳) یہ صلوۃ پکارنا درست نہیں کیونکہ اسکا ثبوت نہیں ہے(۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

فصل ششم۔ حقوق متعلقہ مسجد

قادیانیوں کا مسلمانوں کی مسجد میں جماعت کرنا

(سوال) شہر پٹیالہ میں ایک مسجد معروف ڈوگراں والی ہمارے ہوش سنبھالنے سے پہلے کی تعمیر شدہ ہے

---

(۱) قال الشامی: أو جعل فوقه بيتا الخ ظاهره أنه لا فرق بين أن يكون البيت للمسجد' أولا لأنة يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجداً فيما إذا لم يكن وقفاً على مصالح المسجد' و به صرح في الاسعاف الخ (رد المحتار' كتاب الوقف' مطلب في احكام المسجد ٤ ٣٥٧' ط سعيد وامداد الأحكام ١ /٣٥١ ط مكتبه دار العلوم' كراچى)(٢) والا صطفاف بين الأسطوانتين غير مكروه' لأنه صف فى حق كل فريق الخ (مبسوط باب الجمعة ٢ /٣٥' ط بيروت ' لبنان)(٣) الصعود على سطح كل مسجد مكروه ولهذا إذا اشتد الحريكره أن يصلوا بالجماعة فوقه إلا إذا ضاق المسجد فحينئذ لا يكره الصعود على سطحه للضرورة (عالمگيرية' كتاب الكراهية' آداب المسجد ٥ /٣٢٢ ط سعيد)(٤) من أحدث في أمر نا هذا ما ليس منه فهو رد (بخارى' كتاب الصلح' باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود' ١ /٣٧١' ط قديمى)

سات آٹھ سال سے فرقہ حنفیہ میں سے اس محلّہ میں دوایک نمازی تھے اس لئے فرقہ احمدی کے اشخاص جو اس محلے میں تھے اس مسجد میں نماز پڑھنے لگے اب چونکہ اس محلے کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے دی اور فرقہ حنفی کے چالیس پچاس اشخاص نمازی ہو گئے ہیں نماز کے وقت دونوں فرقوں میں تکرار ہونے پر پولیس نے یہ انتظام کیا ہے کہ جمعہ کی نماز ہمیشہ پہلے حنفی پڑھ لیا کریں بعد میں احمدی پڑھ لیا کریں اور دوسری نمازیں ایک دن پہلے حنفی پڑھ لیا کریں اور ایک دن احمدی پہلے پڑھ لیا کریں چونکہ احتمال ہمیشہ دنگہ کا رہتا ہے اس لئے دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایک مسجد میں دو فرقوں کے دو امام اور دو جماعتیں ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ اس مسجد کا بانی بھی حنفی تھا۔ المستفتی نمبر ۵۹ مطیع محمد ٹھیکیدار۔ پٹیالہ

۲۱ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۴۲) جب کہ وہ مسجد قدیم سے اہل السنت والجماعۃ حنفی فرقے کی مسجد تھی اور وہی اس کے بانی تھے تو اس میں نماز اور جماعت کا حق صرف اسی فرقے کے اہل محلّہ کو ہے وہی مسجد کے مہتمم اور متولی ہیں اور وہی جماعت قائم کرنے اور نماز پڑھنے کے مستحق ہیں مرزائی فرقہ جو جمہور علمائے اسلام کے نزدیک کافر ہیں اس مسجد میں کسی قسم کے تصرف کا اور جماعت قائم کرنے کا حق نہیں رکھتے مرزائی نہ تو حنفیوں کی جماعت سے پہلے جماعت قائم کر سکتے ہیں اور نہ حنفی جماعت کے بعد اپنی جماعت کر سکتے ہیں پہلے تو اس لئے نہیں کر سکتے کہ اصل مستحقین بانی مسجد فرقہ سے پہلے انہیں اقامت جمعہ کا کوئی حق نہیں اور بعد میں اس لئے کہ صحیح طور پر جماعت ہو جانے کے بعد دوبارہ کوئی جماعت منظم طور پر قائم نہیں کی جا سکتی اگر وہ ناحق اپنی جماعت قائم کرنے پر اصرار کریں تو پولیس کا فرض ہے کہ ان کو داخلہ مسجد سے روک دے کہ ان کو اس کا بھی حق نہیں ہے۔ (۱) وهذا اكله ظاهر والله اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

حفاظت کی خاطر مسجد کو تالا لگانا

(سوال) قصبہ نظام آباد کی گنبدی جامع مسجد (یادگار محی الملت والدین اورنگ زیب عالمگیر) کے چند مصلیان جو نماز جمعہ اور عیدین اس مسجد میں پڑھتے ہیں ان کا مصمم ارادہ ہے کہ جامع مسجد کے فنڈ سے مسجد کے کل محرابوں اور دروازوں میں لوہے کا پھاٹک لگا دیا جائے اور ہمہ وقت دروازوں میں قفل پڑا رہے اور اوقات نماز پنجگانہ میں مؤذن مسجد اپنے گھر سے آکر قفل کھول دے اور نماز وقتی ادا کرنے کے بعد فوراً قفل لگا دے باقی مصلیان مسجد جو نماز جمعہ اور عیدین اس مسجد میں پڑھتے ہیں اکثر خاموش اور بعض ناراض ہیں مگر وہ مصلیان جو اکثر وقتی نماز اس مسجد میں ادا کرتے ہیں وہ بالکل مخالف اور ناراض ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اس سے عبادت الٰہی میں رکاوٹ پیدا ہو گی اور وہ خانہ خدا کا مقفل رہنا خلاف شرع سمجھتے ہیں کیونکہ جمہور کی مساجد عام

---

(۱) " ماكان للمشركين أن يعمروا مساجد الله شاهدين على أنفسهم بالكفر " (سرة توبه آيت: ۱۷) إنما يعمر مساجد الله من امن بالله واليوم الآخر الآية (سورة توبة : آية : ۱۸)

مسلمانوں کے لئے ہمہ وقت کھلی رہتی ہیں جس سے احتمال تصادم مصلیان مسجد ہے (نوٹ) صحن مسجد چہار دیواری سے محفوظ ہے اندرون مسجد کوئی ایسی چیز نہیں رہتی کہ جو چرالی جاوے مثل دری و فرش و جھاڑو، فانوس وغیرہ اور نہ اس مسجد میں امام مسجد مقرر ہے ایک خاندان پٹھانوں کا دعویدار ہے کہ شہنشاہ عالمگیر نے ہمارے اسلاف فوجی ملازمین کی استدعا پر یہ خانہ خدا تعمیر کرایا چنانچہ باوجود دور رہنے کے وہ التزاماً نماز جمعہ و عیدین ہمیشہ اس مسجد میں ادا کرتے ہیں اور مرمت مسجد کے فنڈ کے بھی حامی ہیں لہذا ان کی خاموشی شرعاً موجب رضائے الٰہی ہے یا باعث گناہ ان کو کس فریق کی تائید کرنی چاہئیے تاکہ رفع شر ہو بحالت خاموشی افتراق مصلیان و رکاوٹ عبادت الٰہی کا گناہ ان کے سر تو نہیں ہو گا۔

المستفتی نمبر ۱۶۳۵ منشی عبداللطیف صاحب (ضلع اعظم گڑھ)

۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۵ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۴۳) مسجد کے دروازوں کو بند یا مقفل کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ صورت نماز سے روکنے کے ہم پلہ ہے۔ کما کرہ غلق باب المسجد (درمختار) وانما کرہ لانہ یشبہ المنع من الصلوۃ قال تعالی ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ الخ (رد المحتار نقلاً عن البحر)(۱) ہاں مسجد کے سامان و اسباب کے چوری ہو جانے کا خوف ہو تو پھر فارغ از نماز اوقات میں مقفل کرنا مباح ہے۔ الا لخوف علی متاعہ بہ یفتی (درمختار)(۲)

اگر پھاٹک لگانے اور قفل ڈالنے کی ضرورت نہ ہو تو پھر اس میں روپیہ لگانا فضول و ناجائز ہے جن لوگوں کو مسجد کے انتظام میں بجا طور پر مداخلت کرنے کا حق ہے ان کو لازم ہے کہ وہ بلا ضرورت مسجد کو مقفل کرنے کے خلاف اپنی رائے ظاہر کریں اسی طرح نمازیوں کو بھی چاہئیے کہ اس ناجائز فعل کے خلاف آواز بلند کریں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد کی حفاظت مسلمانوں پر لازم ہے

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین دربارۂ تحت حکم آیت قرآنی ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے کہ اللہ کی مسجدوں میں ذکر اللہ کو بند کرے اور اس کی خرابی میں کوشاں ہو۔ ریاست دھار میں ایک قدیم مسجد ہے جسے ہندوؤں اور وہاں کی حکومت نے بھوج شالہ بنانا چاہا تھا اور اسی نام کی تختی وہاں نصب کردی تھی مسلمانان دھار کی کوشش سے حکومت نے اس افترائی لقب کو اور اس تختی کو نکلوا دیا اور مسجد کو اس کے اصلی نام سے موسوم کیا۔

(۱) امسال رمضان شریف میں وہاں پہنچ کر احقر العباد نے قرآن خوانی تراویح میں شروع کی حکومت مانع

---

(۱) (باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، مطلب فی أحکام المسجد ۱/۶۵۶ ط سعید)

(۲) (ایضاً)

ہوئی اور قرآن ختم نہیں کرنے دیا آخر عشرہ میں اعتکاف کیا تورات کو نکال دیا جاتا تھا اور مسجد میں قفل حکومت کی طرف سے ڈالا جاتا ہے چند روز کے بعد معتکف کو مسجد سے اور شہر سے نکال دیا۔ ۱۹۳۵ء میں تاریخ ۷ ا اکتوبر کو احقر نے چلہ کیا تھا اس موقع پر بھی صورت مسطورہ بالا پیش آئی تھی اور چلہ نہیں کرنے دیا تھا۔

(۲) مسجد میں روشنی کے لئے کافی طور پر انتظام نہیں کرنے دیا جاتا اور ایک ستون جو روشنی کے لئے قائم تھا اس کو نکلوادیا۔

(۳) دس بجے رات کو مسجد میں قفل ڈال دیا جاتا ہے اور ہر قسم کی عبادت سے مقیم اور مسافر کو روک دیا جاتا ہے۔

(۴) پبلک نے چندہ کر کے ایک گھڑی ٹائم دیکھنے کے لئے خریدی ہے اس کو مسجد میں نہیں لگانے دیا جاتا مسجد کے اندر حوض ہے اس میں پانی کا انتظام بکفایت کرنے سے مانع ہے اور اسی قسم کے ناجائز تصرفات حکومت کی جانب سے ہیں۔

صورت ہائے مسطورہ میں مسلمانوں کے کیا فرائض ہیں اور ایسی صورت میں جب کہ حکومت کا تشدد نگرانی حقوق مسجد کے غاصبانہ دباؤ پر مبنی ہے مسلمانوں کو انتہائی جدوجہد و اگزاشت و آزادی مسجد میں حکومت سے کرانا اور گورنمنٹ برطانیہ کو خاص توجہ دلانا اور سعی بلیغ کرنا کس حد تک ضروری ہے۔

المستفتی نمبر ۲۱۷۲ حافظ مظہر احمد (بھوپال) ۶ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۹ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۴۴) مسلمانوں کو مسجد کی حفاظت اور نگرانی کا حق حاصل کرنے اور اس کو آزاد کرانے اور آزادی کے ساتھ اس میں نماز و عبادت اور امور شرعیہ ادا کرنے کا اختیار بہم پہنچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی لازم ہے۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

محلے کی مسجد میں نماز افضل ہے

(سوال) ہم نے محلے کی مسجد میں پرانے امام کو علیحدہ کر کے ایک اچھا حافظ قرآن پیش امام امامت کے لئے مقرر کیا ہے اس پر ہمارے محلے کے کچھ آدمیوں نے ناراض ہو کر دوسری مسجد میں جانا شروع کر دیا ہے تو ان پر محلے کی مسجد کا حق ہے یا نہیں اور ناظرہ پیش امام سے حافظ قرآن پیش امام اچھا ہے یا نہیں؟

المستفتی نظیر الدین امیر الدین (اسلیزہ ضلع مشرقی خاندیس)

(جواب ۲۴۵) اپنے محلے کی مسجد کا حق ہے بلاوجہ اسے چھوڑ کر دوسرے محلے کی مسجد میں نماز کے لئے جانا

---

(۱) من رأى منكم منكراً فليغير بيده وإن لم يستطع فبلسانه وإن لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الإيمان (مسلم ' باب كون النهي عن المنكر من الإيمان ۱/ ۵۱ ط قديمى كتب خانه) انما يعمر مساجد الله من أمن بالله واليوم الآخر الآية (سورة توبه' آية ۱۸)

اچھا نہیں ہے حافظ امام اگر قرأت صحیح پڑھتا ہو تو ناظرہ خواں سے افضل ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد پر ملکیت کا دعویٰ باطل ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) اگر کسی مسجد پر کوئی شخص اپنی یا اپنے خاندان کی ملکیت کا دعویٰ کرے اور اس کا اظہار نہ صرف خلوت میں بلکہ مجمع عام میں بھی کرے تو کیا عوام کے لئے اس مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے ؟

(جواب ۲۴۶) جو مسجد بقاعدہ شرعیہ ایک مرتبہ مسجد بنادی گئی اور اس میں باقاعدہ جماعت کے ساتھ نماز ہو گئی اس کو اگر کوئی شخص اپنی ملک بتائے یا ملکیت جیسے معاملات کرے یا ملکیت کا دعویٰ کر کے دوسرے مسلمانوں کو روکے تو یہ سب ناجائز اور ظلم ہے(۲) اس مسجد میں مسلمانوں کو نماز پڑھنا اور نماز کے لئے کھلا رکھنے کی سعی کرنا چاہئے اور اس مدعی ملکیت کے غلط دعوے سے متاثر ہو کر اس میں نماز ترک نہ کرنی چاہئے ہاں اگر کوئی مکان فی الحقیقت کسی شخص کی ملک میں داخل ہے اور اس نے اسے وقف نہیں کیا مسجد نہیں بنایا صرف اس میں نماز پڑھی جاتی تھی تو اس پر اس کا دعویٰ ملکیت درست ہو گا اور جب وہ لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے سے روک دے گا تو بغیر اس کی اجازت کے اس میں نماز پڑھنا جائز نہ ہو گا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ'

مکان کے اندر مسجد بنانا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۲۸ء)

(سوال) ایک نہایت وسیع مکان کے اندر ایک مسجد ہے شب کو اس مکان کو اندر سے بند کر لیا جاتا ہے مسجد عرصے سے غیر آباد ہے صاحب خانہ نماز نہیں پڑھتے ہیں کیا اس مسجد میں نماز ہو جاتی ہے ؟

(جواب ۲۴۷) اگر اس مسجد کا راستہ عام نہیں ہے اور مکان والے اس کو جب چاہیں بند کر سکتے ہیں تو وہ مسجد شرعی نہیں ہوئی نماز جب مالک کی اجازت سے پڑھی جائے تو نماز ہو جاتی ہے البتہ مسجد شرعی نہ ہونے کی صورت میں مسجد کا ثواب نہیں ملتا(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد کسی کی ملک نہیں ہوتی

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۲۸ء)

(سوال) اگر کوئی متولی مسجد چند پابند صوم و صلوۃ مسلمان مصلیوں کو محض صوفیانہ سماع سننے کی بنا پر مسجد

---

(۱) والأفضل اختيار الذى إمامه أفقه وأصلح و مسجد حيه وإن قل جمعه أفضل من الجامع (رد المحتار' باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها' مطلب في أفضل المساجد ۱ / ۶۵۹' ط سعيد)

(۲) قوله تعالى : " ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها" (سوره بقرة آية ۱۱۴)

(۳) فلو جعل وسط داره مسجدا و أذن للناس في دخوله والصلوة فيه إن شرط معه الطريق صار مسجداً في قولهم' وإلا فلا (عالمگيرية' كتاب الوقف' ۲ / ۴۵۴' ط ماجديه)

سے جمعہ کے وقت نکال دے یا نکل جانے کو کہے تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے ؟
(جواب ۲۴۸) مسجد کسی کی ملک نہیں وہ خانہ خدا اور وقف ہے متولی کو جائز نہیں کہ وہ ان لوگوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکے کسی شخص کو اس کی کسی ناجائز حرکت کی وجہ سے مسجد سے روکنے کا حق بادشاہ اسلام یا اس کے نائب کو ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

"مسجد کی دیوار توڑ دی گئی" کہنا

(الجمعیۃ مورخہ یکم مئی ۱۹۳۵ء)
(سوال) مسجد کی دیوار شہید کردی گئی کے بجائے توڑ دی گئی کہنا کیسا ہے ؟
(جواب ۲۴۹) "مسجد کی دیوار شہید کردی گئی" یا "مسجد کی دیوار توڑ دی گئی" ان دونوں عبارتوں کا کہنا جائز ہے اس میں کوئی توہین نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد کا پیسہ دوسری جگہ خرچ کرنا جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۳۵ء)
(سوال) بندہ ایک مسجد کا متولی ہے ۔ عرصہ ایک سال کا ہوا مسجد پر تعمیر لگائی گئی تھی جو کہ کچھ روپے کی کمی سے نامکمل رہ گئی تھی مسجد کے برابر میں ایک شخص کا مکان ہے مسجد پر چڑھنے سے اسکے مکان کی بے پردگی ہوتی ہے کیا مسجد کی رقم سے اسکا پردہ کرایا جا سکتا ہے ؟ وہ دیوار مالک مکان کی ہے۔
(جواب ۲۵۰) مسجد کی رقم سے دوسرے کی دیوار پر بغرض پردہ دیوار تعمیر کرنا ناجائز ہے ہاں مسجد کی دیوار پر تعمیر کردی جائے تو جائز ہے اور اگر مسجد کی دیوار پر پردہ قائم کرنے کی صورت نہ ہو سکتی ہو تو اہل مسجد مالک مکان کی اپنے پاس سے اتنی اعانت کردیں کہ وہ اپنی دیوار پر پردہ قائم کرسکے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد کے بانی کو تولیت کا حق ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جون ۱۹۳۶ء)
(سوال) اگر کوئی یہ کہے کہ مسجد صرف ہماری قوم کی ہے دیگر قوم کو کسی امر میں دخل دینے کا حق نہیں جس کو نماز پڑھنی ہو پڑھو مگر انتظام میں کسی کو دخل دینے کا حق نہیں تو کیا حکم ہے ؟
(جواب ۲۵۱) نماز پڑھنے کا حق تو تمام مسلمانوں کو ہے مگر مسجد کا انتظام کرنے کا حق مسجد کے بانی اور

---

(۱) والمسجد خالص لله تعالى و ليس لاحد فيه حق قال الله تعالى " وان المساجد لله " (فتح القدير كتاب الوقف فصل في إحكام المسجد ٦ / ٢٣٤ ط مصر)
(۲) کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے نہیں ہے ويبدأ من غلته بعمارته ثم ماهو أقرب بعمارته. ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح (الدر المختار كتاب الوقف احكام المسجد ٤ / ٣٦٧ ط سعيد)

واقف یا متولی کو ہے اگر وہ انتظام درست رکھے تو خیر ورنہ دوسرے مسلمانوں کو مشورہ دینے کا حق ہے۔ زبردستی انتظام میں مداخلت نہیں کرنی چاہئیے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد کے کسی حصہ پر قبضہ کرنا جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۹ء)

(سوال) ایک مسجد واقع سیوہی بنارس اسٹیٹ میں قدیم تھی اس کے مینارہ کو زید نے بطمع نفسانی منہدم کرا کے زنانہ مکان میں شامل کر لیا ہے اور دوسرے میناروں کو بھی گرا دیا ہے جس سے شکل مسجد تبدیل ہو گئی ہے۔

(جواب ۲۵۲) مسجد یا اس کے کسی حصے کو منہدم کرنا اور اس پر غاصبانہ قبضہ کر لینا سخت گناہ اور موجب فسق ہے ایسا شخص فاسق اور گناہ گار اور مستحق تعزیر ہے مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس کا بائیکاٹ کر دیں اور جب تک وہ توبہ نہ کرے اور مسجد کے نقصان کی تلافی نہ کرے اس کو شامل نہ کریں قرآن پاک میں ہے ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمه وسعی فی خرابها (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل ہفتم۔ مساجد میں غیر مسلموں کا داخلہ

غیر مسلم مسجد میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(سوال) بازار میں مسلم آباد ہیں مسلمانوں نے ایک بورڈ برائے اتحاد قائم کیا ہے جس میں ہندو مسلمان شامل ہیں بورڈ کا جلسہ کرنا ضروری ہے ایسی جگہ کوئی نہیں ملتی جہاں یہ مشترک جلسہ کیا جائے یہ جلسہ برائے امن و اتحاد اگر مسجد میں کر لیا جائے تو کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۱۷ حقداد خان۔ دریبہ کلاں' دہلی

۲۵ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۲ء

(جواب ۲۵۳) مضائقہ نہیں۔ مسجد میں ہندو عیسائی اور دیگر غیر مسلموں کا داخلہ ممنوع نہیں جامع مسجد میں سیر و تفریح کے لئے روزانہ غیر مسلم داخل ہوتے ہیں تو ایک صحیح غرض (اتحاد و قیام امن) کے لئے داخل ہونے میں کیا مضائقہ ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) رجل بنی مسجدا او جعله لله تعالی فهو احق الناس بمرمته و عمارته و بسط البواری والحصیر والقنادیل والاذان والاقامة والامامة ان کان اهلا لذلک فان لم یکن فالرای فی ذلک الیه (عالمگیریة' فصل کره غلق المسجد ۱ / ۱۱۰ ط ماجدیه)

(۲) (سورة البقرة : ۱۱٤) قال ابن الهمام " والمسجد خالص لله تعالی ولیس لاحد فیه حق " قال الله تعالی : " وان المساجد لله الخ (فتح القدیر' کتاب الوقف' فصل فی احکام المسجد ٦ / ٢٣٤ ط مصر)

(۳) وفی الحاوی : ولا بأس ان یدخل الکافر واهل الذمة المسجد الحرام و بیت المقدس وسائر المساجد لمصالح المسجد وغیر هامن المهمات الخ (البحر الرائق' کتاب الوقف' احکام المسجد ٥ / ٢٧١ ط بیروت' لبنان و رد المحتار ٤ / ٣٧٨)

فصل ہشتم۔ مسجد کے سامان کا فروخت کرنا یا منتقل کرنا

ویران مسجد کے سامان کا حکم

(سوال) ڈیرہ اسمعیل خاں میں چھاؤنی میں مسلمانوں کے پیسے سے جو وہاں ملازم تھے ساٹھ ستر برس سے مسجدیں تعمیر کرائی گئی ہیں باقاعدہ وہاں جمعہ و عیدین کی نمازیں پڑھائی جاچکی ہیں چونکہ چھاؤنی اٹھ گئی ہے اس لئے مسجدیں خالی رہ گئی ہیں چھاؤنی کا تمام اسباب مکانات وغیرہ نیلام ہو چکا ہے اب گورنمنٹ نے مسلمانوں کو مطلع کیا ہے کہ یا تو ان کا تمام ملبہ شہتیر کڑیاں وغیرہ لے جاؤ یا ان کو آباد کرو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسجدیں گرا کر ان کا سامان اسلامیہ اسکول میں لگادینا چاہئیے یہ مسجدیں لب سڑک شہر سے کچھ فاصلے پر ہیں۔ المستفتی نمبر ۱۲۰ حاجی احمد دین ڈیرہ اسمعیل خاں۔ ۲۸ رجب ۱۳۵۲ھ ۱۸ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۵۴) جو مسجد کہ ایک بار شرعی قاعدے سے مسجد ہو جائے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی اس کو غیر مسجد کے کام میں نہیں لا سکتے اگر اس کے قریب آبادی نہ رہے اور مسجد میں کوئی نماز پڑھنے والا نہ رہے تو جب بھی اس کی حفاظت کا سامان کر کے اسکو محفوظ کر دینا ضروری ہے البتہ اگر کوئی مسجد پہلے ہی شرعی قاعدے سے مسجد نہ ہو۔ مثلاً اس کی زمین موقوفہ نہ ہو کسی کی ملک ہو جس نے وقف نہ کی ہو تو وہ مسجد کا حکم نہیں رکھتی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مسجد کے ملبہ کا حکم
(۲) ہندوؤں سے تعمیر مسجد کا کام لینا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۲۹ء)

(سوال) (۱) مسجد کہنہ کی تعمیر کے سلسلے میں اگر اس کا ملبہ فروخت کر کے اس کی قیمت کو تعمیر مسجد میں لگایا جائے تو اس حالت میں ملبے کو فروخت کرنا جائز ہو گا یا نہیں اور اگر تعمیر کے بجائے زر ثمن کو کسی اور مصرف میں لایا جائے تو جائز ہو گا یا نہیں ؟ بعض اصحاب کو حضرت عالمگیر بادشاہ اسلام کے اس فقرے سے دھوکا ہو رہا ہے "سادات بارہ یوب مسجد اند نہ لائق داشتنی نہ قابل سوختنی"
(۲) تعمیر و مرمت مسجد میں اگر ہندو معمار اور ہندو مزدور جو مستعد اور ہوشیار ہوں کام کریں تو شرعاً کراہت ہے یا نہیں ؟ اور انما المشرکون نجس کا کیا مطلب ہے ؟

(جواب ۲۵۵) (۱) مسجد کا ملبہ جو کام میں نہ آسکے اس کو فروخت کر کے جدید تعمیر میں اس کی قیمت خرچ

---

(۱) ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة وبه يفتى الخ (الدر المختار' كتاب الوقف' ٤ /٣٥٨ ط سعيد)

کر دیناجائز ہے۔(۱)عالمگیریؒ کا فقرہ بھی صحیح ہے مگر اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ فروخت کرنا بھی ناجائز ہو(۲) تعمیر مسجد کا کام غیر مسلم مزدوروں معماروں سے لیناجائز ہے۔ انما المشرکون نجس سے نجاست ظاہری مراد نہیں ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد کی تعمیر سے بچی ہوئی لکڑی کا حکم

(الجمعیتہ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) (۱)ایک قصبے کی جماعت نے مسجد کی تعمیر کے لئے چند لکڑی جنگل سے لا کر جمع کر دیں اس مسجد کی منتظمہ جماعت کی اجازت سے ایک شخص نے بوجہ ضرورت ان جمع شدہ لکڑیوں میں سے ایک لکڑی لیکر اپنے گھر کی عمارت میں لگادی پس یہ فعل جائز تھایا نہیں ؟

(۲) مسجد کی تعمیر کے لئے جو لکڑیاں تخمیناً جمع کر دی گئیں آیاوہ تمام لکڑی مسجد کی تعمیر میں لگنے سے قبل مسجد کی ملکیت میں شمار ہو گی یا نہیں ؟

(جواب ۲۵۶) جن لوگوں نے مسجد کی تعمیر کے لئے لکڑیاں جمع کی تھیں اگر جماعت منتظمہ کے حوالے کر دی تھیں تو وہ لکڑیاں مسجد کی ہو گئی تھیں اور اگر مسجد کی تعمیر میں ان سب لکڑیوں کی حاجت نہ تھی تو جماعت منتظمہ زائد از حاجت لکڑی کو مسجد کے لئے بقیمت کسی کو دیکر قیمت کو مسجد میں خرچ کر سکتی تھی بلا قیمت کسی کو دے دینے کا حق نہیں تھا جس شخص کو دے دی گئیں اس سے اب بھی قیمت وصول کی جا سکتی ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تعمیر مسجد سے بچے ہوئے سامان کا حکم

(الجمعیتہ مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۳۰ء)

(سوال) ---------

(جواب ۲۵۷) اگر مسجد کے لئے سامان تعمیر اس کے متولی کے حوالے کر دیا جائے اور اس میں سے کچھ سامان بچ رہے تو وہ سامان مسجد کی ملک ہو تا ہے اور اگر مسجد میں لگنے کے قابل نہ ہو تو فروخت کر کے اسی مسجد

---

(۱) وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج اليه وإن استغنى عنه أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته فيصرفه فيها الخ وإن تعذر اعادة عينه إلى موضعه بيع و صرف ثمنه إلى المزمة صرفا للبدل إلى مصرف المبدل (هداية' كتاب الوقف ۲/ ۶۴۲ ط مكتبه شركة علميه' ملتان)

(۲) وفي البحر نقلا عن الحاوى : " ولا بأس أن يدخل الكافر ولأهل الذمة المسجد الحرام و بيت المقدس و سائر المساجد لمصالح المسجد وغيرها من المهمات (رد المحتار' كتاب الوقف ۴ /۳۷۸ ط سعيد)

(۳) حشيش المسجد إذا كانت له قيمته فلا هل المسجد أن يبيعوه' وإن رفعوا إلى الحاكم فهو أولى (عالمگيرية' كتاب الوقف ۲/ ۴۵۹ ط ماجديه)

کے مصارف متعلقہ تعمیر میں لگادیا جائے اور اگر کوئی شخص مسجد میں از خود تعمیر کراتا ہو اور سامان تعمیر خرید کر لگاتا جاتا ہو یعنی خرید شدہ سامان کو مسجد کی ملک قرار نہ دے اور نہ متولی کے حوالے کرے تو اس صورت میں بچا ہوا سامان اس کی ملک ہے جو چاہے کرے مسجد کا کچھ سامان مسجد میں کام آسکے تو کام میں لانا چاہئے اور کام نہ آئے تو فروخت کر کے مسجد میں خرچ کر دینا چاہئے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فاضل سامان کو فروخت کرنا
(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۳۳ء)

(سوال) ایک مسجد کا سائبان کھپریل کا بنا ہوا ہے لوگوں کا ارادہ ہے کہ اس کے بجائے پختہ چھت بنا دیں اس محلے میں بقدر ضرورت چندہ فراہم نہیں ہو سکتا اس لئے خیال ہے کہ جو لکڑی وغیرہ سائبان سے نکلے وہ فروخت کر کے وہی روپیہ چھت میں لگایا جائے۔

(جواب ۲۵۸) کھپریل کی جگہ پختہ چھت بنانا جائز ہے کھپریل کا نکلا ہوا سامان جو چھت کے کام میں نہ آسکے اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت پختہ چھت بنانے میں صرف کر دینا جائز ہے۔ **و نقضه یصرف الی عمارته ان احتیج الیه والا بیع و صرف ثمنه** (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل نہم۔ مسجد میں چندہ کرنا اور سوال کرنا

نماز کے بعد مسجد میں چندہ کرنا

(سوال) عیدین میں بعد نماز عید یا قبل نماز خاص مسجد میں مسجد کی ضروریات کے لئے اگر لوگوں سے چندہ کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۲۷ مولانا احمد بزرگ صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

یکم شعبان ۱۳۵۲ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۵۹) اگر عیدین کی نماز مسجد جماعت میں ہو اور بعد نماز کے امام عید نمازیوں کو مسجد یا اور کسی دینی ضرورت کے لئے چندہ کی ترغیب دے اور لوگ خود جا جا کر امام کو یا کسی دیگر شخص کو جو چندہ کے لئے متعین کیا گیا ہو اپنا اپنا چندہ دیدیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور نماز سے قبل بھی امام کی ترغیب پر دینا جائز ہے لیکن صفوف کے درمیان لوگوں کا گھومنا خصوصاً اگر ایذائے تخطی رقاب ورمرور بین یدی المصلی سے خالی ہو تو وہ بھی جائز ہے بشرطیکہ شور و شغب بھی نہ ہو۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) قوم بنوا مسجدا و فضل من خشبهم شئ قالوا یصرف الفاضل فی بنائه ولا یصرف إلی الدهن والحصیر، هذا اذا سلموه إلی المتولی لیبنی به المسجد والا یکون الفاضل لهم یصنعون به ما شاؤا کذا فی البحر الرائق نقلا عن الاسعاف (عالمگیریة الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد ۲ : ۴۶۲ ط سعید) (۲) (شرح الوقایة کتاب الوقف ۲ : ۳۵۵ ط سعید کمپنی) (۳) و یحرم فیه السؤال و یکره الاعطاء مطلقا و قیل ان تخطی (درمختار) و فی الشامیة: و یکره اعطاء السائل المسجد الا اذا لم یتخط رقاب الناس فی المسجد (باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها ۱ : ۶۵۹ ط سعید)

عنوان مثل بالا

(سوال) بعد نماز مسجد میں اللہ کی راہ پر سوال کرنا کیسا ہے اور سائل کو دینا چاہئے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۲۰۱ اغلام ربانی عباسی صاحب (ضلع غازی پور) ۹ رجب ۱۳۵۵ھ ۲۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۶۰) مسجد میں سوال کرنا حرام ہے اور سائل کو دینا بھی ناجائز ہے کسی محتاج کو بغیر سوال کے مسجد میں دیدے تو جائز ہے یا مسجد میں سوال کرنے والے کو باہر نکل کر دیدے تو یہ بھی جائز ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دوران خطبہ چندے کا حکم

(سوال) عین خطبہ خوانی کے وقت مسجد یا مدرسہ کی نقد وصولی کے لئے صف بہ صف تگ و تاز کرنا اور پیسہ وغیرہ کو آواز دیتے ہوئے چلنا تاکہ مصلیان متنبہ ہو جائیں جائز ہے یا ناجائز ؟

المستفتی نمبر ۱۷۳۴ حافظ عبدالکریم انصاری (ضلع بنگلی)

۳ رجب ۱۳۵۶ھ ۹ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۶۱) اثنائے خطبہ میں یہ کام نہیں کرنا چاہئے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عنوان مثل بالا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۳۵ء)

(سوال) عیدین کے خطبہ ثانی میں کسی عالم یا مسافر یا امام و مؤذن کے لئے بطور خوشی چندہ کیا جائے مجبوراً اکثر بعد میں کرتے ہیں مقصود نہیں آتا ازدحام کثیر کی وجہ سے۔

(جواب ۲۶۲) خطبہ کے اثنا میں چندہ کرنا جائز نہیں خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد کر سکتے ہیں یعنی امام سفارش کردے اور لوگ دیدیں تو یہ عمل خطبے کے بعد ہو سکتا ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فرض نماز کے بعد دعا سے پہلے چندہ کرنا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۳۶ء)

(سوال) جمعہ کی فرض نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد دعا مانگنے سے پہلے چندہ کرنا کیسا ہے ؟

---

(۱) ویحرم فیہ السوال و یکرہ الا عطاء مطلقا و قیل ان تخطی الخ (الدر المختار' باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیہ ۱ /۶۵۹ ط سعید)

(۲) و کل ماحرم فی الصلاۃ حرم فیہا ای الخطبۃ " خلاصۃ " وغیرہا فیحرم أکل و شرب و کلام بل یجب ان یستمع و یسکت الخ (الدر المختار' باب الجمعۃ ۲ /۱۵۹ ط سعید)

(۳) (ایضاً) اذا خرج الامام فلا صلوۃ ولا کلام الخ (تنویر الأبصار' باب الجمعۃ ۲ /۱۵۸ ط سعید)

(جواب ۲۶۳) سلام پھیرنے کے بعد دعا مانگنے سے پیشتر کسی مذہبی کام کے لئے چندہ کرنا جائز ہے(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل دہم ۔ مسجد میں بدبودار چیز کا استعمال

مسجد کی دیواروں کو روغن لگانا

(سوال) مسجد کے اندر کا حصہ چاروں طرف سے نیچے کا جس کو اوارہ کہتے ہیں بوجہ نونی لگ جانے کے خراب ہو جاتا ہے جو دیکھنے میں بہت برا معلوم ہوتا ہے ایسی صورت میں یا تو ٹائل لگوائے جائیں یا ولایتی روغن لگایا جائے تو کچھ عرصے کے لئے محفوظ ہو جاتا ہے روغن جب تک سوکھتا نہیں بوباقی رہتی ہے۔
المستفتی نمبر ۱۶۲ مولوی محمد اسحٰق صاحب امام مسجد گھنٹے والی۔ قصاب پورہ دہلی۔
۳ رمضان ۱۳۵۲ھ م ۲۱ دسمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۶۴) روغن میں اگر ناگوار بو ہو تو اس سے مسجد کو محفوظ رکھنا چاہئیے البتہ اگر ناگوار بو نہ ہو تو جائز ہو گا(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد میں مٹی کے تیل والی لالٹین کا استعمال

(سوال) مسجد میں مٹی کا تیل لالٹین میں بھر کر جلا سکتے ہیں یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۴۰۶ حافظ احمد جندل پور ضلع رائپور۔ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ ۲ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۶۵) مسجد میں بدبودار چیز لانا منع ہے مٹی کا تیل بھی مسجد میں جلانا مکروہ ہے(۳) محمد کفایت اللہ

مسجد کو ہر قسم کی گندگی سے پاک رکھا جائے

(سوال) مسجد کے حجرے کے نیچے دھوبی لے ہوئے ہیں بھٹی کپڑوں کی وہ وہیں چڑھاتے ہیں جس میں ہر قسم کے کپڑے غلیظ وغیرہ ہوتے ہیں اس کی تمام تعفن مسجد میں جاتی ہے اور اسی کے برابر سائیس لوگ آباد ہیں جن کے پاس گھوڑے گاڑی ہیں دوان کو وہیں رکھتے ہیں اور دھوبیوں کی بیل بھی وہیں رہتے ہیں قرب و

---

(۱) قال الدر المختار " ویکرہ التخطی للسوال بکل حال الخ و فی الشامیة : " قال فی النهر " والمختار ان السائل ان کان لا یمر بین یدی المصلی و لا یتخطی الرقاب ولا یسأل الحافاً بل لأ مر لا بد منه فلا بأس بالسوال والا عطاء" (باب الجمعة' مطلب فی الصدقة علی سوال المسجد' ۲ ' ۱۶۴ ط سعید)
(۲) وعن جابرؓ قال : " قال رسول اللہ ﷺ " من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا' فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الأنس (متفق علیه) (مشکوۃ' باب المساجد ص ۶۹ ط سعید کمپنی)
(۳) (ایضاً)

جوار میں گھوسی بھی آباد ہیں متولی مسجد کو اس بات کی اہل محلہ نے اطلاع بھی کردی ہے مگر متولی کوئی توجہ نہیں کرتا۔

(جواب ۲۶۶) مسجد کا احترام اور ادب لازمی ہے اس کو غلاظت 'کثافت 'بدبو سے محفوظ اور پاک صاف رکھنا واجب ہے(۱) دھوبی گھوسی وغیرہ کو مسجد کی جائیداد میں 'مسجد کے نیچے یا مسجد کے متصل آباد کرنا اس لئے ممنوع ہے کہ ان کی سکونت سے مسجد اور اس کا راستہ اس کی عمارت غلاظت 'کثافت بدبو سے محفوظ نہیں رہ سکتی متولی کا فرض ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو جن سے مسجد کے احترام میں نقصان آتا ہے مسجد کی جائیداد میں آباد نہ کرے ورنہ اہل محلہ پر حفاظت مسجد کا فرض عائد ہوگا۔ واللہ اعلم۔　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

مسجد میں لیمپ جلانا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ مٹی کے تیل کا لیمپ مسجد میں جلانا منع ہے' استدلال یہ کرتے ہیں کہ چونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیاز لہسن کھاکر مسجد میں نہ جائے اسی طرح مٹی کا تیل بھی بدبو کی وجہ سے ممنوع ہے۔

(جواب ۲۶۷) ہاں یہ صحیح ہے کہ بدبودار چیز مسجد میں لے جانا منع ہے' اور مٹی کا تیل بھی بدبودار ہے اور جلانے میں اور زیادہ بدبو ہوتی ہے اس لئے مسجد میں مٹی کا تیل جلانا مکروہ ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل یازدہم۔ مسجد میں مکتب یا مدرسہ جاری کرنا

مسجد میں مدرسہ جاری کرنا

(سوال) ایک مسجد مسلم آبادی سے دور محلہ ہنود میں واقع ہے جہاں شاذونادر ہی کوئی مسلمان نماز کے لئے آجاتا ہے کیا ایسی مسجد میں مدرسہ قائم کرسکتے ہیں یا نہیں ؟ نیز اس مسجد کے متعلق جو دکانیں ہیں اس کی آمدنی مدرسہ کے مصارف ضروریہ میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۳۹۲ قاضی محمد امیر (پالن پور)

۲۰ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ یکم ستمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۶۸) اس مسجد میں مدرسہ قائم کرلینا جائز ہے مدرسہ قائم ہونے سے اس کی مسجدیت باطل

---

(۱) (ایضاً حاشیہ۲ صفحہ گزشتہ)

(۲) وعن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ: " من اکل ھذہ الشجرۃ المنتنۃ فلا یقربن مسجدنا الحدیث (متفق علیہ) (مشکوۃ' باب المساجد' ص : ٦٩' ط سعید)

نہیں ہو گی بلکہ مدرسے کے قیام سے مسجد کی آبادی ہو جائے گی اس لئے قیام مدرسہ کی اجازت ہے صورت مذکورہ میں دکانوں کی آمدنی مسجد و مدرسہ مذکورہ پر صرف کی جا سکتی ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد میں دینی کتابیں پڑھانا

(سوال) شہر بھاگلپور میں شہر اور میونسپل حلقے سے کچھ دور شاہ جنگی تالاب کے متصل تالاب سے پورب میں ایک قدیم عید گاہ کی مسجد ہے اب جماعت کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے اسکا اتر دکھن اور پورب جانب پختہ چار دیواری سے محاصرہ کر دیا گیا ہے جماعت اس میں کثیر ہوتی ہے اس کے پچھم جانب بڑا تالاب ہے اور اتر اور دکھن جانب میدان کربلا ہے پورب جانب قریب دو تین رسی کے فاصلے پر بستی ہے چند روز سے اس مسجد کے اندر ایک شخص نے چھوٹے بچوں کی تعلیم کا سلسلہ جاری کیا ہے جس میں چھوٹی چھوٹی درسی ابتدائی کتابیں اور قرآن شریف کی تعلیم بچوں کو دی جاتی ہے وہ بھی باضابطہ اور منظم طریقے سے نہیں مسجد کے اندر اس تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کے بارے میں دو مختلف جماعت پیدا ہو گئی ہیں ایک جماعت کا خیال ہے کہ مسجد کے اندر تعلیمی سلسلہ رہنے میں کوئی قباحت نہیں ہے اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ مسجد صرف نماز کی جگہ ہے اس میں سوائے نماز کے اور کوئی کام جائز نہیں ہے براہ کرم آگاہ فرمائیں ؟

المستفتی نمبر ۲۴۴۷ سید احسن علی بھاگلپور - ۲ محرم ۱۳۵۴ھ م ۷ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۶۹) عید گاہ کا حکم مسجد کے احکام سے کچھ تھوڑا مختلف ہے لیکن تعلیم کے حق میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں حتی الامکان مسجد یا عید گاہ میں بچوں کی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ کیا جائے کہ بچے پاکی ناپاکی اور احترام مسجد کا خیال نہیں رکھ سکتے لیکن اگر کسی دوسری جگہ کا انتظام نہ ہو سکے تو پھر مجبوری کی حالت میں مسجد یا عید گاہ میں بھی تعلیم دینا ناجائز نہیں ہاں معلم کا فرض ہے کہ وہ مسجد یا عید گاہ کے احترام و صفائی کا لحاظ رکھے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بے سمجھ بچوں کو مسجد میں نہ پڑھایا جائے

(سوال) ایسے چھوٹے بچوں کا مکتب مسجد میں قائم کرنا جو کہ استنجاء طہارت بھی نہیں کرتے نہ مسجد کا ادب و احترام کر سکتے ہیں ان کے جسم و لباس کی طہارت بھی مشکوک ہوتی ہے مسجد کی چیزیں ضائع اور مسجد کا پانی خراب مشکوک کرتے ہیں اور بے طہارت رہتے ہیں ایسے بچوں کو مسجد میں پڑھانا اور ان کا مکتب مسجد میں قائم

---

(۱) واما المعلم الذی یعلم الصبیان باجر إذا جلس فی المسجد یعلم الصبیان لضرورة الحر وغیره لا یکره (عالمگیریة احکام المسجد ۱ / ۱۱۰ ماجدیه)

(۲) واما المعلم الذی یعلم الصبیان باجر إذا جلس فی المسجد یعلم الصبیان لضرورة الحر اوغیره لا یکره (عالمگیریة فصل کره غلق باب المسجد ۱ / ۱۱۰ ط ماجدیه) فیجب تنزیه المسجد عنه کما یجب تنزیه عن المخاط والبلغم الخ (رد المحتار کتاب الصلاة احکام المسجد ۱ / ٦٦٠ ط سعید)

کرنا جائز ہے؟ المستفتی نمبر ۲۰۲۹ شیخ حاجی ہنگود محمد مصطفی سلطانپور (اودھ)
۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۱ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۷۰) مکتب کے لئے مسجد کے علاوہ کوئی دوسری جگہ تجویز کرنی چاہئے اور جب دوسری جگہ تجویز ہو جائے تو مسجد کو بچوں سے محفوظ رکھا جائے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل دوازدہم ۔ استقبال قبلہ

مکہ سے دور رہنے والوں کے لئے جہت قبلہ کافی ہے

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کے نقشے کے صحیح و چشم دید حالات کے بارے میں۔ نمبر ایک نماز پنجگانہ کی مسجد جدید ہے نمبر دو جنازہ گاہ نو تعمیر۔ نمبر تین قدیم جنازہ گاہ نمبر ایک کی محراب سے آلات قطب نماسے پچیس درجے شمال کی طرف پھری ہوئی ہے۔ نمبر چار قدیم جنازہ گاہ آلات قطب نماسے بائیس درجے شمال کی طرف پھری ہوئی ہے اور قبریں بھی جدید و قدیم اسی نمبر تین وچار کے مطابق دفناتے ہیں مسلمانوں میں چھ سات سال سے نااتفاقی ہو رہی ہے اول گروہ کہتے ہیں بلا کراہت ہر سہ جنازہ گاہ میں نماز جنازہ جائز ہے اور پنجگانہ بھی کیونکہ جہت قبلہ شمال تا جنوب درمیان میں جہت ہے دوم گروہ کہتے ہیں ہر سہ حصے میں جائز ہونے تو بھی صحیح و بلا کراہت کے ہوتے ہوئے اور ایک ہی احاطہ میں اتنے قریب کہ فقط چار پانچ گز کا فاصلہ ہے اس لئے نمبر دو میں درست ہوگی سوم گروہ کہتے ہیں ہر سہ میں ایک صحیح ہے تو ایک غلط ہے اگر قدیم کو صحیح کہتے ہیں تو قدیم ہی میں پڑھیں اگر جدید کو صحیح مانتے ہیں تو جدید ہی میں سب پڑھیں کیونکہ ایک ہی امامت کرنے والا اور جدید میں بھی امامت کریں تو اس کی اقتدا کراہیت سمجھتا ہوں اس لئے اس طرف والے کی امام کی اقتدا نہیں کرتا۔ المستفتی نمبر ۵۶۱ اسد اللہ خاں۔ (مرگوئی برما)
۴ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۵ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۷۱) یہ صحیح ہے کہ مکہ معظمہ سے دور دراز فاصلے کے شہروں میں خاص کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دینا دشوار اور مسلمانوں کے لئے مشقت کا موجب ہے اس لئے بغرض آسانی جہت قبلہ کو قائم مقام قبلہ کا قرار دے دیا گیا ہے مشرقی ممالک میں رہنے والوں سے قبلہ یعنی کعبہ جہت مغرب میں واقع ہے اہل مشرق کا قبلہ جہت مغرب ہے اور یہ حکم اس بنا پر دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو استقبال قبلہ میں دشواری بھی نہ ہو اور قبلہ سامنے نہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کی جماعت مختلف سمتوں کی طرف منہ کر کے بھی کھڑی نہ ہو کہ یکجہتی اور اتحاد ملت اور اتحاد قبلہ کی حکمت کے یہ امر منافی تھا اس حکم کا فائدہ یہ تھا کہ نہ صرف

(۱) ویحرم إدخال صبیان و مجانین حیث غلب تنجیسهم' وإلا فیکره (الدر المختار' أحکام المسجد ۱/ ۶۵۶ ط سعید)

ایک شہر یا دس شہروں یا ایک صوبے یا ایک احاطے کا قبلہ ایک رہے بلکہ کعبہ سے مشرقی سمت میں رہنے والے تمام شہروں اور تمام صوبوں اور تمام احاطوں کے مسلمان ایک ہی جہت میں نماز پڑھتے رہیں اور اسی کے باعث وحدت قبلہ اور وحدت ملت کا نظام قائم رہے اس لئے تمام اہل مشرق پر لازم ہے کہ وہ سیدھی مغربی جہت کو قبلہ قرار دیکر مسجدیں بنائیں اور نماز ادا کریں اور اسی پر سلفاً و خلفاً عمل چلا آرہا ہے اور اس مغربی جہت میں نماز پڑھنے والے خاص کعبہ سے مختلف سمتوں میں رہنے والے ہیں بعض شمالی ہیں بعض جنوبی اور پھر شمال و جنوب میں قرب و بعد کا تفاوت ہے تو تمام اہل مشرق کا قبلہ جہت مغرب ہے خواہ وہ آپس میں شمالاً و جنوباً کتنے ہی مختلف ہوں۔

پس نمبر ۲ میں جو جہت مغرب پر صحیح بنی ہوئی ہے اور مسجد نماز پنجگانہ نمبر ایک کے موافق ہے نماز جنازہ پڑھنی چاہئیے اور نمبر ۳ و نمبر ۴ کو بھی اسی کے موافق کرلیں یا ان میں کھڑے ہونے کے وقت ذرا ترچھے کھڑے ہوں تاکہ سب کا قبلہ ایک ہو اور آپس میں اختلاف و انتشار ظاہر نہ ہو۔

یہ بات کہ ایک ہی بستی بلکہ ایک ہی قبرستان کے احاطے میں تین جنازہ گاہوں کے قبلے تین سمت کو ہوں سخت مذموم ہے اور اسلامی حکمت وحدت قبلہ کے منافی ہے جس کے لئے شریعت مقدسہ نے حقیقی استقبال قبلہ کو ساقط کرکے جہت قبلہ کے استقبال کا حکم دے دیا تھا(۱) ان لوگوں نے اس حکم کی حکمت کو ہی باطل کردیا اور ایک احاطے میں تین قبلے بنالئے اللہ تعالیٰ ہدایت دے اور اتباع حق کی توفیق عطا فرمائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) استقبال قبلہ کا طریقہ
(۲) معمولی انحراف مفسد نماز نہیں
(۳) قطب ستارے کے ذریعے سمت قبلہ کی تعیین

(سوال) اگر قطب نمازی کے عین شانہ سے ذرا ادھر ادھر ہٹ جائے تو اس کی جہت درست ہونے کی بابت کیا حکم ہے جہت کعبہ کہاں سے کہاں تک لی جاتی ہے ؟

المستفتی نمبر ۶۴۹ مولوی خدا بخش (ٹیکم گڑھ) ۸ رجب ۱۳۵۴ھ م ۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۷۲) قطب دائیں شانہ سے ذرا پیچھے رہنا چاہئیے دہلی کی جامع مسجد کا قبلہ اس طرح ہے جہت کعبہ میں توسعت ہے تاہم قبلہ کی جہت مساجد قدیمہ کی جہت سے صحیح کرلینا چاہئیے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) والسادس استقبال القبلة فللمكي إصابة عينها ولغيره أى غير معاينها إصابة جهتها بأن يبقى شئى من سطح الوجه مسامتا للكعبة او لهوائها الخ (الدر المختار' كتاب الصلاة مبحث فى استقبال القبلة' ١/ ٤٢٨ ط سعيد)

(٢) قال فى الدر المختار: " وهو فى القرى والأمصار محاريب الصحابة والتابعين' و فى المفاوز والبحار النجوم كالقطب الخ و قال الشامى : (قوله : " كالقطب") وهو أقوى أدلة وهو نجم صغير فى بنات النعش الصغرى بين الفرقدين و الجدى إذا جعله الواقف خلف أذنه اليمنى كان مستقبل القبلة (مبحث فى استقبال القبلة' ١/ ٤٣٠ ط سعيد)

(جواب ۲۷۳) (۶۷۳) قصداً باوجود علم کے نودس درجے کے انحراف کو نظر انداز کر دینا اور غلط سمت پر نماز پڑھنا مسلمانوں کے قلوب میں خطرات ووساوس پیدا کرنے اور استقبال قبلہ کی وقعت کو گھٹانے کا موجب ہوگا اس لئے مسجد میں صحیح سمت کے نشان قائم کر کے ہی نمازیں ادا کرنی چاہئیں ہاں یہ صحیح ہے کہ اداشدہ نمازوں کا اعادہ لازم نہیں ہے کیونکہ موجودہ انحراف اتنا نہیں ہے کہ سمت قبلہ کی حد معین سے باہر ہو گیا ہو(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۱۳ شعبان ۱۳۵۴ھ

(جواب ۲۷۴) (۶۷۴) تمام ہندوستان کعبہ معظمہ سے جہت مشرق میں واقع ہے اور جہت قبلہ میں اس قدر توسع ہے کہ قطب تارہ سیدھا دائیں کندھے پر ہو یا قدرے پیچھے کو یا قدرے آگے کو ہٹا ہوا ہو دونوں صورتوں میں جہت قبلہ کا استقبال ہو جاتا ہے لیکن صحیح صورت یہ ہے کہ قطب تارہ دائیں کندھے کے پچھلے حصے کے مقابل رہے دہلی کی جامع مسجد کی یہی جہت ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۲۱ شعبان ۱۳۵۴ھ م ۱۹ نومبر ۱۹۳۵ء

جس مسجد کا رخ قبلہ کی طرف درست نہ ہو

(سوال) ایک شرقی ملک میں ایک شہر ہے اس میں ایک قدیمی قبرستان ہے اس میں نماز جنازہ کے لئے تین عمارت پختہ بنی ہوئی ہیں یہ تینوں قریب قریب واقع ہیں اور اسی قبرستان میں نماز پنجگانہ کے لئے ایک مسجد بھی ہے یہ تینوں جنازہ گاہیں تین قسم کی جہت پر ہیں ایک بالکل مغربی جہت پر ہے شہر کی قدیمی مسجد سے اور آلات قطب نما سے بھی۔ دوسری پنجگانہ مسجد کے مطابق ہے نمبر ۳ شہر کی قدیمی مسجد سے اور آلات قطب نما سے بالکل ۲۵ درجے شمال کی طرف جھکی ہے نمبر ۴ آلات قطب نما سے نیز شہر کی مسجد سے بائیس درجہ شمال کی طرف پھری ہوئی ہے ان میں سے کس میں نماز جنازہ جائز ہے ؟

المستفتی نمبر ۹۳۲ حاجی محمد حنیف مرگوئی ۲۶ صفر ۱۳۵۵ھ ۱۸ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۷۵) نماز پنجگانہ والی مسجد اور جنازہ کی مسجد نمبر ۲ درست ہیں نمبر ۳ و ۴ غلط ہیں اگرچہ نماز جنازہ ان کے اندر پڑھنے سے ہو جائے گا لیکن قصداً غلط جہت پر نماز ادا کرنا مکروہ ہے ان دونوں کو نمبر ۲ کی طرح درست کر لینا چاہئے یا جنازہ رکھنے اور صفیں قائم کرنے میں جہت نمبر ۲ کے موافق انحراف کر لینا چاہئے۔ فقط (۳)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

---

(۱) فعلم أن الإنحراف اليسر لا يضر وهو الذى يبقى منه الوجه او شئى من جوانبه مسامتا لعين الكعبة أو لهوائها الخ (رد المحتار مبحث في استقبال القبلة" ۱ / ۴۳۰ ط سعيد وامداد المفتين ۱ / ۲۶)

(۲) و فى المفاوزة والبحار النجوم كالقطب (درمختار) وفى الشامية وهو أقوى الادلة. إذا جعله الواقف خلف أذنه اليمنى كان مستقبل القبلة (مبحث فى استقبال القبلة ۱ / ۴۳۰ ط سعيد)

(۳) والسادس استقبال القبلة . فللمكى اصابة عينها ولغيره اى غير معاينها إصابة جهتها بأن يبقى شئى من سطح الوجه سامتا للكعبة أو لهوائها " (التنوير مع الدر كتاب الصلاة مبحث فى استقبال القبلة ۱ / ۴۲۸،۴۲۷ ط سعيد)

قبلہ سے معمولی انحراف

(سوال) ایک مسجد کی بنیاد تھوڑی سی ٹیڑھی رکھی گئی اور عمارت بلند ہو چکی ہے زمیندار غریب آدمی ہے اس کی عمارت پر چھت ڈال دی جائے یا کہ نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۴۳۶ چودھری خیر الدین صاحب (ضلع انبالہ) ۷ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ۱۸ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۷۶) بہتر تو یہی ہے کہ مسجد کو قبلہ کی سمت کے موافق کر لیا جائے پھر چھت ڈالی جائے لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو اور چھت ڈال لی جائے تو مسجد میں صفیں قبلہ رخ کھڑی ہوا کریں نماز ہو جائے گی۔(۱)

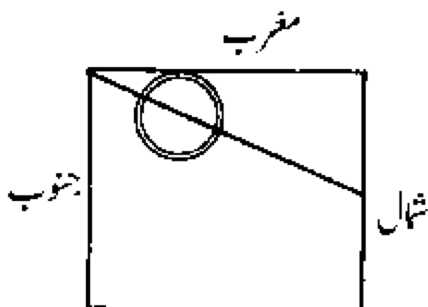
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

منحرف مسجد کا قبلہ درست کیا جائے

(سوال) قصبہ پرائپورہ ریاست جے پور میں ایک مسجد قدیم زمانے شاہی کی تعمیر کی ہوئی ہے اس میں جمعہ و جماعت ہوتی ہے اب تک کسی کو کچھ خیال نہ ہوا اب چند شخصوں نے قطب نما وغیرہ کے ذریعہ سے دیکھا تو مسجد کا رخ سمت قبلہ سے کسی قدر ٹیڑھا معلوم ہوتا ہے بدیں وجہ چند صاحبان کہتے ہیں کہ بغیر درستی مسجد نماز درست نہیں ہوتی اور مسجد کی درستی از سر نو تعمیر جدید سے ہو سکتی ہے یہ کام مسلمانوں کی حالت اور طاقت موجودہ سے بعید ہے کیونکہ قصبہ ہذا میں بہت تھوڑے گھر غریب مسلمانوں کے ہیں علاوہ اس کے فتنہ و فساد کا پورا احتمال ہے کہ متعصب ہندوؤں کی اکثریت کا غلبہ ہے مسجد کو شہید کرنے میں اور جدید تعمیر کرنے پر ضرور رکاوٹ پیدا کرنے کا خطرہ ہے خطوط کے ذریعہ صفوف کو سیدھا کرنے میں بجائے دو صفوں کے ایک صف کا ہونا بھی ناممکن ہو جاتا ہے اور نمازیوں کو جگہ نہیں ملتی ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ حالیہ مسجد میں نماز بلا کراہت درست و جائز ہے یہ مسجد بادشاہی زمانے کی بنی ہوئی ہے قطب نما کی جہت کا کچھ اعتبار نہیں لہذا علمائے دین سے گزارش ہے کہ ایسی صورت میں جو حکم شرع شریف کا ہو اس سے بحوالہ کتب فقہ حنفی مطلع فرما کر مسلمانوں کو مشکور فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۱۹۱۵ ملا عبد الغنی صاحب (جے پور) ۱۸ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۷۷) اس مسجد کی سمت کا نقشہ صحیح صحیح قطب نما کے لحاظ سے بنوا کر میرے پاس بھیجو تو پھر میں اس کا حکم بتاؤں گا نقشہ لینے کی صورت یہ ہے کہ ایک کاغذ پر مسجد کی عمارت کا مربع نقشہ بناؤ اور پھر اس



(۱) (ایضاً حوالہ صفحہ گزشتہ حاشیہ ۳)

پر قطب نما رکھ کر دیکھو کہ مسجد کی سمت سے کس قدر ہٹ کر خط سمت جاتا ہے اور جنوباً یا شمالاً کس قدر تفاوت ہوتا ہے یہ نقشہ مسجد کے اندر اس کی سمت عمارت پر کاغذ رکھ کر بن سکے گا مثلاً یہ مربع مسجد کی موجودہ عمارت کی سمت پر درست کر کے رکھو کہ خط مغربی مغرب کی دیوار پر سیدھا منطبق ہو اس کے بعد مغربی خط پر قطب نما رکھو اور اس کی سوئی کی دونوں طرفوں کی سیدھ میں خط لگالو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قبلہ کی طرف پاؤں کر کے سونا خلاف ادب ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) قبلہ کی طرف پاؤں کر کے قصداً سونا کیسا ہے ؟

(جواب ۲۷۸) قبلہ کی طرف پاؤں کر کے سونا خلاف ادب ہے(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

چھت مسجد سے منحرف ہو کر نماز پڑھنا

(الجمعیۃ مورخہ ۵ مئی ۱۹۳۴ء)

(سوال) زید جب نماز پڑھتا ہے تو پچھم دکھن کے کونے کو قبلہ رخ تصور کر کے نماز پڑھتا ہے اور سمجھانے سے نہیں مانتا اس کے مکان کے قریب ہی مسجد ہے مسجد قطب ستارے سے ملی ہوئی ہے لیکن زید مسجد کو ٹیڑھی بتاتا ہے اور اگر قطب ستارہ پہچوانے کو کہا جاتا ہے تو زید کہتا ہے کہ تم کسی شرعی دلیل سے قطب ستارے کو ثابت کرو ہم لوگوں کو قطب کی شناخت معلوم نہیں ہے۔

(جواب ۲۷۹) زید جنوب مغرب کے گوشے کی طرف منہ کر کے کس وجہ سے نماز پڑھتا ہے ؟ اگر وہ اس جہت کو اپنے مقام کے لئے قبلہ کی صحیح جہت سمجھتا ہے اور اس کے پاس اس کی دلیل بھی ہو تو اس کی نماز صحیح ہوگی ورنہ اس کو اپنے شہر کی مساجد قدیمہ کی جہت کا اتباع کرنا چاہئیے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دور والوں کے لئے جہت قبلہ کافی ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) قرآن مجید میں نماز پڑھنے کے لئے کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے۔ **فولو اوجوهکم شطر**

---

(۱) وفی العالمگیریۃ : " ویکرہ مد الرجلین إلی الکعبۃ فی النوم وغیرہ عمدا الخ (الباب الخامس فی آداب المسجد ۵/۳۱۹ ماجدیہ کوئٹہ) وفی الشامیۃ: " ویکرہ تحریما استقبال القبلۃ . وکما کرہ مد رجلین فی نوم أو غیرہ إلیها أی عمدا : لأنه إساءۃ أدب (مطلب فی أحکام المسجد ۱/ ۶۵۵ ط سعید)

(۲) وجهة الكعبة تعرف بالدليل ' والدليل فى الأمصار والقرى المحاريب التى نصبها الصحابة والتابعين فعلينا اتباعهم الخ (عالمگیریۃ' الفصل الثالث فی استقبال القبلۃ ۱/ ۶۳ ط ماجدیہ)

المسجد الحرام بنگلور اور میسور میں عموماً مساجد کا رخ عین مغرب کی طرف ہے جو قبلہ سے بہت ہٹ کر پڑتا ہے مستفتی کا ارادہ ایک مسجد تیار کرنے کا ہے کیا میں بھی اسی طرح مسجد تیار کروں جس طرف دوسری مساجد کا رخ ہے یا نقشہ اور کمپاس کے لحاظ سے عین خانہ خدا کی سمت مسجد کا رخ رکھا جائے۔

(جواب ۲۸۰) یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں کا قبلہ مسجد حرام یعنی کعبہ مقدسہ ہے لیکن چونکہ دور دراز ممالک کے رہنے والے مسلمانوں کے لئے یہ بات بہت دشوار تھی کہ وہ ہر مقام پر کعبہ کی صحیح سمت معلوم کریں اس لئے شریعت مقدسہ نے آسانی کے لئے جہت قبلہ کو قبلہ کا حکم دے دیا ہے اور دور دراز کے ان ممالک کے لئے جو مشرقی ممالک کے رہنے والے ہیں مغربی جہت قبلہ ہو گئی اور ان کی نمازیں مغربی جہت کی طرف منہ کر لینے سے درست ہو جاتی ہیں اس لحاظ سے کہ آپ بنگلور میں صحیح سمت کعبہ معلوم کر کے اپنی زیر تجویز مسجد کو اس کے موافق تیار کریں اصل کے لحاظ سے وہ مسجد صحیح اور بہتر ہو گی مگر چونکہ اس میں مسلمانوں کے خیالات میں انتشار اور طرح طرح کے اوہام پیدا ہونے کا قوی امکان ہے کہ ساری مسجدیں تو ایک طرح کی ہیں اور ایک مسجد دوسری طرح کی اس لئے اس انتشار وہم سے بچانے کے لئے آپ اپنی مسجد کو متمیز طریقے پر دوسری مساجد کے خلاف تعمیر نہ کریں اگر کوئی غیر متمیز تفاوت ہو تو مضائقہ نہیں۔ تاکہ مسلمان انتشار خیال اور باہمی اختلاف سے بچیں۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل سیز دہم۔ جماعت خانہ وصحن وفنائے مسجد

مسجد سے ملحق دکان پر امام کے لئے حجرہ بنانا

(سوال) مسجد کے دائیں جانب ایک دکان ہے جس کی دیوار مسجد کی اور دکان کی ایک ہے لیکن دکان کا دروازہ باہر کی طرف ہے اسی دکان کی چھت کے اوپر ایک حجرہ امام کے رہنے کے واسطے تعمیر کرایا ہے جو دیوار مسجد کی دکان میں آگئی ہے وہی دیوار اوپر حجرے میں آگئی ہے اور حجرے کا دروازہ بھی باہر کی طرف ہے امام بال بچے دار نہیں' تنہا ہے تو کیا اس حجرے میں رہنا جائز ہو گا۔ ؟

المستفتی نمبر ۸۵ نور محمد لکھنؤ۔ ۵ رجب ۱۳۵۳ھ م ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۸۱) امام کو اس حجرے میں جو مسجد کی فضا پر نہیں ہے بلکہ دکان کی چھت پر ہے رہنا جائز ہے' البتہ مسجد کی دیوار کو حجرے میں شامل کرنا نہیں چاہئیے تھا(۲) تاہم اس کی وجہ سے امام کو حجرہ میں رہنا ناجائز نہیں ہے۔　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) فی التنویر و شرحہ: " والسادس استقبال القبلۃ حقیقۃ او حکمافللمکی إصابۃ عینھا ولغیر إصابۃ جھتھا بأن یبقی شئی من سطح الوجہ مسامتاً للکعبۃ أو لھو ائھا (مبحث فی استقبال القبلۃ' ۱/ ٤٢٧.٤٢٨ ط سعید)

(۲) ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد' وإن کان من أو قافہ (رد المحتار' کتاب الوقف' أحکام المسجد ٤/ ٣٥٨ وخیر الفتاوی' احکام المسجد ٢/ ٧٢٢ ط ملتان)

مسجد کی دکان پر امام کے لئے حجرہ بنانا

(سوال) مسجد کی دکانوں پر مسجد کے متصل ایک مختصر بالا خانہ ہے جس کا باہر آنے جانے کا دروازہ بھی مسجد کے دروازہ سے علیحدہ ہے اس میں امام مسجد مذکور مع اپنے اہل و عیال کے رہتا ہے لہذا امام کو مع اپنے اہل و عیال کے ایسے مکان یا حجرے میں رہنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۷۰۵ قاری عبدالرحیم (دہلی) ۱۱ شوال ۱۳۵۴ھ م ۷ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۸۲) اگر حجرہ مسجد پر نہیں ہے بلکہ دکانوں پر ہے اور اس کا راستہ اور دروازہ بھی مسجد سے علیحدہ ہے تو اس میں امام مسجد مع اہل و عیال کے رہ سکتا ہے اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔(۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

استنجاء خانوں کے اوپر امام کے لئے جگہ بنانا

(سوال) ایک دو منزلہ مسجد کے نیچے سے جس قدر جگہ نماز کے لئے مقرر ہے سیدھا اوپر بھی اسی قدر جگہ نماز کے لئے مقرر ہے یعنی نیچے سے لیکر سیدھا اوپر تک ایک برابر جگہ نفس مسجد بنی ہوئی ہے اور مشرقی جانب نیچے میں کسی قدر جگہ میں حوض ہے متصل اس کے پیشاب خانہ ہے کسی قدر جگہ خالی ہے جہاں لوگ جوتی وغیرہ چھوڑتے ہیں اس کے متصل گوشہ میں چھوٹی سی کوٹھری دکان ہے جس قدر جگہ میں نیچے حوض دکان وغیرہ ہیں اس کے سیدھا اسی قدر اوپر جگہ میں امام کی کوٹھری بھی ہے جو کہ وقت بنائے مسجد خود واقف و بانی مسجد نے امام کی بیت سکونت کے لئے خارج کر کے رکھا ہے بیت الامام میں امام کم از کم چالیس سال سے سکونت بھی کرتا ہے خلاصہ یہ کہ یہ کوٹھری امام کی شرقی جانب مسجد کے سامنے دو منزلہ پر ہے جس کے نیچے بھی نماز نہیں پڑھی جاتی۔ بلکہ حوض و دکان وغیرہ ہیں نیچے جہاں تک مسجد ہے اوپر بھی وہاں تک مسجد ہی ہے بیت الامام بالا خانہ پر اگرچہ مستقل ہے لیکن اس کی حدود دیوار سے علیحدہ کی ہوئی ہیں یعنی بذریعہ دیوار وغیرہ کے کوٹھری محدود و محفوظ کی ہوئی ہے اسکا دروازہ بھی الگ ہے اوپر نیچے مسجد میں آمد و رفت کے دروازے الگ ہیں غرض امام کی کوٹھری کے باعث کوئی آلودگی یا بے حرمتی مسجد یا مصلی کی آمد و رفت اوپر یا نیچے میں کوئی رکاوٹ نہیں کوٹھری کا تمام انتظام علیحدہ ہے آنا جانا پانی وغیرہ میں ایسی حالت میں کوٹھری مذکورہ میں امام اپنی اہلیہ کے ساتھ بود و باش کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ در مختار بحر الرائق وغیرہ میں جو لکھتے ہیں لو بنی فوقه بیتا للامام (للسکنی) لا یضر لانه من المصالح اس سے کیا مراد ہے۔ کیا امام کا مجرد رہنا یا مع اہل و عیال کے یا امام کا خالی بیٹھے رہنا اور کھانا پینا وغیرہ حاجات انسانیہ کچھ بھی یہاں پر نہ کرنا جس سے حرمت مسجد میں خلل ہو حال آنکہ یہ کوٹھری زمان ابتدائے بنائے مسجد سے ہے اور امام مدت

---

(۱) وکرہ تحریما الوطء فوقه والبول والتغوط' لانه مسجد إلی عنان السماء (الدر المختار' باب ما یفسد الصلاۃ' وما یکرہ فیها ۱/۶۵۶ ط سعید)

مدید سے سکونت بھی کرتے ہیں اور بدستور اپنے کام کے لئے یہ سب منجانب واقف وقف بھی ہیں۔
المستفتی نمبر ۱۰۲۳ مولوی محمد ادریس صاحب گوہری امام مسجد کوئن اسٹریٹ سنگاپور
۶ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۷ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۸۳) صورت مسئولہ میں یہ کوٹھری جو مسجد سے علیحدہ دکان یا حوض کی چھت پر ہے اس میں امام اپنے اہل و عیال کے ساتھ سکونت کر سکتا ہے کیونکہ جب کہ یہ ابتدا سے اسی کام کے لئے بنائی گئی اور اصل مسجد یعنی مکان مہیا للصلوۃ سے یہ بالکل جدا ہے تو اس کا حکم نفس مسجد کا نہیں اور اس میں سکونت کرنے سے مسجد کے احترام میں بھی کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا۔ درمختار کی عبارت **ولو بنی فوقه الخ**(۱) تو اس بیت یعنی کوٹھری کے متعلق ہے جو نفس مسجد پر ہو اس میں بھی امام کو رہنا جائز ہے مگر اس میں اہل و عیال کے ساتھ رہنا یا کوئی ایسا کام کرنا جو آداب مسجد کے منافی ہو جائز نہ ہوگا مگر سوال میں جو صورت ہے یہ اس سے بالکل مختلف ہے۔(۲) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد کے دروازے کے متصل بازار لگانا

(سوال) جامع مسجد کے شرقی دروازے کے آگے جہاں جوتیاں اتاری جاتی ہیں اور وہ جگہ مسجد کی ملکیت ہے ایک بازار کبوتران و مرغ فروشان کا ہر روز لگا کرتا ہے اور خوانچہ والے بکثرت وہاں سودا بیچتے ہیں ان کبوتر فروشوں اور خوانچہ والوں کی وجہ سے وہاں ایک ہجوم رہتا ہے اور مسجد کا دروازہ بالکل گھرا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ نمازی اگر نماز کے لئے مسجد میں جانا چاہیں تو اس وقت ان کو سخت دشواری کا سامنا ہوتا ہے بھیڑ اس کثرت سے ہوتی ہے کہ راستہ نہیں ملتا اور بعض اوقات نمازیوں کو ہجوم کی کثرت کی وجہ سے واپس آنا پڑتا ہے اس کے علاوہ مسجد کے دروازہ کے آگے لوگ حقہ بیڑی سگریٹ وغیرہ پیتے ہیں اور گالی گلوچ بکتے ہیں غرض اس بازار کے لوگ نہ مسجد کا احترام کرتے ہیں نہ نمازیوں کے راستہ کی پروا کرتے ہیں منتظمین مسجد سے کئی بار استدعا کی گئی لیکن وہ یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ یہ بازار شاہی زمانے سے لگتا ہے مسجد کے دروازہ کے آگے بازار لگانا اور لوگوں کا وہاں گالی گلوچ بکنا اور نمازیوں کے لئے قریب قریب راستہ کو بند کر دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور جو منتظمان توجہ دلانے کے باوجود اس امر کی طرف توجہ نہ کریں بلکہ صورت موجودہ میں بازار قائم رہنے اور نمازیوں کو راستہ کی تکلیف ہونے دیں ان کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟
المستفتی نمبر ۱۴۱۴ حاجی محمد دین صاحب لیس والے (خلف حاجی رفیع الدین مرحوم (چاندنی چوک دہلی)
۱۴ صفر ۱۳۵۶ھ ۲۶ اپریل ۱۹۳۷ء

---

(۱) (الدر المختار' کتاب الوقف' أحکام المسجد ٤ / ٣٥٨ ط سعید)
(۲) والتنویر و شرحہ: " و کرہ الوطء فوقہ والبول والتغوط' لأنہ مسجد إلی عنان السماء (باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا ١ / ٦٥٦ ط سعید)

(جواب) (از امام صاحب فتح پوری) ہو الموفق دروازہ مسجد اسی لئے بنایا جاتا ہے تاکہ نمازی اس سے مسجد میں داخل ہوں پس خلاف منشائے واقف اس پر دکانیں قائم کرنا یا کبوتر فروشوں وغیر ہم کو اس پر خرید و فروخت کی اجازت دیکر نمازیوں کی راہ تنگ کرنا ہر گز جائز نہیں لانہ لا یجوز تغییر شرط الواقف کما فی عامۃ کتب الفقۃ قال فی الاسعاف ولو اراد قیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حرم المسجد و فنائہ قال الفقیہ ابو اللیث لا یجوز لہ ان یجعل شیئا من المسجد سکنا و مستغلا انتہی ص ۷۴۷ اور سلاطین ماضیہ کے عمل کو صورت مذکورہ میں حجت گردانا صحیح نہیں کہ یہ حجج شرعیہ سے نہیں ہے پس یہ دلیل جواز نہیں ہو سکتا پھر حضرت شاہ جہاں نور اللہ مرقدہ سے تو یہ امر ثابت ہو ہی نہیں سکتا انہوں نے اس مقام پر بازار لگوانے کی اجازت دی ہو گی بالفرض اس کا رواج اگر پڑا ہو گا تو پچھلے زمانہ کے سلاطین کے زمانہ میں پڑا ہو گا جس کا باعث سلاطین کی غفلت اور لاپرواہی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے اور اس صورت میں ان کی اتباع کیونکر کی جا سکتی ہے کمیٹی مسجد جامع چونکہ اس کی اصلاح پر قادر ہے اس لئے شارع کا حکم اسی کی جانب متوجہ ہے کہ وہ اس طرف اپنی توجہ مبذول فرما کر اس مفسدہ کا انسداد فرمادے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ امام مسجد فتح پوری دہلی

(جواب ۲۸۴) (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہو الموفق۔ مسجد کے دو حصے ہوتے ہیں ایک تو وہ حصہ جو مہیا للصلوۃ یعنی ادائے نماز و عبادت کی غرض سے بنایا جاتا یا معین کیا جاتا ہے دوسرا وہ حصہ جو پہلے حصے (مہیا للصلوۃ) سے خارج مگر احاطہ مسجد یا فناء مسجد میں شامل ہوتا ہے ان دونوں حصوں کے احکام جدا جدا ہیں پہلے حصے میں ناپاک (جنابت والے انسان اور حیض و نفاس والی عورت) کا داخل ہونا حرام ہے اور اس میں نماز پڑھنے والے کو مسجد کا ثواب ملتا ہے اس میں بیع و شرا ناجائز ہے معتکف کو اس حصے کے اندر رہنا لازم ہے یہ حصہ اوپر آسمان تک اور نیچے تحت الثریٰ تک مسجد کا حکم رکھتا ہے دوسرے حصے میں جو مہیا للصلوۃ سے خارج ہے ناپاک آدمی داخل ہو سکتا ہے اس میں نماز پڑھنے والے کو مسجد کا ثواب نہیں ملتا اس میں بیع و شرا حرام نہیں ہے معتکف اس حصے میں بغیر عذر شرعی چلا جائے تو اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے اور اس کا یہ حکم نہیں کہ اوپر آسمان تک اور نیچے تحت الثریٰ تک مسجد کے احکام جاری کئے جائیں ان مسائل کے دلائل یہ ہیں۔ لانہ مسجد الی عنان السماء (درمختار) وکذا الی تحت الثری کما فی البیری عن الاسبیجابی (رد المحتار)(۱) ویحرم بالحدث الاکبر دخول مسجد لا مصلی عید و جنازۃ و رباط مدرسۃ (درمختار) قولہ لا مصلی عید و جنازۃ فلیس لہما حکم المسجد فی ذلک وان کان لہما حکمۃ فی صحۃ الاقتداء وان لم تتصل الصفوف و مثلہا فناء المسجد و تمامہ فی البحر (رد المحتار)(۲) کما کرہ فیہ مبایعۃ غیر المعتکف مطلقا للنہی (درمختار)(۳) پس ان تصریحات

(۱) باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا مطلب فی احکام المسجد ۱ / ۶۵۶ ط سعید)
(۲) کتاب الطہارۃ ۱ / ۱۷۱ ط سعید) (۳) باب الاعتکاف ۲ / ۴۴۹ ط سعید)

کے بموجب مسجد کے حصہ اول یعنی مہیا للصلوۃ کے کسی جزو کو یا اس کے اوپر یا نیچے رہائش کے لئے استعمال کرنا یا اس کے اوپر آمدنی کے لئے کمرے اور مکان یا اس کے نیچے دکانیں بنانا ناجائز ہے خواہ یہ دکانیں تجارتی اغراض میں استعمال کرنے کے لئے یا رہائش کے لئے کرایہ پر اٹھائی جائیں پس فقہا کی تصریحات اور اسعاف کی عبارت منقولہ بالا اور فقیہ ابو اللیث کے قول کے بموجب مسجد فتح پوری کی تمام دکانیں فناء مسجد میں اور سنہری مسجد اور احاطہ کالے صاحب اور دیگر مساجد کی دکانیں جو عین مسجد کے نیچے واقع ہیں فناء مسجد میں واقع ہیں اور سب ناجائز ہونے میں شریک ہیں اور عین مسجد کے نیچے کی دکانوں کا حکم عدم جواز شدید ہے بہ نسبت فنائے مسجد کی دکانوں کے۔ جامع مسجد کے شرقی دروازے کے بازار حیوانات اور اس کے شور و شغب کا اصل حکم یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے اور زمانہ قدیم سے ہونا وجہ جواز نہیں اور اگر کمیٹی اس کی اصلاح پر قادر ہے تو اسے اصلاح کرنی چاہئے اور یہی حکم ان دکانوں کا ہے جو دیگر مساجد کے فنا میں واقع ہیں اور اس سے زیادہ شدید ان مساجد کی دکانوں کا جو عین مسجد کے نیچے یا اوپر واقع ہیں۔ **واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔**

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

صحن مسجد میں حوض استنجاء خانہ بنانے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) کیا صحن مسجد میں برائے وضو حوض اور برائے بول و براز طہارت خانہ بنا سکتے ہیں ؟ ایک مسجد کو منہدم کرکے صحن قرار دینا اور تقریباً پچیس گز کے فاصلے پر دوسری مسجد تیار کرنا کس حد تک صحیح ہے ؟

(جواب ۲۸۵) صحن مسجد کا اطلاق دو معنوں پر کیا جاتا ہے اول مسجد کے اس غیر مسقف حصے کو صحن کہتے ہیں جو مہیا للصلوۃ تو ہوتا ہے یعنی نماز و جماعت ادا کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے لیکن بغیر چھت کے کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے دوم اس حصے کو بھی صحن کہہ دیتے ہیں جو موضع مہیا للصلوۃ کے مسقف اور غیر مسقف حصے کے بعد خالی زمین یا فرش کی صورت میں چھوڑ دیا جاتا ہے مگر وہ نماز و جماعت ادا کرنے کے لئے نہیں بنایا جاتا۔

پہلے معنی کے لحاظ سے صحن تو مسجد کا ہی ایک حصہ ہے اور اس کے احکام مسجد کے احکام ہیں اس میں حوض اور وضو کی نالی وغیرہ بنانا جائز نہیں کیونکہ جو جگہ ایک مرتبہ مسجد ہو جائے اور اس کو نماز کے لئے مخصوص کر دیا جائے پھر اس کو کسی دوسرے کام میں نہیں لا سکتے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے صحن ایک علیحدہ چیز ہے یعنی اگرچہ وہ مسجد کے ساتھ وقف ہونے میں شامل ہے مگر مسجد کے احکام اس کے لئے ثابت نہیں اس میں جوتیاں پہن کر جانا جنابت کی حالت میں گزرنا جائز ہے(۱) مسجد کی توسیع کی ضرورت سے اس

---

(۱) محل دخول جنب وحائض کفناء مسجد ورباط و مدرسۃ الخ (الدر المختار' احکام المسجد ۱ / ۶۵۷ ط سعید) وفی العالمگیریۃ' "قیم المسجد لا یجوز لہ أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فنائہ لأن المسجد إذا جعل حانوتا أو مسکنا تسقط حرمتہ' وھذا لا یجوز والفناء تبع المسجد' فیکون حکمہ حکم المسجد' کذافی المحیط (الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد و تصرف القیم ۲ / ۴۶۲' ماجدیہ کوئٹہ)

کو مسجد میں شامل کر لینا یا اس میں حوض اور وضو کی نالی بنا لینا جائز ہے اگر وہ مسجد میں ایک مرتبہ شامل کر لیا جائے گا تو پھر وہ مسجد کے حکم میں ہو جائے گا اس صحن بالمعنی الثانی کے کسی ایسے گوشے میں جو نفس مسجد سے دور ہو پائخانہ بنا لینا بھی جائز ہے بشر طیکہ اس کی بدبو مسجد تک نہ پہنچے مسجد کو منہدم کر کے صحن بنا لینا بالمعنی الاول جائز ہے اور مسجد کو صحن بالمعنی الثانی بنانا ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل چہاردہم۔ مسجد کی دیواروں کو منقش کرنا یا آیات لکھنا یا کتبہ لگانا

مسجد کی قبلہ والی دیوار کو منقش کرنا

(سوال) مسجد میں قبلہ رخ چاند سورج' پھول پتے و آیات سنہری رنگ میں یا لالی میں منقش کرنا جائز ہے یا منع ہے؟ المستفتی نمبر ۶۳۱ عبدالستار (ضلع بلاری) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۸۶) مکروہ ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد کی دیواروں پر رنگین ٹائل لگانا

(سوال) کیا مسجد میں دیواروں پر ٹائل لگانا جائز ہے؟

المستفتی نمبر ۹۴۶ مولوی محمد عالم (ویجاپور) یکم ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۲۳ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۸۷) مسجد کی دیواروں پر اور خصوصاً قبلہ کی دیوار پر رنگین ٹائل لگانا مکروہ ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) مسجد کی دیواروں پر آیات قرآنی یا ترجمہ لکھنا
(۲) مسجد کی قبلہ والی دیوار پر نقش و نگار کرنا

(سوال) (۱) مسجد کے دروازہ یا کھڑکی یا بیرونی یا اندرونی حصے کے کسی مناسب جگہ منظر عام پر بہ نسبت نفع خلق کلمہ طیبہ یا آیات قرآنی یا ترجمہ کسی آیت یا حدیث کی بر زبان بنگلہ لکھنا جائز ہے یا نہیں (۲) مسجد کی قبلہ کی دیوار میں یا محراب میں نقش و نگار کرنا کیسا ہے خصوصاً چندہ کے پیسے سے اور ایسا نقش جو بوقت صلوۃ نمازی کے دل کو مائل کرنے والا ہو۔ المستفتی نمبر ۱۶۳۲ محمد عبدالنور صاحب سلہٹ (آسام)

۱۵ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۲۴ جولائی ۱۹۳۷ء

---

(۱) وکرہ بعض مشائخنا النقش علی المحراب وحائط القبلۃ' لانہ یشغل قلب المصلی الخ (رد المحتار' مطلب فی احکام المسجد' باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا ۱/۶۵۸ ط سعید)

(۲) وکرہ بعض مشائخنا النقوش علی المحراب وحائط القبلۃ' لأن ذلک یشغل قلب المصلی الخ (عالمگیریۃ' الباب الخامس فی آداب المسجد' ۵/۳۱۹ ط ماجدیہ)

(جواب ۲۸۸) دیواروں' دروازوں' محرابوں یا عمارت کے کسی حصہ پر آیات و احادیث یا ان کا ترجمہ لکھنا خلاف ادب اور مکروہ ہے(۱) (۲) دیوار قبلہ پر نقش و نگار بنانا بھی مکروہ ہے چندہ دینے والے اگر اس کام سے راضی ہوں تو پھر وجہ کراہت یہی ہوگی کہ نمازیوں کا دل اس پر مشغول رہے گا(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد پر کتبہ لگانا

(الجمعیۃ مورخہ یکم فروری ۱۹۳۵ء)

(سوال) ضلع جالندھر میں ایک مسجد جو چندہ عام سے تعمیر کی گئی ہے عرصہ بیس سال کا ہوا کہ ایک پتھر اس مضمون کا وہاں لکھوایا ہوا ہے۔ "این مسجد مبارک بسر مایہ چندہ باہتمام شیخ قائم الدین ولد حاجی احمد بخش حسن پذیرفت" اب محلے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ پتھر لگانا جائز نہیں ہے ہر دو فریق نے آپ کو ثالث مانا ہے براہ کرم جلد اپنا حکم صادر فرمائیں۔

(جواب ۲۸۹) اس پتھر کے لگے رہنے میں کوئی شرعی اعتراض نہیں ہے جو لوگ اس کو ناجائز سمجھتے ہیں ان سے ناجائز ہونے کی وجہ دریافت کی جائے جب کہ اس میں بسر مایہ چندہ لکھا ہے تو سب مسلمانوں کا حق صراحت مذکور ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل پانزدہم۔ مسجد میں نماز جنازہ

بلا عذر مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے

(سوال) مسجد کے فرش پر نماز جنازہ پڑھائی جائی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۷۴۲ نور محمد صاحب ہیڈ ماسٹر جوندلہ ضلع کرنال۔

۷ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۹۰) مسجد میں بلا عذر جنازے کی نماز مکروہ ہے(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) ولیس بمستحسن کتابۃ القرآن علی المحاریب والجدران مما یخاف من سقوط الکتابۃ وان توطأ و فی جمع السفی' مصلی او بساط فیہ اسماء اللہ تعالی یکرہ بسطہ الخ (عالمگیریۃ' الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلاۃ وما لا یکرہ ۱/ ۱۰۹ ط ماجدیہ)

(۲) وکرہ متاخرنا النقش علی المحراب و حائط القبلۃ لانہ یشغل قلب المصلی الخ (رد المحتار' مطلب فی احکام المسجد ۱/ ۶۵۸ ط سعید)

(۳) (خیر الفتاوی' باب احکام المسجد ۲/ ۷۶۳ ط ملتان)

(۴) وکرہت تحریما و قیل تنزیہا فی مسجد جماعۃ ہو ای المیت فیہ وحدہ اومع القوم واختلف فی الخارجۃ عن المسجد وحدہ او مع بعض القوم والمختار الکراہۃ مطلقا "خلاصۃ" بناء علی ان المسجد انما بنی للمکتوبۃ و توابعہا (الدر المختار' باب الجنائز ۲/ ۲۲۵ ط سعید)

فصل شانزدہم ۔ عیدگاہ

(۱) کافر کی بنائی ہوئی مسجد میں نماز
(۲) مسجد کو منہدم کرانے والے گناہ گار ہیں
(۳) مسجد کو شہید کر کے دوسری جگہ مسجد بنانا
(۴) مسجد میں نماز عید پڑھنا

(سوال) ایک ہندو ریاست کے عیدگاہ میں جو قدیم زمانے سے قائم تھی تین چار سال سے عیدین کی نماز نہیں پڑھنے دی جاتی تھی اور اس لئے نماز دوسری جگہ ادا کرنی ہوتی تھی اب والی ریاست کے حکم اور تین چار مسلموں کی رائے سے مسجد غیر مسلموں کے ذریعہ شہید کرادی گئی ہے اس مسجد کے پتھر سے اور ریاست کے خرچ سے دوسری مسجد تقریباً دو میل کے فاصلے پر بلا رضائے مسلمانان شہر ہذا تعمیر کرائی ہے مسلمانان شہر ہذا غریبی و دباؤ کی وجہ سے کچھ بھی بول نہ سکے چونکہ بلا رضا مندی مسلمانوں کے عیدگاہ مسجد شہید کر کے دوسری مسجد تعمیر کرائی ہے اس لئے اس کی تعمیر میں ایک بھی مسلم کا ہاتھ نہیں لگا۔
(۱) آیا اس مسجد میں نماز عیدین جائز ہے یا نہیں (۲) وہ مسلمان جنہوں نے مسجد شہید کرنے کی رائے دی اور علاوہ ان کے جو مسلمان اس رائے کی خلاف ہیں مگر بوجہ غریبی و خوف و دھمکی کے غیر مسلموں کو مسجد شہید کرنے سے روک نہ سکے ایسی حالت میں کن مسلمانوں پر کیسا گناہ عائد ہوا؟ (۳) اسی طرح اگر دیگر مسجدیں جن میں پنج وقتہ نمازیں ہوا کرتی ہیں جبراً شہید کردی جائیں اور بجائے ان کے دوسری تعمیر کرادی جائیں تو ایسی مسجدوں میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ (۴) جن مسجدوں میں جمعہ و پنج وقتہ نمازیں ہوا کرتی ہیں کیا ان مسجدوں میں عیدین کی نمازیں ہو سکتی ہیں؟

المستفتی نمبر ۷۰۲ شاہ محمد ڈونگر پور۔ ۱۱ شوال ۱۳۵۴ھ ۷ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۹۱) (۱) نماز تو جائز ہے مگر مسلمان اس میں نماز نہ پڑھیں تو بہتر ہے(۱) (۲) انہدام کی رائے دینے والے سخت مجرم اور گناہ گار ہیں اور مجبوری سے خاموش رہنے والے معذور ہیں(۲) (۳) اس کا بھی وہی جواب ہے جو نمبر ایک کا ہے (۴) نماز عید تو جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ شہر سے باہر میدان میں پڑھی جائے(۳)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) عیدگاہ میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے؟

---

(۱) ولو جعل ذمی دارہ مسجدا للمسلمین وبناہ کما بنی المسلمون وأذن لہم بالصلاۃ فیہ فصلوا فیہ ثم مات یصیر میراثا لورثتہ وہذا قول الکل (عالمگیریۃ' کتاب الوقف' مطلب فی وقف الذمی ۲/۳۵۳ ط ماجدیہ)
(۲) ومن أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیہا اسمہ وسعی فی خرابہا الخ (البقرۃ : ۱۱٤)
(۳) والخروج الیہا أی الجبانۃ لصلاۃ العید سنۃ وإن وسعہم المسجد الجامع ہو الصحیح (الدر المختار' باب العیدین ۳/۱۶۹ ط سعید)

(۳) عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے

(سوال) عیدگاہ میں علاوہ عیدین کے کسی روز اتفاقاً کسی وقت نماز تنہا یا جماعت سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۸۲۴ حبیب اللہ صاحب (ضلع غازی پور) ۸ محرم ۱۳۵۵ھ م یکم اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۹۲) ہاں عیدگاہ میں احیاناً فرائض پنجگانہ میں سے کوئی نماز پڑھی جاسکتی ہے تنہا یا جماعت سے پڑھنا دونوں صورتیں جائز ہیں(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب دیگر ۲۹۳) عیدگاہ میں جنازے کی نماز پڑھنی جائز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عیدگاہ میں فٹ بال کھیلنا

(سوال) عیدگاہ میں فٹ بال یا اور کسی قسم کا کھیلنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۵۴۶ حاتم احمد (بنگال) ۲۷ شعبان ۱۳۵۸ھ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۹۴) عیدگاہ میں بطور لہو ولعب کے فٹ بال کھیلنا اور کوئی کھیل کھیلنا مکروہ ہے۔ (۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) عیدگاہ میں حائضہ اور جنبی داخل ہو سکتے ہیں
(۲) عیدگاہ میں نماز جنازہ کا حکم

(سوال) مسجد اور عیدگاہ دونوں میں کیا فرق ہے ؟ مرتبہ مسجد کا زیادہ ہے یا عیدگاہ کا ؟

المستفتی نمبر ۲۴۷۲ شیخ اعظم شیخ معظم (دھولیہ ضلع مغربی خاندیس)

۸ صفر ۱۳۵۸ھ ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۹۵) مسجد میں جنبی آدمی داخل نہیں ہو سکتا عیدگاہ میں اجازت ہے مسجد کا مرتبہ زیادہ بلند ہے (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(جواب دیگر ۲۹۶) عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے۔اس کا حکم مسجد کا نہیں ہے(۵) محمد کفایت اللہ

---

(۱) أما المتخذة لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد في حق جواز الاقتداء الخ (الدر المختار' مطلب في أحكام المسجد ۱/۶۵۷ ط سعيد)

(۲) وكرهت تحريما و قيل تنزيها في مسجد و جماعة هوالميت فيه الخ (الدر المختار' باب صلاة الجنائز ۲/۲۳۵ ط سعيد) (۳) وأما المتخذة لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد في حق جواز الا قتداء (درمختار) وفي الشامية قال في البحر: ظاهره أنه لا يجوز الوطء والبول (إلى أن قال) فينبغي أن لا يجوز الخ (باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها' مطلب في احكام المسجد ۱/۶۵۷' ط سعيد و فتاوى دار العلوم ديوبند' ۵/۲۱۴ ' مكتبه امداديه' ملتان) (٤) وأما المتخذة لصلاة جنازه أو عيد فهو مسجد في حق جواز الاقتداء' لا في غيره به يفتى فحل دخوله لجنب و حائض (تنوير مع شرحه كتاب الصلاة' مطلب في احكام المسجد ۱/۶۵۷ ط سعيد)

(۵) وقيد بمسجد الجماعة' لأ نها لا تكره في مسجد أعدلها 'وكذا في مدرسة ومصلى عيد لأنه ليس لها حكم المسجد في الأصح (حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح ص ۳۶۰ ط مصر)

گاؤں میں متعدد جگہ نماز عید

(سوال) ایک شہر جس کی آبادی ایک ہزار مسلمانوں کی ہے اور عید گاہ موجود ہے کسی اختلاف کی بنا پر چند مسلمان دوسری عید گاہ اس کے قریب ہی بنانا چاہتے ہیں چند قدم کا فاصلہ ہے اور ایک کی تکبیر کی آوازیں بھی دوسری عید گاہ تک پہنچیں گی راستہ بھی ایک ہی ہے۔

(جواب ۲۹۷) دو عید گاہیں چھوٹی سی بستی میں بنانا اچھا نہیں سب کو ایک ہی عید گاہ میں نماز عید ادا کرنا چاہئیے اور خصوصاً اتنی قریب دوسری عید گاہ بنانا کہ ایک کی تکبیر کی آواز دوسری میں سنی جائے زیادہ برا ہے (۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

فصل ہفدھم مسجد میں خرید و فروخت کرنا

امام کا مسجد کے حجرہ میں خرید و فروخت کرنا

(سوال) مسجد کا امام نمازیان اہل محلہ کی اجازت سے حجرہ مسجد میں اپنے ذریعہ معاش کے لئے خرید و فروخت کر سکتا ہے یا نہیں ؟ مثلاً جلد بندی کتب فروشی وغیرہ ؟

المستفتی نمبر ۸۲۵ اکبر حسین انوار حسین (لدھیانہ) ۸ محرم ۱۳۵۵ھ م یکم اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۹۸) اگر حجرہ کا دروازہ مسجد کے اس حصہ میں نہ کھلتا ہو جو نماز کے لئے مخصوص ہوتا ہے یعنی خرید و فروخت کرنے والوں کو مسجد میں سے نہ گزرنا پڑے تو امام کا ایسے کام کرنا مباح ہے (۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

فصل نہجدھم مسجد میں جلسہ یا وعظ و ترجمہ

مسجد میں وعظ و تبلیغ کرنا

(سوال) جامع مسجد میں یا کسی اور مسجد میں مسلمانوں کی بہبودی کے لئے کسی امر کا باہمی مشورہ کرنا یا کسی امر کی نسبت جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو اس سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا جائز ہے یا ناجائز عام طور سے جمعہ کے دن مجمع کثیر ہوتا ہے جس میں مقامی و بیرونی اشخاص شریک ہوتے ہیں چند اشخاص جو آخر جماعت میں شریک ہوتے ہیں یا تسلی سے نماز پڑھتے ہیں یا نماز کے بعد تشریف لاتے ہیں اگر ان صاحبان کا انتظار کیا جائے تو بیشتر حصہ انتظار کرنا نہیں چاہتے جس کی وجوہات ملازمت یا دیگر کاروبار ہیں اگر کوئی دیگر جگہ ہو یا وقت مقرر کیا جائے تو مقامی اشخاص زمانے کے رجحان کے مطابق دلچسپی نہیں لیتے اور نہ ہی کثرت سے شریک ہوتے ہیں اور بیرونی تو قطعی طور سے محروم رہتے ہیں اگر مذکورہ بالا وجوہات کو مد نظر رکھتے ہوئے

---

(۱) والخروج إليها اى الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع وهو الصحيح (الدر المختار ' باب العيدين ۲ / ۱٦۹ ط سعيد)

(۲) وكره تحريما الوطء فوقه والبول والتغوط واتخاذه طريقا بغير عذر الخ (الدر المختار ' باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ' مطلب في أحكام المسجد ۱ / ٦٥٦ ط سعيد)

مسجد میں قومی مفادات کی وجہ سے مشورہ کرتا ہو تو ایسے اشخاص یا پارٹی کی نسبت جو تفرقہ بازی پیدا کرے اور بعد علیحدہ کرنے کی تحریک کرنے کا خیال ہے؟

المستفتی نمبر ۱۰۱۷ محمد امیر صاحب پریذیڈنٹ انجمن اسلامیہ کالکا انبالہ

۲ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۹۹) مسجد میں تبلیغ یا وعظ کا جلسہ یا مشورہ کے لئے اجتماع کرنا جائز ہے اور نماز جمعہ کے بعد اس قسم کا اجتماع مناسب ہے نماز سے پہلے اعلان کرایا جائے تاکہ لوگ سنتیں نفلیں پڑھ کر جلد فراغت کرلیں اور اطمینان سے تقریر اور مشورہ ہو سکے اور تقریر یا مشورہ شروع ہونے کے بعد جن لوگوں کو سنن و نوافل پڑھنا باقی ہو ان کے لئے خود یہ مناسب ہے کہ وہ جلسہ کے موضع سے علیحدہ ہو کر یہ کاموں میں جا کر سنن پڑھیں (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد میں محفل میلاد کرنا

(سوال) زید کا مکان محلہ کی مسجد کے قریب میں ہے اور مکان میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ آدمی جمع ہو سکیں اگر وہ زید مسجد کے نماز وقت کے علاوہ وقت میں میلاد شریف پڑھوائے تو شرعاً کوئی گناہ اس پر عائد ہوتا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۲۱۷ سید محمد اسماعیل صاحب (پونا) ۱۲ شوال ۱۳۶۰ھ ۱۶ دسمبر ۱۹۴۱ء

(جواب ۳۰۰) مسجد میں نماز کے اوقات کے علاوہ وقت میں وعظ و تذکیر کی مجلس قائم کرنا مباح ہے مگر مولود شریف کی مروجہ مجالس چونکہ بہت سے امور غیر شرعیہ پر مشتمل ہوتی ہیں اور ان میں بعض باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو احترام مسجد کے خلاف ہیں مثلاً غیر پابند شرع اشخاص کا گانا اور غیر معتدل آواز سے خلاف شرع مضامین کے اشعار پڑھنا اور مسجد میں غیر متشرع آدمیوں بچوں وغیرہ کا اجتماع اور فرش وغیرہ ملوث کرنا اس لئے ایسی مجالس سے انعقاد سے مسجد کو محفوظ رکھنا لازم ہے ہاں اگر کوئی متشرع عالم بلا تذکیر وعظ یا تقریر کرے اور اس کے ضمن میں آنحضرت ﷺ کے واقعات مبارکہ ولادت و فضائل و سیرت نبوت کا بھی بیان کردے اور فضول رسوم مروجہ میلاد سے مجتنب رہے تو اس میں کوئی نقصان اور ممانعت نہیں بلکہ ایسا بیان موجب خیر و برکت ہو گا مولود مروج میں اکثر مولود خواں روایات موضوعہ بیان کرتے ہیں اور بے سروپا اور بے اصل واقعات کا ذکر کرتے ہیں اور ولادت کے وقت قیام کرتے ہیں یہ چیزیں جائز نہیں ہیں (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) اما للتدریس او للتذکیر فلا لانہ ما بنی لہ وان جاز فیہ ولا یجوز التعلیم فی دکان فی فناء المسجد عند ابی حنیفۃ و عندھما یجوز الخ و عبارتہ واصلاحہ للاماد ایر ... البحر الرائق فصل کرہ استقبال القبلۃ ۲ / ۳۸ ط بیروت لبنان)

(۲) عن واثلۃ بن اسقع ان النبی ﷺ قال جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم و شراء کم و بیعکم و خصوماتکم و رفع اصواتکم الحدیث (سنن ابن ماجہ باب ما یکرہ فی المساجد ص ۵۵ ط میر محمد کتب خانہ) اما للتدریس او للتذکیر فلا لانہ ما بنی لہ وان جاز فیہ الخ (البحر الرائق فصل کرہ استقبال القبلۃ ۲ / ۳۸ ط بیروت لبنان)

(۱) نماز عشاء کے بعد ترجمہ قرآن یا دینی کتاب کا درس
(۲) سنتوں اور نوافل کے وقت کتاب سنانا

(سوال) (۱) ایک شخص قریباً چار سال سے جامع مسجد کالاں میں عشاء کی نماز و سنتیں و وتر و نوافل کے ختم ہو جانے نصف گھنٹہ گزرنے اور پوری جماعت کے مقتدیان میں سے دو حصے آدمی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر جانے کے بعد لوجہ اللہ صرف نصف گھنٹہ تفسیر حقانی اور ساتھ ہی ساتھ دیگر مسائل وغیرہ کی کتابیں مثلاً رکن الدین یا عقائد الاسلام مرتبہ مولوی عبدالحق صاحب مصنف تفسیر حقانی یا بہار شریعت یا تعلیم الاسلام کے حصے یا مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی کتابوں میں سے جزاء الاعمال یا شوق وطن یا فتاویٰ اشرفیہ یا معراج المؤمنین وغیرہ وغیرہ پڑھ کر سناتا ہے اور پندرہ سولہ آدمی دلچسپی سے سنتے بھی ہیں لیکن شخص مذکور عالم نہیں ہے البتہ دینیات سے شوق و دلچسپی ضرور ہے تو ایسی صورت میں شخص متذکرہ بالا کا فعل مسجد میں جائز ہے یا نہیں زید کہتا ہے کہ یہ فعل مسجد میں ناجائز ہے (مسجد بڑی ہے۔ اکثر دو ایک آدمی رات گئے تک قضا و اورا و وظائف وغیرہ دیر تک پڑھتے ہیں)

(۲) لیکن بکر مقتدی زید کو جواب دیتا ہے کہ جو صاحب دیر تک وظیفہ پڑھتے ہیں یا جماعت ختم ہونے کے بعد آتے ہیں (اور وہ بھی ایک دو صاحب) اگر ان کو خلل واقع ہوتا ہے تو ایسے صاحب ذرا علیحدہ فاصلہ پر جا کر پڑھ لیں کیا حرج ہے اور جو نیک کام عرصے سے ہو رہا ہے اور مخلوق خدا کو فیض پہنچ رہا ہے اس کو کیوں بند کراتے ہو آج تک کسی عالم نے اعتراض نہیں کیا اور اگر بالفرض ایسا فعل ناجائز ہے تو اکثر علماء وعظ و پند وغیرہ کی مجالس مساجد میں کیوں منعقد کرتے ہیں اسی طرح پیش امام صاحب جمعہ وہ بھی مستند عالم ہیں قبل از خطبہ خطبہ کا ترجمہ اردو میں کیوں بیان کرتے ہیں۔ اس وقت بھی بہت سے اشخاص سنن و نوافل و اوراد وغیرہ پڑھتے رہتے ہیں اور یہ وقت بہ نسبت عشا کے وقت کے بہت کم ہوتا ہے عشاء میں قضا نماز و نوافل بعد تاخیر سے بھی پڑھ سکتے ہیں اور ثواب بھی زیادہ ہوگا تو یہ بکر کا کہنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

(۳) زید معترض کہتا ہے کہ وعظ و پند وغیرہ کی مجالس اور خطبہ کا ترجمہ ہفتہ میں ایک بار ہوتا ہے اور یہ فعل بھی ناجائز ہے جس صاحب کے وظیفہ وغیرہ میں خلل واقع ہو تو وہ اس کام کو بھی فوراً بند کرا سکتا ہے مجھے تو عشاء کی نماز میں تفسیر خوانی سے خلل واقع ہوتا ہے اس لئے میں تو اس کام کو بند کرا کے ہی رہوں گا اگر یہ ویسے خوشی بند نہیں کریں گے تو بذریعہ پولیس بند کراؤں گا مسجد مذکور میں پچاس پچپن نمازی ہوتے ہیں کوئی شاکی نہیں ہے صرف ایک شخص زید اس کام میں حارج ہے جملہ مقتدیان کی یہی مرضی ہے کہ جو کام جس طرح کر رہے ہو کرو ہماری نماز میں کسی قسم کا خلل آپ کے پڑھنے سے واقع نہیں ہوتا، تو ایسے آدمی کے لئے کیا حکم ہے اور اس سے دیگر مسلمانوں کو کیا برتاؤ رکھنا چاہیے؟

المستفتی عبدالعزیز خاں پسر مولوی عبدالکریم صاحب مفتی۔ ۲۸ اپریل ۱۹۵۲ء

(جواب ۳۰۱) (۱) نماز عشاء کے نصف گھنٹہ بعد مسجد میں لوگوں کو ترجمہ القرآن مجید یا ضروریات دینیہ سنانی جائز ہیں (۱) جو لوگ نوافل و سنن پڑھتے ہوں اور مسجد بڑی ہو تو وہ ہٹ کر نماز پڑھیں 'یا اپنے گھر جاکر پڑھیں 'نوافل و سنن کے لئے گھر پر ادا کرنا افضل ہے(۲)

(۲) بکر کا قول صحیح اور شرع کے موافق ہے(۳)

(۳) زید معترض کا یہ کہنا کہ وعظ ہفتہ میں ایک دن ہوتا ہے اور وہ بھی ناجائز ہے صحیح نہیں ہے اس کو خود اپنی نماز وعظ کے مقام سے ہٹ کر ادا کرنی چاہئیے اس ذکر خیر کو بند کرانا درست نہیں ہے(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

(جواب) (از علماء ٹونک) استفتاء ہذا اور اس کے ہمراہ دوسرا استفتاء دو فریق کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں دونوں استفتاء ایک ہی موقع کے لئے ہیں لیکن مضامین استفتاء اپنے اپنے خیال کے تحت لکھے گئے ہیں یہ واقعہ جامع مسجد امیر گنج ٹونک کی نسبت ہے اس مسجد میں ایک عرصہ سے ایک صاحب تفسیر حقانی وغیرہ بعض مقتدیوں کو سنایا کرتے ہیں سننے والوں کے علاوہ دیگر مقتدی اس مقام پر صحن میں جہاں عشاء کی جماعت ہوتی ہے 'سنن 'وتر 'اور دو وظائف پڑھتے ہیں اور ایسے بھی نمازی جو شریک جماعت نہیں ہوئے تھے وہ آکر اپنے فرائض وغیرہ پڑھتے ہیں اس واقعہ کو ہم نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے ایسے وقت میں جب کہ عشائی جماعت ختم ہو چکی تھی اور مقتدی اپنی نمازیں پڑھ رہے تھے اور بعض مشغول وظائف تھے تفسیر حقانی بیان کی جارہی تھی اور دو چار آدمی سن رہے تھے۔

ہر ایک کام خواہ اوامر سے ہو یا نواہی سے 'اس کا ایک موقع اور محل ہوا کرتا ہے ہر ایک کام ایک موقع پر زیبا ہوتا ہے اور دوسرے موقع پر وہ نازیبا ہو جاتا ہے دیکھو امر معروف۔ نہی منکر ہر وقت ضرور ہوتا ہے یا جس وقت حضور ﷺ کا نام نامی آوے اس وقت درود شریف پڑھنی چاہئیے لیکن یہ موقع اگر خطبہ کے وقت آوے تو ہرگز امر معروف نہی منکر کی اجازت نہیں اسی طرح خطبہ کے وقت حضور ﷺ کا نام نامی باوجود سننے کے درود شریف پڑھنا زبان سے درست نہیں پس تفسیر حقانی وغیرہ کتابوں کا پڑھنا پڑھانا سننا سنانا اگرچہ ایک بہتر کام ہے مگر اس کی بہتری اسی حد تک ہے جبکہ دوسروں کی نمازوں میں خلل واقع نہ ہوتا ہو دیکھو قرآن شریف پڑھنا افضل عبادت ہے مگر اس کو ایسی جگہ نہ پڑھنا چاہئیے جہاں نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہو بحکم اذا قرء القران فاستمعو الہ وانصتوا (جب قرآن پاک پڑھا جائے تو اس کو سنو اور کان دھرو) قرآن شریف کا سننا فرض ہے پس ایسی جگہ قرآن شریف کا پڑھنا جہاں دوسرے لوگ مشغول نماز

---

(۱) أما للتدريس أو للتذكير فلا ' لأنه ما بنى له وإن جاز فيه' ولا يجوز التعلم في دكان في فناء المسجد و عند أبي حنيفة وعندهما يجوز إذا لم يضر بالعامة (البحر الرائق' فصل كره استقبال القبلة ۲ /۳۸ ط بيروت)

(۲) قال النبي ﷺ . " فعليكم بالصلوة في بيوتكم' فإن خير صلوة المرء في بيته إلا المكتوبة (مسلم' باب استحباب صلوة النافلة في بيته' ۱ /۲٦٦ ط قديمي كتب خانه' كراچی)

(۳) أما للتدريس او للتذكير الخ

(٤) (ايضاً)

ہوں یا وظیفہ ہوں ہر گز زیبا نہیں ہے اور ممانعت کے باوجود اگر وہ شخص باز نہ آئے گا تو وہ گناہ گار ہو گا پس جس جگہ تفسیر حقانی پڑھی جاتی ہے یا تو ایسی جگہ پڑھی جائے کہ جہاں سے نمازیوں کی نماز اور وظیفہ میں حرج واقع نہ ہو یا ایسے وقت میں پڑھی جائے جب کہ نمازی اپنی نماز اور وظیفہ سے فارغ ہو کر چلے جائیں۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کا جزو اعظم اتحاد ہے اور اسی اتحاد کو قائم کرنے کے لئے پنج وقتہ نماز جمعہ و عیدین مقرر کی گئی ہیں آپس میں مسلمانوں کو یک جہتی سے زندگی بسر کرنی چاہئیے اور آپس کے اختلافات سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہئیے کہ نتیجہ اس کا بہتر نہیں۔

(دستخط مفتی صاحب ٹونک) محمد ایوب صاحب مفتی سابق۔ ۹ شعبان ا۷ ۱۳ھ ۵ مئی ۱۹۵۲ء

(جواب ۳۰۲) (از حضرت مفتی اعظمؒ) یہ جواب اصول شرعیہ کے پیش نظر صحت سے گرا ہوا ہے مسجد میں نوافل و وظیفہ پڑھنے کا جس طرح ہر مسلمان کو حق ہے اسی طرح تذکیر و تعلیم دین کا بھی حق ہے اگر مسجد بڑی ہے اور اس میں گنجائش زیادہ ہے تو نوافل و وظیفہ پڑھنے والے اس کے ایک گوشہ میں پڑھیں اور تعلیم و تدریس کرنے والے دوسرے گوشہ میں کریں اس طرح دونوں کام ہوتے رہیں گے اور لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہے گا۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل نوزدہم۔ مسجد میں اکھاڑہ بنانا

مسجد میں اکھاڑا کرنا جائز نہیں

(سوال) اندرون چہاردیواری مسجد علاوہ صحن مسجد جو زمین ہو وہ حکم میں مسجد کے اور حلقہ مسجد میں متصور ہو گی یا نہیں بصورت اول صحن مسجد یا حلقہ مسجد میں کوئی محرمی اکھاڑہ یا دنگلی اکھاڑہ یا دنگل قائم کرنا اور ساتھ عدم ستر کے محض لنگوٹ یا جانگیہ باندھ کر لڑنا شرعی نقطہ نگاہ سے جائز ہو گا یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ تیر اندازی و فن پھیگری کے لئے عہد نبوی ﷺ میں صحن مسجد نبوی ہی تھا اور صحابہ کرامؓ تیر اندازی وغیرہ صحن مسجد میں ہی کرتے تھے۔ المستفتی نمبر ۶۰۵ حکیم حافظ مولوی محمد حسین صاحب (ضلع گیا)

۱۱ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۰۳) اکھاڑے میں کشف ستر اور شور و شغب اور بسا اوقات سب و شتم ہوتے رہتے ہیں اور احاطہ مسجد اور حریم مسجد میں یہ چیزیں احترام مسجد کے خلاف ہیں' اس لئے مسجد کے احاطے میں اکھاڑہ خواہ محرم کا خواہ دنگل قائم کرنا جائز نہیں ہے زید کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ کے حالات و اخلاق بہت ارفع و اعلیٰ تھے۔ وہ احترام مسجد کا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ (۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) أما للتدريس أو للتذكير فلا لأنه ما بني له وإن جاز فيه ولا يجوز التعلم في دكان في فناء المسجد عند أبي حنيفة و عندهما يجوز إذا لم يضربا لعامة الخ (البحر الرائق' فصل كره استقبال القبلة ۲/۳۸ ط بيروت)

(۲) عن واثلة بن أسقع أن النبي ﷺ قال :" جنبوا مساجد كم صبيانكم و مجانينكم و شراء كم و بيعكم و خصوماتكم ورفع أصواتكم" (سنن ابن ماجه' باب مايكره في المساجد' ص ۵۵' ط مير محمد كتب خانه' كراچي)

مسجد میں کھیل کود ناجائز ہے

(سوال) مسجد کے صحن میں بنوٹ سیکھنا اور سکھانا مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا نہیں ؟ در آں حالیکہ ستر دھکا رہے اگر جائز ہے تو اس سے مسجد کی توہین تو نہیں ہوتی ؟

المستفتی نمبر ۲۲۴۰ ضیاء الحق محلہ چوڑی گراں دہلی۔ ۷ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۸ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۰٤) مسجد میں (یعنی موضع مہیا للصلوۃ میں) شور و شغب اور لہو و لعب کرنا منع ہے اگر ستر ڈھکا رہے اور بنوٹ میں مقصد بھی ایک فن کی تعلیم ہو تو علت کراہت (لہو و لعب یا توہین مسجد بوجہ کشف ستر) تو نہ ہوگی مگر شور و شغب سے تحرز اور لوگوں کے عرف میں مسجد کی حیثیت ایک اکھاڑہ کی ہو جانے کی اس لئے مسجد کو اس سے بچانا ہی مناسب ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل بستم۔ متفرق مسائل

عناد کی وجہ سے بنائی ہوئی مسجد اور اس کے امام کے پیچھے نماز کا حکم

(سوال) (۱) مسلمانوں کی بنائی ہوئی مسجد (خواہ وہ حسد و نفسانیت سے ہو) ضرار ہو سکتی ہے یا نہیں اگر ضرار ہو سکتی ہے تو کیا جمیع امور و احکام میں وہ مسجد مثل اس مسجد ضرار کے ہے جو منافقین نے حضرت ﷺ کے زمانے میں بنائی تھی اور جسے آپ ﷺ نے منہدم کر دیا تھا اگر تمام امور میں مسجد ضرار کے مانند ہے تو جو حکم مسجد ضرار کے لئے دیا گیا تھا اس کے لئے بھی وہی دیا جانے گا یا نہیں ؟

(۲) مسجد ضرار کا امام دیگر مساجد میں امامت کرے تو جائز ہے اور اس کے پیچھے نماز صحیح ہوگی یا نہیں ؟ یا جو شخص وہاں کبھی کبھی نماز پڑھتا ہے اور پڑھاتا ہے اس کے پیچھے بھی نماز درست ہے یا نہیں ؟

(۳) مسجد ضرار کا مؤذن یا وہ شخص جو کبھی کبھی وہاں اذان پڑھتا ہے دوسری مسجد میں اذان پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر پڑھے تو اذان کا اعادہ کرنا چاہئے یا نہیں ؟

(۴) تفسیر خازن جلد ۲ ص ۲۶۶ مطبوعہ مصر میں ذیل کی روایت مرقوم ہے کیا اس سے مسجد ضرار کے امام کا یا اس میں نماز پڑھنے والے شخص کا دوسری مسجد میں امامت کرنا ناجائز ثابت ہوتا ہے یا نہیں ؟ یہ روایت خازن کے سوا دیگر کتب معتبرہ میں بھی ہے اور صاحب خازن نے اس کو کہاں سے نقل کیا ہے ؟ **روی ان بنی عمر و بن عوف الذین بنوا مسجد قباء اتوا عمر بن الخطاب فی خلا فسالوہ ان یأذن مجمع بن جاریۃ ان یؤمھم فی مسجد ھم فقال لا و نعمۃ عین ال ھو امام مسجد الضرار قال مجمع یا امیر المؤمنین لا تعجل علی فواللہ لقد صلیت فیام انا لا اعلم ما اضمر و اعلیہ ولو علمت ما صلیت معھم و کنت غلاماً قارئاً للقران و شیوخاً لا یقرؤن فصلیت بھم و لا احسب**

---

(۱) (ایضاً حوالہ صفحہ گزشتہ حاشیہ ۲)

الا انهم يتقربون الى الله ولم اعلم مع انفسهم فعذره عمر فصدقه وامره بالصلوة فى مسجد قباء . قال عطاء لما فتح او على عمر بن الخطاب الا مصار امر المسلمين ان يبنوا المساجد وامرهم ان لا يبنى فى موضع واحد مسجدين يضار احدهما الاخر (۱)

۲ رجب ۱۳۳۵ھ

(جواب ۳۰۵) حسد و نفسانیت ریا و فخر سے بنائی ہوئی مسجد بے شک مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے کہ تفسیر مدارک وکشاف وغیرہ میں تصریح ہے۔ لیکن آج کل ہم کسی مسجد پر یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ وہ حسد و نفسانیت یا ریاو فخر کی نیت سے بنائی گئی ہے یہ باتیں امور باطنیہ ہیں اور ہمیں لوگوں کے ضمائر قلوب کا علم نہیں زمانہ وحی میں آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی لوگوں کے دلی خیالات پر اطلاع کردی جاتی تھی اس لئے آپ حکم لگا سکتے تھے۔

(۲) مسجد ضرار کا امام اگر خود اضرار کا ارادہ نہ رکھتا ہو بلکہ لا علمی سے وہاں امامت کرتا ہو تو اس کی امامت بلا کراہت جائز ہے۔

(۳) یہی جواب اس نمبر کا ہے۔

(۴) اس راویت سے تو وہی تفصیل معلوم ہوتی ہے جو جواب نمبر ۲ میں بیان کی گئی یہ روایت خازن میں غالباً تفسیر معالم التنزیل للبغوی سے لی گئی ہے اس میں بھی یہ روایت مذکور ہے لیکن بغوی نے بھی اس کی سند ذکر نہیں کی صرف روی کر کے بیان کی ہے لیکن اس حدیث میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ مسجد ضرار کا امام اگر خود بھی مضارت کی نیت رکھتا ہو تو اس کے فاسق یا منافق ہونے میں کیا کلام۔ اور اس وجہ سے وہ مکروہ الامامتہ اور نا قابل امامت ہوگا لیکن اگر وہ قصد مضارۃ میں شریک نہ ہو اور لا علمی سے وہاں امامت کرتا رہا ہو تو اس کے ذمہ الزام نہیں بلکہ وہ معذور ہے اور اس کی امامت جائز ہے جیسا کہ خود حضرت عمرؓ کا مجمع بن جاریہؓ کے عذر کو قبول فرما کر مسجد قبا میں امامت کی اجازت دے دینا اسی حدیث میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

مسجد میں جوتیاں رکھنا

(سوال) جوتیاں کس طریقے سے مسجد میں رکھنا جائز ہے اور کس طریقے سے جائز نہیں ؟

(جواب ۳۰۶) اگر کوئی ایسی جگہ ہو جہاں جوتیاں رکھی جا سکیں تو جوتیوں کا مسجد میں لے جانا مناسب نہیں اور اگر نہ ہو تو مسجد میں لے جانے کا مضائقہ نہیں لیکن اس طرح رکھے کہ مسجد ملوث نہ ہو۔ **وینبغی لداخله تعاهد نعله وخفه** (در مختار) (۲)

---

(۱) (تفسیر معالم التنزیل للبغوی' سورہ توبہ ۳۲۷/۲' ط ادارہ تالیفات رشدیہ' ملتان)

(۲) (باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا ۶۵۷/۱ ط سعید)

(۱) جامع مسجد کسے کہتے ہیں؟
(۲) نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا

(سوال) کسولی ایک پہاڑی مقام ہے فوجی چھاؤنی ہے مجموعی آبادی قریباً تین ہزار مسلمانوں کی آبادی قریباً ایک ہزار ہے' یہاں ایک ہی مسجد ہے کیا اس کو جامع مسجد کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے ؟
(۲) موجودہ مسجد مسلم آبادی کے ایک بڑے حصے سے دور واقع ہے بنگلوں اور مارکیٹ بازار کچہری اور ڈاکخانہ وغیرہ سے کافی فاصلہ پر ہے اکثر مسلمان بالخصوص تجارت و ملازمت پیشہ اصحاب پنج وقتہ نماز' جمعہ و تراویح میں بوجہ دوری و قلت وقت شامل ہونے سے قاصر رہتے ہیں اور ایک دوسری مسجد کی جو قریب تر واقع ہو ضرورت محسوس ہو رہی ہے اندریں صورت دوسری مسجد کی بناء ڈالنے والے کس حد تک اجر و ثواب کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

(جواب ۳۰۷) اس مسجد کو جب کہ وہ جمعہ کی جماعت کے لئے کافی ہو جامع مسجد کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے(۱) (۲) دوسری مسجد بنانا موجب اجر و ثواب ہے کیونکہ نمازیوں کو ہر وقت اتنی دور مسجد میں جانا یقیناً موجب حرج و مشقت ہے۔ والحرج مدفوع . محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد ہونے کے لئے کیا شرائط ہیں ؟

(سوال) صوبہ گجرات اور بالخصوص ضلع سورت میں عام دستور یہ ہے کہ جب مسجد بناتے ہیں تو اس کے مسقف حصے کو نماز پڑھنے کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں اسی لئے اس کو جماعت خانہ کہتے ہیں اسی کے ساتھ کچھ کھلا ہوا حصہ بطور صحن کے بناتے ہیں اس لئے کہ اس میں اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں' جو مسجد کے احترام کے خلاف اور ممنوع ہیں مثلاً ہر وقت اٹھنا بیٹھنا اور وہیں سونا اور دنیاوی باتیں کرنا یہاں تک کہ حالت جنابت میں بھی اس صحن میں رہتے ہیں کیونکہ اس کو خارج از مسجد شمار کیا جاتا ہے نیز اس میں جماعت خانہ کی طرح کبھی نماز باجماعت نہیں ہوتی پس راندیر کی مسجد چنارواڑ بھی اسی طرح پہلے کچھ مختصر بنی ہوئی تھی اور اس کے صحن کے ساتھ بالکل غیر مسجد کا برتاؤ کیا جاتا تھا تقریباً ۱۲۹۰ھ میں یہاں کے بعض بزرگوں نے اسکو از سر نو بنایا اور ایک زمین خرید کر اس میں شامل کر کے وسیع کیا جس طرح اس کے جماعت خانہ کو بڑھایا اسی طرح اس کے صحن کو بھی وسعت دی چنانچہ جس جگہ قدیم مسجد کا حوض تھا اس جگہ کو ٹانکہ بنا کر اس کے بعض حصے کو صحن میں شامل کر لیا اور حصہ جنوبی جانب کا بر آمدہ کے طریق پر ضروریات وضو کے لئے مخصوص رکھا جدید تعمیر کرنے والے اصحاب کے زمانہ سے اب تک بھی اس صحن کے ساتھ خارج مسجد کا سا برتاؤ کیا جاتا تھا اور وہ لوگ اہل علم اور سمجھ دار تھے جو داخل مسجد اور خارج مسجد کو خوب سمجھتے تھے پھر بھی

---

(۱) المسجد الجامع ، هو المسجد الكبير العام (قواعد الفقه ص ٤٨٤ ط المصدف پبلشرز کراچی) وفي الشامي : "(قوله الا الجامع) أى الذى تقام فيه الجمعة الخ (باب الجمعة ۱۵۷/۲ ط سعيد)

کبھی انہوں نے اس صحن کو مسجد میں شامل نہ سمجھا اس کے علاوہ ایک عام رواج یہ بھی ہے کہ اکثر مسجدوں کے صحن میں قبریں بناتے ہیں چنانچہ اس نواح کی کوئی مسجد ایسی مشکل سے ملے گی جس کے صحن میں کسی پرانی قبر کا نشان نہ پایا جاتا ہو پس یہ صورت بھی اس کا کھلا ہوا قرینہ ہے کہ صحن کو مسجد میں داخل نہیں سمجھتے۔

بعض حضرات تھوڑے عرصے سے یہاں کی مسجدوں کو دہلی وغیرہ کی مسجدوں پر قیاس کرتے ہیں یہ قیاس صحیح نہیں ہے اس لئے کہ وہاں کی مسجدیں اکثر ایسی بنائی جاتی ہیں کہ ہوادار نہیں ہوتیں اسی وجہ سے وہاں گرمی کے موسم میں صحن میں نماز پڑھنا اور صحن کو مسجد میں داخل سمجھنا ضروری ہوتا ہے اس کے بر خلاف یہاں کی مسجدیں نہایت ہوادار اور کشادہ ہوتی ہیں ہوا کی آمد و رفت کے لئے چاروں طرف دریچیاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں اسی وجہ سے کبھی صحن میں نماز پڑھنے کی ضرورت واقع نہیں ہوتی اور اس صحن کو داخل مسجد کرنے کا اب تک کوئی ثبوت بھی باقاعدہ نہیں ہے پس ایسی صورت میں مسجد چنارواڑ کا صحن شرعاً مسجد سے خارج سمجھا جائے گا یا نہیں ؟ اور جنازہ کی نماز صحن میں پڑھنا جائز ہو گا یا نہیں ؟

المستفتیان محمد اسماعیل عارف۔ احمد ابراہیم سنگاپوری

(جواب ۳۰۸) کسی جگہ کے مسجد ہونے کے لئے یہ باتیں ضروری ہیں۔

(۱) واقف نے جو صحیح طور پر زمین کا مالک تھا اور وقف کرنے کا اختیار شرعی رکھتا تھا اس کو مسجدیت کے لئے وقف کیا ہو خواہ وہ زمین خالی عن العمارۃ ہو یا عمارت بھی ہو (۱)

(۲) اس کو اپنی ملک سے ایسی طرح پر علیحدہ کر دیا ہو کہ کسی دوسرے شخص کا یا خود واقف کا کوئی حق متعلق نہ رہے (۲)

(۳) وقف کر کے اس کو متولی کے سپرد کر دیا ہو یا واقف کی اجازت سے اس میں ایک مرتبہ بھی نماز با جماعت ہو گئی ہو۔

جس زمین یا عمارت میں یہ باتیں متحقق ہو جائیں وہ مسجد ہو جائے گی (۳) ان میں سے پہلی بات یعنی مسجدیت کے لئے وقف کرنا واقف کی نیت سے متعلق ہے اگر نیت کی تصریح موجود ہو جب تو کوئی اشکال ہی نہیں لیکن اگر تصریح نہ ہو تو پھر قرائن سے اس کی نوعیت متعین کی جا سکتی ہے گجرات کی اکثر مساجد اور بالخصوص مسجد چنارواڑ (راندیر ضلع سورت) کے وہ صحن جو مسقف حصے کے سامنے مشرقی جہت میں واقع ہیں میرے خیال میں ان کی مسجدیت راجح ہے جماعت کا بالعموم مسقف حصے میں ہونا اس امر کا مقتضی

---

(۱) ولا يتم الوقف حتى يقبض' لم يقل للمتولي ' لأن تسليم كل شئ بما يليق به' خفي المسجد بالا حراز و في غيره بنصب المتولي و بتسليمه إيا ه الخ (التنوير مع الدر' كتاب الوقف ٤/٣٤٨' ط سعيد)

(۲) من بنى مسجداً لم يزله عن ملكه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلوة فيه أما الا فراز فلأ نه لا مخلص لله [illegible] الا به الخ (عالمگيرية' الباب الحادى عشر فى المسجد ٢/٤٥٤ ط ماجديه)

(۳) [illegible] تسليم المسجد إلى المتولي يقوم بمصالحة يجوز وإن لم يصل فيه وهو الصحيح (عالمگيرية' فصل أول فيما يصير به مسجداً ٢/٤٥٥ ماجديه كونه) والتسليم في المسجد أن تصلي فيه الجماعة باذنه الخ (ايضاً)

نہیں کہ غیر مسقف حصہ خواہ مخواہ مسجد کے حکم سے خارج ہو مسقف حصے کا نام جماعت خانہ رکھ دینا بھی غیر مسقف حصے کو مسجدیت سے نہیں نکالتا ہاں اس نام رکھ دینے کا یہ اثر ضرور ہوا کہ گجرات کے لوگ اس کو جماعت کے لئے مخصوص سمجھنے لگے ورنہ میں نے خود دیکھا ہے کہ اس صحن میں نوافل و سنن برابر پڑھتے ہیں اور فرضوں کی جماعت بھی اگر بڑی ہو جیسے کہ جمعہ کی نماز میں ہوتی ہے تو اس صحن میں برابر صفیں ہو جاتی ہیں اگر چہ صحت اقتداء کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر یہ حصہ مسجد ہو تو اقتدا صحیح ہے ورنہ نہیں تاہم اس میں کھڑے ہونے والے اور نماز پڑھنے والے مسجد کا ثواب اسی وقت پا سکتے ہیں کہ یہ حصہ مسجد قرار دیا جائے میرا خیال ہے کہ اس حصہ کو مسجد قرار دینے میں نمازیوں کا بہت زیادہ فائدہ ہے اور اس لحاظ سے یہ امر اقرب الی القیاس ہے کہ واقف اس حصے کی مسجدیت کی نیت کرتے ہوں گے مسجد چنارواڑ کے شمالی سمت میں جو دالان ہے اور شمال مشرقی دالان اٹھنے بیٹھنے سونے کے لئے بنائے گئے ہوں تو یہ قرین قیاس ہے لیکن کھلا ہوا صحن بھی مسجد نہ ہو یہ بات میری سمجھ سے تو باہر ہے۔

مسجد کے جماعت خانے میں کتنی ہی کھڑکیاں ہوں لیکن جس وقت ہوا بند ہوتی ہے تو کھڑکیاں کب فائدہ پہنچا سکتی ہیں اگر مسجد مذکور میں بجلی کے پنکھے نہ ہوں اور وقت ہوا کے بند ہونے کا ہو تو جماعت خانہ اور صحن کا فرق بدیہی طور پر معلوم ہو سکتا ہے اگر اہل گجرات میں اس مسقف حصے کا نام جماعت خانہ مشہور نہ ہو گیا ہوتا اور ان کے خیالات میں جماعت کے لئے یہ حصہ مخصوص نہ ہو جاتا تو وہ بھی گرمیوں میں ہوا بند ہونے کے زمانے میں باہر کے صحن میں جماعت کرتے بہر حال جماعت کا ہمیشہ اندر ہونا اس کی دلیل ہے کہ جماعت خانہ یقینی طور پر مسجد ہے مگر اس کی دلیل نہیں کہ صحن مسجد کے حکم سے خارج ہے۔

رہی اس صحن میں جنازے کی نماز تو حنفیہ کے نزدیک مسجد میں بلا عذر جنازے کی نماز مکروہ ہے(۱) کوئی عذر ہو مثلاً باہر کوئی پاک جگہ نماز کے لئے موجود نہ ہو تو اس صورت میں مکروہ بھی نہیں دوسرے کہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اس میں زیادہ جھگڑنے کا موقع بھی نہیں ہے جو لوگ پڑھ لیں ان کو مطعون کرنا نہیں چاہئیے جو مسجد میں نہ پڑھیں ان کو برا کہنا نہیں چاہئیے اگر یہ منظور ہو کہ سب لوگ شریک ہوں ایسے طور پر نماز پڑھو کہ کسی کو اختلاف نہ ہو یعنی صحن مسجد سے باہر پڑھو تا کہ سب بالاتفاق شریک ہو سکیں۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

صحن مسجد میں دکان بنانا جائز نہیں

(سوال) زمانہ قدیم کی ایک چھوٹی سی مسجد لب سڑک بنی ہوئی تھی اس کے متولی نے اس قدیم مسجد کی پشت پر ایک جدید وسیع مسجد تعمیر کی جس میں متولی ودیگر اشخاص نماز پڑھتے ہیں اب متولی مذکور نے قدیم

---

(۱) وکرہ تحریما . لأنه مسجد إلى عنان السماء الخ (الدر المختار ' باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱/ ۶۵۲ ط سعید)

چھوٹی سی مسجد کے صحن میں جو لب سڑک ہے دکانیں تعمیر کی ہیں بروئے شرع کیا حکم ہے ؟
المستفتی نمبر ۱۶۸ حاجی محمد اسحاق باڑہ ہندو راؤ دہلی۔ ۷ رمضان ۱۳۵۲ھ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء
(جواب ۳۰۹) جو مسجد کہ ایک دفعہ باقاعدہ مسجد ہو چکی ہو اس کو پھر کسی دوسرے کام میں لانا جائز نہیں ہے اس لئے مسجد قدیم میں دکانوں کی تعمیر درست نہیں(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد میں کھانا پینا اور سونا وغیرہ

(سوال) ایک مسجد شہر میں ہے اور بیچ بازار میں ہے مسجد کا دروازہ اور دروازے کے اوپر کی چھت اور مینار موجود ہے اندر مسجد کا چہرہ صحن اور وضو کرنے کا انتظام وغیرہ سب منہدم ہو گیا ہے اب اس مسجد کے متولی نے مسجد مع صحن ایک باورچی کو کرایہ پر دیدی ہے وہ باورچی اندر کھانا پکاتا ہے اور لوگ اس مسجد میں بیٹھ کر کھاتے ہیں مسجد میں ناپاک جانور بھی جمع ہوتے ہیں اور متولی نمازوں کا انتظام نہیں کرتا اور اذان بھی نہیں ہوتی ؟ المستفتی نمبر ۲۴۱ ڈاکٹر ڈی۔ ای۔ اینڈ کو مقام پٹن (گجرات)
۲۷ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ ۱۴ مارچ ۱۹۳۴ء
(جواب ۳۱۰) مسجد خدا تعالیٰ کا گھر ہے اور اس کو خدا کی عبادت کرنے' نماز پڑھنے اور ذکر اللہ کے لئے استعمال کرنے کا حکم ہے اس کو کرایہ پر دینا اور اس میں ایسے کام کرنا جو مسجد کے احترام کے خلاف ہوں ناجائز ہے متولی کا یہ فعل خلاف شرع ہے اور اگر متولی اپنے فعل سے باز نہ آئے تو دیگر مسلمانوں کا فرض ہے کہ مسجد کا احترام قائم کریں اور اس کو مخصن نماز و عبادت کے لئے تیار کریں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد پر ملکیت کا دعویٰ

(سوال) زید ایک مسجد کو اپنی خانگی وقف ملکیت بتلاتا ہے اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ حالانکہ اس مسجد کو زید کے آبا واجداد نے بنایا ہے ایسا ثبوت نہیں' صرف زید متولی ہے ۔
المستفتی نمبر ۲۴۵ ڈاکٹر غلام نبی (ضلع احمد آباد) ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۱۹ مارچ ۱۹۳۴ء
(جواب ۳۱۱) اس مسجد میں اگر زید نماز پڑھنے کی عام اجازت دیتا ہے تو اس میں نماز کے جواز میں کلام نہیں اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ وہ عام مسجد نہیں ہے جب بھی نماز جائز ہو گی اب یہ بات کہ آیا وہ مسجد درحقیقت مسجد ہے یا نہیں اس کے لئے ثبوت درکار ہے زید جو اپنی ملکیت بتاتا ہے اس سے ملکیت کا ثبوت

---

(۱) قیم المسجد لا یجوز له أن یبني حوانیت في حدود المسجد أو في فنائه' لأن المسجد إذا جعل حانوتا أو سکنا تسقط حرمته' وهذا لا یجوز (عالمگیریة' کتاب الوقف' أحکام المسجد ۲/۴۶۲ ط ماجدیه) (۲) أن المساجد لله (سورة جن :۱۸) قال في الدر المختار :" أن المسجد إنما بني للمکتوبة و توابعها کنافلة وذکر و تدریس علم الخ (کتاب الجنائز ۲/۲۲۵ ط سعید) جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم و شراء کم و بیعکم و خصوما تکم الحدیث (سنن ابن ماجة' باب ما یکره في المساجد' ص :۵۵ ط میر محمد کتب خانه' کراچي)

طلب کرنا چاہئیے جو مسجد کہتے ہیں ان سے مسجد کا ثبوت مانگنا چاہئیے مسجد کے ثبوت کے لئے تو یہ بھی کافی ہو گا کہ اس میں زمانہ قدیم سے بلا روک ٹوک جماعت کے ساتھ مسلمان نماز پڑھتے چلے آتے ہوں(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز

(سوال) مسجد کی چھت پر نماز جماعت جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۳۶۹ حکیم غلام احمد (ریاست سروہی) ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۹ جولائی ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۱۲) (از حضرت مفتی اعظمؒ) مسجد کی چھت پر نماز کی جماعت جائز ہے اور اگر گرمی وغیرہ کے عذر کی وجہ سے ہو تو کسی قسم کی کراہت بھی نہیں البتہ بلا عذر ہو تو اس بنا پر کہ جماعت کی اصلی جگہ نیچے کا درجہ اور محراب ہے اوپر جماعت کرنا خلاف اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب) (از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی) تشریح اس کی یہ ہے کہ اگر گرمی کی ایسی شدت ہو کہ خشوع و خضوع قائم نہ رہے تو مسجد کی چھت پر نماز باجماعت و سنن و نوافل پڑھنے بھی مکروہ نہ ہوں گے اور اگر اس قدر شدت کی گرمی نہ ہوئی تو مسجد کی چھت پر نماز جماعت وغیرہ مکروہ ہو گی فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ وهذا اذا شتدت الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحه للضرورة كذا فی الغرائب (۲) (جلد خامس ص ۳۵۶) فقط حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ' دہلی

(۱) کافروں کے شور کی وجہ سے مسجد کی جماعت کو نہ چھوڑیں

(۲) ایضاً　(۳) ایضاً

(سوال) آگرہ میں چند ہفتوں سے ہنود نے یہ مشغلہ نکالا ہے کہ جب نماز مغرب کی اذان ہوتی ہے تو بہت سے لوگ جمع ہو کر ناقوس و گھنٹہ اور باجے کارے مسجد کے قریب ایسی زور و شور سے لگاتے اور بجاتے ہیں اور چلاتے ہیں کہ مسلمانوں کو نماز پڑھنا دشوار ہو جاتا ہے اور سوائے شور کے کچھ آواز نہیں آتی امام خود بھی اپنی آواز نہیں سن سکتا' پس ایسی صورت میں کیا کیا جاوے یا مسجدوں میں نماز نہ پڑھی جائے ؟

المستفتی نمبر ۳۸۸ فضل احمد (آگرہ) ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۱۳) نماز مسجدوں میں ضرور پڑھنی چاہئیے اور ہندوؤں کے اس فعل کو آئینی طریقوں سے

---

(۱) وأما الصلوة فلأنه لا بد من التسليم عند أبي حنيفة الخ و التسليم في المسجد أن يصلى فيه الجماعة باذنه الخ (عالمگیریة ' كتاب الوقف' أحكام المساجد ۲/ ۴۵۵' ط ماجدیه)

(۲) (كتاب الكراهية' الباب الخامس في آداب المسجد ۵/ ۳۲۲' ط ماجدیه' کوئٹه)

روکنے کی کوشش کی جائے مسلمان اپنی طرف سے جھگڑے کی ابتدا ہرگز نہ کریں اور اپنے اسلامی فریضے کی ادائیگی اور معاملے کو آشتی سے سلجھانے کی کوشش کرتے رہیں(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب ۳۱۴) (نمبر ۳۹۰) ہنود کا یہ فعل کہ مسلمانوں کی نماز کے وقت مسجد کے قریب بلکہ اس کے دروازے پر اس قدر شور و شغب کریں کہ مسلمان اپنی نماز ادا نہ کر سکیں اخلاقاً اور قانوناً اور معاشرۃً ہر طرح جرم ہے اور مسلمانوں کو اپنی نماز کی درستی اور صحت اور عبادت کی سلامتی کے لئے اس حرکت کی مدافعت قانونی اور باہمی مفاہمت سے کرنی لازم ہے مساجد کو بند کر دینا جائز نہیں اور نہ اس سے کوئی معتدبہ فائدہ ہو سکتا ہے اگر مسجد کی نماز شور و شغب کی وجہ سے ٹھیک طور پر ادا نہ ہو سکے تو گھر میں جا کر نماز کا اعادہ کر لیں مگر مسجد کو نہ چھوڑیں اس حالت میں مسلمان مظلوم ہیں اور مظلوم کو مدافعت کا حق قانوناً و شرعاً و اخلاقاً حاصل ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ ۳۰ اگست ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۱۵) (۳۹۱) ایسی نماز یقیناً خراب ہوگی اور مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس کا اطمینان کی جگہ اعادہ کر لیا کریں مگر اس فتنہ کی وجہ سے مساجد میں نماز کی ادائیگی ترک نہ کریں مسجد میں باقاعدہ اذان و نماز و جماعت قائم رکھیں (۳)

ہندوؤں کی اشتعال انگیزی سے صبر و سکون ہاتھ سے نہ دیں اور تمام ممکن تدابیر اور آئینی ذرائع سے اس فتنہ کو دفع کرنے کی کوشش کرتے رہیں اپنی طرف سے جھگڑے کی ابتدا نہ کریں ہندوؤں کے ظالمانہ رویہ کی مدافعت میں مسلمان معذور ہوں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

۲۰ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ م یکم ستمبر ۱۹۳۴ء

مسجد میں غیر مسلم بادشاہ کے لئے دعا مانگنا

(سوال) مساجد جو کہ خالص عبادت اور ذکر اللہ کے واسطے بنائی گئی ہیں ان میں کسی غیر مسلم بادشاہ خصوصاً ایسا جس کی ذات سے اسلام کو کافی نقصان پہنچ چکا ہو اس کی سلامتی کے لئے دعا مانگنی اور اس کی تاج پوشی کی خوشی میں مساجد اللہ میں روشنی کرنی مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا نہیں ؟ اور جو شخص ایسے بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ لکھے اور کہے کہ اے اللہ جب تک باد نسیم چلتی رہے اور پھولوں میں خوشبو باقی رہے ان کے سائے کو ہمارے سر پر قائم رکھ ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟ اور ایسا شخص نائب رسول ﷺ کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں ؟

---

(۱) فإن الصلاة في المسجد من أكبر شعائر الدين وعلاماته و في تركها بالكلية أوفي المفاسد و نحو أثار الصلوة بحيث تفض إلى قعود هم أكثر الخلق عن أصل فعلها ولهذا قال عبدالله بن مسعود لو صليتم في بيوتكم الخ (مجموعة الحديث النبوي' كتاب الصلاة لا بن القيم' هل البيت كالمسجد في اداء فضيلة الجماعة' ص ٥٥٤ ' ط رياض)

(۲) (ایضاً)

(۳) (ایضاً)

المستفتی نمبر ۵۷۵ محمد عطاء الرحمن اجمیر۔ ۲۵ محرم ۱۳۵۴ھ ۳۰ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۱۶) مساجد اللہ صرف ذکر و عبادت اور احترام شعائر اللہ کے لئے استعمال کی جا سکتی ہیں کوئی غیر مسلم بادشاہ بلکہ مسلمان ظالم یا فاسق و فاجر بادشاہ بھی اس کا مستحق نہیں کہ اس کے اعزاز و اکرام یا جشن کے لوازم مساجد میں ادا کئے جائیں غیر مسلم کی زندگی زیادہ ہونے کی دعا کسی خاص وصف مطلوب کی جہت سے اور اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مشرف باسلام فرمائے مباح ہے مساجد کو روشنی کی بدعت سے محفوظ رکھنا چاہئے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) قادیانی مسلمان ہیں یا نہیں ؟
(۲) مسجد کسی کی ذاتی ملکیت نہیں
(۳) جھوٹے اور پروپیگنڈہ کرنے والے کی امامت
(۴) بلاوجہ کسی کو مسجد میں نماز پڑھنے سے نہ روکا جائے
(۵) مسجد میں سگریٹ نوشی اور چائے پارٹی
(۶) مسجد کے لئے دھوکہ دیکر چندہ کرنا

(سوال) (۱) مرزائی خواہ وہ انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور سے تعلق رکھتے ہوں یا انجمن احمدیہ قادیان سے مسلمان ہیں یا نہیں ؟ (۲) انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور نے تمام مسلمانوں سے روپیہ اکٹھا کر کے برلن میں ۱۹۲۷ء میں مسجد تعمیر کی لیکن وہ مسجد جناب صدر الدین صاحب نمائندہ جماعت احمدیہ لاہور کی ذاتی ملکیت ہے کیا از روئے احکام اسلام مسجد کسی شخص کی ذاتی جائیداد ہو سکتی ہے (۳) کیا اس مسجد کا امام ایسا شخص ہو سکتا ہے جس نے اکثر دفعہ مرزائی اخبار پیغام صلح کے ذریعے برلن مشن کے بارے میں محض اس لئے جھوٹ بولا ہو کہ آمدنی اچھی ہو اور ہندوستان سے زیادہ رقم آئے (۴) کیا اس مسجد کے امام کو حق ہے کہ ایک جرمن نو مسلم کو مسجد میں داخل ہونے کی ممانعت کر دے (۵) کیا یہ جائز ہے کہ برلن کی مسجد میں جرمنوں کو چائے کی دعوت دی جائے اور مسجد میں کرسیاں بچھادی جائیں اور سگریٹ نوشی ہو (۶) کیا یہ جائز ہے کہ مسجد کا امام اکثر احمدی رسالوں میں یہ پروپیگنڈا کرے کہ برلن میں اس مسجد میں پانچوں وقت نماز و اذان ہوتی ہے حالانکہ در حقیقت جمعہ تک کی نماز نہیں ہوتی۔

المستفتی نمبر ۶۲۴ حبیب الرحمن سیکریٹری جماعت اسلامیہ برلن
۲۴ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۲۳ ستمبر ۱۹۳۵ء

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ : " وآن المساجد للہ فلا تدعو امع اللہ احداً" الآیۃ (سورہ جن ۱۸) وفی العالمگیریۃ ولا یجوز ان یزاد علی سراج المسجد سواء کان فی شهر رمضان اوغیرہ قال ولا یزین به المسجد الخ (کتاب الوقف احکام المسجد ۲/۴۶۱ ط ماجدیہ)

(جواب ۳۱۷) (۱) مرزائی فرقہ ضالہ کی دونوں شاخیں لاہوری اور قادیانی جمہوری علمائے اسلام کے متفقہ فتوے کے بموجب دائرہ اسلام سے خارج ہیں مرزا غلام احمد قادیانی نے دعوائے نبوت کیا یہ دعویٰ ان کی تالیفات میں اتنی کثرت اور صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ کسی شخص کو اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی قادیانی جماعت تو اس کا التزام ہی کرتی ہے اور مرزا صاحب کی نبوت ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی ہے اور لاہوری جماعت اگرچہ التزام نہیں کرتی اور مرزا صاحب کی عبارتوں کی تاویلیں کرتی ہے مگر وہ تاویلیں کسی حالت میں بھی مقبول نہیں ہو سکتیں اس لئے ان کا نبوت مرزا اور ادعائے نبوت سے انکار کرنا مفید نہیں اس کے علاوہ اس فرقہ ضالہ کے خارج از اسلام ہونے کے اور بھی وجوہ ہیں (۱)

(۲) اگر کوئی شخص اپنے ذاتی روپے سے بھی مسجد تعمیر کر کے وقف کر دے اور وہ مسجد باقاعدہ مسجد ہو جائے تو اس کو بھی وہ اپنی ذاتی ملکیت قرار نہیں دے سکتا ہاں جب کہ وہ خود واقف بھی ہو انتظام کے بعض حقوق رکھتا ہے لیکن اگر وہ مالکانہ حقوق کا مدعی ہو تو خائن قرار دیا جائے گا اور مسجد اس کے قبضہ تولیت سے نکال لی جائے گی اور مسجد جب کہ عام مسلمانوں کے چندے سے تعمیر ہوئی ہو تو پھر تو بنانے والے کو کوئی مزید حقوق حاصل ہی نہیں ہو سکتے بلکہ چندہ دینے والوں کی مرضی سے کوئی جماعت یا کوئی فرد انتظام کے لئے مقرر یا معزول کیا جا سکتا ہے (۲)

(۳) اگر امام کا کاذب ہونا اور جھوٹا پروپیگنڈا کرنا ثابت ہو جائے تو وہ امامت کا اہل نہیں (۳)

(۴) مسجد میں آنے سے کسی کو روکنے کا بلاوجہ شرعی کسی کو حق نہیں اگر کسی کو دخول مسجد سے روکا جائے تو اس کے لئے کوئی شرعی وجہ بیان کرنی لازم ہو گی (۴)

(۵) سگریٹ نوشی مسجد میں حرام ہے اور چائے کی پارٹی دینی بھی ان لوازم کے ساتھ جو فی زماننا مروج ہیں اور جو احترام مسجد کے منافی ہیں مکروہ ہے (۵)

(۶) اگر مسجد میں پنج وقتہ نماز جماعت بلکہ جمعہ کی نماز بھی التزام کے ساتھ نہیں ہوتی تو یہ شائع کرنا کہ مسجد مذکور میں پانچوں وقت اذان و نماز ہوتی ہے کذب صریح اور دھوکہ دہی ہے اور سی طرح اس جھوٹے پروپیگنڈے کی شریعت مقدسہ اجازت نہیں دے سکتی اور اگر اس جھوٹے پروپیگنڈے سے جلب زر مقصود

---

(۱) وإن انكر بعض ما علم من الدين ضرورة كفر بها الخ (الدر المختار' باب الإمامة ۱/۵۶۱ ط سعيد)

(۲) من بنى مسجد الم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه و يأذن بالصلاة فيه' أما الإ فراز فلانه لا يخلص لله تعالى . فلو جعل وسط داره مسجدا و أذن للناس في الدخول والصلاة فيه إن شرط فيه الطريق صار مسجدا الخ (عالمگيرية' كتاب الوقف' الفصل الأول فيما يصير به مسجدا' ۲/۴۵۴ ماجديه' كوئته) قال في البحر' قدمنا أن الولاية للواقف ثابتة مدحيا ته الخ (رد المحتار' كتاب الوقف' مطلب ولاية نصب القيم للواقف ۴/۴۲۱ ط سعيد)

(۳) قال في التنوير' ويكره امامة عبد أعرابي و فاسق الخ (باب الإمامة ۱/۵۵۹' ط سعيد)

(۴) ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه الآية (البقرة: ۱۱۴)

(۵) عن جابر قال . " قال رسول الله ﷺ من أكل هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن من مسجدنا فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس (مسلم ۱/۲۰۹' ط قديمي كتب خانه' كراچى)

ہو تو اس کی قباحت دو چند ہو جاتی ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) مسجد کا احترام واجب ہے
(۲) مسجد میں کیا کیا نیک کام کر سکتے ہیں؟
(۳) مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا
(۴) سوال مثل بالا
(۵) مسجد میں نعت خوانی اور مٹھائی تقسیم کرنا
(۶) جماعت کے بعد تنہا نماز پڑھیں
(۷) مشرک کے لئے دعائے مغفرت کرنا ممنوع ہے
(۸) بلند آواز سے درود پڑھنے کا حکم
(۹) تلاوت کرنا فرض نہیں' سننا فرض ہے
(۱۰) مسجد کی دیوار پر دکاندار کا بورڈ لگانا
(۱۱) امام کو مقتدیوں کے ساتھ اچھا رویہ رکھنا چاہئیے.
(۱۲) کھڑے ہو کر صلوۃ و سلام پڑھنا
(۱۳) میلاد میں قیام کرنا بدعت ہے
(۱۴) چندہ کر کے قرآن خوانی کرنا
(۱۵) مسجد کی دیوار پر لگے ہوئے بورڈ کو اتارا جائے

(سوال) مندرجہ ذیل مسائل میں شرعی حکم تحریر فرمائیں ۔
(۱) احترام مسجد (۲) مسجد میں نماز کے علاوہ دیگر نیک کام کیا کیا کر سکتے ہیں (۳) مسجد میں ہر نماز کے بعد یا کسی نماز کے بعد کلمہ شریف یا درود شریف جب کہ جماعت سے علاوہ دوسرے اور نمازی بھی اپنی نماز ادا کر رہے ہوں بلند آواز سے پڑھنا کہ دوسروں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہو (۴) علاوہ ازیں کوئی نماز بھی نہ ہو تو بآواز بلند کلمہ شریف یا درود شریف مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ (۵) مسجد میں اس جگہ جہاں جماعت ہوتی ہو یعنی محراب مصلی میں بیٹھ کر ختم کلام پاک کرنا اور محراب مصلی کے نزدیک نعت خوانی بآواز بلند کرنا اور ایسی تقریب میں چائے بسکٹ پان وغیرہ تقسیم کرنا اور گلاب چھڑکنا جب کہ اور نمازی اپنی نماز ادا کر رہے ہوں جائز ہے یا نہیں (۶) مسجد میں جماعت کی نماز کے علاوہ جس شخص کو جماعت نہ ملی ہو اس نمازی کو اپنی نماز ادا کرنے کی اجازت ہے یا نہیں ؟ (۷) مسجد میں مشرک کے لئے دعائے مغفرت مانگ سکتے ہیں یا نہیں ؟

---

(۱) قال في الدر المختار وأكل نحو ثوم و يمنع منه كذا كل موذو لو بلسانه (كتاب الصلوة' احكام المسجد ۱/ ٦٦١ ط سعيد)

(۸) نماز کے بعد مسجد میں چند آدمی کلام پاک کی تلاوت کرتے ہوں اور وہیں چند آدمی بآواز بلند درود شریف پڑھتے ہوں دونوں میں راہ راست پر کون ہے ؟(۹) کلام پاک کا پڑھنا فرض ہے یا غور سے سننا ؟(۱۰) مسجد کے بیرونی حصے یعنی دروازہ صدر پر ایک دوکاندار نے اپنی جانب سے بائیسکوپ کا تصویردار بورڈ لگایا ہوا ہے' شرعاً جائز ہے یا ناجائز ؟(۱۱) مقتدی اور امام میں کسی مسئلے پر اتفاق نہ ہو تو مقتدی کو امام یہ کہہ سکتا ہے کہ جاؤ مجھے تمہارے جیسے مقتدیوں کی کوئی پروا نہیں چاہے میرے پیچھے نماز پڑھو یا نہ پڑھو ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟(۱۲) جب کہ مسجد میں میلاد شریف کرایا جائے اس میں سلام ختم الانبیاء کی ذات و صفات کے لئے بیٹھ کر پڑھنا یا کھڑے ہو کر پڑھنا دونوں صورتوں میں کون سی صورت جائز ہے ؟(۱۳) میلاد شریف کا کرانا یا پڑھنا جائز ہے یا ناجائز ؟ اگر جائز ہے تو کس صورت میں اور ناجائز ہے تو کس صورت میں ؟ (۱۴) کسی شیعہ سے چندہ لیکر کلام پاک کا ختم کرنا اور مسجد میں نعت خوانی کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ مسجد اہل سنت والجماعت کی ہے (۱۵) سوال نمبر ۱۰ کے متعلق متولی مسجد و کارکنان مسجد کو شرعاً یہ اختیار ہے کہ بائیسکوپ کی تصویر والے بورڈ کو مسجد سے اتروادے یا نہیں ؟ اگر متولی یا کارکنان مسجد اس پر غور نہ کریں تو عام مسلمانوں کو یہ اختیار ہے کہ اس بورڈ کو اتار پھینکیں یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۸۳۲ عبدالمجید خاں (شملہ) ۱۳ محرم ۱۳۵۵ھ ۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۱۸) (۱ و ۲) ہر مسلمان پر مسجد کا شرعی احترام لازم ہے اس کا احترام یہ ہے کہ اس میں نماز اور ذکر اللہ کیا جائے اور اسکو پاک و صاف رکھا جائے شور و غل بیع و شرا سے بچایا جائے وغیرہ(۱) (۳) دوسرے نمازی نہ ہوں تو بلند آواز سے کلمہ یا قرآن مجید پڑھنا جائز ہے مگر افضل یہ ہے کہ آہستہ پڑھے(۲) (۴ و ۵) جو فعل کہ نمازیوں کی نماز میں خلل پیدا کرے یا مسجد کو ملوث کرے یا شور و شغب ہو وہ مکروہ ہے(۳) (۶) ہاں وہ مسجد میں اپنی نماز ادا کر سکتا ہے اس کو اس کا حق ہے(۴) (۷) مشرک کے لئے دعائے مغفرت ممنوع ہے مسجد میں ہو یا اور کہیں(۵) (۸) بلند آواز سے ایسی حالت میں درود شریف پڑھنا کہ ذکر و تلاوت و نماز میں خلل

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ : " وأن المساجدللہ الآیة (سورة جن ۱۸) فیجب تنزیه المسجد عنه کما یجب تنزیهه من المخاط والبلغم الخ (رد المحتار' باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها' مطلب فی رفع الصوت بالذکر ۱/ ۶۶۰ ط سعید) عن واثلة بن الأسقع أن النبی ﷺ قال : " جنبوا مساجد کم صبیانکم و مجانینکم و شراء کم و بیعکم و خصوماتکم و رفع أصواتکم الخ (سنن ابن ماجه' باب ما یکره فی المساجد' ص ۵۵ ط میر محمد کتب خانه' کراچی)

(۲) قداجمع العلماء علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها إلا أن یشوش جهر هم علی نائم أو مصل أو قارئ الخ (رد المحتار' باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها' مطلب فی رفع الصوت بالذکر ۱/ ۶۶۰ ط سعید)

(۳) عن واثلة بن الأسقع أن النبی ﷺ قال : جنبوا مساجد کم صبیانکم الحدیث (ابن ماجه)

(۴) لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلی فیه أهله یصلون واحد انا الخ (رد المحتار' باب الإمامة ۱/ ۶۶۰ ط سعید)

(۵) ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین ولو کانوا أولی قربی (سورة توبه: ۱۱۳)

پڑھے مکروہ ہے (۱) (۹) تلاوت کرنا فرض نہیں ہے لیکن سننا فرض ہے(۲) (۱۰) اس کو مسجد کی دیوار پر بورڈ لگانے کا حق نہیں(۳) (۱۱) یہ گفتگو امام کے شایان شان نہیں ہے آہستگی سے مسئلہ سمجھا دینا اور اختلاف رفع کر دینا چاہئے (۱۲) مسجد میں صلوٰۃ و سلام پڑھنا جائز ہے مگر کھڑا ہونا ضروری نہیں بیٹھ کر بھی پڑھ سکتے ہیں قیام کو ضروری سمجھنا ناجائز ہے (۱۳) میلاد شریف کی مروجہ صورت اور تمام قیود و شرائط جو رواج پذیر ہیں بدعت ہیں(۴) ہاں آنحضرت ﷺ کے حالات اور سیرت مقدسہ صحیح روایتوں سے بیان کی جائے تو موجب خیر و برکت ہے (۱۴) چندہ لیکر قرآن خوانی یا نعت خوانی کرنا ہی درست نہیں(۵) (۱۵) ہاں متولی اور نمازیوں کو اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ دکاندار اس بورڈ کو وہاں سے اتار لے(۶)۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب مکرر ۳۱۹) (۸۲۲)(۱) مسجد کا احترام یہ ہے کہ اس میں نماز اور ذکر اللہ کیا جائے اور اس کو نجاست 'میل کچیل' شور و شغب' بیع و شرا سے محفوظ رکھا جائے اور کوئی ناجائز بات اس کے اندر نہ کی جائے (۲) و (۸) جب کہ مسجد میں نماز پڑھنے والا کوئی نہ ہو تو اس میں ذکر اللہ یا تلاوت قرآن مجید یا اور کچھ کام خیر جہراً پڑھنا جائز ہے۔

(۳ و ۴ و ۶) جن لوگوں کو جماعت نہیں ملی ان کو مسجد میں نماز ادا کرنے کا حق ہے اور ان کی نماز کے درمیان میں کسی کو زور زور سے ذکر کرنے کا یا تلاوت کرنے یا درود و اشعار پڑھنے کا حق نہیں ہے۔

(۵) چائے بسکٹ کھانا کھلانا اگر بطور اجرت ذکر کے ہو تو ناجائز اور بطور اجرت کے نہ ہو تو مباح ہے مگر اس شرط سے کہ مسجد کا فرش ملوث نہ ہو۔

(۱۰) اگر اس شخص نے مسجد کی دیوار پر چسپاں کیا ہے تو قطعاً ناجائز ہے اور اگر اپنی دیوار پر کیا ہے تو یہ بات کسی قدر احترام مسجد کے خلاف ہے اس لئے نرمی اور حسن تدبیر سے اس کو علیحدہ کرا دینا چاہئے۔

(۱۴) ہاں مسجد میں یا اس کی جائیداد متعلقہ میں کوئی ایسا فعل جو احترام مسجد کے خلاف ہو اور اتفاقی طور پر ناجائز ہو تا ہو اور امام اور متولی اسے نہ روکیں تو مسلمانوں کو روکنے کا حق ہے۔

(۱) وفي حاشية الحموي للشعراني : قد اجمع العلماء سلفا و خلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أو قارئ الخ (رد المحتار' كتاب الصلاة' مطلب في رفع الصوت بالذكر ١/ ٦٦٠ ط سعيد)

(٢) وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون (سورة الأعراف ٢٠٤)

(٣) ولايجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئا منه مستغلا ولا سكنى الخ (در مختار) وفي الشامية : " قلت " وبه علم حكم ما يصنعه بعض جيران المسجد من وضع جذوع على جداره' فإنه لا يحل ولو دفع الأجرة الخ (كتاب الوقف' أحكام المسجد ٤/ ٣٥٨ ط سعيد)

(٤) عن عائشة قالت قال النبي ﷺ " من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد (بخاري)

(٥) قال تاج الشريعة في شرح الهداية' " إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت' ولا للقارئ وقال العيني في شرح الهداية' و يمنع القارئ للدنيا والآخذ والمعطي آثمان الخ (رد المحتار' الإجارة الفاسدة' مطلب في عدم جواز الاستئجار على التلاوة ٦/ ٥٦ ط سعيد)

(٦) فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل مسكنا الخ (الدر المختار' كتاب الوقف' أحكام المسجد ٤/ ٣٥٨ ط سعيد)

محمد کفایت اللہ۔ ۱۶ محرم ۱۳۵۴ھ ۱۹ اپریل ۱۹۳۶ء

مسلمان حاکم پر مسجد کا قیام لازم ہے

(سوال) شرعاً مسجد کا انتظام کرنا قاضی شرع پر فرض و لازم ہے کہ نہیں ؟

(جواب ۳۲۰) مسجد کا انتظام کرنا مسلمانوں پر لازم ہے جہاں بااختیار مسلمان حاکم ہو تو اس پر لازم ہے کہ نماز کے لئے مسجد بناوے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد کے نیچے کی دکانوں کی آمدنی مسجد میں خرچ کی جائے

(سوال) ایک مسجد جس کے نیچے خلا ہو (یعنی دکانیں ہوں) اس میں نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں ؟ ایسی دکانیں جن پر مسجد کی بنیاد ہو مسجد کی ملک ہو سکتی ہیں یا کسی اور شخص کی جو ان کا کرایہ وصول کر کے کچھ مسجد پر صرف کر دیتا ہو اور کچھ اپنے صرف میں لاتا ہو۔

المستفتی نمبر ۹۵۵ ڈاکٹر محمد یاسین (کرنال) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۲۱) جس مسجد کے نیچے دکانیں ہوں اسمیں نماز پڑھنی درست ہے مسجد کے نیچے کی دکانیں مسجد ہی کی ملک ہو سکتی ہیں کسی دوسرے کی ملک نہیں ہو سکتیں نہ کوئی دوسرا ان کی آمدنی میں حیثیت شریک ملکیت کے حقدار ہو سکتا ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

مسجد میں بیٹھ کر حجامت بنوانا مکروہ ہے

(سوال) ایک مسجد میں بیٹھ کر امام مسجد حجامت بنواتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟ اس کا ایمان کامل ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۰۷۸ رفیق میر محمد یعقوب صاحب میر (گجرات پنجاب)

۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ۳۰ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۲۲) مسجد میں بیٹھ کر حجامت بنوانا مکروہ ہے مگر اس درجہ کا گناہ نہیں ہے کہ موجب فسق ہو اور اس کی وجہ سے امامت ناجائز ہو جائے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد کے حصے کو گودام بنانا جائز نہیں

(سوال) ایک مسجد قبرستان میں ہے اس کے مسقّف حصے یعنی دالان کو زید نے لوہے کا جنگلہ اور جالی لگا کر

---

(۱) وإذا جعل تحته سرداباً بالمصالحة أي المسجد جاز (درمختار) قال الشامي :" وظاهره أنه لا فرق بين أن يكون البيت للمسجد أولا' إلا أنه يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه الخ (كتاب الوقف' مطلب في احكام المسجد ٤/٣٥٧ ط سعيد)

(۲) فلا يجوز الا ستصباح بدهن نجس فيه ولا تطينه بنجس ولا البول والفصد فيه' ولو في إناء الخ (الدر المختار' باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ١/٦٥٦ ط سعيد)

قفل لگادیا ہے اور اس میں الماریاں 'کتب احادیث و فقہ 'اگالدان 'مٹکے' صراحیاں 'ٹرنک اور بستر وغیرہ رکھ کر مال گودام بنالیا ہے اور قبضہ جمالیا ہے اور اس کا نام زروبہ گور غریباں رکھ کر اپنے نام سے منسوب کردیا ہے اب اسے کہا جاتا ہے کہ اپنا مال گودام سے ہٹاؤ تو کہتا ہے کہ مسجد ویران تھی میں نے اس کو آباد کیا تھا پہلے اس میں بہت کم کوئی نماز پڑھتا تھا اب اس کے صحن میں نماز پڑھنے سے کوئی چیز خارج نہیں بلکہ اکثر نماز ہوتی ہے نیز دالان میں جس پر قفل لگا ہوا ہے حدیث و فقہ کی کتابیں ہیں اگر یہ چیزیں ہٹادی گئیں تو میں پھر مسجد کی صفائی کا ذمہ دار نہیں یہ ویران ہو جائے گی دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا کوئی شخص کسی ویران مسجد کی صفائی رکھنے اور اس کے صحن میں اقامت الصلوۃ کے لئے سہولت کا انتظام کردے تو کیا اس کے صلے میں اس کو حق ہے کہ مسجد کے دالان (مسقف حصہ) پر قبضہ کر کے جس میں محراب و ممبر ہے اس کو بند رکھ سکے اور رہائش و مال گودام کے کام میں لا سکے خصوصاً جب کہ بارش یا دھوپ و گرمی کی وجہ سے صحن میں نماز پڑھنا ناممکن ہو جائے تو اس حالت میں بھی کیا وہ شخص مسقف حصے کو بند رکھنے کا مجاز ہے؟ فقط

المستفتی نمبر ۱۰۳ااحمد حسین بیگ صاحب طبیب دہلوی (اجمیر شریف)

۱۲جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ۵اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۲۳) مسجد نماز کے لئے ہے نہ کہ گودام بنانے کے لئے اور حفاظت کے صلے میں اس کو مال گودام بنانے کا حق نہیں فوراً اس کو خالی کرا کے نماز و جماعت کے کام میں لانا چاہئے (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

(الجواب صحیح) مسجد مسجد ہونے کے بعد قیامت کے قائم ہونے تک مسجد ہی رہتی ہے اور اس کے آداب و حرمت ہر وقت مسلمانوں پر واجب ہے گودام بنانا مسجد کو مسجد کی نہایت بے حرمتی ہے اور گودام بنانے والا سخت گناہ گار ہوگا جو بے حرمتی کرنے مسجد کے۔ فقط

حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ 'دہلی

مسجد کو مقفل کر کے بند کردینا درست نہیں

(سوال) ایک مسجد جس میں لوگ جمعہ و نماز پنجگانہ باجماعت مدت تک ادا کرتے رہے ہوں اور عرف عام میں مسجد مشہور ہو بلکہ کاغذات سرکار میں بھی مسجد کا اندراج باقاعدہ ہو اور بعد میں کسی وجہ سے مسجد کو مقفل کر کے مسلمانوں کو اس میں عبادت کرنے سے محروم کردیا جائے تو ایسی صورت میں کیا مسجد کی حیثیت میں کوئی فرق آجاتا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۱۹۰ غلام قادر صاحب (ریاست فرید کوٹ)

۲۸جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۱۶ستمبر ۱۹۳۶ء

---

(۱) ولا اخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئا منه مستقلا ولا سكنى الخ (الدر المختار' كتاب الوقف' أحكام المسجد ٤/٣٥٨' ط سعيد)

(جواب) (از نائب مفتی صاحب) جب کسی مسجد میں بعد تعمیر کے بہ اجازت بانی مسجد کے اذان و نماز باجماعت ایک مرتبہ بھی ہو جائے گی تو یہ مسجد تا قیام قیامت مسجد ہی رہے گی اور نمازیوں کا حق نماز پڑھنے کا اس میں قیامت کے قائم ہونے تک رہے گا جو شخص کہ اس کو مقفل کر کے نمازیوں کو نماز پڑھنے سے روکے گا تو یہ شخص بڑے سخت گناہ کا مرتکب ہو گا۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے۔ **ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه و سعیٰ فی خرابها الآیة** (۱) لہذا اس شخص پر لازم ہے کہ اس بیجا حرکت سے توبہ کرے اور مسجد کے قفل کو کھول کر نمازیوں کو نماز پڑھنے دے ورنہ مسلمانوں کو چاہئیے کہ اس کے ساتھ میل جول ترک کر دیں تاکہ یہ پریشان ہو کر توبہ کر لے فقط واللہ اعلم اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ۔

نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(**جواب ۳۲۴**)(از حضرت مفتی اعظم نور اللہ مضجعہ) جب بانی مسجد کسی جگہ کو مسجد قرار دیدے اور اس کی اجازت سے اس میں ایک مرتبہ نماز باجماعت ہو جائے تو قیامت تک وہ مسجد رہتی ہے اسے بند کرنا اور نماز سے روکنا ظلم عظیم ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ضرورت کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا

(سوال) قصبہ جاکھولی ضلع رہتک میں ایک جامع مسجد خام عرصہ ۳۶ سال سے قائم ہے اور تادم تحریر اذان' جماعت پنجگانہ' نماز جمعہ' جملہ امور بہ اہتمام تمام انجام دیئے جارہے ہیں اس کے علاوہ کوئی دوسری مسجد اس قصبہ میں موجود نہیں ہے اب مسلمانان قصبہ نے اس کی عمارت پختہ کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ ہندوؤں نے پختہ تعمیر کرنے سے انکار کر دیا مسلمانوں نے اس کے متعلق عدالت دیوانی میں استغاثہ دائر کر دیا ہندو بھڑک اٹھے اور مسلمانوں کا یکم جنوری ۱۹۳۷ء سے سوشل بائیکاٹ کر دیا اس پر فوجداری مقدمہ قائم ہوا اور اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی ضمانتیں ۱۴۔۱۴ امر د مان کی بحساب دو ہزار روپے فی کس تا فیصلہ عدالت مجاز نے حاصل کر لیں مقدمات جاری ہیں 'مسلمان پریشان ہیں۔

(۲) عدالت مجاز اور پولیس افسران اور ہندوؤں کی یہ مرضی ہے کہ مسلمان مسجد جامع متنازعہ کے بجائے کسی دوسرے مقام پر پختہ مسجد بنالیں اور اس مسجد مذکور کو بدستور رہنے دیا جائے تو معاملہ رفع ہو سکتا ہے اور نیز یہ بھی ان کا وعدہ ہے کہ مسجد متنازعہ کی بے حرمتی نہ کی جائے گی وہ بدستور رہنے کے بعد نماز' اذان' جمعہ جملہ امور شرعیہ انجام دینے کی اجازت ہو گی اور اس مسجد کے جملہ حقوق محفوظ رہیں گے تو کیا مسلمان ایسی صورت

---

(۱) (البقرة ۔ ۱۱٤)

(۲) ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها الآية (البقرة: ۱۱٤) التسليم في المسجد أن تصلى فيه الجماعة بإذنه الخ (عالمگيرية' كتاب الوقف' الفصل الأول فيما يصير به مسجدا ۲/ ٤٥٥' ط ماجديه كوئته) قال في التنوير و شرحه ۔ " ولو خرب ما حوله' واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة' وبه يفتى" الخ (كتاب الوقف' أحكام المسجد ٤/ ۳٥۸ ' ط سعيد)

میں اس جامع مسجد خام کو کچی ہی رہنے دیں اور اس کی جگہ اور حقوق کو محفوظ رکھتے ہوئے دوسرے مقام پر مسجد پختہ تعمیر کرلیں تو کوئی باعث گناہ کا تو نہ ہوگا اور جب کہ ہندو لوگ کثیر التعداد ہیں اور مسلمان اقلیت میں تو کیا رفع فساد و شر کے لئے ایسا کرنے کی اسلامی اجازت بھی ہے یا نہیں ؟

(۳) کیا اس دوسری جدید پختہ مسجد میں نماز وواجبات وجملہ امور مفروضہ درست ہوں گے یا نہیں ؟

(۴) ان جملہ امور کے متعلق نص قرآنیہ و احادیث کا بھی حوالہ دیا جائے تاکہ حکام مجاز کی تسلی اور عام مسلمانوں کو آگاہی ہو۔ المستفتی نمبر ۱۴۷۳ سلیم الدین احمد' خالد حمیدی' عمر الٰہی (معرفت مولوی سکندر دین صاحب) مدرس مدرسہ امینیہ' دہلی ۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۷ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۲۵) اگر مسجد مذکور بدستور مسجد ہی رہے اور اس میں اذان و نماز باجماعت کے تمام حقوق قائم رہیں اور اس بات پر نزاع رفع ہو تا ہو کہ اس کی عمارت پختہ نہ کی جائے بلکہ پختہ مسجد دوسری جگہ تعمیر کرلی جائے اور مسجد خام کو خام ہی رہنے دیا جائے تو مسلمان اس فیصلے پر عمل کرنے میں گناہ گار نہ ہوں گے اور دوسری پختہ مسجد میں جو مسلمان بنائیں گے نماز و اذان و جمعہ سب امور ادا کرنا جائز ہوگا(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد کے اندر حلقہ ذکر منعقد کرنا

(سوال) کیا مسجد کے اندر حلقہ ذکر کرنا درست ہے بشرطیکہ مصلیوں کو یا آس پاس سونے والوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ المستفتی نمبر ۱۵۲۲ خواجہ عبدالمجید شاہ صاحب (بنگال)

۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۲ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۶۲) مسجد کے اندر ذکر منعقد کرنا مباح ہے بشرطیکہ کسی نمازی کی نماز میں یا کسی سونے والے کی نیند میں خلل انداز نہ ہو اور ذکر بھی زیادہ شور و شغب اور افعال مکروہہ پر مشتمل نہ ہو۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نماز فجر کے بعد ترجمہ قرآن کا درس دینا

(سوال) (۱) مسجد حنفیہ کا امام صبح نماز سے فارغ ہو کر مسجد مذکور میں قرآن عزیز کا ترجمہ کرتا ہے امام مذکور کا ترجمہ قرآن بیان کرنا اہل حدیث کو خوش نہیں آتا وہ چاہتے ہیں کہ یہاں ترجمہ قرآن نہ ہو اور وہ ہمیشہ صبح کی

---

(۱) وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقاً الخ (الدر المختار' باب الجمعۃ ۲/ ۱٤٤ ط سعید)

(۲) قال الشامی :" وفی حاشیۃ الحموی للشعرانی :" أجمع العلماء سلفاً و خلفاً علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا إلا أن یشوش جھر ھم علی نائم أو مصل أو قارئ الخ (باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیھا' مطلب فی رفع الصوت بالذکر ۱/ ٦٦٠ ط سعید)

نماز ختم ہونے کے بعد آکر اپنی الگ الگ نماز پڑھتے ہیں اور یہ نماز کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے کہ جس وقت تک قرآن کا ترجمہ ہوتا رہتا ہے جب ترجمہ ختم ہوتا ہے تو پھر یہی لوگ امام صاحب سے لڑتے ہیں کہ یہاں پر لوگ نماز پڑھتے ہیں اور تم ترجمہ کر رہے ہو یہ کہاں جائز ہے ترجمہ بند کرو۔ ایسی صورت میں امام صاحب کو قرآن مجید کا ترجمہ بیان کرنا نماز فجر سے فارغ ہو کر جائز ہے کہ نہیں۔

(۲) امام مذکورہ بالا نے مصلین سے کہا کہ تم اپنے مسلک کے مطابق آمین بالجہر کہو مگر ضد میں آکر ایڑی چوٹی کا زور لگا کر مسجد کو سر پر نہ اٹھاؤ تو انہوں نے اس کے بالکل برعکس عمل کیا اور بچوں اور جوانوں نے بہت چیخ کر آمین کہی تاکہ یہ لوگ اور چڑیں اور کوئی بولے تو اس سے لڑیں برابر میں اہل حدیث کی مسجد ہے یہ لوگ اس میں نماز نہیں پڑھتے مسجد حنفیہ میں آتے ہیں کیا لوگوں کے جلانے اور چڑانے کے لئے آمین اتنی بلند آواز سے پکارنا جائز ہے ؟

(۳) مذکورہ بالا قسم کے اہل حدیث صاحبان کو مسجد میں غل شور اور لڑائی جھگڑے کے لئے نماز کے بہانے آنے دینا جائز ہے کہ نہیں ؟ المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب) (از مولانا مظہر اللہ صاحب) (۱) بعد نماز فجر مسائل دینیہ کا بیان اور ترجمہ قرآن کرنا نہایت مستحسن امر ہے جو لوگ جماعت کے بعد نماز کے لئے آتے ہیں ان کو چاہئیے کہ کسی علیحدہ مقام پر یا اپنی مسجد میں جاکر نماز پڑھیں(۱) (۲) امام صاحب صحیح فرماتے ہیں ان لوگوں کو اس پر عمل کرنا چاہئیے جہر پر عمل صرف اتنی آواز سے ہو سکتا ہے کہ قریب کا آدمی اس کو سن لے جو لوگ اپنی مسجد چھوڑ کر محض فساد کے لئے اس مسجد میں آتے ہیں ان کو روکنا ان پر واجب ہے جو روکنے پر قدرت رکھتے ہیں (۲)

مہر مسجد فتح پوری۔ محمد مظہر اللہ غفرلہ' امام جامع فتح پوری' دہلی

(جواب ۳۲۷) (از حضرت مفتی اعظمؒ) قرآن مجید کا ترجمہ بیان کرنا ایک بہتر صورت ہے مگر نمازیوں کا خیال رکھنا لازم ہے قرآن مجید کا ترجمہ آفتاب نکلنے کے بعد شروع کیا جائے تاکہ وقت کے اندر نماز پڑھنے والوں کی نماز میں خلل نہ آئے جواب نمبر ۲ و نمبر ۳ صحیح ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد میں افطار اور شیرینی تقسیم کرنا

(سوال) (۱) ہمارے یہاں رواج ہے کہ اکثر مسجد میں مولود شریف پڑھواتے ہیں اور کچھ شیرینی وغیرہ مسجد ہی میں تقسیم کرتے ہیں' یہ جائز ہے یا ناجائز ؟

---

(۱) أما للتدريس أو للتذكير فلا لأنه ما بني له وإن جاز فيه ولا يجوز التعلم في دكان في فناء المسجد عند أبي حنيفة و عندهما يجوز (البحر الرائق' فصل في المسجد ۲/۳۸ ط بيروت)

(۲) وأكل نحو ثوم و يمنع منه وكذا كل موذٍ ولو بلسانه الخ (الدر المختار' باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱/۶۶۱.۶۶۲ ط سعيد)

(۳) أما للتدريس أو للتذكير فلا الخ (البحر الرائق' ۲/۳۸ ط بيروت)

(۲) نیز رمضان شریف میں افطار کی مسجد میں سب مصلی کرتے ہیں' یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۰۲۱ محمد مقبول الرحمٰن (سلہٹ) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۲۸) (۱) مسجد میں کوئی چیز تقسیم کر دینی درست ہے بشرطیکہ مسجد کو ملوث کرنے والی چیز نہ ہو(۱) (۲) مسجد میں افطار کرنا جائز ہے مگر مسجد ملوث ہونے سے محفوظ رکھا جائے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) صبح کی نماز کے لئے چراغ جلانا
(۲) مسجد میں میلاد کے اشعار پڑھنا

(سوال) متعلقہ روشنی مسجد

(جواب ۳۲۹) اگر صبح کی نماز کسی بند جگہ پڑھی جاتی ہو اور وہاں اندھیرا ہو تو چراغ جلانے میں کچھ حرج نہیں۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب ۳۳۰) مسجد میں شور و شغب کرنا اور ایسے اشعار پڑھنا جن کا مضمون صحیح نہیں ہوتا جو اکثر میلاد خواں پڑھا کرتے ہیں بے شک ناجائز ہے(۳)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد میں ریاضت (ورزش)

(سوال) متعلقہ ورزش در مسجد

(جواب ۳۳۱) مسجد میں ریاضت (کسرت) کے لئے تیز رفتاری کرنا اس صورت سے مباح ہے کہ رفتار کے اثناء میں کچھ ذکر بھی کرتا رہے اور اسی ذکر کو اصل مقصد رکھے اور کسی نماز پڑھنے والے یا ذکر کرنے والے کو اذیت نہ پہنچے(۴)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد کو پاک اور صاف ستھرا رکھا جائے

(سوال) مسجد کے احکام متعلقہ صفائی و نظافت

(جواب ۳۳۲) قال رسول اللہ ﷺ من اکل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن

---

(۱) فيجب تنزيه المسجد عنه' كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم (رد المحتار' مطلب في رفع الصوت بالذكر ۱ / ۶۶۰ ط سعيد)

(۲) (ايضا)

(۳) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال " نهى رسول الله ﷺ عن البيع والا بتياع و عن تناشد الأشعار في المساجد (ابن ماجه' باب ما يكره في المساجد ص ٥٤ ط قديمي كتب خانه' كراچي)

(٤) أجمع العلماء سلفا و خلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أو قارئ (رد المحتار' باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها' مطلب في رفع الصوت بالذكر ۱ / ۶۶۰ ط سعيد)

مسجدنا (الحدیث' بخاری (۱) و مسلم (۲) مشکوۃ (۳)) البزاق فی المسجد خطیئۃ (الحدیث بخاری (۴) و مسلم (۵) مشکوۃ (۶)) وجدت فی مساوی اعمالها النخامۃ فی المسجد لا تدفن (مسلم (۷) مشکوۃ (۸)) امر رسول اللہ ﷺ ببناء المسجد فی الدووان ینظف و یطیب (ابو داؤد (۹) ترمذی (۱۰) ابن ماجہ (۱۱) مشکوۃ (۱۲)) قال رسول اللہ ﷺ اذا رأیتم الرجل یتعاهد المسجد فاشهدوا له بالایمان (الحدیث ترمذی (۱۳) ابن ماجہ (۱۴) دارمی (۱۵) مشکوۃ (۱۶)) رای النبی ﷺ نخامۃ فی القبلۃ فشق ذلک علیه حتی رئی فی وجهه فقام فحکه بیده (الحدیث' بخاری (۱۷) مشکوۃ (۱۸)) جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم و بیعکم و شراء کم و رفع اصواتکم (الحدیث منذری' رد المحتار ص ۴۶۱ ج ۱) (۱۹) و کره تحریما الوطیء فوقه والبول والتغوط واتخاذه طریقا بغیر عذرواد خال نجاسۃ فیه و علیه فلا یجوز الا ستصباح بدهن نجس فیه ولا تطیینه بنجس ولا البول والفصد فیه ولو فی اناء (درمختار) لا یدخل المسجد من علی بدنه نجاسۃ (رد المحتار (۲۰) عن الهندیۃ ص ۴۶۱ ج ۱) کره تحریما البول والتغوط فوقه لانه مسجد الی عنان السماء (درمختار) و کذاالی تحت الثری (ردالمحتار) (۲۱)

---

(۱) (باب ماجاء فی الثوم والبصل والکرات' ۱/۱۱۸' ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)
(۲) (باب النهی من أکل ثوما او بصلا الخ ۱/۲۰۹ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)
(۳) (باب المساجد و مواضع الصلاۃ ۱/۶۸ ط سعید)
(۴) (باب کفارۃ البصاق فی المسجد ۱/۵۹' ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)
(۵) (باب النهی عن البصاق فی المسجد ۱/۲۰۷ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)
(۶) (باب المساجد و مواضع الصلاۃ' ۶۹ ط سعید)
(۷) (باب النهی عن البصاق فی المسجد ۱/۲۰۷' ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)
(۸) (باب المساجد و مواضع الصلاۃ' ۶۹' ط سعید)
(۹) (باب اتخاذ المساجد فی الدور' ۱/۷۲' ط مکتبہ امدادیہ' ملتان)
(۱۰) (باب ماذکر فی تطییب المساجد ۱/۱۳۰' ط سعید)
(۱۱) (باب تطهیر المساجد و تطییبها' ص ۵۵ ط قدیمی کتب خانہ کراچی)
(۱۲) (باب المساجد و مواضع الصلوۃ' ص ۶۹ ط سعید)
(۱۳) (باب ماجاء فی حرمۃ الصلاۃ ۲/۲۰ ط سعید)
(۱۴) (باب المساجد و انتظار الصلاۃ ص ۵۸ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)
(۱۵) (باب المحافظۃ علی الصلوات ۱/۳۰۲ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)
(۱۶) (باب المساجد و مواضع الصلاۃ' ص ۶۹ ط سعید)
(۱۷) (باب حک البزاق بالیدین فی المسجد ۱/۵۸ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)
(۱۸) (باب المساجد و مواضع الصلاۃ' ص ۶۹ ط سعید)
(۱۹) (باب مایکره فی المساجد ص ۵۴ قدیمی کتب خانہ' کراچی)
(۲۰) باب مایفسد الصلاۃ و مایکره فیها' ۱/۶۵۴ ط سعید)
(۲۱) (ایضاً)

زیر تعمیر مسجد میں جوتا پہن کر جانا

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۲۷ء)

(سوال) صحن مسجد زیر تعمیر جس میں صفائی وغیرہ ابھی نہیں ہوئی ہے اس میں نمازیوں کا جوتا پہن کر جانا کیسا ہے ؟

(جواب ۳۳۳) بہتر یہی ہے کہ جوتا اتار کر جائیں تاہم اگر جوتا یقینی ناپاک نہ ہو تو مباح ہے(۱)
محمد کفایت اللہ غفر لہ'

قبلہ کی طرف پاؤں کر کے سونا

(سوال) قبلہ کی طرف پاؤں کر کے قصداً سونا کیسا ہے ؟

(جواب ۳۳٤) قبلہ کی طرف پاؤں کر کے سونا خلاف ادب ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

احاطہ مسجد میں خرید و فروخت ممنوع ہے

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۵ اگست ۱۹۲۹ء)

(سوال) احاطہ مسجد میں بیٹھ کر امام مسجد اپنا ذاتی کاروبار کرتے ہیں' یہ جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۳۵) مسجد یعنی اس حصے میں جو نماز کے لئے مہیا کیا جاتا ہے' بیع و شرا کرنا یا کوئی ایسا کام کرنا جس سے نمازیوں کو تکلیف ہو یا احترام مسجد کے منافی ہو جائز نہیں ہے' باقی مسجد کے احاطے میں دوسرے حصص جو نماز کے لئے مہیا نہیں کئے جاتے ان میں بیع و شراء جائز ہے مگر متولی کی اجازت سے ہونی چاہئیے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) مسجد کے لئے ہندوؤں سے چندہ لینا
(۲) زیر تعمیر مسجد میں جوتوں سمیت گھومنا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) (۱) تعمیر مسجد میں منظور شدہ مالی بدنی امداد غیر مسلم' ہندو وغیرہ کی شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

---

(۱) إذا خشي تلويث المسجد بها ينبغي عدمه' وإن كانت طاهرة الخ (رد المحتار' باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها' مطلب في أحكام المسجد ۱/۶۵۷ ط سعيد)

(۲) كما كره مد الرجليه في نوم أو غيره إليها أي عمداً' لأنه إساءة أدب (الدر المحتار' باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها' مطلب في أحكام المسجد ۱/۶۵۵ ط سعيد)

(۳) عن واثلة بن الأسقع قال :" قال النبي ﷺ :" جنبوا مساجدكم صبيانكم و مجانينكم و شراءكم و بيعكم و خصوماتكم" (ابن ماجة' باب ما يكره في المساجد ص ۵٤ ط قديمي)

(۲) نئی مسجد کی تعمیر کے وقت یا مسجد قدیم کی تعمیر جدید کے وقت سردی یا گرمی یا بوجہ سنگریزوں کے راج مزدور جوتا پہن کر مسجد میں کام کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

(جواب ۳۳۶) (۱) اگر غیر مسلم بطیب خاطر کوئی رقم یا سامان مسلمانوں کو دیدے کہ وہ مسجد میں لگا دیں تو اس کا لینا اور لگانا جائز ہے ہاں مسلمانوں کو مسجد کے لئے غیر مسلم سے امداد طلب کرنی ناجائز ہے (۱) (۲) نئی مسجد تکمیل اور اقامت نماز باجماعت کے بعد مسجد ہو گی اس لئے اس میں تعمیر کے درمیان جوتا پہن کر آنے جانے میں مضائقہ نہیں ہاں مسجد قدیم میں اگر ضرورت داعی ہو تو پاک اور نیا جوتا پہن کر کام کرنا جائز ہو گا۔ نجس اور پرانا جوتا پہننا خلاف ادب اور ناجائز ہے (۲)

محمد کفایت اللہ غفرلہ'

سودی رقم سے خریدی ہوئی دریوں پر نماز مکروہ ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۳۲ء)

(سوال) ایک شخص سود یعنی ربوا کی رقم کی دریاں خرید کر مسجد کو دیتا ہے یا رقم سود نقد دے دیتا ہے اور ارکان مسجد بدون تحقیق مسئلہ مسجد کے صرف میں لے آتے ہیں اور تنبیہ کرنے پر ضد کرتے ہیں کہ جو کچھ ہے ٹھیک ہے ایسے لوگ مسجد کے رکن بننے کے لائق ہیں یا نہیں ؟

(جواب ۳۳۷) اگر یہ بات محقق ہو جائے کہ دی ہوئی دریاں سود کے روپے سے خریدی گئی تھیں یا جو رقم نقد دی گئی ہے وہ سود میں حاصل کی ہوئی رقم ہے تو اس کو مسجد میں استعمال کرنے کے لئے لینا ناجائز ہے ایسی دریوں پر جو مال حرام سے خریدی گئی ہوں نماز پڑھنا مکروہ ہے جن ممبروں نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ روپیہ حرام طریقے سے کمایا ہوا ہے مسجد کے لئے قبول کیا یا قبول کرنے پر اصرار کیا وہ مسجد کی رکنیت کے قابل نہیں ہیں (۳) فقط واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) تعمیر مسجد کے لئے چندہ سے ذاتی مکان بنانا جائز نہیں
(۲) میت کا قرضہ پہلے ادا کیا جائے

(الجمعیۃ مورخہ ۵ مئی ۱۹۳۵ء)

---

(۱) إن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا و عندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد الخ (ردالمحتار' كتاب الوقف ٤ / ٣٤١ ط سعيد)

(۲) التسليم في المسجد أن تصلى فيه الجماعة بإذنه الخ (عالمگيرية' الباب الحادي' عشر في المسجد ٢/٤٥٥ ط ماجديه كوئته) لكن إذا خشي تلويث فرش المسجد وبها ينبغي عدمه الخ (رد المحتار' باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ١ / ٦٥٧ ط سعيد)

(۳) قال تاج الشريعة: " أما لو انفق في ذلك مالا خبيثا وما لا سببه الخبيث والطيب فيكره لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب فيكره تلويث بيته بما لا يقبله الخ (رد المحتار' باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ١/٦٥٨' ط سعيد)

(سوال) (۱) ایسے مسلمان کے لئے کیا حکم ہے جو تعمیر مسجد کے نام سے وصول کر کے زر چندہ اپنے مکان کی تعمیر میں صرف کر ڈالے (۲) ایسے مسلمان کی فوتیدگی کے بعد جو تمام عمر تارک الصلوۃ و تارک الصوم رہا ہو اس کے ورثا کا ایصال ثواب اور متوفی کی بخشش کے لئے خرچ کرنا کیا حکم رکھتا ہے اور جب کہ متوفی مقروض ہو اور ورثاء بار بار تقاضا کرنے کے بعد بھی ادا نہ کرتے ہوں۔

(جواب ۳۳۸) (۱) وہ شخص سخت گناہ گار اور فاسق ہے اور اس رقم کا ضامن ہے جو اس نے مسجد کے نام سے وصول کی ہے (۱) (۲) اس کی طرف سے ایصال ثواب کرنا جبکہ ورثا اپنے مال میں سے کریں تو جائز ہے مگر اس کے ذمہ کا قرضہ ادا کرنا مقدم ہے پہلے قرضہ ادا کرنا چاہئے اس کے بعد اگر کوئی وارث اس کے ساتھ احسان کرنا چاہے اور اپنے پاس سے مال خرچ کر کے ایصال ثواب کرے تو جائز ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد کو دھونا جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۶ء)

(سوال) یہاں ہر جمعہ کو مسجد دھوئی جاتی ہے اگر ضروری سمجھ کر دھوئی جائے تو کیا حکم ہے ؟

(جواب ۳۳۹) ہر جمعہ کو مسجد دھونا کوئی شرعی حکم نہیں ہے اگر صفائی کے لئے دھوئی جائے اور اس کو شرعی حکم نہ سمجھا جائے تو مباح ہے (۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ویران مسجد کو چار دیواری بنا کر بند کر دیا جائے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۳۶ء)

(سوال) پندرہ سال کی مدت گذری کہ مقام کمال پور ضلع گیا کے ایک زمیندار نے مسجد بنانے کو ایک قطعہ زمین وقف کیا تھا شیخ کارو مستری اور سید نبی اختر کی کوشش سے چندہ سے مسجد کا اندرونی دالان بن گیا اور نصف گنبد بھی بنا اور مینار بھی تیار ہو گیا چار دیواری اور بیرونی دالان فنڈ ختم ہو جانے کی وجہ سے نہ بن سکا اس کے بعد سے آج تک مسجد یوں ہی نامکمل ہے قرب وجوار میں بھی کوئی خوش حال مسلمان نہیں کہ اس کی تکمیل کرائیں چار دیواری نہ ہونے سے جانور کتے سؤر تک اندر آجاتے ہیں اس بے حرمتی کو

---

(۱) رجل جمع مالاً من الناس لینفقه فی بناء المسجد' وانفق من تلك الدراهم فی حاجة نفسه . لا یسعه ان یفعل ذلك . نرجو اله فی الاستحسان أن ینفق مثل ذلك من ماله فی المسجد فیجوز و یخرج عن الوبال فیما بینه و بین الله الخ (فتاوی قاضی خان' باب الرجل یجعل داره مسجداً ۳ / ۲۹۹ ط ماجدیه کوئٹه)

(۲) یبدأ من ترکة المیت بتجهیزه من غیر تقتیر ولا تبذیر' ثم تقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العباد الخ (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶ / ۷۵۹ ط سعید)

(۳) عن عائشة قالت :" أمر رسول الله ﷺ أن یتخذ المسجد فی الدور وأن ینظف وأن یتطهر الخ (ابن ماجة' باب تطهیر المساجد و تطیبها ص ۵۵ قدیمی کتب خانه)

دیکھ کر شیخ کارو مستری اور سید نبی اختر نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جب کہ مسلمانوں کے افلاس کو دیکھتے ہوئے اس کی تعمیر ممکن نہیں تو اس کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا جائے اب سوال یہ ہے کہ اس کی بے ادبی و بے حرمتی کا قائم رکھنا بہتر ہے یا اس کا انہدام بہتر ہے ؟

(جواب ۳٤۰) جب زمین مسجد کے لئے وقف ہو چکی اور اس پر مسجد کی تعمیر بھی شروع ہو گئی تو اب اس کو کسی دوسرے کام میں لانا جائز نہیں اس کے گرد احاطہ کر کے اسے محفوظ کر دینا چاہیئے یا کسی طرح تکمیل کی کوشش کرنی چاہیئے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا مکروہ ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا کیسا ہے ؟

(جواب ۳٤۱) مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا مکروہ ہے۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

پانچواں باب

نماز جمعہ

فصل اول ۔ احتیاط الظہر

جہاں جمعہ شرعاً واجب ہو' وہاں احتیاط الظہر پڑھنا جائز نہیں

(سوال) زید قصبہ یا قریہ میں بعد نماز جمعہ کے احتیاط الظہر پڑھنے کو ناجائز بتلاتا ہے اور عمرو جائز کہتا ہے اور کہتا ہے کہ جو شخص اس نماز کے پڑھنے کو ناجائز بتلائے اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں اب شرعاً نماز احتیاط الظہر پڑھنے کا کیا حکم ہے اور منع کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳٤۲) شہر اور قصبہ میں جمعہ کی نماز درست ہے اور صرف جمعہ کی فرض ہے اور چونکہ بقول صحیح و مفتی بہ جمعہ پڑھنا ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں جائز ہے اس لئے احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں اور چونکہ اکثر عوام کے لئے احتیاط الظہر موجب فساد عقیدہ ہے اس لئے احتیاط الظہر کے جواز کا فتویٰ دینا جائز نہیں لہذا عمرو کا قول غلط ہے البتہ گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں دیہات میں ظہر کی نماز

---

(۱) إذا سلم المسجد إلى متولي يقوم بمصالحه يجوز' وإن لم يصل فيه' وهو الصحيح الخ التسليم فى المسجد أن تصلى فيه الجماعة بإذنه الخ (عالمگيرية' الباب الحادى عشر فى المسجد ٢/٤٥٥ ماجديه)

(٢) والكلام المباح و قيده في الظهيرية بأن يجلس لأجله لكن فى النهر الإطلاق او جه الخ (الدر المختار' باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ١/٦٦٢ ط سعيد)

باجماعت پڑھنی چاہئیے۔ (۱) محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ، مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی

احتیاط الظہر کے مجوزین کے جوابات

(سوال) جہاں پر جمعہ صحیح ہو اس موقع پر بعض شرائط کے عدم وجود کی وجہ سے مثلاً قاضی وغیرہ شرط ہونا مفقود ہے یا مشکوک کے مسئلے پر قیاس کر کے صلوۃ آخر الظہر یا احتیاط الظہر کا مسئلہ استنباط کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو اس کی کیا دلیل اور تقریر ہے اور اس طرح کہہ کر دلیل پکڑنا کہ فتاویٰ عزیزیہ میں آخر الظہر پڑھنا ضروری لکھا ہے اور جامع الرموز میں فرض لکھا ہے اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ینبغی لفظ موجود ہے اور شامی والے کی رائے پڑھنے کی طرف زیادہ ہے اور مشکوۃ شریف میں لکھا ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ہر سو سال میں ایک مجدد ہوتا ہے سب لوگوں کو اس کی اتباع کرنی چاہئیے چنانچہ مقامات امام ربانی میں جو کہ حضرت مجدد الف ثانی کی تصنیف ہے آخر الظہر پڑھنے کے لئے ضروری فرمایا ہے لہذا اس کو پڑھنا واجب ہے اور صراط مستقیم اور سراجیہ وغیرہ میں بھی اسی طرح مرقوم ہے اب اگر صرف صاحب بحر کا قول عدم جواز احتیاط الظہر کا ہے باوجود ان کتابوں کے جو کہ مذکورہ بالا ہیں کس طرح ترجیح دی جائے وللاکثر حکم الکل کو سب تسلیم کرتے ہیں اور بڑے بڑے بزرگ لوگ اور علامہ مولانا ہمیشہ پڑھتے تھے اور سب کو حکم دیتے تھے اور زمانہ حال میں بھی بڑے بڑے کاملین پڑھتے ہیں اور جناب مولانا مولوی کرامت علی صاحب جونپوری ہمیشہ پڑھا کرتے تھے اور جو جو کتابیں انہوں نے تصنیف کی ہیں سب میں یہی حکم ہے بہر حال اس مختلف فیہ مسئلے کا صحیح حکم کیا ہے؟ مع سند کے جس کتاب کا حکم سب علما مانتے ہیں اور نہایت معتبر ہے تحریر فرمائیں اگر کوئی یہ کہے کہ آج کل کے علما بالخصوص دہلی کے منع کریں تو نہیں مانا جائے گا اور اکثر کر کے دہلی کے علما لا مذہب ہوتے ہیں اب اس قائل کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

(جواب ۳۴۳) احتیاط الظہر جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت بلکہ بعض فقہاء نے اس وجہ سے کہ بعض شروط جمعہ کے وجود میں شبہ تھا محض احتیاط کے طور پر استحباباً یہ حکم دیا تھا کہ ظہر احتیاطی پڑھ لی جائے اور ظاہر ہے کہ احتیاط وہاں متصور ہو سکتی ہے جہاں شبہ اور شک ہو تعدد جمعہ یا عدم وجود سلطان مسلم یا اختلاف فی حد المصر کی وجہ سے جو اختلاف پیدا ہوا ہے وہ فقہائے کرام کے فیصلے سے طے ہو گیا کہ بنابر روایات صحیحہ فقہیہ تعدد جائز ہے (۲) اور سلطان مسلم کا وجود شرط نہیں اور حد مصر

---

(۱) و تقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق الخ و قبيل هذه العبارة' وبهذا ظهر جهل من يقول " لا تصح الجمعة في أيام الفتنة" مع أنها تصح في البلاد التي استولى عليها الكفار الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱۳۸ ط سعيد) وقد أفتيت مرارا بعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة الخ (الدر المختار' باب الجمعة ۲/۱۳۷ ط سعيد)

(۲) وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا على المذهب' و عليه الفتوى (التنوير مع شرحه' باب الجمعة ۲/۱۴۴، ۱۴۵ ط سعيد)

میں جو اختلاف تھا اس میں سے امام ابو حنیفہؒ کی تعریف صحیح ہے پس جب کہ ان مسئلوں میں قوت دلیل سے وہی جانب راجح اور متعین ہو گئی جس میں جمعہ کی صحت یقینی ہے تو اب احتیاط الظہر کے باقی رہنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ احتیاط کا مفہوم یہ ہے کہ قوی دلیل پر عمل کیا جائے **فان الاحتیاط ھو العمل باقوی الدلیلین** (۱) اور صورت مذکورہ میں اقوی اور اصح جمعہ کی صحت ہے رہا بعض لوگوں کا احتیاط الظہر پڑھنا اور علامہ شامی کا احتیاط کو بمعنی **ھو الخروج عن العھدۃ بیقین** (۲) لیکر عام حکم دینا اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ بات کسی درجہ میں قابل اعتبار بھی ہو تاہم لوجہ خوف مفسدہ عظیمہ واجب الترک ہے وہ مفسدہ یہ ہے کہ احتیاط کا حکم دینے کی صورت میں عوام کے عقیدہ میں یا تو جمعہ کی فرضیت مشکوک ہو جائے گی یا ایک وقت میں دونوں کے فرض ہونے کا یقین کر لیں گے اور یہ دونوں باتیں حرام ہیں پس ایک امر مستحب کی تحصیل کے لئے عوام کو حرام میں مبتلا کرنا کسی سمجھ دار آدمی کا کام نہیں اور نہ قواعد شرعیہ اس کی اجازت دیتے ہیں ہاں خواص خود بغیر اس کے کہ عوام کو حکم کریں یا اپنے پڑھنے کی ان کو خبر کریں اسپر عمل کر لیں تو مضائقہ نہیں لیکن عام حکم دینا ہر گز جائز نہیں۔(۳) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

(۱) بعد نماز جمعہ احتیاط الظہر جائز نہیں

(۲) عربی خطبہ کا اردو میں ترجمہ کرنا

(سوال) بعض لوگ جمعہ کے بعد صرف دو سنتیں پڑھتے ہیں اور بعض چھ سنتیں پڑھتے ہیں اور بعض چار رکعتیں احتیاط الظہر بھی چھ پر زیادہ کرتے ہیں ان میں سے کون سی صورت معتبر ہے ؟

(۲) امام عربی خطبہ کا اردو میں ترجمہ کر سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۴٤) احتیاط الظہر پڑھنا جائز نہیں کیونکہ بلاد ہندوستان میں مذہب مفتی بہ کے موافق شہروں میں جمعہ جائز ہے پس احتیاط الظہر کے کوئی معنی نہیں اور یہی قول راجح ہے (٤)

(۲) خطبہ صرف عربی نثر میں مسنون ہے اور یہی صورت سلف صالحین اور ائمہ متبوعین سے منقول

---

(۱) (رد المحتار' باب الجمعة ۲ ۱٤٥ ط سعید)

(۲) (رد المحتار' باب الجمعة ۲ ۱٤٥ ' ط سعید)

(۳) و فی البحر " وقد افتیت مرارا بعدم صلاۃ الأ ربع بعدھا بنیة آخر ظھر خوف اعتقاد عدم فرضیة الجمعة وھو الاحتیاط فی زماننا (الدر المختار' باب الجمعة ۲ ۱۳۷' ط سعید) وفیما ذکرنا إشارۃ إلی أنه لا تجوز فی الصغیرۃ التی لیس فیھا قاض و منبر وخطیب کما فی المضمرات (رد المحتار' باب الجمعة ۲ /۱۳۸ ط سعید)

(٤) وفی البحر : " وقد أفتیت مرارا بعدم صلاۃ الأربع بعد ھا بنیة آخر ظھر خوف اعتقاد عدم فرضیة الجمعة الخ (الدر المختار' باب الجمعة ۲ ۱۳۷ ط سعید) فلو الولاۃ کفار یجوز للمسلمین إقامة الجمعة ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین' ویجب علیھم أن یلتمسوا والیا مسلما (ردالمحتار' باب الجمعة ۲ /۱٤٤ ط سعید)

ہے اس کا خلاف مکروہ ہے(۱) فقط　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جمعہ کے بعد چار رکعت احتیاط الظہر پڑھنا جائز نہیں

(سوال) جس قصبے کی آبادی دس ہزار سے زائد ہو اور جہاں متعدد مسجدوں میں اب بھی نماز جمعہ پڑھی جاتی ہو ایسی بستی کا ایک شخص کہ جس کا شمار جاننے والوں میں کیا جاتا ہو اور وہ اس خیال سے کہ ہندوستان میں کسی جگہ بھی جمعہ صحیح نہیں پچاس سال کی عمر ہونے تک جمعہ کی نماز نہ پڑھے اور صرف ظہر کی نماز ادا کیا کرے مگر جب دو روپے ماہوار مقرر کر دیئے جائیں تو چند سال جمعہ کی نماز کی امامت کرے اور جب اس خدمت سے موقوف ہو تو معاً ہی نماز جمعہ بھی چھوڑ بیٹھے اور ایسا کرنے میں کوئی موانع یا عذرات شرعی نہ ہوں نہ جن مسجدوں میں جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے وہاں تک جانے سے مجبور ہو تو اس شخص کا مندرجہ بالا عمل درست سمجھنے کے لئے کوئی شرعی دلیل ہونا ممکن ہے اگر شرعی حکم کے خلاف ہو تو اس عمل کے لئے اور ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے ؟ جمعہ کی نماز کے بعد اگر کوئی احتیاط نہ پڑھے تو اس پر کوئی مذہبی نقص یا شرعی حرف آسکتا ہے ؟ اگر احتیاط پڑھنے کا حکم دیں تو فرمائیں کہ اس کی نیت کس طرح کی جائے ؟ احتیاط کو واجب کہا جائے تو واجب کہنا درست ہے ؟

المستفتی محمد خاں منشی قصبہ دھولقہ ضلع احمد آباد گجرات۔ ۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ

(جواب ۳۴۵) اس شخص کا یہ فعل اس کی بیباکی اور امور دینیہ کی جانب سے بے پروائی پر دلالت کرتا ہے اور اس میں خوف کفر ہے کیونکہ اگر کسی شبہ کی وجہ سے وہ اس جگہ جمعہ جائز نہیں سمجھتا تھا تو پھر دو روپے لیکر جمعہ پڑھا دینے کے کیا معنی گویا وہ اپنے خیال کے مطابق نفل بالجماعۃ پڑھتا ہے لیکن لوگ اس کے پیچھے جمعہ کی نیت سے نماز پڑھتے ہیں اور وہ مفترض ہیں اور امام متنفل تو ان کی نماز اس کے پیچھے جائز نہیں اور یہ بھی دو روپے کے لالچ سے ان کی نمازیں فاسد کرنے پر آمادہ ہو گیا نفل کی نیت ہونا اس کا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ پہلے جمعہ پڑھتا تھا اور نہ تنخواہ بند ہونے کے بعد جمعہ پڑھتا رہا اور اگر جمعہ کو فرض سمجھنے کے باوجود جمعہ نہیں پڑھتا تاہم فاسق ہے اور اس صورت میں امامت تو اس کی صحیح ہو گی اور اجرت بھی جائز لوگوں کی نماز بھی ہو جائے گی مگر یہ خود ترک جمعہ کی وجہ سے فاسق ہو گا مگر چونکہ سوال میں تصریح ہے کہ وہ ہندوستان کے کسی شہر میں بھی جواز جمعہ کا قائل نہیں اس لئے پہلا احتمال متعین ہے اور اس کا یہ خیال کہ کہیں جمعہ نہیں ہوتا غلط ہے فقہا کی تصریح موجود ہے کہ ایسے شہروں میں جہاں کفار حاکم ہوں مسلمانوں کو جمعہ و عیدین پڑھنا جائز ہے(۲) پس بنابر قول راجح اور مختار اور معمول بہ کے شخص

---

(۱) فانه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي ﷺ و الصحابة فيكون مكروها تحريما (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية باب الجمعة ۱ / ۲۰۰ ط سعيد)

(۲) فلو الولاة كفار يجوز للمسلمين اقامة الجمعة و يصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين (رد المحتار باب الجمعة ۲ / ۱۴۴ ط سعيد)

مذکور ترک جمعہ کی وجہ سے فاسق ہے۔

جمعہ کی نماز کے بعد احتیاط الظہر پڑھنا ناجائز ہے واجب کہنا چہ معنی دارد ؟ نہ پڑھنے میں نقصان ہوتا کیا ؟ بلکہ نہ پڑھنا ہی متعین ہے۔ کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ' سنہری مسجد دہلی۔

مہر دارالافتاء مدرسہ امینیہ اسلامیہ ' دہلی

عنوان مثل بالا

(سوال) جمعہ کے بعد چار رکعت احتیاط الظہر کی نیت سے پڑھنا کیسا ہے ؟

(جواب ۳٤٦) جمعہ کے بعد چار رکعتیں جو بہ نیت احتیاط الظہر پڑھتے ہیں یہ صحیح نہیں ہیں(۱) نماز جمعہ کے بعد جو نماز پڑھی جائے وہ بہ نیت سنت یا نفل پڑھی جائے ظہر کی نماز کی نیت یا ارادہ نہ ہو اب یہ سوال باقی رہتا ہے کہ جمعہ کے بعد سنتوں کی کتنی رکعتیں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ تعداد رکعات میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک صرف چار رکعتیں ہیں اور بعض کے نزدیک صرف دو اور فقہاء نے دونوں قولوں کو جمع کر کے چھ رکعتیں اس لئے بتائی ہیں کہ چار والوں کا قول بھی پورا ہو جائے اور دو والوں کا بھی۔ اس سے آپ کی سمجھ میں یہ بات آجائے گی کہ یہ چھ رکعتیں خالص سنت کے ارادہ سے پڑھنی چاہئیں اور اگر کوئی صرف چار پڑھ لے تو وہ بھی قابل گرفت نہیں ہے اور جو صرف دو پڑھ لے وہ بھی مستحق ملامت نہیں ہے اور جو چھ پڑھے وہ افضل و اولیٰ پر عمل کرنے والا ہے (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عنوان مثل بالا

(سوال) بہت علماء کہتے ہیں کہ جمعہ کے بعد چار رکعت سنت پڑھی جاتی ہے اس کو احتیاط الظہر پڑھو تو یہ سنت اس طریقہ سے پڑھی جاوے یا کہ نہیں اور بعد چار سنت کے دو سنت اور دو نفل جو پڑھی جاتی ہے تو اس کی نیت کس طرح سے کرے ظہر کی نیت کرے یا کہ بعد از جمعہ کر کے نیت کرے

المستفتی نمبر ۱۱۷۳ عبدالرزاق صاحب (ضلع میدنی پور) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳٤۷) جمعہ کے بعد چار سنتیں سنتوں کی نیت سے پڑھنی چاہئیں احتیاط الظہر کی نیت سے پڑھنا درست نہیں(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) وفي البحر : وقد أفتيت مرارا بعدم صلاة الأربع بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة وهو الاحتياط في زماننا الخ (الدر المختار' باب الجمعة ۲/ ۳۷ ط سعيد)

(۲) والسنة قبل الجمعة أربع و بعدها اربع و عند ابی یوسف السنة بعد الجمعة ست رکعات' وهو المروی عن علی والأفضل أن يصلى اربعًا ثم ركعتين للخروج عن الخلاف (حلبی کبیر' باب النوافل ص ۳۸۹ ط سهيل اكيڈمی لاهور' پاکستان)

(۳) والسنة قبل الجمعة أربع و بعدها اربع (حلبی کبیر' باب النوافل ص ۳۸۹ ط سهيل اكيڈمی لاهور) وقد أفتيت مرارا بعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة' وهو الاحتياط فی زماننا الخ (الدر المختار' باب الجمعة ۲/ ۱۳۷' ط سعيد)

عنوان مثل بالا

(سوال) ایک شہر یا قصبہ میں نماز جمعہ کے بعد ظہر احتیاطاً پڑھنا ضروری ہے یا نہیں اور بشرط اختلاف تارک اسکا قابل گرفت ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۷۱۷ فیروز خان صاحب (جہلم)

یکم جمادی الاول ۱۳۶۱ھ ۱۸ مئی ۱۹۴۲ء

(جواب ۳۴۸) شہر یا قصبے میں جمعہ کی نماز ادا کی جائے اس کے بعد ظہر احتیاطی پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے بعض فقہانے ظہر احتیاطی کی اجازت دی ہے مگر وہ بھی ضروری اور لازمی نہیں بتاتے اور تارک کو ملامت نہیں کرتے اور قول قوی اور راجح یہ ہے کہ جمعہ کے بعد احتیاطی ظہر پڑھنے کا عوام کو حکم نہ کیا جائے ورنہ ان کے عقیدے خراب ہوں گے اور نہ ان کا جمعہ صحیح ہوگا نہ ظہر' یہی احوط اور قابل فتویٰ ہے۔(۱)		محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

متعدد جگہ جمعہ اور احتیاط الظہر کا حکم

(سوال) اسولہ ثلثہ کا خلاصہ یہ ہے کہ بصورت اشتباہ جواز و عدم جواز تعدد' جمعہ پڑھنا کیسا ہے ؟ اور جہاں مصر ہونے میں شبہ ہو وہاں جمعہ پڑھا جائے یا نہیں' اور پڑھے جانے کی صورت میں احتیاط الظہر پڑھنے کا کیا حکم ہے ؟

(جواب ۳۴۹) نعم ان ادی الی مفسدة لا تفعل جهار او الكلام عند عدمها ولذا قال المقدسی نحن لا نامر بذلك امثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة اليهم. انتهى (شامی ص ۵۹۲) (۲) اقول وقد كثر ذالك من جهلة زماننا ايضاً و منشأ جهلهم صلاة الا ربع بعد الجمعة بنية الظهر و انما وضعها بعض المتاخرين عند الشك فی صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعد دها فی مصر واحد وليست هذه الرواية بالمختارة وليس هذه القول اعنی اختيار صلاة الاربع بعدها مرويا عن ابی حنيفة و صاحبيه حتى وقع لی انی افتيت مرارا بعدم صلاتها خوفا على اعتقاد الجهلة بانها الفرض وان الجمعة ليست بفرض. (۳) (بحر ص ۱۵۱)

مع مالزم من فعلها فی زماننا من المفسدة العظيمة وهو اعتقاد الجهلة ان الجمعة ليست بفرض لما يشاهدون من صلاة الظهر فيظنون انها الفرض وان الجمعة ليست بفرض فيتكاسلون عن اداء الجمعة فكان الاحتياط فی تركها وعلى تقدير فعلها ممن لا

---

(۱) قال فی الدر المختار: " و فی البحر: وقد أفتیت مرارا الخ (باب الجمعة' ۲/۱۳۷ ط سعید)
(۲) (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱۴۶' ط سعید)
(۳) (باب الجمعة' ۲/۱۵۱' ط بیروت' لبنان)

یخاف علیه مفسدة منها فالاولی ان تکون فی بیته خفیة خوفا من مفسدة فعلها (۱) والله تعالیٰ اعلم (ص ۱۵۵)

اقول و بالله التوفیق

(۱)جواز تعدد جمعہ میں کوئی شبہ نہیں جہاں اقامت جمعہ جائز ہے وہاں تعدد جمعہ بھی جائز ہے مذہب مختار اور معتمد اور مفتی بہ یہی ہے۔ چنانچہ ان عبارات سے صاف طور پر واضح ہے۔وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقاً علی المذهب و علیه الفتوی (۲) (شرح المجمع للعینی وامامۃ فتح القدیر؛ فتح الحرج۔ درمختار) قوله علی المذهب فقد ذکر الامام السرخسی ان الصحیح من مذهب ابی حنیفة جواز اقامتها فی مصر واحد فی مسجدین او اکثر وبه ناخذ لا طلاق " لا جمعة الا فی مصر" شرط المصر فقط و بما ذکرنا اندفع ما فی البدائع من ان ظاهر الروایة جوازها فی موضعین لا فی اکثر و علیه الا عتماد فان المذهب الجواز مطلقا (۳) (رد المحتار' نقلا عن البحر الرائق)

وتؤدی الجمعة فی مصر واحد فی مواضع کثیرة وهو قول ابی حنیفةؒ و محمدؒ وهو الا صح وذکر الامام السرخسی انه الصحیح من مذهب ابی حنیفةؒ وبه ناخذ هکذا فی البحر الرائق (۴) (فتاویٰ عالمگیریہ)

پس جب کہ مذہب مختار اور مفتی بہ یہی ہے کہ ایک شہر میں چند جگہ جمعہ جائز ہے تو اب اس میں شبہ کرنا فضول ہے اگرچہ متقدمین سے عدم جواز تعدد کی روایت ہے لیکن جب معلوم ہو گیا کہ ان کا قول ضعیف اور خلاف مذہب ہے اور جب کہ متاخرین نے بالاتفاق اس کے خلاف پر ادلۂ عقلیہ ونقلیہ قائم کر کے جواز تعدد کو مذہب مفتی بہ قرار دے لیا تو اب قول اول کو مبنی شبہ قرار دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ امام سرخسی کے قول سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ امام صاحب کا مذہب صحیح یہی ہے کہ چند مقام پر جمعہ جائز ہے اور عدم جواز تعدد کی روایت امام صاحب سے ضعیف ہے۔

(۲) جب تک کسی مقام کا مصر ہونا متعین نہ ہو جائے اس جگہ جمعہ نہ پڑھا جائے کیونکہ مصر شرائط جمعہ سے ہے اور تاوقتیکہ وجود شرط یقینی نہ ہو جائے وجود مشروط یعنی صحت جمعہ کا یقینی حکم نہیں ہو سکتا اور ایسی حالت میں اقامت جمعہ جائز نہیں اور مصر کی تعریف صحیح معتبر یہ ہے کہ جس جگہ کوئی شخص واقعات مختلفہ میں فتویٰ بتانے والا اور ایک ایسا حاکم جو فتنہ و فساد کو روک سکے اور مظلوم کی دادرسی کر سکے موجود ہو اور وہاں گلیاں سڑکیں اور بازار ہوں وہ مصر ہے۔ اس بنا پر آج کل تمام ضلع اور اکثر قصبے مصر میں

---

(۱)(باب الجمعة ۲/۱۵۵ ط بیروت' لبنان)
(۲) (باب الجمعة ۲/۱٤٤ ط سعید)
(۳) (باب الجمعة ۲/۱٤۵ ط سعید)
(٤) (الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة ۱/۱٤۵ ط ماجدیه)

داخل ہیں۔ وظاهر المذهب انه كل موضع له امير وقاض يقدر على اقامة الحدود كما حررنا فيما علقناه على الملتقى (درمختار) قوله وظاهر المذهب قال فى شرح المنية والحد الصحيح مااختاره صاحب الهداية انه الذى له امير وقاض ينفذ الا حكام و يقيم الحدود (۱) (ردالمحتار) والمصر فى ظاهر الرواية الموضع الذى يكون فيه مفتٍ وقاض يقيم الحدود و ينفذ الاحكام و بلغت ابنيته ابنية منى. هكذا فى الظهيرية وفتاوىٰ قاضى خان و فى الخلاصة وعليه الا عتماد كذافى التاتار خانية و معنى اقامة الحدود القدرة عليها. هكذا فى الغياثية (۲) (فتاوىٰ عالمگيرية)

(۳) جمعہ قائم ہونے کی صورت میں احتیاط الظہر پڑھی جائے یا نہیں اس کے جواب کے لئے چند امور بطور تمہید کے تحریر کر کے جواب لکھوں گا۔

(الف) احتیاط کہتے ہیں عمل باقوی الدلیلین کو۔ یعنی اگر کسی مسئلے میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں اور ان دونوں کے لئے دلیلیں ہیں ان میں سے قوی دلیل پر عمل کرنا احتیاط ہے۔ قال الچلبى فى حاشية التلويح وذكر فى الجامع السمر قندى ان الا خذ بالا حتياط عمل باقوى الدليلين وقال فى البحر فليس الاحتياط فى فعلها لانه العمل باقوى الدليلين وقد علمت ان مقتضى الدليل هو الا طلاق (۳)

(ب) جب کسی فعل کی دو صورتیں ہوں اور ان میں سے ہر ایک میں کوئی مفسدہ شرعیہ ہو لیکن ایک میں مفسدہ عظیمہ ہو اور دوسری میں اس سے کم تو اس وقت اسی صورت کو اختیار کریں گے جس میں مفسدہ کم ہو۔ من ابتلى ببليتين فليختر اهونهما. وهذا ظاهر.

(ج) جو فعل عوام کے لئے قابل فتویٰ نہ ہو صرف خواص کے لئے ہو اس پر عمل جائز ہو اس کو عام تحریروں اور اردو میں رسالہ یا فتویٰ کے طور پر شائع کرنا ہر گز جائز نہیں مفتی کا فرض ہے کہ زبانی یا کسی ایسی تحریر کے ذریعے سے جس کا عوام تک پہنچنا غیر مقصود ہو خواص کو بتائے اور ان خواص پر بھی ضروری ہے کہ وہ اس کو مشتہر نہ کریں مشتہر وہی فتویٰ کیا جائے جو عوام کے عمل کے لائق ہو اور جس میں خواص و عوام یکساں ہوں۔

(د) کتب فتاویٰ فقہیہ میں بعض ایسے مسائل مذکور ہیں جو خواص کے لئے مخصوص ہیں اور ان میں تصریح کی گئی ہے کہ یہ مسائل خواص کے ساتھ مخصوص ہیں پس ایسے مسائل کو محض اس وجہ سے کہ کتب فتاویٰ میں موجود ہیں عام فتوؤں میں تحریر کر دینا اور عوام کی حالت کو نہ دیکھنا مفتی کی قلت فہم پر

---

(۱) (باب الجمعة ۲/ ۱۳۷، ۱۳۸ ط سعيد)
(۲) (الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة ۱/ ۱۴۵ ط ماجديه)
(۳) (باب الجمعة ۲/ ۱۵۴ ط دار المعرفة بيروت لبنان)

دال ہے۔

بعد تمہید ان مقدمات کے معلوم کرنا چاہئیے کہ چونکہ یہ سوال عام ہے اور مقصود سائل کا یہی ہے کہ اس کے جواب کو طبع کرا کے مشتہر کروں گا' اس لئے اس کا جواب مقدمات ممہدہ پر نظر کر کے یہی ہے کہ احتیاط الظہر پڑھنا ناجائز ہے اور اس کی تین وجہیں ہیں۔

اول یہ کہ احتیاط الظہر جس کا نام ہے وہ احتیاط ہی نہیں ہے کیونکہ احتیاط نام ہے عمل باقوی الدلیلین کا اور یہاں معلوم ہو چکا کہ دلیل قوی یہی ہے کہ جمعہ متعدد جگہ ادا ہو جاتا ہے اور عدم جواز تعدد کا قول ضعیف ہے لہذا اس پر عمل کرنا احتیاط نہیں ہے۔ **بحکم المقدمة الاولیٰ کما حققه فی البحر الرائق وھذا الصمه اقول وقد کثر ذلك الخ**

دوسری وجہ یہ ہے کہ بر تقدیر تسلیم اس بات کے کہ یہ احتیاط **بمعنی الخروج عن العھدہ بیقین** ہے جیسے کہ علامہ شامی کی رائے ہے اس کے ادا کرنے میں خوف فساد اعتقاد ہے یعنی ایک فرض کی عدم فرضیت کا اعتقاد ہو جانا بنابر اکثری حال عوام کے لازم آتا ہے اور نہ کرنے میں صرف ایک وہم عدم خروج عن العہدہ کا ہے اور ظاہر ہے کہ فساد اول یعنی فساد عقیدہ فساد دوم یعنی وہم عدم خروج سے بدرجہا زائد ہے پس بحکم مقدمہ ثانیہ ضروری ہے کہ فساد عظیم سے احتراز کیا جائے گو فساد قلیل کا ارتکاب کرنا پڑے۔ **وھذا ظاھر جدالمن له نظر وسیع فی الفقه ویؤیدہ قول صاحب البحر مع مالزم من فعلها الخ**

تیسری وجہ یہ ہے کہ بر تقدیر تسلیم جواز کے یہ حکم خواص کے لئے ہے نہ کہ عوام کے لئے اور اس بنا پر اس کے جواز کا علی الاعلان حکم دینا اور رسالوں اور فتوؤں میں شائع کرنا ہرگز کسی روایت فقہی سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ خود علامہ شامی جن کا قول اثبات احتیاط الظہر میں بڑے زور و شور سے پیش کیا جاتا ہے خود اپنی تحقیق کے آخر میں لکھتے ہیں **نعم ان ادی الی مفسدة الخ**۔ (۱) اس عبارت سے اور علامہ مقدسی کے قول سے صاف معلوم ہو گیا کہ عوام کو اس کے کرنے کا حکم ہرگز نہ دیا جائے علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اگر احتیاط الظہر میں کوئی مفسدہ ہو تو اس کو کھلم کھلا نہ کرنا چاہئیے (۲) صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں عوام کے عقائد میں اس احتیاط الظہر کی وجہ سے فرضیت ظہر اور عدم فرضیت جمعہ کا فساد پیدا ہو گیا تھا تو پھر زمانہ حاضرہ کے عوام تو بوجہ قلت علم و عدم توجہ الی الدین صاحب بحر الرائق کے زمانے کے عوام سے زیادہ خطرے میں ہیں اور ان کے عقائد بگڑنے کا اندیشہ بدرجہا زائد ہے۔

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب فقہا نے خواص کے لئے اجازت دی ہے تو اگر کوئی مفتی اس

---

(۱) (باب الجمعة ۲/۱٤٦ 'ط سعید)

(۲) (باب الجمعة ۲/۱٥۱ 'ط بیروت)

طرح شائع کرے کہ خواص کے لئے جائز ہے اور عوام کے لئے ناجائز تو اس میں کیا قباحت ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس زمانہ میں بوجہ شیوع اعجاب کل ذی رأی برأیة ایک عام بلایہ پھیل گئی ہے کہ جاہل سے جاہل اپنے آپ کو خاص بلکہ اخص الخواص خیال کرتا ہے وہ اس فتوے پر عمل کر کے خود بھی گمراہ ہوگا اور بوجہ قلت مبالات کے دوسروں کو بھی بتائے گا کہ میں نے فلاں رسالہ میں یا فتوے میں دیکھا ہے کہ احتیاط الظہر جائز ہے پس سب کے سب ضلوا واضلوا کے مصداق ہو جائیں گے ۔

پھر یہ کہ علامہ مقدسی کے قول بل ندل علیه الخواص سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عوام کو اس کے جواز کی خبر بھی نہ دینی چاہئے صرف خواص کو مفتی بطور خود خفیۃً اجازت دے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ اس قسم کے فتوی سے عوام میں ایک اور فساد پیدا ہوگا کہ شریعت بھی دو قسم کی ہے ایک خواص کے لئے اور ایک عوام کے لئے اور اس کے مسائل بھی خاص و عام ہیں اور یہ تصور متضمن فسادات غیر متناہیہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ احتیاط الظہر کا حکم فتویٰ ناجائز ہے اور اس کی اجازت عامہ تمام فقہاء کے اقوال کے خلاف اور اجازت خاصہ علی الاعلان بھی تصریحات محققین کے خلاف ہے پس احتیاط الظہر کے جو فتوے علی الاعلان شائع ہوئے ہیں اور متضمن اجازت عامہ ہیں وہ سب مذہب حنفیہ کے خلاف ہیں کتب فقہ حنفیہ معتبرہ میں ان کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ هذا واللہ اعلم بالصواب.

محمد کفایت اللہ عفی عنہ

قصبہ میں جمعہ اور احتیاط الظہر کا حکم

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک قصبہ ضلع لدھیانہ میں ہے وہاں جمعہ کے بارے میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد احتیاط الظہر پڑھنی چاہئے کوئی انکار کرتا ہے جمعہ کے بعد کی سنتوں کے متعلق بھی اختلاف ہے ؟

(جواب ۳۵۰) اس قصبہ میں جمعہ پہلے سے ہوتا چلا آتا ہے تو پڑھتے رہئے اور احتیاط الظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں جمعہ کے بعد چار سنتیں ایک سلام سے پھر دو سنتیں کل چھ سنتیں پڑھنی چاہئیں۔(۱) واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

---

(۱) وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱۳۸' ط سعید) وذکر فی الأصل : وأربع قبل الجمعة وأربع بعدها. وذکر الطحاوی عن أبی یوسف أنه قال یصلی بعدها ست ینبغی أن یصلی أربعاً ثم رکعتین الخ (بدائع' فصل فی صلاة المسنونة ۱/۲۸۵' ط سعید و حلبی کبیر' باب صلاة الجمعة ص ۳۸۸ ط سهیل)

فصل دوم - شرائط جمعہ

قصبہ جس میں تھانہ یا تحصیل ہو' جمعہ کا حکم

(سوال) ایک بستی موضع نیسنگ کرنال سے ۱۵ میل مغرب کی طرف لب سڑک واقع ہے جو آبادی کے لحاظ سے تخمیناً چوبیس پچیس سو کی مردم شماری ہے گاؤں مسلمانوں کا ہے پانچ مسجدیں ہیں سب مسجدوں میں پنجگانہ نماز بھی التزام سے ہوتی ہے تھانہ ڈاکخانہ اور سرکاری مدرسہ بھی ہے عید گاہ بھی موجود ہے باقی ضروریات بھی قریب قریب پوری ہو جاتی ہیں بعض صاحب نماز روزے کے مسائل بھی جاننے والے موجود ہیں اگرچہ علم عربی کے ماہر نہیں اس بستی میں ہمیشہ سے جمعہ ہوتا ہے اب کچھ عرصہ سے بعض لوگوں نے جمعہ پڑھنا ترک کر دیا ہے اور کہتے ہیں کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا اب گزارش ہے کہ کیا ہمارے گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۵۱) جس گاؤں میں تھانہ یا تحصیل ہو وہ عموماً بڑا ہی ہوتا ہے پس جب کہ مذکورہ گاؤں میں تھانہ موجود ہے تو یہ قصبے کے حکم میں ہے اور اس میں جمعہ جائز ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دیہات میں جمعہ جائز نہیں

(سوال) ایک بڑا گاؤں جس کو اہل علاقہ یعنی اس کے گردونواح والے بڑا گاؤں جانتے ہیں اور آبادی اس کی اس وقت ۱۲۵۴ آدمی شمار میں آئی ہے ایک مدرسہ اور کئی مسجدیں بھی اس گاؤں میں ہیں آیا ایسے گاؤں میں عندالفقہا جمعہ و عیدین جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۳۵۲) دیہات میں جمعہ پڑھنا فقہائے حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ منجملہ شرائط صحت جمعہ کے مصر جامع یا فناء مصر ہے اور مصر جامع وہ جگہ ہے جس میں بازار' سڑکیں اور ایسا حاکم موجود ہو جو غلبہ کے اعتبار سے ظالم سے مظلوم کا انصاف لے سکے۔

اما المصر الجامع فشرط وجوب الجمعة و شرط صحة اداء ها عند اصحابنا حتى لا تجب الجمعة الا على اهل المصر و من كان ساكنا فى توابعه و كذا لا يصح اداء الجمعة الا فى المصر و توابعه فلا تجب على اهل القرىٰ التى ليست من توابع المصر و لا يصح اداء الجمعة فيها (۲) (بدائع ص ۲۵۹ ج ۱) وروى عن ابى حنيفة انه بلدة كبيرة فيها سكك واسواق ولهار ساتيق و فيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمه و

---

(۱) و عبارة القهستاني : تقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱۳۸ ط سعيد) لأن الأمير والقاضي الذى شانه القدرة على تنفيذ الأحكام وإقامة الحدود لا يكون إلا في بلد كذلك (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱۳۷ ط سعيد)

(۲) (بدائع فصل في بيان شرائط الجمعة' ۱/۲۵۹ ط سعيد)

علمه اوعلم غيره والناس يرجعون اليه فی الحوادث وهوالا صح (۱) (بدائع ص ۲۶۰ ج ۱) وقال فی العالمگيرية. ولا دائها (ای الجمعة) شرائط فی غير المصلی منها المصر كذافی الكافی والمصر فی ظاهر الرواية الموضع الذی يكون فيه مفتٍ وقاضٍ يقيم الحدود و ينفذ الاحكام و بلغت ابنيته ابنية منی هكذا فی الظهيرية و فتاویٰ قاضی خان و فی الخلاصة و عليه الاعتماد كذافی التتارخانية و معنی اقامة الحدود القدرة عليها هكذا فی العناية وكما يجوز اداء الجمعة فی المصر يجوز ا داؤها فی فناء المصر وهو الموضع المعد لمصالح المصر متصلا بالمصر. انتهی. (۲) (ص ۱۵۳ ج ۱) پس جو مقام کہ خود مصر ہو یا توابع مصر سے ہو اس میں جمعہ جائز ہے اور جو مقام ایسا نہیں ہے اس میں جمعہ جائز اور صحیح نہیں ہے۔ توابع مصر وہی جگہ ہو سکتی ہے جس سے مصر کے تعلقات وابستہ ہوں اور ضروریات مصر وہاں سے بہم پہنچائی جاتی ہوں ان دو جگہوں کے علاوہ کسی اور جگہ کے باشندوں پر جمعہ فرض بھی نہیں اور نہ ان کے ادا کرنے سے ادا ہو گا ہندوستان میں جمعہ صرف ان جگہوں میں جائز ہے جہاں کوئی حاکم مجاز رہتا ہو کسی ایسی بستی میں جہاں کوئی حاکم مجاز نہ ہو جمعہ صحیح نہیں اور نہ وہاں کے باشندوں پر جمعہ فرض ہے لیکن اگر کسی جگہ پہلے سے ہوتا چلا آتا ہے اور اب موقوف کرنے سے فتنہ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ میوات و پنجاب کے بعض دیہات کے متعلق سنا گیا ہے کہ وہاں جمعہ موقوف کیا گیا تو لوگوں نے پنجگانہ نماز بھی چھوڑ دی تو ایسی صورت میں اس کا بند کرنا بھی مناسب نہیں کیونکہ نماز چھوڑ دینے سے تو یہی بہتر ہے کہ جمعہ پڑھ لیں اس لئے کہ جمعہ حسب اختلاف روایات یا اختلاف مجتہدین ایسی جگہ پڑھنا جائز تو ہے اور ترک صلوۃ سخت کبیرہ ہے۔

. واستشهد له بما فی التجنيس عن الحلوانی ان كسالیٰ العرام اذا صلو الفجر عند طلوع الشمس لا يمنعون لا نهم اذا منعوها تركوها اصلا واداؤها مع تجويز اهل الحديث لها اولی من تركها اصلا (ردالمحتار) (باب العیدین 'مطلب یطلق علی السنۃ وبالعکس ص ۱۷۱ ج ۲ ایچ ایم سعید)

تحقیق جمعہ فی القریٰ اور مصر و قریہ کی تعریف

(سوال)(۱) عند الاحناف جو جمعہ کے واسطے مصر کی قید ہے اس سے یہی عرفی مصر مراد ہے یا اور کچھ؟ اگر عرفی ہے تو قصبات اور بڑے گاؤں میں جمعہ درست نہ ہو گا کیونکہ ان کو عرف میں شہر نہیں کہا جاتا حالانکہ فقہا ان ہر دو میں جمعہ درست کہتے ہیں تعریف مصر میں فقہا کے کس قدر اقوال ہیں؟ اور مختار

---

(۱) (ایضاً حاشیہ۲ گذشتہ صفحہ ۱ ۲۶۰ ----)
(۲) (الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ ۱/ ۱۴۵ ط ماجدیہ)

متاخرین مثل صاحب شرح وقایہ ودر مختار وطحطاوی وبحر العلوم وغیرہ کیا ہے ؟
(۲) قصبہ و قریہ کبیرہ اور قریہ کبیرہ و صغیرہ میں مابہ الفرق کیا ہے ؟ اس کو بسط کے ساتھ تحریر فرمائیں جس سے شہر قصبہ قریہ کبیرہ قریہ صغیرہ میں بین فرق معلوم ہو جائے۔
(۳) مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی اور بحر العلوم مولانا عبد العلی حنفی تھے یا غیر مقلد ؟ اول الذکر مصفے شرح مؤطا میں شہر اور قریہ دونوں میں جمعہ واجب کہتے ہیں اور مؤخر الذکر ارکان اربعہ میں کہتے ہیں۔ **فالقابل للفتویٰ فی مذهبنا الروایة المختار للبلخی**
(۴) کیا شرطیت سلطان و مصر میں اختلاف فاحش اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ دونوں قطعی نہیں بلکہ ظنی ہیں جیساکہ بحر العلوم اور مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں فیوض قاسمیہ میں ہے "اگر کسے در دیہے جمعہ قائم کند دست وگریبانش نزنند کہ شرط مصر ظنی است بل ہم ضعیف "ایسی صورت میں تمام مشروط جمعہ موجود ہوں اور صرف مصریت مروجہ نہ ہو تو جمعہ بہتر ہے ظہر پڑھنے سے یا اس کا عکس ؟ (۵) **الجمعه واجبة علی کل قریة** اس حدیث کو علامہ سیوطیؒ نے جامع صغیر میں اور مولانا شاہ ولی اللہ نے حجتہ اللہ البالغہ میں نقل کیا ہے یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف یا موضوع ؟ نیز اس سے مولانا شاہ ولی اللہ کا استدلال علی وجوب الجمعۃ فی القریٰ صحیح ہے یا نہیں
(۶) ایسے گاؤں میں جس پر حنفی فقہا کی بیان کی ہوئی تعریفوں میں سے کوئی نہ کوئی تعریف صادق آتی ہو جمعہ پڑھنے والے غیر مقلد ہو جاتے ہیں یا نہیں ؟ جو شخص حنفی المذہب عالم کو صرف ایسے گاؤں میں جمعہ پڑھنے سے غیر مقلد کہہ کر لوگوں کو اس کی طرف سے بدگمان کرے وہ کیسا ہے ؟ جب کہ مولانا محمد قاسم ' مولانا محمد یعقوب و حاجی امداد اللہ مہاجر مکی و مولانا عبد الخالق دیوبندی وغیر ہم دیہات میں جمعہ پڑھتے رہے ہیں کیا یہ سب حضرات دیہات میں جمعہ پڑھ کر گناہ گار ہو گئے ؟
(۷) جس مقام میں تین مسجدیں ہوں اور وہاں کی بڑی مسجد میں مکلف بالجمعہ مسلمان نہیں سما سکتے بلکہ تینوں مسجدوں میں بھی نہیں سما سکتے اور چار پانچ دکانیں بھی ہوں جن سے ضروری اشیائے خوردنی و پوشیدنی دستیاب ہو سکیں جمعہ درست ہے یا نہیں ؟ مختار شرح وقایہ و در مختار و طحطاوی و بحر العلوم کے موافق اگر مذکورہ بالا گاؤں والے جمعہ پڑھ رہے ہوں اور وہاں دوسری مسجد میں چند آدمی ازراہ نفسانیت و تعصب اسی وقت بالمقابل اپنی علیحدہ اذان و اقامت کہہ کر ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں جس سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے ان دو چار آدمیوں کا یہ فعل کیسا ہے ؟ حالانکہ مجالس الابرار میں ہے **لو صلیت الجمعة فی القریة وکنت فیها یلزمك ان تحضرها الخ** سب سوالات کے جوابات مشرح اور مدلل بحوالہ کتب تحریر فرماکر مطمئن فرمائیں۔ خاکسار حافظ امام الدین

(جواب ۳۵۳) حضرت علیؓ کے قول میں لفظ مصر موجود تھا اور اشتراط مصر میں یہی قول حنفیہ کا ماخذ ہے مصر اگرچہ عرف میں معروف اور معلوم المراد لفظ تھا مگر فقہائے حنفیہ نے اس کی تعریف بیان کی ہے

اور تعریفیں مختلف عبارتوں میں ہوئیں اس لئے تعیین مراد میں اختلاف ہو گیا چونکہ بعض تعریفیں ایسی بھی تھیں جو قصبہ اور قریہ کبیرہ پر صادق آتی تھیں اس لئے فقہاء نے قصبات و قریات کبیرہ کو مصر میں داخل کر دیا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مصر اور قصبہ اور قریہ کبیرہ کو شرعاً تین چیزیں قرار دیکر تینوں میں جمعہ جائز قرار دیا بلکہ مطلب یہ تھا کہ چونکہ مصر کی تعریف قصبات و قریات کبیرہ پر صادق آگئی اس لئے یہ تینوں شرعاً مصر قرار پائے اور جمعہ کے جواز کا حکم دیا گیا۔

اب یہ بات کہ حنفیہ کا اصل مذہب کیا ہے تو یہ بات صاف صاف ہے کہ اصل مذہب جو متون میں منقول ہے وہ یہی ہے کہ جمعہ کے لئے مصر شرط ہے پس جو مقام کہ مصر قرار پائے گا وہاں جمعہ جائز ہو گا (خواہ وہ عرف میں شہر کہلاتا ہو یا قصبہ یا بڑا گاؤں) مصر کی کونسی تعریف معتبر ہے ؟ تو معتبر تعریف تو وہی ہے جو امام ابو حنیفہؒ سے باختلاف عبارات منقول ہے اگرچہ بہت سے متاخرین نے **مالا یسع اکبر مساجده اهله**(۱) کو اختیار کیا ہے مصر کی شرط بے شک ظنی ہے لیکن حنفیہ کے اصل مذہب میں مصر کا شرط ہونا ظنی نہیں ہے اور ایک حنفی بحیثیت حنفی ہونے کے اس کا انکار نہیں کر سکتا حضرت شاہ ولی اللہ فروع میں مذہب حنفیہ کے متبع تھے لیکن چونکہ وہ ایک متبحر اور محقق عالم تھے اس لئے انہوں نے چند مسائل میں حنفی مذہب کے خلاف بھی اظہار رائے کیا ہے اسی طرح مولانا بحر العلوم سے چند مسائل میں حنفیہ کا خلاف کرنا منقول ہے ان بزرگوں کے قول کا یہ مطلب ہے کہ شرط مصر ہمارے نزدیک ضروری نہیں اگرچہ حنفی مذہب اس کے اشتراط کی تصریح کرتا ہے یہ مطلب نہیں کہ حنفیہ کے مذہب میں مصر شرط نہیں ہے(۲)

پس اگر کوئی حضرت شاہ ولی اللہ کے اس قول کے موافق عمل کرے یا فتویٰ دے اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس نے اس مسئلے میں اپنے امام کی تقلید چھوڑ کر شاہ ولی اللہ صاحب یا مولانا بحر العلوم کی تقلید کی ان دونوں بزرگوں نے اس میں اگر حنفیہ کے اصل مذہب سے عدول کیا تو حنفی ہونے سے نہ نکلیں گے کیونکہ ان کا تبحر اور درجہ تحقیق بہت اعلیٰ ہے۔

حدیث الجمعة واجبة علی کل قریة. مجھے اس کی سند اور مرفوع یا موقوف ہونے کا علم نہیں(۳) گاؤں میں (جس پر مصر کی کوئی تعریف صادق آتی ہو) جمعہ پڑھنے والوں کو غیر مقلد نہیں کہا جا سکتا زیادہ سے زیادہ ان کے فعل کو مرجوح کہا جا سکتا ہے چونکہ ایسے گاؤں کے مصر ہونے نہ ہونے میں

---

(۱) (الدر المختار' باب الجمعة ۲ / ۱۳۷ ' ط سعید)
(۲) ویشترط لصحتها سبعة أشیاء الأول المصر الخ (الدر المختار' باب الجمعة ۲ / ۱۳۷ ط سعید)
(۳) حضرت نے حدیث "الجمعة واجبة علی کل قریة" کے بارے میں توقف کیا ہے لیکن محدث دار قطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے: الحدیث مع ضعف رواته منقطع أیضا فلا ینتهض لا حتجاج به (سنن دار قطنی' باب الجمعة علی أهل القریة ص ۷ ط دار نشر الکتب الإسلامیه' لاهور) اسی طرح سنن کبریٰ بیہقی میں ہے: الحکم بن عبدالله متروك و معاویة' بن یحیی ضعیف ولا یصح هذا ان الزهری' وقد روی فی هذا الباب حدیث فی الخمسین لا یصح اسناده (۳ / ۱۷۹ ط نشر السنة' بیرون بوهر گیٹ' ملتان)

اختلاف ہے اس لئے جمعہ پڑھنے والے اور ظہر پڑھنے والے دونوں ماؤل ہیں کوئی دوسرے کی تضلیل یا تفسیق نہیں کر سکتا ہاں ہر ایک اپنے فعل کو راجح اور دوسرے فعل کو مرجوح ثابت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے نفسانیت امر مخفی ہے اس کا الزام کوئی دوسرے پر نہیں لگا سکتا۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرسہ امینیہ' دہلی

تین ہزار کی آبادی اور فوجی چھاؤنی والی جگہ جمعہ

(سوال) کسولی ایک پہاڑی مقام ہے فوجی چھاؤنی ہے مجموعی آبادی قریباً تین ہزار ہے مسلمانوں کی آبادی قریباً ایک ہزار ہے یہاں ایک ہی مسجد ہے کیا اس مسجد میں نماز جمعہ کامل اجر و ثواب کے ساتھ ہو سکتی ہے ؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایک بستی میں ایک سے زائد مساجد ہوں تب نماز جمعہ جامع مسجد میں ہو سکتی ہے ورنہ نہیں اگر یہ خیال صحیح ہے تو کیا جمعہ کے دن نماز ظہر کی ادائیگی پر اکتفا کر لینا چاہئے ؟

(جواب ۳۵۴) جمعہ کے جواز کے لئے یہ ضروری نہیں کہ متعدد مساجد ہوں جب نماز جمعہ جامع مسجد میں ہو سکے بستی پر مصر کی تعریف صادق آنی چاہئے کسولی اپنی تعداد آبادی اور فوجی چھاؤنی ہونے کے لحاظ سے اس کی قابلیت رکھتی ہے کہ اس میں نماز جمعہ پورے ثواب کے استحقاق کے ساتھ ادا ہو لہذا اس میں جمعہ کی نماز جائز ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد کے قریب جماعت خانہ بنانا

(سوال) ایک قصبہ میں زمانہ قدیم سے سب اہل اسلام ایک مسجد میں نماز جمعہ پڑھتے تھے چند دنوں سے ایک فرقہ ذاکرین کا آیا ہے انہوں نے ایک جگہ ذکر و شغل اور حلقے کے لئے مقرر کی ہے جسے وہ زاویہ کہتے ہیں یہ لوگ مسجد قدیم میں جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتے بلکہ اسی زاویہ میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں ان کے اس فعل سے مسجد کی جماعت میں بہت کمی واقع ہو گئی ہے آئندہ عید کی نماز بھی وہ لوگ اسی زاویہ میں ادا کریں گے مسجد کی جماعت کم کرنے کی غرض سے وہ لوگ زاویہ میں ہمیشہ جماعت کرتے ہیں آیا ان لوگوں کی نماز جمعہ و عید وغیرہ اس جگہ ادا ہو سکتی ہے یا نہیں اگر ادا ہو سکتی ہے تو ثواب مسجد و جماعت سے محروم ہوئے یا نہیں ؟ اور جب کہ مسجد کی جماعت کم کرنے کی غرض سے انہوں نے یہ فعل کیا ہے تو ان کے زاویہ پر احکام مسجد ضرار کے عائد ہوں گے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(جواب ۳۵۵) اگر ان کے اقرار یا قرائن قویہ معتبرہ سے ان کی یہ نیت ثابت ہو جائے کہ مسجد کی

---

(۱) و تقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیہا أسواق الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱۳۸' ط سعید)
بلاذ کبیرة فیہا سکک واسواق ولہا رساتیق الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱۳۷ ط سعید)

جماعت کم کرنے کے لئے انہوں نے یہ فعل اختیار کیا ہے تو ان کی جماعت پر حرام ہونے کا حکم کیا جائے گا اور اگر اس نیت کا ثبوت کافی طور پر موجود نہ ہو تو بصورت واقع میں اس نیت کے ہونے کے کراہت تحریمی لازم ہے اور اگر نیت مذکورہ نہ ہو تو نہیں البتہ زاویہ میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب بہر صورت نہ ملے گا اسی طرح اگر جماعت قلیلہ سے نماز پڑھیں تو جماعت کثیرہ کے ثواب سے محروم رہیں گے تقلیل جماعت مکروہ تحریمی ہے تاخیر عشا نصف لیل پر مکروہ تحریمی اسی وجہ سے ہے۔ **فان اخرها الی مازاد علی النصف کرہ لتقلیل الجماعة (درمختار) قوله کرہ ای تحریما (رد المحتار)** (۱) **واللہ اعلم۔** محمد کفایت اللہ غفر لہ'

فتنہ کے خوف سے جمعہ جاری رکھنے کا حکم

(سوال) ملک برما میں شہر مانڈلے سے ۳۲ میل کے فاصلے پر ایک قصبہ چوکسی نام کا ہے اس قصبہ سے تین چار میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے جس کا نام لیپان ہے گاؤں اور قصبہ کے بیچ میں کھیت اور جنگل ہیں اس گاؤں میں کافر سرکار کی طرف سے ایک نائب ہے جسے برمی زبان میں تجی کہتے ہیں وہ مسلمان ہے اور ایک عالم ہے آبادی مسلم و غیر مسلم چودہ سو نفوس ہیں اس گاؤں میں ایک مسجد ہے جس کی لمبائی ۳۰ ہاتھ اور چوڑائی ۲۴ ہاتھ ہے وہاں پرانے زمانے سے جمعہ ہوتا ہے اب یہ چرچا ہوا کہ مذہب حنفی میں گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا اب دو گروہ ہو گئے ہیں ایک گروہ جو ترک جمعہ کا قائل ہے اپنی دلیل میں بہشتی گوہر ص ۹۲ اور فتاویٰ عالمگیری ص ۲۰۴ اور فتاویٰ امدادیہ جلد اول ص ۹۰ اور تتمہ فتاویٰ امدادیہ جلد اول ۳۲ اور ترجیح الراجح حصہ دوم ص ۱۷۱ کے حوالے پیش کرتا ہے آپ کے نائب مفتی صاحب نے فرمایا ہے کہ :

> " اگرچہ چھوٹے گاؤں میں موافق مذہب حنفی کے جمعہ نہیں ہوتا ہے لیکن جس گاؤں میں قدیم سے جمعہ قائم ہو تو روکنا نہیں چاہئیے 'اپنے مذہب کی پابندی سے اور روک دینے سے مفاسد عظیمہ میں پڑجانے کا خوف و خطر بظن غالب ہوتا ہے' لہذا اس ضرورت کی وجہ سے اپنے مذہب کی پابندیوں کو چھوڑ دینا جائز ہے۔ ہاں نہ پڑھنے والوں پر معترض بھی نہ ہونا چاہئیے "
> حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ' دہلی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا ہے مگر روکنا نہیں چاہئیے نہ روکنے کی صورت میں جو لوگ جمعہ پڑھیں گے ان کا فرض ادا ہو جائے گا یا نہیں' اگر نہیں ہو گا تو کیا ہو گا؟

جس جگہ نماز جمعہ فرض نہیں ہے وہاں جمعہ پڑھنے سے اپنے مذہب کے لحاظ سے چند مکروہات کا ارتکاب لازم آتا ہے اول نفل کی جماعت۔ دوم نوافل نہار میں جہر' سوم غیر لازم کا التزام' چہارم ترک

---

(۱) (رد المحتار' کتاب الصلاۃ' ۱/ ۳۶۸ ط سعید)

جماعت فرض ظہر' پنجم اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو ترک فریضہ کہ حرام اور فسق ہے؟ بینوا توجروا
المستفتی نمبر ۱۱۱ عبد الحمید صاحب موضع منڈالو گانوں ضلع چوکسی۔
۲۴ رجب ۱۳۵۲ھ ۱۴ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۵۶) گاؤں میں جمعہ کا صحیح ہونا نہ ہونا مجتہدین میں مختلف فیہ ہے حنفیہ کے نزدیک جواز جمعہ کے لئے مصر ہونا شرط ہے لیکن مصر کی تعریف میں اختلاف عظیم ہے تاہم جس مقام میں کہ زمانہ قدیم سے جمعہ قائم ہے وہاں جمعہ کو ترک کرانے میں جو مفاسد ہیں وہ ان مفاسد سے بدرجہا زیادہ سخت ہیں جو سائل نے جمعہ پڑھنے کی صورت میں ذکر کئے ہیں جو لوگ جمعہ کو جائز سمجھ کر جمعہ پڑھتے ہیں ان کا فرض ادا ہو جاتا ہے نفل کی جماعت یا جہر بقرأت نفل نماز یا ترک فرض لازم نہیں آتا۔(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) مسجد کی تنگی کی وجہ سے مکان میں جمعہ پڑھنا
(۲) فنائے مصر کی تعریف

(سوال) (۱) بوجہ تنگی مسجد کسی شخص کے مملوکہ مکان میں کہ جس میں تمام مسلمان بلا روک ٹوک آسکیں اور فراخ ہو جمعہ کی نماز جائز ہے یا نہیں؟
(۲) فنائے مصر کس کو کہتے ہیں؟ المستفتی نمبر ۱۸۵ محمد لائل پوری دیوبندی (ضلع لدھیانہ)
۸ شوال ۱۳۵۲ھ ۲۴ جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۵۷) ہاں مکان میں بھی جمعہ کی نماز ہو سکتی ہے جب کہ کسی کی روک ٹوک نہ ہو مگر ہمیشہ مکان میں ہی نماز قائم کرنا اور مسجد کو معطل کرنا نہیں چاہئیے(۲)
(۲) فنائے مصر وہ مقام ہے جو شہر سے باہر مگر متصل ہو اور شہر کی بعض ضروریات اس مقام سے بہم پہنچتی ہوں (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ' دہلی

---

(۱) گاؤں میں فتنہ کے خوف کی وجہ سے جمعہ جاری رکھنے کا حضرت کا یہ قول توسع اور ذاتی رائے پر مبنی ہے کیونکہ تمام کتب میں عدم جواز پر تصریح کی گئی ہے' اس کے علاوہ فتاوی معاصرہ امداد الفتاوی ۱ / ۲۶۶' خیر الفتاوی' احسن الفتاوی' امداد الاحکام ۱ / ۷۰۶ فتاوی دار العلوم دیوبند ۵ / ۹۹ وغیرہ میں بھی عدم جواز پر جواز اتفاق ہے لہذا آنے والے مسائل جمعہ فی القری کے بارے میں حضرت کی رائے کا دخل ہے' نیز جواب ۳۸۸ میں انہوں نے خروج عن المذہب کی تصریح بھی کی ہے۔ وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق الخ (الدر المختار' باب الجمعة ۲ /۱۳۸ سعيد) و في الجواهر :" لو صلوا في القرى لزمهم اداء الظهر الخ (رد المحتار' جمعه ۲ /۱۳۸ سعيد) وفي الدر المختار : " صلوة العيد في القرى مكروه تحريما الخ وفي الشامية :" ومثله الجمعة (باب الجمعة ۲ / ۱۵۲ ط سعيد) (۲) والسابع الإذن العام' وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين الخ (الدر المختار جمعه ۲ /۱۵۲ سعيد) (۳) وشرط صحتها المصر و فناء ه' وهو ما اتصل به لأجل مصالحه كدفن الموتى وركض الخيل الخ (الدر المختار' باب الجمعة ۲ /۱۳۸' ط سعيد)

گاؤں جس کے لوگ مسجد میں نہ سما سکیں جمعہ کا حکم

(سوال) گاؤں میں جمعہ پڑھنے سے گناہ لازم تو نہیں آتا اور ظہر اس کے ذمہ سے ساقط ہوتی ہے یا نہیں؟ اور وہ جو مصر کی تعریف شرح وقایہ میں لکھی ہے معتبر ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۹۴ عبدالعزیز حسین پور ڈاکخانہ کلیانپور۔ ضلع جالندھر

۱۵ شوال ۱۳۵۲ھ م ۳۱ جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۵۸) اگر آپ کے موضع میں عرصے سے جمعہ جاری ہے اور متعدد مساجد یعنی دو یا دو سے زائد مسجدیں ہوں اور ان میں سے بڑی مسجد میں موضع کے مکلف بالجمعہ اشخاص نہ سما سکیں تو وہاں جمعہ پڑھتے رہنے میں مضائقہ نہیں اور فرض ظہر ذمہ سے ساقط ہو جائے گا شرح وقایہ کی یہ تعریف قابل عمل ہے۔(۱)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جس گاؤں میں سو برس سے جمعہ ہوتا ہو

(سوال) ایک گاؤں جس کے اندر ڈیڑھ سو گھر ہندو مسلمانوں کے ہیں چند چھوٹی چھوٹی دکانیں مرچ مسالہ کی ہیں بازار اس گاؤں سے تین میل کے فاصلے پر ہے اور یہاں پر قریب ایک سو برس سے جمعہ ہوتا چلا آیا ہے لیکن ایک مولوی صاحب آکر ہم لوگوں کو حدیث و مسئلہ سے سمجھا کر گاؤں میں مطلق جمعہ حنفی مذہب میں جائز نہیں اب گاؤں میں ایک جماعت جمعہ پڑھتے ہیں اور ایک جماعت ظہر پڑھتے ہیں اب دونوں جماعت میں جھگڑا ہوتا ہے لیکن اگر بزرگ صاحب کے یہ کہنے پر کہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب جو جمعیۃ علمائے ہند کے صدر ہیں اور تمام مسلمان آپ کو بزرگ عالم مانتے ہیں اگر وہ اجازت دیدیں گاؤں میں جمعہ پڑھنے کی تو ہم سب متفق ہوں گے۔

المستفتی نمبر ۲۱۷ احمد النبی صاحب محلہ سردھاپور ڈاکخانہ خوردہ ضلع پوری۔

۲۵ شوال ۱۳۵۲ھ ۱۰ فروری ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۵۹) اگر اس جگہ ایک سو برس سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے تو اسے بند نہ کرنا چاہئیے کہ اس کی بندش میں دوسرے فتن و فسادات کا اندیشہ ہے جو لوگ نہ پڑھیں ان پر بھی اعتراض اور طعن نہ کرنا چاہئیے وہ اپنی ظہر کی نماز پڑھ لیا کریں اور جو جمعہ پڑھیں وہ جمعہ پڑھ لیا کریں۔(۲)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) و عند البعض موضع إذا اجتمع أهله في اكبر مساجده لم يسعهم فاختار المصنف هذا القول وما لا يسع اكبر مساجده أهله مصر وإنما اختار هذا القول دون تفسير الأول لظهور التواني في أحكام الشرع (شرح الوقاية باب الجمعة ۱/ ۱۹۸ ط سعيد)

(۲) واستشهد له بما في التجنيس عن الحلواني أن كسالي العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لا يمنعون لأنهم إذا منعوا تركوها أصلا وأداؤها مع تجويز اهل الحديث لها أولى من تركها أصلا الخ (رد المحتار باب العيدين ۲/ ۱۷۱ ط سعيد)

چھوٹی بستی میں جمعہ جائز نہیں

(سوال) اس جگہ ہمارے قریب تحصیل گوہد جو کہ ایک معقول قصبہ ہے دو مسجدیں ہیں اور دونوں میں نماز جمعہ ہوتی ہے ہر دو امام صاحب یہاں ایک مصنوعی مزار کے پجاری ہیں اور اس کی آمدنی سے گزر اوقات کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں طوائفوں کا کھانا بھی بڑی خوشی و دلچسپی سے نوش فرماتے ہیں اور ناچ رنگ آتشبازی سے بھی قطعی پرہیز نہیں اور خود اپنی تقریبوں میں بھی طوائفوں کو بلاتے ہیں اور آتش بازی بھی استعمال کرتے ہیں تعداد نمازیان ایک مسجد میں تقریباً آٹھ دس نمازی دوسری میں پندرہ بیس نمازی جمعہ میں شرکت کرتے ہیں نمازی سب کے سب بے علم ہیں اور امام صاحب بھی تقریباً ایسے ہی ہیں کیا ان صورتوں کے ہوتے ہوئے نماز جمعہ ادا کریں یا ظہر ؟ نیز بندہ اپنے پورہ فاضل پور میں رہتا ہے جہاں ہم صرف پانچ مسلم آباد ہیں صرف دو گھروں کے مگر جمعہ کے دن اور عید کے دن ارد گرد کے مسلم صاحبان بوجہ ہونے مسجد کے جمع ہو جاتے ہیں کیا ہم نماز جمعہ اور عید ادا کریں یا نہیں ؟ اور ہماری مسجد میں پانچوں وقت نماز کے لئے اذان ہوتی ہے۔

المستفتی نمبر ۲۱۰ محمد عبدالحمید زمیندار فاضل پورہ ریلوے اسٹیشن۔ گوہد روڈ۔ ریاست گوالیار

۳۰ شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۶۰) ایسی صورت میں اگر ان اماموں کی جگہ کوئی اور بہتر اور متدین اور مسائل سے واقف شخص کو امام مقرر نہیں کیا جا سکتا تو آپ کے لئے بہتر ہے کہ اپنے گاؤں میں نماز ظہر با جماعت ادا کر لیا کریں کیونکہ آپ کا گاؤں بہت چھوٹا ہے اور جمعہ پڑھنے کے قابل نہیں ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بستی والوں کا شہر جا کر جمعہ پڑھنا

(سوال) ہمارے گاؤں سے کوئی شہر یا قصبہ سات کوس سے کم نہیں اس لئے جمعہ کی نماز سے محروم رہتے ہیں گاؤں سے دو کوس فرید پور ایک اوسط درجے کی بستی ہے وہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے اس میں دو مسجدیں ہیں ایک شیعوں کی دوسری سنیوں کی گاؤں میں صرف ایک آدھ مکان پر کچھ کپڑا مل جاتا ہے' اور ایک نامکمل سی دکان پنساری کی بھی ہے مٹھائی یا سبزی وغیرہ کی کوئی دکان نہیں برست ڈھائی کوس پر ہے۔ وہاں بھی جمعہ کی نماز ہوتی ہے برست میں چھ سات مسجدیں ہیں مگر سب شیعوں کی ہیں انہوں نے ایک مسجد سنیوں کو دی ہوئی ہے اس میں جمعہ ہوتا ہے اور جب چاہتے ہیں چھین لیتے ہیں دوسری دے دیتے ہیں مگر برست میں سوائے سبزی کے ضروریات کی سب چیزیں ملتی ہیں اور آبادی دونوں بستیوں کی تقریباً یکساں ہے کیا ہم ان دونوں بستیوں میں نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں ؟

---

(۱) و فیما ذکرنا إشارة إلى أنه لا یجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض و منبر و خطیب کما فی المضمرات (رد المحتار باب الجمعة ۲/ ۱۳۸ ط سعید)

المستفتی نمبر ۲۴۹ شہباز خاں سب انسپکٹر پولیس موضع گڑھی بیرل ڈاکخانہ گھرونده ضلع کرنال
۴ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۲۰ مارچ ۱۹۳۴ء
(جواب ۳۶۱) ان دونوں مقاموں میں سے کسی ایک جگہ جاکر جمعہ کی نماز ادا کر سکتے ہو(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد کی تنگی کی وجہ سے میدان میں جمعہ پڑھنا

(سوال) اگر الوداع کو بوجہ کثرت آدمیوں کے جمعہ کی نماز عید گاہ یا حدود شہر میں اور جگہ پڑھی جائے جامع مسجد کو چھوڑ کر کیا یہ جائز ہے ؟اور ثواب میں کمی تو نہیں ہوگی ؟اس جگہ دو باتیں قابل غور ہیں ایک تو جامع مسجد کو چھوڑنا' دوسرے ثواب وغیرہ میں کمی مہربانی فرماکر اپنی رائے بیان نہ کریں بلکہ کتاب کا حوالہ دیں ہاں اگر کتابوں میں یہ جزئی موجود نہ ہو تو پھر اپنی رائے پیش فرما سکتے ہیں ؟
المستفتی نمبر ۲۳۲ مولوی محمد عمر خطیب جامع مسجد سرگودھا۔ ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ ۶ مارچ ۱۹۳۴ء
(جواب ۳۶۲) کوئی جزئی نہیں دیکھی۔ مگر مسجد کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جہاں عرصہ سے جمعہ پڑھا جارہا ہو

(سوال) ہمارے گاؤں جس میں تقریباً ایک سو ساٹھ گھر ہوں گے اور بالغ مرد دو سو ستاون ہیں دو مسجدیں ہیں جمعہ پہلے سے جاری ہے تقریباً تین ساڑھے تین صفیں نمازیوں کی ہو جاتی ہیں اب ایک ماہ سے ایک مولوی صاحب نے آکر جمعہ بند کرادیا ہے اس دن سے ظہر کی اذان بھی سنائی نہیں دیتی کیونکہ ہمارے امام صاحب اور چند آدمی ڈلوال میں جمعہ پڑھنے چلے جاتے ہیں۔
المستفتی نمبر ۳۵۴ نذر محمد (ضلع جہلم)۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۲۵ جون ۱۹۳۴ء
(جواب ۳۶۳) اس مقام پر پہلے سے جمعہ قائم تھا تو اب اس کو بند کرنا نہیں چاہئے جمعہ کی نماز بدستور پڑھتے رہیں۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) و تقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیها اسواق الخ (رد المحتار 'باب الجمعة ۲/۱۳۸ ط سعید)
(۲) وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقاً علی المذهب' و علیه الفتوی (التنویر مع شرحه باب الجمعة ۲/۱۴۴ ط سعید) وشرط لصحتها سبعة اشیاء الأول المصر الخ (الدر المختار' باب الجمعة ۲/۱۳۷ ط سعید)
(۳) واستشهد له بما فی التجنیس عن الحلوانی أن کسالی العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لا یمنعون' لانهم إذا منعوا ترکوها أصلاوأداوها مع تجویز أهل الحدیث لها أولی من ترکها أصلاً الخ (رد المحتار' باب الجمعة' ۲/۱۷۱ ط سعید)

ہندوستان میں جمعہ پڑھا جائے 'احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں

(سوال) بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ ہندوستان میں غیر مسلم حکومت کی وجہ سے جمعہ فرض نہیں دلیل کے طور پر کہتے ہیں کہ شہر کے اندر قاضی یا مفتی کا ہونا ضروری ہے جو شرعی حدود جاری رکھ سکتا ہو اور ہندوستان میں شرعی سزا نہیں دی جا سکتی اس لئے جمعہ فرض نہیں اور اس صورت میں چار رکعتیں نماز ظہر ضروری پڑھنی چاہئیں ؟

المستفتی نمبر ۵۲۲ مؤذن صاحب گولر والی مسجد دہلی۔ ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۶۴) ہندوستان میں جمعہ کا فرض نہ ہونا صحیح نہیں جن شرائط کی بنا پر فرضیت جمعہ میں شک کیا جاتا ہے ان کا فیصلہ محققین فقہا کر چکے ہیں اور جب کہ فرضیت جمعہ راجح ہے (۱) تو احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں ہے جمعہ بھی پڑھنا اور پھر احتیاطی ظہر بھی پڑھنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور عام طور پر عقیدے کو بگاڑنا ہے اس لئے اس نماز کو رواج دینا اور عوام کو تعلیم دینا کہ احتیاطی ظہر پڑھیں درست نہیں۔

فقط' محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جہاں کافی عرصہ سے جمعہ پڑھا جاتا ہو

(سوال) ایک بستی میں ہمیشہ سے لوگ جمعہ پڑھتے ہیں اب ایک مولوی صاحب بند کرانا چاہتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں ؟ اس ملک گجرات میں چھوٹی چھوٹی بستیاں ہندوؤں کی بسائی ہوئی ہیں اور ان میں پانچ یا سات گھر مسلمانوں کے ہوں وہاں جمعہ شروع کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۵۴۷ وی جی پٹیل (ضلع بھروچ) ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۲۳ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۶۵) جن بستیوں میں قدیم سے جمعہ پڑھا جاتا ہے اور جمعہ چھوڑانے سے لوگ نماز پنج وقتہ بھی چھوڑ دیتے ہیں ایسی بستیوں میں جمعہ پڑھنا چاہئے تاکہ اسلام کی رونق اور شوکت قائم رہے اور جو لوگ کہ ایسے گاؤں میں جمعہ پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے وہ نہ پڑھیں ان سے جھگڑا نہیں کرنا چاہئے پڑھنے والے بھی گناہ گار نہیں ہیں اور نہ پڑھنے والے بھی گناہ گار نہیں آپس میں اختلاف اور فتنہ و فساد پیدا کرنا حرام ہے' ہاں جن چھوٹے گاؤں میں پہلے سے جمعہ قائم نہیں ہے وہاں قائم نہ کریں اور جہاں پہلے سے قائم تھا پھر چھوڑ دیا اور اس کی وجہ سے لوگوں نے نماز جمعہ چھوڑ دی وہاں پھر شروع کر دیں۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين (رد المحتار' باب الجمعة ۲/ ۱٤٤ ط سعيد) وفي البحر :" وقد أفتيت مراراً لعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة' وهو الاحتياط في زماننا الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۲/ ۱۳۷ ط سعيد)

(۲) واستشهد له بما في التجنيس عن الحلواني أن كسالى العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لا يمنعون' لأنهم إذا منعوا تركوها أصلاً وأداؤها مع تجويز أهل الحديث لها أولى من تركها أصلاً الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۳/ ۱۷۱ ط سعيد)

ڈھائی ہزار والی آبادی میں جمعہ کا حکم

(سوال) ضلع مظفر نگر میں ایک جگہ پھلت ہے جس کی موجودہ حالت حسب ذیل ہے کل تعداد اکیس سو آدمیوں کی ہے اشیائے ضروری دستیاب ہو جاتی ہیں چھ دکانیں پرچون کی ہیں دو بزاز کی دو عطار کی تین درزی کی۔ پانچ چھ دکانیں اور متفرق ہیں دس گیارہ دکانیں قصابوں کی ہیں پانچ چھ حکیم ہیں' حافظ پندرہ بیس کے قریب ہیں' مولوی پندرہ بیس کے قریب ہیں' ایک بازار ہفتہ وار یعنی پینٹھ ہوتی ہے چار مسجدیں ہیں' ایک ان میں سے جامع مسجد کے نام سے مشہور ہے یہ مسجد پہلے چھوٹی تھی لیکن جمعہ ہوتا تھا اور اس مسجد کی دوبارہ تعمیر کی بنیاد حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے اپنے دست مبارک سے نصب فرمائی ہے جو بڑے پیمانے پر تیار ہے ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جو فیض الاسلام کے نام سے موسوم ہے جفت فروش کی کوئی دکان نہیں ہے اور تھانہ' ڈاکخانہ' شفاخانہ' مدرسہ سرکاری ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے پھلت میں ایک عرصہ سے جمعہ قائم ہے جس کی ابتدا معلوم نہیں ہے ایک صاحب مسمی حافظ احمد صاحب جن کی عمر چوراسی سال ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ہوش سے یہاں جمعہ ہوتا دیکھ رہا ہوں' حضرت مولانا شاہ ولی اللہؒ اور حضرت مولانا شاہ اہل اللہ رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں حضرات کی پیدائش پھلت کی ہے اور حضرت شاہ اہل اللہؒ کا تو قیام ہمیشہ پھلت میں ہی رہا ہے حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی چونکہ یہاں قرابت تھی آمد ورفت کا سلسلہ ضرور رہا ہوگا اس لئے خیال کیا جاتا ہے کہ ان حضرات نے بھی یہاں جمعہ پڑھا ہوگا اور اس زمانے کی آبادی کا حال کچھ معلوم نہیں حضرت مولانا شاہ محمد عاشق صاحبؒ و حضرت مولانا شاہ محمد فائق و حضرت مولانا شاہ محمد حبیب اللہ صاحبؒ یہ تینوں حضرات بھی پھلت کے ہیں اس لئے خیال کیا جاتا ہے کہ ان حضرات نے بھی یہاں جمعہ پڑھا ہوگا حضرت مولانا نواب قطب الدین خاں دہلوی' حضرت مولانا وحید الدین پھلتی' مولانا محمد صاحب پھلتی' مولانا عبدالقیوم پھلتی' قاضی ریاست بھوپال' مولانا محمد ایوب پھلتی قاضی ریاست بھوپال' مولانا عبدالرب پھلتی' مولانا عبدالعدل پھلتی' مولانا محمد یحییٰ پھلتی قاضی ریاست بھوپال' مولانا فیض احمد پھلتی' مولانا محمود احمد پھلتی' مولانا محمد فاضل پھلتی' مولانا محمد قاسم نانوتوی' مولانا محمد یعقوب نانوتوی' شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمہم اللہ نے یہاں جمعہ پڑھا ہے اکثر قرب وجوار کی بستیوں کے آدمی پھلت میں آکر جمعہ وعیدین پڑھتے ہیں اور اکثر دیہات میں مساجد بھی نہیں ہیں اور وہاں کے مسلمان کفار کی رعایا رہتے ہیں جو حضرات یہاں پر جمعہ پڑھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہاں بہت سے علمانے جمعہ پڑھا ہے جن کے اسمائے گرامی اوپر درج ہیں ان کے فعل ہمارے لئے سند ہے اگر ناجائز ہوتا تو یہ حضرات کیوں پڑھتے دوسرے یہ کہ جس جگہ ایک عرصہ سے جمعہ ہو رہا ہو اسے بند نہیں کرنا چاہئے ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ جب تیس سال تک نماز پڑھی اور مسلمان حاکموں نے روکا نہیں تو اب کسی شخص کو روکنے کا اختیار نہیں ہے جو صاحب یہاں جمعہ نہیں پڑھتے وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ درست نہیں اور

پھلت بھی گاؤں ہی ہے چونکہ آبادی تھوڑی ہے علیٰ ہذا القیاس بازار جس میں کل تیرہ دکانیں ہیں اور ایسی بستی جس میں تین ہزار آدمیوں سے کم ہوں اور بازار بھی نہ ہوں وہاں جمعہ درست نہیں ہے بہت سے علماء کی تحریرات سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے ذیل میں بعض علما کی تحریرات نقل کی جاتی ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ گنگوہی نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے جو فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم میں مرقوم ہے وہو ہذا۔ جس موضع میں دو ہزار آدمی ہندو مسلمان ہوں اس جگہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جمعہ ادا نہیں ہوتا ہے الخ حضرت مولانا عزیزالرحمٰن نوراللہ مرقدہ مفتی دار العلوم دیوبند نے ایک استفتا کے جواب میں ارقام فرمایا ہے وہ استفتا مع جواب ذیل میں لکھا جاتا ہے۔ استفتا۔ جس آبادی میں مسجد نہ ہو وہاں جمعہ درست ہے یا نہیں ؟ الجواب۔ اگر وہ بستی بڑی ہو مثلاً قصبہ یا بڑا قریہ ہو کہ تین چار ہزار آدمی وہاں آباد ہوں اور بازار ہوں تو اگرچہ وہاں مسجد نہ ہو جمعہ صحیح ہے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بہشتی گوہر میں تحریر فرمایا ہے ''مصر یعنی شہر یا قصبہ پس گاؤں یا جنگل میں نماز جمعہ درست نہیں ہے۔ البتہ جس گاؤں کی آبادی قصبے کے برابر ہو مثلاً تین چار ہزار آدمی ہوں وہاں جمعہ درست ہے'' حضرت مولانا ضیا احمد صاحب مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے ایک سوال کے جواب میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ ''قصبے کی آبادی تین چار ہزار ہوتی ہے'' اور یہ کہنا کہ علما کا فعل ہمارے لئے سند ہے غلط ہے کیونکہ کسی عالم کا فعل حجت شرعی نہیں ہے اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ جس جگہ ایک عرصہ سے جمعہ ہو رہا ہے اسے بند کرنا نہیں چاہئے ضرور بند کرنا چاہئے اگر اس میں فی الحال شرائط صحت جمعہ مفقود ہوں یعنی وہ چھوٹا گاؤں ہو اب چونکہ وہ محل اقامت جمعہ نہیں ہے اور ایسی جگہ جمعہ پڑھنے کو فقہائے کرام و مجتہدین عظام مکروہ تحریمی فرماتے ہیں یہ امر دریافت طلب ہے کہ مقام مذکور میں بحالت موجودہ نماز جمعہ واعیاد عندالاحناف جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۵۵۰ حافظ محمد قاسم (پھلت) ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۲۷ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۶۶) (از مفتی اعظمؒ) پھلت کی یہ حیثیت جو سوال میں مذکور ہے اس کو قریہ کبیرہ بنا دینے کے لئے کافی ہے اس لئے اس میں اقامت جمعہ جائز ہے بالخصوص عرصہ دراز کا قائم شدہ جمعہ بند کرنا مفاسد کثیرہ کا موجب ہے اس لئے اس کو بند کرنا مصالح شرعیہ کے منافی ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(جواب) (از نائب مفتی صاحب) موضع پھلت میں جمعہ کی نماز پڑھنی بنابر فتویٰ متاخرین فقہائے حنفیہ کے جائز ہے کیونکہ جو تعریف مصر کی متاخرین فقہائے حنفیہ نے کی ہے اور معنی یہ بھی اکثر فقہا کے نزدیک تعریف ہے۔ المصر وهو مالا يسع اكبر مساجده اهله المكلفين بها وعليه فتوى اكثر الفقهاء (مجتبى) لظهور التوانى فى الاحكام(۲) تنوير الابصار و در مختار على

---

(۱) وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق الخ (رد المحتار' جمعه ۱۳۸/۲ ط سعيد)
(۲) (باب الجمعة ۱۳۸/۲ ط سعيد)

ھامش رد المحتار ج اول ص ۵۸۹ تو اس تعریف مذکور کی یہ بستی پھلت بظاہر مصداق ہے اور اگر بالفرض مصداق نہ بھی ہو تو قدیمی جمعہ واحیاو قائم شدہ کو روکنا نہیں چاہئیے۔
حبیب المرسلین عفی عنہ

تیس گھروں والے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں

(سوال) موضع امو کونہ جس کی آبادی میں چونتیس گھر اور اکاون مرد مکلّف بستے ہیں ایضاً موضع بتاپور کہ موضع امو کونہ سے تخمیناً پانسو ہاتھ فاصلے پر ہے اس میں تیس گھر ہیں اور ستاون مرد مکلّف بستے ہیں ان سب آدمیوں کا پیشہ کاشتکاری ہے اور موسم برسات میں ہر موضع کے چاروں طرف پانی سے سیلاب ہو جاتا ہے جو بدون کشتی کے آمد ورفت دشوار ہے ہر موضع کے چاروں طرف زراعت اور تین طرف ندی بھی ہے اور دونوں موضعوں کے درمیان جو فاصلہ ہے چراگاہ ہے موسم برسات میں وہ بھی دو ڈھائی ہاتھ پانی نیچے پڑتا ہے اس آبادی میں کوئی بازار وغیرہ نہیں ہے اب علی الانفراد دونوں موضعوں میں جمعہ قائم کرنا اور درمیان کی چراگاہ میں علی الاجتماع عید گاہ بنا کے نماز عید پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۶۰۹ چودھری محمد صفدر (ضلع سلہٹ) ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۲ ستمبر ۱۹۳۵ء
(جواب ۳۶۷) ان دونوں موضعوں میں جمعہ کی نماز حنفی مذہب کے موافق قائم نہ کرنا چاہئیے لیکن اگر قدیم الایام سے ان میں جمعہ قائم ہو تو اسے بند بھی نہ کرنا چاہئیے کہ دوسرے ائمہ کے مذہب کے موافق جمعہ ہو جاتا ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جواب بالا پر اشکال اور اسکا جواب

(سوال) اس جواب حضرت والا کی جس عبارت کا مطلب پوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا اس کے متعلق عرض ہے (۱) ان دونوں موضعوں میں جمعہ کی نماز (حنفی مذہب کے موافق قائم نہ کرنا چاہئیے) عبارت مذکورہ افہام ناقصہ کے نزدیک دو معنی کے محتمل ہے اول یہ کہ ان مواضع میں اگر پہلے سے جمعہ قائم نہ ہوا ہو تو حنفی مذہب کے موافق اب جدید طور پر قائم نہ کرنا چاہئیے (پھر لفظ نہ کرنا چاہئیے کا مطلب مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی ہے یا حرام و نادرست)
دوسرے یہ کہ ان دونوں موضعوں میں جمعہ کی نماز حنفی مذہب کے موافق پڑھنا ہی نہیں چاہئیے لیکن اگر پہلے سے وہاں قائم کیا ہوا ہو تو بھی اب بوجہ عدم صحت جمعہ فی القری کے ترک کرنا چاہئیے (اس کا مطلب ترک افضل ہے یا واجب یا فرض)

---

(۱) و فیما ذکرنا إشارۃ إلی انه لا تجوز فی الصغیرۃ التی لیس فیھا قاض و منبر و خطیب' کما فی المضمرات (رد المحتار' باب الجمعة ۱۳۸/۲ ط سعید)

اگر پہلے احتمال کو مواضع مذکورہ میں نیا طور پر قائم نہ کرنا اور قدیم الایام سے چلے آنے والی نماز کو قائم رہنے دینا یہ حکم حنفی مذہب کے موافق ہے یا حنفی مذہب میں قدیم و جدید کا فرق نہیں رکھا گیا دوسرا احتمال مراد ہو تو اس حالت میں عبارت کے الفاظ سے وہ معنی صاف طور پر سمجھ میں نہیں آتا
(۲) "لیکن اگر قدیم الایام سے" "تو اسے بند نہ کرنا چاہئیے کہ دوسرے ائمہ کے مذہب کے موافق ہو جاتا ہے" اس حالت میں اگر جمعہ کو قائم رکھا جائے تو ایک حنفی کے لئے اپنے مذہب کے موافق فرض ظہر ادا کرنا چاہئیے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۶۱۰ محمد زاہد الرحمن (ضلع سلہٹ)
۱۵ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۴ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۶۸) حنفی مذہب کے موافق قریٰ یعنی دیہات میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا اس لئے اگر کسی گاؤں میں پہلے سے جمعہ قائم نہیں ہے تو وہاں جمعہ قائم نہ کرنا چاہئے کیونکہ حنفی مذہب کے موافق اس میں جمعہ صحیح نہ ہوگا(۱) اور فرض ظہر جمعہ پڑھنے سے ساقط نہ ہوگا لیکن اگر وہاں قدیم الایام سے جمعہ قائم ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا یہ کہ اسلامی حکومت میں بادشاہ اسلام کے حکم سے قائم ہوا تھا تو حنفی مذہب کی رو سے بھی وہاں جمعہ صحیح ہوتا ہے اس لئے بند کرنا درست نہیں' یا یہ کہ بادشاہ اسلام کے حکم سے قائم ہونا ثابت نہیں یا یہ معلوم ہے کہ مسلمانوں نے خود قائم کیا تھا مگر ایک زمانہ دراز سے پڑھا جاتا ہے اس صورت میں حنفی مذہب کے اصول کے موافق تو اسے بند کرنا چاہئیے یعنی بند کرنا ضروری ہے لیکن چونکہ عرصہ دراز کے قائم شدہ جمعہ کو بند کردینے میں جو فتنے اور مفاسد پیدا ہوتے ہیں ان کے لحاظ سے اس مسئلے میں حنفیہ کو شوافع کے مذہب پر عمل کرلینا جائز ہے اور جب کہ وہ شوافع کے مذہب پر عمل کرے جمعہ پڑھیں گے تو پھر ظہر ساقط نہ ہونے کے کوئی معنی نہیں مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور مفاسد لازمہ عمل بمذہب الغیر کے لئے وجہ جواز ہیں۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کل آبادی کا مسلمان ہونا ضروری نہیں' مصر کی مفتی بہ تعریف

(سوال) جمعہ کے لئے جو مصر کی شرط ہے فقہا نے تو مصر کی مختلف تعریفیں کی ہیں مصر کی معتبر اور محقق تعریف تحریر فرمائیں مصر کی تعریف مقرر ہونے کے بعد یہ چیز بھی قابل دریافت ہے کہ مصر کے رہنے والے سب کے سب یا اکثر مسلمان لوگ ہوں یا مثلاً ایک شہر ایسا ہے کہ سب کے سب رہنے والے کفار ہیں مسلمانوں کے دس پندرہ گھر ہیں کیا یہ لوگ بھی وہاں جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟
المستفتی نمبر ۷۵۰ مولوی سراج الدین (ضلع ملتان) ۸ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۲ فروری ۱۹۳۶ء

---

(۱) وفیما ذکرنا إشارة إلی أنه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض و منبر و خطیب کما فی المضمرات (رد المحتار' باب الجمعة ۱۳۸/۲ ط سعید) و عن أبی حنیفة أنه بلدة کبیرة فیها سکك و اسواق' و بهار ساتیق و فیها وال الخ (رد المحتار' جمعه ۱۳۸/۲ ط سعید) والثانی السلطان أو مأموره بإقامتها الخ (التنویر و شرحه' باب الجمعة' ۱۳۹/۲ ط سعید) السابع الإذن العام من الإمام الخ (الدر المختار' باب الجمعة ۱۵۱/۲ ط سعید)

(جواب ۳۶۹) فی حد ذاتہ تحقق مصریت کے لئے تمام آبادی کا مسلمان ہونا یا اکثر کا مسلمان ہونا ضروری نہیں البتہ ظاہر روایت کی تعریف کی بنا پر وہاں حکومت اسلامیہ قائم ہونی شرط ہے شرطیت مصر میں فقہانے بہت تنزل کر دیا ہے حتی کہ **مالا یسع اکثر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا** تک اتر آئے اور اس تعریف پر خالص کافر حکومت کے شہر مثلاً لندن وغیرہ بھی مصر میں داخل ہو جاتے ہیں نیز بہت سے دیہات بھی مصر میں شامل ہو جاتے ہیں(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ہندوستان میں جمعہ کی فرضیت

(سوال) ہند میں آج کل جمعہ پڑھنا فرض ہے یا نہیں؟ اگر فرض ہے تو پھر فقہاء کی دو شرائط یعنی امامت اور مصریت کا جواب کیا ہے؟

المستفتی نمبر ۸۲۲ محمد نذر شاہ۔ ۶ محرم ۱۳۵۵ھ ۳۰ مارچ ۱۹۳۶ء۔ ضلع گجرات

(جواب ۳۷۰) ہندوستان میں جمعہ فرض ہے اور امام (یعنی سلطان) اور مصر کی وہ تعریف جو نفاذ حدود احکام شرعیہ پر مشتمل ہے خود فقہائے حنفیہ کی تصریح سے متروک ہو چکی ہے۔ **بلاد علیھا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والا عیاد فیھا** (۲) (رد المحتار)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شہر اور قصبہ میں جمعہ پڑھا جائے 'احتیاط الظہر' کی ضرورت نہیں

(سوال) نماز جمعہ کا لزوم ہمارے ملک پاکستان میں کتنی بستی پر ہو سکتا ہے؟ احتیاط الظہر جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۷۱) جو بستی بڑی ہو اور اس میں کم از کم دو مسجدیں ہوں یا وہاں ضروری سامان مل جاتا ہو اس میں جمعہ پڑھنا چاہئے ظہر احتیاطی کوئی شرعی چیز نہیں ہے جمعہ پڑھیں یا ظہر پڑھیں۔ دونوں پڑھنا صحیح نہیں(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

قریہ کبیرہ میں جمعہ کا حکم

(سوال) یہاں جمعہ کی نماز کی وجہ سے دو پارٹیاں قائم ہو چکی ہیں اور آپس میں جنگ و جدال رہتا ہے اور ایک ہی مسجد میں بیک وقت دو جماعتیں ہوتی ہیں۔

---

(۱) المصر وھو مالا یسع أکبر مساجدہ أھلہ المکلفین بھا' و علیہ فتویٰ اکثر الفقھاء الخ وظاھر المذھب انہ کل موضع لہ أمیر وقاض یقدر علی إقامۃ الحدود الخ (التنویر مع شرحہ' باب الجمعۃ ۲/۱۳۷، ۱۳۸ ط سعید)

(۲) (باب الجمعۃ ۲/۱۳۷ ط سعید)

(۳) وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیھا أسواق الخ (رد المحتار' جمعہ ۲/۱۳۸ ط سعید)

تارکین جمعہ کے استدلالات حسب ذیل ہیں۔ اول یہ کہ قریہ کبیرہ حقیقت میں گاؤں ہے اور ان کے زیادہ تر استدلالات وہ ہیں جن کو العدل گوجرنوالہ سے مولوی میرک شاہ کشمیری سے نقل کیا ہے' اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ قریہ کبیرہ سے ہمیشہ قصبات ہی مراد ہوتے ہیں اور مصر سے ضلع مراد ہوتا ہے قریہ کبیرہ سے فقہاء کی مراد وہ قصبہ ہوتا ہے جس پر مصر کی تعریف صادق آتی ہو اور جو درحقیقت ایک چھوٹا سا شہر ہی ہوتا ہے دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر بڑے گاؤں میں جمعہ کی تمام شرائط بھی بالفرض موجود ہوں تاہم جب تک وہ گاؤں ہے اس میں جمعہ نہیں ہو سکتا انتہی۔ وغیر ذلک طویل۔

فریق ثانی اپنے استدلال میں فتاوی اکابر امت پیش کرتے ہیں اور ان کا یہ بھی استدلال ہے کہ قریہ کبیرہ ظاہر ہے کہ مافوق القریۃ الصغیرۃ و مادون المصر ہو اور اگر مادون المصر نہ ہو تو وہ عین مصر ہے فھو المراد۔ لہذا قصبات کو قریۃ الکبیرۃ میں داخل کرنا اور مصر سے خارج کرنا صریح غلطی ہے اس لئے کہ عرف عام میں سب ڈویژن کو قصبہ کہا جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ سب ڈویژن کو عرف عام میں شہر اور مصر کہا جاتا ہے لہذا تمہارا استدلال عجیب ہے کہ کہیں تو عرف عام کو لیتے ہو اور کہیں من گھڑت تقریر کرتے ہو۔

علاوہ ازیں مجوزین کے مد نظر اصلاح بین المسلمین ہے تا کہ جہاں تک ہو سکے آپس میں تشتت و افتراق تضلیل و تفسیق نہ ہو۔ **والجماعۃ الثانیۃ فی وقت واحد وفی المسجد الواحد علی سبیل الدوام والا ستمر ارو غیر ذلک کثیراً من المفسدات** اور العدل کا اتنی بڑی جماعت کو جو تمام ہندوستان میں بلا استثنا ہوتی ہے اس کو تارک صلوۃ بنا کر **من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر** (۱)(الحدیث) کا مستحق قرار دینا یہ سب ظاہر ہے کہ اشد ہیں **الجمعۃ فی القریۃ الکبیرۃ** سے **الفتنۃ اشد من القتل**۔

المستفتی نمبر ۹۳۴ مولوی محمد اسماعیل (کٹک)

۲۷ صفر ۱۳۵۵ھ م ۱۹ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۷۲) قریہ کبیرہ جس پر مصر کی کوئی تعریف بھی صادق آجائے مثلاً **مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا** ۔ اس میں اقامت جمعہ جائز ہے اور اگر کوئی تعریف بھی صادق نہ آئے جب بھی اس مسئلے میں حنفیہ کے لئے مصالح عامہ اسلامیہ کے لحاظ سے شوافع کے مسلک پر عمل کر لینا جائز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) (الترغیب والترھیب من الحدیث الشریف : الترھیب من ترك الصلاۃ متعمداً و إخراجھا عن وقتھا تھاونا' ۱/۳۸۱۔۳۸۲ ط إحیاء التراث العربی' بیروت' لبنان)

(۲) المصر وھو مالا یسع اکبر مساجدہ أھلہ المکلفین بھا' و علیہ فتوی أکثر الفقھاء الخ (الدر المختار' باب الجمعۃ ۲/۱۳۷ ط سعید) وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیھا أسواق الخ (رد المحتار' باب الجمعۃ ۲/۱۳۸ ط سعید)

جمعہ کے بارے میں چند سوالات کے جوابات

(سوال) (۱) مصر از روئے شریعت کسے کہتے ہیں جس میں جمعہ کا جواز اور صحت ہو اور دیہات میں جمعہ ہو سکتا ہے یا نہیں (۲) ان القریة الکبیرة فی حکم المصر قریہ کبیرہ کسے کہتے ہیں جو مصر کا حکم رکھتا ہو (۳) لا جمعة الا فی مصر جامع کا کیا مطلب ہے؟ اور ان القریة الکبیرة کے مقابلے میں اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ (۴) مالا یسع الناس اکبر مساجدہ کا کیا مطلب ہے؟ مساجد صیغہ منتہی الجموع کا ہے اگر ایک ہی مسجد ہو تو اس پر مصداق ہو گا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۹۳۹ سلیمان کریم (پالن پور) ۲۸ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۰ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۷۳) حنفیہ کے اصول کے بموجب دیہات میں اقامت جمعہ درست نہیں (۱) مصر ہونا جواز جمعہ کے لئے شرط ہے (۲) لیکن مصر کی تعریفیں مختلف اور متعدد منقول ہیں اس مسئلے میں زیادہ تحقیق کا موقع نہیں ہے اور اس زمانے کے مصالح عامہ مہمہ اس امر کے مقتضی ہیں کہ اقامت جمعہ کو نہ روکا جائے تو بہتر ہے بالخصوص ایسی حالت میں کہ مدت دراز سے جمعہ قائم ہو اس کو روکنا بہت سے مفاسد عظیمہ کا موجب ہو تا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

" لا جمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع" کا مطلب

(سوال) لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع اس نفی سے کیا نفی وجوب مراد ہے یا نفی استحباب اگر نفی وجوب ہے تو کس قانون سے؟

المستفتی نمبر ۹۵۷ مولوی عبدالحلیم (ضلع پشاور) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۷۴) لا جمعة ولا تشریق الخ حنفیہ نے اس میں لا سے نفی صحت مراد لی ہے مگر محتمل ہے کہ نفی وجوب مراد ہو (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شرائط جمعہ کیا ہیں؟

(سوال) شرائط نماز جمعہ کیا ہیں کیا ایسے گاؤں میں جہاں پچاس ساٹھ گھر مسلمان آباد ہوں اور مسجد قریب قریب بھر جاتی ہو نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۰۱۹ ایم عمر صاحب انصاری مقام باگھاڈاک خانہ تھاوی ضلع سارن

---

(۱) وفیما ذکرنا اشارة الی انه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض و منبر و خطیب الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱۳۸ ط سعید)

(۲) ویشترط لصحتها سبعة أشیاء: الاول المصر الخ (الدر المختار' باب الجمعة ۲/۱۳۷ ط سعید)

(۳) لا تصح الجمعة إلا فی مصر جامع لقوله علیه السلام " لا جمعة ولا تشریق الخ (هدایة: باب صلاة الجمعة' ۱/۱۶۸ ط مکتبه شرکة علمیه ملتان)

۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۲۴ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۷۵) جس مسجد میں قدیم الایام سے جمعہ ہوتا ہو اور وہاں ضرورت کی چیزیں مل جاتی ہوں وہاں جمعہ قائم رکھنا جائز ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) ہندوستان میں جمعہ فرض ہے
(۲) نماز جمعہ کے بعد احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں

(سوال) (۱) اس وقت جمعہ ہمارے لئے بحیثیت محکوم برٹش ایمپائر فرض ہے یا نہیں ؟ (۲) جمعہ کے لئے ظہر کی نماز کے فرض ادا کرنے چاہئیں یا نہیں اگر ہیں تو کیسے ادا کرنے چاہئیں اگر نہیں تو کیوں ؟

المستفتی نمبر ۱۱۹۱ محمد دانیال صاحب (لاہور) ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۷۶) (۱) جمعہ ہندوستان میں مسلمانوں پر فرض ہے اور اس کی ادائیگی شرعاً صحیح ہے(۲)
(۲) جمعہ کی نماز ادا کر لینے سے ظہر کی نماز ساقط ہو جاتی ہے اس لئے جمعہ کی نماز پڑھ کر ظہر پڑھنا درست نہیں کہ ایک وقت میں دو فرض نہیں(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

۳۵۰ گھر والی بستی میں جمعہ جائز نہیں

(سوال) ہمارے شہر میں مسجد بڑی عالیشان تیار ہو گئی ہے ایسی مسجد اس علاقہ کے مانند کوئی نہیں ہے جس کے تین گنبد ہیں اور ابھی ہم لوگ اس جگہ جمعہ پڑھ رہے ہیں اور شہر بڑا نہیں ہے قریب ۳۵۰ گھر آباد ہوں گے یا کچھ کم کچھ زیادہ اور سوائے اس مسجد کے اور کوئی مسجد نہیں ہے شہر سے باہر دو سو گز کے قریب تھوڑے گھر ہیں اس جگہ ایک مسجد ہے اور کوئی مسجد نہیں ہے اور آگے اس جگہ جمعہ جاری نہیں تھا ابھی تھوڑے عرصہ سے جمعہ پڑھاتے ہیں اور عالم بھی کوئی نہیں ہے علم فقہ علم حدیث کوئی نہیں جانتا صرف حافظ قرآن و ناظرہ قرآن ہیں مسائل سے ناواقف ہیں اور اس جگہ ڈھائی میل کے فاصلہ پر ایک شہر ہے اس جگہ جمعہ جاری ہے اور اس جگہ بڑا امیر آدمی بھی کوئی نہیں جس کی بات کا لوگوں پر اثر ہو یا اس کے تابع ہوں اور قاضی خود نہیں ہے بازار بھی نہیں ہے کہ ہر ایک چیز مل جائے اب مہربانی فرما کر فتوی دیویں کہ جمعہ جاری کر دیویں تو ہو گا یا نہ ہو گا ؟

المستفتی نمبر ۱۲۲۰ پنشنر مہدی خاں صاحب (ضلع کامل پور) ۲۰ رجب ۱۳۵۵ھ ۷ اکتوبر ۱۹۳۶ء

---

(۱) وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق الخ (رد المحتار' جمعه ۲/۱۳۸ ط سعید)
(۲) فلو الولاة کفاراً یجوز للمسلمین إقامة الجمعة و یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین' و یجب علیهم أن یلتمسوا والیا معلما (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱۴۴ ط سعید)
(۳) و فی البحر :" وقد أفتیت مرارا بعدم صلاة الأربع بعده بنیة آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضیة الجمعة الخ (الدر المختار' باب الجمعة ۲/۱۳۷ ط سعید)

(جواب ۳۷۷) تشریح سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھوٹا گاؤں ہے اس لئے سب لوگ اتفاق کر کے اس جگہ ظہر کی نماز باجماعت ادا کر لیا کریں (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سات ہزار والی آبادی میں جمعہ کا حکم

(سوال) بصیر پور کی موجودہ حالت ایک شہر سے کم نہیں لوازمات ملاحظہ فرمائیں ریلوے اسٹیشن' قیام ملازمین 'ضلعدار' قانون گویان' اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس تحصیل ہذا' ڈسٹرکٹ بورڈ کے دو ہسپتال انسان اور حیوانات کا اور آبادی تقریباً چھ یا سات ہزار تک ہے اور تینوں بازاروں میں دکانات کا شمار ایک سو بیس ہے بازار میں آمدورفت بوجہ بیع و شرا آسانی نہیں ہو سکتی منڈی کی دکانات اور آبادی اس کے علاوہ ہے چودہ پندرہ مساجد ہیں جملہ آثار دلالت کرتے ہیں کہ بصیر پور ایک شہر ہے اور اس میں نماز جمعہ ادا کرنا فقہ حنفیہ کے لحاظ سے فرض ہے عرصہ پانچ سال سے مولانا مولوی نور نبی صاحب جو کہ مدرسہ امینیہ اور جناب کے فیض تدریس سے ۱۹۴۹ء میں تعلیم دورہ حاصل کر کے آئے ہیں فریضہ جمعہ ادا کرتے رہے ہیں مگر اس جگہ کے علماء اور عوام الناس کا خیال ہے کہ جمعہ ملک ہندوستان میں نصاریٰ کے تسلط کی وجہ سے فرض نہیں رہا لہذا بالکل نہ پڑھنا چاہیے ہمارا جمعہ پڑھنا اور ان کا اس پر تنازعہ کرنا ایک نمایاں جھگڑے کی صورت اختیار کر گیا تھا کافی تنازعات کے بعد حضرت مولانا مولوی خیر محمد صاحب جالندھری سے بطور فیصلہ فتویٰ حاصل کیا گیا مولانا موصوف کے فتوے پر ان کے تنازعات بند ہوئے اور پر امن نماز جمعہ ہوتی رہی مگر شومی قسمت سے ہمارے مقامی زمیندار رئیس عالم کی ایک مولوی صاحب کے ساتھ جمعہ کے متعلق گفتگو ہوئی جس کی وجہ سے انہوں نے یہ فرمادیا کہ قصبہ ہذا میں جمعہ کے متعلق میں مولانا موصوف کے فتوے سے رجوع کرتا ہوا اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بصیر پور میں تعریف مصر صادق نہیں آتی کیونکہ اکبر مساجد والی تعریف ضعیف اور مرجوح ہے اور تنفیذ احکام واقامت حدود والی تعریف قوی اور مفتی بہ ہے اور لاہور وغیرہ کے متعلق ان کا یہ خیال ہے کہ وہاں مجسٹریٹ وجج وغیرہ ظالم و مظلوم کے تنازعات کا تصفیہ کرتے رہتے ہیں اور بصیر پور میں تحصیل دار بھی نہیں رہتا لہذا لاہور میں نماز جمعہ فرض ادا ہو سکتی ہے اور بصیر پور میں نہیں وائے ناکامی۔ واحسرتا کہ ان ارشادات عالیہ سے سوئے ہوئے فتنہ پھر جاگ اٹھے اور عنقریب حالات مایوس کن پیدا ہونے والے ہیں عوام کی باہمی چہ میگوئیاں ان فسادات کا پیش خیمہ ہیں مگر ہمارے رئیس عالم موصوف کا آپ پر اور مولانا خیر محمد صاحب جالندھری پر اعتماد و اعتقاد ہے کہ قصبہ ہذا کی حالت کو دونوں حضرات بچشم خود ملاحظہ فرما کر جو فتویٰ صادر فرمائیں بالیقین تسلیم کروں گا لہذا التجا آنکہ جناب اپنے قیمتی لمحات میں چند لمحے امیدواروں کے لئے موقوف فرما کر شکر

---

(۱) و فیما ذکرنا إشارة إلى أنه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض و منبر و خطیب کما فی المضمرات (رد المحتار' باب الجمعة ۱۳۸/۲ ط سعید)

گزاری کا موقع بخشیں اور تشریف آوری کی تاریخ معین فرما کر منتظران کو مطمئن فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں گر قبول افتد زہے عزو شرف۔ نیز مفصل حالات مسمی محمد شریف متعلم جماعت دورہ مسجد فتح پوری جو کہ قصبہ ہذا کا باشندہ ہے جناب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزاری گاان کو بذریعہ مراسلہ مطلع کیا گیا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۲۹۳ اللہ دیا صاحب مدرس مڈل اسکول قصبہ بصیر پور ضلع منٹگمری

۲۶ شوال ۱۳۵۵ھ ۱۰ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۷۸) قصبہ بصیر پور جس کی حیثیت آپ نے اس کاغذ کی پشت پر تحریر فرمائی اس لائق ہے کہ اس میں جمعہ کی نماز ادا کی جائے مالا یسع اکبر مساجد پر بہت سے مشائخ حنفیہ نے فتویٰ دیا ہے تنفیذ احکام و اقامت حدود والی تعریف آج کل کسی شہر پر صادق نہیں ہے اور قدرت علی التنفیذ کی تاویل بھی اقامت حدود میں صحیح نہیں کیونکہ حدود شرعیہ قانون مروجہ کے ماتحت ممتنع الاقامت ہیں کوئی حاکم حتیٰ کہ دیسرائے بھی رجم پر قدرت نہیں رکھتا قطع ید پر قدرت نہیں رکھتا اس لئے اس کو جواز جمعہ کے لئے مدار حکم ٹھہرانا کسی بھی طرح درست نہیں بہر حال بصیر پور میں جس کی حیثیت ایک قصبہ اور شہر کی ہو گئی ہے اس میں بغیر تردد جمعہ جائز ہے' پہلے اس کی حیثیت کمتر ہو گی کہ گزشتہ زمانے میں علماء نے وہاں جمعہ نہیں پڑھا مگر اب جمعہ ترک کرنا درست نہیں(۱) مولانا خیر محمد صاحب ایک اچھے معتبر عالم ہیں ان کو بلا کر اطمینان کرلیں خاکسار آنے سے معذور ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ہندوستان میں جمعہ فرض ہے' احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں

(سوال) نماز جمعہ اس وقت فرض کر کے پڑھی جائے یا نہ کیونکہ پنجاب میں خصوصاً لاہور میں بعض لوگ نماز جمعہ فرض نیت کر کے پڑھتے ہیں اور بعض صرف دو رکعت نماز جمعہ پڑھتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان' پنجاب دار الحرب ہے بعض کہتے ہیں کہ دار الامان ہے اب تحریر فرمائیں جمعیۃ علمائے الہند اس مسئلے کو اگر جمعہ نہیں ہو تا یعنی فرض نہیں ہے تو پھر نماز ظہر پڑھی جائے یعنی چار فرض ظہر کے پڑھے جائیں اور اگر یہ قطعی دلیل سے فرض عین ہے تو نماز ظہر کس لئے پڑھی جائے؟
المستفتی نمبر ۱۶۹۰ عبدالحنان صاحب خطیب مسجد دربار حضرت داتا گنج بخشؒ (لاہور)

۱۵ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۳ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۷۹) جمعہ فرض قطعی ہے اور ہندوستان اگرچہ دار الحرب ہو پھر بھی یہاں اقامت جمعہ فرض ہے کیونکہ اقامت جمعہ کی کوئی قانونی ممانعت نہیں ہے پس یہاں جمعہ ہی ادا کرنا چاہیئے نہ کہ ظہر کتب

---

(۱) المصر' وھو ما لا یسع أکبر مساجدہ أھلہ المکلفین بھا' و علیہ فتوی أکثر الفقھاء الخ (الدر المختار ' باب الجمعۃ ۲/۱۳۷ ط سعید) و تقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیھا أسواق الخ (رد المحتار' باب الجمعۃ ۲/۱۳۸ ط سعید)

فتاویٰ فقہیہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ **بلاد علیھا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والا عیاد فیھا** (۱) اور اسی قسم کی تصریح فتح القدیر اور معراج الدرایہ وغیرہ سے منقول ہے رہا یہ کہ نیت میں دو رکعت نماز فرض جمعہ کہیں یا صرف دو رکعت نماز جمعہ تو اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ زبان سے لفظ فرض کہنا لازم نہیں خیال اور ارادے میں اس کو فرض سمجھ کر پڑھنا چاہئے اور ادائے جمعہ کے بعد جو لوگ چار رکعتیں بنیت ظہر احتیاطی پڑھتے ہیں یہ بھی من جہت الدلیل ثابت نہیں ہیں۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جس گاؤں میں پانچ سو گھر ہوں اور اشیاء ضرورت مل جائیں ' جمعہ کا حکم

(سوال) ایک گاؤں میں تقریباً چار پانچ سو گھر کی آبادی مسلمانوں کی ہے مالکان تمام نیک سیرت پابند شریعت ہیں آبادی مذکورہ میں تین مساجد بڑی آباد ہیں اور سات مساجد آس پاس ہیں دکان بازار گلی کوچہ خرید و فروخت کھانے پینے کی اشیا میسر ہیں جامع مسجد میں نماز جمعہ عرصہ سے جاری ہے اور نماز عیدین بھی عرصہ سے جاری ہے عید گاہ عمدہ باہر آبادی سے ہے اور ایک عالم جمعہ کے روز وعظ و نصیحت فرماتے ہیں رونق اسلام کی خوب ہے اور ایک عالم نے آکر جمعہ مبارک کو روک دیا ہے اور نماز عیدین بھی روک دی ہے وہ صاحب فرماتے ہیں کہ گاؤں مذکورہ میں نماز عیدین و جمعہ جائز نہیں اگر کوئی پڑھے گا تو سزا اور عذاب ہوگا اس پر وعید ہے ایک صاحب فرماتے ہیں تارک پر وعید ہے ہم لوگ کون سا راستہ اختیار کریں

المستفتی نمبر ۱۸۲۳ حاجی فخر الدین صاحب (ضلع منٹگمری) ۲۳ رجب ۱۳۵۶ھ ۲۹ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۸۰) اس مقام میں جس کا حال سوال میں لکھا ہے کہ اس میں مجموعی تعداد مساجد کی دس ہے اور آبادی میں تمام اشیائے ضروریہ مل جاتی ہیں بازار گلی کوچے ہیں اور عرصہ دراز سے وہاں نماز جمعہ و عیدین قائم ہے بے شبہ نماز جمعہ و عیدین جائز ہے۔ **مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ** اس تعریف پر بہت سے مشائخ نے فتویٰ دیا ہے اور امام اعظم کی روایت پر بالاتفاق عمل متروک ہے کیونکہ اجراء احکام اور تنفیذ حدود تو بہت سے ممالک اسلامیہ میں نہیں چہ جائیکہ ہندوستان میں نیز فقہاء کی اس تصریح نے کہ دارالحرب میں بھی جمعہ ادا ہو سکتا ہے **بلاد علیھا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والا عیاد فیھا** مصر کی تعریف میں اجراء احکام و تنفیذ حدود کی شرط کو نظر انداز کر دیا اسی طرح باقی شروط بھی مالایسع والی تعریف میں نظر انداز کر دی گئیں اور اس پر بہت سے مشائخ نے فتویٰ دے دیا ہے اور آج کل اقامت جمعہ بہت سے مصالح عظیمہ اسلامیہ کی وجہ سے اہم ہے اس لئے بھی اور اس نظریئے سے بھی کہ

---

(۱) فلو الولاۃ کفارا یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ' ویصیر القاضی قاضیا بتراض المسلمین الخ (رد المحتار' باب الجمعۃ ۲/ ۱۴۴ ط سعید)

(۲) وقد أفتیت مرارا بعدم صلاۃ الاربع بعدها بنیہ آخر ظہر خوف اعتقاد عدم فرضیۃ الجمعۃ' وھو الاحتیاط فی زماننا الخ (الدر المختار' باب الجمعۃ ۲/ ۱۳۷ ط سعید)

جمعہ قدیمہ کو بند کرنا بہت سے فتنہ ہائے شدیدہ کا موجب ہوتا ہے۔ مالایسع والی روایت پر عمل کرنا لازم ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

۸۵۰ والی آبادی میں تھانہ بھی ہو تو جمعہ کا حکم

(سوال) گاؤں کاکوسی آج سے تقریباً دو سو سال کا ہے تو جب سے یہ گاؤں قائم ہوا ہے اس وقت سے یہاں پر عیدین کی نماز ہوتی ہے اور قرب و جوار سے لوگ بھی آکر شریک نماز ہوتے ہیں اور یہاں کی آبادی قریباً آٹھ سو ساڑھے آٹھ سو گھر کی ہے پولیس تھانہ ہے ریل ہے سرکاری اسکول ہے سوائے سبزی بھاجی کے ضرورت کی ہر شے مل جاتی ہے سبزی بھاجی بھی کبھی کبھی مل جاتی ہے اور جب گاؤں میں پیداوار ہوتی ہے تو ہمیشہ مل جاتی ہے مساجد تین ہیں اور یہاں کی بڑی مسجد میں اگر سب جمع ہوں تو سب نہیں آسکتے مسجد کے تین حصے ہیں ہر تین کا عرض و طول درج ذیل ہے حصہ اول کا طول بیس ہاتھ عرض چودہ ہاتھ حصہ ثانی کا طول ساڑھے چودہ ہاتھ عرض چھ ہاتھ حصہ ثالث کا طول ۲۶ ہاتھ عرض ۲۴ ہاتھ۔ حصہ ثالث صحن ہے باقی کنواں غسل خانہ وغیرہ علیحدہ ہیں تو کیا ان سب باتوں کے باوجود یہاں پر نماز عیدین یا جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۰۰۹ ایچ کے ایس ایچ اے قدوسی صاحب مدرسہ اسلامیہ کاکوسی منڈانا روڈ۔ ۹ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۸۱) قائم شدہ نماز عیدین اور نماز جمعہ اس موضع میں ادا کرتے رہنا جائز ہے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دو سو گھر والی آبادی میں چالیس سال سے عیدین ہوتی ہو تو جاری رکھیں یا نہیں؟

(سوال) تحصیل تلہ گنگ ضلع کیمل پور میں موضع کنال واقع ہے جس میں تقریباً دو سو گھر کی آبادی ہے عرصہ دراز یعنی چالیس سال سے بھی زائد ہو چکے کہ عیدین کی نماز وہاں پڑھائی جاتی ہے جس میں وہاں کے باشندے اور گرد و نواح کے لوگ کثرت سے جمع ہو جاتے ہیں جس میں اکثر اس طور پر مواعظ حسنہ سے جہلاء کو نہایت فائدہ ہوتا ہے اب گزشتہ سال سے ایک مولوی صاحب نے آکر فرمایا کہ یہاں عید مبارک نہیں ہو سکتی یہاں عید پڑھنا پڑھانا ناجائز ہے لوگ بہت پریشان اور حیران ہیں اتنا عرصہ ہو گیا

---

(۱) المصر' وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها' و عليه فتوى أكثر الفقهاء الخ (الدر المختار ' باب الجمعة ۲ / ۱۳۷ ط سعيد) وفي الشامية :" فلو الولاة كفارا يجوز للمسلمين إقامة الجمعة و يصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين" الخ (رد المحتار ' باب الجمعة ۲ / ۱۴۴ ط سعيد)

(۲) واستشهد له بما في التجنيس عن الحلواني أن كسالى العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لا يمنعون' لأنهم اذا منعوا تركوها أصلا واداؤها مع تجويز اهل الحديث لها أولى من تركها أصلاً الخ (رد المحتار' باب العيدين ۲ / ۱۷۱ ط سعيد)

اور کسی مولوی نے ناجائز نہیں کہا حتی کہ عید نہ پڑھی جائے تو نہ کسی اور شہر میں شوق کر کے جائیں گے اور بہت خطرہ ہے کہ بہت جاہل نہ ہو جائیں نہ کوئی ایسا معین وقت نظر آتا ہے کہ ان کو جمع کر کے وعظ حسنہ سنایا جائے مہربانی کر کے مطلع فرمایا جائے کہ عندالشرع ایسی جگہ عیدین کی نماز کو ممنوع کر دیا جائے یا کہ بطریق سابقہ نماز پڑھی جائے۔ المستفتی نمبر ۲۰۱۱ فیض بخش صاحب (کیمل پور)

۹ رمضان ۱۳۵۶ھ ۱۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۸۲) چالیس سال سے عید کی نماز اس موضع میں پڑھی جاتی ہے تو اب اس کو بند کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں دینی فتنہ ہے(۱) لہذا عیدین کی نماز وہاں حسب دستور قائم رکھنی چاہئیے اور جمعہ کی نماز بھی وہاں ہو سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

چھوٹے گاؤں میں جمعہ درست نہیں

(سوال) ایک موضع میں قریباً ۳۰ آدمی مصلی ہیں اور ایک مسجد ہے ہفتہ میں دو بار بڑی بازار لگتی ہے سامان ضروری مثلاً کفن وغیرہ ملتا ہے لہذا مصلیان نماز جمعہ بھی اس موضع میں ادا کرتے ہیں اور بچوں کی تعلیم کے لئے ایک قاری صاحب بھی مقرر ہیں اب اس موضع میں شرعاً جمعہ جائز ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۲۰۱۲ مرزا عبدالستار (بارہ بنکی)

(جواب ۳۸۳) اگر نماز جمعہ وہاں عرصہ سے قائم ہے تو اب اس کو بند کرنے میں مذہبی و دینی فتنہ ہے اس لئے اس کو موقوف کرنا درست نہیں بلکہ اس مسئلے میں امام شافعی کے قول یا امام مالک کے قول کے موافق عمل کر لینا جائز ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

چھوٹی آبادی میں جمعہ درست نہیں

(سوال) دیہاتی آبادی کے چھوٹے چھوٹے گاؤں میں جہاں مسلمان کم تعداد میں ایک یا دو چار گھر آباد ہیں وہاں عیدین یا جمعہ کی نماز جائز ہے یا نہیں اگر نہیں دیہاتوں میں کوئی گاؤں مرکزی حیثیت رکھتا ہو اور وہاں تعداد بھی زیادہ ہے ہمیشہ جمعہ و عیدین کی نماز بھی پڑھی جاتی ہے تو کیا چھوٹے چھوٹے گاؤں والوں کا وہیں شرکت کرنا اولیٰ نہیں ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۰۲۸ ایچ ایم رفیق صاحب (بلیا)

۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۸۴) ایسے چھوٹے چھوٹے گاؤں میں کہ ان میں صرف ایک یا دو چار گھر مسلمانوں کے ہیں

---

(۱) واستشهد له بما في التنجيس عن الحلواني ان كسالى العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لا يمنعون لانهم إذا منعوا تركوها أصلاً وأداؤها مع تجويز اهل الحديث لها أولى من تركها أصلاً الخ (رد المحتار' باب العيدين ۲/۱۷۱ ط سعيد)
(۲) (ايضاً)

جمعہ کی نماز پڑھنا درست نہیں ہاں ان میں سے کوئی بڑا گاؤں جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو اس میں آس پاس کے مسلمان مرکزی حیثیت سے جمع ہو سکیں اس کو جمعہ یا عیدین کی نماز کے لئے مقرر کر لینا بہتر ہے(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

چھوٹی بستیوں میں جمعہ جائز نہیں

(سوال) بستیوں میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو فقہاء کرام رحمہم اللہ کے مقرر کردہ شرائط کا کیا جواب ہے اور بعد ادائے جمعہ احتیاطی ادا کرنا کیسا ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۱۹۸ شیخ محمد عبداللہ صاحب (مظفر گڑھ)۱۶ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۱۹ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۸۵) چھوٹی بستیوں میں نماز جمعہ حنفیہ کے نزدیک نہیں ہے(۲) لیکن انہوں نے جمعہ کی اہمیت کو قائم رکھتے ہوئے مصر کی تعریف میں یہاں تک تنزل کیا ہے کہ مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا(۳) تک لے آئے حالانکہ ان کے اپنے اقرار (ھذا یصدق علی کثیر من القری) سے یہ تعریف بہت سے قری پر صادق آتی ہے پس نماز جمعہ کی اہمیت اور مصالح مہمہ عالیہ اسلامیہ کا مقتضی یہ ہے کہ نماز جمعہ کو ترک نہ کیا جائے اگرچہ امام شافعی کے مسلک پر عمل کے ہی ضمن میں ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) شہر کی شرعی تعریف کیا ہے
(۲) چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں

(سوال) (۱) بلحاظ شرع شہر کسے کہتے ہیں (۲) جس موضع کی مسجد میں صرف بیس یا تیس تقریباً یا اس سے اور کم مجتمع ہوں کیا ایسے دیہات میں جمعہ کی نماز ہو سکتی ہے یا نہیں اگر دیہاتوں میں ایسی حالت پر نماز جمعہ پڑھ لیں تو حکم شرعی کیا ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۴۰۴ نبی یار خاں صاحب (فیض آباد)

۳ رجب ۱۳۵۷ھ ۳۰ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۸۶) (۱) جمعہ کے مسئلے میں شہر سے مراد ایسی بستی ہے جہاں ضرورت کی چیزیں مل جاتی ہوں تھانہ یا تحصیل اور ڈاکخانہ ہو کوئی عالم یعنی مسائل ضروریہ بتانے والا اور کوئی معالج موجود ہو(۴)

---

(۱) وفیما ذکرنا أشارة إلى أنه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض و منبر الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۱۳۸/۲)
(۲) (ایضاً)
(۳) (الدر المختار' باب الجمعة' ۲/ ۱۳۷ ط سعید)
(٤) عن أبی حنیفة أنه بلدة کبیرة فیها سکک و أسواق ولها رساتیق و فیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۲/ ۱۳۷ ط سعید)

(۲) حنفی مذہب کے موافق ایسی چھوٹی بستی میں جمعہ جائز نہیں(۱) مگر آج کل حنفی اس مسئلے میں شافعی مذہب کے اوپر عمل کر سکتے ہیں۔　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ہندوستان میں جمعہ فرض ہے

(سوال) بعض حضرات کہتے ہیں کہ فی زمانہ ملک ہند میں اداء جمعہ فرض نہیں کیونکہ شرائط ادا جو شریعت نے مقرر فرمائے ہیں مثلاً امیر اور قاضی جو اجرا احکام شرعی کا کر سکتا ہو' یہ مفقود ہیں لہذا نماز جمعہ بلا قید و بلا لحاظ فرض مطلق نماز کی نیت سے ادا کرنا چاہئیے اور بعد کو نماز ظہر بنا بر احتیاط پڑھنا ضروری ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نماز جمعہ کو فرض کی نیت سے پڑھنا درست نہیں اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ جمعہ بہ نیت فرض پڑھنا ضروری ہے اور احتیاطی پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور شرط امیر و قاضی کے واسطے علماء اور حکماء وقت کفایت کر سکتا ہے کیونکہ مسئلہ مذکور شدت سے زیر بحث ہے اور عوام کو یقین عمل میں نہایت خلجان اور اضطراب واقع ہے لہذا حسبۃً للہ جلد تر موافق اہل سنت والجماعت مدلل مفصل راہ عمل کی ہدایت بطور افتاء فرمایا جائے تو امن عامہ اور اجر دارین کا باعث ہو گا۔

المستفتی نمبر ۲۴۱۳ مقصر شاہ صاحب (جہلم) ۲۳ رجب ۱۳۵۴ھ ۱۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۸۷) فقہاء حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ جن بلاد میں کافروں کی حکومت ہو وہاں بھی مسلمان نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں **بلاد علیہا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والا عیاد فیہا**(۲) (رد المحتار نقلا بالمعنی) اس سے صاف ظاہر ہے کہ سلطان اسلام کی شرط کو نظر انداز کر دیا گیا اور جواز جمعہ کا حکم دے دیا گیا ہے اسی پر امت کا عمل ہے پس جمعہ کی نیت سے نماز پڑھنا چاہئیے اور ظہر احتیاطی کی ضرورت نہیں۔　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دو سو آبادی والے گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں ؟

(سوال) ایک موضع زمیندار یاست الور جس کی آبادی قریب دو سو آدمیوں کی ہے ان میں سے دوسری قوموں کے صرف پچیس تیس آدمی ہیں بقیہ سب مسلمان ہیں پنجگانہ نمازی قریب پچاس آدمی ہیں اس گاؤں میں سنا گیا ہے کہ بیس پچیس سال قبل جمعہ ہوتا تھا یہاں کے باشندگان کو نماز جمعہ کی سخت تکلیف ہوتی ہے جس مقام پر قدیمی جمعہ ہوتا چلا آتا ہے وہ اس گاؤں سے تین چار کوس کے فاصلے پر ہے وہاں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے جاتا اور واپس آتا اس میں بہت تکلیف ہوتی تھی تمام دن بیکار ہو جاتا تھا

---

(۱) و فیما ذکرنا اشارۃ إلی انہ لا تجوز فی الصغیرۃ التی لیس فیہا قاض و منبر و خطیب الخ (رد المحتار' باب الجمعۃ ۲/ ۱۳۸ ط سعید)
(۲) (رد المحتار' باب الجمعۃ' ۲/ ۱۴۴ ط سعید)

اس گاؤں میں صرف ایک مسجد ہے اس میں جو مقررہ امام ہے سال بھر سے جمعہ پڑھانا شروع کر دیا ہے دس بارہ آدمی کسی جمعہ میں باہر کے بھی آجاتے ہیں جمعہ کی نماز میں بلا شبہ ہر جمعہ کو اندازاً چالیس پچاس آدمی ہو جاتے ہیں لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس گاؤں میں جمعہ قائم کرنا چاہئیے یا نہیں اور آیا یہ ایک سال سے جو جمعہ ہو رہا ہے اس کو بند کر دیا جائے یا جاری رکھا جائے ؟

المستفتی نمبر ۲۶۸۲ شمو ولد حسن خاں وغیرہ (ریاست الور) ۱۱ رجب ۱۳۶۰ھ م ۶ اگست ۱۹۴۱ء

(جواب ۳۸۸) جمعہ بند نہ کیا جائے جاری رکھا جائے اور سب لوگوں کو لازم ہے کہ اتفاق سے رہیں آپس میں اختلاف کرنا بہت برا ہے۔

قلت وهذا وان كان غير موافق لما عليه الحنفية ولكنه اشد موافقة لمصالح الاسلامية الاجتماعية خصوصاً في هذا القطر وفي هذا الزمان فان اعداء الاسلام يظفرون بمقاصد هم المشومة في قرى لا تقام فيها الجمعة و يخيبون في مواضع اقامة الجمعة والتوفيق من الله عزوجل . و حفاظة الاسلام خير من الاصرار على تركها والمسئلة مجتهد فيها (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

۱۲۸۰ آبادی والے گاؤں میں جمعہ کا حکم

(سوال) ایک گاؤں جس کی کل آبادی دو سو پچھتر گھر اور بارہ سو اسی آدمیوں پر مشتمل ہے نیز چند دکانیں بھی موجود ہیں جن سے معمولی نمک مرچ وغیرہ کی ضرورتوں کا انصرام ہو جاتا ہے وبس کیا اس گاؤں میں بجوائے اصول مقررہ مذہب حنفی جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور کیا اتنی آبادی پر تفسیر مصر حسب اصول فقہاء حنفیہ (کثرھم اللہ تعالیٰ) صادق آتی ہے یا نہیں اور اتنی آبادی میں اگر جمعہ کی نماز ادا کی جائے تو ظہر ساقط ہو جائے گی یا ذمہ باقی رہے گی مصر یا قریہ کبیرہ کی وہ تعریف مع مذہب حنفی کے اصول مقررہ کے موافق جمہور فقہاء حنفیہ کے نزدیک مسلم ہو تحریر فرمائی جائے صورت مسئولہ بالا میں محض امام اعظمؒ کا مذہب درکار ہے امت کے کسی دوسرے محقق کی تحقیق کی بنا پر رخصت اور گنجائش مقصود نہیں علم فقہ کے مشہور و معتبر متن قدوری میں ہے۔ لا تصح الجمعة الا في مصر جامع او في مصلى المصر ولا يجوز في القرى (۲) یعنی جمعہ کی نماز مصر جامع میں یا مصلی مصر میں درست ہے اور گاؤں میں درست نہیں ہوتی کیا مذہب حنفیہ کے اصول مقررہ کے موافق صحیح ہے اور ہم مقلدین مذہب حنفیہ کو اس پر عمل کرنا لازم ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۷۰۷ شبیر احمد صاحب۔ نوح (گوڑگانوں) ۲۰ صفر ۱۳۶۱ھ ۹ مارچ ۱۹۴۲ء

---

(۱) یہاں تصریح فرمائی ہے کہ مصلحت کی وجہ سے توسع اختیار کیا ہے اور یہ حضرت کی ذاتی رائے اور تفرد شمار ہوتا ہے فافہم۔
(۲) (باب الجمعة ۳۱ ط نور محمد اصح المطابع کراچی)

(جواب ۳۸۹) یہ صحیح ہے کہ حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ نماز جمعہ کے لئے مصر شرط ہے گاؤں میں نماز جمعہ نہیں ہوتی لیکن مصر کی تعریف میں جو تدریجی تنزل فقہاء و مشائخ حنفیہ کرتے رہے ہیں وہ بھی ہمارے سامنے ہے پہلے ظاہر روایت کی بناء پر مصر کی تعریف یہ تھی کہ مصر وہ مقام ہے کہ جہاں امیر اسلام ہو اور حدود شرعیہ کی تنفیذ اور احکام اسلام کا اجراء ہو ظاہر ہے کہ اگر اس تعریف کا اعتبار کیا جائے تو آج دہلی لاہور اور ہندوستان کے کسی بڑے سے بڑے شہر میں بھی جمعہ جائز نہیں کیونکہ اس تعریف کے بموجب کوئی شہر مصر نہیں اس لئے فقہاء کرام نے امام ابو یوسفؒ کی دوسری تعریف۔ مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا کو معتبر اور معمول اور مفتی بہ بنالیا اور فقہاء کا خود اقرار ہے کہ یہ تعریف بہت سے قریٰ پر صادق آتی ہے وھذا یصدق علی کثیر من القری (۱) (ردالمحتار) پس اگر مسئول عنہ موضع پر یہ تعریف صادق آتی ہو کہ اس میں کم از کم دو مسجدیں ہوں اور ان میں سے بڑی مسجد میں موضع کے مکلفین بالجمعہ نہ سما سکیں تو اس میں مذہب حنفی مفتی بہ کے موافق نماز جمعہ جائز ہے (۲) اور امام ابو حنیفہؒ کے قول اور ان سے جو تعریف مصر مروی ہے اس کے موافق تو دہلی و لاہور میں بھی جائز نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) متعدد مساجد میں جمعہ جائز ہے

(۲) جمعہ کے لئے کیا شرائط ہیں؟

(۳) نماز جمعہ کے بعد احتیاط الظہر کا حکم

(سوال) (۱) ایک گاؤں میں چھ سو پانچ (۶۰۵) گھر ہیں دو جگہ یا اس سے زائد جمعہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) جمعہ با شرائط ہے یا بلا شرائط پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۳) جمعہ کی نماز کے بعد فرض احتیاطی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۸۷۲ راجہ فیروز خاں (جہلم) یکم جمادی الاول ۱۳۶۱ھ ۱۸ مئی ۱۹۴۲ء

(جواب ۳۹۰) (۱) جس مقام میں جمعہ کی نماز پڑھنی جائز ہے وہاں دو جگہ بھی پڑھی جائے تو درست ہے (۳) لیکن اگر وہ بستی زیادہ بڑی نہ ہو اور ایک مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے میں دشواری نہ ہو تو ایک ہی جگہ ادا کرنا افضل ہے' کیونکہ جمعہ کی نماز میں جہاں تک ممکن ہو تعدد نہ ہونا چاہئے اور ضرورت تعدد

---

(۱) (باب الجمعة ۲ / ۱۳۷ ط سعید)

(۲) المصر وهو مالا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها' وعليه فتوى اكثر الفقهاء (الدر المختار' باب الجمعة ۲/ ۱۳۷ ط سعید)

(۳) وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا على المذهب' و عليه الفتوىٰ (الدر المختار' الجمعة ۲/ ۱۴۴ ط سعید)

کی ہو تو تعدد بلا کراہت جائز ہے اور بلا ضرورت تعدد ہو تو خلاف افضل ہے۔
(۲) جمعہ کی شرطیں ہیں جب وہ شرطیں پائی جائیں تو جمعہ کی نماز پڑھنا فرض ہے (۱) اور اگر شرط نہ پائی جائے تو پھر جمعہ کی جگہ ظہر با جماعت پڑھی جائے یہ سوال مبہم ہے جس شرط میں کلام ہو اس کو صاف صاف تحریر کر کے اور اس کی صورت بیان کر کے دریافت کرنا چاہئیے۔
(۳) اگرچہ جمعہ کی نماز کے بعد ظہر احتیاطی کی بعض فقہاء نے اجازت دی ہے مگر صحیح اور قوی قول یہ ہے کہ ظہر احتیاطی کوئی ثابت شدہ نماز نہیں ہے اس لئے اس کا ترک اس کے فعل سے اولیٰ ہے اور محققین کا اس پر تو اتفاق ہے کہ عام طور پر اس کا فتویٰ اور حکم نہ دینا چاہئیے اور اگر کوئی اس کا قائل نہ ہو اور نہ پڑھے تو اس پر کوئی الزام اور اعتراض نہیں ہو سکتا (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

۲۵ گھر والی آبادی میں جمعہ کا حکم

(سوال) اعظم پور میں قریب ۲۰۔۲۵ گھر مسلم آباد ہیں قربانی ہر سال ہوتی ہے چھوٹی سی مسجد ہے پنج وقتہ نماز میں دو تین افراد اور نماز جمعہ میں دس بارہ افراد شرکت کرتے ہیں عیدین بھی وہیں ادا کرتے ہیں۔
المستفتی محمد ادریس اعظمی ۱۱ اپریل ۱۹۵۱ء

(جواب ۳۹۱) اعظم پور چھوٹا سا موضع ہے اس میں جمعہ کی نماز نہ پڑھنی چاہئیے اور اگر کوئی دینی مصلحت ہو کہ وہاں جمعہ پڑھنا مناسب ہے تو پھر حنفیہ کے نزدیک تو جمعہ جائز نہیں دیگر ائمہ کے قول کے موافق پڑھ لیں تو گنجائش ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اقامت جمعہ کے متعلق ایک خط کا جواب

(سوال) متعلقہ اقامت جمعہ بجواب مکتوب حضرت مولانا میرک شاہ صاحب کشمیری
(جواب ۳۹۲) مکرمی محترمی دام فضلہم۔ بعد سلام مسنون۔ فتوی مرسلہ پہنچا مولانا اس مسئلے میں میرے پیش نظر یہ بات ہے کہ ہمارے فقہاء حنفیہ نے اقامت جمعہ کو اس قدر اہم لکھا ہے کہ ظاہر روایت کی تمام شرائط کا گلا گھونٹ کے ان کو کالعدم بنادیا شرطیت مصر یقیناً متفق علیہ ہے یعنی متون اس پر متفق ہیں لیکن مصر کی تعریف ظاہر الروایۃ میں یہ تھی کہ وہاں امیر و قاضی ہو جو تنفیذ احکام و اقامت حدود کرتا ہو لیکن اسلامی زمانے میں ہی تنفیذ احکام و اقامت حدود میں سستی واقع ہوئی تو انہوں

---

(۱) ویشترط بصحتها سبعة أشياء الأول المصر الخ (الدر المختار' باب الجمعة ۲/۱۳۷ ط سعيد)
(۲) قال في البحر :' وقد أفتيت مراراً بعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة ' وهو الاحتياط في زماننا الخ (الدر المختار باب الجمعة ۲/۱۳۷ ط سعيد)
(۳) و فيما ذكرنا اشارة إلى انه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر و خطيب الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱۳۸ ط سعيد)

نے یہ دیکھ کر کہ جمعہ بند ہو جائے گا فوراً ینفذ و یقیم کی جگہ یقدر علی التنفیذ والإقامۃ کر دیا اور جب بلاد اسلامیہ پر کفار کی حکومت ہو گئی تو انہوں نے بلاد علیہا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والا عیاد فیہا (۱) کہہ دیا یعنی ظاہر روایت کی تعریف کے موجب وہاں مصریت باطل ہو جانے کے بعد بھی جمعہ قائم رکھا اسی طرح سلطان کی قیدو شرط کا گلا گھونٹ دیا اور سب سے آخر میں مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ (۲) کہہ کر اور بلاد محکومہ کفار میں اجازت دیکر دونوں شرطوں کو عملاً باطل کر دیا اس کے علاوہ شرطیت مصر وجوب جمعہ کے لئے تو صحیح لیکن جواز کے لئے بھی ہو یہ میں نہیں سمجھ سکا اور اس زمانے کی ضروریات اس کی مقتضی ہیں کہ اگر حنفی مذہب کی رو سے کسی طرح بھی اجازت نہ نکلے تو دوسرے ائمہ کے مذہب پر ہی عمل کر کے دیہات میں اقامت جمعہ سے نہ روکا جائے اور قائم شدہ جمعہ کو بند کرنا تو بہت خطرناک چیز ہے کم از کم میں اس کی جرأت نہیں کر سکتا اور ایک مجتہد فیہ مسئلے میں ترک ظہر کی بناء پر مسلمانوں کو فاسق یا گناہ گار کہنا امر عظیم ہے 'امید ہے کہ مزاج مقدس بخیر ہو گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ شنبہ ۔ ۲۹ فروری ۱۹۳۶ء

جمعہ میں کم از کم تین مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے

(سوال) متعلقہ تعداد مقتدیان نماز جمعہ

(جواب ۳۹۳) نماز جمعہ میں علاوہ امام کے اگر تین مقتدی ہوں تو نماز جمعہ جائز ہے 'جماعت کے لئے تین مقتدیوں کا ہونا کافی ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) شرائط جمعہ پائی جائیں تو جمعہ پڑھا جائے 'احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں
(۲) مصر اور فنائے مصر کی تعریف متعین ہے یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۲۸ء)

(سوال) (۱) اگر شرائط وجوب یا ادائے جمعہ میں اشتباہ واقع ہو تو کیا صلوۃ جمعہ کو ترک کریں گے اگر ترک کریں گے تو ظہر پڑھیں گے یا نہیں (۲) ایک قصبہ کی آبادی دو ڈھائی سو تک ہے تو اس میں صلوۃ جمعہ جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو اگر اس میں تین مسجدیں یا زیادہ ہوں تو سب مسجدوں میں پڑھیں گے یا ایک میں ؟ (۳) وہ کون سا شہر ہو گا جو جامع الشرائط ہو اور اس کے گھروں کی تعداد بھی معلوم و مقدر شرعی ہو ؟ (۴) جس گاؤں میں بیس یا تیس گھر ہوں اس میں اقامت جمعہ ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ (۵)

---

(۱) (الدر المختار' باب الجمعۃ ۲/۱۳۷ ط سعید)

(۲) (رد المحتار' باب الجمعۃ ۲/۱۴۴ ط سعید)

(۳) والسادس الجماعۃ وأقلہا ثلاثۃ رجال ولو غیر الثلاثۃ الذین حضروا الخطبۃ سوای الإمام بالنص لانہ لا بد من الذاکر' وھو الخطیب و ثلاثۃ سواہ الخ (التنویر مع شرحہ' باب الجمعۃ ۲/۱۵۱ ط سعید)

وہ کس قدر فاصلہ ہے جو فارق المصر ین ہو ؟

(جواب ۳۹٤) شرائط وجوب اور شرائط ادا کا پورا فیصلہ کر کے رائے قائم کرنی چاہئیے 'اور پھر صرف جمعہ یا صرف ظہر پڑھنی چاہئیے دونوں نمازیں پڑھنے کے کوئی معنی نہیں جس قصبے میں تین مسجدیں ہوں اور بڑی مسجد میں وہاں کے مکلف بالجمعہ اشخاص نہ سا سکیں تو وہاں جمعہ پڑھا جائے(۱) نمبر ۳'۴' ۵ کا جواب یہ ہے کہ نہ کوئی تعریف متفق علیہ ہے نہ کوئی تعداد گھروں کی معین ہے نہ کوئی فاصلہ معین ہے(۲)

محمد کفایت اللہ غفر لہ'

جس گاؤں کو مرکزی حیثیت حاصل ہو' وہاں جمعہ کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۵ مئی ۱۹۳۵ء)

(سوال) ایک قریہ میں ایک جامع مسجد زیر تعمیر ہے مسلم آبادی کا مرکز ہے یکصد سے زائد دکانات کا بازار ہے مڈل اسکول' تھانہ' ڈاکخانہ وغیرہ واقع ہونے کی وجہ سے صدہا نمازی موجود رہتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے شرعی حکم کیا ہے جو عدم جواز کے شبہ یا بہانہ سے جمعہ کے دن تارک الجماعۃ رہتے ہیں ؟

(جواب ۳۹۵) ایسے مقام میں جس کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے نماز جمعہ جائز ہے(۳) جو لوگ کہ وہاں جمعہ کو ناجائز سمجھ کر نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے ان کے ساتھ کوئی سختی نہیں برتنی چاہئیے کہ ان کا خیال بھی مذہبی وجوہ پر مبنی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) ایک موضع میں اقامت جمعہ کی تحقیق
(۲) مسلم بادشاہ نہ ہو مسلمان اپنا امیر بنالیں
(۳) ہندوستان میں جواز جمعہ کے لئے "وقایہ" سے استدلال
(۴) "عمدہ الرعایۃ" کی طرف منسوب عبارت کا مطلب

(سوال) (۱) زید ایک ایسے موضع میں جمعہ پڑھتا ہے جس میں نو مسجدیں ہیں اور تعداد کثیر مسلم عاقلان بالغان پر مشتمل ہے جو بوجہ اتم لا یسع اکبر مساجدہ کا مصداق ہے زید پکا حنفی اور اسلامی درس گاہ سے سند یافتہ اور لوگوں میں معتمد علیہ ہے کیا زید کو حق ہے کہ جمعہ قائم کرے (۲) صورت نہ

---

(۱) المصر وهو ما لايسع أكبر مساجده اهله المكلفين بها و عليه فتوى أكثر الفقهاء الخ (الدر المختار' جمعه ۱۳۷/۲ ط سعيد)

(۲) اعلم أن بعض المحققين أهل الترجيح اطلق الفناء عن تقديره بمسافة . والتعريف أحسن من التحديد لأنه لا يوجد ذلك في كل مصر وإنما هو بحسب كبر المصر وصغره الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۱۳۹/۲ ط سعيد)

(۳) وتقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق (الدر المختار' باب الجمعة ۱۳۸/۲ ط سعيد) وعن أبي حنيفة انه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق و فيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۱۳۷/۲ ط سعيد)

ہونے بادشاہ اسلام کے جو ایک شخص پر اتفاق کیا جاتا ہے اس میں شہر کے کل افراد کی رائے دہی ضروری ہے یا بعض کی ؟ یا اکثر کی ؟ (۳) بوجہ نہ ہونے بادشاہ اسلام کے اور تعریف اول مصر کہ **کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام و یقیم الحدود** زید پر مبتدع ہونے کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ بصورت اول ہندوستان کے اہل سنت والجماعت اسی روایت وقایہ کو اعتبار دیکر ہر مصر میں نماز جمعہ کیوں پڑھا کرتے ہیں ؟ (۴) نیز صاحب عمدۃ الرعایۃ نے **بلاد تحت الذی الکفرہ** میں شرط سلطان کو ضروری جاننے والے کو فضل وافضل سے منصوب کیا ہے اس کا کیا مطلب ہے ؟ حالانکہ سب کتب فقہ حنفیہ میں سلطان کا شرط بلا کسی قید کے موجود ہے ۔ ؟

(**جواب ۳۹۶**) (۱) ایسے موضع میں اقامت جمعہ جائز ہے اس موضع میں اقامت جمعہ کرنے والا قابل اعتراض اور مستحق ملامت نہیں (۱) (۲) موجودہ زمانے میں شرط سلطان کی جگہ مسلمانوں کا اتفاق کرلینا کافی سمجھا گیا ہے اور اتفاق کے لئے مسجد کے نمازیوں کا اپنے امام پر اتفاق کافی ہے کیونکہ بڑے شہروں میں متعدد جگہ مساجد میں جمعہ قائم ہوتا ہے اور تمام شہر یا اکثر شہر کے مسلمانوں کا اتفاق تمام ائمہ مساجد کے لئے نہ آسان ہے اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہے (۲) (۳) وقایہ کی روایت اکثر علما کے نزدیک معمول اور مفتی بہا ہے اور اس پر شبہ کرنے کی کوئی مضبوط اور مستحکم وجہ نہیں ہے (۳) (۴) یہ تحقیق مولانا بحر العلومؒ کی طرف منسوب کرنی چاہئیے کہ انہوں نے رسائل الارکان میں تحریر فرمائی ہے مولانا عبدالحئی صاحب نے عمدۃ الرعایۃ میں رسائل الارکان سے ہی نقل کی ہے اور ان کی یہ ذاتی رائے ہے جو اکثر علمائے حنفیہ اور فقہاء کے خلاف ہے شرطیت سلطان کے لئے مولانا عبدالحئیؒ نے جو آثار اسی حاشیے میں نقل فرمائی ہے وہ کافی ہے ۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

موضع پیر جی میں جمعہ کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۵ء)

(**سوال**) ہمارا گاؤں موضع پیر غنی ایک مسلمان رئیس اعظم کی واحد ملکیت ہے جس کی تمام آبادی ایک سو ستر گھروں پر مشتمل ہے اور تمام آبادی سوائے چند ہندو دکانداروں کے اہل اسلام کی ہے اور تین بستیاں اہل اسلام کے اس کے جوار میں ایک میل کے حدود کے اندر آباد ہیں خاص پیر غنی میں دو پختہ مسجدیں ہیں اور تمام آبادی حنفی المذہب مسلمانوں کی ہے اس گاؤں میں ہندو اور مسلمانوں کی سات دکانیں ہیں

---

(۱) المصر وهو مالايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها و عليه فتوى اكثر الفقهاء الخ (الدر المختار' ۲/۱۳۷ ط سعيد)

(۲) فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضياً بتراضى المسلمين و يجب عليهم أن يلتمسوا و اليا مسلما الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱٤٤ ط سعيد)

(۳) (ایضاً)

جن میں کافی خرید و فروخت ہوتی ہے اور گاؤں کی ضرورت کی تقریباً تمام اشیاء ان میں میسر ہوتی ہیں ان حالات میں ہم کو جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۹۷) اس بستی میں جمعہ پڑھنا جائز ہے حنفیہ کے مذہب میں بھی اس کی گنجائش ہے کیونکہ حد مصر میں مالا یسع اکبر مساجدہ پر بہت سے فقہائے حنفیہ نے فتویٰ دیا ہوا ہے(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ہندوستان کی بستیوں میں جمعہ کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جون ۱۹۳۶ء)

(سوال) حیدر آباد دکن بھوپال رامپور اور دیگر مسلمان ریاستیں جو ہندوستان میں ہیں انہیں کے جیسے اختیارات مثلاً جیل پھانسی جرمانہ وغیرہ ہندو ریاستوں کو بھی ہیں اور بڑی سے بڑی بڑودہ کشمیر گوالیر اندور اور چھوٹی ریاستیں جو مشرقی شملہ میں ہیں مثلاً کوٹھار جس کی کل آبادی ۱۵۰ ہے اور انھار دھامی کیونتھل جس کی کل آبادی ۵۰۰ ہے تھیور گڑھی اور جیل وغیرہ بھی ایسے اختیارات رکھتے ہیں اب ان شہروں میں جو مسلمان آباد ہیں ان کے لئے نماز جمعہ ظہر سے راجح ہے یا نہیں ان پہاڑی ریاستوں کی راجدھانی شہر یا قصبہ یا گاؤں کس چیز میں شمار ہیں ۔

(جواب ۳۹۸) ہندوستان تمام کا تمام غیر مسلم یعنی انگریزوں کے زیر حکم ہے اسی طرح ہندو ریاستیں بھی اسی حکم میں ہیں جس ریاست میں مسلمانوں کو نماز جمعہ ادا کرنے سے ممانعت نہ کی جائے وہاں جمعہ پڑھنا راجح ہے رہی یہ بات کہ کس مقام کو شہر کہا جائے تو یہ تو مصر کی مختلف تعریفوں کے لحاظ سے قدرے مختلف ہو سکتا ہے تاہم جس جگہ کم از کم دو مسجدیں ہوں اور ان میں سے بڑی مسجد میں وہاں کے مسلمان مکلف بالجمعہ نہ سما سکیں وہ شہر کا حکم رکھتی ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

۲۰۰۰ سے زائد آبادی والے گاؤں میں جمعہ

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جون ۱۹۳۶ء)

(سوال) ہمارے ضلع میں چار مواضعات بڑے بڑے ہیں آبادی ان مواضعات کی کل دو ہزار سے زائد ہے اور مسلمانوں کی تعداد ہزار سے زائد ہے اور چار چار پانچ پانچ مسجدیں ہیں اور نماز جمعہ بھی سو برس سے

---

(۱) المصر وهو لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها' و عليه فتوى اكثر الفقهاء الخ (الدر المختار' ۲/۱۳۷ ط سعيد) و تقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱۳۸ ط سعيد)

(۲) فلو الولاة كفارا يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱٤٤ ط سعيد) المصر وهو مالا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها' و عليه فتوى أكثر الفقهاء (الدر المختار' باب الجمعة ۲/۱۳۷ ط سعيد)

جاری ہے اب چند روز سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں جمعہ جائز نہیں ہے۔ ؟

(جواب ۳۹۹) سو برس سے قائم شدہ جمعہ کو بند کرنا مصالح مہمہ اسلامیہ کے خلاف ہے اور جب کہ مواضعات کی آبادی بھی زیادہ اور مساجد بھی متعدد ہیں اور مکلف بالجمعہ بڑی مسجد میں سما نہیں سکتے تو حنفی مذہب کے بموجب بھی ان مواضعات میں جمعہ جائز ہے' ایسی حالت میں منع کرنے والے غلطی کر رہے ہیں ہاں پڑھنے والوں کو بھی مانعین پر تشدد نہ کرنا چاہئیے جو نہیں پڑھتے ان سے تعرض نہ کریں(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مصر کی تعریف میں "مالا یسع اکبر مساجدہ" کی شرط

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جون ۱۹۳۶ء)

(سوال) مصر کی مختلف تعریفوں میں سے کیا یہ بھی صحیح ہے کہ جس جگہ کم از کم دو مسجدیں ہوں اور ان میں سے بڑی مسجد میں وہاں کے مسلمان مکلف نہ سما سکیں تو وہ شہر ہے۔

(جواب ۴۰۰) ہاں یہ تعریف بھی **مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا** بہت سے فقہائے عظام کے نزدیک معتبر اور مفتی بہ ہے اس لئے اس کے موافق عمل کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل سوم ۔ خطبہ واذان خطبہ

غیر عربی میں خطبہ خلاف سنت ہے

(سوال) خطبہ جمعہ یا عیدین میں اردو فارسی یعنی غیر عربی نظم یا نثر بطور وعظ کے پڑھنا درست ہے یا نہیں اور اگر درست ہے تو فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب اور خالص عربی میں پڑھنا باوجودیکہ لوگ سمجھتے بھی نہ ہوں بہتر ہے مخلط عربی اور غیر عربی سے خصوصاً جب کہ لوگ خالص عربی پڑھنے پر اعتراض کریں اور خالص عربی پڑھنے والوں کو غیر مقلدی کا الزام لگائیں اور اس کو غیر عربی پڑھنے پر مجبور کرتے ہوں اور ناجائز ہے تو کیا حرام یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی ؟ مع حوالہ کتب فقہ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیھا أسواق الخ (رد المحتار' باب الجمعۃ ۲/۱۳۸ ط سعید) واستشھد لہ بما فی التنجیس عن الحلوانی أن کسالی العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لا یمنعون لأنھم إذا منعوا ترکوھا أصلاً و أداؤھا مع تجویز اھل الحدیث لھا أولی من ترکھا أصلاً الخ (رد المحتار' باب العیدین ۲/۱۷۱ ط سعید) (۲) (الدر المختار' باب الجمعہ ۲/۱۳۷ ط سعید)

(جواب ۴۰۱) سامعین خواہ ماہرین زبان عربی ہوں یانہ ہوں اردو' فارسی یا کسی زبان کی نظم میں خطبہ پڑھنا مکروہ ہے حضرت رسول مقبول ﷺ فداہ امی وابی سے و نیز آپ کے صحابہ سے غیر عربی میں خطبہ پڑھنا منقول نہیں' حالانکہ اعاجم جو خطبہ کی عربی زبان سمجھنے سے قاصر تھے زمانہ صحابہ میں بکثرت داخل دائرہ اسلام ہو گئے تھے لیکن کسی صحابی سے منقول نہیں کہ انہوں نے عربی کے سوا کسی اور زبان میں خطبہ پڑھا ہو خطیب پر یہ لازم نہیں سامعین کو سمجھانے کیلئے غیر عربی میں خطبہ پڑھے یہ تو خود سامعین کی کمزوری ہے کہ عربی زبان سے ناواقف ہیں۔

فی مجموعة الفتاوی لمولانا اللکنوی نقلا عن اکام النفائس فی اداء الاذکار بلسان الفارس الکراهة انما هی لمخالفة السنة لان النبی ﷺ واصحابه قد خطبوا دائما بالعربیة ولم ینقل عن احد منهم انهم خطبوا خطبة ولو خطبة غیر الجمعة بغیر العربیة انتهی وفیه الخطبة بالفارسیة التی احد ثوها واعتقدوها حسناً لیس الباعث الیها الا عدم فهم العجم اللغة العربیة وهذا الباعث قد کان موجوداً فی عصر خیر البریة وان کان فیه اشتباه فلا اشتباه فی عصر الصحابة والتابعین ومن تبعهم من الأئمة المجتهدین حیث فتحت الا مصار الشاسعة والدیار الواسعة واسلم اکثر الحبش والروم والعجم وغیرهم من الا عجام وحضروا مجالس الجمع والا عیاد وغیرها من شعائر الاسلام وقد کان اکثرهم لایعرفون اللغة العربیة ومع ذلك لم یخطب احد منهم بغیر العربیة ولما ثبت وجود الباعث حتیٰ تلك الا زمنة وفقد ان المانع والتکاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم یبق الا الکراهة التی هی ادنی درجات الضلالة (۱) انتهی۔

خطبہ میں حاکم وقت کا نام لیکر دعا کرنا

(سوال) کیا زید کا یہ کہنا شرعاً جائز ہے کہ اگر خطبہ جمعہ میں خلیفہ وقت یعنی سلطان المعظم ترکی کا نام بصراحت نہ پڑھا جائے تو وہ خطبہ ناقص ہوتا ہے اور اس نقص خطبہ کی وجہ سے نماز جمعہ فاسد ہوتی ہے ؟

(جواب ۴۰۲) زید کا یہ قول کہ خطبہ جمعہ میں خلیفہ وقت کا بصراحت نام نہ لینے سے خطبہ ناقص اور نماز فاسد ہو جاتی ہے صحیح نہیں ہے خلیفہ وقت کا خطبہ جمعہ و عیدین میں نام لینا خطبہ کی ضروریات میں سے نہیں ہے جسکے ترک سے خطبہ ناقص یا کالعدم ہو جائے ہاں عرصہ دراز سے خطبائے مسلمین کا تعامل اس طرح جاری ہے کہ خلیفہ وقت کا نام لیکر اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور نام لینا اور دعا کرنا جائز تھا پھر تعامل سے اس جواز کو اور زیادہ تقویت ہو گئی اس لئے خطیب کو خلیفہ کا نام صراحۃ لینا اور اس کے لئے دعا کرنا ہی مناسب ہے اور جب ترک ذکر میں کسی فتنہ کا اندیشہ ہو تو ذکر کرنا مؤکد ہو جاتا ہے شامی میں ہے وایضا فان الدعاء للسلطان علی المنابر قد صار الان من شعار السلطنة فمن ترکه یخشی علیه ولذا قال بعض العلماء لوقیل ان الدعاء له واجب لما فی ترکه من الفتنة غالبا لم یبعد

(۱) (مجموعة الفتاویٰ علی هامش خلاصة الفتاویٰ' کتاب الصلاة ۱/۱۵۱ ط امجد اکیڈمی' لاهور)

انتھی(۱)(ردالمحتار شامی جلد ا مطبوعہ مصر) واللہ اعلم۔

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

ہاتھ میں عصا لیکر خطبہ پڑھنا

(سوال) ہمارے شہر جام نگر اور تمام علاقہ کاٹھیاواڑ میں جمعہ کا خطبہ پڑھتے ہوئے ایک عصا نہایت مزین لے کر کھڑا ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے اور بغیر عصا خطبہ پڑھنے کو خلاف سنت بتایا جاتا ہے اور تارک کو ملامت اور طعن کیا جاتا ہے اور ثبوت زید یہ دیتا ہے کہ شامی میں اور حدیث ابو داؤد میں ایسا کرنا سنت لکھا ہے عمرو جو تارک ہے کہتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس وقت تک عصا لے کر خطبہ پڑھا ہے جب تک منبر نہیں بنا تھا بعد میں ایسا کرنا منقول نہیں اور عالمگیری میں خلاصہ اور محیط کے حوالہ سے قوس پر یا عصا پر سہارا لگا کر خطبہ پڑھنا مکروہ لکھا ہے اس لئے ضروری ہے کہ علمائے کرام ساتھ دلیل کے ہم کو اس کا فیصلہ دیں کہ مفتی بہ حنفیہ کے نزدیک کیا قرار پایا ہے اور ابو داؤد اور شامی میں سنت ہونے کا جواب کیا ہے؟ بینوا توجروا

(جواب ۴۰۳) عصا ہاتھ میں لیکر خطبہ پڑھنا ثابت تو ہے لیکن بغیر عصا کے خطبہ پڑھنا اس سے زیادہ ثابت ہے پس حکم یہ ہے کہ عصا ہاتھ میں لینا بھی جائز ہے اور نہ لینا بہتر ہے اور حنفیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے پس اس کو ضروری سمجھنا اور نہ لینے والے کو طعن تشنیع کرنا درست نہیں اسی طرح لینے والے کو بھی ملامت کرنا درست نہیں(۲) فقط

اردو زبان میں خطبہ خلاف سنت متوارثہ ہے

(سوال) مسلمانان ہند کی مادری زبان عموماً اردو ہے اور وہ زبان عربی سے بالکل ناواقف ہیں نیز اکثر مسلمان احکام ضروریہ سے بھی بے بہرہ ہیں خطبہ عربی میں پڑھا جاتا ہے تو وہ اس سے کچھ بھی مستفید نہیں ہو سکتے اس لئے ان کی خواہش ہے کہ عربی خطبہ پڑھنے کے بعد اس کا ترجمہ اردو زبان میں پڑھا جائے یہ جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی سید ابوالحسن قادری مددگار صدارت العالیہ سرکار عالی

(جواب ۴۰۴) خطبہ کا مسنون اور متوارث طریقہ یہی ہے کہ خالص عربی نثر میں ہو قرن اول میں بلاد عجم فتح ہوئے اور ان میں تبلیغ و تفہیم کی ضرورت آج سے بہت زیادہ تھی اور صحابہ کرامؓ میں عجمی زبان جاننے والے بھی موجود تھے اس کے باوجود کہیں ثابت نہیں کہ عجمی زبان میں خطبہ پڑھا گیا ہو تفہیم کی ضرورت سے انکار نہیں لیکن طریقہ ماثورہ کی حفاظت بھی ضروری ہے اس کی اچھی صورت یہ ہے کہ خطیب مادری

---

(۱) (باب الجمعة ۲ / ۱۴۹ ط سعید)

(۲) ویکرہ أیتکی علی قوس أو عصا (درمختار) و فی الشامیة: " فی روایة أبی داؤد انه ﷺ قام ای فی الخطبة متوکئا علی عصا أو قوس و نقل القهستانی عن عبدالمحیط أن اخذ العصا سنة کالقیام (باب الجمعة ۲ / ۱۶۳ ط سعید)

زبان میں خطبہ شروع کرنے سے پہلے تقریر کردے اور ضروریات دینیہ بیان کردے پھر خطبہ کی اذان ہو اور دونوں خطبے عربی زبان میں پڑھے۔ (۱) خطبوں میں اختصار کو مدنظر رکھے مثلاً مادری زبان میں ۳۰ منٹ تقریر کرے اور دونوں عربی خطبے پانچ سات منٹ میں ختم کردے اسی طرح تبلیغ و تفہیم کی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی اور خطبہ کی ہیئت مسنونہ ماثورہ بھی محفوظ رہے گی۔

کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ۔ ۲ جمادی الاخری ۱۳۵۰ھ

اذان ثانی خطیب کے سامنے ہونی چاہئیے

(سوال) جو اذان بروز جمعہ بوقت خطبہ خطیب کے سامنے پڑھی جاتی ہے وہ مسجد کے اندر خطیب کے سامنے ہو یا باہر صحن میں؟

(جواب ٤٠٥) خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے ہونا چاہئیے خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر۔ احادیث میں دونوں طرح وارد ہوا ہے شامی جلد اول میں ہے۔ **وقال ابن سعد بالسند الی ام زید بن ثابت کان بیتی اطول بیت حول المسجد فکان بلال یؤذن من اول ما اذن الی ان بنی رسول اللہ ﷺ مسجدہ فکان یؤذن بعد علی ظهر المسجد وقد رفع له شئی فوق ظهره** (۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود مسجد کے اندر اذان دینا جائز ہے اور خود آنحضرت ﷺ کی مسجد میں حضرت بلال چھت پر اذان کہتے تھے۔ واللہ اعلم۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ سنہری مسجد دہلی

ڈھائی ہزار والی آبادی میں جمعہ کا حکم

(سوال) ایک بستی کی آبادی ڈھائی ہزار ہے تین مسجدیں ہیں آبادی کل مسلمانوں کی ہے ضروریات بھی میسا ہوتی ہے عرصہ دراز سے تینوں مسجدوں میں جمعہ ہو رہا ہے ایک بزرگ صاحب آج کل آئے ہوئے ہیں وہ جمعہ نہیں پڑھ رہے ہیں۔ المستفتی نمبر ۹۹ فدا حسین موضع شوندت ڈاکخانہ کھور ضلع میرٹھ

۱۸ رجب ۱۳۵۲ھ ۸ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ٤٠٦) جمعہ کی نماز اس بستی میں پڑھی جائے مگر تینوں مسجدوں میں سے ایک مسجد میں جو بڑی ہو پڑھنی چاہئیے اگر تینوں مسجدیں برابر ہوں تو جو مسجد سب سے قدیم ہو اس میں پڑھیں (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) فانه لاشك فی ان الخطبة بغیر العربیة خلاف السنة المتوارثة عن النبی والصحابة فیکون مکروها تحریما الخ (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة باب الجمعة ۱/۲۰۰ ط سعید)

(۲) (باب الاذان مطلب فی المنابر للاذان ۱/۳۸۷ ط سعید) قال فی التنویر و شرحه و یؤذن ثانیا بین یدی الخطیب الخ وفی الشامیة " ای سبیل السنة کما یظهر من کلامهم (باب الجمعة ۲/۱۶۱ ط سعید)

(۳) وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها اسواق الخ (رد المحتار باب الجمعة ۲/۱۳۸ ط سعید)

جمعہ و عیدین کا خطبہ فارسی میں پڑھنا مکروہ ہے

(سوال) جمعہ کا خطبہ اردو فارسی نظم میں پڑھنا کیسا ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۱۷ حاجی عبدالبشیر خیاط قصبہ دار نگر ضلع بجنور ۲۸ رجب ۱۳۵۲ھ ۱۸ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۴۰۷) جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں نظم اردو فارسی پڑھنی مکروہ ہے کیونکہ قرون اولیٰ میں باوجود ضرورت شدیدہ کے عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھے جانے کا ثبوت نہیں ہے اور نثر کے سوا نظم کا وجود نہیں پس طریقہ مسنونہ متوارثہ یہی ہے کہ خطبہ خالص عربی نثر میں پڑھا جائے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) مسجد میں آتے ہی سنت پڑھی جائیں
(۲) اذان ثانی کا جواب زبان سے نہ دیا جائے
(۳) خطبہ کا کچھ حصہ عربی اور کچھ اردو میں پڑھنا
(۴) دوران خطبہ منبر سے ایک زینہ اتر کر پھر چڑھنا بدعت ہے

(سوال) یہاں کی جامع مسجد میں اکثر اصحاب اس طور پر نماز جمعہ ادا فرماتے ہیں کہ جمعہ مسجد میں آکر بیٹھ جاتے ہیں جب ایک بجتا ہے تو اقامت خطبہ سے پہلے ایک تکبیر کہی جاتی ہے جب تکبیر پکاری جاتی ہے تو ادائیگی سنت کے لئے اٹھتے ہیں اور سنت ادا کر لینے کے بعد خطبہ ہوتا ہے تکبیر و خطبہ کے ساتھ مصلی و امام تکبیر کے الفاظ کو مثل اذان کی تکبیر کے دہرا کر دعا مانگتے ہیں بعدہ خطبہ شروع ہوتا ہے جب امام خطبہ اولیٰ عربی کے اندر پڑھ چکتے ہیں تو اس کا ترجمہ اردو اشعار میں کر کے خطبہ اولیٰ ختم کرتے ہیں جس سے خطبہ طویل ہو جاتا ہے بعد اس کے خطبہ ثانیہ میں جب الفاظ دعائیہ بحق سلطان المسلمین کے مقام پر آتے ہیں تو منبر کے دوسرے زینے پر نیچے آجاتے ہیں اور الفاظ دعائیہ ختم ہونے پر پھر سابق مقام پر اوپر جاتے ہیں ایسی صورت میں آپ سے نمبروار ذیل کی صورتوں پر طالب فتویٰ ہوں کہ ان صورتوں میں از روئے عقائد حنفیہ امام اعظم کا کیا طریقہ تھا مفصل مع حوالجات جواب سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

(۱) سنت قبل جمعہ کو تکبیر کے لئے مؤخر کر دینا (یعنی تکبیر صلوۃ پر سنت پڑھنا) کیسا ہے ؟

(۲) صلوۃ خطبہ کے الفاظ کو مثل الفاظ اذان دہرانا اور دعا مانگنا چاہئے یا نہیں ؟

(۳) خطبہ کے اندر خطبہ اولیٰ عربی زبان میں پڑھ چکنے کے بعد ترجمہ اردو اشعار میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۴) خطبہ ثانیہ میں مقام دعا حق سلطان المسلمین ایک زینہ نیچے آجانا اور پھر اوپر چلا جانا کیسا ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۳۰ محمد اسماعیل مقام گوندیا سی پی ۴ شعبان ۱۳۵۲ھ

---

(۱) فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي والصحابة فيكون مكروها تحريما الخ (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية باب الجمعة ۲/ ۲۸۷ ط سعيد)

(جواب ٤٠٨) (۱) سنتوں کو تکبیر کے لئے مؤخر کرنا نہیں چاہئیے بعد زوال مسجد میں آنے والے آتے ہی سنتیں پڑھ لیں بلکہ بیٹھنے سے پہلے سنتوں کو شروع کر دینا چاہئیے یہی مسنون ہے(۱)

(۲) اذان خطبہ کو دہرانا امام اعظمؒ کے نزدیک نہیں چاہئیے(۲) اذان اول کی اجابت مسنون ہے نہ اذان خطبہ کی لیکن امام محمدؒ کے نزدیک اذان خطبہ کا جواب بھی دینا جائز ہے اگر اس کے موافق دہرائیں تو آہستہ دل میں دہرائیں۔

(۳) اردو ترجمہ نثر یا نظم میں کرنا سنت متوارثہ کے خلاف ہے(۳)

(۴) بوقت دعائے سلطان المسلمین ایک زینہ نیچے اترنا اور پھر چڑھنا بے دلیل ہے اور مکروہ ہے(۴)

(۱) جو خطبہ پڑھے وہی نماز پڑھائے
(۲) امام کے ساتھ محراب میں کھڑے ہونا
(۳) خطبہ میں حاکم وقت کا نام لینا

(سوال) (۱) جمعہ کے دن ایک آدمی خطبہ پڑھے اور دوسرے آدمی سے نماز پڑھانے کو کہے تو جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) دو آدمی اگر محراب کے اندر کھڑے ہو جائیں اور ایک آدمی نماز پڑھائے اور دوسرا یونہی مقتدی بن کر کھڑا ہو اور باقی سب لوگ پیچھے کھڑے ہوں جگہ بھی بہت ہے صفوں کے اندر اگر سو دو سو آدمی اور بھی ہوں تو آسکتے ہیں تو ایسی صورت میں امام کے ساتھ کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) اگر ایک معمولی نواب کسی گاؤں کے اندر آجاویں اور جمعہ کا دن ہو اور خطبہ پڑھنے کے وقت ان کا نام خطبہ میں شامل کر کے پڑھ لیں تو جائز ہے یا نہیں ؟

(۴) ایک معمولی نواب کے لئے مسجد سے نکلتے وقت ایک آدمی پکار کر کہے کہ ان نواب کا نام زور سے لیں اور باقی سب لوگ آمین کہیں یہ جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۳۲۴ مولوی عبدالستار صاحب نول گڑھ

۴ شعبان ۱۳۵۲ھ ۲۳ نومبر ۱۹۳۳ء

---

(۱) عن أبی قتادة أن رسول الله ﷺ قال: " إذا جاء أحدكم المسجد فليصل سجد تين من قبل أن يجلس " (ابو داؤد، باب ماجاء فی الصلوۃ عند دخول المسجد ١/ ٧٤ ط مکتبه امدادیه ملتان)

(۲) قال فی التنویر : " إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا کلام الخ (باب الجمعة ٣/ ١٥٨ ط سعید) وفی الشامیة: ینبغی أن لا یجیب بلسانه اتفاقاً بین یدی الخطیب الخ (باب الأذان ١/ ٣٩٩ ط سعید)

(۳) فإنه لا شك فی أن الخطبة بغیر العربیة خلاف السنة المتوارثة من النبی والصحابة فیکون مکروها تحریماً الخ (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة، باب الجمعة ١/ ٢٠٠ ط سعید)

(٤) قال ابن حجر فی التحفة : " ویحث أن ما اعتید الآن من النزول فی الخطبة الثانیة إلی درجة سفلی ثم العود بدعة قبیحة شنیعة (رد المحتار، باب الجمعة ٢/ ١٦١ ط سعید)

(جواب ۴۰۹) (۱) ایک شخص جمعہ کا خطبہ پڑھے اور اس کی اجازت سے دوسرا شخص نماز پڑھاوے تو یہ جائز ہے(۱)
(۲) جگہ ہو تو امام کے ساتھ کھڑا نہ ہونا چاہئے جگہ کی تنگی ہو تو ایسی صورت میں جائز ہے۔
(۳) معمولی نواب اگر باختیار حاکم ہو تو خیر ورنہ غیر مختار اور غیر حاکم کا نام لینا مکروہ ہے(۲)
(۴) اس سوال سے کیا غرض ہے سمجھ میں نہیں آئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

پہلے وعظ کر کے خطبہ عربی میں پڑھا جائے

(سوال) ایک فریق جمعہ کے عربی خطبہ کے مفہوم کو اردو میں سننے اور سمجھنے پر مصر ہے دوسرا فریق ایسا کرنے کو بدعت اور مکروہ تحریمی قرار دیتا ہے اور اپنی تائید میں متقدمین کے مسلک کو پیش کرتا ہے اختلاف کو مٹانے کا کوئی احسن طریقہ تحریر فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۲۴۶ حافظ عبدالشکور صاحب
۴ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۲۰ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۱۰) اس اختلاف کو مٹانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ خطیب منبر پر جا کر پہلے اردو میں وعظ و نصیحت جو کچھ کرنا ہو کر دے پھر خطبہ کی اذان کہلوائے اور دونوں خطبے خالص عربی میں نہایت مختصر طور پر پڑھ دے کہ دونوں خطبوں میں پانچ منٹ صرف ہوں اس طرح دونوں فریق مطمئن ہو جائیں گے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

خطبہ جمعہ سے پہلے وعظ

(سوال) خطبہ جمعہ سے قبل وعظ کہنا کیسا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۴۷ انوار الحق صاحب
ناظم مدرسہ تجوید القرآن قصبہ جہالو ضلع بجنور۔ ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ ۲۰ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۱۱) خطبہ جمعہ سے قبل وعظ کہنا جائز ہے اس میں کوئی وجہ ممانعت کی نہیں ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

غیر عربی میں خطبہ درست نہیں

(سوال) پنجاب میں رواج ہے کہ جمعہ کو بعد اذان ثانی کچھ خطبہ عربی میں پڑھ کر اردو میں نثر او نظماً وعظ سنتے ہیں بعض جگہ کئی کئی گھنٹے تک وعظ کے بعد خطبہ پورا کرتے ہیں کہیں کہیں دوران وعظ میں چندہ بھی جمع

---

(۱) لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب لأن الجمعة مع الخطبة كشئ واحد فلا ينبغي أن يقيمهما اثنان وإن فعل جاز الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۲ / ۱۶۱ ط سعيد)
(۲) فإن الدعاء للسلطان على المنابر قد صار الآن من شعار السلطنة فمن تركه يخشى عليه الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۲ / ۱۴۹ ط سعيد)

ہوتا ہے نماز جمعہ میں اکثر تین خطبے پڑھے جاتے ہیں کیا یہ حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے ؟ نیز قبل از نماز پنجگانہ یا قبل از اذان خطبہ مسائل واحکام دین بیان کرنا (تاکہ لوگ بیکار نہ بیٹھیں) جائز ہے یا نہیں ؟ یہ عاجز سہارنپور کا باشندہ ہے اور مظاہر علوم سے تحصیل عربی کئے ہوئے ہے اس کا طرز عمل یہ ہے کہ پہلی اذان کے بعد جب تک خطبہ کا وقت ہو اور لوگ جمع ہوں کچھ ضروری مسائل سنا دیتا ہے اس پر اہل حدیث لوگ خصوصاً مولوی عبداللہ امر تسری اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کہیں ثابت نہیں نہ حضور ﷺ نے نہ صحابہ نے نہ اس کے بعد تابعی نے کیا یہ بدعت ہے اس سے بچنا چاہئے گویا خطبوں کے درمیان وعظ حضور ﷺ سے ثابت ہے۔

المستفتی نمبر ۲۶۱ حافظ محمد اسحاق انصاری۔ روپڑ۔ ضلع انبالہ۔ ۷ محرم ۱۳۵۳ھ م ۲۲ اپریل ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۱۲) خطبہ جمعہ خالص عربی نثر میں ثابت ہے عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں خطبہ ثابت نہیں (۱) اگرچہ صحابہ بلکہ خلفاء کے زمانے میں ہی فارس وغیرہ فتح ہوگئے تھے اور لوگوں کے جدید الاسلام ہونے کی وجہ سے ان کی زبان میں تفہیم کی ضرورت آج سے بہت زیادہ تھی اور صحابہ اور مسلمانوں میں فارسی زبان جاننے والے بھی کثرت سے موجود تھے باوجود اس کے عربی کے سوا کسی اور زبان میں خطبہ نہیں پڑھا گیا اس لئے خطبہ کا طریقہ ماثورہ متواترہ مسنونہ یہی ہے کہ وہ خالص عربی میں ہو اور تطویل خطبہ کی بھی مکروہ ہے کہ وہ لوگوں کے لئے پریشان کن ہے اب رہا افہام و تفہیم کا مسئلہ تو اس کی بہتر صورت یہی ہے کہ خطبہ کی اذان سے پہلے مقامی زبان میں لوگوں کو وقتی ضروریات اور ضروری مسائل سے آگاہ کر دیا جائے لیکن تطویل نہ کی جائے تھوڑا سا وقت جو قابل برداشت ہو اس میں صرف کیا جائے اس کے بعد خطبہ کی اذان ہو اور خطبہ مسنونہ طریقہ پر خالص عربی میں ادا کیا جائے دونوں خطبے صرف پانچ منٹ میں ادا ہو سکتے ہیں اس میں کوئی کراہت نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) عنوان مثل بالا

(۲) ایضاً (۳) ایضاً

(سوال) المستفتی نمبر ۳۱۵ محمد رفیق امام جامع مسجد (گیا) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۷ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۱۳) خطبہ جمعہ کی اذان سے پہلے مقامی زبان میں وعظ و نصیحت کرنا جائز ہے خطبہ خالص عربی میں مسنون و متوارث ہے اس کو غیر عربی سے مخلوط نہ کرنا چاہئے اگر کیا جائے گا تو مسنون متوارث کے خلاف ہوگا۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب ۴۱۴) (المستفتی نمبر ۴۱۱ سید محبوب حسن (نرائن گڈھ)

۲۶ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ ۶ اکتوبر ۱۹۳۴ء

---

(۱) فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي والصحابة فيكون مكروها تحريما الخ (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية باب الجمعة ۱ / ۲۰۰ ط سعيد) (۲) (ایضا)

جمعہ کے خطبہ میں اردو فارسی نظم یا نثر خلاف سنت ہے(۱) عربی نثر میں خطبہ پڑھنا مسنون ہے خطبہ سے پہلے اپنی زبان میں وعظ و نصیحت کر سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب ۴۱۵) (المستفتی نمبر ۵۲۷ مرزا یوسف بیگ) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۹ جولائی ۱۹۳۵ء

جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کے جمع عظیم کے اجتماع اور اظہار شوکت اسلامیہ کو بڑا دخل ہے اجتماع عظیم کے سامنے خطبہ دینے کا مقصد ان کی دینی اجتماعی ضرورتوں کا رفع کرنا اور ان کے متعلق احکام اسلامیہ کی تبلیغ کرنا ایک جم غفیر کا اجتماعی حیثیت سے رب العالمین کی بارگاہ معلیٰ میں سربجود ہونا ہے ایک خطبہ ہمیشہ کے لئے معین کر لینا اور ہر جمعہ کو وہی پڑھ دینا اگرچہ خطبہ کی فرضیت کو پورا کر دیتا ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ مقصد خطبہ سے دور ہے بااین ہمہ خطبہ میں نظم و اشعار پڑھنا غیر ضروری باتیں کرنا عربی نثر کے سوا اور کسی طرح خطبہ پڑھنا بھی سنت قدیمہ متوارثہ کے خلاف ہے(۲) بہتر صورت یہ ہے کہ اذان خطبہ سے پہلے مقامی زبان میں تمام ضروری باتیں بیان کر دی جائیں جن میں مسائل بھی ہوں اور دوسری اجتماعی اور سیاسی ضروری باتیں بھی ہوں اس کے بعد خطبہ کی اذان ہو اور زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ میں دونوں خطبے خالص عربی زبان میں ادا کر لئے جائیں اس میں ضرورت بھی پوری ہو جائے گی اور خطبہ کی وضع مسنون بھی قائم رہے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اذان ثانی کے بعد دعا زبان سے نہ پڑھی جائے

(سوال) اذان ثانیہ جو منبر کے سامنے دی جاتی ہے اس کے بعد دعا ہے جیسا کہ اذان اول میں مسنون ہے اللھم رب ھذہ الدعوۃ الخ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۳۳۱ (از نرانسوال) ۲ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۱۹ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۱۶) اذان ثانیہ کے بعد دعائے اذان نہیں پڑھنی چاہئے لیکن اگر کوئی شخص دل ہی دل میں بغیر ہاتھ اٹھائے امام کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے پڑھ لے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اگرچہ نہ پڑھنا بہتر ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بوقت خطبہ ہاتھ میں عصا لینا کیسا ہے؟

(سوال) گرفتن عصا وقت خطبہ خواندن نماز جمعہ چگونہ است؟

---

(۱) (ایضاً حوالہ صفحہ گزشتہ حاشیہ ۱)
(۲) فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي ﷺ والصحابة فيكون مكروها تحريما الخ (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية' باب الجمعة ۱ / ۲۰۰ ط سعيد)
(۳) و ينبغي أن لا يجيب بلسانه اتفاقا بين يدي الخطيب الخ (الدر المختار' باب الأذان' ۱ / ۳۹۹ ط سعيد)

المستفتی نمبر ۴۷۸ ماسہ میاں (مولمین برما) ۱۱ صفر ۱۳۵۴ھ ۱۵ مئی ۱۹۳۵ء
(ترجمہ) خطبہ جمعہ کے وقت ہاتھ میں عصا تھامنا کیسا ہے؟
(جواب ۴۱۷) بوقت خطبہ عصا گرفتن لازم نیست اگر ملک عنوۃً فتح کردہ شود خطیب را شمشیر حمائل کردن مستحب است اما عصا بدست گرفتن بدعت ہم نیست۔ چہ از روایتے معلوم میشود کہ آنحضرت ﷺ ہم بوقت خطبہ عصا یا قوس بدست گرفتہ اند۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'
(ترجمہ) خطبہ کے وقت عصا تھامنا لازم نہیں ہے اگر ملک کو غلبہ کے ساتھ فتح کیا جائے تو خطیب کو شمشیر کا حمائل کرنا مستحب ہے لیکن ہاتھ میں عصا لینا بدعت بھی نہیں ہے کیونکہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی خطبہ کے وقت عصا یا قوس تھامی ہے۔ (۱) واللہ اعلم' محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سوال مثل بالا
(سوال نمبر ۵۰۹)
(جواب ۴۱۸) خطبہ جمعہ میں عصا ہاتھ میں رکھنا نہ واجب ہے نہ مسنون مؤکدہ زیادہ سے زیادہ مستحب مندوب ہے جس کو سنن زوائد میں شمار کیا جا سکتا ہے اور "در مختار" میں سے تو "خلاصہ" سے عصا پر خطیب کا سہارا دینا مکروہ لکھا ہے مگر قہستانی نے اس کو سنت بتایا ہے سنت سے مراد وہی سنت غیر مؤکدہ ہے (۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۶ جولائی ۱۹۳۵ء

خطبہ میں بادشاہ وقت اور خادم الحرمین کے لئے دعا
(سوال) ایک خطیب نے جمعہ کے دوسرے خطبہ میں حجاز مقدس کے بادشاہ سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن السعود کا نام لیکر دعا کی سامعین خطبہ کہتے ہیں کہ مسلمانان ہندان کو بادشاہ تسلیم نہیں کرتے ان کا نام نہیں پڑھنا چاہئے اور بعض لوگ انکو برا بھلا کہتے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟
المستفتی نمبر ۴۹۲ حافظ اسماعیل بادبان۔ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ ۱۸ جون ۱۹۳۵ء
(جواب ۴۱۹) سلطان ابن سعود حجاز و نجد کے حکمراں اور حرمین شریفین کے خادم و محافظ ضرور ہیں ان کے لئے خطبہ میں دعا کرنا بحیثیت خادم حرمین شریفین ہونے کے جائز ہے ان کو برا بھلا کہنا گناہ ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) وفي راوية أبي داؤد أنه ﷺ قام أي في الخطبة متوكئا على عصا أو قوس و نقل القهستاني عن عبدالمحيط أن أخذ العصا سنة كالقيام (رد المحتار باب الجمعة ۲/ ۱۶۳ ط سعيد)
(۲) وفي الخلاصة: " يكره أن يتكئ على قوس أو عصا (در مختار) و في الشامية: " و نقل القهستاني عن عبدالمحيط أن أخذ العصا سنة كالقيام " (رد المحتار باب الجمعة ۲/ ۱۶۳ ط سعيد) فقہاء کی عبارات مختلف ہیں یہ کہ فی نفسہ سنت غیر مؤکدہ ہے اور اس کا ترک امر مکروہ اور بدعت ہے
(۳) أما ما اعتيد في زماننا من الدعاء للسلاطين العثمانية أيد هم الله، كسلطان البرين والبحرين و خادم الحرمين الشريفين فلا مانع منه (رد المحتار باب الجمعة ۲/ ۱۵۰ ط سعيد)

خطبہ عربی میں اور مختصر ہونا چاہئیے اور منبر پر پڑھا جائے

(سوال) ایک امام صاحب نماز جمعہ پڑھاتے ہیں خطبہ بہت طویل پڑھتے ہیں کہ ایک گھنٹہ ہو جاتا ہے خطبہ کا پورا ترجمہ بھی پڑھتے ہیں کیا خطبہ کا ترجمہ پڑھنا بھی ضروری ہے ؟

ایک شخص کا بیان ہے کہ مسجد میں جو منبر ہوتا ہے وہ رسول کریم ﷺ کے وقت میں نہ تھا منبر حضرت امیر معاویہؓ نے ایجاد کیا ہے حقیقت اس کی کیا ہے ؟

المستفتی نمبر ۵۲۴ شیخ شفیق احمد (ضلع مونگھیر) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۹ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۲۰) خطبہ زیادہ طویل پڑھنا نہیں چاہئیے(۱) اور خطبہ کا ترجمہ پڑھنا بھی طریقہ مسنونہ متوارثہ کے خلاف ہے۔

منبر آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بنا اور حضور اکرم ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا ہے یہ بات غلط ہے کہ منبر کی ایجاد حضرت امیر معاویہؓ نے کی ہے(۲)　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) خطبہ میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال مباح ہے
(۲) خطبہ عربی زبان میں ہونا چاہئیے

(سوال) (۱) کیا بروز جمعہ مجمع کی کثرت کو پیش نظر رکھ کر لاؤڈ اسپیکر کا مسجد میں استعمال کرنا شرعاً جائز ہے ؟ تاکہ اس کے ذریعہ دور دور کے لوگوں تک خطیب کا خطبہ اور ضروری مسائل کی تقریر پہنچائی جا سکے نماز کی قرأت اور تکبیرات کی تبلیغ ہرگز مقصود نہیں ہے۔

(۲) جمعہ کے خطبہ میں اردو زبان میں وعظ کرنا یا اردو میں خطبہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۸۹ حضرت مولانا مولوی سید سراج احمد صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ جامع ڈابھیل ضلع سورت۔ ۲۴ رمضان ۱۳۵۴ھ م ۲۱ دسمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۲۱) (۱) لاؤڈ اسپیکر (آلہ مکبر الصوت) کا خطبہ اور وعظ میں استعمال کرنا جائز ہے کوئی وجہ عدم جواز کی نظر نہیں آتی(۳) (۲) خطبہ جمعہ و عیدین میں خالص عربی نثر میں خطبہ پڑھنا مسنون و متوارث ہے اس کے سوا کسی اور زبان میں خطبہ پڑھنا یا عربی نظم میں پڑھنا سنت متوارثہ کے خلاف ہے گو خطبہ تو ادا ہو جائے گا لیکن خلاف متوارث ہونے کی وجہ سے کراہت ہو گی(۴)　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) والرابع عشر تخفيف الخطبتين بقدر سورة من طوال المفصل و يكره التطويل (عالمگيرية' الباب العاشر في صلاة الجمعة ۱/۱٤۷ ط ماجديه) (۲) ومن السنة أن يخطب عليه اقتداءً به ﷺ ...... و منبره ﷺ كان ثلث درج غير المسمات بالمستراح الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱٦۱ ط سعيد) عن عبدالله بن مسعود قال : " كان رسول الله ﷺ إذا استوى على المنبر استقبلناه بوجوهنا " (ترمذي باب في استقبال الإمام إذا خطب ۱/۱۱٤ ط سعيد) (۳) ومن المستحب ان يرفع الخطيب صوته الخ (عالمگيرية' الباب العاشر في صلاة الجمعة ۱/۱٤۷ ط ماجديه) (٤) فإنه لا شك في ان الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي ﷺ والصحابة فيكون مكروها تحريما الخ (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية' باب الجمعة ۱/۲۰۰ ط سعيد)

(۱) خطبہ اردو میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟
(۲) خطبہ کی حقیقت کیا ہے ؟
(۳) وعظ خطبہ سے پہلے ہو اور خطبہ عربی میں
(۴) نماز کے بعد انتشار فی الارض کا حکم اباحت کے لئے ہے

(سوال) خطبہ جمعہ و عیدین کس زبان میں ہونے چاہئیں ؟ (۲) شریعت مطہرہ میں خطبہ کی حقیقت کیا ہے ؟ (۳) لوگوں کا اشتیاق اگر ہو تو کیا خطبہ کا ترجمہ خطیب کو سنا دینا چاہئیے یا نہیں ؟ اگر ترجمہ سنایا جائے تو کب ؟ خطبہ کے بعد ہی منبر پر یا فراغ جمعہ کے بعد ؟ (۴) بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ کے فرضوں کے بعد فوراً ہی مسجد سے چلے جانا چاہئیے اور کسی ضرورت شرعی (مثلاً ادائیگی سنن و نوافل سماع وعظ تسبیح و ذکر وغیرہ) کی وجہ سے بھی مسجد میں ٹھہرے رہنا جائز نہیں اور کہتے ہیں کہ آیت کریمہ **فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا** سے یہ حکم ثابت اور منصوص ہے کیا اس انتشار سے یہی مراد ہے مسائل مذکورہ میں شوافع اور احناف کے نزدیک اگر کوئی گنجائش اور توسع ہو تو ظاہر کر دی جائے یہ اختلاف وہاں ہے جہاں حنفی اور شافعی دونوں قسم کے حضرات ہیں۔

المستفتی نمبر ۴۴۷ عبدالحمید کوکنی ڈابھیل ضلع سورت۔
۲ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۰ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۲۲) (۱) خطبہ جمعہ و عیدین کا طریقہ مسنونہ متوارثہ یہی ہے کہ وہ عربی زبان میں ہو قرون اولیٰ میں باوجود ضرورت شدیدہ کے کہ اس وقت تعلیم احکام اور تبلیغ اسلام کی بہت زیادہ ضرورت تھی خطبہ کی عربیت کو ترک نہیں کیا گیا (۱) (۲) خطبہ کی حیثیت وعظ و تذکیر اور ذکر اللہ سے مرکب ہے (۲) (۳) اگر خطیب اذان خطبہ سے پہلے مقامی زبان میں پندرہ بیس منٹ پہلے کچھ ضروری باتیں بیان کر دے اس کے بعد اذان کہلوائے اور بقدر ادائیگی فرض مختصر طور پر عربی میں خطبہ پڑھ لے (اور خطبتین کے لئے پانچ سات منٹ کافی ہوں گے) تو یہ صورت بہتر ہو گی (۴) انتشار فی الارض کا حکم محض اباحت کے لئے ہے نہ وجوب کے لئے اور اگر کوئی مسجد میں نوافل و سنن پڑھے یا مسجد سے نہ نکلے شام تک بیٹھا رہے تو وہ کسی قسم کا گناہ گار نہیں ہو گا جیسے کہ مسجد سے نکلنے والے اگلے حکم **وابتغوا من فضل اللہ** کے ترک سے گناہ گار نہیں ہوں گے اس کے علاوہ **قضیت الصلوۃ** کا مفہوم فراغ من السنن والنوافل تک وسیع ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) فانہ لا شک فی أن الخطبۃ بغیر العربیۃ خلاف السنۃ المتوارثۃ من النبی ﷺ والصحابۃ فیکون مکروھا تحریما الخ (عمدۃ الرعایۃ علی ھامش شرح الوقایۃ باب الجمعۃ ۱/ ۲۰۰ ط سعید)
(۲) الشرط الرابع الخطبۃ و عند الجمھور و رکنھا مطلق ذکر اللہ تعالی بنیتھا الخ و سنتھا کونھا خطبتین بجلسۃ بینھما تشمل کل منھما علی الحمد و التشھد والصلاۃ علی النبی ﷺ (حلبی کبیر فصل فی صلاۃ الجمعۃ ص ۵۵۵ ط سھیل اکیڈمی لاھور)

غیر عربی میں خطبہ سنت متوارثہ کے خلاف ہے

(سوال) خطبہ جمعہ کا مع عربی کے ترجمہ کرنا یا صرف اردو میں بطور وعظ و لیکچر پڑھنا امام شافعیؒ و امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے یا نہیں ؟ اگر اردو یا کسی غیر عربی زبان کو خطبہ میں شامل کیا جائے تو جمعہ ادا ہو جائے گا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۹۷۰ مولوی محمد علی (جوہانس برگ افریقہ) ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۲۳) امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ کا عربی زبان میں ہونا شرط ہے بغیر عربی زبان کے خطبہ صحیح نہیں اور جب خطبہ صحیح نہیں ہوا تو جمعہ بھی صحیح نہیں ہو امگر خطبہ کے عربی ہونے سے مراد یہ ہے کہ خطبہ میں جتنی چیزیں فرض ہیں وہ سب عربی زبان میں ہوں (دونوں خطبوں میں حمد و صلوۃ اور وصیت اور وصیت بالتقوی کا ہونا اور کسی ایک خطبہ میں قرآن مجید کی کم از کم ایک آیت کی تلاوت کرنا اور دوسرے خطبہ میں مسلمانوں کے لئے دعا کرنا فرض ہے)ان کے علاوہ باقی خطبہ غیر عربی میں ہو تو سقوط فرضیت خطبہ کے منافی نہیں۔ **ویشترط کونها کلها عربیة . قوله کلها ای الخطبة ای کل ارکانها فی الخطبتین ولا یضر غیر العربیة فی غیر الارکان** (۱) (شرح منهاج الطالبین مع حاشیه للعلامة القلیوبی) اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عربیت شرط نہیں ہے یعنی غیر عربی زبان میں بھی خطبہ ادا ہو جائے گا لیکن غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھنا مکروہ بالاتفاق ہے کیونکہ قرون اولی مشہود لہا بالخیر میں اس کا تعامل نہ تھا (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

اردو یا فارسی میں خطبہ پڑھنے کا حکم

(سوال) جمعہ کا خطبہ عجمی زبان میں مثلاً اردو یا فارسی وغیرہ میں جائز ہے یا نہیں اور اگر عربی زبان میں ہو تو ترجمہ کرنا اردو وغیرہ میں کیسا ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۰۸۴ گل بادشاہ پشاوری (پشاور)

۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ۳۰ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۲۴) خطبہ جمعہ خاص عربی زبان میں پڑھنا چاہئیے اور منبر پر یعنی خطبہ پڑھنے کے وقت ترجمہ نہ کریں یہ طریقہ مرضیہ اسلاف رحمہم اللہ و سنت سنیہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم و اسوہ حسنہ حضرت سید المرسلین شفیع المذنبین ﷺ کا ہے اور اس سے خلاف کرنا مذموم و مکروہ ہے ۔ ملخصاً حررہ مولوی عبداللہ الطوروی عفی عنہ۔

ہو الموفق بے شک سنت قدیمہ متوارثہ یہی ہے کہ خطبہ خالص عربی نثر میں ہو اس کے خلاف کرنا

---

(۱) (باب الجمعة ۱/۲۷۸ ' ط دار إحیاء الکتب العربیة ' مصر)

(۲) فإنه لا شك في أ ن الخطبة بغیر العربیة خلاف السنة المتوارثة من النبی ﷺ والصحابة ؓ فیکون مکروهاً تحریما الخ (عمدة الرعایة ' علی هامش شرح الوقایة ' باب الجمعة ۱/ ۲۰۰ ط سعید)

مکروہ ہے اگرچہ خطبہ ادا ہو جائے گا مگر خلاف سنت ہونے کی وجہ سے کراہت آئے گی(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

خطبہ سے پہلے وعظ کرنا جائز ہے

(سوال) جمعہ کے روز جس وقت پہلی اذان جمعہ مسجد میں ہو جائے اس وقت کسی واعظ کو وعظ کہنا یا کہ خطیب جامع مسجد کو وعظ کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے اور وہ مسجد میں داخل ہو کر نماز سنت ادا کرتے ہیں وہ وعظ ہونے کی حالت میں نماز سنت ادا کر سکتے ہیں یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۱۰۸۶ جناب قاضی عبدالعزیز صاحب (انبالہ چھاؤنی)
۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م یکم اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ٤٢٥) اذان اول ہو جانے اور سنتیں ادا کرنے کے لئے وقت چھوڑ کر اذان خطبہ سے قبل اگر کچھ ضروری باتیں مسلمانوں کو مقامی زبان میں سنادی جائیں تو مضائقہ نہیں لوگوں کو خیال رکھنا چاہئے سنتیں پڑھ کر فارغ ہو جایا کریں یا علیحدہ جگہ میں سنتیں ادا کر لیا کریں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اذان ثانی خطیب کے سامنے دی جائے

(سوال) بروز جمعہ خطیب کے سامنے جو اذان کہی جاتی ہے وہ منبر کے سامنے قریب میں کھڑے ہو کر جیسا کہ عام دستور ہے دینی چاہئیے یا مسجد کے باہر صحن میں منبر سے دور تمام نمازیوں کے پیچھے کھڑے ہو کر دینی چاہئیے۔ المستفتی نمبر ۱۱۶۵ عبدالرحمن و محمد حسین صاحبان (ساورہ)
۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م یکم ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ٤٢٦) لازم نہیں کہ اذان خطبہ منبر کے پاس کہی جائے بلکہ منبر سے دور امام کے سامنے دو چار صفوں کے بعد یا تمام صفوں کے بعد بھی کہنی جائز ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) ولا يشترط كونها بالعربية فلو خطب بالفارسية جاز' كذا قالوا' والمراد بالجواز هو الجواز في حق الصلاة بمعنى انه يكفي لأداء الشرطية' و تصح بها الصلاة' لا الجواز بمعنى الإباحة المطلقة فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي ﷺ والصحابة فيكون مكروها تحريماً' وكذا قرأة الأشعار الفارسية والهندية فيها (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية' باب الجمعة ١ / ٢٠٠ ط سعيد)
(٢) ان تميماً الداري استأذن عمر في القصص سنين فأبى أن يأذن له' فاستأذنه في يوم واحد فلما أكثر عليه قال له ما تقول قال اقرأ عليهم القرآن وامرهم بالخير وأنهاهم عن الشر قال عمر ذلك الذبح ثم قال عظ قبل أن أخرج في الجمعة فكان يفعل ذلك يوما واحدا في الجمعة' (موضوعات كبير' مقدمة ص ٢٠' نور محمد' اصح المطابع' كراچی)
اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت تمیم داری کو وعظ کہنے کی اجازت دی تھی۔
(۳) صف اول کی قید تو کہیں نہیں ملتی البتہ کتب فقہ کے الفاظ ' إمام المنبر' عند المنبر اور بين يدي المنبر وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اذان منبر کے سامنے اور قریب ہونی چاہئیے و صرح به القهستاني حيث قال وإذا جلس الإمام على المنبر أذن أذانا ثانيا بين يديه (جامع الرموز' فصل في صلاة الجمعة ١ /٢٦٨ ط كريميه قزان)

غیر عربی میں خطبہ سنت متوارثہ کے خلاف ہے

(سوال) (۱) جمعہ کا خطبہ کونسی زبان میں پڑھنا جائز ہے اگر اردو یا کسی اور زبان میں جمعہ کا خطبہ پڑھا جائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے ؟(۲) جمعہ کے خطبہ کو الحمد للہ اور درود شریف سے شروع کر کے اما بعد فیا ایہا الناس کے بعد سارا مضمون اگر خطیب اردو یا کسی اور زبان میں بیان کردے تو اس کے لئے فقہائے کرام کا کیا فتویٰ ہے۔ المستفتی نمبر ۱۴۴۷ امام عبدالصمد (جنوبی افریقہ)
۹ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۰ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۷) (۱) خطبہ جمعہ و عیدین عربی زبان میں مسنون و متوارث ہے عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں خطبہ کل یا جزو پڑھنے سے خطبہ ادا تو ہو جائے گا مگر مکروہ ہوگا(۱) (۲) نمبر ۱ کا جواب اس کا بھی جواب ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حضرت شاہ اسمٰعیل کا خطبہ پڑھنا کیسا ہے ؟

(سوال) حضرت شاہ اسماعیل صاحب کا خطبہ جمعہ کیسا ہے اشعار خطبہ میں پڑھے جائیں یا نہیں ؟ عربی اردو اشعار میں کیا کچھ فرق ہے؟ المستفتی عزیز احمد مدرس مکتب عبداللہ پور (ضلع میرٹھ)

(جواب ۴۲۸) حضرت شاہ اسماعیل صاحب کا خطبہ جمعہ بہتر ہے اشعار خطبہ میں پڑھنا مکروہ ہے خواہ اردو ہوں یا فارسی یا عربی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اذان ثانی کا جواب اور دعا زبان سے نہ پڑھی جائے

(سوال) جمعہ کی اذان ثانی کا جواب اور دعائے وسیلہ کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ بصورت جواز ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی چاہیئے یا بغیر ہاتھ اٹھائے نیز اس اذان کے جواب و دعائے وسیلہ میں امام و قوم کا ایک ہی حکم ہے یا کچھ فرق ہے زید کہتا ہے کہ خطبہ کی دعا کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے اور نہ مانگنے والا گمراہ ہے زید کا یہ قول کیسا ہے اور جو لوگ بعد اذان خطبہ دعا نہیں مانگتے ان کا عمل کیسا ہے ؟
المستفتی نمبر ۱۸۳۶ محمد یاسین مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور۔ اعظم گڑھ

(جواب ۴۲۹) :و الموفق امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خروج امام سے ختم خطبہ تک کوئی کلام نہیں کرنا چاہئیے ان کی دلیل بخاری شریف کی یہ روایت ہے **عن سلمان الفارسی قال قال رسول اللہ ﷺ من اغتسل یوم الجمعۃ و تطھر بما استطاع من طھر ثم ادھن او مس من طیب ثم راح فلم یفرق**

---

(۱)فإنه لاشك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي ﷺ والصحابة فيكون مكروها تحريما الخ (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية باب الجمعة ۱ / ۲۰۰ ط سعيد)
(۲) (ايضا)

بین اثنین فصلی ما کتب له ثم اذا خرج الامام انصت غفرله ما بینه و بین الجمعة الاخریٰ (۱) (بخاری جلد اول ص ۱۲۴) کہ اس حدیث میں انصات کو خروج امام سے متعلق فرمایا ہے اور حدیث معاویہؓ کا جواب امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے یہ ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت امیر معاویہؓ چونکہ امام و خطیب تھے لہذا ان کی طرف سے اجابت اذان خارج نہیں کیونکہ انصات کا حکم غیر خطیب کے لئے ہے ہاں امام ابو یوسف و امام محمدؒ خطبہ شروع ہونے سے پہلے غیر خطیب کے لئے کلام دینی کو جائز فرماتے ہیں (۲) تو اجابت اذان اور دعائے وسیلہ ان کے نزدیک جائز ہے مگر ہاتھ اٹھاکر دعا مانگنے کا ثبوت ہمارے علم میں نہیں ہے زید جو اس بات کا مدعی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ہاتھ اٹھاکر دعا مانگی ہے اس کا ثبوت پیش کرنا اس کے ذمہ لازم ہے ورنہ من کذب علی متعمداً کی وعید کا مستحق ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

خطبہ جمعہ زیادہ طویل نہ ہو

(سوال) جمعہ میں خطبہ کا طویل ہونا اور نماز کا قصیر ہونا شرعاً کیسا ہے بعض مساجد میں امام صاحب خطبہ جمعہ تقریباً پندرہ منٹ میں ختم فرماتے ہیں اور نماز جمعہ تقریباً چار منٹ میں پس ارشاد فرماویں کہ ان امام صاحب کا یہ طرز عمل حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہے یا نہیں۔

المستفتی نمبر ۱۸۴۲ حاجی داؤد ہاشم یوسف صاحب (رنگون) ۲۷ رجب ۱۳۵۵ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۳۰) خطبہ جمعہ کا طویل نہ کرنا بہتر ہے اور نماز میں امام کو خفت کا لحاظ رکھنا مامور بہ ہے۔ عن عمار بن یاسر قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان طول صلوٰۃ الرجل و قصر خطبته مئنة من فقهه فاطیلوا الصلوۃ وقصروا الخطبة وان من البیان لسحرا رواہ مسلم (۳) (مشکوۃ) (۴) وعن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ اذا صلی احدکم للناس فلیخفف فان فیهم السقیم والضعیف والکبیر الخ متفق علیه (۵) (مشکوٰۃ) (۶)

پس نماز کی تطویل کی ترغیب جو مسلم کی روایت مذکورہ بالا میں ہے ابو ہریرہ کی روایت کی بنا پر اس حد کے اندر محدود ہے کہ جماعت پر مشقت نہ ہو اور حد مسنون سے آگے نہ بڑھے اور خطبہ کے اختصار سے غالباً یہ مقصد نہیں ہے کہ نماز کے وقت سے خطبہ کا وقت کم ہو' بلکہ مطلب یہ ہے کہ خطبہ ان خطبوں سے

---

(۱) (باب لا یفرق بین اثنین یوم الجمعة' ۱/ ۱۲۴ ط قدیمی کتب خانہ کراچی)
(۲) قال :" لا بأس بالکلام قبل الخطبة وبعدها وإذا جلس عند الثانی" (الدر المختار' باب الجمعة ۲/ ۱۵۹ ط سعید)
(۳) (فصل فی إیجاز الخطبة وطوال الخطبة ۱/ ۲۸٦' ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)
(٤) (باب الخطبة والصلاة' الفصل الأول ص ۱۲۳ ط سعید)
(۵) (بخاری باب إذا صلی لنفسه فلیطول ماشاء ۱/ ۹۷ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)
(٦) (باب الإمامة' ص ۱۰۱ ط سعید)

کم ہو جو عرفاً طویل اور بڑے خطبے سمجھے جاتے ہیں خطبہ میں ضروری امور پر اکتفا کرنا چاہئیے۔(۱) ترمذی شریف کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نماز بھی معتدل متوسط درجے کی ہوتی تھی خطبہ بھی معتدل اور متوسط درجہ کا ہوتا تھا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) خطبہ عبادت ہے یا نصیحت؟
(۲) غیر عربی میں خطبہ پڑھنا کیسا ہے؟

(سوال) (۱) خطبہ جمعہ و عیدین عبادت ہے یا نصیحت ؟(۲) خطبہ سامعین کی زبان میں پڑھا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۰۷۷ فرزند علی صاحب (برما) ۲۴ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۹ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۱) (۱) عبادت بھی ہے اور نصیحت بھی ہے(۲) (۲) عربی عبارت میں سنت متواترہ قدیمہ کے موافق پڑھنا بہتر ہے لیکن اگر مقامی زبان میں پڑھا جائے گا تو خطبہ ادا ہو جائے گا مگر سنت کے خلاف ہوگا(۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) اردو زبان میں خطبہ پڑھنا مکروہ ہے
(۲) ترکی ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھانا
(۳) ابتدا خطبہ میں تعوذ و تسمیہ آہستہ پڑھی جائے
(۴) خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا جائز ہے
(۵) خطبہ میں منبر سے اترنا اور چڑھنا ثابت نہیں
(۶) خطبہ کے سننے کے وقت درود دل میں پڑھا جائے
(۷) خطبہ کے درمیان سنتیں پڑھنا جائز نہیں
(۸) مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی حرام ہے

(سوال) (۱) ہمارے ملک گجرات میں رواج ہے کہ زبان اردو میں خطیب خطبہ جمعہ پڑھتا ہے جائز ہے یا نہیں؟

(۲) پیش امام نماز جمعہ ترکی ٹوپی پہن کر بغیر صافہ نماز جماعت پڑھاتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) خطیب اعوذ باللہ اور بسم اللہ بہ آواز بلند پڑھتا ہے ؟

---

(۱) (باب ماجاء فی قصر الخطبة ۱ / ۱۱۳ ط سعید)
(۲) و يبدأ أى قبل الخطبة الاولى بالتعوذ سراً ثم بحمد الله تعالى و الثناء عليه والشهادتين . و العظة والتذكير والقراءة الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۲ / ۱۴۹ ط سعید)
(۳) فإنه لا شك فى أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبى ﷺ والصحابةؓ فيكون مكروهاً تحريماً الخ (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية' باب الجمعة ۱ / ۲۰۰ ط سعید)

(۴) خطیب کا بوقت خطبہ عصا پکڑنا یہ جائز ہے یا نہیں ؟
(۵) خطیب کا خطبہ ثانیہ میں ذکر سلاطین کے وقت سیڑھی سے اترنا جائز ہے یا نہیں ؟ پھر واپس چڑھنا
(۶) خطیب کا خطبہ ثانیہ میں آیت ان اللہ و ملائکتہ کا پڑھنا اور مصلیان کا خطبہ میں جہر سے درود شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟
(۷) دو رکعت نماز خطبہ ہے یا نہیں ؟
(۸) مردوں کو سونے کے بٹن اور سونے کی خالص انگوٹھی پہننا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۱۲۵ سید محمد رشید ترمذی صاحب (مہی کانٹھا) ۱۴ شوال ۱۳۵۶ھ ۱۸ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۲) (۱) اردو میں خطبہ پڑھنا خلاف اولیٰ ہے' خطبہ ادا ہو جاتا ہے(۱)
(۲) ٹوپی اور ترکی ٹوپی پہن کر نماز پڑھانے سے نماز ہو جاتی ہے۔ مگر اولیٰ یہ ہے کہ صافہ باندھ کر نماز جمعہ پڑھائے۔(۲)
(۳) خطبہ کو الحمد للہ سے جہراً شروع کرنا چاہئیے۔ اعوذ باللہ اور بسم اللہ خطبہ سے پہلے جہراً نہیں پڑھنا چاہئیے(۳)
(۴) عصا ہاتھ میں لیکر خطبہ پڑھنا جائز تو ہے مگر لازم نہیں ہے(۴)
(۵) خطبہ میں ذکر سلاطین کے وقت سیڑھی سے اترنا اور پھر چڑھنا جائز نہیں(۵)
(۶) خطبہ میں جہراً درود شریف پڑھنا سامعین کو جائز نہیں جب خطیب آیت ان اللہ و ملائکتہ پڑھے تو سامعین دل میں درود شریف پڑھ لیں(۶)
(۷) خطبہ کے درمیان میں سنتوں کا پڑھنا بھی جائز نہیں ہے(۷)

---

(۱) ولا یشترط کونها بالعربیة فلو خطب بالفارسیة جاز ... فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبی ﷺ والصحابة فیکون مکروها تحریماً (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة' باب الجمعة ۲۰۰/۱ ط سعید)
(۲) وقد ذکروا ان المستحب أن یصلی الرجل فی قمیص وإزار و عمامة ولا یکره الاکتفاء بالقلنسوة الخ (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة' باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها' ۱۶۹/۱ ط سعید)
(۳) ویبدأ بالتعوذ سرا (درمختار) ای قبل الخطبة الأولیٰ بالتعوذ سراً ثم بحمد الله تعالیٰ والثنا علیه (رد المحتار' باب الجمعة ۱۴۹/۲' ط سعید)
(٤) وفی الخلاصة': " یکره أن یتکئ علی قوس او عصا (درمختار) و فی الشامیة :" وفی روایة أبی داؤد أنه ﷺ قام أی فی الخطبة متوکئاً علی عصا أو قوس اه و نقل القهستانی عن عبدالمحیط:" ا ن أخذ العصا سنة کالقیام" (رد المحتار' باب الجمعة ۱۶۳/۲ ط سعید)
(۵) أما اعتید من النزول فی الخطبة الثانیة إلی درجة سفلیٰ' ثم العود بدعة قبیحة شنیعة (رد المحتار' جمعة ۱۶۱/۲ ط سعید)
(٦) وکذلك إذا ذکر النبی ﷺ لا یجوز أن یصلی علیه بالجهر' بل بالقلب' و علیه الفتویٰ (رد المحتار' باب الجمعة ۱۵۸/۲ ط سعید)
(۷) إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا کلام إلی تمامها الخ (تنویر الأبصار' باب الجمعة ۱۵۸/۲ ط سعید)

(۸) مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی حرام ہے(۱) اور خالص سونے کے بٹن بھی مکروہ ہیں(۲)

خطبہ جمعہ عربی نثر میں پڑھنا چاہئیے

(سوال) اشعار کا خطبہ جو جمعہ میں پڑھا جاتا ہے (الٰہی انت یا مولی الموالی۔ مصور نا بتقدیر الکمال) پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۲۶۴ محمد عبدالوہاب (رام پور)
۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۵ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۳۳) خطبہ جمعہ میں عربی کے اشعار پڑھنا خلاف اولیٰ ہے نثر عربی میں خطبہ ہو تو بہتر ہے(۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

عربی میں خطبہ مسنون ہے

(سوال) یہاں کی جامع مسجد میں یہاں کی دوسری مسجدوں کے مطابق یہ دستور چلا آتا ہے کہ بروز جمعہ اذان اول کے بعد اتنا وقفہ کیا جاتا ہے کہ چار سنتیں باطمینان پڑھ لی جائیں یعنی تقریباً نو دس منٹ کے بعد خطبہ بزبان عربی شروع ہوتا ہے جامع مسجد مذکور کے امام صاحب کی بابت مقتدیوں کو خطبہ کی طوالت کی شکایت پہلے سے تھی اور اس سے ان کو گرانی تھی مزید براں انہوں نے کئی جمعہ سے یہ نیا طریقہ اختیار کیا کہ چار سنتوں کے بعد وقت مقررہ پر خطبہ شروع کرنے کے بجائے پہلے اردو زبان میں مضمون خطبہ کے علاوہ دوسری تقریریں شامل کر کے بیان کرنا شروع کیا جس میں مقتدیوں نے یہ محسوس کیا کہ ان تقریروں میں مسلمانوں پر چوٹ اور طنزیہ جملے وغیرہ اور ذاتی جذبات نفسانیہ کا بھی شمول ہے ان تقریروں کے بعد اذان ثانی ہو کر ممدوح نے خطبہ عربی پڑھا متولیان مسجد وغیرہ کو پہلے ایک دفعہ کچھ خیال نہ ہوا لیکن بعد میں انہوں نے دیکھا کہ مقتدیوں میں اس کا چرچا ہو رہا ہے اور ان کو قوی اندیشہ ہوا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ آئندہ رفتہ رفتہ خطبہ عربی کے بجائے خطبہ اردو جاری کر دیں اس کے علاوہ چونکہ نمازیوں کی بہت سی تعداد بہت پہلے سے آجاتی ہے اور بعد فراغت از جمعہ کھانا کھاتی ہے اس لئے بنابر تاخیر و طوالت ان کو اور بھی زیادہ گرانی ہونے لگی طوالت خطبہ کی بابت متولیوں نے امام صاحب موصوف کو پہلے ہی توجہ دلائی تھی کہ خطبہ جو لمبا پڑھتے ہیں

---

(۱) والتختم بالذهب على الرجال حرام لمارويناعن عليؓ الخ (هداية كتاب الكراهية ٤/٢٨٨ ط مكتبه شركة علميه، ملتان)

(۲) لیکن "در مختار" کی عبارت سے بلا کراہت جواز معلوم ہوتا ہے، وفي التتارخانية عن السير الكبير: " لا بأس بأزرار الديباج والذهب" (كتاب الحظر والإباحة فصل في اللبس ٦/٣٥٥ ، ط سعيد وامداد الفتاوىٰ ٤/١٢٩ ط دار العلوم، كراچی)

(۳) فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي ﷺ والصحابةؓ فيكون مكروها تحريما، وكذا قراءة الأشعار الفارسية والهندية فيها" (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، باب الجمعة ١/٢٠٠ ط سعيد)

اس کو مسنون طریقہ کے مطابق مختصر فرمادیں اور خطبہ اور تقریروں میں اپنے جذبات سے کام لیتے ہوئے کسی مسلمان پر حملہ اور طنز نہ کریں اور اب یہ صورت حال دیکھتے ہوئے اور مذکورہ وجوہ پر نظر رکھتے ہوئے ہدایت کی کہ آئندہ اذان اول کے بعد قدیمی دستور پر عمل کرتے ہوئے محض خطبہ عربی پر قناعت کریں کہ یہ نیا طریقہ مسجد مذکور کے نمازیوں میں تفرقہ اور جھگڑے کا باعث بن جائے گا اس لئے کہ گرانی مذکور کے علاوہ غیر زبان عربی میں خطبہ کے قائلین کی تعداد بھی یہاں بہت کم اور برائے نام ہے متولیوں کی طرف سے امام صاحب کو اس کی بھی اطلاع دی گئی کہ اگر نمازیوں کے سامنے کچھ بیان فرمانا چاہتے ہیں تو شب جمعہ کو بعد نماز عشاء کے جس میں بھی صدہا نمازیوں کی تعداد ہوتی ہے صحیح صحیح خطبہ کا مطلب سادگی کے ساتھ بیان فرمادیا کریں اور متولیوں نے بھی یہ آپس میں قرار دے لیا تھا کہ اگر امام صاحب کی خواہش ہوگی تو ان کو بعد فراغ نماز جمعہ بیان کرنے کا موقع دے دیا جائے گا اس صورت میں بہت پہلے سے آنے والے اور بھوک سے گھبرا جانے والے جو چاہیں گے جاسکیں گے ان پر کوئی جبر نہیں پڑے گا بہر حال ان کی اختیار کردہ صورت کے کہ اس میں سب کو بخیال ادائے جمعہ خواہ مخواہ مجبوراً رکنا پڑتا ہے پس ارشاد ہو کہ صورت مسئولہ میں متولیان مسجد کا امام موصوف کو عمل مذکور سے روک دینا شرعاً درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۴۴۳ عبدالرزاق صاحب۔ ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ م ۲۲ جنوری ۱۹۳۹ء

(جواب ٤٣٤) میں اس سے قبل متعدد سوالات کے جوابات میں لکھ چکا ہوں کہ خطبہ جمعہ و عیدین کا خالص عربی زبان اور نثر میں ہونا طریقہ مسنونہ متوارثہ ہے اس سنت قدیمہ متوارثہ کو محفوظ اور جاری رکھنا چاہئے معہذا جو لوگ کہ مقامی زبان میں خطبہ کو ضروری اور مفید سمجھ کر اس کے اجرا کی حمایت کرتے ہیں ان کی یہ دلیل بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ نمازیوں کی بڑی تعداد عربی زبان سے ناواقف ہوتی ہے بلکہ خطیبوں کی اکثریت میں بھی عربیت سے ناواقف خطیب ہوتے ہیں اور خطبوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ ایک مضمون کے چھپے ہوئے خطبے ہوتے ہیں اور خطیب ان کو ہمیشہ سنا دیتا ہے نہ خود سمجھتا ہے کہ اس نے کیا کہا نہ سامعین سمجھتے ہیں کہ ہمیں کیا سنایا گیا اس صورت میں خطبہ کی جہت تذکیر بالکل معطل ہو کر رہ گئی ہے(۱)

میں اس کے متعلق کئی مرتبہ یہ لکھ چکا ہوں کہ اگر خطیب مقامی زبان میں اذان خطبہ سے پہلے لوگوں کو وقتی ضرورات اسلامیہ سنا دیا کرے پھر اذان خطبہ کہلوا کر عربی زبان میں خطبہ بقدر ادائیگی فرضیت خطبہ پڑھ دیا کرے تو مضائقہ نہیں تاکہ ضرورت تذکیر بھی پوری ہو جائے اور خطبہ کی ہیئت مسنونہ متوارثہ بھی پوری طرح محفوظ رہے بقدر ضرورت عربی خطبہ میں زیادہ سے زیادہ پانچ چھ منٹ (خطبتین کے لئے) کافی

---

(۱) فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي ﷺ والصحابة فيكون مكروها تحريما (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، باب الجمعة ۱ / ۲۰۰ ط سعيد)

ہوں گے۔

مگر اذان خطبہ سے پہلے مقامی زبان میں تذکیر کے لئے دو باتیں لازم ہیں اول یہ کہ لوگ اس وقت اس مقام پر سنتیں نہ پڑھتے ہوں بلکہ کوئی علیحدہ جگہ سنتیں پڑھنے کے لئے ہو' دوسرے یہ کہ لوگ اس تقریر کو رغبت سے سنیں کیونکہ یہ محض ایک متطوعانہ فعل ہے' یہ فرض خطبہ نہیں ہے کہ کوئی راضی ہو یا نہ ہو وہ پڑھا جائے گا نیز اس تقریر میں صرف وہی باتیں بیان کی جائیں جن کا مذہبی لحاظ سے بیان کرنا ضروری ہو۔ تقریر میں طعن و تشنیع وغیرہ ہرگز نہ ہونی چاہئے کہ اس سے آپس میں اختلاف اور بغض و عناد پیدا ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) خطبہ کا کچھ حصہ عربی میں اور کچھ اردو میں پڑھنا مکروہ ہے
(۲) خطبہ میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

(سوال) (۱) جمعہ و عیدین کے خطبے صرف اردو میں یا عربی خطبہ کا کامل ترجمہ یا بعض عربی میں اور بعض اردو میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو با کراہت یا بلا کراہت۔

(۲) نیز کیا شرعی مصالح پر نظر رکھتے ہوئے ان خطبوں میں آلہ مکبر الصوت یعنی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۵۶۱ جمیل الرحمن دہلی۔ ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ م ۱۷ جنوری ۱۹۴۰ء۔

(جواب ۴۳۵) خطبہ جمعہ و عیدین میں سنت قدیمہ متوارثہ یہی ہے کہ عربی زبان میں ہو صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں عجمی ممالک فتح ہوگئے تھے اور اسلام کے حدیث العہد ہونے کی بناء پر اس وقت بہت زیادہ ضرورت تھی کہ ان کی زبانوں میں احکام اسلام کی تبلیغ کی جائے باوجود اس کے صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین نے جمعہ اور عیدین کے خطبات کو خالص عربی زبان میں رکھا اور کسی عجمی زبان میں خطبہ نہیں پڑھا گیا لہذا خطبہ خالص عربی زبان میں پڑھنا سنت قدیمہ متوارثہ ہے اور اس کے خلاف اردو یا کسی دوسری مقامی زبان میں خطبہ پڑھنا یا عربی اور عجمی کو مخلوط کر دینا سنت قدیمہ متوارثہ کے خلاف ہے(۱)

(۲) لاؤڈ اسپیکر کا خطبہ جمعہ و عیدین میں استعمال کرنا فی نفسہ مباح ہے کیونکہ یہ صرف ترفیع الصوت یعنی آواز کو بلند کرنے کا آلہ ہے(۲) لیکن اگر اس آلہ کے استعمال کو اس امر کا ذریعہ بنالیا جائے کہ خطبہ کی عربی زبان بدل کر کسی عجمی زبان میں خطبہ پڑھا جائے تو پھر اس آلہ کا استعمال بھی اس تسبیب کی وجہ سے خلاف سنت کی مد میں داخل ہو جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی ۔

---

(۱) فإنه لا شك فی أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبی ﷺ والصحابة فيكون مكروها تحريما (عمدة الرعاية علی هامش شرح الوقاية' باب الجمعة ۱ / ۲۰۰ ط سعيد)

(۲) ومن المستحب أن يرفع الخطيب صوته الخ (عالمگیریة' الباب العاشر فی صلاة الجمعة ۱ / ۱۴۷ ط ماجديه)

خطبہ سے پہلے یا بعد میں خطبہ کا ترجمہ کرنا

(سوال) جمعہ کے پہلے خطبہ کا ترجمہ منبر پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر پڑھے اور بعدہ اصلی عبارت خطبہ پڑھے تو یہ کیسا ہے؟ نیز جمعہ کا خطبہ پہلا پڑھے اور بعدہ ترجمہ منبر پر کھڑے کھڑے پڑھے تو یہ کیسا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۷۶۷ جناب محمد خاں صاحب (افریقہ)۔ ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ م ۲۱ جولائی ۱۹۴۱ء

(جواب ٤٣٦) اگر خطیب اذان خطبہ سے پہلے ممبر پر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر مقامی زبان میں وعظ و تذکیر یا خطبہ کا ترجمہ سنادے پھر خطبہ کی اذان کہی جائے اور خطیب دونوں خطبے عربی نثر میں پڑھے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں مگر یہ معاملہ خطبہ عربی کے بعد نہ کیا جائے اذان خطبہ سے پہلے کر لیا جائے اور اذان خطبہ کے بعد عربی خالص کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا یا ترجمہ کرنا سنت قدیمہ متوارثہ کے خلاف ہے۔ خطبہ ادا ہو جاتا ہے مگر کراہت کے ساتھ۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

خطبہ غیر عربی میں سنت متوارثہ کے خلاف ہے۔

(سوال) ماقولکم فی ترجمة خطبة الجمعة والحال ان الحاضرین جاھلون بالعربیة.

المستفتی نمبر ۲۵۶۲ حاجی گل محمد منگلوری۔ ایس کے۔ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ م ۲۸ جنوری ۱۹۴۰ء

(ترجمہ) جمعہ کے خطبہ کا ترجمہ کرنے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ جب کہ حاضرین عربی زبان سے ناواقف ہوتے ہیں۔

(جواب ٤٣٧) الخطبة فی العربیة ھی المسنونة المتوارثة و ترجمتھا فی لسان اخر مخالفة للسنة المتوارثة ومع ھذا تنوب الترجمة بای لسان کان مناب الخطبة المفروضة وتصح الصلوة مع الکراھة (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(ترجمہ) عربی زبان میں ہی خطبہ دینا سنت متوارثہ ہے اور کسی دوسری زبان میں اس کا ترجمہ کرنا طریقہ متوارثہ کے خلاف ہے' اس کے باوجود ترجمہ سے خطبہ کی فرضیت ادا ہو جائے گی اور نماز کراہت کے ساتھ صحیح ہو جائے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ

---

(۱) فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية الخ (عمدة الرعاية ۲ / ۲۰۰)

(۲) ولا يشترط كونها بالعربية فلو خطب بالفارسية أو بغيرها جاز' كذا قالوا والمراد بالجواز هوالجواز في حق الصلاة بمعنى أنه يكفي لأداء الشرطية وتصح بها الصلاة لا الجواز بمعنى الإباحة المطلقة' فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي ﷺ والصحابة فيكون مكروها تحريماً (عمدة الرعاية على هامش ' شرح وقاية' باب الجمعة ۱ / ۲۰۰ ط سعيد)

خطبہ غیر عربی زبان میں مکروہ ہے

(سوال) ایک پیش امام صاحب جمعہ کے روز خطبہ نہ پڑھ کر منبر پر کھڑے ہو کر وعظ کرتے ہیں اور مثنوی پڑھتے ہیں بعض مقتدیوں نے امام صاحب سے کئی دفعہ گزارش کی کہ خطبہ پڑھا کریں مگر وہ نہیں مانتے ؟
المستفتی نظیر الدین امیر الدین (املیزہ ضلع مشرقی خاندیش)

(جواب ۴۳۸) شاید امام صاحب جمعہ کا خطبہ ہی اردو میں پڑھتے ہیں عربی میں نہیں پڑھتے تو یہ بات مکروہ ہے خطبہ عربی زبان میں پڑھنا سنت قدیمہ متوارثہ ہے ہاں خطبہ کی اذان سے پہلے اردو میں کچھ وعظ کردیں یا مسائل واحکام بیان کردیں تو اس میں مضائقہ نہیں ہے پھر خطبہ کی اذان ہو اور عربی زبان میں خطبہ پڑھا جائے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اذان ثانی خطیب کے سامنے کہی جائے

(سوال) دوسری اذان جو خطبہ جمعہ کے قبل کہتے ہیں وہ خطیب کے سامنے کہنا چاہئے یا دوسری صف کے پیچھے بیچ کے در میں کہنا چاہئے ؟

(جواب ۴۳۹) خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے ہونی چاہئے خواہ منبر کے قریب ہو یا دوسری تیسری صف کے درمیان ہو خواہ بالکل صفوں کے بعد ۔ غرضیکہ مؤذن کا خطیب کے قریب ہونا ضروری نہیں ہے صرف سامنے ہونا چاہئے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

خطبہ کے وقت سنتیں پڑھنا جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۲۷ء)

(سوال) خطبہ ثانی کے وقت نماز سنت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟ بعض لوگ جائز کہتے ہیں بعض ناجائز کونسی بات صحیح ہے ؟

(جواب ۴۴۰) حنفی مذہب میں خطبہ کے وقت نماز پڑھنی مکروہ ہے' اس میں پہلے خطبہ اور دوسرے خطبہ کا حکم ایک ہے یعنی جس وقت سے خطبہ شروع ہو بلکہ امام خطبہ کے لئے منبر پر جانے کے لئے اٹھے اسوقت سے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی ہے' ہاں جن لوگوں نے کہ امام کے اٹھنے سے پہلے سنت یا نفل یا کسی نماز کی نیت باندھ رکھی ہے وہ اپنی نماز پوری کرلیں اور کوئی شخص امام کے اٹھنے کے بعد سنت یا نفل کی نیت نہ باندھے یہ حنفی مذہب میں حکم ہے غیر مقلد خطبہ کے وقت سنتیں پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں اور پڑھتے ہیں(۳)

---

(۱) (ایضاً حوالہ صفحہ گزشتہ) (۲) إذا جلس الإمام على المنبر أذن أذانا ثانياً بين يديه الخ (جامع الرموز' فصل في صلاة الجمعة ۱/۲۶۸ ط کریمیہ قزان) (۳) إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام إلى تمامها ولو خرج' وهو في السنة أو بعد قيامه لثالثة النفل يتم في الأصح (تنوير مع شرحه) قال الشامي:" قوله:" فلا صلوة" شمل السنة وتحية المسجد (باب الجمعة ۲/۱۵۸ ط سعید)

خطبہ خالص عربی نثر میں پڑھا جائے

(سوال) زید ایک مسجد میں امام ہے وہ خطبہ جمعہ پڑھتے وقت خطبہ اولیٰ میں چند جگہ عربی عبارت کا ترجمہ اردو زبان میں مشرح و مفصل بطور وعظ کر دیتا ہے آیا یہ درست ہے یا نہیں ؟

(جواب ۴۴۱) خطبہ کا مسنون و متوارث طریقہ تو یہی ہے کہ وہ خالص عربی نثر میں ہو اگر خطبہ عربی میں پڑھا جائے مگر درمیان میں اس کا اردو ترجمہ کر دیا جائے تو یہ خلاف اولیٰ ہو گا لیکن خطبہ ادا ہو جائے گا(۱)

محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرسہ امینیہ دہلی'

خطبہ میں بادشاہ اسلام کے لئے دعا

(الجمعیۃ مورخہ ۶ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) جمعہ کے خطبہ ثانی میں جب بادشاہ اسلام کا نام لیا جاتا ہے تو کیا ممبر کی ایک سیڑھی اترنا ضروری ہے ؟ حیدر آباد دکن کی اکثر بڑی بڑی مساجد' جامع مسجد' مکہ مسجد' چوک کی مسجد وغیرہ میں خطیب صاحب منبر سے ایک سیڑھی نیچے نہیں اترتے مگر بعض مساجد میں ایک سیڑھی نیچے اترنے کا عمل ہوتا ہے۔ ؟

(جواب ۴۴۲) خطبہ جمعہ میں بادشاہ اسلام کے لئے دعا کرنا جائز ہے(۲) اور اسکا نام لینے اور دعا کرنے کے وقت منبر کی سیڑھی سے اترنا ضروری نہیں ایک فضول بات ہے(۳) محمد کفایت اللہ غفرلہ'

خطبہ سے پہلے وعظ کہنا درست ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک مسجد کا خطیب بعد اذان اول جب کہ کچھ لوگ جمع ہو جاتے ہیں مسجد سے ملے ہوئے مکان سے مسجد میں آتا ہے سلام کر کے لکڑی کے منبر کے پاس کھڑا ہو کر خطبہ وعظ یعنی **الحمد لله نحمده الخ اما بعد فاعوذ بالله الخ** کے بعد کوئی ایک یا چند آیات تلاوت کر کے اردو میں وعظ کرتا ہے پون گھنٹہ یا کم و بیش وعظ کے بعد چار سنت ادا کرتا ہے اور دیگر مردم کچھ تو اذان اول کے بعد وعظ سے پہلے فارغ ہو لیتے ہیں کوئی درمیان وعظ میں ہی پڑھ لیتا ہے باقی وعظ کے بعد پڑھتے ہیں خطیب سنت ادا کرنے کے بعد منبر پر بیٹھتا

---

(۱) ولا يشترط كونها بالعربية فلو خطب بالفارسية أو بغيرها جاز' كذا قالوا والمراد بالجواز هو الجواز في حق الصلاة بمعنى أنه يكفي لأداء الشرطية وتصح بها الصلاة لا الجواز بمعنى الإباحة المطلقة' فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي ﷺ والصحابةؓ فيكون مكروها تحريماً (عمدة الرعاية على هامش' شرح وقاية باب الجمعة ۱/۲۰۰ ط سعيد)

(۲) فإن سلطان هذا الزمان أحوج إلى الدعاء له ولأمراء بالصلاح والنصر على الأعداء ......فإن الدعاء للسلطان على المنابر قدصار الآن من شعائر السلطنة الخ (رد المحتار' باب الجمعة' ۲/۱۴۹ ط سعيد)

(۳) قال ابن حجر في التحفة :" وبحث بعضهم أن ما اعتيد الآن من النزول في الخطبة الثانية' إلى درجة سفلى' ثم العود بدعة قبيحة شنيعة (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱۶۱ ط سعيد)

ہے اس کے سامنے اذان ثانی ہوتی ہے پھر خطبہ مسنونہ پڑھ کر نماز پڑھاتا ہے اس صورت مذکورہ کو ایک مولوی صاحب خلاف سنت بتاتے ہیں اور تین خطبوں سے تعبیر کرتے ہیں؟

(جواب ۴۴۳) یہ صورت جائز ہے اور تین خطبے نہیں ہوئے بلکہ اذان ثانی کے بعد جو خطبے وہ پڑھتا ہے وہی مسنون خطبے جمعہ کے ہو جاتے ہیں اور پہلا وعظ وعظ ہی ہو گا خطبہ میں شامل نہیں ہو گا(۱)

محمد کفایت اللہ غفر لہ'

بوقت خطبہ درود دل میں پڑھا جائے

(سوال) دوران خطبہ میں کوئی شخص درود یا کوئی وظیفہ یا تسبیح اپنے دل میں پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ السلام علیکم یا وعلیکم السلام کہہ سکتا ہے یا نہیں؟ خطیب جب محمد ﷺ کہے تو خطبہ سننے والا ﷺ کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۴۴۴) دوران خطبہ میں وظیفہ' تسبیح' درود پڑھنا' سلام کرنا' سلام کا جواب دینا' سب منع ہے صحیح حدیث میں ہے من قال یوم الجمعة والخطیب یخطب انصت فقد لغا آنحضرت ﷺ کا نام مبارک سن کر دل میں ﷺ کہہ لے زبان سے نہ کہے نہ زور سے نہ آہستہ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) خطبہ میں " اللھم أید الإسلام " دعا پڑھنا
(۲) خطبہ میں بادشاہ کا نام لیکر دعا کرنا
(۳) جو صفات بادشاہ میں نہ ہوں بیان نہ کی جائیں
(۴) غیر متبع شریعت حاکم کے لئے دعا کرنا
(۵) بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے نعرے لگانا
(۶) خطبہ میں دعا کے لئے کیسے الفاظ ہونے چاہئیں؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) (۱) مندرجہ ذیل عبارت کو خطبہ جمعہ میں شامل کر کے پڑھنے کا حکم تمام مساجد بھوپال میں حکومت کی طرف سے جاری کر دیا گیا ہے اس سے نماز جمعہ میں کوئی نقص تو نہیں آئے گا؟

اللھم اید الاسلام والمسلمین بالا میرالعادل والرئیس الفاضل الامیرالحاج محمد حمید اللہ خان لا زالت رایات اقبالہ عالیة وایات جلالہ تالیة ظل اللہ علی العالمین والعالمین

---

(۱) ویسن خطبتان خفیفتان وتکرہ زیادتھما علی قدر سورة من طوال المفصل بجلسة بینھما (التنویر مع شرحہ' باب الجمعة ۲/۱۵۸ ط سعید)

(۲) إذا ذکر النبی ﷺ لا یجوز أن یصلی علیه بالجھر' بل بالقلب علیه الفتوی (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱۵۸ ط سعید)

خلد اللہ ملکہ الی یوم الدین .

(۲) جس رئیس کا نام خطبہ میں لیا جائے اس کا عامل شرع ہونا لازم ہے یا نہیں ؟

(۳) خطبہ میں جو صفات بیان کئے جائیں وہ اس میں موجود نہ ہوں تو کیا حکم ہے ؟

(۴) اور اس حکومت میں قانون شرع بھی جاری نہ ہو بلکہ قانون انگریزی پر عمل در آمد ہوتا ہو اور صرف چند دفعات قانون موافق شرع ہوں تو کیا حکم ہے ؟

(۵) اور اگر رئیس کو خوش کرنے کی نیت سے کسی سرکاری آدمی نے یہ طریقہ اختیار کیا ہو ؟

(۶) جو الفاظ خطبہ میں شامل کئے جائیں وہ دعائیہ ہونے چاہئیں یا متکبرانہ ؟

(جواب ٤٤٥) خطبہ میں بادشاہ وقت کے لئے نصرت و فتح مندی اور ثبات علی الشریعت کی دعا کرنا جائز ہے(۱) جن فقہا نے منع کیا تھا ان کا مطلب یہ تھا کہ بادشاہ کی تعریف میں مبالغہ کرنا ناجائز ہے نفس دعا جب کہ عامہ مومنین کے لئے خطبہ میں ممنوع نہیں تو اولی الامر کے لئے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے پھر یہ کہ سلف سے متوارث بھی ہے اس لئے جواز میں تردد نہیں ہے۔ ہاں بادشاہ کے ذکر میں ایسے الفاظ نہ کہنے چاہئیں جو اطرائے ممنوع یا کذب صریح میں داخل ہو جائیں سوال میں جو عبارت مذکور ہے وہ عدم جواز میں داخل ہو سکتی ہے البتہ اگر اس کو اس طرح بدل دیا جائے تو زیادہ بہتر ہو جائے گی۔

اللھم انصر امیرنا امیر الاسلام والمسلمین الامیر محمد حمید اللہ خان نصرۃ منک تو یۃ ووفقہ لا قامۃ العدل و رفع اعلام الدین المبین واید بدوام دولۃ الاسلام والمسلمین و متعنا بظلہ الممدود علی العلمین امین یا رب العلمین.

اس عبارت میں کسی فقہی روایت کی مخالفت نہیں ہے اور کوئی محذور شرعی نہیں ہے اور یہ مقصد کہ رئیس کا نام خطبہ میں آجائے اور اس کے لئے دعا ہو جائے بوجہ اتم حاصل ہو جاتا ہے۔

باقی یہ بات کہ دعا واجب ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بادشاہ کے لئے خطبہ میں دعا کرنا فی حد ذاتہ واجب تو کیا مستحب بھی نہیں ہاں اگر بادشاہ کسی مندوب یا مباح کا حکم کرے تو اطاعت واجب ہو جاتی ہے کیونکہ جائز امور میں اولی الامر کی اطاعت واجب ہے اور چونکہ اولی الامر سے مراد مسلم بادشاہ ہیں اس لئے اس حکم کا اطلاق غیر مسلم امراء پر نہیں ہوگا۔

اس جواب کے بعد سوال کے باقی نمبروں کا جواب بھی سمجھ میں آجائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) ویندب ذکر الخلفاء الراشدین و العمین' لا الدعاء للسلطان وجوزہ القهستاني ویکرہ تحریما بما لیس فیہ الخ (درمختار) وفی الشامیة "قال" لا مانع من استحبابہ فیها کما یدعی لعموم المسلمین' فإن فی صلاحہ صلاح العالم فإن سلطان هذا الزمان احوج إلی الدعاء لہ ولأمراءہ بالصلاح والنصر علی الأعداء ..... فإن الدعاء للسلطان قدصار الآن من شعائر السلطنة (باب الجمعة ٢/١٤٩ ط سعید)

خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

(سوال) جمعہ و عیدین کے دو خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے ؟
المستفتی نمبر ۱۴۳۴ محمد عنایت حسین کھنور۔ ۲۶ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء
(جواب ۴۴۶) خطبوں میں جلسہ کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مکروہ ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل چہارم ۔ تعطیل یوم جمعہ

جہاں جمعہ نہ ہوتا ہو 'وہاں خرید و فروخت کی ممانعت نہیں

(سوال) جن جگہوں میں جمعہ جائز نہیں وہاں جمعہ کے روز بعد اذان ظہر خرید و فروخت بند کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟
(جواب ۴۴۷) جن جگہوں میں جمعہ جائز نہیں ایسی جگہوں میں بعد اذان ظہر خرید و فروخت میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ جمعہ کے روز اذان کے بعد خرید و فروخت کے مکروہ ہونے کی علت استماع خطبہ ہے اور یہ علت ظہر میں مفقود ہے(۲) واللہ اعلم　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اذان جمعہ سے پہلے کاروبار جائز ہے

(سوال) مسلمان جمعہ کے دن جمعہ کی فضیلت و غسل و نماز کے لئے فجر سے نماز جمعہ کے بعد تک اپنی دکانوں کو بند رکھتے ہیں آیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں ؟ یہاں کے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ طریقہ بدعت بلکہ حرام ہے کیونکہ اس میں عیسائیوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے وہ لوگ بھی اتوار کے دن اپنی دکانیں بند کرتے ہیں دوسرے یہ کہ قرآن شریف میں سورہ جمعہ میں آیت اذا نودی للصلوٰۃ الخ میں خدائے تبارک و تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ جب اذان ہو تو کاروبار بند کر دو کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے ؟
(جواب ۴۴۸) جمعہ کے روز اذان جمعہ سے پہلے تجارت اور تمام کاروبار کرنا جائز ہے اذان جمعہ سے پہلے کوئی کام ممنوع نہیں پس اگر کاروبار بند کرنے والے اس خیال سے دکانیں اور کاروبار بند کریں کہ نماز جمعہ سے پہلے ان چیزوں میں مشغولی رکھنا ناجائز اور گناہ سمجھتے ہوں تو بے شک یہ خیال ناجائز اور بدعت ہے کیونکہ ایک مباح شرعی کو مکروہ یا حرام سمجھنا خود مذموم اور بدعت ہے لیکن اگر وہ جمعہ کی اذان سے پہلے کاروبار کو ناجائز نہ سمجھتے ہوں بلکہ باوجود جائز اور حلال سمجھنے کے محض انتظام ضروریات نماز کے خیال سے دکانیں بند رکھیں کیونکہ

---

(۱) ولا یجوز للقوم رفع الیدین ولا تأمین باللسان جهراً الخ (رد المحتار' باب الجمعة ۲/۱۵۸ ط سعید)
(۲) إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر الله الآیة (سورة الجمعة ۹) ووجب السعی إلیها و ترك البیع بالأذان الأول فی الأصح (الدر المختار' باب الجمعة ۲/۱۶۱ ط سعید)

غسل وغیرہ کے لئے اور نماز جمعہ میں تبکیر یعنی جلدی سے حاضری کے واسطے اس صورت میں آسانی ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ موجب اجر ہے (۱) اور اس صورت میں یہ خیال کہ اس میں اہل کتاب کی مشابہت ہے اس لئے ناجائز ہونا چاہئے صحیح نہیں کیونکہ کاروبار بند رکھنا عیسائیوں کا تمام دن میں ہوتا ہے اور مسلمانوں کا صرف نماز تک دوسرے وہ اس کو مذہبی سمجھتے ہیں اور مسلمان صرف آسانی کے لئے ایسا کرتے ہیں تیسرے نفس مشابہت کسی فعل میں ممنوع نہیں بلکہ جو مشابہت امر مذموم میں ہو یا بقصد مشابہت ہو اور امر مختص میں ہو وہ مذموم ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے اور آیۃ قرآنی سے اذان کے بعد کاروبار کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے وہ اس صورت میں بھی بحالہ باقی ہے اور اس سے پہلے کے لئے کاروبار کرنے کا آیت میں حکم نہیں ہے کہ نہ کرنے کی صورت میں اس کی خلاف ورزی ہو۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت ممنوع ہے

(سوال) جمعہ کی نماز کے قبل خرید و فروخت کرنا کیسا ہے ؟

المستفتی نمبر ۶۴۶ عبدالاحد (ضلع دربھنگہ)

۱۴ رجب ۱۳۵۴ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۴۹) اذان جمعہ ہونے کے بعد خرید و فروخت کرنا منع ہے' اس سے پہلے جائز ہے اور پھر نماز کے بعد جائز ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اذان جمعہ سے پہلے زبردستی بازار بند کرانا

(الجمعیۃ مورخہ یکم مئی ۱۹۳۵ء)

(سوال) ہم مسلمانان اہل سنت والجماعۃ شافعی اپنے وطن سے تقریباً ایک سو میل دور شہر منگلور میں بغرض تجارت مقیم ہیں ہم نے یہاں ایک انجمن قائم کی ہے جس کا نام "جماعت المسلمین اہل بھٹکل مقیمان منگلور" ہے اس جماعت کی مجلس عاملہ نے ایک قانون بنایا ہے کہ جمعہ کے روز نماز جمعہ کے بعد دکانیں بند رکھنا ضروری ہے جو ممبر اس کی خلاف ورزی کرے اس کو جرمانہ ادا کرنا پڑے گا۔

(جواب ۴۵۰) جمعہ کے روز نماز جمعہ سے پہلے دکان کھولنا' تجارت کرنا' اذان اول سے پہلے تک جائز ہے اس لئے کوئی ایسا قاعدہ مقرر کرنا جس مین کسی کو زبردستی ایک مشروع کام سے روکا جائے درست نہیں ہے ہاں اگر سب لوگ بالاتفاق نماز سے پہلے دکانیں بند رکھنا منظور کرلیں تو جائز ہے ان کی اپنی مرضی پر منحصر

---

(۱) ما نصہ أنه يوم الذى يستحب أن يتفرغ فيه للعبادة وله سائر الأيام مزية بأنواع العبادات واجبة مستحبة فالله سبحانه و تعالى جعل لأ هل كل ملة يوما يتفرغون فيه للعبادة و يتخلون فيه عن اشتغال الدنيا بيوم الجمعة يوم عبادة وهو في الأيام كشهر رمضان (زاد المعاد)

(۲) يا يها الذين امنو إذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوإلى ذكر الله وذروالبيع الآية (سورة الجمعة : ۹)

ہے' جبر و اکراہ نہ ہونا چاہئیے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل پنجم ۔ مصافحہ بعد جمعہ وعیدین

بعد نماز جمعہ وعیدین مصافحہ سنت نہیں

(سوال) نماز جمعہ وعیدین کے بعد مصافحہ کرنا مکروہ ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو تحریمی یا تنزیہی ہے ؟
المستفتی نمبر ۱۱۳ محمد عنایت حسین صاحب (لکھنؤ) ۲۶ رجب ۱۳۵۲ھ ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء
(جواب ۴۵۱) نماز جمعہ و عیدین کے بعد مصافحہ کرنا اور اس کو اس وقت خاص سنت سمجھنا مکروہ ہے' کراہت تنزیہی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تنزیہی کو ہلکا سمجھ کر مصافحہ کیا جائے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

فصل ششم ۔ امامت جمعہ

ہندو ریاست میں جمعہ کا قیام

(سوال) ایک ہندو ریاست میں ایک شہر ہے جہاں کے حکام اور والی ہنود ہیں کسی عالم قاضی یا امام کا جو متفق علیہ ہو قوم کی طرف سے انتظام نہیں' حالانکہ روایات صحیحہ فقہیہ کتب معتبرہ اسی کو شرط بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ **الوالی شرط لا داء الجمعة وکذا المصر الجامع (سراجیه) حتی لا تجوز اقامتها بغیر امرا لسلطان وامرنا ئبه کذافی المحیط السرخسی الصحیح فی زماننا ان صاحب الشرط وهو الذی یسمی شحنه والوالی والقاضی لا یقیمون الجمعة لا نهم لا یولون ذٰلك الا اذا جعل ذلك فی عهد هم و منشور هم کذافی الغیاثیة فان لم یکن ثمه واحد منهم واجتمع الناس علی رجل فصلی بهم جاز . کذافی السراجیه. بلاد علیها ولاة کفار یجوز للمسلمین اقامة الجمعة ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین ویجب ان یلتمسوا والیاً مسلماً کذافی معراج الدرایة.** ایسی صورت میں جب کہ ولایت کفار میں علما نے کسی ایسے شخص پر اتفاق یا قاضی بنانے کی ضرورت بیان کی ہے

---

(۱) ووجب السعی بالأذان الأول فی الأصح الخ (الدر المختار' باب الجمعة' ط سعید)
(۲) و نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط' أنه تکره المصافحة بعد أداء الصلاة بکل حال لأن الصحابةؓ ماصافحوا بعد أداء الصلاة ولأنها من سنن الروافض ثم نقل ابن حجر عن الشافعیة: أنها بدعة مکروهة لا أصل له فی الشرع وإنه ینبه فاعلها أولاً و یعزر ثانیا ثم قال وقال ابن الحاج بن المالکیة فی المدخل أنها من البدع وموضع المصافحة فی الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخیه لافی أدبار الصلاة فحیث و ضعها الشرع یضعها فینهی عن ذلك ویز جر فاعله لها أتی به من خلاف السنة الخ (رد المحتار' کتاب الحظر والا باحة' باب الاستبراء وغیره' ۳۸۱/۶ ط سعید)

اور قوم کی طرف سے امور بالا کا التزام نہ ہو بلکہ تصریحات مذکورہ کے خلاف ہو کیا جمعہ بطور فرضیت کے واقع ہوگا اور اس کا نہ پڑھنے والا گناہ گار ہوگا یا نہیں ؟ بینوا توجروا

المستفتی نمبر ۶۲۰ شرف الدین (اجمیر) ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۵۲) ایسی جگہ جب مسلمان کسی شخص کو امامت جمعہ کے لئے مقرر کرلیں تو یہی تقرر اور انتخاب کافی ہے ورنہ تمام مسلمانوں کا کسی ایک شخص کو بحیثیت والی منتخب کرنا شرط ہو تو یہ بات شہروں اور انگریزی علاقوں میں بھی متحقق نہیں ہے فتاویٰ سراجیہ سے جو عبارت سوال میں نقل کی ہے واجتمع الناس علی رجل فصلی بهم جاز . یہ دلیل ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نماز جمعہ میں سجدہ سہو کا حکم

(سوال) نماز جمعہ میں امام کو سہو ہو جائے تو سجدہ سہو کیا جائے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۴۲۷ شیخ اعظم شیخ معظم (دھولیہ ضلع مغربی خاندیس)

۸ صفر ۱۳۵۸ھ ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء

(جواب ۴۵۳) جمعہ کی نماز میں سہو ہو جائے تو سجدہ سہو کرنا جائز نہیں (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

متعدد مساجد میں جمعہ کا حکم

(سوال) شومارکیٹ آگرہ کی تعمیر کے ساتھ ممبران شومارکیٹ نے اندرون مارکیٹ ایک شاندار سہ منزل مسجد بھی خاص اپنے مشترکہ سرمایہ سے تعمیر کرائی ہے جس میں پانچ سال سے پنج وقتہ نماز کے علاوہ نماز جمعہ بھی ادا کی جاتی ہے ممبران مارکیٹ نے ایسے انتظامات بھی کئے ہیں لیکن مسجد نمازیوں کی کمی کی وجہ سے خالی رہتی ہے مسجد متذکرہ بالا سے ایک صد چار قدم کے فاصلے پر بیرون شومارکیٹ ایک اور مسجد ہے جس میں کبھی نماز جمعہ ادا نہیں کی گئی مگر اس وقت کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بیرون شومارکیٹ کی مسجد میں بھی نماز جمعہ ادا کیا جاوے ایسی حالت میں یہ خدشہ ہے کہ مسجد اول الذکر جو نمازیوں کی کمی کی وجہ سے خالی رہتی ہے اور بھی خالی ہو جائے گی اور ممبران مارکیٹ کا وہ انتظام جو مسجد سے ملحق ہے درہم برہم ہو جائے گا ایسی حالت میں دو جگہ نماز جمعہ کا ہونا صحیح ہے ؟ اور اگر صحیح ہے تو افضل کونسی مسجد میں ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۰۷۱ حافظ محمد مسلم صاحب (آگرہ) ۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ۲۴ جولائی ۱۹۳۶ء

---

(۱) فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمعة و يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً (رد المحتار' باب الجمعة ۲/ ۱۴۴ ط سعيد)

(۲) والسهو في صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء' والمختار عند المتأخرين عدمه في الأولين لدفع الفتنة (درمختار) قال الشامي:" وفي جمعة حاشية أبي السعود عن العزمية أنه ليس المراد عدم جوازه' بل الأولى تركه' لئلا يقع الناس في فتنة الخ (رد المحتار' باب سجود السهو ۲/ ۹۲ ط سعيد)

(جواب ٤٥٤) جمعہ کی نماز متعدد مساجد میں ادا کرنے سے تو سب مسجد والوں کی ہو جاتی ہے(۱) لیکن بلا ضرورت جمعہ کی نماز جہاں تک ہو سکے تعدد اور کثرت سے بچائی جائے یہ افضل اور مستحسن ہے اور سوال میں جو صورت کہ مذکور ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مجوزہ نماز جمعہ بلا ضرورت قائم کی جارہی ہے اور اس سے پہلی مسجد کی جماعت میں کمی واقع ہوگی اس لئے یہ جدید اقامت جمعہ خلاف اولیٰ اور خلاف افضل ہوگی۔ فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

متعدد جگہ جمعہ ہو تو مسجد محلّہ افضل ہے

(سوال) خطیب صاحب جامع کیمل پور نے فرمایا ہے کہ جمعہ صرف جامع مسجد میں ہونا چاہئیے اگر جامع مسجد کے سوا کسی دوسری مسجد میں جمعہ پڑھا جائے تو جمعہ نہیں ہوتا کیمل پور شہر میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً چار ہزار ہے اور تین مساجد ہیں اور تینوں کے درمیان کافی فاصلہ ہے اور جمعہ دو مساجد میں پڑھا جاتا ہے لیکن خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ جمعہ صرف ایک مسجد میں یعنی صرف جامع مسجد میں ہو سکتا ہے جہاں وہ خود (خطیب جامع) امام ہیں سوال اب صرف یہ ہے کہ دوسری مسجد میں سوائے جامع مسجد کے اگر جمعہ پڑھا جائے تو ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ خطیب صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جامع مسجد کے سوا دوسری مسجد میں جمعہ نہیں بلکہ جمیاں یا جمی پڑھی جاتی ہے اس پر بھی روشنی ڈالی جائے۔

خطیب صاحب جامع کیمل پور نے فرمایا ہے کہ ہر ایک محلّہ کے لوگ محلّہ کی مسجد میں نماز ادا کریں اگر کوئی شخص اپنے محلّہ والی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں عمداً نماز پڑھنے جائے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی بلکہ الٹا گناہ ہوگا۔

المستفتی نمبر ۱۶۷۸ محمد شریف نگر یکمل پور (ضلع اٹک) ۹ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۷ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٥٥) ایک بستی میں ایک جگہ جمعہ پڑھنا افضل ہے لیکن اگر بستی بڑی ہو اور ایک جگہ سب لوگوں کا جمع ہونا دشوار ہو تو دو جگہ حسب ضرورت جمعہ پڑھنا جائز ہے(۲) اور بلا ضرورت بھی کئی جگہ جمعہ پڑھا جائے تو نماز ہو جاتی ہے البتہ خلاف افضل اور خلاف اولیٰ ہوتی ہے۔

اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا بہتر ہے مگر کوئی شخص دوسرے محلّہ کی مسجد میں اس نیت سے جائے کہ دور جانے سے ثواب زیادہ ہوگا اور اس کے جانے کی وجہ سے اس کے محلّہ کی مسجد کی جماعت کو نقصان نہ پہنچے تو یہ بھی جائز ہے ہاں اگر اس کے جانے سے محلّہ کی مسجد کی جماعت ویران ہوتی ہو تو پھر نہ جانا

---

(۱) وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقاً علی المذهب' و علیه الفتویٰ الخ (التنویر و شرحه باب الجمعة ۲/۱٤٤ ط سعید)

(۲) وتؤدی فی مصر بمواضع کثیرة مطلقاً علی المذهب' و علیه الفتویٰ' الخ (الدر المختار' باب الجمعة ۲/۱٤٤ ط سعید) ومسجد حیه أفضل من الجامع' والصحیح أما ألحق بمسجد المدینة ملحق به فی الفضیلة الخ (الدر المختار' باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها' ۱/٦٥٩ ط سعید)

چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شہر میں متعدد جگہ جمعہ جائز ہے

(سوال) مظفر پور ٹاؤن کے اندر ۳ جگہ نماز ہوتی ہے اور اس میں ایک بڑا محلہ سعد پورہ جس میں دو ٹولہ میں دو مسجد ہے دونوں مسجد کے درمیان چار سو قدم یا بزار فٹ کا فاصلہ ہے عرصہ سے ایک مسجد میں جمعہ کی نماز قائم ہے مگر بوجہ چند مصلحت کچھ لوگوں نے دوسری مسجد میں بھی جماعت مسجد اول ترک کر کے نیا جمعہ قائم کیا ہے اور وہ مصلحت یہ ہے کہ کچھ بے نمازی جو نماز جمعہ نہیں پڑھتے تھے پڑھنے لگیں اور دوسری مصلحت یہ کہ مسجد کے انتظام کے لئے پریشانی سے چندہ مہیا ہوتا تھا تو اس مصلحت سے بھی کہ جمعہ کے روز چندہ وصول کر کے مسجد کا انتظام کیا جاوے اور بقیہ رقم مسجد میں وقف کی جائے اول مسجد کے جمعہ کی نماز میں چار کبھی پانچ صفیں ہوتی تھیں اور دوسری مسجد میں بھی چار پانچ صف جمعہ کی جماعت سے ہوتی ہے اور یہی امید ہے تو ایسی صورت میں دوسری مسجد میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۶۹۵ حافظ عبدالحق صاحب کیپ مرچنٹ (مظفر پور)

۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ ۲۸ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٥٦) پہلی مسجد میں جمعہ موقوف کر کے دوسری مسجد میں جمعہ قائم کرلیں تو یہ بات مصالح مذکورہ کی وجہ سے جائز ہے اور پہلی میں جمعہ ہوتا رہے اور دوسری میں بھی جمعہ مقرر کرلیا جائے تو اس صورت میں صرف یہ بات ہوئی کہ شہر کے جمعوں کی تعداد بجائے بارہ کے تیرہ ہوگئی اس کا حکم یہ ہے کہ متعدد مساجد میں جو جمعہ کی نمازیں ہوتی ہیں یہ سب ہو جاتی ہیں(۱) مگر اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ جمعہ کی نماز جہاں تک ممکن ہو ایک جگہ ہو ورنہ تحت حاجت اور ضرورت میں دو یا تین جگہ کی جائے بلا ضرورت زیادتی مکروہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نماز جمعہ مسجد محلہ میں افضل ہے

(سوال) (۱) زید کا بیان ہے کہ ہمارے یہاں زمانہ قدیم سے تمام مسلمان متفقہ طور پر ایک ہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتے تھے لیکن اب مذہبی اختلافات و عقائد کی بناء پر خوشی تین چار مسجدوں میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے اب جناب تحریر کریں کہ آیا جمعہ کے فضائل ان چاروں مسجدوں میں یکساں ہوتے ہیں یا کم و بیش ؟
(۲) زید کے محلّہ کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے لیکن زید اپنے محلّہ کی مسجد کو چھوڑ کر دیگر مسجد میں جا کر نماز جمعہ ادا کرتا ہے 'آیا زید کا یہ فعل درست ہے یا نہیں ؟

---

(۱) وتؤ دى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً على المذهب' و عليه الفتوى الخ (التنوير و شرحه باب الجمعة ۲/ ۱٤٤ ط سعيد)

المستفتی نمبر ۱۹۰۷ محمد علی پیش امام مسجد آسیاں (ضلع حصار) ۱۷ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٥٧) (۱) افضل اور بہتر یہی ہے کہ جمعہ کی نماز ایک مسجد میں پڑھی جائے بلا ضرورت متعدد مسجدوں میں نماز جمعہ ادا کرنا بہتر نہیں ہے لیکن نماز چاروں مسجدوں میں ہو جاتی ہے(۱)

(۲) زید دوسرے محلہ کی مسجد میں اگر اس خیال سے جاتا ہے کہ وہاں جماعت بڑی ہوتی ہے یا امام اچھا ہے یا وہ قدیم سے جمعہ کے لئے مخصوص ہے تو اس کے اس عمل میں کوئی برائی نہیں ہے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قریب قریب مساجد میں جمعہ کا حکم

(سوال) گورستان کے درمیان ایک مسجد عرصہ سے موجود ہے بعد میں اس محلہ کے اندر دو مسجدیں اور بھی تعمیر شدہ موجود ہیں کیا ابتدائی مسجد گورستان والی میں نماز جمعہ و عیدین وغیرہ باقاعدہ پڑھے جا سکتے ہیں اور زیادہ حقدار ان میں سے کون سی مسجد ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۰۲۰ مولوی محمد عبداللہ شاہ (میانوالی)

(جواب ٤٥٨) گورستان والی قدیم مسجد میں اگر نماز جمعہ و عید ہوتی تھی تو اب بھی پڑھی جا سکتی ہے البتہ اگر ان مساجد میں سے بڑی اور محل وقوع کے لحاظ سے مناسب مسجد کو سب لوگ منتخب کر کے صرف ایک مسجد میں جمعہ پڑھا کریں تو بہتر ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ایک جگہ نماز جمعہ کا اجتماع افضل ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۲۷ء)

(سوال) موضع بلند التحصیل نکودر ضلع جالندھر میں واقع ہے تمام گاؤں میں مسلمان ہی آباد ہیں یہاں دو مساجد ہیں جن کا درمیانی فاصلہ دس بارہ قدم ہے ان ہر دو مساجد میں جمعہ کی نماز علیحدہ علیحدہ ادا کی جاتی ہے اگر ایک ہی مسجد میں ادا کی جائے تو اتنی گنجائش ہے کہ سب لوگ ایک ہی مسجد میں آجائیں گے ؟

(جواب ٤٥٩) مسلمان قوم کو لازم ہے کہ آپس میں اتفاق و محبت کے ساتھ ایک مسجد میں جو دونوں میں سے بڑی ہو جمعہ کی نماز پڑھیں کہ یہ اعلیٰ اور افضل ہے(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقاً علی المذهب و علیه الفتوی الخ (الدرالمختار باب الجمعة ۲/ ۱٤٤ ط سعید)

(۲) اذا کان لمنزل الرجل مسجدان یذهب الی مکان أقدم فإن کان سواء یذهب الی مکان أقرب من منزله وإن استویا فهو مخیر فإن کان قوم احدهما أکثر یذهب حیث أحب (فتاوی قاضی خان علی هامش العالمگیریة' فصل فی المسجد [illegible] ماجدیہ کوئٹہ)

(۳) وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقا علی المذهب' و علیه الفتوی الخ (الدر المختار باب الجمعة ۲/ ۱٤٤ ط سعید) (٤) وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقاً علی المذهب' و علیه الفتوی الخ (الدرالمختار باب الجمعة ۲/ ۱٤٤ ط سعید)

دہلی میں متعدد جگہ جمعہ کا حکم

(سوال) دہلی میں نماز جمعہ علاوہ جامع مسجد و مسجد فتح پوری کے کتنی جگہ کتنے فاصلہ پر ادا کی جا سکتی ہے ؟

(جواب ٤٦٠) جمعہ کی نماز جہاں تک ممکن ہو تحت ضرورت کے مواقع میں قائم کرنی چاہئیے بلا ضرورت تعدد مکروہ ہے دہلی جیسے شہر میں ایک دو جگہ پر اکتفا کرنا تو ممکن الوقوع نہیں مگر زیادہ سے زیادہ تمام شہر میں پندرہ بیس جگہ جمعہ ہو سکتا ہے اس سے زیادہ غیر ضروری مواقع کے جمعے بند کرا دینا ہی بہتر ہے(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل ہشتم ۔ جمعہ کے نوافل مسنونہ

سنت جمعہ کے لئے '' الصلوة قبل الجمعة'' پکارنا

(سوال) بروز جمعہ قبل از وقت چہار رکعت سنت قبل الجمعہ پڑھنے کے لئے مؤذن کا الصلوۃ قبل الجمعہ وغیرہ کہہ کر صلوۃ بولنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۲۸۳ محمد گوزو خاں صاحب (ضلع دھارواڑ)

۱۹ شوال ۱۳۵۵ھ م ۳ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٦١) نماز جمعہ سے پہلے الصلوۃ قبل الجمعہ پکارنا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے مبارک زمانہ میں نہیں تھا اور نہ ائمہ مجتہدین نے اس کا حکم دیا اس لئے یہ رواج سنت کے خلاف ہے' اسے ترک کرنا لازم ہے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بروز جمعہ زوال کے وقت نوافل پڑھنے کا حکم

(سوال) جمعہ کے دن زوال ہوتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۳۲۵ حافظ محمد صدیق صاحب (سہارنپور) ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۱۹ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ٤٦٢) زوال جمعہ کے روز بھی ہوتا ہے مگر اس دن بعض فقہاء نے زوال کے وقت نوافل و سنن پڑھنے کی اجازت دی ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) (ایضاً) حوالہ صفحہ گذشتہ وفی الشامیة :" ای سواء كان المصر كبيرا أولا وسواء فصل بين جانبيه نهر كبير أولا و سواء كان التعدد في مسجدين أو أكثر الخ (باب الجمعة ۲ / ۱٤٤ ط سعيد)

(۲) من أحدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد (بخاري' كتاب الصلح' باب إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود' ۱ / ۳۷۱ ط قديمي)

(۳) ويكره تحريماً مطلقا و لو قضاء أو واجبة أو نفلاً على جنازة و سجدة تلاوة و سهو مع شروق واستواء إلا يوم الجمعة على قول الثاني الصحيح المعتمد الخ (الدر المختار' كتاب الصلوة ۱ / ۳۷۰ ط سعيد) وروى عن ابى يوسف انه جوز التطوع وقت الزوال يوم الجمعة (حلبي كبير' فروع ص: ۲۳۷ سهيل اكيڈيمي)

فصل نہم۔ مسافر کا جمعہ

سفر میں جمعہ و عیدین واجب نہیں ۔

(سوال) سفر میں جمعہ و عیدین کی نمازیں واجب تو نہیں یا واجب ہیں ؟

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ٤٦٣) سفر میں جمعہ کی نماز فرض نہیں اور عید کی نماز واجب نہیں پڑھ لے تو بہتر ہے نہ پڑھ سکے تو اجازت ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل دہم۔ عورتوں کے لئے جمعہ و عیدین

عورتوں کا جمعہ میں شریک ہونے کا حکم

(سوال) کیا آج کل عورتوں کو تلقین کرنا کہ وہ جمعہ کو آکر جماعت میں شریک ہوں اور ان کے لئے ایک مسجد کے حصہ میں عمارت تعمیر کرانا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۶۲۳ ملک محمد امین صاحب (جالندھر) ۱۳ جمادی الاول ۱۳۵٦ھ ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٦٤) عورتوں کو جمعہ کی نماز میں شرکت کی ترغیب و تلقین اس حدیث کے خلاف ہے۔ عن ابی عمرو الشیبانی انه رای عبدالله یخرج النساء من المسجد یوم الجمعة ویقول اخرجن الیٰ بیوتکن خیر لکن (رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون کذا فی مجمع الزوائد) (۲) یعنی ابو عمرو شیبانی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھا کہ جمعہ کے روز عورتوں کو مسجد سے نکالتے تھے اور فرماتے تھے کہ اپنے گھروں کو جاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

یعنی عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں جانے اور جمعہ پڑھنے سے بہتر ہے' صحابہ کرامؓ کے زمانہ کا طرز عمل یہ تھا پھر آج فتنہ و فساد کے زمانہ میں اس کے خلاف مسجد میں آنے کی ترغیب دینا ظاہر ہے کہ غلط ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سوال مثل بالا

(سوال) عورتوں کو جمعہ کی نماز میں مسجد میں جا کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

---

(۱) فی التنویر وشرحه:" وشرط لا فترا ضها إقامة بمصر" وفی الشامیة :" خرج به "المسافر" الخ (باب الجمعة ۲/۱۵۳ ط سعید) قال فی الدر المختار :" تجب صلاتهما علی من تجب علیه الجمعة بشرائطها الخ (باب العیدین ۱/۱٦٦ ط سعید) (۲) (باب خروج النساء إلی المساجد ۲/۳۵ ط بیروت' لبنان)

(جواب ٤٦٥) جائز ہے مگر بہتر نہیں(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

چھٹا باب
نماز عیدین

شافعی امام کے پیچھے حنفی کے لئے تکبیرات زوائد کا حکم

(سوال) عید کی نماز بارہ تکبیروں سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ بلا ضرورت حنفی امام بارہ تکبیروں سے پڑھا سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ٤٦٦) بارہ تکبیروں سے حنفی امام کو عید کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہاں اگر امام بارہ تکبیر کے مذہب کا قائل ہو تو حنفی مقتدی کو اس کی متابعت کر لینی چاہئیے۔ **قال محمد فی الجامع اذا دخل الرجل مع الامام فی صلوۃ العید وھذا الرجل یری تکبیر ابن مسعود فکبر الامام غیر ذلک اتبع الامام الخ (عالمگیری ص ١٦٠ ج ١)**(۲)

نماز عید میدان میں ادا کرنا سنت ہے

(سوال) ہمارے ہاں شہر بھروچ میں نماز عید کے لئے قاضی شہر ایک جلسہ کے ساتھ بیرون شہر جاکر نماز عید کو عید گاہ پر جماعت کثیر کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور بہت سے لوگ اپنے اپنے محلّہ کی مسجدوں میں چھوٹی چھوٹی جماعت کے ساتھ نماز عید ادا کر کے اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں یا عید گاہ سیر و تماشا کے لئے چلے جاتے ہیں حالانکہ عید گاہ نہایت وسعت کے ساتھ بنائی گئی ہے جس وقت خطیب خطبہ پڑھ رہا ہے یہ لوگ سیر کرتے پھرتے ہیں پس جو لوگ محلّہ کی مسجد میں نماز گزارتے ہیں اور جو لوگ ہمراہ قاضی بیرون شہر عید گاہ میں نماز پڑھتے ہیں تو ان دونوں میں کیا فرق ہے ؟ دوسرے یہ کہ جب قاضی شہر نماز عید کے واسطے عید گاہ روانہ ہوا اس وقت بغیر عذر دوسروں کو محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا چاہئیے یا نہیں ؟

(جواب ٤٦٧) عید کی نماز شہر سے باہر جاکر عید گاہ میں پڑھنا مسنون ہے۔ **والخروج الیھا (ای الجبانة) لصلوۃ العید سنة وان وسعھم المسجد الجامع وھو الصحیح (درمختار ص ٦١٢ ج ١)**(۳) اور شہر میں بلا عذر عید کی نماز پڑھنا مکروہ ہے اگرچہ نماز ہو جائے گی مگر ثواب کم ہوگا اور اگر عذر ہو

---

(۱) ویکرہ حضور ھن الجماعة ولو لجمعة و عید ووعظ مطلقا ولو عجوزاً لیلاً علی المذھب المفتی به الخ (الدر المختار' باب الإمامة ١/ ٥٦٦ ط سعید)

(۲) (الباب السابع عشر فی صلاة العیدین' ١/ ١٥١ ط مکتبه ماجدیه' کوئٹه)

(۳) (باب العیدین' ٢/ ١٦٩' ط سعید)

تو بلاکراہت جائز ہے۔ فی الخانیة السنة ان یخرج الامام الی الجبانة و یستخلف غیرہ لیصلی فی المصر بالضعفاء والمرضی والا ضراء و یصلی ھو فی الجبانة بالا قویاء والا صحاء وان لم یستخلف احداً کان له ذلك (۱) وفی عمدة الرعایة حاشیة شرح الوقایة والا صل فیه ان النبی ﷺ کان یخرج الی المصلی ولم یصل صلوة العید فی مسجده مع شرفه الامرة بعذ رالمطر کمابسطه ابن القیم فی زاد المعاد والقسطلانی فی مواھب اللدنیة وغیر ھما (۲)

عورتوں پر عیدواجب نہیں

(سوال) ایک شخص عیدین کی نماز باجماعت پڑھتا ہے پھر جاکر عورتوں کو عیدین کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھاتا ہے آیا اس طرح پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ٤٦٨) عورتوں پر عیدین کی نماز واجب نہیں ہے اگر پڑھیں گی تو نفل ہوگی اور نفل میں جماعت مکروہ ہے۔لا یصلی التطوع بالجماعة ما خلا قیام رمضان و کسوف الشمس الخ (۳) (بدائع ص ۲۷۰ ج ۱) التطوع بالجماعة اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ (٤) (ھندیة ص ۸۷ ج ۱) والتطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذلك لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد کما فی الدرر (۵) (درمختار) قال شمس الائمة الحلوانی ان کان سوی الامام ثلثة لا یکرہ بالاتفاق و فی الاربع اختلف المشائخ والاصح انه یکرہ ھکذا فی الخلاصة (عالمگیریة) (٦)

نماز عید سے پہلے نوافل کا حکم

(سوال) عید کے روز عیدگاہ میں یا مکان پر نماز عید سے قبل یا بعد دو رکعت یا چار رکعت نفل پڑھ کر میت کو ثواب بخشنے کے متعلق کوئی حدیث ہے یا نہیں؟ اور کیا حضرت رسول مقبول ﷺ نے اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا ہے؟

(جواب ٤٦٩) قبل از نماز عید گھر میں اور مسجد و عیدگاہ میں نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے اور بعد ادائے نماز عیدگاہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے لیکن اگر عوام الناس میں سے کوئی شخص قبل از نماز یا بعد از نماز عیدگاہ میں ہی پڑھنے لگے تو منع کرنا بھی مناسب نہیں۔ولا یتنفل قبلھا مطلقاً و کذا لا یتنفل بعدھا فی مصلاھا فانه

---

(۱) (حاشیة علی ھامش العالمگیریة "باب صلوة العیدین" ۱ / ۱۸۳ ط ماجدیه)
(۲) (باب العیدین ۱ / ۲۰۲ ط سعید)
(۳) (فصل فی صلاة الکسوف ۱ / ۲۸۰ ط سعید)
(٤) (الباب الخامس فی الإمامة ، الفصل الأول فی الجماعة ۱ / ۸۳ ط ماجدیه)
(۵) (باب الوتر والنوافل ۲ / ٤۸ ط سعید)
(٦) (الباب الخامس فی الإمامة الفصل الأول فی الجماعة ۱ / ۸۳ ط ماجدیه)

مکروہ عند العامۃ وان تنفل بعدھا فی البیت جازبل یندب تنفل باربع وھذا للخواص. اما العوام فلا یمنعون من تکبیر ولا تنفل اصلا لقلۃ رغبتھم فی الخیرات. بحر (درمختار مختصرا)(۱) لیکن بالخصوص ایصال ثواب کے لئے کوئی نفل عید کے دن خاص طور پر پڑھنا اور اسے مستحب یا سنت سمجھنا مکروہ و بدعت ہے۔

عید گاہ میں بلند آواز سے ذکر کرنا

(سوال) مساجد میں بانتظار نماز عیدین مسلمان جمع ہوتے ہیں اور بجائے فضول اور لغو باتوں کے ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں اس طرح کہ ایک شخص تکبیر باواز بلند کہتا ہے دوسرے سننے والے باجماع آوازہ تکبیر بلند کرتے ہیں اور جب تک سب مصلی یکجا نہ ہو لیں اسی طرح ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور بعد نماز کے لوگ مع امام کے دعا مانگتے ہیں سوال یہ ہے کہ اس طریقے کا حدیث شریف وفقہ سے ثبوت ہے یا نہیں ؟

(جواب ٤٧٠) تسبیح و تکبیر بالسر تو ایک مستحسن فعل اور موجب اجر ہے لیکن صورت مسئولہ فی السوال میں جہر بالتکبیر بہیئت مذکورہ اور اجتماعی حالت کی وجہ سے بدعت اور ناجائز ہے کیونکہ جس بات میں شارع کی طرف سے کوئی تعیین نہ ہو اپنی طرف سے اس میں تعینات و تخصیصات کر لینا اس کو بدعت بنا دیتا ہے دلیل کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ اثر ملاحظہ ہو۔ اخبر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بالجماعۃ الذین کانو یجلسون بعد المغرب و فیھم رجل یقول کبر واللہ کذا وکذا سبحواللہ کذا وکذا اواحمدواللہ کذا وکذا فیفعلون فحضر ھم فلما سمع ما یقولون قام فقال انا عبداللہ بن مسعود فو الذی لا الہ غیرہ لقد جئتم ببدعۃ ظلماء اولقد فقتم علی اصحاب محمد علیہ السلام علماً (مجالس الابرار)(۲) یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو خبر دی گئی کہ ایک جماعت ہے جو بعد مغرب بیٹھتی ہے اور ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اللہ اکبر اتنی مرتبہ کہو، سبحان اللہ اتنی مرتبہ کہو الحمد للہ اتنی مرتبہ کہو تو سب ایسا ہی کرتے ہیں پس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ انکے پاس گئے اور ان کی تسبیح و تحمید کو سنا اور کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں عبداللہ بن مسعود ہوں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم ایک سخت تاریک بدعت کے مرتکب ہو یا اصحاب رسول اللہ ﷺ پر علم میں فوقیت حاصل کر لی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس قول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایسا طریقہ جس میں شارع کی طرف سے کوئی خصوصیت ثابت نہیں اس کا ارتکاب بدعت ہے اور کتب فقہ حنفیہ میں یہ حکم

---

(۱) (باب العیدین ۲ : ۱۶۹ ط سعید)
(۲) مجالس الابرار عربی نہیں ملی اردو ترجمہ سے اس کا حوالہ درج ہے (مجالس الابرار مجلس نمبر ۱۸ بدعت اور اس کے اقسام واحکام ص ۱۲۵ ط دارالاشاعت کراچی)
قال فی التنویر: "ولا یکبر فی طریقھا ولا یتنفل قبلھا مطلقا الخ (۲ : ۱۶۹ باب العیدین سعید) و فی التنویر و شرحہ "ویکبر جھرا فی الطریق قیل وفی المصلی الخ (۲ : ۱۷۶ باب العیدین ط سعید)

موجود ہے کہ تکبیر بالجہر عید الفطر میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک نہیں ہے اور عید الاضحیٰ میں تکبیر بالجہر راستہ میں ہے مصلی میں تکبیر بالجہر اور وہ بھی اس اجتماع واہتمام کے ساتھ فقہ حنفی کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نماز عید کھلے میدان میں پڑھنا سنت ہے

(سوال) کسولی ایک پہاڑی مقام ہے فوجی چھاؤنی ہے مجموعی آبادی قریباً تین ہزار ہے مسلمانوں کی آبادی قریباً ایک ہزار ہے یہاں ایک ہی مسجد ہے عیدین کی نمازیں اسی مسجد میں پڑھی جاتی ہیں اس مرتبہ بعض مسلمانوں نے سنت نبوی کا تتبع کرتے ہوئے نماز عید باہر میدان میں ادا کی اس پر بعض مسلمانوں نے یہ کہا کہ جن لوگوں نے نماز عید میدان میں ادا کی ہے ان کا جنازہ مسجد میں نہ آنے پائے؟

(جواب ۴۷۱) عیدین کی نماز آبادی سے باہر میدان میں یا اسی غرض سے بنائی ہوئی عید گاہ میں پڑھنی سنت ہے اگرچہ شہر کی مسجد میں پڑھ لینی بھی جائز ہے مگر اعلیٰ وافضل و مسنون باہر پڑھنا ہے(۱) جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنی مکروہ ہے بلا عذر مسجد میں نہ پڑھی جائے باہر پڑھی جائے عیدین کی نماز باہر پڑھنے کو سنت نہ سمجھنا جہالت ہے اور اس کے متعلق اس قسم کے کلمات اہانت کہنا مذموم ہے۔

(۱) مسجد میں نماز عید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
(۲) شہر سے باہر میدان میں نماز عید پڑھی جائے
(۳) بلا عذر مسجد میں عید پڑھنا کیسا ہے؟
(۴) متعدد جگہ نماز عید جائز ہے یا نہیں
(۵) حدود شہر سے کیا مراد ہے؟
(۶) شہر کے اندر عید گاہ میں نماز کا حکم
(۷) فتاویٰ عبدالحئی کی عبارت کی تحقیق

(سوال) (۱) عیدین کی نماز جامع مسجد میں خلاف سنت ہے یا نہیں؟ (۲) میدان میں نماز پڑھنے سے کیا مراد ہے آیا مسجد سے باہر کسی میدان میں نماز پڑھنا مسنون ہے یا حدود شہر سے باہر کسی میدان میں؟ (۳) مساجد میں بلا عذر کے عیدین کی نماز پڑھنا کراہت کے بغیر جائز ہے یا نہیں؟ (۴) متعدد جگہوں میں عیدین ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۵) شہر کا حکم حدود میونسپلٹی سے معلوم ہوگا یا اور کسی طریقہ سے؟ (۶) جو کھلے میدان اور عید گاہ ہیں حدود میونسپلٹی کے اندر موجود ہیں ان میں نماز عید بلا کراہت ہو جاتی ہے یا نہیں؟ (۷) فتاویٰ

---

(۱) والخروج إلى المصلى وهي الجبانة سنة (حلبي كبير' باب صلاة العيد ص ۵۷۱ ط سهيل اكيدمى' لاهور)
والخروج إليها أي الجبانة لصلاة العيد سنة (الدر المختار' باب العيدين ۲/ ۱۶۱ ط سعيد)

عبدالحیؒ جو خلاصۃ الفتاویٰ کے حاشیے پر چڑھا ہوا ہے اس کے صفحہ ۱۵۸ پر مولانا مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ "مکہ معظمہ میں عیدین کی نماز ہمیشہ سے مسجد حرام میں پڑھی جاتی ہے اہل مکہ کبھی میدان میں نہیں گئے اور بعض علماء کی یہ تحقیق ہے کہ آنحضرت ﷺ اس لئے مسجد نبوی میں عیدین کی نماز ادا نہیں فرماتے تھے کہ مسجد اہل مدینہ کے لئے کافی نہیں تھی اور جب سے مسجد نبوی وسیع ہو گئی ہے اس وقت سے اہل مدینہ عیدین کی نماز مسجد نبوی میں ادا کرتے ہیں باہر میدان میں نہیں جاتے" کیا مولانا کی یہ تحقیق صحیح ہے؟

المستفتی نمبر ۱ ۵۰ مولانا حبیب الرحمن لدھیانہ۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ م ۲۵ جون ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۷۲) عیدین کی نماز ادا کرنے کا طریقہ مسنونہ و متوارثہ سلفاً و خلفاً یہی ہے کہ شہر کے باہر میدان میں ادا کی جائے (۱) اور تمام شہر کے لوگ جن کو کوئی عذر نہ ہو باہر جاکر ہی نماز ادا کریں آنحضرت ﷺ نے بجز ایک مرتبہ کے ہمیشہ شہر کے باہر جبانہ میں ہی نماز عید ادا فرمائی ہے اور حضور اکرم ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کے فعل سے بھی یہی ثابت ہے اور ایک مرتبہ جو شہر میں حضور اکرم ﷺ نے نماز عید پڑھی ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ بارش کی وجہ سے باہر جانا دشوار تھا ہمیشہ شہر سے باہر عید کے لئے تشریف لے جانا ظاہر ہے کہ کوئی عادی فعل نہیں تھا بلکہ نماز کی باہر افضلیت کی بنا پر تھا اس بنا پر محققین احناف بلا عذر شہر میں نماز عید ادا کرنے کو خلاف سنت اور مکروہ کہتے ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ شہر کے تمام لوگ باہر جانے کے لائق نہیں ہوتے کیونکہ آبادی میں بوڑھے اور کمزور اور مریض وغیرہ بھی ہوتے ہیں اس لئے یہ بھی سنت ہے کہ امام شہر کی جامع مسجد میں اپنے نائب کو نماز عید پڑھانے کے لئے چھوڑ جائے تاکہ معذورین کی نماز بھی آسانی سے ہو جائے اور اگر شہر بڑا ہو اور تمام معذورین کا ایک مسجد میں جمع ہونا بھی بعد اطراف شہر کی وجہ سے مشکل ہو تو دو تین مسجدوں میں نماز عید ہو سکتی ہے۔

میدان میں نماز پڑھنے سے یہی مراد ہے کہ شہر کی آبادی سے باہر جاکر میدان میں پڑھی جائے بعض عبارات میں لفظ صحرا واقع ہے جو آبادی سے باہر کے میدان پر ہی صادق آتا ہے ضرورت سے زیادہ تعدد اور مساجد میں نماز عید قائم کرنے کی کثرت اور غیر معذورین کا شہر میں نماز پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے کیونکہ عیدین کی نماز شہر سے باہر قائم کرنے کی حکمت یہی تھی کہ پوری جمعیت اسلامیہ کے اجتماع سے مسلمانوں کی شوکت ظاہر ہو اور ظاہر ہے کہ شہر میں بکثرت مقامات میں عید پڑھنے سے یہ غرض مفقود اور مضمحل ہو جائے گی۔

یہ قول کہ آنحضرت ﷺ نے مسجد نبوی میں قلت گنجائش کی وجہ سے عید نہیں پڑھی بعض علماء کی رائے ہے اور محققین نے اسے تسلیم نہیں کیا مولانا عبدالحیؒ کی خود یہ رائے نہیں ہے انہوں نے

---

(۱) ثم خروجه ماشيا إلى الجبانة وهي المصلي العام الخ والخروج اليها أي الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح (در مختار) أي في الصحراء نقلا عن الخلاصة والخانية السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناء على أن صلاة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق وإن لم يستخلف فله ذلك (رد المحتار باب العيدين ۲: ۱۶۹ ط سعيد)

مجموعہ فتاویٰ جلد دوم میں دو جگہ اور جلد سوم میں بھی اپنی رائے یہی لکھی ہے کہ عید کی نماز کے لئے باہر جانا سنت مؤکدہ ہے۔

اگر شہر میں معذورین کی ضرورت کا لحاظ کر کے ایک دو یا تین جگہ عید کی نماز ہو اور اس میں بعض غیر معذورین بھی شریک ہو جائیں تو اس میں مضائقہ نہیں اور امام اگرچہ خود غیر معذور ہے مگر معذورین کو نماز پڑھانا بھی اس کے لئے عذر ہے اس کی نماز میں اور اسی طرح دوسرے منتظمین کی نماز میں جو بغرض انتظام شہر میں نماز پڑھیں کوئی کراہت نہیں ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عورتوں کا عیدگاہ میں نماز کے لئے جانا کیسا ہے؟

(سوال) عورتوں کو عیدگاہ میں نماز عید کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۱۲ ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۶ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۷۳) نہیں کہ ان کے جانے میں فتنہ ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دوران خطبہ چندہ کا حکم

(سوال) عیدین کے خطبہ ثانیہ میں کسی عالم یا مسافر یا امام و مؤذن کے لئے بطور خوشی چندہ کیا جائے مجبوراً اگر بعد میں کرتے ہیں تو مقصود بر نہیں آتا تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۳۲ عبدالرحمن (ضلع ناسک) ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۱۳ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۷۴) خطبہ کے اثناء میں چندہ کرنا جائز نہیں خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد کر سکتے ہیں یعنی امام سفارش کر دے اور لوگ دے دیں تو یہ عمل خطبہ کے بعد ہو سکتا ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

خطبہ کے وقت تکبیر کے بارے میں عالمگیری کی عبارت کا مطلب

(سوال) ہم لوگوں کے یہاں دیار آسام میں اور بنگال کی بعض جگہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے خطبہ میں تکبیر کہنا رائج ہے اور خطیب کے خطبہ میں تکبیر کہتے وقت قوم بھی اس کے ساتھ باآواز بلند تکبیر کہتے ہیں اور یہ دستور تقریباً سو برس پہلے سے ہے امام کو خطبہ میں خواہ عید الفطر کا ہو خواہ عید الاضحیٰ کا تکبیر کہنا مستحب ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری مع فتاویٰ قاضی خاں مطبوعہ مصر صفحہ ۱۵۰۔۱۵۱ میں مذکور ہے نیز فتاویٰ عالمگیری میں یہ بھی ہے کہ اذا کبر الامام فی الخطبة تکبر القوم معه و اذا صلی علی النبی یصلی

---

(۱) ویکرہ حضور هن الجماعة ولو لجمعة و وعظ مطلقا ولو عجوزا لیلاً علی المذهب المفتی به لفساد الزمان (الدر المختار' باب الامامة ۱/۵٦٦ ط سعید)

(۲) حدیث میں ہے " من مس الحصی فقد لغا" (مسلم' کتاب الجمعة ۱/۲۸۳ ط قدیمی) قال فی الدر المختار: " وکل ما حرم فی الصلاة حرم فیها أی فی الخطبة (باب الجمعة ۳/۱۵۹ ط سعید)

الناس فی انفسھم امتثالا للامر والسنۃ الانصات. کذافی التتارخانیۃ ناقلا عن الحجۃ.(۱) اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر امام کے ساتھ قوم کو بھی پکار کر کہنا چاہئیے اور صرف امام کے صلوۃ پڑھتے وقت قوم دل میں آہستہ آہستہ پڑھے تکبیر کو صلوۃ پر قیاس کر کے آہستہ آہستہ پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا ہوں مگر ایک مولوی صاحب لوگوں کو بلند آواز سے کہنے سے منع کرتے ہیں اور پہلے تکبیر خطبہ میں پڑھنا ہی بدعت اور ضلالت فرماتے تھے مگر اب امام کے خطبہ میں تکبیر کہنے کو مستحب مانتے ہیں مگر مقتدیوں کو بلند آواز سے تکبیر کہنے کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں اور دلیل ان کی یہ ہے کہ درالمختار مع حاشیہ طحطاوی صفحہ ۳۴۷ میں لکھا ہے۔ کل ما حرم فی الصلوۃ حرم فیھا ای فی الخطبۃ خلاصۃ وغیر ھا. فیحرم اکل وشرب و کلام ولو تسبیح او رد سلام اوامر لمعروف بل یجب علیہ ان یستمع ویسکت... وکذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبۃ نکاح و ختم و عید علی المعتمد. اور بحر الرائق(۲) ص ۱۷۵ میں ہے یجب السکوت والا ستماع فی خطبۃ العیدین (۳)

المستفتی نمبر ۶۹۰ مولوی سید عبدالقدوس (شیب ساگر آسام) ۲۷ رمضان ۱۳۵۴ھ م ۲۴ دسمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۷۵) قوم کو امام کے ساتھ تکبیر کہنا جائز ہے مگر مثل صلوۃ کے اپنے دلوں میں تکبیر کہیں فتاویٰ عالمگیری میں جو عبارت ہے اس میں کلمہ فی انفسھم کا تعلق تکبیر اور صلوۃ دونوں کے ساتھ ہے اور یہی ہونا چاہئیے تاکہ وجوب انصات کے ساتھ تعارض اور تزاحم نہ ہو اور اسی عالمگیری کے مصری نسخے میں اس عبارت کے حاشیے میں یہ لکھ دیا ہے۔ قولہ فی انفسھم قال الظاھر انہ متعلق بالتکبیر والصلوۃ لانہ یجب الانصات لجمیعھا اھ (۴) یہی راجح اور اوفق بالاصول ہے۔ فقط　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

نماز عید کے بعد دعا

(سوال) عیدین کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں تو الدعاء مخ العبادات کا کیا مطلب ہوا؟

المستفتی نمبر ۷۹۱ محمد نور صاحب (ضلع جالندھر) ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲ مارچ ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۷۶) عیدین کے بعد دعا مانگنے کا فی الجملہ تو ثبوت ہے مگر تعیین موقع کے ساتھ ثبوت نہیں کہ نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد دونوں موقعوں میں سے کسی ایک موقع پر دعا مانگنے میں مضائقہ نہیں ہے (۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

---

(۱) (الباب السابع فی صلاۃ العیدین ۱ / ۱۵۱ ط ماجدیہ)
(۲) (باب الجمعۃ ۲ / ۱۵۹ ط سعید)
(۳) (باب صلاۃ العیدین ۲ / ۱۷۵ دار المعرفۃ بیروت لبنان)
(۴) (الباب السابع فی صلاۃ العیدین ۱ / ۱۵۱ ط ماجدیہ)
(۵) عن ام عطیۃ قالت امرنا ان تخرج الحیض یوم العید وذوات الخدور فشھدن جماعۃ المسلمین و دعوتھم (بخاری باب خروج النساء والحیض الی المصلی ۱ / ۱۳۳ ط قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۱) دعا نماز عید کے بعد ہو یا خطبہ کے بعد ؟
(۲) جمعہ و عید کے دن نقارہ بجانا
(۳) ہندوؤں سے مٹھائی خرید کر کھانا کیسا ہے ؟

(سوال) (۱) عید کی نماز کے بعد دعا مانگے یا خطبہ کے بعد ؟ (۲) جمعہ اور عیدین کے دن نقارہ بجانے میں کوئی حرج تو نہیں ؟ (۳) اہل ہنود سے مٹھائی وغیرہ خرید کر کھا سکتے ہیں یا نہیں جب کہ وہ ہمیں کتوں جیسا خیال کرتے ہیں بلکہ کتے تو ان کے برتنوں کو چاٹ سکتے ہیں لیکن مسلمان ہاتھ نہیں لگا سکتا ؟

المستفتی نمبر ۸۳۱ مولوی محمد انور (ضلع جالندھر) ۱۳ محرم ۱۳۵۵ھ م ۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۷۷) (۱) عیدین کے خطبہ کے بعد دعا مانگنا اچھا ہے(۱) (۲) نقارہ بجانے میں عیدین کے روز مضائقہ نہیں (۲) جمعہ کے دن نہیں چاہئیے (۳) ہنود سے مٹھائی وغیرہ خریدنا جائز ہے لیکن اگر مسلمان غیرت برتیں اور نہ خریدیں تو بہتر ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جمعہ و عیدین میں سہو کا حکم

(سوال) نماز جمعہ و نماز عیدین میں اگر سجدہ سہو ہو جائے تو کیا حکم ہے ؟

المستفتی ۱۰۰۷ عبدالستار (گیا) ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۲۰ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۷۸) جماعت زیادہ بڑی نہ ہو اور کسی گڑبڑ کا خوف نہ ہو تو جمعہ و عیدین میں بھی سجدہ سہو کر لیا جائے البتہ کثرت جماعت کی وجہ سے گڑبڑ کا خوف ہو تو سجدہ سہو ترک کر دینا مباح ہے(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) عورتوں کا عیدین میں حاضر ہونے کا حکم
(۲) عہد نبوی ﷺ اور صحابہؓ کے زمانے میں عورتیں عید گاہ جاتی تھیں یا نہیں ؟
(۳) موجودہ دور میں عورتوں کا جمعہ و عیدین میں جانا کیسا ہے ؟

(سوال) مشکوۃ شریف باب نماز عیدین میں شیخین کی یہ حدیث درج ہے۔ عن ام عطية رضى الله عنها قالت امرنا ان نخرج الحيض يوم العيدين و ذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين و دعوتهم

---

(۱) اکثر حضرات اکابر نے نماز کے بعد دعا لکھا ہے اس لئے یہ حضرت کی رائے پر محمول ہو سکتا ہے (امداد الفتاوی ۱/ ۴۰۵ خير الفتاوی ۳/ ۱۲۷ و دار العلوم دیوبند ۵/ ۲۳۱)

(۲) ومن ذلك ضرب النوبة للتفاخر فلو للتنبيه فلا بأس به الخ (الدر المختار' كتاب الحظر والإباحة ۶/ ۳۵۰ ط سعيد)

(۳) والسهو فى صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتاخرين عدمه فى الأوليين لدفع الفتنة كمافى جمعة البحر (التنوير و شرحه' باب سجود السهو' ۲/ ۱۲ ط سعيد)

و تعتزل الحيض عن مصلا هن قالت امرأة يا رسول الله احد لنا ليس لها جلباب قال لتلبسها صاحبتها من جلبابها (۱) (متفق علیه) (۱) کیا کوئی دوسرا ایسا حکم شرعی موجود ہے کہ جس کے باعث یہ حدیث اور اس کا حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منسوخ ہو گئے ہوں۔ (۲) کیا عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہؓ میں اس پر عمل ہوتا رہا (۳) اگر کوئی عذر شرعی (مثلاً فتنہ وغیرہ) نہیں ہے تو کیا اب شرائط واحکام شریعت کے مطابق اس حکم کی تعمیل لازم نہیں ؟

المستفتی جناب غلام دستگیر رشید ایم اے (عثمانیہ) حیدر آباد دکن

۱۶ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ ۳۰ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٧٩) (۱) اس حدیث کی ناسخ کوئی دوسری حدیث میری نظر میں نہیں (۲) عہد نبوی ﷺ میں اس پر عمل ہوتا رہا اور عہد صحابہؓ میں بھی عمل ہوا مگر صحابہ کرام میں سے بعض جلیل القدر صحابہ نے عورتوں کے خروج من البیوت کو منع کرنا شروع کر دیا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ ممانعت آنحضرت ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کے طور پر نہ تھی بلکہ علت ممانعت (خوف فتنہ) کے وجود کی بناء پر تھی یہ حدیث عید کے متعلق ہے اور عید کی تقریب میں عورتوں کی کثرت ابتدائے اسلام میں تکثیر سواد مسلمین اور اظہار شوکت اجتماعیہ کے لئے مؤکد تھی اور پنجگانہ نمازوں میں شرکت کی اجازت تھی۔ وضم معه مقصد آخر من مقاصد الشريعة وهو ان كل ملة لا بد لها من عرضة يجتمع فيها اهلها لتظهر شوكتهم و تعلم كثرتهم ولذلك استحب خروج الجميع حتى الصبيان والنساء وذوات الخدور الحيض ويعتزلن المصلى ويشهدن دعوة المسلمين (۲) (حجۃ اللہ البالغہ) عن ابن مسعودؓ انه كان يحلف فيبالغ في اليمين مامن مصلى للمرأة خير من بيتها الا فى حج او عمرة الحديث (طبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون کذا فی مجمع الزوائد) (۳) و عنه انه قال ما صلت امرأة من صلوة احب الى الله من اشد مكان فى بيتها ظلمة (طبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون کذا فی مجمع الزوائد) (٤) و عن ابى عمرو الشيبانى انه راى عبدالله يخرج النساء من المسجد يوم الجمعة و يقول اخر جن الى بيوتكن خير لكن (رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون کذا فی مجمع الزوائد) (٥) عن ام حميد امرأة ابى حميد الساعدى انها جاء ت النبى ﷺ فقالت يا رسول الله انى احب الصلوٰة معك قال قد علمت انك تحبين الصلوة معى و صلاتك فى بيتك خير

---

(۱) (بخاری ' باب خزوج النساء والحیض إلی المصلی ۱/۱۳۳ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی) (مسلم ' فصل فی إخراج العواتق وذوات الخدور الخ ۱/۲۹۲ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی (مشکوۃ' باب العیدین ص ۱۲۵ ط سعید)

(۲) (باب العیدین ۲/٤٨٠ ط بغداد)

(۳) (باب خروج النساء إلی المساجد ۲/۳٥ ط دار الفکر' بیروت ' لبنان)

(٤) (ایضاً)

(٥) (ایضاً)

صلاتك فی حجر تك وصلاتك فی حجرتك خير من صلوٰتك فی دارك وصلوتك فی دارك خير من صلوتك فی مسجد قومك و صلوتك فی مسجد قومك خير من صلوتك فی مسجدی قالت فامرت فبنی لها مسجد فی اقصیٰ بيت فی بيتها واظلمه فكانت تصلی فيه حتی لقيت الله عزو جل (رواه احمد و رجاله رجال الصحيح غير عبدالله بن سويد الانصاری ثقه ابن حبان كذافی مجمع الزوائد.(۱)

ان احادیث پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ حدیث امر بالخروج للعیدین میں امر وجوبی نہیں ہے اور مصلحت خروج اظہار شوکت وکثرت مسلمین تھی کیونکہ حائضہ عورتوں کو بھی نکلنے کے حکم کی اور کوئی مصلحت نہیں۔

(۳) فتنہ کاوجود غالب ہے اور غالب ہی پر احکام شرعیہ مبنی ہوتے ہیں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عید کے دن گلے ملنا رسم ہے

(سوال) کیا عید ملنا بے اصل چیز ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۳۳۳ محمد عزت علی خاں (ضلع ہردوئی)

۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ ۶ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ٤۸۰) عیدین میں معانقہ کرنا یا عید کی تخصیص سمجھ کر مصافحہ کرنا شرعی نہیں بلکہ محض ایک رسم ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عید الاضحیٰ جلد پڑھنا بہتر ہے

(سوال) عید الاضحیٰ کی نماز عید گاہ میں دس بجے سے گیارہ بجے تک ہوتی ہے حالانکہ نماز عید الاضحیٰ جلد ہونا چاہئے مگر اکثر اشخاص کہتے ہیں کہ دیہات کے لوگ چونکہ دیر سے پہنچتے ہیں اس وجہ سے نماز میں تاخیر ہونے میں کوئی حرج نہیں نیز نماز پڑھنے والے چند اشخاص جو کہ قربانی کی جلدی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں کہ ہم اسی میں سے کچھ پکوا کر کھائیں تو ان کو اتنی دیر ہو جاتی ہے کہ کھانا بعد دوپہر ملتا ہے تو ایسی حالت میں ان اشخاص کو کیا یہ اجازت ہے کہ وہ اول وقت کسی مسجد میں نماز ادا کرلیں اور بعدہ قربانی کریں ان دونوں

---

(۱) (باب خروج النساء إلى المساجد ۲/۳۳. ۳٤ ط دار الفكر' بيروت' لبنان)

(۲) ويكره حضور هن الجماعة ولو لجمعة و عيد ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً ليلاًعلى المذهب المفتي به لفساد الزمان (الدر المختار' باب الإمامة ۱/٥٦٦ ط سعيد)

(۳) و نقل فی تبيين المحارم عن الملتقط آنه تكره المصافحة بعد اداء الصلوة بكل حال لأن الصحابة ما صافحوا بعداداء الصلاة ولأ نها من الروافض ثم نقل ابن حجر عن الشافعية أنها بدعة مكروهة لا أصل لها فی الشرع وإنه ينبه فاعلها أولاً و يعزر ثانياً ثم قال وقال ابن الحاج عن المالكية فی المدخل أنها من البدع و موضع المصافحة فی الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه لا فی أدبار الصلوة فحيث و ضعها الشرع يضعها فينهی عن ذلك و يزجر فاعله لما اتی به عن خلاف السنة (رد المحتار' كتاب الحظر والإباحة' باب الاستبراء ٦/۳۸۱ ط سعيد)

صورتوں میں کون افضل ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۰۱۵ ظفریار خان صاحب (ہردوئی) ۱۰ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۵ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٨١) کوشش کی جائے کہ نماز عید زیادہ سے زیادہ دس بجے ادا کرلی جائے لیکن اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو علیحدہ نماز پڑھنا بہتر نہیں ہے قربانی میں تاخیر اور اس کی وجہ سے کھانے میں تاخیر برداشت کرلینا بہتر ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

عیدگاہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ نماز عید پڑھنا

(سوال) عیدگاہ مقررہ کو چھوڑ کر دیگر جگہ سفید میں پڑھنا کیسا ہے بہتر جگہ کونسی ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۱۱۴ شیخ محمد شفیع صاحب (فیروزپور) ۱۱ شوال ۱۳۵۶ھ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٨٢) عیدگاہ آبادی سے اگر باہر ہو تو اس میں نماز پڑھنی جائز ہے اور آبادی کے اندر ہو اور آبادی سے باہر نماز کے لئے زمین مناسب موجود ہو اور مالک زمین کی اجازت ہو تو باہر عید کی نماز پڑھنی اولیٰ ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

عیدگاہ میں نماز عید پڑھنا افضل ہے

(سوال) عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا افضل ہے یا جامع مسجد میں ؟

المستفتی نمبر ۲۲۰۳ فرزند علی صاحب (برما) ۷ ازیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۲۰ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ٤٨٣) عیدگاہ کی نماز باہر میدان میں یا عیدگاہ میں پڑھنا افضل ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ

صحیح لفظ "عید الاضحیٰ" ہے

(سوال) کیا عید اضحی کی نماز میں عید اضحیٰ کی نیت کرنی ضروری ہے اور کیا اگر عید اضحیٰ کی نیت نہ کی گئی بلکہ عید الضحی کی نیت کی گئی تو کیا حرج ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۲۷۴ حفاظت علی خاں صاحب کوٹ (ضلع فتح پور)

۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ ۳۰ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ٤٨٤) عید الاضحیٰ صحیح ہے اور عید الضحیٰ صحیح نہیں ہے مگر نیت نماز میں اگر کسی نے عید الضحی کا نام

---

(۱) ویندب تعجیل الأضحی لتعجیل الأضاحی و تاخیر الفطر لیؤدی الفطرۃ کمافی البحر (رد المحتار باب العیدین ۲ / ۱۷۱ ط سعید)

(۲) والخروج إلی الجبانۃ لصلاۃ العید سنۃ وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحیح (التنویر مع شرحه باب العیدین ۲ / ۱۶۹ ط سعید)

(۳) (ایضا)

لے یا جب بھی نماز ہو جائے گی(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱)نماز عید آبادی سے باہر میدان میں پڑھنا افضل ہے
(۲)نماز عید کھلے میدان میں پڑھنا سنت متوارثہ ہے

(سوال) (۱) کیا حضور اکرم ﷺ نے بلا عذر نماز عید مسجد نبوی میں پڑھی ہے یا نہیں اور بصورت اجتماع عید گاہ میں تفریق بلا عذر شرعی جائز ہے یا نہیں ؟
(۲) کیا خروج جبانہ نماز عید کے لئے سنت ہے یا نہیں اور بشرط وجود عید گاہ تارک اس کا قابل ملامت ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۱۷۷ فیروز خاں (جہلم) یکم جمادی الاول ۱۳۶۱ھ م ۱۸ مئی ۱۹۴۲ء

(جواب ۴۸۵) (۱) عید کی نماز آبادی سے باہر میدان میں یا عید گاہ میں پڑھنا مسنون ہے بلا عذر آبادی کے اندر مسجد میں عید کی نماز ادا کرنا مکروہ ہے بارش ہو یا ایسی ہی کوئی عذر ہو کہ آبادی سے باہر جانا مشکل ہو یا بوڑھوں' بیماروں' کمزوروں کے لئے شہر کے اندر مسجد میں ادا کرلی جائے تو خیر ورنہ باہر جاکر ادا کرنا ہی مسنون ہے (۲)
(۲) ہاں عید کی نماز کے لئے خروج الی جبانہ سنت قدیمہ متوارثہ ہے عذر صحیح نہ ہو تو اس سنت کا ترک قابل ملامت ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سنت زندہ کرنے کا ثواب

(سوال) کیا اگر کوئی شخص احیاء سنت کا مانع ہو مثلاً صورت اجتماع وخروج عید گاہ باوجود موجود ہونے عید گاہ یا بصورت اجتماع جمعہ وغیرہ کیا بانی امور مذکورہ قابل ملامت ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۱۷۷ فیروز خاں صاحب (جہلم)

(جواب ۴۸۶) جو شخص احیاء سنت سے مانع ہو وہ یقیناً قابل ملامت ہے اور جو شخص کہ کسی سنت متروکہ کو جاری کرے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شہر میں متعدد جگہ عید کا اجتماع

(سوال) ایک شہر میں دو جگہ یا اس سے زائد عیدین کی نماز جائز ہے یا نہیں ؟

---

(۱) وأحكامها أحكام الأضحى الخ (تنوير الابصار' باب العيدين ۲/۱۷٦ ط سعيد)
(۲) والخروج إلى المصلى' وهي الجبانة سنة الخ فإن ضعف القوم عن الخروج أمر الإمام من يصلي بهم في المسجد (حلبي كبير' باب العيدين ص ۵۷۱ ط سهيل اكيڈمي' لاهور)
(۳) (ايضا) (٤) من تمسك بسنتي عند فساد أمتي فله أجر مأة شهيد (مشكوة' باب الاعتصام بالكتاب والسنة' الفصل الثاني ص ۳۰ ط سعيد)

المستفتی نمبر ۲۱۸۷ راجہ فیروز خاں صاحب (جہلم)
(جواب ٤٨٧) عید کی نماز آبادی سے باہر جا کر میدان میں یا عید گاہ میں ادا کرنا سنت ماثورہ قدیمہ ہے شہر کے اندر بوڑھوں' بیماروں' کمزوروں کی خاطر یا بارش یا کسی اور عذر کی وجہ سے پڑھی جائے تو خیر مضائقہ نہیں ورنہ بلاعذر شہر میں عید پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح بلاعذر تعدد بھی مکروہ ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

نماز عید میں سہو کا حکم

(سوال) عیدین کی نماز چھ تکبیروں کے ساتھ دو رکعت واجب ہے اگر پیش امام ایک تکبیر بھول جائے تو سجدہ سہو کیا جائے یا نماز دہرائی جائے ؟
المستفتی نمبر ۲۴۳۷ شیخ اعظم شیخ معظم (دھولیہ ضلع خاندیس) ۸ صفر ۱۳۵۸ھ م ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء
(جواب ٤٨٨) سجدہ سہو سے نماز ہو جائے گی۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تکبیر تشریق بلند آواز سے پڑھی جائے

(سوال) زید کہتا ہے کہ تکبیر ایام تشریق امام اور مقتدی کو بآواز بلند کہنا واجب ہے اور بکر کہتا ہے کہ امام آواز سے کہے اور مقتدی آہستہ کہیں دونوں میں سے کون ٹھیک کہتا ہے ؟
(جواب ٤٨٩) ایام تشریق کی تکبیریں امام اور مقتدی دونوں کو بآواز بلند کہنی چاہئیں کیونکہ بعض کے نزدیک جہر کرنا واجب ہے اور بعض کے نزدیک سنت ہے۔ والجھر بہ واجب و قیل سنۃ کذا فی القھستانی(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

نماز عید کے بعد تکبیرات تشریق کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۲۸ء)
(سوال) عیدالاضحی کی نماز کے بعد تکبیر پڑھنا مثل نماز جمعہ کے واجب ہے یا مستحب یا ممنوع ؟
(جواب ٤٩٠) نماز عید کے بعد تکبیر پڑھنا جائز ہے واجب نہیں اور ناجائز بھی نہیں۔ ولا بأس بہ عقب العید لان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعھم و علیہ البلخیون(٤) در مختار۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

---

(۱) والخروج إليها أى الجبانة لصلاة العيد سنة (التنوير و شرحه' باب العيدين' ۲/۱٦۹ ط سعيد) (و فى الشامية : إن السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ' ليصلى فى المصر بالضعفاء بناءً على أن صلاة العيدين فى موضعين جائزة بالا تفاق وإن لم يستخلف فله ذلك (باب العيدين ۲/۱٦۹ ط سعيد)
(۲) والسهو فى صلاة العيد و الجمعة والمكتوبة والتطوع سواء' والمختار عند المتأخرين عدمه فى الأولين لدفع الفتنة (التنوير و شرحه' باب سجود السهو ۲/۹۲ ط سعيد)
(۳) (رد المحتار' باب العيدين ۲/۱۷۸ ط سعيد)
(٤) (باب العيدين ۲/۱۸۰ ط سعيد)

شافعی امام کا دو مرتبہ نماز عید پڑھانا

(الجمعیۃ مورخہ یکم اگست ۱۹۲۸ء)

(سوال) الامام الشافعي يصلي صلاة العيد للاحناف اولاً و يصلي هو ايضاً للشافعيين ثانيا مع وسيع المسجد. بينوا توجروا

(ترجمہ) ایک شافعی امام نے عید کی نماز حنفیوں کو پڑھائی اس کے بعد اسی امام نے دوبارہ شافعیوں کو نماز پڑھائی باوجودیکہ مسجد وسیع تھی (اور ایک جماعت بھی ہو سکتی تھی)

(جواب ۴۹۱) اذا امد الشافعي للحنفية في صلوة العيد جازت صلوتهم. ثم اذا ام الشوافع في هذه الصلاة جازت صلاتهم على مذهبهم . نعم تكرار الصلاة في مسجد واحد مكروه عندنا وعند الشافعي رحمه الله (۱) محمد كفايت الله كان الله له'

(ترجمہ) جب کہ شافعی امام نے نماز عید میں حنفیوں کی امامت کی تو حنفیوں کی نماز ہو گئی اور پھر جب اسی شافعی امام نے دوبارہ شافعیوں کو وہی نماز عید پڑھائی تو شوافع کے مذہب کی رو سے ان کی بھی نماز ہو گئی البتہ ایک ہی مسجد میں ایک نماز کی دوبارہ جماعت ہمارے اور امام شافعی دونوں کے نزدیک مکروہ ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ

نماز عید کے لئے اذان مسنون نہیں

(الجمعیۃ مورخہ یکم اگست ۱۹۲۸ء)

(سوال) بقر عید اور عید الفطر میں جو اذان پکاری جاتی ہے اس کا حکم حدیث و قرآن میں ہے یا نہیں ؟

(جواب ۴۹۲) عید بقر عید میں کوئی اذان مسنون نہیں ہے (۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

نماز عید کے بعد مصافحہ کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء)

---

(۱) و كذا تكره خلف أمرد (إلى أن قال) وزاد ابن ملك و مخالف كشافعي' لكن في وتر البحر ان تيقن المراعات لم يكره (الدر المختار' باب الإمامة ۱ / ۵۶۲ ط سعيد) وفي الشامية : " وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز مالم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع (باب الإمامة ۲ / ۵۶۳ ط سعيد) شافعیوں کی اس لئے ہو گی کیونکہ ان کے ہاں تنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء درست ہے وهو جواب بما استدل به الشافعي على جواز الفرائض بالنفل' وهو ما في الصحيحين أن معاذاً كان يصلي مع رسول الله ﷺ عشاء الآخرة ثم يرجع إلى قومه فيصلي بهم تلك الصلاة" (رد المحتار' باب الإمامة ۱ / ۵۷۹ ط سعيد) و يكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة الخ (الدر المختار' باب الإمامة ۱ / ۵۵۲ ط سعيد)

(۲) عن ابن جريج قال أخبرني عطاء عن ابن عباس و جابر بن عبدالله قال لم يكن يؤذن يوم الفطر ولا يوم الاضحى ثم سألته بعد حين عن ذلك فاخبرني قال أخبرني جابر بن عبدالله الأنصاري أن لا أذان للصلاة يوم الفطر حين يخرج الإمام ولا بعد ما يخرج ولا إقامة ولا نداء ولا شئ لانداء يومئذ ولا إقامة (مسلم' كتاب الصلاة العيدين ۱ / ۲۹۰ ط قديمي كتب خانه' كراچى)

(سوال) نماز عید کے بعد عید گاہ میں سب اٹھ کر مصافحہ کرنے لگتے ہیں یہ کیسا ہے؟
(جواب ۴۹۳) نماز عید کے بعد عید کی تخصیص کی وجہ سے مصافحہ کرنے کا شریعت میں ثبوت نہیں ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عورتوں کا نماز عید کے لئے جانا جائز نہیں

الجمعیۃ مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۵ء

(سوال) عورتوں کو عید گاہ میں نماز کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں؟
(جواب ۴۹۴) نہیں۔ کہ ان کے جانے میں فتنہ ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

نماز عید شہر سے باہر پڑھنا سنت ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۵ جون ۱۹۳۷ء)

(سوال) شہر سے بارہ پتھر باہر یعنی آخر کنارہ شہر دیہات میں نماز جمعہ و عیدین شہر میں عید گاہ ہوتے ہوئے پڑھنا کیسا ہے؟
(جواب ۴۹۵) عید کی نماز تو شہر سے باہر پڑھنی افضل ہے اور جمعہ آبادی کے اندر بہتر ہے مگر شہر کے باہر فنائے شہر میں جمعہ پڑھا جائے تو جائز ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

عید الفطر کے دن سویاں پکانا محض رسم ہے

(سوال) اس طرف عید الفطر کے روز عام طور پر یہ رواج جاری ہے کہ بعد نماز سویاں تقاضے کے ساتھ کھاتے کھلاتے ہیں' یہ کیسا ہے؟
(جواب ۴۹۶) سویاں کھانا کھلانا کوئی شرعی بات نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

عید اور نکاح پڑھانے کی اجرت لینے والے کی امامت

(سوال) قاضی صاحبان عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں تو چندہ جمع کر کے اجرت لیتے ہیں اور نکاح پڑھائی دو

---

(۱) نقل في تبيين المحارم عن الملتقط' أنه تكره المصافحة بعد اداء الصلاة بكل حال' لأن الصحابة ما صافحوا بعد اداء الصلاة ولأنها من سنن الروافض الخ (رد المحتار' كتاب الحظر والإباحة' باب الا ستبراء وغيره ٦/ ٣٨١ ط سعيد)
(۲) ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة و عيدو وعظ مطلقاً ولو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتي به' لفساد الزمان (التنوير مع شرحه باب الإمامة ١/ ٥٦٦ ط سعيد)
(۳) والخروج إليها أى الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع (التنوير و شرحه باب العيدين ٢/ ١٦٩ ط سعيد)

روپے چار روپے طلب کرتے ہیں اور جو شخص انکار کرتا ہے نکاح نہیں پڑھاتے اور خود تارک الصلوۃ ہیں۔
المستفتی محمود خان (ہمیر پور)
(جواب ۴۹۷) عید کی امامت کی اجرت لینا ناجائز ہے نکاح کی اجرت بقدر وسعت لینی جائز ہے(۱) مگر بے نمازی کو امام بنانا مکروہ ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نماز عید کے بعد تکبیر تشریق پڑھنا جائز ہے

(سوال) عید الاضحی کی نماز کے سلام پھیرنے کے بعد تکبیر تشریق پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟
المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور ضلع فیض آباد
(جواب ۴۹۸) ہاں پڑھی جائے تو جائز ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ساتواں باب
سنن و نوافل
فصل اول۔ سنت فجر

جماعت کے وقت سنت فجر کا حکم

(سوال) نحمده و نصلي على رسوله الكريم۔ سنت فجر بعد اقامت فرض اسی مقام پر ادا کرنا کیسا ہے صف کے برابر پڑھنا یا صف کے پیچھے مگر بغیر کسی حاجز و حائل کے پڑھنا یکساں ہے یا متفاوت الحکم اور در صورت حاجز نہ ہونے کے اس مقام پر پڑھ لینا بہتر ہے یا چھوڑ دینا؟ بینوا توجروا
(جواب ۴۹۹) عن النبی علیه الصلوة والسلام اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة (۴)
(ترجمہ) حضرت رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ جب نماز کی تکبیر کہی جائے پھر کوئی نماز سوائے فرض کے نہیں (پڑھنی چاہئے) اس عموم سے سنت فجر کی ممانعت بھی ثابت ہوتی ہے مگر چونکہ اس حدیث کو ابن عیینہ و حماد بن زید و حماد بن سلمہ نے ابو ہریرہ سے موقوفا روایت کیا ہے اور سنت فجر آکد السنن ہے اور صحابہ سے سنت فجر کا بعد اقامت فرض پڑھ لینا بھی ثابت ہے۔ روی الطحاوی عن ابن مسعودؓ انه دخل

---

(۱) (امداد الفتاوی ۲/۲۶۳ ط مکتبه دار العلوم کراچی و خیر الفتاوی ۴/۵۸۶.۵۸۷ ط مکتبة الخیر جامعه خیر المدارس ' ملتان)
(۲) قال فی التنویر : و یکره امامة عبد و أعرابی و فاسق الخ (باب الامامة ۱/۵۵۹ ط سعید)
(۳) ولا بأس به عقب العيد' لأن المسلمين توارثوه فوجب إتباعهم' و عليه البلخيون ولا يمنع العامة من التكبير الخ (رد المحتار' باب العيدين ۲ ۱۸۰ ط سعيد)
(۴) (بخاری' باب إذا أقيمت الصلوة إلا المكتوبة ۱/۹۱ ط قدیمی کتب خانه ' کراچی)

المسجد وقد اقیمت الصلوۃ فصلی رکعتی الفجر فی المسجد الی اسطوانۃ وذلک بمحضر حذیفۃ وابی موسیٰ . وروی مثلہ عن عمر بن الخطابؓ وابی الدرداء و ابن عباس ذکرہ ابن بطال فی شرح البخاری عن الطحاوی و عن محمد بن کعب قال خرج عبداللہ بن عمر من بیتہ فاقیمت صلوٰۃ الصبح فرکع رکعتین قبل ان یدخل المسجد ثم دخل فصلی مع الناس و ذلک مع علمہ باقامۃ الصلوۃ و مثلہ عن الحسن و مسروق والشعبی . انتھیٰ کذافی غنیۃ المستملی(۱).
پس ان وجوہ ثلاثہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت فجر عموم حدیث سے مستثنیٰ ہے اس لئے فقہائے حنفیہ اس کے پڑھ لینے کی اجازت بعد اقامت فرض دیتے ہیں لیکن اسی مقام پر بغیر کسی حائل کے پڑھنا مکروہ ہے اور مخالط صف ادا کرنا سخت مکروہ ہے اس لئے کہ ان صورتوں میں مخالفت جماعت لازم آتی ہے اور صحابہ کرام جن سے سنتوں کا پڑھنا ثابت ہے وہ ایسی صورت سے ثابت ہے کہ یا تو خارج مسجد یا اسطوانہ یا ساریہ کے پیچھے پس انہیں صورتوں سے جائز ہوگا۔ فی غنیۃ المستملی(۲) ثم السنۃ المؤکدۃ التی یکرہ خلافھا فی سنۃ الفجر وکذا فی سائر السنن ھو ان لا یاتی بھا مخالطا للصف بعد شروع القوم فی الفریضۃ ولا خلف الصف فی غیر حائل وان یاتی بھا اما فی بیتہ وھوالا فضل او عند باب المسجد ان امکنہ ذلک بان کان ثمہ موضع یلیق للصلوۃ وان لم یمکنہ ذلک ففی المسجد الخارج ان کانوا یصلون فی الداخل او فی الداخل ان کانوا فی الخارج ان کان ھناک مسجد ان صیفی و شتو ی وان کان المسجد واحداً فخلف اسطوانۃ ونحو ذلک کالعمودو الشجرۃ وما اشبھھا فی کونھا حائلاً والا تیان بھا خلف الصف من غیر حائل مکروہ و مخالطا للصف کما یفعلہ کثیر من الجھال اشد کراھۃ لما فیہ من المخالفۃ للجماعۃ. خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ جب نماز فرض شروع ہو جائے تو سنت یہ ہے کہ سنت فجر کو مکان میں پڑھے اور افضل یہی ہے یا دروازہ مسجد پر پڑھے (یعنی مسجد سے باہر۔ کما صرح بہ القھستانی وسیاتی ذکرہ) اگر وہاں پر کوئی جگہ نماز کے لائق ہو اور اگر دروازہ مسجد پر ممکن نہ ہو تو باہر والے درجہ میں پڑھے اگر جماعت فرض اندر ہو یا اندر پڑھے اگر جماعت باہر ہو اور اگر مسجد کا ایک ہی درجہ ہو تو ستون کے پیچھے یا اور کسی آڑ والی چیز کے پیچھے پڑھے اور صف کے پیچھے بغیر حائل کے پڑھنا مکروہ ہے اور صف کے برابر مخالط صف ہو کر پڑھنا جیسا کہ اکثر جاہل کرتے ہیں سخت مکروہ ہے اس عبارت سے خوب معلوم ہو گیا کہ افضل مکان میں پڑھنا ہے پھر مسجد کے باہر مسجد کے دروازہ پر اگر جگہ ہو پھر باہر والے درجہ میں اگر جماعت اندر ہو یا اندر والے درجہ میں اگر جماعت باہر ہو پھر کسی ستون یا آڑ کے پیچھے پڑھنا چاہئے رہا یہ کہ اگر درجہ بھی ایک ہو اور کوئی آڑ بھی نہ ہو تو کیا کرے اس کا حکم یہ ہے کہ سنت کو چھوڑ دے فرض میں شریک ہو جائے۔ فی الدر المختار(۳) بل یصلیھا عند باب المسجد ان وجد مکانا والا

---

(۱) (فروع فی شرح الطحاوی، ص ۲۴۲ ط سہیل اکیڈمی، لاھور)
(۲) (فروع ص ۳۹۶ ط سہیل اکیڈمی، لاھور) (۳) (باب أدراك الفریضۃ، ۲/۵٦ ط سعید)

ترکھا لان ترك المکروہ مقدمہ علی فعل السنۃ . وفی ردا المحتار . قولہ عند باب المسجد ای خارج المسجد کما صرح بہ القهستانی وقال فی العنایة لانہ لو صلا ھا فی المسجد کان متنفلاً فیہ عند اشتغال الامام بالفریضة و ھو مکروہ فان لم یکن علی باب المسجد موضع للصلوۃ یصلیها فی المسجد خلف ساریة من سواری المسجد واشد ھا کراھیة ان یصلیها مخالطا للصف مخالفا للجماعة والذی یلی ذلك خلف الصف من غیر حائل و مثلہ فی النهایة والمعراج. قولہ والا ترکھا . قال فی الفتح و علی ھذا ای علی کراھة صلاتها فی المسجد ینبغی ان لا یصلی فیہ اذا لم یکن عند بابہ مکان لان ترك المکروہ مقدم علی فعل السنة غیر ان الکراھة تتفاوت فان کان الامام فی الصیفی فصلاتہ ایاھا فی الشتوی اخف من صلاتها فی الصیفی و عکسہ واشد ما یکون کراھة ان یصلیها مخالطا للصف کما یفعلہ کثیر من الجهلة انتهی. پس ان عبارتوں سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ اگر مسجد کے دروازہ پر جگہ نہ ہو اور مسجد میں کوئی موقع آڑ کا نہ ہو تو ایسی صورتوں میں سنتوں کو چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ آڑ نہ ہونے کی صورت میں یا تو مخالط صف ہو کر پڑھے گا اور یہ سخت مکروہ ہے یا صف کے پیچھے بغیر حائل کے پڑھے گا اور یہ بھی مکروہ ہے اور کراہت کے ساتھ ادا کرنے سے چھوڑ دینا اچھا ہے۔ لان ترك المکروہ مقدم علی فعل السنة . واللہ اعلم بالصواب. کتبہ العبد الضعیف الراجی رحمة مولاہ محمد کفایت اللہ اوصلہ اللہ غایة ما یتمناہ حرر الاربع خلون. من شوال المکرم ۱۳۱۹ھ

جواب صحیح بہت درست ہے۔ سنت فجر مؤکدہ ہے۔ حتی الامکان مطابق سنت ادا کرے۔ فی النهایة اما انہ یصلی فی المسجد وان قامت الجماعة فلان سنة الفجر اکدھا قال النبی ﷺ صلوھما وان طرد تکم الخیل واما عند باب المسجد فلان الاشتغال بالنفل عند اشتغال الامام مکروہ . واللہ اعلم و حکمہ احکم. کتبہ و صدقہ محمد اعظم غفر لہ اللہ ما اجرم.

۴ شوال المعظم ۱۳۱۹ھ فی بلدۃ شاہجہانپور۔ الجواب صواب عبید الحق عفی عنہ۔

الجواب صحیح محمد ریاست علی خاں

جماعت ہو رہی ہو تو سنتیں کہاں پڑھی جائیں

(سوال) فجر کی سنت اگر جماعت ہو رہی ہو تو الگ ہو کر پڑھنی چاہئیں یا جماعت میں شامل ہو جانا چاہئے اگر رہ جائیں تو جماعت کے بعد ہی پڑھ لی جائیں یا سورج نکلنے پر پڑھی جائیں یا بالکل نہ پڑھی جائیں ؟

المستفتی نمبر ۲۴۹ شہباز خاں سب انسپکٹر پولیس۔

۴ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ ۲۰ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۵۰۰) فجر کی سنتیں جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد علیحدہ مقام میں جا کر پڑھی جائیں اور علیحدہ

کوئی جگہ نہ ہو تو جماعت میں شریک ہو جانا چاہئے(۱) اور جماعت کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے نہیں پڑھنا چاہئے آفتاب نکلنے کے بعد پڑھ لی جائیں تو بہتر ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جماعت شروع ہونے کے بعد آنے والے کے لئے سنت فجر کا حکم

(سوال) ایک شخص بوقت فجر مسجد میں آتا ہے اور آگے جماعت ہو رہی ہے اب وہ پہلے سنتیں ادا کرے یا جماعت میں شریک ہو جائے ؟ المستفتی ۱۱۴۳ سید محبوب حسن (نرائن گڈھ ضلع انبالہ)
۲۶ جمادی الثانیہ ۱۳۵۳ھ ۶ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۵۰۱) فجر کی جماعت شروع ہو جانے کے بعد کسی علیحدہ جگہ میں سنتیں ادا کرنے کا اتنا موقع مل جائے کہ سنت ادا کر کے فرض ایک رکعت مل سکے گی تو سنتیں ادا کر کے جماعت میں شریک ہو اور اگر کوئی علیحدہ جگہ میسر نہ ہو یا ایک رکعت فرض ملنے کی امید نہ ہو تو جماعت میں شریک ہو جائے اور جماعت کے بعد سورج نکلنے سے پہلے سنتیں نہ پڑھے سورج نکلنے کے بعد چاہے تو پڑھ لے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سنت فجر رہ جائیں تو کب پڑھی جائیں

(سوال) زید کہتا ہے کہ اگر فجر کی سنتیں قضاء ہو جائیں تو بعد ادائے فرض سنتیں پڑھ لے کوئی حرج نہیں بکر کہتا ہے کہ طلوع آفتاب سے قبل ہر گز سنتیں ادا نہیں کر سکتا اگر پڑھے گا تو گناہ گار ہو گا کس کا قول صحیح ہے ؟
المستفتی نمبر ۵۴۴ فقیر احمد (سنگرر) ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۵۰۲) فرض فجر ادا کرنے کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے سنتیں پڑھنا ممنوع ہے طلوع آفتاب کے بعد پڑھی جائیں (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بوقت جماعت آنے والوں کے لئے سنتوں کا حکم

(سوال) صبح کی جماعت کھڑی ہونے کے بعد ایک شخص مسجد میں داخل ہوا جس نے صبح کی سنتیں نہیں

---

(۱) بل يصليها عند باب المسجد ان وجد مكاناً والإتركها لأن ترك المكروه مقدم على فعل السنة الخ و في الشامية " عند باب المسجد اى خارج المسجد كما صرح به القهستاني وقال في العناية' ولأنه لو صلاها في المسجد الخ (باب إدراك الفريضة ۲ / ۵٦ ط سعيد)
(۲) أما إذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع (رد المحتار' باب إدراك الفريضة ۲/۵۷ ط سعيد)
(۳) بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكاناً وإلا تركها الخ (الد المختار باب إدراك الفريضة ۲/۵٦ ط سعيد) و كره نفل ... ولو سنة الفجر بعد صلاة فجر الخ (الدر المختار' كتاب الصلاة ۱/ ۳۷۵ ط سعيد)
(٤) أما إذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالا جماع (رد المحتار' باب إدراك الفريضة ۲/۵۷ ط سعيد)

پڑھی تھیں اب یہ شخص جماعت میں بغیر سنت پڑھے شریک ہو جائے یا سنت پڑھ کر؟
المستفتی نمبر ۹۶۱ رحمت علی (دہلی) ۸ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۳۰ مئی ۱۹۳۶ء
(جواب ۵۰۳) فجر کی سنتیں فرض نماز شروع ہو جانے کے بعد ان شرائط کے ساتھ ادا کی جا سکتی ہیں:
(۱) سنتیں ادا کرنے کے بعد جماعت میں شریک ہو کر ایک رکعت ملنے کی قوی امید ہو۔
(۲) مسجد میں جماعت کے مقام پر سنتیں نہ پڑھی جائیں (۳) مسجد سے خارج کسی دالان میں یا حجرہ میں یا دروازے کے باہر کسی جگہ میں ادا کی جائیں (۴) مسجد میں ادا کی جائیں تو جماعت سے آڑ کی جگہ ہو۔ اگر ان شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی پوری نہ ہو تو سنتیں چھوڑ کر فرضوں میں شریک ہو جانا چاہئے(۱) فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

فجر کی سنتیں رہ جائیں تو سورج نکلنے کے بعد پڑھی جائیں؟

(سوال) عن ابن عباس قال سمعت غیر واحد من اصحاب النبی ﷺ منهم عمر بن الخطاب وکان من احبهم الی ان رسول الله ﷺ نهی عن الصلوة بعد الفجر حتی تطلع الشمس و عن الصلوة بعد العصر حتی تغرب الشمس. ترمذی(۲) ص ۲۵ مجتبائی، دہلی۔
صبح کی سنتیں اگر رہ جائیں تو کیا فرض سے فارغ ہو کر سورج نکلنے سے پہلے پڑھی جا سکتی ہیں بعض لوگ روزانہ اس میں جھگڑتے ہیں حالانکہ یہ بالکل واضح حدیث موجود ہے یہ بھی جناب ہی واضح فرمادیں۔
المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی
(جواب ۵۰۴) صبح کی سنتیں اگر فرض سے پہلے نہ پڑھی جائیں تو پھر آفتاب نکلنے کے بعد پڑھی جائیں فرض کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے پڑھنا حنفیہ کے نزدیک اسی حدیث کی وجہ سے جو آپ نے نقل کی ہے منع ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

فصل دوم۔ احکام سنن ونوافل

بوقت جماعت آنے والوں کے لئے سنتوں کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جون ۱۹۳۶ء)

(۱) وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لا شتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل والإبان رجا أدراك ركعة في ظاهر المذهب لا يتركها بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكانا والإ تركها لأن ترك المكروه مقدم على فعل السنة (درمختار) قال الشامي: " قوله عند باب المسجد أى خارج المسجد كما صرح به القهستاني .. فإن لم يكن على باب المسجد موضع للصلاة يصليها في المسجد خلف سارية من سوارى المسجد وأشدها كراهة أن يصليها مخالطاً للصف مخالفا للجماعة (باب إدراك الفريضة ۲/۵٦ ط سعيد)
(۲) (باب ماجاء فى كراهية الصلاة بعد العصر و بعد الفجر ۱/۴۵ ط سعيد)

(سوال) نماز فجر کی جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد ایک شخص مسجد میں داخل ہوا جس نے سنتیں نہیں پڑھی تھیں اب وہ بغیر سنتیں پڑھے جماعت میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۵۰۵) فجر کی سنتیں فرض نماز شروع ہو جانے کے بعد ان شرائط کے ساتھ ادا کی جا سکتی ہیں :-
(۱) سنتیں ادا کرنے کے بعد جماعت میں شریک ہو کر ایک رکعت ملنے کی قوی امید ہو (۲) مسجد میں جماعت کے مقام پر سنتیں نہ پڑھی جائیں۔ (۳) مسجد سے خارج کسی دالان یا حجرے میں یا دروازے کے باہر کسی جگہ ادا کی جائیں۔ (۴) مسجد میں ادا کی جائیں تو جماعت سے آڑ کی جگہ ہو اگر ان شرطوں میں سے کوئی ایسی شرط بھی پوری نہ ہو تو پھر سنتیں چھوڑ کر فرضوں میں شریک ہو جانا چاہئے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سلام کے بعد امام کے لئے محراب سے ہٹ کر سنتیں پڑھنا مستحب ہے

(سوال) السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ منقول از الجواب المتین مصنفہ مولانا سید اصغر حسین صاحب مطبوعہ احمدی پریس ص ۱۹ حدیث اول ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ جب فرض کے بعد سنت و نفل پڑھو تو ذرا آگے پیچھے یا دائیں بائیں کو ہٹ جاؤ (ابو داؤد وابن ماجہ) حدیث دوم حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مسنون ہے یہ کہ امام نفل و سنت نہ پڑھے جب تک کہ اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائے (ابن ابی شیبہ وابو داؤد از مغیرہ منقطعاً) سوال یہ ہے کہ کیا احادیث مذکورہ سے بعد فرضوں کے جگہ بدل کر سنت و نفل پڑھنا مسنون ہے اور یہ مسجد کے لئے ہے یا گھر میں نماز پڑھنے والوں کے لئے بھی ہے ؟

(جواب ۵۰۶) فرض کی جگہ سے علیحدہ ہو کر سنن و نوافل پڑھنے کا استحباب اس بناء پر ہے کہ نماز پڑھنے والے کے لئے دو مقام گواہ بن جائیں یا فرائض و نوافل میں امتیاز ہو جائے اور اس بناء پر یہ استحباب مسجد کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مکان و مسجد دونوں میں پایا جائے گا(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سنن و نوافل گھر میں پڑھنا مسنون ہے

(سوال) ماقولکم رحمکم اللہ کہ یہاں دو فرقہ ہو گیا ہے۔ ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ فرضوں کے بعد سنتوں کی تاخیر اللھم انت السلام ومنک السلام الخ یا اس کے برابر کوئی دعا سے زائد مکروہ ہے۔ دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ حدیث سے جو دعائیں اور اذکار ثابت ہیں ان کا بعد فرضوں کے پڑھنا سنت ہے چاہے طویل ہو اور

---

(۱) وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لا شتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل والإبان رجا إدراك ركعة في ظاهر المذهب لا يتركها بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكاناً والا تركها لأن ترك المكروه مقدم على فعل السنة (التنوير مع شرحه باب إدراك الفريضة ٢/٥٦ ط سعيد)
(٢) ويكره للإمام التنفل في مكانه لا للمؤتم (درمختار) و في الشامية :" أما المقتدى و المنفرد فإنهما إن لبثا أو قاما إلى التطوع في مكانهما الذى صليا فيه المكتوبة جاز والأحسن أن يتطوع في مكان آخر الخ (فصل في تاليف الصلاة ١/٥٣١ ط سعيد)

بعد دعا کے سنت اور نفل گھر میں جا کر پڑھنا افضل ہے اگر چہ گھر دور ہو غرضکہ اس مقدار سے زائد تاخیر کو کوئی مکروہ کہتا ہے اور کوئی سنت سوال یہ ہے کہ شامی کی عبارت **(اذا تردد الحکم بین سنة و بدعة کان ترك السنة راجحاً علی فعل البدعة)** (۱) کے مطابق یہ مقدار سے زائد تاخیر بدعت ہو گیا یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(**جواب ۵۰۷**) **اذا تردد الحکم الخ** سے مراد یہ ہے کہ کسی فعل کے سنت یا بدعت ہونے میں ایسا تردد ہو کہ کسی جہت کو ترجیح نہ ہو سکے تو ایسی حالت میں احتیاطاً ترک سنت راجح ہوگا فعل بدعت سے۔ لیکن اگر دلیل سے کسی جانب کی ترجیح ثابت ہو جائے تو اس راجح امر کو اختیار کرنا متعین ہے اور صورت مذکورہ فی السوال میں روایات صحیحہ کثیرہ سے صراحتہً ثابت ہے کہ فرائض کے بعد **اللھم انت السلام الخ** سے زائد مقدار کی دعائیں آنحضرت ﷺ نے پڑھی ہیں اسی طرح نوافل کو گھر میں پڑھنے کا استحباب احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اس خصوص میں کوئی حدیث اس کے معارض بھی نہیں ہے تو یقیناً راجح یہی ہے کہ بعد فرائض اذکار و ادعیہ ماثورہ پڑھ کر گھر جا کر سنن و نوافل پڑھنا مسنون ہے (۲)

نماز مغرب سے پہلے نوافل کیوں مکروہ ہیں

(**سوال**) بعد غروب آفتاب قبل نماز مغرب حدیث صحیح سے دو رکعت نفل نماز پڑھنا ثابت ہے مگر حنفیہ کے نزدیک مکروہ لکھا ہے لہذا اس کے مکروہ ہونے کی کیا دلیل ہے ؟

المستفتی ممتاز علی کلانور ضلع رہتک

(**جواب ۵۰۸**) بے شک صحیح حدیث سے بعض صحابہ کا اذان مغرب کے وقت دو رکعت نماز پڑھنا ثابت ہے مگر خود حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے کبھی نہیں پڑھی ہیں۔ **عن منصور عن ابیه قال ما صلی ابو بکر ولا عمر ولا عثمان الرکعتین قبل المغرب (عب و مسدد) کذافی کنز العمال** (۳) یعنی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں نہیں پڑھی ہیں اور فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے تسلیم کیا ہے کہ حضور ﷺ نے بھی نہیں پڑھی ہیں **اما کونه ﷺ لم یصلهما فلا ینفی الاستحباب الخ** (۴) **(فتح الباری)** حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے **وروی عن ابن عمر قال ما رأیت احداً یصلیهما علی عهد النبی ﷺ و عن الخلفاء الاربعة و جماعة من الصحابة انهم کانوا لا یصلونهما** (۵) یعنی حضرت ابن عمرؓ سے

---

(۱) (باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیها ۱/ ۶۴۲ ط سعید)
(۲) عن جابر قال : " قال رسول الله ﷺ : " إذا قضی أحدکم الصلاۃ فی مسجدہ فلیجعل لبیته نصیبا من صلاته فإن الله جاعل فی بیته من صلاته خیرا (مسلم باب استحباب النافلة فی بیته ۱/ ۲۶۵ قدیمی کتب خانه' کراچی)
(۳) (باب المغرب وما یتعلق به ۸/ ۵۰ ط بیروت لبنان)
(۴) (باب کم بین الأذان والإقامة ۲/ ۹۰ ط مصر)
(۵) (ایضا)

مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں کسی کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور خلفائے اربعہ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ یہ سب دو رکعتیں نہیں پڑھتے تھے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کان رسول اللہ ﷺ یخرج علینا بعد غروب الشمس و قبل صلوۃ المغرب فیرانا نصلی فلا یامرنا ولا ینھانا (۱) (کنز العمال عن ابن النجار) یعنی آنحضرت ﷺ (حجرہ سے) باہر تشریف لاتے تھے تو ہم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے نہ تو ہم کو منع فرماتے تھے اور نہ نماز پڑھنے کے لئے حکم دیتے تھے۔

حنفیہ اس خیال سے کہ اس وقت نوافل کی اجازت سے فرض مغرب میں تاخیر ہو گی خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرسہ امینیہ دہلی

(۱) وتر کے بعد دو رکعت کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے
(۲) مغرب اور عشاء کی سنتیں اور نوافل ثابت ہیں یا نہیں

(سوال) (۱) وتر کے بعد جو دو رکعت نفل پڑھی جاتی ہیں اس کو بیٹھ کر پڑھنا چاہئیے یا کھڑے ہو کر؟ بہشتی زیور میں جناب مولانا اشرف علی صاحب نے کھڑے ہو کر پڑھنے کو لکھا ہے اور مفتاح الجنۃ میں لکھا ہوا ہے کہ بیٹھ کر پڑھنا چاہئیے (۲) ظہر کی نماز فرض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ جو پڑھی جاتی ہے اس کے بعد دو رکعت اور بیٹھ کر جو لوگ پڑھتے ہیں اس کی سند ہے یا نہیں؟ نیز مغرب کی دو رکعت سنت مؤکدہ اور عشاء کی دو رکعت سنت مؤکدہ کے بعد بھی لوگ دو رکعت اور بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۱۲۴ حبیب اللہ ضلع غازی پور۔ یکم شعبان ۱۳۵۲ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۵۰۹) وتر کے بعد کی نفلیں کھڑے ہو کر پڑھنی بہتر ہیں تاکہ پورا ثواب ملے بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ملے گا (۲) (۲) ہاں ان دو رکعت کی بھی سند ہے اور مغرب اور عشاء کے بعد دو سنت مؤکدہ ان کے بعد دو رکعت نفل کی بھی سند ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سنتوں اور نوافل کی نیت کس طرح کریں؟

(سوال) سنتوں اور نفلوں میں وقت کی پابندی ہے یا نہیں ہے مثلاً دو رکعت سنت سنت رسول اللہ ﷺ کی

---

(۱) (باب المغرب وما یتعلق بہ ۸/۵۳ ط بیروت)
(۲) وکذا بناء بعد الشروع بلا کراھۃ فی الأصح "بحر" و فیہ أجر غیر النبی ﷺ علی النصف إلا بعذر (الدر المختار' باب الوتر والنوافل ۲/۳۶ ط سعید)
(۳) عن عائشۃ قالت "قال رسول اللہ ﷺ "من ثابر علی ثنتی عشر رکعۃ من السنۃ بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ: اربع رکعات قبل الظھر و رکعتین بعد ھا و رکعتین بعد المغرب و رکعتین بعد العشاء و رکعتین قبل الفجر (ترمذی' باب ماجاء فیمن صلی فی یوم ولیلۃ ثنتی عشرہ رکعۃ من السنۃ ۱/۹۴ ط سعید) وسن مؤکداً أربعاً قبل الظھر و رکعتا ن قبل الصبح و بعد الظھر و بعد المغرب والعشاء (التنویر و شرحہ' باب الوتر والنوافل ۲/۱۳ ط سعید)

وقت ظہر کہنا چاہئیے یا نہیں ؟ یا صرف دو رکعت سنت سنت رسول اللہ ﷺ کی منہ طرف کعبہ شریف کے کہنا چاہئیے ؟

المستفتی ۲۲۴ شہباز خاں سب انسپکٹر پولیس ضلع کرنال۔ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ ۳ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۵۱۰) سنتوں اور نفلوں میں وقت کا نام لینے کی ضرورت نہیں اور سنت رسول اللہ کی یہ لفظ کہنے کی بھی ضرورت نہیں صرف یہ کہنا چاہئیے نیت کی میں نے دو رکعت نماز سنت واسطے خدا کے(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

وتر کے بعد نوافل بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہو کر

(سوال) نوافل بعد وتر میں خصوصاً اور دوسرے نوافل میں عموماً کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پڑھنے میں افضلیت کا کوئی درجہ ہے یا نہیں ؟ قیام کو فضیلت ہے یا قعود کو ؟

المستفتی نمبر ۵۰۹ حاجی قاسم احمد سورتی۔ ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۶ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۵۱۱) نوافل کھڑے ہو کر پڑھنے میں پورا ثواب ملتا ہے اور بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ملتا ہے اسمیں تمام نوافل برابر ہیں وتر کے بعد کی نفلوں کا اس حکم سے تخصیص کا ثبوت نہیں ہے آنحضرت ﷺ کو بیٹھ کر پڑھنے میں پورا ثواب ملتا تھا اگر حضور اکرم ﷺ نے وتر کی نفلیں بیٹھ کر پڑھی ہیں تو ہم اپنے کو حضور ﷺ پر قیاس نہیں کر سکتے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سنتوں کے لئے اذان کا انتظار ضروری نہیں

(سوال) سنت پڑھنے کے واسطے اذان کا انتظار ضروری ہے یا نہیں ؟ جیسا کہ جمعہ و عشاء و ظہر کے وقت چار رکعت سنت پہلے پڑھی جاتی ہیں بغیر اذان ہوئے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۵۲۴ شیخ شفیق احمد (ضلع مونگھیر)۔ ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۹ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۵۱۲) سنت پڑھنے کے واسطے اذان کا انتظار ضروری نہیں جمعہ اور ظہر اور فجر کی سنتیں اذان سے پہلے پڑھی جا سکتی ہیں(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سنتیں گھر میں پڑھ کر آنے والے کے لئے تحیۃ المسجد کا حکم

(سوال) زید نفل و سنت پڑھ کر گھر سے مسجد آیا تو کیا یہ تحیۃ المسجد بھی پڑھ سکتا ہے ؟ یعنی سنتوں اور فرض

---

(۱)وکفی مطلقاً نیة الصلاة وإن لم یقل لله لنفل و سنة راتبة الخ (الدر المختار' بحث النیة ۱/ ٤١٧)

(۲) و يتنفل مع قدرته على القيام قاعداً ... أجر غير النبي ﷺ على النصف إلا بعذر (التنوير و شرحه' باب الوتر والنوافل ۲/ ۳٦ ط سعید)

(۳)بشرطیکہ وقت ہو چکا ہو۔

کے درمیان؟

المستفتی نمبر ۶۵۸ مجیدی دواخانہ بمبئی ۲۷ رجب ۱۳۵۴ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۵۱۳) نماز کی مؤکدہ سنتیں گھر سے پڑھ کر آنا اور فرض نماز میں دیر ہے تو مسجد میں آکر تحیۃ المسجد پڑھ لینا سنت ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فرضوں سے پہلے اور بعد سنتوں کی کیا حکمت ہے؟

(سوال) فرضوں سے پہلے یا بعد جو سنتیں پڑھی جاتی ہیں یہ کس لئے قرار دی گئیں؟

المستفتی نمبر ۶۹۹ حکیم مولوی سید عبداللہ شاہ۔ ۹ شوال ۱۳۵۴ھ م ۵ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۱۴) ان سنن مؤکدہ کا حکم ہمارے لئے تو اتنا کافی ہے کہ حضور ﷺ نے پڑھی ہیں اور پڑھنے کی ہم کو بھی تعلیم اور تاکید فرمائی ہے اس کے علاوہ ایک حکمت بھی حدیث سے ہمیں معلوم ہو گئی ہے کہ فرائض میں اگر کچھ نقصان رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ ہماری سنن و نوافل سے پورا کر دیا جائے گا اور یہ بہت بڑا فائدہ اور بڑی اہم مصلحت ہے(۲) واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) جمعہ کی پہلی سنتیں رہ جائیں تو کب پڑھے؟
(۲) ظہر کی چار سنتیں رہ جائیں تو کب پڑھیں؟
(۳) فجر کی سنتیں رہ جائیں تو کب پڑھ سکتے ہیں؟

(سوال) (۱) جمعہ کی چار رکعت سنت اگر کسی کو نہیں ملی تو فرض کے بعد اس کو ادا کرے یا اس سنت کو پہلے ادا کرے جو فرض کے بعد پڑھی جاتی ہے؟ (۲) ظہر کی سنتوں کا کیا حکم ہے؟ (۳) فجر کی سنت اگر کسی نے نہیں پڑھی اور فرض پڑھ چکا ہے تو سنت کس وقت ادا کرے اور نیت کس طرح کرے؟ سنت کی قضاء پڑھے یا نہ پڑھے؟ المستفتی نمبر ۹۷۷ محمد رفیع سوداگر چرم۔ ضلع میدنی پور

یکم ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲۵ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۱۵) جمعہ سے پہلے کی چار رکعتیں نماز کے بعد پڑھ لے اور چاہے انہیں پہلے پڑھ لے یا بعد والی پہلے پڑھے دونوں جائز ہیں(۳) (۲) یہ بھی دونوں طرح جائز ہے(۴) (۳) بعد طلوع آفتاب پڑھ

---

(۱) ویسن تحیۃ رب المسجد' وھی رکعتان الخ (تنویر مع شرحہ) و فی الشامیۃ : والحاصل أن المطلوب من داخل المسجد أن یصلی فیہ الخ (باب الوتر والنوافل' مطلب تحیۃ المسجد ۲/۱۸ ط سعید)

(۲) عن عبداللہ بن شقیق قال : " سئلت عائشۃ عن صلوۃ رسول اللہ ﷺ عن تطوعہ فقالت :" کان یصلی فی بیتی قبل الظھر أربعا ثم یخرج فیصلی بالناس ثم یدخل فیصلی رکعتین وکان یصلی بالناس المغرب ثم یدخل فیصلی رکعتین و یصلی بالناس العشاء ویدخل بیتی فیصلی رکعتین الخ (مسلم' باب جواز النافلۃ قائما و قاعداً و فعل بعض الرکعۃ قاعداً و بعضھا قائماً ۱/۲۵۲ ' ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)

(۳) بخلاف سنۃ الظھر' وکذا الجمعۃ' إنہ یترکھا و یقتدی' ثم یأتی بھا فی وقتہ الخ (الدر المختار' باب إدراک الفریضۃ ۲/۵۸ ط سعید)

(٤) (ایضاً)

سکتا ہے(۱)　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

وتر سے پہلے دو رکعت نفل کا ثبوت

(سوال) وتر کے قبل جو دو رکعت نفل لوگ پڑھتے ہیں ان کا کہیں ثبوت ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۰۴۱ مولوی عبدالقدوس صاحب امام مسجد (ترکمان دروازہ دہلی)
۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۷ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۱۶) عشاء کے بعد دو رکعتیں تو سنت مؤکدہ ہیں اور دو نفل ہیں آنحضرت ﷺ سے ان کا ثبوت ہے۔ بخاری(۲) میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ صلی رسول اللہ ﷺ العشاء ثم جاء فصلی اربع رکعات ثم نام ثم قام الخ یعنی آنحضرت ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی پھر گھر میں آئے اور چار رکعتیں پڑھیں پھر سو گئے پھر (تہجد کے لئے) اٹھے۔　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

وتر کے بعد دو رکعت نفل ثابت ہیں یا نہیں ؟

(سوال) وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنا حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۳۲۱ عبدالحمید صاحب (مارواڑ) ۸ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م یکم فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۱۷) وتر کے بعد دو رکعت نفل حضور اکرم ﷺ سے بیٹھ کر پڑھنا ثابت ہے ابوداؤد شریف میں یہ روایت کہ حضور اکرم ﷺ وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے موجود ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

وتر کے بعد دو رکعت کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے

(سوال) وتر کے بعد جو دو رکعت نفل نماز پڑھی جاتی ہے اس کو بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہو کر ؟

المستفتی نمبر ۱۴۱۷ شمس الدین صاحب (مانڈلے برما) ۱۵ صفر ۱۳۵۶ھ م ۲۷ اپریل ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۱۸) وتر کے بعد دو رکعتیں نفل کی کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) إذا فاتت (سنة الفجر) وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإ جماع ..... وقال محمد " احب إلى أن يقضيها إلى الزوال' كما في الدرر' قيل هذا قريب من الاتفاق لأن قوله : " أحب إلى " دليل على أنه لولم يفعل لا لوم عليه وقالا : " لا يقضى وإن قضى فلا بأس به (رد المحتار' باب إدراك الفريضة ۲/۵۷ ط سعيد)

(۲) (باب الوتر ۱/۱۳۵ ط قديمي كتب خانه' كراچي)

(۳) عن عائشة ان رسول الله ﷺ كان يوتر بتسع ركعات ثم أو تر بسبع ركعات و ركع ركعتين' وهو جالس بعد الوتر يقرأ فيهما فإذا أراد أن يركع قام فركع' ثم سجد (باب في صلاة الليل' ۱/۱۹۸ ط مكتبه امداديه ملتان)

(۴) و يتنفل مع قدرته على القيام قاعداً' لا مضطجعا إلا بعذر　　أجر غير النبي ﷺ على النصف إلا بعذر الخ (التنوير مع شرحه ' باب الوتر والنوافل ۲/۳۶ ط سعيد)

سنت مؤکدہ کے تارک کا حکم

(سوال) امام مسجد لوگوں کو بتلاتا ہے کہ سنت مؤکدہ کا ادا کرنا یا بجا لانا کوئی ضروری نہیں ہے پڑھنا نہ پڑھنا مساوی ہے اس کا حکم شرعی فرما کر مسئلہ کو روشن فرمادیں ؟

المستفتی نمبر ۱۵۲۱ سراج الدین صاحب ملتانی۔ ۲ اربیع الاول ۱۳۵۶ھ ۲۲ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۱۹) سنن مؤکدہ کا تارک علے الدوام گناہ گار اور تارک علی الاستخفاف کافر ہے اور اگر ترک احیاناً یا ضرورۃً یا کسی عذر سے ہو جائے تو جائز ہے۔ الذی یظهر من کلام اهل المذهب ان الاثم منوط بترك الواجب او السنة المؤکدة علی الصحیح لتصریحهم بان من ترك سنن الصلوة الخمس قیل لا یأثم والصحیح انه یأثم ذکره فی فتح القدیر (کذافی رد المحتار) (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نوافل کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے

(سوال) نوافل کا کھڑے ہو کر پڑھنا تو یقیناً بیٹھ کر پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے لیکن کسی وقت کی نفل کو بیٹھ کر پڑھنے میں کھڑے ہو کر پڑھنے جیسا ثواب ملتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۵۵۱ حبیب حسین (بہار) ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۲۹ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۲۰) تمام نوافل کا یہی حکم ہے کہ بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے مگر آدھا ثواب ملتا ہے' اس سے کوئی نفل مستثنیٰ نہیں ہے (۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نفل کا ثواب فرض کے برابر نہیں

(سوال) اگر کوئی شخص پنجگانہ نماز کا پابند نہ ہو اور وہ عید میلاد النبی ﷺ کے روز یا شب میں نوافل ادا کرے تو کیا ان نوافل دوگانہ سے کوئی فائدہ یا ثواب حاصل نہ ہو گا ؟

المستفتی نمبر ۲۰۸۵ شیخ عبداللہ مولا بخش صاحب بمبئی نمبر ۸۔

۲۶ رمضان ۱۳۵۶ھ یکم ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۲۱) نوافل جو ادا کئے جائیں گے اس کا ثواب خدا تعالیٰ کی طرف سے ملے گا یہ دوسری بات ہے کہ ترک فرائض کے عقاب کے مقابلے میں وہ کچھ فائدہ بھی پہنچا سکتے ہیں یا نہیں ؟ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

چند احادیث کا مطلب

(سوال) حسب ذیل احادیث کا کیا مطلب ہے ؟

---

(۱) (کتاب الطهارة' مطلب فی السنة و تعریفها ۱ / ۱۰٤ ط سعید)

(۲) و یتنفل مع قدرته علی القیام قاعداً' لا مضطجعاً إلا بعذر أجر غیر النبی ﷺ علی النصف إلا بعذر الخ (التنویر مع شرحه' باب الوتر والنوافل ۲ / ۳٦ ط سعید)

(الف) (۱) اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبة(۱) (۲) عن ابن عمر انه ابصر رجلا یصلی الرکعتین والمؤذن یقیم فحصبه وقال اتصلی الصبح اربعا (۳) وروینا عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه انه کان اذا رای رجلا یصلی وهو سمع الاجابة ضربه (٤) ووقع نحو هذه القصة ایضا لا بن عباس رضی اللہ تعالی عنهما قال کنت اصلی واخذ المؤذن فی الاقامة فجبذنی النبی ﷺ وقال اتصلی الصبح اربعا. اخرجه ابن خزیمة وابن حبان والبزاز والحاکم وغیرهم.

(ب) اور مسجد کے دالان میں جس میں جماعت ہو رہی ہو یا صف کے پیچھے ستون کی آڑ کافی ہو گی یا جماعت میں شریک ہو جائیں اور جماعت ہونے کی حالت میں اسی دالان میں سنت پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۵۵۳ عبدالحق صاحب دہلی۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ م ۱۳۱ دسمبر ۱۹۳۹ء

(جواب ۵۲۲) حدیث نمبر ا کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب (فرض) نماز کی تکبیر ہو جائے تو سوائے فرض کے اور کوئی نماز نہیں حدیث نمبر ۲ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے دیکھا کہ مؤذن تکبیر کہہ رہا ہے اور ایک آدمی سنتیں پڑھتا ہے (یعنی پڑھنا چاہتا ہے) تو انہوں نے اس آدمی پر کنکری پھینکی اور فرمایا کہ کیا فجر کی چار رکعتیں پڑھے گا۔ حدیث نمبر ۳ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جب دیکھتے کہ کوئی آدمی تکبیر سن رہا ہے اور پھر (اپنی علیحدہ) نماز پڑھتا ہے تو اسے مارتے۔ حدیث نمبر ۴ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا واقعہ حضرت ابن عباسؓ کو بھی پیش آیا کہ وہ نماز پڑھنے لگے اور مؤذن نے تکبیر شروع کی تو آنحضرت نے انہیں کھینچ لیا اور فرمایا کہ کیا تم صبح کی چار رکعتیں پڑھو گے ان روایتوں کا مطلب یہ ہے کہ فرض نماز کی تکبیر ہونے کے بعد اس جگہ سنتیں پڑھنے کی ممانعت ہے کیونکہ اس جگہ سنتیں پڑھنے سے صورۃ جماعت کی مخالفت لازم آتی ہے نیز صبح کی چار رکعتیں اکٹھی ہو جانے کی شکل پیدا ہو جاتی ہے لیکن اگر مسجد سے خارج یا آڑ کی جگہ میں سنتیں ادا کی جائیں تو بشر طیکہ ایک رکعت فرض مل جانے کا ظن غالب ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ سے یہ عمل مروی ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ عمل کہ اقامت ہو جانے پر سنتیں پڑھنے والے کے کنکری ماری اور فرمایا کہ کیا فجر کی چار رکعتیں پڑھے گا حدیث نمبر ۲ میں مذکور ہے اور انہیں سے یہ عمل بھی ثابت ہے کہ اقامت ہو جانے کے بعد انہوں نے حضرت حفصہؓ کے گھر میں جا کر سنتیں پڑھیں اور پھر آکر جماعت میں شامل ہوئے۔ وصح عنه (ای ابن عمر) انه قصد المسجد فسمع الاقامة فصلی رکعتی الفجر فی بیت حفصة ثم دخل المسجد فصلی مع الامام (۲) (فتح الباری ص ۳۶۹ ج ۳ طبع ہند) اسی طرح حضرت ابن عباس اور حضرت ابو الدرداء اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرض کی اقامت ہو جانے کے بعد مسجد سے باہر یا مسجد میں جماعت کی جگہ سے آڑ میں ہو کر سنتیں پڑھ لیں پھر جماعت میں شامل ہوئے ان

---

(۱) (بخاری ' باب إذا أقیمت الصلوة فلا صلوة إلا المکتوبة ۹۱/۱ ط قدیمی کتب خانه' کراچی)
(۲) (باب إذا أقیمت الصلاة فلا صلوة الا المکتوبة ۲۷/۲ ط مصر)

روایات سے ثابت ہوا کہ یہ اولوالعزم فقہاء صحابہؓ ممانعت کو اسی صورت پر محمول سمجھتے تھے کہ سنتیں جماعت فرض کی جگہ پڑھی جائیں اور مسجد سے خارج یا آڑ کی جگہ میں اقامت ہو جانے کے بعد بھی پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے اور پڑھ لیتے تھے۔ (۱)

(۲) جس جگہ جماعت ہو رہی ہو اسی جگہ سنتیں پڑھنا ناجائز ہے یا تو خارج مسجد پڑھی جائیں یا جماعت کی جگہ سے علیحدہ کسی آڑ کی جگہ میں پڑھے اور ایک رکعت فرض کی مل جانے کا پورا بھروسہ ہو ورنہ جماعت میں شامل ہو جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

جماعت کے وقت سنتیں پڑھیں یا نہیں؟

(سوال) جماعت شروع ہو جانے کے بعد سنتوں کی نیت باندھنا کیسا ہے؟

(جواب ۵۲۳) جب فرض نماز کی جماعت شروع ہو جائے اس کے بعد سنتوں کی نیت نہ باندھی جائے صرف فجر کی سنتیں جماعت کی جگہ سے علیحدہ کسی جگہ پڑھ کر جماعت میں شریک ہو جائے ایک رکعت ملنے کا یقین ہو تو ایسا کرے ورنہ فرض نماز میں شریک ہو جائے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

ظہر کی سنتیں پڑھتے وقت جماعت کھڑی ہو جائے تو کیا کرے؟

(سوال) متعلق سنن ظہر

(جواب ۵۲۴) ظہر کی سنتیں جو فرض شروع ہونے سے پہلے پڑھ رہا تھا اگر درمیان فرض شروع ہو جائیں تو سنتیں پوری کر کے سلام پھیرے اور فرض میں شامل ہو جائے لیکن اگر دو رکعت پر سلام پھیر کر فرض میں شریک ہو جائے اور پھر چاروں رکعتیں فرض کے بعد ادا کر لے تو یہ بھی جائز ہے پہلی صورت بہتر ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سنت پڑھے بغیر امامت کرا سکتا ہے

(سوال) ایک امام صاحب بوقت ظہر ٹھیک جماعت کے مقررہ ٹائم پر تشریف لائے مقتدی دوسرے

---

(۱) لماروی الطحاوی وغیرہ عن ابن مسعود أنه دخل المسجد و أقيمت الصلاة فصلى ركعتي الفجر في المسجد إلى الأسطوانة وذلك بمحضر حذيفة وأبي موسى و مثله عن أبي الدرداء و ابن عباس و ابن عمر كما سنده الحافظ الطحاوى فى شرح الآثار و مثله عن الحسن و مسروق والشعبى" شرح المنية" (رد المحتار' كتاب الصلاة ۳۷۸/۱ ط سعید)

(۲) وكذا يكره التطوع عند إقامة الصلاة المكتوبة' لحديث إذا أقيمت الصلاة فلا صلوة إلا المكتوبة ألا سنة فجر إن لم يخف فوت جماعتها الخ (التنوير و شرحه' كتاب الصلاة ۳۷۸/۱ ط سعید)

(۳) قال في التنوير و شرحه : " والشارع في النفل لا يقطع مطلقاً ويتمه ركعتين وكذا سنة الظهر و سنة الجمعة إذا أقيمت أو خطب الإمام يتمها أربعا على القول الراجح' لأنها صلاة واحدة (باب إدراك الفريضة ۵۸/۲ ط سعید)

صاحب کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑا کرنے لگے اتنے میں امام صاحب آگئے اور بغیر سنت مؤکدہ پڑھے امام نے فرض پڑھا دیئے عمرو کہتا ہے کہ اس طرح بغیر سنت پڑھے فرض نماز پڑھانا جائز نہیں اور نماز نہیں ہوتی عمرو کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں ؟

(جواب ۵۲۵) بغیر سنت پڑھے فرض پڑھا دینے سے نماز ہو جاتی ہے یہ کہنا کہ نماز جائز نہیں ہوئی غلط ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سنتیں کس وقت تک مؤخر کر سکتا ہے؟

(سوال) بعد فرض کے سنتوں کی تاخیر کس مقدار تک اچھا ہے اور کس مقدار سے زائد تاخیر مکروہ ہے ؟

(جواب ۵۲۶) زیادہ تاخیر کو حنفیہ نے مکروہ فرمایا ہے اور زیادہ تاخیر سے مراد یہ ہے کہ اذکار ماثورہ کی مقدار سے زائد ہو(۲) والتفصیل فی رسالتنا النفائس المرغوبة واللہ اعلم.

محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ' دہلی

سنتوں اور نفلوں کے بعد دعا

(سوال) سنتوں اور نفلوں کے بعد بھی دعا کرنا ہر شخص کے لئے خواہ امام ہو یا مقتدی سنت ہے یا مستحب ہے یا کیا؟

(جواب ۵۲۷) انفراداً دعا مانگنا امام و مقتدی ہر ایک کے لئے سنتوں اور نفلوں کے بعد بھی جائز ہے اور اجتماعاً بھی بشرطیکہ التزام واعتقاد سنیت نہ ہو اور اجتماعی دعا کا افضل طریقہ یہ ہے کہ بعد فرائض اور قبل سنن و نوافل ہو(۳) وقد حققنا ذلک فی رسالتنا النفائس المرغوبہ. واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ' دہلی

سنن و نوافل گھر میں پڑھنا بہتر ہے

(سوال) بعد فرضوں کے سنتیں اپنے گھروں میں جا کر پڑھنی چاہئیں یا مسجد میں ؟

---

(۱) لحدیث عائشةؓ أن النبی ﷺ کان اذا فاتته الأربع قبل الظهر فصلاهن بعده" (رد المحتار' باب ادراک الفریضة ۲/۵۸ ط سعید)

(۲) ویکره تاخیر السنة إلا بقدر اللهم انت السلام الخ قال الحلوانی :" لا بأس بالفصل بالأوراد واختار الکمال الخ (الدر المختار' فصل فی تألیف الصلاة ۱/۵۲۰ ط سعید) (۳) إن الدعاء المعمول فی زماننا بعد الفریضة رافعین أیدیهم علی الهیئة الکذائیة لم تکن المواظبة علیه فی عهده علیه السلام' نعم الأدعیة بعد الفریضة ثابتة کثیراً بلا رفع الیدین و بدون الاجتماع وثبوتها متواتر و ثبت الدعاء متواتراً مع رفع الیدین بعدالنا فلة فی واقعتین.... وقال بعض الأحناف من اهل العصر :" ان رفع الیدین لما ثبت فی مواضع الآخر یعدی إلی الدعاء بعد المکتوبة ایضاً واستدل بالعموم ایضاً (العرف الشذی علی الترمذی باب ماجاء فی کراهیة أیخص الإمام نفسه بالدعاء ۱/۸۶ ط سعید)

(جواب ۵۲۸) سنن ونوافل کا گھر میں ادا کرنا افضل ہے یہی اصل حکم ہے احادیث صحیحہ سے اور فقہ حنفی سے ثابت ہے۔ الافضل فی السنن والنوافل المنزل . لقوله علیه السلام صلوة الرجل فی المنزل افضل الا المکتوبة الخ (فتاوٰی عالمگیری)(۱) عموم حدیث میں فرضوں سے پہلے اور بعد کی سنتیں داخل ہیں ہاں تراویح بوجہ سنیت جماعت مستثنیٰ ہے۔ ذکر الحلوانی الافضل ان یؤدی کله فی البیت الا التراویح (فتاویٰ عالمگیری)(۲) واللہ اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ' سنہری مسجد دہلی

ظہر کی سنتیں رہ جائیں تو پہلے دو پڑھے یا چار

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) ظہر کی نماز جماعت سے پڑھی جائے اور پہلی چار سنتیں رہ گئی ہوں تو پہلے دو سنت پڑھے یا چار؟

(جواب ۵۲۹) ظہر کے فرضوں سے پہلے کی سنتیں اگر جماعت میں شریک ہو جانے کی وجہ سے رہ جائیں تو فرضوں کے بعد اختیار ہے چاہے پہلے چار سنتیں پڑھے اور پھر دو یا پہلے دو پڑھے پھر چار۔ دونوں طرح جائز ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جہاں سنتیں پڑھیں وہاں فرض پڑھنا جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۳۵ء)

(سوال) جس جگہ سنت پڑھی جاتی ہے اس جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ فرض نماز پڑھنا کیا شرعی حکم ہے یا نہیں؟

(جواب ۵۳۰) جس جگہ سنت نماز پڑھی جائے فرض کے لئے اس جگہ سے ہٹنا ضروری نہیں ہے(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) (الباب التاسع فی النوافل ۱/۱۱۳' ماجدیه)

(۲) (ایضاً)

(۳) بخلاف سنة الظهر وكذا الجمعة فإنه إن خاف فوت ركعة يتركها و يقتدى' ثم يأتي بها على أنها سنة في وقته اى الظهر قبل شفعه عند محمد' و به يفتى (درمختار) أقول " وعليه المتون لكن رجح في الفتح تقديم الركعتين" قال في الإمداد: " وفي فتاوىٰ العتابي أنه المختار و في مبسوط شيخ الإسلام إنه الأصح' لحديث عائشة إنه عليه الصلاة والسلام كان إذا فاتته الأربع قبل الظهر يصليهن بعد الركعتين وهو قول أبي حنيفة وكذا في جامع قاضي خان (رد المحتار' باب إدراك الفريضة ۲/۵۸ ط سعيد)

(٤) أما المقتدى والمنفرد فإنهما إن لبثا أو قاما إلى التطوع في مكانهما الذي صليا فيه المكتوبة جاز الخ (رد المحتار' فصل في تاليف الصلاة ۱/۵۳۱ ط سعيد) جہاں فرض پڑھتے ہیں وہاں سنت پڑھ سکتا ہے تو سنت والی جگہ پر بطریق اولیٰ فرض پڑھنا جائز ہے۔

فصل سوم۔ تحیۃ الوضوٗ اور تحیۃ المسجد

نماز فجر اور مغرب سے پہلے تحیۃ الوضوٗ وتحیۃ المسجد کا حکم

(سوال) تحیۃ الوضواور تحیۃ المسجد فجر اور مغرب کی نماز سے قبل پڑھنا کیسا ہے ؟
المستفتی نمبر ۵۴۴ محمد مقصود احمد خاں (تانبوے) ۲۹ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۱ مئی ۱۹۳۶ء
(جواب ۵۳۱) تحیۃ الوضوٗ اور تحیۃ المسجد فجر یعنی صبح صادق ہو جانے کے بعد اور غروب شمس کے بعد فرض سے پہلے پڑھنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل چہارم۔ نماز استسقاء

استسقا نماز ہے یا صرف دعا و استغفار

(سوال) استسقاء کے لئے نماز ہے یا صرف دعا و استغفار اگر نماز ہے تو باجماعت وباخطبہ ہے یا فرداً فرداً ؟
المستفتی نمبر ۱۶۴۴ مظفر احمد صاحب (ضلع رنگ پور) ۲۲ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۳۱ جولائی ۱۹۳۷ء
(جواب ۵۳۲) استسقاء کے لئے نماز شرط ہے اور صرف دعاء واستغفار بھی کافی ہے نماز بالجماعۃ وبالخطبہ کا بھی ثبوت ہے اور فرداً فرداً پڑھ لی جائے تو جب بھی مضائقہ نہیں۔ له صلوة بلا جماعة مسنونة بل هي جائزة و بلا خطبة وهذا قول الامام و قال محمد يصلي الامام او نائبه ركعتين كما في الجمعة ثم يخطب اى يسن له ذلك (خلاصة ما في الدر المختار و رد المحتار) وان صلوا فرادى جاز . فهي مشروعة للمنفرد (درمختار) قوله هو دعاء وذلك ان يدعوالامام قائماً مستقبل القبلة رافعاً يديه والناس قعود مستقبلين القبلة يؤمنون على دعاء الخ (رد المحتار) (۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نماز استسقاء کا طریقہ

(سوال) موجودہ امساک بارش سے دہلی اور اس کے اطراف میں سخت بے چینی ہو رہی ہے اس کے واسطے سوائے باری عزوجل کی بارگاہ میں حاضری اور انکساری کے کوئی چارہ نہیں اس لئے عرض ہے کہ نماز استسقاء کے روز اور کس وقت اور کس صورت میں ادا کی جائے آیا اس میں عورتیں اور بچے 'جانور اور ان کے بچوں کی

---

(۱) وكذا الحكم من كراهة نفل و واجب لغيره لا فرض و واجب لعينه بعد طلوع فجر سوى سنته لشغل الوقت به تقديرا حتى لونوى تطوعا كان سنة الفجر بلا تعيين و قبل صلاة المغرب كراهة تاخيره إلا يسيراً (التنوير وشرحه' كتاب الصلاة ۱/ ۳۷۵۔۳۷۶ ط سعيد)
(۲) (رد المحتار' باب الاستسقاء ۲/ ۱۸٤ ط سعيد)

حاضری بھی افضل ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۹۸۳ حاجی عبدالغنی صاحب بلیماران (دہلی) ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ ۲۱ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۳۴) امساک باراں بھی منجملہ ان مصائب کے ہے جو اعمال شنیعہ اور معاصی کے ارتکاب پر بطور انتقام کے حضرت حق جل شانہ کی طرف سے مخلوق پر نازل ہوتی ہیں ان مصائب کا اصل علاج تو ان گناہوں سے باز آجانا' استغفار تضرع بجالانا صدقہ وخیرات کرنا پھر حضرت حق کی بارگاہ رحمت سے حاجت طلب کرنا ہے بارش طلب کرنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ پہلے فسق و فجور اور طرح طرح کی معصیتوں سے جن میں مبتلا ہیں' توبہ کریں لوگوں کے مظالم اور حقوق ادا کریں اور معاف کرائیں نیکوکاری اور صلاحیت اختیار کریں اور یہ سب کام جلد سے جلد کر کے بارش کی دعا مانگنے کے لئے میدان میں نکلیں اور وہاں بھی توبہ و استغفار تضرع وزاری کے ساتھ کریں اور دو رکعت نماز بھی ادا کریں زینت اور تفاخر کا لباس پہن کر نہ جائیں بلکہ پرانا پھٹا پیوند لگا ہوا لباس پہنیں تو بہتر ہے بوڑھوں اور بچوں کو ساتھ لے جانا بھی بہتر ہے تین روز تک باہر نکلنا اور استغفار وتضرع کرنا نماز ادا کرنا چاہئیے دو رکعتیں پڑھی جائیں پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلیٰ دوسری میں هل اتٰك حديث الغاشية پڑھی جائے پھر امام مختصر سا خطبہ پڑھے' جس میں لوگوں کو گناہوں سے توبہ کرنے اور بچنے اور حقوق العباد ادا کرنے کی نصیحت کرے اسی درمیان میں چادر پلٹ لے پھر قبلہ رخ کھڑا ہو جائے لوگ بیٹھے رہیں اور سب مل کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگیں ہاتھوں کو سر سے اونچا نہ کریں سامنے کو زیادہ پھیلائیں ہتھیلیاں طلب بارش کے موقع پر آسمان کی طرف اور رفع مصیبت کی دعا کے موقع پر زمین کی طرف کریں دعا نہایت خشوع و خضوع اور تضرع کے ساتھ کی جائے(۱) اور آنحضرت ﷺ سے جو دعائیں ماثور ہیں وہ افضل ہیں ان میں سے ایک دعا یہ ہے۔

اللهم اسقنا غيثاً مغيثاً نافعاً غير ضارٍ عا جلاً غير آجلٍ اللهم اسق عبادك و بها ئمك وانشر رحمتك واحي بلدك الميت اللهم انت الله لا اله الا انت الغنى و نحن الفقراء انزل علينا الغيث وجعل ما انزلت لنا قوة و بلا غا الى حين غیر مسلم کو ساتھ نہ لے جائیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

نماز استسقاء پرانے کپڑوں کے ساتھ میدان میں پڑھی جائے

(سوال) (۱) قحط سالی کے موقع پر نماز استسقاء کے لئے جنگل میں جا کر دعا مانگنی افضل ہے یا نہیں ؟ (۲)

---

(۱) يخرج الإمام و يصلي بهم ركعتين يجهر فيهما بقراء ة' كذافي المضمرات الأفضل أن يقرأ سبح اسم ربك الاعلى في الاولى وهل اتاك حديث الغاشية في الثانية كذافي العيني شرح الهداية ويخطب خطبتين بعد الصلاة ... ويدعوالله يسبحه ويستغفر للمؤمنين والمؤمنات ... فإذا مضى صدر من خطبته قلب رداء ه.... ثم يشتغل بدعاء الاستسقاء قائماً والناس قعود مستقبلون ... ويخرجون مشاة في ثياب خلقة أو غسيلة أو رفعة متذللين خاشعين متواضعين لله تعالى ناكسي رؤسهم ... ولا يخرج أهل الذمة في ذلك مع أهل الاسلام (عالمگيرية' الباب التاسع عشر في الا ستسقاء ۱/ ۱۵۳. ۱۵٤ ط ماجديه' كوئٹه)

نمازِ استسقاء کے لئے ننگے سر پابرہنہ جانا افضل ہے یا نہیں اگر نہیں تو حاجی عبدالغنی متولی عیدگاہ نے کیوں یہ فتویٰ جاری کیا کہ ننگے سر پابرہنہ جانا افضل ہے (۳) ایک شخص اپنے آپ کو اللہ کی درگاہ میں عاجزانہ ننگے سر پا برہنہ پیش کرتا ہے دوسرا شخص اپنے آپ کو لباس سے آراستہ و پیراستہ پیش کرتا ہے لہذا ان دونوں میں سے اللہ کے نزدیک کس کا عمل پسندیدہ ہے۔ فقط

المستفتی نمبر ۱۷۲۶ ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۴ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۳۴) (۱) برہنہ پا سر برہنہ نمازِ استسقاء کے لئے جانے کا حکم میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ حاجی عبدالغنی صاحب سے دریافت کیا جائے کہ انہوں نے کس بنا پر یہ لکھا تھا اور اگر کسی فتوے کی بنا پر انہوں نے لکھا ہے تو اس فتویٰ لکھنے والے سے دریافت کیا جائے (۲) پرانے اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر جانا سر جھکائے ہوئے جانا' پیدل جانا' عاجزی اور خشوع و مسکنت ظاہر کرتے ہوئے جانا تو بے شک مستحب ہے جنگل میں جانا اور استغفار کرنا' نماز پڑھنا' دعا مانگنا یہ سب ثابت ہے (۳) فقر و حاجت و تواضع و خشوع ظاہر کرنے کے موقع پر پھٹے پرانے کپڑے پہن کر جانا مناسب ہے اور کتب فقہ میں اس کی ترغیب بھی موجود ہے اگر ننگے سر ننگے پاؤں جانے کی ترغیب بھی کسی جگہ موجود ہو تو مضائقہ نہیں مگر میں نے نہیں دیکھی(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) نمازِ استسقاء سے پہلے تین روزے رکھنا مستحب ہے

(۲) نمازِ استسقاء کے لئے کوئی وقت مقرر ہے یا نہیں؟

(۳) نمازِ استسقاء میں تکبیرات زوائد ہیں یا نہیں؟

(سوال) (۱) زید کہتا ہے کہ جب بارش کی قلت ہو تو سب مسلمان پہلے تین روزے رکھیں اور چوتھے دن جنگل کی طرف نماز کے لئے نکلیں اور اپنے دعوے کی دلیل میں شافعی المذہب ہونے کی وجہ سے " منہاج الطالبین و عمدۃ المفتین " تالیف الامام المحقق ناصر السنۃ ابی زکریا یحییٰ بن شرف النوویؒ کی عبارت ذیل کا حوالہ پیش کرتا ہے۔ ویامر الامام بصیام ثلاثۃ ایام اولاً . الخ

عمرو کہتا ہے کہ استسقاء کے روزوں کے متعلق صحاح ستہ میں کوئی حدیث نہیں لہذا روزے رکھنا بدعت ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا جواز صیام کے متعلق کوئی حدیث نہیں ہے اور امام شافعیؒ نے اجماع یا قیاس سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا ہے؟ اگر کوئی حدیث ہو تو تحریر فرمائیں.

(ب) زید کہتا ہے کہ صلوٰۃ استسقاء کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں استدلال کتاب مذکور کی عبارت "ولا تختص بوقت العید فی الاصح" سے پیش کرتا ہے عمرو کہتا ہے کہ صبح (وقت عید) کے سوا صلوٰۃ

---

(۱) ویخرجون مشاۃ فی ثیاب خلقۃ او غسیلۃ او رقعۃ متذللین خاشعین متواضعین للہ تعالیٰ ناکسی رؤوسہم الخ (عالمگیریہ، الباب التاسع عشر فی الاستسقاء ۱/۱۵۴ ماجدیہ)

استسقاء کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ صبح کے سوا کسی غیر وقت میں پڑھنا خلاف سنت و ناجائز ہے دونوں میں سے کس قول پر عمل کیا جائے؟

(ج) زید کہتا ہے کہ صلوۃ استسقاء عید کی طرح ہے یعنی عید کی طرح صلوۃ استسقاء میں بھی پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیرات زائد ہیں ثبوت وھی رکعتان کعید. کتاب مذکور کی عبارت سے پیش کرتا ہے عمرو اس کے خلاف کہتا ہے آیا زید صواب پر ہے یا عمرو۔

(نوٹ) چونکہ یہاں شافعی المذہب کثرت سے ہیں نیز کچھ احناف بھی ہیں دونوں کا خیال مد نظر رہے۔

المستفتی نمبر ۲۶۸۴ عبدالحمید صاحب خطیب (بمبئی) ۲۵ رجب ۱۳۶۰ھ ۲۰ اگست ۱۹۴۱ء

(جواب ۵۳۵) (الف) نماز استسقاء کے لئے باہر جانے سے پہلے تین دن روزے رکھنے کا حکم دینا امام کے لئے مستحب ہے۔ یہ فقہ حنفی کی معتبر کتابوں مثلاً درمختار، طحطاوی علی مراقی الفلاح میں موجود ہے یستحب للامام ان یامر الناس اولاً بصیام ثلثة ایام و ما اطاقوا من الصلوۃ والخروج عن المظالم والتوبة من المعاصی ثم یخرج بھم فی الیوم الرابع (۱) درمختار. وطحطاوی (۲) علی مراقی الفلاح ولفظ الاخیر. اور فقہ شافعی میں بھی یہ حکم مذکور ہے. ویامرھم الامام لصیام ثلثة ایام اولاً والتوبة والتقرب الی اللہ تعالیٰ والخروج من المظالم فی الدم والعرض والمال لان لکل مما ذکر اثرافی اجابة الدعاء ویخرجون الی الصحراء فی الرابع صیاما فی ثیاب بذلة و تخشع (منھاج الطالبین) (۳) روزہ رکھنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ لوگ پہلے سے ذرا تیار ہو جائیں اور گناہوں سے بچنے اور استغفار اور تضرع کرنے کی صلاحیت ہو جائے۔

(ب) نماز استسقاء کے لئے عید کی نماز کا وقت ضروری ہے یا نہیں تو اس میں حنفیہ شافعیہ دونوں عید کے وقت کو لازم نہیں سمجھتے مگر اس کو بہتر اور افضل جانتے ہیں (۴)

(ج) نماز استسقاء میں حنفیہ کے نزدیک تکبیرات زوائد نہیں (۵) اور شافعیہ کے نزدیک پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیرات زوائد ہیں جیسے عید میں (۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) (باب الاستسقاء ۲/۱۸۵ ط سعید)

(۲) (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۳۱ ط مصر)

(۳) (باب الاستسقاء، ص ۲۲، ط المکتبة التجاریة الکبری، مصر)

(٤) قالت عائشة " مخرج رسول اللہ ﷺ حین بدأ حاجب الشمس الخ (ابوداؤد، باب رفع الیدین فی الاستسقاء ۱/۱۷۲ ط مکتبہ امدادیہ، ملتان)

(٥) وروی ابن کاھن عن محمد انه یکبر فیھا زوائد کما فی العید والمشھور عدم التکبیر (حلبی کبیر، باب الاستسقاء ص ٤۲۷ سھیل اکیدمی لاھور) وھل یکبر للزوائد فیه خلاف (در مختار) وفی الشامیة : " ففی روایة ابن کاھن عن محمد یکبر الزوائد کما فی العید، والمشھور من الروایة عنھما انه لا یکبر کما فی الحلیة (باب الاستسقاء ۲/۱۸٤ ط سعید)

(٦) وصلاته رکعتان کصلاة العید وصلی رکعتین کبر فی الأولی سبع تکبیرات و قرأ سبح اسم ربك الأعلی وفی الثانية هل أتاك حديث الغاشية و كبر خمس تكبيرات (المجموع شرح المهذب للنووی باب صلاة استسقاء ٥/٧٣)

فصل پنجم ۔ صلوٰۃ الحاجۃ

صلوٰۃ الحاجہ کا طریقہ

(سوال) قول جمیل میں حضرت شاہ ولی اللہؒ ایک جگہ صلوٰۃ الحاجۃ کی چار رکعت اس ترکیب سے ارقام فرماتے ہیں کہ اول رکعت میں فاتحہ کے بعد آیہ کریمہ سوبار پڑھے دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین سوبار تیسری رکعت میں بعد فاتحہ افوض امری الی اللہ چوتھی میں بعد فاتحہ حسبنا اللہ و نعم الوکیل سوبار پڑھے سوال یہ ہے کہ اس نماز میں دوسری رکعت کے اندر فاتحہ کے بعد بغیر سورۃ ملائے رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین کا پڑھنا قائم مقام سورۃ کے ہوجائے گا یا نہیں ؟ جب کہ قرآن شریف کے اندر ربہ انی مسنی الضر آیا ہے یہ دعا ہوگئی یا آیت قرآنی ہی رہی اسی طرح وافوض امری کے بجائے افوض امری پڑھنا اس میں کچھ حرج تو نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۷۸۶ محمد حبیب الرحمٰن سیوہارہ۔ ۴ دسمبر ۱۹۴۲ء

(جواب ۵۳۶) اس نماز میں بہتر صورت یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد قل ھواللہ پڑھے پھر پہلی رکعت میں آیہ کریمہ سوبار دوسری میں رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین سوبار تیسری میں افوض امری الی اللہ سوبار چوتھی میں حسبنا اللہ و نعم الوکیل سوبار۔ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص پڑھ لے اس صورت میں رب کا اضافہ اور وافوض میں سے واو کی کمی سے کوئی شبہ نہیں رہے گا(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل ششم ۔ تحیۃ الوتر

وتر کے بعد دو رکعت نفل ثابت ہے

(الجمعیۃ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) بعد وتر دو رکعت نفل جس کو تحیۃ الوتر کہتے ہیں اس کا ثبوت ہے یا نہیں ؟

(جواب ۵۳۷) وتر کے بعد دو رکعت نفل کا ثبوت ہے ترمذی شریف میں روایت موجود ہے(۲)

محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ'

---

(۱) وأربع صلاة الحاجة (درمختار) وفي الشامية : " وذكر أنها أربع ركعات بعد العشاء وأن في الحديث المرفوع يقرأفي الأولى الفاتحة مرة وآية الكرسي ثلاثا وفي كل من الثلاثة الباقية يقرأ الفاتحة والإخلاص والمعوذ تين مرة مرة (رد المحتار' باب الوتر والنوافل' مطلب في صلاة الحاجة ۲ ۲۸ ط سعيد)

(۲) عن أم سلمة أن النبي ﷺ كان يصلي بعد الوتر ركعتين وقدروى نحو هذا عن أبي امامة و عائشة وغير واحد من النبي ﷺ (ابواب صلاة الوتر' باب ماجاء لا وتر ان في ليلة ۱ /۱۰۸ ط سعيد)

آٹھواں باب
دعا بعد نماز

سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعا ثابت نہیں

(سوال) ہماری مسجد میں ایک پیش امام صاحب سنت ونفل کے بعد جماعت کے ساتھ دعا مانگنے کو بدعت کہتے ہیں اور ہماری طرف کے اکثر علماء کا بھی یہی خیال ہے کہ ثانی دعا نہیں مانگنی چاہئے ؟

المستفتی نمبر ۳۲۸ حاجی عبدالصمد (ضلع ستارا) ۶ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۹ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۵۳۸) سنت اور نفل کے بعد اجتماعی طور پر دعا مانگنے کا طریقہ نہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں تھا نہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں اس لئے اسے سنت ومستحب سمجھنا صحیح نہیں اس کے لئے رسالہ نفائس مرغوبہ میں میں نے پوری تفصیل لکھ دی ہے اسے ملاحظہ کیا جائے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سوال مثل بالا

(سوال) ———————

(جواب ۵۳۹) (۵۴۱) مروجہ دعائے ثانی کا کوئی ثبوت شریعت میں نہیں ہے(۲) محمد کفایت اللہ

سلام کے بعد مقتدیوں کی طرف پھرنے کی کیا وجہ ہے ؟

(سوال) حدیث سنن میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب فرض نماز سے سلام پھیرتے تو آپ داہنی یا بائیں طرف ہو جاتے اور قبلہ سے رخ پھیر لیتے تھے حالانکہ آداب دعا سے ہے کہ بوقت دعا قبلہ رخ ہو کر دعا کی جائے ؟

المستفتی نمبر ۶۵۰ ابو محمد عبدالجبار (رنگون) ۲۳ رجب ۱۳۵۴ھ م ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۵۴۰) جماعت کے مسلمانوں کا احترام کہ ان کی طرف پیٹھ کئے ہوئے نہ بیٹھے رہیں قبلہ کے احترام سے زیادہ ہے نماز میں تو مجبوری تھی کہ استقبال قبلہ فرض ہے دعا میں استقبال قبلہ مستحب تھا مگر اس میں مسلمانوں کا احترام اس کے منافی تھا اس لئے احترام مومن کو احترام قبلہ پر ترجیح دی تنہا دعا کرنے والا رو بقبلہ ہو کر دعا مانگے اس کے لئے یہ بہتر ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) اس کی مفصل بحث جواب نمبر ۵۵۸ میں آرہی ہے

(۲) (ایضاً)

(۳) عن سمرة بن جندبؓ قال :" كان رسول الله ﷺ إذا صلى صلاة اقبل علينا بوجهه" (بخاری' يستقبل الإمام الناس إذا سلم ۱/۱۱۷ ط قديمي كتب خانه كراچي) قال الأبصرى :" والصحيح أن معناه أنه عليه الصلاة والسلام كان إذا فرغ من الصلوة استقبل المأمومين (مرقاة للقاری' باب الدعاء في التشهد ۳/ ۳۰ ط مكتبه حبيبه كانسی روڈ 'كوئته)

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کا حکم

(سوال) فرض نماز کے بعد امام بلند آواز سے دعا مانگتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں ؟ یہ تو ٹھیک نہیں ہے کہ سنن ونوافل کے بعد انتظار کرنا اور اجتماعی دعا مانگنا سنت کے خلاف ہے مگر فرضوں کے بعد دعا مانگنا تو ثابت ہے۔

المستفتی نمبر ۹۱۷ محمد نور (ضلع جالندھر) ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲ مارچ ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۴۱) اس طریقہ کو ضروری اور لازمی نہ سمجھا جائے تو مباح ہے مگر سنن ونوافل کے بعد سب کا موجود رہنا اور پھر اس طریقہ سے دعا مانگنا یہ واجب الترک ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نماز فجر وجمعہ کے بعد فاتحہ پڑھنے اور مصافحہ کرنے کا حکم

(سوال) یہاں اکثر مقامات پر بعد نماز فجر اور بعد نماز جمعہ بوقت دعا بآواز بلند فاتحہ پڑھا جاتا ہے اور بعد نماز ایک دوسرے سے مصافحہ کیا جاتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۸۵۲ قاضی حکیم محمد نور الحق (چام راج نگر) ۲۱ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۴۲) نماز فجر اور نماز جمعہ کے بعد بآواز بلند فاتحہ پڑھنے اور بعد نماز ایک دوسرے سے مصافحہ کرنے کا کوئی شرعی ثبوت نہیں ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نماز کے بعد تین مرتبہ دعا کرنا بدعت ہے

(سوال) نماز کے بعد تین دفعہ دعا مانگنے سے روکنا کیا صحیح ہے ؟ ایسا ہی جمعہ کی رات سورۃ الملک پڑھنے سے روکنا اور اس کو بدعت کہنا بہیئت اجتماعی کے ساتھ ٹھیک ہے ؟

المستفتی نمبر ۷۹۵ مولوی عبدالحلیم (ضلع پشاور)
۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۴۳) نماز کے بعد تین تین بار دعا مانگنے کا التزام بدعت ہے سورہ ملک کو بہیئت اجتماعی پڑھنے کو رسم بنالینا بھی بدعت ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) وليعلم أن الدعاء المعمول في زماننا من الدعاء بعد الفريضة رافعين أيديهم على الهيئة الكذائية . لم تكن المواظبة عليه في عهده عليه الصلاة والسلام الخ (العرف الشذى على الترمذي' باب ما جاء في كراهية أن يخص الإمام نفسه بالدعاء ۱/۸۶ ط سعيد)

(۲) قراءة الفاتحة بعد الصلاة جهرا للمهمات بدعة الخ (الدر المختار' كتاب الحظر والإباحة فصل في البيع ۶ ۴۲۳ ط سعيد)

(۳) وقد صرح علماؤنا وغيرهم بكراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوات مع أن المصافحة سنة' وما ذلك إلا لكونها لم تؤثر في خصوص هذا الموضع' فالمواظبة عليها فيه توهم العوام بأنها سنة فيه ولذا منعوا عن الاجتماع لصلاة الرغائب التي احدثها بعض المتعبدين الخ (رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۲/۲۳۵ ط سعيد)

ہر نماز کے بعد فاتحہ واخلاص پڑھ کر ایصال ثواب کرنا

(سوال) ملک دکن میں اکثر مقامات پر جو پیش امام ہوتے ہیں وہ بعد ختم ہو جانے نمازوں کے اس الفاظ کے ساتھ (الفاتحہ) کہتا ہے آخر کے حاضرین مقتدی امام مسجد کے برابر فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھاکر سورۃ الفاتحہ وسورۃ الاخلاص و درود پڑھ کر حضرت سرور کائنات ﷺ کی روح پاک پر ثواب پہنچاکر جمیع مومنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات کی روحوں کو بطفیل سرور کائنات بخشتے ہیں اس فعل پر ایک شخص مسمی زید انکار کرتا ہے کہ یہ فعل مداومت کرنے کی وجہ سے بالکل ناجائز اور لفظ الفاتحہ کا لفظ ہر وقت استعمال کرنا فعل شیطانی ہے؟ المستفتی نمبر ۱۲۱۰ ایم اے رشید۔ ۲۴ رجب ۱۳۵۵ھ یکم اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۴۴) ہاں نماز کے بعد الفاتحہ کہہ کر مذکورہ سوال عمل کا التزام طریقہ سلف صالحین نہ تھا اور نہ کسی حدیث یا قول صحابی یا قول مجتہد سے ثابت ہے اس لئے اس کو ترک کر دینا ہی لازم ہے ہر شخص کو ہر وقت اختیار ہے کہ وہ جس نفلی عبادت یا نیک کام کا ثواب حضور اکرم ﷺ کو پہنچانا چاہے وہ عمل کرے اور ثواب پہنچائے لیکن اس کو ایک طریقہ لازمہ بنالینا اور پھر نہ کرنے والے کو طعن و تشنیع کرنا اس کو بدعت اور ناجائز بنادیتا ہے(۱) واللہ الموفق۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سوال مثل بالا

(سوال) یہاں اس ضلع میں دستور ہے کہ اکثر مساجد میں پیش امام صاحب بعد ختم نماز پنجگانہ کے بالعموم اور نماز صبح اور مغرب کے بالخصوص سورہ فاتحہ اور تین مرتبہ سورہ اخلاص جسکو عام طور سے فاتحہ کہتے ہیں پڑھ کر اس کا ثواب مسلمانوں کی ارواح کو پہنچاتے ہیں تو اس طرح تخصیص کے ساتھ نماز کے بعد فاتحہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۲۸۳ محمد گھوڑو خاں صاحب (ضلع دھارواڑ)

۱۹ شوال ۱۳۵۵ھ م ۳ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۴۵) فرائض پنجگانہ یا ان میں سے کسی خاص نماز (مثلاً نماز فجر یا عصر) کے بعد یہ مروجہ فاتحہ جس کا سوال میں ذکر ہے اس اہتمام کے ساتھ بے اصل ہے اس کے لئے آپ رسالہ نفائس مرغوبہ ملاحظہ فرمائیں اس رسالہ میں اس مسئلہ کی پوری تحقیق ہے(۲)

دعا بعد نماز عید ہے یا خطبہ کے بعد؟

(سوال) ہمارے اطراف میں یہ عادت جاری ہے کہ بعض جگہ بعد نماز عیدین امام مع جماعت دعا کرتے ہیں اور بعض مقامات میں بعد خطبہ عیدین کے دعا کرتے ہیں زید کہتا ہے کہ یہ دعا نہ کرنا چاہئیے اور

---

(۱) دیکھئے رسالہ " النفائس المرغوبة في حكم الدعاء بعد المكتوبة" ط میر محمد کتب خانہ' کراچی

(۲) (ایضاً)

دلیل نے لئے کتاب علم الفقہ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے بعد نماز عیدین کے یابعد خطبہ کے دعامانگنا نبی ﷺ اور ان کے اصحاب اور تابعینؒ سے منقول نہیں اگر ان حضرات نے کبھی دعامانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی لہذا بغرض اتباع دعانہ مانگنا دعامانگنے سے بہتر ہے (علم الفقہ جلد دوم ص ۱۷۴ مصنفہ مولوی عبدالشکور صاحب لکھنو) نیز کتاب مذکور کے اسی صفحہ پر حاشیہ پر یہ عبارت بھی مندرج ہے مولانا شیخ عبدالحئیؒ اور مولانا محمد نعیم صاحب مرحوم نے بھی اپنے فتوے میں ایسا ہی لکھا ہے اب سوال یہ ہے کہ ہم حسب عادت عمل کریں یا زید کے قول پر۔

المستفتی نمبر ۱۳۱۵ حافظ صاحب (میل وشارم) ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۲۷ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۴۶) یہ صحیح ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے یہ بات منقول نہیں ہوئی کہ نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد دعامانگتے تھے اس لئے ان دونوں موقعوں میں سے کسی کو دعا کے لئے اس خیال سے متعین کرنا کہ اس موقع پر دعامسنون ہے درست نہیں لیکن بخاری شریف اور دیگر صحاح ستہ کی کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ کوئی عام اور اجتماعی دعا ہوتی تھی جس میں تمام عورتیں بھی شریک ہوتی تھیں حالانکہ حائضہ عورتیں نماز سے علیحدہ رہتی تھیں(۱) اس لئے دعا کو بالکل ترک کردینا اس حدیث صحیح کے خلاف ہوگا پس راجح یہ ہے کہ امام اور جماعت ایک اجتماعی دعامانگیں خواہ نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد اور جس موقع پر بھی مانگیں اس کو دعا کے لئے مخصوص اور مسنون نہ سمجھیں اور نماز کے بعد دعامانگنے والے خطبہ کے بعد دعامانگنے والوں کو ملامت نہ کریں اور اسی طرح خطبہ کے بعد دعامانگنے والے نماز کے بعد دعامانگنے والوں پر طعن نہ کریں۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دعانماز کے بعد ہویا خطبہ کے

(سوال) بعد نماز عید خطبہ دعامانگنا چاہئیے یا نہیں، حضور اکرم ﷺ، صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا کیا معمول تھا؟ **المستفتی نمبر ۱۳۳۳ محمد عزت خاں صاحب (ضلع ہردوئی)**

۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ، ۶ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۴۷) عیدین کے اجتماع میں ایک بار اجتماعی دعامانگنا تو ثابت ہے مگر یہ ثابت نہیں کہ یہ اجتماعی دعانماز کے بعد یا خطبہ سے پہلے ہوتی تھی یا خطبہ کے بعد اس لئے ایک دعامانگنا جائز ہے خواہ نماز کے بعد مانگی جائے یا خطبہ کے بعد، ان میں سے جس موقع پر مانگی جائے خاص اسی موقع کو دعا کے لئے مخصوص اور مسنون نہ سمجھنا چاہئیے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) عن ام عطية قالت :" أمرنا أن نخرج فتخرج الحيض والعوائق وذوات الخدور ..... فأما الحيض فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم ويعتزلن مصلاهم (بخاری ' باب خروج النساء والحيض إلى المصلى ۱/۱۳۳ ط قديمي كتب خانه' كراچي)

(۲) عن ام عطية قالت :" أمرنا أن نخرج فتخرج الحيض والعوائق وذوات الخدور ...... فأما الحيض فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم (بخاری ' باب خروج النساء والحيض إلى المصلى ۱/۱۳۴ ط قديمي كتب خانه' كراچي)

فرض نماز کے بعد امام کس طرف منہ کر کے بیٹھے

(سوال) امام کے لئے بعد فراغ فرائض انحراف عن القبلہ ایمن وایسر پہلو پر ہو کر دعا مانگنی ہر ایک پنجگانہ فرض کے بعد مستحب ہے یا بعض کے بعد۔ زید کہتا ہے کہ ہر ایک پنجگانہ فرض کے بعد انحراف عن القبلہ کرنا مستحب ہے خالد کہتا ہے کہ صرف عصر و فجر کی نماز کے بعد مستحب ہے۔ دلیل میں فتاویٰ در مختار مطبع احمدی کی یہ عبارت پیش کرتا ہے ۔**وفی الخانیة یستحب للامام التحول یمین القبلة یعنی یسار المصلی للتنفل** ۔ نیز نورالایضاح نزل الثوی تقریر وحاشیہ ترمذی شریف بحوالہ فتح القدیر شرح منیہ کبیری وغیرہ پیش کرتا ہے عبارت مذکورہ بالا کا واضح مطلب واحناف فقہاء کرام کا محقق و مفتی بہ قول مع حوالہ کتاب نقل عبارت کے ساتھ تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی نمبر ۱۵۵۱ محمد حبیب حسین و محفوظ الکریم (صوبہ بہار)

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۲۹ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۴۸) فرائض کے بعد دعا کے لئے دائیں یا بائیں مڑ کر بیٹھنا دونوں طرح جائز ہے خواہ کوئی نماز ہو عصر و فجر کی تخصیص نہیں ہے عبارت منقولہ سوال تو جگہ بدلنے کے متعلق ہے اس میں للتنفل کا لفظ اس کی دلیل ہے کہ وہ سنن و نوافل کے لئے تحول کو مستحب بتانے کے متعلق ہے اور یہ قول بملاحظہ **ویکرہ للامام التنفل فی مکانہ لا للمؤتم** کے بیان کیا گیا ہے اور منیہ سے ردالمحتار میں یہ عبارت منقول ہے۔ **ان کان فی صلوٰۃ لا تطوع بعدھا فان شاء انحرف عن یمینہ او یسارہ او ذھب الی حوائجہ او استقبل الناس بوجھہ وان کان بعدھا تطوع وقام یصلیہ یتقدم او یتاخر او ینحرف یمینا او شمالا او یذھب الی بیتہ فیتطوع ثمہ.** (۱) یعنی اگر ایسی نماز ہو جس کے بعد نفل نہیں مثلاً عصر و فجر تو چاہے دائیں جانب مڑے چاہے بائیں جانب یا چاہے تو اٹھ کر اپنے کام کو چلا جائے یا لوگوں کی طرف منہ کرلے اور اگر ایسی نماز میں ہو جس کے بعد سنن و نوافل ہیں اور کھڑے ہو کر سنت یا نفل شروع کر دے تو آگے بڑھ جائے یا پیچھے ہٹ جائے یا دائیں جانب یا بائیں جانب پھر جائے یا گھر میں جا کر سنن و نوافل پڑھے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مغرب کی نماز کے بعد دعا مختصراً دعا مانگی جائے

(سوال) زید کہتا ہے کہ ہر نماز کے بعد خلوص دل سے اور حضور قلب کے ساتھ گڑگڑا کر دعا مانگنی چاہئیے اور بکر کا کہنا ہے کہ مغرب کی نماز میں زیادہ دعا مانگنا مکروہ ہے بلکہ سلام پھیر کر منہ پر ہاتھ پھیر لینے چاہئیں دونوں میں سے کون سی صورت بہتر ہے' دعا مانگنی چاہئیے یا صرف سلام پھیر کر منہ پر ہاتھ پھیر لینے چاہئیں۔ المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی۔

---

(۱) (باب صفة الصلاة ۱ / ۵۳۱ ط سعید)

(جواب ۵۴۹) مغرب کے بعد ہی مختصر دعا مانگ لے بغیر دعا کے صرف ہاتھ منہ پر پھیر لینا فضول ہے(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

نماز کے بعد بآواز بلند کلمہ کا ورد

(سوال) ایک شخص جو پنج وقتہ کا پابند نہیں ہے اور جب کبھی وہ نماز پڑھتا ہے تو بآواز بلند کلمہ توحید پڑھتا ہے وہی شخص فرض یا جماعت کے فوراً بعد کلمہ توحید پڑھے تو مستحب ہے یا بدعت ؟
المستفتی نمبر ۲۰۵۱ ظفریار خاں صاحب (ہردوئی) ۱۰ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۵ نومبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۵۵۰) بآواز بلند کلمہ شریف پڑھنا مباح ہے مگر اس کو لازم کر لینا درست نہیں(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

بعد نماز عید دعا ثابت ہے یا نہیں ؟

(سوال) بعد نماز عیدین نبی کریم ﷺ سے دعا ثابت ہے یا نہیں بر تقدیر عدم ثبوت دعا جائز یا مستحسن ہے یا نہیں اگر جائز ہو تو کیوں اور ناجائز ہے تو کس بناء پر۔ نیز اگر بعد خطبہ کے بھی دعا کی جائے تو کیا حرج ہو گا ؟
المستفتی نمبر ۲۰۶۲ مولوی بشیر احمد صاحب (سورت) ۱۹ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۴ نومبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۵۵۱) عیدین کی نماز یا خطبہ کے بعد خصوصی طور پر دعا مانگنے کا کوئی صریح ثبوت نہیں ہے لیکن بخاری اور دیگر صحاح ستہ کی اس حدیث میں جو عورتوں کو عیدین میں جانے اور لے جانے کے متعلق ہے یہ الفاظ وارد ہیں۔ فلیشهدن الخیر و دعوة المؤمنین ولیعتزلن المصلی (۳) یعنی حائضہ عورتیں بھی جائیں اور نیکی اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہو جائیں ہاں نماز سے علیحدہ رہیں اس سے اتنا نکلتا ہے کہ ایک اجتماعی دعا غالباً ہوتی تھی لیکن نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد اس کا پتہ کسی روایت سے نہیں ملا پس ایک اجتماعی دعا نماز یا خطبہ کے بعد کر لینا تو ٹھیک ہے لیکن جہاں پر کی جائے اس جگہ کی خصوصیت کو مسنون نہ قرار دیا جائے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

دعا میں "حینا ربنا بالسلام" کا اضافہ

(سوال) نماز کے بعد جو دعائے مسنون اللھم انت السلام میں جو جملہ حینا ربنا بالسلام عوام پڑھا

---

(۱) ویکرہ تاخیر السنة إلا بقدر اللهم انت السلام الخ (الدر المختار' باب صفة الصلاة ۱/ ۵۳۰ ط سعید)
(۲) وإذا کبر وابعد الصلاة علی إثر الصلاة فإنه یکرہ وإنه بدعة (عالمگیریة ' الباب الرابع فی الصلاة والذکر والتسبیح ۵/ ۳۱۹ ط ماجدیه)
(۳) (بخاری ' باب خروج النساء والحیض إلی المصلی ۱/ ۱۳۳ ط قدیمی کتب خانه' کراچی)

کرتے ہیں آنجناب کو معلوم ہے کہ حدیثوں میں اس دعا میں یہ جملہ نہیں ہے حینا بمعنی احینا (ہمیں زندہ رکھ) لیتے ہیں کیا اس کا کوئی ثبوت جناب کی تحقیق میں کتب سنت سے ملتا ہے ثانیاً کیا فی نفسہ اس قسم کا جملہ یعنی حینا کے ساتھ بالسلام کا ہونا عربیت میں صحیح اور ثابت ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۱۵۶ مولوی غلام قادر صاحب مظفر گڑھ۔
۲۶ شوال ۱۳۵۶ھ ۳۰ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۵۲) حینا ربنا بالسلام روایۃً تو ثابت نہیں مگر معنی اور عربیت کے لحاظ سے غلط نہیں ہے۔ قال الفراء حیاك الله ابقاك الله و حیاك الله ای ملكك الله و حیاك الله ای سلمه علیك (لسان العرب)(۱) و فی موضع آخر یقال احیاء الله وحیاه بمعنیً واحدٍ اس تصریح سے ثابت ہوا کہ حینا ربنا بالسلام کے معنی احینا وابقنا کے صحیح ہیں۔ وفی المرثیة تحینی بالسلام اخر عمر الخ .

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

امام سلام کے بعد کس طرف منہ کر کے بیٹھے ؟

(سوال) امام کو بعد نماز صبح و عصر پس از سلام دواماً جانب شمال ہی مڑ کر بیٹھنا چاہیئے یا گاہے شمال رو اور گاہے سمت جنوب اور کبھی پشت بقبلہ بیٹھنا لازم ہے ایک ہی رخ کے اختیار کر لینے کی نسبت کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۴۲۹ مولوی محمد ابراہیم صاحب۔ گوڑ گاؤں چھاؤنی۔
۲۲ شوال ۱۳۵۷ھ م ۱۵ دسمبر ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۵۳) امام کو تینوں صورتوں پر گاہے گاہے عمل کرنا چاہیئے کبھی دائیں طرف مڑے، کبھی بائیں طرف اور کبھی مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے کسی ایک ہیئت کو اعتقاداً یا عملاً لازم کر لینا مکروہ ہے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

نماز کے بعد دعا کتنی دیر تک مانگی جائے ؟

(سوال) نماز کے بعد امام کو دعا کتنی دیر مانگنی چاہیئے ؟

(جواب ۵۵۴) دعا اتنی مانگی جائے کہ مقتدیوں پر شاق نہ ہو اور ان کو تطویل ناگوار نہ ہو(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

---

(۱) (۴/۲۱۶، ۲۱۷ ط دار صادر، بیروت، لبنان)
(۲) إن كان في صلاة لا تطوع بعدها فإن شاء انحرف عن يمينه أو يساره او ذهب إلى حوائجه او استقبل الناس لوجهه، وان كان بعد ها تطوع و قام يصليه يتقدم أو يتاخر او ينحرف يميناً و شمالاً الخ (رد المحتار، باب صفة الصلاة ۱/۵۳۱ ط سعيد)
(۳) ويكره تاخير إلا بقدر اللهم انت السلام الخ (الدر المختار، باب صفة الصلاة ۱/۵۳۰ ط سعيد)

بعد نماز دعا میں "ربنا و تعالیت" کی زیادتی

(سوال) بعد نماز کے جو دعا پڑھی جاتی ہے اس میں تبارکت کے بعد ربنا و تعالیت بھی شامل ہے یا نہیں ؟

(جواب ۵۵۵) نماز کے بعد یہ الفاظ ثابت ہیں۔ اللھم انت السلام و منك السلام تبارکت یا ذو الجلال والاکرام (کذافی المشکوۃ ص ۸۸)(۱) اگر لفظ وتعالیت بھی ملا لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اسے مسنون اور ماثور اعتقاد نہ کرے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرس مدرسہ امینیہ ' دہلی

فرض نماز کے بعد کتنی دیر تک دعا مانگی جائے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ہر ایک فرض نماز کے بعد دعا کتنا پڑھے اور نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے یا نہ پڑھے اور فرض نماز کے بعد دعا سے پہلے آیت الکرسی پڑھنا ہے یا کہ نہیں ؟

(جواب ۵۵۶) جن نمازوں کے بعد سنت مؤکدہ ہے ان کے بعد مختصر دعا کرنی چاہئیے اور جن کے بعد سنت نہیں ان کے بعد جتنی دعا کرے اختیار ہے آیۃ الکرسی دعا سے پہلے پڑھ لینے میں بھی مضائقہ نہیں ہے(۲)

محمد کفایت اللہ غفرلہ

"اللّٰھم یا واجب الوجود" کہہ کر دعا کرنا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۵ء)

(سوال) اللھم یا واجب الوجود سے خدا کو مخاطب کر کے دعا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۵۵۷) اللھم یا واجب الوجود دعا میں کہنا جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سنن ونوافل کے بعد دعا کے بارے میں مفصل بحث

(سوال) (ماخوذ از مجموعہ النفائس المرغوبہ فی حکم الدعاء بعد المکتوبۃ۔ مرتبہ حضرت مفتی اعظمؒ مطبوعہ ۱۳۳۴ھ)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض شہروں میں یہ طریقہ ہے کہ نماز کے سلام کے

---

(۱)(مسلم' باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ و بیان صفتہ ۱/۲۱۸ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی) (مشکوۃ' باب الذکر بعد الصلاۃ' الفصل الأول' ص ۸۸ ط سعید)

(۲) القیام إلی اداء السنۃ التی تلی الفرض متصلاً بالفرض مسنون غیر أنہ یستحب الفصل بینھما کما کان علیہ السلام إذا سلم یمکث قدر ما یقول : " اللھم انت السلام و منك السلام...... ثم یقوم إلی السنۃ ..... ویستحب أن یستقبل بعدہ أی بعد التطوع و عقب الفرض إن لم یکن بعدہ نافلۃ یستقبل الناس ویستغفرون اللہ العظیم ثلاثاویقرؤن آیۃ الکرسی ویقرؤن المعوذات الخ (مراقی الفلاح' فصل فی صفۃ الأذکارالواردۃ بعد صلاۃ الفرض و فضلھا وغیرہ' ص ۱۸۶ تا ۱۸۸ ط مصر)

بعد امام صرف اللھم انت السلام الخ پڑھ کر کھڑا ہو جاتا ہے پھر سنتیں پڑھ کر لوگ مع امام کے دعا مانگتے ہیں امام اگر سنن ونوافل سے فارغ بھی ہو جائے اور لوگ پڑھ رہے ہوں تو اسے انتظار کرنا پڑتا ہے پھر الفاتحہ کہہ کر امام زور زور سے دعا مانگتا ہے اور لوگ آمین کہتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس طریقہ دعا کا حدیث شریف وفقہ سے ثبوت ہے یا نہیں ؟ اور اکثر دیار وامصار میں اس طرح ہوتا ہے کہ فرض کے بعد امام اللھم انت السلام الخ کے علاوہ بعض اور بھی مختصر دعائیں پڑھتا ہے ادعیہ طویلہ نہیں پڑھتا اس پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ فرض اور سنتوں کے درمیان میں سوائے اللھم انت السلام الخ کے اور دعاؤں کو فقہا نے مکروہ لکھا ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیا یہ اعتراض صحیح ہے یا غلط ؟ اور فرائض کے بعد مجموعی طور پر دعا مانگنا افضل ہے یا سنتوں اور نفلوں سے فارغ ہونے کے بعد ؟ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ بینوا توجروا

المستفتی خاکسار حاجی داؤد ہاشم یوسف نمبر ۴۸ مرچنٹ اسٹریٹ۔ رنگون

(جواب ۵۵۸) **اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ.** سوال مذکور میں کئی باتیں جواب طلب ہیں (۱) اول یہ کہ سنتوں نفلوں کے بعد لوگوں کا اجتماعی طور پر دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں (۲) دوسرے یہ کہ فرضوں کے بعد سنتوں سے پہلے دعا مانگنے کا احادیث وفقہ سے ثبوت ہے یا نہیں (۳) تیسرے یہ کہ فرضوں کے بعد کس قدر دعا جائز اور ثابت ہے۔

ان باتوں کی توضیح وتفصیل تین فصلوں میں کی جاتی ہے۔ وباللہ التوفیق

فصل اول

سنن ونوافل کے بعد دعائے اجتماعی کا ثبوت ہے یا نہیں ؟

جاننا چاہئیے کہ احادیث وفقہ سے کہیں یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ قرون ثلثہ میں دعا کا یہ طریقہ تھا کہ سنتیں، نفلیں پڑھ کر ساری جماعت دعا مانگتی ہو اور جب اس پر یہ قیود اور بڑھ جائیں کہ امام لوگوں کے فارغ ہونے تک ان کا انتظار کرے اور پھر الفاتحہ بلند آواز سے کہہ کر دعا شروع کرے تو اس طریقہ کا طریقہ جدیدہ و محدثہ ہونا اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔

پھر اس پر اگر اس التزام کا لحاظ بھی کر لیا جائے جو بعض اطراف میں مشاہد ہے کہ اس طریقہ دعا کو ضروری سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو ملامت کرتے ہیں تو پھر اس کے بدعت ہونے میں کسی طرح کا شک و شبہ باقی نہیں رہتا کیونکہ شریعت مقدسہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی امر مباح یا مستحب کو بھی ضروری سمجھ لیا جائے اور اس پر اصرار کیا جائے تو وہ بدعت ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دائیں اور بائیں دونوں جانبوں کو مڑ کر بیٹھتے تھے کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص سیدھی جانب مڑنے کو ضروری سمجھے تو اس نے اپنی نماز میں شیطان کا حصہ بھی بنادیا (ترمذی شریف میں یہ روایت موجود

ہے) دیکھو سیدھی طرف مڑنا خود آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے لیکن باوجود اس کے اسے ضروری سمجھنے کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شیطان کا حصہ فرماتے ہیں۔

طیبی نے حاشیہ مشکوۃ میں اس حدیث پر لکھا ہے۔

فیہ ان من اصر علی امر مندوب و جعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الا ضلال فکیف من اصر علی بدعۃ او منکر انتہیٰ . (کذافی السعایۃ)(۱)

یعنی اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ جو شخص امر مندوب پر اصرار کرے اور اسے لازم سمجھ لے اور رخصت پر عمل نہ کرے تو شیطان اس کے گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گیا پھر اس کا تو ذکر ہی کیا ہے جو کسی بدعت یا منکر پر اصرار کرے۔ انتہیٰ

یعنی جب کہ ان امور میں جو اباحۃً یا استحباباً ثابت ہیں التزام کرنا اور ضروری سمجھنا ان امور کو ناجائز اور بدعت بنادیتا ہے تو جن کا ثبوت بھی نہ ہو ان کا التزام اور اصرار اعلیٰ درجہ کی بدعت ہو گی اور اس طریقہ دعا کا حدیث و فقہ میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ و من ادعی فعلیہ البیان بلکہ احادیث میں غور کرنے سے اس طریقہ کی نفی ثابت ہوتی ہے ۔ آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں افضل الصلوۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ (رواہ الترمذی(۲) والبخاری(۳) و مسلم(۴) وغیرہم(۵)) یعنی آدمی کی افضل نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھے سوائے فرض نماز کے یعنی فرض نماز کے سوا باقی تمام نمازیں گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

و عن عبداللہ بن سعد الانصاری رضی اللہ عنہ قال سألت رسول اللہ ﷺ ایما افضل الصلوٰۃ فی البیت او الصلوٰۃ فی المسجد قال لان اصلے فی بیتی احب الی من ان اصلی فی المسجد الا ان تکون صلوۃ مکتوبۃ (رواہ ابن ماجہ(۶) والترمذی(۷) فی شمائلہ)

(ترجمہ) عبداللہ بن سعد انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ نماز مسجد میں افضل ہے یا گھر میں فرمایا کہ مجھے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ محبوب ہے مسجد میں نماز پڑھنے سے۔ مگر یہ کہ نماز فرض ہو (ابن ماجہ نے سنن میں اور ترمذی نے شمائل میں روایت کیا)

و عن عبداللہ بن شقیق قال سألت عائشۃؓ عن صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ فقالت کان یصلی فی بیتی قبل الظہر اربعاً ثم یخرج فیصلی بالناس الظہر ثم یدخل فیصلی رکعتین ثم یخرج فیصلی بالناس العصر و یصلی بالناس المغرب ثم یدخل فیصلی رکعتین ثم یصلی بالناس

---

(۱) (باب صفۃ الصلاۃ ۲/۲۶۳ ط سہیل اکیدمی لاہور)

(۲) (باماجاء فی فضل صلاۃ التطوع فی البیت ۱/۱۰۱ ط سعید)

(۳) (باب ما یکرہ من کثرۃ السوال و تکلف مالا یعنیہ ۲/۱۰۸۳ ط قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۴) (باب استحباب صلوۃ النافلۃ فی بیتہ و جوازہ فی المسجد ۱/۲۶۵ ط قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۵) (ابو داؤد باب صلاۃ الرجل التطوع فی بیتہ ۱/۱۵۶ مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۶) (باب ماجاء فی التطوع فی البیت ص ۹۸ ط قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۷) (باب صلاۃ التطوع فی البیت ص ۲۰ ط سعید)

العشاء و یدخل فی بیتی فیصلی رکعتین. الحدیث (رواہ مسلم (۱) وابوداؤد (۲) والامام احمد (۳))

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن شقیقؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے آنحضرت ﷺ کی نماز کا حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ پھر باہر تشریف لے جاتے اور لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھاتے پھر اندر تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھتے پھر (عصر کے وقت) باہر جاتے اور عصر کی نماز پڑھاتے اور (مغرب کے وقت) مغرب کی نماز پڑھاتے پھر اندر آکر دو رکعتیں پڑھتے پھر لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور میرے گھر میں آکر دو رکعتیں پڑھتے۔

پہلی دونوں حدیثیں اس امر کی صریح دلیل ہیں کہ سنن و نوافل گھر میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے اور تیسری حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ فرض نمازوں کے بعد والی سنتیں بھی گھر میں تشریف لے جاکر پڑھتے تھے اور جب کہ رسول اللہ ﷺ کا خود اس پر عمل تھا اور صحابہ کرامؓ کو بھی آپ نے یہ فرمادیا اور تعلیم کردی تھی کہ سنن و نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے تو ظاہر یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ بھی سنتیں نفلیں اپنے گھروں میں جاکر پڑھتے ہوں گے اور شاذ و نادر کوئی شخص مسجد میں سنتیں پڑھتا ہوگا اور پھر کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ گھر میں سنتیں پڑھ کر دعا کے لئے مسجد میں تشریف لاتے ہوں یا صحابہ اپنے گھروں سے سنتیں پڑھ کر دعا کے لئے مسجد میں دوبارہ آکر جمع ہوتے ہوں اور ظاہر نظر بھی اس دوبارہ جمع ہونے کو حرج عظیم اور مشکل سمجھتی ہے بہر حال جب کہ روایتوں سے صراحۃً اور اشارۃً یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ سنتیں مکان میں پڑھتے تھے تو سنتوں کے بعد پھر مسجد میں تشریف لانے اور دعا کرنے کا جو دعویٰ کرے اس کا ثبوت اسکے ذمہ ہے نیز امام کا زور زور سے دعا مانگنا بھی مکروہ ہے اگرچہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہی ہے لیکن اس کے اختیار کرنے اور عادت بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے مکروہ بہر حال مکروہ ہے اسے چھوڑنا ہی بہتر ہے اور اولویت اور بہتری اس کے خلاف میں ہے۔

بھذہ الاخبار اجمع العلماء علی استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ لکنھم اختلفوا فی موضعین. الاول فی انہ ھل یجھر بھا ام یسر فا ختار ابن حزم الجھر اخذاً بحدیث ابن عباس الصریح فی الجھر واختار غیرہ السروحملواحدیث ابن عباس علی الجھراحیاناً بیاناً للجوازو بعضھم حملوہ علی انہ کان فی سفر الغزوۃ لا رھاب العدو کذافی عمدۃ القاری و غیرہ انتھیٰ (سعایۃ) (٤)

---

(۱) (باب جواز النافلۃ قائما و قاعداً ۱ /۲۵۲ ط قدیمی)
(۲) ابواب التطوع و رکعات السنۃ ۱/ ۱۹۵ ط امدادیہ ' ملتان)
(۳) (مسند الامام احمد ٦/ ۳۰ ط دار صادر للطباعۃ والنشر ' بیروت ' لبنان)
(٤) (باب صفۃ الصلاۃ ' ھل یجھر بالذکر ام لا؟ ۲/ ۲٦۰ ط سھیل اکیڈیمی ' لاھور)

یعنی ان حدیثوں کی وجہ سے (جو ذکر اور دعا بعد الصلوۃ کے بارے میں منقول ہیں) علمانے اس پر اتفاق کیا ہے کہ نماز کے بعد ذکر و دعا مستحب ہے پھر دو باتوں میں اختلاف ہوا ایک یہ کہ آیا اذکار اور دعاؤں کو جہراً یعنی زور سے پڑھا جائے یا آہستہ تو ابن حزم نے ابن عباسؓ کی حدیث کی وجہ سے جہر کو اختیار کیا اور ان کے علاوہ اور لوگوں نے سراً یعنی آہستہ پڑھنے کو اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کا جواب یہ دیا کہ آنحضرت ﷺ کبھی کبھی بغرض تعلیم جہر فرمادیا کرتے تھے یا یہ کہ جہاد کے سفر میں دشمنوں کو خوف دلانے کے لئے جہر فرماتے تھے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں علامہ عینی نے اس طرح ذکر کیا ہے اور ان کے علاوہ اور علماء نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

اذا دعا بالدعاء الماثور جهرا و جهر معه القوم ايضا ليتعلموا الدعاء لابأس به واذا تعلموا ح يكون الجهر بدعة . انتهى (بزازية كذافي السعاية)(۱)

یعنی فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ اگر امام دعائے ماثور زور زور سے پڑھے اور لوگ بھی زور زور سے پڑھیں اس لئے کہ دعا کو سیکھ لیں تو کچھ مضائقہ نہیں اور جب کہ لوگ سیکھ جائیں پھر زور زور سے پڑھنا بدعت ہے۔

پس واضح ہو گیا کہ سنن و نوافل کے بعد دعا مانگنے کے طریقہ مذکورہ سوال کا حدیث وفقہ میں کوئی ثبوت نہیں۔

رہا اس کا حکم تو وہ یہ ہے کہ اگر اس میں کسی طرح کا التزام نہ ہو اور اسے بہتر اور افضل نہ سمجھا جائے اور اس کے تارک پر ملامت نہ کی جائے اور اجتماع کا اہتمام نہ کیا جائے اور امام کو اس کے لئے مقید نہ کیا جائے تو بعد سنتوں کے جو لوگ اتفاقی طور پر موجود ہوں اگر وہ دعا مانگ لیں تو جائز ہے۔ لیکن نماز کے بعد سنتوں سے پہلے سب کو دعا مانگنا بہتر اور افضل ہے۔

فصل دوم
(فرضوں کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت)

اس بارے میں احادیث وفقہ سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ فرائض کے بعد دعا مانگنے کا طریقہ نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے۔

(احادیث دعا بعد فرائض)

حدیث(۱) **اى الدعاء اسمع فقال رسول الله ﷺ جوف الليل الاخرو دبر الصلوة المكتوبات** (رواه الترمذی .

یعنی کس وقت کی دعا زیادہ مقبول ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کے آخری حصہ کی دعا

---

(۱) باب صفة الصلاة هل يجهر بالذكر ام لا ۲ / ۲٦۱ ط سهيل اكيدمی لاهور)

اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا۔ (ترمذی)(۱)

حدیث (۲) عن المغیرۃ بن شعبۃ قال ان رسول اللہ ﷺ کان اذا فرغ من الصلوۃ و سلم قال لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شئی قدیر ۔ اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد ولفظ البخاری فی کتاب الاعتصام انہ ﷺ کان یقول ھذہ الکلمات دبر کل صلوٰۃ و لفظ البخاری فی کتاب الصلوٰۃ فی دبر کل صلوٰۃ مکتوبۃ. (رواہ البخاری (۲) ومسلم (۳) و ابوداؤد (۴) و النسائی (۵))

مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے اور سلام پھیرتے تو یہ دعا پڑھتے تھے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شئی قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منک الجد۔ بخاری میں کتاب الاعتصام میں اس روایت کے لفظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ یہ کلمات ہر نماز کے بعد کہتے تھے اور بخاری کی کتاب الصلوٰۃ میں یہ روایت ان لفظوں سے ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد یہ الفاظ کہتے تھے۔

اس حدیث سے ہر فرض نماز کے بعد دعا مانگنا ثابت ہوتا ہے خواہ اس کے بعد سنتیں ہوں یا نہ ہوں۔ اسی طرح لفظ اذا سلم سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سنتوں سے پہلے یہ دعا پڑھتے تھے۔

حدیث (۳) وعن ابی امامۃؓ انہ قال ما دنوت من رسول اللہ ﷺ فی دبر کل صلوٰۃ مکتوبۃ ولا تطوع الا سمعتہ یقول اللھم اغفرلی ذنوبی و خطایای کلھا اللھم انعشنی واجبرنی واھدنی لصالح الا عمال والا خلاق انہ لا یھدی لصالحھا ولا یصرف سیئھا الا انت. (اخرجہ ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ کذافی التحفۃ المرغوبۃ (۶))

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ میں جب کبھی کسی فرض یا نفل نماز کے بعد آپ کے قریب ہوا تو میں نے آپ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا. اللھم اغفرلی ذنوبی . (باقی حدیث میں پڑھ لو)

(تحفہ مرغوبہ میں ہے کہ اس حدیث کو ابن السنی نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں ذکر کیا ہے)

حدیث (۴) وعن عبداللہ بن الزبیر ان النبی ﷺ کان یقول فی دبر الصلوات لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر لاحول ولا قوۃ الا باللہ لا الٰہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن الجمیل لا الٰہ الا اللہ مخلصین لہ الدین

---

(۱) (باب أحادیث شتی من ابواب الدعوات فی دعاء المریض ' ۲/۱۸۷ ط سعید)
(۲) (باب الذکر بعد الصلاۃ ۱/۱۱۷ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)
(۳) (باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ ۱/۲۱۸ ط قدیمی)
(۴) (باب ما یقول الرجل إذا سلم ۱/۲۱۸ ط امدادیہ' ملتان)
(۵) (نوع آخر من القول عند انقضاء الصلاۃ ۱/۱۵۰ ' ط سعید)
(۶) (ص ۹'ط لجنۃ التصنیف و التالیف لدار العلوم النعیمیۃ ' کراتشی نمبر ۳۸)

ولو کرہ الکافرون . (رواہ مسلم) (۱)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نمازوں کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔ لا الہ الا اللہ الخ (باقی دعا حدیث میں دیکھو)

حدیث (۵) وعن انس ان النبی ﷺ کان اذا صلی و فرغ مسح بیمینہ علی راسہ وقال بسم اللہ الذی لا الہ لا ھو الرحمٰن الرحیم . اللھم اذھب عنی الھم والحزن.

(رواہ الطبرانی والبزاز . کذافی السعایۃ) (۲)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے اور فارغ ہوتے تو سیدھا ہاتھ اپنے سر مبارک پر ملتے اور یہ دعا پڑھتے۔ بسم اللہ الذی لا الہ الا ھو الرحمن الخ .

حدیث (۶) و عن انسؓ قال ما صلی رسول اللہ ﷺ بنا الا قال حین اقبل علینا بوجھہ اللھم انی اعوذبك من کل عمل یخزینی واعوذبك من کل صاحب یردینی واعوذبك من کل عمل یلھینی واعوذبك من کل فقر ینسینی واعوذبك من کل غنی یطغینی.

(رواہ البزاز وابو یعلے . کذافی السعایۃ) (۳)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب کبھی ہمیں نماز پڑھائی تو ہماری طرف منہ کر کے یہ دعا پڑھی۔ اللّٰھم انی اعوذبك من کل عمل الخ

حدیث (۷) و عن علی قال کان النبی ﷺ اذا سلم من الصلوٰۃ قال اللّٰھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم والمؤخر لا الہ الا انت . (رواہ ابو داؤد) (۴)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا سلام پھیرتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اللھم اغفرلی الخ

حدیث (۸) و عن ثوبان ان النبی ﷺ کان اذا اراد ان ینصرف من صلوتہ استغفر ثلث مرات ثم قال اللھم انت السلام الخ (رواہ ابو داؤد) (۵)

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے لوٹنا چاہتے تو تین مرتبہ استغفار پڑھتے۔ پھر فرماتے۔ اللھم انت السلام الخ

حدیث (۹) وعن زید بن ارقم قال کان رسول اللہ ﷺ یقول فی دبر کل صلوۃ اللھم ربنا و رب

---

(۱) (باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ ۱ / ۲۱۸ ط قدیمی)
(۲) (باب صفۃ الصلاۃ ۲ / ۲۵۹ ط سہیل اکیدمی لاہور)
(۳) (باب صفۃ الصلاۃ ۲ / ۲۶۰ ط سہیل اکیدمی لاہور)
(۴) (باب ما یقول الرجل اذا سلم ۱ / ۲۱۸ ط امدادیہ ملتان)
(۵) (باب ما یقول الرجل اذا سلم ۱ / ۲۱۸ ط امدادیہ ملتان)

كل شئى انا شهيد انك الرب لا شريك لك اللهم ربنا و رب كل شئى انا شهيد ان محمداً عبدك و رسولك اللهم ربنا و رب كل شئى انا شهيد ان العباد كلهم اخوة اللهم ربنا و رب كل شئى اجعلني مخلصاً لك و اهلى فى كل ساعة من الدنيا والاخرة يا ذاالجلال والاكرام اسمع واستجب الله الاكبرالله الاكبر الله نور السموٰت والارض الله اكبر الاكبرحسبى الله و نعم الوكيل الله اكبر الاكبر- (رواه ابو داؤد (۱) والنسائى (۲) واحمد (۳))

زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔ اللهم ربنا و رب كل شئى الخ.

(۱۰) و عن عقبة بن عامر قال امر نى رسول الله ﷺ ان اقرأبا لمعوذات دبر كل صلوٰة (رواه ابوداؤد) (۴)

حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہر نماز کے بعد معوذات پڑھا کروں۔ (معوذات سے مراد تین سورتیں ہیں۔ قل اعوذ برب الناس. قل اعوذ برب الفلق. قل هو الله احد)

(۱۱) اخرج الطبرانى من رواية جعفر بن محمد الصادق قال الدعآء بعد المكتوبة افضل من الدعاء بعد النافلة كفضل المكتوبة على النافلة انتهىٰ . (كذافى السعاية (۵) نقلاً عن المواهب للقسطلانى نقلاً عن الحافظ ابن حجر)

طبرانی نے حضرت امام جعفر بن محمد صادقؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ فرضوں کے بعد دعا مانگنا نوافل کے بعد دعا مانگنے سے اس قدر افضل ہے جس قدر فرائض نوافل سے افضل ہیں۔

اور نماز کے بعد اذکار اور دعا کے بارے میں بے شمار روایات کتب احادیث میں موجود ہیں ہم نے صرف ان چند احادیث پر اکتفا کیا کہ طالب حق کے لئے اس قدر بھی کافی ہیں ان احادیث سے یہ باتیں ثابت ہوئیں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد ذکر کرتے اور دعا مانگتے۔ دیکھو حدیث نمبر ۲'۳'۶

(۲) نماز فرض کے بعد دعا کی مقبولیت کی زیادہ امید ہے کیونکہ یہ وقت خاص مقبولیت دعا کا ہے۔ دیکھو حدیث نمبر ا وا ا ۔

---

(۱) (ایضاً حوالہ صفحہ گزشتہ حاشیہ۵)
(۲) (ایضاً)
(۳) (مسند الإمام احمد ۴ / ۳۶۹' دار صادر للطباعة والنشر' بيروت' لبنان)
(۴) (باب فى الاستغفار' ۱ / ۲۲۰ ط امدادیه' ملتان)
(۵) (باب صفة الصلاة ۲ / ۲۵۸' ط سهيل)

(۳) فرض نماز کے بعد دعا مانگنا ان فرضوں سے مخصوص نہیں ہے جن کے بعد سنتیں نہ ہوں بلکہ تمام فرضوں کے بعد دعا ثابت ہے خواہ ان کے بعد سنتیں ہوں یا نہ ہوں۔ دیکھو حدیث نمبر ۱و۲و۳و۶و۸و۹ کہ ان حدیثوں میں کل صلوۃ کا لفظ موجود ہے جو ہر نماز کو شامل ہے۔

(۴) آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہی نہ تھی کہ اللھم انت السلام و منك السلام الخ پڑھتے ہوں بلکہ اور دعائیں بھی آپ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں دیکھو حدیث نمبر ۲ سے ۱۰ تک۔

(۵) دعائیں جو آنحضرت ﷺ سے فرائض کے بعد ثابت ہیں وہ مقدار میں بھی اللھم انت السلام الخ سے بڑھی ہوئی ہیں بعض کم بعض زیادہ۔ دیکھو حدیث نمبر ۲۔۳۔۴۔۶۔۹۔۱۰۔

(۶) فرضوں کے سلام کے بعد سنتوں سے پہلے آنحضرت ﷺ سوائے اللھم انت السلام الخ کے اور دعائیں بھی جو اس سے بڑی ہیں پڑھتے تھے دیکھو حدیث نمبر ۲۔۷۔۸

الحاصل ان تمام روایات سے یہ بات نہایت صراحت کے ساتھ ثابت ہو گئی کہ فرائض کے بعد دعا مانگنا آنحضرت ﷺ کا طریقہ اور آپ ﷺ کی سنت ہے اور اس کی مقبولیت کی امید بھی زیادہ ہے اور یہ کہ اللھم انت السلام الخ سے کسی قدر زیادہ مقدار کی دعا مانگنا بھی جائز ہے اور خود سرور کونین شفیع المذنبین ﷺ سے ثابت ہے۔

روایات فقہیہ بثبوت دعا بعد فرائض

(۱) قال فی شرعة الاسلام . و یغتنم ای المصلی الدعاء بعد المکتوبة (انتھی کذافی التحفة المرغوبه) (۱)

شرعۃ الاسلام میں ہے۔ اور غنیمت سمجھے نماز پڑھنے والا دعا کو بعد نماز فرض کے

(۲) فی مفاتیح الجنان . قوله بعد المتکوبة ای قبل السنة . انتھی (کذافی التحفة المرغوبة (۲) والسعایة (۳))

مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام میں ہے بعد فرض کے یعنی سنتوں سے پہلے (دعا مانگے)

(۳) فی نور الایضاح و شرحه المسمی بامداد الفتاح ثم بعد الفراغ عن الصلوۃ یدعو الامام لنفسه و للمسلمین رافعی ایدیھم حذ والصدور وبطونھا مما یلی الوجه بخشوع و سکون ثم یمسحون بھا وجوھھم فی اخره ای عند الفراغ من الدعاء انتھی.

(کذافی التحفة المرغوبة (۴) والسعایة (۵))

نور الایضاح اور اس کی شرح امداد الفتاح میں ہے۔ پھر نماز سے (یعنی فرض سے) فارغ ہو کر امام

---

(۱) (ص ۱۷ ' ط لجنة التصنیف والتالیف لدار العلوم النعمیة' کراچی نمبر ۳۸)
(۲) (ایضا)
(۳) سعایہ میں یہ عبارت نہیں ملی۔
(٤) (ص ۱۷ ط لجنة التصنیف) (۵) (باب صفة الصلاة ۲ / ۲۵۷ ' ط سھیل اکیڈمی ' لاھور)

اپنے لئے اور مسلمانوں کے لئے دعا کرے سینہ کے برابر ہاتھ اٹھائیں اور ہتھیلیاں منہ کی طرف رکھیں خشوع اور سکون سے دعا مانگیں۔ پھر یعنی دعا سے فارغ ہو کر ہاتھ منہ پر پھیر لیں۔

(٤) قد اجمع العلماء علی استحباب الذکر والدعاء بعد الصلوٰۃ وجاء ت فیه احادیث کثیرۃ انتھیٰ (تھذیب الاذکار للرملی کذا فی التحفة المرغوبة) (۱)

یعنی علما کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز کے بعد ذکر اور دعا مستحب ہے اور اس میں احادیث کثیرہ وارد ہیں (ناظرین احادیث کو ملاحظہ فرما چکے ہیں) (مولف)

(۵) عن البستی انه قال فی تفسیر قوله تعالیٰ فاذا قضیتم الصلوۃ فاذکروا الله قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبکم الایة ای اذکروا الله تعالیٰ وادعوا بعد الفراغ من الصلوۃ انتھیٰ (فتاوی صوفیه کذافی التحفة) (۲)

یعنی بستی نے خدا تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں کہا ہے۔ (فاذا قضیتم الصلوٰۃ الایة) یعنی نماز سے فارغ ہو کر خدا کا ذکر اور دعا کرو۔

(٦) من فوائد ھذا الحدیث استحباب الذکر عقیب الصلوٰۃ لانھا اوقات فاضلة یرتجی فیھا اجابة الدعآء . انتھی (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری) (۳)

یعنی علامہ عینی نے بیان کیا اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ نماز کے بعد ذکر مستحب ہے کیونکہ وہ ایک عمدہ وقت ہے جس میں مقبولیت دعا کی امید ہے۔

(۷) ان الدعآء بعد الصلوۃ المکتوبة مسنون وکذا رفع الیدین و مسح الوجه بعد الفراغ انتھی . منھج العمال والعقائد السنیة کذافی التحفة) (٤)

یعنی منہج العمال اور عقائد سنیہ میں مذکور ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا مسنون ہے اور اسی طرح ہاتھ اٹھانا اور منہ پر ہاتھ پھیرنا بھی مسنون ہے۔

(۸) فاذا فرغت من الصلوۃ فارغب للدعآء الی الله تعالیٰ فانه اقرب الی الا جابة انتھیٰ (کذافی التحفة المرغوبة (۵) نقلاً عن المبسوط)

یعنی مبسوط میں ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو تو خدا سے دعا مانگو کیونکہ یہ مقبولیت کے زیادہ قریب ہے۔

الحاصل یہ روایات فقہیہ ہیں جن سے صراحتہً ثابت ہوتا ہے کہ فرض نماز کے بعد امام اور

---

(۱) (ص ۱۷ ط لجنة التصنیف)
(۲) (ایضا)
(۳) (باب الذکر بعد الصلاۃ ۲ / ۱۳۲ ط بیروت لبنان)
(٤) (ص ۱۹ ط لجنة التصنیف)
(۵) (ص ۱۸ ط لجنة التصنیف)

مقتدی سب مل کر دعا مانگیں اور دعا سے فارغ ہو کر ہاتھ منہ پر پھیریں۔

شرعۃ الاسلام اور مفاتیح الجنان کی عبارتوں (نمبر ا و نمبر ۲) سے یہ بات صراحۃً ثابت ہو گئی کہ فرضوں کے بعد سنتوں سے پہلے دعا مانگنا چاہئیے اور یہی بہتر اور افضل ہے۔

اور نورالایضاح اور اس کی شرح امداد الفتاح کی عبارت (نمبر ۳) سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس دعا میں ہاتھ اٹھانا اور منہ پر ہاتھ پھیرنا بھی جائز ہے اور منہج العمال اور عقائد سنیہ کی عبارت (نمبر ۷) سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہاتھ اٹھانا اور منہ پر پھیرنا مسنون ہے۔

اور علامہ عینی کی شرح بخاری اور مبسوط کی عبارتوں (نمبر ۶ و نمبر ۸) سے یہ ثابت ہو گیا کہ فرضوں کے بعد دعا مانگنے میں مقبولیت کی زیادہ امید قوی ہے اور یہ کہ یہ وقت دعا کے لئے نہایت عمدہ اور افضل وقت ہے۔

فصل سوم
(فرائض کے بعد دعا کی مقدار کیا ہے)

ناظرین! فصل دوم میں وہ حدیثیں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، جن میں فرائض کے بعد کی دعائیں منقول ہیں ان سے فی الجملہ ان دعاؤں کی مقدار معلوم ہوتی ہے جو فرضوں کے بعد آنحضرت ﷺ پڑھا کرتے تھے۔

پس ان دعاؤں میں سے کوئی دعا پڑھ لینا یا ان کی برابر اور دعا مانگنا جائز ہے جو دعائیں آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں ان کے پڑھنے میں کسی قسم کی کراہت اور ممانعت نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

پہلا شبہ: بعض لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ **اللھم انت السلام الخ** سے زیادہ دعا پڑھنا حدیث کے خلاف ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کی روایت اس کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے۔

عن عائشۃؓ قالت کان رسول اللہ ﷺ اذا سلم لم یقعد الا مقدار ما یقول اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام (رواہ ابن ماجۃ کذافی السعایۃ (۱) **و رواہ مسلم** (۲) **کذافی غنیۃ** (۳) **المستملی)**

یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ جب نماز کا سلام پھیرتے تو نہ بیٹھتے مگر اتنا کہ **اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام** کی مقدار دعا پڑھیں۔انتھی۔

جواب ۔اس شبہ کا جواب دو طرح پر ہے۔اول یہ کہ یہ روایت ان روایات صحیحہ کثیرہ کے مخالف ہے جو بکثرت آنحضرت ﷺ سے اس کے خلاف میں منقول ہیں جیسے کہ فصل دوم میں ناظرین ملاحظہ

---

(۱) (باب صفۃ الصلاۃ ۲/۲۶۱ ط سہیل)
(۲) (باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ ۱/۲۱۸ ط قدیمی)
(۳) (صفۃ الصلاۃ ص ۳۴۲ ط سہیل)

فرما چکے ہیں اور وہ روایات باوجود اپنی کثرت کے صحیح بھی اس روایت سے زیادہ ہیں بلکہ اس کی تو صحت میں بھی کلام ہے کیونکہ ابو معاویہ جو اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں انہیں ابو داؤد نے مرجیہ کہا ہے اور یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ ابو معاویہ عبداللہ بن عمر سے منکر راویتیں کرتے ہیں پس اس روایت سے ان روایات صحیحہ کثیرہ کے مقابلہ میں استدلال کرنا اور حجت پکڑنا صحیح نہیں۔ (**کذافی التحفة المرغوبة**)

دوم۔ یہ کہ قطع نظر اس کی صحت و تعارض کے خود اس کے یہ معنی ہیں کہ نہیں بیٹھتے مگر بقدر **اللهم انت السلام الخ** کے یعنی اس روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ **اللهم انت السلام الخ** ہی پڑھا کرتے تھے بلکہ اتنی مقدار کی کوئی دعا پڑھا کرتے تھے خواہ وہ دعا یہی ہو یا اس کے علاوہ اور کوئی اور پھر مقدار سے مراد بھی حقیقی مقدار نہیں ہے بلکہ تقریبی ہے تو اس سے اگر کچھ زیادتی بھی ہو تاہم وہ تقریبی مساوات میں داخل ہوگی اور اس طرح یہ روایت ان روایتوں کے ساتھ جمع ہو سکے گی جو فصل دوم میں ہم نے ذکر کی ہیں۔

(دوسرا شبہ) بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی روایت ان گزشتہ روایتوں کے مخالف نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ فرض کے بعد صرف **اللهم انت السلام الخ** پڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہوں اور پھر سنتوں سے فارغ ہو کر یہ دعائیں پڑھتے ہوں جو حدیثوں میں آئی ہیں۔

جواب ۔اس شبہ کے کئی جواب ہیں۔ اول یہ کہ روایت نمبر ۲ میں یہ لفظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے اور سلام پھیرتے تو یہ پڑھتے **لا اله الا الله الخ** (دیکھو فصل دوم کی روایت نمبر ۲) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنتوں سے پہلے فرض کا سلام پھیرتے ہی آپ **اللهم انت السلام الخ** کے علاوہ اور بڑی دعائیں بھی پڑھتے تھے اور اسی روایت نمبر ۲ میں **دبر کل صلوة مکتوبة** اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ہر فرض کے بعد خواہ اس کے بعد سنتیں ہوں یا نہ ہوں یہ لمبی دعا پڑھتے تھے اور اسی طرح روایت نمبر ۷ میں بھی تصریح موجود ہے کہ سلام پھیرتے ہی **اللهم اغفرلی ما قدمت وما اخرت الخ** پڑھتے تھے اور حدیث نمبر ۸ میں اس امر کی تصریح ہے کہ تین مرتبہ استغفار پڑھ کر **اللهم انت السلام الخ** پڑھتے تھے پس حدیث عائشہؓ لامحالہ ان روایات کے معارض اور مخالف ہے اور اس لئے کہنا پڑے گا کہ یہ روایات بوجہ اپنی کثرت اور قوت صحت کے حدیث عائشہؓ سے راجح ہیں اور قابل عمل ہیں۔

دوم یہ کہ فصل اول میں ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نوافل مکان میں پڑھا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی گھر میں پڑھنے کا ہی ارشاد فرماتے تھے اور اسی کو افضل فرماتے تھے پس دعاؤں کی یہ روایات جن میں راوی آپ کی عادت شریفہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ نماز فرض سے فارغ ہوتے تو یہ دعائیں پڑھتے یا یوں بیان کرتے ہیں کہ ہم آپ کو یہ دعائیں پڑھتے ہوئے سنتے تھے (دیکھو روایت نمبر ۳) یا یوں کہتے ہیں کہ جب آپ ہمیں نماز پڑھاتے تو یہ دعا پڑھتے (دیکھو روایت نمبر ۶) یہ دلائل واضحہ ہیں اس

امر پر کہ آپ سنتوں سے پہلے یہ دعائیں پڑھا کرتے تھے پھر مکان میں تشریف لے جاتے اور سنتیں پڑھتے۔

سوم یہ کہ حضرت عائشہؓ کی روایت کا یہ مطلب لینا کہ فرضوں کے بعد سنتوں سے پہلے صرف **اللھم انت السلام الخ** پڑھ کر کھڑے ہو جاتے تھے صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ یہ نہیں فرماتی ہیں کہ یہی دعا پڑھتے تھے بلکہ وہ یہ فرماتی ہیں کہ اتنی مقدار کی دعا پڑھتے تھے۔

(تیسرا شبہ) بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ سنتوں سے پہلے آنحضرت ﷺ سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت نہیں ہے۔ اس لئے ایسا نہیں کرنا چاہئے اور دلیل میں یہ عبارت پیش کرتے ہیں۔ **ذکر الشیخ عبدالحق المحدث الدهلوی فی شرحه علی الصراط المستقیم** اما ایں دعا کہ ائمہ مساجد بعد از سلام نماز میکنند و مقتدیان آمین آمین میگویند چنانکہ الآن در دیار عرب و عجم متعارف است از عادت پیغمبر ﷺ نبود و دریں باب ہیچ حدیثے ثابت نشدہ و بدعتے است مستحسن انتہی (کذافی **التحفۃ المرغوبۃ**) یعنی شیخ محدث دہلوی نے شرح صراط مستقیم میں ذکر کیا ہے کہ یہ دعا جو مسجدوں کے امام نماز کے سلام کے بعد کرتے ہیں اور مقتدی آمین آمین کہتے ہیں جیسا کہ آج کل دیار عرب و عجم میں متعارف ہے آنحضرت ﷺ کی عادت ایسی نہ تھی اور اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہوئی اور یہ بدعت مستحسنہ ہے انتہی۔

جواب ۔ اس شبہ کے بھی کئی جواب ہیں اول یہ کہ حضرت شیخ محدث دہلوی کی اگر مراد یہ ہے کہ نفس دعا آنحضرت ﷺ سے سلام نماز کے بعد ثابت نہیں تو اس کے جواب کے لئے حدیث نمبر ۲ و نمبر ۷ و نمبر ۸ ملاحظہ ہوں کہ ان سے سلام کے بعد دعا مانگنا ثابت ہوتا ہے اسی وجہ سے علامہ فتح محمد شطاری نے فتوح الاوراد میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالحق نے اس دعا کو بدعت اس لئے کہہ دیا ہے کہ ان کو ان احادیث کی اطلاع نہ ہوئی جو اس باب میں مروی ہیں۔

دوم یہ کہ شیخ کی مراد یہ ہو کہ ہاتھ اٹھانا اور آمین آمین کہنا ثابت نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث میں اس کا ذکر نہ ہونا اس دعا میں آپ ہاتھ اٹھاتے تھے اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے کسی شے کا ذکر نہ ہونے سے اس کا عدم لازم نہیں۔ **فان عدم الثبوت لا یستلزم ثبوت العدم وهذا ظاهر جدا** جیسا کہ روایات سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ ہاتھ اٹھاتے تھے اسی طرح یہ بھی کسی روایت میں نہیں کہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور جب کہ اس کا لحاظ کیا جائے کہ ہاتھ اٹھانا مطلق دعا کے آداب میں سے ہے تو ہاتھ اٹھانے کی ترجیح ثابت ہوتی ہے۔

عن السائب بن یزید عن ابیه قال کان رسول اللہ ﷺ اذا دعا رفع یدیه و مسح وجهه (رواہ ابوداؤد)(۱)

سائب بن یزیدؓ اپنے والد یزیدؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا مانگتے تو ہاتھ اٹھاتے تھے اور منہ پر ہاتھ پھیرتے تھے۔

---

(۱) (کتاب الصلاۃ، باب الدعاء ۱ / ۲۱۶ ط امدادیہ ملتان)

و عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ ﷺ قال المسئلة ان ترفع يديك حذو منكبيك او نحو هما (رواه ابو داؤد) (۱)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سوال (یعنی دعا) یہ ہے کہ تو اپنے ہاتھ مونڈھوں تک یا ان کے قریب تک اٹھائے۔

ان من اداب الدعآء رفع يدين (حصن حصين) (۲)

علامہ ابن جزری حصن حصین میں فرماتے ہیں کہ ہاتھ اٹھانا آداب دعا میں سے ہے۔

غرض کہ یہ روایات اس بات پر دلیل واضح ہیں بالخصوص پہلی روایت کہ آنحضرت ﷺ دعا مانگنے کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ اپنے عموم کی وجہ سے فرضوں کے بعد کی دعا کو بھی شامل ہے اور یہی راجح ہے مولانا عبدالحئی لکھنوی سعایہ میں بعد اس بیان کے کہ اس دعا میں ہاتھ اٹھانا صراحۃً ثابت نہیں تحریر فرماتے ہیں۔

الا انه لما ندب اليه في مطلق الدعاء استحبه العلماء في خصوص هذا الدعآء ايضاً ۔ (۳)

یعنی چونکہ مطلق دعا میں ہاتھ اٹھانے کو فرمایا گیا ہے تو علمانے خاص اس دعا (یعنی فرضوں کے بعد کی دعا) میں بھی ہاتھ اٹھانے کو مستحب کہا ہے۔

سوم یہ کہ شیخ کا یہ کہنا کہ یہ بدعت مستحسنہ ہے اس کے جواز کی دلیل ہے اگرچہ بدعت کا اطلاق باعتبار معنی لغوی کے شیخ نے اس پر کیا ہے لیکن مستحسنہ کہہ کر بتادیا کہ یہ بدعت شرعیہ نہیں ہے اور اس کی اصل شریعت میں ثابت ہے اور وہ اصل یہی احادیث ہیں جن سے مطلق دعا میں رفع یدین کی فضیلت معلوم ہوتی ہے پھر شیخ کے اس قول سے عدم جواز پر استدلال کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

چہارم یہ کہ سنتوں کے بعد اجتماعی طور پر دعا مانگنے کا عدم جواز بھی اسی قول سے اور اسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس کا احادیث سے ثابت نہ ہونا اس سے زیادہ اظہر ہے پس معترض کا سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کو جائز کہنا اور فرضوں کے بعد کی دعا کو ناجائز کہنا تعسف و تحکم ہے۔

پنجم یہ کہ روایات فقہیہ مذکورہ فصل دوم سے خاص اس دعا میں بھی رفع یدین ثابت ہے دیکھو روایات فقیہ نمبر ۳ و نمبر ۷۔ اور اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فقہاء کے نزدیک بھی عدم ثبوت رفع سے عدم رفع لازم نہیں اور یہ کہ انہوں نے رفع یدین کو راجح سمجھا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فرضوں کے بعد اللهم انت السلام الخ . سے زیادہ دعا پڑھنے کو فقہا نے مکروہ لکھا ہے اور دلیل میں یہ عبارتیں پیش کرتے ہیں۔

ان كان بعد الفريضة تطوع يقوم الى التطوع بلا فصل الامقدارما يقول اللهم انت السلام الخ و يكره تاخير السنة عن حال اداء الفريضة باكثر من نحو ذلك القدر انتهىٰ (كذافي

---

(۱) (كتاب الصلاة' باب الدعاء ۱ / ۲۱۶' ط امداديه ملتان)
(۲) (آداب الدعاء' ص ۳۹ ط تاج كمپنى)
(۳) (باب صفة الصلاة ۲ / ۲۵۸ سہیل)

شرح المنیة للحلبی) (۱)

ترجمہ : یعنی اگر فرض کے بعد سنتیں ہوں تو سنتیں پڑھنے کے لئے بغیر تاخیر کھڑا ہو جائے ہاں بقدر اللھم انت السلام الخ کے تاخیر جائز ہے اور اس سے زیادہ تاخیر کرنا فرض و سنت کے درمیان میں مکروہ ہے اور اسی کے قریب قریب بعض اور کتابوں میں بھی مذکور ہے۔

جواب ۔ اس شبہ کے بھی کئی جواب ہیں اول یہ کہ یہ عبارتیں معارض ہیں فقہ کی دوسری عبارتوں سے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فرائض کے بعد ادعیہ ماثورہ پڑھنا جائز ہے بلکہ اولیٰ ہے۔

ویستحب له ای للامام بعد السلام ان یستغفر الله ثلاثا ویقرأ اية الكرسی و المعوذات و یقول اللھم انت السلام و منك السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام و یقول ما ور د بعد کل صلوة مكتوبة وهو لا اله الا الله وحده لا شریك له له الملك وله الحمد وهو علیٰ کل شئی قدیر . اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منك الجد الیٰ قوله ثم یدعو ای الامام لنفسه وللمسلمین من الادعیة الجامعة الماثورة رافعا یدیه حذاء صدره جاعلا باطن الکف مما یلی وجهه بخشوع و سکوت و یمسح بهما وجهه فی اخره ای فی اخر الدعآء (مواهب الرحمان و شرحه البرهان' كذافی التحفة) (۲)

ترجمہ : یعنی امام کے لئے مستحب ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ استغفار پڑھے اور آیۃ الکرسی اور معوذات پڑھے اور پھر کہے **اللھم انت السلام و منك السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام** . پھر یہ الفاظ پڑھے جو ہر فرض کے بعد وارد ہوئے ہیں یعنی **لا اله الا الله وحده لا شریك له له الملك وله الحمد وهو علیٰ کل شئی قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منك الجد (الیٰ قوله)** پھر امام اپنے لئے اور مسلمانوں کے لئے ادعیہ ماثورہ میں سے کوئی دعا مانگے سینہ کے برابر ہاتھ اٹھا کر اور ہتھیلیاں منہ کی طرف کر کے خشوع و سکوت کے ساتھ پھر فارغ ہو کر منہ پر ہاتھ پھیرے۔

اس عبارت سے صراحتہً معلوم ہو گیا کہ ادعیہ ماثورہ میں سے کوئی سی دعا پڑھنا اور اذکار ماثورہ سنتوں سے پہلے پڑھنا جائز ہے کیونکہ اس عبارت میں سلام کے بعد ہی اذکار و ادعیہ کا پڑھنا بصراحت مذکور ہے۔

و فی شرح منظومة ابن وهبان للعلامة الشر نبلالی انه ذکر شمس الائمة یعنی الحلوانی جوازتا خیر السنة بعد الفرض للاشتغال بالدعآ ء والورد انتهیٰ (كذافی التحفة) (۳)

---

(۱) (صفة الصلاة ص ۳۴۱ ط سہیل)
(۲) (ص ۲۸ ط لجنة التصنیف' کراچی نمبر ۳۸)
(۳) (ص ۳۰)

وفي الذخيرة والمحيط البرهاني ويكره له تاخير التطوع عن حال اداء الفريضة الىٰ قوله . قال الامام شمس الائمة الحلوائي هذا اذا لم يكن من قصدة الاشتغال بالدعآء الخ انتهىٰ مختصراً (كذافي التحفة باختصار) (۱)

ترجمہ : یعنی علامہ شرنبلالی نے شرح منظومہ ابن وہبان میں ذکر کیا ہے کہ شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ فرضوں کے بعد دعا اور ذکر میں مشغولی کی وجہ سے سنت کی تاخیر جائز ہے۔

یعنی ذخیرہ اور محیط میں ہے کہ فرض سے سنتوں کو مؤخر کرنا مکروہ ہے (الی قولہ) امام شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ یہ تاخیر جب مکروہ ہے کہ جب اس کا ارادہ دعا مانگنے کا نہ ہو یعنی دعا مانگنے سے جو تاخیر ہو وہ مکروہ نہیں ہے۔

دوم یہ کہ اگر اس تعارض سے قطع نظر کی جائے تاہم ان عبارتوں کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللهم انت السلام کے علاوہ اور دعا مکروہ ہے کیونکہ ان عبارتوں میں بھی اتنی مقدار کی تصریح ہے نہ بالخصوص ان الفاظ کی۔ اور یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ اس دعا یعنی اللهم انت السلام کی حقیقی مقدار کے مساوی ہونا شرط ہے بلکہ اس سے تقریبی مساوات مراد ہے یعنی امام خواہ اللهم انت السلام پڑھے یا کوئی اور دعا جو تقریباً اس کے مساوی ہو یا اللهم انت السلام کے ساتھ کوئی چھوٹی اور دعائیں پڑھ لے جو احادیث میں وارد ہوئی ہیں یہ سب جائز بلا کراہت ہے۔

حقیقی مساوات مراد نہ ہونے اور تقریبی مقدار مراد ہونے کے لئے یہ دلائل ہیں۔

ان ما في صحيح مسلم (۲)

عن عائشةؓ ان رسول الله ﷺ كان اذا صلى لم يقعد الا مقدار ما يقول اللهم انت السلام و منك السلام الخ يفيد ان ليس المراد انه كان يقول ذلك بعينه بل كان يقعد زمانا يسع ذلك المقدار و نحوه من القول تقريباً فلاينافى ذلك ما فى الصحيحين عن المغيرة انه ﷺ كان يقول في دبر كل صلوٰة لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو علىٰ كل شئى قدير اللهم لا مانع لم اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذاالجد منك الجد وكذا لاينا فى ماروى مسلم وغيره عن عبدالله ابن الزبير كان رسولُ الله ﷺ اذا سلم من الصلوٰة قال بصوته الاعلىٰ لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو علىٰ كل شئى قدير ولا حول ولا قوة الا بالله ولا نعبد الا اياه له النعمة وله الفضل وله الثنآء الحسن لا اله الا الله مخلصين له الدين ولو كره الكفرون لان المقدار المذكور فى حديث عائشة يعتبر من حيث التقريب والتخمين دون التحديد الحقيقى انتهىٰ . (كبير شرح منية للحلبى) (۳)

---

(۱) (ص ۳۰ . ۳۱ ط لجنة التصنيف' كراچي)
(۲) (باب استحباب الذكر بعد الصلاة ۱/۲۱۸ ط قديمى) (۳) (صفة الصلاة' ص ۳۴۲ ط سهيل)

ترجمہ : علامہ حلبی شرمنیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے جو روایت مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز کے بعد نہیں بیٹھتے تھے مگر اتنی مقدار کہ **اللهم انت السلام الخ** پڑھیں اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مراد نہیں ہے کہ خاص یہی دعا پڑھتے تھے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اتنی دیر بیٹھتے تھے جس میں یہ دعا یا اتنا ہی کوئی اور ذکر پڑھا جا سکے اور اس سے بھی تقریبی مقدار مراد ہے اور اس صورت میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت اس حدیث کے مخالف نہ ہوگی جو بخاری اور مسلم میں مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے . **لا اله الا الله وحده الخ** اور اسی طرح حضرت عائشہؓ کی روایت اس روایت کے خلاف نہ ہوگی جو صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز کا سلام پھیرتے تو باآواز بلند یہ دعا پڑھتے **لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو علىٰ كل شئى قدير ولا حول ولا قوة الا بالله ولا نعبد الا اياه له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن لا اله لا الله مخلصين له الدين ولو كره الكفرون.** (اور حضرت عائشہؓ کا ان حدیثوں کے مخالف نہ ہونا) اس لئے ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں مقدار سے مراد تقریبی اور تخمینی مقدار ہے نہ حقیقی۔ انتہے۔

اور فتح القدیر میں ہے **ومقتضى العبارة ح ان السنة ان يفصل بذكر قدر ذلك وذلك يكون تقريبا فقديزيد قليلا وقد ينقص قليلاً الخ كذافي السعاية** (۱)

یعنی علامہ ابن ہمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی روایت کا مقتضے یہ ہے کہ فرض و سنت میں فاصلہ کیا جائے کسی ذکر و دعا کے ساتھ جو بمقدار **اللهم انت السلام الخ** کے ہو یہ مساوات تقریبی ہے پس کبھی کم ہو جائے کبھی اس سے زیادہ ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔

و فى فتاوى الحجة الامام اذا فرغ من الظهر والمغرب والعشاء يشرع فى السنة و لا يشتغل بادعيةٍ طويلةٍ انتهىٰ (كذافى السعاية) (۲)

یعنی فتاویٰ حجۃ میں ہے کہ امام جب ظہر اور مغرب اور عشاء کی نماز سے فارغ ہو تو لمبی دعائیں نہ کرے اور سنت میں مشغول ہو جائے۔

و فى خزانة الفقه عن البقالى الا فضل ان يشتغل بالدعآء ثم بالسنة الخ

(كذافى السعاية) (۳)

خزانۃ الفقہ میں ہے کہ بقالی نے فرمایا کہ افضل یہ ہے کہ (فرض کے بعد) دعا میں مشغول ہو پھر سنتیں پڑھے۔

---

(۱) (باب صفة الصلاة ۲/۲۶۲ ط سهيل)

(۲) (...... ۲۶۱ ......)

(۳) (ايضا)

اور اشعۃ اللمعات(۱) میں شیخ عبدالحق صاحبؒ محدث دہلوی فرماتے ہیں
باید دانست کہ تعجیل سنت منافی نیست مر خواندن آیت الکرسی وامثال آں راچنانکہ در حدیث صحیح وارد شدہ است کہ بعد از نماز فجر و مغرب دہ بار لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو علىٰ كل شئى قدير .خواند (كذافي التحفة)(۲)
ترجمہ : یعنی جاننا چاہئیے کہ سنتوں میں جلدی کرنے کا حکم اس کے مخالف نہیں ہے کہ آیۃ الکرسی اور اس جیسی دعائیں (سنت سے پہلے) پڑھ لی جائیں جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ فجر اور مغرب کی نماز کے بعد دس مرتبہ لا اله الا الله وحده لا شريك له الخ پڑھے۔
ان عبارتوں سے یہ امور بصراحت ثابت ہوتے ہیں۔
(۱) حضرت عائشہؓ کی روایت اور فقہاء کی عبارت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فرضوں کے بعد سنتوں سے پہلے بالتخصیص اللهم انت السلام الخ ہی پڑھنا چاہئیے بلکہ اتنی مقدار کی کوئی دعا بھی ہو جائز ہے۔
(۲) مقدار سے مراد بھی تقریبی اور تخمینی مقدار ہے جس میں تھوڑی سی کمی وبیشی کا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔
(۳) علامہ حلبیؒ کی شرح منیہ کی عبارت اور شیخ عبدالحق صاحبؒ محدث دہلوی کی اشعۃ اللمعات کی عبارت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو علىٰ كل شئى قدير ولا حول ولا قوة الا بالله ولا نعبد الا اياه له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن لا اله لا الله مخلصين له الدين ولو كره الكفرون یا دوسری دعا جو مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت میں ہے یا آیۃ الکرسی یا لا اله الا الله له الملك وله الحمد وهو علىٰ كل شئى قدير دس بار۔ یہ سب اس تقریبی مقدار میں داخل ہیں اور اتنی بڑی دعائیں پڑھنے سے سنتوں کی تعجیل کے حکم کی مخالفت لازم نہیں آتی۔
(۴) اور فتاوے حجتہ کی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ لمبی لمبی دعائیں مکروہ ہیں پس کبیری اور شرح مشکوۃ کی عبارتوں کے ساتھ ملانے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ لمبی دعاؤں سے وہ دعائیں مراد ہیں جو مغیرہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت کی ہوئی دعاؤں اور آیت الکرسی لا اله الا الله له الملك وله الحمد وهو علىٰ كل شئى قدير دس بار سے زیادہ لمبی ہوں۔
(۵) ذرا غور کرنے سے انہیں عبارتوں سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ یہ بڑی بڑی دعائیں جو تقریبی مقدار میں داخل کی گئی ہیں ان کے داخل کرنے کی وجہ صرف یہی ہے کہ یہ دعائیں صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں پس احادیث میں تطبیق دینے کے خیال سے حضرت عائشہؓ کی حدیث میں مقدار سے تقریبی

---

(۱) (باب الذكر بعد الصلاة ۱ /۴۱۸ ط مكتبه رضويه ' سكهر پاكستان)
(۲) (ص ۴۰ ۔ ۴۱ ط لجنة التصنيف ' كراچی نمبر ۳۸)

اور تخمینی مقدار مراد لی اور ان دعاؤں کو جو صحیح طور پر آنحضرت ﷺ سے ثابت ہوئیں اس تقریبی مقدار میں داخل رکھا پس فقہ کی وہ روایتیں جن میں بڑی دعاؤں کی کراہت مذکور ہے وہ بھی اس معنی پر لا محالہ محمول کی جائیں گی کہ ادعیہ منقولہ اور اذکار ماثورہ سے زیادہ لمبی دعائیں مکروہ ہیں ورنہ لازم آئے گا کہ یہ حکم فقہی احادیث صحیحہ کے خلاف ہو۔

تکملہ مفیدہ

یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ یہ کلام انہیں فرائض کے بعد دعا مانگنے کے متعلق ہے جن کے بعد سنتیں ہیں اور جن فرائض کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان کے بعد دعا مانگنا اور ذکر طویل اتفاقاً جائز ہے۔

نیز یہ بھی معلوم کرنا چاہئیے کہ فقہاء نے ادعیہ طویلہ کو جو مکروہ کہا ہے اس کراہت سے مراد بھی کراہت تنزیہی ہے جس کا مرجع خلاف اولیٰ ہے فتح القدیر میں ہے۔

قولهم يكره التاخير الطويل للسنة عن الفرض مراد هم بها الكراهية التنزيهية التي مرجعها الىٰ خلاف الاولىٰ انتهى (كذافي التحفة) (۱)

اور ادعیہ طویلہ سے وہ لمبی دعائیں مراد ہیں جو روایات صحیحہ سے ثابت شدہ دعاؤں سے بڑی ہوں۔

الحاصل

احادیث صحیحہ اور روایات فقہیہ سے نہایت واضح طور پر یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ فرائض کے بعد سنتوں سے پہلے دعا مانگنا اور ادعیہ ماثورہ کی مقدار تک دعائیں پڑھنا اور ذکر کرنا بلا کراہت جائز ہے بلکہ اس وقت دعا مانگنا افضل ہے اور اس دعا میں مقبولیت کی زیادہ امید ہے۔

(والله اعلم و علمه اتم واحكم)

كتبه الراجي رحمة مولاه محمد كفايت الله اوصله الله الىٰ ما يتمناه مدرس اول و مفتى مدرسة العاليه عربيه امينيه دهلى

جمادی الاخری ۱۳۳۴ھ

---

(۱) (ص ۳۳ ، ط لجنة التصنيف ، كراچى)

الصحائف المرفوعہ
فی جواب
اللطائف المطبوعہ

ماخوذ از مجموعہ نفائس مرغوبہ مرتبہ حضرت مفتی اعظمؒ مطبوعہ ۱۳۴۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ اللہ العلی العظیم
و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد۔ نفائس مرغوبہ کے طبع ثانی کے وقت بعض احباب رنگون نے میرے پاس ایک رسالہ بھیجا۔ جس کا نام اللطائف المطبوعہ فی جواب النفائس المرغوبہ ہے۔

یہ رسالہ جناب مولانا مولوی مفتی عبدالباری صاحب مرحوم و مغفور کی جانب سے منسوب ہے مگر اس کی صورت یہ ہے کہ مولوی محمد یعقوب صاحب نے حضرت مولانا عبدالباری صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد ان کے مسودات میں سے کچھ تحریرات نکالیں اور خود انہیں ترتیب دیکر لطائف مطبوعہ کے نام سے رسالہ بناکر شائع کردیا میرا خیال ہے کہ اگر مولانا عبدالباری صاحب مرحوم زندہ ہوتے تو وہ اس کو اس صورت میں شائع کرنا ہرگز پسند نہ فرماتے۔ کیونکہ اس کی موجودہ ترتیب اور صورت ان کے مرتبہ علم اور فقاہت کے خلاف ہے۔

بہر حال اب کہ رسالہ ان کے بعد ان کے نام سے شائع کردیا گیا اور ناواقف حضرات کے لئے ایک اشتباہ کا موقع پیدا ہوگیا کہ یہ مولانا مرحوم کے خیالات ہیں اس لئے رفع اشتباہ کے لئے ضروری معلوم ہوا کہ رسالہ کے مضامین کا مختصر جواب بھی شائع کردیا جائے تاکہ طالبین حق کے لئے چراغ ہدایت کا کام دے اور جو اشتباہ کہ پیدا ہوگیا ہے وہ رفع ہوجائے۔ **وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب** .

خاکسار محمد کفایت اللہ غفرلہ

شعبان المعظم ۱۳۴۸ھ

واضح ہو کہ اصل مسئلہ جو زیر غور ہے وہ یہ ہے کہ بعض اطراف ہندوستان میں معمول یہ ہے کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں انکے سلام کے بعد امام اور مقتدی اللھم انت السلام کے علاوہ بھی ایک دو مختصر ماثور دعائیں ہاتھ اٹھاکر پڑھتے ہیں اور دعا سے فارغ ہوکر سنتیں نفلیں پڑھتے ہیں پھر ہر شخص اپنی اپنی دعائیں مانگتا ہے اور اٹھ کر چلا جاتا ہے کوئی پہلے کوئی پیچھے۔ یعنی سنن و نوافل سے فارغ ہونے کے بعد سب اجتماعی طور پر دعا مانگنے کے لئے انتظار نہیں کرتے۔

اس کے خلاف بعض مقامات (مثلاً برہما گجرات وغیرہ) میں یہ رواج ہے کہ فرض نماز کے بعد سلام کے بعد امام اور مقتدی صرف اللھم انت السلام الخ پڑھتے ہوئے کھڑے ہوجاتے ہیں اور سنتیں

نفلیں پڑھ کر امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگتے ہیں اور اس رواج کی بھی مختلف مقامات میں مختلف صورتیں ہیں۔

کسی جگہ تو اللّٰھم انت السلام الخ پڑھتے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں اور کہیں نہیں اٹھاتے اور کسی جگہ سنن ونوافل کے بعد امام زور سے الفاتحہ کہہ کر صرف ایک بار مقتدیوں کے ساتھ دعا مانگتا ہے اور کسی جگہ ایک بار دعا ختم کر کے اور منہ پر ہاتھ پھیر کر پھر دوسری بار الفاتحہ کہہ کر دعا مانگی جاتی ہے اور کسی جگہ دوسری دعا ختم کر کے اور منہ پر ہاتھ پھیر کر پھر تیسری مرتبہ امام الفاتحہ کہہ کر دعا مانگتا ہے پھر سنن ونوافل کے بعد اس مروج دعا کو اس قدر ضروری سمجھا جاتا ہے کہ اگر کوئی امام سنن ونوافل کے بعد دعا مانگنے کے لئے نہ بیٹھے اور پہلے ہی اٹھ کر چلا جانے یا چاہئے تو نہیں مگر دعا نہ مانگے تو امام کو برا بھلا کہنا' امامت سے معزول کر دینا اور ایک جھگڑا فساد برپا کر دینا' مسلمانوں میں نا اتفاقی اور پھوٹ ڈال دینا' سب وشتم کرنا یہ معمولی باتیں جو پیدا ہو جاتی ہیں اور بیسیوں مثالیں اس کی موجود ہیں نفائس المرغوبہ میں یہ لکھا گیا تھا۔

دوسرے طریقہ کا احادیث وفقہ سے ثبوت نہیں ہے یعنی کسی حدیث یا آثار صحابہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور ﷺ یا صحابہ کرامؓ یا ائمہ مجتہدینؒ کے زمانہ میں لوگ سنن ونوافل کے اجتماعی دعا کے لئے بیٹھے انتظار کیا کرتے تھے اور جب خود حضور انور اور تمام مقتدی سنن ونوافل سے فارغ ہو جاتے تھے تو سب مل کر دعا مانگتے تھے پھر دعا کا طریقہ بھی یہی ہوتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ زور سے الفاتحہ فرماتے اور تمام مقتدی حضور کے ساتھ دعا میں شریک ہو جاتے پھر صرف ایک مرتبہ دعا فرماتے یا دو دو تین تین مرتبہ دعا کرتے ان میں سے کسی بات کا ثبوت نہیں ہے قاعدہ کے موافق ہمیں اتنا ہی کہہ دینا کافی تھا کہ ان میں سے کسی بات کا ثبوت نہیں ہے اور جو لوگ کہ اس طریقہ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں ان پر لازم تھا کہ وہ ان باتوں کا ثبوت پیش کرتے اور وہ روایات بیان کرتے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سنن ونوافل کے بعد تمام صحابہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مل کر دعا مانگتے تھے حضور الفاتحہ فرما کر دعا شروع کرتے تھے اور ایک بار دعا مانگتے تھے یا دو مرتبہ یا تین مرتبہ مگر ہم نے اس خیال سے کہ عوام علم مناظرہ کے اس قاعدے سے تو واقف نہیں ہوتے کہ ثبوت پیش کرنا کس کے ذمہ ہوتا ہے وہ تو ہر فریق سے خواہ مدعی ہو یا منکر دلیل پیش کرنے کے منتظر رہتے ہیں تطوعاً اپنی طرف سے دلائل بھی پیش کر دیئے تھے جن میں سے ایک دلیل یہ تھی کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے نوافل کو گھروں میں پڑھنے کی ترغیب دی ہے اور گھر میں پڑھنے کا ثواب مسجد میں پڑھنے سے زیادہ فرمایا ہے اور خود بھی عام طور پر حضور اکرم ﷺ نوافل گھر میں پڑھتے تھے اس کے لئے نفائس مرغوبہ کے صفحہ ۳ میں حضرت عبداللہ بن سعدؓ کی حدیث اور صفحہ ۴ میں حضرت عائشہؓ کی حدیث پیش کی یہ حدیثیں نہایت صاف اور صریح اور صحیح ہیں۔

ان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ عام طور پر سنن ونوافل گھر میں پڑھتے تھے اور چونکہ صحابہ کرام کو بھی گھروں میں سنن ونوافل پڑھنے کی ترغیب دی تھی اور صحابہ کرامؓ حضورؐ کی ترغیب پر دل وجان

سے عمل کیا کرتے تھے اور افضل اور بہتر صورت کو ہی اختیار کرتے تھے تو ضرور ہے کہ وہ بھی عام طور پر سنن ونوافل گھروں میں ہی جاکر پڑھتے ہوں گے۔

پس اس سے سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعا کا حضور انور ﷺ کے اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں رواج نہ ہونا روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔

لطائف مطبوعہ کا مضمون

لطائف مطبوعہ صفحہ ۱۰ میں اس روشن اور واضح ثبوت کا جواب دیا گیا ہے کہ جو حدیثیں نفائس مرغوبہ میں پیش کی گئی ہیں ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمیشہ سنتیں مکان میں پڑھی ہیں کبھی باہر مسجد میں نہیں پڑھیں نہ سفر میں نہ حضر میں پس ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کبھی فرض کے بعد اسی جگہ سنتیں پڑھی ہوں اور سنتوں کے بعد دعا مانگی ہو۔

اس مضمون کا جواب

مجھے حیرت ہے کہ مولانا عبدالباری مرحوم جیسا فاضل ایسا کمزور اور بودا جواب کیسے لکھ سکتا تھا میں نے تو وہ حدیثیں پیش کی ہیں جن سے حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ یہ ثابت ہوتی ہے کہ سنن و نوافل گھر میں پڑھا کرتے تھے اور اسی کو افضل فرماتے تھے اور اسی بناء پر صحابہ کرامؓ کا گھروں میں جاکر سنتیں پڑھنا غالب اور راجح بتایا تھا۔ تو ان کا فرض یہ تھا کہ وہ کوئی ایسی حدیث بیان کرتے جس سے حضور ﷺ کی عادت شریفہ ثابت ہوتی کہ سنن ونوافل مسجد میں پڑھا کرتے تھے اور صحابہ کرامؓ بھی سنن ونوافل مسجد میں ادا کیا کرتے تھے انہوں نے کوئی ایسی روایت تو پیش نہیں کی صرف یہ کہہ دیا کہ ممکن ہے کبھی آپ نے سفر میں یا حضر میں مسجد میں بھی سنتیں پڑھی ہوں۔

میں نے یہ کب کہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے ساری عمر میں کبھی مسجد میں سنن ونوافل نہیں پڑھے میں نے تو یہ ثابت کیا تھا کہ حضور ﷺ کی عادت شریفہ گھر میں پڑھنے کی تھی اس عادت کے خلاف کوئی روایت پیش نہیں کی نہ کر سکتے تھے۔

اب میں کہتا ہوں کہ اگر حضور اکرم ﷺ نے کبھی سفر میں یا حضر میں سنتیں باہر پڑھ لی ہوں اور ان کے بعد دعا بھی مانگ لی ہو تو آپ کو کیا فائدہ ہوگا کیا اس سے حضور ﷺ کے زمانے میں اس رواجی دعا کے رواج کا ثبوت ہو جائے گا ہر گز نہیں اور جب کہ یہ ثابت ہے کہ عادت شریفہ آنحضرت ﷺ کی یہی تھی کہ سنن ونوافل گھر میں جاکر پڑھتے تھے اس لئے رواجی دعائے ثانیہ یعنی سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعا کا حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ ہونا روز روشن کی طرح ثابت رہے گا۔

لطائف مطبوعہ کا مضمون

اسی صفحہ ۱۰ میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ممکن ہے حضور ﷺ گھر میں سنن ونوافل کے بعد دعا مانگ لیا کرتے ہوں۔

جواب : یہ قول پہلے قول سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے میں کہتا ہوں کہ صرف ممکن ہی نہیں بلکہ غالب ہے کہ آپ گھر میں سنتوں اور نوافل سے فارغ ہو کر دعا مانگتے ہوں گے مگر اس سے اجتماعی دعا جو سنتوں اور نفلوں کے بعد مساجد میں خاص اہتمام کے ساتھ رواج پذیر ہے وہ تو ثابت نہیں ہوئی۔

کاش مولانا عبدالباری مرحوم اور ان کے ہم خیال علماء یہی تعلیم دیتے کہ امام اور مقتدی گھر میں جاکر سنتیں نفلیں پڑھا کریں اور سنن و نوافل کے بعد دعا مانگا کریں تو یہ ایک طریقہ مسنونہ کی تعلیم بھی ہو جاتی اور سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا مسلمان بھی اتفاق واتحاد سے رہتے اور کوئی ناگوار قصہ ہی پیش نہ آتا۔

لطائف مطبوعہ کا مضمون

تیسرا جواب لطائف مطبوعہ صفحہ ۱۰ میں یہ دیا گیا ہے کہ جب کہ احادیث قولیہ سے دعا بعد سنت کا ثبوت ہو گیا جیسا کہ اوپر گزرا تو اس پر عمل کرنا چاہئے گو وہ آپ کے فعل سے اس کا ثبوت نہ سہی۔

اس مضمون کا جواب

لطائف مطبوعہ میں چار قولی حدیثیں بیان کی گئی ہیں جو یہ ہیں۔

(۱) حدیث انسؓ۔ ما من عبد بسط کفیه فی دبر کل صلوٰۃ الخ

کوئی بندہ ایسا نہیں جو ہر نماز کے بعد ہاتھ پھیلائے الخ

(۲) حدیث فضل بن عباسؓ۔ الصلوٰۃ تخشع و تضرع و تمسکن ثم تقنع یدیك الخ

کمال نماز خشوع اور خضوع اور عاجزی ہے پھر دونوں ہاتھوں کو اٹھائے۔

(۳) حدیث ابی امامہؓ۔ اے الدعاء اسمع قال جوف اللیل و دبر الصلوات المکتوبة

کس وقت کی دعا زیادہ مقبول ہے فرمایا آخر شب کی اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا۔

(۴) حدیث معاذؓ۔ یا معاذ! لا تدعن ان تقول فی دبر کل صلوٰۃ

اے معاذ! ہر گز مت چھوڑ اللّٰھم اعنی الخ کا کہنا ہر نماز کے

میں نے بقدر ضرورت ان حدیثوں کے الفاظ نقل کر دیئے ہیں جو لطائف مطبوعہ کے صفحہ ۵ صفحہ ۶ میں مرقوم ہیں ناظرین لطائف مطبوعہ میں ان حدیثوں کو پوری عبارت کے ساتھ مکرر سہ کرر پڑھیں اور دیکھیں کہ ان احادیث میں اس کی تصریح کہاں ہے کہ لوگ سنن و نوافل مسجد میں پڑھیں اور پھر سب مل کر دعا مانگیں جو پہلے فارغ ہو جائیں وہ دوسروں کے فارغ ہونے تک بیٹھے انتظار کیا کریں۔

بلکہ ان حدیثوں پر عمل کرنے کی بہتر اور افضل صورت یہی ہے کہ فرضوں سے فارغ ہو کر مختصر دعا مانگی جائے اور حدیث عبداللہ بن سعد و حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بموجب سنن و نوافل گھروں میں جاکر پڑھیں اور وہاں بھی فراغت کے بعد دعا مانگی جائے۔

پس ان قولی حدیثوں میں اور حضور اکرم ﷺ کے اس فعل میں کہ سنن و نوافل گھر میں پڑھتے تھے اور مسجد میں اجتماعی دعا حضور ﷺ کے فعل سے ثابت نہیں کوئی تعارض اور مخالفت نہیں ہے۔

دونوں باتیں یعنی قول و فعل باہم مطابق و موافق ہیں۔

تنبیہ (۱)

یہاں پر یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ اگرچہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی عادت شریفہ اور اکثری طرز عمل تو یہی تھا کہ سنن و نوافل گھر میں پڑھتے تھے لیکن حضور اکرم ﷺ سے احیاناً یہ بھی ثابت ہے کہ مسجد میں بھی آپ نے سنن و نوافل پڑھی ہیں اس لئے اگر لوگ فرضوں کے بعد سنتیں نفلیں مسجد میں پڑھ لیں تو یہ ناجائز یا مکروہ نہیں ہے مگر سنن و نوافل کے بعد دعائے اجتماعی کا مروجہ طریقہ ہرگز ثابت نہیں ہے اس لئے اس کا التزام یقیناً لائق ترک ہے۔

تنبیہ (۲)

یہ بھی واضح رہے کہ فقہاء حنفیہ میں سے ایک جماعت نے ان فرضوں کے بعد جن کے بعد سنتیں ہیں دعا کو مکروہ کہا ہے اسی جماعت نے ان احادیث کی تاویل کی ہے جن میں لفظ دبر الصلوات المکتوبات اور اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں کہ ان سے مراد سنن و نوافل کے بعد دعا مانگنا ہے۔

مگر خود فقہاء محققین حنفیہ نے یہ دیکھ کر کہ اول تو کراہت ایک حکم شرعی ہے اس کے لئے کوئی دلیل درکار ہے اور احادیث و آثار میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ فرضوں اور سنتوں کے درمیان میں دعا مکروہ ہے۔ دوم کہ لفظ دبر الصلوۃ یا دبر الصلوات المکتوبات کے ظاہری اور متبادر معنی یہی ہیں کہ فرض کا سلام پھیرتے ہی وہ اذکار پڑھے جائیں جن کی تعلیم دی گئی ہے اور اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ان ظاہری اور متبادر معنی کو چھوڑ کر سنن و نوافل کے بعد کا وقت مراد لیا جائے یہ تصریح کی کہ فرض نماز کے سلام کے بعد ہی دعا مانگنا بہتر اور افضل ہے اور یہی راجح اور صحیح ہے۔

اور اس صورت میں تمام احادیث اپنے ظاہری اور متبادر معنی پر محمول ہو سکتی ہیں اور حدیث ابی امامہؓ جو نفائس مرغوبہ کی فصل دوم میں نمبر ۳ پر مرقوم ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابی امامةؓ انه قال ما دنوت من رسول الله ﷺ فی دبر کل صلوٰة مکتوبة ولا تطوع الا سمعته یقول اللهم اغفرلی ذنوبی و خطایای کلها اللهم انعشنی واجبرنی واهدنی لصالح الاعمال والا خلاق انه لا یهدی لصالحها ولا یصرف سیئها الا انت .(اخرجه ابن السنی فی عمل الیوم والیلة کذافی التحفة المرغوبه)(۱)

(ترجمہ) ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ جب میں حضور ﷺ سے قریب ہوا تو ہر نماز فرض اور نفل کے بعد حضور اکرم ﷺ کو یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا۔ **اللهم اغفرلی ذنوبی الخ**

اس حدیث میں تصریح ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد بھی اور نفل نماز کے بعد بھی حضور اکرم ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے اور اس میں لفظ دبر کل صلوة مکتوبة سے اس کے ظاہری اور متبادر معنی ہی مراد ہیں کہ

---

(۱) (عمل الیوم واللیلة لابن السنی : باب ما یقول فی دبر صلاة الصبح ص ۱۰۴، ۱۰۵ ط مکتبه الشیخ کراچی)

فرض کے بعد متصل دعا پڑھتے تھے کیونکہ اگر دبر کل صلوۃ مکتوبۃ میں یہ معنی مراد نہ ہوتے اور وہی تاویلی معنی مراد ہوتے کہ نوافل کے بعد دعا پڑھتے تھے تو پھر آگے ولا تطوع فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی اور فرضوں اور نفلوں دونوں کی تصریح نہ کی جاتی۔

علامہ حلبی کی وہ عبارت جو نفائس المرغوبہ کے صفحہ ۱۹ میں مرقوم ہے اور جس میں انہوں نے حضرت عائشہؓ کی حدیث لم یقعد الا مقدار ما یقول اللھم انت السلام الخ کے معنی بتائے ہیں پڑھیے اور دیکھیے کہ علامہ نے صحیحین کی اس دعا کو لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له له الملك وله الحمد وھو علیٰ کل شئی قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منك الجد۔

اور صحیح مسلم کی اس دعا کو

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له له الملك وله الحمد وھو علیٰ کل شئی قدیر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ولا نعبد الا ایاہ له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن لا الہ الا اللہ مخلصین له الدین ولو کرہ الکفرون۔

یہ فرما کر کہ یہ دعائیں بھی اللھم انت السلام کے ساتھ تخمینی اور تقریبی مقدار میں برابر ہیں اس لئے ان دعاؤں کی حدیثوں اور حدیث عائشہ میں کوئی منافاۃ نہیں ہے یعنی فرضوں کے بعد متصلاً یہ دعائیں اسی طرح پڑھی جاسکتی ہیں جس طرح اللھم انت السلام الخ

اس سے صاف معلوم ہوا کہ علامہ حلبی بھی فرض و سنن کے درمیان اللھم انت السلام کے سوا دوسرے اذکار و ادعیہ کی کراہیت کے قائل نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ جب صحیح و صریح روایات حدیث موجود ہیں تو محققین حنفیہ کراہت کے قائل کیسے ہو سکتے تھے اسی وجہ سے امام شمس الائمہ حلوائی نے کراہت کی روایت کو قابل عمل نہیں سمجھا اور اسی وجہ سے علامہ ابن ہمامؒ نے بھی تقریبی مقدار میں ان دعاؤں کو داخل کرنے سے اختلاف نہیں کیا اور اسی بناء پر مفاتیح الجنان میں قبل السنۃ کی تصریح کر دی یعنی اذکار ماثورہ سنتوں سے پہلے پڑھے جائیں۔

اور اسی لحاظ سے حضرت امام السند شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے یہ فرمایا والا ولیٰ ان یاتی بھذہ الا ذکار قبل الرواتب الخ (حجۃ اللہ البالغہ)(۱) یعنی بہتر اور افضل یہ ہے کہ ان اذکار ماثورہ کو سنن راتبہ سے پہلے پڑھے۔

پس حاصل یہ ہے کہ سنتوں اور فرضوں کے درمیان دعا مانگنے کو مکروہ کہنا قوی اور راجح نہیں ہے بلکہ فقہاء محققین کی تصریح کے موافق راجح یہی ہے کہ سنتوں سے پہلے اذکار و ادعیہ ماثورہ پڑھی جائیں اور یہی قول ظاہر حدیث کے موافق ہے ہاں بہت زیادہ تطویل کرنا یا غیر ماثور اذکار و ادعیہ پڑھنے کو مکروہ کہا جائے

---

(۱) (فصل فی الاذکار الواردۃ بعد الفرض' اذکار الصلاۃ وھیاتھا المندوب إلیھا ۲/۱۲ ط دمشق)

تو گنجائش ہے۔

تنبیہ (۳)

جن فقہاء نے فرضوں اور سنتوں کے درمیان دعا کو مکروہ فرمایا ہے ان کا مطلب بھی یہ ہے کہ اگر فرض پڑھنے کی جگہ پر ہی سنتیں پڑھنے کا ارادہ ہو تو پھر سنتوں کے پڑھنے میں تاخیر مکروہ ہے لیکن فرضوں کے مقام میں سنتیں ادا کرنا خلاف اولیٰ ہے۔

اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ امام اپنے حجرے یا مکان میں جاکر سنتیں پڑھے اور اسی طرح لوگ بھی اپنے مکانوں میں جاکر سنتیں پڑھیں اگر مقتدی سب ایسا نہ کر سکیں تو جو کر سکتے ہوں وہ کرلیں اور تمام کے تمام نہ کر سکیں تو وہ امام کو اس اولیٰ اور افضل عمل سے نہ روکیں اگر امام فرض پڑھا کر مختصر ماثور ذکر و دعا پڑھ کر حجرے میں چلا جائے تاکہ سنن و نوافل کو اپنے حجرے میں افضل اور مسنون طریق پر ادا کرے تو جانے دو اس کو ایک غیر ثابت اور غیر مسنون رواجی دعا کے لئے ایک مسنون عمل سے کیوں روکا جاتا ہے۔ ان الکلام فیما اذا صلی السنة فی محل الفرض لا تفاق کلمة المشائخ علیٰ ان الافضل فی السنن حتی سنة المغرب المنزل ای فلا یکرہ الفصل بمسافة الطریق (۱) (رد المحتار نقلاً عن الحلیہ)

یعنی تاخیر سنت کے مکروہ ہونے یا نہ ہونے میں جو کلام ہے وہ اسی صورت میں ہے کہ جب کوئی سنتوں کو وہیں پڑھے جہاں فرض پڑھے ہیں کیونکہ تمام مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام سنتوں کو یہاں تک کہ مغرب کی سنتوں کو بھی گھر میں جاکر پڑھنا افضل ہے تو گھر تک جانے میں جو فاصلہ اور تاخیر ادائے سنت میں ہو یہ اتفاقاً مکروہ نہیں ہے۔

لطائف مطبوعہ میں باب اول صرف اس غرض کے لئے منعقد کیا گیا تھا کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کو ثابت کیا جائے مؤلف نے اس مقصد کے لئے سب سے پہلے نور الایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح کی عبارت پیش کی ہے مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یا تو مؤلف نے......نور الایضاح اور مراقی الفلاح کا مطلب ہی نہیں سمجھا یا قصداً ان کتابوں کی عبارتوں میں قطع برید کر کے اپنا مطلب نکالنا چاہا ہے اس لئے میں ذرا تفصیل سے اس کو بیان کئے دیتا ہوں۔

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ نور الایضاح میں یہ بحث جس فصل میں ذکر کی گئی ہے اس کے عنوان کے الفاظ یہ ہیں۔

فصل فی الاذکار الواردة بعد الفرض

یعنی یہ فصل ان اذکار کے بیان میں ہے جو نماز فرض کے بعد وارد ہوئے ہیں مصنف پہلے نماز کے افعال کی ترکیب بیان کر چکا ہے اس فصل کو سلام تک پہنچا کر ختم کر دیا تھا اس کے بعد باب الامامۃ اور اس کے

---

(۱) باب صفة الصلاة ۱ / ۵۳۰ ط سعید

متعلق فصول ذکر کیں پھر یہ فصل منعقد کی اس میں یہ بتانا تھا کہ نماز فرض کے سلام کے بعد کیا کیا ذکر اور دعائیں وارد اور منقول ہیں اسی لئے عنوان میں بھی بعد الفرض کا لفظ صراحۃً ذکر کر دیا۔

پہلا مسئلہ یہ بیان کیا کہ نماز فرض کے بعد سنتوں کو فوراً شروع کر دینا چاہئیے یا کچھ توقف بھی جائز ہے اس میں مصنف نے پہلی روایت یہ ذکر کی۔

القیام الی اداء السنة التی تلی الفرض متصلا بالفرض مسنون غیر انه یستحب الفصل بینهما کما کان علیه السلام اذا سلم یمکث قدر ما یقول اللهم انت السلام و منك السلام والیك یعود السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام ثم یقوم الی السنة (مراقی الفلاح) (۱)

ترجمہ : یعنی فرضوں کے سلام کے بعد ان سنتوں کو ادا کرنے کے لئے جو فرضوں کے بعد پڑھی جاتی ہیں بلا توقف کھڑا ہو جانا چاہئیے مگر یہ کہ فرضوں اور سنتوں میں علیحدگی کر دینی مستحب ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ جب فرض کا سلام پھیرتے تو اتنی مقدار ٹھہرتے کہ **اللهم انت السلام و منك السلام والیك یعود السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام** پڑھ لیتے۔ پھر کھڑے ہوتے ادائے سنت کے لئے۔

اس کے بعد مصنف نے علامہ ابن ہمام کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ذکر **اللهم انت السلام** وہ ذکر ہے جو حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے منجملہ ان اذکار کے جن سے اداء سنت مؤخر کیا جاتا ہے اور جن کے ذریعہ سے فرضوں اور سنتوں میں فصل اور علیحدگی کی جاتی ہے چونکہ علامہ ابن ہمام کا مطلب یہ تھا کہ جو اذکار نماز فرض کے سلام کے بعد سنتوں سے پہلے پڑھے جانے منقول ہیں ان میں سے **اللهم انت السلام** کا ثبوت پختہ ہے اس لئے صرف اسی کو پڑھنا چاہئیے۔

مگر چونکہ اس ذکر کے علاوہ بعض ذکر دوسرے اور دعائیں بھی ثابت تھیں اور ان کا ثبوت بھی پختہ تھا اس لئے صاحب مراقی الفلاح نے علامہ ابن ہمام کا قول نقل کرنے کے بعد یہ فرمایا۔

قلت و لعل المراد غیر ما ثبت ایضا بعد المغرب وهو ثان رجله لا اله الا الله الخ عشر او بعد الجمعة من قرأة الفاتحة والمعوذات سبعاً سبعاً اه (مراقی الفلاح) (۲)

ترجمہ : میں کہتا ہوں غالباً علامہ کی مراد یہ ہے کہ **اللهم انت السلام** کی طرح اور جو ذکر ثابت ہیں وہ بھی سنتوں سے پہلے پڑھنا مستحب ہے جیسے کہ ایک حدیث میں نماز مغرب کے بعد اسی طرح بیٹھے ہوئے لا اله الا الله الخ دس مرتبہ پڑھنا ثابت ہے اور دوسری حدیث میں نماز کے بعد سنتوں سے پہلے سورۃ فاتحہ اور معوذات سات سات مرتبہ پڑھنا ثابت ہے۔ انتہے۔

پس صاحب مراقی الفلاح کی اس تصریح سے ثابت ہو گیا کہ ان کے نزدیک فرض نماز کے سلام کے بعد **اللهم انت السلام** کے علاوہ اور اذکار ثابتہ ماثورہ پڑھنا بھی جائز ہے اور ان کی وجہ سے جو تاخیر اداء

---

(۱) (فصل فی صفة الاذکار الواردة بعد صلاة الفرض' ص ۱۸۶' ط مصر)
(۲) (ایضاً)

سنت میں ہوگی وہ تاخیر مکروہ یا خلاف اولیٰ نہیں ہے۔

ترجمہ : اس پر مراقی الفلاح کے محشی علامہ سید احمد طحطاویؒ نے یہ تحریر فرمایا ہے۔

وفی روایة عائشةؓ قالت کان رسول الله ﷺ لا یقعد الا مقدار ما یقول اللهم انت السلام الخ

یعنی حضرت عائشہؓ کی روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نہیں بیٹھتے تھے مگر اتنی مقدار جس میں **اللهم انت السلام** پڑھ سکیں۔

وهی تفید کالذی ذکره المؤلف انه لیس المراد انه کان یقول ذلک بعینه بل کان یقعد زمانا یسع ذلک المقدار ونحوه من القول تقریباً.

(حاشیه طحطاوی بر مراقی الفلاح)(۱)

یہ روایت یہی بتلاتی ہے جو مؤلف نے ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ حضور ﷺ **اللهم انت السلام** ہی پڑھا کرتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اتنی دیر بیٹھتے تھے کہ اس میں **اللّٰهم انت السلام** یا اسی کی تقریبی مقدار کا اور کوئی ذکر پڑھا جا سکے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ طحطاوی کے نزدیک حضرت عائشہؓ کی روایت سے یہ بھی ثابت نہیں کہ حضور ﷺ ہر فرض نماز کے بعد ضرور **اللهم انت السلام** پڑھتے تھے بلکہ اتنی مقدار کا ذکر پڑھتے تھے خواہ یہی پڑھتے ہوں یا اور کوئی ذکر ہو۔

اور یہی مطلب علامہ حلبی نے بھی بیان کیا ہے پھر ان دونوں بزرگوں نے یہ تصریح کی ہے کہ صحیحین یعنی بخاری اور مسلم رحمہما اللہ کی کتابوں میں فرض کے بعد جو دعائیں منقول ہیں وہ بھی **اللهم انت السلام** کے ساتھ تقریبی مقدار میں شامل ہیں اس لئے حضرت عائشہؓ کی روایت میں اور ان اذکار کی روایتوں میں کوئی تعارض اور منافات نہیں ہے یعنی ان بزرگوں کے نزدیک فرض اور سنتوں کے درمیان ان دعاؤں کا پڑھنا اسی طرح جائز اور ثابت اور مستحب ہے جس طرح **اللهم انت السلام** کا پڑھنا ہے بخاری اور مسلم کی وہ روایتیں یہ ہیں جو طحطاوی اور کبیری دونوں میں منقول ہیں۔

عن المغیرةؓ انه ﷺ کان یقول فی دبر کل صلوٰة لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علیٰ کل شئی قدیر اللهم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منک الجد وکذا لا ینافی ماروی مسلم وغیره عن عبدالله بن الزبیر کان رسول الله ﷺ اذا سلم من الصلوٰة قال بصوته الاعلیٰ لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علیٰ کل شئی قدیر ولا حول ولا قوة الا بالله ولا نعبد الا ایاه له النعمة وله الفضل

---

(۱) (فصل فی صفة الأذکار الواردة بعد صلاة الفرض ص ۱۸۶ ' ط مصر)

وله الثناء الحسن لا اله الا اللّٰه مخلصين له الدين ولو كره الكافرون (۱)

ترجمہ : یعنی مغیرہؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر نماز کے بعد پڑھتے تھے۔ **لا اله الا اللّٰه وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو علىٰ كل شئى قدير اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذاالجد منك الجد** (بخاری و مسلم) اور اسی طرح حدیث عائشہؓ مسلم کی اس روایت کے بھی منافی نہیں ہے جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز (فرض) کا سلام پھیرتے تھے تو بلند آواز سے فرماتے تھے۔ **لا اله الا اللّٰه وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو علىٰ كل شئى قدير ولا حول ولا قوة الا باللّٰه ولا نعبد الا اياه له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن لا اله الا اللّٰه مخلصين له الدين ولو كره الكافرون .**

میں نہیں سمجھتا کہ علامہ طحطاوی اور علامہ حلبی کی اس تصریح کے بعد کہ۔

(۱) حدیث عائشہؓ کی حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ حضور اکرم ﷺ ضرور فرض نماز کے سلام کے بعد اللهم انت السلام ہی پڑھا کرتے تھے۔

(۲) اور یہ کہ اللهم انت السلام والی روایت دوسرے ماثور ذکروں کے پڑھنے کے خلاف نہیں ہے۔

(۳) اور یہ کہ مذکورہ بالا دونوں ذکر اللهم انت السلام کے ساتھ تقریبی مقدار میں برابر ہیں۔

(۴) اور یہ کہ ان حدیثوں میں ان ذکروں کا سنتوں سے پہلے پڑھنا مراد ہے۔

(۵) اور یہ کہ مسلم کی روایت میں اذا سلم سے نماز فرض کا سلام ہی مراد ہے۔

(۶) اور صحیحین کی روایت میں دبر کل صلوٰۃ سے نماز فرض کے بعد اس کے متصل سنتوں سے پہلے کا وقت ہی مراد ہے۔

اب کون کہہ سکتا ہے کہ نفائس المرغوبہ میں تقریبی مقدار کی جو توضیح کی گئی تھی وہ فقہاء حنفیہ کی تصریح کے موافق نہ تھی اور کس کو یہ جرات ہو سکتی ہے کہ وہ فرض نماز کے سلام کے بعد اللهم انت السلام کے علاوہ دوسرے اذکار و ادعیہ ماثورہ کو ناجائز یا مکروہ کہہ سکے۔

تنبیہ

اوپر مراقی الفلاح کی عبارت میں اللهم انت السلام کو اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ اس میں **واليك يعود السلام** بھی شامل ہے بعض کتابوں میں یعود کی جگہ یرجع ہے۔

اس پر علامہ طحطاوی تحریر فرماتے ہیں۔

قال في شرح المشكوٰة عن الجزرى واما ما زاد بعد قوله و منك السلام من نحو واليك يرجع السلام فحينا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام فلا اصل له بل مختلق بعض

---

(۱) (حلبی کبیر صفة الصلاة ص ۳٤۲ ط سہیل اکیڈمی لاہور)

القصاص انتہیٰ (۱) (حاشیۃ طحطاوی بر مراقی الفلاح)

ترجمہ : یعنی شرح مشکوٰۃ میں جزری سے منقول ہے کہ اس ذکر میں جملہ **ومنك السلام** کے بعد جو اس قسم کے جملے بڑھائے ہیں۔ **والیك یرجع السلام فحینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام** تو ان جملوں کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ بعض واعظوں کے گھڑے ہوئے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ یہ ذکر صحیح روایات سے اس قدر ثابت ہے **اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام** ۔

اس فصل کے اس پہلے مسئلہ میں کہ فرض کے بعد سنتوں میں کتنی تاخیر ہو سکتی ہے امام مقتدی منفرد سب شریک تھے اس لئے اس کو تو صاحب نور الایضاح و مراقی الفلاح نے عام الفاظ سے بیان کیا اس کے بعد اس فصل میں دوسرا مسئلہ یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ آیا فرض کے بعد سنتیں اسی جگہ پڑھی جائیں جس جگہ فرض پڑھے ہیں یا اس سے دائیں یا بائیں یا آگے یا پیچھے ہٹ کر تو نور الایضاح میں امام کے لئے اس صورت کا یہ حکم ذکر کیا گیا ہے عبارت متن کی یہ ہے۔

و یستحب للامام بعد سلامه ان یتحول الی جهة یساره لتطوع بعد الفرض (۲)

(نور الایضاح)

ترجمہ : یعنی امام کے لئے مستحب ہے کہ سلام فرض کے بعد اپنی بائیں جانب ہٹ جائے فرض کے بعد کی سنتوں یا نفلوں کے ادا کرنے کے لئے۔

اس عبارت میں صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ سنتیں فرض کی جگہ پڑھی جائیں یا ہٹ کر' یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سلام پھیرتے ہی بغیر کچھ ثناء یا دعا پڑھے فوراً ہٹ جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ **اللھم انت السلام ومنك السلام الخ** یا اس کے مثل دوسرے اذکار وادعیہ ماثورہ پڑھ کر جب سنتوں کے لئے کھڑا ہو تو مستحب یہ ہے کہ بائیں جانب ذرا ہٹ کر کھڑا ہو۔

سنتوں کے لئے جگہ بدل کر کھڑا ہونا اس لئے مستحب ہے کہ (۱) اول تو باہر سے آنے والے کو یہ شبہ نہ ہو کہ امام فرض پڑھا رہا ہے اور وہ دھوکا کھا کر اقتدا کی نیت نہ کرلے (۲) دوسرا فائدہ یہ کہ جگہ بدلنے سے وہ دوسری جگہ بھی اس کے لئے نماز کی گواہ بن جائے گی۔

اپنی بائیں جانب ہٹنے کی وجہ یہ بیان کی کہ امام کی بائیں جانب قبلہ کی داہنی جانب ہوتی ہے اور قبلہ کی داہنی جانب کو اس کی بائیں جانب پر شرف حاصل ہے۔ (مراقی الفلاح)(۳)

مگر علامہ سید احمد طحطاوی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ ایعجز احد کم ان یتقدم اویتاخراوعن یمینه اوعن شماله فی الصلوٰۃ یعنی

---

(۱) (فصل فی صفة الأذكار الواردة بعد صلاة الفرض ص ۱۸۶ ط مصر)
(۲) (صفة الأذكار الواردة بعد الفرض : ۸۰ ط سعید کمپنی' کراچی)
(۳) (فصل فی صفة الأذكار الواردة بعد صلاة الفرض ص ۱۸۷ ط مصر)

فی السبحۃ (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ کذافی طحطاوی) (۱)

ترجمہ : یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ سنتوں' نفلوں کے لئے آگے بڑھ جاؤ یا پیچھے ہٹ جاؤ یا دائیں طرف یا بائیں جانب کو ہو جاؤ۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے جگہ بدلنے کے لئے چاروں صورتوں کا ذکر فرمادیا ہے مگر یہ حکم اسی وقت ہے جب وہیں سنتیں پڑھنے کا ارادہ ہو ورنہ ان چاروں صورتوں سے افضل یہ ہے کہ مسجد سے جاکر اپنے مکان یا حجرے میں سنتیں پڑھے۔

وقد منا عن الحلیۃ ان الاحسن من ذلک کلہ تطوعہ فی منزلہ (رد المحتار) (۲)

ترجمہ : یعنی ہم پہلے حلیہ سے نقل کر چکے ہیں اور ان سب صورتوں سے بہتر یہ ہے کہ اپنے گھر جاکر سنن و نوافل پڑھے۔

تیسرا مسئلہ۔ پھر ماتن نے تیسرا مسئلہ یہ بیان کیا کہ اگر امام اپنی جگہ بیٹھ کر اذکار ماثورہ پڑھنا چاہے تو اس کی ہئیت کیا ہو اس کے لئے یہ عبارت ذکر کی۔

وان یستقبل بعدہ الناس۔ (نور الایضاح) اور مستحب ہے کہ امام فرضوں یا سنتوں کے بعد لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے یعنی اگر وہ بیٹھنا چاہے تو مستحب یہ ہے کہ لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے یعنی قبلہ کی طرف منہ کئے بیٹھا رہنا نہیں چاہئے۔

وکذا یکرہ مکثہ قاعدا فی مکانہ مستقبل القبلۃ فی صلوٰۃ لا تطوع بعدھا (انتھیٰ . رد المحتار) (۳)

ترجمہ : یعنی امام کا اپنی جگہ پر قبلہ رخ بیٹھا رہنا ان نمازوں کے بعد جن کے بعد سنتیں نہیں ہیں مکروہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ جن فرائض کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان کے بعد توامام اپنی جگہ نہ چھوڑے اور سوائے اس ذکر کے جس میں یہ مذکور ہے کہ بغیر پاؤں موڑے ہوئے پڑھا جائے باقی اذکار وادعیہ اگر پڑھنا چاہے تو لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے اور اذکار وادعیہ پڑھ لے متن میں تو یہی صورت ذکر کی تھی مگر شرح میں اس پر یہ اضافہ کیا۔

یستقبل الناس ان شاء ان لم یکن فی مقابلہ مصل (الی قولہ) وان شاء الامام انحرف عن یسارہ و جعل القبلۃ عن یمینہ وان شاء انحرف عن یمینہ و جعل القبلۃ عن یسارہ (الی قولہ) وان شاء ذھب لحوائجہ (مراقی الفلاح) (٤)

---

(۱) (ایضاً حوالہ صفحہ گزشتہ حاشیہ ۳)
(۲) باب صفۃ الصلاۃ ۱/ ۵۳۱ ط سعید)
(۳) باب صفۃ الصلاۃ' مطلب فیما لو زاد علی العدد الوارد فی التسبیح عقب الصلاۃ ۱/ ۵۳۱ ط سعید)
(٤) (فصل فی صفۃ الأذکار ص ۱۸۷ . ۱۸۸ ط مصر)

ترجمہ : یعنی اگر چاہے تو لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے بشر طیکہ اس کے سامنے کوئی نماز نہ پڑھ رہا ہو اور اگر امام چاہے تو بائیں طرف مڑ جائے کہ اس کی داہنی طرف قبلہ ہو اور اگر چاہے تو داہنی طرف مڑے کہ قبلہ اس کی بائیں جانب ہو اور اگر چاہے تو اٹھ کر اپنے کام کاج کے لئے چلا جائے۔

چونکہ مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنے کے لئے یہ شرط ہے کہ سامنے کوئی نمازی نہ ہو اور ماتن نے صرف ایک ہی صورت ذکر کی تھی کہ مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنا مستحب ہے اور جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں لوگ سنتیں پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کوئی نہ کوئی امام کے مقابل بھی نماز پڑھتا ہوتا ہے اس لئے مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنے کے مسئلے کو شرح میں اس طرح مقید کر دیا۔

ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع و عقب الفرض ان لم یکن بعدہ نافلة

(مراقی الفلاح) (۱)

ترجمہ : یعنی امام کو لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنا اس وقت بہتر ہے جب سنتوں نفلوں سے فارغ ہو جائے۔

تاکہ کسی نمازی کا سامنا ہونے کی صورت نہ ہو اور جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان میں فرض کے بعد بھی لوگوں کی طرف منہ کر سکتا ہے بشر طیکہ سامنے کوئی نمازی (مسبوق وغیرہ) نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ سنتوں سے پہلے داہنی طرف یا بائیں طرف مڑ کر بیٹھ جائے یا داہنی طرف یا بائیں طرف یا آگے پیچھے ہٹ جائے یا اٹھ کر اپنے مکان یا حجرے میں چلا جائے تو یہ سب جائز ہے اور اٹھ کر چلا جانا اور اپنے گھر یا حجرے میں جا کر سنتیں نفلیں پڑھنا سب سے زیادہ افضل اور بہتر ہے۔

چوتھا مسئلہ۔ پھر ماتن نے اس فصل میں چوتھا مسئلہ وہ بیان کیا جس کے لئے فصل منعقد کی ہے یعنی یہ کہ نماز فرض کے بعد کیا کیا اذکار و ادعیہ ماثور اور مروی ہیں اس مسئلہ کے بیان کے لئے اس نے یہ عبارت لکھی ہے۔

ویستغفرون اللّٰہ ثلاثا ویقرؤن اية الكرسی ویقرؤن المعوذات الخ

(نور الایضاح) (۲)

ترجمہ : یعنی لوگ نماز کے بعد تین مرتبہ استغفار پڑھیں اور آیۃ الکرسی پڑھیں اور معوذات پڑھیں۔ اس مسئلہ کی دلیل کے لئے یہ حدیث ذکر کی ہے۔

یقول ثوبان کان رسول اللہ ﷺ اذا انصرف من صلوته استغفر اللہ تعالیٰ ثلاثا وقال اللھم انت السلام و منك السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام (رواہ مسلم.) (۳)

---

(۱) (فصل فی صفة الأذكار ...... ص ۱۸۷، ۱۸۸ ط مصر) (۲) (فصل فی الأذكار الواردة بعد الفرض، ص ۸۰ ط میر محمد کتب خانہ' کراچی) (۳) (باب استحباب الذکر بعد الصلاة ۱/ ۲۱۸ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)

(مراقی الفلاح) (۱)

ترجمہ : یعنی ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفار پڑھتے اور فرماتے اللھم انت السلام و منك السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام

اسی ثوبانؓ کی حدیث کے دوسرے طریق میں یہ لفظ ہیں۔

کان النبی ﷺ اذا سلم الخ (جمع الفوائد)

ترجمہ : یعنی آنحضرت ﷺ جب سلام پھیرتے تو تین بار استغفار کرتے اور اللّٰھم انت السلام الخ پڑھتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مصنف نورالایضاح نے فرض کے سلام کے بعد ہی سے اذکار ماثورہ کا بیان شروع کیا ہے کیونکہ حدیث ثوبان کا مطلب یہی ہے کہ فرضوں کے سلام کے بعد تین مرتبہ استغفار پڑھ کر اللھم انت السلام پڑھا کرتے تھے وجہ یہ کہ اللھم انت السلام الخ کا فرض کے بعد سنتوں سے پہلے پڑھنا متفق علیہ ہے۔

اور چونکہ فرائض کے بعد جو اذکار مصنف نے ذکر کئے ہیں ان میں امام مقتدی منفرد مسبوق وغیرہ کا کوئی فرق نہ تھا اس لئے جمع کے صیغے سے اس کو ذکر کیا مطلب یہ کہ تمام نمازی فرائض کے بعد یہ اذکار پڑھا کریں اور جب اذکار سے فارغ ہوں تو :

ثم یدعون لا نفسھم وللمسلمین رافعی ایدیھم ثم یمسحون بھا وجوھھم فی اخرہ (۲)

ترجمہ : نمازی اپنے لئے اور مسلمانوں کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کریں پھر اخیر میں اپنے ہاتھ منہ پر پھیر لیا کریں۔

یہ مصنف نے ذکر اور دعا کا مسنون اور مستحب طریقہ ذکر کیا ہے اس میں کہیں پر کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ یہ تمام کام سب مل کر اجتماعی طور پر کریں اور یہ تو ہو بھی نہیں سکتا اس لئے کہ یہ ذکر اور دعائیں اس شخص کے لئے بھی اسی طرح مستحب ہیں جو تنہا نماز پڑھے اور مسبوق کے لئے بھی اور ظاہر ہے کہ ان سب کی فراغت آگے پیچھے ہوگی۔

لطائف مطبوعہ میں اس عبارت کا جو ترجمہ کیا گیا ہے اس میں اصل عبارت کے خلاف یہ الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیئے گئے ہیں (اور سب مل کر) حالانکہ اس معنے کا کوئی لفظ مراقی الفلاح میں نہیں ہے۔ پھر لطائف میں لکھا ہے :-

"عبارت مندرجہ بالا سے صاف طور پر ثابت ہے کہ امام اور مقتدین سب کا مل کر اجتماعی طور پر دعا مانگنا بعد از سنت تالیہ و اذکار ماثورہ مستحب ہے"

---

(۱) (فصل فی صفۃ الأذکار ص ۱۸۸ ط مصر)
(۲) (فصل فی الأذکار الواردۃ بعد الفرض ص ۸۰ ط میر محمد کتب خانہ کراچی)

یہ نتیجہ بھی اسی غلطی پر مترتب ہے کہ مراقی الفلاح کی عبارت میں (سب مل کر اجتماعی طور پر) کے الفاظ اپنی طرف سے بڑھادیئے گئے ہیں۔

اور یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ یہ تمام اذکار اور دعائیں وہ ہیں جو سنتوں کے بعد پڑھی جائیں حالانکہ مراقی الفلاح میں اس کی بھی تصریح نہیں ہے اور اس کے جملہ **بعدہ ای بعد التطوع** کا تعلق صرف استقبال ناس کے مسئلے سے ہے نہ قرأت اذکار وادعیہ سے۔

لطائف مطبوعہ میں یہی ایک عبارت تھی جس سے لوگوں کو کچھ اشتباہ ہو سکتا تھا مگر اب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس عبارت میں بھی مروجہ اجتماعی دعا کی کوئی دلیل نہیں ہے اور جو الفاظ کہ اجتماع پر دلالت کرتے ہیں وہ اپنی طرف سے بڑھائے ہوئے ہیں۔

اور یہ کہ یہ سب کچھ اسی غیر افضل صورت میں ہے کہ فرضوں کے بعد سنتیں بھی مسجد میں پڑھی جائیں ورنہ افضل یہی ہے کہ گھر میں یا حجرے میں جاکر پڑھے اور اگر لوگ اس افضل پر کسی وجہ سے عمل نہ کر سکیں اور امام اس پر عمل کرنا چاہے اور سنتوں کے لئے اپنے حجرے میں جائے تو اسے کیوں روکا اور مجبور کیا جائے کہ وہ ایک غیر افضل صورت کو زبردستی اختیار کرے۔

اس کے علاوہ لطائف مطبوعہ میں اور کوئی چیز لائق جواب نہیں ہے بعض عبارتیں جو سنتوں کی تاخیر کرنے کے بارے میں مروی ہیں وہ اسی اختلاف پر مبنی ہیں کہ آیا **اللھم انت السلام** کے علاوہ اور اذکار ماثورہ اور ادعیہ مرویہ سنتوں سے پہلے پڑھنا جائز ہے یا نہیں تو اس کے بارے میں طحطاوی اور علامہ حلبی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اشعۃ اللمعات کی عبارتیں اس بارے میں صاف وصریح ہیں کہ جائز ہے اور کراہت یا عدم اولویۃ کی روایت مرجوح ہے۔

اور اس صورت میں تمام احادیث جن میں **دبر الصلوات المکتوبات** کا لفظ ہے اور وہ احادیث جن میں **اذا سلم یا اذا انصرف** کا لفظ ہے ان سے یہی مراد لینا بہتر ہے کہ فرض کے بعد سنتوں سے پہلے پڑھنا مراد ہے اور ان کی وہ تاویل جو علامہ ابن ہمام نے کی ہے بالکل غیر ضروری ہے اور اسی وجہ سے علامہ طحطاوی اور علامہ حلبی اور دوسرے محققین حنفیہ نے اسے پسند نہ کیا اور اذکار ماثورہ کی معتبر روایتوں کو **اللھم انت السلام** والی روایت کے ساتھ غیر معارض اور غیر منافی قرار دیکر ان کے پڑھنے کی اجازت دی۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' شعبان ۱۳۴۸ھ

فائدہ نفیسہ

ہم نے مسئلے کی جو تحقیق گزشتہ سطور میں تحریر کی ہے اس کی تائید حضرت بقیۃ السلف حجۃ الخلف شاہ ولی اللہ نور اللہ مرقدہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتی ہے حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ صاحب اول وہ اذکار وادعیہ جو خاکسار نقل کر چکا ہے اور جن میں **اللھم انت السلام** کے اور بھی قدرے طویل دعائیں شامل ہیں تحریر فرما کر لکھتے ہیں۔

والاولی ان یاتی بهذه الاذکار قبل الرواتب فانه جاء فی بعض الاذکار ما یدل علی ذلك نصا کقوله " من قال قبل ان یتصرف و یثنی رجلیه من صلوٰة المغرب والصبح لا اله الا الله وحده لا شریك له الخ " وکقول الراوی کان اذا سلم من صلوٰة یقول بصوته الا علیٰ لا اله الا الله الیٰ اخره و فی بعضها ما یدل ظاهر اکقوله دبر کل صلوة . اما قول عائشة کان اذا سلم لم یقعد الا مقدار ما یقول اللهم انت السلام فیحتمل وجوهاً منها انه کان لا یقعد بهیئة الصلوٰة الا هذا القدر ولکنه کان یتیا من اویتیا سراویقبل علی القوم بوجهه فیأتی بالاذ کار لئلا یظن الظان ان الاذکار من الصلوٰة.

ومنها انه کان حینا بعد حین یترك الاذکار غیر هذه الکلمات یعلمهم انها لیست فریضة. والاصل فی الرواتب ان یاتی بها فی بیته . والسرفی ذلك کله ان یقع الفصل بین الفرض والنوافل بما لیس من جنسها وان یکون فصلا معتد ابه یدرك ببادی الرأی. وهو قول عمرؓ لمن اراد ان یشفع بعد المکتوبة اجلس فانه لم یهلك اهل الکتاب الا انه لم یکن بین صلوٰتهم فصل فقال النبی ﷺ اصاب الله بك یا ابن الخطاب وقوله صلعم اجعلوها فی بیوتکم والله اعلم. (حجة الله البالغة)(۱)

(ترجمہ) اور اولیٰ یہ ہے کہ ان اذکار کو سنن مؤکدہ سے پہلے ادا کرے کیونکہ بعض اذکار میں تو اس کی تصریح ہے جیسے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ "جو شخص نماز مغرب اور نماز صبح کے بعد لوٹنے اور پاؤں موڑنے سے پہلے یہ کہے لا اله الا الله الخ اور جیسے راوی کا یہ قول کہ آنحضرت ﷺ جب نماز کا سلام پھیرتے تو اپنی بلند آواز سے فرماتے لا اله الا الله الخ۔ اور بعض اذکار میں ظاہراً اس پر دلالت ہے جیسے یہ قول کہ نماز کے بعد یہ پڑھتے تھے۔ رہا حضرت عائشہؓ کا یہ قول کہ جب آنحضرت ﷺ سلام پھیرتے تو اس سے زیادہ نہیں بیٹھتے کہ اللھم انت السلام الخ پڑھیں تو اس قول کے کئی احتمال ہیں ازاں جملہ یہ ہے کہ آپ نماز کی ہیئت پر اس مقدار سے زیادہ نہیں بیٹھتے تھے بلکہ دائیں یا بائیں مڑ جاتے تھے یا لوگوں کی طرف منہ کر لیتے تھے تاکہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اذکار وادعیہ بھی نماز میں داخل ہیں اور ازاں جملہ یہ ہے کہ آپ سوائے اللھم انت السلام کے اور اذکار احیاناً چھوڑ دیتے تھے چھوڑنے سے یہ تعلیم مقصود تھی کہ اذکار وادعیہ فرض نہیں ہیں اور سنتوں میں اصل حکم یہ ہے کہ گھروں میں ادا کی جائے اور اس سب کا راز یہ ہے کہ فرضوں اور نفلوں میں ظاہر طور پر فصل اور فرق ہو جائے جو ظاہری نگاہ سے معلوم ہو سکے اور یہی مطلب ہے حضرت عمرؓ کے اس فرمانے کا اس شخص سے جو فرضوں کے بعد متصل سنتیں پڑھنا چاہتا تھا کہ بیٹھ جا۔ کیونکہ پہلی امتوں کو اسی بات نے ہلاک کیا کہ فرائض اور نوافل میں ان کے فرق نہ تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابن خطابؓ خدا نے تمہیں درست طریقہ ہدایت فرمایا اور یہی مطلب ہے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا کہ سنتیں گھروں میں پڑھا کرو۔ انتہی

کتبہ العبد الضعیف محمد کفایت اللہ غفرلہ 'سنہری مسجد دہلی' شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) (فصل فی الأذکار الواردة بعد الفرض' اذکار الصلاة وهیاتها السندوب الیها ۲/۱۲ ط دمشق)

تتمہ (مخطوط)

ايها الكرام ! كيف تعرفون مسئلة دعاء الا جتماعية برفع اليدين دبر الصلوت المكتوبات و تامين المامومين على دعائه ؟ هل الدعاء بهذه الكيفية جائز شرعا ام لا ؟ ان جازما الاستدلال على ذلك ؟و الا ما الحجة ما على عدم الجواز ؟ ففي صورة عدم الجواز اخبر وني ما الجواب عن كثرة علماء اهل السنة في زماننا هذا يدعون الله تعالى دعاء اجتماعية دبر الصلوات المكتوبات برفع اليدين كفتوى مولانا اشرف على تهانوى فى كتابه بهشتى زيور وان لم يسند بالقران ولا بالحديث ولا بالفقة وكفتوى مولانا مفتى كفايت الله الدهلوى كان الله تعالى له حيث حث عليه حثا عظيما فى كتابه النفائس المرغوبة فى حكم الدعاء بعد المكتوبة و عن حديث اسود العامرى عن ابيه اخرجها ابن ابى شيبة قال صليت خلف رسول الله ﷺ الفجر فلما سلم انحرف و رفع يديه ودعا (الحديث) وان جازما الجواب عن حديث رسول الله ﷺ اخرجها البيهقى فى سنن الكبرى ص۱۸۲ ج ۲عن انسؓ قال صليت خلف النبى ﷺ كان اذا سلم يقوم (الحديث) و عنه صليت خلف ابى بكرؓ كان اذا سلم و ثب كانه على رضف . سنن الكبرى ص ۱۸۲ ج ۲ و عن حديث عائشةؓ كما فى مسلم كان النبى ﷺ اذا سلم من الصلوة لم يقعد الا مقدار ما يقول اللهم انت السلام الخ و عن عدم تعامل الصحابة فى وقت ما . فحينئذٍ ما الحكم على حديث اسود العامرى المار ؟ هل هذه من اخبار الا حاد العدول التى كان الامام ابو حنيفةؒ يروها فيما تعم به البلوى ام كيف . وايضا ما للكلام عليها من جهة الاسناد ؟

ضياء الحسن انصارى۔ ايل۔ ايس۔ ايم ايف پنجاب ميڈيكل افسر بد الطبيعة الحكومة (مظفر گڑھ)

(جواب) حديث حضرت انسؓ كان اذا سلم يقوم الخ اور دوسرى حديث صليت خلف ابى بكر كان اذا سلم و ثب كانه على رضف الخ يہ دونوں روايتيں تو حديث عائشہؓ كے بھى خلاف ہيں جس ميں اذا سلم من الصلوة لم يقعد الا مقدار ما يقول الخ موجود ہے حضرت عائشہؓ سلام كے بعد تھوڑا سا قعود بيان فرماتى ہيں اور حضرت انسؓ كى دونوں روايتيں قعود كى مطلقاً نفى كرتى ہيں اور مسئلہ كى تفصيل رسالہ نفائس مرغوبہ ميں كردى گئى ہے اسود عامرى كى روايت مجموعہ فتاوىٰ عبدالحئیؒ سے نقل كى گئى ہے مصنف ابوبكر بن ابى شيبہ كا نسخہ موجود نہيں ہے ورنہ اس كے صفحہ كا حوالہ دے ديا جاتا۔ اور يہ روايت اثبات استحباب كے لئے كافى ہے۔ محمد كفايت اللہ كان اللہ لہ'

نواں باب
مسافر کی نماز (قصر)

وطن اصلی کب باطل ہوتا ہے؟

(سوال) ایک شخص کا وطن اصلی لاہور تھا اور پھر اس نے لاہور کو چھوڑ کر دہلی کو اپنا وطن بنالیا اور وہیں اس کے بال بچے اور اہلیہ ہے غرضکہ مدت سے وہ شخص دہلی میں مع اہل و عیال قیام گزیں ہے اور لاہور میں اس کے بھائی حقیقی اور ماں بہنیں مکان اور کچھ زمین بھی ہے اور رہتا وہ مدت سے دہلی میں ہے اس شخص کو لاہور میں جانے کے لئے سوا نیت ۱۵ یوم کے ٹھہرنے کے لئے نماز قصر پڑھنی پڑے گی یا کہ پوری ؟ رسالہ رکن دین اردو مؤلفہ مولوی رکن الدین الوری میں تحریر ہے کہ اگر پہلے وطن میں زمین یا مکان وغیرہ ہوں تو کم نیت اقامت ۱۵ یوم کے بھی نماز پوری پڑھنی پڑے گی بحوالہ عالمگیری۔ اور حالانکہ شرح وقایہ(۱) میں عبارت یوں ہے۔ **فاذا کان للانسان وطن اصلی ثم اتخذ موضعاً اخروطناً اصلیا سواء کان بینھما مدة السفر اولم یکن یبطل الوطن الاصلی الاول حتی لو دخله لا یصیر مقیماً الا بنیة الاقامة** اور لفظ **یبطل** پر حاشیہ عمدۃ الرعایۃ میں حدیث منقول ہے **یدل علیه ان النبی ﷺ واصحابه لما دخلوا مکة وغزوة الفتح و حجة الوداع قصر وافیھا مع انھا کانت مولدھم ومسکنھم وما ذلك الا لبطلان وطنیته باتخاذ المدینة وطنا بالھجرة.** عبارت مذکورہ سے ثابت نہیں ہوتا ہے کہ اول وطن میں اگر مکان یا زمین وغیرہ ہو تو نماز قصر نہیں ہوگی۔ بینوا توجروا۔

(جواب ۵۵۹) وطن اصلی اگر اس طرح چھوڑا جائے کہ اس سے تمام تعلقات منقطع کر دیئے جائیں نہ کچھ زمین و مکانات ہوں اور نہ کوئی اہل و عیال میں سے وہاں ہو تو وہ وطن باقی نہیں رہتا اور پھر وہاں نماز پندرہ دن سے کم مدت میں قصر کرنا چاہیئے ورنہ وہ وطن باقی رہتا ہے۔ **فی العالمگیریة. و یبطل الوطن الا صلی بالوطن الا صلی اذا انتقل عن الاول باھله و اما اذا لم ینتقل باھله ولکنه استحدث اھلا ببلدة اخری فلا یبطل وطنه الاول و یتم فیھما (ص ۱۵۱) ولو انتقل باھله و متاعه الی بلدٍ و بقی له دور وعقار فی الاول قیل بقی الاول و طناله و الیه اشار محمدؒ فی الکتاب کذافی الزاھدی (عالمگیری ص ۱۵۱)** (۲) اور محض کسی شہر کا مولد و مسکن ہونا وطن اصلی کے ثبوت کے لئے کافی نہیں اور آنحضرت ﷺ کا مکہ میں قصر کرنا اس وجہ سے تھا کہ وہاں آپ کا کوئی گھر وغیرہ باقی نہ تھا۔ **یدل علیه قوله علیه السلام ھل ترك لنا عقیل منزلاً** (رواہ البخاری)(۳)

---

(۱) (بیان الوطن الأصلی والإقامة ۱/۲۳۸ ط مکتبہ حقانیہ' ملتان)
(۲) (الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر ۱/۱٤۲ ط ماجدیه' کوئٹه)
(۳) (باب توریث دور مکة و بیعھا و شرائھا کتاب المناسك ۱/۲۱٦ ط قدیمی)

(۱) جہاز کے ملازم کے لئے نماز کا حکم
(۲) کار ڈرائیور کے لئے نماز کا حکم

(سوال) (۱) ایک شخص جہاز میں نوکر ہے آج یہاں کل وہاں ایسا شخص قصر پڑھے یا پوری نماز۔ ایک شہر میں جاتا ہے دو دن جہاز وہاں ٹھہرتا ہے پھر وہاں سے لوٹتا ہے غرض جہاز کی ہی نوکری ہے اور یہی کام ہے۔

(۲) موٹر میں سیر کرنے کے لئے سو پچاس میل تک جاتے ہیں اور چار پانچ گھنٹے میں جاتے ہیں اور اسی مقدار میں لوٹتے ہیں راستے میں نماز کا وقت ہو گیا تو قصر پڑھیں یا پوری' خواہ سیر کی غرض سے جائیں یا کسی کام سے۔

(جواب ۵۶۰) ان دونوں صورتوں میں قصر نماز پڑھنی چاہئیے کیونکہ مسافت قصر کا ارادہ کر کے نکلنا قصر کے ثبوت کے لئے کافی ہے (۱) خواہ وہ نکلنا دوامی طور پر ہو یا گاہے گاہے اور خواہ ملازمت کے صیغے میں ہو یا تجارت و سیاحت کے اور خواہ وہ مسافت کئی گھنٹے میں طے ہو جائے جیسے کہ ریل اور موٹر وغیرہ کے ذریعہ سے دنوں کی مسافت گھنٹوں میں طے ہوتی ہے۔ وھذا کلہ ظاھر واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرس مدرسہ امینیہ' دہلی

قریب قریب آبادیوں میں نماز کا حکم

(سوال) موضع سنبھلیڑہ تحصیل جانسٹھ ضلع مظفر گڑھ میں واقع ہے اور موضع وہانسری و کمہڑہ و تیوڑہ وغیرہ موضع مذکور سے دو دو تین تین میل کے فاصلے پر آباد ہیں اور مواضعات مذکورہ شہر دہلی کے مانند پچاس کوس یا اس سے زائد کا فاصلہ ہے مولوی فاروق صاحب کی پیدائش موضع سنبھلیڑہ مذکور کی ہے اور اسی موضع میں پرورش ہوئی ایک بھائی ملا محمد یعقوب صاحب وہیں رہتے ہیں اب مولوی فاروق صاحب دہلی سے مواضعات مذکورہ کو سفر کرتے ہیں اور کسی موضع میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت بھی نہیں کرتے مگر مانند مقیم نماز پڑھتے ہیں قصر نہیں کرتے اگر کہا جاتا ہے تو کسی کو یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ سب گاؤں میرے وطن کے ہیں اور کہیں یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں قصر نماز نہیں آئی اور کسی سے کہتے ہیں کہ مجھ پر نماز قصر واجب نہیں کیونکہ میں ہمیشہ سفر میں رہتا ہوں' تو صورت مسئولہ میں مولوی فاروق صاحب کا وطن دہلی ہے یا سنبھلیڑہ اور ان پر قصر واجب ہے یا نہیں ؟ اگر واجب ہے تو جن مقیم مقتدیوں نے مولوی صاحب کے پیچھے نماز پڑھی ہے ان کی نماز ہو گئی یا نہیں ؟ اگر نہیں ہوئی تو جتنی نمازیں مولوی صاحب کے پیچھے پڑھی ہیں ان کا لوٹانا واجب ہے یا نہیں اور مولوی فاروق کا یہ کہنا کہ یہ سب گاؤں میرے وطن کے ہیں اور حدیث میں نماز قصر نہیں آئی جس پر موضع تیوڑہ میں احقر کے سامنے روایت ابن عباس سے بحوالہ مشکوۃ استدلال کرنا چاہا اور

---

(۱) ولا بد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلثة ايام حتى يترخص برخصة المسافرين (عالمگيرية ' الباب الخامس عشر في صلاة المسافر ' ۱ / ۱۳۹ ط ماجديه)

مشکوٰۃ منگانے پر جان چرا کر مواضع کشن پور کو چمپت ہوئے اور یہ کہ میں ہمیشہ سفر میں رہتا ہوں اس واسطے مجھ پر قصر واجب نہیں صحیح ہے یا غلط ؟ اور کذب صریح ؟ اور یہ شخص امام ابو حنیفہ کا مقلد ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۸۲ مولوی محمد حنیف صاحب ضلع مظفر نگر۔

۸ شوال ۱۳۵۲ھ ۲۴ جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب ۵۶۱) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے سنبھلیڑہ سے ترک وطنیت اور دہلی کو وطن بنانے کی نیت نہیں کی تھی اس لئے وہ جب دہلی سے سنبھلیڑہ جاتے ہوں گے تو وہاں جاتے ہی وہ مقیم ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ ان کا وطن اصلی ہے وہاں پندرہ دن کی نیت کریں یا نہ کریں پھر سنبھلیڑہ سے اس کے آس پاس کے مواضع میں پھرتے ہوں گے اور چونکہ وہ مقدار سفر کی مسافت کے اندر اندر ہوتے ہوں گے اس لئے وہ مسافر نہیں ہوتے اور پوری نماز پڑھتے ہوں گے یہ ایک مسلمان اور عالم کے فعل کی توجیہ ہو سکتی ہے باقی حقیقت حال اللہ بہتر جانتا ہے ان کا یہ کہنا کہ سب گاؤں میرے وطن کے ہیں صحیح ہے جب کہ وہ وطن سے چلیں اور آس پاس کے دیہات میں دورہ کریں جو مدت سفر کے اندر اندر ہوں تو ان کا خیال کہ ان پر قصر نہیں ہے درست ہے اور یہ قول کہ حدیث میں نماز قصر نہیں آئی اس کا مطلب بھی یہی ہو گا کہ اس قدر کم مسافت کے اندر سفر کرنے میں حدیث سے نماز قصر ثابت نہیں اور یہ کہنا کہ مجھ پر نماز قصر اس لئے واجب نہیں کہ میں ہمیشہ سفر میں رہتا ہوں اس میں غالباً کچھ غلط فہمی ہوئی ہے اس کے متعلق ان کا تحریری بیان لے کر میرے پاس بھیجو تو میں اس پر غور کروں ہمیشہ سفر میں رہنے سے تو ہمیشہ قصر پڑھنی پڑے گی نہ یہ کہ قصر واجب نہ ہو بہر حال سوال میں جو لہجہ اختیار کیا گیا ہے یہ علماء کے لئے مناسب نہیں ہے(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مقیم مقتدی مسافر کے پیچھے بقیہ نماز کس طرح پڑھے ؟

(سوال) امام اگر قصر پڑھ رہا ہے تو مقتدی دو رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے ؟

المستفتی نمبر ۹۷۷ محمد رفیع صاحب سوداگر (ضلع میدنی پور)

یکم ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲۵ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۶۲) مقتدی اپنی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے بقدر فاتحہ کے قیام کر کے رکوع کرلے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) ولا بد للمسافر من قصد مسيرة ثلثة ايام حتى يترخص برخصة المسافرين (عالمگیریة' الباب الخامس فى صلاة المسافر ۱: ۱۳۹ ط ماجدیه)

(۲) وصح اقتداء المسافر بالمقيم فى الوقت و بعده فاذا قام المقيم إلى الاتمام لا يقرأ الخ (الدر المختار' باب صلاة المسافر ۲: ۱۲۹ ط سعيد)

ریلوے ڈرائیور کے لئے نماز کا حکم

(سوال) ہم لوگ انجن ڈرائیور کا کام کرتے ہیں برہما ریلوے کے اندر اور ہم لوگوں کا کام ہمیشہ سفر کا ہے اور پانچ چھ روز کا سفر ہوتا ہے اور نوکری ہم لوگوں کی بارہ گھنٹے کی ہے بارہ گھنٹے کام کرتے ہیں اور بارہ گھنٹے آرام سے سوتے ہیں لمبے سفر کا یہ حال ہے چھوٹا سفر بارہ گھنٹے کا ہوتا ہے وہاں پر ہم لوگوں کو ایک مکان ملا ہے سونے کے واسطے اور ایک باورچی خانہ ملا ہے کھانا بنانے کے واسطے ہم لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے اب ہم لوگ اس بات کے خواستگار ہیں کہ ایسی حالت میں ہم لوگ نماز قصر پڑھیں یا پوری نماز پڑھیں ؟
المستفتی نمبر ۱۰۵۹ محمد رؤف صاحب (رنگون)

(جواب ۵۶۳)اگر آپ لوگ ایک دم تین دن کے سفر یعنی ۴۸ میل جانے کی نیت سے سفر کرتے ہیں تو آپ مسافر ہیں(۱)اور اگر نیت کرنا آپ کے اختیار میں نہیں تو آپ مسافر نہیں ہوں گے اور اس صورت میں پوری نماز پڑھیں گے (۲)اور روزہ میں کوئی مشکل نہیں کیونکہ روزہ تو ہر حالت میں (خواہ مقیم ہو یا مسافر) رکھنا جائز ہے۔ فقط　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

انگریزی میل کے حساب سے مسافت سفر

(سوال)سفر کی وہ مسافت جس کے ارادہ سے قصر ہوتی ہے انگریزی میل کے اعتبار سے مفتی بہ کتنے میل ہیں المستفتی نمبر ۱۳۴۹ محمد یونس صاحب (متھرا) ۷ ۲ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۱۰فروری ۱۹۳۵ء

(جواب ۵۶٤) انگریزی میل سے چھتیس میل کی مسافت قصر نماز کے لئے کافی ہے (۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

(۱) نماز کن صورتوں میں قصر کریں ؟
(۲) جس راستے پر چلے اس کا اعتبار ہوگا ۔
(۳) وطن اقامت سے دورے کرنے والے کا حکم

(سوال) (۱)قصر نماز کن کن صورتوں میں واجب ہے (۲)ایک مقام ایسا ہے جہاں سے ریل پر سفر کرنے سے فاصلہ زیادہ ہوتا ہے اور قصر واجب ہوتا ہے اور اگر خشکی سے جایا جائے تو فاصلہ کم پڑتا ہے کونسی صورت

---

(۱) ومن خرج من موضع اقامته قاصدا مسيرة ثلثة أيام ولياليها من أقصر أيام السنة . صلى الفرض الرباعي ركعتين الخ (التنوير مع شرحه ' باب صلاة المسافر ۲ : ۱۲۱ ، ۱۲۳ سعيد كراچى)
(۲) والمعتبر نية المتبوع' لأنه اصل ' لا التابع كا مراة و عبد . وأجير الخ (التنوير و شرحه' باب صلاة المسافر' ۲: ۱۳۳، ۱۳٤ ط سعيد)
(۳) چھتیس میل انگریزی درست ہے علماء متقدمین ... مقدار ۴۸ میل شرعی برابر ہے ۵۱ میل انگریزی کے اور احسن الفتاوی میں مفتی بہ قول ۴۸ میل شرعی ۶۱ ... احسن الفتاوی باب صلاۃ المسافر ٤: ۹۵ ط سعید و خیر الفتاوی ۲: ٦٦٦ ط ملتان)

اختیار کرنا چاہئیے آسانی ریل و موٹر سے سفر کرنے میں ہے یہ مقام خشکی سے ۲۷ میل اور ریل سے ۵۳ میل پر ہے (۳) ایک شخص ملازم پیشہ ہے اور مکان سے اس کی ملازمت فاصلہ پر ہے اور ہیڈ کوارٹر میں جہاں قیام ہے رہنا پڑتا ہے اور وہیں سے دورہ کرنا ہوتا ہے اس صورت میں قصر کہاں سے شمار ہو گا اور دورہ کے سفر میں کہیں مسافت بعیدہ ہو جاتی ہے اور کہیں کم ایسی صورت میں سفر کے متعلق کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۴۳۳ حاجی محمد ذکریا صاحب (جونپور) ۶ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۷ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۶۵) جس راستے سے سفر کرے اس کی مسافت کا اعتبار ہے جب ۳۶ میل یا اس سے زیادہ مسافت کا سفر شروع کرے تو اپنی بستی سے نکلتے ہی قصر پڑھنا چاہئیے ہیڈ کوارٹر جہاں قیام رہتا ہے وہاں سے مسافت سفر کا اعتبار ہو گا وہاں سے ۳۶ میل کا ارادہ کر کے چلنے پر مسافر ہو جائے گا(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سفر کے ارادے سے اسٹیشن پر پہنچنے والا پوری نماز پڑھے

(سوال) زید سفر کے لئے اپنے گھر سے چلا کئی گھنٹے دہلی اسٹیشن پر ریل میں بیٹھا رہا کہ نماز کا وقت آگیا تو نماز قصر پڑھے یا پوری پڑھنی چاہئیے دہلی کا اسٹیشن بستی میں شمار ہو گا یا نہیں ؟

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ۵۶۶) دہلی کا اسٹیشن شہر کے اندر ہے یہاں نماز پوری پڑھنی چاہئیے(۲)

ہمیشہ سفر میں رہنے والے کے لئے نماز کا حکم

(سوال) ہم بیس پچیس آدمی بجنور سے مراد نگر ضلع میرٹھ کپڑا فروخت کرنے آتے ہیں یہ مقام ایک سو میل ضلع بجنور سے ہے جب ہم گھر سے چلے تو یہ نیت تھی کہ دو مہینے مراد نگر اس طرح قیام کریں گے کہ اکثر رات کو مراد نگر میں رہیں گے اور دن کو وہاں سے دو چار کوس پر کپڑا فروخت کرنے چلے جائیں گے کبھی جائے قیام پر آجائیں گے اور کبھی وہیں گاؤں میں رہ جائیں گے مراد نگر ۱۵ یوم مستقل ٹھہرنے کی شروع ہی سے نیت نہ تھی آس پاس آتے جاتے رہنے کا پہلے سے قصد ہے اور ایسا ہی ہوتا ہے اس صورت میں قصر کرے یا پوری نماز پڑھے۔

---

(۱) فإذا قصد بلدة' وإلى مقصده طريقان أحد هما مسيرة ثلاثة أيام ولياليها والآخر دونها فسلك الطريق الأبعد كان مسافراً عند نا' وإن سلك الأقصر يتم الخ (عالمگيرية الباب الخامس عشر في صلاة المسافر ۱/۱۳۸' ط ماجديه) ومن خرج من موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة ايام ولياليها من اقصر أيام السنة صلى الفرض الرباعي ركعتين الخ (التنوير وشرحه' باب صلاة المسافر ۲/۱۲۱ تا ۱۲۳ ط سعيد)

(۲) کیونکہ قصر کے لئے اپنی بستی یا شہر سے تجاوز کرنا شرط ہے ومن خرج من عمارة موضع اقامة من جانب خروجه وإن لم يجاوز من الجانب الآخر الخ (التنوير وشرحه' باب صلاة المسافر ۲/۱۲۱ ط سعيد)

المستفتی نمبر ۱۵۹۷ اصغر حسین (ضلع بجنور)

۴ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۳ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۶۷) یہ لوگ گھر سے سو میل کی مسافت کا قصد کر کے چلنے سے مسافر ہو گئے اب جب تک کسی ایک مقام میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کریں مسافر ہی رہیں گے لہذا یہ اس حالت میں نماز قصر پڑھتے رہیں (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مقیم کے پیچھے مسبوق مسافر بقیہ نماز کس طرح پڑھے ؟
(۲) مغرب کی نماز میں قصر نہیں

(سوال) (۱) مسافر مقتدی کو ظہر 'عصر یا مغرب کی جماعت میں دو رکعتیں ملیں امام کے سلام پھیرنے کے بعد بقیہ رکعتیں کیونکر پوری کرے ان میں سورہ فاتحہ پڑھے یا نہیں ؟
(۲) مغرب کی نماز سفر میں قصر پڑھی اور رات کو پونے گیارہ بجے اپنے گھر پہنچ گیا تو اس کو نماز قصر پڑھنی پڑے گی یا وہ عشاء کی پوری نماز پڑھے ؟ المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ۵۶۸) (۱) ہاں دو رکعتیں بھری یعنی سورہ فاتحہ اور سورت پڑھ کر نماز پوری کرے (۲)
(۲) مغرب کی نماز میں قصر نہیں ہے اس کی تین رکعتیں مقیم اور مسافر دونوں کے لئے ہیں (۳) اور جب عشاء کے وقت سفر ختم ہو گیا تو عشاء کی پوری نماز پڑھے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) مقیم مقتدی مسافر امام کے سلام کے بعد بقیہ نماز کس طرح پڑھے ؟
(۲) سفر میں فوت شدہ نمازیں کس طرح ادا کرے ؟
(۳) سفر میں سنتوں کا حکم

(سوال) (۱) امام مسافر ہے اس نے قصر نماز پڑھی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو مقیم مقتدیوں کو بقیہ دو رکعت کس طرح پوری کرنی چاہئے سورہ فاتحہ پڑھے یا خاموش رہے ؟
(۲) سفر میں نماز قضا ہو گئی گھر پہنچ کر قصر کرنی چاہئے یا پوری نماز پڑھنی چاہئے ؟
(۳) سفر میں سنتیں پڑھنی لازم ہیں یا نہیں اور سنت قصر پڑھے یا پوری ؟
المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

---

(۱) ولا يزال على حكم السفر حتى ينوى الإقامة في بلدة او قرية خمسة عشر يوم أو أكثر' كذا في الهداية (عالمگيرية' باب صلاة المسافر ۱/۱۳۹ ط ماجديه)
(۲) وأما اقتداء المسافر بالمقيم فيصح في الوقت و يتم الخ (الدر المختار' باب صلاة المسافر ۲/۱۳۰ ط سعيد) والمسبوق من سبقه الإمام بها او ببعضها وهو منفرد حتى يثنى و يتعوذ و يقرأ و يقضى أول صلاته في حق القراءة وآخرها في حق التشهد الخ (الدر المختار' باب الإمامة ۱/۵۹۶ ط سعيد)
(۳) واحترز بالفرض عن السنن والوتر وبالرباعي عن الفجر والمغرب (رد المحتار' باب صلاة المسافر ۲/۱۲۳' ط سعيد)

(جواب ۵۶۹) (۱) مسافر امام کے مقتدی مقیم ہوں تو امام کے دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد وہ کھڑے ہو جائیں اور اپنی دو رکعتیں پوری کریں ان رکعتوں میں سورہ فاتحہ نہ پڑھیں خاموش رہیں(۱)
(۲) سفر کی قضا نماز قصر ادا کرنی چاہئے(۲)
(۳) سفر میں سنتیں پڑھنی لازمی نہیں اگر موقع ہو تو پڑھ لے سنتوں میں قصر نہیں چار رکعتوں کی نماز چار رکعتیں ہی پڑھے(۳)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ریلوے ڈرائیور سفر میں قصر پڑھے

(سوال) ملازمین ریلوے یعنی انجن ڈرائیور وغیرہ جن کا کہ سفر تقریباً ساٹھ میل سے بغایۃ ڈیڑھ سو میل تک ہوتا ہے اور وہ لوگ دوسرے یا تیسرے یا چوتھی روز تک اپنے مکان پر واپس آجاتے ہیں ایسی حالت میں قصر واجب ہے یا نہیں؟　　المستفتی نمبر ۲۳۶۰ نبی احمد خاں (آگرہ)
۷ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۶ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۷۰) ہاں حالت سفر میں وہ قصر کریں گے(۴)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) سفر سے وطن اقامت باطل ہو جاتا ہے
(۲) مقیم نے مسافر امام کے ساتھ سلام پھیر کر باتیں کیں
(۳) مقیم نے مسافر امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے؟
(۴) سفر میں فوت شدہ نمازیں کس طرح ادا کریں؟

(سوال) (۱) ایک شخص لکھنو کا رہنے والا جو کافی عرصے سے یعنی دس پندرہ سال سے دہلی میں رہتا ہے اب وہ دہلی سے کلکتہ جاتا ہے وہاں جاکر وہ قصر نماز پڑھتا ہے چار پانچ روز کے بعد صرف ایک روز کے لئے دہلی آتا ہے تو کیا اس کو دہلی میں نماز قصر پڑھنی چاہئے؟
(۲) جس پر قصر نماز واجب ہے وہ شخص امام کی موجودگی میں نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں جب کہ اس نے اعلان نہ کیا ہو کہ میں مسافر ہوں اور دو رکعت پڑھ کر اس نے دونوں جانب سلام پھیرا اور مقتدیوں نے بھی سلام

---

(۱) وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت و بعده فإذا قام المقيم إلى الإتمام لا يقرأ (التنوير و شرحه 'باب صلاة المسافر ۲/۱۲۹ ط سعيد)
(۲) والقضاء يحكي اى يشابه الأداء سفرا و حضرا الانه بعد ما تقرر لا يتغير الخ و في الشامية :" اى لو فاتته صلاة السفر و قضا في الحضر (باب صلاة المسافر ۲/۱۳۵ ط سعيد)
(۳) ويأتي المسافر بالسنن إن كان في حال امن وقرار' وإلا بانكان في خوف و فرار لا يأتى بها الخ (التنوير و شرحه' باب صلاة المسافر ۲/۱۳۱ ط سعيد)
(٤) ولا يزال في حكم السفر حتى ينوى الاقامة في بلدة أو قرية الخ (عالمگيرية' الباب الخامس عشر في صلاة المسافر ۱/۱۳۹ ط ماجديه)

پھیر کر اور آپس میں بات چیت کرنے لگے کہ دو رکعت ہوئی ہیں امام نے کہا کہ تم اپنی دو رکعت پوری کر لو میں مسافر ہوں اس نیت سے مقتدیوں کی نماز بغیر سجدہ سہو کے ہو گئی یا نہیں ؟

(۳) امام جو مقیم تھا اس سے نمازیوں نے پوچھا کہ ہم نے سجدہ سہو نہیں کیا نماز ادا ہو گئی یا نہیں تو مسافر امام نے کہا کہ نماز ہو گئی سجدہ سہو کی ضرورت نہیں ؟

(۴) زید جو کہ دہلی کا رہنے والا ہے وہ کسی کام کی وجہ سے سہارنپور جاتا ہے اور وہاں اس نے بالکل نماز نہیں پڑھی واپس دہلی آکر وہ اتنے ایام کی نماز جو سفر میں گزرے قصر پڑھے گا یا پوری ادا کرے گا ؟

المستفتی نمبر ۲۷۹۵ غیاث الدین دہلی۔ ۷ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ

(جواب ۵۷۱) (۱) دہلی میں اگر اس نے وطن اختیار نہیں کیا جب ایک روز کے لئے دہلی آئے گا تو قصر پڑھے گا(۱)

(۲) جن مقتدیوں نے سلام کے بعد باتیں نہیں کیں اور اپنی نماز کے آخر میں سجدہ سہو کر لیا ان کی نماز ہو گئی اور جنھوں نے باتیں کر لیں ان کی نماز نہیں ہوئی(۲)

(۳) اگر مقتدیوں نے امام کے سلام کے تلفظ کے بعد سلام پھیرا تو ان کو سجدہ سہو کرنا واجب تھا(۳)

(۴) سفر کی نماز حضر میں دو رکعت قضا کی جائیں(۴)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بحری جہاز کے ملازمین کے لئے نماز کا حکم

(سوال) جو آدمی سمندر میں ہمیشہ جہاز پر نوکری کرتے ہیں اور ان کے واسطے کوئی گھر مقرر نہیں ہے اور جہاز بارہ میل کے اندر اندر روزانہ دورہ کرتا ہے اور ان لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کب ان کو اس جگہ سے بدل کر دوسری جگہ لے جاوے تو وہ نماز قصر پڑھیں گے یا نہیں ؟

(جواب ۵۷۲) اگر بارہ میل کے اندر ہی دورہ رہتا ہے تو وہ ہمیشہ مقیم ہیں کبھی مسافر نہ ہوں گے مسافر ہونے کے لئے ایک دم چھتیس میل کے سفر کا ارادہ کرنا ضروری ہے(۵) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(جواب) (از مولانا سید عمیم الاحسان صاحب مجددی سنی دارالافتا' جامع مسجد ناخدا کلکتہ) ہو الموفق۔

---

(۱) کیونکہ وطن اقامت سفر شروع کرنے سے باطل ہو جاتا ہے و وطن الإقامة يبطل لوطن الإقامة و بانشاء السفر' هكذا في التبيين (عالمگيرية صلاة المسافر ۱/ ۱۴۲ ط ماجدیہ)

(۲) و يفسدها التكلم' وهو النطق بحرفين او حرف مفهم الخ (التنوير' و شرحه' باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱ /۶۱۳ ط سعيد)

(۳) فإذا سلم الإمام قام إلى القضاء' فإن سلم' فإن كان عامداً فسدت' والا لا ولا سجود عليه إن سلم سهواً قبل الإمام أو معه وإن سلم بعده لزمه لكونه منفردا الخ (رد المحتار' باب سجود السهو' ۲/ ۸۲ ط سعيد)

(۴) والقضاء يحكي أى يشابه الأداء سفرا و حضرا إلا أنه بعد ما تقرر لا يتغير الخ (التنوير و شرحه' باب صلاة المسافر ۲ /۱۳۵ ط سعيد) (۵) من خرج من موضع اقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام وليا ليها من أقصر أيام السنة الخ (التنوير و شرحه' باب صلاة المسافر ۲/ ۱۲۱. ۱۲۲ ط سعيد)

مجیب صاحب کو جواب میں غلط فہمی ہوئی کہ انہوں نے دریا کو محل اقامت سمجھا حالانکہ دریا محل اقامت نہیں در مختار(۱) ص ۷۳۷ ج ا میں ہے۔ **فیقصر ان نوی الا قامة فی اقل من نصف شهر اونوی فیه نکن فی غیر صالح کبحر انتهی.** لہذا صحیح یہ ہے کہ جہاز پر نوکری کرنے والے ملاح وغیرہ جن کی رہائش بھی جہاز پر ہی ہوتی ہے ہمیشہ قصر پڑھیں گے خواہ بارہ میل کے اندر جہاز ہے یا ایک ہی جگہ کچھ زیادہ مدت تک رہنے کا اتفاق ہو جہاز کی روانگی کی تاریخ معلوم ہو یا نہ ہو چنانچہ ردالمحتار(۲) ص ۷۳۷ ج ا **قال فی المجتبی والملاح مسافر الا عند الحسن و سفینة لیست بوطن آه بحر .وظاهره ولو کان ماله واهله معه فیها ثم رایته صریحا فی المعراج انتهی والله اعلم.**

کتبہ السید محمد عمیم الاحسان المجددی عفااللہ عنہ۔ ۲۹ رمضان ۱۳۵۵ھ

(جواب الجواب ۵۷۳) (از حضرت مفتی اعظمؒ) میرے جواب کا مدار تو اس امر پر تھا کہ جب تک مسافر قرار پاکر قصر کی شرط پوری نہ کرے کوئی شخص نماز قصر نہیں پڑھ سکتا' اور مسافر قرار پانے اور قصر کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ تین دن کی مسافت قطع کرنے کی یکدم نیت کرے اگر یکدم تین دن کی مسافت قطع کرنے کی نیت نہ ہو تو چاہے ساری عمر چلتا رہے اور ساری دنیا کا سفر کرلے مگر نہ وہ مسافر قرار پائے گا نہ اس کے لئے قصر جائز ہوگا اس کی دلیل یہ ہے۔ **واما الثانی (ای شرط القصر) فهو ان یقصد مسیرة ثلاثة ایام فلو طاف الدنیا من غیر قصد الی قطع مسیرة ثلثة ایام لا یترخص انتهی (بحر الرائق)** (۳) سوال میں بھی اس امر کی تصریح تھی کہ جن لوگوں کے متعلق سوال ہے وہ سمندر میں روزانہ بارہ میل کے اندر سفر کرتے ہیں اور میں نے جواب میں بھی اس صورت کو صراحتہً ذکر کردیا تھا کہ اگر بارہ میل کے اندر ہی دورہ رہتا ہے تو وہ ہمیشہ مقیم ہیں۔

جہازوں کے ملازم جو گودیوں میں کام کرتے ہیں اور جہازوں پر دس دس بارہ بارہ میل تک روزانہ آتے جاتے ہیں وہ ملازمت کے وقت بھی مسافر ہوتے ہوں تو محل تعجب نہیں لیکن ایسے ملازمین کی بڑی تعداد ایسی بھی ہوتی ہے جو ملازمت ملنے کے وقت مسافر نہیں ہوتے مثلاً کلکتہ کے باشندے یا کلکتہ کے گردو نواح (مسافت سفر کے اندر) کے باشندے کلکتہ کی گودی میں آکر ملازم ہوں اور ان کو ان جہازوں میں جو کنارے پر کھڑے ہوتے اور ہمیشہ کھڑے رہتے ہیں اور ملازمین کی رہائش کے لئے ہی استعمال کئے جاتے ہیں جگہ دیدی گئی اور وہ اس میں رہنے لگے اور جہازوں پر کام کرنے لگے اور روزانہ دس بارہ میل کے اندر جانے آنے لگے تو ایسے لوگ کسی وقت مسافر نہیں ہوئے اور ان کو ہمیشہ نماز پوری پڑھنی چاہئیے اور تاوقتیکہ وہ کسی وقت یکدم تین دن کی مسافت کا قصد کرکے نہ چلیں نہ مسافر ہوں گے اور نہ ان کو قصر پڑھنا جائز ہوگا

---

(۱) (باب صلاۃ المسافر ۱۲۵/۲ ط سعید)
(۲) (باب صلاۃ المسافر ۱۲۶/۲ ط سعید)
(۳) (باب المسافر ۱۳۹/۲ ط بیروت لبنان)

میرے جواب کا یہی مطلب تھا اور میں اسی کو صحیح سمجھتا ہوں لیکن اگر مولانا عمیم الاحسان ان لوگوں کو بھی محض اس وجہ سے کہ وہ سمندر میں جہاز میں رہتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ مدت سفر کی نیت کر کے چلیں مسافر قرار دیتے ہیں تو یہ بات میرے خیال میں صحیح نہیں ہے۔

دریا کے کنارے کشتی میں رہنا حکم سفر لگانے کے لئے کافی نہیں ہے۔**واشار المصنف الی ان النیة لا بدان تکون قبل الصلوٰۃ ولذا قال فی التجنیس اذا افتتح الصلوۃ فی السفینة حال اقامة فی طرف البحر فنقلها الریح وھو فی السفینة ونوی السفر یتم صلوۃ المقیم عند ابی یوسف خلافا لمحمد انتھی**(۱) اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ محض کشتی میں چلا جانا کسی کو مسافر بنانے کے لئے کافی نہیں ورنہ اس شخص پر جو کشتی میں نماز شروع کرے قصر لازم ہوتا خواہ مزید سفر کی نیت کرے یا نہ کرے حالانکہ اس جزئیہ میں اس کی نیت سفر جو اثنائے نماز میں کی گئی غیر معتبر قرار دیکر پوری نماز اس پر لازم کر دی گئی۔

اور تمام فقہا نے مسافر بننے کے لئے تین دن کی مسافت کا قصد کرنے کے بیان میں بھی مسافت فی البر و فی البحر دونوں کا ذکر کیا ہے۔**من جاوز بیوت مصرہ مرید اسیر اوسطا ثلاثة ایام فی بر او بحر او جبل انتھی**۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ کشتی میں جانا اور رہنا ہی مسافر بنانے کے لئے کافی نہیں ورنہ سمندر میں تین دن کی مسافت کی شرط جواز قصر کے لئے نہ ہوتی۔ (ناتمام)

دسواں باب
قضا نمازیں

قضائے عمری صحیح ہے یا نہیں، اس کا طریقہ کیا ہے؟

(**سوال**) قضائے عمری نماز کب اور کس طرح پڑھی جائے؟

(**جواب ۵۷۴**) قضائے عمری کے نام سے جو نماز مشہور ہے کہ رمضان المبارک کے آخر میں ایک نماز باجماعت یا علیحدہ علیحدہ قضائے عمری کے نام سے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ نماز عمر بھر کی قضاء نمازوں کے لئے قائم مقام ہو جاتی ہے یہ تو بدعت اور بے اصل ہے شریعت مطہرہ میں اس کی کوئی اصل نہیں (۲) ہاں اگر کسی کی کچھ نمازیں رہ جاتی رہی ہوں تو ان کو پڑھ سکتا ہے اگر ان کا شمار معلوم ہو تو اس کے موافق اور صحیح

---

(۱) (باب المسافر ۲/۱۳۹ ط بیروت، لبنان)

(۲) وما نقل أن الإمام قضى صلاة عمره ...... أنه لم يصح ذلك عن الإمام ...... فلوجه كراهة القضاء، لتوهم الفساد (رد المحتار، باب الوتر والنوافل ۲/۳۷ ط سعيد) قال في الدر المختار: " كثرت الفوائت نوى أول ظهر عليه أو آخره" الخ (باب قضاء الفوائت ۲/۷٦ ط سعيد)

تعداد یاد نہ ہو تو اندازہ سے ان کا شمار متعین کر لے اور پھر ان کو ایک دفعہ یا آہستہ آہستہ ادا کرتا رہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ زمانہ بلوغ کے اندر چھوٹی ہوئی نمازوں کا پورا کرنا فرض ہے ہر نماز کو قضاء کرتے وقت مثلاً اگر فجر کی نماز پڑھتا ہے تو اس طرح نیت کرے کہ فجر کی جتنی نمازیں میرے ذمہ ہیں ان میں سے پہلی نماز پڑھتا ہوں اسی طرح روز فجر کی قضا کرتے وقت یہی نیت کرے یہاں تک کہ سب نمازیں پوری ہو جائیں۔

فوت شدہ نمازوں کی قضاء ضروری ہے 'توبہ کافی نہیں

(سوال) زید نے بڑی عمر میں نماز روزہ شروع کیا تو کیا نماز روزہ قضاء کرے یا خالی توبہ سے معافی ہو جاتی ہے ؟ المستفتی نمبر ۶۵۸ مجیدی دواخانہ بمبئی ۔ ۷ ۲رجب ۱۳۵۴ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۵۷۵) جتنی نمازیں روزے قضا ہوئے ہیں تخمینہ کر کے ان کی قضاء کرے صرف توبہ کافی نہیں ہے۔(۱)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فوت شدہ نمازوں کو کس طرح ادا کریں ؟

(سوال) فائتہ نماز کو ہر نماز کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں اگر ہر نماز کے ساتھ ادا نہ کرے اور بے ترتیب ادا کرے تو جائز ہو گا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۹۴۴ محمد مقصود احمد خاں (تانبوے) ۲۹ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۱ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۷۶) فائتہ نمازوں کو ہر نماز کے ساتھ ساتھ ادا کرنا لازم نہیں مگر جس قدر جلدی ادا کر سکے کر لے ایک وقت میں متعدد نمازیں قضا پڑھ سکتا ہے(۲)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

قضائے عمری کی کوئی اصل نہیں .

(سوال) رمضان شریف میں آخری جمعہ کو قضائے عمری بارہ رکعت باجماعت پڑھتے ہیں یہ نماز کس کے لئے ہے پنج وقت نمازی کے واسطے ہے یا کہ ہر ایک کے لئے اور یہ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

---

(۱) في حكم الواجب بالأمر' وهو نوعان: أداء' وهو تسليم عين الواجب بسببه إلى مستحقه وقضاء وهو إسقاط الواجب بمثل من عنده (حسامي' فصل في حكم الواجب' ص ۳۷ ط ' التأخير بلا عذر كبيرة لا تزال بالقضاء بل التوبة (درمختار) قال الشامي :" أى بعد القضاء' أما بدونه فالتأخير باق فلم تصح التوبة منه لأن من شروطها الإقلاع عن المعصية (باب قضاء الفوائت ۲/ ۶۲ ط سعيد)

(۲) لأنه عليه السلام أخر ها يوم الخندق ثم الأداء ..... ذلك أن المشركين شغلوا رسول الله ﷺ عن أربع صلوة يوم الخندق حتى ذهب من الليل ما شاء الله فأمر بلالاً فأذن ثم اقام فصلى الظهر ثم أقام فصلى العصر' ثم أقام فصلى المغرب ثم أقام فصلى العشاء الخ (رد المحتار' باب قضاء الفوائت ۲/ ۶۲' ط سعيد)

المستفتی نمبر ۱۳۷۸ شیخ اعظم شیخ معظم ملاجی صاحب۔ ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ ۱۱ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۷۷) یہ قضائے عمری کی نماز بے اصل ہے اور جماعت سے پڑھنا ناجائز ہے(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عمر بھر کی نمازیں کس طرح ادا کریں؟

(سوال) زید اپنی عمر بھر کی نمازیں جو قضا ہو چکی ہیں ادا کرنا چاہتا ہے وہ کونسا طریق اختیار کرے وہ بیچ میں کچھ نمازیں پڑھتا بھی رہا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۶۲۳ ملک محمد امین صاحب (جالندھر)

۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۷۸) جس قدر نمازیں یکدم یا تدریجاً پڑھ سکتا ہو پڑھتا رہے ہر نماز کے ساتھ اول یا آخر وہی نماز قضا پڑھ لیا کرے یہ بھی جائز ہے مگر یہ صورت جب ہے کہ قضا یقینی ہو ورنہ عصر و فجر کے بعد اور فجر طلوع ہونے کے بعد نہیں پڑھ سکے گا۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عصر کے بعد فوت شدہ نمازوں کو پڑھنا جائز ہے

(سوال) ایک شخص کی چھ نمازوں سے زیادہ نمازیں قضا ہوئی ہیں تو اس کو بعد نماز عصر وہ نمازیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نظیر الدین امیر الدین (املیزہ ضلع مشرقی خاندیس)

(جواب ۵۷۹) فرض نماز کی قضا عصر و فجر کے بعد بھی جائز ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قضائے عمری کا حکم اور فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ

(سوال) متعلقہ قضائے عمری

(جواب ۵۸۰) قضائے عمری جو عام طور پر پڑھی جاتی ہے یہ بیکار ہے(۴) قضا شدہ نمازوں کا تخمینہ کر لیا جائے اور اس کے موافق ادا کی جائیں ہر قضا نماز کی نیت اس طرح کرے کہ میرے ذمہ جتنی فجر یا ظہر کی

---

(۱) ولا تعاد عند توهم الفساد للنهي وما نقل أن الإمام قضى صلاة عمره الخ (الدرالمختار' باب الوتروالنوافل ۲/۳۷ ط سعيد)

(۲) قضاء یقینی نہ ہونے کی صورت میں یہ نفل ہوگی اور نفل ان اوقات میں پڑھنا مکروہ ہے ویکره أن يتنفل بعد الفجر حتى تطلع الشمس و بعد العصر حتى تغرب الخ (هداية' باب مواقيت الصلاة ۱/۸۵' مكتبه شركة علميه' ملتان) كثرت الفوائت نوى أول ظهر عليه أو آخره الخ (الدر المختار' باب قضاء الفوائت ۲/۷۶' ط سعيد)

(۳) وكره نفل ...... بعد صلاة فجر و صلاة عصر ...... ولا يكره قضاء فائتة' ولو وتراً (التنوير و شرحه' كتاب الصلاة ۱/۳۷۵' ط سعيد)

(٤) ولا تعاد عند توهم الفساد (الدر المختار' باب الوتر والنوافل ۲/۳۷ ط سعيد) كثرت الفوائت نوى أول ظهر عليه او آخره الخ (الدر المختار' باب قضاء الفوائت ۲/۷٦ ط سعيد)

نمازیں ہیں ان میں سے پہلی یا پچھلی نماز ادا کرتا ہوں۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

پانچ سال کی نمازیں کس طرح ادا کریں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک شخص کے ذمہ پانچ چھ سالہ نمازیں قضاء ہیں اب وہ اس نیت سے فائتہ نمازیں ادا کر چکا ہے کہ اول فجر و ظہر و عصر و مغرب و عشاء کے فرائض و واجبات سے جو میرے ذمہ ہیں وہ نمبر وار ادا کرتا ہوں' کیا یہ صورت ٹھیک ہے ؟

(جواب ۵۸۱) وہ گزشتہ قضا شدہ نمازیں اس طرح ادا کر سکتا ہے کہ جو نماز ادا کرے اس کی نیت اس طرح کرے کہ یہ نماز جو میں پڑھ رہا ہوں مثلاً فجر تو فجر کی تمام نمازوں میں سے جو میرے ذمہ ہیں' سب سے پہلی یا سب سے پچھلی نماز فجر پڑھتا ہوں' اسی طرح ہر نماز کی نیت کرے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

قضائے عمری کی حقیقت

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۲۸ء)

(سوال) بلاد خراسان میں ایک نماز مروج ہے جس کو قضائے عمری کہتے ہیں طریقہ ادا مختلف ہے بعض پانچ نمازیں باذان و جماعت پڑھتے ہیں اور بعض چار رکعت نماز نفل با جماعت ادا کرتے ہیں اور نفل کی نیت یہ کرتے ہیں۔ نویت ان اصلی اربع رکعات تقصیر او تکفیر المافات منی من جمیع عمری صلوۃ نفل الخ اور جواز کے ثبوت کے واسطے جو عبارت نقل کرتے ہیں ان کتابوں کا نام فتاوی واجدین نسفی ہے جس میں لکھا ہے کہ "ہر کہ لا کند ازیں نماز ضال و مضل است واز دائرہ اسلام خارج است" اور حدیث شریف نقل کرتے ہیں کہ "یہ سات سو نمازوں کا کفارہ بلکہ آباؤ اجداد کی نمازوں کا کفارہ ہوتا ہے"

اور ایک حدیث شریف ابو داؤد ص ۱۲۵ مطبوعہ قادری واقعہ دہلی کی نقل کرتے ہیں۔"کل صلوۃ لا یتمها صاحبها تتم من تطوعه" اور نفل با جماعت جائز ہونے کے لئے حوالہ تفسیر روح البیان سے نقل کرتے ہیں اور یہ بھی دلیل پیش کرتے ہیں کہ نفل باجماعت چونکہ مکروہ تنزیہی ہے اور ہمارے ملک یعنی عجم میں چونکہ آیۃ الکرسی انا اعطیناك الکوثر کا پڑھنا نہیں جانتے اس لئے عجم کے واسطے اس میں جماعت اولیٰ ہے اور دوسرا یہ ہے کہ نفل باجماعت احیاناً مکروہ ہے یہ تو سال میں ایک دفعہ ہوتا ہے اس لئے جائز ہے۔

(جواب ۵۸۲) یہ نماز جس کو قضائے عمری کے نام سے ادا کیا جاتا ہے اور اس کی مختلف صورتیں رائج ہیں کہیں پانچ نمازیں اذان و اقامت کے ساتھ اور کہیں چار رکعت نفل باجماعت ادا کی جاتی ہے محض بے اصل اور اختراعی ہے شریعت مقدسہ میں اس کی اصل نہیں نہ کسی حدیث میں آئی نہ صحابہؓ کے قول یا فعل سے

---

(۱) کثرت الفوائت نوی أول ظهر علیه أو آخره الخ (الدر المختار' باب قضاء الفوائت' ۲/ ۷۶ ط سعید)

ثابت ہے نہ مجتہدین امت سے منقول فتاوی واجدین نسخی کوئی غیر مشہور اور غیر معتبر کتاب ہے اس میں اگر واقعی یہ لکھا ہے کہ "ہر کہ لا کند ازیں نماز ضال و مضل است واز دائرہ اسلام خارج است" تو وہ کتاب یقیناً غلط اور خود اس حکم کی مستحق ہے کیونکہ دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا حکم قطعیات کے انکار پر دیا جا سکتا ہے اس نماز کا ابھی ثبوت ہی نہیں ہوا چہ جائیکہ اس کے منکر کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا جائے۔

کوئی ایسی حدیث کہ یہ نماز سات سو نمازوں کا کفارہ ہوتا ہے ہماری نظر میں نہیں ہے جو صاحب ایسی حدیث بیان کرتے ہیں وہ اس کی سند اور حوالہ بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ اس حدیث میں اس قضائے عمری کی مختلف صورتوں میں سے کس صورت کا ذکر ہے؟ اور دوسری صورت جو گھڑی گئی ہے وہ کہاں سے لی گئی ہے 'ابو داؤد والی روایت سے اس نماز کا کوئی تعلق اور لگاؤ نہیں وہ تو تمام عبادات میں فرائض کے نقصان کو حضرت حق تعالیٰ اپنی رحمت سے نوافل سے پورا فرمادے گا نماز ہو یا روزہ' حج ہو یا زکوۃ' اور وہ نوافل سال بھر کے نوافل کو شامل ہیں کسی خاص تاریخ کے نفلوں میں یہ خاصیت کہ وہ عمر بھر کی نمازوں کا کفارہ ہو جائے گا یہ اس حدیث سے کہاں ثابت ہے؟

نفل باجماعت حنفیہ کے نزدیک سوائے ان چند نمازوں کے جن کی تصریح کر دی گئی ہے (مثلاً تراویح و نماز کسوف) مکروہ ہیں کسی فقہ حنفی کی کتاب میں قضائے عمری کا نہ ذکر کیا گیا ہے نہ اس کی جماعت کو کراہت کے حکم سے مستثنیٰ کیا گیا۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ مکروہ خواہ تحریمی ہو یا تنزیہی ہو بہر حال وہ ممنوع شرعی ہے اور جو چیز شرعاً ممنوع ہے اس میں ثواب کی امید رکھنی احکام شریعت کو نہ سمجھنے پر مبنی ہے جس چیز کو شریعت منع کرتی اور مکروہ بتاتی ہے اس میں ثواب کیسا؟ اگر ثواب ہوتا تو وہ ممنوع اور مکروہ کیوں ہوتی؟ کیا شریعت ثواب کے کام کو بھی منع کر سکتی ہے؟ نیکی کا کام وہی ہے جو اصول شرعیہ کے موافق ہو ورنہ تو تمام بدعات بظاہر نیکی کے کام ہی ہوتے ہیں لیکن چونکہ شرعاً بے اصل ہوتے ہیں اس لئے وہ ناجائز اور ممنوع قرار دیئے جاتے ہیں۔

پس اس مصنوعی قضائے عمری کو ترک کرنا ہی شریعت کے موافق ہے کہ یہ بدعت ہے اور بے اصل اور نا قابل اعتماد اور فساد عقیدہ کو مستلزم ہے انکار کرنے والے ہی حق پر ہیں اور کوئی نفل نماز فرض کے قائم مقام نہیں ہو سکتی نہ چار رکعت نفل سے چار رکعتیں ظہر یا عصر کی معاف ہو سکتی ہیں چہ جائیکہ سیکڑوں یا ہزاروں نمازوں کی قضاء کے قائم مقام ہو جائے نیز معاملہ تو توقیفی ہے جس کے لئے صاف و صریح آیت یا حدیث ہونی چاہئے محض قیاسی طور پر یہ ثابت نہیں ہو سکتا اور حق تو یہ ہے کہ کوئی قیاسی دلیل بھی اس نماز کے لئے نہیں ہے۔(۱) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) ولا تعاد عند توهم الفساد للنهي الخ (الدر المختار' باب الوتر والنوافل ۲/۳۷ ط سعید)

قضائے عمری کا مروجہ طریقہ بے اصل ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء)

(سوال) اخیر جمعہ رمضان میں قضائے عمری کے طور پر اوقات خمسہ کی نماز کے بعد نماز جمعہ پڑھنا اور یہ خیال کرنا کہ یہ نماز تمام قضاء نمازوں کا کفارہ ہے کہاں تک صحیح ہے؟

(جواب ۵۸۳) یہ نماز جسکو قضائے عمری کے نام سے ادا کر کے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ ایک نماز تمام عمر کی قضا شدہ نمازوں کے قائم مقام ہو گئی شرعاً بے اصل ہے اور اصول شرعیہ کے خلاف ہے لہذا واجب الترک ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کنویں سے مرا ہوا جانور نکلا تو پچھلی نمازوں کا کیا حکم ہے؟

(سوال) کنویں میں سے کوئی جانور چھوٹا پھٹا نکلے تو سارا پانی نکالا جائے اور تین دن تین رات کی نمازوں کا اعادہ کیا جائے تو ان نمازوں کا اعادہ کرتے وقت کس طرح نیت کی جاوے آیا قضا کے لفظ کے ساتھ یا خود اعادہ کا لفظ نیت کرنے میں کہے؟

المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں ۔ جگن پور

(جواب ۵۸٤) تین دن کی نمازوں کے اعادہ کا حکم مفتی بہ نہیں ہے جس وقت سے مردہ جانور نکلے اسی وقت سے کنواں ناپاک قرار دیا جائے گا(۲) اور اعادہ کی نیت میں لفظ اعادہ کہنا لازم نہیں ہے قضا کی نیت کافی ہے

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

گیارہواں باب
(نماز وتر و دعائے قنوت)

امام دعائے قنوت بھول گیا' پھر رکوع کے بعد پڑھ کر سجدہ سہو کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

(سوال) وتر میں امام دعائے قنوت پڑھنے کے بجائے بھولے سے رکوع میں چلا گیا مقتدی کھڑے رہے اور اللہ اکبر کہا تو امام رکوع سے واپس ہوا اور دعائے قنوت پڑھ کر پھر رکوع کر کے آخر میں سجدہ سہو کر لیا تو امام اور مقتدی دونوں کی نماز ہو گئی یا نہیں؟

(جواب ۵۸۵) راجح یہی ہے کہ نماز سب کی ہو گئی(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) قال فی العتابیة عن أبی النصر فیمن یقضی صلوات عمرہ من غیر أفاتہ شئی یرید الا حتیاط فإن کان لأجل النقصان والکراھة فحسن' وإن لم یکن لذلك لا یفعل (عالمگیریة' باب قضاء الفوائت' ۱/ ۱۲٤ ط ماجدیہ)

(۲) و یحکم بنجا ستھا من وقت الوقوع ان علم' وإلا فمذ یوم ولیلة إن لم ینتفخ ولم ینفسخ ومن ثلاثة أیام ولیا لیھا إن انتفخ أو انفسخ استحسانا وقالا : من وقت العلم فلا یلزمھم شئی من قبلہ قیل " وبہ یفتی " (التنویر' و شرحہ' کتاب الطھارة' فصل فی البئر' ۱/ ۲۱۹ ط سعید)

(۳) کما لو سھا عن القنوت فرکع فإنہ لو عاد وقنت لا تفسد علی الأصح (رد المحتار' باب سجود السھو ۲/ ۸٤ ط سعید)

وتر میں دعائے قنوت سے پہلے رفع یدین کا ثبوت

(سوال) وتر کی نماز میں قبل قنوت رفع یدین کا کیا سبب ہے ؟
(جواب ۵۸۶) رفع یدین قنوت کا سبب شرعی یعنی دلیل نقلی دریافت کرنا مقصود ہے تو جواب یہ ہے کہ بخاری نے جزء رفع الیدین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ روایت کی ہے عن الاسود عن عبدالله انه كان يقرأ في اخر ركعة من الوتر قل هو الله ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة (اثار السنن)(۱) اور بخاری نے اسی جزء رفع الیدین میں حضرت عمرؓ سے بھی قنوت میں ہاتھ اٹھانا روایت کیا ہے۔عن ابی عثمان قال كنا وعمر يؤم الناس ثم يقنت بنا عند الركوع يرفع يديه حتى يبد وكفاه ويخرج ضبعيه (اثار السنن)(۲) اور اگر رفع یدین کی حکمت یعنی وجہ عقلی دریافت کرنا مقصود ہے تو جواب یہ ہے کہ رفع یدین سے مقصود تبری عما سوی اللہ ہے اور قنوت کے معنی دعا کے ہیں اور دعا سے مراد عرض حاجت علی المولی ہے پس قنوت یعنی عرض حاجت سے پہلے ماسوی المولی سے تبری کر لینا اخلاص عبودیت کی علامت اور مفضی الی الاجابۃ ہے۔ والله تعالىٰ اعلم و علمه اتم و احكم .

محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرس مدرسہ امینیہ 'دہلی

وتر کے بعد دو رکعت کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے

(سوال) وتر کے بعد نفل دو رکعتیں بیٹھ کر ادا کرنا افضل ہے اور بہتر ہے یا کھڑے ہو کر ؟ اور ان دونوں میں سنت کیا ہے ؟
المستفتی نمبر ۱۰۶ محمد رفیق صاحب مورخہ ۲۲ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۳۳ء
(جواب ۵۸۷) وتر کے بعد دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنا آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے(۳) مگر حضور ﷺ کو بیٹھ کر پڑھنے میں پوری نماز کا ثواب ملتا تھا اور ہم کو بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ملتا ہے(۴) لیکن اگر کوئی شخص ان نفلوں کو بیٹھ کر ہی پڑھے تاکہ حضور اکرم ﷺ کے فعل کی مطابقت رہے اور آدھے ثواب کو ہی پسند کرے تو اسے اختیار ہے اور جو کھڑے ہو کر پڑھے وہ پورے ثواب کا مستحق ہو گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) (باب رفع اليدين عند قنوت الوتر' ص ۱۶۹ مكتبه امداديه' ملتان)
(۲) (باب رفع اليدين عند قنوت الوتر' ص ۱۶۸ مكتبه امداديه' ملتان)
(۳) عن عائشة قالت :" كان رسول الله ﷺ يوتر' ثم يركع ركعتين يقرأ فيهما' وهو جالس' فإذا أراد أن يركع قام فركع الحديث (آثارالسنن' باب الركعتين بعد الوتر' ص ۷۲ ط امداديه' ملتان) وعن أبي امامة أن النبي ﷺ كان يصليها بعد الوتر' وهو جالس الحديث (آثار السنن' باب ركعتين بعد الوتر ص ۱۷۳ ط امداديه)
(٤) و يتنفل مع قدرته على القيام قاعداً ...... أجر غير النبي ﷺ على النصف إلا بعذر الخ (الدر المختار' باب الوتر والنوافل ۳۷/۲ ط سعيد)

فرض امام کے ساتھ نہیں پڑھے تو وتر میں شامل ہو سکتا ہے .

(سوال) ایام رمضان میں عشاء کی نماز کے وقت اگر کوئی فرض میں امام کے ساتھ شامل نہ ہو سکا تو اس کو وتر واجب امام کے ساتھ پڑھنے ہوں گے یا الگ ؟

المستفتی نمبر ۲۰۷ شاہ محمد (ڈونگرپور) ۱۱ شوال ۱۳۵۴ھ م ۷ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۸۸) اگر تراویح کی نماز جماعت سے پڑھے تو وتر کی جماعت میں شرکت جائز ہے (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کیوں پڑھی جاتی ہے ؟

(سوال) وتر کی تیسری رکعت میں بھی سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ پڑھ کر پھر تکبیر کہہ کر دعائے قنوت پڑھنے کا کیا سبب ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۵۲۲ خواجہ عبدالمجید شاہ صاحب (بنگال)

۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۲ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۸۹) وتر کی نماز میں تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ و سورت کے بعد تکبیر کہہ کر دعائے قنوت پڑھنا ثابت ہے اسی طرح پڑھنی چاہئیے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کچھ رکعات تراویح رہ جائیں تو وتر کے بعد پڑھے

(سوال) جماعت سے کچھ رکعت تراویح کی ادا کیں اور کچھ باقی رہ گئیں کہ امام نے وتر پڑھائے تو امام کے ساتھ وتروں میں شامل ہو جانا چاہئیے یا پہلے تراویح پوری کرنی چاہئیے بعد میں وتر پڑھنے چاہئیں ؟

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ۵۹۰) وتر میں شامل ہو جائے بقیہ رکعات تراویح کی بعد میں پڑھ لے (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

وتر کی پہلی رکعت میں سورہ نصر اور دوسری میں سورہ اخلاص پڑھنا

(سوال) اگر امام وتر کی نماز پڑھائے اور اس میں پہلی رکعت میں انا انزلنا' دوسری میں اذا جآء اور تیسری

---

(۱) بقی لو ترکہا الکل ہل یصلون الوتر بجماعۃ فلیراجع' قولہ فلیراجع قضیۃ التعلیل فی المسئلۃ السابقۃ بقولہم لأنہا تبع أن یصلی الوتر بجماعۃ فی ہذہ الصورۃ' لأنہ لیس بتبع للتراویح ولا للعشاء عند الإمام (طحطاوی علی الدر المختار' باب الوتر والنوافل' بحث فی التراویح ۱/۲۹۷' ط بیروت)

(۲) عن أبی بن کعب أن رسول اللہ ﷺ کان یوتر فیقنت قبل الرکوع (آثار السنن' ص ۱۲۷ ط امدادیہ ملتان) و یکبر قبل رکوعہ ثالثا رافعا یدیہ و قنت فیہ الخ (تنویر الأبصار' باب الوتر والنوافل ۲/۶ ط سعید)

(۳) ووقتہا بعد صلاۃ العشاء إلی الفجر قبل الوتر وبعدہ فی الأصح' فلو فاتہ بعضہا وقام الإمام إلی الوتر أوتر معہ ثم صلی ما فاتہ الخ (التنویر و شرحہ' باب الوتر والنوافل' ۲/۴۴ ط سعید)

میں قل هو الله احد پڑھتا ہے تو نماز میں کسی قسم کی کراہت تو واقع نہیں ہوئی ؟
المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی
(جواب ۵۹۱) درمیان میں صرف تبت چھوڑنا بہتر نہیں خلاف اولیٰ ہے دوسری میں تبت پڑھے اور تیسری میں قل هو الله احد ۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

(۱) تارک واجب گناہ گار ہے
(۲) وتر واجب ہے یا نہیں ؟
(۳) وتر کا تارک گناہ گار ہے
(۴) عیدین کی نماز واجب ہے یا فرض ؟
(۵) عیدین کا تارک گناہ گار ہے

(سوال) (۱) واجب کا تارک گناہ گار ہے یا نہیں ؟ (۲) نماز وتر واجب ہے یا نہیں (۳) وتر کا تارک گناہ گار ہے یا نہیں (۴) عیدین کی نماز واجب ہے یا فرض ؟ (۵) عیدین کی نمازوں کا تارک گناہ گار ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۱۶۱۶ محمد ولی اللہ صاحب (پٹنہ سٹی) ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۰ جولائی ۱۹۳۷ء
(جواب ۵۹۲) (۱) واجب کا تارک اس شخص کے نزدیک گناہ گار ہے جو اس فعل کو واجب قرار دیتا ہے (۲)
(۲) نماز وتر میں امام ابو حنیفہؒ سے تین روایتیں ہیں (۳) یوسف بن خالد نے امام ابو حنیفہ سے یہ روایت کی کہ وتر واجب ہیں اور نوح ابن ابی مریم نے یہ روایت کی کہ وتر سنت ہیں اور حماد بن زید نے یہ روایت کی کہ وتر فرض ہیں اور امام محمد اور امام یوسفؒ کے نزدیک وتر سنت ہیں۔
(۳) ہاں امام ابو حنیفہؒ کے مذہب راجح یعنی وجوب وتر کے لحاظ سے تارک وتر گناہ گار ہے (۴) مگر دوسری روایت سنیت اور قول صاحبین پر گناہ گار نہیں اگرچہ مستحق ملامت ان کے نزدیک بھی ہے۔
(۴) عیدین کی نماز میں بھی امام ابو حنیفہؒ سے وجوب اور سنیت کی دونوں روایتیں ہیں اور امام محمدؒ نے بھی اس کے متعلق سنت کا لفظ استعمال کیا ہے (۵)

---

(۱) ویکرہ تنزیهاً إجماعاً إن ثلاث آیات إن تقاربت طولاً و قصراً و إلا اعتبر الحروف والکلمات ... ویکرہ الفصل سورۃ قصیرۃ وأن یقرأ منکوساً الخ (التنویر و شرحہ فصل فی القراء ۃ ۵۴۲ تا ۵۴۶ ط سعید)
(۲) إن السنة المؤکدۃ والواجب متساویان رتبۃ فی استحقاق الإثم بالترک الخ (رد المحتار' باب العیدین ۱۷۷/۲ ط سعید) هو (الواجب) فی عرف الفقهاء عبارۃ عما ثبت وجوبه بدلیل فیه شبهة ...... و یستحق بترکه عقوبة لولا العذر (قواعد الفقة ص ۵۳۹ ط الصدف پبلشرز' کراچی)
(۳) عن أبی حنیفةؒ فی الوتر ثلاث روایات' فی روایة فریضة' و فی روایة سنة مؤکدۃ و فی روایة واجب (عالمگیریة ' الباب الثامن فی صلاۃ الوتر ۱/ ۱۱۰ ط ماجدیه)
(۴) أن السنة المؤکدۃ والواجب متساویان رتبة فی استحقاق الإثم بالترک الخ(رد المحتار' باب العیدین ۱۷۷/۲ ط سعید)
(۵) قال فی التنویر : " تجب صلاتهما علی من تجب علیه الجمعة الخ (باب العیدین ۱۶۶/۲ ط سعید)

(۵) عیدین کی نماز کا تارک وجوب کی روایت کی بنا پر گناہ گار ہو گا اور سنیت کی روایت کی بنا پر گناہ گار نہ ہو گا (اگر ترک بربنائے استخفاف نہ ہو) مگر مستحق ملامت ہو گا(۱)

خلاصہ یہ کہ جس چیز کے واجب اور سنت ہونے میں اختلاف ہو اس میں تارک پر گناہ گار ہونے کا حکم بھی مختلف فیہ ہو گا اور جس کے واجب ہونے پر اتفاق ہو گا اس کے تارک پر گناہ گار ہونے کا حکم بھی متفق علیہ ہو گا یہ سب کلام مذہب حنفی کے ماتحت ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) فرض وواجب کی تعریف کیا ہے اور ان کے تارک کا کیا حکم ہے ؟

(۲) وتر کے تارک کا حکم

(سوال) (۱) واجب کا تارک گناہ گار ہے یا نہیں فرض اور واجب و مسنون کی کیا تعریف ہے ان تینوں کا تارک گناہ گار ہو گا یا نہیں اور ان تینوں کے گناہ میں فرق ہے یا نہیں' اس کا جواب قرآن و حدیث سے مدلل چاہیے (۲) ایک شخص وتر کی نماز ادا نہ کرے تو وہ گناہ گار ہو گا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۶۳۴ عبد المجید صاحب ضلع پٹنہ (بہار)

۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۲۵ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۹۳) واجب کا تارک اس شخص کے نزدیک گناہ گار ہے جو اسے واجب قرار دیتا ہے اگر واجب ہونے میں ہی اختلاف ہو تو گناہ گار ہونے کا حکم لگانے میں اختلاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے محتاط طریقہ اختیار کرنا لازم ہے۔

فرض اعتقادی اس کو کہتے ہیں جس کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو واجب اس کو کہتے ہیں جس کی قطعیت کے خلاف کوئی شبہ پیدا ہو جائے مسنون ان افعال کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کے فعل یا ترغیب یا تقریر سے مستحسن قرار پاتے ہوں پھر اگر ان مواظبت مع الترک احیاناً ثابت ہو تو مؤکدہ ورنہ سنن زوائد میں داخل ہیں (۲) وتر کی نماز قصداً ادا نہ کرنے والا امام اعظمؒ کے مسلک راجح (وجوب وتر) کے ماتحت گناہ گار ہو گا اور جو ائمہ کہ وتر کو سنت کہتے ہیں اور ان میں حنفیہ کے دو امام یعنی امام ابو یوسف اور امام محمدؒ بھی شامل ہیں (اور خود امام اعظمؒ سے بھی سنیت وتر کی ایک روایت ہے' گو مرجوح ہے) ان کے نزدیک گناہ گار تو نہیں مگر مستحق ملامت ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) ان السنۃ المؤکدۃ والواجب متساویان رتبۃ فی استحقاق الاثم بالترک الخ (رد المحتار' باب العیدین ۲/۱۷۷ ط سعید)

(۲) الفرض ما ثبت بدلیل قطعی لا شبہۃ فیہ کالایمان والارکان الاربعۃ یکفر جاحدہ و یفسق تارکہ بلا عذر والواجب ما ثبت بدلیل فیہ شبہۃ کصدقۃ الفطر والاضحیۃ لا یکفر جاحدہ و یفسق تارکہ بلا تاویل (رد المحتار' کتاب الاضحیۃ ۶/۳۱۳ ط سعید) السنۃ ھی الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین من غیر افتراض ولا وجوب وایضاً ما صدر عن النبی ﷺ من قول او فعل او تقریر علی وجہ التاس ومن المسنن سنۃ ھدی' ھی ما واظب علیہا النبی ﷺ مع الترک احیاناً علی سبیل العبادۃ وما کانت علی سبیل العادۃ فھی السنۃ الزوائد (قواعد الفقہ' ص ۳۲۸ ط الصدف پبلشرز' کراچی)

وتر کا ثبوت

(سوال) باری تعالیٰ نے اپنے نبی کی معرفت عوام الناس کو ارشاد فرمایا ہے۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ سو اس آیت کے تحت میں ہم پوچھتے ہیں اہل الذکر سے کہ وہ کونسی احادیث مرفوعہ یا آثار مقبولہ ہیں جن سے یہ پتہ چلے کہ آنحضرت ﷺ نے جب کہ تین وتر پڑھے دوسری رکعت میں تشہد کے لئے آپ بیٹھتے ہوں اور تیسری رکعت میں قبل دعائے قنوت کے رفع یدین کی اور اس کے متعلق اگر کوئی روایت ہے تو عنایت فرمائی جائے کہ کس کتاب کے کون سے صفحہ پر ہے یا عمل صحابہؓ سے ثابت ہو کیونکہ اللہ کے نبی نے فرمایا ہے جس نے میرا اور میرے صحابہؓ کا طریقہ اختیار کیا وہ لوگ فرقہ ناجیہ میں سے ہیں؟

المستفتی نمبر ۲۵۸۷ مستری عبدالعزیز جامع مسجد، دہلی ۸ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ م ۱۷ اپریل ۱۹۴۰ء

(جواب ۵۹۴) صحیح مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ کی ایک طویل روایت ص ۱۹۴ ج ۱ میں ہے جس کا ایک جملہ یہ ہے وکان یقول فی کل رکعتین التحیۃ وکان یفرش رجلہ الیسریٰ وینصب رجلہ الیمنیٰ الخ (۱) یعنی آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ ہر دو رکعتوں پر تحیۃ یعنی تشہد ہے اور حضور بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے تھے۔

اور ترمذی شریف ص ۵۰ ج ۱ مطبوعہ مجتبائی میں ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ الصلوٰۃ مثنی مثنی تشھد فی کل رکعتین الخ (۲) یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا نماز دو دو رکعت ہے (یعنی نوافل) ہر دو رکعتوں پر تشہد ہے۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ ہر دو رکعتوں پر تشہد پڑھنا نماز کا عام قاعدہ ہے اور حضور ﷺ نے یہی ہم کو تعلیم فرمایا ہے اور بخاری شریف (۳) میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں آنحضرت ﷺ کی صلوٰۃ تہجد و وتر کی گیارہ رکعتیں اس تفصیل سے بیان فرمائی گئی ہیں کہ پہلے چار پڑھتے تھے آخری تین رکعتیں وتر کی ہوتی تھیں اور مسلم شریف کی حدیث کے موجب اس میں دو مرتبہ تشہد ہوتا تھا دوسری پر اور پھر تیسری پر بعض روایات میں یہ جو یہ آیا ہے کہ نہیں بیٹھتے تھے مگر آخر میں اس کی تفسیر حضرت عائشہؓ کی وہ روایت کرتی ہے جو نسائی اور مستدرک حاکم میں ان الفاظ سے آئی ہے۔ کان رسول اللہ ﷺ لا یسلم فی رکعتی الوتر (کذافی آثار السنن) (۴) یعنی آنحضرت ﷺ وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جن حدیثوں میں دو رکعت پر بیٹھنے کی نفی ہے اس میں بیٹھنے سے سلام پھیرنے کے لئے بیٹھنا مراد ہے اور یہ مطلب اس لئے ہے کہ تاکہ حضور ﷺ کا فعل حضور اکرم ﷺ کے اس قول کے خلاف نہ ہو جو مسلم کی روایت میں فی کل رکعتین التحیۃ کے الفاظ سے موجود ہے اور ترمذی میں تشھد فی کل

---

(۱) (باب ما یجمع صفۃ الصلاۃ وما یفتتح بہ ۱: ۱۹۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)
(۲) (باب ماجاء فی التخشع فی الصلاۃ ۱: ۸۷ ط سعید)
(۳) (باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیرہ ۱: ۱۵۴ ط قدیمی کتب خانہ کراچی)
(۴) (نسائی، باب کیف الوتر بثلاث ۱: ۱۹۱ ط سعید) (آثار السنن، باب الوتر بثلاث رکعات ص ۱۶۹ ط امدادیہ ملتان)

رکعتین کے الفاظ سے مروی ہے باقی تیسری رکعت میں قنوت سے پہلے رفع یدین کرنا تو یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے ثابت ہے۔ عن عبدالله انه كان يقرأ في آخر ركعة من الوتر قل هو الله احد ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة . رواه البخاري في جزء رفع اليدين و اسناده صحيح (آثار السنن) (۱)

بخاری نے جزء رفع یدین میں حضرت عمرؓ سے بھی قنوت سے پہلے رفع یدین کرنا روایت کیا ہے اور بیہقی نے معرفہ میں حضرت ابن مسعود اور ابوہریرہؓ سے قنوت وتر میں رفع یدین کرنا روایت کیا ہے۔ کذا فی آثار السنن (۲) مطبوعہ احسن المطابع پٹنہ ص ۱۸ ج ۲۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) نماز وتر میں اہل حدیث بعد تسمیع کے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھتے ہیں اور احناف تیسری رکعت میں تکبیر اور رفع یدین کے بعد ہاتھ باندھ کر دعائے قنوت پڑھتے ہیں ان دونوں میں کونسا فعل مدلل ہے۔

(جواب ۵۹۵) قنوت رکوع سے پہلے پڑھنی چاہئے نہ کہ بعد تسمیع۔ لماروى عن انس انه سئل عن القنوت فقال قبل الركوع رواه البخاري. (۳) ہاتھ اٹھا کر پڑھنا صراحتہً کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ حنفیہ نے ہر ایسے قیام میں جس میں ذکر مسنون طویل ہو ہاتھ باندھنے کو مستحب کہا ہے منجملہ اس کے قنوت وتر بھی ہے اور امام ابو یوسف سے ایک روایت میں ہاتھ اٹھا کر بھی قنوت پڑھنے کی مروی ہے لیکن ہاتھ باندھنا ہی راجح اور اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم　　محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی

بارھواں باب
نماز تراویح

تراویح میں ختم قرآن پر سورہ بقرہ کی چند آیات پڑھنا

(سوال) ماہ رمضان میں تراویح میں قرآن کریم سننے والے اکثر حفاظ کا دستور ہے کہ انیسویں رکعت میں الحمد شریف کے بعد باقی ماندہ سورتیں مثلاً معوذتین وغیرہ پڑھ کر رکوع کر دیتے ہیں اور بیسویں رکعت

---

(۱) باب رفع اليدين عند قنوت الوتر ص ۱۶۹ ط امدادیہ ملتان

(۲) ایضاً

(۳) بخاری باب القنوت قبل الركوع و بعده ۱ / ۱۳۶ ط قدیمی ۔ آثار السنن باب قنوت الوتر قبل الركوع ص ۱۶۶ ط امدادیہ ملتان

میں الحمد شریف پڑھ کر سورہ بقر کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر رکوع کرتے ہیں بعض حفاظ اس کے بجائے انیسویں رکعت میں الحمد شریف کے بعد قل ہو اللہ پڑھ کر ختم کر کے ہی رکوع میں چلے جاتے ہیں اور پھر بیسویں رکعت میں الحمد شریف کے بعد معوذ تین پھر الحمد شریف پھر سورہ بقر کی ابتدائی آیات پڑھتے ہیں پھر رکوع کرتے ہیں مذکورہ دونوں طریقوں میں سے کون سا طریقہ زیادہ صحیح ہے؟ حافظ محمد سعید

(جواب ۵۹۶) ختم قرآن مجید کے بعد سورۃ بقر کی ابتدائی آیتیں پڑھنا مسنون ہے(۱) خواہ بیسویں رکعت میں سورہ ناس کے بعد پڑھ لے یا انیسویں رکعت میں ناس تک پڑھ کر بیسویں میں آلم سے پڑھ لے بیسویں رکعت میں الحمد اور معوذ تین پڑھ کر پھر فاتحہ پڑھنا اور آلم کی آیتیں پڑھنا نہیں چاہئیے یعنی الحمد کی تکرار کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

(۱) جماعت کے ساتھ فرض نہ پڑھنے والا تراویح میں امام بن سکتا ہے
(۲) تراویح کے بعد آنے والا وتر میں شریک ہو سکتا ہے

(سوال) جس حافظ نے عشاء کے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں وہ ان لوگوں کو تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں جو عشا کے فرض جماعت سے پڑھ چکے ہوں۔

ایک شخص نے عشاء کے فرض جماعت سے پڑھے پھر کسی حاجت یا کسی کام سے باہر چلا گیا جب وہ شخص کام سے فارغ ہو کر مسجد میں آیا تو وتروں کی جماعت ہونے والی تھی اس نے وتر جماعت سے پڑھ لئے اور تراویح پھر علیحدہ اس نے اپنی پڑھی دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کو وتر جماعت سے پڑھنے چاہئیے تھے یا نہیں اور وتر لوٹانے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(جواب ۵۹۷) جس حافظ نے عشاء کے فرض باجماعت نہیں پڑھے وہ تراویح میں امامت کر سکتا ہے یعنی اس کے پیچھے تراویح پڑھنی جائز ہے(۲)

جس نے تراویح کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی اسے وتر کی جماعت میں شریک نہ ہونا چاہئیے لیکن اگر شریک ہو گیا تو اس کے وتر ہو گئے لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

(۱) تراویح کی دوسری رکعت میں قعدہ کے بغیر تیسری پر سلام پھیر دیا تو اعادہ واجب ہے

---

(۱) وأن يقرأ منكوسا إلا إذا ختم فيقرأ من البقرة (درمختار) قال في شرح المنية" و في الولوالجية " من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من المعوذ تين في الركعة الأولى ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة و شئى من سورة البقرة ؟ لأن النبي ﷺ قال خير الناس الحال المرتحل أى الخاتم المفتح الخ (رد المحتار فصل في القراء ة ١/٥٤٧ ط سعيد)

(۲) لو صليت بجماعة الفرض وكان رجل قد صلى الفرض وحده له أن يصليها مع ذلك الإمام لأن جماعتهم مشروعة فله الدخول فيها معهم لعدم المحذورة (رد المحتار مبحث التراويح ٢/٤٨ ط سعيد)

(۳) قال في التنوير و شرحه " ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر و بعده في الأصح فلو فاته بعضها وقام الإمام إلى الوتر أوتر معه ثم صلى ما فاته " الخ و في الشامية " أى على وجه الا فضلية (مبحث التراويح ٢/٤٤ ط سعيد)

(۲) درمیانی قعدہ کئے بغیر چار رکعت تراویح کا حکم

(سوال) امام نے دو رکعت تراویح کی نیت باندھی بھولے سے دوسری رکعت کے قعدہ میں نہیں بیٹھا بلکہ تیسری رکعت کے سجدہ میں یا سجدہ کے بعد اس کو یاد آیا کہ یہ تیسری رکعت ہے اس نے تیسری رکعت پر قعدہ کر کے سجدہ سہو کے بعد سلام پھیر دیا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کی دو رکعت تراویح ہوئی یا نہیں ؟ اگر دو رکعت تراویح ہوگئی تو تیسری رکعت میں جو قرأت پڑھی ہے اس کو لوٹائے یا پہلی رکعت کی قرأت کو لوٹائے ؟

(۲) اگر وہ تیسری رکعت پر قعدہ نہ کرتا بلکہ چوتھی رکعت پڑھ کے قعدہ کرتا اور سجدہ سہو بھی کر لیتا تو چار رکعت تراویح کی ہو جاتیں یا دو ہوتیں اگر دو ہوتیں تو قرأت بھی لوٹائی جاتی یا نہیں اور کونسی رکعتوں کی قرأت لوٹائی جاتی پہلی رکعتوں کی یا آخری رکعتوں کی ؟

(جواب ۵۹۸) اس صورت میں یہ تینوں رکعتیں تراویح میں محسوب نہ ہوں گی اور ان تینوں کی قرأت کا اعادہ کرنا ہوگا۔ واذا فسد الشفع وقد قرأفیہ لا یعتد بما قرأفیہ و یعید القرأۃ لیحصل لہ الختم فی الصلوۃ الجائزۃ وقال بعضہم یعتدبہا . کذافی الجوھرۃ (عالمگیری) (۱)

(۲) اس صورت میں دو رکعت تراویح کی ہو جاتیں اور شفع اخیر صحیح ہوتا شفع اول تراویح میں محسوب نہ ہوتا اور شفع اول کی قرأت کا اعادہ کرنا ہوتا۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ہر ترویحہ میں بلند آواز سے ذکر

(سوال) نماز تراویح کی ہر چہار رکعت کے بعد تسبیح آواز سے پڑھنا کیسا ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۱۳۳ محمد عنایت حسین صاحب لکھنوی ۲۹ رجب ۱۳۵۲ھ م ۲۶ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۵۹۹) تھوڑی آواز سے پڑھنا جب کہ اس پر اصرار والتزام نہ ہو جائز ہے (۳) جہر پر اصرار کرنا مکروہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تراویح پڑھانے والے کی اجرت اور شبینہ کا حکم

(سوال) تراویح میں قرآن شریف سنانے والے حافظ کو اجرت دینا جائز ہے یا ناجائز ؟ اگر جائز ہے تو تعین

---

(۱) (فصل فی التراویح ۱ / ۱۱۸ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۲) (فلو فعلہا بتسلیمۃ واحدۃ فان قعد لکل شفعۃ صحت بکراھۃ والا نابت محسن شفع واحد بہ یفتی (تنویر و شرحہ) لم ارمن صرح بھذا اللفظ ھنا وانما صرح بہ فی النہر عن الزاھدی فیما لو صلی اربعا بتسلیمۃ واحدۃ وبقعدۃ واحدۃ الخ (رد المحتار بحث فی صلاۃ التراویح ۲ / ۴۵ ط سعید)

(۳) یجلس ندبا بین کل اربعۃ بقدر ھا کذا بین الخامسۃ والوتر ویخیر بین تسبیح وقراءۃ و سکوت (درمختار) وفی القہستانی " فیقال ثلث مرات سبحان ذی الملک الخ (رد المحتار' باب الوتر والنوافل' مبحث فی التراویح' ۲ / ۴۶ ط سعید)

کے ساتھ یا بلا تعین ؟ شبینہ ایک رات میں کرنا جائز ہے یا تین راتوں میں ؟

المستفتی ۳۰۲ حافظ محمد عزیز اللہ اجمیر۔ ۱۸ صفر ۱۳۵۳ھ ۲ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۶۰۰) بلا تعین دے دیا جانے اور نہ دینے پر کوئی شکوہ شکایت نہ ہو تو یہ صورت اجرت سے خارج اور حد جواز میں داخل ہو سکتی ہے شبینہ کی دونوں صورتیں بوجہ ان عوارض کے جو پیش آتے ہیں اور تقریباً لازم ہیں مکروہ ہیں (۱) اگر پڑھنے والے اور سننے والے سب کے سب مخلص ہوں اور بہ نیت عبادت شوق سے پڑھیں اور سنیں تین دن میں ختم کرنا بہتر ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت تراویح ثابت ہے یا نہیں ؟
(۲) کیا حضرت عمرؓ موجد تراویح ہیں ؟
(۳) یزید بن رومان نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا یا نہیں؟

(سوال) (۱) حضرت رسول اللہ ﷺ سے بیس رکعت تراویح کی کوئی حدیث صحیح ہے یا نہیں ؟
(۲) موجد تراویح حضرت عمر فاروق نے ابی بن کعب و تمیم داری کو رمضان میں جماعت کو کتنے رکعت تراویح کا حکم دیا تھا؟
(۳) یزید بن رومان نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا ہے یا نہیں ؟ چونکہ کبیری شرح منیۃ المصلی میں نیز مجلی شرح موطا امام مالک میں ہے کہ یزید بن رومان نے عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔

المستفتی نمبر ۶۳۱ عبدالستار (ضلع بلاری) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۶۰۱) (۱) و (۳) یزید بن رومان نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا ثبوت سائب بن یزید 'محمد بن کعب قرظی 'یزید بن رومان 'اعمش عن عبداللہ بن مسعود 'عن فخلہ ' عطا مہ وغیرہ ہم سے ثابت ہے (قیام اللیل) (۲)

(۲) حضرت عمرؓ موجد تراویح نہیں ہیں کیونکہ تراویح کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے ہے اور نہ حضرت عمرؓ موجد جماعت ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے تراویح جماعت سے پڑھائی ہے (۳) حضرت عمرؓ نے صرف اتنا

---

(۱) و یجتنب المنکرات هذرمة القراءة (الدر المختار' مبحث التراویح ۲ / ۴۷ ط سعید)

(۲) عن سائب بن یزید قال : " کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب ؓ فی شهر رمضان بعشرین رکعة الحدیث وقال الشعرانی فی کشف الغمة " وکانوا یصلونها فی اول زمان عمر بثلاث عشرة رکعة الخ وکان إماميهم ابی بن کعب و تمیما الداری ' ثم ان عمر ؓ امر بفصلها ثلاثا وعشرین رکعة ثلث منها و ترا واستقر الأمر علی ذلک فی الأمصار (التعلیق الحسن علی آثار السنن' باب فی التراویح بعشرین رکعة' ص ۲۰۴' ط امدادیه ملتان)
قلت : یزید بن رومان لم یدرك عمر بن الخطاب (التعلیق الحسن علی آثار السنن باب فی التراویح بعشرین رکعة ص ۲۰۵ ط امدادیه ملتان)

(۳) عن عروة ان عائشة اخبرته ان رسول الله ﷺ خرج لیلة من جوف اللیل فصلی فی المسجد وصلی رجال بصلوته فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع أکثر منهم فصلی فصلوا معه الحدیث (آثار السنن' باب جماعة التراویح' ص ۱۹۹ ط امدادیه)

گیا۔بنہ کہ مسجد میں متعدد جماعتیں ہوتی تھیں ان کو ایک جماعت کی صورت میں جمع کر دیا(۱) حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کو حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعت کا حکم دیا تھا یہ ایک روایت سے ثابت ہے لیکن انہیں کے زمانے میں بیس رکعتیں پڑھے جانے کا بھی ثبوت موجود ہے اور سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین میں بیس رکعت سے زیادہ کے قائل تو موجود ہیں مگر تراویح میں بیس رکعت سے کم کے قائل نہیں یا بہت کم ہیں(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فرض الگ پڑھنے والا وتر میں شریک ہو سکتا ہے .

(سوال) اگر کوئی شخص عشا کی جماعت ہو جانے کے بعد مسجد میں داخل ہوا اور اس نے تراویح جماعت سے پڑھی تو پھر وہ وتر جماعت سے پڑھے یا نہیں ؟ کتاب رکن الدین کے مصنف نے پڑھنے کو منع کیا ہے اور شامی کا حوالہ دیا ہے۔

المستفتی نمبر ۶۸۸ سکریٹری انجمن حفظ الاسلام (ضلع بھروچ) ۲۷ رمضان ۱۳۵۴ھ م ۲۴ دسمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۶۰۲)اگر کوئی شخص کسی وجہ سے جماعت سے علیحدہ وتر پڑھ لے تو مضائقہ نہیں اگر تراویح کی جماعت میں شریک رہا تو وتر کی جماعت میں بھی شریک رہ سکتا ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ایک حدیث کی تحقیق

(سوال)عن ابن عباس ان النبی ﷺ کان یصلی فی شہر رمضان فی غیر جماعۃ عشرین رکعۃ والوتر (بھیقی) مندرجہ بالا حدیث کی تحقیق مطلوب ہے صحیح ہے یا ضعیف ؟

المستفتی نمبر ۸۶۳ حافظ محمد شریف سیالکوٹ۔ ۲۲ محرم ۱۳۵۵ھ ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۰۳) یہ حدیث کان رسول اللہ ﷺ یصلی فی رمضان فی غیر جماعۃ عشرین رکعۃ والوتر . مصنف ابن ابی شیبہ' عبد بن حمید' بغوی' طبرانی' بیہقی کی طرف منسوب کی گئی ہے اور اس کو ضعیف کہا گیا ہے (کذا فی مجموعۃ الفتاوی)(۴) مگر حضور اکرم ﷺ نے تین روز جماعت کے ساتھ بھی تراویح پڑھائی ہے اور وہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱)فقال عمر " انی أری لوجمعت ھؤلاء علی قاری واحد لکان امثل' ثم عزم فجمعھم علی أبی بن کعب الحدیث (آثار السنن' باب جماعۃ التراویح ص ۲۰۱ ط امدادیہ)

(۲) قال فی التنویر :" وھی عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات " الخ و فی الشامیۃ :" وھو قول الجمھور و علیہ عمل الناس شرقا و غربا (مبحث التراویح ۲/ ۴۵ ط سعید)

(۳) ووقتھا بعد صلاۃ العشاء إلی الفجر قبل الوتر و بعدہ فلو فاتہ بعضھا وقام الإمام إلی الوتر أو تر معہ ثم صلی ما فاتہ الخ (التنویر و شرحہ' باب الوتر والنوافل ۲/ ۴۴ ط سعید)

(۴) قال ابن عباس کان رسول اللہ ﷺ یصلی فی رمضان فی غیر جماعۃ عشرون رکعۃ والوتر أخرجہ ابن ابی شیبۃ وعبد بن حمید والبغوی فی معجمہ والطبرانی والبیہقی' لکن سند ابن روایات ضعیف ست (مجموعہ الفتاوی علی ھامش خلاصۃ الفتاوی' کتاب الصلاۃ ۱/ ۱۱۴ ط امجد اکیدمی' لاھور)

ایک سلام کے ساتھ بیس رکعت تراویح

(سوال) ایک شخص نے تراویح کی بیس رکعت نماز ایک سلام سے اس طرح پڑھی کہ ہر دو رکعت کے بعد قعدہ اولیٰ کیا اور اخیر میں سلام پھیرا۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۸۷۹۔ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۶ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ٦٠٤) نماز تو ہوگئی لیکن رات کی نماز میں آٹھ رکعت سے زیادہ رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا خلاف سنت ہے اس لئے نماز میں کراہت آئی (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بیس رکعات تراویح کا ثبوت

(سوال) عن جابر قال صلی رسول اللہ ﷺ فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر (فتح الباری مطبوعہ دھلی) گزارش ہے کہ مندرجہ بالا حدیث کی صحت یا عدم صحت تحریر فرما کر مشکور فرمائیں اگر صحیح یا حسن ہو تو لفظ صحیح یا حسن لکھ دیں اور اگر ضعیف ہو تو ضعیف تحریر فرماویں اور یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ ابن عباسؓ والی روایت اور مذکورہ بالا روایت میں سے کون سی اصح ہے؟

المستفتی نمبر ۹۷۴ بشیر احمد خاں (سیالکوٹ) ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۴ جون ۱۹۳۶ء

(جواب) (از نائب مفتی صاحب) یہ حدیث حضرت جابرؓ کی تراویح کے بارے میں صحیح ہے لہذا آٹھ رکعت تراویح تو آنحضرت ﷺ کی سنت حقیقہ ہے اور بیس رکعات تراویح بھی آنحضرت ﷺ کی سنت ہی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین (۲) اور اسی بیس رکعت تراویح پڑھنے کا قول و عمل جمہور علماء کا شرقاً و غرباً ہے اور اسی بیس رکعت کے پڑھنے میں آٹھ رکعت بھی پڑھی جاتی ہیں جو کہ بعینہ آنحضرت ﷺ کی سنت حقیقہ ہے فتاویٰ شامی میں ہے (۳) قولہ وھی عشرون رکعۃ) ھو قول الجمھور و علیہ عمل الناس شرقاً و غرباً الخ جلد اول ص ۵۲ فقط واللہ اعلم

حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی

سوال مثل بالا

(سوال) بندہ نے حضور سے ایک سوال کیا تھا جو کہ ۱۶ اپریل ۱۹۳۶ء کو لکھا اور آپ کا نمبر ۹۷۴ ہے جواب

---

(۱) فی التنویر و شرحہ :" وھی عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات فلو فعلھا بتسلیمۃ فإن قعد لکل شفع صحت بکراھۃ" الخ وفی الشامیۃ :" لا یخفی ما فیہ لمخالفۃ المتوارث مع تصریحھم بکراھۃ الزیادۃ علی ثمان فی مطلق التطوع لیلا الخ (مبحث صلاۃ التراویح ۲ ۴۵ ط سعید) (۲) ابن ماجۃ باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین ص ۵ ط میر محمد کتاب خانہ کراچی)

(۳) (مبحث صلاۃ التراویح ۲/ ۴۵ ط سعید)

پر آپ کے دستخط نہیں ہیں لہذا دوبارہ آپ کو تکلیف دیتا ہوں نائب مفتی صاحب نے حضرت جابرؓ کی حدیث کو صحیح فرمایا ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

المستفتی نمبر ۱۰۱۵ بشیر احمد خاں (سیالکوٹ) ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۰۵) (از نائب مفتی صاحب) حضرت جابرؓ کی روایت کی تصحیح غلطی سے ہو گئی ہے ہم کو معلوم نہیں کہ فتح الباری کے کس باب میں یہ حدیث ہے آپ پورا پتہ تحریر کیجئے حبیب المرسلین عفی عنہ۔

حضرت جابرؓ کی روایت منقولہ فی السوال فتح الباری میں کس باب میں ہے؟ پورا پتہ تحریر کیجئے؟

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تراویح کے بارے میں چند احادیث کا ثبوت

(سوال) ہمارے ہاں تراویح کی تعداد میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے بعض آٹھ رکعت کو سنت سمجھتے ہیں اور بعض بیس رکعت کو۔ فریقین نے جناب کے فیصلہ پر رضامندی ظاہر کی ہے امید ہے کہ آپ امور مستفسرہ کا مختصر جواب ارسال فرما کر عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں گے

(۱) نماز تراویح آپ کی تحقیق میں بیس رکعت سنت ہے یا آٹھ رکعت؟ (۲) حدیث عائشہؓ ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ الحدیث . آپ کی تحقیق میں تہجد کے بارے میں ہے جیسا کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے یا تراویح کے بارے میں (۳) حدیث جابرؓ جس میں آٹھ رکعت نماز اور وتر کا ذکر ہے جس میں عیسیٰ بن جاریہ منکر الحدیث اور ضعیف راوی ہے آپ کی تحقیق میں صحیح ہے یا ضعیف؟ (۴) حدیث ابن عباسؓ جس میں بیس رکعت تراویح کا ذکر ہے کیا صحابہ و تابعین و دیگر ائمہ کا عمل اسے تقویت دیتا ہے یا نہیں؟ (۵) حدیث سائب بن یزید جس کو بیہقی نے اخراج کیا جس میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے جس کو نووی وغیرہ محدثین نے صحیح کہا ہے آپ کی تحقیق میں صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا المستفتی نمبر ۱۱۷۴ ابو یوسف محمد شریف (ضلع سیالکوٹ)

۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۰۶) (۱) تراویح کی بیس رکعتیں مسنون ہیں میرے نزدیک راجح یہی ہے(۱) (۲) حدیث عائشہؓ صلوۃ اللیل یعنی تہجد کے ساتھ متعلق ہے(۲) (۳) حدیث جابرؓ کو صحیح ابن حبان سے نقل کیا گیا ہے اور

---

(۱) وهی عشرون رکعة بعشر تسلیمات فلو فعلها بتسلیمة فإن قعد لکل شفع صحت بکراهة " و فی الشامیة ." وهو قول الجمهور و علیه عمل الناس شرقا و غربا الخ (مبحث صلاة التراویح ۲/ ۴۵ ط سعید)

(۲) قال ابن حجر :" وظهر لی أن الحکمة فی عدم الزیادة علی إحدی عشرة أن التهجد والوتر مختص بصلاة اللیل وفرض النهار الظهر وهی أربع والعصر وهی أربع والمغرب وهی ثلاث وترالنهار فناسب أن تکون صلوة اللیل کصلوة النهار فی العدد جملة و تفصیلاً (فتح الباری' باب کیف صلاة النبی ﷺ وکم کان النبی ﷺ یصلی باللیل ۳/ ۱۷ ط مصر)

اس کو صحیح بتایا گیا ہے میرے خیال میں وہ متکلم فیہ ہے ابن حبان کے علاوہ اس کو طبرانی اور صحیح ابن خزیمہ اور قیام اللیل للمروزی کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے(۱) (۴) حدیث ابن عباسؓ اگرچہ ضعیف ہے مگر اس کی تائید دوسری روایات سے اور عمل امت سے ہوتی ہے(۲) (۵) سائب بن یزید کی روایت صحیح ہے(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابرؓ کی حدیث کی تحقیق

(سوال) بندہ کا بھائی بشیر احمد خاں آپ سے تراویح کے متعلق سوال کرکے جواب پاچکا ہے آخری جواب آپ کی طرف سے مکمل نہیں ہوا اور آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ حضرت جابر والی روایت فتح الباری میں کہاں ہے؟ چونکہ بھائی صاحب وزیا چم گئے ہوئے ہیں آج ان کا خط آیا تو اس میں تراویح کا ذکر تھا اور آپ کے متعلق بھی لہذا دوبارہ عرض کرتا ہوں۔ حدیث ابن عباسؓ قال كان رسول الله ﷺ يصلي في رمضان في غير جماعة عشرين ركعة والوتر (بيهقي) حدیث جابرؓ. عن جابرؓ قال صلى بنا رسول الله ﷺ في رمضان ثمان ركعات ثم اوتر. فتح الباری مطبوعہ دہلی ج اول ص ۵۹۷

المستفتی نمبر ۱۱۷۹ حافظ محمد شریف۔ سیالکوٹ۔ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۰۷) حدیث ابن عباسؓ جسکو ابو بکر ابن ابی شیبہ اور عبد بن حمید اور بغوی اور طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے ضعیف ہے (کذا فی آثار السنن)(۴) اور حدیث جابرؓ بن عبداللہ جس کو طبرانی اور مروزی اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اس کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ ایک راوی ہے جس کو ابو داؤد نے منکر الحدیث اور ابن معین نے عندہ مناکیر اور نسائی نے منکر الحدیث اور متروک بتایا ہے اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں فیہ لین کہا ہے البتہ خزاعی نے ابن حبان سے توثیق نقل کی ہے اسی طرح ابو زرعہ سے یہ منقول ہے (کذا فی آثار السنن)(۵) اس بناء پر حدیث جابر کو بھی صحیح کے درجے میں نہیں سمجھا جاسکتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) رواه الطبراني في الصغير و محمد بن نصر المروزي في قيام الليل وابن خزيمة وابن حبان في صحيحهما وفي إسناده لين (التعليق الحسن على آثار السنن' باب التراويح بثمان ركعات ص ۲۰۲' ط امداديه' ملتان)

(۲) وهي كانت ضعيفة' لكنها تقوى حديث ابن عباس فلا شك في كونه حسناً بل لا يبعد أن يقال انه صحيح لغيره (التعليق الحسن على آثار السنن' ص ۱۹۹ ط امداديه)

(۳) عن سائب بن يزيد ثم ساقه قلت : " رجال اسناده كلهم ثقات الخ (التعليق الحسن على آثار السنن' باب التراويح بعشرين ركعات' ص ۲۰٤' ط امداديه' ملتان)

(٤) وقد أخرجه عبد بن حميد الكشي في مسنده والبغوي في معجمه والطبراني في معجمة الكبير والبيهقي في سننه كلهم من طريق أبي شيبة ابراهيم بن عثمان جدالامام أبي بكر بن أبي شيبة' وهو ضعيف (التعليق الحسن على آثار السنن' باب في التراويح بعشرين ركعة ص ۲۰٦ ط امداديه' ملتان) (۵) قال ابن معين :" عنده مناكير " وقال النسائي " منكر الحديث وجاء عنه متروك" وقال ابو داؤد :" منكر الحديث" وقال الحافظ ابن حجر في " التقريب" فيه لين" الخ (آثار السنن' باب التراويح بثمان ركعات ص ۲۰۲ ط امداديه' ملتان)

ایک اشکال اور اس کا جواب

(سوال) گزارش ہے کہ آپ کا جواب نمبر ۱۱۷۹ موصول ہوا۔ جواباً معروض ہے کہ جس حدیث کو جناب صحیح تحریر فرما چکے ہیں اس کو دوبارہ نہ ضعیف اور نہ صحیح فرماتے ہیں جب ایک دفعہ دارالافتاء سے ہمیں یہ الفاظ پہنچ چکے ہیں کہ "یہ حدیث حضرت جابرؓ کی تراویح کے بارے میں صحیح ہے" تو پھر کیا وجہ ہے کہ دوبارہ آپ البتہ سے کام چلانا چاہتے ہیں اگر آپ فرمائیں کہ میرے دستخط نہیں تو اس کے متعلق غور سے سنیے گا ہمارے مخاطب آپ۔ آپ کے نام ہمارا سلام کلام آپ کا پتہ پس دوسرا کون جو دخل در معقولات کرے بالفرض اگر آپ نے مندرجہ بالا حدیث کے بعض رواۃ کے متعلق کلام فرمایا ہے تو ہماری گزارش سن کر جواب مرحمت فرمائیں۔

اول آپ کا مندرجہ بالا فتویٰ۔ دوم حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری مطبوعہ دہلی صفحہ ۴ میں اس امر کی تصریح فرمادی ہے کہ ہم جو حدیث فتح الباری میں ذکر کریں گے اس شرط سے ذکر کریں گے کہ وہ حدیث یا تو صحیح ہوگی یا حسن ہوگی۔ الفاظ ملاحظہ ہوں **بشرط الصحة او الحسن** سوم علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۸۰ میں اسی حدیث کو اسی سند سے نقل فرمایا ہے جس سند سے امام محمد بن نصر نے روایت کیا ہے فرق دونوں میں صرف اسی قدر ہے کہ اس سند میں بجائے محمد بن حمید کے جعفر بن حمید ہیں اس کے بعد علامہ صالب نے اس کی سند کی نسبت فرمایا ہے۔ اسنادہ وسط۔ چہارم مولانا عبدالحئی لکھنوی نے موطا امام محمد کے حاشیے (التعلیق المجد) میں حضرت جابرؓ والی روایت تحریر فرما کر لکھا ہے۔ ھذا اصح۔ موطا امام محمد باب قیام رمضان(۱)

المستفتی نمبر ۱۱۹۶ حافظ محمد شریف (سیالکوٹ) ۶ رجب ۱۳۵۵ھ م ۲۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۰۸) مدرسہ امینیہ کے دارالافتاء میں تمام استفتے میرے نام ہی آتے ہیں میں جتنے فتوؤں کا جواب خود لکھ سکتا ہوں لکھتا ہوں باقی جواب نائب مفتی مولانا حبیب المرسلین صاحب لکھتے ہیں یہ فتویٰ جس کا آپ ذکر کرتے ہیں ان کا لکھا ہوا تھا میں نے دیکھا بھی نہیں تھا جب آپ کا دوسرا خط آیا تو میں نے ان سے دریافت کیا اور رجسٹر نقول پر اس کی نقل دیکھی اور حدیث جابرؓ کی سند کی تحقیق کی تو یہ بات مجھے تحقیق سے معلوم ہوئی جو میں نے آپ کو لکھ کر بھیج دی۔

حدیث جابرؓ کی سند کے متعلق بے شک میزان الاعتدال میں یہ لفظ لکھا ہے۔ **اسنادہ وسط** مگر **اسنادہ صحیح** تو نہیں لکھا اور حافظ ابن حجرؒ کے فتح الباری میں ذکر کرنے سے بھی صحت لازم نہیں کیونکہ وہ حدیث حسن بھی اس میں لا سکتے ہیں اور جب اس کی سند میں ایک مجروح راوی موجود ہے(۲) تو

---

(۱) (باب قیام رمضان' ص ۱۳۸ ط میر محمد کتب خانہ' کراچی)

(۲) وفي إسناده لين قلت :" مداره على عيسى بن جارية " قال الذهبي " قال ابن معين:" عنده مناكير" وقال النسائي :" منكر الحديث وجاء عنه متروك " وقال أبو زرعة :" لا بأس به . وقال ابوداؤد :" منكر الحديث" قال ابن حجر في " التقريب" فيه لين الخ (التعليق الحسن على آثار السنن' باب التراويح بثمان ركعات ص ۲۰۲ ط امداديه)

ت کا حکم مشکل ہے مولانا عبدالحیؒ کے ھذا اصح کہنے سے بھی لازم نہیں کہ فی حد ذاتہ بھی صحیح ہے نکہ اصح میں صحت اضافی مراد ہوتی ہے ہاں ابن حبان نے اس کو اپنے صحیح میں درج کیا اس سے اتنا سمجھا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہوگی راوی کے جرح و تعدیل میں اختلاف ہونے کی بنا پر حدیث صحت و ضعف میں بھی یہ اختلاف ہو جاتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

حضور اکرم ﷺ سے کتنی رکعات ثابت ہیں ؟

سوال) کیا حضور ﷺ سے نماز تراویح رمضان شریف میں گیارہ رکعات مع وتر ثابت ہے یا کہ بیس رکعت ؟ المستفتی نمبر ۱۱۸۸ عبدالعزیز مشین والا (ضلع سیالکوٹ)

۲۸ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

جواب ۶۰۹) تراویح کی رکعات کی تعداد میں ایک روایت سے بیس اور دوسری روایت سے گیارہ رکعتیں معلوم ہوتی ہیں امت کا عمل صحابہ کرام کے زمانے سے بیس یا اس سے زیادہ رکعتوں پر رہا ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

قراءت مقتدیوں کے حال کے مطابق کی جائے

سوال) قصبہ سردھنہ میں حفاظ نے متفقہ طور پر ایک کمیٹی قائم کر کے یہ وجہ بتلاتے ہوئے کہ اس سے قرآن شریف پختہ یاد ہو جائے گا یہ پاس کیا ہے امسال ہم لوگ روزانہ ڈھائی پارہ تراویح میں سنائیں اور وہ اس طریقے سے کہ فی مسجد دو حافظ مقرر ہوں اور ہر ایک حافظ ایک ہی سوا پارہ کو دس دس تراویح میں سنا دے ایک حافظ کا پڑھنے میں سوا پارہ ہو جائے اور مقتدیوں کے لئے ڈھائی ہو جائیں اگرچہ اکثر مقتدی اپنی ناتوانی کی بنا پر ڈھائی پارہ روزانہ تراویح میں سننے پر راضی نہیں ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو اپنا قرآن شریف یاد کرنا منظور ہے تو اس کی اور صورتیں ہو سکتی ہیں بارہ مہینے دور کرو علاوہ تراویح کے نفلوں میں بوقت تہجد کے ایک ایک دو دو کو سناؤ مگر حفاظ ان صورتوں کو نہ مانتے ہوئے اور زبردستی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر تم کو سننا ہے تو ہمارے طے کئے ہوئے کے موافق ڈھائی پارہ ہی سنو ورنہ ہم نہیں سناتے ہر چند ان کو بہشتی زیور وغیرہ دکھا کر سمجھایا جاتا ہے کہ تمہاری اس صورت میں جماعت کم ہوتی ہے آدھی مسجدیں بغیر قرآن شریف کے رہ جاتی ہیں مگر وہ نہیں مانتے ایسی صورت میں اگر مقتدی الم تر کیف سے تراویح پڑھنا شروع کر دیں تو کیسا ہے ؟ ترک سنت قرآن لازم آتا ہے یا نہیں اور ثواب میں کمی ہوتی ہی یا نہیں ؟ نیز ان حفاظ میں سے بعض ڈاڑھی منڈاتے ہیں اور بعض پنجگانہ نماز کے پوری طرح پابند نہیں ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ

---

(۱) وھی عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات الخ (التنویر) وقال الشامی :" وھو قول الجمھور و علیہ الناس شرقا و غربا الخ (مبحث صلاۃ التراویح ۲ /۴۵ ط سعید)

جو روپیہ طے کرتے ہیں ان کی امامت تراویح میں کیسی ہے ان صورتوں میں حفاظ کی ضد مان کر ڈھائی پارہ ہی سنیں تقلیل جماعت کا خیال نہ کریں یا جماعت کا خیال کرتے ہوئے الم ترکیف سے پڑھ لیں۔
المستفتی نمبر ۱۲۴۵ امیر الدین صاحب۔ قصبہ سردھنہ۔ ضلع میرٹھ
۷ رمضان ۱۳۵۵ھ م ۲۳ نومبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۱۰) حفاظ کی یہ ضد اور مقتدیوں کی مرضی کے خلاف جبراً ڈھائی پارہ پڑھنا اور جماعت کے تفرق اور انتشار کی پرواہ نہ کرنا گناہ کی بات ہے وہ اس میں یقیناً گناہ کے مرتکب ہوں گے بلکہ مقتدیوں کی رضامندی کے خلاف امامت کرنے والے کے حق میں لعنت کی وعید بھی وارد ہے اگر ضعیف و ناتواں لوگ اس طرز عمل کے خلاف الم ترکیف سے تراویح ادا کرلیں تو ان کے حق میں کوئی کراہت نہ ہوگی ڈاڑھی منڈانے والے اور نماز فرض کے تارک اور پیسے طے کر کے لینے والے حافظوں کی امامت مکروہ ہے (۱) ان کے پیچھے قرآن سننے سے نہ سننا اور سورت تراویح پڑھ لینا بہتر ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شبینہ جائز ہے یا نہیں ؟

(سوال) یہاں کی جامع مسجد میں ہر سال ماہ رمضان کی اٹھائیسویں اور انتیسویں شب ان دو راتوں میں شبینہ پڑھا جاتا ہے بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ شبینہ ایک ہی رات میں یا تین راتوں میں ہونا چاہئیے ؟
المستفتی نمبر ۱۲۴۶ قاضی کمال الدین صاحب (کاٹھیاواڑ)
۷ رمضان ۱۳۵۵ھ ۲۳ رمضان ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۱۱) شبینہ کوئی ثابت شدہ چیز نہیں ہے کہ مساجد میں جماعت کے ساتھ کیا جاتا ہو اگر سننے والے اور پڑھنے والے شوق سے سنیں اور پڑھیں تو تین دن میں ختم کرنا بہتر ہے دس دس پارے ہر روز پڑھے جائیں (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مروجہ شبینہ کا حکم

(سوال) ایک زمانہ میں ایک شب میں چند آدمی مل کر قرآن شریف ختم کرتے ہیں جس کا نام شبینہ رکھا ہے اور اس میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں آیا یہ فعل حضور اکرم ﷺ نے یا کسی صحابیؓ نے یا کسی امامؒ نے کیا ہے یا

---

(۱) قال فی التنویر : " و یکرہ إمامة عبد وأعرابی و فاسق " الخ (باب الإمامة ۱/۵۵۹ ط سعید) والتنویر مع شرحہ : " ومن ام قوما وھم لہ کارھون إن الکراھة لفساد فیہ کرہ لہ ذلک تحریما لحدیث أبی داؤد " لا یقبل اللہ صلاۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون الخ (باب الإمامة ۱/۵۵۹ ط سعید) والختم مرة سنة ولا یترک الختم لکسل القوم لکن فی الاختیار " الأفضل فی زماننا قدر ما یثقل علیھم الخ (الدر المختار مبحث صلاۃ التراویح ۲/٤٦ ط سعید)
(۲) ولا یختم فی اقل من ثلاثة ایام تعظیما لہ الخ (عالمگیری الباب الرابع فی الذکر والصلوۃ والتسبیح ٥/۳۱۷ ط ماجدیہ کوئٹہ)

نہیں اور ایک شب میں قرآن شریف ختم کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۲۵۱ عبدالجبار (دہلی) ۲۴ رمضان ۱۳۵۵ھ ۹ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۱۲) ایک رات میں قرآن شریف ختم کرنا اس شخص کے لئے جائز ہے جو خود اپنے ذوق و شوق سے پڑھے اور اس کے دل میں اول سے آخر تک کوئی وسوسہ بے رغبتی کا نہ آوے لیکن شبینہ کا یہ رواج جو عام طور پر مساجد میں کیا جاتا ہے نہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں تھا نہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں نہ مجتہدین سلفؒ سے یہ منقول کہ انہوں نے عام طور پر جماعت کے ساتھ ایک رات میں قرآن مجید ختم کرنے کا امر فرمایا ہو یا خود شبینہ کیا ہو اور تجربہ شاہد ہے کہ ان شبینوں میں بہت سے مکروہات و محرمات کا ارتکاب ہوتا ہے(۱) ان وجوہ کی بناء پر شبینہ مروجہ کوئی اچھی اور ثواب کی بات نہیں ہے بلکہ بسااوقات کرنے والے مواخذہ دار بھی ہو جاتے ہیں۔ واللہ الموفق۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

چند احادیث کی تحقیق

(سوال) ہمارے ہاں تراویح کی تعداد میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے بعض آٹھ رکعت کو سنت سمجھتے ہیں اور بعض بیس رکعت کو۔ فریقین نے جناب کے فیصلہ پر رضامندی ظاہر کی ہے امید ہے کہ آپ مہربانی فرما کر امور مستفسرہ کا جواب لکھ کر ارسال فرمائیں گے تاکہ یہ نزاع ختم ہو اور آپ عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں

(۱) نماز تراویح آپ کی تحقیق میں بیس رکعت سنت ہے یا آٹھ رکعت (۲) حدیث عائشہؓ ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره الحديث . آپ کی تحقیق میں تہجد کے بارے میں ہے جیسا کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے فتاویٰ میں لکھا ہے یا تراویح کے بارے میں ہے۔ (۳) حدیث جابرؓ جس میں آٹھ رکعت نماز اور وتر کا ذکر ہے جس میں عیسیٰ بن جاریہ منکر الحدیث اور ضعیف راوی ہے کیا آپ کی تحقیق میں صحیح ہے یا ضعیف (۴) حدیث ابن عباسؓ جس میں بیس رکعت تراویح کا ذکر ہے کیا صحابہؓ و تابعینؒ و دیگر ائمہ کا عمل اسے تقویت دیتا ہے یا نہیں (۵) حدیث سائب بن یزید جس کو بیہقی نے اخراج کیا جس میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے جس کو نووی وغیرہ محدثین نے صحیح کہا ہے آپ کی تحقیق میں صحیح ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۳۰۷ خادم العلماء ابو یوسف محمد شریف عفااللہ عنہ۔

کوٹلی لوہاران ۔ ضلع سیالکوٹ۔ ۵ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ

(جواب ۶۱۳) (۱) تراویح کی بیس رکعتیں مسنون ہیں میرے نزدیک راجح یہی ہے(۲) (۲) حدیث عائشہؓ صلوٰۃ اللیل یعنی تہجد کے ساتھ متعلق ہے(۳) (۳) حدیث جابرؓ کو صحیح ابن حبان سے نقل کیا گیا ہے اور اس

---

(۱) ویجتنب المنکرات هذرمة القراءة الخ (الدر المختار، مبحث صلاة التراويح ۴۷/۲ ط سعيد)
(۲) و (۳) مذکورہ جوابات مع حوالے جواب نمبر ۶۰۶ میں گزر چکے ہیں۔

کو صحیح بتایا گیا ہے میرے خیال میں متکلم فیہ ہے یعنی اس کے صحیح ہونے میں کلام ہے ابن حبان کے علاوہ اس کو طبرانی اور صحیح ابن خزیمہ اور قیام اللیل للمروزی کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے (۱) (۴) حدیث ابن عباسؓ اگرچہ ضعیف ہے مگر اس کی تائید دوسری روایات سے اور عمل امت سے ہوتی ہے (۲) (۵) سائب بن یزید کی روایت صحیح ہے (۳) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ** (اشرف برقی پریس سیالکوٹ)

(مہر مدرسہ امینیہ اسلامیہ دارالافتاء دہلی)

الجواب کے پانچوں نمبر صحیح ہیں جہاں تک مجھے یاد ہے کچھ کمی بیشی نہیں ہے اور اب میں اس پورے جواب کی صحت کا التزام کرتا ہوں۔ **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی**

سفر میں تراویح کا حکم

(سوال) سفر میں قصر تو لازم ہے ہی تراویح بھی کیا ضروری پڑھنی پڑے گی یا یہ بھی معاف ہوگی؟

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ۶۱۴) تراویح کی تاکید سفر میں نہیں رہتی موقع ہو تو پڑھ لے بہتر ہے اور موقع نہ ہو تو ترک کر دینا جائز ہے (۴) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی**

جتنی رکعات فاسد ہوئیں 'ان میں پڑھی ہوئی منزل کا اعادہ کیا جائے

(سوال) امرتسر میں چوک فرید میں ایک مسجد ہے اس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے صاحبزادے قرآن مجید پڑھتے ہیں میں بھی وہیں نماز تراویح پڑھتا ہوں انہوں نے سجدہ کی آیت پڑھنے سے قبل یہ خیال کر کے کہ یہ سجدہ کی آیت ہے سجدہ کر لیا پھر سجدہ کی آیت پڑھنے پر سجدہ کیا گیا مگر انہوں نے سجدہ سہو نہیں کیا سلام کے بعد میں نے ان سے کہا کہ تم کو سجدہ سہو کرنا چاہئے تھا کیونکہ کسی واجب کے سہوا چھوٹ جانے یا مکرر ہو جانے یا کسی فرض میں تاخیر ہو جانے سے سجدہ سہو کرنا واجب ہوتا ہے چونکہ تم نے سجدہ سہو نہیں کیا ہے اس لئے تم ان دونوں رکعتوں کا اعادہ کرو چنانچہ نماز دوبارہ پڑھی گئی اور چھوٹی سی سورت پڑھی گئی بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب نماز لوٹائی گئی ہے تو پھر قرآن بھی وہی پڑھنا چاہئے جو ان دو رکعتوں میں پڑھا گیا تھا میں نے ان سے کہا کہ چونکہ قرآن ترتیل کے ساتھ الفاظ اور معنی کے لحاظ سے پڑھا گیا ہے اس لئے قرآن کی وہی آیات پڑھنے کی ضرورت نہیں مجھے بھی کچھ شبہ ہو گیا اب آپ یہ شبہ دور فرما دیجئے میں نے جو صرف نماز کا اعادہ کر لیا ہے قرآن کا نہیں کیا یہ درست ہے 'قرآن کے اعادہ کی تو ضرورت نہیں؟

---

(۱)، (۲) و (۳) (حاشیہ نمبر ا تا ۳ جواب نمبر ۶۰۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) ویاتی المسافر بالسنن إن کان فی حال أمن و قرار وإلا بأن کان فی خوف و فرار لا یاتی بها هو المختار (التنویر و شرحه' باب صلاة المسافر ۲ ' ۱۳۱ ط سعید)

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ٦١٥) قرآن مجید کا اعادہ بھی کرنا چاہیے تھا(۱) کیونکہ جب تراویح کی وہ دو رکعتیں تراویح میں شمار نہیں ہوئیں اور ان کا اعادہ کیا گیا تو ان میں پڑھا ہوا قرآن بھی ختم میں شمار نہیں ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دور نبوی ﷺ اور صحابہؓ میں کتنی رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہے ؟

(سوال) نبی کریم ﷺ نے ماہ رمضان المبارک میں عشاء کی فرض نماز کے بعد باجماعت تراویح کتنی رکعت پڑھائیں نیز خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں کتنی رکعت تراویح پڑھائیں اسی طرح خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں کتنی رکعت تراویح پڑھائیں اسی طرح خلیفہ سوم و چہارمؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں کتنی کتنی رکعتیں پڑھائیں علاوہ ازیں امام ابو حنیفہؒ کتنی رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے اور ان کا اس بارے میں کیا فتویٰ ہے براہ کرم نبی اکرم ﷺ اور حضرات خلفائے کرام کا تعامل و حکم اور حضرت امام ابو حنیفہ کا فتویٰ بالتفصیل ذکر فرمائیں۔

المستفتی عبدالرحمٰن۔ فورٹ ولیم۔ کلکتہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۳ء

(جواب ٦١٦) آنحضرت ﷺ کی تراویح باجماعت تین راتوں میں مروی ہے(۲) تعداد رکعات میں بیس کی روایت بھی ہے اور آٹھ کی بھی (۳) حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں کئی سال تک مسجد میں باقاعدہ تراویح کی جماعت کا اہتمام نہ ہوا لوگ پڑھتے تھے مگر یا تو تنہا تنہا یا دو دو چار چار آدمی مل کر متعدد جماعتیں کر لیتے تھے حضرت عمرؓ نے سب کو مل کر ایک جماعت سے تراویح پڑھنے کا حکم دیا اور صحابہ کرامؓ نے اس سے اتفاق کیا اور حضرت ابی بن کعب کی امامت میں ایک جماعت ہونے لگی بیس رکعتیں وہ پڑھاتے تھے (۴) ابتدا میں آٹھ رکعتیں پڑھانا بھی منقول ہے مگر ائمہ مجتہدین میں سے کوئی بیس سے کم کا قائل نہیں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بیس رکعت مسنون ہیں اور بیس پر جمہور امت محمدیہ کا ہر زمانے

---

(۱) واذا غلط في التراويح فترك سورة او آية قرا ما بعد ها فالمستحب له ان يقرا المتروكة ثم المقروأة ليكون على الترتيب واذا فسد الشفع وقد قرا فيه لا يعتد بما قرا فيه و يعيد القراء ة (عالمگیریة فصل فی التراويح ۱۱۸/۱ ط ماجدیه)

(۲) عن عروة ان عائشة اخبرته ان رسول الله ﷺ خرج ليلة من جوف الليل فصلى في المسجد وصلى رجال بصلوته الحديث (آثار السنن باب فضل قيام رمضان ص ۱۹۹ امدادیه ملتان)

(۳) بیس رکعت تراویح کی دلیل حضرت سائب بن یزید کی روایت ہے اور آٹھ رکعت کی دلیل حضرت جابر بن عبداللہ کی (آثار السنن باب التراويح بثمان ركعات ص ۲۰۲ ط امدادیه)

(۴) عن عبدالله بن عبدالقادر قال " خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة في رمضان إلى المسجد فإذا الناس اوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه و يصلي الرجل فيصلي بصلوته الرهط فقال عمر اني ارى لو جمعت هؤلاء على قارى واحد لكان امثل ثم عزم فجمعهم على ابي بن كعب ثم خرجت معه في ليلة اخرى والناس يصلون بصلوة قارئهم قال عمر " نعم البدعة " (آثار السنن باب في جماعة التراويح ص ۲۰۱ ط امدادیه)

میں عمل رہا ہے اور یہی تعداد راجح ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ایک سلام کے ساتھ چھ رکعت تراویح

(سوال) امام صاحب نے چار رکعت تراویح کی نیت باندھی چار رکعت پوری کر کے ایک طرف سلام پھیرا مقتدی نے لقمہ دیا اللہ اکبر۔ امام صاحب کھڑے ہو گئے دو رکعت اسی نیت سے اور پڑھی اور ایک طرف سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کر کے دونوں طرف سلام پھیرا آیا نماز ہوئی یا نہیں۔ اس حساب سے چھ رکعت تو پوری ہو گئی اور سہو کے سجدہ سمیت سات ہوئیں امام کہتے ہیں کہ میرے دل میں تو یہ خیال ہوا کہ دو رکعت ہوئی اور لقمہ دینے سے میں نے دو کھڑے ہو کر اور پڑھ لی اور سہو کا سجدہ کر لیا نماز ہوئی یا نہیں اس حساب سے پانچ رکعت ہوتی ہیں جب کہ امام نے چار رکعت پڑھ لی تو سجدہ سہو لازم تھا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۰۱۷ ابراہیم خاں (الور) ۱۰ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۵ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۶۱۷) نماز ہو گئی اور چھ رکعت جو امام نے پڑھیں وہ چھ رکعت سب تراویح میں شمار ہوں گی سجدہ سہو نہ کیا جاتا تب بھی نماز ہو جاتی اور کر لیا تو بھی نماز ہو گئی سجدہ سہو کو نماز میں شامل کر کے سات رکعت قرار دینا غلط ہے سجدہ سہو کی رکعت شمار نہیں ہوتی (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) تراویح عورتوں کے لئے بھی سنت مؤکدہ ہے
(۲) تنہا فرض پڑھنے والا وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے

(سوال) (۱) تراویح مردوں کے لئے ہی سنت مؤکدہ ہے یا عورتوں کے لئے بھی؟ (۲) ایک شخص نے ماہ رمضان میں فرض تنہا پڑھے تو کیا وہ وتر امام کے ساتھ باجماعت پڑھے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۰۳۹ ولی محمد (کاٹھیاواڑ) ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ ۷ انومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۶۱۸) (۱) تراویح مردوں اور عورتوں سب کے لئے سنت مؤکدہ ہے مگر عورتوں کے لئے جماعت سنت مؤکدہ نہیں (۳) (۲) جو شخص تراویح کی جماعت میں شریک ہو جائے وہ وتر کی جماعت میں بھی شریک ہو سکتا ہے (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) وهي عشرون ركعة الخ (تنوير) وهو قول الجمهور و عليه عمل الناس شرقا و غربا (رد المحتار' مبحث صلاة التراويح ۲/ ۴۵ ط سعيد)

(۲) فلو فعلها بتسليمة فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة الخ (الدر المختار' باب الوتر والنوافل' مبحث صلاة التراويح ۲/ ۴۵ ط سعيد)

(۳) التراويح سنة موكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء اجماعا (التنوير و شرحه' باب الوتر والنوافل' مبحث صلاة التراويح ۲/ ۴۳ ط سعيد) (۴) وكذا إذا لم يتابعه في التراويح ولا يتابعه في الوتر ... إذا صلى مع الامام شيئا من التراويح يصلي معه الوتر ... وكذا اذا صلى التراويح مع غيره له أن يصلي الوتر معه' وهو الصحيح الخ (حلبي كبير فروع' ص ۴۱۰ ط سهيل اكيدمي لاهور)

بیس رکعت تراویح پر ائمہ اربعہ کا اتفاق

(سوال) زید و بکر کا جھگڑا یہ ہے کہ زید کہتا ہے کہ تراویح کی نماز صرف آٹھ رکعت ہیں حضرت عمرؓ نے نہ تو بیس رکعتیں پڑھیں اور نہ پڑھنے کا حکم کیا شرع سے ثبوت دینے پر میں بھی بیس رکعت پڑھوں گا اب آپ کی خدمت میں بکر کی عرض یہ ہے کہ مذکور سوال کا جواب شرع سے دیں کوئی حدیث تحریر فرمائیں تو کتاب کا نام اور صفحہ بھی درج فرمائیں ؟ المستفتی نمبر ۲۱۷۱ عبدالرحمن صاحب گاندھولہ ضلع گنٹور (مدراس)

۲ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ م ۵ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۶۱۹) تراویح کی بیس رکعتیں ہیں بیس سے کم کا چاروں اماموں میں سے کوئی قائل نہیں۔ بیس سے زیادہ کے امام مالک اور امام شافعی قائل ہیں(۱)

آٹھ رکعت والی روایت نماز تہجد کے متعلق ہے اور نماز تہجد تراویح سے جدا ہے۔ مؤطا امام مالکؒ میں یہ روایت ہے۔ عن یزید بن رومان انه قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث و عشرین رکعة (۲) یعنی یزید بن رومان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانے میں تئیس رکعتیں پڑھتے تھے (یعنی بیس تراویح اور تین وتر) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

پندرہ سال والے لڑکے کے پیچھے تراویح کا حکم

(سوال) پندرہ سال سے کم اور بارہ سال سے زیادہ عمر والے بچے کے پیچھے نماز تراویح پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۴۱ حافظ محمد اسماعیل صاحب (آگرہ)

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۶۲۰) پندرہ سال سے کم عمر کا لڑکا اگر بالغ ہو جائے (مثلاً اسے احتلام ہونے لگے) تو اس کے پیچھے تراویح جائز ہے اگر کوئی علامت بلوغ ظاہر نہ ہو تو پندرہ سال کی عمر پوری ہونا ضروری ہے(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

حضور ﷺ سے کتنی رکعات تراویح ثابت ہے ؟

(سوال) حضور اکرم ﷺ نے ماہ رمضان المبارک میں نماز تراویح کتنی رکعتیں پڑھائی ہیں ؟ ثبوت مستند حدیث سے ہو ؟

---

(۱) وهی عشرون رکعة الخ (التنویر) قال الشامی : " وهو قول الجمهور و علیه عمل الناس شرقاً و غرباً الخ (باب الوتر والنوافل مبحث صلاة التراویح ۲ ۴۵ ط سعید)
(۲) موطا الامام مالک باب ماجاء فی قیام رمضان ص ۹۸ ط میر محمد کتب خانه کراچی)
(۳) بلوغ الغلام بالا حتلام والاحبال والا نزال الخ وان لم یوجد فیهما شئی فحتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة به یفتی (الدر المختار کتاب الحجر فصل بلوغ الغلام بالا حتلام ۶ ۱۵۳ ط سعید)

المستفتی نمبر ۲۳۷۷ مولانا اختر شاہ صدر مدرسہ امدادالاسلام میرٹھ ۷ شعبان ۱۳۶۲ھ

(جواب ۶۲۱) نماز تراویح رسول اللہ ﷺ نے صرف تین دن جماعت سے پڑھائی ہے چوتھے دن باوجود صحابہؓ کے اجتماع اور اس کوشش کے کہ حضور اکرم ﷺ حجرے سے نکلیں اور نماز پڑھائیں حضور ﷺ تشریف نہیں لائے اور فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے(۱) چنانچہ تراویح کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ نہ اس رمضان کے باقی ایام میں حضور اکرم ﷺ نے پڑھائی نہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ مبارک میں جماعت سے پڑھی گئی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں بھی کئی سال ایک جماعت کا اہتمام نہیں ہوا پھر حضرت عمرؓ نے جماعت تراویح کا اہتمام کیا اور حضرت ابی بن کعبؓ کو تراویح پڑھانے پر متعین فرمادیا(۲)

رسول اللہ ﷺ نے تیسرے روز صبح صادق کے قریب تک تراویح کی نماز پڑھائی اور اس بات میں اختلاف ہے کہ حضور ﷺ نے کتنی رکعتیں پڑھائیں مگر یہ بات متفق علیہ ہے کہ تیسری رات قریب صبح صادق تک نماز پڑھی گئی صحابی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ خوف پیدا ہو گیا کہ آج سحری کھانے کا موقع بھی ملتا ہے یا نہیں۔

اکثر روایتوں سے حضور اکرم ﷺ کا آٹھ رکعتیں ثابت ہوتا ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیس رکعتیں ثابت ہوتی ہیں حضرت ابن عباسؓ والی روایت کو محدثین ضعیف بتاتے ہیں مگر اس کا ضعف خلفائے راشدین اور جمہور امت محمدیہ کے عمل سے دور ہو جاتا ہے(۳) حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کے زمانہ ہائے مبارک میں تراویح کی بیس رکعتیں پڑھی جاتی رہیں اور اسی پر تمام امت کا عمل رہا اور اب تک ہے کہ بیس سے کم رکعتیں نہیں بیس سے زیادہ کے تو امام مالکؒ قائل بھی ہیں(۴) غرض بیس رکعت والی روایت کو تلقی امۃ بالقبول کی قوت حاصل ہے اور اس وجہ سے ضعف سند مضر نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

---

(۱) عن عائشة أنه ﷺ صلي في المسجد فصلي بصلوته ناس ثم صلي من القابلة فكثر الناس ثم اجتمعوا من الثالثة فلم يخرج اليهم فلما أصبح قال " قد رأيت الذي صنعتم فلم يمنعني من الخروج اليكم الا أني خشيت أن تفرض عليكم (حلبي كبير تراويح ص ٤٠١ ط سهيل)

(۲) و عن عبدالرحمن بن عبدالقاري قال خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة في رمضان الي المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه و يصلي الرجل فيصلي بصلوته الرهط " فقال " اني لو جمعت هؤلاء علي قارئ واحد لكان امثل ثم عزم فجمعهم علي ابي بن كعب الحديث (آثار السنن باب في جماعة التراويح ص ٢٠١ امدادية ملتان)

(۳) وهي ان كان ضعيفة لكنها تقوي حديث ابن عباس فلا شك في كونه حسنا الخ (التعليق الحسن علي آثار السنن باب في جماعة التراويح ص ١٩٩ ط امدادية ملتان)

(٤) قال في التنوير " وهي عشرون ركعة " وقال الشامي " وهو قول الجمهور و عليه عمل الناس شرقا و غربا و عن مالك ست و ثلاثون الخ (مبحث صلاة التراويح ٢ / ٤٥ ط سعيد)

اجرت لیکر تراویح پڑھانا

(سوال) متعلقہ اجرت تراویح

(جواب ۶۲۲) اجرت دیکر قرآن شریف تراویح میں پڑھوانا درست نہیں(۱) اگر بے اجرت لئے ہوئے پڑھنے والا حافظ نہ ملے تو سورت تراویح پڑھنا بہتر ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

درمیانی قعدہ کئے بغیر چار رکعت پڑھیں تو دو شمار ہوں گی

(سوال) متعلقہ سہو قعدہ

(جواب ۶۲۳) جب کہ درمیان میں قعدہ نہیں کیا بھول کر دو رکعتوں کی جگہ چار پڑھ لیں تو اس میں سجدہ سہو ضرور کرنا چاہئیے تھا آخری دو رکعتیں معتبر ہوتیں اور اول کی دو رکعتیں بیکار ہوتیں اب تراویح کی دو رکعتیں جو کم رہیں وہ رہیں اب ان کی کوئی صورت نہیں امام تارک سنت ہوا(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) تنہا فرض پڑھنے والا وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے
(۲) تراویح میں مقتدی کے لئے ثناء پڑھنے کا حکم

(سوال) (۱) زید بکر وغیرہ نے نماز عشاء تنہا پڑھی اور تراویح باجماعت تو زید بکر وغیرہ کو وتر تنہا پڑھنا بہتر ہے یا جماعت کیونکہ فرض عشاء جماعت سے نہیں پڑھی (۲) نماز تراویح میں امام مقتدی کو لازم ہے کہ ہر دو رکعت کی ابتدا میں ثناء پڑھیں یا صرف امام کا ثناء پڑھنا کافی ہوگا مقتدی سکوت اختیار کریں یا وہ بھی ضرور پڑھیں؟

(جواب ۶۲۴) (۱) اگر تراویح کی جماعت میں شریک ہو گیا ہو تو وتر کی جماعت میں بھی شریک ہو سکتا ہے(۳) (۲) اگر امام ثناء جلدی سے پڑھ کر قرأت شروع کر دے تو مقتدی ثناء نہ پڑھیں اور جب تک امام قرأت شروع نہ کرے مقتدی ثناء پڑھ لیں(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) وان القراءة لشئی عن الدنیا لا تجوز وان الا خذ والمعطی آثمان لا ذلك یشبه الا ستئجار علی القراءة و نفس الاستئجار علیها لا یجوز فکذا ما اشبه ولا ضرورة فی جواز الا ستئجار علی التلاوة (رد المحتار باب قضاء الفوائت مطلب فی بطلان الوصیة بالختمات والتهالیل ۲/۷۳ ط سعید)

(۲) وان صلی أربع رکعات بتسلیمة واحدة والحال انه لم یقعد علی رکعتین تجزی عن تسلیمة واحدة وهو المختار (حلبی کبیر فروع ص ۴۰۸ ط سہیل اکیڈمی لاہور)

(۳) ولو لم یصلها ای التراویح بالإمام أو صلاها مع غیره له أن یصلی الوتر معه الخ (التنویر و شرحه مبحث صلاة التراویح ۲/۴۸ ط سعید)

(۴) أدرك الإمام فی القیام یثنی مالم یبدأ بالقراءة الخ (الدر المختار فصل فی تالیف الصلاة ۱/۴۸۸ ط سعید)

امامت کی اجرت لینا جائز ہے، تراویح کی نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۲۸ء)

(سوال) گزشتہ ماہ رمضان سنہ رواں میں یہاں کے تجار کاٹھیاواڑی اور کچھی میمنوں نے ایک مصری حافظ صاحب کو بمبئی سے ایک سو تیس روپے اجرت مقرر کر کے کچھیوں والی مسجد میں تراویح پڑھانے کو بلایا تھا اور یہاں کے ایک ہفتہ وار اخبار "البیان اکولہ" مطبوعہ یوم جمعہ ۹ رمضان ۱۳۴۶ھ میں مندرجہ ذیل مضمون شائع ہوا تھا۔

"مقامی تیس مساجد میں سے صرف سات مسجدوں میں تراویح قرآن شریف کا دور ہو رہا ہے خصوصاً کچھی صاحبان کی مسجد میں مولانا سید احمد صاحب مصری قاری کو جو کہ جامعہ ازہر کے ایک جید عالم ہیں بلایا گیا ہے۔"

اس اخباری شہرت نیز اکولہ میں مشہور عبدالقادر قندھاری صاحب مولوی بیڑی پان والے کی دکان پر بیٹھ کر مدح سرائی کی وجہ سے کچھیوں والی مسجد میں افطار و تراویح کے وقت مسلمانوں کا زیادہ ہجوم رہتا تھا۔ کیا اجرت دے کر امام مذکور کو بلانا جائز ہے؟

(جواب ۶۲۵) متاخرین فقہائے حنفیہ نے امامت کی اجرت لینے دینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے،(۱) پس اگر امام مذکور سے معاملہ امامت نماز کے متعلق ہوا تھا تو درست تھا لیکن قرآن مجید تراویح میں سنانے کی اجرت لینا دینا جائز نہیں ہے اگر معاملہ قرآن مجید سنانے کے لئے ہوا تھا تو ناجائز تھا،(۲) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نابالغ کے پیچھے تراویح جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۳۰ء)

(سوال) نماز تراویح بالغوں کی نابالغ کے پیچھے آیا صحیح ہے یا نہیں؟

(جواب ۶۲۶) نابالغ امام کے پیچھے بالغوں کی اقتدا نماز تراویح میں بھی جائز نہیں(۳) محمد کفایت اللہ غفر لہ

تراویح میں دو مرتبہ قرآن ختم کرنا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء)

(سوال) جب حافظ رمضان میں کلام الٰہی تراویح میں ایک قوم کے سامنے ختم کرے پھر دوسری قوم کے

---

(۱) ویفتی الیوم بصحتہا لتعلیم القرآن والفقہ والامامۃ والاذان (الدر المختار، باب الاجارۃ الفاسدۃ ۶/ ۵۵ ط سعید)
(۲) وان القراءۃ لشئی من الدنیا لا تجوز وان الآخذ والمعطی آثمان لان ذلک یشبہ الاستئجار علی القراءۃ الخ (رد المحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب فی بطلان الوصیۃ بالختمات والتہالیل ۲/ ۷۳ ط سعید)
(۳) ولا یصح اقتداء رجل بامرأۃ وخنثی وصبی مطلقا ولو فی جنازۃ ونفل علی الاصح (درمختار) والمختار انہ لا یجوز فی الصلوات کلہا الخ (رد المحتار، باب الامامۃ ۵۷۷، ۵۷۸ ط سعید)

سامنے ختم کرنے سے اس دوسری قوم کا سنت ختم ادا ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۶۲۷) ہاں اگر کوئی حافظ قرآن دس روز ایک جماعت کو تراویح میں قرآن مجید سنادے اور دس روز دوسری جماعت کو اور دس روز تیسری جماعت کو تو تینوں جماعتوں کو سنت ختم کا ثواب مل جائے گا(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) تراویح میں تسبیحات معمولی آواز سے پڑھی جائیں
(۲) وتر کے بعد "سبحان الملك القدوس" بلند آواز سے پڑھنا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۳۵ء)

(سوال) (۱) ماہ رمضان میں تراویح کی نماز میں تسبیحات جو بلند آواز سے پڑھتے ہیں کیا آہستہ نہیں پڑھ سکتے ؟ (۲) اور کیا بعد نماز وتر کے سبحان الملك القدوس اونچی آواز سے بولنا ضروری ہے ؟

(جواب ۶۲۸) (۱) تسبیحات آہستہ پڑھنا بہتر ہے 'معمولی آواز سے پڑھنے میں مضائقہ تو نہیں لیکن آہستہ پڑھنا افضل ہے(۲) (۲) وتر کے بعد سبحان الملك القدوس ذرا اونچی آواز سے کہنا مستحب ہے(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تراویح میں نابالغ کی امامت

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۳۶ء)

(سوال) ایک نابالغ لڑکا حافظ ہو گیا ہے اور ایک مسجد میں تراویح پڑھا رہا ہے سوال یہ ہے کہ نابالغ کے پیچھے تراویح ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ شرح وقایہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ نابالغ عورت یا مرد کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور آگے جا کر یہ تشریح کی ہے کہ نابالغ کے پیچھے نماز اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ نماز ابھی اس پر فرض نہیں ہوئی ہے جو بجائے خود بالکل درست ہے کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز نہ ہوگی لیکن اب سوال یہ ہے کہ تراویح جو نوافل میں داخل ہے نابالغ کے پیچھے ہوں گی یا نہ ہوں گی اس لئے کہ مؤلف مذکور نے امام نخعی کے حوالے سے نماز تراویح کو نابالغ کے پیچھے پڑھنا جائز بتایا ہے لیکن بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ تراویح بھی نابالغ کے پیچھے نہیں ہوتی ہیں اب صورت حال یہ ہے کہ اس نابالغ کے سوا

---

(۱) الختم مرۃ سنة ومرتین فضیلة و ثلث افضل الخ (الدر المختار' مبحث صلاۃ التراویح ۲/ ۴۶ ط سعید)

(۲) عن ابی موسی الاشعری قال " اخذ النبی ﷺ فی عقبة او قال فی ثنیة " قال :" فلما علا علیها رجل نادی فرفع صوته لا اله الا الله والله اکبر ، قال :" ورسول الله ﷺ علی بغلته قال :" فانکم لا تدعون اصم ولا غائبا الحدیث (بخاری' باب قول لا حول ولا قوۃ الا بالله ۲/ ۹۴۸-۹۴۵ ط قدیمی کتب خانه' کراچی)

(۳) عن سعید بن عبدالرحمن بن ابزی عن ابیه قال :" کان رسول الله ﷺ یوتر بسبح اسم ربك الاعلی وقل یا ایها الکفرون و قل هو الله احد واذا سلم قال سبحان الملك القدوس ثلث مرات یمد صوته فی الثالثة ثم یرفع (نسائی' التسبیح بعد الفراغ من الوتر ۱/ ۱۹۶ ط سعید)

(۲) اگر کوئی حافظ موجود نہیں اگر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی گئی تو یا مسجد سونی پڑی رہے گی یا کسی کو معاوضہ دیکر بلانا پڑے گا؟

(جواب ۶۲۹) صحیح اور راجح یہی ہے کہ نابالغ کے پیچھے نماز نہیں ہوتی (۱) اگر بالغ حافظ نہ مل سکے یا ملے مگر وہ اجرت لیکر پڑھے تو سورت تراویح پڑھ لینی بہتر ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) پیسے دیکر تراویح پڑھانا
(۲) موقوفہ دکان کی آمدنی سے امام مسجد کو تنخواہ دینا
(۳) تنخواہ دار امام کے پیچھے نماز
(۴) تراویح کی اجرت لینا جائز نہیں
(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۳۸ء)

(سوال) (۱) ایک مسلمان خود نماز پنجگانہ یا تراویح نہیں پڑھتا لیکن بغرض حصول ثواب روپیہ دیکر کسی مسلمان سے نماز تراویح پڑھواتا ہے تو اسے ثواب ملے گا یا نہیں ؟ (۲) کسی مسلمان نے ایک مسجد پر اپنا موضع یا مکان وغیرہ بغرض حصول ثواب وقف کر دیا ہے تاکہ اس کی آمدنی سے انتظام صوم و صلوۃ و مرمت مسجد وغیرہ ہوتی رہے وقف کنندہ یا متولی روپیہ دیکر نماز تراویح پڑھواتا ہے اس مسجد میں کوئی امام برائے نماز پنجگانہ نہیں ہے تو وہ روپیہ جو تراویح میں خرچ ہوا وقف کنندہ کو اس کا ثواب ملے گا یا نہیں ؟ (۳) کسی مسجد میں ایک امام بہ تنخواہ قلیل یا کثیر پنج وقتہ نماز پڑھانے کے لئے مقرر ہے اور وہ نماز تراویح بھی پڑھاتا ہے تو ایسی نماز تراویح سے امام و مقتدی کو ثواب ملے گا یا نہیں ؟ (۴) ایسا روپیہ جو امام صاحبان نماز تراویح میں خلاف شرع لیتے ہیں تو وہ رقم حلال ہے یا حرام ؟

(جواب ۶۳۰) (۱) روپیہ دینا جب تراویح کے معاوضہ میں جائز ہی نہیں ہے تو اس کا ثواب کیا ملے گا (۲) (۲) اگر اس مسجد میں امام کوئی مقرر نہیں فرض نمازوں کے پڑھانے کے لئے تو یہ ہو سکتا ہے کہ صرف رمضان المبارک کی امامت کے لئے کسی شخص کو پنج وقتی نمازوں کے لئے اور نماز تراویح پڑھانے کے لئے امام مقرر کر دیا جائے تو واقف کو ثواب ہوگا لہذا بہتر یہی ہے بلکہ ایسی صورت وقف مذکور میں ضروری ہے کہ بارہ مہینوں کے لئے امام مقرر کر لیا جائے تاکہ بارہ مہینے نماز باجماعت ہوتی رہے اور جائداد موقوفہ کی آمدنی میں سے پیش امام کو تنخواہ دی جائے تو اس تنخواہ کی دینے کا واقف کو بھی ثواب ملے گا (۳) (۳) یہ

(۱) ولا یصح اقتداء رجل بامرأۃ وخنثی و صبی مطلقا ولو فی جنازۃ و نفل علی الأصح الخ (الدر المختار' باب الإمامۃ ۱/ ۵۷۷ ط سعید)

(۲) وأن القراءۃ لشئی عن الدنیا لا تجوز وإن الآخذ والمعطی آثمان' لان ذلک یشبہ الاستئجار علی القراءۃ و نفس الاستئجار علیھا لا یجوز فکذا ما أشبھہ کما صرح بذلک فی عدۃ کتب من مشاھیر کتب المذھب الخ (رد المحتار' باب قضاء الفوائت مطلب فی بطلان الوصیۃ بالختمات والتھالیل ۲/ ۷۳ ط سعید)

(۳) ویبدأ من غلتہ بعمارتہ ثم ماھو أقرب بعمارتہ کإمام مسجد و مدرس و مدرسۃ یعطون بقدر کفایتھم الخ (الدر المختار' کتاب الوقف ٤/ ۳٦٦-۳٦۷ ط سعید)

شک ایسی نماز تراویح سے امام و مقتدیان کو بھی ثواب ملے گا(۱) یہ رقم جو ناجائز طریق پر وہ لیں گے ان کے لئے مکروہ تحریمی ہوگی۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تیرھواں باب
سجدہ تلاوت اور نفلی سجدہ

بعد نماز سجدہ کی حالت میں دعا کرنا ثابت نہیں

(سوال) آج کل بعض آدمی جب نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو دونوں کف دست چت کر کے یا بغیر اس کے سر بسجود ہوتے ہیں اور دعا کرتے ہیں اور گڑگڑاتے ہیں سند اور دلیل میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ خواب راحت فرماتے تھے اتفاق سے شب برات تھی تھوڑی رات کے بعد جو میں جاگی دیکھتی ہوں کہ آپ بستر پر نہیں ہیں تو میں آپ کو تلاش کرنے کے واسطے نکلی اس خیال سے کہ شاید آپ کسی دوسری بیوی کے گھر گئے ہوں گے اور میں نے سب گھروں میں تلاش کیا کہیں آپ کا پتہ نہ لگا آخر ش میں جنت البقیع کی طرف گئی کہ شاید آپ وہاں گئے ہوں جب میں وہاں گئی تو دیکھتی ہوں کہ آپ سجدے میں پڑے ہوئے ہیں اور اپنی امت کی بخشش کی دعا کر رہے ہیں اور رو رہے ہیں اور گڑگڑا رہے ہیں اور ایک حدیث جو حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے دلیل میں پیش کرتے ہیں قال قال رسول اللہ ﷺ الا انی نہیت ان اقرأ القران راکعاً وساجدا فاما الرکوع فعظموا فیہ الرب واما السجود فاجتہدوا فی الدعاء فقمن ان یستجاب لکم رواہ مسلم کذافی المشکوۃ (۲) باب الرکوع اب سوال یہ ہے کہ اس طرح نماز کے بعد سر بسجود ہو کر دعا مانگنا اور اپنی مرادیں مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان دونوں حدیثوں سے استدلال پکڑنا صحیح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۶۳۱) سوال میں جو احادیث منقول ہیں ان سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ نفل نماز کے اندر سجدہ میں دعا مانگی گئی ہے یا مانگی جائے بعد نماز صرف دعا کے لئے سجدہ کرنے کا ثبوت ان احادیث سے نہیں ہوتا اور حقیقت یہ ہے کہ نماز کے بعد محض دعا کرنے کے لئے سجدہ کرنے کی اصل شریعت میں نہیں بیشک سجدہ شکر جو کسی نعمت کے حصول پر کیا جائے وہ بقول مفتی بہ جائز ہے اور صرف دعا کے لئے سجدہ کرنے سے فقہا اس لئے منع کرتے ہیں کہ اس سے جہلا کا عقیدہ فاسد ہوتا ہے۔ وسجدۃ الشکر مستحبۃ بہ یفتی لکنہا تکرہ بعد الصلوۃ لان الجہلۃ یعتقدونہا سنۃ اوواجبۃ وکل مباح یؤدی الیہ فمکروہ (درمختار -) قولہ لکنہا تکرہ بعد الصلوۃ الخ الضمیر للسجدۃ مطلقا قال فی شرح

(۱) ویفتی الیوم بصحتہا لتعلیم القرآن والفقہ والامامۃ والاذان الخ (الدر المختار' باب الاجارۃ الفاسدۃ ۶ / ۵۵ ط سعید)
(۲) (الفصل الاول ص ۸۳ 'ط سعید)
(۳) باب سجود التلاوۃ مطلب فی سجدۃ الشکر ۲/ ۱۱۹ ، ۱۲۰ ط سعید)

المنية اخر الكتاب عن شرح القدوری للزاهدی اما بغير سبب فليس بقربة ولا مكروه وما يفعل عقيب الصلوة فمكروه كان الجهلة يعتقد ونها سنة اوواجبة وكل مباح يؤدی اليه فسكروه انتهى و حاصله ان ما ليس لها سبب لا تكره مالم يؤد فعلها الى اعتقاد الجهلة سنيتها كالتى يفعلها بعض الناس بعد الصلوة ورأيت من يواظب عليها بعد صلوة الوتر ويذكران لها اصلا وسنداً فذكرت له ماهنا فتركها . ثم قال فى شرح المنية وأماماذكرنا فى المضمرات ان النبى ﷺ قال لفاطمة ما من مؤمن ولا مؤمنة يسجد سجد تين الى اخر ما ذكر فحديث موضوع باطل لا اصل له. انتهى (رد المحتار) (١) واللہ اعلم

نماز کے بعد سجدہ دعائیہ کا حکم

(سوال) نماز پڑھنے کے بعد سجدے میں گر کر قضائے حاجات کے لئے دعا مانگنی ادعیہ ماثورہ سے یا غیر ماثورہ سے عربی میں یا عجمی میں جائز ہے یا ناجائز؟ اور آنحضرت ﷺ سے نماز کے بعد یا قبل ایسا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ جواب قرآن وحدیث و آثار سے دیا جائے؟

المستفتی اے ای ایم داؤجی نمبر ۲۲ اسٹینڈ روڈ ۔ رنگون

(جواب ٦٣٢) نماز کے بعد سجدہ دعائیہ کو فقہائے کرام نے مکروہ فرمایا ہے فتاوی عالمگیری (٢) میں ہے۔ وما يفعل عقيب الصلوة مكروه كان الجهال يعتقدونها سنة اوواجبة وكل مباح يؤدی اليه فسكروه. یعنی جو سجدہ کہ نماز کے بعد کیا جاتا ہے مکروہ ہے کیونکہ عوام اس کو واجب یا سنت اعتقاد کر لیتے ہیں اور جو مباح کہ اعتقاد وجوب یا سنیت پیدا کرے مکروہ ہو جاتا ہے اسی عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ سجدہ فی حد ذاتہ مباح ہے کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس مباح کو واجب یا سنت سمجھ لیا جاتا ہے یا لوگ دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں اور جو کوئی نہ خود ایسا سمجھتا ہو اور نہ لوگوں کے سامنے کرے بلکہ تنہائی میں کرے تو مباح ہے۔ آنحضرت ﷺ یا صحابہ کرام یا ائمہ مجتہدین کا یہ طریقہ نہ تھا۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ، دہلی

سورہ ص میں کونسی آیت پر سجدہ کیا جائے؟

(سوال) سورہ ص کا سجدہ آیت مآب پر صحیح ہے یا اناب پر؟

المستفتی نمبر ۱۴۳۴ حکیم نظام الدین صاحب اجمیری ۔ ۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب) (از مولانا احمد سعید صاحب) سورہ ص کا سجدہ آیت مآب پر صحیح ہے اناب پر درست نہیں ہے۔

فقیر احمد سعید کان اللہ لہ،

---

(١) (باب سجود التلاوة، مطلب فى سجدة الشكر ٢ / ١٢٠ ط سعيد)

(٢) (الباب الثالث عشر فى سجود التلاوة ١ / ١٣٦ ط ماجدية، كوئٹه)

(جواب ۶۳۳) (از حضرت مفتی اعظمؒ) حسن مآب پر سجدہ کرنا اولیٰ اور احوط ہے اور یہی قول راجح ہے اور دوسرا قول کہ اناب پر سجدہ ہے مرجوح ہے کذا فی حاشیۃ مراقی الفلاح للطحطاوی (۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ

رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت کی تو ادا ہو گا؟

(سوال) زید نے تراویح پڑھاتے ہوئے آیت سجدہ کو پڑھ کر فوراً ہی رکوع کیا اور سجدہ تلاوت کو سجدہ نماز میں ادا کیا تو سجدہ تلاوت بھی ہو گیا یا نہیں؟ یعنی زید کا یہ عمل جائز ہے یا ناجائز؟ اگر سجدہ تلاوت کو سجدہ نماز میں ادا کرنا ناجائز خیال کرتے ہیں تو وہاں سجدہ تلاوت کو مستقل کرنا بہتر ہے یا سجدہ نماز میں ادا کرنا بہتر ہے؟ المستفتی نمبر ۲۰۷۲ محمود علی صاحب (سہارنپور)

۲۴ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۹ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۶۳۴) آیت سجدہ پڑھ کر رکوع میں چلے جانے اور سجدہ تلاوت کی نیت کر لینے سے سجدہ تلاوت ادا ہو جاتا ہے (۲) لوگوں کو مسئلہ معلوم نہ ہو تو ان کو دریافت کر لینا چاہئے خواہ مخواہ امام صاحب کے خلاف طوفان بپا کرنا کوئی دانشمندی نہیں ناواقفیت اور جہالت اپنی اور اعتراض امام پر یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے امام بھی سجدہ تلاوت مستقل طور پر ادا کر لے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

نماز صبح کے بعد سجدہ تلاوت ادا کرنا جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۲۸ء)

(سوال) صبح کی نماز ختم کرنے کے بعد جب کہ سورج نکلنے میں پندرہ منٹ باقی ہیں سجدہ تلاوت جو ایک روز پہلے یا کسی وقت گزشتہ میں واجب ہو چکا ہے ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۶۳۵) صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے سجدہ تلاوت کر لینا جائز ہے خواہ پہلے کا واجب ہو یا اسی وقت آیت سجدہ تلاوت کی گئی ہو (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) (وص) وظن داؤد انما فتناه فاستغفر ربه و خرّ راكعا و اناب فغفرنا له ذلك وإن له عندنا لزلفى و حسن مآب' وهذا هو الأولى مما قال الزيلعي تجب عند قوله " وخرّ راكعا و اناب و عند بعضهم عند قوله تعالى :" و حسن مآب" الخ (باب سجود التلاوة ص ۲۸۹' ط مصر)

(۲) وتؤدى بركوع صلاة إذا كان الركوع على الفور من قراءة اية إن نواه أى كون الركوع لسجود التلاوة على الراجح الخ (التنوير و شرحه' باب سجود التلاوة ۲/۱۱۱-۱۱۲ ط سعيد)

(۳) لا يكره قضاء فائتة ولو وترا و سجدة تلاوة وصلاة جنازة الخ (الدر المختار' كتاب الصلاة ۱/۳۷۵ ط سعيد)

چودھواں باب
سجدہ سہو

مقدار رکن کی تاخیر سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے

(سوال) تاخیر واجب میں سجدہ سہو آتا ہے اور تاخیر اندازہ مقدار تین تسبیح کا ٹھہرایا گیا ہے جیسے قرأۃ سے فارغ ہو کر مقدار تین تسبیح کھڑا رہایا بعد فراغ تشہد اسی قدر بیٹھا رہا تاخیر رکن یا واجب کی مقدار تین تسبیح نہ ہونے پر سجدہ سہو واجب نہیں اب اگر کوئی شخص پانچویں رکعت کی طرف کھڑا ہو گیا یا تیسری رکعت صلوۃ رباعیہ میں بیٹھ گیا اگر اس قیام اور قعود میں بھی مقدار تسبیح ملحوظ ہے تو منیۃ المصلی کی اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا جس سے محض قیام و قعود بلا مقدار تسبیح معلوم ہوتا ہے۔ **ولو قام الی الخامسة او قعد فی الثالثة یجب بمجرد القیام والقعود.**

المستفتی نمبر ۳ مولوی عبدالعزیز مدرس مدرسہ مفید الاسلام۔ نول گڈھ۔ جے پور

۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ ۱۳ جولائی ۱۹۳۳ء

(جواب ۶۳۶) پانچویں رکعت کی طرف کھڑے ہو جانے یا تیسری رکعت پر صلوۃ رباعیہ میں بیٹھ جانے میں بھی وہی مقدار رکن مراد ہے اور جن عبارتوں میں مجرد قیام و قعود وجوب سجدہ سہو کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ قیام و قعود کے بعد قرأت و تشہد ہو یا نہ ہو صرف قیام و قعود سے ہی سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے کسی دوسری بات کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ قیام اور قعود کا تحقق ہی اس کے لئے کافی ہے کہ تاخیر بمقدار رکن ہو گئی۔(۱) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

سجدہ سہو کئے بغیر سلام پھیر دیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

(سوال) ایک امام صاحب نماز میں کوئی سہو آ جائے تو سجدہ سہو نہیں کرتے سلام کے بعد کوئی بتائے تو بعد گفتگو سجدہ سہو کر لیتے ہیں اور بغیر سلام سجدہ سہو ادا کرتے ہیں؟

(جواب ۶۳۷) کلام کے بعد سجدہ سہو سے نماز نہیں ہوتی اور سجدہ سہو سلام کے بعد ہونا چاہئے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) ولا یجب السجود إلا بترك واجب أو تاخیره أو تاخیر ركن الخ (عالمگیریة' باب سجود السهو' ۱/۱۲۶ ط ماجدیه)

(۲) ویسجد للسهو ولو مع سلامه ناویا للقطع لأن نیة تغییر المشروع لغو مالم یتحول عن القبلة أو یتكلم لبطلان التحریمة الخ (التنویر و شرحه' باب سجود السهو ۲/۹۱ ط سعید) ویجب بعد سلام واحد عن یمینه فقط بسجدتان و تشهد و سلام لأن سجود السهو یرفع التشهد ویأتی بالصلوة علی النبی ﷺ والدعاء فی القعود الأخیر (التنویر و شرحه باب سجود السهو ۲/۷۷-۷۸)

التحیات کے بجائے الحمد للہ پڑھی تو سجدہ سہو واجب ہوگا

(سوال) التحیات کے بجائے الحمد پڑھ لی تو کیا سجدہ سہو ہے؟

المستفتی نمبر ۶۵۸ مجیدی دواخانہ بمبئی ۔ ۲۷ رجب ۱۳۵۴ھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۶۳۸) التحیات کی جگہ الحمد پڑھ لینے سے سجدہ سہو واجب ہوگا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جمعہ و عیدین میں سجدہ سہو کا حکم

(سوال) نماز جمعہ و نماز عیدین میں اگر سجدہ سہو ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۱۰۰۷ عبدالستار (گیا) ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۲۰ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۳۹) جماعت زیادہ بڑی نہ ہو اور گڑبڑ کا خوف نہ ہو تو جمعہ و عیدین میں بھی سجدہ سہو کر لیا جائے البتہ کثرت جماعت کی وجہ سے گڑبڑ کا خوف ہو تو سجدہ سہو ترک کر دینا مباح ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جہری نماز میں سراً قراءت کی تو سجدہ سہو واجب ہوگا

(سوال) فرض نماز جہر والی میں ایک رکعت پڑھ کر دوسری رکعت میں امام جہر بھول گیا اور خاموشی سے سورہ فاتحہ پڑھی اور سورۃ بھی پڑھی سورۃ پڑھنے کے دوران میں جب کہ آدھی سے زیادہ پڑھ چکے اور یاد آگئی تو باقی سورت کو جہر سے پڑھی جائے یا نہیں اگر یاد آنے کے بعد جہر نہیں کیا تو نماز ناقص نہ ہوئی اور سجدہ سہو کر دیا تو نماز صحیح ہو گئی یا نہیں کراہت دار یا بلا کراہت مسئلہ نمبر ۳۸ بہشتی زیور حصہ دوسرا سجدہ سہو کے بیان میں فرض کی دونوں پچھلی رکعتوں میں یا ایک میں الحمد پڑھنی بھول گئی چپکے کھڑی رہ کے رکوع میں چلی گئی تو بھی سجدہ سہو واجب نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۵۸۹ انعام الٰہی صاحب (دہلی) ۹ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ ۱۸ اپریل ۱۹۴۰ء

(جواب ۶۴۰) اگر جہری نماز میں قراءۃ سراً پڑھ لی جائے تو سجدہ سہو کر لینے سے نماز درست ہو جاتی ہے۔(۳) اگر قراءۃ بھولے سے آہستہ پڑھنی شروع کر دی اور درمیان میں یاد آیا کہ نماز جہری ہے مگر باقی قراءۃ بھی آہستہ ہی پوری کر لی جب بھی سجدہ سہو سے نماز صحیح ہو گئی بشرطیکہ جتنی قراءۃ آہستہ پڑھی تھی وہ جواز نماز کے لئے

---

(۱) وإذا قرأ الفاتحة مكان التشهد فعليه السهو وكذلك إذا قرأ الفاتحة ثم التشهد كان عليه السهو الخ (عالمگیریة' الباب الثاني عشر في سجود السهو' ۱/۱۲۷ ط ماجدیه' کوئٹه)

(۲) والسهو في صلاة العيد والجمعة والمكتوبة سواء والمختار عند المتأخرين عدمه في الأوليين لدفع الفتنة كما في جمعة البحر الخ (الدر المختار' باب سجود السهو ۲/۹۲ ط سعيد)

(۳) والجهر فيما يخافت فيه الإمام وعكسه لكل مصل في الأصح' والا صح تقديره بقدر ما تجوز به الصلاة في الفصلين وقيل قائله قاضي خان يجب السهو بهما أي بالجهر والمخافتة مطلقا أي قل أو كثر' وهو ظاهر الرواية (تنوير و شرحه) وفي الشامية " وقال في شرح المنية " الصحيح ظاهر الرواية' وهو التقدير بما تجوز به الصلاة من تفرقة الخ (باب سجود السهو ۲/۸۱-۸۲ ط سعيد)

کافی ہو اور اسے یاد آئے پر جہر کرنا چاہئے مگر از سر نو فاتحہ اور سورۃ جہر سے پڑھے اور سجدہ سہو کرلے یہ نہ کرے کہ جہاں پر یاد آیا وہیں سے جہر شروع کردے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

قعدہ اولیٰ میں " اللّٰهم صل علی محمد" تک پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا

(سوال) تین یا چار رکعت والی نماز کے درمیانی قعدہ میں التحیات کے بعد اگر درود شریف اللھم صل علی محمد پڑھ لی جائے تو سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں ؟ اور ایسا امام جو درود پڑھنے کے بعد سجدہ سہو نہ کرتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۷۹۵ غیاث الدین دہلی۔ ۷ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ

(جواب ۶۴۱) فرض نماز کے درمیانی قعدہ میں تشہد پر اکتفا کرنا واجب ہے درود شریف اگر اللھم صلی علی محمد تک پڑھ لیا جائے تو سجدہ سہو واجب ہوگا(۱) سجدہ سہو نہ کیا جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

عیدین کی تکبیرات زوائد میں کمی کی تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) عیدین کی نماز چھ تکبیروں کے ساتھ دو رکعت واجب ہے اگر پیش امام ایک تکبیر بھول جائے تو سجدہ سہو کیا جائے یا نماز دوہرائی جائے ؟

المستفتی نمبر ۲۴۷۲ شیخ اعظم شیخ معظم (ضلع مغربی خاندیس) ۸ صفر ۱۳۵۸ھ۔

(جواب ۶۴۲) سجدہ سہو سے نماز ہو جائے گی (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

تاخیر واجب سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے

(سوال) تاخیر واجب سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۶۴۳) تاخیر واجب سے سجدہ سہو آتا ہے عالمگیری کی جلد اول ص ۱۳۲ میں موجود ہے۔ ولا یجب السجود الا بترك الواجب او تاخیرہ او تاخیر رکن الخ (۳) واللہ اعلم بالصواب۔

محمد کفایت اللہ غفر لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

---

(۱) وتاخیر قیام إلی الثالثة بزیادة علی التشهد بقدر رکن و قیل بحرف و فی الزیلعی الأصح وجوبه باللهم صل علی محمد" (التنویر و شرحه باب سجود السهو ۲ : ۸۱ ط سعید)

(۲) ومنها تکبیرات العیدین قال فی البدائع : " إذا ترکها أو نقص منها او زاد علیها فإنه یجب علیه السجود وقدروی الحسن عن أبی حنیفة إذا سها الإمام عن تکبیرة واحدة فی صلاة العید یسجد للسهو الخ (عالمگیریة الباب الثانی عشر فی سجود السهو ۱ : ۱۲۸ ط ماجدیه)

(۳) (الباب الثانی عشر فی سجود السهو ۱ : ۱۲۶ ط ماجدیه)

امام نے مغرب کی دو رکعتوں پر سلام پھیرا ، بتانے پر
تیسری رکعت ملا کر سجدہ سہو کیا نماز ہوئی یا نہیں ؟
(الجمعیۃ مورخہ ۴ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) امام نے مغرب کی نماز میں دو رکعت ختم کر کے سلام پھیر کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اس پر آخر صف کے مقتدیوں نے کہا کہ نماز دو رکعت ہوئی ہے اور اس گفتگو میں خاصہ شور و شغب ہو گیا اس کے بعد امام نے پھر ایک رکعت نماز پڑھ کر سجدہ سہو کر کے سلام پھیرا یہ نماز ہوئی یا نہیں ؟ امام کہتا ہے کہ جب تک امام کا سینہ قبلہ سے نہ پھرے اس وقت تک وہ نماز سجدہ سہو ادا کرنے سے ہو جاتی ہے جن مقتدیوں نے گفتگو کی ان کی نماز کا کیا حکم ہے ؟ (امام حنفی ہے مقتدیوں میں حنفی شافعی اور غیر مقلد تھے)

(جواب ٦٤٤) ہاں اگر امام نے خود کلام نہ کیا اور نہ قبلہ سے منحرف ہوا تو ایک رکعت پڑھ لینے اور سجدہ سہو کر لینے سے نماز ہو گئی اور جن مقتدیوں نے کلام نہیں کیا (اور امام کے ساتھ تیسری رکعت پڑھی) ان کی بھی نماز ہو گئی اور جن لوگوں نے کلام کیا ان کی نمازیں باطل ہو گئیں (۱) ان کو اپنی نمازیں از سر نو پڑھنی چاہئیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دوسری رکعت میں بیٹھتے ہی سلام پھیر دیا تو نماز فاسد ہو گئی
(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۲۸ء)

(سوال) ایک شخص نے دو رکعت والی نماز پڑھی قعدہ اخیرہ میں بیٹھتے ہی سلام موڑ دیا التحیات اور درود وغیرہ کچھ نہیں پڑھا؟

(جواب ٦٤٥) نماز نہیں ہوئی۔ لوٹانا ضروری ہے (۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

سوال نمبر ۶۴۴ کا دوسرا جواب
(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۲۸ء)

(سوال) سوال مورخہ ۴ نومبر ۱۹۲۷ء کا دوسرا جواب

(جواب ٦٤٦) امام کی اور ان مقتدیوں کی جنہوں نے بات نہیں کی اور قبلہ رخ رہے نماز ہو گئی اور جن مقتدیوں نے بات کی یعنی یہ جملہ کہا کہ "دو رکعت نماز ہوئی ہے" اگر وہ حنفی ہیں تو مذہب حنفی کے موجب

---

(۱) ویسجد للسهو ولو مع سلامه ناويا للقطع مالم يتحول عن القبلة او يتكلم لبطلان التحريمة الخ (التنوير وشرحه باب سجود السهو ۲/ ۹۱ ط سعيد)
(۲) ولها واجبات لا تفسد بتركها و تعاد وجوبا في العمد والسهو ان لم يسجد له الخ (التنوير و شرحه باب صفة الصلاة ۱/ ٤٥٦ ط سعيد)

ان کو اپنی نماز دہرا لینی چاہئیے(۱) رہے شافعی اور غیر مقلد تو اگر وہ اس کو مفسد نماز نہ سمجھیں تو حنفیوں کو ان سے تعرض نہ کرنا چاہئیے۔　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جمعہ و عیدین میں سجدہ سہو کیا جائے یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ فروری و یکم مارچ ۱۹۳۲ء)

(سوال) اگر امام کو نماز عیدین میں سہو ہو جائے اور واجب کو بھول کر مؤخر کر دے تو اس کو سجدہ سہو کرنا چاہئیے یا نہیں ؟

(جواب ۶۴۷) عید اور جمعہ کی نماز میں جبکہ مقتدیوں کی بہت بڑی جماعت شریک نماز ہو اور سجدہ سہو کرنے سے تلبس کا قوی اندیشہ ہو تو سجدہ سہو نہ کرنا اولیٰ ہے تاکہ نماز اختلال و انتشار سے محفوظ رہے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) پہلی رکعت میں بیٹھ کر کھڑا ہو تو سجدہ سہو واجب ہوا یا نہیں ؟
(۲) سجدہ سہو کئے بغیر سلام پھیر دیا تو نماز ہوئی یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ یکم فروری ۱۹۳۶ء)

(سوال) (۱) تراویح کی نماز میں امام پہلی رکعت کے دوسرے سجدے سے اس خیال میں کہ دوسری رکعت کا سجدہ ختم ہوا قعدہ میں بیٹھا ہو کہ مقتدی کے لقمہ دینے سے فوراً بلا تاخیر کھڑا ہوا اور دوسری رکعت پوری کی سجدہ سہو کئے بغیر جس پر مقتدیوں میں ایک سندی عالم نے کہا کہ سجدہ سہو واجب ہوا تھا جس کو ترک کیا گیا ہے لہذا نماز لوٹانی واجب ہے (۲) امام پر سجدہ سہو واجب تھا لیکن یاد نہ رہنے سے سلام پھیر کر نماز سے باہر آ گیا تو نماز ہو جائے گی یا نہیں ؟

(جواب ۶۴۸) (۱) اگر دوسری رکعت میں بیٹھ کر فوراً بلا تاخیر کھڑا ہو گیا تو سجدہ سہو واجب نہیں (۳)
(۲) جب سجدہ سہو واجب ہو اور بھول کر بغیر سجدہ کئے سلام پھیر دیا جائے تو نماز کا اعادہ واجب ہے(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) يفسد ها التكلم: هو النطق بحر في أو حرف مفهم الخ (الدر المختار' باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها ۱ / ۶۱۳ ط سعيد)

(۲) السهو في صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء' والمختار عند المتاخرين عدمه في الأوليين لدفع الفتنة كما في جمعة البحر الخ و في الشامية :" قيده محشيها الواني بما إذا حضر جمع كثير' والا فلا داعي إلى الترك (باب سجود السهو' ۲ / ۹۲ ' ط سعيد) (۳) والتاخير اليسير' وهو مادون ركن معفو عنه (رد المحتار' باب صفة الصلاة مطلب في واجبات الصلوات' ۱ / ۴۶۰ ط سعيد) (۴) ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوبا في العمد والسهو إن لم يسجد وإن لم يعدها يكون فاسقا وهي قراءة فاتحة الكتاب وضم سورة　والقعدة الأولى　وتشهد ان الخ (التنوير و شرحه' باب صفة الصلاة ۱ / ۴۵۶ - ۴۵۷ ط سعيد)

پندرھواں باب
رکوع و سجدہ اور قعدہ

نماز میں دونوں سجدے فرض ہیں

(سوال) نماز میں دو سجدے فرض ہیں یا ایک ؟ اگر کسی مقتدی کا کسی وجہ سے ایک سجدہ رہ جائے امام دونوں سجدے کرے تو مقتدی کی نماز ہو گی یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۷ ۔ ۲۷ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۶۴۹) دوسرا سجدہ بھی فرض ہے۔ السجود الثانی فرض کالا ول باجماع الامة کذافی الزاھدی (فتاویٰ عالمگیری) (۱) اگر مقتدی کو ایک سجدہ نہ ملا تو جس رکعت کا ایک سجدہ رہ گیا وہ رکعت محسوب نہ ہو گی ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سجدہ میں دونوں پاؤں اٹھ جانے کا حکم

(سوال) ایک مسجد کے امام صاحب سجدے کی حالت میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھا دیتے ہیں ؟

(جواب ۶۵۰) سجدے کی حالت میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھا دینے سے نماز نہیں ہوتی (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

امام کا درمیانی قعدہ میں دیر کرنا

(سوال) ایک امام صاحب قعدہ اولیٰ میں ہمیشہ دیر تک بیٹھے رہتے ہیں مقتدی اگر اعتراض کریں تو جواب دیتے ہیں کہ یہ تو میری عادت ہے میں خاموش تھوڑی دیر بیٹھا رہتا ہوں ؟

(جواب ۶۵۱) مقتدیوں کی رعایت سے ایسا کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں (۳)

رکوع میں "ربی العظیم" کی بجائے "ربی الکریم" پڑھنا

(سوال) ردالمحتار شامی جلد اول ص ۳۶۵ باب مطلب فی اطالۃ الرکوع میں ہے کہ رکوع میں اگر سبحان ربی العظیم کی ظ برابر ادا نہ ہو سکے تو اس کی جگہ سبحان ربی الکریم پڑھے ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ ظ برابر نہ ادا ہونے سے عزیم پڑھا جاتا ہے اور عزیم کے معنی شیطان کے ہیں لہذا بہتر یہ ہے کہ

---

(۱) (الباب الرابع' الفصل الأول فی فرائض الصلاۃ ۱ / ۷۰ ط ماجدیہ)

(۲) ومنها السجود بجبهة و قدميه ووضع إصبع واحدة منها شرط الخ (درمختار) أفاد أنه لولم يضع شيئا من القدمين لم يصح السجود الخ (رد المحتار' باب صفة الصلاة ۱ / ۴۴۷ ط سعيد)

(۳) وتاخير قيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد بقدر ركن الخ (التنوير و شرحه باب سجود والسهو ۲ / ۸۱ ط سعيد)

سبحان ربی الکریم پڑھنا چاہئے یہ مسئلہ ایک مولوی صاحب نے بیان کیا ہے اب عام لوگوں نے سبحان ربی الکریم رکوع میں پڑھنا شروع کر دیا ہے کیونکہ عظیم کی ظا نہیں ادا ہوتی ہے اس کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۱۰۲۸ احمد صدیق (حیدر آباد سندھ) ۵ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ۲۵ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۵۲) ہاں شامی جلد اول ص ۳۶۴ میں یہ جزئیہ درالمختار سے منقول ہے اور یہ احتیاط کی بنا پر کیا ہے اور یہی حکم قرآن پاک میں جہاں ظا کی تبدیلی زا سے ہو جائے جاری ہوگا یعنی نماز فاسد ہوگی لیکن جزئیہ قول بالفساد پر مبنی ہے اور متاخرین کے نزدیک مفتی بہ یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی خصوصاً عوام جن کو حروف میں فرق کرنا دشوار ہے پس عوام کو سبحان ربی العظیم کی جگہ سبحان ربی الکریم بتانا ایک افتراق انگیز فتنہ ہوگا اور اس سے امت کو بچانا لازم ہے۔(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم

(سوال) عرض خدمت ہے کہ میں نوجوان اور تندرست آدمی ہوں کچھ بیماری وغیرہ نہیں مگر جس وقت سجدہ نماز میں جاتا ہوں تو شکم میں کچھ گرانی محسوس ہوتی ہے یعنی پیٹ میں کچھ تنگی سی معلوم ہوتی ہے علاج بھی کیا گیا مگر افاقہ ندارد بہت کھاتا ہوں اور اچھی طرح چلتا پھرتا ہوں اور خوب توانا اور طاقتور بھی ہوں نیچے یعنی زمین پر نماز پڑھنا بہت دشوار معلوم ہو رہا ہے اس لئے عرض خدمت ہے کہ کیا میں کرسی پر بیٹھ کر روبرو کسی ٹیبل پر سجدہ کر سکتا ہوں یا نہیں یعنی کرسی پر بیٹھ کر ٹیبل پر سر جھکانا جائز ہے یا ناجائز

المستفتی نمبر ۱۳۹۳ محمد فضل اللہ افضال صاحب (مدراس) ۱۵ محرم ۱۳۵۶ھ م ۲۹ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۶۵۳) کرسی پر پاؤں نیچے لٹکا کر بیٹھنا اور ٹیبل پر سجدہ کے لئے سر جھکانا جائز نہیں الا اس صورت میں کہ زمین پر بیٹھنا اور زمین پر سجدہ کرنا طاقت سے باہر ہو جائے زمین پر بیٹھ کر کسی اونچی چیز پر جو زمین سے ایک بالشت سے زیادہ اونچی نہ ہو سجدہ کر لیا جائے تو عذر کی حالت میں جائز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ

تشہد میں حضور ﷺ کا تصور کرنا

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) ماقولکم فیمن یقول بتصویر النبی ﷺ فی الذهن عند قوله "السلام علیك ایها

---

(۱) السنه فی تسبیح الرکوع سبحان ربی العظیم إلا ان کان لا یحسن الظاء فیبدل به الکریم لئلا یجری علی لسانه العزیم فتفسد به الصلاة کذا فی شرح درر البحار (رد المحتار' فصل فی بیان تالیف الصلاة' مطلب فی إطالة الرکوع للجائی ۱/ ۴۹۴ ط سعید)

(۲) اذا تعذر علی المریض القیام صلی قاعداً یرکع و یسجد فان لم یستطع الرکوع والسجود أومی ایماء وجعل السجود اخفض من الرکوع ولا یرفع الی وجهه شیئا یسجد علیه الخ (قدوری' باب صلاة المریض ص ۵۱ ط سعید)

النبی " فی التشہد؟

(ترجمہ) تشہد میں السلام علیک ایہا النبی پڑھتے وقت نبی ﷺ کا تصور ذہن میں لانا کیسا ہے؟

(جواب ۶۵۴) اعلموا رحمکم اللّٰہ تعالی تصور النبی ﷺ بقدر ان یعلم انہ کان عبدا للّٰہ رسولا ارسل الی خلقہ للہدایۃ وانی اسلم علیہ و یبلغ سلامی ہذا ملائکۃ جعلہم اللّٰہ سیاحین یسیحون فی الارض یطلبون صلوات و تسلیمات من امتہ واذا وجدوا بلغوا[1] صحیح جائز

اما تصویر النبی ﷺ فی الذہن بمعنی احضار صورتہ الشریفۃ فلیس بلازم ولا یتصور لمن لم یرہ ﷺ ولا یجوز ان یتوہم انہ ﷺ یسمع ہذا الکلام باذنہ الشریف من کل مصل یخاطبہ بیا ایہا النبی" محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

(ترجمہ) تشہد میں نبی ﷺ کا تصور اس عقیدے کے ساتھ جائز ہے کہ آپ اللہ کے بندے اور رسول تھے اور آپ کو اللہ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے بھیجا تھا اور میں جو سلام و درود آپ کے اوپر بھیج رہا ہوں اس کو ملائکہ سیاحین آپ تک پہنچاتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے مقرر فرمایا ہے کہ زمین میں چلتے پھرتے رہیں اور امت کے درود و سلام کو تلاش کرتے رہیں اور جہاں پاتے ہیں آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ لیکن تصور نبی سے مراد اگر یہ ہو کہ آپ کی تصویر مبارک کو ذہن میں لانا یا حاضر کرنا تو یہ لازم نہیں اور وہ شخص آپ کے چہرہ مبارک کا تصور بھی کس طرح کر سکتا ہے جس نے کبھی آپ کو نہیں دیکھا۔

اور یہ خیال کرنا ہرگز جائز نہیں کہ آپ ہر اس شخص کی آواز کو اپنے گوش اقدس سے سنتے ہیں جو نماز میں آپ کو ایہا النبی کہہ کر خطاب کرتا ہے۔

سولھواں باب
نماز کی تعریف اور طریقے (صفۃ الصلوٰۃ)

بیٹھ کر نماز پڑھنے والا رکوع کے لئے کہاں تک جھکے؟

(سوال) نفل نماز یا معذوری میں فرض نماز ادا کرے تو رکوع میں سر کہاں تک پہنچایا جائے قاعد کی نماز میں اگر رکوع میں سرین پاؤں سے علیحدہ ہو جائیں تو نماز باطل ہوگی یا نہیں؟ ایک صاحب عینی علی الہدایہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ بینوا توجروا

(جواب ۶۵۵) عینی علی الہدایہ پر موجود نہیں کہ صحت نقل کی جانچ کی جاتی۔ رہا مسئلہ تو اس میں کوئی وجہ فساد صلوٰۃ معلوم نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

---

(۱) عن ابی مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض فیبلغونی من امتی السلام " الحدیث (نسائی، باب التسلیم علی النبی ﷺ ۱ / ۱۴۳ ط سعید) (۲) البتہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ شامی میں یوں ہے " ولو کان یصلی قاعدا ینبغی ان یحاذی جبہتہ قدام رکبتیہ ؟ لیحصل الرکوع قلت " ولعلہ محمول علی تمام الرکوع والا فقد علمت حصولہ باصل طاطاۃ الراس (باب صفۃ الصلاۃ مبحث الرکوع والسجود ۱ / ۴۴۷ ط سعید)

دوسری رکعت کے لئے اٹھتے ہوئے زمین پر ہاتھ ٹیکنا

(سوال) سہارا لینا سجدے سے اٹھتے وقت بلا عذر ضعیفی وامراض وغیرہ جائز ہے یا مکروہ اور گھٹنوں پر سہارا لینا (اعتماد علی الرکبۃ) اگرچہ جائز ہے پر گھٹنوں پر سہارا لینے کو ترک کرنا اور بغیر کسی سہارے کے کھڑا ہو جانا مستحب ہے یا نہیں ؟ فتاوی عالمگیری میں ہے **لا یعتمد علی الارض بل یعتمد علی الرکبة و ترك الاعتماد مستحب لمن لیس به عذر عندنا علی ماهو ظاهر فی كثیر الكتب المشهورة كذافی البحر الرائق** . و نیز کنز الدقائق کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ کسی چیز پر سہارا نہ لے شرح وقایہ کے ترجمے میں حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ صحابہ سے بھی اسی کی تائید میں حدیثیں بیان کی ہیں و نیز رکن دین و مفتاح الجنۃ میں بھی بغیر تکیہ کے دوسری رکعت میں اٹھنا لکھا ہے اس مستحب کے روکنے میں جو شخص سعی کرے وہ کیا حکم رکھتا ہے اور اس کے روکنے کو ماننا چاہئے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(جواب ۶۵۶) حنفیہ کے نزدیک اعتماد علی الارض خلاف اولیٰ یا زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے اعتماد علی الرکبہ بے تکلف جائز ہے نہ خلاف اولیٰ ہے نہ مکروہ ہے عالمگیری کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ زمین پر اعتماد نہ کرے بلکہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھے اور زمین پر اعتماد نہ کرنے کا حکم بھی استحبابی ہے۔ **ویکبر للنهوض علی صدور قدمیه بلا اعتماد الخ** (درمختار) **قوله بلا اعتماد الخ ای علی الارض الخ** (رد المحتار)(۱)

عورتوں کے لئے نماز کا طریقہ

(سوال) عورتیں اگر نماز مردوں کی طرح پڑھیں تو اس میں کیا مضائقہ ہے ؟
المستفتی نمبر ۲۷۵ والد داں احمد رہتک۔ ۲۱ محرم ۱۳۵۳ھ م ۶ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۶۵۷) عورتوں کی نماز مردوں کی طرح ہے صرف ایک دو باتوں میں فرق ہے تو وہ عورتوں کے ستر یعنی حفاظت پردہ کے لحاظ سے ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نماز میں ہاتھ اور بدن کا ہلانا مکروہ ہے

(سوال) ایک پیش امام صاحب نماز پڑھاتے وقت ہاتھ اور بدن زور سے ہلاتے ہیں ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۵۴۱ الہی خاں (گوٹے)

(جواب ۶۵۸) نماز میں سکون کی ضرورت ہے اگر کوئی پیش امام قصداً ایسا کرے تو نماز اس کی مکروہ

---

(۱) (باب صفة الصلاة ۱ / ۵۰۷ ط سعید)

(۲) ویسن أن یلصق كعبیه و ینصب ساقیه الخ (درمختار) وفی الشامیة " هذا كله فی حق الرجال' اما المرأة فتنحنی فی الركوع یسیرا ولا تفرج ولكن تضم و تضع یدیها علی ركبتیها وضعا و تحنی ركبتیها ولا تجافی عضدیها' لأن ذلك استر الخ (باب صفة الصلاة ۱ / ۴۹۴ ط سعید)

ہو گی(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نماز میں ارسال یدین کا حکم

(سوال) اگر کوئی شخص نماز میں ارسال یدین نہیں کرتا تو اس کو کافر کہنا کہاں تک صحیح ہے ؟

المستفتی نمبر ۶۶۲ سراج الدین ڈیروی۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۱۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۶۵۹) ہاتھ باندھنا یا چھوڑنا صراحتہً قرآن مجید میں مذکور نہیں ہاں آیۂ کریمہ ما آتاکم الرسول **فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا**(۲) سے یہ امر ماخوذ ہو سکتا ہے اور حضور اکرم ﷺ سے بروایات صحیحہ کثیرہ ہاتھ باندھنا ثابت ہے(۳) پھر ہاتھ باندھنے والے کو کافر کہنا تو کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا اگر محض اس وجہ سے کہ قرآن مجید میں ہاتھ باندھنے کا صراحتہً حکم نہیں کفر کا حکم لگایا جاتا ہے تو ہاتھ چھوڑے رکھنے کا بھی صراحتہً قرآن میں حکم نہیں ہے اور امت محمدیہ میں جماہیر علماء سلفاً و خلفاً ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے رہے ہیں ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے والے بہت کم ہیں پھر یہ کہ ہاتھ چھوڑ کر یا باندھ کر نماز پڑھنے میں ضروریات دین کا انکار یا تکذیب کا شائبہ بھی لازم نہیں آتا تو حکم کفر کا تو وہم و تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) نماز کی رکعات ثابت ہیں یا نہیں ؟
(۲) نمازوں کی رکعات مختلف کیوں ہیں ؟

(سوال) (۱) پانچ وقت کی نماز فرض ہے جس کو چار تین یا دو رکعت کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے۔ فرض وہ حکم ہے جو نص قطعی (قرآن مجید) سے ثابت ہے اور سنت وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا کیا اس لئے رکعتوں کی تعداد قرآن میں کہاں مذکور ہے ؟
(۲) چار تین اور دو رکعت کی تعیین کی وجہ و علت کیا ہے ؟ کیوں نہ پانچوں وقت ایک ہی طرح سے ادا کئے جانے کا حکم دیا گیا ؟

المستفتی نمبر ۲۹۹ حکیم سید عبداللہ شاہ زنجانی (دہلی) ۹ شوال ۱۳۵۴ھ م ۵ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۶۰) (۱) یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ فرض وہی ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہو بلکہ فرض وہ ہے

---

(۱) و عبثہ بثوبہ وبجسدہ للنہی إلا لحاجۃ (درمختار) قال الشامی " قولہ " للنہی " وھو ما أخرجہ القضاعی عنہ ﷺ " ان اللہ کرہ لکم ثلاثاً : العبث فی الصلاۃ والرفث فی الصیام والضحك فی المقابر وھی کراھۃ تحریم الخ (باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا ۱ / ۶۴۰ ط سعید)
(۲) (سورۃ الحشر : ۷)
(۳) عن وائل بن حجر انہ رأی النبی ﷺ رفع یدیہ حین دخل فی الصلاۃ کبر وصف ھمام حیال اذنیہ ثم التحف بثوبہ ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری الحدیث (مسلم باب وضع یدہ الیمنی علی الیسری ۱ / ۱۷۳ ط قدیمی کتب خانہ کراچی)

جس کو خدا یا رسول ﷺ نے فرض بتایا ہو خدا نے قرآن میں فرض فرمایا ہوگا تو قرآن کے نص سے ثابت ہوگا جیسے نماز کی فرضیت روزے کی فرضیت وغیرہ اور رسول اللہ ﷺ نے فرضیت بتائی ہوئی تو وہ خبر متواتر یا مشہور سے ثابت ہوگی خبر متواتر یا مشہور سے مطلب حدیث متواتر یا مشہور ہے یہ دونوں ثبوت فرضیت کے لئے کافی ہیں نماز میں تعداد رکعات کا ثبوت سنت متواترہ و مشہورہ سے ہے اس لئے ان رکعات کی فرضیت میں کسی وقت کسی کو تردد اور تامل نہیں ہوا۔

(۲) تعداد رکعات کی فرضیت میں کسی وقت کسی کو تردد اور تامل نہیں ہوا اور اس کی حکمت خدا اور رسول کو معلوم ہے ہمارا منصب یہ نہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ سے ثابت شدہ چیز کو بدل دیں بلکہ آنحضرت ﷺ کی اقتداو اتباع کرنا ہی ہمارے لئے ضروری اور راہ نجات ہے۔ آیۂ کریمہ **لقد کان لکم فی رسول الله اسوۃ حسنۃ** (۱) کا یہی مدعا اور مفاد ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے قدم بقدم چلیں اگر کسی فعل کی حکمت بتادی جائے تو بہتر ورنہ حکمت کو بھی خدا اور رسول کے حوالہ کریں صرف اس امر کا یقین کہ آنحضرت ﷺ سے اس امر کا ثبوت پختہ ہے ہمارے عمل کے لئے کافی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سترھواں باب
مستحبات نماز

تشہد میں انگلی سے اشارہ احادیث سے ثابت ہے

(سوال) حضرت مجدد صاحب شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ نے اپنے مکتوبات میں رفع السبابہ فی التشہد کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے حضرت شاہ صاحب دہلوی قدس سرہ نے اس کو بہت دلائل سے جائز فرمایا ہے ان پر بھی معترض ہیں مکتوبات کے دلائل یہ ہیں کہ مبنی الصلوۃ علی السکینۃ والوقار ہے نیز اصول کی کتب مثلاً مبسوط جامع الصغیر میں اس کا ذکر نہ ہونا دلیل حرمت ہے نیز ممکن ہے حدیث رفع کی حدیث سے منسوخ ہو نیز آخر عمر تک آں رسول مقبول ﷺ سے اس کا ثبوت نہ ہو یہ بھی ممکن ہے کہ رفع سبابہ کا معاملہ مثل جہر بالآمین و رفع یدین کے مختلف فیہ ہو۔

المستفتی نمبر ۲۰۰۷ مولوی رحمت اللہ ضلع بجنور۔ ۱۱ شوال ۱۳۵۵ھ ۲۶ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۶۶۱) اشارہ بالسبابہ مسنون ہے اور احادیث صریحہ سے ثابت ہے (۲) فقہائے حنفیہ میں سے

---

(۱) سورۃ الممتحنۃ : ۶) (۲) عن عبداللہ بن زبیر قال " کان رسول اللہ ﷺ اذا قعد یدعو اوضع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنی و یدہ الیسری علی فخذہ الیسری واشار باصبعہ السبابۃ ووضع ابہامہ علی اصبعہ الوسطی و یلقم کفہ الیسری رکبتہ رواہ مسلم (آثار السنن باب الاشارۃ بالسبابۃ ص ۱۲۳ ط امدادیہ ملتان) و عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ اذا قعد فی التشہد وضع یدہ الیسری علی رکبتہ الیسری ووضع یدہ الیمنی علی رکبتہ الیمنی و عقد ثلاثۃ و خمسین واشار بالسبابۃ (ص ۱۲۳-۱۲۴)

محققین اور محدثین نے اسے سنت قرار دیا ہے اور یہی صحیح وراجح ہے حضرت مجدد الف ثانی نور اللہ ضریحہ نے اس مسئلہ میں ان فقہاء کے قول کو لیا ہے جو اشارہ کے مخالف ہیں حضرت شیخ مجدد کی اس بارے میں اتباع اس وجہ سے نہیں کی جاسکتی کہ محققین فقہاء اشارہ کی سنیت پر دلائل قویہ رکھتے ہیں شرح وقایہ میں بھی حضرت امام شافعیؒ سے اشارہ کا قول اور وضع نقل کر کے صاحب شرح وقایہ نے ومثل هذا جاء عن علماء نا (۱) فرمایا ہے اور حضرت امام محمدؒ نے مؤطا میں حضرت ابن عمر سے یہ روایت نقل فرمائی ہے۔ كان رسول الله ﷺ اذاجلس وضع كفه اليمنى و قبض اصابعه كلها واشارباصبعه التى تلى الابهام ووضع كفه اليسرى على فخذه اليسرى (۲) اس کے بعد امام محمدؒ نے فرمایا ہے وبصنع رسول الله ناخذ وهو قول ابى حنيفة اور امام ابو یوسفؒ نے امالی میں بھی ایسا ہی اشارہ کا ذکر فرمایا ہے۔ فتح القدیر (۳) غنیۃ المصلی (۴) بحر رائق (۵) نہر فائق' مواہب الرحمٰن' در مختار' رد محتار (۶) مراقی الفلاح (۷) در رالبحار وغیرہ کتب فقہ میں اس کی تحقیق ملاحظہ فرمائی جائے اس کے منسوخ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے کوئی حدیث اس کے خلاف اور اس کو منع کرنے والی نہیں اور عقلی دلیل مبنى الصلوٰة على السكينة والوقار سے ایک سنت ثابتہ صحیحہ رد نہیں کی جاسکتی اور بعض کتب میں مذکور نہ ہونا دلیل حرمت یا کراہت نہیں ہو سکتا (۸)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تشہد میں انگلی کس وقت اٹھائی جائے؟

(سوال) کلمہ کی انگلی تشہد میں اٹھانا ضروری ہے اگر ضروری ہے تو کب تک اٹھائے رکھے؟

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ٦٦٢) کلمہ کی انگلی تشہد میں اشہد ان لا الہ پر اٹھانے اور الا اللہ پر گرادے یہ فقہاء کا قول ہے اور اخیر تک اٹھائے رکھے تو یہ بھی جائز ہے (۹) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) (باب صفة الصلاة ۱: ۱٤۸ ط سعید)
(۲) باب العبث بالحصى فى الصلاة ص ۱۰۸ ط میر محمد کتب خانہ کراچی)
(۳) باب صفة الصلاة ۱: ۳۱۳ ط مصر)
(٤) (صفة الصلاة ص ۳۳٦ ط سهيل)
(٥) (باب صفة الصلاة ۱: ۳٤۲ ط دار المعرفة بيروت)
(٦) (باب صفة الصلاة مطلب عقد الأصابع عند التشهد ۱: ۵۰۹ ط سعيد)
(۷) (فصل فى كيفية تركيب أفعال الصلاة ص ۱۷۰ ط مصر)
(۸) قال فى الدر المختار: "وفى الشرنبلالية عن البرهان " الصحيح يشير بمسبحته وحدها يرفعها عند النفى و يضعها عند الإثبات " وفى العينى عن التحفة: "الأصح أنها مستحبة" وفى المحيط " سنة " وفى الشامية :" فيعقد عندها و يرفع السبابة عند النفى ويضعها عند الإثبات وهذا ما اعتمده المتأخرون لثبوته عن النبى ﷺ بالأحاديث الصحيحة الخ باب صفة الصلاة مطلب عقد الأصابع عند التشهد ۱: ۵۰۹ ط سعيد)
(۹) وفى المحيط أنها سنة يرفعها عند النفى و يضعها عند الإثبات وهو قول أبى حنيفة و محمد و كثرت به الآثار والأخبار فالعمل به أولى (رد المحتار باب صفة الصلاة مطلب فى عقد الأصابع عند التشهد ۱: ۵۰۸ ط سعيد)

انگلی اٹھائے رکھنا بہتر ہے یا گرا دینا؟

(سوال) التحیات میں انگلی اٹھائے رکھنا آخر سلام تک بہتر ہے یا گرا دینا بہتر ہے؟

المستفتی نمبر ۲۷۹۵ غیاث الدین دہلی۔ ۷ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ

(جواب ۶۶۳) انگلی اٹھائے رکھنا بہتر ہے اور گرا دینا جائز ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

اٹھارواں باب
مفسدات و مکروہات نماز

آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے

(سوال) اگر زید نماز اس طرح ادا کرتا ہے کہ جو عادۃً خلاف ہے جیسے آستین چڑھی ہوئی ہو یا گریبان کھلا ہوا ہو تو اس شخص کی نماز مکروہ تنزیہی ہے یا نہیں؟

(جواب ۶۶۴) حالت صلوٰۃ میں اگر آستین چڑھی ہوئی ہو تو نماز مکروہ ہوگی اور اگر گریبان کھلا ہوا ہو تو نماز مکروہ نہیں ہوگی (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سجدہ میں جاتے ہوئے کپڑے سمیٹنا مکروہ ہے

(سوال) زید نماز پڑھتا ہے اور رکوع میں کھڑے ہونے کے بعد جب وہ سجدہ میں جاتا ہے تو ازار کو دونوں ہاتھوں سے کھینچ کر جاتا ہے آیا اس کی نماز عمل کثیر کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۶۸۸ سکریٹری انجمن حفظ الاسلام (ضلع بھروچ)

۷ رمضان ۱۳۵۴ھ ۲۴ دسمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۶۶۵) یہ فعل مکروہ ضرور ہے مگر مفسد نماز نہیں ہے کراہت تحریمی بدرجہ غالب ہے (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) شروع سے بعد یقیمت سے متعلق جو روایات نقل ہوئی ہیں "یحنیہا" کے الفاظ ہیں اس سے انگلی کو ہلاتے رہنا مراد نہیں بلکہ قدرے جھکانا مراد ہے صرح به الملا علی القاری لرواية أبي داؤد والنسائي رافعا إصبعه السبابة وقد حناها شيئا إلى إما لها (تزئين العبارة بتحسين الإشارة لعلي القاري ص ۸)

(۲) وكره كفه أي رفعه ولو لتراب كمشمر كم أو ذيل وعبثه به أي بثوبه (التنوير وشرحه) وفي الشامية "قوله كمشمر كم أي كما لو دخل في صلاة وهو مشمر كم أو ذيله (باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱ / ۶۴۰، ۶۴۱ ط سعيد)

(۳) وعبثه أي بثوبه وبجسده للنهي الخ (درمختار) قال الشامي " وهو ما أخرجه القضاعي عنه ﷺ أن الله كره لكم ثلاثا العبث في الصلوة والرفث في الصيام والضحك في المقابر وهي كراهة تحريم الخ (باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱ / ۶۴۰ ط سعيد)

نمازی کے سامنے چراغ ہونا

(سوال) نمازی کے سامنے اگر چراغ ہو تو نماز اس کی ہوگی یا نہیں اگر ہوگی ہو تو کراہت کے ساتھ یا بلا کراہت؟ المستفتی نمبر ۱۰۴۱ مولوی عبدالقدوس امام مسجد (ترکمان دروازہ دہلی)
۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۷ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ٦٦٦) نماز ہو جائے گی اور اگر چراغ اپنی جگہ پر روشنی کے لئے رکھا گیا تو کراہت بھی نہیں ہاں اگر نمازی کے سامنے ایسی ہیئت سے رکھا ہو کہ گویا اس کو سجدہ کیا جاتا ہے تو ایسی ہیئت مکروہ ہے(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عصر کی تیسری رکعت پر سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے؟

(سوال) امام نے سہواً عصر کی تین رکعت پر سلام پھیر دیا جب لوگوں نے ان سے کہا تو کلام کرنے کے بعد نماز کا اعادہ کیا اور پوری عصر نماز پڑھائی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایک رکعت پوری کر کے سجدہ سہو کر لینا کافی تھا امام نے بالکل غلط کیا دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام صاحب کا یہ فعل درست تھا کہ نہیں کیا قبلہ کی جانب سے منہ پھیرنے کے بعد اور کلام کرنے کے بعد بقیہ رکعت پوری کر کے سجدہ سہو کرنا کافی ہے۔
المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ٦٦٧) امام کا فعل درست تھا کلام کر لینے کے بعد نماز کا اعادہ ہی کرنا چاہئیے(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جالی کی ٹوپی کے ساتھ نماز مکروہ نہیں

(سوال) بعض لوگ بید کی ٹوپی اوڑھتے ہیں اس ٹوپی میں جالی ہوتی ہے اور اس کے سوراخوں میں سے سر کے بال دکھائی دیتے ہیں اس ٹوپی کو اوڑھ کر امامت کرنا اور نماز پڑھانا مکروہ ہے یا نہیں نماز کی حالت میں سر کے بالوں کے کھلنے سے کراہت لازم آتی ہے یا نہیں؟ فقط
المستفتی نمبر ۲۲۴۱ ضیاء الحق چوڑی گران دہلی۔ ۷ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ ۸ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ٦٦٨) اس ٹوپی کو پہن کر نماز پڑھنا بلا شبہ جائز ہے اور امامت میں بھی کوئی کراہت نہیں(۳) سر

---

(۱) قال فی التنویر وشرحه :" ولا یکره صلاة إلی ظهر قاعد یتحدث ولا إلی مصحف أو سیف مطلقاً أو شمع أو سراج الخ (باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها ۱/۶۵۲ ط سعید)
(۲) ویسجده للسهو' ولو مع سلام إمامه ناویا للقطع مالم یتحول عن القبلة أو یتکلم لبطلان التحریمة الخ (التنویر و شرحه' باب سجود السهو ۲/۹۱' ط سعید)
(۳) والمستحب أن یصلی الرجل فی ثلاثة أثواب' قمیص' وإزار' و عمامة أما لو صلی فی ثوب واحد متوحشاً به جمیع بدنه کإزار المیت تجوز صلاته من غیر کراهة و تفسیره ما یفعله القصار فی المقصرة (حلبی کبیر' فروع ص ۲۱٦' ط سهیل)

کے ہاں کوئی ستر کی چیز نہیں ہے ننگے سر نماز پڑھی جائے اور نیت تواضع کی ہو تو وہ نماز بلا کراہت جائز ہے(۱)
ہاں لاابالی پنے سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے مگر اس کی کراہت کی علت عدم مبالات ہے نہ کہ بالوں کا
انکشاف۔ فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے

(سوال) پاجامہ 'تہبند نیچا پڑا جس سے ٹخنے ڈھک جاتے ہوں انکا پہننا تو حرام معلوم ہوا مگر ایسے لباس سے نماز مکروہ تحریمی ہوگی یا تنزیہی یا نماز ہوگی ہی نہیں ؟ بعض علماء سے سنا جاتا ہے کہ نماز ہوتی ہی نہیں کیا یہ درست ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۴۲۹ مولوی محمد ابراہیم صاحب۔ گوڑگاؤں ۲۲ شوال ۱۳۵۷ھ م ۱۵ دسمبر ۱۹۳۸ء

(جواب ٦٦٩) نماز ہو جاتی ہے مگر مکروہ ہوتی ہے(۲) کراہت تنزیہی ہے اعادہ کر لینا اولیٰ ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا

(سوال) بعض لوگ بخیال یکسوئی منہ اور آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور فرائض نماز ادا کرتے ہیں یہ عمل درست ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۲۲۵۱ شجاعت حسین آرہ
۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۶ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ٦٧٠) آنکھیں بخیال خشوع بند کرنا جائز ہے(۳) منہ بند کرنے سے قرأت کا تلفظ زبان سے نہ ہوگا اس لئے یہ نہیں کرنا چاہئے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

انیسواں باب
مدرک ۔ مسبوق۔ لاحق

(۱) مسبوق تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں چلا گیا
(۲) اللہ کھڑے ہونے کی حالت میں اور "اکبر" رکوع میں جاکر کہا تو نماز صحیح نہیں ہوئی

(سوال) ماقولکم رحمکم اللّٰہ تعالیٰ فی ان رجلا ادرک الامام فی الرکوع فکبر و رفع یدیہ الی

---

(۱) قال فی شرح التنویر فی مکروھات الصلاۃ "وصلاتہ حاسرا او کاشفا رأسہ للتکاسل ولا باس بہ للتذلل واما الاھانۃ بہا فکفر' ولو سقطت قلنسوتہ فإعادتہا افضل (باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا ۱/ ٦٤١ ط سعید)
(۲) قال رسول اللہ ﷺ :" ما أسفل من الکعبین من الأزار فی النار (مشکوۃ' کتاب اللباس' الفصل الأول ص ۳۷۳ ط سعید) (۳) وتخصیص عینیہ للنہی إلا لکمال الخشوع (درمختار) بل قال بعض العلماء أنہ الأولی (رد المحتار' باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا ۱/ ٦٤٥ ط سعید)

شحمتی اذنیه وتابعه فیه الا انه لم یقبض بیده الیمنی یده الیسری ولم یضعهما تحت السرة ولم یات بشیء من الثناء ولم یکبر ثانیا عند الرکوع مخافة ان تفوته الرکعة الاولی
(۲)و رجلا اخر رای الامام فی الرکوع فکبر و رفع یدیه الا ان قول الله کان فی قیامه واکبر وقع فی الرکوع مخافة ماذکر . فکل واحد منهم یکون شارعاً بالصلوة ام لا؟
(ترجمہ) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جماعت میں شریک ہونے کے لئے آیا اور اس نے امام کو رکوع میں پایا پس اس شخص نے تکبیر تحریمہ کہی اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور رکوع میں شریک ہو گیا لیکن نہ تو اپنے ہاتھ ناف کے نیچے باندھے نہ ثنا پڑھی نہ رکوع میں جانے کے لئے دوسری تکبیر کہی کیونکہ اس کو اس پہلی رکعت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ تھا کیا اس کی نماز صحیح ہو گئی یا نہیں۔
(۲) ایک شخص نے امام کو رکوع میں دیکھ کر ہاتھ اٹھاتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہی اور چونکہ رکعت کے فوت ہونے کا اندیشہ تھا اس لئے جلدی میں یہ ہوا کہ لفظ اللہ حالت قیام میں اور لفظ اکبر حالت رکوع میں واقع ہوا تو اس کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

(جواب ۶۷۱) الرجل الذی اتی بتکبیرة التحریمة فی حال القیام لکنه لم یضع یدیه تحت السرة ولم یکبر ثانیا للرکوع صحت صلوته و یکون شارعاً فی الصلوة (۱)
واما الذی قال الله فی القیام واکبر فی حالة الانحناء فان کان بحیث لا تنال یداه الی الرکبة یصیر شارعاً فی الصلوة و تصح صلوته وان کان بحیث تنال یداه الی الرکبة لم تصح صلوته ولا یکون شارعاً فی الصلوة
قال فی الدر المختار' ادرك الامام راکعاً فقال الله فی القیام واکبر راکعا لم یصح فی الاصح الخ
قوله قائما ای حقیقةً وهو الانتصاب او حکماً وهوالانحناء القلیل بان لا تنال یداه رکبتیه. (رد المحتار)(۲)
(ترجمہ) جس شخص نے حالت قیام میں تکبیر تحریمہ کہہ لی لیکن ہاتھ نہیں باندھے اور دوسری تکبیر رکوع میں جاتے وقت نہیں کہی اس کی نماز صحیح ہو جائے گی اور اس کو شارع فی الصلوۃ سمجھا جائے گا۔
(۲) اور جس شخص نے تکبیر تحریمہ کے لفظ اللہ کو حالت قیام میں اور لفظ اکبر کو جھکنے کی حالت میں کہا تو اگر اس کے ہاتھ ابھی گھٹنوں تک نہیں پہنچے تھے تو اس کی نماز صحیح ہو گئی اور اس کو شارع فی الصلوۃ کہا جائے گا اور اگر لفظ اکبر کہتے وقت اس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ چکے تھے تو اس کی نماز صحیح نہ ہو گی اور وہ شارع فی الصلوۃ نہ

---

(۱) ومنها القیام بحیث لو مد یدیه لا ینال رکبتیه　فلو کبر قائما فرکع ولم یقف صح (الدر المختار' باب صفة الصلاة ۱/ ۴۴۴' ط سعید) فلو وجد الامام راکعا فکبر منحنیا ان القیام اقرب صح ولغت فیه تکبیرة الرکوع (الدر المختار' باب صفة الصلاة ۱/ ۴۸۰' ط سعید)
(۲) (فصل فی بیان تالیف الصلاة ۱/ ۴۸۰' ط سعید)

ہوگا۔

درمختار میں ہے کہ جو شخص امام کو رکوع میں پائے اور تکبیر تحریمہ اس طرح کہے کہ حالت قیام میں لفظ اللہ اور حالت رکوع میں لفظ اکبر کہے تو صحیح یہی ہے کہ اس کی نماز نہ ہوگی۔

اور قیام سے مراد یا تو حقیقی قیام ہے یعنی بالکل سیدھا کھڑا ہونا یا حکمی قیام یعنی معمولی جھکاؤ کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچیں۔ (ردالمحتار)

جن کا امام کے پیچھے رکوع چلا جائے ان کی یہ رکعت فوت ہوگئی

(سوال) امام نے قرأت میں سجدہ کی سورت پڑھی اور سجدہ تلاوت کی جگہ امام نے رکوع کر دیا اور مقتدی جو امام کے قریب تھے وہ رکوع میں چلے گئے اور جو مقتدی امام سے دور تھے جن کو یہ معلوم تھا کہ یہاں سجدہ تلاوت ہے وہ لوگ سجدہ میں چلے گئے جب امام نے سمع اللہ لمن حمدہ کہا۔ تب ان کو پتہ چلا کہ امام رکوع میں تھا ان میں سے کچھ لوگ کھڑے ہو کر رکوع میں گئے اور پھر امام کے ساتھ سجدے میں مل گئے اور کچھ لوگ سجدے میں سے بیٹھ کر امام کے ساتھ سجدہ میں چلے گئے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جو لوگ امام کے رکوع کرنے کے بعد رکوع کر کے امام کے ساتھ سجدہ میں شامل ہو گئے ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟ دوسرے جو لوگ رکوع میں نہیں گئے بلکہ بیٹھ کر ہی امام کے ساتھ سجدہ میں شامل ہو گئے ان کی بھی نماز ہوئی یا نہیں؟

(جواب ۶۷۲) جو لوگ امام کے ساتھ رکوع میں شامل نہیں ہوئے ان کی یہ رکعت جاتی رہی پھر جب وہ رکوع کر کے امام کے ساتھ سجدہ میں مل گئے تو ان کی نماز صحیح ہو گئی اور جو لوگ بغیر رکوع ادا کئے ہوئے سجدہ میں ملے ان کی ایک رکعت فوت ہو گئی اگر وہ امام کے سلام کے بعد اپنی رکعت پوری کر لیتے تو نماز ہو جاتی جب انہوں نے سلام پھیر دیا تو نماز نہیں ہوئی(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مقیم مسبوق' مسافر امام کے پیچھے بقیہ نماز کس طرح پڑھے؟

(سوال) زید مسافر ہے عصر کی نماز دو رکعتیں پڑھ کر قعدہ پر بیٹھا ہوا تھا ایک شخص مقیم تشہد میں شریک ہو گیا اب یہ شخص کون سی رکعتیں پہلے پڑھے گا؟ فاتحہ والی یا فاتحہ سورت دونوں؟

(جواب ۶۷۳) جب کہ کوئی مقیم شخص چار رکعت والی نماز میں امام مسافر کے پیچھے قعدہ میں شریک ہو تو وہ مسبوق بھی ہے اور لاحق بھی اور اس کو چار رکعتیں پڑھنی ہیں پہلے وہ دو رکعتیں پڑھے جن میں لاحق ہے

---

(۱) واللاحق من فاتته الركعات كلها أو بعضها لكن بعد اقتدائه بعذر بان سبق إمامه في ركوع و سجود فإنه يقضي ركعة يبدأ بقضاء ما فاته عكس المسبوق ثم يتابع إمامه إن أمكنه إدراكه وإلا تابعه ثم ما نام فيه بلا قراءة (التنوير و شرحه باب الإمامة ۱/۵۹۴ ط سعيد)

یعنی آخر والی ان میں نہ فاتحہ پڑھے نہ سورت کیونکہ ان رکعتوں میں وہ حکماً امام کے پیچھے ہے پھر وہ رکعتیں پڑھے جن میں مسبوق ہے یعنی پہلی دو رکعتیں ان میں فاتحہ اور سورت دونوں پڑھے (۱) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

مغرب کے قعدہ اولیٰ میں شریک ہونے والے کے لئے کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک شخص مغرب کی نماز ادا کرنے جماعت میں اس وقت شامل ہوا جب کہ امام دوسری رکعت میں بیٹھ کر التحیات پڑھ رہا تھا اب مقتدی جو جماعت میں شامل ہوا ہے اس کو امام کی اتباع کرنی لازم ہے تو دو مرتبہ جماعت کے ساتھ امام کے پیچھے اس نے التحیات پڑھ لی اور پھر اپنی پوری نمازی کرنے کو دو مرتبہ اس کو التحیات پھر پڑھنی لازم ہے یا جماعت میں جب مقتدی شامل ہو گا تو اس کو خاموش بیٹھنا ہو گا۔

المستفتی نمبر ۲۴۸ محمد صالحین 'صدر بازار' دہلی ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ ۲۰ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۶۷۴) ہاں جب کہ نماز مغرب کی دوسری رکعت کے قعدہ میں امام کے ساتھ شریک ہو تو اس کو چار مرتبہ التحیات پڑھنی ہوتی ہے اور اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے چاروں مرتبہ التحیات پڑھنی چاہئے۔ (۲)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مقتدی کا درمیان نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو کس طرح کرے ؟

(سوال) اگر ایک شخص جماعت میں پچھلی دو رکعتوں میں شامل ہوتا ہے تو اس کی یہ رکعتیں بھری ہوں گی یا خالی ؟ المستفتی نمبر ۲۴۹ شہباز خاں (ضلع کرنال) ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۲۰ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۶۷۵) پچھلی دو رکعتیں جو امام کے ساتھ پڑھی ہیں یہ خالی ہوئیں جب اپنی دو رکعتیں پوری کرنے لگے تو ان کو بھری پڑھے (۳)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

آخری دو رکعت پانے والا بقیہ نماز کس طرح پڑھے ؟

(سوال) ایک شخص صف اول میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے دو رکعت نماز ادا کر چکا ہے دو رکعت

---

(۱) واللاحق من فاتته الركعات كلها أو بعضها ...... مقيم ائتم بمسافر ...... حكمه حكم المؤتم فلا يأتي بقرأة و يبدأ بقضاء مافاته عكس المسبوق (تنوير وشرحه) هذا بيان للقسم الرابع وهو المسبوق اللاحق ... ثم يصلي الركعة التي سبق بها بقراءة الفاتحة و سورة (رد المحتار' باب الإمامة ۱/ ۵۹۴ ط سعيد)

(۲) و منها أنه يقضي أول صلاته في حق القراء ة وآخر ها في حق التشهد حتى لو أدرك ركعة من المغرب قضى ركعتين و فصل بقعدة فيكون بثلاث قعدات الخ (عالمگيرية' باب الجماعة' فصل في المسبوق واللاحق ۱/ ۹۱ ط ماجديه)

(۳) والمسبوق من سبقه الإمام بها أو بعضها' وهو منفرد حتى يثني ويتعوذ و يقرأ وإن قرأ مع الإمام لعدم الا عتداد بها لكراهتها ...... فيما يقضيه ...... ويقضي أول صلاته في حق قراء ة وآخر ها في حق تشهد الخ (التنوير و شرحه' باب الإمامة ۱/ ۵۹۶ ط سعيد)

پڑھنے کے بعد اس کا وضو ٹوٹ گیا اب وہ نماز میں سے نکل کر کس طرح وضو کرے اور نماز پوری کرے جو دو رکعت امام کے ساتھ ادا کر چکا ہے وہ دوبارہ اس کو پڑھنی پڑیں گی یا وضو کرنے کے بعد بقیہ دو رکعت ادا کرلے اور جس جگہ سے یہ مقتدی وضو کے لئے جائے اس جگہ دوسرا مقتدی کھڑا ہو سکتا ہے' یا وہی مقتدی وضو کر کے صفوں کے اندر گھس کر اپنی جگہ پہنچ کر نماز پوری کرے۔

المستفتی نمبر ۵۱۹ عبد الغنی (دہلی) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۶۷۶) یہ شخص وضو ٹوٹ جانے کے بعد پیچھے کی صفوں کو شق کرتا ہوا وضو کرنے کے لئے نکل جائے اور وضو کر لینے کے بعد اس کا امام اگر نماز سے فارغ نہ ہوا ہو تو اس مقتدی پر لازم ہے کہ اپنی جگہ پر آکر باقی ماندہ نماز کو ادا کرلے بشر طیکہ وضو کی جگہ کے متصل و قریب کوئی مانع اقتداء کا موجود ہو ورنہ اس کو اختیار ہو گا کہ وضو کی جگہ کے متصل باقی ماندہ نماز کو ادا کرلے یا پہلی جگہ پر جا کر باقی ماندہ نماز پڑھ لے۔ (ویتم صلوته ثمه) وهو اولی تقليلا للمشی (او يعود الی مكانه) ليتحد مكانها (كمنفرد) فانه مخير وهذا كله (ان فرغ خليفته والا عاد الی مكانه) حتما لو بينهما ما يمنع الاقتداء (كالمقتدی اذا سبقه الحدث) الخ (تنوير الابصار علی هامش رد المحتار و درمختار) (۱) فقط واللہ اعلم۔

حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ الجواب صحیح محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسبوق بقیہ نماز میں قراءت کرے یا نہیں ؟

(سوال) نماز جماعت ہو رہی ہے اگر کوئی آدمی بعد کو آیا اور اس کو تین رکعت ملی یا دو ملیں یا دو نہیں ملی' یا چار میں ایک رکعت ملی تو بقایا رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے ؟

المستفتی نمبر ۷۷۹ محمد رفیق سوداگر چرم (ضلع میدنی پور) یکم ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ ۲۵ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۷۷) ہاں مسبوق اپنی نماز کی رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھے اور اس کی ترتیب وہ ہے جو اپنی اکیلی نماز کی ہے (۲)

مسبوق نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو نماز ہوئی یا نہیں ؟

(سوال) مسبوق اگر امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۰۴۱ مولوی عبد القدوس امام مسجد (دہلی)

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۷ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۷۸) فوراً کھڑا ہو کر اپنی نماز پوری کرے اور اگر سلام امام کے بعد پھیرا ہے تو سجدہ سہو کرنا

---

(۱) (باب الاستخلاف ۱ / ۶۰۶ ط سعید)

(۲) وبقضی أول صلاته فی حق القراءة وآخرها فی حق تشهد الخ (الدر المختار' باب الإمامة' ۱ / ۵۹۶ ط سعید)

ہوگا(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کسی وجہ سے دوبارہ نماز پڑھی جائے تو مسبوق کے لئے کیا حکم ہے ؟

(سوال) اگر نماز کا کسی واجب یا سنت کے ترک پر اعادہ کیا جائے تو مسبوق کا کیا حکم ہے ؟ آیا وہ اپنی گئی ہوئی رکعت کو پورا کر کے جماعت میں ملے یا سلام پھیر کر فوراً مل جائے ؟

المستفتی نمبر ۲۳۴۹ محمد یونس صاحب (متھرا) ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۶۷۹) سنت یا واجب کے ترک پر اعادہ کیا جائے تو مسبوق اپنی نماز پوری کرے اور اعادہ والی نماز میں اپنی نماز پوری کر کے شریک ہو(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) مسبوق سجدہ سہو میں امام کی متابعت کرے
(۲) مسبوق نے عمداً یا سہواً امام کے ساتھ سلام میں متابعت کی تو کیا حکم ہے ؟
(۳) مسبوق امام کے ساتھ سلام نہ پھیرے
(۴) مسبوق نے عمداً یا سہواً امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) (۱) مسبوق سجدہ سہو کے سلام میں اپنے امام کی متابعت کرے یا نہیں ؟
(۲) اگر متابعت نہ کرنی چاہئے تھی اور پھر (الف) اگر عمداً متابعت کرے تو کیا حکم ہے ؟
(ب) اگر سہواً متابعت کرے تو اس مسبوق کو اپنی نماز کے ختم پر سجدہ سہو کرنا پڑے گا یا نہیں ؟
(۳) جب امام نماز کے ختم پر نماز سے فارغ ہونے کا سلام پھیرے تو مسبوق بھی امام کے ساتھ سلام پھیرے یا نہیں ؟
(۴) اگر اس صورت میں مسبوق کو امام کے ساتھ سلام پھیرنا نہ چاہئے تھا اور پھر اگر (الف) اس مسبوق نے امام کے ساتھ عمداً سلام پھیر دیا حالانکہ اس کو یاد تھا کہ مجھ کو ابھی اپنی باقی نماز ادا کرنی ہے تو اس مسبوق کی نماز فاسد ہو گی یا نہیں (ب) اپنی باقی نماز کی ادائیگی یاد نہیں تھی اور بھولے سے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو نماز فاسد ہو گی یا نہیں اگر فاسد نہ ہو گی اور نماز صحیح رہے گی تو کیا اس مسبوق کو اپنی نماز کے ختم پر سجدہ سہو کرنا پڑے گا یا نہیں ؟ اگر سجدہ سہو کرنا پڑے گا تو کس صورت میں اور اگر سجدہ سہو نہ کرنا پڑے گا تو کس صورت

---

(۱) والمسبوق یسجد مع إمامه مطلقاً ثم یقضی مافاته الخ (درمختار) وفی الشامیة فإذا سلم الإمام قام إلی القضاء' فإن سلم فإن کان عامداً فسدت' وإلا لا ولا سجود علیه إن سلم ساهیا قبل الامام أو معه وإن سلم بعده لزمه لکونه منفرداً حینئذ الخ (باب سجود السهو ۲/ ۸۲ ط سعید)

(۲) وإذا ظهر حدث إمامه وکذا کل مفسد فی رأی مقتد بطلت فیلزم اعادتها لتضمنها صلاة المؤتم صحة و فساداً کما یلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهو محدث او جنب او فاقد شرط او رکن الخ (التنویر وشرحه' باب الإمامة ۱/ ۵۹۱ ط سعید)

میں ؟ المستفتی نمبر ۱۳۵۱ حافظ محمد عثمان صاحب سوداگر گھڑی وچشمہ چاندنی چوک دہلی
۲۷ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۶۸۰) مسبوق سجدہ سہوادا کرنے میں تو امام کی متابعت کرے یعنی سجدہ سہو امام کے ساتھ ادا کرے مگر سلام میں متابعت نہ کرے یعنی مسبوق بغیر سلام پھیرے امام کے ساتھ سجدہ میں چلا جائے۔ ثم **المسبوق انما یتابع الامام فی السہو ای فی سجدۃ السہو بان سجد ھو) دون السلام بل ینتظ الامام حتی یسلم فیسجد فیتا بعہ فی سجود السہو لا فی سلامہ** (۱)

(۲) اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو :-

(الف) اگر قصداً سلام پھیرا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ **وان سلم فان کان عامداً تفسدصلوتہ** (۲)

(ب) اور اگر سہواً سلام پھیرا ہے تو نماز فاسد نہ ہو گی **وان کان ساھیا لا تفسد** (۳) اور سجدہ سہو بھی اپنی نماز کے آخر میں لازم نہ ہوگا۔ **ولا سہو علیہ لانہ مقتد و سہو المقتدی باطل انتھی** (۴) **(ھذا کلہ فی البدائع) ص ۱۷۶ ج ۱**

(۳) جب امام نماز ختم کرنے کا سلام پھیرے اس سلام میں بھی مسبوق امام کی متابعت نہ کرے **ولا یسلم اذا سلم الامام (ای للخروج عن الصلوٰۃ) لان ھذا السلام للخروج عن الصلوٰۃ وقد بقی علیہ ارکان الصلوٰۃ** (۵)

(۴) اگر اس آخری سلام میں مسبوق نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو :-

(الف) اگر قصداً یہ بات یاد رکھتے ہوئے کہ میری نماز باقی ہے سلام پھیرا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ **فاذا سلم مع الامام فان کان ذاکرا لما علیہ من القضاء فسدت صلوتہ لانہ سلام عمد** (۶)

(ب) اور اگر یہ بات یاد نہ تھی اور سہواً سلام پھیر دیا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ **وان لم یکن ذاکر الہ لا تفسد لانہ سلام سہو فلم یخرجہ عن الصلوٰۃ** (۷) اور یہ سلام جو سہواً پھیر اگیا مفسد نماز تو نہیں لیکن یہ سلام امام کے سلام سے کچھ پہلے یا بالکل ساتھ ساتھ واقع ہوا جب تو مسبوق پر اپنی نماز کے آخر میں اس سہو کی وجہ سے بھی سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا اور اگر امام کے سلام کے بعد اس نے سلام پھیرا تو اپنی نماز کے آخر میں اس پر اس سہو کی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہوگا۔ **وھل یلزمہ سجود السہو لاجل سلامہ ینظر ان سلم قبل تسلیم الامام او سلما معاً لا یلزمہ لان سہوہ سہو المقتدی و سہو المقتدیٰ تعطل وان سلم بعد**

---

(۱) (فصل فی بیان من یجب علیہ سجود السہو ۱ / ۱۷۶ ط سعید)
(۲) (------------------------)
(۳) (------------------------)
(۴) (------------------------)
(۵) (------------------------)
(۶) (------------------------)
(۷) (------------------------)

سلیم الامام لزمہ لان سھوہ سھو المنفرد فیقضی مافاتہ ثم یسجد للسھو فی آخر صلوتہ تھی. (ھذا کلہ فی البدائع (۱) ص ۱۷۶ ط ج ۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسبوق بقیہ نماز پڑھنے کے لئے کب کھڑا ہو؟

سوال) بکر بعد میں جماعت میں شریک ہوا ایک رکعت امام پڑھ چکا تھا امام جب پہلا سلام پھیرے تب رکعت پوری کرنے کے لئے اٹھے یا جب دوسرا سلام پھیرے اس وقت کھڑا ہو؟

مستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

جواب ۶۸۱) دوسرا سلام امام شروع کردے تو کھڑا ہو کیونکہ پہلے سلام کے بعد ممکن ہے کہ امام سجدہ سہو کرے تو کھڑے ہونے والے کو سجدہ سہو کے لئے واپس آنا ہوگا (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مغرب کی ایک رکعت پانے والا بقیہ رکعتوں میں قراءت کرے

سوال) مغرب کی آخری رکعت امام کے ساتھ ادا کی۔ بقیہ دو رکعتوں کو بھرا پڑھنا چاہئیے یا خالی؟

مستفتی مولوی محمد رفیق صاحب' دہلی

جواب ۶۸۲) مغرب کی ایک رکعت امام کے ساتھ پانے والا بقیہ دو رکعتیں بھری پڑھے (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تکبیر تحریمہ رکوع میں جاکر ختم کی تو نماز نہیں ہوئی

سوال) اگر کوئی امام کو رکوع میں پائے اور تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے رکوع میں چلا جائے اور تکبیر تحریمہ حالت رکوع (نہ بحالت قیام) ختم کرے تو یہ شخص نماز میں شامل ہو گیا یا نہیں اور اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

مستفتی نمبر ۲۰۳۹ ولی محمد صاحب کاٹھیاواڑ۔ ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۷ نومبر ۱۹۳۷ء

جواب ۶۸۳) اگر تکبیر تحریمہ بحالت قیام ختم نہ ہو تو اس کا نماز میں شمول صحیح نہیں ہوا۔ فلوا درک الامام راکعاً فکبر منحنیا لم تصح تحریمتہ (شامی) (۴) (نقلا بالمعنی) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) (فصل فی بیان من یجب علیہ سجود السھو ۱/۱۷۶ ط سعید)

(۲) وینبغی أن یصبر المسبوق حتی یفھم أنہ لا سھو علی الإمام (درمختار) أی لا یقوم بعد تسلیمۃ أو تسلیمتین' بل ینتظر فراغ الإمام بعدھا قال فی الحلیۃ و لیس ھذا الملا زم بل المقصود ما یفھم أن لا سھو علی الإمام أو یوجد لہ ما یقطع حرمۃ الصلاۃ الخ (رد المحتار' باب الإمامۃ ۱/۵۹۷' ط سعید)

(۳) لو أدرک رکعۃ من المغرب قضی رکعتین و فصل بقعدۃ' فیکون بثلث قعدات وقرأ فی کل فاتحہ و سورۃ الخ (عالمگیریۃ' الفصل السابع فی المسبوق واللاحق ۱/۹۱' ط ماجدیہ)

(۴) (الدر المختار' باب صفۃ الصلاۃ ۱/۴۸۰ ط سعید)

مسبوق کے تکبیر تحریمہ کہتے ہی امام نے سلام پھیر دیا تو نماز ہوئی یا نہیں ؟

(سوال) ایک مسبوق نے امام کو نماز میں ایسی حالت میں پایا کہ امام قعدہ اخیرہ میں بیٹھا ہوا تھا مسبوق نے اللہ اکبر تکبیر تحریمہ کہا اور امام نے سلام پھیر دیا مسبوق قعدہ میں امام کے ساتھ بیٹھنے نہیں پایا تو مسبوق اسی تکبیر تحریمہ پر اپنی نماز پوری کرے یا سیدھا کھڑا ہو کر پھر تکبیر تحریمہ کہے۔

المستفتی نمبر ۲۷۶۸ مولوی شاہ ولی خاں۔ ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ م ۲۷ جون ۱۹۴۳ء

(جواب ۶۸۴) جب مسبوق مقتدی نے امام کے سلام سے پہلے امام کی نماز میں شریک ہونے کی نیت سے تکبیر تحریمہ ادا کرلی تو وہ امام کی نماز میں داخل ہو گیا صحت اقتداء کے لئے تحریمہ بہ نیت اقتدا کہنا کافی ہے اقتدا کی صحت صرف نیت اقتدا کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہنے سے ہوجاتی ہے۔ نیۃ المؤتم الاقتداء (درمختار) ای الاقتداء بالامام اوالا قتداء بہ فی صلاتہ اوالشروع فیہا اوالدخول فیہا . الی قولہ . وشرط النیۃ ان تکون مقارنۃ للتحریمۃ (رد المحتار)[۱] وفی باب ادارک الفریضۃ فاذا کبر قائما ینوی الشروع فی صلوۃ الامام تنقطع الاولی فی ضمن شروعہ فی صلوۃ الامام (رد المحتار)[۲] پس اگر مقتدی کے بیٹھنے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی اسی تحریمہ سے مسبوق کی طرح نماز ادا کرے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جس مقتدی کا امام کے پیچھے رکوع رہ جائے

(سوال) لاحق نے امام کے رکوع کی تکبیر نہیں سنی اور رکوع فوت ہو گیا پھر وہ رکوع ادا کر کے امام کے فعل میں شریک ہو گیا نماز ہوگئی یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۷۸۵ عبدالسعید شاہجہانپور مورخہ ۶ دسمبر ۱۹۶۳ء

(جواب ۶۸۵) اگر امام کے رکوع کی تکبیر نہیں سنی اور رکوع امام کے ساتھ نہیں کیا پھر رکوع کر کے امام کے ساتھ رکعت میں شریک ہو گیا تو نماز ہوگئی[۳] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دو رکعت پانے والا بقیہ نماز میں قرأۃ کرے

(الجمعیۃ مورخہ یکم جون ۱۹۳۴ء)

(سوال) ایک شخص نماز باجماعت میں آخری دو رکعت میں شریک ہوا اب باقی دو رکعتیں سورت ملا کر

---

(۱) (باب الإمامۃ ۱ : ۵۵۰ ط سعید)

(۲) (۲ : ۵۲ ط سعید)

(۳) واللاحق من فاتتہ الرکعات کلہا أو بعضہا لکن بعد اقتدائہ بعذر ... بأن سبق إمامہ فی رکوع و سجود ... ویبدأ بقضاء ما فاتہ عکس المسبوق ثم یتابع امامہ (التنویر و شرحہ باب الإمامۃ ۱ : ۵۹۴ ط سعید)

پڑھے یا بغیر سورت کے ؟
(جواب ۶۸۶) جس شخص کو جماعت میں آخری دو رکعتیں ملیں اور امام کے سلام کے بعد وہ اپنی دو رکعتیں پوری کرنے کھڑا ہو تو اس کو ان رکعتوں میں فاتحہ اور سورت دونوں پڑھنا چاہئیے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جماعت کی ایک رکعت پانے والا بقیہ نماز کس طرح پڑھے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۳۱ء)
(سوال) جماعت میں آخری ایک رکعت ملی۔اب پچھلی تین رکعت میں سے کونسی رکعت میں قراۃ پڑھے ؟
(جواب ۶۸۷) چار رکعت والی نماز کی جماعت میں آخری رکعت ملی تو امام کے ساتھ سلام کے بعد تین رکعتوں میں سے پہلی دو رکعتوں میں (جن کے درمیان قعدہ بھی کرے گا) قراۃ کرے۔(۲) محمد کفایت اللہ

بیسواں باب
قنوت نازلہ

نماز فجر میں قنوت نازلہ کا حکم

(سوال) ایک مسجد میں امام صبح کی نماز میں مداومت کے ساتھ قنوت نازلہ پڑھتا ہے اور حنفی ہونے کے باوجود ہاتھ چھوڑ کر پڑھتا ہے کیا قنوت ہمیشہ پڑھنا جائز ہے کیا حنفی امام کا ہاتھ چھوڑ کر پڑھنا جائز ہے ؟ کیا بعض مقتدیوں کا ہاتھ چھوڑ کر پڑھنا جائز ہے ؟ المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی
(جواب ۶۸۸) قنوت نازلہ کسی سخت مصیبت عامہ کے وقت پڑھی جاتی ہے اگر امام کے نزدیک کوئی ایسی مصیبت عامہ باقی ہے تو وہ قنوت نازلہ پڑھ سکتا ہے(۳) اور ہاتھ باندھنا اولیٰ ہے' تاہم اس سے جھگڑا کرنا اچھا نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قنوت نازلہ جائز ہے یا نہیں ؟

(سوال) قنوت نازلہ جو حادثات کے مواقع پر پڑھی جاتی ہے اور آج کل بھی اکثر مساجد میں پڑھی جا رہی

---

(۱) والمسبوق من سبقه الإمام بها أو بعضها' وهو منفرد حتى يثني و يتعوذ ويقرأ ... فيما يقضيه ... أول صلاته في حق قراءة وآخر ها في حق تشهد الخ (التنوير و شرحه' باب الإمامة ۱ / ۵۹٦ ط سعيد)
(۲) و يقضي أول صلاته في حق قراءة وآخر ها في حق تشهد الخ.
(۳) قال أبو جعفر الطحاوي :" إنما لا يقنت عندنا في صلاة الفجر من غير بلية فإن وقعت فتنة أو بلية فلا بأس به فعله رسول الله ﷺ الخ (رد المحتار' باب الوتر والنوافل' مطلب في قنوت النازلة' ۲/ ۱۱ ط سعيد)

ہے زید کہتا ہے کہ قنوت نازلہ اب نہیں پڑھنی چاہئیے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے قنوت پڑھی۔ پھر اللہ پاک نے لیس لک من الا مر شئی آیت نازل فرماکر منع کر دیا تو آپ نے پڑھنی چھوڑ دی۔ ثبوت میں زید ابو مالک اشجعی کی حدیث پیش کرتا ہے۔ عن ابی مالک الا شجعی قال قلت لا بی یابت قد صلیت خلف رسول اللہ ﷺ وابی بکر و عمر و عثمان و علی ھھنابالکوفۃ نحوا من خمس سنین اکانو یقنتون قال ای بنی محدث . راوہ الترمذی (۱) والنسائی و ابن ماجۃ اس کے علاوہ بڑے بڑے حادثات ہوئے حضرت حسنینؓ کا حضرت عثمان ذوالنورینؓ کا اور بھی شہید ہوئے کسی نے قنوت نازلہ نہیں پڑھی۔ المستفتی نمبر ۲۷۶۹ مولوی نورالحسن۔ دہلی۔ ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ م یکم جولائی ۱۹۴۳ء

(جواب ۶۸۹) قنوت نازلہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھی اور خلفائے راشدینؓ نے حضور اکرم ﷺ کے بعد پڑھی ہے اس سے ثابت ہے کہ قنوت نازلہ ممنوع یا منسوخ نہیں ہوئی آیہ کریمہ لیس لک من الامر شئی کے نزول سے قنوت نازلہ کی ممانعت نہیں ہوتی آنحضرت ﷺ نے قنوت نازلہ میں بعض کفار کے نام لیکر بد دعا کی تھی اس کی ممانعت ہوئی تھی کہ مخصوص طور پر کسی کا نام لیکر بد دعا نہ کی جائے بخاری شریف (۲) میں یہ روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں انہ سمع رسول اللہ ﷺ اذا رفع راسہ من الرکوع فی الرکعۃ الاخرۃ من الفجر یقول اللھم العن فلانا و فلانا و فلانا بعد ما یقول سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد فانزل اللہ لیس لک من الامر شئی الی قولہ فانھم ظالمون. (ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سنا کہ حضور ﷺ جب فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کے بعد کہتے یااللہ فلاں اور فلاں اور فلاں شخص کو لعنت کر تو یہ آیت اتری۔ بخاری (۳) کی دوسری روایت میں ان لوگوں کے نام بھی مذکور ہیں جن کے لئے بد دعا فرماتے تھے کہ وہ صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام تھے اور اخیر میں یہ تینوں ایمان لے آئے تھے شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو کسی کا نام لیکر بد دعا کرنے کی ممانعت فرمائی تھی اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے کسی کا نام لیکر قنوت میں بد دعا نہیں کی کسی کافر قوم کے لئے یا عموماً کافروں کے لئے بد دعا کرنی منع نہیں ہے ایسی بد دعا تو قرآن مجید میں موجود ہے الا لعنۃ اللہ علی الظلمین . اور حضرت ابو مالک اشجعی کی روایت قنوت نازلہ کے متعلق نہیں ہے وہ تو نماز فجر میں دوامی قنوت کے متعلق ہے وہ بے شک جمہور کے نزدیک بدعت ہے قنوت نازلہ جس کا ثبوت آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین سے ہے اس کو بدعت کیسے کہا جاسکتا ہے۔ حضور ﷺ سے ثبوت تو بخاری کی روایتوں میں ہے جس میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت اوپر بیان کی جاچکی ہے اور خلفائے راشدین کے متعلق فتح القدیر میں حافظ ابن ہمامؒ نے ذکر کیا ہے۔ قدروی عن

---

(۱) (مشکوۃ باب القنوت الفصل الثانی ص ۱۱۴ ط سعید)

(۲) (باب قولہ لیس لک من الأمر شئی ۲/۶۵۵ ط قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۳) وعن حنظلۃ بن أبی سفیان سمعت سالم بن عبداللہ یقول کان رسول اللہ ﷺ یدعوا علی صفوان بن أمیہ و سھل بن عمر و الحارث بن ھشام الحدیث (غزوۃ أحد باب لیس لک من الأمر شئی ۲/۶۵۵ ط قدیمی)

صدیقؓ انه قنت عند محاربة الصحابة مسیلمة و عند محاربة اهل الکتاب و کذلك قنت عمرؓ و کذا علی فی محاربة معاویة و معاویة فی محاربته (۱) اور کنزالعمال(۲) میں ہے۔عن ابی رافع ان النبی ﷺ وابا بکر و عمر و عثمان و علیاً قنتوا بعد الرکوع ۔ یہ قنوت نازلہ کا بیان ہے اور خلفائے راشدین نے جب حضور اکرم ﷺ کے بعد قنوت نازلہ پڑھی تو ثابت ہوا کہ قنوت نازلہ منسوخ نہیں ہے نیل الاوطار میں قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھنے کا جواز خلفائے راشدین اربعہ اور بہت سے صحابہ کرامؓ سے نقل کیا ہے لہذا یہ جواز صحیح اور ثابت اور قابل عمل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) قنوت نازلہ میں بادشاہ کا حاضر ہونا ضروری نہیں

(۲) جواب دیگر

(سوال) ایک شخص کہتا ہے کہ قنوت نازلہ ائمہ مساجد کو پڑھنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ امام سے مراد خلیفۃ المسلمین ہے جیسا کہ فعل رسول اللہ ﷺ اور عمل خلفائے راشدینؓ سے ثابت ہوتا ہے اور اسی قول کی روایات فقہیہ قنت الامام سے تائید بھی ہوتی ہے کیونکہ امام کا لفظ مشترک ہے جس میں تصریح مع حوالہ عمل غیر خلیفہ کی ضرورت ہے۔

المستفتی نمبر ۲۷۷۵ غلام محمد امام مسجد قادر پوراں ضلع ملتان۔۶ شوال ۱۳۶۲ھ

(جواب ۶۹۰) قنت امام میں امام سے مراد خلیفۃ الاسلام امیر المؤمنین نہیں ہے بلکہ امام جماعت مراد ہے اس کی دلیل یہ ہے جو شامی میں مذکور ہے۔ وظاهر تقیید هم بالامام انه لا یقنت المنفرد وهل المقتدی مثله ام لا (۳) یعنی فقہ کی روایات میں قنوت کو امام کے ساتھ اس لئے مقید کیا گیا ہے کہ منفرد قنوت نازلہ نہ پڑھے اور آیا مقتدی بھی اسی کی طرح یعنی منفرد کے مثل ہے یا نہیں ؟ دیکھئے لفظ امام کو منفرد اور مقتدی کو مقابل سمجھا ہے نہ خلیفۃ المسلمین کے معنی میں ورنہ یوں کہتے کہ خلیفۃ المسلمین کے علاوہ کوئی نہ پڑھے اور پھر مقتدی کے لئے قنوت پڑھنے کو ترجیح دی ہے جب کہ امام سراً پڑھے اور امام جہر سے پڑھے تو مقتدی آمین کہتا رہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(جواب دیگر ۶۹۱) قنوت نازلہ کسی مصیبت کے دفعیہ کے لئے پڑھنا جائز ہے(۴) وہ فجر کی نماز میں رکوع کے بعد کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہے مگر اس میں امام اور مقتدیوں کو ہاتھ چھوڑے رکھنا یا باندھنا بہتر ہے' ہاتھ اٹھا کر پڑھنا یا آمین بالجہر کہنا بہتر نہیں ہے مگر ناجائز بھی نہیں ہے(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) (فتح القدیر' باب صلاة الوتر ۱/ ۴۳۴ ط مصر) (۲) (القنوت ۸/ ۸۳' ط مکتبة التراث الإ سلامی' حلب)
(۳) (باب الوتر والنوافل' مطلب فی قنوت النازلة' ۲/ ۱۱ ط سعید) (٤) قال الزجاج :" والنازلة الشدیدة من شدائد الدهر ولا شك أن الطاعون من أشد النوازل (رد المحتار' باب الوتر والنوافل' مطلب فی قنوت النازلة' ۲/ ۱۱ ط سعید)
(۵) إنما لا یقنت عند نافی صلاة الفجر من غیر بلیة ... والذی یظهر لی أن المقتدی یتابع إمامه إلا إذا جهر فیؤمن وإنه یقنت بعد الرکوع' لا قبله الخ (رد المحتار' باب الوتر والنوافل' مطلب فی قنوت النازلة ۲/ ۱۱ ط سعید)

(۱) قنوت نازلہ پڑھنے کا طریقہ
(۲) جواب دیگر

(سوال) آج کل جو روح فرسا مصائب مسلمانوں پر آرہے ہیں ان کے دفعیہ کے لئے نماز میں قنوت نازلہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو اسکا طریقہ اور دعائے قنوت بھی تحریر فرمادیں ؟
المستفتی محمد عبدالرؤف جگن پوری متعلم مدرسہ امینیہ سنہری مسجد دہلی۔ ۲۴ جمادی الاخری ۱۳۳۸ھ

(جواب ۶۹۲) اس وقت کہ دنیا کی واحد اسلامی سلطنت کو جڑ سے اکھیڑ دینے اور صدیوں کی قائم شدہ اسلامی حکومت کو سر زمین یورپ سے مٹادینے کی تجویزیں ہو رہی ہیں یورپ کی خود غرض اور متعصب مسیحی حکومتیں جلالت مآب خلیفۃ المسلمین سلطان المعظم کو مستقر خلافت (قسطنطنیہ) سے نکال دینے اور خلافت اسلامیہ کا اقتدار مٹادینے کی کوششیں کر رہی ہیں اسلام اور مسلمانوں کے دشمن مسیحی پادری اور بشپ مذہبی تعصب سے دیوانے ہو کر عیسائی آبادی کو خلیفۃ المسلمین کے خلاف بھڑ کا رہے ہیں انصاف اور انسانیت اور آزادی اور سچائی کا خون کرنے پر آمادہ ہیں تو ظاہر ہے کہ اسلامی سلطنت اور خلافت اسلامیہ کی وقعت اور اسلام اور اہل اسلام کی عزت کا خدا تعالیٰ ہی محافظ ہے۔ یہ وقت مسلمانوں کے لئے شدید ترین مصیبت کا وقت ہے ہر شخص جس کے سینے میں منصف دل ہے اور دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے خون کے آنسو روتا ہے عورتیں اور بچے تک بے قرار ہیں نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم کے مسلمانوں میں ایک تلاطم برپا ہے اس لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس موقع کی نزاکت اور اہمیت کو پورے طور سے سمجھیں اور آپس کے بغض اور کینوں' حسد اور مناقشوں' غیبتوں اور عیب جوئیوں کو قطعاً ترک کر دیں باہمی اختلافات کو بھول جائیں اور اپنے فرض کو محسوس کریں۔ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضامندی حاصل کرنے اور اسلام کی مدد کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور حقیقی شہنشاہ رب العالمین احکم الحاکمین کی مقدس بارگاہ میں اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کریں۔ اور سچے دل سے رو کر گڑ گڑا کر مقامات مقدسہ اور جزیرۃ العرب کے غیر مسلموں سے پاک رہنے اور خلافت اسلامیہ کے اقتدار اور اسلامی سلطنت کی عزت قائم رہنے کی دعا مانگیں' جہری نمازوں کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد قومے میں قنوت نازلہ پڑھیں(۱) امام زور سے قنوت پڑھے اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہتے جائیں۔ ہاتھ باندھے رکھیں قنوت نازلہ کے الفاظ یہ ہیں :-

اللھم اھدنا فیمن ھدیت وعافنا فیمن عافیت و تولنا فیمن تولیت و بارك لنا فیما اعطیت وقنا شرما قضیت انك تقضی ولا یقضی علیك وانه لا یذل من والیت ولا یعزمن عادیت تبارکت ربنا و تعالیت ونستغفرك و نتوب الیك وصلی الله علی النبی الکریم. اللھم اغفرلنا وللمؤمنین والمؤمنت والمسلمین والمسلمات والف بین قلوبھم واصلح ذات بینھم

---

(۱) إذا وقعت نازلة قنت الإمام فی الصلاة الجهرية والذی يظهر لی أن المقتدی يتابع إمامه إلا إذا جهر فيؤمن وأنه يقنت بعد الركوع لا قبله (رد المحتار' باب الوتر والنوافل' مطلب فی قنوت النازلة ۲/ ۱۱ ط سعيد)

وانصرنا علیٰ عدوك وعدوهم. اللهم العن الكفرة الذين يصدون عن سبيلك ويكذبون رسلك ويقاتلون اولياء ك اللهم خالف بين كلمتهم وزلزل اقدامهم وانزل بهم باسك الذى لا ترده عن القوم المجرمين۔ (۱)

کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ۔ ۲۴ جمادی الاخری ۱۳۳۸ھ

(جواب دیگر ۶۹۳) حوادث اور مصائب کے پیش آنے پر حنفیہ نے بھی فرائض میں قنوت پڑھنے کو مسنون کہا ہے (۲) اور اس مصیبت سے بڑھ کر مسلمانوں پر اور کیا آفت ہو گی جو آج کل جنگ بلقان سے پیش آرہی ہے تمام مسلمان خدائے پاک کی جناب میں گریہ وزاری کریں اور فجر کی نماز میں اخیر رکعت کے رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھیں اور اپنے اسلامی بھائیوں کی عزت وو قار کے ساتھ اس مصیبت سے نجات پانے کی دعا مانگیں اور جہاں تک ممکن ہو مجروحین و یتامی اور بیواؤں کی امداد و اعانت کے لئے چندہ بھیجیں طریقہ قنوت کا یہ ہے کہ امام دوسری رکعت کے رکوع کے بعد قومے میں یہ دعا پڑھے :-

(یہاں مذکورہ بالا الفاظ دعائے قنوت کے درج ہیں)

اگر مقتدیوں کو یاد ہو تو بہتر ہے کہ امام اور مقتدی سب آہستہ آہستہ پڑھیں اور مقتدی نہ پڑھ سکیں تو بہتر ہے کہ امام زور سے یہ دعا پڑھے اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہتے رہیں امام اور مقتدی دونوں ہاتھ باندھے رہیں (۳) کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح حقیر ضمیر الدین احمد ۔ الجواب صواب بندہ محمد قاسم عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی الجواب بندہ ضیاء الحق عفی عنہ ۔ الجواب صحیح انظار حسین عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (مہر) یقال لہ ابراہیم ۔ (مہر) ابو محمد عبدالحق ۔ (مہر) محمد سیف الرحمن ۔ الجواب صحیح محمد عبدالرشید مہتمم مدرسہ نعمانیہ دہلی ۔ (مہر) ابوالحسن سید محمد تلطف حسین ۔ الجواب صحیح محمد کرامت اللہ عفی عنہ ۔ (مہر) عبدالجبار عمر پوری ۔ (مہر) سید محمد عبدالسلام عفی عنہ ۔ (نوٹ) جو صاحبان مجروحین کے لئے چندہ جمع کرنا چاہیں ان کو چاہئے کہ وہ براہ راست کو تھی علیجان حاجی عبدالغفار صاحب خزانچی ہلال احمر کے نام روانہ کریں ۔ (اشتہار از طرف طلبائے مدرسہ امینیہ دہلی)

---

(۱) (حلبی کبیر : صلاۃ الوتر ' ص ۴۱۷ – ۴۱۸ ' ط سہیل اکیدمی ' لاہور)

(۲) قال الشامی : " النازلة الشديدة من شدائد الدهر ولا شك أن الطاعون من أشد النوازل (باب الوتر والنوافل ' مطلب فی قنوت النازلة ۲ / ۱۱ ط سعید)

(۳) لما رواه الإمام أبو حنيفة عن ابن مسعود " لأن رسول الله ﷺ لم يقنت فی الفجر قط إلا شهراً واحداً لم ير قبل ذلك ولا بعده ' وإنما قنت شهرا يدعوا على قوم من العرب ' ثم تركه الخ (البحر الرائق ' باب الوتر ۳ / ۴۷ ط دار المعرفة ' بيروت ' لبنان) إنما لا يقنت عندنا فی صلاة الفجر من غير بلية فإن وقعت فتنة أو بلية لا بأس به ' فعله رسول الله ﷺ الخ أن المقتدى يتابع إمامه إلا إذا جهر فيؤمن وإنه يقنت بعد الركوع ' لا قبله الخ (رد المحتار ' باب الوتر والنوافل ' مطلب فی قنوت النازلة ۲ / ۱۱ ط سعيد)

قنوت نازلہ منسوخ نہیں ہوئی

(سوال) قنوت نازلہ جو مصائب کے پیش آنے پر نمازوں میں پڑھی جاتی ہے اس کے متعلق بعض لوگ چند شبہات بیان کرتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک یہ منسوخ ہے کوئی کہتا ہے کہ صرف فجر کی نماز میں پڑھنی چاہئیے کوئی کہتا ہے کہ رکوع سے پہلے پڑھنی چاہئیے کوئی کہتا ہے کہ قنوت پڑھتے وقت ہاتھ چھوڑے رکھنا چاہئیے۔براہ کرم ان امور کے متعلق تحقیقی جوابات مرحمت فرمائیں

(جواب ۶۹۴) قنوت نازلہ مصیبتوں کے وقت فرض نمازوں میں پڑھنا جائز ہے اور اس کا جواز عموماً جمہور ائمہ اور خصوصاً حنفیہ کے نزدیک منسوخ نہیں ہے بلکہ جب کوئی عام مصیبت پیش آئے تو مصیبت کے زمانہ تک قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے(۱) ہاں قنوت دوامی جو فجر کی نماز میں امام شافعیؒ کے نزدیک مسنون ہے وہ حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے فقہ حنفی کی کتابوں میں جہاں قنوت فجر کو منسوخ کہا ہے اس سے مراد یہی ہے کہ قنوت دوامی فجر کی نماز میں پڑھنا منسوخ ہے قنوت نازلہ کا منسوخ نہ ہونا ان روایات حدیثیہ وفقہیہ سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے۔ **عن ابی ہریرةؓ قال قنت رسول اللہ ﷺ فی صلوة العتمة شهرا (الی قوله) قال ابو هريرةؓ واصبح رسول اللہ ﷺ ذات يوم فلم يدع لهم فذكرت ذلك له فقال وما تراهم قد قدموا (ابو داؤد)**(۲) (ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان قیدیوں کی نجات اور کافروں کی ہلاکت کیلئے ایک مہینہ تک عشاء کی نماز میں قنوت پڑھی (الی قولہ) ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ایک دن آپ نے دعا نہیں پڑھی تو میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ مسلمان قیدی چھوٹ کر آگئے (ابو داؤد)

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کا ایک مہینہ تک قنوت پڑھ کر چھوڑ دینا قنوت کی ضرورت نہ رہنے کی وجہ سے تھا نہ کہ منسوخ ہونے کی وجہ سے۔

عن انس بن مالکؓ ان النبی ﷺ قنت شهراً ثم تركه (ابو داؤد)(۳) (ترجمہ) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مہینہ دعائے قنوت پڑھی پھر چھوڑ دی۔ **عن ابن عباسؓ قال قنت رسول اللہ ﷺ شهراً متتابعاً فی الظهر والعصر والمغرب والعشاء وصلوة الصبح فی دبر كل صلوة اذا قال سمع الله لمن حمده من الركعة الاخرة يدعو على احياء من بنی سليم على رعل و ذكوان و عصية ويؤمن من خلفه (ابو داؤد)**(۴) (ترجمہ) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے متواتر ایک مہینے تک ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں قنوت پڑھی۔ ہر نماز کے آخر میں جب کہ آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ فرماتے تو بنی سلیم کے قبیلوں رعل وذکوان وعصیہ پر بددعا فرماتے اور مقتدی آمین کہتے رہتے۔ **او انه لعدم وقوع نازلة**

---

(۱) إنما لا يقنت عندنا في صلاة الفجر من غير بلية فإن وقعت فتنة أو بلية لا باس به فعله رسول الله ﷺ الخ (رد المحتار باب الوتر والنوافل مطلب في قنوت النازلة ۲/ ۱۱ ط سعيد)

(۲) (باب القنوت في الصلاة ۱/ ۲۰٤ ط سعيد)

(۳) (ايضاً) (٤) (باب القنوت في الصلاة ۱/ ۲۰٤ ط سعيد)

تستدعي القنوت بعد ها فتكون شرعيته مستمرة وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته عليه الصلوة والسلام وهو مذهبنا و عليه الجمهور (كبيرى) (۱) (ترجمہ) یا حضور کا قنوت کو چھوڑنا اس وجہ سے ہو کہ کوئی ضرورت بعد کو قنوت پڑھنے کی پیش نہ آئی پس قنوت نازلہ کی مشروعیت مستمر ہے اور جن صحابہؓ نے حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد قنوت پڑھی ان کا پڑھنا اسی پر محمول ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے اور اسی کے جمہور قائل ہیں۔ قال ابن الهمام في شرح الهداية ان هذا ينشئى لنا ان **القنوت للنازلة مستمر لم ينسخ (الى قوله) وما ذكرنا من اخبار الخلفاء يفيد تقرره لفعلهم ذلك بعده ﷺ (فتح القدير)** (۲) (ترجمہ) ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا بیان ہمارے لئے ظاہر کرتا ہے کہ قنوت نازلہ کا جواز مستمر ہے منسوخ نہیں ہوا (الی قولہ) اور خلفائے راشدین کی جو روایتیں ہم نے ذکر کی ہیں ان سے قنوت نازلہ کا منسوخ نہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد قنوت نازلہ پڑھی ہے۔ **اذا طبق علماء نا على جواز القنوت عند النازلة (مرقاة)** (۳) (ترجمہ) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء (ائمہ حنفیہ) کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی مصیبت کے وقت قنوت نازلہ پڑھنی جائز ہے۔ **روى عن ابى بكرؓ انه قنت عند محاربة مسيلمة و كذا قنت عمرؓ و كذا علىؓ و معاويةؓ عند تحار بهما (غنية المستملى)** (۴) (ترجمہ) حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے مسیلمہ کذاب سے جنگ کے زمانے میں دعائے قنوت پڑھی اور اسی طرح حضرت عمرؓ نے بھی پڑھی ہے اور ایسے ہی حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ نے بھی اپنی جنگ کے زمانہ میں دعائے قنوت پڑھی ہے۔

ان روایات سے ثابت ہے کہ قنوت نازلہ ائمہ حنفیہ اور جمہور کے نزدیک جائز ہے اس کا جواز اور مشروعیت مستمر ہے منسوخ نہیں ہے کیونکہ اگر منسوخ ہوتا تو خلفائے راشدینؓ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد کیوں پڑھتے فتح القدیر' کبیری' عینی' شرح ہدایہ' طحاوی' مراقی الفلاح' در مختار' اشباہ و نظائر' بحر الرائق' غایہ شرح نقایہ' مرقاۃ شرح مشکوٰۃ' رد المحتار' وغیرہ بہت سی کتابوں میں حنفیہ نے قنوت نازلہ کے جواز کی تصریح کی ہے رہی یہ بات کہ حنفیہ کے نزدیک صرف فجر کی نماز میں ہے یا تین جہری نمازوں میں یا پانچوں نمازوں میں ؟ تو اس کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ علامہ طحاویؒ کی عبارت میں صرف فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے کا ذکر ہے (۵) اور اسی کو صاحب شامیؒ نے ترجیح دی ہے لیکن علامہ عینیؒ نے شرح ہدایہ میں صلوۃ

---

(۱) (صلاة الوتر ص ۴۲۰ ط سهيل)
(۲) (باب صلاة الوتر ۱/۴۳۴ ط بيروت' لبنان)
(۳) (باب القنوت ۳/۱۷۸ ' ط امداديه' ملتان)
(۴) (صلاة الوتر' ص ۴۲۰ ط ' سهيل لاهور) (۵) قال أبو جعفر : " فقد يجوز ان يكون على كان يرى القنوت فى صلاة الفجر سائر الدهر وقد يجوز ان يكون فعل ذلك فى وقت خاص للمعنى الذى كان فعله عمر من أجله الخ (شرح معانى الآثار' باب القنوت فى الفجر وغيره' ۱/۱۷۲ ط سعيد) قال ابو جعفر : " فذهب القوم إلى أثبات القنوت فى صلاة الفجر الخ (شرح معانى الآثار' باب القنوت فى الفجر وغيره ۱/۱۶۸ ط سعيد)

الجہر لکھا ہے اور اسی طرح بحر الرائق و مراقی الفلاح میں شرح نقایہ سے صلوۃ الجہر نقل کیا ہے(۱) اور در مختار میں وقیل فی الصلوات کلها بھی لکھا ہے یعنی کہا گیا ہے کہ تمام نمازوں میں پڑھنی جائز ہے اور احادیث میں بھی قنوت کا ذکر مختلف طریقوں سے آیا ہے کسی حدیث میں صرف نماز فجر کا ذکر ہے اور کسی میں نماز عشاء کا اور کسی میں دو تین نمازوں کا اور کسی میں پانچوں نمازوں کا پس صرف نماز فجر میں پڑھنے کی روایت اور جہری نمازوں میں پڑھنے کی روایت تو فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں بھی موجود ہے ان دونوں صورتوں میں تو فقہ حنفی کی رو سے بھی تامل کی گنجائش نہیں رہا پانچوں نمازوں میں پڑھنا تو دیگر ائمہ بموجب حدیث ابن عباسؓ پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ کے جواز کے قائل ہیں اور یہی مطلب ہے در مختار کے اس قول کا وقیل الصلوات کلها مگر ائمہ حنفیہ سے پانچوں نمازوں میں پڑھنے کی کوئی فقہی روایت نہیں ہے جہری نمازوں میں پڑھنے کی فقہی روایتیں یہ ہیں۔ ان نزل بالمسلمین نازلة قنت الامام فی صلوة الجهر وبه قال الاکثرون واحمد الخ (عینی شرح هدایه) (۲) (ترجمہ) اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت آجائے تو جہری نمازوں میں امام قنوت پڑھے اسی کے اکثر علما اور امام احمدؒ قائل ہیں۔ وفی الغایة ان نزل بالمسلمین نازلة قنت الامام فی صلوة الجهر وهو قول الثوری واحمد الخ (مراقی الفلاح) (۳) (ترجمہ) غایہ میں ہے کہ اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت آجائے تو امام جہری نمازوں میں قنوت پڑھے امام ثوری اور امام احمدؒ کا یہی قول ہے۔" اسی طرح بحر الرائق و شامی میں بھی منقول ہے۔

رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد رکوع؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قنوت نازلہ کو بعد رکوع پڑھنا ہی باعتبار دلیل کے قوی ہے کیونکہ جن روایات حدیث سے قنوت نازلہ کے جواز پر حنفیہ نے استدلال کیا ہے اس میں تصریح ہے کہ یہ قنوت حضور اکرم ﷺ نے رکوع کے بعد پڑھی ہے اسی کو شامی نے رد المحتار میں ترجیح دی ہے اور اسی کو مراقی الفلاح میں اختیار کیا گیا ہے(۴) اور ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھا ہے۔ قال البیهقی صح انه علیه السلام قنت قبل الرکوع لکن رواة القنوت بعده اکثر واحفظ فهو اولی (مرقاة) (۵) (ترجمہ) علامہ بیہقیؒ نے فرمایا کہ حضور ﷺ سے قبل الرکوع قنوت پڑھنا بھی ثابت ہے لیکن بعد رکوع قنوت کے روایت کرنے والے زیادہ بھی ہیں اور حافظہ کے بھی قوی ہیں پس یہی اولیٰ ہے۔

---

(۱) قنت الإمام فی صلاة الجهر الذی فی البحر عن الشمنی فی شرح النقایة (مراقی الفلاح' باب الوتر' ص ۲۲۶ ط مصر)

(۲) (باب صلاة الوتر' ۲/۵۲٤ ط دار الفکر' بیروت' لبنان)

(۳) (باب الوتر ص ۲۲۶' ط مصر)

(٤) وأنه یقنت بعد الرکوع' لا قبله بدلیل أن ما استدل به الشافعی علی قنوت الفجر و فیه التصریح بالقنوت بعد الرکوع حمله علماؤنا علی القنوت للنازلة ثم رأیت الشر نبلالی فی مراقی الفلاح الخ (رد المحتار' باب الوتر والنوافل' مطلب فی القنوت للنازلة ۲/۱۱ ط سعید)

(۵) (باب القنوت ۳/۱۷۸' ط امدادیه' ملتان)

ہاتھ باندھ لیں یا چھوڑے رکھیں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایسے قیام میں جس میں کوئی ذکر مسنون ہو ہاتھ باندھنا سنت ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک جس قیام میں قراۃ ہو یعنی قرآن مجید پڑھا جائے اس میں ہاتھ باندھنا مسنون ہے پس ہر نماز میں سبحانك اللّٰھم کے ختم تک اور قنوت کے وقت اور نماز جنازہ میں امام محمدؒ کے نزدیک ہاتھ چھوڑے رکھنا چاہئیے۔ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان سب مواقع میں ہاتھ باندھنا چاہئیے جیسے کہ تمام حنفیہ کا معمول ہے اور ثنا اور قنوت وتر اور نماز جنازہ میں ہاتھ باندھے رہتے ہیں پس قنوت نازلہ بھی چونکہ ذکر مسنون ہے اس لئے اس کے پڑھنے کے قیام میں بھی ہاتھ باندھنا ہی حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے مذہب کے موافق مسنون ہو گا لہذا ہاتھ باندھنا ہی اولیٰ اور راجح ہے۔ مراقی الفلاح کے حاشیہ میں علامہ شیخ احمد طحطاویؒ لکھتے ہیں و یضع فی کل قیام من الصلوۃ ولوحکما فدخل المقاصد ولا بد فی ذلك القیام ان یکون فیه ذکر مسنون وما لا فلا کما فی السراج وغیرہ . وقال محمد لا یضع حتی یشرع فی القراء ۃ فھو عندھما سنة قیام فیه ذکر مشروع و عندہ سنة للقراء ۃ فیرسل عندہ حالة الثناء والقنوت وفی صلوۃ الجنازۃ و عندھما یعتمد فی الکل . الخ (طحطاوی علی مراقی الفلاح)(۱)

(ترجمہ) نماز کے ہر قیام میں ہاتھ باندھے اگرچہ قیام حکمی ہو تو اس میں بیٹھ کر نماز پڑھنے والا بھی داخل ہو گیا مگر یہ شرط ہے کہ اس قیام میں کوئی ذکر مسنون ہو اور جس میں ذکر مسنون نہ ہو نہ باندھے جیسا کہ سراج وغیرہ میں مرقوم ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جب تک قراۃ شروع نہ کرے ہاتھ نہ باندھے پس ہاتھ باندھنا امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہر ایسے قیام کی سنت ہے جس میں کوئی ذکر مسنون ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک قراۃ کی سنت ہے لہذا امام محمدؒ کے نزدیک حالت ثنا اور قنوت اور نماز جنازہ میں ہاتھ چھوڑے رکھنے چاہئیں اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان تمام حالتوں (یعنی ثنا' قنوت' نماز جنازہ) میں ہاتھ باندھنا چاہئیے۔ انتہی

اگر کوئی ہاتھ اٹھا کر پڑھے تو حدیث شریف سے اس کی بھی گنجائش نکلتی ہے اور ایک فقہی روایت امام ابو یوسفؒ سے بھی منقول ہے کہ قنوت وتر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر پڑھی ہے۔ حدیث شریف یہ ہے۔ عن ابی ھریرۃؓ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا رفع رأسه من صلوۃ الصبح فی الرکعة الثانیة یرفع یدیه فیھا فیدعو بھذا الدعاء اللّٰھم اھدنی فیمن ھدیت الخ (۲) (ترجمہ) حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں جب رکوع سے سر اٹھاتے تو قومے میں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھتے اللّٰھم اھدنی فیمن ھدیت الخ (زاد المعاد) حافظ ابن قیمؒ نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے لیکن حاکمؒ سے اس کی تصحیح بھی خود ہی نقل فرمائی ہے البتہ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ ہاتھ اٹھانے سے کیا مراد ہے آیا

---

(۱) (فصل فی بیان سننھا' تتمة' ص ۱۵٤ ط مصر)
(۲) (زاد المعاد فی ھدی خیر العباد' بحث القنوت فی الفجر وغیرہ ۱ ٦۹ ط مصر)

ابتداء میں دعا شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھانا جیسے تکبیر تحریمہ یا قنوت وتر کے وقت اٹھاتے ہیں یا تمام دعا پڑھنے اور آخر ختم کرنے تک اٹھائے رکھنا جیسے دعا میں ہاتھ اٹھاتے ہیں پھر بھی چونکہ حدیث میں یہ احتمال بھی ہے اس لئے ہاتھ اٹھا کر پڑھنے والوں سے بھی جھگڑنا مناسب نہیں ہے اسی طرح جو لوگ ہاتھ چھوڑ کر پڑھیں ان کے لئے بھی امام محمدؒ کے مذہب کے موافق گنجائش ہے اس لئے ان سے بھی جھگڑنے کا موقع نہیں ہے اگر دعائے قنوت مقتدیوں کو یاد ہو تو بہتر ہے کہ امام بھی آہستہ پڑھے اور سب مقتدی بھی آہستہ پڑھیں اور مقتدیوں کو یاد نہ ہو جیسا کہ اکثری تجربہ اس کا شاہد ہے تو بہتر یہ ہے کہ امام زور سے پڑھے اور سب مقتدی آہستہ آہستہ امین کہتے رہیں حضرت ابو ہریرۃؓ نے حضور اکرم ﷺ سے قنوت نازلہ کا زور سے پڑھنا روایت کیا ہے۔ (بخاری)(۱)

مغرب کی تیسری رکعت' عشاء کی چوتھی رکعت' فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر امام دعائے قنوت پڑھے مقتدی آمین کہتے رہیں۔ دعا سے فارغ ہو کر اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں جائیں دعائے قنوت کے الفاظ یہ ہیں۔ **اللهم اهدنا فيمن هديت الخ .**

جو شخص تنہا نماز پڑھے وہ اپنی نماز میں اور عورتیں اپنی نماز میں قنوت پڑھیں یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی اجازت یا ممانعت کی تصریح میں نے نہیں دیکھی بجز فقہا کے اس قول کے کہ قنت الامام۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ حکم باعتبار اصل ہے کیونکہ فرائض میں اصل یہی ہے کہ وہ جماعت سے ادا کئے جائیں اور منفرد کے حکم سے سکوت ہے تاہم ممانعت کی کوئی وجہ بھی معلوم نہیں ہوتی واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۲۰ رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

الجواب صواب محمد انور عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند۔ محمد اعزاز علی غفر لہ۔ خاکسار سراج احمد رشیدی' حبیب الرحمٰن عفی عنہ۔ فقیر اصغر حسین حسنی حنفی۔ بندہ ضیاء الحق عفی عنہ۔

موجودہ یاس انگیز حالت میں قنوت نازلہ ہر مسجد میں ہونی چاہئے اس کے مسنون ہونے میں ائمہ اربعہ متفق ہیں پانچوں نمازوں میں جائز ہے مگر جہری نمازوں میں معتاد اکثرین سلف ہونا ثابت ہے اور نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور ہاتھ باندھے ہوئے دعا کرنا حدیث سے ثابت ہے۔ فاتحہ میں دعائے اهدنا اور آیت ترغیب و ترہیب میں دعائے مناسب دست بستہ منقول ہے قنوت میں امام ابو یوسفؒ سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی منقول ہے مناسب ہے کہ ان جزوی امور میں اس وقت اختلاف نہ ہو۔ دست بستہ دعائے قنوت جہری نمازوں میں کیا کریں اگر اہل محلہ پانچوں نمازوں میں باہمی اتفاق سے کریں تو ان پر انکار نہ کریں قرآن پاک میں ہے۔ **وما يفعلوا من خير فلن يكفروه . ولكل وجهةهو موليها فاستبقوا الخيرات.**

فقط حررہ محمد ناظر حسین نعمانی نقشبندی دیوبندی صدر مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ۔

حامداً ومصلیاً۔ قنوت عند المصیبت والحوادث العامہ مشروع ہے جزوی و فرعی اختلاف کی وجہ سے

---

(۱) (كتاب التفسير' باقوله ليس لك من الأمر شئى ۲/ ۶۵۵' ط قديمى كتب خانه' كراچى)

نزاع مناسب نہیں۔ فقط کتبہ الاحقر عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرس مظاہر علوم سہارنپور۔

حامداً و مصلیاً و مسلماً ۔ قنوت وقت نازلہ کے احناف کے نزدیک جائز ہے اور بعد رکوع آنحضرت ﷺ نے اس کو اختیار فرمایا ہے احناف کے نزدیک قنوت نماز صبح میں علی الدوام ثابت نہیں یہ قنوت جس کی بابت سوال ہے اس کے جواز میں چون وچرا کرنا لغو ہے جواب جو مجیب نے تحریر فرمایا ہے یہ عاجز اس سے متفق ہے۔ واللہ اعلم۔ احمد علی عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ میرٹھ۔

الجواب صحیح۔ محمد ادریس (کاندھلوی) مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ محمد شفیع مدرس مدرسہ عبد الرب دہلی۔ کریم بخش عفی عنہ مدرس مدرسہ عبد الرب۔ حبیب المرسلین عفی عنہ دہلی۔ محمد عبد اللطیف سیفی عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی۔ محمد عبد الرحمٰن مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی۔ سلطان محمود غفرلہ مدرس مدرسہ فتح پوری۔ بندہ احمد سعید غفرلہ واعظ دہلوی۔ محمد میاں عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی۔ محمد کرامت اللہ عفا اللہ عنہ دہلی۔ محمد عبد الرحیم مہتمم مدرسہ رحیمیہ دہلی۔

بعد حمد و صلوٰۃ کے معلوم ہو کہ وقت تحت مصیبت کے قنوت کا پڑھنا ہمیشہ رسول اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین سے پایا گیا ہے اور حضرت ابو بکرؓ نے محاربہ مسیلمہ کذاب میں دعائے قنوت پڑھی ہے اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ سے ثابت ہوا چنانچہ ماہرین اخبار پر مخفی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید ابو الحسن عفی عنہ۔

قنوت نازلہ پر اشکال اور اس کا جواب

(سوال) محبت نامہ بجواب عریضہ حقیر آیا۔

مولانا! اپنی تحریر میں آنجناب نے تحریر فرمایا ہے کہ "جیسا کہ میرے لئے علامہ عینی و صاحب بحر و مراقی الفلاح کی عبارت دلیل ہے" الخ عینی شرح ہدایہ میرے پاس موجود نہیں ہے ورنہ اس کو بھی غور سے مطالعہ کر کے عرض کرتا۔ صاحب بحر نے اس مسئلے کو شرح النقایہ سے لیا ہے اور شارح نقایہ اور صاحب مراقی الفلاح نے غایہ سے نقل کیا ہے اور دونوں نے نقل میں لفظ صلاۃ الجہر لکھا ہے اور صاحب اشباہ نے جو غایہ سے نقل کیا ہے اس میں لفظ صلاۃ الفجر لکھا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غایہ کے بعض نسخ میں صلاۃ الفجر ہے اور بعض دیگر میں صلاۃ الجہر ہے اور علامہ ابو سعود نے ملا مسکین کے حاشیے میں شرح النقایہ سے جو عبارت نقل کی ہے اس میں لفظ صلاۃ الفجر ہے ان کی عبارت بعینہ یہ ہے۔ **وفی شرح النقایۃ عن الغایۃ وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلاۃ الفجر اھ**(۱) جس سے یہ معلوم ہوا کہ شرح النقایہ کے بعض نسخ میں صلاۃ الجہر ہے اور بعض دیگر میں صلاۃ الفجر ہے ان دونوں میں سے ایک ہی صحیح ہو سکتا ہے مگر کوئی بھی صلاۃ الجہر والے نسخہ کی صحت کی تصریح نہیں کرتا نہ اشارۃً اس کی صحت کو بیان کرتا ہے بخلاف صلاۃ

---

(۱) (باب الوتر والنوافل ۱/۲۵۲ ط سعید)

الفجر والے نسخہ کے کہ اس کو علامہ شامی نے صحیح مانا ہے اور اس کی تائید میں علامہ حلبی کی عبارت شرح منیہ سے نقل کی پس حقیقت میں تخصیص بالفجر پر غایہ کے ایک نسخہ صلاۃ الفجر والے سے استدلال ہے اور علامہ حلبی کی عبارت اس نسخہ کی صحت کی مؤید ہے اسی وجہ سے بعد اس کے تصریح کر دی کہ وھو صریح فی ان قنوت النازلۃ عندنا مختص لصلاۃ الفجر دون غیرھا من الصلوات الجھریۃ اوالسریۃ آہ (۱) اور اسی طور سے علامہ طحطاوی نے در مختار کے حاشیہ میں پہلے بحر اور مراقی الفلاح کی عبارت نقل کر کے یہ لکھا والذی فی ابی السعود عن الشرح المذکور ان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلاۃ الفجر آہ (۲) جس سے مقصود بیان مخالفت منقول عنہا تھا پھر ان دو نسخوں میں سے صلاۃ الفجر والے نسخہ کی صحت وترجیح کے لئے عبارت امام طحطاوی سے اسی کو متبادر لکھ کر دونوں نسخوں کی موافقت کے لئے یہ تحریر کر دیا کہ والذی یظھر لی ان قولہ فی البحر وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلاۃ الجھر تحریف من النساخ وصوابہ الفجر آہ (۳) اس سے صاف واضح ہو گیا کہ احتمال تحریف صرف موافقت نسخ کے لئے ہے نہ یہ کہ احتمال تحریف تخصیص بالفجر پر دلیل بلکہ تحریف محتمل نہیں ہے کیونکہ علامہ شامی نے بحر کے حاشیے میں بعد نقل عبارت حلبی یہ نص فرمایا کہ و مقتضی ھذا ان القنوت لنازلۃ خاص بالفجر . اس کے بعد یہ لکھا کہ ویخالفہ ما ذکرہ المؤلف معزیا الی الغایۃ من قولہ فی صلاۃ الجھر و لعلہ محرف عن الفجر وقد وجدتہ بھذا اللفظ فی حواشی مسکین وکذا فی الاشباہ وکذا فی شرح الشیخ اسماعیل لکنہ عزاہ الی غایۃ البیان الخ (۴) اور طحطاوی نے تخصیص بالفجر پر بطور دلیل کے علامہ حلبی کی عبارت کو نقل کر کے یہ فرمایا کہ فھذا صریح فی تخصیص القنوت للنوازل بالفجر آہ (۵) اور آں جناب نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ صلوات جہریہ میں قنوت نازلہ کا جواز علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں اور سید طحطاوی نے مراقی الفلاح میں نقل فرمایا ہے الخ مولانا ! طحطاوی میں مجھے نہیں ملا بلکہ علامہ طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح میں جو عبارت شرح النقایہ کی نقل کی ہے اس میں صلاۃ الفجر لکھا ہے اور مراقی الفلاح کے قول وھو مذھبنا و علیہ الجمھور پر یہ تصریح فرمائی ہے ای القنوت للحادثۃ وان خصصناہ بالفجر لفعلہ ﷺ و عممہ الجمھور فی کل الصلوات آہ (۶) جس سے صاف معلوم ہو کہ احناف کے نزدیک قنوت نازلہ نماز فجر میں مخصوص ہے خلاصہ یہ کہ علامہ طحطاوی اور شامی نے تائید و اثبات میں علامہ حلبی کی عبارت کو تحریر فرمایا اور لفظ کانھم الخ کو صرف احتمال کے طور پر حمل نہیں کیا

---

(۱) (رد المحتار' باب الوتر والنوافل' مطلب فی القنوت للنازلۃ ۲/ ۱۱ ط سعید)
(۲) (باب الوتر والنوافل ۱/ ۲۸۳ ط دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر' بیروت' لبنان)
(۳) (باب الوتر والنوافل ۱/ ۲۸۳' ط دار المعرفۃ' بیروت' لبنان)
(۴) (باب الوتر والنوافل ۲/ ۴۷ ط دار المعرفۃ' بیروت' لبنان)
(۵) (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار' باب الوتر والنوافل ۱/ ۲۸۳ ط بیروت)
(۶) (باب الوتر ص ۲۲۷' ط مصر)

بلکہ خود علامہ حلبیؒ نے شرح منیہ صغیری میں یہ تحریر فرمایا ہے ویجوز عندنا ان وقعت فتنة او بلیة ان یقنت فی الفجر قاله الطحاوی پس عبارت بحر مراقی الفلاح جو غایہ سے نقل کر کے صلاۃ جہریہ کے قائل ہوئے ہیں بسبب اختلاف نسخ کے مفید تعمیم صلاۃ جہریہ کی نہیں ہوئی تاکہ دلیل ہو سکے گو وہ عبارت قبل ترجیح کے مفید تخصیص بالفجر کو بھی نہیں اور تخصیص بالفجر کے لئے امام طحاویؒ کا قول بلا کسی معارض و مخالف کے دلیل ہے جیسا کہ ان کو صغیری میں کہا قالہ الطحاویؒ اور کبیری میں اس کی وجہ سے احتمال نسخ کو ذکر کیا علاوہ ازیں آں جناب بھی تخصیص صلوات جہریہ کے بہ سبب روایات احناف کے قائل ہیں پس مسلم شریف کی حدیث کا جس میں لفظ انه قنت فی صلاة الظهر ہے احناف کی طرف سے کیا جواب ارشاد فرمائیں گے پس کانهم الخ کا احتمالی ہونا تخصیص بالفجر کے لئے مضر نہیں ہے جیسا کہ آنجناب کے نزدیک تخصیص بصلاۃ الجہر کے لئے مضر نہیں علاوہ ازیں مسلم ہے کہ علامہ حلبی نے اس کو بطور احتمال کے بیان کیا ہے مگر علامہ نوح آفندی نے جزماو قطعاً بیان کیا ہے جیسا کہ علامہ شامی نے حواشی بحر میں تحت قوله ولهما انه منسوخ کے لکھا ہے قال العلامة نوح آفندی هذا علی اطلاقه مسلم فی غیر النوازل واما عند النوازل فی القنوت فی الفجر فینبغی ان یتابعه عند الکل لان القنوت فیها عند النوازل لیس بمنسوخ علی ما هو التحقیق کما مروا ما فی القنوت فی غیر الفجر عند النوازل کما هو مذهب الشافعی فلا یتابعه عند الکل فان القنوت فی غیر الفجر منسوخ عندنا اتفاقاً اه (۱) والسلام

مشتاق احمد عفاعنہ الصمد بقلم خود۔ مورخہ ۲۳ رجب ۱۳۴۰ھ

مدرسہ دارالعلوم مسجد رنگیان۔ کانپور

(جواب ۶۹۵) بعد سلام مسنون عرض ہے کہ نامہ سامی کئی روز ہوئے کہ موصول ہوا تھا بندہ مدرسے کے طلبہ کے امتحان میں مشغول تھا اس لئے جواب نہ لکھ سکا۔

صاحب بحر نے شرح نقایہ سے اور مراقی الفلاح میں غایہ سے صلاۃ الجہر نقل کیا ہے اور علامہ شامی نے حواشی بحر میں شرح شیخ اسمٰعیل کے حوالے سے بنایہ شرح ہدایہ للعینی سے نقل کیا ہے اذا وقعت نازلة قنت الامام فی الصلوٰة الجهرية وقال الطحاوی لا یقنت عندنا فی صلوة الفجر فی غیر بلیة اما اذا وقعت فلا باس به اه (۲) اور ظاہر ہے کہ بنایہ کی عبارت میں لفظ فی الصلاة الجهرية میں صلاۃ الفجر سے تحریف ہونے کا احتمال نہایت بعید ہے اسی لئے علامہ شامی نے اس کے بعد فرمایا و لعل فی المسئلة قولین فلیر اجع (۳) سید طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں قنت الامام فی صلاة الجهر پر لکھا ہے۔ الذی فی البحر عن الشمنی فی شرح النقاية معزنا للغاية اذا نزل بالمسلمین نازلة قنت فی صلوة الفجر آه (۴) حالانکہ بحر کے موجودہ مطبوعہ نسخہ میں لفظ صلوٰۃ الجہر ہے نہ کہ صلوۃ الفجر

---

(۱) (منحة الخالق ' باب الوتر والنوافل ۲/ ۴۸ ط دار المعرفة للطباعة والنشر ' بیروت)
(۲) (ایضاً) (۳) (ایضا) (۴) (باب الوتر ص ۲۲۶ ' ط مصر)

پس میرا خیال اب تک یہی ہے کہ حنفیہ کے یہاں صلوٰۃ الظہر کی روایت بھی ہے اور صلوٰۃ الفجر کی بھی اور صلوٰۃ الظہر کی روایت چونکہ موجہ بالاحادیث ہے اس لئے اس پر عمل کرنے میں حنفیت کی رو سے بھی مضائقہ نہیں رہا یہ کہ سری نمازوں کے لئے بھی قنوت کی روایتیں حدیث کی موجود ہیں تو میں حنفیت کے لحاظ سے ان پر عمل کی رائے نہیں رکھتا۔ اگرچہ قطعاً اس کو بھی منسوخ نہیں سمجھتا کیونکہ نسخ کی کوئی دلیل نہیں اور علامہ نوح آفندی یا مثل ان کے دیگر متاخرین کی تصریح بالنسخ کو اس اختلاف نقل کی صورت میں ناکافی سمجھتا ہوں تاوقتیکہ یہ متقدمین سے تصریح نقل نہ فرمائیں۔ امام طحاویؒ کی عبارت بھی تخصیص بالفجر میں صریح نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اکیسواں باب
قراءت اور تلاوت

فجر اور ظہر میں طوال مفصل پڑھنا سنت ہے

(سوال) فجر اور ظہر میں سورہ حجرات سے سورہ بروج تک اور عصر و عشاء میں سورہ الطارق سے سورہ لم یکن الذین تک اور مغرب میں سورہ زلزال سے سورہ ناس تک اور وتروں میں سبح اسم ربک' سورۃ القدر' سورہ کافرون سورہ اخلاص (اور آخر میں سورہ اخلاص خاص کر) ان سورتوں کا اس طرح پڑھنا سنت ہے یا مستحب؟ اگر کوئی امام مندرجہ بالا سورتوں کے علاوہ اور کوئی رکوع یا تین چار آیت کہیں سے پڑھے تو وہ امام تارک سنت ہے یا نہیں؟ اور ان سورتوں کے نہ پڑھنے میں نماز کے ثواب میں کچھ کمی ہوتی ہے یا نہیں؟
(نوٹ) قرأت مندرجہ بالا سورتوں سے لمبی نہیں ہوتی۔
(جواب ۶۹۶) ہاں اس ترتیب سے سورتیں نمازوں میں پڑھنا سنت ہے مگر سنت مؤکدہ نہیں اس کے خلاف دوسرے رکوع پڑھ لینے میں کوئی کراہت نہیں ہے ہاں خلاف اولیٰ ہے(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نماز میں خلاف ترتیب قراءت کا حکم

(سوال) زید نے مغرب کے وقت اول رکعت میں سورہ فلق اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھی۔ نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ احمد حسین صاحب سلطان پور۔ ۱۶ محرم ۱۳۵۳ھ
(جواب ۶۹۷) قرآن مجید کی ترتیب بدل کر الٹا کرنا مکروہ ہے یہ کراہت قصداً پڑھنے کی صورت میں

---

(۱) ویسن فی الحضر لإمام و منفرد ... طوال المفصل من الحجرات الی آخر البروج فی الفجر والظهر و منها الی آخر لم یکن أو ساطه فی العصر والعشاء و باقیه قصاره فی المغرب (التنویر و شرحه' فصل فی القراءة ۱/۵۳۹، ۵۴۰ ط سعید)

سے نماز تو ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی اور بلا قصد پڑھ لی جائے تو کراہت بھی نہیں اور نماز بلا کراہت درست اور صحیح ہے۔(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

" فمن تبعنی " کی جگہ " فمن تبعه " پڑھا تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک امام نے نماز میں رب انهن اضللن كثيرا من الناس فمن تبعني فانه مني کی جگہ فمن تبعه فانه منی پڑھ دیا آیا نماز درست ہوئی یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۹۶۳ مولوی بشیر اللہ توا کھالی۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۲۰ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۹۸) نماز ہو گئی کیونکہ فمن تبعہ کی ضمیر منصوب کا مرجع رب کو قرار دیا جائے تو معنی بھی صحیح رہتے ہیں اور متاخرین کے اصول کے موافق بدون اس تاویل کے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی(۲) محمد کفایت اللہ

درمیان میں چھوٹی سورت چھوڑنا مکروہ ہے

(سوال) زید نے رکعت اولیٰ میں اريت الذی پڑھی رکعت ثانیہ میں قل یا ایها الکفرون اور تین آیت یا تین آیت سے کم درمیان میں چھوڑ دی یہ جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۹۷۸۔ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۶ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۹۹) قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے اور بلا قصد ہو جائے تو مضائقہ نہیں(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

"بصیراً" کے وقف پر نون کی بو دینا

(سوال) جو امام بصیرا پر وقف کرتے ہوئے نون کی بو دیتا ہو اس کے اس فعل سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۵۹۱ جلال الدین (ضلع حصار ' پنجاب) ۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۱۳ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۷۰۰) جو امام کہ وقف بصیرا پر نون کی بو دیتا ہے وہ غلطی کرتا ہے مگر اس سے نماز فاسد نہ ہوگی(۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ ' دہلی

"للہ الصمد" پڑھنے میں نماز ہوئی یا نہیں ؟

(سوال) امام اللہ الصمد کی جگہ للہ الصمد پڑھتا ہے۔ معنی بدل گئے نماز ہوئی کہ نہیں ہوئی ؟

---

(۱) ويكره الفصل بسورة قصيرة وان يقرأ منكوسا الا إذا ختم الخ (الدر المختار' فصل في القراءة' ۱/ ۵۴۶ ط سعيد)
(۲) ومنها ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل ان كانت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها وهي في القرآن لا تفسد صلاته الخ (عالمگيرية' الفصل الخامس في زلة القارى' ۱/ ۸۰' ط ماجديه' كوئته)
(۳) ويكره الفصل بسورة قصيرة وان يقرأ منكوسا إلا إذا ختم الخ (الدر المختار' فصل في القراءة ۱/ ۵۴۶ ط سعيد)
(۴) والفتوى على عدم الفساد لكل حال' وهو قول عامة علمائنا المتاخرين (نور الايضاح ص ۸۵ ط سعيد كمپنى' كراچى)

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب (دہلوی)

(جواب ۷۰۱) للہ الصمد پڑھتا ہے یا احدن اللہ الصمد پڑھتا ہے اگر للہ الصمد پڑھے تو نماز نہ ہوگی(۱) اور احدن اللہ الصمد پڑھے تو صحیح ہے نماز ہو جاتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تراویح میں دیکھ کر قرآن پڑھنا

(سوال) تراویح میں قرآن شریف دیکھ کر پڑھنا جائز ہے یا ناجائز امام صاحب کیا فرماتے ہیں صاحبین کا کیا مسلک ہے حدیث عائشہؓ کا کیا جواب ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۰۹۶ چودھری حاجی شیخ اللہ بخش صاحب (گوالیار)

۴ شوال ۱۳۵۶ھ م ۸ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۷۰۲) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز میں امام کا قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا مفسد ہے یعنی نماز درست نہیں ہوتی اور صاحبین و دیگر آئمہ کے نزدیک نماز درست ہو جاتی ہے اگر یہ شخص جس نے یہ اشتہار دیا ہے اور دیکھ کر قرآن شریف پڑھتا ہے حنفی ہے تو اس کا یہ فعل صحیح نہیں اور حنفی نہیں ہے تو حنفیوں کو اس سے تعرض کرنے کی ضرورت نہیں حضرت عائشہؓ کا غلام زکوانؓ قرآن مجید دیکھ کر پڑھتا تھا حافظ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نماز کی نیت باندھنے سے پہلے قرآن مجید دیکھ کر پڑھ لیتا تھا تاکہ یاد ہو جائے پھر نماز میں یاد پڑھتا تھا اور آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں کوئی تصریح موجود نہیں اس لئے امام ابو حنیفہ نے احتیاط اسی میں سمجھی کہ یاد پر پڑھا جائے۔(۲) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

پہلی رکعت میں "سورہ اعلیٰ" اور دوسری میں "سورہ غاشیۃ" پڑھنا

(سوال) اکثر لوگ نماز میں پہلے سورہ اعلیٰ رکعت اول میں اور سورہ غاشیۃ دوسری رکعت میں پڑھتے ہیں موافق ترتیب یہی ہے مگر سورہ اعلیٰ چھوٹی سورت ہے اور سورہ غاشیۃ بڑی سورت ہے۔

المستفتی نمبر ۲۸۱۲ محمد عبدالشکور فیض آباد۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ

(جواب ۷۰۳) یہ دونوں سورتیں ایک نماز میں پڑھنا جائز ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) أي والحال في أن معنى ذلك اللفظ بعيد معنى لفظ القرآن متغير معنى لفظ القرآن به تغيراً فاحشاً قوياً بحيث لا مناسبة بين المعنيين أصلاً تفسد صلاته أيضاً الخ (حلبي كبير' أحكام زلة القارى' ص ۴۷۶' ط سهيل اكيڈمی' لاهور)

(۲) ويفسدها قراءته من مصحف عند ابى حنيفة وقالا :" لا تفسد" له ان حمل المصحف و تقليب الأوراق والنظر فيه عمل كثير وللصلاة عنه بد الخ (عالمگيرية' الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها ۱/۱۰۱ ط ماجديه)

(۳) روى أنه عليه السلام قرأ في الأولى من الجمعة سبح اسم ربك الأعلى وفي الثانية هل اتاك حديث الغاشية الخ (رد المحتار' فصل في القراءة ۱/۵۴۳ ط سعيد)

نماز میں آیتوں کا تکرار

(سوال) ایک امام صاحب فجر ' مغرب اور عشاء کی فرض نماز میں ایک رکعت میں سورۃ پڑھتے ہوئے ایک آیت کو دوبارہ پڑھتے کبھی ایک کلمہ کو دوبارہ پڑھتے ہیں مقتدی دریافت کرتے ہیں کہ امام صاحب آپ فرض نماز میں ایسا کیوں کرتے ہیں تو امام صاحب کہتے ہیں کہ ایسا فرض نماز میں پڑھنے کا حکم ہے ' کیا یہ صحیح ہے ؟
المستفتی نظیر الدین امیر الدین (املیزہ ضلع شرقی خاندیس)

(جواب ۷۰۴) کسی عذر کی وجہ سے فرض نماز میں آیت کو دوبارہ پڑھنا مکروہ نہیں ہے اور عذر نہ ہو تو مکروہ ہے مگر امام صاحب سے وجہ دریافت کی جائے اور ان کے بیان کے ساتھ مسئلہ دریافت کیا جائے یہ بھی واضح ہو کہ آیت کی تکرار فرض میں کرنا مکروہ تحریمی نہیں مکروہ تنزیہی ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

مل کر قرآن خوانی کرنے کا حکم

(سوال) متعلقہ تلاوت اجتماعاً

(جواب ۷۰۵) جب کئی آدمی مل کر قرآن خوانی کریں تو سب کو آہستہ پڑھنا چاہئیے خواہ مسجد میں کریں یا کسی اور جگہ کریں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

ننگے سر قرآن کی تلاوت کرنا

(سوال) متعلقہ آداب تلاوت

(جواب ۷۰۶) قرآن خوانی کے وقت گرمی کی وجہ سے ننگے سر بیٹھنا مباح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

قراءت میں غلطی سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا

(سوال) متعلقہ سہو امام بقراءت

(جواب ۷۰۷) امام اگر بھول جائے یا غلط پڑھے یا رک جائے تو ان باتوں سے سجدہ سہو نہیں آتا(۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

---

(۱) إذا كرر آية واحدة مراراً إن كان في التطوع الذي يصليه وحده فذلك غير مكروه وإن كان في الفريضة فهو مكروه وهذا في حالة الاختيار ' أما في حالة العذر والنسيان فلا بأس به الخ (حلبي كبير ' تتمات فيما يكره من القرآن ' ص ٤٩٤ ط سهيل)
(۲) ويكره للقوم أن يقرؤا القرآن جملة لتضمنها ترك الاستماع والإنصات المامور بهما الخ (عالمگيرية ' الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن الخ ٥/٣١٧ ط ماجديه)
(۳) ولا يجب السهو إلا بترك واجب أو تاخيره أو تاخير ركن او تقديمه الخ (عالمگيرية ' الباب الثاني عشر في سجود السهو ١ ١٢٦ ط ماجديه)

جمعہ، عیدین اور تراویح میں جہراً قراءت کرنا واجب ہے

(سوال) جمعہ اور عیدین اور تراویح میں آواز سے قراءت کرنا واجب ہے یا سنت؟
(جواب ۷۰۸) جمعہ اور عیدین میں آواز سے قرأت کرنا واجب ہے۔ لورود النقل المستفیض بالجهر كذا في الهداية (۱) حديث روى ان النبی ﷺ جهر فيهما اور تراویح میں بھی واجب ہے ويجهر الامام وجوبا في الفجر واولى العشاء ين اداء وقضاء و جمعة و عيدين و تراويح و وتر بعدها (كذافي الدر المختار ص ۳۹۲) (۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ، دہلی

دو سورتوں کے درمیان چھوٹی سورت کا فاصلہ کرنا مکروہ ہے

(سوال) امام نے مغرب کی نماز میں پہلی رکعت میں سورہ لہب پڑھی دوسری میں سورہ فلق، عمرو کہتا ہے کہ اس طرح بیچ میں چھوٹی ایک سورۃ چھوڑنے سے نماز نہیں ہوتی؟
(جواب ۷۰۹) درمیان میں قصداً ایک چھوٹی سورت چھوڑنا مکروہ ہے، نماز تو ہو جاتی ہے مگر کراہت تنزیہی کے ساتھ اور بغیر قصد کے چھوٹ جائے تو کراہت بھی نہیں ہوتی (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

نماز میں مکمل سورت پڑھنا افضل ہے

(سوال) نماز جہری میں سورت کا ملانا افضل ہے یا کہیں سے تین آیات کا پڑھنا افضل ہے؟
(جواب ۷۱۰) سورت ملائے یا تین آیتیں پڑھے دونوں جائز ہیں سورت ملانا افضل ہے مگر آیتیں پڑھنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

امام کو لقمہ دینا

(سوال) ایک امام صاحب نے جمعہ کے دن حتی اذا جاؤ پڑھا جو کہ سورہ زمر میں ہے ایک مصلی نے لقمہ دیا حتی اذا جاؤ ها اور امام صاحب نے لقمہ لیا بعد نماز امام صاحب نے کہا کہ لقمہ دینے والے کی نماز مکروہ ہوئی؟

المستفتی نمبر ۳۳۰ (نا السوال) ۶ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۱۹ جون ۱۹۳۴ء

---

(۱) (هداية فصل في القراءة ۱ / ۱۱٦ ط مكتبه شركة علمية ملتان)
(۲) (فصل في القراءة ۱ / ۵۳۳ ط سعيد)
(۳) ويكره الفصل بسورة قصيرة، وان يقرأ منكوسا الخ (الدر المختار، فصل في القراءة ۱ / ۵٤٦ ط سعيد)
(٤) وكذا لو قرأ في الأولى وسط سورة أو من سورة أولها، ثم قرأ في الثانية من وسط سورة أخرى او من اولها أو سورة قصيرة الأصح لا يكره، لكن الأولى أن لا يفعل من غير ضرورة الخ (الدر المختار، فصل في القراءة ۱ / ٥٤٦ ط سعيد)

(جواب ۷۱۱) لقمہ دینے والے کی نماز مکروہ نہیں ہوئی (۱) امام صاحب کا یہ فرمانا درست نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) ہر رکعت کی ابتداء میں "بسم اللہ" پڑھنا
(۲) تیسری رکعت میں ملنے والا ثناپڑھے یا نہیں؟

(سوال) (۱) حالت نماز میں ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنی چاہئیے؟ نیز سورۃ فاتحہ کے بعد جب دوسری سورت شروع کریں تب بھی بسم اللہ پڑھیں؟ (۲) اگر جماعت میں تیسری رکعت میں شریک ہوا۔ امام خاموشی سے قرأت کر رہا ہے تب اول شروع کی ثنا پڑھنی چاہئیے یا خاموش کھڑا ہو جائے؟
المستفتی نمبر ۱۶۱۸ محمد ابو راشد صاحب (پانی پت ضلع کرنال) ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۵۶ھ۔
(جواب ۷۱۲) (۱) ہر رکعت میں فاتحہ اور سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنی جائز ہے مگر اخفا کے ساتھ جہر سے نہیں (۲) (۲) خاموش کھڑا ہو جائے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سورہ یٰسین کے بعد درود پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

(الجمعیۃ سہ روزہ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۵ء)
(سوال) زید کہتا ہے کہ سورۂ یٰسین میں لفظ یٰسین کے بعد درود شریف پڑھنا ضروری ہے؟
(جواب ۷۱۳) زید کا قول صحیح نہیں ہے قراء عظام کی قرأۃ میں لفظ یٰسین کے بعد درود نہیں ہے اور نہ کسی حدیث سے ثابت ہے پس زید کا قول بے دلیل ہے تلاوت میں نظم قرآنی کے درمیان غیر قرآن کو داخل نہیں کرنا چاہئیے (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

خارج از صلوۃ کے لقمہ سے فساد نماز کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۶ء)
(سوال) ماہ رمضان المبارک میں اکثر ایسا موقع ہوا کرتا ہے کہ بجز اس حافظ کے جو تراویح پڑھاتا ہے کوئی

---

(۱) بخلا فہ علی إمامه فانه لا یفسد مطلقا لفا تح و آخذ بکل حال الخ (التنویر و شرحہ' باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیها' ۱ / ۶۲۲ ط سعید)
(۲) و کما تعوذ سمی غیر المؤ تم بلفظ التسمیة سرا فی أول کل رکعة الخ (التنویر و شرحہ فصل فی بیان تالیف الصلاۃ ۱ / ۴۹۰ ط سعید)
(۳) وقرأ کما کبر سبحانك اللهم الا إذا شرع الإ مام فی القرأ ۃ سواء کان مسبوقا أو مدرکا و سواء کان إمامه یجهر بالقراء ۃ أو لا فإنه لا یأتی به الخ (التنویر و شرحہ' فصل فی بیان تالیف الصلاۃ ۱ / ۴۸۸ ط سعید)
(۴) من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد (بخاری' کتاب الصلح' باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود ۱ / ۳۷۱ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)

دوسرا حافظ سامع نہیں ہوتا اگر ایسی صورت میں کسی مقتدی نے جو غیر حافظ ہے قرآن کھول کر قاری کا سنا اور اس کی غلطی پر ٹوکا اور نماز کی پہلی رکعت میں بوجہ مجبوری مذکور کے شامل نہ ہوا تو جائز ہے یا نہیں؟

العاجز ظفر عالم' برزادہ مولوی محمد ادریس صاحب۔ الوفی وارد حال میرٹھ

(جواب ۷۱۴) جو شخص امام کی نماز میں شریک نہیں ہے وہ امام کو قرأت وغیرہ میں لقمہ نہیں دے سکتا اگر لقمہ دے گا اور امام اس کو لے لے گا تو امام کی اور جماعت کی نماز فاسد ہو جائے گی(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

پہلی رکعت میں اخلاص اور دوسری رکعت میں فلق پڑھنا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید نے مغرب میں پہلی رکعت میں سورۂ اخلاص اور دوسری رکعت میں سورہ فلق پڑھی ایسا قصداً نہیں کیا بلکہ بھول ہو گئی بکر نے سلام پھیرنے کے بعد کہا کہ نماز نہیں ہوئی اور آج سے تم امامت سے علیحدہ ہو جاؤ؟

(جواب ۷۱۵) اس صورت میں کہ پہلی رکعت میں سورہ اخلاص اور دوسری رکعت میں سورہ فلق پڑھی نماز درست ہو گئی نماز نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

قد افلح کو قد فلح پڑھنا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید جو ایک مسجد کا امام جمعہ ہے وہ سورہ اعلیٰ میں قد افلح من تزکی اور سورہ والشمس میں قد افلح من زکھا ہر دو مقام میں قد کی دال کو مفتوح کر کے افلح کی فا سے ملا کر ہمزہ کو گرا کر پڑھتا ہے جب اس سے کہا گیا تو کہتا ہے کہ دونوں طرح جائز ہے بقاعدہ یسئل و یرمی اخاہ

(جواب ۷۱۶) اگر چہ بعض علمائے عربیہ نے اس صورت میں حذف ہمزہ کو جائز کہا ہے مگر قرآن مجید میں جواز کے قاعدے کے ساتھ قرأۃ ماثورہ کی متابعت بھی ضروری ہے پس اگر قرأۃ ماثورہ منقولہ میں یہ قرأۃ ہو تو پڑھنے میں حرج نہیں ورنہ قرأۃ ماثورہ کا اتباع کرنا چاہئے(۲) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) فتحه على غير أمامه ... وكذا الأخذ إلا إذا تذكر فتلا قبل تمام الفتح الخ وفي الشامية :" أخذ المصلي غير الإمام بفتح من فتح عليه مفسد أيضا ... أو أخذ الإمام بفتح من ليس في صلاته الخ (باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱ / ۶۲۲ ط سعيد)

(۲) ولو زاد كلمة أو نقص كلمة أو نقص حرفا أو قدمه أو بدله بآخر ... لم تفسد مالم يتغير المعنى الخ (الدر المختار: باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱ / ۶۳۲ ط سعيد)

(۱) جہری نماز میں منفرد کے لئے قراءت کا حکم
(۲) ہر رکعت کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے
(۳) سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو سجدہ سہو واجب ہوگا
(۴) سورہ فاتحہ قرآن کا جزو ہے یا نہیں؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۲۸ء)

(سوال) (۱) ایک شخص نے نماز فجر اکیلے پڑھی اور قراءۃ بالجہر کی کیا اس کی نماز ہوگئی؟
(۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر ایک نماز میں اور ہر ایک رکعت میں بول سکتا ہے یا نہیں؟
(۳) ایک شخص نے نماز فرض یا واجب یا سنت پڑھی ہے تو سورہ فاتحہ پڑھنی بھول گیا ہے اور باقی قراءۃ پڑھی اس کی نماز ہوگئی یا نہیں؟
(۴) سورہ فاتحہ قرآن کی سورۃ ہے یا دعا ہے؟

(جواب ۷۱۷) (۱) نماز درست ہوگئی فجر، مغرب اور عشاء کی نماز تنہا پڑھنے والا بھی بالجہر پڑھ سکتا ہے(۱)
(۲) ہر نماز میں اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ آہستہ پڑھنی چاہئے(۲)
(۳) سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی صورت میں سجدہ سہو کر لینے سے نماز ہو جاتی ہے سجدہ سہو نہ کرے تو لوٹانا واجب ہے(۳)
(۴) سورہ فاتحہ قرآن مجید کی سورت ہے اس میں مضمون دعا کا بھی ہے(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

امام بھول جائے تو لقمہ دینا جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ یکم اگست ۱۹۲۹ء)

(سوال) نماز فرض ہو رہی ہو اور امام سے قراءۃ میں سہو ہو جائے اور امام تین آیت پڑھ چکا ہو تو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۷۱۸) تین آیتیں پڑھ چکنے کے بعد بھی امام کو لقمہ دینا جائز ہے اور لقمہ دینے یا لینے سے نماز فاسد

---

(۱) قال فی التنویر و شرحه :" ویجهر الإمام فی الفجر وأولی العشائین اداءً وقضاءً و یخیر المنفرد فی الجهر وهو أفضل الخ (باب صفة الصلاة ۱/۴۳۳' ط سعید)
(۲) وكما تعوذ سمی سراً فی أول كل ركعة الخ (التنویر وشرحه' باب صفة الصلاة ۱/۴۹۰ ط سعید)
(۳) فیها قراءة الفاتحة والسورة إذا ترك الفاتحة فی أولیین أو أحدهما یلزمه السهو (عالمگیریة' الباب الثانی عشر فی سجود السهو ۱/۱۲۶' ط ماجدیه)
(٤) قال رسول الله ﷺ :" والذی نفسی بیده ما انزلت فی التوراة ولا فی الإنجیل ولا فی الزبور ولا فی الفرقان مثلها وإنها سبع من المثانی والقرآن العظیم الذی أعطیته" هذا حدیث حسن صحیح (ترمذی' فضل فاتحة الكتاب ۲/۱۱۵ ط سعید)

نہیں ہوتی ہاں بہتر یہ ہے کہ امام تین آیتیں پڑھ چکنے کے بعد بھولے تو فوراً رکوع کردے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

نماز میں چھوٹی سورتیں پڑھنا جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) ایک مسجد کے امام صاحب مغرب عشاء و فجر کی نمازوں میں مستحسن سورتیں پڑھتے ہیں اور ہفتے میں دو ایک مرتبہ ادھر ادھر کی سورتیں بھی پڑھ دیا کرتے ہیں اس پر زید یہ کہتا ہے کہ امام صاحب نے قرآن شریف کو بند کر دیا ہے چند مقرر سورتیں پڑھتے ہیں اور دوسری سورتیں نہیں پڑھتے کیا وجہ ہے ؟ اس پر امام صاحب نے جواباً کہا کہ مستحسن یہی ہے لیکن پھر بھی گاہے گاہے دوسری سورتیں پڑھ لیا کرتا ہوں اس پر زید کہنے لگا کہ یہ گاہے گاہے نہیں ہوا گاہے گاہے کے معنی یہ ہیں کہ ہفتے میں دو تین بار ادھر ادھر کی سورتیں یعنی غیر مستحسن سورتیں اور آیات پڑھی جائیں امام صاحب نے پھر جواباً کہا کہ یہی طریقہ مستحسن ہے اسی پر ہمارا عمل رہے گا اب زید نے مسجد مذکور میں نماز پڑھنی چھوڑ دی نیز یہ بھی کہتا ہے کہ ہم کو پورے قرآن شریف سے قراءۃ سننے کا شوق ہے اس طریقے پر جیسا کہ امام صاحب پڑھتے ہیں ہمارا دل نہیں لگتا زید اب ایسے پیش امام کے پیچھے نماز ادا کرتا ہے جو بدعتی اور غیر عالم ہے زید خود دیوبندی خیال رکھتا ہے۔

(جواب ۷۱۹) پنجگانہ نمازوں میں طوال مفصل اور اوساط مفصل اور قصار مفصل کی تعیین اس لئے ہے کہ یہ سورتیں یا اتنی مقدار قراءۃ قرآن پاک کے کسی حصے سے کی جائے اگر مقتدی یہ چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کے ہر حصے سے قراءۃ بقدر مسنون کی جائے تو یہ مطالبہ کچھ نامناسب نہیں ہے ہاں اگر امام کو قرآن مجید یاد نہ ہو تو پھر مقتدیوں کو بھی چاہئے کہ اسے مجبور و پریشان نہ کریں کیوں کہ سورتیں پڑھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے اس سے بھی قراءۃ مسنونہ ادا ہو جاتی ہے۔

محض اتنی بات کی وجہ سے مسجد میں آنا چھوڑ کے غیر عالم یا مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ہے عالم قاری صحیح العقائد متورع امام کے پیچھے نماز پڑھنا اولیٰ ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

مقتدی نے امام کی قراءت پر سبحان اللہ کہا تو نماز فاسد ہو گئی یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

---

(۱) بخلاف فتحه على إمامه فإنه لا يفسد مطلقاً لفاتح وآخذ لكل حال الخ (التنوير و شرحه باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱/ ۶۲۲ ط سعيد) (۲) قال في الدر المختار: " لا بأس أن يقرأ سورة و يعيدها في الثانية وأن يقرأ في الأولى من محل وفي الثانية من آخر ولو من سورة الخ (فصل في القراءة ۱/ ۵۴۶ ط سعيد) و يكره إمامة عبد و اعرابي و فاسق و مبتدع (التنوير باب الإمامة ۱/ ۵۶۰) والأحق بالإمامة تقديما بل نصبا الأعلم ... ثم الأحسن تلاوة و تجويدا للقراءة ثم الأورع الخ (التنوير و شرحه باب الإمامة ۱/ ۵۵۷ ط سعيد)

(سوال) نماز میں مقتدی کو امام کی خوش الحانی سن کر سبحان اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں ؟
(جواب ۷۲۰) امام کی خوش الحانی پر مقتدی کو نماز میں سبحان اللہ کہنا جائز نہیں(۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ

سورہ فاتحہ کتنی رکعتوں میں پڑھی جائے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۳۲ء)
(سوال) تعلیم الاسلام تیسرا حصہ ۔ نماز کے دوسرے رکن قراءت کا بیان۔ تیسرا سوال۔ سورہ فاتحہ تمام نمازوں کی ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے ؟ ج۔ فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت کے علاوہ ہر نماز کی۔ الخ اس کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا ؟
(جواب ۷۲۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ فرض نماز کی تیسری رکعت اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں۔ باقی تمام نمازوں کی تمام رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے(۲)
محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ

قراءت مسنونہ کے بعد امام کو لقمہ دینا مفسد نماز

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۳۴ء)
(سوال) اگر پیش امام ساتویں آیت کے بعد بھول گیا اور پھر پانچویں آیت سے دہرانے کی حالت میں مقتدی نے لقمہ دے دیا امام نے قبول کر کے سجدہ سہو کے ساتھ نماز ختم کی تو یہ نماز صحیح ہوئی یا نہیں ؟ دہرانا ضروری ہے یا نہیں ؟
(جواب ۷۲۲) نماز صحیح ہو گئی۔ دہرانا ضروری نہیں (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

غیر عربی زبان میں نماز پڑھنا جائز نہیں

(سوال) کیا سوئٹزر لینڈ کے باشندے جو بسبب عدیم الفرصتی وغیرہ عربی زبان و تلفظ کو سیکھنا دشوار سمجھتے ہیں سوئس زبان میں نماز ادا کر سکتے ہیں ؟
(جواب ۷۲۳) نماز کے لئے عربی نظم قرآنی کی تلاوت ضروری ہے بقدر ادائے نماز قرآن مجید سیکھ لینا

---

(۱) فلو أعجبته قراء ة الإمام فجعل يبكي و يقول :" بلى " أو " نعم" أو آرى لا تفسد " سراجية" لدلالته على الخشوع (درمختار) وفي الشامية :" أفاد أنه لو كان استلذاذا بحسن النغمة يكون مفسداً (باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱/ ۶۵۹–۶۶۰ ط سعيد)
(۲) وتجب قراء ة الفاتحة و ضم السورة أو ما يقوم مقامهما من ثلث آيات قصار أو آية طويلة في الأوليين بعد الفاتحة و في جميع ركعات النفل والوتر الخ (عالمگيرية' الفصل الثاني في واجبات الصلاة ۱/ ۷۱ ط مكتبه ماجديه' كوئته)
(۳) بخلاف فتحه على إمامه فإنه لا يفسد مطلقا لفاتح وآخذ بكل حال الخ (التنوير و شرحه' باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱/ ۶۲۲' ط سعيد)

دشوار ہے نہ اس کے لئے زیادہ وقت کی ضرورت ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دو سورتوں کے درمیان چھوٹی سورت کا فاصلہ مکروہ ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۹ فروری ۱۹۳۵ء)

(سوال) زید نے پہلی رکعت میں "سورہ الم ترکیف" اور دوسری رکعت میں ارایت الذی یعنی درمیان میں ایک سورت چھوڑ کر پڑھی تو نماز ٹھیک ہو گئی یا نہیں ؟

(جواب ۷۲٤) درمیان میں ایک چھوٹی سورت چھوڑ کر قصداً پڑھنا تو مکروہ ہے(۲) لیکن اگر بلا قصد اتفاقاً ایسا ہو جائے تو مکروہ نہیں ہے اور نماز میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بغیر معنی سمجھے تلاوت کرنا بھی ثواب ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) زید کہتا ہے کہ بغیر معنی سمجھے اور مطلب سمجھے ہوئے قرآن پاک کی تلاوت کرنا بے سود اور بے ثواب ہے آیا زید کا یہ قول درست ہے ؟

(جواب ۷۲۵) قرآن مجید کی نظم یعنی عبارت کی حفاظت بھی ایک مقصود اور مہتم بالشان امر ہے حضرت حق تعالیٰ نے آیۃ **انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون**(۳) میں قرآن مجید کے اپنی طرف سے نازل فرمانے کو ذکر کرنے کے ساتھ اس کی حفاظت کا بھی خود ہی ذمہ لیا ہے اور عالم اسباب میں حفاظت کا ذریعہ یہ قرار دیا کہ مسلمان اپنے سینوں میں اس کی حفاظت کریں اور ظاہر ہے کہ اس حفاظت کے لئے اس کی عبارت اور نظم کو پڑھنا اور یاد کرنا لازمی تھا اس لئے شریعت مقدسہ نے نفس عبارت کی تلاوت کو بھی موجب اجر و ثواب قرار دیا ہے حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص نظم قرآنی میں سے ایک حرف کی تلاوت کرے وہ دس نیکیوں کے اجر کا مستحق ہوتا ہے اور پھر یہ نہیں کہ الم ایک حرف قرار دیا جائے بلکہ اس کے تین حرف الف لام میم جدا جدا معتبر ہوں گے اور تیس نیکیاں ملیں گی(٤)

کتب سماویہ میں تبدیل و تحریف سے محفوظ رہنے میں کوئی کتاب قرآن مجید کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی اور اس خاص تفوق کی اصل وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں نے نظم قرآنی کی تلاوت اور حفظ کے ساتھ والہانہ شغف رکھا اور یقیناً ان کا یہ فعل موجب اجر و ثواب ہے کہ اس سے قرآن پاک کا تحفظ مربوط

---

(۱) وأما القراءة لقادر عليها كما سيجئ (درمختار) وقراءة الفاتحة والسورة أو ثلث آيات فهي واجب أيضاً (رد المحتار' باب صفة الصلاة' فصل في القراءة ١/٤٤٦' ط سعيد)

(٢) ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوساً إلا إذا ختم الخ (الدر المختار' فصل في القراءة ١/٥٤٦ ط سعيد)

(٣) ; سورة الحجر : ٩)

(٤) (ترمذي' فضل القرآن ٢/١١٩ ط سعيد)

ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ نزول قرآن کا اصل مقصد اس کی ہدایات پر عمل کرنا ہے تو وہ اس کو مستلزم نہیں کہ عبارت کی تلاوت موجب اجر نہ ہو یہ بجائے خود ایک ثواب کا عمل ہے اور عمل کرنا بجائے خود دوسرا عمل ہے اور موجب اجر ہے اور وہ راجح و فائق بھی ہے اور عمل نہ ہو تو معنی و مطلب سمجھ کر پڑھنے اور بے سمجھے پڑھنے میں کوئی بڑا فرق نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بائیسواں باب
فاتحہ خلف الامام' رفع یدین' آمین بالجہر' بسم اللہ بالجہر

(۱) نماز میں ہاتھ سینے پر رکھیں یا ناف کے نیچے ؟
(۲) امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا حکم
(۳) مقتدی آمین سراً کہے یا جہراً ؟
(۴) نماز میں رفع یدین کا حکم

(سوال) (۱) نماز میں ہاتھ سینے پر رکھے یا ناف پر ؟ اولیٰ ناف پر ہاتھ رکھنا ہے یا سینے پر ؟ حدیثیں کس مسئلے کی صحیح اور قوی ہیں جواب حدیث صحیح سے ہو۔
(۲) امام کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھنا اولیٰ ہے ؟ جواب حدیث صحیح سے ہو۔
(۳) نماز جہری میں آمین آہستہ کہنی چاہئیے یا آواز بلند ؟ آہستہ کہنا اولیٰ ہے یا آواز سے۔
(۴) نماز میں رفع یدین قبل الرکوع اور بعد الرکوع کرنا چاہئیے یا نہیں ؟

المستفتی قادر بخش از بھرت پور

(جواب ۷۲۶) (۱) ہاتھ ناف کے نیچے رکھے۔ اس کے لئے مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ صریح روایت موجود ہے۔ حدثنا وکیع عن موسیٰ ابن عمیر عن عقمة بن وائل ابن حجر عن ابیه قال رایت النبی ﷺ یضع یمینه علی شماله تحت السرة انتهیٰ کذافی اثار السنن (۱) بخاری و مسلم میں نہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت ہے نہ ناف کے نیچے باندھنے کی۔
(۲) امام کے پیچھے کسی نماز میں فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئیے اس کے لئے یہ صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ عن ابی موسیٰ قال علمنا رسول اللہ ﷺ قال اذا قمتم الیٰ الصلوٰة فلیأمکم احدکم واذا قرأ الا مام فانصتوا . رواہ احمد و مسلم (اثار السنن) (۲) و عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ من کان له

---

(۱) (باب وضع الیدین تحت السرة' ص ٦٩ ط امدادیه' ملتان)
(۲) (باب فی ترك القراء ة خلف الإمام فی الجهریة ص ٨٦ ط امدادیه)

امام فقراء ۃ الامام له قراء ۃ. رواه الحافظ احمد بن منیع فی مسنده و محمد بن الحسن فی المؤطا والطحاوی والدار قطنی واسناده صحیح (آثار السنن) (۱)

(۳) آمین آہستہ کہنا اولیٰ ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث صحیح ہے۔ عن وائل بن حجرؓ قال صلی بنا رسول الله ﷺ فلما قرأ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال آمین واخفی بها صوته. الحدیث رواه احمد والترمذی وابوداؤد الطیالسی والدار قطنی والحاکم واخرون واسناده صحیح (آثار السنن) (۲)

(۴) رفع یدین رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت نہیں کرنا چاہئے اور اس کے لئے یہ حدیث دلیل ہے۔ عن علقمة قال قال عبدالله بن مسعود الا اصلی بکم صلوۃ رسول الله ﷺ فصلی ولم یرفع یدیه الا فی اول مرة رواه الثلثة وهو حدیث صحیح (آثار السنن) (۳) وفی التعلیق قلت صححه ابن حزم وقال الترمذی حدیث ابن مسعود حدیث حسن. (۴) انتهی والله اعلم.

کتبہ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فاتحہ خلف الامام کا حکم

(سوال) زید کہتا ہے کہ بغیر سورہ فاتحہ کے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ہے اور استدلال میں عبادہ بن صامت والی حدیث پیش کرتا ہے بکر کہتا ہے کہ جائز نہیں اور استدلال میں سورہ اعراف والی آیت کریمہ پیش کرتا ہے کس کا دعویٰ حق ہے ؟ المستفتی نمبر ۴۲۵ قاضی منیر الحسن صاحب اٹاوہ

۹ شعبان ۱۳۵۳ھ م ۱۸ نومبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۷۲۷) حنفیہ کے نزدیک مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے حضرت عبادہؓ والی حدیث امام اور منفرد کے حق میں ہے مقتدی کے واسطے من کان له امام فقراء ۃ الامام له قراء ۃ (۵) والی روایت ہے اور مسلم شریف (۶) کی روایت واذا قرأفا نصتوا کی روایت ہے میں سورہ فاتحہ امام کے پیچھے نہیں پڑھتا نہ اس کا قائل ہوں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) (باب فی ترك القراء ۃ خلف الامام فی الصلوات کلها ص ۸۸ ط امدادیه)
(۲) (باب ترك الجهر بالتامین ص ۹۷' ط امدادیه)
(۳) (باب ترك رفع الیدین فی غیر الافتتاح' ص ۱۰٤ ط امدادیه)
(٤) (باب رفع الیدین عند الرکوع ۱ /۵۹ ط سعید)
(۵) (باب فی ترك القراء ۃ خلف الامام فی الصلوات کلها' ص ۸۸ ط امدادیه)
(٦) (باب التشهد فی الصلاۃ ۱ /۱۷٤ ط قدیمی کتب خانه' کراچی)

(۱) صحابہ کرامؓ نے رفع یدین اور آمین بالجہر کیا یا نہیں ؟
(۲) امام کے پیچھے فاتحہ پڑھی جائے یا نہیں ؟

(سوال) (۱) کیا حضور اکرم ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ نے آمین بالجہر اور رفع یدین کی تھی ؟
(۲) کیا امام کے پیچھے الحمد پڑھنا جائز ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۵۶۴ جناب سید عبدالمعبود صاحب قادر آباد (ضلع بدایوں) ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۴ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۷۲۸) (۱) آمین بالجہر اور رفع یدین کا مسئلہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے مختلف فیہ ہے حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بعض صحابہ آمین بالجہر کہتے تھے اور بعض بالاخفا اور بعض صحابہ رفع یدین کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے اسی وجہ سے مجتہدین امت میں بھی اختلاف ہوا بعض مجتہدین آمین بالجہر کو پسند کرتے ہیں اور بعض آمین بالاخفا کو امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ بنابر قول جدید آمین بالاخفا کو پسند کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ نے ترک رفع یدین کو راجح قرار دیا ہے (۱)
(۲) حنفیہ کے نزدیک امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت فاتحہ نہ کرنی چاہئیے حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ صحیح مسلم (۲) میں آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث طویل مروی ہے جس میں واذا قرأ فانصتوا موجود ہے یعنی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور دوسری حدیث جو مؤطا امام محمد میں ہے من کان له امام فقراء ة الامام له قراء ة (۳) یعنی امام کے پیچھے جو شخص نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کے لئے بھی قرأت ہے پس حنفیہ کے مذہب میں امام کے پیچھے مقتدی کو فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئیے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

احناف کے نزدیک فاتحہ خلف الامام جائز نہیں

(سوال) فاتحہ خلف الامام کا احناف واہل حدیث کے نزدیک کیا حکم ہے ؟
المستفتی نمبر ۲۶۳۰ میاں محمد صدیق صاحب (فیروز پور) ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ ۱۰ جولائی ۱۹۴۰ء
(جواب ۷۲۹) اہل حدیث کے نزدیک مقتدی پر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے اور حنفیوں کے نزدیک امام کے پیچھے مقتدی کو خاموش کھڑا رہنا چاہئیے حنفیوں کی دلیل یہ ہے کہ مسلم (۴) شریف میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں واذا قرأ فانصتوا یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور مؤطا امام محمد میں روایت ہے

---

(۱) عن وائل بن حجر قال : " كان رسول الله ﷺ إذا قرأ " ولا الضالين قال : " آمين " رفع بها صوته (آثار السنن' باب الجهر بالتأمين' ص ۹۳ ط امداديه) و عنه قال : " صلى بنا رسول الله ﷺ فلما قرأ " غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال : " آمين " واخفى صوته الحديث (آثار السنن' باب ترك الجهر بالتامين' ص ۹۷ ط امداديه)
(۲) (باب التشهد في الصلاة' ۱/ ۱۷٤ ط قديمي)
(۳) (باب القراء ة في الصلوات خلف الإمام ص ۹۸ ط مير محمد كتب خانه' كراچي)
(٤) (باب التشهد في الصلاة ۱/ ۱۷٤ ط قديمي)

من کان له امام فقراء ة الامام له قرأة (۱) (انتھیٰ بمعناہ) یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کے لئے بھی قرأت ہے یعنی امام کے قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) آمین بالجہر کا حکم
(۲) آمین بالجہر والے کو مسجد سے روکنا
(۳) کیا آمین بالجہر بدعت ہے
(۴) آمین بالجہر والے کو موذی کہنا
(۵) جماعت اہل حدیث کو گمراہ کہنا اور ان سے قطع تعلق کرنا کیسا ہے ؟

(سوال) (۱) ایک مسجد میں حنفی اور اہل حدیث باہم نماز باجماعت ادا کرتے ہیں لیکن حنفی صاحبان آمین بالجہر کی سخت مخالفت کرتے ہیں اور اہل حدیثوں کو مسجد میں آنے سے روکتے ہیں نیز آمین بالجہر کو باعث ایذا رسانی سمجھتے ہوئے اہل حدیثوں کو موذی قرار دیتے ہیں اور موذی قرار دیکر بحوالہ در مختار جلد اول ص ۴۸۹ مسجد سے مانع ہوتے ہیں۔

اہل حدیث صاحبان آمین بالجہر کو سنت سمجھتے ہیں اور مسجد سے روکنے پر آیت کریمہ ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه پڑھتے ہیں اور منع کرنے سے روکتے ہیں لیکن باہمی کشیدگی اتنی بڑھی کہ عدالت تک معاملہ پہنچ گیا اب سوال اس امر کا ہے کہ زور سے آمین کہنا ازروئے حدیث کیسا ہے ؟

(۲) آمین بالجہر کی بنا پر مسجد میں آنے سے روکنا ازروئے قرآن وحدیث کیسا ہے ؟ کیا آیت مذکورہ میں داخل ہے۔

(۳) کیا آمین بالجہر باعث ایذا و فساد ہے ؟

(۴) کیا زور سے آمین کہنے والے کو موذی قرار دیکر مسجد میں آنے سے روکنا شرعاً جائز ہے ؟

(۵) جماعت اہل حدیث کو گمراہ کہہ کر ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے روکنا شرعاً کیسا ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۶۶۸ عبدالغنی (ملازم) یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ م ۲۹ مئی ۱۹۴۱ء

(جواب ۷۳۰) آمین بالاخفا حنفیہ اور امام شافعی کے قول جدید کے موافق مسنون ہے اور آمین بالجہر امام شافعی کے قول قدیم اور دیگر ائمہ کے نزدیک مسنون ہے۔(۲) صحابہ کرامؓ میں بھی یہ اختلاف موجود تھا لہذا یہ

---

(۱) (باب القراء ة فی الصلوات خلف الإمام' ص ۹۸ ط میر محمد)

(۲) عن وائل بن حجر قال :"کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذاقرء "ولاالضالین" قال "آمین" رفع بها صوته وعن ابی هریرة قال :" کان النبی ﷺ إذا فرغ من قراء ة أم القرآن رفع صوته وقال " آمین" (آثار السنن' باب الجهر بالتأمین ص ۹۳۔ ۹٤ ط امدادیه) قال عطاء :" وقد قال الله تعالی :" ادعوا ربکم تضرعاً و خفیة " (جاری ہے)

مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے باہم مسلمانوں میں انشقاق واختلاف اور عداوت و دشمنی ہو اہل حدیث کے آمین بالجہر کہنے سے حنفیوں کی نماز خراب نہیں ہوتی اور اس وجہ سے کسی آمین بالجہر والے کو مسجد میں آنے سے روکا نہیں جاسکتا اہل حدیث کا بھی یہ فرض ہے کہ اگر وہ آمین بالجہر کو سنت سمجھتے ہیں تو محض اتباع سنت کے لحاظ سے عمل کریں محض حنفیوں کو چڑانے کے ارادے سے ایسا نہ کریں جیسا کہ بعض مقامات میں امام کے ولا الضالین پڑھنے پر بعض اہل حدیث جو نالی پر وضو کرتے ہوتے ہیں زور سے آمین پکار دیتے ہیں یا جماعت میں اتنے زور سے آمین پکارتے ہیں کہ قریب والے شخص چونک پڑتے ہیں فریقین کو نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ اپنے مسلک پر عمل کرنا چاہئیے باہم اتفاق واتحاد اور رواداری سے زندگی بسر کرنی چاہئیے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جزو ہے یا نہیں ؟

(سوال) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ اور دوسری سورتوں کا جزء ہے یا نہیں ؟ اگر جزء ہے تو جن نمازوں میں سورہ فاتحہ جہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے ان میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا جہر کیا جانے گا یا نہیں ؟ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کا عمل کیا تھا نماز میں قرأت الحمد للہ سے شروع کرتے تھے یا بسم اللہ سے۔ اسی طرح اور سورتوں کے ساتھ بھی نماز میں بسم اللہ جہراً پڑھی جائے یا سراً یا بالکل نہیں جواب میں احادیث صحیحہ تحریر فرمائیں۔ **المستفتی نمبر ۲٦۹۰ مولانا محمد صدیق صاحب صدر مدرس مدرسہ صدیقیہ دہلی**

۲٦ ذیقعدہ ۱۳٦۰ھ ۱٦ دسمبر ۱۹۴۱ء

(جواب ۷۳۱) بسم اللہ اور سورہ فاتحہ اور دوسری سورتوں کا جزو ہے یا نہیں یہ مسئلہ ابتداسے مختلف فیہ ہے۔ ائمہ حنفیہ کے اصح اور راجح قول کی بناء پر نہ سورہ فاتحہ کا جزو ہے اور نہ اور کسی سورت کا (سوائے سورہ نمل کی درمیانی بسم اللہ کے) (۱) ان کی دلیل یہ صحیح مسلم (۲) کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ **قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی نصفین و لعبدی ما سال فاذا قال العبد الحمد للہ رب العلمین . الحدیث.** اس حدیث میں صلوٰۃ سے مراد سورہ فاتحہ ہے حضرت حق کا فرمان ہے کہ سورہ فاتحہ نصف میرے لئے ہے اور نصف میرے بندے کے لئے اور نصف اول کو بیان فرماتے ہوئے الحمد للہ سے ابتداء فرمائی۔ معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ الحمد للہ سے شروع ہوتی ہے بسم اللہ اس میں داخل نہیں ہے اور ترمذی (۳) میں

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) عن أبي هريرة قال :" كان رسول الله ﷺ يعلمنا يقول :" لا تبادروا الإمام :إذا كبر فكبروا وإذا قال ولا الضالين فقولوا آمين وإذا ركع فاركعوا رواه ' قال النيموى :" يستفادمنه أن الإمام لا يجهر بآمين" و عن وائل بن حجر قال :" صلي بنا رسول الله ﷺ فلما قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال :" آمين وأخفى بها صوته رواه احمد والترمذى و ابوداؤد الخ (آثار السنن' باب ترك الجهر بالتامين' ص ۹۵ تا ۹۷ ط امداديه)

(۱) وهي أى بسم الله الخ آية واحدة من القرآن كله' أنزلت للفصل بين السور فما في النمل بعض آية إجماعاً و ليست من الفاتحة ولا من كل سورة في الأصح الخ (التنوير و شرحه فصل في بيان تاليف الصلاة ۱/٤۹۱ ط سعيد)

(۲) (باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة ۱/۱۷۰ ط قديمى)(۳) (باب ماجاء في سورة الملك ۲/۱۱۲ ط سعيد)

بسند حسن یہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ان سورۃ من القرآن ثلاثون آیۃً الی قولہ وھی تبارک الذی بیدہ الملک ......یعنی قرآن مجید کی تیس آیتوں والی ایک سورت ہے پھر فرمایا کہ وہ تبارک الذی بیدہ الملک ہے اور تبارک الذی میں بسم اللہ کے علاوہ تیس آیتیں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورت کا جزو نہیں ہے۔

ہاں بسم اللہ قرآن مجید کی ایک آیت ضرور ہے جس کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے سورتوں کی انتہا اور ابتدا معلوم ہو جائے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کے اس ارشاد سے ثابت ہوتا ہے۔ قال کان النبی ﷺ لا یعرف خاتمۃ السورۃ حتی تنزل بسم اللہ الرحمن الرحیم فاذا نزل بسم اللہ الرحمن الرحیم عرف ان السورۃ قد ختمت واستقبلت اوابتدئت سورۃ اخریٰ (رواہ البزاز باسنا دین رجال احدھما رجال الصحیح -کذافی مجمع الزوائد) (۱) یعنی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سورتوں کی انتہا نہیں پہچانتے تھے یہاں تک کہ بسم اللہ نازل ہو جب بسم اللہ نازل ہوئی تو حضور ﷺ اس بات کو پہچاننے لگے کہ ایک سورت ختم ہوئی اور دوسری شروع ہوئی۔

جہری نمازوں میں بسم اللہ بھی جہراً پڑھی جائے یا نہیں' یہ مسئلہ بھی ابتدا سے مختلف فیہ ہے اس میں صحیح اور قوی یہ ہے کہ جہر سے نہ پڑھی جائے آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین سے بسند صحیح جہر سے پڑھنا ثابت نہیں یعنی سنت ۔اتبہ وائمہ کے طور پر جہراً نہیں بلکہ سراً پڑھتے تھے۔اس کی دلیل میں مسلم شریف (۲) کی یہ روایت ہے عن انس بن مالک انہ حدثہ قال صلیت خلف النبی ﷺ و ابی بکر و عمر و عثمان فکانوا . یستفتحون بالحمد للہ رب العلمین لا یذکرون بسم اللہ الرحمن الرحیم اول قراء ۃ ولا فی آخرھا .

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ اور ابو بکر و عمر اور عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی یہ سب قرأت الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے تھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔نہ ابتدائے قرأت میں پڑھتے تھے نہ آخر میں۔یعنی فاتحہ کے ختم اور سورت کے شروع پر بھی نہیں پڑھتے تھے۔

صحیح مسلم (۳) میں حضرت انسؓ کی یہ حدیث بھی ہے۔صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر و عثمان فلم اسمع احداً منھم یقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم یعنی میں نے حضرت ﷺ اور ابو بکر اور عمر و عثمانؓ کے ساتھ نماز پڑھی ہے تو ان میں سے کسی کو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے میں نے نہیں سنا۔ طبرانی کبیر اور اوسط میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے تھے تو مشرکین بطور استہزا کہتے تھے کہ محمد تو یمامہ کے خدا (یعنی مسیلمہ) کا نام

---

(۱) (باب بسم اللہ الرحمن الرحیم ۲/۱۱۱ ط 'بیروت' لبنان)
(۲) (باب حجۃ من قال :" لا یجھر بالبسملۃ ۱/۱۷۲ ط قدیمی)
(۳) (ایضاً)

لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو رحمٰن ورحیم کہلواتا تھا پھر جب یہ آیت (یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے لوگوں کو یہ امر فرمایا کہ اسے جہراً نہ پڑھیں یہ حدیث بھی مجمع الزوائد(۱) میں نقل کر کے مصنف نے کہا ہے۔ ورجاله موثقون یعنی اس کے راوی معتبر اور قوی ہیں۔

صاحب فتح القدیر(۲) نے طبرانی سے حضرت انسؓ کی یہ راویت بھی ذکر کی ہے عن انسؓ ان رسول الله ﷺ كان يسر ببسم الله الرحمن الرحيم وابا بكر و عمرو عثمان و علياً یعنی حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر و عمر اور عثمان و علی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اخفا سے یعنی آہستہ پڑھا کرتے تھے مجمع الزوائد(۳) میں حضرت انسؓ سے بہ راویت طبرانی یہ روایت اس طرح منقول ہے عن انس ان رسول الله ﷺ كان يسر ببسم الله الرحمن الرحيم و ابوبكر و عمر اور مصنف نے اس کی سند کے متعلق فرمایا ہے۔ رجاله موثقون یعنی اس حدیث کے راوی معتبر ہیں اور اسی مجمع الزوائد(۴) میں حضرت ابووائل سے روایت ہے کہ حضرت علی اور عبداللہ (ابن مسعودؓ) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اعوذباللہ اور آمین جہر سے نہیں پڑھتے تھے اور ترمذی(۵) میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل صحابی نے اپنے بیٹے کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہر سے پڑھتے ہوئے سنا تو ان کو سختی سے منع فرمایا اور کہا کہ یہ بدعت ہے میں نے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر اور عثمانؓ کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور کسی کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھتے نہیں سنا تو بیٹا تم بھی نہ پڑھا کرو جب نماز پڑھو تو الحمد للہ رب العالمین سے پڑھو ترمذیؒ نے یہ بھی لکھا کہ اکثر صحابہؓ کا مذہب یہی ہے کہ بسم اللہ جہر سے نہ پڑھی جائے چاروں خلفائے راشدین اسی کے قائل تھے(۶) مذکورہ احادیث کے علاوہ اور بھی بہت روایات ہیں جن سے بسم اللہ کا آہستہ پڑھا جانا ثابت ہے یہ حدیثیں اس بات کی بھی دلیل ہیں کہ بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جزو نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مرض وفات میں حضور ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے یا نہیں؟
(۲) اس وقت آپ ﷺ نے آمین جہراً کہی یا سراً؟

(سوال) (۱) رسول اللہ ﷺ نے آخر ایام رحلت میں حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے کتنے وقت کی نماز پڑھی؟ (۲) آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے جب نماز پڑھی تو بلند آواز سے خود رسول اللہ ﷺ نے آمین کہی یا

---

(۱) (باب بسم الله الرحمن الرحيم ۲/۱۱۱ ط بيروت)
(۲) (باب صفة الصلاة ۱/۲۹۲ ط مصر)
(۳) (باب بسم الله الرحمن الرحيم ۲/۱۱۱ ط بيروت)
(٤) (ايضاً)
(۵) باب ماجاء في ترك الجهر ببسم الله ۱/۵۷ ط سعيد)
(٦) والعمل عليه عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ منهم ابوبكر وعمر وعثمان و علي وغيرهم ومن بعدهم من لتابعين (باب ماجاء في ترك الجهر ببسم الله ۱/۵۷ ط سعيد)

نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۷۱۳ منشی جمال احمد (رتلام) ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۳ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۷۳۲) آنحضرت ﷺ نے شدت مرض کے وقت جب کہ حجرہ شریفہ سے مسجد میں تشریف لانے کی طاقت نہ تھی اپنی جگہ حضرت ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کا امر فرمایا تھا اس اثناء میں ایک وقت حضور ﷺ کو تخفیف محسوس ہوئی تو حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور صفوں میں سے گزرتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کے پاس جا کھڑے ہوئے حضرت ابو بکرؓ نے پیچھے ہٹنا چاہا اور حضور اکرم ﷺ نے ان کو اشارے سے فرمادیا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو اور ان کی اقتدا میں نماز شروع کردی مگر حضرت ابو بکرؓ حضور ﷺ کی موجودگی میں نماز نہ پڑھا سکے اور پیچھے ہٹ گئے اور حضور ﷺ نے امامت شروع کردی(۱) اس واقعہ میں کہیں یہ بات میری نظر سے نہیں گزری کہ حضور ﷺ نے آمین زور سے کہی ہو اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ نے آمین زور سے کہی تھی تو اس کا ثبوت اس سے طلب کیجئے وہ روایت اور کتاب اور باب کا نام بتائے تو اس کی تحقیق ہو سکتی ہے۔   محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) غیر مقلدین 'حنفیوں کی جماعت میں آمین بالجہر اور رفع یدین کر سکتا ہے یا نہیں ؟
(۲) اہل السنۃ والجماعت کسے کہتے ہیں ؟
(۳) غیر مقلدین اہل السنۃ والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں ؟
(۴) سابقہ دور میں آمین بالجہر اور اخفا والوں کا کیا معمول تھا؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۸ء)

(سوال) (۱) اگر کوئی شخص حنفی لوگوں کے ساتھ شریک جماعت ہو کر نماز میں آمین بالجہر کہے اور رفع یدین کرے تو اس شخص کے آمین بالجہر اور رفع یدین سے حنفیوں کی نماز میں کوئی خلل آئے گا یا نہیں ؟ (۲) اہل سنت والجماعت سے کیا مراد ہے ؟ یعنی سنت سے کیا مراد ہے اور جماعت سے کون سی جماعت مراد ہے ؟ (۳) اہل حدیث جن کو غیر مقلد بھی کہا جاتا ہے یہ اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں ؟ (۴) زمانہ سلف یعنی صحابہ اور ائمہ مجتہدین کے زمانے میں آہستہ آمین کہنے والے اور بالجہر آمین کہنے والے ایک ہی مسجد میں شامل نماز پڑھا کرتے تھے یا علیحدہ علیحدہ ؟ اور آج کل مکہ معظمہ وغیرہ میں شریک ہو کر پڑھتے ہیں یا علیحدہ مسجدوں میں ؟

(جواب ۷۳۳) (۱) کسی شریک جماعت کے آمین بالجہر کہنے سے حنفیوں کی نماز میں نقصان نہیں آتا (۲) اہل سنت والجماعت وہ گروہ ہے جو حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے طریقے پر چلتا ہے (۲) (۳) اہل حدیث

---

(۱) (بخاری' باب حد المریض أن یشهد الجماعة ۱ / ۹۱ ط قدیمی)
(۲) إن بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین و سبعین ملة و تفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلهم فی النار إلا ملة واحدة' قالوا " من هی یارسول الله" قال " ما أنا علیه وأصحابی الحدیث (ترمذی' باب افتراق هذه الأمة ۲ / ۹۳ ط سعید)

جماعت اہل سنت والجماعت میں داخل ہے(۱) (۴) اس قسم کے فروعی اختلاف رکھنے والے سب شریک ہو کر نماز ادا کرتے تھے اور آج کل بھی ممالک اسلامیہ میں اسی طرح نماز ادا کرتے ہیں۔
محمد کفایت اللہ غفرلہ'

اقتباس از تقریر ترمذی

ماخوذ از تقریر ترمذی ضبط کردہ حضرت مفتی اعظم

(۲) **باب ماجاء فی ترك الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم . قوله فقال لی ای بنی محدث الخ** یعنی عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے باپ نے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم زور سے کہتے ہوئے سن لیا تو انہوں نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے یہ نو ایجاد یعنی بدعت ہے اور پھر ڈراتے ہیں کہ **ایاك والحدث** یعنی تم حدث یعنی بدعت سے ہمیشہ بچتے رہنا اور پھر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور ابو بکرؓ و عمرو عثمانؓ کے ساتھ نماز پڑھی اور کسی کو بسم اللہ جہراً کہتے ہوئے نہیں سنا۔

جاننا چاہئیے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بسم اللہ آہستہ کہنا چاہئیے اور امام شافعی صاحب جہر کے قائل ہیں پس یہ حدیث حنفیہ کی حجت امام شافعی پر ہے اور یہ صاف دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر و عمرو عثمانؓ یہ سب حضرات آہستہ بسم اللہ کہتے تھے۔ اب اس سے زیادہ اور کیا حجت ہو گی کہ عبداللہ بن مغفل کس زور شور سے جہر کا انکار کرتے ہیں باقی رہی وہ حدیث جس سے امام شافعی نے جہر پر استدلال کیا ہے اور اس کو ترمذی نے اگلے باب میں بایں الفاظ نقل کیا ہے۔ **عن ابن عباس قال کان النبی ﷺ یفتتح صلوته ببسم الله الرحمن الرحيم** تو اس کی اول تو سند ہی پہلی حدیث کی طرح قوی نہیں امام ترمذی نے خود **ولیس اسناده بذاك** فرمادیا ہے لیکن اس جواب سے قطع نظر کر کے ہم یوں کہتے ہیں کہ اس سے جہر ثابت ہی نہیں ہوتا کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بسم اللہ سے نماز شروع کرتے تھے جہر کہاں سے معلوم ہوتا ہے ہاں اگر یوں کہا جائے کہ اگر آپ آہستہ کہتے ہوں گے تو ابن عباس کو کہاں سے معلوم ہو گیا کہ آپ نے بسم اللہ سے نماز شروع کی تو اول یوں ثابت کر دینا چاہئیے کہ معلوم ہونے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ جب امام جہراً پڑھے جب ہی معلوم ہو کہ امام نے بسم اللہ سے نماز شروع کی۔ **وهذا ليس بثابت فالموقوف عليه بالطريق الاولى**۔ اسی وجہ سے محققین شوافع نے بھی اقرار کر لیا ہے کہ امام شافعی صاحب کا یہ مذہب بلا دلیل ہے کوئی حدیث صحیح صریح اس بارے میں موجود نہیں پس اب حنفیہ کو جواب دینے کی کیا حاجت ہے۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) لیکن جو تقلید کو شرک کہیں ائمہ اربعہ پر طعن کریں اور بغض و عناد رکھیں ایسے غالی اور متعصب قسم کے لوگ اہل سنت والجماعت میں داخل نہیں (فتاوی دار العلوم دیوبند ۳/۲۹۱ ط امدادیہ' ملتان) (۲) (۱/۵۷ ط سعید)

باب فی افتتاح القراء ۃ بالحمد للہ رب العلمین ۔ قولہ کانوا یفتتحون القراء ۃ بالحمد للہ رب العلمین اس کے یہ معنی تو ہرگز نہیں کہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے ہاں یہ معنی ہیں کہ بسم اللہ کو جہراً نہیں پڑھتے تھے جہراً افتتاح قراءۃ الحمد للہ سے ہوتا تھا اور امام شافعیؒ نے جو اس کی تاویل کی ہے بیشک ان معنوں کو یہ حدیث محتمل ہے لیکن جب کہ اس کا مطلب بلا تکلف بن سکتا ہے تو کیا ضرورت ہے کہ اس سے خواہ مخواہ باوجود مخالفت احادیث صحیحہ بسم اللہ کا جہر ثابت کیا جاوے۔

(۱) باب ماجاء انہ لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب – قولہ لا صلوۃ من لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔ مولانا نے فرمایا کہ تمام ان مسئلوں میں سے جن میں امام ابو حنیفہؒ وامام شافعی صاحب واہل ظاہر مخالف ہوئے ہیں قابل تحقیق وبحث یہ مسئلہ ہے کیونکہ امام شافعیؒ تو فرماتے ہیں کہ قراءۃ فاتحہ نہ ہوگی تو نماز ہی نہ ہوگی اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مقتدی امام کے پیچھے قراءۃ کرے گا تو اس کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی اسی وجہ سے ایک عالم تھے وہ کبھی مقتدی ہو کر نماز نہ پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھ کو امام ابو حنیفہؒ وامام شافعیؒ سے خوف آتا ہے کہ ایک صاحب میری نماز کو مکروہ تحریمی بتاتے ہیں اور ایک صاحب بالکل نماز ہی کا انکار فرماتے ہیں لہذا میں ہمیشہ امام بنتا ہوں تاکہ دونوں کے نزدیک میری نماز ہو جائے اب سنیے کہ امام شافعیؒ کی مستدل حدیث مذکور ہے اور اس سے دو مسئلے نکلتے ہیں اول تو وجوب قراءۃ فاتحہ دوسرے فرضیت عام خواہ امام و منفرد و مقتدی کوئی ہو سب کے واسطے فرضیت ثابت ہوتی ہے امام ابو حنیفہ ان دونوں مسئلوں میں مخالف ہیں پس امام شافعیؒ نے مسئلہ اول میں استدلال لفظ لا صلوٰۃ سے کیا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر الحمد نہ پڑھی جائے تو نماز ہی نہ ہوگی اور یہ شان فرضیت کی ہے نہ کہ وجوب کی پس اس کا جواب حنفیہ نے کئی طور پر دیا ہے اول تو ان روایات سے جن میں تارک فاتحہ کی نماز کو خداج وغیرہ فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز تو ہوگئی مگر ناقص ہوئی اور یہی شان وجوب کی ہے ثانیاً یہ کہ لا صلوٰۃ سے مراد نفی کمال ہے کہ نماز کامل نہیں ہوتی ناقص رہتی ہے اور یہ صیغہ نفی کمال میں مستعمل ہے پس یہاں بھی یہی معنی مراد ہیں بقرینہ روایات دیگر کے۔ اور اسی روایت میں کہ جس کو ترمذی نے باب ماجاء فی تحریم الصلوۃ و تحلیلھا میں روایت کیا ہے یہ زیادتی موجود ہے لمن لم یقرأ بالحمد و سورۃ فی فریضۃ او غیرھا اور اسی روایت میں مسلم میں لفظ فصاعداً وغیرہ کی زیادتی ہے اور زیادتی ثقہ کی مقبول ہے تو اب شوافع بتائیں کہ معنی اس حدیث کے کیا ہوئے اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورت بھی نہ پڑھے اس کی نماز نہ ہوگی تو اس سے فرضیت سورۃ بھی لازم آتی ہے تو ان کو بھی ناچار اس جملہ میں وہی تاویل کرنا پڑتی ہے جو حنفیہ نے دونوں جملوں میں کی ہے بلکہ حنفیہ کے نزدیک تو لفظ لا صلوٰۃ سے وجوب ثابت ہوتا تھا اور ان کے نزدیک سورۃ کے بارے میں اس سے استحباب وسنیت ثابت ہوتی ہے تو وہی لفظ لا صلوٰۃ کہ جس سے بڑے زور و شور سے فرضیت ثابت کرتے تھے اسی کو اتنا گھٹایا کہ اس سے سنیت ثابت کی اور حنفیہ نے تو اب بھی اس کو متغیر نہیں کیا بلکہ فاتحہ و

---

(۱) (۱/ ۵۷ ط سعید)

سورۃ دونوں کا وجوب اسی سے ثابت کیا تو اب شوافع کا استدلال فرضیت فاتحہ پر جملہ لا صلوٰۃ سے بوجہ زیادتی لفظ وسورۃ ولفظ فصاعداً کے نہ رہا۔

اور بھی حنفیہ نے وجوب فاتحہ وعدم فرضیت پر آیہ **فاقرأ واما تیسر من القرآن** اور حدیث اعرابی **ثم اقرأما تیسر** سے استدلال کیا ہے کہ لفظ "ما" عام ہے فاتحہ وغیر فاتحہ کو شامل ہے اور یہ مخل فرضیت ہے پس وجوب ثابت ہوگا نہ کہ فرضیت اور باقی رہا اس میں امام شافعیؒ نے اسی حدیث کے لفظ **لمن لم یقرأ** سے استدلال کیا ہے کہ لفظ "من" عام ہے جیسا کہ اصول طرفین میں مبرہن ہے پس بعمومہ امام و مقتدی سب کو شامل ہوگا تو اگر مقتدی فاتحہ نہ پڑھے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی حنفیہ کہتے ہیں کہ اس سے مقتدی مخصوص ہے اور یہ خصوصیت بوجہ روایات دیگر کے لامحالہ کرنی پڑتی ہے کیونکہ بعض روایات میں لفظ **وسورۃ معھا و فصاعداً** بھی مروی ہے اور ظاہر ہے کہ مقتدی کے واسطے سورۃ پڑھنے کو سب ناجائز کہتے ہیں پس جو وجہ کہ ممانعت سورۃ کی ہوگی وہی ممانعت فاتحہ کی اور یا یوں کہا جاوے کہ قراءۃ مقتدی خلف الامام ممنوع بوجہ آیت قطعیہ کے ہے اور وہ **اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا الخ** ہے کیونکہ یہ منطوق الشریف دلالت کرتی ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اس کو سنو اگر جہراً پڑھا جاوے اور چپ رہو اگر سراً ہو اور یہ معنی ان کے موافق جنہوں نے آیت کا شان نزول قراءۃ فاتحہ خلف الامام کو ٹھہرایا ہے بلا تکلف بنتے ہیں اور اکثر اکابر مفسرین مثل صاحب معالم التنزیل وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ شان نزول اس آیت کا قرأت مقتدی خلف الامام ہے اب کوئی وجہ اس کو خطبہ پر حمل کرنے کی نہیں اگرچہ بعضوں نے اس کا شان نزول خطبہ کو بھی لکھا ہے لیکن اول تو اسکا شان نزول خطبہ ہونا مخدوش ہے کیونکہ یہ آیت سورۂ اعراف میں ہے اور وہ باتفاق مفسرین مکی ہے اور کسی نے اس کو اس میں سے مستثنیٰ نہیں کیا اور ادھر یہ بھی معلوم ہے کہ جمعہ مدینہ میں فرض ہوا ہے علی احسن الاقوال اور بعضوں نے کہا کہ مکہ میں فرض ہوا ہے لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ آپ کو ادائے جمعہ کی نوبت مکہ میں نہیں آئی مدینہ میں جمعہ پڑھا گیا پس اس آیت کے نزول کی وجہ کلام فی الخطبہ کو کہنا ٹھیک نہیں اگر کسی نے **نزلت فی الخطبہ** کہا ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہی حکم جو قراۃ مقتدی میں ہے یعنی ممانعت قراءۃ وکلام یہی خطبہ میں ہے اور نزلت کے یہ معنی محدثین ومفسرین صحابہ و من بعد ہم میں سنت رائج ہے۔ **کما لا یخفی علی من له نظر علی تفسیراتھم** پس جب اس کا شان نزول خطبہ ہونا ممنوع ہوا تو وہی قراءۃ فاتحہ خلف الامام رہی پس اس کی ممانعت پر نص صریح ہے بعض علماء نے اس میں لکھ دیا ہے کہ یہ قول کفار نقل کرتے ہیں مگر عاقل پر خوب ظاہر ہے کہ جب اکابر مفسرین و محدثین نے اس کا شان نزول قراءۃ مقتدی کو لکھا ہے تو اب اس کو قول کفار پر بلا دلیل محض اٹکل سے حمل کرنا بیجا ہے یا بیجا اور یا یوں کہا جاوے کہ **لا صلوٰۃ الا بفاتحة الکتاب** موافق تمہارے کہنے کے مقتدی کو بھی شامل ہے مگر یہ بتاؤ کہ مقتدی اصالتہً پڑھیں یا اگر ان کی طرف سے کوئی نائب ہو کر پڑھ لے تو بھی کافی ہو جائے گی اگر شق اول مراد ہے تو اس کے اوپر کیا دلیل ہے؟ اور اگر شق ثانی مراد ہے تو ہمارا مطلب ثابت

ہے کیونکہ ہم قراءۃ امام کو مقتدی کے واسطے کافی کہتے ہیں ہر چند کہ ہم کو اس پر دلیل لانے کی ضرورت نہیں رہی مگر خیر ! زیادتی وضوح کے لئے بیان کرتے ہیں کہ قراءۃ امام مقتدی کے واسطے کافی ہونے کی دلیل حدیث رسول اللہ ﷺ من کان له امام فقراء ة الامام له قراء ة ہے کہ یہ بمنطوقہ صاف دلالت کرتی ہے کہ امام کی قراءۃ مقتدیوں کے واسطے کافی ہے بعض عاملین بالحدیث یوں کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بہت سے طرق سے مروی ہے بعض ان میں سے ضعیف ہیں اور بعض قوی ہیں پس جب کہ ایک طریقہ سے تو یہ ثابت ہو گئی اب اس میں کلام کی گنجائش نہیں رہی اور اگر بالفرض اس کا کوئی طریقہ قوی نہ ہوتا سب کے سب ضعیف ہوتے تاہم طرق متعددہ سے مروی ہونا حسن لغیرہ ہونے کے واسطے کافی تھا جیسا کہ اصول حدیث میں مذکور ہے اور اسی کے مؤید ہے قول رسول اللہ ﷺ کا الامام ضامن کیونکہ یہ بھی بفحوانہ الشریف دلالت کرتا ہے اس پر کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز میں ضمناً آتی ہے یعنی نماز مقتدی کی نماز امام کے ضمن میں متحقق ہے اور اس پر قرینہ اولویت امام واستخلاف وغیرہ شاہد ہیں جس کو فہم سلیم ہوگی وہ خود سمجھ لے گا پس جب ان دلالات واشارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امام و مقتدی کی ایک ہی نماز ہے پھر اس میں ایک کی قراءۃ دوسرے کے واسطے کافی نہ ہونے کی کیا وجہ ہے کیونکہ درصورت قراءۃ امام و مقتدی تکرار قراءۃ لازم آئے گی اور اس پر آثار صحابہؓ بہت سے دال ہیں امام محمدؒ نے مؤطا میں نقل کئے ہیں پس ترمذی کا اس پر یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ وغیرہ کا یہی مذہب تھا ممنوع ہے کیونکہ حضرت عمرؓ سے دونوں طرح کی روایتیں مروی ہیں بعض سے اثبات قراءۃ للمقتدی اور بعض سے ممانعت ثابت ہوتی ہے پس ان کی تعیین مذہب ایک جانب پر ٹھیک نہیں۔ هذا ما حضرلی من تقریر مولانا الا عظم استاذنا المکرم المولوی محمود حسن المحدث الدیوبندی ادام الله ظله علی رؤس الطالبین وقدبسط الکلام فیه مولانا المقدس.

تئیسواں باب

ستر عورت

کافر کا ستر دیکھنا بھی ناجائز ہے

(سوال) قصداً کافر کا ستر دیکھنا کیسا ہے؟ المستفتی نمبر ۵۳ شیخ بھائی جی (خاندیس)
۱۹ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۳۴) قصداً کافر کا بھی ستر دیکھنا جائز نہیں بلا قصد نظر پڑ جائے اور فوراً نظر ہٹالے تو گناہ نہیں(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سر پر رومال باندھ کر نماز پڑھنا

(سوال) ایک بزرگ مذہباً اہل حدیث ہیں بہت زیادہ پابند سنت ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں کبھی کبھی امامت کرتے ہیں لباس ان کا یہ ہوتا ہے کہ لونگی اور گیروا کرتہ اور سر پر ایک رومال لپیٹے ہوئے ایک روز ایک شخص نے کہا کہ اگر آپ ٹوپی پہن کر آتے تو اچھا ہوتا۔ اس پر وہ بہت ناراض ہوئے۔؟
المستفتی نمبر ۵۲۴ شیخ شفیق احمد (ضلع مونگھیر) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۹ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۷۳۵) قمیص یا کرتہ اور لونگی اور سر پر رومال بندھا ہوا ہو تو یہ نماز کے لئے کافی لباس ہے اس میں نماز بلا کراہت جائز ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ننگے سر نماز کا حکم

(سوال) ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۶۱۱ حکیم محمد قاسم (ضلع میانوالی) ۷ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۷۳۶) ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے اگر تواضع اور خشوع کا ہو تو کوئی کراہت نہیں اور اگر بے پروائی اور لاابالی پنے سے ہو تو بکراہت نماز ہو جائے گی(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دھوتی باندھ کر نماز پڑھنا

(سوال) اگر کوئی شخص دھوتی اس طرح باندھے کہ ستر عورۃ چھپ جائے یعنی بطور شلوار کے اور اسی حالت

---

(۱) وینظر من الأجنبیة ولو کافرۃ إلی وجهها و کفیها فقط للضرورۃ (التنویر و شرحه کتاب الحظر والإباحة فصل فی النظر والمس ۶/۳۶۹ ط سعید)
(۲) والمستحب أن یصلی الرجل فی ثلاثة أثواب : قمیص وإزار وعمامة الخ (حلبی کبیر' فروع فی الستر' ص ۲۱۶ ط سهیل اکیڈمی' لاهور)
(۳) و صلاته حاسراً أی کاشفاً رأسه للتکاسل ولا بأس به للتذلل وأما للإهانة بها فکفر الخ (التنویر وشرحه' باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیها ۱/۶۴۱ ط سعید)

سے نماز بھی پڑھا کرے تو کوئی حرج ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۸۲۴ حبیب اللہ (ضلع غازی پور) ۸ محرم ۱۳۵۵ھ م یکم اپریل ۱۹۳۶ء
(جواب ۷۳۷) اگر ستر چھپ جائے اور اثنائے نماز میں ستر کھلنے کا احتمال نہ رہے تو نماز ہو جائے گی۔ لیکن یہ ہیئت مشابہت ہنود کی وجہ سے مکروہ ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

دھوتی یا ساڑھی باندھ کر نماز پڑھنا

(سوال) عورت کی نماز دھوتی یعنی ساڑھی پہن کر جائز ہے یا نہیں ؟
(جواب ۷۳۸) اگر ستر عورت کامل ہو تو عورت کی نماز ساڑھی پہن کر بھی ہو جاتی ہے۔ (۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

مرد کا ستر کہاں سے کہاں تک ہے ؟

(سوال) زید کہتا ہے کہ ستر عورت مرد کے لئے ناف کے نیچے سے گھٹنوں کے نیچے تک اور ایسا ہی در المختار' شرح الوقایہ. احسن المسائل ترجمہ کنز الدقائق. فتاوی مجموعہ سلطانی فتاوی برھنہ اور مفتاح الجنۃ میں لکھا ہے اور اس کی مؤید ایک حدیث بھی آئی ہے روایت ہے عمرو بن العاص ؓ سے کہ فرمایا نبی ﷺ نے ناف کے نیچے سے گھٹنوں تک ستر ہے روایت کیا اس کو دار قطنی نے اور بکر کہتا ہے کہ ناف ستر میں داخل ہے پس صحیح مسئلہ کیا ہے۔
(جواب ۷۳۹) بقول راجح ناف مرد کے لئے ستر عورت کے حکم میں داخل ہے زید کا یہ کہنا صحیح ہے کہ ستر کا حکم ناف کے نیچے سے شروع ہوتا ہے ہاں گھٹنا بیشک ستر کے حکم میں داخل ہے بکر کا خیال درست نہیں (۳) واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ 'مدرسہ امینیہ' دہلی

پائجامہ کے اندر لنگی پہن کر نماز پڑھنا

(سوال) امام یا کوئی مقتدی لونگی یا پاجامے کے اندر رومالی وغیرہ باندھ کر نماز پڑھے تو ہو جاتی ہے یا نہیں ؟
(جواب ۷۴۰) پاجامے کے اندر یا لنگی کے نیچے اگر کوئی لنگوٹ باندھ لیا جائے تو اس سے نماز نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے نماز ہو جاتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

---

(۱) والرابع ستر عورته ووجوبه عام' ولو في الخلوة على الصحيح (التنوير و شرحه' باب شروط الصلاة ۱/ ٤٥٤ ط سعيد) (۲) والرابع ستر عورته وللحرة جميع بدنها حتى شعرها النازل في الأصح خلا الوجه والكفين والقدمين الخ (التنوير و شرحه' باب شروط الصلاة ۱/ ٤٥٥' ط سعيد)
(۳) العورة من الرجل ما تحت السرة منه الى ركبته و علم بهذا أن السرة ليست بعورة ولكن الركبة غاية ودخولها والركبة عورة ايضا (حلبي كبير' الشرط الثالث' ص ۲۰۹' ط سهيل اكيدمي' لاهور)

سستی کی وجہ سے ننگے سر نماز مکروہ ہے

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) ایک شخص ننگے سر نماز پڑھتا ہے اور منع کرنے سے باز نہیں آتا ایک روز نمازی اس کو منع کر رہے تھے کہ اچانک ایک غیر مقلد مولوی صاحب آگئے انہوں نے فرمایا کہ تمہارے ہاں تو ننگے سر نماز پڑھنی جائز ہے امام اعظمؒ نے ننگے سر نماز پڑھنے کو منع نہیں فرمایا اور صحابہ کرامؓ نے ننگے سر نماز پڑھی ہے پھر تم اس کو کیوں منع کرتے ہو؟

(جواب ۷٤۱) اگر ننگے سر نماز پڑھنا لاابالی پن اور بے پروائی کی وجہ سے ہو تو مکروہ ہے اور اگر فی الحقیقت انکسار و تذلل کی نیت سے ہو تو جائز ہے صحابہ کرامؓ نے یا تو تذلل کی نیت سے ننگے سر نمازیں پڑھی ہیں یا ٹوپی و عمامہ نہ ہونے کی وجہ سے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

گھٹنا ستر میں داخل ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) آج کل قریب قریب عام دستور ہوتا جارہا ہے کہ طلبائے مدرسہ بوقت کھیل وغیرہ کے ایسے پاجامے استعمال کرتے ہیں جن سے گھٹنے نہیں ڈھکتے اور اس کی نسبت میں نے سنا تھا کہ گھٹنے ننگے رکھنا ٹھیک نہیں ہے بندہ نے شیخ الجامعہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی کو اس کی بابت لکھا تھا ان کا جواب بغرض ملاحظہ ارسال کرتا ہوں آپ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں (جامعہ ملیہ کا جواب یہاں منقول نہیں)

واصف عفی عنہ

(جواب ۷٤۲) اس بارے میں کہ گھٹنا ستر میں داخل ہے یا نہیں؟ علماو فقہاء کا اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک گھٹنا ستر میں داخل ہے اس لئے اس کو چھپا ہوا رکھنا چاہئے کھلا رکھنے کی عادت ڈالنا درست نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ بوجہ اختلاف فقہاء کے اس میں شدت اور سختی برتنی بھی مناسب نہیں ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے۔وحکم العورۃ فی الرکبۃ اخف منه فی الفخذ حتی لورای رجل غیرہ مکشوف الرکبۃ ینکر علیه برفق ولا ینازعه ان لج وان راہ مکشوف الفخذ ینکر علیه بعنف ولا یضربه ان لج (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) و صلاته حاسرا ای کاشفا رأسه للتکاسل' ولا بأس للتذلل' وأما اهانة بها فکفر الخ (التنویر و شرحه' باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیها ۱ /٦٤۱ ط سعید)

(۲) (باب شروط الصلاۃ ۱ /۲۸٤ ط بیروت)

آدھی آستین والی بنیان میں نماز

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۸ء)

(سوال) گرمی کے موسم میں لوگ عموماً گنجی پہنا کرتے ہیں اور اسی پر نماز بھی ادا کرتے ہیں اور دونوں کہنیاں کھلی رہتی ہیں ایسی حالت میں نماز درست ہوتی ہے یا نہیں ؟

(جواب ۷۴۳) کرتا ہوتے ہوئے صرف نیم آستین بنیان پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے نماز ہو جاتی ہے مگر کراہت کے ساتھ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عورت کا منہ اور ہاتھ ستر میں داخل ہیں یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) عورت کا منہ اور ہاتھ غیر نماز میں ستر میں داخل ہے یا نہیں ؟

(جواب ۷۴۴) منہ غیر نماز میں ستر میں داخل ہے حجاب کا ثبوت احادیث سے ظاہر ہے (۲)

چوبیسواں باب
متفرقات

تارک نماز کے بارے میں کیا حکم ہے ؟

(سوال) تارک صلوٰۃ جو ہمیشہ نماز چھوڑ دیتا اور سال بھر میں کبھی نہیں پڑھتا ہے اس کے حق میں حضرت رسول اللہ ﷺ اور ائمہ اربعہ کیا فرماتے ہیں ؟

(جواب ۷۴۵) تارک صلوٰۃ عمداً کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بہت سخت الفاظ فرمائے ہیں حدیث میں ہے کہ جس نے قصداً نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا اور امام احمد بن حنبل' اس کے کفر کے قائل ہیں اگرچہ فقہائے حنفیہ نے اسے کافر نہیں کہا لیکن وہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ اسے قید میں ڈال دیا جائے اور جب تک توبہ نہ کرے جیل خانے میں رکھا جائے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ مار مار کر اس کا جسم زخمی کر دیا جائے اور امام شافعی اس کو حداً یا کفراً قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ **وتارکھا مجانۃ ای تکاسلا فاسق یحبس حتی یصلی لانہ یحبس لحق العبد فحق الحق احق و قیل یضرب حتی یسیل منہ الدم و عند الشافعی یقتل حداً وقیل کفراً انتھی.** (در مختار)(۳)

---

(۱) ولو صلی رافعاً کمیہ إلی المرفقین کرہ الخ (عالمگیریۃ' باب مایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا ۱/۱۰۶' ط ماجدیہ)

(۲) و عن أم سلمۃ کانت عند رسول اللہ ﷺ و میمونۃ إذا قتل ابن أم مکتوم دخل علیہ فقال رسول اللہ ﷺ : " احتجبامنہ" فقلت :" یا رسول اللہ ! ألیس ھو أعمی لا یبصرنا ؟ فقال رسول اللہ ﷺ أفعمیا وأن انتما ألستما تبصرانہ" (ترمذی' باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال ۲/۱۰۶ ط سعید)

(۳) (کتاب الصلاۃ ۱/۳۵۲' ط سعید)

نماز عصر اور فجر کے بعد امام کا قبلہ رو ہو کر بیٹھنا

(سوال) فجر و عصر کی نماز کے سلام پھیرنے کے بعد امام دائیں جانب وبائیں جانب منہ پھیر کر دعا مانگتا ہے اور ظہر و مغرب و عشائی نماز میں بغیر پھرنے دائیں بائیں کے قبلہ رو بیٹھے ہوئے دعا مانگتا ہے فجر و عصر میں دائیں بائیں پھرنا اور باقی نمازوں میں قبلہ رو دعا کرنا آیا شرع شریف میں اس کی کوئی سند ہے یا نہیں؟

(جواب ۷۴۶) عصر و فجر کے بعد قبلہ رو بیٹھے رہنا مکروہ ہے دائیں یا بائیں پھر جانا چاہئے یا مقتدیین کی طرف منہ کرلے اس کے علاوہ تین نمازوں ظہر' مغرب' عشاء میں اولیٰ و افضل یہی ہے کہ دیر تک نہ بیٹھے ادعیہ ماثورہ میں سے کوئی دعا پڑھ کر سنتوں میں مشغول ہو جائے۔ **واذا سلم الامام من الظهر والمغرب والعشاء كره له المكث قاعدا لكنه يقوم الى التطوع وفي صلوٰة لا تطوع بعدها كالعصر والفجر يكره المكث قاعدا في مكانه مستقبل القبلة والنبي عليه الصلوة والسلام سمى هذا بدعة. انتهى مختصراً.** (۱) (ھندیہ)

"من ترك الصلوة متعمدا" کا کیا مطلب ہے؟

(سوال) زید فرضیت نماز کا قائل ہے مگر نماز ادا نہیں کرتا یہ شخص مشرک ہے یا نہیں؟ اگر مشرک نہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔ "**من ترك الصلوٰة متعمداً فقد كفر**" (۲)

(جواب ۷۴۷) جو شخص فرضیت نماز کا قائل ہو لیکن سستی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے نماز نہ پڑھتا ہو اس کو مشرک کہنا درست نہیں اور نہ کوئی شخص ترک نماز سے کافر ہو جاتا ہے **والكبيرة لا تخرج العبد المؤمن من الايمان (عقائد نفسی)** (۳) ہاں بوجہ ارتکاب کبیرہ فاسق ہے **وتاركها عمداً مجانة اى تكاسلا فاسق يحبس حتى يصلي لانه يحبس لحق العبد فحق الحق احق و قيل يضرب حتى يسيل منه الدم (درمختار)** (۴) حدیث **من ترك الصلوة الخ** تشدید و تغلیظ پر مبنی ہے یا مطلب یہ ہے کہ یہ کام مسلمانوں جیسا نہیں یہ مطلب نہیں کہ تارک صلوٰۃ کافر ہے۔

نابالغ کو نماز' روزہ کا ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

(سوال) نابالغ بچوں کی نماز' روزہ کا ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۷۴۸) نابالغ بچوں کے نماز روزے کا ثواب والدین کو ملتا ہے اور بعض علماء کے نزدیک اگر بچے افعال کو سمجھ کر ادا کرنے لگیں تو خود ان کو بھی ثواب ملے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) (الفصل الثالث في سنن الصلاة ۱/ ۷۷' ط ماجديه)
(۲) (الترغيب والترهيب من الحديث الشريف' الترهيب من ترك الصلاة متعمداً ۱/ ۳۸۱-۳۸۲ ط احياء التراث العربي' بيروت' لبنان)
(۳) (ص ۸۲' ط كتب خانه مجيديه' بيرون بوهر گيٹ' ملتان)
(۴) (كتاب الصلاة ۱/ ۳۵۲' ط سعيد)

تشہد میں سبابہ کا اشارہ سنت ہے

(سوال) جب نمازی نماز میں بوقت تشہد کے اشارہ رفع سبابہ کا جو کرتے ہیں یہ اشارہ ہمارے مذہب میں حرام ہے؟ یہ کرنا جائز نہیں جو کرے گا وہ گناہ گار ہوگا؟

المستفتی نمبر ۲۳۱ محمد رشید ترمذی مقام الیول۔ ۸ ا ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ ۵ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۷۴۹) تشہد کے وقت سبابہ اٹھا کر اشارہ کرنا سنت ہے سنت کو حرام کہنے والا سخت خاطی ہے حرمت کا قول باطل ہے کیونکہ حرمت کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے اور اشارہ کی ممانعت کے لئے کوئی دلیل قطعی بلکہ ظنی بھی نہیں ہے (۱)

نیت میں "منہ طرف قبلہ" کہنے کی ضرورت نہیں

(سوال) سنتوں اور نفلوں میں منہ طرف کعبہ شریف کے کہنا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۴۹ شہباز خاں ضلع کرنال۔ ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ ۲۰ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۷۵۰) منہ طرف کعبے کے کہنے کی ضرورت نہیں (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نماز کے بعد بلند آواز سے سلام کرنا

(سوال) ایک شخص فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے بعد یعنی امام کے دعا مانگنے کے بعد ذرا اونچی آواز سے سلام کرتا ہے یہ فعل ہر نماز کی جماعت کے بعد کرتا ہے اور نیت ہے کہ اس وقت جو ساری جماعت ہوتی ہے اس میں بڑے بڑے بزرگ فرشتے اور نیک لوگ ہوتے ہیں اس موقع پر سلام کرنا عین ثواب ہے۔

المستفتی نمبر ۴۰۱ مولوی محمد عبدالحفیظ صاحب (ضلع نیل گری)

۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ ۲۶ ستمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۷۵۱) یہ سلام سنت سے ثابت نہیں جن و ملائک کے لئے وہی سلام کافی ہے جو نماز کے آخر میں ہوتا ہے کوئی اور جدید سلام ضروری نہیں نہ اس کا ثبوت ہے (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) وفی الشرنبلالیة عن البرهان " الصحیح أنه یشیر بمسبحة وحدها یرفعها عند النفی و یضعها عند الإثبات واحترز بالصحیح عما قیل لا یشیر' لأنه خلاف الدرایة والروایة وبقولنا بمسبحة عما قیل یعقد عند الإشارة وفی العینی عن التحفة " الأصح أنها مستحبة وفی المحیط سنة (الدر المختار' باب صفة الصلاة ۱ / ۵۰۹ - ۵۱۰ ط سعید)

(۲) والمعتبر فیها عمل القلب اللازم للإرادة فلا عبرة للذکر باللسان إن خالف القلب لأنه کلام لا نیة إلا إذا عجز عن إحضاره الخ (الدر المختار' باب شروط الصلاة بحث النیة ۱ / ۴۱۵' ط سعید)

(۳) من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد الحدیث (بخاری' کتاب الصلح' باب إذا اصطلحوا علی صلح جوار فهو مردود ۱ / ۳۷۱ ط قدیمی)

نماز میں امام کا جلسہ استراحت کرنا

(سوال)امام اہل حدیث اور مقتدیان حنفی ہیں امام صاحب جلسہ استراحت کرتے ہیں جس کے باعث مقتدی امام سے پیش قدمی کر جاتے ہیں ایک روز امام صاحب نے کہا کہ پیش قدمی کرنے والوں کی گردن قیامت کے دن مانند گدھے کے ہو گی اس امام کے پیچھے نماز ہو گی یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۴۱۶ محمد حسین صاحب۔ ۱۰ رجب ۱۳۵۳ھ م ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۷۵۲) جلسہ استراحت حنفیہ کے نزدیک مسنون نہیں ہے یہ جلسہ عذر (مرض یا ضعف) کی حالت میں کیا گیا ہے نماز کے اصلی افعال میں نہیں ہے لیکن جلسہ استراحت کرنے والے امام کے پیچھے حنفیہ کی نماز ہو جاتی ہے حنفیہ کو چاہئیے کہ وہ سجدہ سے اتنی دیر کر کے اٹھیں کہ امام جلسہ استراحت سے فارغ ہو جائے تاکہ امام سے پہلے مقتدیوں کا قیام نہ ہو جائے اور امام کو چاہئیے کہ وہ جلسہ استراحت میں زیادہ دیر نہ لگائیں بلکہ حتی الامکان اسے ادا کر کے جلد کھڑے ہو جائیں(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عید گاہ میں نماز استغفار پڑھنا

(سوال) بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ بروز جمعہ نماز استغفار عید گاہ میں پڑھی جائے آپ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں نماز کے لئے صبح سات بجے کا وقت رکھنے کا خیال ہے ؟

المستفتی نمبر ۴۹۰ حاجی عبد الغنی متولی عید گاہ دہلی

۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ ۱۶ جون ۱۹۳۵ء

(جواب ۷۵۳) کسی آسمانی حادثہ کے وقوع اور اس کے خوف کے وقت آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے اور یہ امر مستحسن بھی ہے لیکن اس نماز کی جماعت معہود و متوارث نہیں ہر شخص بجائے خود توبہ و استغفار کرے اور گھر میں نماز پڑھے عید گاہ میں اجتماع کی غرض شاید جماعت ہو مگر جماعت مسنون نہیں ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بعد نماز صبح مصافحہ کا معمول

(سوال) بعد فراغت نماز صبح تمام مصلیان مسجد امام صاحب سے مصافحہ کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں روزانہ بعد ختم دعا کے یہ دستور کر رکھا ہے بعض لوگ اس کو بدعت بتاتے ہیں

المستفتی نمبر ۵۴۰ محمد بشیر حسن (مالوہ) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۱۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۷۵۴) ہاں نماز فجر کے بعد مصافحہ کرنے کا طریقہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانے

---

(۱) ولنا حدیث أبی هریرة أن النبی ﷺ کان ینهض فی الصلاة علی صدور قدمیه وما رواه محمول علی حالة الکبر ولأن هذه قعده استراحة الخ (هدایة' باب صفة الصلاة ۱ / ۱۱۰ ط مکتبه شرکة علمیه' ملتان)

میں نہیں تھا اور اس کا رواج دینا اور التزام کرنا بدعت ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جہری نماز میں منفرد کے لئے قراءت کا حکم

(سوال) اگر کوئی شخص نماز جماعت میں کسی عذر سے شریک نہ ہوا پھر بعد میں وہ مسجد میں آیا تو وہ نماز اپنی اکیلا ہی جماعت سے پڑھ سکتا ہے اور کیا جہری نماز کو بالجہر منفرد بھی ادا کر سکتا ہے یا نہیں ؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ منفرد شخص بھی اگر اپنی نماز پڑھے تو سری نماز کو سراً ادا کرے اور جہری کو جہراً ان کا قول کس دلیل پر مبنی ہے ؟

المستفتی نمبر ۶۵۰ ابو محمد عبدالجبار (رنگون) ۲۳ رجب ۱۳۵۴ھ م ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۷۵۵) ہاں جہری نماز کو منفرد جہراً ادا کرے تو اولیٰ ہے اور سراً ادا کر لے تو یہ بھی جائز ہے منفرد کے لئے وجوب جہر ساقط ہو جاتا ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) جیب میں روپے رکھ کر نماز پڑھنا
(۲) سجدے کی جگہ سکے گر جائیں تو ہٹا سکتے ہیں

(سوال) (۱) ہر شخص کی جیب میں سکے (روپے اٹھنیاں وغیرہ) رہتے ہیں کیا جیب میں سکے رکھ کر نماز ادا کرنے میں کسی قسم کی قباحت ہے کیونکہ سکوں پر بادشاہ کی مہر ابھری ہوئی ہے۔

(۲) سجدے کی حالت میں اکثر جیبوں میں سے روپے یا پیسے نکل کر سجدہ گاہ کی طرف چلے جاتے ہیں ایسی حالت میں سجدے کے وقت جہاں سکہ پڑا ہوا اس جگہ سجدہ کرنا چاہئے یا ہٹ کر ؟ یا سکہ کو ہٹا دینا چاہئے اگر سکہ ہٹاتے ہیں تو نماز میں خلل واقع ہوتا ہے اگر نہیں ہٹاتے تو سجدہ اس مہر کے سکہ کو ہوتا ہے یعنی بادشاہ کو سجدہ کیا گیا۔

(جواب ۷۵۶) (۱) سکے جیب میں ہونے سے نماز میں کچھ نقصان نہیں آتا نماز صحیح ہو جاتی ہے(۳)

(۲) سکے احتیاط سے رکھنے چاہئیں کہ نماز میں نہ گریں بے احتیاطی سے اگر وہ سجدے کی جگہ گر جائیں تو ہاتھ سے ان کو سجدے کی جگہ سے اپنی طرف ہٹا لے اس میں نماز میں کراہت نہ ہوگی(۴) محمد کفایت اللہ

---

(۱) وقد صرح بعض علمائنا وغيرهم بكراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوات مع أن المصافحة سنة وماذلك إلا لكونها لم تؤثر في خصوص هذا الموضع الخ (رد المحتار' مطلب في دفن الميت ۲ / ۲۳۵ ط سعید)

(۲) ويخير المنفرد في الجهر' وهو افضل ويكتفي بأدناه وفي السرية خافت حتما على المذهب (التنوير و شرحه' فصل في القراءة ۱ / ۵۳۳ ط سعید)

(۳) ولا يكره لو كانت تحت قدميه أو في يده أو على خاتمه قال في البحر ... ومفاده كراهة المستبين لا المستتر بكيس أو صرة أو ثوب آخر (تنوير وشرحه) و في الشامية بأن صلى و معه صرة او كيس فيه دنانير او دراهم فيه صور صغار فلا تكره لا ستتارها (باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱ / ۶۴۸' ط سعید)

(۴) وقلب الحصى للنهي إلا لسجوده التام فيرخص مرة و تركها أولى الخ (التنوير و شرحه' باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها ۱ / ۶۴۲' ط سعید)

(۱) درود میں "سیدنا" کا اضافہ
(۲) "وکن من الساجدین" سے پہلے تین مرتبہ استغفار پڑھنا

(سوال) (۱) نماز میں تشہد میں جو درود ابراہیمی ہے اس میں محمد ﷺ و حضرت ابراہیم کے اسمائے گرامی کے پہلے لفظ سیدنا بولنا کیسا ہے نماز میں کوئی خلل ہوتا ہے یا نہیں اور بغیر سیدنا کے نماز کیسی ہے کوئی نقصان ہے یا نہیں؟

(۲) فرض نماز جہریہ میں امام بعد فاتحہ سورہ حجر کے آخر رکوع کی آیت ولقد اتینک سبعا من المثانی الخ جب آیت فسبح بحمد ربك میں پہنچا یعنی پڑھا تو وکن من الساجدین کی جگہ واستغفرہ آیت مذکورہ کے پہلے تین بار تکرار کیا بعدہ مقتدی سبحان اللہ کہہ کر لقمہ دیا تو سن کر رکوع کیا اور نماز ختم کیا اس میں قباحت ہوئی یا نہیں مکروہ ہوا یا نہیں؟ سجدہ سہو لازم تھا یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۱۱۸۴ ایم محمد عبدالباری صاحب (آسام) ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۱۲ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۷۵۷) قعدہ میں درود شریف کے اندر حضور انور ﷺ اور حضرت ابراہیم کے اسماء مبارک سے پہلے لفظ سیدنا کہنا جائز ہے اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں ہوتی اور بغیر سیدنا کے بھی نماز میں نقصان نہیں آتا(۱)
(۲) اس صورت میں نماز بلا کراہت ہوگئی سجدہ سہو لازم نہیں تھا(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

ظہر اور جمعہ کی سنتوں میں ثناء پڑھنے کا حکم

(سوال) زید نے فتویٰ دیا ہے کہ ظہر کی چار رکعت سنت اور جمعہ کی سنتوں میں ثناء دو دفعہ پڑھنا چاہئے تو یہ صحیح ہے یا غلط؟ المستفتی نمبر ۱۲۷۳ عبدالحفیظ خاں صاحب کانسٹیبل (سندھ)
۱۴ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۹ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۷۵۸) ظہر کی چار سنتوں میں اور جمعہ کی چار سنتوں میں ثناء ایک مرتبہ پڑھی جائے اور نوافل کی چار رکعتوں میں دو مرتبہ(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

نمازی کے سامنے کتنی دور سے گزرا جا سکتا ہے؟

(سوال) جامع مسجد میں نمازی کے سامنے سے کتنی دور ہو کر گزرنا جائز ہے آیا محض نماز کے سجدہ کی جگہ چھوڑ کر یا کچھ مقدار معین ہے تحریر فرمائیے؟

---

(۱) وندب السیادۃ؛ لأن زیادۃ الأخبار بالواقع عین سلوك الأدب فهو افضل من ترکه الخ (الدر المختار، باب صفة الصلاة ۱/۵۱۳ ط سعید) (۲) ولو زاد کلمة او نقص کلمة او نقص حرفا او قدمه او بدله بآخر لم تفسد صلاته مالم یتغیر المعنی الخ (الدر المختار، مسائل زلة القاری ۱/۶۳۲ ط سعید) (۳) اما اذا کانت سنة او نفلا فیبتدی کما ابتدأ فی الرکعة الاولی یعنی یاتی بالثناء والتعوذ لأن کل شفع صلاۃ علی حدۃ الأصح انه لا یصلی و یستفتح فی سنة الظهر والجمعة الخ (رد المحتار، باب الوتر والنوافل ۲/۱۶ ط سعید)

المستفتی نمبر ۱۳۴۹ محمد یونس صاحب (متھرا) ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ م ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء
(جواب ۷۵۹) بڑی مسجد میں اور میدان میں نمازی کے سامنے اتنی دور سے گزرنا جائز ہے کہ نمازی اگر اپنے سجدہ کی جگہ پر نظر رکھے تو گزرنے والا اسے نظر نہ آئے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نجاست لگی ہوئی صف پر نماز کا حکم

(سوال) مسجد کی صف باریک سوت کی بنی ہوئی جو کہ آگرہ کی ہوتی ہے تخمیناً دس یا بارہ گز لمبی ہو اس کے درمیانی حصہ میں نجاست لگ جائے یا صرف ایک سرے پر لگی ہو تو اس صف میں سے نجاست کی جگہ چھوڑ کر باقی صف پر نماز ہو سکتی ہے یا نہیں اسی طرح اگر ٹاٹ کی صف ہو تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟
المستفتی حاجی محمد داؤد صاحب (بلیماران دہلی)
(جواب ۷۶۰) ناپاک جگہ پر کھڑے ہونے والے کی نماز تو نہ ہوگی باقی صف پر کھڑے ہونے والوں کی نماز ہو جائے گی صف خواہ دری کی ہو یا ٹاٹ کی یا بوریا ہو(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عمداً تارک نماز کا حکم

(سوال) زید کلمہ پڑھتا ہے اور مسلمانوں کے تمام کام کرتا ہے مگر نماز نہیں پڑھتا یعنی تارک فرض ہے منکر فرض نہیں جب اس سے کہا جاتا ہے کہ کیوں نماز نہیں پڑھتے تو جواب دیتا ہے کہ پڑھا کروں گا میں جو نماز نہیں پڑھتا تو بیشک بہت گناہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کرے کہ میں نمازی ہو جاؤں آیا ایسے شخص مذکور کو مسلمان کہیں یا کافر؟
المستفتی نمبر ۱۳۶۸ محمد احمد صاحب دہلی۔ ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ ۷ ۲ فروری ۱۹۳۷ء
(جواب ۷۶۱) جو شخص نماز کی فرضیت کا اقرار کرتا ہے اور ترک نماز کو گناہ سمجھتا ہے وہ مسلمان ہے اس کو ترک نماز کی بنا پر کافر کہنا نہیں چاہئیے حنفیہ کا یہی مذہب ہے ہاں بعض علماء نے زجر کے طور پر ایسے شخص کو کافر کہہ دیا ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) ومرور مار في الصحراء او في مسجد كبير بموضع سجوده في الأصح أو مروره بين يديه إلى حائط القبلة في بيت و مسجد صغير فإنه كبقعة واحدة مطلقا (التنوير و شرحه) و في الشامية " أنه قدر ما يقع بصره على المار لو صلى بخشوع اى راميا ببصره إلى موضع سجوده الخ (باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱ / ۶۳۴ ط سعيد)
(۲) قال في التنوير و شرحه :" هي سنة طهارة بدنه من حدث و خبث و ثوبه و مكانه أى موضع قدميه او أحد هما إن رفع الأخرى و موضع سجوده اتفاقا في الأصح الخ وفي الشامية :" (قوله " ومكانه") فلا تمنع النجاسة في طرف بساط ولو صغيرا في الأصح (باب شروط الصلاة ۱ / ۴۰۳ ط سعيد)
(۳) وتاركها مجانة اى تكاسلا فسقا يحبس حتى يصلي وقيل " يضرب حتى يسيل منه الدم" وعند الشافعي يقتل بصلاة واحدة حدا وقيل " كفر" (التنوير و شرحه كتاب الصلوة ۱ / ۳۵۲ ط سعيد)

(۱) صاحب ترتیب کسے کہتے ہیں ؟
(۲) قضاء یاد ہونے کی حالت میں وقتی نماز پڑھنا

(سوال) (۱) صاحب ترتیب کون شخص ہو سکتا ہے۔ اس علاقہ میں وہ شخص صاحب ترتیب کہا تا ہے جس نے بالغ ہونے کے بعد ایک بھی نماز قضاء نہ کی ہو کیا یہ بات صحیح ہے اگر ایسا ہی ہے تو کونسی کتاب میں ہے ؟
(۲) ایک شخص کی ظہر کی نماز قضاء ہو گئی اس کے بعد اس نے اپنے وقت میں عصر ادا کی اور جب وقت مغرب آیا تو مغرب کی نماز بھی پڑھی مگر اس شخص کو جب عصر کی نماز اور مغرب کی نماز پڑھتا تھا تو ظہر کی قضا نماز یاد تھی پھر اس نے ظہر کی نماز مغرب پڑھ کر قضا کر لی کیا اس کی عصر اور مغرب نمازیں ہو گئیں یا نہیں اگر وہ شخص امام ہے تو اس کا کیا حکم ہے ؟

المستفتی ۱۵۶۷ مولوی محبت حسین شاہ امام مسجد پلٹن۔ پنجاب کیمپ رزمک وزیرستان۔
۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۵ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۷۶۲) (۱) صاحب ترتیب وہ شخص ہے جس کے ذمے بلوغ سے اب تک چھ نمازیں قضا ہوں(۱) (۲) اگر یہ شخص صاحب ترتیب نہیں تو اس کی نماز ظہر و عصر و مغرب ہو گئیں اور اگر صاحب ترتیب ہے تو تینوں نہیں ہوئیں مگر اگلے دن کی ظہر پڑھنے سے سب ہو جائیں گی بشرطیکہ درمیان میں کوئی فوت شدہ ادا نہ کرے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

نماز صبح کے بعد مقتدیوں کے آگے چنے رکھنا

(سوال) ایک مسجد میں صبح کی نماز کے بعد نمازیوں کے آگے میٹھی میٹھی چنے دعا سے قبل سلام پھیرنے کے بعد رکھ دیئے جاتے ہیں کیا یہ سنت ہے ؟ فرض ہے ؟ یا واجب ہے ؟ من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهورد شیخین کی حدیث کے مصداق نہیں ہیں۔ المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب۔ دہلی

(جواب ۷۶۳) یہ عمل نہ سنت ہے نہ مستحب۔ فرض وواجب تو ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں اگر اس کو لازم سمجھا جائے تو بدعت ہے اور لازم بھی نہ سمجھا جائے نہ کسی کو برا کہا جائے جو پڑھے پڑھے نہ پڑھے تو اس سے تعرض نہ کیا جائے تو مباح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

---

(۱) يسقط الترتيب بصير ورة الفوائت ستا ولو كانت متفرقة كما لو ترك صلاة صبح مثلا من ستة أيام وصلى ما بينهما ناسيا للفوائت الخ (رد المحتار' باب قضاء الفوائت ۲ / ۶۸ ط سعيد)
(۲) وإذا فسدت الفريضة لا يبطل أصل الصلاة عند أبي حنيفة وابي يوسف و عند محمد يبطل : لأن التحريمة عقدت للفرض الخ (رد المحتار' باب قضاء الفوائت ۲ / ۷۰ ط سعيد)

سلام علیکم کہنا

(سوال) اگر امام السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے الف کو ظاہر نہ کرے صرف سلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ المستفتی مولوی محمد رفیق دہلوی

(جواب ۷۶۴) یہ خلاف سنت ہے اور اس سے نماز میں کراہت آئے گی یہ جب کہ امام تلفظ میں ہی سلام علیکم کہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ الف لوگوں کے سننے میں نہیں آتا۔ امام تو السلام کہتا ہے لوگ سلام سنتے ہیں تو یہ مکروہ نہیں (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

محلّہ کی مسجد میں نماز افضل ہے

(سوال) زید کے مکان کے پاس ایک مسجد ہے اور زید کی متولی مسجد سے کسی قسم کی نااتفاقی ہو گئی اور اس نااتفاقی کی وجہ سے مسجد کو چھوڑ دے اور دوسری مسجد اختیار کرے اور کوئی اگر زید کو کہے کہ بھائی آپ کے مکان کے پاس مسجد ہونے کے باوجود آپ اتنا لمبا سفر کیوں کرتے ہیں تو جواب میں زید جھوٹ کہتے ہیں مسجد کے متولی صاحب نے مسجد کو قفل لگادیا ہے خاص کر میرے لئے اور مجھے منع کر دیا ہے تو ایسے آدمیوں کا کیا حکم ہے دوسری مسجد میں نماز اس کی ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے تو دونوں کے ثواب میں کوئی فرق ہے یا نہیں اور زید ایسے گناہوں کا مرتکب ہونے کے ساتھ دین کے دوسرے امور میں دوسروں کو تبلیغ کرتا ہے۔
المستفتی نمبر ۱۹۷۳ مرزا احمد حسین (گجرات) کاٹھیاواڑ ۷ ۲ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۷۶۵) اگر مسجد کے متولی نے زید کو مسجد میں آنے سے منع نہیں کیا تو زید کو مناسب نہیں کہ وہ دوسری مسجد میں نماز کے لئے جائے اور یہ بھی جائز نہیں کہ متولی کو خواہ مخواہ بدنام کرے۔ زید کی نماز دوسری مسجد میں ہو جاتی ہے مگر بلا وجہ معقول محلّہ کی مسجد چھوڑ دینی مناسب نہیں ہے (۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

خطبہ و نماز کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

(سوال) اس دفعہ ملتان کی بڑی عیدگاہ میں عیدگاہ کی منتظم کمیٹی نے لوگوں کی آسائش کو مدنظر رکھتے ہوئے امام کے آگے لاؤڈ اسپیکر (لوگوں کو دور آواز پہنچانے کا آلہ) رکھا جس پر خطبہ کے علاوہ نماز کی تکبیرات رکوع سجود و قرأت اور التحیات بھی امام نے بلند آواز سے آلہ پر پڑھی لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جو نماز پڑھائی گئی ہے ناجائز ہے۔ المستفتی نمبر ۲۰۹۸ مولوی غلام حیدر صاحب (ملتان)

---

(۱) قال في البحر: "وهو على وجه الأكمل أن يقول: "السلام عليكم و رحمة الله" مرتين فان قال السلام عليكم او سلام عليكم أو عليكم السلام أجزاه وكان تاركاً للسنة (رد المحتار' فصل في بيان تاليف الصلاة ۱/ ۵۲٦ ط سعيد)

(۲) ومسجد حيه أفضل من الجامع والصحيح أن ما ألحق بمسجد المدينة ملحق به في الفضيلة الخ (الدر المختار' باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها' مطلب في أفضل المساجد ۱/ ٦٥٩ ط سعيد)

۴ شوال ۱۳۵۶ھ ۸ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۷۶۶) خطبہ اور تکبیرات انتقال کے لئے لاوڈ اسپیکر کا استعمال کرنا تو مباح ہو سکتا ہے لیکن قرأت قرآن کے لئے نہیں اور التحیات کو زور سے پڑھنا تو امام کی جہالت پر مبنی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) محراب سے ہٹ کر جماعت کرنا
(۲) مسجد میں جماعت ثانیہ کا حکم
(۳) خطبہ جمعہ کے بعد اسکا ترجمہ پڑھنا
(۴) عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا افضل ہے

(سوال) (۱) اگر امام اصل مقام اور مقررہ جگہ یعنی محراب چھوڑ کر مسجد ہی میں کسی دوسری جگہ یا اس کے فرش پر گرمی کے سبب یا کسی شخص کے کہنے پر پہلی جماعت سے نماز پڑھائے تو نماز میں یا نماز کی اصلیت میں یا اس کی فضیلت میں کوئی فرق آئے گا یا نہیں؟
(۲) مسجد میں ثانی جماعت سے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے کیا اس کے لئے کوئی خصوصیت ہے؟
(۳) خطبہ جمعہ میں خطبہ اولیٰ عربی کے بعد اس کا ترجمہ اردو نظم یا نثر میں پڑھنا کیسا ہے؟
(۴) امام کا ٹوپی پہن کر نماز پڑھانا اور عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا ان دونوں میں کیا فرق ہے؟
المستفتی نمبر ۲۱۵۲ محمد ظہیر (ضلع ناسک) ۲۸ شوال ۱۳۵۶ھ م یکم جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۷۶۷) (۱) محراب میں کھڑا ہونا افضل ہے اور گرمی کی وجہ سے باہر کھڑا ہونا مگر امام محراب کے مقابل کھڑا ہو تو اس میں بھی مضائقہ نہیں ہے اور محراب سے شمالاً یا جنوباً ہٹ کر کھڑا ہونا پہلی جماعت میں بغیر عذر مکروہ ہے گرمی کا عذر کافی نہیں(۱)
(۲) جس مسجد میں نماز باجماعت مقرر ہو اس میں دوسری جماعت مکروہ ہے (۲)
(۳) اردو نظم و نثر خطبے میں خلاف اولیٰ ہے(۳)
(۴) ٹوپی پہن کر نماز پڑھانا جائز ہے مگر عمامہ کے ساتھ افضل ہے (۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) قال الشامی : " (ویقف وسطا) قال فی المعراج وفی مبسوط بکر . " السنة ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان ولو قام أحد جانبی الصف یکرہ ... والأصح ماروی عن أبی حنیفة أنه قال :" اکرہ أن یقوم بین الساریتین أو فی زاویة أو ناحیة المسجد أو إلی ساریة "لأنه خلاف عمل الأمة (باب الأمامة ۱/ ۵۶۸ ط سعید)
(۲) ویکرہ تکرار الجماعة ... فی مسجد محلة الخ (التنویر و شرحه' باب الإمامة ۱/ ۵۵۲ ط سعید)
(۳) لا شك فی ان الخطبة بغیر العربیة خلاف السنة المتوارثة من النبی ﷺ والصحابة الخ (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة' باب الجمعة ۱/ ۲۰۰' ط سعید)
(۴) والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثة أثواب ' قمیص وإزار و عمامة أما لو صلی فی ثوب واحد متوحشابه جمیع بدنه کازار المیت یجوز من غیر کراهة الخ (حلبی کبیر' فروع فی الستر' ص ۲۱۶ ط سهیل اکیڈمی لاهور)

بے نمازی کے ہاتھ کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

(سوال) زید نماز نہیں پڑھتا ہے اس کے ہاتھ کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں اور اس کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۳۸۰ شیخ محمد قاسم صاحب (بلند شہر)
۲۵ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۴ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۷۶۸) تارک الصلوۃ سخت گناہ گار اور فاسق ہے اس کے ہاتھ کا کھانا کھانا اور اس کی کمائی اگر حلال طریق سے ہو مسجد میں لگانا درست تو ہے لیکن اگر زجراً اس کے ہاتھ کا کھانا نہ کھایا جائے اور اس کے پیسہ کو مسجد میں نہ لگایا جائے تو بہتر ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

بے نمازی کا جنازہ پڑھا جائے

(سوال) عام مسلمان سالہا سال بالکل نماز نہیں پڑھتے کبھی سال کے بعد بعض مسلمان رمضان شریف میں نماز صرف ایک ماہ کے لئے پڑھ لیتے ہیں بعد ازاں پھر چھوڑ دیتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جمعتہ الوداع اور عید الفطر اور عید الضحی پڑھ لیتے ہیں پھر کنارے ہو جاتے ہیں اور بہتیرے مسلمان ایسے بھی ہیں جو کہ ارکان خمسہ سے بالکل ناواقف ہیں اور جنہوں نے اپنی حیات میں اپنے سر کو سجدہ کے لئے نہیں جھکایا ہے اور پھر وہ اپنے آپ کو مسلمان بننے کا دعوی رکھتے ہیں آیا کہ تارک الصلوۃ شرعاً کافر ہے یا گناہ گار ہے اگر تارک الصلوۃ مر جائے شرع شریف کے قانون سے اس شخص کا جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۲۴۶۹ وزیر حسین صاحب (لاہور چھاؤنی) ۵ صفر ۱۳۵۸ھ م ۲۷ مارچ ۱۹۳۹ء

(جواب ۷۶۹) ترک نماز گناہ کبیرہ اور قریب بکفر ہے لیکن جو شخص کہ فرضیت نماز کا منکر نہ ہو صرف تارک ہو وہ فاسق اور انتہا درجہ کا گناہ گار ہے مگر کافروں کے احکام اس پر جاری نہیں ہوں گے بے نمازی کا جنازہ ایک دو مسلمان پڑھ کر دفن کر دیں اور مسلمان زجراً شریک نہ ہوں تو یہ جائز ہے۔(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

قرآن مجید سے پانچوں نمازوں کا ثبوت

(سوال) پانچ وقت نماز کے دلائل کون کون سی آیت سے معلوم ہوتے ہیں ؟
المستفتی نمبر ۲۵۴۲ حاتم احمد (بنگال) ۷ ۲ شعبان ۱۳۵۸ھ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء

(جواب ۷۷۰) قرآن مجید میں کئی مقامات پر آیات ہیں ان میں سے یہ آیت بھی ہے فسبحن اللہ حین

---

(۱) وتارکھا عمدا مجانة ای تکاسلا فاسق یحبس حتی یصلی لانه یحبس بحق العبد فحق الحق أحق (التنویر و شرحه کتاب الصلاة ۱/۳۵۳ ط سعید)
(۲) وتارکھا عمدا مجانة ای تکاسلا فاسق یحبس حتی یصلی لانه یحبس بحق العبد فحق الحق أحق (التنویر و شرحه کتاب الصلاة ۱/۳۵۳ ط سعید)

تمسون و حین تصبحون (الآیۃ)(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مسجد میں باآواز بلند سورہ کہف پڑھنا
(۲) بعد نماز بلند آواز سے کلمہ پڑھنا کیسا ہے؟

(سوال) (۱) بوقت خطبہ مسجد میں جمعہ کے دن سورہ کہف کا دور باآواز بلند ایک ایک رکوع کر کے پڑھتے ہیں نووارد مصلیان کی نمازوں میں نقصان آتا ہے بلکہ نماز جمعہ کا اور خطبہ کا تضیع اوقات ہو جاتا ہے اس طرح کا پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟
(۲) جماعت کے ختم ہوتے ہی فوراً کلمہ طیبہ کا ذکر بالجہر کیا کرتے ہیں ۳ مرتبہ۔ لا الہ الا اللہ الا اللہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلعم.
المستفتی نمبر ۲۶۰۱ سیٹھ قاسم باو گجرات۔ ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ
(جواب ۷۷۱) (۱) سورہ کہف آواز بلند سے مسجد میں پڑھنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل آئے ناجائز ہے(۲)
(۲) اسی طرح نماز کے بعد کلمہ طیبہ کو بلند آواز سے پڑھنے کی رسم بھی درست نہیں اتنی آواز سے کہ کسی نمازی کی نماز میں خلل نہ آئے سلام کے بعد کلمات ماثورہ کو پڑھنا جائز ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کپڑے سے منہ ڈھانپ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے

(سوال) زید نماز کی حالت میں اپنے منہ کو کپڑے سے چھپا لیتا ہے۔ یہ کیسا ہے؟
المستفتی نمبر ۲۷۷۸ ۔ ۵ صفر ۱۳۶۳ھ
(جواب ۷۷۲) منہ اور ناک کپڑے سے ڈھانک لینا نماز میں مکروہ ہے حدیث شریف میں منہ ڈھانکنے کی ممانعت آئی ہے۔ نھی رسول اللہ ﷺ عن السدل فی الصلوٰۃ وان یغطی الرجل فاہ (مشکوٰۃ)(۴) مرقاۃ(۵) شرح مشکوٰۃ میں ہے کانت العرب یتلثمون بالعمائم و یجعلون اطرافھا تحت اعناقھم فیغطون افواھھم کیلا یصیبھم الھواء المختلط من حرا و برد فنھوا عنہ لا نہ یمنع حسن

---

(۱) (سورۃ الروم - ۱۷)
(۲) أجمع العلماء سلفاً و خلفاً علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا أن یشوش جھرھم علی نائم او مصل أو قاریٔ الخ (رد المحتار' باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا' مطلب فی رفع الصوت بالذکر ۱/ ۶۶۰ ط سعید)
(۳) یا یھا الناس اربعوا علی أنفسکم' فإنکم لا تدعون أصم ولا غائباً الحدیث (بخاری ' باب قول لا حول ولا قوۃ إلا باللہ ۲/ ۹۴۸-۹۴۹' ط قدیمی)
(۴) (باب الستر ص ۷۳ ط سعید)
(۵) (باب الستر' نھی عن السدل ۲/ ۲۳۶' ط امدادیہ' ملتان)

اتمام القراءۃ و کمال السجود (الی قولہ) وفی شرح المنیۃ یکرہ للمصلی ان یغطی فاہ او انفہ ۱

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نماز کے بعد مصافحہ بدعت ہے

(سوال) مسجد میں پنجگانہ نماز کے بعد پیش امام کو مقتدیوں سے مصافحہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۴۲۷ شیخ اعظم شیخ معظم (دھولیہ ضلع مغربی خاندیس)

۸ صفر ۱۳۵۸ھ م ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء

(جواب ۷۷۳) نماز کے بعد مصافحہ کی رسم بے اصل ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نقش جانماز پر نماز کا حکم

(سوال) متعلقہ جانماز منقش

(جواب ۷۷۴) مدینہ منورہ کے نقش کی جانماز استعمال کرنا مکروہ ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

عمداً تارک نماز فاسق ہے

(سوال) جو مسلمان نماز نہ پڑھتا ہو اور نہ اپنے تابعین کو تاکید کرتا ہو اس کی شادی یا میت میں یا جنازے کی نماز میں شریک ہونا یا اس کے ساتھ کھانا پینا یا اس سے کسی قسم کا لین دین کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۷۷۵) اسلامی فرائض میں سے نماز اہم ترین فرض ہے حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ خدا کے بندے (مسلمان) اور کافر کے درمیان نماز کا فرق ہے(۴) یعنی مسلمان خدا کی عبادت نماز ادا کرتا ہے اور کافر نماز نہیں پڑھتا جو لوگ نماز نہیں پڑھتے وہ سخت گنہگار اور فاسق ہیں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ترک نماز سے تائب ہو خود بھی نماز پڑھے اور دوسروں یعنی اپنے متعلقین کو بھی تاکید کرتا رہے اگر کوئی مسلمان ترک نماز پر اصرار کرے اور سمجھانے اور تاکید کرنے کو بھی خیال میں نہ لائے تو دوسرے مسلمانوں کو جائز ہے کہ وہ زجراً اس کے ساتھ کلام و سلام کھانا پینا ترک کر دیں(۵)

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، احقر مظہر الدین غفر لہ

---

(۱) (کراہیۃ الصلاۃ ص ۳۴۵ ط سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) وقد صرح بہ بعض علمائنا وغیرہم بکراہۃ المصافحۃ المعتادۃ عقب الصلوات مع ان المصافحۃ سنۃ وما ذلک الا لکونہا لم تؤثر فی خصوص ہذا الموضع الخ (رد المحتار، کتاب الجنائز، مطلب فی الدفن ۲: ۲۳۵ ط سعید)

(۳) ولا بأس بنقشہ خلا محرابہ فانہ یکرہ لانہ یلہی المصلی ویکرہ التکلف بدقائق النقوش ونحوہا الخ (التنویر و شرحہ باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا ۱: ۶۵۸ ط سعید)

(۴) (ترمذی، باب ماجاء فی ترک الصلوۃ ۲: ۹۵ ط سعید) (۵) وتارکہا عمداً مجانۃ ای تکاسلاً فاسق یحبس حتی یصلی لانہ یحبس لحق العبد فحق الحق احق الخ (التنویر و شرحہ، کتاب الصلاۃ ۱: ۳۵۳ ط سعید)

(۱) جیل میں اذان دی جائے یا نہیں ؟
(۲) جیل میں پانی نہ ملے تو تیمّم کیا جائے
(۳) جیل میں جماعت کرانا جائز ہے
(۴) احتجاجاً بھوک ہڑتال کا حکم

(از ہفتہ وار مسلم دہلی مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۲۲ء)

(سوال) (۱) جیل میں اگر اذان سے روک دیا جائے تو پھر کیا کرنا چاہئیے ؟(۲) جیل میں اگر پانی نہ ملے یا جیل والے عمداً پانی نہ لینے دیں تو نماز کی ادائیگی کے لئے کیا کرنا چاہئیے ؟(۳) جیل میں اگر وہ جماعت نماز نہ پڑھنے دیں تو کیا صورت ہوگی ؟(۴) مقاطعہ جوعی بطور احتجاج برخلاف بد سلوکی کیا جائے تو کیا حکم ہے ؟

المستفتی دفتر مجلس خلافت پنجاب (لاہور)

(جواب ۷۷۶) (۱) اذان دینے کی کوشش کرنی چاہئیے اور جب کہ کسی طرح جابر حکام اجازت نہ دیں تو بغیر اذان نماز پڑھ لی جائے(۱)

(۲) جیل میں اگر جابر حکام وضو کے لئے پانی نہ دیں اور کسی طرح پانی دستیاب نہ ہو یا اس کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمم سے نماز پڑھ لیں(۲)

(۳) جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت کے لئے کوشش کی جائے اور کسی طرح بھی اجازت نہ ملے تو فرداً فرداً نماز پڑھ لی جائے (۳)

(۴) مقاطعہ جوعی اس حد تک کہ ہلاکت کا گمان غالب نہ ہو جائے جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بے نمازی کی نماز جنازہ پڑھی جائے

(از الجمعیۃ سہ روزہ مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) بے نمازی یعنی جس شخص نے تمام عمر میں کبھی نماز نہیں پڑھی ایسے شخص پر نماز جنازہ درست ہے یا نہیں ؟

(جواب ۷۷۷) تارک الصلوۃ دانما حنفیہ کے نزدیک فاسق ہے کافر نہیں۔ اور فاسق کے جنازے کی نماز پڑھنی ضروری ہے بغیر نماز پڑھے دفن کر دینا جائز نہیں ہاں بے نمازیوں کو زجر کرنے کے لئے بزرگ اور

---

(۱) وهو سنة مؤكدة للفرائض في وقتها ولو قضاء الخ (تنوير الابصار' باب الأذان ۱ ۳۸٤ ط سعيد) بخلاف مصل ولو بجماعة في بيته بمصر أو قرية لها مسجد فلا يكره تركهما إذ أذان الحي يكفيه الخ (التنوير و شرحه' باب الأذان ۱ ۳۹۵ ط سعيد)

(۲) من عجز عن استعمال الماء لبعده ميلا أو لمرض أو برد أو خوف عدو تيمم (تنوير الأبصار' باب التيمم ۱/ ۲۳۲ تا ۲۳٦ ط سعيد)

(۳) والجماعة سنة مؤكدة للرجال وأقلها اثنان فتسن أو تجب على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج الخ (تنوير الابصار' باب الإمامة ۱ ۵۵۲ تا ۵۵٤ ط سعيد)

مقتدا نماز نہ پڑھیں معمولی درجہ کے لوگوں کو کہہ دیں کہ وہ نماز پڑھ کر دفن کر دیں۔ (۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عمداً تارک نماز فاسق ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) وہ کلمہ گو مسلمان جس نے عمر بھر نماز نہیں پڑھی اور سیکھی بھی نہیں مگر عقیدۃً نماز کو اچھا سمجھتا رہا اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے ؟

(جواب ۷۷۸) اگر وہ شخص توحید و رسالت اور ان چیزوں پر ایمان رکھتا تھا جن پر ایمان رکھنا ضروری ہے نماز کو فرض سمجھتا تھا تو صرف اس وجہ سے کہ اس نے نماز کبھی نہیں پڑھی اور نہ سیکھی کافر نہیں ہو گا ہاں وہ فاسق ضرور ہے مگر کفر کا حکم اس پر کرنا جائز نہیں البتہ اگر وہ نماز کی فرضیت سے بھی منکر ہو تو بلاشبہ کافر قرار دیا جائے گا (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

نماز کے بعد مصلے کو الٹ دینا

(الجمعیۃ مورخہ ۲ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) عام لوگ بعد نماز کے کونہ جانماز کا الٹ دیتے ہیں کیا یہ شرعاً جائز ہے ؟

(جواب ۷۷۹) جانماز کا کونہ الٹ دینے کی کوئی اصل نہیں نہ کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے اور جو وجہ مشہور ہے کہ شیطان اس پر نماز پڑھ لیتا ہے یہ غیر ثابت اور غیر معقول ہے ہاں بغرض حفاظت جانماز کو لپیٹ دینا تو درست ہے مگر صرف کونہ الٹ دینے میں کوئی حفاظت بھی نہیں۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نماز میں خیالات اور وساوس کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۸ء)

(سوال) نماز کے اندر انواع و اقسام کے تخیلات پیدا ہو جاتے ہیں اور خیالات منتشر رہا کرتے ہیں اس سے نماز میں کوئی نقص تو نہیں آتا ؟

(جواب ۷۸۰) غیر اختیاری خیالات سے نماز فاسد نہیں ہوتی حتی الامکان ان کو دفع کرنا چاہئیے (۳)

(۱) صلوا علی کل بر و فاجر الحدیث (کنز العمال ۶ / ۵۴ ط بیروت) وھی فرض علی کل مسلم مات خلا اربعۃ ... قطاع الطریق الخ (تنویر الأبصار' جنائز ۲ / ۲۱۰ ط سعید) وتارکھا عمدا مجانۃ ای تکاسلا فاسق یحبس حتی یصلی الخ (التنویر' و شرحہ کتاب الصلاۃ ۱ / ۳۵۳ ط سعید)

(۲) وتارکھا عمدا مجانۃ ای تکاسلا فاسق یحبس حتی یصلی لانہ یحبس لحق العبد فحق الحق أحق الخ (التنویر و شرحہ کتاب الصلاۃ ۱ / ۳۵۳ ط سعید) (۳) عن أبی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ : " إن تجاوز عن أمتی عما حدثت بہ أنفسھا مالم تعمل أو تتکلم بہ الخ (مسلم' باب بیان تجاوز اللہ عن حدیث النفس' ۱ / ۷۸ ط قدیمی کتب خانہ' کراچی)

نماز کب معاف ہوتی ہے

(سوال) نماز کب معاف ہوتی ہے ؟

(جواب ۷۸۱) جب انسان مرض کی وجہ سے بالکل ہوش وحواس سے عاری ہو جائے اور اسی حال پر چوبیس گھنٹے سے زیادہ گزر جائیں یا اتنا کمزور ہو جائے کہ سر سے صرف اشارہ کرنے کی بھی قدرت نہ ہو اور اسی حال پر ایک رات دن سے زیادہ ہو جائے تو ان نمازوں کی قضاء بھی اس کے ذمے نہیں ہوتی(۱) محمد کفایت اللہ

"اللہ اکبار" کہنا مفسد نماز ہے یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۳۴ء)

(سوال) اللہ اکبر کی باء کو جو فتحہ ہے کما حقہ ادا کرتے ہوئے راء کو خفیف سا کھینچ کر ادا کرنے میں نماز میں کیا نقصان ہوگا ؟

(جواب ۷۸۲) باکا فتحہ کھینچنے سے اگر اکبار ہو جائے تو نماز مکروہ ہوگی(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نماز میں تصور شیخ کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) تصور شیخ جو اکثر مشائخ اپنے مریدوں کو بتاتے ہیں مراقبہ میں یا نماز میں جائز ہے یا نہیں ؟ خصوصاً جب کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ ہو ؟

(جواب ۷۸۳) تصور شیخ کا مسئلہ تصوف کا مسئلہ ہے صوفیہ اس کو توحید خیال کے لئے مفید سمجھتے ہیں لیکن نماز کی حالت میں اصول فقہیہ کی رو سے اس کی اجازت دینی مشکل ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نمازی کے سامنے کتنے فاصلے پر گزرنا جائز ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) مصلی کے آگے سے کتنے فاصلے کے درمیان سے گزرنا گناہ ہے اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ موضع سجود کے درمیان سے گزرنا منع ہے موضع سجود کے مطالب میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ سجدہ کرنے

---

(۱) وإن تعذر الإيماء برأسه وكثرت الفوائت بأن زادت على يوم وليلة سقط القضاء عنه' وعليه الفتوى (التنوير و شرحه' باب صلاة المريض ' ۲/۹۹' ط سعيد)

(۲) "حلبي كبير" میں اس کو مفسد صلوٰۃ کہا ہے : وإن قال الله آكبار لا يصير شارعاً وإن قال في خلال الصلاة تفسد صلاته قيل لانه اسم من اسماء الشيطان و قيل لأنه جمع كبر بالتحريك وهو الطبل و قيل يصير شارعاً ولا تفسد صلاته لأنه أساء' و الاول أصح (ألاول تكبيرة الافتتاح' ص ۲۶۰ ط سهيل)

(۳) وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احداً الآية (جن: ۱۸) ولو تفكر في صلاة فتذكر حديثاً أو شعراً أو خطبةً أو مسئلةً يكره (عالمگيرية' باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱/۱۰۰' ط ماجديه' كوئته)

کی جگہ اور مصلی کے قدم کے درمیان سے گزرنا منع ہے اور اس کے باہر سے گزرنا جائز ہے بعض کہتے ہیں کہ مصلی کے آگے جو فرش پر صف بندی کی لکیر بنی ہوئی ہے یہی سترہ کے لئے کافی ہے اور اس خط کے باہر سے بلاضرورت بھی گزرنا جائز ہے

(جواب ۷۸۴) نماز پڑھنے والے کے آگے سے چھوٹی مسجد یا چھوٹے مکان میں گزرنا ناجائز ہے جب تک کہ اس کے آگے کوئی آڑ نہ ہو اور بڑی مسجد یا بڑا مکان یا میدان ہو تو اتنے آگے سے گزرنا جائز ہے کہ اگر نمازی اپنی نظر سجدہ کی جگہ پر رکھے تو گزرنے والا اسے نظر نہ آئے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) انتشار پھیلانے والا گناہ گار ہے
(۲) غیر مقلدین اہل السنۃ والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟
(۳) اہل حدیث کے پیچھے نماز عید کا حکم
(۴) عیدین میں عندالاحناف تکبیرات زوائد چھ ہیں
(۵) احناف کو اہل حدیث کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟
(۶) تراویح مع وتر تئیس رکعات مسنون ہیں
(۷) گیارہ رکعت تراویح کو سنت کہنا
(۸) عالم کی موجودگی میں غیر عالم کی امامت
(۹) حق بات کو چھپانا گناہ ہے
(الجمعیۃ مورخہ یکم فروری ۱۹۳۶ء)

(سوال) ہم لوگ جب کہ شرعی صدقہ فطر سے بالکل ناواقف تھے اور چرم قربانی کو بیچ کر اپنے مصرف میں لاتے تھے بلکہ بعض تو چرم قربانی بیچ کر تاڑی وغیرہ نشی و مسکر چیزیں پی جاتے تھے اس وقت سے آج تک علمائے اہل حدیث کے ساتھ عیدین کی نماز بے تکلف بارہ تکبیروں کے ساتھ پڑھتے رہے اور انہیں علمائے کرام کی بدولت شرعی مسائل سے واقف ہوئے صدقہ فطر نکالتے ہیں اور چرم قربانی کی قیمت مدارس اسلامیہ میں دیتے ہیں جس کو تیس چالیس برس کا عرصہ ہوتا ہے اس عرصے میں بڑے بڑے مشہور علمائے احناف آئے اور آتے رہتے ہیں اور اپنے مواعظ حسنہ سے مستفید فرماتے ہیں مگر آج تک کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ علمائے اہل حدیث کے پیچھے تم لوگوں کی نماز نہیں ہوگی اب کے سال چند بریلوی حضرات نے بڑی دھوم مچا رکھی ہے لوگوں کو ورغلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہو سکتی مندرجہ ذیل

---

(۱) و مرور مار فی الصحراء او مسجد کبیر بموضع سجوده فی الأصح أو مروره بین یدیه إلی حائط القبلة فی بیت و مسجد صغیر فإنه کبقعة واحدة مطلقا الخ (التنویر و شرحه) و فی الشامیه :" أنه قدرما یقع بصره علی المار لو صلی بخشوع أی رامیا بصره إلی موضع سجوده الخ (باب ما یفسده الصلاة وما یکره فیها ۱/۶۳۶' ط سعید)

سوالات کے جواب مرحمت فرمائیں۔
(۱) جماعت کا منتشر کرنے والا مجرم ہے یا نہیں؟ (۲) اہل حدیث سنت جماعت میں سے ہیں یا نہیں؟ (۳) علمائے اہلحدیث کے پیچھے احناف کی عیدین کی نماز ہوگی یا نہیں؟ (۴) عیدین کی نماز بارہ تکبیروں سے افضل ہے یا چھ تکبیروں سے؟ (۵) احناف اپنے کو اہل حدیث کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۶) تراویح کی نماز مع الوتر گیارہ رکعت افضل ہے یا تئیس؟ (۷) کوئی شخص تراویح کی نماز سنت سمجھ کر گیارہ رکعت پڑھے تو کیا وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجرم ہوگا؟ (۸) عالم کے موجود ہوتے ہوئے معمولی اردو خواں کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ (۹) حق بات کو چھپانے والا کیسا ہے؟

(جواب ۷۸۵) (۱) تفریق پیدا کرنے والا سخت گناہ گار ہے(۱) (۲) ہاں اہل سنت والجماعت میں داخل ہے(۲) (۳) ہو جائے گی مگر حنفی مقتدی چھ تکبیریں کہیں(۳) (۴) حنفیہ کے نزدیک چھ تکبیروں سے ہے(۴) (۵) اصطلاحی معنی سے نہیں کہہ سکتے (۶) تئیس رکعت افضل اور مسنون ہیں(۵) (۷) مجرم تو نہ ہوگا مگر تارک افضل وراجح ہوگا(۶) (۸) ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی(۷) (۹) ضرورت بیان کے موقع پر حق کو چھپانے والا گناہ گار ہے(۸) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نماز میں کیا تصور کیا جائے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۲ جون ۱۹۳۸ء)

(سوال) جب انسان نماز پڑھنے کھڑا ہو تو اس کو ہمہ تن خالق دو عالم کی طرف رجوع ہو جانا چاہئے اور دل میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی قسم کا خیال نہیں گزرنا چاہئیے ایسی تصورات میں نماز کی رکعات کا شمار اور رکوع و

---

(۱) قوله تعالى ص" واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا" الآية (آل عمران : ۱۰۳) وقوله تعالى : " ولا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم" (انفال : ٤٦)
(۲) جو غیر مقلدین تقلید کو شرک کہیں ائمہ اربعہ پر طعن اور سب و شتم کریں اور اہل السنت والجماعت کے اجماعی مسائل کا انکار کریں وہ اہل السنت والجماعت سے خارج ہیں۔
(۳) جو غیر مقلدین تقلید کو شرک کہیں اور اہل سنت والجماعت کے اجماعی مسائل کا انکار کریں وغیرہ وہ مبتدع ہیں ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے (امداد الفتاویٰ باب الإمامة والجماعة ۱/ ۲۵۳ ط مکتبہ دار العلوم کراچی)
(٤) وهي ثلث تكبيرات في كل ركعة الخ (الدرالمختار' باب العيدين ۲/ ۱۷۲' ط سعيد)
(٥) و عن يزيد بن رومان أنه قال : " كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلاث و عشرين ركعة (آثار السنن' باب التراويح بعشرين ركعة' ص ۲۰۵' ط امداديه)
(٦) وهي عشرون ركعة (درمختار) و في الشاميه : " هو قول الجمهور' و عليه عمل الناس شرقا و غربا الخ (باب الوتر والنوافل' مبحث التراويح ۲/ ٤٥ ط سعيد)
(٧) والأحق بالإمامة تقديماً' بل نصباً الأعلم بأحكام الصلاة' ثم الأحسن تلاوة و تجويداً للقراءة الخ (التنوير و شرحه' باب الإمامة ۱/ ۵۵۷' ط سعيد)
(٨) إن الذين يكتمون ما أنزلنا من البينت والهدى من بعد ما بيناه للناس في الكتب أولئك يلعنهم الله و يلعنهم اللعنون (بقرة: ۱۵۹)

سجود کا خیال رکھنا مشکل ہے اگر نماز کی ترتیب اور شمار رکعات کا خیال رکھے تو اللہ تعالیٰ کا خیال قائم نہیں رہ سکتا۔ ؟

(جواب ۷۸۶) نماز میں صرف اللہ تعالیٰ کا خیال رہنا چاہئے اس کا مطلب یہ ہے کہ نمازی ہمہ تن اس تصور میں غرق ہو کہ میرا معبود اور مسجود اللہ تعالیٰ ہے اور میں اس کے سامنے کھڑا ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور اگر خیال اتنا قوی ہو جائے کہ گویا میں خدا کو دیکھ رہا ہوں تو سبحان اللہ! بہر حال اس خیال اور تصور کے ساتھ قیام' رکوع' سجود اور رکعات کی تعداد کا تصور جمع ہو سکتا ہے اور ارکان کے تصور سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تعالیٰ کا جو تصور مطلوب ہے وہ باقی نہ رہے۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کفایت المفتی جلد سوم ختم ہوئی اس کے بعد جلد چہارم ہے

(۱) أن تعبد الله كأنك تراه وإن لم تكن تراه فإنه يراك الحديث (مسلم' كتاب الإيمان ۲۷/۱' ط قديمى كتب خانه' كراچى)

كتاب الجنائز

پہلا باب

توبہ دم واپسیں

جان کنی کے وقت کی توبہ قبول ہے مگر ایمان قبول نہیں

(سوال) زید کہتا ہے کہ توبہ موت کے وقت بالکل آخری سانس میں معتبر ہے اس لئے کہ احادیث میں وارد ہے کہ **انما الاعمال بالخواتیم** (۱) چنانچہ فرعون جب غرق ہونے لگا اور اقرار ایمان کرنے لگا تو جبرئیل علیہ السلام نے اس کے منہ میں مٹی بھر دی اس خوف سے کہ مبادا اس کا ایمان مقبول ہو جائے اور فرعون نے غرق کے وقت اور قارون نے خسف (دھنسنے) کے وقت حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استغاثہ (مدد طلب کرنا) کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا نہ فرمائی جب فرعون غرق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو خطاب فرمایا کہ اے موسیٰ اگر فرعون مجھ کو پکارتا اور میری طرف رجوع کرتا میں اس کو نجات دیتا اسی طرح قارون کے خسف کے بعد بھی خطاب فرمایا تو آخری وقت کی توبہ مقبول نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایسا کیوں فرماتا حالانکہ دونوں عین عذاب میں تھے۔

عمرو کہتا ہے کہ بالکل آخری سانس میں توبہ کا اعتبار نہیں ہے عذاب کے فرشتے دیکھنے سے پہلے مقبول ہے اس کے بعد معتبر نہیں جیسا کہ نص قطعی وارد ہے **وليست التوبة للذين يعملون السيئات حتى اذا حضر احدهم الموت قال انى تبت الان ولا الذين يموتون وهم كفار** (۲) اب اس صورت میں اور آیت کلام الٰہی میں تعارض معلوم ہوتا ہے تطبیق کی کیا صورت ہے اور آخری وقت کی توبہ مقبول ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱) ایسے وقت میں کہ مریض پر اسباب عذاب ظاہر ہو جائیں اور زندگی کی امید منقطع ہو جائے ایمان لانا بالاتفاق مقبول نہیں یعنی اگر مریض کافر ہو اور اس ناامیدی اور مشاہدہ عذاب کی حالت میں ایمان لانا چاہے یا ایمان لے آئے تو یہ ایمان بالاتفاق مقبول نہیں **اما ايمان الياس فمذهب اهل الحق انه لا ينفع عند الغرغرة ولا عند معاينة عذاب الاستيصال لقوله تعالى فلم يك ينفعهم ايمانهم لما رأوا باسنا ولذا اجمعوا على كفر فرعون كما رواه الترمذى** (۳) **فى تفسيره فى سورة يونس الخ**

---

(۱) بخاری شریف باب العمل بالخواتیم ۲/۹۷۸ ط قدیمی --- ترمذی شریف ابواب القدر ۲/۳۵ ط سعید
(۲) النسآء ۱۸
(۳) عن ابن عباسؓ ذکر احدهما عن النبی ﷺ انه ذكر ان جبرئيل يدس فى فى فرعون الطين خشية ان يقول لآ اله الا الله فيرحمه الله او خشية ان يرحمه (ترمذی ابواب التفسير ۲/۱۴۳ ط سعيد)

(رد المحتار) (۱) وفیہ فی اول الجنائز والحاصل ان المسئلة ظنية واما ایمان الیاس فلا یقبل اتفاقا (۲) باقی توبہ یاس یعنی اگر مریض مسلمان ہو اور وہ اپنے گناہوں سے اس حالت یاس و ناامیدی میں توبہ کرے تو یہ توبہ مقبول ہے یا نہیں اس میں علمائے اہل سنت کے دو قول ہیں اول یہ کہ یہ توبہ حالت یاس و غرغرہ کی مقبول نہیں اور اس قول کے قائلین نے اپنی دلیل میں یہ آیت ولیست التوبة (۳) اور حدیث ان الله یقبل توبة العبد مالم یغرغر (۴) پیش کی ہے اس آیت اور حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور موت و حالت غرغرہ و مشاہدہ عذاب میں توبہ معتبر نہیں قال فی المدارك (۵) تحت قوله تعالی ثم یتوبون من قریب ای من زمان قریب وهو ما قبل حضرة الموت الا تری الی قوله تعالی حتی اذا حضرا حدهم الموت فبین ان وقت الاحتضار هو الوقت الذی لا تقبل فیه التوبة و عن ابن عباس قبل ان ینظر الی ملك الموت و عنه ﷺ ان الله یقبل توبة العبد مالم یغر غرا نتهی مختصرا و فی رد المحتار اول الجنائز اقول قال فی اواخر البزازية قیل توبة الیاس مقبولة لا ایمان الیاس و قیل لا تقبل کایمانه لا نه تعالی سوی بین من اخر التوبة الی حضور الموت من الفسقة والکفار و بین من مات علی الکفر فی قوله و لیست التوبة الایة – کمافی الکشاف (۶) والبیضاوی (۷) والقرطبی (۸) دوسرا قول یہ ہے کہ توبہ یاس مقبول ہے اس قول کی دلیل یہ آیت پیش کی ہے (۹) وهو الذی یقبل التوبة عن عباده (۱۰) اور آیہ (۱۱) ان الله لا یغفر ان یشرك به و یغفرما دون ذلك لمن یشاء والمسطور فی الفتاوی ان توبة الیاس مقبولة لا ایمانه لان الکافراجنبی غیر عارف بالله تعالی و یبدأ ایمانا و عرفانا والفاسق عارف و حاله حاله البقاء والبقاء اسهل والد لیل علی قبولها مطلقا اطلاق قوله تعالی وهو الذی یقبل التوبة عن عباده اه (رد المحتار) (۱۲) وقال سعید بن جبیر نزلت الایة الاولی فی المؤمنین یعنی قوله انما التوبة علی الله والوسطی فی

---

(۱) باب المرتد مطلب اجمعوا علی کفر فرعون ۴/۲۳۱ ط سعید)
(۲) باب الجنائز مطلب فی قبول توبة الیاس ۱/ ۱۹۱ ط سعید)
(۳) پوری آیت یوں ہے ولیست التوبة للذین یعملون السیات حتی اذا حضر احد هم الموت قال انی تبت الآن ولا الذین یموتون وهم کفار اولئك اعتدنا لهم عذابا الیما النسآ ۱۸
(۴) ترمذی شریف ابواب الدعوات باب ماجاء فی فضل التوبة والاستغفار ۲/ ۱۹۴ ط سعید
(۵) ۱/ ۲۹۹ قدیمی کتب خانہ کراچی
(۶) فان قلت من المراد بالذین یعملون السیات اهم الفساق من اهل القبلة ام الکفار ؟ قلت فیه وجهان احدهما ان یراد الکفار لظاهر قوله " وهم کفار" وان یراد الفساق لان الکلام انما وقع فی الزانیین والا عراض عنهما ان تابا واصلحا ویکون قوله" وهم کفار " واردا علی سبیل التغلیظة (تفسیر کشاف ۱/ ۴۸۹ ط دار الکتاب بیروت)
(۷) ۱۷۶
(۸) الجزء الخامس ۳/ ۶۲ ط دار الکتب العلمیه بیروت
(۹) الشوری ۲۰
(۱۰، ۱۱) النسآ : ۴۸ ، ۱۱۶
(۱۲) باب صلاة الجنائز مطلب فی قبول توبة الیاس ۲/ ۱۹۱ ط سعید

المنافقین یعنی قولہ ولیست التوبۃ والاخری فی الکافرین یعنی قولہ ولا الذین یموتون وھم کفار – واذا کانت الایۃ نزلت فی المنافقین فلا وجہ لحملھا علی المؤمنین و علی تقدیر ان تکون الایۃ نازلۃ فی عصاۃ المؤمنین فقدروی عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ و لیست التوبۃ للذین یعملون السیئات الایہ ثم انزل اللہ بعد ذلک ان اللہ لا یغفران یشرک بہ و یغفر مادون ذلک لمن یشاء فحرم اللہ المغفرۃ علی من مات وھو کافر وارجاء اھل التوحید الی المشیئۃ ولم یؤیسھم من المغفرۃ فعلی ھذا القول تکون الایۃ منسوخۃ فی حق المؤمنین انتھیٰ (تفسیر خازن) (۱) اور یہی قول فتاویٰ حنفیہ میں اختیار کیا گیا ہے اور خداوند تعالیٰ کی وسعت رحمت کے شایان شان ہے توبۃ الیاس مقبولۃ دون ایمان الیاس درر (درمختار)(۲) واختلف فی قبول توبۃ الیاس والمختار قبول توبتہ لاایمانہ (درمختار) (۳) باقی زید کا یہ قول کہ آخری سانس کا اعتبار ہے اگر اس سے مراد یہ ہے کہ آخری سانس کا ایمان بھی معتبر ہے تو یہ قول قرآن وحدیث اور جمہور علماء کے خلاف ہے جیسا کہ شروع جواب میں ہم نے تصریحاً لکھا ہے کہ ایمان یاس اتفاقاً غیر مقبول ہے اور حدیث انما الاعمال بالخواتیم (۴) سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایمان یاس مقبول ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ انسان کے اعمال وہ معتبر ہیں جن پر اس کا خاتمہ ہو اس پر حدیث دلالت نہیں کرتی کہ ایمان غرغرہ مقبول ہے اور فرعون و قارون کے متعلق جو قصے نقل کئے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب فرمایا کہ اگر فرعون مجھ کو پکارتا (الخ) تو اول تو قصے سند صحیح سے ثابت نہیں دوسرے ان سے بھی ایمان یاس کا مقبول ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس ثابت ہوتا ہے (۵) امنت بالذی امنت بہ بنو اسرائیل کہنا تو قرآن مجید سے ثابت ہے اور اس کا مقبول نہ ہونا (۶) الیوم ننجیک الخ سے ظاہر ہے پھر اگر مجھ کو پکارتا ہے مراد ایمان کے سوا اور کسی طرح کا پکارنا ہے تو ایمان یاس کے مقبول ہونے یا نہ ہونے کو اس سے کیا تعلق اور اگر پکار سے پکار ایمان کی مراد ہے تو اس کا موجود ہونا اور نجات کا حاصل نہ ہونا قرآن سے ثابت ہے اور عمرو کا یہ قول کہ آخری دم کی توبہ بھی مقبول نہیں اگرچہ بعض علماء کا قول ہے لیکن مختار اور راجح اس کے خلاف ہے اور آیہ ولیست التوبۃ سے عدم قبول توبہ یاس پر استدلال کرنے کا جواب خازن کی عبارت منقولہ سے واضح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) ۱/۴۱۶ مطبع محمد علی مصر
(۲) باب المرتد ۴/۲۳۰ ط سعید
(۳) باب صلاۃ الجنائز ۲/۱۹۰ ط سعید
(۴) دیکھئے صفحہ ۲۹ کا حاشیہ نمبر ۱
(۵) یونس : ۹۰
(۶) یونس : ۹۲

دوسرا باب
تجہیز و تکفین میت
فصل اول تجہیز و تکفین

میت کی قمیص کو سیا جائے یا نہیں ؟

(سوال) بعد غسل میت خواہ مرد ہو یا عورت جو کہ پیرہن پہنایا جاتا ہے وہ بصورت قمیص سینا چاہئیے یا کہ صرف گلے کی طرف سے کاٹ کر پہنادینا چاہئیے المستفتی نمبر ۳۵ معین اللہ طرفدار (ضلع میمن سنگھ) ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ م ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۲) قمیص کو سی کر پہنانا بہتر ہے کیونکہ قمیص کا اطلاق اس کفنی یا پیرہن پر نہیں ہوتا جو صرف گلا پھاڑ کر میت کے نیچے اوپر ڈال دیا جاتا ہے ہاں فقہا(۱) نے یہ اجازت دی ہے کہ میت کی قمیص میں کلیاں نہ ڈالی جائیں تو مضائقہ نہیں۔

میت کو غسل دینے سے جسم پھٹنے کا خطرہ ہو تو صرف پانی بہانا کافی ہے

(سوال) احقر کے گھر سات ماہ کا بچہ مردہ پیدا ہوا تھا اس کا جسم سوجا ہوا تھا اور تمام جسم چھالے کی طرح پہلے ہی سے تھا رات کے تقریباً بارہ بجے پیدا ہوا تھا صبح جب نہلانے لگے تو تمام جسم لہو سے بھرا ہوا تھا اور ہاتھ لگانے سے تمام جسم علیحدہ علیحدہ ہو جانے کا خطرہ بھی تھا کیونکہ جسم چھالے کی طرح ہو گیا تھا بچے کو ڈر کی وجہ سے کہیں علیحدہ علیحدہ نہ ہو جائے نہلایا نہیں گیا ویسے ہی ایک سفید کپڑے میں دفن کر دیا گیا احقر کو ڈر ہے کہ کہیں خدا کے سامنے جواب دہی نہ ہو۔ المستفتی نمبر ۷۹۱ محمد نور بدیعی (ضلع جالندھر) ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲ مارچ ۱۹۳۶ء

(جواب ۳) اگر مردہ پیدا شدہ بچے کا جسم غسل دینے کے قابل نہ تھا تو بلا غسل دفن کر دینے میں کوئی مواخذہ انشاء اللہ نہ ہوگا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مردوں کو غسل دینے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا

(سوال) ہمارے اطرف میں یہ قاعدہ رائج ہے کہ جس کو امام مقرر کرتے ہیں اس پر عرفاً غسل اموات لازم

---

(۱) حضرت نے قمیص کو سی کر پہنانے کو ترجیح دی ہے جب کہ دیگر فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ قمیص سلی ہوئی نہ ہو اور عمل اسی پر ہے والقمیص من اصل العنق الی القدمین بلا دخریص (رد المحتار : باب صلاۃ الجنائز ۲/۲۰۲ ط سعید)

(۲) وان لم یستهل ادرج فی خرقه و لم یصل علیه' و یغسل فی غیر ظاهر الروایة (هندیة : باب الجنائز ۱/۱۰۹ ط کوئٹه) ولو کان المیت متفسخا یتعذر مسحه کفی صب المآء علیه (هندیة باب الجنائز ۱/۱۵۸ ط کوئٹه)

ہوتا ہے خواہ وہ خود غسل دے یا کسی کو اپنا قائم مقام بنائے اس کام کا معاوضہ اس کے لئے متعین نہیں ہوتا بقدر وسعت اسقاط میت میں سے کچھ دے دیتے ہیں صدقۃ الفطر دے دیتے ہیں عشر میں سے بھی کچھ دے دیتے ہیں اس امام کی اقتدا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ٤) اگر مردہ شوئی (مردے کو غسل دینا) باجرت نہ ہو اور افعال خلاف مروت و خلاف مکارم اخلاق امام سے سرزد نہ ہوتے ہوں تو اس کی امامت جائز ہے مکروہ نہیں ہے اور اگر غسال اجرت لیتا ہو اور بد اخلاقی کے اعمال اس سے صادر ہوتے ہوں تو اس کی امامت مکروہ ہوگی کیونکہ ایسے شخص کو لوگ نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ

شوہر بیوی کی میت کو دیکھ سکتا ہے ہاتھ نہیں لگا سکتا

(سوال) (۱) ایک شخص کی بیوی کا انتقال ہو گیا اب وہ اپنی مرحومہ بیوی کو برہنہ چھو سکتا ہے یا مرحومہ کو کفنائے ہوئے کپڑے پر ہاتھ لگا سکتا ہے یا نہیں اور کسی قسم کا تعلق مرحومہ کا اپنے زندہ شوہر سے باقی رہتا ہے یا نہیں ؟

(۲) مرد کے کفن میں ایک تہبند بڑھا دینا اور اسی طرح عورت کے کفن میں تہبند بڑھا دینا درست ہے یا نہیں اور تعداد کفن بڑھا دینے سے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۱۱۴۸ محمد یوسف صاحب پیش امام جامع مسجد قصبہ چھپرولی (ضلع میرٹھ) ۷ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۶ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ٥) (۱) مرد اپنی مردہ بیوی کو بغیر کپڑے کے چھو نہیں سکتا ہاں کپڑے پر سے ہاتھ لگا لے تو مضائقہ نہیں دیکھنا اور قبر میں اتارنا جنازہ کو کندھا دینا یہ سب جائز ہے (۲) اگر میاں بیوی دونوں جنت میں پہنچیں گے تو بیوی اپنے شوہر کو ملے گی (۳) (۲) کفن میں مرد کو تین کپڑوں سے زیادہ اور عورت کو پانچ کپڑوں سے زیادہ دینا ناجائز ہے۔(۴) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

غسل اور تکفین کے بعد خارج شدہ نجاست کا دھونا ضروری نہیں

(سوال) میت کے کفن کو جو ملوث اس کی نجاست سے ہو گیا نماز سے قبل دھونا ضروری ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۳۴۱ حافظ محمد اسماعیل صاحب (آگرہ) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۶ جون ۱۹۳۸ء

---

(۱) وولد الزنا اذ لیس ... او لنظرة الناس عنه (رد المحتار' باب الامامة ۱/۵۶۲ ط سعید)

(۲) ويمنع زوجها من غسلها و مسها لامن النظر اليها على الاصح (الدر المختار' باب صلاة الجنائز ۲/۱۹۸ ط سعيد)

(۳) ولانه صح الخبر بان المراة لآخر ازواجها اى اذا مات' وهي في عصمته (رد المحتار باب صلاة الجنائز ۲/۲۱۲ ط سعيد)

(٤) واما الكلام في كميته فنقول : اكثر ما يكفن فيه الرجل ثلاثة اثواب' عن علىؓ' انه قال' كفن المراة خمسة اثواب' و كفن الرجل ثلاثة و لا تعتدوا ان الله لا يحب المعتدين (بدائع' احكام الجنائز ۱/۳۰۶ ط سعيد) اور ایک قول کے مطابق تین سے زیادہ کی بھی گنجائش ہے' ولا باس بالزيادة على الثلاثة كذافي النهر' رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۲/۲۰۲ ط سعيد)

(جواب ٦) غسل اور تکفین کے بعد بدن سے نکلی ہوئی نجاست سے کفن ملوث ہو جائے تو اس کو دھونا ضروری نہیں اذا تنجس الکفن بنجاسۃ المیت لا یضر دفعا للحرج (رد المحتار) (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

عالم کی میت کو بھی عمامہ باندھنا مکروہ ہے

(سوال) (۱) عالم معتبر میت کے لئے عمامہ بندھوانا درست ہے یا نہیں جواب۔ عالم معتبر کے لئے عمامہ بندھوانا درست ہے لآلی فاخرہ میں عالمگیری (۲) اور بحر الرائق (۳) سے لکھا ہے کہ عالم و شریفوں کے لئے درست ہے اور متاخرین علماء عمامہ کو بہتر کہتے ہیں چنانچہ ابن عمرؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ وہ میت کو عمامہ بندھواتے اور شملہ منہ کی طرف چھوڑتے تھے انتہی پس عمامہ عالم میت کے لئے بندھوانا درست ثابت ہوا۔

(۲) وقت حضور جنازہ و فقط ولی میت اور امام نماز جنازہ کو حال مردہ سے (ووٹ) شہادت لینا درست ہے یا نہیں زید کہتا ہے کہ درست نہیں لحدیث لا تذکروا موتا کم الابخیر فانھم ان یکونوا فی اھل الجنۃ فاثموا وان کانوا فی اھل النار فحسبھم ماھم فیہ (۴) لہذا مردے کو بدنام کرنا درست نہیں ہے انتہی اور عمرو کہتا ہے کہ مردے کے حال سے ولی میت کو پوچھنا اور شہادت لینا درست ہے لحدیث انس مروا بجنازۃ علی رسول اللہ ﷺ فاثنوا علیھا خیرا فقال وجبت الحدیث متفق علیہ (۵) ابوھریرہ فان العبد لیموت فیثنی علیہ القوم الثناء یعلم منہ غیرہ فیقول اللہ تعالیٰ للملائکۃ اشھد کم انی قد غفرت و قبلت شھادۃ عبدی علی عبیدی و تجاوزت عن علمی فی عبدی و عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ عن ربہ عزو جل ما فی عبد مسلم یموت فیشھد لہ ثلاثۃ ابیات من جیرانہ الابخیر الا قال اللہ عزو جل قد قبلت شھادۃ عبادی علی ما علموا و غفرت لہ ما اعلم انتھی احیاء جزء رابع مصری ص ۴۲۱ المستفتی نمبر ۲۶۲۷ مولوی محمد ابراہیم صاحب مدرسہ محمدیہ کاشی پور ۲ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ ۹ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۷) (۱) عالم کی میت کے سر پر عمامہ باندھنے کی اگرچہ بعض متاخرین نے اجازت دی ہے لیکن بہتر

(۱) ۲۰۸/۲ باب صلاۃ الجنائز ط سعید

(۲) و لیس فی الکفن عمامۃ فی ظاھر الروایۃ و فی الفتاوی استحسنھا المتاخرون لمن کان عالما و یجعل ذنبھا علی وجھہ (ھندیہ باب الجنائز الفصل الثالث فی التکفین ۱/ ۱۶۰ مکتبہ ماجدیہ

(۳) و تکرہ العمامۃ فی الاصح و فی فتح القدیر واستحسنھا بعضھم لماروی عن ابن عمر انہ کان یعممہ و یجعل الذنب علی وجھہ وفی الظھیریہ استحسنھا بعضھم للعلماء والاشراف فقط (البحر الرائق ۲/ ۱۸۹ شرکت علاالدین بیروت)

(۴) اتحاف سادۃ المتقین ۴/ ۴۹۰ ط بیروت

(۵) بخاری باب ثناء الناس علی المیت ۲/ ۸۲ ط قدیمی و مسلم کتاب الجنائز فصل فی وجوب الجنۃ والنار بشھادۃ المؤمنین بالخیر والشر ۱/ ۳۰۸ ط قدیمی

اور سنت کے موافق یہی ہے کہ عمامہ نہ باندھا جائے (۱) خود آنحضرت ﷺ کو عمامہ نہیں باندھا گیا تو حضور انور ﷺ سے زیادہ عمامہ کا مستحق اور کون ہو سکتا ہے۔

نماز جنازہ کے وقت ولی یا امام کو میت کے اعمال کے متعلق شہادت لینا درست نہیں لوگوں کو چاہئے کہ وہ خود میت کے محاسن یعنی نیکیوں اور خوبیوں کا ذکر کریں اور اس کی برائیوں کا تذکرہ نہ کریں۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

زمزم سے دھویا ہوا کفن پہنانا جائز ہے

(سوال) یہاں کھلوڑ میں تقریباً دو ہفتے سے عوام میں ایک مسئلہ دربارہ جواز و عدم جواز کفن مبلول بماء زمزم زیر بحث ہے اور عوام اس بارے میں اپنی اپنی سمجھ کے مطابق قیاس آرائیوں میں مشغول ہیں احقر نے امداد الفتاویٰ دیکھا جلد اول ص ۱۴۷ میں حکیم الامت دامت برکاتہم نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے انہوں نے شامی کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ استنجا بماء زمزم کی کراہت نیز اشیائے محترمہ کی صدید میت سے حفاظت کا وجوب شامی میں مصرح ہے شامی کی عبارت یہ ہے **وقد افتی ابن الصلاح بانه لا یجوز ان یکتب علی الکفن یٰس والکهف ونحوهما خوفا من صدید المیت رد المحتار استنبولی ص ۸۴۷** (۳) باب الجنائز – حضرت حکیم الامت کی تقلید کرتے ہوئے میں نے بھی عدم جواز کو نقل کر دیا بعد میں نہایت کے بعد ملحقات تتمہ ثانیہ ص ۳۳۲ پر تسامح کے عنوان پر ایک مضمون دیکھا جس سے حضرت دامت برکاتہم کی رجعت ثابت ہوتی ہے اور یہ مضمون خود حضرت مولانا کا نہیں ہے بلکہ جس مولوی صاحب نے توجہ دلائی ہے ان کا مضمون ہے ان مولوی صاحب نے تفسیر روح البیان کی عبارت نقل کی ہے اور یہی خاص جزئیہ ان کا مستدل ہے وھو ہذا۔ **ولذا قال فی الاسرئ المحم لو وضع شعر رسول الله ﷺ او عصاه او سوطه علی قبر عاص لنجا ذلك العاصی ببرکة تلك الذخیرة من العذاب ومن هذا القبیل ماء زمزم والکفن المبلول به و بطانة استار الکعبة والتکفن بها انتهی تفسیر روح البیان مطبوعه مصر جلد ثانی ص ۵۵۹** اب گزارش یہ ہے کہ اگر روایت فقہیہ اور نظائر پر غور کرتے ہیں تو اشیاء متبرکہ محترمہ کو ہر قسم کی نجاسات سے بچانا فرض اور ضروری ہے اور ادھر خود حضور پرنور سرور کائنات ﷺ فخر موجودات ﷺ کے اس فعل کو دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنا قمیص مبارک رأس المنافقین

---

(۱) قال القهستانی: واستحسن علی الصحیح العامة یعمم یمینا' و یذنب' و یلف و قیل : هذا اذا کان من الاشراف' و قیل لا یعمم بکل حال کما فی المحیط والا صح انه تکره العمامة بکل حال کفا فی الزاهدی (رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۲۰۲/۲ ط سعید)

(۲) ولا باس بنقله قبل دفنه' وبالا علام بموته' و با رثائه (ای عدد محاسنه) ینلب دفنه فی جهة موته وان رای به ما یکره ولم یجز ذکره لحدیث ' اذکروا محاسن موتاکم' و کفوا عن مساویهم (الدر المختار' باب صلاة الجنائز ۲۳۹/۲ ط سعید)

(۳) باب صلاة الجنائز' مطلب فیما یکتب علی کفن المیت ۲۴۶/۲ ط سعید)

عبداللہ بن ابی کو کفن کے لئے عنایت فرمایا تھا اور وہ بھی حضرت اقدس کے جسم سے چھوا ہوگا حالانکہ وہاں صدید میت کا خوف یقینی تھا پھر بھی حضور اکرم ﷺ نے عنایت فرمایا اس سے مجوزین کے دلائل کی اور بھی تقویت ہوتی ہے اور اگر قواعد کلیہ شرعیہ پر غور کیا جاتا ہے تو حرمت اور جواز دونوں کے دلائل میں تصادم ہوتا ہے اس وجہ سے صدید میت سے احتراز کی غرض سے دلائل حرمت کو ترجیح دے کر کراہت کا حکم دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ کسی شئے کا تبرکاً استعمال کرنا زائد از زائد مستحب کے درجے میں ہے اور کسی متبرک اور محترم شے کی نجاسات سے حفاظت ضروریات دین سے ہے تو محض ایک مستحب کی بقا کے لئے ضروری اور فرض شے کو کیسے ترک کیا جاسکتا ہے اور حضور اکرم ﷺ کے اس خاص فعل کو اگر مصلحت دینی کی غرض سے خصوصیت واقعہ پر محمول کریں تو مناسب ہوگا یا نہیں؟ جب کہ اس مصلحت کو خود حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کی ناراضگی دیکھ کر فرمایا ان قمیصا لا یغنی عنه من الله شیئاً ارجو من الله تعالیٰ ان یدخل به الفا فی الاسلام (۱) حضور اکرم ﷺ کا اس کے متعلق قول فیصل کیا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۷۶۴ مولوی محمد عبدالرحیم حوالدار کٹھور ضلع سورت ۵ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ م ۱۱ اپریل ۱۹۴۳ء

(جواب ۸) کفن مبلول بماءِ زمزم میں میرے نزدیک جواز کی جہت راجح ہے وار اس کو استنجا[۲] بماءِ زمزم پر قیاس نہ کرنا چاہئے کیونکہ استنجا میں عین زمزم کی تعریض للنجاست ہے اور ثوب مبلول بماءِ زمزم میں ماءِ زمزم بصورتہٖ موجود نہیں ہے خشک ہوچکا ہے صرف کپڑے کا اس کے ساتھ گزشتہ زمانے میں تلبس ہوا ہے اور اس قسم کے تلبس کو عدم جواز تکفین میں دخل نہیں آنحضرت ﷺ کا عبداللہ بن ابی[۳] کو قمیص مبارک پہنانا ہی ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ صاحبزادی زینب[۴] کو اپنا تہبند (حقو) عطا فرمانا اور اشعر بہا ایاہ کی ہدایت فرمانا اور ایک صحابی[۵] کا حضور اکرم ﷺ سے تہبند مانگ لینا اور صحابہ کرامؓ کی طرف سے اظہار ناراضگی پر اس کا یہ عذر ما سالته لا لبسها ولکن لتکون کفنی اور راوی کا یہ بیان فکانت کفنہ بخاری میں موجود ہے اس لئے تکفین بثوب مبلول بماءِ زمزم تو (تکفین بقمیص رسول الله ﷺ وازارہ وحقوہ) سے اہون ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

(۱) بلفظ " وما یغنی عنه قمیصی من الله او ربی و صلاتی علیه وانی لا رجوان یسلم ما خالف من قومه (جامع البیان المعروف بتفسیر طبری ۱۴۲/۱۱ ط دار المعرفه بیروت)

(۲) یکره الاستنجاء بماء زمزم وکذا ازالة نجاسة الحقیقیة من ثوبه او بدنه　و فی غیر الترمذی انه کان ﷺ یحمله وکان یصبه علی المرضی و یسقیهم وانه حنك به الحسن والحسین (ردالمحتار کتاب الحج باب الهدی مطلب فی کراهیه الاستنجا بماء زمزم ۶۲۵/۲ ط سعید) (۳) عن جابر قال : اتی النبی ﷺ عبدالله بن ابی بعد ما دفن فاخرجه فنفث فیه من ریقه والبسه قمیصه (بخاری کتاب الجنائز باب الکفن فی القمیص ۱۶۹/۱ ط قدیمی) (٤) عن ام عطیه قالت : دخل علینا النبی ﷺ ونحن نغسل ابنته فقال اغسلنها ثلاثا او خمسا فلما فرغنا القی الینا حقوه فقال اشعرنها ایاه (بخاری شریف کتاب الجنائز باب کیف الاشعار للمیت ۱۶۸/۱ ط قدیمی) (۵) ان مرأة جاءت الی النبی ﷺ قالت نسجتها بیدی فجئت لا کسوها فاخذها النبی ﷺ محتاجا الیها　فقال القوم ما احسنت لبسها النبی ﷺ محتاجا الیها　فقال　انی والله ما سئلته لا لبسه وانما سئلته لتکون کفنی قال سهل فکانت کفنه (بخاری شریف کتاب الجنائز من استعد الکفن فی زمن النبی ۱۷۰/۱ ط قدیمی)

ازار، سر سے پاؤں تک کی چادر کو کہتے ہیں

(سوال) ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت جو مردے کے کفن کا رواج ہے کہ لفافہ وازار دو چادریں برابر کی ہوتی ہیں یہ صحیح نہیں ہے اوران کے لپیٹنے کا قاعدہ بھی غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ لفافہ کی چادر ہونی چاہئے اور ازار تہہ بند کو کہتے ہیں لہذا اس کا کپڑا بھی دوسرے قسم کا جیسا وہ شخص پہنا کرتا تھا ہونا چاہئے اور تہبند کی مانند ناف سے لپیٹنا چاہئے بینوا بالبینات توجروا یوم الحساب المستفتی نمبر ۲۷۷۴ مولانا اختر شاہ صدر مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ ۷ شعبان المعظم ۱۳۶۲ھ

(جواب ۹) فقہائے کرام نے تصریح فرمادی ہے کہ میت کے کفن میں ازار کے لفظ سے بھی چادر مراد ہے اور ازار بھی تہبند کی طرح ناف سے نہ رکھی جائے بلکہ سر سے قدم تک ہو مراقی الفلاح اور اس کے حاشیہ طحطاوی میں ہے وازار من القرن الی القدم قوله ازار هو والرداء واللفافة بمعنی واحد وهو ثوب طویل عریض یستر البدن من القرن الی القدم کما فی ابن امیر حاج عن الحاوی القدسی (طحطاوی)(۱) اور جامع الرموز(۲) میں ہے له ازار من الراس الی القدم علی المشهور وفی الاختیار من المنکبین انتهی اور غنیۃ المستملی(۳) میں ہے ثم اللفافة من القرن الی القدم وکذا الازار انتهی۔ درمختار(۴) میں ہے ازار و قمیص و لفافة شامی نے اس پر لکھا قوله ازار هو من القرن الی القدم الخ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فاسق کی نماز جنازہ میں نیک لوگ شریک نہ ہوں تو جائز ہے

(سوال) متعلقہ شرکت تجہیز فساق

(جواب ۱۰) جو مسلمان علانیہ شراب نوشی کرتے ہیں اور بغیر نکاح کے عورتیں ڈال رکھی ہیں اور نماز روزہ سے بالکل علیحدہ ہیں وہ صرف نام کے مسلمان ہیں انکی تجہیز و تکفین میں پابند شریعت مسلمان شریک نہ ہوں تو جائز ہے۔ (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

میت کے ہاتھ سیدھے پھیلا دینا چاہئے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) ہمارے شہر میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی آدمی مرتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر ہاتھوں

---

(۱) باب احکام الجنائز ص ۳۴۷ ط مطبع مطفی مصر

(۲) فصل فی الجنائز ۱/۲۸۱ ط المطبعة الکریمیه ببلدة قرآن ۱۳۲۳ھ

(۳) فصل فی الجنائز ص ۵۸۱ ط سهیل اکیدمی

(۴) باب صلاة الجنائز ۲/۲۰۲ ط سعید

(۵) فالظاهر انه امتنع زجرا لغیره عن مثل هذا الفعل کما امتنع عن الصلاة علی المدیون ولا یلزم من ذالك عدم صلاة احد علیه من الصحابة (رد المحتار : باب صلاة الجنائز ۲/۲۱۱ ط سعید)

کے انگوٹھوں کو باندھ دیا جاتا ہے تاکہ ہاتھ سینے پر سے نہ ہٹیں یہ جائز ہے یا نہیں ؟
(جواب ۱۱) میت کے ہاتھ سیدھے پھیلا دینے چاہئیں(۱) سینے پر رکھنا اور انگوٹھے باندھنا نہیں چاہئے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) میت کو قبر میں رکھنے کے بعد کفن کی گرہیں کھول دینا چاہئے
(۲) میت کو ٹوپی یا عمامہ پہنانا درست نہیں۔

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) (۱) مردہ کو قبر میں لٹانے کے بعد سرہانے اور پائنتی اور کمر تینوں جگہ کی گرہیں کھول دینی چاہئیں یا صرف سرہانے اور پائنتی کی؟ ہمارے شہر عظیم آباد پٹنہ میں اس کے متعلق اختلاف ہو رہا ہے (۲) اکثر سجادہ نشین صاحبان مردہ کے ساتھ ٹوپی وغیرہ دینے کی ہدایت کرتے ہیں اور اپنے پاس سے ایک ٹوپی دیتے بھی ہیں اور کہتے ہیں کہ بزرگان دین کے اقوال سے یہ ثابت ہے۔
(جواب ۱۲) (۱) تینوں گرہیں کھول دینا جائز ہے(۲) (۲) میت کو ٹوپی یا عمامہ دینا نہیں چاہئے کفن مسنون پر اکتفاء کرنا چاہئے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل دوم۔ جنازہ لے جانے کا طریقہ

عذر کے بغیر قبرستان کو شہر سے دور بنانا درست نہیں

(سوال) قبرستان قدیم پُر ہو گیا نئے قبرستان کے لئے زمین تجویز کی جارہی ہے جو سرکار کی منظوری سے قبرستان بنائی جائے گی زیر تجویز دو قطعات ہیں ایک قطعہ شہر سے تین میل کے فاصلے پر اور دوسرا پانچ میل کے فاصلہ پر ہے شہر کے اکثر مسلمان اس قطعے کو جو تین میل کے فاصلہ پر ہے پسند کرتے ہیں خلاف ان کے چند لوگ اس زمین کو مقرر کرانا چاہتے ہیں جو پانچ میل کے فاصلے پر ہے جمہور اہل اسلام کا عذر ہے کہ اتنی دور مسنون طریقہ کے موافق جنازہ لے جانے میں سخت دشواری ہوگی اور تمام مسلمان عموماً اور غریب لوگ خصوصاً سخت مصیبت میں مبتلا ہو جائیں گے اور ہزاروں آدمی بعد مسافت کی وجہ سے اپنے بھائیوں کے دفن

---

(۱) و تسد اطرافه لئلا تبقى منقوسة (غنية المستملي : فصل في الجنائز ص ۵۷۷ سهيل اكيڈمی)
(۲) و يحل العقدة لوقوع الامن من الانتشار (هداية باب الجنائز فصل في الدفن ۱/۱۸۲ شركة علميه) و تحل العقدة للاستغناء عنها لانها تعقد لخوف الانتشار عند الحمل (رد المحتار باب صلوة الجنائز ۲/۲۳۶ ط سعيد)
(۳) و تكره العمامة و في الشامية . والا صح تكره العمامة بكل حال (رد المحتار باب صلاة الجنائز مطلب في الكفن ۲/۲۰۲ ط سعيد)

میں شرکت سے محروم رہیں گے فریق مخالف کہتا ہے کہ جنازوں کو گاڑیوں پر لے جاسکتے ہیں سوال یہ ہے کہ ان دونوں فریقوں میں سے کس کا قول صحیح ہے ؟

(جواب ۱۳) جنازہ لے جانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ چار آدمی اس کے چاروں پائے پکڑ کر اٹھائیں راستے میں نوبت بہ نوبت کندھے بدلتے جائیں اسی طرح قبرستان تک پہنچائیں حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانے سے آج تک اسی سنت متوارثہ پر مسلمانوں کا عمل رہا ہے اور خاص مسلمانوں کا یہ قومی اور مذہبی امتیاز ہے کہ وہ اپنے عزیزوں اور دینی بھائیوں کی موت کے بعد بھی ان کی توقیر اور عزت کرتے ہیں اور اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنے ہاتھوں اور کندھوں پر لے جاتے ہیں جنازہ اٹھانے اور لے جانے کا یہ طریقہ کتب حدیث و فقہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

السنة في حمل الجنازة عندنا ان يحملها اربعة نفر من جوانبها الاربعة و به قال مالك والا كثرون (غنية المستملي) (۱) عن عبدالله بن مسعود قال من اتبع الجنازة فليا خذ بجوانب السرير الاربعة غنية المستملي (۲) يوخذ السرير بقوائمه الاربع بذلك و ردت السنة و فيه تكثير الجماعة و زيادة الاكرام و الصيانة بحر الرائق (۳) و حمل الجنازة عبادة فينبغي لكل احد ان يبادر اليها فقد حمل الجنارة سيد المرسلين ﷺ فانه حمل جنازة سعد بن معاذؓ (۴)

(ترجمہ) جنازہ اٹھانے کا ہمارے نزدیک مسنون طریقہ یہ ہے کہ اسکو چاروں پایوں کی طرف سے چار آدمی پکڑ کر اٹھائیں امام مالک اور اکثر علماء اسی کے قائل ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے فرمایا جو جنازے کے ساتھ جائے اسے چاہئے کہ چارپائی کے چاروں پائے پکڑے۔ جنازے کے چاروں پائے پکڑے جائیں اسی طرح سنت سے ثابت ہے اور اس میں شریک ہونے والوں کی زیادتی اور میت کی توقیر اور حفاظت ہے جنازہ کو اٹھانا عبادت ہے پس ہر شخص کو چاہیے کہ اس کی جانب سبقت کرے کیونکہ حضور سید المرسلین ﷺ نے جنازہ اٹھایا ہے آپ نے حضرت سعد بن معاذ کا جنازہ اٹھایا ہے۔

جنازہ کو اس طرح لے جانے میں حسب ذیل فائدے ہیں (۵) سنت قدیمہ متوارثہ کی متابعت' جماعت کثیرہ کو جنازہ اٹھانے کا ثواب ملتا ہے۔ اٹھانے والوں پر تخفیف یعنی کام ہلکا رہنا' میت کا گرنے سے محفوظ رہنا' اسباب لادنے کی صورت سے مشابہت نہ ہونا' میت کی توقیر اور عزت کا زیادہ ہونا پس اسلام کی اس سنت قدیمہ متوارثہ کو قائم رکھنا حتی الامکان مسلمانوں پر لازم ہے اور اپنے اختیار و ارادہ سے کوئی ایسی صورت پیدا

(۱-۲) ص ۵۹۱ سهيل اكيذمي

(۳) كتاب الجنائز ۲/ ۲۰۵-۲۰۶ ط بيروت

(۴) طحطاوي على المراقي ص ۳۶۵ مطبع مصطفى مصر

(۵) فعلم ان هذا هو السنة' ثم فيه التخفيف على الحملة' وصيانة الميت عن السقوط' والانقلاب' وزيادة اكرام للميت والبعد من التشبيه حمله بحمل الامتعة' والاثقال' ولنا كره حمله على الظهر' والدابة' وما ورد من الحمل بين العمودين محمول على حال عذر من ضيق الطريق او لازدحام' او قلة الحاملين او غير ذالك توفيقا بينه و بين مار وينا مما ذهب اليه الجمهور (غنية المستملي ص ۵۹۲ سهيل اكيذمي)

کرنا جائز نہیں جس کی وجہ سے اس سنت پر عمل کرنا متروک یا مشکل ہو جائے اور ظاہر ہے کہ تین میل کا فاصلہ بھی بہت زیادہ فاصلہ ہے اتنی دور بھی سینکڑوں مسلمان بہزار دشواری اپنے مردوں کو اسلامی طریقوں کے موافق لے جا سکیں گے تمام مسلمانوں کو لازم ہے کہ اپنی متفقہ کوشش سے شہر کے متصل قبرستان مقرر کرائیں تاکہ ہر طبقہ کے مسلمان اپنے مردوں کو اسلامی طریقہ کے موافق آسانی سے قبرستان تک لے جا سکیں لیکن اگر شہر کے قریب کوئی زمین نہ ملے تو خیر مجبوری اسی تین میل فاصلے والی زمین یا اور کسی قریب ترین زمین کے لئے اپنی تمام امکانی کوشش صرف کر دیں اور پانچ میل فاصلے والی زمین کو حتی الامکان ہرگز پاس نہ ہونے دیں کیونکہ اتنی دور قبرستان مقرر کرنا گویا اپنے اختیار وارادے سے ایک اسلامی سنت قطعیہ متوارثہ کا خون کرنا اور مسلمانوں کی ایک امتیازی خصوصیت کو مٹانا ہے سواری پر جنازہ لے جانا جائز ہے یا نہیں یہ جداگانہ مسئلہ ہے یہاں اس سے بحث نہیں کیونکہ حالت مجبوری کے احکام جدا ہوتے ہیں اور اختیاری حالت کے جدا اپنے اختیار وارادے سے کوئی ایسا کام کرنا جس سے کسی سنت نبویہ پر عمل کرنا متروک یا دشوار ہو جائے جائز نہیں جو لوگ کسی سنت کو متروک یا دشوار بنانے والے کام میں کوشش کریں گے وہ حضور اکرم ﷺ کو قیامت کے روز کیا منہ دکھائیں گے اور رب العالمین کے دربار میں بھی ایک سنت نبوی کو مٹانے کی جوابدہی ان کے ذمہ ہوگی۔ اعاذنا اللہ منہا واللہ اعلم

(۱) جنازے کو قبر تک لے جانے کا مسنون طریقہ
(۲) عذر کی وجہ سے جنازہ کو گاڑی پر لے جانا جائز ہے
(۳) جنازے کے ساتھ جانے والے بھی گاڑی پر جا سکتے ہیں

(سوال) قبرستان قدیم جو شہر کے اندر یا قریب تھا پر ہو گیا اب جو زمین نئے قبرستان کے لئے معین ہوئی ہے وہ شہر سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے اتنی دور جنازے کو ہاتھوں یا کندھوں پر لے جانا بہت مشکل ہے خصوصاً ان حالات میں کہ بارش ہو رہی ہے یا جنازے کے ساتھ آدمی تھوڑے ہیں یا کمزور وبیمار ہیں یا اولیائے میت غریب ہیں کہ مزدوری دیکر نہیں جا سکتے تو اس صورت میں حسب ذیل سوالات کا جواب مطلوب ہے۔

(۱) جنازے کو قبر تک پہنچانے کا مسنون طریقہ کیا ہے (۲) کسی عذر سے جنازے کو کسی خاص گاڑی پر جو اسی کام کے لئے بنائی گئی ہو لے جانا درست ہے یا نہیں ؟ (۳) جنازے کے ہمراہ جانے والے سواری پر جائیں تو اس میں کچھ نقصان ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(جواب ۱٤) جنازے کو اٹھا کر لے چلنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جنازے کی چارپائی یا مسہری یا سریر کے چاروں پائے چار آدمی پکڑ کر اٹھائیں اور نوبت بہ نوبت بدلتے جائیں اسی طرح قبر تک لے جائیں حضور اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک سے آج تک اسی سنت متوارثہ پر مسلمانوں کا عمل رہا ہے اور یہی طریقہ کتب فقہیہ حنفیہ میں مذکور ہے۔

السنة في حمل الجنازة عندنا ان يحملها اربعة نفر من جوانبها الاربعة و به قال مالك والا كثرون غنية المستملي (۱)

عن عبدالله بن مسعودؓ قال من اتبع الجنازة فليا خذ بجوانب السرير الاربعة غنية المستملي (۲)

يوخذ السرير بقوائمه الاربع بذلك و ردت السنة و فيه تكثير الجماعة و زيادة الا كرام والصيانة بحر الرائق (۳)

(ترجمہ) جنازہ اٹھانے کا ہمارے نزدیک مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس کے چاروں پائے چار آدمی اٹھائیں اور امام مالک اور اکثر علماء اسی کے قائل ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ جو جنازے کے ساتھ جائے اسے چاہئیے کہ چارپائی کے چاروں پائے پکڑے۔

جنازے کے چاروں پائے پکڑے جائیں اسی طرح سنت سے ثابت ہوا ہے اور اس میں اٹھانے والوں کی جماعت کی زیادتی اور میت کی قدر اور حفاظت ہے۔

جنازے کو اس طرح لے جانے میں حسب ذیل فائدے ہیں (۱) سنت متوارثہ کی موافقت' اٹھانے والوں کی مقدار کی زیادتی اور جماعت کثیرہ کو جنازہ اٹھانے کا ثواب حاصل ہونا اٹھانے والوں پر تخفیف یعنی کام کا ہلکا رہنا' میت کا گرنے سے محفوظ رہنا اس طریقے پر اٹھانے میں اسباب اٹھانے کی صورت سے مشابہت نہ ہونا میت کی عزت و توقیر کا زیادہ ہونا وغیرہا من الفوائد

(۲) اگر قبرستان اتنے فاصلے پر ہو کہ وہاں تک جنازہ لے جانے میں کچھ زیادہ مشقت اور دشواری نہ ہو تو جنازہ سنت متوارثہ کے موافق لے جانا چاہئیے اور اس کا خلاف مکروہ ہے (۵) بلکہ اگر کسی قدر محنت بھی برداشت کرنی پڑے تو اسے بھی بنظر زیادتی ثواب و حصول رضامندی حق تعالیٰ برداشت کرلیں کیونکہ جنازہ کو اٹھانا بھی عبادت ہے اور حضور ﷺ نے بہ نفس نفیس جنازہ اٹھایا ہے۔

وحمل الجنازة عبادة فينبغي لكل احدان يبادر اليها فقد حمل الجنازة سيد المرسلين فانه حمل جنازة سعد بن معاذؓ (۶)

(ترجمہ) جنازہ کو اٹھانا عبادت ہے پس ہر شخص کو چاہئیے کہ وہ اس کی جانب سبقت کرے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے جنازہ اٹھایا ہے حضرت سعد بن معاذؓ کا جنازہ اٹھانا حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔

(۱-۲) فصل في الجنائز ص ۵۹۱ سهيل اكيدمي

(۳) كتاب الجنائز ۲/ ۲۰۵' ۲۰۶ ط بيروت

(۴) صفحہ نمبر ۳۷ حاشیہ نمبر ۵ دیکھیں

(۵) ولذاكره حمله على الظهر' والدابة الخ (غنية المستملي' فصل في الجنائز' ص ۵۹۲ طبع سهيل اكيدمي)

(۶) طحطاوي على مراقي الفلاح ص ۳۶۵ طبع مصطفى البابي الحلبي مصر

لیکن اگر قبرستان اتنی دور ہو کہ جنازے کے ہمراہیوں کو وہاں تک جنازہ لے جانا دشوار ہو تو اگر مزدوری پر ایسے اشخاص مل سکیں جو قبرستان تک جنازہ پہنچادیں تو بہتر ہے کہ مزدوروں پر جنازے کو لے جائیں جنازہ اٹھانے کی مزدوری دینا لینا جائز ہے (۱) اور اس میں سنت متوارثہ پر عمل قائم رہنے کی رعایت ہے لیکن مزدور مسلمان صالح ہوں کافروں فاسقوں سے جنازہ اٹھوانا اچھا نہیں کافروں سے مسلمان میت کا جنازہ اٹھوانا تو بالکل ناجائز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حمل جنازہ بھی مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے تو باوجود مسلمانوں کے موجود ہونے کے کافروں سے اٹھوانے میں من وجہ ترک فرض ہے۔

الکافر لا یمکن من قریبه المسلم لانه فرض علی المسلمین کفایةً فلو ترکوه للکافر اثموا لعدم قیام احد من المسلمین بفرض الکفایة طحطاوی علی مراقی الفلاح (۲)

(ترجمہ) کافر کو یہ موقع نہ دیا جائے کہ وہ اپنے مسلمان رشتہ دار کی تجہیز و تکفین کرے کیونکہ مسلمان کی تجہیز تکفین اور دفن مسلمان پر فرض کفایہ ہے تو اگر مسلمانوں نے کافر پر چھوڑ دیا تو بوجہ ترک فرض سب گناہ گار ہوئے۔

دوسرے یہ کہ کافر پر خدا تعالیٰ کا غضب اور لعنت نازل ہوتی ہے پس مسلمان میت کے جنازے کو اس سے لگاؤ سے دور رکھنا چاہئیے۔

ولا یدخل قبره لان الکافر تنزل علیه اللعنة والمسلم محتاج الی الرحمة خصوصاً فی هذه الساعة مراقی (۳)

(ترجمہ) مسلمان میت کو کافر قبر میں نہ اتارے نہ اس کی قبر میں اترے کیونکہ کافر پر خدا کی لعنت اترتی ہے اور مسلمان خدا کی رحمت کا محتاج ہوتا ہے خصوصاً دفن کے وقت۔

اور مسلمان فاسقوں سے اٹھوانا اگرچہ حرام نہیں تاہم انکو بھی علیحدہ رکھنا بہتر ہے کیونکہ ارتکاب کبائر کی وجہ سے ان پر بھی خدا تعالیٰ کا عتاب ہوتا ہے۔

اور جب جنازے کے ہمراہی بھی قبرستان تک نہ لے جا سکیں یا سخت مشقت اور دشواری میں مبتلا ہو جائیں اور مزدور بھی نہ ملیں تو ان صورتوں میں جنازے کو گاڑی پر لے جانا بلا کراہت جائز ہے۔

قبرستان کا دور ہونا بھی عذر ہے اور فقہائے کرام نے اس کا اعتبار کیا ہے۔

ویکره حمله علی ظهر ودابة بلا عذر – قوله بلا عذر اما اذا کان عذر بان کان المحل بعیدا یشق حمل الرجال له او لم یکن الحامل الا واحداً فحمله علی ظهره فلا کراهة اذن – اه

---

(۱) و یجوز الاستجار علی حمل الجنازة ، خانیة علی هامش الهندیة ' باب فی غسل المیت وما یتعلق به ۱ / ۱۹۰ ط مکتبه ماجدیه)

(۲) و یجوز الاستیجار علی حمل الجنازة کذافی قاضی خان (هندیة' باب الجنائز' فصل الرابع فی عمل الجنازه ۱ / ۱۶۲ مکتبه ماجدیه)

(۳) احکام الجنائز ص ۳۶۴ ط مصطفی حلبی مصر

طحطاوی علی مراقی الفلاح (۱)

(ترجمہ) پیٹھ پر اور جانور پر میت کو بلا عذر لے جانا مکروہ ہے لیکن اگر عذر کی وجہ سے ہو مثلاً قبرستان اتنا دور ہو کہ آدمیوں کو وہاں تک جنازہ لے جانا دشوار ہو یا کہیں ایسا ہو کہ صرف ایک شخص اٹھانے والا ہے وہ میت کو اپنی پیٹھ پر رکھ کر لے جائے تو کوئی کراہت نہیں۔

طحطاوی کی اس عبارت سے صاف معلوم ہو گیا کہ قبرستان کا دور ہونا بھی عذر ہے اور دور ہونے کی مسافت کے لحاظ سے کوئی مقدار معین نہیں کی بلکہ صرف یہ کہہ دیا کہ آدمیوں کو وہاں تک جنازہ لے جانا دشوار ہو اس سے ثابت ہو گیا کہ جب قبرستان اتنا دور ہو کہ اکثر حالات میں وہاں تک جنازہ لے جانا مشکل ہو تو وہاں گاڑیوں پر جنازہ لے جانے میں کوئی قباحت نہیں لیکن اگر کسی جنازے کے ساتھ ہمراہی زیادہ ہوں اور اس وجہ سے کندھوں پر لے جانے میں زیادہ دشواری نہ ہو تو گاڑی پر نہ لے جانا چاہئیے **شبہ (۱)** اگر کہا جائے کہ گاڑی پر جنازہ لے جانے میں میت کی توہین ہے اور مسلمان میت کی توہین ناجائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو مطلقاً گاڑی پر جنازہ لے جانے میں توہین ہونا مسلم نہیں کیونکہ گاڑی مطلقاً موجب توہین نہیں ہے بلکہ گاڑی تو زندوں کے لئے بھی باعث توقیر اور موجب عزت ہے خصوصاً جب کہ اس کی وضع موقر اور مثل زندوں کی سواری کے بنائی جائے ہاں ایسی گاڑیوں میں جو صرف اسباب لادنے کے لئے ہوتی ہیں جیسے بوجھ لادنے کے ٹھیلے جنازے لے جانے میں بے شک توہین ہو گی اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ گاڑی میں توہین ہوتی ہے تاہم عذر کے وقت فقہاء نے بعض ایسی صورتیں بھی جائز بتائی ہیں جن میں یقیناً اس سے زیادہ توہین ہے مثلاً مردے کو آدمی کی پیٹھ پر ڈال کر لے جانا کہ اس کا عذر کی حالت میں ہونا جائز ہونا روایت فقہیہ منقولہ بالا سے صراحۃً ثابت ہے۔ **شبہ ۲**۔ اگر کہا جائے کہ اموات کو گاڑیوں میں لے جانے میں نصاریٰ سے مشابہت ہے کہ وہ اپنے مردوں کو گاڑیوں میں لے جاتے ہیں تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ مجبوری کی حالت میں اگر صرف اتنی بات میں مشابہت ہو جائے کہ گاڑیوں میں لے جاتے ہیں لیکن لے جانے کی صورتیں مختلف ہوں اور مشابہت کا قصد اور ارادہ نہ ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ یہ مشابہت درحقیقت مشابہت نہیں ہے ان کے لے جانے سے اپنے لے جانے میں فرق کرنے کی کئی صورتیں ممکن ہیں اول یہ کہ تمام جنازے شہر کے ہر مقام سے شہر کے کنارے تک یا شہر کے باہر بھی جس مقام تک لے جانے میں زیادہ دشواری نہ ہو وہاں تک سنت متوارثہ کے موافق کندھوں پر لے جائیں اور شہر کے کنارے سے یا اس مقام سے جہاں تک لوگوں نے پہنچا دیا ہے گاڑی میں رکھ کر قبرستان تک پہنچائیں تو یہ طریق عمل نصاریٰ کے طریقے سے جدا ہو جائے گا دوم یہ کہ گاڑیاں ایسی بنائی جائیں کہ ان کے وسط میں جنازہ رہے اور جنازے کے دونوں طرف چار چھ آدمی بھی بیٹھ جائیں اور وہ بنظر حفاظت جنازے کو پکڑے رہیں یہ طرز بھی نصاریٰ کے طرز سے جدا ہے اور بہر صورت بہتر یہ ہے کہ خود میت کو گاڑی پر نہ رکھیں بلکہ جنازے کو جیسے کہ مسلمانوں کا

---

(۱) احکام الجنائز ص ۳٦۵ طبع مصطفی البابی الحلبی مصر

طریقہ سے چارپائی یا مسہری (جو جنازے کے لئے خصوصاً بنائی جاتی ہے) پر تیار کریں اور اس چارپائی یا مسہری کو گاڑی پر رکھیں ہاں اس کا لحاظ رکھیں کہ وہ چارپائی گاڑی پر اچھی طرح جم جائے کہ حرکت اور جھٹکے سے میت کو نقصان نہ پہنچے اس چارپائی کے پائے زیادہ لمبے نہ ہوں تو بہتر ہوگا۔

(۳) جنازے کے ہمراہیوں کو اس کے ساتھ پیدل جانا افضل اور بہتر ہے لیکن سواری پر جانا بھی جائز ہے صرف خلاف اولیٰ ہے اور واپس آتے وقت سواری پر آنا تو خلاف اولیٰ بھی نہیں کیونکہ واپسی میں سواری پر آنا خود آپ ﷺ سے ثابت ہے۔

وذکر الا سبیجابی ولا بأس بان یذھب الیٰ صلوٰۃ الجنازۃ راکبا غیرانہ یکرہ لہ التقدم امام الجنازۃ بخلاف الماشی اھ - بحر (۱)

والمشی فیھا افضل من الرکوب کصلوٰۃ الجمعۃ بحر عن الظھیریۃ (۲)

ولا باس بالرکوب فی الجنازۃ والمشی افضل عالمگیریہ (۳)

(ترجمہ) اسبیجابی نے ذکر کیا کہ سوار ہو کر نماز جنازہ کے لئے جانے میں مضائقہ نہیں مگر سواری کی حالت میں جنازے کے آگے چلنا مکروہ ہے پیدل آدمی حسب ضرورت آگے بھی جائے تو مکروہ نہیں ظہیریہ میں ہے کہ جنازے کے ساتھ پیدل چلنا سواری سے افضل ہے جیسے کہ جمعہ کی نماز کو پیدل جانا سوار ہو کر جانے سے بہتر ہے۔ یعنی سواری پر جنازے کے ساتھ جانے میں مضائقہ نہیں اور پیدل جانا افضل ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم واحکم کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایۃ اللہ عفا عنہ ربہ ما جناہ و جعل اخراہ خیرا من اولاہ صفر ۱۳۳۷ھ الجواب صواب محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ صح الجواب فقیر اصغر حسین عفی عنہ الجواب صحیح عبدالسمیع عفی عنہ الجواب صحیح عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند ۷ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ الجواب صحیح خاکسار سراج احمد رشیدی الجواب صحیح محمد اعزاز علی غفرلہ الجواب صحیح اشرف علی ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرتے ہوئے چلنا اور پھر اس کی اجرت لینا جائز نہیں

(سوال) بمبئی اور اطراف بمبئی میں اکثر یہ رواج ہے کہ جس وقت میت کو برائے دفن مکان سے اٹھا کر لیا جاتا ہے تو چند آدمی میت سے آگے چلتے ہیں اور ان میں سے ایک آدمی نہایت ترنم کے ساتھ بلند آواز سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے اور اس کو ہادی کہتے ہیں یعنی لفظ ہادی مخصوص ہے اس کے لئے جو آگے چل کر بلند آواز سے پڑھتا ہے اب ہادی کے کہنے کے بعد تمام وہ آدمی جو میت سے آگے چلنے والے ہیں اس ہادی کی طرح وہی کلمہ بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور اس صورت سے تمام راستہ بھر پڑھتے ہوئے قبرستان پہنچ کر میت کو دفن کرتے ہیں بعد فراغت کے جب واپس ہوتے ہیں تو وہی تمام آدمی جو پہلے میت سے آگے

(۱-۲) کتاب الجنائز ۲: ۲۰۶ طبع بیروت

(۳) باب الجنائز الفصل الرابع فی حمل الجنازۃ ۱: ۱۶۲ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

چل کر پڑھتے تھے اب تمام لوگوں سے پھر آگے ہوتے ہیں اور ان میں ایک شخص ہادی بن کر بلند آواز سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ من اللہ نازل غفرا پڑھتا ہے پھر تمام وہی آدمی جو پہلے ہادی کے ساتھ میت کے آگے چل کے پڑھتے تھے جواب دیتے ہیں من اللہ نازل غفرا پھر ہادی صاحب کہتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ من اللہ حبیب اللہ غرض یہ ہے کہ ہادی صرف کلمہ تو وہی ہر مرتبہ دہراتا ہے لیکن ساتھ میں بجائے کلمہ من اللہ نازل غفرا کے من اللہ حبیب اللہ' شفیع اللہ' ولی اللہ کہتا ہے لیکن وہ تمام آدمی جو ہادی کے ساتھ ہیں صرف ایک جواب دیتے ہیں' من اللہ نازل غفرا اس صورت سے تمام راستہ طے کرتے ہوئے میت کے مکان پر پہنچتے ہیں اور پھر تمام آدمی اپنی محنت کی اجرت لیتے ہیں لہذا مفصل جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمایئے گا کہ کیا یہ طریقہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کیا یہ طریقہ میت کے لئے باعث ثواب ہو سکتا ہے فقط المستفتی نمبر ۱۴۵۳ عبدالحمید صاحب امام جامع مسجد کراچی ۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۹ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۵) میت کے جنازے کو قبرستان کی طرف لے جانے کا صحیح مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب لوگ سکون اور سکوت(۱) کے ساتھ جنازہ کے پیچھے پیچھے چلیں جو لوگ جنازے کو کندھا دیں ان کے لئے حسب ضرورت جنازے کے دائیں بائیں آنا جانا مباح ہے جنازے کے آگے کسی جماعت کو چلنا اور اس طریقے سے بلند آواز سے ذکر کرنا جو سوال میں مذکور ہے شرعی طریقہ نہیں ہے اور نہ قرون اولیٰ اور سلف صالحین سے اس طریقے کا ثبوت ملتا ہے اپنے دل میں ہر شخص ذکر یا دعائے مغفرت کرتا ہوا جائے تو یہ جائز ہے اسی طرح واپسی میں بھی بلند آواز سے ذکر کرنا بھی ثابت نہیں اور یہ بھی صحیح نہیں کہ واپسی میں سب لوگ میت کے مکان پر آئیں بلکہ دفن سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کام کو چلے جائیں(۲) جو لوگ اس رسم کو جس کا سوال میں ذکر ہے عمل میں نہیں لاتے وہ صحیح راستہ پر ہیں ان کو بری نظر سے دیکھنا یا نامناسب خطابوں سے یاد کرنا یا ملامت کرنا برا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جنازے کے ساتھ چھتری لگا کر چلنا جائز ہے

(سوال) جنازے کے ساتھ چھتری لگا کر چلنا جائز ہے یا نہیں ؟

---

(۱) و علی متبعی الجنازة الصمت و یکرہ لهم رفع الصوت بالذکر فان اراد ان یذکر الله' یذکرہ فی نفسه (هندیة' باب الجنائز' فصل فی حمل المیت ۲ / ۱۶۲ ط کوئٹہ) ارشاد ہے : کما کرہ فیها رفع صوت بذکر او قراءة قوله کما کرہ قیل تحریما و قیل تنزیها کما فی البحر عن الغایة' و فیه عنها و ینبغی لمن تبع الجنازة ان یطیل الصمت' و فیه عن الظهیریة' فان اراد ان یذکر الله تعالیٰ یذکرہ فی نفسه' لقوله تعالیٰ' انه لا یحب المعتدین الجاهرین بالدعاء' وعن ابراهیم' انه کان یکرہ ان یقول الرجل وهو یمشی معها استغفروا له غفر الله لکم (رد المحتار' باب صلاة الجنازة' ۲ / ۲۳۳ ط سعید)

(۲) واذا رجع الناس من الدفن فلیتفرقوا' و یشتغلوا بامورهم' و صاحب البیت بامرہ' (مراقی الفلاح باب احکام الجنائز ص ۳۷۳ ' ط مصطفی البابی الحلبی مصر)

(جواب ۹۶) چھتری لگا کر چلنے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل سوم - اخراجات تجہیز و تکفین

بیوی مالدار ہو اور شوہر تنگ دست تب بھی اس کا کفن شوہر کے ذمہ ہے

(سوال) ما قولكم رحمكم ربكم في ان امراة مؤسرة ماتت تحت رجل معسر هل يجب كفنها عليه ام تكفن من مالها

(ترجمہ) ایک مالدار عورت جس کا شوہر تنگدست ہو اگر مر جائے تو اس کی تجہیز و تکفین کا خرچہ شوہر کے ذمہ ہوگا یا عورت کے مال میں سے دیا جائے گا؟ المستفتی نمبر ۱۱۲۰ مولوی بدیع الرحمان صاحب (ضلع اکیاب) ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۳۱ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۷) كفنها على زوجها على المفتي به من قول الامام ابي يوسفؒ بشرط ان لا يمنع مانع من وجوب نفقتها عليه عند موتها فان اعتبار وجوب الكفن بوجوب النفقة عليه

(ترجمہ) عورت کا کفن کا خرچہ شوہر کے ذمہ ہے یہ قول امام ابو یوسفؒ کا ہے اسی پر فتویٰ ہے بشر طیکہ کسی عذر کی وجہ سے شوہر کے ذمہ سے عورت کا نفقہ ساقط نہ ہوا ہو کیونکہ وجوب کفن وجوب نفقہ کے ساتھ متعلق ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شوہر کے ذمے بیوی کا علاج ضروری نہیں

(سوال) نکاح کے بعد حسب رسم و رواج لڑکی کو اس کے ماں باپ اپنی خوشی سے بلا کر لے گئے میکے جا کر لڑکی بیمار ہو گئی ایک عرصے تک بیمار رہی اثنائے بیماری میں شوہر بلانے کے لئے بھی گیا اور اپنی بیوی کو لانے کی کوشش کی مگر ماں باپ نے اجازت نہ دی اور کہا میں یہاں علاج کراتا ہوں البتہ ایک دو مرتبہ شوہر سے کچھ رقم طلب کی گئی جو شوہر نے بھیج دی اسی بیماری میں لڑکی فوت ہو گئی اب لڑکی کا باپ علاج معالجہ اور تجہیز و تکفین کی ایک لمبی چوڑی فہرست بنا کر شوہر سے وہ تمام خرچ طلب کرتا ہے کیا از روئے شرع خاوند ایسے خرچ کا ذمہ دار ہے؟ یا لڑکی کا باپ ہی اس تمام خرچ مذکورہ بالا کا ذمہ دار ہے جس کو اس نے اپنی خوشی سے کیا ہے؟

---

(۱) یوں تو اس کا جنازے سے کوئی تعلق نہیں اس لئے دھوپ اور بارش سے بچنے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں ہاں اگر کسی غلط عقیدے کی بنیاد پر ہو تو درست نہیں۔

(۲) والذي اختاره في البحر لزومه عليه موسرا' اولا' لها مال' اولا لانه ككسوتها وهي واجبة عليه مطلقا قال : وصححه في نفقات الواجبة' قلت : و عبارتها اذا ماتت المراة' ولا مال لها قال ابو يوسف يجبر الزوج على كفنها' والا صل فيه ان من يجبر على نفقته في حياته' يجبر عليها بعد موته' وقال محمد' لا يجبر الزوج والصحيح الاول' قال في الحلية' ينبغي ان يكون لمحل الخلاف ما اذا لم يقم بها مانع يمنع الوجوب عليه حالة الموت من نشوزها وصغرها و نحو ذالك (رد المحتار' باب صلاة الجنائز' مطلب في كفن الزوجة على الزوج ۲/۲۰۶ ط سعيد)

المستفتی نمبر ۱۹۵۹ عبداللہ خاں (بنگلور چھاؤنی) ۲۴ شعبان ۱۳۵۶ھ ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۸) علاج معالجہ کے مصارف لڑکی کا باپ شوہر سے طلب نہیں کر سکتا (۱) اگر شوہر نے علاج کرانے کا امر کیا ہو اور مصارف ادا کرنے کی ذمہ داری لی ہو تو شوہر ذمہ دار ہوگا ورنہ نہیں ہاں تجہیز و تکفین کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے۔(۲) لیکن اس سے مراد صرف کفن خوشبو کافور وغیرہ کی قیمت غسال اور قبر کھودنے کی اجرت اور پٹاؤ کی لاگت ہے جس کا مجموعہ دس بارہ روپے کے اندر اندر ہوتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عورت کی تجہیز و تکفین شوہر کے ذمے ہے

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) زن متوفیہ کے کفن دفن کا خرچ کس کے ذمہ ہے باپ کے ذمہ ہے یا خاوند کے ذمہ ؟

(جواب ۱۹) عورت کے کفن دفن کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے خواہ متوفیہ کا مال ہو یا نہ ہو **وهو المفتی به كذافي الهنديه** (۳) **و فتاوی قاضی خان** (۴) **والله اعلم** محمد کفایت اللہ غفرلہ'

فصل چهارم- قبر و دفن

ضرورت کی وجہ سے قبر پر لکڑی کے تختے لگانا جائز ہے

(سوال) ایک بستی کے لوگ اپنی قبریں بجائے لحد کے شق بناتے ہیں اور قبر کو بانس اور لکڑیوں سے پاٹتے (ڈھانپنا چھپانا) ہیں اور ان لکڑیوں میں آہنی میخیں لگی ہوتی ہیں تو کیا قبر کو ایسے تختوں یا لکڑیوں سے پاٹنا جائز ہے جس میں لوہے کی کیلیں لگی ہوں یا ان کیلوں کے نکالنے کی ضرورت ہے ؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۰) لکڑی کے تختے قبر میں لگانا مکروہ ہیں لیکن اگر کوئی ضرورت ہو مثلاً بانس یا کچی اینٹیں نہ ملیں یا ملیں لیکن لگ نہ سکیں تو مکروہ نہیں لوہے کی میخیں بھی اسی حکم میں ہیں۔ **ویکرہ الاجر دفوف الخشب لماروی عن ابراهيم النخعي انه قال كانوا يستحبون اللبن والقصب على القبور وكانوا يكرهون الا جرو روى ان النبي ﷺ نهى ان تشبه القبور بالعمر ان والا جر والخشب للعمران انتهى (بدائع)** (۵) **و فی مراقی الفلاح** (۶) **و كره وضع الاجر والخشب محمول على وجود اللبن**

---

(۱) علاج معالجہ شوہر پر واجب نہیں بلکہ تبرع محض ہے پس جب ابتدا ہی سے شوہر پر واجب نہ ہو تو دوسرے کے کرنے سے بطریق اولیٰ واجب نہ ہوگا قوله لا يلزمه مداواتها اى اتيانه لها بدواء المرض ولا اجرة الطبيب ولا الفصد ولا الحجامة الخ هنديه (رد المحتار ' باب النفقه' ۳/۵۷۵ ط سعيد)

(۲-۳-۴) ومن لم يكن له مال' فالكفن على من تجب عليه النفقة الا الزوج في قول محمد' و على قول ابى يوسف' يجب الكفن على الزوج' وان تركت مالا' و عليه الفتوى (هنديه' باب الجنائز' فصل ثالث في التكفين ۱/۱۶۱ مكتبه ماجديه كوئٹه) (۵) فصل في سنة الحضر ' ۱/۳۱۸ ط سعيد

(۶) احكام الجنائز ص ۳۶۹ ط مصطفى الحلبى مصر

بلا كلفة الخ والله اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، سنہری مسجد دہلی

قبر پختہ کئے بغیر ارد گرد پتھر لگانا جائز ہے

(سوال) زید کی نشانی کے لئے اس کی قبر کے گرد اگرد نصف گز دیوار باندھنا اور اس پر خوبصورت پتھر لگانا اور اشعار لکھنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۱) قبر کے گرد پتھر لگانے سے بشر طیکہ قبر پختہ نہ ہونے پائے صرف یہی مقصود ہو سکتا ہے کہ آثار قبر مٹنے نہ پائیں اس صورت میں خوبصورت وبد صورت پتھر دونوں ایک ہی سا کام دیں گے۔(۱) اور اگر یہ خیال ہو کہ لوگ دیکھ کر خوش ہوں اور ریاو سمعہ مقصود ہو تو اس صورت میں خوبصورت کجا بد صورت کا لگانا بھی حرام ہو گا اور اگر پتھر لگایا جائے تو میت کے مال سے لگانا جائز نہیں ورثہ خود اپنے مال سے لگا سکتے ہیں پتھر پر تاریخ (۲) وغیرہ کندہ کرنا مکروہ ہے۔

اہل میت کو جنازہ کے بعد "اذن عام" کہنے کی ضرورت نہیں

(سوال) صاحب خانہ کو لفظ اذن عام بعد صلوۃ جنازہ کہنا جائز ہے یا نہیں ؟بینوا توجروا

(جواب ۲۲) یہ لفظ کہنا کچھ ضروری یا سنت نہیں ہے اسی طرح نماز کے بعد لوگوں کے لئے بہتر اور سنت طریقہ یہ ہے کہ دفن تک ساتھ رہیں لیکن اگر لوٹ آئیں تو سوائے ثواب کی کمی کے اور کوئی مؤاخذہ اور گناہ ان کے ذمہ نہیں ہے اگر صاحب خانہ سے اجازت لے کر لوٹیں تو ان کی دلداری اور تسلی کے لئے طلب اجازت کا مضائقہ نہیں لیکن دفن میں شریک نہ ہونے کے سبب سے ثواب میں جو کمی ہوئی ہے وہ پوری نہ ہوگی اور استیذان کو ثواب کے پورا کر دینے میں کوئی دخل نہیں ہاں اہل میت کے لئے باعث تطییب قلب ضرور ہے اس لئے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ قبل از دفن لوٹنا چاہے تو اہل میت سے اجازت لے لے۔ ولا ينبغي ان يرجع من جنازة حتى يصلى عليه و بعد ما صلى لا يرجع الا باذن اهل الجنازة قبل الدفن و بعد الدفن يسعه الرجوع بغير اذنهم كذافي المحيط (۳) (عالمگیری)

---

(۱) انما يكره الآجر اذا اريد به الزينة' اما اذا اريد به دفع اذى السباع او شى آخر لا يكره (مراقى الفلاح' احكام الجنائز' فصل في حكمها' ودفنها ص ۳۶۹ ط مصطفى مصر) اور شامی میں ہے وجاز ذالك حوله فى ارض رخوة كالتابوت قوله' وجاز اى الآجر والخشب (رد المحتار' باب صلوات الجنائز ۲۳۶/۲ ط سعيد)

(۲) یہ کراہت اس وقت ہے جب کہ بلا حاجت لکھے لیکن اگر حاجت ہو مثلاً پہچان کے لئے لکھے تو پھر مکروہ نہیں' ان احتيج الى الكتابة حتى لا يذهب الاثر' ولا يمتهن فلا باس به فالكتابة بغير عذر' فلا حتى انه يكره كتابة شئ عليه من القرآن' او الشعر' و نحو ذالك (رد المحتار : باب صلاة الجنائز ۲۳۸/۲ ط سعيد وان كتب عليه شيئا او وضع الاحجار' لا باس بذالك عند البعض' (خانيه على هامش الهندية : باب في غسل الميت' وما يتعلق به ۱۹۴/۱ ماجديه)

(۳) باب الجنائز' الفصل الخامس في الصلاة على الميت ۱۶۵/۱ ط مكتبه ماجديه كوئته

ڈھیلوں پر سورہ اخلاص پڑھ کر قبر میں ڈالنا جائز نہیں

(سوال) قبر میں میت کے ساتھ پانچ یا سات ڈھیلوں پر سورہ اخلاص ختم کر کے ڈالنا کیسا ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۱۳ محمد عنایت حسین صاحب کھنور' ۲۶ رجب ۱۳۵۲ھ ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۳) ڈھیلوں پر سورہ اخلاص پڑھ کر دم کر کے قبر میں رکھنا مکروہ ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

قبرستان کی خشک گھاس کا جلانا جائز نہیں

(سوال) جو شخص قبرستان میں حفاظت کے واسطے رہتا ہے اور میت کو غسل دیتا ہے اس کو تنخواہ دی جاتی ہے قبرستان میں بارش کے موسم میں قبروں پر گھاس ہو جاتی ہے وہ خشک ہونے کے بعد قبروں پر آگ لگا کر سیاہ کر دیتا ہے ایسے آدمی کو قبرستان میں رکھنا کیسا ہے ؟ جو شخص یہ کہتا ہے کہ خدا کیا ہے میرا تو پیر خدا ہے مجھ کو تو پیر نے بتایا ہے خدا نے کیا بتایا ہے اور میں اپنے پیر کے حکم سے مردے زندہ کر سکتا ہوں نماز میں خدا کی نہیں پڑھتا اپنے پیر کی نماز پڑھتا ہوں اور خدا کے ذکر کے بجائے اپنے پیر کا ذکر کرتا ہے یا وارث یا وارث کہتا ہے ایسے شخص کو مسجد میں جاروب کش یا مؤذن کی حیثیت رکھنا کیسا ہے ؟ اور وہ غسل میت کے فرض واجب نہیں جانتا اس کے ہاتھ سے میت کو غسل دلوانا کیسا ہے ؟ المستفتی نمبر ۴۶۲ محمد حسین (سابر متی) ۱۵ محرم ۱۳۵۴ھ م ۲۰ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۴) قبروں پر خشک گھاس کو آگ لگا کر جلانا سخت مذموم ہے شریعت نے قبرستان میں آگ لے جانے اور قبروں میں پکی اینٹیں لگانے کو بھی منع کیا ہے(۲) چہ جائیکہ قبروں پر آگ جلانا اگر یہ شخص باز نہ آئے اور اس حرکت سے توبہ نہ کرے تو اس کو قبرستان سے علیحدہ کر دیا جائے یہ کلمات موجب کفر ہیں (۳) اس کو ان کلمات سے توبہ کرنی چاہئیے ورنہ مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس کو علیحدہ کر دیں اگر میت کے غسل کا طریقہ اسے معلوم نہیں تو اس سے میت کو غسل نہ دلوایا جائے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اس لئے بدعت ہے

(۲) لان الآجر مما يستعمل للزينة ولانه مما مسته النار فيكره ان يجعل على الميت تفاء لا كما يكره ان يتبع قبره بنار' بدائع الصنائع' فصل في الدفن ۱/ ۳۱۸ ط سعيد

(۳) کیونکہ یہ کلمات قرآن مجید کی تصریحات اور اہل اسلام کے عقیدے کے بالکل مخالف ہیں الهكم الله واحد' لا اله الا هو الرحمن الرحيم البقرة ۱۶۳

قل ان صلاتي و نسكي و محياي' و مماتي لله رب العالمين' الانعام ۱۶۳

لا اله الا هو يحي و يميت :الاحزاب ۱۵۸

واذا ذكر الله وحده اشمازت قلوب الذين لا يومنون بالآخرة' واذا ذكر الذين من دونه اذا هم يستبشرون : الزمر ۴۵

ولا يكفر احد من اهل القبلة الا فيما فيه نفي الصانع القادر العليم' او شرك' او انكار النبوة' او ما علم مجينا بالضرورة (شرح الفقه الاكبر' مطلب معرفة المكفرات لا جتنا بها ص ۲۴۱ دار الكتب العلميه بيروت)

(۴) یہ مستقل وجہ ہے یعنی اگر اسے غسل کا طریقہ نہ آتا ہو تو تجدید ایمان کے باوجود اس سے غسل نہ دلوایا جائے گا والا ولى في الفاعل ان يكون اقرب الناس الى الميت' فان لم يحسن الغسل' فاهل الامانة والورع' (حلبی كبير : فصل في الجنائز ص ۵۸۰ ط سهيل اكيدمي لاهور)

قبر میں داہنی کروٹ لٹانا سنت ہے

(سوال) میت کو جب قبر میں رکھا جائے تو اس کو چت رکھا جائے یا کروٹ سے ؟ المستفتی نمبر ۲۵۲ برکت اللہ آسنسول ۲۵ رجب ۱۳۵۴ھ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۵) چت لٹانا اور قبلہ کی طرف منہ کرنا بھی جائز ہے اور کروٹ سے لٹانا اور پشت کی طرف مٹی کے ڈھیلے کی ٹیک لگانا بھی جائز ہے اور یہ صورت چت لٹانے سے بہتر اور افضل ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

میت کو دفن کرنے کے بعد وہاں سے منتقل کرنا جائز نہیں الایہ کہ غیر کی زمین میں دفن کیا ہو

(سوال) زید حنفی المذہب قبرستان کے متولی کی یا ورثاء کی اجازت سے قبرستان میں دفن ہو گیا زید مذکور کی والدہ اور دیگر اقرباء اسی قبرستان میں مدفون ہیں بکر معترض ہے کہ زید جس مقام پر دفن ہے وہ مقام میں نے اپنے لئے مخصوص کر دیا ہے زید کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرو۔ المستفتی نمبر ۸۴۷ محمد عبدالعزیز شریف (چام راج نگر میسور) ۲ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ ۲۶ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۶) قبرستان اگر وقف عام ہو اور اس میں کوئی شخص اپنے واسطے قبر کھدوا کر محفوظ چھوڑے اور کوئی دوسرا شخص اس میں اپنی میت کو دفن کر دے تو اس صورت میں بھی دفن کرنے والے کو صرف قبر کھودنے کی اجرت ادا کرنی پڑتی ہے صاحب القبر کو نعش نکلوانے کی اجازت نہیں ہے۔ **اذا حضر الرجل قبرا فی المقبرة التی یباح له الحضر فدفن فیه غیره میتا لا ینبش القبر ولكن یضمن قیمته حتسره لیكون جمعا بین الحقین انتهی عالمگیری** (۲) **نقلا عن خزانة المفتین** اور اگر قبر نہیں کھودی صرف اپنے دل میں خیال کر لیا کہ میں یہاں دفن ہوں گا تو اس صورت میں دوسرے دفن کرنے والے سے کچھ بھی کہنے کا حق نہیں (۳) نعش نکالنے کا صرف اس صورت میں حق ہوتا ہے کہ زمین مملوک ہو اور مالک کی اجازت کے بغیر دفن کیا جائے۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) غیر سنت کے خلاف ہے (قوله وجوبا) جرح فی التحفة بانه سنة (رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۲ /۲۳۶ ویوضع علی شقه الایمن متوجها الی القبلة (بدائع' فصل فی سنة الدفن ۱ : ۳۱۹ ط سعید)

(۲) بلفظ یہ عبارت عالمگیری میں نہیں ہے البتہ اسی مفہوم کی عبارت موجود ہے رجل حضر قبرا فارادوا دفن میت آخر فیه ان كانت المقبرة واسعة' یكره' وان كانت ضیقة جاز ولكن یضمن ما انفق صاحبه فیه (هندیه' با ب الجنائز' فصل فی الكفن والدفن ۱ /۱۶۶ مكتبه ماجدیه)

(۳) ولا یخرج منه الا لحق آدمی كان تكون الارض مغصوبة (قوله كان یكون الارض مغصوبة) واحترز بالمغصوبة عما اذا كانت وقفا قال فی التتارخانیة : انفق مالا فی اصلاح قبر ' فجاء رجل' ودفن فیه میته' وكانت الارض موقوفة یضمن ما انفق فیه' ولا یحول منه عن مكانه' لانه دفن فی وقف (رد المحتار ' با ب صلاة الجنائز ۲ /۲۳۸ ط سعید)

(۴) اذا دفن المیت فی ارض غیره بغیر اذن مالكها' فالمالك بالخیار : ان شاء امر باخراج المیت وان شاء سوی الارض وزرع فیها' كذافی التجنیس' (هندیه باب الجنائز' فصل فی القبر والدفن ۱ /۱۶۷ ط كوئته)

(۱) ضرورت کی وجہ سے میت کو تابوت میں دفن کرنا جائز ہے
(۲) قبر کے ارد گرد چار دیواری جائز نہیں
(۳) زندگی ہی میں اپنے لئے قبر تیار کرانا جائز ہے۔

(سوال) (۱) قبر کے اندر بوجہ کمزور ہونے زمین قبر کے نیچے کا حصہ خام چھوڑ کر صندوق پختہ بنوانا جائز ہے یا نا جائز؟ (۲) اوپر قبر کے قبر کا حصہ (یعنی پورا تعویذ) خام چھوڑ کر مثل چار دیواری دو فٹ اونچی بوجہ نقصان پہنچانے مویشیوں کے قبر کو بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ (۳) اپنی زندگی میں خود کے واسطے قبر تیار کرا کر اس میں غلہ بھرنا اور ہر سال غلہ کو نکال کر خیرات کر دینا دوبارہ از سر نو بھر دینا جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی** نمبر ۸۳۹ چودھری حاجی اللہ بخش (گوالیار) ۱۵ محرم ۱۳۵۵ھ ۱۸ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۷) (۱) زمین کمزور ہے تو اس میں تابوت یعنی لکڑی کے صندوق میں میت کو رکھ کر اتارنا جائز ہے یا پتھر کے چوکے کھڑے کر کے چوکھٹہ بنا دیں اینٹ کی چنائی سے احتراز کرنا چاہئے (۱)

(۲) یہ صورت بھی بہتر نہیں ہے۔ (۲)

(۳) اپنی زندگی میں قبر تیار کرا لینا مباح ہے (۳) لیکن اس میں غلہ بھر کر خیرات کرنا بدعت ہے خیرات کرنے میں حرج نہیں مگر قبر میں بھرے بغیر جتنا چاہو خیرات کر دو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دفن کے بعد چالیس قدم ہٹ کر دعا کرنا بدعت ہے

(سوال) قبرستان میں مردے کو دفن کرنے کے بعد چالیس قدم آگے چل کر ٹھہرتے ہیں اور بآواز بلند فاتحہ پڑھتے ہیں اور نہ پڑھنے والوں کو اکثر لوگ وہابی بے دین وغیرہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ **المستفتی** نمبر ۸۵۲ حکیم قاضی محمد نور الحق (چامراج نگر) ۲۱ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۸) یہ رسم بدعت ہے کیونکہ خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور اس کے تارک صحیح اسلامی تعلیم کے متبع ہیں ان کو وہابی کہنا اور بد نام کرنا سخت گناہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) حکی عن الشیخ الامام ابی بکر محمد بن الفضل : انه یجوز اتخاذ التابوت فی بلادنا' لرخاوة الارض' قال: ولو اتخذ تابوت من حدید' لا باس به' و یکره الآجر فی اللحد اذا کان یلی المیت الخ (هندیه' باب الجنائز' فصل فی القبر' والدفن ۱/۱۶۶ ط ماجدیه کوئٹه)

(۲) اما البناء علیه' فلم ار من اختار جوازه و عن ابی حنیفة ' یکره ان یبنی علیه بناء من بیت ' او قبة' او نحو ذالك لماروی جابر نهی رسول الله ﷺ عن تجصیص القبور' وان یکتب علیها' وان یبنی علیها' رواه مسلم' وذخیرة (رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۱/۲۳۷ ط سعید)

(۳) ومن حفر قبراً لنفسه لاباس به (هندیه باب الجنائز فصل فی القبر والدفن ۱/۱۶۶ ماجدیه) وفی الدر : و یحفر قبرا لنفسه و قیل یکره والذی ینبغی ان لا یکره تهنیة نحو الکفن بخلاف القبر (قوله' والذی ینبغی) کذا قاله فی شرح المنیة' وقال لان الحاجة الیه متحققة غالبا بخلاف القبر لقوله تعالیٰ وما تدری نفس بای ارض تموت (وقال الرافعی) قوله بخلاف القبر لقوله تعالیٰ الخ حفره لا ینافی الآیة لنفعه فی الجملة ولو لغیره (رد المحتار' باب الجنائز ۲/۲۴۴ ط سعید)

عاشورہ کے دن خصوصیت سے قبر پر مٹی ڈالنا صحیح نہیں

(سوال) عاشورہ کے دن قبروں پر مٹی ڈالنا اور بنانا جائز ہے یا نہیں ؟ بعض لوگ اس کو سنت نوح کہتے ہیں ؟
المستفتی نمبر ۷۹۵ مولوی عبدالحلیم (ضلع پشاور) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء
(جواب ۲۹) قبروں پر جب کہ منہدم ہو جائیں مٹی ڈال دینا جائز ہے (۱) مگر یوم عاشورہ کو اس کام کے خاص کر لینے کی کوئی دلیل نہیں۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

قبرستان میں چند قبریں تیار رکھنا جائز ہے

(سوال) قومی قبرستان میں چند قبریں پیشتر ہی سے تیار کر کے رکھنا جائز ہے یا ناجائز ؟ المستفتی نمبر ۱۰۱۷ محمد امیر صاحب پریزیڈنٹ انجمن اسلامیہ کالکا انبالہ ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۲۳ جون ۱۹۳۶ء
(جواب ۳۰) چند قبریں تیار رکھنا تاکہ حاجت مندوں کو وقت پر تیار ملے جائز ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

کچی قبر کے اردگرد پختہ بنانا جائز ہے

(سوال) قبر کو اوپر سے پختہ بنانا اس طرح کہ میت کے محاذ میں کچی رہے جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۱۴۹ ایم اے کیو انصاری ضلع میمن سنگھ (بنگال) ۷ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ
(جواب ۳۱) قبر کو چار طرف سے پختہ بنانا اس طرح کہ میت کے جسم کے محاذ میں نیچے سے اوپر تک کچی رہے مباح ہے یعنی میت کا جسم چاروں طرف سے مٹی کے اندر رہے پرے پرے پختہ ہو جائے تو حرج نہیں ہے۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

(۱) قبر کا پختہ بنانا، چاردیواری بنانا اور کتبہ لگانا
(۲) مردے نہیں سنتے

(سوال) (۱) قبروں کا پختہ بنانا یا چاردیواری بنوانا یا ایک پتھر پر نام میت یا تاریخ وفات لکھ کر قبر پر نصب کرنا

---

(۱) اذا خربت القبور' فلا باس بتطينها (هنديه : باب الجنائز' فصل في القبر والدفن ۱/۱٦٦ ط ماجديه)
(۲) بلکہ احادیث میں بعض عبادات محضہ کو بھی کسی دن کے ساتھ خاص کرنے کی ممانعت آئی ہے چہ جائیکہ ایک مباح کام کے لئے دن کی تخصیص کی جائے عن ابی هريرة : عن النبی ﷺ قال : لا تختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالي' و لا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الايام الخ (مسلم شريف' كتاب الصوم' باب كراهة افراد يوم الجمعة بصوم الخ ۱/۳٦۱ قديمی)
(۳) و يحفر قبرا لنفسه' و قيل يكره والذی ينبغی ان لا يكره تهيئة نحوا لكفن' بخلاف القبر' قوله والذی ينبغی الخ كذا قاله في شرح المنية' وقال : لان الحاجة اليه متحققة غالباً' بخلاف القبر' بقوله تعالى' وما تدری نفس بای ارض تموت' وقال الرافعی' قوله بخلاف القبر لقوله تعالى الخ حفره لا ينا فی الآية لنفعه في الجملة ولو لغيره (رد المحتار' باب الجنائز ۲ : ۲٤٤ ط سعيد)
(٤) ويكره الآجر في اللحد اذا كان يلي الميت' اما فيما وراء ذالك لا باس به (خانيه علی هامش الهندية' باب فی غسل الميت وما يتعلق به ۱/۱۹٤ ط ماجديه كوئته)

حدیث صحیحہ سے ثابت ہے یا نہیں ؟
(۲) مردے قبروں میں پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں یا کہ نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۱۱۸۸ عبدالعزیز صاحب مشین والا (ضلع سیالکوٹ) ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۲) (۱) قبروں کا پختہ بنانا ناجائز ہے (۱) حفاظت کے لئے قبرستان کی چار دیواری بنانا قبر کے سرہانے کتبہ لگانا مباح ہے (۲) قبر پر لکھنے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ (۳)
(۲) مردے قبروں میں پکارنے والے کی پکار کو نہیں سنتے اور نہ جواب دیتے ہیں۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

"ادفنوا موتاکم" الحدیث کی تخریج اور اس کا مطلب

(سوال) **ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین الخ** یہ روایت کس کتاب میں ہے صحیح ہے یا ضعیف اور صیغہ ادفنوا استحباب کے لئے ہے یا وجوب کے لئے ؟ **المستفتی** نمبر ۱۲۶۶ مولوی محمد ابراہیم صاحب (جیو سلم) ۱۱ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۷ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۳) **ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین الحدیث** یہ روایت جامع الصغیر میں حلیہ ابو نعیم سے مروی ہے یہ روایت ابو ہریرہ مگر جامع صغیر (۵) میں اس کو ضعیف بتایا گیا ہے اور ادفنوا صیغہ امر استحباب کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

غلاف کعبہ کا ٹکڑا کفن میں رکھنا

(سوال) خانہ کعبہ کے غلاف کا ٹکڑا اگر میت کے ساتھ کفن میں رکھ کر میت کو دفن کر دیا جائے تو باعث نجات ہو سکتا ہے یا نہیں یا میت کو اس ٹکڑے کی وجہ سے کچھ اور نقصان و نفع ہو سکتا ہے ؟ **المستفتی** حاجی محمد داؤد صاحب

(جواب) (از نائب مفتی صاحب) اگر غلاف کعبہ معظمہ کا ٹکڑا لکھا ہوا ہو تو اس کو میت کے ساتھ کفن میں رکھ کر دفنانا ناجائز ہوگا (۶) اور اگر لکھا ہوا نہ ہو تو اس کو میت کے کفن میں رکھ کر دفنانا بھی ثابت نہیں اور اس

---

(۱) ولا یجصص للنھی ولا یطین (رد المحتار ' باب صلاۃ الجنائز ۲/۲۳۷ ط سعید)
(۲) وان کتب علیه شیئا او وضع الاحجار' لا باس بذالك عند البعض (خانیة' علی هامش الهندیة' باب فی غسل المیت وما یتعلق به ۱/۱۹٤ ط سعید)
(۳) عن جابرؓ قال : نھی رسول اللہ ﷺ ان تجصص القبو روان یکتب علیھا (ترمذی : ابواب الجنائز' باب ماجاء فی کراھیة تجصیص القبور' والکتابة علیھا ۱/۲۰۳ ط سعید)
(٤) رد المحتار' کتاب الایمان' باب الیمین فی الضرب' والقتل' وغیر ذالك' مطلب فی سماع المیت الکلام ۳/۸۳٦ ط سعید – یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اہل حق کی دو جماعتیں ہیں' بعض سماع کے قائل ہیں اور بعض عدم سماع کے' مسئلہ چونکہ عقائد کا نہیں اس لئے اس میں غلو بالکل درست نہیں۔ (۵) حرف الهمزة' الجزء الاول ص ۱٤ ط مکتبه اسلامیه لائل پور
(٦) وقد افتی ابن الصلاح بانه لا یجوز ان یکتب علی الکفن یٰس' والکھف' ونحو ھما خوفا من صدید المیت (رد المحتار' باب صلاۃ الجنائز ۲/۲٤٦ ط سعید)

کے فائدہ پہنچانے کے بارے میں میت کو کوئی روایت ثابت نہیں۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(جواب ۳٤) (از حضرت مفتی اعظمؒ) غلاف کعبہ پر حروف منقش ہوتے ہیں اس لئے اس کو قبر میں میت کے ساتھ رکھنا درست نہیں(۱) اور اگر حروف سے خالی بھی ہو جب بھی ایک محترم چیز کو قبر میں دفن کر کے میت کی بدنی رطوبات میں ملوث ہونے کی صورت بہم پہنچانا اس کے احترام کے خلاف ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

دفن کے بعد ہاتھ دھونا جائز ہے

(سوال) میت کو دفن کرنے کے بعد مٹی دیکر کچھ لوگ وہیں ہاتھ دھو لیتے ہیں اور کچھ نہیں دھوتے دونوں میں کون سی صورت بہتر ہے ہاتھ دھوئے جائیں یا نہیں ؟ المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ۳۵) ہاتھ دھونا صفائی کے لئے ہے اگر مٹی سوکھی ہو اور ہاتھ ملوث نہ ہوں تو دھونا ضروری نہیں اور گیلی مٹی سے ہاتھ ملوث ہوگئے ہوں اور وہاں پر پانی مل سکے تو دھولے ورنہ واپس آکر دھولے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

موت کے وقت اور قبر میں میت کو قبلہ رو لٹانا سنت ہے

(سوال) بعد انتقال کے قبر میں مردے کو کس طرح رکھنا سنت ہے اور جو شخص قریب المرگ ہو تو اُسے کس طرح لٹانا سنت ہے۔ المستفتی نمبر ۱۹۶۴ محمد حقیق صاحب مدرس مدرسہ عزیزیہ (رام پور) ۲۶ شعبان ۱۳۵٦ھ یکم نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب) (از مولوی محمد حقیق صاحب) میت کو قبر میں یا لحد میں سیدھی کروٹ پر روبقبلہ کر کے رکھنا سنت ہے یہی طریقہ اہل اسلام ہے اور زمانہ نبی کریم ﷺ سے مقبول اور زمانہ خلف و سلف میں معمول و متوارث ہے ہمارے ائمہ کرام و فقہاء عظام کا یہی مذہب ہے اور امام شافعی و احمد بن حنبل اور امام مالک صاحبان کا بھی یہی مسلک ہے علامہ حلبی، صغیری و کبیری شرح منیہ میں اور امام شافعی صاحب نے اپنی کتاب الام میں مردے کو رو بقبلہ رکھنے کی کیفیت میں یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ مردے کی پیٹھ کی طرف ڈھیلہ یا مٹی کی روک کردے تاکہ مردہ اوندھا یا چت نہ ہو جائے امام شافعیؒ صاحب نے سر کے نیچے کچی اینٹ رکھنے کی بھی تصریح فرمائی۔ نہ اگرچہ بعض فقہا نے ان پر دو قیود کو صراحۃً بیان نہیں فرمایا ہے لیکن ہر سمجھدار مردے کو داہنی طرف لٹانے کے حکم سے سمجھ سکتا ہے نیز میت کے اکثر احوال ممکنہ میں زندوں کی موافقت شرعاً مطلوب و ملحوظ ہے جو کہ باب الجنائز کے مسائل دیکھنے سے معلوم ہو سکتے ہیں یہاں تک کہ میت کے وضو اور غسل اور کفن وغیرہ

---

(۱) وقد افتی ابن الصلاح بانه لا یجوز ان یکتب علی الکفن یٰس والکهف ونحو هما خوفا من صدید المیت (رد المحتار : باب صلاۃ الجنائز ۲/ ۲٤٦ ط سعید)

(۲) لعل هذا من مسامحات الشیخ والا فقد افتی بجوازه کما مر فی صفحه٤٣ فلیراجع سیف

میں تیامن (یعنی داہنی جانب کی رعایت) مطلوب ہے بایں وجہ کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں تیامن کو محبوب رکھتا ہے یہاں تک کہ طہارۃ (وضو و غسل) اور جوتا پہننے اور کنگھی کرنے میں بھی اس کے علاوہ اور احوال میں بھی تو کیا میت کی حالت جوتا پہننے اور کنگھی کرنے سے بھی ادنیٰ ہوگی کہ یہاں یہ تیامن مطلوب اور معمول نہ ہو لہذا یہ حالت بہ طریقہ اولیٰ متحقق ہے تیامن کی لہذا استقبال قبلہ مردے کے حق میں قبر کے اندر سیدھی کروٹ پر روبقبلہ لٹانا مسنون و طریقہ اہل اسلام ہوا نیز حدیث شریف میں ثابت ہے کہ تمہارے مردوں اور زندوں کے لئے بیت اللہ الحرام قبلہ ہے قبلہ کا حق استقبال ہے زندہ شخص حالت نماز میں اس حق کو ادا کرتا ہے اور استقبال سینہ اور چہرے کے مقابل قبلہ ہونے سے ہوتا ہے سینہ اس میں اصل اور ضروری ہے فقط چہرے کو مقابل قبلہ کردینے کو استقبال قبلہ شرعاً نہیں کہا جا سکتا اس کو شرعاً التفات اور توجہ کہتے ہیں اسی طرح میت سے بھی اس حق کا ادا ہونا اس وقت ہوگا جب قبر میں سیدھی کروٹ پر روبقبلہ لٹایا جائے فقط چہرے کو قبلہ کی طرف موڑنے سے جیسا کہ آج کل عوام کرتے ہیں اس سے حق قبلہ جو استقبال ہے ادا نہیں ہوتا ہے جس کی وجہ ابھی مذکور ہوئی ہے۔

اور جو شخص قریب المرگ ہو تو سیدھی کروٹ پر لٹانا سنت ہے اور اگر چت لٹایا گیا تو یہ بھی جائز ہے لیکن اس صورت میں اس کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں اور سر قدرے اونچا رکھا جائے تاکہ چہرہ آسمان کی طرف نہ ہو یہ دونوں صورتیں اس وقت ہیں جب یہ طریقہ مذکورہ دشوار نہ ہو ورنہ پھر جو طریقہ اس قریب المرگ پر آسان ہو اسی طریقہ پر چھوڑ دیا جائے صغیری و کبیری شرح منیۃ المصلی میں ہے **ویوجه المیت فی القبر علی جنبه الایمن ولا یلقی علی ظهره لیسند المیت من وراء بتراب او نحوه لئلا ینقلب** (۱) نور الایضاح میں ہے **ویوجه الی القبلة علی الایمن** (۲) مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں تحت قول الماتن ویوجه الی القبلة علی ایمن یہ عبارت ہے بذلك امر النبی ﷺ و حدیث ابی داؤد البیت الحرام قبلتکم احیاء وامواتا انتهی (۳) طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے **بذلك امر النبی ﷺ علیاً لمامات رجل من بنی عبدالمطلب فقال یا علی استقبل به القبلة استقبالا وقولوا جمیعا باسم الله و علی ملة رسول الله ﷺ وضع لجنبه ولا تکبوه علی وجهه ولا تلقوه علی ظهره** کذافی الجوهرة وفی الحلبی و یسند المیت من ورائه بنحو تراب لئلا ینقلب (۴) فتاویٰ قاضی خاں جلد اول صفحہ ۹۳ میں ہے ویدخل المیت القبر من القبلة و یوضع فی القبر **علی جنبه الایمن مستقبل القبلة** (۵) عالمگیری جلد اول صفحہ ۲۳۳ میں ہے **ویوضع علی جنبه الایمن مستقبل القبلة** کذافی الخلاصة (۶) مجمع الانہر میں ہے **ویوجه الی القبلة اذبه امر النبی ﷺ** (۷)

---

(۱) الفصل السادس فی اللحد والدفن ص ۵۹۸ ط سہیل اکیدمی

(۲-۳-۴) باب الجنائز ص ۳۶۸-۳۶۹ مصطفی حلبی مصر

(۵) باب الجنائز ۱/۱۹۴ ط ماجدیہ کوئٹہ

(۶) احکام الجنائز ۱/۱۶۶ ط کوئٹہ (۷) باب الجنائز فصل فی الصلاۃ علی المیت ۱۸۶/۱۰ ط بیروت

شرح الیاس میں ہے الی القبلة ای یوضع فی المقبر علی جنبه الایمن مستقبل القبلة (۱) بحر الرائق میں ہے واذا یوجه الی القبلة علی یمینه لانه السنة المنقولة (۲) هکذا ذکر فی المتون والشروح والفتاوی ولم یخالف احد من السلف والخلف شرح کنز لملا مسکین علامہ ہروی میں ہے ویوخذ الی القبلة ای یوضع فی القبر علی جنبه الایمن مستقبل القبلة (۳) کشف الحقائق شرح ویوجه الی القبلة مضطجعا علی شقه الایمن (٤) اور بھی اسی شرح میں ہے وسن للمحتضر ان یوجه الی القبلة مضطجعا علی یمینه وهذا اذا لم یشق علیه والا ترك علی حاله و جعل رجلاه الی القبلة واختیر فی بلادنا الا ستلقاء علی قفاه لانه ایسر لخروج الروح الا ان الاول هو السنة انتهی (٥) عینی شرح کنز میں ہے ولی المحتضر القبلة علی یمینه لان ما قرب الی الشئ له حکمه و فی القبر یوجه علی شقه الایمن وکذا اذا اقرب الیه واختار المتاخرون الاستلقاء لانه ایسر لخروج الروح ثم اذاالقی علی قفاه یرفع راسه قلیلا لیصیر وجهه الی القبلة (٦) مستخلص شرح کنز میں ہے قوله ویوجه الی القبلة یوضع علی شقه الایمن متوجها الی القبلة لقوله علیه السلام لعلی حین و ضع جنازة یا علی استقبل به استقبالا (۷) ہدایہ میں ہے اذا احتضر الرجل وجه الی القبلة علی شقه الایمن اعتبارا بحال الوضع فی القبر لانه اشرف علیه والمختار فی بلادنا الاستلقاء لانه ایسرلخروج الروح والاول هو السنة (۸) نیز ہدایہ میں ہے یوجه الی القبلة بذلك امر النبی ﷺ انتهی (۹) فتح القدیر میں ہے عن ابراهیم النخعی قال یستقبل بالمیت القبلة و عن عطاء بن ابی رباح نحوه بزیادة علی شقه الایمن ما علمت احدا ترکه من میت ولانه قریب من الوضع فی القبر ومن اضطجاعه فی مرضه والسنة فیهما ذلك فکذا فیما قرب منهما (۱۰) ص ۴۴۵ در مختار میں ہے ویوجه الیها وجوبا و ینبغی کونه علی شقه الایمن (۱۱) شامی میں ہے ذیل قول مصنف کے (وجوبا) اخذه من قول الهدایة بذلك امر النبی ﷺ لکن لم یجده المخرجون و فی الفتح انه غریب واستونس له بحدیث ابی داؤد والنسائی ان رجلا قال یا رسول الله ما الکبائر

....

(۱) ۱ / ۱۰٤ ط مرتضی محمد عزیز الدین
(۲) باب الجنائز ۲ / ۱۸٤ ط بیروت
(۳) باب الجنائز فصل فی الصلاة علی المیت ۱ / ۳٦۲ ط سعید
(٤ - ٥) یہ دونوں عبارتیں کشف الحقائق میں نہیں ملیں البتہ یہ عبارت ہے ولی المحتضر القبلة علی یمینه اعتبارا بحال الوضع فی القبر (کشف الحقائق باب الجنائز ۱ / ۸۸ ط ادارۃ القرآن کراچی)
(٦) باب الجنائز ۱ / ٦۳ ط ادارۃ القرآن
(۷) باب الجنائز فصل فی الصلاة علی المیت ۱ / ۳۲٤ ط نولکشوری لاہور
(۸) باب الجنائز ۱ / ۱۷۸ ط شرکت علمیہ ملتان
(۹) باب الجنائز فصل فی الدفن ۱ / ۱۸۲ ط شرکۃ علمیہ ملتان
(۱۰) باب الجنائز ۲ / ۱۰٤ ط مصطفی الحلبی مصر
(۱۱) باب صلاة الجنائز ۲ / ۲۳٦ ط سعید

قال هی تسع فذکر منها استحلال البیت الحرام قبلتکم احیاء واموانا اه قلت وجهه ان ظاهره التسویة بین الحیاة والموت فی وجوب استقباله لکن صرح فی التحفة بانه سنة اه (۱) طحطاوی حاشیہ درمختار ذیل میں قول ماتن وجوباً کے تحریر فرماتے ہیں اخذ من قول المصنف وغیره بذلك امر رسول الله ﷺ لان الاصل فی الامر الوجوب (۲) کتاب الام فقہ شافعی ص ۲۴۵ میں ہے قال الامام الشافعی رحمة الله علیه و توضع فی قبورهم علی جنوبهم المیمنة و ترفع رؤسهم بحجر او لبنة و لیسندون لئلا ینحنوا تلقوا وان بارض شدیدة لحد لهم ثم نصب علی قبورهم اللبن نصبا (۳) نهایة المحتاج شرح منہاج میں ہے و یوضع فی اللحد وغیره علی یمینه ندبا کما فی المجموع والروضة وصوب الاسنوی قول الامام بوجوبه اتباعا للسلف والخلف وکالا ضطجاع عند النوم و یوجه للقبلة وجوبا تنزیلا له منزلة المصلی فان دفن مستدبراو مستلقیا ینبش حتما ان لم یتغیر والا فلا ولئلا یتوهم انه غیر مسلم و یسند ظهره بلبنة طاهرة او نحو ها لیمنعه عن الا ستلقاء علی قفاه و تجعل تحت راسه لبنة او حجر و یفضی لحده الایمن الیه اوالی تراب (۴) یعنی فقہ مالکی مقدمہ ابن رشد صفحہ ۱۶۲ میں ہے ویستحب ان یلقن المیت عند الموت وان یوجه القبلة علی شقه الایمن کما یجعل فی لحده وکما یصلی المریض الذی لا یقدر علی الجلوس انتهی (۵)

(جواب ۳۶) (از حضرت مفتی اعظمؒ) یہ صحیح ہے کہ قبر میں میت کو دائیں کروٹ پر لٹانا مسنون ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

پیر و مرشد کا شجرہ قبر میں رکھنا جائز نہیں

(سوال) پیر و مرشد کا شجرہ مرنے کے بعد قبر میں رکھنا کیسا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۳۱۸ اے ی منصوری (مبئی) ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۵ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۷) قبر میں شجرہ رکھنا ناجائز ہے۔(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) باب صلاة الجنائز ۲/ ۲۳۶ ط سعید
(۲) باب الجنائز ۱/ ۳۸۱ ط بیروت
(۳) ۱/ ۲۷۶ ط بیروت
(۴) کتاب الجنائز ۳/ ۶' ط بیروت
(۵) کتاب الجنائز' فصل فیما یستحب عند الاحتضار ۱/ ۲۳۱ ط دار العرب الاسلامی
(۶) قال فی الحلیة' و یکره ان یوضع تحت المیت فی القبر مضربة (ردالمحتار' باب صلاة الجنائز ۲/ ۲۳۴ ط سعید) مزید برآں اس میں فساد عقیدہ کا بھی قوی اندیشہ ہے اور اسماء معظمہ کی بے حرمتی ہے اس لئے درست نہیں لا یجوز ان یکتب علی الکفن یس والکهف' او نحوهما خوفا من صدید المیت فالا سمآء المعظمة باقیة علی حالها فلا یجوز تعریضها للنجاسة' (رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۲/ ۲۳۴' ۲/ ۲۴۶ ط سعید)

مردے کو قبر میں لٹا کر اس کا منہ دیکھنا

(سوال) مردے کو قبر میں لٹا کر اس کا منہ دیکھنا جائز ہے کہ نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۲۰ نبی احمد خاں (آگرہ) ۷ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ ۶ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۸) جائز ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حضور اکرم ﷺ اور بزرگوں کی قبور کا پختہ ہونے پر اشکال

(سوال) زید جو علم دین سے ناواقف مگر راسخ العقیدہ مسلمان ہے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ "اسلام پختہ مقابر بنانے کی اجازت نہیں دیتا" مگر بکر جو ایک تعلیم یافتہ اور امور دینی کے مسائل بھی طے کرتا ہے اس کی تردید ان الفاظ کے ساتھ کرتا ہے کہ "شارع اسلام یعنی آنحضرت ﷺ کا روضہ مبارک پختہ ہے" خلفائے کرام کے مقابر پختہ ہیں شہداء عظام کی قبریں پختہ ہیں اور یہ وہ مبارک و مقدس ہستیاں ہیں جن کے عمل اور زندگی سے شعائر اسلام کی بنیاد پڑی ہے ساری دنیائے اسلام ان مقابر کو عظمت و احترام کے ساتھ دیکھتی ہے نذر عقیدت پیش کرتی ہے اور اس خاک قبر کو اپنے لئے کیمیائے سعادت سمجھتی ہے اور آج تک ایک متنفس نے بھی یہ اعتراض نہیں کیا کہ ان بانیان ملت کے مقابر کیوں پختہ ہیں اگر اسلام پختہ مقابر پر معترض ہوتا تو خود بانی اسلام روحی فداہ کا مقبرہ ہمیں کبھی پختہ نہیں دکھائی دیتا اس مسئلہ میں شرعاً زید کا دعویٰ صحیح ہے یا بکر کا؟

المستفتی نمبر ۲۶۶۵ جناب سید طاہر حسین صاحب (بھوپال) ۱۰ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ ۱۸ اپریل ۱۹۴۱ء

(جواب ۳۹) زید کا قول صحیح ہے آنحضرت ﷺ نے پختہ قبریں اور اونچی قبریں بنانے سے منع فرمایا ہے۔(۲)

حضور ﷺ کی قبر مبارک کے پختہ ہونے کا ثبوت نہیں روضہ مطہر پختہ ہے تو وہ بھی حضور اکرم ﷺ کے حکم یا صحابہ کرامؓ کے فعل سے نہیں اور حضور ﷺ کا روضہ دوسرے بزرگوں کے قبوں سے جداگانہ حکم رکھتا ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا دفن ہی حجرہ عائشہ میں ہوا اور حجرے یا کوٹھری یا مکان میں دفن ہونا حضور کے ساتھ مخصوص ہے(۳) قبروں پر قبے بنانا بھی منع ہے۔

یہ صحیح ہے کہ بزرگوں کی قبریں بھی پختہ بنی ہیں اور قبے بھی بنے ہیں مگر نصوص کے مقابلے میں کسی کا عمل حجت نہیں ہو سکتا یہ غلط ہے کہ ساری دنیائے اسلام پختہ قبروں کو اور قبوں کو پختہ ہونے کی حیثیت سے بنظر احترام دیکھتی ہے نظر احترام سے دیکھنے کا معاملہ صاحب قبر کی بزرگی کے ساتھ متعلق ہے پختہ قبر کی

---

(۱) شرطیکہ تدفین میں تاخیر نہ ہو اور اس کو ثواب نہ سمجھتے ہوں اور اس کو رواج نہ دیا جائے اس زمانے میں اس سے پرہیز ہی بہتر ہے۔

(۲) عن جابرؓ قال : نہی رسول اللہ ﷺ ان تجصص القبور' وان یکتب علیہا' وان یبنی علیہا وان توطا (ترمذی' ابواب الجنائز' باب ماجاء فی کراهیة تجصیص القبور' والکتابة علیہا ۱/ ۲۰۳ ط سعید)

(۳) ولا ینبغی ان یدفن المیت فی الدار' و لو کان صغیرا لا ختصاص هذه السنة بالانبیاء (الدر المختار' باب صلاة الجنائز ۲/ ۲۳۵ ط سعید)

پختگی کو اہل حق نے ہمیشہ بنظر انکار دیکھا ہے اور بعض بزرگوں نے وصیت کی ہے کہ ہماری قبر پختہ نہ بنائی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

حدیث کی تحقیق

(سوال) بندہ ایک حدیث کے متعلق تحقیق کرانا چاہتا ہے تحریر فرمائیے نہایت عنایت ہوگی فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون (۱) حدیث ابی داؤد ص ۱۰۱ ج ۲ فی باب جمع الموتٰی فی قبر والقبر فلم حدثنا عبدالوهاب الي ان قال لمامات عثمان بن مظعون الحديث اس حدیث سے قبر پر علم لگانا ثابت ہوتا ہے اب یہ ہے کہ ایک حجر لگانا سرہانے کو موافق سنت ہے یا دو یا ایک سر کو دوسرا پاؤں کی جانب یا تین حجر ایک سر کو دوسرا پاؤں کو تیسرا اور میان قبر میں یہاں پر مرد کے لئے دو پتھر لگائے جاتے ہیں اور عورت کے لئے تین جیسا کہ ہم نے ذکر کیا پس ثبوت دو کا اس حدیث سے ثابت ہونا جیسا کہ ملا علی قاری شرح مرقاۃ میں ذکر فرماتے ہیں قال بعض متقدمي ائمتنا الخ جلد دوم ص ۳۷۹ اگر یہ ہمارے ائمہ احناف ہیں تو امام محمد کا قول جو کتاب الآثار میں ہے ص ۴۲ ویکرہ ان یجصص الی ان قال او يجعل عنده علما الخ وهو قول ابی حنيفة نقله اعلاء السنن جلد ثامن ص ۱۹۶ اور امام زیلعی نے تبیین الحقائق (۲) میں کراہت کو اختیار کیا ہے جناب والا سنت کو بدعت سے مشرح فرمائیں نہایت عنایت ہوگی کیونکہ یہاں پر ان علامات کو نہایت ضروری سمجھتے ہیں اور عمل کے لئے جو بہتر ہو اس کو بیان فرمائیے۔
المستفتی نمبر ۲۷۰۹ مولوی غلام محمد صاحب (کوہاٹ) ۲۵ صفر ۱۳۶۱ھ م ۱۴ مارچ ۱۹۴۲ء

(جواب ۴۰) قبر کے سرہانے ایک پتھر علامت کے لئے لگانا جائز ہے یہ ابوداؤد کی حدیث سے ثابت ہے (۳) ملا علی قاری نے ابن حجر شافعی سے مرقاۃ میں نقل کیا ہے کہ بعض متقدمین ائمہ شافعیہ دو پتھروں کو رکھنے کے مسنون ہونے کے قائل ہیں (۴) مگر دو پتھر رکھنے کی روایت کی سند بیان نہیں کی اس لئے ایک پتھر رکھنا بلاشبہ درست اور ثابت ہے اور دو پتھروں کی گنجائش ہے ایک سر اور ایک قدموں کی طرف (۵) تیسرا پتھر درمیان میں لگانا کہیں نظر سے نہیں گزرا۔

اور اعلاء السنن میں کتاب الآثار سے جو یہ نقل کیا ہے کہ قبر پر علم مکروہ ہے اس علم سے رکھنے کے

(۱) الانبیاء ۷

(۲) و يكره او يعلم بعلامة من كتابة و نحوه　　وقيل لا باس بالكتابة او وضع الحجر ليكون علامة (تبيين الحقائق ' باب الجنائز ۱ / ۲۴۶ ط امدادیہ ملتان)

(۳) لمامات عثمان بن مظعون فدفن فامر النبي ﷺ رجلا ان ياتيه بحجر فلم يستطع ' ثم حملها فوضعها عند راسه وقال اتعلم بها قبر اخي و ادفن اليه من مات من اهلي ' (ابوداؤد ' باب في جمع الموتى في قبر والقبر يعلم ۲ / ۱۰۱ ط امدادیہ ملتان)

(۴) قال بعض متقدمي ائمتنا : و يسن وضع اخرى عند رجله لانه عليه السلام وضع حجرين على قبر عثمان بن مظعون الخ (مرقاة شرح مشكوة ' كتاب الجنائز ۴ / ۷۸ امدادیہ ملتان)

(۵) اس لئے کہ یہ پتھر بطور نشانی کے رکھے جاتے ہیں ایک سرہانے کی انتہا پر دلالت کرتا ہے اور ایک پاؤں کی طرف

سوا کوئی اور نشان، تو نام کرنا مراد لیا جائے تو بہتر ہے تاکہ یہ جزئیہ حدیث کے خلاف نہ ہو فقہاء متاخرین حنفیہ نے پتھر والی روایت کو علامت یا مجر کے بارے میں دلیل قرار دے کر اسے قرار دیا ہے اور یہی صحیح ہے اعلاء السنن میں بھی ذرا آگے یہ مذکور ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) قبر پر مٹی ڈالتے وقت کی مستحب دعا
(۲) جنازہ کو دس دس قدم اٹھانا مستحب ہے واجب نہیں.
(۳) دفن کے بعد قبر کے سرہانے سورہ بقرۃ کا آخری رکوع اور پائنتی کی طرف آخری رکوع پڑھنا مستحب ہے

(سوال) (۱) قبر پر مٹی ڈالنے کے وقت مٹی پر پڑھنا (منہا) جائز ہے یا نہیں؟
(۲) جنازے کو چار آدمیوں کا پکڑنا اور دس دس قدم کا چلنا یعنی چالیس قدم جائز ہیں.
(۳) سورہ بقر کا رکوع اول میت کے دفن کرنے کے وقت اس کے سرہانے پر پڑھنا آخری رکوع سورہ بقر کا پاؤں کی طرف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۸۷۲ راجہ فیروز خاں

(جواب ۴۱) (۱) مٹی دیتے وقت تین مرتبہ مٹی دینا مستحب ہے پہلی بار منہا خلقنکم دوسری بار وفیہا نعیدکم تیسری بار ومنہا نخرجکم تارۃً اخری پڑھنا بھی مستحب ہے۔(۲)
(۲) ہر مسلمان پر مسلمان میت کا یہ حق ہے کہ اس کے جنازے کو کندھا دے اور ہر پایہ کو دس دس قدم تک لے چلے اس حق میں امام کی یا کسی کی کوئی تخصیص نہیں نہ اس کا کوئی وقت اور موقع متعین ہے نہ ضروری ہے کہ لگاتار چاروں پائے اٹھائے اگر ایک پایہ کو دس قدم لے جاکر چھوڑنے کے بعد فوراً دوسرا پایہ پکڑنے کا موقع نہ ملے تو کچھ توقف کے بعد دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا پایہ پکڑ سکتا ہے اور پھر یہ سب مستحب کے درجے میں ہے فرض یا واجب علی العین نہیں ہے۔(۳)
(۳) ہاں یہ مستحب ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) فقال صاحب رد المحتار فان الکتابة طریق الی تعرف القبر وھو ما فی سنن ابی داؤد : وقال اتعلم بھا قبر اخی وادفن الیه من مات من اھلی (اعلاء السنن باب النھی عن تجصیص القبور والقعود والبناء والکتابة والزیادة علیھا ۸ / ۲۶۷ ط ادارۃ القرآن)

(۲) قوله ویستحب ای لمن شھد دفن المیت ان یحثی فی قبرہ ثلاث حثیات بیدیه جمیعا من قبل راسه ویقول فی الاولی منھا خلقناکم وفی الثانیة وفیھا نعیدکم وفی الثالثة ومنھا نخرجکم تارة اخری (طحطاوی علی مراقی الفلاح باب احکام الجنائز فصل فی حملھا و دفنھا ص ۳۶۹ ط مصطفی حلبی مصر)

(۳) واذا حمل الجنازة وضع ندبا مقدمھا وکذا المؤخر علی یمینه عشر خطوات لحدیث " من حمل علی جنازة اربعین خطوة کفرت عنه اربعین کبیرة (الدر المختار باب صلاة الجنائز ۲ / ۲۳۱ ط سعید)

(۴) وکان ابن عمر یستحب ان یقرا علی القبر بعد الدفن اول سورة البقرة وخاتمھا (ثم بعد صفحات) فقد ثبت انه علیه السلام قرا اول سورة البقرة عند راس المیت وآخرھا عند رجلیه (رد المحتار باب صلاة الجنائز ۲ / ۲۳۷، ۲۴۲ ط سعید)

(۱) قبر کے ارد گرد پکا کرنا مباح ہے
(۲) قبرستان میں تکیہ پر قرآن رکھ کر تلاوت کرنا جائز ہے
(۳) بزرگ کی قبر کے پاس چبوترہ بنانے کے لئے دوسری قبروں کو ختم کرنا جائز نہیں

(سوال) (۱) قبرستان میں اکثر بعض قبر کا چاروں طرف سے پکا احاطہ چونے پتھر کا بنوا دیتے ہیں اور بیچ میں اصلی کچی قبر رہتی ہے تو یہ فعل جائز ہے یا نہیں زید کہتا ہے کہ حکم یہ ہے کہ مر جائے تو اس کا نشان قائم نہیں رکھنا چاہئیے جس کو خدا نے نہیں رکھا اور اگر کوئی حرج نہیں تو یہ طریقہ سلف صالحین کا ہے یا قرآن و حدیث سے بھی ثابت ہے یا یہ دستور ہی دنیوی ہے۔
(۲) قبرستان میں قرآن شریف تکیہ وغیرہ پر رکھ کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں اکثر قبریں ختم ہو کر زمین ہو گئی ہیں اس پر تکیہ رکھ کر پڑھنا کیسا ہے یا ہاتھ میں رکھ کر پڑھنا چاہئیے۔
(۳) ایک شخص نے قبرستان میں کسی بزرگ کی قبر میں کھونچہ (کٹہرا جو قبر کے چاروں طرف لکڑی گاڑ کر بناتے ہیں) پچھوا کر چاروں طرف تین تین گز کے فاصلے پر کھونچہ پچھوا کر کٹوایا ہے اکثر پرانی قبریں یا بعض کے پتھر وغیرہ چھپ گئے اور ایک نئی قبر ایک ماہ کی وہ بھی اس میں آگئی اور اس کا نشان بھی ختم ہو گیا تو یہ فعل کیسا ہے ایسا کرنے والا گناہ گار ہے یا نہیں؟ **المستفتی** عبدالعزیز ٹونکی

(جواب ۴۲) (۱) قبر کے گرد پختہ چوکا (احاطہ) بنوا دینا کہ قبر درمیان میں کچی رہے مباح ہے۔(۱)
(۲) قبرستان میں تکیہ پر کلام مجید رکھ کر پڑھنا جائز ہے۔(۲)
(۳) قبر کے آس پاس اگر اور قبریں ہیں تو ان قبروں کو کھود کر یا مٹا کر چبوترا بنوانا درست نہیں ہے۔(۳) خالی جگہ ہو تو اس میں آس پاس چبوترا بنوانا مباح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

میت کی پیشانی پر بسم اللہ لکھنا

(سوال) میت کی پیشانی پر بسم اللہ شریف لکھنا جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی** نظیر الدین امیر الدین (املیز ہ ضلع خاندیس)

(جواب ۴۳) میت کی پیشانی پر صرف انگلی کے اشارے سے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دینا جائز ہے کسی

---

(۱) اگر قش زینت ہو تو جائز نہیں ویکرہ الآجر فی اللحد اذا کان یلی المیت اما فیما وراء ذالک فلا باس به (حاشیه علی هامش الهندیة باب فی غسل المیت وما یتعلق به ۱/۱۹۴ ط ماجدیه کوئته)
(۲) قراۃ القرآن عند القبور عند محمد لا یکرہ و مشائخنا اخذوا بقوله (هندیه باب الجنائز فصل فی القبر والدفن ۱/۱۶۶ ط کوئته) جب قبر کے پاس قرآن پڑھنا جائز ہے تو چاہے قرآن تکیے پر رکھ کر پڑھے یا ہاتھ میں لے کر اور یا زبانی پڑھے سب درست ہے۔
(۳) یونکہ اس میں دوسرے اہل قبور کی توہین ہے اور کسی کے قبر کو برابر کر کے اس پر تعمیر کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک میت بالکل مٹی نہ ہو جائے ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه (هندیة باب صلاة الجنائز فصل فی القبر والدفن ۱/۱۶۷ کوئته)

ایسی چیز سے نہ لکھی جائے جس سے پیشانی پر نقش ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(جواب دیگر ٤٤) قبر میں عہد نامہ رکھ کر میت کو دفن کرنا مکروہ ہے(۲) اس سے عہد نامہ کی بے ادبی ہوتی ہے دفن کے بعد قبر پر اذان دینا بھی بے ثبوت ہے اسے بھی ترک کرنا چاہئیے(۳) میت کی خبر سن کر دو رکعت نفل ادا کرنا بھی ثابت نہیں اس کے لئے دعا کرنا ثابت ہے بس یہی کرنا چاہئیے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کفن دفن اور فاتحہ خوانی کے متعلق چند سوالات

(سوال)(۱) مرنے کے بعد کفن پر کلمہ شریف لکھنا جائز ہے یا نہیں ؟(۲) دفن کے بعد قبر پر اذان دینی جائز ہے یا نہیں(۳) دفن کے بعد قبرستان میں فاتحہ خوانی اور دعائے مغفرت ہاتھ اٹھا کر پڑھنی چاہئیے یا نہیں (۴) دفن کے بعد میت کے گھر واپس آکر شرکائے جنازہ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت ہاتھ اٹھا کر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟(۵) مرحوم کے مکان پر چند اشخاص موجود ہوں اور کچھ ایسے اشخاص اور آویں جو اتفاق سے جنازے میں شریک نہ ہو سکے ہوں ان کے آنے پر سب حاضرین دست بدعا ہو کر فاتحہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں(۶) چنے اور الا یچی دانوں پر قل خوانی ہونی چاہئیے کب کتنے عرصے کے بعد اور کس طریقے سے(۷) اگر کوئی شخص کلام مجید پڑھا ہوا نہ ہو تو وہ کسی حافظ کو یومیہ مقرر کر کے قبر پر کلام مجید پڑھوا سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ٤٥) (۱) کفن پر کسی ایسی چیز سے کلمہ شریف لکھنا جس سے نقش ظاہر ہو جائیں جائز نہیں صرف انگلی سے لکھ دینا مباح ہے کہ نقش ظاہر نہ ہوں(۱)(۲) دفن کے بعد قبر پر اذان کہنی ثابت نہیں اس لئے اسے چھوڑنا لازم ہے(۲)(۳) دفن کے بعد میت کے لئے دعائے مغفرت کرنی جائز ہے مگر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی لازم نہیں خواہ ہاتھ اٹھائے یا نہ اٹھائے دونوں جائز ہیں(۳)۔(۴) یہ رسم کہ قبرستان سے میت کے گھر واپس

---

(۱) نعم نقل بعض المحشين عن فوائد الشرجي ان مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالا صبع المسبحة بسم الله الرحمن الرحيم' و على الصدر لا اله الا الله محمد رسول الله' وذالك بعد الغسل قبل التكفين (رد المحتار' باب صلاة الجنائز' مطلب فيما يكتب على كفن الميت ۲ /۲٤۷ ط سعيد)

(۲) لا يجوز ان يكتب على الكفن يٰسٓ والكهف' ونحوهما خوفا من صديد الميت' فالا سماء المعظمة باقية على حالها فلا يجوز تعريضها للنجاسة (رد المحتار' باب صلاة الجنائز' مطلب فيما يكتب على كفن الميت ۲ /۲٤٦ ط سعيد)

(۳) لا يسن الأذان عند ادخال الميت في قبره كما هو المعتاد الآن - وقد صرح ابن حجر في فتاويه بانه بدعة (رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۲ /۲۳۵ ط سعيد)

(٤) لعل هذا من مسامحات الشيخ والا فقد ورد في الحديث ' عن ابن عباس انه كان في مسيرله فنعي اليه ابن له فنزل فصلى ركعتين ثم استرجع' وقال فعلنا كما امرنا الله' فقال واستعينوا بالصبر والصلاة عن ابن عباس انه نعي اليه اخوه وهو نحي عن الطريق فصلى ركعتين الخ عن عبادة بن محمد ابن عبادة بن الصامت قال لما حضرت العبادة الوفاة قال اخرج على انسان منكم يبكي' فاذا خرجت نفسي فتوضوا' واحسنوا الوضو ثم ليدخل كل انسان منكم مسجدا فيصلي ثم يستغفر لعبادة ولنفسه (الدر المنثور ۱ /٦۷'٦۸ ط بيروت)

(۵) حاشیہ نمبر ا دیکھیں

(۶) حاشیہ نمبر ۳ دیکھیں

(۷) بتا باتجاه ان ستجب' وفي حديث ابن مسعود رأيت رسول الله ﷺ في قبر ذي البجادين الحديث وفيه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا يديه (فتح الباري شرح بخاري' باب الدعا مستقبل القبلة ۱۱ /۱۲۲ ط مصر)

آ کر دعا کو لازم سمجھا جاتا ہے صحیح نہیں دفن کے بعد غیر لوگوں کو اپنے گھر اور اپنے کام کو جانا جائز ہے میت کے گھر والے اور اعزا میت کے گھر واپس آجائیں اور لوگ چلے جائیں (۱)(۵) ہاں جو لوگ کہ جنازے میں شریک نہ ہوں وہ میت کے مکان پر تعزیت کے لئے آئیں تو جائز ہے اور تعزیت کے الفاظ مسنونہ میں غفر اللہ لمیتکم (۲) دعا کے الفاظ بھی شامل ہیں اور اگر ان کے ساتھ دوسرے حاضرین بھی دعا میں شریک ہو جائیں تو اس میں بھی مضائقہ نہیں لیکن ان میں سے کسی کو لازم قرار دینا درست نہیں (۲) یہ رسم قابل ترک ہے کیونکہ اس نے ایک مستقل صورت اختیار کرلی ہے اور التزام مالا یلزم ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے (۳) (۷) حافظ کو اجرت دیکر قبر پر قرآن مجید پڑھوانا ناجائز ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عذر کے بغیر میت کو تابوت میں رکھ کر دفن کرنا جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مارچ ۱۹۲۸ء)

(سوال) جزیرہ ٹرینی داد میں اہل اسلام ہندوستان سے آئے جب کوئی اہل اسلام برادر فوت ہوا تو سرکار کے حکم کے بموجب لکڑی کے صندوق میں رکھ کر دفن کیا گیا صندوق تقریبا چھ فٹ لمبا اور تقریبا ڈھائی فٹ چوڑا اور اتنی ہی گہرائی رکھتا ہے اور صندوق کے اوپر ڈھکنا بھی ہوتا ہے اور صندوق کے پہلو میں چار یا چھ کڑے پیتل وغیرہ کے ہوتے ہیں کڑوں میں ہاتھ ڈال کر پیدل لے جاتے ہیں یا صندوق کو بگھی میں رکھ کر آگے آگے بگھی (جو اسی کام کے لئے بنائی جاتی ہے) اور پیچھے پیچھے دو قطار باندھ کر لوگ چلتے ہیں۔

جب ہندوستان سے آنے والوں میں دو چار اہل علم ٹرینی داد میں آئے اور میت کو اس طور سے دفن کرتے دیکھا تو سب نے مشورہ کیا کہ میت کو اس طریقے پر دفن کرنا جائز نہیں اور ہندوستان کے طور پر قبر کو کھودے بغیر صندوق کے میت کو مٹی میں اتار اور چار فٹ اوپر تختے رکھ کر مٹی ڈال دی پولیس کو خبر ہوئی افسر پولیس میت کو نکالنے کے لئے آیا چاہتا تھا مسلمان مرنے مارنے پر تیار ہو گئے افسر نے جب دیکھا کہ فساد ہوا چاہتا ہے گورنر صاحب کے پاس رپورٹ کی گورنر صاحب بہادر نے فرمایا کہ ہندوستان اور دیگر اسلامی ملکوں میں مسلمان لوگ میت کو اسی طور پر دفن کرتے ہیں اب ایسے ہی دفن کرنے دو تقریباً چالیس سال سے اہل اسلام میت کو اسی طور پر دفن کرتے آئے ہیں آج کل اپنی خوشی سے پھر دوبارہ صندوق میں رکھ کر دفن کرنا شروع کئے ہیں جس پر مسلمانوں میں نااتفاقی ہو رہی ہے جو جائز کہتے ہیں وہ درمختار کا حوالہ دیتے ہیں۔

....

(۱) دیکھیں صفحہ ۳۴ حاشیہ نمبر ۲

(۲) یقول اعظم اللہ اجرك واحسن جزاء ك و غفر لمیتك (الدر المختار' باب الجنائز ۲ / ۲۴۱ ط سعید)

(۳) اور خیر القرون میں اس کا ثبوت نہیں من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد (بخاری شریف' کتاب الصلح' باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود ۱ / ۳۷۱ ط قدیمی)

(۴) واخذ الا جرة علی الذکر' وقراءة القرآن' وغیر ذالك فلا شك في حرمته (رد المختار' باب صلاة الجنائز' ۲ / ۲۴۱ ط سعید' وکذا وقد صرح ائمتنا وغیرهم بان القاری للدنیا لا ثواب له' والآخذ' والمعطی آثمان (رسائل ابن عابدین' رسالہ شفاء العلیل' و بل الغلیل الخ ۱ / ۱۷۱ سهیل اکیڈمی لاهور)

(جواب ۴۶) مسلمانوں کے لئے میت کو دفن کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت کو کفن دے کر قبر میں زمین پر لٹا دیں اور تختے دے کر مٹی ڈال دیں (۱) بلاد اسلامیہ میں ہمیشہ سے یہی دستور چلا آتا ہے اور صندوق میں بند کر کے دفن کرنا مسلمانوں کا طریقہ نہیں ہے نصاریٰ کا شعار ہے ہاں اگر کوئی خاص ضرورت اور سخت حاجت پیش آجائے تو اس وقت ایسا کرنا مباح ہو تا ہے لیکن بلا ضرورت اپنے اسلامی شعار کو چھوڑنا اور خواہ مخواہ صندوق پر رقم کثیر خرچ کرنا نہیں چاہئے (۲) درمختار میں صندوق میں رکھ کر دفن کرنے کا مسئلہ حاجت کے وقت کا ہی ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ غفر لہ

(۱) میت کو دوسرے شہر منتقل کرنا
(۲) جنازے کے بعد میت کا منہ دکھانا
(۳) عورتوں کو اجنبی مرد کی میت دیکھنا جائز نہیں۔

(الجمعیۃ مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) زید ایک سید اور مرشد تھے اپنی زندگی میں اپنے لئے ایک قریہ میں مقبرہ تیار کروا کر اپنے مریدوں کو وصیت کردی تھی کہ ان کی وفات کے بعد مقبرہ مذکور میں ان کو دفنا دیا جائے اتفاقاً ان کی وفات مقبرے سے آٹھ میل کے فاصلے پر دوسرے قریہ میں ہوئی اور غسل و تجہیز و تکفین کے بعد نماز جنازہ ادا کر کے حسب وصیت مقبرہ مذکور پر لے گئے اثنائے راہ میں دیگر دو قریوں کے مسلمانوں نے بھی نماز جنازہ ادا کی مدفن کے قریب پہنچنے پر وہاں کے مریدوں نے ان کا آخری دیدار دیکھنے کی خواہش کی انہیں دیدار سے مشرف کیا گیا جن میں چند مستورات بھی تھیں بعدہ نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا گیا سوال یہ ہے کہ (۱) میت کو ایک قریہ سے دوسرے قریہ میں بنابر وصیت یا بلا وصیت لے جانا جائز ہے یا نہیں (۲) ایک بار غسل و کفن و نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد دوبارہ میت کو بے نقاب کرنا جائز ہے یا نہیں (۳) مستورات کے لئے اجنبی مرد کی میت پر منہ (آخری دیدار) کرنے کا کیا حکم ہے؟

(جواب ۴۷) (۱) میت کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنا بہتر نہیں ہے الا اس صورت میں کہ یہ دوسرا مقام اس میت کے خاندان کا مدفن ہو (۴) تاہم منتقل کر دیا گیا تو اب اس کی بھی کوئی صورت نہیں (۲) دفن سے پہلے منہ کھول کر دکھانا مباح ہے (۵) (۳) مستورات کو اجنبی میت کو دیکھنا جائز ہے اپنے محرم کو

(۱-۲-۳) ولا باس باتخاذ تابوت ولو من حجر او حدید له عند الحاجة کرخاوة الارض ویسن ان یفرش فیه التراب (الدر المختار' باب صلاة الجنائز ۲/ ۲۳۴' ۲۳۵ ط سعید)

(۴) وکذا لو مات فی غیر بلده یستحب ترکه' فان نقل الی مصر آخر لا باس به (هندیة' باب الجنائز' فصل فی الکفن والدفن' والنقل من مکان الی آخر ۱/ ۱۶۷ ط کوئٹه)

(۵) اس زمانے میں چونکہ اس میں کئی مفاسد پائے جاتے ہیں اس لئے اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے مثلاً اس کو باعث ثواب سمجھنا تصویر کشی کرنا تدفین میں تاخیر کرنا وغیرہ

دیکھ سکتی ہیں(۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

میت کو جلانا جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۵ اگست ۱۹۳۱ء)

(سوال) میں نے اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۱ء میں یہ خبر پڑھی کہ ٹرکی میں مردے جلانے جایا کریں گے اور قانون پاس ہو گیا ہے کیا یہ خبر سچی ہے؟ اور کیا مذہب اسلام کی رو سے یہ قانون درست ہے؟

(جواب ۴۸) یہ خبر ابھی تصدیق طلب ہے مسلمان کے لئے میت کو دفن کرنے کے بجائے جلانا حرام ہے خواہ مرض وبائی کے عذر سے ہو۔(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

قبر میں میت کا منہ قبلہ کی طرف ہونا چاہئیے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۳۲ء)

(سوال) امریکہ میں جو امریکن لوگ ہیں ان میں سے جب کوئی فوت ہو جاتا ہے تو دفن کے وقت وہ لوگ بعض میت کا چہرہ قطب کی طرف کر دیتے ہیں اور بعض کا جنوب کی طرف بعض کا شمال کی طرف ان کے خیال میں کوئی تفریق نہیں ہے کمترین یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان فوت ہو تو اس کا چہرہ کس طرف کرانا چاہئیے؟

(جواب ۴۹) مسلمان میت کا منہ قبر میں قبلے کی طرف رکھنا چاہئیے جن ملکوں میں قبلہ مشرق کی طرف ہے وہاں میت کا سر جنوب کی طرف اور پاؤں شمال کی طرف کر کے قبلہ رخ لٹا کر دفن کیا جائے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اجرت لیکر کفار کی پختہ قبریں اور مندر بنانا

(الجمعیۃ مورخہ ۵ اگست ۱۹۳۵ء)

(سوال) یہاں پر بعض مسلمان اجرت یا ٹھیکے پر بت پرستوں مشرک میت کی قبر پختہ پتھروں یا اینٹوں کی

---

(۱) کیونکہ حدیث شریف میں اجنبی شخص کو دیکھنے سے منع فرمایا گیا ہے عن ام سلمۃ قالت : کنت عند النبی ﷺ و عندہ میمونۃ فاقبل ابن ام مکتوم' وذالک بعد ان امرنا بالحجاب' فقال ' احتجبا منہ' فقلنا ' یا رسول اللہ ﷺ الیس اعمی لا یبصر نا' ولا یعرفنا' فقال النبی ﷺ افعمیا وان انتما' الستما تبصرانہ (ابوداؤد' کتاب اللباس' باب فی قولہ تعالی' وقل للمؤمنات یغضضن من ابصار ھن ۲/۲۱۲ ط سعید)

(۲) آگ جہنم کا عذاب ہے' دنیا میں کسی کو بھی آگ میں جلانا جائز نہیں ہے وہ کافر ہوں یا جانور وغیرہ چہ جائیکہ مسلمان کی میت کو جلایا جائے حدیث شریف میں ہے' ان وجدتم فلانا فاقتلوہ' ولا تحرقوہ فانہ لا یعذب بالنار الا رب النار (ابوداؤد' کتاب الجھاد' باب فی کراھیۃ حرق العدو ۲/۷ ط مکتبہ امدادیہ ملتان)

(۳) ویوضع فی القبر علی جنبہ الایمن مستقبل القبلۃ (ھندیہ' باب الجنائز فصل فی القبر والدفن ۱/۱۶۶ ط مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

بناتے ہیں تو آیا ایسے پیشے مسلم کے لئے جائز ہے یا نہیں ؟ اور بعض مندر بھی بر مالوگوں کے بناتے ہیں ؟

(جواب ۵۰) یہ مزدوری حرام تو نہیں مگر اس میں کراہت ہے اس لئے احتیاط کریں تو اچھا ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دفن کے متعلق دو غلط رسمیں

(سوال) (۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبر میں مٹی ڈال کر ہاتھوں کو نہ تو پونچھنا چاہئیے نہ دھونا چاہئیے (۲) یہ بھی کہتے ہیں کہ جس جنازے کے ساتھ جانا ہو جب تک اس کو دفن کر کے فارغ نہ ہو جائیں اس وقت تک کسی دوسری جگہ جاکر فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئیے چاہے قبر کے تیار ہونے اور جنازہ کے دفن ہونے میں کتنی ہی دیر ہو

(جواب ۵۱) (۱) مٹی دیکر ہاتھ کو پونچھنے یا دھونے میں شرعی ممانعت نہیں ہے(۲) (۲) یہ بھی غلط ہے کہ ایک جنازے کے ساتھ جانے کے بعد اس کے دفن سے پہلے کسی دوسرے شخص کے لئے دعا یا فاتحہ نہ پڑھے اگر قبر میں دیر ہو تو دوسری میت کے لئے فاتحہ پڑھنے یا اس کے دفن میں شریک ہو جانے یا اپنے کام میں مشغول ہو جانے میں کوئی گناہ نہیں۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کفن دفن کے متعلق چند سوالات

(سوال) بعض لوگ کہتے ہیں کہ (الف) دفن کرنے کے بعد قبر کے سرہانے اور پاؤں کی جانب کلمہ کی انگلی رکھ کر اول و آخر سورہ بقرہ پڑھنی چاہئیے اور جو انگلی رکھ کر نہ پڑھے اس کو برا سمجھتے ہیں (ب) جب میت کو دفن کر چکیں تو میت کے گھر والوں کو چاہئیے کہ واپسی میں جب گھر آنے لگیں تو تھوڑے سے پان ضرور خرید لیں (ج) جنازے کی نماز پڑھا کر دعا مانگنی چاہئیے ورنہ بے دعا کی نماز ہو گی اور ثواب کم ہو گا (د) جنازے کی نماز کے واسطے کفن کے ساتھ جانماز بھی خریدنی ضروری ہے ورنہ بغیر جانماز کے ثواب کم ہو گا اگرچہ نماز پڑھانے کی جگہ پاک ہو (ہ) مردے کو کفنا کر اس کے کفن میں عہد نامہ رکھنا ضروری ہے اگر کفن میں نہ رکھیں تو قبر میں رکھنا ضروری ہے ؟

(جواب ۵۲) (الف) سورہ بقرہ کا اول و آخر تو پڑھنا ثابت ہے(۴) مگر انگلی رکھ کر پڑھنے کا ثبوت کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا البتہ معمول بزرگوں کا انگلی رکھنا ہے جو نہ کرے اس پر صرف معمول بزرگان

---

(۱) قولی وجاز تعمیر کنیسة' قال فی الخانیة' ولو آجر نفسه لیعمل فی الکنسیة و یعمر ها' لا باس به لانه لا معصیة فی عین العمل (رد المحتار' کتاب الحظر والاباحة' فصل فی البیع ۶/۳۹۱ ط سعید

(۲) کیونکہ قبر اور میت سے اس کا کوئی تعلق نہیں

(۳) عن ابی هریرة' قال :قال رسول الله ﷺ من شهد الجنازة حتی یصلی علیه فله قیراط' ومن شهد حتی یدفن' کان له قیراطان (بخاری کتاب الجنائز' باب من انتظر حتی یدفن ۱/۱۷۷ ط سعید)

(۴) وکان ابن عمر یستحب ان یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورة البقرة و خاتمها (رد المحتار ' باب صلاة الجنائز ۲/۲۳۷ ط سعید)

ہونے سے الزام قائم نہیں ہو سکتا (ب) پان خریدنے کو لازم سمجھنا غلط اور بدعت ہے (۱) (ج) نماز جنازہ خود دعا ہے اس کے بعد کسی مزید دعا کی ضرورت نہیں ہے (۲) (د) جانماز کفن میں شامل نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے (ہ) عہد نامہ یا کوئی اور لکھی ہوئی چیز مردے کے کفن یا قبر میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

فصل پنجم - رسوم مروجہ بعد الدفن

قبر پر اذان بدعت ہے

(سوال) اذان قبر پر مسنون ہے یا بدعت سیۂ محرمہ ؟ ایک جماعت اس کو مسنون اور باعث ثواب بتاتی ہے اور اپنے استدلال میں یہ وجوہات پیش کرتے ہیں کہ اذان ذکر اللہ ہے ذکر رسول اللہ تلقین بعد الدفن ہے وقت سوال نکیرین نافع ہے تکبیر ہے جو سعد بن معاذ کی قبر پر ہوئی اور کچھ زیادتی مضر نہیں اور حدیث اذا رایتم الحریق الخ سے ثابت ہے اور دعا ہے عمل صالح ہے سبب اجابت دعا ہے وحشت میت کو دافع ہے غم و ہم کو دافع ہے سبب نزول رحمت ہے لہذا گزارش ہے کہ اذان قبر مسنون ہو تو اس سے ورنہ ان لوگوں کے استدلالات کے جواب سے مع جواب اصل مسئلہ مشرف فرمائیں۔ بینوا توجروا

(جواب ۵۳) قبر پر اذان دینا بدعت سیۂ محرمہ ہے اس کا مرتکب گناہ گار ہوگا ہم احناف کے یہاں کوئی روایت ایسی نہیں جو اس کے مسنون ہونے پر دلالت کرے شوافع کے ہاں ایک روایت ہے لیکن اس کو بھی ابن حجر نے رد کر دیا ہے تو گویا قبر پر اذان دینا باتفاق حنفیہ و محققین شوافع بدعت ہے (۴) کسی کا یہ کہنا کہ اذان ذکر اللہ اور ذکر رسول اللہ ہے اس میں کلام نہیں لیکن ذکر اللہ اور ذکر رسول اللہ بھی کسی ایسی جگہ استعمال کرنا جہاں شریعت سے ثبوت نہیں بدعت ہے (۵) اخبر عبداللہ بن مسعودؓ بالجماعة الذین کانوا یجلسون بعد المغرب و فیھم رجل یقول کبروا اللہ کذا و کذا و سبحوا اللہ کذا و کذا و احمدوا اللہ

---

(۱) اس لئے کہ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور غیر ثابت شی کو لازم سمجھنا اور باعث ثواب سمجھنا بدعت ہے

(۲) لا یقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة لانه دعا مرة لان اکثر ھادعاء (بزازیه علی ھامش الھندیه ۴ / ۸۰ مکتبه ماجدیه کوئٹه

(۳) سئل عن کتابة العھد علی الکفن .... وقد افتی ابن الصلاح ------- بان لا یجوز ان یکتب علی الکفن یٰسٓ ..... فالا سمآء المعظمة باقیة علی حالھا فلا یجوز تعریضھا للنجاسة (رد المحتار' باب الجنائز' مطلب فیما یکتب علی الکفن ۲ / ۲۴۶ ط سعید)

(۴) لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره کما ھو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاویه بانه بدعة الخ (رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۲ / ۲۳۵ ط سعید)

(۵) ویکره عند القبر مالم یعھد من السنة' والمعھود لیس الا زیارته' والدعاء عنده قائما' (ھندیه' باب الجنائز ۱ / ۱۶۶ مکتبه ماجدیه)

کذا و کذا فیفعلون فحضر هم فلما سمع ما یقولون قام فقال انا عبداللہ بن مسعود فو الذی لا اله غیره لقد جئتم ببدعة ظلماء او لقد فقتم اصحاب محمد ﷺ علماً (مجالس الابرار)(۱)
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ان ذاکرین کو منع کرنا صرف اس وجہ سے تھا کہ اس وقت اور اس طرح جب کہ ذکر اللہ کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں تو ان ذاکرین کو اس کا کیا حق تھا تلقین بعد الدفن اس میں شک نہیں کہ ایک طریقہ مسنونہ ہے لیکن اس کی صورت وہی ہے جو شریعت نے بتائی ہے اذان اس میں داخل نہیں صرف تلقین بعد الدفن کے ثبوت اور اذان کے ذکر اللہ و ذکر رسول اللہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ اذان تلقین کے لئے کہہ سکتے ہیں اس کے لئے مدعی کو نقل صریح پیش کرنے کی ضرورت ہے یہ کہنا کہ قبر پر اذان دینا سوال نکیرین کے وقت نافع ہے اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ شریعت سے اس نفع پہنچنے کا کچھ ثبوت ہو اذان ایک خاص ذکر شرعی ہے صرف تکبیر کے ثبوت سے اذان کو ثابت سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سعد بن معاذؓ کی قبر کی تکبیر کے ثبوت سے کوئی استدلال کر کے دو رکعت نماز متصل قبر بعد الدفن مقرر کر دے یا نہیں وجوہ سے جو مستدل نے اذان قبر کے لئے تراشی ہیں کوئی نماز عیدین کے لئے اذان مقرر کرے یا اذان میں آخر کلمہ لا اله الا الله کے بعد محمد رسول الله کہنا مقرر کر لے وغیرہ حدیث اذارایتم الحریق فکبروا (۲) سے اگر کچھ ثابت ہے تو صرف اس قدر کہ جس وقت آگ لگے تو تکبیر کہو اور تکبیر سے اذان بھی مراد لے لی جائے تاکہ اذان قبر کے لئے یہ حدیث کیونکر دلیل ہو سکتی ہے کیونکہ وہاں کوئی شخص ظاہر آگ نہیں دیکھتا اور اگر عذاب قبر کو حکماً حریق مان بھی لیں تاہم میت مسلم کے ساتھ ایسا خیال ظنوا المسلمین خیرا (۳) کے منافی ہے اذان دعا ہے عمل صالح ہے سبب اجابت دعا ہے وحشت میت کو دافع ہے غم و ہم کو دافع ہے سبب نزول رحمت ہے یہ سب کچھ سہی لیکن قبر پر جائز ہونے کے لئے ثبوت ضروری ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ اذان عیدین ناجائز ہو آخر عیدین کی اذان میں بھی تو سب نہ سہی بعض باتیں پائی جاتی ہیں پھر اس کو ناجائز کہنے کی کیا وجہ اور اس ترجیح بلا مرجح اور کا کیا سبب ہو سکتا ہے واللہ اعلم۔ کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ شاہجہانپوری مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

قبر پر اذان بدعت ہے

(سوال) میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر بانگ دینی جائز ہے یا ناجائز؟ المستفتی نمبر ۱۲۲۰ پنشنر مہدی خاں صاحب (ضلع کاملپور) ۷ رجب ۱۳۵۵ھ م ۷ اکتوبر ۱۹۳۶ء
(جواب ٥٤) قبر پر اذان کہنا بدعت ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) مجلس نمبر ۱۸ ص ۱۵۶ طبع دار الاشاعت کراچی
(۲) المطالب العالیہ بزوائد المسانید العثمانیہ باب التکبیر ۳ حدیث نمبر ۳۴۲۴ ط مکہ مکرمہ کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی ۲/۲۹۶ ط دار الکتاب بیروت (۳) یہ حدیث نہیں کسی کا مقولہ ہو سکتا ہے تلاش بسیار کے باوجود اس کی کچھ اصل نہیں ملی
(۴) دیکھیں صفحہ نمبر ۶۵ حاشیہ نمبر ۴

(جواب دیگر ٥٥) دفن کے بعد قبر پر اذان کہنا نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابہ کرام سے نہ اماموں سے اس لئے یہ فعل بدعت ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قبر پر اذان بدعت ہے

(سوال) میت کے دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا سنت متواترہ میں سے ہے یا امور محدثہ میں سے اور کیا تارک اس کا قابل ملامت ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۷۷۲ فیروز خاں (ضلع جہلم) یکم جمادی الاول ۱۳۶۱ھ م ۱۸ مئی ۱۹۴۲ء

(جواب ٥٦) میت کے دفن کے بعد قبر پر اذان کہنا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدینؒ کے زمانے میں مروج اور معروف نہ تھا نہ آقائے دو جہاں نے اس کا حکم دیا نہ کسی صحابی یا تابعی یا امام مجتہد نے اس کی ترغیب دی نہ حنفی فقہ میں اس کی کوئی تائید ملتی ہے ہاں بعض شافعیوں نے یہ فرمایا ہے کہ نماز کے سوا جن مقامات میں اذان جائز ہے ان میں میت کو قبر میں اتارتے وقت کی اذان بھی شامل ہے بہر حال اذان بعد الدفن کا ثبوت اتنا قوی نہیں کہ اس کو سنت قرار دیا جائے اس کے تارک کو ملامت کرنا جہالت اور سخت گناہ ہے بلکہ اس کو ترک کرنا سنت ماثورہ سے زیادہ قریب ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(جواب دیگر ٥٧) دفن کے بعد قبر پر اذان دینا حنفی مذہب میں کہیں مذکور نہیں بعض شافعیوں نے اپنی کتابوں میں ایک قول ضعیف کے طور پر اس کو ذکر کیا ہے اور یہ یقینی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں اذان علی القبر مروج و معمول نہ تھی پس اذان نہ دینا اقرب بالسنۃ ہے اور اس کو ایک ضروری امر قرار دینا بدعت ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دفن کے بعد کی چند رسومات

(سوال) میت سے فراغت ہونے کے بعد جو رسوم حاضری لگانے کی ہے اور سوئم پھول کرنے کی ہے ان رسوم میں تمام برادری اور کنبہ والوں کو جمع کر کے کھانا وغیرہ دیا جاتا ہے اور جو قومی نمائندے ہیں وہ سرداری کا کھانا اپنے گھر تک لے جاتے ہیں اس میں یتیم اور بیوہ کی حق تلفی ہوتی ہے اور اگر متوفی غریب ہے تو بھی قرض لے کر صرف کیا جاتا ہے جس کا بار یتیم بچوں پر پڑتا ہے اور طباق کھانے کا بھر کر قبر پر بھیجا جاتا ہے اور چالیس روز تک اس کے عزیز بطریق سوگوار ہونے کے کسی کی شادی میں شریک نہیں ہوتے یہ جملہ رسوم بروئے شرع جائز ہیں یا نہیں ؟

(جواب ٥٨) میت سے فراغت کے بعد بہت سی رسمیں مروج ہیں اور ان میں سے اکثر رسمیں خلاف شرع ہیں مثلاً حاضری لگانا' دن معین کر کے پھول کرنا' برادری کو جن میں امیر غریب ہر طرح کے لوگ

(۱) دیکھیں صفحہ نمبر ٦٥ حاشیہ نمبر ۴
(۲-۳) دیکھیں صفحہ نمبر ٦٥ حاشیہ نمبر ۴

شامل ہوتے ہیں کھانا دینا اور قومی نمائندوں کو سرداری کا حصہ دینا مشترکہ ترکے میں سے یہ تمام اخراجات کرنا موت کے بعد میت کے عزیزوں کا چالیس روز تک کسی شادی میں شریک نہ ہونا یہ تمام رسوم ناجائز اور بدعت ہیں ترکہ کے مستحق وارثوں میں اگر کوئی نابالغ ہو یا کوئی موجود نہ ہو یا تمام بالغ وارثوں کی رضامندی نہ ہو تو اس میں سے یہ فضول اخراجات و خیرات وغیرہ کرنے کا بھی کسی کو اختیار نہیں ہے (۱) حق تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتے ہیں (۲) ایصال ثواب کے لئے صدقہ خیرات کرنا اچھی بات ہے (۳) مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ نہ تو مال یتیموں اور نابالغوں کا ہو اور نہ خلاف شریعت رسوم کی پابندی کے ساتھ کیا جائے غریب آدمیوں کو مجبور کرنا کہ وہ قرض ادھار لیکر برادری کو کھلائیں ورنہ ان کو طعن تشنیع کرنا سخت گناہ کی بات ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرس مدرسہ امینیہ دہلی احقر مظہر الدین غفر لہ

دفن کے بعد قبر پر اذان بدعت ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۵۹) قبر پر میت کے دفن کے بعد اذان کہنا آنحضرت ﷺ نے تعلیم نہیں فرمایا نہ صحابہ کرامؓ اور ائمہ مجتہدینؒ نے اس کے متعلق کوئی ہدایت کی نہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ اور ائمہ عظام کے زمانے میں اس کا رواج ہوا اس لئے یہ فعل مسنون اور مستحب نہیں ہے اور اس کا رواج ڈالنا بدعت ہے۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

میت کے ساتھ غلہ قبرستان لے جانا اچھا نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۳۵ء)

(سوال) (۱) کیا میت کے ساتھ قبرستان کو اناج وغیرہ لے جاکر غربا کو تقسیم کرنا لازمات سے ہے ؟ مکان پر ہی تقسیم کرنا جائز نہیں ؟ (۲) کیا موئے (مرے ہوئے) ہوئے کے نام سے دہم بسم و چہلم کی فاتحہ کرنا

---

(۱) و يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع في السرور لا في الشرور' و هي بدعة مستقبحة' وروى الامام احمد' و ابن ماجه باسناد صحيح عن جابر بن عبدالله قال : كنا نعد الاجتماع الى اهل الميت' و صنعهم الطعام من النياحة' ففي البزازية' و يكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثاني والثالث　ولا سيما اذا كان في الورثة صغار' او غائب وما كان ذالك فلا شك في حرمته' و بطلان و صيته (رد المحتار' باب صلاة الجنائز' مطلب في كراهة الضيافة من اهل الميت ۲ / ۲۴۰ ط سعيد)

(۲) ان الذين يا كلون اموال اليتامى ظلما انما يا كلون في بطونهم نارا : النسآء : ۱۰

(۳) وان اتخذ طعاما للفقراء كان حسناله' (رد المحتار باب صلاة الجنائز' مطلب في كراهة الضيافة من اهل الميت ۲ / ۲۴۰ ط سعيد)

(۴) دیکھیں صفحہ ۶۵ حاشیہ نمبر ۴

ضروری ہے؟

(جواب ٦٠) قبرستان میں غلہ وغیرہ لے جانا لازم نہیں بلکہ لے جانا اچھا نہیں گھر پر ہی فقراء ومساکین کو تقسیم کر دینا بہتر ہے کہ یہ صورت ریاء ونمائش سے دور ہے ایصال ثواب تو مستحسن ہے لیکن دہم بستم چہلم وغیرہ لازمی نہیں حسب وسعت جب ہو سکے صدقہ کر کے میت کو ثواب بخش دیا جائے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فصل ششم۔ تلقین وطلب مغفرت

حدیث اذا ......فقولوا خیراً سے میت کے لئے اجتماعی پر استدلال درست نہیں

(سوال) قال رسول اللہ ﷺ اذا حضرتم المریض اوالمیت فقولوا خیرا فان الملئکة یؤمنون علی ما تقولون (۲) مرقومہ حدیث سے میت پر دعا کرنا قبل دفن جمعاً ثابت ہوتا ہے یا فرداً فرداً؟

(جواب ٦١) جمع کے صیغے میں اگر مخاطب عام مومنین ہوں کوئی معین جماعت نہ ہو تو اس میں فعل کے اجتماعی یا انفرادی کیفیت پر ادا کئے جانے سے کوئی تعرض نہیں ہوتا اور اگر مخاطب کوئی خاص جماعت ہو اور کوئی قرینہ موجود ہو کہ سب سے ایک ہی وقت میں ایقاع فعل مقصود ہے جب تو اجتماع پر دلالت ہوتی ہے ورنہ نہیں حدیث مذکورہ فی السوال میں خطاب عام مومنین کو ہے لہذا اس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ ہر مسلمان جب کسی مریض کی عیادت یا کسی میت کی تجہیز و تکفین میں جائے تو اسے چاہئے کہ کوئی بری بات زبان سے نہ نکالے جو کچھ کہے وہ مریض کی بھلائی، عافیت، تسکین یا میت کی مغفرت یا ذکر خیر کے الفاظ ہوں، تاکہ فرشتے جو ایسے وقت مریض و میت کے لئے دعا مانگنے والوں کی دعا پر آمین کہتے ہیں تمہاری اچھی دعاؤں پر آمین کہیں جانے والا ایک ہو یا دو یا زیادہ بھی ہوں تاہم ان کے لئے قصد اجتماع کا حکم حدیث میں نہیں یہ دوسری بات ہے کہ اتفاقاً اجتماع فی الدعا ہو جائے تو مضائقہ بھی نہیں حدیث مذکورہ فی السوال میں جو حکم ہے ایسا ہی ہے جیسا ان احادیث میں ہے لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ (۳) یعنی قریب الموت اشخاص کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہر شخص کو بجائے خود یہ حکم ہے کہ وہ ایسا کرے لیکن جب مقصود حاصل ہو یعنی ایک شخص میت کے سامنے کلمہ پڑھ رہا ہو تو محض اس وجہ سے کہ لقنوا جمع کا صیغہ ہے تمام حاضرین سے تلقین کرانا اور قریب الموت شخص کے دماغ کو پریشان کرنا محض نادانی اور جہالت ہوگی

(۱) وقال ایضا: و یکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور ... وفی البزازیه یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول، والثالث، و بعد الاسبوع و نقل الطعام الی القبر فی المواسم وفیها من کتاب الاستحسان: وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا اه واطال فی ذالك فی المعراج وقال هذه الافعال کلها للسمعة والریا، فیحترز عنها (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی کراهیة الضیافة من اهل المیت ۲ / ۲٤٠ ط سعید)

(۲) مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی تلقین المحتضر بلا اله الا الله ۲ / ۳٠٠ ط سعید

(۳) مسلم شریف: کتاب الجنائز، فصل فی تلقین المحتضر بلا اله الا الله ۲ / ۳٠٠ ط سعید

کیونکہ اس صیغہ جمع سے اجتماع تو علیحدہ اشتراک فی فعل التلقین بھی مقصود نہیں ہے بلکہ محض وجود تلقین مطلوب ہے اسی طرح حدیث اقرؤوا سورۃ یٰسٓ علی موتاکم (رواہ احمد) (۱) میں اقرؤوا صیغہ جمع ہے لیکن یہ مقصود نہیں کہ تمام مسلمانوں یا تمام حاضرین کو یہ حکم ہے کہ وہ جمع ہو کر سب کے سب یٰسٓ پڑھیں اور قریب الموت کو تکلیف دیں اسی طرح حدیث اغسلوا بماءٍ وسدر (۲) (متفق علیہ) میں یہ مقصود نہیں کہ تمام حاضرین جمع ہو کر غسل دیں اسی طرح حدیث اذکروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساویھم (۳) (رواہ الترمذی) میں یہ مقصود نہیں کہ میت کے محاسن بیان کرنے کے لئے اجتماع کرو اور سب مل کر اس کے فضائل بیان کرو باوجودیکہ ان سب احادیث میں جمع کے صیغے ہیں مگر چونکہ مخاطب عام مومنین ہیں اس لئے ہر واحد بجائے خود مامور ہے اور کہیں نفس وجود فعل مقصود ہے تو وہاں صرف ایک شخص کا فعل بھی کافی ہے اور کہیں استحباب فعل بتانا اور ہر شخص سے اس کی طلب مطلوب ہے اس میں بھی اجتماع کا قصد و اہتمام مراد نہیں جیسے اذکروا محاسن موتاکم میں ہاں جب مخاطب کوئی جماعت معینہ ہو اور ہر شخص سے ایقاع فعل ایک خاص زمانے میں مقصد ہو تو وہاں اجتماع کا ثبوت ہو سکتا ہے جیسے بعد دفن تھوڑی دیر ٹھہر کر آنحضرت ﷺ کا حاضرین سے فرمانا کہ استغفروا لاخیکم واسالوا لہ التثبیت فانہ الاٰن یسئل (۴) یعنی اپنے بھائی کے لئے تم استغفار اور سوال تثبیت کرو کیونکہ وہ اس وقت سوال کیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہاں مخاطب حاضرین کی ایک معینہ جماعت ہے اور سب سے فعل استغفار اسی خاص وقت میں جو وقت سوال نکیرین کا ہے مطلوب ہے اس لئے اس میں تو اجتماع کا ثبوت ہے کہ سب نے مل کر ایک وقت میں دعا مانگی اگرچہ یہ اجتماع بھی قصداً اجتماع للدعا نہیں ہے مگر نفس دعا اجتماعی ثابت ہے اور یہی معمول و متوارث ہے لیکن حدیث مذکور فی السوال کو اجتماع سے کوئی تعلق نہیں۔ واللہ اعلم

حدیث استعیذ وا باللہ سے میت کے لئے دفن سے پہلے اور اجتماعی دعا پر استدلال درست نہیں

(سوال) مشکوۃ شریف (۵) (باب مایقال عند من حضرہ الموت) عن البراء بن عازب قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی جنازۃ رجل من الانصار فانتھینا الی القبر ولما یلحد فجلس رسول اللہ ﷺ فجلسنا حولہ کان عن رؤسنا الطیر وفی یدہ عود ینکت بہ الارض فرفع فقال استعیذوا باللہ

---

(۱) مسند احمد : حدیث معقل ابن یسار ۵/۲۶ ط بیروت، بلفظ "اقرؤ ھا علی موتاکم یعنی یٰسٓ"
(۲) بخاری : کتاب الجنائز، باب الحنوط للمیت ۱/۱۶۹ قدیمی) و مسلم، کتاب الجنائز، فصل فی غسل المیت و ترا ۱/۳۰۴ ط قدیمی
(۳) ترمذی شریف، کتاب الجنائز ۱/۱۹۸ ط سعید
(۴) ابو داؤد شریف، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للمیت ۲/۱۰۳ امدادیہ ملتان
(۵) مشکوۃ، کتاب الجنائز، باب مایقال عند من حضرہ الموت، ۱/۱۴۲ ط سعید و مسند احمد، حدیث براء ابن عازب ۴/۲۸۷ ط المکتب الاسلامی بیروت

من عذاب القبر مرتین او ثلثا الخ اس حدیث سے پناہ مانگنا جمعاً ثابت ہوتا ہے یا فرداً فرداً اور اس حدیث سے قبل دفن پناہ مانگنا ثابت ہوتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۶۲) هو الموفق حدیث مذکور ایک طویل حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بندہ مومن اور کافر کے نزع روح کے حالات مفصل بیان فرمائے ہیں اور بعد مفارقت عن البدن کے جو حالات کہ مومن اور کافر کے ساتھ پیش آتے ہیں انہیں بیان فرمایا ہے اور عذاب قبر اور اس کی کیفیت بیان فرمائی ہے اور چونکہ دفن میت میں دیر تھی (جو اشارہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے) اور لوگ مجتمع تھے اس لئے اس وقت کے مناسب حضور اکرم ﷺ نے انہیں نصیحت کرنا مناسب خیال فرمایا اور چونکہ عذاب قبر ایک خوفناک چیز ہے اور ہر شخص کو اس کا خوف ہونا چاہئے اور اس سے بچنے کی دعا کرنی چاہئے اس لئے حضور ﷺ نے تمام حاضرین کو خطاب کر کے فرمایا کہ استعیذوا باللہ من عذاب القبر - یعنی عذاب قبر سے خدا کی پناہ مانگتے رہا کرو یہ مقصود نہیں کہ تم سب اس وقت مل کر عذاب قبر سے پناہ مانگو اور نہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ موجود ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس مردے کے لئے عذاب قبر سے بچنے کی دعا منگوانی مقصود ہے جس کے دفن میں سب حاضر ہوئے تھے کیونکہ خاص اس کے لئے تو عذاب قبر سے بچنے اور تثبیت کی دعا بعد الفراغ من الدفن آپ کرنے والے ہی تھے نیز اگر اس کے لئے دعا کرانی مقصود ہوتی تو لا خیکم یا اسی قسم کے اور کوئی الفاظ فرماتے پس حدیث مذکورہ فی السوال کا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ عذاب قبر ایک ہولناک اور سخت چیز ہے اس سے تم سب پناہ مانگا کرو دوسرے یہ کہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خاص اس مردے کے لئے عذاب قبر سے بچنے کی دعا کرانا مقصود تھا (اگرچہ یہ مطلب سیاق حدیث اور آنحضرت ﷺ کے عمل کے موافق نہیں) تاہم ظاہر ہے کہ ان کا یہ اجتماع بغرض دعا نہ تھا دفن کے لئے حاضر ہوئے تھے دفن میں دیر تھی اس لئے آنحضرت ﷺ اور سب لوگ بیٹھ گئے آپ نے فرمایا کہ تم سب عذاب قبر سے بچنے کی دعا کرو اس سے یہ بھی لازم نہیں کہ سب ایک ہی ساتھ دعا کریں اور ایک ہی مرتبہ دعا کریں بلکہ جب تک بیٹھے رہیں بطور خود دعا استغفار کرتے رہیں پس اس حدیث سے دعا کے لئے اجتماع واہتمام کرنے کے جواز پر استدلال کرنے کی کوشش فضول ہے والتفصیل فی رسالتنا دلیل الخیرات و خیر الصلات - واللہ اعلم بالصواب -

میت کے لئے اجتماعی دعا ثابت نہیں بلا قصد اجتماعی صورت بن جائے تو مضائقہ نہیں

(سوال) فی سنن ابی داؤد کان النبی ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبرہ وقال استغفروا لاخیکم واسألوا اللہ لہ التثبیت الخ (۱) مرقومہ بالا حدیث سے مغفرت مانگنا جمعاً ثابت ہوتا ہے یا فرداً فرداً۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) کتاب الجنائز' باب الاستغفار عند القبر للمیت' ۲/۳ ۱۰ مکتبہ امدادیہ' ملتان

(جواب ۶۳) ہاں اس حدیث کے سیاق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تمام حاضرین ایک ساتھ دعا کرتے تھے کیونکہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد واپس آنے کا موقع تھا لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ واپسی میں کچھ تاخیر و توقف فرماتے تھے اور میت کی تثبیت و مغفرت کی خود بھی دعا فرماتے تھے اور حاضرین کو بھی اسی وقت دعا کرنے کا حکم کرتے تھے کیونکہ **فانه الان یسئل** (۱) اس کا قرینہ ہے پس تھوڑی دیر سب کا توقف کرنا اور حاضرین کو اسی وقت دعا و استغفار کا حکم فرمانا اور سب کا موجود ہونا اور اس وقت کا وقت قرب سوال نکیرین ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ سب حاضرین کی دعا ایک وقت میں اجتماعاً ہوتی تھی اور یہی معمول و متوارث ہے لیکن واضح رہے کہ یہ اجتماع جو اس حدیث سے ثابت ہے اجتماع قصداً للدعاء یہ بھی نہیں ہے بلکہ اجتماع قصدی دفن کے لئے ہے اگرچہ بہ سبب امور متذکرہ بالا اس وقت دعا بھی اجتماعی طور پر ہو گئی۔ واللہ اعلم

موت کے بعد تلقین کو بدعت کہنا درست نہیں

(سوال) دوبارہ مسئلہ تلقین موتی بعد الدفن - تحریر بنام مولوی عبدالکریم صاحب گمتھلوی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ از حضرت مفتی اعظم مورخہ ۷ ارجب ۱۳۵۰ھ م ۲۸ نومبر ۱۹۳۱ء

مکرمی جناب مولوی عبدالکریم صاحب دام مجدہم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ عنایت نامہ موصول ہوا آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ مدرسہ امینیہ کے نائب مفتی مولوی حبیب المرسلین صاحب کا تحریر کردہ فتویٰ پہنچا جس میں مولوی صاحب موصوف نے تلقین بعد الدفن کو مشروع و مستحب لکھا ہے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اس فتوے سے معلوم ہوتا ہے کہ نائب مفتی صاحب بدعتی ہیں کیونکہ ظاہر الروایۃ میں **لا یلقن بعد الدفن** موجود ہے۔

(جواب ۶۴) جواباً عرض ہے کہ میں نے نائب مفتی صاحب سے معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ فتویٰ لکھا ہے آپ کا عنایت نامہ موصول ہونے پر میں نے مسئلے پر غور کیا تو میرے خیال میں تلقین کو مشروع و مستحب لکھنا بدعتی ہونے کی دلیل بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تلقین بعد الدفن کو بدعت نہیں کہا جا سکتا آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ظاہر الروایۃ میں **لا یلقن بعد الدفن** لکھا ہے اول تو یہ الفاظ ظاہر الروایۃ کے کس جگہ سے آپ نے نقل فرمائے ہیں مجھے معلوم نہیں دوسرے بصورت تسلیم یہ بھی لازم نہیں کہ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہمیشہ بدعت ہی ہوا کرے۔

(۱) شامی نے در مختار کے اس قول پر **ولا یلقن بعد تلحیده** یہ لکھا ہے **ذکر فی المعراج انه ظاهر الروایة** (۲) اور اس کے بعد خبازیہ اور کافی سے یہ بھی نقل کرنا لکھا ہے کہ **ان هذا علی قول المعرب اما عند اهل السنة والجماعة فالحدیث ای لقنوا موتاکم لا اله الا الله محمول علی**

---

(۱) کتاب الجنائز باب الاستغفار عند القبر للمیت ۲/۱۰۳ مکتبہ امدادیہ ملتان

(۲) باب صلاة الجنائز مطلب فی تلقین بعد الموت ۲/۱۹۱ ط سعید

حقیقته – (۱)

(۲) فتح القدیر میں ہے واما التلقین بعد الموت وهو فی القبر فقیل یفعل لحقیقة ماروینا و نسب الی اهل السنة والجماعة و خلافه الی المعتزلة و قیل لا یؤمر به ولا ینهیٰ عنه –(۲) (۳) کبیری میں ہے واما التلقین بعد الدفن فقیل یفعل لحقیقة ماروینا و قیل لا یؤمر به ولا ینهیٰ عنه – اور ذرا آگے لکھا ہے وانما لا ینهی عن التلقین بعد الدفن لانه لا ضرر فیه بل فیه نفع فان المیت یستانس بالذکر علی ماورد فی الاثار (۳)

(۴) بحر الرائق میں ہے وحینئذ فلاحاجة الی الاستدلال بالحدیث الاخر لقنوا موتاکم قول لا اله الا الله فان حقیقة التلقین بعد الموت وقد اختلفوا فیه وقولهم انه مجاز قول لا دلیل علیه لان الاصل الحقیقة (۴) ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ممانعت تلقین کا حکم ظاہر روایت نہیں ہے معراج الدرایت کا اس کو ظاہر روایت کو دینا بظاہر محل تامل ہے ورنہ اس کو معتزلہ کی رائے بتانا اور جواز کے قول کو اہل سنت کا مذہب قرار دینا اور حافظ ابن ہمام و صاحب بحر و علامہ حلبی کا اس پر کچھ تعرض نہ کرنا بلکہ اس کے خلاف جواز کے قول کو ترجیح دینا گویا ظاہر روایت کو معتزلہ کا مذہب قرار دے کر چھوڑ دینا اور اس کے خلاف کو اہل سنت والجماعت کا مذہب قرار دے کر اس کو ترجیح دینا اور اوفق بالروایات بتانا لازم آنے کا دوسرے یہ کہ اس کو بدعت قرار دینا اور مشروع و مستحب کہنے والے کو بدعتی سمجھ لینا درست نہیں۔

حافظ ابن ہمام نے اس پر طویل بحث کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن فقہائے حنفیہ نے تلقین بعد الدفن سے منع کیا ہے ان کی ممانعت کا منشا عدم سماع موتی کا مسئلہ ہوا ہے اور عدم سماع موتی کا مسئلہ انہوں نے مسئلہ یمین لو حلف لا یکلم فلانا فکلمه بعد موته لا یحنث (۵) سے اخذ کیا ہے اس سے اشارۃً سمجھا جاتا ہے کہ تلقین بعد الدفن کا مسئلہ ظاہر روایت میں نہیں ہے میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اگر جناب کی رائے میں صحیح نہ ہو تو حضرت مخدوم الامتہ مولانا تھانوی دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش فرما کر حضرت کی رائے عالی سے مطلع فرمائیں والسلام حضرت کی خدمت میں سلام نیاز مندانہ عرض ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

(۱) دفن کے بعد تلقین نہ کرنا بہتر ہے

(سوال) مردے کو دفن کے بعد تلقین جائز ہے کہ نہیں اور اہل سنت والجماعت کا کیا مسلک ہے اور معتزلہ

---

(۱) باب صلاۃ الجنائز' مطلب فی التلقین بعد الموت ۲/۱۹۱ ط سعید

(۲) باب الجنائز' ۲/۱۰۴ ط مکتبہ مصطفی البابی مصر

(۳) فصل فی الجنائز ص ۵۷۶ ط سهیل اکیڈمی

(۴) کتاب الجنائز ۲/۱۸۴ ط بیروت

(۵) اصول الشاشی: فصل فی متعلقات النصوص ص ۳۱ ط قدیمی

کا کیا؟

(جواب ٦٥) حنفیہ تو تلقین کے قائل نہیں (۱) کیونکہ ان کے نزدیک سماع موتی ثابت نہیں جو لوگ سماع کے قائل ہیں ان کے نزدیک تلقین مفید ہے اور اگر کوئی کرے تو اسے روکنا بھی نہیں چاہئے معتزلہ کے نزدیک چونکہ مردوں کا قبر میں زندہ ہونا ہی صحیح نہیں ہے اس لئے وہ بھی تلقین کے قائل نہیں حنفیہ باوجود عدم سماع اموات کے قائل ہونے کے تلقین کے فائدے کے قائل ہیں خواہ مردہ سنے یا نہ سنے یعنی اسے ذکر کا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی 'مہر دار العلوم مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی

دفن کے بعد فاتحہ خوانی کی چند رسوم

(سوال) یہاں مدت سے یہ رسم و رواج ہے کہ کفنانے کے بعد میت کو جنازے میں رکھ کر جمع ہو کر اہتمام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں پھر نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد جنازہ اٹھانے سے پہلے سب لوگوں کو روک کر امام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں پھر علاوہ اس دعا کے جو بعد فراغ دفن متصل پڑھی جاتی ہے اس وقت بھی کو روک کر فاتحہ ہوتی ہے جب واپسی میں قبرستان کے دروازے پر پہنچتے ہیں بعض جگہ ایسا بھی ہوتا کہ جب غسل کے لئے میت کو رکھتے ہیں تب بھی جمع ہو کر فاتحہ پڑھتے ہیں اور دروازہ قبرستان پر فاتحہ پڑھنے کے بعد مکان پر بھی رسم فاتحہ بجالاتے ہیں یعنی اول تین موقعوں پر فاتحہ پڑھنے کا عام رواج ہے اور پچھلے موقعوں پر فاتحہ پڑھنے کا عام رواج نہیں ہے یعنی کہیں ہے اور کہیں نہیں ہے لیکن اب ایک عالم یہاں تشریف لائے ہیں ان سے دریافت کیا گیا تو وہ یہ فرماتے ہیں کہ ان مختلف اوقات میں اس کے ساتھ فاتحہ پڑھنا بدعت خلاف سنت ہے بالخصوص جب کہ تارک کو قابل ملامت بھی سمجھتے ہیں اور وہ بتلاتے ہیں کہ حسب تصریح علامہ شامی وغیرہ صلوٰۃ جنازہ خود دعا ہے چنانچہ رد المحتار جلد اول ص ۸۴۱ ہے **فقد صرحوا عن اخرهم بان صلوٰة الجنازة هي الدعاء للميت اذهو المقصود منهم** (۳) اور فاضل اجل علامہ ملا علی قاری مکی حنفی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے باب الجنائز میں تحت قول ابن ہبیرہ تحریر فرماتے ہیں **ولا يدعى للميت بعد صلوة الجنازة لانه يشبه الزيادة في صلوة** (۴) اور بعض کتب میں محیط سے نقل کیا ہے **لا يقوم الرجل بالدعاء بعد صلوة الجنازة** (۵) اور کبیری میں منقول ہے **في السراجية اذا فرغ من الصلوة لا يقوم**

---

(۱) واختلفوا في تلقينه بعد الموت ' قيل يلقن ... و قيل لا يلقن وهو ظاهر الرواية اذا لمراد بموتاكم في الحديث من قرب من الموت (طحطاوى على الدر المختار' باب صلاة الجنائز ۱ / ۳٦۳ ط دار المعرفه بيروت)

(۲) وانما لا ينهى عن التلقين بعد الدفن' لانه لا ضرر فيه' بل فيه نفع (حلبي كبير فصل في الجنائز ص ۵۷٦ ط سہیل اکیدمی) لیکن اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کے عقائد خراب ہو چکے ہیں اور یہ روافض کا شعار بن چکا ہے اس لئے ترک کرنا چاہئے)و لكن الان صار شعارا الروافض و تركه اهل السنة ففيه خوف التهمة' فلا يلقن (اعلاء السنن ابواب الجنائز' باب ما يلقن المحتضر ۸ / ۷٤ ادارة القرآن)

(۳) باب صلاة الجنائز ۲ / ۲۱۰ ط سعید)

(٤) باب المشي بالجنازة و الصلاة عليها' الفصل الثالث ٤ / ٦٤ ط امداديه ملتان

(٥) لم اطلع على هذه العبارة

بالدعاء (۱) اور یوں کہتے ہیں کہ متصل قبر پر دعا مانگنا کتب احادیث میں جناب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور مروجہ کا ثبوت کتب احادیث و فقہ و اقوال علماء سے ثابت نہیں پس ارشاد ہو کہ ان عالم صاحب کا یہ فرمانا صحیح ہے یا نہیں؟ **المستفتی** حاجی داؤد ہاشم یوسف مرچنٹ اسٹریٹ نمبر ۴۸ شہر رنگون (برما)

(جواب ٦٦) میت کے لئے دعائے مغفرت جائز اور مستحسن ہے کیونکہ اموات کو دعائے مغفرت کی سخت حاجت ہے لیکن دعا وہی مفید ہو سکتی ہے جس کے ساتھ کوئی امر مذموم شامل نہ ہو مواقع مذکورہ فی السوال میں دعا کا اہتمام کرنا اور بہ ہیئت اجتماعیہ دعا مانگنا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام و ائمہ اسلام سے ثابت نہیں اور یہ عدم ثبوت کم از کم اتنا تو بتاتا ہے کہ ان مواقع میں اس ہیئت و اہتمام کے ساتھ اگر محبوب و مستحسن ہوتی تو حضرات موصوفین سے ضرور منقول ہوتی **لکونھم احرص شئ علی الخیر** پس حضرات سلف صالحین سے منقول نہ ہونا اس کے استحسان و استحباب کی نفی کے لئے کافی ہے۔

رہی اباحت تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ فقہائے کرام سے نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے میں دو قول منقول ہیں ایک تو یہ کہ کچھ مضائقہ نہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ نہ کرنی چاہئے (۳) ان دونوں قولوں میں تطبیق کی بہتر صورت یہ ہے کہ منع کرنے والوں کا مقصود یہ ہو کہ دعا کا کوئی خاص اہتمام کرنا یا ہیئت اجتماعیہ بنانا یا دعا میں مشغول ہو کر تجہیز و تدفین میں تاخیر کرنا مکروہ ہے نیز چونکہ شریعت میں میت کے لئے دعائے مغفرت کا ایک طریقہ مقرر اور معہود ہے اور وہ صلوۃ جنازہ ہے اس لئے اب کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنا اور اسے مستحسن سمجھنا گویا حضرت شارع علیہ السلام یا صحابہ کرام یا ائمہ عظام کی جانب تقصیر کی نسبت کرنا ہے **وحاشاھم عن ذلک**۔ اور اجازت دینے والوں کا مطمح نظر صرف یہ ہے کہ نفس دعا اصل سے مباح ہے یعنی انہوں نے فی نفسہ دعا کا حکم بتادیا ہے عروض عوارض سے قطع نظر کی ہے لیکن واقفین حدیث و فقہ پر مخفی نہیں کہ مباح تو مباح مستحب و مسنون چیز بھی عروض عوارض غیر مشروعہ سے ناجائز ہو جاتی ہے اور کسی مباح یا مستحب کا اتنا اہتمام کرنا کہ وہ فرض یا واجب کی طرح ہو جائے اور اس کے تارک کو لعن طعن کرنا یہ ایسی بات ہے کہ امور مباحہ و مستحبہ کو مکروہ بنا دیتا ہے (۴) پس واضح ہو گیا کہ مواضع مذکورہ فی السوال میں فاتحہ کو مستحب سمجھنا یا اس کے تارک کو لعن طعن کرنا بدعت اور ناجائز ہے اور ان دعاؤں کا بایں ہیئت آنحضرت ﷺ یا صحابہ کرامؓ یا ائمہ اسلام سے کوئی ثبوت نہیں۔

ہاں دفن سے فارغ ہونے کے بعد متصل دعائے مغفرت کرنا ایک حدیث شریف میں مذکور ہے جو

---

(۱) کتب فقہ میں یہ عبارت نہیں ملی البتہ سراجیہ میں یہ موجود ہے دیکھئے (سراجیه علی هامش قاضی خان' کتاب الجنائز' باب الصلاة علی الجنازة ۱/۱۴۵ ط نول کشور لکھنو)

(۲) وعن الفضلي : لاباس به (البحر الرائق' کتاب الجنائز' فصل السلطان احق بصلاته ۲/۱۹۷ ط بیروت)

(۳) لا يقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة لانه دعا مرة (بزازيه على هامش الهنديه' فصل في الجنائز ۴/۸۰ مکتبه ماجدیه)

(۴) من اصر على امر مندوب' و جعله عزما ولم يعمل بالرخصة' فقد اصاب منه الشيطان عن الاضلال' فكيف من اصر على بدعة او مكفر (مرقات المفاتيح' باب الدعاء في التشهد ۳/۳۱ ط مکتبه الحبیبه کوئٹه)

سنن ابو داؤد میں مروی ہے۔(۱)لہذا یہ جائز اور مستحب ہے۔واللہ اعلم
کتبہ الاحقر الاواہ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرس مدرسہ امینیہ عربیہ دہلی (الجواب صواب ماجد علی عفی عنہ)

دفن کے بعد تلقین نہ کرنا بہتر ہے

(سوال) مولانا مولوی حکیم ابو العلا امجد علی صاحب صدر مدرس دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر اپنی تصانیف شریعت حصہ چہارم میں لکھتے ہیں۔ مسئلہ۔ دفن کے بعد مردے کو تلقین کرنا اہل سنت کے نزدیک مشروع ہے (جوہرہ) یہ جو اکثر کتابوں میں ہے کہ تلقین نہ کی جائے یہ معتزلہ کا مذہب ہے انہوں نے سب کتابوں میں یہ اضافہ کردیا (رد المحتار) حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں "جو تمہارا کوئی مسلمان بھائی مرے اور اس کی مٹی دے چکو تو تم میں سے ایک شخص قبر کے سامنے کھڑا ہو کر یا فلاں بن فلانہ !وہ کہے گا کہ ہمیں ارشاد کر اللہ تجھ پر رحم فرمائے مگر تمہیں اس کے کہنے کی خبر نہیں ہے اذ کر ما خرجت من الدنیا شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا عبده و رسوله ﷺ وانك رضیت بالله ربا وبالا سلام دینا و بحمد ﷺ نبیا وبالقران اماما (۲) نکیرین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے چلو ہم اس کے پاس کیا بیٹھیں جسے لوگ اس کی حجت سکھا رہے ہیں اس پر کسی نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ اگر اس کی ماں کا نام معلوم نہ ہو تو فرمایا حوا کی نسبت کرے فی الکبیر والضیاء فی الاحکام و غیر هما بعض اجلہ ائمہ تابعین فرماتے ہیں کہ جب قبر پر مٹی ڈال دیں اور لوگ واپس جائیں تو مستحب سمجھا جاتا ہے کہ میت سے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر یہ کہا جائے یافلان قل لا اله الا الله تین بار پھر کہا جائے قل ربی الله و دینی الاسلام و نبیی محمد ﷺ (۳) لہذا عرض ہے کہ مضمون بالا صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۱۳ عبد العزیز صاحب ظروف ساز دہلی ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ ۲۹ جولائی
(جواب)(از مولوی حبیب المرسلین صاحب نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی) حدیث تلقین اموات صحیح ہے جس کو رد المحتار نے بھی نقل کیا ہے کیونکہ اہل سنت والجماعۃ لقنوا موتاکم سے حقیقی تلقین نقل کرتے ہیں اور شیخ کمال الدین بن الہمام بھی اپنی کتاب فتح القدیر میں تائید کرتے ہیں کہ یہ مراد حقیقی معنی ہے (۱) در مختار میں ہے : وفی الجوهرة انه مشروع عند اهل السنة الخ اور رد المحتار میں ہے اما عندالحدیث ای لقنوا موتاکم لا اله الا الله محمول علی الحقیقة لان الله یحییه علی ماجاء ت به الا ثار وقدروی عنه علیه السلام انه امر بالتلقین بعد الدفن یا فلان بن فلان اذکر دینا فی الذی

---

(۱) استغفروا لا خیکم واسئلوا له التثبت فانه الآن یسئل ابوداؤد شریف کتاب الجنائز باب الاستغفار عند القبر للمیت ۱۰۳/۲ ط مکتبہ امدادیہ ملتان
(۲) رد المحتار : باب صلاة الجنائز' مطلب فی التلقین بعد الدفن ۱۹۱/۲ ط سعید
(۳) مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی ' باب احکام الجنائز ص ۳۳۹ مصطفی حلبی مصر
(٤) واما التلقین بعد الموت ' وهو فی القبر' فقیل یفعل لحقیقة مارویناؔ و نسب الی اهل السنة والجماعة' و خلافه الی المعتزلة و قیل لا یؤمر به' ولا ینهی عنه (فتح القدیر' باب الجنائز ۱۰٤/۲ ط مصطفی حلبی مصر)

کنت علیه من شهادة ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله وان الجنة حق والنار حق وان البعث حق وان الساعة اتية لا ریب فیها وان الله یبعث من فی القبور وانك رضیت بالله ربا و بالاسلام دینا وبمحمد ﷺ نبیا و بالقرآن اما ما و بالکعبة قبلة و بالمومنین اخوانا اه

وقد اطال فی الفتح فی تائید حمل موتاکم فی الحدیث علی الحقیقة مع التوفیق بین الادلة علی ان المیت یسمع اولا یسمع کما سیأتی فی باب الیمین الخ (۱) اگرچہ تلقین بعد تدفین غیر مروج ہے لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک مشروع بلکہ مستحب ہے۔ فقط اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(جواب)(از مولوی عبدالکریم صاحب)اقول و بالله التوفیق ۔جب ظاہر روایت میں ممانعت موجود ہے تو اس کو مشروع و مستحب قرار دینا ہرگز صحیح نہیں ہے اور ممانعت تلقین کی بنا استحالہ حیات بعد الموت قرار دیکر اس کو معتزلہ کا مذہب اور تلقین کو اہل سنت کا مذہب کہنا بھی تعجب انگیز ہے کیا علاوہ اس کے اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی ایک وجہ تو خود فتح القدیر نے کافی سے نقل کی ہے وہ یہ کہ اگر وہ ایمان کے ساتھ مرا ہے تو اس کی حاجت نہیں اور اگر (نعوذباللہ) کفر پر خاتمہ ہوا تو تلقین مفید نہیں(۲) اور کفایہ شرح ہدایہ میں بھی یہی وجہ لکھی ہے اس کی عبارت یہ ہے وقد روی انه علیه السلام امر بتلقین المیت بعد دفنه وزعموا انه مذهب اهل السنة والا ول مذهب المعتزله الا انا نقول لا فائدة فی التلقین بعد الموت لانه ان مات مؤمنا فلا حاجة الیه وان مات کافرا فلا یفیده التلقین اه (۳) باقی رہی یہ بات کہ لقنوا موتاکم میں معنی حقیقی مراد کیوں نہیں لئے ؟ سو اس کی وجہ احقر کے فہم ناقص میں یہ آتی ہے کہ لفظ موتی سے جس طرح حقیقی معنی مفہوم ہوتے ہیں اسی طرح مجازی بھی مفہوم ہوتے ہیں اور مجازی معنی لینے سے زیادہ نفع ہے کیونکہ اس وقت بوجہ تکلیف کے محتضر (قریب المرگ) کو از خود التفات ہونا دشوار ہے اور تلقین سے اس کو توجہ ہو جاتی ہے اور کلمہ شہادت پڑھ کر من کان اخر کلامه لا اله الا الله دخل الجنة (۴) کا مصداق بن جاتا ہے بخلاف تلقین بعد الدفن کے کہ اس میں بعض نے تو کوئی نفع تسلیم ہی نہیں کیا جیسا کہ کافی سے اور کفایہ سے نقل کر چکا ہوں اور اگر وہ نفع بھی تسلیم کیا جائے جو صاحب فتح القدیر نے بیان کیا ہے یعنی استیناس بالذکر تب بھی وہ نفع بہت کم ہے اس نفع سے جو محتضر کو ہوتا ہے کیونکہ حالت احتضار میں تلقین کرنا عمل کی ترغیب دلانا ہے اور عمل جس درجہ مفید ہے ظاہر ہے اور محض استیناس ، عمل کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے۔

خلاصہ جواب اشکال کا یہ ہوا کہ موتی کے مجازی معنی لینا راجح ہیں لہذا حقیقی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ

---

(۱) باب صلاة الجنائز مطلب فی التلقین بعد الموت ۲/۱۹۱ ط سعید

(۲) وما فی الکافی من انه ان کان مات مسلماً لم یحتج الیه بعد الموت والا فلم یفد یمکن جعله الصارف الخ (فتح القدیر' باب الجنائز ۲/۱۰۴ ط مصطفی البابی مصر)

(۳) باب الجنائز ۲/۶۸ ط رشیدیه کوئٹه)

(۴) ابو داؤد' کتاب الجنائز' باب ما یقال عند المیت من الکلام ۲ ۸۸ ط امدادیه ملتان

تأمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ حقیقت مہجور ہے اور مجاز متعارف اور حقیقت مہجورہ سے مجاز متعارف مقدم ہوتا ہے(۱) کما علم من الاصول اور حقیقت کا مہجور اور مجاز کا متعارف ہونا ظاہر ہے کیونکہ تلقین محتضر پر امت کا تعامل ہے حالانکہ اس کی دلیل سوائے لقنوا موتاکم کے اور کوئی نہیں ہے اگر مجاز متعارف نہ مانا جائے تو تلقین محتضر کے لئے کوئی دلیل بھی نہ رہے حالانکہ شامی نے درایہ سے نقل کیا ہے انه مستحب بالا جماع اه (۲) اور اگر کوئی شخص حقیقت کا مہجور ہونا تسلیم نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ مجاز متعارف ہے لیکن ساتھ ہی حقیقت بھی مستعمل ہو اور مجاز متعارف بھی تب بھی صاحبین کے نزدیک تو مجاز ہی مقدم ہوتا ہے البتہ امام اعظم کے نزدیک حقیقت اولیٰ ہے (۳) سو ان کی طرف سے وہی جواب ہو سکتا ہے کہ تلقین محتضر مفید ہے اور تلقین میت مفید نہیں اور محض استیناس کا فائدہ عمل کے مقابلے میں معتدبہ نہیں جیسا کہ پیشتر گزر چکا نیز استیناس تلقین پر موقوف نہیں بلکہ تلاوت قرآن اور ذکر ان سے بدون تلقین بھی استیناس ہوتا ہے بلکہ مع شئی زائد۔ای وصول الثواب فلا حاجة الى التلقين الذى هو ادون من ايصال الثواب علاوہ ازیں اور جو اہل علم سماع موتی کا انکار کرتے ہیں ان کے نزدیک تو تعذر ظاہر ہے اور جو اہل علم سماع موتی کے قائل ہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیقت کو تلقین موتی میں متعذر نہ مانیں گے مگر غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی متعذر ہے کیونکہ وہ مطلق سماع کے قائل ہیں سماع مقید کا کوئی قائل نہیں ہے اور مقصود سماع مقید ہے پس جب سماع مقید کا کوئی قائل نہیں تو تلقین موتی میں حقیقی میت مراد لینا بالاتفاق متعذر ہے فافهم حتى يستانس بكم الحديث وهو الموقوف في حكم المرفوع اور اگر اس روایت کو بطور اشکال لایا جائے جس میں بعد الدفن کی تصریح ہے تو وہ اگر صحیح ہو تو اس میں یہ احتمال ہے کہ روایت بالمعنی ہو اور یہ سب درجہ توجیہ میں ہے ورنہ اصل مدار اس پر ہے کہ جب ظاہر روایت میں تلقین بعد الدفن کی نفی کی ہے جس کا مقتضی غیر مشروع یا کم از کم غیر مسنون ہونا معلوم ہوتا ہے اس کے بعد ہم مقلدین کو اس سے احتراز کی گنجائش نہیں خصوصاً جب کہ اس کے خلاف کوئی روایت نہیں اور جس کو خلاف سمجھا گیا اس کا جواب موجود ہے حاصل یہ کہ ہمارے اکابر کے نزدیک تلقین بعد الموت مشروع نہیں ہے ان کا ظاہر روایت پر عمل ہے اور وہی قوی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ تطبیق کے لئے دونوں وقتوں میں تلقین کو تجویز کیا جائے تو بہتر ہے کہ مزید نفع ہو تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ مجاز و حقیقت کا جمع کرنا جائز نہیں (۴) کما تقرر فى الاصول اور عموم مجاز کی یہاں کوئی صورت نہیں ہے چنانچہ علامہ ابن

(۱) ثم الحقيقة انواع ثلاثة' متعذرة و مهجورة' و مستعملة' وفى القسمين الاولين يصار الى المجاز بالاتفاق (اصول الشاشي' بحث الحقيقة و المجاز ص ۱۳ ط امداديه' ملتان)

(۲) باب صلاة الجنائز' مطلب في تلقين المحتضر ۲ / ۱۹۰ ط سعيد)

(۳) لو كانت الحقيقة مستعملة .... وان كان لها مجاز متعارف' فالحقيقة اولىٰ عند ابى حنيفة' و عندهما العمل بعموم المجاز اولى (اصول الشاشي' بحث الحقيقة والمجاز ص ۱۳'۱۴ ط امداديه' ملتان)

(۴) ثم الحقيقة مع المجاز لا يجتمعان ارادة من لفظ واحد فى حالة واحدة (اصول الشاشي' بحث الحقيقة' والمجاز' ص ۱۱ طبع مكتبه امداديه' ملتان)

الہمام تحریر فرماتے ہیں ولیس بظهر معنى يعم الحقيقى والمجازى الخ (۱) اب ایک امر قابل غور اور رہا وہ یہ کہ اگر ظاہر الروایۃ کا محمل یہ قرار دیا جائے کہ تلقین بعد الموت مسنون نہیں اور طبرانی وغیرہ نے جو حدیث روایت کی ہے اس کو اباحت پر محمول کیا جائے اور عجب نہیں کہ زیلعی سے شامی نے جو تین قول نقل کئے ہیں ان میں سے قول ثالث یعنی لا يؤمر به ولا ينهى عنه (۲) کا یہی منشا ہو سو بظاہر اس سے کوئی مانع نہیں لیکن اس زمانے میں تلقین بعد الدفن روافض کا شعار ہے (۳) اس واسطے اس کی اجازت نہ دی جائے گی اور اس کی نظیر فقہ میں موجود ہے کہ باوجود وارد فی الشرع ہونے کے منع کی علت شعار فرق ضالہ قرار دی ہے چنانچہ در مختار کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے ويجعله (اى الخاتم) لبطن كفه فى يده اليسرى و قيل اليمنى الا انه شعار الروافض فيجب التحرز عنه قهستانى وغيره ـ (۴) فقط والله اعلم بالصواب
کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از تھانہ بھون ضلع مظفر نگر، مورخہ ۵ رجب المرجب ۱۳۵۰ھ

(جواب ٦٧) (از حضرت مفتی اعظمؒ) تلقین بعد الدفن حنفیہ کے نزدیک معمول و متوارث نہیں ہے اور حنفیہ کے اصول کے ساتھ یہی اوفق ہے لیکن چونکہ کوئی دلیل حرمت یا کراہت بھی نہیں ہے اس لئے اسے متاخرین حنفیہ نے منع نہیں کیا اور یہی مسلک کہ عمل نہ کیا جائے اور کرنے والے کو ملامت نہ کی جائے راجح ہے ـ (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

دفن کے بعد تلقین بہتر نہیں

(سوال) کیا تلقین میت کرانی جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۱۸۷ راجہ فیروز خاں صاحب (جہلم) یکم جمادی الاول ۱۳۶۱ھ ۱۸ مئی ۱۹۴۲ء

(جواب ٦٨) میت کو تلقین کرنا شافعیوں کا قول ہے حنفیہ تلقین بعد الدفن کے قائل نہیں ہیں در مختار میں ہے ولا يلقن بعد تلحيده (۶) لیکن بعض مشائخ نے تلقین بعد الدفن کو جائز فرمایا ہے تاہم اگر کوئی نہ کرے تو حنفی مذہب کی ظاہر روایت کے موافق اس کا یہ خیال صحیح اور درست ہے (۷) اور اس پر کوئی الزام و اعتراض نہیں ہو سکتا ـ (۸) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) باب الجنائز ۲/۱۰۵ مطبع مصطفى البابى مصر)
(۲) باب صلاة الجنائز، مطلب فى التلقين بعد الموت ۲/۱۹۱ ط سعيد
(۳) ولكن الآن صار شعاراً لروافض، وتركه اهل السنة، (اعلاء السنن، ابواب الجنائز، باب ما يلقن المحتضر ۸/۱۷٤ ط ادارة دار القرآن
(٤) فصل فى اللبس ٦/٣٦١ طبع سعيد
(٥) قيل لا يؤمر ولا ينهى عنه (فتح القدير، باب الجنائز، ۲/۱۰٤ مطبع مصطفى البابى مصر
(٦) باب الجنائز ۲/۱۹۱ طبع سعيد (۷) قوله، ظاهر روايت الخ لعل العلامة الشيخ قدنسى ماقاله سابقا، والا فقد انكر كونها ظاهر الرواية فليراجع، وايضا قال المحقق الشامى تحت قول الدر " ولا يلقن بعد تلحيده" ذكر فى المعراج، انه ظاهر الرواية، فافهم (رد المحتار، باب صلاة الجنائز مطلب التلقين بعد الموت ۲/۱۹۱ ط سعيد)
(۸) وقيل لا يؤمر، ولا ينهى عنه (فتح القدير، باب الجنائز ۲/۱۰٤ ط مصطفى البابى الحلبى، مصر)

دفن کے بعد تلقین بہتر نہیں

(سوال) متعلقہ تلقین بعد دفن

(جواب ۶۹) یہ عبارت اذکر ما خرجت علیه من الدنیا الخ پڑھنا جائز ہے (۱) اس سے میت کو فائدہ پہنچے یہ ممکن ہے (۲) اس کا نام لیکر پکارنا ضروری نہیں ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فصل بناء علی القبور

بزرگوں کی قبروں پر بھی قبے بنانا جائز نہیں

(سوال) اکثر کتب فقہ میں قبروں پر بناء از قسم قبہ وغیرہ کو مکروہ لکھا ہے لیکن شامی کی جلد اول ص ۷۶۲ میں مشہور اور علماء و سادات کی قبروں پر بنا کرنے کو مکروہ نہیں لکھا نیز اسی صفحے پر باتباع روایت حضرت جابرؓ (۴) جو مسلم شریف میں ہے قبہ وغیرہ بنانے کو مکروہ لکھا ہے اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ بڑے بڑے اولیاء کے مزار پر قبے بنے ہوئے ہیں۔ المستفتی نمبر ۲۴۰۱ غلام مرتضیٰ احمد پور شرقی مورخہ ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۵ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۷۰) شامی میں مشائخ اور سادات کی قبور پر قبہ کی بناء کا جواز صرف جامع الفتویٰ (۵) سے قیل لفظ سے ذکر کیا ہے اور حرمت یا کراہت کا قول مسلم کی حدیث صحیح پر مبنی ہے اور شامی نے خود اقرار کیا ہے واما البناء علیه فلم ار من اختار جوازہ (۶) لہذا قول بالمنع اقویٰ اور احوط اور واجب العمل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بناء القبب علی القبور
اقوال حنفیہ

قبر پر قبے بنانا جائز نہیں

(جواب ۷۱) ویحرم البناء علیه للزینة لماروینا و یکره للاحکام بعد الدفن لان البناء للبناء

---

(۱) یا ابن فلان' اذکر ما کنت علیه الخ (الدر المختار' باب صلاة الجنائز ۲/۱۹۱ ط سعید)
(۲) انما لا ینهی عن التلقین بعد الدفن' فانه لا ضرر فیه' بل فیه نفع (حلبی کبیر' فصل فی الجنائز ص ۵۷۶ ط سهیل اکیدمی لاهور)
(۳) قیل : یا رسول الله ﷺ! فان لم یعرف اسمه' قال : ینسب الی آدم و حواء (الدر المختار' باب صلاة الجنائز ۲/۱۹۱ ط سعید) لوگوں کے فساد اور اعتقاد اور روافض کے شعار کی وجہ سے اس زمانے میں ترک کرنا ہی بہتر ہے لکن الآن صار شعار الروافض' و ترکه اهل السنة ففیه خوف التهمة فلا یلقن (اعلاء السنن' ابواب الجنائز' باب ما یلقن المحتضر ۸/۱۷۴ ط ادارة القرآن کراچی) (۴) عن جابر : قال نهی رسول الله ﷺ ان یجصص القبر' وان یقعد علیه' وان یبنی علیه (مسلم شریف' کتاب الجنائز' فصل فی النهی عن تجصیص القبور' والقعود' والبناء علیه ۱/۳۱۲ ط قدیمی)
(۵) وفی الاحکام عن جامع الفتاویٰ' و قیل لا یکره البناء اذا کان المیت من المشائخ' والعلماء' والسادات (رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۲/۲۳۷ ط سعید) (۶) باب صلاة الجنائز ۲/۲۳۷ ط سعید)

والقبر موضع الفناء (البرهان شرح مواهب الرحمن) ویکره الاجر والخشب لا نهما للزینة والاحکام والقبر موضع البلی والفناء (البرهان) وانما بعث النبیﷺ علیاً لایدع تمثالا(۱) الا طمثه ولا قبرامشرفا الا سواه و نهی ان یجصص القبر وان یبنی علیه وان یقعد علیه وقال لا تصلوا الیها لان ذلك ذریعة ان یتخذ ها الناس معبودا وان یفر طوافی تعظیمها بما لیس بحق فیحر فوا دینهم کما فعل اهل الکتاب وهو قوله ﷺ لعن الله الیهود(۲) والنصاری اتخذ وا قبور انبیائهم مساجد- و معنی ان یقعد علیه قیل ان یلازمه المزدوورون و قیل ان یطئو االقبور و علی هذا فالمعنی اکرام المیت فالحق التوسط بین التعظیم الذی یقارب الشرك و بین الاهانته و ترك الموالاة به (حجة الله البالغه ص ۲۸ ج ۲) (۳) ویکره بناء ه بالجص والا جروالخشب (ملتقی الا بحرص ۴۸)(۴) وعن ابی حنیفة لا یوطأ القبر الا لضرورة ویزار من بعید ولا یقعد وان فعل یکره(۵) (کذافی حاشیة ملتقی الابحر نقلاً عن الخزانة) نهی ان یقعد علی القبر وان یجصص او یبنی علیه (رواه احمد و مسلم و ابوداؤد و نسائی کذافی الجامع الصغیر للسیوطی)(۶) نهی ان یقعد علی القبر او یجصص او یبنی علیه(۷) (رواه احمد کذافی کنوز الحقائق للمناوی) فی الخزانة یکره ان یزید واعلی تراب القبر الخارج منه(۸) (برجندی شرح مختصر الوقایه) و یکره تطیین القبور و تجصیصها والبناء علیها والکتب علیها(۹) (جرهره نیره) و فی النتف کره ان یکتب علیه اسم صاحبه وان یبنی علیه بناء و ینقش و یصبغ و یرفع و یجصص و فی المضمرات عن النبی ﷺ انه قال صفق الریاح و قطر الا مطار علی قبر المؤمن کفارة لذنوبه و نهی عن الا کلیل والتجصیص (جامع الرموز)(۱۰)

---

(۱) عن ابی الهیاج الاسدی قال قال لی علی الا ابعثك علی ما بعثنی علیه رسول الله ﷺ لا تدع تمثالا الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سویته (مسلم شریف کتاب الجنائز فصل فی النهی عن تجصیص القبور و القعود والبناء علیها ۱/۳۱۲ ط قدیمی)

(۲) بخاری شریف : کتاب الجنائز باب ما یکره من اتخاذ المسجد علی القبور ۱/۱۷۷ قدیمی

(۳) الجنائز ۲/۴۹۴ قاهره بغداد

(۴) باب الجنائز فصل فی الصلاة علی المیت ۱/۱۸۶ ط بیروت

(۵) باب الجنائز فصل فی الصلاة علی المیت ۱/۱۸۷ ط بیروت

(۶) الجزء الثالث حرف النون باب المناهی ص ۱۹۳ مکتبه اسلامیه لائل پور پاکستان و مسند احمد ۶/۲۹۹ ط المکتب الاسلامی دار صادر بیروت و مسلم شریف کتاب الجنائز فصل فی النهی عن تجصیص القبور و القعود والبناء علیها ۱/۳۱۲ ط قدیمی و ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی البناء علی القبر ۲/۱۰۴ امدادیه ملتان و نسائی شریف کتاب الجنائز الزیادة علی القبر ۱/۲۲۱ ط سعید)

(۷) مسند احمد : ۶/۲۹۹ المکتب الاسلامی دار صادر بیروت و کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق الجزء الثانی حرف النون فصل فی المناهی ص ۱۳۸ ط مکتبه اسلامیه لائل پور

(۸) ۱/۱۸۳ ط العالی لکشوری)

(۹) باب الجنائز ۱/۱۴۱ ط میر محمد کتب خانه کراچی

(۱۰) فصل فی الجنائز ۱/۲۸۹ ط المطبعه الکریمیه ببلدة قزان

قبروں کو پختہ بنانا' اونچی بنانا' ان پر قبے تعمیر کرنا اور ان کا طواف کرنا جائز نہیں

(از اخبار الجمعیۃ سہ روزہ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) آج کل سلطان عبدالعزیز ابن سعود سلمہ اللہ نے مکہ مکرمہ کے قبے وغیرہ گرا دیئے ہیں کیا یہ درست ہے؟ اور حدیث میں جو آیا ہے کہ نجد میں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں قرن الشیطان ہو گا وہ کونسا نجد ہے؟

(جواب ۷۲) هو الموفق اونچی اونچی قبریں بنانا' قبروں کو پختہ بنانا' قبروں پر گنبد او قبے اور عمارتیں بنانا' غلاف ڈالنا' چادریں چڑھانا' نذریں ماننا' طواف کرنا' سجدہ کرنا' یہ تمام امور منکرات شرعیہ میں داخل ہیں شریعت مقدسہ اسلامیہ نے ان امور سے صراحۃً منع فرمایا ہے احادیث صحیحہ میں اس قسم کے امور کی ممانعت وارد ہے جو شرک یا مفضی الی الشرک ہیں حضور ﷺ ارواحنا فداہ نے مرض وفات میں آخری وصایا میں نہایت اہتمام سے یہ ارشاد فرمایا لعن اللہ الیهود والنصاری اتخذوا قبور انبیائهم مساجد (۱) یعنی خدا لعنت کرے یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا اور کتب حدیث میں وہ حدیثیں جن میں حضور اکرم ﷺ نے قبروں پر عمارت (گنبد و قبہ) بنانے اور چراغ جلانے سے منع فرمایا بکثرت موجود ہیں فقہ حنفی میں صراحۃً یہ مسئلہ مذکور ہے کہ قبر کو پختہ نہ بنایا جائے نہ اس پر کوئی عمارت بنائی جائے (۲) اور صحابہ کرام' ائمہ مجتہدینؒ سلف صالحین کا طرز عمل اسی کے موافق قرون اولیٰ میں اس کی کوئی سند موجود نہیں کہ قبروں پر قبے بنائے جاتے تھے یا قبروں کی کوئی ایسی تعظیم کی جاتی تھی جو اب کچھ زمانے سے مروج ہے نذر اور طواف اور سجدہ تو عبادات ہیں اور غیر اللہ کے لئے عبادت کی نیت سے ان افعال کو کرنا تو یقیناً شرک ہے اور نیت عبادت نہ بھی ہو تاہم حرام ہونے میں کوئی تردد نہیں۔

سلطان ابن سعود نے قبے ڈھا دیئے تو ان کے نزدیک چونکہ قبے بنانا ناجائز اور منکر شرعی تھا اس لئے انہوں نے بموجب ارشاد نبی ﷺ من رای منکم منکرا (الحدیث) (۳) اس کا ازالہ کیا مخالفین اگر زیادہ سے زیادہ زور لگا کر بعض متاخرین کے قول سے اس کی اباحت پیش کر دیں تاہم حدیث صریح اور تصریحات سلف کے مقابلے میں اول تو یہ اقوال قابل التفات نہ ہوں گے دوسرے کہ پھر بھی ابن سعود کو سب و شتم کرنا اور ہدف ملامت بنانا جائز نہیں ہو گا حضور اکرم ﷺ کا صریح فرمان ہے سباب المسلم فسوق (۴) (بخاری)

نجد یا اس کا کوئی حصہ اگر موضع زلازل و فتن ہو اور حضور اکرم ﷺ نے اس میں سے قرن الشیطان

---

(۱) بخاری شریف' کتاب الجنائز' باب ما یکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور ۱ /۱۷۷ ط قدیمی

(۲) ولا یجصص للنهی عنه ولا یطین ولا یرفع علیه البناء (رد المحتار باب صلاۃ الجنائز ۲ /۲۳۷ طبع محمد سعید)

(۳) من رای منکم منکرا' فلیغیرہ بیدہ' فان لم یستطع' فبلسانہ' فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان (مسلم شریف' کتاب الایمان' باب کون النهی عن المنکر من الایمان الخ ۱ /۵۱ ط سعید)

(۴) سباب المسلم فسوق' و قتالہ' کفر (بخاری' باب ما ینهی عن السباب' واللعن ۲ /۸۹۳ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)

کے نکلنے کی خبر بھی دی تھی تاہم اس سے یہ استدلال کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ تمام نجدی اس کے مصداق ہیں تو کیا نجد میں آج تک کوئی صالح دیندار نہیں ہوا سب اسی حدیث کے موافق قرن الشیطان میں داخل ہیں ؟ معاذ اللہ ! جب کہ ایسا نہیں تو لامحالہ اہل نجد کے اعمال و اقوال ہی اس امر کے لئے معیار ہوں گے کہ وہ اس حدیث کے اندر داخل ہیں یا نہیں لہذا ہمیں یہ دیکھنا نہیں چاہئیے کہ ابن سعود نجدی ہیں یا یمنی حجازی ہیں یا شامی بلکہ ان کے اعمال و اقوال و عقائد کو دیکھنا چاہئیے اور اس کے موافق ان کے بارے میں رائے قائم کرنی چاہئیے۔

ہمیں جہاں تک معلوم ہوا ہے ابن سعود کے عقائد و اعمال میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو ان کو قابل مذمت قرار دے صرف نجدی ہونے سے ان پر ملامت کی بوچھاڑ کرنا اہل دین کا کام نہیں۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی (الجواب صحیح بندہ احمد سعید واعظ دہلوی' محمد میاں عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی' شفاعت اللہ عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی)

تیسرا باب
نماز جنازہ

بے نمازی کی نماز جنازہ بھی ضروری ہے

(سوال) چہ فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ گزاردن نماز جنازہ بے نمازی جائزاست یا نہ ؟بینوا توجروا

(ترجمہ) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بے نمازی آدمی کے جنازے کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟بینوا توجروا

(جواب ۷۳) بر جنازہ بے نماز نماز گزاردن جائز بلکہ واجب است چہ جنازہ مسلم بغیر از گزاردن نماز دفن کردن روانیست۔ اما علماؤ بزرگ قوم اگر زجراً شریک نماز نہ شوند مضائقہ ندارد کتبہ محمد کفایت اللہ عفاعنہ مولاہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

(ترجمہ) بے نمازی آدمی کے جنازے کی نماز پڑھنا جائز بلکہ واجب ہے(۱) کیونکہ مسلمان میت کو بغیر نماز جنازہ کے دفن کرنا جائز نہیں لیکن علماء اور سردار قوم اگر زجراً نماز جنازہ میں شریک نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں۔(۲)
محمد کفایت اللہ عفاعنہ مولاہ

....

(۱) وھو فرض علی کل مسلم مات خلا اربعۃ بغاۃ' و قطاع الطریق ' فلا یغسلوا' ولا یصلی علیھم' وکذا اھل عصبۃ و مکابر فی مصر لیلاً بسلاح و خناق 'خنق غیر مرۃ حکمھم کالبغاۃ (درمختار ' باب الجنائز ۲/ ۲۱۰ ط سعید

(۲) جیسا کہ خودکشی کرنے والے اور مقروض کی نماز جنازہ کا حکم ہے فالظاھر انہ امتنع زجراً لغیرہ عن مثل ھذا الفعل کما امتنع عن الصلاۃ علی المدیون (رد المحتار باب صلاۃ الجنائز ۲/ ۲۱۱ ط سعید)

کافر کے بچے کا جنازہ جو مسلمان کے زیر پرورش مر جائے

(سوال)ماقولکم ایها العلماء الکرام نفعنا الله بعلومکم فی رجل کافر وهب ولده الصغیر لمسلم فکان فی یده ولبث ایاما ثم مات فهل للمسلمین ان یصلوا علی هذا الصبی ام لا؟ افتونا اجرکم الله تعالیٰ

(ترجمہ) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کافر شخص نے اپنا ایک چھوٹا بچہ ایک مسلمان کو دے دیا تھا وہ مسلمان اس کی پرورش اور نگرانی کر رہا تھا کچھ عرصے کے بعد بچہ مر گیا تو کیا مسلمانوں پر اس کی نماز جنازہ واجب ہے یا نہیں ؟

(جواب ۷٤)اعلموا رحمکم الله تعالیٰ ان من شروط صحة الصلوة علی المیت ان یکون مسلما باسلام مستقل کالبالغین المسلمین او غیر مستقل بتبعیة احد الا بوین کصبی اسلم ابوه وامه او بتبعیة احد الا بوین کصبی اسلم ابوه اوامه او بتبعیة السابی کصبی اخذه المسلم عنوة فی دار الحرب فکان عنده هناك فمات او بتبعیة الدار کصبی اسره مسلم او ذمی فاخرجه من دار الحرب الی دار الاسلام فمات یصلی علیه فی جمیع تیك الصور فهذه اربع صور نورد دلا ئلها اما الاول فظاهر (۱) واما الثانی فلما فی ردالمحتار (۲) اواسلم احدابویه یجعل مسلما تبعا سواء کان الصغیر عاقلا او لم یکن لان الولد یتبع خیرا لا بوین دینا انتهی

وفی ایضا واذاسبی المسلمون صبیان اهل الحرب و هم بعد فی دار الحرب فدخل ابائهم دار الاسلام واسلموا فابناؤهم صاروا مسلمین باسلام ابائهم وان لم یخرجوا الی دارالاسلام انتهی (۳)

واما الثالث فلما فی الفتاوی العالمگیریة (٤) والصبی اذا وقع فی ید المسلم من الجند فی دار الحرب وحده' ومات هناك صلی علیه تبعا لصاحب الید کذافی المحیط انتهی

وفی رد المحتار نقلا عن البحر لان فائدة تبعیة السابی انما تظهر فی دار الحرب بان وقع صبی فی سهم رجل ومات الصبی یصلی علیه تبعا للسابی انتهی(۵)

قلت ولا یذهب علیك ان الحکم باسلام الصبی فی هذه الصورة مقید بما اذا ملکه السابی بقسمة او بیع من الامام ولم یتفق اخراجه الی دار الاسلام بعد کما ذکره العلامة الشامی (٦) عن شرح السیر الکبیر

(۱) وهی فرض علی کل مسلم خلا بغاة (تنویر الابصار باب صلاة الجنائز ۲/ ۲۱۰ ط سعید

(۲--۳) باب صلاة الجنائز ۲/ ۲۲۹ طبع سعید

(٤) باب الجنائز' الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت نمبر ۱۶۳ ط مکتبه ماجدیه کوئٹه

(۵) باب صلاة الجنائز ۲/ ۲۲۹ طبع سعید

(٦) فانه قال : لو سبی وحده لا یحکم باسلامه مالم یخرج الی دار الاسلام' فیصیر مسلما تبعا للدار' او یقسم الامام الخ (رد المحتار باب صلاة الجنائز ۲/ ۲۲۹ ط سعید)

واما الرابع فلما في الدر المختار ولو سبي بدونه (اى بدون احد ابويه) فهو مسلم تبعا للدار اوللسبي (١) انتهى وفي كنز الدقائق و شرحه للعيني اولم يسب احدهما معه اى احد الابوين معه ففي هذه الصور يصلي عليه تبعا لاسلام احد ابويه او تبعا للدار –(٢) انتهى

بقي ان الصبي اذا تكلم بالشهادتين بنفسه فما حكمه ؟ قلت ان كان الصبي مميز ا بان يكون ابن سبع سنين يعتبر اسلامه ولو مات يصلي عليه –

قال في رد المحتار (٣) بل هو تابع لاحد ابويه الى البلوغ مالم يحدث احتلاما وهو مميز كما صرح به في البحر انتهى وفي الدر المختار او اسلم الصبي وهو عاقل اى ابن سبع سنين صلي عليه لصير ورته مسلما انتهى–(٤)

واذا تمهد هذا فاعلم ان الكافر الذي وهب ولده لمسلم او باع منه في هذه الدار لا تصح بيعه ولا هبته ولا يملكه الموهوب له ولا المشترى منه ولا تكون يده عليه يد الملك بل يكون الصبي عنده حر كما كان قبل البيع والهبة تابعا في دينه لا بويه الكافرين –

نعم لو اسلم احد ابويه اواسلم الصبي بنفسه وهو مميز حكم باسلامه وصلي عليه ولم يقع التصريح في السوال بعدم اسلام احد ابويه او بعدم تكلمه بكلمة الاسلام فلذا لم نصرح في الجواب لكن لا يشكل على المتفقه تخريج الجواب –

وهذا الذي ذكر نا لا نعلم فيه خلافا بين الامام ابي حنيفة والا مام الشافعي من الحكم بعدم الصلوٰة على صبي كافرا بواه كافران ولم يسلم هو بنفسه ولم يسب –

والله تعالى اعلم و علمه واتم واحكم كتبه الراجي رحمة مولاه محمد كفاية الله غفرله ربه وارضاه –

(ترجمہ) میت پر نماز جنازہ پڑھنے کی شرطیں یہ ہیں کہ میت بذات خود مستقل مسلمان ہو جیسے کہ بالغ مسلمان مرد و عورت یابذات خود مکلّف نہ ہو تو اس کے ماں باپ میں سے ایک مسلمان ہو جیسے وہ بچہ جس کاباپ یاماں مسلمان ہو گئی ہو یا قید کرنے والے کی تبعیت سے جیسے وہ بچہ جس کو کسی مسلمان نے دارالحرب میں قوت کے ساتھ چھین لیا ہو اور وہیں وہ بچہ مر جائے یادار کی تبعیت سے جیسے وہ بچہ جس کو کوئی مسلمان یاذمی قید کر کے دار الاسلام میں لے آئے اور یہاں آکر وہ بچہ مر جائے ان تمام صورتوں میں نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ ان چاروں صورتوں کے دلائل ہم بیان کرتے ہیں۔ پہلی صورت تو ظاہر ہے اس کی دلیل کی ضرورت نہیں

(١) باب صلاة الجنائز ٢ : ٢٢٩ ط سعيد

(٢) [illegible] اولم يسب احد هما اى احد الابوين (معه) اى مع الصبي ففي هذه الصور الخ باب الجنائز [illegible] احكام الصلاة على الميت ١ : ٦٦ طبع [illegible]

(٣) باب صلاة الجنائز ٢ : ٢٢٩ طبع سعيد

(٤) باب صلاة الجنائز ٢ : ٢٣٠ طبع سعيد

دوسری صورت کی دلیل جیسا کہ ردالمحتار میں ہے کہ جس بچہ کے ماں باپ میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو وہ بچہ مسلمان سمجھا جائے گا خواہ وہ بچہ عاقل ہو یا نادان ہو کیونکہ بچہ اپنے ماں باپ میں سے اس کے تابع ہوتا ہے جس کا دین بہتر ہو اور ردالمحتار میں یہ بھی ہے کہ اگر مسلمانوں نے اہل حرب کے بچوں کو قید کر لیا اور پھر وہ دارالحرب میں ہی رہے اور ان بچوں کے ماں باپ دارالاسلام میں داخل ہو کر اسلام لے آئے تو وہ بچے اگرچہ دارالاسلام میں داخل نہ ہوئے ہوں مگر اپنے ماں باپ کے اسلام لانے کی وجہ سے مسلمان قرار دیئے جائیں گے۔

تیسری صورت کی دلیل جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ جو بچہ دارالحرب میں فوج کے ذریعہ تنہا قید ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائے اور دارالحرب میں ہی مر جائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ وہ اس کے مالک یا قابض کے تابع ہونے کی وجہ سے مسلمان سمجھا جائے گا کذافی المحیط۔
اور ردالمحتار میں بحر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ قید کرنے والے کی تبعیت کا فائدہ دارالحرب میں حاصل ہو سکتا ہے اس طریقے پر کہ کوئی قیدی بچہ کسی شخص کے حصہ میں آگیا اور وہ بچہ مر گیا تو اس پر نماز جنازہ ہوگی کیونکہ وہ اپنے قابض کا تابع ہے انتہی۔ میں کہتا ہوں کہ تم کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئیے کہ اس صورت میں بچہ کو مسلمان قرار دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ قابض تقسیم سے یا امام سے خرید کر اس کا مالک بنا ہو اور ابھی تک اخراج الی دارالاسلام نہ ہوا ہو۔
چوتھی صورت کی دلیل درمختار میں ہے کہ اگر کوئی بچہ اپنے ماں یا باپ کے بغیر قید ہوا ہو تو وہ مسلمان قرار دیا جائے گا کیونکہ وہ دارالاسلام یا گرفتار کرنے والے کے تابع سمجھا جائے گا اور کنزالدقائق اور اس کی شرح عینی میں ہے کہ یا بچہ کا باپ یا ماں دونوں میں سے ایک اس بچہ کے ساتھ گرفتار نہ ہوا ہو تو ان صورتوں میں بچہ احدالابوین کے اسلام لانے کی وجہ سے یا دارالاسلام کی تبعیت سے مسلمان قرار دیا جائے گا رہی یہ بات کہ اگر بچہ بذات خود کلمہ شہادت پڑھے تو اس کا حکم کیا ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ اگر بچہ باعث شعور ہو مثلاً سات برس کا ہو تو اس کا اسلام معتبر ہوگا اور اگر مر جائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی ردالمحتار میں ہے کہ بچہ ذی شعور ہو اور اسلام نہ لائے تو بلوغ تک اپنے ماں باپ میں سے ایک کا تابع سمجھا جائے گا جیسے کہ بحر میں اس کی تصریح ہے اور درمختار میں ہے کہ سمجھدار بچہ یعنی سات برس کا بچہ اگر اسلام لے آئے اور پھر مر جائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔
تمہید مذکورہ کے بعد جاننا چاہئیے کہ (برطانوی) ہندوستان میں اگر کسی کافر نے اپنا بچہ کسی مسلمان کو بخش دیا یا اس کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اس کا یہ ہبہ اور فروخت صحیح نہ ہوگی اور وہ مسلمان نہ ہبہ کی صورت میں اس بچے کا مالک ہوگا نہ خرید کی صورت میں اور اس کا قبضہ مالکانہ نہیں ہوگا بلکہ وہ بچہ اس کی تحویل میں آزاد کی حیثیت سے رہے گا جیسا کہ بیع و ہبہ سے قبل تھا اور اپنے کافر والدین کے دین کا تابع ہوگا۔
ہاں اگر اس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے یا خود وہ بچہ اسلام لے آئے بشرطیکہ باشعور ہو تو اس کو مسلمان قرار دیا جائے گا اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور سوال مذکورہ میں اس کے ماں باپ

میں سے کسی کے اسلام نہ لانے یا خود اس بچے کے کلمہ نہ پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں ہے اس لئے جواب میں بھی صاف حکم نہیں دیا جا سکتا لیکن سمجھ دار آدمی کے لئے جواب کا معلوم کرنا مشکل نہیں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے یعنی وہ بچہ جس کے ماں باپ کافر ہوں اور خود بھی اس نے کلمہ نہ پڑھا ہو اور نہ قید ہو کر آیا ہو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم واحکم۔ کتبہ الراجی رحمتہ مولاہ محمد کفایت اللہ غفر لہ' ربہ وارضاہ

نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا

(سوال) نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۷۵) حنفیوں کے نزدیک سورہ فاتحہ قراۃ کی نیت سے نماز جناہ میں پڑھنا جائز نہیں ہاں اگر بہ نیت دعا پڑھی جائے تو درست ہے۔ فی العالمگیریة ص ۱۴۷ ج ۱ ولا یقرأ فیها القر ن ولو قرأ الفاتحة بنیة الدعاء فلا باس به وان قرأ ها بنیة القراء ۃ لا یجوز لا نها محل الدعاء دون القراء ۃ کذافی محیط السرخسی (۱)

کئی میتوں کی ایک ساتھ نماز جائز ہے

(سوال) دو تین میت کی نماز ایک ساتھ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۷۶) دو تین میت کی نماز ایک ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ ولو اجتمعت الجنائز یخیر الامام ان شاء صلی علی کل واحد علی حدة وان شاء صلی علی الکل دفعة بالنیة علی الجمیع کذافی معراج الدرایة (۲) (عالمگیری ص ۱۵۷ ج ۱)

بت خانہ میں جا کر مذہبی رسوم ادا کرنا کفر ہے اس کی جنازہ نہ پڑھی جائے

(سوال) ایک مسلمان عورت کسی کافر کے ساتھ کفر کے رسم ورواج کے موافق نکاح کر کے رہی اور اس کافر کے ساتھ ان کے بت خانے میں جا جا کر مذہبی رسوم پوجا پاٹ ادا کرتی رہی ایسی عورت کے مرنے پر نماز جنازہ پڑھنا اور اسے مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۷۷) بت خانے میں جانا اور بت پرستی کے رسوم ادا کرنا بتوں کو سجدہ کرنا کفر ہے اور چونکہ یہ کام اس نے اپنی خوشی اور رضامندی سے کئے ہیں اور رضا بالکفر بھی کفر ہے اس لئے وہ عورت کافرہ ہے لہذا اس کے جنازے پر نماز پڑھنا اور مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز نہیں۔ وکما لو سجد لصنم او وضع مصحفا

---

(۱) الفصل الخامس فی الصلوة علی المیت ۱ / ۱۶۴ ط مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

(۲) فصل فی الصلاة علی المیت ۱ / ۱۶۵ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

في قاذورة فانه يكفر وان كان مصدقا لان ذلك في حكم التكذيب كما افاده في شرح العقائد الخ (ردالمحتار) (۱) اور چونکہ یہ مرتد ہے اس لئے اسے غسل دینا بھی جائز نہیں ۔ ويغسل المسلم ويكفن ويدفن قريبه كخاله الكافر الا صلي اما المرتد فيلقي في حفرة كالكلب انتهى (درمختار) (۲) ولا يغسل ولا يكفن ولا يدفع الى من انتقل الى دينهم بحر عن الفتح (۳) (ردالمحتار)

(۱) چند میتیں جمع ہوں تو ہر ایک کی علیحدہ نماز اولیٰ ہے
(۲) فاسق کی نماز جنازہ بھی ضروری ہے
(۳) حالت نزع میں کلمہ کا انکار کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی

(سوال) (۱) دو میتوں کا جنازہ ایک بار پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) نیز یہ کہ ایک شخص نے تمام عمر کبھی نماز نہیں پڑھی لیکن توحید و رسالت کا قائل ہے اذان سن کر کلمہ شریف یا اللہ پڑھتا ہے اس شخص کی نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں (۳) ایک شخص نے بلوغ سے لے کر تادم مرگ نماز بھی نہیں پڑھی بعض موقع پر اس سے کلمہ شریف سنا گیا نزع کے وقت اس نے کلمہ سے انکار کیا اس شخص کی نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(جواب ۷۸) چند میت جمع ہو جانے کی صورت میں اولیٰ تو یہی ہے کہ ہر ایک کی نماز جنازہ علیحدہ علیحدہ پڑھی جائے لیکن اگر ایک ساتھ پڑھ لی جائے تب بھی جائز ہے اور ان میں سے افضل کو امام کے قریب رکھا جائے واذا اجتمعت الجنائز فالا فراد بالصلوة لكل منها اولى وهو ظاهر و يقدم الا فضل فالا فضل ان لم يكن سبق وان اجتمعن ولو مع السبق وصلى مرة واحدة صح (مراقي الفلاح) (۴) روى الحسن عن ابي حنيفة يوضع افضلهم واسنهم مما يلى الامام وهو قول ابي يوسف (مراقي الفلاح) (۵) (۲) وجوب نماز جنازہ کے لئے میت کا صرف مسلمان ہونا شرط ہے اور جب کہ یہ شخص مسلمان تھا تو اس کی نماز جنازہ پڑھنا ضروری ہے اس کا کبھی نماز نہ پڑھنا موجب فسق ہے لیکن نماز جنازہ فاسق کی بھی پڑھنی لازم ہے ہاں مقتدا اور رؤسا اشخاص زجراً اس کے جنازے کی شرکت نہ کریں تو بہتر ہے وشرطها ستة اسلام الميت وطهارته (درمختار) (۶) و يصلى على كل ميت مات بعد الولادة صغير اكان او كبيرا ذكرا كان او انثى حرا كان او عبدا الخ (هنديه) (۷) واما بيان من يصلى عليه فكل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه صغير اكان او كبيرا ذكرا كان اوانثى حرا كان

---

(۱) باب المرتد ٤ ۲۲۲ ط محمد سعيد
(۲) باب صلاة الجنائز ۲ ۲۳۰ طبع محمد سعيد
(۳) باب صلاة الجنائز ۲ ۲۳۰ ط محمد سعيد
(٤ ۵) باب احكام الجنائز ص ۳۵۸ ط مصطفى البابي الحلبي مصر
(٦) باب صلاة الجنائز ۲ ۲۰۷ ط محمد سعيد
(۷) باب الجنائز الفصل الخامس في الصلاة على الميت ۱ ۱٦۳ ط مكتبه ماجديه كوئته

او عبداً الا البغاة وقطاع الطريق و من بمثل حالهم لقول النبی ﷺ صلوا علی کل بروفاجر وقوله عليه السلام للمسلم علی المسلم ست حقوق وذكر من جملتها ان يصلی علی جنازته من غير فصل الا ما خص بدليل والبغاة ومن بمثل حالهم مخصوصون لما ذكرنا (بدائع) (۱)(۳) ایسے شخص کے ساتھ تمام معاملات مسلمانوں جیسے کئے جائیں گے اور اس کے لئے استغفار کیا جائے گا اور حالت نزع کا انکار معتبر نہیں کیونکہ وہ وقت نہایت سختی و شدت کا وقت ہے اور اس وقت ہوش و حواس کا قائم نہ رہنا ممکن ہے وما ظهر منه من كلمات كفرية يغتفر فی حقه و يعامل معاملة موتی المسلمين حملا علی انه فی حال زوال عقله ولذااختار بعضهم زوال عقله قبل موته ذكره الكمال (در مختار) (۲)واللہ اعلم

(۱) غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں
(۲) نماز پڑھنے کے لئے عورت کے جنازے پر پردہ ثابت نہیں

(سوال) (۱) مردہ غائب پر نماز جنازہ ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں تو جس مردے پر نماز جنازہ بالکل نہیں پڑھی ہے اس کے بارے میں شریعت کا حکم ہے کہ قبر پر نماز جنازہ پڑھو تو کیا قبر میں مردہ غائب نہیں ہے ؟
(۲) اگر عورت کا جنازہ ہو تو دونوں طرف لکڑی گاڑ کر پردہ کر کے جنازہ پڑھا جائے یہ درست ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۲۷۰۷ ۲جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۸اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۹) جنازہ غائب پر حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ نہیں ہے(۳)جس میت کو جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا ہو اس کی قبر پر حنفیہ کے نزدیک بھی نماز جنازہ جائز ہے(۴) یہاں قبر قائم مقام جنازہ کے ہے کیونکہ نعش قبر کے اندر موجود ہے اور آنحضرت ﷺ نے قبر پر نماز جنازہ پڑھی ہے۔(۵)
(۲) عورت کے جنازے پر نماز پڑھنے کے لئے سرہانے اور پائنتی لکڑیاں کھڑی کر کے چادر تان دینا ضروری ہے نہ ثابت اس کے جنازے پر جو نعش قائم کی جاتی ہے پردے کے لئے وہی کافی ہے یہ پردے کی جدید صورت خلاف متوارث ہے۔(۶)

---

(۱) فصل فی الجنازة ۱ / ۳۱۱ مكتبه رشيديه كوئته
(۲) باب صلاة الجنائز ۲ / ۱۹۲ ط محمد سعيد
(۳) فلا تصح علی غائب وصلاة النبی ﷺ علی النجاشی لغوية او خصوصية الخ(الدر المختار باب صلاة الجنائز ۲ / ۲۰۹ ط سعيد
(۴) ولو دفن الميت قبل الصلاة او قبل الغسل فانه يصلی علی قبره الی ثلاثة ايام (هنديه باب الجنائز فصل فی الصلاة علی الميت ۱ / ۱۶۵ ط ماجديه كوئته
(۵) عن ابی هريرةؓ ان اسود رجلا او امراة كان يكون فی المسجد قال: فدلونی علی قبره قال فاتی قبره فصلی عليه (بخاری كتاب الجنائز باب الصلاة علی القبر بعد ما يدفن ۱ / ۱۷۸ ط قديمی)
(۶) يقوم للرجال والمراة بحذاء الصدر الخ (هنديه باب الجنائز فصل فی الصلاة علی الجنازة (۱ / ۱۶۴ ط کوئٹہ (اس میں مرد اور عورت کا فرق نہیں کیونکہ نعش سے پردہ ہو جاتا ہے

(۱) جنازہ کی دعا میں فلاں ابن فلاں کی جگہ میت کا نام لینا
(۲) نماز جنازہ میں جہر نہیں
(۳) جہر سے پڑھنے والے کے پیچھے حنفیوں کی نماز درست ہے

(سوال) جنازے کی نماز میں میت کے لئے دعا **اللّٰھم ان فلان بن فلان فی ذمتک و حبل جوارک الخ** فلاں بن فلاں کی جگہ میت اور اس کے والد کا نام لے تو جائز ہے یا نہیں ؟(۲) جنازے کی نماز جہر سے پڑھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟(۳) اگر کسی نے جہر سے جنازہ پڑھا اور اس کے پیچھے متبعین امام صاحب بھی شریک ہوں تو ان حنفیوں کی نماز جنازہ ہوئی یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۸۶ محمد عبدالجلیل سامرودی ۵ رجب ۱۳۵۲ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۸۰) جب دعائے مذکور پڑھی جائے تو فلاں بن فلاں کی جگہ میت اور اس کے والد کا نام لیا جائے
(۲) حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ میں جہر نہیں ہے(۱) تاہم اگر امام نے جہر کیا تو حنفیوں کا کوئی حرج نہیں
(۳) حنفی بھی اس امام کے پیچھے نماز میں شریک ہو سکتے ہیں اور ان کی نماز جائز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

جنازہ کی دعا میں میت کا نام لینے پر اشکال

(سوال) آپ کے نام سے ایک استفتا شائع ہوا ہے وہ ارسال خدمت ہے یہی جواب آپ نے دیا ہے یا کچھ تغیر و تبدل ہے ؟ **المستفتی** نمبر ۱۸۴ عبدالقادر احمد نزاوا' سورت' ۸ شوال ۱۳۵۲ھ م ۲۴ جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۱) میرے یہاں اس سوال وجواب کی نقل موجود ہے یہ سوال مولوی محمد عبدالجلیل صاحب سامرودی نے بھیجا تھا مجھے معلوم تھا کہ وہ فرقہ اہل حدیث کے عالم ہیں اور وہ نماز جنازہ میں دعا **اللّٰھم ان فلان بن فلان الخ** پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں اس لئے میں نے ان کو یہ جواب دے دیا کہ جب یہ دعا پڑھی جائے تو فلاں بن فلاں کی جگہ میت اور اس کے والد کا نام لیا جائے میرا مطلب یہ تھا کہ حنفیہ کے نزدیک تو نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھی ہی نہیں جاتی تو میت کے نام لینے یا نہ لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا دوسرے اور تیسرے سوال کے جواب میں میں نے جو لکھا ہے کہ اگر امام اہل حدیث ہو اور وہ جہر سے نماز پڑھائے تو حنفی مقتدیوں کا اس میں کوئی حرج نہیں اور خود حنفیوں کے نزدیک نماز جنازہ میں جہر نہیں ہے(۴) یہ جواب صحیح ہے یہ تمام تحریر ان سوالات وجوابات کے متعلق ہے جو رسالہ مطبوعہ کے صفحہ ۸ پر درج ہیں اور شروع رسالہ میں جو

(۱) اس پر اس اشکال کا جواب کہ استفتاء سے دعائے مذکورہ نہیں پڑھی جاتی استفتا نمبر ۱ سے حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں
(۲) و یخافت فی الکل الا فی التکبیر (ھندیہ' باب الجنائز فصل فی الصلاۃ علی المیت ۱ / ۱۶۴ مکتبہ ماجدیہ' کوئٹہ)
(۳) وفی حاشیہ للرملی' ربما یستفاد منہ ان الحنفی اذا اقتدی بالشافعی فالا ولی متابعۃ فی الرفع (رد المحتار' باب صلاۃ الجنائز ۲ / ۲۱۲ ط سعید)
(٤) و یخافت فی الکل الا فی التکبیر (ھندیہ باب الجنائز فصل فی الصلاۃ الجنازۃ ۱ / ۱٦٤ ط ماجدیہ' کوئٹہ)

سوال وجواب ہیں ان سے میری اس تحریر کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نماز جنازہ عید کی نماز اور خطبہ کے بعد پڑھنا جائز ہے

(سوال) اگر جامع مسجد میں عید کے روز نماز عید سے قبل جنازہ داخل ہوا ہو تو نماز جنازہ خطبے کے بعد پڑھنی چاہئیے یا قبل؟ ہمارے یہاں کے علماء کا یہ فتویٰ ہے کہ پہلے خطبہ عید پڑھ کر بعد میں نماز جنازہ پڑھنی چاہئیے؟
المستفتی نمبر ۱۹۲ سیٹھ محمد جمال عبدالرحمن ہمت نگر ۱۲ شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۸ جنوری ۱۹۳۴ء
(جواب) (از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی) نماز جنازہ عید کی نماز کے بعد اور خطبہ عید سے پہلے پڑھنی چاہیے تنویر الابصار میں ہے و تقدم صلوٰتها علی صلوٰة الجنازة اذااجتمعا و تقدم صلوة الجنازة علی الخطبة فتاوی شامی میں اس کے متعلق لکھا ہے قوله علی الخطبة ای خطبة العید و ذلك لفرضیتها و سنیة الخطبة و كذا یقال فی سنة المغرب (۱) (جلد اول ص ۶۱۰) حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی
(جواب ۸۲) (از حضرت مفتی اعظم) تقدیم نماز عید اس وجہ سے مستحسن ہے کہ عید کی نماز میں تشویش اور گڑبڑ نہ ہو ورنہ نماز جنازہ پہلے ہونی بہتر تھی تو یہی وجہ نماز عید کے بعد خطبہ سے پہلے نماز جنازہ ادا کرنے میں بھی پائی جاتی ہے اس لئے اگر نماز عید اور خطبہ دونوں سے فارغ ہو کر نماز جنازہ پڑھی جائے تو مضائقہ نہیں ہے اور اگر آدمی کم ہوں اور کسی گڑبڑ کا اندیشہ نہ ہو تو خطبہ سے پہلے نماز جنازہ پڑھ لینے میں مضائقہ نہیں۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نماز جنازہ کی وصیت باطل ہے 'اگر دوسرے نے نماز پڑھائی تو مذکورہ شخص دوبارہ جنازہ نہیں پڑھا سکتا

(سوال) اگر کوئی آدمی اپنی زندگی میں یہ وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد فلاں آدمی میرا جنازہ پڑھے اب جس وقت وہ مر گیا تو موصی لہ' کے سوا کسی دوسرے آدمی نے زبردستی جنازہ پڑھا بعدہ موصی لہ' آیا اور اس نے اس کی نماز جنازہ کو دوبارہ پڑھا اب جس نے اول نماز پڑھائی اس نے موصی لہ' اور اس کے مقتدیوں کو جو کہ اس نماز جنازہ میں موجود تھے حکم کفر اور سہ طلاق شرعی کا دیا یہ کفر کے حکم دینے والے کے لئے کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۱۹۳ محمد سلیمان کشمیری۔ ۱۵ شوال ۱۳۵۲ھ ۳۱ جنوری ۱۹۳۴ء
(جواب ۸۳) اگرچہ موصی لہ' کو دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا نہیں چاہئیے تھا لیکن اگر اس نے بخیال وصیت نماز

(۱) باب العیدین ۱۶۷/۲ ط سعید
(۲) بہتر تو یہ ہے کہ نماز جنازہ سنتوں اور خطبے سے قبل ہو کیونکہ نماز جنازہ فرض ہے اور فرض مقدم ہوتا ہے لیکن چونکہ اس زمانے میں دین سے بے رغبتی زیادہ ہے اس لئے اگر جنازہ مقدم کریں تو کچھ لوگ خطبہ اور سنتیں بالکل ہی چھوڑ دیں گے اس لئے اگر خطبہ عید کے بعد جنازہ پڑھی جائی تو کوئی حرج نہیں۔

پڑھادی تو کوئی حرام یا گناہ کبیرہ کا کام نہیں کیا صرف حنفیہ کے نزدیک اس نے بلا عذر کراہت تکرار نماز جنازہ کا ارتکاب کیا (۱) اس سے زیادہ نہیں پس جس نے اس پر اور اس کے مقتدیوں پر کفر کا یا طلاق پڑنے کا حکم لگایا اس نے غلط حکم لگایا اور جہالت کا کام کیا اسے چاہئے کہ توبہ کرے ورنہ زوال ایمان کا اس حکم لگانے والے کے لئے خطرہ ہے۔(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ایک مسئلے پر تنقیح

(سوال) ایک امام صاحب جنازے کی نماز میں شریک نہیں ہوتے اگر ہوں بھی تو موتٰی کے حق میں دعا نہیں مانگتے

(جواب ۸۴) موتٰی کے حق میں دعا نہ مانگنے کا کیا مطلب ہے نماز جنازہ میں تو موتٰی کے لئے دعا اللھم اغفر لحینا و میتنا الخ (۳) موجود ہے کیا یہ دعا وہ نہیں پڑھتے ؟

ولد الزنا کی نماز جنازہ بھی ضروری ہے

(سوال) ولد الزنا یقینی کسی عورت کا ہو یا اور کسی عورت کا اس کے حق میں نماز جنازہ پڑھنی چاہئے یا نہیں ؟ جو علماء کسی کے ولد الزنا کی نماز جنازہ سے منع فرماتے ہیں ان کی دلیل کیا ہے ؟ المستفتی نمبر ۴۰۸ مولوی محمد عالم امام جامع مسجد جام نیر ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ م ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۵) ولد الزنا جس کے ماں باپ دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو وہ مسلمان بچہ ہے (۴) اور اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہئے ظاہر ہے کہ ولد الزنا ہونے میں اس کا کوئی قصور نہیں قصور اگر والدین کا ہو تو بچہ اس کا مواخذہ دار نہیں ہو سکتا وہ تو معصوم بے گناہ ہے تعزیر تنبیہ اور زجر کا نہ محل ہے کیونکہ نابالغ تھا اور نہ مستحق ہے کیونکہ ولد الزنا ہونا اس کا اختیاری فعل نہیں ہے (۵) تنبیہ یا زجر زانی اور زانیہ کو ہو تو مضائقہ نہیں ہے وہ بھی اس صورت سے کہ زانی اور زانیہ کے جنازے کی نماز سب لوگ اور اچھے لوگ نہ پڑھیں ایک دو آدمی پڑھ کر دفن کر دیں۔(۶) محمد کفایت اللہ

---

(۱) فیودی الی تکرار الصلوۃ علی میت واحد وذالک مکروہ عندنا (بدائع الصنائع فصل فی شرائط وجوبہ ۱ / ۳۱۰ ط سعید)

(۲) قال النبی ﷺ ایما امرء قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما ان کان کما قال والا رجعت الیہ (مسلم شریف باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ یا کافر ۱ / ۵۷ ط قدیمی)

(۳) ویدعو بعد الثالثۃ بامور الآخرۃ والماثورۃ اولی قولہ والماثورۃ اولی ومن الماثور اللھم اغفر لحینا الخ (رد المحتار باب صلاۃ الجنائز ۲ / ۲۱۲ ط سعید)

(۴) اس مسئلے کی تفصیل صفحہ ۹۵ پر ملاحظہ فرمائیں

(۵) یعنی اس سے بچنا اس بچے کی قدرت میں نہیں تھا ارشاد باری تعالیٰ ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا البقرۃ ۲۸۶ [illegible]

نیز اس بچے پر الزام بھی صحیح نہیں ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے الا تزر وازرۃ وزر اخری النجم ۳۸

(۶) عن جابر بن سمرۃ قال : اتی النبی ﷺ برجل قتل نفسہ بمشاقص فلم یصل علیہ (مسلم شریف کتاب الجنائز فصل فی جواز زیارۃ قبور المشرکین ۱ / ۳۱۴ ط قدیمی) وفی الشامیۃ قلت اقول قد یقال لا دلالۃ فی الحدیث علی ذالک لانہ لیس فیہ سوی انہ علیہ السلام لم یصل علیہ فالظاھر انہ امتنع زجرا لغیرہ عن مثل ھذا الفعل کما امتنع عن الصلاۃ علی المدیون ولا یلزم من ذالک عدم صلاۃ احد علیہ من الصحابۃ (رد المحتار باب صلاۃ الجنائز ۲ / ۲۱۱ ط سعید)

مسلمان و کافر کے تعلقات سے پیدا ہونے والے بچے کا حکم

(سوال) حنفیہ کے نزدیک ولد الزنا کا نسب تو زانی سے ثابت نہیں ہوتا اور وہ ماں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن شامی جلد ثانی باب نکاح الکافر میں الولد یتبع خیرا لابوین دنیا کے تحت میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر مسلم اور نصرانیہ سے ولد الزنا پیدا ہو تو مذہب کے قواعد کی رو سے تو اس کے اسلام کا حکم نہ کیا جانا چاہئیے لیکن بعد میں اس بات پر زور دیا ہے کہ احتیاطاً اس کو مسلمان کہنا چاہئیے بناءً علیہ اگر اس قسم کا ولد الزنا مسلم زانی کی پرورش میں چند سال رہ کر قبل البلوغ گزر جاوے تو اس کی تجہیز و تکفین اسلامی طریقے پر کر کے اس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے یا نہیں ؟ اگر مسلم اور کافرہ سے ولد الزنا پیدا ہو تو اس کا کیا حکم ہے ؟ اگر مسلم زانی کی پرورش میں نہ رہے بلکہ نصرانیہ یا کافرہ ماں کی پرورش میں رہ کر قبل البلوغ گزر جائے تو کیا حکم ہے ؟ **المستفتی** نمبر ۴۱۳ ابراہیم سنجالوی 'جوہانسبرگ (افریقہ) ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۳۵۳ھ م ۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۶) ہاں یہی اولیٰ و احوط ہے کہ اس کو مسلمان قرار دیا جائے اور اگر اس قسم کا بچہ زانی مسلم کی تربیت میں ہونے کی صورت میں مر جائے تو مسلمانوں کی طرح اس کی تجہیز و تکفین کی جائے اور جنازے کی نماز پڑھی جائے اور یہی حکم مسلم اور کافرہ کے ولد الزنا کا بھی ہے اگر باپ موجود ہو تو نصرانیہ یا کافر کے قبضے میں ہونا اس حکم کو نہ بدلے گا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسلمان کے زیر پرورش کافر کے بچے کی جنازہ جائز نہیں

(سوال) شخصے مسلم کودکے مشرک پنج یومیہ را پرورش نمودہ بعمر یکماہ وہفدہ روز آن بچہ وفات یافت امام مسجد فرمود نماز جنازہ اش و تدفین وے جائز نیست بلکہ اورا حوالہ کفار کردہ شود تابد ستور شاں تدفین وے کنند المستفتی نمبر ۷۸۴ باسہ میاں (ضلع مولمین برما) ۱۱ صفر ۱۳۵۴ھ ۱۵ مئی ۱۹۳۵ء

(ترجمہ) ایک مسلمان نے مشرکین کے ایک پانچ دن کے بچے کو لے کر پالا وہ ایک ماہ سترہ روز کا ہو کر مر گیا امام مسجد نے فرمایا کہ اس کی نماز جنازہ اور تدفین جائز نہیں ہے بلکہ اس کو کفار کے حوالے کر دیا جائے تا کہ وہ اپنے دستور کے مطابق اس کی رسوم ادا کریں ؟

(جواب ۸۷) اولاد کفار تابع والدین خود باشد تاوقتیکہ بسن تمیز رسیدہ اسلام را قبول نہ کند سن تمیز از سال پنجم تا سال ہفتم گفتہ شدہ پس اقل مدت برائے او سال پنجمین است پس در صورت مذکورہ این بچہ حکما مسلمان نشد اما اگر والدین بچہ تعرض بکنند مسلمانان را جائز است کہ تکفین و تدفین بچہ مثل مسلمانان کنند اما نماز جنازہ بایں جہت کہ اسلام بچہ ثابت نشد نگزارند۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(ترجمہ) کفار کی اولاد اپنے والدین کے تابع ہوتی ہے (۲) جب تک سن شعور کو پہنچ کر اسلام قبول نہ کر لے

---

(۱) اس مسئلے کی تفصیل صفحہ ۶۹ پر آرہی ہے

(۲) کصبی سبی مع احد ابویہ لا یصلی علیہ لانہ تبع لہ' ای فی احکام الدنیا' لا العقبی' او اسلم الصبی وھو عاقل ای ابن سبع سنین صلی علیہ' لصیر ورتہ مسلما (درمختار' باب صلاۃ الجنائز ۲۳۰/۲ ط سعید)

سن شعور یا پانچ برس ہے لیکن نو برس کی عمر تک بتایا گیا ہے پس اس کی کم از کم مدت پانچ برس کی عمر ہے صورت مذکورہ میں یہ بچہ مسلمان کے حکم میں نہیں ہے (۲) لیکن اگر اس کے ماں باپ کو اعتراض نہ ہو تو مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ اس بچہ کو مسلمان کی طرح کفن دے کر دفن کریں لیکن چونکہ اس کا اسلام ثابت نہیں ہوا اس لئے نماز جنازہ ادا نہ کریں۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ولی اگر عالم ہو تو امام محلّہ سے مقدم ہے

(سوال) ولی میت اگر امام محلّہ سے اعلم و اتقی ہو تو بر تقدیر عدم موجودگی بادشاہ یا قاضی وغیرہ نماز جنازہ کی امامت کا مستحق کون ہے؟ نماز جنازہ میں قرأت مشروع ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۷۵ عبدالرشید (ضلع سلہٹ) ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ ۱۲ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۸۸) امام محلہ کو ولی سے تقدم کا حق اس وقت ہے کہ وہ ولی سے افضل ہو لیکن اگر ولی امام محلہ سے اعلم و اتقی ہو تو ولی کا حق تقدم مقدم ہے۔ و تقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی اولیٰ (درمختار) (۴) نماز جنازہ میت کے لئے دعا و شفاعت ہے اس میں قرآن مجید کی قرأت نہیں ہے۔ (۵)

(۱) اگر جنازہ پڑھے بغیر دفن کیا ہو تو میت کے پھٹنے سے پہلے قبر پر جنازہ پڑھ سکتے ہیں
(۲) میت سامنے رکھ کر فرض نماز پڑھنا

(سوال) (۱) اگر کوئی میت بغیر نماز جنازہ دفن کی جائے تو کیا نماز جنازہ قبر پر پڑھ سکتے ہیں؟
(۲) میت سامنے رکھی ہو تو فرض نماز رکوع و سجود والی باجماعت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اگر پڑھ سکتے ہیں تو نماز بکراہت ہوگی یا بلا کراہت؟ المستفتی نمبر ۶۳۴ مولوی نور اللہ (ضلع لائل پور) ۲ رجب ۱۳۵۴ھ م یکم اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۸۹) (۱) ہاں اگر بغیر نماز پڑھے دفن کردیا گیا ہو تو قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے جب تک میت کے پھول پھٹ جانے کا خیال نہ ہو اس وقت تک پڑھ سکتے ہیں مختلف موسموں اور مختلف مقامات میں کم سے کم

---

(۱) و کلها تختلف صغرا ای مع التمیز وقدروه بخمس سنین (رد المحتار' کتاب البیوع' باب خیار العیب ۵/ ۸ ط سعید)

(۲) یونکہ نہ والدین میں سے کوئی مسلمان ہے اور نہ قید ہو کر آیا ہے کہ دار الاسلام کا تابع ہو کر مسلمان قرار دیا جائے اور نہ خود سن شعور تک پہنچ کر اسلام قبول کیا ہے۔

(۳) مرده پیدا ہونے والے بچے کی طرح کہ اسے ابن آدم ہونے میں دفن کریں لیکن عدم اسلام کی وجہ سے نماز نہ پڑھیں والا یستهل غسل و سمی وادرج فی خرقة و دفن ولم یصل علیه (تنویر الابصار' باب صلاة الجنائز ۲/ ۲۲۸ ط سعید)

(۴) باب صلاة الجنائز ۲/ ۲۲۰ ط سعید

(۵) ولا قراة ولا تشهد فیها (تنویر الابصار باب صلوة الجنائز ۲/ ۲۱۳ ط سعید)

رہنے کی مدت مختلف ہوگی۔(۱)
(۲) نماز میں کوئی کراہت نہ ہوگی ہاں بہتر یہ ہے کہ جنازہ کو علیحدہ رکھ کر رکوع و سجود والی نماز پڑھی جائے۔(۲) محمد کفایت اللہ

مسلم و کافرہ سے پیدا شدہ بچے کے اسلام کے بارے میں تحقیق

(سوال) زید کہتا ہے کہ ولد الزنا من مسلم و کافرۃ و نصرانیۃ (جو ماں کافرہ اور باپ مسلمان دونوں کی پرورش میں ہو یا صرف باپ مسلمان کی پرورش میں ہو) اگر بچپن میں مر جائے تو اس کی تجہیز و تکفین وغیرہ مسلمانوں کی طرح کی جائے گی بالخصوص جب کہ اس بچے کا نام بھی مسلمانوں کا سا ہو نیز سن تمیز سے پہلے کسی اسلامی مدرسے میں داخل کر دیا گیا ہو اور وہ وہیں فوت ہو جائے تو بھی اس کی تجہیز و تکفین وغیرہ مسلمانوں کی طرح کی جائے گی اور اس پر صرف دربارہ تجہیز و تکفین حکم بالاسلام کیا جائے گا اور اس پر علامہ ابن عابدین کی تقریر جو شامی جلد ثانی (۳) باب نکاح الکافر ص ۵۴۸ پر ہے اپنی حجت میں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کے قول و مستند قرار دیتے ہوئے وسعت کی گنجائش ہے بناء علیہ وہ ولد مسلمان قرار دیا جائے گا اس کی تجہیز و تکفین وغیرہ مسلمانوں کی طرح کی جائے گی۔

عمرو کہتا ہے کہ جو کچھ علامہ شامی نے لکھا ہے وہ ان کی ذاتی رائے اور اجتہاد ہے اور تمام کتب فقہ بلکہ حدیث قطعی کے معارض ہے اس لئے وہ کسی طرح ہمارے لئے حجت نہیں بن سکتی اور ہم ان کے مقلد نہیں ان کی شخصی رائے پر حدیث قطعی کے مقابلے میں فتویٰ دینے کی اصلاً گنجائش نہیں اور حسب ذیل دلائل پیش کرتا ہے۔

(۱) حدیث الولد للفراش وللعاهر الحجر (۴) دلالت میں قطعی ہے۔ نص کے ہوتے ہوئے قیاس کوئی چیز نہیں نہ کہ رائے محض' اگر کسی کو شبہ ہو کہ حدیث مذکور کے مقابلے میں دوسری حدیث ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ (کما قاله العلامه) اس کا جواب ظاہر ہے کہ خود فطرۃ کے معنی میں دو احتمال ہیں اسلام یا استعداد اسلام؟ والثاني اقرب لحديث ابی داؤد (۵) كل مولود يولد على الفطرة و فيه قالوا يا رسول الله ﷺ افرايت من يموت وهو صغير قال الله اعلم بما كانو اعاملين' ج ۲ باب في ذرآری المشركين من كتاب السنة فلو كان معنى الفطرة الاسلام لما توقف صلى الله

---

(۱) ولو دفن الميت قبل الصلوة او قبل الغسل فانه يصلى على قبره الى ثلاثة ايام' والصحيح ان هذا ليس بتقدير لازم بل يصلى عليه مالم يعلم انه قد تمزق (هنديه' باب الجنائز' الفصل الخامس في الصلاة على الميت ۱/۱۶۵ مكتبه ماجديه' كوئٹه)
(۲) تاکہ شرک کا شبہ نہ کیا جائے
(۳) ۳/۱۹۷ ط سعید
(٤) ابو داؤد شریف' کتاب الطلاق' باب الولد للفراش ۱/۳۱۷ ط مکتبہ امدادیہ ملتان
(٥) ابو داؤد شریف' کتاب الدیات' باب ذراری المشرکین ۲/۳۰۰ مکتبہ امدادیہ' ملتان

عليه وسلم في حكمهم لان الشئ اذا ثبت ثبت بلوازمه' ومن لوازم الاسلام الحكم بالجنة وفي مجمع البحار (١) يريد انه يولد على نوع من الجبلة والطبع المهيئ بقبول الدين الخ اور اگر اقرب بھی نہ ہو تب بھی اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال تو محتمل معارض نہیں ہو سکتا قطعی کا اور جو مصالح حکم بالاسلام کے لکھے ہیں علامہ شامی نے اول تو وہ رائے محض ہے دوسرے اس حکم بالاسلام میں مفاسد بھی ہیں اس لئے کہ ایک مدعی اسلام غیر مسلمہ کے ساتھ ساری عمر بلا نکاح کے زنا کرتا رہے اور اس کے بچوں پر اسلام کا حکم لگا کر مسلمانوں کا سا معاملہ ہوتا رہے تو اس سے نہ تو زانی کو عبرت ہو اور نہ مزنیہ کو مسلمان بنا کر نکاح کرنے کی توفیق ہو اور زانی کو اپنے فعل شنیع کا خیال تک نہ گزرے یہ تو افتح القبیح اور افحش الفواحش ہے اس میں تو اور بھی مزید احتیاط کی ضرورت ہے فاذا تعارضا ای المصالح والمفاسد تساقطا اب مدار حکم نص رہ گئی وقد مر تقریر ها۔

(۲) عامہ فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ولد الزنا کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جائے گی اور بچہ اسلام و کفر میں اپنی ماں کے تابع ہوگا۔

(۳) حضرت مولانا عبدالحئی کا یہ فتویٰ مجموعۃ الفتاویٰ ج ا باب التجہیز والتکفین ص ۳۶۸ (۲) پر حسب ذیل ہے : سوال : مسلمان مرد اور کافرہ عورت سے یا کافر مرد اور مسلمان عورت سے بذریعہ زنا لڑکا یا لڑکی پیدا ہو کر قبل بلوغ یا بعد بلوغ مر جائے تو انکی تجہیز و تکفین کا کیا حکم ہے ؟ جواب : بلوغ کے بعد اگر وہ ایمان لائیں تو مسلمانوں کی طرح ان کی تجہیز و تکفین کی جائے گی ورنہ کفار کی طرح اور بلوغ کے پہلے وہ ماں کے تابع ہیں کیونکہ ولد الزنا کا نسب زانیہ سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ زانی سے اور بحر وغیرہ میں ہے هو تابع لاحد ابويه الى البلوغ مالم يحدث اسلاما وهو مميز (۳) وہ اپنے ماں باپ میں سے سن بلوغ تک ایک کا تابع ہے یہاں تک کہ وہ سن تمیز کو پہنچ کر اسلام ظاہر کرے پس جب تک وہ ایام تمیز میں اسلام نہ لائے گا ماں کے تابع رہے گا۔ حررہ عبدالحئی

اب سوال یہ ہے کہ زید حق پر ہے یا عمرو۔ نیز اگر زید نے گنجائش تراشی کہ حکم بالاسلام کا فتویٰ دیا اور اس کی تجہیز و تکفین و تدفین کو مسلمانوں کی طرح مسلمانوں کے قبرستان میں کرا دیا تو اس کا کیا حکم ہے اگر زید غلطی پر ہے تو آئندہ اسے کیا کرنا چاہئے نیز اگر عمرو نے مذکورہ بالا دلائل کی رو سے کفر کا فتویٰ دیا تو اس کا کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا المستفتی نمبر ۷٦۴ مولانا احمد بزرگ صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ۱۸ فروری ۱۹۳٦ء

---

(۱) باب الفاء مع الطاء ۴/۱۵۴ ط مجلس دائرة المعارف العثمانيه' حيدر آباد دكن هند

(۲) ۳۴۴ ط سعيد

(۳) رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۲/۲۲۹ ط سعيد اور بحر میں ہے كصبي ليس مع احد ابويه اى لا يصلي عليه' لانه تبع لهما (البحر الرائق ' كتاب الجنائز ۲/۲۰۳ ط دار المعرفه بيروت)

(جواب ۹۰) عمرو کا قول راجح اور باعتبار دلیل اقویٰ ہے زید کا قول اور علامہ شامی کی رائے(۱) صرف اس قدر قابل لحاظ ہو سکتی ہے کہ اگر کسی نے ایسے بچے کی نماز پڑھ لی ہو اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا ہو تو اس سے تعرض نہ کیا جائے نہ یہ کہ یہ طرز عمل جاری رکھا جائے ۔ **لان فیه من المفاسد العظیمة مالا یخفی و به یفتح باب الفواحش اعاذنا الله منها** – محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

علی الاعلان گناہ کرنے والی کی جنازہ اہل علم حضرات نہ پڑھیں

(سوال) ایک شخص منکوحہ غیر کو بھگائے پھرتا رہا علمائے دین نے اس سے قطع تعلق کا حکم دیا اب وہ اسی حالت میں مر گیا اس نے توبہ بھی نہ کی تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟ اگر بعضوں نے نماز جنازہ پڑھ لی تو ان پر شرعاً زجر و توبیخ ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۸۵۵ محبت حسین شاہ (ضلع راولپنڈی) ۲۰ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۱) ہاں امام صاحب اور علماء اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں عام مسلمان نماز پڑھ کر دفن کر دیں (۲) کیونکہ بغیر نماز کے دفن کر دینا منع ہے جو لوگ نماز میں شریک نہ ہوئے وہ گناہ گار نہیں ہوئے اور جنہوں نے پڑھی وہ بھی گناہ گار نہیں ہوئے ۔(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جنازہ کے بعد اجتماعی دعا بدعت ہے

(سوال) نماز جنازہ کے سلام کے بعد متصل ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا شریعت میں کوئی اصل رکھتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۸۸۱ محمد یوسف گوجرانوالہ ۲۶ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۹ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۲) نماز جنازہ کے بعد متصل ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے اور نماز جنازہ خود ہی دعا ہے ہاں لوگ اپنے اپنے دل میں بغیر ہاتھ اٹھائے دعائے مغفرت کرتے رہیں تو یہ جائز ہے اجتماعی دعا ہاتھ اٹھا کر کرنا بدعت ہے ۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) قلت : یظهر لی الحکم بالاسلام للحدیث الصحیح' کل مولود یولد علی الفطرة" حتی یکون ابواه هما اللذان فاذا لم یتفقا بقی علی اصل الفطرة' او علی ما هو اقرب الیها (رد المحتار' باب نکاح الکافر ۳/۱۹۷ ط سعید)

(۲) عن جابر ابن سمرةؓ قال : اتی النبی ﷺ برجل قتل نفسه بمشاقص' فلم یصل علیه (مسلم شریف' باب الجنائز' فصل فی جواز زیارة قبور المشرکین ۱/۳۱۴ قدیمی کتب خانه) وفی الشامیه' فالظاهر انه امتنع زجراً لغیره عن مثل هذا الفعل' ولا یلزم من ذالك عدم صلاة احد علیه من الصحابة (رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۲/۲۱۱ ط سعید)

(۳) والصلاة علی کل مسلم مات فرض' ای مفترض علی المتکلمین (رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۲/۲۱۰ ط محمد سعید)

(۴) لا یقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة (خلاصة الفتاوی' کتاب الصلاة الجنس الاخر فی صلاة الجنائز ۱/۲۲۵ امجد اکیدمی' لاهور)

بائیس درجے قبلہ سے انحراف ہو تو نماز درست ہے مگر بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے

(سوال) ہمارے یہاں قبرستان میں قدیمی جنازہ گاہیں بنی ہوئی ہیں اور ہمیشہ سے جنازے کی نماز لوگ اس میں پڑھتے چلے آئے ہیں اب بعنایت ایزدی ایک شخص کو توفیق ہوئی کہ ایک بڑی جنازہ گاہ تعمیر کرائی اور اہل شہر سب کے سب اس میں نماز پڑھنے لگے چنانچہ بذریعہ کمپاس آلہ پیمائش سے ناپ تول کر تعمیر شروع کرائی جب جدید بنیادیں قدرے بلند ہو ئیں تو لوگوں کو محسوس ہوا کہ پرانی جنازہ گاہیں جہت قبلہ سے پھری ہوئی ہیں چنانچہ بذریعہ کمپاس دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ۲۷ ڈگری شمال کی جانب مائل ہیں علی ہذا القیاس تمام پرانی جنازہ گاہیں کوئی بائیس ڈگری کوئی ستائیس ڈگری اور مابین ان دونوں کے سب کی سب پھری ہوئی ہیں اب جدید والوں نے ان سے کہا کہ قدیم جنازہ گاہوں کو ترک کر دیا جائے مگر وہ کہتے ہیں کہ جہت نہ چھوڑنے کی وجہ سے اس میں بھی نماز درست ہے۔ **المستفتی** نمبر ۹۳۱ شمس الدین مرگوئی ۲۶ صفر ۱۳۵۵ھ ۱۸ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۳) اگرچہ جہت قبلہ کے اندر رہنے کی وجہ سے نماز قدیم جنازہ گاہوں میں بھی ہو جاتی ہے (۱) لیکن باوجود ان کی غلطی معلوم ہونے کے ان کے اندر نماز پڑھنا مکروہ ہے (۲) یا تو ان جنازہ گاہوں میں سیدھی جہت پر کھڑے ہو کر نماز پڑھیں یا ان کو بالکل ترک کر دیں اور سب جدید جنازہ گاہ میں جو صحیح بنائی گئی ہے نماز ادا کریں ایک جگہ مختلف جہتوں میں نماز پڑھنا اور آپس میں اختلاف پیدا کرنا اور غلطی معلوم ہونے پر بھی اس پر اصرار کرنا درست نہیں ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جنازے میں لوگ زیادہ ہوں تو مغفرت کی امید زیادہ کی جاسکتی ہے' یقین نہیں

(سوال) اکثر سنا جاتا ہے کہ جنازے کی نماز میں کثیر جماعت کی وجہ سے مردے پر عذاب نہیں ہوتا اور یہ علامت نیک ہونے کی ہے اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۱۰۰۷ عبدالستار (گیا) ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۹٤) کثرت جماعت میت کے لئے مفید تو ہوتی ہے مگر لازمی طور پر مانع عذاب ہونے میں تامل ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ

---

(۱) فيعلم منه لو عرف عن العين انحرافا لا تزول منه المقابلة بالكلية' جاز' ويؤيده ما قال في الظهيرية' اذا تيامن او تياسر تحوز' لان وجه الانسان مقوس ولا يخفى ان اقوى الا دلة النجوم' فينبغي وجوب اعتبار النجوم' ونحوها في المفازة' (رد المحتار' كتاب الصلاة' باب شروط الصلاة' بحث في استقبال القبلة ۲/۴۲۸' ۴۳۱ ط سعيد) سوال میں ستائیس درجے کا ذکر کیا ہے جب کہ جہت قبلہ میں پینتالیس درجے تک کی گنجائش ہے اور اگر ۴۵ درجے سے زیادہ انحراف ہے تو پھر نماز درست نہیں ہوگی۔

(۲) نماز اس لئے مکروہ ہے کہ شامیہ میں مذکور ہے' ان ما افسد كثيره كره قليله' بلاضرورة' (رد المحتار' باب ما يفسد الصلاة' وما يكره فيها' مطلب المشي في الصلاة ۱/۶۲۸ ط محمد سعيد) یہاں پر بھی ۴۵ درجے سے زیادہ انحراف مفسد ہے بغیر عذر کے اس سے کم مکروہ ہے فقط

(۳) عن عائشة' عن النبي ﷺ قال : ما من ميت تصلي عليه امة من المسلمين يبلغون مائة كلهم يشفعون له الا شفعوا فيه (رواه مسلم' كتاب الجنائز' فصل في قبول شفاعة الاربعين الموحدين فيمن صلوا عليه ۱/۳۰۸ ط قديمي) اور ایک دوسری روایت میں چالیس آدمیوں کا ذکر ہے مطلب یہ ہے کہ جتنے لوگ زیادہ ہوں گے تو شفاعت کی امید بھی زیادہ ہوگی۔

شوہر بیوی کا ولی نہیں

(سوال) میت کی نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت کس سے لی جائے زوج کی اجازت معتبر ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۱۰۸۰ الطاف کریم صاحب (ہوڑہ) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۳۰ جولائی ۱۹۳۶ء
(جواب ۹۵) میت کے جنازے کی نماز پڑھانے کا حق ولی کو ہوتا ہے اور جس کو یہ حق ہے اس سے ہی اجازت لینی چاہئے زوج کی اجازت معتبر نہیں (ثم الولی) بترتیب عصوبة الانکاح درمختار (۱) فلا ولایة للنساء ولا للزوج (ردالمحتار ص ۲۱۶)(۲)

ولی کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا جنازہ پڑھائے تو ولی اعادہ کر سکتا ہے

(سوال) جنازے کی نماز میت کے ولی اور شہر کے قاضی کی موجودگی میں ایک دوسرا شخص قاضی اور ولی وغیرہ کی بلا اجازت اپنی مرضی سے پڑھانے کا مستحق ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۱۶۵ عبدالرحمن و محمد حسین صاحبان (ساورہ) ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م یکم ستمبر ۱۹۳۶ء
(جواب ۹۶) قاضی سے مراد اگر حقیقی قاضی ہے تو وہ اور ولی مستحق امامت ہے (۳) یہ قاضی محض نکاح پڑھانے کے قاضی کہلاتے ہیں نماز جنازہ میں امامت کے مستحق نہیں سمجھے جاتے ہاں ولی مستحق ہے اس کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر دوسرے آدمی نے پڑھادی تو ولی کو اعادہ کا حق حاصل ہوگا۔(۴) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

نماز' روزہ اور دین سے بے خبر آدمی کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی

(سوال) ایک شخص جو مویشی مال وغیرہ باہر چراتا ہے اور شام کو گھر آتا ہے اور ہر وقت گالیاں دیتا رہتا ہے ایسی ہی مجنون حالت ہے اور کوئی نماز روزہ کی خبر اس کو نہیں ہے حتی کہ کلمہ طیبہ تک سے ناواقف ہے تو اگر وہ مر جائے تو نماز جنازہ اس پر پڑھی جاوے گی کہ نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۲۲۰ پنشنر مہدی خاں صاحب (ضلع کاملپور) ۲۲ رجب ۱۳۵۵ھ ۷ اکتوبر ۱۹۳۶ء
(جواب ۹۷) اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہئے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

---

(۱) باب صلاة الجنائز ۲ / ۲۲۰ ط محمد سعید
(۲) باب صلاة الجنائز' مطلب تعظیم اولی الامر واجب ۲ / ۲۲۰ ط سعید
(۳) ویقدم فی الصلاة علیه السلطان ان حضرا و نائبه' وهو امیر المصر' ثم القاضی' ثم امام الحی' ثم الولی بترتیب عصوبة النکاح الا الاب (درمختار' باب صلاة الجنائز ۲ / ۲۱۹ ط سعید)
(۴) فان صلی غیره ای غیر الولی ممن لیس له حق التقدم علی الولی' و لم یتابعه الولی اعاد الولی' ولو علی قبره (الدرالمختار ' باب صلاة الجنائز ۲ / ۲۲۲ ط سعید) (۵) کیونکہ یہ شخص مسلمان ہے اور مسلمان چاہے کتنا ہی گناہ گار ہو اس کی جنازہ پڑھنا ضروری ہے واما بیان من یصلی علیه' فکل مسلم مات بعد الولادة یصلی علیه لقول النبی ﷺ صلوا علی کل بر و فاجر' وقوله ﷺ لمسلم علی المسلم ست حقوق' و ذکر من جملتها ان یصلی علی جنازة من غیر فصل الخ (بدائع الصنائع' فصل فی صلاة الجنازة ۱ / ۳۱۱ مکتبه رشیدیه' کوئٹه)

عذر کی وجہ سے مسجد میں بھی جنازہ پڑھ سکتے ہیں

(سوال) مسجد میں میت کو رکھنا اور جماعت خانے میں ممبر کے پاس میت کو رکھ کر نماز جنازہ پڑھانا اس خیال سے کہ آدمی زیادہ ہیں مسجد کے باہر اتنے آدمی شامل نہیں ہو سکتے کہ باہر اتنی جگہ نہیں ہے مگر جگہ مسجد کے سامنے تھی کہ آدمی باہر کھڑے ہو کر نماز بخوبی آسانی سے پڑھ سکتے تھے تو ایسا نماز جنازہ پڑھنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۳۷۲ عبدالمجید خاں (سندھ) ۱۴ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۹ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۸) مسجد میں جنازے کو رکھ کر نماز جنازہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے(۱) مگر بارش وغیرہ کے عذر سے ہو تو مکروہ نہیں۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نماز جنازہ میں رفع یدین سے نماز جنازہ فاسد نہیں ہوتی

(سوال) اگر کوئی شخص یا امام نماز جنازہ میں بھولے سے تکبیر اولی کے وقت رفع یدین کر کے زیر ناف ہاتھ باندھ لے تو نماز جنازہ ادا ہوگی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۲۸۳ محمد کھوڑو خاں صاحب ضلع دھارواڑ ۱۹ شوال ۱۳۵۵ھ م ۳ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۹۹) نماز جنازہ میں کسی تکبیر پر بھولے سے رفع یدین کرے تو نماز جنازہ فاسد نہیں ہوتی نماز ہو جائے گی(۳) اگر بغیر نماز جنازہ کے میت کو دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی قبر پر اس وقت تک نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے جب تک گمان غالب ہو کہ میت کا جسم سڑنے گلنے سے محفوظ ہوگا۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) وکرهت تحريما' وقيل تنزيها في مسجد جماعة هواى الميت فيه وحده او مع القوم (درمختار' باب صلاة الجنائز ۲/۲۲٤ ط محمد سعيد)

(۲) (تنبيه) انما تكره في المسجد بلا عذر' فان كان فلا' ومن الاعذار المطر كما في الخانية' والا عتكاف' كما في المبسوط (رد المحتار' باب صلاة الجنائز مطلب مبهم ۲/۲۲٦ ط محمد سعيد)
اگر لوگ زیادہ ہوں اور مسجد سے علیحدہ کوئی جگہ ایسی نہ ہو جہاں سب لوگ نماز میں شریک ہو سکیں تو ایسی صورت میں مسجد میں جنازہ پڑھ سکتے ہیں وانظر هل يقال ان من العذر ماجرت به العادة في بلا دنا من الصلاة عليها في المسجد لتعذر غيره' او تعسره بسبب اندراس المواضع التي كانت يصلي عليها فيها واذا ضاق الامر اتسع . واذا كان ماذكرنا عذرا ' فلا كراهة اصلا (رد المحتار' باب صلاة الجنائز' مطلب مهم اذا قال ان ستمت الخ ۲/۲۲۷ ط محمد سعيد)

(۳) یعنی تکبیر اولیٰ میں تو حنفیہ کے نزدیک بھی رفع یدین ہے اگر دوسری تکبیروں میں بھی جن میں حنفیہ کے نزدیک رفع یدین نہیں ہے کوئی شخص بھولے سے رفع یدین کرے تو نماز فاسد نہ ہوگی وهي اربع تكبيرات كل تكبيرة قائمة مقام ركعة يرفع يديه في الاولىٰ فقط وقال ائمة الخ في كلها (درمختار' باب صلاة الجنائز ۲/۲۱۲ ط محمد سعيد) ربما يستفاد منه' ان الحنفي اذا اقتدى بالشافعي ' فالا ولى متابعته في الرفع (رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۲/۲۱۲ ط سعيد)

(٤) وان دفن واهيل عليه التراب بغير صلاة ' اوبها بلا غسل' او ممن لا ولاية له' صلي على قبره استحسانا مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير هو الاصح (الدر المختار' باب صلاة الجنائز ۲/۲۲٤ ط محمد سعيد)

ہر مسلمان کی نماز جنازہ ضروری ہے' چاہے وہ قاتل ہو

(سوال) مولوی سے سوال ہوتا ہے کہ ایک آدمی نہ نماز پڑھتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے نہ دین کی کچھ اور پروا کرتا ہے دوسرا نماز' حج' زکوۃ' روزہ ہر دینی کام کا پابند ہے اور حتی الوسع خیر خواہ خلق ہے دونوں مر جائیں تو پہلے کس کا جنازہ پڑھیں گے مولانا فرماتے ہیں پہلے کا یعنی بے نمازی کا' وجہ دریافت کرنے پر فرماتے ہیں ہمارے مذہب میں ایسا ہی ہے اور یہی ہمارا فتویٰ ہے کیا یہ درست ہے' اور قاتل کے لئے کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۲۸۸ محمد اسمٰعیل صاحب (امرتسر) ۲۳ شوال ۱۳۵۵ھ م ۷ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰۰) ہر مسلمان کی میت کی نماز جنازہ پڑھنا لازم ہے پہلے پیچھے کا سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دو جڑواں بچوں میں ایک زندہ پیدا ہوا اور ایک مردہ تو جنازہ صرف زندہ پیدا ہونے والے کی پڑھی جائے گی

(سوال) چوں دو توأمین بایکدیگر باہم پیدا شوند یکے زندہ دیگر مردہ آیا جنازہ مردہ ہم لازم است واگر بالفرض جنازہ مردہ کردہ شود چہ گناہ لازم آید دیگر ایں کہ ہر دو تصویر کامل دارند۔ المستفتی نمبر ۱۳۴۵ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب (غازی آباد) ۷ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ م ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء

(ترجمہ) دو جڑواں بچوں میں سے اگر ایک زندہ پیدا ہوا اور دوسرا مردہ تو کیا نماز جنازہ مردہ بچے پر بھی پڑھی جائے گی؟ اگر بالفرض مردہ بچے پر نماز جنازہ پڑھ لی گئی تو کیا گناہ ہوگا؟ دونوں بچوں کی صورتیں اور جسم مکمل ہیں؟

(جواب ۱۰۱) ایں توأمین اگر از یکدیگر منفصل و جداگانہ ہستند و یکے از ایشاں زندہ پیدا شد و دیگرے مردہ دریں صورت بر آنکہ زندہ پیدا شدہ بود نماز جنازہ گزاردہ شود بر آنکہ مردہ پیدا شدہ بود نماز جنازہ گزاردہ نہ شود واگر جسم ہر دو باہم دگر چسپیدہ است کہ انفصال و علیحدگی ممکن نیست یا متعذر است دریں صورت نعش ہر دو پیش نہادہ بہ نیت نماز ہر آنکہ زندہ پیدا شدہ بود نماز گزاردہ شود و نیت نماز بر وکہ مردہ پیدا شدہ بود نہ کردہ شود۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی (الجواب صحیح فقیر محمد یوسف دہلوی مدرسہ امینیہ دہلی)

(ترجمہ) یہ جڑواں بچے اگر ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں تو جو بچہ زندہ پیدا ہوا تھا اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور جو مردہ پیدا ہوا اس پر نہیں پڑھی جائے گی (۲) اور اگر دونوں کے جسم اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ علیحدہ کرنا غیر ممکن یا دشوار ہے تو دونوں کی نعشوں کو سامنے رکھ کر زندہ پیدا ہونے والے بچے کی نماز کی نیت

---

(۱) والصلوة على كل مسلم مات فرض - اى مفترض على المكلفين (رد المحتار' باب الجنائز ۲/۲۱۰ ط سعيد)
قاتل پر بھی نماز پڑھی جائے گی کیونکہ وہ بھی مسلمان ہے

(۲) ومن ولد' فمات' يغسل' و يصلى عليه ان استهل والا' غسل' و سمى' وادرج فى خرقة' و دفن' ولم يصل عليه (تنوير الابصار' باب صلاة الجنائز ۲/۲۲۷ ط سعيد)

کر لی جائے اور جو مردہ پیدا ہوا تھا اس کی نیت نہ کی جائے۔(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) ہجڑے کی نماز جنازہ میں مقتدا لوگ شریک نہ ہوں
(۲) پیدائشی ہجڑے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی

(سوال) (۱) ہجڑے مسلم کے جنازے کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
(۲) زنخی (ہجڑا) ماں کے پیٹ کا قدرتی ہو تو اس کے جنازے کی نماز جائز ہے یا نہیں اور اس کو دفن کس طرح کیا جائے؟ المستفتی نمبر ۱۳۷۸ شیخ اعظم شیخ معظم مالا جی صاحب ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۱ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۲) (۱) مسلمان ہجڑے کے جنازے کی نماز پڑھنا چاہئے مگر عالم اور مقتدا لوگ نہ پڑھیں معمولی مسلمان نماز پڑھ کر دفن کر دیں۔ (۲)
(۲) اس کے جنازے کی نماز بھی پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کی طرح اس کی تجہیز و تکفین کی جائے۔(۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد میں جنازے کے متعلق چند سوالات

(سوال) اندرون مسجد کے علاوہ صحن یا کسی زاویہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ قبرستان میں کسی اور جگہ کوئی خاص مقام نماز جنازہ کے لئے نہیں بنایا گیا ہے نمبر ۱ حدیث کے الفاظ فلا صلوٰۃ له اور فلا اجرله کے کیا معنی ہیں؟ نمبر ۲ ہدایہ کے الفاظ لانه یحتمل تلویث المسجد کا کیا مطلب ہے؟ (۳) نبی کریم ﷺ کا سہیل کے دو لڑکوں کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا کسی عذر پر مبنی تھا یا بغیر عذر (۴) اگر عذر پر تھا تو حدیث میں کہیں اس کی تصریح ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۴۲۸ احقر عبدالرحمان عفی عنہ کرلا بمبئی مورخہ ۱۱ صفر ۱۳۵۶ھ

(جواب ۱۰۳) (مطبوعہ) مسجد کے اس حصے میں جو نماز پنجگانہ پڑھنے کے لئے بنایا جاتا ہے نماز جنازہ مکروہ

---

(۱) مرا ہوا پیدا شدہ بچہ بوجہ مجبوری اس کے ساتھ ہو گا اور یہ ایسا ہو گا جیسا میت کے ساتھ میت کی چارپائی بھی پڑی رہتی ہے تو اس سے جنازے کی نیت نہیں کی جاتی ہے بلکہ صرف میت کی نیت کی جاتی ہے۔

(۲) وهی فرض علی کل مسلم مات خلا اربعة ... ومن قتل نفسه ولو عمدا یغسل و یصلی علیه به یفتی وان کان اعظم وزرا من قاتل غیره ورجح الکمال قول الثانی بما فی مسلم انه علیه السلام اتی برجل قتل نفسه فلم یصل علیه (وفی الشامية) اقول قد یقال لا دلالة فی الحدیث ... ذالک لانه لیس فیه سوی انه علیه السلام لم یصل علیه فالظاهر انه امتنع زجرا لغیره عن مثل هذا الفعل کما امتنع عن الصلاة علی المدیون ولا یلزم من ذالک عدم صلاة احد علیه من الصحابه (رد المحتار باب صلاة الجنائز ۲ / ۲۱۱ ط سعید)

(۳) اس کی نماز پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں ورنہ تو اس میں اس کا کچھ قصور ہے وهی فرض علی کل مسلم مات (تنویر الابصار باب صلاة الجنائز ۲ / ۲۱۰ ط سعید) واذا اجتمعت الجنائز ... ثم الصبیان ثم الخناثی (نور الایضاح مع مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی احکام الجنائز ص ۳۵۸ ط مصطفی مصر)

ہے (۱) باقی اور حصوں میں نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہے فلا صلوۃ لہ کے معنی ہیں کہ اس کی نماز معتبر نہیں اور فلا اجر لہ (۲) کے معنی ہیں کہ اس کے لئے ثواب نہیں ہدایہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جنازہ کو مسجد میں لانے سے مسجد کی تلویث کا اندیشہ ہے یعنی میت کے بدن سے نجاست نکل کر مسجد میں گر جانے کا خطرہ ہے سہیل اور ان کے بھائی کے جنازوں کی نماز مسجد میں پڑھنا ثابت ہے مگر لا صلوۃ لہ اور لا اجر لہ والی روایتوں کی بنا پر اس کو کسی عذر کی حالت پر محمول کرنا چاہئے (۳) تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے یہ واضح رہے کہ کراہت تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔ (۴) دستخط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' نشان مہر دارالافتاء مدرسہ امینیہ اسلامیہ' دہلی

(نوٹ) فتوے منگوانے کا مقصد صرف آپس کا اختلاف دور کرنا تھا اس میں کسی کی طرف داری یا غیر طرفداری کو کوئی دخل نہیں اور جو صاحب فتویٰ دیکھنا چاہیں وہ آکر خوشی دیکھ سکتے ہیں۔ عبدالرحمٰن جنیۃ مین منتظمہ واسکول کمیٹی انجمن تبلیغ الاسلام کرلا ۲۷ صفر ۱۳۵۶ھ ۹ مئی ۱۹۳۷ء

ہم نے اس شرعی مسئلہ کو مدنظر رکھ کر امام صاحب کرلا سے تحریری جواب طلب کیا تھا لیکن وہ اب تک خاموش ہیں کیا اس خاموشی کا مطلب یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ صحن مسجد میں نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کرنے پر شرمندہ اور نادم ہیں۔ (اڈیٹر)

مسجد کے اندر نماز جنازہ

(سوال) جامع مسجد کرلا میں نماز جنازہ کے متعلق آپ کے دارالافتاء سے ایک فتویٰ اخبار خلافت بمبئی مورخہ ۹ مئی میں شائع ہوا ہے جس میں سائل نے دریافت بھی کیا ہے کہ سہیل کے دو بیٹوں کی نماز مسجد میں پڑھی گئی اور ہدایہ کی عبارت تلویث المسجد کا مطلب دریافت کیا ہے اور آپ نے کراہت تنزیہی تحریر فرمائی ہے کیا واقعی یہ فتویٰ آپ کا ہے یا جعلی ہے اگر آپ کا ہے تو آپ نے اتنا غور نہ فرمایا کہ سہیل کے دو بیٹوں کی نماز کہاں پڑھی گئی یہ تو سائل کی فحش غلطی ہے وہ بیضا کے دو بیٹے تھے جیسا صحیح مسلم (۵) میں مذکور ہے پھر در مختار وغیرہ میں مطلقاً مکروہ تحریمی لکھا ہے اس کی کیا وجہ ہے حدیث لا اجر لہ میں کلام ہے عبدالبر نے کہا کہ لا

(۱) وكرهت تحريماً و قيل تنزيهاً في مسجد جماعة (الدر المختار' باب صلاة الجنائز ۲/ ۲۲۴ ط سعيد)

(۲) عن ابی هريرةؓ قال' قال رسول الله ﷺ من صلى على جنازة في مسجد' فلا شئ له (ابوداؤد شريف' باب الصلاة على الجنازة في المسجد ۲/ ۹۸ مكتبه امداديه)

(۳) فيمكن ان يكون ذالك بعذر (اعلاء السنن' ابواب الجنائز ۸/ ۲۲۹ ط ادارة القرآن)

(۴) ثم هي كراهة تحريم' او تنزيه روايتان' و يظهر لي ان الاولى كونها تنزيهية (فتح القدير' باب الجنائز' فصل في الصلاة على الميت ۲/ ۱۲۸ مصطفى الحلبي مصر)

(۵) عن ابی سلمة بن عبدالرحمن ان عائشةؓ لما توفي سعد بن ابی وقاص قالت' ادخلوا به المسجد حتى اصلي عليه' فانكر الناس عليها فقالت' والله لقد صلى رسول الله ﷺ على ابنی بيضاء في المسجد (مسلم شريف' كتاب الجنائز' فصل في جواز الصلاة على الميت في المسجد ۱/ ۳۱۳ قديمي)

اجر لہ حدیث کے الفاظ نہیں لاشی لہ ہے طحطاوی(۱)اور نصب الرایہ(۲)ملاحظہ ہو۔
یہاں غیر مقلد مقابلہ پر احناف کو دھوکہ میں ڈالتے رہتے ہیں براہ مہربانی اس کی تحقیق فرما کر جواب باصواب سے مطلع فرمایئے اخبار کا وہ حصہ آپ کی خدمت میں ارسال ہے ملاحظہ ہو اور فتویٰ اگر جعلی ہے تو بھی جلد مطلع فرمایئے تاکہ تسکین خاطر ہو۔ **المستفتی نمبر ۱۴۲۸** راقم حاجی علیم الدین سورتی محلہ (ممبئی ۸)

(جواب ۱۰٤) یہ جواب تو میں نے لکھا تھا لیکن جواب کی نقل میرے پاس محفوظ نہیں ممکن ہے کہ الفاظ میں تغیر و تبدل ہوا ہو اصل جواب عبدالرحمن صاحب چیئرمین کے پاس ہوگا اس کے ساتھ مطبوعہ جواب کو ملا کر دیکھ لیا جائے آپ کہتے ہیں کہ آپ نے اتنا غور نہ فرمایا کہ سہیل کے دو بیٹوں کی نماز کہاں پڑھی گئی یہ تو سائل کی فحش غلطی ہے وہ بیضا کے دو بیٹے تھے۔ الخ
میرا جواب یہ ہے کہ آپ نے میرے جواب کے الفاظ پر غور نہ فرمایا جو اخبار خلافت کے اس کٹنگ میں چھپے ہوئے ہیں جو آپ نے بھیجا ہے دیکھئے میرے الفاظ یہ ہیں سہیل اور ان کے بھائی کے جنازوں کی نماز الخ یعنی میں نے سہیل کے دو بیٹوں کی نماز پڑھے جانے کو غلط قرار دیتے ہوئے سہیل اور ان کے بھائی کی نماز پڑھا جانا لکھا ہے سہیل اور ان کے بھائی جن کا نام سہیل اور ابو نعیم کے قول پر صفوان تھا یہ دونوں بیضا کے لڑکے تھے آپ کہتے ہیں کہ در مختار وغیرہ میں مکروہ تحریمی لکھا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ در مختار میں بھی کراہت تنزیہی کے قول کو نقل کیا ہے اور اس میں اختلاف ترجیح کا ذکر شامی میں موجود ہے حافظ ابن ہمام نے تنزیہی کو ترجیح دی اور شامی نے آخر میں تتمہ کے ذیل میں **فینبغی الافتاء بالقول بکراھۃ التنزیہ الذی ھو خلاف الاولیٰ کما اختارہ (۳) المحقق ابن الھمام الخ**
لا اجر لہ کی روایت کو بے شک حافظ ابن عبدالبر نے خطاء فاحش کہا ہے اور **فلا شی لہ** کو صحیح بتایا ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

میت کا اکثر حصہ غائب ہو یا میت ہی نہ ہو تو جنازہ جائز نہیں

(سوال) ایک شخص کو شیر کھا گیا بہت تلاش و تجسس سے بھی اس کا کوئی عضو مثلاً دست وپا پایا نہیں گیا اس صورت میں اس کے جنازے کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور ایک شخص مثلاً مقام ممبئی میں وفات پایا اس کے فوت کی خبر سن کر شہر کٹک میں اس مرحوم کی غائبانہ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۱۶۳۵** حاجی محمد بہاء الدین صاحب (کٹک) ۱۶ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۷ مئی ۱۹۳۷ء

---

(۱) قولہ' فلا صلاۃ لہ' النفی متوجہ الی الکمال' وفی روایۃ' فلا اجر لہ' وفی روایۃ' فلا شی لہ (طحطاوی علی الدر المختار' باب صلاۃ الجنازۃ ۱/۳۷۷ ط دار المعرف بیروت)
(۲) قال ابن عبدالبر ' روایۃ فلا اجر لہ' خطاء فاحش' والصحیح فلا شی لہ (نصب الرایۃ' کتاب الصلاۃ' باب الجنائز' حکم صلاۃ الجنازۃ فی المسجد ۲/۲۷۵ المجلس العلمی سورت ھند)
(۳) باب صلاۃ الجنائز' مطلب مھم اذا قال ان شتمت فلانا ۲/۲۲۷ ط سعید

(جواب ۱۰۵) جس میت کا جسم یا جسم کا کوئی حصہ موجود (۱) نہ ہو اور جو میت کسی دوسرے مقام پر ہو یعنی جنازہ نمازیوں کے روبرو نہ ہو (۲) ان دونوں صورتوں میں نماز جنازہ ساقط ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد میں نماز جنازہ کی تحقیق

(سوال) آیا یہ فتویٰ عندالاحناف صحیح ہے یا غلط اور اس فتوے میں علماء کرام نے جو عبارتیں فقہ کی کتابوں کا حوالہ دیکر تحریر فرمائی ہیں کیا ان کتابوں میں جن کا حوالہ دیا گیا ہے موجود ہیں یا یونہی غلط حوالے پیش کر دیئے گئے ہیں اگر موجود ہیں تو از راہ عنایت تصدیق فرمادیں۔

ذیل کے دو قولوں میں سے کس کا قول صحیح ہے مولوی محمد اسماعیل صاحب کا یا مولوی محمد عبدالسلام صاحب کا؟

قول مولوی محمد اسماعیل صاحب : "مسجد جماعت میں نماز جنازہ مذہب حنفی میں بلا عذر بلا کراہت درست ہے"

قول مولوی محمد عبدالسلام صاحب : مسجد جماعت میں نماز جنازہ حنفی کے نزدیک بحالیکہ میت و مصلی دونوں مسجد میں ہوں بلا عذر مکروہ ہے۔

الجواب الاول : قول مولوی محمد عبدالسلام صاحب نزدیک احناف کے صحیح تر ہے۔ **ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعۃ** (۳) (قدوری) محمد عبدالحق از دہلی بلیماران

الجواب الثانی : حسب مذہب حنفیہ قول دوم صحیح ہے۔ (۴) واللہ تعالیٰ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

الجواب الثالث : قول مولوی محمد عبدالسلام صاحب کا صحیح و درست ہے مذہب احناف میں نماز جنازہ مسجد جماعت میں بلا عذر بالاتفاق مکروہ ہے ہاں در صورت کہ میت خارج مسجد ہو اور مصلی مسجد میں ہوں اس حالت میں بعض کے نزدیک مکروہ ہے دلیل کراہت مسجد جماعت کتب فقہ میں مذکور ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے **ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعۃ لقول النبی ﷺ من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا اجرلہ' لانہ بنی لاداء المکتوبات ولانہ یحتمل تلویث المسجد و فیما اذا کان المیت خارج المسجد اختلف المشائخ** (۵) حررہ محمد یعقوب عفی عنہ مدرس مدرسہ نظامیہ حیدر آباد

(۱) جسم کا کوئی حصہ نہ ہو یعنی اکثر حصہ نہ ہو کما فی البدائع' وما لم یزد علی النصف' لا یصلی علیہ' فلا یغسل ایضا (بدائع' فصل فی صلاۃ الجنازۃ' فصل فی شرائط وجوبہ ۱/۳۰۲ مکتبہ رشیدیہ' کوئٹہ)

(۲) وشرطها ایضا حضورہ' ووضعہ وکونہ هو او اکثرہ امام المصلی فلا تصح علی غائب ... و صلاۃ النبی ﷺ علی النجاشی لغویۃ اوخصوصیۃ (درمختار' باب صلاۃ الجنائز ۲/۲۰۹ ط سعید)

(۳) باب الجنائز ص ۳۷ ط سعید

(۴-۵) ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعۃ : لقول النبی ﷺ من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا اجرلہ لانہ بنی لاداء المکتوبات ولانہ یحتمل تلویث المسجد' و فیما اذا کان المیت خارج المسجد' اختلف المشائخ (ہدایہ' کتاب الصلاۃ' باب الجنائز' فصل فی الصلاۃ علی المیت ۱/۱۸۱ مکتبہ شرکۃ علمیہ)

الجواب الرابع (۱۳۵۳ھ) قول مولوی محمد عبدالسلام صاحب کا صحیح اور موافق مذہب مفتی بہ کے ہے۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ الراجی رحمۃ رب الخافقین احمد حسین عفی عنہ مدرس مدرسہ مظہر العلوم شہر بنارس

الجواب الخامس : ہو المصوب۔ قول مولوی محمد عبدالسلام صاحب کا صحیح ہے عامہ کتب متون و شروح و فتاویٰ میں تصریح موجود ہے کہ مسجد میں جنازہ رکھ کر نماز پڑھنے کی ممانعت اتفاقی ہے اور کسی کا اختلاف نہیں ہے اور کراہت بھی علی اصح الاقوال تحریمی ہے۔ قدوری (۱) میں ہے۔ ولا یصلی علی المیت فی مسجد جماعتہ اھ برجندی (۲) میں ہے ولا یصلی علی المیت فی مسجد جماعۃ اتفاقا اذا وضعت الجنازۃ فیہ اھ درمختار (۳) میں ہے۔ و کرھت تحریما و قیل تنزیھا فی مسجد جماعۃ ھو ای المیت فیہ وحدہ او مع القوم واختلف فی الخارج عن المسجد علیہ وحدہ او مع بعض القوم والمختار الکراھۃ مطلقا لا طلاق حدیث ابی داؤد من صلی علی المیت فی المسجد فلا صلوۃ لہ اھ فتاویٰ عالمگیری (۴) میں ہے۔ وصلوۃ الجنازۃ فی المسجد الذی تقام فیہ الجماعۃ مکروہ سواء کان المیت والقوم فی المسجد او کان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد او کان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقی فی المسجد او المیت فی المسجد والا مام والقوم خارج المسجد ھو المختار اھ (۵) شرح معانی الآثار میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال من صلی علی جنازۃ فی مسجد فلا شیء لہ اھ (۵) اور بیان دلائل کراہت تحریر فرما کر لکھتے ہیں و ھذا الذی ذکرنا من النھی عن الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد و کراھتھا قول ابی حنیفۃ و محمد وھو قول ابی یوسف ایضا اھ (۶) اسی طرح اور کتب معتبرہ میں ہے بوجہ طوالت اور عبارات نقل نہیں کی گئیں واللہ اعلم۔ کتبہ ابوالامجد محمد عبدالعلیم اصلح اللہ حالہ و انجح آمالہ (از غازیپور)

الجواب السادس : مولوی محمد عبدالسلام کا قول کہ مسجد جماعت میں حنفی کے نزدیک بحالیکہ میت و مصلی دونوں مسجد میں ہوں نماز جنازہ بلا عذر مکروہ ہے کتب فقہ کی تصریح کے موافق ہے درمختار میں ہے۔ و کرھت تحریما و قیل تنزیھا فی مسجد جماعۃ ھو ای المیت فیہ وحدہ او مع القوم (۷) و کذا فی حاشیۃ رد المحتار (۸) لیکن مولوی اسمٰعیل صاحب کے قول میں چونکہ جنازہ یعنی میت کے مسجد میں ہونے نہ ہونے کی قید نہیں ہے اس لئے علی الاطلاق والعموم تو مخالف مذہب حنفی ہوگا اور اگر ان کی مراد

---

(۱) یہ کتاب پیش نظر نہیں ہے۔ [illegible]
(۲) لم نطلع علیہ
(۳) باب صلاۃ الجنائز ۲ / ۲۲۴
(۴) باب الجنائز' الفصل الخامس فی الصلاۃ علی المیت ۱ / ۱۶۵ ط مکتبہ ماجدیہ' کوئٹہ
(۵ - ۶) کتاب الجنائز' باب الصلاۃ علی الجنائز' ھل ینبغی ان تکون فی المساجد اولا ۱ / ۳۳۱ ط سعید
(۷) باب صلاۃ الجنائز ۲ / ۲۲۴ ط محمد سعید
(۸) بھذا التقریر ظھر ان الحدیث مؤید للقول المختار من اطلاق الکراھۃ الذی ھو ظاھر الروایۃ کما قد مناہ (رد المحتار' باب صلاۃ الجنائز ۲ / ۲۲۶ ط سعید)

میت کے خارج از مسجد ہونے کی صورت ہو تو ایک روایت مذہب کے موافق ہوگا کذا فی الشامی۔ وفی روایۃ لا یکرہ اذا کان المیت خارج المسجد (١) واللہ اعلم کتبہ سلطان احمد از مئو

الجواب السابع : مولوی عبدالسلام صاحب کا قول بھی صحیح نہیں ہے اس لئے اگر جنازہ مع بعض مصلی کے خارج ہو اور بعض مصلی مسجد کے اندر تو یہ بھی علی القول المختار مکروہ ہے فی الدر المختار والمختار الکراھۃ مطلقا (خلاصہ) (٢) بناء علی ان المسجد انما بنی للمکتوبۃ و توابعھا الی قولہ وھو الموافق لا طلاق حدیث ابی داؤد (٣) الخ واللہ اعلم محمد اسحاق عفی عنہ مدرس مدرسہ جامع العلوم کانپور

استفتاء دیگر :

(١) نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے تو کونسا مکروہ ہے تحریمی یا تنزیہی مکروہ ہونے کی علت کیا ہے کس وجہ سے مکروہ ہے سوال دوم۔ زید جانتا ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے اس نے پڑھی زید کی نماز ہوئی یا نہیں اگر گناہ ہوا تو کس درجے کا؟ سوال سوم نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا حدیث سے ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب سوال اول : مکروہ تحریمی اور کئی بار لکھا گیا ہے اور علت پوچھنا آپ کو مناسب نہیں حکم شریعت ہے بس۔ (٤)

جواب سوال دوم۔ ارتکاب گناہ کا کیا اور کراہت تحریمی کے ارتکاب سے کبیرہ ہو تا ہے۔ (٥)

جواب سوال سوم۔ ثابت نہیں ہو سکتا ہے اور جو منقول ہے اس کا جواب بھی ہے۔ حررہ محمد اسحاق عفی عنہ مدرس مدرسہ جامع العلوم از شہر کانپور (منقول از اشتہار واجب الاظہار المشتہر حکیم محمد عبداللہ شہر مالیگاؤں ضلع ناسک محلہ جیل باغ دکان نمبر ١٩٨ (مطبوعہ حمیدی پریس بمبئی) المستفتی نمبر ١٣٥٢ عبدالحمید صاحب امام جامع مسجد گرالا بمبئی ١٦ ربیع الاول ١٣٥٦ھ ٢٧ مئی ١٩٣٧ء

(جواب ١٠٦) استفتائے اول کے جوابات صحیح ہیں کہ جب جنازہ بھی مسجد میں ہو اور نمازی بھی مسجد میں ہوں تو حنفیہ کے نزدیک یہ نماز بلا عذر مکروہ ہے۔ (٦) اور جنازہ خارج مسجد ہو اور نمازی بھی بعض مسجد میں ہوں تو یہ صورت مختلف فیہ ہے راجح یہ ہے کہ جو لوگ مسجد میں ہیں ان کی نماز مکروہ ہے (٧) اور اگر بعذر ہو تو کوئی

---

(١) باب صلاۃ الجنائز مطلب فی کراھۃ صلاۃ الجنازۃ فی المسجد ٢ / ٢٢٥ ط سعید مستفتی شاید یہ بھی جاننا چاہتا ہے کہ حضرت مفتی نے علت نہیں لکھی، حضرت صاحب ہدایہ نے ۔۔۔ لکھی ہیں' لانہ بنی لاداء المکتوبات' ولانہ یحتمل تلویث المسجد (ھدایۃ' کتاب الصلاۃ' باب الجنائز' فصل فی الصلاۃ علی المیت ١ / ١٨١ ط شرکت علمیہ ملتان)

(٢) باب صلاۃ الجنائز ٢ / ٢٢٦ ط محمد سعید

(٣) عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی الجنازۃ فی المسجد فلا شئ لہ (ابوداؤد' کتاب الجنائز' باب الصلاۃ علی الجنائز فی المسجد ٢ / ٩٨ ط سعید)

(٤) و کرھت تحریما' وقیل تنزیھا فی مسجد جماعۃ (الدر المختار' باب صلاۃ الجنائز ٢ / ٢٢٤ ط سعید)

(٥) اس سے عمل کے اعتبار سے مکروہ تحریمی حرام کے برابر ہوتا ہے تو جس طرح حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اسی طرح مکروہ تحریمی کا ارتکاب بھی گناہ کبیرہ ہوگا

(٦) اذا کان الکل فی المسجد' یکرہ بالاتفاق (بزازیہ علی ھامش الھندیۃ' فصل فی الجنائز' نوع المختار ان الامام الاعظم اولی ٤ / ٧٩ ط کوئٹہ)

(٧) واجاب فی البحر بحمل الاتفاق علی عدم الکراھۃ فی حق من کان خارج المسجد (ای مع المیت) وما مر' فی حق من کان داخلہ (رد المحتار' باب صلاۃ الجنائز' مطلب فی کراھۃ صلاۃ الجنازۃ فی المسجد ٢ / ٢٢٥ ط سعید)

صورت بھی مکروہ نہیں استفتائے دوم میں کراہت تحریمی کا حکم ہے۔ اسی طرح استفتائے اول کے جواب خاص میں کراہت تحریمی کو اصح کہا ہے اس میں مجھے تامل ہے میں حافظ ابن ہمام کے قول کے موافق کراہت تنزیہی کو راجح سمجھتا ہوں (۱) اور جنازہ کا مسجد میں پڑھا جانا حدیث سے ثابت ہے (۲) یہ دوسری بات ہے کہ ممانعت بھی حدیث میں موجود ہے (۳) اور ثبوت کی روایت کو عذر کی حالت پر محمول کیا گیا ہے۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

پوری بستی میں اگر کوئی جنازہ نہ جانتا ہو تو نماز جنازہ کس طرح ادا کی جائے گی؟

(سوال) اگر ایسے قصبے میں جہاں کہ کوئی پڑھا لکھا مسلمان موجود نہ ہو اور کوئی شخص نماز جنازہ بھی ادا کرنا نہ جانتا ہو اور کوئی ایسی اسلامی مسائل کی کتاب بھی موجود نہ ہو اس حالت میں نماز جنازہ کس طرح ادا کی جائے۔
المستفتی نمبر ۱۲۸۶ محمد مظہر الدین صاحب (امبا) ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۳ اگست ۱۹۳۷ء
(جواب ۱۰۷) جہاں نماز جنازہ صحیح طور پر ادا کرنا کوئی نہ جانتا ہو وہاں موجودہ مسلمان جماعت کی شکل میں کھڑے ہو کر چار تکبیریں یکے بعد دیگرے کہیں اور ہر تکبیر کے بعد دعائے مغفرت کرلیں یا پہلی تکبیر کے بعد ثنا پڑھ لیں اور دوسری تکبیر کے بعد درود اور تیسری تکبیر کے بعد جو دعا یاد ہو پڑھ لیں چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دیں۔ (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

صرف اخبار میں یہ بات "میں آغاخانی ہوں" شائع ہونے سے کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے، ایسے شخص کی جنازہ پڑھی جائے۔

(سوال) مروڑ میں غلام حسین نامی ایک خوجہ سوداگر رہتا تھا اور اس کو خدائے پاک نے نرینہ اولاد سے سرفراز فرمایا آج نرینہ اولاد خصوصاً ان کے بیٹے اور پوتے بالغ اور زندہ ہیں مگر ان لڑکوں کے اور اس کے درمیان تفرقہ ہو گیا تھا وہ خود تخمیناً دس سال کا عرصہ ہوا حج بیت اللہ شریف ہو کر آیا تھا اور عیدین کی نماز اور قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہوئے اس کو ہم لوگوں نے دیکھا تھا وہ خوجہ جنجیرہ گورنمنٹ میں بچوں کی حق تلفی کرنے کے لئے جنجیرہ دربار گیا اور شائع کیا میرا مذہب آغاخانی خوجہ اسماعیلی ہوں اور ہندوا پر قائم ہوں اسی پر چلتا ہوں اس لئے میرے بعد میرے بچوں کو میری وراثت میں سے حق نہیں پہنچتا ایسا اس نے گزٹ

---

(۱) ثم هي كراهة تحريم او تنزيه روايتان و يظهر لي ان الاولى كونها تنزيهية (فتح القدير باب الجنائز فصل في الصلاة على الميت ۲/۱۲۸ ط مصطفى حلبي مصر)
(۲) دیکھیں صفحہ نمبر ۱۰۳ حاشیہ نمبر ۵
(۳) دیکھیں صفحہ ۱۰۳ حاشیہ نمبر ۲
(۴) فالجواب عنه اما اولاً فانها واقعات حال لا عموم لها فيمكن ان يكون ذالك لعذر ... كما قال الشامي : انما تكره في المسجد بلاعذر فان كان فلا (اعلاء السنن ابواب صلاة الجنازة ۸/ ۲۲۹ ط ادارة القرآن)
(۵) وركنها شيئان التكبيرات الاربع والقيام فلم تجز قاعدا بلاعذر (الدر المختار باب صلاة الجنائز ۲:۲۰۹ ط محمد سعيد) لہذا نماز جنازہ کے صحیح ہونے کے لئے طہارت کے ساتھ چار تکبیروں کا کہنا بھی ضروری ہے۔

شائع کرا کے پبلک میں ارسال کیااور بعد ایک مہینہ اچھا تندرست اس کے بعد بیمار ہو کر مر گیااب آپ سے سوال یہ ہے کہ یہ اسماعیلی خوجہ مرنے کے بعد سنت والجماعۃ میں شامل ہو سکتا ہے براہ کرم ارسال فرمائیں آغا خان اسماعیلی خوجہ کی میت کے جنازے کی نماز مسلمانوں کے یعنی سنت جماعت والوں کے نماز و جنازہ کی طرح پڑھی جائے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۶۸۹ احمد علی عرب صاحب '۵ا جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۳ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۸) اگر یہ مضمون صرف گزٹ میں اس کے نام سے شائع ہوا مگر کسی شخص کے سامنے اس نے زبان سے نہیں کہا تو صرف اخبار کے مضمون سے اس کے اوپر یہ حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ خوجہ اسماعیلی اور ہندو لا کا پابند تھا اگر اخبار کے سوا اور کوئی ثبوت نہ ہو تو اس کو سنی قرار دیا جائے گا اور اسکے جنازے کی نماز سنیوں کی طرح ادا کرنا جائز ہو گا جب کہ وہ اپنی زندگی میں سنیوں کی طرح برتاؤ رکھتا ہو۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرے

(سوال) نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر کہہ کر اس کے متصل ہی سلام پھیر دینا چاہئیے یا کہ چوتھی تکبیر کہہ کر پہلے ہاتھ چھوڑ کر پھر سلام پھیریں۔ المستفتی نمبر ۱۷۴۵ قاضی عظیم الدین صاحب و قاضی صالح محمد صاحب (کاٹھیاواڑ) ۶ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۲ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۹) دونوں طرح جائز ہے(۲) چاہے ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرے (وهذا اوجه) اور چاہے سلام پھیر کر ہاتھ چھوڑے (ولا محذور فيه) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جنازہ کے بعد دعا نہیں

(سوال) بعد نماز جنازہ دعا کرنی چاہئیے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۱۱ محمد موسیٰ صاحب (بہاولپور) ۱۷ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۰) نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنی ثابت نہیں نماز جنازہ خود دعا ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جنازہ میں شریک نہ ہونے والے شخص کے گھر کا کھانا، کھانا جائز ہے

(سوال) چھاؤنی نیمچہ میں اکثر و زیادہ تر رواج ہے کہ میت کے ہمراہ کم و بیش اشخاص جاتے ہیں اور نماز جنازہ

---

(۱) صرف اخبار میں خبر چھپنا دلیل شرعی نہیں' اس سے کسی پر اسلام و کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا جب تک کسی دلیل شرعی سے اس کا اقرار ثابت نہ ہو اسے مسلمان ہی تصور کیا جائے گا۔ فقط (۲) ومن ههنا يخرج الجواب عما سئلت في سنة ست و ثمانين ايضا من انه هل يضع مصلي الجنازه بعد التكبير الاخير من تكبيراته ' ثم يسلم' ام يرسل ' ثم ليسلم' وهو انه ليس بعد التكبير الاخير ذكر مسنون ' فيسن فيه الارسال (السعاية' باب صفة الصلاة' بيان ارسال اليدين الخ ۲/۱۵۹ سهيل اكيڈمي لاهور)
(۳) لا يقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة' لانه دعا مرة ' لان اكثرها دعاء (بزازية' على هامش الهندية' فصل في الجنائز ۴/۸۰ ط ماجديه' كوئٹه)

کے وقت ثلث یا نصف بمشکل شامل نماز ہوتے ہیں بقیہ علیحدہ دور ہٹ جاتے ہیں نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوتے چنانچہ تاریخ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو ایک میت کے ساتھ بہت سے آدمی ہمراہ جنازہ میت کے تھے انہیں میں سے نصف آدمی نماز کے واسطے تیار ہوئے اور نصف علیحدہ ہو کر دور جا بیٹھے شرکت نماز کے لئے کہنے پر چند اشخاص اور شریک ہوئے بقیہ میں سے کچھ روپوش ہو گئے اور کچھ علیحدہ ہی بیٹھے رہے ان میں سے دو آدمی ایک قصاب اسم نا معلوم اور دوسرا عبدالقیوم درزی اس طرح سے ہم کلام ہوئے کہ ہم نماز جنازہ بھی نہیں پڑھتے اور نماز میں بھی شریک نہیں ہوتے عبدالقیوم کے گھر سے میت کے ورثاء کے لئے کھانا لایا اور ان کو کھانا کھلایا بروقت تاکید شرکت نماز جنازہ بعض بعض نمازی بھی کہنے لگے کہ زور مت دو یہاں کی رسم ایسی ہی ہے ایسی تاکید کرنے سے آئندہ لوگ جنازہ میت میں شریک نہیں ہوں گے چونکہ نمازی ہو کر ان کا یہ کلمات کہنا بے نمازیوں کی جرأت کو بڑھاتا ہے اور ان کی ہمدردی کرتے ہیں اور ہدایت کرنے والوں کو روکتے ہیں اس لئے عرض ہے کہ منکر نماز جنازہ کے گھر پر کھانا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ **المستفتی** نمبر ۱۹۴۷ ایم عبداللہ صاحب چھاؤنی نیمچ ۲۷ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۱) جنازے کے ساتھ جانے والے مسلمانوں کو نماز جنازہ میں شریک ہونا چاہئے جو لوگ نماز میں شریک نہیں ہوتے ان کا یہ فعل اچھا نہیں ہے ان کو نرمی سے نماز جنازہ میں شریک ہونے کی ترغیب دینی چاہئے جو شخص نماز جنازہ میں شریک نہ ہو اس کے گھر کا کھانا کھانا جائز ہے(۱) اور جس شخص نے سختی کرنے سے منع کیا ہے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہوا کیونکہ نصیحت بھی حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ ہونی چاہئے۔ (۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ولد الزنا کی نماز جنازہ بھی ضروری ہے

(سوال) ایک مسلمان شخص ایک مسلمان عورت کو بھگا کر لے گیا تھا اس کے گھر میں اس عورت سے ایک بچہ پیدا ہوا اور ڈھائی سال کا ہو کر مر گیا مرنے کے بعد اس شہر کی مسجد کے امام نے کہہ دیا کہ اس کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔ **المستفتی** نمبر ۲۰۵۰ غلام قادر صاحب ہزارہ ۱۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۲) لڑکا جو پیدا ہوا اور ڈھائی سال کا ہو کر مر گیا اس کا جنازہ پڑھنا جائز تھا کیونکہ وہ بچہ قصوروار نہیں تھا اور مسلمان بچہ تھا امام نے نماز جنازہ نہ پڑھنے میں غلطی کی۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) اس لئے کہ جنازہ فرض کفایہ ہے اگر ایک شخص بھی پڑھ لے تو باقی تمام سے فرضیت ساقط ہوتی ہے اور نہ پڑھنے والے گناہگار نہ ہوں گے "الصلاۃ علی الجنازۃ فرض کفایۃ اذا قام بہ البعض واحدا کان او جماعۃ ذکرا کان او انثی سقط عن الباقین (ھندیۃ باب الجنائز فصل فی الصلاۃ علی المیت ۱/ ۱۶۲ کوئٹہ)

(۲) قال اللہ تعالی ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن ۱٤ سورۃ النحل آیت نمبر ۱۲۵ (۳) واما بیان من یصلی علیہ فکل مسلم مات بعد الولادۃ یصلی علیہ صغیرا کان او کبیرا ذکرا کان او انثی حرا کان او عبدا الا البغاۃ وقطاع الطریق ومن بمثل حالھم (بدائع فصل فی الجنازۃ ۱/ ۳۱۱ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) بچے پر جنازہ نہ پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں وہ تو خود بے قصور ہے قصور تو اس کے والدین نے کیا ہے بچہ پر نماز نہ پڑھنا غلط ہے۔

مسجد میں نماز جنازہ کی تفصیل

(سوال) نماز جنازہ بلاعذر بارش وغیرہ مسجد جماعت پنجگانہ میں پڑھنا کیسا ہے' جائز بلا کراہت ہے یا مکروہ ہے اگر مکروہ ہے تو مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے میت مسجد میں ہو تو کیا حکم ہے اور اگر میت مسجد سے خارج ہو اور نمازی اندر ہوں تو کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۰۵۳ چودھری علی بخش و مراد بخش صاحب (جالندھر) ۵ ارمضان ۱۳۵۶ھ ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۳) اگر کوئی عذر مثلاً بارش یا پاک زمین میسر نہ ہونے کی وجہ سے نماز جنازہ مسجد میں پڑھ لی جائے تو حنفیہ کے نزدیک بھی بلا کراہت جائز ہے(۱) اور بلاعذر ہو تو حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے کراہت تحریمی کے بھی بعض فقہا قائل ہیں(۲) مگر راجح کراہت تنزیہی ہے(۳) جنازہ باہر ہو اور نمازی مسجد میں' یہ صورت خفیف ترین ہے(۴) اس کے بعد یہ کہ جنازہ مسجد میں ہو اور نمازی باہر ہوں(۵) اور جنازہ و نمازی دونوں مسجد میں ہوں یہ پوری کراہت والی صورت ہے۔(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اگر کافر کا بچہ مسلمان کی تحویل میں ہو تو بچے کی نماز جنازہ کا حکم

(سوال) ایک لاوارث معصوم بچہ جس کے والدین کے مشرک ہونے کا علم ہو وہ بچہ قانوناً و رسماً و حکماً کسی مسلمان کی تحویل میں آگیا ہو اور آتے ہی فوراً فوت ہو گیا ہو تو کیا باتباع شرع شریف اس کی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۰۸۵ شیخ عبداللہ مولا بخش چکی والا (بمبئی ۸) ۱۶ ارمضان ۱۳۵۶ھ ۲۱ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۴) اگر مسلمان کا قبضہ نابالغ بچے پر صحیح شرعی اصول کے موافق ہوا ہو تو بچہ مسلمان کا قرار دیا جائے گا اور اس کے جنازے کی نماز پڑھی جائے گی۔(۷) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) انما تکرہ فی المسجد بلاعذر فان کان فلا' ومن الاعذار المطر کما فی الخانیة (رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۲۲۶/۲ ط محمد سعید)

(۲) وکرهت تحریما' وقیل تنزیها فی مسجد جماعة هو ای المیت فیه وحده' او مع القوم (درمختار' باب صلاة الجنائز ۲۲۴/۲ ط سعید)

(۳) ثم هی کراهة تحریم او تنزیهة روایتان ویظهر لی ان الاولی کونها تنزیهة (فتح القدیر ابواب الجنائز ، فصل فی الصلوة علی المیت ۱۲۸/۲ مصطفی حلبی مصر)

(۴) اس لئے کہ اس صورت میں مکروہ ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے اور اختلاف کی وجہ سے تخفیف آجاتی ہے' وان کانت الجنازة وحدها فی الخارج' فمختلف (بزازیه علی الهندیه' فصل فی الجنائز ۷۹/۱ کوئٹه)

(۵) اس لئے کہ جو علماء مسجد میں جنازے کی کراہت کی وجہ اشتغال مسالم یبن لہ' کو قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک یہ صورت مکروہ ہی نہیں (قوله وان کان شغل المسجد بما لم یبن له' تنزیهة) فلو کان المیت موضوعا فی المسجد والناس خارجة' لا تکره (طحطاوی علی المراقی' احکام الجنائز ص ۳۶۰ بیروت)

(۶) اس لئے کہ یہ صورت بالاتفاق مکروہ ہے وان کان الکل فی المسجد ' یکره بالاتفاق (بزازیه علی الهندیة' نوع الخامس والعشرون فی الجنازة ۷۹/۱ ط کوئٹه)

(۷) والصبی اذا وقع فی ید المسلم من الجند فی دار الحرب وحده' و مات هناك صلی علیه تبعا لصاحب الید کذافی المحیط (هندیة' باب صلاة الجنائز ۱۶۳/۱ ط ماجدیه کوئٹه)

جنازے کے بعد اجتماعی دعا سلف سے ثابت نہیں

(سوال) (ا) کیابعد نماز جنازہ مجتمعاً دعا مانگنا جیسا کہ آج کل کلکتہ میں عام رواج ہے رسول اللہ ﷺ سے یا سلف رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے یا نہیں (ب) اور اس باب میں علماء حنفیہ کی کیا تحقیق ہے امام ابو حنیفہ سے کچھ منقول ہے یا نہیں ؟ (ج) اردو رسالوں میں جہاں نماز جنازہ کی ترکیب لکھی ہوئی ہے وہاں دعا کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا کیا اس وجہ سے کہ ثابت نہیں یا سہواً ایسا ہوا ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۱۰۲ حاجی عبدالجبار (کلکتہ) ۷ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۱ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۵) نماز جنازہ کے بعد کوئی اجتماعی دعا زمانہ آنحضرت ﷺ یا صحابہ کرامؓ یا سلف صالحینؒ میں ثابت نہیں نماز جنازہ خود دعا ہے فقہ حنفی میں بھی نماز کے بعد کسی دعائے اجتماعی کی ترغیب یا ہدایت مذکور نہیں بلکہ بعض کتب میں منع کیا گیا ہے۔ (۱) کے لئے رسالہ بصائر الاہتداء ملاحظہ فرمایا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

نماز جنازہ میں سلام پھیرنا حدیث سے ثابت ہے

(سوال) نماز جنازہ میں سلام پھیرنا رسول خدا ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں بصورت ثبوت حدیث کا حوالہ ضروری ہے اور بصورت عدم ثبوت حدیث یہ سلام کا پھیرنا کس اصول شریعت کے ماتحت ہے۔ المستفتی نمبر ۲۲۳۲ محمد زکریا مسلم ہائی اسکول (انبالہ سٹی) ۲۵ صفر ۱۳۵۷ھ م ۲۶ اپریل ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۱۶) نماز جنازہ میں سلام پھیرنا سلفاً و خلفاً معمول رہا ہے اس کے ثبوت کے لئے یہ روایات ہیں (۱) صلت الملئکۃ علی آدم فکبرت علیہ اربعاً و سلموا تسلیمتین (کنزالعمال)(۲) (۲) الصلوۃ علی الجنازۃ باللیل والنھار سواء یکبر اربعا و یسلم تسلیمتین (کنزالعمال)(۳) (۳) عن ابی امامۃ بن سھل بن حنیف قال السنۃ فی الصلوۃ علی الجنائز یقرأ فی التکبیرۃ الاولیٰ بام القرآن مخافۃ ثم یکبر ثلاثا و یسلم عند الاخرۃ (کنز العمال) (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

مسجد کے بجائے سڑک پر جنازہ پڑھنا بہتر ہے

(سوال) نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور صحن مسجد جس میں نماز پڑھی جاتی ہے وہ داخل مسجد ہے یا کہ نہیں پس اس حالت میں جب کہ بیرون مسجد سڑک نہایت فراخ اور کشادہ موجود ہے جس میں نماز جنازہ

(۱) لا یقوم بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ لانہ دعا مرۃ لان اکثر ھا دعاء (بزازیہ علی ھامش الھندیہ : فصل فی الجنائز ۷۹/۴ ط کوئٹہ)

(۲) الکتاب الرابع من حرف المیم الباب الاول فی ذکر الموت الخ الفصل الرابع فی الصلاۃ علی المیت ۵۸۵/۱۵ حدیث نمبر ۴۲۲۹۳ مکتبہ تراث حلب)

(۳) ۵۸۴/۱۵ حدیث نمبر ۴۲۲۹۰ مکتبہ تراث حلب)

(۴) کتاب الموت من قسم الافعال صلاۃ الجنائز ۷۱۸/۱۵ حدیث نمبر ۴۲۸۶۱ مکتبہ تراث حلب)

نہایت فراغت اور اطمینان کے ساتھ جماعت کثیر کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں اور قبرستان کا فاصلہ وہاں سے میل ڈیڑھ میل ہے جس کی وجہ سے وہاں نماز جنازہ میں مجمع نہیں ہوتا اور سڑک پر پڑھنے سے کافی مجمع ہو جاتا ہے تو ان صورتوں کے ہوتے ہوئے نماز جنازہ سڑک مذکورہ پر پڑھنا اولیٰ ہے یا قبرستان میں ؟ **المستفتی نمبر** ۲۲۴۲ قاری محمد انوار الحق صاحب (کراچی) ۷ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۸ مئی ۱۹۳۸ء

(**جواب ۱۱۷**) بہت سے مقامات میں صحن مسجد کو خارج از مسجد قرار دیتے ہیں اور وہاں عرف یہی ہوتا ہے اسی بنا پر بانیان مسجد بھی صحن کو مسجد میں داخل کرنے کی نیت نہیں کرتے ایسی صورت میں تو نماز جنازہ صحن میں پڑھ لینی جائز ہے اور اگر صحن کو مسجد قرار دیا گیا ہو تو باہر سڑک پر نماز جنازہ پڑھنا اولیٰ ہے کہ قبرستان (۱) لے جانے اور وہاں نماز پڑھنے میں نمازی کم ہو جاتے ہیں فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عصر کے بعد غروب سے پہلے جنازہ جائز ہے

(**سوال**) عصر مغرب کے درمیان نماز جنازہ جائز ہے کہ نہیں ؟ **المستفتی نمبر** ۲۳۶۰ نبی خاں (آگرہ) ۷ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ ۶ جولائی ۱۹۳۸ء

(**جواب ۱۱۷**) جائز ہے عین غروب کے وقت سے پہلے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کسی حدیث میں حضور ﷺ نے جنازے میں فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا

(**سوال**) غیر مقلد کہتا ہے کہ حنفی کی میت کا نماز جنازہ بھی درست نہیں ہوتا کیونکہ حنفی لوگ سورہ فاتحہ نماز جنازہ میں نہیں پڑھتے حالانکہ حدیث ترمذی میں آئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنی چاہئیے آپ برائے خدا جلد از جلد جواب دیکر مشکور فرمائیں۔ **المستفتی نمبر** ۲۴۷۰ محمد عبدالغنی صاحب ہوشیارپور (پنجاب) ۶ صفر ۱۳۵۸ھ م ۲۸ مارچ ۱۹۳۹ء

(**جواب ۱۱۹**) کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ آنحضرت ﷺ نے جنازے کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم فرمایا ہو یا یہ فرمایا ہو کہ جنازے کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنی چاہئیے (۳) ترمذی میں یہ روایت نہیں ہے

---

(۱) یہاں سڑک پر نماز جنازہ پڑھنے کو اولیٰ لکھا ہے یا تو سوال میں مذکور وجوہ کی بناء پر یا مسجد کے صحن کے مقابلے میں ورنہ سڑک پر نماز جنازہ کو فقہائے احناف نے مکروہ لکھا ہے جو ناپسندیدہ ہے اور کراہت کی وجوہ بھی ذکر کئے ہیں مثلاً سڑکوں پر نجاسات کا ہونا' اور ناپاک جوتوں اور چپل سمیت نماز پڑھنا وغیرہ **تکرہ فی الشارع واراض الناس كذافی المضمرات (هندية' جنائز' باب الجنائز ۱/۱۶۵ ط كوئٹه)**

(۲) **ولا تكره الصلاة على الجنازة بعد صلاة الفجر' و بعد صلاة العصر قبل تغير الشمس (بدائع' فصل فی باب الجنائز ۱/۳۱۷ مکتبه رشيديه' كوئٹه)**

(۳) آپ علیہ السلام سے تو کسی مرفوع صحیح حدیث میں یہ ثابت نہیں اور بخاری شریف میں ابن عباسؓ سے جو مروی ہے کہ ابن عباس نے فاتحہ الکتاب پڑھی اور فرمایا" **لتعلموا انها سنة**" اور اس جیسی دیگر روایات بھی موجود ہیں جس سے صرف جواز ثابت ہو سکتا ہے جس کے احناف بھی بحیث دعا قائل ہیں اور صحابہ کا پڑھنا بھی دعا پر محمول ہو سکتا ہے کیونکہ سورہ فاتحہ افضل دعا ہے جیسا کہ مروی ہے **افضل الذكر لا اله الا الله وافضل الدعاء الحمد لله** اور " **انها سنة**" کے متعلق فتح الباری میں لکھا ہے " **يحتمل ان يريد ان الدعاء سنة (فتح الباری' شرح بخاری' باب قراءة فاتحه الكتاب على الجنازة ۳/۱۶۴ ط مطبعة كبرىٰ بولاق' مصر)**

جو آپ نے سوال میں لکھی ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت نہیں

(سوال) بعد نماز جنازہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بروئے مذہب حنفی و اہل حدیث کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۲۶۳۰ میاں محمد صدیق صاحب فیروزپور ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ م ۱۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۲۰) نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے(۱) اس مسئلے میں حنفی اور اہل حدیث کے مذہب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

امام مسجد پر چالیس قدم تک میت کی چارپائی اٹھانا ضروری نہیں

(سوال) کیا میت کی چارپائی اٹھاتے وقت امام محلہ پر چالیس قدم لینا یعنی ایک ہاتھ سر چارپائی پکڑنا اور پڑھنا امر ضروری ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۷۱۷ فیروز خاں صاحب

(جواب ۱۲۱) جنازے کے چالیس قدم لینے کا یہ طریقہ جو سوال میں مذکور ہے غلط اور خلاف سنت ہے یعنی امام کی یہ ڈیوٹی مقرر کرنا کہ وہ جنازہ اٹھاتے وقت ایسا ضرور کرے یہ ناجائز اور بدعت ہے ہاں ہر مسلمان پر میت کا یہ حق ہے کہ جنازہ کو کندھا دے اور کندھا دینے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ پہلے جنازہ کا اگلا پایہ اپنے دائیں کندھے پر رکھ کر دس یا اس سے زائد پھر اس کا پچھلا پایہ اپنے دائیں کندھے پر رکھے اور دس قدم چلے پھر اگلا پایہ بائیں کندھے پر پھر پچھلا پایہ بائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے یہ مستحب ہے(۲) اور ہر شخص کے لئے ہے نہ صرف امام کے لئے اور گھر سے قبرستان تک جانے میں جس وقت اور جس مقام پر چاہے ہر شخص یہ حق ادا کرنے کا اختیار رکھتا ہے یہ ضروری نہیں کہ امام جنازے کو اٹھاتے وقت یہ چالیس قدم پہلے ضرور پورے کرے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نماز جنازہ میں بھی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے

(سوال) ہمارے یہاں جنازے کی نماز کی جگہ پر تاڑ کے درخت ہیں ان پر ہمیشہ گدھ بیٹھے رہتے ہیں گندگی بیٹ کرتے رہتے ہیں اس وجہ سے فرش سفید رہتا ہے اس سفید زمین پر بعض آدمی نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں تو کیا ان کی نماز ہو جاتی ہے؟ المستفتی نمبر ۲۸۱۴ سلیمان موسیٰ حافظ جی بارڈولی ضلع سورت ۸ ا ربیع الاول ۱۳۶۰ھ

---

(۱) ولا یقوم بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ لانہ دعا مرۃ' لان اکثر ھا دعاء (بزازیہ' فصل فی الجنائز ۴ / ۸۰ کوئٹہ)

(۲) ومن اراد کمال السنۃ فی حمل الجنازۃ' ینبغی لہ ان یحملھا من الجوانب الاربع' رویبا عن ابن عمر' ان کان یدور علی الجنازۃ علی جوانبھا الاربع' فیبتدئ مقدم الجنازۃ علی یمینہ' ثم مؤخرھا علی یمینہ' ثم مقدمھا علی یسارہ ثم مؤخرھا علی یسارہ ... وینبغی ان یحمل من کل جانب عشر خطوات (بدائع الصنائع' فصل فی حمل الجنازۃ ۱ / ۳۰۹ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(جواب ۱۲۲) اس ناپاک جگہ پر کھڑے ہونے والوں کی نماز نہیں ہو گی ان کو یہ جگہ چھوڑ دینی چاہئے یا وہاں پاک کپڑا ڈال کر نماز پڑھیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عید گاہ میں نماز جنازہ جائز ہے

(سوال) عید گاہ کے اندر جنازے کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟
(جواب ۱۲۳) عید گاہ میں جنازے کی نماز پڑھنی جائز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نماز جنازہ خود دعا ہے اس کے بعد اجتماعی دعا ثابت نہیں

(سوال) نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں ؟
(جواب ۱۲۴) نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کا ثبوت نہیں نماز جنازہ خود دعا ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(جواب دیگر ۱۲۵) نماز جنازہ بصر تح فقہائے احناف دعا ہے اور اگرچہ اس پر لفظ صلوۃ بمعنی نماز کا اطلاق بھی کیا گیا ہے اور صحیح ہے تاہم اس میں دعا ہونے کی جہت راجح اور غالب ہے(۴) اور بعد فراغ من الصلوۃ آنحضرت ﷺ و صحابہ کرام وائمہ مجتہدینؒ سے ثابت نہیں کہ وہ کوئی دعا اور کرتے تھے یعنی نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے متصل بعد البتہ بعد دفن قبر پر تھوڑی دیر توقف کرنا اور میت کے لئے دعا کرنا حدیث سے ثابت ہے جو سنن ابی داؤد میں مروی ہے۔(۵)

تاہم نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد فرداً فرداً اگر لوگ دعا مانگ لیں تو کچھ مضائقہ بھی نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ نہ مانگنے والوں کو کسی قسم کی طعن تشنیع ملامت نہ کی جائے اور دعا کا کوئی خاص اہتمام و تداعی اور جماعت بنانے کی پابندی نہ ہو اسی طرح اگر کوئی شخص اکیلا بغیر اہتمام والتزام و پابندی ہیئت جماعت کے دعا مانگے تو کسی کو اسے روکنے اور منع کرنے کا بھی حق نہیں ہے کیونکہ اس خاص صورت میں ایک امر مباح کا مرتکب ہے یا زیادہ سے زیادہ مستحسن کا اور ان دونوں حالتوں میں منع کرنے کے کوئی معنی نہیں بعض عبارات فقہاء سے جو دعا کا جواز معلوم ہوتا ہے اس سے مراد یہی ہے کہ لوگ فرداً فرداً بغیر اہتمام والتزام و بغیر پابندی

---

(۱) کیونکہ جنازہ میں بھی نمازیوں کے لئے طہارۃ مکان شرط ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی وفي القنية' الطهارة من النجاسة في ثوب' و بدن' و مكان' و ستر العورة شرط في حق الميت لو الامام جميعا (الدر المختار' باب صلاة الجنائز ۲ /۲۰۸ ط سعيد)
(۲) قيد بمسجد الجماعة لانها لا تكره في مسجد اعد لها و كذافي مدرسة' و مصلي عيد' لانه ليس لها حكم المسجد في الاصح (طحطاوى على المراقي' باب احكام الجنائز ص ۳۶۰ ط بيروت)(۴۹۱ اصح المطابع كارخانه تجارت كتب خانه كراچى)
(۳-۴) لانها ليست بصلاة حقيقة' انما هي دعاء واستغفار للميت (بدائع' فصل في بيان كيفية الصلاة على الجنازة ۱ /۳۱۴ ط كوئٹه) ولا يقوم بالدعا بعد صلاة الجنازة لا نه دعا مرة' لان اكثرها دعاء (بزازيه على هامش الهندية' نوع الخامس و العشرون في الجنازة ۴ /۸۰ ط ماجديه' كوئٹه)
(۵) عن عثمان بن عفانؓ قال . كان النبي ﷺ اذا فرغ من دفن الميت' وقف عليه' فقال : استغفروا لا خيكم' واسالوا له بالتثبيت' فانه الآن يسئل (ابو داؤد' باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الا نصراف ۲ /۱۰۳ ط سعيد)

بہئیت جماعت دعا مانگ لیں تو جائز ہے۔ واللہ اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرس مدرسہ امینیہ سنہری مسجد دہلی

میت اور کچھ نمازی مسجد کے اندر ہوں اور کچھ باہر تو جنازے کا حکم

(سوال) جنازہ خارج مسجد ہو اور نمازیان اکثر داخل مسجد ہوں اور قلیل خارج مسجد ہوں تو نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۲۶) جنازہ مسجد سے باہر ہو اور کچھ نمازی باہر ہوں اور کچھ مسجد میں تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ظاہری علامات نہ ہوں تو لڑکا و لڑکی دونوں کو پندرہ سال کی عمر میں بالغ قرار دیا جائے گا

(سوال) (۱) دس سال کی لڑکی کا جنازہ بالغ یا نابالغ پڑھا جائے؟ (۲) شریعت میں کتنے سال کی لڑکی بالغ ہوتی ہے (۳) بعض مولوی صاحبان دس سال کی لڑکی کا جنازہ بالغ پڑھاتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ چونکہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خلوت نو سال میں ہوئی تھی اس لئے دس سال کا جنازہ بالغ پڑھنا جائز ہے۔
المستفتی نمبر ۲۲۹۱ حاجی عبدالکریم (پشاور) مورخہ ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۲۷) دس سال کی لڑکی اگر بالغہ ہو گئی ہو یعنی اس کو حیض آنا شروع ہو گیا ہو تو اس کا جنازہ پوری عورت کے لئے پڑھایا جائے اور اگر حیض آنا شروع نہ ہوا ہو تو اس کا جنازہ نابالغہ کی طرح پڑھا جائے دس سال کی عمر میں لڑکی بالغہ ہو سکتی ہے مگر یہ لازم نہیں کہ ہر دس سالہ لڑکی بالغہ ہو جائے۔
حضرت عائشہؓ صدیقہ سے نو سال کی عمر میں مقاربت ہوئی تو نو سال کی لڑکی کے بلوغ کا امکان ثابت ہوا نہ یہ کہ ہر نو سال کی لڑکی بالغہ قرار دی جائے بالغہ قرار دینے کے لئے پندرہ سال کی عمر ہونی چاہئیے جب کہ اور کوئی علامت بلوغ ظاہر نہ ہو۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ولد الزنا کا جنازہ بھی ضروری ہے' البتہ اس کی والدہ کے جنازے میں نیک و صالح لوگ شریک نہ ہوں

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۶ء)

(سوال) ایک مرد مسلمان کی دو عورتیں ہیں ایک منکوحہ ایک غیر منکوحہ یہ بات سب گاؤں والے جانتے

(۱) لعلہ من مسامحات الشیخ' والا فقد صرح بالکراھۃ فی حق من کان داخل المسجد' فلیراجع ص ۸۱

(۲) بلوغ الغلام والجاریہ بالا حتلام' والحیض والحبل' فان لم یوجد فیھما' فحتی یتم لکل منھما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی' وادنی مدۃ لہ اثنا عشرۃ سنۃ' ولھا تسع سنین (تنویر الابصار' کتاب الحجر' فصل فی بلوغ الغلام بالا حتلام ۱۵۳/۶' ۱۵۴' ط سعید)

ہیں بار بار کہا گیا کہ تم نکاح پڑھالو مگر وہ آج کل آج کل کہہ کر ٹالتا رہا اولاد بھی پیدا ہوتی جاتی ہے مگر نکاح پڑھانے پر راضی نہیں ہوتا اگر اس غیر منکوحہ کا بچہ یا خود غیر منکوحہ فوت ہو جائے تو اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا اور نماز جنازہ پڑھانا کیسا ہے ؟

(جواب ۱۲۸) ہاں اس عورت اور اس کے بے نکاحی بچوں کا جنازہ پڑھ کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیئے کیونکہ وہ عورت اور اس کے سب بچے مسلمان ہیں(۱) اور بچوں کی کوئی خطا نہیں ہے قصور ان کے والدین کا ہے(۲) ہاں والدین کے جنازے میں مقتدا اور پیشوا شریک نہ ہوں تو بہتر ہے(۳) جب کہ اسی حالت میں ان کا انتقال ہو جائے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ'

شوہر اور باپ میں سے جنازے کا حق باپ کا ہے

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) ایک عورت فوت ہوئی اس کا شوہر اور باپ دونوں موجود ہوں تو ان میں سے کس کو خود نماز جنازہ پڑھانے یا پڑھنے کی اجازت دینے کا حق ہے۔

(جواب ۱۲۹) میت کا باپ اور شوہر موجود ہوں تو نماز جنازہ پڑھانے یا اجازت دینے کا حق باپ کو ہے۔ **ولا ولاية عندنا للزوج لا نقطاع الوصلة بالموت كذافي الجامع الصغير لقاضي خان' فان لم يكن للميت ولي فالزوج اولى ثم الجيران او لى من الاجنبي' كذافي التبيين (هنديه)** (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نماز جنازہ چھوٹنے کا خطرہ ہو تو تیمم جائز ہے' اگرچہ پانی موجود ہو

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) اگر جنازے کی نماز تیار ہے بعض لوگوں کو وضو کرنا ہے جنازے سے دس قدم پر پانی بھی موجود ہے اور وقت بھی زوال میں باقی ہے تو ایسی حالت میں وضو کے بجائے تیمم جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۳۰) جنازے کی نماز کے لئے ایسے وقت تیمم جائز ہے کہ جنازے کی نماز ہونے لگے اور لوگ انتظار نہ کریں تو جو لوگ باوضو نہیں ہیں اگر وہ وضو کرنے جائیں تو نماز سے رہ جائیں ایسی حالت میں وہ تیمم کر کے نماز میں شریک ہو سکتے ہیں لیکن اگر نمازی انتظار کرنے کے لئے آمادہ ہوں یا خود ولی وضو کرنے جائے

---

(۱) اور جنازے کی نماز کی صحت کے لئے مسلمان ہونا کافی ہے' واما بيان من يصلي عليه' فكل ، سلم مات بعد الولادة يصلي عليه' صغيرا كان او كبيرا' ذكرا كان' او انثى حرا كان' او عبدا الا البغاة الخ(بدائع الصنائع' فصل في صلاة الجنازة ۱ / ۳۱۱ ط رشيديه كوئٹه)

(۲) لہذا والدین کی وجہ سے اولاد کو قصور وار نہیں ٹھہرایا جائے گا الا تزر وازرة وزرا اخرى' النجم :۳۸

(۳) صفحہ نمبر ۹۳ حاشیہ نمبر ۲ دیکھیں

(٤) باب الجنائز' الفصل الخامس في الصلاة على الميت ۱ /۱٦۳ ماجديه' كوئٹه

تو ایسی حالت میں وضو ہی کرنا ضروری ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

غروب آفتاب کے بعد پہلے مغرب کی نماز پڑھی جائے پھر جنازے کی
(الجمعیۃ مورخہ ۲ مئی ۱۹۲۷ء)

(سوال) مغرب کا وقت قریب ہے آفتاب غروب ہونے کی زردی پھیلی ہوئی ہے جنازہ تیار ہے پہلے مغرب کی نماز پڑھیں یا جنازہ کی نماز؟

(جواب ۱۳۱) غروب آفتاب کے بعد پہلے مغرب کی نماز پڑھنی چاہئے' پھر جنازے کی۔(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ

غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں
(الجمعیۃ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید کا انتقال اپنے وطن میں یکم صفر المظفر کو ہوا اور جنازہ زید کا ۱۲ صفر کو کلکتہ میں پڑھایا گیا یہ غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۳۲) حنفیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں کیونکہ وہ اسے شریعت سے ثابت نہیں سمجھتے (۳) تاریخ انتقال اور تاریخ نماز کے قرب و بعد کا کوئی فرق نہیں' محمد کفایت اللہ غفر لہ'

فاحشہ کے مال سے جنازہ گاہ تعمیر کرنا
(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۳ء)

(سوال) ننگمری میں ایک طوائف فاحشہ عورت کے دو ملکیتی مکان ہیں فوتگی سے کچھ عرصہ پہلے اس نے ایک مکان کی اپنے مرشد پیر اصغر علی کے نام وصیت کی چنانچہ پیر صاحب نے قبضہ کرلیا ہے دوسرے کی نسبت وصیت کی کہ انجمن اسلامیہ ننگمری فروخت کرکے اس کی قیمت سے قبرستان میں جنازہ گاہ بنادے' جہاں کہ متوفی مسلمانوں کی نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی جنازہ گاہ میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۳۳) اگر فاحشہ مذکورہ کا یہ مکان اس کا موروثی ہو (بشر طیکہ مورث کی کمائی خالص حرام نہ ہو)

---

(۱) قولہ' وجاز لخوف فوت صلاۃ الجنازۃ ای ولو کان الماء قریبا' ثم اعلم انہ اختلف فیمن لہ حق التقدم فیہا' فروی الحسن عن ابی حنیفۃ' انہ لا یجوز للولی' لانہ ینتظر' ولو صلوا لہ حق الا عادۃ' و صححہ فی الہدایۃ' والخانیۃ' وکافی النسفی (رد المحتار' باب التیمم ۱ / ۲۴۱ ط سعید)

(۲) ولو ارادوا ان یصلوا علی جنازۃ وقد غربت الشمس' فالا فضل ان یبدؤ ا بصلاۃ المغرب' ثم یصلون علی الجنازۃ' لان المغرب آکدمن صلاۃ الجنازۃ (بدائع' فصل فی صلاۃ الجنازۃ فصل فی بیان ما یکرہ فیہا ۱ / ۳۱۷ ط سعید)

(۳) وشرطہا ایضا حضورہ' ووضعہ' وکونہ ہو او اکثرہ امام المصلی' وکونہ للقبلۃ' فلا تصح علی غائب وصلاۃ النبی ﷺ علی النجاشی لغویۃ' او خصوصیۃ الخ (الدر المختار' باب صلاۃ الجنائز ۲ / ۲۰۷'۲۰۸ سعید)

فاحشہ نے کسی جائز ذریعہ اور حلال کمائی سے حاصل کیا ہو تو اس مکان کی قیمت سے جنازہ گاہ بنانا اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے لیکن اگر یہ مکان حرام کمائی سے حاصل کیا گیا ہے تو اس میں خبث قائم ہے اور اس کو کسی نیک کام میں بامید ثواب لگانا ناجائز ہے (۱) اس کو انجمن اسلامیہ فروخت کر کے یتیموں اور بیواؤں اور دوسرے محتاجوں کے کھانے کپڑے میں اس نیت سے خرچ کر دے (۲) کہ ایک مال حرام اس کے قبضے میں آگیا ہے جس کو وہ اصلی جائز مالک تک نہیں پہنچا سکتی اس لئے بہ نیت رفع وبال یا بہ نیت ایصال ثواب اصل مالک و مستحق محتاجوں اور مسکینوں پر خرچ کر رہی ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

میت کو چارپائی پر رکھ کر جنازہ پڑھنا جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) نماز جنازہ چارپائی یا پلنگ پر جب کہ بان سوتلی نواڑ سے بنے گئے ہوں پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۳۴) میت چارپائی یا پلنگ پر ہو تو نماز جنازہ جائز ہے (۴) خواہ وہ بان یا نواڑ یا سُتلی سے بنا ہوا ہو اور نماز پڑھنے والا چارپائی یا پلنگ پر ہو جب بھی نماز جنازہ جائز ہے۔ (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) زانیہ کا جنازہ بھی ضروری ہے 'مگر نیک اور شریف لوگ شریک نہ ہوں
(۲) فرائض اسلام کا اعتقاد نہ رکھنا کفر ہے 'ایسے شخص کی جنازہ نہ پڑھی جائے۔

(الجمعیۃ مورخہ ۵ اگست ۱۹۳۵ء)

(سوال) (۱) یہاں پر ایک عورت نے ایک کافر مرد خفیہ طور سے لیا ہوا ہے جس پر اکثر مسلمان اس فعل قبیحہ کا ثبوت بھی دے سکتا ہیں' مگر عورت یوں کہتی ہے کہ ہم نے بطور نوکر رکھا ہوا ہے تو ایسی حالت میں اگر عورت مر گئی تو اس کا نماز جنازہ پڑھانا جائز ہو گا یا نہیں ؟

(۲) یہاں پر اکثر مسلمانوں نے برمی بدھ مذہب کی عورتوں سے شادی کی ہوئی ہے بوقت خواندن نکاح عورت بمشکل کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھ کر بعد میں نکاح ہو جانے پر دائرہ اسلام میں شمار کیا جاتا ہے لیکن زن ہذا کبھی بعد از نکاح تا وفات ضروریات دین اسلام سے بھی ناواقف ہوتا ہے اور کبھی نماز' روزہ وغیرہ نہیں رکھتا' تو ایسے حالات میں بعد از وفات ان کا جنازہ پڑھنا کیسا ہے ؟ بعد از وفات شوہر کچھ دن بعد پھر مذہب کفریہ میں

---

(۱) یعنی خالص حلال مال ہو اور اگر حرام مال بھی ہو تو حلال غالب ہو اور حرام مغلوب ہو تو اس صورت میں اس مال کو استعمال کر سکتے ہیں' اور خالص حرام مال ہو اور یا غالب حرام ہو تو اس کا استعمال ثواب کی نیت سے درست نہیں

(۲) جنازہ گاہ بنانا بھی جائز ہے لیکن مناسب نہیں کیونکہ اس سے خواہ مخواہ لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہوں گے اور اس میں نماز پڑھنے میں کراہت محسوس کریں گے

(۳) لانہ سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبہ (رد المحتار' فصل فی البیع ۶/ ۳۸۵ ط سعید)

(۴) ان کان المیت علی الجنازۃ' لا شک انہ یجوز (رد المحتار' باب صلاۃ الجنائز ۲/ ۲۰۸ ط سعید)

(۵) کیونکہ نماز جنازہ میں سجدہ نہیں ہوتا اس لئے جو شخص کی چارپائی پر جائز ہے چاہے اس میں قرار ہو یا نہ ہو

شامل ہوتی ہے تو آیا ایسے حالات میں مسلمانوں کے واسطے شرعی حکم کیا ہے۔
یہاں پر چند ایسی عورت فوت ہوئی ہے، مگر مسلمانوں نے نماز جنازہ نہیں پڑھا ہے اور قبرستان علیحدہ میں دفن کیا ہے روبرو شوہر۔

(جواب ۱۳۵) (۱) اگر عورت کی بدکاری کا ثبوت نہیں ہے تو اس کو متہم کرنے میں احتیاط کرنی چاہئے (۱) اور اس کی موت کے بعد اس کا جنازہ بھی پڑھنا چاہئے (۲) ہاں اگر بدکاری کا ثبوت ہو تو اس کے ساتھ زانیہ عورتوں کی طرح معاملہ کرنا لازم ہے مگر جنازہ زانیہ کا بھی پڑھنا چاہئے (۳) ہاں علما اور صلحا اور مقتدا جنازے میں شریک نہ ہوں مسلمان عوام جنازہ پڑھ کر دفن کر دیں۔(۴)

(۲) اگر یہ عورتیں صرف زبانی کلمہ طیبہ پڑھ لیتی ہیں اور ضروریات ایمان سے واقف نہیں ہوتیں، فرائض اسلامیہ کا اعتقاد نہیں رکھتیں تو یہ کافر قرار دی جائیں گی۔(۵) نہ ان کے ساتھ نکاح جائز ہوگا نہ انکے جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

شیعہ کی اقتداء میں سنی کی نماز جنازہ جائز نہیں
(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) کیا سنی حنفی مسلمان شیعہ کی اقتدا میں نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے ؟

(جواب ۱۳۶) شیعہ غالی تبرائی نہ ہو تو نماز جنازہ میں حنفی اس کی اقتدا کر سکتا ہے۔(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

نماز جنازہ کے لئے بنائی گئی مسجد میں جنازہ بلا کراہت درست ہے

(سوال) یہاں بیرون شہر ایک قبرستان میں مسجد بنی ہوئی ہے جب وہاں جنازہ لے جاتے ہیں تو گرمی اور برسات کے موسم میں اسی مسجد میں نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اگر فرض وقتیہ کا وقت ہوتا ہے تو بعد نماز جنازہ اسی مسجد کے جماعت خانے میں نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے اس لئے کہ فرض نماز کا وقت شہر میں واپس آنے تک یا تو آخر ہو جاتا ہے یا بالکل نہیں رہتا مسجد مذکور کا جماعت خانہ وسیع ہے اور صحن بہت چھوٹا ہے اس لئے جماعت

---

(۱) یا ایها الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن، ان بعض الظن اثم' الحجرات : ۱۲
(۲—۳) واما بیان من یصلی علیه' فکل مسلم مات بعد الولادة یصلی علیه' صغیرا کان' او کبیرا ذکرا کان' او انثی' حرا کان' او عبدا ...... لقول النبی ﷺ' صلوا علی کل بر وفاجر (بدائع ' فصل فی صلاة الجنازة ۱/۳۱۱ ط سعید)
(۴) ص ۹۲ حاشیہ ۲ دیکھیں
(۵) لان الحق عدم التکفیر ..... بخلاف من خالف القواطع المعلومة من الدین بالضرورة(رد المحتار' کتاب النکاح' فصل فی المحرمات ۳/۴۶ ط سعید)
(۶) یعنی وہ شیعہ جو ضروریات دین کا انکار نہ کریں اور صرف حضرت علیؓ کی افضلیت کے قائل ہوں اور چونکہ آج کل کے شیعہ ضروریات دین کا انکار کرتے ہیں اور حضرت علیؓ کی الوہیت کے قائل ہیں اس لئے بوجوہ کافر ہیں ان کے پیچھے نماز جنازہ نہیں ہوگی' ان الرافضی ان کان ممن یعتقد الالوهیة فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی ...... فهو کافر' لمخالفة القواطع المعلومة من الدین بالضرورة (رد المحتار' کتاب النکاح' فصل فی المحرمات ۳/۴۶ ط سعید)

خانہ میں ہی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے' اس صورت میں مسجد مذکور میں نماز باجماعت یا فرداً فرداً ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسجد میں پنجوقتہ نماز نہیں ہوتی نہ اذان کہی جاتی ہے' جب جنازہ لے کر جانے کا اتفاق ہوتا ہے تب ہی بہ ضرورت نماز پڑھی جاتی ہے۔ **المستفتی** نورالدین مدرسہ ہاشمیہ' رانی تالاب' سورت

(جواب ۱۳۷) یہ مسجد اگر نماز جنازہ کے لئے بنائی گئی ہے تو اس میں نماز جنازہ جائز ہے(۱) اور فرض وقتی بھی ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے کیونکہ مسجد جنازہ میں وقتی فرض مکروہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہاں اگر یہ مسجد پنج وقتی نماز کے لئے بنائی گئی ہو تو اس میں نماز جنازہ مکروہ ہو گی مگر عذر بارش وغیرہ کی وجہ سے یہ کراہت مرتفع ہو جائے گی(۲) الغرض مسجد نماز جنازہ میں فرض وقت مکروہ نہیں اور مسجد پنج وقتی میں بلا عذر نماز جنازہ مکروہ ہے اور بعذر ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ **محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرسہ امینیہ' دہلی**

چوتھا باب
رسوم مروجہ بخانہ میت
فصل اول۔ غمی کی دعوتیں' دسواں' چالیسواں وغیرہ

اہل میت کی طرف سے تیسرے دن کھانا دینا بدعت ہے

(سوال) اگر شخصے بمیر دوران خانہ اندرون سہ روز اتخاذ ضیافت خواہ دفن کنندگان باشند یا غیر ایشاں جائز است یا حرام؟

(جواب ۱۳۸) ضیافت از جانب میت اگر از مال میت باشد و ورثہ راضی نباشند یا در ورثہ کسے نابالغ یا مجنون یا غائب باشد این ضیافت کردن و خوردن حرام است' چہ مال غیر است و مال غیر خوردن و خورانیدن ہر دو حرام(۳) و اگر ضیافت کنندہ از مال خود کند تاہم بدعت و مکروہ است۔(۴) کتبہ **محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ مدرس مدرسہ امینیہ' دہلی**

اہل میت کی طرف سے دفن کرنے والوں کو اسی دن کھانا کھلانا بدعت ہے

(سوال) میت کے دفن کرنے والے اسی روز اس کے گھر کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) اما المسجد الذی بنی لا جل صلاة الجنازة' فلا تكره فيه (هنديه' باب الجنائز' الفصل الخامس فی الصلاة علی الميت ۱ / ۱٦٥ ط كوئٹه)

(۲) انما تكره فی المسجد بلا عذر' فان كان' فلا ومن الاعذار' المطر كما فی الخانية (رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۲ / ۲۲٦ ط سعيد) (۳) لا يحل مال رجل مسلم لاخيه الا ما اعطاه بطيب نفسه (رواه البيهقی' ۸ / ۱۸۲ ط دار الكتب العلميه' بيروت) (٤) و يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت' لانه شرع فی السرور لا فی الشرور' و هی بدعة مستقبحة' (رد المحتار' باب صلاة الجنائز' مطلب فی كراهية الضيافة من اهل الميت ۲ / ۲٤٠ ط سعيد)

(جواب ۱۳۹) میت کے دفن کرنے والوں کو اولیائے میت سے دعوت لینا جائز نہیں ولا یباح اتخاذ الضیافة عند ثلثة ایام (۱) (عالمگیری ص ۱۷۸ ج۱) و تکرہ الضیافة من اهل المیت لانها شرعت فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة (۲) (مراقی الفلاح ص ۳۳۹) وفی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح قال فی البزازیة یکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث و بعد الاسبوع و نقل الطعام الی المقبرة فی المواسم (۳) الخ ص ۳۳۹

ورثہ میں اگر کوئی نابالغ ہو تو ترکہ سے خیرات کرنا جائز نہیں

(سوال) عام دستور ہے کہ متوفی کے ورثا جن میں بالغ نابالغ بیوہ شامل ہیں متوفی کے مال میں سے فاتحہ خوانی کی رسومات پر صرف کرتے ہیں یعنی پلاؤ زردہ وغیرہ پکوا کر ملاؤں رشتہ داروں و دوستوں کی دعوت کی جاتی ہے ایسے فاتحہ کا کھانا متمول لوگوں کو جائز ہے یا نہیں؟ (۴) المستفتی نمبر ۵۱۲ محمد مقدس احمد ضلع سلہٹ ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۷ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۴۰) نابالغوں کے مال میں سے خیرات کرنا ناجائز ہے اور اس کھانے کو کھانا بھی جائز نہیں۔
محمد کفایت اللہ

میت کے گھر میں ہوتے ہوئے کھانا کھانا جائز ہے

(سوال) میت کو کفن دفن کرنے سے پہلے اس گھر کی کوئی چیز کھانا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۵۰۱ دلاں خاں (گوے) ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۱۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۴۱) میت کی موجودگی میں کھانا کھانا جائز ہے (۵) اہل میت کے ہاں تین دن تک پکھ نہیں کھانا چاہئے تین دن کے بعد اگر کوئی ضیافت ہو تو کھانے میں مضائقہ نہیں۔ (۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

ایصال ثواب کا کھانا غنی لوگ کھا سکتے ہیں

(سوال) ایصال ثواب کے لئے جو کھانا کھلاتے ہیں اور ہمارے یہاں عام دستور ہے یہ کھانا غنی کو کھلانا

---

(۱) (باب الجنائز، الفصل السادس فی الدفن ۱ / ۱۶۷ ط ماجدیہ کوئٹہ)
(۲) (احکام الجنائز ص ۳۷۴ ط مصطفی البابی الحلبی مصر)
(۳) (طحطاوی علی مراقی الفلاح، احکام الجنائز ص ۳۷۴ ط مصطفی الحلبی مصر)
(۴) چونکہ کھانے والے مالدار ہوں یا غریب، و یکره اتخاذ الضیافة من اهل المیت ... ولا سیما اذا کان فی الورثة صغار او غائب (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی کراهة الضیافة من اهل المیت ۲ / ۲۴۰ ط سعید)
(۵) اس میں شرعی طور پر کوئی پابندی نہیں لیکن آج کل یہ رسم بنی ہوئی ہے کہ لوگ میت کا گھر میں ہوتے ہوئے کھانا [illegible] اس لئے اس رسم کو ختم کرنا چاہئے [illegible] تو اس میں مضائقہ نہیں
(۶) تین دن متعین [illegible] و یکره اتخاذ الضیافة ثلاثة ایام واکلها لانها مشروع للسرور (بزازیة علی هامش الهندیة، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز ۴ / ۸۱ ماجدیه کوئٹه)

جائز ہے یا نہیں؟ یا صرف محتاج کو اور ہر دونوں فریق کو بلا امتیاز کھانا کیسا ہے؟ **المستفتی نمبر ۱۹۶۱** محمد انصار الدین صاحب (آسام) ۲۵ شعبان ۱۳۵۶ھ ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۴۲) ایصال ثواب کا کھانا صدقہ ہے اور صدقہ فقراء کا حق ہے(۱) اغنیا کو صدقہ دینے سے صدقہ کا ثواب نہیں ہوتا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) تعزیت کے بعد لوگ اپنے گھر چلے جائیں میت کے گھر کھانا درست نہیں
(۲) میت کے گھر صرف دو وقت کا کھانا بھیجنا مستحب ہے
(۳) اہل میت کو صبر کی تلقین کرنا درست ہے۔

(سوال) (۱) کیا اہل میت کے گھر کا کھانا یعنی ضیافت ماتم پرسی کرنے والوں کو مباح ہے؟
(۲) کیا اہل میت خود اپنے گھر سے پکا کر کھائیں یا جیران میت یا قریبی و بعیدی رشتہ دار اپنے اپنے گھر وں سے کھانا تیار کر کے کھلائیں اگر کھلا سکتے ہیں تو کتنے دن تک کھلائیں؟
(۳) صبر کی دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۲۷۶۶** محمد ثناء اللہ جامع مسجد سرانواں پور ولہ ضلع فیروزپور ۲ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ ۱۰ جون ۱۹۴۳ء

(جواب ۱۴۳) (۱) اہل میت کے گھر ضیافت کھانے کی جو رسم پڑ گئی ہے یہ یقیناً واجب الترک ہے صرف اہل میت کے وہ عزیز و اقارب جو دور دور سے آئے ہوں اور ان کی امروز واپسی نہ ہو سکے یا اہل میت کی تسلی کے لئے ان کا قیام ضروری ہو وہ میت کے گھر کھانا کھالیں تو خیر(۳) باقی تمام تعزیت کرنے والوں کو اپنے اپنے گھروں کو واپس جانا چاہئے(۴) نہ میت کے گھر قیام کریں نہ ضیافت کھائیں (۵)
(۲) میت کے قریبی رشتہ دار گھر والوں کے لائق کھانا بھیج دیں تو یہ جائز اور مستحب ہے اور یہ صرف تین دن تک ہے۔(۶)

....

(۱) قال اللہ تعالیٰ: انما الصدقات للفقراء و المساکین (التوبة: ۶۰) واضح رہے کہ یہ حکم صدقات واجبہ کا ہے اور [illegible] نفلی صدقہ کریں تو غنی بھی کھا سکتا ہے۔
(۲) البتہ ہبہ کرنے کا ثواب ملے گا کیونکہ غنی کو صدقہ دینا ہبہ ہے: لانها للغنی هبة کما ان الهبة للفقیر صدقة (رد المحتار، کتاب الایمان ۳/ ۷۳۸ ط سعید)
(۳) عن عائشة زوج النبی ﷺ انها کانت اذا مات المیت من اهلها فاجتمع لذالک النساء ثم تفرقن الا اهلها و خاصتها امرت ببرمة من تلبینة فطبخت ثم صنع ثرید فصبت التلبینة علیها ثم قالت کلن منها (البخاری، کتاب الاطعمة باب التلبینة ۲/ ۸۱۵ ط قدیمی)
(۴) وقال کثیر من متاخری ائمتنا یکره الاجتماع عند صاحب البیت ویکره له الجلوس فی بیته حتی یاتی الیه من یعزی بل اذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا و یشتغل الناس بامورهم و صاحب البیت بامره (رد المحتار، باب صلاة الجنائز ۲/ ۲۴۱ ط سعید)
(۵) [illegible] (۶) حضرت مفتی نے تین دن لکھا ہے [illegible] صرف ایک دن [illegible] مستحب ہے: قال فی الفتح: و یستحب لجیران اهل المیت والاقرباء الاباعد تهیئة طعام لهم یشبعهم یومهم ولیلتهم (رد المحتار، باب صلاة الجنائز ۲/ ۲۴۰ ط سعید)

(۳) صبر کی دعا اور صبر کی تلقین کرنا جائز اور مسنون ہے تعزیت مسنونہ میں لفظ احسن اللہ عزائکم (۱) بھی موجود ہے جو صبر کی دعا ہے اور حضور اکرم ﷺ سے اتقی اللہ واصبری (۲) بھی ثابت ہے جو صبر کی تلقین ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل دوم۔ ایصال ثواب

میت کو اٹھاتے وقت اور جنازے کے بعد انفرادی دعا کر سکتے ہیں 'اجتماعی دعا بدعت ہے

(سوال) بخدمت شریف مولانا محمد کفایت اللہ سلمہ' السلام علیکم 'آپ اپنے رسالہ دلیل الخیرات فی ترک المنکرات میں تحریر فرماتے ہیں کہ میت کے لئے ایصال ثواب کرنا نہایت مستحسن ہے کیونکہ اموات خیرات و مبرات کی بہت محتاج و منتظر رہتی ہیں اور انکو ثواب پہنچانا اپنے عزیز یا دینی بھائی کی امداد کرتا ہے پس ہر مسلمان کو چاہئیے کہ وہ اپنی اموات اعزا و اقارب واحباب واخوان مسلمین کو ان کے اس آڑے وقت میں نفع پہنچانے اور ان کی امداد کرنے میں غفلت نہ کرے اور جہاں تک اس کے امکان میں ہو ان کو ثواب پہنچائے۔
مولانا صاحب! ہمارے یہاں بھی اسی طرح ہے جب کہ سب لوگ مکان پر میت اٹھانے کے لئے جمع ہوتے ہیں اس وقت دو ایک چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر ثواب پہنچا دیتے ہیں اس کے بعد نماز جنازہ کے بعد انتشار صفوف کے بعد سورہ فاتحہ و سورہ اخلاص پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں اس ایصال میں سب لوگ بلا کر جمع نہیں کئے جاتے اور نہ دو تین منٹ سے زیادہ وقت صرف ہوتا ہے اور نہ اس کو فرض و واجب سمجھا جاتا ہے صرف مستحب سمجھ کر ہمیشہ اسی طرح اپنے اموات کو نفع اور امداد پہنچاتے ہیں میت کے لئے ان دو موقعوں کے سوا کبھی ایسی جمعیت نہیں ہوتی اور یہ جمعیت بھی میت اٹھانے کے لئے ہے نہ کہ ایصال ثواب کے لئے اس لئے جو کچھ ہو سکتا ہے انہیں دو وقتوں میں کر لیتے ہیں لیکن پھر بھی علمائے کرام اس ایصال ثواب کو مٹانا چاہتے ہیں اور اموات بے زبانوں کی حق تلفی کراتے ہیں لہذا جناب سے سوال ہے کہ آیا مذکورہ بالا صورت ایصال ثواب کا مٹا دینا ہی اچھا ہے یا جاری رکھنا؟ بینوا توجروا

(جواب ۱۴۴) میت کے مکان پر اہتمام غسل و تکفین کی غرض سے جمع ہونا جائز ہے اور اس وقت حاضرین اگر فرادیٰ فرادیٰ اپنے طور پر میت کے لئے دعا کرتے رہیں اور کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے رہیں تو یہ بھی جائز ہے لیکن اگر اس حالت میں اجتماعی دعا کا اہتمام کیا جائے تو یہ ناجائز اور بدعت ہے اور مانعین کی غرض یہی ہے کہ دعا کا اس وقت اہتمام اور صورت اجتماعیہ بنانے کا قصد کرنا مکروہ ہے ورنہ نفس دعائے انفرادی کو کوئی ناجائز نہیں کہتا اسی طرح نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد اگر حاضرین اپنے طور پر فرادیٰ

---

(۱) رد المحتار. باب صلاۃ الجنائز ۲/ ۲۴۱ ط سعید

(۲) مسلم شریف' کتاب الجنائز' فصل الصبر عند الصدمۃ الاولی ۱/ ۳۰۲ ط قدیمی

فرادیٰ دعا کریں تو اسے کوئی منع نہیں کرتا منع کرنے والے اس اہتمام واجتماع کو منع کرتے ہیں جو نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے کیا جاتا ہے کہ صفیں توڑنے سے پہلے اسی طرح کھڑے رہ کر نماز کے بعد دعا کرتے ہیں یا صفیں توڑنے کے بعد از سر نو دعا کے لئے جمع ہو جاتے ہیں خواہ دو آدمی جمع ہوں یا دس یا پچاس یہ اجتماع دعا کی غرض سے کرنا اور اس کا اہتمام اور قصد کرنا مکروہ اور بدعت ہے۔(۱)

رہا یہ کہنا کہ اس دعا کو کوئی فرض واجب بھی نہیں سمجھتا' یہ صرف زبانی دعویٰ ہے ورنہ اگر کوئی شخص دعا نہ کرے تو اسے وہابی لامذہب کیوں کہتے ہو' اسے بدنام کیوں کرتے ہو اس پر لعن طعن کس بناء پر کی جاتی ہے ۔(۲) بہر حال نفس دعا انفرادی طور پر جائز ہے(۳) اور اجتماعی صورت بنانے کا قصد اور اہتمام کرنا بدعت اور ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

میت کو بدنی اور مالی عبادات دونوں کا ثواب ملتا ہے

(سوال) میت کو قرآن مجید پڑھ کر ثواب بخشنا جائز ہے یا نہیں ؟ اور میت کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۴۵) عبادات مالیہ کا میت کو ثواب پہنچنا اور میت کا اس سے نفع اٹھانا تو اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک متفق علیہ ہے ہاں عبادات بدنیہ جیسے نماز روزہ قراۃ قرآن کا ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے 'امام مالکؒ سے اور امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ عبادات بدنیہ کا ثواب نہیں پہنچتا ہے اور امام احمد اور حنفیہ و شوافعؒ کی ایک جماعت اور اکثر اہل سنت کے نزدیک پہنچتا ہے۔ قال الامام النووی فی الاذکار (۴) **اختلف العلماء فی وصول ثواب قراءۃ القرآن فالمشھور من مذھب الشافعی و جماعۃ انہ لا یصل و ذھب احمد بن حنبل و جماعۃ من العلماء و جماعۃ من اصحاب الشافعی الی انہ یصل فالاختیار ان یقول القاری بعد فراغہ اللّٰھم اوصل ثواب ما قراتہ الی فلان واللہ اعلم انتھیٰ وفی رد المحتار سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لا ھل المقبرۃ الفاتحۃ ھل تقسم الثواب بینھم او یصل لکل منھم ثواب ذلک کاملاً فاجاب بانہ افتی جمع بالثانی وھو اللائق بسعۃ الفضل** (۵) انتھی

(۱) لا یقوم بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ' لانہ دعا مرۃ' لان اکثر ھا دعاء (بزازیہ' علی ھامش الھندیۃ' النوع الخامس والعشرون فی الجنائز ۴/۸۰ ط ماجدیہ کوئٹہ) وفی المرقات' ولا یدعوا للمیت بعد صلاۃ الجنائز' لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلاۃ الجنائز (مرقات شرح مشکوۃ' باب المشی بالجنازۃ' والصلاۃ علیھا ۴/۶۴ ط مکتبہ امدادیہ' ملتان)

(۲) کیونکہ مستحب کو ترک کرنے والے کو ملامت نہیں کیا جا سکتا قال فی الامداد' و حکمہ الثواب علی الفعل' و عدم اللوم علی الترک (رد المحتار' کتاب الطھارۃ' مطلب لا فرق بین المندوب' والمستحب' والنفل والتطوع ۱/۲۲۳ ط سعید)

(۳) لقولہ تعالیٰ : اجیب دعوۃ الداع اذا دعان' فلیستجیبوالی ' البقرۃ ۱۸۶

(۴) باب ما ینفع المیت من قول غیرہ ص ۱۵۰ ط مصطفی حلبی' مصر

(۵) رد المحتار' باب صلاۃ الجنائز' مطلب فی القرأۃ للمیت' واھداء ثوابھا لہ ۲/۲۴۴ ط سعید

جنازہ کے بعد سورہ اخلاص پڑھ کر اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے

(سوال) بعد نماز جنازہ کے میت کے ایصال ثواب کے لئے سورہ اخلاص تین بار یا سات بار پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱٤٦) نماز جنازہ بھی میت کے لئے دعا ہے اور نماز جنازہ کی مشروعیت کی راجح جہت یہی ہے(۱) تاہم نماز کے بعد میت کی مغفرت کے لئے دعا کرنا ناجائز نہیں بلکہ ہر شخص تمام عمر اپنے اموات کے لئے دعا کر سکتا ہے دعا کرنے یا ایصال ثواب کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے(۲) لیکن نماز جنازہ کے بعد اگر جماعت کے لوگ بہ ہیئت اجتماعیہ تین بار سورہ اخلاص پڑھنے کا طریقہ مقرر کرلیں تو یہ ہیئت اجتماعیہ اور اہتمام بدعت ہے کیونکہ اس کا ثبوت نہیں ۔ اسی طرح اگر اسے لازم سمجھیں تو یہ التزام بدعت ہے کیونکہ غیر شریعت کے لازم کرنے کے کسی چیز کو خود لازم کرلینا بدعت ہے(۳) ہاں ہر شخص اگر بطور خود سورہ اخلاص یا پڑھ کر بخش دے تو کچھ مضائقہ نہیں اور جو نہ پڑھے اس پر کوئی ملامت نہیں۔

ایصال ثواب مستحب ہے، لیکن اس کی مروجہ صورتیں اکثر بدعت ہیں

(سوال) بعد فوت ہونے مسلمان کے اس کے ورثاء برائے ایصال ثواب ہمراہ نعش متوفی کے پختہ گندم نمک و نان پختہ واسطے تقسیم فقراء و مساکین کے لے جاتے ہیں اور قبرستان میں ہی تقسیم کرتے ہیں اور فاتحہ تیسرے روز کرتے ہیں اور دسواں بیسواں چالیسواں میت کے ثواب کے لئے ایک سال تک اس کی فاتحہ حسب رواج قدیمانہ جیسا کہ قدیم سے بزرگان دین اور مفتیان قدیم کرتے ہیں اور اس کا ثواب متوفی کو بخشتے ہیں آیا اس صورت میں ثواب میت کو پہنچے گا یا نہیں اور نیز کھانے کے آگے ہاتھ اٹھانا جائز ہے یا نہیں اور ماسوا متوفی کے انتظام کرنے والے کو بھی قیامت میں حصہ ملے گا یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(جواب ۱٤۷) اموات کو ثواب پہنچانا مستحسن ہے عبادات مالیہ و عبادات بدنیہ کا ثواب پہنچتا ہے(۱) لیکن ایصال ثواب کے لئے شریعت مقدسہ نے جو صورتیں مقرر نہیں کیں انکو مقرر کرنا اور ایصال ثواب کی شرط

---

(۱) لانها شرعت للدعاء (بدائع باب الجنائز ۱/ ۳۱٤ ط رشدیه کوئٹه)

(۲) و في البحر من صام او صلى او تصدق و جعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز و يصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة (رد المحتار باب صلاة الجنائز ۲/ ۲٤۳ ط سعيد)

(۳) اور جس چیز کا شریعت میں ثبوت نہ ہو اور اسے دین کا حصہ سمجھا جائے تو وہ بدعت بن جاتی ہے (البدعة) ما احدث خلاف الحق المتلقى عن رسول الله ﷺ من علم او عمل او حال بنوع شبهة واستحسان و جعل دينا قويا و صراطا مستقيما (رد المحتار كتاب الصلاة باب الامامة مطلب البدعة خمسة اقسام ۱/ ۵٦۰ ط سعيد)

(٤) حاشیہ نمبر ۳ دیکھیں

(۵) تنبيه صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بان للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة او صوما او صدقة او غيرها وفي البحر من صام او صلى او تصدق وجعل ثواب عمله لغيره من الاموات والاحياء جاز ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة (رد المحتار باب صلاة الجنائز مطلب في القراة للميت واهداء ثوابها له ۲/ ۲٤۳ ط سعيد)

سمجھنا یا مفید جاننا بدعت ہے شرعی صورت اس قدر ہے کہ اگر کسی میت کو ثواب پہنچانا ہے تو کوئی بدنی عبادت کرو مثلاً نماز پڑھو روزہ رکھو قرآن مجید کی تلاوت کرو درود شریف پڑھو وغیرہ۔ اور اس عبادت کا ثواب جس کو پہنچانا ہو اس کو اس طرح پہنچاؤ کہ یا اللہ! میں نے جو نماز پڑھی ہے یا روزہ رکھا ہے یا تلاوت کی ہے یا درود شریف پڑھا ہے اس کا ثواب اپنے فضل و رحمت سے فلاں میت کو پہنچا دے (۱) اسی طرح اگر عبادت مالیہ کا ثواب پہنچانا ہے تو جو میسر ہو اس کو خدا تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیا مسجد بنواؤ کنواں بنواؤ سرائے مسافر خانہ تعمیر کرو دینی مدرسہ قائم کرو وغیرہ اور مذکورہ بالا طریقے پر خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ ان چیزوں کا ثواب اس میت کو پہنچا دے جسے تم پہنچانا چاہتے ہو۔ یہ تو ایصال ثواب کا شرعی طریقہ ہے اب اس کے لئے کوئی خاص تاریخ یا دن معین کرنا اور اس تعیین کو وصول ثواب کی شرط یا زیادت ثواب کے لئے بغیر شرعی دلیل کے مفید سمجھنا یا خاص چیزیں مقرر کرنا یا خاص مقام مثلاً خاص قبر پر صدقہ کرنے کی تعیین یا مردے کے جنازے کے ساتھ لے جانے کو ضروری یا مفید سمجھنا اور بھی اکثر امور جو رسم و رواج کے طور پر قائم ہو گئے ہیں یہ سب خلاف شریعت اور بدعت ہیں کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بھی بے اصل ہے اگر کھانے کا صدقہ کرنا مقصود ہے تو صدقہ کر دو کسی مستحق کو دے دو اگر تلاوت قرآن مجید یا درود شریف کا ثواب پہنچانا ہے وہ بھی کرو مگر دونوں کا ثواب پہنچنے کی یہ شرط نہیں ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر ہی پڑھا جائے یہ اشتراط نہ شریعت سے ثابت ہے اور نہ معقول کیونکہ کھانے پر فاتحہ دینے والے بھی کپڑے یا پیسے کا ثواب پہنچانا چاہتے ہیں تو اس پر تو کبھی فاتحہ نہیں پڑھتے الغرض ایصال ثواب فی حد ذاتہ جائز اور مستحسن ہے لیکن اس کی اکثر مروج صورتیں ناجائز اور بدعت ہیں۔ (۲) فقط

کھانا سامنے رکھ کر درود شریف و سورہ اخلاص وغیرہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا بدعت ہے

(سوال) کھانے پر ہاتھ اٹھا کر درود شریف الحمد شریف سورہ اخلاص وغیرہ پڑھ کر مسلمین اموات کو کھانے اور اس تلاوت کا ثواب پہنچانا جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو یہ کھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

(جواب) (از مولوی عبداللہ کمالی) کھانے پر ہاتھ اٹھا کر درود شریف الحمد شریف سورہ اخلاص وغیرہ پڑھنا جائز ہے کیونکہ مشکوۃ شریف میں حدیث موجود ہے اذا دعا فرفع یدیه (۳) یعنی جس وقت حضور ﷺ دعا کرتے تھے ہاتھ اٹھاتے تھے نیز ابوداؤد شریف میں ارشاد عالی ہے کہ جب تم دعا مانگو سیدھے ہاتھوں سے مانگو

(۱) ولهذا اختاروا في الدعاء، اللهم اوصل مثل ثواب ما قرأته الى فلان (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز ۲ / ۲۴۳ ط سعيد)

(۲) و يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع في السرور لا في الشرور، و هي بدعة مستقبحة و يكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول، والثالث، و بعد الاسبوع، و نقل الطعام الى القبر في الموسم، و اتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، و جمع الصلحاء، و القراء للختم، اولقراءة سورة انعام، او الاخلاص، و الحاصل، ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الاكل يكره، و فيها من كتاب الاستحسان، و ان اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا اه واطال في ذالك في المعراج وقال وهذه الافعال كلها للسمعة و الرياء فيحترز عنها، لانهم لا يريدون بها وجه الله تعالى (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من اهل الميت ۲ / ۲۴۰ ط سعيد)

(۳) مشكوة، كتاب الدعوات ص ۱۹۶ ط سعيد) ابو داؤد، كتاب الصلاة، باب الدعاء ۱ / ۲۰۹ ط سعيد

الٹے ہاتھوں سے نہ مانگو(۱) یعنی آپ کے فعل و قول سے ثابت ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ دعا کے وقت خود بھی ہاتھ اٹھاتے تھے اور ہم کو بھی اٹھانے کا حکم فرمادیا کہ تم بھی ایسا کیا کرو مسلم شریف کی حدیث جب ام سلیمؓ نے کھانا رکھا تو نبی کریم ﷺ نے اس کو چھوا اور دعا فیہ بالبرکۃ (۲) اس میں برکت کی دعا کی حدیث بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ دعا کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے رفع ید کی قید اس میں بھی مانیں گے حدیث شریف میں یہ بھی وارد ہے کہ دعا جب منظور ہوتی ہے جب درود شریف پڑھیں (۳) لہذا ہم درود شریف بھی پڑھیں گے رہی صرف الحمد قل اور اس کا مردے کو ثواب پہنچانا رئیس المحدثین استاد کل حضرت شاہ ولی اللہ انتباہ فی الاصل اولیاء اللہ میں فرماتے ہیں "پس دہ مرتبہ درود خوانند و ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند و حاجت از خدا تعالیٰ سوال نمایند" فتاویٰ عزیزیہ (۴) میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اسکو مستحسن بیان کیا ہے اور اپنے رسالہ ما اہل بہ لغیر اللہ میں تحریر کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے۔
عبداللہ کمالی بقلم خود

(جواب ۱۴۸) (از مفتی اعظمؒ) میت کو ثواب پہنچانا جائز اور مستحسن ہے ثواب عبادات مالیہ کا صدقات و خیرات کے ذریعہ سے پہنچایا جا سکتا ہے (۵) اور عبادات بدنیہ کا اس عبادت کو ادا کر کے مثلاً قرآن مجید کی تلاوت کر کے یا نفل نماز پڑھ کر یا نفلی روزہ رکھ کر میت کو ثواب بخشا جا سکتا ہے اس ایصال ثواب کی حقیقت یہ ہے کہ جو نیک کام کیا جائے خواہ وہ مال کا صدقہ ہو یا بدنی عبادت اس کے ثواب کا مستحق یہ شخص ہوتا ہے جس نے وہ نیک کام کیا ہے پھر حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے یہ حق بھی دیا ہے کہ یہ شخص جو ثواب کا مستحق ہوا ہے اپنا ثواب کسی میت کو بخش دے اور حق تعالیٰ سے دعا مانگے کہ وہ ثواب اس میت کو پہنچادے صدقات مالیہ کا ثواب پہنچنے کے لئے صرف یہ ضروری ہے کہ مال حلال سے صدقہ کیا جائے (۶) اور نیت بھی خالص صدقہ کی ہو اور خدا تعالیٰ کی رضامندی (۷) حاصل کرنے کی ہو رسم و رواج کی پابندی یا برادری کا خوف یا نام و نمود کی خواہش نہ ہو (۸) مال کا صدقہ کرنے کے لئے اس کے ساتھ کچھ پڑھنا یا فاتحہ دینا ضروری نہیں اور

---

(۱) عن مالک ابن یسار الکسونی ثم العوفی، ان رسول اللہ ﷺ قال: اذا سالتم اللہ فسالوہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا (ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء ۱/۲۶ امدادیہ، ملتان)

(۲) مسلم شریف : کتاب الاشربۃ ۲/۱۷۹ ط قدیمی

(۳) اذا صلی احد کم فلیبدا بتمجید ربہ، والثناء علیہ، ثم یصلی علی النبی ﷺ ثم یدعو بعد ما شاء (ابو داؤد: کتاب الصلاۃ، باب الدعاء ۱/۲۱۵ ط امدادیہ ملتان)

(۴) فتاویٰ عزیزی ص ۱۶۷ ط سعید

(۵) صفحہ نمبر ۱۳۶ حاشیہ نمبر ۵ دیکھیں

(۶) عن ابی ہریرۃؓ : قال :قال رسول اللہ ﷺ من تصدق بعدل تمر من کسب طیب ولا یقبل اللہ الا الطیب، فان اللہ یتقبلھا بیمینہ، ثم یربیھا لصاحبھا کما یربی احد کم فلوہ حتی تکون مثل الجبل (بخاری شریف، کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ، من کسب طیب ۱/۱۸۹ ط قدیمی)

(۷) وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین، البینۃ : ۵

(۸) ومالا حد عندہ من نعمۃ تجزیٰ، الا ابتغاء وجہ ربہ الا علیٰ، اللیل ۱۹ ۲۰

جس طرح کہ روپیہ پیسہ کپڑا غلہ جوتا وغیرہ اشیاء اگر بہ نیت صدقہ فقیر کو دی جائیں اور ان کا ثواب کسی میت کو بخشا جائے تو اس صدقہ کی تکمیل اور اس کا ثواب پہنچنے کے لئے ان چیزوں پر فاتحہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی اور نہ کوئی شخص ان چیزوں پر فاتحہ دیا کرتا ہے اسی طرح کھانے اور مٹھائی وغیرہ کو صدقہ کرنے اور ثواب پہنچانے کے لئے شرعاً فاتحہ کی ضرورت نہیں ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ کھانے اور مٹھائی کا صدقہ کیا جائے تو وہ بغیر فاتحہ کے درست نہ ہو اور روپیہ پیسہ کپڑا جوتا صدقہ کیا جائے تو بغیر فاتحہ کے درست ہو جائے پس جیسے کہ صدقہ مالیہ کے لئے ضروری نہیں کہ ان پر فاتحہ پڑھی جائے جب بھی وہ قابل اعتبار اور ایصال ثواب کے لئے مفید ہوں اسی طرح عبادات بدنیہ مثلاً تلاوت قرآن مجید نماز روزہ کا ثواب پہنچنے کے لئے ضروری نہیں کہ ان کے ساتھ کچھ صدقہ مالیہ بھی ہو مثلاً کھانا مٹھائی رکھ کر نماز پڑھی جائے یا یہ چیزیں رکھ کر روزہ رکھا جائے یا ان چیزوں کے سامنے تلاوت کی جائے جبھی نماز روزے اور تلاوت کا ثواب پہنچے ورنہ نہ پہنچے۔

کھانا مٹھائی سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا جیسا کہ رواج ہے کوئی شرعی طریقہ نہیں اسی وجہ سے حضور ﷺ یا صحابہ کرامؓ یا ائمہ دینؒ میں سے کسی نے اس طریقے کی تعلیم نہیں کی نہ اس پر کسی نے عمل کیا اور اس میں تین چیزیں ہیں ایک کھانے یا مٹھائی کا صدقہ کرنا دوسرے فاتحہ قل ہو اللہ درود وغیرہ پڑھنا تیسرے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کہ یا اللہ اس عبادت بدنیہ اور مالیہ کا ثواب فلاں میت کو پہنچادے پس جیسا کہ میں اوپر بتا چکا ہوں کہ دونوں قسم کی عبادتوں کا ثواب پہنچتا ہے(۱) مگر اسکی صورت یہ ہے کہ عبادت کرو ثواب کا استحقاق پیدا کرو پھر خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اس ثواب کو جس کا استحقاق تم نے پیدا کیا ہے میت کو پہنچادے تو اس مروجہ طریقے میں فاتحہ قل ہو اللہ وغیرہ جو کچھ تم نے پڑھا ہے یہ بدنی عبادت تو ہو گئی اور اس سے ثواب کا استحقاق بھی ہو گیا لیکن کھانا مٹھائی وغیرہ جو چیز سامنے رکھی ہوئی ہے وہ ابھی تک صدقہ نہیں کی گئی اور عبادت مالیہ کا تو ابھی تک تحقق ہی نہیں ہوا اس کے صدقہ کا ارادہ اگرچہ متحقق ہو مگر صرف ارادہ سے عبادت کا تحقق تو نہیں ہو جاتا پس یہ عذر کہ ہم دونوں قسم کی عبادتوں کا یکجائی ثواب پہنچانا چاہتے ہیں ایک غلط عذر ہے یکجائی ثواب پہنچنے اور پہنچانے کی صورت یوں بھی ہو سکتی ہے کہ کھانا یا شیرینی صدقہ کر دو اور کچھ تلاوت وغیرہ کر لو ان دونوں کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو کہ ان دونوں قسموں کی عبادتوں کا ثواب فلاں میت کو پہنچادے۔

کھانا سامنے رکھ کر قرآن شریف کی سورتیں اور آیتیں جو پڑھی جاتی ہیں اس وقت ہاتھ اٹھانے کی کوئی وجہ نہیں ہے(۲) کیونکہ تلاوت قرآن کے وقت ہاتھ اٹھانا شریعت میں معہود نہیں اور دعا میں ہاتھ اٹھانے کی روایتوں سے اس پر استدلال کرنا ایک قسم کا دھوکا دینا ہے کیونکہ تلاوت اور چیز ہے اور دعا اور چیز ہے ہاں جس وقت ان سورتوں اور آیتوں کی تلاوت ختم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی جائے کہ اس قرأت

---

(۱) صفحہ نمبر ۱۲۶ حاشیہ نمبر ۵ دیکھیں
(۲) صفحہ نمبر ۱۲۷ حاشیہ نمبر ۱ دیکھیں
(۲) اور یہ بدعت ہے: قرأة الفاتحة والاخلاص والكافرون على الطعام بدعة (فتاوى ثمرقنديه الجنة ص ۱۵۵ بحواله راد
ت ص ۲۷۵)

کا ثواب میت کو پہنچادے تو یہ درخواست ضرور دعا ہے اس دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا ہے تو الحمد قل ہو اللہ اور آیات وغیرہ بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے پڑھو اور کھانا مٹھائی کو صدقہ کردو پھر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کرو کہ یا اللہ اس قرأت و تلاوت اور اس صدقے کا ثواب فلاں میت کو پہنچادے اور صرف اتنی دیر کے لئے ہاتھ اٹھالو تو مضائقہ نہیں مگر اس وقت نہ کھانا سامنے ہوگا نہ مٹھائی کیونکہ یہ چیزیں صدقہ ہو چکی ہوں گی۔

اس مسئلہ کی شرعی تحقیق تو یہ ہے کہ جو بیان کی گئی کہ اس ہیئت کذائی کی کوئی شرعی اصل نہیں ہے پس کسی شخص کا فعل اگر اس کے خلاف ہو تو وہ حجت شرعیہ نہیں ہے اور علمائے سلف کسی مباح کو اگر حیثیت اباحت کر لیتے تھے تو ان کے فعل کو آج کل کے عوام کے لئے حجت بنانا ناقصیت پر مبنی ہے جو ایسے رسمی مباحات کو فرائض وواجبات سے بھی زیادہ مرتبہ دے دیتے ہیں اگر آج کوئی اس رسمی طریقے کا انکار کردے تو اس کو کیسے کیسے سخت الفاظ والقاب سے یاد کیا جاتا ہے ایسی حالت میں ارشاد وہدایت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جو بات سنت سے زیادہ قریب اور نصوص شرعیہ سے زیادہ موافق اور سلف صالحین، صحابہ کرامؓ وائمہ مجتہدینؒ کے عمل سے زیادہ ملتی جلتی ہے وہی بتائی جائے اور ہر چیز کو اس کی حد شرعی پر رکھا جائے۔ واللہ ھو الھادی یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم — محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ' دہلی

ایصال ثواب کا کھانا مالداروں کو کھلانا مکروہ ہے

(سوال) جب کسی کے ہاں میت ہوتی ہے تو تیسرے یا چوتھے روز اپنی طاقت کے موافق کھانا پکاتے ہیں اور موذن اور پیش امام و غرباء کو کھلاتے ہیں ان کے ساتھ کچھ خویش واقارب اور قوم کے آدمی بھی کھاتے ہیں اس میں کچھ مالدار بھی موجود ہوتے ہیں یہ کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۳۲۶ محمد حسین بھانہ (انکلیسور) ۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۸ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۴۹) یہ کھانا اکثری طور پر رسم کے موجب کیا جاتا ہے اور اگر اس سے مقصد میت کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے تو اس کھانے کے مستحق نادار اور غریب لوگ ہیں (۱) خویش اقربا اور مالدار آدمی اس کے مستحق نہیں ہیں اس میں غیر مستحقین کو شریک ہونا مکروہ ہے۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نیاز کا مروجہ طریقہ بدعت ہے

(سوال) میری والدہ فوت ہو گئیں ساڈھوری والے پیر جی کی نیاز کرنی بتایا کرتی تھیں مرتے وقت بھی بتا گئی ہیں میں موجود تھا والد صاحب ہی ذکر کیا کرتے ہیں میں نے اپنے پیر صاحب سے جن کا وصال ہو چکا ہے مشورہ لیا تھا فرماتے تھے کہ ماں باپ کا حکم ماننا چاہیئے مجھے ابھی تک ادائیگی کا موقع نہیں ملا اب جس طرح حضور

---

(۱) صفحہ نمبر ۱۲۷ حاشیہ نمبر ۲ دیکھیں

(۲) اس لئے یہ کھانا حقیقت میں میت کے ذمے جو فرائض رہ جاتے ہیں ان کے بدلے دیا جاتا ہے جو کہ واجب ہے اور صدقات واجبہ مستحق غریب ہیں نہ کہ مالدار

فرمائیں گے کروں گا ؟ المستفتی نمبر ۷۴۶ نور محمد صاحب ہیڈ ماسٹر جونڈلہ ' ضلع کرنال ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۵۰) والدہ کی وصیت کے موافق کوئی چیز صدقہ کر کے ان کے پیر صاحب کو ثواب بخش دیا جائے(۱) نیاز کا مروجہ طریقہ بدعت ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

اجرت اور دن کی تخصیص کے بغیر میت کے لئے قرآن خوانی جائز ہے

(سوال) اگر کوئی شخص انتقال کرے اور بغرض ایصال ثواب ایک روز واسطے قرآن خوانی کے مقرر کریں اور بستی کے مسلمانوں کو جمع کریں تو شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۸۲۴ حبیب اللہ (ضلع غازی پور) ۸ محرم ۱۳۵۵ھ م یکم اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۵۱) قرآن خوانی کے لئے بستی کے مسلمانوں کو بلا تخصیص یوم کے احیاناً جمع کر لینا مباح ہے بشر طیکہ ان کو اجرت نہ دی جائے بلکہ پڑھنے والے لوجہ اللہ پڑھ کر ایصال ثواب کریں۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

ایصال ثواب کا کھانا' برادری کے مالدار لوگوں کے لئے مکروہ ہے

(سوال) ایصال ثواب کے لئے برادری میں کھانا یا برادری کو کھانا کھلانا جائز ہے یا نا جائز ؟ جس کو کہ چالیسواں کہتے ہیں لیکن چالیسواں نہیں ہوتا اس کا کوئی دن تاریخ سال یا مہینہ مقرر نہیں کوئی دو سال میں کوئی چھ ماہ میں کوئی بیس سال میں کھانا کرتا ہے یہ نیت فاسد ہوتی ہے محض برادری کو کھانا کھلانے کی نیت ہوتی ہے۔ المستفتی نمبر ۸۳۹ چودھری حاجی اللہ بخش (گوالیار) ۱۵ محرم ۱۳۵۵ھ ۸ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۵۲) ایصال ثواب کے لئے فقراء و مساکین کو صدقہ و خیرات دینا جائز ہے برادری کو کھانا کھلانا' اور تیجہ ' دسواں ' چالیسواں ان رسوم کو ادا کرنا بدعت ہے(۴) برادری غمی کے کھانے کی مستحق نہیں ہے۔ (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

تیجہ ' دسواں ' چالیسواں ' سب غیر شرعی رسمیں ہیں

(سوال) میت کے لئے تین دن بعد فاتحہ خوانی کرنا جو یہاں (ریاست میسور میں) زیارت کے نام سے

(۱) پیر صاحب کو ثواب بخشنا اگر شرعی طریقے کے موافق ہو تب تو ٹھیک ہے ورنہ درست نہیں۔

(۲) ولا سیما اذا كان في الورثة صغار او غائب مع قطع النظر عما يحصل عند ذالك غالباً من المنكرات الكثيرة كايقاد الشموع' والقناديل التى توجد في الافراح' وكدق الطبول' والغناء بالاصوات الحسان' واجتماع النساء' والمردان' واخذ الاجرة على الذكر' وقراء ة القرآن فلا شك في حرمته' و بطلان الوصية به' ولا حول ولا قوة الا بالله (رد المحتار' باب صلاة الجنائز' مطلب في كراهة الضيافة من اهل الميت ۲۴۱/۲ ط سعيد)

(۳) ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة' واول البقرة الى المفلحون' وآية الكرسي .... ثم يقول : اللهم اوصل ثواب ما قرأناه الى فلان او اليهم (رد المحتار' باب صلاة الجنائز' مطلب في زيارة القبور ۲۴۳/۲ ط سعيد)

(۴) صفحہ نمبر ۱۳۷ حاشیہ نمبر ۲ دیکھیں

(۵) صفحہ نمبر ۱۳۰ حاشیہ نمبر ۲ دیکھیں

مروج ہے نیز دسویں دن بیسویں دن اور چالیسویں دن کھانا وغیرہ پکا کر فاتحہ دلا کر دوستوں کو کھلاتے ہیں ان کاموں کو ترک کرنے والوں کو حنفی مذہب سے علیحدہ سمجھتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۸۵۶ حکیم قاضی محمد نور الحق (چامراج نگر) ۲۱ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۵۳) یہ زیارت (تیجہ) دسواں چالیسواں سب غیر شرعی رسوم ہیں قرون اولیٰ میں نہ تھے (۱) ایصال ثواب جائز ہے (۲) مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بدنی عبادت کر کے مثلاً نماز نفل پڑھ کر روزہ نفلی رکھ کر یا تلاوت قرآن کر کے یا درود شریف پڑھ کر کسی کو ثواب بخش دو یا مالی صدقہ کھانا کپڑا روپیہ غلہ وغیرہ کسی مسکین کو اللہ واسطے دے دو اور اس کا ثواب کسی کو بخش دو اس مالی یا بدنی نیک کاموں میں کسی خاص وقت یا خاص تاریخ یا کسی خاص چیز یا خاص ہیئت کی شریعت مقدسہ نے کوئی شرط اور کوئی قید نہیں لگائی تم بھی اپنی طرف سے کوئی شرط یا قید نہ لگاؤ ریاو نمود کی نیت نہ ہو نہ شہرت مقصود نہ ہو پابندی رسم کا ارادہ نہ ہو۔ خالص خدا کے لئے نیک کام ہو اور قرض ادھار نہ لیا جائے اپنی وسعت کے موافق کیا جائے ترکہ مشترکہ میں سے خرچ نہ کیا جائے کسی نابالغ یا غائب وارث کے حصے میں سے کھانا وغیرہ نہ کیا جائے تو ان صورتوں میں ایصال ثواب جائز اور مستحسن ہے۔ (۳) حنفی مذہب کی صحیح تعلیم یہ ہے اور جو لوگ کہ ان بدعات کو کرتے ہیں وہ حنفی مذہب کو بدنام کرتے ہیں اور صحیح حنفی مذہب کے اوپر عمل کرنے والوں کو وہابی کہہ کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مروجہ فاتحہ بدعت ہے

(سوال) میت کے تیسرے یا دسویں یا چالیسویں دن خاص اہتمام سے کھانا پکا کر (فاتحہ مروجہ) مختلف قسم کے پھل وغیرہ خاص اہتمام سے رکھ کر حالانکہ وہ بالعموم متوفی کے نابالغ ورثا کا حق ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات سودی قرضہ اٹھا کر اس کو ضروری سمجھ کر سرانجام دیا جاتا ہے برادری وامام وغیرہ کو بلا کر جملہ اشیاء سامنے رکھ کر ختم پڑھانا ضروری خیال کیا جاتا ہے کیا ان باتوں کی شریعت میں کوئی اصل ہے۔ المستفتی نمبر ۸۸۱ محمد یوسف صاحب گوجرانوالہ ۲۶ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۹ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۵۴) رسم و رواج کے ماتحت مخصوص تاریخوں میں کھانا پکانا اور اسے ضروری سمجھنا اور نہ کرنے والے کو ملامت طعن و تشنیع کرنا برادری کو کھلانا کھانا شیرینی پھل وغیرہ سامنے رکھ کر ختم پڑھانا یہ تمام باتیں بے اصل اور بدعت ہیں (۱) اور ترکہ مشترکہ میں سے یہ مصارف کرنا اور نابالغوں یا غائب وارثوں کے حصوں میں سے جبراً یہ رقوم وضع کرنا حرام ہے (۵) سودی قرض لے کر یہ رسوم ادا کرنا خسر الدنیا

(۱) صفحہ نمبر ۱۲۸ حاشیہ نمبر ۲ دیکھیں
(۲) صفحہ نمبر ۱۲۶ حاشیہ نمبر ۵ دیکھیں
(۳) صفحہ نمبر ۱۲۷ حاشیہ نمبر ۲ دیکھیں
(۴) صفحہ نمبر ۱۲۹ حاشیہ نمبر ۳ دیکھیں (۵) صفحہ نمبر ۱۲۷ حاشیہ نمبر ۲ دیکھیں

والاخرۃ کا مصداق بنتا ہے اسی طرح کھانے کو مجلس میں حاضر کرنے کو ضروری سمجھنا بدعت ہے ان رسوم کا صحابہ کرامؓ تابعین عظامؒ اور مجتہدین امتؒ کے زمانوں میں نہ تعامل تھا نہ ان سے ان کا جواز منقول ہے اس لئے یہ باتیں واجب الترک ہیں ایصال ثواب جائز ہے مگر اس کا مطلب اسی قدر ہے کہ کسی دن اور تاریخ اور کسی چیز کی تخصیص کے بغیر اپنی مقدرت اور استطاعت کے موافق کوئی بدنی عبادت کی جائے یا صدقہ کیا جائے اور اس کا ثواب میت کو بخش دیا جائے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

حیلہ اسقاط کا مروجہ طریقہ خرافات ومکروہات کا مجموعہ ہے

(سوال) علمائے اہل سنت والجماعت نے واسطے بخشائش میت کوئی ایک حیلہ کی اجازت دی ہے بذریعہ قرآن شریف جس کا طریقہ فتاوی سمرقندی میں مرقوم ہے اور اس حیلے کو آج کل کے علمائے غیر مقلد وبعض علمائے دیوبند ممنوع کرتے ہیں کیونکہ اس حیلے کی نسبت کوئی حدیث نہیں اور نہ ہی کتاب فقہ میں ذکر ہے جواز میت کے لئے فتاوی سمرقندی کا حوالہ دیا جاتا ہے اور ساتھ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے پہلے بہت سے علماء یہ کام کرتے چلے آئے ہیں اگر ناجائز ہوتا تو وہ نہ کرتے؟ المستفتی نمبر ۹۸۷ سید ابو ظفر (ضلع بلند شہر) ۲۲ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۲ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۵۵) حیلہ اسقاط کا طریقہ مروجہ بہت سی خرافات اور مکروہات پر مشتمل ہے اس لئے اس کو علمائے حقانیین منع کرتے ہیں(۲) یہ عبارت جو فتاوی سمرقندی سے نقل کی ہے قابل اعتماد اور مستند نہیں جو روایات اس میں مذکور ہیں وہ نا قابل یقین ہیں بلکہ بعض تو موضوع ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فاتحہ کا صحیح طریقہ

(سوال) فاتحہ کا صحیح طریقہ کیا ہے کیا کھانا اور شیرینی کو زمین لیپ کر سامنے رکھ کر ہاتھ باندھ کر قبلہ رو تنہا نیاز کرنا صحیح ہے؟ المستفتی نمبر ۱۰۱۹ ایم عمر صاحب (ضلع سارن) ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۴ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۵۶) ایصال ثواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مالی عبادت یا بدنی عبادت محض خوشنودی اللہ تعالیٰ کی نیت سے ادا کر کے اس کا ثواب کسی کو بخش دے اور اس میں خاص چیز (مثلاً حلوا' شیرینی' فیرینی وغیرہ) یا خاص تاریخ یا خاص ہیئت کی تخصیص نہ کرے بلکہ جو میسر ہو اس کو صدقہ کرے رسم ورواج نام ونمود مقصد نہ ہو۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) صفحہ نمبر ۱۳۰ حاشیہ نمبر ۵ دیکھیں

(۲) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "راہ سنت" مؤلفہ مولانا سرفراز خان صفدر و "مروجہ حیلہ اسقاط اور دعا بعد نماز جنازہ" مؤلفہ مفتی احمد ممتاز صاحب

(۳) صفحہ نمبر ۱۲۶ حاشیہ نمبر ۵ و صفحہ نمبر ۱۲۷ حاشیہ نمبر ۲ دیکھیں

حیلہ اسقاط کی ایک غیر شرعی صورت

(سوال) ملک گجرات میں بعد مرنے کے حیلہ کرنے کا رواج ہے میت کو مسجد کے اندر لے جاتے ہیں سات شخص مل کر بیٹھتے ہیں بیچ میں سو امن گیہوں سوا روپیہ قرآن شریف کا ہدیہ قرآن کے اوپر رکھ کر پیش امام صاحب کہتے ہیں کہ یہ گیہوں سوا روپیہ نقد قرآن شریف کا ہدیہ بدلے اس میت کے گناہ کبیرہ و صغیرہ روزہ نماز شرک وبدعت جو بارہ برس سے بعد کئے ہیں عاقل بالغ ہونے سے اس کے بدلے میں سو امن گیہوں سوا روپیہ قرآن کا ہدیہ واسطے اللہ دیا کیا ایسا کرنے سے میت کو ثواب ہوتا ہے یا نہیں اور یہ عمل کرنا فرض ہے یا سنت یا نفل اور کیا حدیث سے ثابت ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۱۷۷ عبدالرحیم صاحب پیش امام (ضلع احمد آباد' گجرات) ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۹ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۵۷) اس طرح حیلہ کرنا ناجائز ہے شریعت کے قاعدے کے خلاف ہے اس حیلے سے حیلہ کرنے والوں کو اور میت کو کچھ ثواب نہیں ہوتا(۱) جس قدر مقدور ہو صدقہ کر دینا چاہئے یعنی غریبوں محتاجوں کو اللہ واسطے دیکر اس کا ثواب میت کو بخش دیں(۲)۔ محمد کفایت اللہ

رسم قل' دسواں' چالیسواں اور شرینی پر فاتحہ پڑھنا سب بدعت ہے

(سوال) (۱) میت کے لئے تیسرے دن قل و ساتواں و چالیسواں کرنا اور اسقاط میت کا کرانا ؟ جیسا کہ آج کل مروج ہے ایسا کرنا قرآن و حدیث صحیحہ سے ثابت ہے یا نہیں ؟(۲) فاتحہ بر طعام قبل از کھانے کے پڑھنا قرآن و حدیث صحیحہ سے ثابت ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۱۸۸ عبدالعزیز مشین والا (ضلع سیالکوٹ) ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۱۲ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۵۸) (۱) ایصال ثواب جائز ہے مگر قل اور ساتواں دسواں چہلم یہ سب بدعات ہیں(۳) اپنی حیثیت اور مقدار کے موافق جو کچھ میسر ہو اور جب میسر ہو صدقہ کر کے ثواب بخش دینا چاہئے اسقاط کا مروجہ طریقہ بھی ناجائز ہے(۲) ایصال ثواب کے لئے کھانا شیرینی سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بے اصل ہے بلکہ جیسے نقدی وغیرہ بغیر فاتحہ صدقہ کر دیتے ہیں اسی طرح کھانے شیرینی کے ساتھ بھی معاملہ کرنا چاہئے۔(۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فاتحہ دینے کی حدیث موضوع ہے

(سوال) ایک حدیث کتاب ملا علی قاری صاحب اور کتاب شرح برزخ جس کے ص ۳۴۹ پر درج ہے جس کے راوی حضرت ابوذرؓ تحریر ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن ابی دنیا نے اس سے روایت کی

---

(۱) اس لئے کہ شریعت میں مروجہ حیلے کا کوئی ثبوت نہیں
(۲-۳) صفحہ نمبر ۱۲۶ حاشیہ نمبر ۵ دیکھیں
(۴) صفحہ نمبر ۱۲۷ حاشیہ نمبر ۲ دیکھیں

ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دیتے اور اس کا ثواب میت کو پہنچاتے۔ حدیث مندرجہ ذیل ہے:

وکان یوم الثالث من وفات ابراھیم ابن محمد ﷺ جاء ابوذر عند النبی بتمرۃ یابسۃ و لبن فیہ خبز من الشعیر فوضعھا عند النبی فقرأ رسول اللہ ﷺ الفاتحۃ و سورۃ الاخلاص ثلاث مرات الی ان قال رفع یدیہ فدعا و مسح بوجھہ فامر رسول اللہ ﷺ ابا ذران یقسمھا بین الناس وایضا فیہ قال النبی ﷺ وھبت ثواب ھذہ لا بنی ابراھیم۔ (نقل کتاب ظہور صداقت مصنفہ مولانا پیر ظہور شاہ جلال پوری) المستفتی نمبر ۱۲۶۳ حاجی مولا بخش دہلی، ۹ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۴ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۵۹) یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے کسی معتبر حدیث کی کتاب میں نہیں ہے ملا علی قاری کی کتاب کی طرف نسبت بھی جھوٹی ہے نسبت کرنے والے کبھی برجندی کبھی اوزجندی کبھی شرح برزخ کبھی اور کچھ نام لکھتے ہیں حالانکہ ان میں سے کسی نام کی تصنیف ملا علی قاری کی نہیں ہے جو دعویٰ کرے وہ کتاب لاکر دکھائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

پوری امت کے نام ایصال ثواب کرنے سے ثواب کیسے ملتا ہے تقسیم ہو کر یا پورا پورا؟

(سوال) بکر نے ایک قرآن مجید ختم کیا اور ایصال ثواب تمام امت محمدی ﷺ کو بخش دیا اور امت محمدیہ کے ہر ایک فرد کو پورے قرآن شریف کا ثواب ملے گا یا صرف ایک قرآن شریف کو امت محمدی میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ المستفتی نمبر ۱۵۱۴ محمد عبدالسلام صاحب (الہ آباد) ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۲۱ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۰) تقسیم ہو کر ملنے کا قول باعتبار دلیل راجح ہے اور وسعت رحمت اس کی مقتضی ہے کہ پورے قرآن مجید کا ثواب ملے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

ایصال ثواب کے لئے معاوضہ دیکر قرآن پڑھانا جائز نہیں

(سوال) ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھوانا اور اس کا معاوضہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۵۲۸ قاری عبداللطیف صاحب (بنگال) ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۲۳ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۱) ایصال ثواب کے لئے قرآن مجید پڑھوانا اور اس کے معاوضے میں پڑھنے والوں کو کچھ دینا

---

(۱) قلت : لکن سئل ابن حجر المکی عن مالو قرأ الفاتحۃ ھل یقسم الثواب بینھم، او یصل لکل منھم مثل ثواب ذالک کاملا فاجاب بانہ افتی جمع بالثانی، وھو اللائق بسعۃ الفضل (رد المحتار، باب صلاۃ الجنائز، مطلب فی القراءۃ للمیت، واھداء ثوابھا لہ، ۲ / ۲۴۴ ط سعید)

جائز نہیں۔(۱)ہاں اگر بطور تبرع کے دے دیا جائے تو مباح ہے مگر شرط یہ ہے کہ نہ دینے پر پڑھنے والا دل تنگ نہ ہو اور شکایت نہ کرے۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تیجہ' دسواں' چہلم بدعت ہیں

(سوال) کیا تیجہ' دسواں اور چہلم کرنا بدعت اور ناجائز ہے ؟ **المستفتی** نمبر ۱۵۶۴ جناب سید عبدالمعبود صاحب (ضلع بدایوں) ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۴ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۲) ایصال ثواب جائز بلکہ مستحسن ہے مگر اس کا صحیح شرعی طریقہ یہ ہے کہ انسان کو جو چیز میسر ہو صدقہ کردے یا کوئی بدنی عبادت مثلاً نماز نفل' نفلی روزہ' تلاوت قرآن مجید کرے اور اس کا ثواب جس کو بخشنا چاہے بخش دے۔ (۳) اس میں کسی دن اور تاریخ یا کسی معین چیز کی **تخصیص** اور تعیین نہ کرے نہ اس کو لازم اور ضروری قرار دے تیجہ اور دسواں اور چہلم ان تخصیصات کی وجہ سے اور ان کو مستقل رسم قرار دے دینے کی وجہ سے بدعت ہیں۔ (۴) ان کی بطور رسم ادائیگی موجب ثواب ہی نہیں پھر ایصال ثواب کہاں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا خوشبو سلگانا اور روشنی کرنا بدعت ہے

(سوال) کھانا آگے رکھ کر اس پر فاتحہ پڑھنا (ہاتھ پھیلا کر) خوشبوؤں کو سلگانا روشنی کرنا جائز ہے یا ناجائز ؟ **المستفتی** عزیز احمد مدرس مکتب عبداللہ پور (ضلع میرٹھ)

(جواب ۱۶۳) کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کا طریقہ اور اس پر خوشبو سلگانا یا روشنی کرنا یہ سب ناجائز اور بدعت ہے۔ (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(**جواب دیگر ۱۶۴**) کسی چیز (کھانا یا مٹھائی) کو سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا ہی ثابت نہیں بہتر یہی ہے کہ فاتحہ کے وقت کوئی چیز سامنے نہ رکھے فاتحہ پڑھ کر جسے بخشنا چاہے بخش دے اور کھانا یا مٹھائی یا جو چیز صدقہ کرنی ہے اسے صدقہ کردے اور اس کا ثواب بھی بخش دے۔ (۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) ان القرآن بالاجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ وقال العينى فى شرح الهداية و يمنع القارئ للدنيا والآخذ والمعطى آثمان فالحاصل ماشاع فى زماننا من قراءة الاجزاء بالاجرة لايجوز لان فيه الامر بالقراءة واعطاء الثواب للآمر والقراءة لاجل المال (رد المحتار باب الاجارة الفاسدة مطلب فى عدم جواز الاستئجار على التلاوة ٦ / ٥٦ ط سعيد)

(۲) البتہ پڑھنے والے کو دینے کا رواج ہو تو درست نہیں ورنہ جائز ہوگا وان من غير شرط فهو لها قال الامام الاستاذ لا يطيب والمعروف كالمشروط اه قلت و هذا مما يتعين الأخذ به فى زماننا لعلمهم انهم لا يذهبون الا بالاجرة البتة (رد المحتار باب الاجارة الفاسدة مطلب فى الاستئجار على المعاصى ٦ / ٥٥ ط سعيد)

(۳) حاشیہ نمبر ۱۳۶ کا حاشیہ نمبر ۵

(۴-۵) حاشیہ نمبر ۱۳۶ کا حاشیہ نمبر ۲

(۶) حاشیہ نمبر ۱۳۶ کا حاشیہ نمبر ۵ دیکھیں

ایصال ثواب کے متعلق چند سوالات

(سوال) (۱) تلاوت قرآن پاک وکل عبادات بدنیہ وخیرات مالیہ کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے یا نہیں ایصال ثواب کا مستحسن ومسنون طریقہ کیا ہے ؟

(۲) یہ عام رواج کہ سب لوگ مل کر ایک ساتھ قرآن مجید بآواز بلند پڑھتے ہیں اور خاص طریقہ مخصوص سورتیں وآیتیں پڑھ کر (جس کو عرف میں قل کہتے ہیں) ایصال ثواب کرتے ہیں اس کا ثبوت احادیث شریفہ وائمہ مجتہدین کے اقوال بالخصوص احناف کے نزدیک ہے یا نہیں ؟

(۳) قرآن شریف زبردستی یا کسی قسم کا دباؤ دیکر کسی شخص یا کسی خاص جماعت سے پڑھوا کر اس کا ثواب میت کو پہنچایا جائے تو مردے کو ثواب پہنچے گا یا نہیں ؟

(۴) ایصال ثواب کے واسطے خاص مہینے یا خاص تاریخ یا مخصوص وقت یا خاص جگہ مقرر کرنا قرآن یا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں ؟

(۵) اگر کوئی شخص علماء وامراء وحفاظ کے کھانے کی دعوت قرآن خوانی کے بعد مال وقف سے صرف ایصال ثواب کرے تو اس دعوت کا قبول کرنا اور کھانا کیسا ہے اور کیا اس کا ثواب میت کو ملے گا اگر کوئی اپنے مال سے میت کو ثواب پہنچانے یا دعوت کی نیت سے اسی کھانے سے جو محتاجوں کے لئے پکا ہوا سی دن امراء وعلماء وحفاظ کو دعوت دے تو اس کا قبول کرنا کیسا ہے ؟ اور ان سب کے کھانے سے مردے کو ثواب ملتا ہے یا نہیں ؟ ممکن ہو تو امراء وعلماء کی تعریف کی وضاحت کرتے ہوئے ان سب کی تشریح کریں گے جس کو کھانا کھلانا میت کو ثواب کا باعث نہ ہے۔

(۶) میت کو ثواب پہنچانے کے لئے نقد یا جنس کسی مسلم محتاج توانا یا ہندو کو دیا جائے تو مردے کو ثواب ملے گا یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۲۴۸۴ حافظ محمد رفیق الدین صاحب (بہار شریف پٹنہ) ۲۵ صفر ۱۳۵۸ھ م ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۱۶٤) (۱) عبادات بدنیہ ومالیہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے حنفیہ کا راجح مذہب یہی ہے(۱) اور ایصال ثواب کا مستحب طریقہ یہی ہے کہ اپنی خوشی سے جس قدر نفل پڑھ سکے پڑھے یا نفلی روزے رکھ سکے رکھے یا جس قدر میسر ہو بطوع خاطر صدقہ کرے اور اس کا ثواب میت کو بخش دے اس میں کسی وقت اور کسی خاص مجمع اور کسی خاص چیز کی قید اور شرط نہیں ہے۔(۲)

(۲) قل یا ختم کا یہ مروجہ طریقہ غیر شرعی ہے اور اس کا قرون ثلثہ میں وجود نہیں تھا۔(۳)

(۳-۴) جبر یا کسی قسم کے دباؤ سے جو کام کرایا جائے اس کا کرانے والے کو کوئی ثواب اور فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور میت کو بھی کوئی ثواب پہنچنے کی امید نہیں۔

(۱-۲) صفحہ نمبر ۱۳۶ کا حاشیہ نمبر ۵ دیکھیں

(۳) قراءة الكافرون الآخر مع الجمع مكروهة لانها بدعة لم تنقل عن الصحابة ولا عن التابعين (هندية كتاب الكراهية الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن والذكر ۵ / ۳۱۷ ط كوئته)

(۵) مال وقف سے دعوت کرنے کی کیا صورت؟ کیا وہ وقف اسی کام کے لئے ہے یا اور کسی کام کے لئے اور قرآن مجید کی تلاوت کے عوض کے طور پر دعوت کرنی اور دعوت قبول کرنی جائز نہیں۔(۱)

(۶) مسلم محتاج و توانا کو صدقہ دیا جا سکتا ہے اور ہندو کو بھی جب کہ وہ سخت حاجت مند ہو دینا جائز ہے مگر صدقات واجبہ غیر مسلم کو دینا درست نہیں صدقات نافلہ بغرض ایصال ثواب دے سکتے ہیں۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ایصال ثواب جائز ہے مگر اس کے لئے تاریخ یا دن مقرر کرنا درست نہیں

(سوال) ایک شخص ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو حضور پر نور مصطفی ﷺ کی ارواح پاک اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی روح پاک کو ثواب پہنچانے کی غرض سے مسکینوں یتیموں کو کھانا کھلاتا ہے اور قرآن شریف بھی ختم کراتا ہے لیکن اس کو فرض یا واجب نہیں سمجھتا کیونکہ کبھی کبھی ناغہ بھی کر دیتا ہے اور کبھی تاریخ معینہ کو آگے پیچھے بھی کر دیتا ہے تو کیا شرع شریف میں اس طریقے پر ایصال ثواب جائز ہے؟ المستفتی نمبر ۲۵۵۴ عشرت میرٹھی ایڈیٹر الفرقان' ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ م کیم جنوری ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۶۶) ایصال ثواب تو جائز بلکہ مستحسن ہے مگر اس کے لئے تاریخ اور دن یا مخصوص کی تعیین شرعاً نہیں ہے پس اعتقاداً یا عملاً تعیین اور التزام تو درست نہیں ہے اور کیف ما اتفق صدقہ خیرات کر کے ایصال ثواب کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ایصال ثواب صدقہ و قرآن خوانی کے ساتھ خاص نہیں'
دعا و استغفار کے ساتھ بھی ایصال ثواب ہو سکتا ہے

(سوال) زید نے اپنی تمام عمر میں کبھی کسی میت کو اپنے عمل خیر کا ثواب نہیں بخشا یعنی تلاوت قرآن پاک، صدقہ وغیرہ کا ایصال ثواب نہیں کیا اور ہمیشہ تدفین میت کے وقت اور دیگر اوقات میں میتوں کے لئے دعائے رحمت و استغفار پڑھتا رہا تو کیا زید بوجہ ایصال ثواب نہ کرنے کے گناہ گار و قابل مواخذہ ہو گا؟

المستفتی نمبر ۲۷۶۵ حکیم محمد ایوب محلہ دیپا سرائے سنبھل ضلع مراد آباد ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ م ۲۵ اپریل ۱۹۴۱ء

(جواب ۱۶۷) کسی شخص پر ایصال ثواب کرنا فرض یا واجب نہیں ہے تو اگر کسی نے عمر بھر میں کسی میت کے لئے ایصال ثواب نہیں کیا تو قیامت کے دن اس سے مواخذہ نہیں ہو گا اور جب کہ وہ ہمیشہ اموات

---

(۱) صفحہ نمبر ۱۳۷ حاشیہ نمبر ۲ دیکھیں

(۲) ولا تدفع الى ذمى لحديث معاذ و جاز دفع غيرها و غير العشر والخراج اليه اى الذمى و لو واجبا كنذر و كفارة وفطرة (الدر المختار كتاب الزكاة باب المصرف ۲/ ۳۵۱ ط سعيد)

(۳) صفحہ نمبر ۱۳۶ حاشیہ نمبر ۵ دیکھیں

کے لئے استغفار اور دعائے رحمت کرتا رہتا ہے تو وہ مستحق ملامت بھی نہیں۔(١)

کسی عمل کا ثواب دوسرے کو بخشنے سے اس شخص کو ثواب پہنچتا ہے

(سوال) کسی عمل خیر کا ثواب اگر عامل کسی غیر کو بخش دے تو وہ غیر عامل اس عمل خیر کے ثواب پانے کا مستحق ہو جاتا ہے یا نہیں اگر ہو جاتا ہے تو کیا یہ مسئلہ امام اعظمؒ ابو حنیفہ یا امام ابو یوسفؒ یا امام محمدؒ یا امام زفرؒ یا کسی ایک نے اپنی کسی کتاب میں صراحۃً تحریر فرمایا ہے؟

(جواب ١٦٨) اگر کوئی شخص اپنے کسی عمل خیر کا ثواب دوسرے شخص کو بخش دے تو وہ دوسرا شخص اس کا مستحق ہو جاتا ہے یہ مسئلہ ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے کیونکہ حج عن الغیر یعنی حج بدل بالاتفاق جائز ہے (٢) اور وہ اسی اصول پر مبنی ہے۔(٣) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھنا جائز ہے مگر اجرت دیکر پڑھوانا جائز نہیں

(سوال) زید قبرستان پر کسی کی طرف سے متعین ہو کر جاتا ہے کہ فلاں شخص کی قبر پر ایک پارہ یا سارا قرآن مجید ایک دن یا چند روز میں پڑھے اور اس کی اجرت بھی متعین کر دی جاتی ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور بغیر اجرت کے قبر پر قرآن مجید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب) (از مولوی مظفر احمد صاحب) ہو الموفق۔ دونوں صورتوں میں قرآن پاک کا پڑھنا جائز ہے۔(٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ محمد مظفر احمد غفر لہ نائب امام مسجد فتح پوری دہلی

(جواب) (از مولانا مظہر اللہ صاحب) بلا اجرت قبر پر جا کر قرآن پڑھنے کے جواز میں تو کلام نہیں لیکن باجرت قبر پر قرآن پڑھنا خلاف احتیاط ہے۔ فقط محمد مظہر اللہ غفر لہ' امام مسجد فتح پوری' دہلی

(جواب ١٦٩) (از حضرت مفتی اعظم) ہو الموفق۔ بلا اجرت بہ نیت ایصال ثواب قرآن مجید پڑھنا خواہ قبر پر ہو یا کہیں اور' جائز ہے اور ایصال ثواب کے لئے اجرت دیکر پڑھوانا اور اجرت لے کر پڑھنا ناجائز ہے۔ ویمنع القاری للدنیا والاخذ والمعطی اثمان فالحاصل ان مشاع فی زماننا من قراء ة الاجزاء

---

(١) فی البحر' من صام' او صلی' او تصدق و جعل ثوابه لغیره من الاموات' والاحیاء جاز (رد المحتار' باب صلاة الجنائز' مطلب فی القراء ة للمیت' واهداء ثوابها له ٢/٢٤٣ ط سعید) اس میں جائز لکھا ہے فرض یا واجب نہیں لکھا' بلکہ اس دور میں سمجھا جاتا ہے کہ اسی طرح ایصال ثواب کا معنی ہے' ثواب پہنچانا یہ کام تو زید دعا و استغفار کے ذریعے کرتا رہا' اس کے علاوہ کسی خاص عمل کو ایصال ثواب کے لئے مختص کرنا کہ صرف اسی کو ایصال ثواب سمجھا جائے درست نہیں

(٢) الاصل فی هذه الباب ان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلاة' او صوما' او صدقة' او غیرها عند اهل السنة والجماعة (هدایة' کتاب الحج' باب الحج عن الغیر ١/٢٩٦ امدادیه ملتان)

(٣) صفحه نمبر ٢٦١ حاشیہ نمبر ٥ دیکھیں

(٤) بغیر اجرت تو کوئی کلام نہیں لیکن دوسری صورت میں شاید مولانا مظفر احمد صاحب نے آنے جانے کی اجرت مراد لی ہو' بہر حال صحیح تر جواب وہی ہے جو حضرت مفتی اعظمؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

بالاجرة لا يجوز (ردالمحتار)(۱) وفي موضع اخر ولا ضرورة في الاستيجار على القراءة على القبر (ردالمحتار)(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب دیگر ۱۷۰) ایصال ثواب کی غرض سے قرآن مجید کی تلاوت یا کلمہ شریف کے ختم یا اور کسی ذکر یا قرأت پر اجرت لینا اور دینا ناجائز ہے فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے چنانچہ شامی کے باب الاجارہ میں اس کی مفصل بحث موجود ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ غفرلہ'

ایصال ثواب مردوں اور زندوں دونوں کو جائز ہے

(سوال) زندہ آدمی کو کلام اللہ یا صدقہ وغیرہ کا ثواب خود بخود بخشنا یا اس کے کہنے سے بخشنا کیسا ہے اس کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۷۱) ثواب پہنچانے کے لئے مردوں کی تخصیص نہیں زندوں کو بھی پہنچتا ہے مردوں کو بھی۔(۴) محمد کفایت اللہ

ایصال ثواب میں تمام مسلمانوں کو شامل کرنا افضل ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) مردے کا کھانا وغیرہ پکا کر غریبوں کو کھلانا یا خود کھا لینا اور اس کا ثواب مردے کی روح کو بخشنا اچھا ہے یا یہ کہ ایک شخص پانچ وقت کی عبادت اور جو کچھ اس کو وظیفہ یاد ہے اس کو جمیع امت محمدیہ کی ارواح کو بخش دے یہ اچھا ہے ؟

(جواب ۱۷۲) ایصال ثواب کے لئے جو کھانا پکایا ہے اس کو فقراء ومساکین پر صدقہ کر دینا چاہئے امر خود کھا لیا تو ثواب کس چیز کا پہنچے گا عبادات بدنیہ میں سے نفلی نماز روزے تلاوت قرآن مجید درود شریف پڑھنے کا نفلی حج کا ثواب پہنچا سکتے ہیں کسی چیز کا ثواب کسی مخصوص شخص کو بخشنا بھی جائز اور دوسری صورت جائز ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ غفرلہ'

(۱-۲) باب الاجارة الفاسدة مطلب في عدم جواز الاستيجار على التلاوة ۶ ۵۶ ط سعيد

(۳) وقد قال العلماء ان القارى اذا قرأ لاجل المال فلا ثواب له فاى شئ يهديه الى الميت ... ومنه الوصية من الميت باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته او بعده وباعطاء دراهم لمن يتلو القرآن لروحه او يسبح او يهلل له وكلها بدع منكرات باطلة الخ (رد المحتار باب الاجارة الفاسدة ۶/۵۷ ط سعيد)

(۴) وبهذا علم انه لا فرق بين ان يكون المجعول له حيا او ميتا (رد المحتار باب صلاة الجنائز مطلب في القراءة للميت واهداء ثوابها له ۲/۲۴۳ ط سعيد)

(۵) صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بان للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة او صوما او صدقة او غيرها كذا في الهداية بل في زكاة التاتارخانية عن المحيط الافضل لمن يتصدق نفلا ان ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات لانها تصل اليهم ولا ينقص من اجره شئ (رد المحتار باب صلاة الجنائز مطلب في القراءة للميت واهداء ثوابها له ۲ ۲۴۳ ط سعيد)

میت کے گھر صرف تعزیت کے لئے جانا چاہئیے

(الجمعیۃ مورخہ ۵ جولائی ۱۹۳۴ء)

(سوال) میت کے گھر جاکر فاتحہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اگر نا جائز ہے تو کیا کرنا چاہئیے؟
(جواب ۱۷۳) میت کی تعزیت کے لئے جانا جائز ہے تعزیت تین دن کے اندر ہو سوائے اس کے جو تین دن کے بعد سفر سے آئے مگر وہاں جاکر التزاماً فاتحہ پڑھنا بے ثبوت ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ایصال ثواب کا طریقہ

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۳۵ء)

(سوال) میت کو ایصال ثواب کرنے کا کیا طریقہ ہونا چاہئیے؟
(جواب ۱۷٤) اموات کو ایصال ثواب کرنا جائز ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز صدقہ یا خیرات کرکے یا کوئی نفلی نماز یا روزہ وغیرہ ادا کرکے اس کا ثواب کسی میت کو بخش دیا جائے(۲) اس کے لئے کسی دن اور تاریخ اور کسی خاص چیز کی **تخصیص** نہیں اپنی وسعت کے موافق اخلاص سے وہ کام کرنا چاہئیے جس کا ثواب پہنچانا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تجہیز و تکفین 'ایصال ثواب اور حیلہ اسقاط کے متعلق چند رسموں کی تحقیق

(۱۷۵) استفتاء

(ماخوذ از مجموعہ دلیل الخیرات فی ترک المنکرات مطبوعہ ۱۳۳۶ھ مرتبہ حضرت مفتی اعظمؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العلمين والصلوٰة والسلام على رسوله محمد واله واصحابه اجمعين

امابعد! خاکسار کے بعض مخلصین نے رنگون (برما) سے بعض رسموں کا حکم شرعی دریافت کیا ہے مفصل جواب دینے سے پہلے مناسب ہے کہ بطور تمہید کے کچھ عرض کرکے پھر ان رسوم کے شرعی احکام ذکر کئے جائیں۔

قال الله عزوجل لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة (۳)

---

(۱) ولا باس بتعزية اهله وبالجلوس لها فى غير مسجد ثلاثة ايام و اولها افضل و تكره بعد ها الا الغائب (الدر المختار' باب صلاة الجنائز ۲/۲۳۹-۲٤۱ ط سعید) بعض علاقوں میں میت کے گھر جاکر لوگ فاتحہ یا پڑھ اور پڑھ کر دعا کرنے وہاں آتے ہیں تعزیت کا ایک لفظ نہیں بولتے' یہ درست نہیں' میت کے گھر تو صرف تعزیت ہی کے لئے جانا ہوتا ہے فاتحہ تو کہیں اور بھی پڑھ سکتے ہیں۔

(۲) صفحہ نمبر ۱۲۶ حاشیہ نمبر ۵ دیکھیں

(۳) الاحزاب: ۲۱

وقال النبی ﷺ من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهورد متفق علیه (مشکوٰة) (۱)
وقال علیه السلام من یعش منکم فسیری اختلافاً کثیرا فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوابها وعضوا علیها بالنواجذو ایاکم و محدثات الامور فان کل محدثةٍ بدعة و کل بدعةٍ ضلالة (مشکوة) (۲)
وقال علیه السلام ما احدث قوم بدعة الارفع مثلها من السنة رواه احمد (مشکوة)(۳)
وقال علیه السلام من وقر صاحب بدعة فقد اعان علیٰ هدم الاسلام رواه البهیقی (مشکوة) (۴)

حق جل شانہ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے (مسلمانو!) تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک میں اچھی اقتدا ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات تمہارے لئے نہایت بہترین نمونہ ہے۔
اور آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی جو دین میں داخل نہیں تو وہ بات اسی شخص پر مردود ہے (بخاری و مسلم)
اور فرمایا آں حضرت ﷺ نے کہ جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا تو تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑ لینا سنت کو مضبوطی سے اختیار کرنا اور نچلیوں سے پکڑنا اور نئی باتوں سے بچنا کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (امام احمد 'ابو داؤد' ترمذی 'ابن ماجہ)
اور فرمایا آں حضرت ﷺ نے کہ جو قوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو ان میں سے اس بدعت کے برابر سنت پر عمل کی توفیق اٹھ جاتی ہے (امام احمد)
اور فرمایا آں حضرت ﷺ نے کہ جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم و توقیر کی اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد کی (بیہقی فی شعب الایمان)
خدائے عزوجل کے کلام بلاغت نظام اور احادیث خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اچھی طرح واضح ہے کہ اہل اسلام کا اولین فرض یہی ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو اپنے تمام اعمال و افعال میں پیش نظر رکھیں اور انہیں کو اپنا حقیقی راہبر اور رہنما سمجھیں اور اپنی نجات اخروی اور حیات ابدی کو انہیں

---

(۱) مشکوة ' باب الاعتصام بالکتاب' والسنة ص ۲۷ ط سعید' و بخاری شریف کتاب الصلح' باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود ۱/ ۳۷۱ ط قدیمی' و مسلم شریف ' کتاب الاقضیة' باب نقض الاحکام الباطله ورد محد ثات الامور ۲/ ۷۷ ط قدیمی)
(۲) مشکوة شریف' الاعتصام بالکتاب' والسنة ص ۳۱ ط سعید و ابوداؤد' کتاب السنة' باب لزوم السنة ۲/ ۲۸۷ ط امدادیه ملتان)
(۳) مشکوة حواله بالا : و مسند احمد' کتاب الغزوات ' باب فی غزواته ﷺ و بعوثه الخ ۴/ ۱۰۵ ط المکتب الاسلامی بیروت)
(۴) مشکوٰة حواله بالا' والبیهقی' فصل فی مجانبه الفسقة' والمبتدعه ومن لا یعینك علی طاعة الله عزوجل ۷/ ۶۱ حدیث نمبر ۹۴۶۳

کے اتباع میں منحصر جانیں۔

انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے ہی خدا کی رضامندی اور ناراضی کا علم حاصل ہوتا ہے بغیر ان کے بتلائے اور سکھائے ہوئے عقل انسانی ہرگز معلوم نہیں کر سکتی کہ کن چیزوں سے خدا تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات ہمارے لئے نمونہ کاملہ ہے(۱) اور ہمارا اولین فرض ہے کہ ہم آپ کی تابعداری اور پیروی کریں اور ذرہ برابر آپ کے نشان قدم سے نہ ہٹیں۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آیت کریمہ مرقومہ بالا میں ہمیں یہی ہدایت فرمائی ہے کہ ہم احمد مجتبے محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات مظہر آیات کو اپنے لئے نمونہ کاملہ سمجھیں اور آپ کی سنت پر نہایت پختگی اور استحکام سے قائم رہیں یہی ہماری منزل مقصود ہے اور یہی معراج کمال۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے دین و شریعت کے متعلق ہمیں ایسی کامل و مکمل تعلیم دی جس کی نظیر صفحات تاریخ میں نہیں مل سکتی معاش و معاد' شادی و غمی' تجارت و حرفت' تمدن و خلوت غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق ہمیں اصول یا مسائل جزئیہ تعلیم نہ فرمائے ہوں۔

ایسے شفیق معلم اور مہربان مبلغ کے قربان جس نے ہماری تہذیب و تعلیم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور کوئی ضروری بات سکھانے سے اٹھا نہیں رکھی بتایا' سکھایا' کرکے دکھادیا اور اس وقت تک ہم سے جدا نہیں ہوئے جب تک کہ شریعت کو ہمارے لئے آفتاب کی طرح روشن اور صاف نہ کر دیا۔ (۲)

فصلى الله على من مبلغ ادّى حق الرسالة والتبليغ و بلغ اقصىٰ مداه ولم يفارقنا حتى جعل لنا الشريعة بصريعة بيضآء التى ليلها و نهارها سواء—

یعنی اللہ تعالیٰ باران رحمت نازل فرمائے اس مبلغ پر جس نے رسالت اور تبلیغ کا حق ادا فرمایا اور اس وقت تک ہم سے مفارقت نہ فرمائی جب تک کہ شریعت کو ہمارے لئے آفتاب کی طرح روشن اور منور نہ کر دیا ایسا روشن جس کی رات بھی دن کی طرح نورانی ہے۔

بایں ہمہ اختلاف رائے انسانی فطرت کا مقتضے تھا اور نفس و شیطان انسان کے پکے دشمن' جن کا ہر وقت یہی قصد و ارادہ کہ انسان کو مردود بنادیں مسلمان بھی ان دونوں فتنوں سے بے خوف اور مطمئن نہ تھے اور وہ مرشد کامل (پیغمبر اسلام روحی فداہ) بھی اس پیش آنے والے فتنہ سے پورے واقف اور خبردار تھے آپ کو معلوم تھا کہ ظل نبوت مسلمانوں کے سر سے اٹھ جانے کے بعد ان میں طرح طرح کے

---

(۱) لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة الاحزاب : ۲۱

(۲) لقد جئتكم بها بيضاء نقية' ولو كان موسىٰ حيا ما وسعه الا اتباعى (مسند احمد' الكتاب الرابع ۳/۳۸۷ ط المكتب الاسلامى بيروت)

اختلاف پیدا ہوں گے اور ایسے وقت میں نفس و شیطان کو موقع ملے گا کہ وہ میری امت کو گمراہی کے غار میں گرادیں اور ہوائے نفسانی کا متبع بنا کر نار جہنم میں پہنچادیں اس لئے آپ نے امت کو صاف صاف الفاظ اور کھلے کھلے بیان سے اس فتنہ سے محفوظ رہنے کا طریقہ اور اس روحانی مرض کا علاج بتادیا اور سمجھا دیا فرماتے ہیں کہ جو شخص زندہ رہے گا وہ اختلافات کثیرہ دیکھے گا لیکن اس کا علاج یہ ہے کہ اس وقت تم میری سنت کو نہایت مضبوطی اور استحکام سے پکڑ لینا اور خبردار کسی نئی بات (بدعت) کو اختیار نہ کرنا کیونکہ ہر نئی بات (بدعت) گمراہی ہے اور گمراہی کا مآل اور نتیجہ دوزخ ہے (۱) اور فرمایا کہ جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی بات نکالے وہ اسی پر مردود ہے یعنی خدا اور رسول کے یہاں وہ مقبول نہیں۔ (۲)

اور فرمایا کہ جب کوئی قوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو ان میں سے اسی کے مثل ایک سنت کی توفیق اٹھالی جاتی ہے۔ (۳)

اور فرمایا کہ جو شخص بدعتی کی توقیر اور تعظیم کرتا ہے وہ گویا اسلام کے ڈھانے پر مدد کرتا ہے یہ کیوں؟ اس لئے کہ بدعتی خدا اور رسول ﷺ کی توہین کرتا ہے کہ اس کی کامل و مکمل شریعت میں اپنی طرف سے ایجاد کر کے گویا خدا اور رسول کی جانب کوتاہی اور نقصان کی نسبت کرتا ہے یا خود احکام تجویز کر کے اپنے لئے (تشریع احکام کا) خدائی منصب تجویز کرتا ہے اس لئے وہ تو درحقیقت اسلام کو ڈھارہا ہے اور جو اس کی تعظیم و تکریم کرے وہ اسلام کے ڈھانے میں اس کا مددگار ہے۔ (۴) **نعوذ باللہ منہا**

مسلمانو! یاد رکھو اور خوب سمجھ لو کہ شرعی احکام میں بغیر خدا اور رسول ﷺ کی اتباع کے نجات ناممکن ہے اور بدعت نہایت سخت اندیشہ ناک چیز ہے کیونکہ اور گناہ تو ایسے ہیں کہ ان سے ڈر کر انسان کبھی توبہ کر لیتا ہے لیکن بدعتی کو توبہ نصیب نہیں ہوتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بدعت کا ارتکاب دینداری سمجھ کر کرتا ہے اور اپنے خیال میں اسے نیک کام سمجھتا ہے اس لئے توبہ کی طرف اس کا دھیان اور خیال بھی نہیں جاتا۔

بدعت اگرچہ بظاہر کیسی ہی بھلی اور نیک معلوم ہو لیکن بڑے گناہ کی چیز ہے اس امر کی صاف اور روشن دلیل یہ روایت ہے:

اخبر عبداللہ بن مسعودؓ بالجماعۃ الذین کانوا یجلسون بعد المغرب و فیھم رجل یقول کبروا اللہ کذا و کذا وسبحو اللہ کذا و کذا واحمد وا اللہ کذا و کذا۔

فیفعلون فحضرھم فلما سمع ما یقولون قام فقال انا عبداللہ بن مسعودؓ فو الذی لا الہ غیرہ لقد جئتم ببدعۃ ظلماء او لقد فقتم علی اصحاب محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام علما

(۱) دیکھیں صفحہ نمبر ۱۴۲ حاشیہ نمبر ۲
(۲) دیکھیں صفحہ نمبر ۱۴۲ حاشیہ نمبر ۱
(۳) دیکھیں صفحہ نمبر ۱۴۲ حاشیہ نمبر ۳
(۴) دیکھیں صفحہ نمبر ۱۴۲ حاشیہ نمبر ۴

(۱) (مجالس الابرار)

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود کو خبر دی گئی کہ ایک جماعت بعد مغرب بیٹھتی ہے اور ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اتنی مرتبہ اللہ اکبر کہو اور اتنی مرتبہ سبحان اللہ کہو اور اتنی مرتبہ الحمد للہ کہو۔
اور سب لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس جماعت میں گئے اور جب ان کی یہ باتیں سنیں تو کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں اور اس خدا کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ تم لوگوں نے نہایت تاریک بدعت اختیار کی ہے یا تم آنحضرت ﷺ کے اصحاب سے علم میں بڑھ گئے ہو۔

اس روایت سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ان لوگوں کا یہ فعل باوجودیکہ ذکر الٰہی اور تکبیر و تسبیح و تہلیل ہی تھا مگر چونکہ اس کی وضع اور ہیئت ایسی مقرر کی گئی تھی جس کا ثبوت شریعت مطہرہ سے نہیں تھا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک ناجائز اور بدعت تھا۔

اس پر بدعت کا حکم لگانے کی وجہ کیا تھا صرف یہی کہ ذکر اللہ اگرچہ ہر وقت مطلوب اور محبوب ہے مگر اس کے لئے یہ اہتمام واجتماع کرنا حدود شریعت سے تجاوز کرنا تھا ہر شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ بطور خود جس قدر چاہے ذکر اللہ کرے لیکن یہ اختیار نہیں کہ ایک جدید اور نئی صورت اور ہیئت ایجاد کرے اور پھر اسے طریق شرعی اور موجب ثواب اعتقاد کرے۔

صحابہ کرامؓ جن کے علوم مشکوۃ نبوت سے ماخوذ اور جن کے سینے نور وحی سے بوجہ فیض صحبت منور تھے جنہوں نے خدا اور رسول کی محبت میں اپنے گھر بار آل و اولاد اعزا و اقارب کو چھوڑ دیا اور آستانہ نبوت کی جاروب کشی کو سرمایہ سعادت سمجھ کر دل و جان سے نبی امی روحی فداہ کے خادم جاں نثار بن گئے ان سے زیادہ اتباع سنت کا دعویٰ کون کر سکتا ہے اور ان سے بڑھ کر فنافی اللہ و فنافی الرسول ہونے کا دم کون مار سکتا ہے۔

وہ اتباع سنت سنیہ واقتفائے آثار نبویہ کے برکات کو خوب سمجھتے تھے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضور انور ﷺ نے جو کام کہ خود کیا یا ہمیں کرنے کا حکم دیا اس کے خلاف کسی کام میں خیریت اور برکت نہیں ہو سکتی انہیں اس بات کا یقین تھا کہ بدعات میں نجات کی اسی قدر امید ہے جس قدر کہ حنظل (اندرائن) سے شہد حاصل کرنے کی آرزو وہ یقین واثق کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے حرکات و سکنات کا اتباع کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہی اتباع نجات کی کفیل اور مغفرت کی ضامن ہے۔

وہ آنحضرت ﷺ کو قصر نبوۃ کا حقیقی مکمل اور حسب ارشاد الیوم اکملت لکم دینکم الخ (۲) اسلام کے عالیشان قصر کو ہر طرح کامل و مکمل اعتقاد کرتے تھے۔ (۳)

---

(۱) نمبر ۱۵٦ مجلس نمبر ۱۸ طبع مکتبہ دار الاشاعت کراچی پاکستان

(۲) الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا — المائدۃ : ۳

(۳) یعنی آپ ﷺ آخری پیغمبر ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور قیامت تک کے لئے اللہ پاک نے ایک مکمل دین عطا فرمایا اور دین متین کی عالیشان قصر کہ دیگر انبیاء مانند اینٹ کے ہیں جس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی جس کو آپ ﷺ نے پر فرمایا اب مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں یعنی دین میں اب کوئی نئی بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط

انہیں وجوہ سے ان کو بدعات مخترعہ سے سخت نفرت تھی اور جس کام کو سنت نبویہ کے صراط مستقیم سے ایک بال کے برابر بھی ہٹا ہوا سمجھتے اس سے دور بھاگتے تھے اسی خیال سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس جماعت کے حلقہ ذکر کو چونکہ اس خاص ہیئت واہتمام کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی سیرت اور آپ کی پاک تعلیم میں نہیں پایا بدعت فرمادیا اور سچ فرمایا کیونکہ آنحضرت ﷺ جیسے اعلم الخلق اور صحابہ کرامؓ جیسے خیرات و مبرات کے حریص ترین جماعت سے جب یہ اہتمام خاص منقول نہیں تو اب اس کے ایجاد کرنے والوں کو کہاں سے اس کی خیریت اور بھلائی کا علم ہو گیا کیونکہ خدا کے نزدیک کسی کام کی بھلائی معلوم ہونے کا ذریعہ صرف مشکوۃ نبوت ہے۔

کتب احادیث و سیر میں صحابہ کرامؓ سے بکثرت ایسے واقعات منقول ہیں کہ انہوں نے سنت نبویہ کے ذراسے خلاف کو برا سمجھا اور نفرت ظاہر کی اور اس مجلس سے اٹھ کر چلے گئے حالانکہ بظاہر وہ افعال بھلے معلوم ہوتے تھے بخلاف اس کے آج کل کے اہل بدعت اس قسم کے کاموں کو اصل دین بنانے کی کوشش کرتے ہیں یہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا واقعہ ہے اگر آج کل کے ان علماء سے سوال کیا جائے کہ ایک جماعت مغرب کے بعد اس ہیئت و وضع سے تکبیر و تحمید و تہلیل کرتی ہے اس کا کیا حکم ہے تو وہ بجائے اس کے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ فتویٰ جواب میں پیش کریں بڑے زور سے کہیں گے کہ یہ ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ ہر حال میں باعث خیر و برکت ہے اور اس ہیئت و وضع کا یا تو بالکل ذکر نہ کریں گے یا اگر کیا تو اس کو بھی جائز بلکہ مستحب بنانے میں اپنی تمام کوشش صرف کردیں گے۔

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

لیکن ایک عاشق سنت اور قدر شناس ملت اگر اپنے سینہ میں حق شناس دل اور دماغ میں سنت نبویہ سے محبت رکھنے والی عقل رکھتا ہے تو وہ صاف کہہ دے گا کہ ان آج کل کے نام کے علماء سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بدرجہا اعلم اور ذکر اللہ کے دلدادہ تھے نیز وہ سنت و بدعت دونوں کی حقیقت کو ان سے ہزاروں درجے زیادہ سمجھتے تھے اور فیض صحبت آنحضرت ﷺ سے مشرف اور صحابہ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے اس لئے ان کا فتویٰ یقیناً حق اور ان نیم ملاآؤں کے فتوے سے احق بالقبول ہے۔

الغرض مسلمانوں کو اگر خدا اور رسول سے محبت ہے اگر رسول خدا ﷺ کی شفاعت کے امیدوار ہیں تو ان کا اولین فرض یہ ہے کہ سنت نبویہ کی محبت اپنے دلوں میں پیدا کریں اور اپنی ایجاد کردہ بدعات کو یک لخت چھوڑ دیں۔ دینی امور میں اپنی رائے کو کافی نہ سمجھیں بلکہ کتاب اللہ و حدیث رسول اللہ ﷺ اور اس سے ماخوذ فقہ کو اپنا مطمح نظر بنائیں اور اپنے تمام کام عبادات ہوں یا معاملات شادی کے متعلق ہوں یا غمی کے شریعت مطہرہ مقدسہ کے موافق کرلیں ورنہ یاد رکھیں کہ ان کے ایجاد کردہ بدعات چاہے کتنے ہی بظاہر خوشنما اور نیک ہوں لیکن خدا کی خوشنودی اور رسول اکرم ﷺ کی رضامندی کے باعث نہیں ہو سکتے اور ان کے لئے بجائے موجب نجات ہونے کے ذریعہ عذاب ہو جائیں گے۔

اب میں ان رسموں کا ذکر کرتا ہوں جن کا حکم بعض احباب رنگون نے دریافت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ رسمیں برما میں علی العموم یا بعض خاص خاص شہروں میں مروج ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کا حکم شرعی بھی بتاتا ہوں تاکہ جن پاک روحوں کو سنت نبویہ سے محبت ہے وہ اس پر عمل کر کے نجات اخروی حاصل کریں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب —

رسم نمبر ا۔ میت کی تجہیز و تکفین میں دیر کرتے اور بعض جگہ ایک دو روز کامل میت کو پڑا رکھتے ہیں۔

حکم شرعی۔ یہ رسم خلاف شریعت اور میت کی تجہیز و تکفین میں تاخیر خلاف سنت ہے اگرچہ یہ تاخیر کسی عزیز کے انتظار یا مال و دولت کی جانچ پڑتال یا تقسیم ترکہ کے اہتمام یا ایسی ہی کسی اور غرض سے کی گئی ہو بہر حال خلاف شریعت ہے۔

عن ابی هریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اسرعوا بالجنازۃ فان تك صالحة فخیر تقدمونها الیه وان تك سوی ذلك فشر تضعونه عن رقابكم متفق علیه (مشكوۃ) (۱)

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنازے کو جلدی لے جاؤ کیونکہ اگر میت نیک ہے تو اس کو خیر کی جانب جلدی پہنچادو گے اور اگر بد ہے تو اپنی گردنوں سے بدی کو جلدی اتار پھینکو گے۔

یعنی جنازے کو بہر حال جلدی دفن کرنا چاہئے اور میت خواہ نیک ہو یا بد بہر حال جلدی دفن کرنے میں فائدہ ہے جیسے حدیث مذکور میں صاف بیان فرمادیا گیا ہے۔

ولما عاد النبی ﷺ طلحة بن البراء وانصرف قال ما اری طلحة الا وقد حدث فیه الموت فاذا مات فاذ نونی حتی اصلی علیه و عجلوا به فانه لا ینبغی لجیفة مسلم ان تحبس بین ظهرانی اهله (رواہ ابو داؤد' رد المحتار) (۲)

جب رسول اللہ ﷺ طلحہ بن براء کی عیادت کر کے واپس ہونے لگے تو فرمایا کہ میں نہیں خیال کرتا مگر یہ کہ طلحہ میں آثار موت پیدا ہو گئے ہیں تو جب ان کا انتقال ہو جائے تو مجھے خبر کر دینا تاکہ میں ان پر نماز پڑھوں اور ان کی تجہیز تکفین میں جلدی کرنا کیونکہ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ مسلمان کا مردہ اپنے گھر والوں میں زیادہ دیر روکا جائے۔

ویسرع فی جهازہ (درمختار) (۳) **وکرہ تاخیر صلوته و دفنه لیصلی علیه جمع عظیم بعد صلوۃ الجمعة (درمختار)** (۴)

مردے کی تجہیز تکفین میں جلدی کی جائے اور بعد تیاری جنازہ اس کی نماز پڑھنے اور دفن کرنے میں

(۱) مشكوۃ' باب المشی بالجنازۃ ص ۱۴۴ ط سعید بخاری شریف' كتاب الجنائز' باب السرعة بالجنازۃ ۱/۱۷۶ ط قدیمی و مسلم شریف' كتاب الجنائز' فصل فی الاسراع بالجنازۃ ۱/۳۰۶ ط قدیمی)

(۲) ابو داؤد' كتاب الجنائز' باب تعجیل الجنازۃ ۲/۹۴ امدادیه ملتان) (ردالمحتار' باب صلاۃ الجنائز ۲/۱۹۳ ط سعید)

(۳) باب صلاۃ الجنائز ۲/۱۹۳ ط سعید

(۴) باب صلاۃ الجنائز ۲/۲۳۲ ط سعید

اس غرض سے دیر کرنا کہ بعد نماز جمعہ بڑی جماعت سے جنازہ پڑھیں گے مکروہ ہے۔

رسم نمبر ۲۔ جب جنازہ لے کر چلتے ہیں تو جنازے کے آگے کچھ لوگ بآواز بلند کلمہ شریف پکار کر پڑھتے جاتے ہیں قبرستان تک ایسا کرتے ہیں؟
حکم شرعی۔ جنازے کے ساتھ کلمہ یا اور کچھ بلند آواز سے پڑھنا مکروہ اور بدعت ہے۔

و على متبعي الجنازة الصمت و يكره لهم رفع الصوت بالذكر والقراء ة (جوهره نيره) (۱) و يكره رفع الصوت بالذكر والقرآن و عليهم الصمت و قولهم كل حي سيموت و نحو ذلك خلف الجنازة بدعة (مراقي الفلاح) (۲)

جنازے کے پیچھے جانے والوں کو خاموش رہنا چاہئیے اور بلند آواز سے ذکر کرنا یا قرأت کرنا ان کے لئے مکروہ ہے بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور جنازے کے ہمراہیوں کو خاموشی لازم ہے اور ان کا یہ قول کہ "كل حي الخ" یا اس جیسے اور کلمات کہنا جنازے کے پیچھے بدعت ہیں۔

ويكره رفع الصوت فيها بالذكر وقراء ة القرآن ذكر في فتاوىٰ العصر انها كراهة تحريم واختاره مجدالائمة الترجماني وقال علاء الدين التاجري ترك الاولىٰ ومن اراد الذكر والقراء ة فليذكر وليقرأ في نفسه وقال قيس بن عبادة كان اصحاب رسول الله ﷺ يكرهون رفع الصوت عند ثلث عند القتال وفي الجنازة وفي الذكر، ذكره ابن المنذر في الاشراف(۳)

جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے فتاوے العصر میں مذکور ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے کو مجد الائمہ ترجمانی نے اختیار کیا ہے اور علاء الدین تاجری نے کہا کہ خلاف اولیٰ ہے اور جو ذکر اور قرأت کرنا چاہے اسے چاہئیے کہ دل میں کرے اور قیس بن عبادہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرامؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرامؓ تین جگہ آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے قتال کے وقت اور جنازے میں اور ذکر میں۔(غنیتہ المستملی)

و على متبعي الجنازة الصمت و يكره لهم رفع الصوت بالذكر وقرأة القرآن كذافي شرح الطحاوى (عالمگيرى) (۴)

جنازے کے ساتھ جانے والوں کو خاموشی لازم ہے اور ان کو ذکر یا قرأت قرآن بلند آواز سے کرنا مکروہ ہے۔

---

(۱) باب الجنائز ۱/ ۱۳۹ ط مير محمد كتب خانه' كراچى
(۲) باب احكام الجنائز' فصل في حملها' و دفنها ص ۳٦۷ ط مصطفى البابي' الحلبي مصر
(۳) غنية المستملى (الحلبى الكبير) فصل في الجنائز' البحث الخامس في الحمل ص ۵۹۴ طبع سهيل اكيدمي' لاهور
(۴) باب الجنائز' الفصل الرابع في حمل الجنازة ۱/ ۱٦۲ طبع مكتبه ماجديه' كوئته

اعلم ان الصواب والمختار وما کان علیه السلف السکوت فی حال السیر مع الجنازة فلا یرفع صوت بقراءة ولا ذکر ولا غیر ذلك والحکمة فیه ظاهرة وھی انه اسکن لخاطرہ واجمع لفکرہ فیما یتعلق بالجنازة وھو المطلوب فی ھذا الحال فھذا ھو الحق ولا تغترن بکثرة من یخالفه فقد قال ابو علی الفضیل بن عیاض ما معناہ الزم طریق الھدی ولا یضرك قلة السالکین وایاك و طرق الضلالة ولا تغتر بکثرة الھالکین وقد روینا فی سنن البیھقی (۱) ما یقتضی ما قلته اہ (کتاب الاذکار للنووی)

جاننا چاہیئے کہ راہ حق اور پسندیدہ اور جس پر سلف صالحین کاربند تھے وہ یہی ہے کہ جنازے کے ساتھ چلنے کی حالت میں خاموش رہے اور قرأت یا ذکر بلند آواز سے نہ کیا جائے اور اس کی حکمت ظاہر ہے وہ یہ کہ حالت خاموشی میں دل کو اطمینان اور یکسوئی زیادہ ہوگی جس سے جنازے کے حالات میں اچھی طرح غور و فکر کر سکے گا اور اس حالت میں یہی مطلوب ہے پس یہی حق ہے اور اس سے دھوکا نہ کھانا کہ اس کے خلاف عمل کرنے والے بکثرت ہیں کیونکہ عارف باللہ فضیل بن عیاض نے ایسی بات فرمائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ راہ حق کو لازم پکڑ اور اس کا خیال نہ کر کہ اس راہ کے چلنے والے کم ہیں اور گمراہی کے راستوں سے کنارہ اور اس سے دھوکہ نہ کھا کہ ان راستوں میں چلنے والے (درحقیقت ہلاک ہونے والے) بہت ہیں اور سنن بیہقی میں ایسی روایتیں ہمیں ملی ہیں جن سے ہمارے کلام کی تائید ہوتی ہے۔

قوله و یکرہ رفع الصوت' قیل یکرہ تحریما کما فی القھستانی عن القنیة وفی الشرح عن الظھیریة فان اراد ان یذکر اللہ تعالی ففی نفسه ای سرا بحیث یسمع نفسه و فی السراج و یستحب لمن تبع الجنازة ان یکون مشغولاً بذکر اللہ تعالی والتفکر فیما یلقاہ المیت وان ھذا عاقبة اھل الدنیا و لیحذر عما لا فائدة فیه من الکلام فان ھذا وقت ذکر و موعظة فیقبح فیه الغفلة فان لم یذکر اللہ تعالی فلیلزم الصمت ولا یرفع صوته بالقراءة ولا بالذکر ولا یغتر بکثرة من یفعل ذلك واما ما یفعله الجھال فی القراءة علی الجنازة من رفع الصوت والتمصیط فیه فلا یجوز بالاجماع ولا یسع احدا یقدر علی انکارہ ان یسکت عنه ولا ینکر علیه انتھی (۲)

قولہ بلند آواز سے ذکر مکروہ ہے کہا گیا ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے جیسا کہ قہستانی میں قنیہ سے منقول ہے اور شرح میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی خدا کا ذکر کرنا چاہے تو اپنے نفس میں یعنی چپکے چپکے کرے اس طرح کہ اپنی آواز خود سن سکے اور سراج میں ہے کہ جو شخص جنازے کے پیچھے جائے اس کے لئے

---

(۱) الفتوحات الربانیه علی الاذکار النوویه باب ما یقول الماشی مع الجنازة' الجزء الرابع ۲ ۱۸۳ ط المکتبة الاسلامیه' ریاض

(۲) طحطاوی علی مراقی الفلاح' احکام الجنائز' فصل فی حملھا' و دفنھا ص ۳۶۷ ط مصطفی البابی الحلبی واولادہ' مصر

مستحب ہے کہ خدا کے ذکر میں (آہستہ آہستہ) مشغول رہے اور یہ سوچے کہ میت کو کیا کیا حالات پیش آئیں گے اور یہ کہ اہل دنیا کا انجام یہی ہے اور بے فائدہ باتوں سے بچے کیونکہ یہ وقت ذکر اور نصیحت کا ہے تو ایسے وقت غفلت بری ہے اور اگر ذکر اللہ نہ کرے تو خاموشی لازم سمجھے اور ذکر اور قرأت بلند آواز سے نہ کرے اور اس بات سے دھوکہ نہ کھائے کہ ایسا کرنے والے بہت ہیں اور جاہلوں کا یہ فعل کہ جنازے پر قرأت کرتے ہیں بالاتفاق ناجائز ہے اور جو شخص ان لوگوں کو روک سکے اسے خاموش رہنا اور منع نہ کرنا جائز نہیں۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح)

خلاصہ کلام نصوص فقہیہ مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ جنازے کے ساتھ ذکر الٰہی اور احوال اموات اور انجام دنیا میں غور و تدبر کے ساتھ جانا چاہئے اور بلند آواز سے ذکر کرنا یا قرآن پڑھنا مکروہ ہے ایک روایت سے موجب کراہت تحریمی ہے اور دوسری کے موجب تنزیہی اور دونوں صورتوں میں انکار کرنا چاہئے۔

رسم نمبر ۳۳۔ جنازے کے ساتھ کھانے کے خوانچے آگے آگے لے کر چلتے ہیں جس میں مختلف قسم کے کھانے اور میوے ہوتے ہیں پھر یہ کھانے اور میوے قبرستان میں تقسیم کرتے ہیں۔

حکم شرعی۔ واضح ہو کہ میت کے لئے ایصال ثواب کرنا نہایت مستحسن ہے(۱) کیونکہ اموات خیرات و مبرات کی بہت محتاج اور منتظر رہتی ہیں اور انکو ثواب پہنچانا اپنے عزیز یا دینی بھائی کی امداد و اعانت کرنا ہے اور طریقہ اہل حق یعنی اہل سنت والجماعت کے نزدیک تمام عبادات مالیہ و بدنیہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے پس ہر مسلمان کو مناسب ہے کہ وہ اپنے اموات اعزا و اقارب و احباب و اخوان مسلمین کو ان کے اس آڑے وقت میں نفع پہنچانے اور ان کی امداد و اعانت کرنے میں غفلت نہ کرے اور جہاں تک اس کے امکان میں ہو ان کو ثواب پہنچائے لیکن واضح رہے کہ ثواب پہنچانے کا مطلب صرف یہ ہے کہ انسان جو نیک کام کرتا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کا ثواب اس کے لئے لکھا جاتا ہے پھر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ اختیار بھی عطا فرمادیا ہے کہ اپنا ثواب جس کو پہنچانا چاہے پہنچادے اور صرف اس کہنے سے کہ یا اللہ میرے اس کام یا اس صدقے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچادے۔(۲) یا میں نے اس کام یا اس صدقہ کا ثواب فلاں شخص کو بخش دیا اس میت کو ثواب پہنچ جاتا ہے یعنی شریعت مقدسہ نے ثواب پہنچانے کے لئے اس طریقہ کے علاوہ کوئی خاص صورتیں اور خاص قیود مقرر نہیں فرمائیں اور رسول اکرم ﷺ یا صحابہ کرامؓ یا تابعین یا ائمہ مجتہدین و سلف صالحین سے بھی ایصال ثواب کے لئے کوئی خاص قیود اور خاص صورتیں منقول نہیں لیکن لوگوں نے ایصال ثواب کے لئے

---

(۱) صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بان للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة او صوما او صدقة او غيرها الخ وفي البحر : من صام او صلى او تصدق و جعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز و يصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت واهداء ثوابها له ۲ / ۲۴۳ طبع محمد سعيد)

(۲) ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة واول البقرة الى المفلحون واية الكرسي ثم يقول اللهم اوصل ثواب ما قرأناه الى فلان او اليهم (رد المحتار، باب صلاة الجنائز ۲ / ۲۴۳ طبع محمد سعيد)

نئے طریقے اور اس کے لئے خاص خاص صورتیں ایجاد کر کے انہیں لازم کر لیا اور سمجھ بیٹھے کہ بس اسی طرح ثواب پہنچتا ہے یا اس طرح پہنچانے سے زیادہ ثواب پہنچتا ہے کسی نے ایصال ثواب کے لئے خاص دن مقرر کر لئے کسی نے صدقے کے لئے خاص خاص چیزیں اور ان کی مقدار معین کر لی کسی نے مقامات کی تعیین کر لی کہ مثلاً قبر پر ہونا چاہئیے کسی نے کچھ کسی نے کچھ ان قیودات اور تعینات مخترعہ کی وجہ سے ایصال ثواب جیسا نیک کام بدعات کا مجموعہ بن گیا اور حسب تصریح فقہائے کرام وہ بجائے مفید ہونے کے الٹا نقصان کا سبب ہو گیا ایصال ثواب کے متعلق جس قدر قیودات و تعینات غیر مشروعہ ایجاد کی گئی ہیں یا بوجہ التزام واہتمام وہ غیر مشروع اور بدعت ہو گئی ہیں ان کی　　کے لئے ایک دفتر درکار ہے بہت سی ایسی صورتیں ہیں کہ فقہائے کرام کے زمانے میں وہ پیدا ہو گئی تھیں ان کے احکام تو فقہاء کے کلام میں مذکور ہیں لیکن بہت سی ایسی ہیں کہ ان کا وجود تھوڑے زمانے سے ہوا ہے اس لئے خاص ان کا ذکر کتب فقہ میں نہیں ملتا یہاں پر افسوس اور سخت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان بدعات کی ترویج واشاعت میں عوام الناس زیادہ قابل الزام نہیں بلکہ وہ نام کے علماء ہیں جنہوں نے لوگوں سے بحیلہ ایصال ثواب اپنے علم کا خراج وصول کرنا اپنا انتہائی مقصود سمجھ رکھا ہے ان بدعات کے زیادہ ذمہ دار یہی حضرات ہیں جنہوں نے عوام کو سمجھایا کہ تمہاری یہ تمام ایجادیں جائز ہیں بلکہ مستحب و سنت ہیں اور بجائے اس کے کہ بدعات سے ان کو نفرت دلاتے اور سنت نبویہ کی تعلیم کرتے اور اس کے اتباع کا شوق اور محبت ان کے دلوں میں پیدا کرتے صحابہ کرام کے حالات ان پر پیش کرتے ائمہ دین و سلف صالحین کی پاک سیرت انہیں سکھاتے۔ ایک طوفان بدعات میں انہیں غرق کر دیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان خدا ترس اور اہل حق علماء کے خلاف زہر اگلنا شروع کیا' جنہوں نے ان کو بدعت بتایا اور بدعت کے برے انجام اور نتیجہ بد سے آگاہ کیا حالانکہ اہل حق فقہ حنفیہ کی صریح عبارتیں پیش کرتے ہیں رسول اکرم ﷺ کے صاف ارشادات بیان کرتے ہیں مگر ان کو وہابی غیر مقلد بتا کر عوام کے قلوب کو ان سے برگشتہ کرتے رہتے ہیں، حالانکہ درحقیقت خود اپنے مذہب اور فقہ حنفیہ کی صریح مخالفت کر کے حقیقی طور پر خود غیر مقلد بنتے ہیں مگر ان بدعات کی اشاعت سے جو آمدنی ان کو ہوتی ہے اس کے مقابلے میں ترک تقلید و ترک سنت بھی کچھ اختیار کر لیتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔

منجملہ دیگر رسوم ایصال ثواب کی ایک رسم یہ بھی ہے جو نمبر ۳ میں بیان کی گئی ہے یہ کام اگرچہ ایصال ثواب کے حیلہ سے کیا جاتا ہو مگر اس کی یہ صورت کہ جنازے کے ساتھ کھانا قبرستان کو لے جایا جائے بدعت ہے اور چونکہ فقہاء کے زمانے میں یہ رسم پیدا ہو گئی تھی اس لئے اس کا صریح حکم کتب فقہ میں موجود ہے اور وہ یہ ہے۔

قوله بدعة اى قبيحة كالمسمى بالكفارة ذكر ابن الحاج في المدخل في الجزء الثانى ان من البدع القبيحة ما يحمل امام الجنازة من الخبز والخرفان و يسمون ذلك عشاء القبر واذا وصلوا اليه ذبحوا ذلك بعد الدفن و فرقوه مع الخبز وذكر مثله المناوى فى شرح الاربعين فى حديث من احدث فى امرنا هذا ما ليس منه فهو رد قال و يسمون ذلك بالكفارة فانه بدعة

مذمومة قال ابن امیر حاج ولو تصدق بذلك في البيت سرا لكان عملا صالحاً لو سلم من البدعة اعني ان يتخذ ذلك سنة او عادة لانه لم يكن من فعل من مضے یعنی السلف والخير كله في اتباعهم اه(۱) (طحطاوی علی مراقی الفلاح)

یعنی لوگوں کا جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے کل حی سیموت یا اس جیسا اور ذکر کرنا بدعت ہے یعنی بدعت قبیحہ ہے جیسے وہ رسم جسے کفارہ کہا جاتا ہے علامہ ابن الحاج نے اپنی کتاب مدخل کے جزو ثانی میں ذکر کیا ہے کہ بدعات قبیحہ میں سے ہے' یہ رسم کہ جنازے کے آگے روٹیاں اور بکری کے بچے لے جاتے ہیں اور اسے عشاء قبر (اور بعض جگہ توشہ کہتے ہیں) اور قبر پر پہنچ کر بکری کے بچوں کو دفن کے بعد ذبح کرتے ہیں اور ان کا گوشت روٹیوں کے ساتھ تقسیم کرتے ہیں اور ایسا ہی علامہ مناوی نے شرح اربعین میں حدیث من احدث الخ کے تحت میں لکھا ہے اور کہا کہ اسے لوگ کفارہ کہتے ہیں اور یہ بدعت مذمومہ ہے علامہ ابن امیر حاج نے فرمایا کہ اگر وہ یہ روٹیاں وغیرہ گھر پر ہی تقسیم کر دیتے تو نیک عمل ہوتا بشرطیکہ وہ بھی بدعت سے سالم رہتا یعنی اسے سنت نہ سمجھا جاتا یا اس کی عادت نہ کرلی جاتی کیونکہ یہ کام سلف میں پایا نہیں گیا اور خیریت تمام کی تمام اتباع سلف میں ہے۔

اس عبارت میں جو علامہ سید احمد طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح میں نقل کی ہے صاف طور پر اس رسم کا صریح رد ہے جو لوگوں میں رواج پذیر ہوگئی ہے کہ قبرستان میں جنازے کے ساتھ کھانا وغیرہ لے جا کر تقسیم کرتے ہیں اور اسے بدعت قبیحہ مذمومہ بتایا ہے نیز علامہ ابن امیر حاج کے کلام سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر مکان پر بھی صدقہ کیا جائے تو اس کے جواز یا استحسان کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ اسے سنت نہ سمجھا جائے اور اس کا التزام اور عادت نہ کرلی جائے ورنہ وہ بھی ناجائز اور بدعت ہو جائے گا نیز یہ بھی صاف فرمادیا کہ خیریت اور بھلائی اتباع سلف میں منحصر ہے اس صریح عبارت اور صاف دلیل کے علاوہ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ چونکہ اس رسم کے ادا کرنے میں ریاء و شہرت اور پابندی رسم و رواج خیالات کا ضروری طور پر دخل ہوتا ہے اس لئے اس کے ناجائز اور بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ جو کام بغرض ریاء و سمعہ کیا جائے اس میں ثواب کی امید رکھنا ایک خیال عبث ہے اور کتب فقہ میں تصریح موجود ہے کہ ایسے افعال واجب الترک ہیں۔

لاشك في فرضية علم الفرائض الخمس و علم الاخلاص لان صحة العمل موقوفة عليه و علم الحلال و الحرام و علم الرياء لان العابد محروم من ثواب عمله بالرياء اه (ردالمحتار شامی) (۲)

اس میں شک نہیں کہ فرائض خمسہ کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور اسی طرح علم اخلاص

---

(۱) باب احكام الجنائز' فصل في حملها و دفنها ص ۳٦٧ ط مصطفى البابي' مصر
(۲) مقدمة : مطلب في فرض الكفاية' و فرض العين ١ / ٤٢ ط سعيد

کیونکہ عمل کی صحت اخلاص پر موقوف ہے اور علم حلال و حرام اور علم ریاء بھی فرض ہے کیونکہ ریاء کی وجہ سے عبد اپنی عبادت اور عمل کے ثواب سے محروم رہتا ہے۔

وفی البزازیة و یکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثانی(۱) و الثالث و بعد الاسبوع و نقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن و جمع الصلحاء والقراء للختم اولقراءة سورة الانعام و الاخلاص والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قرأة القرآن لاجل الاکل یکره و فیها من کتاب الاستحسان و ان اتخذطعاما للفقراء کان حسنا اه واطال فی ذلک فی المعراج وقال وهذه الافعال کلها للسمعة والریاء فتحرز عنهالانهم لا یریدون بها وجه الله تعالی اه(۲)

بزازیہ میں ہے کہ موت کے پہلے اور دوسرے اور تیسرے دن اور ساتویں دن کھانا کرنا اور قبر پر کھانا لے جانا مواسم میں اور قرآن پڑھنے پڑھانے کے لئے دعوت کرنا اور صلحاء اور قراء کو ختم قرآن کے لئے یا سورہ انعام و اخلاص پڑھنے کے لئے جمع کرنا یہ سب مکروہ ہے اور حاصل یہ ہے کہ قرأۃ قرآن کے وقت کھانا کرنا مکروہ ہے اور فتاویٰ بزازیہ کی کتاب الاستحسان میں ہے کہ اگر فقراء کے لئے کھانا پکایا جائے تو اچھا ہے اور معراج میں طویل بحث کر کے کہا کہ یہ تمام افعال شہرت و ناموری کے لئے کئے جاتے ہیں پس ان سے احتراز کیا جائے کیونکہ لوگ ان سے خدا کی خالص رضامندی کا قصد نہیں کرتے (ردالمحتار شامی)

اس عبارت میں کئی باتیں نہایت صاف طور سے مذکور ہیں اول یہ کہ میت کے پہلے روز یعنی یوم انتقال و دفن میں کھانا پکوانا اور اجتماع کرنا اور ختم قرآن کا اہتمام کرنا اور اجتماع اور تیسرے روز اور پھر ہفتہ کے بعد یہی اہتمام اور اجتماع کرنا یہ سب مکروہ ہے اور یہ افعال اکثری طور پر بغرض شہرت و ریاء و نمود کئے جاتے ہیں اس لئے بدعت و ناجائز ہیں اگر فقراء کو کھانا کھلایا جائے یا تقسیم کیا جائے تو بشرطیکہ اسے سنت نہ سمجھا جائے اور اس کا التزام نہ کر لیا جائے تو جائز ہے یعنی بغیر کسی تعیین وقت یا تخصیص طعام کے جس وقت میسر ہو بغرض خوشنودی خدا تعالیٰ کھانا پکا کر فقراء کو کھلا دو یا تقسیم کر دو اور اس کا ثواب میت کو پہنچادو تو مضائقہ نہیں بلکہ بہتر ہے۔

رسم نمبر ۳۔ دفن کے بعد قبرستان سے واپس ہوتے ہیں تو راستے میں ایک شخص پان کا خوانچہ لئے کھڑا رہتا ہے وہ سب کو پان تقسیم کرتا ہے اور گلاب چھڑکتا ہے جیسے شادی میں کرتے ہیں۔
حکم شرعی۔ اگر یہ پان اہل میت کی طرف سے تقسیم کئے جاتے ہیں تو اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اہل میت سے کسی قسم کی دعوت لینا مکروہ اور بدعت ہے اور یہ پان تقسیم کرنا بھی ایک قسم کی دعوت ہے جو اس کے ذمہ لازم کردی گئی ہے یا اس نے خود لازم کرلی ہے۔

....

(۱) کذافی هامش رد المحتار ۱۲ منه
(۲) رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی کراهیة الضیافة من اهل البیت ۱ / ۲۴۰ ط سعید

قال في الفتح و يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة الخ (رد المحتار) (۱)

فتح القدیر میں ہے کہ اہل میت کی جانب سے کھانے کی دعوت کا لینا مکروہ ہے کیونکہ دعوت خوشی کے موقع پر مشروع ہے نہ غمی پر اور یہ بری بدعت ہے۔

اسی طرح گلاب چھڑکنا بے اصل اور بدعت ہے کیونکہ اس موقع پر حاضرین پر گلاب چھڑکنے کی کوئی معقول وجہ نہیں سوائے اس کے کہ اپنی ناموری اور ریاء مقصود ہو اس سے میت کو ثواب پہنچانا بھی تو مقصود نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ کوئی عبادت اور قربت کا کام نہیں ہے نہ صدقہ ہے لہذا یہ فعل بھی واجب الترک ہے۔(۲)

رسم نمبر ۵۔ جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کے ذمہ جتنے روزے اور نمازیں وغیرہ ہوتی ہیں اس کے لئے ساڑھے باون سیر گیہوں اور ایک قرآن شریف رکھتے ہیں اور مؤذن یا ملا کو بلا کر اسے کہتے ہیں کہ فلاں بن فلاں کے ذمہ جس قدر روزے نمازیں باقی ہیں ان کے عوض میں تمہیں یہ گیہوں اور قرآن مجید دیا جاتا ہے تم نے قبول کیا وہ کہتا ہے ہاں قبول کیا پھر وہ ملا گیہوں اور قرآن شریف لے جاتا ہے اس طریقے کو اوسنے دینا کہتے ہیں۔

حکم شرعی۔ یہ رسم تھوڑے تھوڑے اختلاف اور تفاوت کے ساتھ ہندوستان کے بعض شہروں میں بھی رائج ہے اور اسے اسقاط کہتے ہیں اس کی اصل یہ ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ فرائض اسلامیہ کی قضا باقی ہو جس میں نماز روزے کفارہ قسم قربانی وغیرہ داخل ہیں تو ان فرائض و واجبات کا فدیہ اس کی طرف سے ادا کرنے سے امید ہے کہ اس کا ذمہ بری ہو جائے پھر اگر میت نے وصیت کردی ہو کہ میری تمام نمازوں اور روزوں وغیرہ کا فدیہ دے دیا جائے جب تو وارث کو لازم ہے کہ جس قدر نمازیں اور روزے وغیرہ میت نے بتائے ہیں یا وارث کو معلوم ہیں ان کا پورا فدیہ دے اور ثلث مال تک اس میں خرچ کرے اگر بصورت وصیت پورا فدیہ ثلث مال یا اس سے کم میں ادا ہو جاتا ہے تو پورے فدیہ کے ادا کرنے میں وارث گناہگار ہوگا۔

ولو مات و عليه صلوت فائتة واوصى بالكفارة يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة و كذا حكم الوتر والصوم وانما يعطى من ثلث ماله (۳)(درمختار)

اگر کوئی شخص مر گیا اور اس پر قضا نمازیں تھیں اور فدیہ دینے کی وصیت کر گیا تو ہر نماز و وتر اور روزے کے بدلے نصف صاع گیہوں مثل صدقہ فطر کے دیئے جائیں اور صرف ثلث مال سے فدیہ دیا

(۱) باب صلاة الجنائز مطلب في كراهة الضيافة من اهل الميت ۲ / ۲٤۰ ط سعيد

(۲) وفي تبيين المحارم لاشك في فرضية علم الفرائض الخمس و علم الاخلاص و علم الرياء لان العابد محروم عن ثواب عمله بالرياء (رد المحتار مقدمة مطلب في فرض الكفاية و فرض العين ۱ / ٤۲ ط سعيد)

(۳) باب قضاء الفوائت ۲ / ۷۲ ط سعيد

جائے گا۔

اور اگر میت نے باوجود مال ہونے کے وصیت نہیں کی یا وصیت کی مگر جتنی نمازیں اور روزے اس کے ذمہ تھے ان سب کے فدیہ کی پوری مقدار کی وصیت نہیں کی تو پہلی صورت میں وارث کے ذمہ فدیہ دینا اور دوسری صورت میں پورا فدیہ دینا (خواہ ثلث کے اندر ہو) ضروری نہیں اور مرنے والا ان دونوں صورتوں میں گناہ گار ہوگا۔

قوله لولم يترك مالا' اى اصلا او كان ما اوصى به لا يفي زاد في الامداد اولم يوص بشئ واراد الولي التبرع الخ - واشار بالتبرع الى ان ذلك ليس بواجب على الولي و نص عليه في تبيين المحارم فقال لا يجب على الولي فعل الدوروان اوصٰى به الميت لانها وصية بالتبرع والواجب على الميت ان يوصي بما يفي ان لم يضق الثلث عنه فان اوصى باقل وامر بالدور و ترك بقية الثلث للورثة او تبرع به لغير هم فقد اثم بترك ما وجب عليه اه (۱) (رد المحتار)

یعنی میت نے کچھ مال نہیں چھوڑا یا جو وصیت کی ہے وہ فدیہ کی مقدار واجب سے کم ہے امداد میں یہ صورت اور بڑھائی کہ یا بالکل وصیت نہیں کی اور ولی نے تبرع کرنا چاہا اور لفظ تبرع سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ یہ فعل ولی پر واجب نہیں اور تبیین المحارم نے اس پر تصریح کی اور کہا کہ ولی پر فعل دور واجب نہیں اگرچہ میت نے اس کی وصیت کی ہو کیونکہ یہ وصیت بالتبرع ہے اور میت پر واجب یہ ہے کہ وہ اتنی مقدار کی وصیت کرے جو فدیہ واجبہ کو کافی ہو بشرطیکہ ثلث مال میں اتنی گنجائش ہو تو اگر میت نے مقدار واجب سے کم وصیت کی اور دور کا حکم کیا اور بقیہ ثلث ورثہ کے لئے چھوڑ دیا یا کسی اور کو دلوا دیا تو میت بوجہ ترک واجب گناہ گار ہوا۔

اور جب کہ میت نے بالکل وصیت نہیں کی یا مال نہیں چھوڑا یا ثلث سے زائد کی وصیت کی یا تھوڑے سے روزوں اور نمازوں کے فدیہ کی وصیت کی حالانکہ ثلث میں اس سے زیادہ گنجائش تھی یہ چار صورتیں ہیں پہلی دو صورتوں میں وارث کے ذمہ بالکل اور تیسری صورت میں زائد علی الثلث اور چوتھی صورت میں زائد علی الوصیۃ فدیہ دینا واجب نہیں لیکن اگر وارث تبرعاً دینا چاہے تو دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وارث مالدار ہو اور میت کے ذمہ جس قدر نمازیں روزے وغیرہ فرائض وواجبات شرعیہ ہیں ان سب کا پورا حساب کر کے فدیہ دے تو اس کے جواز بلکہ استحسان میں کلام نہیں بلاشبہ یہ فعل جائز اور مستحسن ہے دوسری صورت یہ کہ وارث کے پاس بھی مال نہیں ہے یا ہے مگر وہ پورا فدیہ دینا نہیں چاہتا تو اس کے لئے فقہاء نے ایک صورت تجویز کی ہے کہ اس پر عمل کرنے سے ممکن ہے کہ میت کا ذمہ بھی بری ہو جائے اور وارث پر بھی زیادہ بار نہ ہو وہ یہ کہ جس قدر نمازوں کا وہ فدیہ دے سکتا ہو (خواہ اپنے مال سے یا قرض لے کر) اتنی نمازوں کی طرف سے وہ فدیہ کسی فقیر کو دے مثلاً اس کے پاس چار صاع گیہوں ہیں تو یہ کہے کہ یہ آٹھ نمازوں کا فدیہ ہے

(۱) باب قضاء الفوائت مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت ۲ / ۷۳ ط سعيد

اور فقیر کو دے کر قبضہ کرادے پھر وہ فقیر یہ گیہوں وارث کو ہبہ کر دے اور وارث قبضہ بھی کرلے پھر یہ وارث وہی گیہوں اسی فقیر یا کسی دوسرے فقیر کو اور آٹھ نمازوں کے بدلے میں دے اور پھر وہ فقیر وارث کو ہبہ کرکے قبضہ کرادے اسی طرح اگر میت کے ذمہ اسی نمازیں تھیں تو دس مرتبہ دور کرے یعنی وارث فقیر کو دے اور فقیر وارث کو ہبہ کرے اور ہر مرتبہ قبضہ کرلینا شرط ہے ورنہ صدقہ یا ہبہ صحیح نہ ہوگا پھر جب نمازیں پوری ہو جائیں تو روزوں کے بدلے اسی طرح کرے کہ یہ چار صاع آٹھ روزوں کے بدلے میں دے اور پھر فقیر اسے ہبہ کردے وہکذا یہاں تک کہ روزے پورے ہو جائیں پھر دوسرے واجبات کو اسی طرح پورا کیا جائے اور جب سب سے فارغ ہو جائیں تو اخیر میں خواہ فقیر وارث کو ہبہ نہ کرے لیکر چلا جائے یا ہبہ کرے تو وارث اپنی رضامندی سے فقیر کو یہ کل چار صاع یا اس کا کوئی حصہ دیدے یہ ہے اسقاط کی وہ ترکیب جو فقہاء نے بیان فرمائی ہے لیکن اس ترکیب سے اسقاط جہاں تک ہمیں علم ہے کوئی نہیں کرتا۔

ولو لم يترك مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلا و يدفعه لفقير ثم يدفعه الفقير للوارث ثم و ثم حتى يتم (درمختار) (۱) قوله يستقرض الخ والا قرب ان يحسب ما على الميت و يستقرض بقدره بان يقدر عن كل شهرا و سنة فيستقرض قيمتها و يدفعها للفقير ثم يستوهبها منه و يتسلمها منه لتتم الهبة ثم يدفعها كذلك الفقير او لفقير اخر وهكذا فيسقط في كل مرة كفارة سنة و بعد ذلك يعيد الدور لكفارة الصيام ثم للاضحية ثم للايمان لكن لا بد في كفارة الايمان من عشرة مساكين انتهى مختصرا (۲)

یعنی اگر میت نے کچھ مال نہیں چھوڑا (یا چھوڑا مگر وصیت نہیں کی یا زائد علی الثلث وصیت کی یا وصیت سے زائد فدیہ دینا چاہے) تو وارث نصف صاع مثلاً قرض لے کر (یا اپنے پاس سے) کسی فقیر کو دے پھر فقیر وارث کو ہبہ کرے پھر اور پھر یہاں تک کہ تمام فرائض وواجب پورے ہو جائیں یعنی اقرب یہ ہے کہ میت کے ذمہ کے فرائض وواجبات کا حساب کرلیا جائے اور وارث ایک خاص تعداد فرائض کے فدیہ کی مقدار قرض لے (یا اپنے پاس سے دے) مثلاً ایک مہینہ کی نمازوں کا اتنا فدیہ ہوا یا ایک سال کا اتنا ہوا پھر وہ ایک مہینہ یا ایک سال کی نمازوں کے بدلے میں فقیر کو دے اور پھر فقیر سے اپنے لئے ہبہ کرا کے قبضہ کرلے تاکہ ہبہ پورا ہو جائے پھر اسی فقیر کو یا کسی دوسرے فقیر کو دے اور اسی طرح کرتا رہے تو ہر دفعہ میں ایک مہینہ یا ایک سال کی نمازیں ساقط ہوتی رہیں گی اور جب نمازیں پوری ہو جائیں تو اس کے بعد روزوں کا کفارہ پھر قربانیوں کا پھر قسم کا پورا کیا جائے لیکن قسموں کے کفارہ میں ضروری ہے کہ ہر قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو دیا جائے۔

لیکن یہ بھی واضح رہے کہ عبارات مذکورہ سے صراحۃً معلوم ہو گیا کہ یہ فعل اسقاط (فعل دور) وارث کے ذمہ واجب اور ضروری نہیں بلکہ محض تبرع ہے اور ابراء ذمہ میت کے لئے ایک حیلہ ہے اگر اس

(۱) باب قضاء الفوائت ۲/۷۲ ط سعید

(۲) رد المحتار' باب قضاء الفوائت' مطلب في بطلان الوصية بالختمات' والتهاليل ۲/۷۳ ط سعيد

ضروری سمجھا جائے یا سنت سمجھا جائے تو ناجائز اور بدعت ہو جائے گا جیسا کہ رسم نمبر ۳ کے بیان میں علامہ طحطاوی کی عبارت سے صراحۃً معلوم ہو چکا ہے،(۱) نیز یہ بھی ضروری ہے کہ بصورت عدم وصیت میت کے ترکہ میں سے جب تک کہ تمام ورثہ بالغ اور حاضر نہ ہوں کوئی مقدار اسقاط میں نہ دی جائے اور ثلث تک کی وصیت میں زائد علی الثلث اور ثلث سے کم کی وصیت میں زائد علی الوصیۃ بدون رضا تمام ورثہ کے اسقاط میں کوئی مقدار نہ دی جائے اگر کوئی دے گا وہ خود ضامن ہوگا۔

الحاصل اس تمام بیان سے ثابت ہو گیا کہ اسقاط کا یہ طریقہ جو رسم نمبر ۵ میں بیان کیا گیا ہے کہ ساڑھے باون سیر گیہوں اور ایک قرآن مجید تمام فرائض وواجبات کے فدیہ میں دیتے ہیں بے اصل اور ناجائز ہے بے اصل ہونا تو اس لئے کہ اس خاص مقدار کے تمام فرائض وواجبات کی طرف سے کافی ہو جانے کی کوئی دلیل نہیں اور ناجائز ہونا اس لئے کہ اس میں ساڑھے باون سیر کی تعیین بدعت ہے نیز قرآن مجید کی کوئی قیمت متعین نہیں کی جاتی کہ اس کے لحاظ سے فدیہ کی مقدار معین ہو کہ کتنی نمازوں کا ہوا۔

تنبیہ۔ یہ رسم بعض مقامات میں اس طرح ادا کی جاتی ہے کہ صرف ایک قرآن مجید فقیر کو یہ کہہ کر دے دیتے ہیں کہ قرآن مجید چونکہ خدا کا کلام ہے اس لئے اس کی کوئی قیمت نہیں اور بوجہ بے قیمت ہونے کے تمام نمازوں اور روزوں اور دیگر واجبات کا جس قدر کفارہ میت کے ذمہ ہو اس سب کے بدلے میں ہم یہ قرآن دیتے ہیں اور فقیر قبول کر لیتا ہے یہ طریقہ بھی ناجائز ہے کیونکہ یہی حضرات جو فدیہ میں قرآن شریف کو بے قیمت بتاتے ہیں جب فدیہ کے واسطے خریدنے جاتے ہیں تو بجائے روپیہ کے بارہ آنے اور بجائے بارہ آنے کے دس آنے کو جھگڑ جھگڑ کر خریدتے ہیں خریدتے وقت اس کا بے قیمت ہونا بھول جاتے ہیں اور یہ تو تقریباً محال ہے کہ دکاندار اگر اس کی قیمت ایک روپیہ بتائے تو یہ بنظر قدر شناسی قرآن مجید اس کو دو روپے خود دیدیں بہر حال یہ قرآن مجید جو کاغذ پر لکھا یا چھپا ہوا ہوتا ہے شرعاً مال متقوم ہے اور کفارات و معاوضات میں اس کی اصل قیمت کا اعتبار ہوگا اور اس لئے وہ صرف اتنی نمازوں کا فدیہ ہو سکے گا جتنی نمازوں کے فدیہ تک اس کی قیمت پہنچے گی دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بعض مقامات میں لوگ کچھ غلہ فقیر کو یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ میت کے ذمہ جو کچھ گناہ تھے وہ تم نے اپنے اوپر لئے ؟ اور جاہل فقیر کہتا ہے کہ لئے اور وہ غلہ اس کو دے دیا جاتا ہے۔

یہ صورت تمام صورتوں سے بدتر ہے اور اس میں ڈر ہے کہ دینے والوں اور لینے والوں کا ایمان بھی جاتا رہے دینے والوں کا اس لئے کہ انہوں نے صریح طور پر آیہ قرآنی **ولا یوخذ منھا عدل** (۲) اور **ولا تزر وازرۃ وزر اخری** (۳) کے خلاف یہ عقیدہ جمایا کہ میت کے گناہوں کے بدلے میں یہ چند پیسوں یا روپوں کا غلہ فدیہ بن گیا اور یہ کہ گناہوں کا مواخذہ اصل مجرم سے ہٹا کر کسی دوسرے کے ذمہ بھی ڈالا جا سکتا

---

(۱) ولو تصدق في بذاك في البيت سرالكان عملا صالحاً لو سلم من البدعة اعني ان يتخذ ذالك سنة اوعادة (طحطاوى على مراقي الفلاح' باب احكام الجنائز' فصل في حملها و دفنها ص ۳۶۷ طبع مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۲) واتقوا يوما لا تجزى نفس عن نفس شيئاً ولا يقبل منها شفاعة ولا يؤخذ منها عدل ولاهم ينصرون ' البقرة ۴۸

(۳) الفاطر : ۱۸

ہے اور یہ دونوں باطل اور قطعاً باطل ہیں اور لینے والے جاہل کا ایمان بھی ان ہی وجوہ سے معرض خطر میں آ گیا نیز اس لئے کہ اس نے خدا کے عذاب کو ہلکا سمجھا اور اس کو اپنے سر پر لینے کی جرأت کی **نعوذ باللہ من ھذہ الجہالات** ۔

رسم نمبر ۶ ۔ میت کے مکان پر اس کے مرنے کے بعد کچھ دنوں تک بھاری جلسہ رہتا ہے لوگ آتے بیٹھتے ہیں کھاتے پیتے ہیں چرٹ (سگار بڑا سگریٹ) چائے پان کا شغل رہتا ہے سات آٹھ روز تو اس طرح گزرتے ہیں اس کے بعد ایک بڑا جلسہ ہوتا ہے جس کو ختم کا جلسہ کہتے ہیں اس میں کچھ لوگ تو ختم پڑھتے ہیں مگر امیر غریب سب قسم کے لوگ شامل ہوتے ہیں مٹھائی تقسیم ہوتی ہے گویا ایک شادی کا مجمع ہے ۔ بسا اوقات یہ تمام مصارف ترکہ میں سے ادا کئے جاتے ہیں حالانکہ بعض چھوٹے وارث بچے یا غیر حاضر بھی ہوتے ہیں نیز کھانے والے اور مٹھائی لینے والے امراء بھی ہوتے ہیں۔

حکم شرعی ۔ اس رسم میں کئی باتیں ہیں اول اہل میت کا اپنے مکان پر اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لئے آئیں دوسرے لوگوں کا اہل میت کے مکان پر جمع ہونا تیسرے اہل میت کا آنے والوں کو پان چائے چرٹ کھانا وغیرہ کھلانا یا مٹھائی تقسیم کرنا چوتھے سات آٹھ روز کے بعد ختم کا جلسہ کرنا اور اس میں امیروں اور غریبوں سب کو کھانا کھلانا یا مٹھائی تقسیم کرنا پانچویں ترکہ میں سے یہ سب مصارف ادا کرنا ان سب کا حکم جدا جدا بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) اہل میت کی تعزیت کرنا مستحسن ہے جس کا بہتر وقت دفن کے بعد وہی روز دفن یا اگر رات کو دفن کیا جائے تو اس کے بعد کا دن ہے اور اس کے بعد تین دن تک کی اجازت ہے اور اہل میت کا اپنے مکان پر اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لئے آئیں یہ بھی صرف تین دن تک جائز ہے مگر بہتر یہی ہے کہ نہ بیٹھے اور اکثر متاخرین اس سے بھی منع کرتے ہیں اور تین دن سے زیادہ بیٹھنا باتفاق فقہاء مکروہ ہے مگر جو شخص سفر سے آیا ہو وہ اس کراہت سے مستثنیٰ ہے کہ اسے تین دن کے بعد بھی تعزیت کرنا جائز ہے اور گھر کے باہر دروازے پر نکل کر بیٹھنا باتفاق مکروہ ہے اور جو شخص ایک مرتبہ تعزیت کر آئے اس کو دوبارہ جانا مکروہ ہے۔

لا باس بتعزیة اھله و ترغیبھم فی الصبر و باتخاذ طعام لھم و بالجلوس لھا فی غیر مسجد ثلاثة ایام واولھا افضل و تکرہ بعد ھا الالغائب و تکرہ التعزیة ثانیاً و عند القبر و عند باب الدار و یقول اعظم اللہ اجرك و احسن عزاء ك و غفر لمیتك اھ (درمختار) (۱)

یعنی اہل میت کی تعزیت کرنے میں مضائقہ نہیں اور ان کو صبر کی ترغیب دینے میں اور ان کے لئے کھانا بھیجنے میں اور بغرض تعزیت مسجد کے علاوہ کسی مکان میں بیٹھنے میں تین دن تک مضائقہ نہیں تعزیت

(۱) باب صلاۃ الجنائز ۲ / ۲۴۰، ۲۴۱ ط سعید

کے لئے پہلا دن افضل ہے اور تین دن کے بعد تعزیت مکروہ ہے مگر اس کے لئے جو سفر سے آیا ہو اور دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے اور گھر کے دروازے پر بیٹھنا بھی مکروہ ہے تعزیت میں یہ الفاظ کہے ''خدا تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے اور صبر حسن کی توفیق عطا فرمائے اور تمہاری میت کو بخش دے۔

وفي خزانة الفتاوى و الجلوس للمصيبة ثلاثة ايام رخصة و تركه احسن كذافي معراج الدراية (عالمگيری)(۱)

خزانۃ الفتاویٰ میں ہے کہ بوقت مصیبت تین دن تک بیٹھنے کی رخصت تو ہے مگر اس کا ترک بہت بہتر ہے۔

(۳-۲) یعنی لوگوں کا اہل میت کے مکان پر جمع ہونا اور اہل میت کا انہیں پان' چائے' چرٹ' مٹھائی تقسیم کرنا یا کھانا کھلانا یہ باتیں بھی مکروہ ہیں اگرچہ تعزیت کے لئے تین دن تک لوگوں کو جانا جائز ہے اور اتفاقی طور پر وہاں دو چار آدمی جمع ہو جائیں تو مضائقہ نہیں لیکن قصداً جمع ہونا اور اجتماع کی شکل قصداً پیدا کرنا مکروہ ہے اور میت کا لوگوں کو کچھ کھلانا یا کچھ تقسیم کرنا یہ سب مکروہ ہے۔

في الامداد وقال كثيرمن متاخرى ائمتنا يكره الاجتماع عند صاحب الميت و يكره له الجلوس في بيته حتى يأتي اليه من يعزى بل اذا فرغ و رجع الناس من الدفن فليتفرقوا و يشتغل الناس بامورهم و صاحب الميت بامره انتهى(۲) **(رد المحتا رشا مى)**

امداد میں ہے کہ ہمارے ائمہ حنفیہ میں بہت سے متاخرین نے فرمایا ہے کہ اہل میت کے مکان پر لوگوں کا اجتماع مکروہ ہے' اور اہل میت کو گھر میں اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ آئیں اور تعزیت کریں یہ بھی مکروہ ہے بلکہ جب دفن سے فارغ ہو کر واپس آئیں تو چاہئے کہ سب متفرق ہو جائیں لوگ اپنے اپنے کام میں لگ جائیں اور اہل میت اپنے کام میں۔

يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع في السرور لا في الشرور و هي بدعة مستقبحة روى الامام احمد و ابن ماجة باسناد صحيح عن جرير بن عبدالله قال كنا نعد الاجتماع الىٰ اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة (رد المحتار نقلا عن فتح القدير)(۳)

یعنی اہل میت کا لوگوں کے لئے کھانے کی دعوت تیار کرنا (جس میں پان' چائے' مٹھائی بھی داخل ہے) مکروہ ہے کیونکہ دعوت خوشی میں مشروع ہے نہ کہ غمی میں اور یہ قبیح بدعت ہے' امام احمدؒ اور ابن ماجہؒ نے بسند صحیح جریر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم (یعنی صحابہ کرامؓ) اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور اہل میت کے کھانا کرنے کو نیاحہ میں داخل سمجھتے تھے۔

---

(۱) باب الجنائز' الفصل السادس في القبر' والدفن' والنقل من مكان الى مكان آخر ۱/۱۶۷ طبع مكتبه ماجديه عيد گاه طوغي رود كوئته

(۲) باب صلاة الجنائز ۲/۲٤۱ ط سعيد

(۳) باب صلاة الجنائز' مطلب في كراهة الضيافة من اهل الميت ۲/۲٤۰ ط سعيد

نیاحۃ کے معنی ہیں کہ جاہلیت میں میت کا ماتم کرنے کے لئے عورتیں جمع ہو کر روتی تھیں اور میت کے اوصاف بیان کرتی تھیں شریعت نے نیاحۃ سے منع فرمایا اور اسے حرام قرار دیا ہے۔ (۱)

حضرت جریر بن عبداللہؓ صحابی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اس اجتماع اور میت کی طرف سے کھانا کرنے کو بھی اس نیاحۃ ممنوعہ میں داخل سمجھتے تھے، (۲) یعنی جیسے نیاحۃ ممنوع ہے یہ بھی ممنوع ہے۔

(۴-۵) یعنی سات آٹھ روز کے بعد ختم کا جلسہ کرنا اور ترکہ میں سے یہ مصارف کرنا رسم نمبر ۳ کے بیان میں ہم فتاوٰی بزازیہ کی عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والوں کے لئے دعوت تیار کرنا اور قراء و صلحا کو جمع کرنا اور ان سے ختم پڑھوا کر انہیں کھانا کھلانا مکروہ ہے وجہ کراہت یہ ہے کہ قرأت قرآن و ختم پر کھانا کھلانا گویا قرأت کی اجرت ہے۔ (۳)

دون ما ابتدع فی زماننا من مهللین و قراء و مغنین و طعام ثلثة ایام و نحو ذلك ومن فعل ذلك بدون رضا بقیة الورثة البالغین یضمنه فی ماله (رد المحتار) (٤)

یعنی تجہیز و تکفین کے مصارف میں یہ داخل نہیں ہے کہ جو ہمارے زمانے میں بطور بدعت اختیار کیا گیا ہے کہ کلمہ طیبہ یا قرآن پڑھنے والے یا نعت گانے والے جمع کئے جاتے ہیں یا تین دن تک کھانا کیا جاتا ہے اور اسی جیسے اور افعال بھی۔ اور جو ان کاموں میں بغیر رضامندی باقی ورثا بالغین کے خرچ کرے گا وہ خود ضامن ہو گا۔

وبه ظهر حال وصایا اهل زماننا فان الواحد منهم یکون فی ذمته صلوات کثیرة وغیرها من زکوة واضاح و ایمان ویوصی لذلك بدراهم یسیرة و یجعل معظم وصیته لقراء ة الختمات والتهالیل التی نص علماء نا علی عدم صحة الوصیة بها وان القراء ة لشئ من الدنیا لا تجوز وان الاخذ والمعطی آثمان لان ذلك یشبه الاستیجار علی القراء ة و نفس الاستیجار علیها لا یجوز فکذا ما اشبهه کما صرح بذلك فی عدة کتب من مشاهیر کتب المذهب اه (ردالمحتار) (٥)

اور اس سے ظاہر ہو گیا ہمارے زمانے کے لوگوں کی وصیتوں کا حال کہ بعض لوگ باوجودیکہ ان کے ذمے بہت سی نمازیں اور زکوٰۃ اور قربانیاں اور قسمیں ہوتی ہیں مگر وہ تھوڑے سے دراہم کی (فدیہ کے لئے) وصیت کرتے ہیں اور اپنی وصیت کا بڑا حصہ کلمہ طیبہ اور قرآن مجید کے ختموں کے لئے خاص کر دیتے ہیں

---

(۱) نوح: ناحت المراۃ علی المیت اذا ندبتہ' وذلك ان تبکی علیه' و تعدد محاسنه' والحدیث ما یدل علی حرمة النوح: ثلاث من امر الجاهلیة الطعن فی الانساب' والنیاحة' والانواء (المغرب فی ترتیب المعرب ۲/۳۳۱' ۳۳۲ ط ادارۃ دعوۃ اسلام)

(۲) عن جریرؓ کنا نعده من النیاحة (مرقاة کتاب الجنائز' باب البکاء علی المیت ٤/٩٦ ط امدادیه' ملتان)

(۳) صفحہ نمبر ۱۲۷ حاشیہ نمبر ۲ دیکھیں

(٤) باب صلاة الجنائز' مطلب فی کفن الزوجة علی الزوج ۲/۲۰٦ ط سعید

(٥) کتاب الصلاة' باب قضاء الفوائت' مطلب فی بطلان الوصیة بالختمات' والتهالیل ۲/۷۳ ط سعید

حالانکہ ہمارے علماء کی تصریح ہے کہ ان ختموں کی وصیت صحیح نہیں اور یہ کہ کسی دنیاوی غرض سے قرأت جائز نہیں اور دینے والے اور لینے والے دونوں گناہ گار ہیں کیونکہ دینا اور کھانا کھلانا اجرت کے مشابہ ہے اور قرأت کی اجرت لینا دینا جائز نہیں اسی طرح وہ چیز جو اجرت سے مشابہت رکھتی ہو اور ہمارے مذہب کی مشہور کتابوں میں سے بہت سی کتابوں میں اس کی تصریح کی گئی ہے (ردالمحتار)

ان عبارتوں سے صاف معلوم ہو گیا کہ کلمہ طیبہ یا قرآن مجید کا ختم کرانے کے لئے اجتماع کرنا اور پڑھنے والوں کو کھانا کھلانا مکروہ اور بدعت ہے۔

نیز چونکہ اس قسم کے کھانے میں غریب امیر سب شامل ہوتے ہیں اس لئے صاف ظاہر ہے کہ اس کھانے سے مقصود صدقہ اور خیرات نہیں ہے ورنہ امراء کو صدقہ کھلانے کے کیا معنی اور جب صدقہ مقصد نہ ہو تو ظاہر ہے کہ یہ کھانا کھلانا اور جلسے کرنا محض ناموری اور شہرت وریاء کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس کا مکروہ اور بدعت ہونا پہلے ثابت ہو چکا ہے اور یہ کہنا کہ امراء کی دعوت بطور ہدیہ کے ہوتی ہے اور فقراء کی بطور صدقہ کے صحیح نہیں کیونکہ کھانا کرنے والوں کو اس تفریق کا خیال نہیں ہوتا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تاہم بقول علامہ ابن ہمام کے چونکہ یہ دعوت غمی کی ہے اس لئے غیر مشروع اور بدعت ہے۔(۱)

اور ردالمحتار شامی کی عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ترکہ مشترکہ میں سے بغیر رضاء جمیع ورثہ یہ مصارف ادا کرنا بالخصوص جب کہ کوئی وارث نابالغ یا غائب ہو نا جائز ہے اور جو کرے گا وہ خود ضامن ہو گا۔

رسم نمبر ۷۔ لوگ جنازے کے ساتھ تو جاتے ہیں مگر جب نماز ہوتی ہے تو بہت سے اشخاص نماز میں شریک نہیں ہوتے اور کہتے ہیں کہ جنازے کی نماز فرض کفایہ ہی تو ہے اور جب کچھ لوگوں نے پڑھ لی تو سب کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

حکم شرعی۔ بے شک جنازے کی نماز فرض کفایہ ہے اور کچھ لوگوں کے پڑھ لینے سے اور مسلمانوں کا فرض ساقط ہو جاتا ہے لیکن اس خیال سے نماز سے علیحدہ رہنا مناسب نہیں کیونکہ ان کے ذمہ اپنے مردہ بھائی کے حقوق میں سے اس کے جنازے کی نماز پڑھنے کا حق بھی تو ہے (۲) اور نماز جنازہ میں کثرت نمازیوں کی مستحسن ہے (۳) اگر محض فرض ساقط ہو جانے کا خیال ہو تو پھر اس کے ساتھ جانے اور دفن کرنے کا فرض بھی تو ان کے ذمہ سے اس وجہ سے ساقط ہو گیا کہ اوروں نے جنازہ لے جا کر دفن کر دیا۔

---

(۱) صفحہ نمبر ۱۶۷ حاشیہ نمبر ۲ دیکھیں

(۲) عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ خمس تجب للمسلم علی اخیہ رد السلام و تشمیت العاطس وإجابة الدعوۃ وعیادۃ المریض واتباع الجنائز (مسلم شریف ' کتاب السلام ' باب من حق المسلم للمسلم رد السلام ۲/۲۱۳ ط قدیمی)

(۳) اس لئے کہ جتنے لوگ زیادہ ہوں گے مغفرت کی امید زیادہ ہو گی۔ عن عائشۃؓ عن النبی ﷺ قال: مامن مسلم تصل علیه امة من المسلمین یبلغو مائة کلهم یشفعون له الا شفعوا (مسلم شریف ' کتاب الجنائز ' فصل فی قبول شفاعة الاربعین الموحدین فیمن صلوا علیه ۱/۳۰۸ ط قدیمی)

رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص جنازے کے ساتھ جائے اور اس کی نماز پڑھے اور پھر دفن تک اس کے ساتھ رہے اس کو دو قیراط ثواب ملے گا اور جو صرف نماز پڑھ کر لوٹ آئے اس کو ایک قیراط ثواب ملے گا(۱) پس جنازے کے ساتھ جاکر نماز میں شریک نہ ہونا اور جماعت سے علیحدہ رہنا ایک غیر مستحسن امر اور شان اسلام سے بعید ہے۔ واللہ اعلم کتبہ العاجز الاواہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ۔ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

فاتحہ خوانی کے متعلق چند رسموں کی تحقیق

(۱۷۶) استفتاء

(ماخوذ از مجموعہ دلیل الخیرات مطبوعہ ۱۳۳۶ھ مرتبہ حضرت مفتی اعظمؒ)

یہاں مدت سے یہ رسم ورواج ہے کہ کفنانے کے بعد میت کو جنازے میں رکھ کر جمع ہو کر اہتمام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں پھر نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد جنازہ اٹھانے سے پہلے سب لوگوں کو روک کر امام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں پھر علاوہ اس دعا کے جو بعد دفن متصل پڑھی جاتی ہے اس وقت بھی لوگوں کو روک کر فاتحہ پڑھتے ہیں پھر علاوہ اس دعا کے جو بعد دفن متصل پڑھی جاتی ہے اس وقت بھی لوگوں کو روک کر فاتحہ ہوتی ہے جب واپسی میں قبرستان کے دروازہ پر پہنچتے ہیں بعض جگہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب غسل کے لئے میت کو رکھتے ہیں تب بھی جمع ہو کر فاتحہ پڑھتے ہیں اور دروازہ قبرستان پر فاتحہ پڑھنے کے بعد مکان پر بھی رسم فاتحہ بجالاتے ہیں یعنی اول تین موقعوں پر فاتحہ پڑھنے کا عام رواج ہے' اور پچھلے دو موقعوں پر فاتحہ پڑھنے کا عام رواج نہیں ہے یعنی کہیں ہے اور کہیں نہیں ہے۔ لیکن اب ایک عالم صاحب یہاں تشریف لائے ان سے دریافت کیا گیا تو وہ فرماتے ہیں کہ ان مختلف اوقات میں اس کیفیت کے ساتھ فاتحہ پڑھنا بدعت خلاف سنت ہے' بالخصوص جب کہ تارک کو قابل ملامت بھی سمجھتے ہوں اور دلیل یہ بتاتے ہیں کہ حسب تصریح علامہ شامی وغیرہ صلوۃ جنازہ خود دعا ہے چنانچہ ردالمحتار جلد اول ص ۶۴۱ میں تحریر ہے **فقد صرحوا عن اخرهم بان صلوٰة الجنازة هي الدعاء للميت اذهو المقصود منها انتهىٰ**۔ اور فاضل اجل علامہ ملا علی قاری مکی حنفیؒ مرقات شرح مشکوۃ کے باب الجنائز میں تحت حدیث مالک بن ہبیرہ تحریر فرماتے ہیں۔ **ولا يدعى للميت بعد صلوة الجنازة لانه يشبه الزيادة في صلوة الجنازة** اور بعض کتب میں محیط سے نقل کیا ہے **لا يقوم الرجل بالدعاء بعد صلوٰة الجنازة** اور کبیری سے منقول ہے **في السراجية اذا فرغ من الصلوة لا يقوم بالدعاء** اور یوں کہتے ہیں کہ بعد دفن متصل قبر پر دعا مانگنا

---

(۱)عن ابی صالح عن ابی هريرةؓ قال : من تبع جنازة' فصلى عليها فله قيراط' و من تبعها حتى يفرغ منها فله قيراطان اصغر هما مثل احد' او احد هما مثل احد (ابوداؤد شريف' كتاب الجنائز' باب فضل الصلوة على الميت' و تشيعها ۲/ ۹۵ طبع الحاج محمد سعيد)

کتب احادیث میں جناب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور باقی ادعیہ مروجہ کا ثبوت کتب احادیث وفقہ و اقوال محققین علماء سے ثابت نہیں پس ارشاد ہو کہ ان عالم صاحب کا فرمانا صحیح ہے یا نہیں اور خدا اور رسول ﷺ کے حکم کے موافق میت کے مرنے کے وقت سے بعد دفن مکان پر واپسی تک جمع ہو کر کن کن موقعوں پر شرع شریف میں دعا مانگنے کا ثبوت ہے یا یہ ہے کہ ہر شخص علاوہ نماز جنازہ کے بلا التزام مالم یلزم اور بلا اہتمام و فکر اجتماع اپنی خوشی سے جب چاہے میت کے واسطے دعائے خیر کیا کرے۔ **بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل** - **المستفتی** حاجی داؤد ہاشم یوسف مرچنٹ اسٹریٹ نمبر ۴۸ شہر رنگون

(**الجواب**) **الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سیدنا ومولانا محمدٍ والہ واصحابہ اجمعین اما بعد!** واضح ہو کہ اموات مسلمین کے لئے نفس دعائے مغفرت اور ایصال ثواب بالاتفاق مستحسن اور محبوب ہے ہر شخص کو شرعاً یہ اجازت ہے کہ جب چاہے اور جس قدر چاہے میت کے لئے دعائے مغفرت کرے یا کسی بدنی یا مالی عبادت کا ثواب پہنچائے۔(۱)

اموات مسلمین کو ان کے زندہ اقارب و احباب کی جانب سے دعا کا فائدہ اور عبادت بدنیہ و مالیہ کا ثواب پہنچتا ہے(۲) اور وہ دعا اور ایصال ثواب کے منتظر رہتے ہیں۔ اور جب کوئی شخص ان کے لئے دعا کرتا ہے یا کوئی ثواب انہیں پہنچاتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں اور پھر دعا کرنے والا یا ثواب پہنچانے والا بھی اجرو ثواب کا مستحق ہوتا ہے لیکن یہ اختیار کسی شخص کو حاصل نہیں کہ وہ دعا اور ایصال ثواب کے لئے اپنی جانب سے کوئی خاص وقت یا خاص خاص صورتیں معین کرے اور پھر انہیں ضروری بھی سمجھے شریعت مقدسہ نے جن خاص اوقات میں یا خاص صورتوں سے دعا کرنے یا ثواب پہنچانے کی تعلیم فرمائی ہے اس سے زیادہ کسی کو تعیین و تخصیص کا حق نہیں ہے اور یہ بات واقفین حدیث و فقہ پر روز روشن کی طرح روشن ہے سوال میں پانچ موقعے ذکر کر کے ان کے متعلق دریافت کیا گیا ہے میں ہر موقع کو جدا جدا ذکر کر کے اس کا جواب عرض کرتا ہوں۔

پہلا موقعہ۔ یہاں مدت سے رسم و رواج ہے کہ کفنانے کے بعد میت کو جنازے میں رکھ کر اہتمام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں انتہی۔ واضح ہو کہ شریعت مقدسہ نے میت کے لئے بصورت اجتماع و اہتمام دعا کرنے کا طریقہ مقرر فرمایا ہوا ہے اور وہ نماز جنازہ ہے کہ اسکا مقصود اہم یہی ہے کہ میت کے لئے دعائے مغفرت کی جائے اور سب مسلمان جمع ہو کر خدا کی بارگاہ میں اپنے مردہ بھائی کی بخشش کی درخواست کریں جیسا کہ تصریحات فقہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے۔

---

(۱) صفحہ نمبر ۱۳۶ حاشیہ نمبر ۵ دیکھیں

(۲) وفی البحر من صام او صلیٰ او تصدق و جعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ... و بھذا علم انہ لا فرق بین ان یکون المجعول لہ میتا او حیًا رد المحتار ' باب صلاۃ الجنائز ' مطلب فی القراۃ للمیت' واھداء ثوابھا لہ ۲/۲۴۳ ط سعید

حقيقتها الدعاء والمقصود منها (بحر عن الفتح) (۱)
نماز جنازہ کی حقیقت دعا ہے اور دعا ہی نماز جنازہ سے مقصود ہے۔
فقد صرحوا عن آخرهم بان صلوٰة الجنازة هي الدعاء للميت اذ هو المقصود منها انتهىٰ (رد المحتار) (۲)
یعنی تمام فقہاء نے تصریح کی ہے کہ نماز جنازہ میت کے لئے دعا ہی ہے کیونکہ نماز جنازہ سے مقصود صرف دعا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ نماز جنازہ من کل الوجوہ دعا ہے اور نماز ہونے کی اس میں کوئی جہت نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس نماز میں بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جو نماز ہونے پر دلالت کرتی ہیں جیسے طہارت شرط ہونا استقبال قبلہ ضروری ہونا وغیرہ (۳) اور اسی وجہ سے اس پر نماز کا اطلاق کیا گیا ہے لیکن اس کا مقصود اصلی اور جہت راجحہ یہی ہے کہ میت کے لئے استغفار اور دعا کی جائے یا یوں کہو کہ شریعت مقدسہ نے میت کے لئے دعا اور استغفار کرنے کا اتنا اہتمام فرمایا کہ اس کے لئے طہارت استقبال قبلہ وغیرہ جو نماز کے خواص تھے لازم کر دیئے اور تمام مسلمانوں کو جمع ہو کر دعا کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کیونکہ اس میں مقبولیت دعا کی امید زیادہ تھی پس نماز جنازہ اگرچہ من وجہ نماز بھی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اس کی راجح جہت دعا ہونے کی ہی ہے۔

مگر نماز جنازہ سے پہلے دعا یا ایصال ثواب کے لئے اجتماع واہتمام کرنا شریعت سے ثابت نہیں رسول اللہ ﷺ یا اصحاب کرامؓ یا ائمہ عظام کسی سے منقول و ثابت نہیں کہ نماز جنازہ سے پہلے بہ ہیئت اجتماعیہ میت کے لئے دعا کی ہو یا کرنے کی ہدایت فرمائی ہو پس نماز جنازہ سے پہلے اگر لوگ فرداً فرداً دعا کریں یا ایصال ثواب کریں تو جائز ہے اس میں کوئی کلام نہیں مگر دعا یا ایصال ثواب کے لئے اجتماع واہتمام کرنا اور پھر اسے ضروری سمجھنا اور نہ کرنے والے کو برا بھلا کہنا یہ مکروہ و بدعت ہے اگر کوئی اس کے جواز کا دعویٰ کرے اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ یا اصحاب کرام یا مجتہدین عظام سے یہ اجتماع و اہتمام ثابت کرے۔

اگر یہ شبہ ہو کہ جب فرداً فرداً دعا جائز ہے اور عمومات آیات و احادیث بکثرت موجود ہیں جو ہر شخص کو ہدایت کرتی ہیں کہ اموات کے لئے دعا کرتے رہیں اور خود آنحضرت ﷺ و صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے کہ ان حضرات نے نماز جنازہ سے پہلے میت کے لئے دعا فرمائی ہے تو پھر اس کے لئے اجتماع و اہتمام کرنے میں کیا خرابی ہے یوں سمجھو کہ ہر شخص کو جب دعا کرنے کا اختیار حاصل ہے تو اگر تمام لوگ اپنے اپنے اختیار کو ایک وقت میں استعمال کریں تو یہ ناجائز کیوں ہو جائے گا۔

---

(۱) كتاب الجنائز، فصل السلطان احق بصلاته ۱۹۳/۲ طبع بيروت
(۲) باب صلاة الجنائز ۲/۲۱۰ ط سعيد
(۳) و في البحر : و يفسدها ما افسد الصلاة الا المحاذاة، و تكره في اوقات المكروهة ... واما شروط وجوبها فهي شروط بقية الصلاة من القدرة، والعقل، والبلوغ، والاسلام (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في صلاة الجنازة ۲۰۷/۲ طبع محمد سعيد)

توجواب یہ ہے کہ کسی چیز کا فرداً فرداً جائز ہونااور چیز ہے اور اس سے لازم نہیں کہ اس کے لئے اجتماع واہتمام بھی جائز ہو نوافل ہر شخص کے لئے اوقات مکروہہ کے سوا ہر وقت جائز ہیں لیکن نوافل کے لئے اجتماع واہتمام کرنااور تداعی سے اداکرنامکروہ ہے(۱)اور یہ بھی سمجھ لیناچاہئے کہ اگر تمام لوگ اپنے اس اختیار اور اجازت کو جو شریعت کی جانب سے انہیں دعاکرنے کے متعلق حاصل ہے اتفاقیہ طور پر ایک وقت میں استعمال کریں اور اجتماع واہتمام کا قصد نہ کریں تواس میں مضائقہ نہیں لیکن سوال میں یہ صورت نہیں ہے بلکہ تمام لوگ قصداً دعاکے لئے جمع ہوتے ہیں اور جمع کرنے کااہتمام کرتے ہیں اور جو شریک نہ ہوا سے برا بھلا کہتے ہیں تو اس مجموعہ کے مکروہ اور بدعت ہونے میں کیا شبہ ہے کتب فقہ میں بکثرت اس کی مثالیں موجود ہیں کتب احادیث میں بھی اس کے نظائر بکثرت وارد ہیں ہم صرف مثال کے طور پر چند نصوص حدیثیہ و فقہیہ پر اکتفاکرتے ہیں عیدین کی راتیں اور شعبان کی پندرھویں رات اور رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ کی راتیں اور عشرہ اولیٰ ذی الحجہ کی راتیں بہت افضل اور متبرک راتیں ہیں ان راتوں میں نماز پڑھنااور ذکر الٰہی میں مشغول رہنابہت ثواب کاکام ہے مگر فقہاء نے یہ قید لگادی کہ نماز تنہا تنہا پڑھی جائے (مگر رمضان میں تراویح کی نماز مستثنیٰ ہے) اس پر علامہ شامی امداد کی عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :-

اشار بقوله فرادى الى ماذكره بعد في متنه من قوله و يكره الاجتماع على احياء ليلة من هذه الليالى فى المساجد و تمامه فى شرحه و صرح بكراهة ذلك فى الحاوى القدسى قال وما روى من الصلوٰت فى هذه الا وقات يصلے فرادى غير التراويح قال فى البحر و من هنا يعلم كراهة الاجتماع على صلوٰة الرغائب التى تفعل فى رجب فى اول جمعة منه وانها بدعة وما يحتاله اهل الروم من نذرها لتخرج عن النفل والكراهة فباطل آه قلت و صرح بذلك فى البزازية (رد المحتار) (۲)

ماتن نے اپنے اس قول سے کہ تنہا تنہا پڑھیں اس طرف اشارہ کیاجو خود آگے ذکر کیا ہے کہ ان متبرک راتوں میں سے کسی رات میں جاگنے کے لئے مسجدوں میں اجتماع کرنامکروہ ہے اور پوری عبارت شرح میں ہے اور اجتماع کی کراہت کی تصریح حاوی قدسی میں بھی ہے اور کہاکہ جو نمازیں ان راتوں میں مروی ہیں وہ تنہا تنہا پڑھی جائیں سوائے تراویح کے بحر میں کہاکہ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صلوٰۃ رغائب کے لئے اجتماع بھی مکروہ ہے یہ نماز رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں پڑھی جاتی ہے اور یہ نماز بدعت ہے اور روم کے لوگ جو یہ حیلہ کرتے ہیں کہ اس کی نذر کر لیتے ہیں تاکہ نفل ہونے اور مکروہ ہونے سے نکل جائے تو یہ حیلہ باطل ہے اھ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ بزازیہ میں بھی اس کی کراہت کی تصریح ہے۔

دیکھو فقہاء نے خود پہلے یہ ذکر کیاکہ مذکورۂ بالا راتوں میں نماز پڑھنا قرآن شریف کی تلاوت کرنا

(۱) ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان اى يكره ذالك على سبيل التداعى (الدر المختار باب الوتر والنوافل ۲ / ۴۸، ۴۹ سعيد)

(۲) كتاب الصلاة (تتمه) مطلب فى صلاة الرغائب ۲ / ۲۶ ط سعيد

ذکر الٰہی میں مشغول ہونا مستحب ہے اور اکیلے اکیلے ہر شخص کو شریعت کی جانب سے افعال مذکورہ ادا کرنے کی اجازت ہے پھر یہ تصریح کر دی کہ ان راتوں میں مسجدوں میں اجتماعی صورت سے افعال مذکورہ ادا کرنا مکروہ، بدعت ہے اور پھر صاحب بحر و فتاویٰ بزازیہ وغیرہم نے تصریح کر دی کہ صلوٰۃ رغائب جو رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں پڑھی جاتی ہے وہ بھی مکروہ وبدعت ہے کیونکہ اس میں دو باتیں ناجائز ہیں اول تو رجب کے پہلے جمعہ کی جو شریعت سے ثابت نہیں دوسرے اس کے لئے اہتمام واجتماع کرنا جو نوافل کے لئے مکروہ ہے پس باوجود نماز کے افضل الاعمال ہونے کے ان دو باتوں نے اسے مکروہ وبدعت کر دیا۔

عن مجاهد قال دخلت انا وعروة بن الزبير المسجد فاذا عبدالله بن عمر جالس الى حجرة عائشة واذا نا س يصلون في المسجد صلوٰة الضحى قال فسالناه عن صلاتهم فقال بدعة

(۱)**الحديث (بخاری ص ۲۳۸ جلد اول)**

مجاہد فرماتے ہیں کہ میں اور عروہ بن زبیر مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے حجرے کی طرف بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں تو ہم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس نماز کا حکم دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ بدعت ہے۔ چاشت کی نماز خود آنحضرت ﷺ نے پڑھی اور اس کی فضیلت بیان فرمائی، اور پڑھنے کی ترغیب دلائی ہے۔ جیسا کہ احادیث ذیل سے ثابت ہے۔

عن معاذة قالت سألت عائشة كم كان رسول الله ﷺ يصلى صلوٰة الضحىٰ قالت اربع ركعات و يزيد ماشاء الله رواه مسلم (مشكوة) (۲)

معاذہ سے روایت ہے کہا میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے فرمایا کہ چار رکعتیں اور خدا کو منظور ہوتا تھا تو اس سے بھی زیادہ پڑھ لیتے تھے۔

عن ابى هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ من حافظ على شفعة الضحىٰ غفرت له ذنوبه وان كانت مثل زبد البحر (رواه احمد والترمذى و ابن ماجه مشكوٰة) (۳)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز چاشت پر محافظت کی اس کے گناہ (صغیرہ) معاف کر دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ حضرت ابن عمرؓ کو آنحضرت ﷺ کا نماز چاشت پڑھنا یا اس کی فضیلت بیان فرمانا معلوم نہ تھا تاہم اتنی بات تو یقینی ہے کہ وہ ایک نماز تھی اور نماز افضل الاعمال اور خیر موضوع ہے اور وقت بھی کوئی مکروہ وقت نہ تھا پھر انہوں نے اسے بدعت کیوں فرمایا۔ اسکا صاف اور واضح جواب ان عبارتوں سے معلوم کیجئے :

---

(۱) بخاری، ابواب العمرة، باب كم اعتمر النبى ﷺ ۲۳۸/۱ ط قديمى
(۲) مشكوة شريف، كتاب الصلاة، باب صلاة الضحىٰ ص ۱۱۵ ط سعيد و مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب استحباب صلوة الضحى ۲۴۹/۱ طبع قديمى كتب خانه
(۳) مشكوة، كتاب الصلاة، باب صلاة الضحىٰ ص ۱۱۶ ط سعيد و ترمذى، ابواب الوتر، باب ماجاء فى صلاة الضحىٰ ۱۰۸/۱ ط سعيد

قال عياض وغيره انما انكرا ابن عمرؓ ملازمتها واظهار ها في المساجد لا انهلا مخالفة للسنة ويؤ يده ما رواه ابن ابي شيبة عن ابن مسعودؓ انه راى قوماً يصلونها فانكر عليهم وقال ان كان ولا بد ففي بيوتكم (فتح الباری مصری جلد ثالث ص ۴۳) (۱)

قاضی عیاضؒ وغیرہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عمرؓ نے صرف اس نماز کے التزام اور مساجد میں ظاہر طور سے پڑھنے کا انکار فرمایا اور اسے بدعت کہا ان کا یہ مطلب نہیں کہ نفس نماز سنت کے خلاف ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حافظ ابو بکر بن ابی شیبہؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک گروہ کو یہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو منع کیا اور فرمایا کہ اگر تمہیں پڑھنی ہی ہے تو اپنے گھروں میں پڑھو۔

وقيل ارادان اظهارها في المسجد والا جتماع لها هو البدعة لا ان نفس تلك الصلوٰة بدعة وهو الاوجه (عيني كذافي هامش الصحيح) (۲)

اور بعضوں نے کہا کہ حضرت ابن عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ اس نماز کو مسجد میں ظاہر کر کے پڑھنا اور اس کے لئے اجتماع کرنا بدعت ہے یہ مقصود نہ تھا کہ بنفسہ یہ نماز بدعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتوے اور حافظ ابن حجر علامہ عینیؒ قاضی عیاضؒ کے اقوال سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو گئی کہ نماز چاشت کے لئے بھی اجتماع و اہتمام بدعت و مکروہ ہے کیونکہ صرف اس لئے کہ شریعت سے اس نماز کے واسطے اجتماع و اہتمام ثابت نہیں اور نفس نماز کے ثبوت یا اس کی فضیلت و ترغیب کی روایات سے یہ لازم نہیں کہ اس کے لئے اجتماع و اہتمام بھی جائز ہو جائے۔

اسی طرح اموات مسلمین کے لئے نفس دعا کا ثابت ہونا یا مستحسن ہونا اس امر کو مستلزم نہیں کہ اس کے لئے اجتماع و اہتمام بھی جائز ہو جاوے جو لوگ کہ عمومات استحباب دعا سے اجتماع و اہتمام کے جواز پر استدلال کرتے ہیں ان کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ فتویٰ اور فقہائے حنفیہ کے ارشادات صریحہ ہمارے پاس موجود ہیں جو بکثرت کتب فقہیہ میں پائے جاتے ہیں۔

قراء ة الكافرون الى الاخر مع الجمع مكروهة لانها بدعة لم تنقل عن الصحابة ولا عن التابعين (كذافي المحيط (فتاوىٰ عالمگيری) (۳)

سورہ کافرون سے آخر قرآن تک کی سورتیں جمع ہو کر پڑھنا (جیسا کہ مروج ہے اور اسے ختم کہتے ہیں) مکروہ ہے کیونکہ یہ بدعت ہے صحابہ کرامؓ اور تابعین سے منقول نہیں۔

سورہ کافرون سے اخیر قرآن تک کی سورتیں پڑھنا جسے ختم کہتے ہیں اگر نفس قرأت کے لحاظ سے

---

(۱) كتاب الصلوة' باب صلاة الضحىٰ في السنن ۴۳/۳ مطبع كبرى ميريه بولاق مصر ۱۳۰۰ھ
(۲) ابواب العمرة' باب كم اعتمر النبي ﷺ ۲۳۸/۱ هامش نمبر ۱۰ ط قديمي
(۳) كتاب الكراهية' الباب الرابع في الصلاة' والتسبيح' وقراء ة القران' والذكر ۳۱۷/۵ ط ماجديه كوئته

دیکھا جائے تو کون کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید کا پڑھنا مکروہ ہے یا بدعت ہے لیکن ایک خاص صورت اجتماعیہ سے اہتمام کر کے پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ اور بدعت فرمادیا ہے کیونکہ اس ہیئت اجتماعیہ اور اہتمام کا ثبوت نہیں۔

بلکہ اس سے زیادہ واضح نظیر صورت مسئولہ کی یہ روایت ہے جو درج ذیل ہے

کرہ ان یقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصلوٰۃ یدعو للمیت و یرفع صوتہ (کذافی الذخیرہ' عالمگیری)(۱)

یہ مکروہ ہے کہ جب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں تو ایک شخص کھڑا ہو اور بلند آواز سے میت کے لئے دعا کرے۔

نفس دعا ناجائز نہیں کھڑے ہو کر دعا کرنا ممنوع نہیں مگر یہ ہیئت خاصہ کہ لوگ نماز کے لئے جمع ہیں اور ایک شخص کھڑا ہو کر بلند آواز سے میت کے لئے دعا کرتا ہے شریعت سے ثابت نہیں اس لئے فقہاء نے اسے مکروہ فرمادیا۔

ان تمام باتوں کو دیکھ کر اور سمجھ کر کسی صاحب عقل کو اس میں شبہ نہیں رہے گا کہ کفنانے کے بعد اجتماع واہتمام سے دعا کرنا اور اسے عقیدۃً لازم سمجھنا یا عملاً ضروری قرار دینا اور نہ کرنے والے کو ملامت کرنا یقیناً بدعت اور مکروہ ہے۔

دوسرا موقعہ۔ پھر نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد جنازہ اٹھانے سے پہلے سب لوگوں کو روک کر امام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں۔

نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد دعا کرنے کے متعلق کتب فقہ میں حسب ذیل روایتیں ہیں۔

قید بقولہ بعد الثالثۃ لانہ لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصۃ و عن الفضلی لاباس بہ (بحرالرائق ج ۲ ص ۱۸۳)(۲)

یعنی مصنف نے دعا کو تیسری تکبیر کے بعد کے ساتھ مقید کردیا کیونکہ سلام کے بعد دعا نہ کرے جیسا خلاصہ میں ہے اور محمد بن فضل سے مروی ہے کہ مضائقہ نہیں

ولا یدعو للمیت بعد صلوۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ (مرقاۃ لعلی القاری)(۳)

یعنی نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے کیونکہ یہ دعا نماز جنازہ میں زیادتی کرنے کا شبہ پیدا کردے گی۔

---

(۱) کتاب الکراھیۃ' الباب الرابع فی الصلاۃ والتسبیح وقراۃ القرآن والذکر والدعا ۵/ ۳۱۹ ط ماجدیہ کوئٹہ

(۲) کتاب الجنائز' فصل السلطان احق بصلاتہ ۲ / ۱۹۷ طبع بیروت لبنان

(۳) کتاب الجنائز' باب المشی بالجنازۃ و الصلوۃ علیھا ٤ / ٦٤ ط امدادیہ ملتان

اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم داعیاله (سراجیه) (۱)

جب نماز جنازہ سے فارغ ہو تو دعا کرتا ہوا کھڑا نہ رہے۔

ولا یقوم داعیاله اه (جامع الرموز) (۲)

یعنی نماز کے بعد کھڑا رہ کر دعا نہ کرے۔

ولا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانه یشبه الزیادۃ فیها کذافی المحیط (۳)

نماز جنازہ کے بعد کھڑا رہ کر دعا نہ کرے کیونکہ یہ دعا نماز میں زیادتی کر دینے کا شبہ پیدا کرتی ہے۔

و عن ابی بکر بن حامد ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ وقال محمد بن فضلؒ لا باس به کذافی القنیة (برجندی شرح مختصر وقایه) (۴)

اور امام ابو بکر بن حامد سے مروی ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔ اور امام محمد بن فضلؒ نے فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں۔

منقولہ بالا عبارتوں سے یہ تین باتیں صراحۃً ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے یا کھڑا رہ کر دعا نہ کرے (خلاصہ بحر الرائق مرقاۃ سراجیہ جامع الرموز محیط)

(۲) نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے (قنیہ عن الامام ابی بکر بن حامدؒ)

(۳) نماز جنازہ کے بعد دعا میں مضائقہ نہیں (قنیہ و بحر عن الامام محمد بن الفضلؒ)

لیکن کسی معتبر کتاب میں یوں نہیں لکھا کہ نماز جنازہ کے سلام کے بعد دعا کرنا چاہئیے یا فلاں دعا مستحب ہے۔ صرف امام محمد بن الفضلؒ سے یہ مروی ہے کہ دعا کرنے میں مضائقہ نہیں اور چونکہ لفظ لاباس اکثر خلاف اولیٰ میں مستعمل ہوتا ہے (۵) اس لئے ایک صاف اور واضح تطبیق تو امام محمد بن الفضلؒ اور امام ابو بکر بن حامدؒ کے کلام میں یہ ہو سکتی ہے کہ اول الذکر مکروہ تنزیہی اور موخر الذکر مکروہ تحریمی فرماتے ہیں۔

اور ظاہر یہی ہے کیونکہ اکثر کتب فقہ و فتاویٰ میں اول اصل مذہب یہی بیان کیا ہے کہ دعا نہ کرے یا دعا مکروہ ہے اور کراہت مطلقہ سے اکثری طور پر تحریمی ہی مراد ہوتی ہے اور محمد بن الفضلؒ سے اس کے خلاف جو قول نقل کیا ہے اس کو لاباس سے تعبیر کیا جو اصل معنی کے لحاظ سے کراہت تنزیہی یا کم از کم خلاف اولیٰ میں مستعمل ہوتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: اگر کسی کو شبہ ہو کہ نفس دعا اموات مسلمین کے لئے تو ہر وقت جائز ہے۔

---

(۱) کتاب الجنائز باب الصلاۃ علی الجنازۃ ۱ / ۱۴۵ ط نول کشور لکھنو

(۲) فصل فی الجنائز ۲۸۳ ط المطبعۃ الکریمیۃ ملدۃ قرآن ۱۳۲۳ھ

(۳) لم اطلع علی هذه العبارۃ

(۴) لم اجده

(۵) کلمة لا باس وان کان الغالب استعمالها فیما ترکه اولی الخ (رد المحتار کتاب الطهارۃ مطلب حکمة لاباس قد تستعمل فی المندوب ۲ / ۱۱۸ ط سعید)

پھر اس وقت نماز میں دعا کے مکروہ ہونے کی کیا وجہ؟ تو جواب یہ ہے کہ فقہاء کرامؒ کا نماز جنازہ کے بعد دعا کو مکروہ فرمانا مطلقاً نہیں ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ اجتماع و اہتمام کے ساتھ دعا کرنا مکروہ ہے۔ اور نفس دعا کا جائز ہونا جواز اجتماع و اہتمام کو مستلزم نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میت کے وقت انتقال بلکہ اس سے بھی پہلے عیادت کے زمانے سے اس کے لئے فرداً فرداً دعا مانگنے کا ثبوت روایات حدیثیہ وفقہیہ (۱) میں موجود ہے ہر مسلمان کو اختیار ہے کہ اگر وہ کسی مریض کی عیادت کو جائے تو اس کے لئے دعا کرے اس کے بعد جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرے اس کے بعد جنازے کی نماز پڑھے اس کے بعد دفن تک اور پھر اپنی زندگی تک میت کے لئے دعا کرتا رہے اور قراۃ قرآن مجید و دیگر عبادات بدنیہ و مالیہ کا ثواب اسے پہنچاتا رہے ان تمام حالات میں فرداً فرداً دعا کرنے یا ایصال ثواب کرنے کی کوئی ممانعت نہیں بشرطیکہ کوئی بدعت یا قید غیر مشروع عارض نہ ہو جائے۔

اور شریعت مقدسہ نے اموات مسلمین کے لئے دفن سے پہلے اجتماع و اہتمام کے ساتھ دعا کرنے کا صرف یہ طریقہ مقرر فرمایا ہے جسے صلوٰۃ جنازہ کہتے ہیں پس دفن سے پہلے دعائے اجتماعی اور اہتمام کا ثبوت صرف نماز جنازہ کے لئے ہے کہ وہ بھی .... میت کے لئے دعائے مغفرت ہی کا نام ہے اس کے علاوہ اور جس موقع پر اجتماع و اہتمام والتزام کے ساتھ دعا کی جائے اسے فقہاء مکروہ و بدعت فرماتے ہیں۔

نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہونے کا حکم بہت سی کتابوں میں مذکور ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا اور سب کا مطلب یہی ہے کہ اجتماع و اہتمام سے دعا کرنا مکروہ ہے مگر فقہاء کے کلام میں کراہت کی وجہ مختلف عنوانوں سے بیان کی گئی ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے کیونکہ اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ پیدا ہوگا (۲) اس کلام میں غور کرنے سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ وہ دعائے اجتماعی اور اہتمام کو ہی مکروہ فرماتے اور منع کرتے ہیں کیونکہ نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ اسی میں پیدا ہو سکتا ہے۔

اگر لوگ نماز جنازہ کے بعد جمع ہو کر اور اہتمام کر کے دعا نہ کریں بلکہ صفیں توڑ کر علیحدہ ہو جائیں اور اپنے اپنے طور پر ہر شخص تنہا تنہا دعا کرے تو اس میں کسی طور سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ نہیں ہو سکتا۔

میت کے لئے دفن سے پہلے شریعت مقدسہ نے خاص صورت اجتماعیہ اور اہتمام کے ساتھ دعا کرنے کا صرف ایک مرتبہ حکم دیا ہے اور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے طریقوں اور پاک سیرتوں سے

---

(۱) عن ام سلمة قالت : قال رسول الله ﷺ اذا حضرتم المريض او الميت فقولوا خيراً فان الملئكة يؤمنون على ما تقولون قالت فلما مات ابو سلمة اتيت النبي ﷺ فقلت يا رسول الله ﷺ ان ابا سلمة قدمات قال قولي اللهم اغفرلي وله واعقبني منه عقبى حسنة الحديث (مسلم شريف كتاب الجنائز باب عيادة المريض ۱ / ۳۰۰ طبع قديمي كتب خانه)

(۲) ولايدعو للميت بعد صلاة الجنازة لانه يشبه الزيادة في صلاة الجنازة (مرقاة شرح مشكوة لملا على القارى كتاب الجنائز باب المشي بالجنازة والصلوة عليها ۴ / ۶۴ طبع مكتبه امداديه ملتان)

صرف ایک مرتبہ اجتماع اور اہتمام سے دعا کرنا ثابت ہے (اور وہ نماز جنازہ ہے) اس لئے اس (نماز جنازہ)

سے زیادہ جس موقع پر اجتماع واہتمام سے دعا کی جائے گی وہ گویا اس اجتماع واہتمام کے طریقہ شرعیہ (نماز جنازہ) پر زیادتی ہو گی یعنی نماز جنازہ کے علاوہ اور کسی موقع پر اجتماع واہتمام کے ساتھ دعا کرنے کا یہ مطلب ہو گا کہ شارع علیہ السلام نے میت کی خیر خواہی اور اس کے لئے دعائے اجتماعی میں کچھ نقصان چھوڑ دیا تھا جسے ہم پورا کرتے ہیں" نعوذ باللہ من ذلک" شارع علیہ السلام نے اپنی امت کے لئے جس قدر محبت اور رحمت کاملہ کا تقاضا تھا اس قدر اہتمام واجتماع دعا کے لئے معین فرمایا اگر اس سے زیادہ اجتماع واہتمام مطلوب ہوتا تو بلاشک وہ مقرر فرما سکتے تھے پس کس قدر غضب ہو گا اگر ہم اپنے افعال سے اس بات کا وہم پیدا کریں کہ شارع علیہ السلام نے اس اجتماع واہتمام للدعا(۱) کی تعیین میں کوتاہی فرمائی۔

بعض فقہاء نے فرمایا کہ کھڑا رہ کر دعا نہ کرے چونکہ نماز جنازہ کے بعد اسی حالت پر کھڑا رہنا اور دعا کرنا خاص طور سے اجتماع واہتمام کو ثابت کرتا ہے اس لئے اس طرح تعبیر فرمادیا مطلب وہی ہے کہ اجتماع و اہتمام سے دعا نہ کرے۔

یعنی اگر کوئی ایک شخص نماز جنازہ کے بعد اتفاقی طور پر اپنی جگہ کھڑا رہا اور اس نے کوئی دعا اپنے دل میں میت کے لئے مانگ لی تو اگرچہ اس نے کھڑے رہ کر یہ دعا کی ہے مگر مکروہ نہیں ہو گی کیونکہ کراہت کی اصلی علت (اجتماع واہتمام) موجود نہیں اور نفس قیام علت کراہت نہیں۔

بعض فقہاء نے فرمایا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے کیونکہ نماز جنازہ خود دعا ہے یالانہ دعامرۃ ایک مرتبہ تو دعا کر چکا اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اہتمام واجتماع دعا کا نہ کرے کیونکہ اہتمام واجتماع کی دعا تو خود نماز جنازہ ہے اور وہ ایک مرتبہ کر چکا(۲) اور دوسری مرتبہ اہتمام واجتماع کا ثبوت شریعت مقدسہ سے نہیں ورنہ اگر اجتماع واہتمام سے ممانعت مراد نہ ہو تو ایک مرتبہ دعا ہو چکنا تنہا تنہا دعا کرنے کی ممانعت کی علت نہیں بن سکتا کیونکہ وہ عمر بھر تک احادیث وفقہ سے ثابت ہے۔

بعض فقہاء نے نماز جنازہ سے پہلے بھی دعا کرنے کو مکروہ فرمایا اور وجہ بیان فرمائی کہ ایک کامل اور عمدہ دعا کرنے والا ہے (یعنی نماز جنازہ پڑھنے والا ہے) اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے دعا کے لئے اجتماع واہتمام نہ کیا جائے کیونکہ اجتماع واہتمام کے ساتھ ایک کامل دعا ہونے والی ہے کیونکہ وہ شریعت مقدسہ مطہرہ کی مقرر کی ہوئی ہے اور اس سے پہلے کوئی اجتماعی دعا ثابت نہیں اس لئے مکروہ ہے ورنہ نفس دعا تنہا تنہا ہر وقت جائز ہے اور آگے کو دعا کرنے کا ارادہ تنہا تنہا پہلے دعا کرنے کو مکروہ نہیں بنا سکتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ میت کے لئے فرداً فرداً دعا مانگنے کا ہر وقت ہر شخص کو اختیار حاصل ہے۔ (۳)

(۱) دیکھیں صفحہ نمبر ۱۶۹ حاشیہ نمبر ا

(۲) لا یقوم بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ لانہ دعا مرۃ' لان اکثر ھا دعاء (بزازیہ علی ھامش الھندیہ' النوع الخامس' والعشرون في الجنائز ۴/ ۸۰ طبع مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

(۳) لقولہ تعالی' اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوالی البقرۃ ۱۸۶

جب کہ التزام مالا یلزم اور تخصیصات غیر مشروعہ سے خالی ہو لیکن اجتماع واہتمام کے ساتھ دفن سے پہلے دعا مانگنا صرف نماز جنازہ کے ضمن میں شریعت سے ثابت ہے اور نماز جنازہ سے پہلے یا اس کے بعد دفن سے پہلے اجتماع واہتمام سے دعا کرنے کا حدیث وفقہ وسلف صالحین ائمہ مجتہدین سے کوئی ثبوت نہیں لہذا مکروہ وبدعت ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فقہاء کے قول بالکراہت اور امام محمد بن الفضل کے قول لاباس به (۱) میں ایک وجہ تطبیق کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جو فقہاء مکروہ فرماتے ہیں وہ اہتمام واجتماع سے دعا کرنے کو مکروہ فرماتے ہیں اور امام محمد بن الفضل نفس دعا کا حکم بتاتے ہیں انہوں نے اجتماع واہتمام کا حکم نہیں بتایا نفس دعا کو لاباس به فرمایا ہے اور اگر اس صورت میں لاباس به کے معنی ایسے بھی لے لئے جائیں جو مندوب کو شامل ہوتے ہیں تاہم مضائقہ نہیں۔

شبہ نمبر (۱) ۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی شہادت کے بیان میں مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی اور انکو غسل کے لئے لٹایا گیا تو لوگوں نے ان کی نعش مبارک کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان کے لئے دعا اور ان کی ثناء وصفت اور سوال نزول رحمت کرتے تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے بھی میت کے لئے اجتماع واہتمام کے ساتھ دعائے مغفرت کرنی جائز ہے اور فعل صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

جواب : تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ لوگ دعا کرنے کے لئے اہتمام سے جمع ہوئے تھے بلکہ علامہ عینی نے تصریح کر دی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ عمرؓ کو غسل کے لئے لٹایا تھا اور اس سے صاف واضح ہے کہ اس وقت وہی لوگ تھے جو غسل کے ضروریات کو انجام دینے والے تھے اور غسل کی انجام دہی کے لئے ہی حاضر ہوتے تھے اور ایسے وقت عموماً ہر شخص کے دل میں ایک خاص کیفیت اور رقت طاری ہوتی ہے اور وہ بے اختیار یا باختیار میت کے لئے دعائے مغفرت کرتا جاتا ہے اور کوئی اہتمام واجتماع کا قصد نہیں کرتا۔

بہر حال اس واقعہ میں اور اس حدیث میں اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ لوگوں کا اجتماع اور اہتمام دعا کے لئے تھا اس کی نظیر یہ ہے کہ صاحب بحر (۲) نے مجتبے سے نقل کیا ہے کہ اہل میت کو مسجد میں اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لئے آئیں مکروہ ہے اور اسی طرح شرح منیہ (۳) اور فتح القدیر (۴) میں

....

(۱) قید بقوله بعد الثالثة لانه لا يدعو بعد التسليم كما في الخلاصة و عن الفضلي لاباس به (البحر الرائق' كتاب الجنائز' فصل السلطان احق بصلاته ۲ / ۱۹۷ طبع بيروت لبنان)

(۲) والجلوس للتعزية في المسجد ثلاثة ايام للتعزية مكروه (كتاب الجنائز' فصل السلطان احق بصلاته ۲ / ۲۰۷ دار المعرفة بيروت)

(۳) و يجوز الجلوس للمصيبة ثلثة ايام وهو خلاف الاولى و يكره في المسجد (كبيرى' فصل في الجنائز ص ۶۰۸ سهيل اكيدمى) (٤) ويجوز الجلوس للمصيبة ثلثة ايام' وهو خلاف الاولى' و يكره في المسجد (باب الجنائز' فصل في الدفن ۲ / ۱٤۲ ط مصطفى حلبي مصر)

کراہت کا ذکر کیا اور گھر میں بیٹھنے کو بھی بلفظ لاباس ذکر کیا علامہ شامی نے فرمایا کہ گھر میں بیٹھنا بھی خلاف اولیٰ ہے اور لفظ لاباس کے یہی حقیقی معنی ہیں اور وہی یہاں پر مراد ہیں مگر صاحب بحر (۱) نے تعزیت کے لئے بیٹھنے کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کرنا بقالی سے نقل کیا ہے۔

انہ ﷺ جلس لما قتل جعفر و زید بن حارثہ والناس یاتونہ و یعزونہ آہ (ردالمحتار)(۲)

کہ آنحضرت ﷺ بیٹھے جب کہ جعفرؓ و زید بن حارثہؓ کے قتل کی خبر آئی اور لوگ آتے تھے اور تعزیت کرتے تھے۔

پھر علامہ شامی جواب دیتے ہیں :

یجاب عنہ بان جلوسہ ﷺ لم یکن مقصود اللتعزیة آہ (رد المحتار) (۳)

کہ اس استدلال کا یہ جواب دیا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کا بیٹھنا بغرض تعزیت نہ تھا۔

جیسے اس مسئلہ میں لوگوں نے محض آنحضرت ﷺ کے اتفاقیہ بیٹھنے اور لوگوں کی تعزیت کرنے سے یہ سمجھ کر استدلال کر لیا کہ تعزیت کے لئے بیٹھتے تھے اسی طرح ہمارے زیر بحث مسئلہ میں بخاری کی روایت میں بغرض غسل جمع ہونے اور دعا کرنے کا ذکر دیکھ کر یہ سمجھ لیا گیا کہ دعا کے لئے لوگوں نے اجتماع کیا تھا پس جو جواب علامہ شامی نے اس استدلال کا دیا (۴) وہی جواب ہم نے اس استدلال کا دیا ہے۔ **فافہم**

شبہ ۲۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ روایت مرقومہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ کے بعد دعا کی ہے :

عن ابراھیم الھجیری قال رایت ابن ابی اوفیٰ و کان من اصحاب الشجرة وماتت ابنتہ (الیٰ قولہ) ثم کبر علیھا اربعاً ثم قام بعد ذلک قدر ما بین تکبیر تین یدعو وقال کان رسول اللہ ﷺ یصنع علی الجنائز ھکذا رواہ ابن النجار (منتخب کنز العمال) (۵) و کذا رواہ الامام احمد فی مسندہ

ابراہیم ہجیری سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کو دیکھا اور وہ اصحاب شجرہ میں سے تھے اور ان کی صاحبزادی کا انتقال ہو گیا تھا (الی قولہ) پھر حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے صاحبزادی کے جنازے پر چار تکبیریں کہیں پھر اتنی دیر کھڑے دعا کرتے رہے جس قدر دو تکبیروں میں فاصلہ ہوتا ہے اور

(۱) قال البقالی ' ولا باس بالجلوس وقد جلس رسول اللہ ﷺ لما قتل جعفر ' (کتاب الجنائز ' فصل السلطان احق بصلاتہ ۲/۲۰۷ ط بیروت)

(۲-۳) باب صلاة الجنائز ' مطلب فی کراھة الضیافة من اھل المیت ۲/۲۴۱ ط سعید

(۴) یجاب عنہ بان جلوسہ ﷺ لم یکن مقصود اللتعزیہ اہ (ردالمحتار ' باب صلاة الجنائز ' مطلب فی کراھیة الضیافة من اھل المیت ۲/۲۴۱ ط سعید)

(۵) کتاب الموت من قسم الافعال ' صلاة الجنائز ۱۵/۷۱۵ حدیث نمبر ۴۲۸۵۱ مکتبہ تراث حلب

فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جنازوں پر ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ نے چاروں تکبیروں کے بعد اتنی دیر دعا مانگی جتنی ایک تکبیر سے دوسری تکبیر تک تاخیر ہوتی ہے اور پھر یہ بھی فرمایا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

جواب۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعا نماز جنازہ کے سلام کے بعد نہیں تھی بلکہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے تھی یہ روایت مختصر ہے پورا واقعہ اس طرح ہے علامہ نووی کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں :

ويحتج للدعاء في الرابعة بما رويناه في السنن الكبير للبهيقي عن عبدالله بن ابي اوفيٰؓ انه كبر علىٰ جنازة ابنة له اربع تكبيرات فقام بعد الرابعة كقدرما بين التكبير تين يستغفرلها و يدعو ثم قال كان رسول الله ﷺ يصنع هكذا

کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعا کرنے پر اس حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے جو ہمیں سنن کبریٰ بیہقی میں روایتاً پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ نے اپنی صاحبزادی کے جنازے پر چار تکبیریں کہیں اور چوتھی تکبیر کے بعد بقدر فاصلہ مابین تکبیر تین کھڑے ہوئے دعا استغفار کرتے رہے پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

وفي رواية انه كبر اربعا فمكث ساعة حتى ظننا انه سيكبر خمسا ثم سلم عن يمينه و عن شماله فلما انصرف قلنا له ماهذا فقال اني لا ازيدكم على ما رايت رسول الله ﷺ يصنع اوهكذا صنع رسول الله ﷺ قال الحاكم ابو عبدالله هذا حديث صحيح انتهىٰ (كتاب الاذكار) (۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ چار تکبیریں کہہ کر اتنا ٹھیرے کہ ہم نے خیال کیا کہ پانچ تکبیریں کہیں گے پھر دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرا جب فارغ ہوئے تو ہم نے ان سے کہا کہ یہ کیا کیا تو فرمایا کہ میں تمہارے لئے اس بات سے زیادہ نہ کروں گا جو رسول اللہ ﷺ کو میں نے کرتے دیکھا ہے یا یوں فرمایا کہ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اور چونکہ سلام سے پہلے نماز جنازہ ختم نہیں ہوئی تھی اس لئے یہ دعا نماز جنازہ میں ہی داخل ہے اور ہماری بحث سے خارج ہے باقی رہی یہ بات کہ چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے دعا کرنے کا حنفیہ کے نزدیک کیا حکم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حنفیہ کا ظاہر مذہب جو تمام متون میں منقول ہے وہ یہی ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعا نہیں بلکہ چوتھی تکبیر کہتے ہی سلام پھیر دے لیکن بعض شروع و فتاویٰ میں بعض مشائخ سے چوتھی تکبیر کے بعد بھی دعا منقول ہے۔

واشار بقوله و تسليمتين بعد الرابعة الى انه لا شئ بعد ها غير هما وهو ظاهر

---

(۱) الفتوحات الربانية على الاذكار النووية' المجلد الثاني' باب اذكار الصلاة على الميت جز ٤ ص ۱۸۰ طبع المكتبه الاسلامية لصاحبها الحاج رياض التسيح

المذهب و قيل يقول ربنا أتنا في الدنيا حسنة الیٰ اخره و قيل ربنا لا تزغ قلوبنا الیٰ اخره و قيل يخير بين السكوت والدعاء (بحرالرائق) (۱)

یعنی ماتن نے یہ کہہ کر کہ چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام پھیرے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ چوتھی تکبیر کے بعد سوائے دو سلاموں کے اور کچھ ذکر و دعا نہیں ہے' اور ظاہر مذہب یہی ہے اور کہا گیا کہ اللھم أتنا الخ پڑھ لے اور کہا گیا کہ ربنا لا تزغ الخ پڑھ لے اور کہا گیا کہ اختیار ہے چپ رہے یا دعا کرے۔

شبہ نمبر ۳۔ اگر کوئی کہے کہ جن فقہاء نے نماز جنازہ کے بعد دعا کو مکروہ کہا ہے' ممکن ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ دعائے طویل مکروہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے دفن میں تاخیر ہوگی جو تعجیل مسنون کے خلاف ہے۔

جواب : تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو فقہاء کے کلام میں دعائے طویل کی قید نہیں ہے دوسرے یہ کہ ممکن ہے یہ وجہ بھی ان کو ملحوظ ہو یعنی کراہت کی دونوں وجہیں جمع ہو سکتی ہیں اول اجتماع و اہتمام' دوسرے لزوم تاخیر اور اسباب میں تزاحم نہیں ہوتا۔ پس اجتماع و اہتمام کے ساتھ مختصر دعا بھی مکروہ ہے کیونکہ کراہت کی ایک وجہ (عدم ثبوت اجتماع و اہتمام) اس میں بھی موجود ہے۔

تنبیہ۔ اگر اب بھی کوئی اصرار کرے کہ نماز جنازہ کے بعد دعائے اجتماعی میں کچھ نقصان نہیں اور استحباب مطلق دعا سے استدلال کرے تو اس سے سوال یہ ہے کہ جنازے کی ایک مرتبہ نماز ہو چکنے کے بعد دوسری مرتبہ نماز پڑھنا (غیر ولی کو) جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو حنفیہ کی معتبر کتب سے ثبوت درکار ہے اور اگر ناجائز ہے تو کیوں؟ آخر نماز جنازہ بھی بتصریح فقہائے کرام استغفار و دعا ہی ہے (۲) پھر آپ کی مصنوعی صورت سے تو بار بار دعا جائز ہو' اور ایک شرعی صورت سے دوبارہ سہ بارہ دعا ناجائز ہو' یہ زبردستی نہیں تو کیا ہے۔

تیسرا موقعہ۔ پھر میت کو دفن کرنے کے بعد سب لوگ فاتحہ پڑھتے ہیں جیسا کہ عام طور پر سب جگہ مروج ہے دفن کے بعد لوگوں کا میت کے لئے دعائے استغفار کرنا مستحسن ہے' شریعت مطہرہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء و قراء ة بقدر ما ينحر الجزور ويفرق لحمه (درمختار)(۳)

یعنی دفن کے بعد دعاء و قرأت کے لئے قبر کے پاس بیٹھنا مستحب ہے اتنی دیر کہ ایک اونٹ کو نحر کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جائے۔

قوله وجلوس لما في سنن ابی داؤد كان النبی ﷺ اذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره و قال استغفروا لا خيكم واسالو الله له التثبيت فانه الأن يسأل وكان ابن عمر

(۱) كتاب الجنائز' فصل السلطان احق بصلاته ۲/۱۹۷ طبع بيروت لبنان
(۲) لقولهم ان حقيقتها' والمقصود منها الدعاء الخ (رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۲/۲۰۹ طبع محمد سعيد)
(۳) باب صلاة الجنائز ۲/۲۳۷ طبع الحاج محمد سعيد

يستحب ان يقرأ على القبر بعد الدفن اول سورة البقرة و خاتمتها وروى ان عمرو بن العاص قال وهو في سياق الموت اذا انا مت فلا تصحبني نائحة ولا نار فاذا دفنتموني فشنوا على التراب شنا ثم اقيموا حول قبري قدر ما ينحر جزور و يقسم لحمها حتى استانس بكم وانظر ما ذا اراجع رسل ربي (جوهره) (رد المحتار) (۱)

تیسرا اس لئے مستحب ہے کہ سنن ابی داؤد میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دفن میت سے فارغ ہو کر اس کی قبر پر ٹھہرتے تھے اور لوگوں سے فرماتے تھے کہ اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور کلمہ توحید پر ثابت رہنے کی دعا کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جائے گا اور ابن عمرؓ اسے مستحب سمجھتے تھے کہ دفن کے بعد قبر پر سورہ بقر کی ابتدائی اور آخری آیتیں پڑھی جائیں اور روایت ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے حالت نزع میں فرمایا کہ جب میں مر جاؤں تو میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی نہ جائے اور نہ آگ لے جانا اور جب مجھے دفن کرو تو مٹی ڈالنا پھر میری قبر پر اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں ایک اونٹ کو نحر کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جائے تاکہ تمہارے ساتھ مجھے دلبستگی اور انسیت رہے اور دیکھوں کہ میں اپنے پروردگار کے قاصدوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔

آنحضرت ﷺ کے ارشاد استغفر والا خیکم سے دعائے اجتماعی کا ثبوت ہو گیا لہذا قبر پر دفن کرنے کے بعد تھوڑی دیر ٹھہرنا اور ذکر و دعا میں مشغول رہنا مستحب ہے۔

چوتھا اور پانچواں موقعہ۔ پھر قبرستان سے نکل کر دروازہ قبرستان پر یا راستہ میں دعا کے لئے اجتماع و اہتمام کرتے ہیں پھر میت کے مکان پر دعا کے لئے جمع ہوتے ہیں۔

ان دونوں موقعوں پر اور ان کے بعد تمام مواقع پر دعا کے لئے اجتماع و اہتمام کرنا اور پھر اسے لازم یا مستحب سمجھنا مکروہ و بدعت ہے کیونکہ شریعت حقہ سے اس کا ثبوت نہیں۔

ہاں ہر شخص کو خود اجازت ہے کہ وہ میت کے لئے جس قدر چاہے اور جس وقت چاہے بغیر التزام مالا یلزم فرداً فرداً دعا کرے استغفار کرے قرأت قرآن وغیرہ کا ثواب پہنچائے۔ (۲)

واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ مولاہ' مدرس مدرسہ امینیہ' دہلی

نابالغ وارث کے مال سے خیرات کرنا جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۵ء)

(سوال) عام دستور ہے کہ متوفی کے ورثا متوفی کے مال سے فاتحہ خوانی کی رسومات پر صرف کرتے ہیں یعنی

---

(۱) باب صلاة الجنائز ۲/ ۲۳۷ طبع شركة الحاج محمد سعيد

(۲) صرح علماؤ نا في باب الحج عن غيره بان للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة' او صوما' او صدقة' او غيرها' كذافي الهداية' بل في زكاة التتارخانية عن المحيط' الافضل لمن يتصدق نفلا' ان ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات لا نها تصل اليهم ولا ينقص من اجره شي الخ(رد المحتار' باب صلاة الجنائز' مطلب في القراة للميت واهداء ثوابها له ۲/ ۲۴۳ طبع الحاج محمد سعيد)

زردہ بریانی پکوا کر دعوت کرتے ہیں اس طرح نابالغوں کا مال بھی فاتحہ خوانی میں صرف ہوتا ہے ایسا زردہ پلاؤ متمول لوگوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۷۷) نابالغوں کے مال میں سے خیرات کرنا ناجائز ہے اور اس کھانے کو کھانا بھی جائز نہیں۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کافر کے لئے دعائے مغفرت مفید اور جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ یکم اپریل ۱۹۳۶ء)

(سوال) جب ہمارے ہمسایہ کا انتقال ہو جائے اور وہ غیر مسلم ہو تو اس کے واسطے کچھ کلام الٰہی پڑھ کر اس کی روح کو ثواب پہنچا سکتے ہیں یا نہیں ؟ اور اس کے گناہوں کی معافی کے لئے دعا کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

(جواب ۱۷۸) کافر کے لئے ایصال ثواب و دعائے مغفرت مفید اور جائز نہیں (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

پانچواں باب
فدیہ صوم و صلوٰۃ و حیلہ اسقاط

نماز اور روزہ کا فدیہ کس طرح ادا کیا جائے

(سوال) چہ فرمایند علمائے دین کہ اگر شخصے بمیرد و بروے روزہ رمضان و نماز وقتیہ باقی است کفارہ چہ طور ادا شود ؟ بینوا توجروا

(ترجمہ) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس پر رمضان کے کچھ روزے اور کچھ وقت کی نمازیں باقی ہوں تو ان کا کفارہ کس طرح دیا جائے گا ؟

(جواب ۱۷۹) فدیہ نماز و روزہ از جانب میت از مال وے اگر وصیت کردہ بمیرد ادا کردن واجب است از ثلث مال ورنہ مستحب و عوض ہر نماز و ہر روزہ نصف صاع گندم مثل فطرہ است۔ واللہ اعلم بالصواب کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

(ترجمہ) نماز اور روزے کا فدیہ میت کے ثلث مال میں سے ادا کرنا واجب ہے جب کہ وفات سے پہلے اس

---

(۱) لقولہ تعالیٰ : وآتو الیتمیٰ اموالھم' ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب' ولا تاکلو اموالھم الی اموالکم' انہ کان حوبا کبیرا النسآء ۴ ...... ولیخش الذین لو ترکوا من خلفھم ذریۃ ضعافا خافوا علیھم فلیتقوا اللہ ولیقولوا قولا سدیدا' ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا النسآء ۹ ۱۰

(۲) ماکان للنبی والذین آمنو ان یستغفروا للمشرکین' ولو کانوا اولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحب الجحیم التوبۃ ۱۱۳ سواء علیھم استغفرت لھم' ام لم تستغفر لھم' لن یغفر اللہ لھم التوبۃ ۶ ...... ولا تصل علی احد منھم مات ابدا' ولا تقم علی قبرہ انھم کفروا باللہ' و رسولہ' وما توا وھم فاسقون التوبۃ ۸۴

نے وصیت کی ہو۔(۱) اور اگر وصیت نہ کی ہو تو مستحب ہے(۲) ہر نماز اور روزے کے بدلے میں فدیہ نصف صاع گندم مثل فطرہ ہے۔(۳) واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

ہر نماز و روزہ کا فدیہ پونے دو سیر گندم ہے' اگر کل تعداد معلوم نہ ہو تو اندازے سے ادا کرے

(سوال) (۱) اگر کوئی میت وصیت کرے کہ میرے نماز روزے کا فدیہ ادا کرنا تو اس کے لئے کیا فدیہ کل نماز و روزوں کا ہو سکتا ہے اس حالت میں کہ وہ نماز پڑھتا رہا مگر جو نمازیں اس کی اوائل عمری میں قضا ہوئیں یہ روزے جن کو وہ باوجود نیت کے ادا نہ کر سکا۔

(۲) ایک لڑکی جس کی عمر ۱۴ سال ۷ ماہ ہوئی اور دس مہینے بالغ ہوئے ہوئے تھے نماز پڑھتی مگر کبھی پڑھی اور کبھی قضا کی' کیونکہ پیشاب کا مرض تھا جہاں جسم نجس ہوا نمانے کی سستی میں نمازیں قضا ہوتی تھیں اس کی دس ماہ کی نمازوں کا کیا کفارہ دیا جائے؟ المستفتی نمبر ۱۰۸ میر عبدالغفور صاحب سانق تیج (ثمنلہ) ۲۲ رجب ۱۳۵۲ھ م ۱۲ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۸۰) قضا شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ ہر نماز کے بدلے پونے دو سیر گیہوں اور ہر روزے کے بدلے پونے دو سیر گیہوں ہوتے ہیں اگر نمازوں اور روزوں کی صحیح تعداد یاد نہ ہو تو تخمینہ کر کے فدیہ دے دینا چاہئیے۔(۴)

(۲) دس ماہ کی نمازوں کا فدیہ اسی حساب سے لگایا جائے کہ تخمیناً جتنی نمازیں قضا ہوں ہر نماز کے بدلے پونے دو سیر گیہوں' رات دن میں مع وتروں کے چھ نمازیں ہوتی ہیں(۵) چھ نمازوں یعنی ایک دن کی نماز کا فدیہ ساڑھے دس سیر گیہوں ہوئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مروجہ حیلہ اسقاط جائز نہیں

(سوال) بعض علاقہ کے علماء نے روزوں اور نمازوں اور دیگر فرائض اور واجبات جو کہ میت سے فوت شدہ ہوتے ہیں ان کے ادا کرنے کا جو حیلہ اسقاط اختیار کیا ہے اس میں ایک جدید اضافہ اپنی طرف سے کیا ہے' وہ یہ ہے کہ اس مال غلہ وغیرہ کو اٹھوا کر محتاجین کے حلقے میں پھرواتے ہیں اس طرح پر کہ اٹھانے والا ہر ایک شخص

---

(۱) قوله يعطي اى الى من له ولاية التصرف بل ماله بوصاية' او وراثة' فيلزمه ذالك من الثلث ان اوصى (رد المحتار' باب قضاء الفوائت' مطلب في اسقاط الصلاة عن الميت ۲/۷۲ ط سعيد)

(۲) وزاد في الامداد' او لم يوص بشي واراد الولي التبرع الخ' واشار بالتبرع الى ان ليس ذالك بواجب على الولي (رد المحتار' باب قضاء الفوائت ۲/۷۳ ط سعيد)

(۳) ولو مات' و عليه صلوات فائتة' واوصى بالكفارة يعطي لكل صلاة نصف صاع من بركا لفطرة (تنوير الابصار' كتاب الصلاة' باب قضاء الفوائت ۲/۷۲ ط سعيد)

(۴) (خاتمه) من لا يدرى كمية الفوائت يعمل باكبر رايه' فان لم يكن له راى يقضي حتى يتيقن انه لم يبق عليه شي (طحطاوى' على مراقى الفلاح' كتاب الصلاة' باب قضاء الفوائت ص ۲۶۸ ط مصطفى حلبى مصر)

(۵) ولو مات' وكذا حكم الوتر (تنوير الابصار' كتاب الصلاة' باب قضاء الفوائت' ۲/۷۲' ۷۳ ط سعيد)

کے پاس لے جاتا ہے وہ شخص اس پر ہاتھ رکھ کر قبول کرلیتا ہے اس کے بعد دوسرے اپنے پاس والے کے ملک میں کر دیتا ہے تو یہ اٹھانے والا دوسرے کے پاس لے جاتا ہے اسی طرح تیسرے کے پاس اور پھر چوتھے کے پاس یہاں تک کہ حلقے کے اشخاص میں سے ہر ایک شخص کے پاس لے جاتا ہے اور اکثر علما اس کے برخلاف اس مال غلہ وغیرہ کو ایک ہی جگہ پر رکھا رہنے دیتے ہیں اور حلقہ میں سے ہر ایک شخص دوسرے کے ملک میں اس فدیہ کے مال کو کر دیتا ہے بالتمکن والتخلیه والاشاره تو ان دو فریق میں سے کون فریق حق پر ہے۔ بینوا توجروا المستفتی نمبر ۳۱۸ مولوی محمد جمیل (ضلع راولپنڈی) ۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۱۸ جون ۱۹۳۴ء

(جواب)(از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی) بعض علماء فریق اول کا فدیہ کے مال کو اٹھوا کر پھروانا کل حلقہ میں عبث ہے کیونکہ شے موجود و مشاہد پر قبضہ موهوب له کا بالتمکن والتخلیه بھی ہو جاتا ہے تنویر الابصار اور در مختار میں ہے۔ (والتمکن من القبض کالقبض فلو وهب لرجل ثیابا فی صندوق مقفل و دفع الیه الصندوق لم یکن قبضا) لعدم تمکنه من القبض (وان مفتوحا کان قبضا لتمکنه منه) فانه کالتخلیة اختیار و فی الدر المختار صحة بالتخلیة الخ (۱) ردالمحتار معروف و فتاوی شامی نے اس کے متعلق لکھا ہے (قوله صحته) ای القبض بالتخلیة الخ جلد رابع ص ۵۶۰ (۲) اور فعل عبث کا ارتکاب مکروہ ہوتا ہے تنویر الابصار در مختار میں ہے۔(و) کره (کل لهو) لقوله علیه السلام کل لهو المسلم حرام الا ثلاثة ملا عبة اهله و تادیبه لفر سه و منا ضلته بقوسه (۳)

ردالمحتار میں اس کے متعلق لکھا ہے (قوله و کره کل لهو) ای کل لعب (عبث) فالثلاثة بمعنی واحد کما فی شرح التاویلات الخ جلد خامس ص ۲۷۵ (۴) لہذا فریق اول بعض علما کا غلطی پر ہے اور اکثر علماء کا فریق بجانب حق ہے یہ تحریر بالا بہ لحاظ ہبہ وتملیک وقبضہ کے لکھ دی ہے مگر اسقاط مروج بوجہ مخالف ہونے اس طریق وصورت کے جو کہ فقہائے کرام نے لکھی ہے ناجائز ہے اور ماسوا اس کے دیگر وجوہات کثیرہ سے بھی اسقاط مروج ناجائز ہے فقط اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(جواب ۱۸۱) (از حضرت مفتی اعظمؒ) اسقاط مروج بوجوہ کثیرہ ناجائز اور مفاسد عدیدہ پر مشتمل ہے اس لئے اس مروجہ طریقہ کا ترک کرنا ہی واجب ہے (۵) رہا یہ کہ ہبہ میں تخلیہ کے ساتھ قبضہ ہو جاتا ہے یا نہیں تو

---

(۱) کتاب الهبة ۵ / ۶۹۰ ط سعید

(۲) کتاب الهبة ۵ / ۶۹۰ ط سعید

(۳) کتاب الحظر والا باحة فصل فی البیع ۶ / ۳۹۵ ط سعید

(٤) کتاب الحظر والا باحة فصل فی البیع ۶ / ۳۹۵ ط سعید

(۵) وهذه الافعال کلها السمعة و ریاء فیعترز عنها لا نهم لا یریدون بها وجه الله تعالی (رد المحتار باب صلاة الجنائز ۲ / ۲٤۱ ط سعید) مروجہ حیلہ اسقاط کئی وجوہ سے ناجائز ہے مثلاً اس کا معتبر کتابوں میں ذکر نہ ہونا اور اگر کسی کتاب میں ہو بھی تو ان کے بتائے ہوئے شرائط پر عمل نہ کرنا اور اس کی صحت کے لئے علماء نے تقریباً بیس شرائط لکھی ہیں ملاحظہ ہو کتاب "مروجہ حیلہ اسقاط" مفتی احمد ممتاز صاحب اور مولانا سرفراز صاحب کی کتاب "راہ سنت" اور سب سے بڑی وجہ عدم جواز کی یہ ہے کہ کسی نے بھی اس کو فرض، واجب یا سنت نہیں بتایا بلکہ صرف مستحب بتایا ہے اور آج کل اس کے ساتھ واجب اور فرض جیسا معاملہ کیا جاتا ہے جو کہ واجب الترک ہے۔

لئے ثواب پہنچانے کے لئے جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

مروجہ حیلہ اسقاط جائز نہیں

(سوال) کتاب مسائل ...ی مصنفہ مولانا مولوی محمد صدیق بہاری ص ۲۸ میں ہے کہ اگر کسی شخص پر روزہ نماز قضاء رہ جائے اور اسی صورت میں مر جائے تو اس کے فدیہ کے متعلق تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر مردہ اس کی بابت وصیت کر گیا ہے تو اس کا فدیہ تہائی مال سے ادا کریں ورنہ ورثہ پر تبرع ہے یا اسی طرح اگر مردہ اتنا مال نہیں چھوڑ گیا جس سے وہ ادا ہو اور وارث بھی محتاج ہے تو حیلہ کریں اور اس کی صورت یہ ہے کہ جس قدر گیہوں کے حساب سے ہوا ہے اس کی قیمت ٹھہرا کے اس کے عوض میں ایک کلام اللہ یا کوئی چیز قیمتی مثلاً کوئی کتاب یا تسبیح یا کوئی دوسری چیز کہ اس کی ملک ہو مسلمانوں کے سامنے ہاتھ پر رکھ کر کسی مسکین محتاج کے پاس بھیجے اور کہے کہ یہ کلام اللہ یا فلاں چیز اتنے گیہوں کے عوض میں ہم نے تیرے ہاتھ بیچی اور مسکین اس بات کو قبول کرلے اور دو آدمی گواہ رہیں تو وہ چیز اس مسکین کی ہو گی اور اتنے گیہوں کا ادا کرنا اس مسکین پر واجب ہوا بعد اس کے بیچنے والا اس فقیر سے کہے کہ فلاں بن فلاں کے ذمہ پانچ وقتی نماز اور واجبات آتی دہ کے اور رمضان کے روزے اور بعض حقوق خدا تعالیٰ کے ادا کرنا اس پر واجب تھے اور اس وقت اس سے ادا نہیں سکتا سو اب اس قدر گیہوں اس چیز کے عوض تجھ پر دینا فرض ہو گیا ہے اس شخص کے صدقہ کی بابت ہم نے تجھ کو دیا وہ مسکین کہے کہ میں نے قبول کیا اسی طرح تین دفعہ کہے اور وہ مسکین بھی قبول کرلے تو افضال الٰہی سے امید قوی ہے کہ وہ میت بخشی جاوے گی بعینہ کتاب کی عبارت لکھی گئی اس حیلہ مذکورہ کے متعلق شریعت میں کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۷۱۸ مولانا مشرف حسین (ضلع پٹنہ) ۲۶ شوال ۱۳۵۴ھ ۲۲ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۸۲) یہ حیلہ اسقاط کہلاتا ہے، بعض فقہاء نے اس کی صورتیں بتائی ہیں اور احتیاطاً اس کے عمل میں لانے کو کہا ہے(۱) سوال میں جو صورت مذکور ہے یہ بھی ممکن ہے لیکن لوگ اس کو ضروری و لازم سمجھ لیتے ہیں اور پھر وہ ایک رسم بن جاتی ہے اور تارک کو لعن طعن کرنے لگتے ہیں اس لئے اس کو رواج دینا نہیں چاہئیے(۲) بالخصوص قرآن مجید کو تو اس میں لانا ہی نہیں چاہئیے کہ اس کی بے قدری ہوتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حیلہ اسقاط کا صحیح طریقہ، مگر آج کل ترک بھی ضروری ہے

(سوال) (۱) زید بالغ ہوا اور بعد بلوغ ۴۲ سال تک اس نے نماز فرض نہیں پڑھی جب ماہ ... سے علیحدہ

---

(۱) ولو لم یترک مالا یستقرض وارثه نصف صاع مثلاً ویدفعه لفقیر ثم یدفعه الفقیر للوارث ثم وثم حتی یتم (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت ۲/۷۳ ط سعید)

(۲) لان الجهلة یعتقدونها سنة او واجبة و کل مباح یؤدی الیه فمکروه (قوله فمکروه) الظاهر انها تحریمیة لانه یدخل فی الدین مالیس منه (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مطلب فی سجدة الشکر ۲/۱۲۰ ط سعید)

ہو گیا تو اس سال انتقال سے کچھ ماہ قبل نماز پڑھی تخمیناً ۵۵ سال کی عمر کو پہنچ کر اس دار فانی سے کوچ فرمایا۔ ان کے لڑکے حامد جو نیک اور صالح لڑکا ہے اور الحمد للہ صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے یہ چاہتا ہے کہ اپنے باپ زید کی ۴۳ سال عمر کی نمازوں اور روزوں کا فدیہ دیکر اپنے والد کو عذاب آخرت سے نجات دلوائے حساب لگایا گیا تو کفارہ نماز و روزہ کئی ہزار من کے قریب پہنچتا ہے جو حامد کی جرأت و ہمت سے خارج ہے اس لئے حیلہ اسقاط فدیہ کرنا چاہتا ہے لیکن اول اس کا طریقہ نہیں معلوم دوم معلوم نہیں کہ یہ طریقہ شرع میں جائز ہے یا نہیں اگر یہ طریقہ حیلہ اسقاط فدیہ شرعاً جائز ہے تو اس کے ادا کرنے کا طریقہ مفصل تحریر فرمایا جائے۔

المستفتی نمبر ۲۵۱۲ خیراتی ۹ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ ۲۸ جون ۱۹۳۹ء

(جواب ۱۸۳) اس کا طریقہ یہ ہے کہ جتنی نمازوں کا فدیہ وہ ادا کر سکتا ہے مثلاً سو نمازوں کا فدیہ ۴ من ۵ سیر گیہوں ہوئے فی نماز ۱ سیر کے حساب سے تو یہ چار من پندرہ سیر غلہ کسی مسکین کو دے کر کہہ دیا جائے کہ مرحوم کے ذمہ جس قدر نمازیں ہیں ان میں سے پہلی سو نمازوں کا فدیہ ہے قبول کرو وہ قبول کرکے قبضہ کرلے پھر وہ یہ غلہ مستحق کو اپنی طرف سے ہبہ کر دے ولی اس سے قبضہ کرلے پھر وہ مزید سو نمازوں کے فدیہ میں یہ غلہ اسی مسکین کو دیدے اور مسکین قبضہ کرلے پھر مسکین ولی کو ہبہ کردے اور ولی قبضہ کرلے پھر اس کو مزید سو نمازوں کے فدیہ میں دیدے اسی طرح تمام نمازوں کا فدیہ پورا کر دیا جائے پھر یہی غلہ سو نمازوں کے بدلے میں دیا جائے ایک نماز اور ایک روزے کا فدیہ برابر ہے اور ہر مرتبہ میں مسکین کا اور واپسی کے وقت ولی کا قبضہ کرلینا ضروری ہے جب سب نمازیں اور روزے ختم ہو جائیں تو دوسرے واجبات (مثلاً کفارہ قسم وغیرہ) کا فدیہ اسی طریق سے ادا کیا جائے آخر میں غلہ مسکین کو دیکر واپس نہ لیا جائے یہ حیلہ اگر صحیح طریقے سے کیا جائے تو جائز ہے رات دن کی چھ نمازیں (مع وتر کے) محسوب ہوں گی اور ہر رمضان کے تیس روزے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فدیہ میں غلہ یا اس کی قیمت دینا اور کھانا کھلانا بھی جائز ہے مگر مالداروں کو دینا جائز نہیں

(سوال) ایک شخص اس جہان کو چھوڑ گیا دیر تک بیمار رہا نمازی اور نماز کا پورا پابند تھا ولیکن مرض کی تکلیف میں اس نے نماز چھوڑ دی قیام و رکوع و سجود تو اپنی جگہ اشارہ سے بھی نمازیں ادا نہ کیں صرف اس

---

(۱) قوله و يستقرض وارثه نصف صاع مثلاً الخ اى او قيمة ذلك والا قرب ان يحسب ما على الميت ويستقرض بقدره بان يقدر عن كل شهر او سنة او يحسب مدة عمره بعد اسقاط اثنى عشرة سنة للذكر وتسع سنين للانثى لانه اقل مدة بلوغها فيجب عن كل شهر نصف غرارة قمح بالمدالدمشقي مدزماننا لان الصاع اقل من ربع مد فتبلغ كفارة ست صلوات لكل يوم و ليلة نحو مد و ثلث و لكل شهر اربعون مدا وذلك نصف غرارة ولكل سنة شمسية ست غرائر فيستقرض قيمتها و يدفعها للفقير ثم يستوهبها منه و يتسلمها منه لتتم الهبة ثم يدفعها لذلك الفقير او لفقير آخر وهكذا فيسقط في كل مرة كفارة سنة وان استقرض اكثر من ذلك يسقط بقدره و بعد ذلك يعيد الدور لكفارة الصيام ثم للاضحية ثم للايمان لكن لا بد في كفارة الايمان من عشرة مساكين (رد المحتار كتاب الصلوٰة باب قضاء الفوائت مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل ۲/۷۳ طبع الحاج محمد سعيد) موجودہ زمانے میں اس حیلہ اسقاط میں چونکہ بے شمار امور مستحقہ اور ناجائز شامل کر دیئے گئے ہیں لہذا اس سے بچنا واجب ہے۔

بھر وسہ میں کہ اللہ تعالیٰ بقا کی ارزانی فرمائیں تو پھر قیام ور کوع وارکان کے ساتھ قضا کی جائیں اسی حالت میں انتقال ہو گیا تو جہ دلانے پر مرحوم کے ایک فرزند نے نماز کے فدیہ میں جو اناج بنتا تھا اپنے زر سے خرید کر رکھ دیا ہے۔

(۱) دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس اناج کا بصورت اناج ہی تقسیم کرنا ضروری ہے یا اس کو فروخت کر کے اس کی فقہ و حدیث کی کتابیں خرید کر طلبہ کو دی جاسکتی ہیں یا طلبہ کی اور ضروریات پوری کی جاسکتی ہیں یا نہیں ؟

(۲) ایک تبلیغی مذہبی جلسہ میں جو لوگ وعظ سننے آئے ہوں ان کو یہ اناج پکا کر دو وقتہ کھلا دیا جائے تو جائز ہے یا نہ ؟ اور اس طعام سے نمازوں کا کفارہ یا فدیہ ادا ہو جائے گا یا نہ ؟ کہ اس کی مقبولیت کی امید ہو
المستفتی نمبر ۲۶۰۳ غلام محمد صاحب (ملتان) ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ م ۱۸ مئی ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۸٤) ضروری نہیں کہ قضا شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ بصورت غلہ ہی ادا کیا جائے بلکہ اس کی قیمت بھی بصورت نقد ادا کی جاسکتی ہے(۱) اسی طرح اس قیمت کی کوئی اور چیز مثلاً کپڑا، کتاب بھی دی جاسکتی ہے مگر یہ ضروری ہے کہ فدیہ کی رقم یا جنس فقیر یعنی محتاج کو تملیک کے طور پر دی جائے فدیہ کی رقم خرچ کر کے وعظ سننے کے لئے آنے والوں کو (جن میں امیر اور فقیر سب ہی ہوں گے) کھانا کھلا دینا درست نہیں کیونکہ اس میں تملیک نہیں ہوئی۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قضاء شدہ نمازوں اور روزہ کی تعداد معلوم نہ ہو تو اندازہ لگایا جائے گا

(سوال) ایک شخص کے ذمے کفارے صوم و صلوٰۃ کے بہت زیادہ ہیں جن کا شمار صحیح معلوم نہیں بلوغ کے بعد کبھی ترک اور کبھی کبھی پڑھتا رہا اور عرصہ بارہ تیرہ سال سے برابر پابند صوم و صلوٰۃ کا ہو رہا ہے قضائے عمری بھی پڑھتا ہے تو اس صورت میں نقد روپیہ یا خوراک وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی حکیم محمد داؤد نسی کوٹلہ ضلع بجنور ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۸۵) قضا شدہ نمازوں اور روزوں کا تخمینہ کر لیا جائے کیونکہ جب صحیح تعداد یاد نہیں تخمینہ کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں(۳) اور پھر تخمینہ کے موافق ان نمازوں اور روزوں کو قضاء ادا کرنا چاہئے جب تک

---

(۱) قوله نصف صاع من بر ای اومن دقیقه او سویقه او صاع تمر او زبیب او شعیر او قیمته وهی افضل عندنا لاسراعها بسد حاجة الفقیر امداد (رد المحتار' کتاب الصلاة' باب قضاء الفوائت' مطلب فی اسقاط الصلوة عن المیت ۲/ ۷۲ ' ۷۳ ط سعید)

(۲) حضرت مفتی نے عدم جواز کی وجہ عدم تملیک قرار دی ہے جب کہ مشہور قول کے مطابق فدیہ میں تملیک ضروری نہیں البتہ ایک قول کے مطابق تملیک ضروری ہے وهل تكفی الاباحة فی الفدیة' قولان المشهور نعم (رد المحتار' کتاب الصوم' فصل فی العوارض المبیحه لعدم الصوم ۲/ ٤۲۷ ط سعید) بلکہ عدم جواز کی صحیح وجہ امیروں کو کھانا ہے کیونکہ فدیہ کے مستحق صرف غریب و محتاج لوگ ہیں امیروں کو دینا جائز نہیں' مصرف الزکاة و العشر هو فقیر (وفی الشامیه) وهو مصرف ایضا الصدقة الفطر والکفارة' والنذر وغیر ذلك من الصدقات الواجبة (رد المحتار' کتاب الزکاة' باب المصرف ۲/ ۳۳۹ ط سعید)

(۳) من لا یدری کمیة الفوائت یعمل باکبر رایه (طحطاوی علی المراقی' باب قضاء الفوائت ص ۲٦۸ ط مصر)

اس کی قدرت اور قوت ہو کہ فوت شدہ نمازوں اور روزوں کو قضاء ادا کر سکتا ہے۔ یہ دینا جائز نہیں ہے جب ادا کی قدرت نہ رہے تو پھر فدیہ دینا جائز ہوتا ہے۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

میت کے ذمے کچھ نمازیں اور روزے ہوں اس کا کفارہ کس طرح ادا کیا جائے

(سوال) اگر شخصے بمیرد وبروے روزہ رمضان ووقتیہ باقی است کفارہ چہ طور دادہ شود؟

(ترجمہ) اگر کوئی شخص مر جائے اور اس پر رمضان کے روزے اور نماز پنج وقتہ باقی ہو تو اس کا کفارہ کس طرح ادا کیا جائے؟

(جواب ۱۸٦) فدیہ نماز و روزہ از جانب میت از مال وے اگر وصیت کردہ بمیرد ادا کردن واجب است از ثلث مال ورنہ مستحب و عوض ہر نماز و ہر روزہ نصف صاع گندم مثل فطرہ است۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ترجمہ) نماز روزے کا فدیہ میت کی جانب سے اس کے مال میں سے ادا کرنا واجب ہے جب کہ وہ وصیت کر گیا ہو ورنہ مستحب ہے اور ہر ایک نماز اور ہر ایک روزے کے عوض میں نصف صاع گندم فدیہ کی مقدار مثل فطرہ ہے۔ (۲) واللہ اعلم

میت فدیہ کی وصیت نہ کرے تو بھی وارث اپنی طرف سے دے سکتا ہے' فدیہ کا حکم وہی ہے جو دوسرے صدقات واجبہ کا ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۳۰ء)

(سوال) میت نے نماز روزہ وغیرہ کے متعلق کوئی وصیت نہ کی ہو اور کوئی وارث اپنی طرف سے اس کے روزوں کا فدیہ ادا کرے تو کیا حکم ہے؟ اور اس فدیہ کے مستحق کون لوگ ہیں کیا ایسے مال کو مسجد وغیرہ میں لگایا جا سکتا ہے؟

(جواب ۱۸۷) میت نے فدیہ نماز وغیرہ کے متعلق وصیت نہ کی ہو اور وارث اپنے طور پر اپنے مال میں سے دینا چاہے تو دے سکتا ہے (۳) اور اس کے مستحق فقراء و مساکین ہیں (۴) صدقات واجبہ کا جو حکم ہے وہی اس کا ہے۔ (۵) محمد کفایت اللہ غفرلہ'

---

(۱) وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر' و یفدی وجوباً و متی قدر قضی' لان استمرار العجز شرط الخلیفة (الدر المختار' کتاب الصوم' باب ما یفسد الصوم' وما لا یفسده' فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم ۲/ ۴۲۷ ط سعید)

(۲) ولومات' و علیه صلوت' واوصی' بالکفارة' یعطی لکل صلاة نصف صاع من بر کالفطرة' (الدر المختار' کتاب الصلوة' باب قضاء الفوائت ۲/ ۷۲ ط سعید)

(۳) اذا لم یوص بفدیة الصوم' یجوز ان یتبرع عنه ولیه (رد المحتار' کتاب الصلاة' باب قضاء الفوائت' مطلب فی اسقاط الصلاة عن المیت ۲/ ۷۲ ط سعید)

(۴) مصارف الزکاة والعشر هو فقیر الخ (وفی الشامیة) وهو مصرف ایضا لصدقة الفطر' والکفارة' والنذر' وغیر ذلك من الصدقات الواجبة (رد المحتار' کتاب الزکاة' باب المصرف ۲/ ۳۳۹ ط سعید)

(۵) کیونکہ یہ وارث پر اگرچہ واجب نہیں لیکن میت پر تو واجب تھا تو چونکہ وارث میت کی طرف سے اس پر واجب حق ادا کر رہا ہے' اس لئے اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو دوسرے صدقات واجبہ کا ہے۔

مروجہ حیلہ اسقاط کا چھوڑنا واجب ہے

(سوال) صوبہ سرحد میں یہ مروج ہے کہ میت کو جنازہ دینے کے بعد علماء صاحبان دائرہ بنا کر قبرستان میں بیٹھ جاتے ہیں اور صاحب میت کچھ مال و اسباب لے جایا کرتا ہے اور ان روپے وغیرہ کو ان علماء کے سپرد کر دیتا ہے اور علماء صاحبان یکے بعد دیگرے ان اموال کو قبضہ کرا دیتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فدیہ میت کے صیام و صلوٰۃ و نذرو کفارات و ایمان سے ادا ہو جائے اور ان اسباب میں قرآن شریف بھی ہوتا ہے اس کے بعد سات تو دفعہ یہ مقابضہ ہوتا رہتا ہے اس کے بعد وہ سامان سب لوگوں پر تقسیم کیا جاتا ہے اب دریافت طلب یہ ہے کہ یہ دائرہ کیسا ہے اور معتبر کتابوں سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں پھر قرآن ان اسباب کے ساتھ رکھنا یہ کیسا ہے اور قرآن وہ مالک خود لے جاتا ہے اگر یہ فدیہ ہے تو فدیہ کا ثبوت صحیح ہے لیکن یہاں پر تقسیم کے وقت ہر شخص کو پورا فدیہ نہیں پہنچتا ہے اس کو واضح بیان فرمایئے اور جو طریقہ فدیہ کا ہے اس کو مشرح کیجئے اور یہ دائرہ علماء کا ہوتا ہے اور تقسیم پھر عام ہوتی ہے۔ المستفتی نمبر ۲۷۰۹ مولوی غلام محمد صاحب (ضلع کوہاٹ) ۲۵ صفر ۱۳۶۱ھ م ۱۴ مارچ ۱۹۴۲ء

(جواب ۱۸۸) یہ دائرے کی رسم صحیح طور پر ادا نہیں کی جاتی اور اس میں فدیہ باقاعدہ ادا نہیں ہوتا اور قرآن مجید رکھنا بے معنی ہے کیونکہ اسے مالک خود لے لیتا ہے پس اس کو رکھنے سے کیا فائدہ حاصل یہ ہے کہ یہ رسم جس طریقہ سے ادا کی جاتی ہے یہ واجب الترک ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حیلہ اسقاط

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) حیلہ اسقاط

(جواب ۱۸۹) اسقاط کے متعلق سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ مروجہ طریقہ بہت سے مفاسد اور محظورات شرعیہ کو مشتمل ہے حیلہ اسقاط جو فقہاء نے تحریر فرمایا ہے وہ اس سے علیحدہ ہے اس کے موافق عمل کر لینا مباح ہے (۱) اور ہر صورت اس کو ضروری اور لازم سمجھنا حد شرعی سے تجاوز ہے اس مسئلے کی پوری **تفصیل** رسالہ دلیل الخیرات میں ملاحظہ فرمائی جائے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) کیونکہ علماء نے حیلہ اسقاط کی اجازت مجبوری کی حالت میں دی ہے یعنی میت کے ترکے میں اتنا مال نہ ہو کہ جس سے اس کے کفارات ادا ہو سکیں تو اس صورت میں یہ حیلہ تجویز کیا ہے اور اس میں بھی کئی شروط ہیں لیکن آج کل مالداروں کا بھی حیلہ اسقاط کیا جاتا ہے اور اس کو ضروری قرار دیتے ہیں اور نہ کرنے والوں کو ملامت کرتے ہیں اس لئے آج کل کا مروجہ حیلہ اسقاط واجب الترک ہے۔ من اصر علی امر مندوب و جعله عزما ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطن من الاضلال ' فكيف من اصر على بدعة او منكر (مرقاۃ باب الدعا فی التشهد ۳/۳۱ مکتبہ حبیبیہ ' کوئٹہ)

(۲) ولو لم يترك مالا ' يستقرض وارثه الخ (الدر المختار ' كتاب الصلاة ' باب قضاء الفوائت ۲/۷۳ ط سعيد)

(۳) کیونکہ یہ شریعت سے ثابت نہیں اور خلاف شرع کو لازم اور ضروری قرار دینا بدعت میں داخل ہے وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول الخ (الدر المختار ' كتاب الصلوٰة ' باب الامامة ۱/۵۶۰ ط سعيد) اور یہ رسالہ اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۱۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حیلہ اسقاط مباح ہے مگر آج کل کے مروجہ حیلہ اسقاط کا ترک واجب ہے

(سوال) اسقاط مروجہ فی الفنجاب یعنی ایک روپیہ اور دو سیر غلہ اور ایک کلام اللہ شریف امام مسجد لیتا ہے کیا یہ طریقہ مسنونہ میں سے ہے یا نہیں اور بشرط ثبوت اسقاط مروجہ امر ضروری ہے یا امر مباح ؟ المستفتی نمبر ۲۷۱۷ فیروز خاں (جہلم) یکم جمادی الاول ۱۳۶۱ھ ۱۸ مئی ۱۹۴۲ء

(جواب ۱۹۰) اسقاط کا یہ رواج کہ ایک روپیہ دو سیر غلہ اور ایک قرآن مجید امام مسجد یا کسی اور شخص کو دینا اور یہ سمجھنا کہ یہ چیزیں دینا میت کے تمام قضا شدہ روزوں اور نمازوں اور کفارات واجبہ کا فدیہ ہو گیا غلط ہے اگر روپے کی تعداد اس سے کم و بیش کر دی جائے مگر معین ہو مثلاً ایک روپیہ کے بجائے دس بیس پچاس روپے مقرر کرلیں اسی طرح غلہ کی مقدار بجائے دو سیر کے دس بیس سیر یا من دو من مقرر کرلیں قرآن مجید ایک کی جگہ دو چار یا دس بیس کردیں جب بھی یہ رواج اور طریقہ غلط ہو گا مگر اس کو لازم کرلینا بدعت ہے اور ترکہ مشترکہ میں اس کو شمار کرنا جب کہ بعض وارث نابالغ بھی ہوں حرام ہے اسقاط کی جو صورت مباح ہے(۱) وہ اس مروجہ صورت سے بالکل مختلف ہے اس پر وہی شخص عمل کر سکتا ہے جو علم رکھتا ہو اور فقہاء کی بیان کردہ صورت کو سمجھ کر عمل کر سکتا ہو اور وہ بھی صرف مباح ہے فرض واجب (۲) یا سنت نہیں اس کے تارک کو نہ ملامت کرنا جائز ہے اور نہ اس پر مجبور کرنا مباح۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(جواب دیگر ۱۹۱) اسقاط کا جو طریقہ فقہاء نے بتایا ہے وہ پوری طرح ادا کیا جائے تو مباح ہے(۳) مروجہ اسقاط تو یقیناً ناجائز اور بدعت ہے(۴) اور میت کی وصیت کے بغیر ترکہ مشترکہ میں سے اسقاط کرنا جب کہ بعض وارث نابالغ بھی ہوں یا بالغ ہوں مگر ان کی رضامندی نہ ہو حرام ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مروجہ اسقاط کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں

(سوال) میت کے واسطے اسقاط جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو طریقہ کیا ہے' ایک مقام میں اسقاط اس طرح کرتے ہیں کہ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد لوگ چاروں طرف حلقہ بنا کر بیٹھتے ہیں اور متوفی کے وارثین

---

(۱) ولو لم يترك مالا' يستقرض ورثته نصف صاع مثلاً ويدفعه لفقير ثم يدفعه الفقير للوارث' ثم وثم حتى يتم (الدر المختار' باب قضاء الفوائت ۲ / ۷۳ ط سعيد)

(۲) ونص عليه في سير لمحارم فقال' لا يجب على الولي فعل الدور' وان اوصى به الميت لانها وصية بالتبرع (رد المحتار' كتاب الصلوة' باب قضاء الفوائت ۲ /۷۳ ط سعيد)

(۳) اراد احد التبرع بقليل لا يكفي فحيلته' لا[illegible] ذمة الميت عن جميع ما عليه ان يدفع ذالك المقدار اليسير بعد تقديره لشيء من صيام' او صلاة' او نحوه' و يعطيه للفقير بقصد اسقاط ما يرد عن الميت فيسقط عن الميت بقدره ثم بعد قبضه يهبه الفقير للولي ' او للاجنبي' و يقبضه لتتم الهبة' و تملك ' ثم يدفعه الموهوب له للفقير لجهة الاسقاط متبرعا به عن الميت فيسقط عن الميت بقدره ايضا ' ثم يهبه الفقير للولي' او للاجنبي' و يقبضه' ثم يدفعه الولي للفقير متبرعا عن الميت' وهكذا يفعل مرارا حتى يسقط ما كان يظنه على الميت من صلاة ' وصيام (مراقي الفلاح' فصل في اسقاط الصلوة ص ۲۶۳ طبع مصطفى البابي الحلبي' مصر)

(۴) کیونکہ قرون ثلاثہ المشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی ثبوت نہیں (حوالہ بالا)

(۵) لا يحل مال رجل مسلم لاخيه الا ما اعطاه بطيب نفسه (بيهقي ۸/ ۱۸۲ ط دار الكتب العلميه' بيروت' لبنان)

سب مقتدی درجہ نقدی لاکر اور ایک قرآن شریف کے ہمراہ امام صاحب کو دیتے ہیں اور امام صاحب لیکر پھر ان کو اپنے دائیں طرف والے آدمی کو دیتا ہے اور دیتے وقت یہ کہتا ہے کہ میں نے ان کو قبول کیا اور تم کو ہبہ کرتا ہوں اسی طریقے سے وہ تیسرے کو دیتا ہے علی ہذا القیاس چاروں طرف تین دفعہ پھراتے ہیں بعد ازاں تقسیم اس طرح کرتے ہیں کہ مثلاً امام صاحب کو پانچ روپے اور مؤذن صاحب کو ڈھائی روپے اور طالب علم کو ایک روپیہ اور کوئی بہت زیادہ غریب ہو تو اس کو چار آنے دیتے ہیں اس طریقہ مروجہ کو لازم وضروری جانتے ہیں اور تارک ومانع کو ملامت کرتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۲۷۶۰ محمد جلال الدین 'کوہاٹ' پشاور ۲۶ صفر ۱۳۶۲ھ م ۲ مارچ ۱۹۴۳ء

(جواب ۱۹۲) اسقاط مروج کا شرعاً ثبوت نہیں ہاں اگر میت نے وصیت کی ہو یا وارثین بالیقین میت کے فوت شدہ فرائض وواجبات کا فدیہ دینا چاہیں اور مقدار فدیہ کی پوری ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو قلیل فدیہ کی مقدار کو بذریعہ حیلہ کے بڑھا سکتے ہیں کہ فدیہ قلیل ایک محتاج کو دیدیں اور یہ محتاج بعد قابض ہو جانے کے بعض الورثہ کو دیدے اور بعض ورثہ پھر اس محتاج کو یا دوسرے محتاج کو دیدے اور اس طرح پر بار بار کرنے سے مقدار فدیہ تک پہنچادیں لیکن یہ حیلہ نمازوں کے لئے علیحدہ کریں اور روزوں کے لئے علیحدہ اور قربانی کے لئے علیحدہ اور کفارہ ایمان کے لئے علیحدہ ایمان کے کفارہ میں دس مساکین کو دینا ضروری ہے ایک کو دینا درست نہ ہوگا مثلاً میت سے چالیس روز کی نمازیں قضا ہو گئی ہیں اور فدیہ کی قلیل مقدار صرف ایک من دو سیر گیہوں موجود ہے تو دس مرتبہ بعض وارث کسی محتاج کو ہبہ یا قبضہ کردے اور یہ محتاج ہر مرتبہ بعد قبضہ کر لینے کے بعض الوارثین کو واپس کردے یا ایک من دو سیر گیہوں کی قیمت پر یہ حیلہ کرلیں۔ **ویدفعها للفقیر ثم یستوهبها منه و یتسلمها منه لتتم الهبة ثم یدفعها لذلك الفقیر او لفقیر اخر وهكذا فیسقط فی كل مرة كفارة سنة وان استقرض اكثر من ذلك یسقط بقدره و بعد ذلك یعید الدور لكفارة الصیام ثم للاضحیة ثم للایمان لكن لا بدفی كفارة الایمان من عشرة مساكین (رد المحتار جلد اول ص ۵۴۱)** (۱) لیکن اس حیلہ مذکورہ کو بھی دواماً والتزاماً رسم بنالینا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ (۲) فقط واللہ اعلم اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

جواب صحیح ہے۔ اسقاط مروج میں اور بھی بہت سی ناجائز صورتیں شامل ہیں لہذا یہ رسم تو بہر حال (۳) واجب الترک ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) باب قضاء الفوائت مطلب فی بطلان الوصیة بالختمات والتهالیل ۷۳/۲ ط سعید)
(۲) کیونکہ حیلہ ہر وقت درست نہیں بلکہ کسی مجبوری کی وجہ سے یہ حیلہ کیا جاتا ہے مثلاً وصیت نہ کی ہو یا کی ہو لیکن ثلث سے کم وصیت کی ہو جیسا کہ شامیہ میں ہے والواجب علی المیت ان یو صی بما یفی بما علیه ان لم یضق الثلث عنه' فان اوصی باقل وامر بالدور' و ترك بقیه الثلث للورثة او تبرع به لغیر هم فقد اثم بترك ما وجب علیه (رد المحتار' كتاب الصلاة' باب قضاء الفوائت ۷۳/۲ ط سعید) اسی طرح مرقات شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے من اصر علی امر مندوب و جعله عزما' ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطن من الا ضلال فكیف من اصر علی بدعة' او منكر (مرقاة' باب الدعا فی التشهد ۳۱/۳ ط مكتبه حبیبیه' كوئٹه)(۳) من اصر علی امر مندوب و جعله عزما ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطن من الاضلال فكیف من اصر علی بدعة' او منكر (مرقاة' باب الدعا فی التشهد ۳۱/۳ ط مكتبه حبیبیه' كوئٹه)

اسقاط کی مذکورہ صورت مہمل اور بیکار ہے۔

(سوال) جب میت کے لئے اسقاط کیا جاتا ہے تو عموماً محلہ کی مسجد سے قرآن شریف لے جا کر جنازے میں رکھ دیتے ہیں اسی طرح قبرستان تک اس میں رہتا ہے نماز جنازہ کے بعد امام اپنی جگہ پر بیٹھا رہتا ہے میت کا وارث یا کوئی رشتہ دار اس قرآن شریف کو جنازے سے نکال کر امام صاحب کے ہاتھ میں دے دیتا ہے امام میت کے وارث کو سامنے بٹھا کر میت کے گناہوں کے کرنے اور واجبات و فرائض کے ترک کی کوتاہیوں میں اس قرآن کو بطور کفارہ پیش کرتے ہوئے دعا مانگتا ہے بعد ازاں مسجد کا قرآن مسجد میں واپس بھیج دیا جاتا ہے اور امام صاحب کو ایک روپیہ معاوضتہ دیا جاتا ہے کیا یہ صورت جائز ہے ؟ نیز صحیح مسئلہ اسقاط جسے فقہاء نے بیان کیا ہے وہ کیا ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۸۰۷ محمد احسن ہاشمی (کراچی) ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ

(جواب ۱۹۳) اسقاط کی یہ صورت جو سوال میں مذکور ہے مہمل اور بیکار ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں اور مسجد کا قرآن مجید بھی اس کام کے لئے لے جانا جائز نہیں ہے (۱) حیلہ اسقاط جو فقہاء نے ذکر کیا ہے وہ بھی ضروری نہیں (۲) اگر کوئی میت کی مغفرت کے لئے اس پر صحیح طور پر عمل کرے تو میت کو ثواب پہنچنے کی امید ہے وہ یہ ہے کہ اگر میت کے ذمہ اتنی نمازیں اور روزے ہوں جس کا فدیہ اتنا زیادہ ہو تا ہو کہ وارثوں کو ادا کرنے کی طاقت نہ ہو مثلاً بیس من گیہوں ہوتے ہوں اور وہ قادر نہ ہوں کہ اتنے گیہوں ادا کریں تو جتنے وہ ادا کر سکتے ہوں مثلاً دس سیر گیہوں تو وہ دس سیر گیہوں اس کی دس نمازوں کے فدیہ میں کسی مسکین کو دے دیں وہ مسکین قبضہ کر کے پھر وارث کو ہبہ کر دے وارث قبضہ کر لے پھر وہ مزید دس نمازوں کے بدلے میں وہ گیہوں مسکین کو دیدے مسکین قبضہ کر لے پھر اپنی طرف سے وارث کو ہبہ کر دے وارث قبضہ کر لے اسی طرح کرتے رہیں یہاں تک کہ میت کی تمام نمازوں اور روزوں کا فدیہ پورا ہو جائے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

حیلہ اسقاط.

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء)

(سوال) (۱) اگر میت اپنے مال کے تہائی حصے کا وصیت کرے کہ میرے پیچھے میرے مال کا ثلث صدقہ کرو کیونکہ مجھ پر رمضان کی قضا ہے اور نماز بھی اکثر قضا ہوئی یہ وصیت شدہ مال اگر جنازہ گاہ میں حاضر کر کے فقراء پر بعد دورہ اسقاط تقسیم کیا جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) بعد دورہ اسقاط یہ مال فقراء کا حق ہے یا غنی بھی لے سکتا ہے (۳) اگر کسی نے قصداً رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں یا قصداً نمازیں قضا کی ہوں اور مرتے

(۱) مسجد کے قرآن مسجد میں پڑھنے والوں کے لئے وقف ہوتے ہیں ان کو مسجد سے لے جا کر پڑھنا بھی درست نہیں چہ جائیکہ غیر ثابت شدہ کام کے لئے لے جایا جائے

(۲) و نص علیہ فی تبیین المحارم فقال : لا یجب علی الولی فعل الدور وان اوصی بہ المیت لانہا وصیۃ بالتبرع (رد المحتار کتاب الصلاۃ باب قضاء الفوائت ۲/ ۷۳ ط سعید)

(۳) ولو لم یترک مالا یستقرض وارثہ نصف صاع مثلا ویدفعہ لفقیر ثم یدفعہ الفقیر للوارث ثم و ثم حتی یتم (الدر المختار کتاب الصلاۃ باب قضاء الفوائت ۲/ ۷۳ ط سعید)

وصیت ... ثلث کا ... فدیہ دیوے گا یا نہیں ؟ اور یہ فدیہ ہو سکتا ہے یا نہیں (۴) اگر ایک شخص مثلاً تیس رمضان کے روزے نہ رکھے تو اس کے فدیہ کا کیا شکل ہوگا آیا ہر ایک رمضان کے مقابلے میں کفارہ واجب کیا جائے گا یا کوئی اور صورت ہوگی ؟

(جواب ۱۹٤) (۱) اس ثلث وصیت شدہ مال کو فقراء اور مساکین[۱] پر تقسیم کر دینا چاہئے اس کو قبرستان میں لے جانا اور مروجہ حیلہ اسقاط اس پر جاری کرنا نہیں چاہئے (۲) وہ مال فقراء و مساکین کا حق ہے اغنیاء کو اس میں سے دینا نہیں چاہئے[۲] (۳) ہاں جب کہ اس نے موت کے وقت ان نمازوں اور روزوں کے فدیہ کی وصیت کی تھی تو اس کے ترکہ کے ثلث میں سے فدیہ ادا کرنا وارثوں کے ذمہ لازم ہے[۳] خواہ یہ نمازیں اور روزے قصداً ترک کئے ہوں یا بلا قصد (۴) ہاں ہر رمضان کے روزوں کا فدیہ جداگانہ اس کے ذمہ ہوگا[۴] اور اگر قضا کرنے کا موقع اور طاقت ہو تو تیس سال کے روزوں کی قضا کرنی ہوگی[۵] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

چھٹا باب
زیارت قبور اور عرس وغیرہ

زیارت قبور قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں ؟

(سوال) زیارت قبور از قرآن مجید ثابت است یا از حدیث شریف ؟ دیگر آنکہ زیارت قبور بے نمازاں جائز است یا نہ ؟

(جواب ۱۹۵) زیارت قبور از حدیث شریف ثابت است۔ ترمذی روایت کردہ الا فزوروها فانها تذکرکم الاخرة اھ[۶] ہمچنیں در دیگر کتب حدیث ہم روایات کثیرہ موجود است زیارت قبر محض بجہت تذکیر آخرت است ودریں باب نمازی وبے نمازی ہر دو برابر اند۔ کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ۔

---

(۱) یہ نذر صدقہ فقراء کا حق ہے ... اسے جنازے کے ساتھ لے جانا بے معنی ہے اور اگر اس میں آج کل کے بدعات بھی شامل ہوں تو پھر جائز بھی نہ ہوگا۔ (۲) مصرف الزکاة هو فقير (وفي الشامية) وهو مصرف ايضا الصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذالك من الصدقات والواجبات (رد المحتار كتاب الزكاة باب المصرف ۲/۳۳۹ ط سعيد)

(۳) فدیہ کے حق میں شریعت نے قصداً ترک کرنے اور غلطی سے چھوٹنے کا فرق نہیں کیا ہے ولو مات و عليه صلوة فائتة واوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع (وفي الشامية) قوله يعطى بالبناء للمجهول اى يعطى عنه و ليه اى من له ولاية التصرف في ماله بوصاية او وراثة فيلزمه ذالك من الثلث اذا اوصى (رد المحتار كتاب الصلوة باب قضاء الفوائت مطلب في اسقاط الصلاة عن الميت ۲/۷۲ ط سعيد)(٤)فيجب عن كل شهر نصف غرارة قمح الخ(رد المحتار كتاب الصلاة باب قضاء الفوائت مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل ۲/۷۳ ط سعيد)

(۵) فدیہ ... جب ... کی طاقت نہ ... نہیں وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ... وجوبا ... فدى ... لان ... (الدر المحتار كتاب الصوم باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم ۲/۴۲۷ ط سعيد)

(٦) عن سليمان بن بريدة عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ قد كنت نهيتكم عن زيارة القبور فقد اذن لمحمد في زيارة قبر امه فزوروها فانها تذكر الآخرة (ترمذى كتاب الجنائز باب ما جاء في الرخصة في زيارة القبور ۱/۲۰۳ ط سعيد)

اعراس اولیاء اللہ کی شرکت کیلئے جانا جائز ہے یا نہیں ؟

(سوال) اعراس اولیاء اللہ کی شرکت کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں ؟بینوا توجروا

(جواب ۱۹۶) عرس کی حقیقت شرعی نقطۂ نظر سے زیادہ سے زیادہ یہ نکل سکتی ہے کہ بزرگوں کی زیارۃ قبور مقصود ہوتی ہے اور اگرچہ زیارت قبور کے لئے سفر طویل کی اجازت ہے لیکن کسی خاص تاریخ کو زیارت کے لئے معین کرلینا اور اسے موجب ثواب سمجھنا یا باعث زیادتی ثواب خیال کرنا حد شرعی سے تجاوز ہے(۱) پھر جب کہ ایسے مجامع عادۃً طرح طرح کے منکرات(۲) پر بھی مشتمل ہوتے ہیں تو ان کی شرکت کا عدم جواز اور بھی مؤکد ہو جاتا ہے پس زیارت قبور کے لئے کسی خاص تاریخ کی تعیین اور اعراس مروجہ کی شرکت ناجائز ہے۔ واللہ اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ مولاہ

قبرستان میں مختلف رسومات کے متعلق استفتاء

(سوال) مسلمان مقلد کو قبرستان میں جا کر فاتحہ پڑھنا کسی بزرگ کی قبر مبارک یا دست مبارک کو بوسہ دینا سہولت کے لئے فاتحہ کے واسطے یوم پنج شنبہ یا یوم وصال وغیرہ کو مقرر کرنا لوگوں کا جمع ہونا ذکر اللہ کے لئے اور قبر کے قریب بیٹھ کر ذکر اللہ کرنا قبر پر پھول ڈالنا کسی بزرگ کی قبر کے نزدیک روشنی کرنا کلام اللہ پڑھنے کے لئے اور قبر کے قریب بیٹھ کر کلام اللہ اور درود شریف پڑھنا اولیاء اللہ سے توسل چاہنا قبرستان میں قبر کے قریب اگر یا لوبان سلگانا جیسا کہ قدیم سے مشائخ اور بزرگان دین کا معمول ہے جائز و درست ہے یا نہیں اگر نہیں تو کیوں نہیں ؟ مفصل تقریر ارقام ہو تاکہ کم علم لوگ سمجھ جائیں اور شریعت کے خلاف ہر عمل سے پرہیز کریں اور قبرستان میں جانے کا سنت طریق بھی ارقام ہو مہربانی فرما کر قرآن و حدیث سے مدلل مع سند و حوالہ کتب جواب ارقام ہو۔

(جواب ۱۹۷) قبرستان میں بغرض زیارت قبور جانا جائز بلکہ سنت ہے اور وہاں جا کر یہ کہنا بھی سنت سے ثابت ہے السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون اسأل اللہ لی ولکم العافیۃ (۳) (کذافی البرھان) اموات کے لئے دعائے مغفرت کرنا اور کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا بھی جائز ہے۔ بحر الرائق میں ہے ویکرہ عند القبر مالم یعہد من السنۃ والمعھود منھا لیس الا زیارتہ والدعاء عندہ قائما(۴) (کذافی العالمگیریہ) (۵) یعنی قبروں کے پاس ایسی باتیں مکروہ ہیں جو سنت سے ثابت

---

(۱) حدیث شریف میں تو عبادت محضہ کو بھی کسی خاص تاریخ اور وقت کے ساتھ مخصوص کرنے کو منع کیا گیا ہے چہ جائیکہ کسی امر مباح کے لئے وقت مخصوص کردیا جائے' عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال لا تختصوا اللیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی' ولا تختصوا یوم الجمعۃ من بین الایام الخ (مسلم' کتاب الصوم باب کراھیۃ افراد یوم الجمعۃ بصیام لا یوافق عادتہ ۱/۳۶۱ ط قدیمی)

(۲) جیسے مرد عورتوں کا جمع ہونا' قوالی اور شرکیہ اشعار پڑھنا موسیقی وغیرہ ہونا اور اسراف کرنا وغیرہ وغیرہ

(۳) لم اطلع علیہ' ولکن فی الشامیۃ' السلام علیکم دار قوم مؤمنین' وانا ان شاء اللہ بکم لا حقون' ونسأل اللہ لنا' ولکم العافیۃ (رد المحتار' باب صلاۃ الجنائز' مطلب فی زیارۃ القبور ۲/۲۴۲ ط سعید)

(۴) کتاب الجنائز' فصل السلطان احق بصلاتہ ۲/۲۱۰ ط بیروت) (۵) کتاب الجنائز' الفصل السادس فی القبر والدفن والنقل من مکان الی مکان آخر ۱/۱۶۶ ط ماجدیہ کوئٹہ)

نہیں اور جو بات سنت سے ثابت ہے وہ صرف یہ ہے کہ قبر کی زیارت کی جائے اور کھڑے کھڑے اس کے پاس (میت کے لئے) دعا کی جائے قبر کو بوسہ دینا اگرچہ فی حد ذاتہ مباح ہے لیکن نہ دینا ہی احوط ہے(۱) کسی بزرگ کے ہاتھ کو بوسہ دینا مباح ہے(۲) ایصال ثواب کے لئے شرعاً کوئی دن اور تاریخ معین نہیں اور پنج شنبہ یا یوم وصال کو ضروری یا زیارت ثواب کے لئے مفید سمجھ کر مقرر کرنا بدعت ہے(۳) فاتحہ کی جو رسم مروج ہے یہ بھی شرعی نہیں قبروں کے نزدیک بیٹھ کر تلاوت کرنا حضرت امام محمدؒ کے قول کے بموجب جائز ہے(۴) تاہم اس کو ایک رسم بنالینا اور اس کی پابندی کرنا درست نہیں قبر پر پھول ڈالنا درست نہیں اگر بقصد تقرب الی المیت ہو (اور عوام کی غرض اکثری طور پر یہی ہوتی ہے) تو شرک ہے(۵) ورنہ بدعت ہے(۶) قبر کے پاس روشنی کرنا بھی بقصد تقرب الی المیت ہو تو شرک ہے(۷) اور زائرین کی آسانی یا کچھ پڑھنے کے لئے ہو تو مباح ہے(۸) خدا تعالیٰ سے دعا کرنا اور اس میں کسی بزرگ کو بطور وسیلے کے ذکر کرنا جائز ہے لیکن خود بزرگ کو پکارنا اور انکو حاجت روا سمجھنا درست نہیں(۹) قبروں پر اگر یا لوبان جلانا جیسا کہ معمول ہے بدعت ہے اور بقصد تقرب الی المیت ہو تو شرک ہے(۱۰) البتہ اگر خالص نیت یہ ہو کہ زائرین اس کی خوشبو سے منتفع ہوں گے تو زیادہ سے زیادہ مباح ہو سکتا ہے لیکن معمول طریقہ اس خالص نیت پر مبنی نہیں ہے کیونکہ اگر اور لوبان جلانے والے بہر صورت جلاتے ہیں خواہ کوئی زائر ہو یا نہ ہو اور اس کو ایک اچھا فعل اور ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) ولا یمسح القبر ولا یقبلہ فان ذالک من عادۃ النصاری (طحطاوی علی مراقی' احکام الجنائز' فصل فی زیارۃ القبور ص ۳۷۶ مصطفی مصر)

(۲) تقبیل ید العالم' والسلطان جائز (ھندیہ' کتاب الکراھیۃ' الباب الثامن والعشرون فی ملاقاۃ الملوک' والتواضع لھم' وتقبیل ایدیھم الخ ۵/ ۳۶۹)

(۳) ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول' والثانی' والثالث' و بعد الاسبوع (رد المحتار' باب الجنائز' مطلب فی کراھۃ الضیافۃ من اھل المیت ۲/ ۲۴۰ ط سعید)

(٤) قراۃ القرآن عند القبور عند محمد لا تکرہ' و مشائخنا اخذوا لقولہ (ھندیۃ' باب الجنائز' الفصل السادس فی القبر والاحسن ۱/ ۱۶۶ ط کوئٹہ)

(۵) ذبح لقدوم الامیر یحرم وان لم یقدمھا لیاکل منھا' بل یدفعھا لغیرہ کان لتعظیم غیر اللہ فتحرم وھل یکفر' قولان بزازیہ و شرح وھبانیہ' قلت و فی صید المنیۃ انہ یکرہ' ولا یکفر' لانا لا نسیء الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الادمی بھذا النحر (الدر المختار' کتاب الذبائح ۶/ ۳۰۹' ۳۱۰ ط سعید)

(۶) تفصیل کے لئے مولانا سرفراز خان صاحب کی کتاب راہ سنت دیکھیں

(۷) عن ابن عباس قال : لعن اللہ زائرات القبور' والمتخذین علیھا المساجد' والسراج (ابو داؤد' کتاب الجنائز' باب فی زیارۃ النساء القبور ۲/ ۱۰۵ ط سعید)

(۸) حاشیہ نمبر ۵ دیکھیں

(۹) ہر موجب شرک ہے مدد خواستن وہ طوری باشد دوم آنکہ بوں مستقل چیزے کہ خصوصیت بجانب الٰہی دارد ... واگر از مسلمانان است از مذہب خود خواہ زندہ بود یا مردہ ایں نوع مدد خواہد از دائرہ مسلمانان خارج می شود (فتاوی عزیزی بیان در شبہات ست پر ستان ۱/ ۳۳ ایچ ایم سعید)

(۱۰) دیکھیں حاشیہ نمبر ۵

کسی بزرگ یاولی کے مزار پر بغرض زیارت جانااور وہاں کھانا ....

(سوال) کسی بزرگ یاولی کے مزار پر بغرض زیارت سواری پر دھوم دھام سے جانا اور وہاں کھانا بریانی پکاکر کھانا جائز ہے یا نہیں ؟اور حدیث لاتشدوا الرحال(۱) کا کیا مطلب ہے ؟ **المستفتی نمبر ۱۰۶ محمد رفیق** صاحب '۲۲رجب ۱۳۵۲ھ ۱۲نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۹۸) زیارت قبور کے لئے دور دراز مسافت پر سفر کرکے جانا گو حرام نہیں اور حد اباحت میں ہے (۲) تاہم موجب قربت بھی نہیں دھوم دھام سے جانااور وہاں جاکر کھانا پکاکر کھانا جائز نہیں اگر اس کو شرعی کام اور موجب ثواب قرار دیا جاتا ہو تو اور بھی زیادہ برا ہوگا۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کسی بزرگ کے قبر کیلئے سفر کا حکم

(سوال) سفر کرنا واسطے کسی بزرگ کے مزار کی زیارت کے خصوصاً مردوں کو جائز ہے یا نہیں ؟ مثلاً اکثر لوگ اجمیر شریف کلیر شریف پھلواری شریف جایا کرتے ہیں' **المستفتی نمبر ۱۰۰۷ عبدالستار (گیا)** ۲۲ رجب ۱۳۵۲ھ م ۱۲نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۹۹) سفر زیارت اگرچہ جائز ہے مگر بہتر نہیں۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اولیاء اللہ کے قبور کیلئے جانااور وہاں شرینی وغیرہ لے جانا .....

(سوال) اولیاء اللہ کی قبور کی زیارت کے وقت ان کی قبور کے سرہانے شیرینی وغیرہ رکھ کر باادب کھڑے ہو کر فاتحہ وغیرہ پڑھنا ثواب رسانی کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ **المستفتی نمبر ۱۲۸۳ محمد گھوڑو خاں صاحب** (ضلع دھارواڑ) ۱۹شوال ۱۳۵۵ھ م ۳جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۰۰) زیارت قبور کے لئے جانا اور جاکر **السلام علیکم یا اهل القبور انتم سلفنا و نحن بالاثر** (۵) کہنا مسنون ہے اور کچھ پڑھ کر ان کو ثواب بخشنا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرنا جائز ہے شیرینی لے جانا اور قبر پر یا قبر کے سرہانے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بے اصل ہے۔(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) ترمذی' کتاب الصلاۃ' باب ماجاء فی ای المسجد افضل ۱/ ۷۴ ط سعید

(۲) قلت استفید منه ندب الزیارة' وان بعد محلها الخ(رد المحتار' باب صلاة الجنائز' مطلب فی زیارة القبور ۲/ ۲۴۲ ط سعید)

(۳) و یکره عندالقبر مالم یعهد من السنة' والمعهود منها لیس الا زیارته' والدعاء' عنده قائماً (هندیه' باب الجنائز' الفصل السادس فی القبر' والدفن ۱/ ۱۶۶ ط کوئٹه)

(۴) لا باس بزیارة القبور ... قلت ' استفید منه ندب الزیارة' وان بعد محلها الخ (رد المحتار ' باب صلاة الجنائز' مطلب فی زیارة القبور ۲/ ۲۴۲ ط سعید)اور بہتر اس لئے نہیں کہ آج کل یہ مزارات شرک وبدعت کے اڈے بنے ہوئے ہیں

(۵) ترمذی' ابواب الجنائز' باب ما یقول الرجل اذا دخل المقابر ۱/ ۲۰۳ ط سعید

(۶) اور چونکہ صحابہ کرامؓ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے دور سے اس کا ثبوت نہیں اس لئے بدعت ہے

(۱) اولیاء اللہ کے عرس کے دن ان کے مزاروں پر رقص و سرور۔
(۲) رجب و شعبان و دیگر مہینوں میں کسی بزرگ کے نام کونڈے کا حکم۔

(سوال) (۱) اولیاء اللہ کے عرس کے دن ان کے مزاروں پر رقص و سرور کے میلے جمانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ (۲) رجب و شعبان و دیگر مہینوں میں کسی بزرگ کے نام پر کونڈے وغیرہ کر کے کونڈے بھر کر ان پر فاتحہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۲۸۳ محمد گھوڑو خاں صاحب (ضلع دھارواڑ)

(جواب ۲۰۱) (۱) اول تو عرس کا اجتماع ہی بے اصل ہے پھر اس میں رقص و سرور کے میلے جمانا تو کسی صورت سے جائز نہیں ہو سکتا (۱) (۲) یہ رواج بھی شرعی نہیں ہے اور کونڈے بھرنا اور اس کو شرعی کام سمجھنا اور اس پر اصرار کرنا یہ سب خلاف شرع اور بدعت ہے۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

السلام علیکم یا اهل القبور الخ میں یا حرف ندا ہے۔ اس کو مردوں کیلئے استعمال کرنا کیسا ہے؟

(سوال) قبرستان سے گزرتے ہوئے السلام علیکم یا اهل القبور کہتے ہیں حالانکہ یا حرف ندا ہے اور حرف ندا صرف سننے و جواب دینے والے حاضر یعنی مخاطب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اسی طرح دیار حبیب میں پہنچ کر روضہ اقدس پر کھڑے ہوئے السلام علیکم یا رسول اللہ و یا حبیب اللہ کہتے ہیں ان دونوں باتوں میں حرف ندا جو کہا جاتا ہے کیا یہ جائز ہے اگر جائز ہے تو یا محمد یا علی کس لئے ناجائز ہے۔
المستفتی نمبر ۱۳۴۹ محمد فضل اللہ خاں صاحب ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۳ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۰۲) قبرستان میں جا کر السلام علیکم یا اهل القبور (۱) کہنا جائز ہے آنحضرت ﷺ نے یہ تعلیم دی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مردوں کو عذاب سے سلامتی کی دعا دینا مراد ہے بیشک حرف ندا ہے مگر ندا اور خطاب کبھی نہ سننے والے کو بھی کر دیا جاتا ہے جیسے هل انت الا اصبع دميت وفي سبيل الله ما لقيت (۲) یعنی حضور ﷺ کی انگلی زخمی ہو گئی تو آپ نے انگلی کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو ایک انگلی ہے کہ خون آلود ہو گئی اور یہ تکلیف اللہ کے راستے میں تو نے اٹھائی ہے اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سلام مردوں کو پہنچا دیتا ہو باقی اور کلام مردے نہیں سنتے۔ (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کسی بزرگ کی قبر کو تعظیماً بوسہ دینا اور وقتاً فوقتاً جا کر فاتحہ پڑھنا ناجائز ہے!

(سوال) کیا کسی بزرگ کی قبر کو تعظیماً بوسہ دینا اور وقتاً فوقتاً جا کر فاتحہ پڑھنا ناجائز ہے؟ المستفتی نمبر ۱۵۹۳ جناب سید عبدالمعبود صاحب (ضلع بدایوں) ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۴ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۰۳) زیارت قبور کے لئے جانا اور ان کو سلام مسنون (السلام علیکم یا اهل القبور الخ) (۱) کرنا جائز اور مستحب ہے مگر قبر کو بوسہ دینا اچھا نہیں کہ اس سے فساد عقیدہ (۲) عوام کا خوف ہے۔

---

(۱) قلت وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب و نحوه حرام؛ لقوله عليه السلام: استماع الملاهي معصية؛ والجلوس عليها فسق؛ والتلذذ بها كفر (الدر المختار؛ كتاب الحظر والاباحة ٦/٣٤٩ ط سعيد)

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ

(۲) من اصر علی امر مندوب، و جعله عزما، ولم یعمل بالرخصة، فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال، فکیف من اصر علی بدعة، او منکر (مرقات المفاتیح، باب الدعا فی التشهد ۳: ۳۱ ط المکتبة الحبیبة، کوئٹه)

(۳) عن ابن عباس قال مر رسول الله ﷺ بقبور المدینة فاقبل علیهم بوجهه، فقال السلام علیکم یا اهل القبور، یغفر الله لنا ولکم انتم سلفنا، و نحن بالاثر (ترمذی، ابواب الجنائز، باب ما یقول الرجل اذا دخل المقابر ۱: ۲۰۳ ط سعید)

(۴) عن جندب ابن سلیمان النحلی قال: اصاب حجر اصبع رسول الله ﷺ فدمت، فقال هل انت الا اصبع دمیت، وفی سبیل الله مالقیت (ترمذی، شمائل، باب ماجاء فی صفة کلام رسول الله ﷺ فی الشعر ۲: ۱۲ ط سعید)

(۵) رد المحتار، کتاب الایمان، باب الیمین فی الضرب، والقتل و غیر ذالك، مطلب فی سماع المیت ۳: ۸۳۶ ط سعید

(۶) حاشیہ نمبر ۳ دیکھیں

(۷) قبر کے قریب کھڑے ہو [illegible] ولا یمس القبر، ولا یقبله، فانه من عادة اهل الکتاب (طحطاوی علی المراقی احکام الجنائز فصل فی زیارة القبور ص ۳۷۵ ط مصطفی مصر)، وکره تحریما وکذا کل مالم یعهد من غیر فعل السنة کالمس، والتقبیل (طحطاوی علی المراقی، احکام الجنائز، فصل فی زیارة القبور ص ۳۷۸ ط مصطفی مصر)

پردہ نشین عورت کیلئے رات کو برقع پہن کر اپنے کسی محرم کے ساتھ زیارت قبور کیلئے جانا مباح ہے۔

(سوال) پردہ مروجہ فی الوقت کے ساتھ کسی پردہ دار خاتون کو اپنے شوہر یا پیر کے ہمراہ تاریکی میں برقعہ پوش ہو کر کسی اپنے اقارب یا اولاد کی قبر پر اپنے عقیدے کو درست رکھتے ہوئے بغرض محض تسکین قلب جانا جائز ہے یا ناجائز؟ المستفتی نمبر ۱۶۰۵ حاجی حفیظ الدین صاحب وعزیز الدین صاحب (ضلع میرٹھ) ۵ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۰٤) پردہ نشین خاتون کے لئے رات کو برقعہ پہن کر اپنے شوہر یا کسی محرم (باپ 'بھائی' نانا' چچا' ماموں وغیرہ) کے ہمراہ زیارت قبور کے لئے جانا مباح ہے(۱) برقعہ میں محرم کے ہمراہ جانے میں پردے کی خلاف ورزی نہیں ہوتی اور زیارت قبر کے لئے قبرستان میں جانا عورتوں کے لئے فی حد ذاتہ مباح ہے اگرچہ بہتر یہ ہے کہ نہ جائیں مگر جانا بھی معصیت نہیں ہے حضرت عائشہؓ اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر زیارت کے لئے گئی تھیں(۲) پیر غیر محرم ہے اس لئے صرف اس کے ساتھ نہیں جانا چاہئے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

قبروں پر پھول چڑھانا

(سوال) قبر پر پھول چڑھانا جائز ہے کہ نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۱۸ اے سی منصوری (ممبئی) ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۵ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۰۵) قبروں پر پھول چڑھانا جائز نہیں۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کسی مزار پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(سوال) کسی مزار پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۷۴۷ محمد صدیق دہلی ۷ رجب ۱۳۵۶ھ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۰۶) مزار پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا مباح ہے(۵) مگر بہتر یہ ہے کہ یا تو مزار کی طرف منہ

---

(۱) قوله' ولو للنساء' و قيل تحرم عليهن' والا صح ان الرخصة ثابتة لهن' البصر (رد المحتار' باب صلاة الجنائز ' مطلب في زيارة القبور ۱/ ۲٤۲ ط سعيد)

(۲) عن عبدالله بن ابی مليكة قال توفي عبدالرحمن بن ابی بكر بالحبشي ' قال' فحمل الى مكة' فدفن فيها فلما اتت عائشة اتت قبر عبدالرحمن بن ابی بكر' فقالت' وكنا كند ماني جزيمة حقبة' من الدهر حتى قيل لن يتصدعا فلما تفرقنا كاني ومالكا' بطول اجتماع لم نبت ليلة معاد' ثم قالت' والله لو حضرتك ما دفنت الا حيث مت' ولو شهد تك مازرتك (ترمذي' باب ماجاء في زيارة القبور للنساء ۲/ ۲۰۳ ط سعيد)

(۳) پیر ہونے سے آدمی محرم نہیں ہوتا تو جس طرح عورت دوسرے غیر محرموں کے ساتھ سفر نہیں کر سکتی اسی طرح پیر کے ساتھ بھی نہیں کر سکتی' ويعتبر في المراة ان يكون لها محرم تحج به اوزوج ولا يجوز لها ان تحج بغير هما (هداية كتاب الحج ۱ ۲۳۳ ط امداديه'ملتان)

(۴) اور بدعت ہے کیونکہ صحابہ' تابعین اور تبع تابعین سے ثابت نہیں' وذكر ابن الحاج في المدخل' انه ينبغي ان يجتنب مااحدثه

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

بعضهم من انهم ياتون بماء الورد فيجعلونه على الميت في قبره' وان ذالك لم يروعن السلف فهو بدعة قال' ويكفيه من الطيب ما عمل له' وهد في البيت' فنحن متبعون لا مبتدعون فحيث وقف سلفنا' وقفنا (طحطاوي' على مراقي الفلاح' احكام الجنائز' فصل في حملها' و دفنها ص ۳٦٨ مصطفىٰ' مصر) جس حدیث سے پھول ڈالنے والوں نے استدلال کیا ہے وہ خصوصیت پر محمول ہے کیونکہ خیر القرون میں اس عمل کو کسی نے نہیں کیا مزید تفصیل کے لئے راہ سنت ص ۱۹۸ [illegible] مولانا سرفراز صاحب)

(۵) حدیث شریف میں ہے' حتى جاء البقيع' فقام فاطال القيام' ثم رفع يديه' ثلاث مرات الخ (مسلم' كتاب الجنائز' فصل في التسليم على اهل القبور' والدعاء لهم ۱/۳۱۳ ط قديمي)

کر کے بغیر ہاتھ اٹھائے فاتحہ پڑھے یا قبلہ رخ کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھ لے فاتحہ سے مراد یہ ہے کہ ایصال ثواب کی غرض سے کچھ قرآن مجید پڑھ کر اس کا ثواب بخش دے اور میت کے لئے دعائے مغفرت کرے۔(۱) صاحب قبر سے مرادیں مانگنا حاجتیں طلب کرنا یا انکی منتیں ماننا یہ سب ناجائز ہیں۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(سوال) (۱) ایک عام وقف قبرستان میں جس میں کوئی پیر مدفون نہیں وہاں سالانہ عرس مقرر کرنا شرعاً کیا حکم ہے ؟(۲) قبرستان میں نذر نیاز کا کھانا پکانا اور قبرستان میں ہی کھلانا کیسا ہے(۳) قبرستان میں عورتوں کا جانا کیسا ہے(۴) قبرستان میں چودہ پندرہ سال کے لڑکوں سے رات کو بعد عشاء مولود خوانی کرنا اور عورتوں کو بھی وہاں مولود سننے کے لئے جمع کرنا شرعاً کیسا ہے(۵) ایسے کاموں میں امداد کرنا اور چندہ دینا کیسا ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۰۴۲ احمد صدیق کراچی ۱۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۰۷) (۱) سالانہ عرس مقرر کرنا بدعت ہے(۳)(۲) یہ بھی بدعت ہے(۴)(۳) مکروہ ہے(۵) (۴) یہ بھی فتنہ کی وجہ سے ناجائز ہے(۵) ایسے کاموں میں شرکت اور امداد ناجائز ہے۔(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) قبرستان میں قرآن شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۰۸) قبرستان میں یاد پر قرآن شریف پڑھنا جائز ہے(۷) اور وہاں کوئی جگہ علیحدہ نماز پڑھنے رہنے سہنے کے لئے بنی ہو تو اس میں بیٹھ کر قرآن شریف دیکھ کر پڑھنا جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ غفر لہ'

(الجمعیۃ مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) قبرستان میں پختہ قبروں پر چراغ جلایا جاتا ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟

---

(۱) وفي شرح اللباب' ويقرا من القران ما تيسر له من الفاتحه' واول البقرة الى المفلحون وآية الكرسي' ثم يقول اللهم اوصل ثواب ما قراناه الى فلان او اليهم (رد المحتار' باب صلاة الجنائز' ۲/۲۴۳ ط سعيد)

(۲) لقوله تعالى' حرمت عليكم الميتة وما اهل به لغير الله المائدة' ۳

(۳-۴) کیونکہ شریعت میں اس کا ثبوت نہیں اور لوگ اسے ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور جو چیز شریعت میں ثابت نہ ہو اسے ثواب سمجھ کر کیا جائے تو بدعت ان جاتی ہے (البدعة) ما احدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله ﷺ من علم او عمل' او حال بنوع شبهة' واستحسان' وجعل دينا قويما' وصراطا مستقيما (رد المحتار' كتاب الصلاة' باب الامامة' مطلب البدعة خمسة اقسام ۱/ ۵۶۰ ط سعيد)

(۵) یعنی جوان عورتوں کا جانا مکروہ ہے ورنہ بوڑھی عورتیں اگر وہاں جاکر رو کیں دھو ئیں نہیں تو جائز ہے' ويكره اذا كن شواب (رد المحتار' باب صلاة الجنائز' مطلب في زيارة القبور ۲/ ۲۴۲ ط سعيد)

(۶) لقوله تعالى: وتعاونوا على البر' والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان المائدة ۲

(۷) قوله ويقرأ يسٓ لما ورد " من دخل المقابر' فقرأ سورة يسن خفف الله عنهم يومئذ' وكان له بعد دمن فيها حسنات" بحر و في شرح اللباب' ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحه' واول البقرة الى المفلحون (رد المحتار' باب صلاة الجنائز ۲/۲۴۲ ط سعيد)

(جواب ۲۰۹) قبروں پر چراغ جلانا جائز نہیں ہے حدیث شریف میں اس کی صریح ممانعت آئی ہے۔(۱)

ساتواں باب
شہید کے احکام

(سوال) شدید زلزلہ جو کہ بتاریخ ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء مطابق ۲۷ رمضان ۱۳۵۲ھ کو ہوا اور قصبہ مونگھیر تباہ ہوا اور بہت سی جانیں مسلمانوں کی تلف ہوئیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسلمانوں کو درجہ شہادت ملا یا نہیں اس میں بہت سے مسلمان خدا کے اچھے بندے تھے اور بہت سے ان میں برے بندے تھے ان سب کو درجہ شہادت ملے گا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۲۳ محمد فخر الدین صاحب ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ م ۳ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۱۰) زلزلہ میں جو مسلمان دب کر یا غرق ہو کر یا اسی سلسلے میں کسی دوسری صورت سے وفات پا گئے ہیں یا شہید ہو گئے ہیں اگر وہ صالح تھے تو شہادت ان کے لئے رفع درجات کا باعث ہو گی اور اگر وہ گناہ گار تھے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ان کے سیئات کا کفارہ ہو جائے ہاں جن لوگوں پر یہ مصیبت انتقام ذنوب کے طور پر ڈالی گئی ہے اور ان کو اس ذریعہ سے عذاب دیا گیا ہے ان کی حالت جدا ہے مگر ان کی تعیین ہمارے علم سے باہر ہے یہ علام الغیوب ہی جانتا ہے کہ کون معذب ہوا اور کس کے لئے یہ موت شہادت ہوئی ہم تو ظاہر کے لحاظ سے ہر مسلمان کو جو اس سلسلے میں مرا ہے شہید ہی کہیں گے۔(۲) محمد کفایت اللہ

(سوال) مشرکین عین نماز کے وقت شرارۃً گھنٹہ باجا ناقوس اور تھالی بجاتے ہیں اور انکی عورتیں گاتی بجاتی ہیں اور بڑے زور سے جے کارے وغیرہ لگاتے ہیں جس سے ہماری نماز کا جو اصلی راز ہے یعنی خشوع و خضوع جاتا رہتا ہے ایسی صورت میں ہماری نماز ہو گی یا نہیں ؟ بر تقدیر ثانی موجودہ حکومت سے استغاثہ غیر مفید ثابت ہو جائے تو مسلمانوں کو اس کے انسداد کے لئے کیا کرنا چاہئے اور اس کی روک تھام میں اگر کوئی مسلمان مارا جائے تو وہ شہید ہو گا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۳۹۴ نذر محمد (آگرہ) ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۱۱) ہندوؤں کا یہ فعل سخت مذموم اور اشتعال انگیزی اور بنیاد فساد ہے مسلمانوں کو آئینی

---

(۱) عن ابن عباسؓ قال : لعن رسول الله ﷺ زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسراج (ابوداؤد' كتاب الجنائز' باب في زيارة النساء القبور ۲/۱۰۵ ط سعيد)

(۲) فالمورث شهيدالآخرة' وكذا الجنب والغريق' والحريق' والغريب' والمهدوم عليه' والمبطون' والمطعون' والنفساء والميت ليلة الجمعة' وصاحب ذات الجنب' ومن مات وهو يطلب العلم وقد عد السيوطي نحو الثلاثين (الدر المختار' باب الشهيد ۲/۲۵۲ ط سعيد)

طریقوں سے کام لینا چاہئیے اور باہمی سمجھوتے سے اس فتنہ کو رفع کرنے کی کوشش کریں اپنی طرف سے امن شکنی کی کوئی کارروائی نہ کریں باوجود اس کے کہ اگر ہندو فساد کی ابتدا کر کے ان پر مظالم توڑیں تو پھر مظلوم کو امکانی مدافعت کا حق ہے اور اس میں وہ معذور ہے اور اگر کسی ظالم کی خون آشامی کا شکار ہو کر مارا جائے تو یقیناً شہید ہوگا (۱) مگر یہ بات پوری طرح ذہن نشین رکھنا چاہئیے کہ خود اپنی طرف سے جھگڑا کھڑا نہ کیا جائے مسجدوں میں اذان و نماز ترک نہ کی جائے اگر اثنائے نماز میں ہندوؤں کے باجوں اور شور و شغب کی وجہ سے نماز خراب ہو جائے تو گھروں پر جا کر نماز کا اعادہ کر لیں لیکن مسجدوں کو ہرگز بند نہ کریں۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(سوال) ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان سے کچھ روپے لئے تھے اور بوجہ عدم ادائیگی روپوں کے اس نے دوسرے مسلمان کو چاقو سے قتل کر دیا چاقو مارنے کے بعد مقتول چند منٹ کے بعد مر گیا نہ کچھ وصیت کی نہ کوئی دوائی وغیرہ کی گئی ایسے مقتول کو غسل دینا چاہئیے یا بغیر غسل کے دفن کیا جائے؟ **المستفتی** نمبر ۵۸ شیر محمد خاں (دہلی) ۲ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م یکم ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۱۲) ہاں اس صورت میں مقتول پر شہید کے احکام جاری ہوں گے اور اس کو شہداء کی طرح بغیر غسل کے دفن کیا جائے گا۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(سوال) ایک مسلمان عاقل بالغ کی ایک ہندو عاقل بالغ کے ساتھ دوستی تھی اور دونوں ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے ایک دن اتفاق سے وہ دونوں چند دیگر ہندوؤں کے ساتھ دریا کی سیر کو گئے اور دریا میں نہانے لگے مسلمان کا وہ ہندو دوست ڈوبنے لگا اور اس نے آواز دی کہ مجھ کو بچاؤ مسلمان فوراً اس کو بچانے کے لئے پانی میں کود پڑا لیکن اس کو بچا نہ سکا اور دونوں ڈوب گئے کیا یہ مسلمان شہید ہے۔ **المستفتی** نمبر ۸۶۴ شیر احمد کیمبل پور ۲۲ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۱۳) ہاں امید ہے کہ مسلمان کو شہادت کا ثواب ملے گا (۴) کیونکہ اس کی نیت ایک دوست کو بچانے کی تھی اگرچہ وہ ہندو تھا مگر ایسی امداد اور ہمدردی کرنا غیر مسلم کے ساتھ بھی اسلامی اصول کے موافق جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) هو كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلما الخ (تنوير الابصار' باب الشهيد ۲/ ۲۴۷ ط سعيد)

(۲) ہر ان میں جائز [illegible] اس وقت ہے جب بالکل نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو ورنہ صرف خشوع برقرار نہ رہنے سے اعادہ [illegible]

(۳) الشهيد كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلما' ولم يجب بقتله مال بل قصاص' حتى لو وجب المال بعارض كالصلح او قتل الاب ابنه لا تسقط الشهادة' ولم يرتث فلو ارتث غسل كما سيجئ' وكذا يكون شهيدا لو قتله باغ' او حربي' او قطاع الطريق' ولو تسبباً' او بغير آلة جارحة الخ ويصلي عليه بلاغسل (الدر المختار' باب الشهيد ۲/ ۲۴۷ ط سعيد)

(۴) فالمورث شهيد الآخرة وكذا الجنب والغريق والحريق والغريب والمهدوم عليه وقد عد السيوطي نحو الثلاثين (الدر المختار' باب الشهيد ۲/ ۲۵۲ ط سعيد)

(سوال) ہمارے ملک پاکستان میں جو آدمی پھانسی پر لٹکایا جائے اس کو شہادت کا حکم دیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟
(جواب ۲۱٤) یہ بات تو اس کے اس فعل پر موقوف ہے جس کی وجہ سے پھانسی دیا گیا اگر وہ فعل پھانسی کی سزا کے قابل نہ تھا تو پھانسی پانے والا شہید کے حکم میں ہوگا ورنہ نہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(سوال) مسجد کے بارے میں ہندو مسلمانوں کی لڑائی کے اندر کوئی شخص شہید ہو جائے تو اس کے جنازے کی نماز ادا کرنی چاہئے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۳۷۸ شیخ اعظم شیخ معظم ملاجی صاحب ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۱ مارچ ۱۹۳۷ء
(جواب ۲۱۵) ہاں اس مسلمان کے جنازے کی نماز ادا کرنی چاہئے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(سوال) زید مع چند رفقاء کے اپنی موٹر میں سوار ہو کر مسافری کر رہا تھا اثناء راہ میں پیچھے سے دوسری موٹر آئی جس نے زید کی موٹر سے نکل کر آگے بڑھنا چاہا تو زید نے اس گھمنڈ میں کہ اسے آگے نہ نکلنے دوں اپنی موٹر نہایت تیزی سے چلائی ایسے میں موٹر کے پہیے میں پنچر ہو گیا اور موٹر الٹ گئی جس سے ایک رفیق کی موت واقع ہوئی تو اب سوال یہ ہے کہ بہ ایں صورت مذکورہ بالا موت واقع ہونے سے مردے کی موت شہادت کی قسموں میں سے کسی ایک میں شمار ہو گی یا نہیں اگر ہو گی تو کس قسم میں ؟ المستفتی نمبر ۱۵۸۷ موسیٰ یعقوب مایت (جوہانسبرگ) ۳ جمادی الاول ۱۳۵٦ھ م ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء
(جواب ۲۱٦) یہ شخص شہداء کی ان قسموں میں داخل ہے جو اتفاقی اچانک واقعات سے وفات پاتے ہیں جیسے دریا میں ڈوب کر مرنے والا ہے یا کسی منہدم ہونے والی عمارت کے نیچے دب کر مر جانے والا۔(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(سوال) متعلقہ مقتول با مور مذہبی
(جواب ۲۱۷) اگر کوئی مسلمان کسی مذہبی بات پر قتل کر دیا گیا ہو اور وہ اسی جگہ مر گیا ہو تو وہ شہید ہے اسکو غسل نہ دیا جائے اور اس کے لباس میں خواہ خون آلود ہو دفن کر دیا جائے نماز جنازہ پڑھی جائے۔(٤) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) چونکہ سزائے غیر مستحق دینے کی وجہ سے مظلوم ہے اور ظلما قتل کیا ہوا شہید کہلاتا ہے هو كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلما الخ (تنوير الابصار' باب الشهيد ۲ / ۲٤۷ ط سعيد)
(۲) چونکہ احناف کے نزدیک شہید کی بھی جنازہ ضروری ہے ويصلى عليه بلاغسل (الدر المختار' با ب الشهيد ۲ / ۲۵۰ ط سعيد)
(۳) فالمرتث شهيد الآخرة' وكذا الجنب' ونحوه والغريق والحريق' والغريب' والمهدوم عليه (الدر المختار' باب الشهيد ۲ / ۲۵۲ ط سعيد)
(٤) ويصلى عليه بلاغسل ويدفن بدمه وثيابه لحديث' زملوهم بكلومهم (الدر المختار' باب الشهيد ۲ / ۲۵۰ ط سعيد)

آٹھواں باب
پوسٹ مارٹم

(سوال) (۱) موت واقع ہو جانے کے بعد میت کے احترام کے متعلق کیا حکم ہے؟ (۲) مسلمان عورت کی میت کے احترام اور پردے کے احکام کیا ہیں؟ (۳) لاش کا طبی معائنہ (جس میں لاش کو چیر پھاڑ کر اندرونی حصے دیکھے جاتے ہیں) کس حکم شریعت کے ماتحت آتا ہے؟ (۴) کیا نامحرم مرد کے ہاتھوں میں عورت کی برہنہ میت کا جانا بطریق مذکور اس کا طبی معائنہ جائز ہے؟ المستفتی نمبر ۱۴۹۷ خلیق صدیقی سہارنپوری فاضل ادب ایڈیٹر امت (سہارنپور) ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۵ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۱۸) (۱) مسلمان میت کی نعش کا احترام مثل زندہ کے احترام کے بلکہ بعض صورتوں میں بھی زیادہ لازم ہے (۱) (۲) مسلمان میت اگر عورت ہو تو اسکے پردے اور ستر کے احکام زندگی کے احکام سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں یعنی اس کا شوہر بھی اس کے ننگے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا (۲) (۳) طبی معائنہ (پوسٹ مارٹم) کی بہت سی صورتیں شرعی ضرورت کے بغیر واقع ہوتی ہیں جو ناجائز ہیں اور اگر کوئی خاص صورت شرعی ضرورت کے ماتحت جائز بھی ہو (۳) تاہم اس میں شرعی احکام متعلقہ ستر و احترام میت کا التزام ضروری ہوگا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میت کے جسم کو پھاڑنا چیرنا اس کے احترام کے منافی ہے اور جب تک کوئی ایسی قوی وجہ نہ ہو کہ اس کے سامنے اس بے حرمتی کو نظر انداز کیا جا سکے چیر پھاڑ مباح نہیں ہو سکتی (۴) عورت کی برہنہ میت غیر محرم مرد کے ہاتھوں میں جانا تو درکنار اس کی نظر کے نیچے بھی نہیں جا سکتی۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ و ۲۴ مئی ۱۹۳۹ء)

(سوال) زید اور ہندہ دونوں میاں بیوی کو ان کے مکان میں گھس کر مزدوروں نے مار ڈالا دن کو معلوم ہوا تو حکام نے موقع پر پہنچ کر واقعہ کا حال معلوم کر کے مسلمانوں کو زید و ہندہ کے دفن کرنے کی اجازت دے دی مسلمانوں نے بعد غسل و تکفین نماز جنازہ پڑھ کر دونوں کو دفن کر دیا دوسرے روز مارنے والا خود ظاہر ہو گیا اور جرم کا اقرار کر لیا حکام ضلع نے مجرم کو حراست میں لیکر رپورٹ صوبہ کے حاکم اعلیٰ کے پاس بھیجی وہاں

---

(۱) مثلاً جنازہ سے آگے چلنا اور قبر میں چارپائی پر کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھنا وغیرہ

(۲) ویمنع زوجہا من غسلہا و مسہا (الدرالمختار، باب الجنائز ۲/۱۹۸ ط سعید)

(۳) وفی التجنیس من علامۃ النوازل امراۃ حامل ماتت، واضطرب فی بطنہا شئ وکان رأیہم انہ ولد حی شق بطنہا (فتح القدیر ۲/۱۴۲ ط مصطفی البابی، مصر)

(۴) یا ایہا النبی قل لازواجک و بناتک ونساء المومنین یدنین علیہن من جلابیبہن الاحزاب ۵۹ وقل للمؤمنین یغضوا من ابصارہم، النور ۳۰ واما الغاسل فمن شرائطہ ان یحل لہ النظر الی المغسول فلا یغسل الرجل المراۃ ولا المراۃ الرجل (البحر الرائق، کتاب الجنائز ۲/۱۸۸ ط بیروت)

سے حکم آیا کہ جب تک ڈاکٹر رپورٹ نہ ملے مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا زید و ہندہ دونوں کو قبر سے کھود کر نکال کر ڈاکٹری معائنہ کی رپورٹ بھیجی جائے ایسی صورت میں مسلمان کیا کریں ؟ خصوصاً ہندہ کے تمام بدن کو ڈاکٹروں کا دیکھنا اور چھونا کیسا ہے ؟

(جواب ۲۱۹) دفن کے بعد قبر کو کھولنا اور میت کو پوسٹ مارٹم کی غرض سے نکالنا جائز نہیں ہے۔(۱) نیز پوسٹ مارٹم کے لئے مسلمان عورت کے جسم کو غیر محرم ڈاکٹر کا دیکھنا جائز نہیں ہے(۲) غیر مسلم حکومت میں مسلمانوں کو کوشش کر کے اس قاعدے کو منسوخ کرانا چاہئے اور جب تک منسوخ نہ ہو اور حکومت جبراً یہ کام کرے تو مسلمان معذور ہوں گے۔(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نواں باب
شرکت جنازہ کفار

(سوال) یرحمکم اللہ – مسئلۃ نطلب الاستفتاء فیہا' ھل یجوز لمسلم ان یشارک الکفار فی معبد ھم بصلوتھم الجنازۃ علی کافر باختیارہ واذا فعل ذلک الم یصبح منھم بحکم الشریعۃ الاسلامیۃ وقد جاء فی القرآن الکریم فی سورۃ التوبۃ (۴) ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ انھم کفروا باللہ و رسولہ وماتوا وھم فاسقون ولکم الاجروالثواب

المستفتی نمبر ۲۸۶ سید محمد فواد (بغداد) ۲۱ محرم ۱۳۵۳ھ م ۶ مئی ۱۹۳۴ء

(ترجمہ) خدا آپ کا بھلا کرے مسئلہ ذیل میں ہم کو فتوے مطلوب ہے کہ کیا مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ کافر کی نماز جنازہ میں کافروں کے ساتھ ان کے گرجا میں جا کر باختیار خود شرکت کرے اگر ایسا کسی نے کر لیا ہو تو شریعت اسلامیہ کی رو سے کیا وہ کفار میں شمار کیا جائے گا اور قرآن شریف میں صاف حکم موجود ہے کہ اے نبی ان میں سے کسی پر جب کہ وہ مر جائے تو کبھی نماز جنازہ نہ پڑھ اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہو کیونکہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے باغی ہیں اور سیہ کاری کی حالت میں مرے ہیں۔

(جواب ۲۲۰) رحمکم اللہ لا یجوز لاحد یؤمن باللہ و رسولہ والیوم الاخر ان یصلی علی

---

(۱) میت کو صرف اس صورت میں قبر سے نکال سکتے ہیں جب کہ وہ غیر کی زمین میں دفن کیا گیا ہو اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے میت کو قبر سے نکالنا جائز نہیں ولا یسع اخراج المیت من القبر بعد ما دفن الا اذا کانت الارض مغصوبۃ' واخذت بالشفعۃ (خانیہ علی ھامش الھندیۃ' باب فی غسل المیت' وما یتعلق بہ ۱/۱۹۵ ط کوئٹہ)

(۲) عورت کے جسم کو جس طرح زندگی میں دیکھنا جائز نہیں اسی طرح مرنے کے بعد بھی جائز نہیں' و یمنع زوجھا من غسلھا' ومسھا (قولہ و یمنع زوجھا الخ) اشار الی ما فی البحر من ان من شرط الغاسل ان یحل لہ النظر الی المغسول فلا یغسل الرجل المرأۃ وبالعکس (رد المحتار' باب صلاۃ الجنائز ۲/۱۹۸ ط سعید)

(۳) لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا. البقرۃ ۲۸۶

(۴) التوبۃ : ۸۴

کافر اومشرک ' لان اللہ تعالی نھی نبیہ والمؤمنین عن الاستغفار للمشرکین حیث قال ' ماکان للنبی والذین امنواان یستغفروا للمشرکین ولو کانوااولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحاب الجحیم (۱)

والصلوۃ علی المیت ھی الدعاء والاستغفار لہ (۲) و مشارکۃ المؤمنین مع الکفار فی معبد ھم فی امر یعدونہ من دینھم اشد خطرا لان فیھا اعزاز امر دینھم و تحسین طریقھم والرضیٰ باعمالھم الدینیۃ و جمیع ذلک مما تابی عنہ الشریعۃ المطھرۃ والغیرۃ الاسلامیۃ ۔

اما صلۃ المؤمن جارہ المشرک بامور تتعلق بالمعاشرۃ وکذا تعزیتہ او مشایعۃ جنازۃ کافر لقرابۃ اوجوار فمباحۃ (۳)بشرط ان لا یاتی بامر یفضی الی تحسین دینھم اوالی اظھار الرضاء بطریقتھم واللہ اعلم کتبہ الراجی عفو مولاہ محمد کفایۃ اللہ کان اللہ لہ وکفاہ و حاوز عما جناہ ۔

(ترجمہ) جو وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو جائز نہیں کہ کافر یا مشرک پر نماز جنازہ پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اور تمام مسلمانوں کو مشرکین کے لئے طلب مغفرت سے منع فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا نبی اور مسلمانوں کو اجازت نہیں کہ مشرکین کے لئے طلب مغفرت کریں اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہی ہوں جب کہ ان کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ (کفر کی وجہ سے) دوزخی ہیں۔

اور نماز جنازہ اصل میں دعا و استغفار ہی ہے اور مسلمانوں کا کفار کی عبادت گاہوں میں جا کر ان کے مذہبی اعمال میں شریک ہونا سخت خطرناک ہے کیونکہ اس سے ان کے اعمال دینیہ کی تعظیم اور ان کے مذہبی امور کے ساتھ پسندیدگی و رضا معلوم ہوتی ہے 'اور یہ باتیں شریعت مطہرہ اور غیرت اسلامی کے خلاف ہیں۔

لیکن وہ امور جو معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں ان میں مسلمان کا اپنے مشرک پڑوسی سے حسن سلوک اور اس کی تعزیت یا رشتہ دار کافر کے جنازہ کی شرکت یا کافر پڑوسی کے جنازے کے ساتھ جانا یہ سب مباح ہے بشرطیکہ اس مسلمان سے کوئی ایسا کام سرزد نہ ہو جس سے ان کے دین کے ساتھ اس کی پسندیدگی ظاہر ہو اور ان کے طریقے کے ساتھ اس کی رضامندی معلوم ہو۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

---

(۱) التوبۃ ۱۱۳

(۲) قولہ من ان الدعاء رکن قال لقولھم ان حقیقتھا والمقصود منھا الدعاء (رد المحتار' باب صلاۃ الجنائز ۲ ۲۰۹ ط سعید)

(۳) واذا مات الکافر قال' لوالدہ او قریب فی تعزیتہ اخلف اللہ علیک خیرا منہ واصلحک ای اصلحک بان سلاہ (ھندیۃ کتاب الکراھیۃ' الباب الرابع عشر فی اھل الذمۃ والاحکام التی تعود الیھم ۵ ۳۴۸ ط کوئٹہ) و (رد المحتار' کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع ۶ ۳۸۸ ط سعید)

دسواں باب

متفرقات

(سوال) (۱) بیوی کے مرجانے کے بعد اس کا شوہر محرم باقی رہے گا یا غیر محرم محض اجنبی ہوگا (۲) بیوی کا جنازہ شوہر اٹھا سکتا ہے یا نہیں ؟ (۳) بیوی کے جنازے کو شوہر کاندھا لگا سکتا ہے یا نہیں ؟ (۴) بیوی کی نعش کو شوہر قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں ؟ مرقومہ بالا امور محرم رشتہ داروں کی موجودگی میں شوہر کر سکتا ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۲۴۴۳ ایم شرافت کریم صاحب (ضلع مونگھیر) ۵ رمضان ۱۳۵۵ھ م ۲۱ نومبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۲۱) (۱) بیوی کے مرجانے سے نکاح کے تعلقات ختم ہو جاتے ہیں تاہم شوہر کو نظر سے بیوی کی نعش کو دیکھنا لینا یعنی بے حجاب دیکھ لینا جائز ہے(۱) (۲) بے تکلف شوہر بیوی کا جنازہ اٹھا سکتا ہے جنازہ تو اجنبی مرد بھی اٹھا سکتے ہیں(۲) (۳) بلاشبہ کندھا دے سکتا ہے۔(۳) (۴) اگر اور محرم موجود ہوں مثلاً متوفیہ کا باپ بھائی چچا ماموں تو وہ قبر میں اتار دیں اور محرم نہ ہوں تو دوسرے اجنبی لوگوں سے شوہر زیادہ مستحق ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(سوال) اگر کوئی شخص جمعہ کے روز فوت ہو گیا ہو تو اس کو جمعہ میں ملانے کو لوگ کہتے ہیں تو اس کو کس طرح جمعہ میں ملانا چاہئیے یا اس کو جمعہ میں نہیں ملا سکتے ہیں اور یہاں یہ بات خاص مانی جاتی ہے اور اچھے اچھے لوگ اس پر زور دیتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۱۳۷۸ شیخ اعظم شیخ معظم ملاجی صاحب ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۱ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۲۲) یہ بات کوئی شرعی بات نہیں ہے صحابہ کرام کے طرز عمل سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔(۵)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) ویمنع زوجھا من غسلھا و مسھا لا من النظر الیھا علی الاصح (تنویر الابصار' باب صلاۃ الجنائز' مطلب فی حدیث کل سبب و نسب منقطع الا سببی و نسبی ۲ / ۱۹۸ ط سعید)
(۲) کیونکہ جنازہ اٹھانے اور کندھا دینے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں کیونکہ اس میں نہ مس ہے نہ نظر
(۳) کیونکہ اجنبی لوگوں کے لئے تو نظر کرنا بھی درست نہیں جب کہ شوہر کے لئے نظر کی اجازت ہے جیسے حاشیہ نمبر ایک میں گزرا
(٤) وذوالرحم المحرم اولیٰ بادخال المراۃ من غیرھم' کذافی الجوھرۃ النیرۃ' وکذا ذوالرحم' غیر المحرم اولی من الاجنبی' فان لم یکن فلا باس للاجانب' وضعھا' کذافی البحر الرائق (ھندیۃ' باب الجنائز' الفصل السادس فی القبر والدفن ۱ / ۱٦٦ کوئٹہ)
(٥) اس لئے یہ بدعت ہے (بدعۃ) ما احدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول اللہ ﷺ من علم اوعمل' او حال بنوع شبھۃ' واستحسان' و جعل دینا قویما و صراطا مستقیما (رد المحتار' کتاب الصلاۃ' باب الامامۃ' مطلب البدعۃ خمسۃ اقسام ۲ / ٥٦۰ ط سعید)

(سوال) میاں بیوی میں سے اگر بیوی کا انتقال ہو جائے تو مرد کو بیوی سے پردہ کرنا چاہئے یا نہیں اگر مرد کا انتقال ہو تو بیوی کو پردہ کرنا چاہئے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۲۴۷ احمد صدیق بازار چتلی قبر (دہلی) ۷ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۳ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۲۳) بیوی کی میت کو شوہر دیکھ سکتا ہے مگر ہاتھ جسم کو لگانا اس کے لئے منع ہے (۱) جنازے کو کندھا دینے میں کوئی ممانعت نہیں یہ تو بالکل اجنبی لوگوں کے لئے بھی جائز ہے شوہر کی میت کو بیوی دیکھ بھی سکتی ہے اور اس کے بدن کو چھو بھی سکتی ہے اور ضرورت پڑے تو غسل بھی دے سکتی ہے۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(سوال) (۱) چاروں طرف قبر ہیں اگر کسی جگہ آڑ ہے وہاں جنازہ رکھ کر نماز پڑھی جائے تو نماز ہو گی یا نہیں؟ (۲) قبرستان میں تمباکو کھانا یا پینا درست ہے یا کیا بشر طیکہ جنازہ سامنے موجود ہو دفن نہ کیا گیا ہو (۳) قبر میں لوگ ۷ یا ۵ کنکری مردے کے سرہانے رکھتے ہیں یہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟ (۴) بہت سے لوگ کپڑے میں لکھ کر کلمہ مردے کے سینے میں رکھتے ہیں رکھنا چاہئے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۸۹ بہادر خاں صاحب ریاست میہر ۲۸ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۲۴) (۱) ہاں ہو جائے گی۔ (۳) (۲) تمباکو کھانے میں تو کچھ مضائقہ نہیں البتہ پینے میں آگ استعمال کرنی ہوتی ہے اور قبرستان میں آگ لے جانا مکروہ ہے (۴) (۳) اس عمل کا کوئی پختہ ثبوت نہیں ہے۔ (۵) (۴) لکھ کر رکھنا چاہئے۔ (۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(سوال) (۱) دس سال کی لڑکی کا جنازہ بالغ یا نابالغ پڑھا جائے (۲) شریعت میں کتنے سال کی لڑکی بالغ ہوتی ہے (۳) بعض مولوی صاحبان دس سال کی لڑکی کا جنازہ بالغ پڑھاتے ہیں ان کا استدلال یہ ہے کہ چوں کہ ام

---

(۱) ویمنع زوجھا من غسلھا و مسھا لا من النظر الیھا علی الاصح (تنویر الابصار باب صلاۃ الجنائز ۲ / ۱۹۸ ط سعید)

(۲) و یمنع زوجھا من غسلھا و مسھالا من النظر الیھا علی الاصح منیہ وقالت الائمۃ الثلاثۃ یجوز لان علیا غسل فاطمۃ قلنا ھذا محمول علی بقاء الزوجیۃ لقولہ علیہ السلام کل سبب و نسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی مع ان بعض الصحابۃ انکر علیہ شرح المجمع للعینی وھی لا تمنع من ذلک ولو ذمیۃ بشرط بقاء الزوجیۃ الخ (الدر المختار باب صلاۃ الجنازۃ ۱ / ۱۹۸ ط سعید)

(۳) قال ابو حنیفۃ ولا ینبغی ان یصلی علی میت بین القبور وکان علی وابن عباس یکرھان ذلک وان صلوا اجزاھم لما روی انھم صلوا علی عائشۃ و ام سلمۃ بین مقابر البقیع (بدائع فصل فی سنۃ الدفن ۱ / ۳۲۰ ط سعید)

(۴) و یکرہ الآجر　　کما یکرہ ان یتبع قبرہ بناء تفاولاً (بدائع فصل فی سنۃ الحفر ۱ / ۳۱۸ ط سعید)

(۵) البتہ مٹی کا ڈھیلہ کہ اس پر سورۃ قدر پڑھ کر رکھ دی جائے من اخذ من تراب القبر بیدہ وقرأ علیہ سورۃ القدر سبعا و ترکہ فی القبر لم یعذب صاحب القبر ذکرہ السید (طحطاوی علی مراقی الفلاح باب احکام الجنائز فصل فی حملھا و دفنھا ص ۳۷۰ ط مصطفی حلبی مصر)

(۶) عن الفتح انہ تکرہ کتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالی علی الدراھم والمحاریب والجدران وما یفرش وما ذاک الا لاحترامہ و خشیۃ وطئہ　　فالمنع ھنا بالاولی مالم یثبت عن المجتھد (رد المحتار باب صلاۃ الجنازۃ ۲ / ۲۴۶، ۲۴۷ ط سعید)

المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خلوت ۹ سال میں ہوئی تھی اس لئے دس سال کا جنازہ جائز ہے آیا یہ صحیح ہے ؟
المستفتی نمبر ۲۲۹۱ حاجی عبدالکریم صاحب امین بلڈنگ (پشاور) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۲۵) دس سال کی لڑکی اگر بالغہ ہو گئی ہو یعنی اس کو حیض آنا شروع ہو گیا ہو تو اس کا جنازہ پوری عورت کے لئے پڑھا جائے اور اگر حیض آنا شروع نہ ہوا ہو تو اس کا جنازہ نابالغہ کی طرح پڑھا جائے۔

دس سال کی عمر میں لڑکی بالغہ ہو سکتی ہے مگر یہ لازم نہیں کہ ہر دس سالہ لڑکی بالغہ ہو جائے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نو سال کی عمر میں مقاربت ہوئی تو نو سال کی لڑکی کے بلوغ کا امکان ثابت ہوا نہ یہ کہ ہر نو سال کی لڑکی بالغہ قرار دیدی جائے بالغہ قرار دینے کے لئے پندرہ سال کی عمر ہونی چاہئے جب کہ اور کوئی علامت بلوغ ظاہر نہ ہو۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(سوال) ایک مسلمان توبو محمد میاں کا انتقال ہو گیا اور دو تین روز کے بعد دو ایک ہندو نے توبو محمد میاں کی لاش کو قبر سے رات کو نکال کر اوپر زمین پر رکھ کر توبو میاں مرحوم کی لاش سے چھری یا تلوار سے گردن کاٹ کر جدا کیا اور توبو محمد میاں مرحوم کے منہ میں شراب دیا اور چند قسم کی بے حرمتی ہندو نے سفلی عمل جادو سیکھنے کے لئے کیا مسلمانوں کو یہ ہندوؤں کی شرارت معلوم ہوئی تو مسلمانوں نے پوچھا ہندوؤں نے اقرار کیا اور کہتے ہیں کہ ہم ہندوؤں سے غلطی ہوئی دس پانچ روپیہ لے کر معاف کر دیں مگر ادھر پانچ ہزار مسلمان غصہ سے آگ ہو رہے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے اس پر سب مسلمانوں کی یہ رائے ہوئی کہ مولانا صاحب مدظلہ کے پاس لکھا جائے جو فتویٰ آوے اسی کے مطابق ہندوؤں سے صلح یا جنگ یا تاوان لیکر یا جو فتویٰ کا حکم ہو کیا جائے۔

(۲) لاش اور سر کٹا ہوا توبو محمد میاں کا قبرستان میں پڑا ہے اب اس لاش کو اسی قبر میں دیگر مٹی سے قبر کا منہ ڈھانک دیں یا پھر لاش اور سر کٹے ہوئے کو غسل و کفن دیکر جنازے کی نماز پڑھ کر قبر میں دیں کس طور سے عمل میں لاش کو لاویں۔**المستفتی** نمبر ۲۶۲۹ حافظ محمد عثمان صاحب (بنگال) ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ ۱۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۲۲۶) جن لوگوں نے قبر سے لاش نکالی اور اس کا سر کاٹا اور بے حرمتی کی انہوں نے بہت سخت ظلم اور برا کام کیا انکو قانونی سزا دلوانی چاہئے' تاوان لیکر معاف کر دینا درست نہیں اور خود کوئی انتقام لینے

---

(۱) بلوغ الغلام بالا حتلام' والاحبال' والانزال' والا صل هو الانزال' والجارية بالا حتلام' والحيض' والحبل ولم يذكر الانزال صريحا' لانه قلما يعلم منها' فان لم يوجد فيها شئ' حتى يتم لكل منهما خمس عشر سنة' به يفتى' لقصر اعمار اهل زماننا' وادنى مدته له اثنتا عشرة سنة' ولها تسع سنين هو المختار' (الدر المختار' كتاب الحجر' فصل في بلوغ الغلام بالا حتلام ٦/١٥٣' ١٥٤ ط سعيد)

کی صورت بھی مناسب نہیں (۱) کہ اس میں فساد اور مزید ضرر کا احتمال ہے قانونی کارروائی کی جائے۔
(۴) لاش اور سر کو اسی قبر میں یا علیحدہ قبر میں دفن کر دیں غسل اور نماز کی حاجت نہیں یہ پہلی مرتبہ دفن کرنے سے پہلے ادا ہو چکے ہیں۔ (۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(سوال) جو مسلمان جمعہ کے دن مر جائے تو اس کے لئے جمعہ کے دن کا کچھ ثواب ہے یا نہیں ؟ المستفتی نظیر الدین امیر الدین (املیز ہ ضلع مشرقی خاندیس)
(جواب ۲۲۷) ہاں فضیلت اور ثواب ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۵ء)
(سوال) یہاں پر فقط ایک گھر روافض درمیان مسلمانوں اور برہمنوں کے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اگر روافض مر جاوے تو اس کا کفن مسلمانوں پر واجب ہے یا نہیں ؟ اگر لازم ہے تو اس کی نماز جنازہ پڑھیں یا نہیں ؟
(جواب ۲۲۸) اگر ان روافض میں سے کوئی شخص مر جائے اور لوگ ان میں موجود ہوں تو وہی اپنی میت کی تجہیز و تکفین کر لیں لیکن اگر ان میں کوئی موجود نہ ہو تو دوسرے مسلمانوں کو لازم ہے کہ ان کی میت کی تجہیز و تکفین کریں پھر اگر وہ رافضی ایسے عقیدے کا تھا کہ اس پر حکم کفر جاری نہیں ہوتا تھا تو اس کی تجہیز و تکفین مثل مسلمین کے کریں اور نماز جنازہ بھی پڑھ کر دفن کریں لیکن اگر اس پر حکم کفر جاری ہو سکتا تھا تو اس کی تجہیز و تکفین میں رعایت سنت نہ کریں اور نہ نماز پڑھیں ویسے ہی دفن کر دیں۔ (۴) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفر لہ'

(سوال) (۱) جس گھر میں کسی کا انتقال ہو جائے اس گھر کے لوگوں کو اور اس کے پڑوس کے گھروں میں بھی کھانا پکانا درست ہے یا نہیں ؟ (۲) میت کے گھر میں سے کوئی چیز میت کے غسل و کفن کے لئے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر چیز بازار سے لانی چاہئے گھر کی کوئی چیز استعمال نہیں کرنی چاہئے مثلاً گھڑے بدھنیاں وغیرہ حتیٰ کہ کفن سینے کے واسطے سوئی بھی بازار سے لانی چاہئے گھر میں چارپائی

---

(۱) کیونکہ یہ تعزیر مالی ہے جو کہ احناف کے نزدیک جائز نہیں' والحاصل ان المذهب عدم التعزير' باخذ المال (رد المحتار' كتاب الحدود' باب التعزير مطلب في التعزير' باخذ المال ٤ / ٦٢ ط سعید)
(۲) اور تکرار مشروع نہیں' ولا يصلى على ميت الامرة واحدة' والتنفل بصلاة الجنازة غير مشروع (هندية' باب الجنائز' الفصل الخامس في الصلاة على الميت ١ / ١٦٣ ط كوئٹه)
(۳) حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن مر جائے تو اللہ تعالیٰ اسے عذاب قبر سے محفوظ فرماتے ہیں عن عبدالله بن عمر قال :قال رسول الله ﷺ ما من مسلم يموت يوم الجمعة او ليلة الجمعة الا وقاه الله من فتنة القبر (ترمذی' ابواب الجنائز' باب ماجاء من يموت يوم الجمعة ١ / ٢٠٥ ط سعید)
(٤) ويغسل المسلم' ويكفن و يدفن قريبه كخاله الكافر الاصلي' اما المرتد' فيلقى في حفرة كالكلب عند الاحتياج' فلو له قريب فالاولى تركه لهم من غير مراعاة السنة (الدر المختار' باب صلاة الجنازة ٢ / ٢٣٠ ط سعید)

موجود ہو پھر بھی میت کے لئے بازار سے لانی چاہئیے۔

(جواب ۲۲۹) (۱) میت ہو جائے تو کھانے پینے کی گھر والوں کو بھی ممانعت نہیں ہے چہ جائیکہ پڑوسیوں کو یہ دوسری بات ہے کہ گھر والے رنج و غم کی وجہ سے کھانے پینے کی طرف راغب نہیں ہوتے۔(۱) لیکن اگر وہ اس گھر میں بیمار کو یا بچوں یا کمزوروں اور ضعیفوں کو کھانا کھلاویں تو گناہ نہیں ہے۔

(۲) یہ بھی غلط ہے۔ اگر گھر کے برتن چارپائی وغیرہ استعمال کریں تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ ان چیزوں میں کوئی خرابی آتی ہے اور نہ ان کے پھر استعمال کرنے میں کوئی وہم کرنے کی گنجائش ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

---

(۱) ویستحب لجیران اھل المیت والاقرباء الا باعد تھیۃ الطعام لھم یشبعھم یومھم ولیلتھم لقولہ علیہ السلام اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جاء ھم ما یشغلھم حسنہ الترمذی و صححہ الحاکم ولانہ بر و معروف و یلح علیھم فی الاکل لان الحزن یمنعھم من ذلک فیضعفون اھ (رد المحتار باب صلاۃ الجنازۃ ۲/۲۴۰ ط سعید)

(۲) یونکہ نہ کوئی شرعی ممانعت وارد ہوئی ہے اور نہ کوئی عقلی قباحت ہے۔

کتاب الصوم

پہلا باب

رویت ہلال رمضان وعیدین

عیدالفطر کی نماز کسی عذر کی وجہ سے دوسرے دن پڑھی جاسکتی ہے

(سوال) ایک شہر میں ہلال عیدالفطر کے متعلق مختلف شہادتیں اہل اسلام کی قاضی شہر کے پاس گزریں لیکن قاضی صاحب نے ان سے ایک ایک علیحدہ بلا کر کہ دوسرا گواہ نہ سنے دقیق جرح کی کہ چاند تم نے کس جگہ دیکھا اس کے دونوں کنارے کس جانب تھے اس کے پاس کوئی ستارہ تھا یا نہیں اوپر نیچے بادل تھا یا نہیں اور تھا تو کتنے فاصلے پر تھا اور کس رنگ کا تھا وغیرہ وغیرہ۔ ان سوالات میں جہاں بھی دو شاہدوں کے درمیان ذرا اختلاف ہوا ان کی شہادت رد کردی آخر بکنج وکاؤ چند شہادتیں ہر طرح سالم اور جرح میں بے عیب مضبوط قائم رہیں اور صبح ۷ بجے قاضی صاحب نے ان شہادتوں کو معتبر قرار دیکر افطار صیام کا فتویٰ دیا اور ساتھ ہی اس کے یہ فرمایا کہ چونکہ دیہات میں عام اطلاع ہونا مشکل ہے لہذا دوگانہ عیدالفطر کل کو ادا کیا جائے گا ہر چند کہ بعض اہل اسلام اور اہل علم نے کہا بھی کہ تاخیر بلا عذر صحیح نہیں اس لئے دوگانہ آج ضرور ادا ہونا چاہئیے مگر قاضی صاحب نے اسکو تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کہ یہ تاخیر بلا عذر نہیں بلکہ اطلاع عام کے عذر سے ہے لہذا کل کو دوگانہ عید بلا کراہت صحیح ہے چنانچہ عام مسلمانان شہر اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوگئے مگر بعض لوگوں نے تاخیر کو جائز نہ سمجھ کر عیدگاہ میں اپنا دوگانہ ادا کیا اور سو سوا سو مسلمان اس میں شریک بھی ہوئے عام اہل اسلام نے یوم آئندہ حسب اعلان قاضی صاحب کے اقتدا میں دوگانہ ادا کیا دریافت طلب امور یہ ہیں کہ قاضی صاحب کو گواہان رویت ہلال سے اس قسم کی باریک جرح کرنے کا شرعاً کہاں تک حق حاصل ہے صورت مذکورہ میں جو تاخیر ہوئی وہ شرعاً بعذر ہوئی یا بلا عذر خصوصاً جب کہ دو گھنٹے کا وقت ملا اور شہر و متعلقات شہر کی اطلاع کے لئے وہی ہدایت جو افطار صوم کے لئے عمل میں آئی اطلاع دوگانہ کے لئے بھی کافی تھی یا کم از کم بذریعہ منادی دو گھنٹے میں پورا اعلان کیا جاسکتا تھا اہل دیہات کو اطلاع دینا یا ان کی رعایت میں صلوٰۃ عید کو کل پر مؤخر کرنا کہاں تک صحیح ہے؟ اس تاخیر کی صورت میں جن مسلمانوں نے قاضی صاحب کے خلاف اپنا دوگانہ اسی دن عیدگاہ میں ادا کیا وہ برسر حق یا برسر باطل اور ان کو ایسا کرنا جائز تھا یا اتباع قاضی صاحب کا ضروری تھا؟ یوم الغد میں قاضی صاحب اور عام مسلمانوں نے جو نماز پڑھی وہ صحیح ہوئی یا باطل اور ادا ہوئی یا قضا اور مکروہ ہوئی یا بے عیب؟

(جواب ۲۳۰) عیدالفطر کی نماز کسی عذر کی وجہ سے دوسرے دن پڑھی جاسکتی ہے اور لوگوں کو مطلع کرنا بھی عذر شرعی ہے **وتؤخر صلوٰۃ عید الفطر الی الغداذا منعھم من اقامتھا عذر بان غم علیھم الھلال وشھد عند الامام بعد الزوال او قبلہ بحیث لا یمکن جمع الناس قبل الزوال**

(ھندیه ص ۱۶۱ ج ۱) (۱) لیکن اہل دیہات پر عیدین کو مطلع کرنا ضروری نہیں اور نہ ان کی وجہ سے تاخیر عذر شرعی میں داخل ہے کیونکہ اہل دیہات پر عیدین کی نماز واجب نہیں اما شرائط وجوبها و جواز ها فکل ما هو شرط وجوب الجمعة و جواز ها فهو شرط وجوب صلوة العیدین و جواز ها من الامام والمصر (بدائع ص ۲۷۵ ج ۱) (۲) تو جب ان پر عید کی نماز واجب نہیں تو ان کی وجہ سے تاخیر بھی عذر شرعی نہ ہوئی اور جب یہ عذر شرعی نہ ہوا تو قاضی صاحب کا نماز عید کو مؤخر کرنا درست نہ ہوا جن لوگوں نے اسی روز نماز پڑھ لی اچھا کیا اگر گواہ معروف بالصلاح والتقویٰ نہ ہوں اور قاضی صاحب کو ان پر شبہ ہو تو ایسی جرح جس سے رویت کا تیقن ہو سکے کرنا جائز ہے

صرف تار کی خبر پر عید کرنا اور روزہ افطار کر لینا درست نہیں

(سوال) ایک مولوی نے یہ خبر سنی کہ دہلی سے تار آیا ہے وہاں انتیس کا چاند ہو گیا ہے اسی خبر پر اس نے روزے افطار کرا دیئے اور عید کر لی اور یہ کہہ دیا کہ اس کا تمام گناہ میرے ذمہ ہے آیا اس تار کی خبر پر روزے افطار کرانا اور اپنے ذمہ گناہ لینا درست ہے؟ بینوا توجروا؟

(جواب ۲۳۱) صرف اس طرح خبر سن کر کہ دہلی سے تار آیا ہے کہ وہاں چاند انتیس کا ہو گیا ہے روزے افطار کر ڈالنا اور عید کر لینا ہرگز درست نہیں عید کے چاند کے ثبوت کے لئے دو عادل آدمیوں کی گواہی شرط ہے صورت مسئلہ میں اول تو تار خود اپنے پاس نہیں آیا اور پھر اگر اپنے پاس بھی آتے جب بھی چونکہ تار میں کمی بیشی اور غلطی ہوتی رہتی ہے اس لئے وہ ثبوت رویت ہلال کے واسطے کافی نہیں وان کان بالسماء علة لا تقبل الا شهادة رجلین او رجل وامرء تین و یشترط فیه الحریة ولفظ الشهادة کذافی خزانة المفتین و تشترط العدالة هکذا فی النقایة انتهی مختصرا (ھندیه ص ۲۱ ج ۱) (۳) اور کسی شخص کا نعوذباللہ یہ کہنا کہ روزے افطار کرا و اس کا تمام گناہ میرے ذمہ ہے بہت بڑی دیدہ دلیری ہے بلکہ اس میں خوف کفر ہے کس میں اتنی طاقت ہے کہ عذاب خداوندی (۴) کا متحمل ہو سکے ایسی باتوں سے احتراز واجب ہے۔

ثبوت رویت ہلال عید کے واسطے دو عادل گواہوں کی شہادت شرط ہے

(سوال) رنگون کے قریب وٹی ایک مقام ہے وہاں ۲۹ تاریخ کو ۱۰ بجے کے قریب تار آیا کہ آج رنگون

(۱) الباب السابع عشر فی صلاة العیدین ۱/۱۵۱ ط رشیدیه کوئٹه
(۲) فصل فی العیدین فصل فی شرائط وجوبها وجواز ها ۱/۲۷۵ ط ماجدیه کوئٹه
(۳) کتاب الصوم الباب الثانی فی رویة الهلال ۱/۱۹۸ ط رشیدیه کوئٹه
(٤) وقال الذین کفروا للذین آمنوا اتبعوا سبیلنا و لنحمل خطایاکم وما هم بحاملین من خطایا هم من شی العنکبوت ۱۲

میں عید ہے اس بناء پر بعض اشخاص نے یعنی نصف لوگوں نے روزہ توڑ دیا اور نصف لوگوں نے تار کا اعتبار نہیں کیا اور روزہ بدستور شام کو افطار کیا اور ۳۰ تاریخ کو روزہ ختم کر کے اتوار کو عید کی خلاصہ یہ کہ رنگون والوں نے کل ۲۹ روزے رکھ کر شنبہ کو عید کی اور یہاں بعض شخصوں نے ۲۹ روزے کامل کئے اور ایک تیس کا ناقص توڑ دیا اور بعضوں نے پورے تیس کئے لیکن عید پورے ۳۰ کر کے ہوئی اب سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے تیس تاریخ کو روزہ توڑ دیا ہے کیا ان پر قضا و کفارہ واجب ہے یا نہیں ؟ دوسری یہ بات قابل دریافت ہے کہ امسال اکثر جگہ سنا گیا ہے کہ شنبہ کو عید ہوئی اگر یہ بات متحقق ہو جائے تو اس حالت میں قضا واجب ہے یا نہیں ؟ اور اس کے متحقق ہونے کے لئے کیا کیا شرائط ہیں ؟ افواہ کا کوئی اعتبار ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۳۲) ثبوت رویت ہلال عید کے واسطے جب کہ مطلع صاف نہ ہو دو عادل گواہوں کی شہادت شرط ہے تار میں ظن غالب کی بیشی اور غلطی ہو جاتی ہے اس لئے تار ثبوت رویت ہلال کے لئے کافی نہیں وان کان بالسماء علة لا تقبل الا شهادة رجلين اورجل وامرأتين ويشترط فيه الحرية ولفظ الشهادة كذافي خزانة المفتين و تشترط العدالة هكذا في النقايه انتهى مختصراً (هنديه ص ۲۱۰ ج ۱) (۱) پس جو شخص کہ صرف تار کی خبر پر روزہ توڑ ڈالے اس پر قضا و کفارہ دونوں واجب ہوں گے لیکن اگر بعد میں بشہادۃ شرعیہ معتبرہ ثابت ہو جائے کہ چاند ۲۹ رمضان کا ہوا تھا تو حکم قضا ساقط ہو جائے گی۔ ولا عبرة لا ختلاف المطالع في ظاهر الرواية كذافي فتاوى قاضي خان وعليه فتوى الفقيه ابى الليث و به كان يفتي شمس الائمة الحلواني قال لورای اهل مغرب هلال رمضان يجب الصوم على اهل مشرق كذافي الخلاصة (هنديه ص ۲۱۱ ج ۱) (۲) اور اس مسئلے کی پوری تفصیل رسالہ البيان الكافي في حكم الخبر التلغرافي میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ہلال عید کے ثبوت کیلئے دو عادل گواہوں کی شہادت شرط ہے

(سوال) اگر کسی شہر میں مطلع صاف نہ ہو اور دو ضعیف البصر غیر عدل جن کو عوام الناس غیر معتبر سمجھیں شہادت دیں اور امام جامع مسجد ان کی شہادت پر فتویٰ بھی دیدے کہ نماز عید الاضحیٰ پنج شنبہ کو ہوگی عوام الناس ان دونوں شہادتوں کو غیر معتبر اور غیر عدل سمجھتے ہیں اور بیان کرتے ہیں اور امام صاحب کہتے ہیں کہ عدالت کی شرط نہیں ہے محض دو کلمہ گو کلمہ پڑھ کر حلف سے شہادت دیں گے تو ہم مان لیں گے شہادت دو فاسقوں کی بھی معتبر ہے یہ لوگ پھر دوسرے عالم سے فتویٰ طلب

(۱ - ۲) کتاب الصوم' الباب الثاني في روية الهلال ۱۹۸/۱ ط رشیدیہ' کوئٹہ

کریں دوسرا عالم جمعہ کی عید کا فتویٰ دے اور شہر میں دو عیدیں ہوں ایک فریق دسویں ذی الحجہ پنج شنبہ کو سمجھے اور ایک جمعہ کو اور اس شہر کے صدر کیمپ میں عام طور پر علماء نے جمعہ کی دسویں قرار دی تو اس صورت میں پنج شنبہ کی نماز عید اور قربانیاں جائز ہوں گی یا نہیں ؟ اور یہ امام شرعاً مفتی ہے یا نہیں ؟ بینوا تو جروا

(جواب ۲۳۳) مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ہلال عید کے ثبوت کے لئے دو عادل گواہوں کی شہادت شرط ہے جو شخص اس کے خلاف کہتا ہے غلطی پر ہے۔ وان كان بالسماء علة لا تقبل الاشهادة رجلين او رجل وامرأتين و يشترط فيه الحرية ولفظ الشهادة كذافي خزانة المفتين و تشترط العدالة هكذا في النقاية (هنديه) (۱) اور جب کہ عدالت شہود شرط ہے پس ایسے لوگوں کی شہادت سے جو غیر معتبر تھے پنج شنبہ کی عید کا حکم صحیح نہیں اور نہ اس روز کی قربانی جائز اور درست ہوئی تاوقتیکہ کسی صحیح شرعی طریقہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ جمعرات کی عید ٹھیک تھی اس وقت تک ان لوگوں کو یہی حکم دیا جائے گا کہ تمہاری قربانی جائز نہیں ہوئی۔

مطلع صاف نہ ہو تو ہلال عید کیلئے دو عادل گواہوں کی شہادت شرط ہے

(سوال) ہندوستان کے بعض بلاد میں عید الفطر کا چاند انتیسویں رمضان کو یوم شنبہ کو نہیں دیکھا گیا اور نہ مقامات رویت کی ان بلاد میں شرعی شہادت پہنچی بناء علیہ بجوائے حدیث فان غم عليكم الهلال فاكملوا الثلاثين (۲) اتوار کی عید کی گئی اس کے بعد چونکہ مسلسل بارش ہوئی ابر اکثر آسمان پر محیط رہا مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے ذی قعدہ اور ذی الحجہ کی رویت ۲۹ کو نہ ہو سکی اور نہ مقامات رویت سے شہادت پہنچی اب ان بلاد کے رہنے والوں کے واسطے عیدالاضحیٰ کے بارے میں کیا حکم ہے ؟ آیا یہ لوگ بدون رویت اور بدون شہادت معتبرہ شرعیہ مقامات رویت کا اتباع کر کے یوم جمعہ کو عیدالاضحیٰ کر سکتے ہیں یا حدیث مذکور کی بناء پر اکمال ثلثین لازم ہوگا (جس کے اعتبار سے سنیچر کو عیدالاضحیٰ کرنا چاہئے) صورت اولیٰ میں مقامات رویت کا اتباع بدون شہادت شرعی معتبرہ کے جو حدیث مذکورہ کے قطعاً خلاف ہے کسی حجت شرعی کی بناء پر ہے ؟ صورت ثانیہ میں جن لوگوں نے یوم جمعہ کو نماز عیدالاضحیٰ پڑھی اور اسی دن قربانی کی جو بالکل قبل از وقت ہے ایسی حالت میں ان سے وجوب صلوٰۃ اور وجوب اضحیہ ادا ہو گیا یا نہیں ؟

(جواب ۲۳٤) مطلع صاف نہ ہو تو ثبوت رویت ہلال عید کے لئے دو عادل گواہوں کی شہادت شرط ہے کسی ایسی جگہ کے باشندوں کو جہاں کسی وجہ سے چاند نظر نہ آئے صرف افواہ کا اعتبار کر کے عید کر لینا

---

(۱) كتاب الصوم' الباب الثاني في رؤية الهلال ۱/۱۹۸ ط رشيديه' كوئته

(۲) عن ابن عباس : قال : قال رسول الله ﷺ صوموا الهلال' لرؤيته' وافطروا لرؤيته فان غم عليكم' فاكملوا العدة ثلاثين (نسائي' كتاب الصوم' اكمال شعبان ثلاثين اذا غُم ص ۲۳۲ ط سعيد)

جائز نہیں اگر ایسا کریں گے تو ان کی قربانی وغیرہ کو تاوقتیکہ شرعی طریقے سے جمعہ کی عید کا ثبوت نہ ہو جائے حکم عدم جواز ہی دیا جائے گا وان کان بالسماء علة لا تقبل الا شهادة رجلين او رجل وامرء تين و يشترط فيه الحرية ولفظ الشهادة كذافي المفتيين و تشترط العدالة كذافي النقاية (هنديه مختصراً) (۱) حدیث فان غم علیکم الخ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی طریقے سے بھی چاند کا ثبوت نہ ہو سکے تیس روزے پورے کرنے چاہئیں لیکن اگر کسی طرح ثبوت ہو جائے مثلاً کسی دوسری جگہ کی رویت کی شہادت گزر جائے یا خبر رویت کا تواتر یا شہرت ہو جائے تو پھر یہ حکم نہیں رہے گا پس صورت مسئولہ میں جن لوگوں نے جمعہ کی عید بدون ثبوت شرعی کے کرلی ہے نہ انکی نماز ہوئی نہ قربانی ادا ہوئی ۔ (۲) مگر یہ حکم عدم صحت صلوٰۃ و عدم جواز قربانی کا اسی وقت تک رہے گا جب تک کہ ان کے یہاں رویت کا ثبوت شرعی نہ ہو جائے اور جب ثبوت شرعی ہو جائے تو ان کی نماز کی صحت اور قربانی کے جواز کا حکم دیا جائے گا۔

تیسویں تاریخ کو زوال کے بعد چاند دیکھ کر افطار کیا تو قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے

(سوال) اگر رمضان کی تیس تاریخ کو بعد زوال چاند دیکھا گیا اب بحسب شرع اسی وقت افطار کرنا چاہئے یا بعد غروب آفتاب ؟ اور اگر قبل از غروب افطار کر لیا تو قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے یا نہیں ؟ مجموعۃ الفتاویٰ جلد سوم ص ۶۹ (۳) میں امام مسلم کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے اذا رايتم الهلال فصوموا واذارايتموه فافطروا (۴) حاشیہ عالمگیری فتاویٰ بزازیہ ص ۱۱۳ میں رأى هلال الفطر وقت العصر فظن انقضاء مدته وافطر قال في المحيط اختلفوا في لزوم الكفارة والا كثر على الوجوب (۵) ان دونوں عبارتوں کا کیا مطلب ہے ؟

(جواب ۲۳۵) دن میں رویت ہلال کا کوئی اعتبار نہیں زوال سے پہلے ہو یا بعد زوال ورؤيته نهارا قبل الزوال و بعده غير معتبر على ظاهر المذهب و عليه اكثر المشائخ و عليه الفتوى بحر عن الخلاصة (درمختار) (۶) بزازیہ کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہے حدیث اذا رايتم الخ کا

---

(۱) كتاب الصوم' الباب الثاني في رؤية الهلال ۱/ ۱۹۸ ط رشيديه' كوئٹه
(۲) قربانی اور عید کی نماز عید کے دن کی وجہ سے واجب ہوتی ہے جب عید ہوئی ہی نہیں تو نماز بھی واجب نہیں ہوئی اور وجوب سے پہلے ادا درست نہیں
(۳) کتاب الصوم' فصل مدار صوم و افطار رمضان کدام چیز است ۳/ ۲۴۸ ط امجد اکیڈمی' لاہور
(٤) عن ابی هريرةؓ قال : قال رسول اللهﷺ اذا رايتم الهلال فصوموا واذا رأيتموه فافطروا الخ (مسلم' كتاب الصيام' باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال الخ ۱/ ۳۴۷ ط قديمی)
(٥) كتاب الصوم' الفصل الثالث فيمايفسده' وما لايفسده الخ ٤/ ۱۰۰ ط كوئٹه
(٦) كتاب الصوم ۲/ ۳۹۳ ط قديمی

مطلب یہ نہیں ہے کہ دن میں چاند دیکھو اور روزہ توڑ ڈالو بلکہ مطلب یہ ہے کہ روزے کے وجوب و فطر کا دارومدار رویت شرعیہ معتبرہ پر ہے اور رویت شرعیہ معتبرہ وہی ہے جو بعد غروب شمس ہو قبل غروب کی رویت معتبر نہیں پس جب کہ رمضان کی تیس تاریخ کو بعد زوال چاند دیکھا تو روزہ غروب شمس تک پورا کرنا واجب ہے اگر دن میں افطار کر لیں گے تو قضا و کفارہ دونوں واجب ہوں گے (۱)

بادل کی صورت میں افطار کے لئے دو آدمیوں کی گواہی معتبر ہے

(سوال) ایک شہر میں انتیس ذی قعدہ کو پیر کے روز منگل کی شب کو رویت ہلال ذی الحجہ ہوئی ایسی حالت میں کہ مطلع صاف نہ تھا بلکہ ابر غلیظ محیط تھا دیکھنے والوں میں سے دو آدمیوں نے آکر معززین شہر کی موجودگی میں چاند دیکھنے کی شہادت دی اور ان کی شہادت کی تائید میں اور بھی شہر کے مختلف محلوں سے خبریں آئیں کہ پیر کے روز فلاں فلاں شخص نے چاند دیکھا' جن میں سے بعض ثقہ اور بعض مستور الحال ہیں مفتی صاحب نے ایسی حالت میں کہ علۃ فی السماء موجود تھی ثبوت رویت کے لئے ان دو شہادتوں کو کافی سمجھ کر اعلان کرا دیا کہ عید اضحیٰ حسب شہادت پنج شنبہ کو ہوگی حسب اعلان کل شہر میں پنج شنبہ کو عید ہوئی مگر چند آدمیوں نے جن کی تعداد تیس یا چالیس سے زیادہ نہیں تھی اس شہادت کو غیر معتبر سمجھ کر پنج شنبہ کو عید نہیں کی جن لوگوں نے اس شہادت پر عید کی تو ان کے حساب سے محرم کی پہلی تاریخ بھی پنج شنبہ کو ہوتی ہے مگر چار شنبہ کو محرم کا چاند دیکھا نہیں گیا بلکہ پنج شنبہ کو ہوا اور جمعہ کے روز محرم کی پہلی تاریخ قرار پائی اب وہ لوگ کہ جنہوں نے خلاف حکم مفتی و شہادت دوسرے روز عید کی تھی طعن و تشنیع کرتے ہیں کہ کیا انتیس کا چاند ہوا؟ جمعرات کے روز کی عید قربانی کچھ بھی نہیں ہوئی کیا ان کا یہ قول صحیح ہے فی الواقع جمعرات کی عید نہیں ہوئی؟ باوجودیکہ اس کا دارومدار حجت شرعی یعنی شہادت معتبر و شرعیہ پر ہے یا کہنے والے غلطی پر ہیں علاوہ ازیں شاہدوں پر غیر واقع بہتان لگاتے ہیں حالانکہ ان میں صفت عدالت (اجتناب عن الکبائر و عدم اصرار علی الصغائر وغیرہ) موجود ہے پس ثبوت رویت ہلال از روئے شہادت یقین کی حد کو پہنچا جن لوگوں نے اس شہادت کے حکم کے خلاف کیا وہ مورد ملامت ہیں بزدیگر جملہ اہل شہر کہ جنہوں نے حسب الشہادۃ حکم شرعی کی تعمیل کی؟ جو لوگ کہ شاہدوں پر بہتان باندھتے ہوں ان کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے بالفرض اگر کسی شخص سے کسی زمانے میں کسی ناجائز امر کا صدور ہوا ہو تو بعد تائب ہونے کے بھی مقبول الشہادۃ ہو گیا یا نہیں؟

(جواب ۲۳۶) مفتی صاحب کا حکم اس صورت میں کہ آسمان پر ابر غلیظ موجود تھا اور دو آدمیوں نے

---

(۱) رای هلال الفطر وقت العصر فظن انقضاء مدته' وافطر' قال في المحيط' اختلفوا في لزوم الكفارة' والاكثر على الوجوب (براز ية'على هامش الهندية' كتاب الصوم' فصل فيما يفسده وما لا يفسده الخ ٤ / ١٠٠ ط كوئته)

جو معتبر اور عادل تھے رویت کی شہادۃ دی صحیح تھا(۱)اور اس کا اعتبار اور اس پر عمل کرنا لازم تھا جن لوگوں نے اسکے خلاف کیا وہ خود مورد ملامت ہیں نہ کہ مفتی صاحب اور ان کے حکم کے موافق عمل کرنے والے کیونکہ عمل کا مبنی حجت شرعیہ ہے عدالت شہود کی معتبر تعریف یہ ہے کہ کبائر سے مجتنب ہو اور صغائر پر مصر نہ ہو(۲)اور اس کے حسنات سیئات پر غالب ہوں اگر کسی وقت کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہو جائے اور اس سے توبہ کرلے تو بعد توبہ اس کی شہادت مقبول ہے اور پچھلا گناہ جس سے توبہ کرلی ہے اس کی عدالت میں مضر نہیں سوائے محدود فی القذف کے(۳)چار شنبہ کو محرم کا چاند نہ ہونا کچھ مضر نہیں مگر تاریخ پہلی جمعرات کی ہوئی کیونکہ تیس دن پورے کرنے سے دوسرا مہینہ شروع ہو جاتا ہے خواہ کسی وجہ سے رویت نہ ہو(۴)واللہ اعلم　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱)امارت شرعیہ پھلواری شریف کے اشتہار کی خبر سے عید کرنا
(۲)امارت شرعیہ کا عید کی اطلاع کے لئے ایک آدمی کا بھیجنا کافی ہے

(سوال) (۱) کیا امارت شرعیہ پھلواری شریف کا اپنی جگہ پر شرعی اصول پر ہلال عید یا اضحیٰ کی شہادت لیکر بذریعہ اشتہار کے لوگوں کو نماز عید اور افطار یا نماز اضحیٰ یا اضحیہ کی خبر دینی صحیح ہے؟ اور لوگوں کو محض اس اشتہار پر افطار اور قربانی کرنا صحیح ہے؟

(۲)امارت شرعیہ پھلواری شریف کا عید اضحیٰ وغیرہ کی رویت کی خبر کے لئے ایک مبلغ کا کسی جگہ پر بھیج دینا وہاں کے لوگوں کی نماز و قربانی کے لئے حجت ہو سکتا ہے یا نہیں اور اس کا محض یہاں آکر یہ بیان کرنا کہ امیر صاحب کے روبرو رویت کی مستند شہادت گزر چکی ہے رویت کے ثبوت کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

المستفتی (مولانا)عبدالصمد رحمانی(مونگیر)

---

(۱) وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ اشهد و عدم الحد في قذف لتعلق نفع العبد فوته و نصاب الشهادة اى على الاموال وهو رجلان او رجل وامرأتان اما الفطر فهو نفع دنيوى للعباد فاشبه سائر حقوقهم فيشترط ما يشترط فيها (رد المحتار' كتاب الصوم ۲ /۳۸۶ ط سعيد)

(۲) قوله خبر عدل الخ العدالة ملكة تحمل على ملازمة التقوى والمروءة الشرط ادناها وهو ترك الكبائر والا صرار على الصغائر وما يخل بالمروءة و يلزم مسلما عاقلا بالغا بحر (رد المحتار' كتاب الصوم ۲ /۳۸۵ ط سعيد)

(۳) دیکھیں حاشیہ نمبر ۱

(۴) یعنی اسلامی مہینے ۲۹ یا ۳۰ دن کے ہوتے ہیں تیس دن سے زائد کا کوئی ماہ نہیں عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ ذكر رمضان فضرب بيده فقال الشهر هكذا وهكذا ثم عقد ابهامه في الثالثة صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته فان اغمى عليكم فاقدروا له ثلاثين (مسلم' كتاب الصيام باب وجوب رمضان الرؤية الهلال ۱ /۳۴۷ قديمي)

واذا شهد على هلال رمضان شاهدان والسماء متغيمة و قبل القاضي شهادتهما وصاموا ثلاثين يوما فلم يروا هلال شوال ان كانت السماء متغيمة يفطرون من الغد بالاتفاق وان كانت مصحية يفطرون ايضا على الصحيح كذا في المحيط (هندية' كتاب الصوم باب رؤية الهلال ۱ /۱۹۸ كوئٹه)

(جواب ۲۳۷) (۱) اگر اشتہار ایسی صورت سے طبع کرایا جائے جس میں جعل و تزویر کا احتمال باقی نہ رہے یعنی اس قسم کا اشتہار کوئی دوسرا شخص عادۃً و قانوناً نہ چھپوا سکتا ہو تو وہ اشتہار لوگوں کے لئے غلبہ ظن کے حصول کا موجب ہو سکتا ہے اور اس پر عمل کرنا جائز ہو سکتا ہے اگرچہ وہ حجت قطعیہ کا درجہ اس وقت بھی نہیں رکھتا (۲) ایک مبلغ کا ارسال کافی نہیں ہے بلکہ دو آدمی بھیجنے چاہئیں اور کتاب القاضی الی القاضی کو ملحوظ رکھنا چاہئیے(۱)

(۱) ٹیلی فون کی خبر پر چاند کے ثبوت کا حکم دینا
(۲) ٹیلی فون پر حلفیہ بیان لیکر بھی عید کا حکم دینا جائز نہیں
(۳) ٹیلی فون کی خبر سے اگر چاند ہونے کا یقین ہو جائے ؟

(سوال) (۱) دربارہ رویت ہلال ٹیلی فون کی خبر شرعاً معتبر ہے یا نہیں اور دوست آشنا جن کی آواز کو شناخت بھی کر سکتے ہیں کہ ہاں یہ زید ہے یا عمرو ہے اور ٹیلی فون کے ذریعے سے ہزاروں روپے کا کاروبار چلتا رہتا ہے تو وہ مسلمان ایک شہر سے دوسرے شہر میں خبر کریں ٹیلی فون سے تخمیناً ۴۰۰ یا ۵۰۰ میل سے تو اس پر عید کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) جب دوسرے شہر سے خبر دی ٹیلی فون میں تو یہ شہر والے پھر ٹیلی فون میں ان کی شہادت حلفاً لے لیویں ؟

(۳) جب دوسرے شہر سے خبر ملی ٹیلی فون میں اس پر قلیل آدمیوں نے روزہ نہ رکھا تو ان پر قضا لازم ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۰۸ مولوی سید عبدالقادر پی ایم برگ ناٹال (افریقہ) ۳۰ شوال ۱۳۵۲ھ م ۱۵ فروری ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۳۸) ٹیلی فون کی خبر پر رویت کے ثبوت کا حکم دینا ناجائز ہے کیونکہ ٹیلی فون پر بات کرنا شہادت شرعیہ کی حدود میں داخل نہیں اگرچہ آواز پہچانی جائے تاہم اشتباہ سے خالی نہیں اور مشتبہ چیز پر رویت کا حکم نہیں دیا جا سکتا ٹیلی فون پر تجارت بلکہ حکومت کا کاروبار چلتا ہو پھر بھی ٹیلی فون پر کوئی جج گواہی نہیں لے سکتا اور قانون شہادت کی رو سے ٹیلی فون پر شہادت مقبول نہیں ہو سکتی پس قانون شریعت میں بھی حکم کے لئے ٹیلی فون پر شہادت مقبول نہیں(۲)

(۲) جب ٹیلی فون کا ذریعہ اور واسطہ معتبر نہیں تو حلف لینا نہ لینا برابر ہے اور وہ حلف بھی معتبر

---

(۱) اور کتاب القاضی الی القاضی میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے " ولا یقبل الکتاب الا بشهادة رجلين او رجل وامرأتين (هدایه کتاب ادب القاضي باب كتاب القاضي الى القاضي ۳ / ۱۴۹ امدادیه ملتان)

(۲) ولا يشهد على محجب بسماعه منه الا اذا تبين لقائل بان لم يكن في البيت غيره او يرى شخصها اى للقائلة مع شهادة اثنين بانها فلانة بنت فلان ابن فلان الخ (الدر المختار كتاب الشهادات ۵ / ۴۶۸ طبع سعید)

نہیں یعنی یہ ثابت نہ ہوگا کہ حلف کون کر رہا ہے یا حلفی شہادت کون دے رہا ہے اس لئے اس خبر پر عید کرنے کا حکم کرنا درست نہ ہوگا(۱)

(۳) اگر دوسرے شہر سے کسی شخص کو رمضان کے چاند کی خبر ٹیلی فون پر ملے اور اس کو یقین ہو جائے کہ فلاں شخص کی آواز ہے اور اس میں کوئی شبہ باقی نہ رہے تو یہ شخص اپنے اس یقین پر اپنے نفس کے لئے عمل کر سکتا ہے یعنی خود روزہ رکھ سکتا ہے(۲) لیکن دوسروں کو نہیں کہہ سکتا کہ تم روزہ رکھو اور نہ عام طور پر رمضان کے ثبوت کا حکم دیا جا سکتا ہے اور اگر عید کے چاند کی خبر کسی کو ٹیلی فون پر ملے تو وہ باوجود آواز پہچاننے اور یقین ہو جانے کے بھی روزہ نہ چھوڑے بلکہ لوگوں کے ساتھ خود بھی روزہ رکھے اور جب عید کے چاند کی رویت ہو جائے یا رویت کا شرعی شہادت سے ثبوت ہو جائے اور سب عید منائیں تو یہ بھی عید منائے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) معتبر داڑھی منڈھے اور دھوتی باندھنے والے کی گواہی
(۲) شرعی قاضی نہ ہونے کی صورت میں مفتی یا امام مسجد چاند کی گواہی لے تو بھی شہادت کی شرائط کی رعایت ضروری ہے
(۳) مختلف خطوط سے اگر چاند کا یقین ہو جائے

(سوال) (۱) اس زمانے میں جب کہ ڈاڑھی منڈوں کی کثرت ہے پس اگر کوئی ڈاڑھی منڈانے والا رویت کی شہادت دے اور وہ عرفاً ثقہ اور معتمد سمجھا جاتا ہو پس آیا شرعاً اس کی گواہی مان لی جائے اسی طرح داڑھی والا نمازی جب کہ تہمد یا دھوتی باندھے ہوئے ہو۔

(۲) جب کہ اس زمانے میں حاکم مسلم نہیں ہے تو آیا مفتی یا امام مسجد عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے چاند میں بلا لفظ شہادت گواہی کو مان لے تو کیا حرج ہے ؟

(۳) جب کہ دو خط ایسے آجائیں جن میں اشتباہ نہ ہو اور دل کو اطمینان ہو جائے تو آیا ان دو خطوں کی بناء پر عید الاضحیٰ بحساب ۲۹ ہو سکتی ہے ؟ مثلاً برما کے شہر ٹانگو میں ایک خط رنگون کے دارالافتاء سے بنام امام مسجد جو لایا گیا کہ یہاں عید کلکتہ وغیرہ کی رویت کی بنا پر روز دوشنبہ بحساب انتیس ہوگی اور دوسرا خط اسی امام مسجد ٹانگو کے نام جو لا یا امام جامع مسجد مانڈلے کی طرف سے گیا کہ یہاں باہر کے دو معتمد

---

(۱) ولا یشہد علی محجب بسماعہ منہ الا اذا تبین لقائل بان لم یکن فی البیت غیرہ او یری شخصہا ای للعاقلۃ مع شہادۃ اثنین بانہا فلانۃ بنت فلان ابن فلان الخ (الدر المختار' کتاب الشہادات ۵/ ۴۶۸ طبع سعید)

(۲) انہ لایلزم لثبوت رمضان الشہادۃ الشرعیۃ بل یکفی خبر عدل' والخبر علی التلفون معتبر اذا عرف المتکلم وہو ثقۃ فلیتفکر (آلات جدیدۃ ص ۱۹۴ ادارۃ المعارف' کراچی)

(۳) رجل رای ہلال الفطر' وشہد' ولم تقبل شہادتہ کان علیہ ان یصوم' فان افطر کان علیہ القضاء (ہندیہ' کتاب الصوم' باب الثانی فی رؤیۃ الہلال ۱/ ۱۹۸ کوئٹہ)

گواہوں کی شہادت رویت کی بنا پر بروز دو شنبہ عید الاضحیٰ ہو گی پس آیا ان دونوں معروضہ بالا خطوط کی بنا پر شہر ٹانگو کے مسلمانوں کو عید کرنا جائز تھا یا نہیں ؟ **المستفتی نمبر ۲۸۶** مولانا عبدالخالق صاحب رنگون ۲ صفر ۱۳۵۳ھ م ۷ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۳۹) (۱) ڈاڑھی منڈانے والا اگرچہ عرفاً ثقہ اور قابل اعتماد سمجھا جاتا ہو اس کی گواہی شرعاً غیر مقبول ہے (۱) لیکن اگر قاضی قبول کرلے اور حاکم کر دے تو حکم صحیح ہو جائے گا (۲)

(۲) نمازی اور داڑھی والا شخص اگر دھوتی باندھے تو اس کی گواہی قابل قبول ہے (۳)

(۳) بوجہ حاکم مسلم نہ ہونے کے امام یا مفتی قائم مقام قاضی کے تو ہو سکتا ہے (۴) لیکن باقی ان تمام امور کی رعایت کرنی ہو گی جو خود قاضی کے لئے واجب الرعایۃ تھے اور لفظ شہادت فطر و اضحیٰ کے لئے ضروری ہیں (۵) اگر گواہ ناواقفیت کی بناء پر خود نہ کہے تو اس سے کہلوا لئے جائیں۔

(۴) خطوط کی بنا پر ذاتی طور پر عمل تو کیا جا سکتا ہے جب کہ خطوط پر اعتماد ہو لیکن حکم کے لئے خطوط اگرچہ قابل اعتماد ہوں کافی نہیں ہیں (۶) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

ٹیلی فون کی خبر شہادت کے باب میں قابل قبول نہیں اگرچہ اس میں تصویر بھی نظر آئے

(سوال) ہمارے شہر میں جو کہ ساحل بحر پر نشیب میں واقع ہے اور اکثر مطلع بھی صاف نہیں ہوتا بدیں وجہ چاند نظر نہیں آتا مگر ہمارے شہر کے قریب ڈربن نامی مقام سے میرے دوست نے مجھ کو ۲۹ رمضان کے مغرب اور عشاکے درمیان بذریعہ ٹیلی فون خبر دی کہ میں نے ہلال فطر دیکھ لیا ہے میں نے ان سے مزید تاکید کے لئے کہا کیا صرف آپ نے دیکھا یا آپ کے ساتھ کسی اور نے بھی دیکھا ہے انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ تین چار آدمیوں نے بھی دیکھا ہے میں نے اپنے دوست سے کہا کہ وہ اگر آدمی بھی ٹیلی فون پر آکر ہلال کی رویت کے متعلق مجھ کو اطلاع دیں تو ہم کو تسلی تشفی ہو جائے گی چنانچہ میرے دوست نے ان کو بلوایا اور انہوں نے چاند کی رویت کی اطلاع مجھ کو دی اور یہ خبر دینے والے چار

---

(۱) سئل فی شهادة محلوق اللحیة هل تقبل ام لا ؟ الجواب لم اجد فحیث ادمن علی فعل هذا المحرم یفسق الخ (فتاوی تنقیح حامدیه' الشهادة اذا بطلت الخ ۱ / ۳۵۱ مکتبه حاجی عبدالغفار' قندهار' افغانستان)

(۲) فلو قضی بشهادة فاسق نفذ واثم قوله بشهادة فاسق نفذ' قال فی جامع الفتاوی' واما شهادة الفاسق' فان تحری القاضی الصدق فی شهادته تقبل' والا لا اه' و فی فتاوی القاعدیة' هذا اذا غلب علی ظنه صدقه الخ (رد المحتار' کتاب الشهادات ۵ / ۴۶۶ ط سعید)

(۳) دھوتی باندھنا کوئی گناہ نہیں اس لئے شہادت میں کوئی خلل نہیں آتا

(۴) والعالم الثقة فی بلدة لا حاکم فیه قائم مقامه (عمدة الرعایة علی شرح الوقایة' کتاب الصوم ۱ / ۲۴۶ سعید کمپنی)

(۵) أما فی العید فیشترط لفظ الشهادة (البحر الرائق' کتاب الصوم ۲ / ۲۸۳ بیروت)

(۶) کیونکہ یہ شہادت نہیں اور کتاب القاضی الی القاضی کے شرائط مفقود ہیں

آدمی معتبر قابل اعتماد عندالشرع ہیں اور چونکہ روزمرہ تجارتی کاموں میں ان لوگوں کے ٹیلی فون آتے رہتے ہیں اس وجہ سے ان کی آواز کو بخوبی میں پہچانتا ہوں۔
اسی طرح اور کئی مقامات مثل میرس برگ 'لیڈ سمتھ 'نیو کاسل 'جوہانسبرگ وغیرہ سے بھی ٹیلی فون پر آکر متعدد ثقہ معتبر اشخاص نے ہلال عید کی خبر دی جن کی آوازوں کو روزمرہ کاروبار کی وجہ سے میں خوب پہچانتا ہوں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ایسی صورت میں ان خبروں کو معتبر شمار کیا جائے یا نہیں ؟ اور عام حکم دیا جائے یا نہیں ؟ جب کہ تواتر کے ساتھ تمام مقامات والے برابر خبر دے رہے ہیں نظر کی طرح روزہ رکھنے کے بارے میں ثبوت رمضان کے لئے بھی ٹیلی فون کا اعتبار کیا جاوے یا نہیں یہ امر قابل توجہ ہے کہ یہاں کے تجارتی اور خانگی تمام کام بذریعہ ٹیلی فون کے ہوتے ہیں جو ہمیشہ معتبر شمار کئے جاتے ہیں اب تو یہ معلوم ہوا ہے کہ آئندہ ٹیلی فون پر گفتگو کرنے والے کا فوٹو بھی جس سے گفتگو ہوتی ہے اس کے سامنے آیا کرے گا اگرچہ اب تک رائج نہیں ہے موجودہ شکل میں اور جو آئندہ آنے والی ہے کچھ فرق ہے یا نہیں ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۸۸ مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب راندیر ضلع سورت ۶ صفر ۱۳۵۳ھ م ۲۱ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۴۰) ٹیلی فون کی حیثیت اگرچہ ٹیلی گراف سے مختلف ہے لیکن شہادت کے موقع پر دونوں کا حکم شرعی ایک ہے جس طرح کہ تار کے ذریعہ سے شہادت ادا نہیں کی جاسکتی اسی طرح ٹیلی فون بھی ادائے شہادت کے لئے مفید و مقبول نہیں(۱) قانونی عدالتیں بھی تار یا ٹیلی فون پر شہادت قبول نہیں کرتیں اگر آئندہ فون پر بات کرنے والے کا فوٹو بھی سامنے آجائے تب بھی باب شہادت میں وہ ناقابل اعتبار رہے گا تمام کاروبار کا اس پر مدار ہونا اور روزانہ لوگوں کا تجارتی اور نجی کاموں میں اس کو معتبر سمجھنا اس کے لئے کافی نہیں کہ شہادت میں بھی اس پر اعتبار کیا جائے جیسے کہ حکومت ہند کے اہم سے اہم کام تار کے ذریعے سے انجام پاتے ہیں لیکن ایگزیکٹو (انتظامی) صیغہ میں تار پر بھروسہ کرنے کے باوجود جوڈیشنل (عدالتی) صیغہ میں اس کو معتبر نہیں سمجھا جاتا۔
ہاں جب کہ کثرت تار یا ٹیلی فون کی وجہ سے کسی کو خبر کا یقین ہو جائے تو وہ شخصی طور پر عمل کرنے کے لئے کافی ہو سکتا ہے لیکن حکم کے لئے کافی نہیں کیونکہ اس پر رویت ہلال یا افطار یا عید کا عام حکم نہیں دیا جاسکتا (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۱۵ حاشیہ ۲
(۲) رویت ہلال رمضان کے لئے شہادت ضروری نہیں بلکہ خبر کافی ہے البتہ عید کے لئے شہادت ضروری ہے لہذا ٹیلی فون وغیرہ سے اگر یقین ہو جائے تو رمضان کا حکم لگادیا جائے گا لیکن عید کا نہیں کیونکہ ٹیلی فون میں شروط شہادت مفقود ہیں قال علمائنا الحنفیۃ فی کتبھم : و یثبت رمضان لرؤیۃ ھلالہ' وبا کمال عدۃ شعبان ثلاثین' ثم اذا کان فی السماء علۃ من نحو غیم' او غبار قبل لہلال رمضان خبر واحد عدل فی ظاہر الروایۃ' او مستور علی قول مصحح' لا ظاہر فسق اتفاقا سواء جاء ذلک المخبر من المصر' او من خارجہ' وشرط لہلال الفطر مع علۃ فی السماء شروط الشہادۃ (رسائل ابن عابدین رسالۃ تاسعۃ ۱ / ۲۳۴ سہیل اکیڈمی)

ٹیلی فون کی خبر سے اگر چاند ہونے کا یقین ہو جائے؟

(سوال) (۱) اگر رویت ہلال مختلف مقامات سے ٹیلی فون کے ذریعے آوے اور ٹیلی فون میں بولنے والے کی آواز کو شناخت بھی کرلیا جائے کہ فلاں شخص بول رہا ہے اور ٹیلی فون میں بولنے والے کی آواز کو وہ شخص شناخت کر سکتا ہے جس کو اس کا کام پڑتا ہے اور اس وجہ سے ٹیلی فون کی خبر کو ٹیلی گرام سے زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے اور پھر سننے والے کو متفرق مقامات کی خبریں سننے سے اس کا اطمینان بھی ہو جائے کہ یہ خبریں پہنچی ہیں اور ضرور چاند ہو گیا ہے تو ایسی صورت میں ٹیلی فون کی خبر کا اعتبار کر کے روزہ رکھنے یا افطار کا شرعاً حکم دے سکتے ہیں یا نہیں؟
(۲) اگر کوئی جگہ نشیب میں واقع ہو جیسے ڈربن (ناٹال ساؤتھ افریقہ) کہ اس کی مغرب کی طرف اونچے اونچے پہاڑ ہیں چنانچہ سال بھر میں شاید ہی ایک دو دفعہ رویت ہلال ہوتی ہو گی اور وہاں رویت ہلال کی کوئی صورت نہیں دوسری جگہ آس پاس سے بھی زبانی شہادت آنے کی کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ ٹیلی فون کے ذریعے سے خبر آوے۔ **المستفتی** نمبر ۴۷۳ مولوی محمد کفایت اللہ مدرسہ عربی کٹھور ضلع سورت ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ م ۱۹ جولائی ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۴۱) ٹیلی فون کی خبر شرعی شہادت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی البتہ جس شخص کو یقین ہو کہ ٹیلی فون پر بولنے والا فلاں شخص ہے اور وہ رویت کی خبر دے کہ میں نے چاند دیکھا اور یا اتنے ٹیلی فون آجائیں کہ ان سے چاند ہونے کا غلبہ ظن حاصل ہو جائے تو جس کو یہ یقین حاصل ہو جائے وہ خود عمل کر سکتا ہے لیکن اس ذریعے کو شہادت قرار دیکر عام حکم نہیں دیا جا سکتا(۱) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

احناف کے نزدیک اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں

(سوال) رویت ہلال کی شہادت بذریعہ تار اور خطوط نیز ٹیلی فون سے معتبر ہے یا نہیں؟ اختلاف مطالع کا اعتبار ہے یا نہیں اگر ہے تو ایک مطلع کی حدیا قریہ کتنے میل کا شمار ہوگا **المستفتی** نمبر ۳۹۲ محمد امیر (پالن پور) ۲۰ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ م یکم ستمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۴۲) رویت ہلال میں تار ٹیلی فون کی خبر معتبر نہیں یعنی حکم کے لئے کافی نہیں اختلاف مطالع کا حنفیہ کے نزدیک اعتبار نہیں ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

تیس رمضان کو غروب سے کچھ دیر قبل چاند دیکھا تو وہ آئندہ شب کا ہو گا

(سوال) اگر رمضان شریف کی انتیسویں تاریخ کو باوجود مطلع صاف ہونے کے اور انتہائی کوشش کے

(۱) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۱۵ حاشیہ نمبر ۲ (۲) واختلاف المطالع ورؤيته نهارا قبل الزوال و بعده غير معتبر على ظاهر المذهب و عليه اكثر المشائخ و عليه الفتوى بحر عن الخلاصه (الدر المختار كتاب الصوم ۲ ۳۹۳ ط سعيد)

عید کا چاند نظر نہ آئے اور تمیں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے آدھ گھنٹہ پہلے نظر آجائے تو آیا روزہ اسی وقت چاند دیکھ کر افطار کر دینا چاہئیے یا وقت افطار کا انتظار کرنا چاہئیے المستفتی نمبر ۶۹۴ سید جمال الدین پھگواڑہ ۲۸ رمضان ۱۳۵۴ھ م ۲۵ دسمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۴۳) غروب آفتاب سے کچھ پہلے چاند نظر آجائے تو وہ چاند آئندہ شب کا چاند قرار دیا جائے گا گزشتہ شب کا نہ ہوگا اور قبل غروب دیکھنے والے کو جائز نہیں کہ وہ غروب آفتاب سے پہلے روزہ افطار کرلے روزہ آفتاب غروب ہونے پر حسب قاعدہ افطار کرنا چاہئیے اگر پہلے افطار کرلیا جائے تو یہ روزہ نہ ہوگا(۱) اور اس کی قضا رکھنی ہوگی محمد کفایت اللہ

ایک مقام پر اگر چاند نظر آجائے تو دوسرے مقام والوں کو بھی روزہ رکھنا ضروری ہے

(سوال) شہر اوجین میں ۲۹ شعبان المعظم کو مطلع بالکل صاف تھا اور باوجود پوری کوشش سے دیکھنے کے چاند نظر نہیں آیا مگر دوسرے مقامات سے اب یہ اطلاعات پہنچ رہی ہیں کہ وہاں چاند دیکھا گیا مثلاً جریدہ الجمعیۃ مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۳۶ء مطابق ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۵۵ء میں موضع کہر الدین کی گواہی شہادت پر حضرت مفتی صاحب نے دہلی میں دو شنبہ کی پہلی تاریخ قرار دیکر تعیین لیلۃ القدر اور ایک روزہ قضا رکھنے کا اعلان شائع فرمایا ہے اسی طرح اسی اعلان کے نیچے امارت شرعیہ پھلواری شریف کا ایک اعلان شائع ہوا ہے ان میں دو مقامات پر ابر ہونا بھی تصدیق ہوتا ہے مگر جہاں مطلع بالکل صاف ہو اور ہزاروں میں سے ایک شخص کو بھی چاند نظر نہ آیا ہو ایسی صورت میں کیا مندرجہ صدر تصدیقات پر روزہ قضا رکھا جائے۔ المستفتی نمبر ۱۲۵۶۔ ۲۸ رمضان ۱۳۵۵ھ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۴۴) رویت کی شہادت اگر معتبر ہو تو پھر اس کا اعتبار ہوگا(۲) اور نہ دیکھنے والے خواہ کتنے ہی کثیر ہوں ان کو بھی روزہ رکھنا ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) حنفیہ کے نزدیک اختلاف مطالع معتبر نہیں
(۲) خط، ٹیلی فون اور تار وغیرہ سے اگر چاند ہونے کا یقین ہو جائے؟
(۳) مطلع صاف ہونے کی صورت میں بھی دو عادل گواہوں کی شہادت قبول کرنا جائز ہے

(سوال) (۱) اختلاف مطالع شرعاً معتبر ہے یا نہیں اور اس میں قول صحیح ظاہر الروایت مفتی بہ کیا

---

(۱) اور کفارہ بھی دینا ہوگا دیکھیں صفحہ نمبر ۲۱۳ حاشیہ نمبر ۱

(۲) واختلاف المطالع غیر معتبر علی المذھب' فیلزم اھل المشرق لرؤیتہ اھل المغرب (تنویر الابصار' کتاب الصوم ۲ /۳۹۳' ۳۹۴ طبع سعید)

ہے ؟

(۲) اگر کسی شہر میں رویت صحیح ثابت نہ ہوئی ہو بس دوسرے شہروں سے کہ جہاں رویت تحقیقی ثابت ہو اخبارات یا خطوط متواترہ یا تار برقی یا ٹیلی فون کے ذریعہ خبر منگا کر روزہ افطار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) باوجود بالکل مطلع صاف ہونے کے اس زمانہ میں دو عادل آدمیوں کی شہادت شرعاً معتبر ہے یا نہیں اگر نہیں تو عبارت ذیل در مختار و شامی کا کیا جواب ہے **وعن الامام انه یکتفی بشاهدین واختاره فی البحر (درمختار)** (۱) **حیث قال و ینبغی العمل علی هذه الروایة فی زماننا لان الناس تکاسلت عن ترائی الاهلة الخ اقول وانت خبیر بان کثیراً من الاحکام تغیرت لتغیر الازمان ولو اشترط فی زماننا الجمع العظیم لزم ان لا یصوم الناس الا بعد لیلتین او ثلاث لما هو مشاهد من تکاسل الناس بل کثیرا ما راینا هم یشتمون من یشهد بالشهر ویؤذونه (حینئذ فلیس فی شهادة الاثنین تفرد من بین الجم الغفیر حتی یظهر غلط الشاهد فانتفت علة ظاهر الروایة فتعین الافتاء بالروایة الاخری شامی ص ۱۰۱ ج ۲** (۲)

المستفتی نمبر ۱۳۲۰ مولانا محمد شفیع صاحب مدرس مدرسہ جامعہ اسلامیہ شہر ملتان ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۳۰ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۴۵) (۱) اختلاف مطالع شرعاً معتبر نہیں اور حنفیہ کے نزدیک صحیح اور محقق یہی ہے (۳)

(۲) دوسرے شہروں کی رویت کی شہادت بطریق شرعی آجائے تو مقام موصول الیہ میں بھی صوم یا فطر کا حکم دیا جائے گا اخبارات اور خطوط اور تار برقی اور ٹیلی فون اتنی کثرت سے آجائیں کہ غلبہ ظن کو مفید ہوں تو صوم اور افطار کا حکم دیا جا سکتا ہے لیکن اگر اتنی کثرت اس حد تک نہ پہنچے تو ان پر حکم دینا جائز نہ ہوگا اور اگر کسی شخص کو کسی خاص خبر یا خط سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے وہ اپنے حق میں اس پر عمل کر سکتا ہے لیکن عام طور پر ان ذرائع سے حاصل شدہ خبر پر حکم نہیں دیا جا سکتا (۴)

(۳) دو آدمیوں کی جب کہ وہ عادل ہوں اور ان کی شہادت کے ساتھ قرائن صدق بھی ہوں شہادت قبول کر لینا جائز ہے اور اس پر حکم کر دینا بھی درست ہے خواہ شہادت رویت ہلال صوم کے متعلق ہو یا ہلال فطر کے متعلق (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

---

(۱) کتاب الصوم ۲/۳۸۸ ط سعید

(۲) کتاب الصوم ۲/۳۸۸ ط سعید

(۳) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۱۹ حاشیہ نمبر ۲

(۴) دیکھئے صفحہ ۲۰۵ حاشیہ نمبر ۲

(۵) و عن الامام انه یکتفی بشاهدین واختاره فی البحر الخ حیث قال و ینبغی العمل علی هذه الروایة فی زماننا لتکاسل الناس ... فانتفت علة ظاهر الروایة فتعین الافتاء بالروایة الاخری الخ (رد المحتار کتاب الصوم ۲/۳۸۸ ط سعید)

(۱) تار یا ٹیلی فون کی خبر سے عید کرنا جائز نہیں
(۲) مطلع صاف ہو تو بھی دو عادل گواہوں کی گواہی معتبر ہے
(۳) مطلع صاف ہو تو عید کے چاند کے لئے کتنے گواہوں کی ضرورت ہے؟
(۴) رمضان کے چاند کے لئے ایسے گواہوں کی گواہی بھی معتبر ہے جس کا فسق ظاہر نہ ہو

(سوال) (۱) انتیسویں رمضان المبارک کو تار یا ٹیلی فون کے ذریعے سے رویت ہلال شوال المکرم کی خبر ملنے پر تیسویں کا روزہ افطار کرنا اور عید الفطر کی نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟
(۲) انتیسویں رمضان المبارک کو گاؤں کے بہت سے آدمی چاند دیکھنے کے واسطے شہر سے باہر جنگل میں گئے اور مطلع بالکل صاف تھا کسی کو چاند نظر نہیں آیا ایک دو آدمی کہیں کہ ہم کو چاند نظر آتا ہے دوسروں کو بلا لیتے ہیں تو کسی کو نظر نہیں آتا اب جس کو چاند نظر آتا ہے اس کو تیسویں کا روزہ رکھنا چاہئیے یا افطار کرنا چاہئیے اور گاؤں کے لوگوں کو ان چاند دیکھنے والوں کی گواہی قبول کرنی جائز ہے یا نہیں؟
(۳) اگر مطلع صاف ہو تو انتیسویں رمضان المبارک کو چاند کے واسطے کتنے گواہوں کی شہادت کی ضرورت ہے
(۴) امسال ۲۹ رمضان المبارک کو مطلع بالکل صاف تھا بہت سے اشخاص دیکھ رہے تھے ایک دو شخص نے خواہ مخواہ کہہ دیا کہ چاند نظر آگیا ۳۰ رمضان المبارک کو سب نے روزے رکھ لئے تھے مگر علی الصبح ایک پیر صاحب نے اپنے دوست کو تار دیا کہ "عید مبارک" ان دو کی گواہی اور اس تار کی خبر پر کہ عید ہو گئی چند لوگوں نے بغیر کسی کے دریافت کرنے کے روزے افطار کر لئے اور بہتوں کے کراد ینے خوب کھا پی کر عید منا کر نماز کے لئے تیار ہوئے جب زیادہ شور و شغب ہوا ایک مولوی صاحب سے دریافت کرنے گئے کہ اب کیا کرنا چاہئیے مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم امساک کر لو تمہارا روزہ ہے کوئی بات نہیں لہذا صائم بن گئے تاکہ اس قسم کی آئندہ کسی کو جرأت نہ ہو **المستفتی** نمبر ۲۱۹۹ مولوی محمد عمر صاحب (اڑیسہ) ۶ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۴۶) (۱) تار یا ٹیلی فون کی خبر رویت ہلال میں معتبر نہیں عینی شہادت ہونی چاہئیے (۱)
(۲) اگر یہ چاند دیکھنے والے معتبر اور نیک پابند شرع لوگ ہوں تو ان کی شہادت مقبول ہو گی (۲)
(۳) مطلع صاف ہو تو اتنے آدمیوں کی شہادت ضروری ہے کہ اس سے چاند ہونے کا یقین ہو جائے تعداد قاضی کی رائے پر مفوض ہے (۳)

(۱) کیونکہ عید کے چاند کے لئے شہادت ضروری ہے اور شہادت روبرو دینا ضروری ہے اس لئے ٹیلی فون پر شہادت جائز نہیں دیکھئے صفحہ نمبر ۲۱۵ حاشیہ نمبر ۲ (۲) فی الدر المختار' وعن الامام' انه یکتفی بشاهدین' واختاره فی البحر وفی الشامیة' واختاره فی البحر حیث قال و ینبغی العمل علی هذه الرؤیة فی زماننا الخ (رد المحتار' کتاب الصوم ۲/۳۸۸ سعید) (۳) والصحیح من هذه کله انه مفوض الی رای الامام ان وقع فی قلبه صحة ما شهدوا به (رد المحتار' کتاب الصوم' ۲/۳۸۸ طبع الحاج محمد سعید)

(۴) رمضان المبارک کے چاند کے لئے ایسے گواہوں کی گواہی قبول کرلی جاتی ہے جن کا فسق ظاہر نہ ہو محض تار کی خبر پر روزے افطار کرلینا جائز نہ تھا اور دو آدمی اگر نیک اور قابل اعتماد تھے تو ان کی گواہی قبول کی جاسکتی تھی(۱) بسا اوقات مطلع پر ایسا غبار یا غیر مرئی ابر ہوتا ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مطلع صاف ہے حالانکہ وہ صاف نہیں ہوتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

رمضان میں اگر نفل روزے کی نیت کرے تب بھی رمضان ہی کا روزہ شمار ہوگا

(سوال) یہاں رمضان المبارک کا چاند انتیس کو نظر نہیں آیا ابر کافی تھا رات کے ساڑھے بارہ بجے پڑوس میں معلوم ہوا کہ ریڈیو سے خبر آئی ہے کہ کہیں کہیں چاند ہوگیا (شہر کے پیش امام یا عالم نے کوئی حکم نہیں دیا تھا) کچھ لوگ سحری کو جگانے آئے اور زید یہ سمجھا کہ کسی فیصلے کے بعد سحری کے لئے جگایا جارہا ہے 'زید نے روزہ رکھ لیا دوسرے دن تقریباً بارہ بجے یہ معلوم ہوا کہ ریڈیو کی خبر نہیں مانی جاتی اور آج کا روزہ افطار کرنا چاہئے زید نے یہ سن کر نیت نفل روزے کی کرلی اور روزہ نہیں افطار کیا زید کا یہ فعل درست ہے ؟

اب پندرہ دن بعد یہ بات ثبوت کو پہنچ گئی کہ چاند انتیس کا ہوا ہے اور یہاں کے مسلمانوں پر قضا واجب ہے کیا یہ صحیح ہے ؟ اس حالت میں کیا زید کا روزہ رمضان میں شمار ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی حاجی شبیر حسن دہلوی فوٹوگرافر

(جواب ۲٤۷) ہاں زید کا وہ روزہ رمضان کا روزہ شمار ہوگا (۲) ریڈیو کی خبر پر اگر دل کو یقین ہو جائے تو خود عمل کرسکتا ہے دوسرے لوگوں کے لئے حجت نہیں (۳) روزہ منگل سے ہوا ہے دہلی میں بھی چاند دیکھا گیا تھا اور عام طور پر لوگوں نے دیکھا تھا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

اختلاف مطالع واقع ہے مگر شریعت میں اس کا اعتبار نہیں

(سوال) متعلقہ اختلاف مطالع

(جواب ۲٤۸) جناب محترم مکرم دام مجدہم بعد سلام مسنون۔ میں آپ کے تمام خطوں کا جواب مرسلہ کتابوں کی تفصیل ' حمائل میرٹھی نہ ہونے کی اطلاع سب لکھ چکا ہوں صرف رویت کے متعلق

(۱) حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۲۲۲

(۲) و بمطلق النیة' و بنیة النفل لعدم المزاحم' و بخطا فی وصف' کنیة واجب آخر فی اداء رمضان فقط' لتعینه بتعین الشارع الخ و لو صام مقیم عن غیر رمضان ' ولو لجهله به ای برمضان فهو عنه' لا عما نوی لحدیث الا اذا جاء رمضان فلا صوم الا عن رمضان الخ (الدر المختار' کتاب الصوم ۲ / ۳۷۷' ۳۷۹ ط سعید)

(۳) ویشهد علی محجب بسما عد منه الا اذا تبین القائل بان لم یکن فی البیت غیره الخ (الدر المختار' کتاب الشهادات ۵ / ٤٦٨ ط سعید)

جو امر آپ نے دریافت فرمایا تھا وہ لکھنا باقی تھا جواب لکھ رہا ہوں۔

حنفیہ نے احکام میں اختلاف مطالع کا شرعاً اعتبار نہیں کیا(۱) نہ یہ کہ وہ در حقیقت اختلاف مطالع کے منکر ہیں فی الواقع مطالع میں اختلاف ہوتا ہے لیکن احکام شرعیہ میں اس کا اعتبار نہیں ہے(۲) حنفیہ کا استدلال حدیث صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ (۳) سے ہے یہ حدیث ترمذی وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہے اور صحیح ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو صوموا کا خطاب عام ہے تمام مکلفین اس میں داخل ہیں اور رویت کا لفظ لرؤیتہ میں مصدر ہے جس کا فاعل مذکور نہیں کہ کس کے دیکھنے پر روزہ رکھو پس اگر مخاطبین کو ہی فاعل مانا جائے اور معنی یہ ہوں کہ جو دیکھے وہ روزہ رکھے تو یہ خرابی ہے کہ بہت سے مکلفین بھی روزے سے بچ جائیں گے جنہوں نے باوجود شہر میں رہنے اور شہر میں رویت ہونے کے بھی چاند نہیں دیکھا حالانکہ یہ بالاجماع باطل ہے کہ جو اپنی آنکھ سے چاند نہ دیکھے اس پر روزہ نہ ہو پس لا محالہ رویت کا فاعل بھی عام لینا ہوگا کہ کسی دیکھنے والے کے دیکھنے پر روزہ رکھو خواہ وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں جب کہ رویت کا ثبوت ہو جائے کہ کسی نے چاند دیکھا ہے خواہ کہیں دیکھا ہو تمام مکلفین پر روزہ فرض ہو گیا اس حدیث میں جیسے رویت کا فاعل مذکور نہیں ایسے ہی محل رویت بھی مذکور نہیں اس لئے وہ بھی عام ہے کہ کہیں دیکھا جائے صرف اس امر کی ضرورت ہے کہ دیکھنا ثابت ہو جائے اور ثبوت کا طریق شہادت شرعیہ ہے جو رمضان کے چاند کے لئے ایک شخص کی بھی کافی ہے اور عید کے لئے دو آدمیوں کی ضروری ہے یہ جب کہ مطلع صاف نہ ہو ابر غبار وغیرہ ہو اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں رمضان و عید دونوں کے لئے جم غفیر شرط ہے (۴)

حضرت عبداللہ بن عباس کا واقعہ کہ انہوں نے خبر رویت قبول نہ کی حنفیہ کے مخالف نہیں ہے کہ اول تو وہ حسب قاعدہ شرعیہ شہادت نہیں تھی دوسرے یہ کہ جب تک وہ امام کے سامنے پیش نہ ہوتی اور امام حکم نہ کرتا اس وقت تک ابن عباس کا یہ فرمانا کہ فلانزال نصوم حتی نراہ او نکمل ثلاثین یوما (۵) بالکل صحیح ہے کیونکہ حضرت ابن عباس اسی کے مکلف ہیں اور اگرچہ ایک شخص کی شہادت

---

(۱) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۲۰ حاشیہ نمبر ۲

(۲) اعلم ان نفس اختلاف المطالع لا نزاع فیه بمعنی انه قد یکون بین البلدتین بعد' بحیث یطلع الهلال لیلة کذا فی احد البلدتین' واما الخلاف فی اعتبار اختلاف المطالع بمعنی انه هل یجب علی کل قوم اعتبار مطلعهم الخ (رد المحتار' کتاب الصوم' مطلب فی اختلاف المطالع ۲ /۳۹۳ سعید)

(۳) ترمذی' کتاب الصوم' باب ماجاء ان الصوم لرؤیة الهلال' والافطار له ۱ /۱۴۸ سعید)

(۴) و شرط للفطر نصاب الشهادة و لفظ اشهد ' و بلا علة جمع عظیم یقع العلم بخبر هم' وهو مفوض الی رأی الامام من غیر تقدیر بعدد الخ (تنویر الابصار' کتاب الصوم ۲ /۳۸۶، ۳۸۷ ۳۸۸ طبع محمد سعید)

(۵) اخبر نی کریب' ان ام الفضل بنت الحارث بعثته الی معاویة بالشام' فقضیت حاجتها واستهل علی هلال رمضان' وانا بالشام فراینا الهلال لیلة الجمعة ثم قدمت المدینة فی آخر الشهر' فسالنی ابن عباس' ثم ذکر الهلال فقال متی رأیتم الهلال' فقلت رایناه لیلة الجمعة فقال' انت رایته لیلة الجمعة' فقلت رأه الناس' و صاموا' و صام معاویة' قال لکن رایناه لیلة السبت' فلا نزال نصوم حتی نکمل ثلثین یوما' او نراه فقلت' الا تکتفی برؤیة معاویة' و صیامه قال' لا هکذا امرنا رسول الله ﷺ (ترمذی' ابواب الصوم' باب ماجاء لکل اهل بلد رؤیتهم' ۱ /۱۴۸ طبع سعید)

معتبر ہے لیکن جب کہ امام کے سامنے پیش ہو اور وہ قبول کر کے حکم دیدے اور یہ بات ابھی تک حاصل نہ ہوئی تھی جب کہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے کریبؒ یہ تذکرہ کر رہے تھے۔

علاوہ ازیں شریعت میں کوئی حد اس امر کی مقرر نہیں کی گئی کہ کتنی مسافت کی رویت معتبر ہے اور کس قدر فاصلے کی معتبر نہیں اگر کوئی فاصلہ ایسا ہوتا کہ اس کی رویت کا اعتبار نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کو بیان کیا جاتا ابن عباسؓ کی روایت سے بھی فقط ۱۱ اور هكذا امرنا الخ (۱) کے سوا اور کچھ ثابت نہیں ہوتا اور یہ اس کے لئے کافی نہیں ہے کہ فاصلے کی کوئی تحدید کی جا سکے اور اگر عام چھوڑ دیا جائے تو لازم آتا ہے کہ دو تین کوس کے فاصلے کی رویت بھی معتبر نہ ہو وهذا باطل جدا فقط محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ سنہری مسجد، دہلی

دوسرے شہر میں چاند کا نظر آنا جب تک شرعی شہادت سے ثابت نہ ہو مقامی رؤیت ہی کا اعتبار ہوگا

(سوال) اکثر عام طور پر تو رویت ہلال ماہ رمضان چار شنبہ کو ہوئی ہے اور پہلا روزہ جمعرات کا ہوا لیکن بعض بعض جگہ کی خبریں رؤیت ہلال بروز منگل اور پہلا روزہ بدھ کا سننے میں آئی ہیں نہ معلوم پہلا روزہ بدھ کا صحیح ہے یا یوں ہی غل غپاڑہ ہے اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ آپ کو شہادت پختہ کون سی پہنچی ہے آپ نے شہادت بدھ کے روزہ کی قبول فرمائی ہے یا نہیں ؟ اگر واقعی پہلا روزہ بدھ کا ہے تو تیس رمضان کو جمعرات ہوتی ہے اگر تیس تاریخ بروز جمعرات گرد و غبار یا ابر ہوا یا مطلع صاف بھی ہوا اور پھر چاند شوال کا نظر نہ آیا تو اس صورت میں جمعہ کو عید کی جائے یا روزہ رکھا جائے ؟
المستفتی فیض الحسن از جونڈلہ ضلع کرنال

(جواب ۲۴۹) یہاں دہلی میں معتبر شہادت پر پہلا روزہ بدھ کا رکھا گیا آپ اپنے یہاں کی رؤیت پر جب تک شرعی ثبوت اس کے خلاف نہ ہو عمل کریں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

شرعی شہادت سے ہی روزہ رکھنا اور افطار کرنا چاہئے عام خبر کا اعتبار نہیں

(سوال) زید بظاہر ایک دیندار شخص ہے اور مولوی بھی ہے وہ خود کسی پیر کا مرید بھی ہے اور خود ان کے بھی مرید ہیں ان کا یہ قاعدہ ہے کہ رمضان شریف کا چاند نظر آنے سے پہلے یعنی ۲۹ شعبان کو کبھی ۲۸ شعبان کو رمضان شریف کا روزہ رکھنا شروع کرتا ہے مولوی صاحب کے حکم کے مطابق ان کے مرید بھی روزہ رکھتے ہیں اس گنتی کے حساب سے ۲۸ یا ۲۹ رمضان کو تیس روزے پورے کر کے عید الفطر

---
(۱) فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤیة اولئک بطریق موجب (الدر المختار کتاب الصوم ۲ / ۳۹۴ سعید)

کرتے ہیں جب کوئی مولوی صاحب سے کہے کہ آپ سب لوگوں کے خلاف ہلال رمضان سے پہلے رمضان کے روزے کیوں رکھتے ہیں اسی طرح ہلال شوال سے پہلے کیوں افطار کرتے ہیں جواباً مولوی صاحب فرماتے ہیں چونکہ ہمارا ملک چھوٹا ہے یہاں چاند نہیں ہو سکتا بڑے بڑے ملکوں میں ان تاریخوں میں چاند نظر آتے ہیں اس کی بابت مجھ کو میرے پیر صاحب جہاں کہیں بھی ہوں خبر دیتے ہیں الغرض مولوی صاحب کے رویہ پر لوگوں میں سخت اختلاف پیدا ہو رہا ہے لہذا چاند نظر آنے یا کہیں سے خبر آنے سے پہلے ایسی باتوں پر اعتبار کرکے روزہ رکھنا اور افطار کرنا قرآن و حدیث وائمہ دین سے ثابت ہے یا نہیں ؟ مدلل جواب تحریر فرمایئے المستفتی نمبر ۲۷۹ محمد سلطان ولد علی داؤد ساکن خاپولو ریاست کشمیر وارد حال دہلی ۔ ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ ۹ جولائی ۱۹۴۲ء

(جواب ۲۵۰) مولوی صاحب کا یہ عمل شریعت کے احکام کے خلاف ہے اور ان کا جواب بھی شرعی اصول کے لحاظ سے درست نہیں رمضان کا چاند دیکھ کر یا رویت کی معتبر ذریعہ سے خبر پاکر رمضان المبارک کا روزہ رکھنا چاہئے اور فطر کا چاند دیکھ کر یا رویت کی شہادت معتبرہ پر روزے ختم کرنے چاہئیں۔

صحیح حدیث شریف میں ہے صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته (۱) ان کا یہ کہنا کہ میرے پیر مجھے چاند ہونے کی خبر دیتے ہیں شرعاً نا قابل اعتماد ہے یعنی ایسی خبر حکم رویت کے لئے شرعاً معتبر نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عید کے چاند کے ثبوت کے لئے دو عادل گواہ ضروری ہیں

(سوال) (۱) فی زمانناً چونکہ عدالت کالعدم ہے پس ہلال رمضان و شوال کے لئے کیسے آدمی کی شہادت معتبر ہے (۲) انتیس رمضان ۱۳۴۳ھ کو آسمان پر ابر تھا اور سوائے تین شخصوں کے کسی نے ہلال نہیں دیکھا انہوں نے تین عالموں کے پاس آکر شہادت دی کہ ہم نے ہلال شوال دیکھا ہے ان میں سے ایک گواہ نے کہا کہ میں نماز ہمیشہ پڑھتا ہوں اور دو گواہوں نے کہا کہ ہم کبھی نماز پڑھتے ہیں اور کبھی نہیں پڑھتے اس پر دو عالموں نے کہا کہ چونکہ عدالت شرط ہے اور وہ یہاں پائی نہیں جاتی پس شرع میں ان کی گواہی کا اعتبار نہیں ایک عالم نے کہا کہ اس زمانے میں اسی پر فتویٰ ہے کہ اگر طبیعت کا رجحان گواہوں کی سچائی پر ہو تو ان کی گواہی معتبر ہے ورنہ نہیں بعد ازاں دو عالموں نے کہا کہ ہمارے خیال میں یہ لوگ سچے معلوم ہوتے ہیں اور ایک عالم نے کہا کہ میں نہ سچا سمجھتا ہوں نہ جھوٹا کسی جانب کو ترجیح نہیں

(۱) عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا تصوموا قبل رمضان صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته فان حالت دونه غياية فاكملوا ثلثين يوما قال ابو عيسى حديث ابن عباس حديث حسن صحيح قد روى عنه من غير وجه (ترمذي ابواب الصوم باب ماجاء ان الصوم لرؤية الهلال والافطار له ۱ / ۱۴۸ ط سعيد)

دیتا ہوں بعد ازاں چونکہ دو عالموں کی رائے میں یہ لوگ سچے ٹھہرے اس واسطے اعلان کیا گیا کہ کل صبح کو عید الفطر ہے اس بنا پر شہر کے اکثر مسلمانوں نے علما کی اتباع کا خیال کر کے دوگانہ ادا کیا اور تھوڑے لوگوں نے بایں خیال کہ ان علما کا حکم مطابق شرع شریف نہیں ہے عید نہیں کی اور روزہ رکھا پس اس صورت میں کون غلطی پر ہے۔ المستفتی فقیر بلدار خاں الملقب بہ نبی بخش چشتی مالیگاؤں

(جواب ۲۵۱) (۱)و(۲) عید الفطر کے چاند کے ثبوت کے لئے دو عادل گواہوں کی ضرورت ہے بغیر ایسی گواہی کے افطار کا حکم دینا صحیح نہیں صورت مذکورہ فی السوال میں شہادت معتبرہ نہیں تھی اور حکم افطار صحیح نہیں تھا اور اس بنا پر جن لوگوں نے افطار نہیں کیا اور عید کی نماز نہیں پڑھی ان پر کوئی شرعی الزام نہیں شہر کا مفتی یا بڑا عالم جو قاعدہ شرعیہ کے موافق حکم صوم یا افطار کرے اس بارے میں قاضی کے قائم مقام ہو سکتا ہے(۱) محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی سنہری مسجد

الجواب صحیح۔ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند ۲۷ شعبان ۱۳۳۳ھ

ٹیلی فون کی خبر کا اعتبار نہیں اگرچہ آواز پہچانی جاتی ہو

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) چند مسلمان ایک شہر سے جو انچاس (۴۹) میل کے فاصلے پر ہے بذریعہ ٹیلی فون کے رمضان مبارک کے چاند ہونے کی خبر دیتے ہیں اور ان حضرات کی آوازیں بھی پہچانی جاتی ہیں کیا ان کی خبر پر اعتبار کیا جائے گا؟

(جواب ۲۵۲) ٹیلی گراف اور ٹیلی فون رویت ہلال کی خبر اور شہادت کے لئے ناقابل قبول ہیں اگرچہ ٹیلی فون پر آواز پہچانی جاتی ہو کیونکہ ایک آواز دوسری آواز کے مشابہ ہو سکتی ہے اور جب تک اشتباہ قائم ہے خبر یا شہادت کے موقع پر اعتبار کے قابل نہیں ہے ہاں زیادہ سے زیادہ جس شخص نے خبر دینے والے کی آواز پہچان لی ہے وہ اس کے نزدیک معتبر شخص ہے اور اپنی رویت کی خبر دیتا ہے تو اس آواز کو پہچاننے والے کے حق میں ہلال رمضان کے بارے میں عمل کر لینا اور روزہ رکھ لینا جائز ہے مگر نہ تو عام حکم دیا جا سکتا ہے اور نہ اس شخص پر بھی وجوب صوم کا حکم ہو سکتا ہے(۲) محمد کفایت اللہ غفرلہ

مختلف فیہ مسئلے میں بادشاہ کا حکم نافذ ہوگا (چند متفرق مسائل)

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء)

(سوال) جس ملک میں ہم سالہاسال مقیم ہیں یہ سارا ملک مذہب اسلام امام شافعیؒ کے پیرو ہیں سلطان

---

(۱) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۱۴ حاشیہ نمبر ۱

(۲) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۱۵ حاشیہ نمبر ۱

بھی مسلم ہے لیکن انتظامی حکومت ڈچ ہے تاہم سلطان اپنی خاص رعایا کے مقدمات شرعی و غیر شرعی خود ہی فیصل کیا کرتا ہے صرف ہم غیر حکومت کی رعایا کا مقدمہ ڈچ حکومت کرتی ہیں اور بارش قریب قریب ہمیشہ ہوا کرتی ہے اگر بارش نہیں بھی ہوتی تو ابر کثرت سے رہتا ہے جس کی وجہ سے چاند دیکھنا امر محال ہے بایں وجہ رمضان شریف کے روزے کے لئے سلطان اپنے عالموں سے جو کہ حساب فلکی کے ماہر ہوتے ہیں ان سے دریافت کرتے ہیں کہ چاند کس تاریخ کو ہوگا لہذا ہمیشہ علماء ۲۹ تاریخ ہونا بتلاتے ہیں چونکہ علما کے بتائے ہوئے دن کو سلطان دو چار روز پہلے ہی اعلان کر دیتا ہے کہ فلاں روز روزہ رکھنا ہوگا اسی اعلان پر لوگ روزہ رکھتے ہیں اب ہم سانلان کو یہ دشواری ہے کہ ہم امام ابو حنیفہ کے پیرو ہیں اور امام صاحب کا حکم ہے کہ بغیر دیکھے رمضان شریف کا روزہ رکھنا حرام ہے اگر ہم ۳۰ تاریخ کو چاند قرار دیکر روزہ رکھتے ہیں تو ہماری عید ایک روز بعد کو ہوگی جس روز یہاں والے عید کریں گے ہم ان کے روزے سے ہوں گے لہذا حسب ذیل جوابات نمبروار عطا فرمائیے۔

(۱) کیا ہم سلطان کے اعلان پر روزہ رکھیں (۲) اور یہ امام ابو حنیفہ کے مسلک کے خلاف ہو گا یا نہیں؟ (۳) اگر امام صاحب کے خلاف ہے تو ہم گناہ گار تو نہیں ہوں گے ؟ (۴) اگر ہم بروئے مذہب حنفیہ تمیں کا چاند قرار دیکر روزہ رکھیں تو کیا ہمارا روزہ حرام ہوگا ؟ (۵) بالفرض انگی عید کے دن ہمارا روزہ حرام نہ بھی ہو تو کیا اس تفریق کے مرتکب ہم لوگ نہ ہوں گے ؟

(جواب ۲۵۳) (۱) ہاں سلطان کے اعلان کے موافق روزہ رکھنا چاہئے (۱) (۲) اس صورت میں صاحب الامر یعنی سلطان کے حکم کی اطاعت حنفی مذہب کے خلاف نہیں (۲) (۳) گناہ گار نہیں ہوں گے (۳) (۴) نہیں ایسا اختلاف نہیں کرنا چاہئے سب کو روزہ اور عید میں متفق رہنا چاہئے (۴) (۵) یہ تفریق صحیح نہیں محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

رمضان اور عیدین کی چاند کے لئے شرائط

(سوال) ترجمہ اردو در مختار جلد اول ص ۵۰۳ میں ہے **وشرط للفطر مع العلة والعدالة (نصاب الشهادة و لفظ اشهد) و عدم الحد في قذف لتعلق نفع العبد** (۵) (ترجمہ) اور بادل عید میں غبار وغیرہ کے ہوتے ہوئے عادل ہونے کے ساتھ نصاب شہادت اموال (یعنی دو مرد یا ایک مرد و

---

(۱) واما الامير فمتى صادف فصلد مجتهدا نفذ امره
وفي الشامية فقول الشارح نفذ امره بمعنى وجب امتثاله الخ (رد المحتار كتاب القضاء ۵ . ۴۰۹ طبع سعيد)
(۲) کیونکہ اختلاف کے باب میں مسئلہ مجتہد فیہا میں سلطان کا حکم رفع اختلاف کا فائدہ دیتا ہے کما مر بالا
(۳) جب خلاف نہیں تو گناہ گار بھی نہیں
(۴) اختلاف کی ضرورت باقی نہیں
(۵) كتاب الصوم ۲ . ۳۸۶ طبع محمد سعيد

عورتیں) شرط ہے اور لفظ اشہد اور محدود فی القذف نہ ہونا شرط ہے کیونکہ نفع بندہ کا تعلق ہے"
اور عدالت وہ ملکہ ہے کہ ہمیشہ تقویٰ اور مروت پر قائم رہے اور یہاں ادنیٰ درجہ شرط ہے یعنی کبائر کا ترک اور عدم اصرار صغائر پر مروت کے خلاف سے بچنا اور لازم ہے کہ مسلمان عاقل بالغ ہو۔
یہاں پر دیہات میں عدالت بالکل مفقود ہے یعنی اکثر لوگ داڑھی منڈے ہیں اور جو داڑھی والے ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ جوا کھیلتے ہیں اور ناچ دیکھنے والے اور تعزیہ دیکھنے والے اور قوالی سننے والے ہیں اگرچہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور وعظ بھی سنتے ہیں یہاں پر چار مسجدیں اور عیدگاہ بھی ہے لیکن کسی مسجد میں کوئی امام ومؤذن مقرر نہیں ہے جمعہ وعیدین اور پنج وقتہ نماز میں آپس میں لوگ خود ہی امام ومؤذن بن جاتے ہیں مغرب وعشا کی جماعت ہوتی ہے بقیہ وقتوں میں اگر آدمی جمع ہو گئے تو جماعت ہو گئی ورنہ لوگ اپنی اپنی نمازیں پڑھ کر چلے جاتے ہیں کوئی کسی کا انتظار نہیں کرتا ہے غرض کہ یہ لوگ مستور الحال بھی نہیں ہیں بلکہ ان کی بھلائی برائی نظروں کے سامنے ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی عید کا چاند دیکھے تو بوجہ عدالت نہ ہونے کے ان کی شہادت رد کرکے رمضان شریف کے تیس روزے پورے کرکے عید کریں یا شہادت قبول کرنے میں شرعاً کوئی گنجائش ہے؟
لفظ اشہد کی جو شرط ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ مثلاً چاند دیکھنے والا یوں کہے کہ اشہد میں نے چاند دیکھا ہے یا یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں یا شہادت دیتا ہوں کہ میں نے چاند دیکھا ہے شہادت لینے کا طریقہ کیا ہے؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں' جگن پور ضلع فیض آباد

(جواب ۲۵۴) ان لوگوں میں سے کسی کا صادق ہونا قاضی کے نزدیک متحقق ہو اور وہ شہادت قبول کرلے تو اسے اس کا حق ہے(۱) اشہد عربی لفظ کہنا ضروری نہیں بلکہ میں شہادت دیتا ہوں یا گواہی دیتا ہوں کافی ہے رمضان کے چاند کے لئے ایک آدمی کی شہادت بھی کافی ہے یہ آدمی مستور الحال بھی ہو تو بھی گواہی مقبول ہے(۲) عیدین کے لئے دو ثقہ آدمیوں کی لفظ شہادت سے حلفیہ ہونی چاہئے اس میں ظاہر الفسق یا مستور کی شہادت کافی نہیں ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ایک فقہی لطیفہ

ایک دفعہ ریاست چترال سے ایک تار برائے دریافت رویت ہلال عید حضرت مفتی صاحب

---

(۱) یعنی اگر قاضی اس کی گواہی قبول کرکے رمضان کا حکم دے تو سب کو روزہ رکھنا لازم ہوگا ولو شهد فاسق و قبلها الامام او اصر الناس بالصوم' فافطر هو' وواحد من اهل بلدة قال عامة المشائخ' تلزمه الكفارة (عالمگیریة' کتاب الصوم' باب رؤیة الهلال ۱/۱۹۸ کوئٹہ)
(۲) و قبل بلا دعوى' و لفظ اشهد للصوم مع علة كغيم خبر عدل' او مستور على ما صححه بزازى على خلاف ظاهر الرواية' لا فاسق اتفاقا الخ (الدر المختار' كتاب الصوم ۲/۳۸۵ طبع سعيد)
(۳) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۱۴' حاشیہ نمبر ۱

کے نام آیا حضرت موصوف سفر میں تھے مدرسے میں چند چترالی طالب علم تھے انہوں نے تار کا جواب دے دیا کہ "چاند ہو گیا" اس کے بعد چترال کا مندرجہ ذیل خط آیا

۱۰ شوال ۱۳۵۲ھ از چترال اسٹیٹ

معدن فضل و کمال، مخزن علم و افضال مولانائے اکرم مفتی اعظم محمد کفایت اللہ صاحب مکرم و معظم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون خیر الانام مکشوف ضمیر منیر آنکہ بحصول مراسلہ گرامی ازیاد آوری آں جناب بہجت و سرور و ممنونیت حاصل شد اگر بایں طریق مراسلت واز دعا بایاد آوری بفر مائید عین سعادت خود خواہیم دانست

در قران عید الفطر فقہائے ماد ربحثے افتادہ بودند کہ آیا برائے ہلال عید بہ خبر تار برقی اعتبار جائز است یا نہ ؟ در سند عدم جواز خبر تار برقی یک رسالہ تالیف آں جناب راحوالہ می دادن، مگر عجب اتفاق افتاد کہ عین در اثنائے نزاع آنہا از جانب آنجناب تار در رسید کہ "ہلال عید را دیدہ شد"

وایں خبر نزاع آنہا را فیصلہ کرد زیادہ آداب فقط

مخلص صادق شجاع الملک ہز ہائینس والئی چترال

(ترجمہ) بعد سلام مسنون واضح ہو کہ آنجناب کا گرامی نامہ موصول ہو کر موجب مسرت و امتنان ہوا اگر اسی طریقہ سے آپ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں تو ہماری سعادت ہو گی

عید الفطر کے قریب ہمارے فقہاء و علماء کے درمیان یہ بحث ہو رہی تھی کہ آیا رویت ہلال عید کے لئے تار کی خبر قابل اعتبار ہے یا نہیں ؟

عدم جواز کی سند میں آپ کے مرتب کردہ رسالے کا حوالہ دیا جا رہا تھا مگر عجیب اتفاق ہوا کہ آنجناب کا ٹیلی گرام پہنچا کہ "عید کا چاند دیکھ لیا گیا" اور اس خبر نے علماء کے اختلاف و نزاع کا فیصلہ کر دیا زیادہ حد ادب

مخلص صادق شجاع الملک ہز ہائنس والئی چترال

حضرت مفتی اعظم نے فوراً مذکورہ بالا خط کے جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ "یہ واقعہ جو آنجناب نے اپنے گرامی نامے میں تحریر فرمایا ہے اس امر کی بہت بڑی قوی دلیل ہے کہ تار کی خبر ہرگز قابل اعتبار نہیں کیونکہ نہ مجھے آپ کا تار ملا نہ آپ نے کوئی تار بھیجا اب آپ ہی کے خط سے معلوم ہوا کہ میری طرف سے آپ کو کوئی تار موصول ہوا تھا" (۱)

(۱) یعنی حضرت نے عدم اعتبار کا الزامی جواب دیا کیونکہ نہ تو یہ تار حضرت نے بھیجا تھا اور نہ ہی حضرت کو اس کی خبر تھی

استفتاء
ٹیلی گراف، خط کی خبر اور خبر مستفیض کی تحقیق
(منقول از رسالہ البیان الکافی مرتبہ مولانا حکیم ابراہیم راندیری)
مطبوعہ ۱۳۳۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماقولكم (متع الله المسلمين بعلومكم) في اختلاف جرىٰ بين علمائنا في هلال رمضان والفطر حين غم انه اذا ورد في بلدة تلغراف زائد على الخمسة الى العشرة من بلدة او بلاد متباينة مختلفة المطالع و متفقتها علىٰ رجل او رجال مكتوب فيه راينا او روى عندنا الهلال او ذكر فيه كلمة على حسب اصطلاح وقع بين الطرفين بانه اذا ترى الهلال نذكر كلمة مثلاً بغداد ءليا من من التخليط والتغيير والا شتباه فمنهم من يقول بالتعويل علىٰ هذا الخبر مستدلا انه خبر مستفيض والخبر والمستفيض يعول عليه في امر الهلال فقد ذكر في الدر المختار نعم لو استفاض الخبر في البلدة لزمهم على الصحيح من المذهب (۱) وقال ابن عابدين في حاشيته ناقلاً عن شمس الائمة الحلواني الصحيح من مذهب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض و تحقق فيما بين اهل البلدة الاخرى يلزمهم حكم هذه البلدة (۲) علىٰ انه قد تعارف بين الناس التعويل عليه في معاملا تهم حتى في الموت والولادة وامثالهما من الامور المهمة وهذايدل على انه يفيد غلبة الظن لا سيما اذا كان متعددا وغلبة الظن موجبة للعمل وخالفهم اخرون وقالوا لايعول على هذا الخبر مع تسليم استفاضته و شيوعه بوجوه ما (اولاً) فلانه يشترط في الخبر المستفيض الاسلام لان اهل الاصول عدوه في الاخبار الاحاد والخبر الواحد لا يقبل الا بنقل عدل والعدل ماخوذ في تعريفه الاسلام كما لا يخفى قال ابن عابدين في رد المحتار و في عدم اشتراط الاسلام نظر لانه ليس المراد هنا بالجمع العظيم ما يبلغ مبلغ التواتر الموجب للعلم القطعي حتى لايشترط له ذلك بل ما يوجب غلبة الظن كما ياتى و عدم اشتراط الاسلام له لا بدله من نقل صريح انتهى (۳) و خبر التلغراف انمايتلقاه من مخبره من هو قائم بدق السلك و نقره فيخبربه من كان في الجانب الاخر بنقراته فيستنبط منها هذا الخبر و يكتبه و يؤديه الى من ضرب له التلغراف وهؤلاء غالبهم من المخالفين لملة الاسلام (وثانيا) فلان الخبر المستفيض انمايكون حجة لكونه نقلا عن

---

(۱) كتاب الصوم ۲ / ۳۹۰ طبع سعيد
(۲) كتاب الصوم ۲ / ۳۹۰ طبع سعيد
(۳) رد المحتار كتاب الصوم ۲ / ۳۸۸ طبع سعيد

قضاء القاضي و حكمه كما قال ابن عابدين في حاشيته على الدران هذه الا ستفاضة ليس فيها شهادة على قضاء قاض ولا على شهادة لكن لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها ان اهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها لان البلدة لا تخلو عن حاكم شرعي عادةً فلا بد من ان يكون صومهم مبنياً على حكم حاكمهم الشرعي فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور انتهى. (١) ولا يخفي عليكم ان هذه البلاد ليس فيها حاكم شرعي ولا قاض فلا يكون الحكم المستفاد من التلغراف نقلاً عن قضاء القاضي و حكمه بل انما هو حكاية عن الرؤية والاعتماد عليها لا يجوز كما في الدر لالو شهد وا برؤية غير هم لانه حكاية. (٢) قال ابن عابدين فانهم لم يشهد وابا لرؤية ولا على شهادة غير هم وانما حكوارؤية غير هم كذافي فتح القدير قلت وكذا لو شهدوابرؤية غير هم وان قاضي تلك المصر امر الناس بصوم رمضان لانه حكاية لفعل القاضي ايضا و ليس بحجة بخلاف قضائه. (٣) وقال في البحر لو شهدجماعة ان اهل بلد كذار ؤا هلال رمضان قبلكم بيوم فصا موا وهذا اليوم ثلاثون بحسابهم ولم يروا هؤلاء الهلال لا يباح فطر غدو لا تترك التراويح هذه الليلة لان هذه الجماعة لم يشهد وابا لرؤية ولا على شهادة غيرهم وانما حكوارؤية غير هم (٤) (وثالثا) فقال ابن عابدين في حواشيه على البحر اعلم ان المراد بالا ستفاضة تواتر الخبر من الواردين من بلدة الثبوت الى البلدة التي لم يثبت بها لا مجرد الا ستفاضة انتهى (٥) ولا اظنكم شاكين ان الخبر المستفيض الحاصل بالتلغراف لا يكون من الواردين من بلدة ثبوت بل من جهة الكتاب المكتوب على التلغراف المعهود بين اهله وقد ذكر الفقهاء ان كتاب شهادة لا يعول عليه مالم يكن له شاهد ان عالمان بمافيه من الشهادة في الهداية لا يقبل الكتاب الا بشهادة رجلين او رجل وامرأتين لان الكتاب يشبه الكتاب فلا يثبت الا بحجة تامة وهذا لانه ملزم فلا بدمن الحجة (٦) (ورابعاً) فلان العوام وان كانوا يثقون في معاملا تهم بالتلغراف لكن الحكومة البرطانية مع مخالفتها للديانة الاسلامية لا تعتمد عليه في امر الشهادة و لعل ذلك بسبب احتمال تطرق الخطاء اليه و عدم الانكشاف التام عن احوال الشهود به والتنقب عن كيفية شهادتهم هذا اذا كان

(١) رد المحتار كتاب الصوم ٢ / ٣٩٠ طبع سعيد
(٢) الدر المختار كتاب الصوم ٢ / ٣٩٠ طبع سعيد
(٣) رد المحتار كتاب الصوم ٢ / ٣٩٠ طبع سعيد
(٤) البحر الرائق كتاب الصوم ٢ / ٢٩٠ طبع بيروت
(٥) منحة الخلائق على البحر الرائق كتاب الصوم ٢ / ٢٩١ طبع بيروت
(٦) الهداية كتاب ادب القاضي باب كتاب القاضي الى القاضي ٣ / ١٣٩ طبع مكتبه شركت علميه ملتان

التلغراف زائد علی الخمسة الی العشرة واما اذا کان واحد فی هلال رمضان واثنین فی الفطر وقد غم الهلال فهل یکفی کفایة الواحد العدل فی رمضان والحرین العدلین فی الفطر وهل یقاس الکتاب المرسل بالبوسطة علی التلغراف فیما ذکر من الصور وهل ینزل امام المسجد الجامع او غیره منزلة القاضی فی القضاء بثبوت الهلال خاصة بتراضی المسلمین فی بلاد لا یوجد فیها الحاکم الشرعی ولا القاضی فما کان الحق عند کم افیدوه بالتی تطمئن بها القلوب و تثلج بها الصدور لیزول النزاع من البین و یتیسر العمل بالصحیح من القولین ولکم الحسنی و زیادة' کتبه عبدالحی خطیب جامع رنگون

(الجواب) اعلموا رحمنا الله و ایاکم ان فی الخبر التلغرافی وجوها من الشبهة الوجه الاول انه لایحصل العلم للمرسل الیه بان المرسل فی الواقع هو الذی اظهراسمه فی الخبر ام غیره فانه یمکن ان یذهب زید مثلا الی البوسطة و یقول للعامل ان ارسل من عمر والی فلان انی رایت الهلال لیلة الجمعة مثلا فیرسل العامل من غیر ان یستفسره من انك انت عمرو او رسوله او مفتر علیه وقد شاهدنامرارا ان الذی اظهر فی الخبر التلغرافی مرسلا لم یکن مرسلا وانما ارسل علی لسانه والوجه الثانی انه ربما یقع الغلط فی الفهم من العامل المرسل اوالعامل المرسل لدیه اوالمرسل الیه نفسه بانه یفهم الانشاء خبر الحذف اداة الانشاء او بوجه اخر والوجه الثالث ان المرسل الیه لا یحصل له العلم بعدالة المرسل والوجه الرابع ان المرسل ربما لا یذهب الی البوسطة بل یرسل مضمون الخبر مع خادمه الغیر العدل فهذه الوجوه وامثالها موجودة فی الخبر التلغرافی ولا یصح ان یحکم بقبول هذا الخبر مع وجود هذه الشبه فیه نعم لو فرض خلوه عن هذه الشبهات حکمنا بقبوله لکن من المعلوم ان خلوه من هذه الشبهات امر عسیرو تعدد الطرق غیر نافع فان الاحتما لات اللتی ذکرنا ها سالفا لا یدفعها التعدد وما لم تندفع عنه هذه الاحتمالات لا یکون هذا الخبر مع تعدد طرقه مستفیضا فان معنی الاستفاضة علیٰ ما نقله العلامة الشامی عن الرحمتی ان تأتی من تلك البلدة (ای بلدة الرویة) جماعات متعد دون کل منهم یخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن رؤیة (۱)ومن البین ان هذه الخبر وان کان بحسب الظاهر من المخبر المتعین المعلوم لکنه بحسب الواقع لیس کذلك لعدم الا من من تبدل المخبر کما قد علمت فهذا داخل تحت قول العلامة لا مجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعه کما قد تشیع اخبار یتحدث بها سائر اهل البلدة ولا یعلم من اشاعها (۲) واذا تقرر هذا فنقول ان المجوزین الحاکمین بقبول هذا الخبر لم یمعنوا النظر فی احواله'

(۱ - ۲) رد المحتار' کتاب الصوم ۲ / ۳۹۰ طبع سعید

و قولهم بانه مستفيض ناش عن عدم التدبر فى معنى الا ستفاضة فان الاستفاضة كما قد علمت ان يجيئ الواردون بالخبر و يخبرون به اهل بلدة وردوها وكانوا من المسلمين وهذا منتف فيما هنا لك اما الا ستفاضة بمعنى الشيوع مطلقا فموجودة لكنها لا تجد نفعا اما قولهم انه قد تعارف بين الناس التعويل عليه فى معاملا تهم حتى فى الموت والولادة الخ فهذا ايضا لا يفيد فان تعويل الناس على امر ليس بحجة شرعية الا ترى انهم يعولون فيمعاملا تهم على اخبار احاد الكفار من عبدة الاوثان وغير هم و يتيقنون باخبارهم مع ان خبر احاد الكفار غير معتبر اتفاقا و اين غلبة الظن مع وجود الشبهات المذكورة ولو سلم ان الغلبة تحصل به لم ينفع فيما هنالك فان الظن اذا كان ناشيا من المظان الشرعية كان موجبا للعمل اما اذا كان ناشيا من المظان الغير الشرعية لم يعتد به مع كونه اشد واقوى الا ترى انه لو كان فى البلد احد من الكفار امينا وصدوقا علما فى الصدق بحيث لايكذب اصلا فيخبر برؤية الهلال لم يلتفت الى خبره مع حصول الظن الغالب بل اليقين ولم يهمل هذا الخبر والشهادة مع وجود غلبة الظن الا لكون الظن به ناشيا عن المظان الغير الشرعية وانت خبير بان التلغراف مع وسائطه ليس من المظان الشرعية فلاينفع الظن الحاصل به هذا واذا لم يعتمد عليه مع تعدد طرقه فكيف يجوز الاعتماد عليه اذا كان واحدا او اثنين

اما الكتاب المرسل بالبوسطة فهو وان كان اقوى من التلغراف ايضا غير معتبر اذا لم يبلغ حد الشهرة اما اذا تعدد الكتب وزادت على الخمسة و تيقن المرسل اليه انها مكتوبة بخط المرسل نفسه و جزم بعدالته وكانت بلفظ يصلح للشهادة على الروية فينبغى ان يعتمد عليها فان الشبهات اللتى فى الكتاب اقل منها فى التلغراف و مع ذلك فلا نحكم بقبوله جزما لان رعاية شروط القبول لا يتيسر لكل احد- اما نزول امام الجامع او الخطيب مقام القاضى فى بلاد ليس فيها حاكم شرعى بتراضى المسلمين فامر ثابت حق (۱) فان الامام اذا ارتضاه المسلمون لاقامة امر دينهم يصلح ان ينوب عن السلطان كما فى امر الجمعة فان السلطان او نائبه من شروط اقامتها ومع ذلك حكم الفقهاء فى بلاد ليس فيها حاكم شرعى ان الامام اذا اجتمع الناس عليه وصلے بهم جاز وذلك لان الاهمال فى تلك المواضع يوجب ترك فريضة هى من شعائر الاسلام

قال فى رد المحتار (۲) نقلا عن التتارخانية واما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز

(۱) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۱۷ حاشیہ نمبر ۲

(۲) کتاب القضاء ۵ ۳۶۹ ط سعید

للمسلمين اقامة الجمع ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ والاعياد و يصير القاضي قاضيابتراضي المسلمين فيجب عليهم ان يلتمسوا واليامسلما منهم انتهى و فيه نقلا عن الفتح واذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كماهو في بعض بلاد المسلمين كقرطبة الأن يجب على المسلمين ان يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي قاضيا ويكون هو الذى يقضى بينهم وكذا ينصبوا امامايصلي بهم الجمعة انتهى ومن البين ان المسلمين اذا ولوا امرهم رجلا من المسلمين كان هذا مواضعة محضةً فان تولية الامارة الحقيقية مع وجود سلطان كافر متغلب ليست بممكنة ولما صحت تولية الامارة من المسلمين فاولى ان تصح عنهم تولية القضاء و دلت عبارة التتارخانية على الصحة هذا والله اعلم بالصواب و اليه المرجع والمآب كتبه الراجي رحمة مولاه كفاية الله الشاهجهانفوري مدرس مدرسة الامينية الدهلويه

(ترجمہ) علمائے شرع متین (خدا تعالیٰ آپ کے علوم سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے) اس اختلاف میں کیا فرماتے ہیں جو آج کل ہمارے علماء میں دربارہ رویت ہلال رمضان و عید ہو رہا ہے اور وہ یہ کہ جب کسی وجہ سے کسی شہر میں رویت ہلال نہ ہو اور دوسرے مقامات سے جن کے مطالع اس شہر کے مطالع سے مختلف یا متفق ہوں ایک شخص یا چند شخصوں کے پاس پانچ سے دس تک تار آجائیں جن میں یہ لکھا ہو کہ ہم نے چاند دیکھا یا ہمارے یہاں چاند دیکھا گیا یا اور کوئی اصطلاحی لفظ ذکر کیا گیا ہو مثلاً طرفین نے یہ اصطلاح مقرر کرلی ہو کہ جب رویت ہلال کی خبر دینی ہوگی تو ہم لفظ بغداد تار میں لکھ دیا کریں گے تاکہ تبدیل و تخلیط کا احتمال نہ رہے۔

تو ایسے تاروں کے اعتبار کرنے نہ کرنے میں اختلاف ہو رہا ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا تار خبر معتبر ہے کیونکہ یہ خبر مستفیض ہے اور خبر مستفیض رویت ہلال کے بارے میں قابل اعتبار ہے در مختار میں ہے (ہاں جب کہ کسی شہر میں خبر مستفیض ہوجائے تو وہاں کے لوگوں کو (روزہ) مذہب کی صحیح روایت پر لازم ہوجائے گا انتہی) اور علامہ ابن عابدین شامی نے رد المحتار میں شمس الائمہ حلوانی سے نقل کیا ہے (ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب یہ ہے کہ کسی شہر میں خبر جب مستفیض اور متحقق ہوجائے تو ان پر بلدہ رویت کا حکم لازم ہوجائے گا انتہی) اس کے علاوہ لوگوں میں تار کی خبر امور مہمہ میں معتبر سمجھی جاتی ہے موت اور ولادت میں اس کا اعتبار کیا جاتا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے ظن غالب حاصل ہوجاتا ہے بالخصوص جب کہ متعدد طریقوں سے حاصل ہو اور غالب ظن پر عمل واجب ہے اور علماء کا دوسرا فریق اس کا مخالف ہے اور کہتا ہے کہ یہ خبر باوجود مستفیض شائع تسلیم کئے جانے کے چند وجوہ غیر معتبر ہے (۱) یہ کہ خبر مستفیض میں مخبرین کا مسلمان ہونا شرط ہے

ریڈیو کے ذریعہ رویت ہلال کے اعلان کے متعلق علمائے ہند کا اجتماعی فیصلہ کتاب الحظر والاباحہ سولہویں باب میں دیکھو

کیونکہ اہل اصول نے اس کو اخبار احاد میں شمار کیا ہے اور اخبار احاد کے مقبول ہونے کے لئے ناقلین کا عادل ہونا ضروری ہے اور عادل کی تعریف میں اسلام بھی داخل ہے اور یہ سب ظاہر ہے علامہ ابن عابدین ردالمحتار میں کہتے ہیں (کہ مستفیض میں اسلام مخبرین کا شرط ہونا محل نظر ہے کیونکہ یہاں جمع عظیم سے وہ جمع عظیم مراد نہیں ہے جو حد تواتر تک پہنچ جائے اور علم قطعی کا فائدہ دے اور اس میں اسلام کی شرط نہ ہو بلکہ صرف اس قدر مراد ہے کہ غلبہ ظن حاصل ہو جائے جیسا کہ قریب آئے گا اور ایسی صورت میں بھی اسلام کی شرط نہ ہونے کے لئے کوئی نقل صریح ضروری ہے انتہی اور تار خبر اصل مخبر سے وہ تار بابو لیتا ہے جو تار دینے پر متعین ہے اور دوسری جانب کے تار بابو کو خبر دیتا ہے اور وواسے حاصل کر کے ایک کاغذ پر اس شخص کے حوالہ کرتا ہے جو اسے مکتوب الیہ تک پہنچادے اور یہ تمام واسطے بسا اوقات غیر مسلم ہوتے ہیں (۲) دوسرے یہ کہ یہ خبر مستفیض کا حجت ہونا بھی اس بنا پر تھا کہ وہ قضاء قاضی کی نقل ہوتی تھی جیسا کہ علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں (کہ اس استفاضہ میں نہ تو شہادت علی القضاء ہے نہ شہادت علی الشہادت لیکن چونکہ وہ بمنزلہ خبر متواتر کے ہے اور اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ فلاں شہر میں فلاں روز روزہ رکھا گیا تو اس پر عمل لازم ہو گیا کیونکہ اکثری طور پر شہر حاکم شرعی سے خالی نہیں ہوتے تو ضروری ہے کہ شہر والوں کا روزہ ان کے حاکم کے حکم سے ہوا ہو گا یہ استفاضہ درحقیقت حکم حاکم کی نقل ہے انتہی) اور یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ہمارے ان شہروں میں حاکم شرعی اور قاضی موجود نہیں پس تار خبر باوجود استفاضہ کے قضاء قاضی کی نقل نہیں ہوئی بلکہ محض حکایت رویت ہوئی اور حکایت رویت پر اعتماد جائز نہیں در مختار میں ہے (اگر لوگ محض دوسروں کی رویت بیان کریں تو یہ ناقابل اعتبار ہے کیونکہ محض حکایت ہے) اور علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں (کیونکہ نہ انہوں نے رویت کی شہادت دی اور نہ شہادت پر شہادت دی بلکہ صرف رویت کی حکایت کی ہے کذافی فتح القدیر۔ میں کہتا ہوں ایسی ہی یہ صورت ہے کہ وہ شہادت دیں کہ لوگوں نے چاند دیکھا اور اس شہر کے قاضی نے ان کو روزہ رکھنے کا حکم کیا کیونکہ یہ بھی فعل قاضی کی حکایت ہے اور حجت نہیں بخلاف قضاء قاضی کے اور بحر میں ہے کہ اگر ایک جماعت نے گواہی دی کہ فلاں شہر والوں نے چاند رمضان کا تم سے ایک روز قبل دیکھا تھا اور روزہ رکھا تھا اور آج ان کے حساب سے تمیں تاریخ ہے اور ان لوگوں نے چاند نہیں دیکھا تو ان کو جائز نہیں کہ یہ کل روزہ نہ رکھیں اور نہ اس رات کی تراویح چھوڑی جاوے کیونکہ جماعت مذکورہ نے رویت کی شہادت یا شہادت علی الشہادۃ نہیں دی ہے بلکہ صرف حکایت رویت کی ہے)(۳) یہ کہ علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں (جاننا چاہیئے کہ استفاضہ سے یہ مراد ہے کہ بلدہ رویت سے بکثرت آنے والے وہاں کی رویت بیان کریں نہ صرف کیف ما اتفق خبر کا پھیل جانا انتہی) اور اس میں آپ کو شک نہ ہو گا کہ تار خبر ایسی نہیں ہے یعنی جو بلدہ رویت سے بکثرت آنے والوں کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہو بلکہ وہ اس کاغذ یا خط کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے جو کہ تار کی اصطلاح معہود سے

ذریعہ سے لکھا اور بھیجا جاتا ہے اور فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ کتاب شہادت اسوقت تک معتبر نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے لئے دو گواہ اسے جاننے والے نہ ہوں ہدایہ میں ہے (کہ کتاب یعنی خط جب تک کہ اس پر دو گواہ مرد یا ایک مرد دو عورتیں نہ ہوں مقبول نہیں کیونکہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے پس بغیر حجت تامہ کے ثابت نہیں ہو سکتا اور یہ اس لئے کہ وہ ملزم ہے اور الزام بغیر حجت کے نہیں ہوتا ۔(۴) اگرچہ عوام اپنے معاملات میں تار خبر کا اعتبار کرتے ہیں لیکن برٹش گورنمنٹ باوجود غیر مسلم ہونے کے شہادت میں تار کا اعتبار نہیں کرتی اور شاید اس کا منشاء یہی ہے کہ تار میں تطرق خطا کا احتمال موجود ہے اور گواہوں کی حالت پوری طور پر منکشف نہیں ہوتی اور ان کی کیفیت شہادت کی چھان بین نہیں ہو سکتی۔

یہ تمام کلام اس تقدیر پر ہے کہ تار پانچ سے زیادہ دس تک ہوں لیکن اگر صرف ایک تار ہو تو وہ رمضان کے چاند کے ثبوت کے لئے اور دو ہوں تو عید کے چاند کے ثبوت کے لئے ایک گواہ عادل یا دو گواہوں عادل کے قائم مقام ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟ اور ڈاک کے ذریعہ سے بھیجا ہوا خط تار پر قیاس کیا جا سکتا ہے یا نہیں اور جن شہروں میں حاکم شرعی اور قاضی نہیں ہے ان میں امام جامع مسجد یا اور کوئی شخص حکم ثبوت ہلال میں قائم مقام قاضی کے ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ اس بارے میں جوبات حق ہو اس کو ایسے طور پر بیان فرمائیں کہ قلوب مطمئن ہو جائیں اور باہمی نزاع مرتفع ہو جائے اور صحیح قول پر عمل کرنے میں آسانی ہو۔

ولکم الحسنی و زیادۃ کتبہ عبدالحی خطیب جامع رنگون

(الجواب) (ترجمہ) جان لو (خدا تعالیٰ ہم پر اور تم پر رحمت نازل فرمائے) کہ تار خبر میں کئی قسم کے شبہات ہیں اول یہ کہ مکتوب الیہ کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ تار بھیجنے والا فی الواقع وہی شخص ہے جس کا نام تار میں ظاہر کیا گیا ہے یا کوئی دوسرا کیونکہ ممکن ہے کہ مثلاً زید تار آفس میں جاکر تار بابو سے کہے کہ عمرو کی طرف سے فلاں شخص کو یہ تار بھیج دے کہ میں نے جمعہ کی رات میں چاند دیکھا ہے اور تار بابو اس مضمون کا تار بغیر دریافت اور تحقیق کے روانہ کردے کہ آیا تم خود عمرو ہو یا اس کے قاصد ہو یا اس پر بہتان باندھنے والے ہو اور اس کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ جس شخص کا نام تار بھیجنے والے کی حیثیت میں ظاہر کیا گیا وہ خود بھیجنے والا نہ تھا بلکہ اس کی طرف سے کسی دوسرے نے بھیج دیا تھا دوم یہ کہ تار دینے والے بابو یا تار لینے والے بابو یا خود مرسل الیہ سے غلطی ہو جائے کہ وہ انشاء کو خبر سمجھ لے یا اور کسی وجہ سے غلطی واقع ہو جائے سوم یہ کہ مرسل الیہ کو مرسل کی عدالت کا علم حاصل نہیں ہوتا چہارم یہ کہ تار دینے والا بسا اوقات خود تار آفس کو نہیں جاتا بلکہ مضمون خبر اپنے ملازم غیر عادل کے ذریعہ سے تار آفس کو بھیج دیتا ہے پس یہ اور اسی قسم کی بہت سی وجوہ شبہ تار خبر میں موجود ہیں اور ان شبہات کے ہوتے ہوئے اس کے مقبول ہونے کا حکم دینا صحیح نہیں ہاں اگر یہ خبر ان شبہات سے خالی فرض کرلی جائے تو اس کے قبول

کرنے کا حکم دینا ممکن ہے لیکن یہ معلوم ہے کہ اس کا ان شبہات سے خالی ہونا ایک دشوار امر ہے اور تعدد طرق کچھ نافع نہیں کیونکہ یہ احتمالات جو ہم نے ذکر کئے تعدد طرق سے مندفع نہیں ہوتے اور جب تک کہ یہ احتمالات دفع نہ ہوں اس وقت تک یہ خبر باوجود تعدد طرق کے جب تک کہ حد تواتر کو نہ پہنچے مستفیض نہیں ہو سکتی کیونکہ جیسا علامہ شامی نے رحمتی سے نقل کیا ہے استفاضہ کے معنی یہ ہیں کہ بلدہ رویت سے بکثرت آنے والے یہ بیان کریں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ خبر اگرچہ بظاہر ایک مخبر معلوم متعین کی جانب سے حاصل ہوئی ہے لیکن واقع میں ایسی نہیں ہے کیونکہ مخبر کے تبدل کا احتمال موجود ہے جیسا کہ تم اوپر معلوم کر چکے ہو پس یہ صورت علامہ شامی کے اس قول کے ذیل میں داخل ہے (کہ مجرد شیوع کا اعتبار نہیں ہے کہ شائع کنندہ کا علم نہ ہو جیسا کہ بعض خبریں ایسی پھیل جاتی ہیں کہ تمام شہر والوں کی زبان پر جاری ہو جاتی ہیں اور اصل شائع کنندہ کا پتہ نہیں چلتا) جب کہ یہ بات ثابت ہو گئی تو اب ہم کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے تار خبر کے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے انہوں نے اس کے حالات کو بنظر غور نہیں دیکھا ان کا یہ کہنا کہ یہ خبر مستفیض ہے استفاضہ کے معنی پر غور نہ کرنے کی وجہ سے ہے کیونکہ استفاضہ سے مراد یہ ہے کہ بلدہ رویت سے بکثرت آنے والے خبر رویت کو بیان کریں اور جس شہر میں آئے ہیں اس کے لوگوں کو رویت کی خبر دیں اور مسلمان بھی ہوں اور یہ بات تار کی خبر میں منتفی ہے ہاں استفاضہ بمعنی مطلق شیوع پایا جاتا ہے لیکن وہ نافع نہیں اور ان کا یہ کہنا کہ لوگ اس خبر کا اپنے معاملات حتی کہ موت اور ولادت میں اعتبار کرتے ہیں الخ یہ بھی مفید نہیں کیونکہ لوگوں کا کسی شے پر اعتبار کر لینا حجت شرعیہ نہیں ہے آپ کو معلوم نہیں کہ لوگ اپنے معاملات میں احاد کفار کی خبروں پر اعتبار کر لیا کرتے ہیں خواہ وہ بت پرست ہوں یا اور کوئی اور ان کی خبروں پر یقین کر لیتے ہیں حالانکہ کفار کی خبر دیانات میں اتفاقاً ناقابل اعتبار ہے اور غلبہ ظن باوجود ان شبہات محتملہ کے کس طرح حاصل ہو سکتا ہے اور اگر غلبہ ظن کا حصول تسلیم بھی کر لیا جائے تاہم نافع نہیں کیونکہ عمل اسی غلبہ ظن پر واجب ہوتا ہے جو مظان شرعیہ سے حاصل ہو اور اگر غلبہ ظن مظان غیر شرعیہ سے حاصل ہو تو خواہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو معتبر نہیں ہوتا دیکھو اگر شہر میں کوئی کافر اعلیٰ درجہ کا صادق اور امانتدار ہو اور اپنی سچائی میں ایسا مشہور ہو کہ کبھی جھوٹ نہ بولتا ہو اور وہ رویت ہلال کی خبر دے تو باوجودیکہ اس کی خبر سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے گا لیکن ہرگز اس کی طرف التفات اور توجہ نہ کی جائے گی اور یہ کیوں صرف اس لئے کہ یہ غلبہ ظن مظان غیر شرعیہ سے حاصل ہوا ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ ٹیلی گراف مع اپنے تمام وسائط کے مظان شرعیہ میں داخل نہیں ہے پس اس سے حاصل ہونے والا غلبہ ظن مفید نہیں اور جب کہ یہ خبر باوجود تعدد طرق کے ناقابل اعتبار ہے تو صرف ایک یا دو طریقوں سے حاصل ہونے کی صورت میں کیسے معتبر ہو سکتی ہے اور خطوط جو ڈاکخانہ کے ذریعے سے آتے ہیں وہ اگرچہ تار سے قوی ہیں پھر بھی غیر معتبر ہیں جب تک کہ حد شہرت کو نہ

پہنچیں ہاں اگر متعدد طریقوں سے حاصل ہوں اور پانچ سے زیادہ ہو جائیں اور مرسل الیہ کو اس امر کا یقین ہو جائے کہ بھیجنے والے کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور اس کی عدالت کا بھی یقین ہو جائے اور ایسے الفاظ سے لکھے گئے ہوں جن میں شہادت رویت کی صلاحیت ہو تو مناسب ہے کہ (صرف مرسل الیہ کے لئے) ان پر اعتماد کر لیا جائے کیونکہ خطوط میں جو شبہات ہیں وہ تار کے شبہات سے کم ہیں اور باوجود اس کے ہم یہ حکم نہیں کرتے کہ یقیناً یہ مقبول ہیں کیونکہ شروط کی رعایت ہر شخص کے لئے آسان نہیں اور امام جامع مسجد یا خطیب کا ایسے شہروں میں قاضی کے قائم مقام ہو جانا جہاں حاکم شرعی نہ ہو ثابت اور حق ہے کیونکہ جس امام کو تمام مسلمان اپنے امور دینیہ کی اقامت کے لئے پسند کر کے مقرر کر لیں وہ سلطان کا نائب ہو جانے کی صلاحیت رکھتا ہے جیسا کہ جمعہ میں ہوا ہے کہ سلطان یا اس کا نائب جمعہ کی شروط میں داخل تھا باوجود اس کے فقہاء نے حکم دیدیا کہ جس جگہ حاکم شرعی نہ ہو جب وہاں مسلمان کسی شخص کو اتفاقاً اپنا امام بنالیں اور وہ جمعہ پڑھادے تو جائز ہے اور یہ اس لئے کہ ایسے مقامات میں اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو ایک ایسا فرض جو شعائر اسلام میں سے ہے چھوٹ جاتا ہے رد المحتار میں تاتارخانیہ سے نقل کیا ہے واما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والا عياد و يصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين فيجب عليهم ان يلتمسوا واليا مسلما منهم انتهى اور اس میں فتح القدیر سے نقل کیا ہے واذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين كقرطبة الان يجب على المسلمين ان يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي قاضيا ويكون هو الذي يقضي بينهم و كذا ينصبوا اماما يصلي بهم الجمعة انتهى اور یہ ظاہر ہے کہ اگر مسلمان کسی شخص کو اپنا والی بنائیں گے تو یہ محض ایک قرارداد ہوگی ورنہ یہ ناممکن ہے کہ سلطان کافر متغلب کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے شخص کو حقیقی والی بنالیں تو جب کہ مسلمانوں کا کسی شخص کو والی بنالینا جائز ہے تو قاضی بنالینا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا اور تاتارخانیہ کی عبارت اس کی صحت پر دلالت کرتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

كتبه الراجي رحمة مولاه محمد کفایت اللہ شاہجہانپوری صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (مہر)
الجواب صحیح۔ بندہ ضیاء الحق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ الجواب صحیح۔ محمد قاسم مدرس مدرسہ امینیہ دہلی
الجواب صحیح۔ انظار حسین مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ ما احسن الجواب۔ بندہ محمد امین الدین مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی　　الجواب صحیح۔ بندہ محمود صدر مدرس مدرسہ دیوبند
الجواب صحیح۔ محمد عبدالغفور مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

دوسرا باب
قضاو کفارہ

بلا عذر روزہ نہ رکھنے والا فاسق اور منکر کافر ہے

(سوال) زید مسلمان نے رمضان المبارک میں عام دعوت کی اور بلا عذر شرعی روزہ نہ رکھا اور بعض کا روزہ تڑوادیا اور حقہ اور پان مہمانوں کو علانیہ طور پر کھلایا صبح سے شام تک کھانا کھلانا اور تقسیم کرنا جاری رہا شہر میں اس کا بڑا چرچا ہوا اور اہل ہنود نے بھی طعن کیا اور یہ بھی کہا کہ رنج و غم میں روزہ فرض نہیں ہے ایسا شخص فاسق ہے یا کافر؟ اور السلام علیک اسے کرنا چاہئے یا نہیں؟ بیعت اس کے ہاتھ پر مسلمان کریں یا نہ کریں اور پہلے جس جس مسلمان نے بیعت کی تھی وہ باقی ہے یا ٹوٹ گئی اور جس مسلمان نے روزہ رکھ کر دوپہر یا عصر کے وقت بسبب غلبہ بھوک و پیاس کے روزہ توڑ دیا اس پر کیا حکم ہے اور توبہ ایسے شخص کی اعلان سے ہو یا تنہائی میں درست ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۵۶) جو شخص بغیر کسی عذر کے روزہ نہ رکھے وہ فاسق ہے(۱) اور رکھ کر توڑ ڈالے اس پر قضاء کفارہ دونوں واجب ہیں اذا اکل متعمدا ما یتغذی به او یتد اوی به یلزمه الکفارة (هندیه ص ۲۱۸ ج ۱)(۲) اور جو شخص یہ کہے کہ رنج و غم میں روزہ فرض نہیں وہ شخص کافر ہے(۳) ایسے شخص کی بیعت گزشتہ فسخ ہو گئی اور آئندہ اس سے بیعت کرنا حرام ہے اگر کسی عذر شرعی کی وجہ سے بھی روزہ پورا نہ ہو سکے تو بھی رمضان المبارک میں کھانا پینا شام تک ممنوع ہے تو بلا عذر کھلم کھلا کھانے پینے کا جرم عظیم ہونا ظاہر ہے وکذا من وجب علیه الصوم فی اول النهار لوجود سبب الوجوب والاهلیة ثم تعذر علیه المضی فیه بان افطر متعمداً واصبح یوم الشك مفطرا ثم تبین انه من رمضان او تسحر علی ظن ان الفجر لم یطلع ثم تبین انه طالع فانه یجب علیه الامساك فی بقیة الیوم تشبها بالصائمین کذافی البدائع فی فصل حکم صوم الموقت (هندیه ص ۲۲۸ ج ۲)(۴) اور ان لوگوں کی توبہ بھی اسی اعلان کے ساتھ ضروری ہے۔

---

(۱) اعلم ان الفرض حتی یکفر جاحده و یفسق تارکه بلا عذر (رد المحتار' کتاب الاضحیة ۶: ۳۱۳ سعید)
(۲) کتاب الصوم' الباب الرابع' النوع الثانی' یوجب القضاء والکفارة ۱: ۲۰۵ مکتبه رشیدیه' کوئٹه)
(۳) اعلم ان صوم رمضان فریضة' لقوله تعالی کتب علیکم الصیام' و علی فرضیة انعقد الاجماع' ولهذا یکفر جاحده (هندیة' کتاب الصوم ۱: ۲۱۱ شرکت علمیه ملتان)
(۴) کتاب الصوم' المتفرقات ۱: ۲۱۴ مکتبه رشیدیه' کوئٹه)

کفارہ کے روزے اگر چاند کے حساب سے رکھے
تو دوماہ ضروری ہے اگرچہ ساٹھ سے کم ہو

(سوال) روزہ رمضان کے کفارہ میں دو مہینے پے در پے روزہ چاند کی پہلی تاریخ سے شروع کرے تو دو مہینے چاند کے حساب سے کافی ہیں یادنوں کے حساب سے ساٹھ روزے رکھنا ضروری ہے ؟

(جواب ۲۵۷) اگر چاند دیکھ کر کفارہ رمضان کے روزے رکھے جائیں تو ساٹھ روزے پورے کرنا ضروری نہیں بلکہ پورے دو مہینے کے روزے رکھنا کافی ہے خواہ وہ ساٹھ ہوں یا ساٹھ سے کم ہوں وان لم یجد المظاهر ما تعتق صام شهرین ولو ثمانیة و خمسین بالهلال والا فستین یوماً متتابعین وکذا کل صوم شرط فیه التتابع (۱) (درمختار ملتقطا) قوله وکذا کل صوم الخ ککفارة قتل اوافطار الخ (رد المحتار) (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) قضاء روزوں کی اس طرح نیت "میرے ذمے جتنے قضاء روزے ہیں ان میں سے پہلا روزہ رکھتا ہوں" صحیح ہے
(۲) جس شخص میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو وہ ہر روزے کے بدلے پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت دے سکتا ہے

(سوال) (۱) قضا روزوں کی نیت اس طرح کرنا کہ میرے ذمہ جتنے روزے قضا ہیں ان میں سے پہلا روزہ رکھتا ہوں صحیح ہے یا نہیں ؟ (۲) جس شخص میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو وہ روزے کا کفارہ بصورت غلہ یا نقد ادا کر سکتا ہے یا نہیں اگر ادا کر سکتا ہے تو کس طرح ادا کرے ۔ المستفتی نمبر ۳۰۴ امانت علی صاحب (روڑکی ضلع سہارنپور) ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۲۱ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۵۸) (۱) قضا روزوں کی یہ نیت درست ہے کہ میرے جتنے روزے قضا ہیں ان میں سے پہلا روزہ قضا رکھتا ہوں (۳) (۲) کفارہ کے روزے ادا کرنے کی طاقت نہ ہو تو ان کا کفارہ بصورت نقد یا بصورت غلہ ادا کرنا جائز ہے (۴) ساٹھ روزوں کے کفارہ کا غلہ فی روزہ پونے دو سیر گیہوں کے حساب سے ادا کیا جائے یا اتنی مقدار کی قیمت دی جائے (۵) ایک روزہ توڑنے کا کفارہ گیہوں کی صورت میں ایک

(۱) باب الکفارة ۳/۴۷۵ طبع سعید
(۲) باب الکفارة ۳/۴۷٦ طبع سعید
(۳) کثرت الفوائد نوی اول ظهر علیه او آخره (الدر المختار کتاب الصلاة باب قضاء الفوائت ۲/۷٦ سعید)
(٤) و کفر ککفارة المظاهر قوله ککفارة المظاهر و کفر ای مثلها فی الترتیب فیعتق اولا فان لم یجد صام شهرین متتابعین فان لم یستطع اطعم ستین مسکینا لحدیث الاعرابی المعروف فی الکتب الستة الخ (رد المحتار کتاب الصوم مطلب فی الکفارة ۲/٤۱۲ سعید)
(٥) وان عجز عن الصوم اطعم ستین مسکینا کالفطرة قوله کالفطرة ای نصف صاع من بر او صاع من تمر او شعیر (ردالمحتار باب الکفارة ۳/٤۷۸ سعید)

من ۲۵ سیر گیہوں ہوئے ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو ایک دن پونے دو سیر پونے دو سیر گیہوں دے دیئے جائیں یا ایک مسکین کو ہر روز پونے دو سیر گیہوں دے دیئے جائیں ساٹھ دن تک دیتے رہیں (۱) مجموعی قیمت کسی مدرسہ کو بھیجیں تو اس میں بھی تصریح کردیں کہ یہ کفارہ کی رقم ہے تاکہ قاعدہ کے موافق صرف کی جاسکے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

انتیس شعبان کو چاند نظر نہ آیا بعد میں چاند ہونے کی تحقیق ہوجائے تو قضاء ضروری ہے

(سوال) صوبہ بمبئی میں ۲۹ شعبان ۱۳۵۶ھ یوم جمعرات بعد نماز مغرب عام طور پر چاند نہیں دیکھا گیا چنانچہ صوبہ بمبئی میں سنیچر کے روز روزہ رکھا گیا سات یوم کے بعد احمد آباد جو تقریباً ۳۵ میل کے فاصلے پر ہے اور جام نگر جو تقریباً ایک ہزار میل کے فاصلے پر ہے وہاں کی اطلاع دو عینی شہادت پر مبنی تھی موصول ہوئی اور جمعیۃ العلماء بمبئی نے باقاعدہ قائم کئے ہوئے فتویٰ جاری کیا کہ ایک روزہ قضا رکھا جائے اور چاند ۲۹ شعبان کا مانا جائے لہذا ایک ورق اشتہار منسلک تحریر بذا بنابر تحقیق وصدور فتویٰ ارسال ہے براہ کرم مطلع فرمائیں کہ ہم اس روزہ کی قضا کریں یا نہیں اور یہ ہم پر واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۱۴۴ عبدالرحمن میمن باندرہ (بمبئی) ۲۱ شوال ۱۳۵۶ھ م ۲۵ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۵۹) ہاں ثبوت رؤیت کے بعد ایک روزہ کی قضا واجب ہے اور اشتہار مطبوعہ میں جو حکم دیا گیا ہے وہ صحیح ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بوس وکنار سے انزال ہوجائے تو صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء)

(سوال) اگر کوئی شخص روزے میں جان بوجھ کر عورت یا مرد سے لپٹ جائے اور اس کو شہوت ہو اور انزال ہوجائے تو روزہ کی قضا واجب آئی یا کفارہ بھی؟

(جواب ۲۶۰) اس صورت میں روزے کی قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) قے ہوئی تو اس خیال سے کہ اب روزہ نہ رہا پانی پی لیا تو صرف قضا ضروری ہے!

---

(۱) کماجاز لو اطعم واحد استین یوما (تنویر الابصار' باب الکفارات ۳/۴۷۹ سعید)

(۲) فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤیة اولئك بطریق موجب کما مر الخ (الدر المختار' کتاب الصوم' ۲/۳۹۴ طبع سعید)

(۳) وکذا فی تقبیل الامة' والغلام' و تقبیلها زوجها اذا رات بللاً' وان وجدت لذة' ولم تر بللا فسد عند ابی یوسف الخ (هندیة' کتاب الصوم' الباب الرابع فی ما یفسد ومالایفسد ۱/۲۰۴ مکتبه رشیدیه' کوئٹه)

(۲) پیٹ میں تکلیف کی وجہ سے روزہ توڑ دیا تو صرف قضا لازم ہے!

سوال) (۱) ہیضہ پھیلا ہوا تھا ایک شخص کو قے اور دست آنے لگے رمضان شریف کا مہینہ تھا وہ روزہ سے تھا جب قے آئی تو وہ شخص یعنی مریض خود اور اس کے پاس والوں نے یہ سمجھا کہ اب روزہ ٹوٹ گیا ہے مریض نے پانی مانگا لوگوں نے پانی پلا دیا اب اس کے ذمے کفارہ اور قضا دونوں ہیں یا صرف قضا ؟[۱] (۲) اسی طرح ایک شخص کے پیٹ میں درد ہوا وہ رمضان شریف میں روزے سے تھا لوگوں نے اس کو مجبور کر کے دوا پلا دی حالانکہ وہ انکار کر رہا تھا گھر والوں نے کہا کہ جو کچھ کفارہ کے بدلے میں فدیہ دینا ہو گا ہم دے دیں گے اب اس پر قضا و کفارہ دونوں ہیں یا صرف قضا[۲] ؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں ،جگن پور ضلع فیض آباد

جواب ۲۶۱) دونوں کے ذمے صرف قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تیسویں کو غروب سے پہلے چاند دیکھ کر افطار کیا تو قضاء و کفارہ دونوں لازم ہیں

سوال) امسال رمضان شریف کی تیسویں تاریخ کو آفتاب غروب ہونے سے پہلے چاند نکل آیا تھا بعض جاہلوں نے چاند دیکھتے ہی فوراً روزہ افطار کر لیا ان پر اس دن کی صرف قضا ضروری ہے یا قضا و کفارہ دونوں ؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور

جواب ۲۶۲) جن لوگوں نے غروب سے پہلے افطار کر لیا ان پر قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں[۳]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تیسرا باب
اعتکاف

معتکف کا ٹھنڈک کے لئے غسل کی خاطر مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں

سوال) معتکف کو محض تبرید اور دفع گرمی کی وجہ سے غسل خانہ مسجد میں غسل کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب ۲۶۳) معتکف کو محض تبرید اور دفع گرمی کے واسطے غسل خانہ مسجد میں جو خارج مسجد ہوتا ہے جانا درست نہیں اگر جائے گا تو اس کا اعتکاف جاتا رہے گا ثم ان امکنه الاغتسال فی المسجد

---

(۱) وكذا لو ذرعه القئ و ظن انه يفطره فافطر فلا كفارة عليه لوجود شبهة الاشتباه فان القئ والا ستقاء شابهان الخ (رد المحتار' كتاب الصوم ۲ / ۲ ۰ ٤ طبع سعيد)

(۲) و مفطر لو مكرها' او خطاء' و صبى بلغ' و كافر اسلم' و كلهم يقضون الخ (الدر المختار' كتاب الصوم ۸ ۰ ٤ طبع سعيد)

(۳) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۱۳ حاشیہ نمبر ا

من غير ان يتلوث المسجد فلا باس والا فيخرج و يغتسل و يعود الى المسجد (عالمگيری ص ۲۲٦ ج ۱)(۱) اور یہ حکم غسل واجب کا ہے کہ اس کے لئے بھی نکلنا اس شرط سے جائز ہے کہ مسجد میں کوئی برتن وغیرہ رکھ کر اس میں غسل نہ کر سکے اور اگر کوئی ٹب یا لگن ایسی میسر ہو کہ اس میں غسل کرنے سے مسجد ملوث نہ ہوتی ہو تو غسل واجب بھی مسجد میں ہی کرنا ضروری ہے

(۱) معتبر شہادت سے معلوم ہو جائے کہ انتیس کو چاند ہو گیا تھا تو اعتکاف اسی حساب سے شروع کریں
(۲) معتکف کو جمعہ کی نماز کے لئے جانا
(۳) معتکف کو سگریٹ یا حقہ پینے کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں
(۴) معتکف اگر مریض دیکھنے کے لئے مسجد سے باہر گیا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا
(۵) اعتکاف کے دوران تلاوت' نماز اور درود شریف بہترین اشغال ہیں

(سوال) (۱) مظفر نگر کی رویت ہلال سے روزہ سہ شنبہ کا ہوا کیا اسی حساب سے اعتکاف شروع کیا جائے؟
(۲) اگر معتکف کسی ایسے موضع کی مسجد میں اعتکاف کرے جہاں جمعہ نہیں ہوتا تو کیا وہ جمعہ پڑھنے کے لئے قصبہ میں یا کسی ایسے قریبی مقام پر جا سکتا ہے جہاں جمعہ بھی ہوتا ہو' یا کیا حکم ہے یا اس جمعہ کا وجوب ہی نہیں ہوتا یا کسی ایسی جگہ اعتکاف کرنا چاہئے جہاں جمعہ ہوتا ہو یا کیا بہر حال افضلیت بھی ظاہر فرمادی جائے (۳) معتکف اگر حقہ یا سگریٹ کا عادی ہے وہ مسجد سے باہر اس ضرورت کو رفع کرنے کے لئے جا سکتا ہے یا نہیں یا مسجد ہی کے بیرونی فرش پر اس صورت سے کہ حقہ باہر رکھا ہوا اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے' یا حقہ پینے کی اسے قطعاً اجازت نہیں (۴) معتکف طبابت پیشہ ہے اور کسی ایسے اہم اور ضروری مریض کو وہ دیکھنے مسجد سے باہر جا سکتا ہے یا نہیں خصوصاً جب کہ وہاں کوئی دوسرا شخص اس کام کو کرنے والا نہ ہو' یا مریض کا دوسرے پر اطمینان نہ ہو (۵) معتکف کو دوران اعتکاف میں زیادہ تر کس ورد کو کرنا چاہئے یا کثرت تلاوت کافی ہوگی' یا کوئی خاص دعا جس کا ورد رکھا جانا نافع ہو۔ المستفتی نمبر ۱۲۴۸ حکیم محمود الحسن صاحب مظفر نگر ۱۹ رمضان ۱۳۵۵ھ م ۵ دسمبر ۱۹۳٦ء

(جواب ۲٦٤) (۱) پیر کے پہلے روزے یعنی اتوار کی رویت کی خبریں اب اتنی جگہ سے آگئی ہیں کہ ان سے ظن غالب حاصل ہو گیا ہے کہ اتوار کی رویت درست اور پیر کا پہلا روزہ صحیح ہوا اس لئے اگرچہ یہاں سہ شنبہ کا پہلا روزہ ہوا ہے اور ابھی تک اتوار کی رویت کا حکم عام نہیں دیا گیا مگر اعتکاف شروع

(۱) كتاب الصوم' الباب السابع في الاعتكاف ۱/۲۱۳ مكتبه رشيديه' كوئته

کرنے میں احتیاط یہ ہے کہ اتوار کی رویت کے حساب سے شروع کیا جائے (۱)
(۲) اعتکاف ایسی مسجد میں کرنا بہتر ہے کہ اس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو (۲) اگر ایسے گاؤں میں اعتکاف کیا جائے کہ اس گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا تو معتکف کو دوسرے قصبہ میں جہاں جمعہ ہوتا ہو جانا جائز نہیں مقامی مسجد جامع میں جمعہ کے لئے جانا جائز ہے (۳)
(۳) حقہ اور سگریٹ مسجد میں بیٹھ کر پینا جائز نہیں اور معتکف کے لئے مسجد سے باہر جانا بھی جائز نہیں اگر معتکف ان چیزوں کا عادی ہے تو اسے مدت اعتکاف میں ان چیزوں کو ترک کر دینا چاہئیے (۴)
(۴) مریض کو دیکھنے کے لئے معتکف مسجد سے باہر نہیں جا سکتا یعنی اگر ضرورۃً جانا پڑے تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور ضرورت کی وجہ سے ابطال اعتکاف کا گناہ نہ ہوگا (۵)
(۵) تلاوت' نماز' درود شریف بہترین اشغال ہیں (۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شب قدر مقامی روزوں کے حساب سے سمجھی جائے

(سوال) دہلی میں اتوار کا روزہ ہوا ہے اور دوسرے بعض مقامات پر ہفتہ کا' تو شب قدر یہاں کے روزوں کے حساب سے شمار کی جائے گی یا دوسرے مقامات کے بیسویں روزہ اکیسویں شب یا انیسویں روزہ اور بیسویں شب۔ المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی
(جواب ۲۶۵) یہاں کے حساب سے ہی شب قدر سمجھی جائے اور اگر کوئی احتیاطاً دوسری جگہ کی رویت کا حساب کر کے ان راتوں کو بھی جاگے اور عبادت کرے تو بہتر ہے (۷) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) یعنی اعتکاف ۲۰ تاریخ کی شام سے شروع ہوتا ہے تو پیر کو پہلے روزہ کے حساب سے ۲۰ تاریخ سے اعتکاف کیا جائے اگرچہ مقامی روزہ کے اعتبار سے انیسویں تاریخ بن جائے فقط
(۲) واما افضل الاعتكاف ففي المسجد الحرام' ثم في مسجده ' ثم في المسجد الاقصى' ثم في الجامع قيل' اذا ان يصلي فيه' بجماعة فان لم يكن' ففي مسجده افضل' لئلا يحتاج الى الخروج' ثم ما كان اهله اكثر (رد المحتار' كتاب الصوم' باب الاعتكاف ٢/ ٤٤١ سعيد)
(۳) و حرم عليه الخروج الا لحاجة الانسان طبعية كبول' و غائط' او شرعية' كعيد' واذان لو مؤذنا' و باب المنارة خارج المسجد' و الجمعة وقت الزوال الخ (الدر المختار' كتاب الصوم' باب الاعتكاف' ٢/ ٤٤٤ سعيد)
(۴) حقہ اور سگریٹ وغیرہ کو فقہاء نے اعذار میں شمار نہیں کیا لہذا اس کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں ہے
(۵) عیادۃ المریض کی طرح علاج المریض بھی حوائج میں داخل نہیں اس لئے فاسد ہوگا ولو خرج لجنازة يفسد اعتكافه' و كذا لصلاتها ولو تعينت عليه' او لا نجاء الغريق' او الحريق الخ (هنديه' كتاب الصوم' باب الاعتكاف ١/ ٢١٢ كوئٹه)
(۶) ان سب کی بڑی بڑی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں قرآن میں بھی اور احادیث میں بھی ويلازم التلاوة' والحديث' والعلم' و تدريسه' و سير النبي ﷺ الخ (هنديه' كتاب الصوم' باب الاعتكاف' ١/ ٢١٢ كوئٹه)
(۷) جیسے روزے میں مقامی رؤیت کا اعتبار کیا جاتا ہے ایسے ہی شب قدر کے لئے بھی مقامی رویت کا اعتبار ہوگا' الا یہ کہ شرعی شہادت سے دوسرے مقام کی رؤیت ثابت ہو جائے

(۱) معتکف غسل کے لئے مسجد سے باہر جانے تو پانی وغیرہ بھی لا سکتا ہے
(۲) مسجد میں غسل خانہ نہ ہو تو قریب تالاب میں غسل کے لئے جا سکتا ہے
(۳) مدرسے کے طلباء ضرورت کے وقت کھانا پکانے کے لئے مطبخ جا سکتا ہے

(سوال) (۱) معتکف کو جنابت لاحق ہوئی اس نے غسل خانے میں جاکر غسل کیا اور ساتھ ساتھ اس ناپاک کپڑے کو بھی جو جنابت کے وقت ناپاک ہو گیا تھا اسی غسل خانے میں نہایت عجلت کے ساتھ صاف کر لیا اور فراغت کے بعد واپس آتے وقت پانی کے اس مٹکے سے جو غسل خانہ کے متصل موجود ہے لوٹا بھر کر اپنی ضروریات کے لئے لایا اب اس صورت میں معتکف مذکور کا اعتکاف فاسد ہو گیا یا باقی رہا اور فاسد ہونے کی تقدیر پر باقی ایام کو اعتکاف کے ساتھ گزارے تو اس کے ذمے سے اعتکاف ساقط ہو جائے گا یا دوبارہ اس کی قضا لازم آئے گی؟
(۲) اگر ایسی مسجد میں اعتکاف کرے جہاں غسل خانہ نہیں ہے بلکہ اس کے قریب تالاب ہے اس تالاب میں ناپاک کپڑا پہن کر اتر کر غسل کرتے وقت پانی کے اندر ٹھہرے ہو کر اس ناپاک کپڑے کو پاک کر سکتا ہے یا نہیں؟
(۳) اگر طلبہ دارالعلوم مسجد دارالعلوم میں اعتکاف کریں اور دوسرا بغیر کئے ان کو مطبخ دارالعلوم سے ان کا کھانا نہیں پہنچاتا ہے تو ایسی صورت میں دوسرے کو تکلیف نہ دے کر معتکفین خود مطبخ میں حاضر ہو کر اپنا کھانا لا سکتے ہیں یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۰۷۵ محمد اظہر الاسلام نواکھالی 'دارالعلوم دیوبند ۲۶ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۹ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۶۶) اگر اعتکاف واجب النذر تھا تو اس میں صرف غسل کرنے کی مقدار مسجد سے باہر گزارنے کی اجازت ہے کپڑا دھونا یا پانی بھرنے کے لئے ٹھہرنا جائز نہیں ہے اور اس صورت میں اس اعتکاف واجب کی قضا کرنی پڑے گی (۱) اور اگر اعتکاف نفل ہو (اس میں اعتکاف مسنون عشرہ اخیرہ رمضان بھی شامل ہے) تو اس میں کپڑا دھو لینے اور لوٹا بھر لینے کی گنجائش ہے بشرطیکہ خروج من المسجد غسل کے لئے ہوا ہو (۲)
(۲) یہی حکم سوال دوم میں بھی سمجھا جائے گا
(۳) اگر مسجد میں کھانا پہنچانے والا کوئی نہ ہو تو کھانا لینے کے لئے جانا اور کھانا لیکر فوراً واپس آجانا

(۱) و یرجع الی المسجد کما فرغ من الوضوء ولو مکث فی بیته ساعةً فسد اعتکافه عند ابی حنیفة. (هندیه' کتاب الصوم' باب الاعتکاف ۱/۲۱۲ ط کوئٹه) یہ اس صورت میں ہے جب اس کے پاس دوسرا کپڑا موجود نہ ہو، اگر اس کے پاس دوسرے کپڑے موجود ہوں تو اس کے لئے کپڑے صاف کرنا جائز ہے کیونکہ یہ حاجت انسانی میں شامل ہے
(۲) ولیس کالمکث بعد ها ما لو خرج لها ثم ذهب لعیادة المریض او صلاة جنازة من غیر ان یکون خرج لذا قصداً فانه جائز (رد المحتار' کتاب الصوم' باب الاعتکاف' ۲/۴۴۵ ط سعید)

چاہئیے (۱) مسجد کے اندر کھانا کھایا جائے باہر کھانا نہ کھایا جائے (۲) اور مسجد میں کھانا پہنچنے کی سبیل ہو تو پھر کھانا خود لینے بھی نہ جائے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

چوتھا باب
افطار و سحری

غیر مسلم کی بھیجی ہوئی افطاری سے افطار کرنا جائز ہے

(سوال) موقع افطار روزہ اگر کوئی غیر مسلم کھجور یا مٹھائی وغیرہ روزہ داروں کے واسطے مسجد میں برائے افطاری بھیجے تو قبول کی جاسکتی ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۶۹۵ شیخ چراغ الدین پھگواڑہ ۵ شوال ۱۳۵۴؁ھ م یکم جنوری ۱۹۳۶؁ء

(جواب ۲۶۷) غیر مسلم کی بھیجی ہوئی اشیاء قبول کرنا اور ان اشیاء کو افطار کے وقت استعمال کرنا جائز ہے۔ (۲) محمد کفایت اللہ

نقارے کی آواز سن کر افطار کرنا جائز ہے

(سوال) ایک گاؤں میں ایام سلف سے دو محلے ہیں ایک محلے میں زمانہ سابق سے تاحال جامع مسجد ہے دوسرے محلے میں خاص پنجوقتی کے لئے مسجد تعمیر کی گئی ہے امسال دوسرے محلے والوں نے رمضان شریف کے ایام میں روزہ افطاری کے لئے پہلے نقارہ بجا کر روزہ افطار کرنے کے بعد پھر اذان دیتے ہیں جامع مسجد والوں نے ان کو منع کیا اور کہا کہ روزہ افطاری کے لئے بجز اذان کے اور کوئی حکم نہیں مذہب کی کسی کتاب میں نقارہ کی آواز پر روزہ افطار کرنا نظر نہیں آتا دونوں محلے والے مقلد شافعیہ ہیں سوال یہ ہے کہ آیا شافعی مذہب کی رو سے روزہ افطار کرنے کے لئے نقارہ بجانا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۷۰۰ امیر الدین شیخ (ضلع تھانہ) ۱۰ شوال ۱۳۵۴؁ھ م ۶ جنوری ۱۹۳۶؁ء

(جواب ۲۶۸) نقارہ بجانا غروب شمس کی عام اطلاع کے لئے ہوتا ہے اور جب کہ نقارہ غیر مشتبہ طور پر سنا جائے اور ظن غالب ہو کہ یہ نقارہ وہی ہے جو اطلاع افطار کے لئے بجایا جاتا ہے تو اس کی آواز سن کر افطار کر لینا مذہب حنفی اور شافعی دونوں میں جائز ہے علامہ قلیوبی نے شرح منہاج الطالبین کے حاشیہ

(۱) قوله "الا لحاجة الانسان" الخ "ولا يمكث بعد فراغه من الطهور" الخ (رد المحتار' كتاب الصوم' باب الاعتكاف ۲ / ۴۴۵ طبع سعيد)

(۲) واما الاكل والشرب والنوم فيكون في معتكفه (هندية' كتاب الصوم' باب الاعتكاف ۱ / ۲۱۲ كوئته)

(۳) [illegible]

میں لکھا ہے و منه سماع الطبول و ضرب الدفوف و نحو ذلك ممايعتاد فعله اول الشهر واخره اه ' قلت و كذا اول الصوم واخره (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

جماع کے ذریعے افطار کرنا

(سوال) کیا کوئی ایسی حدیث ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ صحابہ کرامؓ نے رمضان شریف کا روز جماع سے افطار کیا ہو اور نماز مغرب میں تاخیر ہو گئی ہو المستفتی نمبر ۱۰۴۱ مولوی عبدالقدوس امام (ترکمان دروازہ دہلی) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۷ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۶۹) ایسی حدیث خیال میں نہیں فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

سحری وافطاری کی اطلاع کے لئے گولہ چھوڑنا اور نقارہ بجانا جائز ہے

(سوال) رمضان شریف میں افطاری و سحری کے لئے نقارہ بجانا ٹھیک ہے یا گولہ چھوڑنا بہتر ہے کیونکہ اگر گولہ چھوڑا جائے تو آٹھ میل تک دیہات کے لوگ ہیں وہ بھی سن سکتے ہیں اور نقارہ سوائے محلہ کے سنائی نہیں دیتا گزشتہ سال میں لوگوں کو افطاری سحری کا بذریعہ گولہ پتہ لگ جاتا تھا اس واسطے دیہات اور شہر کے اکثر لوگوں کا خیال گولہ چھوڑنے کا ہے کیا گولہ منگایا جائے یا نقارہ ؟ شریعت میں تو اذان ہی کا ذکر ہے (۲) المستفتی نمبر ۱۹۱۱ محمد موسیٰ صاحب امام مسجد مچن آباد (بہاولپور) ۱۷ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۷۰) سحری اور افطار کے وقت کی اطلاع کے لئے گولہ چھوڑنا جائز ہے نقارہ بجانا بھی جائز ہے محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

غروب آفتاب کے بعد ہی افطار کا وقت شروع ہو جاتا ہے 'مگر اس میں دو چار منٹ تاخیر کی گنجائش ہے

(سوال) وقت نماز مغرب و افطار کب سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت نماز و افطار میں کس قدر دیر کر سکتے ہیں ؟ یا جلدی کرنا چاہئے المستفتی نمبر ۱۹۲۲ حاجی غلام احمد ولد عیسیٰ (مارواڑ) ۱۹ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۷۱) غروب آفتاب کے بعد وقت افطار شروع ہو جاتا ہے اور یہی نماز مغرب کا وقت ہے

---

(۱) حاشیه قليوبي على شرح منهاج الطالبين' كتاب الصيام' ۲/ ۴۹ دار احياء الكتب العربيه' مصر)

(۲) اذان کی مشروعیت نماز کے لئے ہے افطار کے لئے نہیں لیکن چونکہ مغرب کی اذان غروب آفتاب سے پہلے درست نہیں بلکہ آفتاب غروب ہونے پر دی جاتی ہے اور وہی وقت افطار کا بھی ہوتا ہے لہذا جیسے اذان سے افطار کا اندازہ ہو جاتا ہے ایسے ہی اگر کسی اور جائز ذریعے سے افطار کا اندازہ ہوتا ہو تو جائز ہے

افطار میں دو چار منٹ کی تاخیر ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر افضل ہے

(سوال) قوله علیه السلام ثلاث من اخلاق الانبیاء تعجیل الافطار وتاخیر السحور ووضع یده الیمنی علی الیسری تحت السرة فی الصلوٰة (۲) بعض نادان لوگ سحری کو اٹھتے نہیں اور یونہی روزہ رکھ لیتے ہیں بعض بارہ ایک بجے کھاپی کر سو رہتے ہیں ایسا کرنا خلاف شریعت ہے یا نہیں ؟
المستفتی نظیر الدین امیر الدین (املیزہ ضلع مشرقی خاندیس)
(جواب ۲۷۲) یہ صحیح ہے کہ افطار میں آفتاب غروب ہونے کے بعد دیر نہ کرنی چاہئے بلکہ آفتاب غروب ہوتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہئے (۳) اور یہ بھی صحیح ہے کہ سحری جس قدر دیر کر کے کھائی جائے بشرطیکہ صبح صادق ہونے سے پہلے کھالے تو بہتر ہے یہ دونوں باتیں حدیثوں سے ثابت ہیں (۴) بہت پہلے سحری کھالینا اچھا نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ہندو کے مال سے افطار جائز ہے

(سوال) ہندو کے مال سے روزہ افطار کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
(جواب ۲۷۳) ہندو کے مال سے جب کہ اس نے اپنی خوشی سے دیا ہو یا اس سے بقیمت خرید اہو روزہ افطار کرنا جائز ہے (۵) محمد کفایت اللہ

حالت جنابت میں سحری کھانا خلاف اولیٰ ہے مگر اس سے روزے میں کچھ خلل نہیں آتا

(سوال) رمضان شریف میں سحری کے وقت کسی آدمی کو احتلام ہوا اسے یقین ہے کہ غسل کرنے کے بعد کھانے کا وقت باقی رہے گا مگر اس نے کاہلی سے غسل نہیں کیا اور کھانا کھالیا تو اس کا روزہ ہوگا یا نہیں اور حالت جنابت میں کھانے سے گناہ گار ہو گیا نہیں اور حالت جنابت میں کھانا جائز ہے یا نہیں اگر

---

(۱) مگر بہتر یہ ہے کہ جیسے ہی افطار کا وقت ہو فوراً افطار کریں عن سهل بن سعدؓ قال قال رسول الله ﷺ: لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر (ترمذی' ابواب الصوم' باب ماجاء فی تعجیل الافطار ۱ / ۱۵۰ ط سعید)
(۲) لم اجد بهذه الالفاظ' انما رایته ببعض تغیر الالفاظ' ثلاث من اخلاق النبوة' تعجیل الافطار و تاخیر السحور و وضع الیمین علی الشمال فی الصلوة (مجمع الزوائد' باب وضع الید علی الاخری ۲/ ۱۰۵ دار الفکر' بیروت)
(۳) عن سهل بن سعدؓ قال : قال رسول الله ﷺ : لایزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر (ترمذی' ابواب الصوم' باب ماجاء فی تعجیل الافطار ۱/ ۱۵۰ طبع سعید)
(۴) ثم تاخیر السحور مستحب کذافی النهایة' ویکره تاخیر السحور الی وقت وقع فیه الشك (هندیه' کتاب الصوم' باب ما یکره للصائم' وما لایکره ۱/ ۲۰۰ رشیدیه' کوئٹه)
(۵) ہندو کا دیا ہوا مال پاک ہے اس نے کوئی مضائقہ نہیں

جائز ہے یا اس طرح سنت کے موافق ہے یا منہ ہاتھ دھو کے کھائے؟ بینوا توجروا

(جواب ٢٧٤) حالت جنابت میں بغیر منہ ہاتھ دھوئے ہوئے یا وضو کئے ہوئے کھانا پینا خواہ رمضان ہو یا غیر رمضان میں خلاف اولیٰ ہے بشرطیکہ ہاتھوں پر کسی قسم کی نجاست نہ لگی ہو سحری کھاتے ہوئے مناسب تو یہ ہے کہ غسل کر ڈالے یا وضو کر لے یا کم از کم ہاتھ دھو ڈالے.(١) واللہ اعلم

صرف وضو کرنا اور نماز نہ پڑھنا اور صرف سحری کھانا اور روزہ نہ رکھنا

(سوال) ایک شخص دن میں پچاس ساٹھ بار وضو کرتا ہے اور ہمیشہ سحری کھاتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا ہے نہ کبھی روزہ رکھتا ہے تو کیا یہ شخص وضو و سحری کا ثواب پانے کا مستحق ہے؟ المستفتی نمبر ٢٧٦٥ حکیم محمد ایوب سنبھل ضلع مراد آباد ١٩ ربیع الثانی ٦٢ ١٣ھ م ٢٥ اپریل ١٩٤٣ء

(جواب ٢٧٥) ہاں اس کو وضو کرنے اور سحری کھانے کا ثواب اس شرط سے ملے گا کہ ان افعال کو بہ نیت قربت و ادائے سنت عمل میں لاتا ہو(٢) یہ دوسری بات ہے کہ ترک فرائض کے عذاب کے مقابلہ میں ان سنتوں کی ادائیگی کا ثواب کچھ کار آمد اور مفید نہ ہو جیسے کوئی شخص ایک گلاس پانی میں دو تولے شہد ملائے تو اس کی شیرینی بجائے خود مفید اور پانی کو میٹھا کر دینے والی ہے لیکن اگر اس کے ساتھ دو تولے ایلوا بھی ملا دے تو شکر کی شیرینی اور فائدہ مغلوب ہو جانے کا اسی طرح معصیت کی شدت یا کثرت فضائل اعمال کے ثواب کو مغلوب کر دے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

افطار کا وقت ہوتے ہی افطار کرنا افضل ہے

(الجمعیۃ مورخہ ٢٠ مارچ ١٩٣٠ء)

(سوال) وقت ہوتے ہی دعائے ماثورہ پڑھ کر روزہ افطار کرنے کی فضیلت آئی ہے لیکن وقت ہونے کے بعد فاتحہ پڑھنا بھی از روئے ادلہ شرعیہ جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ٢٧٦) افطار کا وقت ہو جانے کے بعد فوراً روزہ افطار کر لینا افضل اور بہتر ہے (٣) فاتحہ پڑھنے سے آپ کا مطلب کیا ہے اگر مراد ایصال ثواب کی غرض سے کچھ پڑھنا اور ثواب بخشنا ہے تو افطار کر لینے کے بعد بھی یہ کام ہو سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

---

(١) ولا بأس للجنب ان ينام ... وان اراد ان يأكل او يشرب فينبغي ان يتمضمض و يغسل يديه (هندية، كتاب الطهارة، فصل المعاني الموجبة للغسل ١/ ١٦ مكتبه رشيديه كوئٹه)

(٢) انما الاعمال بالنيات وانما لكل امرء مانوى الخ (صحيح بخارى، باب كيف كان بدء الوحي الى رسول الله ﷺ ١/ ٢ قديمي كتب خانه)

(٣) دیکھئے حاشیہ نمبر ٢ صفحہ نمبر ٢٤٩

پانچواں باب
نفلی روزہ

مسافر و مریض کا رمضان میں غیر رمضان کا روزہ رکھنا

(سوال) مسافر یا مریض رمضان میں نفل وغیرہ کی نیت سے روزہ رکھیں تو انکا نفلی وغیرہ روزہ ہوگا یا فرضی؟

(جواب ۲۷۷) مسافر یا مریض رمضان میں اگر نفل کی نیت سے روزہ رکھیں گے تو وہ رمضان کا ہی ہوگا لیکن اگر مسافر کسی دوسرے واجب کی نیت سے روزہ رکھے گا تو وہ اسی واجب کا ہوگا مریض کا اس صورت میں رمضان کا ہی روزہ ہوگا فی اوائل الاشباہ الصحیح وقوع الکل عن رمضان سوی مسافر نوی واجباً اخر واختارہ ابن الکمال وفی الشرنبلالیۃ عن البرھان انہ الا صح (درمختار)(۱) قولہ الصحیح وقوع الکل عن رمضان الخ المراد بالکل مااذا نوی المریض النفل اواطلق او نوی واجبا اخر وما اذا نوی المسافر کذلک الا اذا نوی واجبا اخر فانہ یقع عنہ لا عن رمضان لان المسافر لہ ان لا یصوم فلہ ان یصرفہ الی واجب اخر لان الرخصۃ متعلقۃ بمظنۃ العجز وھو السفر وذلک موجود بخلاف المریض فانھا متعلقۃ بحقیقۃ العجز فاذا تبین انہ غیر عاجز (ردالمحتار)(۲)

دس ذوالحجہ کو روزہ رکھنا

(سوال) عرفہ کے دن روزہ رکھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے اور دہلی میں عرفہ دوشنبہ کا ہے اور دوشنبہ کو بعض مقامات پر عید ہوگی اور عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ دوشنبہ کے دن عرفہ کا روزہ رکھ سکتے ہیں کہ نہیں المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ۲۷۸) ہاں چاند کی خبر آجانے کے بعد نویں تاریخ کو جو دوسری جگہ کی دسویں ہوگی روزہ نہ رکھنا چاہئے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عاشورہ کے دن کوئی خاص نماز مشروع نہیں البتہ روزہ مستحب ہے

(سوال) عاشورہ کے دن شریعت کی طرف سے کوئی خاص نماز کسی خاص وضع کے ساتھ ثابت ہے یا

---

(۱) کتاب الصوم ۲/۳۷۸ طبع سعید
(۲) کتاب الصوم ۲/۳۷۸ طبع سعید (۳) کیونکہ عرفہ نویں ذی الحجہ کو ہوتا ہے اور دس ذی الحجہ کو روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے' والمکروہ تحریما کالعیدین' (الدر المختار' کتاب الصوم ۲/۳۷۵ طبع سعید)

نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۴۵۷ منشی الطاف حسین صاحب 'وزیر گنج' گونڈہ ۲ محرم ۱۳۵۸ھ م ۲۲ جنوری ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۷۹) عاشورے (۱۰ محرم) کے روز روزہ رکھنا مسنون ہے اس روزے کا بہت ثواب ہے(۱) اور یہ بھی مستحب ہے کہ ہر شخص اپنی وسعت کے موافق اس روز اپنے بال بچوں کو اور دنوں سے اچھا کھانا کھلائے (۲) کوئی خاص نماز اس دن میں ثابت نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

چھٹا باب
سفر اور دیگر عذر

(۱) سفر میں روزہ رکھنے میں کوئی کراہت نہیں
(۲) عذر کی وجہ سے روزے رہ گئے تو قضاء کرنے پر پورا ثواب ملے گا

(سوال) (۱) اگر سفر میں کوئی شخص روزہ رکھتا ہے تو یہ مکروہ تو نہیں ہے اس کو رکھنے کی اجازت ہے ؟
(۲) کسی عذر سے اگر رمضان میں روزے نہ رکھے اور اس کی گنتی رمضان کے بعد پوری کرلے تو اس کو رمضان کی طرح ثواب ملے گا یا کچھ فرق ہوگا ؟ المستفتی مولوی محمد رفیق دہلوی

(جواب ۲۸۰) (۱) سفر میں روزہ رکھنے میں کوئی کراہت نہیں نہ رکھنے کی اجازت ہے ضروری نہیں کہ افطار کرے (۳) (۲) اگر عذر صحیح ہے تو بے شک اس کو روزوں کا پورا ثواب ملے گا(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) عن ابی قتادة ان النبی ﷺ قال صیام یوم عاشوراء انی احتسب علی الله ان یکفر السنة التی قبله (ترمذی ابواب الصوم' باب ماجاء فی الحث علی صوم یوم عاشوراء ۱/۱۵۸ طبع سعید)

(۲) قوله حدیث التوسعة الخ وهو (من وسع علی عیاله یوم عاشوراء' وسع الله علیه السنة کلها) قال جابر جربته اربعین عاما الخ (رد المحتار' کتاب الصوم' باب ما یفسد الصوم' وما لایفسد مطلب فی حدیث التوسعة علی العیال ۲/۴۱۸ ط سعید)

(۳) عن عائشةؓ ان حمزة بن عمرو الا سلمی سال رسول الله ﷺ عن الصوم فی السفر' وکان یسرد الصوم' فقال رسول الله ﷺ ان شئت' فصم وان شئت فافطر (ترمذی' ابواب الصوم' باب ماجاء فی الرخصة' فی الصوم فی السفر ۱/۱۵۲ سعید)

(۴) یعنی اگر عذر شرعاً معتبر ہو مثلاً بیماری وغیرہ یعنی اگر بیمار نہ ہوتا تو رمضان کا روزہ رکھتا لہذا بعد میں رکھنے سے بھی اللہ کے فضل سے امید ہے کہ پورا ثواب عطاء فرمائے گا۔

ساتواں باب
مفسدات وغیر مفسدات روزہ

انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا

(سوال) ماہ رمضان کے روزوں میں روزہ دار شخص انجکشن یعنی سوالگوائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں اگر فاسد ہو جاتا ہے تو صرف روزہ کی قضا ہے یا کفارہ بھی دینا لازم ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۰۰۵ مولوی محمد غالب (وزیرستان) ۶ رمضان ۱۳۵۶ھ ۱۱ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۸۱) انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا نہ قضا واجب ہوتی ہے نہ کفارہ (۱) فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

پیشاب وپاخانہ کی جگہ دوائی ڈالنا اور انجکشن لگوانا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) متعلقہ حقنہ (انیما) اورا

(جواب ۲۸۲) پاخانہ کے مقام میں دوا پہنچانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے (۲) مرد اپنے ذکر کے سوراخ میں دوا ڈال سکتا ہے (۳) انجکشن سے دوا اگر سینہ یا پیٹ میں نہ پہنچے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا (۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ

روزے میں عود 'لوبان اور اگر بتی سلگانا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۳۰ء)

(سوال) اگر قرآن مجید پڑھتے وقت کوئی روزہ دار عود لوبان یا اگر بتی سلگا کر پاس رکھے یا ایسے مقام پر کوئی روزہ دار جا کر بیٹھے تو عمداً سونگھنے یا دھواں داخل کرنے کا اطلاق اس پر ہو گا یا نہیں ؟

---

(۱) انجکشن سے منافذ کے ذریعے جوف بطن یا جوف دماغ میں کچھ نہیں پہنچتا ہے اور روزہ فاسد اس وقت ہوتا ہے جب منافذ کے ذریعے جوف دماغ یا جوف بطن میں کچھ پہنچے لہذا اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور جب روزہ نہیں ٹوٹتا تو قضاو کفارہ بھی نہیں ' فی تنویر الابصار ' اوادھن او اکتحل اواحتجم ' وان وجد طعمه فی حلقه ' و فی الشامیة ' لان الموجود فی حلقه اثر داخل من المسام الذی هو خلل البدن ' والمفطر ' انما هو الداخل من المنافذ الخ (رد المحتار ' کتاب الصوم ' باب ما یفسد الصوم ومالا یفسده ۲/۳۹۵ سعید)

(۲) ومن احتقن او استعط ' او اقطر فی اذنه دهنا ' افطر ولا کفارة علیه ' هکذا فی الهدایة (هندیه ' کتاب الصوم ' الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد ۱/۲۰٤ رشیدیه ' کوئٹه)

(۳) واذا اقطر فی احلیله ' لا یفسد صومه عند ابی حنیفة و محمد (هندیه ' کتاب الصوم ' الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسده ۱/۲۰٤ رشیدیه ' کوئنه) (۴) اسی طرح اگر مسام کے ذریعے پہنچے پھر بھی روزہ نہیں ٹوٹتا ' وما یدخل من مسام البدن من الدهن لا یفطر (هندیه ' کتاب الصوم ' باب ما یفسد وما لا یفسد ۱/۲۰۳ کوئٹه)

(جواب ۲۸۳) عود لوبان اگر بتی وغیرہ سلگانا اور اس کے قریب بیٹھ کر تلاوت کرنا روزے میں ناجائز نہیں ہے عمداً سونگھنا بھی روزے میں ناجائز نہیں کیونکہ یہ صورت دھواں داخل کرانے کی نہیں ہوتی (۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۳۶ء)

(سوال) یہاں طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی ہے اور رمضان کا مہینہ ہے بعض روزہ داروں نے روزہ کی حالت میں بخیال حفظان صحت سوئی لگوائی یعنی بذریعہ انجکشن دوا جسم کے اندر داخل کی گئی روزہ جاتا رہا یا نہیں ؟

(جواب ۲۸۴) انجکشن (جس کے ذریعہ سے دوا براہ راست معدہ غذا اور دوا اور بطن میں نہ پہنچے) موجب افطار صوم نہیں اگرچہ عروق میں دوا پہنچتی ہے مگر یہ موجب افطار نہیں (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۲۷ء)

(سوال) متعلقہ

(جواب ۲۸۵) انجکشن کے ذریعہ سے اگر دوا کا جسم جوف بدن میں نہ پہنچے تو روزہ فاسد نہ ہوگا اگرچہ دوا کا اثر سارے جسم میں سرایت کر جاتا ہو (۳) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

---

(۱) ولو دخل حلقه غبارا لطاحونة... اوالدخان... واشباه ذلك' لم يفطر (هنديه' حواله بالا)

(۲-۳) (دیکھئے صفحہ نمبر ۲۵۳ حاشیہ نمبر)

کتاب الزکوٰۃ والصدقات

پہلا باب
کن چیزوں پر زکوٰۃ ہے

مال تجارت میں نفع شامل کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے

(سوال) ایک شخص نے ہزار روپے ایک کاروبار میں لگائے اور اس ہزار روپے سے وقتاً فوقتاً خرید و فروخت کرتا رہا سال بھر کے بعد اس کو تین سو روپے فائدہ ہوا تو زکوٰۃ ہزار روپے پر نکالی جائے گی یا تیرہ سو روپے پر؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۸۶) مال تجارت اگر ابتدا میں مقدار نصاب ہو تو بعد حولان حول اس کے ساتھ منافع کی بھی زکوٰۃ دینا چاہئے(۱) فقط

زکوٰۃ آمدنی پر واجب ہے مشینری پر نہیں

(سوال) میرا انگریزی چھاپہ خانہ تقریباً بیس ہزار روپے کا بلا شرکت غیر سے ہے اور سود بٹا وہر قسم کے بار کفالت سے پاک و صاف ہے آٹھ عدد مشین ودیگر سامان سے مرتب ہے مشین ودیگر سامان گھٹنے اور ٹوٹ پھوٹ ہونے والا ہے اور جو مشین ودیگر سامان خرید کیا جاتا ہے وہ اگر فروخت کیا جائے تو نصف قیمت یا کم وبیش پر فروخت ہوتا ہے اور بعد پرانا ہونے کے تو بہت کم قیمت رہ جاتی ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ نیاز مند امیر مرزا

(جواب ۲۸۷) چھاپہ خانہ اور اس کی مشینیں مال تجارت نہیں ہیں بلکہ آلات طبع ہیں ان کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ان سے جو آمدنی ہوتی ہے اس پر بشروط معینہ معلومہ زکوٰۃ واجب ہوگی یا جو سامان کہ فروخت کرنے کے لئے تیار کیا جاتا ہو یا خریدا جاتا ہو یا تبادلہ میں آتا ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی(۲) واللہ اعلم

سونا، چاندی کے زیور میں جڑے ہوئے جواہرات پر زکوٰۃ نہیں

(سوال) جس چاندی سونے کے زیور میں جواہرات جڑے ہوئے ہوں اس زیور پر زکوٰۃ واجب ہے یا

---

(۱) من کان له نصاب فاستفاد فی اثناء الحول مالا من جنسه ضمه الی ماله وزکاه سواء کان المستفاد من نمائه ولا (هندیه، کتاب الزکاة ۱/۱۷۵، رشیدیه، کوئٹه) (۲) یعنی آلات پر تو زکوٰۃ واجب نہیں البتہ جو آمدنی ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی و لیس فی دور السکنی و ثیاب البدن و سلاح الاستعمال زکوة لانها مشغولة بالحاجة الاصلية و ليست بنامية ايضا و على هذا كتب العلم لا هلها و آلات المحترفين لما قلنا الخ (الهداية، كتاب الزكاة ۱/۱۸۶، مكتبه شركت علميه)

نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۲۰۶ حافظ نور جمال امام مسجد سمرالہ ضلع لدھیانہ ' ۲۷ شوال ۱۳۵۲ھ م ۱۲ فروری ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۸۸) زیور جو چاندی اور سونے کا ہو اس میں بقدر چاندی سونے کے زکوٰۃ فرض ہے(۱) یعنی اگر اس میں جواہرات ہوں تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے(۲) صرف چاندی سونے کی مالیت پر زکوٰۃ ہے کیمیائے سعادت میں زکوٰۃ کا مسئلہ امام شافعی کے مذہب کے موافق لکھا ہے کیونکہ مصنف اس کے شافعی ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سود کی رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں

(سوال) سیونگ بینک سے جو سود وصول کیا جائے اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۲۶۵ ماسٹر یونس خاں لاہور ۸ محرم ۱۳۵۳ھ م ۲۳ اپریل ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۸۹) سود کی خالص رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ وہ ساری رقم واجب التصدق ہے(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نوٹ پر زکوٰۃ

(سوال) اگر کسی شخص کے پاس نقد روپیہ نہ ہو بلکہ دو چار سو روپے کے نوٹ ہوں اور سال بھر گزر چکا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟ نیز نوٹ کی زکوٰۃ میں نوٹ دے دینا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا **المستفتی** نمبر ۴۱۵ محمد سلیمان میواتی '۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ م ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۹۰) جس کے پاس نقد روپے کی جگہ کرنسی نوٹ ہیں اس پر زکوٰۃ فرض ہے زکوٰۃ میں نوٹ دینا جائز ہے مگر جس کو نوٹ دیا ہے جب وہ اس کو کام میں لے آئے اس وقت زکوٰۃ ادا ہو گی اگر نقد روپیہ زکوٰۃ میں دیا جائے تو دیتے ہوئے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) واللازم فی مضروب کل منھما' و معمولہ' و لو تبرا' او حلیا مطلقا لانھما خلقا اثمانا فیزکیھما کیف کانا الخ (الدر المختار' کتاب الزکاۃ' باب زکوۃ المال ۲/۲۹۸ طبع سعید)

(۲) لازکاۃ فی اللآلی' والجواھر' وان ساوت الفا اتفاقا' الا ان تکون للتجارۃ' والا صل ان ما عدا الحجرین' والسوائم انما یزکی بنیۃ التجارۃ الخ (الدر المختار' کتاب الزکاۃ ۲/۲۷۳ سعید)

(۳) فان علم عین الحرام' لا یحل لہ' و یتصدق بہ بنیۃ صاحبہ الخ (رد المحتار' کتاب البیوع' باب البیع الفاسد' مطلب فیمن ورث مالا حراما ۵/۹۹ سعید)

(۴) یہ حکم اس وقت تھا کہ جب کرنسی کے پیچھے سونا ہوتا تھا لیکن اب اس کرنسی نوٹ کے پیچھے سونا نہیں ہوتا بلکہ اب یہ خود ثمن بن گیا ہے لہذا اگر کسی نوٹ ہی سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی' چاہے لینے والا اس کو کام میں لائے یا نہیں

تنخواہ جو بچتی نہ ہو اور مکان پر زکوۃ نہیں

(سوال) زید ایک معمولی حیثیت کا آدمی ہے اور بہت عرصے سے ملازمت کرتا ہے جتنی اس کی تنخواہ ہے وہی اس کا خرچ ہے اتنے عرصے میں وہ تنخواہ میں سے کچھ بھی اپنے یا اپنے بچوں کے لئے پس انداز نہیں کر سکا اس کی گھر والی کے پاس آٹھ نو سو روپے کا زیور ہے جس کی وہ برابر زکوۃ دیتا رہتا ہے مگر زیور پہننے سے ٹوٹ گیا ہے اور چار پانچ سال سے رکھا ہوا ہے اور وہ پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے بنوا نہیں سکا اب اس نے وہ زیور فروخت کر کے اور چار پانچ سو روپے بلا سود قرض لیکر ایک مکان خرید لیا جس کے دس روپے ماہوار آمدنی ہے اس صورت میں اس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۵۱۱ مہر الٰہی صدر بازار دہلی ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۶ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۹۱) اس مکان پر زکوۃ واجب نہیں(۱) اور اس کی کرایہ کی آمدنی پر بھی جب کہ وہ خرچ ہوتی رہتی ہے، جمع نہ ہوتی ہو زکوۃ واجب نہیں ہے(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

شیئرز پر زکوۃ

(سوال) بعض لوگ کسی کمپنی کے شیئرز خرید لیتے ہیں اور وہ کمپنی تاجر ہوتی ہے پھر ان کو سالانہ آمدنی سے بطور حصہ رسدی منافع دیتی ہے مثلاً دو ہزار روپے کے شیئرز خرید کئے اور سالانہ نفع اس کا ہم کو تیس روپے ملا جو بقدر زکوۃ شرعی بھی نہیں ہے کیونکہ دو ہزار کی زکوۃ پچاس روپے ہوتی ہے دریافت طلب یہ ہے کہ زکوۃ ان شیئرز کے نفع پر ہے یا اصل رقم پر جو ہم نے کمپنی کو جمع کرائی ہے۔ المستفتی نمبر ۶۵۰ ابو محمد عبدالجبار (رنگون) ۲۳ رجب ۱۳۵۴ھ ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۹۲) کمپنی تجارت کرتی ہے تو زکوۃ جمع شدہ رقم پر ہوگی اور اگر کرایہ وصول کرنے کی کمپنی ہے تو جمع شدہ مال پر زکوۃ نہیں بلکہ حاصل شدہ نفع پر ہوگی(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

زکوۃ کی جمع شدہ رقم پر زکوۃ نہیں

(سوال)ایک آدمی کے پاس زکوۃ کا روپیہ جمع ہے کیا اس میں بھی زکوۃ فرض ہے ؟ المستفتی نمبر ۶۵۸ مجیدی دواخانہ بمبئی ۲۷ رجب ۱۳۵۴ھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۵ء

---

(۱) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۵۶ حاشیہ نمبر ۲ کرایہ کا مکان مال نامی نہیں اور زکوۃ کے لئے نامی ہونا شرط ہے و منها كون النصاب ناميا الخ (هنديه' كتاب الزكاة ۱ / ۱۷٤ ط كوئٹه)

(۲) و منها فراغ المال عن حاجته الاصلية' الخ (هنديه' كتاب الزكوة ۱ / ۱۷۲ مكتبه رشيديه' كوئٹه)

(۳) یعنی کمپنی جمع شدہ رقم سے چیزیں خرید کر پھر چیزوں ہی کو فروخت کرتی ہو لہذا جمع شدہ مال' مال تجارت ہوگا اور اس پر زکوۃ ہوگی اور اگر کمپنی جمع شدہ رقم سے چیزیں خرید کر پھر ان کو فروخت نہیں کرتی بلکہ لوگوں کو کرایہ پر دیتی ہے تو یہ خرید کردہ چیزیں مال تجارت نہ ہوئیں تو زکوۃ بھی صرف منافع پر ہوگی

(جواب ۲۹۳) زکوۃ کی جمع شدہ رقم پر زکوۃ واجب نہیں (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اولاد کی شادی کے اخراجات مانع زکوۃ نہیں

(سوال) ایک آدمی کے پاس نصاب شرعی روپیہ موجود ہے مگر اس کی اولاد کا نکاح نہیں ہوا ہے اور ظاہری اسباب معاش اولاد کے واسطے بھی نہیں ہیں ضروریات مذکورہ باقی حوائج اصلیہ میں داخل ہیں یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۶۸۳ مولوی اعظم الدین زنجبار (افریقہ) ۱۲ رمضان ۱۳۵۴ھ ۹ دسمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۹۴) اولاد نابالغ یا بالغ معذورین کا نفقہ تو باپ کے ذمہ ہے (۲) اس لئے محض نفقہ حوائج اصلیہ میں داخل ہے لیکن ان کی شادیوں کے رسمی اخراجات کا تصور حوائج اصلیہ میں داخل نہیں ہے اور نہ وہ مانع وجوب زکوۃ ہے محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

واجب الزکوۃ چیز پر ہر سال زکوۃ واجب ہے

(سوال) ایک رقم یا شئی واجب الزکوۃ پر زکوۃ صرف ایک مرتبہ دینی چاہئے یا جب تک وہ شے یا رقم مالک کے پاس رہے ہر سال برابر اس کی زکوۃ دینا ضروری ہے مثلاً زید کے پاس یکم جنوری ۱۹۳۰ء کو سو روپے کی رقم یا سو روپے کا زیور فراہم ہوا ۳۱ دسمبر ۱۹۳۰ء کو ایک سال ختم ہونے پر اس نے اس روپے یا زیور کی زکوۃ ادا کردی اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر یہ روپیہ یا زیور دس سال تک بدستور زید کے پاس رہے اور اس میں اضافہ مطلق نہ ہو تو ان تمام سالوں میں اس پر زکوۃ ادا کرنی چاہئے یا صرف ایک ہی مرتبہ ؟ اگر دسوں سال دی جائے گی تو اس تمام مدت میں رقم قابل زکوۃ سو روپے ہی رہے گی یا جس قدر رقم زکوۃ کی ادا ہو چکی ہے وہ اس میں سے مجرا کرکے بقیہ رقم قابل زکوۃ متصور ہوگی دسوں سال دینے کی صورت میں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ ہر سال رقم گھٹتی رہے گی اور مالک کے لئے نقصان کا باعث ہوگی در آنحالیکہ زکوۃ ایسی چیز نہیں جو کہ رقم اور مالک کے لئے نقصان کا باعث ہو۔ المستفتی نمبر ۶۹۲ مسعود حسن صدیقی (علی گڑھ) ۲۳ رمضان ۱۳۵۴ھ ۲۴ دسمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۹۵) ہر سال زکوۃ ادا کرنی ہوگی (۳) اور اگر ہر سال تمام پر پوری رقم موجود ہوگی تو

---

(۱) کیونکہ یہ تنخواہ کا حق ہے اور وہ اب تک مالک نہیں ہے اور ان پر زکوۃ نہیں فی الدر' و سببه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی' و فی الشامیة' فلا زکوة فی سوائم الوقف' والخیل المسبلة' لعدم الملك (رد المحتار' کتاب الزکاة ۲ ۲۵۹ سعید)

(۲) و نفقة اولاد الصغار علی الاب (هدایه' باب النفقة ۲ / ٤٤٤' شرکت علمیه' ملتان)

(۳) وشرطه ای شرط افتراض ادائها حولان الحول' وهو فی ملکه' و ثمنیة المال کالدراهم والدنانیر لتعینهما للتجارة باصل الخلقة' فتلزم الزکاة کیفما امسکهما الخ (الدر المختار' کتاب الزکاة ۲ / ۲٦۷' سعید)

موجودہ رقم (یعنی پورے سو روپے) کی زکوۃ دینی ہوگی البتہ اگر ایک مرتبہ سو روپے کی زکوۃ (مثلاً ۸ ر) ادا کرنے کے بعد سو روپے نہ رہیں اور دوسرے سال کے ختم پر ۸ ر رہ جائیں تو ۸ ر کی زکوۃ واجب ہوگی لیکن اگر سو روپے پر ہی پھر سال گزرا تو سو روپے کی زکوۃ واجب ہوگی اور روپیہ حقیقۃً رکھنے کے لئے نہیں ہے بلکہ کام کے بڑھانے کے لئے ہے اس کو بیکار محفوظ رکھنا اصل کے خلاف ہے اس لئے اس کے رہنے اور رکھنے میں زکوۃ ساقط نہیں ہو سکتی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

(نوٹ ازمبوب) زکوۃ کا حساب کرنے کے لئے قمری سال کا اعتبار ہوگا(۲)

(۱) بیمہ کمپنی میں جمع کرائی ہوئی رقم پر زکوۃ نہیں
(۲) پراویڈنٹ فنڈ پر جب تک وصول نہ کرے زکوۃ نہیں
(۳) شیئرز پر زکوۃ
(۴) ڈاکخانہ کے کیش سر ٹیفکیٹ پر زکوۃ
(۵) نابالغ کے مال پر زکوۃ نہیں، ولی اس کی طرف سے ادا نہیں کر سکتا
(۶) حساب زکوۃ کے لئے مہر کی رقم کا اعتبار

(سوال) (۱) زید نے اپنی زندگی کا بیمہ تین ہزار روپے میں کسی کمپنی میں کرایا اور ہر سال ایک سو بتیس روپے (۱۳۲) بیمہ کمپنی کو بھیجتا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا زید کو اس قسم کے روپے پر زکوۃ ادا کرنا چاہئیے یا نہیں اور اگر وہ ادا کرنا چاہے تو آیا تین ہزار روپے پر ادا کرنا چاہئیے یا اس روپے پر جو سال میں بھیجا گیا ہے یا اس رقم پر جو ابتدائے بیمہ سے ابھی تک کمپنی کو دی جا چکی ہے (بیمہ کے معمولی قواعد و ضوابط سے آپ غالباً واقف ہوں گے کہ تا انقطاع میعاد مقررہ یا ناگہانی وفات جمع شدہ روپیہ کمپنی سے واپس نہیں لیا جا سکتا)

(۲) زید اپنی تنخواہ سے کچھ روپیہ ماہوار پراویڈنٹ فنڈ نکالتا ہے اور وہ روپیہ خزانہ سرکاری میں جمع ہوتا رہتا ہے اور یہ رقم منہا کر کے تنخواہ ملتی ہے لہذا زید پر اس قسم کے جمع شدہ روپے پر زکوۃ فرض ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے کسی تجارت کے کمپنی میں تین ہزار روپے کے حصے خریدے ہیں لیکن ابھی تک اس کو نہ کوئی نفع ملا ہے اور نہ حساب سے واقف کیا گیا ہے لہذا ایسی صورت میں زید کو اس روپے پر جو اس نے خریداری حصہ کے لئے کمپنی کو دیئے ہیں زکوۃ دینی چاہئیے یا نہیں؟

(۱) فی الدر المختار' نام ولو تقدیرا بالقدرة علی الاستنماء ولو بنائبه وفی الشامیة' قوله' نام ولو تقدیرا' النماء فی اللغة ' وفی الشرع' هو نوعان' حقیقی' و تقدیری' فالحقیقی هو الزیادة بالتوالد' والتناسل' والتجارات' والتقدیری تمکنه من الزیادة بکون المال فی یده' او ید نائبه' (ردالمحتار کتاب الزکاة ۲/۲۶۳ طبع سعید)

(۲) و منها حولان الحول علی المال' العبرة فی الزکاة للحول القمری' کذافی القنیه(هندیه' کتاب الزکاة' الباب الاول' ۱/۱۷۵ مکتبه رشیدیه' کوئٹه)

(۴) زید نے ڈاکخانے سے کیش سر ٹیفکیٹ خریدا ہے لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا زید کو اس روپے پر زکوٰۃ دینا چاہئیے جتنے میں اس نے کیش سر ٹیفکیٹ خریدا ہے یا اس پر جو اس وقت اس کی قیمت حساب سے ہوتی ہے؟

(۵) زید ایک نابالغ بچہ کا ولی ہے اور نابالغ صاحب جائیداد ہے ولی کو نابالغ کے مال میں سے نابالغ کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنی چاہئیے یا نہیں؟

(۶) حساب زکوٰۃ کے لئے مہر کی رقم بطور قرضہ کے سمجھی جائے گی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۷۲۹ عزیز الرحمٰن عباسی (ضلع جونپور) ۹ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۳ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۹۶) (۱) بیمہ کی رقم پر (تین ہزار مثلاً) یا ادا کردہ رقم پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ اس کی وصولیابی اس شخص کے لئے متیقن نہیں (۱)

(۲) پراویڈنٹ فنڈ میں جمع شدہ رقم پر بھی زکوٰۃ نہیں بعد وصولی کے حوالان حول پر زکوٰۃ ہو گی (۲)

(۳) ہاں اس روپے کی زکوٰۃ ادا کرنی ہو گی (۳)

(۴) اس پر بھی زکوٰۃ دینی ہو گی اور اتنی رقم کی جتنے کو خریدا ہے (۴)

(۵) نابالغ پر زکوٰۃ واجب نہیں نہ اس کا ولی اس کی جائیداد اور مال میں سے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے (۵)

(۶) ہاں اگر عورت وصول کرنے کا ارادہ رکھتی ہو اور خاوند ادا کرنے پر تیار اور قادر ہو (۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

بیوی کے زیور کا مالک کون اور زکوٰۃ کس پر؟

(سوال) (۱) مستورات کے پاس زیورات بمقدار نصاب ہیں جن میں سے کچھ خاوند کی طرف سے چڑھائے ہوئے ہیں اور کچھ اپنے میکے سے لائی ہیں کسی کا زیور الگ الگ خاوند والا اور میکہ والا نصاب کے برابر ہوتا ہے اور کسی کا دونوں مل کر نصاب کے برابر اور ہندوستان میں یہ زیورات خاوند کی ملکیت شمار کی جاتی ہے اس لئے کہ جب کبھی موقع پڑتا ہے گہنے رکھ کر کام چلا لیتا ہے اور چڑھاتے وقت بھی کچھ مشرح نہیں سمجھا جاتا کہ بیوی کی ملکیت بنا دیا ہے یا نہیں محض یہ چرچا ہوتا ہے کہ یہ لڑکی کی سسرال سے آیا ہے یا خاوند کے کنبے والے کہتے ہیں کہ بہو پر اسقدر زیور چڑھایا ہے حضور کو پوری واقفیت ہو گی کہ سب قسم

---

(۱) یعنی بیمہ دار کے لئے وصولی یقینی نہیں ورنہ ورثاء کو بیمہ دار کے وقت مقررہ سے پہلے مر جانے پر ساری رقم مع سود کے واپس مل جاتی ہے فقط

(۲) کیونکہ ابھی تک یہ مال اس کی ملکیت میں نہیں آیا ہے

(۳) اگرچہ نفع کی تفصیل معلوم نہ ہو

(۴) یعنی وقت اداء زکوٰۃ کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا

(۵) قوله عقل و بلوغ الخ فلا تجب على مجنون و صبي لا نها عبادة محضة و ليسا مخاطبين بها الخ (رد المحتار كتاب الزكاة مطلب في احكام المعتوه ۲/۲۵۸ سعيد)

(۶) لہذا شوہر زکوٰۃ ادا کرتے وقت بقدر مہر مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا۔

کے گھروں کے کاروبار کا علم ہے کیا ملکیت خاوند کی رہتی ہے یا عورت کی ہو جاتی ہے اور زکوٰۃ خاوند اپنی کمائی سے دے یا بیوی اپنے کسی اندوختہ میں سے یا ہر دو الگ الگ ؟ جب کہ زیور نہ تڑائے جائیں ؟
المستفتی نمبر ۷۴۶ نور محمد ہیڈ ماسٹر (ضلع کرنال) ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۹۷) جو زیور عورت کے ماں باپ کے یہاں سے آیا ہے وہ تو عورت کی ملک ہے اور جو مرد کے یہاں سے زیور چڑھایا جاتا ہے وہ بھی ہمارے اطراف میں عورت کی ملک ہوتا ہے ہاں اگر دیتے وقت تصریح کر دی جائے کہ زیور عاریت ہیں یا عرف اتنا واضح ہو کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہ ہو تو اس صورت میں عورت پر صرف اپنے میکے کے زیور کی زکوٰۃ لازم ہو گی اور جو زیور کہ خاوند کی ملک ہے اس کی زکوٰۃ خاوند کو ادا کرنی پڑے گی خاوند کی کمائی سے بھی ادا ہو سکتی ہے بشرطیکہ عورت پر جس قدر زکوٰۃ واجب ہے خاوند اتنی رقم عورت کو دیکر مالک کر دے اور عورت زکوٰۃ ادا کر دے ۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ماہانہ بچت پر سال ختم ہونے کے بعد حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے

(سوال) کسی شخص کو ہفتہ وار یا ماہوار ساٹھ روپے کی بچت ہو اور کسی ماہ یا ہفتہ کم و بیش ہو تو سال کے بعد وہ کیسے زکوٰۃ دے ؟ حساب باقاعدہ اس کے پاس نہیں ہے ؟ المستفتی نمبر ۸۶۲ علی محمد صاحب (ڈنڈی اسکاٹ لینڈ) ۲۲ محرم ۱۳۵۵ھ ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۹۸) ختم سال پر جس قدر مالیت موجود ہو جس میں اصل اور نفع سب شامل ہو گا اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہو گی مثلاً ابتدائے سال میں دو ہزار روپے تھے اور سال ختم ہونے پر دو ہزار پانچ سو کی مالیت تھی تو دو ہزار پانچ سو کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے خواہ نفع کا ماہواری حساب اور مقدار معلوم ہو یا نہ ہو(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

امانت پر زکوٰۃ

(سوال) زید کے پاس یتیم' نابالغ کی امانت بصورت روپیہ اور سونے کے ہے زید نے امانت مجنسہ اپنے پاس رکھی ہے اسے اپنے کاروبار میں کبھی نہیں لگایا کیا امانت کے مال پر زید کا فرض ہے کہ زکوٰۃ ادا کرے ؟
المستفتی نمبر ۱۲۵۲ شیخ محمد صدیق صاحب دہلی ۲۷ رمضان ۱۳۵۵ھ م ۱۲ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۹۹) نابالغ کے مال پر زکوٰۃ فرض نہیں زید امین ہے مالک نہیں ہے مالک نابالغ غیر مکلف ہے اس لئے نہ امین پر اور نہ مالک پر کسی پر بھی زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) یعنی اس بارے میں عرف اور رواج کا اعتبار ہوگا اور یہ دونوں علاقے کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں جس جہاں پر عورت کی ملک سمجھا جاتا ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں (۲) ومن كان له نصاب فاستفاد في اثناء الحول مالا من جنسه ضمه الى ماله' و زكاه سواء كان المستفاد من نمائه' اولا' و باى وجه استفاد' ضمه الخ (هنديه' كتاب الزكاة ۱/۱۷۵ رشيديه)
(۳) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۶۰ حاشیہ نمبر ۵

زکوۃ سال گزرنے کے بعد واجب ہوتی ہے

(سوال) زید کے پاس چاندی سونے کی کوئی چیز نہیں اور گزشتہ سال زید مقروض تھا اس سال آٹھ ماہ کے اندر زید کے پاس یکصد سے کم روپے ہیں ابھی مال مذکور پر ایک سال نہیں گزرا ایسی صورت میں تو زید پر زکوۃ واجب نہیں۔ المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ۳۰۰) ہاں ابھی واجب نہیں سال پورا ہوا اور رقم موجود رہے تو زکوۃ واجب الادا ہوگی(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کسی کے قرض لینے سے زکوۃ ساقط نہیں ہوتی

(سوال) ہندہ بیوہ ہے اور اس کے پاس آٹھ تولے سونا ہے ہندہ کے بھائی وغیرہ ہندہ سے لے کر رہن رکھ دیتے ہیں پھر لاکر دے دیتے ہیں پھر رکھ آتے ہیں مسلسل کئی سال تک یہی کیفیت رہتی ہے اب البتہ تین سال سے ہندہ کے پاس مذکورہ بالا سونے کی چیزیں موجود ہیں ایسی صورت میں ہندہ پر زکوۃ کب سے واجب ہے؟ المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ۳۰۱) جب سے ہندہ ان زیورات کی مالک ہے اس پر زکوۃ واجب ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شوہر مقروض ہو تو بیوی سے زکوۃ ساقط نہیں ہوتی

(سوال) میں مبلغ پانچ سو روپے کا قرضدار ہوں اور میری بیوی کے پاس مبلغ ۵۰۰ صد روپے کا زیور ہے یہ صرف اس کی ملکیت ہے اس کے تمام اخراجات کا میں کفیل ہوں نیز یہ کہ میرے پاس کوئی رقم جمع شدہ نہیں ہے اس زیور کی زکوۃ ادا کرنی چاہئیے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۶۱۸ محمد ابو راشد صاحب انصاری پانی پت ضلع کرنال ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۲۱ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۰۲) زیور کی مالک بیوی ہے وہ قرضدار نہیں زیور کی زکوۃ ادا کرنی اس پر لازم ہے(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

رہائشی مکان اور گھریلو استعمال کی چیزیں نصاب زکوۃ میں شمار نہیں

(سوال) ایک آدمی مبلغ دو ہزار تین سو روپے کے قریب مقروض ہے اس کے پاس ایک مکان رہائشی

---

(۱) دیکھیں صفحہ نمبر ۲۳۳ حاشیہ نمبر ۲

(۲) ولو كان الدين على مقر ... فو صل الى ملكه لزم زكاة مامضى (تنوير الابصار' كتاب الزكاة ۲/ ۲۶۶' ۲۶۷ سعيد)

(۳) کیونکہ شوہر کا قرض اتارنا بیوی کے ذمہ نہیں فقط

قیمت دو ہزار روپے کا ہے اور رہائشی اسٹیٹ کے اندر تین قطعے ہیں جس کی قیمت تین سو سے زائد ہو گی اور مویشی گائے' بیل' بھینسا قریب چالیس راس کے ہیں جن کی مجموعی قیمت یہاں دواڑھائی صد روپے سے زائد نہیں ہے اور قریب دس بارہ راس بکری ہیں علاوہ اس کے گھر کا مصرفی سامان ہے جو مکان دو ہزار روپے کا ہے وہ کرایہ پر دوسرے کو دیا گیا ہے مگر جب ضرورت ہوتی ہے تو خود بھی اس میں رہائش کرنی پڑتی ہے کیونکہ اگر اس میں نہ رہیں تو پھر دوسرا مکان کرایہ پر لینا پڑتا ہے اور باقی تین مکان اپنی رہائش کے لئے ہیں تو ایسی حالت میں شریعت کا کیا حکم ہے کہ وہ شخص صاحب نصاب ہو گا کہ نہیں اور کن کن چیزوں میں اس کو کتنی زکوۃ ادا کرنی چاہئے؟ **المستفتی نمبر ۱۹۹۵** محمد حسین صاحب (جے پور اسٹیٹ) ۲ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۰۳) مکانات اور گائے بیل' بھینسا' بکریاں اور گھر کے اندر استعمال کرنے کا سامان نصاب زکوۃ میں محسوب نہیں ہوتا (۱) جانور اگر سائمہ ہوں یعنی ان کو کھلانا نہ پڑے جنگل میں چر کر زندگی بسر کریں تو ان کی خاص تعداد پر زکوۃ آتی ہے مثلاً تمیں گائے بھینس (۲) اور چالیس بھیڑ بکری (۳) اور اگر ان کو گھر سے کھلانا پڑے تو ان پر زکوۃ واجب نہیں (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) رہائش سے زائد مکان پر بھی زکوۃ نہیں
(۲) ادھار فروخت کئے ہوئے مال پر زکوۃ
(۳) زکوۃ مکان کی قیمت پر نہیں آمدنی پر ہے
(۴) گھر کی ضرورت سے زائد غلہ پر زکوۃ نہیں
(۵) تجارت میں زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ
(۶) تجارتی سامان رکھے ہوئے مکان پر زکوۃ نہیں

(سوال) (۱) اگر کوئی مکان علاوہ رہائشی مکان کے رہن رکھا گیا ہو تو کیا اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

(۱) قولہ وفارغ عن حاجتہ الاصلیہ و ہی ما یدفع الہلاک عن الانسان تحقیقا کالنفقۃ' ودور السکنی' وآلات الحرب' والثیاب المحتاج الیہا لدفع الحر والبرد' او تقدیرا کالدین' فان المدیون محتاج الی قضائہ وکالآلات الحرفۃ' واثاث المنزل' و دواب الرکوب' و کتب العلم لا ہلہا الخ (رد المحتار' کتاب الزکاۃ ۲/۲۶۲ سعید)
(۲) نصاب البقر والجاموس ثلاثون سائمۃ الخ (تنویر الابصار علی الدر المختار' کتاب الزکاۃ' باب زکاۃ البقر ۲/۲۸۰ سعید)
(۳) نصاب الغنم ضانا او معزا اربعون' و فیہا شاۃ الخ (تنویر الابصار' کتاب الزکاۃ' باب زکوۃ الغنم ۲/۲۸۱ سعید)
(٤) حتی لو علفہا نصف الحول' لا تکون سائمۃ ولا تجب فیہا الزکاۃ (ہندیہ' کتاب الزکاۃ' باب فی صدقۃ السوائم ۱/۱۷٦ کوئٹہ)

(۲) تاجر لوگ ادھار مال فروخت کرتے رہتے ہیں اور یہ حد نصاب کی زائد رقم کئی کئی سال تک وصول نہیں ہوتی لیکن وصولی کی امید ہوتی ہے اب وصول شدہ رقم پر زکوۃ واجب ہے یا کل اصل رقم پر ؟

(۳) اگر کوئی مکان بالفرض پانچ ہزار میں خرید کیا جائے اور اس کا کرایہ چالیس روپے سال آتا ہو یا زائد تو زکوۃ مکان کی آمدنی پر واجب ہے یا اصل خرید پانچ ہزار پر ؟

(۴) گھر میں علاوہ ضروریات کے غلہ پڑا رہتا ہے نیت فروخت کی نہیں ہوتی لیکن زائد بچنے پر فروخت کر دیا جاتا ہے کیا اس پر بھی زکوۃ ہے ؟

(۵) مال تجارت میں اکثر الٹ پلٹی رہتی ہے سال میں ہزار روپیہ وصول ہوتا ہے تو ڈیڑھ ہزار کا مال ادھار میں چلا جاتا ہے اس صورت میں زکوۃ کس طرح دی جائے ؟

(۶) علاوہ رہائشی مکان کے اگر دو تین مکان خرید کئے جائیں اور ان میں کچھ تجارتی سامان ڈال دیا جائے تو ان مکانوں پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۲۰۹۳ حافظ محمد رفیق صاحب (بمبئی) ۳ شوال ۱۳۵۶ھ ۷ دسمبر ۱۹۳۷ء

(**جواب ۳۰۴**) (۱) مکان پر یا اس کی قیمت پر تو کسی حال میں زکوۃ نہیں خواہ رہائشی ہو یا نہ ہو (۱) ہاں اگر مکانات کی تجارت کی جاتی ہو تو بحیثیت مال تجارت ہونے کے ان کی قیمت پر زکوۃ ہوگی۔

(۲) وصول شدہ پر زکوۃ اب واجب ہے اور غیر وصول شدہ پر بعد وصولی کے (۲)

(۳) نمبر ا دیکھو

(۴) نہیں ایسے غلہ پر جس کو فروخت کرنے کی نیت نہیں ہوتی زکوۃ واجب نہیں (۳)

(۵) سال تمام پر جو مال اور نقد موجود ہے اس میں سے قرض منہا کر کے باقی کی زکوۃ ادا کی جائے (۴)

(۶) اگر خود مکانوں کو بہ نیت تجارت خرید اگیا ہو تو ان کی قیمت پر زکوۃ ہوگی ورنہ نہیں (۵) محمد کفایت اللہ

---

(۱) یہ تو یہاں فیہ نفی ہے البتہ جب مال تجارت بن جائے تو پھر مال نامی ہوگا اور چالیسواں حصہ زکوۃ دینا ہوگا ولا ... و دور السکنی و نحوها اذا لم تنو للتجارۃ (الدر المختار' کتاب الزکاۃ ۲ / ۲۶۴، ۲۶۵' ط سعید)

(۲) ولو کان الدین علی مقر ملئ' او علی معسر' او مفلس ای محکوم با فلاسہ ... فوصل الی ملکہ' لزم زکاۃ مامضی الخ (الدر المختار' کتاب الزکاۃ ۲ / ۲۶۶، ۲۶۷ طبع سعید)

(۳) تجارت کی نیت کرے تب بھی زکاۃ نہیں' ہاں جب اس کو بیچ دے گا تو اس وقت اس کی قیمت پر زکاۃ واجب ہوگی ومن اشتری جاریۃ' ونواها للخدمۃ' بطلت عنها الزکاۃ ... وان نواها للتجارۃ بعد ذلک'لم تکن للتجارۃ حتی یبیعها' فیکون فی ثمنها زکوۃ (هدایۃ' کتاب الزکاۃ ۱ / ۱۸۷ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان)

(۴) من کان علیہ دین یحیط بما لہ ... وان کان مالہ اکثر من دینہ' زکی الفاضل اذا بلغ نصابا (هدایۃ' کتاب الزکوۃ ۱ / ۱۸۶ شرکت علمیہ ملتان)

(۵) او نیۃ التجارۃ فی العروض اما صریحا' ولا بد من مقارنتها لعقد التجارۃ (الدر المختار' کتاب الزکاۃ ۲ / ۲۶۷ سعید)

امدادی فنڈ پر زکوٰۃ!

(سوال) متعلقہ زکوٰۃ امدادی فنڈ

(جواب ۳۰۵) محلے کا وہ روپیہ جو جماعت کا مشترک روپیہ ہو اور لوگوں کے کام آنے کے لئے جمع ہو یا مسجد کا روپیہ ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور جو روپیہ کسی کی ملکیت ہو اس میں زکوٰۃ واجب ہے(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سونے چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۸ انومبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) (۱) کیا سونے چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ دینی آتی ہے (۲) معلوم ہوا ہے کہ امام شافعیؒ کے مذہب میں زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے کیا ایک شخص حنفی کہلاتا ہوا حضرت امام شافعیؒ کے اجتہاد سے استفادہ کر سکتا ہے ؟

(جواب ۳۰۶) سونے چاندی کے زیورات میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ترمذی شریف میں حدیث موجود ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک عورت سے دریافت فرمایا کہ ان کنگنوں کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو یا نہیں ؟ (جو وہ پہنے ہوئے تھی) اس نے کہا نہیں ! تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو یہ چاہتی ہے کہ خدا ان کے بدلے آگ کے کنگن تجھے پہنائے ؟(۲) حنفی کو امام شافعیؒ کے مذہب کے موافق اس بارے میں عمل کرنا جائز نہیں(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جہیز کی زکوٰۃ اور قربانی بیوی پر ہے

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۸ انومبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) دستور دنیاوی کے مطابق بیوی کو جہیز میں زیورات ملتے ہیں وہ خود کوئی روپیہ نہیں کما سکتی اس حالت میں زیور کی زکوٰۃ کس پر عائد ہوتی ہے 'بیوی پر یا خاوند پر 'اگر ایسے زیور کی زکوٰۃ خاوند نہ دے تو کیا وہ گناہ گار ہوگا ؟ اگر خاوند جہیز کے مال اور اپنے کمائے ہوئے روپے سب کی زکوٰۃ خود ادا کرے تو عید الاضحیٰ کی قربانی اسے دو شخصوں کی طرف سے علیحدہ علیحدہ کرنی چاہئے یا ایک شخص یعنی اپنی طرف سے کرنی

---

(۱) و سببه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولي' و في الشامية' قوله' ملك نصاب ' فلا زكاة في سوائم الوقف' والخيل المسبلة' لعدم الملك (رد المحتار' كتاب الزكاة ۲ / ۲۵۹ سعيد)

(۲) عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده' ان امرا تين اتتا رسول الله ﷺ وفي ايديهما سواران من ذهب' فقال لهما' اتؤديان زكوته' فقالتا' لا فقال لهما' اتحبان ان يسوركم الله بسوارين من نار' قالتا' لا' قال' فاديا زكوته' (ترمذى' ابواب الزكاة' باب ماجاء في زكاة الحلى ۱ /۱۳۸ طبع سعيد)

(۳) کیونکہ دوسرے کے مذہب پر عمل بغیر ضرورت شدیدہ کے جائز نہیں' اور یہاں کوئی ضرورت نہیں قوله' عند الضرورة' ظاهره انه عند عدمها لايجوز (رد المحتار' كتاب الصلاة ۱ /۳۸۲ ط سعيد)

کافی ہوگی؟

(جواب ۳۰۷) عورت اپنے زیور اور جہیز کی مالک ہوتی ہے اور اسی کے ذمہ اس کی زکوۃ واجب ہوتی ہے(۱) اور چونکہ اس کے پاس زکوۃ ادا کرنے کے لئے روپیہ نہیں ہوتا اس لئے خاوند سے لے کر ادا کرتی ہے یا اس کے امر و اجازت سے خاوند ادا کر دیتا ہے اگر خاوند ادا نہ کرے نہ روپیہ دے تو عورت پر واجب ہوگا کہ وہ اپنا سامان بیچ کر ادا کرے کیونکہ واجب اسی کے ذمہ ہے اسی طرح جب کہ عورت مالک نصاب ہو تو اس پر علیحدہ قربانی واجب ہوگی ایک قربانی دونوں کے لئے کافی نہ ہوگی(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ

زکوۃ کن چیزوں پر ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) زکوۃ کن چیزوں پر ہے کیا جائیداد پر بھی ہے؟

(جواب ۳۰۸) چاندی سونے اور مال تجارت پر زکوۃ فرض ہے(۳) جائیداد جو تجارت کے لئے نہ ہو اس پر زکوۃ فرض نہیں ہے(۴) محمد کفایت اللہ

زکوۃ قرض دینے والے کے ذمے ہے مقروض کے ذمے نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) روپیہ کسی کو قرض حسنہ دیا گیا اور کسی قسم کا نفع مد نظر نہیں تو اس صورت میں زکوۃ مالک کے ذمہ ہے یا مدیون کے ذمہ؟

(جواب ۳۰۹) روپے کے مالک کو زکوۃ دینی ہوگی قرض لینے والے کے ذمہ زکوۃ نہیں(۵)

محمد کفایت اللہ

---

(۱) الزکاۃ واجبۃ علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملک نصابا ملکا تاما و حال علیہ الحول الخ (ھدایۃ کتاب الزکاۃ ۱ / ۱۸۵ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(۲) قال: الاضحیۃ واجبۃ علی کل حر مسلم مقیم موسر فی یوم الاضحی عن نفسہ و عن ولدہ الصغار (ھدایۃ کتاب الاضحیۃ ۴ / ۴۴۳ شرکت علمیہ ملتان)

(۳) نصاب الذہب عشرون مثقالا والفضۃ مائتا درہم ... او فی عرض تجارۃ قیمتہ نصاب (تنویر الابصار کتاب الزکاۃ باب زکاۃ المال ۲ / ۲۹۵، ۲۹۸ سعید)

(۴) ولا فی ثیاب البدن المحتاج الیہا لدفع الحر والبرد ای ملک واثاث المنزل ودور السکنی و نحوہا اذا لم تنو للتجارۃ (الدر المختار کتاب الزکاۃ ۲ / ۲۶۴، ۲۶۵ سعید)

(۵) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۶۴ حاشیہ نمبر ۳

کمپنی کے شیئرز پر زکوٰۃ
(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء)
(سوال) کسی کمپنی کے شرکاء کو کس رقم پر زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے آیا رقم ادا کردہ پر ؟ یا حصوں کے ڈیویڈینڈ پر جو کمپنی حصہ داروں کو ہر سال کے اختتام پر دیا کرتی ہے واضح ہو کہ کمپنی کے حصوں کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور کبھی کمپنی فیل بھی ہو جاتی ہے جس سے حصہ داران کے راس المال بھی ضائع ہو جاتے ہیں ؟
(جواب ۳۱۰) کمپنی کے شیئرز کی ادا کردہ رقم پر جب کہ تجارتی ہو زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نابالغ کے مال پر زکوٰۃ نہیں
(سوال) نابالغ کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں ؟ اگر اس کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے تو اس کے مال سے نکالنے کا کیا قاعدہ ہے ولی اپنے پاس سے دے یا نابالغ کے مال سے نکالے ؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور ضلع فیض آباد
(جواب ۳۱۱) نابالغ کے مال میں زکوٰۃ لازم نہیں (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دوسرا باب
نصاب زکوٰۃ

سونے اور چاندی کے نصاب کی تحقیق
(سوال) چاندی و سونے کی زکوٰۃ کا کیا نصاب ہے حضرت مولانا عبدالحئی صاحبؒ نے عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں نصاب چاندی تولے ساڑھے پانچ ماشے اور نصاب سونا پانچ تولے ڈھائی ماشے تحریر فرمایا ہے (اعلم ان الوزن المعروف فی بلادنا ماھجه و تولجه وھو الذی یقال له توله اثنا عشرماھجة وھو الذی یقال له ماشه' والماھجة یکون ثمانیة اجزاء کل جزء منھا یسمی بالفارسیة سرخ و یقال له بالھندیة رتی و نسمیه بالاحمر وھذا الجزء یکون بقدر اربع شعیرات فیکون المثقال الذی ھومائة شعیرة خمسة و عشرین جزء احمر وھو ثلث ماھجة واحمر واحد فیکون نصاب الذھب وھو عشرون مثقالا مقدار خمس تولجة واثنتین و نصف ماھجة کما یعلم من ضرب ثلث ماھجة واحمر فی عشرین ھذا فی

(۱) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۵۷ حاشیہ نمبر ۳
(۲) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۶۰ حاشیہ نمبر ۵

الذهب، واما الفضة فقد عرفت ان نصابه مائتا درهم و كل درهم اربعة عشر قيراطا يعني سبعين شعيرة فتحصل في درهم سبعة عشر و نصف احمر و هوما هجتان و واحد و نصف من ذلك الاحمر فيكون مقدار مائتي درهم ستاو ثلثين تولجة و نصف ماهجة) (۱) اور مولانا قطب الدین صاحب مرحوم نے مظاہر حق میں ساڑھے باون تولے چاندی اور ساڑھے سات تولے سونا ارقام فرمایا ہے (۲) اور آنجناب نے تعلیم الاسلام میں چون تولے دو ماشے چاندی کا نصاب اور سات تولے ساڑھے آٹھ ماشے سونے کا نصاب تحریر فرمایا ہے (۳) ان میں سے کون سا قول اصح ہے اور علامہ شامی کی یہ عبارت (ان الدرهم المتعارف اكبر من الشرعي) (۴) کس کی تائید کرتی ہے۔

المستفتی نمبر ۲۰۹۷ محمد یسین صاحب اعظم گڑھ ۹ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۱۲) مولانا عبدالحئی صاحب کی یہ تحقیق کہ چاندی کا نصاب تولے ساڑھے پانچ ماشے ہے اس نظریہ پر مبنی ہے کہ انہوں نے رتی کو احمر قرار دیکر چار جو کا فرض کر لیا ہے (۵) یہ ایک محض فرضی نظریہ ہے ورنہ آپ کسی احمر (گھونگچی) کو خود معتبر کانٹے میں رکھ کر جو سے وزن کر کے دیکھیں گے تو وہ ڈھائی جو کے برابر ہوگی پس ایک مثقال کے سو جو انہوں نے پچیس رتی یعنی تین ماشے ایک رتی قرار دے لئے حالانکہ ایک مثقال کے سو جو تقریباً چالیس رتی یعنی پانچ ماشے ہوتے ہیں یہ تقریباً کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ احمر پورے ڈھائی جو کے برابر نہیں ہے بلکہ کم ہے میں نے خود تول کر اور حساب کر کے وہ وزن لکھا ہے جو تعلیم الاسلام میں درج ہے اور مظاہر حق کے وزن میں اور میرے وزن میں لفظی فرق ہے حقیقتہً دونوں تقریباً برابر ہیں کیونکہ انہوں نے باون تولے چھ ماشے دہلی کے قدیم تولے سے بتایا ہے اور میں نے چون تولے ۲ ماشے روپیہ بھر وزن کے تولے سے جواب دہلی میں رائج بتایا ہے قدیم تولہ موجودہ انگریزی روپیہ سے بقدر ۴ ۱/۲ رتی کے زیادہ تھا مولانا عبدالحئی درہم کی مقدار ۲ ماشے ۱ ۱/۲ رتی قرار دیتے ہیں اور ہمارے حساب سے تقریباً ساڑھے تین ماشے ہوتی ہے اور درہم متعارف ۴ ۱/۲ ماشے کا ہوتا ہے تو شامی کا یہ قول ان الدرهم المتعارف اكبر من الشرعي ہمارے حساب کے بھی موافق ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

قرض اگر مال تجارت سے زائد ہو تو زکوۃ واجب نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک شخص قرضدار ہے اور اس کا کاروبار چل رہا ہے لیکن یہ نہیں کہ اس کا سرمایہ قرضہ کی

---

(۱) كتاب الزكاة، بيان نصاب الذهب، والفضة ۱/ ۲۲۹ سعيد
(۲) كتاب الزكاة، باب ما تجب فيه الزكاة ۲/ ۹۹ ادارة اشاعت دينيات، لاهور
(۳) حصہ چہارم، مال زکوۃ اور نصاب کا بیان ص ۷۸ مکتبہ الشیخ کراچی
(۴) رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ۲/ ۲۹۶ طبع سعيد
(۵) دیکھیں صفحہ موجودہ حاشیہ نمبر ۱

ادائیگی تک بے لوائیگی بشر طیکہ وصول بھی ہو جائے تو بھی ہزار تک قرضہ رہے گا لیکن زیور خانگی آٹھ نو سو روپے کا بھی ہے جو ہر طرح سے محفوظ ہے ایک مکان رہائشی بھی ہے علاوہ ازیں حسب حیثیت سامان گھر کا بھی ہے ؟

(جواب ۳۱۳) رہائشی مکان اور گھر کے اسباب خانہ داری میں زکوٰۃ نہیں ہے(۱) چاندی سونے کے زیور اور گوٹہ ٹھپہ اور مال تجارت میں زکوٰۃ ہے جبکہ وہ دین سے فارغ ہو(۲) اگر قرض اتنا ہے کہ مال تجارت اور زیور وغیرہ سب کو ادائے قرض میں محسوب کرنے کے بعد بھی قرض باقی رہتا ہے یا نصاب زکوٰۃ باقی نہیں بچتا تو ان صورتوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہاں اگر قرض کی ادائیگی کے بعد اتنا مال بچتا ہو جو نصاب زکوٰۃ کے برابر ہو اور حاجات ضروریہ پوری ہونے کے بعد اس پر سال گزر جائے تو اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی(۳) فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ'

زکوٰۃ ہر سال ادا کرنا ضروری ہے
(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۳۰ء)

(سوال) زکوٰۃ نکالا ہوا روپیہ دوسرے سال زکوٰۃ کے لئے احتساب میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ مثلاً ایک شخص نے ایک سو روپے میں ڈھائی روپے زکوٰۃ کے لئے نکال دیئے پھر دوسرے سال اسی زکوٰۃ نکالے ہوئے ساڑھے ستانوے پر اگر بچ رہیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟

(جواب ۳۱۴) زکوٰۃ سالانہ وظیفہ ہے' اس لئے جس روپے کی زکوٰۃ ایک سال ادا کر دی گئی ہے' اگر وہ روپیہ آئندہ سال تک محفوظ رہے اور بقدر نصاب ہو تو پھر اس میں سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی جب نصاب سے کم رہ جائے تو پھر زکوٰۃ نہیں دی جائے گی(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) سونا اور چاندی ملا کر چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ کی ادائیگی
(۲) چاندی بقدر نصاب اور سونا کم ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی

(سوال) (۱) ایک شخص کے پاس تھوڑا سا اسباب چاندی کا ہے اور اس کے ساتھ تھوڑا سا سونا بھی ہے اور دونوں علیحدہ علیحدہ نصاب کو نہیں پہنچتے اگر دونوں کی قیمت کا اندازہ کیا جائے تو چاندی کے نصاب کو پہنچ جاتا

---

(۱) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۵۵' حاشیہ نمبر ۲

(۲) قال اصحابنا' کل دین له مطالب من جهة العباد یمنع وجوب الزکاة الخ (هندیه' کتاب الزکاة' ۱/ ۱۷۲ مکتبه رشیدیه' کوئته)

(۳) ومن کان علیه دین یحیط بماله ... وان کان ماله اکثر من دینه' زکی الفاضل اذا بلغ نصابا (هدایة' کتاب الزکاة ۱/ ۱۸٦ شرکت علمیه' ملتان)

(٤) و شرطه ای شرط افتراض ادائها حولان الحول ... فتلزم الزکاة کیفما امسکها الخ (الدر المختار' کتاب الزکاة ۲/ ۲۷٦ ' سعید)

ہے تو اس پر زکوۃ کا ادا کرنا فرض ہے یا نہیں؟
(۲) ایک شخص کے پاس چاندی کے اسباب اتنے ہیں جو بقدر نصاب ہیں اور وہ زکوۃ دیتا بھی ہے اور اس کے ساتھ ایک تولہ یا دو تولے سونا بھی ہے اور وہ نصاب کو نہیں پہنچتا ہاں اگر اس کی قیمت کا لحاظ کیا جائے تو بے شک چاندی کے نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو ایسی صورت میں اس کو سونے کی زکوۃ کا ادا کرنا فرض ہے یا نہیں؟ **المستفتی** مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور ضلع فیض آباد

(جواب ۳۱۵) (۱) ہاں بہتر یہی ہے کہ وہ زکوۃ ادا کرے (۱)
(۲) سونے کی چاندی سے قیمت لگا کر چاندی میں شامل کر کے زکوۃ ادا کرے (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

صرف سونا نصاب سے کم ہو مگر قیمت چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو زکوۃ واجب نہیں

(سوال) ایک شخص کے پاس سونے کا زیور ایک تولہ کا ہے اس وقت اگر فروخت کیا جائے تو چاندی کے نصاب کو پہنچ جاتا ہے اس پر زکوۃ فرض ہے یا نہیں؟ **المستفتی** مولوی عبدالرؤف خاں جگن پوری

(جواب ۳۱۶) اگر اس کے پاس چاندی کا زیور بقدر زکوۃ ہو تو سونے کی قیمت بھی اس میں شامل کر کے زکوۃ ادا کرلے (۳) اور اگر دونوں جدا جدا نصاب سے کم ہیں مگر مجموعہ مل کر نصاب ہو جاتا ہے تو زکوۃ ادا کر دینا اولیٰ ہے (۴) اور اگر صرف سونا ہے چاندی نہیں ہے تو اگرچہ اس کی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر ہو زکوۃ ادا کرنا لازم نہیں ہے (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

....

(۱) ویضم الذھب الی الفضۃ و عکسہ بجامع الثمنیۃ قیمۃ وقالا اجزاء (الدرالمختار کتاب الزکاۃ باب زکوۃ المال ۲/۳۰۳ سعید)
(۲) و تضم قیمۃ العروض الی الثمنین والذھب الی الفضۃ قیمۃ کذافی الکنز حتی لوملک مائۃ درھم وخمسۃ دنانیر او خمسۃ عشر دینارا و خمسین درھما تضم اجماعا (ھندیۃ کتاب الزکاۃ ۱/ ۱۷۹ مکتبہ رشیدیۃ کوئٹہ)
(۳) ویضم الذھب الی الفضۃ للمجانسۃ من حیث الثمنیۃ (ھدایۃ کتاب الزکاۃ باب زکوۃ الاموال ۱/ ۱۹۶ شرکت علمیہ ملتان)
(٤) من کان لہ مائۃ درھم و خمسۃ مثاقیل ذھب و تبلغ قیمتھا مائۃ درھم فعلیہ الزکاۃ عندہ خلافا لھما (ھدایۃ کتاب الزکاۃ باب زکاۃ الاموال ۱/ ۱۹٦ شرکت علمیہ ملتان)
(۵) فاما اذا کان لہ ذھب مفرد فلا شئ فیہ حتی یبلغ عشرین مثقالا فاذا بلغ عشرین مثقالا ففیہ نصف مثقال الخ (بدائع الصنائع کتاب الزکاۃ ۲/ ۱۸ سعید)

تیسرا باب
مصارف زکوٰۃ

مہتمم کا مدرسے کے مال سے اہل وعیال پر خرچ کرنا

(سوال) وہ مہتمم مدرسہ جس کی تنخواہ مدرسہ سے مقرر نہیں اور نہ وہ لیتا ہے اور وہ صاحب حاجت اور قرضدار ہے اس کو اپنے اہل وعیال پر اس کھانے وغیرہ کی چیزوں کا صرف کرنا جو طلبہ کے مال صدقہ اور زکوٰۃ سے لے کر لوگوں نے دی ہیں جائز ہے یا نہیں بر تقدیر جواز اگر دہندگان اشیائے صدقہ وزکوٰۃ اس بات کو پسند نہ کریں کہ ہمارا صدقہ وزکوٰۃ کا مال دیا ہوا کوئی سوائے طلبہ کے صرف کرے تب بھی جائز ہے یا نہیں؟ نیز مدرس مدرسہ بھی اشیائے مذکورہ کو اپنی تنخواہ میں لے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۳۱۷) مہتمم وقف زکوٰۃ صدقہ دینے والوں کا وکیل ہوتا ہے اسکو دینے والوں کی شرط کے خلاف تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں(۱) جب کہ لوگوں نے کچھ اشیاء خاص طالب علموں کے لئے دی ہیں تو مہتمم کو خود یا مدرسین کو استعمال کرنا جائز نہیں نیز زکوٰۃ کا مال مہتمم یا مدرسین کی تنخواہ میں صرف کرنا جائز نہیں(۲)

سید کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی

(سوال) سید کو زکوٰۃ دینے کی صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ اور دینے والا گناہ گار تو نہ ہوگا؟

(جواب ۳۱۸) دینے والا گناہ گار تو نہ ہوگا مگر اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی دوبارہ ادا کرنی ہوگی(۳)

محمد کفایت اللہ غفرلہ'

(۱) غیر مستحق کو مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دینا
(۲) بعض علماء کے قول پر عمل کر کے سید کو زکوٰۃ دینا

(سوال) بہشتی زیور میں یہ مسئلہ ہے کہ ایک شخص کو مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دیدی پھر معلوم ہوا کہ وہ

---

(۱) فی الدر المختار: و للوکیل ان یدفع لولده الفقیر و زوجته' لا لنفسه' و فی الشامیة' وهذا الوکیل انما یستفید التصرف من المؤکل' وقد امره بالدفع الی فلان' فلا یملك الدفع الی غیره (رد المحتار' کتاب الزکاة ۲/۲۶۹ سعید)

(۲) ولو نوی الزکاة بمایدفع المعلم الی الخلیفة' ولم یستاجره ان کان الخلیفة بحال لولم یدفعه یعلم الصبیان ایضا اجزاه والا فلا (هندیة' کتاب الزکاة' باب المصارف ۱/۱۹۰ کوئٹه) (۳) ولا تدفع الی بنی هاشم (هدایة' کتاب الزکاة' باب من یجوز دفع الصدقات الیه ومن لا یجوز ۱/۲۰۶ شرکت علمیه' ملتان)

مالدار ہے یا سید ہے یا اندھیری رات میں کسی کو دیدی پھر معلوم ہوا کہ وہ تو میری ماں تھی یا میری لڑکی تھی یا اور کوئی ایسا رشتہ دار ہے جس کو زکوۃ دینا درست نہیں تو ان سب صورتوں میں زکوۃ ادا ہو گئی دوبارہ ادا کرنا واجب نہیں لیکن اگر لینے والے کو معلوم ہو جائے کہ یہ زکوۃ کا پیسہ ہے اور میں زکوۃ لینے کا مستحق نہیں ہوں تو وہ واپس کر دے اور اگر دینے کے بعد معلوم ہو کہ میں نے کافر کو زکوۃ دی ہے تو دوبارہ ادا کر دے(۱) حوالہ درمختار ص ۱۰۸ ج ۲ ہدایہ ص ۱۸۹ ج ۱

(۲) اگر کئی شخصوں نے چند علمائے حنفیہ سے دریافت کیا کہ سید کو زکوۃ دینی جائز ہے یا نہیں انہوں نے جواب دیا کہ جائز ہے اور ایسے علماء جیسے حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ دیوبندی مولوی عبدالغفور صاحب مدنی شاگرد حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی و مولوی محمد معصوم صاحب پیش امام مسجد سبیل والی و مولانا مولوی شفیع الدین صاحب مہاجر مکی اور دیگر علمائے مکی و حضرت مولانا مفتی محمد عتیق الرحمٰن صاحب دیوبندی ندوۃ المصنفین جن کے جواب کی نقل حسب ذیل ہے۔

سوال۔ کیا اس زمانے میں سیدوں کو زکوۃ دینی جائز ہے یا نہیں؟ جواب۔ فقہ حنفی کی عام کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ سادات کو زکوۃ دینی درست نہیں(۲) یہی ظاہر الروایات ہے لیکن اس زمانے میں بیت المال نہ ہونے کی وجہ سے سادات کا وہ شرعی حصہ جو ان کے لئے مقرر تھا ان کو نہیں ملتا اور نہ بحالت موجودہ اس کا کوئی امکان ہے اس وجہ سے فقہ حنفی کے بہت بڑے امام علامہ ابو جعفر طحاویؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ایسی صورت میں سیدوں کو زکوۃ دینا درست ہے(۳) اور شوافع میں امام فخر الدین رازیؒ بھی امام طحاوی کے ہم نوا ہیں امام طحاوی کے فتویٰ کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ یا سیدوں کے لئے کوئی مخصوص بندوبست ہونا چاہئے تاکہ ان کے مفلس اور نادار طبقہ کی ضرورتیں جو قرابت رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے گری ہوئی اعانت سے اس لئے محروم کیا گیا ہے کہ قوم ان کے لئے بہتر انتظام کرے جو اس سے پوری کی جائیں ورنہ امام طحاویؒ کے فتویٰ پر عمل کیا جائے فقہ کا بنیادی اصول یہ ہے **من لم یکن عالما باھل زمانہ فھو جاھل** (۴) یعنی جو اہل زمانہ کے حالات اور ان کی ضرورتوں سے ناآشنا ہے وہ عالم نہیں ہے (بے خبر ہے) اس اصول کے ماتحت بھی ہمیں سیدوں کے نادار طبقہ کے حالات اور ان کی ضرورتوں کی طرف غور کرنا چاہئے عرف الشذی شرح ترمذی میں ہے **وفی عقد الجید افتی**

---

(۱) حصہ سوئم زکاۃ کا بیان ' جن لوگوں کو زکوۃ دینا جائز ہے ان کا بیان ص ۳۳ مکتبہ امدادیہ ملتان

(۲) لا تدفع الی بنی ھاشم' بقولہ علیہ السلام' یا بنی ھاشم' ان اللہ تعالیٰ حرم علیکم غسالۃ الناس' واوساخھم الخ (ھدایۃ' کتاب الزکاۃ' باب من یجوز دفع الصدقات ومن لا یجوز ۱/۲۰۶ شرکت علمیہ)

(۳) وقد اختلف عن ابی حنیفۃ فی ذالک' فروی عنہ' انہ قال' لا باس بالصدقات کلھا علی بنی ھاشم' (طحاوی' کتاب الزکاۃ' الصدقۃ علی بنی ھاشم ۱/۳۵۲ ط سعید) لیکن راجح یہی ہے کہ امام علامہ طحاویؒ بھی عدم جواز کے قائل تھے جیسا کہ اسی صفحے کے آخر میں فرماتے ہیں قال ابو جعفر' فھذہ الآثار کلھا قد جاء ت' بتحریم الصدقۃ علی بنی ھاشم' ولا نعلم شیئا نسخھا' ولا عارضھا حوالہ بالا

(۴) رد المحتار' کتاب القضاء ۵/۳۵۹ سعید

الطحاوی من الحنفية و فخر الدين الرازی من الشافعية بجواز الزكوة للهاشمی فی هذه الصورة الخ (۱) دستخط عتیق الرحمن عثمانی ندوۃ المصنفین قرول باغ دہلی

اب حضور عالی سے دریافت طلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے مندرجہ بالا حضرات کے فتوے پر عمل کر کے زکوۃ دیدی ہے وہ اپنی زکوۃ لوٹائیں یا نہیں اور نہ لوٹائیں تو گناہ گار ہوں گے یا نہیں اور جن لوگوں کو پتہ نہیں کہ لوٹانی چاہئیے یا نہیں تو ان کا گناہ بتانے والے پر ہو گا یا نہیں ؟

اور نمبر ایک مسئلہ کو نمبر ۲ والے مسئلہ پر قیاس کر سکتے ہیں یا نہیں کیونکہ اس میں بھی جائز سمجھ کر یعنی مستحق جان کر غیر مستحق کو دیدی بجز کافر کے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی (لوٹانے کی ضرورت نہیں) ایسے ہی نمبر ۲ والے مسئلہ میں جائز سمجھ کر دی تھی اب بعد میں معلوم ہوا کہ سید کو زکوۃ دینی مفتی بہ (راجح قوی) مذہب نہیں ہے آئندہ نہ دے لیکن جو دے چکا ہے اس کو پھر ادا کرے براہ کرم مدلل تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۳۱۹) نمبر ایک کا مسئلہ تو اس صورت سے متعلق ہے کہ دینے والے غیر مستحق کو مستحق یعنی غنی کو فقیر اور ہاشمی کو غیر ہاشمی خیال کر کے زکوۃ دیدی دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہاشمی کو ہاشمی جانتے ہوئے زکوۃ دی لہذا یہ دونوں صورتیں جدا جدا ہیں (۲) اب جس شخص نے ان علما کے فتوے پر زکوۃ دیدی ہے ان کے ذمہ اعادہ نہیں اور ذمہ داری فتویٰ دینے والے پر ہے آئندہ اگر وہ ناجائز بتانے والے کے فتوے پر عمل کرے تو اسے اختیار ہے گزشتہ کا اعادہ نہ کرنا اس کے لئے مباح ہے

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

(جواب دوم ۳۲۰) راجح اور قوی مذہب یہی ہے کہ بنی ہاشم کو زکوۃ دینی جائز نہیں (۳) ابو عصمہ کی روایت جو انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے کی ہے مفتی بہ نہیں ہے پس سید کو زکوۃ نہ دینی چاہئیے اگر پہلے دی جا چکی ہے اور اتنی وسعت ہے کہ دوبارہ دیدے تو دیدے ورنہ کوئی حرج نہیں (۴) وکیل نے اگر دیدی تو اس کی ذمہ داری وکیل پر ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ،

(۱) افطاری و شبینہ میں زکوۃ دینا
(۲) زکوۃ کے مال سے مسافروں اور طلباء کو کھانا کھلانا درست ہے
(۳) زکوۃ سے کسی مستحق کی شادی کرنا

(۱) ابواب الزكاة' باب كراهية الصدقة للنبی ﷺ ۱/ ۱۴۳ طبع سعيد ٠

(۲) اور یہ قیاس صحیح نہیں

(۳) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۷۲ حاشیہ نمبر ۲

(۴) عملا على رواية ابی عصمة و تسهيلا على المزكی' والله اعلم' فقط گنگہی

(۴) زکوۃ سے کسی محتاج کا علاج کرانا

(سوال ۳) (۱) زکوۃ کا مصرف رمضان شریف کے مہینہ میں مسجد کی افطاری میں یا مسجد میں شبینہ میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ (۲) عام طور سے مسافروں کو یا طالب علموں کو زکوۃ کے پیسے سے کھانا کھلایا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ (۳) اگر کسی ایسے لڑکے کی شادی کہ جو خود قابل کمائی کے ہو اور جو کماتا ہو وہ روزانہ اخراجات والدین اور بہنوں میں صرف کر دیتا ہو اور ضرورت اس کو شادی کی ہو تو زکوۃ کے روپے سے اس کی شادی کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ (۴) کوئی شخص بیمار ہے علاج کے واسطے والدین کا مقدور نہیں کہ صرف کر سکیں لہذا اس کے علاج کے خرچ میں جو روپیہ ڈاکٹروں کو دیا گیا ہے زکوۃ کے نام لکھ سکتے ہیں یا نہیں ؟

(جواب ۳۲۱) (۱) رمضان کی افطاری یا شبینہ میں زکوۃ کا دینا اس طرح جائز ہے کہ افطاری کھانے والے یا شبینہ کا کھانا کھانے والے مسکین ہوں اور تملیکاً ان کو افطاری یا کھانا تقسیم کر دیا جائے(۱) اگر غنی ہوں تو جائز نہیں **ولا یجوز دفع الزکاۃ الی من یملك نصابا ای مال کان دنا نیر او دارھم او سوائم اوعروضا للتجارۃ او لغیر التجارۃ فاضلا عن حاجته جمیع السنة ھکذا فی الزاھدی (ھندیه ص ۲۰۰ ج ۱)** (۲) (۲) عام طور سے مسافروں یا طالب علموں کو زکوۃ کے پیسے سے کھانا تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ **و منھا ابن السبیل (ھندیه ص ۲۰۰ ج ۱)** (۳) (۳) اگر وہ فی الحال مالک نصاب نہ ہو تو اس کی شادی کے لئے اس کو تملیکاً زکوۃ کا روپیہ دینا جائز ہے **والحق به کل من ھو غائب عن ماله و ان کان فی بلدہ لان الحاجة ھی المعتبرۃ (ھندیه ص ۲۰۰ ج ۱)** (۴) لیکن ایک شخص کو مقدار نصاب یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے **ویکرہ ان یدفع الی رجل مائتی درھم فصاعدا و ان دفعه جاز کذافی الھدایه (ھندیه ص ۲۰۰ ج ۱)** (۵) (۴) کسی غیر مستطیع مریض کو اس کے علاج کے واسطے زکوۃ کا روپیہ دیا جاسکتا ہے(۶)

سید کا زکوۃ مانگنا اور اس کو زکوۃ دینا جائز نہیں

(سوال) سید صاحب کو معلوم ہے کہ زکوۃ کا مال لینا حرام ہے اس پر بھی سید صاحب زکوۃ کا پیسہ مانگتے ہیں اس حالت میں اگر انکو زکوۃ دی جائے تو زکوۃ ادا ہو گی یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(جواب ۳۲۲) سید صاحب کا یہ جانتے ہوئے کہ سید کو زکوۃ لینا حرام ہے زکوۃ مانگنا اور لینا سخت گناہ ہے اور جو شخص یہ جان کر کہ یہ سید ہیں انہیں زکوۃ دے گا تو زکوۃ ادا نہ ہو گی (۷) اس شخص کو دوبارہ زکوۃ دینا

---

(۱) فلو اطعم مسکینا ناویا الزکاۃ لا یجزیه الا اذا دفع الیه المطعوم (الدر المختار کتاب الزکاۃ ۲/۲۵۷ سعید)
(۲) کتاب الزکاۃ الباب السابع فی المصارف ۱/۱۸۹ کوئٹه)
(۳ ۴ ۵) کتاب الزکاۃ باب المصارف ۱/۱۸۸ کوئٹه
(۶) لو قضی بھا دین حی او میت بامرہ جاز (فتح القدیر کتاب الزکاۃ باب من یجوز دفع الصدقات الیه ومن لا یجوز ۲/۲۶۸ مصطفی مصر)
(۷) دیکھئے صفحہ نمبر ۲۰۲ حاشیہ نمبر ۲

پڑے گی۔　　هكذا فى كتب الفقه والله اعلم

مؤلفۃ القلوب کو مصارف زکوٰۃ سے خارج کرنے پر حنفیہ پر اشکال کا جواب

(سوال) زید سورہ توبہ کی آیت انما الصدقات الخ (۱) سے آٹھ مصارف زکوٰۃ بیان کرتا ہے اور مذہب حنفیہ کے مؤلفۃ القلوب کے ساقط ہونے کی نص طلب کرتا ہے اور تفسیر بیان القرآن مؤلفہ مولانا تھانویؒ سے اجماع صحابہ ہو کر آیہ مؤلفۃ القلوب کا ساقط ہونا ثابت ہے (۲) جس پر زید معترض ہے کہ صریح آیت کے مقابلہ میں اجماع صحابہ حجت نہیں ہے ایسی ہی نص قرآنی سے ثبوت دینا چاہئیے اب گزارش ہے کہ کسی آیت یا حدیث سے جواب شافی عطا فرمایا جائے بینوا توجروا؟ نیاز مند ممتاز علی (کلانور ضلع رہتک)

(جواب ۳۲۳) مؤلفۃ القلوب کا حصہ باجماع صحابہؓ ساقط ہو گیا ہے تفسیر مدارک میں ہے و **سهم مؤلفة قلوبهم سقط باجماع الصحابة فى صدر خلافة ابى بكرؓ لان الله اعزالا سلام و اغنى عنهم والحكم متى ثبت معقولا لمعنى خاص يرتفع و ينتهى بذهاب ذلك المعنى انتهىٰ** (۳) یعنی مؤلفۃ القلوب کا حصہ حضرت ابوبکرؓ کے شروع زمانہ خلافت میں صحابہ کرامؓ کے اتفاق و اجماع سے ساقط ہو گیا اور حکم شرعی جب کہ کسی علت پر مبنی ہو تو اس علت کے اٹھ جانے سے حکم بھی اٹھ جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ کا مال دینے کی اجازت اسلام کے ضعف اور مسلمانوں کی کمی کی وجہ سے ہو گئی تھی اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت اور قوت و غلبہ عطا فرمادیا اور مسلمانوں کی جماعت زیادہ ہو گئی تو اجازت ارتفاع علت حکم کی وجہ سے خود مرتفع ہو گئی البرہان شرح مواہب الرحمٰن للشیخ المحدث الفقیہ ابراہیم بن موسیٰ الطرابلسی میں ہے **اخرج ابن ابى شيبة عن عامر الشعبى انما كانت المؤلفة على عهد رسول الله ﷺ فلما ولى ابوبكر انقطعت** (۴) یعنی ابن ابی شیبہ نے عامر شعبیؒ سے روایت کی ہے کہ مؤلفۃ القلوب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے (یعنی ان کا حصہ قائم تھا) پھر جب ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو یہ لوگ منقطع ہو گئے (یعنی ان کا حصہ بند ہو گیا)
واللہ اعلم

جن چیزوں میں تملیک نہیں ہوتی ان میں زکوٰۃ جائز نہیں

(سوال) تالاب 'چاہ' مسجد' مسافر خانہ تعمیر کرنا' اسلامیہ مدارس قائم کرنا' تعلیم میں امداد دینا وغیرہ ان

---

(۱) التوبة : ٦٠
(۲) مستحقین صدقات ۱/۱۱۹ تاج پبلشرز دهلی
(۳) ۲/۲۳۲ ط المكتبة العلميه لاهور
(٤) كتاب الزكاة' باب لمصارف ۱/۵۲۸' ۵۲۹

میں زکوۃ کا روپیہ خرچ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۹ غلام علی معرفت دارو غہ جیل دھر مسالہ ضلع کانگڑہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ ۲۰ جولائی ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۲۴) زکوۃ کی رقم میں حنفیہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ رقم مستحق زکوۃ کو تملیکا دی جائے(۱) تو جن صورتوں میں تملیک نہیں ہوتی ان میں زکوۃ کا روپیہ خرچ نہیں کیا جاسکتا اور بنائے مسجد یا تعمیر مسافر خانہ و چاہ وغیرہ میں تملیک نہیں ہوتی اس لئے ان میں زکوۃ کا روپیہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے (۲) مدارس وغیرہ میں زکوۃ کی جو رقم آتی ہیں وہ یا تو طلبہ مساکین پر خرچ کی جاتی ہیں یا پھر تملیک کر کے دوسرے مصارف میں لائی جاتی ہیں واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) مہتمم کا بچوں کو بطور تملیک دی گئی رقم لیکر تعمیر پر خرچ کرنا
(۲) مہتمم کا کئی مدات کی رقوم کو ملا کر رکھنا

(سوال) (۱) یتیم خانے میں بالغ نادار لڑکوں کو زکوۃ دی جائے پھر مہتمم ان سے لیکر حساب یتیم خانے میں جمع کرے اور مصارف یتیم خانہ مثلاً تعمیر جائیداد وغیرہ میں صرف کرے تو زکوۃ دینے والے کی ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟

(۲) ایک مدرسہ عربیہ میں چند مدات میں روپیہ وصول ہوتا ہے مثلاً زکوۃ' تعمیر مسجد' خیرات اور مہتمم مدرسہ جملہ مدات کا روپیہ ایک جگہ شامل کر کے رکھتا ہے اور حساب میں آمد و جمع علیحدہ علیحدہ کرتا ہے بوقت خرچ جس کھاتے کی رقم ہوتی ہے اس میں خرچ کر ڈالتا ہے اس طریقے میں زکوۃ ادا ہوئی یا نہیں اور جس نے تعمیر مسجد میں رقم دی تھی اس کی رقم تعمیر مسجد میں لگی کہ نہیں اگر مذکورہ بالا مہتمم نے زکوۃ کی رقم کسی دوسرے مصرف میں خرچ کر دی اور زکوۃ دہندہ کو خبر نہ ہوئی تو زکوۃ ادا ہو گی یا نہیں اور اگر خبر ہو گئی تو زکوۃ دہندہ کیا کرے ؟ **المستفتی** نمبر ۸۳ حاجی عبداللطیف مجتبائی دہلی ۴ رجب ۱۳۵۲ھ ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب) (از حبیب المرسلین صاحب نائب مفتی) (۱) زکوۃ دینے والے کی زکوۃ ادا ہو جائے گی اور مہتمم ان کو راضی کر کے یہ رقم ان سے لیکر یتیم خانے کے مصارف پر صرف کر دے گا تو مہتمم کا یہ فعل بھی جائز ہو گا اور اگر ان سے ناراضگی کی صورت میں لیکر یتیم خانے کے مصارف پر صرف کرے گا تو گناہ گار ہو گا مگر بہر صورت زکوۃ دہندہ کی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

---

(۱) فھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی' ولا مولاہ بشرط قطع المنفعۃ الخ (ھندیۃ' کتاب الزکاۃ ۱ / ۱۷۰ رشیدیہ)

(۲) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا' لا اباحۃ' کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد' ولا إلی کفن میت' و قضاء دینہ' الخ و فی الشامیۃ' قولہ نحو مسجد' کبناء القناطر' والسقایات' واصلاح الطرقات و کری الانھار' والحج' والجھاد' و کل مالا تملیک فیہ' زیلعی (رد المحتار' کتاب الزکاۃ' باب المصرف ۲ / ۳۴۴ سعید)

(۲)اگر عرف مخلوط کر دینے مہتمم کا مختلف مدات کی رقوم کو نہ ہوگا تو یہ فعل مہتمم کا ناجائز و موجب ضمان ہوگا اور اگر عرف ہوگا تو یہ فعل مہتمم کا جائز ہوگا اور موجب ضمان نہ ہوگا بشر طیکہ ان مختلف مدات کی رقوم کے مالکین کو بھی علم اس عرف پر ہوگا اور اس جواز کی صورت میں مہتمم بمقدار رقم ہر مالک مؤکل کے رقوم مخلوطہ میں سے لیکراس کے مصرف معین پر صرف کردے گا تو زکوۃ دہندہ کی زکوۃ ادا ہو جائے گی اور مسجد تعمیر کنندہ کی طرف سے مسجد تعمیر ہو جائے گی اور اگر مہتمم زکوۃ کی رقم کو جان کر غیر مصرف میں خرچ کردے گا اور زکوۃ دہندہ کو خبر نہ ہوگی تو اس کا مواخذہ اخروی مہتمم پر ہوگا لیکن زکوۃ ادا ہو جائے گی اور اگر زکوۃ دہندہ کو خبر ہو جائے گی تو اس کو یہ حق نہ ہوگا کہ مہتمم سے اپنی رقم تلف شدہ کی ضمان لیکر زکوۃ ادا کرے **ویتصل بهذا العالم اذا سال للفقراء شيئاً و خلط يضمن قلت و مقتضاه انه لو وجد العرف فلا ضمان لوجود الا ذن حينئذٍ دلالة والظاهرانه لا بدمن علم المالك بهذا العرف ليكون اذنامنه دلالة (ر دالمحتار جلد ثانی ص ۱۲)**(۱) فقط واللہ اعلم

اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(جواب ۳۲۵) (از حضرت مفتی اعظمؒ)(۱)اگر دینے والے نے بچوں کو تملیک کے طور پر زکوۃ دیدی اور بچے نادار اور بالغ تھے تو اس کی زکوۃ تو دیتے ہی ادا ہو گئی اب مہتمم یتیم خانہ نے اگر بچوں سے جبراً لے لی تو اس کا یہ فعل ناجائز ہے مگر زکوۃ کی صحت ادا پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا...... اور بچوں نے اپنی خوشی سے اسے دیدی تو پھر ناجائز بھی نہیں اور اس صورت میں وہ یتیم خانہ کے ہر مصرف میں بچوں کی رضامندی سے صرف ہو سکتی ہے۔

(۲) اس میں پہلی بات تو قابل غور ہے کہ مختلف مدات کی رقوم کو علیحدہ رکھنے اور اپنے مصرف میں صرف کرنے کا حکم روپیہ اور پیسوں اور گنی اور گلٹ کے سکوں کے ساتھ متعلق ہے جو رقوم کہ کاغذی نوٹوں کی صورت میں دی جائیں ان کے ساتھ یہ حکم متعلق نہیں کیونکہ نوٹ خود مال نہیں ہیں محض وثائق ہیں(۲) اگر مختلف مدات کے لئے دیئے ہوئے نوٹ ملادیئے جائیں اور ہر ایک مد کی رقم کے موافق اس مد میں انکو صرف کردیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہر مد میں رقم صرف کردی جانے پر معطی کی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

اب رہے دھات کے سکے تو ان کا حکم یہ ہے کہ مختلف مدات بلکہ ایک مد میں دی ہوئی مختلف اشخاص کی رقم بھی علیحدہ رکھنی چاہئیے اس اصول کے ماتحت مہتمم پر یہی لازم نہیں کہ وہ مد زکوۃ کی تمام رقم علیحدہ رکھے بلکہ یہ بھی لازم ہے کہ زکوۃ کی رقم بھی ہر ایک شخص کی علیحدہ رکھے خواہ رقم چار آنے کی ہو یا روپے کی یا دس روپے کی اور اگر زکوۃ دینے والے تین سو چار سو آدمی ہوں جن میں آنہ دو آنہ سے مثلاً

(۱) كتاب الزكاة ۲۶۹/۲ ط سعید
(۲) یہ حکم اس وقت تھا جب نوٹوں کے پیچھے ٹکسال میں سونا ہوتا تھا لیکن اب نوٹ خود ثمن عرفی بن گئے ہیں اس کے پیچھے سونا نہیں ہوتا

سینکڑوں روپے تک کی مختلف رقوم ہوں تو اصول بالا کی بنا پر تین چار سو تھیلیاں یا پڑیاں علیحدہ رکھنی پڑیں گی (کیونکہ الخلط استهلاك (۱) جس طرح خلط قسم بقسم اخز پر صادق آتی ہے اسی طرح خط مال واحد بمال اخر پر بھی صادق ہے) اور اس کی دشواری اور عدم استطاعت مخفی نہیں اس لئے فقہا نے یہ حکم دے دیا ہے کہ جب کہ رقوم جمع شدہ مختلط اپنی اپنی مد میں صرف کردی جائیں اور اختلاط کا عرف ہونے کی وجہ سے مالکوں کی جانب سے دلالتہً اذن بالخلط ہو جائے تو زکوۃ بھی ادا ہو جائے گی اور مہتمم پر بھی کوئی گناہ یا ضمان نہ ہوگا (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ضرورت مند سید' فوج اور رفاہی اداروں کو زکوۃ دینا

(سوال) مفلس سید کو اس وجہ سے زکوۃ دینا کہ آج کل ان کو مال غنیمت سے حصہ ملنے کی کوئی صورت نہیں ہے' جائز ہے یا ناجائز ؟ سنا ہے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زکوۃ کے روپے سے سپاہیوں کو تنخواہیں ملتی تھیں اور یہ روپیہ سلطنت کے دوسرے کاموں میں خرچ ہو تا تھا کیا آج کل بھی رفاہ عام (اسلامی کام) کے کاموں میں زکوۃ کا روپیہ صرف ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۱۴ ابو محمد رشید خاں قرولباغ دہلی ۲۶ رجب ۱۳۵۲ھ ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۲۶) مفلس سید کو زکوۃ دینا جائز نہیں (۳) زکوۃ کے روپے سے فوج کو تنخواہ نہیں دی جاتی تھی رفاہ عام کے کاموں میں ایسے طور پر خرچ ہو سکتا ہے کہ اس میں تملیک ہو سکے (۴) مثلاً غریبوں کو لباس و خوراک تقسیم کرنا۔ محمد کفایت اللہ

سید رشتہ داروں کو زکوۃ دینا' زکوۃ تھوڑی تھوڑی کرکے ادا کرنا سال گزرنے سے پہلے دینا

(سوال) اپنے سب عزیز سیدوں کو زکوۃ دینی جائز ہے یا نہیں اور صدقہ خیرات دے سکتے ہیں یا نہیں ؟ زکوۃ اگر کوئی اکٹھی ادا نہ کر سکے' تھوڑی تھوڑی ماہوار ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں ؟ ایک زیور اگر کسی کے پاس دس مہینے رہا پھر اس نے اپنی بہو کو بطور چڑھاوا دے دیا تو اس کی زکوۃ اس پر واجب ہے یا بہو کے والدین پر ؟ المستفتی نمبر ۲۷۵ والدہ ابن احمد صاحب رہتک۔ ۲۱ محرم ۱۳۵۳ھ م ۶ مئی ۱۹۳۴ء

---

(۱) لان الخلط استهلاك اذا لم يكن تمييزه عند ابي حنيفة (الدر المختار' كتاب الزكاة ۲ / ۲۹۰ ط سعيد)

(۲) قلت : و مقتضاه' انه لو وجد العرف' فلا ضمان لو جود الاذن حينئذ دلالة' والظاهر انه لا بد من علم المالك هذا العرف' ليكون اذنامنه دلالة (ردالمحتار' كتاب الزكاة ۲ / ۲۶۹ ط سعيد)

(۳) ولا يدفع الى بنى هاشم' وهم آل على' و آل عباس' و آل جعفر' و آل عقيل' و الحارث بن عبدالمطلب كذافى الهداية الخ (هندية' كتاب الزكاة' باب المصارف ۱ / ۱۸۹ ط رشيديه كوئته

(۴) ويشترط ان يكون الصرف تمليكا الخ (الدرالمحتار' كتاب الزكاة' باب المصرف ۲ / ۳۴۴ ط سعيد)

(۵) ولا يدفع الى اصله' وان علا' و فرعه وان سفل' كذافى الكافى (هنديه' كتاب الزكاة' باب المصارف ۱ / ۱۸۸ ط رشيديه كوئته)

(جواب ۳۲۷) سوائے اصول و فروع یعنی ماں باپ دادا دادی نانا نانی اور اولاد اور اولاد کی اولاد کے دوسرے رشتہ داروں کو زکوۃ دینی جائز ہے بھائی بہن بھانجے بھتیجے چچا خالہ پھوپھی ماموں ان سب کو زکوۃ دینی جائز ہے والدین کو نہیں دی جا سکتی سید کو زکوۃ دینی جائز نہیں(۱) زکوۃ کے علاوہ دوسرے صدقات نافلہ اور خیرات سیدوں کو بھی دے سکتے ہیں(۲) اور والدین کو بھی مدرسے میں زکوۃ کا روپیہ غریب طلبہ کے طعام و لباس و سامان تعلیم میں خرچ کرنے کے لئے دیا جا سکتا ہے زکوۃ اکٹھی ادا نہ ہو سکے تو ماہوار بھی دی جا سکتی ہے(۳) اور اخیر میں حساب کر لیا جائے دس مہینے زیور ملک میں رہنے کے بعد بہو کو دیدیا تو اس کی زکوۃ دینے والے کے ذمہ نہیں بہو کے پاس جب سال پورا گزرے گا تو اس پر واجب ہو گی(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

ایسے ادارے کو زکوۃ دینا جس سے غریب اور امیر دونوں قسم کے طلباء فائدہ حاصل کرتے ہوں

(سوال) جس فنڈ سے یتیم اور غریب طلباء کے کھانے پہننے اور تعلیم کا انتظام ہوتا ہو اس میں زکوۃ کا مال دینا جائز ہے یا نہیں ؟ جس مدرسے میں غریب اور تونگر ہر دو قسم کے بچے تعلیم پاتے ہوں اس مدرسے میں زکوۃ کا مال دینا درست ہے یا نہیں ؟ یتیم خانہ میں تونگر کا بچہ خرچہ دے کر رکھنا درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۴۰۴ عبدالکریم (ہمت نگر) ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ م یکم اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۲۸) زکوۃ کا روپیہ یتیم بچوں کے خرچ میں جو نادار اور غریب ہوں لانا جائز ہے یعنی ان کے کھانے کپڑے سامان تعلیم میں تملیکاً خرچ کیا جا سکتا ہے لیکن مدرسین کی تنخواہیں یا مدرسے کی تعمیر یا ایسے ہی دوسرے مصارف میں جس میں تملیک نہ ہو خرچ نہیں کیا جا سکتا(۵) تو انگر کے بچوں کو زکوۃ کے روپے میں سے کچھ دینا یا اس پر خرچ کرنا جائز نہیں(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

غیر مسلم محتاجوں کو زکوۃ دینا جائز نہیں

(سوال) مال زکوۃ سے غیر مسلم، محتاجوں بیواؤں یتیموں کی امداد کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

---

(۱) حاشیہ نمبر ۳ صفحہ گزشتہ ملاحظہ فرمائیں

(۲) فاما التطوع فیجوز الصرف الیهم (هندية' كتاب الزكاة' باب المصرف ۱۸۹/۲ ط كوئٹه)

(۳) و تجب على الفور عند تمام الحول حتى ياثم بتاخيره من غير عذر (هندية' كتاب الزكاة ۱۷۰/۱ ط كوئٹه)

(٤) وشرطه اى شرط افتراض ادائها حولان الحول (الدر المختار' كتاب الزكاة ۲۶۷/۲ ط سعيد)

(٥) ويشترط ان يكون الصرف تمليكا' لا اباحة' كمامر' لا يصرف' الى بناء نحو مسجد' ولا الى كفن ميت' وقضاء دينه الخ (الدرالمختار' كتاب الزكاة' باب المصرف ۳٤٤/۲ ط سعيد)

(٦) یعنی نابالغ بچوں پر خرچ کرنا' کیونکہ وہ باپ کے تابع ہوتے ہیں ولا يجوز دفعها الى ولد الغنى الصغير (هندية' كتاب الزكاة' باب المصرف ۱۸۹/۱ ط كوئٹه)

المستفتی نمبر ۵۳۸ دین محمد (ضلع روہتک) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۱۸ جولائی ۱۹۳۵ء
(جواب ۳۲۹) مال زکوۃ سے غیر مسلم محتاجوں بیواؤں یتیموں کی امداد کرنا جائز نہیں صدقات نافلہ ذمی کو دے سکتے ہیں(۱) محمد کفایت اللہ

بنو فاطمہ کے علاوہ دوسرے ہاشمی بھی سید ہیں ان کو بھی زکوۃ دینا جائز نہیں.

(سوال) بنو فاطمہ کے علاوہ بقیہ بنی ہاشم بھی سید ہیں یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۸۲۲ محمد نذر شاہ (ضلع گجرات) ۶ محرم ۱۳۵۵ھ ۳۰ مارچ ۱۹۳۶ء
(جواب ۳۳۰) بنو فاطمہ کے علاوہ دوسرے ہاشمی بھی لغتہ واحتراما سید ہیں اور حرمت صدقہ کے حکم میں شامل ہیں(۲) مگر اصطلاحاً سید کا لفظ صرف بنو فاطمہ کے لئے خاص ہو گیا ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

زکوۃ سے کنواں ، مسجد ، مقبرہ تعمیر کرنا اور میت کو کفن دینا جائز نہیں

(سوال) زید کے پاس زکوۃ کا روپیہ جمع ہے آیا وہ اس سے کنواں ، تالاب ، مسجد کے متصل مسافر خانہ کسی بزرگ کا مزار یا مقبرہ بنا سکتا ہے یا کسی لاوارث میت کی تجہیز و تکفین کر سکتا ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو زکوۃ کا روپیہ کن امور میں صرف کر سکتا ہے ؟ المستفتی نمبر ۸۵۱ شیخ چمن میاں (ضلع غازی پور) ۲۰ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء
(جواب ۳۳۱) زکوۃ کی رقم ادائیگی میں تملیک بلا عوض لازم ہے یعنی فقراء و مساکین کو بغیر کسی معاوضہ کے مالک بنا کر رقم زکوۃ دی جائے کنواں ، تالاب ، مسجد ، مسافر خانہ ، مزار ، مقبرہ کی تعمیر کرانے میں تملیک نہیں ہے اس لئے یہ سب ناجائز ہے (۴) مسکینوں ، طالب علموں ، یتیموں ، بیواؤں کو زکوۃ کی رقم دینی چاہئے فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

والدین اور اولاد کو زکوۃ دینا جائز نہیں

(سوال) معطی اپنے والدین یا اولاد کو زکوۃ کی رقم دے سکتا ہے یا نہیں ؟

---

(۱) واما الحربي ولو مستامنا فجميع الصدقات ولاتجوز له اتفاقا بحر عن الغاية و غيرها لكن جزم الزيلعي بجواز التطوع له (الدر المختار كتاب الزكاة باب المصرف ۲/۳۵۲ ط سعيد)
(۲) بنو ہاشم کے علاوہ تمام بنو ہاشم کو زکوۃ دینا جائز نہیں ولا الى بني هاشم الا من ابطل النص قرابته وهم بنو لهب (الدر المختار كتاب الزكاة باب المصرف ۲/۳۵۰ ط سعيد)
(۳) باقی اہل بیت میں آتے ہیں جو کہ سید سے عام ہے
(٤) ويشترط ان يكون الصرف تمليكا لا اباحة كما مر ولايصرف الى بناء نحو مسجد ولا الى كفن ميت وقضاء دينه قوله نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات واصلاح الطرقات وكرى الانهار والحج والجهاد كل مالا تمليك فيه الخ (رد المحتار كتاب الزكاة باب المصرف ۲/۳٤٤ ط سعيد)

المستفتی نمبر ۸۷۸ محمد عمر صاحب (ضلع کرنال) ۵ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۸ اپریل ۱۹۳۶ء
(جواب ۳۳۲) کسی غیر شخص کو جو مسکین اور مستحق ہو زکوۃ کی رقم دیکر مالک بنادیا جائے اور وہ اپنی طرف سے معطی کے والدین یا اولاد کو دیدے تو جائز ہے(۱) بشرطیکہ دینے والا اس سے یہ شرط نہ کرے اور نہ اسے مجبور کرے بلکہ وہ اپنی خوشی سے ایسا کرنے پر آمادہ ہو جائے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

صاحب نصاب امام کا زکوۃ لینا

(سوال) جو امام صاب نصاب ہو بسبب امامت کے وہ لوگوں کو تنگ کر کے زکوۃ لے تو وہ مال زکوۃ اس کے واسطے حرام ہے یا حلال ہے اور تنگ اس طرح کرے کہ میں نماز نہ پڑھاؤں گا تمہارے جنازے اور عیدین نہ پڑھاؤں گا المستفتی نمبر ۱۲۸۸ محمد اسمعیل (امرتسر) ۲۳ شوال ۱۳۵۵ھ م ۷ جنوری ۱۹۳۶ء
(جواب ۳۳۳) صاحب نصاب کو زکوۃ کا مال لینا حرام ہے(۳) اور زکوۃ وصول کرنے کے لئے لوگوں کو تنگ کرنا تو غیر صاحب نصاب کے لئے بھی جائز نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

زکوۃ دوسرے ملک میں موجود رشتہ داروں کو بھیجنا

(سوال) زید کے عزیز و اقارب پاکستان میں رہتے ہیں اور وہ زکوۃ کے مستحق ہیں زید انہیں زکوۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی حاجی محمد داؤد صاحب (بلیماران دہلی)
(جواب ۳۳٤) اعزا و اقارب جو پاکستان میں ہیں ہندوستان میں رہنے والا ان کو اپنی رقم کی زکوۃ دے سکتا ہے ان کو دینے سے اس کی زکوۃ ادا ہو جائے گی(٤) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مالک نصاب کو زکوۃ دینا جائز نہیں

(سوال) زید کے قرابتدار زید کو زکوۃ دینا چاہتے ہیں کیا زید کو زکوۃ لینا جائز ہے اور دینے والوں کی زکوۃ ادا ہو جائے گی زید کے پاس یکصد سے کم روپے ہیں المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

---

(۱) جائز ہے مگر ایسا حیلہ کرنا مکروہ ہے' ویکرہ ان یحتال فی صرف الزکاۃ الی والدیہ المعسرین بان تصدق بها علی الفقیر ثم صرفها الفقیر الیهما (ردالمحتار' کتاب الزکاۃ' باب المصرف ۲/ ۳٤٦ ط سعید)
(۲) جائز نہیں ہے ولایدفع الی اصله' وان علا' و فرعه' وان سفل (هندیة' کتاب الزکاۃ' باب المصرف ۱/ ۱۸۸)
لیکن [illegible] تو [illegible] جائز ہوگا
(۳) ولا یحل ان یسأل شیئا من القوت من له قوت یومه بالفعل او بالقوة (الدر المختار' کتاب الزکاۃ' باب المصرف ۲/ ۳٥٤ ط سعید)
(٤) ویکره نقل الزکاۃ من بلد الی بلد الا ان ینقلها الانسان الی قرابته' او الی قوم هم احوج الیها من اهل بلده الخ (هندیه' کتاب الزکاۃ' الباب السابع فی المصارف ۱/ ۱۹۰ ط کوئٹه)

(جواب ۳۳۵) زید کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں کیونکہ وہ مالک نصاب ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

صدقہ فطر کی رقم سے مدرسے کی تعمیر جائز نہیں

(سوال) قصبہ عبداللہ پور میں پہلے اسلامی مدرسہ ایک چھپر میں قائم تھا اب یہاں کے غریب لوگوں نے کوشش کر کے ایک اسلامی مدرسہ تعمیر کرایا ہے اس کی تعمیر میں کچھ کمی رہ گئی ہے غریبوں کا روزگار بہت مندا ہے اس وجہ سے چندہ حاصل کرنا مشکل ہو گیا ہے اب آیا فطرہ کے اناج کا مصرف اس کی تعمیر میں ہو سکتا ہے یا نہیں المستفتی عزیز احمد مدرس مکتب عبداللہ پور (ضلع میرٹھ)

(جواب ۳۳۶) صدقات فطر کی رقم اس عمارت میں نہیں لگ سکتی (۲) وہ تو صدقہ کر دینا ہی لازم ہے
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

صاحب نصاب علماء کو زکوٰۃ لینا (چند متفرق مسائل)

(سوال) ہمارے ملک بلوچستان علاقہ پہاڑی میں علماء کا گزارہ قدیم سے آج تک زکوٰۃ و عشر و اسقاط مردگان پر ہے اس آمدنی سے بھی پورا گزارہ نہیں ہو سکتا ایک وجہ یہ ہے کہ آباد ملک نہیں پہاڑی علاقہ ہے بارانی پانی سے اکثر آبپاشی ہوتی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ چرائی کا کام کرتے ہیں اور گزارہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ زکوٰۃ وغیرہ آمدنی بھی پوری طرح ادا نہیں کرتے اور جو ادا کرتے ہیں مثل تنخواہ مقررہ علماء کو سب دی بھی نہیں جاتی اکثر اقرباء وغیرہ کو دی جاتی ہے علماء کی کوئی پرواہ بھی نہیں کرتا اگرچہ اذان جماعت چھوڑ کر چلا ہی جائے اور یہ لوگ بوجہ کم علمی و جہالت علماء کی تنخواہ کا تو نام بھی نہیں لیتے بالا آمدنی بھی مرضی پر ہے چاہے دیں یا نہ دیں مقرر نہیں اس وجہ سے علماء نایاب ہیں بعض جگہوں پر اذان وامامت بھی نہیں ہوتی تعلیم کی یہ حالت ہے کہ مدرسہ اسلامیہ کا نام بھی نہیں نہ کوئی حافظ قرآن موجود ہے تدریس جماعت و جنازہ' نکاح خوانی یہ سب کام پیش امام مسجد کے ذمہ ہیں طلباء کی یہ حالت ہے کہ اکثر صبح سویرے ناظرہ سبق قرآن شریف پڑھ کر مال چرانے کو چلے جاتے ہیں واپسی شام کو ہوتی ہے اکثر ناظرہ قرآن شریف پڑھ کر چھوڑ دیتے ہیں بعضے کچھ قدر تھوڑی سی چھوٹی کتابیں پڑھ کر فراموش کر دیتے ہیں علم کی قدر نہیں جانتے اور دین کی یہ حالت ہے کہ بعضے لوگ جماعت سے نماز پڑھنا بجائے خود رہا نماز بھی نہیں پڑھتے اور عورتوں کو پردہ شرعی بھی نہیں دیتے باہر کا کام کرتی پھرتی

---

(۱) ولا (یصرف) الی غنی یملک قدر نصاب فارغ عن حاجتہ الا صلیۃ الخ (الدر المختار' کتاب الزکاۃ' باب المصرف ۲/۳۴۷ ط سعید)

(۲) اس لئے کہ اس میں تملیک نہیں ہوتی اور صدقہ فطر میں تملیک ضروری ہے فی الدر المختار' و صدقۃ الفطر کالزکاۃ فی المصارف' وفی کل حال و فی الشامیۃ' قولہ و فی کل حال ... بل المواد فی احوال الدفع الی المصارف من اشتراط النیۃ' واشتراط التملیک (رد المحتار' کتاب الزکاۃ' باب المصرف ۲/۳۲۹ ط سعید)

ہیں اور میراث فقط مردوں پر تقسیم کرتے ہیں عورتوں کو کوئی حصہ بھی نہیں دیتے اگرچہ یتیم لڑکی کیوں نہ ہو بعضے لوگ میراث تو بجائے خود ہے عورتوں کو بھی فروخت کر دیتے ہیں چاہے لڑکی بہن ہی کیوں نہ ہو یعنی اتنی دین میں سستی ہے اور دین کے مددگار کم ہیں پہلے عرض یہ ہے کہ دعا فرمادیں کہ خداوند تعالے ہم کو اس گمراہی سے نکالے ہدایات دین نصیب کرے بعدہ عرض ہے کہ بوجہ کم ہونے مددگار دین اور نہ دینے تنخواہ کے علماء کو بالا آمدنی مذکورہ زکوۃ لینی جائز ہے یا نہیں ؟

جس طرح علماء متاخرین اس زمانہ میں مددگار دین کم دیکھ کر تنخواہ لینے پر فتویٰ جواز کا دیا ہے جس جگہ تنخواہ ملتی ہے اب ہمارے ملک کی یہ حالت ہے جو آپ کو عبارت بالا سے معلوم ہوئی تنخواہ بجائے خود زکوۃ وغیرہ آمدنی سے بھی پورا گزارہ اکثر جگہ نہیں ہوتا مسجدیں بلا امام و موذن ہی کھڑی ہیں اب کیا ہم بوجہ تنخواہ نہ ملنے کے زکوۃ و صدقات لے سکتے ہیں یہ زکوۃ تنخواہ کے قائم مقام ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

(۲) اسراف اور صدقہ میں کیا فرق ہے ؟

(۳) مبذرین و مسرفین میں کیا فرق ہے ؟ یہ لوگ سب کو خیرات جانتے ہیں

(٤) الحب لله والبغض لله اور غیبت میں کیا فرق ہے ؟

(۵) صدقہ فی سبیل اللہ اور خیرات ریا میں کیا فرق ہے ؟

(٦) بعضے لوگ شادی و غمی میں بہت خرچ کرتے ہیں اور زکوۃ و عشر وغیرہ میں فرض واجب چھوڑ کر مستحب ادا کرتے ہیں خیرات کرتے ہیں کیا ان کی یہ خیرات مفید ہے ؟

المستفتی نمبر ۱٦۵۱ پیش امام حاجی باسو مقام لیمہ زیرین ڈاکخانہ یار خاں ضلع لورالائی ۲۴ جمادی الاول ۱۳۵٦ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۳۷) (۱) علما جو صاحب نصاب ہوں ان کے لئے اخذ زکوۃ کا جواز نص صریح کے خلاف ہے لا یحل الصدقة لغنی (۱) اور قرآن پاک کی آیت انما الصدقات للفقراء (۲) کے سیاق اور لفظ انما کے مفاد کے خلاف ہے پس اسکو جائز کرنے کی کوئی صورت نہیں اور اخذ اجرت تعلیم کے فتوے جواز پر جو متاخرین حنفیہ نے دیا ہے اس کا قیاس صحیح نہیں کیونکہ اجرت علی الطاعات کا جواز مجتہد فیہ تھا اس میں پہلے ہی سے گنجائش تھی تو ایک ضرورت کی وجہ سے حنفیہ نے اس میں دوسرے امام کے قول پر عمل کر لیا زکوۃ کا اغنیا کے لئے جائز نہ ہونا متفق علیہ اور منصوص ہے بعض علماء نے صرف اتنی اجازت دی ہے کہ عالم کی کتابیں جن سے وہ فتوے کا کام کرتا ہے اس کی حاجات اصلیہ میں شمار کر کے نصاب سے خارج کر دی

(۱) وجدت بصیغة المؤنث (مرتب) لا تحل الصدقة لغنی (مجمع الزوائد باب فیمن لا تحل له الزکاۃ ۳/۹۱ ط دار الفکر بیروت)

(۲) انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم و فی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل التوبة ٦۰

ہیں یعنی ایسے عالم کو زکوٰۃ لینا جائز ہے جس کے پاس نصاب کی قیمت کی کتابیں تو ہوں (۱) مگر اور کوئی مالیت نہ ہو لیکن جس کے پاس چاندی سونے کا نصاب ہو زمین زراعت کی ہو گائے بھینس بکریاں جانور ہوں اس کے لئے زکوٰۃ کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

(۲) صدقہ وہ ہے جو حاجت مند کی حاجت رفع کرنے کی غرض سے دیا جائے اور اسراف (۲) وہ ہے جو بغیر حاجت کے صرف کیا جائے یعنی خرچ کرنے کی داعی کوئی چیز سوائے خواہش نفس کے نہ ہو

(۳) مبذر اور (۳) مسرف کے معنی قریب قریب ہیں زیادہ فضول خرچی کو تبذیر کہتے ہیں

(۴) البغض للہ کے معنی یہ ہیں کہ کسی کے اعمال شرعیہ کی خرابی کی وجہ سے اس سے اللہ واسطے بغض رکھا جائے اور غیبت کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی برائیاں بیان کرنے کو کہتے ہیں (۴)

(۵) صدقہ اس کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کی نیت سے کسی حاجت مند کی حاجت رفع کرنے کے لئے کچھ دیا جائے اور خیرات ریا اس کو کہتے ہیں کہ لوگوں کو دکھانے اور نام اور شہرت حاصل کرنے کے لئے دیا جائے۔

(۶) حقوق واجبہ زکوٰۃ و عشر وغیرہ ادا نہ کرنا اور بیاہ شادی میں بہت زیادہ رقم خرچ کر دینا گناہ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ و یتیم خانہ کی تعمیر جائز نہیں

(سوال) دہرہ دون میں ایک مدرسہ تجوید القرآن و یتیم خانہ ایک مدت سے قائم ہے اس مدرسہ میں تعلیم قرآن دی جاتی ہے اور حساب و اردو کی بھی تعلیم دی جاتی ہے اس میں یتیم بچوں کے علاوہ اور مسلمان بچے بھی تعلیم پاتے ہیں کسی سے کوئی فیس نہیں لی جاتی یتیم بچوں کی رہائش و خورد و نوش وغیرہ کا انتظام بھی ہے اس وقت تک اس مدرسہ و یتیم خانہ کی اپنی عمارت بھی نہیں تھی مگر اب عمارت زیر تعمیر ہے براہ کرم مطلع فرمایئے کہ آیا اس عمارت و یتیم خانہ میں رقومات زکوٰۃ فطرہ و چرم قربانی صرف کرنا مطابق شریعت جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۱۴۵ سکریٹری انجمن نصرۃ الاسلام دہرہ دون ۲۱ شوال ۱۳۶۵ھ ۲۵ ستمبر ۱۹۴۶ء

---

(۱) لا بأس ان یعطی من الزکاۃ من له مسکن' و مایتاثث به فی منزله' لو خادم' و فرس' و سلاح' و ثیاب البدن' و کتب العلم ان کان من اهله الخ (رد المحتار' کتاب الزکاۃ' باب المصرف ۳۴۷/۲ ط سعید)

(۲) الاسراف صرف الغنی فیما ینبغی زائد علی ما لا ینبغی (رد المحتار' کتاب الفرائض ۷۵۹/۶)

(۳) التبذیر صرفه (ای الشیء) فیما لا ینبغی (حواله بالا)

(۴) عن ابی هریرة قال : قیل یا رسول الله ! ما الغیبة؟ قال ذکرك اخاك بما یکره' قال ارایت ان کان فیه ما اقول' قال ان کان فیه ما تقول فقد اغتبته' وان لم یکن فیه ما تقول فقد بهته (ترمذی' ابواب البر والصلة' باب ماجاء فی الغیبة ۱۵/۲ ط سعید)

(جواب ۳۳۸) زکوۃ کی رقم عمارت میں خرچ نہیں کی جا سکتی کیونکہ ادائیگی زکوۃ کی حنفیہ کے نزدیک بدون تملیک کے کوئی صورت جائز نہیں (۱) ہاں حیلہ تملیک کر کے زکوۃ کی رقم تعمیر میں صرف کی جائے تو گنجائش ہے (۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

پھوپھی' خالہ' چچا اور بھائی کو زکوۃ دینا جائز ہے

(سوال) زکوۃ کا پیسہ سگی خالہ یا پھوپھی اور چچا کو یا سگے بھائی کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۱۸ اے سی منصوری (بمبئی) ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۱۵ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۳۹) زکوۃ کی رقم پھوپھی' خالہ' چچا' بھائی کو دینا جائز ہے سگے ہوں یا سوتیلے (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مدرسے کے سفیر کو زکوۃ کی رقم سفر میں خرچ کرنا

(سوال) (۱) مدرسہ کے جو سفیر یا ہر چندہ کی وصولیابی کے لئے مقرر رہوئے ہیں ان سے یہ کہا گیا ہے کہ دو قسم کی رقمیں تم کو ملیں گی مد تعلیم' مد زکوۃ' سفر خرچ میں ان میں سے نصف نصف خرچ کرنا اور جو تنخواہ تم کو ملے گی وہ بھی اسی حساب سے ملے گی تنخواہ میں تو کچھ شبہ نہیں' لیکن جو رقم سفر خرچ میں صرف ہوئی ہے چونکہ وہ قبل تملیک صرف ہو گئی اس لئے یہ شبہ ہے کہ جائز بھی ہے یا نہیں اگر ناجائز ہے تو اب تک جو ایسا کیا گیا اس کا کیا ہونا چاہئے

(۲) چرم قربانی شہر میں سے مدرسہ کے لئے مزدور کے ذریعہ سے منگائے جاتے ہیں بعض اصحاب نقد کی صورت میں اس کی قیمت دیتے ہیں کیا اس نقد میں سے اس مزدور کی اجرت دی جا سکتی ہے' جس نے کھالیں جمع کی ہیں یا نہیں المستفتی نمبر ۲۴۷۶ جناب مولوی محمد سعید صاحب جامع مسجد نگینہ (بجنور) ۱۹ صفر ۱۳۵۸ھ م ۱۰ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۴۰) ہو الموفق اموال زکوۃ و قیمت چرم قربانی میں سے اجرت عامل دینے کا جواز تو نا قابل تردد ہے (۱) اور اس صورت میں حیلہ تملیک کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی مہتمم مدرسہ اپنے سفیر

---

(۱) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا' لا اباحۃ' کمامر' ولا یصرف الی بناء نحو مسجد' ولا الی کفن میت' و قضاء دینہ' قولہ نحو مسجد' کبناء القناطر' والسقایات' واصلاح الطرقات' و کری الانہار' والحج والجہاد' و کل مالا تملیک فیہ الخ (رد المحتار' کتاب الزکاۃ' باب المصرف ۲/۳۴۴ ط سعید)

(۲) جیسے فقراء کو تملیک کرائے اور بعد میں وہ خوشی سے تعمیر میں لگائے دیکھیں صفحہ نمبر ۲۵۳ حاشیہ نمبر ۱

(۳) والا فضل فی الزکاۃ' والفطر' والنذور الصرف اولاً الی الاخوۃ' والاخوات' ثم الی اولادھم' ثم الی الاعمام' والعمات' ثم الی اولادھم' ثم الی الاخوال' والخالات' ثم الی اولادھم (ھندیہ' کتاب الزکاۃ' باب المصارف ۱۹۰/۱ ط کوئٹہ)

(۴) کیونکہ یہ منصوص علیہ ہے جیسے قرآن مجید کی آیت ہے والعاملین علیھا التوبۃ ۶۰

کو اپنی طرف سے وکیل بالتصرف بنا سکتا ہے یا استقراض کی اجازت دے سکتا ہے (۱) اور بوقت حساب تنخواہ اور مصارف سفر کو خرچ میں ڈال سکتا ہے ان تمام رقوم میں جس قدر رقم بطور نوٹ کے وصول ہوتی ہے اس میں تعین نہ ہونا تو ظاہر ہے اور جس قدر رقم روپیہ پیسوں کی صورت میں وصول ہوتی ہے اس میں بھی تعین پر عمل تقریباً ناممکن ہے کیونکہ تعین کا مقتضا تو یہ ہے کہ ہر معطی کی دی ہوئی رقم علیحدہ رکھی جائے اور ظاہر ہے کہ یہ صورت تقریباً ناممکن ہے پس نوع صدقہ کی علیحدگی اور حساب مجموعی پر اکتفا کیا جاتا ہے (۲) اور متعدد معطیوں کی رقم زکوۃ کا مجموعی حساب کر لیا جاتا ہے رقوم زکوۃ سب مختلط ہو جاتی ہیں پس جیسے کہ زید عمرو بکر کی دی ہوئی رقمیں مخلوط ہو جاتی ہیں اسی طرح مختلف مدات کی رقمیں بھی مخلوط ہو جائیں اور صرف کا حساب علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے یہ دونوں صورتیں یکساں ہیں واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

مدرسہ کے سفیر کو زکوۃ کی مد سے تنخواہ دینا

(سوال) (۱) مدارس عربیہ میں بمد زکوۃ جو روپیہ پہنچتا ہے کیا اس میں سے مدرسہ کے سفیر کو جو چندہ کی فراہمی کے لئے مقرر ہوتا ہے والعاملین علیہا کی مد میں داخل سمجھ کر اس کو تنخواہ میں وہ روپیہ دیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

(۲) مدرسہ کا کوئی ایسا مبلغ یا مدرس ہو جس کے پاس کسی رقم کا نصاب نہیں صرف ماہواری تنخواہ پر جو مدرسہ سے حاصل کرتا ہے نہایت تنگی اور دشواری سے اس پر گزارہ کر سکتا ہے کیا ایسے مبلغ یا مدرس کو بھی مدرسہ میں بمد زکوۃ آمدہ رقم سے تنخواہ دی جا سکتی ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۶۵۱ مولانا محمد چراغ صاحب مدرس مدرسہ گوجرانوالہ ۲۱ رجب ۱۳۵۹ھ ۲۶ اگست ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۴۱) (۱) زکوۃ کی رقم وصول کر کے لانے والوں کو اس رقم میں سے اجرت عمل دینے کی گنجائش ہے خواہ وہ غنی ہوں (۳) مگر کسی حال میں ان کی وصول کی ہوئی رقم کے نصف سے زیادہ نہیں دی جائیگی (۴)

(۱) یعنی سفیر سے یوں کہے کہ آپ اس سے خرچ کرتے رہیں آخر میں حساب برابر کر دیا جائے گا فقط

(۲) دیکھیں صفحہ نمبر ۲۷۸ حاشیہ نمبر ۳

(۳) وعامل یعم الساعی والعاشر ولو غنیا لا ہاشمیاً لانہ فرغ نفسہ لھذا العمل فیحتاج الی الکفایۃ والغنی لا یمنع من تناولھا عند الحاجۃ کابن السبیل بحر عن البدائع (الدر المختار کتاب الزکاۃ باب المصرف ۲/۳۳۹ ط سعید)

(٤) قولہ فیحتاج الی الکفایۃ لکن لا یزاد علی نصف ما قبضہ کما یاتی (رد المحتار کتاب الزکاۃ باب المصرف ۲/۳٤۰ ط سعید)

(۲) کسی مستحق زکوۃ کو زکوۃ کی رقم کسی عمل کے معاوضہ میں (سوائے تحصیل و جمع زکوۃ کے) نہیں دی جاسکتی کیونکہ زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک (۱) بلا عوض شرط ہے ملازمین مدتعلیم و تبلیغ کو تنخواہ بطور عقد اجارہ دی جاتی ہے جو تملیک بلا عوض نہیں ہے البتہ اگر ان کو بطور وظیفہ ماہواری رقم دی جائے اور مستاجر کی حیثیت سے ان کے عمل کی جانچ نہ کی جائے اور اجیر کی طرح ان سے مواخذت نہ ہوں تو پھر ان کو زکوۃ میں سے ماہواری وظیفہ دینا جائز ہو گا (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی
الجواب صحیح فقیر محمد یوسف دہلوی مدرسہ امینیہ ' دہلی

زکوۃ کے متعلق چند مسائل

(سوال) الف (۱) کونسے روپے یا نقدی پر زکوۃ واجب ہے اور کس حساب سے ؟
(۲) جیسا کہ بعض مولوی صاحبان نے فرمایا کہ "زکوۃ صرف زائد روپے پر واجب ہے" تو زائد روپے کی تعریف فرمائیے
(۳) مثال کے طور پر اختتام سال پر یعنی ماہ زکوۃ میں ایک شخص کی کل مالی حالت کے ایک سو روپے ہے اس میں سے پچاس روپے اس کے پاس جمع ہیں ' بقایا پچاس روپے تجارت یا کاروبار میں ملے ہوئے ہیں اور وہ تجارت فائدہ مند ہے اب ان تجارت والے پچاس روپوں میں سے پچیس روپے کا اس کے پاس تجارتی سامان ہے اور بقیہ پچیس روپے لوگوں کے ذمہ واجب الوصول ہیں اس صورت میں اس کے کتنے روپے پر زکوۃ واجب ہو سکتی ہے کیا کل مالی حالت پر یا زائد جمع روپے پر یا زائد تجارتی مال پر یا سب پر
(۴) ایک شخص اس سال کچھ رقم پر زکوۃ نکالتا ہے اگلے برس وہ رقم ڈیوڑھی ہو جاتی ہے تو کیا کل رقم پر زکوۃ واجب ہے یا صرف زیادتی پر ؟
(ب) زیورات ' سونا ' چاندی وغیرہ
(۱) کیا تمام زیور پر زکوۃ ہونا چاہئیے یا اس میں روز مرہ کے استعمال میں آنے والے اور نہ آنے والے کی تخصیص ہے کیونکہ بعض مولوی صاحبان کا فرمان ہے کہ جو زیور روز مرہ کے استعمال میں نہ آوے صرف اس پر زکوۃ فرض ہے ' دوسرے پر نہیں
(۲) سونے کی ایک مقدار یا زیور جس پر کہ آپ ایک برس زکوۃ دے چکے ہوں کیا اس پر دوسرے برس بھی فرض ہے یا اس کی زیادتی پر
ج۔ جائیداد ' مکان و زمین وغیرہ

---

(۱) ولو نوى الزكاة' بما يدفع المعلم الى الخليفة' ولم يستاجره ان كان الخليفة بحال لو لم يدفعه' يعلم الصبيان ايضا' اجزاه' والا فلا (هنديه' كتاب الزكاة' باب المصارف' ۱ / ۱۹۰ ط كوئٹه)
(۲) یہاں مدرسین کا مستحق زکوۃ ہونا بھی ضروری ہے البتہ اس تفصیل سے شبہ بعوض دور کرنا مقصود ہے نہ کہ مدرس کو عامل کے زمرے میں داخل کرنا فقط

(۱) کیا تمام جائیداد پر زکوۃ واجب ہے ؟
یا صرف اس جائیداد پر جس سے کوئی آمدنی ہو

۲- مستحقین زکوۃ
(۱) ایک شخص کا حقیقی بھائی یا بہت نزدیکی رشتہ دار بالکل اپاہج نہ ہو کام کاج کرتا ہو لیکن بہت عسرت کے ساتھ گزارہ ہو اور مقروض بھی ہو تو کیا اس کا قرضہ زکوۃ سے اتارا جا سکتا ہے ؟
(۲) کیا کسی عزیز یا دوسرے قریبی طالب علم کو بطور وظیفہ زکوۃ کا روپیہ دیا جا سکتا ہے ؟ **المستفتی نمبر** ۲۴۷۲ خاکسار فضل کریم پارسی بازار فورٹ (بمبئی) ۵ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ ۲۰ جون ۱۹۴۲ء
(جواب ۳۴۲) جس شخص کے پاس چھپن روپے(۱) ایسے ہوں کہ اس کے کھانے کپڑے وغیرہ ضروریات پوری ہونے کے بعد فاضل بچے ہوئے ہوں اور ان پر اسی طرح ایک سال گزر جائے تو اس پر چالیسواں حصہ زکوۃ واجب ہو گی(۲) یعنی ایک روپیہ پانچ آنے ۷ پائی زکوۃ ہوئی نقد روپیہ موجود ہو یا اتنی قیمت کا مال تجارت موجود ہو یا تجارتی سلسلہ میں لوگوں کے ذمہ قرض ہو سب کا حساب لگایا جائے گا مگر قرض کی زکوۃ قرض کی رقم وصول ہونے سے پہلے ادا کرنی لازم نہیں(۳) جس رقم کی زکوۃ ایک سال ادا کر دی گئی ہو اگر وہ رقم دوسرے سال بھی رہے تو دوسرے سال پھر زکوۃ ادا کرنی ہو گی اگر اتنی ہی رہی تو اتنی کی زکوۃ لازم ہو گی اور بڑھ گئی تو ساری رقم کی زکوۃ دینی ہو گی(۴) مثلاً ایک سال سو روپے تھے ختم سال پر سو روپے کی زکوۃ ادا کر دی اور بقیہ رقم دوسرے سال بھی محفوظ رہی تو سال پورا ہونے پر اس کی زکوۃ ادا کرنی ہو گی چاندی سونے کے زیور پر وزن کے لحاظ سے زکوۃ ہو گی(۵) زیور میں جواہرات خواہ کتنے ہی قیمت کے ہوں ان پر زکوۃ نہیں الا یہ کہ وہ مال تجارت ہوں زیور میں چاندی سونے پر بہر صورت زکوۃ ہو گی خواہ استعمال ہوں خواہ تجارتی خواہ یوں ہی رکھے رہیں(۶) جائیداد زمین مکانات کی قیمت پر زکوۃ نہیں۔

(۱) اس چھپن روپے کی قیمت اس وقت کے اعتبار سے چاندی کے نصاب تک پہنچتی ہو گی جو کہ ساڑھے باون تولہ ہے
(۲) وشرعا تملیك جزء مال عینه الشارع وهو ربع عشر نصاب حولي (الدر المختار کتاب الزکاة ۲/۲۵۶ ط سعید)
(۳) ولو کان الدین علی مقر ملی فوصل الی ملکه لزم زکاة مامضی (تنویرالابصار کتاب الزکاة ۲/۲۶۶-۲۶۷ ط سعید)
(۴) دیکھیں صفحہ نمبر ۲۵۹ حاشیہ نمبر ۳
(۵) وکذا فی حق الوجوب یعتبر ان یبلغ وزنها نصابا ولا یعتبر فیه القسمة بالا جماع (هندیة باب زکاة الذهب والفضة والعروض ۱/۱۷۹ ط کوئٹہ)
(۶) لازکاة في اللآلی والجواهر وان ساوت الفا الا ان تکون للتجارة والا صل ان ماعدا الحجرین والسوائم انما یزکی بنیة التجارة (رد المحتار کتاب الزکاة ۲/۲۷۳ ط سعید)

اصول (یعنی ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی) اور فروع (یعنی اولاد اور اولاد کی اولاد) کو زکوۃ دینا اور زوجین کا ایک دوسرے کو زکوۃ دینا جائز نہیں(۱) بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ان کی اولادوں کو ماموں، خالہ اور ان کی اولاد کو زکوۃ دینا جائز ہے(۲) کسی عزیز یا طالب علم کو بطور وظیفہ زکوۃ دینا جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) سید کو زکوۃ دینا جائز نہیں
(۲) تملیک کر کے زکوۃ کو مدرسے کے دوسرے کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں
(۳) امین یا وکیل، زکوۃ کو اپنی خرچ میں لائے تو ادائیگی کی صورت

(سوال) (۱) سید کو بحالت عسر و فقر زکوۃ کا روپیہ بلا حیلہ شرعی کے دینا درست ہے یا نہیں؟ (۲) ایک شخص ایک مدرسہ میں زکوۃ کا روپیہ بھیجتا ہے اب وہاں کوئی طالب علم ایسا نہیں ہے جس کو زکوۃ دیجائے تو یہ روپیہ کسی دوسرے مدرسہ کو یا ایسے اشخاص کو جو ضرورت مند ہوں باجازت زکوۃ دہندہ یا بلا اجازت دینا درست ہے یا نہیں؟ (۳) اگر کوئی شخص وکیل یا امین زکوۃ کے روپے کو اپنے صرف میں لے آیا ہو تو اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟ المستفتی نمبر سید ظفریاب حسن نگینہ ضلع بجنور ۳۰ محرم ۱۳۶۲ھ

(جواب ۳۴۳) (۱) سید کو زکوۃ و عشر کا روپیہ یا غلہ دینا درست نہیں(۳) ہاں حیلہ کر کے دیا جائے تو مضائقہ نہیں حیلہ کی صورت یہ ہے کہ کسی غیر سید غریب کو یہ کہہ کر دیدیا جائے کہ فلاں سید کو دینا تھا مگر وہ سید ہے اس کے لئے زکوۃ جائز نہیں لہذا تم کو دیتے ہیں اگر تم یہ کل یا بعض اس کو بھی اپنی طرف سے دیدو تو بہتر ہے اور وہ لیکر دیدے تو سید کے لئے جائز ہے(۴)

(۲) زکوۃ کی تملیک کر کے مدرسہ کے کسی دوسرے کام میں خرچ کر سکتے ہیں(۵)

(۳) جس قدر زکوۃ کی رقم اپنے خرچ میں لے آیا ہے اس کا ضامن ہے اتنی رقم بطور ضمان کے ادا کردے تو زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) ولا الی من بینهما' ولاد' ولو مملوکاً فقیراً' او بینهما زوجیه (الدر المختار' کتاب الزکاة' باب المصرف ۲ ۳٤٦ ط سعید)

(۲) و قید بالولاد لجوازه لبقیة الا قارب' کالا خوة' والاعمام' والا خوال الفقراء' بل هم اولیٰ' لانه صلة' و صدقة' (رد المحتار' کتاب الزکاة' باب المصارف ۲ / ۳٤٦ ط سعید)

(۳) ولا یدفع الی بنی هاشم' وهم آل علی' وآل عباس' و آل جعفر' وآل عقیل' وآل الحارث بن عبدالمطلب کذافی الهندیة' (هندیة' کتاب الزکاة' باب المصارف ۱ / ۱۸۹ ط کوئٹه)

(٤-٥) و حیلة التکفین بها التصدق علی فقیر' ثم هو یکفن' فیکون الثواب بهما' وکذافی تعمیر المسجد (الدر المختار' کتاب الزکاة ۱ / ۲۷۱ ط کوئٹه)

(٦) ولو خلط زکاة مؤکلیه' ضمن' وکان متبرعا' الا اذا وکله الفقراء (وفی الشامیة) لکن' قد یقال' تجزی عن الآمر مطلقاً لبقاء الاذن بالدفع (ردالمحتار' کتاب الزکاة ۲ / ۲٦۹ ط سعید)

مالدار شخص کو زکوۃ دینا جائز نہیں

(سوال) ایک مسجد کے امام صاحب ہیں ان کی لڑکی شادی شدہ بالغ ہے اس کا شوہر اسے نہیں لے جاتا ہے وہ کچھ نہ مار بھی رہتی ہے امام صاحب کو بستی کے لوگ فطرہ اور زکوۃ حقدار سمجھ کر دیتے ہیں اب یہ امام صاحب اس فطرہ اور زکوۃ کی آمدنی کو اس اپنی لڑکی کو دیدیں تو دینے والوں کی زکوۃ اور فطرہ ادا ہو گا یا نہیں ؟ امام صاحب ایسا جو کرتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں ؟ یہ لڑکی صاحب نصاب بھی نہیں ہے اور نہ مار بھی رہتی ہے پھر اگر یہ لڑکی اپنی خوشی سے اپنے والدین کو جو صاحب نصاب ہیں اس رقم کو دیدے تو والدین کو اپنے صرف میں لانا جائز ہو گا یا نہیں ؟ المستفتی میاں جی نور محمد موضع نی ضلع کوزکانوہ

(جواب ۳۴۴) صاحب نصاب کے لئے فطرہ اور زکوۃ جائز نہیں(۱) ہاں لڑکی اگر صاحب نصاب نہیں ہے تو اس کے لئے زکوۃ اور فطرہ جائز ہے وہ لیکر قبضہ کرلے تو پھر اسے اختیار ہے کہ وہ اپنے والدین کو جو صاحب نصاب ہیں اپنی طرف سے بطور ہدیہ کے اس میں سے دے یا کھلائے تو جائز ہے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

مہتمم مدرس اور متولی مسجد کو زکوۃ دینا.

(سوال) اگر صاحب نصاب کو فطرہ زکوۃ عشر وغیرہ کا مالک بنادیا جائے اور پھر ضرورت مند لوگوں پر خرچ کرتے رہا کریں جیسے کہ مدرسہ کا مہتمم یا مدرس یا مسجد کا متولی تو اس طرح زکوۃ و فطرہ وغیرہ ادا ہو گا یا نہیں ؟

(جواب ۳۴۵) صاحب نصاب کو زکوۃ فطرہ عشر کا مالک بنانا ہی جائز نہیں ہے جو صاحب نصاب ہو وہ ان تینوں قسم کے مال کا مستحق نہیں نہ اس کو دینا جائز (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

چند آیات کا مطلب.

(سوال) مندرجہ ذیل آیات کا مطلب بیان فرمائیں (۱) **وآت ذاالقربی حقه والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا**(۴) (۲) **وبالوالدین احسانا و بذی القربی والیتمی والمساکین**(۵)

(۱) ولا یجوز دفع الزکاۃ الی من یملک نصاباً ای مال کان' دنانیر او دراهم' او سوائم' او عروضا للتجارۃ او لغیر التجارۃ فاضل عن حاجته الاصلیة (هندیة' باب المصارف ۱/۱۸۹ ط کوئٹه)

(۲) وطاب لسیدہ' وان لم یکن مصرفا ما ادی الیه من الصدقات' فعجز کما فی وارث فقیر مات عن صدقة اخذها وارثه الغنی (تنویر الابصار' کتاب المکاتب' باب موت المکاتب' وعجزہ' وموت المولی ۶/۱۱۶ ط سعید) ولا یجوز دفع الزکاۃ الی من یملک نصابا ای مال کان' دنانیر او دراهم' او سوائم او عروضا للتجارۃ الخ

(۳) (هندیه' کتاب الزکاۃ' باب المصارف' ۱/۱۸۹ ط کوئٹه) لیکن مدرسوں کے مہتممین کو جو زکاۃ دی جاتی ہے وہ درحقیقت طلبہ کو دی جاتی ہے مہتمم زکاۃ دہندگان کا وکیل ہوتا ہے اور وکیل جب زکاۃ کو مصرف میں خرچ کرے تو زکاۃ ادا ہو جاتی ہے تو مہتمم جب زکاۃ کو مصرف پر خرچ کرے گا تو ادا ہو جائے گی لہذا مہتممین کو زکاۃ دینا جائز ہے (۴) الاسراء : ۲۶

(۵) النساء ۳۶

(۳) واذا حضر القسمة اولو القربیٰ واليتمیٰ والمساكين فارزقوهم وقولوالهم قولا معروفا(۱) المستفتی نمبر ۲۷۰۲ محمد سرور (جہلم) ۷ محرم ۱۳۶۱ھ م ۴ فروری ۱۹۴۲ء

(جواب ۳۴۶) ان آیات کریمہ میں ذوی القربیٰ اور مساکین اور مسافر کا ذکر ہے ذوی القربیٰ سے کنبہ کے لوگ مراد ہیں قریب وبعید ہونے کے لحاظ سے ان کے درجات مختلف ہیں ان کے حقوق بھی مختلف ہیں بعض کے حقوق مؤکد اور مقدم ہیں اور بعض کے مستحب اور مؤخر مثلاً مستطیع پر اس کی اولاد اور ماں باپ کا نفقہ واجب ہے مگر ایسے شخص پر اولاد کا نفقہ مقدم ہے جو یا تو اولاد کو نفقہ دے سکتا ہے یا ماں باپ کو یعنی دونوں کو دینے کی استطاعت نہیں رکھتا (۲)

صدقات واجبہ یعنی زکوٰۃ' فطرہ' عشر' کفارہ اپنے اصول و فروع کو نہیں دے سکتا(۳) ان کے علاوہ باقی تمام قرابتداروں کو جب کہ وہ مسکین ہوں دے سکتا ہے بلکہ اجنبی مساکین سے ان کا حق مقدم ہے صاحب مال کو جب علم ہو کہ اس کے کنبہ میں غریب اور حاجت مند لوگ ہیں تو اس کو خود ان کو دینا چاہئے ان کے مانگنے کا انتظار نہ کرنا چاہئے ضروری نہیں ہے کہ یہ ان کو زکوٰۃ یا صدقہ جتا کر دے بلکہ جتا کر نہ دینا ہی بہتر ہے' کیونکہ زکوٰۃ' صدقہ' خیرات کا نام سن کر وہ قبول کرنے سے احتراز کریں گے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مالدار اگر مفلس ہو جائے تو اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں.

(سوال) حمید چوتھی رمضان کو اہل زکاۃ تھا مال میں سے زکوٰۃ نکال کر مساکین کو تقسیم کر دی پھر چار پانچ روز کے بعد حمید مسکین ہو گیا اور کل تیس بتیس روپے حمید کے پاس رہ گئے اب اگر سعید زکات حمید کو دیوے تو حمید کو زکات کا روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی فیض الحسن از جونڈلہ ضلع کرنال

(جواب ۳۴۷) اب جب کہ حمید صاحب نصاب نہیں رہا تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے (۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) بھائی بہن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے
(۲) سید کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں
(۳) مالدار بیوہ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

---

(۱) النسآ ۸

(۲) وان كان للرجل اب و ابن صغير' وهو لا يقدر الا على نفقة احد هما فالا بن احق (هندية' كتاب الطلاق' باب النفقات' فصل في نفقة ذوى الارحام ۱/ ۵٦۵ كوئته)

(۳) ولا يدفع الى اصله' وان علا' و فرعه وان سفل (هندية' كتاب الزكاة' باب المصارف ۱/ ۱۸۸ ط كوئته)

(٤) ويجوز صرفها الى من لا يحل له السوال اذا لم يملك نصابا. ' و يجوز دفعها الى من يملك اقل من النصاب وان كان صحيحا مكتسبا (هندية' كتاب الزكاة' باب المصارف ۱۸۹/۲ ط كوئته)

(۴) ملکیت میں لانے کے بعد زکوۃ کو مدرسوں اور یتیم خانوں کو دینا جائز ہے۔
(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۲۵ء)
(سوال) (۱) میرے والدین مر چکے ہیں میرے سوتیلے بھائی بہن میرے بڑے بھائی کے پاس پرورش پاتے ہیں کیا میں ان چھوٹے بھائی بہنوں کی امداد زکوۃ کے روپے سے کر سکتا ہوں ؟ (۲) میں افغان ہوں میری ہمشیرہ کے خاوند سید ہیں اور مقروض ہیں کیا میں بہنوئی کا قرضہ زکوۃ کے روپے سے ادا کر سکتا ہوں (۳) کیا میں ایسی بیوہ کو زکوۃ کا روپیہ دے سکتا ہوں جس کا گزارہ دوسروں کی کمائی پر ہے اور خود اس کے پاس بہت سارو پیہ موجود ہے مگر خرچ نہیں کرتی (۴) کیا زکوۃ کا روپیہ قومی اور تبلیغی کاموں میں صرف کیا جا سکتا ہے کیا یہ مدرسوں اور یتیم خانوں میں دیا جا سکتا ہے کیا یہ روپیہ مرزائیوں اور خواجہ حسن نظامی کے تبلیغی جلسے میں دیا جا سکتا ہے ؟
(جواب ۳۴۸) (۱) غریب بھائی بہنوں کو زکوۃ کا روپیہ دیا جا سکتا ہے خواہ وہ سوتیلے ہوں یا سگے (۱) (۲) آپ اپنی ہمشیرہ کو زکوۃ کا روپیہ دے سکتے ہیں وہ اپنے خاوند کو ادائے دین کے لئے اپنی جانب سے دے سکتے ہیں (۲) (۳) جو بیوہ خود مالدار ہے اس کو زکوۃ کا روپیہ دینا جائز نہیں ہے (۳) (۴) زکوۃ کے روپے میں تملیک ضروری ہوتی ہے یعنی مستحق کو دیکر مالک بنادینا چاہئیے پس مدارس دینیہ میں غریب مستحق طلبا پر زکوۃ کا روپیہ تملیکاً خرچ ہو سکتا ہے اسی طرح تبلیغ میں بھی مستحقین کو دینے کے لئے خرچ ہو سکتا ہے لیکن جس کام میں تملیک نہ ہو جیسے تعمیر مساجد و تکفین موتی اس میں زکوۃ کا روپیہ خرچ نہیں ہو سکتا (۴)

محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرسہ امینیہ دہلی

نادار طالب علموں کو زکوۃ دینا جائز ہے۔
(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۲۷ء)
(سوال) زکوۃ کی رقم کسی ایسے نادار مگر ہونہار طالب علم مسلمان کو اس نیت سے دینا کہ وہ اسکول کی تعلیم حاصل کر کے دنیاوی زندگی کو بہتر بنا سکے از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں ؟

---

(۱) والا فضل فی دفع الزکاۃ ... اولا الی الاخوۃ والا خوات (ہندیۃ' کتاب الزکاۃ' باب المصارف ۱ / ۱۹۰ ط کوئٹہ)
(۲) دیکھیں صفحہ نمبر ۲۸۹ حاشیہ نمبر ۵،٤
(۳) ولا یجوز دفع الزکاۃ الی من یملک نصابا ای مال کان الخ (ہندیۃ' کتاب الزکاۃ' باب المصارف ۱ / ۱۸۹ ط کوئٹہ)
(٤) و یشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحۃ' کما مر' ولا یصرف الی بناء نحو مسجد' ولا الی کفن میت' و قضاء دینہ' قولہ نحو مسجد' کبناء القناطیر' والسقایات' و کل مالا تملیک فیہ (رد المحتار' کتاب الزکاۃ' باب المصرف ۲ / ۳٤٤ ط سعید)

(جواب ۳۴۹) زکوۃ کی رقم نادار طالب علم کو دیدینا جائز ہے(۱) خواہ وہ دینی تعلیم حاصل کرتا ہو یا معاشی' زکوۃ کا روپیہ اس کو بصورت تملیک دیا جانا شرط ہے(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

زکوۃ سے مدرسین کی تنخواہ جائز نہیں .
(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال)

(جواب ۳۵۰) زکوۃ کا روپیہ مدرسین و ملازمین مدرسہ کی تنخواہ میں دینا درست نہیں(۳) طلبہ کو بطور وظائف دیا جاسکتا ہے نیز ان کے کھانے 'لباس' سامان تعلیم میں خرچ کیا جاسکتا ہے مگر جو چیز ان کو زکوۃ کے روپے سے دی جائے وہ تملیکاً دی جائے محمد کفایت اللہ غفر لہ'

مصرف زکوۃ کے متعلق چند سوالات
(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۳۱ء)

(سوال) (۱) تبلیغ دین کے لئے مد زکوۃ میں سے روپیہ صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں (۲) مبلغ دین صاحب نصاب ہو کیا اس کی تنخواہ زکوۃ کے روپے سے ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں ؟(۳) مبلغ مذکور علاوہ تبلیغ کے اگر فراہمی زکوۃ کا کام بھی کرے تو زکوۃ سے اس کا سفر خرچ یا تنخواہ ادا ہو سکتی ہے یا نہیں (۴) اگر فراہم شدہ رقم اس کی ماہواری تنخواہ سے کم ہو اور غیر زکوۃ سے تنخواہ پوری کی جائے تو اس مخلوط تنخواہ کا کیا حکم ہے (۵) کیا زکوۃ میں تبلیغ دین کے لئے رسالوں کی اشاعت اور مفت تعلیم دی جاسکتی ہے یا نہیں (۶) مبلغ اگر سادات میں سے ہو تو اس کا کیا حکم ہوگا (۷) اگر مسلمانوں کو تبلیغ دین کی دعوت دی جائے تو اس دعوت میں طعام وغیرہ پر زکوۃ کا روپیہ صرف ہو سکتا ہے یا نہیں ؟(۸) تبلیغ دین کے لئے خط و کتابت میں زکوۃ کا روپیہ صرف ہو سکتا ہے یا نہیں (۹) تبلیغ دین کے لئے غیر مذاہب کی کتب مطالعہ کے لئے زکوۃ سے خرید کی جاسکتی ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۵۱) حنفیہ کے نزدیک ادائے زکوۃ کے لئے ضروری ہے کہ تملیک مستحق بغیر عوض کے طور پر دی جائے پس مال زکوۃ سے قاعدے' سیپارے' دینیات کے رسالے ٹریکٹ غریبوں اور ان کے بچوں کو مفت تقسیم کرنا تو جائز ہے اسی طرح تعلیم کا اور سامان اور نقد وظائف بھی دیئے جاسکتے ہیں مبلغ کی تنخواہ نہیں دی جاسکتی خواہ صاحب نصاب ہو یا نہ ہو غیر زکوۃ سے تنخواہ دی جاسکتی ہے سادات میں سے

---

(۱) و یجوز دفعها الی من یملك اقل من النصاب' وان كان صحيحا مكتسبا (هندیه' کتاب الزكاة' باب المصارف ۱۸۹/۱)

(۲) و یشترط ان یکون الصرف تملیکا' لا اباحة (الدر المختار' کتاب الزکاۃ' باب المصرف ۲/ ۳۴۴ ط سعید)

(۳) دیکھیں صفحہ نمبر ۲۸۷ حاشیہ نمبر ۱

مبلغ مقرر کئے جائیں یا غیروں میں سے طعام مہمانان بھی زکوۃ کے روپے سے دینا جائز نہیں(۱) کہ اس میں بھی تملیک مستحق نہیں ہوتی (۲) اسی طرح تبلیغ کے لئے خط و کتابت میں بھی زکوۃ کا روپیہ خرچ نہیں ہو سکتا(۳) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

اصول و فروع' مالدار اور سید کو زکوۃ دینا جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء)

(سوال)

(جواب ۳۵۲) زکوۃ اپنے باپ' دادا' دادی' نانا' نانی اور اولاد اور اولاد کی اولاد کو اور غنی کو اور بنی ہاشم کو نہ دی جائے(۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

چوتھا باب
ادائیگی زکوۃ

فصل اول۔ صحت ادائیگی

زکوۃ سے قرضہ ادا کرنا۔

(سوال) زید ایک مدرسے میں زکوۃ کی مد میں سے ہمیشہ کچھ رقم دیا کرتا تھا حسب معمول مدرسہ کا محصل چندہ لینے کی غرض سے آیا زید نے کہا کہ کل آکر لے جانا اتفاق سے زید دوسرے روز باہر سفر میں چلا گیا چونکہ محصل کو اسی روز واپس جانا تھا اس لئے اس نے وہ رقم بکر سے لے لی اور کہا کہ تم زید سے لے لینا اب اگر زید واپس آکر وہ رقم بکر کو دیدے تو اس کی زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں اگر ادا نہ ہو تو کیا صورت کی جائے گی ؟ المستفتی نمبر ۱۶۳ حافظ صبیح الدین صاحب سوداگر اسلحہ میرٹھ ۵ رمضان ۱۳۵۲ھ ۲۳ دسمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۵۳) محصل نے جو رقم بکر سے لے لی ہے وہ قرض ہے اب زید کو چاہئے کہ وہ رقم محصل کو

---

(۱) اگر صاحب نصاب ..... تملیک پایا جائے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی دیکھیں صفحہ نمبر ۲۷۴ حاشیہ نمبر ۱

(۲) فهي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي' ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه (هندية كتاب الزكاة ۱ / ۱۷۰ ط كوئٹه)

(۳) کیونکہ یہاں تملیک نہیں پائی جاتی اور زکاۃ میں تملیک شرط ہے دیکھیں صفحہ مذکورہ حاشیہ نمبر ۱

(٤) ولا من بينهما ولاد ..... و بني هاشم (تنوير الابصار' كتاب الزكاة' باب المصرف ۲ / ۳٤٦' ۳۵۰ ط سعيد)

ادا کرے اور محصل اس رقم سے بکر کا قرض ادا کرے یا زید بکر کو وہ رقم دیکر یہ ہدایت کرے کہ یہ رقم محصل کو دینے کے لئے میں تمہیں وکیل کرتا ہوں تم اس کی طرف سے قبضہ کرلو تو زید کی زکوۃ ادا ہو جائے گی (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سونے چاندی کے نصاب میں وزن کا اعتبار ہو گا .

(سوال) (۱) اگر کسی کے ذمے سو تولے چاندی زکوۃ کی نکلتی ہے اور بازار کے نرخ کے حساب سے سو تولہ چاندی پچاس روپے کی ہوتی ہے تو اگر کوئی شخص پچاس روپے زکوۃ میں نکال دے تو جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) اگر کسی کے ذمہ پچاس روپے زکوۃ واجب ہوتی ہے اور وہ شخص پچاس روپے کا نوٹ زکوۃ میں نکالتا ہے تو جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) کسی شخص نے ایک سائل کو زکوۃ میں سے پانچ روپے دینے چاہے تو اس نے پانچ روپے کا نوٹ دے دیا تو زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں مطلب یہ ہے کہ نوٹ کی صورت میں زکوۃ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۰۷ راؤ بہادر محمد عبدالحمید خاں رئیس باغپت میرٹھ ۱۰ شوال ۱۳۵۴ھ م ۹ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵٤) زکوۃ وزن کے لحاظ سے واجب اور وزن سے ہی ادا ہوتی ہے اگر سو تولے چاندی زکوۃ کی واجب ہوئی ہے تو سو تولے دینے سے ہی زکوۃ ادا ہو گی (۲) ہاں سو تولے چاندی کی قیمت غیر جنس سے مثلاً المونیم کے سکے سے ادا کی جائے تو ادا ہو جائے گی (۳)

(۲٬۳) پچاس روپے زکوۃ کے واجب ہوں تو پچاس روپے کے نوٹ دینے سے زکوۃ (۴) ادا ہو جائے گی (۵) محمد کفایت اللہ

---

(۱) اور چونکہ محصل نے بکر کو قبضہ کر کے اپنے قرض رکھنے کی اجازت پہلے سے دے رکھی ہے لہذا اس کو دینے کی ضرورت نہیں

(۲) دیکھیں صفحہ نمبر ۲۸۸ حاشیہ نمبر ۵

(۳) وان ادی من خلاف جنسہ یعتبر القیمۃ بالا جماع (ھندیۃ کتاب الزکاۃ باب زکاۃ الذھب والفضۃ والعروض ۱/ ۱۷۹ کوئٹہ)

(۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوۃ میں نوٹ دینا جائز ہے نوٹ کی تحقیق کے لئے کتاب الصرف باب کرنسی نوٹ میں فتویٰ نمبر ۲ ملاحظہ فرمایا جائے (واصف)

(۵) زکوۃ ادا ہو جائے گی کا مطلب یا تو یہ ہے کہ جب زکوۃ دینے والا نوٹ کو استعمال کرے گا تب نوٹ کے ذریعے دی ہوئی زکوۃ ادا ہو جائے گی جیسا کہ حضرت مفتی صاحب نے جلد ششم ص ۱۱۲ کتاب الصرف کے دوسرا باب کرنسی اور نوٹ کے متعلق سوال نمبر ۲ کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ " مگر جسکو نوٹ دیا ہے جب وہ اس کو کام میں لائے اس وقت زکوۃ ادا ہو جائے گی " اور یا حضرت مفتی صاحب کی تحقیق بدل گئی جیسا کہ آج کل نوٹ ہی سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے کہ اب یہ ثمن عرفی بن گیا ہے کیونکہ مفتی صاحب کا کتاب الصرف والا جواب ۱۹۳۴ء میں اور یہ زکوۃ والا جواب ۱۹۳۶ء میں لکھا گیا ہے ۔ لیکن پہلا احتمال غالب ہے کیونکہ نوٹ کے پیچھے سونے کو مکمل طور پر ۱۹۷۱ء میں ختم کیا گیا ہے جو بالاتفاق اب نوٹ ثمن عرفی بن گئے ہیں

گائے بیل وغیرہ اگر سال کا اکثر حصہ چر کر گزارتے ہوں تو زکوۃ واجب ہے!

(سوال) گورنمنٹ عالیہ نے مجھے کچھ زمین پر اس شرط پر پٹہ دے رکھی ہے کہ اس زمین پر پانچ سو گائیں رکھ کر نسل کشی سے گاؤں کو ترقی دوں اس زمین پر بہت کافی مالیہ ادا کرتا ہوں جانوروں کی کمی بیشی ہر سال ہوتی رہتی ہے ان گایوں پر زکوۃ دینا چاہتا ہوں ایک صاحب فرماتے ہیں کہ گایوں کے بدلے چھوٹی بچھڑیاں زکوۃ میں دینی چاہئیں مطلع فرمائیں کہ شرعی طور پر کیا حکم ہے گایوں کے بدلے کیا دیا جائے؟ بیل جو زراعت میں کام آتے ہیں ان کی زکوۃ ہے یا نہیں بھیڑ بکری پر کیا دینا چاہئے تمام گائیں سارے دن باہر ذخیرہ میں چر کر شام کو گھر آجاتی ہیں المستفتی نمبر ۹۵۰ دوست محمد خاں (ضلع ملتان) ۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۵ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵۵) اگر ان گایوں کو کھانے کے لئے چارہ وغیرہ دینا ہوتا ہے یعنی ان کی زندگی سال کے اکثر حصہ میں صرف چرنے پر نہیں ہے تو ان پر سوائم کی زکوۃ واجب نہیں (۱) بلکہ اگر وہ تجارت کے لئے ہیں تو ان کی قیمت پر چالیسواں حصہ زکوۃ کا واجب ہے اور اس صورت میں زکوۃ بصورت نقدیا اتنی قیمت کے بچھڑے یا گائے سب دینا جائز ہے (۲) اور اگر گائے سال کے اکثر حصہ میں چرنے پر گزارہ کرتی ہے تو ان کی قیمت پر زکوۃ نہیں بلکہ گنتی پر ہے اور اس صورت میں بچھڑے زکوۃ میں دینا درست نہیں بلکہ اسی قاعدے سے دینی ہوگی جو سوائم کی زکوۃ کے لئے مقرر ہے (۳) اس کو کسی مقامی عالم سے تفصیل وار دریافت کرلیں۔

زراعت کے بیلوں پر زکوۃ نہیں (۴) بھیڑ بکریاں جو صرف چر کر گزارہ کرتی ہیں ان پر زکوۃ ہے ان کا حساب بھی معین ہے (۵) جو کسی مقامی عالم سے دریافت کرلیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نوٹ کے ذریعے زکوۃ کی ادائیگی

(سوال) زید نے اپنی زکوۃ میں نوٹ نکالے اور یہ نوٹ بکر کو دے دیئے کہا یہ روپے میرے فلاں عزیز کو پاکستان میں دے دینا یا پہنچوا دینا بکر نے زید سے نوٹ لے کر محمود کو پاکستان رقعہ لکھ دیا کہ میں نے زید سے مبلغ اتنے روپے لے لئے ہیں اتنے ہی روپے تم زید کے فلاں عزیز کو دے دینا اسی طرح سے دینے

---

(۱) و لیس فی العوامل' والحوامل' والعلوفة صدقة (هداية' كتاب الزكاة' باب صدقة السوائم ۱ / ۱۹۲ ط شركة علميه ملتان)

(۲) یعنی جب تجارت کے لئے ہوں تو ان پر عروض تجارت کے احکام جاری ہوں گے

(۳) ليس في اقل من ثلثين من البقر صدقة فاذا كانت ثلثين سائمة وحال عليها الحول' ففيها تبيع او تبيعة (هداية' كتاب الزكاة' باب صدقة السوائم' فصل في البقرة ۱ / ۱۸۹ ط شركة علميه ملتان)

(۴) حاشیہ نمبر ۱ دیکھیں

(۵) فاذا كانت اربعين و حال عليها الحول' فيها شاة (هداية' كتاب الزكاة' باب صدقة السوائم' فصل في الغنم ۱ / ۱۹۰ ط ملتان)

میں زید کی زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں یا زید خود براہ راست ڈاک خانہ کے ذریعہ سے اپنے عزیز کو نوٹ بھیج سکتا ہے جب کہ ڈاک خانہ والے یہاں سے نوٹ وصول کر کے وہاں نوٹ ادا کرتے ہوں ایسی صورت میں زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی یا نہیں۔ المستفتی حاجی محمد داؤد صاحب (بلیماران دہلی)

(جواب ۳۵٦) نوٹوں کے ذریعہ زکوۃ ادا ہو سکتی ہے مگر اس وقت ادائیگی کا حکم دیا جائے گا جس وقت کہ ان نوٹوں کے بدلے کوئی مال حاصل کر لیا جائے (۱) دوسرے شخص نے اگر زید کے کہنے پر اس کی طرف سے زکوۃ ادا کر دی تو زکوۃ ادا ہو جائے گی (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

زکوۃ دینے والے کا وکیل اگر رقم ضائع کر دے تو زکوۃ ادا نہ ہو گی!

(سوال) زید نے مد زکوۃ و فطرہ مشترکہ کسی مدرسہ یتیم خانہ میں بذریعہ رجسٹری مذکورہ بالا رقوم کو روانہ کیا مدرسہ مذکورہ کے ناظم کا خط آیا کہ رجسٹری مذکور مہر بند دستیاب ہوئی جس میں ایک رقعہ بھی ہمراہ تھا وہ بر آمد ہوا لیکن رقوم نہ ملیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کے ذمے سے ہر دونوں زکوۃ و فطرہ ساقط ہو گئے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۱۳۸۱ حاجی محمد ظہور احمد خاں صاحب (شانزد نانڈوے) ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۴ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۵۷) اس صورت میں بھیجے جانے والے کے ذمہ سے زکوۃ اور فطرہ ادا نہیں ہوا کیونکہ ڈاک خانہ مرسل کا وکیل ہے مرسل الیہ کا نہیں (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

زکوۃ کو دوسرے کی ملکیت میں دینا ضروری ہے.

(سوال) ایک شخص زکوۃ کے روپے سے یہ کام کرنا چاہتا ہے کہ ایک یتیم خانہ جاری کرے اور یتیم بچوں کو مختلف قسم کے کام سکھائے' زاں جملہ بیڑی بنانے کا کام بھی سکھایا جائے اور جو بیڑی اس طرح تیار ہوں وہ فروخت کی جائیں اور وہ رقم یتیم خانہ میں صرف ہو چونکہ تمباکو میں ایک قسم کا نشہ ہے گو یہ ہر جگہ اور ہر ملک میں خصوصاً عرب میں عام رواج ہے اور بیڑی کثرت سے فروخت ہوتی ہے' تاہم چونکہ زکوۃ کا معاملہ ہے اس لئے یہ اطمینان کرنا ضروری ہے کہ یہ کام جائز ہو گا یا نہیں دوسری بات دریافت طلب یہ ہے کہ زکوۃ کا روپیہ یتیم خانہ کی عمارت تعمیر کرانے میں اور اس کا سامان مثلاً فرش' پلنگ وغیرہ خریدنے

(۱) اب یہ حکم نہیں بلکہ اب نوٹ خود ثمن عرفی بن گئے ہیں جن کو دیتے ہی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے آگے چاہے قابض استعمال کرے یا نہ کرے یا ضائع کرے فقط

(۲) ولو تصدق عنه بامره جاز (ردالمحتار' كتاب الزكاة ۲ / ۲٦۹ ط سعيد)

(۳) لہذا تملیک نہیں پائی گئی اور تملیک شرط ہے' اذا فات الشرط فات المشروط تو جس طرح موکل خود اگر نہ دیتا تو زکوۃ ادا نہ ہوتی اسی طرح وکیل کے ضائع کرنے سے بھی زکاۃ ادا نہیں ہوئی' فان فعل الوكيل كفعل المؤكل (طحطاوی على الدر المختار كتاب الزكاة ۱ / ۳۹٤ بيروت دار المعرفة)

میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۵۳۲ ایچ محمد سمیع اللہ صاحب (علیگڑھ) ۲۸ جمادی ثانی ۱۳۵۸ھ ۱۶ اگست ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۵۸) زکوۃ ادا ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ زکوۃ کی رقم مستحقین زکوۃ کو بغیر عوض تملیکاً دی جائے (۱) پس زکوۃ کی رقم یتیم خانہ کی تعمیر میں نہیں ہو سکتی ایسا سامان بھی نہیں خریدا جاسکتا جو بطور تملیک کے مستحقین کو نہ دیا جائے مثلاً یتیم خانہ کے پلنگ ' فرش ' فرنیچر ' ظروف وغیرہ زکوۃ کا روپیہ ملازمین یتیم خانہ کو تنخواہ کے طور پر خدمات مفوضہ کے عوض میں بھی نہیں دیا جاسکتا (۲) ہاں یتیموں کی خوراک ' لباس میں خرچ ہو سکتا ہے یا وظائف کی شکل میں نقد دیا جاسکتا ہے بیڑی کا کام کرنا اور یتیموں سے بیڑی بنوانا اور اس کی تجارت کرنا مباح ہے زکوۃ کی رقم ایسے کاروبار میں لگانا بھی مباح ہے مگر زکوۃ اس وقت ادا ہو گی جب رقم مستحق کی ملک میں بغیر عوض داخل ہو گی (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

سال آنے سے پہلے زکوۃ نکالنا جائز ہے۔

(سوال) بکر صاحب نصاب ہے سال آنے سے پہلے وقتاً فوقتاً کسی کو کپڑا کسی کو غلہ کسی کو نقدی زکوۃ میں دیدیتا ہے دیتے وقت زکوۃ کی نیت بھی کر لیتا ہے سال پورا ہونے پر جو پیسہ حساب سے زکوۃ کا نکلتا ہے اس میں سے پیشگی دی ہوئی مذکورہ چیزوں کی صحیح قیمت اور نقدی کا جوڑ ملا کر اصل رقم مذکورہ سے نکال لیتا ہے اور کمی بیشی کا حساب بدستور نوٹ کر لیتا ہے اس طرح زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟

(جواب ۳۵۹) بکر اپنی زکوۃ سال بھر ادا کرتا رہتا ہے اور اخیر میں ادا شدہ زکوۃ کی قیمت پوری کر دیتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں یہ جائز ہے (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

تجارت میں نفع پر سال گزرنا ضروری نہیں ' اصل مال کے ساتھ اس کی بھی زکوۃ ضروری ہے۔

(الجمعیۃ مورخہ ۲ فروری ۱۹۲۶ء)

(سوال) ایک شخص نے دو ہزار روپے کے سرمائے سے ایک کام جاری کیا اور ایک سال کے بعد چھ ماہ بند جنے پر اس کو کچھ نفع بھی ہوا تو اس کی زکوۃ مع نفع کے دینی چاہئیے یا اس کے نفع پر ایک سال گزرنا چاہئیے ؟

---

(۱) فهي تمليك مال من فقير مسلم غير هاشمي ' ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه الخ (هندية ' كتاب الزكاة ۱ / ۱۷۰ ط كوئته)

(۲) ان تمام صورتوں میں یا تملیک نہیں یا تملیک ہے لیکن بلا عوض نہیں

(۳) حاشیہ نمبر ۱ دیکھیں

(٤) و يجوز تعجيل الزكوة بعد ملك النصاب ' ولا يجوز قبله (هندية ' كتاب الزكاة ۱ / ۱۷٦ ط كوئته)

(جواب ۳۶۰) سال ختم ہونے پر کل مال یعنی اصل و نفع دونوں کے مجموعہ کی زکوٰۃ دینی چاہیے(۱)
محمد کفایت اللہ غفرلہ'

زکوٰۃ کی رقم دوسری رقوم میں ملا کر پھر مصرف میں خرچ کیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی.

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک شخص کی آمدنی کو جس میں زکوٰۃ وغیرہ ہے خلط کر دیتا ہے اور قرض بھی دے دیتا ہے اور خود بھی لے لیتا ہے اس کی ادائیگی شرعاً کس طور پر کرے ؟

(جواب ۳۶۱) زکوٰۃ کی آمدنی کو دوسری آمدنی میں ملانا نہیں چاہیے ملانے کے بعد ملانے والا ضامن ہو جاتا ہے یعنی اگر وہ روپیہ ہلاک ہو جائے تو اسے دینا پڑے گا اگر ہلاک نہ ہو تو مصرف زکوٰۃ میں خرچ کرنے سے ادا ہو جاتا ہے اور قرض بھی وصول ہونے اور مصرف میں صرف کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے فقط محمد کفایت اللہ غفرلہ'

مہر کی رقم پر زکوٰۃ.

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید کی زوجہ کا پانچ سو روپے دین مہر ہے وہ ادا کرنا چاہتا ہے مگر زوجہ اس کو ایک رسمی چیز سمجھ کر اپنے قبضہ میں نہیں کرتی اور نہ اپنے کو اس کا مالک سمجھتی ہے اور زید کے پاس نقد پانچ سو روپیہ موجود ہے اب اس کا زکوٰۃ کیونکر ادا کیا جائے زید تو اس وجہ سے اس کا زکوٰۃ نہیں دیتا ہے کہ میں بیوی کے دین کا مقروض ہوں اور بیوی اس وجہ سے نہیں دیتی کہ اپنے کو مالک نہیں سمجھتی۔

(جواب ۳۶۲) جب کہ زید کا ارادہ مہر ادا کرنے کا ہے تو زید کے ذمہ اس روپے کی زکوٰۃ نہیں ہے زوجہ کو چاہیے کہ روپیہ وصول کر کے خود زکوٰۃ ادا کرے یا خاوند کو اجازت دے کہ وہ اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے۔(۲) محمد کفایت اللہ غفرلہ'

زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے مسجد 'تالاب اور شفاخانہ بنانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی.

(الجمعیۃ مورخہ ۵ مارچ ۱۹۳۱ء)

(سوال) زید اپنے مال کا زکوٰۃ ادا کرتا رہا اب اس سال لوگوں نے اس سے کہا کہ زکوٰۃ انفرادی طور پر

---

(۱) ومن كان له نصاب فاستفاد في اثناء الحول مالا من جنسه ضمه الى ماله وزكاه سواء كان المستفاد من نمائه اولا وباى وجه استفاد ضمه الخ (هندية كتاب الزكاة ۱ / ۱۷۵ ط كوئته)

(۲) کیونکہ یہ حق مہر بیوی کا دین ہے جو قابل وصول ہے لہٰذا اس کی زکوٰۃ بیوی کے ذمے ہے چاہے خود ادا کرے یا شوہر کو وکیل بنائے

اپنے اختیار سے جو خرچ کیا جاتا ہے وہ طریقہ صحیح نہیں ہے زکوۃ اجتماعی طور پر جمع کر کے کسی کمیٹی کے ماتحت خرچ کرنا چاہئیے اب زید اس کشمکش میں ہے کہ زید جس قریہ میں رہتا ہے وہاں کے لوگ باوجود اہل ثروت ہونے کے زکوۃ نکالتے ہی نہیں پھر کمیٹی اور اجتماعی صرف کس طرح ہو سکتا ہے نیز یتیم خانہ مسافر خانہ 'شفاخانہ 'مدرسہ 'دارالتبلیغ 'کنواں 'تالاب 'مسجد پر خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۶۳) زکوۃ کی ادائیگی کے لئے حنفیہ کے نزدیک تملیک مستحق بغیر عوض ضروری ہے پس جن صورتوں میں تملیک نہ پائی جائے (جیسے مسجد تالاب 'مسافر خانہ 'دارالاشاعت وغیرہ کی عمارتوں پر خرچ کر دینا) ان صورتوں میں زکوۃ ادا نہیں ہوتی(۱) یہ ہو سکتا ہے کہ زکوۃ کی رقم سے کتابیں وغیرہ خرید کر مستحق زکوۃ اشخاص کو تملیکاً دیدی جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زکوۃ کی رقم کسی مستحق کو تملیکاً دیدی جائے اور وہ اپنی طرف سے جس کام میں چاہے خرچ کردے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

قرضہ معاف کر کے اسے زکوۃ میں شمار کرنا.

(الجمعیۃ مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۳۷ء)

(سوال) ایک شخص کو بوجہ شراکت کارخانہ روپیہ بطور قرض حسنہ دیا تھا اور وعدہ یہ تھا کہ اس روپے کو میں آہستہ آہستہ اتاردوں گا مگر کچھ دنوں بعد شراکت توڑ دی اور کاروبار تمام اس کے سپرد کر دیا کچھ دنوں بعد اس نے بھی بوجہ تنگ دستی کارخانہ چھوڑ دیا روپیہ شخص مذکور کے ذمہ اسی طرح ہے اور وہ بوجہ غربت ادا نہیں کر سکتا آیا وہ روپیہ مد زکوۃ میں کٹ سکتا ہے یا نہیں مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی زکوۃ اس روپے میں کاٹ لیں یا نہیں ؟

(جواب ۳۶٤) مدیون مفلس ہو جائے اور اس سے ادائے دین کی امید نہ ہو اور دائن اس سے درگذر کرنا چاہے تو یہ صورت تو جائز نہیں کہ زکوۃ کو دین میں محسوب کر کے اس کو بری کردے(۳) مگر یہ صورت جائز ہے کہ زکوۃ کی رقم اس مدیون کو علیحدہ دیدے اور اس کے قبضہ ملک میں چلے جانے کے بعد پھر اس سے اپنے قرض میں واپس لے لے نتیجہ ایک ہی ہے مگر یہ صورت ادائے زکوۃ کی شرعی صورت ہے(٤) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

....

(۱) دیکھیں صفحہ نمبر ۲۸۰ حاشیہ نمبر ۴

(۲) ان الحیلة ان یتصدق علی الفقیر' ثم یامرہ بفعل ھذہ الاشیاء (الدر المختار' کتاب الزکاۃ' باب المصرف ۲/۳٤۵ ط سعید)

(۳) واداء الدین عن العین' و عن دین سیقبض' لا یجوز (الدر المختار' کتاب الزکاۃ ۲/ ۲۷۰ ط سعید)

(٤) وحیلة الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکاتہ' ثم یاخذھا عن دینہ ولوامتنع المدیون مدیدہ' اخذھا' لکونہ ظفر بجنس حقہ (الدرالمختار' کتاب الزکاۃ ۲/ ۲۷۱ ط سعید)

زکوۃ میں سرکاری ریٹ کا اعتبار ہوگا بلیک مارکیٹ کا نہیں

(سوال) ایک شخص نے کوٹہ میں دس بنڈل سوت مقررہ سرکاری ریٹ یا بحساب رٹیل مثلاً دس روپے فی بنڈل کے حساب سے چالیس بنڈل سوت پایا مگر بلیک مارکیٹ میں اس سوت کا تیس روپے فی بنڈل ہے تو اب زکوۃ ادا کرتے وقت اس شخص کو سوت مذکورہ کا دام دس روپے فی بنڈل (جو کہ قیمت خرید ہے) لگانا چاہئیے یا تیس روپے فی بنڈل (جو کہ بلیک مارکیٹ کا دام ہے) المستفتی سعید احمد انصاری زید پوری ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء

(جواب ۳۶۵) دس روپے فی بنڈل قیمت لگانی چاہئیے اور اسی حساب سے فروخت کرنا چاہئیے بلیک مارکیٹ سے فروخت کرنا ناجائز ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

زکوۃ میں سونا چاندی کی موجودہ قیمت کا اعتبار ہوگا.

(سوال) (۱) سونا چاندی یا اس کے زیورات جو کہ مثلاً ۱۹۶۵ء میں جب کہ سونا تیس روپے اور چاندی آٹھ آنے تولہ تھی کسی شخص نے بطور گرہستی (جائیداد) کے خرید اتھانہ بغرض تجارت' تو اب اس شخص کو ۱۹۴۷ء میں جبکہ سونا مثلاً نوے روپے اور چاندی ڈیڑھ روپے تولہ ہے' زکوۃ کس حساب سے ادا کرنی چاہئیے ؟

(۲) اگر کوئی شخص مفروضہ زکوۃ جو کہ اس پر واجب ہے اس سے زائد رقم لیکر تقسیم کرے اور یہ نیت کرے کہ یہ زائد رقم آئندہ سال کی زکوۃ میں وضع (مجرا) کرلوں گا تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں اور وہ زائد رقم بمد زکوۃ ہوگی یا خیرات ؟

(۳) زکوۃ کی رقم علیحدہ رکھ کر سال بھر رفتہ رفتہ خرچ کرنا کیسا ہے ؟

المستفتی سعید انصاری۔ زید پور بارہ بنکی

(جواب ۳۶۶) (۱) موجودہ نرخ چاندی سونے کا زکوۃ نکالنے کے لئے معتبر ہوگا (۲)

(۲) جس پر زکوۃ واجب ہے وہ پیشگی بھی دیدے تو جائز ہے آئندہ سال اس کو حساب میں محسوب کرلے (۳)

(۳) ہاں زکوۃ کی رقم علیحدہ رکھ کر آہستہ آہستہ خرچ کرنا جائز ہے مگر بغیر خاص ضرورت کے ایسا نہ کرنا

---

(۱) لیکن اگر بلیک مارکیٹ میں فروخت کرلیا تو آمدنی حلال ہوگی مگر حکومت کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا باقی زکوۃ میں ادا کرتے وقت قانونی نرخ کا اعتبار ہوگا

(۲) ان الواجب الا صلی عندهما هو ربع عشر العین' وانما له ولاية النقل الى القيمة يوم الاداء فيعتبر قيمتهما يوم الاداء' والصحيح ان هذا مذهب جميع اصحابنا (بدائع الصنائع' كتاب الزكاة' فصل واما صفة الواجب في اموال التجارة ۲/۲۲ ط سعيد)

(۳) ويجوز تعجيل الزكوة بعد ملك النصاب' ولا يجوز قبله (هندية' كتاب الزكاة ۱/۱۷۶ ط كوئٹه)

بہتر ہے (۱)ہاں آئندہ سال کی زکوۃ میں سے تھوڑا تھوڑا خرچ کرتے رہنا جائز ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فصل دوم۔ ادائیگی بسال قمری و شمسی

انگریزی سال کے حساب سے زکوۃ ادا کرنے کی صورت

(سوال) چند روز گزرے کہ مخلصی حاجی داؤد یوسف لبوت صاحب نے آخر ماہ دسمبر میں حساب کرتے ادائی زکوۃ کے متعلق میرے مشورے سے سہارنپور اور آپ کی خدمت میں سوال بھیجا تھا جس کے جواب میں جناب نے اس طرح تحریر فرمایا ہے "مثلاً ۲۰ رمضان تک سال بھر کی زکوۃ بارہ روپے ۰۰۰۰۰۰ ہوتی ہے اور ۳۱ دسمبر تک ۲۰ رمضان سے دو ماہ کا فرق ہے تو پہلی بار بجائے بارہ روپے کے چودہ روپے پھر ہر سال اگر روپیہ ماہوار زکوۃ ہو تو سالانہ بارہ روپے پانچ آنے چار پائی ادا کئے جائیں اور پھر ہر سال کی زکوۃ میں اگر ایک روپیہ ماہوار کی زکوۃ آتی ہو تو سال کی زکوۃ میں بارہ روپے پانچ آنے چار پائی ادا کئے جائیں" اس کے متعلق یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شرعی حکم یہ ہے کہ مثلاً شروع سال زکوۃ میں کسی کے پاس ایک ہزار روپیہ فارغ بصورت نقد وغیرہ ہے اور آخر سال زکوۃ میں دس ہزار روپیہ ہو گیا یا سو روپیہ رہ گیا تو صورت اول میں دو سو پچاس روپے اور بصورت دیگر ڈھائی روپیہ زکوۃ دینا ہو گی پس اگر انگریزی سال آخر دسمبر کا حساب قائم رکھنے کے لئے ہر سال حساب سال گزشتہ قمری دس دن کی زکوۃ زیادہ ادا کی جائے تو اس میں یہ خرابی معلوم ہوتی ہے کہ شرعاً یہ دس دن زائد سال آئندہ کے حساب میں آنا چاہئے اور اکثر یہی ہو گا کہ ان دس دنوں کی زکوۃ سال گزشتہ کے اعتبار سے کم یا زیادہ ہو گی جس سے قاعدہ شرعیہ کی مخالفت لازم آئے گی نیز یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ صورت مذکورہ میں پہلے سال سال زکوۃ قمری اور آخر دسمبر میں مثلاً دس دن کا فرق ہو جائے گا تو دوسرے سال بیس دن اور تیسرے سال تیس دن کا فرق ہو گا وہکذا نتیجہ یہ ہو گا کہ بڑھتے بڑھتے سال زکوۃ اور آخر دسمبر میں چھ سات یا آٹھ ماہ کا فرق مثلاً پڑ جائے گا اور شرعاً یہ چھ سات ماہ زائد آئندہ کے حساب میں آنے چاہئیں لیکن در صورت عمل فتویٰ معلوم گزشتہ کے تابع کرنا پڑیں گے جو کہ بظاہر تجاوز عن حدود اللہ ہو گا۔ المستفتی نمبر ۲۶۸۹ مولانا مولوی عبدالخالق صاحب رنگون (برما) ۲۴ شوال ۱۳۶۰ھ ۱۵ نومبر ۱۹۴۱ء

(جواب ۳۶۷) انگریزی حساب سے زکوۃ ادا کرنے کا مسئلہ اس طرح ہے کہ جس شخص کا سال یکم محرم سے شروع ہوا اور فرض کیجئے کہ یکم محرم یکم جنوری کے مطابق تھی تو اخیر ذی الحجہ پر قمری سال ختم

(۱) کیونکہ ممکن ہے کہ مکمل ادائیگی سے قبل انتقال ہو جائے لہذا مستحق زکوۃ ملتے ہوں تو بہتر ہے کہ جلدی ادا کرے

(۲) ویجوز تعجیل الزکوۃ بعد ملک النصاب' ولا یجوز قبلہ (ہندیۃ' کتاب الزکاۃ ۱/۱۷۶ ط کوئٹہ

ہو گیا اور انگریزی سال کے دس یا گیارہ دن باقی ہوں گے تو جب کہ اس نے اخیر ذی الحجہ کو سال تمام قرار دیکر زکوۃ ادا کر دی تو قمری سال کی زکوۃ ادا ہو گئی اب دس گیارہ روز کے بعد اس نے دس گیارہ دن کی زکوۃ موجودہ رقم کے حساب سے ادا کر دی (جس کا اسے حق ہے) تو اب ۳۱ دسمبر کو اس کا ذمہ زکوۃ سے بالکل فارغ ہو گیا اب اس کے سال کی ابتدا آئندہ محرم کی پہلی تاریخ سے نہ ہو گی بلکہ اب اس کا سال ۱۱ محرم سے شروع ہو گا اور آئندہ دس محرم پر ختم ہو گا پھر یہ دس محرم تک سال بھر کی زکوۃ دے گا اور بیس محرم کو جو اب یکم جنوری کے مطابق ہو گی دس دن کی زکوۃ ادا کر کے فارغ ہو جائے گا اور اب اس نہ سال یکم یا دس محرم کی جگہ ۲۱ محرم سے شروع ہو گا میرے خیال میں تو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے اور نہ مرور ایام سے آٹھ دس مہینے بنتے ہیں بلکہ ہر سال کی ابتدا دس روز بعد سے ہوتی ہے اور ہر سال کے ختم پر یہ دس دن کی زکوۃ موجودہ مالیت کے لحاظ سے ادا کر کے سبکدوش ہو جائے گا کیونکہ ملک نصاب پر زکوۃ واجب ہو جاتی ہے اور قبل حولان حول ادا صحیح ہے اور صحت ادا فراغ ذمہ کو مستلزم ہے لہذا اب آغاز سال فراغ ذمہ کی تاریخ کے بعد سے ہو گا (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل سوم۔ تملیک اور حیلہ تملیک

زکوۃ سے مدرسین کی تنخواہ دینا۔

(سوال) آج کل ماہ رجب میں عموماً ارکان مدارس عربیہ اپنے اپنے مدرسے کے لئے لوگوں سے زکوۃ کا روپیہ وصول کر لیتے ہیں اور یہ بھی جناب پر ظاہر ہو گا کہ اکثر مدارس کے چلنے کا ایسی ہی قسم کے روپے پر زیادہ مدار ہے حیلہ کر کے یعنی کسی غریب کو قبضہ کرا کے مدرسہ میں داخل کرنا بعض دفعہ دل کو معیوب معلوم ہوتا ہے اور بعض دفعہ منتج للمطلوب نہیں ہوتا عاملین کے متعلق تو فقہا نے لکھ ہی دیا ہے کہ ان کو بقدر عمل لے لینا جائز ہے کیا مدرسین کی تنخواہیں اس زکوۃ کے مال سے کسی جزئیہ کے ماتحت دی جا سکتی ہیں ؟ اگر کوئی ایسا جزئیہ نکل آئے تو مدرسے کے چلنے کی صورت زیادہ آسان ہو جاتی ہے نیز کیا شافعیہ مالکیہ حنابلہ کے ہاں ایسی صورت میں روپیہ زکوۃ کا صرف کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۱۵ مولوی محمد خلیل صاحب مدرس مدرسہ انوار العلوم' جامع مسجد گوجرانوالہ ۲۶ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۶ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۶۸) چونکہ حنفیہ کے نزدیک زکوۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک بلا عوض ضروری ہے (۲) اور

---

(۱) بہر حال زکوۃ میں اعتبار قمری سال کا ہو گا چاہے مذکورہ بالا ترتیب سے دیا کرے یا چاہے یکم جنوری کے ۲۰ دسمبر اور اس کے بعد تیس سے سال ۱۰ دسمبر اور پھر یکم دسمبر تب بھی صحیح ہے یعنی ہر سال دس دن پہلے زکوۃ نکالا کرے ہندیہ میں ہے العبرة في الزكاة للحول القمري' كذا في القنية (هندية' كتاب الزكاة ۱ /۱۷۵ ط كوئته)

(۲) فهي تمليك مال من فقير مسلم غير هاشمي' ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه (هندية كتاب الزكاة ۱ /۱۷۰ ط كوئته) وانظر ايضا ص ۲۵۲ حاشيه نمبر ٤

اس اصل سے سوائے عاملین کے اور کوئی مستثنیٰ نہیں اس لئے حنفی اصول کے مطابق مدرسین کی تنخواہ زکوۃ میں سے نہیں دی جاسکتی البتہ دیگر ائمہ کے مسلک کے موافق جو تملیک کو ضروری نہیں سمجھتے اور امور خیر میں زکوۃ کا روپیہ خرچ کرنے کی اجازت دیتے ہیں اس کی گنجائش ہے کہ مدرسین کی تنخواہیں زکوۃ کے روپے سے ادا کردی جائیں اس میں شک نہیں کہ دینی تعلیم کا وجود بقا اسلامی عربی مدارس پر موقوف ہے اور مدارس کی زندگی کا مدار آج کل زکوۃ پر ہی رہ گیا ہے معاملہ اہم ہے مگر اسکا فیصلہ حنفیہ کے علمائے متدین و موقع شناس اجتماعی رائے سے کر سکتے ہیں محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حیلہ کے ذریعے زکوۃ کو مدرسہ پر خرچ کرنا.

(سوال) مدرسہ اسلامی کے اندر زکوۃ دینی جائز ہے یا نہیں مدرسہ قوم کا ہے اور اس قوم کے بچے اور دیگر شہر کے بچے اسلامی تعلیم حاصل کرتے ہیں آیا اس قومی مدرسے کے اندر صدقہ فطر یا قربانی کی کھال یا زکوۃ کا روپیہ صرف ہو سکتا ہے یا نہیں قوم کے لوگ مالدار اور صاحب نصاب ہیں ایسے مدرسوں میں زکوۃ لگ سکتی ہے یا نہیں دوسرے لوگ اگر بوجہ تعصب کے مدرسے کے اندر چندہ نہ دیں تو خطرہ ہے کہ مدرسہ بند ہو جائے گا آیا اس صورت میں بھی زکوۃ لگ سکتی ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۴۳۵ مولوی عبدالرحمن (سیکر) ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ م ۳ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۶۹) زکوۃ کا روپیہ غریب و مسکین طالب علموں کے کھانے یا کپڑے اور سامان تعلیم پر بطور تملیک طلبہ کو دینے کے لئے خرچ کیا جاسکتا ہے مدرسین و ملازمین کی تنخواہوں یا تعمیرات میں خرچ نہیں ہو سکتا (۱) اگر اور کوئی آمدنی نہ ہو اور مدرسہ بند ہو جانے کا خطرہ ہو تو ایسے وقت زکوۃ کا روپیہ حیلہ شرعیہ کے ساتھ خرچ کیا جاسکتا ہے یعنی کسی مستحق کو تملیک کردی جائے اور وہ اپنی طرف سے مدرسے کو دیدے تو جائز ہوگا (۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بذریعہ حیلہ زکوۃ سے کنواں' پل اور مسجد وغیرہ تعمیر کرنا.

(سوال) زید کے پاس کچھ روپیہ زکوۃ کا ہے زید ان روپوں کو مسلمانوں کے لئے ہال (یعنی بڑا مکان تقریر مواعظ اجتماع وغیرہ کے لئے) کنویں' پلیں' مساجد وغیرہ مصارف میں صرف کرنا چاہتا ہے اس لئے زید نے مثل حیلہ مروجہ فی المدارس ان روپوں کا حیلہ کیا تو ان مصارف مذکورہ میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں حیلہ مذکورہ کی صورت یہ ہوئی کہ زید نے روپیہ اٹھا کر کسی مستحق زکوۃ کو دیدیا اور اس نے ان

(۱) فھی تملیک حال من فقیر مسلم غیر ھاشمي' ولا مولاہ بشرط قطع المنفعة عن الملك من كل وجه (ھندية كتاب الزكاة' ۱ / ۱۷۰ ط كوئٹہ) وانظر ایضاً ص ۲٦٤ حاشیہ نمبر ۳

(۲) وحيلة التكفين بها التصدق على فقير' ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما' وكذافي تعمير المسجد (الدر المختار' كتاب الزكاة' ۲ / ۲۷۱ ط سعيد)

روپوں کو لیکر پھر زید کو واپس دیدے اس کے علاوہ اور کوئی بہتر صورت حیلہ کی ہو تو مطلع فرمائیں ؟
المستفتی نمبر ۵۰۲ اسمٰعیل یوسف گاردی (جوہانسبرگ) ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ م ۲۶ جون ۱۹۳۵ء
(جواب ۳۷۰) حیلہ مذکورہ سخت حاجت کے مواقع میں جائز ہے اور اس کی صورت یہی ہے جو سوال میں مذکور ہے مسلم ضروری اجتماعات کے لئے کوئی وسیع مکان بنانا بھی ایک معتبر ضرورت ہے اس کے لئے یہ حیلہ کام میں لایا جاسکتا ہے(۱) محمد کفایت اللہ

جن کاموں پر زکوۃ جائز نہ ہو وہاں حیلہ کر کے زکوۃ خرچ کرنا

(سوال) (۱) زکوۃ کا روپیہ کیا مسجد میں شرعی حیلہ کر کے یعنی کسی مستحق زکوۃ کو زکوۃ کا روپیہ دیکر پھر اس سے لیکر مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں ؟ (۲) یہ حیلہ شرعی کن کن امور میں ہو سکتا ہے ؟
المستفتی نمبر ۲۳۲۴ حافظ محمد مسلم صاحب (آگرہ) ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۹ جون ۱۹۳۸ء
(جواب ۳۷۱) ہاں سخت ضرورت کی حالت میں اس طرح حیلہ کر کے زکوۃ کی رقم مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے کہ کسی مستحق زکوۃ کو وہ رقم بطور تملیک دیدی جائے اور وہ قبضہ کر کے اپنی طرف سے مسجد میں لگادے یا کسی اور کام میں خرچ کردے جس میں براہ راست زکوۃ خرچ نہ کی جاسکتی ہو (۱) فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نوٹ کے ذریعے زکوۃ کی ادائیگی

(سوال) ادائیگی زکوۃ میں مال کی تملیک شرط ہے اور ظاہر ہے کہ نوٹ مال نہیں بلکہ مثل قرضہ کے اسٹامپ کے اس بات کی رسید ہے کہ جتنے کا نوٹ ہے اسی قدر مال گورنمنٹ کے ذمہ واجب ہے لہذا اس نوٹ سے زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں اگر ادا ہو جائے گی تو اسٹامپ سے جو مدیون کے نام ہو ادا ہو جانی چاہئے کیونکہ وہ بھی مدیون کے ذمہ واجب ہونے کی رسید ہے جس سے انکار نہیں کرسکتا ؟
المستفتی نمبر ۲۷۸۵ عبدالسعید شاہجہانپور مورخہ ۶ دسمبر ۱۹۶۳ء
(جواب ۳۷۲) نوٹ دینے سے زکوۃ اس وقت ادا ہو جاتی ہے جب مسکین اس نوٹ سے کوئی مال حاصل کرلے (۲) نوٹ دینا تسلیط علی التملیک ہے اور جب نوٹ سے مال حاصل کر کے مالک ہو گیا تو تملیک مال متحقق ہو گئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

(۱-۲) دیکھیں صفحہ نمبر ۳۰۳ حاشیہ نمبر ۲
(۳) یہ مسئلہ اس وقت تھا جب کہ نوٹ کے پیچھے بینک میں سونا ہوتا تھا لیکن اب نوٹ از خود ثمن عرفی بن گئے ہیں لہذا نوٹ ادا کرتے ہی زکوۃ ادا ہو جائے گی چاہے اس سے کوئی چیز خریدے یا ضائع کردے

پانچواں باب
غیر مقبوضہ پر زکوٰۃ
فصل اول رہن کی زکوٰۃ

قرض پر زکوٰۃ اور رہن رکھی ہوئی چیز سے نفع اٹھانا

(سوال) زید نے عمر کو روپیہ دیکر کچھ زمین رہن لے لیا زمین کے دو حصے ہیں ایک حصے سے فائدہ لیتے ہیں اور دوسرے حصہ پر صرف قبضہ ہے فائدہ نہیں لیتے ہیں اب یہ فرمائیے کہ زید پر ان روپوں کی زکوٰۃ کب دینا ہوگا حالانکہ جب وصول کرے نیز فائدے والا زمین اور غیر فائدے والی زمین زکوٰۃ کے بارے میں کچھ فرق ہے کہ نہیں اور زمین کے غلہ میں عشر کس پر ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی نمبر ۹۷۲ پیش امام عبدالسلام (وزیرستان) ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۴ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۷۳) زمین مرہون سے نفع اٹھانا ناجائز ہے(۱) زید پر اس رقم کی زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ یہ دین (قوی) قرض میں داخل ہے مگر زکوٰۃ کی ادائیگی جب واجب ہوتی ہے جب کم از کم نصاب کا ۵/۱ وصول ہو (۲) وجوب وادائیگی زکوٰۃ کا حکم دونوں زمینوں کا یکساں ہے زمین کے غلہ میں عشر کاشتکار پر واجب ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

فصل دوم۔ پروویڈنٹ فنڈ اور سود کی زکوٰۃ

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ

(سوال) ریلوے ملازمین سے ریلوے کمپنی تنخواہ کا بارہواں حصہ لازمی طور پر وضع کر کے بینک میں جمع کرتی جاتی ہے مثلاً زید بمشاہرہ ایک سو بیس روپے کا ملازم ہے ہر ماہ بجائے ایک سو بیس روپے اس کو ایک سو دس روپے ملتے ہیں دس تو وہ جو اس کی تنخواہ سے وضع ہوئے اور دس حق نیک چلنی یا حق پنشن کے طور

---

(۱) لا انتفاع به مطلقاً لا باستخدام، ولا سكنى، ولا لبس، ولا اجارة، ولا اعادة سواء كان من مرتهن او راهن (الدر المختار، كتاب الرهن ۶/۴۸۲ ط سعيد)

(۲) فتجب زكاتها اذا تم نصاباً، وحال الحول، لكن لا فوراً بل عند قبض اربعين درهما من الدين القوى، كقرض، و بدل مال التجارة فكلما قبض اربعين درهما، يلزمه درهم (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال ۲/۳۰۵ ط سعيد)

(۳) العشر على الموجر، كخراج مؤظف، وقالا: على المستاجر، كمستعير مسلم، و في الحاوى و بقولهما ناخذ (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب العشر ۲/۳۳۴ ط سعيد)

پر کمپنی اپنے پاس سے اور جمع کر دیتی ہے گویا ایک سال میں زید کے ایک سو بیس روپے تو اس کی تنخواہ سے وضع ہو کر اور ایک سو بیس کمپنی کی طرف سے اور ان دونوں کے مجموعہ دو سو چالیس .... کا سود جمع ہوتا رہتا ہے اور ہر سال پرچہ حساب ملازمین کو ملتا رہتا ہے یہ جمع شدہ رقم زید کی بیوی بیٹے یا کسی قریبی رشتہ دار کے نام بوساطت زید جمع ہوتی رہتی ہے زید اپنی حیات میں جب تک وہ سلسلہ ملازمت میں ہے اس روپے سے مستفید نہیں ہو سکتا زید کے مرنے پر وہ رقم اس کو ملے گی جس کے نام سے جمع ہوتی رہی ہے لیکن اگر زید خود ملازمت سے دستبردار ہوتا ہے یا کمپنی علیحدہ کرتی ہے تو وہ رقم چار پانچ ماہ بعد زید کو مل سکتی ہے اگر زید خود مستعفی ہو اور کمپنی کے خیال میں اسکا چال چلن نیک اور اچھا نہیں ہے تو کمپنی کو اختیار ہے کہ وہ ملازم کا صرف جمع شدہ روپیہ ہی دیدے جس کو کمپنی کسی حالت میں نہیں روک سکتی لیکن حق نیک چلنی دے یا نہ دے اس کے اختیار میں ہے کیا ایسے جمع شدہ روپے پر قبضہ کے قبل زکوۃ فرض ہے یا روپیہ ملتے ہی یا ایک سال پورا قبضہ رہنے کے بعد یا اس وقت سے جب سے ملازم کا روپیہ وضع ہونا شروع ہوتا ہے۔ المستفتی حاجی حسین علی سگنلیہ انچارج ٹیلی گراف آفس گنگا پور سٹی

(جواب ۳۷۴) اس جمع شدہ رقم کی زکوۃ اس وقت تک واجب نہیں ہے جب تک یہ وصول نہ ہو اور وصول ہونے کے بعد بھی جب سال گزرے اس وقت واجب الادا ہوگی اور صرف اسی زمانے کی جو وصول رقم کے بعد سے اس پر گزرے گا کیونکہ یہ روپیہ ابھی تک اس شخص کے قبضے میں ہی نہیں آیا اور اس کا ایک حصہ اگرچہ بدل عمل ہے مگر زیادہ حصہ اس کا محض عطیہ ہے دین ضعیف ہے اور اس کا یہی حکم ہے۔ (۱) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ دہلی

پراویڈنٹ فنڈ اور اس کی سود پر زکوۃ

(سوال) جن سرکاری ملازموں کی تنخواہ قلیل ہوتی ہے اور ان کو روپیہ پس انداز کرنے میں دقت پیش آتی ہے ان کی سہولت کے لئے گورنمنٹ نے ایک قاعدہ "جنرل پراویڈنٹ فنڈ" جاری کر رکھا ہے کم از کم ایک آنہ فی روپیہ اور زیادہ سے زیادہ دو آنے فی روپیہ کے حساب سے ہر اہلکار اپنی تنخواہ میں سے وضع کرا کر سرکاری خزانہ میں جمع کرا سکتا ہے یہ کل روپیہ جب تک اہلکار کی پنشن نہ ہو یا وہ ملازمت ترک نہ کرے کبھی اور کسی وقت (دوران ملازمت) میں اس کو واپس نہیں مل سکتا اگر اہلکار درمیان میں اپنا حساب بند کرانا چاہے تو حساب بند ہو جائے گا یعنی تنخواہ میں وضع یا جمع ہونا بند ہو جائے گا لیکن جمع شدہ روپیہ اس کے قبضہ میں نہیں آئے گا گویا ملکیت اہلکار کی اور قبضہ سرکار کا ہے درصورت انتقال اہلکار کے جائز وارث

(۱) اس کے تفصیلی احکام کے لئے ملاحظہ ہو مفتی رشید احمد کی کتاب "رسائل الرشید" پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ اور سود کا حکم صفحہ نمبر ۲۱۷ مکتبہ علمیہ کراچی حضرت آخر میں بطور خلاصہ تحریر فرماتے ہیں کہ "تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ پراویڈنٹ فنڈ میں جمع شدہ رقم ملازم کی ملک ہے لہذا وصول سے قبل اس پر زکوۃ نہیں الخ" رسائل الرشید ص ۲۸۶

یا جن کو اہلکار نے بوقت ابتدائی درخواست نامزد کیا ہے وہ روپیہ پانے کے مستحق ہیں اور اس پراویڈنٹ فنڈ کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ ایسے اہلکاروں کے وارثوں کے لئے ایک سرمایہ بآسانی جمع ہو جائے جو بعد میں ان کے کام آئے۔

اس پراویڈنٹ فنڈ میں جمع شدہ روپے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟ اگر واجب ہے تو جس اہلکار نے یکم اپریل ۱۹۳۲ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۳۳ء تک پانچ روپے ماہوار جمع کرائے اور بارہ مہینے میں جو ساٹھ روپے ہوئے ان کی زکوٰۃ یکم اپریل ۱۹۳۳ء کو واجب الادا ہوگی یا ان ساٹھ روپے پر ایک سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب الادا ہوگی ؟ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شمسی سال کا اعتبار ہے یا قمری کا ؟ اس فنڈ پر ایک مقررہ شرح سے بھی سود لگایا جاتا ہے جو قاعدہ کے اندر داخل ہے اور اس میں گورنمنٹ خود مختار ہے اور یہ سود ہر سال اس جمع شدہ روپے میں شامل ہوتا رہتا ہے اسکا کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۶ مولانا حافظ محمد اعزاز علی صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند ۲۴ جمادی الاخری ۱۳۵۳ھ م ۵ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۷۵) اس روپے پر جو پراویڈنٹ فنڈ میں ملازم کی تنخواہ میں سے وضع ہو کر اور سرکار کی طرف سے اسی قدر رقم جمع ہو کر اور پھر مجموعہ پر سود بڑھا کر جمع ہوتا رہتا ہے زکوٰۃ واجب نہیں ہے(۱) اور سود کے نام سے جو رقم اس میں اضافہ ہوتی رہتی ہے وہ سود کے حکم میں نہیں ہے(۲) اس کا لینا جائز ہے یہ تمام رقم جب ملازم کو دیجائے اس پر حولان حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی یہ تمام رقم ایک سرکاری انعام کی حیثیت رکھتی ہے اور تنخواہ میں سے وضع ہونے والی رقم تنخواہ کی مقدار سے مستثنیٰ ہے(۳) یعنی جب کہ ...... ماہوار کے ملازم کے لئے جبری طور پر ...... ماہوار جمع کرانا لازم ہے اور یہ ...... اس کے قبضہ میں دینے سے پہلے ہی وضع کر لیا جاتا ہے تو گویا یہ ...... کا ملازم ہے اور سرکار اس کے وارث و اس کے وضع شدہ اور ...... اپنی طرف سے اور ...... کا سود اس پر بڑھا کر بطور حق الخدمت آخر میں دے دیتی ہے تو یہ سب رقم ایک انعامی رقم ہے جو قبضہ کے وقت قابض کی ملک میں آنے کی بابت بطور ایک قانون اور قانونی وعدہ کے ملازم اس کا مستحق ضرور ہوتا ہے(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

پراویڈنٹ فنڈ میں سود کے نام سے دی جانے والی رقم سود نہیں !

(سوال) پراویڈنٹ فنڈ کا سود وصول کر کے اپنے خرچ میں لانا جائز ہے یا نہیں اور اس پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے

(۱) کیونکہ اب تک ملک میں نہیں اور ملک میں قبضہ کے بعد آنے کا البتہ بوجہ معاہدہ اور قانون یہ آدمی مستحق ہو گیا ہے
(۲) کیونکہ اس پر سود کی تعریف صادق نہیں آتی
(۳) گویا معاہدہ اس طور پر ہوا کہ آپ نوکری کرتے رہیں اور ماہانہ تنخواہ لیتے رہیں اور ایک رقم آپ کو اس مجموعی نوکری کا دیں گے جو ایک خاص ترتیب سے مقرر ہوئی ہے
(۴) دیکھیں صفحہ نمبر ۳۰۷ حاشیہ نمبر ۱

المستفتی نمبر ۵۰۴ مولوی حبیب اللہ (راولپنڈی) ۷ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ م ۳۰ جون ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۷۶) پراویڈنٹ فنڈ کا سود وصول کر کے اپنے خرچ میں لانا بھی درست ہے وہ در حقیقت سود نہیں ہے بلکہ وہ اس رقم کے حکم میں ہے جو محکمہ اپنی طرف سے دیتا ہے پراویڈنٹ فنڈ کے روپے پر وصول ہونے سے پہلے زکوۃ لازم نہیں ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

پراویڈنٹ فنڈ اور بینک میں جمع شدہ رقم پر زکوۃ

(سوال) جو رقم ماہانہ تنخواہ سے کاٹ کر جمع ہوتی ہے اور جس کو پراویڈنٹ فنڈ کہتے ہیں اگر نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں اور اس طرح سے اگر کوئی رقم بینک یا ڈاکخانہ میں ہو اور جو سود اس رقم میں جمع ہوتا ہے اس کے متعلق شارع علیہ السلام کے کیا احکام ہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۶۴۶ محمد یوسف صاحب پشاور ۱۴ رجب ۱۳۵۹ھ م ۱۹ اگست ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۷۷) (۱) پراویڈنٹ فنڈ کی رقم جو تنخواہ میں سے کاٹ لی جاتی ہے یعنی ملازم کے قبضہ میں آنے سے پہلے وضع کر لی جاتی ہے اس پر زکوۃ واجب نہیں جب قبضہ میں آئے گی اس وقت زکوۃ واجب ہو گی۔

اس رقم پر جو رقم محکمہ کی طرف سے بڑھائی جاتی ہے اور پھر دونوں کے مجموعہ پر جو رقم انٹرسٹ کے نام سے دی جاتی ہے' یہ سب ملازم کے لئے جائز اور حلال ہے یہ شرعاً سود نہیں ہے (۲)

(۲) ڈاکخانہ یا بینک میں جو رقم کہ خود مالک جمع کرتا ہے اس پر زکوۃ واجب ہے (۳) اور اس پر جو رقم ڈاکخانہ یا بینک انٹرسٹ کے نام سے دیتا ہے وہ سود ہے (۴) مگر اس رقم کو ڈاکخانہ یا بینک سے وصول کر لینا اس لئے ضروری ہے کہ اگر مالک نہ لے تو وہ رقم مسیحی مشنری کو دیدی جاتی ہے اور تبلیغ مسیحیت میں کام آتی ہے اس لئے اس رقم کو وصول کر کے اپنے کام میں نہ لایا جائے بلکہ غرباء' و فقراء پر خرچ کر دی جائے اور اس خرچ کرنے میں ثواب کی نیت نہ کی جائے بلکہ محض رفع وبال کی نیت سے خرچ کی جائے (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) کیونکہ وصول ہونے سے پہلے ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور ادائیگی کے لئے ملک تام ہونا شرط ہے' یہاں مستحق تو اگرچہ ہے لیکن ملکیت وصول ہونے کے بعد ثابت ہوگی

(۲) تفصیلی احکام کے لئے احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۵۰ میں پراویڈنٹ فنڈ کے نام پر رسالہ ملاحظہ ہو

(۳) کیونکہ یہ ملکیت میں آنے کے بعد کی رقم ہے جس پر زکوۃ واجب ہوگی

(۴) اس لئے کہ یہ کسی جائز عقد مثلاً شرکت یا مضاربت وغیرہ کے تحت جمع نہیں بلکہ محض قرض کے طور پر ہے اور اس پر سود لینا بھی حرام ہے

(۵) رجل دفع الى فقير من المال الحرام شيئا يرجو به الثواب يكفر (رد المحتار' كتاب الزكاة' باب زكاة الغنم' مطلب في التصدق من المال الحرام ۲/ ۲۹۲ ط سعيد)

پراویڈنٹ فنڈ پر وصول سے پہلے زکوٰۃ نہیں.
(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

(سوال) ——————————

(جواب ۳۷۸) پراویڈنٹ فنڈ کی رقم پر قبل وصول ہونے کے زکوٰۃ نہیں(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

چھٹا باب
صدقہ فطر وغیرہ

صاع کی تحقیق

(سوال) فقہا نے صدقہ فطر میں صاع کی مقدار ایک ہزار چالیس درہم بتلائے ہیں(۲) اور درہم ستر جو کا علامہ شامی نے باب الزکوٰۃ میں ایک خرنوبہ (رتی) چار جو کی لکھی ہے(۳) اس حساب سے درہم دو ماشہ ڈیڑھ رتی اور صاع سکہ رائج الوقت سے ایک سو اٹھانوے (۱۹۸) روپے کے قریب ہے مولانا عبدالحئی کے حاشیہ شرح وقایہ میں علامہ شامیؒ کے موافق بیان کیا ہے(۴) اور شاہ ولی اللہؒ نے شرح مؤطا باب الزکوٰۃ ص ۲۰۲ میں بحوالہ بغوی صاع پانچ و ثلث رطل کا لکھا ہے(۵) اور درہم کی مقدار اسی صفحہ پر تین ماشے ازروئے تحقیق لکھی ہے اسی باب الزکوٰۃ ص ۲۱۳ پر صاع کی مقدار پانچ و ثلث رطل لکھ کر ایک مثل کے چار سو ساڑھے بائیس ماشے بیان کئے ہیں(۶) جس کے حساب سے صاع کی مقدار علامہ شامی کے بیان سے بھی دو تولے کم ہوتی ہے لیکن درہم یہاں بھی بحوالہ تحقیق سابق تین ماشے لکھا ہے قاضی ثناء اللہ پانی پتی و نیز دیگر علماء نے بھی درہم کی مقدار تین ماشے کے قریب لکھی ہے مالابد منہ کے حاشیہ پر بحوالہ فتاویٰ جواہر اخلاطی، مفتاح الجنتہ میں بحوالہ شرح اور درہم کی مقدار تقریباً تین ماشے معلوم ہوتی

....

(۱) دیکھیں صفحہ نمبر ۳۰۷ حاشیہ نمبر ۱

(۲) فاذا کان الصاع الفا واربعین درهماشرعیا (رد المحتار' کتاب الزکاة' مطلب فی تحریر الصاع' والمد' والمن والرطل ۲/۳٦٥ ط سعید)

(۳) کل خرنوبة اربع شعیرات او اربع قمحات (باب زکاة الاموال ۲/۲۹٦ ط سعید)

(٤) والماهجة یکون ثمانیة اجزاء کل جزء منها یسمی بالفارسیة "سرخ" و یقال له بالهندیة "رتی" و هذا الجزء یکون بقدراربع شعیرات (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة' کتاب الزکاة' بیان الذهب' والفضة ۱/۲۸٥ مکتبه حقانیه' ملتان)

(٥) بغوی گفتہ کہ وسق شصت صاع راگویند' وصاع پنج رطل و ثلث رطل است......از یں جادانستہ شد کہ درہم سہ ماشہ است (مصفی شرح موطا' کتاب الزکاة' باب القدر الذی لا تجب ۱/۲۰۸ کتب خانه رحیمیه سنهری مسجد' دهلی)

(٦) و مجموع ماشہا کہ رطل چہار صد و بیست و دو و نیم باشد میشود (مصفی' کتاب الزکاة' باب تخرص النخل' والکروم اذا طاب ۱/۲۲۰ ط رحیمیه دهلی)

ہے(۱)اس حساب سے صاع کی مقدار زیادہ ہوتی ہے ان اقوال مختلفہ میں وجہ توافق کیا ہے اور صاع کی صحیح مقدار کیا ہے ؟ کتب احناف معتبرہ سے مع حوالہ و تفصیل حساب بیان فرمایئے بینوا توجروا ؟

(جواب ۳۷۹) درہم کی مقدار وہ صحیح ہے جو شاہ ولی اللہؒ نے لکھی ہے یعنی تین ماشے اور ایک رتی کو قاضی ثناء اللہؒ وغیرہ نے معتبر سمجھا ہے اور اس حساب سے نصف صاع ۸۰ روپے انگریزی کے سیر سے ایک سیر بارہ چھٹانک دس ماشے کا ہوتا ہے جبکہ تولہ اسی انگریزی روپے بھر مانا جائے مولوی عبدالحئی مرحوم لکھنوی کا حساب غلط ہے اور منشائے غلطی یہ ہے کہ علامہ شامی نے جو ایک خرنوبہ (رتی) چار جو کی بتلائی ہے اس کو انہوں نے مبنی قرار دیکر حساب علمی طور پر لگالیا عمل کر کے نہیں دیکھا ہندوستان میں جو تولے رائج ہیں خواہ وہ روپے بھر کے ہوں یا روپیہ ان کے لحاظ سے ساڑھے گیارہ ماشے کا ہو ان میں سے کسی تولے کے رتی چار جو کی نہیں ڈھائی جو یا پونے تین جو کی ہے میں نے خود جواہرات تولنے کا صحیح کانٹا مہیا کر کے رتی کا وزن جو سے کیا ڈھائی یا پونے تین جو کی رتی ہوتی ہے جو متوسط درجے کے لئے گئے پھر اسی طرح متوسط درجے کے جو لے کر ایک درہم کے ستر جو کا وزن کیا وہ بھی تقریباً سوا تین ماشے کے نکلے اس تحقیق اور عمل سے معلوم ہوا کہ ایک رتی کو چار جو کا قرار دینا اور اس پر حسابی قاعدے سے صاع وغیرہ کا وزن متعین کرنا غلطی ہے۔

رہا یہ کہ علامہ شامی نے ایک خرنوبہ کا وزن چار جو کیوں لکھ دیا اس کا جواب یہ ہے کہ خرنوبہ اور تولہ کا وزن مختلف ہوتا ہے آج کل دہلی میں عام طور پر تولہ انگریزی روپے بھر سمجھا جاتا ہے اور شاہ جہانپور کا تولہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے حساب سے انگریزی روپیہ سوا دس ماشے کا ہے تو ظاہر ہے کہ اس تولے کے ماشے اور رتیاں دہلی کے ماشے اور رتیوں سے بڑی ہوں گی اسی طرح اگر علامہ شامی کے یہاں کی رتی چار جو کی ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہندوستان کی رتی بھی چار جو کی ہو۔

غرضیکہ درہم کی مقدار دہلی کے تولے سے ۳ ماشے کی صحیح ہے اور اسی حساب سے نصف صاع کا وزن احوط اسی روپے کے سیر سے تقریباً پونے دو سیر ہوتا ہے پس صدقہ فطر میں گیہوں (اسی روپے بھر کے سیر سے) پونے دو سیر دینے چاہئیں(۲) واللہ اعلم بالصواب محمد کفایت اللہ غفرلہ'

(۱) کسی قصبہ میں گندم نہ ہو تو وہ ضلع کی قیمت سے فطرہ ادا کر سکتا ہے
(۲) حدیث شریف میں جن چیزوں کی تصریح نہیں ان میں قیمت کا اعتبار ہو گا

(سوال) (۱) قصبہ سندیپ میں عدالت فوجداری سلطنت انگلشیہ موجود ہے اب صدقہ فطر میں گیہوں

---

(۱) درہم شرعی از یں مسکین شنو' کان سہ ماشہ ہست یک سرخہ دو جو (کتاب الزکاۃ حاشیہ نمبر ۳ ص ۸۷ ط شرکت علمیہ ملتان)

(۲) بہشتی زیور میں بھی احتیاطاً اسی روپے کے سیر کو اختیار کیا ہے اور ان اوزان کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں اوزان شرعیہ مؤلفہ مفتی محمد شفیع اور بسط الباع لتحقیق الصاع مؤلفہ مفتی رشید احمد دامت برکاتہم

کی قیمت اس جگہ کے نرخ سے ادا کرنی ہوگی یا یہ محکمہ جس ضلع کا تابع ہے اس کے نرخ سے دینا ہوگا نیز اس محکمہ میں فقط آٹا ملتا ہے جس کی قیمت بہت زیادہ ہے بہت سے مسلمانوں پر آٹے کی قیمت ادا کرنا دشوار ہے تو اگر ضلع کے نرخ سے گیہوں کی قیمت ادا کی جائے تو مؤدی شرعا بری الذمہ ہوگا یا نہیں ؟ (۲) دیار بنگلہ میں چونکہ راس الغذاء چاول ہے تو اگر چاول اصل قرار دیکر اس کا نصف صاع ادا کرے تو صدقہ فطر ادا ہوگا یا نہیں ؟ (۳) اسی تولے کے سیر سے کتنے سیر کا صاع ہوتا ہے اور کتنے سے نصف ؟ المستفتی بندہ محمد موسیٰ غفرلہ سپرنٹنڈنٹ مدرسہ سندیپ ضلع نواکھالی

(جواب ۳۸۰) (۱) اگر اس قصبہ میں گیہوں نہیں ہے اور لوگ صدقہ فطر میں گیہوں کی قیمت دینا چاہیں تو ضلع کی قیمت کے حساب سے دے سکتے ہیں(۱) کیونکہ ضلع کی قیمت گویا اسی جگہ کی قیمت ہے اس لئے کہ ضلع اپنے متعلقہ دیہات وقصبات کے ساتھ معنی اتحاد رکھتا ہے اور ان سب کا جامع ہے (۲) غیر منصوص اشیاء میں حکم یہ ہے کہ صاع یا نصف صاع جائز نہیں بلکہ نصف صاع گیہوں کی قیمت میں جس قدر چاول آتے ہوں اس قدر دینے ہوں گے ومالم ینص علیه کذرة و خبز یعتبر فیه القیمة (درمختار) (۲)(۳) اسی روپے انگریزی کے سیر سے ایک صاع ساڑھے تین سیر اور نصف صاع پونے دو سیر کا ہوتا ہے اور یہی صحیح اور احوط ہے(۳) واللہ اعلم

صرف فائدہ حاصل کرنے کے لئے دی ہوئی زمین سے صاحب نصاب نہیں بنتا .

(سوال) زید بالغ ہے اور اس کے ماں باپ زندہ ہیں مگر اس کے ماں باپ نے اسے الگ کر دیا ہے اور اس کے اور اس کی اولاد کے خرچ کے لئے آٹھ یا دس بیگہ زمین دی ہے مگر اس کو مالک و مختار نہیں بنایا ہو وہ اسے بیچ سکے اس زمین کے سوا اس کے پاس اور کوئی چیز نہیں جس پر صدقہ فطر واجب ہو آیا اس زمین کی وجہ سے اس پر صدقہ فطر واجب ہوگا ؟ المستفتی نمبر ۶۸۸ سیکریٹری انجمن حفظ الاسلام (ضلع بھروچ) ۲۷ رمضان ۱۳۵۴ھ م ۲۴ دسمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۸۱) زید پر اس زمین کی وجہ سے صدقہ فطر اپنا اور اپنی اولاد کا واجب نہ ہوگا اس کے باپ پر واجب ہوگا (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فطرہ کی مقدار اور بچوں کی طرف سے فطرہ !

(سوال) پختہ سیر سے فطرہ کتنا دینا جائز ہے کیا شیر خوار بچوں کی طرف سے بھی فطرہ دینا جائز ہے ؟

---

(۱) ویقوم فی البلد الذی المال فیہ ولو فی مفازۃ ففی اقرب الامصار الیہ (الدر المختار' کتاب الزکاۃ ۲ / ۲۸۶ ط سعید)
(۲) کتاب الزکاۃ' باب صدقۃ الفطر ۲ / ۳۶٤ ط سعید)　　　(۳) دیکھیں صفحہ نمبر ۲۸۳ حاشیہ نمبر ۲
(۴) زید پر اس لئے نہ کہ وہ صاحب نصاب نہیں اور باپ پر اس لئے نہیں کہ زید چھوٹا ہے اور نہ ہی مجنون

المستفتی نمبر ۱۰۱۹ ایم عمر صاحب انصاری (سارن) ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۲۴ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۸۲) اسی روپیہ بھر وزن سیر سے فطرہ کی مقدار پونے دو سیر ہے (۱) شیر خوار بچوں کی طرف سے بھی فطرہ دینا باپ پر لازم ہے۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

رمضان کی آخری تاریخ کو پیدا ہونے والے بچے کا فطرہ بھی واجب ہے۔

(سوال) رمضان میں بچہ پیدا ہوا کیا اس کا صدقہ فطر بھی باپ پر واجب ہے کہ ادا کرے یا نہیں؟

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ۳۸۳) رمضان کی آخری تاریخ میں بھی پیدا ہونے والے بچہ کا صدقہ فطر دینا لازم ہے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

قربانی اور صدقہ فطر صاحب نصاب پر واجب ہے۔

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(سوال) صدقہ فطر اور قربانی صاحب نصاب پر واجب ہے یا اس کے علاوہ بھی؟

(جواب ۳۸۴) صدقہ فطر اور قربانی صاحب نصاب پر واجب ہے (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

صدقہ فطر سے امامت کی اجرت دینا جائز نہیں!

(سوال) صدقہ فطر کے مستحق اصلی کون لوگ ہیں آج کل فقراء و مساکین کہلانے والے بھی صاحب نصاب ہیں بہت سے شہروں کے پیش اماموں کو صدقہ فطر دیتے ہیں وہ بھی صاحب نصاب ہوتے ہیں

بڑے بڑے شہروں میں پیش اماموں کی تنخواہ کافی ہوتی ہے ان کو صدقہ فطر سے تعلق ہی کیا مگر ہمارے ملک مارواڑ میں ہمیشہ سے پیش اماموں کو صدقہ فطر دیتے ہیں سال بھر میں چالیس پچاس روپے چندہ کر دیتے ہیں اور چند فطرہ کا سامان آجاتا ہے اس کا ثنات پر امام سال بھر گزارتا ہے اب بہت

---

(۱) حاشیہ نمبر ۳۱۱ کا حاشیہ نمبر ۲ دیکھیں

(۲) اس وقت سے جب بچہ فقیر ہو صدقہ فطر اس کے والد پر ہے تو اس کے اپنے مال سے ادا کیا جائے وطفله الفقير : وفي الشامية: قوله الفقير قيد به لان الغني تجب صدقة فطره في ماله (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر ۲/۳۶۱ ط سعيد)

(۳) ووقت الوجوب بعد طلوع الفجر الثاني من يوم الفطر فمن مات قبل ذلك لم تجب عليه الصدقة ومن ولد او اسلم قبله وجبت و يتعلق بهذا النصاب وجوب الاضحية (هندية، باب صدقة الفطر ۱/۱۹۲ ط ماجدية كوئٹه)

(۴) وهي واجبة على الحر المسلم المالك لمقدار النصاب فاضلا عن حوائجه الاصلية (هندية، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر ۱/۱۹۱ ط كوئٹه)

سے آدمی کہتے ہیں کہ اماموں کو فطرہ مت دو اس پر امام کہتے ہیں کہ مت دو مگر اس کا عوض دیگر دھان دیدو بس اس پر خاموش ہیں اب یہ دائمی فطرہ امام کا حق توڑ کر فقراء کو جو در حقیقت صاحب نصاب ہیں دینا چاہئیے یا نہیں المستفتی نمبر ۲۶۷۵ پیر زادہ عبدالرحیم صاحب مارواڑ ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ م ۸ جولائی ۱۹۴۱ء

(جواب ۳۸۵) صدقہ فطر صاحب نصاب کو دینا جائز نہیں اور امامت کی اجرت میں تو کسی طرح نہیں دیا جا سکتا یعنی امام صاحب نصاب نہ ہو جب بھی بطور اجرت امامت اس کو نہیں دے سکتے (۱) لہذا امام کو لازم ہے کہ صدقہ فطر کو اپنا حق نہ سمجھے اور لوگوں کو لازم ہے کہ امام کی خدمت دوسرے طریق پر کریں محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

خاوند پر بیوی کا اور والد پر بڑی اولاد کا صدقہ فطر واجب نہیں.

(سوال) بیوی کا صدقہ فطر اس کے میاں پر واجب ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۸۶) خاوند پر بیوی کا صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں ہے شامی جلد ثانی ص ۸۲ میں موجود ہے (لاعن زوجتہ) لقصور المؤنۃ والولایۃ اذ لایلی علیہا فی غیر حقوق الزوجیۃ ولا یجب علیہ ان یمونہا فی غیر الرواتب لامداواۃ (نھر) (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(جواب دیگر ۳۸۷) بیوی اور بڑی اولاد اگر خود صاحب نصاب ہیں تو خود ادا کریں اور صاحب نصاب نہیں ہیں تو ان پر صدقہ فطر واجب ہی نہیں اگر کوئی شخص اپنی بیوی اور بڑی اولاد کی طرف سے صدقہ فطر ادا کردے تو ادا ہو جائے گا (۳) محمد کفایت اللہ غفرلہ،

باپ کے ساتھ مل کر کاروبار کرنے والی بالغ اولاد کا صدقہ فطر.

(سوال) زید کے چار لڑکے بالغ ہیں اور سب لڑکے زید کے ساتھ کاروبار کرتے ہیں سب کے خورد و نوش کا انتظام یکجائی ہے اور ان لوگوں کے پاس علاوہ حاجات اصلیہ کے ہزاروں روپے کی مالیت ہے پس اس صورت میں صدقہ فطر ادا کرنا صرف زید پر واجب ہے یا سب پر؟ زید کی موجودگی میں اگر کسی لڑکے کا انتقال ہو جائے اور وہ بیوی بچے سب چھوڑے تو کل مال زید کا قرار پائے گا یا کچھ میت کا قرار پاکر اس میں وراثت جاری ہو کر بیوی بچے وارث ہوں گے؟ المستفتی نمبر ۲۰۵۸ محمد یاسین (مبارکپور

---

(۱) و مصرف ھذہ الصدقۃ ما ھو مصرف الزکاۃ (ھندیۃ' کتاب الزکاۃ' باب صدقۃ الفطر ۱/ ۱۹۴ ط کوئٹہ)

(۲) کتاب الزکاۃ' باب صدقۃ الفطر ۲/ ۲۶۳ ط سعید

(۳) لا عن زوجتہ' وولدہ الکبیر العاقل' ولو ادی عنہما بلا اذن اجزأ استحسانا للاذن عادۃ (الدر المختار' کتاب الزکاۃ' باب صدقۃ الفطر ۲/ ۳۶۳ ط سعید)

ضلع اعظم گڑھ) ۲۶ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۱ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۸۸) اگر زید کے ان لڑکوں کی ملکیت جدا نہیں ہے بلکہ باپ کے ساتھ سب شریک اور باپ کے مددگار ہیں تو ان میں سے کسی کی موت پر اس کی میراث ثابت نہ ہوگی کیونکہ اس کا اپنا ترکہ کچھ نہیں ہے(۱) ہاں صدقہ فطر ان سب کی طرف سے ادا کرنا پڑے گا (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

صدقہ فطر میں آٹا دینا جائز ہے .

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۳۲ء)

(سوال) یہاں عوام صدقہ فطر کے مسئلہ سے ناواقف ہیں سرداران دیہہ اپنی رائے سے جو بول دیتے ہیں وہی دیا جاتا ہے کوئی چاول' کوئی دھان کوئی مٹر وغیرہ سے نصف صاع یا ایک صاعؔ کے حساب سے دیتے ہیں اور بولتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں یہی پیدا ہوتا ہے' گیہوں نہیں ہوتا نزہتہ المجالس کتاب الصوم میں ہے "صدقہ شہر کی غالب خوراک سے ایک صاع ہے" فتاویٰ عالمگیری میں گیہوں نصف اور جو خرما . . . ایک صاع ہے ان کے سوا اور دوسرے اناج میں دینا جائز نہیں مگر باعتبار قیمت ہے(۳) صحیح حکم کونسا ہے ؟ (۲) شہر میں گیہوں نہیں ہے یا کم ہے آٹا چلانی عام جگہ موجود ہے آیا صدقہ آٹے کے حساب سے رکھا جاوے یا گیہوں وغیرہ کے حساب سے ؟

(جواب ۳۸۹) گیہوں ایک صاع نہیں بلکہ نصف صاع ہے جو اور . . . کھجور ایک صاع ہے ان کے علاوہ غیر منصوص اشیاء میں سے جو چیز دی جائے اس کی مقدار متعین نہیں' بلکہ وہ اتنی ہی دی جائے کہ اس کی قیمت نصف صاع گیہوں' یا ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور کے برابر ہو گیہوں کا آٹا صدقہ فطر میں دیا جاسکتا ہے اور نصف صاع آٹا کافی ہے(۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

غیر مسلم کو صدقہ فطر دینا.

(سوال) صدقہ فطر اہل ہنود کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی محمود خاں پیش امام جامع مسجد

(۱) الاب والابن یکتسبان فی صنعة واحدة' ولم یکن لهما شئ' فالکسب کله للاب ان کان الابن فی عیاله' لکونه معینا له' الا تری لو غرس شجرة تکون للاب (رد المحتار' فصل فی شرکة الفاسدة ٤ ,٣٢٥ ط سعید)

(۲) ان لڑکوں پر فی نفسہ صدقہ فطر واجب نہیں' لیکن چونکہ یہ اپنا سارا مال والد کو دیتے ہیں اس لئے جس طرح والد کے ذمے بالغ اولاد کا نفقہ واجب نہیں لیکن جب اولاد کی کمائی باپ لیتا ہو تو باپ پر نفقہ لازم ہے' اسی طرح یہاں بھی باپ پر لازم ہے کہ وہ اپنی بالغ اولاد کی طرف سے بھی صدقہ فطر ادا کرے واللہ اعلم'

(۳) وهی نصف صاع من بر او صاع من شعیر او تمر　وما سواه من الحبوب لا یجوز الا بالقیمة (هندیه' کتاب الزکاة' باب فی صدقة الفطر ١٩٢،١٩١،١ ط کوئٹه)

(٤) نصف صاع من بر او دقیقة او سویقة او زبیب' وجعلاه کالتمر　او صاع تمر او شعیر' ولو ردیئا' وما لم ینص علیه کذرة' وخبز' یعتبر فیه القیمة (الدر المختار' کتاب الزکاة' صدقة الفطر ٢ : ٣٦٥،٣٦٤ ط سعید)

پور ضلع ہمیر پور
(جواب ۳۹۰) اہل ہنود کو نہیں دینا چاہئے (۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

ساتواں باب
عشر و خراج

سرکاری محصول ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا

(سوال) سلطنت برطانیہ کو زمین کا محصول دینے کے بعد عشر ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا
(جواب ۳۹۱) سرکاری محصول ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا (۲) واللہ اعلم
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرس مدرسہ امینیہ' دہلی

(۱) بٹائی پر دی گئی زمین کی کل پیداوار پر عشر واجب ہے.
(۲) جس غلہ کا ایک مرتبہ عشر ادا کیا ہو تو آئندہ اس پر عشر واجب نہیں
(۳) جو جانور کھیتی کے کام آتے ہیں ان میں زکوٰۃ نہیں.

(سوال) زید کسی مارہ موضع میں کاشت کرتا ہے اور ان مواضعات کا مالک ہے زمین بیل بیج اور کل اوزار سامان اور ندالی وغیرہ میں جو خرچ ہوتا ہے وہ زید کا ہے (۱) ملکی رواج کے موافق فصل پیدا ہونے اور تیار ہو جانے پر کام کرنے والے چوتھائی حصہ دار ہو کر ¼ حصہ تقسیم کرا لیتے ہیں مثلاً آٹھ ہزار من کل غلہ پیدا ہوا حسب اقرار ¼ حصہ دو ہزار من کام کرنے والے حصہ دار کو دیا گیا بچت میں چھ ہزار من غلہ رہا تو چھ ہزار من پر عشر نکالا جائے گا یا آٹھ ہزار من پر ؟ کٹائی میں جو صرف ہوتا ہے حصہ معافی دونوں کا غلہ اس فصل میں سے صرف ہوتا ہے کام کرنے والے جیسے کہ ¼ حصہ دینے کا اقرار ہے اور دیا جاتا ہے وہ قوم کے ہندو ہیں (۲) بچت غلہ سال آخر میں ایک ہزار من جمع ہے اور سال گزشتہ اس غلہ کی عشر نکل چکی ہے اب اسی حالت میں بچت غلہ کی عشر دوبارہ نکالنا چاہئے یا نہیں ؟ (۳) زید کے پاس تخمیناً راس کھیتی کے بیل دو سو اکیس راس جو کھیتی کے کام میں رہتے ہیں علاوہ اس کے بھینسیں مع بچہ پانچ راس اور گائے مع بچہ ایک سو آٹھ راس اور بکرا بکری مع بچہ کے اٹھاسی راس ہیں شرعاً کتنا کتنا نکالنا چاہئے المستفتی نمبر

....

(۱) و مصرف هذه الصدقة ما هو مصرف الزكاة (هنديه' كتاب الزكاة' باب صدقة الفطر ۱ / ۱۹۴ كوئٹه)
(۲) اخذ البغاة' والسلاطين الجائرة' زكاة الاموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج لا اعادة على اربابها ان صرف الماخوذ في محله الآتي ذكره' والا يصرف فيه' فعليهم فيما بينهم' و بين الله اعادة غير الخراج (الدر المختار' كتاب الزكاة' باب زكاة الغنم ۲ / ۲۸۹ ط سعيد)

۲۱۴ حاجی محی الدین خاں زمیندار۔ ڈاکخانہ گنجی دریا راج ماندگان ۲ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ م ۱۷ فروری ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۹۲) (۱) اس صورت میں زمین کی کل پیداوار کا عشر نکالنا ہوگا بیج وضع کر کے باقی کا عشر نکالنے سے شرعی مطالبہ پورا نہ ہوگا(۱) (۲) جس غلہ کا اس سال عشر نکال دیا گیا اس کی بچت کا غلہ جو آئندہ سال تک باقی رہے اس میں سے دوبارہ عشر نکالنا واجب نہیں ہے(۲) (۳) ان جانوروں پر جو کھیتی کے کام آتے ہیں کوئی زکوٰۃ نہیں گائے بھینس بکریاں جن کو اپنے پاس سے سال کے اکثر حصہ میں چارہ دینا پڑے ان پر زکوٰۃ واجب نہیں(۳) جو جانور کہ سال کے اکثر حصہ میں خود چر کر گزارہ کریں اور ان پر چارہ وغیرہ کا کوئی خرچ نہ کرنا پڑے ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے بکرا بکری کو اگر خرچ کر کے کھلانا نہ پڑے اور ان کی تعداد ۸۸ ہے تو سال میں دو بکریاں اللہ واسطے دینی ہوں گی(۴) کھیتی کے کام آنے والے بھینسے اور بیلوں کو علیحدہ کر کے باقی گائے بھینس بھینسے ایسے کتنے ہیں کہ ان کو خرچ کر کے کھلانا نہیں پڑتا ان کی تعداد معلوم ہو تو زکوٰۃ بتائی جا سکتی ہے محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جس زمین پر عشر واجب نہ ہو اگر اس سے عشر نکالا جائے تو ؟

(سوال) عشر سب زمینوں کی پیداوار میں واجب ہے یا کوئی زمین ایسی بھی ہے جس میں عشر واجب نہیں اگر عشر واجب نہ ہو تو اس کا ادا کرنا کیسا ہے ؟ المستفتی نمبر ۷۲۷ بابو محمد احسن (ضلع پورنیہ) ۹ ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ م ۳ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۹۳) بعض زمینیں ایسی بھی ہوں گی کہ ان کی پیداوار میں عشر واجب نہ ہو(۵) لیکن اگر ان کی پیداوار میں سے بھی احتیاطاً عشر نکال دیا جائے یا اس نیت سے کہ اس کے ذریعہ سے بہت سے دینی کام پورے ہو جاتے ہیں نکال دیا جائے تو اس کے استحسان اور جواز میں شبہ نہیں محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) و فی المزارعة ان کان البذر من رب الارض فعلیه (وفی الشامیة) والحاصل ان العشر عند الامام علی رب الارض مطلقا لما فی البدائع ان المزارعة جائزة عندهما والعشر یجب فی الخارج (رد المحتار' کتاب الزکاة' باب العشر ۲ ۳۳۵ ط سعید)

(۲) [illegible]

(۳) ولیس فی العوامل والحوامل والعلوفة صدقة (هدایة' کتاب الزکاة ۱ /۱۹۲ ط شرکت علمیه ملتان)

(٤) فاذا کانت اربعین سائمة وحال علیها الحول ففیها شاة الی مائة و عشرین فاذا زادت واحدة ففیها شاتان الی مائتین الخ (هدایة' کتاب الزکاة' باب صدقة السوائم' فصل فی الغنم ۱ /۱۹۰ ط شرکت علمیه ملتان)

(۵) جیسے بعض زمینوں میں نصف عشر واجب ہوتا ہے' وما سقی بغرب' او دالیة' او سانیة' ففیه نصف العشر علی القولین لان المؤنة تکثر فیه (هدایة' کتاب الزکاة' باب زکوٰة الزروع والثمار ۱ /۲۰۲ ط شرکة علمیه ملتان) اسی طرح دار الحرب کی زمینوں میں عشر' نصف عشر اور خراج میں سے کچھ بھی واجب نہیں و یحتمل ان یکون احترازا عما وجد فی دار الحرب فان ارضها لیست ارض خراج' او عشر (رد المحتار' کتاب الزکاة' باب الزکاة ۲ /۳۲۰ ط سعید)

سرکاری مالیہ دینے سے عشر ساقط نہیں ہوتا

(سوال) ہماری طرف کے بعض علماء کا خیال ہے کہ چونکہ ہماری زمینوں میں سے سرکاری مالیہ لیا جاتا ہے اب ان زمینوں کی پیداوار پر عشر لازم نہیں کیونکہ دو چیزوں کا لزوم نہیں ہوا کرتا؟

(جواب ۳۹۴) سرکاری مالیہ دینے سے عشر ساقط نہیں ہوتا(۱) ہاں سرکاری مالیہ جتنا دیا ہے اس کا عشر ساقط ہو گیا جتنا غلہ باقی رہا اس کا عشر ادا کرنا چاہئے مثلاً دس من پیدا ہوا اس میں سے دو من سرکار نے لے لیا تو باقی آٹھ من کا عشر ادا کرے محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دارالحرب کی زمین میں عشر وغیرہ نہیں.

(سوال) جے پور اسٹیٹ کی زراعتی زمین ملکیت راجہ صاحب کی ہے رعیت کو زمین پر صرف یہ حق حاصل ہے کہ وہ فصل بوئے اور کاٹ کر اپنے کام میں لائے اور جو مالگزاری اسٹیٹ کی طرف سے مقرر ہے وہ سال بسال داخل خزانہ کرے زمین کو بیع ورہن کرنے کا کسی کو بھی حق نہیں ہے اور فصل بارش کے اوپر منحصر ہے اگر بارش ہوئی تو ٹھیک ورنہ کچھ پیدا نہیں ہوتا تو اس زمین کی پیداوار کے بارے میں زکوۃ کا کیا حکم ہے اگر زکوۃ نکالنے کا حکم ہو تو کس حساب سے زکوۃ نکالنی چاہئے ؟ **المستفتی نمبر ۱۹۹۵ محمد** حسین صاحب (جے پور اسٹیٹ) ۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۹۵) اس ریاست کی زمین کی پیداوار پر زکوۃ و عشر نہیں ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عشر ہر پیداوار میں ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔

(سوال) پیداوار کھیتی پر عشر جو طریقہ ہے یعنی نہر کنویں پر بیسواں حصہ اور بارانی پر دسواں حصہ تو کیا اس میں بھی نقدی شرائط ہیں' اگر کسی کے یہاں صرف ایک من ہی پیدا ہو تو اس میں سے عشر نکالے یا نہیں ایسے غلہ میں سے کھانا پکوا کر مدرسہ اسلامیہ کے طلبہ اور تبلیغی حضرات کو جن میں اکثر صاحب نصاب بھی رہتے ہیں کھلا سکتے ہیں یا نہیں **المستفتی** میاں جی نور محمد' موضع نئی ضلع گوڑگانوہ

(جواب ۳۹۶) عشر ہر پیداوار میں ہے خواہ کم ہو یا زیادہ(۳) عشر یا نصف عشر صرف غریبوں کا حق ہے صاحب نصاب کو دینا یا کھانا کھلانا جائز نہیں ہے(۴) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی**

---

(۱) دیکھیں صفحہ نمبر ۳۱۶ حاشیہ نمبر ۲

(۲) یہ علاقہ دارالحرب ہوگا کیونکہ دارالحرب کی زمین میں عشر وغیرہ نہیں فان ارضها ليست ارض خراج او عشر (رد المحتار' کتاب الزکوۃ باب الرکاز ۲ / ۳۲۰ ط سعید)

(۳) ويجب العشر عند ابی حنيفة' فی كل ما تخرجه الارض (هنديه' كتاب الزكاة' الباب السادس فی زكاة الزروع والثمار ۱ / ۱۸۶ ط رشيديه' كوئٹه)

(۴) دیکھیں صفحہ نمبر ۳۱۴ حاشیہ نمبر ۱

سابقہ دارالاسلام کی خراجی زمینوں پر عشر

(سوال) ہندوستان کی جو زمینیں حکومت اسلامیہ کے عہد میں خراجی تھیں ان کی پیداوار میں آج جب کہ ہندوستان دارالاسلام نہیں رہا ہے مسلمانوں کے ذمہ عشر واجب ہو گا یا نہیں ؟

(جواب) (از مولوی جمیل الرحمن سیوہاروی) وباللہ التوفیق اول چند مقامات ممہد ہیں جن کے نتیجہ میں جواب سوال بوضاحت معلوم ہو سکتا ہے۔

المقدمۃ الاولیٰ۔ وجوب عشر کے بارے میں کتاب و سنت کا عموم اطلاق تو اس کا مقتضی ہے کہ مسلمانوں کی ہر پیداوار میں خواہ وہ عشری زمینوں کی پیداوار ہو یا خراجی زمینوں کی عشر واجب ہو قال اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین امنوا انفقوا من طیبت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض (۱) قال المحقق ابن الہمام ان العمومات تقتضیہ مثل قولہ علیہ السلام ما سقت السماء ففیہ العشر فانہ یقتضی ان یوجب مع الخراج (فتح)(۲)، لیکن حنفیہ نے اراضی خراجیہ سے وجوب عشر کو جو مرتفع قرار دیا ہے تو اس کا باعث یہ حدیث مرفوع ہے قال ﷺ لا یجتمع علی مسلم خراج و عشر قال ابن ہمام ذکرہ ابن عدی فی الکامل (فتح جلد ٤)(۳) اور آثار صحابہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ اراضی خراجیہ کا خراج ادا کیا کرتے تھے وقد صح ان الصحابۃ اشتروا اراضی الخراج و کانوا یؤدون خراجہا (ہدایہ) (٤) لہذا ابن عدی والی نص مذکور کی بناء پر چونکہ عشر و خراج کے درمیان اجتماع جائز نہیں ہے اس لئے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ خراجی زمینوں سے عشر ہی ساقط ہو گا خراج نہیں اس تمہید سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ سقوط عشر کے لئے صرف وجوب خراج ہی مانع ہے ورنہ مقتضائے اصل وجوب عشر ہے قال ابن عابدین ان المانع من وجوبہ کون الارض خراجیۃ لانہ لا یجتمع العشر مع الخراج فشمل العشریہ وما لیست بعشریۃ ولا خراجی (شامی جلد ۲ ص ٦٦)(۵) وقال انہم قد صرحوا بان فرضیۃ العشر ثابتۃ بالکتاب والسنۃ والاجماع والمعقول وبانہ زکوۃ الثمار وبانہ یجب فی الارض الغیر الخراجیۃ وبانہ یجب فیما لیس بعشری ولا خراجی الی ان قال لعموم قولہ تعالیٰ (شامی جلد ۳ ص ۳۵۲) (٦) شامی کی اس عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ فقہاء نے بعض اقسام اراضی کو جو لا عشریہ ولا خراجیہ کہا ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ مسلمانوں کی کسی زمین پر نہ خراج واجب ہو اور نہ اس کی پیداوار میں عشر فرض ہو

(۱) البقرۃ ۲٦٦
(۲-۳) کتاب السیر' باب العشر' والخراج' ٦/۲ ٤ ط مصطفی حلبی مصر
(٤) کتاب السیر' باب العشر' والخراج ۲/ ۵۹۳ شرکت علمیہ' ملتان
(۵) کتاب الزکاۃ' باب العشر ۲/ ۳۲۵ ط سعید)
(٦) کتاب الجہاد' باب العشر والخراج' مطلب اراضی المملکۃ' والحوز لا عشریۃ' ولا خراجیۃ ٤/۱۷۸ ط سعید)

وعلى فرض سقوط اخراج لا يسقط العشر لان الارض المعدة للاستغلال لا تخلو من احدى الوظيفتين (شامی ۲/۶۸)(۱) بلکہ ایسی اقسام اراضی کو محض اصطلاح توظیف کی بنا پر عشری یا خراجی کہا گیا ہے علامہ شامی نے اراضی مملکت واراضی مصر و شام کے بارے میں جو طویل بحث کی ہے وہاں اس مقصد کو بسط کے ساتھ واضح کیا ہے (شامی باب العشر جلد ۲ باب الخراج جلد ۳)

المقدمة الثانيه خراج و جزیہ دار الاسلام کی مخصوصات سے ہیں لہذا جو ملک دار الاسلام نہیں رہا وہاں وجوب خراج عقلاً و نقلاً متصور نہیں ہے قال فی البناية فی بيان الجزية والخراج ان كلا منهما من احكام دارنا فلما رضى بوجوب الخراج عليه رضى بان يكون من اهل دارنا (حاشية الهداية تحت قوله فاذا وضع عليه الخراج فهو ذمى بان خراج الارض بمنزلة خراج الراس الخ)(۲) وقال شمس الائمة السرخسی ان خراج الارض لا يجب الا على من هو من اهل دار الاسلام لانه حكم من احكام المسلمين و حكم المسلمين لا يجرى الا على من هو من اهل دارنا (سير كبير جلد ٤)(۳) ان خراج الاراضى تبع لخراج الجماجم (مبسوط باب العشر)(٤) انه بمنزلة الفى (هدايه باب العشر والخراج)(٥)

المقدمة الثالثة عشر اور خراج ایسے وظائف نہیں جن میں کوئی تغیر و تبدل ممکن نہ ہو بلکہ حالات کے ساتھ یہ بھی متبدل ہو جاتے ہیں مثلاً عشری زمین اگر کسی کافر کے پاس پہنچ جائے تو وہ خراجی ہو جاتی ہے ایسے ہی خراجی بھی بعض حالات میں عشری بن جاتی ہے ارض الخراج اذاانقطع عنها ماء الخراج و صارت تسقى بماء العشر فهى عشرية (عالمگيريه باب العشر ص ۲)(٦) اس طرح تبدل دار کی وجہ سے بھی سابقہ توظیفات ختم ہو جاتی ہیں حتی کہ دار الحرب جدید پر مسلمانوں کے دوبارہ استیلا کے وقت توظیف جدید کے لئے امام کو اختیار حاصل ہے اور وہ توظیف قدیم کا پابند نہیں ہے

ولو ان قوما من المسلمين ارتدوااو غلبوا على دار هم او على دار من ديار المسلمين و صارت دار حرب بالاتفاق ثم ظهر عليهم المسلمون (الى) فان اسلم المرتد ون بعد ما ظهر عليهم الامام كانوااحرارا لا سبيل عليهم واما نساؤهم و ذراريهم واموالهم فالامام فيها بالخيار ان شاء قسمها بين الغانمين و جعل على الاراضى العشروان شاء عليهم بالنساء والذرارى والاموال والاراضى ووضع على اراضيهم الخراج ان شاء وان شاء وضع عليها العشروان راى الامام ان يجعل

---

(۱) كتاب الزكاة باب العشر مطلب مهم فى حكم اراضى مصر والشام السلطانيه ۲/۳۲۷ ط سعيد
(۲) هدايه كتاب السير باب المستامن ۲/۵۸٦ ط شركت علميه ملتان
(۳) شرح السير الكبير
(٤) ۲/۸ ط دار المعرفه بيروت
(٥) ۲/۵۹۰ ط شركت علميه ملتان
(٦) ۲/۲۳۷ ط ماجديه كوئته

ماکان من اراضیهم عشر یا علی حاله وما کان خراجیا علی حاله فله ذلك (الی اخر البحث عالمگیری ج ۲ ص ۲۲۸)(۱)

ان مقدمات کا ماحصل یہ ہے کہ مسلمانوں کی پیداوار میں حکم اصلی وجوب عشر ہے لیکن وجوب خراج کے عارض کی بناء پر شرعاً وجوب عشر مرتفع ہو جاتا ہے لہذا جب وجوب خراج کسی علت صحیحہ کی بناء پر مرتفع ہو جائے تو مقتضائے اصل یعنی وجوب عشر عود کر آئے گا اور چونکہ ہندوستان کے دارالاسلام نہ رہنے کی شکل میں وجوب خراج مرتفع ہو چکا ہے اس لئے یہاں کی جو زمینیں پہلے سے عشری تھیں اب ارتفاع مانع کی بناء پر ان کی پیداوار میں بھی مسلمانوں کے ذمہ عشر واجب ہو گا۔

خلاصہ یہ کہ مسلمانان ہندوستان کی پیداوار میں اس وقت علی الاطلاق عشر واجب ہے۔ لعموم اطلاقات الکتاب والسنة کما بیناه آخر کلام پر دفع دخل کے طور پر یہ اشارہ ناگزیر ہے کہ شرح سیر کبیر جلد چہارم میں اراضی دارالحرب کے بارے میں یہ جو تصریح ہے ان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وهذه اراضی اهل الحروب واراضی اهل الحرب لیست بعشریة ولا خراجیة (۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب میں علی الاطلاق عشر واجب نہیں ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وجوب عشر کے لئے ملک الارض شرط ہے تو اس کے متعلق یہ وضاحت ضروری ہے کہ صاحبین کے مسلک مفتی بہ کے مطابق وجوب عشر کے لئے محض ملک الخارج کافی ہے قال فی البدائع ملك الارض لیس بشرط لو جوب العشر وانما الشرط ملك الخارج فتجب فی الاراضی التی لا مالك لها وهی الاراضی الموقوفه لعموم قوله تعالیٰ یا ایها الذین امنوا الخ (بدائع ص ۵۷ ج۲) (۳) قال ابن عابدین قد صرحوا بان فرضیة العشر ثابتة بالکتب والسنة (الی) وبان الملك غیر شرط فیه ملك الخارج (شامی ص ۳۵۲ ج۳)(۴) اور اسی قول پر وجوب العشر علی المستاجر متفرع ہے وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم و فی الحاوی بقولهما ناخذ (درمختار' باب العشر) (۵) چنانچہ یہی باعث ہے کہ زمین کے مالک اگر کفار ہوں تو اس کے مسلمان کاشتکاروں پر عشر واجب ہے' ولو اعارها من کافر فکذلك الجواب عندهما لان العشر عندهما فی الخارج علی کل حال (بدائع الصنائع ص ۵۷ ج۲) (۶) والله تعالیٰ اعلم و علمه اتم واحکم

---

(۱) کتاب السیر' باب الرابع فی الغنائم' فصل فی الغنائم ۲ /۲۰۵'۲۰۶ ط کوئٹہ

(۲) باب نمبر ۲۰۳ من الخمس فی المعدن ۵ /۲۱۶۷ ط حرکت الانقلاب' الاسلامیه افغانیه)

(۳) کتاب الزکاۃ' فصل واما شرائط الفرضیة ۲ /۵۶ ط سعید

(٤) کتاب الجهاد' باب العشر' والخراج ٤ /۱۷۸ ط سعید

(۵) کتاب الزکاۃ' باب العشر ۲ /۳۳٤ ط سعید

(٦) کتاب الزکاۃ' فصل و اما شرائط الفرضیة ۲ /۵٦ ط سعید

الاحقر الافقر محمد جمیل الرحمن السیوہاروی غفرلہ۔ ۱۸ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ
تصدیق شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا (محمد اعزاز علی غفرلہ) صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند
۲۵ صفر ۱۳۶۶ھ (مہر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند)
تصدیق مولانا (مسعود احمد عفا اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند)
تصدیق فخر العلماء حضرت مولانا سید (فخر الدین احمد غفرلہ مدرس مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد)
(۳۹۷ نوٹ از حضرت مفتی اعظمؒ) ہندوستان کی زمینوں میں نئی صورت پیدا ہو رہی ہے اس پر غور کرنا اور پھر مسلمانوں کو حکم بتانا ضروری ہے یہ تحریر اس پر کافی روشنی نہیں ڈالتی اس لئے ذرا زیادہ غور فرمائیے اور پوری تحقیق سے لکھئے۔ محمد کفایت اللہ دہلی

آٹھواں باب
صدقات نافلہ

غنی کو نفلی صدقہ دینا

(سوال) یہاں پر زبردست نزاع ہے کہ آیا غنی آدمی جس پر زکوٰۃ دینی فرض ہے صدقہ نافلہ کا مال کھا سکتا ہے یا نہیں ایک فریق مدعی ہے کہ غنی من علیہ الزکوٰۃ بلا روک ٹوک صدقہ نافلہ کھا سکتا ہے اس پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں صدقہ نافلہ کے اکل میں غریب و امیر کا کوئی امتیاز نہیں دوسرا فریق مدعی ہے کہ غنی من علیہ الصدقہ کے لئے صدقہ نافلہ کا بطور صدقہ کے کھانا ہرگز شرعاً جائز نہیں ہو سکتا ورنہ امراء کے مقابلہ میں غرباء کو کوئی پوچھے گا ہی نہیں۔ المستفتی نمبر ۱۰۴۴ غلام محمد صاحب (ملتان) ۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۸ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۹۸) غنی مالک نصاب کو اگر صدقہ نافلہ دیا جائے تو وہ صدقہ نہیں رہتا ہبہ یا ہدیہ ہو جاتا ہے یعنی دینے والے کو صدقہ کا ثواب نہیں ملے گا اور غنی اگر کھالے گا تو صدقہ کھانے والا نہ ہو گا بلکہ ہدیہ کھانے والا قرار دیا جائے گا(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) لان الصدقة على الغني هبة (الدر المختار' كتاب الهبة ۵/۶۹۸ ط سعيد

نواں باب
بیت المال اور قومی فنڈ

ایسے اداروں کو زکوۃ دینا جو غریبوں کو قرضہ دیتے ہیں.

(سوال) اہل شہر یا اہل قصبہ نے چندہ کے طور پر یا اور کسی صورت سے کچھ روپیہ و مال فراہم کر کے ایک فنڈ قائم کیا اور اس فنڈ کو بیت المال قرار دیا اور اس بیت المال کا مقصد یہ ہوا کہ وقت تنگی میں غرباء فقراء امداد حاصل کریں اور فراخی وقت میں پھر وہ روپیہ یا مال وصول کریں اب سوال یہ ہے کہ اس بیت المال میں زکوۃ صدقہ فطرہ قربانی کی کھال کا روپیہ داخل کر سکتے ہیں یا نہیں مسجد کا مال اس کے ساتھ ملا کر رکھ سکتے ہیں یا نہیں مگر حساب الگ رہے گا نیز اس کو واقعی طور پر بیت المال کہہ سکتے ہیں یا نہیں اگر نہ کہہ سکیں تو فرمایئے کہ بیت المال کے لئے کیا کیا شرط ہونی چاہئے اس میں کون کون سا مال داخل ہوا کرتا تھا نیز اس بیت المال کو صرف کرنے کے لئے فقرا مساکین کو مع شرط مذکور کے دینے کے علاوہ کسی مدرسہ میں کسی طالب علم کو مسافر اور اشاعت اسلام کے واسطے وغیرہ وغیرہ سات مواقع جو کہ مصارف بیت المال ہیں ان کو بھی دیا جاتا ہے امید ہے کہ ہمیں شریعت کے صحیح احکام بتلا کر مع استدلال کے ممنون و مشکور فرمائیں گے۔ المستفتی نمبر ۲۳۳۲ منصور الحق بہ دوانی دار العلوم دیوبند ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۲ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۹۹) بیت المال کے معنی یہ ہیں کہ اس میں اموال جمع کئے جائیں اور اپنے اپنے مصرف میں صرف کئے جائیں فقہاء نے چار بیت المال ذکر کئے ہیں (اول) خمس غنیمت اور رکاز رکھنے کے لئے (دوم) زکوۃ سوائم اور عشر وغیرہ رکھنے کے لئے (سوم) خراج اور جزیہ وغیرہ کے لئے (چہارم) لاوارث اموال کے لئے (۱) پہلی دو قسموں کے بیت المال کے اموال کا مصرف فقرا و مساکین اور وہ مواقع ہیں جو نص قرآنی (واعلموا ان ما غنمتم الخ (۲) اور انما الصدقات للفقراء الخ) (۳) میں مذکور ہیں ان میں حنفیہ کے نزدیک تملیک ضروری ہے (۴) ان کو بطور قرض کے دینا اور پھر واپس لینا درست نہیں ہے طالب علم کو تملیک کے طور پر دیا جائے تو جائز ہے اسی طرح مسافر کو اشاعت اسلام میں بھی اگر

---

(۱) شعر: بیوت المال اربعة لكل مصارف بينتها العالمونا فاولها الغنائم والكنوز ركاز بعدها المتصد قونا (الدر المختار کتاب الزکاۃ باب العشر ۲/۳۳۷ ط سعید)

(۲) واعلموا انما غنمتم من شئ فان لله خمسه وللرسول ولذى القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل (الانفال ۴۱)

(۳) انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفى الرقاب والغارمين وفى سبيل الله و ابن السبيل التوبة ۶۰

(۴) دیکھئے صفحہ نمبر ۳۰۴ حاشیہ نمبر ۱

مستحق کی تملیک کے طور پر دیا جائے تو جائز ہوگا ورنہ نہیں(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اجتماعی ادارے کا قرض دینے کے لئے ٹکٹوں کی شرط لگانا.

(سوال) موضع نواب گنج ضلع پرتاب گڑھ باغ میں تقریباً دو سو گھر مسلمانوں کے ہیں جس میں ۱۹۳۶ء سے باسم بیت المال کمپنی قائم ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو سودی قرض سے بچانا ہے علاوہ اس کے محتاجوں 'لاوارثوں کی میتوں کی تجہیز و تکفین اور یتیموں 'بیواؤں کی امداد کرنا ہے مگر اب تک ذرائع آمدنی ایسے نہیں جس سے خرچ آمد و رفت پورا ہو سکے یہ بھی واضح رہے کسی مسلمان پر کسی قسم کا چندہ نہیں ہے ہاں صرف آمدنی فطرہ 'چرم قربانی و عقیقہ اور نکاح آنے پر اب تک چلایا گیا یہ وہ وقت آیا کہ بیت المال بالکل خالی ہے اور مسلمان کاشتکاروں کو روپیہ تخم ریزی کے لئے کہاں سے دیا جاوے آج کمیٹی یہ طے کرتی ہے کہ آمدنی بڑھانے کے لئے ٹکٹ بنوائے جائیں یعنی ٹکٹ قرض دار لیکر فارم پر چسپاں کر کے درخواست دے تو بلا سودی قرضہ تین ماہ کے لئے دیا جاوے ایک روپے سے پانچ روپے تک کے قرض دار کو دو آنے کا ٹکٹ چسپاں کرنا ہوگا وغیرہ تو اس قسم کا معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۵۷۵ سجاد حسین سکریٹری بیت المال نواب گنج ضلع پرتاب گڑھ مورخہ ۴ صفر ۱۳۵۹ھ م ۴ مارچ ۱۹۴۰ء

(جواب) فارم کے ٹکٹوں کی قیمت قرض خواہوں سے لیکر قرض دینا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ قیمت ٹکٹوں کی لینا قرض خواہوں سے بعینہ سود ہی ہے(۲) واللہ اعلم

اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ 'دہلی

(جواب ۴۰۰) ہوالموفق اس ٹکٹ کی اباحت کی گنجائش ہے کیونکہ یہ رقم دفتری مصارف کے کام میں آئے گی کسی شخص کے ذاتی مفاد کے لئے قرض پر کوئی سود نہیں ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

موجودہ دور میں بیت المال کی ضرورت.

(الجمعیۃ مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۳۰ء)

(سوال) موجودہ صدی میں کس قدر مسلمانوں کی جائیدادیں سود بٹہ کی نذر ہو چکی ہیں آئندہ ان کی حفاظت کے لئے ایک اسلامی مالیہ یعنی بیت المال کا افتتاح کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(جواب ۴۰۱) مسلمانوں کی موجودہ تباہی اور ہر طرف سے ذلت آمیز پستی اس درجہ تک پہنچ گئی ہے

---

(۱) دیکھیں صفحہ نمبر ۳۰۴ حاشیہ نمبر ۳

(۲-۳) دونوں حضرات کے جوابوں کی تفریق شاید الگ الگ ہے 'پہلے جواب میں ناجائز اور سود کہا اس لئے کہ قرض بلند دیتی ہے اور ٹکٹ کی رقم بھی ڈاکخانہ میں جاتی ہے اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ ٹکٹ کی رقم اصل قیمت سے زیادہ ہے جب قرض زیادہ ہو تو ٹکٹ کی قیمت بھی زیادہ وصول کرتا ہے

اور دوسرے جواب میں ٹکٹ پر رقم وصول کرنے والوں کے کاغذات اور دفتری اخراجات کو مد نظر رکھا گیا ہے

کہ اب اس سے غفلت اور اغماض برتنا قومی جرم ہو گیا ہے اس میں بھی شک نہیں کہ مذہبی لاپروائی اور جہالت کے علاوہ اقتصادی کمزوری بھی اسباب تباہی میں سے بڑا سبب ہے سودی قرضوں نے ان کی جائیدادوں تجارتوں کو اندر ہی اندر کھا کر غارت کر دیا ہے اور رات دن ان کو ہلاکت کے عمیق غار کی طرف لئے جا رہے ہیں ایسی حالت میں تمام ایسی تدبیریں جو مسلم قومیت کو اس مہیب اور مہلک خطرے سے بچانے میں مؤثر اور مفید ہوں عمل میں لانا بزرگان قوم کا انسانی و ملی فریضہ ہے بلاشبہ اگر قومی بیت المال قائم ہو جائے اور صحیح اصول پر اس کی ترتیب و تنظیم کر لی جائے تو تمام مفاسد کا دفعیہ آسانی سے ہو سکتا ہے اور اس صورت میں قوم مسلم دین و دنیا کے فوائد و برکات سے مالا مال ہو جائے گی۔ واللہ الموفق

محمد کفایت اللہ غفر لہ' دہلی

الجواب صحیح۔ وحید حسین مدرسہ امینیہ' محمد عنایت اللہ عفی عنہ مدرسہ نعمانیہ' تاج الدین عفی عنہ مدرسہ رحیمیہ

خدابخش عفی عنہ مدرسہ امینیہ' نورالحسن عفی عنہ مدرسہ حسین بخش' محمد فرید اللہ مدرسہ نعمانیہ' ضیاء الحق عفی عنہ (دیوبندی) مدرسہ امینیہ

بیت المال ایک نہایت ضروری چیز ہے بشرطیکہ صحیح ضوابط و قواعد کے ماتحت اس کا اجرا کیا جائے اور معتمد دیانت دار اصحاب کی نگرانی میں اس کی حفاظت کی جائے احمد سعید دہلوی۔ بیت المال کی سخت ضرورت ہے مسلمان اس طرف توجہ کریں اس میں مسلمانوں کی بہتری ہے اس کے متعلق جو شرائط و ضوابط ہوں ان کا لحاظ ضروری ہے بغیر قیام بیت المال مسلمانوں کا کام درہم برہم ہو رہا ہے احمد اللہ دار الحدیث رحمانیہ بیشک اگر معتمدین کی نگرانی میں بیت المال قائم کیا جائے اور وہ اپنے صحیح مصرف پر خرچ کیا جائے تو اس سے بہتر مسلمانوں کی بہبودی کے لئے کوئی دوسرا کام نظر نہیں آتا مگر معاونین بیت المال پر ضروری ہے کہ وہ اس کے کارکنان کا اچھی طرح اطمینان کر لیں تاکہ ان کا مال ضائع نہ ہونے پائے محمد مظہر اللہ غفر لہ' امام مسجد فتح پوری۔ چونکہ قوم کی حالت اکثر اعتبارات سے ناگفتہ بہ ہے خصوصاً قرضہ کی بلائے عام نے جس حضیض تنزل تک قوم کو پہنچایا ہے وہ بھی اظہر من الشمس ہے لہذا اس کا واحد اور مؤثر علاج اگر ہو سکتا ہے تو وہ قوم ہی کی اجتماعی امداد (بیت المال) ہو سکتی ہے لہذا اس کی طرف فوری توجہ کی شدید ضرورت ہے محمد امین وائس پرنسپل طبیہ کالج قرول باغ' دہلی

ایسے ادارے کو زکوٰۃ دینا جو غریبوں کو قرضہ فراہم کرتا ہو۔

(سوال) دہلی کے پنجابی سوداگران نے جو بغرض تجارت کلکتہ میں بودوباش اختیار کئے ہوئے ہیں اپنی ایک قومی جماعت بنائی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ آپس میں محبت و شفقت کے جذبہ کو فروغ دیا جائے آپس کے تنازعات کا فیصلہ کیا جائے اور اپنے یہاں کے ناداروں اور بیکاروں کو کام سے لگانے کی کوشش کی

جائے ناداروں کی کفالت اور انسداد بیکاری کے سلسلہ میں ایک امدادی شعبہ قائم کیا گیا ہے اور کچھ روپیہ بھی فراہم کیا گیا ہے لیکن امداد کی یہ صورت اختیار کی گئی ہے کہ کسی کو رقم بالمقطع نہ دی جائے کسی کے وظیفے مقرر نہ کئے جاویں بلکہ ضرورت مند کی (جو قوم کا فرد ہو) امداد ایک ایسی صورت سے کی جائے کہ جس کے ذریعہ وہ کوئی کام کر سکے اور ایک مدت معینہ کے بعد (جو ضرورت مند کے احوال پر منحصر ہے) جو رقم امداد کے طور پر دی گئی ہو جمعیت کو واپس مل جائے یعنی امداد قطعی نہ ہو بلکہ عارضی بصورت قرض ہو تاکہ ایک رقم سے بہ پھر کر متعدد اشخاص فائدہ حاصل کرلیں اور سلسلہ قائم رہے کیونکہ قوت بازو سے روپیہ پیدا کرنے کے قابل بنانا ہے جو اپنے جائز اخراجات کی کفالت کر سکے اس وجہ سے طالب امداد کے لئے ضروری رکھا گیا ہے کہ کسی قسم کی ضمانت پیش کرے چاہے وہ کسی معتبر شخص کی ضمانت ہو یا کسی ایسی چیز کی ضمان پہلے سے اس کے پاس موجود ہو (مثلاً معمولی زیور اور کپڑا) یا پھر وہی مال جو امداد شدہ رقم سے خریدا جائے وہی بطور ضمانت رکھا جائے اور حساب و کتاب باقاعدہ رکھا جائے مقصد اس شرط سے صرف اتنا ہے کہ سائل کے اوپر ہر ایک وقت ایک قسم کا دباؤ رہے جو اسے اپنے فرائض سے غافل نہ کردے یہ ظاہر ہے کہ ایسی تجویز کے لئے ایک رقم کثیر کی ضررت ہے اور امداد بھی بعض حالات میں سو دو سو اڑھائی سو روپے تک کی گئی ہے مسئلہ درپیش یہ ہے کہ زکوۃ کے روپے سے اس فنڈ کو فروغ دیا جاسکتا ہے یا نہیں روپیہ لینے والی جمعیت ہے اس کو خرچ کرنے کا اختیار بھی جمعیت کو ہے جو شخص اس فنڈ میں ایک دفعہ روپیہ دیدے اس کو واپس نہیں دیا جائے گا اب تک اس معاملے میں حلقے کے علماء سے جو مسئلہ دریافت کیا گیا تو مختلف جوابات ملے اس وجہ سے آپ سے گزارش ہے کہ براہ مہربانی اس بارے میں اپنا فتویٰ دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی نمبر ۲۳۵۵ جمعیت قوم پنجابیان دہلی مقیم کلکتہ ۵ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۴ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۰۲) قوم کی امداد کی غرض سے یہ تجویز بہت اچھی اور مبارک اور مفید تجویز ہے اس میں امدادی رقوم اور صدقات نافلہ دیئے جاسکتے ہیں۔

لیکن زکوۃ اور صدقات واجبہ (صدقہ فطر و کفارات) کی رقم اس میں نہیں دی جاسکتی کیونکہ حنفیہ کے اصول کے بموجب زکوۃ اور صدقات واجبہ کی صحت ادا کے لئے تملیک مستحق شرط ہے(۱) اور اس میں چونکہ رقم تملیکا نہیں دی جاتی بلکہ بشرط واپسی بعد ضمانت دی جائے گی اس لئے زکوۃ ادا نہ ہوگی حنفیہ تو ایسی صورتوں میں بھی زکوۃ کی رقم خرچ کرنے کو ناجائز کہتے ہیں جن میں واپسی بھی نہیں

---

(۱) ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحۃ کمامر ولا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن المیت وقضاء دینہ الخ (وفی الشامیۃ) قولہ نحو مسجد کبناء القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانہار وکل مالا تملیک فیہ الخ (رد المحتار کتاب الزکاۃ باب المصرف ۲ / ۳۴۴ ط سعید)

ہوتی مگر تملیک نہ ہونے کی وجہ سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی جیسے تعمیر مسجد، تعمیر چاہ، تکفین وغیرہ (۱) اس فنڈ میں زکوۃ کی رقوم جس قدر لی جائیں وہ بطور تملیک بغیر عوض خرچ کرنی ہوں گی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) راجع صفحہ نمبر ۲۹۸ حاشیہ نمبر ۱

کتاب الحج والزیارۃ

پہلا باب
فرضیت حج
مسودہ قانون حج پر تفصیلی نظر

(۴۰۳) حج پر جانے کیلئے واپسی کا کرایہ پہلے جمع کرانے کی شرط مذہبی مداخلت ہے .
(سہ روزہ اخبار الجمعیۃ شمارہ نمبر ۳ جلد نمبر امورخہ ۱۴ فروری ۱۹۲۵ء م ۱۹ رجب ۱۳۴۳ھ)

حجاج کے لئے واپسی ٹکٹ کی ناروا قید

آج کل مجلس واضع قوانین ہند (اسمبلی) میں قانون جہاز رانی ہند کے بعض دفعات کی ترمیم و اضافہ کا ایک مسودہ قانون زیر غور ہے جسکا مفاد یہ ہے کہ زائرین بیت الحرام (حجاج) پر قانوناً لازم کر دیا جائے کہ وہ جاتے وقت واپسی کا ٹکٹ خریدیں یا بقدر ٹکٹ واپسی کی رقم اس افسر کے پاس جمع کر دیں جو گورنمنٹ کی جانب سے اس کام کے لئے نامزد کر دیا جائے گا اس پابندی کے عائد کرنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ہندوستانی حاجیوں کی ایک معقول تعداد جدہ میں بوجہ کرایہ واپسی نہ ہونے کے پڑی رہتی ہے اور خود بھی ناداری اور فقر و فاقہ کی وجہ سے طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اہل جدہ کے لئے بھی ایک مصیبت اور بلائے بے درماں ہو جاتی ہے عرب حکومت ایسے حاجیوں کو ہندوستان لے جانے کے لئے تقاضا کرتی ہے اور گورنمنٹ ہند کے پاس ایسی کوئی مد نہیں کہ اس میں سے ان نادار حجاج کو کرایہ دیکر ہندوستان پہنچایا جائے اس لئے ضروری ہے کہ اس قسم کا ایک قانون بنایا جائے کہ کوئی حاجی ہندوستان سے اس وقت تک روانہ نہ ہو سکے جب تک وہ اپنی واپسی کا باقاعدہ انتظام نہ کر دے اور اس کی صورت یہی ہے کہ یا واپسی کا ٹکٹ خریدے یا اس قدر رقم جمع کر دے۔

مسلمان ممبران اسمبلی میں اختلاف

اسمبلی کے مسلمان ممبروں میں اس قانون کے متعلق اختلاف رائے ہو گیا بعض ممبران نے اس کو مذہبی مداخلت سمجھا اور اس بنا پر اس کی مخالفت کی اور بعض ممبران نے اس کو ایک انتظامی ضروری قانون قرار دیا اور اس میں مذہبی مداخلت کو تسلیم نہ کیا اور اس کے حق میں رائے دی۔

گورنمنٹ نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان ممبران اسمبلی میں اختلاف ہے اس مسودہ قانون کو بہت

سے تعلیم یافتہ اور عہدے داران اور رؤسا کے پاس بھیجا اور جمعیۃ علما کے پاس بھی بھیجا کہ اس کے متعلق اہل الرائے اور مذہبی جماعتیں اپنی رائے کا اظہار کریں جمعیۃ علما کے اجلاس مراد آباد میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا اور دو گھنٹے کامل اس پر مباحثہ ہوتا رہا موافق و مخالف آراء کا اظہار اور طرفین سے استدلال و جواب کا خوب معرکہ رہا بالآخر اجلاس نے اس وقت یہ فیصلہ کیا کہ اس مسئلے کو جمعیۃ علما کی مجلس عاملہ کے سپرد کر دیا جائے تا کہ وہ آخری فیصلے سے گورنمنٹ کو مطلع کر دے۔

جمعیۃ علما کی مجلس عاملہ کا اجلاس

۲۸ جنوری کو یہ مسودہ اسمبلی میں پیش ہونے والا تھا اس لئے ۲۶ جنوری کو جمعیۃ علما کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا اور اس میں اس مسئلے پر از سر نو مباحثہ ہوا بالآخر کثرت رائے سے طے ہوا کہ اس قسم کا قانون مذہبی عبادت میں ایک قسم کی رکاوٹ ہے اس لئے مسلمان ہرگز اس قانون سے اتفاق نہیں کر سکتے۔

اس تجویز کی پوری نقل اس سے قبل شائع ہو چکی ہے اور گورنمنٹ ہند کے پاس بھی بھیج دی گئی ہے ۲۸ جنوری کو یہ مسئلہ اسمبلی میں پیش نہیں ہوا بلکہ آج ۹ فروری تک بھی اسمبلی میں نہیں آیا ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مسلمان ممبران اسمبلی میں سے کئی صاحب اب بھی اس قانون کے حق میں ہیں اور وہ اس کو مذہبی مداخلت تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر بحث کر کے اچھی طرح روشن کر دیا جائے امید ہے کہ ممبران اسمبلی اور دیگر اہل الرائے حضرات سطور ذیل پر پوری توجہ سے غور فرمائیں گے۔

قانون زیر تجویز میں مذہبی مداخلت کیوں ہے؟

حج بیت اللہ ایک مذہبی عبادت ہے جو مسلمان کہ زاد و راحلہ کی استطاعت رکھتے ہیں ان پر فرض ہے اور جو لوگ استطاعت نہیں رکھتے ان پر تو فرض نہیں لیکن اگر حج ادا کریں تو یقیناً ان کا حج بھی عبادت اور موجب ثواب ہے پس غیر مستطیع اصحاب کو روکنا ایک عبادت سے روکنا ہے اور یہی مذہبی مداخلت ہے بہت سے لوگ جن کے پاس جانے کے لئے جہاز کے کرایہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا مگر وہ زیارت بیت اللہ کے شوق میں اخلاص قلب کے ساتھ جاتے ہیں اور کسی صنعت و حرفت کے ذریعے سے وہاں روپیہ حاصل کر کے نہ صرف گزارہ کرتے ہیں بلکہ واپسی کا کرایہ بھی مہیا کر لیتے ہیں بہت سے لوگ وہاں رہنے اور واپس نہ آنے یا ایک سال دو سال کے بعد واپسی کے ارادہ سے جاتے ہیں بہت سے لوگ بعد فراغ حج دیگر بلاد اسلامیہ کی سیاحت کا ارادہ رکھتے ہیں ایسے تمام لوگوں پر واپسی کا ٹکٹ لازم کر دینا ان کے ایک نیک کام اور عبادت کے ارادے میں مشکلات پیدا کرنا اور روکنا نہیں تو اور کیا ہے۔

قانون زیر تجویز مسلمانوں کے لئے بےحد مضر ہے
حجاج کی جو تعداد واپس نہیں آتی اس میں کئی قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک تو وہ جو حج کر کے دیگر بلاد اسلامیہ کی سیر و سیاحت کے لئے چلے جاتے ہیں دوسرے وہ جنہوں نے ہمیشہ کے لئے یا ایک طویل مدت کے واسطے حجاز میں اقامت کرلی تیسرے وہ جو بیماری یا کسی دوسری وجہ سے انتقال کر گئے گزشتہ سال تقریباً پانچ چھ ہزار ہندوستانی حاجی وفات پاگئے تھے اور ہر سال اس قسم کے واقعات کم و بیش آتے رہتے ہیں ان تمام لوگوں کا کرایہ واپسی ضائع یا مثل ضائع شدہ کے سمجھنا چاہئے۔

اعداد و شمار کے لحاظ سے نقصان عظیم
اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ تقریباً بیس ہزار ہندوستانی حاجی حجاز کو جاتے ہیں اور اگر کرایہ واپسی ۔۔۔۔۔۔ فی کس ہو تو بیس ہزار حاجیوں کا جمع شدہ کرایہ پندرہ لاکھ روپیہ ہوتا ہے اور نادار حاجی جو جدہ میں رہ جاتے ہیں ان کی اوسط تعداد ایک ہزار انکے لئے واپسی کے کرایہ کی مقدار حساب ۔۔۔۔۔ فی کس پچھتر ہزار روپیہ ہوتی ہے ان اعداد و شمار کے لحاظ سے اب نقصانات ملاحظہ فرمایئے۔

پہلا نقصان
ایک ہزار حاجیوں کی ناداری کے تاوان میں انیس ہزار حاجیوں پر ایک ایسی پابندی عائد کی جاتی ہے جسے وہ مذہبی مداخلت سمجھتے ہیں اور اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔
انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس چھوٹی سی جماعت کی ناداری کے نتائج رفع کرنے کے لئے سبیل کی جائے نہ یہ کہ اس کا وبال اس سے بیس گنی جماعت اور عام حجاج پر ڈال دیا جائے۔

دوسرا نقصان
ان ایک ہزار نادار حجاج کے کرایہ واپسی (پچھتر ہزار روپیہ) کو محفوظ کرنے کے لئے انیس ہزار حاجیوں سے ۴ لاکھ پچیس ہزار روپیہ دو تین مہینے اور بعض حالات میں چار مہینے پہلے وصول کرلینا کون سے تجارتی 'اقتصادی 'انتظامی اصول کی رو سے جائز ہے میں پوچھتا ہوں کہ یہ چار لاکھ پچیس ہزار تو ایسے مستطیع اصحاب کا ہے' جن کی واپسی میں کوئی خطرہ ہی نہیں تھا تو یہ روپیہ جہاز راں کمپنی یا گورنمنٹ کے افسر مجاز نے تین چار مہینے پہلے کس حق سے ان حجاج سے وصول کیا اور اتنی بڑی رقم کو ایک عرصہ دراز تک اپنے قبضہ میں رکھ کر خود فائدہ اٹھایا اور حجاج کو خسارہ اور نقصان پہنچایا۔

تیسرا نقصان

تجربہ شاید ہے کہ حج کو جانے کے وقت جہازوں کے کرایہ کی شرح زیادہ ہوتی ہے اور واپسی میں بسا اوقات بہت کم کرایہ ہو جاتا ہے اکثر ایسا ہوا ہے کہ جاتے وقت ... روپیہ دیکر حاجی گئے ہیں اور واپسی میں ... دیکر آئے ہیں پس واپسی کا ٹکٹ لازم کر دینے میں حاجیوں کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ ان کو جاتے وقت کی زیادہ شرح کرایہ کے موافق واپسی کا کرایہ بھی ادا کرنا پڑے گا اور واپسی کے وقت کمی کرایہ کی صورت ان کے لئے مسدود ہو جائے گی کمپنیاں کرایہ کم نہ کریں گی کیونکہ یا تو وہ بذریعہ واپسی ٹکٹ کے پہلے ہی پورا کرایہ وصول کر چکی ہوں گی یا ان کو اطمینان ہوگا کہ باقی ماندہ حجاج کا روپیہ حسب شرح سابق جمع ہے۔

پس اگر ... روپیہ شرح کرایہ سے بیس ہزار حاجی آتے تو ان کو چار لاکھ روپیہ ادا کرنا ہوتا لیکن قانون زیر تجویز کے بموجب ان کو پندرہ لاکھ روپے پہلے ہی دینا ہوگا یعنی گیارہ لاکھ روپیہ کا حاجیوں کو نقصان ہوگا جو جہاز راں کمپنی ان سے ناحق وصول کرے گی۔

مسودہ قانون واپسی ٹکٹ قطعاً نامعقول ہے

پس یہ مسودہ قانون کسی طرح معقول اور قابل قبول نہیں کیونکہ ایک ہزار حجاج کی ناداری اول تو کوئی جرم نہیں کیونکہ بسا اوقات ناداری ایسے اسباب سے پیدا ہو جاتی ہے جس میں حاجی بیچارے قطعاً معذور بے گناہ ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ ان کی مجرمانہ کوتاہی بھی ہے تاہم ایک ہزار کی کوتاہی میں انیس ہزار پر پابندی عائد کر دینی اور ان سے چودہ لاکھ پچیس ہزار کی رقم خطیر دو یا تین یا چار مہینے پہلے جمع کرا لینی کسی طرح معقول نہیں یہ کہنا کہ چونکہ ابتدا میں معلوم نہیں ہو سکتا کہ کون شخص ناداری میں پڑ جائے گا اور کون نہیں اس لئے مجبوراً سب پر ٹکٹ واپسی لازم کرنے کا قانون بنانا پڑتا ہے عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔

ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ ریل میں بہت سے لوگ مقدار معین سے زیادہ اسباب لے جاتے ہیں یا اپنے ہمراہیوں کے ٹکٹ کم لیتے ہیں یعنی بجائے چار ٹکٹوں کے تین ہی لئے اور راستہ میں چیکر یا منزل مقصود کا ٹکٹ بابو انہیں پکڑ کر باقی کرایہ مانگتا ہے اور بسا اوقات مجرم کے پاس ادائے مطالبہ کے لئے کچھ نہیں ہوتا اور گھنٹوں جھگڑا رہتا ہے اور ملازمین ریلوے کو سخت پریشانی اٹھانی پڑتی ہے پس اگر اس کے انسداد کے لئے ایسا قانون بنایا جائے کہ ہر مسافر جو ٹکٹ خریدے وہ ایک خاص مقدار کی مزید رقم بھی جمع کر دے تاکہ اس کی کوتاہی یا خیانت ثابت ہونے پر اس رقم سے ریلوے کا مطالبہ وصول کیا جا سکے تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس قانون کو کوئی ذی رائے آدمی معقول قرار دے سکتا ہے۔

جس طرح ریلوے کے ایسے خائن اور دیدہ دلیر مسافروں کی ان حرکات کا انسداد ضروری ہے

مگر اس کا یہ طریقہ نہیں کہ تمام شریف اور بے گناہ مسافروں سے بلاوجہ روپیہ وصول کیا جائے اسی طرح جدہ کے معذور بادار حجاج کی تکلیف رفع کرنے کی فکر بھی ضروری ہے مگر اس کا یہ طریقہ معقول نہیں کہ بلاوجہ تمام مستطیع حجاج پر ایک خلاف مذہب پابندی عائد کردی جائے اور ان کا چودہ پندرہ لاکھ روپیہ دو تین مہینے پہلے بلاوجہ جمع کرالیا جائے اور واپسی میں کرایہ کی کمی کے فائدے کو مسدود کر کے دس گیارہ لاکھ روپیہ کا صریح نقصان پہنچایا جائے۔

اگر گورنمنٹ اور ممبران اسمبلی اس مشکل کا کوئی معقول حل نہیں کر سکتے تو میں جو تجویز اس مضمون کے آخر میں ذکر کروں گا اس پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے مجھے امید ہے کہ وہ تجویز اس مشکل کا بہترین حل کر دے گی۔

بعض ممبران اسمبلی کے شبہات کا جواب

اس کے بعد بعض ممبران اسمبلی کے ان شبہات کا جواب دینا چاہتا ہوں جو مجھ تک پہنچے ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ میرے ناچیز جوابوں کو غور سے ملاحظہ فرمائیں گے۔

پہلا شبہ

حج ان ہی لوگوں پر فرض ہے جو زادوراحلہ پر قادر ہوں یعنی کھانے پینے کے علاوہ جانے اور واپس آنے میں ریل' جہاز' اونٹ وغیرہ سواریوں کے کرایہ پر بھی قدرت رکھتے ہوں(۱) پس جب کہ ان کے پاس واپسی کا کرایہ موجود ہوگا (جیسا کہ شرعی حکم ہے) تو جمع کر دینے یا واپسی کا ٹکٹ خریدنے میں کوئی نئی پابندی عائد نہ ہوئی بلکہ اسی پابندی کو جو شریعت نے مقرر کر دی ہے عمل میں لایا گیا اور اگر ان کے پاس جانے کے وقت واپسی کا کرایہ نہیں ہے تو ان پر حج فرض نہیں ہے پس اگر وہ اس پابندی کی وجہ سے نہ جا سکے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ شریعت نے بھی ان پر حج فرض نہیں کیا ہے لہذا قانون نے ان کو کسی مذہبی فرض سے نہیں روکا اس لئے اس قانون کو مذہبی مداخلت کہنا درست نہیں۔

پہلے شبہ کا جواب

اگرچہ کئی معزز ممبران اسمبلی اس شبہ میں گرفتار ہیں اور اس کو قوی ترین شبہ سمجھتے ہیں مگر میں ان سے پورے غور و تامل کی درخواست کرتا ہوا جواب عرض کرتا ہوں

---

(۱) الحج واجب على الاحرار البالغين العقلاء الاصحاء اذا قدروا على الزاد' والراحلة' فاضلاً عن المسكن مما لا بدمنه' و عن نفقه عياله الى حين عوده' وكان الطريق أمنا (هداية' كتاب الحج ۱/ ۲۳۱ ط شركة علميه ملتان)

مذہبی مداخلت

ایک لفظ ہے جو اکثر مواقع پر استعمال کیا جاتا ہے مگر جہاں تک میرا خیال ہے اس کے مفہوم پر پوری طرح غور نہیں کیا جاتا۔

بعض حضرات تو یہ سمجھتے ہیں کہ صرف فرائض سے روکنے کو مذہبی مداخلت کہتے ہیں بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ مذہب کی چند موٹی موٹی اور کھلی کھلی باتیں ہی ایسی ہیں کہ ان سے روکنا مذہبی مداخلت ہے اور بس مثلاً کسی کو نماز سے روکا جائے یا روزہ سے روکا جائے تو مذہبی مداخلت ہے اور اگر مسلمان بھائی کی اعانت سے روکا جائے تو مذہبی مداخلت نہیں۔

مگر میں یہ کہتا ہوں کہ یہ دونوں خیال صحیح نہیں ہیں مذہبی مداخلت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کسی کے مذہب میں مداخلت کی جائے یعنی کسی مذہبی حکم کے خلاف ایسا حکم دیا جائے جو مذہبی حکم سے متصادم ہو اور ٹکرا جائے یہی تصادم اور ٹکر مداخلت ہے عام اس سے کہ وہ مذہبی حکم کسی چیز کی فرضیت یا مسنونیت یا استحباب یا اباحت کا ہو یا حرمت و کراہت کا مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

پہلی مثال

ظہر کی نماز کے متعلق مذہبی حکم یہ ہے کہ وہ ہر عاقل بالغ مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اس کے خلاف اگر کوئی یہ حکم کرے کہ ظہر کی نماز کو مسنون کہو یا مستحب سمجھو یا اباحت کے قائل ہو تو یہ یقیناً مذہبی مداخلت ہے اگرچہ اس میں اس حکم دینے والے نے ظہر سے منع نہیں کیا لیکن اس کا حکم مذہبی حکم سے متصادم ضرور ہے اس لئے مذہبی مداخلت ہے(۱)

دوسری مثال

شریعت میں دنبہ کی قربانی مباح یا مستحب ہے(۲) اگر کوئی مسلمانوں کو حکم دے کہ تم دنبہ کی قربانی کو فرض سمجھو اور لازمی طور پر دنبہ کی قربانی کرو تو یقیناً یہ مذہبی مداخلت ہے کیونکہ اس کا یہ حکم شرعی حکم سے ٹکراتا ہے اور مسلمانوں کے اس اختیار کو جو شریعت نے دیا تھا باطل کرتا ہے حالانکہ اس میں ایک مباح یا مستحب سے روکا نہیں بلکہ اس کی تاکید کی ہے۔

---

(۱) بلکہ فرض کو مستحب کہنے والا فرضیت کے انکار کے طور پر بغیر کسی تاویل کے کہے تو کفر ہے
(۲) قال والا ضحية من الابل والبقر والغنم لا نها عرفت شرعاً ولم تنقل التضحية بغيرها الخ (هداية كتاب الاضحية ٤/٤٤٨ ط ملتان)

تیسری مثال

شریعت نے مسلمانوں کے لئے ختنہ مسنون کیا ہے(۱) اگر کوئی حکومت مسلمانوں کے لئے قانون بنادے کہ ختنہ نہ کریں ورنہ مجرم ہوں گے تو یقیناً یہ مذہبی مداخلت ہوگی کیونکہ یہ حکم شریعت کے حکم سے ٹکراتا ہے حالانکہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فرض سے روکا گیا ہے کیونکہ ختنہ فرض نہیں ہے۔

چوتھی مثال

ہر مسلمان کو شریعت نے اجازت دی ہے کہ وہ شراب کی حرمت بیان کرے اور لوگوں کو اس کے استعمال سے روکے لیکن اگر کوئی حکومت قانون بنائے کہ کوئی مسلمان شراب کی حرمت بیان نہ کرے ورنہ مجرم ہوگا تو یقیناً یہ مذہبی مداخلت ہوگی کیونکہ یہ قانون شرعی حکم سے ٹکراتا ہے شریعت ہر مسلمان کو تبلیغ اور اظہار حرمت شراب کی اجازت دیتی ہے(۲) اور یہ قانون روکتا ہے حالانکہ ہر مسلمان کے ذمہ حرمت شراب فرض نہیں۔

پانچویں مثال

اگر آج قانون بنایا جائے کہ مسلمان عمامہ نہ باندھیں ورنہ مجرم ہوں گے تو یقیناً یہ مذہبی مداخلت ہوگی اگرچہ عمامہ باندھنا مسنون ہے فرض نہیں ہے(۳)

چھٹی مثال

بعض مقامات میں مسلمانوں کو اذان کہنے سے روکا جاتا ہے یہ یقیناً مذہبی مداخلت ہے اگرچہ نماز کے لئے اذان سنت ہے فرض نہیں(۴)

ساتویں مثال

نماز سنت و نفل گھر میں افضل ہے مگر مسجد میں بھی جائز ہے اگر حکومت قانون بنائے کہ

---

(۱) لان الختان سنة للرجال من جملة الفطرة لا يمكن تركها الخ (رد المحتار' كتاب الحظر والاباحة' فصل في النظر والمس ٦/٣٧١ ط سعيد)

(۲) صرف اجازت ہی نہیں بلکہ ضروری ہے بواسطہ آپ ﷺ کے اللہ نے حکم دیا بلغ ما انزل اليك من ربك الآية اور آپ ﷺ نے حکم دیا "بلغوا عني ولو آية" جس میں حرمت شراب کی تبلیغ بھی داخل ہے فقط

(۳) جاء رجل الى ابن عمر فقال' يا ابا عبدالرحمن' العمامة سنة' فقال' نعم (عمدة القارى' كتاب اللباس' باب العمائم ۲۱ /۳۰۷ ط ادارة الطباعة المنيرة' دمشق)

(٤) الاذان سنة للصلوات الخمس' والجمعة' لا سواها للنقل' المواتر الخ (هداية' كتاب الصلوة' باب الاذان ۱/۸٦ ط ملتان)

مسلمان مسجد میں صرف فرض پڑھا کریں اور سنت و نفل گھر جا کر پڑھیں مسجد میں جو سنت و نفل پڑھے گا وہ مجرم ہو گا یا مثلاً فرض کے بعد فوراً زبردستی مسجد کو سنت و نفل پڑھنے والوں سے خالی کرا لیا جائے تو اگرچہ نماز سنت و نفل گھر میں مستحب ہے(۱) مگر یہ قانون مذہبی حکم سے ٹکراتا ہے اس لئے یقیناً مذہبی مداخلت میں داخل ہو گا۔

اسی طرح سینکڑوں مثالیں بیان کی جاسکتی ہیں جن کو ہمارے معزز ممبران بھی مذہبی مداخلت کہنے پر مجبور ہوں گے کیونکہ مذہبی مداخلت کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا کہ جو قانون مذہبی حکم سے ٹکراتا ہو وہ مذہبی مداخلت میں داخل ہو گا۔

اب حج کے متعلق دیکھئے یہ صحیح ہے کہ شریعت مقدسہ نے حج اسی شخص پر فرض کیا ہے جو زاد و راحلہ کی استطاعت رکھتا ہو اور جو لوگ کہ زاد و راحلہ پر قادر نہیں شریعت ان پر حج فرض نہیں کرتی(۲) لیکن شریعت کا حکم یہ نہیں ہے کہ ان کے لئے حج کرنا ناجائز ہے بلکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ حج کو جانا ان کے لئے جائز بلکہ مستحسن ہے اور جب کہ وہ اخلاص قلب کے ساتھ جسمانی مشقت برداشت کر کے حج کریں تو زیادہ ثواب کے مستحق ہیں ہاں اگر وہ خود ارادہ نہ کریں یا ان کو نہ جانے کا مشورہ دیا جائے تو مضائقہ نہیں لیکن جبراً روکنا یا روکنے کے اسباب پیدا کرنا یقیناً مذہبی مداخلت ہے کیونکہ جس شخص کو شریعت حج کی اجازت دیتی ہے اسکو یہ قانون روکتا ہے یا روکنے کے ذرائع پیدا کرتا ہے اور یہی مصادمت اور قانون کا حکم شرعی سے ٹکرانا ہے۔

پس جو ممبران اس وجہ سے کہ غیر مستطیع پر حج فرض نہیں اس کو حج سے روکنے کو مذہبی مداخلت نہیں سمجھتے کیا براہ کرم بتائیں گے کہ اگر مساجد میں قانوناً اذان بند کر دی جائے یا قانوناً نماز تراویح یا سنتوں اور نفلوں کے لئے مساجد بند کر دی جائیں یا کوئی حکومت (کسی طبی یا غیر طبی اصول کی بنا پر) سنت ختنہ کو قانوناً روک دے تو یہ مذہبی مداخلت ہو گی یا نہیں۔

دوسرا شبہ

جب کہ ہندوستانی حاجی واپسی کا ارادہ رکھتے ہیں اور جہاز کی سواری پر ہی واپس آنا چاہتے ہیں تو اس قانون کا منشا اسی قدر ہوا کہ خود ان کے ارادہ و اختیار سے پسند کئے ہوئے طریق (یعنی واپسی اور طریق واپسی) کے لئے ایک اطمینانی صورت پیدا کر لی پس جس طرح کہ جاتے وقت ان سے جہاز کا کرایہ لینا (اس لئے کہ وہ جانے کے بعد جہاز کا استعمال کریں گے) مذہبی مداخلت نہیں ہے اسی طرح واپسی کا ٹکٹ لازم کر دینا یا رقم جمع کرا لینا (اس لئے کہ وہ جہاز کو واپسی میں بھی استعمال کریں گے) مذہبی

---

(۱) یہ بھی اس وقت ہے جب کہ گھر میں اطمینان اور یکسوئی کیساتھ پڑھ سکتا ہو ورنہ آج کل تو آدمی گھر جا کر بھول ہی جاتا ہے
(۲) دیکھیں صفحہ ۲۳۲ حاشیہ نمبر ۱

مداخلت اور رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔

دوسرے شبہ کا جواب

بے شک جہاز کو استعمال کرنے کے لئے کرایہ لینا کسی حال میں مذہبی مداخلت اور رکاوٹ نہیں ہے مگر قانون زیر تجویز میں صرف یہی چیز نہیں ہے کہ جہاز کو استعمال کرنے کا کرایہ لیا جائے بلکہ اس کے علاوہ ایک زائد پابندی بھی ہے وہ یہ کہ واپسی کے وقت دو تین ماہ پہلے کرایہ واپسی ادا کرو اور جب تک واپسی کا کرایہ ادا نہ کرو جانے بھی نہیں دیا جاتا حالانکہ واپسی میں جہاز کا استعمال بلکہ خود واپسی بھی ابھی یقینی نہیں ہوتی اور یہ یقیناً مداخلت اور رکاوٹ ہے اگر جانے کیلئے بھی ایک کافی مدت پہلے ٹکٹ خریدنے یا کرایہ جمع کر دینے کی پابندی عائد کر دی جائے مثلاً قانون اسی طرح بنایا جائے کہ صرف وہی حاجی حج کو جا سکے گا جو حجاز جانے کے لئے جہاز کی روانگی سے تین ماہ پیشتر جانے کا کرایہ جمع کر دے یا اس قدر پہلے ٹکٹ خریدے اور کسی جہاز میں کوئی ایسا حاجی روانہ نہ ہو سکے گا جس نے تین ماہ پہلے ٹکٹ نہ خریدا ہو یا کرایہ جمع نہ کر دیا ہو یقیناً یہ بھی مذہبی مداخلت اور رکاوٹ ہو گی ظاہر ہے کہ جہاز یا ریل کو استعمال کرنے پر اس کا کرایہ لینا تو تجارتی اور اقتصادی اصول کے مطابق مسلمہ مسئلہ ہے مگر استعمال سے دو تین مہینے پہلے کرایہ لے لینا اگر مداخلت اور رکاوٹ اور ناقابل برداشت پابندی عائد کرنا نہیں تو کیا ہے۔

تیسرا شبہ

جب تک واپسی کا ٹکٹ لازم کر دینے کی ممانعت کسی قرآنی آیت سے پیش نہ کی جائے اس وقت تک یہ مذہبی مداخلت نہیں ہو سکتی۔

تیسرے شبہ کا پہلا جواب

یہ شبہ تمام شبہات سے زیادہ خطرناک اور افسوسناک ہے خطرناک اس لئے کہ اس میں شبہ کرنے والے نے قرآن پاک سے دلیل مانگ کر بظاہر اپنی قرآن دانی اور عامل بالکتاب ہونے کا دعویٰ کیا جو ناواقف مسلمانوں کے دلوں میں شبہ ڈال سکتا ہے کہ یہ مسودہ قانون قرآن پاک کے خلاف نہیں ہے اور اس کو مذہبی مداخلت کہنے کے لئے کتاب اللہ میں کوئی دلیل نہیں اور افسوسناک اس لئے کہ اس سے شبہ کرنے والوں کے اصول اسلامیہ سے ایسی گہری اور عمیق ناواقفیت کا پتہ لگتا ہے جو علمی و عقلی شہرت پر نہایت بدنما دھبہ ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ کیا ان معزز ممبروں نے قرآن پاک میں اذان کی بندش' قربانی کی بندش نفل نماز کی مسجد میں پڑھنے کی بندش' ختنہ کی بندش' تمام مذہبی امور خیر کی بندش کے مذہبی

مداخلت ہونے کی تصریحات آیات قرآنیہ میں پڑھ لی ہیں اگر ایسا ہے تو وہ آیات بتائی جائیں اور اگر تصریحات نہیں ہیں تو کیا یہ تمام ہند شیں ان کے نزدیک مذہبی مداخلت نہیں ہیں اگر کہا جائے کہ ہاں نہیں ہیں تو اسلام کا خدا حافظ ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ یہ سب باوجود قرآن پاک میں صراحتہ مذکور ہونے کے مذہبی مداخلت میں داخل ہیں تو پھر وجہ بیان کی جائے کہ یہ سب کیوں مذہبی مداخلت ہیں اور غیر مستطیع کو حج سے روکنا کیوں مذہبی مداخلت سے خارج ہے۔

تیسرے شبہ کا دوسرا جواب

قرآن پاک میں فرمایا ہے ارایت الذی ینھی عبداً اذا صلیٰ (۱) یعنی کافروں کی مذمت میں حضرت حق نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ وہ بندگان خدا کو نماز پڑھنے سے روکتے ہیں اور اس نماز میں فرض اور نفل سب شامل ہیں اسی لئے حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے اوقات مکروہ میں بھی نماز پڑھنے والوں کو اس آیت کے خوف سے نہیں روکا کہ کہیں میرا شمار مانعین نماز میں نہ ہو جائے (۲) اسی طرح حق تعالیٰ نے فرمایاو صدعن سبیل اللہ و کفر بہ والمسجد الحرام الخ (۳) تفسیر خازن و فتح البیان وغیرہما میں سبیل اللہ کی تفسیر حج کے ساتھ کی ہے یعنی حج سے روکنا اور خدا کا انکار کرنا اور مسجد حرام (کی زیارت) سے روکنا خدا کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے اور حضرت حق نے فرمایاو من اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ (۴) یعنی اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو خدا کی مسجدوں میں اس کا نام ذکر کرنے سے روکے تفسیر فتح البیان میں ہے کہ لوگوں کو مسجد میں نماز و تلاوت و ذکر اللہ و تعلیم کے لئے آنے سے روکے (۵) (ملاحظہ ہو تفسیر فتح البیان)

اور جب کہ ہر عبادت اور امر خیر سے روکنا (خواہ وہ فرض ہو یا نفل) سخت گناہ اور ظلم قرار دیا گیا ہے تو ایسے تمام ذرائع جو رکاوٹ پیدا کرتے ہوں اپنے درجات کے موافق گناہ اور ظلم اور مذہبی مداخلت میں داخل ہوں گے۔

(۱) العلق ۹-۱۰

(۲) یروی ان علیاً رای فی المصلی اقواما یصلون قبل صلاۃ العید، فقال مارایت رسول اللہ ﷺ یفعل ذالک، فقیل لہ، الا تنھا ھم، فقال اخشی ان ادخل تحت قولہ ارایت الذی ینھی عبد اذا صلیٰ، فلم یصرح بالنھی (تفسیر غرائب القرآن علی ھامش، جامع البیان ۱۲/۱۲۸ ط دار المعرفة، بیروت)

(۳) البقرة ۲۱۷

(۴) البقرة ۱۱۴

(۵) یمنع مساجد اللہ ای من یاتی الیھا للصلوٰۃ، والتلاوۃ، والذکر و تعلیمہ الخ (فتح البیان ۱/۲۰۷ ط مطبعة العاصمة، شارع الفلکی، القاھرہ)

انسداد مصائب کی تدابیر

گورنمنٹ اور ممبران اسمبلی کی جانب سے کہا گیا اور کہا جاتا ہے کہ اچھا اگر یہ قانون نہ بنایا جائے اور واپس کا کرایہ پہلے وصول نہ کر لیا جائے تو اس معیبت کا کیا علاج ہے جو جدہ میں نادار حاجی خود بھی اٹھاتے ہیں اور اہل جدہ کو بھی مصیبت میں ڈالتے ہیں۔

(اس وقت اس سے قطع نظر کر کے کہ آیا فی الحقیقت گورنمنٹ کا مقصود یہی ہے کہ نادار حجاج کی تکلیف رفع کرنے کی صورت نکالی جائے یا یہ صرف کہنے کی بات ہے کہ مقصود کچھ اور ہے کیونکہ ہندوستان میں لاکھوں آدمی بھوک اور فاقہ سے مر رہے ہیں ہزاروں گداگری کا پیشہ رکھنے والے مخلوق کو ستاتے ہیں لیکن ان تمام مصائب کے رفع کرنے کے لئے مہربان گورنمنٹ کبھی توجہ نہیں کرتی مگر اس کو ہزار بارہ سو نادار حجاج کے جدہ میں پڑے رہنے سے اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ ان کے حج کے لئے جانے میں قانونی رکاوٹیں ڈالنے کے لئے بے چین ہے)

میں اس سوال کے جواب میں اپنی ناچیز شخصی رائے کا اظہار کرتا ہوں اگر اہل الرائے اس کے ساتھ اتفاق کریں تو یہ مشکل رفع ہو جائے گی جیسا کہ سابق الذکر اعداد و شمار سے ثابت ہوا ہے کہ جہاز راں کمپنیاں ہندوستان کے حجاج سے آمد و رفت میں تقریباً تیس لاکھ روپیہ کرایہ کا وصول کرتی ہیں اور اس مقدار میں کئی لاکھ روپیہ خالص منافع ہوتا ہوگا۔

گورنمنٹ نے متعدد تجارتوں میں خاص خاص قیود و شرائط کے لائسنس مقرر رکئے اور خاص خاص ٹیکس لگائے ہیں پس اگر گورنمنٹ جہاز راں کمپنیوں پر یہ شرط عائد کر دے کہ حجاج سے جس قدر کرایہ کمپنی وصول کرے اس میں سے فی روپیہ چھ پائی گورنمنٹ کو ادا کرے اور یہ رقم گورنمنٹ نادار حجاج کے جدہ لانے اور ان کی دوسری ضروریات میں خرچ کرے اگر صرف جانے یعنی ایک ہی طرف کے کرایہ میں سے ٦ پائی فی روپیہ وصول کر لیا جائے تو بیس ہزار حاجیوں کے کرایہ (بحساب فی کس) کی رقم پندرہ لاکھ روپے میں سے ۴٦۸۷۵ روپیہ حاصل ہو جاتا ہے جو واپسی میں کمی کرایہ کو مد نظر رکھتے ہوئے حجاج کو لانے کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔

کمپنیاں حجاج کے ذریعہ سے لاکھوں روپے کا نفع حاصل کرتی ہیں تو اتنی رقم ان سے لینا نہ کوئی ظلم ہے نہ ان کے تجارتی حقوق میں مداخلت ہے اور اس صورت میں واپسی کے وقت کرایہ کی کمی کا فائدہ بھی حجاج کو پہنچنے کی امید رہتی ہے اور مذہبی مداخلت سے بھی امن ہو جاتا ہے اگر اس کے ساتھ گورنمنٹ ناداری کے ان اسباب کو رفع کرنے کا بھی انتظام کرے جو کمپنیوں کے اعلان تاریخ اور پھر التوائے روانگی جہازات اور اضافہ کرایہ وغیرہ کے متعلق ہیں تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تمام مصیبت نہایت آسانی سے دفع ہو سکتی ہیں میں نے مختصر طور پر اس مسئلہ کے پہلوؤں کو واضح کر دیا ہے ضرورت ہوئی تو آئندہ اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بحث کروں گا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

خاوند کے مالدار ہونے سے بیوی پر حج فرض نہیں ہوتا

(سوال) والد صاحب نے ایک مہاجن سے کچھ قرضہ لیا تھا جو کہ کچھ عرصہ کے بعد ایک معقول رقم ہو گئی جب اس کی ادائیگی نہیں ہوئی تو ڈگری ہو گئی جب اس کے اجرا کی نوبت آئی تو میرے چھوٹے بھائی نے اپنے ایک دوست سے دست گرداں ڈگری کا روپیہ ادا کر دیا میرے بھائی نے کوشش کی کہ کسی طرح انکے دوست کا روپیہ واپس ہو جاتا مگر نہیں ہوا یہاں تک کہ ڈگری کی میعاد گزر گئی ایک روز انہوں نے اظہار ناخوشی میں کھانا چھوڑ دیا جب مجھ کو معلوم ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ تم گھبراؤ نہیں جس طرح سے ممکن ہو گا میں اس روپے کو رفتہ رفتہ کر کے واپس کروں گا میرا قصد حج کرنے کو جانے کا تھا مگر تاوقتیکہ روپیہ نہ ادا ہو جانے گا نہ جاؤں گا میں نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا مگر میں نہیں جانتا کہ ایک مسلمان حج پر اسی طرح کے قرضہ کو مقدم کر سکتا ہے یا نہیں اس کے بعد میں نے کچھ روپیہ قرضہ میں ادا کر دیا مگر اسی درمیان میری بھانجی بہت سخت علیل ہوئی اور اس کا انتقال بھی ہو گیا اس کی علالت میں میں نے اپنی حیثیت سے بہت زیادہ روپیہ خرچ کیا اس وجہ سے قرض کی ادائیگی بند ہو گئی اور اب تک بند ہے میں اس کے جاری کرنے کا قصد کر رہا ہوں میرا روپیہ تجارت میں لگا ہوا ہے اور وہ اسی قدر ہے جو کہ میرے اور میری بیوی کے حج کے لئے کافی ہو اور اسی قدر روپیہ قرض بھی ادا کرنا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۱۶۷ محمد عبدالغفور صاحب (بنارس) ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ٤٠٤) یہ قرضہ نہیں ہے (۱) جو مانع وجوب حج ہو لیکن اگر حج فرض نہیں ہو چکا ہے تو آپ اس قرضہ میں روپیہ ادا کر سکتے ہیں خواہ اس کی وجہ سے روپیہ جمع ہونے کی نوبت نہ آئے جس کے بعد حج فرض ہو جاتا ہے نیز عورت (یعنی بیوی) کو حج کرانا تو کسی حال میں بھی فرض نہیں (۲) جو روپیہ کہ اس کو حج کرانے میں خرچ کرنے کا ارادہ ہے وہ ادائیگی قرضہ میں خرچ کرنا جائز بلکہ افضل ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

غلط نام اور پتہ بتا کر حج پر جانا

(سوال) لوگ اس وقت اپنا غلط نام، پتہ اور ولدیت لکھوا کر اور بتلا کر حج بیت اللہ کے لئے جا رہے ہیں کیونکہ دہلی کا کوٹہ ختم ہو چکا ہے اس لئے دوسرے صوبوں کے کوٹہ سے لوگ جا رہے ہیں۔

(۱) بتایا جائے کہ اس صورت سے حج کے لئے جانا چاہیئے یا نہیں (۲) نیز کیا ایسی صورت میں اگر ہم نہ جائیں تو ہم گناہ گار تو نہیں ہوں گے اور حج ہم پر فرض ہے یا نہیں **المستفتی** حاجی محمد داؤد صاحب (دہلی) ۶ ۱۹۴ـ۹ـ۵

---

(۱) جو حوائج اصلیہ میں داخل ہو بلکہ یہ ایک تبرع شمار ہوگا

(۲) عورت پر حج اس وقت فرض ہوگا جب اسکے پاس اپنا مال اتنا ہو جس سے شرائط حج پوری ہوں اور یہاں تو مال شوہر کا ہے

(۳) عورت پر حج کرنا واجب نہیں اور بھائی پر قرض کی ادائیگی واجب ہے لہذا واجب کی ادائیگی میں معین بننا غیر واجب کے مقابلے میں افضل ہے

(جواب ٤٠٥) غلط نام اور پتہ لکھوا کر اور بتا کر حج کو جانا درست نہیں اگر جھوٹ بول کر نہ جائیں تو گناہ گار نہ ہوں گے (۱) حج فرض ہے تو آئندہ سال ادا کر لینا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حج کا ارادہ کر کے پھر ترک کرنا

(سوال) ایک دیندار اور محتاج بزرگ حج بیت اللہ شریف کا ارادہ پختہ کر چکے تھے لیکن جنتری سے معلوم ہوا کہ اب کے سال ۹ ذی الحجہ جمعہ کا دن پڑے گا اور سعودی گورنمنٹ غالباً اس دن حج ہونے نہیں دیتی سوال یہ ہے کہ کیا حج کا ارادہ اب کے سال فسخ کر دیا جائے دوسرے یہ کہ اگر ۹ ذی الحجہ کو یوم الحج ہو اور سعودی گورنمنٹ اپنی عادت کے مطابق روک دے تو کیا دس تاریخ کو حج ہو جائے گا ایک کتاب فتاوی عثمانی جلد نمبر ۲ کتاب الحج والزیارۃ مصنفہ مولوی منور الدین دہلوی میں لکھا ہے کہ عرفہ کا دن زوال آفتاب کے وقت سے عید کے روز صبح ہونے سے پہلے تک ہے (نزد امام اعظم)

المستفتی نمبر ۲۰۷۴ علیم اللہ صاحب انصار (گورکھپور) ۲۴ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۹ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٠٦) حج کا ارادہ فسخ کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور یہ خبر کہ سعودی گورنمنٹ جمعہ کے دن حج ہونے نہیں دیتی سراسر جھوٹ اور افترا ہے عرفہ کا دن تو غروب آفتاب پر ختم ہوتا ہے مگر حج میں وقوف عرفات کے لئے زوال آفتاب ۹ ذی الحجہ سے قبل طلوع الفجر (۱۰ ذی الحجہ) وقت ہے (۲) غالباً کتاب الحج والزیارۃ کی عبارت کا یہی مطلب ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دوسرا باب
عورت بغیر محرم سفر نہ کرے

مالدار عورت کے ساتھ محرم نہ ہو تو حج فرض نہیں

(سوال) ایک عورت حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہتی ہے زادراہ وغیرہ سب اس کے پاس موجود ہے مگر اس کے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ اپنے ساتھ کسی محرم کو لے جا سکے ایسی صورت میں اس پر حج کرنا فرض ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۰۹۹ سعید احمد انصاری صاحب ۷ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۱ دسمبر ۱۹۳۷ء

---

(۱) يندب دخول البيت اذا لم يشتمل على ايذاء نفسه' او غيره (وفي الشامية) و مثله فيما يظهر دفع الرشوة على دخوله (رد المحتار' كتاب الحج' باب الهدى' مطلب في دخول البيت ۲/ ٦٢٤ ط سعيد)

(۲) ومن ادرك الوقوف بعرفة ما بين زوال الشمس من يومها الى طلوع الفجر من يوم النحر' فقد ادرك الحج' فاول وقت الوقوف بعد الزوال عندنا الخ (هداية' كتاب الحج' فصل في ما يتعلق بالوقوف ۱/ ۲٥٤ ط ملتان)

(جواب ٤٠٧) عورت بغیر محرم کے حج کو نہیں جاسکتی اور نہ اس پر حج فرض ہے(۱) لان المحرم من السبیل محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عورت کے حج پر جانے کے لئے شوہر کی اجازت ضروری نہیں 'البتہ محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے

(سوال) اگر عورت بلا اجازت مرد کے حج کو جائے تو اس کا حج قبول ہو گا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۳۱۸ اے بی منصوری (بمبئی) ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۵ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ٤٠٨) عورت پر اگر حج فرض ہو تو اس کو خاوند کی اجازت ضروری نہیں ہے(۲) مگر محرم کے ساتھ جانا ضروری ہے(۳) مثلاً عورت کا باپ 'بھائی' چچا' ماموں وغیرہ(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

محرم کے بغیر عورت کا حج پر جانا درست نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مئی ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک بیوہ عمر پچاس سال حج کے واسطے تیار ہے کوئی ہمراہ نہیں ہے بغیر محرم کے حج ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ٤٠٩) بغیر محرم کے عورت کو حج کے لئے جانا نہیں چاہئیے اگرچہ بوڑھی عورت ہو (۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

---

(۱) ومع زوج وفی الشامیة هذا وقوله ' ومع عدم عدة علیها شرطان مختصان بالمرء ة الخ (رد المحتار' كتاب الحج ۲ ٤٦٤ ط سعید)

(۲) ولیس لزوجها منعها عن حجة الاسلام (وفی الشامیة) ای اذا كان معها محرم' والا ' فله منعها' (رد المحتار' كتاب الحج ۲ ٤٦٥ سعید)

(۳) ومع زوج او محرم' ولو عبدا' او ذمیا' او برضاع الخ (درمختار' كتاب الحج ۲/ ٤٦٤ سعید) والمحرم من لا یجوز منا كحتها علی التابید بقرابة' او رضاع' او صهریة' كما فی التحفة (رد المحتار' كتاب الحج ۲/ ٤٦٤ سعید)

(٤) ومع زوج' او محرم　　ولو عجوزا (الدر المختار' كتاب الحج ۲/ ٤٦٤ سعید) لیکن اگر حج کر لیا تو ادا ہو جائے گا کراہت تحریمی' كما فی الدر المختار' ولو حجت بلا محرم' جاز مع الكراهة" (الدر المختار' كتاب الحج ۲/ ٤٦٥ سعید)

تیسرا باب
حج بدل

حج بدل کے لئے ایسے شخص کو بھیجنا جس نے پہلے حج نہ کیا ہو

(سوال) زید کا انتقال ایسی صورت میں ہوا کہ اس نے اپنی زندگی میں حج نہیں کیا اور کچھ اپنا سرمایہ چھوڑ گیا ہے اب اس کے وارثین حج بدل کرانا چاہتے ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ حج کے واسطے کس آدمی کو بھیجا جائے آیا جس نے ایک بار حج کیا ہو اس کو ہی بھیجا جائے یا کہ بغیر حج کئے ہوئے آدمی کو بھی بھیجا جاسکتا ہے میت نے وصیت نہیں کی المستفتی نمبر ۱۱۰۱ (معرفت) فضل رحیم طالب علم مدرسہ امینیہ دہلی ۱۵ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۴ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۱۰) اگر ایسا شخص مل سکے جو پہلے اپنا حج کر چکا ہو تو افضل ہے اور نہ ملے تو ایسے شخص کو بھیجنا بھی جائز ہے جس پر حج فرض نہ ہو اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے ہاں جس پر حج فرض ہو چکا ہو اور وہ اپنا حج نہ کرے حج بدل کے لئے جائے تو اس کے لئے یہ مکروہ ہے(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

حج بدل کے لئے ایسے شخص کو بھیجنا افضل ہے جس نے پہلے حج کیا ہو

(سوال) حج بدل اپنے بھائی مرحوم کا کرانا ہے اور دریافت طلب یہ ہے کہ جو حاجی حج کیا ہوا ہو وہ جا سکتا ہے یا نہیں اس کا فتویٰ مذہب حنفی کی رو سے جو ہو تحریر فرمایئے؟ المستفتی نمبر ۱۲۳۱ حاجی عبدالغفور خاں صاحب (ضلع رہتک) ۲۷ رجب ۱۳۵۵ھ م ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۱۱) جس شخص نے اپنا حج کر لیا ہے اس کو حج بدل کے لئے بھیجنا افضل ہے لیکن اگر ایسا شخص حج بدل کے لئے جائے جس نے اپنا حج نہیں کیا ہے جب بھی حج بدل ادا ہو جاتا ہے حنفیہ کا مذہب یہی ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

حج بدل کے لئے جس شخص کو رقم دی وہ اس میں سے کچھ رقم رکھ کر دوسرے کو حج پر بھیج دے تو؟

(سوال) زید کو ایک شخص نے اپنے متوفی کی جانب سے کچھ رقم حج بدل کے لئے بالکل دیدی اب زید اپنے عوض کسی دوسرے شخص کو حج میں بھیجنا چاہتا ہے مگر اس میں سے کچھ رقم نہیں دیتا ہے تو یہ لینا اس

(۱-۲) فجاز حج الصرورة ... و غيرهم اولى بعدم الخلاف' وفي الشامية' والا فضل ان يكون قد حج عن نفسه حجة الاسلام خروجا من الخلاف' قال في البحر' والحق انها تنزيهية على الآمر' بقولهم والا فضل الخ تحريمية على الضرورة الما مور الذى اجتمعت فيه شروط الحج' و لم يحج عن نفسه' لانه اثم بالتاخير (رد المحتار' كتاب الحج' باب الحج من الغير' مطلب في حج الضرورة ۲/۶۰۳ ط سعيد)

کا جائز ہے یا نہیں اور یہ دوسرا شخص متوفی کی طرف سے حج کر سکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۲۹۴ علی خاں صاحب (مونگھیر) ۲۹ شوال ۱۳۵۵ھ م ۱۳ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۱۲) اگر رقم دینے والے نے اس قسم کی اجازت دیدی ہو کہ چاہے خود جاؤ چاہے کسی کو بھیج دو تو وہ دوسرے شخص کو بھیج سکتا ہے اور اگر یہ اجازت نہ تھی تو رقم لینے والے کو خود جانا ضروری ہے (۱) خود جائے یا رقم واپس کردے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

میت غیر معتبر شخص کے بارے میں وصیت کرے تو وارث کسی معتبر شخص کو حج پر بھیج سکتا ہے

(سوال) (۱) کسی نے اپنے وارث کو وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد فلاں شہر سے حج کرادے لیکن وہ شخص مامور حاجیوں کا معلم ہے آج کل کے معلم لوگ متعدد لوگوں سے حج کرانے کے لئے روپیہ وصول کرتے ہیں مگر شاید ایک آدمی کی طرف سے حج ادا کرادیتے ہیں اس لئے لوگوں کو ظن غالب ہے کہ وہ مامور شخص خائن مہتمم غیر متدین ہے آیا اس صورت میں وارث دوسرے شخص کے ذریعہ سے اپنے والد کا حج کرا سکتے ہیں یا نہیں ؟ (۲) مگر شخص مذکور بارہا تیسرے درجہ کی سواری میں آمد و رفت کرتے ہیں اور وارث کو تیسرے درجہ کا کرایہ دینے کی وسعت ہے اس سے زیادہ دینے کی وسعت نہیں ہے اس صورت میں بھی وارث کو دوسرے شخص سے حج کرانا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۹۲۶ محمد روح الدین صاحب (کلکتہ) ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۱۳) (۱) دوسرے معتمد شخص سے حج بدل کرا سکتے ہیں (۲) (۲) اس کو معمول سے زیادہ صرفہ دینا جائز نہیں دوسرے شخص کو تیسرے درجے میں بھیجا جا سکتا ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حج بدل کے لئے جس شخص کو بھیجا جائے اس کے آنے تک اس کے گھر کے اخراجات بھی برداشت کرنے ہوں گے

(سوال) امسال ایک ضعیفہ نے فرض حج کی ادائیگی کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور قضاء الٰہی سے دو چار روز ہوئے ان کا انتقال ہو گیا اب ان کے خاوند اور لڑکوں کا خیال ہے کہ مرحومہ کی جانب سے کسی کو حج بدل کے لئے لے جائیں جس کے لئے ایک غیر مستطیع ہمراہ جانے کے لئے تیار ہے مگر اس کو ایسا خیال ہے کہ اگر حج بدل

---

(۱) و تعیینہ ان عینہ' فلو قال' یحج عنی فلان' لا غیرہ' لم یجز حج غیرہ' ولو لم یقل لا غیرہ' جاز' (الدرالمختار' کتاب الحج' باب الحج عن الغیر ۲ / ۶۰۰ ط سعید)

(۲) چونکہ موصی نے غیر سے حج کرانے کی نفی نہیں کی' فلو قال' یحج عنی فلان لا غیرہ' لم یجز حج غیرہ' ولو لم یقل' لا غیرہ' جاز (الدرالمختار' کتاب الحج' باب الحج عن الغیر ۲ / ۶۰۰ ط سعید)

(۳) چونکہ موصی کی وصیت معلوم ہوگئی کہ یہ تیسرے درجے میں سفر کرتا ہے اور وہ تیسرے درجے سے زائد کرایہ پر راضی نہ ہوگا

کے لئے جاؤں تو دوسرے سال باوجود عدم استطاعت کے حج کے لئے جانا ضروری ہوگا کیا یہ صحیح ہے؟
یہ مسئلہ ہے کہ حج کے لئے جانے والے کو واپسی تک گھر کے بال بچوں کے خرچہ کا بندوبست کرکے جانا چاہئے سو مذکورہ خرچہ حج بدل کرانے والے کے ذمہ ہوگا یا جانے والا خود بندوبست کرے؟ **المستفتی** مولوی حکیم عبدالکریم قاضی کریمی دواخانہ بھروچ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۴۲ء

(جواب ٤١٤) بہتر یہ ہے کہ حج بدل کو وہ شخص جائے جو خود حج کر چکا ہو اور اگر ایسا آدمی دستیاب نہ ہو تو ایسا شخص بھی جا سکتا ہے جس نے حج نہیں کیا (۱) اس کے اوپر حج جب فرض ہوگا جب اس کے پاس مصارف ہوں ورنہ وہ اپنا حج نہ ادا کرنے کا گناہ گار نہ ہوگا۔
اس کے گھر والوں کو واپسی تک مصارف دینا بھی اس شخص کے ذمہ ہے جو حج بدل کے لئے لے جاتا ہے اور جانے سے آنے تک کے تمام مصارف سفر لے جانے والے کے ذمہ ہوں گے (۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حج کے بارے میں ایک تحقیقی فتویٰ

(سوال) **ما قولکم ایها العلماء الکرام (۱) حاج عن الغیر** یعنی فرض حج بدل کے لئے جانے والا قبل اشہر الحج مکہ معظمہ جانا چاہے تو میقات پر کس نیت سے احرام باندھے ظاہر ہے کہ افراد و تمتع و قران میں سے بوجہ اشہر الحج نہ ہونے کے کسی کا احرام نہیں باندھ سکتا اب صرف عمرے کے احرام سے داخل حرم ہو سکتا ہے اور وہاں پہنچ کر ارکان عمرہ سے فارغ ہو کر مقیم ہو جائے اور یوم الترویہ تک حلال رہے پھر اہل مکہ کی میقات (حرم) سے حج کے احرام کی نیت سے ارکان حج ادا کرے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حج مکی ہوا یا آفاقی (میقاتی) اگر مکی ہوا تو عن الغیر سے فرض ساقط ہوگا یا نہیں؟
تتبع کتب فقہ سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حج عن الغیر میں حج میقاتی یعنی میقات آمر سے حج کی نیت ہونی چاہئے اور صورت مسئولہ میں میقات آمر سے نیت حج نہ پائے جانے کی وجہ سے حج میقاتی نہ ہوا بلکہ مکی ہوا تو آمر کی جانب سے فرض حج ساقط نہ ہوگا عبارات ذیل ملاحظہ ہوں (۱) **وقد سبق ایضا ان من شرط الحج عن الغیر ان یکون میقاته افاقیا و تقرران بالعمرة ینتهی سفره الیها و یکون حجه مکیا** (عدة ارباب الفتوی مصری ص ۱۰)(۳) (۲) **قال فی شرح مناسك ملتقی الابحر و من شرائط جواز النیابة ان یحرم النائب من میقات الآمر اذا لحلق و اما اذا قید بمحل فمن میقات ذلك المحل** (فتاوی الاسعدیه (۴) مصری جلد اول ص ۲۴)

(۱-۲) دیکھئے صفحہ نمبر ۳۴۳ حاشیہ نمبر ۱، ۲
(۳) کتاب الحج، باب الحج عن الغیر ص ۱۰ المطبعة الکبری الامیریه، مصر
(٤) لم اطلع علیه

(۳) العاشر ان یحرم من المیقات ای من میقات الامر یشمل المکی وغیرہ فلو اعتمر وقد امرہ بالحج ثم حج من عامہ لا یجوز الخ (شرح مناسک لعلی القاری) (۱)

(۲) اگر آمر بذات خود یا اس کے ورثہ یا وصی مامور کو اجازت دے کہ وہ قبل اشہر الحج میقات سے عمرہ کے احرام کی نیت سے داخل حرم ہو اور عمرہ سے فراغت کے بعد مقیم ہو جائے اور پھر موسم حج میں مکی حج کرلے تو اجازت کے بعد یہ حج مسقط فرض عن الغیر ہوگا یا نہیں ؟

(۳) عموماً مسائل سے ناواقف لوگ حج کے لئے مامور بناتے ہیں کوئی تفصیل سمجھتا سمجھاتا نہیں کہ اشہر حج کے قبل ہو تو عمرہ کی نیت سے جانا اور حج کا زمانہ ہو تو افراد یا تمتع یا قران کرلینا بلکہ مطلق حج کے لئے مامور بناتے ہیں اور اطلاق کے وقت میں حسب تصریح فقہا (وینصرف مطلق الامر الیہ ای الی الحج قبل اشہر الحج) عمرہ کی نیت اور زمانہ حج میں قرآن یا تمتع کی نیت یقیناً آمر کے خلاف ہوگی تو اس صورت میں یہ حج آمر کی طرف سے ہوگا یا مامور کی طرف سے ؟

(۴) صورت مسئولہ میں اگر مامور موسم حج میں مکہ معظمہ سے واپس آکر میقات آمر (یلملم) سے حج کا احرام باندھے پھر حرم میں داخل ہو کر ارکان حج ادا کرے تو یقیناً حج میقاتی ہوگا تو کیا ایسا کرنا ضروری ہے ؟ (اور ایسا کرنا حاجی کی قدرت سے بظاہر خارج ہے) یا صرف مکی حج ادا کرنا کافی ہوگا ؟

(۵) میقات آمر سے حج کی نیت کی شرط سے فقہ کے اکثر متون و شروح متداولہ وکثیر فتاویٰ خالی ہیں و نیز مولانا عبدالشکور لکھنوی مصنف علم الفقہ نے حج بدل کی شروط ضروریہ میں اس شرط کو شمار نہیں کیا اور اخیر میں یہ بھی لکھ دیا کہ ان شروط کے علاوہ احناف کے نزدیک اور کوئی شرط نہیں (۲) و نیز علامہ قاری نے بھی شرط عاشر کے تحت میں اس پر اشکال وارد کردیا کہ میقات سرے سے اصل حج کے لئے ہی شرط نہیں ہے تو حج بدل کے لئے کیسے شرط ہوگا (۳) و نیز یہ شرط موجب حرج عظیم ہے جو ظاہر ہے تو اب شرط ضروری ہے یا نہیں ؟ بینوا بالدلیل

(جواب ۴۱۵) خاکسار کے پاس عدۃ ارباب الفتویٰ اور فتاویٰ اسعدیہ موجود نہیں ہے اپنے پاس کی موجودہ کتابوں میں جہاں تک میں نے غور کیا مجھے یہ معلوم ہوا کہ حاج عن الغیر آمر کی اجازت سے قران اور تمتع کرسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ متمتع میقات سے عمرہ کا احرام باندھتا ہے اور پھر عمرہ کرکے حلال ہو جاتا ہے اور مکہ سے حج کا احرام باندھتا ہے اور اس کا حج مکی ہوتا ہے پس اگر حج عن الغیر کی صحت اس بات پر مشروط ہوتی کہ اس کا احرام میقات آمر سے باندھا جائے تو حاج عن الغیر کے لئے تمتع کی اجازت نہ ہوتی ہاں اگر آمر نے اجازت نہ دی ہو تو حاج عن الغیر تمتع نہیں کرسکتا اگر کرے گا تو ضامن ہوگا یعنی اس کا یہ

---

(۱) مطلب فی جواز اخراج البدل من مکة عند قلة النفقة ص ۲۹۲ ط المکتبة التجاریة الکبری مصر

(۲) حصہ ترجمہ مسائل حج و عمرہ دوسرے کی طرف سے حج کرنا ص ۹ ے ۵-۸۱ ط دار الاشاعت کراچی

(۳) المناسک لعلی القاری مع الشرح مطلب فی جواز اخراج البدل من مکة عند قلة النفقة ص ۲۹۲ ط المکتبة التجاریة الکبری مصر

حج جو تمتع بلا اجازت کیا ہے آمر کی طرف سے واقع نہ ہوگا لیکن اس عدم جواز کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میقات آمر سے احرام باندھا جانا شرط تھا بلکہ عدم جواز کی وجہ مخالفت آمر ہے اور جب کہ آمر نے صرف حج کا امر کیا ہو تو اس وقت بظاہر اس کا امر حج آفاقی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ جب کہ آمر خارج میقات کا رہنے والا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ اس کا حکم ایسے ہی حج سے متعلق ہوگا جس کا احرام میقات سے باندھا گیا ہو تو اس ظاہر حال کی دلالت سے مطلق حج کے امر کو حج عن المیقات کے ساتھ فقہاء نے مقید کر دیا ہے اور اس صورت میں نہ صرف تمتع بلکہ قران کو بھی مخالفت آمر کی مد میں شمار کیا ہے حالانکہ قارن کا حج آفاقی ہے نہ مکی یصیر مخالفا بالقران اوالتمتع کما مر (درمختار)(۱) ودم القران و التمتع والجنایة علی الحاج ان اذن له الامر بالقران والتمتع والا فیصیر مخالفاً فیضمن انتهی(درمختار)(۲) اس عبارت سے صاف معلوم ہو گیا کہ اگر حاج عن الغیر آمر کی اجازت سے قران یا تمتع کرے تو جائز ہے باں دم قران وتمتع خود اس کے ذمے ہے پس حاج عن الغیر اگر اشہر حج سے پہلے جانا چاہتا ہے تو اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آمر کی اجازت سے میقات سے حج کا احرام نہ باندھے بلکہ عمرہ کا احرام باندھے اور اسی احرام سے اشہر حج شروع ہونے کے بعد مثلاً شوال کی پہلی تاریخ کو عمرہ ادا کرے اور پھر احرام کھول دے اور یوم ترویہ میں حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرلے حج کے مہینوں سے پہلے تمتع کے عمرے کا احرام باندھنا جائز ہے مگر تمتع کا عمرہ اشہر حج سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں یعنی پورا عمرہ یا اس کا اکثر حصہ اگر اشہر حج سے پہلے ہو جائے گا تو تمتع صحیح نہ ہوگا لا یشترط کون احرام العمرة فی اشهر الحج(رد المحتار)(۳) فلو طاف الا قل فی رمضان مثلا ثم طاف الباقی فی شوال ثم حج من عامه کان متمتعا (درمختار)(۴) و بکونه فی اشهر الحج و لیس بقید بل لو قدمه صح بلاکراهة (ردالمحتار)(۵) ان عبارتوں سے معلوم ہو گیا کہ تمتع کے عمرہ کا احرام قبل اشہر الحج صحیح ہے اور جب کہ عمرہ کا اکثر حصہ اشہر حج میں ادا ہو تو تمتع صحیح ہے اور اس احرام کی اشہر حج پر تقدیم مکروہ بھی نہیں اور حاج عن الغیر کے لئے آمر کی اجازت سے تمتع جائز ہے(۶) پس اشہر حج سے پہلے جانے والا میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر جائے اور اشہر حج میں عمرہ ادا کرے اور پھر آمر کی طرف سے حج ادا کرے تو عبارات منقولہ بالا کی رو سے اس میں کوئی قباحت نہیں عبارات منقولہ سوال میں حج آفاقی کی شرط میرے خیال میں اسی بنا پر ہے کہ اس میں آمر سے قران یا تمتع کی اجازت نہ لی گئی ہو بلکہ اس نے مطلق حج کا امر کیا ہو تو ایسا حج بے شک حج آفاقی ہونا چاہئے اگرچہ بالتخصیص میقات آمر کی شرط اس میں بھی محل غور ہے۔

(۱ - ۲) کتاب الحج' باب الحج عن الغیر ۲ / ۶۱۲ ط سعید

(۳ - ۴) کتاب الحج' باب التمتع ۲ / ۵۳۵ ط سعید

(۵) کتاب الحج' باب التمتع ۲ / ۵۳۶ ط سعید

(۶) و دم القران' والتمتع' والجنایة علی الحاج ان اذن له الآمر بالقران' والتمتع' والا فیصیر مخالفا' فیضمن (الدر المختار' کتاب الحج' باب الحج عن الغیر ۲ / ۶۱۱ ط سعید)

رہی یہ بات کہ ورثہ یا وصی کی اجازت بھی آمر کی اجازت کی طرح معتبر ہے یا نہیں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ورثہ کی اجازت تو بلا شبہ معتبر ہے کیونکہ وصیت بالحج کو فقہانے آمر کی طرف سے تبرع بالمال قرار دیا ہے اور اسی لئے اگر میت نے حج کی وصیت کی ہو اور وصی کسی وارث کو حج بدل کے لئے روپیہ دیدے تو اس میں باقی ورثہ کی اجازت کو شرط جواز قرار دیا ہے چنانچہ در مختار و شامی میں اس کی تصریح ہے (۱) اور دلیل یہی بیان کی ہے کہ وارث کو حج بدل کے لئے روپیہ دینا گویا تبرع بالمال ہے جو وارث کے حق میں بلا اجازت دیگر ورثہ کے جائز نہیں ہے اور جب کہ وارث اجازت دے دیں تو حاج عن المیت تمتع یا قران کر سکتا ہے کیونکہ اس میں کچھ ذرا زیادہ قیام کا صرف زیادہ ہو گا اور وہ وارث کی جانب سے اجازت دے دینے پر جائز ہو جائے گا البتہ وصی کی اجازت میں کلام ہے کیونکہ وصی کو تبرع بالمال کا اختیار نہیں ہے اس لئے اس کی اجازت اس زیادتی صرف کے لئے معتبر نہ ہو گی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'مدرسہ امینیہ دہلی

ترجمانی کے لئے مکہ گیا پھر کہا کہ حج بدل کرو تو اس پر حج بدل کرنا لازمی نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۳۶ء)

(سوال) زید عمر کے درمیان یہ گفتگو ہوئی کہ ہم دونوں ممالک اسلامیہ مصر بیت المقدس وغیرہ کی زیارت اور حج کے لئے چلیں چونکہ عمر عربی داں ہے زید نے عمر سے کہا کہ میں عربی زبان نہیں جانتا آپ کی وجہ سے مجھے سہولت ہو گی لہذا سفر خرچ آپ کا بھی میں برداشت کروں گا یہ بات طے کر کے دونوں روانہ ہو گئے اول حج کو گئے کئی ماہ پیشتر مکہ مکرمہ پہنچے ایک عرصہ کے بعد زید نے عمر سے کہا کہ تم کو میرے باپ کی طرف سے حج بدل کرنا ہو گا عمر نے کہا کہ تم نے مجھ سے مکان پر یا دوران سفر میں بالکل نہیں کہا اگر وہاں کہتے تو میں چاہتا تو آتا یا نہ آتا اگرچہ تم نے مجھ سے نہیں کہا اور میرا تمہارا اقرار ہے کہ مدینہ طیبہ چلیں گے لہذا تم مجھے مدینہ طیبہ لے چلو میں تمہارے باپ کی طرف سے حج بدل کروں گا زید نے اول تو انکار کیا پھر بہت کچھ کہنے سننے کے بعد کہا کہ میں ایک سال تک عرب میں رہوں گا ۶ ماہ بعد مدینہ جاؤں گا میرے ساتھ چلنا اور ممالک اسلامیہ نہیں جاؤں گا اور زید طرح طرح سے خرچ کی تکلیف دینے لگا ؟

(جواب ۴۱۶) جب کہ زید نے پہلے حج بدل کا ذکر نہیں کیا تو عمرو پر لازم نہیں کہ وہ حج بدل کرے (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

(۱) قلت: وقد منا ان الوارث ليس له الحج مال الميت الا ان تجيز الورثة وهم كبار لان هذا مثل التبرع بالمال (رد المحتار كتاب الحج باب الحج عن الغير ۲ / ۶۰۶ ط سعيد)

(۲) کیونکہ بات تو مطلق ہوئی تھی بوجہ عربی داں ہونے کی وجہ سے اپنی سہولت کی خاطر ساتھ لیا تھا

چوتھا باب
پیدل جانا

حج فرض فوراً ادا کیا جائے

(سوال) (۱) ہندوستان سے ہر پانچ قدم پر بیٹھ کر دو رکعت نفل پڑھتے ہوئے پاپیادہ باوجود استطاعت سفر حج کیسا ہے ؟ (۲) سواری کی استطاعت رکھتے ہوئے پیدل سفر کرنا (۳) ہر پانچ قدم پر اپنے ذمہ دو رکعت نفل لازم کر لینا (۴) بند جگہ کے بجائے کھلی جگہ بیچ راستہ سے ہٹ کر نفل پڑھنا (۵) تکالیف مالا یطاق کے تحمل کا بلا ضرورت ارادہ کرنا (۶) اگر یہ سفر حج فرض ہے تو اسی سال ہونا چاہئے اور اگر نفل ہے تو یہاں سے زیادہ وہاں کی مسجد میں نفل کا ثواب ہے اور شوق کا تقاضا ہے کہ جلد سے جلد پہنچے ایسی صورت میں جب کہ ہر پانچ قدم پر دو رکعت نفل پڑھی جائے یہ سفر تقریباً بیس سال میں طے ہو گا
المستفتی نمبر ۱۶۱ محمد ظہور خاں ضلع فتح پور (یوپی) ۳ رمضان ۱۳۵۲ھ م ۲۱ دسمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۴۱۷) نمبر ایک سے نمبر ۵ تک سوالوں کا جواب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں فی حد ذاتہ جائز ہیں اگر اخلاص سے ادا کی جائیں تو موجب ثواب ہو سکتی ہیں لیکن ریاؤ نمود اور اکتساب شہرت کے لئے ہوں تو موجب وبال ہوں گی (۱) نمبر ۶ کے جواب میں اول کا تو وہی جواب ہے جو سائل نے خود ہی لکھا ہے کہ حج فرض عام اول ہی میں ادا کرنا چاہئے اور باوجود استطاعت اپنے کسی اختیاری فعل سے اس میں تاخیر نہ کرنی چاہئے (۲) مگر شق دوم کا جواب یہ ہے کہ بصورت اخلاص ریاضت نفس و تزکیہ باطن کے لحاظ سے حج نفل میں یہ صورت فی حد ذاتہ جائز ہے لیکن ریاؤ نمود سے بچنا اس میں بہت مشکل ہے (۳) واللہ اعلم
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

پیدل اور ہر قدم دو قدم پر نفل پڑھتے ہوئے حج کو جانا

(سوال) ایک صاحب حج کے واسطے پیدل جا رہے ہیں اور قدم یا دو قدم چل کر نفل پڑھتے ہیں اسی طریقہ سے ان کا ارادہ ہے کہ مکہ شریف تک پہنچ کر حج کریں ان سے کہا گیا کہ کسی ولی پیغمبر نے ایسا حج

(۱) یہ عمل صرف جائز ہے افضل بھی نہیں کیونکہ ایسے موقعوں پر زیادہ تر ریاؤ نمود کا غالب اندیشہ ہوتا ہے لہذا اس کا ترک کرنا ہی اولیٰ و افضل ہے

(۲) علی الفور فی العام الاول عند الشافعي، واصح الروایتین عن الامام و مالک، واحمد فیفسق وترد شہادتہ بتاخیرہ (الدر المختار، کتاب الحج ۲/۴۵۶، ۴۵۷ ط سعید)

(۳) ریاؤ نمود سے نہ بچنے کی زندہ مثال شیخ سعدیؒ نے اپنی کتاب بوستان میں ذکر فرمائی ہے مندرجہ ذیل اشعار میں ملاحظہ فرمائیں: شنیدم کہ مردے براہ حجاز بہر خطوہ کردے دو رکعت نماز، چناں گرم رو در طریق خدائی، کہ خار مغیلاں نکندے زپائی، با آخر زوسواس خاطر پریش، پسند آمدش در نظر کار خویش، بتلبیس ابلیس در چاہ رفت، کہ نتواں ازیں خوب تر راہ رفت، آخر میں فرماتے ہیں:
باحسانے آسودہ کردن دلے، بہ از الف رکعت بہر منزلے (بوستان مترجم باب دوم ص ۸۵ ط میر محمد کتب خانہ)

نہیں کیا تو انہوں نے کہا کہ میری والدہ کا حکم ہے اسی طرح حج کرو یہ جائز ہے یا ناجائز ؟ **المستفتی نمبر** ۸۵۷ حاجی محمد حیات (ضلع علی گڑھ) ۲۱ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۱۸) ایسا حج اگر مخلصانہ نیت اور ارادہ سے ہو' شہرت اور ریا مقصود نہ ہو اعلان و تشہیر نہ کی جائے تو فی حد ذاتہ جائز ہے لیکن ان عوارض سے بچنا مشکل ہے اس لئے اندیشہ ہے کہ یہ فعل بجائے ثواب کے موجب مواخذہ ہو جائے (۱) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'**

حج کے لئے مشقت کا راستہ اختیار کرنا جائز مگر غیر اولیٰ ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۳ء)

(سوال) زید اپنے گھر سے عازم حج بیت اللہ ہو کر چلتا ہے اور ہر پانچ یا سات قدم پر سر راہ مصلی بچھا کر اور جوتا پہنے پہنے نماز پڑھتا ہے اور شہرت کے لئے اشتہارات شائع کرتا اور اخبارات میں مضامین بھیجتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۴۱۹) حج کی فرضیت کے لئے یہ شرط ہے کہ مکہ معظمہ تک سواری پر پہنچنے کے لئے روپیہ ہو اور سفر کے ضروری مصارف اور واپسی تک اہل و عیال کے نفقہ کی رقم بھی رکھتا ہو (۲) جس کے پاس اتنی رقم نہ ہو کہ وہ سواری پر جا سکے اس پر پیدل جا کر حج کرنا فرض نہیں لیکن اگر کوئی شخص پیدل حج کرے تو ناجائز بھی نہیں مگر اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ پیدل چلنے کی طاقت رکھتا ہو تاکہ راستہ کی تکلیف سے دل تنگی اور دشواری پیش نہ آئے اور یہ پیدل جانا محض ثواب اور رضائے الٰہی کے لئے ہو شہرت اور ناموری مقصود نہ ہو (۳) اپنے اس فعل کو اخبارات اور اشتہارات کے ذریعہ شہرت دینا ناجائز ہے کہ اس میں سوائے شہرت کے اور کوئی فائدہ نہیں ہے جن بزرگوں نے ایسے کام کئے ہیں انہوں نے حتی الامکان چھپانے کی سعی کی ہے اور اس کی غرض بھی ریاضت اور قہر نفس ہے نہ کہ اتباع سنت کیونکہ آنحضرت ﷺ نے نہ پیدل حج کیا اور نہ ترغیب دی بلکہ ایک عورت نے منت مانی تھی کہ پیدل حج کروں گی تو آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا تھا **مروھا فترکب** (۴) کہ اس کو کہو کہ سواری پر جائے نیز حضور ﷺ نے ایسے دشوار اور مشقت کے کام اختیار کرنے سے منع بھی فرمایا ہے۔ **خذوا من الاعمال ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا** (۵) رہا ہر قدم یا چند قدم پر نماز پڑھنا تو یہ بھی اگرچہ فی نفسہ

(۱) لیکن چونکہ والدہ کا حکم ہے اور جائز امور میں بقدر استطاعت والدین کا حکم ماننا ضروری ہے اس لئے اس طرح حج کے لئے جا سکتا ہے
(۲) الحج واجب علی الاحرار البالغین العقلاء الاصحاء اذا قدر واعلی الزاد' والراحلة فاضلا عن المسكن' وما لا بدمنه' و عن نفقة عياله الى حين عوده' وكان الطريق امنا (هداية' كتاب الحج ۲/ ۲۳۱ ط شركت علميه' ملتان)
(۳) حاشیہ نمبر ۳ صفحہ گزشتہ ملاحظہ کریں۔
(۴) ترمذی' ابواب النذور' والایمان باب فیما یحلف بالمشی ولا یستطیع ۲/ ۲۸۰ ط سعید
(۵) مسلم' كتاب الصلاة المسافرين' وقصرها' باب فضيلة العمل الدائم ۱/ ۲۶۷ ط سعيد

جائز ہے مگر اس میں بھی نفس کو ریاو عجب سے محفوظ رکھنا سخت دشوار ہے اس لئے اس کا ترک کرنا ہی اسلم واحوط ہے اور بر سر راہ مصلی بچھاکر نماز پڑھنا مکروہ بھی ہے(۱) رہگزر سے علیحدہ ہو تو خیر۔

یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی اسی لئے امور شاقہ فرض نہیں فرمائے لیکن کسی خاص مصلحت دینیہ سے نفس کو مقہور کرنے اور ریاضت کی نیت سے کوئی دشوار بات کوئی شخص اختیار کرلے تو بشر طیکہ وہ ریاؤ شہرت وناموری ومقبولیت کی نیت سے پاک ہو جائز ہے مگر اس کو طریق سنت اور افضل نہ سمجھا جائے کیونکہ افضل وہی مراد ہے جو پورے شوق ورغبت اور نشاط ست ہو خواہ تھوڑا ہو لیصل احدکم نشاطہ (۲) کا حکم اسی پر شاہد ہے بزرگوں کے پیادہ سفر حج کو دلیل بنانا بھی درست نہیں کہ ان جیسا خلوص صفائے قلب بھی میسر نہیں دوسرے ان کے یہ افعال مصالح مخصوصہ پر بطور ریاضت مبنی تھے نہ یہ کہ جادہ مسلوکہ فی الدین یہی تھا واللہ اعلم بالصواب

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

پانچواں باب
ناجائز روپے سے حج کرنا

زنا سے حاصل شدہ مال سے تجارت اور حج کرنا

(سوال) (۱) کسی عورت کے خریدے ہوئے مکان میں بودوباش کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ اور تجارت کرسکتے ہیں یا نہیں (۲) اور کسی عورت کے نقد مال سے کچھ تجارت کرکے اس مال کے نفع میں سے حصہ لینا جائز ہے یا نہیں (۳) کسی عورت نے اپنے نقد مال کو زائل کرکے یعنی عین شے کسی اور شخص کو دیکر اس کے بدلہ میں اور مال اسی شخص سے لیکر حج کرے تو کیا یہ حج ادا ہو جائے گا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۱۴۷ (بدست عبدالرزاق متعلم مدرسہ ہذا) ۷ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۶ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۲۰) کسی اور زانیہ عورت نے زنا سے جو مال کمایا ہے اور اس مال کے ذریعہ سے جائیداد حاصل کی وہ سب خبیث ہے اس سے نفع اٹھانا ناجائز ہے اس مال سے تجارت کرنا بھی خباثت سے خالی نہیں (۳)

---

(۱) وتکرہ الصلاۃ فی الطریق (مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی' کتاب الصلاۃ' فصل فی المکروہات ص ۱۹۶ ط قدیمی)

(۲) مسلم' کتاب صلاۃ المسافرین و قصرہا' باب فضیلۃ العمل الدائم ۱/۲۶۶ ط سعید

(۳) لیکن اگر ناجائز مال سے بھی حج کرے تو اس کے ذمے سے فرض ادا ہو جائے گا۔

قولہ ' کالحج بمال حرام' قد یقال ان الحج نفسہ الذی ہو زیادۃ مکان مخصوص الخ لیس حرا ما' بل الحرام ہو انفاق المال الحرام' ولا تلازم بینہما' کما ان الصلاۃ فی الارض المغصوبۃ تقع فرضا' وانما الحرام مشغل امکان المغصوب' مع انہ یسقط الغرض عنہ معہا (رد المحتار' کتاب الحج' باب الحج عن الغیر' مطلب فیمن حج بمال حرام ۲/۴۵۶ ط سعید)

ہاں اگر وہ کسی شخص سے قرض لے اور اس قرض لئے ہوئے روپے کو کسی کو دیدے اور وہ شخص اس سے تجارت کرے تو یہ تجارت جائز ہوگی اور اسی طرح قرض لئے ہوئے مال سے حج کر سکتی ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

چھٹا باب
حج نفل

کسی کو حج کرانے کی منت مانی اور وہ رقم کسی غریب کو دیدیا

(سوال) میری والدہ صاحبہ بیمار ہوئی تھیں میں نے خدا تعالیٰ سے یہ منت مانی تھی کہ اگر یہ تندرست ہو جائیں گی تو میں ایک ایسے آدمی کو حج کراؤں گا جس نے حج نہ کیا ہو اللہ پاک نے میری دعا قبول فرمائی اور میری والدہ ماجدہ صاحبہ کو تندرستی عطا فرمائی اب میں نے ایک شخص کو تجویز کر کے یہاں سے دہلی لکھا مگر انہوں نے یہ جواب لکھا ہے کہ ایک ایسے شخص کثیر الاولاد ہیں بوجہ افلاس کے فاقوں تک نوبت رہتی ہے لہذا بجائے میرے حج کرانے کے ان کو روپیہ دیدیجئے تاکہ اس رقم سے یہ کچھ کام کاج کرلیں اپنی اور اپنے بچوں کی پرورش کر سکیں مگر میری دلی تمنا ہے کہ میں حج کراؤں شرعی حیثیت سے مجھے کیا کرنا چاہئے المستفتی نمبر ۱۱۲۸ سلطان احمد صاحب (کلکتہ) ۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۵ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۲۱) اس منت کو آپ اس کی اصلی صورت میں بھی پورا کر سکتے ہیں یعنی کسی کو حج کرادیں اور دوسری صورت اختیار کرنا یعنی کسی حاجت مند کو اس قدر رقم دے دینا جس قدر حج کرانے میں خرچ ہوتی ہو یہ بھی جائز ہے جو صورت آپ پسند کریں اس کی شرعی اجازت ہے اولیٰ اور بہتر دوسری صورت ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حج کی نیت سے جمع کی ہوئی رقم کو خرچ کرنا جائز ہے

(سوال) ایک بیوہ عورت نے اس ارادے سے اپنا زیور اور کچھ رقم جمع کر کے رکھا تھا کہ زیور کو فروخت کر کے اور رقم مذکور کو ملا کر جب اس قدر رقم ہو جائے جو سفر حج کے لئے کافی ہو تو سفر حج کروں گی لیکن

---

(۱) اس صورت میں سقوط فرض کے ساتھ استحقاق اجر و ثواب بھی ہوگا

(۲) بخلاف النذر المطلق' فانه لا يجوز تعجيله (وفي الشامية) اما تاخيره' فيصح الانعقاد السبب قبله' وكذا يظهر منه انه لا يتعين فيه المكان' والدرهم' والفقير (ردالمحتار' كتاب الصوم' باب ما يفسد الصوم' وما لا يفسده ۴۳۷/۲ ط سعيد)

کل رقم اس مقدار کو نہ پہنچی جو سفر حج کے لئے کافی ہو اس لئے اس نے اپنا ارادہ فسخ کردیا اور اس رقم موجودہ میں سے اپنی ضرورت کے موقع پر کچھ خرچ بھی کرتی رہی اب وہ بقایا رقم کو اور زیور کو فروخت کرکے اپنے کھانے پینے میں صرف کرسکتی ہے یا نہیں ؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور

(جواب ۴۲۲) وہ روپیہ اس کی ملک ہے جس کام میں چاہے خرچ کرے اپنے کھانے پینے اور ہر کام اور ہر ضرورت میں خرچ کرسکتی ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ساتواں باب
فصل اول احرام

محرم آدمی سانپ ، بچھو ، کوا ، گرگٹ وغیرہ کو قتل کرسکتا ہے

(سوال) محرم کو حالت احرام میں کن کن موذی جانوروں کا مارنا جائز ہے اور ان موذی جانوروں کو بغیر حملہ کرنے پر بھی مار سکتا ہے یا نہیں زید کی حالت احرام میں گرگٹ پر نظر پڑی گرگٹ حملہ آور نہیں ہوا لیکن زید نے گرگٹ کو مار ڈالا ایسی حالت میں زید مجرم قرار دیا جائے گا یا نہیں اگر مجرم ہے تو اس کو ایک گرگٹ کا کتنا جرمانہ ادا کرنا چاہئیے اگر زید نے کسی سے امداد لی ہے تو وہ مدد کرنے والا بھی مجرم ہوا یا نہیں ؟ المستفتی حاجی محمد داؤد صاحب تاجر (بازار بلیماران دہلی)

(جواب ۴۲۳) ان جانوروں کو محرم بغیر حملہ کے مار سکتا ہے سانپ بچھو کوا چیل کاٹنے والا کتا چوہا مچھر پسو چیچڑی گرگٹ(۲) پس صورت مسئولہ میں گرگٹ کے مارنے سے اس پر کوئی کفارہ یا جزا لازم نہیں ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی ۔

فصل دوم سنگ اسود

حجر اسود جنت کا پتھر ہے اور اسے بوسہ دینا حضور ﷺ سے ثابت ہے

(سوال) سنگ اسود کا بوسہ کیوں دیتے ہیں اور کون کہاں سے لایا ؟ المستفتی نمبر ۱۲۰۱ غلام ربانی عباسی صاحب (ضلع غازی پور) ۹ رجب ۱۳۵۵ھ م ۲۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

---

(۱) اگر یہ رقم حج کے لئے کافی ہوتی ہو تب بھی اس رقم کا خرچ کرنا جائز تھا البتہ اس کے ذمے حج فرض ہو جاتا لیکن چونکہ رقم پوری نہیں ہوئی اس لئے جو چاہے کرسکتی ہے کیونکہ حج فرض ہی نہیں ہوا

(۲) ولا شئی بقتل غراب الا العقعق علی الظاھر ... وحداۃ ... و ذئب و عقرب و حیۃ وفارۃ و کلب عقور ... و وزغ وز نبور وذباب و قنفذ و صرصر الخ (الدر المختار باب الجنایات ۲ / ۵۷۰ ط سعید)

(جواب ۴۲۴) سنگ اسود کو بوسہ دینا آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے یہ پتھر جنت سے آیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حجر اسود کا بوسہ محبت کی وجہ سے ہے تعظیم کے لئے نہیں.

(سوال) حجر اسود کے بارے میں بکر کہتا ہے کہ پتھر پتھر ہے مثلاً ایک بت ہے وہ بھی پتھر ہے ایک قبر ہے وہ بھی پتھر ہے جس سے مبتدعین بوسہ قبور کا جواز بھی لیتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۲۵۷۴ سیٹھ عبدالرحمٰن (بمبئی) ۴ صفر ۱۳۵۹ھ م ۱۴ مارچ ۱۹۴۰ء

(جواب ۴۲۵) حجر اسود ایک پتھر ہے حضرت عمرؓ نے اس کو بوسہ دیتے وقت یہ الفاظ فرمائے تھے **اعلم انك حجر لا تضر ولا تنفع ولو لا انی رایت رسول اللهﷺ یقبلك ما قبلتك** (۲) یعنی میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ حجر اسود جنت سے نازل ہوا اور آخرت میں بھی وہ محشور ہوگا اور بوسہ دینے والوں کے حق میں شہادت دے گا بوسہ دینا صرف محبت کی وجہ سے تھا نہ کہ اس کی تعظیم یا عبادت کی بنا پر اور محبت کی وجہ اس کا جنت کی نشانی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہونا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

آٹھواں باب
متفرقات

مطاف پر چھت بنانا.

(سوال) ایک شخص چاہتا ہے کہ کعبۃ اللہ میں طواف کی جگہ پر وہاں کے بادشاہ کی اجازت سے چھت بناؤں اس میں کوئی شرعی ممانعت تو نہیں ہے۔ المستفتی نمبر ۱۵۸۷ موسیٰ یعقوب مایت (جوہانسبرگ) ۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۶) مطاف (طواف کی جگہ) پر چھت بنانے کی ممانعت کی کوئی دلیل تو ہماری نظر میں نہیں مگر میری طبیعت اور وجدانی کیفیت اس کی اجازت کی طرف مائل نہیں ہوتی کہ ساڑھے تیرہ سو

---

(۱) عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: نزل الحجر الاسود من الجنة وهو اشد بیاضا من اللبن فسودته خطایا بنی آدم (ترمذی، ابواب الحج، باب ماجاء فی فضل الحجر الاسود ۱/۱۷۷ ط سعید)

(۲) (ترمذی، ابواب الحج، باب ماجاء فی تقبیل الحجر ۱/۱۷۴ ط سعید)

بدیں سے جو ہیئت مطاف کی قائم ہے اس کو بدل دیا جائے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حج پر بنائی گئی فلم کا بھی دیکھنا حرام ہے۔
(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۳۹ء)
(سوال) ایک فلم "حج فلم" کے نام سے تیار کی گئی ہے جس میں خانہ کعبہ کے گرد حاجیوں کو طواف کرتے دکھایا گیا ہے اس فلم کا دیکھنا دکھانا کیسا ہے؟ المستفتی شبیر حسن عبدالوہاب محمد رفیق
(جواب ۴۲۷) چلتی پھرتی تصویریں فلم پر دیکھنا محض لہو و لعب کے طور پر ہوتا ہے تصویر سازی حرام ہے اور تصویر بینی اور تصویر نمائی اعانت علی الحرام اس لئے فلم خواہ حج کے مناظر کی ہو بنانی اور دیکھنی دکھانی سب ناجائز ہے محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حاجیوں کو مبارکباد دینا جائز ہے۔
(سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۵ مئی ۱۹۳۴ء)
(سوال) حج بیت اللہ سے مشرف ہو کر کچھ لوگ واپس وطن تشریف لائے مبارکباد پیش کرنے کے لئے مسلمانوں کی جانب سے ایک جلسہ ہوا ایک صاحب نے مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ خدا تعالیٰ نے داخلہ حرم کی بابت اپنے رسول اللہ ﷺ کو لقد صدق الله رسوله الرؤیا الخ (۲) کہہ کر مبارکباد دی ہے اس لئے میں بھی زائرین بیت الحرام کو ان کی اس خوش قسمتی پر مبارکباد دیتا ہوں قرآن کی مذکورہ بالا آیت پڑھ کر اس طرح مبارکباد دینا کوئی گناہ تو نہیں؟
(جواب ۴۲۸) کوئی گناہ نہیں محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

غلط نام بتا کر حج کرنے سے حج ادا ہو جائے گا مگر جھوٹ بولنے کا گناہ ہوگا۔
(سوال) دہلی کا کوٹہ ختم ہو جانے کی وجہ سے زید دوسرے صوبہ سے اپنا نام ولدیت اور سکونت غلط لکھوا کر حج کو جانا چاہتا ہے حج فرض ہو یا نفلی اس طرح جانا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی حاجی محمد داؤد دہلی یکم ستمبر ۱۹۴۶ء
(جواب ۴۲۹) جھوٹ بول کر غلط بات بتا کر اور لکھوا کر جانا جائز نہیں محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'
حج تو ہو جائے گا مگر زید جھوٹ کا مرتکب رہے گا۔ محمد یونس غفرلہ' مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب دہلی

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ بدلنے کی گنجائش ہے
(۲) الفتح : ۲۷

ہوالموفق۔ بیشک حج ہو جائے گا مگر جھوٹ کی سزا ضرور لازم آئے گی۔ فقط محمد مظفر احمد غفرلہ۔ نائب امام مسجد فتح پوری دہلی

حضرت مفتی اعظم قبلہ کا جواب صحیح ہے۔ فقیر احمد سعید کان اللہ لہ دہلی

الارجوزۃ السجنیہ

للعلامۃ الادیب الاریب المفتی الاعظم مولانا محمد کفایت اللہ

نھضنا بتضحیۃ تدوم دماء ھا	۱	تلوح علی اذیال حزب التعلل
نعالج من دھر مضاض تعبد	۲	لقوم غشوم ذی مکائد حیل
اذلوا فتنا من اعزۃ قومنا	۳	لھم عزۃ زھراء کالنجم فی عل
بذلنا نفوسا ما جدات و کل ما	۴	حویناہ من مال و عز مبجل
ارقنا دماءً من عروق نقیۃ	۵	تلوح علی مرالدھور کعندل
و جربت اھل السجن ممن لہ ید	۶	تمکن من تنکیس حر مبجل
یظنون نطوی الکشح عما نریدہ	۷	و نخشی عصیا او بنادق جحفل
و لسنا بمجتنبین عما نعدہ	۸	فرائض ایمان و تقوی مکمل

۹ عزائمنا صم صمیم عقودھا

فلیست بواھیۃ و لا ھی تنجلی

ترجمہ از واصف

(۱) ہم اٹھ کھڑے ہوئے ہیں ایسی قربانیاں دینے کے لئے جن کے خون بہلاوے دینے والے گروہ کے دامنوں پر ہمیشہ نمایاں رہیں گے (۲) ہم طویل زمانے سے ایک ایسی قوم کی غلامی کی اذیت جھیل رہے ہیں جو غاصب اور بڑی مکار چال باز ہے (۳) جنہوں نے ہماری قوم کے معزز خاندانوں اور جماعتوں کو ذلیل کیا جو ایسی روشن عزت کے مالک تھے جیسے بلندی پر ستارہ (۴) ہم نے جنگ آزادی میں اپنی بڑی بڑی محترم جانیں قربان کی ہیں اور اپنی گاڑھی کمائی اور عزت وعظمت لٹائی ہے (۵) ہم نے پاکیزہ رگوں میں سے کاہل سربلند قامت اونٹ کی طرح (عزت وسربلندی کے ساتھ) خون بہائے ہیں جو مرور ایام کے باوجود نمایاں رہیں گے (۶) مجھے جیل خانے کے ان لوگوں کا تجربہ ہے جن کو کوئی اختیار حاصل ہے وہ معزز احرار قوم کی تذلیل کر کے عہدے حاصل کرتے ہیں (۷) وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم اپنے مقصد سے پہلو تہی کریں گے اور پولیس کے لاٹھی چارج اور فوج کی فائرنگ سے ڈر جائیں گے (۸) حالانکہ ہم جس چیز کو اپنا ایمانی وملی فریضہ سمجھتے ہیں اس سے ہٹنے والے نہیں ہیں (۹) ہمارے عزائم نہایت مستحکم ان کی بندشیں بہت مضبوط ہیں وہ کمزور ہونے والی اور کھل جانے والی نہیں ہیں

فرہنگ اصطلاحات

الف

احوط۔ قریب باحتیاط 'جواز کی دوبرابر کی صورتوں میں سے وہ صورت جو تقویٰ کے قریب تر ہو۔
استخفاف۔ حقیر سمجھنا
احتضار۔ نزع کاوقت 'موت کے فرشتوں کا قبض روح کے لئے حاضر ہونا
اطراء۔ کسی کی تعریف میں حد سے زیادہ مبالغہ کرنا
اضطرار۔ ایسے حالات کا پیدا ہو جانا کہ جان کے ہلاک ہو جانے کا یا کسی عضو کے ٹوٹ جانے کا یقین ہو جائے
اجماعی مسئلہ۔ وہ عقیدہ یا حکم جس پر صحابہؓ وائمہ مجتہدینؒ متفق ہوں۔
الہام۔ خدا کے نیک بندوں کے دل میں خدا کی طرف سے جو کوئی بات ڈالی جاتی ہے اسے الہام کہتے ہیں یہ وحی کے بعد کا درجہ ہے ملہِم اسم فاعل ملہَم اسم مفعول
ادلہ اربعہ شرعیہ ۔ چار شرعی دلیلیں جن پر احکام شرعیہ کا مدار ہے۔ اول قرآن مجید 'دوم حدیث شریف 'سوم اجماع امت 'چہارم قیاس (اجتہاد)
احناف۔ حنفی کی جمع۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقلدین
اتفاقاً۔ متفقہ طور سے 'بالاتفاق
استدلال۔ دلیل پکڑنا یعنی کسی مسئلہ مطلوبہ کو ثابت کرنے کے لئے کوئی اصول پیش کرنا
احتجاج۔ حجت پکڑنا یعنی کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے ایسی صاف اور واضح دلیل پیش کرنا جو مقابل کی دلیلوں کو کاٹ دے اور اس کو مغلوب کر دے۔
اسرائیلیات۔ زمانہ ما قبل اسلام کے پیغمبروں 'امتوں 'ملکوں اور سلطنتوں سے تعلق رکھنے والی وہ روایات و حکایات جو اہل کتاب کی مذہبی کتابوں سے منقول ہیں۔
الحاد۔ بے دینی 'ملحد اس کا اسم فاعل ہے
اجل۔ وقت مقررہ یا میعاد۔ واضح ہو کہ اجل کے معنی موت کے نہیں ہیں اردو محاورہ میں بطور استعارہ کے موت کے معنی مراد لے لیتے ہیں

ب

برزخ موت کے بعد قیامت تک کا زمانہ

ت

تعزیر۔ سزا دینا کسی جرم کی وہ سزا جو حاکم اسلام اپنی صوابدید اور رائے سے تجویز کرے اور شرعاً اس کی کوئی خاص سزا مقرر نہ کی گئی ہو۔

تکفیر۔ کفر کا حکم لگانا

تاویل۔ لفظ مشترک کے چند معانی محتملہ میں سے بقرائن ایک معنی کو ترجیح دینا (اگر وہ ترجیح اصول شرعیہ کے خلاف نہ ہو تو تاویل مقبول ہے ورنہ تاویل باطل)

تاجیل۔ میعاد یا وقت یا مدت مقرر کرنا یا طے کرنا

تعبیر۔ کسی مفہوم و معنی کو بیان کرنے کے لئے چند اسالیب بیان میں سے ایک اسلوب بیان کو یا چند مرادف الفاظ میں سے ایک کو اختیار کرنا

تحریف۔ الفاظ یا مفہوم میں اصل مقصد کے خلاف اپنی مرضی کے مطابق ادل بدل کر دینا

تواتر۔ کسی بات کا اتنے کثیر راویوں کے ذریعہ سے تسلسل کے ساتھ ہم تک پہنچنا جن کے متعلق جھوٹ کا گمان نہ ہو سکے جیسے قرآن مجید کہ ہم تک بطریق تواتر پہنچا ہے

تشریع۔ کسی بات کو دین قرار دینا مذہب قائم کرنا

تحدی۔ قوت مضبوطی اور دعوے کے ساتھ کسی بات کو دوسروں کے سامنے پیش کرنا، چیلنج کرنا

تلبیس۔ جھوٹ سچ کو ملا دینا، صحیح بات کو مشتبہ کر دینا

توجیہ۔ کلام کے محمل کو بیان کرنا اور وجہ و علت کو ظاہر کرنا تاکہ اس کا اغلاق و ابہام دور ہو جائے اور دوسرے کلام سے اس کا تعارض رفع ہو جائے

تھیوری۔ (انگریزی) نظریہ

تثلیث۔ تین خدا ماننا (عیسائیوں کا عقیدہ)

ج

جماہیر۔ (جمہور کی جمع) مراد اسلام کے علما اور صائب الرائے لوگ

جاہلیت۔ (عہد جاہلیت) حضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے کا زمانہ

ح

حربی۔ دار الحرب کے غیر مسلم باشندے یا رعایا

حنفیہ۔ (حنفی کی جمع) حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقلدین

حنبلیہ۔ (حنبلی کی جمع) حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مقلدین

حجت (برہان) ایسی صاف اور واضح دلیل جو مقابل کی دلیلوں کو کاٹ دے اور اس کو مغلوب کر دے

حمد۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنا
حد۔ جرم کی وہ سزا جو دلیل قطعی کی رو سے شرعاً ثابت اور مقرر ہو

خ

خارق عادت۔ کوئی ایسا کام یا واقعہ جو فطرت کے عام دستور و معمول کے خلاف کسی آدمی سے بغیر اسباب و آلات کے ظاہر ہو (پیغمبر سے ظاہر ہو تو اس کو معجزہ اور ولی سے ظاہر ہو تو اس کو کرامت اور غیر مسلم سے ظاہر ہو تو اس کو استدراج کہتے ہیں لیکن ان تینوں میں اور بھی بہت سے باریک فرق ہیں)

د

دارالاسلام۔ وہ ملک جس میں مسلمانوں کی خود مختار حکومت ہو اور اسلامی احکام و قوانین جاری کرنے پر قادر ہو۔

دارالحرب۔ وہ ملک جس میں اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو

دیانۃً۔ وہ معاملہ جو بندے اور خدا کے درمیان ہو

دلیل۔ کوئی اصول جس سے مسائل ثابت کئے جائیں

دلیل قطعی وہ دلیل جو صاف و صریح اور واضح طور پر کتاب و سنت میں موجود ہو اس میں توجیہ و تاویل کی گنجائش نہ ہو

ڈ

ڈارون تھیوری۔ ڈارون کا نظریہ (ڈارون یورپ کا ایک فلاسفر تھا اس نے اسلامی عقیدے کے خلاف یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ انسان کی آمیزش حضرت آدم علیہ السلام کی صورت میں نہیں ہوئی ہے بلکہ انسان پہلے ایک کیڑا تھا پھر اس نے گرگٹ وغیرہ کی شکل اختیار کی پھر تدریجاً بہت سی مختلف صورتیں اختیار کرتا ہوا بندر کی صورت میں آیا اور بندر سے ترقی کر کے انسان بنا)

ر

ربوا۔ ربا سود بیاج

رِدّۃ۔ ارتداد، مرتد ہونا اسلام سے پھر جانا

ز

زجراً تنبیہاً اظہار نفرت کے طور پر

زندیق۔ جو شخص آخرت کو نہ مانے اور خالق کے وجود کا قائل نہ ہو۔ زنادقہ جمع
زندقہ۔ آخرت کو نہ ماننا اور خالق کے وجود سے انکار کرنا
زمانہ جاہلیت۔ عہد جاہلیت حضور انور ﷺ کی بعثت سے پہلے کا زمانہ

س

سیر۔(سیرت کی جمع) سیرت کے معنی کسی شخص کی سوانح عمری مگر اصطلاحاً رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی مراد لئے جاتے ہیں سیر کے دوسرے معنی مغازی
سنت۔ حدیث شریف یعنی رسول اللہ ﷺ نے دین کی حیثیت سے جو کام کئے یا کرنے کا حکم دیا (آپ کا طریقہ اور نمونہ عمل)
سماع موتیٰ۔ مردوں کا سننا (یعنی یہ مسئلہ کہ آیا قبروں میں مردے باہر کی آواز سنتے ہیں یا نہیں ؟)
سیاست۔ کسی جرم کی سزا جو حاکم انتظاماً اپنی رائے سے جاری کرے

ش

شہود (شاہد کی جمع) گواہ
شہادتین۔ دو شہادتیں جو کلمہ شہادت میں ہیں اللہ کی وحدانیت کی شہادت اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی شہادت
شان نزول۔ جن حالات کی وجہ سے یا جن اسباب کی بنا پر کوئی آیت نازل ہو (سبب نزول یا موقع نزول)
شوافع۔ (شافعی کی جمع) حضرت امام شافعیؒ کے مقلدین۔

ص

صراحتہ۔ صاف واضح غیر مشتبہ طور پر

ع

عقود ربویہ۔ سودی معاملات

غ

غالی۔ کٹر متشدد
غلو۔ کٹرپن شدت
غیر موجہ۔ وہ کلام جس میں توجیہ نہ کی گئی ہو

غنی۔وہ شخص جو قربانی کا نصاب رکھتا ہو

ف

فروعی مسائل۔ جزوی مسائل ایسے مسائل جو بطریق اجتہاد اخذ کئے گئے ہوں
فقیر۔وہ شخص جو قربانی کا نصاب بھی نہ رکھتا ہو

ق

قاضی۔ وہ بااختیار مسلم جج، جو سلطان اسلام کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو اور شریعت کے مطابق فیصلے کرے
قضا۔وہ حکم یا فیصلہ جو قاضی کی عدالت سے جاری ہو۔واضح ہو کہ قضا کے معنی موت کے نہیں ہیں اردو محاورہ میں بطور استعارہ کے مراد لے لیتے ہیں
قرون ثلثہ۔ مشہو د لہابالخیر یا قرون اولیٰ مشہود لہابالخیر۔ وہ تین زمانے جن کے افضل اور اعلیٰ و باخیر ہونے کی شہادت مخبر صادق ﷺ نے دی آپ نے فرمایا**خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم** یعنی بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا زمانہ جو میرے زمانے کے لوگوں کے بعد آئیں گے پھر ان کا زمانہ جو ان کے بعد آئیں گے۔

م

محارب۔دارالحرب کے غیر مسلم باشندے جو بر سر جنگ ہوں
معتوہ۔ناقص العقل مالیخولیا زدہ آدمی
مقاطعہ۔ قطع تعلق بائیکاٹ
منجر بکفر۔کفر تک پہنچانے والا یعنی کوئی ناجائز کام جو کفر کے قریب قریب ہو
مجتہد فیہ۔وہ مسئلہ جس کا حکم قرآن و حدیث میں صاف اور واضح طور پر موجود نہ ہو اور بطریق اجتہاد اخذ کیا گیا ہو
متفق علیہ۔ وہ مسئلہ جس میں ائمہ مجتہدین کی اتفاق رائے ہو
محتضر۔وہ شخص جو نزع کی حالت میں ہو
مخبر صادق۔ سچی خبر دینے والا یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ
معہود۔ ایسا کام جو اوپر سے ہوتا چلا آتا ہو
مندوب۔ مستحب
مختلف فیہ۔ وہ مسئلہ جس میں مختلف رائیں ہوں۔ضد متفق علیہ
مُحْدَث۔ نئی ایجاد کردہ چیز اس کا مصدر احداث اور اسم فاعل محدث ہے
مُحَدِّث۔ حدیث شریف کا جید عالم

مالکیہ۔مالکی کی جمع۔ حضرت امام مالکؒ کے مقلدین
ملہم۔وہ شخص جسکو الہام ہو اس کا مصدر الہام اور اسم فاعل ملہم ہے
ملائکہ سیاحین۔وہ فرشتے جو اللہ کی طرف سے اس خدمت پر مقرر ہیں کہ دنیا میں ہر جگہ چلتے پھرتے رہیں اور جہاں کہیں لوگ عبادت اور وعظ و تذکیر و تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی گواہی دیں درود و سلام حضور ﷺ تک وہی ملائکہ سیاحین پہنچاتے ہیں
منقبت۔ صحابہ و اہل بیتؓ کے اوصاف اور کارنامے
ملحد۔بے دین وہ شخص جو کسی دین کا قائل نہ ہو
متخلف۔وعدہ خلافی کرنے والا۔اس کا مصدر تخلف ہے
منکر۔وہ چیزیں یا وہ کام جن سے شریعت نے منع کیا ہے
منکر۔انکار کرنے والا انکار کا اسم فاعل
مضطر۔وہ شخص جو حالت اضطرار میں ہو (دیکھو اضطرار)
متواتر۔ بطریق تواتر پہنچنے والی چیز (دیکھو تواتر)
مباشرۃ۔ عمل در آمد کرنا‘ عمل میں لانا‘ بوس و کنار کرنا‘ اردو کے محاورہ میں مباشرت کے معنی جماع اور وطی کرنا ہیں لیکن فقہ میں صرف بوس و کنار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔
معسر۔ وہ شخص جو صاحب نصاب نہ ہو
موسر۔وہ شخص جو صاحب نصاب ہو

ن

نص۔ حلت و حرمت کا وہ واضح اور صاف حکم جو کتاب و سنت سے ثابت ہو اس میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔
نظم قرآن۔ مراد قرآن شریف کی عبارت
نعت۔رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان کرنا (خاص کر اشعار میں)

و

واجب الہدم۔ڈھادینے کے لائق۔جس کا ختم کر دینا ضروری ہو
وظیفہ۔ فرض‘ ڈیوٹی

خلاصہ مکتوبہائے گرامی

حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی دارالتالیف (مانڈر وایا کھگڑیا ضلع مونگیر)

کفایت المفتی موصول ہوئی جناب کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے اس ناچیز کو یاد رکھا کتاب دیکھ کر بے اختیار زباں پر یہ شعر آگیا۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آخر آمد زپس پردہ تقدیر پدید

آپ نے یہ بڑا کام کیا کہ برسوں کی صبر آزما محنت سے مرتب کیا اور طباعت کے مرحلے تک پہنچایا جزاکم اللہ فی الدارین خیراً حضرت مفتی صاحبؒ کی روح مسرور ہوگی اور دعاگو ہوگی یہ آپ کی ایسی خدمت ہے کہ آپ کی زندگی کی تاریخی یادگار رہے گی آپ ہی کی مستعدی اور شب و روز کی محنت سے یہ گرانمایہ علمی خزانہ مرتب ہوا اور ہم ایسے کم سوادوں کو استفادہ کا موقع نصیب ہوا علمی دنیا آپ کے اس کارنامہ کو ہمیشہ یاد رکھے گی اور خراج تحسین ادا کرے گی اللہ تعالیٰ آپ کی اس بے بہا خدمت کو قبول فرمائے اور آپ کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے آمین

حضرت مولانا مفتی محمد عثمان غنی صاحب دارالافتائے بہار (پھلواری شریف ضلع پٹنہ)

کفایت المفتی کا پیکٹ ملا آپ نے حضرت مفتی اعظمؒ کے فتاویٰ کی ترتیب و طباعت کا کام انجام دیکر ایک عظیم ترین علمی و دینی خدمت فرمائی ہے اللہ تعالیٰ آپ کی اس سعی کو مشکور فرمائے اور بہترین جزا عطا فرمائے کہ آپ نے علم دین و فقہ کا ایک مستند ذخیرہ عام مسلمانوں کے حوالہ کردیا اور اصحاب فتویٰ کے کاموں کو آسان بنادیا۔ فجزاکم اللہ خیر الجزاء

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب المظاہری نائب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

حضرت مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ کی تالیف میں آپ نے جو سعی جمیل فرمائی ہے وہ قابل صد تحسین و ستائش ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

تاریخ تکمیل مسوّدہ

زہے مجموعہ ارشاد و حکمت
زہے گنجینہ رشد و ہدایت
فتاویٰ مفتی اعظمؒ کا ہے یہ
دلیلِ شارعِ خیر و سعادت
مکمل ہو گئی تبویب و تالیف
بحُسنِ معنوی و حسن صورت
کوئی پوچھے اگر تاریخِ ہجری
تو کہہ دو (مصحف فقہ و شریعت)
۱۳۸۹ھ
جو سالِ عیسوی چاہو تو سن لو
مثیل مصحف فقہ و شریعت
۱۹۶۹ء
خدایا شکر سے عاجز ہے واصف
نہیں ہے کچھ بجز فیضان رحمت

کتاب النکاح

پہلا باب

کس سے نکاح جائز ہے اور کس سے حرام ہے؟

ساس سے نکاح جائز نہیں

(سوال) میری شادی ایک نابالغ لڑکی یعنی آٹھ سالہ لڑکی سے ہوئی تھی اور اس لڑکی سے جب نکاح ہوا تو اپنے عام لوگوں سے در پردہ ہو کر نکاح ہوا۔ اس میرے نکاح میں پانچ آدمی شریک تھے۔ بقضائے الٰہی وہ لڑکی جس سے میرا نکاح ہوا تھا دو ماہ جیتی رہی پھر فوت ہو گئی۔ اب اس لڑکی کی والدہ مجھ سے یعنی اپنے داماد سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو یہ داماد سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ متقی علی شاہ از چھاؤنی انبالہ۔

(جواب ۱) جس لڑکی سے نکاح ہوا ہے اس کی ماں سے اب وہ نکاح نہیں کر سکتا۔(۱) **لان نکاح البنات یحرم الامہات مطلقا دخل بها ام لم یدخل بعد ان یکون العقد صحیحا۔**(۲) (در مختار بمعناہ) واللہ اعلم بالصواب۔ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

دوسرے کی بیوی سے نکاح حرام ہے

(سوال) زید بقید حیات موجود ہے۔ صرف پیروں سے باعث بیماری معذور ہے۔ زید کی زوجہ شوہر معذور کی خدمت کرتی تھی۔ اور دونوں زن و شوہر محبت و اتفاق سے رہتے تھے۔ زید کے بھائی بندوں نے زوجہ زید کو اشتعال و ترغیب دے کر ایک دوسرے شخص بکر سے مبلغ پانسو ۵۰۰ روپے لے کر نکاح کر دیا حالانکہ زید نے طلاق نہیں دی تھی۔ جب زید کو معلوم ہوا تو اس نے شور و غل مچایا کہ اس کو اس کے بھائی بندوں نے قیدی کی طرح ایک مکان میں بند کر رکھا ہے۔ زید ہر چند چاہتا ہے کہ سرکار میں نالش فریاد کرے لیکن وہ خود چل نہیں سکتا دوسرا کوئی اس کے پاس آ نہیں سکتا۔ بیچارہ زار زار روتا ہے۔ اس کے بھائی بند کہتے ہیں کہ طلاق نامہ لکھ کر ہمارے حوالے کر دے۔ زید انکاری ہے اور کہتا ہے کہ میں ہرگز طلاق نامہ نہیں لکھتا اور تم نے جو میری موجودگی میں روپے کے لالچ سے میری زوجہ کا نکاح پڑھا دیا خدا کے ہاں اس کا کیا جواب دو گے۔ اس کہنے پر ان لوگوں نے زید کو مارا پیٹا۔ لہذا اس کے متعلق شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

(جواب ۲) زید کی زوجہ کا نکاح بکر سے حرام ہے۔ **لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیرہ و کذلک المعتدة کذافی السراج الوهاج** (عالمگیری ج ا ص ۲۹۸)(۳) اور ایسا کرنے والا فاسق گنہگار ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں وہ سخت ظالم و جابر ہیں مسلمانوں کو ان سے تعلقات منقطع کر دینا چاہئے۔

دو بہنوں کے ساتھ اکٹھے نکاح کرنا حرام ہے

(سوال) مسمی ظہور الدین بوجہ اپنی زوجہ مسماۃ جنت کے دائم المریض ہونے کے اس کی حقیقی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو آیا وہ اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں یا کچھ عدت قائم ہو گی؟ اگر کوئی نکاح خوان بلا طلاق اس نکاح کو پڑھا

---

(۱) وامہات نسائکم (النساء : ۲۳)

(۲) الدر المختار ، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۳۰، ط ایچ ایم سعید

(۳) الهندیة، کتاب النکاح، القسم السادس التی یتعلق بہا حق الغیر ۱/ ۲۸۰، ماجدیة

دے تو اس نکاح خوان اور وکیل اور گواہوں کا نکاح جاتا رہے گا یا کہ اور کوئی شرعی جرم قائم ہو گا۔

(جواب ۳) مسمی ظہور الدین جب تک اپنی زوجہ جنت کو طلاق نہ دے گا اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ وتحریم الجمع بین الاختین ومن فی معناھما (۱)(عالمگیری ج ۱ ص ۲۷۷) اور جو کوئی ایسے افعال کا مرتکب ہو گا فاسق گنہگار ہو گا۔ اگر کوئی نکاح خوان اس بات کو جان کر نکاح پڑھائے گا گنہگار ہو گا لیکن اس کی زوجہ کا نکاح فسخ نہیں ہو گا۔

اگر وہ اپنی زوجہ کو طلاق دے دے تو جب تک عدت نہ گزرے دوسری بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں ہاں عدت گزرنے کے بعد نکاح جائز ہو سکتا ہے۔ ولا یجوز ان یتزوج اخت معتدته (۲)(عالمگیری ج ۱ ص ۲۹۶)

سالی کے ساتھ زنا کرنے سے بیوی نکاح سے خارج نہیں ہوتی

(سوال) ایک شخص نے اپنی حقیقی سالی کے ساتھ زنا کیا اور یہ بات تحقیق ہو گئی تو اب اس کی بیوی نکاح میں ہے یا نہیں اگر نہیں رہی تو اب نکاح میں دوبارہ آنے کی کیا صورت ہے؟

(جواب ٤) حقیقی سالی کے ساتھ زنا کرنے سے بیوی نکاح سے خارج نہیں ہوتی۔ زنا کا گناہ دونوں (زانی و مزنیہ) کے اوپر رہا۔ لیکن میاں بیوی کا نکاح باقی ہے۔ فی الخلاصة وطی اخت امراته لا تحرم علیه امراته (۳)(در مختار)

دو بہنوں سے بیک وقت نکاح نہیں کر سکتا

(سوال) زید اپنی زوجہ منکوحہ حی القائم کی ہمشیرہ متوفی کی دختر کو اپنے عقد میں لائے تو یہ ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۷ محمد حسن پٹنہ۔ ۲۵ جمادی الاخری سن ۱۳۵۲ھ م ۱۶ اکتوبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ٥) منکوحہ کی زندگی اور تعلق زوجیت قائم ہونے کے زمانے میں منکوحہ کی ہمشیرہ سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ دو بہنوں کو ازدواج میں جمع کرنا حرام ہے۔ قرآن پاک میں صریح طور پر اس کی ممانعت اور حرمت مذکور ہے۔ (۴)

محمد کفایت اللہ

خالہ اور بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے

(سوال) جواب مرقومہ بالا آیات کریمہ وان تجمعوا بین الاختین پر مبنی ہے۔ مگر سوال یہ تھا کہ منکوحہ کی زندگی میں اس کی ہمشیرہ کی لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۷ محمد حسن پٹنہ۔ ۲۵ جمادی الثانی سن ۱۳۵۲ھ م ۱۶ اکتوبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ٦) بے شک میری نظر نے غلطی کی کہ جمع بین الاختین کے متعلق استفسار سمجھ کر جواب لکھ دیا۔ اب جواب یہ ہے کہ خالہ بھانجی کو بھی نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی ہریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نھی ان تنکح المراة علی عمتھا او العمة علی بنت اخیھا او المراة علی خالتھا او الخالة علی بنت اختھا الخ (۵)(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

۱۔ النکاح، القسم الرابع بین ذوات الارحام، ۱/ ۲۷۷، ماجدیة
۲۔ حوالہ بالا
۳۔ الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۳۴، سعید
۴۔ وان تجمعوا بین الاختین۔ (النساء : ۲۳)
۵۔ جامع الترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء لاتنکح المراة عمتھا ولا علی خالتھا، ۱/ ۲۱۴، سعید

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

(۱) بیوی کے نکاح میں ہوتے ہوئے سالی سے نکاح ناجائز ہے
(۲) بیوی کی بہن سے جو اولاد ہوئی اس کا حکم

(سوال)(۱) ایک شخص کی شادی ایک نابالغ لڑکی سے ہوئی وہ شخص اس لڑکی کی بڑی بہن سے شادی کر لیتا ہے آیا شرع کی رو سے دو بہنوں کی شادی ایک شخص سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) بعد والی لڑکی کے دو بچے پیدا ہوئے۔ یہ بچے شرع سے جائز ہوئے یا ناجائز؟

(۳) دو بچے پیدا ہونے کے بعد وہ بعد والی بڑی بہن کو طلاق دے دیتا ہے۔ کیونکہ برادری والے کہتے تھے کہ دو بہنیں ایک شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں۔

(۴) بڑی بہن کو طلاق دینے کے بعد چھوٹی بہن بالغ ہوئی اور کچھ عرصہ کے بعد اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس کا بچہ یعنی بیاہتا چھوٹی بہن کا بچہ شرع سے جائز ہے یا نہیں؟

(۵) کچھ عرصہ ہوا وہ شخص انتقال کر گیا۔ اب برادری والے یہ کہتے ہیں کہ دونوں بہنوں کے لڑکے شرع سے ناجائز ہیں۔

(۶) یہ بھی سنا جاتا ہے کہ بڑی لڑکی سے نکاح نہیں کیا تھا یونہی رکھ لیا تھا۔

المستفتی نمبر ۱۲۳۳ محمد شفیع ٹیلر ماسٹر گورکھپور۔ یکم شعبان المعظم سن ۱۳۵۲ھ م ۲۰ نومبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۷)(۱) جب کہ چھوٹی بہن کے ساتھ پہلے نکاح ہوا تھا تو اس کے بعد بڑی بہن سے نکاح ناجائز اور حرام تھا۔ دوسری بہن سے نکاح کیا ہو جب بھی ناجائز ہوا۔(۱)

(۲) بڑی بہن سے جو بچے ہوئے وہ ناجائز ہوئے۔(۲)

(۳) بڑی بہن کو طلاق دے دینا اور چھوڑ دینا ہی ضروری تھا۔ کیونکہ وہ بہنیں ایک شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں۔(۳)

(۴) چھوٹی بہن چونکہ منکوحہ تھی اس لئے اس سے جو اولاد ہوئی وہ جائز ہوئی۔(۴)

(۵) برادری والوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ دونوں کے لڑکے ناجائز ہیں۔ چھوٹی بہن جو منکوحہ تھی اس کی اولاد جائز ہے۔(۵)

(۶) اگر بڑی بہن سے نکاح بھی نہیں کیا تھا تو پھر تو اس کی اولاد کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں۔ مگر چھوٹی بہن کی اولاد بہر صورت جائز ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) وان تجمعوا بين الاختين (النساء : ۲۳)

(۲) یعنی نسب ان دونوں بچوں کا ثابت ہے۔ کما فی الهندية : وان تزوجهما في عقدتين فنكاح الاخيرة فاسد ويجب عليه ان يفارقها فان فارقها قبل الدخول لا يثبت شئ من الاحكام وان فارقها بعد الدخول فلها المهر وعليها العدة ويثبت النسب۔ (الهندیۃ، کتاب النکاح، القسم الرابع المحرمات بالجمع ۱ / ۲۷۷، ماجدیۃ)

(۳) (قوله فرق القاضي بينه وبينهما) يعني يفترض عليه ان يفارقهما فان لم يفارقهما وجب على القاضي ان علم ان يفرق بينه وبينهما دفعا للمعصية۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳ / ۴۱، سعید)

(۴) وقوى وهو فراش المنكوحة ومعتدة الرجعي فانه فيه لا ينتفي الا باللعان۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب ثبوت النسب، ۳ / ۵۵۰، سعید)

(۵) حوالہ بالا

بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی سوتیلی ماں سے نکاح درست ہے

(سوال) زید کا نکاح ایک عورت سے ہوا اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ زید نے اپنی لڑکی کا نکاح بکر سے کر دیا۔ زید کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ زید نے غیر کفو میں دیگر عورت سے نکاح کر لیا۔ اس عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ بعد کو زید کا انتقال ہو گیا۔ اب یہ عورت بعد ختم ہونے عدت کے بکر سے نکاح کرنا چاہتی ہے اور بکر بھی رضامند ہے اور زید کی لڑکی بھی بکر کے نکاح میں موجود ہے۔ المستفتی نمبر ۱۶۶۷ رمضان سن ۱۳۵۲ھ م ۲۵ دسمبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۸) بکر اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے باوجود زید کی لڑکی اس کے پاس موجود ہونے کے۔(۱)

محمد کفایت اللہ

سوتیلے باپ کی دوسری بیوی سے نکاح کا حکم

(سوال) زید ہندہ کا لڑکا ہے۔ زید کا باپ مر گیا۔ ہندہ نے دوسرے سے نکاح کر لیا اور اس کے ایک عورت اور بھی ہے۔ یعنی ہندہ کے خاوند ثانی کے پاس ہندہ کے علاوہ ایک عورت اور ہے۔ ہندہ کا خاوند ثانی بھی فوت ہو گیا۔ کیا زید اس کی دوسری بیوی سے یعنی اپنی ماں کی سوکن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۲ مولوی محمد عمر خطیب جامع مسجد سرگودھا۔ ۱۹ ذی قعدہ سن ۱۳۵۲ھ م ۶ مارچ سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۹) زید اپنی ماں کی سوکن یعنی سوتیلے باپ کی دوسری بیوی سے نکاح کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کی محرمات میں داخل نہیں ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ

منکوحہ کا نکاح پڑھانے والے کا نکاح نہیں ٹوٹتا

(سوال) اگر بے خبری میں یا خبر سے نکاح پر نکاح پڑھا دیوے۔ یعنی ایک عورت کا نکاح ہے۔ پھر پہلے خاوند سے علیحدہ ہوئے بغیر دوسرے سے نکاح کرا لیوے یہ تو ظاہر ہے کہ یہ دوسرا نکاح درست نہ ہوگا، لیکن سوال نکاح پڑھانے والے اور گواہوں کے بارے میں ہے۔ مشہور ہے کہ ان کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔

المستفتی نمبر ۲۳۲ مولوی محمد عمر خطیب جامع مسجد سرگودھا۔ ۱۹ ذی قعدہ سن ۱۳۵۲ھ

(جواب ۱۰) بے خبری میں ہو جائے تو کوئی جرم بھی نہیں۔ لیکن جان بوجھ کر دوسرا نکاح پڑھانے میں نکاح پڑھانے والا اور گواہ جن کو علم ہو مجرم ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کا نکاح نہیں ٹوٹتا تاوقتیکہ یہ اس دوسرے نکاح کی حلت کے معتقد نہ ہوں۔(۳) محمد کفایت اللہ

عورت سے صحبت کے بعد اس کی بھانجی سے نکاح کرنا

(سوال) ایک آدمی نے ایک عورت سے صحبت کی۔ اس عورت کی ہمشیرہ کی لڑکی سے یہ آدمی نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۶۴ غلام محمد صاحب۔ مانگرول بندر۔ کاٹھیاواڑ ۷ محرم سن ۱۳۵۳ھ م ۲۲ اپریل سن ۱۹۳۴ء

---

(۱) ولا باس بان يتزوج الرجل المراة وبنت زوج قد كان لها من قبل ذلك ويجمع بينهما، لا نه، لا قرابة بينهما۔ (المبسوط، باب المحرمات، ۴۰ / ۲۱۱، بیروت)

(۲) واحل لكم ماوراء ذلكم۔ (النساء: ۲۴)

(۳) اس لئے کہ حرام قطعی کو حلال سمجھنے والا مسلمان نہیں رہتا بلکہ مرتد ہو جاتا ہے اور مرتد کا نکاح برقرار نہیں رہتا۔ کما فی الدر المختار من اعتقد الحرام حلالاً فان كان حراما لغيره لا يكفر وان كان دليله، قطعيا كفر۔ (مطلب الجهاد، باب المرتد، ۴ / ۲۲۳، سعيد) وارتداد احدهما اى الزوجين فسخ۔ (الدر المختار، باب نكاح الكافر، ۳ / ۱۹۳، سعيد)

(جواب ۱۱) جس عورت سے صحبت کی ہے اگر وہ اب اس کے نکاح میں نہ ہو تو اس کی بھانجی سے یہ نکاح کر سکتا ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

جس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں، اسلام لانے کے بعد ایک کو چھوڑنا لازمی ہے

(سوال) ایک ہندو دین اسلام قبول کرنا چاہتا ہے اور اپنی دونوں عورتوں کو بھی ساتھ لاتا ہے مگر وہ دونوں عورتیں جو اس کی زوجہ ہیں آپس میں سگی بہنیں ہیں۔ اس کو دونوں سے شدید محبت ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتا۔ وہ کہتا ہے کہ اگر دونوں کو رکھنا ممکن ہو تو اسلام قبول کروں گا۔

المستفتی نمبر ۴۰۱ محمد عبدالحفیظ (نیلگری) ۱۶ جمادی الثانی سن ۱۳۵۳ھ ۲۶ ستمبر سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۲) اسلام لانے کے بعد وہ دونوں بہنوں کو اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ اگر وہ کسی ایک کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تو اسلام دونوں کو رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح جائز ہے

(سوال) هل يجوز التزوج بعد موت الزوجة بامراة التي هي غير امها شرعاً ام لا ؟

(ترجمہ) کیا اپنی زوجہ کی سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۰۲۸ مولوی خلیل الرحمن امام سورتی سنی جامع مسجد (برما)۔

(جواب ۱۳) يجوزان يتزوج الرجل بامرأة ابي زوجتها في حياة زوجتها فبعد موتها بالا ولیٰ اعني انه يجوز الجمع بين امراة وبنت زوجها قال في الهندية(۳) ويجوز بين امراة وبنت زوجها فان المراة لو فرضت ذكراحلت له تلك البنت بخلاف العكس انتهى۔

(ترجمہ) مرد کو اپنی زوجہ کے باپ کی دوسری بیوی کے یعنی زوجہ کی سوتیلی ماں کے ...... ساتھ زوجہ کی زندگی میں بھی نکاح کرنا جائز ہے۔ اور اس کی موت کے بعد بھی۔ یعنی زوجہ اور اس کی سوتیلی ماں ایک مرد کے نکاح میں جمع ہو سکتی ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ماں اور بیٹی سے بیک وقت نکاح کرنا حرام ہے

(سوال) زید اپنی بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ آیا شرعاً درست ہے یا نہیں۔ امهات نسائكم میں یہ بیوی کی سوتیلی ماں داخل ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۰۴۷ عبدالجبار صاحب (برما) ۱۸ ربیع الثانی سن ۱۳۵۵ھ م ۹ جولائی سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۴) اپنی زوجہ کی سوتیلی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ زوجہ کی موجودگی میں بھی دونوں کو جمع کر سکتا ہے۔ ويجوز (الجمع) بين امراة وبنت زوجها الخ (عالمگیری)(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

۱۔ واحل لكم ماوراء ذلكم۔ النساء : ۲۴

۲ عن ابي وهب الجيشاني انه سمع فيروز الديلمي يحدث عن ابيه قال : اتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله اني اسلمت وتحتي اختان فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : اختر ايهما شئت۔ (جامع الترمذی، باب ماجاء فی الرجل یسلم وعندہ اختان، ۱/ ۲۱۴ سعید)

۳۔ الهندية، كتاب النكاح ، الباب الثالث المحرمات، القسم الرابع المحرمات بالجمع، ۱/ ۲۷۷، ماجدية)

الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

ماں اور بیٹی سے بیک وقت نکاح کرنا حرام ہے

(سوال) ایک شخص نے ایک طوائف زادی پر عاشق ہو کر اس سے نکاح کر کے اپنی بی بی بنائی اور اس طوائف زادی کے ہمراہ ایک لڑکی بھی تھی۔ جب وہ لڑکی بلوغت کو پہنچی تو اس نے اس سے بھی نکاح کر لیا۔ اب ہر دو ماں بیٹی بیبیاں بن کے رہنے لگیں تو سوال یہ ہے کہ ازروئے شریعت اس سے نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۰۵۲ عبدالصمد صاحب (سوت) ۲۳ ربیع الثانی سن ۱۳۵۵ھ م ۱۴ جولائی سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۵) ماں اور بیٹی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ ماں سے وطی کر لینے کے بعد بیٹی سے نکاح حرام ہو جاتا ہے اور بیٹی سے نکاح کرنے کے بعد ماں سے نکاح کرنا حرام ہو جاتا ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

پہلی بیوی کی لڑکی کا نکاح دوسری بیوی کے بھائی سے صحیح ہے

(سوال) پہلی بیوی کے بطن کی لڑکی کا نکاح دوسری بیوی کے بھائی سے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۲۸ قاری محمد عبداللطیف صاحب۔ ضلع فرید پور (بنگال) ۱۳ ربیع الثانی سن ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جون سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶) پہلی بیوی کے بطن سے جو لڑکی ہے اس کا نکاح دوسری بیوی کے بھائی سے کرنا جائز ہے۔(۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح جائز ہے

(سوال) عبدالغفور نے میرے سامنے یہ صورت بیان کی کہ میری بیوی مسماۃ سعیدا بنت دنگلی کی والدہ نورا کا جو کہ میری حقیقی ساس تھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد دنگلی سسر نے بعیادی سے نکاح کر لیا اور وطی بھی کی۔ تھوڑے عرصے کے بعد دنگلی کا انتقال ہو گیا تو ایسی صورت میں جب کہ مسماۃ سعیدا بنت دنگلی میرے نکاح میں موجود ہے بعیادی سے میرا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور یہ صورت حرم الجمع بین امراتین ایتهما فرضت ذکراً لم تحل له الاخری میں داخل ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۶۲ ۱۵ مولوی حشمت علی صاحب مدرس اول مدرسہ قاسمیہ عربیہ کالی مسجد بلند شہر ۲۳ ربیع الثانی سن ۱۳۵۶ھ م ۳ جولائی سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۷) یہ نکاح جائز ہے اور اس قاعدہ کے تحت یہ جمع درست ہے۔ کیونکہ اس میں طرفین سے حرمت لازم نہیں آتی۔ اگر سعیدا کو مرد فرض کریں تو اس کے لئے بعیادی بوجہ زوجۃ الاب ہونے کے حرام ہے۔ لیکن اگر بعیادی کو مرد فرض کریں تو سعیدا اس کے لئے ایک غیر عورت ہے اور حلال ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

۱۔ الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم الرابع المحرمات بالجمع، ۱/ ۲۷۷، ماجدية
۲۔ وحرم الجمع بين المحارم نكاحا اى عقداً صحيحا وعدة ولو من طلاق بائن ...... وحرم ...... بين امراتين ايهما فرضت ذكرا لم تحل للاخرى .(الدر المختار، باب المحرمات، ۳/ ۳۸، سعيد)
۳۔ واحل لكم ماوراء ذلكم۔ (النساء: ۲۴)
۴۔ يجوز الجمع بين امرأة وبنت زوجها فان المراة لو فرضت ذكراً حلت له تلك البنت بخلاف العكس۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم الرابع المحرمات، ۱/ ۲۷۷، ماجدية)

بیوی کے فوت ہوتے ہی سالی سے نکاح کر سکتا ہے

(سوال) زید نے ہندہ سے نکاح کیا تھا۔ اب ہندہ کے مر جانے کے بعد دوماہ کے اندر اندر ہندہ مذکورہ کی بہن زینب سے نکاح کر لیا۔ اب بعض علمائے کرام کہتے ہیں کہ یہ نکاح جائز نہیں ہوا۔ کیونکہ اس صورت میں زید مذکور کو چار ماہ دس دن عدت گزارنا ہوگا۔ بعد انقضائے عدت ہندہ کی بہن زینب سے نکاح کر سکتا ہے۔ لہذا یہ نکاح نادرست ہوا اور بعض علماء کہتے ہیں مردہ کی عدت ہی نہیں۔ لہذا ہندہ کے مرنے کے بعد دوسرے دن بھی زینب سے نکاح درست ہے۔

المستفتی نمبر ۱۵۷۶ شمشیر سرکار صاحب (ضلع میمن سنگھ) ۲۶ ربیع الثانی سن ۱۳۵۶ھ م ۶ جولائی سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۸) زید اپنی متوفیہ بیوی ہندہ کی وفات ہوتے ہی اس کی بہن سے نکاح کر سکتا تھا۔ پس یہ نکاح جو بیوی کی وفات کے دوماہ بعد ہوا درست اور جائز ہے۔ اس کو ناجائز بتانے والے مسئلہ سے ناواقف ہیں۔ اگر شوہر بیوی کو طلاق دے تو اس کی عدت گزرنے سے پہلے بیوی کی بہن سے نکاح جائز نہیں ہوتا۔(۱) لیکن بیوی کے مر جانے پر اس کی بہن سے فوراً نکاح ہو سکتا ہے۔ ماتت امراته له التزوج باختها بعد یوم من موتها كما في خلاصة عن الا صل وكذا في المبسوط لصدر الا سلام والمحيط للسرخسي والبحرو التاتر خانيه وغيرها وغيرها من الكتب المعتمدة واما ما عزى الى النتف من وجوب العدة فلا يعتمد عليه۔(۲) (ردالمختار ج ۲ ص ۳۰۸)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے

(سوال) فدوی کی اہلیہ عرصہ قریباً چار سال سے مرض اختلاج میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے ہر طریقہ کی تکلیف ہے اور نہ کوئی اولاد ہے۔ میرے خسر صاحب و خوشدامن وغیرہ بہت ہی ضعیف اور مفلس ہیں اور وہ میرے ہی ساتھ رہتے ہیں۔ میرا بھی بجز خدا اور ان لوگوں کے کوئی نہیں ہے اور میرے جملہ احباب کا خیال ہے کہ دوسرا نکاح کیا جائے۔ میری خسر کی ایک دختر اور بھی ہے جس کی نسبت ان کا خیال ہے کہ میرے ساتھ بموجب شرع محمدی عقد کر دیا جاوے۔ چونکہ دوسری غیر جگہ کرنے میں ہر دو فریق کو ہر طرح کی حد سے زیادہ تکلیف ہوگی۔

المستفتی نمبر ۱۷۰۲ احمد اللہ خاں صاحب نمبر ۱۰۷ امال روڈ (لاہور) ۲۱ جمادی الثانی سن ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۹ اگست سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۹) دونوں بہنیں ایک شخص کے نکاح میں نہیں آسکتیں اور نہ وہ رہ سکتی ہیں۔(۳) اگر آپ اپنی سالی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو اپنی زوجہ کو طلاق دے کر سالی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ مگر طلاق کے بعد جب آپ کی مطلقہ بیوی کی عدت گزر جائے گی تب اس کی بہن سے نکاح جائز ہوگا۔(۴) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیوی کے ہوتے ہوئے سالی سے نکاح حرام ہے

(سوال) ستارہ اور چاند تارہ دو حقیقی بہنیں ہیں اور ستارہ کی شادی شاہ محمد سے ہوئی اور چاند تارہ کا عقد سوداگر سے ہوا اور

---

(۱) وعدة الاخت تمنع نكاح الاخت (المبسوط، كتاب النكاح، ٤/ ٢٠٤، بيروت)
(۲) رد المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ۳/۳۸، سعيد)
(۳) وان تجمعوا بين الاختين (النساء : ۲۳)
(٤) واذا طلق الرجل امراته بائنا او رجعيا لم يجز له ان يتزوج باختها حتى تنقضي عدتها (الهداية، كتاب النكاح، ۲/ ۳۱، شركة علمية)

دو بچے سوداگر کے ہوئے۔ اس کے بعد سوداگر کمانے کے لئے چلا گیا۔ چھ سال تک پتہ نہیں لگا۔ اس کے بعد شاہ محمد نے چاند ستارہ سے نکاح کر لیا۔ اس خیال سے کہ لڑکوں کی ہمارے یہاں پرورش ہو گی اور ستارہ کی رضا مندی سے اور ستارہ کو بھی یہی خیال تھا کہ بہن اور اس کے بچے ضائع نہ ہوں اور یہ لوگ جاہل تھے جنہوں نے نکاح کا مشورہ دیا۔ اب شاہ محمد کے نطفہ سے بھی ایک لڑکی چاند تارہ کے پیدا ہوئی۔ اب اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ جو فرمائیں شاہ محمد اس کے کرنے پر تیار ہے۔ اگر شاہ محمد پر کوئی کفارہ ہو تو تحریر فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۱۸۲۹ شاہ محمد صاحب (ضلع اعظم گڑھ) ۲۴ رجب سن ۱۳۵۶ھ م ۳۰ ستمبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۰) دو بہنوں کو ایک وقت میں نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ شاہ محمد کا نکاح چاند تارہ کے ساتھ دو وجہ سے ناجائز ہوا۔ اول تو یہ کہ چاند تارہ منکوحہ تھی۔ پہلے خاوند سے اس کا نکاح باقی تھا۔ (۱) دوم یہ کہ شاہ محمد کے نکاح میں اس کی بہن موجود تھی لہذا چاند تارہ کو وہ فوراً علیحدہ کر دے (۲) اور اس سے جو لڑکی ہوئی ہے وہ بھی اس کے مال کی وارث نہیں ہوگی۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوتیلی ماں کے شوہر کی لڑکی سے نکاح درست ہے

(سوال) زید نے اپنی عورت کو طلاق دی اور اس عورت نے عمر سے نکاح کر لیا اور عمر نے اس سے وطی بھی کی بعد ازاں عمر نے اس کو طلاق دی یعنی خلع کیا۔ اور پھر اس عورت نے زید زوج اول سے شادی کر لی بعد عدت گزرنے کے۔ اب زید کے لڑکے کی شادی جو کہ اس عورت سے ہو عمر کی لڑکی سے جو دوسری عورت سے ہو، ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۰۷۳ ماسٹر مرزا احمد حسین (گجرات) کاٹھیاواڑ ۷ شعبان سن ۱۳۵۶ھ م ۱۲ نومبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۱) زید کے لڑکے کی شادی عمر کی لڑکی سے ہو سکتی ہے۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ساس سے نکاح حرام ہے

(سوال) ایک شخص نکاح ایک عورت سے کر کے اس عورت کی والدہ سے بھی موجودہ حالت میں نکاح کر سکتا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۰۴۵ شیخ قمر الدین صاحب۔ ۱۳ رمضان سن ۱۳۵۶ھ م ۱۸ نومبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۲) اپنی منکوحہ کی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے۔ (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ساس سے نکاح حرام ہے اگرچہ بیوی کی رخصتی نہ ہوئی ہو

(سوال) زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور ابھی وداع بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ہندہ مطلقہ ہو گئی۔ صورت مذکورہ بالا میں کیا زید ہندہ کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے جب کہ یہ ظاہر ہے کہ ابھی رخصت وغیرہ نہیں ہوئی تھی۔

(المستفتی نمبر ۲۲۹۷ ایم ناظم ہاشمی (ڈھاکہ) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۷ جون ۱۹۳۸ء)

۱۔ ولا یجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ (الہندیۃ، کتاب النکاح، القسم السادس المحرمات التی یتعلق بہا حق الغیر، ۱: ۲۸۰ ماجدیۃ)

۲۔ وان نکح احدھما قبل الاخری فنکاح الاولی جائز و نکاح الثانیۃ فاسد فیفرق بینھما۔ (المبسوط، کتاب النکاح، ۴: ۲۰۱ بیروت)

۳۔ ویثبت النسب بلا دعوۃ احتیاطا (قولہ ویثبت النسب) اما للارث فلا یثبت فیہ وکذا فی النکاح الموقوف۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب المہر، ۳: ۱۳۷، سعید)

۴۔ واما بنت زوجۃ ابیہ او ابنہ فحلال۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳: ۳۱، سعید)

۵۔ و امھات نسائکم۔ (النساء: ۲۳)

(جواب ۲۳) منکوحہ کی ماں سے نکاح ناجائز ہے۔ خواہ منکوحہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔ رخصتی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔(۱)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

سگی خالہ کی نواسی سے نکاح جائز ہے

(سوال) سگی خالہ یا سگے چچا کی لڑکی کی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۳۱۸ اے۔ سی۔ منصوری صاحب (بمبئی) ۵ ربیع الثانی سن ۱۳۵۷ھ م ۱۵ جون سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۴) سگی خالہ کی لڑکی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ اسی طرح سگے چچا کی نواسی سے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

بھانجے اور بھتیجے کی اولاد سے نکاح

(سوال) اما بعد هل يجوز النكاح باولاد ابن الاخت والاخ وان سفلوا فتحرزوا بسند الكتاب مع العبارة سريعا ولا تؤخروا لان فيها يختلف الناس اختلافا كثيرا فنحن منتظرون الى جوابكم فقط والسلام۔

(ترجمہ) کیا نکاح جائز ہے ؟ بہن یا بھائی کی اولاد یا اولاد کی اولاد کے ساتھ ؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۳۳۳ مولوی عبدالحئی صاحب فرید پور ۲۳ ربیع الثانی سن ۱۳۵۷ھ م ۲۳ جون سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۵) لا يجوز النكاح باولاد ابن الاخت والاخ وان سفلوا لمافي العالمگيرية في ذكر المحرمات وبنات الاخت والاخ وان سفلن والحكم لا يختلف في بنت بنت الاخت وبنت ابن الاخت وفي بنت بنت الاخ وبنت ابن الاخ (۳)

لان المراد حرمة فروع الاخ والاخت بالغامابلغ والله اعلم

واذا اراد زيد ان ينكح بنت ابن اخيه كان ناكحا لفرع اخيه وفروع الاخ حرام وكذا اذا اراد ان ينكح بنت ابن اخته كان ناكحا لفرع اخته و فروع الاخت حرام۔

(ترجمہ) بہن اور بھائی کی اولاد یا اولاد کی اولاد کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ عالمگیری میں محرمات کے ذیل میں بنات الاخت والاخ اور نیچے تک سب اولاد کو ذکر کیا ہے۔ لہذا اس حکم میں بھانجی اور بھانجی کی اولاد، بھانجا اور بھانجے کی اولاد، بھتیجی اور اس کی اولاد، بھتیجا اور اس کی اولاد سب شامل ہیں۔ چونکہ فروع کی حرمت غیر محدود وغیرہ منتہی ہے۔

اور جب کہ کوئی شخص اپنے بھتیجے کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو وہ اپنے بھائی کی فرع سے ناکح ہوگا اور فروع الاخ حرام ہیں۔ اور اسی طرح بھانجے کی لڑکی سے نکاح کا ارادہ کرنے والا بہن کی فرع سے ناکح ہوگا اور فروع الاخت حرام ہیں۔

خالہ اور بھانجی سے بیک وقت نکاح حرام ہے

(سوال) زید اپنی حقیقی بڑی سالی کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے اور فی الحال زید کے نکاح میں اس کی بڑی حقیقی سالی کی بہن موجود ہے (یعنی لڑکی کی حقیقی خالہ) اب زید اپنی بڑی حقیقی سالی کی لڑکی کو اپنے نکاح میں لا سکتا ہے یا

---

(۱) عن عمرو ابن شعيب عن ابيه عن جده ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ... أيما رجل نكح امراة فدخل بها اولم يد خل فلا يحل له نكاح امها۔(جامع الترمذي ، باب من يتزوج المراة ثم طلقها الخ، ۱ / ۲۱٤، سعيد)

(۲) وخص الله تعالى العمات والخالات بالتحريم دون اولادهن ولا نكاح في بنت العمة والخالة(احكام القرآن ۲/ ۱۳۳ بيروت)

(۳) الهندية، كتاب النكاح ، الباب الثالث في بيان المحرمات ، ۱/ ۲۷۳ ،ماجدية وايضا صرح في فتح القدير : فتحرم بنات الاخوة والاخوات و بنات اولاد الاخوة والاخوات و ان نزلن۔(فصل في المحرمات، ۳/ ۲۰۸ الحلبي مصر)

نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۴۴۱ کالو بھائی صاحب (گجرات) ۳۰ ذی قعدہ سن ۱۳۵۷ھ م ۲۲ جنوری سن ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۶) جب تک زید کی بیوی زید کے نکاح میں ہے۔ یہ بی بی کی بھانجی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ خالہ بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

چچا کی نواسی سے نکاح جائز ہے

(سوال) زید اپنی چچازاد بہن کی دختر یعنی اپنی بھانجی چچازاد کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہ عقد درست ہو گا اور اگر درست ہے تو اس پر لعن طعن کرنے والوں کے لئے شرعی کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۴۹۶ نصیر الدین صاحب (احمد آبادی) ۲۹ ربیع الاول سن ۱۳۵۸ھ م ۲۰ مئی سن ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۷) چچازاد بہن سے بھی نکاح حلال ہے(۲) اور چچازاد بہن کی لڑکی یعنی اس رشتہ سے بھانجی کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ یہ حکم قرآن پاک کی آیت **واحل لکم ماوراء ذلکم**(۳) سے ثابت ہے۔ کیونکہ یہ عورتیں محرمات مذکورہ بالا میں داخل نہیں ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوتیلی ساس سے نکاح جائز ہے

(سوال) سوتیلی خوشدامن سے داماد کا نکاح جائز ہے یا نہیں۔ یعنی اتواری کی لڑکی شبراتی کو بیاہی۔ بچے بھی ہوئے۔ اتواری کی بیوی فوت ہو گئی جس کی ایک لڑکی تھی اور شبراتی کو بیاہی تھی۔ اتواری نے اپنی بیوی کے فوت ہونے کے بعد دوسری شادی کی جس کا نام بھوری ہے۔ اتواری بھی فوت ہو گیا۔ بھوری بیوہ ہو گئی۔ تین لڑکے موجود ہیں جو اتواری سے ہیں۔ اس درمیان شبراتی جو اتواری کا داماد ہے۔ اس کی بیوی یعنی اتواری کی لڑکی پہلی بیوی سے جو تھی وہ بھی فوت ہو گئی۔ اب شبراتی نے مسماۃ بھوری جو اتواری کی دوسری عورت بیوہ کے ساتھ نکاح کو لیا ہے یہ نکاح درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۵۲۰ عبدالمجید صاحب (نینی تال) ۲۶ جمادی الاول سن ۱۳۵۸ھ م ۱۶ جولائی سن ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۸) درست ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

ایضاً حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ السلام علیکم

(سوال) گزارش ہے کہ کتاب غایۃ الاوطار ترجمہ درالمختار ترجمہ مولوی خرم علی صاحب بلھوری و مولوی محمد احسن صاحب صدیقی نانوتوی مطبوعہ نولکشور کے کتاب النکاح کے صفحہ ۱۲ پر یہ عبارت تحریر ہے۔ **وام زوجۃ وجد اتھا مطلقا بمجرد العقد الصحیح وان لم توطا زوجۃ**۔ (ترجمہ۔ اور حرام ہے اپنی زوجہ کی ماں اور دادیاں نانیاں ہر طرح سے سگی ہوں یا سوتیلی حرمت ثابت ہوتی ہے اگرچہ زوجہ سے جماع نہ کیا ہو) مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ زوجہ کی ماں سوتیلی ہو یا سگی یعنی اپنی خواہ خوشدامن حقیقی ہو یا سوتیلی نکاح میں حرام ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا ہے۔ یہ کتاب مذکورہ کے لفظ بہ لفظ فقرے ہیں۔ کیا یہ کتاب معتبر نہیں ہے جو حضور نے فتویٰ منتھی شدہ پر صرف "درست ہے" لکھ کر دستخط فرمادیئے ہیں۔ جس سے میرے دل میں کافی اور مکمل یقین تو ہو گیا دیگر اشخاص کا یہ کہنا ہے کہ حضور نے کسی حدیث و فقہ کا حوالہ نہیں دیا۔ براہ مہربانی یہ لکھ کر کہ فلاں کتاب میں فلاں صفحہ پر اس کی بابت درستی کا ذکر آیا ہے۔

---

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان تنکح المراۃ علی عمتھا او العمۃ علی بنت اخیھا او المراۃ علی خالتھا او الخالۃ علی بنت اختھا الحدیث ۔ (جامع الترمذی ابوب النکاح ۔ باب ماجاء لا تنکح المراۃ علی عمتھا ولا علی خالتھا، ۱ / ۲۱۴، سعید)

(۲) (وعمتہ وخالتہ) واما بنا تھما فحلال (الدر المنتقی علی ھامش مجمع الانھر ، ۱ /۳۲۳ ، بیروت)

(۳) واحل لکم ماوراء ذالکم النساء : ۲۴

لوگوں کے دلوں کو تسکین فرمادیجئے۔

المستفتی نمبر ۲۵۲۰ عبدالمجید صاحب

(جواب ۲۹)غایۃ الاوطار کی یہ عبارت (ہر طرح سے سگی ہوں یا سوتیلی) بظاہر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ بیوی کی سوتیلی ماں "ام زوجہ" کے لفظ میں شامل نہیں ہے۔ اگر اتواری مر جاتا تو شبراتی بھوری سے اپنی بیوی کی زندگی میں بھی نکاح کر سکتا تھا۔ یعنی دونوں کو جمع کر سکتا تھا۔ اسی غایۃ الاوطار کے صفحہ ۱۶ او یکھئے۔(۱)(فجاز الجمع بین امراۃ وبنت زوجھا۔ تو جائز ہے جمع کرنا عورت میں اس کے شوہر کی بیٹی میں) یعنی بھوری اور اس کے شوہر اتواری کی بیٹی کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی عورت کے شوہر کی بیٹی عورت کی سوتیلی لڑکی ہوئی اور لڑکی کی یہ عورت سوتیلی ماں ہوئی تو جب ان کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے تو یکے بعد دیگرے ان سے نکاح کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیوی کے مرنے کے بعد اس کی بھانجی سے فوراً نکاح درست ہے

(سوال)فاسئلو ا اھل الزکر ان کنتم لا تعلمون۔ زید کی عورت کے انتقال کو پندرہ بیس یوم کا عرصہ گزر چکا ہے۔ زید نے اپنی منکوحہ کی بہن کی بیٹی سے نکاح کر لیا ہے۔ بکر کہتا ہے کہ یہ نکاح شرعاً نادرست ہے۔ چونکہ وہ زید کی منکوحہ مرحومہ کی قریبی رشتہ دار (بھانجی) ہے۔ اس کو چار ماہ دس دن کی عدت گزارنا ضروری ہے۔

المستفتی نمبر ۲۷۵۶ جی۔ پی حیدر خاں۔ بیڑی فیکٹری۔ چامراج نگر۔ میسور ۲۶ محرم ۱۳۶۲ھ م ۲ فروری سن ۱۹۴۳ء

(جواب ۳۰)بکر کا قول صحیح نہیں ہے۔ زید کا نکاح جائز ہوا۔ بیوی کے مرنے کے بعد اس کی بہن یا بھانجی سے فوراً نکاح جائز ہوتا ہے۔ماتت امراتہ لہ التزوج باختھا بعد یوم من موتھا۔(۲)(ردالمحتار ج ۲ ص ۳۰۸ باب المحرمات) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) باپ اپنے بیٹے کی ساس سے نکاح کر سکتا ہے
(۲) بیوی کی لڑکی (جو پہلے شوہر سے ہو) سے شوہر کے بھائی کا نکاح
(۳) دو حقیقی بھائی ایسی دو لڑکیوں سے جو آپس میں ، بہنیں ہوں نکاح کر سکتے ہیں
(۴) سوتیلی ماں کی والدہ سے نکاح

(سوال)(۱)باپ اپنے لڑکے کی ساس سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں ؟(۲) عمرو نے ہندہ سے نکاح کیا۔ اور ہندہ اپنے ہمراہ ایک لڑکی لائی ہے جو ہندہ کے پہلے خاوند سے ہے۔ اس لڑکے سے عمرو کا حقیقی بھائی نکاح کر سکتا ہے یا نہیں ؟ (۳)دو حقیقی بھائی دو حقیقی بہنوں سے نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں ؟(۴) لڑکا اپنے باپ کی ساس سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۶۳۳ مولوی عبدالحق امام مسجد دوحد ضلع پنچ محل ۱۳ جمادی الثانی سن ۱۳۵۹ھ

---

۱ الدر المختار ، باب المحرمات ، ۳/ ۳۹ ، سعید
۲ رد المحتار ، کتاب النکاح ، فصل فی المحرمات ، ۳/ ۳۸ ، سعید

(جواب ۳۱)(۱)باپ اپنے بیٹے کی ساس سے نکاح کر سکتا ہے۔(۱)(۲)اس لڑکی سے عمرو کا حقیقی بھائی نکاح کر سکتا ہے۔بلکہ عمرو کا پہلی بیوی سے کوئی لڑکا ہو تو اس لڑکے کا نکاح بھی اس لڑکی سے جائز ہے۔(۲)(۳)دو حقیقی بھائی ایسی دو لڑکیوں سے جو آپس میں حقیقی بہنیں ہیں نکاح کر سکتے ہیں۔(۳)(۴)لڑکا اپنی سوتیلی ماں کی والدہ سے نکاح کر سکتا ہے۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسرا نکاح باطل ہے

(سوال)چند لوگ مل کر ایک منکوحہ بالغہ لڑکی کا عقد بغیر اس کے خاوند کے طلاق دینے کے ایک دوسرے شخص کے ساتھ کر دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس نے ہماری عورت بہکالی اور کلمات کفر کہلوا کر نکاح تڑوادیا اس واسطے ہم بھی اپنی لڑکی اس کو نہیں دیتے۔اس لڑکی کے خاوند نے اس کے والد اور بھائی کے سامنے ہر طرح یقین دلایا کہ میں نے تمہاری عورت نہ بہکائی ہے،نہ کلمات کفر کہلوائے ہیں،لیکن ان کو بالکل اعتبار نہیں آیا۔اور دو سال گزر جانے کے بعد اس کے والد نے بغیر طلاق کے اس لڑکی کا عقد دوسرے شخص سے کر دیا۔لڑکی کے خاوند نے بہتری دفعہ ان کو خطوط ڈالے کہ تم اپنی لڑکی کو یا خود پہنچادو یا مجھے بلالو۔لیکن انہوں نے نہ خود پہنچایا نہ اس کے خاوند کو بلایا۔اس نے خرچہ بھیجا تو خرچہ بھی وصول نہ کیا۔وہ خود اس وجہ سے نہ گیا کہ اس کو اپنی جان کے ضائع ہو جانے کا یقین تھا۔

المستفتی رحیم الدین الوری

(جواب ۳۲)اس کا عقد ثانی باطل ہے۔(۵)کسی دوسرے کے فعل کی وجہ سے اس کا پہلا نکاح نہیں ٹوٹا۔یہ سب لوگ جو عقد ثانی کرانے والے یا اس میں شریک ہونے والے ہیں گنہگار ہوئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

زانی اور مزنیہ کی اولاد کا باہم نکاح

(سوال)زید ایک عورت منکوحۃ الغیر سے مدت دراز تک زنا کرتا رہا ہے۔اب مزنیہ کی لڑکی کو زانی اپنے لڑکے کے نکاح میں لے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۹۳۳ بابو ولد عبدل(فیروزپور پنجاب)۲۰ شعبان سن ۱۳۵۶ھ م ۲۶ اکتوبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۳)مزنیہ کی لڑکی سے زانی کا نکاح جائز نہیں اور زانی کے(۶)لڑکے کا نکاح بھی جائز نہیں۔(۷)ہاں اگر لڑکا مزنیہ کے بطن سے نہ ہو اور دوسری بیوی کے بطن سے ہو اور لڑکی مزنیہ کے شوہر سے ہو تو جائز ہے۔

۱۔جاز التزوج بام زوجة الابن وبنتها وجاز الابن التزوج بام زوجة الاب وبنتها (فتح القدیر، کتاب النکاح،باب المحرمات ۳/ ۲۱۱، مصطفیٰ الحلبی مصر)
۲۔حوالہ بالا
۳۔یونکہ حرمت کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی۔
۴۔جاز للابن ام زوجة الاب وبنتها۔(فتح القدیر،کتاب النکاح،باب المحرمات،۳/ ۲۱۱، مصطفیٰ الحلبی مصر)
۵۔لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیرہ.(الهندیة، کتاب النکاح، القسم السادس المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر. ۱/ ۲۸۰، ماجدیة)
۶۔جو اس مزنیہ کے بطن سے ہو۔
۷۔فمن زنی بامرأة حرمت علیه امها وان علت وابنتها وان سفلت وكذا تحرم المزنی بها علی آباء الزانی واجداده وان علوا وابنائه وان سفلوا (الهندیة، کتاب النکاح،الباب الثالث، القسم الثانی. ۱/ ۲۷۴، ماجدیة)

سوتیلی ساس سے نکاح صحیح ہے، سوتیلی ماں سے نہیں۔

(ازاخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱ ستمبر سن ۱۹۲۵ء)

(سوال) زید کی لڑکی عمر کے نکاح میں ہے۔ زید کے انتقال کے بعد عمر نے زید کی دوسری بیوی یعنی اپنی سوتیلی ساس سے عقد کر لیا۔ کیا یہ جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو سوتیلی ماں سے بھی عقد جائز ہوگا۔

(جواب ۳۴) یہ نکاح جائز ہے۔ کیونکہ دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا اس صورت میں حرام ہوتا ہے کہ ان میں طرفین سے یہ قاعدہ جاری ہو سکے کہ جس عورت کو مذکر فرض کریں تو دوسری عورت اس کے لئے حلال نہ ہو اور یہاں (یعنی کسی عورت کو اور اس کے باپ کی دوسری بیوی کو نکاح میں جمع کرنے میں) دونوں طرف سے یہ قاعدہ جاری نہیں ہوتا اس لئے یہ حرام نہیں ہے۔ درمختار میں ہے۔ فجازا لجمع بین امراۃ وبنت زوجھا۔(۱) اور سوتیلی ماں سے نکاح حرام ہے۔ سوتیلی ماں اس کے باپ کی منکوحہ ہے اور منکوحۃ الاب کی حرمت قرآن پاک میں منصوص ہے۔ قال تعالیٰ ولا تنکحوا ما نکح آباء کم۔(۲) سوتیلی ماں کو سوتیلی ساس پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ فقط

پھوپھی کی بیٹی اور پوتی سے نکاح جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ ستمبر سن ۱۹۲۵ء)

(سوال) (۱) حقیقی پھوپھی کی پوتی کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ (۲) اگر کسی شخص کی ہمشیرہ نے کسی شخص کے ساتھ عقد کر لیا ہو اور اس کے خاوند کی پہلی زوجہ سے ایک لڑکی ہو تو اس لڑکی کا اس کی سوتیلی ماں کے بھائیوں کے ساتھ عقد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۵) (۱) حقیقی پھوپھی کی بیٹی اور پوتی سے نکاح جائز ہے۔(۳) (۲) کسی شخص کا نکاح اس کی بہن کے خاوند یعنی بہنوئی کی اس لڑکی سے جائز ہے جو کسی دوسری عورت کے بطن سے ہو۔(۴)

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

باپ کی ممانی سے نکاح جائز ہے

(ازاخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جنوری سن ۱۹۲۶ء)

(سوال) زید کے ماموں کی بیوی بیوہ ہو گئی ہے۔ نوجوان ہے۔ زید کا لڑکا عمر جو بالغ ہے اس کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۶) زید کا لڑکا زید کے ماموں کی بیوہ سے نکاح کر سکتا ہے۔ یہ محرمات میں داخل نہیں ہے۔(۵)

محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

۱۔ الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۳۹، سعید
۲۔ النساء: ۲۲
۳۔ (وعمته وخالته) واما بناتهما فحلال۔ (الدر المنتقی علی هامش مجمع الانهر، المحرمات ۱/ ۳۲۳، بیروت)
۴۔ واحل لکم ماوراء ذلکم۔ (النساء: ۲۴)
۵۔ ایضا
۶۔ ایضا

چچی سے نکاح جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲ نومبر سن ۱۹۲۶ء)

(سوال) زید نے اپنی سالی سے نکاح کیا۔ زید کی بیوی پہلے فوت ہو چکی تھی اور جس سے نکاح کیا وہ سالی بھی ہے اور رشتہ میں چچی بھی ہے۔ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ برادری نے نکاح خواں اور گواہان پر چٹی یعنی تاوان لگایا۔ یہ تاوان جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۸) بیوی کے انتقال کے بعد اس کی بہن سے نکاح کرنا درست ہے۔(۱) رشتہ کی چچی ہونا بھی نکاح کے جواز کا مانع نہیں۔ برادری کا تاوان لگانا اس صورت میں ناجائز ہے۔ تاوان واپس کرنا چاہئے۔(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

سوتیلی بہنوں کو نکاح میں اکٹھا کرنا حرام ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۶ نومبر سن ۱۹۲۶ء)

(سوال) ہندہ کا نکاح عمرو سے ہوا ہے۔ ہندہ کی ایک سوتیلی بہن (دوسری ماں سے) ہے۔ کیا عمرو ہندہ کی زندگی میں اس کی سوتیلی بہن سے نکاح کر سکتا ہے؟

(جواب ۳۹) ہندہ کی موجودگی میں بمقتضائے آیات "ان تجمعوا بين الا ختين" (۳) ہندہ کی سوتیلی بہن سے جو ہندہ کے والد کے نطفے سے ہے عمرو کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ،

(۱) زنا سے پیدا شدہ لڑکی زانی کی وارث نہیں
(۲) مزنیہ کی اولاد زانی پر حرام ہے زنا سے پہلے کی ہو یا بعد کی

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ فروری سن ۱۹۲۷ء)

(سوال) (۱) ایک کافرہ مشرکہ کے بطن سے کسی مسلمان کی ایک لڑکی ہے آیا وہ لڑکی اس مسلمان کی وارث و محرم ہو سکتی ہے؟ اور وہ مشرف باسلام ہونے کے بعد کیا اس مسلمان کے نکاح میں آسکتی ہے؟ (۲) جس عورت سے کسی مسلمان نے زنا کیا ہے اس کی لڑکی جو ارتکاب زنا سے پہلے کسی دوسرے مرد کے نطفے سے ہو آیا اس کے ساتھ زانی کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ٤٠) (۱) جو لڑکی زنا سے پیدا ہوئی ہے وہ اپنے باپ کی وارث نہیں ہو سکتی مگر محرم ضرور ہے۔(۴) اور اس کے ساتھ نکاح ناجائز ہے۔ (۲) جس عورت سے زنا کیا ہے اس کی لڑکی سے خواہ ارتکاب زنا سے پہلے کی ہو یا بعد کی، نکاح نہیں ہو سکتا۔(۵) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

بیوی کے مرنے کے بعد ساس کی بہن سے نکاح

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ فروری سن ۱۹۲۷ء)

۱۔ماتت امراته له التزوج با ختها كذافي الخلاصة ۔(ردالمحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳ / ۳۸، سعید)

۲۔والحاصل ان المذهب عدم التعزير باخذالمال۔(ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر ۴ / ۶۲، سعید) ۳۔النساء : ۲۳

۴۔(قوله ويثبت النسب) اما الا رث فلا يثبت فيه۔(ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المہر ۳ / ۱۳۴، سعید)

۵۔(قوله و حرم ايضاً بالصهرية اصل مزنيته) قال في البحر : اراد بحرمة المصاهرة الحرمات الا ربع حرمة المراة على اصول الزاني وفروعه نسباً ورضاعاً وحرمة اصولها وفروعها على الزاني نسباً ورضاعاً كما في الوطئ الحلال۔(ردالمحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳ / ۳۲، سعید)

(سوال) اپنی خوشدامن کی حقیقی بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں جب کہ بیوی کا انتقال ہو چکا ہو۔
(جواب ٤١) اپنی خوشدامن کی بہن سے اپنی بیوی کے انتقال کے بعد نکاح کر لینا جائز ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

بھتیجے کا نکاح چچی سے

(الجمعیۃ مورخہ ۴ امارچ سن ۱۹۲۷ء)

(سوال) بھتیجے سے چچی کی شادی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ سوتیلی ماں سے بعد مر جانے باپ کے بیٹا عقد کر سکتا ہے یا نہیں؟
(جواب ٤٢) چچی کا نکاح چچا کے انتقال کے بعد مرحوم کے بھتیجے سے ہو سکتا ہے۔(۲) کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے۔ باپ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سوتیلی ماں سے نکاح نہیں کر سکتا۔ وہ اس کے لئے ہمیشہ حرام ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۲ مئی سن ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک شخص کے دو لڑکیاں ہوں اور ماں سے علیحدہ ہوں کیا ایک شخص سے ان دونوں کا نکاح ایک وقت میں جائز ہے؟
(جواب ٤٣) دو بہنوں کو خواہ وہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اور اس کے لئے صریح طور پر آیت کریمہ وان تجمعوا بين الاختين (۴) کا حکم موجود ہے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

سوتیلی ماں کے بھائی سے نکاح جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ اگست سن ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید کی بیوی دو لڑکیاں چھوڑ کر فوت ہو گئی۔ کچھ عرصے کے بعد زید نے حامد کی لڑکی سے شادی کی۔ اس لڑکی کے دو بھائی ہیں۔ کیا ان دونوں لڑکوں کی شادی زید کی دونوں لڑکیوں سے ہو سکتی ہے؟
(جواب ٤٤) زید کی لڑکیوں کی شادی اپنی سوتیلی ماں کے بھائیوں کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ اس رشتہ میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔(۵)
محمد کفایت اللہ غفر لہ،

بھائی کی بیوہ سے نکاح درست ہے

(الجمعیۃ مورخہ یکم اگست سن ۱۹۲۸ء)

(سوال) چھوٹے بھائی کی زوجہ بیوہ ہو گئی۔ اور اس عورت کے پاس دو تین لڑکے پہلے شوہر سے ہیں تو اس عورت کو شوہر کا بڑا بھائی اپنے نکاح میں لا سکتا ہے یا نہیں؟

۱۔ واحل لكم ماوراء ذلكم۔ (النساء: ۲۴)
۲۔ واحل لكم ماوراء ذلكم۔ (النساء: ۲۴)
۳۔ وكذا منكوحة الاب حرام على الابن دخل بها الاب اولم يدخل۔ (المبسوط، ۴/۲۰۱، بيروت) ۴۔ (النساء: ۲۳)
۵۔ واحل لكم ماوراء ذلكم۔ (النساء ۲۴) يا (حوالہ سابقہ)

(جواب ۴۵) چھوٹے بھائی کے انتقال کے بعد اس کی بیوی سے مرحوم کا بڑا بھائی نکاح کر سکتا ہے۔(۱)
محمد کفایت اللہ غفر لہ،

کافر میاں بیوی اگر آپس میں محرم ہوں تو مسلمان ہونے کے بعد ان کو علیحدہ کیا جائے گا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ ستمبر سن ۱۹۳۱ء)

(سوال) ایک مشرک مع اپنی زوجہ کے اسلام قبول کرنا چاہتا ہے۔ مگر اس کی زوجہ رشتے میں اس کی بھانجی ہے۔ اس سے دو چار اولاد بھی ہیں۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد کیا اس کی زوجہ اس پر حلال ہو سکتی ہے؟ اور جو اولاد اس کے بطن سے موجود ہے کیا وہ اپنے باپ کے ورثہ کی حق دار ہو سکتی ہے؟
(جواب ۴۶) بھانجی سے نکاح شریعت اسلامیہ میں جائز نہیں۔(۲) جب زوجین مسلمان ہو جائیں تو ان کا تعلق زوجیت باقی نہیں رہے گا۔ دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔(۳) اس سے پہلے اولاد ثابت النسب ہوگی اور ماں باپ کے ترکے سے اس کو حصہ میراث ملے گا۔(۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

خالہ اور بھانجی کو نکاح میں اکٹھا کرنا حرام ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ مارچ سن ۳۲ء)

(سوال) اہلیہ کی بڑی ہمشیرہ کی لڑکی سے نکاح درست ہے یا نہیں؟ حالانکہ اہلیہ زندہ ہے۔
(جواب ۴۷) اہلیہ کی زندگی میں اس کی بھانجی سے نکاح کر کے خالہ بھانجی کو زوجیت میں جمع کرنا حرام ہے۔(۵)
محمد کفایت اللہ غفر لہ،

چچا کی نواسی سے نکاح درست ہے

(الجمعیۃ مورخہ یکم اگست سن ۳۷ء)

(سوال) علم شیر خاں اور علی شیر خاں دو حقیقی بھائی ہیں۔ علم شیر خاں کے لڑکے کا نکاح علی شیر خاں کی لڑکی کی لڑکی سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟
(جواب ۴۸) علم شیر خاں کے لڑکے کا نکاح علی شیر خاں کی نواسی کے ساتھ جائز ہے۔(۶)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

۱۔ واحل لکم ماوراء ذلکم۔ (النساء: ۲۴)
۲۔ وبنات الاخت فهن محرمات نكاحا ووطأ ودواعيه على التابيد۔ (الهندیہ، کتاب النکاح، الباب الثالث، القسم الثانی ۱/ ۲۷۳، ماجدیہ)
۳۔ (ولو كانا) المتزوجان الذان اسلما (محرمين اواسلم احد المحرمين او ترافعا الينا وهما على الكفر فرق) القاضي او الذى حكماه بينهما۔ (الدر المختار، کتاب نکاح، باب نکاح الکافر ۳/ ۱۸۶، سعید)
۴۔
۵۔ عن ابى هريرة رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى ان تنكح المراة على عمتها اوالعمة على بنت اخيها او المراة على خالتها او الخالة على بنت اخيها۔ (ترمذی، کتاب النکاح ۱/ ۲۱۴، سعید)
۶۔ واحل لکم ماوراء ذلکم۔ (النساء ۲۴)

دوسرا باب

منگنی (خطبہ)

مروجہ منگنی وعدہ ہے، اس سے نکاح نہیں ہوتا

(سوال) مضافات پشاور اور ماورائے سرحد میں یہ عام بات ہے کہ ایک شخص نے کسی کے ہاں اپنے لڑکے کے واسطے نکاح کے لئے بات چیت کی اور لڑکے والے کچھ زیور، کپڑے، مٹھائی لڑکی والوں کے پاس لے جاتے ہیں۔ اگر لڑکی والے اشیائے مذکورہ لے لیں تو پٹھانوں کے رواج میں یہ بات پکی ہو گئی جس کو ان کی اصطلاح میں کوجدن (منگنی) کہتے ہیں۔ لڑکی کا ولی تین چار آدمیوں کے سامنے اقرار کر کے کہتا ہے کہ میں نے لڑکی اس لڑکے کو دے دی۔ لڑکا لڑکی کے گھر میں آتا رہتا ہے۔ اس کے بعد اگر لڑکی کا ولی منگنی سے انکار کر کے لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ واضح رہے کہ اس منگنی میں خطبہ مسنونہ اور مہر وغیرہ کچھ نہ تھا۔ صرف بات ٹھہرائی گئی تھی۔ یہاں کا طبقہ صوفیاں اس کو نکاح ٹھہراتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۲۵۲ مولوی عبدالوہاب۔ خرکی۔ ۵ ذی الحجہ سن ۱۳۵۲ھ م ۲۱ مارچ سن ۳۴ء

(جواب ۴۹) یہ نکاح نہیں ہے۔ وعدہ نکاح ہے۔(۱) اگر اس کے بعد بلاوجہ معقول لڑکی والا لڑکی کو دوسری جگہ بیاہ دے تو وعدہ خلافی کا مجرم ہوگا۔(۲) مگر دوسری جگہ نکاح درست ہو جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

شرعی عذر کی وجہ سے منگنی توڑنا

(سوال) زید نے اپنی لڑکی ہندہ کی منگنی اپنے برادرزادے بکر کے ساتھ کر دی۔ بعد میں بکر نے ایک عورت مسلمہ منکوحہ کو محض فسخ نکاح کی غرض سے مرتد کرایا پھر اس مرتدہ منکوحہ غیر کو مسلمان کر کے اس کے ساتھ نکاح کر لیا باوجود اس نکاح کے بکر اپنے چچا سے مطالبہ کرتا ہے کہ اپنی لڑکی کا مجھ سے نکاح کر دے۔ زید انکار کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ ایک مسلمہ کو مرتد کرانے کی وجہ سے تو خود بھی مرتد ہے۔

المستفتی نمبر ۹۵۹ محمد شاہ (ضلع منٹگمری) ۴ ربیع الاول سن ۱۳۵۵ھ م ۲۶ مئی سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۰) اگر یہ واقعات صحیح ہیں کہ بکر نے منکوحہ مسلمہ کو مرتد کرایا یا ترغیب دی اور پھر اسی مرتدہ سے بعد اس کے اسلام لانے کے خود نکاح کر لیا تو زید اپنی لڑکی کی منگنی چھڑا لینے میں حق بجانب ہے اور بکر اس سے ایفائے وعدہ کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ (منگنی کی حیثیت ایک وعدہ کی ہوتی ہے) نیز بکر پر توبہ و تجدید اسلام بھی لازم ہے۔(۳) کیونکہ کسی مسلمان کو مرتد ہونے کی ترغیب دینے سے خود بھی انسان مرتد ہو جاتا ہے۔(۴)

فقط محمد کفایت اللہ،

....

۱۔وان للوعد فوعد وفي رد المحتار : لوقال هل اعطيتها فقال اعطيت ان كان المجلس للوعد فوعد، وان كان للعقد فنكاح (كتاب النكاح، ۳ / ۱۲، سعيد)

۲۔عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلى الله عليه وسلم قال : آية المنافق ثلاث اذا حدث كذب واذا وعد اخلف واذا ائتمن خان۔(صحيح البخاری ، كتاب الايمان باب علامات النفاق ، ۱ / ۱۰ ، قديمی)

۳۔ومافيه خلاف يومر بالا ستغفار والتوبة وتجديد النكاح۔(الدر المختار، باب المرتد ۴ / ۲۳۰، سعید)

۴۔وفي المضرات : لوافتى لا مراة بالكفر حتى تبين من زوجها فقد كفر قبلها ۔(شرح الفقہ الاکبر لعلی القاری، ۱ / ۲۷۰، بیروت)

منگنی سے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں ؟

(سوال) امیر حسن اپنے نابالغ لڑکے محمد عارف کی جوڑ یعنی پوٹلی زیورات وغیرہ ہمراہ قریباً بیس کس مسلم معتبران عبدالحق کے گھر لایا۔ صبح اس گاؤں کے عام مسلمان اس تقریب میں شامل ہونے کی غرض سے عبدالحق کے گھر جمع ہوئے جن کی موجودگی میں امیر حسن نے پچاس روپیہ نقد اور مٹھائی اور مسماۃ عزیز فاطمہ نابالغہ دختر عبدالحق کے لئے زیور اور کپڑے اسی مجلس میں عزیز فاطمہ کے لئے عبدالحق کو دیئے اور عبدالحق سے اس کی مذکورہ لڑکی کا ناطہ طلب کیا جس پر عبدالحق نے عام حاضرین میں اس طرح امیر حسن کے ساتھ ایجاب و قبول کیا۔ یعنی عبدالحق نے امیر حسن کو کہا کہ میں نے اپنی لڑکی مسماۃ عزیز فاطمہ کا ناطہ تمہارے لڑکے محمد عارف کو دے دیا ہے۔ امیر حسن نے کہا میں نے قبول کیا ہے۔ اس پر دعائے خیر ہوئی۔ عبدالحق نے زیورات، کپڑے اور نقدی قبول کر کے لے لی اور مٹھائی حاضرین میں تقسیم ہوئی۔ آیا اس صورت میں نکاح عزیز فاطمہ ہمراہ محمد عارف ہو گیا یا نہ۔

المستفتی نمبر ۱۴۸۵ حکیم ڈاکٹر عبدالشکور صاحب ۳۰ ربیع الاول سن ۱۳۵۶ھ م ۱۰ جون سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۱) منگنی کی جو مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں وہ صرف رشتہ اور ناطہ مقرر کرنے کے لئے کی جاتی ہیں۔ اس میں جو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں وہ وعدہ کی حد تک رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ منگنی کی مجلس کے بعد فریقین بھی اس کو نکاح قرار نہیں دیتے بلکہ اس کے بعد نکاح کی مجلس منعقد کی جاتی ہے اور نکاح پڑھایا جاتا ہے اس لئے ان مجالس کے الفاظ میں عرف یہی ہے کہ وہ بقصد وعدہ کہے جاتے ہیں نہ بقصد نکاح۔ ورنہ نکاح کے بعد پھر مجلس نکاح منعقد کرنے کے لئے کوئی معنی نہیں۔ نیز منگنی کی مجلس کے بعد منکوحہ سے اگر زوج تعلقات زناشوئی کا مطالبہ کرے تو کوئی بھی اس کے لئے آمادہ نہیں ہوتا بلکہ کہتے ہیں کہ نکاح تو ہوا ہی نہیں۔ عورت کو مرد کے پاس کیسے بھیج دیا جائے۔ بہر حال منگنی کی مجلس وعدے کی مجلس ہے اس کے الفاظ سب وعدہ پر محمول ہوں گے۔ کیونکہ عرف یہی ہے۔ لہذا اس کو نکاح قرار دینا درست نہیں۔(۱)

البتہ اگر منگنی کی مجلس میں صریح لفظ نکاح استعمال کیا جائے۔ مثلاً زوج یا اس کا ولی یوں کہے کہ اپنی لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کر دو اور ولی زوجہ کہے کہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح تیرے ساتھ کر دیا تو نکاح ہو جائے گا۔(۲) لان الصریح یفوق الد لا لة۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

منگنی کے وقت شوہر کی طرف سے دی ہوئی رقم کا حکم

(سوال) تقریباً پورے صوبہ گجرات میں یہ رواج ہے کہ جب منگنی ہوتی ہے اس وقت لڑکی کے لئے زیور اور کپڑے بنانے کے لئے ایک رقم طے ہوتی ہے۔ وہ رقم لڑکا یا اس کا ولی دیتا ہے اور اس کو وتیج ویلہ کہتے ہیں۔ وہ رقم حسب حیثیت جانبین دو سو چار سو ہزار دو ہزار بلکہ اس سے بھی زائد تک طے ہوتی ہے اور اس کے طے ہوئے بغیر منگنی قبول نہیں ہوتی۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس رقم کے طے کرنے میں اگر جانبین کا اتفاق نہ ہو تو منگنی قبول نہیں ہوتی اور انکار کر دیا جاتا ہے۔ اگر لڑکے یا اس کے ولی کے پاس پیسے نہ ہوں تو اس کے لئے سودی قرضہ تک لیا جاتا ہے اور پھر اس

۱۔ لو قال هل اعطيتنيها فقال اعطيت ان كان المجلس للوعد فوعد وان كان للعقد فنكاح ۔ (رد المحتار، كتاب النكاح، ۳ / ۱۱، سعيد)
۲۔ انه لو صرح بالاستفهام فقال هل اعطيتنيها فقال اعطيتكها و كان المجلس لنكاح ينعقد ۔ (رد المحتار، كتاب النكاح، ۳ / ۲۵، سعيد)
۳۔ رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، ۳ / ۱۴۲، سعيد

کے علاوہ ہے اور وہ عموماً ایک سو ساڑھے ستائیس روپیہ ہے۔ بعض جگہ اس سے بھی زائد ہے۔ مذکورہ بالا رسم مدت سے چلی آرہی ہے لیکن اس پیسے کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہوتی کہ مہر معجل ہے یا ہبہ ہے یا عاریت، اور نہ تعامل سے صحیح پتہ چلتا ہے اور بعض جگہ تصریح بھی ہوتی ہے کہ ہبہ ہے یا عاریت ہے یا مہر معجل اور بعض جگہ پیسہ کے بجائے زیور اور کپڑا بھی دیا جاتا ہے لیکن عموماً پیسے دیئے جاتے ہیں۔ اور اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہوتی۔ اب اس رقم کے لینے کے بعد لڑکی کا باپ بالکل آزاد ہوتا ہے چاہے سب خود کھائے یا نکاح کے وقت کھانے وغیرہ میں صرف کرے یا کہ زیور اور کپڑے بنائے اگر کھا جائے یا کھانے وغیرہ میں صرف کردے تو لڑکا یا اس کا ولی کوئی اعتراض نہیں کرتا اور نہ مطالبہ کرتا ہے۔ نہ قانونی کارروائی کرتا ہے لیکن کھانا معیوب سمجھا جاتا ہے اور وہ پیسہ صرف کپڑے زیور میں صرف کرنا مستحسن سمجھا جاتا ہے۔

اب جو پیسے لڑکی کے باپ نے کھائے وہ تو گئے یا جس کا کھانا کھلایا وہ بھی گئے اس کا مطالبہ نہیں ہوتا لیکن جو زیور بنایا جاتا ہے اس کو لڑکی اپنے ساتھ لے کر خاوند کے گھر آتی ہے اور اپنے استعمال میں لاتی ہے لیکن خاوند مالک سمجھا جاتا ہے۔ وقت ضرورت اس کو فروخت بھی کرسکتا ہے۔ اور رہن بھی رکھ سکتا ہے۔ عورت کی وفات کے بعد خاوند مالک ہوتا ہے اور بعد طلاق بھی اور بعض جگہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکی یا اس کا باپ قبضہ کرلیتا ہے اور خاوند کو نہیں دیا جاتا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکی کے نکاح کے وقت لڑکے کے پاس سے زیور اور کپڑے لینا یا اس کے ست پیسے لینا اس کی کوئی اصل قرون اولیٰ میں ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کیا ہے اور اس طریقے سے پیسے لینا جائز ہے یا نہیں اور خصوصاً سودی قرضہ۔ اور اگر جائز ہے تو پھر یہ مہر معجل ہے یا ہبہ ہے یا عاریت؟

المستفتی نمبر ۲۴۳۰ مولوی احمد ثبات صاحب (ضلع سورت) ۵ ذی قعدہ سن ۱۳۵۷ھ م ۲۸ دسمبر سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۲) سوال اس پر مبنی ہے کہ منگنی کے وقت لڑکی والے شوہر اور اس کے اولیاء سے ایک معین رقم مثلاً دو سو چار سو یا ہزار دو ہزار روپیہ نقد مانگتے ہیں یا زیور اور کپڑے کی صورت میں طلب کرتے ہیں اور جب تک شوہر دینا منظور نہ کرے منگنی نہیں ہوتی اور اس رسم کے التزام کی وجہ سے بسا اوقات بات ختم اور منگنی چھوٹ جاتی ہے یا شوہر کو سودی قرض لے کر مطالبہ منظور اور پورا کرنا پڑتا ہے تو سائل اس رسم کے التزام اور اس کے لئے سودی قرض لے کر رسم پوری کرنے کے متعلق سوال کرتا ہے کہ یہ بات کیسی ہے تو اس کا جواب ایک ہی ہے کہ یہ التزام اور رسم کے طور پر اس کی پابندی اور اس کے لئے سود جیسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب یقیناً مذموم اور سخت بری بات ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس رقم کی حیثیت کیا ہے، مہر میں شامل ہے یا ہدیہ اور ہبہ ہے یا عاریت تو بظاہر مہر میں شامل نہیں ہوتی کیونکہ مہر کی مقدار اکثری طور پر ایک سو ساڑھے ستائیس روپے معین ہوتی ہے اور یہ رقم مختلف مقدار کی ہوتی ہے اور مہر کے ذکر کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کیا جاتا نیز جیسا کہ سوال میں مذکور ہے شوہر اس رقم کے زیور وغیرہ کو عورت سے واپس بھی لے لیتا ہے اور عورت کو واپس دینے میں عذر نہیں ہوتا اس طرح اس کو ہدیہ یا ہبہ بھی قرار نہیں دے سکتے کیونکہ اس صورت میں بھی عورت سے بحالت قیام زوجیت یا بعد طلاق یا بعد موت اس رقم کو واپس لینے کا زوج کو حق نہیں حالانکہ ان سب صورتوں میں اس کو واپس لینے کا حق دار سمجھا جاتا ہے۔ پس شوہر کے حق واپسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی حیثیت متعین ہے کہ عاریت ہوتی ہے اور اس حیثیت کے لحاظ سے اولیاء زوجہ کو

زوج سے منگنی کے وقت اس کا مطالبہ کرنا اور اصرار کرنا اور رقم کی کمی زیادتی پر جھگڑا کرنا اور منگنی توڑ دینا یہ سب باتیں محض لغو اور شرعی اصول سے غلط اور ناجائز ہیں کیونکہ عاریت کا مطالبہ کرنا تو درکنار ہدیہ یا ہبہ کا مطالبہ کرنا بھی جائز نہیں لا جبر فی التبرع (۱) مشہور فقہی قاعدہ ہے۔ پس مطالبہ اور جبر سے جو رقم لی جائے وہ یا تو مہر میں شامل کی جائے کہ پھر زوج کو واپس لینے کا حق نہ ہو۔ (۲) اور یہ صورت جائز ہے یا وہ عورت کی قیمت اور عوض ہو اور یہ رشوت اور حرام ہے۔ (۳) یا اولیاء زوجہ کو زوج سے مطالبہ کا کوئی حق نہیں وہ اپنی خوشی سے بطور دست پیمان جو چاہے دے دے اور اسے ہدیہ یا ہبہ قرار دے جس میں حق رجوع نہ ہو (۴) یا عاریت رکھے جسے واپس لے سکے۔ بہر حال یہ رسم قابل اصلاح اور اس کی موجودہ صورت واجب الترک ہے۔ (۵)

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

منگنی میں مقصود وعدہ نکاح ہوتا ہے۔

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر سن ۱۹۲۹ء)

(سوال) منگنی کے وقت لڑکی کے باپ کا یہ کہنا کہ میں نے اپنی فلاں لڑکی تیرے فلاں لڑکے کو دی اور لڑکے کا باپ کہتا ہے کہ ہاں میں نے اپنے فلاں لڑکے کے لئے قبول کی۔ اس کے بعد وہ لڑکی لڑکے کو ملنے نہیں دیتے اور اس کو نصف نکاح خیال کیا جاتا ہے۔ کیا اس لڑکی کا نکاح بغیر اجازت لڑکے یا اس کے ولی کے دوسری جگہ ہو سکتا ہے؟

(جواب ۵۳) منگنی کے وقت جو الفاظ کہے جاتے ہیں وہ وعدہ نکاح کے ہوتے ہیں۔ نکاح منعقد کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ اسی لئے نکاح دوبارہ مجلس منعقد کر کے کیا جاتا ہے۔ پس منگنی کے اوپر نکاح کے احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ (۶)

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

۱۔ فعلی اعتبار الا بتداء لا یلزم التاجیل ... اذ لا جبر فی التبرع۔ (رد المحتار، کتاب البیوع، باب بیع الفاسد، ۵ / ۱۵۸، سعید)

۲ واذا بعث الزوج الی اهل زوجته اشیاء عند زفافها، منها دیباج، فلما زفت الیه اراد ان یسترد من المراة الدیباج لیس له ذلك اذا بعث الیها علی جهة التملیك۔ (الهندیة، کتاب النکاح، الفصل السادس عشر فی جهاز البنت ۱ / ۳۲۷، ماجدیة)

۳۔ ولو اخذ اهل امراة شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یسترده، لا نه، رشوة۔ (الهندیة کتاب النکاح، الفصل السادس عشر فی جهاز البنت، ۱ / ۳۲۷، ماجدیة)

۴۔ ولا رجوع فیما یهبه لزوجته، فالعبرة لوقت الهبة لا لوقت الرجوع فالزوجیة من الموانع من الرجوع کالموت۔ (رد المحتار، کتاب النکاح باب المهر، ۳ / ۵۹۲، سعید)

۵۔ ولو اخذ اهل المراة شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یسترده، لا نه رشوة۔ (هندیة، کتاب النکاح باب المهر، ۱ / ۳۲۷، ماجدیة)

وفی قواعد الفقه: ماحرم اخذه حرم اعطاءه۔ (قواعد الفقه، ۱۱۵، الصدف، پبلشرز)

۶۔ قال فی الرد: لوقال هل اعطیتنیها فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح (رد المحتار، کتاب النکاح، ۳ / ۱۱، سعید)

تیسرا باب

اذن لینا (استیذان)

لڑکی سے پوچھے بغیر نکاح کرنا

(سوال) ہمارے یہاں کسی لڑکی سے اس کے نکاح کے وقت اجازت نہیں لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں اس طرح بھی نکاح ہو جاتا ہے۔ لہذا ان کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟ نکاح ہوتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۵۴) کسی عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔ اگر اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح باپ نے کسی جگہ کر دیا تو نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر وہ نکاح کو جائز رکھے گی تو جائز ہو گا ورنہ باطل ہو جائے گا۔ لا یجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من اب او سلطان بغیر اذنها بکرا کانت او ثیبا فان فعل ذلك فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جاز و ان ردته بطل کذافی السراج الوهاج (هندیه(۱) ج۱ ص ۳۰۹) ہاں اگر ولی اقرب اس کا وکیل یا قاصد باکرہ سے استیذان کرے اور وہ چپ ہو جائے تو اس کا یہ چپ ہو جانا بھی اجازت ہے یا کوئی ایسا کام کرے جس سے رضا ثابت ہو تو وہ بھی اجازت سمجھی جائے گی۔ وان استاذن الولی البکر البالغة فسکتت فذلك اذن منها و کذا اذا امکنت الزوج من نفسها بعد مازوجها الولی فهو رضا و کذا لوطالبت بصداقها بعد العلم فهو رضا هکذا فی السراج الوهاج (هندیه(۲) ج۱ ص ۳۰۶) لیکن اگر کسی اجنبی یا ولی بعید نے استیذان کیا تو صراحۃً اجازت ضروری ہے۔ سکوت اجازت نہیں۔ وان کان لها ولی اقرب من المزوج لایکون السکوت منها رضا ولها الخیار ان شاء ردت (هندیه(۳) ج۱ ص ۳۰۶)

بالغہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر درست نہیں

(سوال) مسماۃ مختار بالغہ بنت مسماۃ فیاضی کا عقد نکاح مسمی شکور ولد قطبو قوم شیخ سے بلا اجازت مسماۃ مختار مذکورہ کیا گیا۔ مگر اس کی والدہ سے جب کہ وہ بیمار اور بد حواسی کی حالت میں تھی اجازت لے لی گئی تھی۔ کیا ایسی صورت میں مسماۃ مذکورہ کا نکاح درست ہوا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۸۴ مسماۃ فیاضی باڑہ ہندوراؤ دہلی۔ یکم رمضان سن ۱۳۵۶ھ

(جواب ۵۵) بالغہ عورت کا نکاح بغیر اس کی اپنی اجازت کے درست نہیں ہوتا۔(۴) ماں نے اگر بیماری و بد حواسی کی حالت میں اجازت دے دی تو یہ اجازت معتبر نہیں کیونکہ بد حواسی کی اجازت کالعدم ہے۔(۵) اگر حواس درست ہونے کی حالت میں اجازت دی ہو جب بھی نکاح لڑکی کی رضا مندی پر موقوف تھا۔ اگر اس نے منظور نہ کیا ہو اور نکاح کی خبر پاتے ہی نارضامندی کا اظہار کر دیا ہو تو نکاح باطل ہو گیا۔(۶)

---

(۱) الهندیة، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الاولیاء، ۱/۲۸۷، ماجدیة

(۲) ایضاً

(۳) ایضاً

(۴) لایجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من اب او سلطان بغیر اذنها بکراً کانت اوثیباً (الهندیة، ۱/۲۸۷، ماجدیة)

(۵) وکذا یقال فیمن اختل عقله لکبر او لمرض اولمصیبة فاجاته، فمادام فی حال غلبة الخلل فی الاقوال والافعال لا تعتبر اقواله وان کان یعلمها ویریدها، لان هذه المعرفة والارادة غیر معتبرة لعدم حصولها عن ادراك صحیح کما لا تعتبر من الصبی العاقل۔ (رد المحتار، کتاب الطلاق، ۳/۲۴۴، سعید)

(۶) لایجوز نکاح احد علی بالغة فان فعل ذلك فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل۔ (الهندیة، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الاولیاء ۱/۲۸۷، ماجدیة)

عورت کا کسی کو اپنا اختیار دینا

(سوال) زن بالغہ باکرہ بر ضا ور غبت خویش تحریر اختیار نفس خود دادہ باشد مگر بریں تحریر گواہ کسی نباشد و بر سیدن رقعہ ایجاب آں شخص مذکور روبروے دو گواہان عاقل بالغ حر قبول کند و گواہان را بر آں تحریر اعتماد ست کہ ایں تحریر از دست فلاں مذکورہ مسماۃ آمدہ است دریں صورت نکاح شرعی منعقد شود یا نہ۔

(ترجمہ) ایک بالغہ باکرہ عورت نے برضاء ورغبت خود اپنے نفس کا اختیار تحریرا دوسرے کو دیا۔ مگر اس تحریر پر کسی کی گواہی نہیں ہے۔ اس رقعہ ایجاب کے پہنچنے پر اس شخص مذکور نے دو عاقل بالغ آزاد گواہوں کے سامنے قبول کیا۔ ان دو گواہوں کو اس تحریر پر اعتماد اور وثوق ہے کہ یہ تحریر فلاں عورت کی ہے۔ اس صورت میں شرعاً نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۶۴ حکیم عبدالعزیز صاحب (لائل پور) ۱۱ جمادی الاول سن ۱۳۵۷ھ م ۱۰ جولائی سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۶) ایں مسئلہ صور مختلفہ دارد۔ عبارت تحریر زن چہ بود و آں تحریر بطور توکیل بود یا بطور ایجاب بود و در مجلس عقد روبروئے گواہاں خواندہ شد یا نہ و حکم ہر صورت جدا ست پس مناسب ایں است کہ از عالمے کہ دراں جا موجود باشد حکم دریافت کنند۔

(ترجمہ) اس واقعہ کے متعلق مختلف سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ عورت کی تحریر کی عبارت کیا تھی؟ اور وہ تحریر بطور توکیل کے تھی یا بطور ایجاب کے؟ اور مجلس عقد میں گواہوں کے سامنے پڑھی گئی یا نہیں؟ اور حکم ہر صورت کا جدا ہے۔ پس مناسب یہ ہے کہ آپ کسی مقامی عالم سے واقعہ بیان کر کے حکم دریافت کر لیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

بیوہ بالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں

(سوال) ایک عورت بیوہ بالغہ کا نکاح بلا مرضی ہوئی بالکل رضامند نہ تھی۔ جبراً اس کا نکاح کر دیا گیا۔ بیوہ نے اپنے نفس کا اختیار نہیں دیا۔ یہاں تک کہ جب عورت کو نکاح کی خبر پہنچی تو فوراً کہنے لگی کہ جس کے ساتھ میرا نکاح ہوا ہے وہ تو میرا بیٹا ہے میں ہرگز رضامند نہیں ہوں۔ اب تک انکار کر رہی ہے۔ آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۰۸۹ عبدالغفور دہلی۔ ۲ شوال سن ۱۳۵۶ھ م ۶ دسمبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۷) اگر واقعات مندرجہ بالا صحیح ہیں تو نکاح نہیں ہوا(۱) اور عورت مذکورہ اپنی مرضی کے مطابق دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(جواب دیگر ۵۸) (از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۲۲ ستمبر سن ۱۹۲۵ء) اگر بیوہ بالغہ کا نکاح اس کی رضامندی حاصل کئے بغیر کر دیا جائے مگر نکاح کی خبر پانے پر وہ رضامندی دے دے تو نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

---

(۱) لایجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنہا بکراً کانت او ثیباً فان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتہا فان اجازتہ جاز وان ردتہ بطل . کذا فی السراج الوہاج ۔(الہندیۃ، کتاب النکاح، الباب الرابع ۱ /۲۸۷، ماجدیۃ)

(۲) ایضاً

فضولی کے نکاح کرنے کے بعد عورت نے اپنا نکاح دوسری جگہ کر لیا، کیا حکم ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۸ انومبر سن ۱۹۲۶ء)

(سوال) زید نے ہندہ بالغہ کا نکاح اس کی رضامندی کے خلاف ایک مجلس میں کر دیا۔ بعد خبر ہونے کے ہندہ نے اسی وقت اپنا نکاح دوسری مجلس میں کر لیا۔

(جواب ۵۹) بالغہ کا نکاح بغیر اس کی رضامندی اور اجازت کے نہیں ہو سکتا۔(۱) ہندہ نے اگر پہلے نکاح کی خبر سن کر فوراً اپنی ناراضگی کا اظہار کر دیا ہو اور بعد میں دوسرا کر لیا تو دوسرا نکاح صحیح ہو گیا۔(۲)

فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ،

لڑکی والدین کی عزت کی خاطر نکاح پر خاموش رہنے کے بعد سسرال جانے سے انکار کرے تو کیا حکم ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ اکتوبر سن ۱۹۳۱ء)

(سوال) عرصہ تقریباً ایک سال کا ہوا کہ ہندہ کا نکاح اس کے والد کی رضامندی سے ہو گیا تھا۔ حالانکہ شرعاً لڑکی کو اپنی رائے کا اظہار کرنے میں کوئی مانع نہیں۔ مگر چونکہ ہندوستان میں یہ دستور عام ہو گیا ہے کہ لڑکی کو اس وقت اپنے والدین کی عزت کا خیال کرتے ہوئے مجبوراً خاموشی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ لڑکی کی عمر اس وقت بیس سال کی ہے اور جن صاحب سے نکاح ہوا ان کی عمر پچاس سال ہے۔ لڑکی کے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ ابھی محض نکاح ہی کی رسم ادا ہوئی ہے رخصتی نہیں ہوئی۔ لڑکی سسرال جانے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوتی اور شوہر طلاق دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ حالانکہ لڑکی کے رشتہ دار لڑکی کے شوہر سے کوئی مہر وغیرہ طلب نہیں کرتے۔

(جواب ۶۰) اگر نکاح کے وقت لڑکی بالغہ تھی اور اس نے نکاح سے نارضامندی کا اظہار کر دیا تھا اور خاوند کے یہاں گئی بھی نہ ہو اور زفاف نہ ہوا ہو تو یہ نکاح ہی نہیں ہوا۔(۳) لیکن اگر لڑکی نے اذن دے دیا ہو اور زفاف ہو چکا ہو تو اب لڑکی کا انکار مفید نہیں۔(۴) اب علیحدگی کی صورت طلاق یا خلع ہے۔ اگر خاوند طلاق نہیں دیتا تو خلع کی صورت کرنی چاہئے۔ یعنی مہر معاف کر کے یا اور بھی کچھ رقم دے کر طلاق لی جائے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

---

(۱) لا يجوز نكاح احد على بالغة صحيحة العقل من اب او سلطان بغير اذنها بكرا كانت او ثيبا۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع، ۱: ۲۸۷، ماجدية)

(۲) فان فعل ذلك فالنكاح موقوف على اجازتها، فان اجازته جاز وان ردته بطل۔ (ايضاً)

(۳) بالغة زوجها ابو ها فبلغها الخبر فقالت لا اريد او قالت لا اريد فلانا فالمختار انه يكون ردا في الوجهين (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع، ۱: ۲۸۸، ماجدية)

(۴) ولو كانت البكر قد دخل بها زوجها ثم قالت لم ارض لم تصدق على ذلك وكان تمكينها اياه من الدخول بها رضا الا اذا دخل بها وهي مكرهة۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الاولياء، ۱: ۲۸۹، ماجدية)

چوتھا باب

ولایت اور خیار بلوغ

پرورش سے حق ولایت حاصل نہیں ہوتا

(سوال) ہندہ کو ایک عورت اور اسکے شوہر نے حالت یتیمی میں چھ سات برس کی عمر سے بوجہ نہ ہونے ماں باپ کے پرورش کیا۔ جب ہندہ کی عمر بارہ برس کی یا کچھ زیادہ کی ہو گئی تو ایک شخص نے اپنی وکالت سے نکاح کر دیا اور رخصت نہیں کیا۔ اقرار بالغ ہو جانے کا کیا۔ بعد میں اس شخص کے فعل لڑکی کے مصنوعی ماں باپ کو بھی معلوم ہوئے کہ لڑکا چور ہے۔ علاوہ ازیں جو کچھ اس کے متعلق فعل ہیں سب کرتا ہے۔ اب ہندہ بالغ ہوئی ہے اور اس کو وہ نکاح جو کہ مصنوعی ماں باپ نے کیا ہے منظور نہیں ہے۔ آیا وہ نکاح عنداللہ وعندالرسول فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب)(از مولوی محمد ابراہیم دہلوی) صورت مذکورہ میں ہندہ کو اختیار فسخ نکاح حاصل ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ وہ معاً بلوغ یعنی ایام شروع ہوتے ہی دو گواہوں کے سامنے کہے کہ میں نے اپنے اس نکاح کو فسخ کر دیا۔ پس یہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔(۱) اور بہتر یہ ہے کہ اس فتوے کو حاکم وقت کے ہاں پیش کر کے تصدیق کرالے تاکہ شوہر کو کوئی فساد کا موقع نہ رہے۔ محمد ابراہیم

(جواب ۶۱)(از حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ) ھوالموفق۔ سوال سے ظاہر ہے کہ ہندہ کو ایسے شخصوں نے پالا جو اس کے ساتھ کوئی تعلق نسبتی نہیں رکھتے۔ نیز سائل سے معلوم ہوا کہ ہندہ کا کوئی ولی نسبتی موجود نہیں ہے نہ قریب نہ بعید۔ ایسی حالت میں ہندہ کا نکاح یا تو بعد بلوغ خود ہندہ(۲) کی اجازت سے یا قاضی شرعی کی اجازت سے صحیح ہو سکتا تھا۔(۳) یہ لوگ جنہوں نے نکاح کیا ہے محض فضولی(۴) ہیں اور ہندہ بوقت نکاح خود نابالغ تھی اور فضولی کا کیا ہوا نکاح اس وقت موقوف ہوتا ہے جب کہ کوئی مجیز یعنی کوئی نافذ کرنے والا عقد کے وقت موجود ہو اور صورت سوال میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں مجیز عقد یا تو خود ہندہ ہو سکتی تھی (اگر بالغ ہوتی) یا قاضی شرعی۔ لیکن ہندہ نابالغ ہے اور قاضی شرعی ہندوستان میں موجود نہیں۔ لہذا یہ نکاح باطل ہے۔ منعقد ہی نہیں ہوا۔ فسخ کرنے کرانے کی ضرورت ہی نہیں۔ وما لا مجيز له اى ماليس له من يقدر على الا جازة يبطل كما اذا كانت تحته حرة فزوجه الفضولي امة اواخت امر اته اوخامسة او زوجة معتدة او مجنونة او صغيرة يتيمة في دارالحرب اواذا لم يكن سلطان ولا قاض لعدم من يقدر على الا مضاء حالة العقد فوقع باطلاً انتهى۔(۱)(ردالمحتار نقلا عن الفتح) محمد کفایت اللہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

فسق ولایت سے مانع نہیں

(سوال) ایک شخص تھا اس کی ایک لڑکی ہے اور ایک لڑکا۔ لڑکے کی عمر ۲۵ سال کی ہے اور لڑکی کی عمر ۱۷۔۱۸ برس

---

(۱) فان زوجها غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ ان شاء قام على النكاح وان شاء فسخ (الهداية ، كتاب النكاح ،باب في الاولياء، ۲ /۲۱۷ ،شركة علمية)

(۲) صغيرة زوجت نفسها ولا ولى ولا حاكم ... توقف ونفذ باجاز تها بعد بلو غها (الدرالمختار ، باب الولى ، ۳ / ۸۰ ، سعيد)

(۳) واذا عدم الا ولياء فالولا ية الى الا مام والحاكم لقوله عليه السلام : "السلطان ولى من لاولى له " (الهداية ، باب في الاولياء ، ۲ /۳۱۹ شركة علمية)

(۴) ولو كان الصغير والصغيرة في حجر رجل يعولها كالملتقط ونحوه فانه لا يملك تزويجهما ۔(الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع، ۱ /۲۸۴ ،ماجدية)

کی ہے۔ان دونوں کی شادی ہو چکی ہے۔ پھر اس شخص نے دوسرا نکاح کیا تھا اس سے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا چھوڑ کروہ شخص مر گیا۔اب اس شخص کی بیوی نے دوسرا شوہر کر لیا۔ان تین لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کی عمر ۱۴سال کی ہے اور دوسری ۱۱۔ ۱۲سال کی ہے۔ تیسری ٦۔ ۷ برس کی ہے۔ چوتھا لڑکا قریب ۳ سال کا ہو کر مر گیا۔ چچا اور بھائی بچوں کا شرابی کبابی ہے۔ اور بچوں کی دادی بھی موجود ہے۔اب جو لڑکی چودہ برس کی ہے اس کا نکاح سوتیلا باپ یا ماں اور کوئی رشتہ دار مثلاً نانی وغیرہ کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(جواب ٦۲) نابالغوں کے نکاح کی ولایت بھائی کو اس کے بعد چچا کو ہے۔ان کا شرابی کبابی ہونا مانع ولایت نہیں۔ واقرب الا ولیاء الی المراء ة الابن ثم ابن الا بن وان سفل ثم الا ب ثم الجدابوا لا ب وان علا کذافی المحیط ثم الا خ لاب وام ثم الاخ لاب الخ انتہیٰ مختصراً (ھندیه)(۲)والفسق لا یمنع الولایة کذا فی فتاوی قاضی خان (ھندیة)(۳)پس سوتیلا باپ یا اور کوئی ان نابالغوں کا نکاح نہیں کر سکتا۔ ولو کان الصغیر او الصغیرة فی حجر رجل یعولھما کا لملتقط ونحوہ فانه لا یملك تزویجھما کذا فی فتاوی قاضی خان (ھندیة)(۴)

فاتر العقل باپ کو نابالغ اولاد پر ولایت نہیں

(سوال)کیا باپ فاتر العقل و مخبوط الحواس ہے۔اس کی ولایت نکاح کے بارے میں اس کی لڑکی نابالغہ کے متعلق صحیح ہے یا نہیں۔ لڑکی نے بالغ ہو کر اس تعلق سے نارضامندی ظاہر کی تو اس کے متعلق کیا حکم ہے۔اگر خاموش رہی تو اس کے متعلق کیا حکم ہے۔باپ نے ہوش و حواس میں آنے کے بعد اس عقد سے اختلاف کیا ہو تو اس کے متعلق کیا حکم ہے۔اگر اختلاف نہ کیا ہو تو اس کے متعلق کیا حکم ہے۔اگر ہوش میں آنے کے بعد تھوڑے عرصے تک کچھ اختلاف نہ کیا ہو اور بعد میں غیر کفو ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اختلاف کیا ہو تو اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ نکاح فاصلہ بعید پر ہوا اور اس حالت میں کہ لڑکی کو یا اس کی والدہ کو کچھ اطلاع نہیں۔ نکاح کے وقت لڑکی کا چچا موجود تھا جو صحیح المزاج تھا۔

(جواب ٦۳) فاتر العقل اور مخبوط الحواس والد کی ولایت نابالغ اولاد کے حق میں صحیح نہیں۔ واذا جن الولی جنونا مطبقا تزول ولا یته وان کان یجن ویفیق لا تزول ولا یته وتنفذ تصرفاته فی حالة الافاقة کذافی الذخیرة (ھندیہ ج۱ص ۳۰۲)(۵)جب کہ والد کی ولایت صحیح نہیں اور چچا کی ولایت سے نکاح ہوا تو بعد بلوغ فوراً لڑکی کے انکار سے نکاح فسخ ہو جائے گا۔لیکن حکم حاکم مجاز شرط ہے۔وان زو جھما غیر الاب والجد فلکل واحد منھما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ ویشترط فیه القضاء انتہیٰ مختصر ا (ھندیہ ج۱ص ۳۰۴) (٦)اور اگر چپ رہی تو اس کا یہ اختیار باطل ہو جائے گا۔ ویبطل ھذا الخیار فی جانبھا بالسکوت اذا کانت بکرا

(۱)رد المحتار ، کتاب النکاح ، باب الکفارة،۳/ ۹۸،سعید
(۲)الھندیة ، کتاب النکاح ، الباب الرابع فی الاو لیاء ،۱/ ۲۸۳،ماجدیة
(۳)الھندیة ، کتاب النکاح ، الباب الرابع،۱/ ۲۸۴،ماجدیة
(۴)ایضاً
(۵)الھندیة، کتاب النکاح ، الباب الرابع فی الا ولیاء ،۱/ ۲۸۴،ماجدیة
(٦)الھندیة ، النکاح، الباب الرابع ،۱/ ۲۸۵،ماجدیة

ولا يمتد الى اخر المجلس حتى لو سكتت كما بلغت وهى بكر بطل الخيار (ھندیہ(۱)ج ا ص ۳۰۴) جب کہ باپ کی ولایت صحیح نہیں تو اس کا اختلاف کسی اعتبار سے ہو معتبر نہیں۔ ويبطل ولاية الا بعد بمجئى الا قرب لا ماعقده لانه حصل بولاية تامة كذا فى التبيين (ھندیہ(۲)ج ا ص ۳۰۲) اگر نکاح اتنے فاصلے پر ہو کہ وہ مسافت منقطعہ ہو تو نکاح نہیں ہوا۔ وذكر فى البدائع اختلاف المشائخ فيه وذكر ان الا صح القول بزوالها وانتقالها للابعد (ردالمختار(۳)ج ۲ ص ۳۴۱)

بھائی کی رضامندی کے بغیر نابالغہ لڑکی کا نکاح والدہ کر دے تو وہ منعقد نہیں ہوتا

(سوال) محمود کی بیوہ کی دو اولادیں ہیں۔ لڑکا باسم بشیر اور لڑکی باسم زہرہ۔ بیوہ محمود نے بلا شرکت خویش واقارب محمود اپنی دختر یعنی زہرہ کا کہ اس کی عمر اس وقت گیارہ سال کی تھی زید بالغ کے ہمراہ نکاح کر دیا۔ اس کے برادر حقیقی یعنی بشیر کی مرضی نہ تھی۔ وہ ناراض ہو کر ریاست جے پور چلا گیا اور تاہنوز وہیں ہے۔ لڑکی کا عقد کئے ہوئے عرصہ ساڑھے تین سال کا گزرا۔ اور لڑکی یعنی زہرہ اپنی والدہ کے کئے ہوئے نکاح سے ناخوش ہے اور اس شوہر کے ساتھ بسر کرنا نہیں چاہتی۔ اب سن بلوغ کو پہنچ کر اس نکاح کو جو بحالت نابالغی ہوا تھا فسخ کرنا چاہتی ہے اور نکاح ثانی کی خواہش رکھتی ہے۔

(جواب ٦٤) صورت مسئولہ میں چونکہ زہرہ خود نابالغ تھی اس لئے اس کے نکاح کا اختیار اس کے بھائی بشیر کو تھا اگر وہ بالغ ہو۔ ماں کا کیا ہوا نکاح اس وقت صحیح ہو سکتا تھا جب کہ زہرہ کا بھائی بشیر اجازت دے دیتا۔ لیکن چونکہ وہ اس نکاح سے ناخوش تھا اور اسی ناراضی کی وجہ سے جے پور چلا گیا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے لہذا یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا زہرہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ وان زوج الصغير ابعد الا ولياء فان كان الا قرب حاضراً وهو من اهل الولاية توقف نكاح الا بعد على اجازته (۴)(ھندیہ ج ا ص ۳۰۳) اور اگر بشیر نے بوقت نکاح اجازت دے دی ہوتی یا بعد نکاح رضامندی ظاہر کر دی ہوتی تو نکاح ہو جاتا لیکن پھر بھی زہرہ کو بوقت بلوغ اس نکاح کے فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہوتا۔ لیکن فسخ کے لئے حکم حاکم مجاز کی ضرورت ہے۔ وان زوجهما غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النكاح وان شاء فسخ (ھندیہ(۵)ج ا ص ۳۰۴)

ولی اقرب کی عدم موجودگی میں پھوپھی نے نابالغہ کا نکاح کر دیا، شوہر مفقود ہے، کیا کیا جائے؟

(سوال) ہندہ کی شادی ہندہ کی پھوپھی نے بلا موجودگی والد ہندہ بعمر تخمیناً ۱۱۔ ۱۲ سال بغیر اجازت والد ہندہ کے کر دی تھی اور وہ شخص جس کے ہمراہ ہندہ کی شادی کر دی تھی عرصہ تخمیناً ۹۔ ۱۰ سال سے مفقود الخبر ہے۔ ہر چند اس کی تلاش کی گئی مگر آج تک کوئی نشان نہیں ملا۔ اور ہندہ اب بالغ ہو گئی ہے زمانے کے اعتبار سے ہر وقت خطرہ ہے۔ ہندہ کی شادی دوسری ہو سکتی یا نہیں یا ہندہ اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟

(جواب ٦٥) اگر والد ہندہ کی موجودگی میں ہندہ کا نکاح اس کی پھوپھی نے کیا تھا اور ہندہ کے والد نے اس کی تم

(۱) الهندية، النكاح، الباب الرابع، ۱ / ۲۸٦، ماجدية
(۲) الهندية، النكاح، الباب الرابع، ۱ / ۲۸۵، ماجدية
(۳) رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولى، ۳ / ۸۲، سعيد
(۴) الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع فى الاولياء، ۱ / ۲۸۵، ماجدية
(۵) ايضاً

ہونے پر ناراضی ظاہر کر دی تھی تو نکاح ہی باطل ہو گیا۔ فلو زوج الا بعد حال قیام الا قرب توقف علی اجازتہ(۱) (در مختار) لیکن اگر والد نے اس نکاح پر رضامندی ظاہر کر دی ہو تو نکاح صحیح ہو گیا مگر چونکہ خاوند ۹۔۱۰ برس سے مفقود الخبر ہے اور ہندہ کو دوسرے نکاح کی حاجت ہے اس لئے موافق فتویٰ متاخرین حنفیہ کے اس کو جائز ہے کہ حاکم مجاز سے خاوند کی موت کا حکم حاصل کر کے عدت وفات پوری کرے اور پھر جہاں چاہے نکاح کر لے۔(۲)

خسر کو ولایت نکاح حاصل نہیں

(سوال) مسماۃ مریم کا خاوند فوت ہو گیا۔ اب اس کا خسر چاہتا ہے کہ مریم کا نکاح اپنے دوسرے بیٹے سے کر لوں مگر مریم کا دادا تمام خویش و اقارب اس نکاح سے ناراض ہیں اور چاہتے ہیں کہ مریم کا نکاح ہم اپنی مرضی کے موافق کریں گے۔ سو دریافت طلب یہ امر ہے کہ مریم کا نکاح طرز مذکور سے درست ہے یا نہیں اور مریم کا خسر در حالت نابالغی مریم اس پر جبر نکاح کر سکتا ہے؟ نیز در حالت بلوغ کیا حکم ہے۔ مریم کو در حالت بلوغ اپنے نکاح کا اختیار ہے یا اس کے خسر یا دادا کو؟

(جواب ٦٦) اگر مریم اب تک نابالغہ ہے تو اس کے نکاح کا اختیار اس کے دادا کو ہے۔(۳) بغیر اجازت دادا کے اس کا نکاح صحیح نہیں۔ جب کہ مریم کا باپ زندہ موجود نہ ہو۔ اگر باپ موجود ہو تو باپ کو اختیار ہے اور اگر مریم بالغہ ہو تو خود اس کی اجازت سے اس کا نکاح جہاں وہ چاہے ہو سکتا ہے۔(۴) بہر حال خسر کو مریم کے نکاح کا کوئی اختیار نہیں۔ والولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتیب الا رث والحجب الخ (در مختار مختصرا) (۵)

وعدہ پورا نہ کرنے سے نکاح باطل نہیں ہوتا

(سوال) مسماۃ ہندہ کا نکاح بہ حالت نابالغی بولایت اس کے والد کے ہمراہ زید نابالغ بولایت اس کے نانا کے ہوا۔ اور وقت نکاح شرائط ذیل قرار پائیں :-

(۱) مہر معجل بہ تعداد دو ہزار روپیہ نقد بر وقت ادا کیا جائے گا۔

(۲) شہر جے پور میں دکانات مالیتی ڈھائی ہزار روپیہ جن کے کرایہ کو ہندہ علاوہ نان و نفقہ کے دیگر ذاتی مصارف میں لے سکتی ہے خرید کر دی جائیں گی۔ زید کو ان کے بیع و رہن کا اختیار نہ ہوگا۔

(۳) ایک مکان قیمتی دو ہزار روپیہ ہندہ و زید کی بود و باش کے واسطے جے پور میں خرید کیا جائے گا۔ یہ بھی ملک ہندہ کا ہی سمجھا جائے گا۔

---

(۱) الدر المختار ، كتاب النكاح ، باب الولي ، ۳/ ۸۱ ، سعيد

(۲) بعض متاخرین احناف نے تو ضرورت کی بناء پر چار سال کے بعد کسی مالکی قاضی سے فسخ نکاح کا فتویٰ دیا ہے اور اگر کوئی مالکی میسر نہ ہو تو امام مالک کے مذہب پر فتویٰ دینا جائز قرار دیا ہے۔

ولا يفرق بينه وبينها ولو بعد مضى اربع سنين خلافا لما لك (الدر المختار) وفي الرد : (خلافا لما لك) فان عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضى اربع سنين وهو مذهب الشافعي القديم ، واما الميراث فمذ هبهما كمذهبنا في التقدير تسعين سنة ، او الرجوع الى راى الحاكم وقد قال في البزازية: الفتوى في زماننا على قول مالك . وقال الزاهدى كان بعض اصحابنا يفتون به للضرورة ، واعترضه في النهر وغيره بانه لا داعى الى الافتاء بمذهب الغير لامكان الترافع الى مالكي يحكم بمذهبه . وعلى ذلك مشى ابن وهبان في منظو منه هناك ، لكن قدمنا ان الكلام عند تحقق الضرورة حيث لم يوجد مالكي يحكم به۔(رد المحتار کتاب المفقود، ۴/ ۲۹۵۔۲۹۶، سعید)

(۳) وللولي انكاح الصغير والصغيرة۔(الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۶۴، سعید)

(۴) وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها۔(الهداية، باب في الاولياء، ۲/ ۳۱۳، شركة علمية)

(۵) الدر المختار ، كتاب النكاح ، باب الولي ، ۳/ ۷۶ ، سعيد

(۴) ہم سب لوگ مع اہل و عیال سکونت اجمیر ترک کر کے یہاں جے پور میں رہا کریں گے۔
شرط اول کا ایفاء اس طور سے ہوا کہ بجائے دو ہزار نقد کے زیور جو بوقت نکاح دو ہزار کا بیان کیا گیا تھا بعد کا پندرہ سو کا نکلا۔ امانتاً رکھا جا کر یہ اقرار کیا گیا کہ ایک ماہ کے بعد روپیہ دے کر زیور لے لیا جائے گا۔ جس کا ایفا بوجہ اس کے کہ زیور تعداد مہر سے کم تھا نہیں کیا گیا۔ باقی ہر سہ شرائط کا ایفاء مدت ایک سال بدین شرط کہ اگر مدت المعینہ میں شرائط مذکورہ بالا کا ایفا نہ ہووے تو مسماۃ کو طلاق مطلق اور جو زیور امانتاً بعوض مہر رکھا گیا ہے اس سے بھی کچھ دعویٰ نہ ہوگا۔ چنانچہ اس کو دو سال گزر گئے۔ آج تک ولی زید کی جانب سے نہ تو شرائط کا ایفا ہوا اور نہ اس مدت میں ولی زید کی طرف سے کوئی مراسم رشتہ داری ظہور میں آئیں۔ اب ہندہ بالغہ ہے اور والدین کے گھر میں مقیم ہے اور اپنے شوہر کے یہاں جانے سے ناراضگی ظاہر کرتی ہے۔ ایسی صورت میں مسماۃ ہندہ کو بوجہ نہ ہونے ایفائے شرائط طلاق ہوئی یا نہیں اور وقت بلوغ ناراضی ظاہر کرنے سے نکاح فسخ ہو گیا یا نہیں؟

(جواب ۶۷) زید نابالغ کا نکاح جو اس کے نانا نے کیا ہے اگر نانا سے زیادہ قریب کا ولی کوئی موجود نہ ہو اور نکاح میں جو مہر قرار پایا ہے (یعنی دو ہزار نقد ڈھائی ہزار کی دکانیں دو ہزار کا مکان) اس میں غبن فاحش نہ ہو تو یہ نکاح صحیح ہو لیکن ورنہ اگر کوئی ولی قریب موجود ہو تو اس کی اجازت پر موقوف ہے اور اگر مہر میں غبن فاحش ہو تو نکاح باطل ہے۔ زوج الا بعد حال قیام الا قرب تو قف علی اجازته (در مختار)(۱) وان کان المزوج غیر هما ای غیر الاب وابیه ولو الام او القاضی او وکیل الاب لا یصح النکاح من غیر کفوا و بغبن فاحش اصلا (در مختار مختصرا)(۲) پھر بر تقدیر صحت نکاح ہندہ کو چونکہ اس کے والد نے اس کا نکاح کیا ہے فسخ نکاح کا اختیار نہیں۔ فان زوجهما (ای الصغیر والصغیرة) الاب والجد فلا خیار لهما بعد بلوغهما الخ (هندیه)(۳) اور نہ زید کے نانا وغیرہ کے کہنے سے طلاق پڑ سکتی ہے۔ طلاق کا اختیار خود زوج کو ہے۔(۴) اور بچے کی طلاق قبل از بلوغ نافذ نہیں ہوتی۔ ولا طلاق الصبی وان کان یعقل الخ (هندیه)(۵) اسی طرح تعلیق نانا کی طرف سے غیر معتبر ہے۔ پس صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت نکاح زید کے بالغ ہونے تک طلاق کی کوئی صورت نہیں۔
پہلی تین شرطیں صحیح لازم ہیں۔ اور دوسری تیسری شرط کی رقم بھی منجملہ مہر سمجھی جائے گی۔ چوتھی شرط قضاء لازم نہیں۔ رہا مطالبہ ایفائے شرط تو اگر زید کا نانا ضامن بھی ہوا تو اس سے اولیائے ہندہ کو دیانۃً و قضاءً مطالبہ کا حق ہے اور ضامن نہ ہوا ہو تو صرف دیانۃً مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ ولا یطالب الاب بمهر ابنه الصغیر الفقیر اذا زوجه امرأة الا اذا ضمنه علی المعتمد (در مختار (۶) مختصراً ج ۲ ص ۳۶۶) بخلاف الوصی فانه یرجع لعدم العادة فی تبرعه فصار کبقیة الا ولیاء غیر الا ب (ردالمحتار ج ۲ ص ۳۶۷)(۷) وانت خبیر بان هذه المذکورات تعتبر فی العرف علی وجه اللزوم علی انها من جملة المهر غیر ان المهر منه مایسرح

---

(۱) الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۸۱، سعید
(۲) الدر المختار، النکاح ۱، باب الولی، ۳/ ۶۸-۶۹، سعید
(۳) الهندیة، کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۵، ماجدیة
(۴) (واهله زوج عاقل) احترز بالزوج عن سید العبد و والد الصغیر۔ (ردالمحتار کتاب الطلاق، ۳/ ۲۳۰، سعید)
(۵) الهندیة، کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه و فیمن لا یقع، ۱/ ۳۵۳، ماجدیة
(۶) الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر، ۳/ ۱۳۱، سعید
(۷) ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المهر، ۳/ ۱۳۲، سعید

بكونه مهر منه ما يسكت عنه بناء على انه معروف لابد من تسليمه بدليل انه عند عدم ارادة تسليمه لابد من اشتراط نفيه اوتسمية ما يقابله كما مرفهو بمنزلة المشروط لفظا فلا يصح جعله عدة وتبرعا (ردالمحتار (۱) ج ۳ ص ۱۵۰-۱۵۳)

تایا نے اپنے ذاتی فائدہ کے لئے نابالغہ کا نکاح کردیا کیا حکم ہے؟

(سوال) ایک دختر نابالغہ کا جس کا باپ زندہ نہیں ہے اس کے تایا نے بغرض اپنے ذاتی فائدہ کے بلا رضا مندی والدہ نابالغہ ودیگر رشتہ داران کے نکاح کردیا ہے اور مال نابالغہ اپنے قبضہ میں کیا ہے۔ شرعاً یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

(جواب ۶۸) نابالغہ کے نکاح کی ولایت باپ نہ ہو تو چچا تایا کو ہے۔(۲) صورت مسئولہ میں تایا کا کیا ہوا نکاح صحیح ہے تاوقتیکہ یہ کہ نکاح غبن فاحش یا غیر کفو کے ساتھ ہونا ثابت نہ ہو اس نکاح پر عدم جواز کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔(۳)

نابالغہ کے مال کی ولایت چچا کو حاصل نہیں ہے۔ پس اگر خاندان کے بڑے اور معتبر لوگ چچا پر اعتماد رکھتے ہوں تو اسے امین بنادیں اور نہیں تو نابالغہ کا مال کسی دوسرے امین کی تحویل میں دے دیں۔(۴)

باپ نابالغہ کا نکاح کردے تو خلاصی کے لئے طلاق ضروری ہے

(سوال) صورت اذا عضل اولی الاقرب تنتقل الولاية الى الابعد کے متعلق چند سوال ہیں :-

(۱) کفو جب کہ مہر مثل پر پیام دے تو کیا ولی اقرب صغیرہ کو اقرار کرنا ضروری ہے۔ اگر نہ کرے گا تو ظلم علی الصغیرہ لازم آئے گا اور عاضل قرار پائے گا اور کیا مطلق امتناع صورت مذکورہ میں عضل ہے؟ شامی و درمختار سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب کفو اور مہر مثل کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو اور ظلم علی الصغیرہ لازم آتا ہو اس وقت امتناع عضل ہوگا۔ پس اگر کفو اور مہر مثل فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور اچھے حسب منشا پیام کا منتظر ہو اور اس وجہ سے انکار کرے جیسا کہ مروج ہے تو کیا عضل ہوگا؟

(۲) کفو صغیرہ نے ولی اقرب کو پیام دیا اور مہر کا کچھ تذکرہ نہیں کیا (کیونکہ دستور ہے کہ مہر اقرار کرنے کے بعد قرار پاتا ہے۔ اول ہی پیام کے ساتھ ذکر نہیں کرتے) ولی اقرب نے انکار کردیا تو کیا یہ عضل ہوگا؟ ذکر مہر عضل کے لئے ضروری ہے یا نہیں؟

(۳) عضل میں امتناع ولی کا صراحۃً ہونا چاہئے یا اگر قرائن سے معلوم ہو جائے کہ یہ بھی انکار کرے گا اور وہ بھی تو ایسی صورت میں ولی ابعد کو ان کے بغیر کہے سے حق تزویج حاصل ہو گا یا نہیں؟

(۴) عضل کی صورتوں میں ولایت قاضی کی طرف منتقل ہوگی یا دیگر اولیاء کی طرف؟ مفتی بہ کیا ہے؟ اور یہاں چونکہ قاضی نہیں ہے تو دیگر اولیا کی طرف ولایت منتقل ہوگی یا نہیں؟ اور اگر منتقل ہوگی تو علی الترتیب منتقل ہوگی۔ ولی جس کو حق حاصل ہے جب وہ عاضل ہو تو اس کے بعد کے ولی کی طرف منتقل اور اگر یہ بھی عاضل ہو تو اس سے

(۱) رد المحتار ، كتاب النكاح ، باب المهر ، ۳ / ۱۳۰ ، سعيد
(۲) ثم الاخ ثم العم (رد المحتار ، كتاب النكاح ، باب الولي ، ۳ / ۶۸ ، سعيد)
(۳) ہوتے ہوئے نابالغہ کو خیار بلوغ نہ ہوگا۔ قال في الدر : وان كان بكفء او بمهر المثل صح ولكن لهما اى للصغير والصغيرة خيار الفسخ بالبلوغ (الدر المختار ، كتاب النكاح ، باب الولي ، ۳ / ۶۹ ، سعيد)
(۴) الولاية في مال الصغير للاب ثم وصيه ثم وصي وصيه ولو بعد فلو مات الاب ولم يوص بالولاية لابي الاب (الى ان قال) وام ووصي الاخ والعم وسائر ذوى الارحام في شرح الاسبيجابي ان لهم بيع تركة الميت لدينه او وصيه

بعد ولی کی طرف منتقل۔ علی ہذا ثم و ثم۔یا درمیانی اولیا کی طرف علی السواء منتقل ہوگی یا بلحاظ تقدم و تاخر ہر ایک کو ولایت حاصل ہوگی۔یا صرف آخر درجہ کا جو ولی ہے اس کی طرف ؟

(۵) ولی اقرب صغیرہ میں اور ولی ابعد میں (جس کی ترتیب میں صغیرہ ہے) یا خود صغیرہ اور ولی اقرب میں میل جول نہ ہو یا مال وغیرہ کی وجہ سے آپس میں مخالفت و منازعت ہو تو کیا اس صورت میں بھی ولایت منتقل ہوگی ؟ بینوا توجروا

(جواب ۶۹)(۱) جب کہ خاطب کفو ہو اور مہر مثل پر راضی ہو تو اقرار بالنکاح ولی صغیرہ پر لازم ہے نصوص فقہیہ سے یہی ثابت ہوتا ہے اور فوت کفو سے مراد کفو خاطب حاضر کا فوت ہونا ہے۔ محض اسی برادری کے لوگوں کے موجود ہونے سے کام نہیں کیونکہ ایسی صورت تو نادر الوقوع ہے۔ جس میں ذات و برادری کے لوگ بھی موجود نہ ہوں۔ پھر اگر صرف ان کا موجود ہونا کافی ہوتا تو فقہا اس کی تصریح کر دیتے۔ لیکن عبارات فقہیہ سے اس کے خلاف کی تصریح مفہوم ہوتی ہے۔ غیبت منقطعہ کے مسئلے میں فوت کفو سے یہی مراد لی گئی ہے۔ اور ابعد کو کفو حاضر خاطب کے فوت ہو جانے کی صورت میں بوجہ اقرب کے غیبت منقطعہ پر غائب ہونے کے اجازت نکاح دے دی ہے۔ شامی میں مسئلہ غیبت میں کہا ہے۔ قال فی الذخیرۃ الاصح انہ اذا کان فی موضع لو انتظر حضورہ او استطلاع رایہ فات الکفو الذی حضر فالغیبۃ منقطع الخ وقال بعد ذلک لکن فیہ الثانی اعتبر فوات الکفو الذی حضر۔(۱) الخ۔ اور مسئلہ عضل میں بھی شامی نے بحر سے نقل کیا ہے۔ واذا امتنع عن تزویجھا من ھذا الخاطب الکفو یزوجھا من کفو غیرہ استظھر فی البحرانہ یکون عاضلا قال ولم ارہ وتبعہ المقدسی والشر نبلالی الی قولہ قلت وفیہ نظرلا نہ متی حضر الکفو الخاطب لا ینتظر غیرہ خوفا من فوتہ ولذا تنتقل الولایۃ الی الا بعد عندغیبۃ الا قرب کما مر۔(۲) ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ کفو حاضر خاطب کا فوت ہونا ہی موجب عضل ہے۔ہاں اگر دو خاطب ہوں اور دونوں کفو ہوں تو اول سے نکار کر دینا موجب عضل نہیں کیونکہ دوسرا موجود ہے۔ جیسا کہ شامی نے خود تصریح کر دی ہے۔(۳)

(۲) جبکہ کفو نے پیام دیا تو انکار کی کوئی وجہ نہیں اس لئے لازم ہے کہ اس سے مہر مثل طے کر لیا جائے۔ اگر وہ مہر مثل پر راضی ہو جائے تو ظاہر ہے کہ مقصود حاصل ہے اور انکار کی کوئی صورت نہیں رہی۔ اور اگر وہ مہر مثل پر راضی نہ ہو تو اب انکار کی ایک صورت پیدا ہو گئی اس وقت انکار کر دینا جائز ہے۔(۴)

(۳) جب تک کہ اقرب کا عضل متحقق نہ ہو ابعد کو کوئی اختیار تزویج حاصل نہ ہوگا۔ اور تحقق عضل انکار صریح یا اتنی دیر لگانے سے ثابت ہوگا جس میں خوف فوت کفو پیدا ہو جائے۔(۵)

(۴) عضل اقرب کی صورت میں قاضی کی طرف ولایت منتقل ہوگی یا اولیائے نسب کی طرف۔ اس میں روایات فقہیہ مختلف ہیں۔ شامی کے انداز کلام سے انتقال ولایت الی القاضی کی ترجیح معلوم ہوتی ہے اور

---

(۱) رد المحتار ، کتاب النکاح ، باب الولی ، ۳ / ۸۱، سعید
(۲) رد المحتار ، کتاب النکاح ، باب الولی ، ۳ / ۸۲، سعید
(۳) لو کان الکفء الآخر ایضا وامتنع الولی الا قرب من تزویجھا من الکفء ، الا ول لا یکون عاضلاً۔(رد المحتار، کتاب النکاح باب الولی، ۳ / ۸۲، سعید)
(۴) اما لو امتنع عن غیر الکفء او لکون المھر اقل من مھر المثل فلیس بعاضل۔ (رد المحتار، کتاب النکاح باب الولی، ۳ / ۸۲، سعید)
(۵) اعتبر فوات الکفء اللذی حضر وینبغی ان ینظر ھنا الی الکفء ان رضی بالا نتظار مدۃ یرجی فیھا ظھور الا قرب المختص لم یجز نکاح الا بعد والا جاز ۔(رد المحتار، کتاب النکاح باب الولی، ۳ / ۸۱، سعید)

در مختار نے اولیائے نسب کی طرف منتقل ہونا بیان کیا ہے اور اسے شرح وہبانیہ سے نقل کیا ہے۔ لیکن آج کل چونکہ قاضی شرعی نہیں ہے اس لئے اگر قاضی کی طرف منتقل ہونے کا فتویٰ دیا جائے تو دفع ظلم عن الصغیرہ کی کوئی صورت نہیں۔ لہذا میرے نزدیک اولیائے نسبی کی طرف ولایت کے منتقل ہونے کی روایت ہی قابل فتویٰ ہے اور انتقال اسی ترتیب سے ہوگا۔ جس ترتیب سے ان کی ولایت ہے جیسا کہ مسئلہ غیبت میں مصرح ہے۔(۱)

(۵) محض میل جول کا نہ ہونا انتقال ولایت کو مستلزم نہیں۔ ہاں اگر ولی اقرب سوء اختیار کے ساتھ معروف ہو یا صغیرہ کے حق میں اس کی عداوت یا بے پروائی یا اس کے فسق کی وجہ سے صغیرہ کی حق تلفی کا اندیشہ ہو تو ان صورتوں میں ولایت منتقل ہو جائے گی۔(۲) واللہ اعلم۔

ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ولی ابعد نے نکاح کر دیا، کیا حکم ہے؟

(سوال) ایک نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کے دادا نے کر دیا تھا کچھ دن گزر گئے۔ اب لڑکی کا باپ اس لڑکی کے نکاح کو رد کرتا ہے آیا یہ رد کرنے کا اختیارات حاصل ہے یا نہیں؟

(جواب ۷۰) دادا ولی ابعد ہے باپ ولی اقرب ہے۔ باپ کے ہوتے ہوئے دادا نے اگر نکاح کیا تھا تو وہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف تھا۔ فلو زوج الا بعد حال قیام الا قرب تو قف علی اجازته (در مختار)(۳) باپ کا سکوت قائم مقام اجازت کے نہیں ہے۔ بلکہ اجازت صراحتہ یا دلالتہ ہونی چاہئے۔ فلا یکون سکوته اجازة لنکاح الا بعد وان کان حاضرا فی مجلس العقد مالم یرض صریحا او دلالة (ردالمحتار)(۴) دلالت رضا میں طلب مہر طلب نفقہ وغیرہ داخل ہیں۔ ایسے ہدایا جو خاص طور پر بعد عقد بھیجے جاتے ہوں بھیجنا قبول کرنا دلالت رضا میں داخل ہوگا۔(۵)

واللہ اعلم

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ، سنہری مسجد دہلی

(الجواب صواب) بندہ محمد قاسم عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔
(الجواب صواب) بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی مہر دارالافتا۔

باپ نابالغہ کا نکاح کر دے تو خلاصی کے لئے طلاق ضروری ہے

(سوال) مسماۃ جنت کا نکاح بعمر ۱۲ سال بقیام ہوش و حواس اس کے باپ یوسف نے برضا و رغبت عزیز محمد صدیق کے ساتھ بعوض مہر شرعی ۴۵۰ کر دیا تھا۔ بارہ سال سے بیس بائیس تک مسماۃ مذکورہ نے صدیق کے نکاح سے کبھی نفرت و کراہت وغیرہ ظاہر نہیں کی۔ اور نہ اس کے باپ یوسف نے مسماۃ مذکورہ کو عزیز محمد صدیق کے ساتھ رخصت کرنے سے انکار کیا۔ عزیز محمد صدیق ایک دفعہ اپنی منکوحہ جنت کو یوسف کے پاس لینے کے لئے گیا تو یوسف

(۱) وللولی الا بعد التزویج بغیبة الا قرب۔(الدر المختار)
وفی الرد: المراد بالا بعد من یلی الغائب فی القرب فلو کان الغائب ابا ها ولها جدو عم فلو لا یة للجد لا للعم۔(رد المحتار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۸۱، سعید)
(۲) ان المانع هو کون الا ب مشهورا بسوء الا ختیار قبل العقد، فاذا لم یکن مشهوراً بذلك ثم زوج بنته من فاسق صح۔ (رد المحتار، النکاح، باب الولی، ۳/ ٦٧، سعید)
(۳) الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۸۱، سعید
(۴) ایضاً
(۵) وقبضه ... المهر ونحوه ممایدل علی الرضاء رضاء دلالة۔(الدر المختار باب المہر، ۳/ ۵۸، سعید)

نے کہا کہ جنت ابھی مولوی عبداللہ کے پاس قرآن پڑھ رہی ہے۔جب قرآن مجید پڑھ کے فارغ ہوگی تب تمہارے ہمراہ روانہ کروں گا۔ پھر کالا جو محمد صدیق کا باپ ہے یوسف کے پاس گیا تب یوسف نے کہا کہ میں نے تو جنت کا نکاح مولوی عبداللہ کے ساتھ کر دیا ہے جس نے اس کو قرآن پڑھایا ہے۔اور مولوی عبداللہ نے کہا کہ جنت کا نکاح میرے ساتھ بلا طلاق جائز و درست ہے۔ کیونکہ جنت نے پہلے نکاح سے انکار کر دیا ہے لہذا شرعاً نکاح سابق فسخ ہو گیا۔لہذا مندرجہ ذیل امور کا جواب مطلوب ہے :۔

(کیا نکاح ثانی شرعاً بلا طلاق درست ہے یا نہیں ؟(۲) کیا مدت مذکورہ کے بعد لڑکی کو خیار فسخ حاصل ہے۔(۳) کیا مولوی عبداللہ کا کہنا کہ جنت کا نکاح میرے ساتھ بلا طلاق درست ہے، صحیح ہے یا نہیں ؟(۴) کیا جنت بلا طلاق دوسرے کے لئے حلال ہو سکتی ہے ؟(۵) کیا مولوی مذکور نکاح پر نکاح کرنے سے شرعاً مسلمان رہا یا کافر ہو گیا ؟(۶) خیار فسخ زوجہ کو ہے یا زوج کو ؟(۷) مولوی مذکور کی اعانت وامداد کرنے اور جھوٹے مقدمات میں روپیہ پیسہ خرچ کرنے اور اس نکاح ثانی میں شہادت وغیرہ دینے والے کیسے ہیں ؟(۸) مولوی عبداللہ کے ساتھ میل جول کرنا مسلمانوں کو اور قوم لوڈان کو جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۹ کالا ولد کریم بخش قصبہ فاضلکا ضلع فیروز پور ۹ ربیع الثانی سن ۱۳۵۲ھ ۲ اگست سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۱)(۱) پہلا نکاح جو لڑکی کے باپ نے لڑکی کی بارہ سال کی عمر میں کیا تھا صحیح درست ہو چکا ہے۔(۱) اب اس لڑکی کا دوسرا نکاح بغیر اس کے کہ پہلا شوہر طلاق دے جائز نہیں ہو سکتا۔کیونکہ منکوحۃ الغیر کا نکاح اتفاقاً باطل ہے(۲) اور آیت والمحصنت من النساء (۳) کے خلاف ہے۔(۲) جب کہ نکاح لڑکی کے باپ نے کیا ہے تو لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں تھا۔(۴) اور جب کہ اس نے بائیس سال کی عمر تک نکاح سے نہ انکار کیا نہ ناراضگی ظاہر کی تو اب تو اختیار فسخ کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہا۔(۵)(۳) مولوی عبداللہ کا یہ قول باطل ہے جس کے لئے کتاب و سنت واقوال ائمہ میں کوئی دلیل نہیں۔(۴) جنت بغیر طلاق یا خلع دوسرے شوہر کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔(۵) تکفیر کرنی تو مشکل ہے(۶) البتہ وہ اس فعل کی وجہ سے سخت گناہگار اور فاسق ہے۔(۶) جن صورتوں میں کہ نابالغوں کو خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے ان میں زوجہ اور زوج کی تفریق نہیں ہے دونوں کو ہو سکتا ہے۔(۷) لیکن جب صغیر یا صغیرہ کے باپ نے نکاح کیا ہو تو اس صغیر یا صغیرہ کو خیار فسخ نہیں ہوتا اور جب بلوغ کے بعد معاً انکار نہ کرے تو خیار باطل ہو جاتا ہے۔اور بہر صورت خیار بلوغ میں نکاح صرف بالغ ہونے والے کے انکار سے فسخ نہیں ہو جاتا بلکہ قضائے

(۱) وللولی انکاح الصغیر و الصغیرة ... ولزم النکاح۔(الدر المختار، کتاب النکاح باب الولی، ۳ / ۶۵، سعید)
(۲) لایجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره (الهندیة، کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱ / ۲۸۰ ماجدیة۔
(۳) النساء : ۲۴
(۴) فان زوجهما الاب والجد ... فلا خیار لهما بعد بلوغهما۔(الهدایة، کتاب النکاح باب فی الاولیاء، ۲ / ۳۱۷، شرکة علمیة)
(۵) ویبطل هذا الخیار فی جانبها بالسکوت اذا کانت بکراً ولا یمتد الی آخر المجلس حتی لو سکتت کما بلغت وهی بکر بطل الخیار۔(الهندیة، کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱ / ۲۸۶، ماجدیة)
(۶) ویجب ان یعلم انه اذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر و وجه واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسیناً للظن بالمسلم ثم ان کانت نیة القائل الوجه الذی یمنع التکفیر فهو مسلم وان لم تکن له نیة حمل المفتی کلامه علی وجه لا یوجب التکفیر ویومر بالتوبة والاستغفار۔(التاتارخانیة، ۵ / ۴۵۸)
(۷) ولکن لهما ای لصغیر وصغیرة خیار الفسخ۔(الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳ / ۶۹، سعید)

قاضی سے ہوتا ہے۔(۱)(۷) شخص مذکور کے معاونین بھی ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان(۲) کی خلاف ورزی کرنے والے اور ظالم وفاسق ہیں۔(۸) ایسے لوگ جب تک تائب نہ ہوں اور اپنے افعال کی احکام شرعیہ کے مطابق اصلاح نہ کرلیں مسلمانوں کو جائز ہے کہ ان سے تعلقات اسلامیہ ترک کردیں۔(۳) اسی طرح ان کے معاونین (۴) سے بھی۔ واللہ اعلم۔ کتبہ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

بھائی نکاح کا ولی ہو تو لڑکی کو خیار بلوغ ہوتا ہے

(سوال) ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح ایسی صورت میں جب کہ اس کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا اس کے بھائی نے کردیا اور رخصت کی نوبت اب تک نہ آئی۔ اور اس نے بوقت بلوغ اپنے گھر کے چند اعزاء کے سامنے اس نکاح سے نارضامندی ظاہر کردی اور اس نارضامندی کی اطلاع بذریعہ خط اس کے خاوند اور گھر والوں کو کردی گئی۔ لڑکی باوجود سمجھانے کے اس نکاح پر رضامند نہیں اور موت کو اس کے مقابلے پر ترجیح دیتی ہے۔ صورت مذکورہ میں اس کا نکاح قائم رہا یا نہیں۔

المستفتی نمبر ۴۰ محمد نورالحق صاحب۔ ۱۳ جمادی الاخری سن ۱۳۵۲ھ مطابق ۴ اکتوبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۲) نابالغہ کا نکاح جب کہ باپ یا دادا کے سوا اور کسی ولی نے کردیا ہو تو نابالغہ کو اس کا حق ہوتا ہے کہ وہ بالغ ہوتے ہی اس نکاح سے ناراضی ظاہر کردے اور اس کو قبول کرنے سے انکار کردے اور جب کہ وہ ایسا کرلے تو اس کے بعد کسی مسلمان حاکم عدالت یا ثالث مسلم فریقین سے فسخ حاصل کرسکے گی۔(۵) اور بعد حکم فسخ (جب کہ رخصتی اور خلوت نہیں ہوئی ہے تو بغیر انتظار مدت عدت) دوسرا نکاح کرنا جائز ہوگا۔(۶) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

باپ نے کہا "میری لڑکی تمہارے لڑکے کے لئے ہے"، کیا حکم ہے؟

(سوال) زید نے اپنی لڑکی ہندہ عمرو کو بخش دی۔ زید نے عمرو سے کہا کہ میری لڑکی تمہارے لڑکے کے لئے ہے۔ اور عمرو کا اس وقت ایک لڑکا بکر تھا۔ اتفاق سے چند سال بعد وہ رحلت کر چکا تھا اور عمرو کا دوسرا لڑکا پیدا ہوا تھا۔ تو عمرو کہتا ہے کہ لڑکی میرے تصرف (یعنی اختیار) میں ہے کیونکہ مجھ کو بخش دی گئی ہے اور زید کہتا ہے کہ نہیں بلکہ میرے اختیار میں ہے۔ منشا اختلاف کا یہ ہے کہ عمرو اپنے دوسرے لڑکے کو لڑکی دینا چاہتا ہے۔

---

(۱) ویشترط فیہ القضاء بخلاف خیار العتق۔ (الھندیۃ، کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱: ۲۸۵، ماجدیۃ) (۲) المائدۃ: ۲

(۳) وفی البخاری: باب مایجوز من الھجران لمن عصی قال محشیہ: اراد بھذا الترجمۃ بیان الھجران الجائز لان عموم النھی مخصوص بمن لم یکن لھجرہ سبب شرعی فبین ھھنا السبب المشروع وھو لمن صدرت عنہ معصیۃ۔ (صحیح البخاری، ۲: ۸۹۷، قدیمی)

(۴) فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین، (الانعام: ۶۸)

(۵) فان زوجھما غیر الاب والجد فلکل واحد منھما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام وان شاء فسخ وھذا عند ابی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ تعالی ویشترط فیہ القضاء الھندیۃ، کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱: ۲۸۵، ماجدیۃ

(۶) یایھا الذین آمنوا اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا۔ (الاحزاب: ۴۹)

(۷) ولی المراۃ فی تزویجھا ابوھا وھو اولی الاولیاء۔ (خلاصۃ الفتاوی، کتاب النکاح، ۲: ۱۸، بیروت)

(۸) وینعقد نکاح الحرۃ العاقلۃ البالغۃ برضاھا وان لم یعقد علیھا ولی۔ (الھدایۃ، کتاب النکاح، ۲: ۳۱۳، شرکۃ علمیۃ)

اس لئے کہ یہاں بخشش کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور اس سے نکاح اس وقت منعقد ہوتا ہے جب یہ نکاح کی مجلس میں بولا جائے، منگنی وغیرہ کی مجلس میں بھی اس سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ کما فی الرد: لو قال ھل اعطیتنیھا فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، ۳: ۱۱، سعید)

دوم یہ کہ یہاں صرف کا ذکر ہے، قبول ہوا ہی نہیں، لہذا مجلس نکاح بھی ہو تب بھی اس صورت میں نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ لو قال ھبت ابنتک لابنی فقال وھبت لم یصح مالم یقل ابو الصغیر قبلت (البحر الرائق، کتاب النکاح، ۳: ۸۸، بیروت)

المستفتی نمبر ۴۹ محمد اسلام خاں ضلع پشاور۔ ۱۸ جمادی الاخری سن ۱۹۵۲ء مطابق ۱۹ اکتوبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۳) زید کی لڑکی زید کے اختیار میں ہے اور وہ اپنی مرضی (۷) سے یا وہ لڑکی اگر بالغہ ہو تو لڑکی کی مرضی سے جہاں چاہے اس کا نکاح کر سکتا ہے۔ (۸) عمرو کا یہ دعویٰ کہ لڑکی میرے تصرف میں ہے غلط ہے۔ ۔ ۔ محمد کفایت اللہ

ولی کس کو کہتے ہیں؟

(سوال) ولی کس کو کہتے ہیں اس کی تشریح فرمائی جائے۔

المستفتی نمبر ۵۳ شیخ بھائی جی (علاقہ خاندیس) ۱۹ جمادی الاخری سن ۱۳۵۲ھ م ۱۰ اکتوبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۴) ولی ہر اس عصبہ کو کہتے ہیں جو نابالغوں کی تربیت اور ان کی طرف سے ان کا کام انجام دینے کا حق رکھتا ہے مگر مال میں تصرف کرنا صرف نابالغ کے باپ یا دادا یا ان کے وصیوں کو جائز ہے باقی اولیاء کو جائز نہیں۔ (۱) صرف باپ نابالغ کی جائداد فروخت کر سکتا ہے جبکہ نابالغ کو اس کی ضرورت ہو (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(جواب دیگر ۷۵) نابالغ بچوں کے مال کی حفاظت اور ان بچوں پر اس کا خرچ کرنا باپ کا حق ہے کیونکہ مال کی ولایت نانا، نانی کو نہیں پہنچتی۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

عاق شدہ بیٹے سے بہنوں کے نکاح کی ولایت ساقط نہیں ہوتی

(سوال) زید متولی نے بعد وفات تین بیبیوں کی اولاد چھوڑی۔ دو بیٹیاں حمیدہ و آمنہ سے دو لڑکے اور ایک میمونہ سے تین لڑکیاں حمیدہ و صابرہ و رقیہ چھوڑیں۔ مگر دونوں لڑکوں مسمیان عبداللہ و حامد کو بہ سبب بد چلنی اپنی حیات میں ہی عاق کر دیا اور بالکل تعلقات سے علیحدہ کر دیا۔ اور اپنی وفات کے وقت تینوں لڑکیوں حمیدہ و صابرہ و رقیہ کو بحالت نابالغی ان کی والدہ رقیہ اور نانا عبدالرحمٰن اور ماموں عبدالرشید کے سپرد کیں۔ مگر عبداللہ و حامد باوجود عاق ہونے کے اپنی تینوں نابالغ بہنوں پر جبریہ قبضہ اور تولیت کے طالب ہیں تو کیا شرعاً عبداللہ و عابد کو بعد عاق ہونے کے بھی جبر کا حق پہنچتا ہے اور ان کا نکاح عبداللہ و حامد اپنے جبر و اکراہ سے اپنی تولیت سے کر دیں تو یہ نکاح شرعاً جائز و نافذ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۲۸ نعمت علی سہارنپور۔ ۲۵ جمادی الاخری سن ۱۳۵۲ھ م ۱۶ اکتوبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۶) لڑکیاں اپنی ماں رقیہ کی حضانت و پرورش میں رہیں گی۔ بلوغ تک ماں ان کو اپنے پاس رکھ سکتی ہے۔ (۴) (بشرطیکہ رقیہ نے کسی ایسے شخص سے جو لڑکیوں کا غیر ذی رحم محرم ہو (۵) نکاح نہ کر لیا ہو) نکاح کی ولایت بھائیوں کو حاصل ہے۔ (۶) عاق کرنا شرعاً غیر معتبر ہے اور اس سے ان کی ولایت ساقط نہیں ہوتی۔ اگر وہ لڑکیوں کی نابالغی کی حالت میں ان کا نکاح کر دیں گے تو نکاح ہو جائے گا مگر لڑکیوں کو بالغ ہونے کے وقت اس نکاح کو

۷ - ۸ گذشتہ صفحہ ۶۴ پر ملاحظہ کریں

(۱) (الولی فی النکاح) لا المال (العصبة بنفسه) ، الدر المختار وقال الشامی : (قوله لا المال) فانه الوصی فيه الاب وصيه والجد وصيه والقاضی نائبه فقط (ردا لمحتار کتاب النکاح، باب الولی، ۳/۷۶ ، سعید) (۲) الوصی لا يتجر فی مال اليتيم ، لان المفوض اليهم الحفظ دون التجارة ... بخلاف الاب والجد حيث يكون لهم ولاية التصرف فی مال الصغير مطلقا من غير تقيد فيما تركه ميراثا فكذا وصيه يملك ذلك (البحر الرائق ، کتاب الوصايا ، باب الوصی ومايملكه ، ۸/۵۳۴ ، بیروت) (۳) ايضا
(۴) والام والجدة احق بالجارية حتى تحيض (الهندية، کتاب النکاح ، الباب السادس عشر ، ۱/۵۴۲، ماجدية)
(۵) والحضانة (يسقط حقها بنكاح غير محرمه) ای الصغير (الدر المختار ، کتاب النکاح ، باب الحضانة ۳/۵۶۵ ، سعید)
(۶) ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب (الهندية ، کتاب النکاح ، الباب الرابع فی الاولیاء ، ۱/۲۸۳ ، ماجدية)

باقی رکھنے یا فسخ کرانے کا حق ہوگا۔(۱) اور جب لڑکیاں بالغ ہوجائیں گی تو پھر لڑکیوں کی اجازت ور ضامندی کے بغیر نکاح درست نہ ہوگا۔(۲)　　　فقط محمد کفایت اللہ

باپ کی موجودگی میں اس کی رضا سے نابالغ کا ایجاب و قبول

(سوال) زید کا نکاح ہوا آٹھ برس کی عمر میں اور اس کی زوجہ کی عمر تین برس کی تھی۔ عمر کم ہونے کی وجہ سے زبان توتلی تھی۔ اس وجہ سے قبول کراتے وقت سمجھ میں نہ آتا تھا۔ لیکن قبول کررہا تھا۔ اس کے بعد زید کے اخیافی بھائی کو قبول کرلیا گیا۔ اس کے بعد زید کی والدہ نے جو اس کی ولیہ ہے اخیافی بھائی کے قبول کرنے کو سنا تو اس نے اس کو نامنظور نہیں کیا بلکہ راضی رہی۔ زید کا خسر کہتا ہے کہ نکاح درست نہیں ہوا۔ مگر اس کے باوجود نابالغی کی حالت میں دو مرتبہ لڑکی کو رخصت بھی کیا یعنی شوہر کے ہاں بھیجا۔ اور جہیز وغیرہ بھی دیا۔ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۸۷ عبدالمجید مالیگاؤں ۵ رجب سن ۱۳۵۲ھ م ۲۶ اکتوبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۷) نابالغوں کا ایجاب و قبول معتبر نہیں۔ بلکہ ان کے ولی کا کام ہے کہ وہ ایجاب و قبول کریں۔ اس نکاح میں اگر نابالغوں کے جائز ولی نے ایجاب و قبول کیا تھا تو نکاح صحیح ہوا۔ ورنہ نہیں۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

(جواب مکرر ۷۸) لڑکی کے باپ کا یہ کہنا کہ نکاح صحیح نہیں ہوا جب کہ خود اس نے ایجاب کیا تھا قابل سماعت نہیں ہے۔(۴) جہیز وغیرہ دے کر رخصت کیا۔ داماد کو بلایا اور دعوت کی تو اب ...... صحت نکاح کا انکار غیر معتبر ہے۔(۵) اور لڑکے کی طرف سے قبول اخیافی بھائی نے کیا مگر ماں نے جو ولیہ تھی اس کو زبانی یا عملی طور پر منظور کیا تو نکاح صحیح ہوا۔ اور اب نکاح کے عدم جواز کا عذر ادھر سے بھی نہیں اٹھایا جاسکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

نابالغہ کا نکاح بوڑھے سے کردیا گیا، اس کو خیار بلوغ ہے یا نہیں؟

(سوال) ہندہ کا نکاح بحالت نابالغی زید کے ساتھ ہوا۔ زید کی عمر تقریباً اسی ۸۰ سال اور ہندہ کی تقریباً اٹھارہ یا بیس سال ہے۔ بحالت بلوغت ہندہ نے قبل از جانے خاوند خود کے انکار کردیا کہ میرا نکاح جو زید سے ہوا ہے میں اس کو قبول نہیں کرتی۔ المستفتی نمبر ۱۰۲ مولوی حکیم عبدالرزاق صاحب ضلع جالندھر ۱۲ رجب سن ۱۳۵۲ھ م نومبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۹) ہندہ کی نابالغی میں اس کا نکاح اگر ہندہ کے باپ یا دادا نے کیا تھا تو ہندہ کو خیار بلوغ نہیں ہے۔ اور اگر باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور نے کیا تھا تو ہندہ کو خیار بلوغ حاصل تھا(۶) اور اگر اس نے بالغ ہوتے ہی انکار کردیا تھا تو بذریعہ

---

(۱) فان زوجهما غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النكاح وان شاء فسخ۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۵، ماجدية)

(۲) ومنها رضا المراءة اذا كانت بالغة بكراً اوثيباً فلا يملك الولي اجبارها على النكاح (الهندية، كتاب النكاح، الباب الاول، ۱/ ۲۶۹، ماجدية)

(۳) وهو اى الولى شرط صحة نكاح صغير ومجنون ۔(الدر المختار، كتاب النكاح باب الولي ۳/ ۵۵، سعيد)

(۴) وينعقد متلبسا بايجاب من احدهما وقبول من الآخر ...... كزوجت نفسي اوبنتي او موكلتي وفي الرد: (قوله كزوجت نفسي) اشار الى عدم الفرق بين ان يكون الموجب اصليا او وليا او وكيلاً ۔ (رد المحتار، كتاب النكاح، ۳/ ۹، سعيد)

(۵) وقبض المهر ونحوه رضا لانه تقدير لحكم العقد ... فشمل ما اذا جهزها به اولاً اما ان جهزها به فهو رضا اتفاقاً (البحر الرائق، ۳/ ۱۳۹، بيروت)

(۶) فان زوجهما اب اوجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما ...... وان زوجهما غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ۔ (الهندية، كتاب النكاح باب في الاولياء، ۲/ ۳۱۷، شركة علمية)

عدالت اس نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

باپ ولی ہے اگرچہ کفالت نہ کرتا ہو

(سوال) ایک لڑکی نابالغہ جس کی حقیقی ماں لڑکی کا عقد کرنا چاہتی ہے۔ لڑکی کا کفیل بجز ماں کے باپ یا چچا یا بھائی کوئی نہیں ہے۔ نہ کوئی موجود ہے۔ نابالغہ کی ماں غیر کفو میں نکاح کرنا چاہتی ہے۔ لڑکی کا باپ ہے لیکن عرصہ چار پانچ سال سے اپنی عورت سے ترک تعلق کر دیا ہے اور نہ کسی قسم کی کفالت اپنی لڑکی یا عورت کی کرتا ہے۔ لڑکی کی پرورش و ہر قسم کی کفالت ماں کرتی ہے۔ باپ، لڑکی اور لڑکی کی ماں دونوں سے بے خبر ہے۔

المستفتی نمبر ۲۰۱ قاضی عبدالعزیز صاحب ریاست دتیا ۲۶ شوال سن ۱۳۵۲ھ م ۱۱ فروری سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۰) جب کہ لڑکی کا باپ موجود ہے اگرچہ وہ لڑکی کا کفیل نہ ہو تاہم لڑکی کے نکاح کی کفالت اور ولایت کا حق اسی کو ہے۔ نابالغہ لڑکی کے نکاح کا حق باپ کی اجازت کے بغیر کسی کو نہیں ہے۔(۲) ماں نابالغہ کا نکاح نہیں کر سکتی۔ اگر غیر کفو میں نابالغہ کا نکاح ماں کر دے گی تو نکاح درست نہ ہوگا۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

باپ نے اپنی شادی کی لالچ میں نکاح کر دیا۔ کیا لڑکی فسخ کرا سکتی ہے؟

(سوال) ایک شخص نے اپنی دختر نابالغہ بعمر ۵ سال کا نکاح ایک شخص سے بہ تبادلہ نکاح خود کر دیا۔ اور مبلغ دو سو روپے بصورت نقد و زیور بھی لوا کیا۔ بعد ابھی اپنی شادی نہ کی تھی کہ وہ خود (والد دختر نابالغہ) فوت ہو گیا۔ اب اس کی دختر (جو اس وقت بالغ ہو چکی ہے) کا ناکح بہت بری عادتیں اختیار کر چکا ہے۔ دربدر دھکے کھاتا پھرتا ہے۔ اپنے خرچ خوراک کے لائق بھی نہیں منکوحہ کے اخراجات کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔ نیز اس کی منکوحہ اس پر رضامند نہیں۔ اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے۔

المستفتی نمبر ۳۵۴ حاجی احمد بخش صاحب ریاست بھاولپور ۷ ذی الحجہ سن ۱۳۵۲ھ م ۲ اپریل سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۱) اگر لڑکی کے والد نے اپنی لڑکی کے نکاح میں یہ شرط کی تھی کہ اس کے بدلے میں اس کو عورت دی جائے تو لڑکی کا نکاح کرنے میں اس کی اپنی غرض نفسانی شامل ہو گئی اور اس کی ولایت مطلقہ میں نقصان آگیا اور لڑکی کو اپنے خاوند سے اپنے نکاح کو فسخ کرا لینے کا حق ہو گیا۔(۴) لڑکی بذریعہ عدالت مجاز اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

ولی کو نابالغ کی منکوحہ کو طلاق دینے کا اختیار نہیں

(سوال) نابالغ کے ولی کو طلاق دینے کا اختیار ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۷۲ منشی عبداللطیف (ضلع جسر بنگال) ۲۰ محرم سن ۱۳۵۳ھ م ۵ مئی سن ۱۹۳۴ء

---

(۱) لهما خيار الفسخ بالبلوغ ...... بشرط القضاء۔ (الدر المختار، کتاب النکاح باب الولی، ۳ / ۶۹، سعید)

(۲) ولي المراءة تزويجها ابوها وهو اولى الا ولياء۔ (خلاصۃ الفتاوی، کتاب النکاح، ۲ / ۱۸، بیروت)

(۳) وان كان المزوج غير هما اى غير الاب والجد ...... ولو الام ...... لا يصح النكاح من غير كفء او بغبن فاحش اصلاً۔ (الدر مع رد المحتار، کتاب النکاح باب الولی ۳ / ۶۷، ۶۸، سعید)

(۴) بلکہ ایسا نکاح ولی کے سوء اختیار کی وجہ سے منعقد ہی نہیں ہوا۔ کما فی الشامیة: لو عرف من الاب سوء الا ختيار لسفهه او لطمعه لا يجوز عقده اجماعاً۔ (رد المحتار کتاب النکاح باب الولی، ۳ / ۶۶، سعید)

(جواب ۸۲) حنفیہ کے نزدیک نابالغ کے ولی کو یہ حق واختیار نہیں کہ نابالغ کی منکوحہ کو طلاق دے دے۔(۱)

محمد کفایت اللہ

عصبہ کتنا بھی دور کا ہو اس کے ہوتے ہوئے ماں کو ولایت نہیں

(سوال) ایک شخص اپنا ایک لڑکا اور دو لڑکیاں نابالغ چھوڑ کر انتقال کر گیا اور ان بچوں کی پرورش بیوہ متوفی کرتی رہی اور بسلسلہ پرورش طفلان مذکورہ بیوہ متوفی نے عقد ثانی کر لیا اور اسی مکان میں رہ کر بچوں کی پرورش کرتی رہی۔ اب ایک بچی ۱۳ سالہ اور دوسری ۱۱ سالہ ہے۔ ان کی شادی حقیقی والدہ کر سکتی ہے یا نہیں اور تیسری پیڑھی کے بھائی متوفی منع کرنے کا حق رکھتے ہیں یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۷۹ کالے خاں فیض محمد خاں (ڈونگر پور۔ راج پوتانہ) ۲۷ محرم سن ۱۳۵۳ھ م ۱۲ مئی سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۳) والدہ کو پرورش کرنے کا حق تھا اور اس نے اپنے حق کے بموجب(۲) پرورش کی۔ لیکن نابالغ لڑکیوں کے نکاح کر دینے کا حق والدہ کو نہیں ہے جب کہ کوئی ولی عصبہ موجود ہو۔(۳) تیسری پیڑھی کا اگر کوئی ولی عصبہ موجود ہے تو وہ منع کرنے کا حق رکھتا ہے۔ ہاں لڑکیاں جب بالغ ہو جائیں تو لڑکیوں کی اپنی اجازت اور رضا مندی سے ان کا نکاح ہو سکے گا۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ نہیں

(سوال) ایک لڑکی کا سات برس کی عمر میں نکاح ہوا اور وہ اپنی سسرال میں وداع ہو کر گئی اور قریب ایک برس زبردستی ماں کے ہاں رہی۔ پھر اس کے خسر صاحب آکر لے گئے اور لڑکی جانے کے لئے بالکل راضی نہ ہوئی۔ یہ لوگ زبردستی لے گئے اور یہ نابالغہ تھی۔ پھر وہاں برس دن رہی۔ پھر ماں بدا کر کے لے آئی۔ اب وہ جانے کو راضی نہیں ہے اور کہتی ہے کہ میں اس لڑکے سے راضی نہیں اور میں اس نکاح کو قبول نہیں کرتی۔ اب اس کی عمر چودہ برس کی ہے۔

المستفتی نمبر ۱۳۱۹ ایچ۔ اے۔ میاں (ناٹال افریقہ) ۵ ربیع الاول سن ۱۳۵۳ھ م ۱۸ جون سن ۱۹۳۴ء

(جواب) (از مولوی حبیب المرسلین صاحب نائب مفتی) اگر اس لڑکی کا نکاح نابالغی کے زمانے میں باپ دادا نے پڑھا یا تھا تو یہ لڑکی اپنی ناراضی کی وجہ سے اس نکاح کو فسخ نہیں کرا سکے گی اور اگر ماں یا باپ یا دادا کے اور کسی ولی ماں وغیرہ نے اس لڑکی کا نکاح پڑھا دیا تھا تو یہ لڑکی اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔(۵) حاکم مسلمان کی عدالت سے بشرطیکہ بلوغ کے پہلے ہی جلسے میں اپنی ناراضگی کا اظہار کر دے گی اور اس ناراضگی پر دو گواہ بھی مقرر کر لے گی۔(۶) اور بعد فسخ کرا لینے نکاح کے اگر خلوت صحیحہ شوہر کی نہیں پائی گئی تو بغیر انقضائے عدت کے یہ لڑکی خود دوسرا نکاح کر سکے گی۔(۷) اور خلوۃ

---

(۱) (واهله زوج عاقل) احترز بالزوج عن سيد العبد و والد الصغير۔ (رد المحتار، كتاب الطلاق، ۳/ ۲۳۰، سعيد)

(۲) (والام والجدة) لام اولاب (احق بها) بالصغيرة (حتى تحيض)۔ (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الحضانة، ۳/ ۵۶۶، سعيد)

(۳) الولي في النكاح العصبة بنفسه ... على ترتيب الارث۔ (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، ۳/ ۷۶، سعيد)

(۴) وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم يعقد عليها ولي۔ (الهندية، كتاب النكاح، باب في الاولياء، ۲/ ۳۱۳، شركة علمية)

(۵) فان زوجهما الاب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وان زوجهما غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار ويشترط فيه القضاء (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۵، ماجدية)

(۶) واذا بلغت وهي بكر فسكتت ساعة بطل خيارها فان اختارت نفسها كما بلغت و اشهدت على ذلك صح (قاضي خان، كتاب النكاح، فصل في الاولياء، ۱/ ۲۸۶، ماجدية)

(۷) يا ايها الذين امنوا اذا نكحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لكم عليهن من عدة تعتدونها (الاحزاب: ۴۹) وقال صاحب الهداية: وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم يعقد عليها ولي (الهداية، كتاب النكاح، باب في الاولياء، ۲/ ۳۱۳، شركة علمية)

صحیحہ پائی جانے کی صورت میں بعد انقضائے عدت کے دوسرا نکاح کر سکے گی۔(۱) فقط واللہ اعلم

(جواب ۸۴)(از حضرت مفتی اعظمؒ) اگر اس لڑکی کا نکاح اس کے باپ دادا کے سوا کسی اور ولی نے کیا تھا تو اس لڑکی کو حق تھا کہ بالغہ ہونے پر نکاح سے ناراضی ظاہر کر کے بذریعہ عدالت کے اپنا نکاح فسخ کرالے۔ مگر شرط یہ تھی کہ بالغہ ہونے کے وقت فوراً ناراضی ظاہر کرے۔ ایک منٹ کا توقف نہ کرے اور اگر نکاح اس کے باپ یا دادا نے کیا تو اسے یہ حق حاصل نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

بالغہ لڑکی نے اپنا نکاح خود کیا اور شافعی باپ نے دوسری جگہ اس کا نکاح کر دیا۔ کیا حکم ہے؟

(سوال) ایک لڑکی بالغہ باکرہ عمر بیس سال اپنی والدہ کے ساتھ والدہ کے میکے میں والد کے وطن سے دور چند سال سے رہتی ہے۔ لڑکی اپنے ماموں کے لڑکے سے نکاح ہونے کے لئے قبول و خواہش رکھتی ہے۔ لڑکی بھی قبول ہے۔ یہاں کئی سال سے اقرار ہو چکا ہے۔ لڑکے کے والدین اور لڑکی کی والدہ بھی راضی ہیں۔ لڑکی کا ماموں اور اس کا لڑکا نیز لڑکی کا والد جس گاؤں میں رہتا ہے وہیں ان کی زمین و تجارت ہے اور یہ سب وہیں رہتے ہیں۔ لڑکی کے باپ اور ماموں میں نااتفاقی ہے اور لڑکی کا باپ اس رشتے سے ناراض ہے۔ لڑکی کا باپ اپنے وطن کے دوسرے شخص سے بیاہ کر دینے کے لئے اس شخص کو اور اس کے باپ بھائی اقربا اور دوستوں کو لڑکی جس وطن میں رہتی ہے وہاں بلواتا ہے اور ان سب کو دوسرے مکان پر ٹھہراتا ہے اور خود بھی انہیں کے ہمراہ رہتا ہے۔ ان حالات سے لڑکی اطلاع پا کر مجسٹریٹ کی عدالت میں عرض گذارتی ہے اور باپ کی مداخلت سے بچنے کیلئے لڑکی کے مکان پر پولیس کا پہرہ بٹھا دیا گیا اس بستی میں ایک دوسرے شہر کا قاضی کچھ اپنے کام کو گیا ہوا تھا۔ لڑکی کا باپ اس کو بلایا اور کہا کہ میں شافعی المذہب ہوں۔ میری لڑکی کا نکاح فلاں شخص سے پڑھ دو۔ قاضی نے پوچھا تمہاری لڑکی کی عمر کیا ہے اور کون سا مذہب رکھتی ہے۔ باپ نے کہا کہ عمر تخمیناً بیس پچیس سال بالغہ باکرہ ہے۔ قاضی نے کہا کہ اس کے اذن قبولیت کی ضرورت ہے۔ لڑکی کے والد نے کہا کہ میں ولی ہوں۔ میرے مذہب میں مجھ کو جبر کا حق ہے۔ میری لڑکی کا مذہب کچھ بھی ہو اس کے اذن قبولیت کی ضرورت نہیں۔ قاضی نے کہا کہ یہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ مگر وہ نہ مانا۔ مجبوری قاضی نے قبول کر نکاح پڑھا دیا۔ قاضی بھی شافعی المذہب ہے۔ آیا یہ نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۳۴۵ بستی علی بن آدم (شمالی کنڑا) ۷ ربیع الاول سن ۱۳۵۳ھ م ۲۰ جون سن ۱۹۳۵ء

(جواب ۸۵) حنفیہ کے نزدیک یہ نکاح صحیح نہیں ہوا۔ کیونکہ بالغہ باکرہ پر ولایت اجبار باپ کو حاصل نہیں۔ حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے :۔ لا تنكح الثيب حتى تستامر ولا البكرا لا باذنها۔ (ابوداؤد)(۲) تستامر اليتمة في نفسها فان سكتت فهو اذنها وان ابت فلا جواز عليها (ابوداؤد)(۳) ان جارية بكرا اتت النبي صلى الله عليه وسلم فذكرت ان اباها زوجها وهي كارهة فخيرها النبي صلى الله عليه وسلم۔(۴) اگر لڑکی کا مذہب حنفی ہو تو باپ اس پر اپنے مذہب کے لحاظ سے جبر نہیں کر سکتا۔ (۵) ہاں شوافع کے نزدیک ولایت اجبار

---

(۱) رجل تزوج امراة وطلقها بعد الدخول او بعد الخلوة الصحيحة كان عليها العدة ۔ (قاضی خان، کتاب الطلاق، باب العدۃ ۱/ ۵۴۹، ماجدیہ) (۲) ابو داؤد، کتاب النکاح، باب فی الاستمار ۱/ ۲۸۵، سعید

(۳) ایضا (۴) ابو داؤد، النکاح، باب فی المکرہ یزوجها ابوها ولا یستامرها ۱/ ۲۸۵، سعید

(۵) ولا يجوز للولي اجبار البكر البالغة على النكاح ۔ (الھدایۃ، کتاب النکاح باب فی الاولیاء ۲/ ۳۱۴، شرکۃ علمیۃ)

بالغہ باکرہ پرباپ کو حاصل ہوتی ہے(۱)اور اگر لڑکی بھی شافعی مذہب رکھتی ہو تو صحت نکاح کا حکم دیا جائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

نکاح کے بعد انکار کرنے سے نکاح باطل نہیں ہوتا

(سوال) محمد اسحق واحد حسین حقیقی بھائی ایک ماں سے اور مبارک حسین ایک ماں سے یہ تین شخص تھے۔ احمد حسین کی لڑکی مسماۃ زہرہ کا نکاح بحالت نابالغی مبارک حسین کے لڑکے مسمی سعادت علی کے ساتھ باجازت بھائی حقیقی مسمی محمد حنیف سے ہوا۔ اس نکاح کے بعد ایک مولوی صاحب نے یہ کہا کہ مسماۃ زہرہ کا نکاح اس کے حقیقی چچا محمد اسحق کے ہوتے ہوئے بھائی کی اجازت سے نہیں ہو سکتا۔ مولوی صاحب کے اس فتویٰ پر لڑکی کی ماں اور اس کے بھائی کو شبہ پیدا ہو گیا اور معاملہ تردد میں پڑا رہا۔ نکاح کے تین چار سال قبل ہی مسماۃ زہرہ کا باپ مسمی احمد حسین بحالت ملازمت فوج انتقال کر چکا تھا۔ انتقال کے بعد گورنمنٹ نے فوجی ملازمت کے صلے میں بطور مدد گزارہ احمد حسین کی بیوہ مسماۃ افروز اس کی لڑکی مسماۃ زہرہ اور اس کے لڑکے محمد حنیف کے لئے پنشن مقرر کر دی تھی۔ ایک عرصہ تک یہ پنشن گورنمنٹ سے ان وارثوں کو ملتی رہی۔ زہرہ کے نکاح کے کچھ روز کے بعد مسماۃ افروز بیوہ احمد حسین نے ایک غلط درخواست بہ شاملات عبدالوہاب وباقر حسین جو مسماۃ زہرہ کے شوہر کے حقیقی بھائی تھے اس مضمون کی دی کہ میری لڑکی مسماۃ زہرہ کی شادی ابھی نہیں ہوئی اور نہ اس بیوہ غریب عورت کے لئے کوئی سبیل ہی ہے کہ نکاح کر سکے۔ اگر سرکار سے کچھ روپیہ شادی کے واسطے مل جاوے تو مجھ غریب عورت پر بہت کچھ سرکار کی مہربانی ہو گی۔ اس درخواست کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے اس امر کی جانچ ہوئی کہ آیا دراصل احمد حسین کی لڑکی مسماۃ زہرہ کا نکاح ہوا یا نہیں۔ جب جانچ کے لئے آدمی گورنمنٹ کی طرف سے آیا تو اس کو نکاح کے ہونے اور نہ ہونے دونوں باتوں پر شہادت ملی۔ جب مسماۃ افروز وغیرہ عدالت میں طلب ہوئی تو سعادت علی نے اس وجہ سے کہ کہیں میرا نکاح کالعدم نہ ہو جائے عدالت مذکور میں درخواست دی کہ میرا نکاح ان دو گواہوں مسمی ناہر و امتیاز الدین کے موجودگی میں ہو چکا ہے۔ جو درخواست مسماۃ افروز نے دی ہے غلط اور جھوٹ ہے۔ اور اس نے دونوں گواہوں کو پیش کیا۔ مسماۃ افروز اور زہرہ اور محمد حنیف نے نکاح سے قطعی انکار کیا۔ اس کے بعد عدالت نے تجویز کیا کہ اگر یہ تینوں نکاح نہ ہونے پر حلف اٹھا لیں تو تم دونوں آدمیوں کو یہ حلف منظور کرنا پڑے گا۔ اس پر عبدالوہاب اور باقر نے رضامندی ظاہر کر دی اور سعادت علی نے بھی جو زہرہ کا شوہر تھا اپنے دونوں بھائیوں کی وجہ سے منظور کر لیا۔ عدالت کی اس تجویز کے بعد افروز زہرہ اور محمد حنیف نے ایک بڑے مجمع کے روبرو نکاح نہ ہونے پر حلف اٹھا لیا حلف کے بعد معاملہ ختم ہو گیا۔ نکاح کے وقت زہرہ نابالغہ تھی اور حلف کے وقت بالغہ تھی۔ حلف کے تین چار دن کے بعد بلا طلاق شوہر اول زہرہ کا نکاح دوسرے کے ساتھ کر دیا گیا۔ اب چند امور دریافت طلب ہیں :-

(۱) جن مولوی صاحب نے فتویٰ دیا تھا کہ چچا کی موجودگی میں بھائی کا کیا ہوا۔ نکاح درست نہیں اور انہیں کے کہنے سے بلا طلاق شوہر اول اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیا گیا۔ ان کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲) چچا کی موجودگی میں جب بھائی اپنی بہن کا نکاح کر چکا تو یہ نکاح جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) وللاب تزویج البنت البکر صغیرة او کبیرة من غیر اذنها و مراجعتها و لکن یستحب ان تراجع البالغة ویستاذنها ولو لم یفعل واجبرها علی النکاح صح ۔(العزیز شرح الوجیز بیان احکام الاولیاء ۷ / ۵۳۲ بیروت)

(۳) عدالت میں جب مساۃ زہرہ اور اس کی ماں اور بھائی نے حلف اٹھالیا کہ نکاح نہیں ہوا تو اس حلف سے لڑکی کے لئے خیار بلوغ ثابت ہو یا نہیں ؟ اور عدالت میں انکار کر دینے سے نکاح فسخ ہو گیا یا نہیں ؟
(۴) خیار بلوغ میں جب کوئی عورت بوقت بلوغ اور بوقت علم نکاح اپنا نکاح توڑنے پر تیار ہو گئی ہو یا یہ کہہ دیا ہو کہ میں نے اپنا نکاح توڑ دیا اور کہہ کر دوسرا نکاح کر لیا ہو تو ایسی صورت میں بلا درخواست عدالت مجاز توڑ کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟
(۵) حلف کے بعد دوسرا نکاح جائز ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۳۳۹ سمیع اللہ (ضلع پرتاب گڈھ) ۸ ربیع الاول سن ۱۳۵۳ھ م ۲۱ جون سن ۱۹۳۴ء
(جواب ۸۶) (۱) یہ فتویٰ صحیح نہیں تھا۔ بھائی کی ولایت چچا پر مقدم ہے۔(۱)
(۲) بھائی اور چچا کی موجودگی میں بھائی ولی ہے۔ چچا اس صورت میں ولی قریب نہیں۔ لہذا بھائی نے جو نکاح کر دیا وہ صحیح ہو گیا۔(۲)
(۳) ان کے اس حلف سے وہ نکاح جو منعقد ہو چکا تھا باطل نہیں ہوا۔(۳) مگر اب یہ انکار نکاح کی وجہ سے خیار بلوغ کی بناء پر فسخ نکاح کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ دعویٰ ان کے پہلے بیان حلفی کے منافی ہے۔
(۴) خیار بلوغ میں محض عورت کے انکار کرنے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ بلکہ قضائے قاضی فسخ نکاح کے لئے ضروری ہے۔(۴) ہندوستان میں مسلمان حاکم عدالت کا فیصلہ قائم مقام قضائے قاضی کے ہو سکتا ہے۔
(۵) حلف کے بعد دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا۔(۵)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

لڑکی بالغ ہو گئی ہے اور شوہر ابھی نابالغ ہے تو کیا لڑکی کو خیار بلوغ حاصل ہے ؟

(سوال) دو نابالغ لڑکیوں کا نکاح دو نابالغ لڑکوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اب جب کہ لڑکیاں بالغ ہو گئیں اور شوہر ان کے بالغ نہیں ہوئے تو وہ دونوں وہاں جانے سے انکار کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم کو یہ عقد منظور نہیں ہے اور ماں باپ بھی لڑکیوں کی مرضی کے موافق ہیں۔ بوقت نکاح ماں باپ دونوں بیمار تھے۔ وکالت بھی غیر قوم کے شخص نے کی تھی۔
المستفتی نمبر ۳۴۲ نصیر الدین حجام (ضلع میرٹھ) ۸ ربیع الاول سن ۱۳۵۳ھ م ۲۱ جون سن ۱۹۳۴ء
(جواب ۸۷) اگر ان لڑکیوں کا نکاح ان کے باپ نے کیا تھا یا اس کی اجازت سے ہوا تھا تو اب فسخ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ باپ کے کئے ہوئے نکاح میں نابالغوں کو خیار بلوغ نہیں ہوتا۔(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

لڑکی کے مرتد ہونے کے ڈر سے نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

(سوال) زید نے اپنے نابالغ لڑکے مسمی عمرو کا نکاح اپنی بھتیجی مساۃ رحمت نابالغہ سے جس کا والد فوت ہو چکا تھا اور اسی لڑکی کا ایک نابالغ بھائی موجود تھا۔ پڑھا۔ لڑکے اور لڑکی کی طرف سے زید خود ہی ولی ہوا اور خود ہی ایجاب و قبول کیا۔

---

(۱) وفي الهندية : ثم الاخ لاب وام ...... ثم العم ۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع، ۱ / ۲۸۳، ماجدية)
(۲) ايضاً (۳) وجحد العقد لا يرتفع العقد ۔ (الفروق للكرابيسي، ۱ / ۱۳۱، كويت)
(۴) ويشترط فيه القضاء ۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع، ۱ / ۲۸۵، ماجدية)
(۵) ويشترط ان تكون المراءة محلا للا نشاء حتى لو كانت ذات زوج ...... لا ينفذ قضائه لانه لا يقدر على الا نشاء في هذه الحالة (تبيين الحقائق، فصل في المحرمات، ۳ / ۱۱۲، امدايه)
(۲) فان زوجهما الاب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما ۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع، ۱ / ۲۸۵، ماجدية)

زید سے دریافت کیا گیا کہ تو نے کس طریقے سے ایجاب و قبول کیا تو وہ کہتا ہے کہ مجھے یاد نہیں۔ نکاح خواں مولوی نے جس طرح کہا تھا ویسا کیا۔ بستیوں کے نکاح خواں چند ان مسائل سے واقفیت نہیں رکھتے اور اب وہ نکاح خواں موجود نہیں کہ اس سے دریافت کیا جا سکے۔ اب وہ لڑکی مسماۃ رحمت عرصہ چار سال سے بالغ ہو چکی ہے اور عمرو کی عمر ابھی بارہ سال کی ہے۔ لڑکی کو جب ابتدائے ایام بلوغ میں اس نکاح کا علم ہوا تو اس نے انکار نہ کیا۔ جب مکمل چار سال گزر گئے تو وہ کہتی ہے کہ مجھے نکاح منظور نہیں۔ زید کہتا ہے کہ لڑکی مسماۃ رحمت بوجہ بالغ ہو جانے کے اب میرے پاس رہنا نہیں چاہتی اور چند مرتبہ لکھ چکی ہے کہ اگر مجھے طلاق نہ دی گئی تو میں تبدیل مذہب کر لوں گی۔

المستفتی نمبر ۳۶۱ محمد حیات (ڈیرہ اسمٰعیل خاں) ۱۸ ربیع الاول سن ۱۳۵۳ھ م یکم جولائی سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۸) نابالغہ کا نکاح اس کے چچا نے کیا ہے اسے خیار بلوغ حاصل تھا لیکن جب اس نے بلوغ کے وقت نکاح سے انکار نہ کیا تو وہ خیار ساقط ہو گیا۔(۱) تاہم یہ نکاح بوجہ مفاسد مذکورہ کے قابل فسخ ہے اور لڑکی اور ولی زوج دونوں مل کر کسی صالح شخص کو حکم بنا دیں اور وہ فسخ نکاح کا حکم دے دے تو فسخ ہو سکتا ہے۔ خوف ارتداد زوجہ اس کے لئے وجہ رخصت بن سکتا ہے۔(۲) اور نکاح فی حد ذاتہ صلاحیت فسخ کی رکھتا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بوجہ وقت پر مطالبہ نہ کرنے کے لڑکی کا حق مطالبہ ساقط ہو گیا۔ نابالغ کی طرف سے طلاق نہیں ہو سکتی ورنہ طلاق دلوائی جا سکتی تھی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

باپ مجلس نکاح میں موجود ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو وکیل بنا سکتا ہے

(سوال) شادی کے موقع پر دلہن کا باپ نکاح کے وقت موجود ہوتے ہوئے اپنے اختیار سے کسی رشتہ دار کو وکالت دیتا ہے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۶۱۸ غلام حسین (رتنا گیری) ۱۹ جمادی الثانی سن ۱۳۵۴ھ م ۱۸ ستمبر سن ۱۹۳۵ء

(جواب ۸۹) دلہن کا باپ خود موجود ہو تو کسی کو وکیل بنانے کی ضرورت نہیں خود ہی نکاح کر دے۔ یہی طریقہ مسنونہ متوارثہ ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو وکیل بنا دیا جائے تو وہ بھی جائز ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

باپ دادا کے علاوہ کسی ولی کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ ہے

(سوال) ایک شخص کا انتقال ہوا۔ اس کی زوجہ نے بعد انقضائے عدت نکاح ثانی کر لیا۔ اس کی گود میں شوہر اول سے ایک شیر خوار لڑکی تھی۔ خاوند ثانی نے اس لڑکی نابالغہ کا نکاح ولی بن کر ایک شخص کے ساتھ کر دیا اور رخصتی نہیں کی۔ یہ لڑکی ۷ ۲ شعبان سن ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۵ نومبر سن ۱۹۳۶ء کو بالغہ ہو کر نکاح فسخ کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں اس شوہر کے ہاں اس وجہ سے جانا نہیں چاہتی کہ وہ بد چلن ہے۔

المستفتی نمبر ۶۸۰ عبدالرشید (پہاڑ گنج دہلی) ۲۹ شعبان سن ۱۳۵۴ھ م ۲۷ نومبر سن ۱۹۳۵ء

---

(۱) ویبطل خیار البکر بالسکوت ولا یمتد الی اخر المجلس۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۷۰، سعید)

(۲) زوجہ سے ابتداء سے خوف کا وجہ رخصت بنا قابل لحاظ ہے۔ بلکہ مرتد کو بھی زوج ولی سے نکاح پر مجبور کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ قول مطلق میں مرتد سے جن مواضع کو فقہاء رحمہم اللہ نے ذکر فرمایا ہے، تمام صرف انہی مواضع پر منحصر و مقصود رہے گا، کیونکہ تصانیف فقہاء کا مفہوم مخالف بالاتفاق حجت ہے۔ نعم المتبادر معتبر عند نافی الروایات فی الکتب ومنہ قولہ فی انفع الوسائل : مفهوم التصنیف حجة اه ای لان الفقهاء یقصدون بذکر الحکم فی المنطوق نفیه عن المفهوم غالبا کقولهم تجب الجمعة علی کل ذکر حر عاقل مقیم، فانهم یریدون بهذه الصفات نفی الوجوب عن مخالفها ویستدل به الفقیه علی نفی الوجوب علی المراة والعبد والصبی۔ (رد المحتار، کتاب الوقف، ۴/ ۴۳۳، سعید)

(۳) ومن امر رجلا ان یزوج صغیرته فزوجها عند رجل والاب حاضر، صح والا لا (الهندیة، کتاب النکاح، ۱/ ۲۶۸، ماجدیة)

(جواب ۹۰) ہاں جب کہ لڑکی نے بالغہ ہوتے ہی نکاح سے انکار کر دیا اور ناراضی ظاہر کر دی تو اب اس کو حق ہے کہ بذریعہ عدالت نکاح کو فسخ کرالے۔ حاکم بعد بیان و ثبوت نکاح کو فسخ کر دے گا۔(۱)

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

(سوال) زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور نابالغہ لڑکی کو شوہر نے اس کی ماں کے ساتھ کر دیا۔ پھر نابالغی کی حالت میں لڑکی کا نکاح نانا نے کر دیا۔ اب لڑکی نے بالغ ہونے پر جب کہ اس کو ایام آنے لگے نکاح فسخ کر دیا۔ از روئے شرع شریف وہ نکاح فسخ ہو گیا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۰۷ محمد یوسف امر تسری۔ ۱۹ شوال سن ۱۳۵۴ھ م ۱۵ جنوری سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۱) اگر نانا نے اپنی نواسی کا نکاح اس کی نابالغی کی حالت میں لڑکی کے باپ کی اجازت اور رضامندی کے بغیر کر دیا تھا۔ اور اس کے باپ نے رضامندی ظاہر نہ کی ہو اور نکاح سے انکار کر دیا ہو تو لڑکی کے بلوغ کے وقت انکار کرنے سے حق فسخ حاصل ہو گیا۔(۲) بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرایا جا سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فسخ نکاح کے لئے قضاء قاضی ضروری ہے

(سوال) عم حقیقی نے لڑکی نابالغہ کا نکاح لڑکے نابالغ سے کیا ہے۔ عرصہ طویل کے بعد لڑکی بالغ ہو گئی اور لڑکا ابھی نابالغ ہے۔ لڑکی بوجہ لوازمات شرعی فسخ نکاح کی خواہاں ہوتی ہے علمائے عظام نے امام مالک رحمۃ اللہ کے مذہب پر فتویٰ دیتے ہوئے باجازت قاضی فسخ نکاح کا حکم دیا ہے لیکن ایک مولوی صاحب غیر مقلد نے قضائے قاضی کی ضرورت نہ سمجھتے ہوئے لڑکی کا نکاح دوسری جگہ پڑھایا ہے۔ لڑکے نابالغ کا والد اس نکاح میں مانع بھی نہیں ہوا اور شمولیت بھی نہیں کی۔ البتہ عم الامرأۃ نے لڑکی کے لحاظ سے کئی تمسک لکھوائے ہیں۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ والد صاحب کیا اس میں عند اللہ ماخوذ تو نہیں ہو گا ؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۹۰۰ الٰہی بخش (ملتان) ۷ صفر سن ۱۳۵۵ھ م ۲۹ اپریل سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۲) اس میں قصور لڑکی کے ولی کا ہے کہ اس نے منکوحہ کا دوسرا نکاح کر دیا۔ لڑکے کا ولی قصوروار نہیں ہے جب کہ وہ شریک نکاح نہیں ہوا۔ اس پر صرف یہ الزام ہے کہ اس نے منع کیوں نہیں کیا۔ تو ممکن ہے وہ یہ سمجھتا ہو کہ یہ تعلق منقطع ہو جاتے اس لئے خاموش رہا ہو اور اس کا الزام جب بالغ ہو جائے تو طلاق دلوادے۔ لیکن یہ نکاح ثانی بدون فسخ نکاح اول ہوا ہے صحیح نہیں ہوا۔(۳) اور اس کو فوراً علیحدہ کرنا لازم ہے۔ اور پھر باقاعدہ نکاح اول کو فسخ کرانے لازم نو تجدید کی جائے۔ نکاح اول کے فسخ کرانے کا منا عورت کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو سکتا ہے۔(۴) اور اس بناء پر نکاح اول فسخ کیا جا سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) فان اختارت نفسها كما بلغت اشهدت على ذلك صح ۔ (قاضی خان، کتاب النکاح، فصل فی الخیارات، ۱/ ۲۱۲، ماجدیہ) وفی الہندیۃ: ویشترط فیه القضاء ۔ (کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۵، ماجدیہ)

(۲) وان فعل غير هما فلهما ان يفسخا بعد البلوغ ۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الولی ۳/ ۶۹، سعید)

(۳) وان زوجهما غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار ويشترط فيه القضاء ۔ (الہندیہ، کتاب النکاح، ۱/ ۲۸۵، ماجدیہ) لاجب ثابت شدہ تو فسخ شرط ہے تو قضاء سے بغیر پہلا نکاح برقرار ہے اور دوسرا نکاح جائز نہیں۔ وفی الهندية : لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره وكذا المعتدة ۔ (کتاب النکاح، الباب الثانی، ۱/ ۲۸۰، ماجدیہ)

(۴) زوجہ کے زنا میں مبتلا ہونے کا خوف نکاح کے فسخ کا سبب نہیں بن سکتا اس لئے کہ یہ وقوع الطلاق عند الحاجہ کے مواقع میں سے نہیں۔ البتہ بوقت ضرورت شدیدہ مذہب مالکیہ کے مطابق عدم النفقہ کی بناء پر حاصل کرایا جا سکتا ہے۔

نکاح کے بعد انکار معتبر نہیں

(سوال) ہندہ کو کچھ روپے کی ضرورت تھی۔ کسی طریقے سے کوئی سبیل روپیہ ملنے کی نہ تھی۔ ہندہ کی ایک لڑکی زینت جس کا نکاح ہمراہ زید کے اس بات پر طے پایا کہ مبلغ للعہ ۲۴ روپے ہندہ کو ادا کرے تاکہ اس کی ضرورت رفع ہو اور ہندہ اپنی لڑکی کا نکاح ہمراہ زید کے کر دے اور یہ روپیہ علاوہ مہر کے قبل نکاح زید کو دینا پڑا۔ لڑکی زینت کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ ولی اس نابالغ لڑکی کا اس کا چچا جو کہ اس سے علیحدہ رہتا تھا اور دوسری ولی اس کی والدہ تھی جو ہمراہ اپنی لڑکی کے تھی۔ بروقت نکاح قاضی نے زینت کے چچا کو جو کہ چند قدم کے فاصلے پر تھے بلایا۔ چچا نے کہا کہ میں سنتا ہوں تم نکاح پڑھو۔ میں اسی جگہ پر بیٹھا ہوں۔ نکاح میں قاضی نے کچھ الفاظ غلط استعمال کئے جس کی درستی کے واسطے اس کے چچا نے لقمہ دیا اور الفاظ کو درست کرایا۔ اور قاضی سے اسی وقت اس کے چچا نے یہ کہا کہ آپ ۲ روپے اور اداو تاکہ اس کی ضرورت رفع ہو جائے۔ بعد ازاں مبلغ ۱۰، ۲۵ روپے مہر مقرر ہوا اور نکاح پڑھایا گیا۔ اب عرصہ چھ سال کا ہوا دولھا دلہن دونوں بالغ ہوئے۔ اب بابت رخصتی لڑکی کے جھگڑا پڑا۔ چچا کہتا ہے کہ میں ولی ہوں۔ میری اجازت سے نکاح نہیں ہوا۔ اس لئے میں رخصت نہیں کر سکتا اور لڑکی کو اور لڑکی کی والدہ کو سکھلایا۔ لڑکی نے اور لڑکی کی والدہ نے رخصتی سے انکار کر دیا۔ اس فساد پر تمام اطراف کے مسلمان جمع ہوئے اور پنچایت ہوئی۔ مسلمانوں نے زینت کو سمجھایا کہ تو اپنے شوہر کے مکان پر جا۔ مگر اس نے انکار کیا۔ جب اس کو دوبارہ پھر سمجھایا تو اس نے یہ کہا کہ جو روپیہ ہماری والدہ نے قبل از نکاح لیا ہے اس کو معاف کریں ہمیں طعنہ وغیرہ کے الفاظ نہ کہیں تو آپ پنچ لوگ کا کہا مجھے منظور ہے۔ بعد ازاں اس کے چچا نے سکھایا اب وہ پھر شوہر کے ہاں جانے سے انکار کرتی ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۹۰۹ مقصود علی (ضلع گونڈہ) ۱۱ صفر سن ۱۳۵۵ھ م ۳ مئی سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۳) نکاح تو چچا کی اجازت اور شرکت کی وجہ سے صحیح ہو گیا تھا۔ (۱) لیکن لڑکی کو بوقت بلوغ انکار کر دینے کا حق حاصل تھا۔ اگر لڑکی نے بوقت بلوغ ناراضی کا اظہار کر دیا تھا تو وہ اپنے نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے۔ (۲) اور اس کی ماں نے جو روپیہ نکاح سے پہلے لیا تھا وہ واپس کرنا لازم ہے۔ (۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ نہیں

(سوال) اگر کوئی شخص اپنی بیٹی صغیرہ کا نکاح کر دے تو بعد از بلوغ وہ لڑکی نکاح فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟

(جواب ۹۴) باپ کے کئے ہوئے نکاح میں لڑکی کو بعد بلوغ فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوتا۔ الا یہ کہ باپ کو لڑکی کے خاوند نے کوئی دھوکا دیا ہو تو اس صورت میں باپ اور لڑکی دونوں نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں۔ (۴) محمد کفایت اللہ

الجواب صحیح۔ محمد شفیع عفی عنہ مدرسہ عبدالرب دہلی الجواب صحیح محمد مظہر اللہ غفرلہ، امام مسجد فتحپوری دہلی

---

(۱) وینعقد بایجاب وقبول ... کزوجت نفسی اوبنتی او موکلتی. وفی الرد: (قولہ کزوجت نفسی الخ) اشار الی عدم الفرق بین ان یکون الموجب اصلیا او ولیا او وکیلا۔ (رد المحتار، کتاب النکاح ۳: ۹، سعید)

(۲) وان فعل غیر ہمافلہما ان یفسخا بعد البلوغ۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الولی ۳: ۶۸، سعید)

(۳) خطب بنت رجل وبعث الیہا اشیاء ولم یزوجہا ابوہا فما بعث للمہر یسترد .... وکذا مابعث ہدیۃ وہو قائم۔ (الدر المختار، باب المہر ۳: ۱۵۳، سعید)

(۴) زوج بنتہ من رجل ظنہ مصلحا لا یشرب مسکرا فاذا ہو مدمن فقالت بعد البکر لا ارضی بالنکاح ان لم یکن ابوہا یشرب المسکر ولا عرف بہ وغلبۃ اہل بیتہا الصالحین فالنکاح باطل بالاتفاق۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الکفاءۃ ۳: ۸۹، سعید)

(جواب دیگر ۹۵) باپ اپنی کم عمر نابالغہ بچی کا نکاح کر دینے کا حق رکھتا ہے اور اس کا کیا ہوا نکاح جائز اور صحیح ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

بیوہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر ناجائز ہے

(سوال) بعد فوت ہوتے شوہر کے بیوہ کا نکاح ثانی وارثان نے بلا رضامندی پڑھادیا اور وہ خاوند کے گزرنے کے بعد دو سال تک انکاری رہی۔ اور اس نکاح کے بعد بھی انکاری ہے۔ کیونکہ جس کے ساتھ بیوہ کی بلا رضامندی کے نکاح پڑھایا گیا ہے وہ عمر میں پچاس سال سے بھی زیادہ ہے اور بیوہ کی عمر ۱۵ سال ہے۔

المستفتی نمبر ۹۳۳ علیم الدین جے پور۔ ۲۷ صفر سن ۱۳۵۵ھ م ۱۹ مئی سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۶) بیوہ بالغہ کا نکاح بلا رضامندی بیوہ کے ناجائز ہے۔ بیوہ نے جب اس نکاح کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو نکاح باطل ہو گیا۔(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

عقد سے پہلے مشورہ دینا اجازت نہیں

(سوال) ایک لڑکی مسماۃ جنت کو اس کی مطلقہ والدہ نے بمشورہ شوہر سابقہ جب کہ جنت کی عمر چار سال تین ماہ کی تھی مسمی حاکم سے نکاح کر دیا۔ اور والدہ نے مسماۃ جنت کو پرورش کے واسطے اپنے پاس رکھ لیا اور پرورش کرتی رہی۔ جب جنت کی عمر چودہ سال چار ماہ کی ہوئی تو پہلی دفعہ..... حیض ہوا اور لڑکی نے اپنے شوہر کے گھر جانے سے انکار کر دیا۔ اس وقت لڑکی کی عمر سولہ سال ہے مگر وہ بدستور شوہر کے گھر جانے سے انکاری ہے۔

المستفتی نمبر ۹۸۸ بشیر محمد (ضلع جالندھر) ۲۳ ربیع الاول سن ۱۳۵۵ھ م ۱۴ جون سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۷) اگر نکاح لڑکی کی والدہ نے کیا تھا۔ باپ نے صرف اجازت نکاح سے قبل دے دی تھی بعد نکاح کے باپ نے کچھ نہیں کہا تو یہ نکاح لڑکی کے انکار کرنے سے فسخ ہو گیا۔(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

ولی اقرب بالغ ہو تو ولی ابعد کو ولایت نہیں

(سوال) زینب نابالغہ کے باپ کا تو انتقال ہو گیا اور ماں باپ شریک بھائی ابھی نابالغ ہے اور باپ شریک بالغ ہے تو باپ شریک بھائی ولی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۳۴۹ محمد یونس صاحب (متھرا) ۲۷ ذی قعدہ سن ۱۳۵۵ھ م ۱۰ فروری سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۹۸) ہاں زینب کا باپ شریک بھائی اس کا ولی ہے اور وہ نابالغہ زینب کا نکاح کر سکتا ہے اور زینب کا حقیقی بھائی بالغ ہوتا تو وہ علاتی بھائی سے مقدم ہوتا۔(۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جبراً دستخط کروانے سے نکاح نہیں ہوتا

(سوال) محمد صدیق ولد حافظ ابراہیم ساکن منگالہ ضلع حصار کا ناجائز تعلق ایک عورت مسماۃ عائشہ زوجہ یعقوب ولد مہر الدین کے ساتھ تھا اور مورخہ ۶ ماہ محرم الحرام سن ۱۳۵۶ھ بوقت درمیان مغرب و عشاء کے عورت مذکور

---

(۱) لایجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من اب او سلطان بغیر اذنها بکراً کانت اوثیباً فان فعل ذلك فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جاز ان ردته بطل۔ (الهندیة، کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۷، ماجدیة)
(۲) وان زوجهما غیر الاب والجد فلکل واحد منهما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ۔ (الهندیة، کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۵، ماجدیة)
(۳) ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب وان سفلوا۔ (الهندیة، النکاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۳، ماجدیة)

محمد صدیق کو بات چیت کرنے کے لئے بو کالت بلا کر مکان بشیر محمد ولد یعقوب کے اندر لے گئی اور جب دونوں مکان کے اندر چلے گئے تو باہر عورت کے خاوند وغیرہ کو بھی پتہ ہو گیا کہ مرد عورت اس مکان کے اندر ہیں۔ اور پتہ ہونے کے بعد عورت تو نکل کر بھاگ گئی مگر محمد صدیق کو مکان کے اندر عورت کے خاوند یعقوب اور اس کے دیگر اقرباء وغیرہ نے محصور کر لیا اور اوزار لکڑی ولوہے وغیرہ کے سب نے پکڑ لئے کہ اب محمد صدیق کو اس مکان کے اندر جان سے مار دیں گے اور ہرگز نہیں چھوڑیں گے اور مکان کے اندر محمد صدیق کے اقرباء جو تھے ان کو بھی نہایت بے قراری ہو کر چہروں پر زردی چھا گئی اور سب کو یقین ہو گیا کہ محمد صدیق نے بھی سمجھ لیا کہ اب میری جان کی بالکل خیر نہیں ہے۔ لہذا مارے جانے کے ڈر سے بے حواس سا ہو گیا۔ اور باہر محمد صدیق کی جان تلف ہونے کے علاوہ ہم پر خدا جانے کیسی مصیبت و تکلیف قیامت خیز نازل ہو گی۔ اور از حد مضطرب تھے اور بالکل بے عقل و بے حواس ہو رہے تھے۔ ایسے خطرناک نازک وقت میں محمد صدیق محصور کی نابالغہ لڑکی کا نکاح جبراً و قہراً کروایا۔ مخالفین نے اپنے لڑکے کے ساتھ کر دیا۔ اور نکاح نامہ کا ایک کاغذ بنا کر کئی شخصوں کے انگوٹھے لگوا دیئے ہیں۔ اور نیز محمد صدیق محصور کا بھی ہاتھ پکڑ کر انگوٹھا لگوا دیا ہے۔ اور جب نکاح کر لیا اور کاغذ وغیرہ کا خوب انتظام ہوا تو پھر محمد صدیق کو مکان سے نکال کر چھوڑ دیا۔ اور اب اختلاف اس بات میں ہے کہ محمد صدیق نے اذن نکاح کرنے کا اشارتاً یا صراحتہ دیا ہے یا نہیں۔ اور تفصیل اختلاف اذن کی یہ ہے کہ جب مخالفین نے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو مولوی عبدالعزیز صاحب جو کہ نکاح پڑھنے والا ہے چار گواہوں کو ساتھ لے کر محمد صدیق کے پاس طلب اذن کے لئے گیا تھا تو مولوی عبدالعزیز اور دو گواہ مسمی عبدالغفور بن جمال الدین و عبدالحفیظ بن علیا کا بیان ہے کہ محمد صدیق نے صراحتہ اذن دیا ہے۔ اور محمد صدیق کا بیان ہے کہ میں اس ہولناک وقت میں بہت مغموم و مہموم تھا۔ اس لئے زبان سے اذن دینا تو درکنار بلکہ ہوں ہاں کر کے اشارہ بھی نہیں کیا کہ جس سے اشارۃً ہی ثابت ہو کہ نکاح کر دو۔ اور مولوی صاحب اور دونوں گواہ بالکل جھوٹ بولتے ہیں۔ اور باقی دو گواہوں میں سے حاجی قمر الدین کا بیان ہے کہ لڑکی کا اذن اور مہر وغیرہ کی بابت بات چیت میرے ساتھ ہوئی اور محمد صدیق بالکل نہیں بولا اور یعقوب ولد اسماعیل کا بیان ہے کہ میں دروازے کے اوپر بیٹھا رہا تھا اندر نہیں گیا تھا۔ خدا جانے محمد صدیق محصور نے اذن دیا ہے یا نہیں۔ مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ اور نیز صاحب مکان کا بیان ہے کہ میں نے دروازے کے اندر سوائے مولوی عبدالعزیز صاحب کے اور حاجی قمر الدین صاحب کے کسی کو بھی داخل نہیں ہونے دیا اور سب جھوٹ اور افترا اور بالکل جعل سازی ہے۔ اب سوال یہ درپیش ہے کہ نکاح مذکور ہوا عند الشرع ہوا ہے یا نہ؟

المستفتی نمبر ۱۴۳۱ مولوی عبدالملیک صاحب (ضلع حصار) ۲۹ صفر سن ۱۳۵۶ھ م ۱۱ مئی سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۹۹) اس واقعہ میں محمد صدیق کا بیان یہ ہے کہ میں نے نکاح کی اجازت قولاً یا اشارۃً بھی نہیں دی صرف اس کا انگوٹھا جبراً لگوایا گیا ہے۔ واقعہ کی ہولناکی اس جبر کے لئے کھلی دلیل ہے اور اس کو حد اکراہ میں داخل کرنے کے لئے کافی ہے لہذا اس میں کتابت کو قائم مقام تلفظ کے نہیں کیا جا سکتا،(۱) رہا گواہوں کا بیان کہ محمد صدیق نے زبان سے اجازت دی ہے تو یہ شہادت اس لئے ناقابل اعتماد ہے کہ گواہوں کو واقعہ کا علم تھا کہ محمد صدیق فلاں وجہ سے محصور ہے اور یہ لوگ اس سے جبراً اس کی لڑکی کے نکاح کا اذن لینا چاہتے ہیں تو ان کا ان جابرین کی حمایت میں محمد صدیق سے اذن

---

(۱) ان المراد الاکراہ علی التلفظ بالطلاق فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امراتہ فکتب لا تطلق ، لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھنا۔ (رد المحتار، کتاب الطلاق، ۳ / ۲۳۶، سعید)

لینے کے لئے جانا ظلم کی اعانت کا کھلا ہوا اقرار ہے۔ اس لئے سب اپنے فسق کا اقرار کر رہے ہیں اور فاسق کی گواہی معتبر نہیں ہو سکتی۔(۱) گواہوں کو اگر یہ عذر ہو کہ ان کو محمد صدیق کی محصوری و مجبوری کا علم نہ تھا تو عذر ثبوت واقعہ کے بعد ناقابل قبول ہے۔ ایسے ہولناک موقع پر جتنے لوگ موجود ہوں گے ان میں سے کوئی بھی صورت حال سے بے خبر نہ ہوگا۔ لہذا اقتضاءً بھی ان گواہوں کی شہادت سے ثبوت نکاح کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔(۲)

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

باپ نے بے خبری میں لڑکی کا نکاح آوارہ سے کر دیا، کیا لڑکی کو خیار فسخ ہے؟

(سوال) اگر باپ نے عدم علم کی بنا پر اپنی لڑکی کا نکاح ایک آوارہ شخص سے کر دیا ہو اور لڑکی اس کے یہاں جانا نہ چاہتی ہو تو خیار فسخ ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۴۳۸ شفیع احمد خاں صاحب (لکھنو) ۷ ربیع الاول سن ۱۳۵۶ھ م ۱۸ مئی سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۰) اگر باپ نے بے خبری میں اپنی لڑکی کا نکاح بد چلن اور آوارہ شخص سے کر دیا۔ اور لڑکی اس کی بد چلنی کی بنا پر اس کے پاس جانا نہیں چاہتی تو وہ بذریعہ عدالت اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔ رجل زوج ابنته الصغيرة من رجل على ظن انه صالح لا يشرب الخمر فوجده الاب شريبا مد منا وكبرت الا بنة فقالت لا ارضى بالنكاح ان لم يعرف ابو ها يشرب الخمر وغلبة اهل بيته صالحون فالنكاح باطل اى يبطل (فتاویٰ عالمگیری)(۳) اس عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی چھوٹی یعنی نابالغہ لڑکی کا نکاح کسی شخص کے ساتھ (بے خبری میں) اس خیال سے کر دیا کہ زوج نیک آدمی ہے شرابی نہیں۔ پھر لڑکی کے باپ نے شوہر کو دیکھا کہ وہ شرابی دائم الشرب ہے اور لڑکی نے بالغ ہو کر نکاح سے نارضامندی ظاہر کر دی تو یہ نکاح باطل قرار دیا جائے گا۔

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دادا کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ نہیں

(سوال) ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح ایسی صورت میں جب کہ اس کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا اس کے بھائی نے کر دیا اور رخصت تک کی بھی نوبت نہیں آئی۔ اس نے بوقت بلوغ اپنے گھر کے چند اعزاء کے سامنے نارضامندی کا اظہار کر دیا اور اس کی نارضامندی کی اطلاع بذریعہ خط اس کے خاوند اور گھر والوں کو کر دی گئی۔ لڑکی باوجود سمجھانے کے اس نکاح پر رضامند نہ ہوئی اور موت کو اس کے مقابلہ میں ترجیح دیتی ہے اس صورت میں لڑکی کا نکاح قائم رہا یا نہیں؟

(جواب ۱۰۱) نابالغہ کا نکاح جب کہ اس کے باپ(۴) دادا نے کر دیا ہو تو نابالغہ کو حق حاصل ہے کہ وہ بالغ ہوتے ہی اس نکاح سے ناراضی ظاہر کر دے اور اس کو قبول کرنے سے انکار کر دے اور جب کہ وہ ایسا کرے تو اس کے بعد کسی

---

(۱) يايها اللذين امنوا ان جاء كم فاسق بنباء فتبينوا الحجرات:
(۲) ويصح النكاح عند فاسقين ولا يظهر النكاح على الحكام بشهادتهما عند الدعوىٰ وانكار احد المتعا قدين۔ (جامع الرموز، ۲ / ۴۴۷، کریمیہ)
(۳) الهندية، كتاب النكاح، الباب الخامس فى الكفاء، ۲۹۰، ماجدية
(۴) عبارت میں سقط ہے، در اصل عبارت یوں ہے، نابالغہ کا نکاح جب کہ اس کے باپ دادا کے علاوہ کسی نے کر دیا ہو،

مسلمان حاکم عدالت یا ثالث مسلم فریقین سے حکم فسخ حاصل کرے گی(۱) اور بعد حکم فسخ جب کہ رخصت اور موت نہیں ہوئی تو بغیر انتظار عدت دوسرا نکاح کرنا جائز ہوگا۔(۲) آپ نے مذکورہ فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ گزارش ہے کہ اگر لڑکی نابالغہ کا نکاح پڑھا گیا جب کہ اس کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا اور صرف نابالغہ کا دادا اور ہمشیرہ زندہ تھی قدرت کی نیرنگیاں ہمشیرہ کا بھی انتقال ہو جاتا ہے اور نابالغہ جب سے اس کے والدین کا انتقال ہوا تھا اپنی ہمشیرہ کے پاس پرورش پاتی رہی اور اپنے دادا کے پاس کبھی نہیں گئی۔ جب ہمشیرہ کا انتقال ہوتا ہے اور نابالغہ کیعمر اس وقت قریب آٹھ نو سال ہے دادا کا ایک خط رجسٹری ہو کر آتا ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ نابالغہ کا نکاح میں نے کر دیا ہے۔ نابالغہ اپنے بھوئی کے پاس پرورش پا رہی ہے۔ ایسی صورت میں کیا وہ نکاح جائز ہے۔ نابالغہ سن بلوغ کو پہنچتے ہی بلکہ اس جگہ جب کہ اس کے دادا نے نکاح بتلایا جانے سے پہلے ہی سے انکار کرتی ہے۔ ایسی صورت میں دوسری جگہ نکاح جائز ہو سکتا ہے۔ حوالہ دے کر مشکور فرمائیں۔ یا اگر ایک بالغ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی سے ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد لڑکی کے تایا صاحب و دیگر رشتہ دار لڑکی کو بھکا دیتے ہیں۔ اور کوئی رخصتی و خلوت وغیرہ ہی نہیں ہوئی۔ (محمڈن لا، جو کہ مسلمانوں میں جب وہ خدا رسول کی حکم کو توڑ کر انسان کا بنایا ہوا قانون پیش نظر رکھتے ہیں) کے مطابق نوٹس منجانب لڑکی کے شوہر کو دلوا دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں کیا طلاق ہو گی اور وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ شوہر اس نکاح کے متعلق کیا کارروائی (جب کہ کسی عالم کو یہ دھوکا دیا جائے کہ لڑکی کنواری ہے نکاح پڑھوا دے) کر سکتا ہے اور نکاح کس صورت میں جائز ہو سکتا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۴۳۹ اغلام علی (شملہ) ۸ ربیع الاول سن ۱۳۵۶ھ م ۱۹ مئی سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۱) (۱) جواب کی نقل میں شاید غلطی ہوئی ہے۔ صحیح عبارت یوں ہونی چاہئے۔ نابالغہ کا نکاح جب کہ اس کے باپ دادا کے سوا کسی اور ولی نے کر دیا ہو تو نابالغہ کو حق حاصل ہے۔(۳) الخ۔

دادا کے کئے ہوئے نکاح میں نابالغہ کو خیار بلوغ حاصل نہیں ہوتا۔(۴) باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح میں نابالغہ جن وجوہات کی بنا پر شوہر کے پاس جانا نہیں چاہتی وہ بیان کرنے چاہئیں۔ اگر ان میں سے کوئی وجہ شرعی طور پر قابل فسخ ہو گئی تو جواز فسخ کا حکم دیا جائے گا۔

بالغہ لڑکی کا نکاح جب کہ اس کی اجازت اور مرضی سے کیا گیا ہو تو پھر بالغہ اس نکاح سے پھر نہیں سکتی۔(۵) البتہ اگر اور کوئی وجہ قابل فسخ نکاح کے پیدا ہو جائے تو اس کو بیان کر کے حکم دریافت کرنا چاہئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سیئ الاختیار باپ کا کیا ہوا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

(سوال) شامی وغیرہ کتب فقہ میں جن کی عبارت ذیل میں درج کی جائی گی مصرح ہے کہ ولی صغیرہ نابالغہ اگرچہ باپ یا

(۱) وان زوجهما غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النكاح وان شاء فسخ... ويشترط فيه القضاء (الهندية، كتاب النكاح، الباب، ۱/۲۸۵، ماجدية)
(۲) يا يهاالذين آمنو ا اذا نكحتم ا المؤمنات ثم طلقتمو هن من قبل ان تمسو هن فمالكم عليهن من عدة تعتدو نها (الاحزاب : ۴۹)
(۳) وان زوجهما غير الا ب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ (الهندية ، كتاب النكاح، الباب الرابع ، ۱ /۲۸۵، ماجدية)
(۴) فان زوجهما الاب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما (ايضاً)
(۵) وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغه ، برضاها (الهداية ، كتاب النكاح، ۱ /۳۱۳، شركة علمية)

دادا کیوں نہ ہو اس صغیرہ کا نکاح کر دیتا ہے۔ لیکن اس نکاح میں ایسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے جو کہ شفقت پدری یا غرض ولایت کے بالکل مخالف ہے مثلاً طمع مال کے لئے یا کسی اور وجہ سے صغیرہ کا نکاح کر دیا جس میں صغیرہ کا نقصان ہے تو کیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں۔ اگر نہیں جیسا کہ عبارت شامی سے معلوم ہوتا ہے تو تائید کی ضرورت ہے۔ (وفی الشامی حتی لو عرف من الاب سوء الا ختیار لفسقه او لطمعه لا یجوزا جماعاً وفی الدو وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا) اور اگر نکاح صحیح ہے تو عبارات مندرجہ کا مدلل جواب دے کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۱۶۱۲ حافظ احمد بخش صاحب ضلع مظفر گڑھ۔ ۱۰ جمادی الاولی سن ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جولائی سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۲) باپ یا دادا کی طرف سے اگر کوئی ایسی صریح بے رحمی اور بے شفقتی ناانصافی سرزد ہو تو نکاح صحیح نہ ہونے کا حکم صحیح ہے(۱) اور ظاہر یہ ہے کہ کسی نکاح میں ان باتوں میں سے کسی ایک بات کا ثبوت حکم بطلان کے لئے کافی ہے مگر فقہاء نے لفظ عرف کو سامنے رکھ کر اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ کسی ناانصافی بے رحمی طمع وغیرہ کا صدور و ثبوت بطلان کا حکم لگانے کے لئے کافی نہیں بلکہ باپ یا دادا کا ان اوصاف ذمیمہ کے ساتھ معروف ہونا ضروری ہے۔ اس کے لئے ضروری قرار دیا کہ کم از کم یہ شخص اپنی ایک لڑکی کا نکاح اس سے پہلے اسی طرح ناانصافی یا بے رحمی یا طمع زر کے ماتحت کر چکا ہو تو دوسرا نکاح جو اسی طرح واقع ہو باطل قرار دیا جائے گا۔ اور اگر یہ چیزیں پہلے نکاح میں ہی سرزد ہوئیں تو باوجود ثبوت کے بھی نکاح کو باطل قرار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں عرف منهما سوء الاختیار صادق نہیں۔(۲) اگرچہ تفصیل کچھ مناسب اور موجہ نہیں ہوتی مگر فقہا نے اس کو لیا ہے اور اس کے موافق تفریعات کی ہیں۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جہاں قاضی نہ ہو تو وہاں کے علماء کرام نکاح فسخ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(سوال) نابالغہ لڑکی کا نکاح بوجہ فوت ہونے باپ کے اس کے بھائی نے کسی کے ساتھ باندھ دیا۔ بالغ ہونے پر اس لڑکی نے کہا کہ یہ نکاح جو میرے بھائی نے باندھا ہے مجھے منظور نہیں تو کیا یہ اختیار جو شرع نے لڑکی کو دیا ہے فسخ نکاح کے وقت قاضی کی شرط ہے یا نہیں۔ اگر شرط ہے تو ان ممالک میں قاضی کا وجود مفقود ہے تو کیا اس روایت کے تحت علمائے کرام موجودہ کو اختیار ہے کہ وہ قاضی کے قائم مقام ہو کر نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں۔ شیخ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ استاد شیخ علامہ شامی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ نوع ثالث فصل ثانی ص ۲۴ میں لکھتے ہیں۔ اذا خلا الزمان من ذی سلطان کفایة فالا مور کله موکلة الی العلماء فیجب علی الامة الرجوع الیهم ویصرون ولا ة فاذا عسر جمعهم علی واحد انتقل کل قطر باتباع علمائه فان کثروا فا لمتبع اعلمهم فان استو وا اقراع بینهم۔ اور جب مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحی صاحب مرحوم کا دیکھا گیا تو اس میں رائے دی گئی جو ذکر کی جاتی ہے۔ و فسخ نکاح بخیار بلوغ قضائے قاضی شرط است چنانچہ در در مختار می آرد۔ حاصله انه اذا کان المزوج

(۱) لو عرف من الاب سوء الا ختیار لسفهه او لطعمه لا یجوز عقده اجماعاً۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۶۷، سعید)

(۲) والحاصل: ان المانع هو کون الاب مشهوراً بسوء الا ختیار قبل العقد، فاذا لم یکن مشهوراً بذلك ثم زوج بنته من فاسق صح وان تحقق بذلك انه سیئی الا ختیار و اشتهر به عند الناس فلو زوج بنتا اخری من فاسق لم یصح الثانی، لا نه کان مشهورا بسوء الاختیار قبله بخلاف العقد الاول لعدم المانع قبله، ولو کان المانع مجرد تحقق سوء الا ختیار بدون الا شتهار لزم احالة المسئله اعنی قولهم: ولزم النکاح ولو بغبن فاحش اوبغیر کف ان کان الولی اباً او جداً (رد المحتار، کتاب النکاح باب الولی، ۳/ ۶۷، سعید)

للصغیر والصغیرة غیر الاب والجد فلهما الخیار بالبلوغ اوالعلم به فان اختار الفسخ لا یثبت الفسخ الا بشرط القضاء انتهیٰ بناءً علیه در صورت سوال نکاح دونم صحیح نخواهد شد و در جامع الفصولین می نویسد لو اختار احدهما الفرقة ورد النکاح بخیار البلوغ لم یکن رداً ولا یبطل العقد مالم یحکم به القاضی فیوارثان قبل الحکم انتهیٰ

دربلادیکہ امیر حکومت کفارانددوقضائے قاضی درآنجا مفقوداست اگر ہیچو واقع افتد ضروراست کہ صاحب معاملہ بہ بلاد اسلام کہ دراں قضائے قاضی موجوداست مثلاً بلاد حجاز و بلاد روم وغیرہ وازبلاد ہند رامپور وبھوپال وغیرہ رفتہ اتصال سازدیابذریعہ تحریر از قضاۃ بلاد اسلام حکم فسخ طلب سازد ۔ واللہ اعلم حررہ راجی عبدالحی

تو ان روایات بالا کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ آیا حدیقہ ندیہ کی روایت پر عمل کریں اور یہاں علماء کے ذریعہ سے نکاح فسخ کرالیا جائے یا مولانا عبدالحی مرحوم کی روایت کو لحاظ کرتے ہوئے بلاد رام پور یا بھوپال میں جو قاضی مقرر ہیں ان سے نکاح فسخ کرایا جائے۔ دیگر عرض یہ ہے کہ جب لڑکی بالغ ہوئی تو کیا اسی مجلس کا اعتبار ہوگا کہ وقت بلوغ کی اس حالت کذائی میں کہے کہ مجھے نکاح سابقہ منظور نہیں۔ یا شرع نے اس کو بوجہ لاعلمی کے اختیار وسیع دیا ہے کہ جب علم ہو تو نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ اس مسئلہ میں سخت تشویش ہے۔

المستفتی نمبر ۱۶۳۸ سید محبوب شاہ صاحب (ضلع کیمبلپور) ۱۸ جمادی الاول سن ۱۳۵۶ھ م ۲۷ جولائی سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۳) خیار بلوغ کو کام میں لانے کے لئے مجلس بلوغ میں رد کرنا لازم ہے۔(۱) البتہ اگر لڑکی کو اس بات کا علم نہ ہو کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا ہے اور وہ بالغہ ہو جائے تو جس وقت اس کو نکاح ہونے کا علم ہو اسی مجلس میں رد کردے۔(۲) اگر مجلس نکاح یا مجلس علم بالنکاح میں اس نے سکوت کیا تو یہ اختیار باطل ہو جائے گا۔ خواہ سکوت مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ہی ہو۔ (۳) پھر انکار اور رد کرنے کے بعد فسخ کے لئے قضاء قاضی شرط ہے۔ ہندوستان میں شرعی قاضی نہیں۔ لیکن یہاں کی انگریزی عدالتوں کے مسلمان جج اور سب جج اس بارے میں قاضی کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔ (۴) وہ فسخ کا حکم کردیں تو صحیح ہے۔ ریاستوں کے قاضی فسخ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جب زوج وزوجہ ریاست سے باہر باشندے ہیں تو وہ قاضی کے حدود ولایت سے خارج ہیں۔

اور حدیقہ ندیہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جہاں شرعی قاضی نہ ہوں وہاں مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ فصل خصومات کے لئے علماء کو اختیارات فصل قضایا دیں۔(۵) اور اپنے مقدمات کے ان سے فیصلے کرائیں اور ان کے فیصلے شرعی فیصلے ہوں گے۔ تو اگر مسلمان ایسا کرتے کہ کسی علاقہ میں ایک عالم کو خود مقرر کر لیتے اور سب اس بات کا معاہدہ کرتے کہ اپنے مقدمات کے اس عالم سے فیصلے کرائیں گے اور ان فیصلوں کو تسلیم کریں گے تو بے شک وہ ایسا

---

(۱) وخیار البلوغ لا یمتد الی آخر المجلس۔ (الھندیۃ باب فی الاولیاء ۱/۲۸۵، شرکۃ علمیۃ)

(۲) وان لم تعلم بالنکاح فلها الخیار حتی تعلم۔ (الھدایۃ، کتاب النکاح باب فی الاولیاء ۲/۳۱۷، شرکۃ علمیۃ)

(۳) ویبطل خیار البکر بالسکوت لو مختارة عالمة باصل النکاح ..... ولا یمتد الی آخر المجلس ..... وان جهلت به لتفرغها للعلم۔ (الدر المختار، کتاب النکاح باب الولی، ۳/۷۵-۷۳، سعید)

(۴) ولکن اذا ولی الکافر علیهم قاضیا ورضیه المسلمون صحت تولیته۔ (رد المحتار، کتاب القضاء، ۵/۳۶۹، سعید)

(۵) واذا لم یکن سلطان ولا من لا یجوز التقلد منه ..... یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منهم، یجعلونه والیا فیولی قاضیا ویکون هو الذی یقضی بینهم۔ (رد المحتار، کتاب القضاء، ۵/۳۶۹، سعید)

کر سکتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو اب کوئی عالم یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ اس جیسے مقدمات میں فسخ نکاح کا فیصلہ اور حکم کرے۔ اور اگر کوئی عالم ایسا کرے تو اس کا فیصلہ معتبر اور موثر نہ ہوگا۔ سرکاری عدالتوں کے حج اور سب حج یہ کام اس لئے کر سکتے ہیں کہ ان کو حکومت غیر مسلمہ کی طرف سے قانونی طاقت حاصل ہے کہ ایسے مقدمات میں اسلامی حکم کے موافق فیصلہ کر دیا کریں۔　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شوہر کے آوارہ ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح

(سوال) زید نے اپنی ایک نابالغہ لڑکی کا بکر کے ایک بالغ لڑکے کے ساتھ نکاح کر دیا تھا۔ چونکہ لڑکی اس وقت نابالغہ تھی اس لئے وہ باپ کے گھر رہی اور وداع نہیں کیا گیا تھا اور نہ دولہا کے ساتھ خلوت ہوئی۔ اب جب کہ لڑکی مذکورہ بالغہ ہوئی ہے تو لڑکے والے وداع چاہتے ہیں لیکن لڑکی جانا نہیں چاہتی اور نہ وہ نکاح منظور کرتی ہے بوجہ اس کے کہ دولہا بد چلن ہے۔ کیا ایسی حالت میں نکاح فسخ ہو گیا کہ نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۷۵۵ حکیم عظمت اللہ (کراچی) ۸ رجب سن ۱۳۵۶ھ م ۱۴ ستمبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۴) دولہا کی بد چلنی اور فسق و فجور کی وجہ سے لڑکی بعد البلوغ اپنا نکاح کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے فسخ کرا سکتی ہے۔ (عالمگیری)(۱)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

باپ کا کیا ہوا نکاح درست ہے، طلاق لئے بغیر دوسری جگہ نکاح جائز نہیں

(سوال) زید نے تقریباً ایک سو آدمیوں کے سامنے بقائمی ہوش و حواس اپنی نابالغہ لڑکی کا عقد بکر کے لڑکے کے ساتھ کر دیا اور عام لوگوں کو معلوم کرایا گیا۔ اس سے پہلے اس کے پیر نے لڑکی کی منگنی اسی لڑکے کے ساتھ کی تھی۔ اب زید لڑکی کا رشتہ کسی دوسری جانب دینے کو تیار ہے۔ کیا ازروئے شرع وہ مجاز ہے کہ وہ لڑکی کا رشتہ کسی غیر شخص سے کر دے۔

المستفتی نمبر ۱۸۶۹ سوید ار مولاداد صاحب (ضلع گجرات) ۳ شعبان سن ۱۳۵۶ھ م ۱۹ اکتوبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۵) جب کہ باپ نے اپنی لڑکی کا نکاح ہوش و حواس کی حالت میں کر دیا ہے تو اب اس لڑکی کا رشتہ کسی دوسری جگہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہے

(سوال) زید نے اپنی منکوحہ کو طلاق دی اور زید کے نطفہ سے دو اولادیں نابالغ ہیں۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکا زید کے پاس رہا اور لڑکی کو بسبب زیادہ ہونے رغبت مال سے اس کی ماں کو دے دیا۔ اور طعام و لباس کا زید کفیل رہا۔ بعد چند عرصہ کے لڑکی کی ماں نے اپنا عقد ثانی کر لیا اور اپنے شوہر ثانی کے لڑکے سے اپنی لڑکی نابالغہ کا نکاح کر دیا۔ لہذا یہ نکاح بلا اجازت باپ کی درست ہے کہ نہیں۔ اور یہ کہ لڑکی کو بسبب زیادہ ہونے رغبت مال سے زید کا مجبوراً لڑکی کو دے دینا اور طعام و لباس کا کفیل رہنا کیا زید کی ولایت کو فسخ کرتا ہے اور لڑکی کے جملہ حقوق جو کہ باپ پر فرض ہیں، جیسے

---

(۱) باپ نے اگر ہوش و حواس میں آ کر ایسے شخص کے ساتھ نکاح کیا تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔

رجل زوج ابنته الصغيرة من رجل على ظن انه صالح لا يشرب الخمر فوجد الاب شريبا مدمنا و كبرت الابنة فقالت لا ارضى بالنكاح ، ان لم يعرف ابوها يشرب الخمر غلبة اهل بيته الصالحون فالنكاح باطل اى يبطل وهذه المسئلة بالاتفاق۔ (الہندیۃ، کتاب النکاح، الباب الخامس فی الاکفاء، ۱: ۲۹۱، ماجدیہ)

(۲) ولزم النكاح　ان كان الولى　ابا او جدا۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳: ۶۶، سعید)

وراثت، پرورش تعلیم قرآن و مسائل ضروریہ کیا باپ سے جاتے رہیں گے اور یہ کہ لڑکی کی ماں ہماری اپنے اقاربوں سے وصیت کرتی ہے کہ بعد میرے لڑکی کو اس کے باپ کے پاس پہنچا دینا اور اس کے اقارب زید کو بلا کر کہتے ہیں کہ مرحومہ کی وصیت کے مطابق لڑکی تمہاری کفالت میں دیتے ہیں اور تم لڑکی کے ولی ہو۔ زید لڑکی کو لا کر کچھ عرصہ بعد دوسری جگہ لڑکی نابالغہ کا نکاح کر دیتا ہے۔ یہ نکاح ثانی درست ہے کہ نہیں اور لڑکی کے بالغ ہونے تک لڑکی کی رضامندی پر منحصر ہے کہ نہیں۔ تو کفالت لڑکی کی بالغ ہونے تک شرعاً باپ پر واجب ہے یا کسی دیگر لڑکی کی ماں کے رشتہ دار پر جس کی کفالت میں لڑکی کی پرورش حفاظت تعلیم دینی و تعلیم امور خانہ داری شامل ہیں۔ اور جب کہ مرحومہ کی وصیت کے مطابق لڑکی باپ کے پاس پہنچ گئی اور باپ ان تمام باتوں کی تعلیم پر سرگرم ہے۔

المستفتی نمبر ۱۹۴۲ سید پیارے علی تاجر عطر (بانس بریلی) ۲۱ شعبان سن ۱۳۵۶ھ م ۲۷ اکتوبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۶) (۱) یہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف ہے۔ اگر وہ اجازت دے تو جائز ہوگا اور رد کر دے تو باطل ہوگا۔(۱) (۲) باپ کا حق ولایت باطل نہیں ہوا اور لڑکی کے حقوق تربیت و وراثت باپ کے ساتھ قائم ہیں۔(۲) اگر لڑکی کے باپ نے پہلے نکاح کو رد کر دیا ہے تو وہ باطل ہو گیا۔ اور دوسرا نکاح جو یہ باپ نے کیا وہ صحیح اور درست ہو گیا۔

باپ ولی ہے اگرچہ کفالت نہ کرتا ہو

(سوال) الحمد للہ جواب فتویٰ صادر ہوا۔ نفس مطلب سے اطلاع ہوئی۔ مگر زید کے مخالف ایک بات پر معترض ہیں کہ زید جملہ اخراجات و ضروریات لڑکی کا کفیل نہیں تھا۔ یہ فتویٰ بھی جو سوال اول میں درج ہے بہ بنائے کل کفالت لباس و طعام کے تحت میں ولی کامل ہونے کی اجازت دیتا ہے۔ لہذا براہ خدا جواب ہر ایک بات کا تفصیل کے ساتھ مرحمت فرمایئے تاکہ اتمام حجت ہو۔

المستفتی نمبر ۱۹۶۸ سید پیارے علی صاحب تاجر عطر (بریلی) ۲۶ شعبان سن ۱۳۵۶ھ م یکم نومبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۷) لڑکی کا باپ حقیقی ولی ہے۔ خواہ وہ لڑکی کے نان نفقہ کا کفیل ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ لڑکی سے دستبردار ہو جائے اور خواہ لڑکی ماں کے پاس رہتی ہو یا باپ کے ساتھ۔ غرض ہر صورت میں باپ ولی ہے اور نابالغہ لڑکی کا نکاح باپ کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہوتا۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ماں کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ ہے

(سوال) ایک لڑکی مسماۃ ر سوا سات یا آٹھ سال کی ہوئی کہ اس کے باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس کی والدہ نے ایک اور نکاح کر لیا۔ آج سے ڈیڑھ سال پیشتر اس کی والدہ نے اس کی شادی ایک جگہ پر کر دی لیکن وہ لڑکی اب تک نابالغ ہے اور لڑکی کا دل اس خاوند سے بالکل نہیں ملتا اور وہ چھ سات ماہ سے اپنی والدہ کے گھر آگئی ہے اور جب اس کی والدہ نے اس کی شادی کی اس وقت مسماۃ ر سوا بارہ تیرہ سال کی ہوگی اور ر سوا کے جائز وارث اس کے چچازاد بھائی ہیں جو اس کے نکاح میں شامل نہیں ہوئے تھے۔

---

(۱) فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔ (الدر المختار، کتاب النکاح باب الولی، ۳/ ۸۱، سعید)

(۲) قال الامام ابو منصور یجب علی المؤمن ان یعلم ولدہ الجود والاحسان کما یجب علیہ ان یعلم التوحید والایمان۔ (الدر المختار، کتاب الھبۃ، ۶/ ۶۸۷)

(۳) وھو ای الولی شرط صحۃ نکاح صغیر۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۵۵، سعید) وفی الخلاصۃ: ولی المرأۃ فی تزویجھا ابوھا وھو اولی الاولیاء۔ (خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب النکاح، ۲/ ۸، بیروت)

المستفتی نمبر ۱۹۷۵ اغلام حسین (بوسال۔ ضلع گجرات، پنجاب) ۲۷ شعبان سن ۱۳۵۶ھ م ۲ نومبر سن ۱۹۳۷ء
(جواب ۱۰۸) ماں نے نابالغہ لڑکی کا جو نکاح کر دیا ہے اگر لڑکی کا اور ولی نہیں ہے تو یہ نکاح منعقد تو ہو گیا (۱) مگر لڑکی کو بالغہ ہونے کے وقت اختیار ہو گا کہ چاہے اسے قبول کرے اور چاہے رد کرے۔ اگر بالغہ ہوتے ہی اس نے رد کر دیا تو پھر حاکم اس نکاح کو باطل کر دے گا۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بالغہ لڑکی اپنا نکاح خود کر سکتی ہے

(سوال) لڑکی کی عمر چودہ سال کی ہونے والی ہے مگر لڑکی سن بلوغ کو پہنچ گئی ہے۔ کل علامات موجود ہیں ماہواری ہوتی ہے۔ لڑکی چاہتی ہے کہ اپنا نکاح اپنی خواہش سے جس سے چاہوں کر لوں۔ لڑکی کا باپ بھی زندہ ہے مگر لڑکی اپنی ماں کے پاس رہتی ہے۔ لڑکی کا باپ ایک بازاری عورت کے پاس رہتا ہے۔ آٹھ دس برس سے اپنے بیوی بچوں کو روٹی کپڑا نہیں دیتا۔ لڑکی کی ماں اور ایک لڑکا نابالغ اور ایک لڑکی یہ جو اپنا نکاح کرنا چاہتی ہے یہ تینوں مانگ کر اپنا گزارہ کرتے ہیں۔ لڑکی چونکہ بالغ ہو گئی ہے وہ اپنا نکاح کرنا چاہتی ہے۔ آیا لڑکی بحیثیت بالغ ہونے کے نکاح خود کر سکتی ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۰۱۶ سید محمد ابراہیم جعفری ہاپوڑ۔ ۱۰ رمضان سن ۱۳۵۶ھ م ۱۵ نومبر سن ۱۹۳۷ء
(جواب ۱۰۹) اگر لڑکی کو ایام ماہواری آنے لگے ہیں تو وہ بالغہ ہو گئی ہے اور اس کو اپنی مرضی سے اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہو گیا ہے۔ (۳) اگرچہ اس کی عمر ابھی چودہ سال کی ہے مگر ایام ماہواری شروع ہو جانے پر بالغہ ہو جانا متفق علیہ ہے۔ البتہ ایام ماہواری شروع نہ ہوں تو پھر پندرہ سال کی عمر ہو جانی لازم ہے۔ (۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ناجائز اولاد کی ولایت کس کو ہے؟

(سوال) مسماۃ فتح منکوحہ و مدخولہ نورا ہمراہ صلحہ تعلق ناجائز پیدا کر کے اس کے ہمراہ اغوا ہو گئی۔ صلحہ کے نطفہ حرام سے چند لڑکے لڑکیاں بھی پیدا ہوئیں۔ ایک لڑکی بالغہ ہے اور وہ باقی جو اولاد ہیں وہ بالغ نہیں۔ بمرور زمانہ فتح کے ہوش بجا ہوئے اور فتح مذکورہ کا بیان ہے کہ وہ اپنی جملہ اولاد لے کر اپنے جائز خاوند کے پاس پہنچی جانے اس کے دیگر رشتہ دار بھی تھے۔ عورت مذکورہ کا بیان ہے کہ چند دن تک میں اپنے رشتہ داروں اور اپنے خاوند کے آگے گڑگڑاتی اور خوشامد کرتی رہی کہ میرے قصور سے درگذر فرمایا جائے اور اپنے گھر میں جگہ دی جائے اور اس اولاد کا بھی وارث ہو جانا چاہئے جو کہ ...... صلحہ کے نطفہ حرام سے ہے لیکن فتح بیان کرتی ہے کہ میرے جائز خاوند نورا نے کہا کہ میں نے دوسری شادی کر لی ہے۔ میرا تمہاری بابت اور اس اولاد کی بابت کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم جانو اور تمہارا کام۔ آخر فتح ناامید ہو کر واپس صلحہ کے پاس آئی اور نشیب و فراز زمانہ کو مد نظر رکھتے ہوئے مسماۃ فتح اپنی جملہ اولاد بالغ اور نابالغ کا عقد نکاح مسمی صلحہ کے رشتہ داروں سے کرنا چاہتی ہے۔ سو غرض یہ ہے کہ صلحہ اور رشتہ داران صلحہ کو حق ولایت حاصل

(۱) وان لم یکن عصبة فالو لاية للام (الدر المختار، کتاب النکاح باب الولی، ۳/ ۷۸، سعید)
(۲) وان زوجهما غير الاب والجد فلكل واحدمنهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النكاح وان فسخ۔ (الھندیۃ، کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۵، ماجدیۃ)
(۳) وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم يعقد عليها ولى بكرا كانت اوثيبا (الھدایۃ، کتاب النکاح، ۲/ ۳۱۳، شرکۃ علمیۃ)
(۴) بلوغ الغلام بالاحتلام والا حبال والجارية بالاحتلام والحيض والحبل فان لم يوجد فيهما شئی فحتی يتم لكل منهما خمس عشر سنة ، به يفتى، (الدر المختار، کتاب الحجر، فصل فی بلوغ الغلام، سعید)

نہیں ہے اور فتح مذکور کے جائز خونداور اس کے رشتہ داران بالغ و نابالغ اولاد کی سرپرستی سے کوسوں دور ہیں تو کیا فتح کی ولایت میں اور صلحہ کے کفو میں ان کے لڑکے لڑکیوں کا نکاح کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۱۰) مسماۃ فتح کی نا جائز اولاد صلحہ کو نہیں ہے اگر فتح نابالغوں کی شادی کردے گی تو منعقد ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ بہر حال ماں ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

باپ کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ نہیں

(سوال) ایک لڑکی آٹھ سال کی ہے۔ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا تھا۔ لیکن لڑکی کا باپ گزر گیا اور اس لڑکی کا ایک لڑکا جو رشتہ دار ہے یعنی یہ لڑکی اس لڑکے کے ماموں کی لڑکی ہے وہ لے آیا ہے جس کو تخمیناً ایک سال ہو گیا ہے۔ اب جس شخص سے باپ نے نکاح کر دیا تھا وہاں جانے کے لئے رضامند نہیں ہے بلکہ جو لڑکا اس کو لے آیا ہے اپنے ماموں کی لڑکی سمجھ کر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور اس وقت لڑکی کی عمر گیارہ سال کی ہے۔ لہذا گزارش ہے کہ جس سے نکاح پہلے ہوا تھا وہ طلاق نہیں دیتا اور نہ لڑکی اس کے گھر جانا چاہتی ہے۔ اب اس نابالغہ لڑکی کا ماموں کے اس لڑکے سے نکاح جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۰۵۲ احمد خاں و اسمٰعیل خاں صاحب، قصبہ بلاڑی (کرنال) ۱۵ رمضان سن ۱۳۵۶ھ م ۲۰ نومبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۱) اس نابالغہ لڑکی کا جو نکاح باپ نے کر دیا تھا وہ نکاح قائم ہے اور جب تک وہ خاوند طلاق نہ دے دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا۔(۲) اب جب تک لڑکی بالغ نہ ہو اس کو خیار بلوغ کے ماتحت کوئی کارروائی کرنے کا مجاز نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

صحت نکاح کے لئے قاضی کے رجسٹر میں اندراج شرط نہیں

(سوال) بوجہ نہ ملنے قاضی کے ۱۰ مئی سن ۳۵ء کو مجھ محمد اسحاق ولد کلن کا نکاح مسماۃ حمیدن بنت شہاب الدین کے ساتھ نائب امام مسجد فتحپوری نے پڑھایا ہے۔ چنانچہ مسماۃ حمیدن کو اس کے بھائی محمد اسحاق کے یہاں سے لے گئے اور لوگ کہتے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا مسماۃ حمیدن العمر جوان ہے۔ اس کی والدہ نے خود ولی بن کر نکاح پڑھایا ہے۔ آیا وہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۰۵۱ محمد اسحاق ولد کلن (دہلی) ۱۵ رمضان سن ۱۳۵۶ھ م ۲۰ نومبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۲) جب کہ نکاح باقاعدہ ایجاب و قبول کے بعد ہو گیا تو نکاح صحیح اور جائز ہے۔(۳) خواہ قاضی کے رجسٹر میں اس کا اندراج ہو یا نہ ہو۔ لڑکی جوان تھی اور خود اس کی مرضی کے ساتھ نکاح ہوا تو ماں کے ولی بننے کا کوئی اثر نہیں۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دادا نے ضد اور ستانے کی غرض سے پوتی کا نکاح کر دیا تو اس کو فسخ کیا جا سکتا ہے یا نہیں

(سوال) مسمی کا موں نے کہ جس کا نزاع بیٹے کی زندگی میں تھا اور اب بعد میں از حد نزاع ہو گیا ہے۔ اور آپس میں

---

(۱) فان لم یکن عصبة فالولایة للام۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۷۸ ط سعید)

(۲) فان زوجهما الاب والجد فلا خیار لهما بعد بلوغهما (الهندیة، کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۵ ط ماجدیة)

(۳) النکاح ینعقد بالایجاب والقبول۔ (الهدایة، کتاب النکاح، ۲/ ۳۰۵ ط شرکة علمیة)

(۴) فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا رضا ولی والاصل ان کل من تصرف فی ماله تصرف فی نفسه وما لا فلا۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۵۶ ط سعید)

مقدمہ بازی بھی سخت ہو رہی ہے۔ اپنی پوتی کا نکاح جو کہ اسی کی بہو مسماۃ چوراں کے پیٹ سے ہے۔ اپنے بھتیجے سے جو قبل از نکاح مرض موتیا بند میں مبتلا تھا۔ محض ضد کی وجہ سے کردیا۔ مسماۃ چوراں نے بہت رونا پیٹنا کیا مگر کوئی اثر نہ ہوا اور اس طرح کاموں نے یہ نکاح محض عداوت کی وجہ سے کیا۔ بر ملا کہتا ہے کہ مسماۃ چوراں کی لڑکی کو تو اب عمر بھر تاہی رہوں گا۔ اب لڑکی سے جب کہ وہ عدالت میں پیش ہوئی ہے صاف کہہ دیا ہے کہ میرا تمام عمر کے لئے راستہ بند کردیا ہے۔ میں ہرگز نہیں جاؤں گی اور عدالت کے دروازے پر ٹکر کھا کر مر جاؤں گی اور نعوذ باللہ مرتد ہونے تک کا بھی نے قصد کر لیا ہے۔ براہ کرم کوئی صورت تنسیخ نکاح کی تحریر فرمادیں تاکہ دین میں فساد برپا نہ ہو اور یہ نکاح محض ضد پر مبنی ہے۔ گاموں سے کہا گیا کہ تیری پوتی کسی اور کے ساتھ نکل جائے گی۔ کہا کہ سو ۱۰۰ مرتبہ نکل جائے۔ ضرور توجہ فرمائیں۔ یہ دو عورت مقدموں میں برباد ہو رہی ہے۔

المستفتی نمبر ۲۰۹۰ ابوالحسن صاحب (پچن آباد) ۳ شوال سن ۱۳۵۶ھ م ۷ دسمبر سن ۱۹۳۷ء

جواب ۱۱۳) اگر دادا نے لڑکی کا نکاح لڑکی کے بالغ ہونے کے زمانے میں لڑکی کی رضامندی حاصل کئے بغیر کردیا ہے تو نکاح صحیح نہیں ہوا (۱) اور اگر نابالغی کے زمانے میں کیا ہے تو اس کو نابالغہ کے نکاح کرنے کی ولایت حاصل تھی۔ مگر جب کہ اس امر کے شواہد اور دلائل موجود ہوں کہ اس نے لڑکی کو ستانے کی غرض سے نکاح کیا ہے تو کوئی حاکم مسلمان اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔ (۲) اس لئے کہ بد نیتی کے ساتھ نکاح کر دینے کا باپ دادا کو بھی حق نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بالغ کی طرف سے ولی کا ایجاب و قبول

سوال) ایک شخص اپنی بالغہ لڑکی کا نکاح لڑکی کی رضامندی سے ایک تین سال عمر کے لڑکے کے ساتھ جائز ولی کی ولایت سے کر دیتا ہے۔ چند یوم بعد فریقین علماء سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا ایسی صورت میں یہ لڑکا اپنی منکوحہ کو طلاق دینے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں۔ اس قسم کے فتوے طلب کرنے کے بعد بالآخر لڑکے کے نکاح کو کالعدم تصور کر کے لڑکے سے طلاق حاصل کئے بغیر لڑکے کی منکوحہ کا نکاح ایک دوسری جگہ کر دیتے ہیں اور عذر گناہ یہ تراشتے ہیں کہ اگرچہ لڑکے کی طرف سے جائز ولی قبول کنندہ ہو۔ لڑکے کا نکاح عند الشرع مسلم نہ ہوگا۔

۲) بصورت دیگر اگر لڑکے سے بالفرض طلاق حاصل کی جائے تو لڑکے کی طلاق مشروع ہوگی یا غیر مشروع۔

۳) مذکورہ بالا صورت میں نکاح اول صحیح رہا یا دوسرا نکاح ثانی کے نکاح خواں اور حاضرین مجلس کے اپنے نکاح باقی ہیں گے یا ان کو تجدید نکاح و تجدید کلمہ ضروری ہے۔

۴) اگر ان کو تجدید نکاح وغیرہ ضروری ہے اور وہ اس کے لئے تیار نہ ہوں تو ایسے محرمات الٰہیہ کو مستحل سمجھنے والے سے مجلسی اور خانگی تعلقات رکھنے کیسے ہیں؟

المستفتی نمبر ۲۱۱۰ ایم۔ حافظ محمد عبدالستار (ملتان) ۹ شوال سن ۱۳۵۶ھ م ۱۳ دسمبر سن ۱۹۳۷ء

---

(۱) لایجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنہا بکرا کانت ثیبا فان اجازتہ جاز وان ردتہ بطل کذا فی سراج الوھاج. (الہندیۃ، کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱: ۲۸۷، ماجدیۃ)

(۲) لو کان الاب معروفا بسوء الاختیار لم یکن نکاحہ منعقدا کما فی الدر او زوجہما بغیر کفء ان کان الولی المزوج بنفسہ بغبن اب او جد لم یعرف منہما سوء الاختیار مجانۃ وفسقا وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳: ۶۶، سعید)

(جواب ۱۱۴) یہ عذر کہ بوقت نکاح شوہر بچہ تھا اس لئے نکاح صحیح نہیں ہوا اگرچہ قبول اس کے جائز ولی نے کیا تھا غلط اور مہمل ہے۔ جائز ولی کے قبول کرنے سے نکاح صحیح ہو گیا۔(۱) اور حنفیوں کے نزدیک نابالغ (۲) اور اس کے ولی کی طلاق غیر معتبر ہے۔(۳) پس صورت مسئولہ میں نکاح اول قائم ہے اور اس کی صحت اور قیام کی صورت میں نکاح ثانی ناجائز ہے۔(۴) جو لوگ نکاح ثانی میں شریک تھے اور ان کو نکاح اول کا علم تھا وہ سب گنہگار ہوئے ان پر توبہ واجب ہے۔ ان کے کفر کا حکم کرنا لازم نہیں ہاں توبہ کرنی لازم ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

چچا کے ہوتے ہوئے ماں کا کیا ہوا نکاح موقوف ہے

(سوال) مسماۃ ہندہ نے اپنے نابالغ لڑکے کا نکاح اپنی اجازت سے کر دیا۔ لڑکے کے باپ موجود نہیں انتقال کر چکے ہیں۔ اس کے باپ کے چچا موجود ہیں لیکن وہ اپنے باپ کے انتقال پر سسرال سے میکے گئی تھی۔ اس وقت سے سسرال واپس نہیں آئی اور چچا کی عدم موجودگی میں اپنی اجازت سے اپنے نابالغ لڑکے کا نکاح کر دیا۔ آیا یہ نکاح ازروئے شریعت جائز ہوا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۱۵۸ چودھری عبدالرحمن صاحب (ضلع جالون) ۲۷ شوال سن ۱۳۵۶ھ

(جواب ۱۱۵) جب کہ نابالغ لڑکے کے چچا یا اس کے باپ کے چچا موجود ہیں تو ہندہ کو ولایت نکاح حاصل نہیں۔ یہ نکاح لڑکے کے چچا یا اس کے باپ کے چچا کی اجازت پر موقوف ہے۔(۶) اگر وہ خبر پا کر جائز رکھیں تو صحیح ورنہ باطل ہو جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نکاح پر نکاح پڑھانے والے کا حکم

(سوال) مسماۃ فضل بیگم نابالغہ ولد احمد قوم حجام کا نکاح اس کے چچازاد بھائی حکیم محمد دین، امام دین اور اسی کی والدہ نے سن ۱۹۲۱ء میں پڑھایا تھا اور مسماۃ فضل بیگم نابالغہ کے باپ دادا فوت ہو چکے تھے اور حقیقی بھائی کوئی نہیں تھا اس لئے چچازاد بھائیوں اور والدہ نے نکاح پڑھایا۔ اب بہت مدت گزر جانے کے بعد اسی کی والدہ نے اس کا نکاح دوسری جگہ سن ۱۹۳۸ء میں پڑھا دیا ہے کیا پہلا نکاح درست ہے یا دوسرا۔ دوسرا نکاح واقع نہ ہوا تو جنہوں نے پہلے نکاح کی موجودگی میں نکاح پڑھا ہے۔ نکاح خواں۔ شاہدین کے حق میں کیا وارد ہے؟

المستفتی نمبر ۲۲۸۵ ناظم مدرسہ عربیہ ڈنگہ (ضلع گجرات) ۵ ربیع الثانی سن ۱۳۵۷ھ ۵ جون سن ۱۹۳۸

(جواب ۱۱۶) چچازاد بھائی ولی تھے اور ان سے قریب تر کوئی اور ولی نہیں تھا تو وہ نکاح صحیح ہو گیا تھا۔(۷) اور جب تک کہ وہ نکاح قائم ہے دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا۔(۸) اس کی والدہ نے دوسرا نکاح کیوں طور کس وجہ سے کیا۔ پہلے نکاح

---

(۱) وللولي انكاح الصغير والصغيرة۔ (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، ۳: ۶۵، سعيد)
(۲) فلا يصح طلاق صبي۔ (الدر المختار، كتاب الحجر، ۶: ۱۴۴، سعيد)
(۳) واهله زوج عاقل بالغ وفي الرد: احترز بالزوج عن سيد العبد ووالد الصغير۔ (رد المحتار، كتاب الطلاق، ۳: ۲۳۰، سعيد)
(۴) لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث في المحرمات، ۱: ۲۸۰، ماجدية)
(۵) يجب ان يعلم انه اذا كان في المسئلة وجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنع التكفير فعلى المفتي ان يميل الى الوجه الذي يمنع التكفير تحسينا للظن بالمسلم ان كانت نية القائل الوجه الذي يمنع التكفير فهو مسلم وان لم تكن له نية حمل المفتي كلامه على وجه لا يوجب التكفير ويؤمر بالتوبة والاستغفار واستجداد النكاح۔ (التاتارخانية، ۵: ۴۵۸)
(۶) فلو زوج الابعد حال قيام الاقرب توقف على اجازته۔ (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، ۳: ۸۱، سعيد)
(۷) وللولي انكاح الصغير والصغيرة۔ (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، ۳: ۶۵، سعيد)
(۸) لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث، ۱: ۲۸۰، ماجدية)

کے قائم ہونے کی صورت میں دوسرا نکاح پڑھانا بغیر کسی معقول وجہ شرعی کے حرام ہے اس لئے نکاح پڑھانے والے اور شرکاء جن کو اس بات کا علم تھا کہ لڑکی منکوحہ ہے، سب گنہگار اور فاسق ہوئے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

نابالغہ کا نکاح باپ کی اجازت کے بغیر درست نہیں

(سوال) سکینہ بیگم اپنی نابالغہ لڑکی رئیسہ بیگم کی شادی اپنی مرضی اور خوشی سے کر سکتی ہے یا نہیں اس صورت میں جب کہ رئیسہ بیگم کا والد و دادا و چچا رضامند نہ ہوں اور موجود بھی ہوں اور اگر سکینہ بیگم اپنی لڑکی نابالغہ رئیسہ بیگم کے والد و دادا و چچا کے خلاف مرضی شادی کر دے تو وہ نکاح شرعاً جائز ہو گا یا نہیں اور رئیسہ بیگم کا ولی اس کا والد ضمیر الدین یا اس کے چچا یا اس کا دادا قاضی بشیر الدین یا اس کی والدہ سکینہ بیگم مذکورہ بالا اشخاص میں سے کون ہیں؟

المستفتی نمبر ۲۲۹۶ قاضی محمد رفیع الدین صاحب میرٹھ۔ ۷ ربیع الثانی سن ۱۳۵۷ھ م ۷ جون سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۱۷) نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کے باپ کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ باپ ولی ہے باپ کی موجودگی میں ماں کو حق ولایت حاصل نہیں۔ باپ کے بعد اگر دادا موجود ہو گا تو وہ ولی ہو گا اور جب تک کوئی عصبہ موجود ہو ماں ولی نہیں ہو گی۔(۲) اگر ماں ولی جائز کی اجازت کے بغیر نابالغہ لڑکی کی شادی کر دیگی تو وہ شادی ولی کی اجازت پر موقوف ہو گی۔(۳) ولی اگر ناراضی کا اظہار کر دے گا تو شادی باطل ہو جائے گی۔　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

تایازاد بھائی اور بہن میں سے ولایت کس کو ہے

(سوال) میرے والدین انتقال کر گئے۔ ہم دو بہنوں کے سوا اور کوئی لڑکا نہیں۔ ایک کی شادی ہو گئی۔ دیگر ناکت خدا ہے۔ کیا شرعاً ناکت خدا لڑکی کی شادی کرنے کا حق حقیقی بہن کو ہے یا قریبی رشتہ دار یعنی تایازاد بھائی کو۔

المستفتی نمبر ۲۲۹۸ عباس خاں صاحب (راجپوتانہ) ۷ ربیع الثانی سن ۱۳۵۷ھ م ۷ جون سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۱۸) نابالغہ لڑکی کی شادی تایازاد بھائی کی اجازت سے ہو گی(۴) اور اگر ناکت خدا لڑکی بالغ ہو تو پھر اس کی اپنی اجازت اور رضامندی سے اس کی شادی ہو سکتی۔(۵)　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

چچا کے ہوتے ہوئے ماں کا کیا ہوا نکاح موقوف ہے

(سوال) ایک لڑکا نو دس سالہ یتیم ہے اور اس کا ایک چچا جو اس کے باپ کا چچازاد بھائی ہے موجود ہے۔ اس چچا کی عدم موجودگی میں اس لڑکے یتیم کی والدہ نے اپنی رضامندی سے کسی جگہ اس اپنے لڑکے کا نکاح کرا لیا ہے اور یہ چچا اس لڑکے کے اس نکاح سے سخت ناراض اور ناخوش ہے اور چاہتا ہے کہ میں اس لڑکے کا نکاح اپنی رضامندی سے کسی دوسری جگہ کروں اور اس رشتہ کو چھوڑ دوں۔ آیا اب شریعت مقدسہ اس مسئلہ میں کیا حکم دیتی ہے۔ کیا اس لڑکے کے نکاح کو چچا فسخ کرا سکتا ہے یا نہیں اور کیا صورت اس کے فسخ ہونے کی ہے یعنی اس نابالغی کی حالت میں اس لڑکے کے نکاح کو چچا فسخ کرا سکتا ہے یا کہ بعد بلوغ کے اور لڑکے کے بالغ ہونے کی شریعت مقدسہ نے کیا حد مقرر کی

---

(۱) والفتوى على الترديد ان استعمل مستحلا كفر والا لا ، فان ارتكب من غير استحلال فسق۔ (شرح فقه الاكبر لملا علي القاري: ۱۸۸)
(۲) فان لم يكن عصبة فالولاية للام۔ (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي ۳/ ۷۸، سعيد)
(۳) فلو زوج الا بعد حال قيام الا قرب توقف على اجازته۔ (الدر المختار، النكاح، باب الولي، ۳/ ۸۱، سعيد)
(۴) واقرب الاولياء الى المرأة الابن ثم ابن الا بن و ان سفل ثم الاب ثم الجد ابو الاب ... ثم العم ... ثم ابن العم۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۳، ماجدية)
(۵) وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم يعقد عليها ولي۔ (الهندية، كتاب النكاح، باب في الاولياء، ۲/ ۳۱۳، شركة علمية)

ہے؟ المستفتی نمبر ۲۳۵۴ محمد بنده علی صاحب (کرنال) ۴ جمادی الاول سن ۱۳۵۷ھ م ۳ جولائی سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۱۹) اس نابالغ لڑکے کے نکاح کی ولایت اس کے چچا کو حاصل تھی۔ اس کی موجودگی میں ماں کو حق ولایت نہیں تھا۔ پس ماں نے جو نکاح کر دیا تھا وہ چچا کی اجازت پر موقوف تھا۔ اگر چچا نے اس نکاح سے نارضامندی کا اظہار کر دیا تو یہ نکاح خود ہی باطل ہو گیا۔(۱) اس کے فسخ کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

لڑکی کی حد بلوغت

(سوال) ایک لڑکی جس کی عمر بوقت نکاح تیرہ سال تین ماہ تھی۔ باپ دادا، پردادا فوت ہو چکے تھے۔ حقیقی بالغ بھائی موجود تھے لیکن بلا اس کی اجازت اور رضامندی کے سوتیلے بھائی نے ولی بن کر بے میل لڑکے کے ساتھ نکاح کر دیا۔ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی۔ نہ لڑکی آج تک شوہر کے مکان میں گئی۔ نہ رخصت ہوئی اب لڑکی کی عمر پندرہ سال کو ہے۔ حقیقی بھائی اب تک اس نکاح سے رضامند نہیں ہے۔ لڑکی نے بعد بلوغ نوٹس انفساخ نکاح ناکح کو دے دیا ہے۔ تو حالات واقعہ یہ ہیں۔

(۱) لڑکی کا بابت نکاح بلوغ کس عمر میں متصور ہے۔

(۲) سگے بھائی کے ہوتے ہوئے سوتیلے بھائی کا کیا ہوا نکاح موقوف ہے حقیقی بھائی کی موجودگی اور ناراضامندی میں نکاح مذکور باطل ہے یا نہیں۔ اگر باطل ہے تو طلاق کی ضرورت ہے یا بلا طلاق کے دوسرے شخص کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے۔

(۳) اگر شرعاً باطل نہیں ہے تو لڑکی جو نکاح کو منظور نہیں کرتی اور نوٹس انفساخ باضابطہ دے چکی ہے اس کے لئے چارہ کار کیا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۳۹۰ شیخ احمد صاحب (ایٹہ) ۱۰ جمادی الثانی سن ۱۳۵۷ھ م ۱۸ اگست سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۲۰) حقیقی بھائی ولی اقرب تھا۔(۳) اس کی موجودگی میں سوتیلے بھائی نے جو ولی ابعد تھا نابالغہ کا نکاح کیا تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف تھا۔(۴) اگر حقیقی بھائی نے اس نکاح کو نامنظور کر دیا تو نکاح اسی وقت باطل ہو گیا اور اگر حقیقی بھائی نے اجازت دے دی ہو اور لڑکی نے بلوغ کے وقت ناراضی ظاہر کر دی ہو تو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرایا جا سکتا ہے۔(۵) عدالت مسلمان حاکم کی ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

لڑکی نے بالغ ہوتے ہی کہا کہ چار اشخاص بلالاؤ کیونکہ میں اپنا نکاح نہیں رکھنا چاہتی، کیا حکم ہے

(سوال) ایک لڑکی جس کا نکاح نابالغی میں اس کے ولی اقرب نے (ماسوائے باپ اور دادا کے) اپنے پسند سے کر دیا تھا۔

---

(۱) فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۸۱، سعید)

(۲) اور لڑکے کے بالغ ہونے کی حد پندرہ سال ہے۔ وفی الدر: بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال فان لم یوجد فیهما شیئ فحتی یتم لکل منهما خمس عشرة به یفتی۔ (الدر المختار، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، ۶/ ۱۵۳، سعید)

(۳) واقرب الاولیاء الی المرأة الابن ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب۔ (الهندیة، النکاح، الباب الرابع فی الاولیاء، ۱/ ۲۸۳، ماجدیة)

(۴) وان زوج الصغیر او الصغیرة ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضرا وهو من اهل الولایة توقف نکاح الابعد علی اجازته۔ (الهندیة، النکاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۵، ماجدیة)

(۵) ولهما خیار الفسخ بالبلوغ فی غیر الاب والجد بشرط القضاء ای الصغیر و الصغیرة۔ (البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الاولیاء، ۳/ ۱۲۸، بیروت)

جب اس کو حیض اول آیا تو وہ اس وقت اپنی خالہ کے پاس بیٹھی تھی۔ اس نے فوراً اپنی خالہ کو یہ کہا۔ "چار اشخاص کو بلا لاؤ کیونکہ میں بکر کے ساتھ اپنا نکاح نہیں رکھنا چاہتی۔" چنانچہ اس کی خالہ جاکر چار پانچ اشخاص کو بلا لائی۔ اس لڑکی نے ان کو کہا کہ جو نکاح عمرو نے اپنے لڑکے بکر سے کیا ہے وہ نکاح مجھے منظور نہیں ہے۔

(۱) کیا لڑکی کے ان الفاظ ذیل "چار اشخاص بلا لاؤ کیونکہ میں بکر کے ساتھ اپنا نکاح رکھنا نہیں چاہتی" کے کہنے سے اس مجلس میں نکاح کا نامنظور کرنا پایا جاتا ہے یا صرف نامنظور کرنے کا ارادہ ظاہر ہوتا ہے یا جب گواہان مجلس دوئم میں آئے ہیں تب اس نے نامنظور کیا ہے۔

چار اشخاص بلا لاؤ کہنے سے جو تاخیر واقع ہوئی اس سے کیا خیار بلوغ جاتا رہے گا؟

(۲) "چار اشخاص بلا لاؤ" کے الفاظ جو الفاظ ذیل "بکر کے ساتھ اپنا نکاح نہیں رکھنا چاہتی" کے پہلے بیان ہوئے زائد الفاظ ہیں اور ان کے کہنے سے کوئی تاخیر واقع ہوئی ہے۔ یا مسلسل کلام ہونے کی وجہ سے کوئی تاخیر رونما نہیں۔

المستفتی نمبر ۲۴۰۲ سید حسین صاحب منصف درجہ اول (بھاولپور اسٹیٹ) ۲ رجب سن ۱۳۵۷ھ

(جواب ۱۲۱) اس قول سے نکاح سے راضی نہ ہونا اسی مجلس میں پایا جاتا ہے۔ دوسری مجلس میں گواہوں کے سامنے ناراضی کا اظہار ہے۔ لہذا اس کے اس قول سے مجلس بلوغ میں نکاح سے ناراضی کا اظہار ہو گیا۔(۱) یہ تاخیر مضر نہیں ہے اور اس سے اس کا خیار باطل نہیں ہوا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نانا کا کیا ہوا نکاح باپ کی اجازت پر موقوف ہے

(سوال) مسماۃ ہندہ کا شوہر زید بوجہ نزاع باہمی کے مسماۃ ہندہ اپنی زوجہ منکوحہ کو جب کہ وہ حاملہ تھی چھوڑ کر اپنی قدیم جائے سکونت پر چلا گیا۔ بعد جانے زید کے مسماۃ ہندہ کے لڑکی پیدا ہوئی۔ زید بسلسلہ تجارت برابر آتا جاتا ہے۔ ہندہ کے پدر نے بلا اجازت زید کی لڑکی کا عقد نکاح بزمانہ نابالغی کر دیا۔ اب لڑکی جوان العمر بالغ ہے۔ عقد سے قطعی انکار کرتی ہے اور نکاح سے تا ایں دم لڑکی شوہر کے یہاں بھی نہیں گئی ہے۔ زید اپنی قدیم سکونت موضع خانپور میں موجود ہے۔ ایسی صورت میں نکاح دختر زید کا جائز ہوا یا نہیں۔ فقط

المستفتی نمبر ۲۴۰۵ عبداللہ صاحب لکھنؤ۔ ۳ رجب سن ۱۳۵۷ھ م ۳۰ اگست سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۲۲) جب کہ لڑکی کا باپ موجود ہے تو لڑکی کے نانا نے جو نکاح کر دیا تھا وہ نکاح لڑکی کے باپ کی رضا مندی اور اجازت پر موقوف تھا۔ اگر باپ نے اجازت دے دی تھی تو نکاح ہو گیا تھا اور اگر اس نے نارضامندی کا اظہار کیا تھا تو نکاح اسی وقت باطل ہو گیا تھا۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

باپ نے لالچ کی وجہ سے لڑکی کا نکاح اس کی رضا کے بغیر کر دیا، یہ فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(سوال) زید نے اپنی لڑکی کی شادی دولت کے لالچ میں خلاف مرضی لڑکی بکر سے ریاست بھر تپور میں کر دی۔ لڑکی

---

(۱) فان اختارت نفسها كما بلغت واشهدت على ذلك صح ۔ (الخانیۃ، کتاب النکاح، فصل فی الاولیاء، ۱/ ۳۵۰، ماجدیۃ)

(۲) لو بلغت وقالت الحمد لله اخترت نفسي فهي على خيارها وينبغي ان تقول فور البلوغ اخترت نفسي ونقضت النكاح فبعده لايبطل حقها بالتاخير (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۷۳، سعید)

(۳) فلو زوج الا بعد حال قيام الاقرب توقف على اجازته ۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۸۱، سعید)

چار روز بکر کے پاس رہ کر واپس دہلی چلی آئی۔ زید سے لڑکی نے اصرار کیا کہ بکر سے فیصلہ کرا دو۔ زید نے بکر اور اس کے سرپرستوں کو جو کہ غیر اشخاص ہیں بلا کر ایک تحریر دوسری جگہ لکھوائی کہ بکر کا علاج کرو۔ اور تین ماہ کا خرچہ خوراک ادا کر دو گے تو لڑکی کو کسی نہ کسی صورت سے بھیج دوں گا۔ لڑکی کو زید نے وہی تحریر دکھا کر کہا کہ تم کو طلاق دلوائی ہے۔ دو تین روز بعد لڑکی کو شبہ ہوا اور زید سے کہا کہ طلاق نہیں دلوائی ہے بلکہ مجھ کو دھوکہ دیا ہے۔ اس پر زید نے لڑکی کو زہریلی چیز کھانے میں کھلا دی جس سے لڑکی کی موت واقع نہ ہوئی۔ صحتیاب ہونے پر لڑکی نے پوشیدہ طور پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ دہلی کو اس امر کی درخواست دی۔ لیکن پولیس کی پرائیویٹ ہدایت پر زید اور اس کے دوستوں نے لڑکی کو زبردستی موٹر میں ڈال کر رات ہی رات ریاست بھرتپور بکر کے سرپرستوں کے پاس چھوڑ آئے اور بکر کے سرپرستوں کو ہدایت کر دی کہ لڑکی کو دہلی اس کی بہن و بھائی سے ملنے کے لئے نہ بھیجنا۔ اگر لڑکی جانے کے لئے اصرار کرے تو جان سے مار دینا مگر دہلی نہ بھیجنا۔ زید نفس پرست شخص ہے اور اپنی بیوی کو بھی زہر دے کر ختم کر چکا ہے۔ کیا ایسی صورت میں لڑکی کا نکاح قائم رہا یا نہیں۔ اگر نہیں تو زید کس سزا کا مستحق ہے؟

المستفتی نمبر ۲۴۶۱ زہرہ بیگم کوچہ ناہر خان دہلی۔ ۱۷ محرم سن ۱۳۵۸ھ م ۹ مارچ سن ۱۹۳۹ء

(جواب ۱۲۳) اگر یہ واقعات صحیح ہیں۔ اور لڑکی بوقت نکاح نابالغہ نہیں تھی۔ بلکہ بالغہ تھی اور اس کی مرضی کے خلاف جبراً باپ نے نکاح کر دیا اور جبراً وداع کر دی تھی تو وہ نکاح ہی صحیح اور جائز نہیں ہوا (۱) اور لڑکی بذریعہ عدالت اپنی گلو خلاصی کر سکتی ہے۔ باپ نے اگر لڑکی کو زہر دیا یا دلوایا ہے تو وہ سخت ظالم ہے اور قابل سزا ہے اور اس کی ولایت لڑکی پر باقی نہیں رہی۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا بالغہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے؟

(سوال) زید کہتا ہے کہ حنفی لوگ کنواری، آزاد، عاقلہ، بالغہ، مطلقہ، بیوہ، آزاد، عاقلہ بالغہ عورتوں کا نکاح بغیر ولی کے کر دیتے ہیں جو ان کی اپنی فقہ کی رو سے جائز مگر اللہ اور اس کے رسول کے حکم صریح کے خلاف ہوتا ہے۔ ثبوت میں حدیث ترمذی حضرت عائشہ صدیقہؓ والی (بغیر ولی کے نکاح باطل، باطل، باطل) پیش کی۔ دوسری دلیل حدیث مسند امام احمدؒ بیہقی طبرانی وغیر ہم والی (جس کا مطلب۔ نکاح نہیں ہوتا بغیر ولی اور دو گواہوں کے) بیان کرتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، تو بغیر ولی کے کنواری، بیوہ مطلقہ کا نکاح جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۴۷۰ محمد عبدالغنی صاحب ہوشیار پوری۔ (پنجاب) ۶ صفر سن ۱۳۵۸ھ م ۲۸ مارچ سن ۱۹۳۹ء

(جواب ۱۲۴) قرآن پاک میں ہے۔ حتی تنکح زوجا غیرہ یعنی (۳) نکاح کرے عورت دوسرے خاوند سے نکاح کرنا عورت کے اختیار میں اللہ پاک نے دیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ نکاح کر دے ولی عورت کا دوسرے خاوند سے اور مسلم شریف میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ الا یم احق بنفسها من ولیها۔ (۴) ایم سے مراد ثیبہ بالغہ ہے کہ وہ اپنے نکاح کی خود مختار ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) لاینفذ عقد الولی علیها بغیر رضاها عندنا۔ (البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الاولیاء، ۳/ ۱۱۸، بیروت)

(۲) وفی شرح المجمع حتی لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفهه او لطمعه لا یجوز عقده اجماعا۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۶۶، سعید) (۳) البقرۃ: ۲۳۰

(۴) الصحیح للمسلم، کتاب النکاح، باب استیذان الثیب فی النکاح، ۱/ ۴۵۵، قدیمی

لڑکی کی حد بلوغت

(سوال) ایک شخص نے باوجود بیوی منکوحہ کے ایک اور عورت مطلقہ سے نکاح کر لیا تھا اس شخص سے اس مطلقہ عورت کے ایک لڑکی ہوئی۔ اس کے بعد شخص مذکور مر گیا۔ بعد مرنے شخص مذکور عورت مذکورہ نے خاوند مذکور کے گھر سے ایک گونہ تعلق سا کر لیا مگر کبھی کبھی خاوند کے گھر بھی رہ جاتی۔ لڑکی مذکور کبھی اپنی ماں کے پاس اور بیشتر اپنے دادا، دادی اور چچا حقیقی کے پاس رہتی رہی۔ اب لڑکی کی عمر ۱۳ سال ۸ ماہ کی ہے جو دادی کے پاس ہے۔ اب لڑکی کو اس خیال سے کہ لڑکی قابل نکاح ہے ماں اس کا کسی غیر کفو وغیرہ میں نکاح نہ کر دے روک لیا ہے۔ اس پر لڑکی کی ماں نے دالایا نے لڑکی کا دعویٰ کیا۔ واقعات بالا کی صورت میں حسب ذیل قابل تحقیق ہے۔

(۱) لڑکی سال قمری کے موافق کس مدت میں بالغ ہوتی ہے؟

(۲) دادا، دادی، چچا اور ماں میں ولایت کس کو ہے دادا، دادی، چچا حقیقی اور ماں حقیقی میں سے لڑکی کے نکاح کی ولایت کا کون مستحق ہے؟

المستفتی نمبر ۲۵۳۸ شجاعت حسین صاحب۔ (آگرہ) ۹ رجب سن ۱۳۵۸ھ ۲۶ اگست سن ۱۹۳۹ء

(جواب ۱۲۵) (۱) پندرہ سال کی عمر پوری ہو جائے یا اس سے پہلے اسے حیض آنے لگے تو لڑکی بالغہ قرار دی جاتی ہے۔(۱)

(۲) ولایت نکاح صرف دادا کو حاصل ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے دادی، چچا اور ماں کو ولایت حاصل نہیں ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نابالغی کی حالت کا انکار معتبر نہیں

(سوال) جولائی سن ۷ اء میں ہندہ پیدا ہوئی۔ اس کا باپ کچھ دنوں بعد فوت ہو گیا۔ مارچ سن ۲۹ء میں ہندہ کے چچا نے اپنی حق ولایت کی بنا پر اس کا نکاح اپنے بیٹے زید سے بعمر (۷) سال کر دیا مگر رسم نکاح کی ادائیگی کے وقت ہندہ برابر کہتی رہی کہ میں اس نکاح پر راضی نہیں ہوں میرے چچا مجھے ذبح کر رہے ہیں۔ میں ہرگز یہ نکاح قبول نہیں کرتی۔ ادھر ولی نے ایجاب و قبول کے سب مراحل و مراسم طے کر دیئے ادھر ہندہ اپنی نفرت و ناراضی کا اظہار کرتی رہی اور جہاں تک معلوم ہے آج تک زید و ہندہ میں باوجود ایک گھر میں رہنے سہنے کے کوئی تعلق یا تاؤن و شوہرکا عمل میں نہیں آیا بلکہ ہندہ زید کی صورت سے سخت متنفر اور بیزار رہتی ہے اگست سن ۳۵ء میں ایک ناگوار واقعہ اور پیش آیا کہ ہندہ کے بطن سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کی بابت ہندہ نے نہایت صفائی سے کہہ دیا کہ یہ لڑکی زید کی نہیں ہے۔ ہمدردان ہندہ اب تک اس امید میں تھے کہ شاید امتداد زمانہ سے ہندہ اس تعلق پر کسی طرح راضی ہو جائے مگر ہنوز روز اول ہے۔ مجبوراً اب انہوں نے باب شریعت پر دستک دی ہے اور اس کا سوال ہے کہ کیا ازروئے حکم شرعی ہندہ اس نکاح کی پابند ہے؟ اور کیا ہندہ بغیر طلاق کیے ہوئے دوسرے نکاح کی مجاز مختار ہے؟ اور کیا وہ نکاح شرعاً صحیح و جائز ہو گا؟

المستفتی نمبر ۲۶۳۱ محمد یوسف اعظمی (اعظم گڈھ) ۳ جمادی الثانی سن ۱۳۵۹ھ م ۱۰ جولائی سن ۱۹۴۰ء

---

(۱) والجاریة بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد فیهما شئی فحتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة، به یفتی۔ (الدر المختار، کتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام ۶/ ۱۵۳، سعید)

(۲) وولی المرأة فی تزویجها ابوها وهو اولی الاولیاء ثم الجد ابو الاب۔ (خلاصة الفتاویٰ، کتاب النکاح ۲/ ۱۸، بیروت)

(جواب ۱۲۶) سوال سے ثابت ہے کہ ہندہ نکاح کے وقت بارہ سال کی تھی اور نابالغہ تھی اور نکاح چچا نے اپنی ولایت سے کیا تھا لہذا نکاح صحیح ہو گیا تھا۔(۱) اس وقت کا انکار ہندہ کا معتبر نہ تھا۔

پھر یہ ثابت نہیں کہ اس نے خیار بلوغ کے ماتحت اپنا نکاح فسخ کرا لیا۔ پس وہ ابھی شوہر کے نکاح میں ہے۔ اس لئے جب تک شوہر سے طلاق نہ لے یا کوئی مسلمان حاکم ایکٹ نمبر ۸ سن ۱۹۳۹ء کے ماتحت اس کا نکاح فسخ نہ کردے دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ اگر کرے گی تو ناجائز ہوگا۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، (دہلی)

شوہر بالغ ہونے کے بعد شرابی اور ڈاکو بن گیا تو نکاح کے فسخ کی کیا صورت ہے؟

(سوال) ایک بالکل ہی کمسن اور نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے باپ نے ایک نابالغ لڑکے سے کر دیا جو بالغ ہونے کے بعد چور، ڈاکو اور شرابی کبابی بن گیا ہے۔ اور انہیں جرائم کی وجہ سے اکثر و بیشتر جیل میں سزا کاٹا رہتا ہے اور قلیل آمدنی تو درکنار چوری اور ڈکیتی کی آمدنی سے بھی اپنی منکوحہ کو نان نفقہ نہیں دے سکتا اور نہ اس کے سکنی کا انتظام کر سکتا ہے۔ یہ لڑکی جب سن شعور کو پہنچی تو اس نے اسی وقت سے اس شوہر کی زوجیت کو قبول کرنے سے نفرت کا اظہار بلکہ انکار شروع کر دیا تھا۔ نیز جب وہ شرعی قاعدہ کے مطابق بالغ ہوئی اس وقت بھی اس نے اس کی زوجیت میں رہنے اور اس کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اب تک وہ یہ چاہتی ہے کہ اس شوہر سے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔

سوال یہ ہے :-

(۱) کیا اس لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد انکار سے یہ نکاح شرعی طور پر غیر معتبر اور فسخ سمجھا جائے گا یا نہیں؟

(۲) اور اگر یہ نکاح منعقد ہو گیا ہے تو اس سے نجات حاصل کرنے کی کیا صورت شرعی ہو سکتی ہے۔

المستفتی نمبر ۲۶۷۳ آمد تحصیل صاحب بادی منزل (دیوبند) ۱۹ جمادی الاول سن ۱۳۶۰ھ م ۱۶ جون سن ۱۹۴۱ء

(جواب ۱۲۷) اگر اس لڑکی کا باپ بے غیرتی یا فسق یا سفاہت میں معروف و مشہور ہے تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ وان عرف (ای سوء الاختیار من الاب والجد) لا یصح النکاح اتفاقا (درمختار)(۳)

اگر باپ ان امور مذکورہ میں معروف نہ تھا اور اسے زوج کے خاندان کے فسق و فجور کی اطلاع نہ تھی اور اس نے اس کو مناسب سمجھ کر نکاح کر دیا۔ بعد میں زوج کا فسق و فجور اور غیر کفو ہونا ظاہر ہوا اور لڑکی نے بالغ ہو کر اس کو منظور کرنے سے انکار کر دیا تو یہ نکاح مسلمان حاکم کی عدالت سے فسخ کرایا جا سکتا ہے۔ رجل زوج ابنته الصغیرة من رجل علی ظن انه صالح لا یشرب الخمر فوجده الاب شریبا مدمنا وکبرت الابنة فقالت لا ارضی بالنکاح ان لم یعرف ابوها بشرب الخمر وغلبة بیته الصالحون فالنکاح باطل ای یبطل وهذه المسئلة بالاتفاق کذا فی الذخیرة۔ (فتاوی عالمگیری)(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) وللولی انکاح الصغیر والصغیرة۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی ۳/۶۵، سعید)
(۲) لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره وکذلک المعتدة۔ (الهندیة، کتاب النکاح، الباب الثالث فی المحرمات ۱/۲۸۰، ماجدیة)
(۳) الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی ۳/۶۶، سعید
(۴) الهندیة، کتاب النکاح، الباب الخامس فی الاکفاء ۱/۲۹۱، ماجدیة

فسخ قاضی کے بغیر خیار بلوغ استعمال کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔

(سوال) ایک لڑکی نابالغہ کو تعلیم دی گئی تھی کہ تو جب بالغہ ہو جائے اسی وقت فی الفور بلا درنگ اپنے نکاح کو فسخ کر دے۔ لڑکی نے بالغ ہونے پر دو گواہ بنا کر کہا کہ اب میں بالغہ ہو گئی ہوں تم گواہ رہو کہ میں نے نکاح کو توڑ دیا ہے۔ لیکن قبل از قضاء و تحکیم پھر لڑکے اور لڑکی نے صلح کر لی ہے۔ کیا وہی پہلا نکاح قائم ہے یا از سر نو ایجاب و قبول کرنا لازم ہے؟ المستفتی نمبر ۲۷۸۹ مولوی احمد الدین گنجیالوی۔ سرگودھا۔ ۱۳ ربیع الاول سن ۶۴ ۱۳ھ

(جواب ۱۲۸) خیار بلوغ کے ماتحت بلوغ کے وقت عورت کے انکار کر دینے اور نکاح کو فسخ کر دینے سے نکاح نہیں ٹوٹتا جب تک قاضی نکاح کو فسخ نہ کرے نکاح قائم رہتا ہے۔ لہذا قضاء سے قبل دونوں بدستور زن و شوہر ہیں اور اسی طرح رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں۔ بشرط القضاء للفسخ فیتوارثان فیه (در مختار) (۱) فیتوارثان فیه ان فی هذا النکاح قبل ثبوت فسخه (رد المحتار) لا یثبت الفسخ الا بشرط القضاء (۲) (رد المحتار) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سوتیلے بھائی جب خیر خواہ نہ ہوں تو ان کی ولایت صحیح ہے یا نہیں؟

(سوال) زید فوت ہو گیا اور پس ماندگان میں اس کی زوجہ اور ایک دختر دو لڑکے موجود ہیں۔ چونکہ یہ تینوں بچے نابالغ ہیں۔ دونوں لڑکے لڑکی سے بھی چھوٹے ہیں اور لڑکی کے نکاح کا معاملہ درپیش ہے۔ زید کی اولاد بطن زوجہ اول سے جو سوتیلے بھائی ہیں اور ہندہ زوجہ ثانی متوفی سے باہم عداوت اور جائیداد نقدی اور ولایت نابالغان پر عرصہ دراز سے مقدمہ بازی ہے۔ ہندہ بھی مقابلۃ ولایت ذات و جائداد کی بابت عدالت مجاز میں دعویدار ہے۔ اور سر دست مسئلہ نکاح دختر زیر تصفیہ ہے۔ لہذا سوال یہ ہے کہ ولی ذات و مجاز اجازت کون ہے اور شرعاً کس کو منصب ہے۔ ہندہ کا باپ بھی جو ان بچوں کا حقیقی نانا ہے زندہ ہے۔ پس سوتیلے بھائیوں کو حق ہے یا بچوں کی والدہ یا نانا کس کی اجازت احق و مقدم و جائز ہو گی؟

المستفتی محمد رکن الدین دہلوی ریاست بے پور وہتر ت پور

(جواب ۱۲۹) ان نابالغ بچوں کے نکاح کی ولایت ان کے سوتیلے علاتی بھائیوں کو حاصل ہے۔ (۳) ان کے سامنے ماں اور نانا ولی نہیں ہیں۔ (۴) لیکن اگر علاتی بھائیوں کی مخالفانہ کارروائیاں واضح ہوں اور وہ بچوں کی خیر خواہی کے خلاف نکاح کرنا چاہیں تو قاضی بعد تحقیقات ان کو نکاح کرنے سے روک سکتا ہے۔ (۵) یہاں تک کہ لڑکی بالغ ہو جائے اور وہ اپنی مرضی اور اپنے اذن سے نکاح کر لے۔ (۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح موقوف ہے

(سوال) متعلقہ ولی اقرب و ولی ابعد۔

المستفتی نمبر ۲۱۷۱ محمد جلیل کوچہ دکھنی رائے دہلی ۲۴ جمادی الثانی سن ۱۳۵۶ھ م یکم ستمبر سن ۱۹۳۷ء

---

(۱) الدر المختار ، کتاب النکاح، باب الولی ۳/ ۷۰ ، سعید) (۲) ایضا

(۳) اقرب الاولیاء الی المرأة الابن ... ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب الهندیة، کتاب النکاح ، الباب الرابع ۱/ ۲۸۳، ماجدیة)

(۴) فان لم یکن العصبة فالو لایة للام (الدر المختار ، النکاح ، باب الولی ۳/ ۷۸، سعید)

(۵) کیونکہ سوء اختیار کی وجہ سے ان کو حق ولایت نہیں رہے گا۔ وفی الرد: حتی لو عرف من الاب سوء الا ختیار لسفهه او لطعمه لا یجوز عقده اجماعا رد المحتار ، النکاح ، باب الولی ۳/ ۶۶، سعید۔

(۶) وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضا ها وان لم یعقد علیها ولی۔ (الهدایة، النکاح باب فی الاولیاء ۲/ ۳۱۳، شرکت علمیہ)

(جواب ۱۳۰) ولی اقرب نے جب ولی ابعد کے کئے ہوئے نکاح کو فسخ کر دیا اور لڑکی کو واپس لانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا تو ابعد کا کیا ہوا نکاح باطل ہو گیا۔(۱) اس کے بعد جب خاوند نے لڑکی سے وطی کی تو وہ وطی ناجائز واقع ہوئی اور جب لڑکی ولی اقرب کے قبضہ میں آگئی تو اب جدید فسخ کرانے کی ضرورت نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ولی کا مجلس نکاح میں ہونا رضامندی پر دلالت نہیں کرتا

(از سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۲ ستمبر سن ۱۹۲۵ء)

(سوال) ہندہ کے والد کا انتقال ہو چکا۔ اور اس نے اپنے چچا کی سرپرستی میں پرورش پائی ہے۔ جب ہندہ کی عمر تیرہ سال کی ہوئی تو اس کا نکاح زید سے کر دیا گیا۔ اس صورت سے کہ ہندہ کو نابالغ تصور کیا گیا۔ ہندہ اس وقت بیمار بھی تھی اس لئے اس کے دادا سے اجازت نکاح چاہی گئی مگر دادا زید کے ساتھ اس کا نکاح کرنے سے ناخوش ہیں اس لئے انکار کیا۔ تو ہندہ کے چچا نے ہندہ کی دادی سے اجازت حاصل کر کے نکاح کر دیا۔ حالانکہ ہندہ کی والدہ بھی حیات ہے اور وہ بھی اس نسبت سے ناخوش ہے۔ مگر یہ بھی ہوا کہ ہندہ کے دادا اور والدہ ہر محفل نکاح میں شریک رہے۔ اب آٹھ ماہ کے بعد رخصتی کرنے کا قصد کیا گیا تو ہندہ انکار کرتی ہے۔ اور اس کی ماں اور دادا بھی اس سے متفق ہیں۔ کیونکہ زید کا چال چلن بہت خراب ہے۔

(جواب ۱۳۱) نکاح درست نہیں ہوا۔ کیونکہ ہندہ کی نابالغی کی صورت میں ولایت نکاح دادا کو حاصل تھا۔(۲) اور جب کہ اس نے اجازت دینے سے انکار کر دیا تو نکاح درست نہیں ہوا۔(۳) اور اگر ہندہ بالغہ تھی تو خود اس کی اجازت و رضامندی ضروری تھی۔ اگر اس کی خلاف مرضی نکاح کر دیا گیا تو بھی ناجائز ہوا۔(۴) دادا کے انکار صریح کے بعد اس کی شرکت مجلس قائم مقام اجازت کے نہیں ہو سکتی(۵) کیونکہ شرکت سے دلالت اجازت نکلتی ہے اور صراحت کے ہوتے ہوئے دلالت کام نہیں کر سکتی۔(۶)　　فقط محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی

بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ ستمبر سن ۱۹۲۵ء)

(سوال) ہندہ نے اپنی پندرہ سالہ لڑکی کو اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر ایک دوسرے مقام پر لے جا کر لڑکی کے علم کے بغیر اس کا نکاح کر دیا۔ لڑکی کو جب اس کا علم ہوا تو موقع پا کر بھاگ کے اپنے باپ کے پاس چلی آئی اور پانچ برس سے وہ اپنے باپ کے پاس ہے۔ باپ اس کا نکاح پڑھانا چاہتا ہے مگر کوئی اس سے نکاح کرنے پر اس خیال سے تیار نہیں ہوتا کہ اس کا پہلا شوہر خلل اندازی نہ کرے۔

---

(۱) فلو زوج الا بعد حال قيام الاقرب توقف على اجازته وفي الرد : فللولي الا عتراض مالم يرض صريحا او دلا لة كقبض المهر و نحوه ۔ (رد المحتار، النكاح، باب الولي، ۳ / ۸۱، سعيد)
(۲) ولي المرأة في تزويجها ابوها وهو اولى الا ولياء ثم الجد ابو الاب ۔ (خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، ۳ / ۱۸، بيروت)
(۳) فلو تزوج الا بعد حال قيام الا قرب توقف على اجازته۔ (الدر المختار، كتاب النكاح باب الولي، ۳ / ۸۰، سعيد)
(۴) ولا يجبر البالغة البكر على النكاح لا نقطاع الولاية بالبلوغ ۔ الدر المختار، النكاح باب الولي ۳ / ۵۸، سعيد)
(۵) فلا يكون سكوته اجازة لنكاح الا بعد وان كان حاضرا في مجلس العقد مالم يرض بالعقد صريحا اودلالة رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي، ۳ / ۸۱، سعيد) (۶) لان الصريح يفوق الدلا لة ۔ (رد المحتار، باب المهر، ۳ / ۵۷، سعيد)

(جواب ۱۳۲) بالغہ لڑکی کا نکاح بغیر اس کی اجازت ورضامندی کے نہیں ہو سکتا۔(۱) اور جب کہ لڑکی نکاح کی خبر پا کر اظہار ناراضی کے طور پر بھاگ آئی تو نکاح جو (بطور نکاح فضولی) منعقد ہوا تھا باطل ہو گیا۔(۲) اور دوسرا نکاح اس کا بلا تامل جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

ایجاب وقبول کے بغیر صرف شربت پر کلمہ پڑھ کر پلانے سے نکاح نہیں ہوتا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ ستمبر سن ۱۹۲۵ء)

(سوال) ایک لڑکی نابالغہ بعمر گیارہ ماہ اور لڑکا بعمر ۵ سال کا نکاح شربت پڑھ کر کیا گیا تھا اور ان کو پلایا گیا تھا۔ اب اس نکاح کو عرصہ دس سال کا ہو چکا ہے اور لڑکا نہایت بد چلن اور خدا ورسول سے بالکل ناواقف ہے۔ یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟

(جواب ۱۳۳) اگر ان دونوں نابالغ بچوں کے باپوں نے ان کا نکاح کیا تھا اور باقاعدہ ایجاب وقبول ہوا تھا تو نکاح صحیح لازم ہو گیا۔(۳) لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک فریق یا دونوں فریق کے باپ نے نکاح نہیں کیا بلکہ کسی اور جائز ولی نے نکاح کیا تھا تو نکاح صحیح تو ہو گیا مگر جس فریق کے باپ نے نکاح نہیں کیا ہے اس کو خیار بلوغ حاصل ہے یعنی وہ بالغ ہوتے ہی اگر انکار کر دے تو نکاح بحکم قاضی فسخ ہو سکتا ہے۔(۴) واضح رہے کہ دادا کا کیا ہوا نکاح باپ کے کئے ہوئے نکاح کی طرح فسخ نہیں ہو سکتا۔ دوسرے اولیا مثلاً بھائی، بچا وغیرہ کے کئے ہوئے نکاح فسخ ہو سکتے ہیں۔ اور اگر نکاح مذکور میں باقاعدہ ایجاب وقبول نہیں ہوا تھا بلکہ صرف شربت پر کلمہ وغیرہ پڑھ کر دم کر دیا اور زوجین کو پلا دیا تھا اور اسی فعل کو عقد نکاح سمجھ لیا گیا تھا تو درحقیقت یہ نکاح ہی نہیں ہوا۔(۵)　　　محمد کفایت اللہ غفر لہ،

بالغہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے، بھائی کی رضامندی شرط نہیں۔

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۶ نومبر سن ۱۹۲۵ء)

(سوال) زید، بکر خاندانی ہم زلف ہیں۔ زید نے بکر کو اپنی لڑکی کے عقد کا اختیار دے دیا۔ زید مر گیا۔ زید کی زوجہ اپنے شوہر کے اقرار پر پابند ہے۔ لڑکی کی عمر ۱۴ سال ہے۔ زید کا لڑکا جو سولہ سال کا ہے اپنی والدہ کی مرضی کے خلاف ہے۔ آیا لڑکی اور والدہ عقد کی اجازت دیں تو شرعاً عقد جائز ہے؟

(جواب ۱۳۴) چودہ سال کی لڑکی اگر نابالغہ ہے تو اس کے نکاح کی ولایت (باپ کے انتقال کے بعد) اس کے بھائی کو ہے۔(۶) لیکن اگر لڑکی بالغہ ہو گئی ہے (جو چودہ ۱۴ سال کی عمر میں ممکن ہے) تو خود لڑکی کی رضامندی اور اجازت سے

---

(۱) وینعقد نکاح الحرۃ العاقلۃ البالغۃ برضاھا۔ (الهدایۃ، کتاب النکاح، ۲: ۳۱۳ شرکت علمیۃ)

(۲) لا یجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنها بکرا کانت او ثیبا فان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتها، فان اجازته جاز وان ردته بطل۔ (الهندیۃ، کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱: ۲۸۷، ماجدیۃ)

(۳) وللولی انکاح الصغیر والصغیرۃ　ولزم النکاح ولو بغبن فاحش　ان کان الولی المزوج بنفسه ابا او جدا۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳: ۶۶، سعید)

(۴) فان زوجهما الاب والجد فلا خیار لهما بعد بلوغهما وان زوجهما غیر الاب والجد فلکل واحد منهما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ　ویشترط فیه القضاء۔ (الهندیۃ، کتاب النکاح، الباب الرابع ۱: ۲۸۵، ماجدیۃ)

(۵) ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔ (رد المحتار، کتاب النکاح ۳: ۱۱، سعید)

(۶) واقرب الاولیاء الی المرأۃ الابن　ثم الاب ثم الجد ثم الاخ لاب وام۔ (الهندیۃ، کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱: ۲۸۳، ماجدیۃ)

اس کا نکاح ہو سکتا ہے۔(۱) بھائی کی ولایت سے نکاح ہونا ضروری نہیں۔ نہ صحت نکاح کے لئے بھائی کی رضامندی شرط ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ،

باطل نکاح کے فسخ کے لئے قضاء قاضی ضروری نہیں

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جنوری سن ۱۹۲۶ء)

(سوال) ایک شخص کا دعویٰ ہے کہ میرا نکاح ہمراہ فلاں نابالغہ کے حقیقی ماموں نے باجازت والد لڑکی مذکورہ کے کر دیا۔ اب لڑکی مذکورہ کے والد نے اور جگہ نکاح کر کے دے دیا۔ میرا نکاح بغرض صدر باقی ہے۔ لڑکی جواب میں کہتی ہے کہ میرا نکاح حالت بلوغ میں ہمراہ مدعی کے بغیر اجازت والد کے ہوا۔ اور میں نے اس نکاح کو فسخ کرا لیا۔ میرے والد نے علمائے ہندوستان کو لکھ بھیجا تھا کہ جو نکاح بغیر مرضی باپ دادا اور ان کی موجودگی کے کوئی ولی کر دیوے فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ علماء نے لکھ دیا ہے کہ فسخ ہو سکتا ہے۔ اس واسطے میں نے اور جگہ نکاح کر لیا اب اس معاملہ کی نوبت عدالت تک پہنچ چکی ہے۔ عدالت کے نزدیک بھی نکاح ثابت ہو چکا ہے مگر فسخ میں جھگڑا ہے۔ مدعی کہتا ہے کہ اگر یہ نکاح میرا بعد البلوغ لڑکی مذکورہ سے ہوا ہے اور وہ نکاح سنتے ہی ناراض ہو گئی تو فسخ کرانے کی کیا ضرورت پڑی۔ فسخ کے لئے وجود نکاح کے اتقدم کی ضرورت ہے۔ اور اگر قابل فسخ ہے تو فسخ کے لئے اتنا عذر کافی نہیں ہو سکتا بغیر خواہش و بغیر تحریر و درخواست زوجین کے قاضی فسخ نہیں کر سکتا۔ بلکہ زوجین حاضر ہوں یا خاص کر ان کی تحریر موجود ہو تو قاضی ان دونوں کو حکم کرے کہ تم دونوں اور نکاح کر لو۔ پہلا نکاح جاتا رہا۔ جب فسخ ہو سکتا ہے۔ فان زوجهما غير الاب والجد فلهما الخيار بعد البلوغ بشرط قضاء القاضي (هدايه)(۲) بواقی روایات فقہ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس صورت میں دوسرا نکاح صحیح نہ ہوا تو پہلا اگر باقی ہے تو جس امام نے دوسرا نکاح دیدہ دانستہ پڑھ دیا ہے اور اس فسخ غائبانہ کو اصلی فسخ سمجھ کر عمل درآمد کر لیا ہے۔ شرعاً اس کی کیا سزا ہے؟

(جواب ۱۳۵) اگر واقعہ یہ ہے کہ لڑکی پہلے نکاح کے وقت بالغہ تھی اور اس کی مرضی کے بغیر کسی نے اس کا نکاح کر دیا تو خود لڑکی کو یہ اختیار تھا کہ وہ اس نکاح کو قبول کرے یا نہ کرے۔ اگر لڑکی قبول نہ کرے تو نکاح باطل ہو جاتا ہے۔ خواہ یوں کہو کہ لڑکی نے ناراضی ظاہر کی لہذا نکاح جاتا رہا۔ یا یوں کہو کہ لڑکی نے نکاح فسخ کر دیا۔ دونوں کا مطلب ہمارے عرف میں ایک ہے۔ اس بطلان نکاح یا فسخ کے لئے قضائے قاضی شرط نہیں ہے۔(۳) ہاں اگر لڑکی نابالغہ تھی اور نکاح باپ نے کیا تھا تو وہ نکاح لازم تھا۔ اب لڑکی کو اس کے فسخ کرنے کا بلکہ دعوائے فسخ دائر کرنے کا بھی حق نہیں۔ (۴) اور اگر نابالغہ ہونے کی صورت میں باپ دادا کے سوا کسی اور ولی نے نکاح کر دیا تھا اور باپ بھی لڑکی کا زندہ موجود تھا اور غائب بھی نہیں تھا تو یہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف تھا۔ اگر باپ نے اجازت دے دی اور تسلیم کر لیا تو نکاح صحیح ہو گیا۔ اور اگر ناراضی کا اظہار کیا تو نکاح باطل ہو گیا یا یوں کہو کہ باپ نے فسخ کر دیا۔(۵) البتہ اگر نابالغہ کا نکاح باپ یا دادا

(۱) وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها۔ (الهداية، كتاب النكاح، باب في الاولياء، ۲: ۳۱۳، شركة علمية)
(۲) الهداية، كتاب النكاح، باب في الاولياء والاكفاء، ۲: ۳۱۰، شركة علمية)
(۳) لايجوز نكاح احد على بالغة صحيحة العقل من اب او سلطان بكرا كانت او ثيبا فان فعل ذلك فالنكاح موقوف على اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الاولياء، ۱: ۲۸۷، ماجدية)
(۴) فان زوجهما الاب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما۔ (الهندية، النكاح، الباب الرابع، ۱: ۲۸۵، ماجدية)
(۵) فلو زوج الابعد حال قيام الاقرب توقف على اجازته۔ (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، ۳: ۸۱، سعيد)

کے سوا کسی ولی نے کیا ہو اور باپ اور دادا زندہ نہ ہوں یا غیبت منقطعہ کے ساتھ غائب ہوں تو یہ نکاح لڑکی کی اجازت بعد البلوغ سے تام اور نافذ ہو جاتا ہے۔ لیکن لڑکی کو دعویٰ فسخ کا اختیار ہوتا ہے اور اس کے فسخ کے لئے قضائے قاضی کی ضرورت ہے۔(۱)

صورت مسئلہ میں جو واقعہ ہو اس کے موافق حکم سمجھا جائے۔ نکاح پڑھانے والے نے اگر یہ سمجھ کر نکاح پڑھایا کہ پہلا نکاح جاتا رہا ہے تو اگر اس کی یہ سمجھ صحیح تھی تو اس کا یہ فعل بھی صحیح ہو اور نہ غلط۔ تاہم اس کے ساتھ سختی مناسب نہیں۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

باپ، بیٹی کا نکاح کروانے کے بعد اسے فسخ نہیں کر سکتا

(الجمعیۃ مورخہ ۲ فروری سن ۱۹۲۶ء)

(سوال) ہندہ نابالغہ بعمر ۷ سالہ کا نکاح زید نابالغ بعمر ۸ سالہ کے ہمراہ ہندہ اور زید کے حقیقی والد نے اپنی ولایت سے پڑھایا۔ بعد کسی وجہ سے ہندہ کا باپ اس نکاح سے ناراض ہو گیا اور چاہتا ہے کہ میں نکاح فسخ کر دوں۔ تو کیا ہندہ کے باپ کو تنسیخ نکاح کا مجاز ہے یا ہندہ کو خود کسی وقت انفساخ نکاح کا مجاز ہو سکتا ہے؟

(جواب ۱۳۶) باپ یا دادا کا کیا ہوا نکاح صحیح نافذ ہو جاتا ہے۔(۲) نابالغوں کو جن کا نکاح ان کے باپ یا دادا نے کیا ہو بلوغ کے وقت خیار بلوغ حاصل نہیں ہوتا۔(۳) باپ یا دادا خود بھی اپنے کئے ہوئے نکاح کو نابالغوں کی نابالغی کے زمانے میں یا بعد بلوغ فسخ نہیں کر سکتے۔(۴) ہاں(۵) اگر کوئی ایسی صورت ہو جائے کہ ان کی وجہ سے نکاح فسخ ہو سکتا ہو تو بذریعہ عدالت فسخ کرایا جا سکتا ہے۔ مثلاً غیر کفو زوج نے نابالغہ کے باپ کو دھوکا دے کر نکاح کرا لیا ہو وغیرہ۔(۶)

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

لڑکی کو پتہ چلا کہ شوہر کی دوسری بیوی بھی ہے تو کیا نکاح فسخ کرا سکتی ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲ دسمبر سن ۱۹۲۶ء)

(سوال) ایک لڑکی نابالغہ کا عقد حالت نابالغی میں ہوا۔ بعد بالغ ہونے کے اس کو معلوم ہوا کہ میرا شوہر دوسری عورت رکھتا ہے اور میرا گزارا ہونا مشکل ہے۔ ایسی صورت میں وہ عقد ثانی کے بارے میں کیا کرے؟

(جواب ۱۳۷) اگر نابالغہ لڑکی کے باپ یا دادا نے اس کا نکاح کیا ہو تو نابالغہ کو بلوغ کے وقت خیار بلوغ حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں اگر لڑکی کے کسی دوسرے ولی (مثلاً بھائی، چچا تایا وغیرہ) نے نکاح کیا ہو تو لڑکی کو خیار بلوغ حاصل ہوتا

---

(۱) فان زوجهما غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ ويشترط فيه القضاء۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۵، ماجدية)

(۲) فلو زوج الا بعد حال قيام الا قرب توقف على اجازته۔ (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، ۳/ ۸۱، سعيد)

(۳) فان زوجهما غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ ويشترط فيه القضاء۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۵، ماجدية)

(۴) ولزم النكاح ولو بغبن ان كان الولي ابا او جدا۔ (الدر المختار، النكاح، باب الولي، ۱/ ۶۶، سعيد)

(۵) فان زوجهما الاب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما۔ (الهندية، النكاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۵، ماجدية)

(۶) اذا شرطوا الكفاءة او اخبرهم بها وقت العقد فزوجوها على ذلك ثم ظهر انه غير كفء كان لهم الخيار۔ (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الكفاءة، ۳/ ۸۹، سعيد)

ہے،(۱) جسے وہ بالغ ہوتے ہی فوراً استعمال کر سکتی ہے۔ اور اگر فوراً استعمال نہ کرے تو وہ اختیار بھی قطع ہو جاتا ہے۔(۲)
فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ،

بالغہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے

(سوال) ایک لڑکی بالغہ باکرہ اپنی مرضی سے بلا موجودگی والدین کے نکاح پڑھنا چاہتی ہے تو کیا وہ عورت بلا والدین کے نکاح پڑھ سکتی ہے؟

(جواب ۱۳۸) بالغہ لڑکی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ اپنی مرضی سے نکاح کرے تو نکاح صحیح و نافذ ہو جائے گا۔ اگرچہ ایسی حالت میں کہ والدین زندہ ہوں ان کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا مکروہ ہے تاہم نکاح کرے تو منعقد اور نافذ ہو جاتا ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

مسلم پر کافر کو ولایت نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ فروری سن ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک نابالغہ مسلمہ کو ایک غیر مسلم نے بوصیت والدین نابالغہ پرورش کیا ہے۔ اب اس غیر مسلم نے اس کا نکاح کر دیا ہے تو وہ نکاح صحیح ہو گیا یا نہیں؟

(جواب ۱۳۹) نابالغہ کا نکاح بغیر ولی کے درست نہیں ہوتا۔(۴) اور غیر مسلم کو کسی حال میں مسلم پر ولایت حاصل نہیں ہوتی۔(۵) پس نکاح مذکور درست نہیں ہوا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ،

باپ نکاح کروانے کے بعد فسخ کا اختیار نہیں رکھتا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ اپریل سن ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک شخص اپنی دو نابالغ لڑکیوں کا باقاعدہ نکاح پڑھا دینے کے بعد رشتہ داروں کی باہم نا چاقی کی وجہ سے فسخ کرنا چاہتا ہے۔ دولہاؤں میں سے ایک بالغ اور ایک نابالغ ہے۔ دلہنیں دونوں نابالغ ہیں۔

(جواب ۱۴۰) باپ کو نابالغ اولاد کے نکاح کر دینے کا تو اختیار ہے مگر کرنے کے بعد نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔(۶) جو لڑکا بالغ ہے اس سے طلاق حاصل کر کے نکاح کو رفع کیا جا سکتا ہے مگر جو لڑکا کہ نابالغ ہے اس کے بالغ ہونے سے پہلے اس کا نکاح بحالہ قائم رہے گا۔(۷) محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

ماں کے کئے ہوئے نکاح کو لڑکی بعد بلوغ فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جولائی سن ۲۷ء)

---

(۱) فان زوجهما الاب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وان زوجهما غير الاب و الجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع ۱/ ۲۸۵، ماجدية)
(۲) ثم خيار البكر يبطل بالسكوت ولا يمتد الى آخر المجلس۔ (الهداية، كتاب النكاح، باب في الاولياء ۲/ ۳۱۰، شركت علمية)
(۳) نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي . لانها تصرفت في خالص حقها وهي من اهله لكونها عاقلة بالغة وانما يطالب الولي بالتزويج كيلا تنسب الى الوقاحة۔ (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الاولياء ۳/ ۱۱۷، بيروت)
(۴) وهو اي الولي شرط صحة نكاح صغير ومجنون۔ (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي ۳/ ۵۵، سعيد)
(۵) ولا ولاية لصغير ولا مجنون ولا لكافر على مسلم۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع ۱/ ۲۸۴، ماجدية)
(۶) واهله زوج عاقل، وفي الرد: احترز بالزوج عن سيد العبد و والد الصغير۔ (رد المحتار، كتاب الطلاق ۳/ ۲۳۰، سعيد)
(۷) ولا يقع طلاق الصبي والمجنون۔ (الهندية، كتاب الطلاق ۱/ ۳۲۹، ماجدية)

(سوال) ایک لڑکی کی شادی نابالغی میں اس کی ماں نے اپنی مرضی سے کر دی تھی۔ اب لڑکی بالغ ہے۔ رخصتی نہیں ہوئی تھی اور اب وہ شوہر کے گھر جانے سے انکار کرتی ہے۔

(جواب ۱۴۱) جب کہ نابالغہ کی شادی اس کی والدہ نے کی تھی اس وقت کوئی ولی قریب موجود تھا یا نہیں۔ اگر تھا اور اس نے نکاح کی اجازت نہیں دی تھی تو نکاح ہی صحیح نہیں ہوا۔(۱) اور نہیں تھا تو ماں کا کیا ہوا نکاح جب کہ لڑکی نے بالغہ ہوتے ہی ناراضی ظاہر کر دی ہو۔ بحکم حاکم مجاز فسخ ہو سکتا ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ غفرلہ،

اقرار نامہ پر عمل نہ کرنے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۲ اکتوبر سن ۱۹۲۷ء)

(سوال) لڑکی جس کی شادی بوقت نابالغ ہوئی تھی اور اس کے والدین نے اپنی مرضی سے شادی کی تھی۔ ولی حاضر تھا اس نے اجازت دی تھی۔ شوہر نے اقرار نامہ لکھ دیا تھا کہ لڑکی اس وقت نابالغ ہے اس لئے وہ اس سال تک اپنے میکے میں رہ سکتی ہے۔ اس نے مبلغ دس روپے ماہانہ خوراک و دیگر اخراجات کے لئے دینا اقرار نامہ میں لکھ دیا تھا۔ اور یہ کہ میں کسی قسم کی تکلیف نہیں دوں گا۔ لیکن اس نے اقرار نامہ پر عمل نہیں کیا۔ یعنی ایک سال کے اندر ہی اس کو جبرا اپنے گھر لے گیا۔ جس رقم کا اقرار کیا تھا وہ ادا نہیں کی۔ اور بہت تکلیف دی۔ لڑکی ابھی نابالغ ہے اور نکاح سے ناراض ہے۔ اور طلاق لینا چاہتی ہے اور شوہر طلاق نہیں دینا چاہتا۔

(جواب ۱۴۲) اگر لڑکی نابالغہ کے باپ نے اس کا نکاح کیا تھا تو لڑکی کو نکاح کے فسخ کرانے کا حق نہیں ہے۔(۳) ہاں اگر کوئی اور وجہ ایسی ہو جس سے فسخ نکاح کی خواہش پیدا ہوئی ہو تو اسے بیان کرنا چاہئے۔ صرف نابالغی کا نکاح وجہ فسخ نہیں ہو سکتا۔ اقرار نامہ کی خلاف ورزی بھی فسخ نکاح کے لئے کافی وجہ نہیں ہو سکتی۔(۴) اگر نباہ نہ ہو سکنے کا اندیشہ ہو تو طلاق لینے کی صورت کرنی چاہئے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

باپ کے کئے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۲ اکتوبر سن ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک نابالغہ لڑکی زید کے ساتھ منسوب ہوئی اور نسبت کے تین سال کے بعد زید کے ساتھ اس کا نکاح ہوا۔ لیکن لڑکی چونکہ نابالغہ تھی اس لئے بہ مجمع عام اس کے باپ کی ولایت سے نکاح ہوا۔ اب ہندہ کہتی ہے کہ بلوغ کے وقت ہم نے نکاح منسوخ کر دیا۔

(جواب ۱۴۳) باپ کا کیا ہوا نکاح لازم ہو جاتا ہے۔ نابالغہ کو بلوغ کے وقت یہ اختیار نہیں ہوتا کہ باپ کے کئے ہوئے نکاح کو فسخ کر سکے۔(۵) اس لئے صورت مسئولہ میں لڑکی کے فسخ کرنے سے نکاح منفسخ نہیں ہوا۔

---

(۱) فلو زوج الا قرب حال قیامہ الا بعد توقف علی اجازته ۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، ۳/ ۸۱، سعید)
(۲) وان زوج غیر الاب والجد فلکل واحد منهما الخیار اذا بلغ وبشترط فیه القضاء۔ (الھندیة، کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۵، ماجدیة)
(۳) فان زوجهما الاب والجد فلا خیار لهما بعد بلوغهما۔ (ایضا)
(۴) ولا یبطل بالشرط الفاسد القرض والنکاح۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، ۳/ ۲۴۹، سعید)
(۵) فان زوجهما الاب والجد فلا خیار لهما بعد بلوغهما۔ (الھندیة، کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۵، ماجدیة)

دوسری شادی کرنے کی وجہ سے پہلی بیوی نکاح فسخ کرانے کا حق نہیں رکھتی

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ فروری سن ۱۹۳۶ء)

(سوال) ایک شخص نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے کر دیا۔ وہ لڑکا اب اپنے ماں باپ کی خوشی سے ایک اور شادی کرنا چاہتا ہے اور اپنی پہلی بی بی کو بھی رکھنا چاہتا ہے۔ لڑکی کا باپ کہتا ہے کہ اگر تم اپنی دوسری شادی کرو گے تو ہماری لڑکی بالغہ ہونے پر تمہارے نکاح سے انکار کر کے اپنی دوسری شادی کرے گی۔

(جواب ۱۴۴) لڑکی کو بالغہ ہونے پر محض اس وجہ سے کہ خاوند نے دوسری شادی کر لی ہے نکاح فسخ کرانے کا حق نہیں ہوگا۔ (۱) جب کہ خاوند اس کو بھی روکنے اور اس کے حقوق ادا کرنے پر تیار ہو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

باپ کا بنایا ہوا ولی نکاح میں گواہ بن سکتا ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جنوری سن ۱۹۳۹ء)

(سوال) زید نے اپنے لڑکے کی شادی بکر کی لڑکی سے کی اور بوقت نکاح کے زید کو بکر نے رشتہ کی یا زندگی کی وجہ سے لڑکی کا ولی مقرر کیا۔ یعنی اپنا حق ولایت سپرد کیا۔ اور بکر ولی نہ بنا بلکہ گواہ بنا اور دوسرا ولی زید کے دوسرے لڑکے کو بنایا اور زید نے ہی ایجاب و قبول کرایا۔ یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں ؟

(جواب ۱۴۵) اگر بکر کی لڑکی بالغہ تھی تو یہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف تھا۔ (۲) اگر اس نے اجازت دے دی ہو اور نکاح کو منظور کر لیا ہو تو نکاح درست ہو گیا۔ اور اگر نابالغہ تھی تو یہ نکاح اس لئے درست ہوا کہ لڑکی کا ولی جائز یعنی باپ اس نکاح سے راضی اور خود بطور شاہد مجلس عقد میں موجود تھا۔ اس لئے ایجاب یا قبول لڑکی کی طرف سے کسی نے کیا ہو باپ کی طرف منسوب اور منتقل ہو جائے گا۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) مثنیٰ وثلاث ورباع (الفاطر ۱)
عن ابی ھریرۃ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسئل المرأۃ طلاق اختھا لتستفرغ صفحتھا ولتنکح فانما لھا ما قدر لھا۔ (ابو داؤد، کتاب الطلاق ۱ / ۳۱۳، امدایہ)

(۲) لایجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنھا فان اجازتہ جاز۔ (الھندیۃ، کتاب النکاح، الباب الرابع ۱ / ۲۸۸، ماجدیۃ)

(۳) فی الدر : امر الاب رجلا ان یزوج صغیرتہ فزوجھا عند رجل و امراتین والحال ان الاب حاضر ، لانہ یجعل عاقدا حکما وفی الرد: لان الوکیل فی النکاح سفیر و معبر ینقل عبارۃ الموکل فاذا کان الموکل حاضرا کان مباشرا لان العبارۃ تنتقل الیہ وھو فی المجلس۔ (رد المحتار، کتاب النکاح ۳ / ۲۴، سعید)

پانچواں باب

ایجاب و قبول

بدلے کا نکاح

(سوال) ایک شخص نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح ایک شخص کے لڑکے سے اس طرح کیا کہ مثلاً زید کی بیٹی بکر کے بیٹے سے اور بکر کی بیٹی زید کے بیٹے سے بیاہی گئی۔ اس طرح کا ایجاب و قبول صحیح ہوا یا نہیں اور مہر اس کا ٹھیک رہا یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۱٤٦) صورت مسئولہ اگر دونوں لڑکیوں کا علیحدہ علیحدہ مہر مقرر کیا گیا ہو تو یہ دونوں نکاح جائز ہو گئے۔ اور اگر مہر مقرر نہیں کئے گئے تاہم دونوں نکاح منعقد ہو گئے اور دونوں کے مہر مثل شوہروں کے ذمہ واجب ہو گئے۔(۱) اور یہ فعل مکروہ ہوا۔(۲)

باپ نے بیٹے کی بجائے اپنے لئے قبول کر لیا تو کیا حکم ہے؟

(سوال) بکر نے اپنے بیٹے زید کا نکاح بعمر ساڑھے تین سال مسماۃ ہندہ کے ساتھ جس کی عمر گیارہ سال کی تھی کیا۔ جس کو عرصہ تخمیناً آٹھ سال کا ہوتا ہے۔ چونکہ زید بچہ تھا جب نکاح کے وقت جلسہ میں لایا گیا تو رونے لگا۔ قاضی صاحب نے بکر سے کہا کہ تم اس کی طرف سے ایجاب و قبول کر دو۔ پس قاضی صاحب نے بعد پڑھنے خطبہ کے بکر سے کہا کہ مسماۃ فلاں بیٹی فلاں کو اس قدر زر مہر کے عوض میں نے تیرے عقد نکاح میں دیا۔ بکر نے اس کے جواب میں صرف یہ الفاظ "میں نے قبول کیا" کہے۔ تین مرتبہ ایسے ہی قاضی صاحب نے کہا اور بکر نے یہی جواب دیا۔ پس اس صورت میں مسماۃ ہندہ کا نکاح زید سے جائز ہوا یا نہیں۔ اور جائز ہوا تو کس کے ساتھ ؟ نیز یہ کہ عمر اب دس سال کی ہے لیکن پستہ قد اور منحنی ہونے کی وجہ سے چھ سال کا معلوم ہوتا ہے۔ ہندہ کی عمر اٹھارہ سال کی ہے۔ چونکہ زمانہ نازک ہے اس لئے گو اس کی نگرانی کافی طور پر کی جاتی ہے لیکن اندیشہ ہے۔ لہذا اس کا دوسرا نکاح ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ اس لئے گزارش ہے کہ مقابلہ شخص غیر زید کے والد بکر سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱٤٧) یہ نکاح زید کے ساتھ اس وجہ سے منعقد ہوا کہ ایجاب و قبول میں اس کا نام ہی نہیں لیا گیا اور اس کی طرف نسبت نہیں کی گئی۔ الفاظ کا مقتضی یہ ہے کہ زید کے باپ بکر کے ساتھ یہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔(۳) لیکن سوال میں یہ تصریح نہیں کہ قاضی صاحب نے ایجاب کے جو الفاظ کہے ہیں ان کی اجازت ہندہ کے کسی ولی جائز سے حاصل کی تھی یا نہیں۔ اگر اس کے ولی جائز کی اجازت سے یہ الفاظ کہے ہوں تو بکر کے ساتھ یہ نکاح ہندہ کا

---

(۱) حتی لو لم یقل ذلك ولا معناه بل قال زوجتك بنتي على ان تزوجني بنتك فقبل او على ان يكون بضع بنتي صداقا لبنتك فلم يقبل الآخر بل زوجه بنته ولم يجعلها صداقا فلم يكن شغارا بل نكاحا صحيحا اتفاقا وان وجب مهر المثل في الكل۔ (رد المحتار، کتاب النکاح باب المہر ۳ / ۱۰٦ ط سعید)

(۲) وهو منهي عنه لخلوه عن المهر وقال في الرد اي النهي محمول على الكراهة والكراهة لا توجب الفساد فيكون الشرع اوجب فيه امرين الكراهة ومهر المثل۔ (ایضاً)

(۳) لو قال ابو الصغيرة لابي الصغير زوجت ابنتي ولم يزد شيئا فقال ابو الصغير قبلت يقع النكاح للاب هو الصحيح ويجب ان يحتاط فيه فيقول قبلت لابني وقال في الفتح يجوز النكاح على الاب وان جرى بينهما مقدمات النكاح للابن هو المختار لان الاب اضافه الى نفسه قلت وبه يعلم بالاولى حكم مايكثر وقوعه حيث يقول زوج ابنتك لابني فيقول له زوجتك فيقول الاول قبلت فيقع العقد للاب۔ (رد المحتار، کتاب النکاح ۳ / ۲٦ ط سعید)

منعقد ہو گیا۔(۱)اور بلا اجازت استعمال کئے ہیں تو یہ نکاح فضولی ہوا جو ولی کی اجازت پر موقوف تھا۔اگر ولی نے اجازت دی ہو تو جائز ورنہ باطل ہے۔(۲)ہاں از سر نو بکر کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہو سکتا ہے۔(۳)کیونکہ اس کے بیٹے زید کے ساتھ بہر حال نکاح منعقد نہیں ہوا ہے۔(۴)واللہ اعلم۔

گونگے کا نکاح

(سوال)(۱)ایک شخص گونگا ہے اس کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟اگر ہو سکتا ہے تو ایجاب و قبول کس طرح ہو ؟(۲) وہی گونگا اگر کسی پیر کا مرید ہو تو ہو سکتا ہے یا نہیں ؟اگر ہو سکتا ہے تو کس طرح ہو ؟بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۲۱۲حافظ رفیع الدین امام مسجد محلّہ کا نتا فیل۔جلگاؤں۔ضلع مشرقی خاندیش۔۲ذی قعدہ سن ۵۲ ۱۳ھ

(جواب ۱۴۹)گونگا اشارے سے ایجاب و قبول کر سکتا ہے۔قبول کرنے کا اشارہ جس کو سب لوگ سمجھتے ہوں کہ یہ قبول کر رہا ہے کافی ہوگا۔(۵)(۲)مرید ہو سکتا ہے اور بیعت کرنے کے لئے توبولنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

الجواب صحیح۔حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

نکاح کے وقت لڑکی کا دوسرا نام لیا تو کیا نکاح ہوا یا نہیں

(سوال)ایک شخص کی دو لڑکیاں ہیں۔بڑی لڑکی کا نام کلثوم عرف احا۔چھوٹی کا نام حوا عرف حیی بعض حیی کی جگہ حفیظہ نام سے بلایا کرتے ہیں۔اتفاقاً بڑی لڑکی کے نکاح کے موقع پر باپ نے اس کے نام کو کسی وجہ سے نامناسب سمجھ کر بجائے کلثوم کے حافظہ نام رکھا اور باقاعدہ حاضرین مجلس کے روبرو نکاح کر دیا۔بروقت نکاح جدید نام حافظہ لیا گیا۔اور دفتر نکاح میں بھی یہی نام درج کیا گیا۔یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں ؟زید کہتا ہے کہ چھوٹی لڑکی کا نکاح ہوا کیونکہ چھوٹی لڑکی حفیظہ نام سے مشہور ہے اور حافظہ غیر مشہور نام حفیظہ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور باپ کو ایک مرتبہ نام رکھنے کے بعد دوسری مرتبہ نام تبدیل کرنے کا حق نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۴۹۷پی اسمٰعیل(ایس کنارا)۲۱ربیع الاول سن ۵۴ ۱۳ھ م ۲۴جون سن ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۵۰)حافظہ چونکہ پہلے سے کسی لڑکی کا نام معروف نہیں تھا اس لئے دونوں میں سے کسی کا نکاح منعقد نہیں ہوا۔(۶)یہ صحیح نہیں کہ حافظہ کہنے سے حفیظہ کا نکاح ہو گیا۔اب بڑی لڑکی کا نام صحیح لے کر دوبارہ ایجاب؛

---

(۱)وللولی انکاح الصغیر والصغیرۃ۔(الدر المختار،کتاب النکاح،باب الولی،۳/ ۶۵،سعید)

(۲)ونکاح عبد و امۃ بغیر اذن السید موقوف علی الا جازۃ کنکاح الفضولی توقف عقودہ کلہا ان لہا مجیز حالۃ العقد والا تبطل۔(الدر المختار،کتاب النکاح،باب الکفاءۃ،۳/ ۹۰،سعید)

(۳)واحل لکم ماوراء ذلکم۔(النساء ۲۴)

(۴)کوالہ بالا

(۵)ففی کافی للحاکم الشہید مانصہ فان کان الاخرس لا یکتب و کان لہ اشارۃ تعرف فی طلاقہ ونکاحہ وشرائہ وبیعہ فہو جائز۔(رد المحتار،کتاب الطلاق ۳/ ۲۴۱،سعید)

(۶)رجل لہ ابنت واحدۃ واسمہا عائشہ فقال الاب وقت العقد زوجت منک ابنتی فاطمۃ لا ینعقد النکاح بینہما رجل لہ بنتان اسم الکبری منہما عائشہ و اسم الصغری فاطمۃ قال زوجت ابنتی الکبری فاطمۃ فقال الزوج قبلت، قالوا: لا یجوز نکاح واحدۃ منہما۔(الخانیۃ علی الہندیۃ،کتاب النکاح،۱/ ۳۲۴،ماجدیۃ)

قبول کرادیا جائے۔باپ کو نام بدلنے کا حق ہے۔لیکن تبدیل کے بعد جب تک وہ نام مشہور نہ ہو جائے اس پر احکام جاری نہ ہوں گے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

ولی کا ایجاب و قبول بالغ کی اجازت پر موقوف ہے

(سوال) ایجاب و قبول ایک وقت میں عدم موجودگی زوجین کے کئے جاتے ہیں۔بذریعہ ولیوں کے حالانکہ ہر دو بالغ ہیں۔ولی زوج نے گھر جا کر زوج کو بالکل قبول نہ کرایا ہو صرف زوجین کے سکوت سے حق زوجیت ثابت ہو گیا یا نہ ؟

المستفتی نمبر ۱۱۳۹ اللہ داد خاں و قاضی محمد عالم،راجہ محمد باقر، نجیب علی صاحب

(راولپنڈی ۴ جمادی الثانی سن ۱۳۵۵ھ م ۲۳ اگست سن ۱۹۳۶ء)

(جواب ۱۵۱) ولی جائز مجلس نکاح میں اگر ایجاب و قبول کرے اور زوجین میں سے کوئی حاضر نہ ہو تو نکاح ہو جاتا ہے۔(۲) اور زوجین بالغین کے قبول پر یعنی ان کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔اگر زوجین بالغین نے نکاح کی خبر پانے پر رد نہیں کیا اور کوئی فعل ایسا کر لیا جس سے اجازت سمجھی جاتی ہو تو نکاح قائم رہتا ہے۔البتہ اگر کوئی ایسی بات کریں جس سے ناراضی ظاہر ہوتی ہو یا زبان سے رد کر دیں تو رد ہو جاتا ہے۔(۳) بالغہ باکرہ کو ولی قریب خبر دے تو اس کا سکوت بھی رضامندی کے قائم مقام ہے۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

بالغہ عورت اگر نکاح کے وقت انکار کر دے تو نکاح نہیں ہو گا۔

(سوال) ایک شخص محمد کی لڑکی مسماۃ شرم خاتون عاقل بالغ موجود ہے۔محمد غیر برادری میں لین دین کرنا چاہتا تھا۔اس کے شریک قوم غلام حیدر نے اس کے پیر کو کہا کہ اس کو منع کر دو کہ غیر برادری میں لین دین نہ کرے۔محمد نے کہا کہ برادری میں مجھ سے لین دین کوئی نہیں کرتا۔غلام حیدر نے کہا کہ میں کرنا چاہتا ہوں پیر صاحب نے اجازت دے دی۔غلام حیدر نے مجمع کر کے پانچ نکاح یکجا پڑھانے شروع کئے۔

(۱) غلام رسول کی لڑکی اللہ وسایا کا لڑکا جو ہر دو نابالغ تھے والدین کے ایجاب و قبول سے نکاح ہوا۔

(۲) اللہ وسایا کی لڑکی نابالغ بہ ایجاب والد کے محمد حسین بالغ کے ساتھ ہوا۔

(۳) اللہ وسایا کی لڑکی محمد کا لڑکا ہر دو نابالغ بایجاب و قبول والدین نکاح ہوا۔

---

(۱) کما قال الخصاف رحمة الله تعالى : جارية سميت في صغرها باسم فلما كبرت سميت باسم آخر قال : لا تزوج باسمها الاول اذا صارت معروفة بالاسم الآخر۔(التاتارخانیہ، کتاب الطلاق، ۱/ ۳۲۳،ماجدیہ)

(۲) لا يجوز نكاح احد على بالغة صحيحة العقل من اب اوسلطان بغير اذنها بكراً كانت اوثيبا فان فعل ذلك فالنكاح موقوف على اجازتها، فان اجازته جاز وان ردته بطل۔(الھندیہ، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الاولیاء، ۱/ ۲۸۷،ماجدیہ)

(۳) واذا قال لها الولی ارید ان ازوجك من فلا ن بالف فسكتت ثم زوجها فقالت لاارضى او زوجها ثم بلغها الخبر فسكتت فالسكوت منها رضا فى الوجهين جميعا اذا كان المزوج الولى۔(الھندیہ، کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۷،ماجدیہ)

وفی الهداية فاذااستاذنها الولی فسكتت او ضحكت فهو اذان لقوله عليه الصلوة والسلام: البكر تستامر فى نفسها فان سكتت فقدرضيت ۔(الھدایہ، ۲/ ۳۱۴،شرکت علمیہ)

فاذا استاذ نها الولی فسكتت اوضحكت فهو اذن لقوله عليه الصلوة والسلام البكر تستامر فى نفسها فان سكتت فقد رضيت۔(الھدایہ، ۲/ ۳۱۴،شرکت علمیہ)

(۴) النكاح ينعقد بالا يجاب والقبول . لانه عقد۔(الجوھرۃ النیرۃ، کتاب النکاح، ۲/ ۱، امدادیہ)

(۴) غلام حیدر کی لڑکی اللہ وسایا کا لڑکا جو دونابالغ با یجاب و قبول والدین نکاح ہوا۔

(۵) محمد کی لڑکی شرم خاتون غلام محمد کا لڑکا رحیم بخش ہر دو بالغان کا نکاح شروع ہوا۔ رحیم بخش شادی شدہ کثیر آباد تھا۔ بوقت ایجاب محمد اور اس کی عورت اور لڑکی شرم خاتون نے انکار کر دیا کہ اگر غلام حیدر کے لڑکے سے نکاح ہو تو رضا مند ہیں ورنہ ہرگز نکاح منظور نہیں۔ سخت واویلا ہو گیا تو محمد کا سالہ محمد حسین نے موٹا لے لیا محمد کی عورت اپنی ہمشیرہ بیگمان اور بھانجی شرم خاتون کو خوب مار اور محمد کو سخت دشنام دیئے۔ فساد برپا ہو گیا۔ ملا نے اس وقت یہ نکاح نہ پڑھا۔ پھر شیخ کو اسی طرح مجمع ہوا اور ایجاب کے لئے ملا وکیل، دو گواہ، ماموں محمد حسین و والد محمد لڑکی کے پاس گئے۔ محمد حسین نے لڑکی کو دھمکی دی اور ملا نے دریافت کیا تو اس کے منہ سے نکلا جی ہاں۔ اس پر مشہور ہو گیا کہ نکاح ہو گیا۔ یہ سب نکاح ملا نے فرک مارے کتاب نکاح خوانی میں کہ ہمیں رحیم بخش منظور ہے درج نہ کئے اور نہ کسی نکاح کا انگوٹھا ناکح و منکوحہ دوارثان وغیرہ کا لگایا گیا۔ عورت اور اس کی والدہ کا بیان ہے کہ بطور استفہام لفظ جی ہاں کہا ہے نہ کہ جی ہاں۔ حاضرین میں سے بعض کہتے ہیں کہ لفظ جی کہا ہے اور بعض آدمی کہتے ہیں کہ جی ہاں کہا ہے۔ اب اس کی شادی ہونے میں تنازعہ ہے۔ آیا نکاح شرم خاتون ور حیم بخش جائز ہے یا نہیں۔ اور باقی نکاح بھی جائز ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۶۶۹ عبداللہ (ملتان) ۴ جمادی الثانی سن ۱۳۵۶ھ م ۱۲ اگست سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۵۳) شرم خاتون اور رحیم بخش کے نکاح کے علاوہ اور نکاحوں میں تو کوئی بات ایسی مذکور نہیں جس سے نکاح نہ ہونے کا شبہ ہوتا ہو۔ لہذا وہ نکاح تو ہو گئے۔ والدین کے ایجاب و قبول سے یا شوہر کے قبول سے اور والد کے ایجاب سے نکاح ہو گئے۔(۱) شرم خاتون چونکہ بالغہ تھی اس لئے اس کی اجازت ضروری تھی اور اگر اس کو خاوند کا نام اور مہر بتایا گیا ہو اور اس نے صاف صراحت منظوری دی ہو تو نکاح ہوا ورنہ نہیں کیونکہ اسی شخص سے وہ پہلے نکاح نا منظور کر چکی ہے۔ لہذا اب دوبارہ صاف صراحت منظوری سے نکاح ہوگا۔(۲) اور اگر اس نے صرف لفظ جی کہا ہے اور رحیم بخش سے قبول کرانے کا بھی سوال میں ذکر نہیں تو اس صورت میں انعقاد نکاح کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

الجواب صحیح ضیاء الحق غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

ایجاب و قبول سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے دستخط کی ضرورت نہیں

(سوال ۱) ایک لڑکی جس کی عمر ۱۱ سال ہے جس کا نکاح ایک لڑکے کے ساتھ ہوا جس کی عمر ۱۳-۱۴ سال ہے نکاح درست و جائز ہو گیا یا نہیں۔ کیونکہ وقت نکاح لڑکی کے ولی اور نہ لڑکے کے ولی کے نکاح میں دستخط نہیں ہیں سوائے لڑکی و لڑکے کے دستخطوں کے۔

المستفتی نمبر ۱۸۹۱ اکرام حسین پوسٹ مین نائی گنج (آگرہ) ۵ شعبان سن ۱۳۵۶ھ م ۱۱ اکتوبر سن ۱۹۳۷ء

(۱) وتزوج المكاتب ... الكتاب الولي ... عدلا وحدان (الدر المختار، كتاب النكاح، باب اولی، ۳/ ۲۲، سعيد)
(۲) لا يجوز نكاح احد على بالغة صحيحة العقل من اب او سلطان بغير اذنها بكرا كانت او ثيبا فان فعل ذلك فالنكاح موقوف على اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل. (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۷، ماجدية) وفي الدر: فان استاذنها غير الاقرب ... فلا عبرة لسكوتها بل لابد من القول كالثيب. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب اولی، ۱/ ۶۲، سعيد)
(۳) ومن شرائط الايجاب والقبول اتحاد المجلس (الدر المختار) وفي الرد: فلو اختلف المجلس لم ينعقد. فلو اوجب احدهما فقام الآخر واشتغل بعمل آخر بطل الايجاب. (رد المحتار، كتاب النكاح، ۳/ ۱۴، سعيد)

(جواب ۱۵٤) اگر ایجاب و قبول دونوں نابالغوں کے ولی نے کیا تو نکاح صحیح ہو گیا دستخط ہوں یا نہ ہوں(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

قاضی نے باپ کی موجودگی میں نابالغ سے ایجاب و قبول کرایا تو نکاح ہو گیا۔

(سوال) زید نابالغ کا نکاح ہندہ نابالغہ سے ہوا تھا۔ مجلس نکاح میں زید کا باپ موجود تھا مگر قاضی نے زید ہی سے ایجاب و قبول کرایا اس کے باپ سے نہیں کروایا تھا تو یہ نکاح درست ہوا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۰۰۲ حکیم نظام الدین ضلع ہزاری باغ۔ ۵ رمضان سن ۱۳۵٦ھ م ۱۰ نومبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۵۵) اگر ایجاب و قبول نابالغ لڑکے نے باپ کی موجودگی میں باپ کی رضامندی سے کیا تو معتبر ہے اور نکاح منعقد ہو گیا۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ولی کے ایجاب و قبول سے نابالغ کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے

(سوال) ایک شخص اپنی بالغ لڑکی کا نکاح لڑکی کی رضامندی سے ایک تین سال کی عمر کے لڑکے سے کر دیتا ہے۔ چند روز بعد فریقین علماء سے دریافت کرتے ہیں کہ ایسی صورت میں یہ لڑکا آیا طلاق دینے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں۔ اس قسم کے فتوے طلب کر دینے کے بعد بالآخر لڑکے کے نکاح کو کالعدم تصور کر کے لڑکے سے بلا طلاق حاصل کئے لڑکی کا نکاح ایک دوسری جگہ کر دیتے ہیں اور عذر گناہ یہ تراشتے ہیں کہ چونکہ لڑکا وقت نکاح بالکل بچہ تھا اس لئے شرعاً لڑکے کا نکاح ہی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا۔

اب قابل استفتاء یہ امر ہے :-

(۱) کیا حدیث یا فقہ یا اقوال صحابہ میں کہیں کوئی اس قسم کی جزئی مل سکتی ہے جس سے یہ مترشح ہو کہ بوقت نکاح اگر لڑکا بالکل شیر خوار ہو تو اس کا نکاح کالعدم ہو گا۔

(۲) مذکورہ بالا صورت میں نکاح اول معتبر ہو گا یا کہ ثانی۔ صورت مذکورہ میں نکاح خوان اور حاضرین مجلس کے اپنے نکاح باقی رہیں گے یا ان کو تجدید نکاح ضروری ہے۔

(۳) اگر ان پر تجدید نکاح اور توبہ از بس ضروری ہو اور وہ ایسا نہ کریں تو ان کے ساتھ کھانا پینا اور دیگر مجلسی و خانگی تعلقات کرنے شرعاً کیسے ہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۰۹۵ ایم حافظ عبدالستار صاحب (ملتان) ۴ شوال سن ۱۳۵٦ھ م ۸ دسمبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۵٦) لڑکے کی طرف سے قبول کرنے والا اگر کوئی ولی یا فضولی موجود تھا اور اس نے ایجاب قبول کیا تھا تو نکاح درست ہو گیا۔ اور اگر لڑکے نے خود قبول کیا یعنی اس کی زبان سے کہلوا دیا تو نکاح صحیح نہیں ہوا۔(۳)
پہلی صورت میں تو نکاح قائم ہے اور دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا۔(۴)

---

(۱) وینعقد بایجاب و قبول ... کزوجت نفسی او بنتی او موکلتی۔ (الدر المختار، کتاب النکاح ۳: ۹، سعید)
(۲) وهو ای الولی شرط صحة نکاح صغیر و مجنون۔ (الدر المختار، کتاب النکاح باب الولی ۳: ۵۵، سعید)
(۳) فلا ینعقد نکاح المجنون والصبی الذی لا یعقل۔ (الهندية، کتاب النکاح الباب الثانی ۱: ۲٦۷، ماجدية)
(۴) لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره۔ (الهندية، کتاب النکاح الباب الثالث ۱: ۲۸۰، ماجدية)

دوسرا نکاح پڑھانے والوں کا بیان لیا جائے کہ انہوں نے کس بنا پر دوسرا نکاح پڑھایا تھا تو پھر کوئی حکم دیا جا سکتا ہے۔

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ایجاب میں "دیجاتی" ہے کہنے سے نکاح منعقد ہوا یا نہیں

(سوال) ایک شخص وکیل بالنکاح مقرر ہو کر مع دو گواہ کے آیا اور اس نے ان الفاظ میں اپنی وکالت کا اظہار فرمایا۔ مجھ کو عبداللہ نے اپنی لڑکی صابرہ کا وکیل بالنکاح مقرر کیا ہے جس کے یہ دونوں گواہ ہیں (گواہان کی طرف اشارہ کر کے بتلایا) اور گواہان نزدیک ہی موجود تھے۔ وکیل بالنکاح نے ان الفاظ میں ایجاب و قبول کرایا (مسماۃ صابرہ دختر عبداللہ کی بعوض پانچ سو روپے کے آپ کی زوجیت میں دی جاتی ہے قبول کیا؟)
اس کے جواب میں نوشہ نے کہا (قبول کیا) اس طرح سے تین بار مذکور الصدر عبارت میں ایجاب و قبول ہوا۔ اب مولوی عبدالمنان صاحب فرماتے ہیں کہ یہ نکاح درست نہیں ہوا کیونکہ مضارع مجہول کے صیغہ سے ایجاب کرایا گیا۔ کیونکہ (دی جاتی ہے) مضارع مجہول ہے اور مضارع مجہول سے ایجاب درست نہیں لہذا تجدید نکاح کی ضرورت ہے اور مولوی عبدالجبار صاحب فرماتے ہیں کہ نکاح صحیح و درست ہو گیا تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہے (دی جاتی ہے، قبول کیا) مضارع اور ماضی دونوں معنوں کا مجموعہ ہے بلکہ آخر کا فعل فعل ماضی ہی ہے۔ (دی جاتی ہے، قبول کیا) اور قبول کا فعل بھی فعل ماضی ہی ہے (قبول کیا) لہذا بطریق احسن ایجاب و قبول ہوا اور نکاح کی درستی میں تو کوئی کلام و شک و شبہ ہی نہیں ہے۔ بہر کیف دونوں حضرات میں کون صاحب صائب ہیں اور کون صاحب مخطی۔ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۱۴ منظور احمد ضلع پٹنہ ۱۴ ربیع الثانی سن ۱۳۵۷ھ م ۱۴ جون سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۵۷) صحیح عبارت ایجاب کی یہ تھی، کہ مسماۃ صابرہ دختر عبداللہ کو بعوض پانچ سو روپے (صما) مہر کے میں نے تمہاری زوجیت میں دیا۔ دی جاتی ہے بے شک مضارع مجہول ہے اور قبول کیا ایجاب میں شامل نہیں وہ تو استفہام ہے یعنی کیا تم نے قبول کیا اور استفہام ایجاب نہیں۔ اگرچہ یہ نکاح منعقد ہو گیا(۱)
کیونکہ صیغہ حال جب کہ اس سے انشاء کے معنی مراد ہوں قائم مقام ماضی کے ہو جاتا ہے اور دینے والا ذکر وکالت سے متعین ہو جاتا ہے تاہم احتیاطاً تجدید ایجاب و قبول کر لینا بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مرد عورت دو گواہوں کے سامنے آپس میں ایجاب قبول کر لیں تو نکاح درست ہے

(سوال) ایک شخص ہے جو عمر میں قریباً ۵۵ سالہ ہے اور صاحب اولاد ہے اور اس کی اہلیہ جو نہایت شریف تابعدار عورت ہے مگر اس عورت اور اولاد کی موجودگی میں اپنی چچازاد ہمشیرہ جو قریباً عمر میں چالیس سالہ ہے اور وہ بھی صاحب اولاد ہے اور خدا کے احکام کو اچھی طرح سمجھنے والی ہے اس سے اپنی محبت کا اظہار کر چکا ہے مگر لڑکی پہلے تو بالکل رضامند نہ تھی مگر اب راضی ہو گئی ہے اور ہر دو نے پہلے تو تنہائی میں قرآن پاک کو ہاتھ میں لے کر اور خدا کو گواہ بنا کر

(۱) لو قال بالمضارع ذی الھمزۃ اتزوجک فقالت زوجت نفسی انعقد۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، ۳/ ۱۱، سعید)

اس مرد نے عورت کو اپنی زوجہ قبول کر لیا اور عورت نے اس کو اپنا شوہر مان لیا۔ یہ دونوں اس نکاح کو اپنی اولاد اور دیگر اقرباء سے مخفی رکھنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ خدا بھی ہم سے ناراض نہ ہو۔ اس کے اقرباء یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نکاح کا اقرار کرو مگر وہ ہر دو اس بات کا جواب ہاں اور ناں میں نہیں دیتے بلکہ خاموش ہو جاتے ہیں۔ ان کی آپس میں محبت بے حد ہے اس لئے وہ مفارقت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ عورت اور مرد نے دو معزز اور صالح علم دار اشخاص کی موجودگی میں شوہریت اور زوجیت کا اقرار کر لیا ہے۔ کیا ان حالات میں یہ نکاح نکاح ہو سکتا ہے اور ایسی صورت میں اگر وہ مباشرت کریں تو ان کو خدائی گرفت تو نہیں ہو گی؟

المستفتی نمبر ۲۳۹۸ گل محمد خاں صاحب لدھیانہ ۲۲ جمادی الثانی سن ۱۳۵۷ھ م ۲۰ اگست سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۵۸) اگر ان مرد و عورت نے صالح شخصوں کے سامنے ایجاب و قبول کر لیا ہے تو ان کا آپس میں عقد ہو گیا اور یہ باہم مباشرت کر سکتے ہیں۔(۱) بشرطیکہ عورت منکوحہ و معتدہ نہ ہو۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نابالغ کا ایجاب و قبول ولی کر سکتا ہے

(سوال) آٹھ سال کا بچہ اگر ایجاب و قبول کرے تو نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ کیا اس کے ولی شرعی کو بھی ایجاب و قبول کرنا ضروری ہے؟

(جواب ۱۵۹) نابالغ بچہ سے ایجاب و قبول کرانا فضول ہے۔ اس کے ولی سے کرانا ضروری ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

صرف شربت پر کلمہ پڑھ کر پلانے سے نکاح نہیں ہوتا

(سوال) ایک لڑکی نابالغ بعمر گیارہ ماہ اور لڑکا بعمر ۵ سال کا نکاح شربت پڑھ کر کیا گیا تھا اور ان کو پلایا گیا تھا۔ اب لڑکا بد چلن نکلا۔ اس نکاح کو دس سال ہو چکے ہیں۔

(جواب ۱۶۰) اگر ان دونوں نابالغ بچوں کے باپوں نے ان کا نکاح کیا تھا اور باقاعدہ ایجاب و قبول ہوا تھا تو نکاح صحیح لازم ہو گیا۔(۴) اور اگر نکاح مذکور میں باقاعدہ ایجاب و قبول نہیں ہوا تھا بلکہ صرف شربت پر کلمہ وغیرہ پڑھ کر دم کر دیا اور زوجین کو پلا دیا تھا اور اسی کو عقد نکاح سمجھ لیا گیا تھا تو درحقیقت یہ نکاح ہی نہیں ہوا۔(۵) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

صحت نکاح کے لئے قاضی یا وکیل کا ہونا شرط نہیں

(سوال) زید نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ اس وقت صرف دو حضرات حاضر مجلس تھے۔ ہر دو صاحب کو گواہ گردانا

---

(۱) وینعقد بایجاب من احدهما وقبول من الآخر وشرط حضور شاهدين حرين او حر و حرتين سامعين قولهما معا۔ (الدر المختار کتاب النکاح، ۳/ ۳۱، سعید)

(۲) لايجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره۔ (الهندية، کتاب النکاح، الباب الرابع، ۱/ ۲۸۰، ماجدیہ)

(۳) وهو اى الولى شرط صحة نكاح صغير و مجنون۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۵۵، سعید) وفی الرد: والصبی کالعبد لو باع الصبي ماله او اشترى او تزوج توقف على اجازة الولي۔ (رد المحتار، باب الکفاءۃ، ۳/ ۹۷، سعید)

(۴) ولزم النكاح ولو بغبن فاحش ان كان الولي ابا او جدا۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۶۶، سعید)

(۵) سئل فيما اذا خطب زيد لابنه الصغير بنت عمرو الصغيرة وقراء الفاتحة ولم يجر بينهما عقد شرعي فهل لايكون مجرد القراءة نكاحا؟ الجواب نعم۔ (تنقیح الفتاوی الحامدیہ، مسائل منثورہ من ابواب النکاح، ۱/ ۲۹، قندھار، افغانستان)

کیا۔ گواہوں نے عورت سے دریافت کیا کہ بعوض زر مہر مقررہ زید کے ساتھ نکاح کرنے کے لئے راضی ہو۔ عورت نے قبول کیا اور طرفین سے بھی ایجاب و قبول ہوا۔ زید نے خطبہ نکاح پڑھا کیا یہ نکاح درست ہے۔ کیونکہ نہ وکیل تھا نہ قاضی۔

(جواب ۱۶۱) جب کہ زوجین نے دو شخصوں کے سامنے ایجاب و قبول کیا تو نکاح درست ہو گیا۔(۱) وکیل یا قاضی کا ہونا صحت نکاح کی شرط نہیں ہے۔

فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ،

کیا لڑکی کے لکھے ہوئے خط میں "شوہرم" لکھنے سے رضامندی ثابت ہوتی ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ دسمبر سن ۱۹۳۴ء)

(سوال) زید نے اپنی لڑکی بالغہ کا نکاح عمرو سے کرادیا اور ایجاب منجانب پدر زید بالعوض مہر دس ہزار منجملہ ان کے ہزار معجل اور نو ہزار مؤجل اور عمرو نے قبول کرلیا۔ اور شاہدان موجود تھے۔ من پچھلہ چڑھایا گیا۔ شیرینی تقسیم کئے۔ اور یہ عقد موجودگی چند آدمی ہوا۔ زید پدر دختر نے جو تحریر عمرو کو بھیجی اس میں یہ لفظ تھے۔ "زوجہ شما" وغیرہ۔ اور تحریر منجانب لڑکی عمرو کے پاس آئی اس میں لفظ "شوہرم" ہے۔ کیا اس سے لڑکی کی رضائے نکاح ثابت ہوئی یا نہیں؟

(جواب ۱۶۲) اگرچہ لڑکی بالغہ کی رضامندی ثابت کرنے کے لئے کوئی ایسا فعل جو رضامندی پر دلالت کرتا ہو کافی ہوتا ہے۔ مگر سوال میں لڑکی کے کسی ایسے فعل کا ذکر نہیں ہے۔ صرف یہ لفظ "شوہرم" جو لڑکی کی کسی تحریر سے نقل کیا گیا ہے کافی نہیں ہے۔ تحریر کی پوری عبارت نقل کرنے چاہئے تھی تاکہ اس سے رضامندی یا عدم رضامندی پر استدلال کیا جاسکتا۔ ممکن ہے کہ لفظ "شوہرم" ایسی عبارت میں ہو جس سے ناراضی ثابت ہوتی ہو۔ مثلاً "شخصے را کہ شوہرم گفتہ اند من او را پسند نمی کنم" بہر حال پورا واقعہ اور پوری عبارت لڑکی کی تحریر کی لکھنی چاہئے جب پورا جواب دیا جاسکے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

نابالغ کا ایجاب و قبول معتبر نہیں

(سوال) زید نے اپنی نابالغہ لڑکی کا رشتہ بدیں شرط بکر کے نابالغ لڑکے کو دیا کہ وہ مجھے فلاں عورت کی طلاق دلوادے اور قبول نکاح نابالغ لڑکے نے کیا۔ کیا لڑکے کا قبول کرنا موجب عقد ہوگا؟ اگر نکاح منعقد ہو گیا تو کیا لڑکا حالت صغر میں طلاق دے سکتا ہے؟ اور شرط مذکورہ کا عقد پر کوئی اثر ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۶۳) نابالغ لڑکے کا قبول معتبر نہیں۔ اس لئے وہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔ اور اس میں طلاق کی ضرورت نہیں۔ شرط کا نکاح پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ مگر نکاح بوجہ قبول صحیح نہ ہونے کے نہیں ہوا(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضرۃ شاهدین حرین مسلمین بالغین عاقلین و یشترط حضور هما عند العقد لا عند الاجازۃ۔ (الجوہرۃ النیرۃ، کتاب النکاح، ۲/۲، امدادیہ)

(۲) یہ مجھو بچے کے بارے میں ہے اور مجھودار بچہ (صبی ممیز) کا ایجاب و قبول معتبر ہے البتہ نکاح کے انعقاد کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے۔ کما فی الہندیۃ: و اما شروطه فمنها العقل والبلوغ والحریۃ فی العاقد الا ان الاول شرط الانعقاد فلا ینعقد نکاح المجنون والصبی الذی لا یعقل والاخیران شرط النفاذ فان نکاح الصبی العاقل یتوقف نفاذه علی ولیه۔ (الہندیۃ، کتاب النکاح، الباب الاول، ۱/۲۶۷، ماجدیہ)

چھٹا باب

مہر، چڑھاوا وغیرہ

لڑکے والوں سے مہر کے علاوہ رقم لینا حرام ہے

(سوال) لڑکی کا نکاح اس شرط سے کرنا کہ لڑکا کچھ روپیہ سات سو یا ہزار دے تو اس قسم کا روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں اور یہ نکاح جائز ہے یا نہیں۔ روپیہ لینے والا اور دینے والا گناہ میں دونوں برابر ہیں یا کچھ فرق ہے اور وہ روپیہ خیرات کرنے سے ثواب ملے گا یا نہیں ؟ ایسے لوگوں کو کوئی برا لفظ کہہ سکتے ہیں یا نہیں ؟

(جواب ۱٦٤) لڑکی کے ولی کو لڑکے سے کچھ روپیہ علاوہ مہر کے لے کر نکاح کرنا رشوت ہے۔(۱) اور رشوت لینا حرام ہے اور اس روپے کو جو لڑکی کے ولی نے لڑکے سے لیا ہے بوجہ رشوت اور حرام ہونے کے کسی کار خیر میں صرف کرنا نہیں چاہئے۔ اس سے کوئی ثواب نہیں مل سکتا۔ بلکہ اسی کو واپس کر دینا چاہئے جس سے لیا ہے۔(۲) جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کو منع کرتے ہوئے زجراً سخت الفاظ مناسب طریقہ سے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں (۳)

جہیز وغیرہ کا مالک کون ہے ؟

(سوال) ہندہ زید کے نکاح میں ہے لیکن زید نے دوسرا نکاح کر لیا اور ہندہ کو رکھنا نہیں چاہتا۔ اس صورت میں جو چیز دین مہر یا زیور جو ہندہ کے باپ نے دیا ہے یا دولہا کی جانب سے زیور قبل نکاح یا بعد نکاح ملا تھا اور جہیز ملا تھا یا شوہر کی طرف سے کپڑے کا جوڑا ملا تھا اس کی مستحق از روئے شریعت ہندہ کہاں تک ہے۔ بینوا توجروا۔

(جواب ۱٦٥) ہندہ کو جو زیور اور جہیز اپنے گھر سے ملا تھا وہ اور دین مہر اسی طرح چڑھاوا جو خاوند کی طرف سے نکاح کے وقت دیا جاتا ہے۔ بہر حال ہندہ کا حق ہے۔ ان چیزوں کو روکنے اور نہ دینے کا زید کو کوئی حق نہیں۔(۴) اس کے علاوہ شوہر نے جو اسباب یا زیور ہندہ کو ہبتہ دیا ہے وہ بھی اس کی ملکیت ہے۔(۵) لیکن اگر ان چیزوں کا زید نے ہندہ کو مالک نہیں بنایا بلکہ صرف استعمال کے لئے دی ہیں تو ان چیزوں کا مالک خود زید ہے۔(۶)

بچہ مہر کے طور پر بیوی کو دینا جائز نہیں

(سوال) زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی۔ جب زوجہ مطلقہ نے مہر طلب کیا تو زید نے کہا کہ میرے پاس تو مہر نہیں ہے میں تجھ کو اپنے بچے مہر میں دیتا ہوں۔ اور وہ بچے اسی عورت سے ہیں۔ اور ابھی نابالغ ہیں لہذا کتب معتبرہ سے جواب دیجئے کہ اپنے مہر میں دینا جائز ہے یا نہیں

---

(۱) اخذ اهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج ان يسترده ، لانه رشوة۔ (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر ۳: ۱۵٦، سعيد)

(۲) الرشوة يجب ردها ولا تملك ۔ (رد المحتار، كتاب القضاء، ۵: ۳٦۲، سعيد)

(۳) من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان۔ (الصحيح لمسلم، ۱: ۵۱، قديمي)

(۴) لو جهز ابنته وسلمه اليها ليس له في الاستحسان استرداده منها وعليه الفتوى. واذا بعث الزوج الى اهل زوجته شيئا عند زفافها منها ديباج ، فلما زفت اليه اراد ان يسترد من المرأة الديباج ليس له ذلك اذا بعث اليها على جهة التمليك۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، ۱: ۳۲۷، ماجدية)

(۵) ولا رجوع فيما يهب لزوجته ۔ (رد المحتار، كتاب النكاح، باب النفقة ۳: ۵۹٦، سعيد)

(٦) ولو بعث الى امرأته شيئا ولم يذكر جهته عند الدفع فقالت هو اي المبعوث هدية وقال هو من المهر او من الكسوة او عارية فالقول له بيمينه۔ (الدر المختار، كتاب النكاح، ۳: ۱۵۱، سعيد)

(جواب ۱۶٦) لڑکوں کو مہر میں دینا ناجائز ہے کیونکہ انسان کا بچہ ایک آزاد انسان ہے اور آزاد انسان مال نہیں ہے(۱) لہذا اس کے ساتھ مہر کا مبادلہ صحیح نہیں بچے کی پرورش کا حق والدہ کو ہے۔ اور بعد ختم مدت حضانت والد بچے کو لے سکتا ہے۔ عورت کا مہر مرد کے ذمہ واجب الادا ہے۔(۲)

کیا عورت مہر کا مطالبہ طلاق یا موت سے پہلے نہیں کر سکتی؟

(سوال) میاں بیوی میں نااتفاقی ہو جانے کے باعث میاں بیوی کو رکھنا نہیں چاہتا۔ ڈھائی تین برس سے دونوں اپنے اپنے گھر ہیں۔ اب بیوی نے عدالت میں اپنے مہر کا دعویٰ کیا ہے کہ میرا مہر ملنا چاہئے۔ خاوند مہر کے دینے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مہر بعد طلاق یا موت کے تم لے سکتی ہو اس سے پہلے نہیں لے سکتیں۔ نکاح نامہ میں لفظ مہر باقی لکھا ہوا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ بعد طلاق یا موت تمہارا حق ہوگا۔ بیوی کہتی ہے کہ مہر باقی کا یہ مطلب ہے کہ عند الطلب جب میں چاہوں لے سکتی ہوں۔ میاں بیوی کو نہ رکھنا چاہتا ہے نہ طلاق دیتا ہے نہ مہر ادا کرنا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا کیا جائے۔ نکاح نامہ میں مہر مؤجل یا مہر معجّل یہ دونوں لفظ چھپے ہوئے ہیں۔ ان دونوں لفظوں کو کاٹ کر "مہر باقی" نکاح کے وقت بنایا گیا تھا۔ کیا مہر مؤجل اور مہر باقی کے مفہوم میں فرق ہے؟ عدالت میں مہر باقی کے لفظ پر جھگڑا ہے کہ اس لفظ کی بناء پر عورت مہر کی کب مستحق ہے اور صورت مسئولہ میں شریعت کا فیصلہ کیا ہے؟

(جواب ۱٦۷) اگر نکاح نامہ میں لفظ "مہر باقی" لکھا گیا ہے تو یہ لفظ مؤجل کے ہم معنی ہے۔ مؤجل کا لفظ شاید اس کے معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے یا تلفظ میں معجّل کے ساتھ ملتبس ہو جانے کی وجہ سے کاٹ دیا گیا ہوگا۔ اور جب مؤجل یہ دیا یا باقی لکھ دیا اور اجل بیان نہیں کی تو مہر نقد واجب الادا یا عند الطلب واجب الادا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اجل جب مجہول بجہالت فاحشہ ہو تو مہر حالاً یعنی فی الفور واجب ہو جاتا ہے۔ الا اذا جهل الا جل جهالة فاحشة فيجب حالا غايه كذافي الدر المختار۔(۳) اور جب کہ اجل کا بالکل ذکر ہی نہ کیا جائے تو وہ بھی مجہول بجہالۃ فاحشہ ہے۔ پس مہر فی الفور واجب الادا ہو چکا ہے عورت جب چاہے لے سکتی ہے۔ موت وطلاق پر واجب الادا ہونے کی صورت یہ ہے کہ عقد نکاح کے وقت یہ تصریح کر دی جائے کہ مہر طلاق یا موت پر دیا جائے گا۔ یہی مطلب ہے الا التاجيل لطلاق اوموت فيصح للعرف بزازيه (در مختار)(۴) یعنی اگر مہر کی مدت ادا یہ مقرر کی جائے کہ طلاق یا موت پر ادا کیا جائے گا، تو اگرچہ موت یا طلاق کا وقت معلوم اور معین نہ ہونے کی وجہ سے یہ تاجیل بھی جائز نہ ہونی چاہئے تھی مگر چونکہ عرف میں ایسی تاجیل کو تسلیم کر لینا معروف ہے تو اگر نکاح کے وقت زوجہ یا اس کے اولیا اس تاجیل پر راضی ہو جائیں تو یہ صحیح ودرست ہوگی۔ مگر صورت مرقومہ میں نکاح نامہ میں اس قسم کی تاجیل نہیں ہے۔ لہذا یہ صورت اس حکم کے ماتحت نہیں آتی۔ اس میں صرف لفظ باقی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مہر مؤجل یعنی باقی ہے اور اجل یعنی مدت ادا کا کوئی ذکر نہیں۔ لہذا یہ صورت الا اذا جهل الاجل(۵) میں داخل ہے

---

(۱) عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : قال الله تعالى : ثلثة انا خصمهم يوم القيمة ، رجل اعطى بي ثم غدر و رجل باع حرا فاكل ثمنه الحديث۔ (صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب اثم من باع حرا ۱/ ۲۹۷، قديمي)
(۲) وتجب عند وطء او خلوة صحت من الزوج اوموت احدهما اوتزوج ثانيا في العدة ۔ (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، ۳/ ۱۰۲، سعيد)
(۳) الدر المختار ، كتاب النكاح، باب المهر، ۳/ ۱۴۴، سعيد) (۴) ايضا
(۵) الدر المختار ، كتاب النكاح، باب المهر، ۳/ ۱۴۴، سعيد

اور عورت اپنا مہر وصول کر سکتی ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ خاوند کا اس کے ساتھ سلوک بھی اچھا نہیں۔ واللہ اعلم۔
محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

عورت نے شرط پر مہر معاف کر دیا، شوہر نے شرط پوری نہ کی تو کیا مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے ؟

(سوال) شوہر نے کہا کہ بی بی تو دین مہر معاف کر دے۔ میں نان نفقہ اور تیرے جملہ حقوق بدستور ادا کرتا رہوں گا۔ بی بی نے شروط مذکورہ کے ساتھ مہر معاف کر دیا۔ اس کے بعد اب شوہر نان نفقہ سے بھی کوتاہی کرتا ہے بلکہ بالکل نہیں دیتا۔ تو کیا عورت معاف کئے ہوئے دین مہر کی دوبارہ (عدم وجود شرط کی وجہ سے) مستحق ہوگی۔ یا چونکہ یہ ہبہ ہے اور ہبہ میں شرط کا اعتبار نہیں۔ نیز شوہر کو ہبہ کر کے لوٹانا جائز نہیں ہے۔ معاف کردہ مہر کی مستحق نہیں ہوگی ؟

(جواب ۱۶۸) اگر بی بی نے یہ کہہ کہ معاف کیا ہے کہ اس شرط پر معاف کرتی ہوں کہ تم میرے نان نفقہ میں کوتاہی نہ کرو اور شوہر نے کوتاہی کی تو عورت کو مطالبہ کا حق ہے۔ اور اگر اس نے مطلقاً بغیر ذکر شرط معاف کر دیا تو اب مطالبہ نہیں کر سکتی۔ اگرچہ خاوند سخت گنہگار ہوگا۔ ترکت مهر ها للزوج علی ان یحج بها فلم یحج بها قال محمد بن مقاتل انها تعود بمهرها لا ن الرضا بالهبة کان بشرط العوض فاذا انعدم العوض انعدم الرضا والهبة لا تصح بدون الرضا۔ شامی(۱) ص ۷۶۳ جلد خامس کتاب الهبة فصل فی مسائل متفرقة۔
محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

مہر میں مذکور دینار سے مراد رائج الوقت دینار ہے

(سوال) نکاح میں جو مہر کے لئے یہ لفظ کہا جاتا ہے کہ بالعوض دو دینار سرخ اور پانسو ٹکے دونوں لفظوں سے دو رقم مراد ہیں یا ایک ؟ دینار کتنی رقم ہوتی ہے ؟ اور ٹکہ دو پیسے کو کہا جاتا ہے یا جو کچا پیسہ جس کو منصوری کہتے ہیں جو اکثر دیہات میں شادیوں میں بہت خرچ ہوتے ہیں ؟

(جواب ۱۶۹) دو دینار سرخ کی قیمت تیس روپے ہے۔ کیونکہ دینار اشرفی کو کہتے ہیں اور اشرفی سے مراد وہی اشرفی ہوگی جو رائج ہو اور ٹکے سے مراد ہوں گے وہ دو پیسے جن کا رواج ہو۔ اگر دیہات میں نکاح کیا جائے اور وہاں صرف منصوری پیسے چلتے ہوں تو اس جگہ دو منصوری کا ٹکہ مراد ہوگا اور اگر وہاں منصوری اور ڈبل پیسہ دونوں چلتے ہوں تو جس پیسے کا رواج زیادہ ہو اس کا ٹکہ مراد ہوگا۔(۲)
محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

کیا شرم کی وجہ سے مہر معاف کرنے سے معاف ہو جاتا ہے ؟

(سوال) زید مرض الموت میں حالت نزع میں مبتلا تھا۔ اس وقت چند آدمی اس کے پاس جمع تھے۔ کئی عورتوں نے زید کی زوجہ کو بلایا اور اصرار کیا کہ اپنے شوہر کا دین مہر معاف کر دو۔ زوجہ نے اس وقت لوگوں کی شرم و لحاظ اور عورتوں کے ضد و اصرار سے ناخوشی و بلا رضامندی کہہ دیا کہ معاف کر دیا۔ آیا یہ معاف کر دینا قضاءً و دیانةً معتبر ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۷ احمد حسین متعلم مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ ۸ ربیع الثانی سن ۱۳۵۲ھ یکم اگست سن ۱۹۳۳ء

---

(۱) رد المحتار، کتاب الهبة، فصل فی مسائل متفرقة، ۵/ ۷۱۰، سعید (۲) وان کانت مختلفة المالیة والرواج معاً فالبیع صحیح وینصرف الی الاروج الذی تقدم من وجوب الحمل علی المتعارف الاروج۔ (فتح القدیر، کتاب البیوع، ۶/ ۲۶۴، مصر)

(جواب ۱۷۰) یہ معافی اگر عورت کو مجبور و مضطر نہ کیا گیا ہو تو معتبر ہو گی۔(۱) محض شرم و لحاظ سے کہہ دینا مجبوری نہیں ہے۔
محمد کفایت اللہ

شوہر نے زیورات دینے کا وعدہ کیا تھا پھر مر گیا تو اس کے ترکہ سے بیوی زیورات لے سکتی ہے

(سوال) زید نے ہندہ سے بوقت نکاح کچھ زیورات کا اقرار کر کے مستعار زیور دے کر شادی کی۔ بعد شادی کے مستعار زیور واپس لے لیا۔ لیکن اقرار پورا کرنے سے پہلے زید کا انتقال ہو گیا۔ متوفی پر اقرار کردہ زیور دین ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۵۸ غلام عبدالرحمٰن (مدراس) ۲۱ جمادی الاخری سن ۱۳۵۲ھ م ۱۲ اکتوبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۷۱) وہ زیور جس کا زید نے وعدہ کیا تھا اور ایفائے وعدہ سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا۔ زید کے ترکہ میں سے وصول نہیں کیا جا سکتا۔(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

عورت اگر خاوند کے ہاں نہ جائے تو بھی مہر ساقط نہیں ہو گا

(سوال) زید نے مسماۃ عاصمہ سے نکاح کیا اس سے دو بچے تولد ہوئے۔ بعد چار برس کے اس کے والدین نے مسماۃ عاصمہ کو ورغلایا اور زید کے ساتھ بھیجنے سے انکار کر دیا۔ زید نے عدالت سے چارہ جوئی کی اور وہاں سے مسماۃ عاصمہ اور اس کے والدین پر ڈگری ہوئی۔ اور عدالت نے مسماۃ کو ہدایت کی کہ تم اپنے خاوند کے ساتھ جاؤ مگر وہ اپنے والدین کے کہنے سے نہیں گئی۔ اس صورت میں وہ زید سے اپنا مہر لینے کی حق دار ہے یا نہیں ؟ جب کہ اس کا خاوند لے جانے کو تیار ہے۔ بینوا توجروا۔
المستفتی نمبر ۶۰ چاند خاں (میرٹھ) ۲۱ جمادی الاخری سن ۱۳۵۲ھ م ۱۲ اکتوبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۷۲) مہر تو اس کا خاوند کے ذمے ہے۔ اس بات سے مہر ساقط نہیں ہوا۔(۳) البتہ نفقہ خاوند سے اس وقت تک لینے کی حق دار نہیں جب تک کہ خاوند کے مکان پر نہ آ جائے۔(۴)
فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

بد چلنی کی وجہ سے اگر طلاق دی جائے تو بھی مہر واجب الاداء ہو گا

(سوال) اگر زوجہ کا چال چلن مشتبہ ہو بصورت ثبوت بد چلنی طلاق دینے پر خاوند پر مہر کی ادائگی واجب ہو گی یا نہیں ؟ اگر زوجہ شوہر کو مجبور کرے کہ وہ اس کو طلاق دیدے تو اس صورت میں شوہر مہر ادا کرنے کا ذمہ دار ہو گا یا نہیں ؟
المستفتی ۸۸ عبدالقادر خاں۔ موری دروازہ دہلی۔ ۷ رجب ۱۳۵۲ھ ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء

---

(۱) وان حط عنه من مهرها صح الحط ، لان المهر حقها والحط يلاقيه حالة البقاء ۔ (الهداية، كتاب النكاح، باب المهر، ۲: ۳۲۵، شركت علميه)
(۲) اس لئے کہ محض وعدہ کرنے سے قضاءً زیورات کے ذمہ واجب الاداء نہیں لہذا اس کو دین نہیں کہہ سکتے جب کہ ترکہ سے دین (قرض) ہی وصول کیا جا سکتا ہے
تتعلق بتركة الميت حقوق اربعة مرتبة ، الاول يبدا بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله (السراجي في الميراث ص ۳، سعيد)
(۳) والمهر يتاكد باحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت احد الزوجين سواء كان مسمى او مهر المثل لايسقط منه شيء بعد ذلك الا بالابراء من صاحب الحق ۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الثاني، ۱: ۳۰۳، ماجدية)
(۴) وان نشزت فلا نفقة لها حتى تعود الى منزله ۔ (الهندية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر، الفصل الاول، ۱: ۵۴۵، ماجدية)

(الجواب ۱۷۳) اگر خاوند طلاق دے گا تو مہر ادا کرنا ہوگا خواہ طلاق دینے کی وجہ بد چلنی کا شبہ ہو یا بد چلنی کا ثبوت ہو (یعنی وہ ثبوت جس پر لعان ہو کر تفریق کرادی جائے) زوجہ کے مجبور کرنے سے خاوند مجبور نہیں ہو جاتا اگر وہ طلاق دے گا تو اختیاری طور پر دے گا۔ اور اس صورت میں بھی مہر ادا کرنا ہوگا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

شوہر نہ طلاق دیتا ہے، نہ اپنے ساتھ رکھتا ہے نہ نفقہ دیتا ہے، کیا حکم ہے

(سوال) شوہر نہ طلاق دیتا ہے نہ اپنے ساتھ رکھتا ہے، نہ نان و نفقہ دیتا ہے۔ شوہر نے سامان جہیز چڑھاوا وغیرہ بھی سب رکھ لیا اور اب مہر معجل کی وجہ سے دیوالیہ ہونا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں عورت کے واسطے کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۱۱۲ ظہور خاں۔ للست پور۔ ضلع جھانسی ۲۵ رجب سن ۱۳۵۲ھ م ۱۵ نومبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۷٤) شوہر پر مہر معجل کا ادا کرنا واجب ہے۔(۲) نیز جہیز اور چڑھاوے کے تمام سامان اور زیورات کی مالک عورت ہے وہ سب شوہر سے عورت کو دلوایا جائے۔(۳) اور عورت اس صورت میں کہ شوہر اس کو اپنے پاس نہیں رکھتا نفقہ پانے کی مستحق ہے۔(۴) بلکہ اگر عورت بغیر شوہر کے بسر نہ کر سکتی ہو اور خاوند اس کو رکھنے یا طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو بذریعہ کسی مسلمان حاکم عدالت کے اس کا نکاح فسخ کرایا جاسکتا ہے اور حاکم تحقیقات کے بعد جب کہ مرد کا ظلم ثابت ہو جائے نکاح فسخ کر سکتا ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

لڑکے والوں سے بارات کو کھانا کھلانے کے لئے رقم لینا

(سوال) ہمارے یہاں کا عرف ہے کہ "دلہن والے دولہا سے قبل از عقد یا بعد العقد کچھ روپے لیتے ہیں۔ جس سے برات والوں اور دیگر خویش و اقربا اور ہمسایہ والوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ بعضے تو ماخوذہ رقم کو مہر میں شمار کرتے ہیں اور بعضے نہیں کرتے بلکہ اسے مہر سے علیحدہ محسوب کرتے ہیں۔ اکثر علماء اس فعل کو بنظر استحسان نہیں دیکھتے بلکہ اسے ناجائز اور بے اصل بتاتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے ومن السحت ما یا خذه الصهر من الختن بسبب بنته بطیب نفسه حتی لو کان بطلبه یرجع الختن به مجتبی۔ شامی(۶) جلد ۵ ص ۳۱۰ ولو اخذ اهل المرأة شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یسترده لا نه رشوة هندیه(۷) ص ۳۴۰ وغیرهما۔ مگر زید اس کا جواز علامہ شامی کی عبارت سے ثابت کرتا ہے اور وہ یہ ہے :۔ ما هو معروف بین الناس فی زماننا من البکرلها اشیاء زائدة علی المهر منها ما یدفع قبل الدخول کد راهم للنقش والحمام وثوب یسمی لفافة الکتاب واثواب اخریر سلها الزوج لیدفعها اهل الزوجة الی القابلة وبلانة الحمام ونحوها ومنها ما یدفع بعد الدخول کالا زار والخف

---

(۱) والمهریتا کد باحد معان ثلثة : الدخول والخلوة الصحیحة و موت احد الزوجین الا یسقط منه شیئ بعد ذلك الا بالا براء من صاحب الحق۔ (الهندیة، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل الثانی ۱/ ۳۰۳، ماجدیة)

(۲) ایضاً

(۳) واذا بعث الزوج الی اهل زوجة اشیاء عند زفافها منها دیباج، فلمازفت الیه اراد ان یسترد من المراة الدیباج لیس له ذلك اذا بعث الیها علی جهة التملیك۔ (الهندیة، کتاب النکاح، الباب السادس ۱/ ۳۲۷، ماجدیة)

(۴) النفقة واجبة للزوجة علی زوجها۔ (الهدایة، کتاب النکاح، باب النفقة ۲/ ۴۳۷، شرکة علمیة)

(۵) قال فی غرر الا ذکار : ثم اعلم ان مشائخنا استحسنوا ان ینصب القاضی الحنفی من مذهبه التفریق بینهما اذا کان الزوج حاضرا وابی عن الطلاق والتفریق ضروری اذا طلبته۔ والحالة الا ولیٰ جعلها مشایخنا حکما مجتهدا فیه فینفذ فیه القضاء (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب النفقه، ۳/ ۵۹۰، سعید)

(۶) رد المحتار، کتاب الحظر والا باحة، ۶/ ۴۲۴، سعید

(۷) الهندیة، کتاب النکاح، الفصل السادس عشر، ۱/ ۳۲۷، ماجدیة

والمکعب واثواب الحمام وھذہ مالوفة بمنزلة المشروط عرفاً حتی لو اراد الزوج ان لا ید فع ذلك یشترط نفیه وقت العقد ویسمی فی مقابلة دراھم معلومة لیضمھا الی المھر المسمی فی العقد وقد سئل عنھا فی الجزیة فاجاب بماحاصله ان المقرر فی الکتب من ان المعروف کالمشروط یوجب الحاق ما ذکرنا لمشروط وعلم قدرہ لزم کالمھر والا وجب مھر المثل لفساد التسمیة ان ذکرانه من المھروان ذکر علی سبیل العدة فھو غیر لا زم بالکلیة والذی یظھر الا خیر وما فی الخانیة صریح نبیه ثم ان شرط لھا شیئاً معلوما من المھر معجلا فاوفاھا ذلك لیس لھا ان تمنع نفسھا کذلك المشروط عادة کالخف والمکعب والدیبا ج اللفافة ودراھم السکر علی ماھو عادة اھل السمر قند وان شرطو ا ان لاید فع بشی من ذلك لایجب وان سکتو ا لا یجب الا من صدق العرف من غیر تردد فی الا عطاء مثلھا من مثله والعرف الضعیف لا یلحق المسکوت عنه بالمشروط۔(۱)اھ،زید کا عبارت مذکورہ سے استدلال کرنا اگر صحیح ہے تو مانعین کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟

المستفتی نمبر ۱۲۱ ابو یوسف محمد یعقوب مہتمم مدرسہ عالیہ ڈاکخانہ کاسباڑن ضلع سلہٹ ۲۹ رجب سن ۱۳۵۲ھ م ۱۹ نومبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۷۵) یہ رقم جو زوج سے قبل از عقد یا بعد از عقد اس غرض سے لور اس نام سے لیتے ہیں کہ اس سے برات کو لور اعزہ واقربا کو کھانا دیا جائے گا ناجائز ہے اور اس کا حکم وہ ہے جو اس عبارت میں مذکور ہے :۔ولو اخذ اھل المراء ۃ شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یسترده لا نه رشوۃ۔(۲) لور اس عبارت میں ہے۔ ومن السحت ما یا خذہ الصھر من الختن بسبب بنته بطیب نفسه حتی لو کان بطلبه یر جع الختن به۔(۳) لور اشیائے معروفہ کدرھم النقش و الحمام وغیرہ کا جو حکم شامی میں مذکور ہے یہ تمام وہ اشیاء ہیں جو زوجہ کے مہر میں محسوب ہوتی ہیں لور اسی لئے ان کو بقدر یا بعجل من المھر کے وجوب تقدیم کے حکم کے ضمن میں بیان کیا ہے اور ان چیزوں کا زوجہ کے لئے ہونا ظاہر لور اس بناء پر مہر میں محسوب ہونا یقینی ہے لور ان کا وجوب علی انھا من المھر جب ہی ہے کہ عرف بین ثابت ہو لور زوج بھی اسے تسلیم کرے ورنہ یہ بھی غیر لازم ہیں۔

لور پہلی رقم جو کھانا دینے کے لئے لی جاتی ہے اس کا مہر میں محسوب نہ ہونا بلکہ نہ ہو سکنا ظاہر ہے۔ کہ مہر کی رقم کو برات لور قرابتداروں پر خرچ کردینے کا اولیائے زوجہ کو کوئی حق نہیں ہے اور زوجہ کے کام میں نہ آنا اس کا ظاہر ہے۔

محمد کفایت اللہ

طلاق کے بعد عدالت نے معاف شدہ مہر کے دینے کا فیصلہ سنایا، کیا حکم ہے؟

(سوال) میں جزائر ندہ کے پورٹ بلیر کا رہنے والا ہوں۔ لور میری شادی بھی پورٹ بلیر میں ہی ہوئی تھی۔ شادی کے وقت جو مہر قرار دیا گیا تھا وہ پانچ ہزار روپے تھا۔ حالانکہ میں اس وقت ملازم بھی نہیں تھا لور نہ میری حیثیت اتنی تھی اور

(۱) رد المحتار، کتاب النکاح، ۳ / ۱۳۰، سعید

(۲) الھندیة، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل السادس عشر، ۱ / ۳۲۷، ماجدیة

(۳) رد المحتار، کتاب الحظر والا باحة، فصل فی البیع، ۶ / ۴۲۳، سعید

نہ اب ہے کہ اس مہر کو ادا کر سکوں۔ لیکن مجھ کو سسرال والوں نے یہ کہا تھا کہ صرف دکھاوے کے لئے اتنا مہر ہوگا اور بعد میں تمہاری بیوی تمہیں مہر معاف کردے گی۔ مختصر یہ کہ شادی کے تین چار مہینے کے بعد میری بیوی نے روبرو پنچ کے مجھے مہر معاف کردیا اور ایک کاغذ بھی لکھ کر دیا۔ جس میں کہ عرضی نویس نے ایک آنہ کا ٹکٹ لگا کر میری بیوی کا دستخط لیا۔ بیوی کا مجھے مہر معاف کرنا اس کے والدین کو ناگوار گذرا۔ اور ایک دن موقع پا کر جب کہ میں سرکاری نوکری پر تھا میری بیوی کو لے گئے اور بعد تین سال کے پھر میرے پاس بھیجا۔ میں نے اس کی بد چال چلن کی وجہ سے اسے طلاق دے دیا۔ بعد طلاق کے بیوی نے پانچ ہزار روپے مہر کا میرے اوپر دعویٰ کیا یہ کہتے ہوئے کہ اس کی نابالغی میں میں نے زبردستی مہر معاف کرالیا۔ ثبوت معافی کے لئے میں نے اپنا گواہ پیش کیا۔ انہیں لوگوں کو جو کہ پنچایت میں شامل تھے۔ ان سبھوں نے کہا کہ میری بیوی نے مجھے مہر معاف کردیا ہے اور ایک کاغذ بھی لکھ کر دیا ہے۔ کاغذ میں پیش نہیں کر سکا کیونکہ وہ مجھ سے کھو گیا تھا۔ کورٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ میری بیوی کی عمر جب کہ اس نے مہر معاف کیا تھا ساڑھے چودہ برس کی تھی اور اس بات کا بھی پورا ثبوت موجود ہے کہ اس نے مہر اپنی خوشی سے معاف کیا ہے اور نابالغ نہیں تھی اور شرعاً کوئی لکھت پڑھت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس بناء پر مقدمہ خارج کردیا گیا۔

انہوں نے پھر اپیل کی اور اپیلیٹ کورٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ میری بیوی نابالغ تھی اور مہر زبردستی معاف کرالیا گیا ہے اور میرے اوپر ڈگری پانچ ہزار روپئے کی دے دی۔ میں نے پھر ہائی کورٹ میں اپیل کیا جس نے اپنے فیصلے میں یہ لکھا کہ مثل میں سب باتوں کا یعنی بیوی کی بالغی، مہر خوشی سے معاف کرنا اور کاغذ کا لکھا جانے کا پورے طور سے ثابت ہے اور زبردستی مہر معاف کرانے کا اور بیوی کے ۱۴ $\frac{1}{2}$ برس کے سن میں نابالغ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ صرف بات یہ رہی کہ پانچ ہزار روپئے مہر معافی کے لئے کنٹریکٹ ایکٹ (جو کہ ایک انگریزی قانون ہے) کے مطابق پانچ روپئے کے کاغذ کی ضرورت تھی اور اس کا رجسٹری ہونا بھی ضروری تھا۔ اس وجہ سے مہر کا معاف ہونا بالکل باطل ہے اور میرے اوپر ہائی کورٹ نے پانچ ہزار روپے کی ڈگری دے دی۔ اب چونکہ ہائی کورٹ کا فیصلہ آخری ہے اس لئے میں کوئی اپیل وغیرہ کونسل میں نہیں کر سکتا۔ میں اس کی خاطر دہلی بھی گیا تھا اور آپ نے خود اس بات کا فتویٰ بھی دیا کہ شرعاً اس معاملے میں کوئی لکھنے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اب چونکہ آگے کوئی راستہ نہیں ہے اس لئے میں آپ صاحبان سے ملتمس ہوں کہ آپ لوگ میرے مقدمہ کو آگے بھیجنے کا کوئی ذریعہ نکالیں۔

المستفتی نمبر ۲۱۶ عبدالاحد کلرک چیف کمشنر آفس۔ پورٹ بلیر ۵ ذی قعدہ سن ۱۳۵۲ھ م ۲۰ فروری سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۷۶) مہر کی معافی کے لئے شرعاً تحریر کی ضرورت نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے نزدیک معاف ہو گیا۔ یہ مطلب نہیں کہ عدالت بھی اسے تسلیم کرلے گی۔ اگر شرعی عدالت میں بھی شوہر معافی مہر کا دعویٰ کرے تو اس کو معافی کا ثبوت دینا ہوگا۔ ہاں شرعی عدالت گواہوں کی شہادت جبکہ گواہ معتبر ہوں قبول کر لیتی ہے۔(۱)

انگریزی عدالت اپنے مروجہ قانون کی مطابقت کا مطالبہ کرتی ہے۔ یہ کام تمام اہل ملک کا ہے کہ وہ مجموعی طاقت سے قانون بدلوائیں اور یہ پاس کرائیں کہ جب معتبر شہادت معافی کی ہو تو عدالت معافی کی ڈگری دے۔ لیکن جب تک

(۱) ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق ما لا اوغيره كنكاح رجلان او رجل وامرأتان (الدر المختار، كتاب الشهادات، ۵/ ۴۶۵، سعيد)
وفي التنوير: شرطها العقل الكامل والضبط والولاية والقدرة على التميز بين المدعي والمدعى عليه (الدر المختار، كتاب الشهادات، ۵/ ۴۶۲، سعيد)

قانون نہیں بدلتا اس وقت تک انگریزی رعایا کو قانون کے مطابق کارروائی کرنی ہوگی یا قانون شکنی کرنی ہوگی مگر وہ ایک شخص کے کرنے سے مفید نہیں ہو سکتی۔ جمعیۃ علماء آپ کے کیس کو کس طرح ہاتھ میں لے سکتی ہے اور کس طرح آگے چلا سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مہر کی مقدار مقرر کرنے کے متعلق ایک تجویز

(سوال) جاورہ ایک اسلامی ریاست ہے۔ یہاں کے مسلمان حیثیت سے بہت زیادہ مہر باندھتے ہیں۔ جس کو وہ کسی طرح ادا نہیں کر سکتے۔ یہ بے اعتدالی مذہبی نقطہ نظر سے بھی قابل تدارک ہے۔ یہاں کے مفتی صاحب نے میری ہدایت کے موافق منسلکہ تجویز پیش کی ہے۔ اس میں بھی حسب حیثیت صاف حد بندی نہیں اس لئے مکلف خدمت ہوں کہ اگر تجویز میں ترمیم کی گنجائش ہو تو از راہ کرم اصلاح فرما دیں۔

المستفتی نمبر ۲۱۸ سرفراز علی خاں چیف سکریٹری ریاست جاورہ۔ ۶ ذی قعدہ سن ۱۳۵۲ھ م ۲۱ فروری سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۷۷) اس میں شک نہیں کہ شریعت مطہرہ نے مہر کی زیادتی کی طرف کوئی حد معین نہیں کی اور اس لئے زوجین مختار ہیں کہ جتنا چاہیں مہر مقرر کریں۔(۱) لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ لوگوں نے اس اختیار کو بری طرح استعمال کیا ہے۔ اور مہر کی زیادتی کو حد افراط تک پہنچا دیا ہے اور اس افراط کی وجہ سے بہت شدید مفاسد پیش آتے ہیں ان کا دفع کرنا اولی الامر کے فرائض میں سے ہے (۲) علماء وعظ و تذکیر سے اصلاح کر سکتے ہیں، مگر محض وعظ و تذکیر استیصال مفاسد کے لئے ناکافی ثابت ہوتے ہیں۔ پس اگر والی مسلم اس کی باعتبار تفاوت غنا و ثروت کے مختلف مقدار معین کر دے کہ مثلاً سالانہ ایک ہزار روپے آمدنی رکھنے والا شخص دو سو روپے سے زیادہ مہر نہ باندھے اور پانچ ہزار روپے سالانہ آمدنی رکھنے والا شخص ...... پانسو روپے سے زیادہ نہ باندھے وعلیٰ ہذا۔ اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو کوئی سزا نہ دی جائے۔ ہاں یہ اعلان کر دیا جائے کہ مقدار مقررہ سے زیادہ ڈگری نہ دی جائے گی۔ اور اس کی قانونی گنجائش رکھی جائے کہ جو شخص معینہ مقدار سے زیادہ مہر باندھنا چاہے وہ والی مسلم سے خاص اجازت حاصل کر کے باندھ سکے گا۔ اجازت چاہنے والے کو والی کے سامنے اس امر کا ثبوت دینا ہوگا کہ وہ اپنی جائیداد یا کسی دوسرے صحیح ذریعہ سے اس مطلوبہ مقدار کی ادائیگی پر قادر ہے تو ایسی تحدید میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا کہ اس کی غرض اصلاح ہے نہ کہ احکام شرعیہ میں مداخلت۔ اور ایسی اصلاح کا والی مسلم حق رکھتا ہے۔ ہاں غیر مسلم حکومت کی جانب سے یہ تحدید مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں مداخلت ہوگی اور اس کو ایسی تحدید کا حق نہ ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

---

(۱) واتیتم احدٰھن قنطارا (النساء : ۲۰)

(۲) عن ابی العجفاء السلمی قال : خطبنا عمر فقال : الا تغالوا بصداق النساء فانها لو کانت مکرمة فی الدنیا او تقوی عند الله کان اولٰی لکم بها النبی صلی الله علیه وسلم، ما اصدق رسول الله صلی الله علیه وسلم امراة من نسائه ولا اصدقت امراة من بناته اکثر من ثنتی عشرة اوقیة. (سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب الصداق، ۱: ۲۹۴، امدادیہ)

عورت مہر مؤجل کا مطالبہ کب کر سکتی ہے؟

(سوال) کیا فاطمہ اپنے مہر مؤجل کو معجّل طریقے پر زید سے طلب کرنے کا حق رکھتی ہے جب کہ زید کی نیت طلاق دینے کی نہ تھی اور فاطمہ اپنے خیال میں سمجھ رہی ہے کہ میں مطلقہ ہو چکی ہوں۔

المستفتی نمبر ۲۹۴ سعید الدین صاحب۔ ۱۴ صفر سن ۱۳۵۳ھ م ۲۹ مئی سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۷۸) مہر مؤجل جو بغیر تعیین مدت کے ہو معجّل کے حکم میں ہو جاتا ہے اس لئے زوجہ اپنے ایسے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے جو صرف مؤجل بلا تعیین مدت کے لکھا گیا ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

کیا عورت شوہر کو مہر مؤجل میں وقت سے پہلے ادائیگی پر مجبور کر سکتی ہے؟

(سوال) اگر مہر مؤجل ہے تو شوہر اپنی آسودگی کے زمانے میں مہر اپنی زوجہ کو اپنی مرضی سے ادا کر سکتا ہے یا مہر مؤجل کی صورت میں بھی زوجہ ہر وقت اپنے شوہر کو مہر کی ادائیگی میں اپنی خواہش کے مطابق مجبور کر سکتی ہے۔

المستفتی نمبر ۳۲۵ مرزا برکت اللہ بیگ (بارہنکی) ۵ ربیع الاول سن ۱۳۵۳ھ م ۱۸ جون سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۷۹) مہر مؤجل میں اگر مدت معینہ بیان کی گئی ہو تو اس مدت سے قبل زوجہ مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر مدت مذکور نہ ہو تو کر سکتی ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) الا اذا جهل الاجل جهالة فاحشة فيجب حالا (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، ۳/۱۴۴، سعيد)

(۲) وان لم يؤجل او يعجل كله فكما شرط (ايضا) وفي الرد: قوله فكما شرط) جواب شرط محذوف تقديره فان اجل كله او عجل كله (رد المحتار، كتاب النكاح، ۳/۱۴۴، سعيد)

عورت مرگئی اور مہر معاف کرنے یا نہ کرنے کا پتہ نہیں

(سوال) ہندہ کا زید سے نکاح ہوا اور اس کے بطن سے دو لڑکیاں ہوئیں جو حیات ہیں۔ کچھ عرصہ سے ہندہ بیمار تھی جس کی وجہ سے اس کے وارثان کی خواہش سے وہ مع اپنے شوہر و دختران و سامان و جہیز چڑھاوے وغیرہ کے اپنے والدین کے مکان پر سکونت پذیر ہو گئی۔ اس کے بعد ہندہ کا انتقال ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق ہندہ نے خود یا اس کی موت کے بعد اس کے وارثان نے زر مہر معاف کر دیا اس صورت میں اس کی تقسیم وراثت شرعاً کیا ہے۔ اور اگر معافی مہر کی تصدیق نہ ہو سکے تو شرعاً کیا حکم ہے۔ اور اگر چہ دختران کی تمام کفالت پدر دختران کر رہا ہے مگر حق پرورش کس کو پہنچتا ہے؟

المستفتی نمبر ۳۳۶ محمد حسین حامد حسین دہلی ۷ ربیع الاول سن ۱۳۵۳ھ م ۲۰ جون سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۸۰) اگر ہندہ نے مرض الموت میں مہر معاف کیا ہے تو یہ معافی معتبر نہیں۔(۱) ہاں ہندہ کی وفات کے بعد جن بالغ عاقل وارثوں نے ہندہ کی معافی سے رضامندی ظاہر کر دی یا از خود مہر معاف کر دیا تو ان کا حصہ مہر میں سے معاف ہو گیا۔ نابالغ وارثوں کا حصہ اور ان بالغوں کا بھی جو معافی پر رضامندی نہ دیں بحالہ قائم ہے(۲) لڑکیوں کی پرورش کا حق نانی کو حاصل ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مہر میں دیا گیا مکان عورت کی ملکیت ہے، قرض خواہ اس کو نیلام نہیں کر سکتے

(سوال)(۱) زید نے اپنا مکان ساڑھے چار سو روپے میں بعوض دین مہر اپنی اہلیہ کو دے دیا اور اس وقت تک وہ قطعی قرض دار نہ تھا۔ ادائیگی مہر کے چار سال بعد مقروض ہو گیا اور قرض خواہوں نے نو سال بعد عدالت میں چارہ جوئی کر کے ڈگری حاصل کر لی اور مکان قرق کرا کر نیلام کرانا چاہتے ہیں۔ یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

مہر مؤجل اور معجل کی ادائیگی کس طرح کی جاتی ہے؟

(۲) مہر معجل اور مہر مؤجل کی ادائیگی شرعاً کس طرح کی جاتی ہے؟ اعتراض ہوا ہے کہ شوہر اپنی زندگی میں مہر نہیں ادا کر سکتا۔ مگر یہاں پر اب تک ادائیگی مہر شوہر کی زندگی میں عموماً ہوا کرتی ہے۔ بلکہ یہی رواج عام ہو گیا ہے۔

زیادہ قیمت کا مکان کم مہر کے عوض بیوی کو دینا کیسا ہے؟

(۳) زید نے اپنی غیر منقولہ جائداد اپنی زوجہ کو ساڑھے چار سو روپے کے عوض مہر میں دے دی۔ مگر دراصل جائداد کی قیمت خرید پانسو سینتیس روپے تھی۔ کیا زید ایسا کر سکتا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۰۶ حافظ احمد جگدل پور۔ ۲۲ جمادی الثانی سن ۱۳۵۳ھ م ۲ اکتوبر سن ۱۹۳۴ء

---

(۱) وفی الدر المختار : وصح حطها لکله او بعضه عنه قبل اولا وفی الدر المختار: الحط الا سقاط کما فی المغرب . وان لا تکون مریضة مرض الموت۔(رد المحتار، کتاب النکاح باب المہر ۳/ ۱۱۳، سعید)

(۲) واذا تاکد المهر بما ذکر لا یسقط بعد ذلک　　لا ن البدل بعد تاکده لا یحتمل السقوط الا بالا براء۔(رد المحتار، کتاب النکاح، باب المہر، ۳/ ۱۰۲، سعید)

(۳) وان لم یکن له ام تستحق الحضانة بان کانت غیر اهل للحضانة او متزوجة بغیر محرم او ماتت فام الا م اولیٰ من کل واحدة وان علت۔(الہندیة، کتاب الطلاق، الباب السادس عشر فی الحضانة ۱/ ۵۴۱، ماجدیة)

(جواب ۱۸۱) جب کہ اس قرض کے وجود سے پہلے وہ مکان اپنی بیوی کو مہر میں دے چکا تو بعد کے قرض خواہ اس مکان کو اپنے قرضہ میں نہیں لے سکتے۔

(۲) معجّل کی ادائیگی فوراً یا جس وقت زوجہ طلب کرے واجب ہے(۱) اور مؤجل کی مدت معینہ کے بعد۔ اور اگر صرف مؤجل کہا گیا ہو اور مدت معین نہ کی گئی ہو تو وہ بھی معجّل کے حکم میں ہے۔(۲)

(۳) شوہر کے زندگی میں مہر ادا کرنا چاہئے اور جب رواج بھی یہی ہے تو وجوب ادا اور مؤکد ہو گیا۔(۳)

(۴) اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

عورت سے اس خیال پر نکاح کیا کہ باکرہ ہے حالانکہ وہ ثیبہ ہے، کیا مہر ساقط ہو گا

(سوال) اہل اسلام میں شرفاء میں کنواری لڑکیوں میں نکاح طے کرنے کے سلسلہ میں یہ بات پنہاں رہتی ہے کہ لڑکی باکرہ ہے۔ چنانچہ مہر طے ہو جانے کے بعد شرعی بالغ لڑکا جس کی عمر ستائیس برس کی اور شرعی بالغ لڑکی جس کی عمر تیئیس برس کی ہے لڑکا مع اس طے شدہ مہر کے نکاح قبول کرتے وقت اس نیت سے لڑکی کو زوجیت میں قبول کرتا ہے کہ وہ باکرہ ہے۔ اگر بعد نکاح کے لڑکی غیر باکرہ ثابت ہو۔ یعنی قبل از نکاح وہ زانیہ رہی ہو تو شوہر کو شرعاً طلاق دینا ضروری ہے۔ یا نہیں ؟ ایسی کون سی حالتیں ہیں کہ شوہر اپنی زوجہ کو طلاق دیتے وقت مہر سے بالکل بری ہو جاتا ہے۔

المستفتی نمبر ۴۹۹ سید اقبال احمد علی گڈھ۔ ۲۲ ربیع الاول سن ۵۴ ۱۳ھ م ۲۵ جون سن ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۸۳) صورت سوال میں تو اس کی بھی تصریح نہیں ہے کہ عقد کے وقت بکارت کی شرط کر کے مہر مقرر کیا تھا اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر بکارت کی شرط کر کے بھی مہر مثل مقرر کیا ہو اور عورت غیر باکرہ ہو جب بھی تمام مہر لازم ہوتا ہے۔ ولو شرط البکارۃ فوجد ثیباً الزمه الکل۔(۴) اور وجہ یہ ہے کہ بکارت کبھی گر پڑنے یا کسی چوٹ کے صدمے سے بھی زائل ہو جاتی ہے تو اس بات کی تحقیق ناممکن ہے کہ زوال بکارت کا سبب کوئی غیر اختیاری فعل ہے یا اختیاری۔ نیز مہر کا تقرر جواز استمتاع کے لئے ہے وہ بہر حال حاصل ہے۔ محض لڑکی کو ثیبہ پانے پر طلاق دے دینا مستحسن نہیں ہے کیونکہ ثیبہ ہونے میں اس کا قصور وار نہ ہونا ممکن ہے۔ اور طلاق دے دینے میں ادائے مہر لازم ہو گا۔ اور خلوت صحیحہ کے بعد پورا مہر ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔(۵)

مہر سے برات کی صورت لڑکی کی رضامندی سے خلع کرنے کی ہے اور بس۔(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

پہلی بیوی کے مہر سے بچنے کے لئے ساری جائیداد دوسری بیوی کے مہر کے عوض میں لکھ دی۔ کیا یہ جائز ہے؟

(سوال) زید نے تین شادیاں کیں۔ اول بیوی کو طلاق دی مگر زید ایسا نادہند ہے کہ بڑی مشکل سے نالش وغیرہ کرنے

(۱) ان المعجل اذا ذکر فی العقد ملکت طلبه۔ (البزازیۃ علی هامش الهندیۃ، کتاب النکاح، ۴/ ۱۳۲، ماجدیۃ)

(۲) رجل تزوج امراۃ بالف علی ان کل الالف مؤجل ان کان التا جیل معلوماً صح التاجیل وان لم یکن لا یصح۔ (الخانیۃ علی هامش الهندیۃ، کتاب النکاح، ۱/ ۳۸۰، ماجدیۃ) (۳) واذ لم یصح التا جیل یومر الزوج بتعجیل قدر مایتعارفه اهل البلدۃ (ایضاً)

(۴) الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر، ۳/ ۱۲۶، سعید (۵) والمهر یتا کد باحد معان ثلثة: الدخول والخلوۃ الصحیحة و موت احد الزوجین (الهندیۃ، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل الثانی، ۱/ ۳۰۲، ماجدیۃ)

(۶) بیوی کے معاف کرنے سے بھی بری ہو جاتا ہے۔ کمافی الدر . واذا تاکد المهر بما ذکر — لا یحتمل السقوط الا بالا براء۔ (رد المحتار، کتاب النکاح باب المهر، ۳/ ۱۰۲، سعید)

کے بعد اس کا مہر ادا کیا۔ اس پہلی بیوی سے جو بچہ ہے اس کی خوراک کے لئے نمبر ۱۰ روپے عدالت سے مقرر ہوئے تھے وہ بھی بڑی مشکل سے نالش کے بعد ادا کرتا ہے۔ دوسری بی بی کو طلاق دے دی مگر اس کا نہ تو مہر ادا کیا اور نہ نان نفقہ کا خرچ ادا کیا۔ تیسری بی بی کو نکاح سے پہلے اپنی بی بی کہتا ہے اور دوسری بی بی کے مہر کے ادائیگی سے بچنے کے واسطے اس تیسری بی بی کو قبل از نکاح اپنی تیس چالیس ہزار روپے کی جائیداد پندرہ ہزار روپے کے فرضی مہر کے بدلے میں رجسٹری کرا کے دے دیتا ہے۔ حالانکہ اس قوم میں لکھ پتی کا مہر بھی پانچ ہزار روپے سے زیادہ نہیں ہوتا۔ وہ بھی پیشگی نہیں ملتا بلکہ زفاف یا طلاق پر ملتا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۹۷ شیخ نور الحسن (کلکتہ) ۷ ۲ شوال سن ۱۳۵۴ھ م ۲۳ جنوری سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۸۳) اگر تیسری عورت سے ابھی تک نکاح نہیں ہوا اور قبل از نکاح اس نے اپنی جائیداد اس کے مہر کے نام سے دے دی تو اس جائیداد سے دوسری بیوی کا مہر اور دیگر قرضے جو اس کے ذمہ ہوں وصول کئے جا سکتے ہیں۔(۱) کیونکہ نکاح سے قبل دے دینے اور مہر کا نام لگا دینے سے وہ جائیداد بیوی کی ملک میں نہیں گئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

شوہر کے مرنے کے بعد بیوہ کے دوسری جگہ نکاح کرنے پر سسرال والوں کا رقم لینا جائز نہیں۔

(سوال) (۱) ہمارے شیخاواتی ریاست جے پور و قرب و جوار کے قصبات میں یہ رواج ہے کہ جب کسی عورت کا خاوند انتقال کر جائے تو وہ عورت بذات خود یا ورثائے عورت اس کا نکاح ثانی کرنا چاہتے ہیں تو عورت کے سسرال والے بلا حصول رقم کثیر یعنی چار پانچ سو روپے کے نکاح نہیں ہونے دیتے۔ اس روپے لینے کی رسم کو ہمارے یہاں پچھوپہ کہتے ہیں۔ لہذا عرض ہے کہ بعد انتقال زوج کے سسرال والوں کا تعلق شرعی رہتا ہے یا نہیں ؟ اور بطور پچھوپہ کے بعد النکاح اتنی رقم عورت کے سسرال والوں کا وصول کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) عموماً ہمارے یہاں خصوصاً قوم بیوپاری میں مہر ڈھائی روپے سے لے کر تیس سو روپے تک باندھا جاتا ہے۔ مگر اب بعض لوگ خواہ مخواہ پریشان کرنے کے لئے چار پانچ سو روپے تک بلکہ ہزار روپے تک مہر باندھتے ہیں۔ جو بوجہ عدم ادائیگی بوقت مرگ زوج ورثائے متوفی عورت سے معاف کرانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بے چاری عورت جو کہ غمزدہ ہوتی ہے لوگوں کے کہنے سننے سے معاف کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ لہذا اتنا مہر مقرر کرنا جس کی معافی کی خواہش عورت سے کی جائے کہاں تک جائز ہے۔ حالانکہ لڑکی کے خاندان میں کسی کا بھی مہر اتنا مقرر نہیں کیا گیا۔

(۳) ایک یہ بھی رسم ہے کہ لڑکی والا سو دو سو چار سو روپے پاس رکھتا ہو یا نہیں مگر لڑکی والا نوشہ کے ورثا سے ص مع ۵ ۷ نکاح کے وقت علاوہ مہر کے وصول کرتا ہے اور اس وصولی رقم کو ہمارے یہاں لیک کہتے ہیں۔ چونکہ ہمارے یہاں یہ رسم ہے کہ خاندان میں جتنی لڑکیاں دس بیس ہوتی ہیں ان کی شادی ایک دم کر دیتے ہیں۔ لہذا اتنی ہی براتیں بھی آتی ہیں۔ آدمی بھی کثیر تعداد میں جمع ہوتے ہیں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔ بدیں وجہ مہاجن سے سامان خورونوش وغیرہ قرض لے لیا جاتا ہے۔ اور لیک کا روپیہ جب وصول ہو جائے تو مہاجن کو روپیہ ادا کر دیا جاتا ہے اسراف بیجا کی وجہ سے بعض دفعہ لڑکی والا سو دو سو روپے کا مقروض ہو جاتا ہے۔

---

(۱) في الدر : ويتأكد عند وطئي او خلوة صحت وفي الرد : افاد ان المهر واجب بنفس العقد. (رد المحتار، کتاب النکاح، باب المہر ۳ / ۱۰۲، سعید)

بیوہ سے سسرال والوں کا دوسری شادی کے بعد زیور لینا جائز نہیں

(۴) جب نکاح ثانی عورت کا کیا جاتا ہے تو عورت کے سسرال والے پہچوپہ بھی لیتے ہیں اور جو زیور عورت کے والدین نے لڑکی کو شادی کے موقع پر دیا تھا وہ بھی لے لیتے ہیں۔ سسرال والوں کو یہ زیور لے لینا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۸۵۹ مستری محمد احمد صاحب بمبئی ۲۲ محرم سن ۱۳۵۵ھ م ۱۵ اپریل سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۸٤) (۱) شوہر کے انتقال کے بعد شوہر کے گھر والوں کا متوفی کی بیوی پر کوئی حق اس قسم کا نہیں رہتا کہ وہ اس پر کوئی رقم وصول کریں۔ یہ رسم جس کا سوال میں ذکر ہے جاہلانہ رسم اور ظلم ہے۔(۱) اس کو بند کرانے کی سعی کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔(۲)

(۲) مہر میں محض نام و نمود کے لئے بڑی رقم مقرر کرنا ناجائز ہے۔(۳) ہاں اگر شوہر میں اتنی رقم ادا کرنے کی وسعت ہو اور وہ ادا کرنے کے ارادے سے بڑا مہر باندھے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن معاف کرانے کے لئے بند ھوانا اور باندھنا اصول اسلام کے خلاف ہے۔

(۳) یہ رسم بھی اسلامی تعلیم کے خلاف ہے اور اس قدر انتظام کرنا کہ طاقت سے زیادہ ہو اور قرض کا بوجھ سر پر ہو جائے یہ بھی قبیح ہے۔

(۴) سسرال والوں کو عورت کا زیور لینے کا کوئی حق نہیں۔ یہ بھی صریح ظلم ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

فالج کے مریض کا مہر میں اضافہ کرنا

(سوال) زید ایک سال کے عرصے سے زیادہ مرض فالج میں مبتلا رہا اور پورے ایک سال کے بعد اپنی زوجہ کے مہر مسمی میں اضافہ کرتا ہے۔ درحالت رضا و رغبت و بدرستی ہوش و حواس اور لکھ بھی دیتا ہے۔ اس معاملے کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد اسی مرض میں فوت ہو جاتا ہے۔ کیا یہ اضافہ اصل مہر مسمی کے ساتھ منضم ہو کر ترکہ سے واجب الادا زوجہ کے لئے ہوگا۔ کیا یہ اضافہ تصرفات مرض الموت میں شمار ہوگا۔ یا تصریفات حالت صحت میں ؟ کتب حنفیہ میں لکھا ہے جو مرض سال بھر تک یا کچھ زیادہ عرصے رہا ہو اس کو ابتدا ہی سے مرض الموت شمار نہ کریں گے اور ابتدائے مرض سے اس کے تصرفات میں خلل نہ آئیگا۔ بلکہ جس روز سے مرض شدید ہو کر ہلاکت کی نوبت پہنچی ہے اس روز سے مرض الموت شمار ہوگا اور اسی روز سے اس کے معاملات کو پوری طرح نہ سمجھیں گے۔ پس اگر کوئی شخص سال دو سال سے تپ دق و سل وغیرہ میں مبتلا تھا۔ اس کے بعد ایک ہفتے کے لئے مرض شدید ہو کر اسی میں انتقال ہو گیا۔ تو مرض الموت صرف ایک ہفتہ شمار ہوگا۔ اس سے پہلے معاملات بالکل صحیح اور جائز مثل حالت صحت کے سمجھے جائیں گے۔ المستفتی نمبر ۹۰۱ محمد عبداللہ مہتمم مدرسہ انوریہ لدھیانہ ۷ صفر سن ۱۳۵۵ھ م ۲۹ اپریل سن ۱۹۳۶ء

---

(۱) یاایھاالذین امنوا لایحل لکم ان ترثوا النساء کرھا النساء : ۱۹ وفی البخاری. حدثنا محمد بن مقاتل عن ابن عباس یاایھاالذین آمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا قال کانوا اذا مات الرجل کان اولیاءہ احق بامراتہ ان شاؤوا بعضھم تزوجھا وان شاؤوا لم یزوجوھا فھم احق بھا من اھلھا فنزلت ھذہ الایۃ فی ذلک ۔ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر ۲ ، ۶۵۸، قدیمی)
(۲) من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان۔ (صحیح مسلم ۱، ۵۱، قدیمی)
(۳) عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یرائی یرائی اللہ بہ ومن یسمع یسمع اللہ بہ۔ (جامع الترمذی، باب ماجاء فی الریاء والسمعۃ، ۲ ، ۶۳، سعید) عن عمر بن الخطاب انہ خرج یوما الی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجد معاذ بن جبل قاعدا عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم یبکی فقال مایبکیک ، قال یبکینی شیئی سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان یسیر الریاء شرک۔ (سنن ابن ماجۃ، کتاب الفتن باب من ترجی لہ السلامۃ من الفتن، ص ۲۹۶)
(۴) الا لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منہ ۔ (مسند احمد ۵، ۱۱۳، بیروت)

(جواب ۱۸۵) فالج کا مریض جب کہ مرض ممتد ہو کر ایک حالت پر ٹھہر جاتا ہے اور موت کا خطرہ نہیں رہتا تو اس کے تصرفات صحت کے تصرفات قرار دیئے جاتے ہیں۔(۱) پھر جب مرض میں اشتداد پیدا ہو کر نئی صورت اختیار کر لیتا ہے تو وہ مریض قرار دیا جاتا ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

باپ نے بیٹے کے لئے نکاح کیا، اب مہر کس کے ذمہ واجب ہے؟

(سوال) باپ نے بیٹے کے لئے نکاح کرایا۔ یہ مہر ادا کرنا باپ کے ذمہ واجب ہے۔ اگر مہر ادا کرنے سے باپ انکار کرے تو بیٹے کا نکاح فسخ ہو جائے گا یا نہیں؟

(جواب ۱۸۶) اگر والد نے مہر کی ضمانت کی ہو تو والد پر ادائیگی لازم ہے۔(۲) ورنہ بیٹے پر ادا کرنا لازم ہے۔ اگر والد انکار کر دے تو نکاح نہیں ٹوٹتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

بیوی کے مرنے کے بعد مہر کا حق دار کون ہے؟

(سوال) زید کی زوجہ فوت ہو گئی ہے۔ زید اپنی فوت شدہ زوجہ کا مہر جو زید کے ذمہ واجب الادا ہے ادا کرتا ہے تو زر مہر کا حق دار کون ہے؟

المستفتی نمبر ۹۸۰ عبدالوحید صاحب (ضلع بلند۔ شہر) ۵ا ربیع الاول سن ۱۳۵۵ھ م ۶ جون سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۸۷) زید کی متوفیہ بیوی کا مہر جو زید کے ذمہ واجب الادا تھا اس میں سے زید کا حصہ ساقط ہو گیا۔ اگر متوفیہ لاولد ہو تو زید کا حصہ ۲/۱ یعنی نصف ہے اور صاحب اولاد ہو تو زید کا حصہ ۴/۱ یعنی ایک چوتھائی ہے اور باقی متوفیہ کے دوسرے وارثوں کو ملے گا۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نکاح جدید میں جدید مہر کے ساتھ پرانا مہر بھی دینا ہوگا

(سوال) نکاح جدید میں زر مہر کی کیا صورت ہو اور پہلا زر مہر جو شوہر کے ذمہ دینا باقی ہے اس کی کیا صورت ہو؟

المستفتی نمبر ۱۰۰۵ محمد یوسف صدر بازار دہلی۔ ۲۹ ربیع الاول سن ۱۳۵۵ھ م ۲۰ جون سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۸۸) پہلا زر مہر تو زید کے ذمہ واجب الادا ہے۔ تجدید نکاح کی صورت میں اس نکاح جدید کا مہر علیحدہ مقرر ہوگا۔(۴) اور اگر زوجین میں سلوک ہو اور دونوں باہم راضی ہوں تو ممکن ہے کہ دوسرے نکاح کا مہر دس بیس روپے مقرر کر لیں۔ یعنی ایک معمولی چھوٹی سی رقم پر نکاح کر لیں تاکہ زید پر جداگانہ مستقل دوسرے مہر کی بڑی رقم کا بار نہ پڑے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) وفي الهندية عن التمرتاشي : وفسر اصحابنا التطاول بالسنة، فاذا بقي على هذه الحالة سنة فتصرفه بعد ها كتصرفه في حال صحة المقعد والمفلوج مادام يزداد مابه كالمريض فان صار قديما ولم يزد فهو كالصحيح في الطلاق وغيره۔ (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب طلاق المريض، ۳/ ۳۸۵، سعيد)

(۲) وصح ضمان الولي مهر ها ولو المرأة صغيرة وتطالب ايا شاء ت من زوجها البالغ او الولي الضامن ولا يطالب الاب بمهر ابنه الصغير الا اذا ضمنه وفي الرد. سواء كان ولي الزوج او الزوجة صغيرين كانا او كبيرين . اما ضمان ولي الكبير منهما فظاهر . لانه كالاجنبي . ثم ان كان بامره رجع والا لا۔ (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، ۳/ ۱۴۰، سعيد)

(۳) واما للزوج فحالتين : النصف عند عدم الولد و ولد الابن وان سفل والربع مع الولد او ولد الابن وان سفل۔ (السراجي، ۶، سعيد)

(۴) والطلاق بعد الدخول يعقب الرجعة ويوجب كمال المهر، فيجب عليه المسمى في النكاح الثاني فيجتمع عليه مهران۔ (الخانية على هامش الهندية، كتاب النكاح، الفصل الثالث عشر ۱/ ۳۹۳، ماجدية)

شوہر کی طرف سے دیا گیا سامان کس کی ملکیت ہے؟

(سوال) شوہر کی طرف سے جو سامان مثلاً زیور، کپڑے بری میں دلہن کو بھیجے جاتے ہیں اور وہ دلہن کے ساتھ شوہر کے گھر واپس آجاتے ہیں۔بعد وفات شوہر وہ کس کی ملکیت سمجھا جائے گا؟

المستفتی نمبر ۱۰۲۸ محمد یعقوب علی صاحب (دہلی) ۱۰ ربیع الثانی سن ۱۳۵۵ھ م یکم جولائی سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۸۹) اگر اس زیور اور جوڑے کے متعلق پہلے تصریح کردی جائے کہ وہ ہبہ ہے یا عاریت، یا مہر میں دیا گیا ہے تو تصریح کے موافق عمل ہوگا۔ لیکن اگر یہ تصریح نہ کی گئی ہو تو پھر اس کا مدار عرف پر ہے۔ اگر اس قوم کا عرف غالب یہ ہو کہ ان چیزوں کا مالک شوہر رہتا ہے، تو یہ چیزیں شوہر کی رہیں گی اور اس کے انتقال کے بعد ترکہ میں شامل ہو کر تقسیم ہوں گی لیکن اگر عرف غالب یہ ہو کہ دلہن کی ملک کر دی جاتی ہیں تو تنہا زوجہ ان اشیاء کی مالک ہوگی اور ترکہ زوج میں شامل نہ ہوں گی۔ چونکہ شہروں اور قوموں کے عرف مختلف ہوتے ہیں اس لئے عرف کی تحقیق و تعیین حاکم یا حکم کا کام ہے۔(۱)　　　فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا بیوی طلاق یا شوہر کے مرنے سے پہلے مہر مؤجل کا مطالبہ کر سکتی ہے؟

(سوال) مہر مؤجل کو بیوی قبل طلاق یا بلا فوت خاوند۔ کے بھی طلب کر سکتی ہے یا نہیں اور مہر معجل کا کیا حکم ہے اور اس میں یہ شرط عند الطلب کیا چیز ہے؟

المستفتی نمبر ۱۰۳۹ حافظ رحیم بخش صاحب (متھرا) ۵ ا ربیع الثانی سن ۱۳۵۵ھ م ۵ جولائی سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۹۰) مہر معجل اور عند الطلب دونوں کا مطلب یہ ہے کہ عورت ہر وقت طلب اور وصول کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔(۲) اور مہر مؤجل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مدت ادا معین کر دی جائے اس وقت مانگ سکے اور جس مہر مؤجل میں کوئی مدت معین نہ کی جائے صرف یہ کہہ دیا جائے کہ مؤجل ہے تو وہ بھی حکماً معجل ہو جاتا ہے۔(۳)

علاقہ والوں کی طرف سے مہر کی ایک مخصوص مقدار مقرر کرنا

(سوال) ایک مسلم جماعت نے بستی کے مسلمانوں کی شادیوں کی فضول خرچی کو روکنے کے لئے چند قواعد مرتب کئے ہیں۔ ان میں مہر کے متعلق یہ حد مقرر کی ہے کہ کم سے کم سو روپے اور زیادہ سے زیادہ چھ سو بیس روپے مہر رکھا جائے۔ اس حدود مہر سے کم یا زیادہ مہر رکھنے والا اپنی جماعت کا گنہگار سمجھا جاتا ہے اس مجرم کے لئے جرمانہ بھی مقرر ہے۔ کیا شریعت حقہ میں مہر کے لئے کوئی حد مقرر ہے یا نہیں۔ مذکورہ بالا حد بندی از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں۔ ایسی حد بندی قائم کرنے والی جماعت حق بجانب ہے یا نہیں؟　　　المستفتی نمبر ۱۱۵۴ حاجی محمد یوسف صاحب

(جواب ۱۹۱) مہر کے لئے کم از کم مقدار دس درہم (تقریباً ڈھائی روپیہ) ہے اور زیادہ کی حد مقرر نہیں ہے۔ یعنی

---

(۱) بیوہ کے قول کا قسم کے ساتھ اعتبار ہوگا۔
وان مات احدهما واختلف وارثه مع الحی فی المشکل الصالح لهما فالقول فیه للحی　وفی الرد: فالقول فیه للحی مع یمینه در منتقی اذ لا ید للمیت ، وذکر فی البحر عن الخزانیة استثناء ما اذا کانت المراء ة لیلة الزفاف فی بیته . فالمشکل وما یجهز مثلها به لا یستحسن جعله للزوج الا اذا عرف بتجارة جنس منه فهو له۔(رد المحتار، کتاب الدعویٰ، باب التحالف، ۵/ ۵۶۴، سعید)
(۲) ان المعجل اذا ذکر فی العقد ملکت طلبه　(البزازیة علی هامش الهندیة ، کتاب النکاح ، ۴/ ۱۳۲ ، ماجدیة)
(۳) ان لم یئوجل او یعجل کله فکما شرط : لان الصریح یفوق الدلالة الا اذا جهل الا جل جهالة فاحشة فیجب حالة　(الدر المختار، کتاب النکاح ، باب المهر، ۳/ ۱۴۴ ، سعید)

اگر کسی شخص کو قدرت ہو تو وہ اپنی قدرت کے موافق جتنا مہر مقرر کرے (مثلاً ہزار دو ہزار دس ہزار وغیرہ) تو اتنا مہر لازم ہو جاتا ہے لیکن اپنی طاقت اور قدرت سے زیادہ مہر مقرر کرنا مذموم ہے اگر کوئی انجمن اصلاح کے طور پر مہر کا اوسط درجہ مقرر کردے تو مضائقہ نہیں۔ مگر اس قاعدے کو اس طرح بنایا جائے کہ شرعی حکم کی تصریح بھی اس میں موجود ہو۔ مثلاً یہ عبارت ہو (شریعت مقدسہ میں مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔(۱) اور زائد کے لئے کوئی حد معین نہیں ہے۔ شوہر اپنی وسعت کے موافق جتنا ادا کر سکے مقرر کر سکتا ہے۔ اس شرعی حکم کو پیش نظر رکھتے ہوئے انجمن اصلاح کے لئے یہ حد مقرر کرتی ہے۔ کم از کم مقدار تو وہی ہو جو عورت یا اس کا ولی منظور کرے مگر زیادتی کی جانب میں چھ سو چودہ روپے سے زیادہ تجاوز نہ کیا جائے، اس عبارت کے ساتھ قاعدہ بنایا جائے اور خلاف کرنے والے پر جرمانہ کرنا جائز نہیں۔ جو خلاف کرے اس کو صرف یہ تنبیہ کی جائے کہ لوگ اس کی تقریب میں شرکت نہ کریں اور اگر کوئی خاص شخص صاحب وسعت زیادہ مہر مقرر کرنے کی درخواست کرے تو انجمن میں اس کی درخواست پیش ہو اور انجمن مناسب سمجھے تو اس کو خاص طور پر اس شرط سے اجازت دے دے کہ وہ مہر بوقت عقد فوراً ادا کردے اور عورت کے نام اس رقم کی جائیداد خرید دی جائے تاکہ وہ محفوظ ہو جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

عقد نکاح کے وقت سے ہی شوہر کا ارادہ مہر دینے کا نہ تھا تو نکاح صحیح ہو گیا یا نہیں؟

(سوال) ایک عورت نے اپنے شوہر سے کئی برس بعد اپنا مہر مانگا۔ شوہر نے جواب دیا کہ جب میرا عقد تمہارے ساتھ ہوا تھا اس وقت بھی میری نیت میں خلل تھا کہ مہر نہیں دوں گا۔ اور اب بھی میری یہی نیت ہے کہ تمہارا مہر نہیں دوں گا خواہ تم معاف کرو یا نہ کرو۔ عورت بھی مہر معاف نہیں کرتی ہے۔ فرمائیے یہ نکاح جائز ہوا یا ناجائز۔ عورت کئی بچے بھی اپنے شوہر سے جن چکی ہے۔

المستفتی نمبر ۱۳۳۷ مستری صادق علی صاحب (بلند شہر) ۲۴ شعبان سن ۱۳۵۵ھ م ۱۰ نومبر سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۹۲) عورت نے اپنے خاوند سے مہر کا مطالبہ کیا تو اس کا مطالبہ بجا ہے۔ خاوند کا یہ کہنا کہ میری نیت مہر دینے کی نہیں تھی اور میں مہر نہیں دوں گا غلط ہے۔ اور اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہاں خاوند گنہگار ہو گا۔(۲) اور اس پر مہر کی ادائیگی لازم ہو گی۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مہر معجّل اور مؤجل کے معنی

(سوال) نکاح میں مہر معجّل اور مؤجل کے کیا معنی ہیں۔ تفصیل کی سخت ضرورت ہے

المستفتی نمبر ۱۴۳۷ امیر زماں خاں صاحب (برار) ۷ ربیع الاول سن ۱۳۵۶ھ م ۱۸ مئی سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۹۳) مہر معجّل سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی ادائیگی فی الفور لازم ہو اور مؤجل سے یہ مراد ہے کہ ادائیگی

---

(۱) الا لا مہر اقل من عشرۃ دراہم۔ (الہدایۃ: ۲ / ۳۳۲)

(۲) حدثنا عبداللہ ... قال سمعت صہیب بن سنان یحدث قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما رجل اصدق امراۃ صداقا واللہ یعلم انہ لا یرید اداءہ الیہا فغرہا باللہ واستحل فرجہا بالباطل لقی اللہ یوم یلقاہ وہو زان۔ (مسند احمد، ۴ / ۳۳۲، دار احیاء التراث بیروت)

(۳) وتجب العشرۃ ان سماہا او دونہا ویجب الاکثر منہا ان سمی الاکثر ویتاکد عند وطء او خلوۃ صحت من الزوج او موت احدہما۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المہر، ۳ / ۱۰۲، سعید)

کے لئے کوئی مہلت اور میعاد مقرر کر دی جائے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

قاضی نے نکاح کے وقت مہر کی کئی مقداریں ذکر کیں، کون سی مقدار کا اعتبار ہوگا؟

(سوال) عمرو کی شادی ہوئی اور نکاح کے وقت پہلی مرتبہ قاضی صاحب نے اس طرح نکاح کیا کہ تمہاری شادی ہزار روپے اور دس درہم شرعی پر ہوتا ہے اور عمرو نے اس کو منظور کیا۔ مگر دوسری اور تیسری مرتبہ یہ کہا کہ ایک ہزار اور دس درہم شرعی پر نکاح کیا اور اس نے منظور کیا تو اب عمرو مہر میں ایک ہزار درہم شرعی ادا کرے یا ایک ہزار روپے اور دس درہم شرعی ادا کرے؟

المستفتی نمبر ۱۵۱۴ محمد عبدالسلام صاحب (الہ آباد) ۱۱ ربیع الثانی سن ۱۳۵۶ھ م ۲۱ جون سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۹٤) ایک ہزار دس درہم پر نکاح منعقد ہوا۔ کیونکہ پہلے الفاظ ایجاب کے لئے کافی نہیں ہیں۔ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ تمہارا نکاح اتنے مہر پر ہوتا ہے یہ ایجاب نہیں ہے۔ ایک ہزار دس درہم پر نکاح کیا یہ ایجاب ہے۔ لہذا یہی مہر قرار پایا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

عورت کی موت کے بعد اس کا سامان اور زیور کس کی ملکیت ہوگا؟

(سوال) مسماۃ زینب زوجہ زید لاولد فوت ہو گئی ہے۔ شادی کے موقع پر سسرال کی طرف سے جو مال از قسم زیور و پارچہ جات اس کو دیئے گئے تھے خاوند نے بعد وفات واپس لے لئے۔ متوفیہ کو اپنے والدین (میکے) سے جو مال ملا تھا وہ متوفیہ کے والدین کے قبضہ میں ہے۔ اس متروکہ مال کے متعلق جو زینب کو اپنے والدین نے دیا تھا شرعاً کیا حکم ہے۔ آیا متوفیہ کے خاوند کو دیا جائے یا اس کے والدین اپنے تصرف میں لے آئیں۔ نیز اس مال کے متعلق کیا حکم ہے جو مال زید نے واپس لے لیا ہے اور اپنے تصرف میں لانا چاہتا ہے۔ اگر مال متروکہ کو جو زینب کے والدین کے پاس ہے کار خیر میں تعمیر مسجد وغیرہ میں لیا جائے تو کیا حکم ہے۔

بیوی کے والدین اپنا حصہ میراث اپنی مرضی سے خیرات کر سکتے ہیں

(۲) اگر متوفیہ کے والدین دیئے ہوئے مال کے شرعی مستحق برضا و رغبت اپنا حصہ نہ لینا چاہیں اس صورت میں یہ مال مستحقین خیرات میں تقسیم کر دیا جائے تو کیا حکم ہے۔

اگر خاوند نے متوفیہ کے مال سے اپنا دیا ہوا مال واپس لے لیا تو کیا وہ متوفیہ کی میراث میں حق دار ہوگا؟

(۳) جس صورت میں خاوند نے اپنا مال واپس لے لیا ہے حالانکہ اس کا مال اس مال سے قیمت میں بہت زیادہ ہے اور وہ اپنا مال شرعاً ورثہ میں تقسیم نہیں کرنا چاہتا تو کیا اس صورت میں وہ متوفیہ کے دیئے ہوئے مال میں سے شرعی حصہ لینے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

(جواب ۱۹٥) شادی کے موقع پر خاوند کی طرف سے جو زیور اور کپڑے بیوی کو دیئے جاتے ہیں ان کے بارے میں عاریۃً ہونے کی تصریح یا عام رواج ہو تو خاوند کی ملک ہوں گے۔ اور اگر عاریت کی تصریح یا رواج عام نہ ہو تو وہ

---

(۱) وان بینوا قدر المعجل یعجل ذلک لا خلاف لاحد ان تاجیل المهر الی غایة معلومة نحو شهر او سنة، صحیح۔ (الهندیة، کتاب النکاح، الباب السابع، ۱/ ۳۱۸، ماجدیة) (۲) ثم عرف المهر فی العنایة بانه اسم للمال الذی یجب فی عقد النکاح علی الزوج فی مقابلة البضع بالتسمیة او بالعقد۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب المهر ۳/ ۱۰۰، سعید)

بیوی کی ملک ہوتے ہیں اور اس کے ترکہ میں شامل ہو کر تقسیم ہوں گے۔(۱) اور والدین کی طرف سے جو زیور و سامان دیا جاتا ہے وہ سب لڑکی کی ملک ہوتا ہے۔ سب ترکہ میں شامل ہوگا۔(۲) پس ہندہ کا ترکہ جس میں اس کا مہر جہیز اور چڑھاوا یعنی خاوند کا دیا ہوا مال بھی شامل ہوگا اس کے وارثوں پر تقسیم ہوگا۔ پھر جن وارثوں کے حصے میں جو رقم آئے وہ اپنی مرضی سے مسجد میں یا کسی کار خیر میں صرف کردیں تو انہیں اختیار ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

عورت قابل جماع نہ ہو تو نصف مہر واجب الاداء ہوگا

(سوال) زید کی شادی ہوئی اور تخلیہ ہوا مگر اتفاق سے زوجہ میں ایسی خامی پائی گئی کہ مجامعت کے وقت دخول نہیں ہو سکا باوجود کوشش کے یہ خامی دور نہیں ہو سکی۔ عرصہ دراز تک یہ دونوں اسی طرح باہم رہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مقررہ مہر بذمہ خاوند واجب الادا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۷۸ محمد خاں صاحب (ملک مالوہ) ۲۷ ربیع الثانی سن ۱۳۵۶ھ م ۷ جولائی سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۹۶) اگر عورت ایسی ہے کہ جماع ممکن نہیں یعنی دخول حشفہ بھی نہیں ہو سکتا تو اس کا نصف مہر خاوند کے ذمہ واجب الادا ہوگا۔ اور اگر بقدر حشفہ دخول ہو سکے تو پورا مہر لازم ہوگا۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مہر ادا کئے بغیر طلاق

(سوال) (۱) دین مہر زوجہ کے بغیر معاف کئے ہوئے اگر زید اپنی زوجہ کو طلاق دے دے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

(۲) زید کی بیوی نے زنا کیا اور زنا سے بچہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد بچہ مر گیا۔ زید کو اس زنا کی ولادت کی خبر ملی۔ زید یہی کہتا ہے کہ ولد الزنا تھا۔ چونکہ ہم دونوں عرصہ سے یکجانہ ہوئے۔ دوسرے زوجہ بھی زنا سے انکار نہیں کرتی ہے۔ زید چاہتا ہے کہ طلاق دوں۔ زید کی زوجہ دین مہر معاف نہیں کرتی ہے۔ لوگ زید کو کہتے ہیں کہ بغیر دین مہر ادا کئے طلاق نہیں ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے وہ مجبور ہے صلاحیت ادا کرنے کی نہیں ہے۔ نہ وہ ادا کر سکتا ہے اور نہ زوجہ کو رکھے گا۔ جس میں اور بھی زنا کا اور ہر قسم کی لغویت کا احتمال ہے۔ ایسی صورت میں دونوں کو علیحدہ کر دینا مناسب ہے کہ نہیں تاکہ دونوں اپنی اپنی شادی طبیعت کے مطابق کرلیں۔ دوسرے جو لوگ کہتے ہیں کہ بغیر دین مہر ادا کئے طلاق نہیں ہو سکتی حق بجانب ہیں کہ نہیں ان کے لئے حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۱۶۰۴ مولوی عبدالرافع صاحب (ضلع گیا) ۶ جمادی الاول سن ۱۳۵۶ھ م ۱۵ جولائی سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۹۷) لوگوں کا یہ کہنا کہ بغیر دین مہر ادا کئے ہوئے طلاق نہیں ہوتی غلط ہے۔ طلاق تو ہو جائے گی۔(۴) ہاں دین مہر کی ادائیگی شوہر کے ذمہ واجب الادا رہے گی۔(۵) جب قادر ہو ادا کر دے۔ جب کہ خاوند بیوی کو

---

(۱) واذا بعث الزوج الى اهل زوجة اشياء عند زفافها منها ديباج ، فلما زفت اليه اراد ان يسترد من المراة الديباج ليس له ذلك اذا بعث اليها على جهة التمليك۔ (الهندية، كتاب النكاح باب النفقه، ۱/ ۳۲۷، ماجدية)

(۲) جهز ابنته بجهاز و سلمها ذلك ليس له الا سترداد منها ولا لورثته بعده۔ (الدر المختار، كتاب النكاح باب المهر ۳/ ۱۵۵، سعيد)

(۳) ويجب نصفه بطلاق قبل وطء او خلوة۔ (الدر المختار، كتاب النكاح باب المهر ۳/ ۱۰۴، سعيد)

وفي الهندية: ومن الموانع لصحة الخلوة ان تكون المراة رتقاء او قرناء او عفلاء او شعراء (الهندية، النكاح، الباب السابع، الفصل الثاني ۱/ ۳۰۵، ماجدية) (۴) ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ۔ (الدر المختار، كتاب الطلاق، ۳/ ۲۳۵، سعيد)

(۵) والمهر يتا كد باحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت احد الزوجين ... حتى لا يسقط منه شئى بعد ذلك الا بالابراء من صاحب الحق۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الثاني ۱/ ۳۰۳، ماجدية)

رکھنا پسند نہیں کرتا تو طلاق دے دینا مناسب ہے۔(۱) اور اگر رکھنا چاہے تو رکھنا اور تعلقات زوجیت قائم کرنا بھی جائز ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

عورت شوہر کے گھر سے زیورات اور نقدی لے جانے کے بعد مہر معجّل کا مطالبہ کرتی ہے، کیا حکم ہے؟

(سوال) ہندہ اپنے شوہر کی غیر حاضری میں بغیر اجازت کے نقد مبلغ ڈیڑھ ہزار روپیہ زیورات کپڑے وغیرہ تقریباً پانسو روپے کے گھر سے اٹھا کر اپنی نانی کے گھر چلی گئی۔ جب زید سفر سے آیا اور ہندہ کی مذکورہ بے اعتدالیوں کی جماعت میں فریاد کی۔ اہل جماعت نے دریافت کرنا چاہا تو جماعت کے حکم کو ٹھکرا دیا اور حاضر نہ ہوئی۔ بلکہ مہر کے لئے سرکار میں دعویٰ دائر کر دیا۔ مہر غیر مؤجل ہے۔ فی زمانہ یہاں کا رواج یوں ہے کہ مہر غیر مؤجل موت احد الزوجین یا تفریق بین الزوجین کے وقت مطالبہ کیا جاتا ہے۔ پس ایسی بے اعتدالیوں کے باوجود ہندہ کا اپنے شوہر سے اپنے مہر غیر مؤجل ۲۲۴ روپے کا مطالبہ درانحالیکہ دونوں کے مابین کسی قسم کی تفریق واقع نہیں ہوئی درست ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۶۴۵ محمد ابراہیم صاحب مدرسہ معدن العلوم (فورٹ وانمباڈی ڈسٹرکٹ نارتھ ارکاٹ)
۲۲ جمادی الاول سن ۱۳۵۶ھ م ۳۱ جولائی سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۹۸) ہندہ کی یہ بے اعتدالی قابل مؤاخذہ ہے اور جو نقد و زیور وہ لے گئی ہے وہ اس سے واپس لیا جائے۔ مگر مہر غیر مؤجل کے معنی تو معجّل کے ہوئے۔ یعنی جس کی ادائیگی فوراً لازم ہو اور غیر معجّل ہو تو اس میں اگر کوئی اجل معین ہو تو اس اجل پر مطالبہ کر سکے گی اور اجل معین نہ ہو تو وہ بھی معجّل کے حکم میں ہوتا ہے۔(۳) البتہ اگر وہ مہر سے زیادہ رقم لے جا چکی ہے تو مہر میں محسوب کی جا سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

عقد کے وقت رائج سکہ کا اعتبار ہوگا

(سوال) زید نے ہندہ سے سن ۱۳۰۶ھ میں نکاح مہر ایک ہزار روپیہ کیا اور مہر مؤجل (یعنی عند الطلب) رہا۔ اب سنہ پچاس کے بعد مسماۃ ہندہ ہزار روپیہ زر مہر کی طالب ہے۔ اگر اس درمیان میں دوسرا سکہ رائج ہو جانے تو مسماۃ مذکورا اپنا مہر مقررہ ایک ہزار روپیہ (کل) پانے کی یا بوجہ تبدیل ہو جانے سکہ کے کم و بیش کا اثر بھی اس کی رقم معینہ زر مہر میں پڑے گا۔ فقط المستفتی نمبر ۱۶۸۲ محمد یوسف صاحب انسپکٹر انکم ٹیکس (بھوپال)

(جواب ۱۹۹) جس وقت مہر مقرر ہوا تھا اس وقت جو سکہ رائج تھا وہی ایک ہزار واجب الادا ہے۔(۴) اگر اب اس کی مقدار یا قیمت کم یا زیادہ ہو گئی ہو تو نکاح کے وقت کی مقدار ادا کرنا ہوگی۔ مگر چاندی کے سکہ میں وزن اور سکہ دونوں معتبر ہوں گے۔ مثلاً اس وقت کے ایک ہزار روپے دس سیر وزن کے ہوتے تھے تو اب یہی دس سیر وزن کے سکے

---

(۱) الا اذا خافا ان لا یقیما حدود الله فلا باس ان یتفرقا۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، ۳ / ۵۰، سعید)
(۲) ولا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة (ایضاً)
(۳) ان لم یؤجل او یعجل کله فکما شرط ، و لان الصریح یفوق الدلالة الا اذا جهل الأجل جهالة فاحشة فیجب حالاً (الدر المختار ، کتاب النکاح، باب المهر، ۳ / ۱۴۴، سعید)
(۴) تزوج امراءة علی الف درهم وفی البلد نقود مختلف ینصرف الی الغالب منها۔ (الهندیة، کتاب النکاح، الباب السابع، ۱ / ۳۱۰، ماجدیة)

دینے پڑیں گے خواہ ان کی قیمت ایک ہزار سے زیادہ ہو جائے۔(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شوہر اگر مہر نہیں دیتا تو نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(سوال) میری ایک رشتہ دار عورت کی شادی سن ۱۹۱۸ء میں ہوئی تھی بروقت نکاح ایک اقرار نامہ منجانب دولہا تحریر ہوا تھا کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ پچاس ۵۰ بیگھہ اراضی بعوض زر مہر مبلغ پانسو روپیہ اپنے گھر پر جا کر نام زوجہ کرا دوں گا۔ سن ۱۹۱۸ء سے سن ۱۹۳۳ء تک خاوند اور بیوی کے تعلقات نہایت خوشگوار رہے۔ پھر اس کے خاوند نے سن ۱۹۳۳ء میں دوسری شادی کرلی اور اپنی زوجہ کو اس کے والدین کے گھر چھوڑ گیا چونکہ سن ۱۹۱۸ء سے سن ۱۹۳۳ء تک خاوند اور بیوی کے تعلقات بہت اچھے رہے۔ سن ۳۳ء کے بعد خراب ہو گئے۔ عدالت میں مہر کا دعویٰ کیا گیا۔ عدالت نے حکم دے دیا کہ اقرار نامہ زائد المیعاد ہو گیا ہے اس لئے پچاس بیگھہ اراضی کی حق دار مدعیہ نہیں ہے اور چونکہ اس اقرار نامہ میں یہ تحریر ہے کہ بعوض پچاس بیگھہ اراضی مبلغ پانسو روپیہ ادا کروں گا۔ اس لئے اس کی بھی میعاد ختم ہو گئی ہے۔ مدعیہ پانسو روپیہ لینے کی بھی حق دار نہیں ہے۔ ایسی صورت میں نکاح پر کیا اثر پڑا۔ مکرر عرض ہے کہ مدعا علیہ مہر کی ادائگی سے انکار کرتا ہے اور عدالت نے بھی یہی فیصلہ دیا ہے کہ جس اقرار نامہ میں مہر درج ہے اس کی میعاد گذر چکی ہے اس لئے مدعیہ نہ تو پچاس بیگھہ اراضی کی مستحق ہے اور نہ پانسو روپیہ مہر جو بعوض پچاس بیگھہ اراضی کے ہے۔ اس کی حق دار ہے۔ ایسی صورت میں نکاح جائز رہا یا نہیں۔ لڑکی جوان العمر ہے۔

المستفتی نمبر ۱۸۱۸ تصدق حسین صاحب حصار۔ ۲۹ رجب سن ۱۳۵۶ھ م ۱۵ اکتوبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۰۰) عدالت کا یہ فیصلہ غلط ہے اور خلاف قانون بھی ہے۔ اگر قانونی طور پر عورت پچاس بیگھہ اراضی کی مستحق قرار نہ پائے تو اپنے مہر کی رقم پانے کی بہر صورت حق دار ہے۔(۲) مہر کی رقم جب تک نکاح باقی ہے ہر وقت واجب الادا ہے اس پر کوئی میعاد حاوی نہیں ہے اور طلاق یا موت ہو جانے پر شاید قانوناً تین سال کی میعاد ہے مگر یہ بھی شرعی طور پر صحیح نہیں ہے۔(۳) بہر حال اس فیصلے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور عورت اپنا مہر پانے کی مستحق ہے۔(۴)

لڑکی کے وارثوں کے اقرار نامے کی خلاف ورزی سے لڑکی کا مہر ساقط نہیں ہوگا۔

(سوال) ایک لڑکی جس کی عمر ۱۱ سال ہے وہ لڑکی اپنی سسرال یعنی خاوند کے مکان پر عرصہ ایک سال تک متواتر جاتی آتی رہی۔ لڑکی کے وارث بوجہ خراب ہونے کے اس کی آمد و رفت میں ایک سال کے اندر جھگڑے ڈال چکے اور لڑکی کو ایسی تعلیم دی گئی جس کی وجہ سے لڑکی اپنی سسرال سے تین بجے فرار ہو کر چلی گئی۔ لڑکی کے خاوند و خسر نے لڑکی سے ایسے قصوروں کو معاف کرتے ہوئے سہ بارہ رکھ لیا۔ لڑکی کے وارث و عزیز و اقربا کی آمد و رفت برابر روز مرہ جاری رہی لیجانے کے واسطے کہا گیا تو لڑکی کے خسر نے لڑکی کے وارث حقیقی یعنی والدہ سے یہ کہا کہ ایک تحریر اس قسم کی

---

(۱) ولو تزوجها علی دراهم من نقد البلد فکسدت وسار النقد غیرها فکان علی الزوج قیمت تلک الدراهم یوم کسدت علی المختار۔ (الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب النکاح، باب المہر ۲ / ۲۹ ط بیروت)

(۲) حتی لا یسقط منه شیئی بعد ذلک الا بالا براء من صاحب الحق۔ (الهندیة، کتاب النکاح الباب السابع، ۱ / ۳۰۳، ماجدیة)

(۳) الحق لا یسقط بتقادم الزمان۔ (الاشباہ والنظائر ۲ / ۲۳۳، ادارۃ القرآن)

(۴) والمهر یتاکد باحد معان ثلاثة : الدخول والخلوة الصحیحة وموت احد الزوجین، سواء کان مسمی او مهر المثل حتی لا یسقط منه شیئی بعد ذلک الا بالا براء من صاحب الحق۔ (الهندیة، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل الثانی ۱ / ۳۰۳، ماجدیة)

لکھ دو کہ ہمیشہ کبھی کسی حالت میں بھیجنے اور رخصت کرنے میں رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اگر لڑکی کے اس کی سسرال میں بھیجنے یا پہنچانے میں رکاوٹ کی جائے تو لڑکی کے کل حقوق مع مہر شرعی کے سوخت اور ناجائز ہو جائیں گے جس کے وصول کرنے کے ہم اور ہمارے کل ورثا کبھی حق دار نہ ہوں گے۔ لڑکی کی والدہ نے یہ اقرار نامہ تحریر ایک بارہ آنے کے اسٹامپ پر لکھ دیا ہے جس پر اہل محلہ جملہ چار شخص معزز بطور گواہی اور دونوں طرف کے ذمہ دار بھیجنے اور لانے کے لکھے گئے اور بعد تحریر اقرار نامہ ہذا کے لڑکی کو اس کی والدہ اور دیگر وارثان کے سپرد کر دیا گیا۔ لیکن اس کے شوہر نے رخصت کے لئے لڑکی کی والدہ سے کہا تو انکار کیا کہ میں نہیں بھیجوں گی اور دیگر شخصوں کو بھی مکان پر لے گئے اور کہا گیا کہ تم نے تحریر اقرار نامہ میں لکھ دیا ہے کہ اگر لڑکی کو ہم اس کی سسرال بھیجنے میں رکاوٹ کریں تو لڑکی کے کل حقوق مع مہر شرعی کے سوخت و ناجائز ہو جائیں گے۔ کہ جس کے وصول کرنے میں ہم حق دار نہیں ہوں گے۔ تم لڑکی کو بھیج دو لیکن لڑکی کے وارثان وغیرہ خلاف تحریر و اقرار نامہ ہذا لڑکی کو بھیجتے نہیں۔ جب کہ مسماۃ یعنی لڑکی کی والدہ خلاف تحریر اقرار نامہ ہذا ہیں تو ایسی حالت میں کل حقوق مع مہر شرعی کے سوخت و ناجائز ہوئے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۸۸۱ اکرام حسین پوسٹ مین تاج گنج (آگرہ) ۵ شعبان سن ۱۳۵۶ھ م ۱۱ اکتوبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۰۱) اس اقرار نامہ سے لڑکی کا مہر ساقط نہیں ہوگا۔ اگرچہ اس کی خلاف ورزی کی گئی ہو۔ کیونکہ اقرار نامہ وارثوں نے لکھا ہے اور لڑکی کا مہر ساقط کرنے کا انہیں کوئی حق نہیں (۱) ہاں اگر لڑکی بلاوجہ خاوند کے گھر نہیں آتی تو اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا جب تک کہ شوہر کے گھر نہ آئے نفقہ کی مستحق نہ ہوگی۔ اور اگر اس کا نہ آنا کسی معقول اور جائز شکایت پر مبنی ہو تو نفقہ بھی لے سکتی ہے۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جہیز میں دیئے گئے زیورات کی مالک لڑکی ہے

(سوال) (۱) نکاح کے وقت لڑکی کے ماں باپ جو چیز رسماً و عادتاً بصورت زیورات یا پارچہ جات اور برتنوں وغیرہ کے دیتے ہیں۔ وہ جہیز لڑکی کی ملکیت میں آجاتا ہے یا لڑکی کا شوہر مالک ہو جاتا ہے یا لڑکی کے والدین ہی مالک رہتے ہیں ؟

شوہر کی طرف سے دیئے ہوئے زیورات کا مالک کون ہے ؟

(۲) نکاح کے وقت عادتاً اور رسماً شوہر جو بیوی پر زیورات اور پارچہ جات وغیرہ ڈالتا ہے وہ زیورات وغیرہ شوہر کی ملکیت میں رہتے ہیں یا بیوی مالک ہو جاتی ہے۔ یہاں پر ایک عورت مر گئی ہے اور باپ اور شوہر اس کے پیچھے موجود ہیں۔ عطیہ والدین اور شوہر کے ڈالے ہوئے زیورات اور مہر کس طرح تقسیم کئے جائیں۔

المستفتی نمبر ۱۹۵۹ عبداللہ خاں صاحب (بنگلور چھاؤنی) ۲۴ شعبان سن ۱۳۵۶ھ م ۳۰ اکتوبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۰۲) (۱) لڑکی کو جو چیزیں دی جاتی ہیں وہ لڑکی کی ملک ہوتی ہیں۔ شوہر صرف اس چیز کا مالک ہوتا ہے۔ جو اس کے لئے دی جاتی ہے مثلاً جوڑا۔ (۳)

---

(۱) ولیس للاب ان یهب مهر ابنته عند عامة العلماء كذافي البدائع۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل العاشر ۱ / ۳۱۶، ماجدية)
(۲) لا نفقة لاحد عشر : مرتدة وخارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود۔ (الدر المختار، كتاب النكاح، باب النفقة ۳ / ۵۷۵۔۵۷۶، سعيد)
(۳) لو جهز ابنته وسلمه اليها ليس له في الا ستحسان استرداده منها وعليه الفتوى۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل السادس عشر ۱ / ۳۲۷، ماجدية)

(۲) شوہر کی طرف سے جو زیور عورت کو دیا جاتا ہے اس میں عرف مختلف ہے کہیں بطور تملیک ہوتا ہے۔ کہیں بطور عاریت۔ دہلی میں بطور تملیک دیا جاتا ہے اور عورت مالک ہوتی ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مہر کی اقسام

(سوال) مہر کے کتنے اقسام شرعی طور پر معروف و مشہور ہیں مع معانی تحریر فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۰۳۴ منشی سید الطاف حسین صاحب (کنتور) ۱۲ رمضان سن ۱۳۵۶ھ م ۱۷ نومبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۰۳) مہر معجل جو بوقت نکاح ادا کر دیا جائے یا ہر اس وقت ادا کرنے کا اقرار کیا جائے جس وقت عورت طلب کرے۔ مہر مؤجل جس کی ادائگی کسی مدت معینہ مبینہ پر محول کی گئی ہو۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مہر میں کسی سکے کی تخصیص نہ کی گئی ہو تو کیا حکم ہے؟

(سوال) (۱) مسماۃ ہندہ کا نکاح زید سے بعوض مبلغ گیارہ ہزار روپیہ مہر مؤجل سن ۱۳۰۶ھ میں بمقام بھوپال ہوا تھا۔ (۲) یہ کہ سن ۱۳۰۶ھ میں بھوپال میں جہاں نکاح ہوا تھا سکہ بھوپالی رائج تھا مگر زر مہر میں کسی سکہ کی نہیں تھی۔ (۳) نکاح کے تقریباً تین سال کے بعد سکہ بھوپالی مسدود ہو گیا اور بجائے اس کے سکہ انگریزی رائج کر دیا گیا۔ (۴) یہ کہ سکہ کی تبدیلی کے ۳۸ سال بعد زید کا انتقال ہو گیا اور اب مسماۃ ہندہ مہر کی طالب ہے۔ (۵) حالات مذکورہ بالا میں جب کہ سکہ بھوپالی موقوف ہوئے ۳۸ سال کا زمانہ ہو چکا ہے اور سکہ رائج انگریزی کا ہے اور وجوب مہر کا اس وقت ہوا ہے جب کہ سکہ انگریزی رائج ہے مہر کی ادائگی کس صورت سے عمل میں آئے گی آیا سکہ رائج الوقت ادا کیا جائے گا یا وہ سکہ جو بوقت نکاح رائج تھا اور اب مفقود ہو گیا ہے۔ اور اگر سکہ مروجہ بوقت نکاح سے ادائگی ہو گی تو شرح تبادلہ کیا قرار دی جائے گی۔

المستفتی نمبر ۲۱۳۹ منشی محمد ابراہیم صاحب۔ بھوپال ۱۸ شوال سن ۱۳۵۶ھ م ۲۲ دسمبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۰۴) گیارہ ہزار سکہ بھوپالی مہر تھا وہی واجب الادا ہے۔ مگر اس کے مسدود ہو جانے پر اس کی قیمت سکہ رائجہ میں ادا کی جائے گی۔ شرح مبادلہ وہ قرار پائے گی جو بھوپالی سکہ کے بند اور موقوف ہونے کے وقت قرار دی گئی تھی۔ پھر اگر وہ روپیہ جو اس قیمت کے حساب سے معین ہو اور وزن میں سکہ مسدود کے برابر ہو تو انگریزی روپیہ دلوایا جائے گا اور اگر وزن میں کمی بیشی ہو تو ادائگی کسی دوسری جنس کی صورت میں مثلاً گیہوں کی صورت میں واجب ہو گی۔

رجل تزوج امراء ۃ علی الف درهم فكسدت دراهم وصار النقد غير ها تجب قيمة تلك الدراهم يوم كسدت هو المختار ذكره الصدر الشهيد۔ فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۳۳۰ (۳) طبع مصر

شوہر کے مرنے کے بعد مہر کے سلسلے میں کس کا قول معتبر ہو گا؟

(سوال) زید جو ایک مسجد کا امام ہے اپنے انتقال کے وقت سے پہلے وصیت کرتا ہے کہ میرا زر نقد و مال غریبوں میں

---

(۱) والمعتمد البناء على العرف كما علمت۔ (رد المحتار، کتاب النکاح باب المهر، ۳ / ۱۵۷، سعید)
(۲) والمهر المعجل او المؤجل ان بينا في العقد كله او بعضه يكون معجلاً او مؤجلاً فذلك المبين وواجب اداء ه على مابين۔ (جامع الرموز، کتاب النکاح، ۲ / ۲۲۳، کریمیہ)
(۳) الهندية ، كتاب النكاح ، الباب السابع ، الفصل الخامس في المهر ، ۱ / ۳۱۰، ماجدية

تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ زید کے انتقال کے بعد اہل محلہ میں سے ایک مولوی صاحب نے ان کا تمام سامان ان کے ورثاء میں تقسیم کر دیا۔ صرف ان کی مالیت کا تہائی حصہ مبلغ ۰ ابرائے تقسیم غرباء روک لیا۔ لیکن زید کی بیوہ اس رقم کو اپنے مہر میں لینا چاہتی ہے مگر مولوی صاحب کہتے ہیں کہ تم مہر معاف کر چکی ہو لہذا اس کی مستحق نہیں مسماۃ بیوہ کا بیان ہے کہ اس پر چھ رشتہ دار مرد اور تین عورتوں کی شہادت موجود ہے کہ بیوہ نے بروقت تقسیم ورثہ ہر گز مہر معاف نہیں کیا۔ لیکن تنہا مولوی صاحب کہتے ہیں کہ تقسیم ورثہ کے وقت مہر معاف کیا تھا۔ اب فرمائیے کہ تنہا مولوی صاحب کا قول نا قابل قبول ہے یا نہیں یا مسماۃ بیوہ اور اس کے شاہدوں کا۔ نیز مسماۃ اس وقت معذور اور تخت محتاج ہے۔ کیا علاوہ مہر کے محتاج ہونے کی حیثیت سے اس کو مقدم سمجھا جائے گا۔

المستفتی نمبر ۲۲۱۷ حافظ عبد المجید (میرٹھ) ۲۰ ذیقعدہ سن ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جنوری سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۰۵) تنہا مولوی صاحب کا قول دربارہ معافی مہر مقبول نہیں (۱) بیوہ کو پورا مہر ملے گا۔ اس کے بعد جو کچھ بچے تو اس کی ایک تہائی وصیت میں دی جائے اور دو تہائی وارثوں میں تقسیم ہوگی۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

صحبت سے پہلے بیوی مر جائے تو پورا مہر دینا ہوگا

(سوال) (۱) اللہ دتہ کی زوجہ مسماۃ خانم جان قبل از وطی فوت ہوگئی۔ کیا اس صورت میں اللہ دتہ پر سالم مہر واجب ہوگا یا نصف؟

نکاح کے وقت سسر کو دی ہوئی رقم وغیرہ شوہر واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اللہ دتہ نے وقت خطبہ اور وقت عقد نکاح کے جو ماکولات و مشروبات اور نقدی روپیہ و زیورات اپنے خسر کو بموجب اس کی طلب دیئے ہیں یعنی خسر نے اس کو تنگ کیا کہ مجھے یہ اشیاء مذکورہ بالا دے گا تو اس وقت میں اپنی لڑکی کا نکاح کر دوں گا تو کیا یہ اشیاء و نقد و زیور اللہ دتہ واپس لے سکتا ہے یا نہیں۔ در مختار میں یہ عبارت مذکور ہے۔ ومن السحت مایاخذہ الصہر من الختن بسبب بنتہ بطیب نفسہ حتی لو کان یطلبہ یرجع الختن بہ۔ (۳) انتہی۔ قال فی العالمگیرۃ خطب امراۃ فی بیت اخیہا فابی ان یدفعہا حتی یدفع الیہ دراھم فدفع وتزوجہا یرجع بما دفع لانہ رشوۃ کذافی القنیۃ قال فی البحر الرائق لو اخذ اھل المرءۃ شیئا عند التسلیم فللزوج ان یستردہ لانہ رشوۃ۔ انتہی تو قابل دریافت یہ امر ہے کہ اللہ دتہ اپنے خسر سے ماکولات و مشروبات و نقد و زیور جملہ اشیاء واپس لے سکتا ہے؟ اور بموجب حوالہ جات سابقہ کے اور اللہ دتہ عند الشرع اپنی زوجہ متوفی کے ترکہ سے کتنے حصہ کا وارث ہوگا؟ المستفتی نمبر ۲۲۷۲ مولوی عبد الغفور صاحب کمیل پور ۲۸ ربیع الاول سن ۱۳۵۷ھ

(جواب ۲۰۶) (۱) اللہ دتہ کے ذمہ زوجہ مرحومہ کا پورا مہر واجب ہوا۔ (۴) ہاں خاوند بھی زوجہ کا وارث ہے اس لئے

---

(۱) ادعت امراۃ علی زوجہا بعد موتہ ان لہا علیہ الف درھم من مہرھا فالقول قولہا۔ (الہندیۃ، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل الثانی عشر، ۱/ ۳۲۲، ماجدیۃ)

(۲) تتعلق بترکۃ المیت حقوق اربعۃ مرتبۃ : الاول یبداء بتکفینہ ..... ثم تقضی دیونہ من جمیع مابقی من مالہ ثم تنفذ وصایاہ من ثلث مابقی بعد الدین ثم یقسم الباقی بین ورثتہ۔ (السراجی، ص : ۳، سعید)

(۳) رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، ۶/ ۴۲۴، سعید

(۴) والمہر یتاکد باحد معان ثلاثۃ : الدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت احد الزوجین سواء کان مسمیٰ او مہر المثل۔ (الہندیۃ، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل الثانی، ۱/ ۳۰۳، ماجدیۃ)

اس کو حصہ میراث ملے گا۔(۱)

(۲)جو اشیاء کہ اللہ دتہ کے خسر کے طلب کرنے پر اللہ دتہ نے دی تھیں ان میں سے جو باقی ہوں وہ اللہ دتہ واپس لے سکتا ہے اور جو کھاپی لی گئیں ان کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دلہن کو بری اور جہیز میں ملنے والے زیورات کا حکم

(سوال)ایک شخص مسلمان صاحب جائداد و مالدار اپنی زندگی میں ایک وصیت لکھ گیا کہ میری جائیداد میں سے دس ہزار روپیہ میرے اکلوتے بیٹے کی شادی پر خرچ کیا جاوے اور جائیداد و دیگر مال کے متعلق دو شخصوں کو ٹرسٹی مقرر کر کے ان کی ہدایت تحریری کر گیا حتی کہ وہ شخص قضاء الٰہی سے (یعنی وصیت کرنے والا) فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کے اکلوتے بیٹے کی شادی اس لڑکے کی سگی والدہ نے خود کر دی اور خرچہ حسب تحریر اس کے والد کے کیا۔ یعنی زیور وغیرہ اور کپڑے عروسانہ وغیرہ اس رقم کے بنا کر دلہن کے لئے دیئے گئے۔ خدا کی شان شام کو دلہن سسرال میں ان زیورات اور اپنے میکے والے زیورات کپڑے و برتن وغیرہ جہیز کے لے کر آئی۔ صبح کو لڑکا یعنی دولہا اچانک موت آجانے سے فوت ہو گیا۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ بموجب شرع محمدی شریف ان زیورات و پارچہ جات و دیگر سامان جو سسرال کی طرف سے لڑکی کو ملے اور جو زیورات پارچہ جات و سامان وغیرہ بطور جہیز دلہن کے میکے والوں سے ملے ان سب کی مالک دلہن ہے یا یہ کہ دلہن کی جائیداد بھی مرحوم کے رشتہ داروں میں تقسیم ہوگی جس طرح باقی جائیداد بموجب شرع محمدی تقسیم ہوگی۔ المستفتی نمبر ۲۲۳۷ ایس محمد سعید

معرفت حاجی محمد الدین صاحب فیرس لین نمبر ۶۰ کلکتہ ۱۹ جمادی الاول سن ۱۳۵۷ھ م ۱۸ جولائی سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۰۷)دلہن کا جہیز کا سامان زیور کپڑے برتن وغیرہ جو میکے سے ملا ہے وہ سب دلہن کا ہے۔(۳) جو زیور سسرال سے ملا ہے اس میں عرف کا اعتبار ہے۔(۴) اگر یہ زیور تملیکاً دیا جاتا ہو تو تملیک قرار پائے گا اور دلہن کا ہو گا اور اگر عاریت کے طور پر دیا جاتا ہو تو عاریت قرار پائے گا اور دولہا کے ترکے میں شامل ہو گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

زانیہ عورت اپنے شوہر سے مہر پانے کی مستحق ہے

(سوال)ایک عورت نے کسی مرد سے زنا کیا۔ چند آدمیوں نے دونوں کو ایک چارپائی پر دیکھا اور عورت نے اقرار کیا اور زانی مرد بھی زنا کرنے کا اقرار کرتا ہے۔ ایسی صورت میں زانی عورت مہر لینے کی حق دار ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۸۹ محمد عمر محمد ظفر (گوڑگاؤں) ۸ جمادی الثانی سن ۱۳۵۷ھ م ۶ اگست سن ۳۸ء

(جواب ۲۰۸)اس صورت میں بھی شوہر کو مہر ادا کرنا لازم ہو گا۔(۵)

---

(۱)واما للزوج فحالتان: النصف عند عدم الولد وولد الابن۔(السراجی، ص: ۶ سعید)

(۲)اخذ اهل المرأة شيئاً عند التسليم فللزوج ان يسترده لانه رشوة (الدر لمختار، کتاب النکاح، باب المهر، ۳/۱۵۶، سعید)
وكذا يسترد مابعثه هدية وهو قائم دون الهالك والمستهلك، لا ن فيه معنى الهبة (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب النكاح، ۱/۲۵، قندهار افغانستان)

(۳) لوجهز ابنته وسلمه اليها ليس له في الا ستحسان استرداده منها وعليه الفتوى۔(الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل السادس عشر، ۱/۳۲۷، ماجدية)

(۴)والمعتمد البناء على العرف كما علمت۔(رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، ۳/۱۵۷، سعید)

(۵)والمهر يتاكد باحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت احد الزوجين سواء كان مسمى اومهر المثل، لايسقط منه شئى بعد ذلك الا بالا براء من صاحب الحق۔(الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، ۱/۳۰۳، ماجدية)

مہر کی اقسام اور ان کی تشریح

(سوال) مہر دو طرح کا ہوتا ہے (۱) معجّل۔ جلدی۔ فوراً (۲) مؤجل۔ دیر سے۔ مہلت سے وقت کیا اس کے علاوہ کوئی اور قسم بھی ہے۔ معجّل عند الطلب۔ مؤجل عند الطلب کے کیا معنی ہیں اور کون صحیح ہے؟

المستفتی نمبر ۲۴۲۷ شادانی صاحب (آگرہ) ۲۱ شوال سن ۱۳۵۷ھ م ۱۴ دسمبر سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۰۹) معجّل کے معنی یہ ہیں جس کی ادائیگی فوراً واجب ہو اس میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ زوج مجلس عقد میں ادا کر دے یا مجلس عقد کے بعد ادا کر دے۔ دوم یہ کہ معجّل ہونے کے بعد عورت اس کو عند الطلب قرار دے دے۔ یعنی زوج ادا نہ کرے اور عورت فوراً طلب نہ کرے بلکہ اس کی طلب کی مؤخر کر دے تو یہ قسم حکماً معجّل ہی ہوتی ہے۔(۱) مؤجل کے معنی یہ ہیں کہ ادائیگی مہر کے لئے کوئی اجل یعنی مدت مقرر کر دی جائے۔ اس میں مدت معینہ سے پہلے عورت کو مطالبہ کا حق نہیں اور مرد پر مدت معینہ سے پہلے ادائیگی واجب نہیں۔ اس قسم میں مدت کی تعیین مثلاً سال دو سال دس سال یا طلاق یا موت بطور مدت کے قرار دے سکتے ہیں۔(۲) اور مدت کے طور پر جو چیز ذکر کر دی جائے گی اس سے پہلے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔(۳) مؤجل عند الطلب کوئی صحیح قسم نہیں کیونکہ اجل مجہول ذکر کرنا درست نہیں اور صرف مؤجل کہہ دینا اور اجل کی تعیین نہ کرنا بھی صحیح نہیں۔ ایسی صورت میں کہ اجل معلوم و متعین نہ ہو مہر معجّل لازم ہو جاتا ہے۔(۴)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کسی کی عورت اگر اعلانیہ زنا کرتی ہو تو مہر کی مستحق ہے یا نہیں؟

(سوال) خالد نے رحیمہ سے ڈھائی سو روپے مہر مؤجل کے ساتھ نکاح کیا۔ چند برس دونوں نے خوش اسلوبی سے باہم زندگی بسر کی۔ کچھ دنوں کے بعد بمقتضائے ضرورت کسب معیشت خالد کو سفر میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ ادھر مخفی طور سے رحیمہ نے اپنے شیشہ عصمت کو سنگ سفاحت سے توڑنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ بے محابا مطلق العنان ہو کر اعلانیہ بر سر بازار بام نشین ہو کر سفاحت و زناکاری کو اپنا پیشہ بنالیا۔ بیچارہ خالد دو برس سے متنفر ہو کر اس سے منقطع التعلق ہو کر اس تردد و فکر میں ہے کہ اگر لفظ طلاق کا اس کو کہتا ہوں تو دین مہر کا معاملہ پیش آتا ہے اور نہیں کہتا ہوں تو خلاف شریعت ہوتا ہے اور ایسی حالت میں ایسی باغیہ طاغیہ کو مہر کا روپیہ ادا کرنا ہرگز ہمت گوارا نہیں کرتی اس لئے استفتا کرتا ہوں اگر خالد اس کو طلاق دے تو ایسی عورت کو از روئے شرع شریف کے مہر کا روپیہ بھی ادا کرنا ہوگا اور ادا نہ کرنے سے خالد عند اللہ ماخوذ ہوگا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۴۴۳ امام مسجد (ضلع پٹنہ) ۲۴ ذی قعدہ سن ۱۳۵۷ھ

(جواب ۲۱۰) اس فسق و فجور کی وجہ سے اس کا حق مہر ساقط نہیں ہوا۔(۵) مہر شوہر کے ذمہ واجب الادا ہے اور

---

(۱) ان المعجل اذا ذكر في العقد ملكت طلبه۔ (البزازية على هامش الهندية، كتاب النكاح الثاني عشر في المهر، ۴ / ۱۳۲، ماجدية)

(۲) لا خلاف لاحد ان تاجيل المهر الى غاية معلومة نحو شهر او سنة صحيح۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، ۱ / ۳۱۸، ماجدية) ولو اجل الكل ذكر الامام صاحب المنظومة في فتاواه انه لا يصح وتاويله ان يذكر التاجيل الى وقت الموت او الطلاق لا يصح نحيا لذو الصحيح انه يصح لانه الثابت عرفا بلا ذكر فذكر الناسب لا يبطل۔ (البزازية على هامش الهندية، كتاب النكاح ۴ / ۱۳۲، ماجدية)

(۳) تزوج امراة على الف الى سنة فاراد الزوج الدخول بها قبل السنة قبل ان يعطيها شيئاً فان شرط الزوج الدخول بها في العقد قبل السنة فله ذلك وليس لها المنع عنه بلا خلاف۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، ۱ / ۳۱۸، ماجدية)

(۴) اذا جهل الاجل جهالة فاحشة فيجب حالاً۔ (الدر المختار، كتاب النكاح باب المهر ۳ / ۱۴۴، سعيد)

(۵) وآتو النساء صدقاتهن نحلة (النساء : ۴) والمهر يتاكد باحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة و موت احد الزوجين لا يسقط منه شيء بعد ذلك الا بالابراء من صاحب الحق (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، ۱ / ۳۰۳، ماجدية)

ایسی صورت میں طلاق دے دینا ہی بہتر ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

لڑکی والے رقم لئے بغیر لڑکی نہیں دیتے، کیا مجبوراً ان کو رقم دینا صحیح ہے ؟

(سوال)ایک شخص کی زوجہ فوت ہو گئی اور اس شخص کا عین شباب کا زمانہ ہے۔بلا عقد ثانی عمر کا کٹنا نہایت دشوار ہے بلکہ سخت خطرہ ہے کہ شدت جوش شباب کے مقتضا کی وجہ سے زنا کا عادی ہو جائے۔اور علاوہ گناہ کبیرہ کے خاندانی اعزاز کو بھی برباد کر دے اور عبادات ضروریہ کا بھی ترک ہو جائے۔
دوسرے پہلو میں صورت حال یہ ہے کہ شخص مذکور کی قوم میں ایک نہایت قبیح رواج کے مطابق دوسو یا تین سو روپے کی رقم نہ دی جائے تو شادی ہو ہی نہیں سکتی اور دوج بر کی شادی تو بلا رقم کثیرہ ہوتی ہی نہیں اور فقہی مسائل پر نظر ڈالنے سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ وارثان لڑکی اس زر کثیر کو بلا کسی استحقاق شرعی کے لیتے ہیں اور یہ معصیت ہے اور رقم کا دینے والا معین فی المعصیت ہے۔اس صورت میں جواب طلب امر یہ ہے کہ شخص مذکور کے بلا عورت رہنے سے متعدد کبیرہ گناہ کے ارتکاب کا ظن غالب ہی نہیں بلکہ تجربہ سے یقین حاصل ہوتا ہے اور رقم دے کے شادی کر لینا یہ اعانت فی المعصیت ایک ہی گناہ ہے تو کیا شریعت ایسے مجبور کو رقم خرچ کر کے شادی کر لینے کی اجازت دے سکتی ہے جیسا کہ امر ناحق سے رشوت دے کر بعض احوال میں نقصان سے بچے رہنے کی اجازت پائی جاتی ہے۔فقط
المستفتی نمبر ۲۴۴۶ مولوی عبداللہ صاحب (گوڑگانوہ) ۷ ذی الحجہ سن ۱۳۵۷ھ م ۲۹ جنوری سن ۱۹۳۹ء
(جواب)(از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی) شریعت میں علاج غلبہ شہوت کا روزوں کے رکھنے کا ہے عدم استطاعت کی صورت میں شرعاً اس کی اجازت ہم کو نہیں معلوم کہ نکاح کی وجہ سے حرام و ناجائز کے ارتکاب کی رخصت ہوتی ہے۔ فقط واللہ اعلم اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی
(جواب ۲۱۱)(از حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ)اگر نکاح نہ کرنے کی صورت میں ظن غالب ہو کہ گناہ سرزد ہو جائے گا تو عورت کے ولی کو یہ رقم (جس کو فقہانے رشوت قرار دیا ہے) دے کر نکاح کر لینا مباح ہے(۲)البتہ اگر روزے سے غلبہ شہوت کو تسکین ہو جائے یا صبر کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اس اعانت علی المعصیت اور رشوت دینے سے بچئے۔(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مہر کی اقسام کے معنی و تشریح

(سوال)(۱)مہر معجل کے کیا معنی ہیں اور اس کی تشریح مع حوالہ کتب۔(۲)مہر مؤجل کے کیا معنی ہیں۔(۳)مہر عند الطلب کے کیا معنی ہیں اور اس کی تشریح۔

---

(۱)ویجب لوفات الا مساك بمعروف (الدر المختار ، کتاب الطلاق ، ۳/۲۲۹، سعید)
عن ابن عباس قال: جاء رجل الى النبى صلى الله عليه وسلم ان لى امرأة لا ترد يد لا مس فقال النبى صلى الله عليه وسلم طلقها ـ(مشکوۃ المصابیح،۲ . ۲۸۷،سعید)
(۲)اذا دفع الرشوة خوفاً على نفسه اوماله، حرام على الا خذ غير حرام على الدافع۔(البحر الرائق، کتاب القضاء،۲ ۲۸۵، بیروت)
(۳)عن عبدالله بن مسعود قال قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يا معشر الشباب من استطاع منكم البائة فليزوج فانه اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فانه له وجاء ـ(الصحیح لمسلم، کتاب النکاح،۱ . ۴۴۹، قدیمی)

مہر معجّل عورت فوراً طلب کر سکتی ہے

(۴) کیا مہر معجّل کو عورت فوراً طلب کر سکتی ہے اور اپنے نفس کو روک سکتی ہے اور اگر وہ فوراً طلب نہیں کرتی اور رخصت ہو کر شوہر کے یہاں جانے کو تیار ہے تو کیا شوہر بغیر ادائیگی مہر معجّل اس کو نہیں چھو سکتا۔ اس کا لے جانا کیا خلاف شرع ہے اور کیا اس کا ایسا نکاح مہر معجّل کے ساتھ ہونا از روئے شرع شریف شرعی جرم یا گناہ ہے۔

کیا شوہر پر عورت کے مطالبہ کے بغیر بھی فوراً مہر ادا کرنا لازمی ہے

(۵) مہر معجّل کو جیسا کہ عورت فوراً طلب کر سکتی ہے اور اپنے نفس کو روک سکتی ہے جیسی قدرت اس کو حاصل ہے۔ اسی طرح پر کیا مرد کے ذمہ بھی عورت کے بغیر مطالبہ کے بھی اس مہر کا ادا کر دینا فوری لازمی ہے اور کیا فوراً ادائیگی نہ ہونے پر نکاح میں کوئی نقص واقع ہوگا۔ یہ ملحوظ رہے کہ عورت نے مہر معجّل کا کوئی مطالبہ نہیں کر رہی ہے بلکہ یہاں کے چند اصحاب اور ایک مولوی صاحب کا خیال ہے کہ یہ مہر معجّل مرد کو فی الفور ادا کر دینا چاہئے ورنہ نکاح میں خرابی ہے۔

عورت مہر معجّل طلب نہ کرے تو عند الطلب کے معنیٰ میں ہو جائے گا

(۶) اگر عورت اپنے مہر معجّل کو فوراً طلب نہیں کرتی ہے تو کیا وہ مہر مذکور عند الطلب کے معنیٰ میں آجائے گا؟

المستفتی نمبر ۲۴۹۱ حافظ سید شفقت علی صاحب (علی گڑھ) ۱۲ ربیع الاول سن ۱۳۵۸ھ م ۳ مئی سن ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۱۲) (۱) مہر معجّل وہ ہے کہ بوقت عقد فوراً ادا کر دیا جائے یا فوراً ادائیگی کی شرط کر لی جائے۔(۱)

(۲) مہر مؤجل وہ ہے کہ اس کی ادائیگی کی کوئی اجل یعنی مدت مانی گئی ہو۔ اگر مدت معین و معلوم ہو تو تاجیل صحیح مثلاً دس ۱۰ برس میں ادا کیا جائے گا یا بیس برس میں ایک دفعہ یا قسط وار۔(۲)

(۳) مہر عند الطلب در حقیقت کوئی نئی قسم نہیں ہے بلکہ یہ مہر معجّل میں داخل ہے جس کے مطالبہ کو فوراً عمل میں لانے سے ذرا ڈھیلا کر کے مطالبہ کرنے تک ملتوی کر دیا گیا ہے۔(۳)

(۴) مہر معجّل قرار پائے تو عورت فوراً مطالبہ کر سکتی ہے اور اپنے نفس کو روک بھی سکتی ہے۔ اور شوہر جبراً بغیر ادائیگی مہر عورت کو لے جانے کا حق نہیں رکھتا۔(۴) ہاں عورت اپنی خوشی سے خاوند کے ساتھ چلی جائے تو اسے اختیار ہے۔

(۵) اگر مہر معجّل قرار پائے تو شوہر کو لازم ہے کہ فوراً ادا کر دے لیکن اگر وہ ادا نہ کرے یا ادا نہ کر سکتا ہو تو عورت کو یہ حق ہے کہ جب تک مہر وصول نہ کرے خاوند کو اپنے اوپر قدرت نہ دے۔(۵) لیکن اگر عورت مطالبہ نہ کرے اور خود بغیر وصول کئے ہوئے خاوند کے پاس چلی جائے یا اپنے گھر رہے دونوں صورتوں میں نکاح کے اندر کوئی نقصان اور خرابی نہیں آتی۔ مرد کے ذمہ یہ لازم ہے کہ مہر معجّل فوراً ادا کر دے۔ عورت مطالبہ کرے یا نہ کرے مرد پر ادا کر دینا ضروری ہے۔

(۶) ہاں اگر عورت نے فوراً وصول نہ کر لیا تو گویا وہ عند الطلب جیسا ہوگا۔ جس وقت بھی چاہے مطالبہ کر سکتی ہے۔

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) وان شرطوا في العقد تعجيل كل المهر يجعل الكل معجلا۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع ۱/ ۳۱۸، ماجدية)

(۲) لا خلاف لاحد ان تاجيل المهر الى اجل معلومة نحو شهر اوسنة صحيح۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع ۱/ ۳۱۸، ماجدية)

(۳) ولو شرط عليها ان يدخل قبل ايفاء المعجل صح الشرط (ايضاً)

(۴) ولها منعه من الوطء ودواعيه والسفر بها۔ (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر ۳/ ۱۴۳، سعيد)

(۵) للمرأة ان تمنع نفسها من زوجها لاستيفاء المهر المعجل۔ (فتاوى النوازل ۱/ ۱۲۰، شمس الاسلام، حيدر آباد)

نکاح سے پہلے سسرال کو دی ہوئی رقم واپس لینا

(سوال) آج کل مروجہ دستور یہ ہے کہ نکاح سے پہلے سسرال والے اپنے داماد سے کچھ پہلے روپیہ نقدی وجنس وغیرہ لیتے ہیں تب نکاح ہوتا ہے۔ کیا در مختار کا یہ حوالہ جو پیش کیا جاتا ہے اس کے مطابق داماد وہ روپیہ وغیرہ سسرال سے واپس لے سکتا ہے کیونکہ اس روپے کو رشوت سے تعبیر کیا ہے جس کو مفصل مجموعہ فتاویٰ شاہ عبدالحی صاحب کی جلد دوم ص ۱۹۱ تحریر میں لایا گیا ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔ في در المختار اخذ اهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج ان يسترده لانه رشوة انتهى(۱) المستفتی نمبر ۲۵۰۵ محمد حبیب الرحمٰن (کمل پور) ۲۱ ربیع الثانی سن ۱۳۵۸ھ ۱۱ جون سن ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۱۳) نکاح سے پہلے دولہا سے یا اس کے اولیا سے جو چیزیں لی جاتی ہیں وہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔ اول تو وہ جو دلہن کے واسطے لی جاتی ہیں۔ مثلاً جوڑا کپڑا زیور، مہندی چوڑیاں وغیرہ تو یہ چیزیں لینی جائز ہیں مگر ان میں اعتدال اور وسعت کا لحاظ رکھنا اور ان کی کسی خاص مقدار کو مخصوص اور لازم نہ کر دینا لازم ہے۔(۲)

دوسری قسم وہ جو دلہن کا ولی کوئی رقم یا زمین یا اور کوئی شے دولہا سے محض اس بنا پر لیتا ہے کہ دلہن کا نکاح اس کے ساتھ کرے گا یہ چیزیں مہر میں شامل نہیں ہوتیں اور نہ دلہن کے استعمال کی ہوتی ہیں۔ نہ دلہن ان اشیاء کی مستحق سمجھی جاتی ہیں۔ اس قسم کی چیزیں رشوت میں داخل ہیں اور دولہا کو ان کی واپسی کا حق ہے۔(۳) در مختار کی عبارت میں اسی قسم کی چیزیں مراد ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ عورت جماع کے قابل نہیں، یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

(سوال) جناب والا سے ایک فتویٰ لیا گیا تھا۔ فتویٰ یہ تھا۔ زید نے ہندہ سے نکاح کیا۔ ہندہ بوقت نکاح ۱۶ سال ہے۔ بعد نکاح معلوم ہوا کہ ہندہ مرد کے بالکل قابل نہیں۔ پیشاب کا راستہ ہے۔ دخول کا راستہ نہیں۔ دایہ وغیرہ کو دکھایا۔ انہوں نے لاعلاج بتلایا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کا نکاح صحیح ہے یا نہیں۔ یعنی زید اگر علیحدہ کرنا چاہے تو طلاق کی ضرورت ہوگی یا نہیں اور مہر لازم ہوگا یا نہیں۔ زید نے ہندہ کے نام مہر میں کچھ جائداد لکھی ہے۔

جناب والا نے جواب میں فرمایا کہ نکاح تو ہو گیا اور نصف مہر لازم ہے۔ اب غرض یہ ہے کہ اعتراض مقصود نہیں بلکہ تحقیق مقصود ہے کہ مقصد نکاح حاصل نہیں یعنی جماع نہیں ہو سکتا نہ آئندہ امید پھر نکاح کیسا اور جب نکاح نہیں تو پھر مہر کیوں؟ المستفتی نمبر ۲۶۹۳ عبدالحمید صاحب (مراد آباد) ۳ محرم سن ۱۳۶۱ھ

(جواب ۲۱۴) صحت نکاح کے لئے صرف منکوحہ کا عورت ہونا کافی ہے۔ گو اصل مقصد وطی اور اولاد حاصل نہ ہو

---

(۱) رد المحتار، کتاب النکاح، باب المهر، ۳/ ۱۵۶، سعید

(۲) ما هو معروف بين الناس في زماننا ان البكر لها اشياء زائدة على المهر منها ما يدفع قبل الدخول كدراهم للنقش والحمام وثوب يسمى لفافة الكتاب واثواب آخر يرسلها الزوج ليدفعها اهل المراة القابلة وبلانة الحمام ونحوها . ومنها مايدفع بعد الدخول كالازار والخف والكعب و اثواب الحمام. (رد المحتار، کتاب النکاح، باب المهر، ۳/ ۱۳۰، سعید)

(۳) اخذ اهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج ان يسترده ۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر، ۳/ ۱۵۶، سعید)

(۴) هو عقد يفيد ملك المتعة اى حل استمتاع الرجل من امراة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي، فخرج الذكر والخنثى المشكل۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، ۳/ ۴، سعید)

مگر نکاح یعنی عقد صحیح ہو چکا ہے۔(۱)لہذا نصف مہر لازم ہوگا۔(۲)اور اگر آپریشن یا کسی علاج سے وہ قابل وطی ہو جائے تو پورا مہر لازم ہوگا۔ اگر عورت عقیمہ ہو اور عمر بھر اولاد نہ ہو جب بھی مہر کی مستحق ہوتی ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

عقد نکاح میں بارات باجہ کے ساتھ چڑھانا جائز نہیں

(سوال)(۱)عقد نکاح میں برات باجہ وغیرہ کے ساتھ چڑھانا اور سہرا وغیرہ زیب کرنا اور مقنع ڈالنا اور ناچ رنگ کرانا جائز ہے یا نہیں؟

شوہر مہر کی جس رقم کو ادا نہیں کر سکتا اسے مقرر کرنا کیسا ہے؟

(۲)بوقت نکاح نوشاہ کی ہستی سے زیادہ کہ جس رقم کو کسی حال میں بھی وہ ادا نہیں کر سکتا اس سے زبردستی تسلیم کرانا اور جب دن گزر جائے تو دولہا سے اور دولہا گزر جائے تو اس کے وارثوں سے اس کثیر رقم کو جو وہ ادا نہیں کر سکتے جھوٹے الزام لگا کر اور فوجداری مقدمہ چلا کر اور ہر ایک ناجائز طریقہ سے جبراً وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

والدین بے شرائط کی وجہ سے لڑکیوں کی شادی نہ کریں تو وبال کس پر ہوگا

(۳)شادی کے وقت یہ بھی رسم ہے کہ لڑکی والے جب تک چڑھاوا زیور طلائی و نقرئی وغیرہ اور جوڑا وغیرہ لڑکے والوں سے نہ چڑھوالیں جس میں رقم کثیر خرچ ہوتی ہے جو غریب نہیں خرچ کر سکتا اور غریب ہر قوم میں زیادہ ہوتے ہیں اس وجہ سے لڑکیاں عمر میں حد سے گزر جاتی ہیں اور ان کی شادی ان کے ماں باپ نہیں کرتے۔ اس کا عذاب کس کے ذمہ ہے؟

شادی قرار پانے کے وقت لڑکی والوں کا پیسہ وصول کرنا ناجائز ہے

(۴)اکثر دیہات میں اور خاص کر ہماری برادری میں یہ چلن ہے کہ اگر ان کی لڑکی کی شادی کہیں قرار پاتی ہے تو لڑکی پر سو روپیہ یا دو سو یا ہزار جتنے جس کا دل چاہے لے لیتا ہے۔ جب وہ دان کرتا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(جواب ۲۱۵)(۱)نکاح یا اور کسی تقریب کے موقع پر باجہ وغیرہ بجوانا، سہرا باندھنا، ناچ رنگ کرانا ناجائز ہے۔(۴) سنت کے خلاف جو کام کیا جاتا ہے اس میں خدا کی مدد شامل نہیں ہوتی اور برکت زائل ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ ہر موقع پر شادی ہو یا غمی جناب پیغمبر ﷺ کی سنت پر عمل کریں اور اسی کو اپنے لئے وسیلہ نجات سمجھیں۔

(۲)مہر دولہا کی حیثیت کے موافق باندھنا چاہئے(۵) محض نام و نمود کے لئے بڑے بڑے مہر باندھنا تفاخر کی

---

(۱)و یجب نصفه بطلاق وطيء او خلوة ۔(الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر ۳/ ۱۰۴، سعید) وفي الهندية: ومن الموانع لصحة الخلوة ان تكون المرأة رتقاء او قرناء او عفلاء او شعراء ۔(الهندية، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل الثاني ۱/ ۳۰۵، ماجدية)

(۲) والمهر يتأكد باحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة و موت احد الزوجين۔(الهندية، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل الثاني ۱/ ۳۰۳، ماجدية)

(۳) وفي السراج: ودلت المسئلة ان الملاهي كلها حرام و يدخل عليهم بلا اذنهم لانكار المنكر، قال ابن مسعود رضي الله عنه صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات، قلت: وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام، لقوله عليه الصلوة والسلام: استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر ۔(الدر المختار، کتاب الحظر والاباحة ۶/ ۳۴۹، سعید)

(۴) عن عائشة رضي الله عنها قالت قال النبي صلى الله عليه وسلم: ان اعظم النكاح بركة ايسره مؤونة ۔ (شعب الايمان للبيهقي، کتاب النکاح، باب الاقتصاد في النفقة ۵/ ۲۵۴، رقم ۶۵۶۶، دار احياء تراث العربي بيروت)

بات ہے۔(۱)

(۳) چڑھاوا بھی حیثیت کے موافق لینا چاہئے اور بڑے بڑے چڑھاوے نہ ملنے کی وجہ سے لڑکیوں کو زیادہ عمر تک بٹھائے رکھنا گناہ کی بات ہے۔(۲)

(۴) مہر اور چڑھاوے کے علاوہ دلہن والے جو سو دو سو روپے دولہا سے لے لیتے ہیں جب لڑکی دیتے ہیں۔ یہ رشوت ہے اور حرام ہے۔ لینا اور کھانا اس کا قطعاً ناجائز ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی احقر مظہر الدین غفر لہ،

لڑکے والوں سے پیسہ لے کر برادری کو کھانا کھلانا

(سوال) بکر نے اپنی دختر مسماۃ مریم کا نکاح زید کو دیا اور زید سے اپنی لڑکی پر مبلغ پانسو روپے لے کر برادری کو کھانا کھلایا۔ یہ روپیہ لینا اور کھانا کھلانا اور برادری کو یہ کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ قاضی صاحبان بھی یہ کھانا کھاتے ہیں۔

المستفتی میاں جی نور محمد۔ موضع نئی ضلع گوڑگانوہ

(جواب ۲۱۶)(۴) لڑکے والوں سے روپیہ لے کر برادری کو کھانا کھلانا ناجائز ہے وہ روپیہ لڑکے والا واپس لینے کا حق رکھتا ہے(۵) قاضی ہو یا کوئی اور جس کو معلوم ہو کہ لڑکے والے سے روپیہ لے کر کھانا دیا ہے ان سب کو کھانا ناجائز ہے۔(۶)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

لڑکیاں مہر کا عوض نہیں ہو سکتیں

(سوال) زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو بیوی نے برضا و رغبت اپنے مہر میں اپنے خاوند سے دونوں لڑکیاں طلب کر لیں جو اسی خاوند سے تھیں۔ زید نے خوشی دونوں لڑکیاں مہر کی ادائیگی کے طور پر اپنی مطلقہ بیوی کے حوالے کر دیں۔ واضح ہو کہ زید سے اگر مہر بصورت نقد طلب کیا جاتا تو وہ بھی ادا ہو سکتا تھا۔

(جواب ۲۱۷) لڑکیاں مہر کے بدلے فروخت نہیں ہو سکتیں۔(۷) زوجہ اپنا مہر لے سکتی ہے یا معاف کر سکتی ہے۔(۸) لڑکیوں کا حق پرورش ماں کے لئے ہے۔(۹) لیکن نکاح کی ولایت بہر صورت باپ کے لئے قائم رہے گی۔(۱۰)

فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

---

(۱) عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یرائی یرائی اللہ بہ ومن یستمع یسمع بہ۔ (جامع الترمذی، باب ماجاء فی ... ۲ : ۶۳، سعید)

(۲) عن ابی سعید و ابن عباس قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ فاذا بلغ فلیزوجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثما فانما اثمہ علی ابیہ شعب الایمان للبیہقی

(۳) اخذ اھل المرءۃ شیئا عند التسلیم فللزوج ان یستردہ، لانہ رشوۃ۔ (الدر المختار، کتاب النکاح باب المہر ۳ : ۱۵۶، سعید)

(۴) یہاں عبارت درست نہیں دراصل "لڑکے والوں" ہے اس لئے کہ سوال میں لڑکے والوں کے متعلق پوچھا گیا ہے۔

(۵) اخذ اھل المرأۃ شیئا عند التسلیم فللزوج ان یستردہ، لانہ رشوۃ۔ (الدر المختار، کتاب النکاح باب المہر ۳ : ۱۵۶، سعید)

(۶) یایھا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔ (النساء : ۲۹) وفی الھندیۃ: آکل الربوا وکاسب الحرام اھدی الیہ او اضافہ وغالب مالہ حرام لا یقبل ولا یاکل مالم یخبر ان ذلک المال اصلہ حلال۔ (الھندیۃ، کتاب الکراھیۃ، الباب الثانی عشر ۵ : ۳۴۳، ماجدیۃ)

(۷) عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال اللہ تعالی ثلثۃ انا خصمھم یوم القیمۃ رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرا فاکل ثمنہ ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یعط اجرہ۔ (صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب اثم من باع حرا ۱ : ۲۹۶، قدیمی)

(۸) والمھر یتاکد باحد معان ثلثۃ الدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت احد الزوجین حتی لا یسقط منہ شیئ بعد ذلک الا بالابراء من صاحب الحق۔ (الھندیۃ، کتاب النکاح، الباب السابع ۱ : ۳۰۳، ماجدیۃ)

(۹) احق الناس بحضانۃ الصغیر حال قیام النکاح او بعد الفرقۃ الام (الھندیۃ، کتاب الطلاق، الباب ... فی الحضانۃ ۱ : ۵۴۱، ماجدیۃ)

(۱۰) وولی المرأۃ فی تزویجھا ابوھا وھو اولی الاولیاء ثم الجد۔ (خلاصۃ الفتاوی، کتاب النکاح، الفصل الثانی ۲ : ۱۶، بیروت)

تجدید نکاح کے لئے مہر کی تعیین ضروری ہے

(سوال) جس عورت کا بوجہ اقوال کفر نکاح ساقط ہوا ہو تو اب اسے شوہر سے تجدید نکاح کے لئے تعیین مہر کی ضرورت ہے یا نہیں ؟ اور جب کہ عورت کے قصور سے نکاح ساقط ہوا ہے تو مہر مقررہ بصورت علیحدگی واجب الادا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۲۵۱ شجاعت حسین (ضلع آگرہ) ۱۵ربیع الاول سن ۱۳۵۷ھ م ۱۶ مئی سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۱۸) ہاں تجدید نکاح کی صورت میں مہر بھی جدید مقرر کرنا ہوگا۔(۱) خواہ تھوڑا ہی ہو مثلاً تین چار روپے۔ اور پہلا مہر بھی واجب الادا ہوگا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

باپ لڑکی کے جہیز کے لئے کوئی چیز خریدے اور قبضہ سے پہلے لڑکی مر جائے تو یہ کس کی ملکیت شمار ہوگی ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ دسمبر سن ۱۹۲۵ء)

(سوال) ہندہ کے باپ نے ہندہ کے جہیز کے لئے کچھ شے بازار سے خرید کیا اور ہندہ کے قبضہ میں نہیں دیا۔ اور قبل رخصتی کے ہندہ انتقال کر گئی اور جہیز کی شے ہندہ کے باپ کے پاس رہ گئی۔ اس طرح خرید نے سے وہ چیز ہندہ کی ملک میں آئی یا نہیں ؟

(جواب ۲۱۹) اگر ہندہ نابالغہ تھی تو باپ نے ہندہ کے جہیز کے لئے جو چیزیں خریدیں وہ ہندہ کی ملک میں داخل ہو گئیں اور ہندہ کی وفات کے بعد ہندہ کے ترکہ میں شامل ہوں گی۔(۳) لیکن اگر ہندہ بالغہ تھی تو جو چیزیں کہ ہندہ کے قبضہ میں نہیں آئیں وہ ہندہ کی ملک نہیں ہوئیں اور باپ کے مال میں شامل رہیں گی۔(۴)

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

بیوی کے انتقال کے بعد مہر کا حق دار کون ہے ؟

(اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۲۲ مئی سن ۱۹۲۷ء)

(سوال)(۱) سائل کی بیوی کی موت اچانک ہو جانے سے مرحومہ اپنے شوہر کو مہر نہ بخش سکی۔ اس کے انتقال کو دو برس ہو گئے۔ مرحومہ کی چار لڑکیاں موجود ہیں بڑی لڑکی کی شادی کر دی گئی ہے۔ وہ رقم مہر کس کا حق ہے ؟

بیوی طلاق کے ڈر سے مہر نہیں لیتی تو کیا شوہر اس پر لینے کے لئے جبر کر سکتا ہے ؟

(۲) شوہر اپنی بیوی کو مہر زندگی میں دینا چاہے مگر بیوی لینے سے انکار کرے۔ جس پر شوہر سختی کرے تاکہ کسی صورت سے بیوی مہر لینے پر راضی ہو جائے چاہے بعد میں لانا پھر واپس کردے یا نہیں تو مہر معاف کر دے۔ لہذا ایسا بیوی کو خوف طلاق مہر نہ لینے سے شوہر کو اس پر جبر کرنا زیبا ہے ؟

---

(۱) والطلاق بعد الدخول یعقب الرجعة ویوجب کمال المهر فیجب علیه المسمی فی النکاح الثانی فیجتمع علیه مهران (الهندیة علی ھامش... کتاب النکاح، ۱: ۳۹۳، ماجدیة) (۲) واذا تاکد المهر بما ذکر لا یسقط بعد ذلك وان کانت الفرقة من قبلها ، لان البدل بعد تاکدہ لا یحتمل السقوط الا بالابراء (رد المحتار، کتاب النکاح، باب المهر ۳: ۱۰۲، سعید) (۳) سئل فی رجل اشتری فی حال صحته لبنته الصغیرة اوانی لیجهزها بها ثم مات عن ورثته فهل یکون ذلك للبنت خاصة ، الجواب نعم ... فاذا کان الاب اشتری لها فی صغرها او بعد ما کبرت و مسلمه الیها ذلك فی صحته فلا سبیل لورثته علیه ویکون للابنة خاصة۔ (تنقیح الفتاوی الحامدیة، مسائل الجهاز ۱: ۲۹، قندھار افغانستان) (۴) اذا جهز الاب ابنته ثم مات وبقیة الورثة یطلبون القسم منها فاذا کان الاب اشتری لها فی صغرها او بعد ما کبرت و سلمه الیها ذلك فی صحته فلا سبیل لورثته علیه ویکون للابنة خاصة (ایضاً)

(جواب ۲۲۰)(۱)مرحومہ کے وارث اگر صرف شوہر اور چار لڑکیاں ہیں اور کوئی وارث نہیں ہے تو اس کے مہر اور ترکہ میں سے ایک چوتھائی شوہر کا حق ہے۔(۱) اور باقی چاروں لڑکیوں کو حصہ مساوی ملے گا۔ پس مہر میں سے فی روپیہ بارہ آنے فی لڑکی تین آنے کے حساب سے دیدیا جائے۔ اور اگر مرحومہ کے والدین یا اور وارث بھی ہوں تو دوبارہ دریافت کیجئے۔ (۲) شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کا مہر ادا کردے یا اس سے بخوشی معاف کرالے تاکہ حق سے سبکدوش ہو۔(۲)

عورت کے مرنے کے بعد جہیز اور چڑھاوا اس کے ورثاء کو دیا جائے گا

(سوال) ایک شخص کی لڑکی کی شادی ہوئی۔ بوقت نکاح مبلغ ایک ہزار روپے مہر مؤجل مقرر ہوا تھا۔ نوشہ کے والد نے مبلغ تین سو روپے کا زیور دلہن کے لئے جس کو یہاں چڑھاوا کہتے ہیں لا کر دیا۔ اور دلہن کے والد نے زیورات اور برتن وغیرہ جس کی قیمت مبلغ پانسو روپے تھی جہیز میں دیا تھا۔ یہ مذکورہ بالا زیورات اور برتن وغیرہ لڑکی حسب دستور اپنے خسر کے یہاں لے کر چلی گئی تھی۔ اس کا خاوند اپنے باپ کے ساتھ شامل میں رہتا ہے۔ لڑکی کے ہاں دو سال کے عرصے میں ایک بچی پیدا ہوئی۔ بچی کی عمر نو ماہ کی تھی ماں کا انتقال ہو گیا اور ایک ہفتہ کے بعد بچی بھی گذر گئی۔ لڑکی مرحومہ کا والد اور بھائی زندہ ہیں۔ ماں انتقال کر چکی ہے۔ خاوند اور خسر بھی زندہ ہیں۔ مگر خاوند کی کوئی ملکیت نہیں ہے۔ اب مرحومہ لڑکی کے والد کا مطالبہ ہے کہ مہر زیورات اور برتن وغیرہ جو کچھ بھی لڑکی کو دیا گیا تھا وہ واپس ملے۔ اس وقت یہ سب چیزیں لڑکی کے خسر کے قبضہ میں ہیں۔

(جواب ۲۲۱) لڑکی کو جو زیور کہ نوشہ یا خسر کی طرف سے شادی کے وقت بطور چڑھاوے کے دیا جاتا ہے اور جو زیور اسباب برتن وغیرہ لڑکی کے باپ کی جانب سے جہیز میں ملتا ہے یہ سب لڑکی کی ملک ہو جاتا ہے اور وہی اس کی مالک ہوتی ہے۔(۳) اسی طرح مہر بھی اس کی ملک ہے پس اس صورت میں لڑکی کے تمام ترکہ میں سے (جو مہر، چڑھاوا، جہیز وغیرہ پر مشتمل ہے) اس کے والد کو ایک چوتھائی ملے گا۔ اور باقی تین چوتھائی اس کے خاوند کو ملے گا (½ خود اس کا حق اور ¼ لڑکی پیدا شدہ کا حق جو اس کے مرنے پر اس کے باپ کو مل گیا) اور متوفیہ کے بھائی کا کوئی حق نہیں ہے۔

اگر بیوی مہر کی رقم پر قبضہ نہیں کرتی تو اس کی زکوۃ کس پر ہوگی؟

(سوال) زید کی زوجہ کا پانسو روپیہ دین مہر ہے۔ وہ ادا کرنا چاہتا ہے مگر زوجہ اس کو ایک رسمی چیز سمجھ کر اس کو اپنے قبضہ میں نہیں کرتی ہے نہ اپنے کو اس کا مالک سمجھتی ہے۔ اور زید کے پاس پانسو روپیہ نقد موجود ہے۔ اب اس روپے کی زکوۃ کس پر ادا کیا جائے۔ زید تو اس وجہ سے اس کی زکوۃ نہیں دیتا ہے کہ میں بیوی کے دین مہر کا مقروض ہوں۔ اور بیوی اس وجہ سے نہیں دیتی کہ اپنے کو مالک نہیں سمجھتی ہے۔

(جواب ۲۲۲) جب کہ زید کا ارادہ مہر ادا کرنے کا ہے تو زید کے ذمہ اس روپے کی زکوۃ نہیں ہے، زوجہ کو چاہئے کہ

---

(۱) فان کان لهن ولد فلکم الربع مما ترکن۔ (النساء: ۱۲)

(۲) والمهر يتأكد بأحد معان ثلثة: الدخول والخلوة الصحيحة و موت احد الزوجين ... حتى لا يسقط منه شيئ بعد ذلك الا بالابراء من صاحب الحق۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، ۱/ ۳۰۳ ماجدية)

(۳) الوجيز ابنه وسلمه اليها ليس له في الاستحسان الاسترداد، عليه الفتوى ... واذا بعث الزوج الى اهل زوجته اشياء عند زفافها منها ديباج، فلما زفت اليه اراد ان يسترد من المرأة الديباج ليس له ذلك اذا بعث اليها على جهة التمليك۔ (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع عشر في النفقات ... ۱/ ۳۲۰ ماجدية)

روپیہ وصول کر کے خود زکوٰۃ ادا کرے (۱) یا خاوند کو اجازت دے کہ وہ اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کردے۔

بیوی کو قسم دلا کر مہر معاف کروانے سے کیا واقعی معاف ہو جاتا ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ مئی سن ۱۹۲۸ء)

(سوال) زید اپنی بیوی سے خلوت میں کہتا ہے کہ اگر تم میری ایک بات مان لو تو کہوں۔ وہ کہتی ہے کہ اگر ماننے کے قابل ہوگی تو مان لوں گی۔ وہ یقین دلاتا ہے کہ ماننے کے قابل ہے۔ بیوی دریافت کرتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ خدا کی قسم کھاؤ کہ مان لوں گی۔ بیوی طوعاً و کرہاً شوہر کی ناخوشی کے خیال سے قسم کھالیتی ہے بالآخر زید مہر معاف کرنے کے لئے کہتا ہے۔ چونکہ عورت قسم کھا چکی ہے۔ پس معاف کردیتی ہے۔ کیا مہر معاف ہو گیا۔

(جواب ۲۲۳) ایسی قسم کھا لینے کے بعد بھی منکوحہ مہر معاف نہ کرنے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دینے کی گنجائش تھی۔ لیکن اگر اس نے اس گنجائش سے فائدہ نہیں اٹھایا اور مہر معاف کردیا تو مہر معاف ہو گیا۔ (۲) خاوند اگر عورت سے بطیب خاطر مہر معاف کرانا چاہے تو بغیر کسی قسم کے دباؤ اور اینچ پیچ کے اس سے صاف صاف درخواست کرے کہ اگر تم خوشی سے اپنا مہر معاف کردو تو میں شکر گذار ہوں گا۔ اگر وہ اس کے جواب میں معاف کردے تو خیر ورنہ اس پر اظہار ناراضی یا تشدد نہیں کرنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ،

خلوت سے پہلے طلاق کی صورت میں آدھا مہر واجب الاداء ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ جون سن ۱۹۲۸ء)

(سوال) زید نے مسماۃ ہندہ سے ہزار روپیہ مہر اور دیگر چند شرائط پر جو جنس مال سے تھیں نکاح کیا۔ نکاح پڑھے عرصہ زائد از نوماہ گزر چکا ہے۔ ابھی تک زید نے اس سے خلوت نہیں کی۔ ہندہ کے والد نے ہندہ کو زید کے ساتھ بھیجنا پسند نہیں کیا۔ دوسرے جو زیور زید نے ہندہ کے لئے اس کے والدین کو دیا تھا۔ وہ کسی ساہوکار کے پاس رہن رکھ دیا گیا ہے۔ لڑکی بالغ ہے گو برتھ سرٹیفکٹ میں عمر کم لکھی ہوئی ہے۔ اب اگر زید دوسری شادی کرلے اور ہندہ کو چھوڑ دے تو مہر کس قدر واجب الادا ہوگا؟

(جواب ۲۲۴) جب کہ ہندہ کے اقارب ہندہ کو نہیں بھیجتے اور زیادتی ان کی ہے تو آپ مہر کی معافی کی شرط پر طلاق دے سکتے ہیں۔ دوسری شرائط کا بھی یہی حال ہے۔ لیکن اگر آپ بغیر کسی مفاہمت کے طلاق دیدیں گے تو نصف مہر واجب الادا ہوگا۔ (۳)　　　محمد کفایت اللہ غفر لہ،

شوہر مہر معجّل ادا کئے بغیر بیوی کو گھر لے جانے پر مجبور نہیں کر سکتا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ ستمبر سن ۱۹۳۱ء)

(سوال) شوہر اور بیوی میں نااتفاقی رہتی ہے۔ شوہر کے تشدد سے مجبور ہو کر تنگ آکر وہ اپنے میکے چلی گئی۔ وہ مطالبہ

---

(۱) وتجب زکاتها اذاتم نصابا وحال الحول ، لکن لا فوراً بل ...... عند قبض مائتین مع حو لان الحول بعده ای بعد القبض من دین ضعیف وهو بدل غیر مال کمهر ، (الدر المختار ، کتاب الزکاۃ باب زکاۃ المال ، ۲ / ۳۰۶ ، سعید)

(۲) والمهر یتا کدباحد معان ثلاثة : الدخول والخلوة الصحیحة وموت احد الزوجین ...... حتی لا یسقط منه شئی بعد ذلك الا بالا براء من صاحب الحق (الهندیة، کتاب النکاح الباب السابع ، الفصل الثانی ، ۱ / ۳۰۳ ، ماجدیة)

(۳) ویجب نصف مهر بطلاق قبل وطء او خلوة الدر المختار ، کتاب النکاح ، باب المهر ، ۳ / ۱۰۴

کرتی ہے کہ تم میرا مہر معجّل ادا کردو۔ کیا شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مہر معجّل ادا کئے بغیر بیوی کو اپنے گھر لے جانے پر مجبور کرے ؟

(جواب ۲۲۵) اگر مہر معجّل مقرر ہوا تھا تو بیوی کو اس کے مطالبہ کا حق ہے اور جب تک شوہر مہر ادا نہ کرے وہ اس کے گھر جانے سے انکار کر سکتی ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

عورت مہر مؤجل کا مطالبہ کب کر سکتی ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۵ ستمبر سن ۱۹۳۴ء)

(سوال) ایک عورت کا مہر مؤجل ہے اس کو اس مہر مؤجل کے مطالبہ کا کن کن حالتوں میں حق ہے ؟

(جواب ۲۲۶) مہر مؤجل میں اگر اجل معین کردی گئی ہے۔ مثلاً دس برس، بیس برس، یا یہی کہہ دیا گیا ہو کہ موت یا طلاق کے بعد حق مطالبہ ہو گا تو اس صورت میں تو تصریح کے موافق عمل ہو گا۔(۲) اور اگر یہ تصریح نہیں کی گئی تو صرف مہر مؤجل کہہ دیا گیا یا لکھ دیا گیا تو مؤجل بھی معجّل کے حکم میں ہے۔ اور عورت کو ہر وقت مطالبہ کا حق ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

کیا کپڑے اور زیور مہر میں شمار ہوں گے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ جنوری سن ۱۹۳۶ء)

(سوال) اگر ہم اپنی بی بی کو ایک سال میں دو جوڑے کپڑے سے زیادہ پہنائیں اور دل میں نیت کرلیں کہ بی بی کے مہر میں دیتے ہیں اور بی بی کو اس کی خبر بھی نہ ہو اور زیور بھی جو اس کو پہنائیں مہر تصور کرلیں تو درست ہو گیا یا نہیں ؟

(جواب ۲۲۷) کپڑا تو بیوی کو مہر کے علاوہ خاوند کی طرف سے ملنا چاہئے۔ اس لئے یہ کپڑا مہر میں محسوب نہیں ہو گا۔(۴) ہاں دیتے وقت تصریح کردی جائے اور بیوی منظور کرلے تو مہر میں محسوب ہو سکے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

مہر جو مرض کی حالت میں واجب ہوا ہو اس پر حالت صحت قرضے کو مقدم نہیں کر سکتے

(سوال) زید فالج کے مرض میں گرفتار تھا۔ اسی حالت میں اس نے ہندہ سے نکاح کرلیا۔ نکاح کے بعد کچھ کشتہ وغیرہ کھالیا اور زید کے مرض میں زیادتی ہو گئی۔ اس کے بعد زید کا انتقال ہو گیا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ فالج کی وجہ سے زید مر گیا ہے یا کشتہ کھانے کی وجہ سے یا دونوں مرضوں سے اتنا ضرور ہے کہ مرنے کے وقت تک فالج کا اثر باقی تھا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ کا مہر جو قرضہ ہے وہ تندرستی اور صحت کے قرضے کے ساتھ ساتھ ادا کیا جائے یا صحت کا قرضہ ہندہ کے مہر پر مقدم ہے ؟ اور اگر صحت کا قرضہ ادا کیا جائے اور ترکہ میں سے کچھ باقی نہ بچے تو ہندہ کا مہر کس طرح ادا ہو گا۔

---

(۱) ولہا منعہ من الوطی ... او السفر بہا ولو بعد وطئی لاخذ مابین تعجیلہ۔ (الدر المختار، کتاب النکاح باب المہر ۳/ ۱۴۳، سعید)
(۲) لا خلاف لاحد ان تاجیل المہر الی غایۃ معلومۃ نحو شہر او سنۃ صحیح۔ (الہندیۃ، کتاب النکاح، الباب السابع ۱/ ۳۱۸، ماجدیۃ)
(۳) اذا جہل الاجل جہالۃ فاحشۃ فیجب حالاً۔ (الدر المختار، کتاب النکاح باب المہر ۳/ ۱۴۴، سعید)
(۴) النفقۃ ہی لغۃ ما ینفقہ الانسان علی عیالہ و شرعا ہی الطعام والکسوۃ والسکنی للزوجۃ بنکاح صحیح علی زوجہا، لانہا جزاء الاحتباس۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق باب النفقہ ۳/ ۵۷۲، سعید)

(جواب ۲۲۸) مرض کا وہ دین مؤخر ہوتا ہے جس کا سبب معلوم نہ ہو اور صرف اقرار مریض اس کے ثبوت کی دلیل ہو۔ نکاح اور اس میں مہر کا تقرر معلوم و معین ہے۔ اس دین مہر کا ثبوت صرف اقرار مریض سے نہیں ہے۔ لہذا یہ دین اور دین صحت ایک درجے کے ہیں۔ ان میں تقدم و تاخر نہیں ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نام و نمود کے لئے برداشت سے زیادہ مہر مقرر کرنا

(سوال) ایک جگہ یہ دستور ہے کہ بوقت نکاح مہر ایک لاکھ یا سوا لاکھ کا باندھا جاتا ہے۔ باوجود یہ کہ دولہا کی حیثیت ہزار روپے کی بھی نہیں ہے۔ لیکن رواجاً یہ مہر باندھا جاتا ہے اور خیال یہ ہوتا ہے کہ میاں کون مانگتا ہے اور اگر مانگے بھی تو لے گا کہاں سے؟ جب ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے تو کس سے لے گا؟ ایسی صورت میں نکاح اس رواجی مہر پر جائز ہو گا یا نہیں؟ اور اولاد اس کی حلال کی ہو گی یا نہیں؟

المستفتی منشی محمد احسان اللہ۔ دفتر ایس۔ ایم۔ یوسف۔ صدر بازار دہلی

(جواب ۲۲۹) اس خیال سے مہر باندھنا کہ "کون مانگتا ہے اور مانگے بھی تو لے گا کہاں سے؟" سخت گناہ ہے۔ مہر خاوند کی حیثیت کے موافق باندھنا چاہئے۔(۲) اور ادا کرنے کی نیت رکھنی چاہئے لیکن اگر حیثیت سے زیادہ مہر باندھا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے۔ اور اسی قدر مہر خاوند کے ذمہ واجب الادا ہو جاتا ہے۔ جس کا مواخذہ اسکے سر رہتا ہے۔(۳) اور اولاد اس کی ثابت النسب ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ کتبہ، محمد کفایت اللہ غفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

صح الجواب بالکتاب۔ ویصح النکاح وان لم یسم فیہ مہر الخ ہذا فی الہدایہ۔(۴) حررہ محمد یوسف عفی عنہ

عورت مہر معاف کردے تو ولی کو اعتراض کا حق نہیں

(سوال) ایک عورت بعمر تقریباً پندرہ سولہ سال جو کہ عرصہ چار سال سے حاملہ ہے اپنے شوہر سے طلاق لینا چاہتی ہے اور مہر عند اللہ معاف کر چکی ہے۔ مگر باپ عورت کا مہر ادا کرنے کی صورت میں، بحیثیت ولی ہونے کے، طلاق نامہ پر تصدیق کرنے کے لئے آمادہ ہے ورنہ نہیں۔ یا دستخط کرنے کے لئے ایک معقول رقم کا طالب ہوتا ہے۔

المستفتی منشی محمد احسان اللہ (باڑہ ہندو راؤ دہلی)

(جواب ۲۳۰) عورت بالغہ کو اپنے مہر کے معاف کر دینے کا حق ہے اور جب کہ وہ مہر معاف کر دے تو پھر کسی ولی کو حق نہیں کہ وہ مزاحمت کرے۔(۵) اور اسے لازم ہے کہ حق بات کو ظاہر کر دے اور طلاق نامہ کی تصدیق کر دے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

الجواب صحیح۔ محمد مظہر اللہ غفرلہ، امام مسجد فتحپوری دہلی

---

(۱) ودين الصحة مطلقا وما لزمه في مرضه بسبب معروف ببينة او بمعاينة قاض قدم على ما اقر به في مرض موته ولو المقربه الوديعة . والسبب ليس بتبرع كنكاح مشاهد (الدر المختار، کتاب الاقرار باب اقرار المریض، ۵ / ۶۱۱، سعید)

(۲) عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان اعظم النكاح بركة ايسره مؤنة. (شعب الایمان للبیہقی، کتاب النکاح، باب الاقتصاد فی النفقہ، ۵ / ۲۵۴، رقم (۶۵۶۶) دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۳) والمهر يتاكد باحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة و موت احد الزوجين حتى لا يسقط منه بعد ذلك شيئ الا بالا براء من صاحب الحق. (الہندیہ، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل الثانی، ۱ / ۳۰۳، ماجدیہ)

(۴) الهداية، كتاب النكاح، باب المهر، ۲ / ۲۹۳، سعید)

(۵) للمرءة ان تهب مالها لزوجها من صداق دخل بها زوجها او لم يدخل وليس لاحد من او ليائها اب ولا غيره الا عتراض - (الہندیہ، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل العاشر، ۱ / ۳۱۶، ماجدیہ)

عورت مہر معاف کرنے کے بعد دوبارہ مطالبہ نہیں کر سکتی

(سوال) عورت اپنا مہر معاف کرنے کے بعد اپنے شوہر سے خلع کی درخواست کرے اور پھر مہر کی طالب ہو مگر شوہر مہر نہیں دینا چاہتا۔ تو کیا عورت کی طرف سے مہر کا مطالبہ درست ہوگا؟

المستفتی منشی محمد احسان اللہ باڑہ ہندو راؤ دہلی

(جواب ۲۳۱) اگر عورت مہر معاف کر چکی ہے تو اب اس کو عند اللہ مہر کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں۔(۱) اگر باوجود مہر معاف کرنے کے مطالبہ کرے گی تو اس کا مطالبہ غیر معقول اور غیر مقبول ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

الجواب صحیح۔ محمد مظہر اللہ غفرلہ، امام مسجد فتح پوری دہلی

مہر کے جھوٹے مطالبے کی تلقین کرنے والے امام کی اقتداء

(سوال) ایک پیش امام جو نماز عیدین بھی پڑھاتا ہے اس کا رویہ یہ ہے کہ ایک مسماۃ جو اپنے شوہر سے مہر معاف کرنے کے بعد طلاق لینا چاہتی ہے۔ پیش امام اس کو اپنی بزرگانہ باتوں کے فریب میں لا کر کہتا ہے کہ تم مہر کیوں معاف کرتی ہو؟ سب لوگوں کے سامنے کہہ دو کہ میں نے مہر معاف نہیں کیا، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟

المستفتی منشی محمد احسان اللہ باڑہ ہندو راؤ دہلی

(جواب ۲۳۲) مہر معاف کر دینے کے بعد مہر کے مطالبے کی تلقین کرنا گناہ کی بات ہے۔ اور امام مذکور کو معافی مہر کا علم ہو اور پھر وہ کہے کہ اپنا مہر طلب کرو تو وہ ظالم اور معین علی الظلم ہے۔(۲) اگر وہ اس گناہ پر اڑا رہے تو فاسق ہوگا اور اس کی امامت بھی مکروہ ہوگی۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

الجواب صحیح محمد مظہر اللہ غفرلہ، امام مسجد فتح پوری دہلی

---

(۱) واذا وھب احد الزوجین لصاحبہ لا یرجع فی الھبۃ۔ (الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ، کتاب الھبۃ، فصل فی رجوع الھبۃ، ۳/ ۲۷۴، ماجدیۃ)

(۲) تعاونوا علی البر و التقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ (المائدۃ: ۲)

(۳) ویکرہ تنزیھا امامۃ عبد واعرابی وفاسق (الدر المختار) وفی الشامیۃ: واما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ بانہ لا یھتم لامر دینہ وان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً۔ (رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب الامامۃ۔ ۱/ ۵۶۰، سعید)

ساتواں باب

وکیل اور گواہ

لڑکی سے اجازت لیتے وقت گواہوں کا ہونا صحت نکاح کے لئے شرط نہیں

(سوال) ملک ہندوستان میں ہمیشہ سے یہ قاعدہ ہے کہ کسی بالغہ جوان لڑکی کا نکاح ہوتا ہے سب براتی لڑکی کے مکان پر آجاتے ہیں تو لڑکی سے اس کے مہر اور نفس کی اجازت لینے تین شخص جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو لڑکی کا باپ یا چچا یا ماموں یا کوئی اور سگا ہوتا ہے وہ تو وکیل کی نیت سے جاتا ہے اور دوسرے جو دو آدمی ہوتے ہیں وہ گواہ کی نیت سے جاتے ہیں۔ مگر وہ دو آدمی بھی ایسے ہوتے ہیں جن سے لڑکی کا پردہ نہیں ہوتا ہے اور وہ لڑکی کی آواز سمجھتے ہیں اب لڑکی سے وہ شخص سوال کرتا ہے جو وکالت کی نیت سے گیا ہے کہ مسماۃ فلاں بنت فلاں بی بی تم نے اپنے مہر اور نفس کا اختیار مجھ کو دیا؟ وہ لڑکی گواہوں کے سامنے کہتی ہے کہ میں تم کو اپنے مہر کا اور نفس کا اختیار دیا۔ تب وہ وکیل اور گواہ لڑکی کے کلام کو سن کر باہر آتے ہیں اور اہل مجلس کو سلام کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ مسماۃ فلاں بنت فلاں نے مہر اور نفس کا اختیار ہمارے سامنے فلاں ابن فلاں کو دیا ہے۔ پھر قاضی صاحب وکیل سے اجازت لے کر خطبہ شروع کرتے ہیں۔ بعد خطبہ کے وکیل سے سوال کرتے ہیں کہ میں فلاں ابن فلاں صاحب آپ نے اپنی وکالت یا ولایت سے فلاں بنت فلاں کا نکاح بعوض مہر مبلغ اس قدر روپیہ اور فلاں گواہوں کی گواہی سے حاضرین مجلس کے حضور فلاں ابن فلاں سے کر دیا۔ تب وکیل اقرار کرتا ہے پھر قاضی صاحب دولہا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ غرض دونوں طرف ایجاب و قبول کرا کے دعا خیر کرتے ہیں۔ اب عرض یہ کرنا ہے کہ وہ دو گواہ جو اجازت لینے کے وقت وکیل یعنی لڑکی کے باپ چچا ماموں وغیرہ کے ساتھ گئے تھے وہ گواہ فرض ہیں یا واجب یا سنت یا مستحب یا شرط نکاح یا محض رواج؟

(جواب ۲۳۳) وہ دونوں گواہ جو لڑکی کی اجازت کو سننے کے لئے وکیل کے ہمراہ جاتے ہیں وہ صرف ثبوت توکیل یا ثبوت اذن کے لئے ہوتے ہیں۔ انعقاد نکاح کی مجلس میں وہ گواہ نہ ہوں اور ایجاب و قبول دوسرے لوگوں کے سامنے کرا دیا جائے جب بھی نکاح صحیح و درست ہو جائے گا۔ اور جب وہ دونوں گواہ مجلس نکاح میں بھی ہوں اور ایجاب و قبول بھی ان کے سامنے ہو تو وہ وکالت اور اذن کے گواہ بھی ہوں گے اور نکاح کے بھی۔ اگر وکیل کی وکالت کا یا اپنی جانب سے اذن دینے کا لڑکی انکار کر دے تو اذن اور وکالت کے ثابت کرنے کے لئے ان گواہوں کی ضرورت ہوگی ورنہ صحت نکاح کے لئے ان گواہوں کی ضرورت نہیں ہے۔(۱) یعنی لڑکی اگر کسی گواہ کی موجودگی کے بغیر بھی اپنے ولی کو اپنے نکاح(۲) کا اذن دے دے یا کسی کو وکیل بنا دے اور وہ ولی یا وکیل باقاعدہ مجلس میں نکاح کر دے تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔(۳) واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۳۰ ستمبر سن ۱۹۳۰ء

(۱) ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین (الهداية ، كتاب النكاح، ۲ / ۲۷۴، شركة علمية)
(۲) اما الشهادة على التوكل بالنكاح فليست بشرط لصحته كما قدمناه في البحر و انما فائدتها الاثبات عند جحود التوكيل (رد المحتار ، كتاب النكاح، ۳ / ۲۱، سعيد)
(۳) وينعقد متلبسا بايجاب من احدهما وقبول من الآخر كزوجت نفسي اوبنتي او موكلتي منك (الدر المختار) وفي الرد: (قوله كزوجت نفسي) اشار الى عدم الفرق بين ان يكون الموجب اصليا او وليا او وكيلا (رد المحتار ، كتاب النكاح، ۳/ ۱۰، سعيد)

صحت نکاح کے لئے دو مسلمان گواہ ہونا شرط ہے

(سوال) جب کہ منکوحہ مسلمان ہو اور عقد نکاح کے گواہ مسلمان نہ ہوں یا ایک ہندو (غیر مسلم) اور دوسرا مسلمان۔ ایسا عقد صحیح ہوگا یا نہیں ؟ و نیز غیر مسلم کی شہادت معاملہ نکاح میں جائز ہوگی یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۱ محمد عبدالعلی صاحب بلارم دکن۔ ۳۰ ربیع الاول سن ۱۳۵۲ھ م ۲۴ جولائی سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۳٤) مسلمہ عورت کے نکاح کے انعقاد و جواز کے لئے مسلمان شاہدوں کی موجودگی اور ایجاب و قبول کو سننا شرط ہے۔ ایک گواہ مسلمان اور ایک غیر مسلم ہو تو نکاح جائز نہ ہوگا۔ فلا ینعقد (النکاح) بحضرة العبید و لابحضرة الکفار فی نکاح المسلمین انتهیٰ مختصرا هکذ فی البحر الرائق۔(۱)(فتاوی عالمگیری)(۲) ولا ینعقد الا بسماع کل من العاقدین کلام صاحبه و حضور مسلمین۔ لانه لا شهادة الکافر علی مسلم انتهیٰ مختصرا (البرهان شرح مواهب الرحمن)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نکاح میں قرآن مجید کو گواہ بنانا صحیح نہیں

(سوال) زید مرد بالغ نے ہندہ سے نکاح بموجب سنت شریعت ادا کیا۔ نکاح میں صرف ایک قاضی موجود تھا۔ زید اور ہندہ نے ایجاب و قبول خود آپس میں کر لیا۔ حسب الحکم شرع شریف دو گواہ شرعی موجود نہ تھے۔ قاضی کو گواہ بنا لیا اور دوسرا گواہ کلام مجید کو قرار دیا؛ بموجب شرع شریف نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۱۳ سید اصغر علی ہیڈ ماسٹر پاٹودی۔ ۲ ذی قعدہ سن ۱۳۵۲ھ م ۷ فروری سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۳۵) ایجاب و قبول زوجین نے خود کر لیا تو زوجین کے علاوہ دو گواہ ضروری تھے (۳) ایک گواہ تو قاضی صاحب ہو گئے لیکن دوسرا گواہ قرآن مجید کو قرار دینا صحیح نہیں۔ (۴) اس لئے یہ نکاح صحیح نہیں ہوا۔ (۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

شیعہ سنی کے نکاح میں گواہ بن سکتا ہے یا نہیں؟

(سوال) شیعہ سنی کے نکاح کی گواہی میں لئے جائیں یا نہیں ؟

المستفتی عزیز احمد مدرس مکتب عبداللہ پور (ضلع میرٹھ)

(جواب ۲۳٦) شیعہ لوگ سنی کے نکاح میں گواہی میں نہ لئے جائیں۔ (۶)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) البحر الرائق ، کتاب النکاح ، ۳ ، ۹۵ ، بیروت۔
(۲) الهندية، كتاب النكاح ، الباب الاول ، ۱ ، ۲٦٧ ، ماجدية
(۳) ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين ، عاقلين بالغين مسلمين (الهداية ، كتاب النكاح ، ۲ /۳۰٦ شركة علمية)
(۴) تزوج بشهادة الله ورسوله لم يجز (الدر المختار ، كتاب النكاح ، ۳ /۲۷ سعيد)
(۵) ويشترط العدد فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد وهكذا في البدائع (الهندية، كتاب النكاح، ۱ /۲٦٧ ،ماجدية)
(٦) فلا ينعقد النكاح بحضرة العبيد و المجانين و الصبيان والكفار (البحر الرائق ، كتاب النكاح، ۳ /۹۵ ،دار المعرفة بيروت)

ایک عورت نے کہا کہ اگر میں وکیل بنادوں تو میرا نکاح ہی ہو جائے گا، بعد میں اس نے وکیل بنادیا، کیا حکم ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مئی سن ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک بیوہ کو ایک جماعت نکاح کے واسطے زور دے اور بیوہ انکار کرے۔ اس کے انکار پر جماعت یا پنچایت نے یہ کہا کہ اگر تو اس وقت نکاح نہیں کرتی تو اپنے نکاح کا ایک آدمی کو وکیل بنادے۔ اور آدمی وہ ہو جس کو پنچایت مقرر کرے۔ عورت نے جواب دیا کہ اگر میں وکیل بنادوں گی تو میرا نکاح ہی ہو جاوے گا۔ باوجود اس کہنے کے بھی بیوہ نے اپنا وکیل بنادیا۔ یہ لفظ صرف ایک ہی دفعہ کہا ہے۔ نکاح ہوا یا نہیں؟

(جواب ۲۳۷) جب اس نے نکاح کے لئے وکیل بنادیا تو اس کا نکاح اگر وکیل پڑھاوے گا تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔(۱)

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

دو گواہوں کے بغیر ایجاب و قبول سے نکاح منعقد نہیں ہو گا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ ستمبر سن ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید نے ایک عورت سے عدم موجودگی میں کسی گواہ یا قاضی کے اپنا عقد اس طرح پر کر لیا کہ زید نے عورت سے کہا کہ میں نے تم کو بعوض اتنے مہر کے اپنی زوجیت میں لیا اور عورت نے کہا کہ میں نے بھی قبول کیا۔ یا عورت نے زید سے کہا کہ میں نے اپنے کو بعوض اتنے مہر کے تمہاری زوجیت میں دیا اور زید نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ حالانکہ ان ہر دو صورتوں میں کوئی شاہد یا قاضی یا وکیل موجود نہیں ہے۔ کیا یہ عقد جائز ہوا؟

(جواب ۲۳۸) انعقاد نکاح کے لئے شاہدین کا موجود ہونا اور ایجاب و قبول کو سننا شرط ہے۔(۲) پس صورت مسئولہ میں نکاح منعقد نہیں ہوا۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

---

(۱) وینعقد متلبساً بایجاب من احدھما وقبول من الآخر...... کزوجت نفسی او بنتی او موکلتی منک (الدر المختار) وفی الشامیۃ: (قولہ کزوجت نفسی) اشار الی عدم الفرق بین ان یکون الموجب اصلیاً او ولیاً او وکیلاً۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، ۳/ ۹، سعید)

(۲) وشرط حضور شاھدین حرین او حر و حرتین مکلفین سامعین قولھما معاً۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، ۳/ ۲۱، سعید)

آٹھواں باب

نکاح خوانی اور اس کا مسنون طریقہ

نکاح ہر شخص پڑھا سکتا ہے، قاضی صاحب سے پڑھوانا ضروری نہیں

(سوال) ہمارے شہر ناگپور میں قاضی صاحب نکاح خوانی میں اپنے حق کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیا کوئی دوسرا مسلمان جو مسائل سے واقف ہو نکاح خوانی کر سکتا ہے یا نہیں۔ کیا قاضی صاحب کا کوئی حق فقہ حنفی کی رو سے ہے ؟

راقم محمد اسماعیل محلہ ہنساپوری۔ ناگپور۔

(جواب ۲۳۹) نکاح ہر شخص کے پڑھانے سے صحیح ہو جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ قاضی صاحب سے ہی نکاح پڑھوایا جائے۔(۱)

محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

نکاح خوانی کی اجرت لینا اور اندراج نکاح

(سوال) (۱) نکاح خوانی لینا جائز ہے یا ناجائز اور (۲) نکاح خوانی خاص اشخاص کا کام ہے یا یہ کہ اہل اسلام میں سے اور لوگ بھی انجام دے سکتے ہیں۔ (۳) اس معاملہ مذہبی میں حکام وقت کی مداخلت جائز ہے یا نہیں ؟ (۴) اور نکاح خوانی مجبور کر کے لینا کیسا ہے ؟

المستفتی افضال الحق ساکن کوچہ روح اللہ خاں دہلی

(جواب ۲۴۰) (۱) نکاح خوانی طرفین یعنی قاضی اور اس کو بلانے والے کی باہمی رضامندی سے لینی جائز ہے۔(۲) (۲) نکاح خوانی ہر وہ شخص کر سکتا ہے جو احکام نکاح سے واقف ہو اور نیک صالح ہو تو اولیٰ ہے۔ (۳) قاضی کی نکاح خوانی کا واسطہ بھی ضروری نہیں۔ اگر زوجین یا دونوں کے ولی یا وکیل گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کر لیں تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔(۳) لیکن اگر حکام یادداشت کے طور پر منازعت کے مواقع پر کام آنے کے لئے نکاحوں کے اندراج کے لئے رجسٹر رکھنے کا حکم دیں اور ان رجسٹروں میں نکاح لکھے جایا کریں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ (۴) اجرت نکاح خوانی باہمی رضامندی سے مقرر کر لینے کے بعد جبراً لی جا سکتی ہے اور جو شخص یعنی بیٹی والا یا دولہا والا نکاح خواں کو بلائے گا اس کو اجرت ادا کرنی ہوگی۔ اور اگر اجرت پہلے طے نہ کی ہو تو جو عرف ہوگا اس کے موافق دینی ہوگی۔(۴)

فقط محمد کفایت اللہ غفر لہٗ، ۲۵ اکتوبر سن ۲۵ء

متولی نے بلا وجہ قاضی کو معزول کر کے نیا قاضی مقرر کر دیا، کس قاضی کا ساتھ دیا جائے ؟

(سوال) متولی جامع مسجد اپنے ساتھیوں کی مدد سے بغیر کسی سبب شرعی کے قاضی کو معزول قرار دے اور نئے قاضی کا تقرر کرے تو اہل شہر کو کس قاضی کا ساتھ دینا چاہئے ؟ خصوصاً ایسی حالت میں کہ پہلا قاضی تمام اہل شہر سے منتخب کیا گیا ہے اور بیس سال سے قضاۃ کر رہا ہے۔ المستفتی نمبر ۵۱۲ / ۴ ربیع الثانی سن ۱۳۵۴ھ

(جواب ۲۴۱) متولی جامع مسجد کے اختیار میں قاضی کو معزول کرنا داخل ہو تو عزل صحیح ہوا۔ لیکن اگر اس نے بلا

---

(۱) وینعقد ای النکاح ای یثبت ویحصل انعقادہ بالا یجاب والقبول ۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، ۳/ ۹، سعید)

(۲) وکل نکاح باشرہ القاضی وقد وجبت مباشرتہ علیہ کنکاح الصغائر فلا یحل لہ اخذ الا جرۃ علیہ ومالم تجب مباشرتہ علیہ حل لہ اخذ الا جرۃ۔ (الھندیۃ، کتاب ادب القاضی، ۳/ ۳۴۵، ماجدیۃ) ولا تا کلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم النساء.

(۳) وینعقد بایجاب من احدھما وقبول من الآخر ... کزوجت نفسی او بنتی او موکلتی منک۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، ۳/ ۹، سعید)

(۴) یہ حاشیہ اگلے صفحے پہلے حاشیہ نمبر ۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

سبب معزول کر دیا تو وہ مؤاخذہ دار ہوگا۔ اور اگر اس کے اختیارات میں یہ داخل ہی نہیں تو قاضی معزول نہیں ہوا اور اس صورت میں لوگوں کو اس کا ساتھ دینا چاہئے۔(۱) محمد کفایت اللہ

نکاح کس جگہ پڑھنا بہتر ہے؟

(سوال) ہمارے یہاں شادی ہوتی ہے تو شب گشت وغیرہ تمام کاروبار رات کے وقت ہوتا ہے۔ تب دولہا دلہن کے مکان میں جا کر بیٹھ جاتا ہے۔ علی الصباح دلہن کے مکان میں نکاح پڑھا جاتا ہے۔ اور کثیر جماعت لوگ دلہن کے گھر نکاح کا پڑھنا بہتر سمجھتے ہیں۔ بعدہ، رواج یہ ہے کہ دولہا کے گھر مولود النبی پڑھی جاتی ہے اور یہ مولود النبی رستے سے پڑھتے پڑھتے دلہن کے گھر ختم کی جاتی ہے۔ اس کے بعد فجر کے بعد اس کا نکاح دلہن کے گھر پڑھا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں بعض لوگ دولہا کے گھر نکاح پڑھنا بہتر سمجھتے ہیں اور بعض لوگ دلہن کے گھر بہتر سمجھتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۶۱۸ غلام حسین (ضلع رتناگیری) ۱۹ جمادی الثانی سن ۱۳۵۴ھ م ۱۸ ستمبر سن ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۴۲) ترمذی شریف میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے۔ واجعلوہ(۲) فی المساجد یعنی نکاح مسجد میں کیا کرو۔ اس حدیث کے بموجب نکاح کے لئے مسنون اور افضل جگہ تو مسجد ہے۔ اگر مسجد میں نہ کیا جائے تو پھر خواہ دولہا کے مکان میں کیا جائے یا دلہن کے مکان میں دونوں جائز ہیں۔ شب گشت کرنا اور راستہ میں مولود النبی پڑھنا یہ دونوں باتیں واجب الترک ہیں کہ خلاف سنت(۳) ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

نکاح خوانی کی اجرت

(سوال)(۱) کیا شرعاً قاضی کو یہ بات لازم ہے یا نہیں کہ اگر کوئی شخص غریب اور بالکل محتاج ہو تو اس کا نکاح فی سبیل اللہ پڑھا دیں۔ (۲) کیا بغیر اجرت لئے قاضی صاحب نکاح نہیں پڑھا سکتے؟ (۳) کسی بھی مصیبت زدہ شخص کو قاضی صاحب امداد دے سکتے ہیں یا نہیں؟ (۴) قاضی صاحب کو نکاح خوانی کا کتنا حق لینا چاہئے؟ مجید خاں مقام جوہٹ

(جواب ۲۴۳)(۱) قاضی پر یہ لازم نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ بغیر اجرت نکاح پڑھا دے تو ثواب کا مستحق ہوگا اور نہ پڑھائے تو مجلس میں سے کوئی اور شخص ایجاب و قبول کرا دے نکاح ہو جائے گا۔ ضروری نہیں کہ قاضی صاحب ہی نکاح پڑھائیں۔(۴) (۲) وہ چاہیں تو پڑھا دیں۔ (۳) قاضی کے اختیار میں جس قدر امداد ہو اس قدر امداد دینا لازم ہے۔ (۴) نکاح پڑھوانے والے کی حیثیت کے مطابق اجرت لینی چاہئے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) والمختار للفتوی انه اذا عقدبکرا یا خذ دینارا وفی الثیب نصف دینار ویحل له ذلك هكذا قالوا كذافی البر جندی۔ (الهندية، کتاب ادب القاضی، الباب الثامن، ۳/ ۳۴۵، ماجدیة)

(۱) ولا یملك نصب القضاة وعزلهم الا السلطان و من له اذن السلطان اذا هو صاحب ولایة العظمٰی فلا یستفادان الا منه۔ (شرح الشیخ حموی کتاب القضاء، ۲/ ۳۹۰، ادارۃ القرآن)

ولا یجوز للقاضی عزل الناظر بلا جنایة ولو عزله لا یصیر الثانی متولیاً۔ (ردالمحتار، ۴/ ۳۶۰، سعید)

(۲) جامع الترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی اعلان النکاح، ۱/ ۲۰۷، سعید

(۳) عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من احدث فی امر نا هذا مالیس منه فهو رد (صحيح البخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود، ۱/ ۳۷۱، قدیمی)

(۴) وینعقد بایجاب من احدهما وقبول من الآخر (الدر المختار) وفی الرد۔ وینعقد ای النکاح ای یثبت ویحصل انعقاده بالا یجاب والقبول۔ (ردالمحتار، کتاب النکاح، ۳/ ۹، سعید)

(۵) والمختار للفتوی انه اذا عقد بکرا یا خذ دینارا وفی الثیب نصف دینار ویحل له ذلك هكذا قالوا۔ (الهندية، کتاب ادب القاضی، الباب الثامن، ۳/ ۳۴۵، ماجدیة)

نکاح خوانی کی اجرت لینا جائز ہے

(سوال) نکاح خوانی کی اجرت جائز ہے یا نہیں

المستفتی نمبر ۱۵۲۸ قاری عبداللطیف صاحب بنگال۔ ۱۳ ربیع الثانی سن ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جون سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۴۴) نکاح پڑھانے والے کو اجرت دینا جائز ہے۔(۱) مگر اجرت تراضی طرفین سے طے کی جائے۔ زبردستی کوئی رقم معین نہ کرلی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

کئی نکاح اکٹھے پڑھے جائیں تو کیا ان سب کے لئے ایک خطبہ کافی ہے ؟

(سوال) کئی نکاح ایک ہی جگہ پڑھے ہوں تو ان کے لئے خطبہ مسنونہ ایک ہی کافی ہے یا ہر نکاح کے لئے علیحدہ علیحدہ۔

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ۲۴۵) ہر ایک نکاح کے لئے خطبہ مسنونہ پڑھنا مسنون ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نکاح خوانی کی اجرت کی شرعی حیثیت

(سوال) نکاح پڑھانے والے کو کچھ روپیہ نقد دینا سنت ہے یا مستحب ؟ اور نکاح پڑھانے والا نکاح پڑھانے سے پہلے کچھ نقد روپیہ پہلے مقرر کرے تو جائز ہے یا نہیں ؟ اور پھر جبراً وصول کر سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۶۳۳ مولوی عبدالحق امام مسجد دوحد ضلع پنچ محل۔ مورخہ ۱۳ جمادی الثانی سن ۱۳۵۹ھ۔

(جواب ۲۴۶) نکاح پڑھانے والے کو نکاح خوانی کی "اجرت دینا جائز ہے۔(۳) اور نکاح خواں پہلے اجرت مقرر کر کے نکاح پڑھائے تو یہ بھی جائز ہے اور اس کو مقرر شدہ اجرت جبراً وصول کرنے کا حق ہے۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نکاح خواں کے لئے علم ضروری ہے یا نہیں ؟

(سوال) نکاح پڑھانے والے کو کچھ علم نکاح و طلاق وغیرہ کی ضرورت ہے یا نہیں ؟ یا ہر جاہل شخص ایجاب و قبول کرا سکتا ہے ؟ المستفتی فقیر بلدار خاں الملقب بہ نبی بخش چشتی عفی عنہ (مالیگاؤں)

(جواب ۲۴۷) بہتر ہے کہ نکاح پڑھانے والا متعلقات نکاح کے مسائل جانتا ہو۔(۵) اور اگر ایجاب و قبول جاہل بھی کرادے تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔(۶) محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرس مدرسہ امینیہ شہری مسجد دہلی

الجواب صحیح عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند۔ ۲۷ شعبان سن ۱۳۳۳ھ

---

(۱) ایضاً - ای راجع الی صفحة ۲۹ علی حاشیہ ۵
(۲) ویندب اعلانه وتقديم خطبته وكونه في مسجد ۔(الدر المختار، کتاب النکاح، ۳ /۸، سعید)
(۳) والمختار للفتوى انه اذا عقد بكرا يا خذ ديناراً وفي الثيب نصف دينار ويحل له ذلك هكذا قالوا۔(الهندیۃ، کتاب ادب القاضی، الباب الخامس، ۳ /۳۴۵، ماجدیۃ)
(۴) قال في الدر المختار: لا يستحق المشترك الا جر حتى يعمل وفي الرد : حتى يعمل ، لان الا جارة عقد معاوضة فتقتضى المساواة بينهما فما لم يسلم المعقود عليه للمستاجر لا يسلم له العوض . والمعقود عليه هو العمل و اثره على ما بينا ، فلا بد من العمل ۔(رد المحتار، کتاب الاجارۃ، ۶ /۶۴، سعید)
(۵) وما المجتهد في حكم دون حكم فعليه معرفة ما يتعلق بذلك الحكم مثلا ، كالا جتها د في حكم متعلق بالصلوة لا يتو قف على معرفة جميع ما يتعلق بالنكاح (رد المحتار، کتاب القضاء، ۵ /۳۶۵، سعید)
(۶) وينعقد بايجاب من احدهما وقبول من الآخر۔(الدر المختار، کتاب النکاح ۳ /۹، سعید)

نکاح کے وقت دلہا، دلہن کا کرسی پر بیٹھنا

(سوال) جزیرہ ٹرینی داد میں دولہا اور دلہن نکاح خوانی کے وقت کرسی پر بیٹھتے ہیں۔ آیا شرعاً یہ جائز ہے؟

(جواب ۲۴۸) دولہا دلہن کو عقد نکاح کے وقت کرسیوں پر بٹھانا اسلامی رواج کے خلاف ہے۔ اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

ایجاب و قبول کے بعد رجسٹر پر انگوٹھا لگانا صحت نکاح کے لئے شرط نہیں

(سوال) ایک شخص نے عام مجلس میں برضائے خود روبرو امام دیہہ و گواہان اپنی نابالغ لڑکی کا عقد نکاح بہ ایجاب و قبولیت کر دیا۔ اور مجازی حکومت کے رجسٹر نکاح پر انگوٹھا وغیرہ چسپاں کرنے کا وعدہ بربلوغت کیا گیا تھا۔ اب لڑکی کا والد فوت ہو گیا ہے۔ اور اس کی بیوہ اب لڑکی دینے سے انکاری ہے۔ شہادت وغیرہ معقول ہے۔ کیا بغیر نشان انگوٹھا بر رجسٹر نکاح عقد نکاح درست ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۴۹) اگر نکاح کی شہادت معتبرہ موجود ہے تو نکاح ثابت ہو جائے گا۔(۱) نکاح کے رجسٹر پر انگوٹھے کا نشان ہونا ضروری نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

نکاح کا شرعی طریقہ

(سوال) (۱) نکاح کے کیا معنی ہیں؟ (۲) ایجاب و قبول جب دو گواہوں کے سامنے ہو گیا تو پھر کلمہ پڑھانا ضروری ہے؟ نیز اگر خطبہ نہ پڑھے تو عورت مرد پر حلال ہو گی یا نہیں؟

(جواب ۲۵۰) (۱) نکاح ایک شرعی معاہدہ ہے جس کے ذریعہ سے عورت مرد کے لئے حلال ہو جاتی ہے(۲) (۲) عقد نکاح میں ایجاب و قبول سے پہلے خطبہ پڑھنا مسنون ہے(۳) اس کے بعد ایجاب و قبول کرلیا جائے۔ کلمے پڑھانا نکاح میں نہ داخل ہے نہ مسنون۔ اگر بغیر خطبہ کے ایجاب و قبول کرادیا جائے جب بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔(۴) صرف سنت خطبہ ادا نہ ہو گی۔

شادی میں باجہ، بینڈ بجانا اور ایسی شادی میں شرکت کرنا

(سوال) شادی میں باجہ بجانے کی مذہب اسلام اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ اگر صرف دف بجانے کی اجازت دیتا ہے تو کس مصلحت سے؟ دف نہ ملنے کی صورت میں بخیال اعلان شادی و اظہار مسرت و خوشی ترقی یافتہ باجہ مثلاً بینڈ یا مشک کا باجہ بجایا جائے تو کیسا ہے۔ جس شادی میں باجہ بجایا جارہا ہو اس کی دعوت طعام وغیرہ میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ باجہ اگر کسی وقت بند کر دیا جائے اس وقت شریک ہونا کیسا ہے؟

---

(۱) لا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین ، رجلین اورجل وامرأتین۔(الهدایة، کتاب النکاح، ۲/ ۳۰۶)

(۲) حل استمتاع کل منهما بالآخر علی وجه المأذون فیه شرعاً۔(فتح القدیر، کتاب النکاح، ۳/ ۱۸۹، مصر)

(۳) ویندب اعلانه وتقدیم خطبه۔(الدر المختار، کتاب النکاح، ۳/ ۸، سعید)

(۴) حدثنا محمد بن بشار ... عن رجل من بنی سلیم قال : خطبت الی النبی صلی الله علیه وسلم امامة بنت عبدالمطلب فانکحنی من غیر ان یتشهد۔(سنن ابی داؤد، باب فی خطبة النکاح، ۱/ ۲۸۹، سعید) وقال محشیه : فدل علی جواز النکاح بغیر خطبة وفی الترمذی: وقد قال بعض اهل العلم ان النکاح جائز بغیر خطبه وهو قول سفیان الثوری وغیره من اهل العلم۔(جامع الترمذی، باب ما جاء فی خطبة النکاح، ۱/ ۲۱۰، سعید)

(جواب ۲۵۱) شادی میں نکاح کے وقت اعلان کی غرض سے دف بجانے کی نہ صرف اجازت بلکہ تاکیدی ہدایت ہے۔ اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف(۱) (اوکما قال) حدیث شریف کا مضمون ہے۔ یعنی حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نکاح اعلان کے ساتھ کیا کرو اور مسجد میں مجلس نکاح منعقد کرو اور دف بجاؤ۔ دف نہ ہو تو نقارہ یا ڈھول دف کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔ بینڈ یا اور کوئی باجہ بجانا مکروہ اور خلاف متوارث ہوگا۔(۲) جس شادی میں بینڈ یا اور کوئی باجہ ہو یعنی صرف باجہ ہو ناچ گانا نہ ہو اس میں شرکت حرام نہیں۔ نہ دعوت کھانا حرام ہے۔(۳) اور باجہ بند ہو جانے کے بعد شریک ہونے میں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) جامع الترمذی ، ابواب النکاح ، باب ماجاء في اعلان النكاح

(۲) وكره كل لهو ... والاطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والصفيق وضرب الاوتار من الطنبور والبربط والرباب واستماع ضرب الدف والمزمار حرام۔ (رد المحتار، كتاب الحظر و الاباحة ، ٦/٣٩٥، سعيد)

(۳) ومن دعى الى وليمة فوجد ثمه لعبا او غناء فلا باس بان يقعد وياكل (الهداية، كتاب الكراهية، ٤/٤٥٥، شركة علمية)

نواں باب

دعوت ولیمہ یا برات کی دعوت

دعوت ولیمہ میں بلائے بغیر جانا کیسا ہے؟

(سوال) دعوت ولیمہ میں بے بلائے جانا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر ایک شخص یا کئی آدمی بے بلائے آجائیں تو صاحب خانہ ان کو روک سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر کسی نے بے بلائے آدمیوں کو روکا تو وہ گناہ گار ہوا یا نہیں ؟

(جواب ۲۵۲) بے بلائے کسی دعوت میں جانا جائز نہیں ہے۔(۱) خواہ ولیمہ کی دعوت ہو یا اور کوئی دعوت بے بلائے ہونے آنے والے کو گھر والا جس کے ہاں دعوت ہے روک سکتا ہے۔ روکنے میں اس پر کوئی گناہ نہیں۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی مہر دارالافتاء

(۱) لڑکی والوں کا برات کو کھانا کھلانا اور اس کھانے میں شرکت کرنا کیسا ہے؟
(۲) چند احادیث کا ترجمہ
(۳) جائز امر اگر رسم کی صورت اختیار کر لے تو کیا حکم ہے؟
(۴) ولیمہ کی دعوت میں اقارب اور عام لوگوں میں امتیازی سلوک کیسا ہے؟

(سوال)(۱) لڑکی والوں کی طرف سے جو برات کا کھانا دیا جاتا ہے وہ شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟(۲) مذکورہ بالا کھانے میں شرکت کرنے والے کا کیا حکم ہے ؟(۳) احادیث ذیل کا ترجمہ اور مفہوم کیا ہے اور ان سے برات کے کھانے کا جواز نکلتا ہے یا نہیں ؟ اذا دعا احد کم اخاہ فلیجب عرساکان اونحوہ(۳)(رواہ مسلم) من لم یجب الدعوة فقد عصی ابا القاسم اذا دعا احد کم الی طعام فلیجب فان شاء طعم وان شاء ترك(۴)(۴) جو کام شرعاً جائز ہو اور وہ رسم کی صورت اختیار کرلے تو اس کا کیا حکم ہے ؟(۵) ولیمہ کی دعوت میں عام لوگوں کو ایک قسم کا کھانا کھلانا اور اپنے اعزہ کو دوسری قسم کا کھانا کھلانا درست ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۵۳)(۱) لڑکی والوں کی طرف سے برات کو جو کھانا دیا جاتا ہے اگر یہ اتفاقی ہو یا ضرورةً دیا جائے۔ مثلاً برات باہر سے آئی ہو اور کھانے میں بھی اسراف ریاؤ نمود اور پابندی رسم و رواج کو دخل نہ ہو تو ان شرائط کے ساتھ فی حد ذاتہ مباح ہے۔(۲) شرائط نمبر ایک کے موافق دعوت دی جائے تو اس میں شرکت کرنا جائز ہے۔(۳) احادیث کا ترجمہ حسب ذیل ہے :۔ الف۔ اذا دعا احد کم اخاہ فلیجب عرسا کان اونحوہ(۵)(۵) جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی دعوت کرے تو قبول کر لینی چاہئے شادی کی ہو یا اسی جیسی اور کوئی تقریب ہو (مثلاً ختنے کی خوشی)۔

---

(۱) قال عبداللہ بن عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : من دعی فلم یجب فقد عصی اللہ ورسولہ ، ومن دخل علی غیر دعوة دخل سارقا وخرج مغیرا۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمہ ۲ : ۱۶۹، سعید)

(۲) عن ابی مسعود الانصاری قال کان رجل من الانصار یکنی ابا شعیب وکان لہ غلام اللحام فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی اصحابہ فعرف الجوع فی وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذھب الی غلامہ اللحام فقال اصنع لی طعاما یکفی خمسة لعلی ادعو النبی صلی اللہ علیہ وسلم خامس خمسة فصنع لہ طعاما ثم اتاہ فدعاہ فتبعھم رجل فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا شعیب ان رجلا تبعنا فان شئت اذنت لہ وان شئت ترکتہ ، قال لا بل اذنت لہ ۔ (صحیح البخاری، کتاب الاطعمہ ۲ : ۸۲۱، قدیمی)

(۳) الصحیح لمسلم ، کتاب ، ۱ : ۴۶۲، قدیمی

(۴) ایضا

(۵) الصحیح لمسلم، باب الامر باجابة الداعی الی دعوة ۱ : ۴۶۲، قدیمی

ب۔من لم یجب الدعوۃ فقد عصی ابا القاسم(۱) جس نے دعوت قبول نہیں کی اس نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔ ج۔ اذا دعی احدکم الی طعامہ فلیجب فان شاء طَعِم وان شاء ترک۔(۲) جب تم میں سے کسی کو کھانے کے لئے دعوت دی جائے تو اس کو چاہئے کہ داعی کے یہاں چلا جائے پھر چاہے کھانا کھائے اور چاہے نہ کھائے۔ ان حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ دعوت قبول کرنا سنت ہے۔ دعوت قبول کرنے سے مطلب یہ ہے کہ داعی کے گھر چلا جائے۔ کھانا ضروری نہیں۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۳ میں تصریح ہے۔

اجابت دعوت کی تاکید اس حکمت پر مبنی ہے کہ دعوت دینے والے کی دل شکنی نہ ہو اور مدعو اپنے کو اتنا اونچا نہ سمجھے کہ غریب اور کمزور اور کم درجہ لوگوں کی دعوت میں جانے کو اپنے لئے توہین قرار دے۔ اس نظر سے حضور ﷺ کی عادت شریفہ یوں منقول ہے۔ ویجیب دعوۃ العبد۔(۳) یعنی اگر حضور ﷺ کو کوئی غلام بھی دعوت دیتا تو قبول فرماتے تھے۔ حدیث نمبر ۳ سے اس مضمون پر اور زیادہ روشنی پڑتی ہے کہ جب مدعو داعی کے گھر چلا گیا تو اس نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ اس کو داعی کے گھر آنے میں بڑائی یا تکبر کی وجہ سے تکلف نہیں تھا اور داعی بھی خوش ہو گیا کہ مدعو نے اسے ذلیل و حقیر نہیں سمجھا بلکہ اس کے گھر اس کی دعوت پر آ گیا اور جب اجابت کا مقصد حاصل ہو گیا تو اب جی چاہے کھانا کھائے، جی نہ چاہے تو نہ کھائے۔

ان حدیثوں کا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ مدعو اپنے مرتبے یا شان اور تکبر کی راہ سے دعوت رد نہ کرے۔ اگر داعی کو حقیر سمجھ کر دعوت قبول نہ کرے گا تو آنحضرت ﷺ کی نافرمانی اور اسوۂ حسنہ کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو گا۔ پھر دعوت سے بھی وہ دعوتیں مراد ہیں جو دائرہ شریعت کے اندر ہوں اور ظاہر ہے کہ جن دعوتوں کا مبنا اخلاص پر نہ ہو محض ریاؤ نمود پر یا رسم و رواج کی پابندی پر ہو ان کی اجابت ضروری نہ ہو گی اور ایسی دعوت کا رد کرنا حکمت اجابت کے خلاف نہ ہو گا۔ بلکہ عین منشائے شریعت کے مطابق ہو گا۔ خود آنحضرت ﷺ نے ولیمہ کے تیسرے دن کھانے کو سمعۃ فرما کر اس کے بارے میں ومن سمّع سمع اللہ بہ(۴) فرمادیا ہے۔ اور جو لوگ ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کے لئے دعوت دیں ان کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ المتبارئان لا یجابان ولا یؤکل طعامھما(۵) یعنی تفاخر اور مقابلہ کی دعوت کرنے والوں کی دعوتوں کی اجابت نہ کی جائے نہ ان کے یہاں کھانا کھایا جائے۔ اسی طرح ایک حدیث میں فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے بھی ممانعت مذکور ہے۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اجابۃ طعام الفاسقین۔(۶) یعنی آنحضرت ﷺ نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر دعوت کی اجابت ضروری نہیں ہے بلکہ اسی دعوت کی اجابت سنت ہے جو دائرہ شریعت کے اندر ہو اور ترک اجابت اسی حالت میں مذموم ہے کہ براہ استعلاو تکبر ہو۔ اگر کسی صحیح و معقول وجہ سے اجابت

---

(۱) الھدایۃ، کتاب الکراھیۃ، ۴/ ۴۵۵، شرکۃ علمیۃ
(۲) الصحیح لمسلم، کتاب النکاح، ۱/ ۴۶۲، قدیمی
(۳) شمائل الترمذی، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص: ۲۲، سعید۔
(۴) جامع الترمذی، باب ماجاء فی الولیمۃ، ۱/ ۲۰۸، سعید
(۵) (شعب الایمان للبیھقی، ۵/ ۱۴۹) رقم (۶۰۶۸) دار الکتب العلمیۃ بیروت
(۶) شعب الایمان للبیھقی، فصل فی طیب المطعم والملبس، ۵/ ۶۸، رقم (۵۸۰۳)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ترک کی جائے تو مضائقہ نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ترک اجابت ہی لازم ہے۔(۱)

(۴) جو کام مباح یا مستحب ہو اور وہ ایک واجب یا فرض کی طرح لازم کرلیا جائے اور اس کے ساتھ بہت سے منکرات منضم ہو جائیں تو اس کو ترک کر دینا لازم ہے۔ شادی بیاہ کی بہت سی رسوم کی یہی حالت ہے۔(۲)

(۵) یعنی اپنے اعزہ اور دوستوں یا سمدھیوں کو عمدہ اور بڑھیا اور مختلف اقسام کے کھانے کھلانا اور عام مہمانوں کو ایک کھانا اور وہ بھی معمولی قسم کا کھلانا کرم و مروت کے خلاف ہے بالخصوص ایک مقام پر ایک دوسرے کے مقابلے میں ایسا فرق کرنا تو بہت ہی نازیبا ہے۔(۳) اور اگر بہ نیت تحقیر عام مہمانوں کے ساتھ ایسا کیا جائے تو حرام ہے۔(۴)

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی ۱۲ جولائی سن ۱۹۳۱ء

شادی کی رسومات ختم کرانے کی ضرورت

(سوال) قوم پنجابیان کے اندر بیاہ شادی میں زمانہ جاہلیت کی رسومات اکثر جاری تھیں۔ چنانچہ ان قبیح رسموں میں سے ایک رسم قبل شب عروس بارات کو کھانا کھلانے کی بیٹی والوں کی طرف سے بھی تھی جو انتہائی تباہ کن تھی۔ حاصل یہ کہ مصلحان قوم نے قوم کا عام جلسہ کیا اور رسومات قبیحہ کو قوم کے سامنے پیش کیا۔ قوم نے کثرت رائے سے ان رسومات کو جو تبذیر و نمود واسراف پر مبنی تھیں ان کو جہاں تک ممکن ہو سکا کم کیا اور بند کیا۔ چنانچہ چند نمودیوں نے جو اپنے آپ کو اکابرین و معززین خیال کرتے تھے رائے عامہ کو اس وقت بھی ٹھکرانا چاہا مگر کثرت رائے کے آگے ان کی پیش نہ چلی اور اب یہ چند نمود پرست کثرت رائے کے خلاف جاری شدہ اصلاحات کی شدید مخالفت کر رہے ہیں اور ان اصلاحات کو نقصان پہنچانے کے لئے تحریری و تقریری یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا ہے کہ بارات کو کھانا کھلانا واجب اور سنت نبوی ہے۔ بینوا توجروا۔

(جواب ۲۵۴) اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اس وقت مسلمانوں کی تباہی اور اقتصادی مصیبت کی زیادہ تر وجہ یہی مسرفانہ رسوم ہیں۔ یہ رسوم اندر ہی اندر مسلمانوں کی دولت، عزت، خودداری کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہیں۔ جو رسمیں کہ کافروں سے سیکھ کر مسلمانوں نے اختیار کرلی ہیں ان کے تو ناجائز اور واجب الترک ہونے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا۔ ان کی مثال چوتھی اور چالوں کی دعوتیں ہیں جو شرعی فرائض سے بھی زیادہ التزام و پابندی کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔

اگر بعض رسمیں ایسی بھی ہوں کہ وہ کفار سے ماخوذ نہ ہوں اور شریعت اسلامیہ بھی ان کو مباح قرار دیتی ہو

---

(۱) ومن الا عذار المسقطة للوجوب او الندب ان يكون في الطعام شبهة ... او لا تليق به مجالسة او يدعى لدفع شره ... او ليعاونه على باطل او هناك منهى عنه كالخمر او اللهو وغير ذلك۔ (مرقات المفاتیح، باب الولیمۃ، ۶ / ۲۵۳، امدادیہ)

(۲) وفيه ان من اصر على امر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان من الا ضلال۔ (مرقات المفاتیح، باب الدعاء فی التشہد، الفصل الاول، ۲ / ۳۵۳، امدادیہ)

(۳) اگر علیحدہ دستر خوانوں پر بٹھا کر کھانا کھلانے میں امتیاز کرے تو کوئی حرج نہیں۔ کما فی فتح الباری : قال ابن بطال: واذا ميز الداعي بين الا غنياء والفقراء فاطعم كلاً على حدة لم يكن به باس ۔ (فتح الباری، باب من ترک الدعوۃ فقد عصی اللہ ورسولہ، ۹ / ۲۴۲، المطبعۃ الکبری مصر)

(٤) عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : المسلم اخو المسلم لا يخونه ولا يكذبه ولا يخذله ، كل المسلم على المسلم حرام عرضه وماله و دمه، التقوى ههنا بحسب امرء من الشر ان يحقر اخاه المسلم، جامع الترمذی ، باب ماجاء فی شفقة المسلم على المسلم (مسلم، ۲ / ۱۴، سعید) وفى المسلم: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان منكن يومن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه۔ (الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، ۱ / ۵۰، قدیمی)

بلکہ مستحب ہی کیوں نہ ہو مگر ان پر التزام کرنا متعدد مفاسد دینیہ و قومیہ کا موجب ہو اور قوم کی تباہی کا پیش خیمہ تو ایسی رسوم کو بھی ترک کرنا مسلمانوں پر لازم ہے۔(۱) لڑکی والوں کی طرف سے بارات کو کھانا دینے کی رسم بھی اس قسم کی رسوم میں داخل ہے جو بہت سے نقصانات اور فسادات اپنے اندر رکھتی ہے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ رسم کفار سے ماخوذ نہیں ہے جب بھی اس میں شبہ نہیں کہ شریعت مقدسہ نے لڑکی والوں پر یہ واجب اور فرض نہیں کیا کہ برات کو ضرور کھانا کھلائیں اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ قرون اولیٰ میں اس دعوت کا رواج نہ تھا۔ ولیمہ کی دعوت مسنون ہے۔(۲) مگر وہ دولہا والوں کی طرف سے زفاف کی صبح کو ہوتی ہے۔ دلہن کی طرف سے جو دعوت بارات کو دی جاتی ہے اس کو ولیمہ کہنا درست نہیں۔ ہاں کبھی لفظ ولیمہ کا اطلاق مطلقاً ہر دعوت پر کر دیا جاتا ہے۔(۳) مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ولیمہ کی طرح تمام دعوتیں مسنون ہو جائیں۔ لڑکی والوں کی طرف سے بطور مہمانی باراتیوں کو کھانا کھلا دینا یا ناشتہ کرا دینا فی حد ذاتہ جائز ہے۔ لیکن جب کہ اس کو ایک رسم کی طرح اختیار کر لیا جائے اور اس کی وجہ سے متعدد خرابیاں اور نقصانات پیش آجائیں تو اس کا ترک لازم ہے اس لئے نہیں کہ یہ دعوت فی حد ذاتہ ناجائز ہے بلکہ اس لئے کہ وہ بعض مکروہات و محرمات کا سبب بن گئی ہے۔(۴) اور جب کہ کسی قوم یا جماعت کے اکثر افراد کسی بات کو قوم کے لئے مضر سمجھ کر اس کے ترک کرنے پر اتفاق سے یا کثرت رائے سے تجویز منظور کر دیں تو پھر تمام لوگوں کو اس پر عمل کرنا چاہئے اور اختلاف پیدا کرنے سے بچنا چاہئے۔

لڑکی والے کی طرف سے بارات کو کھانا دینے کی رسم میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ غریبوں کی لڑکیوں کی شادی میں مشکلات پیش آجاتی ہیں۔ لڑکے والے ایسی لڑکی سے شادی کو پسند نہیں کرتے۔ جس کے سرپرست برات کو کھانا نہ دیں یا نہ دے سکیں۔

حضرت ام حبیبہؓ کے واقعہ عقد اور نجاشی کی طرف سے کھانا کھلانے کے قصے سے اس امر پر استدلال کرنا کہ لڑکی والوں کی طرف سے بارات کا کھانا ثابت ہو گیا، قلت تدبر کی دلیل ہے۔ کیونکہ اسی قصہ میں یہ منقول ہے کہ نجاشی آنحضرت ﷺ کے وکیل اور آپ کے قائم مقام تھے۔ اور حضرت ام حبیبہؓ کے وکیل خالد بن سعید تھے۔ تو نجاشی نے جو کھانا کھلایا وہ حضور کی طرف سے یعنی دولہا کی طرف سے تھا۔ اور نجاشیؓ کا یہ قول فان سنۃ الانبیاء اذا تزوجوا الخ۔(۵) اس کی کھلی دلیل ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی طرف سے یہ کھانا دیا اور اس کو انبیاء علیہم السلام کی سنت بتایا کہ جب انبیاء نکاح کرتے ہیں تو کھانا دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہی ولیمہ ہے جس کے مسنون ہونے میں کلام نہیں۔ اس کی ایک دلیل اور بھی ہے کہ یہ کھانا آنحضرت ﷺ کی طرف سے بطور ولیمہ دیا گیا تھا۔ وہ یہ کہ بعض روایات سے ثابت ہے کہ یہ نکاح ام حبیبہؓ کا حضور ﷺ کے ساتھ نجاشیؓ کی موجودگی میں حضرت عثمانؓ نے کیا تھا اور حضور ﷺ کی

---

(۱) من اصر علی فعل مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب الدعاء فی التشہد، ۲ / ۳۵۳، امدادیہ)

(۲) عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی علی عبدالرحمن بن عوف اثر صفرۃ، قال ما ھذا؟ قال انی تزوجت امراۃ علی وزن نواۃ من ذھب، قال بارک اللہ لک اولم ولو بشاۃ۔ (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب کیف یدعی للمتزوج، ۲ / ۷۷۴، قدیمی)

(۳) وفی الرد المحتار: مقتضاہ انھا سنۃ مؤکدۃ بخلاف غیرھا۔ (رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، ۶ / ۳۴۷، سعید)

(۴) الولیمۃ ھی طعام العرس، وقیل الولیمۃ اسم لکل طعام۔ (ایضاً) وکل جائز اذا ادی الی اعتقاد ذلک کرہ۔ (رد المحتار، الصلوۃ، ۱ / ۱۷۳، سعید)

(۵) المستدرک علی الصحیحین للحاکم ۴ / ۲۱، دار الفکر۔

طرف سے مہر کے چار سو دینار نجاشی نے دیئے اور ولیمہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھلایا۔ بہر حال یہ کھانا حضور ﷺ کی طرف سے بطور ولیمہ کے دیا گیا ہے۔ بیٹی والوں کی طرف سے نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ کہ زفاف سے پہلے دیا گیا ہے۔ تو اس کا مضائقہ نہیں۔ کیونکہ ولیمہ دولہا کی طرف سے عقد کے وقت زفاف سے پہلے دیئے جانے کے بھی بعض علماء قائل ہیں۔(۱) گو جماہیر علماء کے نزدیک زفاف کے بعد ہوتا ہے۔ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ میں پہلے دینے کی وجہ ظاہر ہے کہ نکاح حبشہ میں ہوا تھا اور حضور ﷺ مدینہ منورہ میں تھے۔ زفاف میں دیر تھی اس لئے نجاشیؓ یا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولیمہ کی سنت ادا کر دی۔ تاخیر مناسب نہ سمجھی۔ ام حبيبه بنت ابی سفيان و اسمها رملة زوجها اياه عثمان بن عفان بارض الحبشة انتهى (۲) (استیعاب) یعنی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو سفیان کی صاحبزادی جن کا نام رملہ ہے ان کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حبشہ میں آنحضرت ﷺ سے کیا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے :- تزوج رسول الله ﷺ ام حبيبة بنت ابی سفيان زوجها اياه عثمان بن عفان وهی بنت عمة زوجها ايا ه النجاشی و جهزها اليه و صدقها اربع مائة دينار واولم عليها عثمان بن عفان لحما وثريداً (انتهى باختصار) استيعاب۔(۳) یعنی آنحضرت ﷺ نے ام حبیبہ بنت سفیان سے نکاح کیا۔ حضور ﷺ کے ساتھ ان کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا کہ ان کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ حضور ﷺ سے نکاح نجاشی نے کرایا اور نجاشی نے ہی سامان تیار کیا۔ اور چار سو اشرفیاں مہر میں ادا کیں اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ثرید اور گوشت کا ولیمہ کیا۔ اور اسی کتاب استیعاب میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کی طرف سے نجاشی نے یہ بات ظاہر کی کہ مجھ کو حضور ﷺ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضور ﷺ کے ساتھ کرادوں اس لئے میں حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں اور چار سو دینار مہر کے دیتا ہوں۔ پھر خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وکیل کی حیثیت سے قبول کیا۔ نجاشی نے مہر کی اشرفیاں خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیں۔ اور لوگوں سے کہا ٹھیرو حضرات انبیاء کی یہ سنت ہے کہ جب وہ نکاح کریں تو کھانا بھی کھایا جائے۔ پھر کھانا منگایا اور لوگوں نے کھایا۔

اس سے صاف ثابت ہے کہ نجاشی نے آنحضرت ﷺ کے وکیل کی حیثیت سے کھانا دیا تھا اور حضور ﷺ کی طرف سے سنت ولیمہ ادا کی تھی۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۱۱ رجب سن ۱۳۵۰ھ

نکاح کے بعد لڑکی والوں کا برادری کو کھانا کھلانا

(سوال) نکاح کے بعد لڑکی والوں کی طرف سے برادری کو کھانا دینا کیسا ہے اور برادری کے لوگوں کو وہ کھانا کھانا از روئے شریعت کیسا ہے؟

المستفتی عبدالرحمٰن۔ فورٹ ولیم کلکتہ۔ ۲۰ اکتوبر سن ۱۹۴۳ء

(جواب ۲۵۵) لڑکی والوں کی طرف سے براتیوں کو یا برادری کو کھانا دینا لازم یا مسنون اور مستحب نہیں ہے۔ اگر

---

(۱) قيل انها تكون بعد الدخول ، وقيل بعد العقد، وقيل عندهما ـ (مرقاة المفاتيح باب الوليمة ۲۰/۶ ۲۵، امدادیہ)
(۲) الا ستيعاب في معرفة الا صحاب على هامش الا صابة في تميز الصحابة، ۴/ ۳۰۳ دار احیاء تراث العربی بیروت۔
(۳) الا ستيعاب في معرفة الا صحاب على هامش الا صابة في تميز الصحابة، ۴/ ۳۰۴، دار احیاء تراث العربی بیروت

بغیر التزام کے وہ اپنی مرضی سے کھانا دے دیں تو مباح ہے نہ دیں تو کوئی الزام نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا ولیمہ کرنا اسراف ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ جولائی سن ۱۹۲۹ء)

(سوال) زید کہتا ہے کہ ضیافت ولیمہ کرنا اور دوست احباب کو کھانا کھلانا جائز نہیں اسراف ہے۔

(جواب ۲۵۶) شادی کتخدائی کے موقع پر دعوت ولیمہ دینی مسنون ہے۔(۱) مگر اس میں ریاو سمعہ کی نیت نہ ہو۔(۲) بلکہ شادی کی خوشی حاصل ہونے کی شکر گزاری اور اتباع سنت نبویہ کی نیت سے دعوت دی جائے۔ اور اپنی وسعت کے موافق دی جائے۔(۳) قرض ادھار کر کے زیرباری نہ اختیار کی جائے۔ تو موجب ثواب ہے۔ اپنی وسعت کے موافق اس دعوت مسنونہ میں صرف کرنا اسراف نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

---

(۱) عن ثابت قال ذكر تزويج زينب ابنة جحش عند انس فقال مارأيت النبي صلى الله عليه وسلم اولم على احد من نسائه مااولم عليها اولم بشاة (صحيح البخاري، كتاب النكاح ، باب من اولم على بعض نسائه اكثر من بعض، ۲/۷۷۷ ،قديمي)

(۲) من يرائي يرائي الله به ومن يستمع يسمع به (جامع الترمذي، باب الرياء والسمعة ، ۲/۶۳، سعيد)

(۳) والمختار انه على قدر حال الزوج (مرقات المفاتيح ، كتاب النكاح، باب الوليمة ، ۲/۲۸۷، ماجدية)

دسواں باب

رضاعت اور حرمت رضاعت

رضاعی بہن کی حقیقی بہن سے نکاح

(سوال) زید و عمرو دونوں برادر حقیقی ہیں یا زید و مسماۃ زاہدہ دونوں برادر و ہمشیرہ حقیقی ہیں اور ہر دو جانب چند اولاد لڑکے و لڑکیاں ہیں۔ اگر زید کا ایک لڑکا اور عمرو کی ایک لڑکی نے ایک ہی دائی سے دودھ پیا ہو تو ایسی حالت میں زید کے اسی لڑکے اور عمرو کی اسی لڑکی سے (جو کہ مشترک دودھ ہے) نکاح نہیں ہو سکتا یا کہ کل اولاد سے نکاح نادرست و ناجائز ہے۔ اور اگر خود مسماۃ زاہدہ نے اپنے بھائی زید کے کسی لڑکے کو دودھ پلایا ہو تو زاہدہ و زید کی کسی اولاد سے باہم نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۲۵۷) صورت مسئولہ میں اگر زید کے ایک لڑکے اور عمرو کی ایک لڑکی نے کسی غیر دائی کا دودھ پیا ہے تو صرف ان دونوں کے درمیان نکاح نہیں ہو سکتا۔ زید کے اس لڑکے کا عمرو کی دوسری لڑکی سے نکاح ہو سکتا ہے۔ نیز عمرو کی اس لڑکی کا زید کے دوسرے لڑکے سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح زید اور مسماۃ زاہدہ کی اولاد کا حکم ہو گا کہ جن دو لڑکی لڑکا نے ایک مشترک دائی سے دودھ پیا ہے ان دونوں کا آپس میں نکاح نہ ہو سکے گا۔ لیکن اگر مسماۃ زاہدہ نے اپنے بھائی زید کے کسی لڑکے کو دودھ پلایا ہے تو جس لڑکے کو دودھ پلایا ہے اس کا زاہدہ کی کسی لڑکی سے نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر زید کی لڑکی کو دودھ پلایا ہے تو اس لڑکی کے ساتھ زاہدہ کے کسی لڑکے کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ زید کی اس لڑکی یا لڑکے کے علاوہ اوروں کا نکاح زاہدہ کی اولاد سے ہو سکتا ہے۔ **كل من تحرم بالقرابة والصهرية تحرم بالرضاع على ماعرف فى كتاب الرضاع كذافى محيط السرخسى هندية**(۱) ج ۱ ص ۲۹۴ **يحرم على الرضيع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعا حتى ان المرضعة لو ولدت من هذا الرجل اوغيره قبل هذا الا رضاع او بعده اوارضعت رضيعا او ولد لهذا الرجل من غير هذه المراء ة قبل هذا الارضاع او بعده اوارضعت امراة من لبنه رضيعا فالكل اخوة الرضيع واخواته وا ولادهم اولا د اخوته واخواته واخوالرجل عمه واخته عمته واخوالمرضعة خاله واختها خالته وكذا فى الجد والجدة انتهى** (ہندیہ (۲) ج ۱ ص ۳۶۵)

کیا خاوند کی اجازت کے بغیر دودھ پلانا جائز ہے؟

(سوال) ایک عورت نے اپنے خاوند کی اجازت نہ لے کر دودھ پلایا۔ خاوند بہت غصہ ہوا۔ خاوند کی بلا اجازت دودھ پلانا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۵۸) رضاعت کے لئے خاوند کی اجازت ضروری نہیں۔ کیونکہ مرضعہ کا دودھ خاوند کی ملک نہیں۔ اور اسی وجہ سے خاوند کو یہ حق نہیں کہ زوجہ کو اپنی اولاد کے دودھ پلانے پر مجبور کرے۔ سوائے خاص صورتوں کے کہ ان میں جبر کا حق ہے۔ پس خاوند کو ناراض ہونے کا کوئی حق نہیں۔ (۳) ہاں چوں کہ رضاعت کی وجہ سے نکاح وغیرہ کے

(۱) الهندية، كتاب النكاح ، الباب الثالث فى بيان المحرمات، ۱ /۲۷۷، ماجدية
(۲) الهندية، كتاب الرضاع ، ۱ /۳۴۳، ماجدية
(۳) عام حالت میں خاوند کی اجازت کے بغیر مکروہ ہے، ممنوع نہیں۔ في رد المحتار: تكره للمراء ة ان ترضع صبياً بلا اذن زوجها الا اذا خافت هلاكه۔ (رد المحتار، كتاب النكاح باب الرضاع ۳ / ۲۱۳، سعيد)

احکام مختلف ہوتے ہیں اس لئے عورتوں کو مناسب ہے کہ دوسرے بچوں کو دودھ پلانے کے وقت خاوند سے استمزاج کرلیں اور اس کو اطلاع کردیں تاکہ تعلقات رضاعت کا خاوند کو بھی علم رہے۔اور نکاح کی ولایت اور اختیار چونکہ والد کو ہے تو نکاح کرتے وقت اس کو ان تعلقات رضاعت کا معلوم ہونا مفید ہوگا۔

رضاعی بہن کے حقیقی بھائی سے نکاح درست ہے

(سوال)ایک عورت نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا دودن یا چاردن۔دودھ پینے والی لڑکی کی عمر شش ماہ کی تھی۔بعدہ،وہ لڑکی گذر گئی۔جس لڑکی نے دودھ پیا اس کا بھائی اوپر کا جس کی عمر چودہ سال کی ہے اور اس دودھ پلانے والی کی لڑکی اوپر کی ہے۔اس صورت میں ان دونوں کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں۔ان دونوں نے اپنی اپنی والدہ کا دودھ پیا ہے۔

(جواب ۲۵۹)جس لڑکی نے دودھ پیا ہے اس کا نکاح مرضعہ کے کسی لڑکے سے جائز نہیں۔لیکن اس کے بھائی کا نکاح مرضعہ کی لڑکی سے جائز ہے۔کیونکہ ان دونوں میں کوئی تعلق رضاعت کا نہیں۔ وتحل اخت اخيه رضاعا يصح اتصاله بالمضاف كان يكون له اخ نسبي له اخت رضا عية وبالمضاف اليه كان يكون لا خيه رضاعا اخت نسبا وبهما وهو ظاهرانتهى (در مختار ج ۲ ص ۲۴۲)(۱)

رضیع کے لئے مرضعہ کی سب لڑکیاں حرام ہیں

(سوال) حقیقی دو بہنیں ہیں اور ان دونوں کے پاس لڑکے ہیں دودھ پیتے ہوئے۔ایک موقع پر دونوں بہنیں شادی میں گئیں اور وہاں فرش پر سوگئیں۔لیکن بھول سے ایک بہن نے دوسری بہن کے لڑکے کو دودھ پلادیا۔جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ لڑکا میرا نہیں ہے تو اس نے اپنی بہن سے کہا کہ میں نے تیرے لڑکے کو بھول سے دودھ پلادیا ہے۔جس نے دودھ پلایا تھا اس کے دو تین حمل کے بعد لڑکی پیدا ہوئی تو اب اس لڑکے کا جس نے دودھ پیا تھا اس لڑکی کے ساتھ نکاح ہو گیا ہے آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۶۰)صورت مسئولہ میں جس لڑکے نے اپنی خالہ کا دودھ پیا ہے وہ اپنی خالہ کی کسی لڑکی سے نکاح نہیں کرسکتا۔خالہ کی تمام اولاد اس کے رضاعی بہن بھائی ہیں۔جس طرح کہ حقیقی بھائی بہن سے نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی بہن بھائی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔ يحرم على الرضيع ابواه من الرضاع و اصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعا الخ(هنديه)(۲)

بیوی بچپن میں شوہر کی ماں کا دودھ پی لے تو شوہر پر حرام ہو جائے گی

(سوال)زید کی زوجہ ایام رضاعت میں زید کی والدہ کی گود میں لیٹی تھی۔اب زید کی والدہ کہتی ہے کہ میں جب بیدار ہوئی تو زید کی زوجہ کو اپنی پستان سے دودھ پیتے دیکھا۔اس صورت میں زوجہ زید،زید کے لئے حلال ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۶۱)صورت مسئولہ میں جب کہ زوجہ زید نے اس کی ماں کا دودھ پیا ہے تو اس پر قطعی حرام ہو گئی۔ کیونکہ یہ زید کی رضاعی بہن ہو گئی اور رضاعی بہن سے نکاح حرام ہے۔ يحرم على الرضيع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعا الخ (هنديه) زید کے لئے تورع کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنی

(۱)الدر المختار ، كتاب النكاح ، باب الرضاع ، ۳/ ۲۱۷، سعيد (۲) الهندية ، كتاب الرضاع ، ۱/ ۳۴۳، ماجدية

زوجہ کو چھوڑ دے۔ لیکن اگر وہ نہ چھوڑنا چاہے تو قضاءً اس پر کوئی الزام نہیں۔ کیونکہ صرف ایک عورت کے کہنے سے رضاعت کا حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔(۱)

رضاعت کا خرچہ عدت کے شروع سے ہے یا پورا ہونے کے بعد سے

(سوال) رضاعت کا خرچہ عدت کے شروع سے ہے یا پوری ہو جانے کے بعد سے ؟ خالد کہتا ہے کہ جب عدت پوری ہو جائے جب سے اجرت رضاعت دینی چاہئے۔ کیونکہ ابھی تو عدت کے پورے ہونے تک زید ہی کا خرچہ ہے۔

(جواب ۲۶۲) چونکہ یہ عورت مطلقہ ثلثہ ہے اس لئے اگر یہ شوہر سے اولاد کی رضاعت کی اجرت مانگے تو اس کو دینا ہوگی اور یہ اجرت اس نفقہ کے علاوہ ہوگی جو ایام عدت کے زید کے ذمہ ہے۔ المعتدة عن طلاق بائن او طلقات ثلث فی روایة ابن زیاد تستحق اجر الرضاعة وعلیه الفتوٰی کذا فی جو اهر الا خلاطی (هندیه)(۲)

بچہ جتنے دن دودھ پئے گا اتنے دنوں کی اجرت دینا ہوگی

(سوال) کسی بچے نے ایک سال تک دودھ پیا اس کے بعد اناج کھانے لگا۔ لیکن ماں مطلقہ کے پاس تین سال رہا تو ایک ہی سال کی اجرت رضاعت دینی ہوگی یا تینوں سال کی ؟

(جواب ۲۶۳) بچہ جتنے دنوں تک دودھ پئے گا اتنے ہی دنوں کی اجرت رضاعت دینا ہوگی۔(۳) اس کے بعد اس کے کھانے کا خرچہ باپ کے ذمہ ہوگا۔(۴)

صرف چھاتی منہ میں لینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی

(سوال) ہندہ لیٹی ہوئی تھی اور احمد لی (ہندہ کی دختر) ہندہ کا دودھ پی رہی تھی۔ احمد لی نے دودھ چھوڑا اتنے میں ہندہ منہ موڑ کر کسی عورت سے باتیں کرنے لگی کہ اچانک حمیدہ نے (جو ہندہ کی سگی بہن کی لڑکی ہے) ہندہ کی چھاتی منہ میں لے لی۔ ہندہ نے فوراً اپنی چھاتی حمیدہ کے منہ سے نکال لی اور پھر حمیدہ کا منہ کھولا اور دیکھا تو کچھ دودھ نظر نہ آیا اور ہونٹوں کو کپڑے سے پونچھ دیا۔ کیا ایسی حالت میں رضاعت ثابت ہوگئی اور حمیدہ کا نکاح پسر ہندہ سے جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۲۶۴) محض چھاتی منہ میں لے لینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ دودھ حلق سے اترنے کا یقین یا گمان غالب نہ ہو جائے۔ التقم الحلمة ولم یدر ا دخل اللبن فی حلقه ام لا لم یحرم الخ (درمختار)(۵)

بوڑھی عورت کے پستانوں سے اگر سفید پانی نکلے تو کیا اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی ؟

(سوال) ایک عورت جس کی عمر ساٹھ برس کی ہو اور اس کے پستان سے بجائے دودھ خالص پانی نکلتا ہو اگر کوئی بچہ مدت رضاعت کے اندر پی لے تو رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں ؟

---

(۱) والرضاعة حجة حجة المال وهی شهادة عدلین او عدل و عدلتین ۔(الدر المختار، کتاب النکاح باب الرضاع، ۳ / ۲۲۴، سعید)

(۲) الهندیة، کتاب الطلاق ، الباب السابع عشر فی النفقات، ۱ /۵۶۱، ماجدیة

(۳) المعتدة عن طلاق بائن او طلقات ثلاث فی روایة ابن زیاد تستحق اجر الرضاعة وعلیه الفتوی۔ (الهندیة ، کتاب الطلاق ، الباب السابع عشر، ۱ /۵۶۱، ماجدیة)

(۴) وبعد الفطام یفرض القاضی نفقة الصغار علی قدر طاقة الاب وتدفع الی الام حتی تنفق علی الا ولا د (ایضاً)

(۵) الدر المختار ، کتاب النکاح، باب الرضاع، ۳ /۲۱۲، سعید

(جواب ۲۶۵) صورت مسئولہ میں اس عورت کی چھاتی کے پانی سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ بشرطیکہ بچہ نے دو برس کی عمر کے اندر پیا ہو۔ وھو مص من ثدی اٰدمیة ولو بکرا او میتة او ائسة فی وقت مخصوص الخ (در مختار)(۱)

زنا سے پیدا شدہ دودھ سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی

(سوال) زید کی دو بیویاں ہیں ایک منکوحہ اور دوسری غیر منکوحہ یعنی یونہی ڈال رکھی ہوئی۔ عمرو نے اس دوسری غیر منکوحہ کا دودھ پیا ہے۔ اب عمرو زید کی دوسری منکوحہ بی بی کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۲۶۶) غیر منکوحہ عورت کا دودھ اگرچہ وطی زانی سے پیدا ہوا ہے لیکن زنا سے پیدا شدہ دودھ رضیعہ کو خود زانی پر بھی حرام نہیں کرتا نہ اس کی اولاد پر پس عمرو جو زنا کے دودھ کا رضیع ہے اس پر زانی کی اولاد جو دوسری بیوی سے ہے حرام نہ ہوگی۔ اور عمرو کا نکاح اس سے جائز ہے۔ وحاصله ان فی حرمة الرضیعة بلبن الزنا علی الزانی وکذا علی اصوله وفروعه روایتین وان الا وجه روایة عدم الحرمة (در المختار)(۲)

بیوی کا دودھ پینے سے بیوی حرام نہیں ہوتی لیکن ایسا کرنا گناہ ہے

(سوال) اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کا دودھ پی لے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی یا نہیں؟ اور بے ضرورت دودھ پینے سے گناہ گار ہو گا یا نہیں؟

(جواب ۲۶۷) اپنی زوجہ کا دودھ پینے سے وہ حرام نہیں ہوتی۔ ہاں اس کا دودھ پینا حرام ہے جو ایسا کرے گا گناہ گار ہوگا۔ مص رجل ثدی زوجة لم تحرم (در مختار)(۳) ولم یبح الا رضاع بعد مدته لا نه جزء ادمی والا نتفاع به لغیر ضرورة حرام علی الصحیح (در مختار)(۴)

کیا رضاعی بھائی کی حقیقی بہن سے نکاح درست ہے؟

(سوال) مولانا مولوی محمد حسین خاں ندوی جھجری جب دیول گھاٹ میں تشریف فرما تھے اس وقت رضاعت کے متعلق استفسار کرنے پر منجملہ کئی طریقوں کے ایک اس طریقے اور مضمون و مفہوم کا فتویٰ مولانا مذکور نے تحریر ارسال فرمایا کہ رضاعی بھائی کی حقیقی بہن کو نکاح کرنا درست ہے۔ مثلاً زید کی ماں زہرہ ہے اور خالد کی ماں عصمت ہے۔ پس زید اور خالد دونوں نے عصمت کا دودھ پیا تو اب زید اور خالد دونوں رضاعی بھائی ہوئے۔ پس زید کے حق میں عصمت کی لڑکی اور خالد کے حق میں زہرہ کی لڑکی کو نکاح کرنا درست ہے۔

مذکورہ فتویٰ خاکسار کی سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ میرے خیال ناقص سے اگر مذکورہ بالا مسئلہ درست ہے تو میری لڑکی کا نکاح میری ہمشیرہ کے لڑکے کے ساتھ جائز ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میری حقیقی بہن کے تین لڑکے اور لڑکیاں ہیں۔ لڑکوں کی اس وقت عمر ۲۷۔ ۲۵۔ ۲۳ سال کی اندازاً ہوگی اور لڑکیوں کی عمر اندازاً ۱۷۔ ۱۵۔ ۹ سال ہوگی۔ میری لڑکی کی عمر تخمیناً پندرہ سال کی ہوگی۔ میری لڑکی نے اپنی عمر شیر خوارگی میں جب کہ میری ہمشیرہ کی پندرہ سالہ لڑکی دودھ

(۱) الدر المختار، کتاب النکاح، باب الرضاع، ۳/ ۲۱۲، سعید
(۲) الدر المختار، کتاب النکاح، باب الرضاع، ۳/ ۲۲۰، سعید
(۳) الدر المختار، کتاب النکاح، باب الرضاع، ۳/ ۲۲۲، سعید
(۴) الدر المختار، کتاب النکاح، باب الرضاع، ۳/ ۲۲۵، سعید

پیتی تھی اس زمانے میں ہمشیرہ کا دودھ پیا ہے۔ میری لڑکی کا نام خدیجہ اور ہمشیرہ کی لڑکی کا نام لطیفہ ہے۔ یعنی خدیجہ اور لطیفہ نے اپنی عمر شیر خوارگی میں میری ہمشیرہ یعنی لطیفہ کی والدہ کا دودھ پیا ہے۔ اس طرح لطیفہ اور خدیجہ دونوں رضاعی بہنیں ہوتی ہیں۔ چونکہ میری لڑکی خدیجہ نے میری ہمشیرہ کا دودھ پیا ہے لہذا میری ہمشیرہ کے مذکورہ لڑکے بھی بلالحاظ عمر میری لڑکی کے رضاعی بھائی بہن ہوتے ہیں اور اس وجہ سے میری مذکورہ لڑکی ہمشیرہ کے کسی بھی لڑکے کو نکاح میں دینا جائز نہیں۔ ایسا میرا خیال تھا اور فتویٰ کی کتابوں سے یہی اخذ ہو سکا۔ اگر مولانا موصوف کا فتویٰ صحیح ہے تو کیا اس فتوے کی قوت پر میں اپنی لڑکی بنام خدیجہ ہمشیرہ کے تینوں لڑکوں میں سے کسی لڑکے کو نکاح میں جائز طریقے سے دے سکتا ہوں؟

(جواب ۲۶۸) رضاعت کا قاعدہ یہ ہے کہ جو بچہ جس عورت کا دودھ پی لیتا ہے اس عورت کی تمام اولاد اس بچے کی رضاعی بہن بھائی ہو جاتی ہے۔ پس جب کہ زید نے عصمت کا دودھ پیا تو عصمت کی تمام اولاد زید کے بہن بھائی بن گئے اس لئے زید کا نکاح عصمت کی کسی لڑکی سے جائز نہیں۔(۱) اسی طرح جب کہ خدیجہ نے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا تو پھوپھی کی تمام اولاد خدیجہ کی بہن بھائی ہو گئی اور خدیجہ کا نکاح پھوپھی کے کسی لڑکے سے جائز نہیں۔(۲) فتویٰ محولہ میں جو قاعدہ لکھا ہے کہ رضاعی بھائی کی حقیقی بہن سے نکاح درست ہے۔ وہ بھی صحیح ہے۔(۳) مگر اس میں اتنی شرط اور ہے کہ رضاعی بھائی کی ایسی حقیقی یا رضاعی بہن سے نکاح درست ہے جو نکاح کرنے والے لڑکے کی رضاعی بہن نہ ہوتی ہو۔ پس پہلی مثال میں جو فتویٰ محولہ بالا میں مذکور ہے یہ قاعدہ ایک طرف سے جاری ہو گا یعنی خالد کے لئے جائز ہو گا کہ وہ اپنے رضاعی بھائی زید کی حقیقی بہن سے نکاح کرلے کیونکہ زید کی حقیقی بہن خالد کی رضاعی بہن نہیں ہے۔ مگر زید کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے رضاعی بھائی خالد کی حقیقی بہن سے نکاح کرے(۴) کیونکہ عصمت کی تمام اولاد زید کی رضاعی بہن بھائی بن چکی ہے۔ واللہ اعلم۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

رضاعی بھائی بہن کا نکاح آپس میں کر دیا گیا کیا حکم ہے؟

(سوال) ایک لڑکے لڑکی نے ایک عورت کا دودھ پیا ہے کئی مہینے متواتر۔ اب جاہل ماں باپ نے ان کا نکاح کر دیا۔ لیکن لڑکی اس مسئلہ سے واقف ہے۔ وہ کہتی ہے کہ میرا اس کا شرعاً نکاح نہیں ہو سکتا میں اس کے گھر رہ کر اولاد حرام کی نہیں جنتی اور دوزخی نہیں بنتی۔ عرصہ تیرہ سال سے کھانے پینے کو کچھ نہیں دیا۔ عورت سائلہ اپنا گزارہ مصیبت بھر کر کرتی رہی اب کیا کیا جائے؟

المستفتی نمبر ۸۴ مولوی عبداللہ ریاست فرید کوٹ۔ ۵ رجب المرجب سن ۱۳۵۲ھ م ۲۶ اکتوبر سن ۳۳ء

---

(۱) یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعاً۔ (الهندیة، کتاب الرضاع، ۱/ ۳۴۳، ماجدیة)

(۲) ایضاً

(۳) وتحل اخت اخیه رضاعاً یصح اتصاله بالمضاف کان یکون له اخ نسبی له اخت رضاعیة، وبالمضاف الیه کان یکون لاخیه رضاعاً اخت نسباً وبهما و هو ظاهر۔ (الدر المختار، کتاب النکاح باب الرضاع، ۳/ ۲۱۷، سعید)

(۴) عن عائشة زوج النبی صلی الله علیه وسلم: ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: یحرم من الرضاع ما یحرم من الولادة۔ (سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب ما یحرم من الرضاعة، ۱/ ۲۸۰، سعید)

(جواب ۲۶۹) اگر زوجین نے حالت شیر خوارگی میں ایک عورت کا دودھ پیا ہے تو ان دونوں کا آپس میں نکاح حرام ہے۔(۱) اگر نکاح ہو چکا ہے تو دونوں میں تفریق کرانی لازم ہے اور تفریق کے بعد عدت گزار کر عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

دودھ پلانے والی کی تمام اولاد دودھ پینے والے پر حرام ہے

(سوال) ہندہ کے چھ لڑکے مسمیان اکبر، احمد، حسین، یعقوب، انور، غوث ہیں۔ ہندہ کے بھائی مسمی زید کی دو لڑکیاں مسماۃ سلمیٰ، زینب ہیں۔ غوث اور سلمہ نے ہندہ کا دودھ ساتھ پیا ہے تو ہندہ کے اول الذکر پانچ لڑکوں میں سے کوئی ایک لڑکا مسماۃ سلمہ سے عقد شرعی کر سکتا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۲۲۶ احمد علی خاں۔ کاچیگوڑہ حیدر آباد دکن۔ یکم شعبان سن ۱۳۵۲ھ م ۲۰ نومبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۷۰) مسماۃ سلمہ ہندہ کی رضاعی بیٹی ہو گئی اور ہندہ کی تمام اولاد سلمہ کی رضاعی اخوت میں شامل ہو گئی۔ اس لئے ہندہ کے کسی لڑکے سے سلمہ کا نکاح جائز نہیں ہو گا۔(۲) ہاں ہندہ کے لڑکوں کا نکاح زینب سے جائز ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

رضاعت میں صرف ایک عورت کی گواہی معتبر نہیں

(سوال) نصیر نے مسماۃ ملیحہ کی بیٹی قریشہ سے عقد کیا جس سے دو لڑکے بھی پیدا ہوئے۔ اب مسماۃ ملیحہ یہ کہتی ہیں کہ میں نے مسماۃ نصیبا کا دودھ پیا ہے اور نصیر کو بھی کہتی ہیں کہ اس نے بھی مسماۃ مذکور کا دودھ پیا ہے۔ لیکن دودھ پینے کی صورت یہ بیان کرتی ہیں کہ مسماۃ نصیبا کی بتول نامی ایک بیٹی ہوئی جس کا جھوٹا دودھ مسماۃ ملیحہ نے پیا اور اس کی آٹھ دس برس بعد اسی مسماۃ نصیبا کے عبدالکریم نامی ایک بیٹا ہوا جس کا جھوٹا دودھ نصیر نے پیا۔ یعنی دونوں نے ایک دودھ نہیں بلکہ آٹھ دس برس کے فرق سے الگ الگ دودھ پیا ہے تو ایسی صورت میں مسماۃ ملیحہ کی بیٹی اور نصیر کا رشتہ رضاعت ثابت ہو گا۔ اور نکاح فسخ ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۷۳ عبدالرحمٰن (دارجلنگ) ۱۰ ربیع الثانی سن ۱۳۵۳ھ م ۲۳ جولائی سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۷۱) ثبوت حرمت رضاعت کے لئے ضروری ہے کہ بچے نے اپنی دو سال کی عمر کے اندر دودھ پیا ہو۔(۴) دو سال کی عمر کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔(۵) یہ ضروری نہیں کہ ایک زمانہ ہو(۶) اور ایک ہی بچے پر کا دودھ دونوں نے پیا ہو۔ بلکہ اگر لڑکے نے ایک عورت کا دودھ ایک وقت میں پیا اور لڑکی نے اس کے دس سال بعد اس عورت کا دودھ پیا تو یہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہو جائیں گے۔ اگر صورت واقعہ میں ملیحہ

(۱) حرمت علیکم امهاتکم وبناتکم واخواتکم من الرضاعة (النساء: ۲۳) (۲) ایضاً

(۳) وتحل اخت اخیه رضاعاً یصح اتصاله بالمضاف کان یکون له اخ نسبی له اخت رضاعیة، وبالمضاف الیه کان یکون لاخیه رضاعاً اخت نسباً و بهما و هو ظاهر۔ (الدر المختار، کتاب النکاح باب الرضاع، ۳ / ۲۱۷، سعید)

(۴) وهو مص من ثدی آدمیة ولو بکراً او میتة او آیسة فی وقت مخصوص وهو حولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح وبه یفتی۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الرضاع ۳ / ۲۰۹، سعید) (۵) واذا مضت مدة الرضاع لم یتعلق بالرضاع تحریم لقوله علیه السلام "لا رضاع بعد الفطام۔ (الهدایة، کتاب الرضاع، ۲ / ۳۵۰، شرکت علمیه)

(۶) ولا یشترط الاجتماع علی ثدیها هنا۔ (تبیین الحقائق، کتاب الرضاع، ۲ / ۱۸۴، امدادیه)

کے بیان کے ساتھ اور کوئی شہادت دودھ پینے کی نہیں ہے تو ملیحہ کا بیان لغو ہوگا اور نصیر و قریشہ میں تفریق نہیں کی جائے گی نہ قضاءً نہ دیانۃً۔ قضاءً اس لئے کہ ثبوت رضاعت کے لئے دو گواہ (مرد) یا ایک مرد دو عورتیں درکار ہیں۔(۲) اور دیانۃً اس لئے کہ اس قدر طویل مدت تک ملیحہ کا خاموش رہنا اور اس تعلق کو ظاہر نہ کرنا اس کے موجودہ بیان کا مکذب ہے۔ البتہ اگر ملیحہ کے سوا اور بھی گواہ اس واقعہ کے موجود ہوں اور رضاعت ثابت ہو جائے تو نصیر و قریشہ میں تفریق لازم ہو جائے گی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

کیا شوہر بیوی کو دودھ پلانے پر مجبور کر سکتا ہے؟

(سوال) مرد اپنی زوجہ کو بچے کے دودھ پلانے پر مجبور کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۴۹۶ محمد انور (ضلع جالندھر) ۲۰ ربیع الاول سن ۱۳۵۴ھ م ۲۳ جون سن ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۷۲) مرد کو یہ حق نہیں کہ منکوحہ عورت پر بچے کو دودھ پلانے کے لئے جبر کرے۔ بشرطیکہ وہ اتنی استطاعت رکھتا ہو کہ بچے کے لئے دایہ کا انتظام کر سکے ورنہ ماں پر بچے کو دودھ پلانا لازم ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

بیوی کا دودھ پینا حرام ہے

(سوال) زید اپنی بیوی کا دودھ پینا جائز سمجھتا ہے۔

المستفتی نمبر ۶۱۱ حکیم محمد قاسم (ضلع میانوالی) ۷ جمادی الثانی سن ۱۳۵۴ھ م ۱۶ ستمبر سن ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۷۳) بیوی کا دودھ پینا حرام ہے سوائے مدت رضاعت کے عورت کا دودھ استعمال کرنا خواہ شوہر کرے یا اور کوئی، حرام ہے(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

رضاعی بھائی کے حقیقی بہن بھائیوں کا مرضعہ کی اولاد سے نکاح جائز ہے

(سوال) اگر کسی نے ایک عورت کا دودھ پیا تو پینے والے کے لئے اس کی لڑکی حرام ہو گی یا پینے والے کے اور بھائی بہن کے لئے بھی حرام ہو گی؟

المستفتی نمبر ۶۴۶ عبدالاحد (ضلع دربھنگہ) ۱۴ رجب سن ۱۳۵۴ھ م ۱۳ اکتوبر سن ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۷۴) پینے والے کے لئے اس کی لڑکی حرام ہو گی۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۲) وهي شهادة عدلين اى من الرجال وافاد انه لا يثبت بخبر الواحد امرأة كان او رجلاً قبل العقد او بعده. (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الرضاع، ۳/ ۲۲۴، سعید)

(۳) الولد الصغير اذا كان رضيعاً فان كانت الام في نكاح الاب والصغير ياخذ لبن غيرها لا تجبر الام على الرضاع وان لم ياخذ الولد لبن غيرها، قال شمس الائمة الحلواني رحمة الله تعالى: لاتجبر ايضاً وقال شمس الائمة السرخسي: تجبر ولم يذكر فيه خلافاً، وعليه الفتوى، وان لم يكن للاب ولا للولد مال تجبر الام على الرضاع عند الكل. (الخانیۃ علی هامش الهندیۃ، کتاب الرضاع، ۱/ ۵۶۰، ماجدیۃ)

(۴) ولم يبح الارضاع بعد مدته، لا نه جزء آدمى والا نتفاع به لغير ضرورة حرام على الصحيح شرح الوهبانية. (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الرضاع، ۳/ ۲۱۱، سعید)

دودھ پینے والے کے لئے دودھ پلانے والی کی سب لڑکیاں حرام ہیں۔

(سوال) زید کی کئی حقیقی خالہ زاد بہنیں ہیں۔ان بہنوں میں سے صرف ایک بہن کے ساتھ زید نے اپنی خالہ کا دودھ پیا ہے۔ایک اس بہن کو چھوڑ کر باقی بہنوں میں سے کسی ایک کے ساتھ زید نکاح کر سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۶۷۱ محمد حسین بی اے۔بی۔ٹی ملیگ (دہلی) شعبان سن ۱۳۵۴ھ م ۹ نومبر سن ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۷۵) جس خالہ کا دودھ زید نے پیا ہے اس کی تمام لڑکیاں زید کی رضاعی بہنیں ہو گئیں۔ان میں سے کسی کے ساتھ زید کا نکاح جائز نہیں۔(۱)(۲) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

(سوال) رضاع الکبیر قرآن وحدیث واقوال ائمہ سے ثابت ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۶۸۴ مولوی رحمت اللہ۔اجمیری دروازہ دہلی۔ ۱۲ رمضان سن ۱۳۵۴ھ م ۹ دسمبر سن ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۷۶) ھوالموفق۔حرمت رضاعت دو سال کی عمر سے مخصوص ہے۔دو سال کی عمر کے بعد کی رضاعت محرم نہیں ہے اور عمر رضاعت قرآن مجید سے ثابت ہے۔(۳) اور حرمت کا عمر رضاعت کے ساتھ مخصوص ہونا حدیث انما الرضاعة من المجاعة(۴) وغیرہ سے ثابت ہے۔سالم کا واقعہ مخصوص ہے کیونکہ وہ مخصوص صریحہ کا یہ کے خلاف ہے۔(۵) اس لئے مورد پر مخصوص رکھا جائے گا۔جمہور علمائے سلف وخلف کا یہی مذہب ہے۔واللہ اعلم۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

رضاعت کے بارے میں ایک عورت کی شہادت معتبر نہیں

(سوال) کچھ عرصے سے زینب کی والدہ کی منشا یہ تھی کہ زینب کا نکاح زید کے ساتھ کرے۔لیکن زید نے بوجہ منکوحہ بیوی کے زندہ ہونے کے پہلو تہی کی۔اب بعد وفات اپنی منکوحہ بیوی کے زید نے زینب سے نکاح کرنے کی رضامندی ظاہر کی تو والدہ زینب نے یہ ظاہر کیا کہ زید نے اس کا دودھ پیا ہے جب کہ اس کا لڑکا عمرو شیر خوار تھا۔نیز ظاہر کرتی ہے کہ زید بوقت پیدائش عمرو دو سوا دو سال کی عمر کا تھا اور جب کہ عمرو کی عمر آٹھ نو ماہ کی تھی اس وقت زید نے دودھ پیا تھا۔لیکن کوئی شہادت کسی قسم کی بابت رضاعت نہیں ہے نیز فی الحقیقت زید عمرو سے تین سال بڑا ہے۔حسب بیان والدۂ زینب اگر زید نے دو سال گیارہ مہینے کی عمر میں والدۂ زینب کا دودھ پیا ہو تو کیا زید زینب اور عمرو کا رضاعی بھائی ہوگا؟ المستفتی نمبر ۶۹۸ مولوی عبدالستار (خورجہ) ۶ شوال سن ۱۳۵۴ھ م ۲ جنوری سن ۱۹۳۶ء

---

(۱) عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة ـ (سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب مایحرم من الرضاعة، ۱ / ۲۸۰، سعید)

(۲) ایضا

(۳) والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة ـ (البقرة: ۲۳۳)

(۴) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب من قال لا رضاع بعد الحولین ۲/ ۷۶۴، قدیمی

(۵) واجابوا عن قصة سالم باجوبة منها انه حکم منسوخ ... ومنها دعوی الخصوصیة بسالم ... والاصل فیه قول ام سلمة وازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم: مانری هذا الا رخصة ارخصها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاصة ـ (فتح الباری، کتاب النکاح، ۹/ ۱۴۹، دار الفکر بیروت)

(جواب ۲۷۷) دو سال کی عمر کے بعد رضاعت کے احکام ثابت نہیں ہوتے۔(۱) اور صرف ایک عورت کے کہنے سے رضاعت ثابت نہیں ہو سکتی۔(۲) اگر فی الحقیقت زید عمر و سے تین سال بڑا ہے اور زید نے اپنی دو سال کی عمر کے اندر والدہ کا دودھ نہیں پیا ہے اور سوائے والدہ زینب کے اور کوئی شہادت بھی نہیں ہے تو زید اور زینب کے نکاح کے لئے کوئی مانع نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

دو عورتوں کی گواہی سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

(سوال) زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہونے کی تجویز ہے۔ صرف دو عورتیں بحلف یہ بیان کرتی ہیں کہ ہندہ کو زید کی علاتی بہن موئد النساء نے دودھ پلایا ہے۔ بیان کرنے والی ایک تو ہندہ کی والدہ شبیر جہاں بیگم ہیں۔ دوسری زید کی دوسری علاتی بہن سعید النساء بیگم ہیں۔ یہ دونوں اس بیان پر متفق ہیں کہ ہندہ کو چھاتی سے لگاتے ہوئے اور چوستے ہوئے تو ہم نے دیکھا۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہندہ کے منہ میں دودھ گیایا نہیں۔ ان دونوں کے علاوہ اور کوئی مرد یا عورت اس دودھ پلانے کا شاہد نہیں ہے۔ بخلاف اس کے خود موئد النساء متوفیہ کی خواہش یہ تھی کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہو اور وہ مسئلہ مسائل سے واقف بھی تھیں۔ اگر دودھ پلانے کا واقعہ صحیح ہوتا تو ان کی ذات سے بعید تھا کہ وہ ہندہ کے نکاح کا رشتہ زید کے ساتھ تجویز کرتیں۔ پس اس صورت میں جب کہ موئد النساء کی اس خواہش اور رشتہ تجویز کرنے کی شہادتیں بھی موجود ہیں ہندہ کا نکاح شرعاً زید کے ساتھ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۰۹۵ محمد عبدالرشید صاحب وکیل ہائی کورٹ (ریاست گوالیار) ۱۴ جمادی الاول سن ۱۳۵۵ھ م ۳ اگست سن ۱۹۳۶ء

(۱) ویثبت التحریم فی المدة فقط (الدر المختار) وفی الرد : وفی المدة فقط اما بعدها فانه لا یوجب التحریم (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الرضاع، ۳/ ۲۱۱، سعید)
(۲) ولا یقبل فی الرضاع الا شهادة رجلین او رجل وامرتین عدول کذافی المحیط (الهندیة، کتاب الرضاع، ۱/ ۳۴۷، ماجدیة)

(جواب ۲۷۸) چونکہ زید النساء جن کے دودھ پلانے کا ذکر کیا جاتا ہے وفات پاچکی ہیں ان کی طرف سے تو کوئی بیان حاصل نہیں ہو سکتا بخلاف اس کے اگر ان کی یہ خواہش نہ تھی بدو ہندہ کا رشتہ ہو جائے تلث ہو تو عدم رضاعت کی تائید ہو گی۔ اور دو عورتیں جو رضاعت کا ذکر کرتی ہیں وہ بھی یقینی طور پر دودھ حلق سے اترنے کا دعویٰ نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ ثبوت رضاعت کے لئے شہادت کا نصاب بھی لازمی ہے وہ بھی موجود نہیں (یعنی دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں) اس لئے صورت واقعہ میں رضاعت کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔(۱) اور زید و ہندہ کا رشتہ ازدواج روکا نہیں جا سکتا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیوی کا دودھ پینے سے نکاح نہیں ٹوٹتا

(سوال) اگر کسی شخص نے قصداً یا سہواً اپنی زوجہ کا دودھ پی لیا تو کیا حکم ہے؟ کیا اس کی وجہ سے نکاح پر کچھ اثر ہو گا؟

المستفتی نمبر ۱۱۸۰ سید جلال الدین (ضلع آرہ۔ شاہ آباد) ۲۲ جمادی الثانی سن ۱۳۵۵ھ م ۱۰ ستمبر سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۷۹) دودھ زوجہ کا پینا حرام ہے (۲) لیکن بالغ شوہر کے اس عمل سے زوجہ اس کے نکاح سے نہیں نکلتی۔(۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دادی کا دودھ پینے والے کا پھوپھی اور چچا کی اولاد سے نکاح حرام ہے

(سوال) ایک لڑکا ہے جس نے اپنی دادی کا دودھ پیا ہے اور اس کی پھوپھی کی لڑکی ہے مگر وہ پھوپھی اس سے بڑی ہے اور چچا کی بھی لڑکی ہے۔ وہ بھی اس سے بڑا ہے تو وہ ان کی لڑکیوں سے شادی کر سکتا ہے یا کہ نہیں۔ جس پھوپھی کے ساتھ اس نے دودھ پیا ہے اس سے اس کا چچا اور پھوپھی بڑے ہیں ان کی لڑکیوں سے شادی کر سکتا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۳۹۹ عبدالستار صاحب انصاری (سندھ) ۲۷ محرم ۱۳۶۵ھ م ۱۰ اپریل سن ۷ ۱۹۳ء

---

(۱) ولا فی الرضاع الا شهادة رجلین اورجل و امرتین عدول (الهندیة ، کتاب الرضاع، ۱ /۳٤۷، ماجدیة)

(۲) ولم یبح الارضاع بعد مدته ، لانه جزء آدمی والا نتفاع به لغیر ضرورة حرام علی الصحیح (الدر المختار، کتاب النکاح باب الرضاع ۳/ ۲۱۱، سعید

(۳) اذا مص الرجل ثدی امرأته و شرب لبنها لم تحرم علیه امرأته لما قلنا انه لا رضاع بعد الفصال (الخانیة علی هامش الهندیة، کتاب النکاح ، باب الرضاع ، ۱ /٤۱۷ ، ماجدیة)

(جواب ۲۸۰) جس لڑکے نے اپنی دادی کا دودھ پیا ہے وہ اپنی کسی پھوپھی اور کسی چچا کی لڑکیوں سے شادی نہیں کر سکتا(۱) کیونکہ تمام پھوپھیاں اور تمام چچا اس کے بھائی بہن ہو گئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بچی کے منہ میں چھاتی دی مگر دودھ نہیں نکلا، کیا حکم ہے؟

(سوال) زید کی ماں نے زید کی چچازاد بہن کے منہ میں اپنی چھاتی دی مگر اس میں دودھ نہیں نکلا تو زید اور زینب کی شادی آپس میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۱۴ محمد عبدالسلام صاحب (الہ آباد) ۱۱ ربیع الثانی سن ۱۳۵۶ھ ۲۱ جون سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۸۱) اگر یہ بات یقینی ہے کہ دودھ نہیں نکلا اور زینب نے زید کی ماں کا دودھ نہیں پیا تو ان دونوں کا باہم نکاح جائز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے

(سوال) زید نے اپنی چچیری بہن ہندہ کا دودھ چھ مہینے کی عمر میں ایک ماہ تک پیا ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ زید کی لڑکی کا ہندہ کے لڑکے کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۸۴۳ عبدالعزیز بلیاوی۔ ۲۸ رجب سن ۱۳۵۶ھ م ۴ اکتوبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۸۲) زید کی لڑکی اور ہندہ کے لڑکے کا نکاح آپس میں جائز نہیں۔(۳) کیونکہ زید ہندہ کے لڑکے کا رضاعی بھائی ہو گیا ہے اور زید کی لڑکی اس کی بھتیجی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ایضاً

(سوال) زید کے والدین کا انتقال ہو جاتا ہے۔ زید کے حقیقی ماموں کی ایک لڑکی ہے۔ اب زید بالغ ہے اور ماموں کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر زید کی نانی حقیقی نے زید کو اپنے دودھ سے پرورش کیا ہے جب کہ زید اپنی نانی کا دودھ پی چکا ہے تو کیا اس کے ماموں کی لڑکی اس کے لئے جائز ہے؟

المستفتی نمبر ۲۱۷۰ شیخ شفیع احمد (دہلی) ۲ ذیقعدہ سن ۱۳۵۶ھ م ۵ جنوری سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۸۳) زید کے ماموں کی لڑکی زید کی رضاعی بھتیجی ہے اس لئے زید کا نکاح جائز نہیں۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة (سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب ما یحرم من الرضاعة ۱ / ۲۸۰، سعید)

(۲) ولو ادخلت الحلمة فی فی الصبی وشکت فی الارضاع لا تثبت الحرمة بالشک (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الرضاع، ۳ / ۲۱۲، سعید)

(۳) عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة (سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب ما یحرم من الرضاعة، ۱ / ۲۸۰، سعید)

(۴) ایضاً

رضاعی بہن سے نکاح

(سوال) کسی لڑکے نے کسی عورت کا دودھ پیا۔ جس عورت کا دودھ پیا گیا اس عورت کے لڑکے کے ساتھ دودھ پینے والی لڑکی کا نکاح جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۲۷۹ اے۔ سی منصوری (بمبئی) ۲ ربیع الثانی سن ۱۳۵۷ھ

(جواب ۲۸٤) دودھ پینے والی لڑکی کا نکاح دودھ پلانے والی عورت کے لڑکے سے ناجائز ہے۔(۱) کیونکہ یہ لڑکی اور لڑکا آپس میں رضاعی بھائی اور بہن ہیں۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(جواب دیگر ۲۸۵) جس لڑکی نے کسی عورت کا دودھ پیا ہے اس لڑکی کی شادی دودھ پلانے والی کے بیٹے یا پوتے سے جائز نہیں ہے۔(۲)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

عورت نے شوہر کی اجازت کے بغیر دودھ پلایا تو بھی حرمت ثابت ہوگی

(سوال) مسمی زید مسمی بکر کا ماموں زاد بھائی ہے اور ایام رضاعت میں بکر اور زید نے اکٹھا دودھ پیا ہے یعنی رضاعی بھائی بھی ہیں۔ اب بکر کے چھوٹے حقیقی بھائی مسمی عمرو کے ساتھ زید اپنی لڑکی مسماۃ ہندہ کا سلسلہ مناکحت قائم کرنا چاہتا ہے۔ شرعی طور پر کیا یہ نکاح جائز ہو سکتا ہے۔ قریباً بیس علمائے کرام نے فیصلہ دیا ہے کہ موجودہ صورت مسئلہ میں نکاح جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اب چند ایسے لوگوں نے جو نکاح کرنے کے حق میں ہیں یہ وجہ جواز پیش کی ہے کہ دودھ بلا اجازت خاوند پلایا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سفید جھوٹ ہے کیونکہ دودھ پلانے کی میعاد تین یا اڑھائی ماہ ہے۔

المستفتی نمبر ۲۳۱۶ رسول شاہ صاحب لائل پور۔ ۱۴ ربیع الثانی سن ۱۳۵۷ھ ۱۴ جون سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۸٦) زید اور بکر نے اگر بکر کی والدہ کا دودھ پیا ہے تو بکر کے کسی بھائی کے ساتھ زید کی لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔(۳) خواہ دودھ خاوند کی اجازت سے پلایا ہو یا بغیر اجازت۔ فقط　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا دایہ کا قول ثبوت رضاعت کے لئے کافی ہے ؟

(سوال) (۱) ایک دایہ نے اپنی ایام رضاعت میں مسماۃ سکینہ کو دودھ پلایا ہے۔ اس کے دس بارہ سال بعد زید کو بھی دودھ پلایا ہے۔ مسماۃ سکینہ کی لڑکی فاطمہ سے زید کا نکاح کیا گیا ہے اور ان کے بطن سے ایک دو اولاد بھی ہوئی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہو گیا ہے کہ یہ رضاعی ہمشیر زادی ہے نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں۔ دایہ اقرار کرتی ہے میں نے ان دونوں کو بھی دودھ پلایا ہے۔ زید اس بات سے انکار کرتا ہے میں نے دودھ نہیں پیا ہے۔ اس لئے کہ فاطمہ سے والہانہ محبت ہے اور اپنے اقربا میں ننگ و عار سمجھ کر اس پر راضی نہیں ہے۔ زید کی والدہ اس کی رضاعت کو تسلیم کرتی تھی۔ مگر سکینہ کو دودھ پلانے کا اس کو علم نہ تھا۔ افسوس اس دنیا سے زید کی والدہ کوچ کر گئی۔

رضاعی بھائی کی حقیقی بہن سے نکاح

(۲) زید و کلثوم حقیقی بہنیں ہیں۔ زہرہ نے اپنے چوتھے لڑکے کا دودھ کلثوم کے پہلے لڑکے کو پلایا ہے اور کلثوم نے اپنے دوسرے لڑکے کا دودھ زہرہ کے چھوٹے لڑکے کو پلایا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زہرہ کے کسی لڑکے کو کلثوم کی لڑکی سے

---

(۱) ایضاً .... صفحہ نمبر ۱٦۹ پر حاشیہ نمبر ۳ ملاحظہ فرمائیے شکریہ

(۲) عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ان اللہ حرم من الرضاع ماحرم من النسب (جامع الترمذی ابواب الرضاع والطلاق ، باب ماجاء یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب ۱ /۲۱۷، سعید) (۳) ایضاً

یا کلثوم کے لڑکے کو زہرہ کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں رضاعت سے کون سی چیز شرعاً ممنوع قرار پائی ہے؟
المستفتی نمبر ۲۶۳۵ ایم۔ عبد اللطیف صاحب ویلوری (بنگلور کینٹ)

(جواب ۲۸۷)(۱) اگر زید اور سکینہ کو دایہ مذکورہ کا دودھ پلانا شہادت شرعیہ سے ثابت ہو تو دونوں کا آپس میں نکاح ناجائز تھا۔ اب تفریق کرا دینی لازم ہے۔(۱) لیکن اگر اس کی شہادت موجود نہ ہو اور ان دونوں (زید اور سکینہ) کو اپنی رضاعت کا یقین نہ ہو تو صرف دایہ کے بیان سے ان دونوں میں قضاءً تفریق نہیں کرائی جا سکتی۔ البتہ احتیاط اور تقوے کی رو سے ان کو خود ایک دوسرے سے قطع تعلق کر لینا بہتر ہے۔(۲)
(۲) زہرہ کے کسی ایسے لڑکے کا جس نے کلثوم کا دودھ نہیں پیا ہے کلثوم کی ایسی لڑکی سے جس نے زہرہ کا دودھ نہ پیا ہو نکاح جائز ہے۔ اسی طرح کلثوم کے ایسے لڑکے کا جس نے زہرہ کا دودھ نہیں پیا ہے زہرہ کی ایسی لڑکی سے جس نے کلثوم کا دودھ نہ پیا ہو نکاح جائز ہے۔(۳) زہرہ کے اس لڑکے کا یا لڑکی کا جس نے کلثوم کا دودھ پیا ہے کلثوم کے کسی بچے کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ اسی طرح کلثوم کے اس بچے کا جس نے زہرہ کا دودھ پیا ہے زہرہ کے کسی بچے کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

(سوال) زید کی عمر تخمیناً دو سال چار ماہ کی تھی اور زید کچھ کھانے پینے بھی لگا تھا مگر دودھ ضرور پیتا تھا۔ دفعۃً والدہ زید بیمار پڑ گئی۔ بدیں وجہ زید کو ہمشیرہ حقیقی ہندہ نے چند دن وقتاً فوقتاً اپنا دودھ پلایا ہے۔ دریں صورت زید اپنی دختر کا نکاح ہندہ کے لڑکے کے ساتھ کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۷۰۸ حاجی محمد سلیمان صاحب دہلی۔ ۲۲ صفر سن ۱۳۶۱ھ م ۱۱ مارچ سن ۱۹۴۲ء

(جواب ۲۸۸) دو سال کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاع قول راجح کے موافق ثابت نہیں۔(۵) ہو تی لہذا زید کا رشتہ رضاعت بہن کے ساتھ قائم نہیں ہوا۔ پس زید کی لڑکی کا نکاح ہندہ کے لڑکے کے ساتھ جائز ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دودھ پینے والی لڑکی کا نکاح دودھ پلانے والی کے کسی لڑکے سے صحیح نہیں

(سوال) ہندہ نے اپنے بچے شیر خوار کے زمانے میں جمیلہ کی بچی کو جس کی عمر ۲½ سال سے کم تھی دودھ پلایا تو کیا ہندہ اور جمیلہ کی اولاد رضاعت میں کیا اگلی پچھلی بھی شمار ہو گی یا نہیں، دونوں میں باہم شادی حرام ہے؟

المستفتی نمبر ۲۸۰۹، ۲۵ صفر سن ۱۳۶۶ھ

---

(۱) ولا يقبل في الرضاع الا شهادة رجلين او رجل وامراتين عدول ، كذافي المحيط، ولا تقع الفرقة الا بتفريق القاضي ۔ (الهندية، كتاب الرضاع ۱/ ۳۴۷، ماجدية)
(۲) الكن في محرمات الخانية ان كان قبله والمخبر عدل ثقة لا يجوز النكاح ، وان بعده وهما كبيران فالا حوط التنزه ۔ (رد المحتار، كتاب النكاح باب الرضاع ۳/ ۲۲۴، سعید)
(۳) وتحل اخت اخيه رضاعا ۔ (الدر المختار، كتاب النكاح باب الرضاع ۳/ ۲۱۷، سعید)
(۴) عن علي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ان الله حرم من الرضاع ماحرم من النسب ۔ (جامع الترمذي، ابواب الرضاع، باب ما جاء يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب ۱/ ۲۱۵، سعید)
(۵) وبثبت التحريم في المدة فقط اما بعدها فانه لا يوجب التحريم ۔ (رد المحتار، كتاب النكاح باب الرضاع ۳/ ۲۱۱، سعید)

(جواب ۲۸۹) ہندہ نے جمیلہ کی بچی کو جب کہ بچی کی عمر دو سال سے زیادہ تھی دودھ پلایا تو جمیلہ کے بچے کی رضاعت قول مفتیٰ بہ کے موافق ثابت نہیں ہوئی۔ لیکن چونکہ امام صاحبؒ ڈھائی سال تک مدت رضاعت کے قائل ہیں(۱) تو اگر جمیلہ کی بچی ابھی تک دودھ پیتی تھی۔ اور اس کا دودھ اس کی کمزوری یا بیماری کی وجہ سے دو برس میں چھڑایا نہیں گیا تھا تو احتیاطاً ثبوت رضاعت کا حکم دیا جائے گا۔ اور اس بچی کا نکاح ہندہ کے کسی لڑکے سے جائز نہ ہوگا۔ اور اگر دو برس میں دودھ چھڑا دیا گیا تھا اور پھر اتفاقاً ہندہ نے اسے دودھ پلا دیا تو رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دودھ سفید پانی کی طرح ہو تو بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ ستمبر سن ۱۹۲۵ء)

(سوال) کسی لڑکی نے اپنی دادی کا دودھ کچھ مدت تک پیا ہو اور دودھ بھی کچی کے ساتھ اترا ہو۔ اور لڑکی کی عمر اس وقت ڈیڑھ سال سے زائد ہو۔ اور دودھ کیا بلکہ ایک قسم کا پسینہ سا ہو تو اس لڑکی کا نکاح اس کے چچا کے لڑکے یا پھوپھی کے لڑکے کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۹۰) جس لڑکی نے اپنی دادی کا دودھ دو سال کی عمر کے اندر پیا ہے اس کا نکاح اپنے چچا کے لڑکے یا پھوپھی کے لڑکے سے ناجائز ہے۔(۲) دودھ کتنا ہی کم اور کسی کیفیت و صورت کا ہو۔ حکم یہی ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ

رضاعی بھانجی سے نکاح حرام ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۲ اکتوبر سن ۱۹۲۶ء)

(سوال) ایک شخص نے زمانہ شیر خوارگی میں اپنی نانی کا ایک دو مرتبہ دودھ پیا ہے۔ اب وہ شخص اپنی حقیقی خالہ زاد لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔

(جواب ۲۹۱) جس بچے نے شیر خوارگی کی عمر میں اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا ہے۔ اس کی شادی حقیقی خالہ کی لڑکی سے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ لڑکی اس کی رضاعی بھانجی ہو گئی ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ غفرلہ،

شادی کے بعد پتہ چلا کہ میاں بیوی نے ایک عورت کا دودھ پیا ہے اب کیا کرنا چاہئے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ نومبر سن ۱۹۲۶ء)

(سوال) زید نے زینب بنت حمیدہ سے عقد کیا۔ جس کو کئی برس گزر گئے اور اس درمیان میں ایک لڑکا بھی ہوا۔ مگر زید اور حمیدہ نے ایک عورت آمنہ کا دودھ پیا ہے۔ جس کا ان لوگوں کو علم شادی کے قبل ایک دوسرے کے پینے کا نہ تھا۔ حمیدہ نے آمنہ کا دودھ اس وقت پیا جب اس کے ایک لڑکی بتول پیدا ہوئی۔ اور زید نے دودھ اس وقت پیا جب آمنہ کے ہاں

---

(۱) ہو حولان و نصف عندہ۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الرضاع، ۳: ۲۰۵، سعید)
(۲) عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ۔ (سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب ما یحرم من الرضاعۃ، ۱: ۲۸۰، سعید)
(۳) عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ حرم من الرضاعۃ ما حرم من النسب۔ (جامع الترمذی، ابواب الرضاع، باب ما جاء یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب، ۱: ۲۱۷، سعید)

ابو النجم پیدا ہوا۔ بعد دو لڑکا پیدا ہونے آمنہ کے بعد بتول کے۔ اس کی گواہی اس صورت میں ہے کہ ابو النجم یعنی آمنہ کا لڑکا جو مسلمان تعلیم یافتہ شخص ہے۔ اور جس کا جھوٹا دودھ زید نے پیا ہے کہتا ہے کہ میری والدہ مجھ سے اکثر کہا کرتی تھیں کہ زید اور حمیدہ نے میرا دودھ پیا ہے۔ اور وہ لوگ ہمارے رضاعی بھائی بہن ہیں۔ زید کی دادی جو ابھی زندہ ہے اور حمیدہ کی نانی بھی ہوتی ہے اور برابر رمضان شریف وغیرہ کا روزہ رکھتی ہے کہتی ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے آمنہ کو زید اور حمیدہ کو دودھ پلاتے دیکھا ہے، جب حمیدہ چار مہینے کی تھی اور زید دو یا پونے دو برس کا۔ ایک عورت ہے جو برابر پنجگانہ نماز ادا کرتی ہے اور زید اور حمیدہ کی عزیز بھی ہوتی ہے کہتی ہے کہ میرے سامنے آمنہ نے مرتے وقت زید اور حمیدہ کا دودھ بخشا ہے۔ زید کی پھوپھو کہتی ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے زید کو آمنہ کا دودھ پیتے دیکھا ہے دو برس کی عمر کے اندر۔ حمیدہ کی چھوٹی خالہ کہتی ہے کہ ایک مرتبہ آمنہ نے باتوں باتوں میں یہ کہا کہ میں نے حمیدہ کو دودھ پلایا ہے۔ زید جو خود ایک عالم وقت ہے اس کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نے دو برس کی عمر میں دودھ پیا ہے۔ حمیدہ جو ایک پڑھی لکھی عورت ہے اور تہجد گزار ہے کہتی ہے کہ برابر میری ہمجولیاں مجھے آنگریزن آنگریزن کہہ کر چڑایا کرتی تھیں۔ آخر کار میں نے ایک دن اپنی ماں سے شکایت کی اور اس کی وجہ پوچھی۔ میری ماں نے جواب دیا کہ چونکہ مسماۃ آمنہ ذات کی آنگریزن ہے اور اس کے ایک لڑکی بتول پیدا ہوئی تھی اس کا جھوٹا دودھ تم نے پیا ہے جب چار ماہ کی تھی۔ اس صورت میں زید کا عقد زینب سے جائز ہو لیا نہیں ؟

(جواب ۲۹۲) رضاعت ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو جاتی ہے اور بصورت ثبوت رضاعت زید اور زینب کا نکاح صحیح نہیں ہوا۔ ان دونوں میں علم رضاعت ہوتے ہی تفریق لازم ہے۔(۱) بچے ثابت النسب ہوں گے اور زید سے ان کا نسب ثابت ہوگا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ،

دودھ پینے والا دودھ پلانے والی کی کسی بھی لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ جنوری سن ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک ممانی ہے اس نے اپنے بھانجے کو اس کی والدہ کی وفات ہونے سے اپنے شوہر کی اجازت سے دودھ پلایا ہے۔ لیکن ممانی کا بھانجہ حقیقی نہیں۔ اب وہ ممانی کی لڑکی ہے جس کی عمر بھانجے سے ایک سال کم ہے تو سوال یہ ہے کہ وہ لڑکے اور لڑکی کی شادی ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۹۳) اس عورت نے جس لڑکے کو دودھ پلایا ہے اس لڑکے کی شادی اس عورت کی کسی لڑکی سے خواہ وہ لڑکی اس لڑکے سے پہلے کی ہو یا بعد کی جائز نہیں ہے۔(۲) کیونکہ جو بچہ کسی عورت کا دودھ پی لیتا ہے اس عورت کی تمام اولاد اس بچے کے رضاعی بھائی بہن ہو جاتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ،

رضاعی بہن بھائی سے نکاح

(سوال) مہتاب بیگم نے اپنے خالہ زاد بھائی صغیر کا جھوٹا دودھ صغیر کی والدہ خیراتی بیگم سے پیا ہے۔ اب صغیر کے بھائی

---

(۱) ولا یقبل فی الرضاع الا شهادة رجلین او رجل وامراتین عدول ، کذافی المحیط، ولا تقع الفرقة الا بتفریق القاضی۔ (الهندیۃ، کتاب الرضاع، ۱ / ۳۴۷، ماجدیۃ)

(۲) ولا حل بین رضیعتی امراة لکونهما اخوین وان اختلف الزمن ۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الرضاع، ۱ / ۲۱۷، سعید)

اکبر سے مہتاب بیگم کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۹۴) مہتاب بیگم کا نکاح اپنی رضاعی والدہ خیراتی بیگم کے کسی لڑکے کے ساتھ جائز نہیں۔(۱) کیونکہ خیراتی بیگم کی تمام اولاد مہتاب بیگم کے بہن بھائی ہو گئے ہیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

دودھ شریک بھائی کس کو کہا جاتا ہے

(سوال) دودھ شریک بھائی کس کو کہا جاتا ہے؟

(جواب ۲۹۵) جس عورت کا دودھ کوئی بچہ پی لے اس عورت کی تمام اولاد خواہ پہلے کی ہو یا دودھ پلانے کے بعد کی، اس بچہ کے ساتھ دودھ شریک بھائی بہن ہو جاتی ہے اور اس دودھ پینے والے بچے کی شادی اس عورت کی کسی اولاد سے جائز نہیں ہوتی۔(۲) محمد کفایت اللہ غفرلہ،

ولد الحرام کی ماں کا دودھ کسی بچے کو پلانا جائز نہیں

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۰ ستمبر سن ۱۹۳۱ء)

(سوال) کسی ولد الحرام بچے کی ماں کا دودھ دوسرے بچے کو پلوانا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۹۶) ایسی عورت کا دودھ پلوانا جس نے حرام کا بچہ جنا ہو نا جائز نہیں ہے۔(۳) اور اس دودھ کے پلانے سے وہ عورت بچہ کی رضاعی ماں ہو جائے گی۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ بچہ کو ایسی عورت کا دودھ پلایا جائے جو اخلاق (چال چلن) اور نسب کے اعتبار سے بہتر ہو۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

عورت دودھ پلانے کا انکار کرتی ہے اور برادری کے لوگ کہتے ہیں پلایا ہے، کیا حکم ہے؟

(اخبار الجمعیۃ مورخہ یکم اگست سن ۱۹۳۴ء)

(سوال) زید نے اپنے ایک یتیم بھتیجے کو جس کی پرورش خود زید نے کی ہے اپنی بالغہ لڑکی کے نکاح کے واسطے تجویز کیا۔ لیکن نکاح سے قبل برادری کے چند آدمیوں نے ظاہر کیا کہ زید کا بھتیجا جس کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح ٹھہرایا گیا ہے وہ اس لڑکی کا رضاعی بھائی ہے۔ زید سے دریافت کیا گیا تو اس نے حلفیہ بیان کیا کہ ہاں مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اپنی بی بی کو اجازت دی کہ وہ اس لڑکے کو اپنا دودھ پلائے۔ زید کی بی بی اس بیان کے وقت موجود تھی۔ اس نے اس بیان کی تردید نہیں کی سکوت اختیار کیا۔ پھر زید نے اپنی بی بی کا بیان حلفیہ اپنے مکان پر خفیہ طور سے لکھوا کر مولانا کے یہاں پیش کیا۔ مولانا نے ارقام فرمایا کہ اگر یہ بیان صحیح ہے تو نکاح میں شک نہیں۔ اس کے بعد جب بارات آنے کو ہوئی تو زید نے اپنا مکان مع اپنی بی بی اور لڑکی کے خالی کر کے محلہ میں کسی جگہ پوشیدگی اختیار کی۔ اور ایک رپٹ بھی تھانہ پولیس میں تحریر کرائی۔ باراتیوں کو معلوم ہوا کہ زید مع بی بی کے روپوش ہے تو انہوں نے دروازے پر قیام کیا اور بعد تلاش زید کے اوپر دباؤ پنچایتی منجانب باراتیوں کے پڑا تو زید نے پھر اپنی بی بی سے کہا کہ وہ خوب یاد کر کے بتائے کہ آیا

---

(۱) عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ان اللہ حرم من الرضاعۃ ما حرم من النسب ۔ (جامع الترمذی، ابواب الرضاع، باب ما جاء یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب، ۱ / ۲۱۷، سعید)

(۲) ایضاً

(۳) ولبن الزانی کالحلال ، فاذا ارضعت بہ بنتاً حرمت علی الزانی و آبائہ و ابنائہ وان سفلوا۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الرضاع، ۳ / ۲۲۱، سعید)

اس نے اس لڑکے کو دودھ پلایا یا نہیں ؟ تو اس کی بی بی نے دودھ پلانے سے انکار کیا۔ اور دو عورتوں نے بھی اس کے بیان کی تائید کی۔ اس پر قاضی صاحب نے حسب دستور ایجاب و قبول کرا کر نکاح پڑھادیا۔ دو عورتیں جنھوں نے زید کی بی بی کے بیان کی تائید کی اور وکیل و گواہ یہ سب منجانب باراتیوں کے تھے۔ قاضی محلے کی مسجد کا امام ہے اور اس کے علم میں یہ سب قضیہ آچکا تھا۔ اب محلے کے لوگ جو زید کے اور زید کی بی بی کے آخری حلف پر اعتبار نہیں کرتے اور یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ لڑکی جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے وہ اس لڑکے کے ساتھ شادی کرنے پر راضی نہیں تھی کہتے ہیں کہ یہ نکاح ناجائز ہے اور قاضی کی امامت بھی ناجائز ہے۔

(جواب ۲۹۷) سوال سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ رضاعت کا کوئی ثبوت موجود ہے۔ زید کا پہلے صرف یہ اقرار مذکور ہے کہ "میں نے اپنی بی بی کو اجازت دی تھی کہ اس لڑکے کو دودھ پلائے" اور اس بیان پر بیوی خاموش رہی تو اس سے دودھ پلانے کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ لہذا جب تک کوئی ثبوت نہ ہو اس وقت تک زید اور اس کی بیوی کے حلف بیان کو غلط کہنا صحیح نہیں۔(۱) اور قاضی کی امامت ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں اگر لڑکی نے نکاح سے انکار کر دیا ہو تو البتہ نکاح کی صحت میں خلل ہوگا۔(۲) یہ لڑکی سے دریافت کر لیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

دو سال چار ماہ کی لڑکی نے کسی کا دودھ پیا تو حرمت ثابت نہیں ہوئی

(سوال) رابعہ خاتون اور محمد ابو بکر کی ماں دونوں ایک چارپائی پر سو رہی تھیں۔ اس وقت رابعہ خاتون کی عمر دو سال چار ماہ کی تھی۔ اس نے محمد ابو بکر کی ماں کا دودھ پی لیا۔ اب محمد ابو بکر اور رابعہ خاتون کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۹۸) صاحبینؒ کے نزدیک مدت رضاع دو برس ہے۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک ڈھائی برس۔ صاحبین کے قول پر ہی فتویٰ ہے۔ پس اگر رابعہ کا نکاح ابو بکر سے نہ کیا جائے تو احوط ہے اور کر دیا جائے تو حرمت کا حکم نہیں دیا جائے گا۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

حقیقی بھائی کی رضاعی بھتیجی سے نکاح کیسا ہے؟

(سوال) عمر نے اپنے حقیقی بھانجے زید کے ساتھ اپنی حقیقی بہن کا دودھ پیا ہے جس سبب سے عمر اور زید رضاعی بھائی ہوئے اس لئے عمر کی لڑکی کا نکاح بنا بر واسطہ رضاعت زید (رضیع عمر) کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ سوال یہ ہے کہ از روئے قرآن حدیث و فقہ زید کے حقیقی برادر خورد کا نکاح عمر کی لڑکی کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۹۹) عمر نے اپنی جس حقیقی بہن کا دودھ پیا ہے اس بہن کی تمام اولاد خواہ وہ دودھ پلانے سے پہلے کی ہو یا بعد کی عمر کی رضاعی بھائی بہن ہو گئی اور عمر کی لڑکی کی نکاح دودھ پلانے والی بہن کے کسی لڑکے کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔(۴) محمد کفایت اللہ

---

(۱) ولا یقبل فی الرضاع الا شهادة رجلین او رجل وامرأتین عدول كذا فی المحیط۔ (الهندیة، کتاب الرضاع، ۱/ ۳۴۷، ماجدیة)
(۲) وهما كبيران فاد حوط التنزه (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الرضاع، ۳/ ۲۲۴، سعید)
(۳) فی وقت ، مخصوص هو حولان ونصف عنده و حولان فقط عند هما ، وهو الاصح ، وبه یفتیٰ کمافی تصحیح القدوری۔ (الدر المختار، کتاب النکاح باب الرضاع، ۳/ ۲۰۹، سعید)
(۴) عن علی [illegible] قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : ان الله حرم من الرضاعة ماحرم من النسب۔ (جامع الترمذی، ابواب الرضاع، باب ماجاء [illegible] الرضاعة ما حرم من النسب، ۱/ ۲۱۷، سعید)

گیارھواں باب

حرمت مصاہرت

داماد ساس کے ساتھ زنا کا اقرار کرتا ہے اور ساس انکار کرتی ہے، کیا حکم ہے؟

(سوال) زید نے ایک مجمع کے سامنے اس بات کا اقرار کیا کہ میں نے اپنی ساس سے زنا کیا ہے۔ لیکن ساس منکر ہے اور کہتی ہے کہ یہ محض دشمنی سے اور میری لڑکی کو چھوڑنے کی غرض سے یہ تہمت لگاتا ہے تو اس صورت میں اس کی بیوی اس پر حرام ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی قطب الدین شیر کوٹی پنجابی

(جواب ۳۰۰) جب کہ زید اپنی ساس سے زنا کرنے کا اقرار کرتا ہے تو اس کا یہ اقرار خود اس کے حق میں معتبر سمجھا جائے گا اور اس کی بیوی اس سے علیحدہ کی جائے گی۔ ہاں اس کے اقرار سے ساس کے ذمہ زنا کا الزام قائم نہ ہوگا۔ لیکن وہ اپنی بیوی کو اس اقرار کے بعد اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ لو اقر بحرمة المصاهرة يؤاخذ به ويفرق بينهما و كذلك اذا اضاف ذلك الى ما قبل النكاح بان قال لا مراته كنت جامعت امك قبل نكاحك يؤاخذ به ويفرق بينهما الخ (فتاویٰ عالمگیری)(۱) والله اعلم۔

شہوت میں غلطی سے لڑکی کو چھو لیا تو بیوی حرام ہو گئی

(سوال) زید سے بحالت شہوت غلطی سے مساس بنت واقع ہوا۔ معلوم ہوتے ہی تائب و نادم ہوا۔ ہاں مساس مع الثوب ہوا اور ثوب نہ رقیق محض نہ غلیظ بلکہ متوسط درجہ کا تھا۔ وہ ثوب ایسا نہ تھا کہ ہاتھ لگاتے ہی حرارت محسوس ہو جائے۔ براہ مہربانی اس مسئلہ کا جواب باصواب مع حوالہ کتب معتبرہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ ارسال فرمائیں۔ غلطی اور غیر غلطی کا بھی کچھ فرق ہے یا نہیں۔ بر تقدیر حرام ہونے ام ممسوسہ کے اس مسئلے میں احناف کے نزدیک کوئی حیلہ شرعی معتبر متصور ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۰۱) مس بالشہوۃ میں غلطی اور قصد اور سہو کا کوئی فرق نہیں ہے۔ ثم لا فرق في ثبوت الحرمة بالمس بين كونه عامدا او ناسيا او مكرها او مخطئا كذا في فتح القدير (عالمگیری)(۲) لیکن جب کہ مساس کپڑے پر سے ہوا ہے اور کپڑا ایسا نہیں تھا کہ بدن کی گرمی لامس اور ممسوسہ کے مابین محسوس ہو سکے تو حرمت مصاہرۃ ثابت نہیں ہوتی۔ ثم المس انما يوجب حرمة المصاهرة اذا لم يكن بينهما ثوب اما اذا كان بينهما ثوب فان كان صفيقا لا يجد الماس حرارة الممسوس لاتثبت حرمة المصاهرة (عالمگیری)(۳)

محمد کفایت اللہ عفا اللہ عنہ

---

(۱) الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم الثاني ۱/ ۲۷۵، ماجدية

(۲) الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم الثاني ۱/ ۲۷۴، ماجدية

(۳) ایضاً

مراہق بیٹے سنے سوتیلی والدہ کا ہاتھ اپنے آلہ تناسل پر رکھا اور انکار کے چند سال بعد اقرار کیا، کیا حکم ہے؟

(سوال) عرصہ آٹھ سال کا ہوتا ہے کہ ہندہ اپنے خاوند کے ہاں بیمار بے ہوشی کی حالت میں پڑی تھی اچانک جو اس کی آنکھ کھلی تو دیکھتی ہے کہ اس کے خاوند کا لڑکا (پہلی بیوی سے) پلنگ پر پیر لٹکائے ہوئے بیٹھا ہے۔ لور پاجامہ اپنا کھولے ہوئے ہندہ کا ہاتھ اپنے آلہ تناسل پر رکھے ہوئے ہے۔ لڑکے کی عمر اس وقت بعضوں کے قول پر گیارہ برس لور بعض کے قول پر بارہ برس لور بعض کے قول پر تیرہ برس تھی۔ ہندہ کو ہوش آنے پر جب اس امر کا احساس ہوا تو گھبرا کر کہنے لگی کہ یہ کیا کرتا ہے لڑکے نے کچھ جواب نہیں دیا اور پریشان سا ہو کر فوراً باہر چلا گیا۔ (اگرچہ لوگوں کو اس کی عمر میں اختلاف ہے مگر ہندہ کا ظن غالب یہی ہے کہ اس وقت اس کی عمر تقریباً تیرہ یا سوا تیرہ برس تھی مگر یقیناً وہ بالغ نہیں ہوا تھا) ہندہ نے اس واقعہ کو اپنے خاوند سے بیان کیا۔ خاوند نے ہندہ کو جھٹلایا کہ تو اس پر تہمت لگاتی ہے۔ ابھی اس کی عمر اس قابل نہیں جو ایسی حرکت کرے۔ لور پھر اپنے لڑکے کو بلا کر ہندہ کے سامنے پوچھا۔ لڑکے نے صاف انکار کر دیا لور قرآن اٹھالیا۔ خاوند کو سخت غصہ آیا اور ہندہ پر بے جا تشددات کئے۔ اور اس تمام واقعہ کو مادری کی دشمنی پر محمول کرتے ہوئے ہندہ ہی کو قصوروار ٹھہرلیا۔ اب بیٹے نے جوان ہو کر اس کی تصدیق کی اور اقرار کر لیا کہ ہاں مجھ سے یہ حرکت ہوئی تھی۔ مادر نے غلط نہیں بیان کیا تھا۔ اس امر کو سن کر خاوند کو یقین آیاوہ سخت پریشانی میں ہے کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ لہذا آپ سے دریافت طلب ہے کہ مندرجہ بالا صورت میں ہندہ کا نکاح اپنے خاوند سے قائم رہے گا یا نہیں؟

اگر بالفرض صورت مندرجہ بالا میں حرمت مصاہرت متحقق ہو گئی ہے لور حسب قول احناف کوئی طریقہ زن و شوئی کے قیام کا باقی نہیں رہا ہے تو کیا ضروریات دینیہ و دنیویہ موجودہ زمانے پر نظر ڈالتے ہوئے خاوند کو اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ کسی شافعی المذہب سے فتویٰ لے کر علاقہ نکاح کو برقرار رکھے۔ جب کہ مفقود الخبر وغیرہ مسائل میں بوجہ ضروریات و فتن حاضرہ تقلید غیر کی اجازت دی جاتی ہے تو کیا مسئلہ مذکور الصدر میں اجازت نہ دی جائے گی حالانکہ مختلف فتن کے وقوع کا صورت مسئولہ میں بھی خوف ہے۔

(جواب ۳۰۲) اگرچہ فقہا کی تصریحات کے موافق حرمت مصاہرۃ میں بالغ لور مراہق کا حکم ایک ہے لور بارہ تیرہ برس کا بچہ مراہق ہو سکتا ہے، اس لئے عمر میں جو اختلاف ہے وہ چنداں مفید نہیں ہے۔ **مس المراهق كالبالغ وفي البزازية المراهق كالبالغ حتى لو جامع امراة اولمس بشهوة تثبت حرمة المصاهرة ا ه (ردالمحتار)**(۱) مگر ہندہ کا نکاح اپنے خاوند کے ساتھ ابھی تک قائم ہے۔ **وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج باخر الا بعد المتاركة وانقضاء العدة والوطى بها لا يكون زنا (رد المحتار)**(۲) **قوله الا بعد المتاركة اى وان مضى عليها سنون كما فى البزازية (رد المحتار)**(۳) **قوله والوطى بها اى الوطى الكائن فى هذه الحرمة قبل التفريق والمتاركة لا يكون زنا لانه مختلف فيه و عليه مهر المثل بوطئها**

(۱) رد المحتار، كتاب النكاح، فصل المحرمات، ۳ / ۳۵، سعيد
(۲) الدر المختار، كتاب النكاح، فصل فى المحرمات، ۳ / ۳۷، سعيد
(۳) رد المحتار، النكاح، فصل فى المحرمات، ۳ / ۳۷، سعيد

بعد الحرمة ولا حد علیه ویثبت النسب ا ھ (رد المحتار)(۱)ان عبارتوں کا صریح مفاد یہ ہے کہ نکاح کا تعلق ابھی تک باقی ہے مرتفع نہیں ہوا ہے۔اور وقت اخبار عورت سے وقت اقرار پسر تک جو وطیات واقع ہوئیں وہ موجب اثم و مواخذہ بھی نہیں۔ کیونکہ خاوند کو واقعہ کا یقین نہیں ہوا تھا اور ثبوت کے لئے کوئی کافی وجہ نہیں تھی۔اب جب کہ پسر نے بالغ ہونے کے بعد اقرار کیا۔ یہ اقرار اگر بفور بلوغ ہوا ہو تو ممکن ہے کہ زوج کو یقین آجائے اور ممکن ہے کہ وہ اسے سوتیلی ماں کے ساتھ عداوت کا ایک کرشمہ اور تفریق کی ایک کارگر تدبیر قرار دے کر یقین نہ کرے۔اور اس کا اسے حق ہے۔واضح رہے کہ زوجہ کا اخبار زوج کے لئے نہ مستلزم یقین ہے نہ موجب متارکۃ۔رجل تزوج امراۃ علی انها عذراء فلما اراد وقاعها وجدها قد افتضت فقال لها من افتضك فقالت ابوك۔ان صدقها الزوج بانت منه ولا مهرلها وان كذبها فهي امراته كذافي الظهيرية (عالمگیری)(۲)اور اگر بالغ ہونے کے کچھ عرصہ کے بعد یہ اقرار کیا گیا ہو تو قطعاً نا قابل اعتبار ہے اور اس پر زوج کے ذمہ متارکت لازم نہیں ہے اور چونکہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے اس لئے زوج کو اس فیصلے میں (کہ وہ لڑکے کے بیان کو مسترد کردے) ملامت نہیں کی جاسکتی۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

لڑکی کہتی ہے سوتیلے باپ نے میرے ساتھ زنا کیا اور باپ منکر ہے، کیا حکم ہے؟

(سوال) مسماۃ ہندہ زید کی زوجہ ہے اور ہندہ کی ایک لڑکی زینب دوسرے شوہر سے ہے۔ لڑکی کا بیان ہے کہ زید نے میرے ساتھ زنا کیا ہے اور زید منکر ہے۔اور لڑکی کے بیان کے سوا اور کوئی ثبوت نہیں۔

المستفتی نمبر ۶۷۹ پیر بخش (کوہ ڈگنائی) ۲۶ شعبان سن ۱۳۵۴ھ م ۲۴ نومبر سن ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۰۳) اگر زید منکر ہے تو صرف زینب کے کہنے سے حرمت مصاہرۃ ثابت نہیں ہوگی۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

باپ بہت عرصہ بعد یہ کہتا ہے کہ ایسا ہوا ہے، میں نے بہو کو بدنیتی سے ہاتھ لگایا ہے، اب کیا کرنا چاہئے؟

(سوال) زید نے اپنے لڑکے عمرو کو بحالت پیری اطلاع دی کہ مجھ کو شبہ ہوتا ہے بلکہ ضرور ایسا ہوا ہے کہ میں نے کبھی بہو کو بدنیتی سے ہاتھ لگادیا ہے اور بہو کو اس کی اطلاع نہیں۔ زید نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی پڑھتا ہے یا ایها الذین آمنوا قوا (۴) الخ اور حرمت علیکم (۵) الخ پوچھا گیا کہ تم نے زنا تو نہیں کیا۔ کہا کہ نہیں، لیکن بدنیتی ضرور تھی۔اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔اس اطلاع نے عمرو کی نگاہوں میں دنیا کو تاریک کردیا۔ کیونکہ عمرو ایک غریب آدمی ہے اور صاحب اولاد ہے۔اور اپنی عمر کا بیشتر حصہ انتہائی کلفتوں اور مصیبتوں کے ساتھ گزار چکا ہے۔ بال بچوں کے لئے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھا چکا ہے۔ بحالت موجودہ بھی نہایت افلاس کی حالت میں ہے۔ اکثر بیمار بھی رہتا ہے۔نہ اس کے بچوں کا کوئی پرورش کرنے والا ہے۔نہ وہ کوئی دوسرا انتظام کرسکتا ہے۔

---

(۱) ایضا

(۲) الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث ۱/ ۲۷۶،ماجدية

(۳) وان ادعت الشهوة ...... وانكرها الرجل فهو مصدق ، لاهي۔(الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۳۷، سعید)

(۴) النساء : ۲۳ (۵) التحريم : ٦

المستفتی نمبر ۱۴۸۶ مولوی محمد یوسف سلطان پور (لودھ) ۳۰ ربیع الاول سن ۱۳۵۶ھ م ۱۰ جون سن ۱۹۳۷ء
(جواب ۳۰۴) زید کی یہ بات کہ میں نے کبھی بہو کو بدنیتی سے ہاتھ لگادیا ہے۔ یعنی ہاتھ لگانے کے ایک عرصہ دراز کے بعد گویا خبر دے رہا ہے۔ مطلب یہ کہ اپنی زبان سے اقرار کرتا ہے کہ عمرو پر اس کی بیوی حرام ہو جانے کے بعد وہ ان کے تعلقات زوجیت دیکھتا رہا اور حرمت کی اطلاع نہ کی۔ اور یہ بات اس کے لئے موجب فسق ہے اور اس کا یہ قول ناقابل اعتبار ہے عمرو پر اس کی بیوی زید کے اس قول سے حرام نہیں ہوئی۔(۱)　　فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ساس سے زنا کا اقرار کیا تو اس پر بیوی حرام ہو گئی

(سوال)(شہادت شاہد اول) میں گواہی دیتا ہوں اور حلفاً کہتا ہوں کہ جو کہوں گا سچ کہوں گا۔ کالو نے مولوی محمد سعید سے کہا کہ مجھے معافی دو۔ اور مولوی محمد سعید نے دریافت کیا کاہے کی معافی دوں۔ کالو نے کہا کہ مجھے جو الزام لگایا ہوا ہے کہ میں نے ساس سے زنا کیا وہ جرم مجھ سے واقعی ہوا ہے اس کی معافی چاہتا ہوں مجھے مسلمان کرو۔ بعد ازاں اس نے تین بار کہا کہ راجو (منکوحہ کالو) میری ماں، بہن، مولوی صاحب نے کہا کہ تین طلاق دے۔ پھر کالو نے تین بار طلاق طلاق طلاق کہہ دیا۔

(شہادت شاہد ثانی) میں گواہی دیتا ہوں کہ کالو نے معافی مانگی۔ مولوی محمد سعید نے دریافت کیا کہ کاہے کی معافی ؟ کالو نے کہا کہ میں نے رحمون (کالو کی ساس) سے زنا کیا ہے۔ اس کی معافی چاہتا ہوں۔ تین بار اس بات کا کالو نے اقرار کیا۔ پھر راجو منکوحہ کو کالو نے تین بار طلاق دی۔

(شہادت شاہد ثالث) میں گواہی دیتا ہوں کہ کالو نے کہا کہ مجھے معافی دو اور مولوی محمد سعید نے کہا کہ کاہے کی معافی۔ اس نے کہا کہ مجھ پر لوگوں نے جھوٹی قسمیں اٹھائی ہیں اور جھوٹے قرآن اٹھائے ہیں اس کی معافی دو۔ اور اس نے زنا کا اقرار نہیں کیا۔ پھر اس نے اپنی عورت کو تین طلاق دیں۔

(شہادت شاہد رابع) میں گواہی دیتا ہوں کہ کالو نے آکر کہا کہ مجھے معافی دو اور مسلمان کر دو۔ اور جو شریعت کی تعزیر ہے لگاؤ۔ پھر مولوی صاحب محمد سعید نے دریافت کیا کہ کاہے کی معافی۔ کالو نے کہا کہ جو لوگوں نے مجھ پر بہتان گناہ کا لگایا ہوا ہے اس کی معافی دو اور کالو نے تو زنا کا اقرار نہ کیا اور پھر مولوی صاحب نے تین بار طلاق طلاق طلاق کہلوایا۔

(شہادت شاہد خامس) میں گواہی دیتا ہوں کہ کالو نے آکر معافی مانگی اور کہا کہ شریعت کی تعزیر لگاؤ اور کالو نے خود بخود زنا کا اقرار کیا اور مولوی محمد سعید نے دریافت کیا اور تین بار اقرار زنا کیا۔ جو کہ ساس کے ساتھ زنا کی تہمت لگی ہوئی ہے وہ واقعی میں نے زنا کیا ہے اور اس کی معافی دو اور ہر ایک گواہوں سے اقرار کرایا بعدہ کلمہ پڑھایا اور مسلمان کیا اور پھر کالو نے راجو (منکوحہ کالو) کو تین بار طلاق دے دی۔

المستفتی نمبر ۱۶۷۰ عبدست محمد انور بنگالی متعلم مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۶ جمادی الثانی سن ۱۳۵۶ھ
(جواب ۳۰۵) اقرار زنا سے ثبوت زنا کے لئے یہ شرط ہے کہ اقرار مجلس قاضی میں ہو اور مقر چار مرتبہ چار

(۱) وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بان يصدقها ويقع في اكبر رايه صدقها وعلى هذا ينبغي ان يقال في مسه اياها، لا تحرم على ابيه او ابنه الا ان يصدقها او يغلب على ظنه صدقها۔ (البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات ۳ / ۱۰۷، دار المعرفۃ بیروت)

مجلسوں میں اقرار کرے۔ مجلس قضا کے باہر اقرار ہو تو وہ معتبر نہیں۔ اور اقرار پر شہادت مقبول نہیں۔ ولا یعتبر اقرارہ عند غیر القاضی ممن لا ولا یۃ لہ فی اقامۃ الحدود ولو کان اربع مرات حتیٰ لا تقبل الشھادۃ علیہ بذلک کذافی التبیین ولا بد ان یکون الا قرار صریحاً (عالمگیری) (۱) والا قرار ان یقر البالغ العاقل علی نفسہ بالزنا اربع مرات فی اربعۃ مجالس المقر کذا فی الھدایۃ (۲) (عالمگیری) (۳) لیکن اقرار زنا کے لئے یہ شرائط ثبوت حد زنا کے لئے ہیں اور حرمت زوجہ یا ثبوت حرمت مصاہرت کے لئے یہ شرائط نہیں ہیں بلکہ وہ ایک مرتبہ کے اقرار سے بھی ثابت ہو جائے گی۔ اور اس کے لئے مجلس قضا بھی شرط نہیں۔ قیل لرجل مافعلت بام امراتک قال جامعتھا قال تثبت حرمۃ المصاھرۃ قیل ان کان السائل والمسئول ھازلین قال لا یتفاوت ولا یصدق انہ کذب کذافی المحیط (عالمگیری) (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیٹے نے سوتیلی ماں سے زنا کیا تو وہ باپ پر حرام ہو گئی

(سوال) ایک شخص کی دو عورتیں ہیں۔ ایک عورت کے شکم سے لڑکا پیدا شدہ بعمر جوان ہے۔ اگر وہ لڑکا اپنی سوتیلی والدہ سے زنا کرلے اور لڑکے کا باپ اس فعل کو دیکھ لیوے تو شریعت کے مطابق کیا فتویٰ ہے۔ لڑکے کی سوتیلی والدہ اپنے خاوند پر طلاق حاصل کرنے کے لئے فسخ نکاح کی عدالت میں نالش دائر کرتی ہے۔ خاوند کہتا ہے کہ لڑکے کا ایسا فعل ہونے پر بھی تو جب کہ خاوند سے ہم بستری کرتی رہی تو نکاح فسخ نہیں ہو سکتا۔ لہذا مسئلہ کو حل فرمائیں تاکہ عدالت میں پیش ہو۔ المستفتی نمبر ۱۸۲۶ مستری عبدالرحمٰن (ریاست بلاسپور) ۲۳ رجب سن ۱۳۵۶ھ

(جواب ۳۰۶) اگر خاوند کے لڑکے نے اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ زنا کر لیا ہے تو سوتیلی ماں اپنے خاوند یعنی لڑکے کے باپ پر حرام ہو گئی۔ ان دونوں کے درمیان تفریق واجب ہے۔ اگر عورت اس واقعہ کے بعد بھی خاوند کے ساتھ رہی اور ہم بستری بھی ہوتی رہی تو اس سے وہ خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی یہ ہم بستری حرام واقع ہوئی ہے اور آئندہ بھی یہ حرام ہے۔ ان دونوں کے درمیان تفریق یعنی فسخ نکاح ضروری ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیوی عرصہ بعد کہتی ہے کہ خسر نے میرے ساتھ زنا کیا ہے، اب کیا کرنا چاہئے؟

(سوال) زید کی زوجہ نے اپنے خسر پر الزام لگایا کہ اس نے مجھ سے جماع ناجائز کیا اور پنچایت میں دو آدمیوں نے گواہی دی کہ وہ شاہد ہیں کہ انہوں نے ایسا فعل کرتے دیکھا ہے اور مسماۃ نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔

(۲) مسماۃ مذکورہ مدعیہ اپنے گھر میں رہتی تھی جہاں اور اس کے رشتہ دار اور خاوند رہتے تھے۔ مسماۃ نے اس سے فعل ناجائز کے وقوع کے وقت کوئی مزاحمت نہیں کی اور نہ شوروغل اس فعل کی روک کے واسطے کیا۔ سوال یہ ہے کہ بروئے شرع شریف ایسی زوجہ اپنے خاوند کے نکاح جائز میں رہتی ہے یا نہیں۔ مدعیہ عورت نے اس فعل کی شکایت

---

(۱) الھندیۃ، کتاب الحدود، الباب الثانی فی الزنا ۲/ ۱۴۳، ماجدیۃ
(۲) الھدایۃ، کتاب الحدود، ۳/ ۴۸۲، شرکت علمیہ
(۳) الھندیۃ، کتاب الحدود، ۲/ ۱۴۴، ماجدیۃ
(۴) الھندیۃ، کتاب النکاح، الباب الثالث، القسم الثانی ۱/ ۲۷۶، ماجدیۃ
(۵) قال فی البحر: اراد بحرمۃ المصاھرۃ المحرمات الا ربع حرمۃ المراۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسباً ورضاعاً وحرمۃ اصولھا وفروعھا علی الزانی۔ (درالمختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۳۲، سعید)

س وقت کی جب کہ فریقین میں کچھ عرصہ بعد تنازعہ ہوا۔ دونوں کی نسبت اور ان لوگوں کی نسبت جواب شاہد ہیں اور محل وقوع پر خاموش رہے ان سب کی نسبت شریعت کیا حکم دیتی ہے؟

المستفتی نمبر ۲۰۳۳ حافظ غلام رسول صاحب۔ صدر بازار۔ دہلی۔ ۲۰ شعبان سن ۱۳۵۶ھ م ۲۶ اکتوبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۰۷) اگر عورت اور گواہوں نے واقعہ کے فوراً بعد اس امر کا اظہار نہیں کیا تو وہ بھی فاسق اور اس کے گواہ بھی جھوٹے قرار دیئے جائیں گے اور اس کے کہنے اور گواہوں کے کہنے سے نکاح میں خلل نہ آئے گا۔(۱) ہاں اگر عورت کے خاوند کو کسی بنا پر اس واقعہ کی صحت کا یقین ہو جائے اور وہ اس کی تصدیق کرے تو پھر وہ اس عورت کو اپنے پاس بحیثیت بیوی کے نہ رکھ سکے گا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

خسر جب بہو سے زنا کرے تو کیا وہ دوسرا عقد کسی کے ساتھ کر سکتی ہے

(سوال) خسر اپنی بہو کے ساتھ زنا کا مرتکب ہوا جس کی تصدیق عدالت مجاز سے و نیز پنچان سے کی گئی جس کا فتویٰ دہلی سے مورخہ ۲۱ جولائی سن ۱۹۳۶ء کو لیا گیا ہے جو ہمرشتہ فتویٰ ہذا ہے۔ اب چونکہ مسماۃ جوان عمر ہے۔ کیا اس کا دوسرا عقد کر دیا جائے؟ المستفتی نمبر ۲۱۷۴ وزیر خاں۔ آگرہ ۷ ذیقعدہ سن ۱۳۵۶ھ ۱۰ جنوری سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۰۸) زوجین کی متارکت کے بعد عدت گزار کر عورت دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

زید نے بہو سے زنا کیا تو طلاق کے بعد اس کا نکاح زید کے داماد کے ساتھ ہو سکتا ہے

(سوال) زید کا ناجائز تعلق اپنے بیٹے کی بیوی سے ہو گیا اور دو تین بچے بھی ہو گئے۔ اب عرض ہے کہ چونکہ مسماۃ مذکورہ زید کے لڑکے پر تو حرام ہو چکی اگر بعد طلاق زید کے داماد سے نکاح کرے تو درست ہے کہ نہیں۔ جو زید کے نطفہ سے بچے ہیں ان کا خرچ خوراک کس کے ذمہ ہو گا۔ ایسے بچے نابالغوں کی جو نطفہ حرام سے ہیں نکاح کی کون اجازت دے اور لڑکے کی طرف سے کون ایجاب و قبول کرادے۔ نکاح خواں نکاح پڑھاوے تو گنہگار تو نہ ہو گا۔

المستفتی نمبر ۲۲۵۷ جناب فضل الرحمن صاحب (ریاست جنید) ۲۳ ربیع الاول سن ۱۳۵۷ھ

(جواب ۳۰۹) اگر زید کا لڑکا یہ تسلیم کرے کہ زید کا تعلق ناجائز بہو سے تھا تو عورت کو اس کے شوہر سے جدا کر دیا جائے گا۔(۴) اور بچے سب شوہر کے بچے قرار دیئے جائیں گے۔(۵) تاوقتیکہ باقاعدہ لعان نہ ہو بچوں کا نسب منتفی نہ

---

(۱) لا تقبل شهادة من يجلس مجلس الفجور والمجانة والشرب وان لم يشرب (رد المحتار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه، ۵/۴۷۳، سعيد)

(۲) رجل قبل امراة ابيه بشهوة اوقبل الاب امراة ابنه بشهوة وهي مكرهة و انكرها الزوج ان يكون بشهوة فالقول قول الزوج وان صدقه الزوج وقعة الفرقة (الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم الثاني، ۱/۲۷۶، ماجدية)

(۳) وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لها التزوج بآخر الا بعد المتاركة وانقضاء العدة (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ۳/۳۷، سعيد)

(۴) قبل الاب امراة وانكر ها الزوج ان يكون بشهوة فالقول قول الزوج وان صدقه الزوج وقعت الفرقة (الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم الثاني، ۱/۲۷۶، ماجدية)

(۵) حد ثنا محمد بن زياد قال سمعت ابا هريرة قال النبي صلى الله عليه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر (صحيح البخاري، كتاب المحاربين، باب للعاهر الحجر، ۲/۱۰۰۷، قديمي)

ہوگا(۱) عورت بعد تفریق وانقضاء عدت زید کے داماد سے نکاح کر سکے گی۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

زانی اپنے ناجائز لڑکے کی بیوی سے طلاق کے بعد نکاح کر سکتا ہے یا نہیں ؟

(سوال)(۱) مسمی شیر محمد کا مسماۃ روشن ایک عورت سے بلا نکاح ناجائز تعلق تھا اس حالت میں اس کے بطن سے باقر نامی لڑکا پیدا ہوا۔ بعد ازاں شیر محمد مذکور کا ایک دوسری عورت مسماۃ نشان کے ساتھ بلا نکاح ناجائز تعلق ہوا۔ پھر باقر کا دوسری عورت مسماۃ نشان کے ساتھ نکاح ہوا۔ بدیں وجہ شیر محمد اور باقر کے درمیان جب جھگڑا ہوا تو باقر سے طلاقیں لی گئیں۔ بعد انقضائے عدت شیر محمد اس عزیزیہ مسماۃ نشان کا نکاح کرنا چاہتا ہے۔ آپ ازروئے شرع شریف مطابق اہل سنت والجماعۃ فتویٰ دیں کہ شیر محمد کا مسماۃ روشن کے ساتھ نکاح نہ ثابت ہونے کی صورت میں مسماۃ نشان کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(۲) روشن کے عدم نکاح کا فیصلہ دینے کے لئے شریعت غراء میں کس ثبوت کی ضرورت ہے کیونکہ اہل بصیر پور کو نکاح یا عدم نکاح کا کوئی پتہ نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ باہر شہر سے کچھ عرصہ لئے پھرا اور بصیر پور میں نکاح نہیں ہوا۔ نیز یہ عرض ہے کہ شیر محمد پر جب ناجائز تعلق کرنے کے الزام پر مقدمہ کیا گیا تو حاکم کے روبرو شیر محمد اور روشن نے اپنے نکاح کا اعتراف کیا تھا اس کا جواب شیر محمد یہ دیتا ہے کہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔

المستفتی نمبر ۲۳۴۴ محمد شریف بصیر پور (منٹگمری) ۲۶ ربیع الثانی سن ۱۳۵۷ھ م ۲۶ جون سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۱۰) جس طرح مسماۃ نشان باقر کے لئے حرام تھی۔(۳) اسی طرح وہ اب شیر محمد کے لئے (بوجہ موطوءۃ الابن ہونے کے) حرام ہو گئی۔(۴) ثبوت النسب کے باب میں اگرچہ باقر کا نسب شیر محمد سے ثابت نہ ہو مگر ثبوت حرمت نکاح میں اس کی ابنیت معتبر ہو گی۔

اگر شیر محمد پہلے اپنے اور روشن کے نکاح کا اعتراف کر چکا ہے تو اب اس کا انکار باقر کے نفی نسب کے حق میں قبول نہیں ہو گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

خسر نے ۶۰ سال کی عمر میں بہو کا شہوت کے بغیر بطور محبت بوسہ لیا، کیا حکم ہے؟

(سوال) ایک شخص بعمر تقریباً ۶۵ سال بطور محبت بلا ارادہ صحبت اپنے لڑکے کی بیوی کو پیار کیا یعنی بوسہ لے لیا۔ قصد بالکل کوئی دوسرا نہیں اور نہ ارتکاب کیا گیا۔ اس کے لئے شرع کیا حکم دیتی ہے اور اگر اس کی عورت اس پر حرام ہو گئی تو اس کا نان ونفقہ اور رہائش کا کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۳۵۴ محمد بہار علی صاحب (کرنال) ۴ جمادی الاول سن ۱۳۵۷ھ

(جواب ۳۱۱) اگر لڑکے کی بیوی کا بوسہ لیتے وقت اس شخص کو شہوت نہ تھی اور دل میں بھی شہوت کا خیال نہ تھا تو یہ عورت اپنے شوہر پر حرام نہیں ہوئی لیکن اگر یہ بوسہ شہوت سے لیا گیا تو یہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہو گئی۔

---

(۱) عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا عن بین رجل و امراتہ فانتفی من ولدھا ففرق بینھما والحق الولد بالمراۃ۔ (صحیح البخاری، کتاب النکاح باب یلحق الولد بالملاعنۃ، ۲/ ۸۰۱، قدیمی)

(۲) وبحرمۃ المصاھرۃ لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لھا التزوج بآخر الا بعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۳۷، سعید)

(۳) حرمت المراۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسبا ورضاعا۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۳۲، سعید)

(۴) وحرم المصاھرۃ بنت زوجتہ الموطوءۃ وام زوجتہ وان لم توطا وزوجۃ اصلہ و فرعہ مطلقاً۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۳۰، سعید)

(۱) اگر یہ شخص قسم کے ساتھ کہہ دے کہ شہوت نہ تھی تو اس کا اعتبار کر لیا جائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نابالغ لڑکے اور لڑکی نے ایک دوسرے کو شہوت سے چھولیا تو حرمت ثابت نہیں ہوئی

(سوال) بکر کی عمر تقریباً آٹھ سال اور عابدہ کی تقریباً ۹ سال۔ ایک روز عابدہ کو بد خیال آیا اور عابدہ نے بکر کو بد فعلی کی طرف بلایا۔ دونوں مباشرت کے لئے آمادہ تھے اتنے میں ایک اجنبی شخص کے آنے سے بالفعل زنا تو نہیں ہوا لیکن مس ونظر الی الفرج البتہ ہوا۔ برسوں گذر گیا۔ بکر عابدہ کی بیٹی آمنہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے نکاح جائز ہوگا یا ناجائز؟

واضح رہے کہ اس وقت بکر بالغ ہونا تو در کنار قریب البلوغ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ یقیناً اس واقعہ کے چند برس بعد بالغ ہوا اور عابدہ بھی اس وقت بالغہ نہیں تھی اس کے دو سال بعد بالغہ ہوئی۔

المستفتی نمبر ۲۶۲۲ محمد ارشاد علی صاحب ۲۴ پرگنہ بنگال ۷ جمادی الاول سن ۱۳۵۹ھ م ۴ جولائی سن ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۱۲) آٹھ سال کی عمر کا لڑکا یقیناً مراہق نہیں۔ پس اگر لڑکی جس کی عمر تقریباً ۹ سال کی لکھی ہے مراہقہ بھی ہو تاہم لڑکے کے غیر مراہق ہونے کی وجہ سے ان دونوں کے باہمی مساس و نظر سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔ (۲) پس صورت مسئولہ میں عابدہ کی لڑکی سے بکر کا نکاح جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ساس سے زنا کرنے کے بعد کیا بیوی کو طلاق دینے کی ضرورت ہے

(سوال) ایک شخص نے اپنی بیوی کی والدہ کے ساتھ اس وقت زنا کیا جب کہ اس کی بیوی بطور اس کی بیوی کے عرصہ تک رہ چکی۔ اس شخص کی بیوی اس پر حرام ہوئی یا نہیں؟ اس کا نکاح فاسد ہوا یا باطل؟ نکاح خود بخود فسخ ہو گیا یا طلاق یا حکم قاضی کی ضرورت ہے؟

المستفتی نمبر ۲۸۰۷ ولایت حسین بازار شنبہ بجنور۔ مورخہ ۱۳ اکتوبر سن ۱۹۴۴ء

(جواب ۳۱۳) یہ حرمت حرمت مصاہرت ہے۔ جس عورت کے ساتھ زنا کیا جائے اس کی لڑکی اور اس کی ماں زانی پر حرام ہو جاتی ہے۔ خواہ پہلے سے نکاح میں ہو یا نہ ہو۔ فمن زنی بامراۃ حرمت علیه امها وان علت وبنتها وان سفلت کذا فی فتح القدیر (فتاویٰ (۳) عالمگیری مصری ج ۱ ص ۲۹۱) فلو ایقظ زوجة لیجامعها فوصلت یده الی بنته منها فقرصها بشهوة وهی ممن تشتهی یظن امها حرمت علیه الام حرمة مؤبدة کذا فی فتح القدیر (فتاویٰ (۴) عالمگیری ج ۱ ص ۲۹۲) نکاح فاسد ہوتا ہے باطل نہیں ہوتا۔ ان النکاح لا یرتفع بحرمة المصاهرة والرضاع بل یفسد (فتاویٰ عالمگیری (۵) ج ۱ ص ۲۹۴) متارکت یا تفریق قاضی سے نکاح ختم ہوتا ہے۔ وبحرمة المصاهرة لا یرتفع النکاح حتی لایحل لها التزوج باخر الا بعد المتارکة

(۱) واما الحرمة بدواعی الوطیء اذا مسها اوقبلها بشهوة تثبت الحرمة المصاهرة وان انکر الشهوة کان القول قوله الا ان یکون ذلك مع انتشار الالة۔ (التاتیة علی هامش الحمدیة، کتاب النکاح باب فی المحرمات، ۱: ۲۶۱، ماجدیة)

(۲) فلو جامع غیر مراهق زوجة ابیه لم یحرم (الدر المختار) وفی الشامیة: التعلیل بعدم الاشتهاء یفید ان من لا یشتهی لا تثبت الحرمة بجماعه۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳: ۳۵، سعید)

(۳) الهندیة، کتاب النکاح، الباب الثالث، القسم الثانی ۱: ۲۷۴، ماجدیة

(۴) ایضا (۵) الهندیة، کتاب النکاح، الباب الثالث، القسم الثانی، ۱: ۲۷۷، ماجدیة

والقضاء العدة (۱)(در مختار) وعبارة الحاوی الا بعد تفریق القاضی اوبعد المتارکة (رد المحتار شامی(۲) ج ۲ص ۷ ۲۰ مصری۔ متارکت کے معنی یہ ہیں کہ زوج کہہ دے کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا علیحدہ کر دیا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

لڑکی سے نکاح کے بعد اس کی ماں سے نکاح جائز نہیں

(سوال) شیر محمد اور مہدی ساکنان گول پورڈیپو مونہ میں کچھ عرصے اکٹھے رہے۔ اندریں اثنا مہدی نے اپنی لڑکی مسماۃ راجاں نابالغہ کا نکاح شیر محمد کے ساتھ کر دیا اور تقریباً ایک سال کے بعد مہدی فوت ہو گیا۔ اب شیر محمد اور مسماۃ زوجہ مہدی نے اکٹھا ہونے کے لئے نکاح کے جواز وعدم جواز کی بابت اپنے علماء سے دریافت کیا۔ ان کے امام نے ان کو بتلایا کہ لڑکی کے ساتھ صرف نکاح سے اس کی ماں حرام ہو جاتی ہے۔ باوجود اس کے کچھ دنوں کے بعد انہوں نے نکاح کر لیا۔ اور ایک فتویٰ اندریں باب حاصل کر لیا جس کے سوال وجواب کا خلاصہ یہ ہے :۔

ایک شخص مسمی شیرا ساکن گول پور مقیم کلاس مور کا ناجائز تعلق مسماۃ سینا زوجہ مہدی کے ساتھ تین چار سال رہا۔ اس کے بعد مہدی نے اپنی لڑکی مسماۃ صغیرہ عمر ایک سال کا نکاح شیرا سے کر دیا۔ اب مہدی فوت ہو گیا ہے۔ اور عدت کے بعد سینا نے خود شیرا کے ساتھ نکاح کر لیا ہے۔ کیا شرعاً یہ نکاح درست ہے؟ جواب۔ شیرا کے..... ساتھ ناجائز تعلق نے مسماۃ راجاں کو شیرا پر حرام کر دیا ہے۔ اور راجاں کا نکاح شیرا کے ساتھ نکاح فاسد کے حکم میں ہے اور نکاح فاسد کی وجہ سے حرمت مصاہرۃ نہیں ہوتی۔ فقط اس جواب پر ایک دوسرے مولوی صاحب نے یہ تنقید فرمائی ہے۔ "صورت مسئلہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیرا سے صحت نکاح کے لئے اجازت طلب کی گئی ہے اور شیرا نے اجازت دے دی ہے کہ میرا نکاح مہدی کی لڑکی سے ہر وجہ سے صحیح ہے اور اس اجازت سے شیرا کا نکاح صحت کی بنا پر ثابت ہوا۔ اور مہدی کی عورت شیرا پر ابدی حرام ہو گئی۔ اب جو شیرا نے زنا کا اقرار کیا ہے۔ شیرا کا دعویٰ نہیں جو شہادت کی ضرورت ہو۔ دعویٰ ہونے کو شیرا کا نکاح کے لئے اجازت دینا باطل کرتا ہے۔ شہادت شیرا کی اپنے نفس کے لئے ہے ۔اصول کا قائدہ ہے کہ جو شہادت اپنے نفس کے نقصان کے لئے ہو وہ صحیح ہے اور جو نفع کے لئے ہو وہ غیر صحیح نیز اگر مہدی کی حیاتی میں شہادت دیتا تو صحیح ہوتی کیونکہ مہدی کی لڑکی شیرا پر حرام ہو جاتی وہ جدا کر دیتے اب مہدی کے فوت ہونے کے بعد شہادت شیرا کے نفع کے لئے ہے۔ کیونکہ شہادت شیرا کی جواز نکاح کے لئے ہے وہ غیر صحیح ہے۔ شیرا کا نکاح صحیح اور مہدی کی عورت شیرا پر ابدی حرام ہے۔" فقط غرض کہ جو صورت استفتا کے اندر دکھائی گئی ہے وہ کہاں تک درست ہے۔ ممکن ہے کہ شیرا کا ناجائز تعلق مسماۃ سینا کے ساتھ ہو لیکن اس وقت کا نکاح مسماۃ راجاں کے ساتھ اس ناجائز تعلق کے خلاف ہے۔ اگر اس ناجائز تعلق کو مانا جائے تو کیا شرعاً اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت ہے یا صرف عام افواہ یا زوجین کے اقرار کافی ہیں؟ المستفتی نمبر ۲۷۹۲ مولوی اللہ دین صاحب ضلع جہلم ۹ ربیع الثانی سن ۱۳۶۴ھ

(جواب ۳۱۶) شیرا کا سینا کے ساتھ نکاح ناجائز اور حرام ہے۔ (۳) کیونکہ وہ اس کی خوش دامن ہے۔ اور اگر شیرا

---

(۱) الدر المختار ، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳ / ۳۷، سعید

(۲) رد المحتار ، کتاب النکاح ، فصل فی المحرمات، ۳ / ۳۷، سعید

(۳) وامهات نسائكم (النساء : ۲۳)

بینا کے ساتھ زنا کا اقرار کرتا ہے تو اس کے اقرار کی وجہ سے راجاں بھی اس پر حرام ہو گئی۔ مگر بینا کی حرمت بدستور قائم رہے گی۔ لہذا اب اس اقرار کی صورت میں دونوں عورتیں اس پر حرام ہوں گی۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ساس سے زنا کرنے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۶ دسمبر سن ۱۹۲۵ء)

(سوال) زید کا ہندہ کے ساتھ نکاح ہو چکا ہے۔ بعد نکاح زید نے ہندہ کی ماں یعنی اپنی ساس کے ساتھ زنا کیا۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اگر حرام ہو چکی ہے تو ایسے نکاح کی شرعی تنسیخ کے لئے اسلامی حکومت کے مختار قاضی کا فتویٰ ضروری ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۱۵) ہاں جب کہ زید اپنی ساس کے ساتھ زنا کرنے کا اقرار کرے یا شہادت شرعیہ سے ثابت ہو جائے تو اس کی بیوی اور اس کے درمیان تفریق کرادی جائے گی۔ کیونکہ عورت مزنیہ کی ماں اور بیٹی زانی پر حرام ہو جاتی ہیں۔ اور جب کہ وہ سبب حرمت (یعنی زنا) کا اقرار کرتا ہے شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے تو پھر تفریق لازم ہو جاتی ہے۔ یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ اور یہی حضرت عمر فاروق حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عمران بن حصین، حضرت جابر، حضرت ابی بن کعب، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضرت حسن بصری، حضرت امام شعبی، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت امام اوزاعی، حضرت طاؤس، حضرت عطاء، حضرت مجاہد، حضرت سعید بن مسیب، حضرت سلیمان بن یسار، حضرت حماد، حضرت سفیان ثوری، حضرت اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے۔(۲)

فقہ حنفی کی عبارتیں یہ ہیں :-

وتثبت بالوطاء حلالا كان اوعن شبهة اوزنا كذافي فتاوى قاضي خان (عالمگيری)(۳) یعنی حرمت مصاہرۃ وطی حلال اور وطی بالشبہۃ اور زنا سے ثابت ہو جاتی ہے۔ والزنا واللمس والنظر بشهوة يوجب حرمة المصاهرة (كنز)(۴) یعنی زنا اور مساس اور نظر بشہوت سے حرمت مصاہرۃ ثابت ہو جاتی ہے۔ لو اقربحرمة المصاهرة يواخذ به ويفرق بينهما (عالمگيری)(۵) یعنی خاوند اگر حرمت کا اقرار کرے تو اپنے اقرار سے ماخوذ ہو گیا اور زوجین میں تفریق کرادی جائے گی۔ ایسے زوجین میں جن کے درمیان حرمت مصاہرۃ واقع ہوئی ہے تفریق کرانے سے تفریق ہو جاتی ہے۔ ہندوستان کی انگریزی عدالتوں کے مسلمان جج کا حکم بالفسخ کافی ہوگا۔ اسی طرح ثالث کا فیصلہ بھی کافی ہوگا۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

---

(۱) قال في البحر : اراد بحرمة المصاهرة الحرمات الاربع ، حرمة المراة على اصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة اصولها وفروعها على الزاني نسبا ورضاعا. (ردالمحتار، كتاب النكاح ، فصل في المحرمات، ۳/ ۳۲، سعيد)

(۲) رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ۳/ ۳۲، سعيد

(۳) الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث ، القسم الثاني ، ۱/ ۲۷۴، ماجدية

(۴) كنز الدقائق ، كتاب النكاح ، فصل في المحرمات ، ص : ۹۸، امدادية

(۵) الهندية ، كتاب النكاح ، الباب الثالث ، القسم الثاني ، ۱/ ۲۷۵، ماجدية

مس بشہوت غلطی سے بھی ہو تو حرمت ثابت ہو جاتی ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۳۱ جولائی سن ۱۹۲۷ء)

(سوال) بہشتی زیور حصہ چہارم صفحہ ۵ پر مسئلہ۔ رات کو اپنی بی بی کے جگانے کے لئے اٹھا۔ مگر غلطی سے لڑکی پر ہاتھ پڑ گیا یا ساس پر ہاتھ پڑ گیا اور بی بی سمجھ کر جوانی کی خواہش کے ساتھ اس کو ہاتھ لگایا تو اب وہ مرد اپنی بی بی پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا۔ اب کوئی صورت جائز ہونے کی نہیں ہے۔ اور لازم ہے کہ یہ مرد اس عورت کو طلاق دے دے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ جب دونوں اس میں بے قصور ہیں تو طلاق دینے کی کیا وجہ ہے ؟

(جواب ۳۱۶) بہشتی زیور...... سے جو مسئلہ آپ نے نقل کیا یہ مسئلہ حنفیہ کے نزدیک اسی طرح ہے کہ اگر غلطی سے یا قصداً کوئی شخص اپنی لڑکی یا اپنی ساس کے بدن کو بغیر حائل ہاتھ لگا دے اور اس وقت اس کو خواہش (شہوت) ہو تو اس کی لڑکی کی ماں یا ساس کی بیٹی (یعنی ہاتھ لگانے والے کی بیوی) اس پر حرام ہو جاتی ہے۔(۱) اس میں اگرچہ بیوی کا قصور نہیں اور غلطی ہو جانے کی صورت میں مرد کا بھی قصور نہیں مگر حرمت کی وجہ دوسری ہے جس میں قصور ہونے نہ ہونے کو دخل نہیں ہے۔ حنفیہ کا مذہب یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

لڑکی سوتیلے باپ سے زنا کا اقرار کرتی ہے اور باپ منکر ہے، کیا حکم ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ مارچ سن ۱۹۳۶ء)

(سوال) مسماۃ ہندہ زید کی زوجہ ہے اور ہندہ کے دوسرے شوہر سے لڑکی ہے جس کا نام زینب ہے۔ زینب کا یہ قول ہے کہ زید نے میرے ساتھ زنا کیا ہے اور زید منکر ہے اور زینب کے قول کے سوا کوئی ثبوت زنا کا نہیں ہے۔

(جواب ۳۱۷) اگر زید منکر ہے تو صرف زینب کے کہنے سے حرمت مصاہرہ ثابت نہیں ہو گی۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) واما الحرمة بدواعی الوطئ اذا مسها او قبلها بشهوة تثبت حرمة المصاهرة وان انكر الشهوة كان القول قوله الا ان يكون ذلك مع انتشار الآلة (الخانية على هامش الهندية ، كتاب النكاح ، باب فی المحرمات ، ۱ / ۳٦۹ ، ماجدية)

(۲) وان ادعت الشهوة فی تقبيله اوتقبيلها ابنه وانكرها الرجل فهو مصدق لاهی (الدر المختار ، كتاب النكاح ، فصل فی المحرمات ، ۳ / ۳۷ ، سعيد)

بارھواں باب

کفاءت

چچا نے نابالغہ کا نکاح اس کے بھائی کی رضامندی کے بغیر آوارہ سے کر دیا، کیا حکم ہے ؟

(سوال) ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوا تھا۔ صورت اس کی یہ ہے کہ بھائی حقیقی ہندہ کا بالغ جائز ولی تھا وہ وقت نکاح موجود نہ تھا۔ والدہ ہندہ کی مسلوب الحواس ہے۔ اس کے چچا نے بغیر اجازت بھائی حقیقی بالجبر ایک غیر محترم آدمی سے نکاح کر دیا تھا۔ جس کا حال قابل بیان نہیں ہے۔ زید نہایت آوارہ ہے اور صحبت زنانوں کی رکھتا ہے۔ جس وقت ہندہ کا نکاح ہوا تھا اس وقت عمر ہندہ کی تخمیناً گیارہ سال کی تھی۔ اس وقت بالغ نہ تھی اب بالغ ہے جس کو عرصہ تخمیناً چار سال کا ہو گیا۔ بھائی اس کا اس رشتہ سے ہرگز راضی نہیں ہے بلکہ ہندہ بھی سخت ناراض ہے اور کسی قسم کا آج تک لین دین نہیں ہوا اور زید اپنی رزالت سے باز نہیں آتا۔ ہندہ کا کسی قسم کا خبر گیراں نہیں۔ سخت دھوکا دیا ہے۔ جو شخص اتنے عرصے تک خبر گیراں نہ ہو اور دھوکا دہی کرے اور مجبور کرے۔ اس کے واسطے ازروئے شرع شریف کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۳۱۸) اگر زید نے اول یہ بیان کیا تھا کہ میں خلاف شرع امور کا مرتکب نہیں ہوں اور چچا کو اس کی ان حرکات کا علم نہیں تھا تو اس صورت میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ رجل زوج ابنته الصغيرة من رجل على ظن انه صالح لا يشرب الخمر فوجده الاب شريبا مدمنا و كبرت الابنة فقالت لاارضى بالنكاح ان لم يعرف ابوها يشرب الخمرو غلبة اهل بيته الصالحون فالنكاح باطل اى يبطل وهذه المسئلة بالاتفاق كذافى الذخيرة (ھندیہ(۱) ج ا ص ۳۱۰) اور اگر بھائی حقیقی اسی شہر میں یا ایسی جگہ موجود تھا کہ اس سے اجازت لی جا سکتی تھی اور پھر بھی چچا نے بغیر استیذان اس کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح بھائی کی اجازت پر موقوف تھا۔ اگر بھائی نے اطلاع نکاح ہونے پر ناراضی ظاہر کر دی تو نکاح باطل ہو گیا۔ وان زوج الصغير او الصغيرة ابعد الاولياء فان كان الاقرب حاضراً وهو من اهل الولاية توقف نكاح الا بعد علىٰ اجازته (ھندیہ(۲) ج ا ص ۳۰۳) اور اگر بھائی نے اجازت دے دی یا خبر ہونے پر ناراضی ظاہر نہ کی ہو تو نکاح صحیح ہو گیا لیکن ہندہ کو بالغ ہوتے ہی فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔ لیکن فسخ نکاح کے لئے قضائے قاضی یعنی حکم حاکم مجاز کی ضرورت ہے۔ ولكن لهما اى لصغير وصغيرة وملحق بهما خيار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ او العلم بالنكاح بعده شرط القضاء (درمختار ج ۲ ص ۳۳۲)(۳)

لونڈی زادہ نے نسب غلط بتا کر سید زادی سے نکاح کیا، کیا حکم ہے ؟

(سوال) ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ لاعلمی اور دھوکے سے اس صورت پر ہوا کہ اول زید نے اپنے آپ کو شریف النسب، ذی وقار، صاحب حشمت بیان کیا حالانکہ بعد نکاح معلوم ہوا کہ وہ ذی اقتدار، شریف النسب اور صاحب مقدرت نہ تھا بلکہ زید لونڈی زادہ تھا اور ہندہ سید زادی شریف النسب تھی۔ وہ کفو مطلق نہ تھا۔ چونکہ کہنا اس نے چپلی

---

(۱) الهندية ، كتاب النكاح ، الباب الخامس ۱/ ۲۹۱، ماجدية
(۲) الهندية ، كتاب النكاح ، الباب الرابع ۱/ ۲۸۵، ماجدية
(۳) الدر المختار ، كتاب النكاح ، باب الولي ۳/ ۶۹، سعيد

زیورات و نقرئی پر ملمع کرا کر سونے کا بیان کر کے چڑھایا۔ وقت شام کا تھا۔ دوسرے روز معلوم ہوا کہ اس نے دھوکہ فاش کیا۔ چنانچہ چند آدمی اس کے شاہد موجود ہیں۔ ہندہ اس وقت بالغ نہ تھی۔ عمر اس کی تخمیناً ۱۳ سال کی تھی۔ اب بالغ ہے۔ وہ اس عقد کو نہیں چاہتی۔ ہندہ کے باپ کو سخت دھوکہ ہوا۔ عرصہ تخمیناً دو ۲ سال کا ہوا کہ دلہن کی سب چیزیں اپنے قبضہ میں کر کے گھر سے باہر نکال دیا۔ جب سے وہ اپنے والدین کے گھر بیٹھی ہوئی ہے۔ جوان عمر ہے۔ نہ روٹی ہے نہ کپڑا ہے نہ خرچ بیماری وغیرہ۔ لڑکی کو امید نہیں کہ وہ نباہ کر سکے۔ اور بسبب آوارگی اور قوم کے ارزل ہونے کے ہندہ چاہتی ہے کہ علیحدگی کر دی جائے۔ از روئے شرع شریف کے تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

(جواب ۳۱۹) چونکہ زید نے اول یہ بیان کیا تھا کہ میں محارم شرعیہ کا مرتکب نہیں ہوں اور بعد میں اس کے بیان کا خلاف ظاہر ہوا اس لئے یہ نکاح باطل ہے۔ رجل زوج ابنة الصغيرة من رجل ذكرانه لا يشرب المسكر فوجده شريبا مدمنا فبلغت الصغيرة وقالت لا ارضى قال الفقيه ابو جعفرؒ ان لم يكن ابو البنت يشرب المسكر و كان غالب اهل بيته الصلاح فالنكاح باطل لان والد الصغيرة لم يرض بعدم الكفاءة وانمازوجها منه على ظن انه كفؤ انتهى (خانیہ(۱) ص ۳۲۳ علی هامش الهندیه) اور اگر اس کی آوارگی سے قطع نظر کر لی جائے تاہم اس کا اپنے آپ کو شریف النسب ظاہر کرنا اور بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہونا اس امر کا مقتضی ہے کہ باپ اور لڑکی دونوں کو خیار فسخ حاصل ہو۔ ولو انتسب الزوج لها نسبا غير نسبه فان ظهر دونه وهو ليس بكفؤ فحق الفسخ ثابت للكل وان كان كفوا فحق الفسخ لها دون الا ولياء (عالمگیری(۲) ج ۱ ص ۳۱۲)

غلام زادہ نے دھوکہ دے کر سیدہ سے نکاح کیا، اس کے فسخ کی کیا صورت ہے؟

(سوال) ایک غلام زادہ نے دھوکہ دے کر سید کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ جب مسماۃ کو پتہ لگا تو وہ اپنے باپ کے گھر بیٹھ رہی اور اس غلام کے گھر آنے سے انکاری ہے۔ کہتی ہے کہ میں اس کے گھر رہنا پسند نہیں کرتی۔ آیا سیدانی کا نکاح غلام زادہ سے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۳۲۰) اگر شخص مذکور نے دھوکہ دے کر اپنے کو خلاف واقعہ کسی اعلیٰ نسب کا ظاہر کیا اور بعد میں وہ اس سے کم درجہ کا ظاہر ہوا تو اس صورت میں باپ اور لڑکی دونوں کو فسخ نکاح کا اختیار ہے۔ وان كان ماظهر شرامما ذكر وليس بكفؤ لها بما ظهر بان تزوج عربية على انه عربي فاذا هو عجمي كان لها حق الفسخ وان رضيت كان للاولياء حق الفسخ الخ (قاضی خان)(۳)

حنفی لڑکی کا نکاح قادیانی سے جائز نہیں

(سوال) زید ایک سنی المذہب اور حنفی المشرب شخص ہے۔ اس کے ایک دختر نیک اختر ہے جو نا کتخدا ہے اور باپ ہی کے مذہب پر ہے۔ اور ایک شخص بکر احمدی مذہب کا ہے اور نئے پیدا شدہ فرقہ قادیانی سے تعلق رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی رسول برحق مانتا ہے اور وہی عیسیٰ علیہ السلام تسلیم کرتا ہے جن کا ذکر

(۱) الخانية على هامش الهندية ، كتاب النكاح ، فصل في الكفاءة ۱ / ۳۵۳، ماجدية
(۲) الهندية، كتاب النكاح ، الباب الخامس في الاكفاء ۱ / ۲۹۳، ماجدية
(۳) الخانية على هامش الهندية . كتاب النكاح، فصل في الكفاءة ۱ / ۳۵۳، ماجدية

احادیث میں ہے کہ قریب قیامت کے آسمان سے نازل ہوں گے۔ مگر قرآن مجید کو منزل من اللہ اور حضرت رسول مقبول ﷺ کو سچا رسول یقین کرتا اور اسلام کے تمام اوامر ونواہی پر سچے دل سے ایمان رکھتا ہے۔ باقاعدہ طور سے نماز پڑھتا اور اسلام کے دیگر تمام احکام کو بجالاتا ہے۔ اس کا کوئی نیا کلمہ بھی نہیں۔ بلکہ ان کا امام اپنے آپ کو نہایت سچا اور بڑا پکا مسلمان سمجھتا ہے اور لکھتا ہے کہ ؂

ما مسلمانیم از فضل خدا مصطفےٰ ما را امام و پیشوا

ایک دوسری جگہ ان کا امام بڑے زور شور سے لکھتا ہے کہ ؂

مومنوں پر کفر کا کرنا گمان ہے یہ کیا ایمان داروں کا نشاں۔ کیا یہی تعلیم فرقاں ہے بھلا۔ کچھ تو آخر چاہئے خوف خدا ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین۔ دل سے ہیں خدام ختم المرسلین۔ شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں۔ خاک راہ احمد مختار ہیں۔

سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے۔ دے چکے دل اب تن خاکی رہا ہے۔ یہی خواہش کہ ہو یہ بھی فدا
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب۔ کیوں نہیں لوگو تمہیں خوف عقاب

اس کا ایک لڑکا ہے جو اپنے باپ ہی کے دین پر ہے اور فرقہ قادیانی سے تعلق رکھتا ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا شرع شریف کے بموجب اور قرآن مجید کے ماتحت ان ہر دو کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ اور یہ رشتہ مناکحت شریعت محمدی کی رو سے جائز ہو گیا نہیں ؟ نہایت ادب سے عرض ہے کہ جواب باصواب نہایت جلد مرحمت فرمائیں۔ ساتھ ہی گزارش ہے کہ ضرورت صرف اس قدر ہے کہ اس معاملے میں خدا اور رسول کیا فرماتے ہیں کسی کی ذاتی رائے درکار نہیں۔ براہ کرم قرآن وحدیث سے جو کچھ اس معاملے میں حق ہو خدا کو حاضر وناظر جان کر وہی تحریر فرما کر داخل حسنات ہوں۔ اور اس بات سے ڈر کر کہ ایک روز ضرور ایسا آنے والا ہے جس دن سب کو خداوند کریم کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہو گی اور وہ دن بڑا سخت ہو گا اور موت سے خوف کھا کر کہ ایک روز مرنا یقینی ہے آپ فتویٰ دیں۔ حق بات کے کہنے میں کسی کا خوف یا ڈریا مذہبی تعصب آپ کو نہ روکے ورنہ خوب سمجھئے کہ قیامت میں خداوند کریم کا غصہ سب سے زیادہ انہیں لوگوں پر نازل ہو گا جو دانستہ حق کو چھپائیں گے۔

(جواب ۳۲۱) اللهم ربنا الهمنا الصدق والسداد واتباعه وجنبنا الكفر والالحاد وارزقنا اجتنابه لك الحمد حمد اترضيه والصلوة على نبيك صلوة ترضيه وعلى مقتفي اثاره ومتبعيه اجمعين اما بعده۔ مستفتی کی نصیحت کہ حق بات صاف صاف ظاہر کر دی جائے۔ بسر وچشم مقبول ومنظور ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی باوجود اتباع قرآن وحدیث کے طویل وعریض دعوں کے قرآن وحدیث کے منکر محرف ومبدل ہیں۔ انبیاء کی توہین قرآن پاک کی توہین، رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی توہین علمائے مجتہدین پر سب وشتم ان کے کلام میں اس قدر ہے کہ آفتاب نیم روز کی طرح واضح ہے۔ اجماع کے وہ مخالف ہیں اور جو شخص کہ قرآن وحدیث کے احکام منصوبہ صریحہ کا خلاف کرے، انبیاء علیہم السلام کی توہین کرے، قرآن پاک کی اہانت کرے، قرآن مجید کے مضامین متفق علیہا کو بدل دے، اجماع کا خلاف کرے وہ یقیناً کافر ہے اگرچہ وہ اپنے مسلمان ہونے کا کتنا ہی لمبا چوڑا دعوی کرے۔

مرزا صاحب خود اپنی تصنیفات میں تمام مسلمانوں کو جو ان کے دعووں کو نہیں مانتے بلکہ منکر یا متردد بھی ہیں کافر کہتے ہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو مرزائیوں کے لئے ناجائز و حرام بتاتے ہیں۔ (دیکھو حاشیہ تحفہ گولڑویہ) ان کے جانشین خلیفہ ثانی مرزا محمود صاحب نے اخبار "فاروق" میں جو قادیان سے نکلتا ہے اپنا مضمون شائع کر لیا ہے۔

اس میں احمدیوں کو فرماتے ہیں کہ تمہارے لئے قطعی حرام ہے کہ مرزا صاحب کے منکروں کے جنازے کی نماز پڑھو اور ان کے ساتھ مناکحت یعنی رشتے ناطے کرو۔

پھر تعجب ہے کہ مرزائی کس منہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرزا کو باوجود اقرار قرآن و حدیث و توحید و رسالت کے کافر کیوں کہا جاتا ہے۔ وہ خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ انہوں نے کروڑوں مسلمانوں کو جو توحید و رسالت و ضروریات اسلام کے معتقد و مقر ہیں اور ان میں ہزاروں لاکھوں علماء و مشائخ اور صوفیہ ہیں کیسے کافر بنادیا۔

اس سوال کے جواب کے لئے جو مستفتی نے دریافت کیا ہے مرزا محمود صاحب کا فتوی کافی ہے کہ کسی احمدی لڑکے کا غیر احمدی لڑکی سے نکاح نہیں ہو سکتا قطعی حرام ہے۔(۱) اور مرزائیوں پر اس فتوے کا تسلیم کرنا لازم ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب اپنے تمام منکرین اور مترددین کو کافر بتا چکے ہیں۔ واللہ اعلم

شیعوں کا ذبیحہ کھانا اور ان سے رشتہ کرنا کیسا ہے؟

(سوال) شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ اور ان کے ساتھ کھانا اور رشتہ کرنا درست ہے یا نہیں۔ نیز سلام علیک کرنا اور جواب سلام دینا کیسا ہے؟

(**جواب ۳۲۲**) رافضیوں کا وہ فرقہ جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عیاذاً باللہ خدا یا اور کچھ اسی طرح جو شرعاً کفر ہو مانتا ہو ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا درست نہیں۔(۲) اور جو لوگ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کو خلفائے ثلثہ پر صرف افضل مانتے ہوں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے اور ان لوگوں کی لڑکیوں سے نکاح کر لینا بھی جائز ہے۔(۳) مگر انہیں اپنی لڑکیاں نہیں دینی چاہئیں۔(۴) بلا ضرورت ان سے سلام کرنا یا خلا ملا رکھنا بھی اچھا نہیں۔

قادیانی لڑکے کا نکاح حنفی لڑکی کے ساتھ جائز نہیں

(سوال) زید فرقہ قادیان سے اور بکر حنفی ہے۔ زید کا لڑکا ہے اور بکر کی لڑکی ہے ان کا نکاح باہم شرعاً جائز اور درست ہے یا نا جائز ہے اور نکاح کرنے میں کوئی نقصان عائد ہو گا یا نہیں؟

(**جواب ۳۲۳**) قادیانیوں کو اپنی لڑکی دینا یا ان کی لڑکی خود کرنا جائز نہیں۔(۵)

ایضاً

(سوال) مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں :۔

(۱) آیت مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کا مصداق میں ہوں (ازالہ اوہام طبع اول ص ۶۷۳)۔

---

(۱) لا یجوز للمرتد ان یتزوج مرتدة ولا مسلمةً و کافرةً اصلیةً و کذلک لایجوز نکاح المرتدة مع احد کذافی المبسوط ۔ (الھندیة کتاب النکاح، الباب الثالث ، القسم السابع، ۱ /۲۸۲، ماجدیة)

(۲) ان الرافضی ان کان ممن یعتقد الا لوھیة فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی او کان ینکر صحبة الصدیق او یقذف السیدة الصدیقة فھو کافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدین بالضرورة ، بخلاف ما اذا کان یفضل علیاً اویسب الصحابة فانه مبتدع لا کافر ۔ (رد المحتار، کتاب النکاح ، فصل فی المحرمات، ۳/۴۶، سعید)

(۳) تجوز منا کحة المعتزلة ، لا نه لا تکفر احد من اھل القبلة وان وقع الزاماً فی المباحث ۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/۴۵، سعید) (۴) ففی الفتح : ویجوز، تزوج، الکتابیات، والاولی ان لا یفعل ولا یا کل ذبیحتھم الا للضرورة۔ (ردالمحتار، کتاب النکاح ، فصل فی المحرمات، ۳/۴۵، سعید) (۵) لا یجوز للمرتد ان یتزوج مرتدة ولا مسلمة وکذلک لا یجوز نکاح المرتدة مع احد ، کذا فی المبسوط (الھندیة ، کتاب النکاح ، الباب الثالث ، القسم السابع ، ۱/۲۸۲، ماجدیة) وحرم اخت معتدته والمجوسیة بالا جماع والوثنیة (البحر الرائق، کتاب النکاح فصل فی المحرمات ، ۳/۱۱۰، دارالمعرفة بیروت)

(۲) مسیح موعود جن کے آنے کی خبر احادیث میں آئی ہے میں ہوں (ازالہ وہام طبع اول ص ۶۶۵-۹)۔(۳) میں مہدی مسعود اور بعض نبیوں سے افضل ہوں (معیار الاخیار ص ۱۱)(۴) ان قدمی علی منارة ختم علیه کل رفعة (خطبہ الہامیہ ص ۳۵)۔(۵) لا تقیسونی باحدولا احد ابی (خطبہ الہامیہ ص ۱۹)۔(۶) میں مسلمانوں کے لئے مسیح مہدی اور ہندوؤں کے لئے کرشن ہوں (لیکچر سیالکوٹ ص ۳۳)(۷) میں امام حسین سے افضل ہوں (دافع البلاء ص ۱۳)۔(۸) وانی قتیل الحب لکن حسینکم قتیل العدیٰ فالفرق اجلی واظہر۔ (اعجاز احمدی ص ۸۱)
(۹) یسوع مسیح کی تین دادیاں اور تین نانیاں زناکار تھیں (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵)(۱۰) یسوع مسیح کو جھوٹ بولنے کی عادت تھی (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵)۔(۱۱) یسوع مسیح کے معجزات مسمریزم تھے۔ اس کے پاس بجز دھوکہ کے اور کچھ نہ تھا (ازالہ اوہام ص ۳۲۲-۳۰۳)(۱۲) میں نبی ہوں اس امت میں نبی کا نام میرے لئے مخصوص ہے (حقیقۃ الوحی ص ۳۹)۔(۱۳) مجھے الہام ہوا۔ یاایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (معیار الاخیار ص ۱۱)(۱۴) میرا منکر کافر ہے (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳)(۱۵) میرے منکروں بلکہ متاملوں کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں (فتاویٰ احمدیہ جلد اول)
(۱۶) مجھے خدا نے کہا۔ اسمع ولدی۔ اے میرے بیٹے سن! (البشریٰ ص ۴۹)(۱۷) لولاک لما خلقت الا فلاک (حقیقۃ الوحی ص ۹۹)۔(۱۸) میرا الہام ہے وما ینطق عن الھویٰ (اربعین ص ۳)۔(۱۹) وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (حقیقۃ الوحی ص ۸۲)۔(۲۰) انک لمن المرسلین۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۷)۔(۲۱) اتانی ما لم یوت احدا من العلمین (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۷)(۲۲) اللہ معک یقوم اینما قمت (ضمیمہ انجام آتھم ص ۱۷)۔(۲۳) مجھے حوض کوثر ملا ہے۔ انا اعطیناک الکوثر (ضمیمہ انجام آتھم ص ۸۵)(۲۴) میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ہو بہو اللہ ہوں۔ رایتنی فی المنام عین اللہ وتیقنت انی ہو فخلقت السمٰوٰت والارض (آئینہ کمالات مرزا ص ۵۶۵، ۵۶۴)(۲۵) میرے مرید کسی غیر مرید سے لڑکی نہ بیاہا کریں (فتاویٰ احمدیہ ص ۷)
جو شخص مرزا قادیانی کا ان اقوال میں مصدق ہو اس کے ساتھ مسلم غیر مصدق کا رشتہ زوجیت کرنا جائز ہے یا نہیں اور تصدیق بعد نکاح موجب افتراق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۳۲٤) مرزا غلام احمد قادیانی کے یہ اقوال جو سوال میں نقل کئے گئے ہیں اکثر ان میں سے میرے دیکھے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ان کے بے شمار اقوال ایسے ہیں جو ایک مسلمان کو مرتد بنانے کے لئے کافی ہیں۔ پس خود مرزا صاحب اور جو شخص ان کا ان کلمات کفریہ میں مصدق ہو سب کافر ہیں۔ اور ان کے ساتھ اسلامی تعلقات مناکحت وغیرہ رکھنا حرام ہے۔(۱) تعجب ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے جانشین تو اپنے مریدوں کو غیر مرزائی کا جنازہ پڑھنا بھی حرام بتائیں اور غیر احمدی انہیں مسلمان سمجھ کر ان کے ساتھ رشتے ناطے کریں۔ آخر غیرت بھی کوئی چیز ہے۔

یہود و نصاریٰ (جو اپنے دین پر قائم ہوں) سے مسلمان کا نکاح کرنا کیسا ہے؟

(سوال) آج کل جو اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ موجود ہیں ایسی حالت میں کہ وہ اپنے دین پر رہیں کسی مسیحی یا یہودی عورت سے مسلمان کو نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۱) وحرم اخت معتدته والمجوسية بالا جماع والوثنية۔ (البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۱۱۰، دار المعرفۃ بیروت)

(جواب ۳۲۵) اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ جو اس زمانے میں موجود ہیں دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ کہ اپنے دین پر قائم اور انجیل و توریت کو آسمانی کتاب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واجب الاحترام پیغمبر یا خدا کا بیٹا یا خدا مانتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مقدس رسول سمجھتے ہیں ایسے یہود و نصاریٰ سے مسلمانوں کو مناکحت جائز ہے خواہ وہ اپنے دین ہی پر رہیں۔ کیونکہ کلام ربانی میں ان کے یہ عقائد مذکور ہیں (۱) اور باوجود ان عقائد کے ان کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔ (۲)

دوسرے وہ کہ تعلیم یافتہ سائنس داں ہیں۔ نہ وہ خدا کے قائل نہ انجیل و توریت کے نہ حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کی کسی عظمت و بزرگی کے معتقد۔ صرف رسمی اور آبائی طور پر عیسائی بنے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں سے مناکحت ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ اہل کتاب نہیں ہیں۔ دہریہ ہیں۔ (۳) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفر لہ سنہری مسجد دہلی۔ الجواب صواب بندہ محمد قاسم عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔

الجواب صواب بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ مہر دارالافتاء

والدین کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں بالغہ کا نکاح

(سوال) ایک عورت بالغہ کے والدین ایک شریف اور اس کی ہم عمر قریشی رشتہ دار سے شادی کر رہے ہوں مگر وہ عورت بد چلنی سے ایک اور رشتہ دار کے ساتھ نکل کھڑی ہو اور جا کر کہیں بغیر رضامندی اور بغیر موجودگی والدین کے وہ نکاح کرالیں مگر والدین جا کر اس عورت کو واپس گھر لے آئیں۔ اس عورت کا خاوند ایک فرضی ڈاکہ کا مقدمہ چھیڑ دے۔ اس عورت کے والدین عدالت میں ایک بناوٹی نکاح اپنے کفو سے عورت کی رضا پر پیش کریں جس پر عورت والدین کو مل جائے۔ اب والدین اس بناوٹی خاوند کے ساتھ اس عورت کا نکاح کرنا چاہیں اور پہلے شخص سے طلاق چاہیں وہ کسی صورت نہ دے اور وہ شخص اخلاق میں کمزور اور صوم و صلوٰۃ کا پابند نہ ہو۔ اب عورت کے والدین پانچ سال بعد ایک مفتی مولوی محمد عبدالعلیم صاحب ملتانی کو حالات عرض کریں اور وہ یہ فتویٰ دیں کہ بغیر رضا ولی یا والدین کے کوئی بالغہ یا نابالغہ عورت کہیں بھی نکاح کرے وہ باطل ہے۔ اس عورت کا نکاح مجوزہ آدمی سے پڑھ دیا جاوے۔ والدین نے اب وہ نکاح پڑھ دیا ہو تو کیا وہ نکاح درست ہے؟ المستفتی نمبر ۲۷۴ شاہ محمد صاحب چشتی مظفر آباد ضلع ملتان۔

(جواب ۳۲۶) پہلا نکاح جس شخص کے ساتھ عورت نے خود کیا تھا اگر وہ کفو تھا تو نکاح صحیح منعقد ہو گیا تھا اور بدون طلاق کے دوسرا نکاح درست نہیں ہوا۔ لیکن اگر وہ عورت کا کفو نہ تھا تو اس کی گنجائش ہے کہ پہلے نکاح کو باطل قرار دے کر دوسرا نکاح جائز سمجھا جائے۔ (۴)

---

(۱) وقالت الیہود عزیر ابن اللہ وقالت النصاریٰ مسیح ابن اللہ۔ (التوبۃ: ۳۰)

(۲) والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم اذا اتیتمو ھن اجورھن۔ (المائدۃ: ۵)

(۳) ورجحہ فی فتح القدیر بان القائل بذلک طائفتان من الیہود والنصاریٰ انقرضوا لاکلھم مع ان مطلق لفظ الشرک اذا ذکر فی لسان الشرع لا ینصرف الی اھل الکتاب وان صح لغۃ فی طائفۃ او طوائف لما عھد من ارادتہ بہ من عبد مع اللہ تعالیٰ غیرہ ممن لایدعی اتباع نبی و کتاب الی آخر ماذکرہ۔ (ردالمحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات ۳/ ۴۵، سعید)

(۴) فنفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضا ولی والاصل ان کل من تصرف فی مالہ تصرف فی نفسہ، ومالا فلا، ولہ ای للولی اذا کان عصبۃ الاعتراض فی غیر الکفو فیفسخہ القاضی۔ (ردالمحتار، کتاب النکاح باب الولی، ۳/ ۵۶، سعید)

وفی المبسوط: واذا زوجت المراۃ نفسھا من غیر کفو فللاولیاء ان یفرقوا بینھما، لانھا الحقت العار بالاولیاء۔ (المبسوط للسرخسی، باب الاکفاء، ۵/ ۲۵، بیروت)

لا علمی میں رافضی سے نکاح ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

(سوال) زید نے اپنی لڑکی ہندہ کا بکر کے لڑکے کے ساتھ عقد کر دیا۔ بعد چار پانچ سال کے معلوم ہوا کہ بکر قوم رافضی ہے۔ اب زید اپنی لڑکی کو نہیں بھیجتا۔ کہتا ہے کہ لا علمی میں نکاح کر دیا گیا اب نہیں بھیجوں گا۔ آیا ہندہ جو مذہب حنفی رکھتی ہے اس کا نکاح رافضی کے ساتھ درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۹۲ ابو محمد باڑھ والے (ضلع بنگلی)

(جواب ۳۲۷) اگر لڑکے نے یا اس کے اولیاء نے اپنے آپ کو سنی ظاہر کیا تھا اور در حقیقت شیعہ تھے۔ تو زید کو اور اس کی لڑکی کو حق ہے کہ اس دھوکہ دینے کی بنا پر اپنی لڑکی کے نکاح کو فسخ کرالے۔(۱) اور اگر دھوکہ دینے کی نوبت نہیں آئی تو اگر خاوند ایسے شیعوں میں سے ہے جو موجودہ قرآن مجید کو نہیں مانتے یا اس میں تحریف یا کمی زیادتی کے قائل ہیں یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر افک کی صحت کے مؤید ہیں یا حضرت علی کو خدا مانتے ہیں یا اسی قسم کے کسی اور عقیدے کے قائل ہیں تو نکاح ہی صحیح نہیں ہوا۔(۲) اور اگر وہ تبرائی غالی شیعوں میں سے ہیں تو بوجہ فسق اور عدم امکان موافقت کے وہ نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

(سوال) زید ایک قادیانی عقائد کے باپ کا بیٹا ہے جس نے قادیانی عقائد میں پرورش پائی اور قادیانی رہا۔ اس کی والدہ حنفی العقیدہ ہے۔ زید کا نکاح بھی ایک حنفی العقیدہ لڑکی سے ہوا۔ اور ایک ہزار روپیہ مہر مؤجل مقرر ہوا۔ اس کے بعد زید قادیانی لوگوں کی بعض حرکات سے اس قدر متنفر ہوا کہ وہ نہ صرف قادیانی مذہب سے بلکہ اسلام سے ہی بد ظن ہو گیا اور آخر آریہ بن گیا۔ کچھ عرصے کے بعد مشرف باسلام ہوا۔ اب بحمد اللہ وہ عقائد حقہ رکھتا ہے اور قادیانیت سے متنفر ہے مندرجہ بالا واقعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے سسرال والوں نے بوجہ ارتداد اس کے نکاح کو فسخ شدہ قرار دے کر مہر کا مطالبہ کیا۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) حنفی لڑکی کا قادیانی سے نکاح ہوا تو مہر واجب ہو گیا یا نہیں؟
(۲) قادیانی اپنا مذہب چھوڑ کر ہندو ہو جائے تو کیا یہ ارتداد عن الاسلام ہو گا؟
(۳) ہندو ہونے کے بعد زوجین نکاح کو بر قرار رکھنا چاہیں تو تجدید نکاح ضروری ہے
(۴) تجدید نکاح کی صورت میں حلالہ ضروری نہیں۔

(۱) آیا ایک حنفی العقیدہ لڑکی کا نکاح ایک قادیانی شوہر سے شرعاً جائز ہے یا فاسد و باطل؟
(۲) اگر فاسد و باطل ہے تو آیا مہر پھر بھی واجب ہے؟ (تعلقات زنا شوئی کئی سال تک جاری رہے)
(۳) یہ دیکھ کر کہ حضرات علماء نے قادیانی لوگوں کے ارتداد اور خارج عن الاسلام ہونے کا فتویٰ دے رکھا ہے آیا کسی قادیانی کا اپنے مذہب کو (خواہ وہ بزعم خود اس کو اسلام سمجھتا ہو) ترک کر کے آریہ ہو جانا ارتداد عن الاسلام ہے اور اس سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے؟

---

(۱) ولو انتسب الزوج لها نسباً غير نسبه فان ظهر دونه وهو ليس بكف فحق الفسخ ثابت للكل ـ (الهندية، كتاب النكاح، الباب الخامس للاكفاء، ۱/ ۲۹۳، ماجدية)

(۲) وبهذ اظهر ان الرافضى ان كان ممن يعتقد الا لوهية او ان جبريل غلط فى الوحى او كان ينكر صحبة الصديق او يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة ـ (رد المحتار، كتاب النكاح، فصل فى المحرمات، ۳/ ۴۶، سعيد) وفى البدائع: فلا يجوز النكاح المؤمنة الكافر ـ (البدائع الصنائع، كتاب النكاح، باب منها اسلام الرجل، ۲/ ۲۷۱، سعيد)

(۴) صورت زیر بحث میں اگر یہ زوجین تعلقات زناشوئی کو جاری رکھنا چاہیں تو ان کے لئے تجدید نکاح ضروری ہے؟
(۵) بصورت تجدید نکاح آیا حلالہ ضروری ہے؟ یہ ملحوظ رہے کہ زید نے طلاق نہیں دی فسخ نکاح بوجہ ارتداد سمجھا جا رہا ہے۔

المستفتی نمبر ۳۶۰ سید غلام بھیک نیرنگ ایڈووکیٹ انبالہ۔ ۷ ربیع الاول سن ۱۳۵۳ھ م ۲۰ جون سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۲۸) (۱) نکاح جائز ہے یعنی فاسد ہے۔(۱)
(۲) اگر زوجین میں تعلقات زناشوئی واقع ہو چکے ہیں تو مہر مثل لازم و واجب ہے۔(۲)
(۳) ہاں، گو قادیانیوں پر کفر کا فتویٰ ہے۔ تاہم وہ اسلام کے مدعی تو ہیں۔ تو اسلام چھوڑ کر آریہ ہو جانا ارتداد قرار دیا جائے گا۔ اور نکاح جو فاسد ہونے کی وجہ سے پہلے ہی واجب الفسخ تھا اس کا فسخ اور زیادہ مؤکد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں بطلان نکاح متیقن ہو گیا۔(۳)
(۴) اگر یہ زوجین تجدید اسلام زوج کے بعد باہم زناشوئی کے تعلقات رکھنا چاہیں تو ان کو از سر نو نکاح کرنا لازم ہوگا۔ لیکن نکاح سے پہلے حلالہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔(۴)
(۵) حلالہ کی ضرورت نہیں کیونکہ حلالہ تین طلاق دینے کی صورت میں ہوتا ہے۔ نہ کہ نکاح فسخ ہونے کی صورت میں۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

شیعہ سے اہل سنت کا نکاح

(سوال) فرقہ شیعہ سے اہل سنت والجماعۃ کی مناکحت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۱۵ محمد مقدس (ضلع سلہٹ) ۵ ربیع الثانی سن ۱۳۵۴ھ م ۷ جولائی سن ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۲۹) شیعہ جو غالی ہیں یعنی ایسے اعتقاد رکھتے ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے تو ان کے ساتھ مناکحت کی ایک صورت جائز ہے کہ لڑکا سنی ہو اور لڑکی شیعہ ہو۔(۱) لیکن اگر لڑکی سنی ہو اور لڑکا غالی شیعہ ہو تو نکاح درست نہ ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

نکاح کے بعد خاوند قادیانی ہو گیا، کیا حکم ہے؟

(سوال) زید جب کہ اہل سنت والجماعۃ تھا اس کا نکاح ایک اہل سنت والجماعۃ عورت سے ہوا تھا۔ آج وہ اپنے آپ کو

---

(۱) وحرم اخت معتدته ... والمجوسية بلا جماع والوثنية ويدخل في عبدة الاوثان عبدة الشمس والنجوم والصور التي استحسنوها و المعطلة والزنادقة۔ (البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۱۱۰ دار المعرفۃ بیروت)
(۲) ويجب مهر المثل في نكاح فاسد۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المہر، ۳/ ۱۳۱، سعید)
(۳) وارتداد احدهما اي الزوجين فسخ ... عاجل بلا قضاء (الدر المختار) وفي الرد: بلا قضاء اي بلا توقف على قضاء القاضي۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، ۳/ ۱۹۳-۱۹۴، سعید)
(۴) فلو ارتد مرارا وجدد الاسلام في كل مرة وجدد النكاح على قول ابي حنيفة تحل امراته من غير اصابة زوج ثان۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، ۳/ ۱۹۳، سعید)
(۵) ایضاً
(۶) اس سے وہ شیعہ لڑکی مراد ہے جو ضروریات دین کی منکر نہ ہو۔ تجوز مناكحة المعتزلة . لانا لا نكفر احدا من اهل القبلة وان وقع الزاما في المباحث۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۴۵، سعید) اور اگر ضروریات دین میں سے کسی کی بھی منکر ہو تو کافر ہونے کی وجہ سے اس سے نکاح جائز نہیں۔
وحرم ... المجوسية بالا جماع والوثنية ويدخل في عبدة الا وثان عبدة الشمس ... والمعطلة و الزنادقة ... لان اسم المشرك يتناولهم جميعا (البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات ۳/ ۱۱۰ دار المعرفۃ بیروت)

مرزائی کہتا ہے اور مرزا قادیانی کو محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبی سمجھتا ہے اب اس کا نکاح قائم رہا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۶۰۸ حکیم نبی بخش (ضلع جالندھر) ۱۳ جمادی الثانی سن ۱۳۵۴ھ م ۱۲ ستمبر سن ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۳۰) زید کے قادیانی ہو جانے سے اس کا نکاح فسخ ہو گیا۔ کیونکہ قادیانی ہونے سے وہ مرتد ہو گیا۔ اور ارتداد سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ عورت بذریعہ کسی مسلمان حاکم کے اس سے علیحدگی اور تفریق کا فیصلہ حاصل کر سکتی ہے۔(۱) فقط محمد کفایت اللہ

تفضیلی شیعہ سے سنی لڑکی کا نکاح کیسا ہے ؟

(سوال) ایک شیعہ لڑکا سنی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟ یہ شیعہ تفضیلی ہے جو حضرت علیؓ کو دیگر صحابہ پر فضیلت دیتے ہیں۔ لڑکی کے رشتہ دار صرف اس وجہ سے یہ کام کرنا چاہتے ہیں کہ یہ عورت خراب ہے ناجائز طریقے سے روزی کماتی ہے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ شیعہ آدمی کے نکاح میں رہے۔ عالمگیری جلد دوم صفحہ ۲۴۶ میں ہے۔ الرافضی اذا کان یسب الشیخین او یلعنهما والعیاذ باللہ فهو کافر وان کان یفضل علیاً کرم اللہ وجهه علی ابی بکر الصدیق لا یکون کافراً الا انما هو مبتدع۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنی لڑکی کا۔ ان کے ساتھ نکاح درست نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۶۳۲ حافظ محمد اسحٰق (کوئٹہ) ۲۹ جمادی الثانی سن ۱۳۵۴ھ

(جواب ۳۳۱) شیعہ اگر حضرت علی کو دوسرے صحابہ پر فضیلت دیتا ہے۔ بس اس کے علاوہ اور کوئی بات اس میں شیعیت کی نہیں ہے تو یہ کافر نہیں ہے اور ایسے شیعہ کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر شیعہ غلطی وحی یا الوہیت علی یا افک صدیقہ کا قائل ہو یا قرآن مجید میں کمی بیشی ہونے کا معتقد ہو یا صحبت صدیق کا منکر ہو تو ایسے شیعوں کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح منعقد نہیں(۲) ہوتا اور چونکہ شیعوں میں تقیہ کا مسئلہ شائع اور معمول ہے اس لئے یہ بات معلوم کرنی مشکل ہے کہ فلاں شیعہ قسم اول میں سے ہے یا قسم دوم میں سے اس لئے لازم ہے کہ شیعوں کے ساتھ مناکحت کا تعلق نہ رکھا جائے شیعہ لڑکی کے ساتھ سنی مرد کا نکاح درست ہے(۳) لیکن یہ تعلق پیدا کرنا اکثر حالات میں مضر ہوتا ہے اس لئے اجتناب ہی اولیٰ ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

نصرانی عورت سے نکاح

(سوال) ایک مسلم مرد اگر کسی اہل کتاب یہود یا نصاریٰ کی عورت سے عقد کرلے تو جائز ہے یا نہیں ؟ درانحالیکہ مرد

---

(۱) شوہر کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے، قاضی کی ضرورت نہیں، البتہ قانونی مواخذہ سے محفوظ رہنے کے لئے حاکم کی اجازت حاصل کر لینا بہتر ہے جیسے کہ سوال نمبر ۳۳۲ کے جواب میں مذکور ہے۔ فی الدر: وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء۔ (الدر المختار) وفی الرد: بلا قضاء ای بلا توقف علی قضاء القاضی۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، ۳ /۱۹۳، ۱۹۴، سعید)

(۲) ویکفر من اراد بغض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ... وبقذف عائشة رضی اللہ عنها من نسائه فقط و بانکاره صحبة ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنه بخلاف غیره و بانکاره امامة ابی بکر رضی اللہ عنه علی الا صح کانکاره خلافة عمر رضی اللہ عنه علی الا صح۔ (البحر الرائق، کتاب الجهاد، باب المرتد، ۵ /۱۳۰۔۱۳۱، دار المعرفة بیروت)

(۳) جب کہ وہ ضروریات دین کی منکرنہ ہو۔ وفی الهدایة: ویجوز تزویج الکتابیات۔ (الهدایة، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۲ /۳۱۰، شرکة علمیة) لیکن اگر ضروریات دین میں سے کسی جزئی کی منکر ہو تو اس سے سنی کا نکاح جائز نہیں۔ وبهذا ظهر ان الرافضی ان کان ممن یعتقد الالوهیة فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی او کان ینکر صحبة الصدیق او یقذف السیدة الصدیقة فهو کافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدین بالضرورة۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳ /۴۶، سعید)

(۴) والاولی ان لا یتزوج کتابیة ولا یاکل ذبیحتهم الا للضرورة (البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳ /۱۱۱، دار المعرفة

اسلامیت پر اور عورت نصرانیت پر قائم رہے فقط

المستفتی نمبر ۸۰۵ اے۔ آر۔ جان (بمبئی) ۷ ذی الحجہ سن ۵۴ ۱۳ھ م ۲ امارچ سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۳۲) ہاں مسلمان کے لئے کتابیہ عورت یعنی یہودی یا نصرانی عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔(۱) کتابیہ اپنے مذہب پر قائم رہ سکتی ہے مگر بچے مسلمان ہوں گے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سنی لڑکی کا نکاح قادیانی سے ہوا، کیا حکم ہے؟

(سوال) ایک شخص کا باپ احمدی ہے اور وہ خود بھی احمدی ہے۔ اس شخص کی شادی ایک اہل سنت والجماعۃ لڑکی سے ہوئی ہے۔ شادی ہونے سے پہلے اس شخص کے احمدی خیالات پوشیدہ تھے۔ شادی ہونے کے بعد اس نے اپنے خیالات ظاہر کئے۔ اس کا باپ اپنی احمدیت نہیں چھوڑتا ہے مگر وہ شخص توبہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور علمائے دین کے فتوے کو بھی ماننے کے لئے تیار ہے مگر اپنی زبان سے مرزا صاحب کو کافر نہیں کہتا ہے۔ اب اگر وہ اپنا قادیانی عقیدہ چھوڑ کر دائرہ اسلام میں آتا ہے اور اپنی زبان سے مرزا صاحب کو کافر نہیں کہتا اس کو مسلمان سمجھا جائے یا نہیں اور اس کے ساتھ رشتہ داری رکھی جائے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۸۱۴ عبدالظہور خاں (ریاست جنید) ۲۲ ذی الحجہ سن ۵۴ ۱۳ھ

(جواب ۳۳۳) قادیانی کا نکاح اہل سنت والجماعۃ لڑکی سے درست نہیں ہوتا۔ اگر ایسا نکاح ہو گیا ہے تو وہ ناجائز اور باطل ہے۔(۳) اب اگر خاوند قادیانی مذہب اور اس کے عقائد سے تائب ہو کر مذہب اہل سنت والجماعۃ اختیار کرے اور مرزا غلام احمد کو کاذب اور ضال و مضل سمجھنے لگے تو جب بھی از سر نو نکاح کی تجدید کرنی ہوگی۔ مرزا صاحب کو اپنی زبان سے کافر نہ کہے تو نہ کہے مگر یہ اقرار کرنا لازم ہوگا کہ جو علماء مرزا صاحب کی تکفیر کرتے ہیں وہ حق پر ہیں۔ اس کے ساتھ اہل سنت والجماعۃ کے عقائد کو مانے اور ان کے اعمال میں شریک رہے تو دوبارہ نکاح کر دیا جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

غیر مقلدوں کا ذبیحہ کھانا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا اور ان سے بیاہ کرنا کیسا ہے؟

(سوال) غیر مقلد جو وہاں اہل حدیث کے نام سے مشہور ہیں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ احناف کو کھانا جائز ہے یا نہیں اور غیر مقلدوں کے پیچھے احناف نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں، اور ان سے شادی بیاہ لین دین جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۸۵۶ قاضی حکیم محمد نورالحق (چامراج نگر) ۲۱ محرم سن ۱۳۵۵ھ م ۱۴ اپریل سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۳۴) اہل حدیث غیر مقلدوں کا ذبیحہ بلاشبہ حلال ہے۔(۴) ان کے پیچھے حنفیوں کی نماز درست ہے۔(۵) ان سے بیاہ شادی لین دین سب جائز ہے۔(۶) ہاں اگر حنفی کسی اختلاف یا جھگڑے کے خیال سے رشتہ ناتہ نہ

---

(۱) وصح نکاح کتابیۃ مؤمنۃ بنبی مقرۃ بکتاب منزل (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/۴۵، سعید)
(۲) الولد یتبع خیر الابوین کذافی الکنز (الہندیۃ، کتاب النکاح، الباب العاشر، ۳/۱۹۶، ماجدیۃ)
(۳) ولا یجوز تزوج المسلمۃ من مشرک ولا کتابی (الہندیۃ، کتاب النکاح، الباب الثالث، القسم السابع، ۱/۲۸۱، ماجدیۃ)
(۴) واما شرائط الذکاۃ فانواع، ومنہا ان یکون مسلماً (الہندیۃ، کتاب الذبائح، الباب الاول، ۵/۲۸۵، ماجدیۃ)
(۵) غیر مقلد امام اگر اس امر کی رعایت کرتا ہے کہ وہ ایسا فعل نہ کرے جس سے حنفی کی نماز فاسد یا مکروہ ہو اور وہ متعصب نہ ہو تو اس کی اقتداء میں نماز درست ہے، کتب فقہ میں اس کی تفصیل مذکور ہے کمافی الدر: ان تیقن المراعاۃ لم یکرہ، اوعدمہا لم یصح وان شک کرہ (الدر المختار، کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، ۱/۵۶۳، سعید)
(۶) ومنہا الاسلام فی نکاح المسلم والمسلمۃ (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل و منہا الاسلام، ۲/۲۵۳، سعید)

کریں تو انہیں اختیار ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

غیر کفو کے ایک شخص نے لڑکی کو اغواء کر کے اس سے نکاح کر لیا، یہ فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(سوال) ایک بالغہ عورت جو اعوان قوم سے ہے جو اپنے آپ کو قریشی سمجھتے ہیں اس کو ایک غیر کفو کا آدمی جو اعوان قریشی نہیں اور نہ ان سے اعلیٰ نسب کا ہے اغوا کر کے لے گیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ کیا یہ نکاح درست ہے؟ اگر درست ہے تو اس کو فسخ کر لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیا مسلمانوں کی پنچایت اس کو فسخ کر سکتی ہے؟ یا حاکم مجاز کی ضرورت ہے؟ اگر پنچایت نکاح فسخ کر دے لیکن اس عورت کو مرد سے واپس لینے پر قادر نہ ہو اور وہ مرد اس سے وطی کرے تو وہ حلال ہوگی یا حرام؟

المستفتی نمبر ۱۱۰۱ نور محمد صاحب (ضلع گوجرانوالا) یکم ربیع الثانی سن ۱۳۵۵ھ م ۲۲ جون سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۳۵) اعوان کا اپنے آپ کو قریشی سمجھنا قریشی ہونے کے لئے کافی نہیں بلکہ اس کا ثبوت ضروری ہے کہ اعوان قریشی ہیں۔ پھر دوسرے شخص نے جو اعوان میں سے نہیں ہے۔ اگر اعوان عورت سے بدون اجازت اولیا کے نکاح کر لیا اور عورت بالغہ تھی تو نکاح ظاہر روایت کی بنا پر منعقد ہو گیا۔(۱) پھر اگر یہ شخص عورت کے خاندان سے اس قدر کم درجے کا ہو کہ عام طور پر ان میں مناکحت نہ ہوتی ہو اور عار سمجھی جاتی ہو تو اولیائے عورت کو اعتراض کا حق ہے۔ وہ نکاح کو بذریعہ حاکم مجاز کے یا ایسی پنچایت کے جس کے فیصلے اس بارے میں عام طور پر مقبول و نافذ ہوتے ہوں فسخ کرا سکتے ہیں۔(۲) اگر ایسی پنچایت موجود نہ ہو تو انگریزی عدالتوں کے مسلمان جج کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا۔ اس فیصلہ فسخ کے بعد اگر خاوند عورت کو علیحدہ نہ رکھے تو حرام کا مرتکب ہوگا۔ فیصلہ فسخ سے پہلے وہ زنا کا مرتکب نہیں ہے۔ متاخرین کا فتویٰ کہ نکاح منعقد نہیں ہوتا معلل بعلت فساد زمان ہے۔(۳) جو خود بتاتا ہے کہ وہ ایک زجر و انتظام کا فتویٰ ہے۔ نہ یہ کہ حلت و حرمت کی بنیاد اس پر قائم کی جا سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

خلفاء ثلاثہ کو کافر کہنے والے شیعہ سے نکاح جائز نہیں

(سوال) زید کا مذہب ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ وغیرہ یہ تمام کافر تھے۔ نعوذ باللہ اور منافق تھے اور اس کا عقیدہ تمام اہل شیعہ کا ہے۔ اس کے ساتھ اہل سنت عورت کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس کی لڑکی یا لڑکا بالغ ہو یا غیر بالغ؟

المستفتی نمبر ۱۰۸۵ قاضی اللہ بخش صاحب (ملتان) ۱۰ جمادی الاول سن ۱۳۵۵ھ م ۳۰ جولائی سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۳۶) جس شخص کا یہ عقیدہ ہو اس کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔(۴) ہاں اس کی لڑکی سے سنی

---

(۱) فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا رضا ولی۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۵۶، سعید)

(۲) وله ای للولی اذا کان عصبة الاعتراض فی غیر الکفو فیفسخه القاضی۔ (ایضاً)

(۳) ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلا وهو المختار للفتوی لفساد الزمان۔ (ایضاً)

(۴) وبهذا ظهر ان الرافضی ان کان ممن یعتقد الالوهیة او کان ینکر صحبة الصدیق او یقذف السیدة الصدیقة فهو کافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدین بالضرورة۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۴۶، سعید)

مرد نکاح کر سکتا ہے۔(۱) لیکن ایسے غالی شیعوں کے ساتھ تعلقات مناکحت رکھنا مصلحت نہیں ہے۔(۲) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

اپنے کو اہل سنت کہنے والے نے اگر شیعہ سے شادی کی ہو تو اس کی اولاد سے نکاح کیسا ہے؟

(سوال) زید کے دادا اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ میں اہلسنت والجماعۃ ہوں۔ مگر انہوں نے اپنا نکاح ایک عورت شیعہ یعنی عورت رافضی سے کیا ہوا ہے اور اس رافضی عورت سے چار بچے ہیں۔ اور انہوں نے اپنی لڑکیوں کی شادیاں بھی شیعہ لوگوں میں کر رکھی ہیں اور زید کا کہنا ہے کہ میں شیعہ نہیں ہو سنت جماعت ہوں۔ حالانکہ اس نے اپنی شادی بھی ایک عورت شیعہ سے کر رکھی ہے اور ماننا جلنا خلط ملط سب کا اسی طرح ہے کوئی فرق نہیں ہے۔ زید کہتا ہے کہ میں اہلسنت والجماعۃ ہوں۔ اور ایک سنت جماعت حنفی المذہب کے ہاں رقعہ اپنی شادی کا بھیجا ہے اور شادی سنت جماعت میں کرنی چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں اس لڑکے سے سنت جماعت کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا۔ جو اولاد رافضی کے تخم سے پیدا ہوئی اور وہیں پرورش پائی وہ کون ہوئی۔ رافضی ہوئی یا اہلسنت والجماعت ہوئی۔ شیعہ لوگوں میں دھوکہ دینا جائز کر رکھا ہے۔ اپنی مطلب بر آری کے واسطے جس کو وہ لوگ تقیہ کہتے ہیں۔ آیا شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۱۳۵۳ محمد دین صاحب دہلوی۔ ۲۸ ذی قعدہ سن ۱۳۵۵ھ م ۱۱ فروری سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۳۷) شیعوں کے بہت فرقے ہیں۔ بعض فرقے کافر ہیں۔ مثلاً جو حضرت علیؓ کی الوہیت یا حلول کا اعتقاد رکھتے ہیں یا غلط فی الوحی یا افک عائشہ صدیقہؓ یا قرآن مجید میں کمی زیادتی کے قائل ہیں۔ ایسے شیعوں کے ساتھ رشتہ کرنا ناجائز ہے اور جو لوگ کہ حد کفر تک نہیں پہنچتے ان کے ساتھ مناکحت جائز ہے۔(۳) یہ صحیح ہے کہ شیعوں کے یہاں تقیہ کا مسئلہ ہے اور اس بنا پر ان کے خیالات اور عقائد کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ اور جو شخص اس بات سے واقف ہے وہ شیعوں میں رشتہ ناتہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

رشتے کے بعد معلوم ہوا کہ اپنے کو سنی کہنے والا غالی شیعہ ہے، کیا کیا جائے؟

(سوال) ہندہ نابالغہ کا نکاح اس کے باپ نے ایک شخص سے کیا جو شیعہ تھا اور اس نے یہ ظاہر کیا کہ میں سنی ہو گیا ہوں۔ اس کے اس کہنے پر کہ میں سنی ہو گیا ہوں ہندہ کے والد نے نکاح کر دیا۔ لیکن ہندہ ابھی رخصت بھی نہ ہونے پائی تھی کہ معلوم ہوا وہ شخص سنی نہیں ہوا بلکہ شیعہ ہی ہے اور سخت قسم کے شیعہ ہیں۔ اب جب کہ لڑکی بالغ ہوئی اور اس نے اپنے شوہر کے یہاں جانے سے اس بنا پر انکار کیا کہ وہ شیعہ ہیں اور اختلاف مذہب رکھتے ہیں۔ پس ایسی حالت میں کہ جب کہ یہ لوگ قرآن شریف کے پندرہ پاروں کو مانتے ہیں اور پندرہ سیپاروں کو نہیں مانتے اور شیعہ بھی سخت قسم کے ہیں۔ ہندہ نابالغہ کا نکاح شیعہ کے ساتھ ہو لیا نہیں۔ اگر ہو گیا تو اب چھٹکارے کی کیا صورت ہے؟

---

(۱) یعنی ایسی شیعہ لڑکی جو ضروریات دین کی منکر نہ ہو اس سے سنی مرد کا نکاح جائز ہے۔ تجوز مناکحة المعتزلة لانا لا نکفر احدا من اهل القبلة وان وقع الزاما فی المباحث۔(الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۴۵، سعید) اور اگر ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرتی ہو تو چونکہ وہ مسلمان نہیں اس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ وفی الرد: بخلاف من ادعی ان علیا اله وان جبریل غلط، لان ذلک لیس عن شبهة واستفراغ وسع فی الاجتهاد بل محض هوی اه وتمامه فیه، قلت وکذا یکفر قاذف عائشة ومنکر صحبة ابیها، لان ذلک تکذیب صریح القرآن۔(رد المحتار، کتاب الجهاد، باب البغاة، ۴/ ۲۶۳، سعید)

(۲) ویجوز تزوج الکتابیات، والاولی ان لا یفعل، ولا یاکل ذبیحتهم الا للضرورة۔(رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۴۵، سعید)

(۳) وفی النهر: تجوز مناکحة المعتزلة، لانا لا نکفر احدا من اهل القبلة۔(ایضاً)

المستفتی نمبر ۱۵۴۴ عبداللہ خاں (ضلع میانوالی) ۱۸ ربیع الثانی سن ۱۳۵۶ھ م ۲۸ جون سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۳۸) اگر یہ صحیح ہے کہ وہ شخص قرآن مجید کے پندرہ پاروں کو کلام الٰہی نہیں مانتا تو ایسے شخص کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح درست ہی نہیں ہوا(۱) اور اس کو حق ہے کہ وہ بغیر طلاق حاصل کئے دوسرا نکاح کرلے۔ ہاں قانونی مواخذہ سے محفوظ رہنے کے لئے حاکم سے اجازت حاصل کرلینا لازم ہے اور اگر وہ اس بات سے انکار کرے یعنی کہے کہ میں سارا قرآن کلام خدا سمجھتا ہوں جب بھی لڑکی کو حق ہے کہ وہ اختلاف مذہب اور دھوکہ (۲) دہی کی وجہ سے اپنا نکاح فسخ کرالے کیونکہ سنی عورت اور غالی شیعہ کے درمیان نباہ نہیں ہو سکتا۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

ماں نے بالغہ لڑکی کا نکاح کردیا، بعد میں پتہ چلا کہ شوہر شیعہ ہے، فسخ کی کوئی صورت ہے؟

(سوال) ایک عورت بالغہ ہے اس کی ماں نے اس عورت کا نکاح باوجود باپ کے ہوتے ہوئے بلا اس کا ذکر کئے ہوئے کہ خاوند کس مذہب کا ہے قاضی سے پڑھوادیا۔ اس نکاح کے ہو جانے کے بعد معلوم ہوا کہ خاوند شیعہ مذہب کا ہے اور سب شیخین کرتا ہے عورت نے انکار کردیا ہے اور کسی طرح بھی رضامند نہیں ہے اور باپ بھی عورت منکوحہ کے ساتھ ہے۔ موجودہ صورت میں نکاح قائم رہے گا یا فسخ ہوگا۔

المستفتی نمبر ۱۵۸۸ محمد احمد صاحب (علی گڑھ) ۳ جمادی الاول سن ۱۳۵۶ھ م ۱۲ جولائی سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۳۹) ماں کا بالغہ لڑکی کا نکاح کردینے کا کوئی حق نہیں تھا۔(۴) اور اگر بالغہ لڑکی کو اس کے ہونے والے خاوند کے مذہب سے ناواقف رکھا گیا اور اس سے اذن حاصل کرلیا گیا تو یہ نکاح بھی لڑکی کے انکار کردینے پر واجب الفسخ ہے۔(۵) بذریعہ عدالت فسخ کرالینا چاہئے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شیعہ سنی کا آپس میں نکاح

(سوال) شیعہ لڑکی کا نکاح اہل سنت مرد سے اور سنی عورت کا نکاح شیعہ مرد سے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی عزیز احمد مدرس مکتب عبداللہ پور (ضلع میرٹھ)

(جواب ۳۴۰) شیعہ لڑکی کا نکاح اہل سنت مرد سے جائز ہے۔(۶) اگرچہ مناسب اور بہتر نہیں ہے۔(۷) سنی عورت کا نکاح شیعہ مرد سے جائز نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) وبهذا ظهر ان الرافضي ان كان ممن يعتقد الالوهية في علي فهو كافر لمخالفته القواطع من الدين بالضرورة ۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۴۶، سعید)

(۲) ولو انتسب الزوج لها نسبا غير نسبه فان ظهر دونه فحق الفسخ ثابت للكل ۔ (الھندیۃ، کتاب النکاح، الباب الخامس ۱/ ۲۹۳، ماجدیۃ)

(۳) ومنها الاسلام اذا كانت المراة مسلمة فلا يجوز النكاح المؤمنة الكافر خوف وقوع المؤمنة في الكفر ۔ (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل ومنها الاسلام) ۲/ ۲۷۱، سعید)

(۴) ولا يجوز للولي اجبار البكر البالغة على النكاح ۔ (الھدایۃ، کتاب النکاح فصل فی الاولیاء والاکفاء ۲/ ۳۱۴، شرکۃ علمیۃ)

(۵) واجب الفسخ کا مطلب یہ ہے کہ نکاح فسخ نہیں ہوا۔
وفي الهندية الوكيل بالنكاح من قبل المراة اذا زوجها ممن ليس بكفء لها ، قال بعضهم لا يصح على قول الكل وهو الصحيح ۔ (الھندیۃ، کتاب النکاح، الباب السادس ۱/ ۲۹۵، ماجدیۃ) (نوٹ) حاشیہ نمبر ۶ اور نمبر ۷ اگلے صفحے کے حاشیہ نمبر ۱-۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

سنی لڑکی کا مرزائی سے نکاح جائز نہیں

(سوال) ایک شخص مسلمان اہل سنت والجماعت نے اپنی لڑکی مسلمان اہل سنت کا عقد ایک مرزائی قادیانی کے مرزائی لڑکے کے ساتھ دیدہ و دانستہ باوجود منع کرنے ایک عالم کے کر دیا۔ برادری کے تمام لوگ مرد و زن اس شادی میں شریک ہوئے اور عقد پڑھایا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ عقد نکاح جائز ہے اور نکاح ہو گیا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۹۷۶ مولوی محبوب عالم صاحب (بھٹنڈہ) ۲۷ شعبان سن ۱۳۵۶ھ م ۲ نومبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۴۱) حنفی سنی لڑکی کا نکاح مرزائی مرد کے ساتھ جائز نہیں۔(۳) نکاح کرنے والے اور شریک ہونے والے سب گنہگار ہوئے۔ اس نکاح کی تفریق کرانی لازم ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

باپ نے نابالغہ قریشیہ کا نکاح ایک لڑکے سے کر دیا بعد میں پتہ چلا کہ شوہر قریشی نہیں، کیا حکم ہے؟

(سوال) زید نے اپنی نابالغہ لڑکی کا ایک دوسرے گاؤں کے باشندے عمرو کے نابالغ لڑکے سے بولایت عمرو نکاح کر دیا۔ زید کا نسبی تعلق قریشی خاندان سے ہے۔ بعد میں زید کو جب یقینی طور پر ثابت ہوا کہ عمرو قوم میراثی سے ہے تو اس نے لڑکی دینے سے انکار کر دیا۔ اب لڑکی اور لڑکا دونوں بالغ ہیں۔ لڑکے اور لڑکے کے باپ کی طرف سے اصرار ہے اور لڑکی اور اس کے والدین کی طرف سے برابر انکار ہے۔

المستفتی نمبر ۲۰۴۴ عبد اللطیف صاحب۔ چکوال (جہلم) ۱۳ رمضان سن ۱۳۵۶ھ م ۱۸ نومبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۴۲) اگر لڑکے والوں نے اپنا نسب قریشی بتایا تھا اور بعد میں ظاہر ہو کہ وہ قریشی نہیں ہیں یعنی ان کا سلسلہ نسب قبیلہ قریش کے کسی خاندان تک نہیں پہنچتا تو اس صورت میں لڑکی اور اس کے اولیاء کو حق ہے کہ اس نکاح کو فسخ کرالیں کیونکہ لڑکے والوں کی طرف سے دھوکہ دیا گیا ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شیعہ کا نکاح مسلمان ہونے کے بعد سنی لڑکی سے درست ہے

(سوال)(۱) زید مذہباً شیعہ تھا اور ہندہ جو اس کی چچازاد ہے وہ مذہب اہل سنت ہے اور زید نے مذہب شیعہ سے روبرو گواہان کے توبہ کر لی ہے۔ اور رشتہ دار اس کے جو شیعہ تھے انہوں نے بھی توبہ کر لی ہے اور کلمہ کی تجدید بھی کرالی ہے اور زید کو قرآن سر پر اٹھا کر حلف کو کہا گیا ہے اس نے منظور کر لیا ہے۔ بعد کو صرف حلف منظور کرنے اور آمادہ

---

(۱) اس سے وہ شیعہ لڑکی مراد ہے جو ضروریات دین کی منکرہ ہو۔ کما فی الدر : وفی النہر : تجوزمناکحة المعتزلة: لانا لانکفر احداً من اهل القبلة وان وقع الزاما فی المباحث (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۴۵، سعید) جو شیعہ عورت ضروریات دین میں سے کسی جزئی کی منکر ہو اس کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ وبهذا ظهر ان الرافضی ان کان ممن یعتقد الالوهیة فی علی ، او ان جبریل غلط فی الوحی ، او کان ینکر صحبة الصدیق، او یقذف السیدة الصدیقة فهو کافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدین بالضرورة، (رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۴۶، سعید)

(۲) ففی الفتح : ویجوز تزوج الکتابیات ، والاولیٰ ان لا یفعل ولا یاکل ذبیحتهم الا للضرورة۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۴۵، سعید)

(۳) اس لئے کہ قادیانی کافر ہے۔ دعوی النبوة بعد نبینا صلی الله علیه وسلم کفر بالاجماع۔ (شرح فقہ الاکبر، ص: ۲۰۲) اور کافر کے ساتھ مسلمان کا نکاح جائز نہیں۔ وفی البدائع: اذا کانت المراة مسلمة فلا یجوز انکاح المؤمنة الکافر۔ (البدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل ومنها اسلام الرجل، ۲/ ۲۷۱، سعید)

(۴) وانتسب الزوج لها نسباً غیر نسبه، فان ظهر دونه وهو لیس بکفو فحق الفسخ ثابت للکل۔ (الهندیة، کتاب النکاح، الباب الخامس، ۱/ ۲۹۳، ماجدیة)

ہو جانے پر اعتبار اور یقین کر لیا ہے اور اس مجلس میں زید کے توبہ کرنے کے متعلق اور تجدید کرانے کے متعلق دعائے خیر اس لئے مانگی گئی کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس مذہب اہل سنت والجماعت پر مستقیم رکھے بعد توبہ وغیرہ کے زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ روبرو دو گواہان جو کہ پہلے شیعہ تھے بعد کو سنت والجماعت ہوئے جو کہ زید کے رشتہ دار تھے مطابق شرع شریف کے کیا گیا۔ کیا نکاح زید کا ہندہ سے درست ہے یا نہیں ؟

ایک مولوی صاحب عدم اعتماد کی وجہ سے مذکورہ نکاح کو صحیح نہیں کہتے، کیا حکم ہے؟

(۲) صورت مذکورہ میں بعد نکاح ہو جانے کے ایک مولوی فارسی داں نے شور مچایا کہ نکاح زید و ہندہ کا نہیں ہوا۔ کیونکہ زید شیعہ ہے اور گواہ بھی شیعہ ہیں۔ پھر اس مولوی صاحب کو کہا گیا کہ انہوں نے شیعیت سے توبہ کر لی ہے۔ پھر مولوی صاحب نے کہا کہ اگر توبہ کر لی ہے تو میرے سامنے حلف اٹھاؤ پھر زید نے اس کے سامنے حلف اٹھائی۔ اس مولوی نے زید کی قسم پر اور توبہ پر اعتبار نہیں کیا۔ المستفتی نمبر ۲۱۰۷ مولوی مولا بخش (ملتان) ۸ شوال سن ۱۳۵۶ھ

(جواب ۳۴۳) (۱) اگر زید نے فی الحقیقت شیعہ مذہب سے توبہ کر لی ہے اور مذہب اہل سنت والجماعت قبول کر لیا تو اس کا نکاح ہندہ سنیہ سے درست ہو گیا اور اگر خدانخواستہ بعد میں وہ پھر شیعہ ظاہر ہو تو نکاح فسخ ہو سکے گا۔(۱)

(۲) اگر ان لوگوں نے حلف کر کے توبہ کر لی ہے تو ان کا اعتبار کر لینا جائز تھا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسلمانوں کے باہمی رشتہ میں رخنہ ڈالنے والے گناہ گار ہیں

(سوال) میں پہلے غیر قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن عرصہ ۳۵ سال کا ہوا کہ میں دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ اور اب تک اسلام کی خدمت کرتا چلا آیا ہوں اور بفضلہ تعالےٰ صوم و صلوٰۃ کا پابند ہوں اور بیوی بھی ایک مسلمان صاحب ایمان اللہ بخش کی لڑکی ہے جو صوم و صلوٰۃ کی پابند ہے۔ میرا ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی ہے جس کی عمر تقریباً دس سال کی ہے اور قرآن شریف پڑھ رہی ہے۔ میں اپنے لڑکے کی شادی ایک جگہ کرنا چاہتا ہوں اور لڑکی والے بھی بالکل تیار ہیں لیکن ان کے کچھ رشتہ دار کچھ ایسے جاہل ہیں جو ان کو ورغلاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ نو مسلم ہے ان کو لڑکی نہیں دینی چاہئے تو ایسے لوگ جو اس نیک کام میں رخنہ ڈالیں ان کے لئے کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۱۰۸ شیخ عبدالرحمن صاحب (دہرہ دون) ۸ شوال سن ۱۳۵۶ھ م ۱۲ دسمبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۴۴) نو مسلم جو نیک صالح اور صوم و صلوٰۃ کے پابند ہوں ان کو لڑکی دینا جائز(۳) بلکہ موجب اجر و ثواب ہے۔ جو لوگ کہ اس نیک کام میں رخنہ اندازی کرتے ہیں۔ وہ سخت گنہگار ہوں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مقلد کا نکاح غیر مقلد کے ساتھ جائز ہے

(سوال) مقلد کا نکاح غیر مقلد کے ساتھ جائز ہے یا نہیں اور کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنا جائز ہے یا نہیں۔ معروض یہ

---

(۱) اور شیعہ بھی وہ جو ضروریات دین میں سے کسی جزئی کا منکر ہو ایسی صورت میں نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا۔ وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء۔ (الدر المختار) وفی الرد: بلا قضاء ای بلا توقف علی قضاء القاضی۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، ۳/ ۱۹۳۔ ۱۹۴، سعید) (۲) واسلامه ان یاتی بکلمة الشهادة ویتبرأ عن الا دیان کلها سوی الا سلام وان تبرأ عما انتقل الیه کذافی المحیط۔ (الهندیة، کتاب النکاح، الباب التاسع فی احکام المرتدین، ۱/ ۲۵۳، ماجدیه) (۳) فمن له اب وجد فی الا سلام او الحریة کفو لمن له آباء ، قال فی فتح القدیر : والحق ابو یوسف الواحد بالمثنی کما هو مذهبه فی التعریف ای فی الشها دات والدعوی۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الکفاءة، ۳/ ۸۰۔ ۸۱، سعید)

ہے کہ میں حنفی ہوں اپنی لڑکی کی کسی غیر مقلد عالم سے شادی کردی اس پر کوئی عالم ظاہر کرتا ہے کہ وہ حنفی عالم کافر ہوگیا کیونکہ غیر مقلد کافر ہے۔ اس کے ساتھ جس نے نکاح دیا وہ بھی کافر ہے۔ اس کے ساتھ جو چلے گا اور ملت کرے گا وہ بھی کافر ہے۔ ان لوگوں سے سلام کلام بند کرو۔

المستفتی نمبر ۲۲۲۱ مولوی عبدالکریم صاحب (بنگال) ۲۱ ذی قعدہ سن ۱۳۵۶ھ م ۲۴ جنوری سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۴۵) غیر مقلدوں کو صرف ترک تقلید کی بناپر کافر کہنا صحیح نہیں (۱) اور پھر کسی شخص کو اس بناپر کہ اس نے اپنی لڑکی غیر مقلد کو شادی کرکے دے دی کافر کہنا غلط در غلط ہے۔ (۲) کافر بتانے والے سخت گنہگار ہیں ان کو توبہ کرنی چاہئے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نسب باپ سے شمار ہوتا ہے، ماں سے نہیں

(سوال) ایک عورت نو مسلمہ نے ایک نورباف سے شادی کرلی اس سے تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ایک لڑکی کی شادی اس نے اپنی برادری میں کردی جس سے لڑکے کے عزیز و اقارب بے حد خوش ہیں۔ لڑکی نہایت پرہیزگار ہے لیکن اب چند لوگ اس کی دوسری لڑکی سے شادی کرنے میں گریز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے کفو نہیں ہے اور اس سے کفاءۃ و نسل خراب ہو جائے گی۔ پس اس صورت میں چند امور دریافت طلب ہیں۔ نسب باپ سے شمار ہوتا ہے یا ماں سے۔ ہندوستان میں کون کس کا کفو ہے کیا محض زبانی دعوے سے کفو کا اعتبار ہوگا۔ دراں حالیکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ دو تین پشت کا حال معلوم کرکے اپنے کو اہل برادری شمار کرنے لگتے ہیں۔ نو مسلمہ یا وہ لڑکی جس کی ماں صرف نو مسلمہ ہے۔ اور باپ قدیم الاسلام ہے ان سے نکاح کرنے کو معیوب سمجھنا اور پرہیز کرنا کیسا ہے۔ اور جو شخص ان کے ساتھ مناکحت اور اچھے سلوک سے پیش آئے وہ عنداللہ ماجور ہوگا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۶۷ مولانا محمد یاسین صاحب مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور ضلع اعظم گڑھ

(جواب ۳۴۶) نسب کا شمار باپ سے ہوتا ہے۔ (۴) ماں نو مسلمہ ہے اور باپ قدیم الاسلام تو یہ لڑکی غیر کفو نہیں ہے۔ (۵) اس سے شادی کرنا نہ صرف جائز بلکہ ترغیباً فی قبول الاسلام بہتر ہے۔ جو لوگ اس میں مزاحم ہیں، وہ ایک اہم اسلامی مصلحت کو نقصان پہنچانے کی ذمہ دار ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نابالغہ کا رشتہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ شوہر زناکار ہے، کیا نکاح فسخ ہو سکتا ہے؟

(سوال) زید نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح بکر سے کیا لیکن ایک عرصہ گزرنے کے بعد اب جب کہ زید کی دختر بالغ ہوئی زید کو معلوم ہوا کہ بکر اور بکر کے والدین فسق و فجور، زناکاری اور حرام کاری میں مبتلا ہیں حتی کہ بکر حالت بلوغیت اپنی

---

(۱) انما یجب علی الناس طاعۃ اللہ ورسولہ وھو لاء اولوالا مر الذین امر اللہ بطاعتھم انما تجب طاعتھم تبعا لطاعۃ اللہ ورسولہ (فتاوی ابن تیمیہ ۲/ ۴۶۱، معودیہ)

(۲) اہل ایک مسلمان کو فعل مسنون کے ارتکاب کی وجہ سے کافر کہنا خطرناک ہے۔ عن عبداللہ بن دینار انہ سمع ابن عمر یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرئ قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما ان کان کما قال والا رجعت علیہ. (الجامع لمسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یا کافر ۱/ ۵۷، قدیمی)

(۳) وما فیہ خلاف یومر بالاستغفار والتوبۃ وتجدید النکاح امر احتیاط (رد المحتار، کتاب الجہاد، باب المرتد ۴/ ۲۳۰، سعید)

(۴) وعلی المولود لہ یعنی الاب فان الولد یولد لہ وینسب الیہ (تفسیر المظہری ۱/ ۳۲۳)

(۵) فمن لہ اب واحد فی الاسلام او الحریۃ کفو لمن لہ آباء (رد المحتار، کتاب النکاح، باب فی الکفاءۃ ۳/ ۸۷، سعید) ان دونوں عبارات سے معلوم ہوا کہ نسب کا اعتبار باپ سے ہوتا ہے ماں سے نہیں۔

والدہ کی حرام کاری اور عفت و عصمت فروشی میں ایک طویل عرصے تک اپنے والدین کا ممد و معاون رہا اور خود بھی وہی حرام کی کمائی کھاتا رہا۔ زید چونکہ نہایت شریف اور نجیب الطرفین خاندان کا فرد ہے اس کی دختر نیک اختر اپنی خاندانی روایات سے متاثر ہو کر بکر کے گھر جانے کے لئے مطلق رضامند نہیں ہے۔ اس کا یہ ظن غالب ہے کہ جس شخص نے دیدہ و دانستہ باصحت نفس و ثبات عقل جب اپنی حقیقی والدہ کے ساتھ یہ ناروا سلوک کیا تو وہ اپنی بیوی کو بھی یقیناً حرام کاری پر مجبور کرے گا اور اس کی آمدنی سے اپنا دوزخ شکم پر کرے گا۔ لہذا موجب حکم شرع شریف سے ان واقعات و حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے زید کی دختر کو بکر کے ساتھ رخصت کر دینا جائز ہوگا یا ناجائز؟

المستفتی نمبر ۲۵۱۵ شیخ عبدالحامد صاحب (دہلی) ۷ جمادی الاول سن ۱۳۵۸ھ م ۲۶ جولائی سن ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۴۷) اگر کوئی شخص نشہ کی حالت میں اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دے یہ سمجھ کر کہ زوج صالح ہے بعد میں ثابت ہو کہ زوج فاسق ہے اور لڑکی بالغ ہو کر اس نکاح سے ناراضی ظاہر کر دے تو یہ نکاح فسخ کرایا جا سکتا ہے۔
رجل زوج بنته الصغیرۃ من رجل علی ظن انه صالح لا یشرب الخمر فوجدہ الاب شریبا مدمنا و کبرت الا بنة فقالت لا ارضی بالنکاح ان لم یعرف ابو ھا بشرب الخمر وغلبة اھل بیته الصالحون فالنکاح باطل ای یبطل وھذہ المسئلة بالا تفاق (کذا فی العالمگیریہ(۱) ص ۳۱۰) پس صورت مسئولہ میں لڑکی اور اس کے اولیاء اس نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں کیونکہ عدم کفاءت کی بنا پر جو تفریق کرائی جائے اس کے لئے قضاء شرط ہے۔ ولا یکون التفریق بذلك ای بعدم الکفاءۃ الا عند القاضی اما بدون فسخ القاضی فلا ینفسخ النکاح بینھما عالمگیریہ۔(۲) قلت وھذا معنی قوله ای یبطل فی العبارۃ المقدمة ای یبطل بفسخ القاضی۔ واللہ اعلم
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سیدہ کا نکاح مغل پٹھان سے

(سوال) اہل سنت سیدزادی غیر سے منسوب ہو سکتی ہے یعنی شیخ مغل پٹھان سے شادی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۵۷۷ اسحاق علی خاری (لاہور) ۷ صفر سن ۱۳۵۵ھ م ۷ مارچ سن ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۴۸) سیدزادی نسباً قریش کے قبیلے سے ہے اور قریش باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں اس لئے سیدزادی کا نکاح صدیقیوں، فاروقیوں، عثمانیوں، عباسیوں اور زبیریوں جعفریوں اور دیگر قبائل قریش کی طرف منسوب جماعتوں کے افراد سے ہو سکتا ہے۔ قریش کے علاوہ کسی دوسرے عربی یا عجمی مسلمان سے اگر خود عورت (سیدزادی) اور اس کے اولیاء راضی ہوں تو ہو سکتا ہے۔(۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نو مسلم کی اولاد کی شادی ہر مسلمان سے جائز ہے

(سوال) لمتہ ین کو مع اہلیہ دین اسلام قبول کئے ہوئے ۲۳ سال ہوئے۔ اسی مدت میں لمتہ ین کے دو لڑکے ہوئے جن کی عمر ۱۷۔۱۹ سال کی ہے۔ ان کی شادی کے لئے مسلمانوں میں پیام بحیثیت مسلمان ہونے کے دیئے گئے تو بعض

(۱) الہندیۃ، کتاب النکاح، الباب الخامس فی الاکفاء، ۱/ ۲۹۱، ماجدیۃ
(۲) ایضاً
(۳) اذا زوجھا من غیر کفو فعند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی یجوز، لان الاب کامل الشفقۃ وافر الرائی۔ فالظاھر انه تامل غایۃ التامل و وجد غیر الکفو اصلح من الکفو۔ (الہندیۃ، کتاب النکاح، الباب الخامس، ۱/ ۲۹۱، ماجدیۃ)

حضرات جن کو اپنی علمیت دینی کا دعویٰ فرماتے ہیں کہ نو مسلم کی اولاد کا نو مسلم کی اولاد سے ہی رشتہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس فتوے سے شادی کالعدم ہو گئی۔

المستفتی نمبر ۲۵۸۴ عبدالرحمٰن مدرس مدرسہ عثمانیہ (حیدر آباد دکن) ۲۲ صفر سن ۱۳۵۹ھ م یکم اپریل سن ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۴۹) نو مسلم کی اولاد کی شادی ہر مسلمان کی اولاد سے ہو سکتی ہے۔(۱) یہ بات نہیں ہے نو مسلم کی اولاد کی شادی نو مسلم کی اولاد کے ساتھ ہو۔ جو مسلمان یہ کہتا ہے کہ نو مسلم کی اولاد کی شادی نو مسلم کی اولاد سے ہونا چاہئے، وہ جاہل اور اسلامی احکام سے ناواقف ہے۔ شریعت مقدسہ اسلام نے ہر مسلمان کو خواہ وہ موروثی مسلمان ہو یا نو مسلم ہو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔(۲) اور ہر مسلم اور نو مسلم ایک دوسرے سے مناکحت کا رشتہ کر سکتے ہیں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ جو مسلمان اپنے نو مسلم بھائی کو رشتہ دے گا وہ دوہرے ثواب کا مستحق ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

قوم حجام کی لڑکی قصاب سے نکاح کر سکتی ہے

(سوال) ایک عورت ہندہ نے خلاف واقعہ باغواء چند اشخاص جو بدنیتی سے اپنے کسی عزیز کے پاس عقد کرنا چاہتے ہیں اپنے شوہر پر مظالم وعدم ادائے حقوق زوجہ کا دعویٰ عدالت منصفی میں کہ فسخ نکاح کی درخواست کی ہے جب کہ عورت اس دعوے میں بالکل خلاف واقع اور جھوٹ کہتی ہیں تو ایسی صورت میں کیا بحکم حاکم فسخ نکاح شرعاً ہو سکتا ہے یا نہیں اور در صورت فسخ نکاح اگر وہ عورت از قوم حجام ہو پھر وہ اپنا نکاح بلا مرضی اولیاء غیر کفو مثلاً قصاب سے کرے ایسی صورت میں اولیاء کو فسخ نکاح کا حق ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۶۶۳ چودھری عبدالعزیز صاحب امروہہ۔ مراد آباد ۲۴ صفر سن ۱۳۶۰ھ م ۲۳ مارچ سن ۱۹۴۱ء

(جواب ۳۵۰) اگر عورت کا دعویٰ غلط اور خلاف واقع ہے تو شوہر کو لازم ہے کہ وہ حاکم پر وہ بات واضح کر دے اور عورت کے بیان کی غلطی ثابت کر دے تاکہ حاکم عورت کو ڈگری نہ دے لیکن اگر حاکم پر عورت کے بیان کی غلطی واضح نہیں ہوئی اور اس نے عورت کو سچا سمجھتے ہوئے نکاح کو فسخ کر دیا تو قضاء یہ فسخ صحیح ہوگا۔(۳) مگر خدا کے نزدیک عورت اور جھوٹا دعویٰ کرنے والے اور اغوا کرنے والے سب گنہگار ہوں گے۔ اور اگر فسخ کے بعد عورت عدت گذار کر کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لے تو نکاح بشرط کفائت ومہر مثل صحیح ہوگا۔ پیشہ کے لحاظ سے کفاءت کا فقہاء نے اگرچہ اعتبار کیا ہے مگر متقارب پیشوں کو باہم کفو بھی مانا ہے۔(۴) اور اس صورت میں عورت کے اولیاء عدم کفاءت کے عذر سے نکاح کو فسخ نہ کرا سکیں گے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) فمن له اب وجد في الا سلام او الحرية كفو لمن له آباء ، قال في فتح القدير : والحق ابو يوسف الواحد بالمثنى كما هو مذهبه في التعريف اى في الشهادات والدعوى۔(رد المحتار كتاب النكاح ، باب الكفاءة ، ۳/ ۸۷ ، ۸۸، سعيد)

(۲) انما المؤمنون اخوة۔(الحجرات: ۱۰)

(۳) وينفذ القضاء بشهادة الزور ظاهرا وباطنا حيث كان المحل قابلاً والقاضي غير عالم بزورهم في العقود كبيع و نكاح والفسوخ كاقالة وطلاق لقول علي رضى الله تعالى عنه لتلك المراة "شاهداك زوجاك وقالا وزفر والثلاثة ظاهرا فقط وعليه الفتوى۔(الدر المختار) وفي الرد: ظاهرا فقط اى ينفذ ظاهرا لا باطنا، لان شهادة الزور حجة ظاهرا لا باطنا فينفذا لقضاء كذلك ، لا ن القضاء ينفذ بقدر الحجة۔(رد المحتار، كتاب القضاء، ۵/ ۴۰۲ ، سعيد)

(۴) ان الحرف متى تقاربت لا يعتبر التفاوت وتثبت الكفاءة۔(الهندية، كتاب النكاح، الباب الخامس في الاكفاء، ۱/ ۲۹۲ ، ماجدية)

سنی عورت سے فسخ نکاح کے بیس برس بعد شیعہ شوہر کا یہ دعویٰ کہ میں سنی تھا اور ہوں کیا معتبر ہے؟

(سوال) ایک بالغہ کنواری لڑکی اہل سنت کو ایک شیعہ نے ورغلا کر اغوا کر لیا اور دوسری کسی گمنام جگہ لے جا کر نکاح کیا۔ تین چار مہینوں کے بعد لڑکی کے وارث ممکن ذرائع سے لڑکی کو واپس لائے۔ شریعت کی طرف رجوع کرنے پر پیر مہر علی شاہ مرحوم وغیرہ ہم جیسی ہستیوں اور دو تین علماء کرام نے متفقہ حکم دیا کہ اہل سنت اور شیعہ کا نکاح جائز نہیں۔ اس واقعہ کو عرصہ تقریباً بیس سال کا ہو گیا جب کہ اس عورت کا نکاح پڑھا گیا دیگر اہل سنت کے ساتھ۔ اب اس وقت اس عورت سے اہل سنت مسلمان کے (جس کے ساتھ سنت طریقے پر روبرو گواہان کے نکاح خواں نے بعد ہر طرح تسلی اور حلف از روئے قرآن مجید کے نکاح پڑھا تھا) پانچ بچے ہیں۔ سب سے بڑی لڑکی بھی بالغہ ہو گئی ہے۔ اب پہلا شخص بطور ضد اور شرارت کے کہتا ہے یا واللہ اعلم اس کا ایمان کیا ہے لیکن اب وہ علانیہ کہتا ہے کہ میں اہل سنت والجماعت ہوں اور اس وقت بھی میں اہل سنت والجماعت تھا۔ تو اب اتنے عرصے کے بعد اس کے حمایت کرنے والے دیگر علماء لا کر فیصلہ کراتے ہیں کہ یہ دوسرا نکاح ناجائز ہے۔ اب چونکہ جن علمائے کرام نے اس وقت حکم جدید یا نکاح ثانی کا دیا تھا وہ انتقال کر چکے ہیں اور بچوں کا باپ سخت نالاں اور پریشان ہے اور اس کے یہ الفاظ ہیں۔ کہ یہ کسی شریعت ہے اور اسلام کا کیا حکم ہے کہ جب ایک دفعہ وہی شریعت حکم دیتی ہے اور شیعہ کے ساتھ نکاح ناجائز قرار دے کر بعد تحقیقات کے مجھے نکاح کا حکم ملتا ہے۔ اب جب کہ میں پانچ بچوں کا باپ ہوں تو پھر وہی شریعت میرا نکاح ناجائز بتاتی ہے اس لئے مجبور ہو کر جناب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے کہ فتنہ ارتداد کا ڈر ہے۔

المستفتی نمبر ۲۶۶۷ جناب ملک امام دین صاحب (کراچی) ۷ ربیع الثانی سن ۱۳۶۰ھ م ۵ مئی سن ۱۹۴۱ء

(جواب) (از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی) شیعہ مذہب تبرائی والے کا سکوت دعوے سے اس قدر طویل زمانہ تک کہ پہلی اولاد ثانی زوج کی بالغہ بھی ہو گئی ہے دلیل و سند ہے اس بات کی کہ یہ شخص شیعہ ہی ہے اگر اہل سنت والجماعۃ ہوتا تو نکاح ثانی کی خبر سنتے ہی دعویٰ کرتا اپنے نکاح کے منعقد ہو جانے کا اور دوسرے نکاح کے باطل ہو جانے کا لیکن جب اس نے دعویٰ نہیں کیا تو یہ سکوت و دعویٰ نہ کرنا اقرار ہے اس کی طرف سے اپنے مذہب کے شیعہ ہونے کا لہذا اس کا دعویٰ اہل سنت والجماعۃ ہونے کا غیر معتمد ہے بوجہ تناقض کے اور اس کا دعویٰ قابل سماعت نہیں اور اس عورت کا نکاح ثانی صحیح ہے اور اس کی اولاد شوہر ثانی سے حلال کی ہے۔ **رآہ یبیع عرضاً او دارا فتصرف فیہ المشتری زمانا وھو ساکت تسقط دعواہ۔** رد المحتار (۱) جلد ثالث ص ۴۸۲ فقط واللہ اعلم

اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(جواب ۳۵۱) (از حضرت مفتی اعظمؒ) جس وقت شریعت کا فیصلہ ہوا تھا اور ثالثوں نے اس کو شیعہ قرار دے کر عدم جواز نکاح کا حکم دیا تھا اسی وقت اس کو لازم تھا کہ اپنا سنی ہونا ثابت کرتا اور شیعیت سے تبری کرتا۔ مگر اس وقت وہ خاموش رہا اور اس کی بیوی کا دوسرا نکاح ہوا اور ایک زمانہ گذر گیا مگر یہ نہ بولا تو اب اس کا اپنے کو سنی بتانا اور بقاء نکاح سابق کا ادعا کرنا ناقابل قبول ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) رد المحتار، کتاب الوقف، ۴/۴۸۲، سعید

(۱) بیوہ سیدہ اپنی مرضی سے غیر سید سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟
(۲) دیور، بھاوج کو نکاح ثانی سے جبراً نہیں روک سکتا

(سوال) (۱) ایک بیوہ سید زادی اپنی رضا اور رغبت سے ایک غیر سید سے شرعاً نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟
(۲) ایک بیوہ سید زادی زمانہ کی مجبوریوں سے غیر کفو میں نکاح کرنا چاہتی ہے۔ مگر اس کا دیور محض تعصب نسلی اور اس کو تکلیف دینے کے لئے مانع ہے۔ کیا وہ بھاوج کو نکاح ثانی سے جبراً روکنے کا حق رکھتا ہے اور تعصب نسلی مشروع ہے۔

المستفتی نمبر ۲۷۰۰ حافظ رحیم بخش صاحب جہلم (پنجاب) ۹ محرم سن ۱۳۶۱ھ م ۲۷ جنوری سن ۱۹۴۲ء

(جواب ۳۵۲) (۱) سید زادی کے لئے تمام غیر سید غیر کفو نہیں ہیں۔ بلکہ سید زادی کے لئے تمام صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی، عباسی، زبیری، یتمی شیوخ قریشی کفو ہیں۔ ان میں سے وہ کسی کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔ اور سید زادی بالغہ غیر کفو میں اولیاء کی رضامندی سے یا اس کے اولیاء میں کوئی نہ ہو تو اپنی مرضی سے نکاح کر سکتی ہے۔(۱)
(۲) دیور ولی نہیں ہے اور اس کی رضامندی یا نارضامندی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ولی سے مراد عورت کے باپ دادا، بھائی، بھتیجا، تایا وغیرہم یعنی باپ کے خاندان کے عصبات ہیں۔(۲) اور ان میں سے جو قریب تر ہو اس کی اجازت اور عدم اجازت پر حکم ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ناجائز طور پر پیدا ہونے والی لڑکی سے سید کا نکاح

(سوال) ایک کسبی کی ایک لڑکی حرام سے ہے۔ جو اب قریب سن بلوغ کو پہنچنے کے ہے۔ لیکن ابھی وہ بالکل پاک ہے۔ اس کی ماں کا قصد ہے کہ اس لڑکی کو اس فعل سے بچائے اور بدیں وجہ اس کی ماں مع اپنی اور بہنوں کے بالکل برے فعل ہی سے نہیں بلکہ ناچنے گانے وغیرہ سے بھی تائب ہو گئی ہیں۔ یہ دیکھ کر ایک شریف مسلمان سید نے اس لڑکی سے عقد کر لیا ہے۔ اب اس کی برادری والے اس غریب سید کو اس لئے کہ اس نے حرام کی لڑکی سے نکاح کر لیا ہے اپنی برادری سے نکالنا چاہتے ہیں اور تنگ کر دیا ہے۔ لہذا اول اس لڑکے کا یہ فعل خلاف شرع ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو جو لوگ اب اس کو ہر طرح سے تنگ کر کے مجبور کرتے ہیں کہ وہ یا تو طلاق دے دے ورنہ اور بھائیوں کی جہاں شرفا میں نسبتیں ہوئی ہیں وہ چھڑا دی جائیں گی۔ ان لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟

(جواب ۳۵۳) لڑکی جو حرام سے پیدا ہوئی ہے اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یعنی زنا کا گناہ اس کے والدین سے ہوا ہے اور وہی اس کے مواخذہ دار ہیں۔ ہاں لڑکی کے نسب میں قصور ضرور ہے کہ وہ ولد الزنا ہے اس لئے اگر کوئی شریف النسب اس سے نکاح نہ کرے تو اس کو اس کا اختیار ہے لیکن اگر کوئی شریف لڑکا اس سے نکاح کر لے تو وہ نکاح جائز ہے۔(۳) کیونکہ زوجہ کے شریف نہ ہونے سے نسب میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ لان النسب للاباء۔ اور جب کہ

---

(۱) وان تزوجت المراۃ غیر الکفو فرضی بہ احد الاولیاء جاز ذلک ... وان تزوجت المراۃ غیر کفء ثم جاء الولی ... فقبض مہرھا وجھزھا فھذا منہ رضا بالنکاح۔ (المبسوط، کتاب النکاح: ۵: ۲۶-۲۷، بیروت)
(۲) العصبۃ بنفسہ وھو من یتصل بالنسب حتی المعتقۃ ... علی ترتیب الارث والحجب۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳: ۷۶، سعید)
(۳) الکفاءۃ معتبرۃ ... من جانبہ ای الرجل ... ولا تعتبر من جانبھا، لان الزوج مستفرش فلا تغیظہ دناءۃ الفراش وھذا عند الکل فی الصحیح۔ (الدر المختار، باب الکفاءۃ، ۳: ۸۴، سعید)

لڑکے کا قصد اس کے ساتھ نکاح کرنے سے یہ بھی ہو کہ وہ زنا اور برے افعال سے عفیفہ ہو جائے گی تو لڑکے کے لئے ثواب کی بھی امید ہے۔ پس نکاح مذکور جائز اور نافذ ہے۔(۱) اور جو لوگ کہ اس نکاح کو فسخ کرانے کی سعی کرتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ اور اگر ان کا مقصد کوئی اور امر مذموم ہو تو وہ گنہگار بھی ہوں گے۔ واللہ اعلم
محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

عدالتی کارروائی کے ذریعہ ہندو اپنی نو مسلم بیوی کو دوبارہ حاصل نہیں کر سکتا

(سوال) ہندہ ایک ہندو مرد کی زوجہ تھی۔ اس نے اپنے مرد کی زیادتیوں کی وجہ سے اس کے ساتھ رہنا ترک کر کے دوسرے شہر میں سکونت اختیار کی۔ بعدہ دین اسلام قبول کیا۔ جس کو زمانہ قریب ڈیڑھ سال سے زیادہ کا ہوتا ہے۔ اب وہ ہندو شوہر عدالت سے قبضہ عورت کی استدعا کرتا ہے۔ کیا وہ ہندو شوہر اس مسلمان عورت کا قبضہ پا سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔　　المستفتی نمبر ۷۳۶ دین محمد (رتلام) ۱۲ ذی قعدہ سن ۱۳۵۴ھ ۶ فروری سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵۴) مسلمان عورت ہندو مرد کی زوجہ نہیں رہ سکتی۔ اسلامی احکام اس کے متعلق بہت صاف اور واضح ہیں۔ جب کہ عورت کے اسلام لانے پر ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے تو عدت بھی گزر چکی ہوگی۔ اور عدت کے گزر جانے کے بعد غیر مسلم مرد کو مسلمہ عورت پر کوئی حق زوجیت باقی نہیں رہتا۔(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ملحد، زندیق اور فاسد العقیدہ لوگوں سے رشتہ

(سوال) ایک پیر صاحب اپنے دادا پر اس طرح درود پڑھاتے ہیں۔ اللھم صل علی محمد الزمان السندی اللواری۔ اپنے دادا کے نام کے ساتھ جل جلالہ شانہ کہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ایک قصبہ کو مکہ اور اس کے نزدیک ایک گاؤں کو مدینہ اور ایک کنوئیں کو چاہ زمزم اور ایک میدان کو عرفات اور ایک قبرستان کو جنۃ البقیع کے نام سے موسوم کر کے ۹ ذی الحجہ کے دن ۳ بجے ایک کثیر اجتماع کے سامنے ایک بڑے ممبر پر خطبہ حج پڑھتے ہیں اور بطور رشد مریدوں کو حج مبارک کا سر　　دیتے ہیں۔ اور اپنے دادا کے مقبرہ کا طواف و سجدہ کراتے ہیں وغیرہ۔
(۱) ایسے پیر اور ان کے مریدوں سے رشتہ ناتا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ (۲) اور جن سے رشتہ ناتا ہو چکا ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟
المستفتی نمبر ۱۶۶۱ احمد صدیق مدیر اخبار "رہبر سندھ" کراچی ۵ اگست سن ۱۹۳۰ء

(جواب ۳۵۵) یہ پیر اور اس کے مرید جو ان عقائد شنیعہ کے معتقد ہوں ملحد اور زندیق ہیں۔ ان زنادقہ سے علیحدہ رہنا واجب ہے اور ایسے فاسد العقیدہ لوگوں سے رشتہ ناتا کرنا جائز ہے۔(۳) لیکن اس کے اقارب میں سے اگر کوئی شخص ان عقائد شنیعہ کا معتقد نہ ہو تو محض پیر کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اس پر یہ حکم عائد نہ ہوگا۔

---

(۱) ولذالا تعتبر تعلیل للمفہوم ، وھوان الشریف لا یابی ان یکونا مستفرشا للدنیۃ کالا مۃ والکتابیۃ　　وفیہ اشعار بان نکاح الشریف الوضیعۃ لازم فلا اعتراض للولی ،(رد المحتار، کتاب النکاح، باب الکفاءۃ، ۳/ ۸۴-۸۵)
(۲) واذا اسلم احد الزوجین المجوسیین او امراۃ الکتابی عرض الا سلام علی الآخر ، فان اسلم فیھا والا بان ابی اوسکت فرق بینھما۔ (الدر المختار) وفی الرد: والمراد با لمجوسی من لیس لہ کتاب سماوی۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، ۳/ ۱۸۸، سعید) وفی المبسوط ان الخلاف بینھم فیما اذا کانت المرافعۃ او الا سلام والعدۃ قائمۃ اماذا کان بعد انقضا ئھا فلا یفرق بالا جماع۔ (الھندیۃ، کتاب النکاح، الباب العاشر، ۱/ ۳۳۷، ماجدیۃ)

شیعہ تفضیلیہ اہل سنت کے مذہب پر نہیں

(سوال) آپ کا فتویٰ موصول ہوا تھا اس کو دیکھ کر ایک شخص نے اعتراض کیا ہے کہ اہل سنت والجماعۃ کو ایسا فتویٰ دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ چونکہ اہل سنت کے نزدیک ہر مسلم مومن ہے اور ہر مومن کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ اور مومن یا مسلم کی شناخت یہ ہے کہ وہ تین اصول کا قائل ہو۔ توحید و رسالت، قیامت، شیعہ علی العموم تین اصول کے قائل ہیں۔ لیکن اس فتوے میں مفتی صاحب نے صاف نہی کیا ہے۔ چونکہ شیعہ غالی نصیری کو کہتے ہیں اور اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے جس مذہب سے اصل میں معاملہ درپیش ہے اس کو بالکل اڑا دیا ہے۔ یعنی شیعہ اثناء عشری اور علاوہ ازیں کوئی شیعہ اثناء عشری اپنے آپ کو نصیری یا غالی نہیں کہتا۔ چونکہ زمانہ موجودہ میں تقیہ جائز نہیں ہے۔ اور تبرا اصول مذہب اہل سنت سے کسی طرح بھی مانع نکاح نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۲۲۶۵ شمشاد حسین ضلع میرٹھ۔ ۲۴ ربیع الاول سن ۱۳۵۷ھ م ۲۵ مئی سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۵۶) مذہب اہل سنت والجماعۃ کا نہیں ہے۔ یہ شیعہ مذہب کی ایک شاخ ہے اور غالی سے مراد وہ شیعہ ہیں جو کسی ایسے عقیدے کے قائل ہوں جس سے کفر لازم آتا ہے۔ مثلاً افک عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا قرآن مجید میں کمی واقع ہونے کا عقیدہ یا غلط فی الوحی یا الوہیت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حلت تبرا یعنی سب و شتم صحابہؓ وغیرہ۔(۱) اور جواب سابق جو میں نے لکھا تھا وہ صحیح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کفو ہونا صحت نکاح کے لئے شرط نہیں

(سوال) ایک معروف النسب سید زادی نے غیر قریش میں سے ایک نو مسلم یا جولاہا وغیرہ یا پٹھان راجپوت سے بلا رضا ولی کے نکاح کر لیا۔ اب صورت مذکورہ میں زید اور بکر کا اختلاف ہے۔ زید کہتا ہے کہ کفو باعتبار اسلام کے جواز نکاح کے لئے کافی ہے۔ لہذا یہ نکاح جائز اور درست ہے کفو باعتبار نسب اور مال اور حرفہ کے امر مستحسن ہے۔ ضروری نہیں۔ حسب الا رشاد نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے۔ کل مؤمن تقی فھو آلی اور حسب الارشاد باری عزاسمہ، انما المومنون اخوۃ۔ اور رشتہ کرنا نبی کریم ﷺ کا ساتھ اصحاب کرام کے مؤید جواز نکاح مذکور کا ہے۔ بلکہ اگر کوئی چوہڑ امر دار خوار مسلمان ہو کر عالم ہو جائے تو معروف النسب سید زادی کو نو مسلم مذکور کے ساتھ نکاح کرنا بہتر ہے بہ نسبت سید معروف النسب جاہل سے۔ کیونکہ شرافت عالم پر آیت او توالعلم درجات شاہد ہے۔ اور فقہائے کرام بھی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں ان شرف العلم فوق شرف النسب ۔ بخلاف سادات کے کہ ان کی شرافت نصی وارد نہیں ہوئی۔ اور بکر کہتا ہے کہ سید زادی معروف النسب کا نکاح غیر قریش سے خواہ وہ شریف ہو بلا رضا ولی کے ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے۔ الا لا یزوج النساء الا الا ولیاء ولا یزوجن الا من الا کفاء۔ نیز اس میں بے ادبی سادات کرام کی پائی جاتی ہے۔

(جواب ۳۵۷) صحت نکاح کے لئے مرد و عورت کا مسلمان ہونا اور عورت کا محرمات میں سے نہ ہونا فی حد ذاتہ کافی

---

(۱) وبهذا ظهر ان الرافضي ان كان ممن يعتقد الالوهية في علي او ان جبريل غلط في الوحي او كان ينكر صحبة الصديق او يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة رد المحتار، كتاب النكاح ، فصل في المحرمات، ۳/ ۴۶۔

ہے۔ قرآن مجید کے نصوص صریحہ اس پر دال ہیں۔ واحل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم(۱)الآیۃ فانکحوا ما طاب لکم من النساء۔(۲)اور سنت سنیہ نبویہ نے عملی طور سے اس کی تصدیق کر دی۔ کہ آنحضرت ﷺ نے زینب ہاشمیہ کا عقد زید معتق سے باوجود زینب کی طرف سے انشراح قلب نہ ہونے کے کر دیا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی مثالیں صحابہ کرام کے افعال اور طرز عمل میں موجود ہیں کہ نسبی تفاوت ہونے کے باوجود نکاح ہو گئے۔(۳) پس نصوص قرآنیہ اور تعامل صحابہ وسلف صالحین اس امر پر دلیل قاطع ہیں کہ کفاءت نسبی فی حد ذاتہ صحت انعقاد نکاح کی شرط نہیں ہے۔ اسی وجہ سے غیر کفو کا نکاح جب کہ منکوحہ اور ولی منکوحہ راضی ہو جائے صحیح و نافذ ہوتا ہے۔(۴) یعنی مثلاً کوئی حائک ہاشمیہ سے اس طرح نکاح کرے کہ ہاشمیہ کا والد اور خود ہاشمیہ راضی ہو تو نکاح صحیح و نافذ ہو گا۔ حالانکہ نسبی تفاوت اور عدم کفاءۃ نسبیہ بحالہا موجود اور قائم ہے اور اگر کفاءۃ نسبیہ شرط صحت نکاح ہوتی تو نکاح ولی اور منکوحہ کی رضامندی سے بھی صحیح نہ ہوتا۔ جیسے محرمہ کا نکاح محرم سے باوجود اس کی رضامندی اور ولی کی اجازت کے صحیح نہیں ہوتا۔(ناتمام)

مسلمان لڑکی کا شیعہ سید سے نکاح

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ فروری سن ۲۷ء)

(سوال) ایک سنی مسلمان اپنی دختر نابالغ کا نکاح ایک شیعہ سید سے کرنا چاہتا ہے۔ کیا شرعاً یہ نکاح جائز ہو گا؟

(جواب ۳۵۸) شیعہ اگر غالی تبرائی ہو تو اس کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح ہی صحیح نہیں ہوتا۔(۵) اور اگر غالی نہ ہو تو نکاح جائز ہو جاتا ہے۔(۶) مگر اختلاف عقائد زوجین کی وجہ سے بسا اوقات آپس میں رنجش اور منافرت رہتی ہے۔ اس لئے مناسب نہیں کہ لڑکی کو ہمیشہ کے لئے ایک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے۔(۷) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

(سوال) ایک عورت قوم چمار سے تھی اور ایک سید سے اس کی قریب بیس سال سے ملاقات تھی۔ اور اسی کے گھر میں رہتی تھی۔ اس کے بلا نکاح سات بچے پیدا ہوئے۔ اب ایک ماہ سے اس کی ناراضگی ہو گئی تھی۔ اب اس کے حمل بھی موجود ہے۔ اب اس کا نکاح اسی شخص سے ہو گیا۔ جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ یہ نکاح ہونا ہمارے مذہب میں جائز ہے یا ناجائز؟ (الجمعیۃ مورخہ ۲۶ ستمبر سن ۱۹۳۷ء)

(جواب ۳۵۹) اگر یہ عورت مسلمان ہو گئی ہے اور بیس سال سے کسی مسلمان کے پاس تھی تو اس کا نکاح اس

---

(۱) النساء: ۲۴

(۲) النساء: ۳

(۳) وخطب بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی قوم من العرب فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: قل لھم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامرکم ان تزوجونی، وان سلمان خطب بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فھم ان یزوجھا منہ ثم لم یتفق۔ (المبسوط، کتاب النکاح، باب الکفاءۃ، ۵/ ۲۳، بیروت)

(۴) واذا تزوجت المرأۃ غیر کفء ورضی بہ احد الاولیاء جاز ذلک۔ (المبسوط، کتاب النکاح، باب الاکفاء، ۵/ ۲۶، بیروت)

(۵) اس لئے کہ وہ کافر ہیں۔ کما فی الرسائل: واما قذف عائشۃ فکفر بالاجماع وکذا انکار صحبۃ الصدیق لمخالفۃ الصدیق نص الکتابۃ۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین، ۱/ ۳۶۷، سہیل اکیڈمی)

(۶) تجوز مناکحۃ المعتزلۃ، لانا لا نکفر احداً من اھل القبلۃ وان وقع الزاماً فی المباحث۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۴۵، سعید)

(۷) وفی الرد: ففی الفتح ویجوز تزوج الکتابیات، والاولی ان لا یفعل ولا یاکل ذبیحتھم، (رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۴۵، سعید)

مسلمان سے خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو جائز ہے۔(۱) یعنی صرف اس وجہ سے کہ وہ قوم کی چماری ہے نکاح ناجائز نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی وجہ عدم جواز کے شبہ کی ہو تو اس کو بیان کر کے حکم دریافت کیا جائے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ

ولد الزنا کو لڑکی کا رشتہ دینا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ نومبر سن ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک شخص نے بلا نکاح ایک عورت کو خانہ انداز رکھا۔ اس کے بطن سے اس کا لڑکا جوان ہے۔ آیا اس لڑکے کو لڑکی دینا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۶۰) اگر وہ لڑکا نیک صالح ہو تو اس کو لڑکی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔(۲) یعنی اس کا ولد الزنا ہونا جواز نکاح سے مانع نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ،

(۱) موجودہ توراۃ و انجیل اور اس کو ماننے والے یہود و نصاریٰ کے متعلق چند سوالات
(۲) وہ موحد جو رسالت کا قائل نہ ہو اس سے عقد کرنا کیسا ہے؟
(۳) قرآن کو ناقص کہنے والے اور خلفاء ثلاثہ کی توہین کرنے والے شیعہ سے نکاح

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ اگست سن ۲۸ء)

(سوال)(۱) موجودہ انجیل و توراۃ کے مضامین قبل کے مطابق ہیں یا نہیں؟ (۲) موجودہ انجیل و توراۃ کے عامل اہل کتاب کہلائیں گے یا نہیں؟ (۳) موجودہ انجیل و توراۃ کے عامل کو مشرک، کافر، فاسق کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۴) موجودہ انجیل و توراۃ کے عاملان ذکور واناث سے احناف ان کے قاعدہ و ترکیب سے عقد کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۵) اگر موجودہ یہود و نصاریٰ سے عقد کریں تو احناف اپنے طریقے سے کریں یا ان کے طریقے سے؟ (۶) موحد جو رسالت کا قائل نہیں ہے اس سے احناف عقد کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۷) شیعہ جو حضرت خلیفہ اول و دوم و سوم اور بعض دیگر صحابہ کی شان میں خلاف تہذیب الفاظ استعمال کرتے ہیں اور قرآن پاک کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ دس پارے کم ہیں۔ ان سے احناف عقد کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(جواب ۳۶۱)(۱) موجودہ انجیل و توراۃ محرف ہیں۔ ان کے اندر تحریف و تبدیل کا وقوع قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔(۳) اس لئے ان کے مضامین پر یہ بھروسہ نہیں رہا کہ کون سی عبارت منزل من اللہ ہے اور کون سی تحریف شدہ۔ (۲) ہاں موجودہ توراۃ و انجیل کو ماننے والے اور ان پر عمل کرنے والے اہل کتاب کہلائیں گے کیونکہ باوجود خبر تحریف دینے کے بھی قرآن مجید اور احادیث میں ان کو اہل کتاب کہا گیا۔(۴) اور اہل کتاب کے احکام ان پر زمانہ نبوی میں جاری کئے گئے۔ (۳) ہاں انجیل و توراۃ پر ایمان رکھنے والے اور عمل کرنے والے جو امور شرکیہ کے قائل ہوں مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا خدا کہتے ہوں یا حضرت مریم علیہا السلام کو خدا کا شریک بتاتے ہوں وہ

---

(۱) فانکحوا ماطاب لکم من النساء۔ (النساء ۳) (۲) وانکحوا الایامی منکم۔ (النور: ۳۲)
(۳) فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ۔ (البقرۃ: ۷۹)
(۴) قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم۔ (آل عمران: ۶۴)

مشرک بھی اور کافر بھی ہیں اور فاسق ہیں۔(۱) (۴) موجودہ اہل کتاب سے بھی مناکحت یعنی کتابیہ عورت کے ساتھ مسلمان مرد کو نکاح کرنا جائز ہے۔(۲) (۵) اسلام کے طریقے سے۔ (۶) اگر وہ اہل کتاب میں سے نہیں ہے تو نہیں کر سکتے۔(۳) (۷) شیعہ جو غالی تبرائی ہیں ان کا حکم اہل کتاب کا ہے کہ شیعہ عورت سے سنی مرد کا نکاح جائز ہے مگر سنی عورت کا نکاح شیعہ مرد سے جائز نہیں۔(۴) محمد کفایت اللہ غفرلہ،

بدھ مذہب کی عورت سے نکاح جائز نہیں

(سوال) ملک برہما کی عورتیں جو کہ بدھ مذہب سے تعلق رکھتی ہیں ان سے نکاح جائز ہے یا نہیں ؟ ان کو ایک دفعہ چھ کلمے صفت ایمان اور خطبہ پڑھ کر نکاح کیا۔ مرد کے پیچھے وہ بت کو پوجتی ہیں مرد کو معلوم نہیں۔

(جواب ۳۶۲) بدھ مذہب کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے(۵) کیونکہ وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں ہیں۔ ہاں اگر وہ ایک دفعہ کلمے کے معنی سمجھ کر کلمہ پڑھ لیں تو وہ مسلمان ہوں گی اور ان کے ساتھ نکاح جائز ہو جائے گا لیکن اگر اس کے بعد وہ بت پرستی کریں گی تو پھر کافر ہو جائیں گی اور نکاح ٹوٹ جائے گا۔(۶)

شیعہ سنی کے نکاح کے فسخ کی کیا صورت ہو گی ؟

(سوال) جب کہ زوجین کے درمیان تفرقہ کرنا ضروری ہے شوہر کے غالی شیعہ ہونے کی وجہ سے۔ اور علما کہتے ہیں کہ کافر حاکم کا فسخ کرنا معتبر نہیں۔ تو اب فسخ کرانے کے لئے کون سی صورت اختیار کی جائے۔ اگر شوہر شیعی عقائد کو لاعلمی کی وجہ سے صحیح اور ضروری جانتا ہے تو بیوی کو اس کے ماتحت رہنے کی شرعی گنجائش ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۶۳) اگر شوہر غالی سبّی شیعہ ہے یعنی اس کے عقائد ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو۔ مثلاً قرآن مجید کو صحیفہ عثمانی بتاتا ہو، منزل من اللہ نہ مانتا ہو، یا اس میں کمی بیشی کا قائل ہو، یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ ،کو خدا یا مظہر خدا یعنی اوتار مانتا ہو، ان کے اندر خدائی قوتیں ہونے کا معتقد ہو یا غلط فی الوحی کا عقیدہ رکھتا ہو۔ یعنی یہ سمجھتا ہو کہ وحی حضرت علیؓ پر آئی تھی جبرئیل علیہ السلام سے غلطی ہوئی اور وہ محمد ﷺ کو دے گئے۔ یا افک عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ رکھتا ہو یا ان کے مثل اور کوئی کفریہ عقیدہ رکھتا ہو(۷) تو ایسے شخص کے ساتھ سنیہ مسلمہ کا نکاح صحیح نہیں ہوتا۔(۸) اور جب نکاح صحیح نہیں ہوا تو شرعاً فسخ کی ضرورت نہیں مگر قانونی مواخذہ سے بچنے کے لئے عدالتی کاروائی لازم ہوتی ہے۔ پس اگر صورت یہی ہو تو اس میں مسلمان حاکم اور غیر مسلم حاکم دونوں

---

(۱) لقد كفر الذين قالو ا ان الله هو المسيح بن مريم۔(المائدة : ۷۲)

(۲) والمحصنات من الذين او توا الكتاب۔(المائدة : ۵)

(۳) وحرم نكاح الو ثنية بالا جماع (الدر المختار) وفي الرد : الو ثنية نسبة الى عبدة الا وثان ويد خل فى عبدة الا وثان عبدة الشمس و كل مذهب يكفر به معتقده۔(رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳ / ۴۵، سعید)

(۴) جو شیعہ ضروریات دین کا منکر ہو وہ کافر ہے اس لئے ایسے شیعہ سے نکاح مطلقاً ناجائز و حرام ہے۔ واما قذف عائشة فكفر بالا جماع و كذا انكار صحبة الصديق لمخالفته نص الكتاب۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین ۱ / ۳۶۷، سہیل اکیڈمی)

(۵) وان كانو يعبدون الكواكب ولا كتاب لهم لم تجز منا كحتهم ، لا نهم مشر كون ۔ (البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳ / ۱۱۱، دار المعرفة بيروت)

(۶) وارتداد احدهما اى الزوجين فسخ عاجل بلا قضاء ۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳ / ۴۵، سعید)

(۷) وبهذا ظهر ان الرافضى ان كان ممن يعتقد الا لوهية فى على او ان جبريل غلط فى الوحى او كان ينكر صحبة الصديق او يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة ۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳ / ۴۶، سعید)

(۸) ولا يجوز تزوج المسلمة من مشرك ۔ (الھندیة، کتاب النکاح، القسم السابع المحرمات بالشرک، ۱ / ۲۸۲، ماجدیة)

یکساں ہیں کیونکہ عورت فی الحقیقت اس کے نکاح میں نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ صرف قانونی گرفت سے بچنے کے لئے ہے۔ نہ ایک قائم اور ثابت نکاح کو فسخ کرانے کے لئے کہ مسلمان حاکم اسے فسخ کرے۔ البتہ اگر شوہر غالی شیعہ نہ ہو اور نکاح فی حد ذاتہ منعقد ہو چکا ہو مگر اس کو بوجہ اختلاف عقائد و منازعت باہمی یا اعتداء زوج کی بنا پر فسخ کرانا ہو تو بے شک مسلمان حاکم کا فیصلہ ضروری ہے۔ غیر مسلم حاکم کا فیصلہ ایک قائم شدہ نکاح کو فسخ کرانے کے لئے کافی نہیں ہے۔

زوج کا لاعلمی سے کفریہ عقائد رکھنا کوئی عذر شرعی نہیں ہے اور اگر پہلی صورت ہے تو عورت کو اس کی مطاوعت ناجائز ہے اور ہر صورت سے اس کو اس سے علیحدگی کر لینی لازم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بازاری عورت سے نکاح

(سوال) زید ایک بازاری رنڈی لے آیا ہے اور نکاح کرنا چاہتا ہے۔ مولوی صاحب سے جب نکاح پڑھانے کو کہا تو انہوں نے کہا کہ نکاح درست نہیں۔ کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ وہ مسلمان کی لڑکی ہے یا ہندو کی۔ اگر مسلمان کی لڑکی ہو تو اس کا شوہر ہے یا نہیں؟ بشرط موجودگی شوہر نکاح درست نہیں ہے۔

(جواب ۳٦٤) رنڈی اگر مسلمان یا عیسائی یا یہودی ہو اور گمان غالب ہو جائے کہ اس کا کوئی خاوند نہیں ہے تو اس کے ساتھ نکاح درست ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

مسلمان عورت قادیانی شوہر سے جدا ہونے کے لئے نکاح فسخ کرواسکتی ہے۔

(سوال) ایک عورت کا عقد ایک شخص کے ساتھ ہوا جس کو عرصہ نو سال کا ہوا اور چار لڑکیاں بھی ہوئیں۔ اب معلوم ہوا کہ وہ قادیانی ہے اور لڑکیوں کو قادیان میں دینا چاہتا ہے۔ عورت علیحدہ ہونا چاہتی ہے۔

(جواب ۳٦٥) ہاں اس صورت میں عورت کو حق ہے کہ وہ اپنا نکاح فسخ کرالے۔ کیونکہ قادیانی فرقہ جمہور علمائے اسلام کے فتوے کے بموجب اسلام سے خارج ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

شیعہ اور سنی کے باہمی نکاح کا حکم

(سوال) سنی اور شیعہ کے درمیان نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳٦٦) غالی شیعوں اور سنیوں میں مناکحت فساد پر منتج ہوتی ہے۔ نیز اگر لڑکی سنیہ اور لڑکا غالی شیعہ ہو تو نکاح ہی درست نہیں ہوتا۔(۳) ہاں لڑکا سنی اور لڑکی شیعہ ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔(۴)

....

(۱) وانکحو الایامی منکم۔ (النور : ۳۲) قال ابن کثیر فی تفسیرہ : الا یامی جمع ایم و یقال ذلک للمرأۃ التی لازوج لها وللرجل الذی لازوجة له ، سواء قد تزوج ثم فارق اولم یتزوج واحد منهما۔ (تفسیر ابن کثیر، ۳/ ۲۸٦، سہیل اکیڈمی)

(۲) اگر شوہر نکاح سے قبل قادیانی تھا تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ کما فی البدائع : و منها اسلام الرجل اذا کانت المرأۃ مسلمة فلا یجوز انکاح المؤمنة الکافر۔ (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، ۲/ ۲۷۱، سعید)

اور اگر نکاح کے بعد قادیانی ہوا ہو تو نکاح خود بخود ٹوٹ گیا ہے، فسخ کی ضرورت نہیں۔ وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۴۵، سعید)

(۳) ولا یجوز تزوج المسلمة من مشرك ولا کتابی۔ (الھندیة، کتاب النکاح، ۱/ ۲۸۲، ماجدیة)

(۴) تجوز مناکحة المعتزلة ، لانا لا نکفر احدا من اهل القبلة ، الدر المختار ، کتاب النکاح، (فصل فی المحرمات، ۳/ ۴۵، سعید) لیکن ان سے نکاح نہ کرنا بہتر ہے۔ کما فی الرد: ویجوز تزوج الکتابیات والا ولی ان لا یفعل ولا یاکل ذبیحتهم الا للضرورۃ۔ (ایضاً، در المختار)

سید زادی کا امتی سے نکاح

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ جون سن ۳۴ء)

(سوال) (۱) کیا ایک سید زادی ایک امتی کے عقد میں آسکتی ہے ؟ (۲) اگر نہیں آسکتی تو کیوں ؟ (۳) اگر آسکتی ہے تو پھر سید کا امتی سے نسب ہونا کیسے ہو سکتا ہے ؟ (۴) اگر سید زادی امتی کے نکاح میں آسکتی ہے تو خدائے کریم نے رسول کریم کی ازواج مطہرات کو امت پر کیوں حرام فرمایا اور ان کو امت کی مائیں کیوں کہا ؟ (۵) جب رسول اکرم فداہ امی وابی کی ازواج مطہرات امتی کے نکاح میں نہیں آسکتیں تو آپ کی اولاد امتی کے نکاح کے لئے کیسے حلال ہو گئی ؟ (۶) اگر امتی کے نکاح میں سید زادی نہ آسکتی ہو اور ایک امتی نے ایک سید زادی سے نکاح کر لیا ہو تو اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟ (۷) اگر سید زادی امتی کے لئے حلال نہیں تو کیا اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور طلاق کی ضرورت پڑتی ہے یا نہیں ؟ (۸) اگر طلاق کی ضرورت نہیں پڑتی تو بغیر طلاق لئے نکاح ثانی ہو سکتا ہے ؟ (۹) اگر سید زادی مذہبا شیعہ اور امتی حنفی ہو یا امتی شیعہ اور سید زادی حنفی ہو ؟ (۱۰) اگر امتی کے ساتھ نکاح جائز ہے تو کیوں بڑے بڑے عالم بھی رشتہ نہیں کرتے ؟

(جواب ۳۶۷) (۱) سید زادی کسی امتی کے عقد میں آسکتی ہے۔ خواہ وہ امتی سید ہو یا نہ ہو۔ (۱) (۲) آسکتی ہے۔ کیونکہ کفاءت شرائط صحت نکاح میں داخل نہیں ہے۔ (۲) (۳) سید کا غیر سید سے نسب کے لحاظ سے اشرف ہونا مسلم لیکن شرف کی کمی زیادتی اور نسب میں تفاوت ہونا اس کا موجب نہیں ہے کہ نکاح درست نہ ہو۔ (۳) (۴) آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے حضور ﷺ کے بعد دوسرے لوگوں سے نکاح ناجائز تھا۔ اس کی وجہ قرآن مجید کا صریح حکم ہے۔ ولا ان تنکحوا ازواجه من بعده ابداً ۔ (۴) ایسا حکم حضور کی اولاد کے لئے موجود نہیں۔ نہ قرآن پاک میں نہ حدیث میں۔ نیز ازواج کے لئے دوسرے سے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضور کا نکاح حضور کی وفات سے ٹوٹنے والا نہ تھا تو آپ کی ازواج آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے نکاح میں تھیں اس لئے دوسرا نکاح نہیں کر سکتی تھیں۔ تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کی وفات ظاہری تھی ویسے آپ حیات ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو بعد وفات بھی ایک زندگی حاصل ہے جو شہداء کی زندگی سے اقوی ہے۔ اس لئے آپ کی ازواج گویا زندہ خاوند کی بیویاں تھیں جو دوسرا نکاح نہیں کر سکتی تھیں۔ امت کی مائیں احترام کے طور پر کہا گیا۔ (۵) جیسے کہ حضور ﷺ امت کے باپ تھے۔ مگر یہ وجہ عدم جواز نکاح کے لئے نہیں۔ ورنہ حضور کی بیویاں بھی بیٹیاں تھیں ان سے نکاح کیسے ہو سکتا تھا۔ (۵) نمبر ۴ میں وجہ بیان کی گئی۔ (۶) آسکتی ہے اور جائز ہے جیسے کہ حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت عثمان

---

(۱) فانکحو ماطاب لکم من النساء۔ (النساء : ۳)

(۲) واذا تزوجت المرأة من غير كفء ورضي به احد الاولياء جاز ذلك۔ (المبسوط، کتاب النکاح ۵، ۲۶ بیروت)

(۳) جیسے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کرایا تھا۔ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ کی چچازاد بہن تھیں اور زید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔

(۴) الاحزاب : ۵۳

(۵) وازواجه امهاتهم۔ (الاحزاب ۶) ای فی الحرمة والاحترام والتوقير والاكرام والاعظام ، ولكن لا تجوز الخلوة بهن ولا ينتشر التحريم الى بناتهن واخواتهن بالاجماع۔ (تفسیر ابن کثیر ۳، ۲۶۹، سہیل اکیڈمی) وفي احكام القرآن : قيل فيه وجهان : انهن كامهاتهم في وجوب الاجلال والتعظيم . والثاني تحريم نكاحهن ، وليس المراد انهن كالامهات في كل شيئي لانه لو كان كذلك لما جاز لاحد من الناس ان يتزوج بناتهن وقد زوج النبي صلى الله عليه بناته۔ (احکام القرآن للجصاص، ۳۵۵ بیروت)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں باوجود یہ کہ حضرت عثمان ہاشمی نہ تھے۔(۷) محض اس وجہ سے کہ خاوند غیر ہاشمی ہے نکاح نہیں ٹوٹتا۔(۸) نہیں بغیر طلاق کے سیدزادی دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔(۱)۔(۹) اگر سیدزادی شیعہ ہو اور شوہر غیر ہاشمی سنی ہو تو نکاح جائز ہے۔(۲) اور اگر سیدزادی سنی ہو اور شوہر غالی شیعہ ہو خواہ ہاشمی ہو یا غیر ہاشمی ناجائز۔(۳) غالی سے مراد یہ ہے کہ اس پر حکم کفر عائد ہو سکے۔(۱۰) عالموں کا سیدزادیوں سے احتراماً نکاح نہ کرنا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ نکاح ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

اہل کتاب کے ساتھ نکاح

(سوال) کیا اہل کتاب (عیسائی و یہودی) کے ساتھ بموجب شرع محمدی عقد نکاح جائز ہے ؟
(جواب ۳۶۸) اہل کتاب یعنی یہودی اور نصرانی عورتوں سے مسلمان شادی کر سکتے ہیں۔(۴) لیکن کوئی مسلمان لڑکی یہودی یا نصرانی مرد کے نکاح میں نہیں دی جا سکتی۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

بے نکاحی عورت رکھنے والے سے میل جول اور اس کی اولاد سے صحیح النسب کا نکاح کیسا ہے

(سوال) زید نے ایک عورت بغیر نکاح کے اپنے گھر میں ڈال رکھی ہے۔اس سے عام مسلمانوں کو میل جول رکھنا کیسا ہے ؟ نیز اس کی اولاد کا نکاح صحیح النسب مسلمانوں سے ہو سکتا ہے یا نہیں ؟
(جواب ۳۶۹) بے نکاحی عورت کو گھر میں ڈال رکھنا حرام ہے۔اس فعل کا مرتکب فاسق ہے۔اس سے میل جول اور معاشرتی اسلامی تعلقات قطع کر لینا بغرض زجر و توبیخ جائز ہے۔(۶) بے نکاحی عورت سے جو اولاد ہو وہ اگرچہ ولد الزنا ہے مگر اس کا نکاح صحیح النسب مسلمانوں کے ساتھ ناجائز نہیں۔اگر کر دیا جائے تو صحیح ہو جائے گا۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

اہل سنت لڑکی کا نکاح مرزائی سے جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ یکم جنوری سن ۱۹۳۹ء)

(سوال) اہل سنت والجماعت لڑکی کا نکاح ایک مرزائی سے جائز ہے یا نہیں ؟
(جواب ۳۷۰) اہل سنت والجماعت لڑکی کا نکاح مرزائی سے جائز نہیں۔کیونکہ مرزائی باتفاق علماء دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔(۷) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) لایجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ ۔(الہندیۃ، کتاب النکاح، الباب الثالث، ۱: ۲۸۰، ماجدیۃ)
(۲) اس سے وہ شیعہ عورت مراد ہے جو کفریہ عقائد نہ رکھتی ہو۔ وفی الدر تجوز مناکحۃ المعتزلۃ ، لا نالا نکفر احدا من اھل القبلۃ وان وقع الزاما فی المباحث۔(الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳: ۴۵، سعید) اور اگر ضروریات دین میں سے کسی جزئی کی منکر ہو تو پھر بھی اس وجہ سے اس سے نکاح ناجائز ہے۔ واما قذف عائشۃ فکفر بالا جماع وکذا انکار صحبۃ الصدیق لمخالفۃ نص الکتاب۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین، ۱: ۳۶۷، سہیل اکیڈمی)
(۳) والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب ۔(المائدۃ: ۵) (۴) ایضا
(۵) فلا یجوز انکاح المسلمۃ الکتابیۃ۔(البدائع الصنائع، کتاب النکاح، ۲: ۲۷۲، سعید)
(۶) فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین۔(الانعام ۶۸)
(۷) لا یجوز نکاح المجوسیات والوثنیات وکل مذھب یکفر بہ معتقدہ ۔(الہندیۃ، کتاب النکاح، الباب الثالث، ۱: ۲۸۱، ماجدیۃ)

تیرھواں باب

نفقہ وسکونت

نفقہ کے لئے لئے ہوئے قرض کا شوہر سے مطالبہ

(سوال) خاوند اپنی بیوی سے اس قدر غافل رہا کہ اس کے نان ونفقہ کی بھی خبر نہ لی اور عورت نے قرض فام کر کے اپنی بسر اوقات کی تو بعد طلاق عورت اپنے اس قرضے کے لینے کی دعویدار ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۷۱) اگر ایام ماضیہ کا نفقہ قرض وغیرہ سے عورت نے بطور خود پورا کیا قضائے قاضی یا باہمی تراضی سے یہ بات نہ تھی تو خاوند سے نہیں لے سکتی۔(۱) واللہ اعلم

شوافع کے ہاں محدود مدت تک نفقہ نہ دینے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا

(سوال) اگر کوئی شخص چار سال اپنی زوجہ کو نفقہ نہ دے تو کیا وہ امام شافعی کے نزدیک اس کے نکاح سے باہر ہو جاتی ہے؟

(جواب ۳۷۲) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب نہیں ہے کہ چار سال نفقہ نہ دینے کی صورت میں نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ بلکہ ان کا صحیح معتمد مذہب یہ ہے کہ زوج کے نادار ہونے پر زوجہ کو قاضی سے نکاح فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہے لیکن اگر زوج مستطیع ہو اور نفقہ نہ دے تو اس صورت میں اختیار فسخ نہیں خواہ موجود ہو یا غائب۔(۲) فی الشامی لکن الا صح المعتمد عند هم ان لا فسخ مادام موسرا وان انقطع خبره وتعذر استيفاء النفقة من ماله، كما صرح به فی الا م(۳) ج ۲ ص ۱۱۷

نفقہ کے لئے دی ہوئی رقم عورت کی ملکیت ہے، شوہر کے ترکہ میں شامل نہیں۔

(سوال) زید اپنی زوجہ کو ماہواری خرچ کے لئے ایک رقم دیا کرتا تھا۔ اس کی زوجہ نے اس رقم میں سے کچھ پس انداز کر کے اشیاء ضروریات خرید لیں۔ اب زوج یعنی زید فوت ہو گیا۔ لہذا وہ اشیاء جو زوجہ زید نے اپنی اس مقررہ رقم سے خریدی ہیں وہ زید کے ترکہ میں شمار کی جائیں گی یا زوجہ زید ہی اس کی مالک ہے۔

(جواب ۳۷۳) خاوند اپنی زوجہ کو خرچ کے لئے جو رقم اپنی رضامندی سے دے وہ زوجہ کی ملک ہو جاتی ہے۔ لہذا زید کے مرنے کے بعد جو اشیاء کہ زوجہ زید نے اس رقم سے خریدی تھیں زید کے ترکہ میں شمار نہ ہوں گی بلکہ وہ زوجہ زید کی ملکیت ہے۔(۴)

خاوند کے تنگ دست ہونے پر شافعی المسلک سے نکاح فسخ کروانا

(سوال) زید نے اپنے خسر کے گھر [illegible] زیور طلائی کی چوری کی اس کے بعد بہانہ سے ایک طلائی زیور اپنی زوجہ سے لے گیا اور اس کو رہن کر کے فرار ہو [illegible] یعنی خیانت کی اور عرصہ ساڑھے چار سال تک اپنی زوجہ کو نان نفقہ نہیں دیا زید

---

(۱) اذا خاصمت المرأة زوجها فی نفقة ما مضی من الزمان قبل ان يفرض القاضی لها النفقة وقبل ان يتراضيا علی شیء فان القاضی لا يقضی لها بنفقة مامضی عندنا۔ (التاتارخانية، کتاب النفقات، ۴/ ۲۰۷، ادارۃ القرآن)

(۲) رد المحتار، کتاب الطلاق، باب النفقة، ۳/ ۵۹۰ ط سعيد (۳) وفی الام: اذا لم يجد ما ينفق عليها ان تخير المرأة بين المقام معه او فراقه۔ (الام، باب الرجل لا يجد ما ينفق علی امرأته، ۵/ ۹۱، بيروت)

(۴) واصل المسئلة ان نفقات الزوجات تصير دينا بقضاء القاضی او بتراضيهما علی شیء معلوم بکل شهر بالاتفاق. وفی الحجة وترجع بها الی ترکة (التاتارخانية، کتاب النفقات، ۴/ ۲۰۷، ادارۃ القرآن)

کے فرار ہونے کے بعد ہندہ (زوجہ زید) کا لڑکا پیدا ہوا جو اب چار سال کا ہے۔ اس کے پیدا ہوتے میں صرف آٹھ روپے بھیجے تھے اور خرچ بیس روپے ہوئے تھے۔ اس خرچ میں سے بھی بارہ روپے باقی ہیں۔ اس کے بعد چار سال ہو گئے۔ کوئی حق پرورش اس بچے کا بھی نہیں دیا۔ اور زید کا غیر مستطیع ہونا اس سے ثابت ہوا کہ ہندہ کا مہر معجّل تھا لہٰذا نصف مہر ہندہ نے بذریعہ عدالت طلب کیا۔ عدالت سے ہندہ کی مع خرچہ کی ڈگری ہوئی۔ چونکہ زید کی کوئی جائیداد نہ تھی۔ لہٰذا کچھ وصول نہ ہوا۔ پھر زید نے ناداری کی درخواست دی جو منظور ہو گئی اور زید کی نادہندگی اس امر سے ثابت ہے کہ تین آدمیوں سے محلّے کے کچھ کچھ سامان خرید کیا تھا۔ ساڑھے چار سال سے ان کو بھی نہیں دیا۔ چونکہ زید کی بد چلنی و نادہندگی اور غیر مستطیع ہونا مذکورہ حالت سے یعنی چوری کرنا، خیانت کرنا، قرض خواہوں کو نہ دینا، ہندہ کو ساڑھے چار سال تک نان و نفقہ نہ دینا بچہ کا حق پرورش چار سال تک نہ دینا۔ مہر معجّل نصف طلب کرنے پر بھی نادار ہو جانا یہ تو کافی طور سے ثابت ہیں۔ اور کوکین کھانا، شراب نوشی و قمار بازی و زنا یہ چاروں واقعات بھی سنے گئے ہیں۔ ہندہ و وارثان ہندہ نے مہر معاف کرنے پر طلاق لینی چاہی۔ زید نے منظور نہیں کیا۔ پھر مبلغ تین سو روپے علاوہ مہر معاف کرنے کے وارثان ہندہ نے بطور خلع کے دینا چاہے جب بھی زید نے طلاق دینا منظور نہیں کیا۔ وارثان ہندہ نہایت پریشان ہیں کہ ساڑھے چار سال ہندہ کو بٹھائے ہوئے گزر گئے۔ اب اور کب تک بٹھائے رکھیں۔ اور زید کی مذکور الصدر بدچلنیوں سے کسی طرح امید فلاح نہیں ہوتی۔ لہٰذا گزارش ہے کہ کیا شرع شریف میں کوئی صورت اس قید سے خلاصی کی بھی ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۷٤) حنفیہ کے نزدیک زوج کے نفقہ نہ دینے یا نہ دے سکنے کی صورت میں تفریق کا حکم نہیں دیا جاتا مگر امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر زوج کی تنگدستی ثابت ہو جائے تو قاضی کو اختیار ہے کہ وہ عورت کی طلب پر تفریق کر دے۔ (۱) متاخرین مشائخ حنفیہ سے منقول ہے کہ اگر ضرورت ہو تو ایسے موقع پر حاکم کسی شافعی کو مقرر کر کے اس کے ذریعے سے نکاح فسخ کرا دے۔ پس آج کل سخت ضرورت ثابت ہو جانے پر ممکن ہے کہ کسی شافعی المذہب سے جواز فسخ کا فتویٰ حاصل کر کے اس کو کسی مسلم جج یا منصف کی عدالت سے جاری کرا لیا جائے۔ غیر مسلم کا حکم کافی نہ ہوگا۔ واصحابنا لما شاهدوا الضرورة في التفريق استحسنوا ان ينصب القاضي نائبا شافعي المذهب يفرق بينهما (شرح وقایہ مختصرا (۲) ج ۲ ص ۱۴۷ مطبع مجتبائی دہلی)

شوہر کے گھر نہ جانے کے باوجود بیوی مہر کی حق دار ہے

(سوال) زید نے مسماۃ عاصمہ سے نکاح کیا۔ اس سے دو بچے تولد ہوئے۔ بعد چار برس کے اس کے والدین نے مسماۃ عاصمہ کو ورغلایا اور زید کے ساتھ بھیجنے سے انکار کیا۔ زید نے عدالت سے چارہ جوئی کی اور وہاں سے مسماۃ عاصمہ اور اس کے والدین پر ڈگری ہوئی اور عدالت نے مسماۃ کو ہدایت کی کہ تم اپنے خاوند کے ساتھ جاؤ۔ مگر وہ اپنے والدین کے کہنے سے نہیں گئی۔ اس صورت میں وہ زید سے اپنا مہر لینے کا حق دار ہو سکتی ہے یا نہیں جب کہ اس کا خاوند لے جانے کو رضامند ہے۔ بینوا توجروا

---

(۱) ومن اعسر بنفقة امرأته لم يفرق بينهما ، وقال الشافعي يفرق ، لانه عجز عن الا مساك بالمعروف فينوب القاضي منابه. (الهداية ، كتاب الطلاق، باب النفقة، ۲ / ۴۳۹، شركة علمية)

(۲) شرح الوقاية ، كتاب الطلاق ، باب النفقة ۲ / ۱۵۲، سعيد

المستفتی نمبر ۲۰ چاند خاں (مہو) ۲۱ جمادی الاخری سن ۱۳۵۲ھ م ۱۲ اکتوبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۷۵) مہر تو اس کا خاوند کے ذمہ ہے۔ اس بات سے مہر ساقط نہیں ہوا۔(۱) البتہ نفقہ خاوند سے اس وقت تک لینے کی حق دار نہیں جب تک کہ خاوند کے مکان پر نہ آجائے۔(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

خاوند رکھتا ہے نہ طلاق دیتا ہے، کیا کیا جائے

(سوال) ہندہ کا نکاح نو برس کی عمر میں ہندہ کے باپ کی ولایت کے ساتھ زید سے ہوا۔ اس وقت ہندہ کی عمر بیس سال ہے۔ زید ہندہ کو اس کے باپ کے گھر سے رخصت نہیں کراتا نہ نان نفقہ دیتا ہے نہ طلاق دے کر اس کو آزاد کرتا ہے۔

المستفتی نمبر ۸۱ جمیل الدین (صوات) ۲ رجب سن ۱۳۵۲ھ م ۲۳ اکتوبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۷۶) ایسی صورت میں قاضی شرعی کی عدالت میں دعویٰ کر کے خاوند کو نفقہ دینے اور زوجہ کو اپنے پاس رکھنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے یا قاضی فسخ نکاح کا حکم دے سکتا ہے۔ اگر قاضی شرعی میسر نہ ہو تو انگریزی عدالتوں کے مسلمان حکام قاضی کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

نکاح کے بعد داماد پر شرائط عائد کرنا

(سوال) بعد از نکاح والدین کو داماد پر شرطیں عائد کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ (۲) کیا زید کے ان الفاظ سے جو اس نے پڑھ کر فاطمہ کے میکہ جاتے وقت کہے تھے طلاق واقع ہو جائے گی جب کہ اس کی نیت طلاق دینے کی نہ تھی۔ (۳) کیا فاطمہ کا نفقہ زید کے ذمہ اس صورت میں واجب ہے جب کہ وہ بلا رضا زید کے میکہ چلی گئی ہو اور اس کے والدین زید کی غیر موجودگی میں اس کو لے گئے ہوں؟ (۴) اگر مذکورہ بالا الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوئی تو فاطمہ کا نان نفقہ زید سے طلب کرنا چاہئے یا نہیں؟ نیز بیوی کا طلب مہر کا حق ہے یا نہیں؟ یا فاطمہ اپنے مہر موجل کو معجل طریقے پر زید سے طلب کرنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟ زید کی نیت طلاق دینے کی نہیں اور فاطمہ اپنے خیال میں سمجھ رہی ہے کہ میں مطلقہ ہو چکی ہوں۔ اگر شوہر حنفی المسلک ہو اور بیوی غیر مقلد ہو تو مسئلہ طلاق و نکاح میں مرد کے مسلک کا اعتبار کیا جائے گا یا عورت کے مسلک کا؟ المستفتی نمبر ۲۹۴ سعید الدین بک بائنڈر بارہ بنکی۔ ۴ صفر سن ۱۳۵۳ھ

(جواب ۳۷۷) عورت کا یہ حق تو ہے کہ وہ علیحدہ مکان میں رہنے کا زوج سے مطالبہ کرے۔ اور اس مطالبے کو پورا ہونے تک اگر وہ زید کے گھر نہ آئے تو نفقہ کی مستحق ہو گی۔(۱) علیحدہ مکان سے مطلب یہ ہے کہ ایسی کوٹھڑی جو عورت اور بچوں کے رہنے کے لئے کافی ہو اس کو دی جائے کہ اس میں زوج کے ماں باپ یا دیگر اقارب شریک نہ ہوں۔(۵) باقی بدعات سے اجتناب کرنا تو خالد یہ بات بطور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے زید کو کہہ سکتا ہے۔ اور زید پر خالد

---

(۱) والمهر يتأكد باحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت احد الزوجين حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك الا بالابراء من صاحب الحق. (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، ۱/ ۳۰۴، ماجدية)

(۲) وان نشزت فلا نفقة لها حتى تعود الى منزله. والناشزة هي الخارجة عن منزل زوجها المانعة منه. (الهندية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر، ۱/ ۵۴۵، ماجدية)

(۳) حواله سابقه شرح الوقاية

(۴) فان طلبه فامتنع لحق لها كمهرها لا تسقط النفقة ايضاً. (فتح القدير، كتاب الطلاق، باب النفقة، ۴/ ۳۷۹، مصر)

(۵) وكذا تجب لها السكنى في بيت خال عن اهله. (الدر المختار) وفي الرد: لانها تتضرر بمشاركة غيرها فيه، لانها لا تامن على متاعها ويمنعها ذلك من المعاشرة مع زوجها ومن الاستمتاع الا اذا اختارت ذلك، لانها رضيت بانتقاص حقها. (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، ۳/ ۶۰۰، سعيد)

ے کہنے کے بغیر بجائے خود بھی لازم ہے کہ سنت کے موافق عمل کرے اور بدعات سے بچے۔ لیکن خالد کو ان باتوں کی بنا پر اپنی بیٹی کو زید کے گھر بھیجنے سے انکار کرنا جائز نہیں اور اس بنا پر روکنے کی صورت میں اس کی بیٹی نفقہ نہیں مانگ سکتی۔ بشرطیکہ زید بھی بیوی کو اس کے عقیدہ اتباع سنت کے خلاف کرنے پر مجبور نہ کرے (۱) زید یہ الفاظ جو اس نے بیوی کو کہے تھے صریح طلاق کے نہیں ہیں۔ ان میں نیت طلاق ضروری ہے۔ اگر زید نے طلاق کی نیت سے کہے ہوں تو طلاق ہو گئی ورنہ نہیں (۲) اور زید کا قول مع قسم کے اس بارے میں مقبول ہوگا کہ طلاق کی نیت نہ تھی۔ مہر مؤجل جو بغیر تعیین مدت کے ہو معجل کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ اس لئے زوجہ اپنے ایسے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے جو نصف مؤجل بلا تعیین مدت کے لکھا گیا ہے۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

شوہر کی رضامندی کے بغیر عورت میکے رہ کر نفقہ کی مستحق نہیں، مہر کی مستحق ہے

(سوال) اگر زید کی منکوحہ بیوی بلا اجازت اپنے شوہر کے اور اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں بھاگ کر میکے چلی جائے اور وہاں سے واپس نہ آنا چاہتی ہو تو ایسی حالت میں وہ نان نفقہ یا مہر وغیرہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۳۲۵ مرزا برکت اللہ بیگ (بارہ بنکی) ۵ ربیع الاول سن ۱۳۵۳ھ م ۱۸ جون سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۷۸) اگر عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے چلی جائے اور واپس نہ آئے تو اس زمانے کا نفقہ پانے کی مستحق نہیں ہے۔ بشرطیکہ یہ جانا ناحق ہو۔ (۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

خاوند نے طلاق کو نفقہ کی عدم ادائیگی کے ساتھ معلق کیا تو نفقہ نہ دینے سے کیا طلاق واقع ہو گئی؟

(سوال) محمد یوسف کی شادی بھولو علی کی لڑکی سے ہوئی۔ کچھ عرصہ زن و شوہر کے درمیان محبت رہی اور محمد یوسف سسرال میں مع بیوی رہنے لگے اور اپنا گھر بار بلا مرمت چھوڑ دیا۔ زاں بعد محمد یوسف سفر میں چلے گئے اور جب کچھ مدت بعد یعنی ایک سال بعد سفر سے واپس آئے تو بھولو علی نے پنچایت کرائی کہ یوسف علی میری لڑکی کو کھانا خرچ نہیں دیتے۔ اس بات پر پنچ نے محمد یوسف کو تنبیہ کی اور بھولو علی نے اپنی رضامندی اس بات پر ظاہر کی کہ محمد یوسف ماہ بماہ خرچ دینے کا ایک شرائط نامہ لکھ دے۔ چنانچہ محمد یوسف نے شرائط نامہ لکھ دیا۔ (جس کی نقل منسلک استفتاء ہذا ہے) اور محمد یوسف پھر سسرال ہی میں رہنے لگے۔ ہفتہ دو ہفتہ بعد محمد یوسف اور ان کی سسرال والوں کے درمیان نااتفاقی ہو گئی اور محمد یوسف نے وداعگی مانگی۔ بھولو علی نے کہا کہ محمد یوسف اپنا مکان بنوالے تو وداعگی میں مجھ کو کچھ عذر نہ ہوگا۔ چنانچہ محمد یوسف نے مکان بنوایا۔ اس کے بعد رخصتی ہوئی۔ اور محمد یوسف اپنی بیوی کو گھر لایا اور آرام سے رہنے لگے لیکن لڑکی کے میکے والے محمد یوسف کے خلاف رہے۔ آخر ۲۹ مئی سن ۱۹۳۱ء کو جب کہ محمد یوسف گھر میں نہ تھا تو شام کے وقت جب کہ اندھیرا ہو چکا تھا تو اس کے خاندان محمد یوسف کی خوش دامن صاحبہ بغیر اجازت محمد یوسف کے

(۱) وتجب النفقة ولو هي في بيت ابيها او موجست في بيت الزوج، لا لناشزة خرجت من بيته بغير حق۔ (شامی، کتاب الطلاق، باب النفقة ۳/ ۵۷۶، ط سعید)

(۲) الکنايات لا تطلق بها قضاء الا بنية۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب الکنایات ۳/ ۲۹۶، ط سعید)

(۳) والمؤجل الى اجل مجهول جهالة فاحشة فيجب حالا۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر ۳/ ۱۴۴، ط سعید)

(۴) وان نشزت فلا نفقة لها حتى تعود الى منزله، والناشزة هي الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه۔ (الهندية، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات ۱/ ۵۴۵، ط ماجدية)

اس کی بیوی کو میکے لے گئیں۔ جب محمد یوسف گھر آیا اور بیوی کو غیر حاضر پایا تو سسرال گئے وہاں جاکر تکرار ہوئی اور میکے والوں نے رخصتی سے انکار کر دیا۔ اور لڑکی ابھی تک میکے میں روکی ہوئی ہے۔ اس کے بعد محمد یوسف نے پنچایت میں ایک عرضی دی۔ اس پر پنچ نے رخصتی دلانے کی کوشش کی اور بہت اصرار کیا۔ لڑکی والوں نے نہ معلوم کس بنا پر رخصتی دینے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ لڑکی محمد یوسف کی بیوی نہیں رہی۔ حالانکہ لڑکی کو میکے گئے ہوئے پورا ایک ماہ بھی نہیں گزرا تھا۔ آخر کار پنچ نے مجبور ہو کر محمد یوسف کی عرضی و شرائط نامہ مع مناسب سوالات کے دارالعلوم دیوبند بھیج دیا جس کی نقل مع جواب مشمول استفتا ہذا ہے۔ اس ہیر پھیر میں شرائط نامہ کے مطابق مہینہ پورا ہو رہا تھا اس لئے محمد یوسف نے مبلغ پانچ روپے خرچہ کے لئے اپنی بیوی کو بھیج دیا لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا اور نہیں لیا۔ اس کے بعد استفتا کا جواب آیا کہ میکے میں خرچ دینا واجب نہیں۔ اس بنا پر محمد یوسف نے میکہ میں خرچ دینا بند کر دیا۔ البتہ رخصتی کے لئے کئی مرتبہ تقاضا کیا اور ہنوز کر رہا ہے۔ لیکن خسر صاحب رخصتی نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ لڑکی مطلقہ ہو گئی۔

نقل اقرار نامہ

میں شیخ یوسف علی پسر شیخ گنی خلیفہ ساکن کھرکپور آگے ہم پنچان کے سامنے اقرار کرتے ہیں اور لکھ دیتے ہیں کہ ہم اپنی بیوی کو برابر ماہ بماہ خرچ خانہ داری دیں گے اگر دینے میں کسی طرح کی کوتاہی کریں تو ایک ماہ انتظار دیکھ کر آخری دو ماہ تک نہیں دیں تو ہمارا تینوں طلاق واقع ہو جائے گا۔ اس لئے اقرار نامہ پر انگشت نشان دیا کہ وقت پر کام آوے۔ کاتب شیخ امیر علی۔ ۳۔ ۱۰۔ ۳۱۔ المستفتی نمبر ۴۴۴ قادر بخش خواجہ (ضلع مونگھیر) ۳ ذی الحجہ سن ۱۳۵۳ھ

(جواب ۳۷۹) اقرار نامہ میں اس کی تصریح نہیں کہ محمد یوسف اپنی بیوی کو نفقہ اس صورت میں دے گا کہ بیوی اس کے گھر رہے۔ اس لئے محمد یوسف کو دونوں صورتوں میں نفقہ دینا لازم ہے۔(۱) خواہ بیوی محمد یوسف کے گھر رہے خواہ محمد یوسف کی رضامندی یا کسی عذر صحیح شرعی کی وجہ سے میکے میں رہے۔ البتہ اگر بیوی محمد یوسف کی اجازت کے بغیر اور بغیر کسی حق شرعی کے میکے میں رہے گی تو نفقہ کی مستحق نہ ہو گی۔(۲) پس اگر صورت واقعہ میں اس کی بیوی ناحق میکے میں چلی گئی اور بغیر کسی عذر صحیح شرعی کے وہاں رہی تو نفقہ کی مستحق نہیں۔ لیکن اگر وہ محمد یوسف کی کسی ایسی حرکت کی وجہ سے چلی گئی ہے جس پر اسے جانا اور میکے میں رہنا جائز تھا تو وہ نفقہ کی مستحق ہے۔(۳) پہلے مہینہ کا نفقہ محمد یوسف نے مدت کے اندر بھیجا مگر زوجہ نے نہیں لیا تو اس عورت کا مطالبہ تو ساقط ہو گیا اور اقرار نامہ اس مدت کے لئے غیر متوثر ہو گیا کیونکہ محمد یوسف نے نفقہ بھیج دیا۔ نہ لینا عورت کا قصور ہے۔ محمد یوسف کی جانب سے خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ نفقہ کم ہونے کا عذر عورت کی جانب سے صحیح نہیں۔ کیونکہ اقرار نامہ میں کوئی مقدار مذکور نہیں۔ اس کے بعد محمد یوسف نے نفقہ نہیں دیا تو اگر عورت میکے میں کسی عذر صحیح شرعی کی بنا پر مقیم ہے تو محمد یوسف نے

(۱) والنفقة لا تصير دينا الا بالرضاء او القضاء اى اصطلحهما على قدر معين۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقة ۳/ ۵۹۴، سعید)

(۲) واذا تعيبت المرأة عن زوجها او ابت ان تتحول معه الى منزله او حيث يريد من البلدان وقد اوفاها مهرها فلا نفقة لها، لانها ناشزة ولا نفقة للناشزة۔ (المبسوط، کتاب الطلاق، باب النفقة ۵/ ۱۸۶، بیروت)

(۳) وتجب النفقة ولو هي في بيت ابيها او مرضت في بيت الزوج، لا لناشزة خرجت من بيته بغير حق، احترز عن خروجها بحق۔ (شرح الوقاية، باب النفقة ۲/ ۱۵۰، سعید)

نفقہ نہ دینے سے طلاق ہو گئی۔(۱) اور پہلی مرتبہ واپس کر دینے کو محمد یوسف اپنے نہ دینے کے عذر میں بیان نہیں کر سکتا۔ اگر عورت ناحق میکے میں مقیم ہے تو یہ اس کے کہ وہ نفقہ کی مستحق ہی نہیں۔(۲) محمد یوسف کے نفقہ نہ دینے سے اس پر طلاق نہیں ہوئی۔ کیونکہ اقرار نامہ استحقاق نفقہ کی صورت سے ہی متعلق ہو سکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

عورت بیماری کی حالت میں والدین کے گھر رہے تو نفقہ کی مستحق نہیں

(سوال) مسماۃ اختری کا نکاح اشتیاق علی سے ہوا عمر ۱۴ سال۔ دوڈھائی سال کے بعد رخصتی ہوئی۔ بعد رخصتی کے صرف پانچ یا چھ ماہ خاوند کے گھر رہی۔ جب زیادہ مار پیٹ و نان نفقہ نہ ہونے سے بیمار ہو گئی خاوند نے اس کے باپ کے گھر بحالت بیماری بھیج دیا۔ اس کے چار پانچ یوم کے بعد لڑکا پیدا ہوا جو کہ فوراً ہی مر گیا۔ جب سے وہ اپنے باپ کے گھر ہے۔ کیونکہ ۱۸ سال میں قانون انگریزی کے مطابق بالغ سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ۱۷ سال میں دعویٰ دائر کر دیا گیا بولایت والد کے۔ اگر وہ ۱۸ سال کی ہوتی تو از خود دعویٰ دائر کر سکتی تھی۔ یہ نقل اقرار نامہ جو ارسال خدمت ہے یہ فتویٰ عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ المستفتی نمبر ۷۲۴ حکمت اللہ (آگرہ) ۴ ذی قعدہ سن ۱۳۵۴ھ م ۲۹ جنوری سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۸۰) عورت نان نفقہ لینے کی مستحق ہے۔ لیکن خاوند کے گھر رہ کر لے سکتی ہے۔ اپنے والدین کے گھر بیٹھ کر شرعاً نفقہ لینے کی حق دار نہیں۔(۳) نیز گزشتہ زمانے کا نفقہ بھی طلب نہیں کر سکتی۔(۴) یہ اقرار نامہ شرعی طور پر گزشتہ زمانے کا نفقہ دلانے کے لئے کافی نہیں۔ البتہ بشرط خاوند کے گھر پر رہنے کے آئندہ کا نفقہ لینے کی مجاز ہے۔ اگر خاوند مار پیٹ کرتا ہے تو اس کو تنبیہ یا سزا دی جا سکتی ہے یا ضمانت لی جا سکتی ہے کہ آئندہ ایسا نہ کرے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

شادی کے وقت نابالغہ بیوی کو نفقہ دینے کا وعدہ کرنے والا بعد میں انکار کرتا ہے، کیا حکم ہے؟

(سوال) ایک بیوہ نادار کی لڑکی ہے جس کی عمر گیارہ سال کی ہے۔ دھوکے سے ورغلا کر اس کی شادی کر لی اور پچاس روپیہ کھا گئے۔ والدہ سے شادی کے وقت حلفیہ قسم کھا کر کہا تھا جب تک بالغ ہو گی نان نفقہ لڑکی کے مکان پر دیں گے۔ عدالت میں لڑکی کا شوہر روٹی کپڑا دینے سے انکار کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں کہیں نوکر نہیں ہوں اور کچھ کام نہیں کرتا ہوں اور لڑکی کو روٹی کپڑا نہیں دے سکتا ہوں۔ عدالت میں شوہر کے خلاف گواہ گزرے کہ یہ تیس روپے ماہوار کا مزدور ہے رنگ سازی کرتا ہے۔ لڑکا ملازمت یا مزدوری سے منکر ہے۔ اس لئے عدالت فتویٰ چاہتی ہے۔

---

(۱) واذا اضافہ ای الطلاق الی وجود شرط وقع عقیب وجود الشرط وذلک مثل ان یقول لا مراتہ ان دخلت الدار فانت طالق، وھذا بالاتفاق، لان الملک قائم فی الحال والظاهر بقاء ہ الی وقت الشرط کالمتکلم بالطلاق فی ذلک الوقت، (اللباب المیدانی، ۲/ ۵۰، قدیمی، الجوہرۃ النیرۃ، کتاب الطلاق، ۲/ ۵۰، امدادیہ)

(۲) وان نشزت فلا نفقة لها حتی تعود الی منزله والناشزة هی الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه۔ (الھندیۃ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر، ۱/ ۵۴۵، ماجدیہ)

(۳) یہ بیوی خود بیوی کی مرض کی حالت میں باپ کے گھر چھوڑ کر آیا ہے اور وہ خاوند کے پاس آنے سے انکار بھی نہیں کرتی تو خاوند سے نفقہ پانے کی مستحق ہے۔ وفی الخانیة : مرضت عند الزوج فانتقلت لدار ابیها ان لم یکن نقلها بمحفة ونحوها فلها النفقة والا، لا (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقة، ۳/ ۵۷۵، سعید)

(۴) اذا خاصمت المراة زوجها فی نفقة مامضی من الزمان قبل ان یفرض القاضی لها النفقة وقبل ان یتراضیا علی شیء فان القاضی لا یقضی لها بنفقة ما مضی عندنا۔ (التاتارخانیة، کتاب النفقات، ۴/ ۲۰۷)

المستفتی نمبر ۷۶۸ مسماۃ منڈو بیوہ دین محمد (آگرہ) ۲۴ ذی قعدہ سن ۱۳۵۴ھ م ۱۸ فروری سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۸۱) اگر عدالت کے نزدیک یہ ثابت ہو کہ اس کے پاس مال ہے تو اس پر نفقہ لازم کر دے۔(۱) اور اگر یہ ثابت ہو کہ وہ ظلماً زوجہ کو تنگ کرتا ہے اور نفقہ نہیں دیتا تو اس کو تنبیہ کر کے کہ نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔(۲) مناسب مہلت دے۔ اگر پھر بھی وہ باز نہ آئے تو نکاح فسخ کر دے۔ ہاں عدالت مسلمان حاکم کی ہونی لازم ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

ناشزہ عورت نفقہ کی مستحق نہیں۔

(سوال) زید کے نکاح کو صرف ایک دو سال ہوا تھا کہ زید کی منکوحہ کسی باہمی خفگی کے باعث زید کی بلا اجازت و بلا رضا اور غبت گھر سے باہر چلی گئی۔ پھر زید نے اس کو بسیار منت و سماجت کے بعد بلایا۔ پھر چند روز کے بعد زید کی منکوحہ بلا کسی وجہ بلا کسی سبب کے گھر سے باہر چلی گئی اور چار سال تک نہ آئی۔ اب چار سال کے بعد منکوحہ کے لواحقین ور شتہ دار اس کے نان و نفقہ کے عوض بد لا مانگ رہے ہیں۔ کیا قوانین ملت اسلامیہ واحکام شرعیہ الٰہیہ کی رو سے نکاح قائم رہ سکتا ہے جب کہ عورت منکوحہ بلا اجازت شوہر گھر سے باہر چلی گئی جس کے سبب نامعلوم ہیں۔ اور کیا مذکورہ بالا صورت میں اس کے اخراجات نان و نفقہ کا کفیل اس کا شوہر ہو سکتا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۳۴۴ مولانا آزاد افغانی (بمبئی نمبر ۳) ۲۲ ذی قعدہ سن ۱۳۵۵ھ م ۶ فروری سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۸۲) شوہر کے گھر سے عورت کا بلا وجہ اور بغیر سبب چلا جانا نشوز ہے اور ایسی صورت میں نکاح تو قائم رہتا ہے مگر عورت نان نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی جب تک وہ خاوند کے گھر واپس نہ آجائے۔ نفقہ طلب کرنے کا حق نہیں رکھتی۔(۳) جس وقت خاوند کے گھر واپس آجائے گی اس وقت سے نفقہ آئندہ زمانے کے لئے طلب کر سکے گی۔ گزشتہ غیر حاضری کے زمانے کا نفقہ آنے کے بعد بھی نہ مانگ سکے گی۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ناشزہ عورت نفقہ کی مستحق نہیں

(سوال) ایک عورت اپنے شوہر کے مکان سے ناشزہ ہو کر نکل کر دس میل دور کسی دوسرے مرد سے مل گئی اور اس سے زنا کرتی رہی۔ کئی مہینے کے بعد شوہر نے اس بستی میں جا کر کسی جلسہ میں ایک عالم متدین اور ذوی الاقتدار کمیٹی کے ممبروں کے پاس اپنی بیوی کو اس فعل شنیع سے باز رہنے کا اور اپنے مکان میں لے جانے کی درخواست کی۔ اس نے اس کو اس زناکار سے تفرقہ کرا دیا۔ وہ عورت اپنے شوہر کے آدمی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئی۔ راہ میں پانچ میل کے فاصلہ پر ایک بستی میں ٹھہر گئی۔ ہر چند اس کے شوہر کے آدمی اور اس کمیٹی کے بعض ممبروں نے اس عورت کو اس کے شوہر کے گھر اور بستی میں لے جانے کی کوشش کی۔ لیکن ناکامیاب ہو گئے۔

---

(۱) والنفقة لا تصير دينا الا بالقضاء او الرضاء ۔ (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة، ۳ / ۵۹۴، سعيد)

(۲) ومن اعسر بنفقة امراته لم يفرق بينهما ، وقال الشافعي يفرق ، لا نه عجز عن الا مساك بالمعروف فينوب القاضي منابه (الهداية ، كتاب الطلاق، باب النفقة، ۲ / ۴۳۹، شركة علمية) وفي شرح الوقاية : واصحابنا لما شاهدوا الضرورة في التفريق استحسنوا ان ينصب القاضي نائباً شافعي المذهب يفرق بينهما، (شرح الوقاية، كتاب الطلاق، باب النفقة، ۲ / ۱۵۲، سعيد)

(۳) لا نفقة لا حد عشر : ومنها خارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود و لو بعد سفره ۔ (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة، ۳ / ۵۷۶، سعيد)

(۴) اذا خاصمت المراء ة زوجها في نفقة ما مضى من الزمان قبل ان يفرض القاضي لها النفقة وقبل ان يتراضيا على شيء فان القاضي لا يقضي لها بنفقة ما مضى عندنا ۔ (التاتارخانية، كتاب النفقات ۴ / ۲۰۷)

چند روز کے بعد کئی شریروں کی سازش سے پھر وہ عورت اس زانی سابق کی بستی میں واپس چلی گئی اور اس زانی سے مل گئی اور زنا کرتی رہی اب اس صورت میں سوال یہ ہے کہ مذکورہ عورت کو اپنے شوہر سے نفقہ وغیرہ حاصل کرنے کا حق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو اپنے شوہر سے نفقہ وغیرہ نہ دینے کی وجوہات پیش کر کے قاضی شریعت یا کسی ذی اقتدار پنچایت کے صدر کو اس نکاح کے اس وجہ سے فسخ ہونے کا فتویٰ دینا جائز ہو گیا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۹۲۶ محمد روح الدین صاحب (کلکتہ) ۲۰ شعبان سن ۱۳۵۶ھ م ۲۶ اکتوبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۸۳) اس عورت کو اپنے شوہر سے ان حالات کی صحت کی صورت میں نفقہ مانگنے کا کوئی حق نہیں ہے۔(۱) اور ان وجوہات سے نفقہ نہ دینے کی بنا پر فسخ نکاح کا حکم بھی نہیں دیا جا سکتا۔ ہاں اگر فسخ نکاح اس بنا پر ہو کہ خاوند اور پنچایت کے قبضے سے عورت نکل چکی ہے اور زنا میں مبتلا ہے فسخ نکاح کرنے سے وہ زنا سے بچ جائے گی تو اور بات ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

تنگ دستی کی بنا پر فسخ نکاح

(سوال) تقریباً چودہ سال ہوئے کہ میری شادی مسماۃ لطیف الرحمن بنت شیخ برکت اللہ ساکن دہلی سے ہوئی تھی اس عرصے میں تین بچے مسماۃ مذکورہ کے بطن سے پیدا ہوئے جن میں سے دو فوت ہو گئے۔ ایک لڑکا مسمیٰ محمد سلطان عمر سات سال بقید حیات ہے اور اپنی والدہ کے پاس ہے۔ میری مالی حالت، قبل میں اچھی تھی مگر گزشتہ آٹھ سال سے بتدریج خراب ہوتے ہوئے اب عسرت سے زندگی بسر کرتا ہوں۔ میری اہلیہ اکثر میرے ساتھ کلکتہ میں رہا کرتی تھی مگر جب سے میری حالت خراب ہونے لگی ہے میرے خسر نے اس کو اپنے گھر روک رکھا ہے اور اب تک رکھے ہوئے ہے۔ خط و کتابت کے ذریعہ، خود جا جا کر، اپنے حقیقی بھائی اور بھاوج کو بھیج بھیج کر بیسیوں دفعہ خصوصاً تیسرے چوتھے مہینے بھی اپنے خسر سے التماس کی کہ وہ میری اہلیہ اور بچے کو رخصت کر دیں۔ جس طرح سے میں بسر اوقات کر رہا ہوں اسی طرح وہ دونوں بھی کریں گے مگر میرے خسر نے ایک نہ سنی اور اب وہ جبراً و قہراً از روئے شریعت و عدالت میری اہلیہ کو مجھ سے علیحدہ کر کے اس کا عقد ثانی کر دینا چاہتے ہیں اور مہر کے علاوہ چالیس روپے ماہوار کے حساب سے تین سال کا خرچ خوراک وغیرہ وصول کرنا چاہتے ہیں۔ اب صورت سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے محض میری سابقہ مالی حالت اچھی نہ رہنے کی وجہ سے میری بیوی کو مجھ سے علیحدہ قرار دے کر اس کا نکاح ثانی کیا جا سکتا ہے یا نہیں اور کیا جب میری حالت دس روپے ماہوار بھیجنے اور بیوی پر خرچ کرنے کی نہیں ہے اور اپنی رضا یا میرے خسر کے دباؤ سے میری اہلیہ اپنے والدین کے گھر رہتی ہے۔ تو کیا اس صورت میں بھی مجھ پر میری حسب استطاعت ان کا خرچ واجب الادا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۱۶۹ شیخ محمد عثمان دہلوی مقیم حال کلکتہ۔ ۲ ذی قعدہ سن ۱۳۵۶ھ

(جواب ۳۸۴) نفقہ کی نوعیت اور مقدار معین کرنے میں زوجین کی حالت اور حیثیت کی رعایت رکھنی ہوتی ہے۔ یعنی اگر زوج دس روپے ماہوار قدرت رکھتا ہے اور زوجہ بیس روپے ماہوار کی حیثیت رکھتی ہے تو زید پر پندرہ روپے ماہوار ڈالے جائیں گے۔(۱) اور اگر زید نفقہ واجبہ ادا نہ کرے تو زوجہ کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ اس کے ساتھ فقر و فاقہ

---

(۱) لنا شزة المرأة التي تخرج من بيت زوجها بدون اذنه بغير حق شرعي فلا يجب نفقتها الى ان تعود و ترك النشوز (عمدة الرعاية على شرح الوقاية، باب النفقة، ۲/ ۱۵۰، سعيد)

کی زندگی بسر کرے زوجہ اپنی خوشی سے قناعت کرے تو وہ اس کی رعایت اور شرافت ہے اور وہ مستحق تحسین ہوگی۔
گذشتہ زمانے کا نفقہ طلب کرنے کا زوجہ کو بھی حق نہیں ہے۔(۲) اگر کوئی مسلمان حاکم عدم وصولی نفقہ کی بنا پر نکاح فسخ کردے گا۔(۳) تو بعد انقضائے عدت وہ دوسرا نکاح کر سکے گی لیکن جب تک کہ مسلمان حاکم کا ایسا فیصلہ صادر نہ ہو دوسرا نکاح ناجائز ہوگا۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نفقہ کی رقم وصول کرنے سے پہلے بیوی کی ملکیت نہیں

(سوال) شوہر حج کو جاتا ہے اور اپنی واپسی تک زوجہ کے نان و نفقہ کے لئے ایک معتبر شخص کے پاس کچھ رقم رکھوا جاتا ہے اور زوجہ کو کہہ جاتا ہے کہ اپنے اخراجات کے لئے فلاں شخص سے بر ضرورت منگالیا کرے لیکن زوجہ بوجہ شرم اس سے کچھ نہیں منگاتی اور اپنے والدین سے لے کر خرچ کرتی رہی۔ چنانچہ شوہر کا بواپسی حج جہاز میں انتقال ہو جاتا ہے۔ اور زاں بعد شخص مذکور اس رقم سے ۸/۱ حصہ شرعی متوفی کی زوجہ کو دے دیتا ہے اور بقیہ رقم اس کے شوہر مرحوم کی پہلی مرحومہ زوجہ کے لڑکے کو دے دیتا ہے۔ اب سوال صرف اس قدر ہے کہ زوجہ شوہر کے حج کی روانگی سے تاوقت اس کے انتقال اور اس کے انتقال سے تا اختتام اپنی عدت اس کی متروکہ جائداد سے علاوہ اپنے ۸/۱ حصہ کے نان و نفقہ بھی لینے کی مستحق ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۵۲۱ سید عبدالجبار صاحب ۲۸ جمادی الاول سن ۱۳۵۸ھ م ۱۷ جولائی سن ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۸۵) نفقہ کی جو رقم زوجہ نے وصول نہیں کی اور عدت کے زمانہ کا نفقہ زوجہ کو نہیں ملے گا۔ اگر وہ نفقہ کی رقم لیتی رہتی تو بے شک وہ اس کا حق تھا۔ نہ لینے کی صورت میں یہ رقم شوہر کے مودع یعنی امین کے پاس شوہر کی ملک پر باقی رہی اور اس کے انتقال پر اس کے ترکہ میں شامل ہوگی۔(۵) اور موت کی عدت کا نفقہ متوفی شوہر کے ترکہ میں واجب نہیں ہوتا(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

معذور بیوی کا نفقہ اور مہر کس کے ذمہ ہے؟

(سوال) زید کی منکوحہ بلا اجازت اپنے شوہر کے اپنے اعزا کے اغوا سے فرار ہوگئی اور شوہر سے علیحدہ رہ کر نان و نفقہ

---

(۱) وکذا تجب سکنی فی بیت خال عن اهله و اهلها بقدر حالها لطعام و کسوۃ (الدر المختار) وفی الرد : بقدر حالهما ای فی الیسار و الاعسار ، فلیس مسکن الاغنیاء کمسکن الفقراء کما فی البحر ۔(رد المحتار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ۳/ ۶۰۰، سعید)
(۲) والنفقة لا تصیر دیناً الا بالقضاء او الرضاء۔(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ۳/ ۵۹۴، سعید)
(۳) یہ مذہب شوافع رحمھم اللہ کا ہے، حنفیہ کے ہاں اس صورت میں نکاح نہیں فسخ کیا جا سکتا البتہ متاخرین احناف نے ضرورت کی بنا پر اس کی اجازت دی ہے کہ حاکم مسلم تحقیق کر کے شافعی المسلک نائب سے نکاح فسخ کرا سکتا ہے۔ کما فی شرح الوقایة : واصحابنا لما شاهدو الضرورة فی التفریق استحسنوا ان ینصب القاضی نائبا شافعی المذهب یفرق بینهما۔(شرح الوقایۃ، کتاب الطلاق باب النفقۃ، ۲/ ۱۵۲، سعید)
(۴) ولا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره۔(الهندیۃ، کتاب النکاح، الباب الثالث، ۱/ ۲۸۰، ماجدیۃ)
(۵) وتسقط نفقة مدة مضت الا اذا سبق فرض قاض او رضیا بشیء فتجب لما مضی ماد اما حیین فان مات احد هما او طلقها قبل قبض ای قبل قبض المراة تلك النفقة سقط المفروض۔(شرح الوقایۃ، کتاب النکاح، باب النفقۃ، ۲/ ۱۵۳، سعید)
(۶) ولا نفقة للمتوفی عنها زوجها ، لان احتباسها لیس لحق الزوج بل لحق الشرع فان التربص عبارة منها۔(الهدایۃ، باب النفقۃ ۲/ ۴۴۳، شرکۃ علمیۃ)

اور زر مہر طلب کرتی ہے۔ زید اس کے چال چلن سے مشتبہ ہے۔ تو ایسی صورت میں وہ کہاں تک حقوق پانے کی مستحق ہے۔ زید کے والدین اس امر کی کوشش بھی کرتے ہیں کہ زبردستی طلاق دلوائیں حالانکہ زید اپنی منکوحہ کو طلاق دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ کیا قاضی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بطور خود شوہر پر دباؤ ڈال کر عورت کو طلاق دلوائے یا تفریق کر دے۔

(جواب ۳۸۶) عورت خاوند کے گھر سے بلا اجازت چلے جانے کی صورت میں اس وقت تک نفقہ کی مستحق نہیں ہے جب تک کہ خاوند کے گھر واپس نہ آجائے۔(۱) اگر زید کی جانب سے عورت کے ساتھ کوئی زیادتی اور بدسلوکی نہیں کی جاتی ہے تو عورت طلاق مانگنے میں گنہگار ہے۔(۲) اور قاضی کو زبردستی طلاق دلوانے کا حق نہیں ہے اور نہ وہ بلاوجہ تفریق کرانے کا اختیار رکھتا ہے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

---

(۱) واذا تغیبت المراۃ عن بیت زوجھا او ابت ان تتحول معه الی منزله ... فلا نفقه لھا ، لا نھانا شزۃ ، ولا نفقة للناشزۃ ۔ (المبسوط، کتاب الطلاق، باب النفقۃ، ۵ / ۱۸۶، بیروت)

(۲) عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنه قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم : ایما امراۃ سئلت زوجھا طلاقاً فی غیر ماباس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ۔ (سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب الخلع، ۱ / ۳۰۳، سعید)

چودھواں باب
حقوق زوجین

شوہر بیوی کو اپنے ساتھ سفر پر لے جانے کا مجاز ہے

(سوال) عمرو زید کے خالو ہوتے ہیں اور ان کا وطن قدیم امیٹھی خطہ اودھ ہے۔ ان کے تعلقات ملازمت حیدر آباد دکن میں ہوئے۔ زید اصل باشندہ کاکوری ضلع لکھنؤ کا ہے اور اس نے خطہ متوسط میں ملازمت انگریزی اختیار کی۔ تعارف و قرابت سابقہ کی وجہ سے زید کا نکاح عمرو کی دختر کے ساتھ حیدر آباد میں ہوا۔ اور کوئی شرط کسی قسم کی مہر اور آمدو رفت کے متعلق نہیں ہوئی۔ بعد نکاح عمرو نے اپنی دختر کو زید کے ساتھ متعدد مرتبہ زید کی جائے ملازمت مختلف اضلاع خطہ متوسط پر اس کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ حتی کہ زید کی صلب سے ہندہ دختر عمرو کی تین اولادیں ہوئیں۔ نکاح سے چھ سال کے بعد مسماۃ ہندہ اور خود والد ہندہ کو یہ عذر ہوا کہ زید کے ساتھ سفر دور دراز جائے ملازمت زید پر جانا منظور نہیں۔ کیونکہ ان کا بیان ہے کہ زید کو شرعاً ایسا کرنے کا حق نہیں ہے کہ وہ ہندہ کو اپنے ساتھ سفر میں لے جائے۔ مطالبہ مہر باعث انکار سفر نہیں۔ قابل دریافت یہ امر ہے کہ ایسی حالت میں زید کو اپنی زوجہ ہندہ کو اپنی جائے ملازمت و سکونت پر لے جانے کا شرعاً حق ہے یا نہیں اگر ہندہ عذر اذیت و تکلیف دہی پر جانے سے انکار کرے اور اس عذر کو ثابت نہ کر سکے یا یہ ثبوت پیش کردہ اگر ثابت سمجھا جائے تو زید بعد ادخال ضمانت معتبر ہندہ کو اپنے ساتھ لے جانے کا شرعاً مجاز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(جواب ۳۸۷) زوج کو اختیار ہے کہ اپنی منکوحہ کو جہاں چاہے رکھے۔ سفر میں جائے تو اس کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اسکنوھن من حیث سکنتم من وجد کم ولا تضا روھن لتضیقوا علیھن۔(۱) اور زوجہ کا بے دلیل و بے ثبوت یہ کہنا کہ زوج مجھے تکلیف و اذیت دیتا ہے غیر معتبر ہے جب کہ زوج کے ظاہر حالات سے اس بات کا گمان نہ ہوتا ہو اور وہ حسن سلوک کی ضمانت بھی دے دے۔ قالوا للزوج ان یسکنھا حیث احب ولکن بین جیران صالحین ولو قالت انه یضر بنی ویوذینی فمرہ ان یسکننی بین قوم صالحین فان علم القاضی ذلک زجرہ ومنعه عن التعدی فی حقها والا یسئال الجیران عن صنیعه فان صدقوھا منعه عن التعدی فی حقها ولا یترکها ثمه وان لم یکن فی جوارھا من یوثق به او کانوا یمیلون الی الزوج امرہ باسکا نها بین قوم صالحین (ردالمحتار (۲) ج ۲ ص ۶۸۲) البتہ اگر زوج کی جانب سے ضرر رسانی وایذا دہی کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں اسے زوجہ کو ساتھ لے جانے کا استحقاق نہیں ہے اور زوجہ کو اختیار ہے کہ وہ سفر میں جانے سے انکار کر دے۔ ثم ذکر عن الفقیهین ابی القاسم الصفار وابی اللیث انه لیس له السفر مطلقا بلا رضا ھا لفساد الزمان لا نها لا تاتمن علی نفسها فی منزلها فکیف اذا خرجت وانه صرح فی المختار بان علیه الفتوی

---

(۱) الطلاق : ۶
(۲) رد المحتار ، کتاب الطلاق ، باب النفقة ، ۳ / ۶۰۲ ، سعید

وفی المحیط انه المختار (ردالمحتار ج ۲ ص ۳۶۹)(۱)

بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر چلی جائے تو نکاح میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(سوال) ہندہ منکوحہ زید کی ہے جو بے لاذن اپنے خاوند کے اپنے میکہ بوقت شب بساعت ۳ بجے مع نقد و جنس روپوش ہو کر چلی گئی۔ ہندہ کا میکہ زید کے مکان سے تقریباً تین سو میل کے فاصلے پر ہے قبل بھاگ جانے ہندہ کے برادر ہندہ واسطے لے جانے اپنی ہمشیرہ ہندہ کے آیا تھا لیکن زید و والدہ زید نے بہ سبب حاملہ ہونے ہندہ کے رخصت کرنے سے انکار کیا۔ دو ہفتے بعد یہ واقعہ ہوا بدین وجہ زید و وابستگان زید کا خیال ہے کہ برادر ہندہ ہی مخفی طور سے اس کو اپنے ہمراہ لے گیا ہے۔ ایسی حالت میں نکاح میں کوئی خلل واقع ہوگا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۳۹ غلام رسول کول مرچنٹ ۲۶ ذی قعدہ سن ۱۳۵۲ھ م ۱۳ مارچ سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۸۸) ہندہ خواہ اپنے بھائی کے ساتھ گئی ہو یا کسی اور مرد یا عورت کے ساتھ یا تنہا بہر صورت نکاح میں کوئی خلل نہیں آیا۔ نکاح بدستور قائم ہے۔ ہندہ بلا اجازت بھاگ جانے میں خطاکار اور گنہگار ضرور ہے(۲) مگر کوئی کفارہ اس کے ذمہ لازم نہیں۔ سوائے توبہ اور معافی طلب کرنے کے اس کو چاہئے کہ توبہ کرے اور خاوند سے معافی مانگے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

شوہر کی اجازت کے بغیر کسی تقریب میں شریک ہونا

(سوال) ہندہ اپنے شوہر زید کی اجازت سے میکے گئی ہوئی ہے وہاں اس کے والدین نے بلا اجازت زید کے اس کو ایک تقریب میں شریک کر دیا۔ بلکہ زید نے ممانعت کا خط بھی لکھ دیا تھا مگر اس کی تحریر پر عمل نہیں کیا گیا۔ اس کے لئے کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۳۲۴ حاجی حافظ علی محمد علی (مراد ریاست گوالیار)

(جواب) ہندہ کو بغیر اجازت اپنے شوہر کے تقریب میں شریک نہیں ہونا چاہئے تھا۔ لیکن اگر وہ شریک ہو گئی تو اس کو اپنے شوہر سے معافی مانگنا چاہئے اور شوہر کو مناسب ہے کہ وہ معاف کر دے۔(۳) فقط۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۸ جون ۱۹۳۴ء

---

(۱) رد المحتار ، کتاب النکاح ، باب المهر [illegible]

(۲) وحقه عليها ان تطيعه في كل مباح [illegible] ... كامر السلطان الرعية به (ردالمحتار ، كتاب النكاح ، باب [illegible])

(۳) وليعفوا وليصفحوا الاتحبون ان يغفر الله لكم (النور : ۲۲)

بیوی کو ترک وطن پر مجبور کرنا

(سوال) زوج ترک وطن کرتا ہے اور زوجہ ترک وطن پر رضامند نہیں ہوتی اور سفر پر اس کے ہمراہ جانے کے لئے تیار نہیں ہوتی اور اپنے حقیقی بھائیوں اور باپ وغیرہ کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ اس صورت میں زوج اپنی زوجہ کو اپنے ہمراہ جبراً سفر میں لے جا سکتا ہے یا نہیں؟ زوجہ کے انکار پر زوج جبر و تشدد کرتا ہے۔ کیا یہ فعل اس کا جائز ہے؟ زوجہ باعصمت ہے۔ اپنے بھائیوں کے نہ چھوڑنے کے علاوہ اور کوئی وجہ انکار کی نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۴۲۲ مجید چپڑاسی (دہلی) ۲۰ رجب سن ۱۳۵۳ھ م ۳۰ اکتوبر سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۹۰) جب کہ زوج شریف الطبع اور حسن سلوک میں آزمودہ ہو اور اس کی غرض اضرار یا ایذائے زوجہ نہ ہو اور وہ مہر بھی کلاً معجلاً یا بعضاً علی الشروط او العرف ادا کر چکا ہو تو وہ سفر معتدل متعارف میں جہاں زوجہ کو کوئی ناواجبی تکلیف پہنچنے کا احتمال نہ ہو اپنے ہمراہ لے جانے اور رکھنے پر جبر کر سکتا ہے۔ اور یہ جبر ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر اس کی غرض اضرار یا ایذا ہو یا اس کا قرینہ ظاہرہ شبہ کیا جائے یا مہر کی مقدار واجب الاداادا نہ کی گئی ہو یا سفر معتدل متعارف نہ ہو بلکہ دور دراز مقام یا بالکل غیر ملک میں لے جانا چاہتا ہے یا زوجہ کو وہاں کوئی ناواجبی تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو ان صورتوں میں جبراً لے جانے کا حق نہیں اور جبر کرنا ظلم قرار دیا جائے گا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شوہر بیوی کو دودھ پلانے اور روٹی پکانے پر مجبور نہیں کر سکتا

(سوال) مرد اپنی زوجہ کو بچہ کے دودھ پلانے پر مجبور کر سکتا ہے یا نہیں؟ نیز روٹی پکانے کے لئے مجبور کر سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۴۹۶ محمد انور (ضلع جالندھر) ۲۰ ربیع الاول سن ۱۳۵۴ھ م ۲۳ جون سن ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۹۱) مرد کو یہ حق نہیں کہ منکوحہ عورت پر بچے کو دودھ پلانے کے لئے جبر کرے بشرطیکہ وہ اتنی استطاعت رکھتا ہو کہ بچے کے لئے دایہ کا انتظام کر سکے۔ ورنہ ماں پر بچہ کو دودھ پلانا لازم ہے۔(۲) روٹی پکانے کے لئے بھی جبر نہیں کر سکتا۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

غیر مرد کے ساتھ جانے سے عورت کا نکاح نہیں ٹوٹتا

(سوال) عورت اپنے شوہر کو چھوڑ کر دوسرے مرد کے ساتھ چلی گئی۔ تو شوہر کا نکاح ٹوٹ گیا یا نہیں؟ اب شوہر اس کو بلانا چاہتا ہے۔ المستفتی نمبر ۵۴۱ الہی خاں (مگوے) ۶ ربیع الثانی سن ۱۳۵۴ھ

(جواب ۳۹۲) عورت کے چلے جانے سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔(۴) اگر خاوند اس فعل سے ناراض ہو کر اسے رکھنا نہ چاہے تو اسے طلاق دے سکتا ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) ویسافر بها بعد اداء کله مؤجلا و معجلاً اذا کان مأموناً علیها والا ینودی کله ومالم یکن مأموناً لا یسافر بها، وبه یفتی (الدر المختار، کتاب النکاح باب المہر، ۳/۱۴۶، سعید)

(۲) ولا تجبر من لها الحضانة علیها الا اذا تعینت لها بان لم یؤ خذ ثدی غیرها ولم یکن للاب ولا للصغیر مال، به یفتی (الدر المختار، باب الحضانة، ۳/۵۵۹، سعید)

(۳) وان قالت لا اطبخ ولا اخبز قال فی الکتاب: لا تجبر علی الطبخ والخبز۔ (الہندیة، ۱/۵۴۸، ماجدیة)

(۴) والزنی بها لا تحرم علی زوجها (رد المحتار، کتاب النکاح، ۳/۵۰، سعید)

(۵) واما الطلاق فان الاصل فیه الحظر بمعنی انه محظور الا لعارض یبیحه وهو معنی قولهم الاصل فیه الحظر والاباحة للحاجة الی الخلاص۔ (رد المحتار، کتاب الطلاق، ۳/۲۲۸، سعید)

نافرمان بیوی کا حکم

(سوال) کوئی بیوی شوہر کا کہنا نہ مانے یعنی اس سے نماز روزہ وغیرہ کے لئے کہا جائے اور وہ اس کے خلاف کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۷۸۵ حاجی محمد حیات (ضلع علی گڑھ) ۲۶ ربیع الثانی سن ۱۳۵۴ھ م ۲۸ جولائی سن ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۹۳) نافرمان بیوی جب کہ کسی طرح نہ مانے اور باز نہ آئے تو خاوند کو حق ہے کہ وہ اسے چھوڑ دے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

(۱) خاوند اور بیوی کے حقوق
(۲) شرعی حاکم کو شادی کے جھگڑوں میں شریعت کے مطابق فیصلہ دینا فرض ہے

(سوال) (۱) عورت کے کیا کیا حقوق مرد پر ہوتے ہیں اور اسے عورت کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟ (۲) عورت کا خاوند کے لئے کیا فرض ہے اور خاوند کا عورت کے لئے کیا فرض ہے؟ (۳) ایک فرماں بردار عورت کے حق میں خاوند کی طرف سے زیادتی ہونا کہاں تک درست ہے؟ (۴) حاکم شرع کو شادی کے جھگڑوں کے بارے میں مطابق شرع فیصلہ دینا چاہئے یا نہیں؟

(جواب ۳۹۴) (۱) عورت کا نفقہ کھانا، لباس، مکان مہیا کرنا مرد کے ذمہ ہے۔(۲) (۲) خاوند کی اطاعت (۳) اور اس کے مال کی حفاظت، اولاد کی پرورش، عصمت کی حفاظت۔(۴) (۳) زیادتی اگر فی الحقیقت زیادتی ہو تو ناجائز اور ظلم ہے۔(۵) (۴) شرع کے مطابق فیصلہ دینا فرض ہے۔(۶)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

بیویوں کے درمیان امتیازی سلوک کا حکم

(سوال) (۱) زید کی دو بیویاں ہیں۔ ایک سے محبت زیادہ ہے دوسری سے کم۔ نیز ایک سے مباشرت کرتا ہے دوسری سے کبھی اتفاقیہ بادل ناخواستہ صحبت کی نوبت آتی ہے۔ جس سے باہمی نزاع اور منافرت پھیل کر یہاں تک نوبت آگئی کہ مذکورہ بیوی زنا پر آمادہ ہو گئی۔ زید کا عذر یہ ہے کہ کھانا کپڑا تو مساوی طور پر دے سکتا ہوں کیونکہ واجب ہے لیکن صحبت کرنی واجب نہیں۔ لہذا مجھے اختیار ہے کہ صحبت کروں یا نہ کروں۔ عورت یہ کہتی ہے کہ کھانا پینا تو باپ کے گھر بھی تھا۔ نکاح تو صحبت کی ضرورت کے لئے کیا تھا۔ جب میری صحبت سے نفرت ہے تو مجھے آزاد کر دے میری

---

(۱) الا اذا خافا الا يقيما حدود الله فلا باس ان يتفرقا (الدر المختار) وفي الرد: الا اذا خافا استثناء منقطع ، لان التفريق حينئذ مندوب لقرينة قوله فلا باس لكن سياتي اول الطلاق انه يستحب لو مؤذية او تاركة صلاة ، ويجب لو فات الا مساك بالمعروف۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۵۰، سعید)

(۲) النفقة هي لغة ماينفقه الا نسان على عياله وشرعا هي الطعام والكسوة والسكنى ونفقة الغير تجب على الغير باسباب ثلاثة زوجة وقرابة و ملك، فتجب للزوجة بنكاح صحيح على زوجها۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق باب النفقہ، ۳/ ۵۷۲، سعید)

(۳) وحقه عليها ان تطيعه في كل مباح يا مرها۔ (الدر المختار، کتاب النکاح باب القسم، ۳/ ۲۰۸، سعید)

(۴) عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته والا مير راع والرجل راع على اهل بيته والمراة راعية على بيت زوجها وولده، فكلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته۔ (صحیح البخاری، کتاب النکاح باب المراۃ راعیۃ، ۲/ ۷۸۳، قدیمی)

(۵) عن ابى هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره واستو صوا بالنساء خيرا۔ (صحیح البخاری، کتاب النکاح، ۲/ ۷۷۹، قدیمی)

(۶) عن ابن بريدة عن ابيه عن النبي صلى الله عليه وسلم: القضاة ثلثة: واحد في الجنة و اثنان في النار، فاما الذى في الجنة فرجل عرف الحق فقضى به ورجل عرف الحق فجار في الحكم فهو في النار ورجل قضى للناس على جهل فهو في النار۔ (سنن ابی داؤد، کتاب القضاء باب فی القاضی یخطی ۲/ ۱۴۷، امدادیہ)

کیوں راہ مار رکھی ہے اس معاملہ میں شرعاً کیا حکم ہے ؟ان میں مفارقت کرادی جائے یا اسی حالت میں رہنے دیا جائے جب کہ عورت زنا پر مستعد ہے۔

زنا کی عادی عورت کو طلاق دینا زیادہ بہتر ہے

(۲) بکر کی بیوی بکر سے ناخوش اور متنفر ہے اور دوسری جگہ ناجائز تعلق کر رکھا ہے۔باوجود ہر طرح کی خاطر کی بکر کی بیوی بکر کو منہ نہیں لگاتی اور نہ بکر سے ڈرتی ہے نہ اس کا کہنا مانتی ہے۔بکر کو ہر طرح کی مجبوری در پیش ہے۔ عورت کی طرف سے بے حد تکلیف پہنچ رہی ہے۔اس لئے مجبور ہو کر سبکدوش ہونا چاہتا ہے۔بکر کی مالی حالت یہاں تک گری ہوئی ہے کہ پاس ایک پیسہ نہیں جو عدالت سے چارہ جوئی کر سکے یا عورت کا مہر ادا کر سکے۔

المستفتی نمبر ۹۴۱ محمد قاسم ، گنگوہ۔ ۲۸ صفر سن ۱۳۵۵ھ م ۲۰ مئی سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۹۵)(۱) اگرچہ قضاءً یہ لازم نہیں کہ ہر عورت سے اس کی باری پر جماع بھی کیا جائے لیکن دیانۃً مرد پر واجب ہے کہ اتنی مدت تک ترک جماع نہ کرے جس کی برداشت عورت سے نہ ہو سکے یا اس پر شاق ہو۔(۱) اور جب کہ عورت خدانخواستہ زنا پر آمادہ ہو اور شوہر پھر بھی اس کی حاجت پوری نہ کرے تو مفارقت کر دینی لازم ہے۔(۲)
(۲) بکر کو ان حالات میں کہ بیوی اعلانیہ زنا کرتی ہے اور کسی طرح نہیں مانتی اس کو طلاق دے دینی چاہئے۔(۳) اور مہر کی ادائیگی جب ممکن ہو اس وقت کر دے یا عدم ادائیگی کی وجہ سے جو تکلیف پہنچے اسے برداشت کرے معلقہ چھوڑے رکھنا صحیح نہیں۔(۴) اور اگر بیوی بکر کے گھر میں نیک عورتوں کی طرح پابندی اور پردے سے نہیں رہتی تو اس کا نفقہ بکر کے ذمہ واجب نہیں۔(۵)

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

(۱) نیکی کی نصیحت والدین کو بھی کی جا سکتی ہے
(۲) بہو پر ساس اور خسر وغیرہ کی خدمت لازمی نہیں

(سوال)(۱) کیا اللہ پاک نے قرآن شریف میں کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ تم اپنے والدین کو جو کہ خلاف شرعی کام کرتے ہیں نصیحت و ہدایت کیا کرو۔بیٹا ماں باپ کو نصیحت کر سکتا ہے یا نہیں ؟(۲) زید اپنی زوجہ سے کہتا ہے کہ میرے ماں باپ بھائی بہن وغیرہ کا حق خدمت شرعی حکم سے اگر تمہارے ذمہ ہے تو ادا کرنا چاہئے۔ زید کی زوجہ کہتی ہے کہ اللہ کا حکم قرآن شریف میں اور اللہ کے رسول کا حکم حدیث شریف میں مجھے دکھلائیے کہ میں بدل و جان حکم بجا لاؤں۔

المستفتی نمبر ۹۸۰ عبدالوحید صاحب (ضلع بلند شہر) ۵ ربیع الاول سن ۱۳۵۵ھ م ۶ جون سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۹۶)(۱) برے کاموں سے بچنے اور نیک راہ اختیار کرنے کی نصیحت بیٹا بھی والدین کو نرمی اور ادب کے

---

(۱) فی الدر المختار : لا فی المجامعة کا لمحبة بل یستحب ویسقط منها بمرة ویجب دیانةً احیاناً ولا یبلغ مرة الا یلاء الا برضاها
(۲) ان سببه الحاجة الی الخلاص عند تباین الا خلاق و عروض البغضاء الموجبة علم اقامة حدود الله۔(رد المحتار ، کتاب الطلاق، ۳ ۲۲۸،سعید)
(۳) جاء رجل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال : ان عندی امراءة هی من احب الناس الی وهی لا تمنع ید لامس ، قال : طلقها ، قال لا اصبر عنها، قال استمتع بها۔(سنن النسائی، کتاب النکاح، کراهیة تزویج العقیم، ۲ ۵۹،سعید)
(۴) فامساك بمعروف او تسریح با حسان البقرة :
(۵) وذا تغیبت المراء ة عن بیت زوجها او ابت ان تتحول معه الی منزله فلا نفقة لها ، لا نها نا شزة ولا نفقة للناشزة۔(المبسوط، کتاب الطلاق باب النفقة، ۵ ۱۸۲،بیروت)

ساتھ کر سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت اپنے باپ کو قرآن مجید میں کئی جگہ مذکور ہے۔(۱)(۲)زید کے والدین کا ادب اور احترام اور معمولی عرفی خدمت جس میں زوجہ پر کوئی مشقت اور تکلیف نہ ہو کرنی بہتر ہے۔اس سے زیادہ زوجہ کے ذمہ لازم نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱)زوجہ پر شوہر کی تابعداری ضروری ہے یا والدین کی
(۲)بیوی کو الگ رہائش مہیا کرنا

(سوال)(۱)زوجہ کو شوہر کی تابعداری ضروری ہے یا والدین کی اور وہ بھی اس صورت میں کہ والدین کی فرماں برداری عورت کو شوہر کے جائز حقوق کی ادائیگی میں مانع ہو جس کی وجہ سے شوہر اور زوجہ میں روزبروز مشکل ہو تا جارہا ہے۔ (۲)شوہر کے مکان میں شوہر کی والدہ اور برادر کلاں وخورد بھی رہتے ہیں اور حیثیت اتنی نہیں ہے کہ دوسرے مکان میں رہیں لیکن زوجہ اور اس کے والدین ان کے سامنے آنے کو حرام سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔اس حال میں عورت کا تشدد کہاں تک صحیح ہے؟

المستفتی نمبر ۱۰۸۲ قاری خادم علی مراد آبادی مدرس مدرسہ نئی سڑک (دہلی) ۱۰ جمادی الاول سن ۱۳۵۵ھ م ۳۰ جولائی سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۸۹۷)(۱)زوجہ کو شوہر کی تابعداری لازم ہے۔(۲)اور والدین کی خدمت اور اطاعت اس حد تک لازم ہے کہ وہ شوہر کے حقوق میں خلل انداز نہ ہو۔(۳)(۲) عورت کا حق ہے کہ اس کو ایسے مکان میں رکھا جائے جس میں شوہر کے اقارب نہ ہوں۔(۴)دیور اور جیٹھ کے سامنے ہونے سے اگر زوجہ انکار کرتی ہے تو اس انکار میں وہ حق بجانب ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیٹی کے علاج اور تجہیز و تکفین کے اخراجات کا داماد سے مطالبہ

(سوال)زید کی لڑکی شادی شدہ زیادہ تر اپنے پدر زید کے پاس رہی۔اخیر مرتبہ بیمار ہو کر اپنے شوہر کے یہاں سے زید کے یہاں آ گئی اور یہیں اس کا معالجہ شروع ہوا۔اس علاج میں زید نے کثیر مصارف کئے ایک عرصہ تک بیمار رہ کر وقت آچکا تھا انتقال ہو گیا۔اس کے مرنے پر تمامی مصارف بڑی تعداد کے ساتھ زید کے یہاں ہی ہوئے۔اس نے ایک بچہ شیر خوار دو ڈھائی سالہ چھوڑا۔اس کی پرورش بھی بڑے پیمانہ پر زید کے یہاں ہوئی۔اس کی خالہ نے اس

(۱) اذ قال لابیہ یا بت لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصر و لا یغنی عنک شیئاً یابت انی قد جاء نی من العلم مالم یا تک فاتبعنی اھدک صراطا سویا یابت لا تعبد الشیطان ان الشیطن کان للرحمن عصیا یا بت انی اخاف ان یمسک عذاب من الرحمن فتکون للشیطن ولیاً۔(سورۃ مریم ۴۲۔۴۵)

(۲)عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : لوکنت امر احداً ان یسجد لا حد لا مرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا۔(جامع الترمذی، ابواب الرضاع، باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأۃ ۱/ ۲۱۹، سعید)

(۳)ولا یمنعھا من الخروج الی الوالدین فی کل جمعۃ ان لم یقدر علی اتیانھا ولو ابوھا زمنا فاحتاجھا فعلیھا تعاھدہ ولو کافرا وان ابی الزوج۔(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقۃ ۳/ ۶۰۲، سعید)

(۴)وفی الھدایۃ : وعلی الزوج ان یسکنھا فی دار مفردۃ لیس فیھا احد من اھلہ الا ان تختار ذلک۔(الھدایۃ، کتاب الطلاق، باب النفقۃ ۲/ ۴۴۱، سعید)

(۵)عن عقبۃ بن عامر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : ایاکم والدخول علی النساء ، فقال رجل من الانصار یا رسول اللہ افرأیت الحمو ، قال : الحمو الموت۔(صحیح البخاری، کتاب النکاح ۲/ ۷۸۷، قدیمی)

کو دودھ پلایا۔ ایک نوکرانی بھی دودھ پلانے کے لئے رکھی گئی۔ اس کی خدمت و پرورش میں زر کثیر صرف ہوا اور اس وقت تک وہ زید کے یہاں موجود ہے۔ جب عمر اس کی ساڑھے تین سال کی ہوئی تو اس کی تعلیم شروع ہونے پر جملہ مصارف اچھی صورت میں ہوتے رہے۔ بچہ کی عمر اس وقت دس سال کی ہے۔ اب بکر اس کا باپ تعلیم کے نام سے اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے۔ بکر نے عقد ثانی بھی کر لیا ہے۔ اس کی بھی اولاد ہے۔ بچہ بکر کے پاس رہنا نہیں چاہتا ہے بکر پکڑ پکڑ کر لے جاتا ہے اور وہ پھر بھاگ کر آجاتا ہے۔ اس کو سمجھایا بھی جاتا ہے تو وہ وہاں جانے سے انکار کرتا ہے۔ بکر کو اس کے ملنے والوں کے ذریعہ سے سمجھوایا گیا کہ بقول تمہارے بچہ کو تم اپنے پاس رکھ کر تعلیم کرانا چاہتے ہو تو جس معیار پر تعلیم کرانے کا خیال ہے وہ لکھ کر دے دیا جائے اس معیار سے دو چند پیمانہ پر زید اس کا نانا اپنے مصارف سے تعلیم کرانے کے لئے تیار ہے مگر بکر اس کا باپ کسی اغراض یا ضد کی وجہ سے اس کو نہیں مانتا۔ زید اس کے نانا کو بچہ کے رکھنے میں سوائے اس کے کہ بچہ آرام سے رہے اور دختر مرحومہ کی یادگار ہے خدا قائم رکھے اور اس کی نسل کا سلسلہ خدا بڑھائے اور اپنی حیات میں ہی اگرچہ دختر مرحومہ شرعاً محروم الارث ہے۔ اس دختر کے حقوق اپنے سامنے خوشی سے دے دیئے جائیں۔ اس کے علاوہ اور اس کے ساتھ سلوک کیا جائے۔ کوئی غرض وابستہ نہیں ہے۔ اور جس قدر صرفہ زید نے زوجہ بکر کی بیماری اور تجہیز و تکفین میں کیا ہے اس کی ادائیگی کا بکر شرعاً ذمہ دار ہے یا نہیں اور اسی طرح سے زید نے پسر بکر کی پرورش میں جو کچھ صرف کیا ہے اس کی واپسی بکر پر لازم ہے یا نہیں۔ اور عدم ادائیگی مطالبات مذکورہ مانع سپردگی پسر ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۱۲۶ ہدایت محمد خاں صاحب سر رشتہ دار نظامت پرگنہ سرونج ۱۳ جمادی الثانی سن ۱۳۵۵ھ م یکم ستمبر سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۹۸) زید نے اپنی مرحومہ لڑکی کے علاج اور تجہیز و تکفین اور بچہ کی پرورش اور تعلیم میں بغیر امر و اذن بکر جو مصارف کئے ہیں ان کا بکر سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔(۱) یہ سب تبرع سمجھے جائیں گے۔ بچہ کی عمر جب سات سال سے متجاوز ہو گئی تو باپ کو یہ حق ہے کہ بچہ کو اپنی نگرانی میں لے لے۔ اور اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے۔ اگر بچہ کی تعلیم و تربیت نانا کے یہاں قابل اطمینان طریق پر ہو رہی ہے اور بچہ نانا کے یہاں رہنے میں خوش ہے تو اس کے باپ کو صلح و رضامندی کے ساتھ اس پر آمادہ کیا جائے کہ بچہ کو نانا کے یہاں چھوڑ دے۔ جبراً بچہ کو اپنے یہاں رکھنے کا نانا کو حق نہیں۔(۲) بالغ ہونے کے بعد بچہ نانا کے یہاں رہنا پسند کرے تو اسے یہ اختیار حاصل ہو گا۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) شوہر پر بیوی کا علاج معالجہ لازم نہیں
(۲) نابالغ کی رضامندی معتبر نہیں

(سوال)(۱) بعض سوالات کا جواب بالتصریح نہ ملنے سے تسکین نہیں ہوئی۔ اگر بکر اپنی اہلیہ کا علاج کرتا تو زید کو کیا ضرورت تھی کہ وہ بکر کہ مصارف روک کر اپنے مصارف شروع کر دیتا۔ کیا شوہر کے یہ فرائض میں نہیں کہ بحالت

(۱) اور تبرع میں رجوع نہیں ہو سکتا لہذا زید بکر سے مصروفہ رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتا لا رجوع فیما تبرع عن الغیر۔ (قواعد الفقہ، رقم القاعدۃ: ۲۱۵، ص: ۱۰۶، الصدف پبلشرز) وقال محشیہ تحتہ : فمن انفق علی زوجۃ الغیر بغیر اذنہ ولا قضاء القاضی لا یرجع علیہ۔ (ایضاً)
نوٹ :- حاشیہ نمبر ۲-۳ اگلے صفحہ کے حاشیہ نمبر ۱ - ۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

بعمارئ الملیہ اس کا علاج کرائے اور علاج میں جو مصارف ہوں ان کو برداشت کرے۔ کیا یہ شوہر کے فرائض میں نہیں کہ اہلیہ کے مرنے پر اس کی تجہیز و تکفین کرے اور اس کے مصارف برداشت کرے۔ مصارف کا بار اس وقت بکر پر نہیں پڑ سکتا کہ جب بکر مصارف کر رہا ہو اور زید اس کو روک کر اپنے مصارف شروع کرے۔ یہی صورت پرورش بچہ کے مصارف کی ہے۔ کیا ایسی صورت میں بھی ان مصارف پر تبرع ہو سکتا ہے۔

(۲) زید یعنی نانا کو کیا ضرورت ہے کہ جبراً بچہ کو اپنے پاس رکھے یا مصارف برداشت کرے۔ سوال تو یہ ہے کہ بچہ کسی تکلیف سے باپ کے پاس نہ رہنا چاہے اور اپنے نانا کے پاس خود رہنا پسند کرے تو کیا باپ اس کو جبراً بلا رضامندی اس کی لے جا سکتا ہے۔ کیا اس کے باپ کے دعوے پر عدالت بلا رضامندی بچہ اس کو جبر کے ساتھ سپرد کر سکتی ہے۔ کیا یہ بات اخلاقاً بھی درست ہو سکتی ہے؟

المستفتی نمبر ۱۲۴۸ ہدایت محمد خاں صاحب سررشتہ دار نظامت۔ سرونج ۱۹ رمضان سن ۱۳۵۵ھ م ۵ دسمبر سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۹۹) (۱) شوہر پر زوجہ مریضہ کا علاج لازم نہیں۔(۳) ہاں شوہر پر تجہیز و تکفین لازم ہے۔(۴) لیکن فاتحہ ایصال ثواب وغیرہ لازم نہیں۔ تجہیز و تکفین میں غالباً زیادہ سے زیادہ بیس ۲۰ روپے خرچ ہوتے ہیں اور وہ بھی اگر متوفیہ کے اقارب بغیر امر زوج کر دیں تو ان کی طرف سے یہ تبرع ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ روک کر کرے بلکہ بغیر امر کرنے کی صورت بھی تبرع ہوگا۔(۲) جب بچہ نابالغ ہے تو اس کی سمجھ اور ناسمجھی ظاہر ہے اس لئے اس کی اپنی مرضی غیر معتبر قرار دی گئی ہے(۵)(۱) ابھی اس کا احساس معتبر نہیں ہے کیونکہ ناسمجھی کی عمر ہے۔ بے شک شارع نے اخلاق کو پیش نظر رکھ کر ضابطے بنائے ہیں اور ضابطہ کلیہ یہی ہے کہ بلوغ سے پہلے بچوں کی مرضی کا اعتبار نہ ہو ورنہ تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) والام والجدة احق بالغلام حتی یستغنی وقدر بسبع سنین ، وقال القدوری. حتی یاکل وحده ویشرب وحده ویستنجی وحده وقدر ابو بکر الرازی بتسع سنین والفتوی علی الاول وبعد ما استغنی الغلام وبلغت الجاریة فالعصبة اولی یقدم الا قرب فالا قرب ۔(الهندیة، کتاب الطلاق، الباب السادس عشر فی الحضانة، ۱/ ۵۴۲، ماجدیة)

(۲) عن هلال بن اسامة ان ابا میمونة سلمی مولی من اهل المدینة رجل صدق قال : بینما انا جالس مع ابی هریرة جاء ته امرءة فارسیة معها ابن لها فادعیاه وقد طلقها زوجها فقالت یا ابا هریرة رطنت بالفارسیة ، زوجی یرید ان یذهب بابنی ، فقال ابو هریرة استهما علیه ورطن لها بذلك فجاء زوجها فقال من یحاقنی فی ولدی فقال ابو هریرة : اللهم انی لا اقول هذا الا انی سمعت امرأة جاء ت الی رسول الله صلی الله علیه وسلم وانا قاعد عنده فقالت: یا رسول الله ان زوجی یرید ان یذهب بابنی وقد سقانی من بئر ابی عنبة وقد نفعنی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم . استهما علیه ، فقال زوجها: من یحاقنی فی ولدی، فقال النبی صلی الله علیه وسلم : هذا ابوك وهذه امك فخذ بید ایهما شئت فاخذ بید امه فانطلقت۔(سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب من احق بالولد، ۱/ ۳۱۷-۳۱۸، امدادیة) وکذا (فی مشکوة المصابیح، کتاب، باب بلوغ الصغیر، ۱/ ۲۹۳، سعید) وفی مرقات المفاتیح : واما عندنا فالولد اذا صار مستغنیاً بان یاکل وحده ویشرب وحده فالاب احق به واجاب عن الحدیث بوجهین احدهما انه علیه السلام دعا ان یوفق لاختیار الانظر علی مارواه ابو داؤد فی الطلاق والنسائی فی الفرائض ثانیهما انه کان بالغا بدلیل الاستقاء من بئر ابی عنبة ومن هو دون البلوغ لا یرسل الی الآبار للاستقاء للخوف علیه من السقوط فیه لقلة عقله وتحجره عنه غالبا و نحن نقول اذا بلغ فهو فخیر بین ان فیفرد بالسکنی وبین ان یکون عند ایهما اراد الا اذا بلغ سفیها۔(مرقات المفاتیح، باب بلوغ الصغیر، ۶/ ۳۶۰، ۳۶۳، امدادیة)

(۳) فی الرد: کما لا یلزمه مداواتها ای اتیانه لها بدواء المرض ولا اجرة الطبیب ولا الفصد ولا الحجامة۔(رد المحتار، کتاب الطلاق، باب النفقة، ۳/ ۵۷۵، سعید)

(۴) واختلف فی الزوج والفتوی علی وجوب کفنها علیه۔(الدر المختار، کتاب الجنائز، ۲/ ۲۰۶، سعید)

(۵) حاشیہ نمبر ۵ اگلے صفحے کے حاشیہ نمبر ۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

شوہر بیوی کو تعلیم قرآن سے نہیں روک سکتا

(سوال) ایک نو مسلمہ عورت جو دین اسلام حاصل کرنے کی غرض سے ایمان لائی اس کا مسلمان خاوند جس نے اس کی تعلیم قرآن شریف کا مصمم عہد بھی کر لیا تھا اب تعلیم حاصل کرنے سے روکتا ہے اور اس کو اذیت بھی دیتا ہے اور تنبیہ بھی کرتا ہے تو شخص مذکور کو شریعت کیا حکم دیتی ہے اور جب کہ عورت مذکورہ کے متعلق یہ قوی اندیشہ ہے کہ اس کی منشاء کے خلاف کیا جاوے تو بہت ممکن ہے کہ وہ اسلام سے پھر جائے۔

المستفتی نمبر ۱۴۹۸ مولوی عبدالحق صاحب مدرس مدرسہ شمس العلوم۔ (ضلع مراد آباد)
۶ ربیع الثانی سن ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جون سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۰۰) تعلیم قرآن مجید سے روکنے کا خاوند کو حق نہیں۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شریر بیوی کو ساتھ رکھنے کی گنجائش ہے

(سوال) میں نے ایک شادی عرصہ ۲۵ سال ہوا جب کی تھی۔ اس عورت سے لولاد بھی پیدا ہوئی۔ بلکہ ایک لڑکا خدا کے فضل سے بعمر ۲۲ سال اب بھی موجود ہے مگر عورت مذکور میں دماغی طاقت بالکل نہیں ہے۔ نہ نیک وبد کی پہچان ہے۔ خاص طور سے گھر کی بربادی اور اپنا جسمانی نقصان خیال کر کے بدرجہ مجبوری میں نے ایک دیگر عورت سے نکاح کر لیا کیونکہ بغیر اس کے میری زندگی بیکار تھی۔ خیر میں نے نکاح کر کے پھر دو عورتوں کو علیحدہ علیحدہ رکھ دیا۔ مگر عورت سابقہ نے کچھ دن کے بعد کچھ لڑائی جھگڑا خود میرے ساتھ شروع کر دیا۔ میں دھولپور رہتا تھا وہاں اس قدر نوبت پہنچائی کہ باآواز بلند جھوٹا اتہام مجھ کو لگانا شروع کیا کہ میرا شوہر مجھ کو تلوار سے مارنا چاہتا ہے آخر کار یہ بات ہمسایوں کے کان میں پڑی اور پولیس تک کو معلوم ہوئی۔ میں بہ خوف گرفتاری وہاں سے دوسری عورت کو ساتھ لے کر جے پور گیا۔ تب اس نے دھولپور سے خط روانہ کئے اور خرچ طلب کیا۔ خیر میں نے خرچ بھی بھیجنا شروع کر دیا تو پھر اس نے لکھا کہ میں جے پور آنا چاہتی ہوں تو میں نے جے پور بھی بلوالیا اور یہاں پر بھی اس کو بہت آرام سے رکھا مگر کچھ دن رہنے کے بعد اس نے مجھ کو جھوٹا الزام لگانا شروع کر دیا ہے کہ میرا خاوند مجھ کو زہر دے کر مارنا چاہتا ہے۔ آخر کار پھر بدنامی کے ڈر سے بوجہ مجبوری میں نے اس کو اس کی والدہ کے پاس ریاست گوالیار میں بھیج دیا۔ اب آپ سے دست بستہ گزارش ہے کہ اب مجھ کو کیا کرنا چاہئے تاکہ مجھ کو مذہبی کسی قسم کا عذاب نہ ہو۔ میں نے ہر طرح سے کوشش کی اس کو سمجھانے کی اور اس کو اب بھی نان وپارچہ دینے کو تیار ہوں مگر اس کی خراب عادت کی وجہ سے پاس رکھنے سے مجبور ہوں۔

المستفتی نمبر ۲۰۳۰ اسماعیل لوہار (جے پور) ۱۲ رمضان سن ۱۳۵۶ھ م ۷ انومبر سن ۱۹۳۷ء

---

(۱) سئل فی یتیمة عمرها عشر سنوات لها عم یرید اخذها فهل له ذلك ولا خیار لها، الجواب نعم والحالة هذه، لا خیار للولد عندنا مطلقا ذکرا وانثی (الحامدیه، باب الحضانة، ۱ / ۶۲، قندهار افغانستان)

(۲) وان امتنع الزوج عن السئوال کان لها ان تخرج بغیر اذنه، لان طلب العلم فیما یحتاج الیه فرض علی کل مسلم ومسلمة فیقدم علی حق الزوج (الخانیة علی هامش الهندیة، فصل فی حقوق الزوجیة، ۱ / ۴۴۲، ماجدیة)

(جواب ۴۰۱) اگر وہ تہمتیں تراشتی ہے اور اس کے رویہ سے مرد کو تکلیف پہنچے بلکہ قید وبند کی مصیبت پیش آنے کا خطرہ ہے تو پھر وہ اس کو اپنے پاس نہ بلانے اور نہ رکھنے میں گنہگار نہ ہو گا۔(۱) ہاں بہتر یہ ہے کہ کچھ خرچہ بھیج دیا کرے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیوی والدین کے گھر سے آنے کو تیار نہیں تو کیا طلاق دینے میں کوئی حرج ہے؟

(سوال) ایک شخص عادل انصاف پسند اہل علم نے ایک بیوہ عورت سے نکاح کیا۔ بارہ سال تک عورت اس کے گھر میں آباد رہی۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ اس عورت نے اپنے بھائی اور بچوں سے ملنے کی خواہش کی۔ خاوند خود اپنے ساتھ لے گیا۔ وہاں پہنچ کر عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ میں بہت مدت کے بعد آئی ہوں اس لئے آپ چلے جائیں میں ایک ماہ یا ڈیڑھ ماہ کے بعد آجاؤں گی۔ اب ساڑھے چھ ماہ کا عرصہ ہو چکا شوہر نے متواتر کئی ایک خط تحریر کئے ہیں۔ وہاں سے کبھی تو جواب آتا ہے کہ اسی روپے روانہ کردو کبھی جواب آتا ہے کہ بیس روپے یا تیس روپے روزانہ کردو تو آجائے۔ دراصل اب اس کی آنے کی نیت نہیں۔ مجبور ہو کر خاوند نے شرعی طور پر استفتا کیا ہے اور خاوند کا یہ منشا نہیں کہ بلاوجہ طلاق دی جائے اور عورت اپنے پہلے بچوں کے پاس رہنا چاہتی ہے نکاح ثانی کے اس خاوند کے پاس جانے کی نیت نہیں۔ اس فیصلہ کی نسبت جو شرعاً حکم ہو صادر فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۰۴۰ حکیم محمد بخش صاحب جالندھری ۱۳ رمضان سن ۱۳۵۶ھ م ۱۸ نومبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۰۲) اگر عورت خاوند کے پاس رہنا نہیں چاہتی اور مرد اس کو اس وجہ سے طلاق دے دے تو اس میں مرد کے ذمہ کوئی مواخذہ اور گناہ نہیں ہے۔(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حاملہ عورت سے کب تک جماع درست ہے؟

(سوال) حاملہ عورت سے کس مدت تک شوہر جماع کر سکتا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۳۶۰ نبی احمد خاں۔ آگرہ۔

(جواب ۴۰۳) جب تک عورت کو تکلیف اور حمل کو نقصان نہ پہنچے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) بیوی کو والدین اور اقارب سے ملانے کے متعلق چند استفسارات
(۲) تعمیل حکم اور خدمت میں شوہر مقدم ہے یا باپ؟

(سوال) (۱) خالد بسلسلہ روزگار و معاش اپنے وطن سے بہت دور قیام پذیر ہے اور بیوی بچے بھی ساتھ رکھتا ہے چونکہ اس کی بیوی کے والدین اور قریبی رشتہ دار وطن میں رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں خالد پر شرعاً کس قدر عرصہ میں بیوی کو اس کے والدین سے ملادینا ضروری و لازمی ہے۔

(۲) ملادینے میں کچھ وقت اور دن کی تعداد شریعت میں ہے یا سال دو سال میں دو چار روز کے لئے بھی ملادینا کافی ہے۔

(۳) خالد کو اس صورت میں نہایت آرام و راحت ہے کہ جب اس کی بیوی کا ماں باپ سے یا ماں باپ کا بیٹی سے ملنے کو دل چاہے تو خالد آمدورفت کا خرچہ ان کو بھیج دے خسر خوش دامن دونوں یا ایک آجائیں اور جب تک دل چاہے قیام کریں اور پھر چلے جائیں۔ یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

نوٹ: اس صفحہ کا مکمل حاشیہ صفحہ نمبر ۲۳۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) دوسرے قریبی رشتہ دار ولواولوی، نانا نانی، چچا، پھوپی، خالہ، بہن، بھائی ان سب سے کس قدر عرصہ میں ملا دینا چاہئے اور یہ شرعاً ضروری ہے یا غیر ضروری امور میں سے ہے؟
(۵) بیوی پر شوہر کے کیا کیا حقوق ضروری ولازم ہیں؟
(۶) ایک کام شوہر بیوی کو بتلادے جب تک کہ وہ خلاف شرع نہ ہو اور ایک کام اسی قبل سے اسی وقت بیوی کا باپ اپنی لڑکی کو بتلادے تو بیوی کو کس کے حکم کی تعمیل ضروری ہے اور خدا اور رسول کی خوشنودی کس شق میں ہوگی؟
(۷) شوہر بیمار بیوی بھی بیمار اور دونوں خدمت کے محتاج۔ بیوی پر کس کی خدمت آیا شوہر کی یا باپ کی لازم ہوگی؟
المستفتی نمبر ۲۲۱۸ مولوی محمد جمیل کاٹھیاواڑ ۲۵ رجب سن ۱۳۵۷ھ م ۲۱ ستمبر سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۰۴) خاوند کے ذمہ یہ لازم نہیں کہ وہ بیوی بچوں کو بیوی کے ماں باپ ولواولوی سے ملانے کے لئے وطن پہنچائے (۵) البتہ سفر میں لے جانے کے وقت اگر کوئی وعدہ کیا تھا تو اس وعدہ کو پورا کرنا دیانۃً لازم ہے اور یہ بھی لازم نہیں کہ وہ بیوی کے ماں باپ کو بلانے کے لئے مصارف سفر ادا کرے۔ (۶) اگر دیدے تو اس کی یہ رواداری اور موجب اجر و نیکی ہے۔ بیوی پر شوہر کی اطاعت اور حفظ عصمت اور اس کے گھر کی حفاظت لازم ہے اگر باپ اور شوہر دونوں محتاج خدمت ہوں تو شوہر کی خدمت مقدم ہے(۸) جو کام کہ شوہر نے بتلایا ہے اگر وہ بیوی کے ذمہ لازم ہو تو بیوی کو اطاعت بھی لازم نہیں۔ (۹ - ۱۰ - ۱۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نماز جمعہ اور تعلیم قرآن کے لئے عورتوں کا گھروں سے نکلنا

(سوال) (۱) کیا عورت پر شوہر کی اطاعت واجب ہے؟ (۲) عورتوں کو نماز جمعہ کے لئے مسجد میں جانا جائز ہے یا نہیں؟ (۳) عورتوں کے لئے قرآن کی تعلیم اور اس کا ترجمہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ (۴) عورت کو کس جگہ نماز پڑھنی چاہئے؟ (۵) ترجمہ قرآن سیکھنے کے لئے عورت کو گھر سے باہر جانا درست ہے یا نہیں؟ (۶) جمعہ کی نماز کو

---

(۱) فعظوهن واهجروهن في المضاجع۔ (النساء ۳۴)
(۲) ولو هي في بيت ابيها اذا لم يطلبها الزوج بالنفقة به يفتى (الدر المختار) وفي الرد: ولوهي في بيت ابيها تعميم لقوله فتجب للزوجة، وهذا ظاهر الرواية، فتجب النفقة من حين العقد الصحيح وان لم تنقل الى منزل الزوج اذا لم يطلبها۔ (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، ۳: ۵۷۵، سعيد) (۳) سياتي ان الطلاق انه يستحب لومؤذية او تاركة صلاة، ويجب لو فاتة الا مساك بالمعروف۔ (رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ۳: ۵۰، سعيد)
(۴) ولو تضررت من كثرة جماعة لم تجز الزيادة على قدر طاقتها (الدر المختار) وفي الشامية: فعلم من هذا كله انه لا يحل له وطؤها بما يؤدي الى اضرارها۔ (رد المحتار، كتاب النكاح، باب القسم، ۳: ۲۰۳، سعيد)
(۵) لیکن بیوی کو اجازت دے سکتا ہے کہ وہ ملاقات کے لئے جائے اس کے لئے کوئی وقت متعین نہیں۔ ينبغي ان ياذن لها في زيارتهما في الحين بعد الحين على قدر متعارف۔ (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، ۳: ۶۰۲، سعيد)
(۶) واوفوا بالعهد۔ (بنی اسرائیل ۳۴) ۔ عن حكيم بن معاوية القشيري عن ابيه قال: قلت يا رسول الله ماحق زوجة احدنا عليه قال ان تطعمها اذا طعمت وتكسوها اذا اكتسيت، الحديث۔ (سنن ابی داود، باب فی حق المرأة على زوجها، ۱: ۲۹۱، امدادیہ)
(۸) قال عليه السلام: لو كنت آمر ان يسجد احد لاحد لامرت النساء ان يسجدن لازواجهن لما جعل الله لهم عليهن من الحق۔ (ایضاً) (۹) فالصالحات قانتات حافظات للغيب۔ (النساء ۳۴)
وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فاتقوا الله في النساء، فانكم اخذتموهن بامان الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله ولكم عليهن ان لا يوطئن فرشكم احدا تكرهونه الحديث۔ (صحیح مسلم، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۱: ۳۹۷، قدیمی)
(۱۰) عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته والامير راع والرجل راع على اهل بيته والمرأة راعية على بيت زوجها وولده فكلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب المرأة راعية في بيت زوجها، ۲: ۷۸۳، قديمي) (۱۱) قال عليه السلام: لو كنت آمر ان يسجد احد لاحد لامرت النساء ان يسجدن لازواجهن لما جعل الله لهم عليهن من الحق (سنن ابي داود، باب في حق المرأة على زوجها، ۱: ۲۹۸، امداديه)

جانے سے شوہر عورت کو روک سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۵۷۵ مستری نور محمد (سیالکوٹ) ۲۶ ربیع الثانی سن ۱۳۵۶ھ م ۶ جولائی سن ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٠٥) (۱) ہاں عورت پر شوہر کی اطاعت امور جائزہ میں واجب ہے۔(۱) کسی ناجائز حکم کی اطاعت جائز نہیں (۲) (۲) عورتوں کو نماز جمعہ کے لئے مسجد میں جانانہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت۔ صرف مباح تھا اور وہ بھی عدم غلبہ فساد کی وجہ سے حضور ﷺ کے زمانے تک لیکن صحابہ اپنے زمانے میں ہی عورتوں کو نماز کے لئے مسجد میں آنے سے منع فرمانے لگے تھے۔(۳) (۳) عورتوں کو بقدر ضرورت قرآن مجید کا ترجمہ سیکھنا لازم ہے۔(۴) (۴) عورت کی نماز گھر میں افضل ہے۔(۵) (۵) ترجمہ قرآن مجید پڑھنے کے لئے عورت گھر سے باہر جانا چاہے اور کوئی بے پردگی اور فتنہ کا خوف نہ ہو تو شوہر کو روکنا نہیں چاہئے۔(۶) اور فتنہ کا خوف ہو تو روکنے کا حق ہے۔(۷) (۶) جمعہ کی نماز سے عورت کو روکنے کا یہی حکم ہے جو نمبر ۵ میں لکھا گیا۔ اور باوجود شوہر کی ممانعت کے چلی جائے تو ثواب کی مستحق نہ ہو گی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیٹے پر باپ کے حقوق

(سوال) باپ کے حقوق کیا ہیں فرزند پر۔ یہاں لوگ اپنے فرزندوں سے چرائی کا کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں فرزندوں پر ہمارا حق ہے۔ علم سے محروم کر رہے ہیں۔ عورت مرد کے کیا حقوق ہیں۔ یہاں لوگ عورتوں سے پانی لکڑی ڈھونا پردہ نہ دینا اور علم سے محروم نماز روزہ سے سستی کراتے ہیں۔ کہتے ہیں ہم عورتوں کو نفقہ دیتے ہیں یہ کام لینا ہمارا حق ہے۔ المستفتی نمبر ۱۶۵۱ حاجی با دمقام لہمرزیرین ڈاکخانہ یار خاں۔ ضلع لورالائی (بلوچستان)

۲۴ جمادی الاولیٰ سن ۱۳۵۶ھ م ۲ اگست سن ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٠٦) باپ کو فرزند کے مال میں فرزند کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں۔ ہاں کسی سخت حاجت کے وقت بقدر حاجت فرزند کا مال خرچ کر لے تو مضائقہ نہیں۔(۸) عورت سے زبردستی پانی بھروانا لکڑیاں منگوانا بھی

---

(۱) عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : المرأة اذا صلت خمسها وصامت شهرها واحصنت فرجها واطاعت بعلها فلتدخل من ای ابواب الجنة شاءت رواہ ابو نعیم فی الحلیة۔ (مشکوٰۃ المصابیح ، کتاب النکاح، باب عشرۃ النساء ، الفصل الثانی ، ۲ / ۲۸۱ ، سعید)

(۲) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم : السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما احب وکرہ مالم یومر بمعصیة فان امر بمعصیة فلا سمع علیه ولا طاعة۔ (جامع الترمذی، ابواب الجهاد، باب ماجاء لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق، ۱ / ۳۰۰ ، سعید)

(۳) عن عائشة قالت : لو ادرك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنی اسرائیل فقلت لعمرة او منعهن ، قالت : نعم۔ (صحیح البخاری ، کتاب الاذان، باب خروج النساء بالليل، ۱ / ۱۲۰ ، قدیمی)

(۴) شاید بقدر ضرورت سے وہ آیات مراد ہیں جو احکام پر مشتمل ہیں ، ان احکام کا علم ہر مکلف پر لازم ہے۔ طلب العلم فريضة بقدر ما يحتاج اليه لامر لا بد به من احكام الوضوء والصلوة وسائر الشرائع ولامور معاشه وما وراء ذلك ليس بفرض ۔ (الهندية ، كتاب الكراهية ، باب تعليم ، ص ۱۷۳)

(۵) عن عبداللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : صلوة المراة فی بیتها افضل من صلوتها فی حجرتها وصلوتها فی مخدعها افضل من صلوتها فی بیتها۔ (سنن ابی داؤد ، کتاب الصلوة، باب التشدید فی ذلك ۱ / ۸۴ ، سعید)

(۶) ولو لم تقع لها نازلة وارادت الخروج لتعلم مسائل الوضوء والصلوة ان كان الزوج يحفظ ذلك ويعلمها له منعها والا فالاولى ان ياذن لها (رد المحتار ، كتاب الطلاق ، باب النفقة ، ۳ / ۶۰۲ ، سعید)

(۷) او حیث ابحنا لها الخروج فانما يباح بشرط عدم الزينة وتغير الهيئة الى مالايكون داعية لنظر الرجال والاستمالة ، ايضاً ۔

(۸) للفقير ان يسرق من ابنه الموسر ما يكفيه اذا ابى ولا قاضی ثمه والا اثم۔ (الدر المختار ، كتاب الطلاق ، باب النفقة ، ۳ / ۶۲۲ ، سعید)

جائز نہیں۔(۱) اولاد کو یا عورت کو علم سے محروم کرنا بھی ناجائز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیوی کا شب باشی سے انکار سخت گناہ ہے

(سوال) ماہ دسمبر ایک شب کو خمرو اپنی زوجہ رشیدہ سے خواہش مند مواصلت کا ہوتا ہے۔ رشیدہ یہ کہہ کر انکاری ہوتی ہے کہ تم تو مجھ کو روز کے روز ستاتے ہو۔ میں آج ہی تو نہائی ہوں۔ میری صبح کی نماز قضا ہو جائے گی۔ سردی میں مجھ سے سویرے نہیں نہایا جاتا۔ جاؤ تم آوارہ عورتوں کے ساتھ خراب ہو میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔ چنانچہ خمرو عاجز ہو کر اپنے بستر پر سو رہتا ہے۔ رشیدہ اس کہنے سے گنہگار ہوئی یا نہیں ؟ اور اگر خمرو رشیدہ کے اس فعل سے ناراض ہو کر مرتکب حرام ہو تو اس کی ذمہ داری رشیدہ پر ہے یا نہیں ؟

(جواب ٤٠٧) اگرچہ خاوند کے لئے بھی مناسب ہے کہ زوجہ کی صحت اور موسم کی شدت اور غسل کے وقت کا لحاظ رکھے۔ تاہم زوجہ کا انکار بغیر کسی سخت مجبوری کے جائز نہیں۔ اگر فی الحقیقت نماز فجر سے پہلے غسل کرنے میں کوئی شرعی عذر ہو تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ سکتی تھی۔(۳)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو عورت خاوند کی ناراضی میں رات گزارے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔(۴) اور رشیدہ کے یہ الفاظ کہ "جاؤ تم آوارہ عورتوں کے ساتھ خراب ہو" سخت گناہ کے الفاظ ہیں۔(۵) رشیدہ کو توبہ کرنی چاہئے۔ لیکن اگر ان الفاظ سے متاثر ہو کر خاوند حرام کاری کا مرتکب ہو تو اس کی ذمہ داری رشیدہ پر نہ ہوگی۔ بلکہ خاوند اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہوگا۔(۶) محمد کفایت اللہ غفرلہ،

خاوند کی اجازت کے بغیر اس کا روپیہ صرف کرنا اور خاوند کے ساتھ تکرار اور ناشائستہ الفاظ بولنا جائز نہیں۔

(الجمعیۃ مورخہ ۲ فروری سن ۱۹۲۷ء)

(سوال)(۱) خاوند کے منع کرنے کے باوجود اس کی زوجہ خاوند کا روپیہ اپنی والدہ وغیرہ کو دے دیتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ سب عورتیں ایسا ہی کرتی ہیں۔ (۲) زوجہ مذکورہ بالا امر میں حجت و تکرار کرتی ہے اور خاوند کو دق کرتی ہے جس سے وہ ناراض رہتا ہے۔ الفاظ ناشائستہ بھی بولتی ہے۔ (۳) وہ سمجھتی ہے کہ مجھ پر ماں کا حق ہے۔ ماں کے پیر تلے جنت ہے۔ (۴) انہیں حالات میں وہ تکرار کر کے ایک روز شوہر کے گھر سے بغیر اجازت شوہر اپنی ماں کے گھر چلی گئی بعد میں آگئی۔ (۵) مذکورہ بالا حالات میں عورت گنہگار ہے یا نہیں اور اب تلافی کی کیا صورت ہے ؟

---

(۱) وان قالت لا اطبخ واخبز قال فی الكتاب لا تجب عليها الطبخ والخبز وعليه من الماء ما تغتسل به ثيابها وبدنها من الوسخ۔ (الہندیۃ، باب النفقۃ ۱/ ۵۴۹، ماجدیہ)

(۲) کیونکہ ضروری مسائل کا علم ہر مسلمان مرد، عورت پر فرض ہے، جیسا کہ حاشیہ ۲۳۶ نمبر ۲ میں ابھی گزر چکا ہے، اور فرض سے روکنا جائز نہیں۔

(۳) التيمم لمحدث و جنب وحائض ونفساء لم يقدر على الماء اى على ماء يكفى لطهارته ... او لمرض لا يقدر معه على استعمال الماء او ان استعمل اشتد مرضه حتى لا يشترط خوف التلف۔ (شرح الوقایۃ، کتاب الطہارۃ، باب التیمم ۱/ ۸۸۔۸۹، سعید)

(۴) عن ابى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال : اذا دعا الرجل امرأ ة الى فراشه فابت ان تجئى لعنتها الملائكة حتى تصبح۔ (صحيح البخارى ، باب اذا ابت المرأ ة مهاجرةً فراش زوجها ، ۲/ ۷۸۲، قديمى)

(۵) عن عبدالله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله كفر، (صحیح البخاری، باب ما ینہی عن السباب واللعن ۲/ ۸۹۳، قدیمی) (۶) ولا تزر وازرة وزر اخرى۔ (الفاطر : ۱۸)

(جواب ۴۰۸)(۱)جو روپیہ اور سامان کہ خاوند نے عورت کو اس غرض سے دیا ہے کہ وہ گھر میں خرچ کرے اور خاوند نے عورت کی تملیک نہیں کی اس میں سے عورت کو بغیر اجازت خاوند کے خیرات کرنا بھی جائز نہیں۔ اپنے ماں باپ بھائی کو دے دینا تو کسی طرح مباح نہیں۔(۱) اگر عورت ایسا کرے گی تو یہ دیا ہوا روپیہ اس کے ذمہ رہے گا اور مواخذہ دار رہے گی۔(۲) ہاں اجازت کے لئے ضروری نہیں کہ صریحی ہو بلکہ یہ بھی کافی ہے کہ خاوند کو علم ہو اور وہ منع نہ کرے۔(۳) اور تملیک کے بعد پھر اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ (۲) جب کہ خاوند اس کے اس فعل سے ناراض ہوتا ہے تو عورت کو ہر گز جائز نہیں کہ وہ اس کا مال بغیر اس کی اجازت کے خرچ کر کے اسے ناراض کرے اور الفاظ ناشائستہ بولنا تو اور بھی برا ہے۔(۴) (۳) بے شک ماں کا حق ہے اور ماں باپ کی خدمت اور ان کی رضا جنت کا دروازہ ہے لیکن خاوند کی اطاعت زوجہ پر مقدم ہے۔(۵) خاوند کو راضی رکھ کر ماں باپ کی خدمت کرے۔ (۴) بلا اجازت خاوند کے بغیر کسی حاجت کے جانا جائز نہیں ہے۔(۶) (۵) جو باتیں کہ خاوند کے حق کے خلاف ہو چکی ہیں ان کی معافی طلب کرے اور آئندہ کے لئے ان کے ارتکاب سے احتراز کرے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ،

شادی کے بعد عورت کا انکار معتبر نہیں

(سوال) زید اپنی بی بی کا عاشق ہے۔ اپنی بی بی کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ مر جانا پسند کرتا ہے مگر اس کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اور زوجہ شوہر کے پاس رہنا نہیں چاہتی اور اس کے والدین بھی بھیجنا نہیں چاہتے۔ مگر عقد اور رخصتی ہو چکی ہے اور کچھ عرصے تک وہ زید کے پاس رہ چکی ہے۔

(جواب ۴۰۹) جب نکاح اور خلوت و صحبت ہو چکی ہے تو اب بلاوجہ عورت جدائی کا مطالبہ کرنے میں اور اس کے والدین اس کی حمایت کرنے میں حق بجانب نہیں ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو عورت بغیر کسی وجہ کے خاوند سے خلع چاہے وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گی۔(۷) پس زوجہ کو لازم ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ نباہ کرے اور خواہ مخواہ جدائی کا مطالبہ نہ کرے۔ اور مرد کو بلاوجہ طلاق دینا ضروری نہیں ہے۔(۸) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

بیوی شوہر کے ہاں نہیں آتی تو کیا وہ جہیز اور مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے؟

(سوال) زید کا نکاح ایک نابالغہ لڑکی سے پانچ سال پیشتر ہوا۔ بعد نکاح دلہن صرف نو روز دولہا کے گھر رہی۔ دوسری مرتبہ پھر دولہا کے گھر میں ہفتہ عشرہ رہ کر میکے چلی گئی تب سے آج تک دولہا کے گھر نہیں آئی۔ کئی مرتبہ دولہا

---

(۱) ولیس لها ان تعطی شیاء من بیته بغیر اذنه۔ (الثالية على هامش الهندية، كتاب النكاح، فصل في حقوق الزوجية، ۳۴۳، ماجدية)
(۲) ولا يجوز لا حد ان يتصرف في ملك الغير بغير اذنه۔ (قواعد الفقه، رقم القاعدة ۲۶۹، ص: ۱۱۰، امدادیہ)
(۳) والا ذن عام سواء كان صراحة او دلالة۔ (ایضاً)
(۴) عام مسلمان کو برا بھلا کہنا گناہ ہے اور خاوند کی اطاعت تو بیوی پر ضروری ہے، لہذا خاوند کے لئے ناشائستہ الفاظ استعمال کرنا تو مزید گناہ کا باعث ہے۔ عن عبدالله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سباب المسلم فسوق و قتاله كفر۔ (صحیح البخاری، باب ماینهی عن السباب واللعن ۸۹۳/۲)
(۵) عن ابی هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لو كنت آمر احداً ان يسجد لا حد لا مرت المراء ة ان تسجد لزوجها (جامع الترمذي، كتاب النكاح باب ماجاء في حق الزوج على المراء ة، ۲۱۹/۱، سعید)
(۶) وليس لها ان تخرج بلا اذنه اصلاً۔ (رد المحتار، كتاب النكاح باب المهر، ۱۴۶/۳، سعید)
(۷) عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ايما امرأة سالت زوجها طلاقا في غير مابأس فحرام عليها رائحة الجنة (سنن ابی داود، کتاب الطلاق باب الخلع، ۳۰۳/۱، سعید)
(۸) فان اطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلاً۔ (النساء: ۳۴)

نے جاکر دلہن کو بلایا نہیں آئی۔ اس کے باپ نے دولہا کے سامنے دلہن کو گوشہ کرار کھا تھا۔ یہاں تک کہ دولہا کے باپ کے سامنے بھی گوشہ کرادیا تھا۔ قریب ایک سال کے ہوالو لہن کے باپ نے خط لکھا کہ دلہن بالغ ہو گئی ہے اب تم آکر لے جاسکتے ہو۔ اس کے بموجب دولہا اور اقرباء وغیرہ دلہن کے یہاں گئے تو ضیافت وغیرہ دھوم دھام سے ہوئی اور تمام رات خوشی میں گراموفون وغیرہ کے گانے ہوتے رہے۔ صبح کو دولہا والوں نے دلہن کی رخصتی چاہی تو بلا قصہ و فساد روانہ کرنے سے انکار کر دیا۔ دولہا اور اس کے اقرباء سب مایوس واپس گئے۔ بعد چند دن کے دولہا نے مجبوراً دوسرا نکاح کر لیا۔ اس خبر کو سن کر دلہن کے باپ نے عدالت میں دولہا کے نام پر دعوئ مہر اور جہیز کے لئے کرر کھا ہے۔

(جواب ۴۱۰) دلہن کی طرف سے بلاوجہ خاوند کے یہاں جانے سے انکار کرنا صریح طور پر زیادتی ہے۔ مہر اگر معجّل قرار پایا تھا تو لہن کو طلب کرنے کا حق ہے۔(۱) اور دولہا کو یہ حق ہے کہ وہ دلہن کو اپنے گھر لے جائے۔(۲) جہیز تو لہن کی ملکیت ہے جہاں چاہے رکھے اور جب چاہے طلب کرے۔(۳) مہر اگر معجّل نہیں تھا بلکہ مؤجل تھا تو دلہن کو طلب کرنے کا حق نہیں جب تک کہ طے شدہ اجل (مدت) پوری نہ ہو جائے۔(۴) اور خاوند کو ہر وقت حق ہے کہ دلہن کو اپنے گھر لے آئے۔(۵)

فقط واللہ اعلم محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ، مدرسہ امینیہ دہلی

بیوی پر زنا کا شک ہونے کی وجہ سے کیا شوہر اس کو حلف دے سکتا ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ مارچ سن ۱۹۳۲ء)

(سوال) ایک شخص کو اپنی بی بی پر شک ہے کہ کسی غیر شخص سے زنا کیا ہے۔ مرد چاہتا ہے کہ بی بی کو حلف دے۔ بی بی حلف لینے کے لئے تیار ہے۔ مرد کا شک بغیر حلف کے دور نہیں ہو سکتا۔ کیا حلف دینا درست ہے؟

(جواب ۴۱۱) اس صورت میں مرد کو اپنے اطمینان کے لئے بی بی سے حلف لے لینے کا مضائقہ نہیں۔ قضاءً بی بی پر حلف لازم نہ ہونا دوسری بات ہے۔ ہاں مرد کو یہ لازم ہے کہ اگر بی بی حلف سے انکار کر دے تو محض اس وجہ سے اس پر ملوث بالزنا ہونے کا یقین نہ کرے۔(۶)

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

---

(۱) ولها منعه من الوطء..... والسفر بها ولو بعد وطء وخلوة رضيتهما... لاخذ ما بين تعجيله من المهر كله او بعضه (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، ۳/ ۱۴۴ ۱۴۵، سعيد)

(۲) وللزوج ان يسكنها حيث احب ولكن بين جيران صالحين (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، ۳/ ۶۰۲، سعيد)

(۳) قال في الولوالجية: اذا جهز الاب ابنته ثم مات وبقية الورثة يطلبون القسمة منها، فان كان الاب اشترى وسلم اليها ذلك في صحته فلا سبيل لورثته عليه ويكون للابنة خاصة (تنقيح الحامدية، مسائل الجهاز، ۱/ ۲۶، قندهار)

(۴) لا خلاف لا حد ان تاجيل المهر الى غاية معلومة نحو شهر اوسنة صحيح (الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، ۱/ ۳۱۸، ماجدية)

(۵) واذا كان المهر مؤجلاً اجلاً معلوماً فحل الاجل ليس لها ان تمنع نفسها (ايضاً) وقال تعالى: اسكنوهن من حيث سكنتم (الطلاق: ۶)

(۶) وان الظن لا يغني من الحق شيئاً (النجم: ۲۸)
وقال تعالى في مقام اخر: لولا جاؤوا عليه باربعة شهداء فاذ لم ياتوا بالشهداء فاولئك عند الله هم الكاذبون (النور: ۱۳)
عن عمر بن الخطاب قال ان الله بعث محمداً بالحق وانزل عليه الكتاب ... الا وان الرجم على من زنى اذا احصن وقامت البينة او كان حمل اوالاعتراف (جامع الترمذي، كتاب الحدود، باب ماجاء في تحقيق الرجم، ۱/ ۲۶۴، سعيد)

پندرھواں باب:

حقوق والدین واولاد

والدین کا نفقہ اولاد پر اس کی حیثیت کے موافق واجب ہے

(سوال) ایک بیوہ عورت کے چار بیٹے ہیں۔ ایک نابالغ اور تین بالغ۔ بالغوں میں سے دو لڑکے بہت غریب ہیں مشکل سے تین تین آنے روز کی مزدوری کرتے ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک تو اکثر بواسیر کے مرض میں مبتلا رہتا ہے۔ بہر حال یہ دونوں بہت غریب ہیں۔ تیسرا لڑکا خوش حال ہے پچیس روپے ماہوار کا سرکاری ملازم ہے اور بھی بچھیتوں کو پڑھالیتا ہے۔ اس کو مہینہ میں معقول یافت ہوتی ہے۔ وہ دونوں غریب لڑکے اپنی بیوہ ماں اور نابالغ بھائی کو دو روپے ماہوار نفقہ کے لئے دیتے ہیں اور ہاتھ پاؤں سے اکثر خدمت کرتے ہیں۔ اب گزارش ہے کہ تیسرا لڑکا جو خوش حال ہے اس پر بھائی نابالغ اور والدہ کا کیا حق ہے۔ ان دونوں غریبوں کے برابر ہی حق ہے یا کچھ زائد ؟

(جواب ۴۱۲) اگر وہ دونوں مالک نصاب نہیں ہیں یعنی ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کا مال ان کی ملک میں نہیں ہے اور تیسرا اتنے مال کا مالک ہے تو والدہ اور چھوٹے بھائی کا نفقہ صرف تیسرے کے ذمہ واجب ہے۔ اور اگر یہ دونوں بھی مالک نصاب ہوں تو پھر تینوں کے ذمہ واجب ہے۔ لیکن چونکہ ان کی آمدنی میں تفاوت فاحش ہے اس لئے ان دو غریبوں پر ان کی حیثیت کے موافق اور تیسرے مالدار پر اس کی حیثیت کے موافق واجب ہوگا۔ وان كان للفقير ابنان احدهما فائق فى الغنى والأخر يملك نصابا كانت النفقة عليهما على السواء (عالمگیری) (۱) قال الا مام شمس الا ئمة قال مشائخنا رحمهم الله تعالىٰ انماتكون النفقة عليهما على السواء اذا تفاوتا فى اليسار تفاوتا يسيرا واما اذا تفاوتا تفاوتا فاحشا فيجب ان يتفاوتا فى قدر النفقة انتهى (عالمگیری) (۲)

محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ سنہری مسجد دہلی

بہن کے حقوق کی نوعیت

(سوال) بہن کے حقوق فرض ہیں یا واجب یا سنت ؟

(جواب ۴۱۳) حقوق ہمشیرہ سے اگر باپ کے ترکہ میں سے بہن کا حق میراث مراد ہے تو اس کا ادا کرنا فرض ہے۔ جو نہ دے گا فاسق ہوگا۔ اور اگر یہ مراد ہو کہ بہن مسکین ہو اور اس کو ضرورت ہو تو اس صورت میں اس کی مدد کرنا واجب ہے۔ وتجب نفقة الاناث الكبار من ذوى الا رحام وان كن صحيحات البدن اذاكان بهن حاجة الى النفقة كذافى الذخيره۔ (ھندیہ) (۳) لیکن اگر اس کو ضرورت نہ ہو تو اس کا نفقہ واجب نہیں تاہم اس کے ساتھ سلوک کرتے رہنا ایک اچھا کام اور موجب اجر ہے۔ (۴) شریعت مقدسہ میں صلہ رحمی کی بہت تعریف آئی ہے۔ (۵)

(۱) الهندية ، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر ،۱ ۵٦۵، ماجدیہ۔ (۲) ایضاً

(۳) الهندية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر ، الفصل الخامس فى نفقة ذى الارحام ،۱ /٥٦٦، ماجدیہ

(۴) عن ابى سعيد الخدرى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : لا يكون لا حد كم ثلاث بنات او ثلاث اخوات او ابنتان او اختان فاحسن صحبتهن واتقى الله فيهن فله الجنة ۔ (جامع الترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فى النفقة على البنات، ۲ / ۱۳، سعید)

(۵) عن ابى سلمة..... فقال عبدالرحمن : سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : قال الله تبارك وتعالى : انا الرحمن ، خلقت الرحم وشققت لها اسمى فمن وصلها وصلته ومن قطعها قطعته۔ (جامع الترمذی، ابواب البر، والصلة، ۲ / ۱۲، سعید)

بیٹے کی شادی میں اپنی مرضی سے خرچ کی ہوئی رقم کا مطالبہ باپ نہیں کر سکتا۔

(سوال) زید نے اپنی حسب خواہش اور دستور زمانہ کے موافق بغیر رائے لڑکے لڑکی کے خرچ کر کے شادی کرائی۔ مذکور شادی کا خرچ لڑکے اور لڑکی سے لیا جائے یا نہیں ؟

(جواب ٤١٤) باپ نے جو روپیہ اپنی مرضی سے لڑکے اور لڑکی کی شادی میں خرچ کر دیا وہ لڑکے اور لڑکی سے وصول نہیں کر سکتا۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، مدرسہ امینیہ دہلی

کیا باپ بیٹے کی جائیداد پر قبضہ کر سکتا ہے ؟

(سوال) زید کا باپ ایک دوسری شادی کرتا ہے اور اپنی جائداد فروخت کرنے کے بعد زید کی پیدا کردہ جائداد قیمتی چھ ہزار قابض ہو کر اپنی دوسری بیوی اور اس کی اولاد پر تقسیم کرتا ہے اور اسی جائداد میں سے مبلغ دو ہزار روپے کا مہر بیوی کا دینا چاہتا ہے۔ اور زید کو جس نے کہ یہ جائداد پیدا کی ہے محروم کرنا چاہتا ہے درانحالیکہ یہ جائداد زید کی ذاتی آمدنی کے روپے سے خرید کردہ ہے جو کہ زید کے ایک مہاجن کے مشترک کاروبار کے منافع سے حاصل ہوا تھا۔ زید کے پاس ثبوت ملکیت موجود ہے اگرچہ حقوق والدین کے اولاد پر بہت ہیں لیکن زید کے بھی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور بیوی ہے جن کے حقوق ابھی تک کچھ ادا نہیں ہوئے۔

المستفتی نمبر ۱۲۵ محمد یار خاں جے پور۔ یکم شعبان المعظم سن ۱۳۵۲ھ م ۲۰ نومبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ٤١٥) زید کے باپ کی یہ کارروائی قطعاً ناجائز ہے کہ زید کی مملوکہ جائداد پر اس طرح تصرف کرے(۲) زید کو حق ہے کہ وہ اپنی جائداد کو اپنے والد کے اس بیجا تصرف سے محفوظ رکھنے کے لئے کارروائی کرے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ،

عدالت از خود نکاح فسخ نہیں کر سکتی

(سوال) اگر کسی کا والد ناراض ہو اس وجہ سے کہ اس کا لڑکا اپنے خسرو خوش دامن کے خلاف ہے اور وہ اپنی بیوی کو میکے اس وجہ سے نہیں بھیجتا ہو کہ وہ لوگ یعنی لڑکی کے ماں باپ دوسری جگہ بغیر طلاق لئے ہوئے شادی نہ کر دیں۔ کیونکہ ایک مرتبہ ان لوگوں نے جبر آ کیا تھا۔ اور لڑکے کا والد بھی اس بات کا قائل ہے کہ واقعی ان لوگوں نے حد سے زیادہ میرے لڑکے پر ظلم کیا مگر پھر بھی لڑکے کو دبایا جاتا ہے اور دھمکی دی جاتی ہے کہ میں طلاق دلوادوں گا۔ لڑکے میں کوئی عیب بھی نہیں بلکہ حافظ بھی ہے۔ اس وجہ سے لڑکا والد کے خلاف ہے۔ اگر والد لڑکے کو عاق کر دے یا صرف ناراض ہے تو کیا اس کی بخشش نہیں ہو سکتی ؟ اور حنفی فرقے کے میاں بیوی ہیں اور لڑکا کوئی تکلیف نہیں دیتا ہے اس میں عیب ہے تو صرف اتنا ہے کہ نہ وہ بیوی کو میکے بھیجتا ہے نہ اس کے ماں باپ کے سامنے نکلنے دیتا ہے وہ بھی اس وجہ سے کہ اسے اندیشہ ہے تو کیا اس صورت میں لڑکی کے والدین عدالت سے طلاق لے سکتے ہیں۔ اگر مرد طلاق نہ دے

---

۱)لارجوع فیما تبرع عن الغیر قواعد الفقہ ، رقم القاعدہ : ۲۵۱،
۲)یا یها الذین امنو ا لا تا کلوا اموالکم بینکم بالباطل (النساء : ۲۹)
۳)عن عمر بن نفیل عن النبی صلی الله علیه وسلم قال : من قتل دون ماله فهو شهید (جامع الترمذی، ابواب الدیات ، باب ماجاء من قتل دون ماله فهو شهید، ۱/ ۲۶۱،سعید)

توکیا عدالت اپنے آپ نکاح حنفی مذہب والے کا فسخ کر سکتی ہے ؟

المستفتی نمبر ۸۷۵ حافظ ثناء اللہ خاں (ضلع جالون) ۲۵ محرم سن ۱۳۵۵ھ م ۱۸ اپریل سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۱۶) والد اگر اولاد سے ناراض ہو اور ناراضی کی وجہ معقول ہو تو بیشک اولاد سے مواخذہ ہوگا۔(۱) اور اگر وجہ معقول نہ ہو تو پھر اولاد سے مواخذہ نہیں ہوتا۔(۲) شوہر کو یہ حق نہیں کہ وہ بیوی کو اس کے والدین سے نہ ملنے دے ۔(۳) اگر اس کو اندیشہ ہو کہ وہ اس کا نکاح کہیں کر دیں گے تو اس کی روک تھام کر لے ضمانت وغیرہ کرا دے۔ اگرچہ بیوی کو روکنا اور اس کے ماں باپ سے نہ ملنے دینا ناجائز ہے مگر اس وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہو سکتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ،

اولاد کے درمیان ہبہ اور عطیہ میں مساوات لازم ہے

(سوال) ایک باپ کے تین بیٹے ہیں۔ باپ نے اپنی زندگی میں دو بیٹوں کی شادی کر دی جن پر کافی مال خرچ کیا۔ اب باپ کے پاس بغیر گھر کے اور کوئی مال اور جائداد نہیں۔ چنانچہ باپ نے اپنی زندگی میں اپنا تمام گھر تیسرے بیٹے کے نام جس کی شادی ابھی تک باپ نے نہیں کی تمام سرکاری کاغذات پر درج کر دیا۔ اور شادی شدہ دونوں بیٹوں کو میراث سے محروم کر دیا۔ کچھ مدت کے بعد باپ مر گیا۔ لہذا دونوں شادی شدہ بیٹوں کا حصہ ہے یا نہیں ؟

(جواب ۴۱۷) اولاد میں عطیہ کی مساوات لازم ہے۔(۴) جس قدر مال اس نے دو بیٹوں کو بطور تملیک دیا ہو اتنی قدر اس بیٹے کو بھی دے سکتا تھا۔ شادی کے فضول مصارف عطیہ نہیں ہیں اور نہ ان کا شرعاً اعتبار ہے۔ پس اگر یہ مکان جس قیمت کا ہے اس قیمت کا مال دونوں بیٹوں کو بھی دیا تھا تو یہ فعل جائز ہوا۔ اور اگر ہبہ مع القبض ہو چکا تھا تو اب دونوں بیٹے اس میں سے نہیں لے سکتے۔(۵) اور اگر اس مکان کی قیمت ان بیٹوں کے عطیات سے زیادہ تھی تو باپ اس ناانصافی کا گنہگار ہوا۔(۶)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۔

نافرمان اولاد سے قطع تعلق کرنا کیسا ہے ؟

(سوال) کوئی اولاد اپنے والدین کی ۔ فرمانی کرے اور اس نافرمانی کے اندر والدین کو اذیت پہنچے اور خدا کا کلام پڑھنے پڑھانے ، بیوی بچوں کو پڑھنے پڑھانے میں روگردانی کرے ، باتوں میں والدین کے ساتھ گستاخی کرتا ہو ، زبانی اقرار

---

(۱) عن عبدالرحمن بن ابی بکرة عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : الا انبئکم باکبر الکبائر ، قلنا: بلی یارسول الله ، قال : الا شراك بالله وعقوق الوالدین و کان متکئا فجلس فقال : الا وقول الزور و شهادة الزور مرتین فما زال یقولها حتی قلت لا یسکت۔(صحیح البخاری ، کتاب الادب باب عقوق الوالدین ، ۲ / ۸۸۴ ، قدیمی)

(۲) معقول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ غیر شرعی ہو اور غیر شرعی امور میں اطاعت جائز نہیں ، لہذا ایسی صورت میں اولاد پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ۔ السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما احب واکره مالم یؤمر بمعصیة فان امر بمعصیة فلا سمع و الطاعة (جامع الترمذی ، ابواب الجهاد ، باب ماجاء لا طاعة المخلوق فی معصیة الخالق ، ۱ / ۳۰۰ ، سعید)

(۳) ولا یمنعها من الخروج الی الوالدین (الدر المختار) وفی الشامیة : و لا ینبغی ان یاذن لها فی زیارتهما فی الحین بعد الحین علی قدر متعارف۔(رد المحتار ، کتاب الطلاق باب النفقة ، ۳ / ۶۰۲ ، سعید)

(۴) قال محمد رحمة الله علیه وبهذا کله ناخذه ، ینبغی للرجل ان یسوی بین اولاده فی النحلة و لا یفضل بعضهم علی بعض ۔ (الموطا للامام محمد ، ۱ / ۳۴۸ ، میر محمد)

(۵) وشرائط صحتها فی الموهوب ان یکون مقبوضاً۔(الدر المختار ، کتاب الهبة ، ۵ / ۶۸۸ ، سعید)

(۶) وفی الخانیة لا باس بتفضیل بعض الا ولاد فی المحبة ، لانها عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد به الا ضرار ، وان قصد فسوی بینهم یعطی البنت کالا بن عند الثانی وعلیه الفتوی ، ولو وهب فی صحة کل المال للولد جازوا ثم۔(الدر المختار ، کتاب الهبة ، ۵ / ۶۹۶ ، سعید)

سے قرآن وحدیث کا قائل ہو مگر فعل اور روش سے مخالف ہو، والدین نیک باتوں کی ہدایت کرتے ہوں اور وہ الٹا سمجھ کر دل میں تعصب رکھ کر بدلہ لینے پر تیار ہو۔ بات چیت ایسے کرتا ہو کہ کفر عائد ہو جائے تو ایسی اولاد کے ساتھ نشست وبر خاست، خورونوش بائی کاٹ کر دینا والدین کی طرف سے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۸۱۷ انور محمد بازار توپ خانہ چھاؤنی لکھنوء ۲۲ رجب سن ۱۳۵۶ھ م ۲۸ ستمبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۱۸) ہاں نافرمان اولاد سے والدین زجر کرنے کی نیت سے مقاطعہ کرلیں تو جائز ہے اور اگر نافرمانی حد کفر تک پہنچ جائے تو پھر مقاطعہ کرنا واجب ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جابر باپ سے قطع تعلق کرنے والے کی اقتداء میں نماز جائز ہے یا نہیں ؟

(سوال) زید کا طرز عمل اپنے لڑکے بکر کے ساتھ نہایت سخت جابرانہ اور غیر منصفانہ تھا اس کو ہر طرح تنگ اور ذلیل کرتا تھا جلسہ عام میں بغیر کسی خطا وقصور کے مورد الزام بنا کر چوری اور غبن اس کے ذمہ ثابت کرتا تھا۔ بکر نے مجبور ہو کر اس کے پاس کی آمدورفت بدیں خیال ترک کردی کہ مبادا بمقتضائے بشریت وہ کسی قسم کا جواب دینے پر مجبور ہو جائے اور موجب گستاخی اور بے ادبی ہو۔ اب بھی زید طرح طرح کی دھمکیاں دیتا رہتا ہے۔ اس کے شرعی حقوق سے بھی بکر کو محروم کرنا چاہتا ہے۔ بکر کو معاف بھی نہیں کرتا۔ یہ بھی کہتا ہے کہ مجھے صورت مت دکھاؤ۔ کیا بصورت بالا بکر فاسق ہے۔ اس پر فسق کا اطلاق درست ہے۔ اور کیا اس کی امامت بلا کراہت صحیح ہے۔ یا مع الکراہت ؟ کراہت اگر ہے تو تحریمی یا تنزیہی ؟

المستفتی نمبر ۲۲۶۰ عبدالستار (مراد آباد) ۲۴ ربیع الاول سن ۱۳۵۷ھ م ۲۵ مئی سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۱۹) اگر بکر اپنے والد کا فرماں بردار ہے اور اس کی طرف سے کوئی گستاخی بے ادبی اور نافرمانی اور ایذا نہیں ہوتی اور اس کے والد کی طرف سے زیادتی اور اعتدا ہے تو بکر فاسق نہیں ہے۔(۲) اور اس کی امامت جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

غلام احمد نام رکھنا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ جنوری سن ۱۹۲۷ء)

(سوال) میں نے اپنے نومولود لڑکے کا نام غلام احمد رکھا ہے۔ چند بزرگ کہتے ہیں کہ یہ نام نہ رکھو کیوں کہ غلام احمد قادیانیوں کے سردار کا نام تھا۔

(جواب ۴۲۰) ایک نام کے ہزاروں آدمی ہوتے ہیں۔ بعض ان میں سے اچھے اور بعض برے ہوتے ہیں۔ یہ نام اس وجہ سے ناجائز نہیں ہو سکتا کہ قادیانی فرقہ کے پیشوا کا نام تھا۔ تاہم اگر آپ بجائے غلام احمد کے محمد احمد نام بدل کر رکھ دیں تو بہتر ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ غفرلہ،

---

(۱) فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين (الانعام ۶۸)
(۲) لموافقة قوله تعالى: وصاحبهما في الدنيا معروفا۔ (سورة لقمان : ۱۵)
(۳) یہ حاشیہ اگلے صفحہ کے حاشیہ نمبر ۱ میں ملاحظہ فرمائیں ۔

بد چلن ماں باپ سے علیحدگی

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اپریل سن ۲۷ء)

(سوال) اگر کسی شخص کے ماں باپ بد چلن ہوں اور اس کی اولاد کو سب خویش و اقربا حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوں اور وہ خود بھی شرمندگی کے مارے کسی سے بات نہیں کر سکتا تو ایسے والدین سے علیحدہ ہو جانا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۴۲۱) ہاں اگر ماں باپ کی بد چلنی مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے اس درجہ کی ہو کہ لوگوں کی نظر میں ذلت اور حقارت ہوتی ہو تو اپنی دینی و عرفی عزت کی حفاظت اور ماں باپ کے افعال ذمیمہ کے خلاف احتجاج کے طور پر ان سے علیحدگی کر لینی جائز ہے۔ لیکن ان کے ساتھ کوئی سختی اور توہین کا برتاؤ نہ کرے اور ان کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا رہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ غفر لہ ،

عاق کرنا کیسا ہے ؟

(سوال) ایک عورت نے کہ جو اپنی پرورش کردہ پوتی کو جسے ہمیشہ سے گود لے رکھا ہو اور اپنی اولاد بنا کر پالا ہو بعد شادی کرنے کے محض اس بنا پر عاق کر دیا ہو کہ اپنے شوہر سے طلاق لے اور مہر کی طالب بھی ہو وہ اپنا مہر معاف کر چکی ہو۔

المستفتی منشی احسان اللہ بازہ ہندو راؤ دہلی

(جواب ۴۲۲) عاق کرنے سے کوئی لڑکا یا لڑکی عاق نہیں ہوتے۔ (۳) (یعنی شرعاً محروم الارث نہیں ہوتے۔ واصف) یہ ایک فضول خیال لوگوں کے دلوں میں قائم ہو گیا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

الجواب صحیح محمد مظہر اللہ غفر لہ، امام مسجد فتحپوری دہلی

---

(۱) عن سهل قال اتي بالمنذر بن ابي اسيد الى النبي صلى الله عليه وسلم حين ولد فوضعه على فخذه وابو اسيد جالس فلهى النبي صلى الله عليه وسلم بشيء بين يديه فامر ابو اسيد بابنه فاحتمل من فخذ النبي صلى الله عليه وسلم فاستفاق النبي صلى الله عليه وسلم فقال النبي صلى الله عليه وسلم اين الصبي فقال ابو اسيد اقلبناه يارسول الله قال ما اسمه قال فلان قال ولكن اسمه المنذر فسماه يومئذ المنذر۔ (صحيح البخاری، كتاب الادب، باب تحويل الاسم الى اسم هو احسن منه ۲ / ۹۱۴، قدیمی)

(۲) اذا رأى منكراً من والديه يامرهما مرة فان قبلا فبها وان كره سكت عنهما واشتغل بالدعاء والاستغفار لهما فان الله تعالى يكفيه ما اهمه من امرهما۔ (رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر ۴ / ۷۸، سعید)

(۳) عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيمة۔ (الدر المنثور للسیوطی، ۲ / ۱۲۸، بیروت)

سولھواں باب

ثبوت نسب

زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا اگرچہ زانی اقرار کرے

(سوال) پھدو کے ساتھ مسماۃ بستی کا نکاح ہوا۔ جب پھدو مر گیا تو پھدو کے سوتیلے لڑکے بلا نے مسماۃ بستی کو گھر میں ڈال لیا اور بلا کے تخم سے مسماۃ بستی کے بطن سے ایک لڑکی مسماۃ انو عرف ولین پیدا ہوئی۔ جس کا نکاح بلا نے مجھ اللہ بندہ کے ساتھ کہ میں اس کا ہم قوم اور ہم برادری ہوں اپنے سامنے اور موجودگی میں کیا۔ اب ولین کے کنبے برادری کے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس کے نکاح کو توڑ دیں اور کہتے ہیں کہ یہ ولین ولد الزنا ہے اس کی ابیت بلا سے ثابت نہیں۔ بلا اس کا باپ نہیں گو اس کے تخم سے پیدا ہوئی ہے۔ حرام میں تخم کا اعتبار نہیں ہوتا۔ نکاح اس کے باپ کا کیا ہوا نہیں ہے ایک فتویٰ بھی کسی عالم نے اس مطلب میں دے دیا ہے۔ اب علمائے دین سے یہ سوال ہے کہ اس صورت میں جب ولین پیدا ہوئی تو بلا نے اپنی ولدیت کے ساتھ اس کی پیدائش لکھوائی اور بروقت نکاح کے بھی اپنی ولایت اور ولین کا اپنی بیٹی ہونا لکھوایا۔ تو آیا یہ ولین اس اقرار سے بلا کی بیٹی ہو سکتی ہے اور بلا اس کا باپ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور یہ ولین اپنا نکاح خود توڑ سکتی ہے یا نہیں؟ اور یہ نکاح باپ کا پڑھایا ہوا تصور کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب وهو الملهم للحق والصواب (از مولوی محمد عبدالوہاب حنفی دہلوی) صورت مرقومہ مسئولہ میں یہ لڑکی ولین ولد الحرام ہے کیونکہ بلا نے اپنے باپ کی موطوءہ کو کہ یہ بلا پر دوامی حرام ہو چکی تھی۔ اپنے گھر میں ڈال لیا۔ یہ ولین اس سے پیدا ہوئی۔ اور حرام وطی میں ثبوت نسب کے لئے شرعاً دعویٰ شرط ہے۔ کیونکہ ایسی حالت میں نسب کسی سے ثابت نہیں ہوتا۔ مگر جو شخص دعویٰ نسب کا کرے اس سے ثابت ہو جاتا ہے۔ چونکہ بلا کو نسب کا دعویٰ ہے کہ جب ولین پیدا ہوئی تو بلا نے اس کی پیدائش اپنی ولدیت کے ساتھ لکھوائی جیسا کہ سائل بیان کرتا ہے۔ انو عرف ولین بنت بلا۔ جب بلا نے قاضی کے سامنے اقرار کیا کہ یہ ولین میری بیٹی ہے تب قاضی نے ولدیت لکھی۔ اور ولدیت ولین کی بلا کی طرف منسوب کی ورنہ قاضی اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھ سکتا تھا۔ لہذا یہ اقرار بلا کی طرف سے دعویٰ نسب کا سمجھا جائے گا اور اس اقرار سے یہ ولین بلا کی بیٹی ہوگی کیونکہ اقرار ملزم ہے۔ لان الا قرار حجة ملزمة (متخلص)(۱) جب اس اقرار اور اس دعویٰ سے بلا ولین کا باپ ثابت ہو گیا تو یہ نکاح باپ کا پڑھایا ہوا متصور ہوگا۔ اور باپ کے پڑھائے ہوئے نکاح کو اولاد یا کنبہ دار نہیں توڑ سکتے جب تک کہ باپ کی ولایت شفقتی میں نقصان نہ ظاہر ہو۔ (۲) اور نقصان یہ کہ باپ لالچ سے ایسے کم درجہ کی قوم میں بیٹا یا بیٹی بیاہ دے کہ جس سے ان کو شرم یا عار آتی ہو خاص کر بیٹی کو۔ تو البتہ ایسی صورت میں باپ کا پڑھا ہوا نکاح ٹوٹ سکتا ہے بشرطیکہ یہ لڑکا لڑکی چاہیں۔ کیونکہ یہ امر شفقت کے خلاف ہے۔ سو یہاں یہ بات بھی نہیں ہے۔ اللہ بندہ بلا کا ہم قوم اور اس کے برابر کا ہے بلکہ لڑکی ولین اللہ بندہ سے کم درجہ کی ہے کہ ولد الزنا ہے لہذا یہ ولین از خود یا کنبہ برادری کے لوگ اس کا نکاح نہیں توڑ سکتے جب تک اللہ بندہ طلاق نہ دے۔ اگر ولین اس سے ناراض ہے تو اس سے طلاق لے لے۔ اور ولین کے کنبے

(۱) لم اطلع علیه (۲) ولزم النكاح ولو بغبن فاحش ان كان المزوج بنفسه ابا او جدا لم يعرف منهما سوء الاختيار.
(الدر المختار ، كتاب النكاح ، باب الولي، ۳/ ٦٦، سعيد)

برادری کے لوگ جو کہتے ہیں کہ بلاولین کا باپ نہیں ہو سکتا کیونکہ ولین وجہ حرام سے پیدا ہوئی ہے تو یہ قول ان کا غلط ہے۔ کیونکہ حرام سے بھی نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ فقہا علیہم الرحمۃ نے ثبوت نسب کی دو صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک صورت یہ کہ اس میں بلادعویٰ نسب ثابت ہو جاتا ہے جیسے نکاح صحیح اور نکاح فاسد میں اگر بچہ پیدا ہو تو بلادعویٰ ناکح کے ناکح سے ہی اس بچہ کا نسب ثابت ہوگا۔ اسی طرح کسی کی ام ولد کے ہاں بچہ پیدا ہو تو بلادعویٰ آقا سے ہی نسب ثابت ہوگا۔ کیونکہ ان تینوں صورتوں میں وطی حلال ہے۔ اور دوسری صورت میں کہ جہاں وطی حرام ہے وہاں بدون دعویٰ کے نسب ثابت نہ ہوگا۔ جیسے کسی شخص نے اپنی ام ولد کو مکاتب کر دیا بعد میں اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو بدون دعویٰ اس آقا کے اس سے نسب ثابت نہ ہوگا اس لئے کہ اس سے وطی اس آقا کو حرام ہے۔ اسی طرح کسی کی ام ولد سے اس کے باپ یا بیٹے نے وطی کر لی یا خود اس نے اس ام ولد کی ماں یا بیٹی سے وطی کی اور اس ام ولد کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو بدون دعویٰ کے اس آقا سے نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ ان چاروں صورتوں میں یہ ام ولد اس آقا پر حرام ہوتی ہے۔ غرض حرام وطی میں بلادعوے کے نسب ثابت نہ ہوگا۔ دعویٰ کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔ تو پس بلا کا بھی اس ولین سے نسب ثابت ہوگا۔ کیونکہ بلا کو سب جگہ اقرار ہے۔ حاکم وقت کے ہاں بھی اور مجلس نکاح میں بھی کہ موجودگی ہر خاص و عام ہے۔ اگرچہ اس گناہ کی وعید سخت ہے کہ اس نے اپنی سوتیلی ماں سے حرام کیا۔ اس کا عذاب قیامت میں دیکھے گا یہ امر دیگر ہے۔ یہاں دنیا میں قاعدہ شرعیہ کے مطابق نسب ثابت ہو گیا۔ کیونکہ اس کی وطی پر حرام ہی کا اطلاق آئے گا۔ گو حرام ہذا میں تشدد ضرور ہے تو باعتبار گناہ ہی کے ہے۔ ثبوت نسب کو مانع نہیں ہے۔ قال اصحابنا لثبوت النسب ثلثة مراتب احدها النكاح الصحيح وما هو في معناه من النكاح الفاسد والحكم فيه انه يثبت من غير دعوة والثانية ام الولد والحكم فيها ان يثبت النسب من غير دعوة اما اذا كان لا يحل فلا يثبت النسب بدون الدعوة كام ولد كاتبها مولاها وكذا لو حرم عليه وطيها بعد ذلك بوطى ابيه او ابنه او بوطيه امها وبنتها لم يثبت النسب ماتلده بعد ذلك بوطى ابيه اوابنه اوبوطيه امها وبنتها لم يثبت النسب ماتلده بعد ذلك الا بالدعوة عالمگیری ۔(۱) قوله كام ولد كاتبها مولاها فانها اذا اتت بولد لا يثبت من المولى الا اذا دعاه لحرمة وطيها عليه شامی (۲)۔ ہاں اگر اللہ بندہ بد چلن یا نامرد ہے تو لین دو چار آدمیوں کو بیچ میں ڈال کر اس سے فیصلہ کر سکے خود بخود نکاح نہیں توڑ سکتی۔ فقط

حررہ واجابہ خادم الانام محمد عبدالوہاب الحنفی الدہلوی عفا اللہ عنہ الذنوب والآثام (مہر)

جواب صحیح ہے۔ کیونکہ فتاویٰ عالمگیری سے واضح ہے کہ جس عورت سے نکاح درست نہ ہو اور جس کو اس سے نکاح درست نہیں اس نے غلط نکاح پڑھوا لیا اور بچہ پیدا ہو گیا اور اس ناکح نے دعویٰ نسب کا کیا تو دعویٰ کرنے سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ کتبہ العاصی مشتاق احمد حنفی عفاعنہ

الجواب صحیح عبدالسمیع مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی۔ عبدالعزیز مدرسہ فتحپوری دہلی۔ شبیر احمد مدرس فتحپوری دہلی۔ شرف الدین مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی۔ محمد عالم مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی۔ اور عبدالحق (تفسیر حقانی)

---

(۱) الهندية، كتاب الطلاق، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب، ۱/ ۵۳۶، ماجدیہ۔
(۲) رد المحتار، كتاب الطلاق، فصل في ثبوت النسب، ۳/ ۵۵۰، سعید۔

(جواب ٤٢٣)(از حضرت مفتی اعظمؒ)جواب مذکور غلط ہے۔ کیونکہ سوال میں مذکور ہے کہ بلا نے مسماۃ بستی کو گھر میں ڈال لیا۔اس عبارت سے بشہادت عرف یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بلا نے بستی سے نکاح نہیں کیا۔ویسے ہی گھر میں ڈال لیااور یہی مطلب مجیب نے بھی سمجھا ہے کیونکہ انہوں نے ثبوت نسب کی اول صورت نکاح صحیح ونکاح فاسد میں اس کو داخل نہیں کیا۔اور نکاح کا ذکر جواب میں کیا۔بلکہ محض وطی حرام اس کو قرار دیا ہے۔پس جب کہ بلا نے بستی سے بغیر نکاح وطی کو تو یہ زنائے خالص ہے۔اور زنامیں ولد الزنا کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا اگرچہ وہ دعویٰ کرے حديث الولد للفراش وللعاهر الحجر(۱)اور قصہ عتبہ ابن ابی وقاص وابن زمعہ اس بات پر بصراحت دلالت کرتا ہے۔(۲)اور فقہاء رحمہم اللہ نے یہی تصریح کی ہے کہ ولد الزنا کا نسب زانی سے ثابت نہیں پس مجیب کا ہر وطی حرام میں خواہ وہ صریح زنا ہو دعویٰ سے نسب ثابت کرنا صریح غلطی ہے۔بہر حال بہت سی صورتوں میں بوجہ شبہۃ المحل نہ ہونے کے باوجود وطی حرام ہونے کے نسب ثابت نہیں ہوتا۔جیسے مطلقہ ثلثہ سے حالت عدت میں وطی کرلی توباوجود دعوے کے نسب ثابت نہیں ہوگا۔جیسا کہ ہدایہ وغیرہ تمام کتب فقہ میں یہ تصریح موجود ہے۔شبہۃ الفعل کے مواقع میں بھی وطی حرام ہوتی ہے مگر باوجود دعویٰ نسب ثابت نہیں ہوتا۔پس صورت مسئولہ میں نہ شبہۃ الفعل ہے نہ شبہۃ المحل اس لئے زنا صریح ہے اور ہرگز نسب ثابت نہیں ہوسکتا۔قال فى الهداية والنسب يثبت فى الثانيه اذا داعى الولد (اى فى شبهة المحل) ولا يثبت فى الا ولىٰ وان ادعاه (اى فى شبهة الفعل) لا ن الفعل تمحض زناء فى الاولىٰ انتهىٰ الهدايه (۳)مع تفسير يسير۔اور یہ مسئلہ ایسا معروف ہے کہ اس پر دلیل بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔پس جب کہ بلا سے ولیین کا نسب ثابت نہ ہوا تووہ اس کا باپ اور ولیین اس کی بیٹی نہیں۔پس اگر حالت عدم بلوغ میں اس نے نکاح کیا تھا ولیین کو اختیار فسخ نکاح ہے۔(۴)اگر ولیین خود بالغ تھی اور اپنی مرضی سے نکاح کیا تھا تواب وہ خود یا اس کنبہ والے نکاح کو نہیں توڑ سکتے اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ بلا نے بستی سے نکاح بھی کرلیا تاہم ولیین نسب بلا سے ثابت نہ ہوگا۔کیونکہ یہ نکاح باطل ہے۔ہاں امام صاحب کے نزدیک فقط دفع حد کے لئے کافی ہے نہ کہ ثبوت نسب کے لئے۔عند عامۃ المشائخ۔فى رد المحتار والظاهر ان المراد بالباطل ماوجوده كعدمه ولذالا يثبت النسب ولا العدة فى نكاح المحارم ايضاً انتهىٰ(۵)

کتبہ محمد کفایت اللہ عفاعنہ مولاہ

ہمارے مجیب اول کو طول طویل جواب لکھنے کا نہایت شوق ہے۔فہم خداداد ہے۔مجیب اول کی تحریر سے اب تو سارے ولد الزنا بھی صحیح النسب ہوگئے۔چاہے جتنے دس روپے دیئے دعویٰ نسب کا کرادیا اس نسب ثابت ہوگیا یہ غلط ہے اور مجیب اول کے معتقدین صرف عالمگیری کی عبارت دیکھ کر معتقد ہوئے ہیں ورنہ غور سے انہوں نے بھی کام نہیں

(۱)الصحيح لمسلم، كتاب الرضاع ، باب الولد للفراش و توقى الشبهات،۱/۴۷۱،قديمی۔
(۲)عن عائشة انها قالت اختصم سعد بن ابى وقاص و عبد بن زمعة فى غلام فقال سعد : هذا يا رسول الله ابن اخى عتبة بن ابى وقاص عهد الى انه ابنه انظر الى شبهه وقال عبد بن زمعة هذا اخى يارسول الله ولد على فراش من وليدته فنظر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى شبهه فرأى شبها بينا بعتبة فقال هولك يا عبد الولد للفراش وللعاهر الحجر واحتجبى منه يا سودة بنت زمعة قالت فلم ير سودة قط (الصحيح لمسلم، كتاب الرضاع باب الولد للفراش وتوقى الشبهات،۱/۴۷۰، قديمى)
(۳)الهداية ، كتاب الحدود، باب الوطئ الذى يوجب الحد، ۲/۲۸۸، شركة علمية
(٤)وان زوجهما غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ . (الهداية ، كتاب النكاح ، باب الولى ، ۲/۳۱۷، شركة علمية)
(۵)رد المحتار، كتاب النكاح ، باب المهر، ۳/۱۳۲،سعيد

لیا۔ جواب مجیب ثانی نہایت درست اور بہت غور و فہم پر مبنی ہے۔ فقط محمد ابراہیم واعظ دہلوی

(جواب الجواب)(از مجیب اول) مجیب صاحب کویا تو اس مسئلے پر غور نہیں یا نظر نہیں۔ آج تک نہیں سمجھے کہ زنا میں نفی نسب کی علمائے حنفیہ کے نزدیک کس وجہ سے ہے اور ان کا اس باب میں کیا مذہب ہے۔ مجیب جو مطلقاً نفی کر رہے ہیں تو یہ مذہب علمائے شافعیہ کا ہے نہ علمائے حنفیہ کا۔ حنفیہ عدم شرافت اور پردہ دری کی وجہ سے نسب ثابت نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں کہ نسب میں شرافت ہوتی ہے اور زنا ایک مذموم چیز ہے اس میں شرافت نہیں ہوتی۔ کیونکہ زانی اور مزنیہ کی اس میں ہتک ہے اور ولد الزنا کو ایک طرح کا بٹہ لگتا ہے۔ لہذا اس میں ثبوت نسب سے عدم شرافت کا ہے تو در حقیقت شرافت کی نفی ہے نہ نفس نسب کی۔ کیونکہ در حقیقت نطفہ تو اسی زانی کا ہے۔ قال الشافعي النكاح امر حمدت عليه والزناء فعل رجمت عليه فاني يكون سببا للنفقه الا ترى انه لا يثبت به النسب ولا العدة قلت اجيب بان عدم ثبوت النسب به بكون المقصود من النسب الشرف به ولا يحصل ذلك بالنسب الى الزاني عيني شرح هدايه كتاب النكاح ص ۳۹(۱) اگر علمائے حنفیہ کے نزدیک بالکل نفی نسب کی ہوتی تو زنا میں مصاہرت اور اصولیت و فروعیت ثابت نہ ہوتی اور ولد الزنا زانی پر حرام نہ ہوتی۔ حالانکہ ان کے نزدیک سب کچھ ثابت ہے۔ اور ولد الزنا بھی زانی اور مزنیہ پر حرام ہے۔ ہاں علمائے شافعیہ کے نزدیک اس میں سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی۔ وقال الشافعي الزناء لا يوجب حرمة المصاهرة لا نها نعمة فلا تنا ل بالمحظور ولنا الوطی سبب الجزئية بواسطة الولدحتى يضاف الى كل واحد منهما كما لا فيصير اصولها وفروعها كا صوله وفروعه (هدايه)(۲) كاصول الواطي وفروعه واراد بالا صول ابائهما وبالفروع اولادهما في الحل والحرمة كتاب النكاح۔ جب وطی حلال ہو یا حرام دونوں میں اصولیت اور فروعیت کی حرمت علمائے حنفیہ کے نزدیک ثابت ہے تو نسب بھی ثابت ہوگا۔ کیونکہ نسب ہی کی جہت سے جزئیت اور حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اگر نسب ثابت نہ ہوتا تو حرمت کیونکر آتی اور جزئیت کیونکر ثابت ہوتی۔ پس بہ سبب اقرار کے ولین کا نسب بلا سے ثابت ہے اور ولین بلا پر حرام ہوگئی۔ کیونکہ فروعیت اس کو لگ گئی۔ اور بلا ولین پر حرام ہو گیا کیونکہ اصولیت اس کو لگ گئی تو پھر بلا کے باپ ہونے میں کیا احتمال رہا جو مجیب صاحب انکار کرتے ہیں۔ اگر شافعی بن کر انکار کرتے ہیں اور سائل کو عدم ثبوت نسب کا حکم دیتے ہیں تو سائل حنفی المذہب ہے تو شرعاً یہ جائز نہیں ہے۔ اور یہ حکم نہیں نافذ ہوتا۔ شامی وغیرہ کتب فقہیہ میں تصریحاً مرقوم ہے اور حنفی بن کر حکم دیں تو اس میں دھوکہ دہی ہے اور مجیب کی اس میں دغا بازی ثابت ہوتی ہے اور جو قول فقہا علیہم الرحمۃ کا عدم ثبوت نسب در زنا ہے اس کا مطلب اس سے عدم ثبوت شرافت ہے نہ عدم ثبوت نفس نسب کا۔ ورنہ اصولیت و فروعیت ثابت نہ ہوتی۔ اصولیت و فروعیت نسب ہی کے اعتبار سے ہے پھر یہاں مجیب کیونکر انکار کرتے ہیں۔

اگر بالتقدیر و التسلیم ولین مجہول النسب ٹھہرے گی تب بھی اس کا نسب بلا سے ثابت ہوگا۔ کیونکہ بلا مدعی ہے۔ مجہول نسب کا جو شخص مدعی ہوتا ہے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہو جاتا ہے۔ یصح اقراربالولدبشرط ان یکون

(۱) البنایۃ، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات، ۳: ۳۹.
(۲) الہدایۃ، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۲: ۳۰۹، شرکۃ علمیہ۔

المقرله بحال يولد لمثله وان لا يكون المقرله ثابت النسب من غيره وان يصدق المقرله المقر في اقراره اذا كان له عبارة صحيحة(عالمگیری ج ۴ ص ۲۷)(۱) اذا دعت المراء ة صبياً انه ابنها لم يجز دعواها حتى تشهد امراٗ ة على الولادة ومعنى المسئلة ان تكون المرأة ذات زوج لا نها تدعى تحميل النسب على الغير فلا تصدق الا بحجة بخلاف الرجل لا نه يحمل نفسه النسب (هدايه)(۲)قوله بخلاف الرجل اى يصدق الرجل في دعوىٰ الولد بدون شهادة القابلة لان دعوى الرجل اقرار على نفسه يوجب النفقة والحفظ والتربية (کفایہ باب دعویٰ النسب ص ۲۱۴)(۳) یہاں خود ولین اور اس کی ماں اور تمام برادری کو اس کے اقرار کی تسلیم ہے کیونکہ تمام برادری کے سامنے بلا نے اپنی ولایت سے ولین کا نکاح کیا اور کسی نے انکار نہیں کیا اور نکاح بلا کے ساتھ ولین کی ماں بھی شریک حال تھی۔ اور پھر اس نکاح پر عمل درآمد بھی ہوا۔ اللہ بندہ اور اس کی بہن بیان کرتی ہے کہ جب ولین بیمار ہوئی تو اللہ بندہ جہاں خود رہتا تھا ولین کو علاج کی غرض سے لے آیا۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ اس کے ہاں رہی تو خلوت بھی ہو چکی۔ اس وقت ولین چودہ ساڑھے چودہ برس کی تھی اور اس عمر میں لڑکی خاوند سے واقف ہو جاتی ہے اور خاوند کے رشتے کو بھی جاننے لگتی ہے۔ تو ولین اللہ بندہ کو شوہر سمجھ کر اس کے ساتھ آئی کیونکہ ماں نے ضرور کہا ہوگا کہ یہ تیرا شوہر ہے تو پس یہ اس نکاح سے بھی راضی ہوگئی تو اب یہ اس نکاح کو کیونکر توڑ سکتی ہے۔ اور مجیب کو یہ بات بھی معلوم ہو کہ بلا نے ولین کا نکاح شرع شریف کے حکم سے کیا ہے۔ کیونکہ دعویٰ واقرار نسب سے بلا کے اوپر ولین کی حفاظت اور تربیت واجب ہوگئی تھی۔ اور لڑکی کا نکاح کر دینا باب حفاظت سے ہے۔ زنا اور حرام سے لڑکی کو بچاتا ہے۔ تو پس بلا نے شرعی حکم سے نکاح کیا۔ اگر مجیب صاحب کہیں کہ ولین کے اللہ بندہ کے گھر میں آنے کا سوال میں ذکر نہیں ہے تو کوئی قباحت نہیں اور محل اعتراض نہیں۔ ہم نے اللہ بندہ اور اس کی بہن سے دریافت کیا تو انہوں نے منہ زبانی بیان کیا اور مفتی کو یوں ہی چاہئے کہ جب سوال کا کاغذ ہاتھ میں لے تو سائل سے منہ زبانی بھی سن لے تاکہ واقعہ کے مطابق حکم دے دے یہ بات تعلیم پر موقوف ہے۔ اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ دو شخصوں نے ایک لڑکے کا دعویٰ کیا تھا تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ولد صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر نہیں ہے۔ چنانچہ مذہب علمائے حنفیہ کا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی نکاحی یا مملوکہ سے زنا کرے تو نسب صاحب فراش سے ثابت ہوگا۔ کیونکہ اس میں ولد الزنا کی پردہ پوشی اور اس کے لئے شرف ہے۔ اس لئے صاحب فراش سے ثابت ہوتا ہے اور یہاں یہ صورت نہیں ہے۔ اگر پھدو زندہ ہوتا اور بستی پھدو کے نکاح میں ہوتی اور بلا دعویٰ نسب کرتا تو بلا سے نسب ثابت نہ ہوتا پھدو سے ہوتا۔ عینی شرح ہدایہ جلد ۲ کتاب الطلاق میں ہے۔ اختصم سعد بن ابی وقاص وعبدالله بن زمعة في غلام الحديث۔(۴) الولد للفراش ۔ پس جو قول فقہا علیہم الرحمۃ کا نفی نسب میں ہے تو یا تو یہی صورت مراد ہے یا مراد نفی شرف ہے۔ یہاں جب بلا نے دعویٰ کر کے اپنی ہتک کی اور ولین کا شرف ہو دیا تو اب شرع کو کیا غرض ہے کہ شرف کا لحاظ کر کے نسب کی نفی کرے۔ تو پس بلا کا نسب بھی ثابت

(۱) الهندية ، كتاب الاقرار ، الباب السابع عشر في الاقرار بالنسب ، ۴/ ۲۱۰ ، ماجدية
(۲) الهداية، كتاب الدعوى ، باب دعوى النسب ، ۳/ ۲۲۹ ، شركة علمية
(۳) الكفاية على الهداية، كتاب الدعوى، باب دعوى النسب ، ۲۵۲
(۴) سنن ابی داود، باب الولد للفراش ، ۱/ ۳۱۰ ، سعيد

ہے اور نکاح بھی نہیں ٹوٹ سکتا اور جو فقہا علیہم الرحمۃ نفس نسب کی بھی نفی کرتے تو زنا میں مصاہرت اور اصولیت وفروعیت ثابت نہ کرتے۔

محمد عبدالوہاب الحنفی دھلوی

(جواب الجواب) از حضرت مفتی اعظمؒ۔ ھوالمصوب۔ مجھے اب معلوم ہوا کہ مجیب صاحب دعویٰ اجتہاد بھی رکھتے ہیں اور تصریحات اعلام حنفیہ کے خلاف اپنے اجتہاد سے مسائل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں تو حنفی ہوں اور حنفیہ کے مذہب کے مطابق میں نے زنا میں نسب ثابت نہ ہونے کا حکم دیا ہے۔ مگر مجیب صاحب اس حکم کو شافعی مذہب کا حکم بتا کر مجھے دغاباز بتاتے ہیں۔ لیکن مجھے ان کی ایمانداری دیکھنا ہے۔ مجیب صاحب نے خود عینی کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں تصریح ہے کہ "زنا میں نسب ثابت نہ ہونا حنفیہ اور شوافع دونوں کے نزدیک امر مسلم ہے۔" ہاں شوافع اس کے قائل ہیں کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی اور اس کے لئے عدم ثبوت نسب کو (جو مسلم فریقین ہے) حنفیہ پر بطور مقیس علیہ کے پیش کیا کہ اے حنفیہ جب تم زنا میں نسب ثابت نہیں کرتے ہو تو تم کو چاہئے کہ حرمت مصاہرت بھی ثابت نہ کرو۔ اس کے جواب میں علامہ عینی نے کہا کہ بیشک ہم نسب ثابت نہیں کرتے اس لئے کہ ثبوت نسب میں ایک قسم کی شرافت ہے اور ثبوت نسب سے وہی مقصود ہوتی ہے اور زنا میں وہ منتفی ہے کیونکہ زانی کی طرف نسبت ثابت ہونے سے بچے کو کیا شرافت حاصل ہوگی۔ تو چونکہ ثبوت نسب کا فائدہ وہاں منتفی ہے اس لئے نسب ثابت نہیں کرتے۔ رہی حرمت مصاہرت تو اس کا مدار جزئیت پر ہے وہ زنا میں متحقق ہے اس لئے حرمت مصاہرۃ ثابت کرتے ہیں۔ الحاصل عینی عدم ثبوت نسب کو تسلیم کر کے پھر مقیس اور مقیس علیہ میں فرق بتاتے ہیں۔ آپ نے عینی کی عبارت تو نقل کی مگر اس کے معنی نہیں سمجھے۔ یاد رکھئے کہ زنا میں نسب کا ثابت نہ ہونا تو حنفیہ وشافعیہ دونوں کے نزدیک مسلم ہے رہی حرمت مصاہرت تو اس کا مدار ثبوت نسب پر نہیں جیسا کہ آپ سمجھے ہیں۔ اور اس پر قیاس اور دوسری شق یعنی مجہول النسب پر دعویٰ نسب سے نسب کا ثابت ہو جانا یہ منشائے نزاع سے کوسوں دور ہے۔ اس کا یہاں کوئی تعلق نہیں۔ تعجب ہے کہ باوجود یہ کہ میں نے ہدایہ کی عبارت (جس میں تصریح ہے کہ زنا میں باوجود دعویٰ نسب ثابت نہیں ہوتا) لکھ دی۔ اور شامی کی عبارت (جس میں تصریح ہے کہ نکاح محارم میں نسب ثابت نہیں ہوتا) نقل کر دی پھر بھی آپ کی سمجھ میں نہ آیا اور مجھے شافعی اور دغاباز کہنے لگے۔ کیا یہ کتابیں بھی شافعی مذہب کی ہیں۔ اور پھر شافعی باب عدم ثبوت نسب من الزانی میں حنفیہ کے خلاف کہاں ہیں۔ اس میں تو دونوں متفق ہیں۔

اب ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ ولد الزنا کو اپنے باپ زانی مدعی ابوۃ کے ترکہ سے میراث ملتی ہے یا نہیں؟ اور باپ کو اس کے ترکہ سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ قیاس تو رہنے دیجئے۔ کسی فقہ کی کتاب سے ثابت کیجئے کہ زنا میں نسب ثابت ہوتا ہے اور ولد الزنا کو زانی کی میراث اور زانی کو ولد الزنا کی میراث ملتی ہے۔ حرمت مصاہرت پر قیاس نہ کیجئے ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ اگر آپ چاہیں تو علماء کی مجلس میں زبانی میرے ساتھ اس مسئلہ کو صاف کر لیں میں تیار ہوں۔

فقط واللہ اعلم بالصواب۔ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

طلاق کے چار ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو نسب کا کیا حکم ہے؟

(سوال) زنے مسماۃ شہر بانو اول بزوجیت ..... زین الدین بود بعدہ او طلاق داد۔ وبعد مرور عدت طلاق با حمید ر نکاح شدہ

خلوت صحیحہ یافتہ شدہ بعد چند یوم بہ جہت فرزندان طرفین مابین زوجین قضیہ شدہ شہر بانو فرار رفتہ بازوج اول کہ زین الدین است مخالطت نمودن گرفت و زوج اول راہ یافتہ بعدالت نالش کرد کہ ایں زوجہ من است طلاق نداد ہ ام۔ الغرض بسیارے قضیہ و فساد شدہ حیدر طلاق دادہ است و بعد طلاق حیدر باندرون سہ چار ماہ وضع حمل شدہ است۔ دخترے کہ نامش گلبانو است تولد شدہ است ایں دختر از نسب کیست ؟

ترجمہ : ایک عورت شہر بانو زین الدین کے نکاح میں تھی اس نے اس کو طلاق دے دی۔ عدت طلاق گزر جانے کے بعد حیدر کے ساتھ عورت کا نکاح اور خلوت صحیحہ ہوئی۔ کچھ عرصے کے بعد اولاد کے معاملہ میں زوجین کے درمیان جھگڑا ہوا۔ شہر بانو حیدر کے پاس سے چلی گئی اور زوج اول یعنی زین الدین سے دوبارہ تعلقات قائم کر لئے۔ زین الدین نے موقع غنیمت جان کر عدالت میں دعویٰ کیا کہ یہ میری بیوی ہے میں نے اس کو طلاق نہیں دی۔ الغرض جب جھگڑا بڑھتا ہوا دیکھا تو حیدر نے یہی مناسب سمجھا کہ طلاق دے دی جائے۔ حیدر کے طلاق دینے کے بعد چار ماہ کے اندر لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام گلبانو ہے۔ اس لڑکی کا نسب کس سے ثابت ہوگا ؟

(جواب ٤٢٤) اگر بعد طلاق حیدر در مدت سہ چار ماہ فرزند تولد شدہ نسب ایں فرزند باحیدر ثابت است خواہ او دعویٰ کند یا نہ کند۔ زیرا کہ ہر گاہ کہ طلاق دادن زین الدین وانقضائے عدت وے و نکاح حیدر از جمیع شاہدین ثابت است پس ثبوت نسب از زین صورتے ندارد و صحت نکاح حیدر مقتضی ثبوت نسب باوست۔ واللہ اعلم۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

(جواب) حیدر کے طلاق دینے کے بعد اگر تین چار ماہ کے اندر بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب حیدر سے ثابت ہوگا۔ خواہ وہ دعویٰ کرے یا نہ کرے۔(۱) کیونکہ جب کہ زین الدین کا طلاق دینا اور پھر عدت طلاق گزرنے کے بعد حیدر کا اس عورت سے نکاح کرنا تمام گواہوں کے بیانات سے ثابت ہے تو زین الدین کے ساتھ بچہ کا نسب کسی صورت سے ثابت نہیں ہو سکتا اور حیدر کے نکاح کی صحت کی بنا پر بچہ کا نسب حیدر سے ہی ثابت ہوگا۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

نکاح کے چھ ماہ بعد پیدا ہونے والا بچہ صحیح النسب ہے

(سوال) زن و شوہر کی یکجائی کو چھ ماہ چھ یوم ہوئے کہ ہندہ کے ہاں پورا بچہ پیدا ہوا۔ ایسے غیر شرعی بچہ کی پرورش اور ہندہ کے مہر و چڑھاوے اور خرچ عدت کے واسطے کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۸۰ عزیز خاں دہلی۔ ۳۰ جمادی الاخری سن ۱۳۵۲ھ م ۲۱ اکتوبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ٤٢٥) یکجائی کے چھ ماہ چھ دن بعد جو بچہ پیدا ہوا ہے۔ وہ صحیح النسب بچہ ہے۔(۲) اس میں شبہ کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہے۔(۳) اس لئے بچہ کی پرورش باپ کے ذمہ ہے۔ اگر وہ محض شبہ کی وجہ سے

---

(۱) المعتدة عن طلاق بائن اذا تزوجت بزوج آخر فی العدة وولدت بعد ذلک ان ولدت لا قل من سنتین من وقت طلاق اول ، ولاقل من ستة اشهر من وقت نکاح الثانی کان الولد للاول۔ (التاتارخانیة علی حامش الهندیة، کتاب الطلاق، فصل فی النسب، ۱: ۵۵۸، ماجدیة)

(۲) واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بالولد لاقل من ستة اشهر منذ تزوجها لم یثبت نسبه ، وان جاءت به لستة اشهر فصاعدا یثبت نسبه منه اعترف به الزوج او سکت۔ (الهندیة، کتاب الطلاق، الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب، ۱: ۵۳۶، ماجدیة)

(۳) واکثر مدة الحمل ... واقله ستة اشهر لقوله تعالی وحمله وفصاله ثلاثون شهرا ، وفصاله فی عامین فبقی للحمل ستة اشهر۔ (الهدایة ، کتاب الطلاق ، باب ثبوت النسب ، ۲ : ٤۳۳ ، شرکة علمیة)

عورت کو طلاق دے دے گا تو عورت کا پورا مہر اور عدت کا خرچہ دینا ہوگا۔(۱) اور جہیز کی مالک تو عورت ہی ہے۔(۲) وہ اپنا جہیز اور چڑھاوا بھی لے جائے گی اور بچے کی پرورش کا نفقہ باپ کے ذمے ہوگا۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

بارہویں مہینے میں جو بچہ پیدا ہوا وہ ثابت النسب ہے

(سوال) زید کی لڑکی اپنے خاوند کے مکان سے اپنے والدین کے مکان پر ماہ رمضان المبارک کی انتیس تاریخ کو آئی اور آٹھ ماہ رہ کر اپنے خاوند کے ہاں رخصت ہو آئی۔ پھر شوہر کے گھر دوبارہ رہ کر اپنے ماں باپ کے گھر پھر چلی گئی۔ اب میکہ میں رمضان کی ۱۵ تاریخ کو لڑکا پیدا ہوا۔ پس اس صورت میں شرع شریف کے موافق لڑکے کی بابت کیا حکم صادر ہوگا۔ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۱۹۰ عبدالغفور معمار (ضلع رائے بریلی) ۱۲ شوال سن ۱۳۵۲ھ م ۲۸ جنوری سن ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۲۶) یعنی بارھویں مہینے میں لڑکا پیدا ہوا تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لڑکا خاوند ہی کی طرف منسوب اور ثابت النسب ہوگا۔(۴) حمل کی مدت دو برس تک ہے۔ شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مسلم اور نصرانیہ کے زنا سے پیدا ہونے والا بچہ مسلم ہوگا یا نصرانی؟

(سوال) شامی جلد ثانی باب نکاح الکافر میں الولد یتبع خیر الابوین دینا کی تحت میں تنبیہ بیان کی ہے جس میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ مسلم اور نصرانیہ سے جو ولد الزنا پیدا ہوا اس کو علی مقتضی مذہبنا مسلمان نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ اس کا نسب زانی سے ثابت نہیں۔ باقی بعض احکام میں احتیاط کی گئی ہے وہ نظر الحقیقۃ الجزیۃ ہے۔ بعد میں مندرجہ ذیل عبارت ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ قلت یظهرلی الحکم بالا سلام للحدیث الصحیح کل مولودیو لد علی الفطرة حتی یکون ابواه هما اللذان یهود انه او ینصرانه فانهم قالوا انه جعل اتفاقهما نا قلا له عن الفطرة فاذا لم یتفقا بقی علی اصل الفطرة او علی ماهوا قرب الیها حتی لو کان احدهما مجوسیا والا خر کتا بیا فهو کتا بی کما یاتی . وهنا لیس له ابو ان متفقان فیبقی علی الفطرة ولانهم قالوا ان الحاقل بالمسلم منهما او بالکتابی انفع له ولا شك ان النطر لحقیقة الجزیة انفع له وایضاً حیث نظر وا لجزئیة فی تلك المسائل احتیاطا فلینطر الیها هانا احتیاطا ایضا فان الا حتیاط بالدین اولی ا ن الکفر اقبح القبیح فلا ینبغی الحکم به علی شخص بدون امر صریح ولا نهم قالوا فی حرمة بنیته من الزنا ان الشرع قطع النسبة الی الزانی لما فیها من اشاعة الفاحشة فلم یثبت النفقة والارث لذلك وهذا لا ینفی النسبة الحقیقة لان الحقائق لا مرد لها فمن ادعی انه لا بد من النسبة الشرعیة فعلیه البیان...(۵)

المستفتی نمبر ۲۱۲ سجاوی صاحب جوہانسبرگ (افریقہ) ۲ جمادی الثانی سن ۱۳۵۳ھ م ۱۳ اکتوبر سن ۱۹۳۴ء

---

(۱) وتتا کد عند وطء او خلوة صحت من الزوج (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر، ۳/ ۱۰۲، سعید)

(۲) جهز ابنتها بجهاز و سلمها ذلك لیس له الاسترداد منها ، ولا لورثته بعده (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر، ۳/ ۱۵۵، سعید)

(۳) وفی الشرنبلالیة واعسار الاب یفید ان الاب الموسر یجبر علی دفع الاجرة لانه نظر للصغیر (رد المحتار، کتاب الطلاق، باب الحضانة، ۳/ ۵۵۷، سعید)

(۴) واکثر مدة الحمل سنتان لقول عائشة رضی الله عنها الولد لا یبقی فی بطن اکثر من سنتین ولو بظل مغزل ۔ (الهدایة، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، ۲/ ۴۳۳، شرکة علمیة)

(۵) رد المحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، ۳/ ۱۹۵، سعید

(جواب ۴۲۷) اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے بچے پر اسلام کا حکم کرنا ہی ظاہر ہے۔ وجہ یہ کہ حدیث (۱) صحیح میں ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے پھر والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ تو حدیث نے نقل عن الفطرۃ کو ماں باپ دونوں کی طرف نسبت کر کے یہ بتایا کہ اگر ماں باپ متحد المذہب نہ ہوں تو نقل کا حکم نہیں ہوگا اور بچہ کو اصل فطرت پر باقی قرار دیا جائے گا۔ یا جو فطرت سے قریب تر مذہب ہو اس پر بچہ کو قائم رکھا جائے گا اور صورت مبحوث عنہا میں اس بچہ کے ماں باپ متفق الدین نہیں ہیں تو وہ اپنی فطرت پر رہا اور فطرت اسلام ہے تو وہ مسلمان قرار پائے گا۔ نیز فقہا نے یہ بھی کہا ہے کہ بچہ کا الحاق مسلمان یا کتابی (من الابوین) کے ساتھ اس کے لئے انفع ہے تو اس میں بھی شک نہیں کہ موجودہ صورت میں حقیقۃ جزئیۃ کا اعتبار کرنا اس کے لئے انفع ہے یعنی گو شرع نے اس کا نسب ثابت نہیں کیا لیکن حقیقۃ وہ مسلمان باپ کے نطفہ سے تو متولد ہوا ہے تو اس حقیقی جزئیۃ کا اعتبار کرنا اس کے حق میں انفع ہونے کے لحاظ سے ضروری ہے۔ نیز جب انہوں نے بنت من الزنا کو زانی کے لئے احتیاطاً حرام بتایا تو دینی معاملہ میں کہ ایک معصوم بچہ کو مسلمان قرار دیں یا کافر زیادہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہئے اور وہ یہی ہے کہ اسے مسلمان قرار دیا جائے۔ بہر حال اس بچہ کو مسلمان قرار دینا اولیٰ واحوط ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

مطلقہ ثلاثہ سے حلالہ کے بغیر تجدید نکاح

(سوال) (۱) ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق سن ۳۳ء میں دی لیکن اندر عدت رجوع کر لیا۔ طلاق منسوخ کردی (۲) سن ۱۹۳۶ء میں پھر ایک طلاق بتاریخ ۲۹ فروری سن ۳۶ء کو دی اور دوسری ۱۴ مارچ سن ۳۶ء کو دی (۳) بعد انقضائے میعاد عدت شوہر نے غلطی سے یہ سمجھ کر سن ۱۹۳۳ء والی طلاق تو منسوخ کر دی تھی وہ تو نہ ہونے کے برابر ہے اور مابعد کی طلاقیں دو ہیں تین نہیں طلاق مغلظہ نہ ہوئی اسی عورت سے تجدید نکاح کر لیا۔ اب سوال یہ ہے :۔
(۱) آیا اس عورت سے موجودہ جماع حرام اور بمنزلہ زنا کے ہے۔ (۲) آیا وہ عورت طلاق کے ذریعہ علیحدہ ہو سکتی ہے یا بغیر طلاق کے۔ (۳) آیا وہ عورت حق دار مہر ہے یا نہیں (۴) آیا اس عورت کے ہاں اگر اس شوہر سے بچہ پیدا ہوا تو وہ حلال کا تصور ہوگا یا حرام کا۔ (۵) بصورت تفریق یا عدم تفریق وہ ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۱۲۲۴ شیخ غلام حیدر صاحب بی۔ اے ایل ایل۔ بی۔ ایڈوکیٹ (فیروز پور شہر) ۲۸ رجب سن ۱۳۵۳ھ
(جواب ۴۲۸) (۱) مطلقہ ثلاثہ سے بدون تحلیل جو نکاح کر لیا وہ صحیح نہیں ہوا۔ (۲) اس لئے جو جماع واقع ہوا ہے۔ وہ حرام ہوا تاہم زنا کے احکام اس پر جاری نہ ہوں گے۔ (۳) (۲) جب نکاح صحیح نہیں ہوا تو طلاق کی ضرورت نہیں۔ (۴) زوجین پر ایک دوسرے سے علیحدگی لازم ہے۔ (۳) اس دوسرے نکاح کے مہر کی عورت حق دار نہیں۔ لیکن اگر جماع ہو چکا ہے تو ایک جماع یا چند مرتبہ زنا کا عقر یعنی عوض ادا کرنا ہوگا۔ عقر کا مطلب یہ ہے کہ اس

---

(۱) عن ابی ہریرۃ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ وینصرانہ کما تنا تج الابل من بہیمۃ جمعاء ہل تحس من جدعاء قالوا یا رسول اللہ افرأیت من یموت وہو صغیر قال اللہ اعلم بما کانوا عاملین۔ (سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی ذراری المشرکین، ۲ / ۲۹۲، سعید)
(۲) فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ (البقرۃ : ۲۳۰)
(۳) الوطی الموجب للحد ہو الزنا ، وانہ عرف الشرع واللسان وطی الرجل المرأۃ فی القبل فی غیر الملک و شبہۃ الملک۔ (الہدایۃ ، کتاب الحدود ، باب الوطی ، الذی یوجب الحد ، ۲ / ۵۱۳، شرکۃ علمیۃ)
(۴) الطلاق ہو ... رفع قید النکاح۔ (الدر المختار کتاب الطلاق، ۳ / ۲۲۶، سعید)

جیسی عورت سے ایک وطی کی اجرت کا مبصرین متقین سے اندازہ کرالیا جائے۔(۱)(۴) اگر اس وطی سے بچہ پیدا ہو جائے تو وہ اس شوہر کا ثابت النسب بچہ پیدا ہوگا کیونکہ وطی بالشبہ واقع ہوئی ہے۔(۲)(۵) زوجین بصورت تفریق یا عدم تفریق ایک دوسرے کے وارث نہیں کیونکہ نکاح فیما بینہما منعقد نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حاملہ من الزنا سے نکاح

(سوال) ایک عورت بیوہ نے اپنے شوہر کے مرجانے کے بعد عرصہ دو سال کے بعد نکاح کیا۔ لیکن جب اس عورت نے نکاح کیا تو اس کو کسی غیر شخص کا چار مہینے کا حمل تھا جو نکاح کے دو ماہ کے بعد اس نے بچہ جنا فرمایئے یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۳۳۷ مستری صادق علی صاحب (ضلع بلند شہر) ۲۴ شعبان سن ۱۳۵۵ھ م ۱۰ نومبر سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۲۹) شوہر کی وفات کے دو سال کے بعد جو بچہ ہو وہ زنا کا بچہ قرار پائے گا۔(۳) اور اس حمل کے زمانہ میں جو نکاح ہو وہ حاملہ من الزنا کا نکاح ہے اور وہ جائز ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ایضاً

(سوال) زید نے ہندہ سے نکاح کیا۔ ہندہ حاملہ تھی اور چھ ماہ بعد نکاح ہندہ کے بطن سے لڑکی پیدا ہوئی۔ اس بناء پر زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق تحریری دے دی۔ طلاق کو عرصہ ایک سال ۸ ماہ کا گزر گیا اب زید و ہندہ برضا و رغبت اپنی پھر نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں (۲) اگر ہندہ حاملہ زید سے تھی تو اس صورت میں نکاح اول جائز تھا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۶۰ حکیم عظمت اللہ صاحب (فرخ آباد) ۲۳ ربیع الثانی سن ۱۳۵۶ھ م ۳ جولائی سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۰) ہندہ کا حمل اگر زنا کا تھا خواہ زید سے یا کسی اور شخص سے تو نکاح اول صحیح تھا۔ لیکن تاریخ نکاح سے چھ ماہ کے بعد بچہ ہوا تھا تو وہ بچہ زنا کا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بچہ زید کا بیٹا قرار پائے گا۔(۵) اگر زید نے طلاق مغلظہ نہ دی ہو تو وہ اپنی مطلقہ بیوی سے نکاح کر سکتا ہے۔(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نکاح کرنے کی غرض سے مسلمان ہونے والا شخص مسلمان ہے جب تک اس سے ارتداد صادر نہ ہو۔

(سوال) کوئی عیسائی کسی مسلم لڑکی کے ساتھ نکاح کی غرض سے مسلمان ہوا۔ پھر بعد میں کوئی کسی قسم کا اسلامی شعار اس میں نہیں پایا گیا اور نہ اس کو کلمہ آتا ہے اور نہ وہ صحیح مفہوم خدا اور رسول کا جانتا ہے اور پہلے کی طرح مردار کھاتا

---

(۱) العقر هو مهر مثلها في الجمال . اى مايرغب فيه في مثلها جمالاً فقط . واما ماقيل ما يستاجر به مثلها للزنى لوجاز فليس معتاد ، بل العادة ان مايعطى لذلك اقل مما يعطى مهرا ، لا الثاني للبقاء بخلاف الاول۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الرقیق، ۳ / ۱۵۹، سعید)

(۲) وعدة المنكوحة نكاحا فاسدا لكن الصواب ثبوت العدة والنسب۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدة، ۳ / ۵۱۶، سعید)

(۳) واكثر مدة الحمل سنتان لقول عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: الولد لا يبقى في البطن اكثر من سنتين ولو بظل مغزل۔ (الهداية، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، ۲ / ۴۳۳، شرکة علمية)

(۴) وصح نكاح حبلى من زنى ۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، ۳ / ۴۸، سعید)

(۵) وان جاءت به لستة اشهر فصاعدا يثبت نسبه منه اعترف به الزوج او سكت۔ (الهندية، کتاب الطلاق، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب، ۱ / ۵۳۶، ماجدية)

(۶) وينكح مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالاجماع۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب الرجعة، ۳ / ۴۰۹، سعید)

ہے۔ شراب نوشی کو جائز سمجھتا ہے تو اب اس کی عورت کو جو بچہ پیدا ہو گا وہ کیسا ہو گا۔ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاوے کہ نہیں۔ بعد اسلام اس نے کوئی سجدہ تک نہیں کیا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۶۳۹ ابراہیم صاحب

(جواب ۴۳۱) جو عیسائی کہ مسلمان ہو گیا اور کسی مسلمان عورت سے اس نے نکاح کر لیا تو جب تک اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جس سے اس کو مرتد قرار دیا جاسکے اس کی اولاد کو مسلم قرار دیا جائے گا۔ اور مسلمانوں کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جائے گا۔ ترک اعمال موجب فسق ہے مگر موجب کفر نہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نکاح کے ساڑھے سات ماہ بعد پیدا ہونے والا بچہ صحیح النسب ہے۔

(سوال) زید نے ہندہ کے ساتھ چند شرائط کے ماتحت برضا و رغبت نکاح کیا۔ تاریخ نکاح سے پورے سات ماہ اور تیرہ یوم کے بعد مسماۃ ہندہ کے بطن سے ایک لڑکا تولد ہوا منجملہ شرائط کے جو فریقین میں بوقت نکاح طے ہوئی تھیں ایک شرط مذکورہ ذیل کو فسخ کرانے کے لئے چند مخالفین کے اکسانے سے زید نے ہندہ پر الزام کیا کہ جو بچہ اس کے بطن سے پیدا ہوا ہے وہ اس کے نطفہ سے نہیں ہے بلکہ حرامی ہے اور مسماۃ ہندہ کو جس کو زید نے اس بہانے سے کہ میں تجھ کو تیرے باپ کے شہر میں مکان لے کر رکھوں گا اس کے باپ کے یہاں پہنچادیا۔ وضع حمل کے دوران میں اور ازاں بعد زچہ اور بچہ کے اخراجات کا کفیل ہندہ کا باپ ہو رہا ہے اس کے بعد زید نے بیان کیا کہ اگر شرائط نامہ سے شرط بابت رہائش کرنال اڑادی جائے تو میں زچہ اور بچہ کو اپنے وطن پہنچانے کو تیار ہوں

واقعات مذکورہ کی موجودگی میں بروئے شرع شریف یہ امور دریافت طلب ہیں :۔

(۱) وہ بچہ جو تاریخ نکاح سے سات ماہ اور تیرہ یوم کے بعد پیدا ہوا ہے کیا واقعی حرامی ہے ؟

پیدائش اور بچہ کی پرورش کے اخراجات کس کے ذمے ہیں ؟

(۲) اخراجات بوقت وضع حمل اور بعدہ اخراجات پرورش بچہ اور اس کی والدہ کا کون ذمہ دار ہے ؟ (۳) اگر زید نے ہندہ پر بلاوجہ اتہام لگایا ہے اور اس شرط مذکورہ کو فسخ کرانے کے لئے کوئی اصلیت نہیں ہے تو زید پر کوئی شرعی حد قائم ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۱۳۱ ابوالحسن (کرنال) ۱۵ شوال سن ۱۳۵۶ھ م ۱۹ دسمبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۲) تاریخ نکاح سے سات ماہ تیرہ یوم کے بعد جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ بقاعدہ شرعیہ خاوند کا بچہ قرار پائے گا۔(۲) زید نے اگر اپنی منکوحہ پر تہمت لگائی ہے تو وہ سخت گنہگار ہوا(۳) مگر صرف اس تہمت کے لگانے سے نہ نکاح ٹوٹا اور نہ بچے کے نسب کی صحت میں کوئی فرق آیا۔ اقرار نامے کی شرط کو چھوڑنے نہ چھوڑنے کا ہندہ اور اس کے اولیاء کو اختیار ہے۔ اخراجات زچگی خاوند کے ذمے ہیں۔(۴) زید اگر اس امر کا اقرار کرے کہ اس نے بچے کو حرامی کہہ دینے میں

---

(۱) واما تارك الصلوة فان كان منكراً لو جوبها فهو كافر باجماع المسلمين ... وان كان تركه تكاسلاً مع اعتقاده وجوبها كما هو حال كثير من الناس فقد اختلف العلماء فيه ، فذهب مالك و الشافعي والجماهير من السلف والخلف الى انه لا يكفر بل يفسق۔

(۲) وان جاء ت به لستة اشهر فصاعداً يثبت نسبه منه اعترف به الزوج او سكت ، لان الفراش قائم والمدة تامة (الهداية ، كتاب الطلاق ، فصل في ثبوت النسب، ۲ /۴۳۲، شركة علمية)

(۳) ان الذين يرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا في الدنيا والآخرة ولهم عذاب عظيم (النور : ۲۳)

(۴) وفيه اجرة القابلةعلى من استاجرها من زوجة وزوج ولوجاء ت بلا استجار قيل عليه وقيل عليها (الدر المختار) وفي الشامية :قوله قيل عليه) عبارة البحر عن الخلاصة: فللقائل ان يقول عليه، لا نه مؤنة الجماع ،ولقائل ان يقول عليها ... ويظهر لي ترجيح الاول ، لان نفع القابلة معظمه يعود الى الولد فيكون على ابيه (رد المحتار، كتاب الطلاق ، باب النفقة ، ۳ /۵۸۰، سعيد)

تہمت لگانے کا ارتکاب کیا ہے تو وہ مجرم ہے اور شرعی عدالت قائم ہوتی تو اس کو سزا دی جا سکتی تھی۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نکاح کے سات ماہ بعد پیدا ہونے والے بچے کا نسب

(سوال) اگر عورت بیوہ ہو گئی اور بیوہ ہونے کے بعد اس کے دیور سے اس کا ناجائز تعلق ہو گیا اور اس کا عقد اسی کے ساتھ ہو گیا۔ عقد ہونے کے بعد ۷ ماہ میں لڑکا پیدا ہوا مگر ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ یہ حمل عقد سے پہلے کا ہے یا بعد کا۔ رہی یہ بات کہ نکاح جائز ہوا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۳۰۶ امیر محمد و نور الدین صاحبان (ریواں) ۱۲ ربیع الثانی سن ۱۳۵۷ھ م ۱۲ جون سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۳۳) اگر بیوہ نے عدت وفات پوری کر لی تھی اس کے بعد دیور سے نکاح ہوا اور نکاح سے ۷ ماہ بعد بچہ ہوا تو نکاح بھی درست ہوا اور بچہ بھی حلالی قرار دیا جائے گا۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

منکوحہ طلاق لئے بغیر دوسرا نکاح نہیں کر سکتی

(سوال) ایک کنواری لڑکی جس کی عمر شادی کے وقت چودہ برس تھی اور بروقت نکاح لڑکی کو قریباً دو ماہ کا حمل حرام تھا جو اس وقت کسی پر ظاہر نہیں ہوا۔ شادی کے قریباً چھ ماہ بعد سسرال میں جا کر لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکی پیدا ہونے کے بعد اس کے مرد نے بغیر طلاق دیئے اس عورت کو اپنے گھر سے علیحدہ کر دیا اور اس مرد نے دوسری شادی کر لی عورت کی ماں نے یہ مشتہر کر دیا تھا کہ میری لڑکی کو طلاق مل چکی ہے۔ چنانچہ ایک سال بعد اسی عورت سے ایک مرد صالح نے شریعت کے مطابق نکاح کر لیا۔ جس کو اب دو سال کا عرصہ ہوا۔ اب کچھ شک ہوا کہ چونکہ پہلے مرد نے اس عورت کو طلاق نہیں دی تھی اس وجہ سے شاید دوسرے مرد کا نکاح نہیں ہوا۔ لہذا اندریں صورت اس عورت کا نکاح دوسرے مرد کے ساتھ جائز رہا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۳۰۹ عبدالرحیم خان صاحب (گوڑ گانوہ) ۱۳ ربیع الثانی سن ۱۳۵۷ھ م ۱۳ جون سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۳۴) اگر پہلی(۳) شادی کی تاریخ سے چھ ماہ کے بعد لڑکی پیدا ہوئی تھی تو وہ لڑکی خاوند کی لڑکی ہے اور صحیح النسب ہے(۴) اور عورت اس کی منکوحہ ہے اور اگر اس نے عورت کو طلاق نہیں دی ہے تو وہ اس کے نکاح میں ہے اور دوسرا نکاح ناجائز ہوا۔(۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) والذين يرمون المحصنات ثم لم ياتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابداً واولئك هم الفاسقون (النور: ۴)

(۲) ولو زنى بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدت ، ان جاء ت به لستة اشهر فصاعداً ثبت نسبه (الهندية ، كتاب الطلاق، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب، ۱/ ۵۴۰، ماجدية)
وكذا في الدر المختار : وصح نكاح حبلى من زنا ... لو نكحها الزاني حل له وطئوها ... و الولدله (الدر المختار) وفي الرد: اى ان جاء ت به لستة اشهر (رد المحتار ، كتاب النكاح، فصل في المحرمات ، ۳ /۴۹، سعيد)

(۳) یہ شادی یعنی نکاح صحیح منعقد ہوا۔ كما في الدر : وصح نكاح حبلى من زنا (الدر المختار ، كتاب النكاح ، فصل في المحرمات، ۳ /۴۹، سعيد)

(۴) وان جاء ت به لستة اشهر فصاعداً يثبت نسبه منه اعترف به الزوج او سكت (الهندية، كتاب الطلاق ، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب ،۱ /۵۳۶، ماجدية)

(۵) لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره (الهندية ، كتاب النكاح ، الباب الثالث في بيان المحرمات ،۱ /۲۸۰،ماجدية)

عدت کا علم ہوتے ہوئے معتدہ سے نکاح حرام ہے

(سوال) اگر کوئی شخص کسی عورت سے جو طلاق کی عدت کے اندر ہے یعنی قبل از اختتام عدت طلاق دیدہ و دانستہ نکاح پڑھالے تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا اور اگر نہیں تو کیوں اور پھر اب کیا ہونا چاہئے۔ اور اس درمیان میں جو اولاد ہو چکی ہے اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۲۴۹۵ منشی عبداللہ صاحب (احمد آباد) ۲۹ ربیع الاول سن ۱۳۵۸ھ م ۲۰ مئی سن ۱۹۳۹ء

(جواب ۴۳۵) عدت ختم ہونے سے پہلے معتدہ عورت کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ یہ قرآن پاک کا صریح حکم ہے۔ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ۔ (۱) پس جو نکاح عدت کے اندر ہوا وہ جائز نہیں ہوا۔ اور اگر باوجود اس علم کے کہ عورت معتدہ ہے نکاح کیا گیا تو اس کا وجود و عدم برابر اور اولاد بھی حرامی ہوئی۔ (۲) البتہ اگر شوہر کو عورت کے معتدہ ہونے کا علم نہ ہوا ہو تو اولاد ثابت النسب ہوگی۔ (۳)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

عدت کے اندر حلالہ معتبر نہیں

(سوال) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دی پھر وہ پچھتایا۔ حلالہ کرانے کی غرض سے ایک شخص دیگر سے نکاح کرادیا۔ اور پھر طلاق دلوادی۔ زوج اول کی طلاق سے سات مہینے گذرنے کے بعد اس عورت کے بچہ پیدا ہوا۔ اسی سات مہینے میں نکاح ثانی اور حلالہ بھی ہوا۔ اب بچہ پیدا ہونے سے معلوم ہوا کہ نکاح ثانی عدت میں ہوا تھا۔ جواب طلب یہ امر ہے کہ یہ نکاح صحیح اور یہ حلالہ معتبر ہوا یا نہیں؟

(جواب ۴۳۶) سات مہینے کی مدت اتنی مدت ہے کہ اس میں زوج اول کی طلاق کی عدت ختم ہو کر دوسرے سے علوق ہوتا اور اقل مدت حمل میں بچہ پیدا ہونا ممکن نہیں۔ زوج اول کی عدت گزرنے کے لئے اگر عدت بالحیض ہو کم از کم انتالیس چالیس روز درکار ہیں اور اس کے بعد علوق ہو کر وضع حمل سات مہینے میں غیر ممکن ہے۔ لیکن چونکہ عدت طلاق مغلظہ کی ہے اور دوسرے سے نکاح کر لیا ہے اور دو سال سے قبل بچہ پیدا ہوا ہے اس لئے بچہ کا نسب زوج اول ہی سے ثابت ہوگا۔ اور دوسرا نکاح نکاح فاسد ہوگا۔ اور حلالہ غیر معتبر سمجھا جائے گا۔ زوج اول کے لئے حلال ہونے کے واسطے کافی نہ ہوگا۔ اذا تزوجت المعتدۃ بزوج اخر ثم جاء ت بولد ان جاء ت به لا قل من سنتين منذ طلقها الا ول او مات و لا قل من ستة اشهر منذ تزوجها الثاني فالو لد للا ول الخ (عالمگیری ص ۵۶۰ ج ۱ طبع مصر) (۴) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الا مة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويد خل بها الخ (عالمگیری (د) ص ۵۰۱ ج ۱ طبع مصر)

---

(۱) البقرة : ۲۳۵

(۲) اولاد اس صورت میں حرام ہوئی جب پہلے شوہر سے اس کا نسب ثابت ہونا ممکن نہ ہو۔ اگر ممکن ہو تو حلال ہوئی۔ ولو تزوجت معتدة بائن فولدت لا قل من سنتين مذبانت ولا من الا قل مذتزوجت فالولد للاول لفساد نكاح الآخر ..... عن البدائع انه للثاني معللاً ، فان اقدامها على النكاح دليل انقضاء عدتها حتى لو علم بالعدة فالنكاح فاسد و ولدها للاول ان امكن اثباته منه بان تلدلا قل من سنتين مذطلق او مات (الدر المختار ، كتاب الطلاق ، فصل في ثبوت النسب ۳ / ۵۵۵ سعيد)

(۳) هذا اذا لم يعلم قبل التزوج انها تزوجت في عدتها ، فان علم ذلك وقع النكاح الثاني فاسداً (الهندية ، كتاب الطلاق ، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب ، ۱ / ۵۳۸ ماجدية)

(۴) الهندية ، كتاب الطلاق ، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب ، ۱ / ۵۳۸ ، ماجدية

(۵) الهندية ، كتاب الطلاق ، الباب السادس في الرجعة ، ۱ / ۴۷۳ ، ماجدية

نابالغ شوہر کی بیوی سے پیدا ہونے والے بچے کا حکم

(سوال) زید کی شادی ایک بالغ عورت سے ہوئی۔ زید خود نابالغ ہے۔ عورت سے زید کی نابالغی کی عمر میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ کیونکہ بکر نے زوجہ زید سے منہ کالا کیا اور بعد میں زبردستی زید سے طلاق دلوا کر زوجہ زید سے نکاح کر لیا۔

(جواب ۴۳۷) نابالغ ناقابل وطی شوہر کی بیوی سے جو بچہ پیدا ہو لوہ ولد الحرام ہے۔(۱) اس صورت میں زوجہ زید اور بکر (اگر اقرار زنا کرے) دونوں شرعی سزا (سو کوڑے یا رجم) کے مستحق ہیں۔(۲) لیکن حکومت موجودہ میں شرعی سزا جاری کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو دونوں سے مقاطعہ کرنا جائز ہے۔ جب تک کہ وہ توبہ نہ کریں اور خلوص توبہ کا ظن غالب حاصل نہ ہو جائے۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفر لہ،

غیر کی منکوحہ سے نکاح

(سوال) زید کا ایجاب و قبول شرعی بحالت بالغی اس کے باپ نے ہندہ بالغہ کے ساتھ بولایت والد ہندہ ایک محفل معتبرین اہل اسلام میں منعقد کرایا۔ اور وکیل شرعی نے بحضور دو گواہ کے ہندہ سے بھی اجازت حاصل کر لی اور خطبہ نکاح بھی پڑھا گیا۔ علاوہ اس کے زید کے باپ نے زیور و پوشاک و دیگر لوازمات عروسی بھی ہندہ کے لئے بھیج دیا، جن کو ہندہ کے باپ نے وصول کر کے ہندہ کو پہنوایا اور مہر بھی مقرر ہو گیا۔ عاقدین کے خاندان میں رسم برات شادی چڑھانے کی ہے جس میں وہ ڈھول وغیرہ بھی بجاتے ہیں اور منکوحہ کو شوہر کے ساتھ رخصت کرتے ہیں۔ صرف یہی مرحلہ رہ گیا۔ باقی تمام امور شرعی ایجاب و قبول کی بجالائے گئے۔ اب باوجود امور متذکرہ صدر ایک دوسرا شخص مثلاً عمرو زید کی منکوحہ کے ساتھ اپنا عقد نکاح بولایت والدہ ہندہ منعقد کرتا ہے۔ کیونکہ ہندہ کا باپ اس وقت وفات پاچکا تھا اور عمرو ہندہ کو اپنے قبضہ میں لے آیا ہے اور اس کے ساتھ آباد ہوتا رہا ہے جس سے ہندہ کو ایک لڑکا اور دو لڑکیاں تولد ہوئیں اور عمرو زندہ ہے۔ زید نے کوئی خلوت یا وطی ہندہ کے ساتھ نہیں کی تھی۔ نکاح ثانی ہونے پر بعد تقاضا ہندہ کی والدہ نے زید کی اشیائے مرسلہ متذکرہ بالا کو بجانب زید واپس کر دیا۔ مگر زید سے طلاق حاصل نہیں کی گئی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عمرو کا نکاح شرعاً کیا حیثیت رکھتا ہے اور اولاد کا نسب عمرو سے ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اب عمرو کا نکاح شرعاً جواز کی حد تک نہیں پہنچ سکتا تو ایسے نکاح کو کیا قرار دیا جائے گا۔ اگر اس کو حرام اور زنا قرار دیا جائے تو کیا نسب نکاح سے ہی ثابت ہوتا ہے یا زنا سے عین ملک سے وطی بالشبہ سے بھی؟ اگر نکاح کے سوا نسب ثابت نہیں ہوتا تو ولد الزنا کا نسب بصورت مقر ہونے زانی کے شرعاً کس کی طرف منسوب ہوگا۔ اگر زانی کی طرف منسوب ہوگا تو کیا زانی ان کا وارث بھی ہو گا یا نہیں؟

(جواب ۴۳۸) صورت مسئولہ میں عمرو کا نکاح ہندہ کے ساتھ جو منکوحہ زید تھی درست نہیں ہوا۔(۳) مگر عمرو کو اس بات کا علم بھی تھا کہ یہ منکوحہ زید ہے تو وہ سخت ظالم گنہگار فاسق ہوا۔ اور اگر اسے علم نہ تھا تو معذور ہوگا۔ اور

---

(۱) لو جاءت امرأة الصبي بولد لا يثبت نسبه (رد المحتار، کتاب الطلاق، فصل في ثبوت النسب، ۳/ ۵۵۱ سعید)
(۲) سو کوڑے کی سزا اس وقت ہے جب کہ زنا کرنے والے شادی شدہ نہ ہوں۔ کما في قوله تعالىٰ: الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مأة جلدة (النور ۲)(۳) اور اگر شادی شدہ ہوں تو پھر ان کی سزا سنگساری ہے۔ ویرجم محصن في فضاء حتی یموت (الدر المختار، کتاب الحدود، ۴/ ۱۰، سعید)
(۳) لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره (الهندية، کتاب النکاح، الباب الثالث، ۱/ ۲۸۰ ماجدية)

دونوں صورتوں میں اس کی اولاد کا نسب ثابت ہوگا۔ وهذا صريح بان الشبهة في المحل وفيها يثبت النسب كما مر (در مختار)(۱) ثبوت نسب سے نکاح کا جواز لازم نہیں آتا۔ کیونکہ محل شبہ میں باوجود وطی حرام ہونے کے بھی نسب ثابت ہو جاتا ہے اور صورت مسئولہ میں عقد کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا۔ اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں نہ حد زنا آتی ہے اور نہ نسب سے محرومی۔(۲) واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ،

ساس سے زنا کے بعد بچہ بھی پیدا ہوا، کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک شخص کا اپنی خوش دامن سے ناجائز تعلق ہونے کی وجہ سے ایک لڑکا ہے۔ آیا ایسی صورت میں اس کی بیوی اس پر حرام ہے یا نہیں۔ ساس کو لڑکا اسی داماد کے نطفے سے ہے۔ اس کا ثبوت کافی ہے۔ لڑکا حرام کا کہلائے گا یا نہیں ؟

(جواب ۴۳۹) اگر واقعہ صحیح ہے تو شخص مذکور کی منکوحہ زوجہ اس شخص پر حرام ہو گئی۔(۳) اب اس کی بیوی کسی طرح بھی خاوند پر حلال نہیں ہو سکتی۔ اور خوش دامن کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہوا ہے وہ اس شخص کا لڑکا ثابت النسب نہ ہوگا۔ اگر خوش دامن کا خاوند ہو تو اس کی طرف منسوب ہوگا ورنہ وہ ولد الزنا قرار پائے گا۔ صرف ماں سے اس کا نسب ثابت ہوگا۔(۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

نکاح کے دوران پیدا ہونے والی بچی ثابت النسب ہے۔

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۶ مئی سن ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ اسی دوران میں بکر کا اس عورت سے ناجائز تعلق ہو گیا۔ عورت کو ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ بعد ازاں اس عورت کو زید نے طلاق دے دی۔ لڑکی کی شکل و شباہت بکر سے ملتی جلتی ہے۔ عورت اور بکر بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ بکر کی اولاد ہے۔ لڑکی اب جوان ہو گئی ہے۔ بہت نیک، پابند شریعت پاکیزہ خیالات رکھتی ہے۔ بکر خاندان قریش میں سے ہے۔ وہ عورت اور زید ارائیں قوم سے ہے۔ خاندان قریش کا ایک لڑکا اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔

(جواب ۴۴۰) جب کہ وہ لڑکی اس زمانے میں پیدا ہوئی کہ اس کی ماں زید کے نکاح میں تھی تو وہ لڑکی شرعاً زید کی لڑکی قرار پائے گی اور ثابت النسب ہو گی۔(۵) اگر زید اس لڑکی کے متعلق اپنی لڑکی ہونے سے انکار کرے جب بھی وہ زید ہی کی طرف شرعاً منسوب ہو گی اور تاوقتیکہ باقاعدہ لعان نہ ہو (۶) اس وقت تک اس کا زید ہی سے ثابت

(۱) الدر المختار، کتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحدود والذي لا يوجبه، ۴/ ۲۴، سعيد)
(۲) ولا حد ايضاً بشبهة العقد اى عقد النكاح عنده (الدر المختار، كتاب الحدود، ۴/ ۲۳، سعيد)
وفي الرد: وفي هذا زيادة تحقيق لقول الامام لما فيه تحقيق الشبهة حتى ثبت النسب ويزيده ماذكره الخير الرملي في باب المهر عن العيني ومجمع الفتاوى انه يثبت النسب عنده خلافاً لهما (رد المحتار، كتاب الحدود، ۴/ ۲۴، سعيد)
(۳) ان وطء الامهات يحرم البنات (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ۳/ ۳۱، سعيد)
(۴) عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال قام رجل فقال : يارسول الله ان فلاناً ابني عاهرت بامه في الجاهلية فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا دعوة في الاسلام ، ذهب امر الجاهلية ، الولد للفراش وللعاهر الحجر (سنن ابي داؤد ، كتاب الطلاق ، باب الولد للفراش ، ۱/ ۳۱۰، سعيد)
(۵) ايضاً
(۶) وان قذف الزوج بولد حتى نفى الحاكم نسبه عن ابيه والحقه بامه (رد المحتار، كتاب الطلاق، باب اللعان ،۳/ ۴۸۹، سعيد)

ہوگا۔(۱)اور شکل و شباہت بکر کے ساتھ ملنے سے حکم نہیں بدلے گا۔(۲)پھر اگر کوئی قریشی لڑکا اس لڑکی سے نکاح کرے گا تو نکاح جائز اور درست ہوگا۔(۳)اور اگرچہ یہ لڑکی راعین قوم کی ہے مگر اس قریشی کی اولاد جو اس کے بطن سے ہوگی قریشی قرار پائے گی۔ کیونکہ نسب میں باپ کا اعتبار ہوتا ہے۔(۴)اور اولاد کا نسب وہی قرار پاتا ہے جو باپ کا ہوتا ہے۔اس لئے اس کی اولاد کی شادی وغیرہ قریش میں ہو سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

ولد الزنا زانی کا وارث نہیں

(سوال)ایک معزز مسلمان شخص کا ایک ہندو عورت سے تعلق ہو گیا اور (عقد شرعی کے بغیر)اس کے نطفے سے ہندو عورت کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا تو اس مسلمان شخص کی جائیداد میں سے اس بچے کو حصہ ملے گا یا نہیں ؟

(جواب ۴۴۱)اگرچہ ثابت بھی ہو جائے کہ یہ بچہ مسلمان کے نطفے سے پیدا ہوا ہے لیکن شریعت کے احکام میں اس بچہ کا نسب اس شخص سے ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ اس مسلمان کی وطی جو ہندو عورت کے ساتھ واقع ہوئی ہے زنا قرار پائے گی اور زنا میں نسب ثابت نہیں ہوتا(۵)بلکہ زنا کی سزا جاری ہوتی ہے۔پس بچے کو اس شخص کی جائیداد و متروکہ میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ،

اسلام لانے کے بعد ماموں اور بھانجی میں تفریق لازمی ہے،اس سے پہلے کی اولاد ثابت النسب ہے

(سوال)ایک مشرک مع اپنی زوجہ اولاد کے اسلام قبول کرنا چاہتا ہے۔ مگر اس کی زوجہ رشتے میں اس کی بھانجی ہے۔ کیا اسلام میں داخل ہونے کے بعد وہ اس کے لئے حلال رہ سکتی ہے ؟اور اس کی اولاد اپنے باپ کی وارث ہوگی یا نہیں ؟

(جواب ۴۴۲)بھانجی سے نکاح شریعت اسلامیہ میں جائز نہیں۔(۶)جب زوجین مسلمان ہو جائیں تو ان کا تعلق زوجیت باقی نہیں رہے گا۔ دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔(۷)اس سے پہلے کی اولاد ثابت النسب ہوگی۔ اور ماں باپ کے ترکہ سے اس کو حصہ میراث ملے گا۔(۸)فقط محمد کفایت اللہ غفرلہ،

(سوال)زید نے مسماۃ نبیدہ سے نکاح کیا۔ مسماۃ نبیدہ حاملہ تھی مگر زید کو معلوم نہ تھا۔چار مہینے کے بعد لڑکی پیدا ہوئی۔ لہذا یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز ؟

---

(۱)قال اصحابنا : لثبوت النسب ثلث مراتب : الاولی النکاح الصحیح ..... والحکم فیه انه یثبت النسب من غیر دعوة ولا ینتفی بمجرد النفی ، وانما ینتفی باللعان (الھندیة، کتاب الصلاة ، الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب ،۱ /۵۳۶،ماجدیة)

(۲)عن ابی ھریرة ان رجلا اتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال : یارسول الله ولد لی غلام اسود فقال: ھل لك من ابل قال: نعم ، قال : مالوانھا قال : حمر ،قال: ھل فیھا من اورق؟ قال : نعم ، قال فانی ذلك؟ قال : لعل نزعه عرق ، قال : فلعل ابنك ھذا نزعه (صحیح البخاری ، کتاب الطلاق ، باب اذاعرض بنفی الولد،۲ /۷۹۹، قدیمی)

(۳)وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم (النور : ۳۲)

(۴)لکنه غیر مقصود ولا بسیق له النص کما فی قوله تعالی: "وعلی المولود له رزقھن" الآیة، سیق لاثبات النفقة ، وفی "المولود له" اشارة الی ان النسب للآباء (الحاشیة منھیة علی ردالمحتار ، باب الحیض ،۱ /۲۹۸، سعید)

(۵)فالوطء فیه زنا لا یثبت به النسب (رد المحتار ، کتاب الطلاق ، فصل فی ثبوت النسب ،۳ /۵۵۵ ، سعید)

(۶)حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم واخواتکم وعماتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت (النساء :۲۳)

(۷)ولو کانا ای المتزوجان اللذان اسلما محرمین اواسلم احدالمحرمین او ترافعا الینا وھما علی الکفر فرق القاضی او الذی حکماہ بینھما (الدر المختار ، کتاب النکاح ، باب نکاح الکافر ،۳ /۱۸۶،سعید)

(۸)قلت وفیه مفقد شرطه لیس صحیحا عند الا طلاق ، وایضا مع انه یثبت فیه التوارث (رد المحتار ، کتاب النکاح ، باب نکاح الکافر ، ۳ /۱۸۵،سعید)

(جواب ۴۴۳) اگر مسماۃ زبیدہ نکاح کے وقت غیر منکوحہ وغیرہ معتدہ تھی اور حمل زنا کا تھا تو زید کا نکاح درست ہو گیا۔(۱) نکاح کی تاریخ سے چھ ماہ گزرنے سے پہلے جو لڑکی پیدا ہو گئی وہ ثابت النسب نہیں ہو گی۔(۲) ولد الزنا قرار پائے گی۔ مگر زید کا نکاح قائم رہے گا۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

---

(۱) وصح نکاح حبلی من زنا لا حبلی من غیرہ (الدر المختار ، کتاب النکاح ، فصل فی المحرمات ، ۳ / ۴۹ ، سعید)

(۲) فلو لاقل من ستة اشهر من وقت النكاح لا يثبت النسب (رد المحتار ، کتاب النکاح ، فصل فی المحرمات ، ۳ / ۴۹ ، سعید)

سترھواں باب

تعداد ازدواج

(۱)"ذروا الحسناء العقيم و عليكم بالسوداء الولود" حدیث کی اسنادی حیثیت
(۲) ایک حدیث کی تحقیق و تخریج

(سوال) آیا یہ حدیث صحیح ہے ؟ ذروا الحسناء العقیم وعلیکم بالسوداء الولود۔ یعنی بانجھ حسین عورت کو چھوڑ دو اور سیاہ فام مگر بچے جننے کی صلاحیت رکھنے والی عورتوں سے نکاح کرنا اختیار کرو۔ اگر یہ مفہوم صحیح ہے تو اسلامی نقطہ نظر سے زن و شو کے تعلقات میں نہ صرف تزلزل پیدا ہو گا۔ بلکہ خداوند کریم کی مرضی میں صریح دست اندازی ہو گی۔ اور لاکھوں بلکہ کروڑوں عورتیں اس بناپر چھوڑ دی جائیں گی اور پھر دوسرے لوگ بھی ان سے نکاح کرنے سے پرہیز کریں گے۔ یہ خداوند کریم کی مرضی پاک پر موقوف ہے کہ جس عورت کو چاہے صاحب اولاد بنائے اور جس کو چاہے بانجھ رکھے۔ انسان کی قوت سے یہ خارج ہے کہ وہ پروردگار کی منشاء اور ارادہ میں اس طرح دخل انداز ہو۔ کیونکہ قرآن پاک میں جا بجا یہ حکم ہے کہ بغیر ہمارے حکم کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ انسان ضعیف البنیان ہے اور اس کے سارے کام مکڑی کے جالے سے بھی کمزور ہیں۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ دریافت طلب ہے کہ آیا کوئی ایسا سرکار دوعالم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص تنگ دستی یا افلاس کے خوف سے ایک سے دو عورتیں نہ کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔" اور اس کے ساتھ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ "جو کوئی توالد و تناسل کے خیال سے ایک سے زیادہ عورتیں کرے گا تو خدا تعالیٰ اس کی روزی میں برکت عطا فرمائے گا۔" اس آخر الذکر مسئلے میں تو کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس میں کہ جو شخص افلاس یا تنگ دستی کے خوف سے ایک سے دو عورتیں نہ کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ کسی قدر کھٹک معلوم ہوتی ہے۔ پس آپ سے اس میں صراحت کے ساتھ اطمینان کی ضرورت ہوئی۔ فقط عطا محمد خاں ایم. جی. ملازم ریاست کھیتڑی۔ شیخاوائی راجپوتانہ منتظم زنانی ڈیوڑھی

(جواب ٤٤٤) آنحضرت ﷺ نے اس خیال سے کہ امت محمدیہ کی کثرت ہو جس کی وجہ سے قیامت میں حضور کو اپنی کثرت پر مفاخرۃ کا موقع ملے اس امر کی ترغیب دی ہے کہ جو عورت زیادہ ولادت کی صلاحیت رکھتی ہو اس سے نکاح کیا جائے، اس کے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات یہ ہیں :۔

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم (کنز العمال(۱) ج ۸ ص ۲۴۴) یعنی محبت والی اور قابل ولادت عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔ امرأۃ ولود احب الی اللہ من امرأۃ حسناء لا تلد انی مکاثر بکم الامم یوم القیامۃ (کنز العمال(۲) ج ۸ ص ۲۶۲) یعنی قابل ولادت عورت خدا کے نزدیک زیادہ محبوب ہے نا قابل ولادت حسین عورت سے بیشک میں تمہاری کثرت کی وجہ سے قیامت کے دن امتوں پر فخر کروں گا۔ سوداء ولود خیر من حسناء لا تلد الحدیث (کنز العمال(۳) ج ۸ ص ۲۳۸) سیاہ فام مگر قابل ولادت عورت نا قابل ولادت خوبصورت عورت سے بہتر ہے۔" ان تمام حدیثوں سے معلوم

(۱) کنز العمال ، کتاب النکاح ، ۱۶/ ۳۰۲ ، (رقم الحدیث ۴۴۵۹۷)، التراث الاسلامی بیروت
(۲) کنز العمال ، کتاب النکاح، ۱۶/ ۲۹۲، (رقم الحدیث ۴۴۵۴۰)، التراث الاسلامی بیروت
(۳) کنز العمال ، کتاب النکاح ، ۱۶/ ۲۸۴، (رقم الحدیث ۴۴۴۲۷)، التراث الاسلامی بیروت

ہو گیا کہ حضور رسالت مآب ﷺ کا مقصود کثرت امت کے اسباب کی ترغیب ہے۔ پس حدیث مذکور فی السوال جس کے الفاظ یہ ہیں :۔ ذروا الحسناء العقیم وعلیکم بالسوداء الولود۔ جو کنزل العمال(۱) ج ۸ ص ۲۴۴) میں کامل بن عدی سے منقول ہے۔ اس سے مقصود بھی یہی ترغیب ہے اور ذروا کے معنی ہیں کہ بانجھ عورت اگرچہ حسین ہو اس سے نکاح نہ کرو۔ یہ معنی نہیں کہ نکاح ہی کو چھوڑ دو یعنی طلاق دیدو۔ اور ظاہر ہے کہ قبل نکاح کسی عورت کے عقم کا علم ہو جانا نادر ہے کثیر الوقوع نہیں ہے۔ پس حدیث کے مضمون پر کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا۔

(۲) یہ حدیث کہ "جو شخص تنگ دستی کے خوف سے ایک سے دو عورتیں نہ کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔" میری نظر سے نہیں گزری۔ البتہ حدیث من ترك التزويج مخافة العيلة فليس منا ۔(کنز العمال ج ۸ ص ۲۳۹)(۲) میں دیلمی سے مروی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو محتاجی کے خوف سے نکاح نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ محتاجی کے خوف سے سنت نکاح کو نہ چھوڑے۔ کیونکہ حق تعالے کا ارشاد ہے۔ ان يكونوا فقراء يغنهم الله من فضله۔(۳) یعنی اگر وہ محتاج ہوں تو اللہ تعالے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

خلاصہ یہ کہ نفس نکاح پر تو خوف محتاجی کو چھوڑ کر نکاح کر لینے کی ترغیب ہے اور خوف محتاجی سے نکاح نہ کرنے پر لیس منا کی وعید ہے۔ لیکن تعداد ازدواج کے بارے میں یہ فرمان میری نظر میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

چند احادیث کی تخریج

(سوال) ایک عرصہ سے چند مسائل دریافت کرنے کے لئے خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا آج خدا تعالیٰ نے توفیق خط لکھنے کی دی ہے۔ یاد نہیں لیکن میں نے یہ حدیث دیکھی ہے اور اس کا ترجمہ ایک کتاب کے خالی ورق پر لکھ لیا تھا۔ وہو ہذا۔ سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ عثمان بن مظعون نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے جی میں آتا ہے کہ خصی ہو جاؤں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میری امت کا خصی ہونا روزہ رکھنا ہے۔ عرض کیا۔ میرے جی میں آتا ہے کہ پہاڑوں میں جا بیٹھوں۔ فرمایا اے عثمان میری امت کی رہبانیت یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کریں۔ عرض کیا میرے جی میں آتا ہے سیّاحی کروں۔ فرمایا میری امت کی سیّاحی ہے خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ حج اور عمرہ۔ عرض کیا میرے جی میں ہے کہ اپنی بیوی خولہ کو طلاق دے دوں اور چھوڑ دوں۔ فرمایا اے عثمان میری امت کی ترک یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے حرام کیا ہے اس کو چھوڑ دیا جائے یا میری زندگی میں ہجرت کر کے میرے پاس آوے یا میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرے یا اپنے مرنے کے بعد ایک یا دو تین یا چار بیویاں چھوڑ جائے ۔ حدیث مذکورہ کے متعلق مطلع فرمائیں کہ یہ حدیث صحاح ستہ میں سے کون سی کتاب میں ہے اور کس درجے کی حدیث ہے اور خط کشیدہ الفاظ اس حدیث میں ہیں یا نہیں ؟

(۱) کنز العمال ، کتاب النكاح، ۱۶/ ۲۷۴، (رقم الحديث : ۴۴۵۴۶)، التراث الاسلامی بیروت
(۲) کنز العمال، کتاب النکاح، ۱۶/ ۲۷۹، (رقم الحدیث : ۴۴۴۶)، التراث الاسلامی بیروت
(۳) النور : ۳۲

اقتباس از کیمیائے سعادت باب النکاح

اسی سبب سے صحابہ کرام اور اگلے بزرگ بے عورت مرنے سے کراہت رکھتے تھے۔ حضرت معاذؓ کی دو بیبیاں تھیں طاعون میں مر گئیں اور خود بھی ان کو طاعون ہوا تو فرمایا کہ میرے مرنے سے پہلے میرا نکاح کرا دو کہ میں بے جورو نہ مروں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مرنے والوں میں رذیل تر وہ ہیں جو بن بیاہے مرتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اپنے اہل و عیال کو نفقہ دینا صدقہ دینے سے افضل ہے۔

اقتباس از کتاب تلبیس ابلیس مصنفہ مولانا عبدالرحمان ابن جوزی (۱) ابن عباس کہتے ہیں کہ اس امت میں سب سے افضل ترین وہ تھے جن کی سب سے زیادہ بیویاں تھیں یعنی رسول اللہ ﷺ (۲) شداد بن اوس نے کہا کہ میری شادی کر دو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو وصیت فرمائی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بن بیاہا نہ جاؤں۔ (۳) محمد بن ارشد نے ہم سے بیان کیا کہ مکحول نے ایک آدمی سے روایت کیا کہ ابوذر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا جس کا نام عکاف بن بشیر تمیمی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے عکاف تمہاری کوئی بیوی ہے؟ عرض کیا نہیں۔ استفسار فرمایا کوئی لونڈی ہے جواب دیا نہیں۔ استفسار فرمایا کہ تم فارغ البال ہو۔ کہا! میں خوش حال ہوں۔ ارشاد فرمایا تو اس وقت شیطان کا بھائی ہے۔ اگر تو نصاریٰ میں سے ہوتا تو کوئی راہب ہوتا۔ ہماری سنت نکاح ہے۔ تم لوگوں میں بڑے لوگ بن بیاہے ہیں۔ (۴) مرنے والوں میں رذیل تر وہ ہیں جو بن بیاہے مرتے ہیں۔ (۵) شیاطین کے پاس صالحین کے لئے ترک نکاح سے بڑھ کر اور کوئی ہتھیار زیادہ کارگر نہیں ہے۔ (۶) ابوبکر المروزی نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے احمد بن حنبل سے سنا کہتے تھے کہ بن بیاہا رہنا امور اسلام سے کسی میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ خود رسول اللہ صلعم نے چودہ نکاح کئے اور نو بیبیاں چھوڑ کر وفات پائی۔ (۷) رسول اللہ ﷺ کی یہ حالت تھی کہ اکثر اوقات آپ کے گھر میں کھانے پکانے کو کچھ نہ ہوتا تھا۔ اس پر بھی آپ نکاح کو پسند فرماتے تھے۔ اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے تھے اور ترک نکاح سے منع فرماتے تھے۔

مولانا! ان ساری باتوں کے متعلق حدیثیں تلاش کرنا اور ان پر غور کرنا جلدی کا کام نہیں ہے۔ اس لئے اگر تلاش میں دیر ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ مگر میں نہایت عاجزی سے التماس کرتا ہوں کہ مجھ پر کمال احسان فرما کر ان اقوال کی سند حدیث سے تلاش کرا دیویں اور یہ کہ ہر ایک حدیث کس کتاب میں ہے اور اس حدیث کا درجہ کیا ہے؟

المستفتی محمد حسین قریشی پسرور از جالندھر متصل جامع مسجد ۱۲ اگست سن ۱۹۳۰ء

(جواب ٤٤٥) احادیث مستفسر عنہا میں سے جن احادیث کا پتہ مل گیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔ بعض اور حدیثیں بھی جو مبحث سے متعلق تھیں لکھ دی ہیں۔ آپ نے جس غرض سے ان احادیث کا پتہ نشان دریافت فرمایا ہے۔ وہ غرض ان احادیث سے جو میں نے لکھی ہیں حاصل ہو جائیں گی۔ مزید دریافت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نکاح کرنے کی ترغیب بہت زوردار الفاظ میں دی ہے اور بے نکاح رہنے سے منع کیا ہے اور خود متعدد نکاح کیے اور بشرط قدرت تعدد نکاح کو بھی پسند فرمایا ہے۔

(۱) عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه قال بينا انا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم جالسا اذ دخل عليه عكاف و كان من سادة قومه فسلم على النبى صلى الله عليه وسلم فرد عليه ثم قال يا عكاف هل

لك زوجة قال اللهم لا قال ولا جارية قال لا قال وانت موسر قال نعم قال انت اذاً من اخوان الشياطين ان كنت من رهبان النصارى فانت منهم وان كنت منا فشاننا التزويج ويحك يا عكاف ان من شراركم عزابكم وما للشياطين من سلاح هو ابلغ في الصالحين من المتغربين الا المتزوجين فاولئك المبرئون المطهرون ويحك يا عكاف اما علمت انهن صواحب داؤد و يوسف و كرسف ويحك يا عكاف تزوج والا فانك من المذنبين فقال يا نبي الله زوجني فلم يبرح حتى زوجه ابنة كلثوم الحميري رواه الديلمي كذا في كنز العمال.

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ عکاف بن بشیر تمیمی حاضر ہوئے۔ یہ اپنی قوم کے سرداروں میں سے تھے اور حضور ﷺ کو سلام کیا۔ حضور نے جواب دیا پھر فرمایا اے عکاف تمہاری بیوی ہے۔ عرض کیا نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی باندی بھی نہیں؟ انھوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اور تم صاحب مقدرت ہو؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا تو پھر تم شیطان کے بھائیوں میں داخل ہو اگر تم نصاریٰ کے راہبوں میں سے ہو تو ٹھیک تم ان میں سے ہو اور تم ہم میں سے ہو تو ہمارا طریقہ تو نکاح کرنا ہے۔ عکاف تیرا برا ہو تم میں سے جو لوگ مجرد ہیں وہ بدترین لوگ ہیں اور بے نکاح رہنے سے زیادہ متوثر کوئی ہتھیار شیطان کے پاس نہیں ہے جو وہ صالحین پر استعمال کرتا ہے۔ ہاں جو نکاح کر لیتے ہیں وہ پاک صاف رہتے ہیں۔ عکاف تیرا برا ہو۔ تمہیں خبر نہیں کہ عورتیں حضرت داؤدؑ حضرت یوسفؑ اور کرسف کی بیویاں رہی ہیں۔ عکاف تیرا برا ہو، نکاح کرو ورنہ تو گنہگاروں میں سے ہوگا۔ عکاف نے عرض کیا۔ اے خدا کے نبی آپ ہی میرا نکاح کر دیجئے اور اس جگہ سے اس وقت تک نہ ہٹے جب تک حضور ﷺ نے کلثوم حمیری کی بیٹی سے ان کا نکاح نہ کر دیا۔ یہ روایت کنز العمال میں دیلمی سے بروایت ابن عباسؓ اور مسند امام احمد (۲) سے روایت ابوذرؓ اور مسند ابو یعلیٰ و معجم طبرانی کبیر و شعب الایمان بیہقی (۳) سے بروایت عطیہ بن بشیر المازنیؓ نقل کی گئی ہے اور جمع الفوائد میں بھی اس کو مسند امام احمدؒ سے بروایت ابوذرؓ نقل کیا گیا ہے۔ اس میں لفظ کرسف کے بجائے کرفس ہے۔

(۲) عن ابن جبير قال قال ابن عباس هل تزوجت قلت لا قال تزوج فان خير هذه الامة كان اكثرهم نساءً يعني النبي صلى الله عليه وسلم للبخاري (۴) كذا في جمع الفوائد۔

(۳) عن ابن مسعود الانصاري عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا انفق المسلم نفقة على اهله ويحتسبها كانت له صدقة (بخاري)(۵)

(۴) قال النبي صلى الله عليه وسلم افضل الصدقة ماترك غنىً واليد العليا خير من اليد السفلى وابدأ بمن تعول (بخاري)(۶)

(۵) قال النبي صلى الله عليه وسلم مسكين مسكين مسكين رجل ليست له امرأة قالوا وان كان كثير المال قال وان كان كثير المال مسكينة مسكينة امرأة ليس لها زوج قالوا وان كانت كثيرة المال قال وان

(۱) كنز العمال، ۱۶/ ۲۹۱، (رقم الحديث ۴۵۹۰۲) احياء التراث الاسلامي بيروت۔
(۲) مسند احمد، كتاب النكاح، ۵/ ۱۶۳، دار صادر بيروت
(۳) شعب الايمان للبيهقي، كتاب النكاح، فصل في ترغيب النكاح، ۴/ ۳۸۱، (رقم الحديث ۵۴۸۰)، دار الكتب العلمية بيروت
(۴) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب كثرة النساء، ۲/ ۷۵۸، قديمي
(۵) صحيح بخاري، كتاب النفقات، باب فضل النفقة على الاهل، ۲/ ۸۰۵، قديمي
(۶) صحيح البخاري، كتاب النفقات، باب وجوب النفقة على الاهل والعيال، ۲/ ۸۰۶، قديمي

كانت كثيرة المال مسكينة مسكينة امرأة ليس لها زوج قالووان كانت كثيرة المال قال وان كانت كثيرة المال (۱)

ابن جبیر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے نکاح کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا نکاح کر لو کیونکہ اس امت میں افضل ترین وہ تھے جن کی بیویاں سب سے زیادہ تھیں۔ یعنی آنحضرت ﷺ۔

ابن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ مکالمہ بخاری شریف میں موجود ہے۔

ابو مسعود (انصاری آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان جو کچھ اپنے اہل و عیال پر بہ نیت رضائے مولیٰ خرچ کرے وہ اس کے لئے صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ بہتر صدقہ وہ ہے کہ صدقہ دینے کے بعد بھی دینے والا غنی رہے۔ اور اوپر والا (یعنی دینے والا) ہاتھ نیچے والے (یعنی لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے اور پہلے اپنے اہل و عیال پر خرچ کر (اس کے بعد غیروں پر صدقہ کر)

حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص کی بیوی نہ ہو وہ محتاج ہے محتاج ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور اگر وہ بڑا مالدار ہو فرمایا بڑا مالدار ہو جب بھی محتاج ہے اور جس عورت کا خاوند نہ ہو وہ محتاج ہے۔ لوگ نے عرض کیا کہ اگر وہ بڑی مالدار ہو فرمایا اگرچہ بڑی مالدار ہو۔ (رواه رزين كذافي جمع الفوائد)

(٦) وقال النبي صلى الله عليه وسلم تزوجوا الودود الولود فاني مكاثر بكم الامم ابو داؤد (۲) كذا في جمع الفوائد۔

(۷) رد رسول الله صلى الله عليه وسلم على عثمان بن مظعون التبتل ولو اذن له لا ختصينا۔ (۳) ترمذی۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو شوہروں سے محبت کرتی ہوں اور کثیر الولادۃ ہوں کہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

سعدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون کو تبتل (یعنی ترک دنیا و ترک تعلقات زوجیت) کی اجازت نہیں دی۔ اگر حضور ان کو اس کی اجازت دے دیتے تو ہم تو خصی بن جایا کرتے۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ کے متعلق وہ طویل روایت جو آپ نے نقل کی ہے باوجود تلاش کے مجھے نہیں ملی۔ نیز حضرت معاذ (۴) اور شداد بن اوس رضی اللہ عنہما کی روایت بھی نظر سے نہیں گزریں۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

---

(۱) كنز العمال، كتاب النكاح، ۲۷۹/۱۶، (رقم الحديث: ۴۴۴۵۵)، التراث الاسلامی

(۲) سنن ابی داؤود، كتاب النكاح، باب في تزويج الابكار، ۱/ ۲۸۰، سعيد

(۳) جامع الترمذي، ابواب النكاح، باب ماجاء في النهي عن التبتل، ۱/ ۲۰۷، سعيد

(۴) معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت "مصنف ابن ابی شیبۃ" میں اور شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت "مصنف" اور "احکام القرآن للجصاص" دونوں میں مذکور ہے۔

عن الحسن قال: قال معاذ في مرضه الذي مات فيه: زوجوني اني اكره ان القى الله اعذباً (مصنف ابن ابي شيبة، كتاب النكاح، ۳/ ۴۳۹، (رقم الحديث: ۱۵۹۰۳)، بيروت)

عن شداد بن اوس وكان قد ذهب بصره قال: زوجوني ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اوصاني الا القى الله اعذب (مصنف ابن ابي شيبة، كتاب النكاح، ۳/ ۴۳۹، (رقم الحديث: ۱۵۹۰۲)، بيروت، وكذا في (احكام القرآن، ۳/ ۳۲۰، بيروت)

(۱) ایک مرد کتنے نکاح کر سکتا ہے؟
(۲) بیوی کا حق مارنے کی غرض سے دوسرا نکاح جائز نہیں

(سوال)(۱) ایک مرد کون سی صورتوں میں کتنے نکاح کر سکتا ہے۔ (۲) ایک مرد کی ایک پہلی بیوی موجود ہے اور اس کو طلاق دیئے بغیر بلا کسی قصور کے اور بغیر اس کی رضامندی کے اس کا حق مارنے کی غرض سے دوسرا نکاح کرلے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

(جواب ٤٤٦)(۱) چار عورتوں تک نکاح میں لا سکتا ہے۔ بشرطیکہ ہر بیوی کے ساتھ انصاف کر سکے اور سب بیویوں کو برابر رکھ سکے۔(۱)(۲) یہ نیت کر کے دوسرا نکاح کرنا جائز ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

چار سے زیادہ بیویاں کرنا جائز نہیں

(سوال) ایک شخص کی چار بیویاں پہلے سے موجود ہیں۔ پانچویں اپنی خواہش سے بلا خواہش مرد کے تیار ہوئی کہ ہم تمہارے ساتھ عقد کریں گے۔ مرد نے مجبوراً عقد اس سے بھی کرلیا۔ اب بستی کے لوگوں نے اسے جماعت سے بند کر رکھا ہے کہ پانچ بی بی کرنا شریعت سے حکم نہیں ہے۔ تم نے کیوں کیا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۲۱۸۴ جناب قسمت اللہ صاحب (میمن سنگھ) ۱۳ ذی قعدہ سن ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جنوری سن ۱۹۳۸ء

(جواب ٤٤٧) ہاں پانچ بیویاں کرنا جائز نہیں لہذا اس پانچویں کا نکاح جائز نہیں ہوا۔(۳) اس کو فوراً اپنے پاس سے علیحدہ کردے اور توبہ کرے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) بیوی کی عدت گذرنے سے پہلے سالی سے نکاح جائز نہیں
(۲) مطلقہ بیوی کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا حکم ہے؟

(سوال)(۱) زید نے اپنی عورت کو بلا قصور طلاق دی اس کو حمل تھا اور بچہ پیدا نہ ہوا تھا کہ زید نے بیوی کی حقیقی بہن سے نکاح کرلیا۔ زید نے بغیر قصور پہلی بیوی کو طلاق دی۔ ہوئی یا نہیں؟
(۲) چھوٹی بہن سے نکاح کیا وہ جائز ہے یا نہیں؟
(۳) یہ کہ پہلی عورت سے زید خوش ہے اور زید کی یہ مرضی ہے کہ عورت کو حلال کرنا چاہتا ہوں جو نکاح اس کی چھوٹی بہن سے کیا ہے وہ نہیں چاہتا۔

المستفتی نمبر ۲۱۸۸ رمضانی شاہ فقیر (جے پور) ۱۴ ذی قعدہ سن ۱۳۵۶ھ م ۱۷ جنوری سن ۱۹۳۸ء

(جواب ٤٤٨) بہن کی عدت پوری ہونے سے پہلے دوسری بہن سے جو نکاح کیا وہ ناجائز ہوا۔(۴) طلاق بے

---

(۱) فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث ورباع فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة۔(النساء ۳)۔
(۲) واذا کانت له امرأة و اراد یتزوج علیها اخری وخاف ان لا یعدل بینهما لا یسعه ذلك (الهندية، كتاب النكاح، الباب الحادی عشر فی القسم، ۱ /۳۴۰، ماجدية)
(۳) واذا تزوج الحر خمسا علی التعاقب جاز نکاح الاربع الاول ولا یجوز نکاح الخامسة (الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث، ۱ /۲۷۷، ماجدية)
(۴) ولا یجوز ان یتزوج اخت معتدة سواء کانت العدة عن طلاق رجعی اوبائن اوثلاث (الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث، ۱ /۲۷۹، ماجدية)

قصور دی تو برا کیا مگر طلاق ہو گئی۔(۱) اب اگر مطلقہ سے شوہر خوش ہے اور اس کو رکھنا چاہتا ہے تو اس کا یہ حکم ہے کہ اگر طلاق مغلظہ نہیں دی تھی تو اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔(۲) شرط یہ کہ دوسری بہن کو علیٰحدہ کر دے اور اس سے قطع تعلق کر لے۔(۳)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیوی کی رضامندی کے بغیر دوسرا نکاح کرنا

(سوال) زید کی ایک بیوی ہے وہ کچھ بیمار اور پیروں سے معذور ہے اور اس سے بیوی جیسا تعلق رکھنے پر جب اس کے کچھ بال بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ سخت مصیبت میں گرفتار اور مرنے کے قریب ہو جاتی ہے تو زید کو ڈاکٹروں نے یہ رائے دی ہے کہ تم اس کے ساتھ اپنا بیوی جیسا تعلق نہ رکھو بلکہ اس کی زندگی چاہتے ہو تو اس کو روٹی کپڑا دیتے رہو اور تم اپنا عقد ثانی کر لو۔ اب عقد ثانی سے اس کی بیوی رضامند نہیں ہے اور سخت رنج و ملال ظاہر کرتی ہے تو اس صورت میں زید کا عقد کرنا بغیر سابقہ بیوی کی رضامندی کے شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۲۶۲ مستری محمد عمر صاحب۔ سروٹ دروازہ (مظفر نگر) ۲۵ ربیع الاول سن ۱۳۵۷ھ

(جواب ۴۴۹) بضرورت دوسری شادی کرنا جائز ہے۔ موجودہ بیوی کی اجازت لازمی نہیں۔ ہاں دوسری شادی کے بعد پہلی بیوی کے حقوق کا ادا کرنا لازم ہوگا۔(۴) ورنہ سخت گناہ لازم ہوگا۔(۵)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

تعدد ازواج پر پابندی لگانے کا مسودہ پیش کرنا جائز نہیں

(سوال) جناب عبدالعزیز صاحب چودھری و ممبر اسمبلی ریاست کپور تھلہ، ریاست کپور تھلہ کی اسمبلی میں "قانون انضباط تعدد ازدواج" کے نام سے ایک مسودہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ موصوف نے اس مسودہ قانون کو پیش کرنے کی اجازت طلب کرنے سے قبل اس کی ایک نقل حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علمائے ہند کو اظہار رائے کے لئے بھیجی۔ اس سے متعلق حضرت موصوف نے تحریر فرمایا۔

(جواب ۴۵۰) جناب کا عنایت نامہ مع مسودہ "قانون انضباط تعدد ازدواج" پہنچا۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا۔ جناب نے جس غرض سے اسے پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے وہ خود اس بل کی تمہید میں مرقوم ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ بہت سے مردوں کی سیاہ کاری سے عورتوں کو مصائب اور تکالیف پیش آ رہی ہیں۔ مگر محترمی! میرا مستحکم اور پختہ خیال یہ ہے کہ یہ بل اور اس قسم کے تمام بل بجائے اس کے کہ ان مظالم کو روکیں شریعت مطہرہ کے اندر مداخلت کا دروازہ کھولتے اور احکام شریعت کو غیر مسلم ججوں کے ہاتھ میں کھلونا بنا دینے کا دروازہ کھول دیں گے۔ سارد ا ایکٹ کا معاملہ جناب

---

(۱) یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل (الدر المختار، کتاب الطلاق ۳/ ۲۳۵، سعید)

(۲) اذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان یتزوجها فی العدة وبعد انقضائها (الهندیة، کتاب الطلاق، الباب السادس فی الرجعة ۱/ ۴۷۲، ماجدیة)

(۳) حرمت علیکم .... وان تجمعوا بین الاختین (النساء: ۲۳)

(۴) واذا کانت له امرأة واراد ان یتزوج علیها اخری وخاف ان لا یعدل بینهما لا یسعه ذلک وان کان لا یخاف وسعه ذلک والامتناع اولی ویؤجر بترک ادخال الغم علیها (الهندیة، کتاب النکاح، الباب الحادی عشر فی القسم ۱/ ۳۴۱، ماجدیة)

(۵) عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: اذا کانت عند الرجل امرأتان فلم یعدل بینهما جاء یوم القیمة وشقه ساقط (جامع الترمذی، ابواب النکاح، باب ما جاء فی التسویة بین النساء ۱/ ۲۱۷، سعید)

کے پیش نظر ہے۔ جمعیۃ علمائے ہند اور ہندوستان کی دوسری مسلم جماعتیں اور جمعیتیں اس کے مسترد کرانے کے لئے اس وقت گورنمنٹ سے بر سر پیکار ہیں۔ اس میں بھی زیادہ تر مطمح نظر یہی ہے کہ اس کی وجہ سے اسمبلی کے لئے دیگر مذہبی احکام میں مداخلت کا دروازہ کھل گیا ہے اور اس کو مسلمان برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے میری ناچیز رائے اس بل کے قطعی خلاف ہے جو جناب پیش کرنا چاہتے ہیں۔

میری رائے یہ ہے کہ آپ کوئی ایسا مسودہ قانون پیش کریں جس کے ذریعے سے مسلمانوں کے شرعی معاملات نکاح طلاق خلع عنین مفقود وغیرہ کے تمام مقدمات فیصل کرنے کے لئے مسلمان قضاۃ کی عدالت قائم کی جائے اور اس مسلم عدالت میں ان مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک مسلم قانون مرتب کیا جائے اور اس کے موافق مقدمات فیصل کئے جائیں۔ یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے بعض غیر مسلم ریاستوں میں اس قسم کے قاضی جن کو ان معاملات کے مقدمات فیصلے کرنے کے اختیارات ہوئے ہیں مقرر تھے۔ اور امریکہ نے اپنی بعض ریاستوں میں ایسی شرعی عدالتیں مسلمانوں کے لئے قائم کی ہوئی ہیں۔ مسلمانان سیلون نے بھی اس مضمون کا مطالبہ اس نئی اسکیم میں پیش کیا ہے جو اصلاح کے لئے زیر غور ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مہاراجہ کپور تھلہ ایک روشن خیال والئ ریاست ہیں۔ اگر مسلمان ارکان اسمبلی متفقہ طور پر یہ مطالبہ پیش کریں گے تو مہاراجہ اس کی منظور دے دیں گے۔ آپ اس کی تمہید میں یہ ضرورت واقعیہ ظاہر کریں کہ مسلمان کے مذہب کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ مسلمانوں کے شرعی معاملات میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ کافی نہیں ہے۔ بلکہ مذہبی احکام کے بموجب ان معاملات کا فیصلہ کرنے والا حاکم مسلمان ہونا ضروری ہے۔

اگر آپ کی کوشش سے یہ مطالبہ پورا ہو گیا تو پھر نہ صرف وہ مظالم جو تعداد ازدواج سے پیش آتے ہیں بلکہ عورتوں کے متعلق تمام مظالم کا سدباب ہو جائے گا۔ اگر جناب اس مضمون کا بل پیش کرنے کا ارادہ فرمائیں گے تو میں اور میری جماعت پورے طور پر ہر ممکن امداد کے لئے تیار ہو گی۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنی رائے مبارک سے جلد مطلع فرمائیں گے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ، ۲۶ مارچ سن ۳۰ء

اٹھارواں باب

ضبط تولید (برتھ کنٹرول)

کمزور عورت کے لئے ضبط تولید

(سوال) مسئلہ برتھ کنٹرول یعنی ضبط تولید پر اکثر آج کل مضمون شائع ہوا کرتے ہیں۔ ڈاکٹروں اور اطباء کی نظر میں کمزور عورتوں کا حاملہ ہونا ان کے اور آئندہ اولاد کے لئے مضر اور خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ حمل کا متواتر ضائع ہو جانا، بار بار اسقاط ہونے کے باعث جسم میں خون کی کمی کا واقع ہونا، یا چند اعصابی امراض میں مبتلا ہو جانا جس کے باعث دل و دماغ کا کمزور ہو جانا، عام طور پر مخدوش زنانہ امراض میں مبتلا رہنا۔ ان صورتوں میں بعض کامل پرہیز صحبت سے بتاتے ہیں جو عرصے تک قائم رکھنا یا تو مشکل ہے یا ازدواجی تعلقات میں تلخی پیدا کرنے کا احتمال رکھتا ہے۔ بعض اطبا جو عالم بھی کہلاتے ہیں۔ اپنی روایت کے اشتہاروں میں تذکرہ کرتے ہیں کہ ضبط تولید یا برتھ کنٹرول گناہ ہے مگر ان کی گولیاں کھانے سے دو تین سال تک ایسی کمزور عورتوں کو حمل قرار نہیں پاسکتا اور یہ گولیاں ان کی صحت کے لئے ضروری بتائی جاتی ہیں۔ مقصد ان گولیوں کا بھی وہی ہے جو دیگر تراکیب ضبط تولید کا ہے یعنی حفظ صحت و تندرستی اور یہ بھی برتھ کنٹرول ہی کہلائے گا۔ ان صورتوں میں کوئی مؤثر تدبیر ضبط تولید کی اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۹۹۴ ایس۔ ایم۔ مرتضیٰ (ٹاٹانگر) ۲۵ ربیع الاول سن ۱۳۵۵ھ م ۱۶ جون سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۵۱) برتھ کنٹرول یعنی ضبط تولید کے لئے کسی دوا کا استعمال کرنا یا اور کوئی جائز تدبیر عمل میں لانا اگر عورت کی کمزوری یا اس کی صحت کی خرابی کی بنا پر ہو تو مباح ہے۔ (۱) لیکن اگر کثرت اولاد کے خوف سے یا عورت کے حسن کے قائم رکھنے کے لئے ہو تو یہ مقاصد ناقابل اعتبار ہیں اور ضبط تولید کے لئے وجہ اباحت نہیں بن سکتے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جماع کے وقت فرنچ لیدر کا استعمال

(سوال) فرنچ لیدر کا استعمال منکوحہ بیوی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں ؟ یہ تھیلی پاک کیونکر کی جاسکتی ہے ؟ اور کیا اُسے دھو کر دوبارہ استعمال کر سکتے ہیں ؟ عزل کے واسطے کیا بیوی کی اجازت ضروری ہے اگر ہے تو کیوں ؟

(جواب ۴۵۲) فرنچ لیدر کا استعمال منکوحہ بیوی کے ساتھ جائز تو ہے مگر عزل کے حکم میں ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگا۔ (۳) یہ تھیلی دھو کر پاک ہو سکتی ہے اور مکرر استعمال میں آسکتی ہے۔ (۴) عزل کے لئے منکوحہ کی اجازت

---

(۱) المرضعة اذا ظهر بها الحبل وانقطع لبنها وليس لابي الصغير ما ستاجر به الظئر ويخاف هلاك الولد قالوا يباح لها ان تعالج في استنزال الدم مادام الحمل نطفة او علقة او مضغة لم يخلق له عضو وقدرو اتلك المدة بمائة و عشرين يوما وانما اباحوا لها فساد الحمل باستنزال الدم ، لانه ليس بآدمي ، فيباح لصيانة الآدمي (الخانية على الهامش الهندية ، كتاب الحظر والاباحة ، فصل في الختان ، ۳ / ۴۱۰ ، ماجدية)

(۲) (ولا تقتلوا اولادكم خشية املاق) اى خوف ان تفتقروا في ثاني الحال (تفسير ابن كثير ، ۳ / ۳۸ ، سہیل اکیڈمی لاہور)
وفي صحيح البخاري : عن عبدالله قال : قلت يارسول الله اى الذنب اعظم ؟ قال: ان تجعل لله نداً وهو خلقك ، ثم قال اى ؟ قال : ان تقتل ولدك خشية ان يطعم معك (صحيح البخاري ، باب قتل الولد خشية ان ياكل معه ، ۲ / ۸۸۷ ، قديمي)

(۳) عن عامر بن سعد ابي وقاص انه كان يعزل...... قال محمد : وبهذا ناخذ لا نرى بالعزل باساً عن الامة ، واما الحرة فلا ينبغي ان يعزل عنها الا باذنها (مؤطا للامام محمد ، باب العزل ، ۱ / ۲۴۹ ، مير محمد)

(۴) المني اذا اصاب الثوب فان كان رطباً يجب غسله (الهندية ، كتاب الطهارة ، الباب السابع ، ۱ / ۴۴ ، ماجدية)

چاہئے کیونکہ اولاد میں اس کا بھی حق ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

تنظیم نسل یا ضبط تولید
(ایک ناتمام مضمون جو قلمی مسودہ سے نقل کیا گیا)

(سوال) کچھ عرصے سے ہندوستان کے ارباب فکر اور اہل قلم کے لئے ایک مسئلہ موضوع بحث بنا ہوا ہے جس کو تنظیم نسل یا ضبط تولید یا تحدید ولادت یا برتھ کنٹرول کہا جاتا ہے۔ جہاں تک اصل مسئلے کا تعلق ہے۔ وہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق بنی نوع انسان کی ایک ایسی فطری قوت کے ساتھ ہے جو ابتدائے آفرینش سے خلاق عالم فاطر السموٰت والارض نے نوع انسان میں ودیعت رکھی ہے اور اس قوت اور اس کے صحیح استعمال پر نوع کے بقا اور تکثیر نسل کا مدار ہے۔ جس طرح دوسری فطری قوتیں اپنے استعمال میں مخصوص فطری اور شرعی نظام کی محتاج ہیں اسی طرح یہ قوت بھی فطری اور شرعی نظام کی پابندی سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

مبدائے فیاض نے سلسلہ توالد و تناسل کے لئے دو رکن (مرد و عورت) بنائے اور دونوں میں فعل وانفعال یا اختلاط و امتزاج کے اصول پر قوت تناسل ودیعت فرمائی۔ مرد و عورت دونوں اس قوت کے حامل ہیں اور اپنی اپنی فطری صلاحیتوں کے موافق اس سے کام لینے پر قدرت رکھتے ہیں۔ مگر ہر ایک کے لئے انفرادی اور اجتماعی استعمال کے فطری اور شرعی قوانین اور حدود ہیں کہ ان سے تجاوز کرنا فطرت اور شریعت کے نزدیک جرم ہے۔(۲) مثلاً مرد و عورت دونوں کے لئے حرام ہے کہ وہ اس قوت کو انفرادی طور پر جلق یا مساحقت سے ضائع کریں۔(۳) یا نوعی توافق سے بے نیاز ہو کر کسی مخالف نوع (مثلاً حیوانات) کے ساتھ ہوس رانی کریں۔(۴) اسی طرح فطرت سلیمہ اور شریعت نے مردوں پر حرام کیا ہے کہ وہ بنی نوع کے کسی فرد (یعنی مرد یا عورت)(۵) کے ساتھ غیر محل حرث(۶) میں اپنی قوت شہوانیہ کو استعمال کر کے تباہ و برباد نہ کریں۔ چونکہ اس فعل خلاف وضع فطرت کی خواہش ابتداءً مرد کی طرف سے ہوتی ہے اس لئے اس بندش اور ممانعت کو ہم نے مردوں کی طرف براہ راست منسوب کر دیا ہے۔ منفعل (مرد یا عورت) کے ذمہ بھی لازم ہے کہ وہ مطاوعت نہ کرے اور اپنے آپ کو اس فاحشہ اور انتہائی ذلت کے کام سے

(۱) ویعزل عن الحرۃ و کذا المکاتبۃ باذنہا (الدر المختار ، کتاب النکاح ، باب المہر، ۳/ ۱۷۵ ،سعید)

(۲) فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ہم العادون (المومنون:٦)

(۳) فی الجوہرۃ : الا ستمناء حرام (الدر المختار) وفی الرد: ای بالکف اذا کان لاستجلاب الشہوۃ (رد المحتار، کتاب الحدود، باب الوطء الذی یوجب الحد والذی لا یوجب، ۴/ ۲۷، سعید)

(۴) عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : من وجد تموہ وقع علی بہیمۃ فاقتلوہ واقتلوا البہیمۃ . جامع الترمذی، باب جاء فیمن یقع علی البہیمۃ، ۱/ ۲۶۹، سعید)

اس حدیث سے اس فعل شنیع کی حرمت شدیدۃ معلوم ہوتی ہے کہ یہ اتنا سخت گناہ کا کام ہے کہ اس کے مرتکب کو قتل کر دیا جائے لیکن یہ حد نہیں بلکہ تعزیر ہے۔ کما فی الترمذی : عن ابن عباس : من اتی بہیمۃ فلا حد علیہ (ایضاً)

وفی الدر: ولا یحد بوطء بہیمۃ بل یعزر (الدر المختار ، کتاب الحدود، ۴/ ۲۶، سعید)

(۵) عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : من وجدتموہ یعمل عمل قوم لوط، فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ (جامع الترمذی ، کتاب الحدود ، باب ماجاء فی حد اللوطی، ۱/ ۲۷۰، سعید)

(٦) عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم : من اتی حائضا ، او امرأۃ فی دبرہا او کاہنا فقد کفر بما انزل علی محمد (جامع الترمذی، کتاب الطہارۃ ، باب ماجاء فی کراہیۃ اتیان الحائض ، ۱/ ۳۵، سعید)

محفوظ رکھے اور عزت انسانیت کو بچائے۔(۱)

یہاں تک جن بند شوں اور حدود و قیود کا ذکر کیا گیا ان کے بارے میں قوانین فطرت اور محکمات شریعت آئین عقل اور ضابطہ اخلاق سب متفق ہیں۔ ان قیود اور بند شوں کے نہ صرف مستحسن بلکہ لازم اور ضروری ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ اور یہ ہمارے زیر بحث مسئلہ سے بھی متعلق نہ تھیں مگر ہم نے ان کو بعض آئندہ مضامین کی تمہید کے طور پر ذکر کر دیا ہے۔

اس کے بعد یہ بحث سامنے آتی ہے کہ سلسلہ تناسل کے یہ دونوں رکن مرد و عورت فطری قانون کے موافق اپنی قوتوں کو کیف ما اتفق استعمال کرنے میں بھی آزاد ہیں یا اس مرحلے پر بھی ان پر کچھ قیود عائد کی جا سکتی ہیں۔ تو اس کا جواب بھی صاف ہے کہ ہر مرد اور ہر عورت اس مرحلے پر بھی آزاد نہیں ہے کہ وہ اپنی قوتوں کو علی الاطلاق اختلاط کے لئے استعمال کر سکیں۔ مردوں کے لئے بھی حدود مقرر ہیں اور عورتوں کے لئے بھی اور یہ حدود فطرت سلیمہ کی طرف سے اور کبھی شریعت کی طرف سے عائد کی گئی ہیں۔ مثلاً مرد کو اس کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ جس عورت سے تعلق ازدواج قائم کرے اس کو ہمیشہ کے لئے شریک زندگی بنانے کی نیت سے کرے اور جب تک اس کو خاص رسوم کے ذریعہ اپنی بیوی نا بنالے اس وقت تک اس کے ساتھ مباشرت نہ کرے۔(۲) ازدواجی تعلق قائم کرنے سے پیشتر کسی آزاد عورت کے ساتھ مباشرت کرنا شرعی اور معاشرتی جرم ہے۔(۳) جس کو عرف عام میں زنا سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو بعض قیود کے اضافہ کے ساتھ قانوناً بھی جرم ہے۔

پھر جو مرد کسی عورت کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرنا چاہے اس پر شریعت کی طرف سے لازم ہے کہ وہ عورت محرمات شرعیہ میں سے نہ ہو۔ یعنی نہ نسب کے لحاظ سے اس پر حرام ہو نہ مصاہرۃ کے اعتبار سے اور نہ منکوحۃ الغیر ہو اور نہ کسی ایسی عورت کے ساتھ اس کا نکاح میں اجتماع لازم آئے جس کے ساتھ جماع کرنا شرعاً حرام ہے۔(۴)

چونکہ ازدواجی تعلق فطرت کے اہم ترین منشا اور غرض کو پورا کرنے کے لئے قائم کیا جاتا ہے یعنی بقائے نوع و تکثیر نسل، اس لئے اس تعلق کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے اور دائمی تاحیات زوجین قائم رکھنے کے لئے جتنی باتوں کی ضرورت تھی اسلام نے ان میں سے ہر ایک بات کے متعلق کھلی ہوئی ہدایتیں دیں۔ اور پورا اہتمام کیا کہ زوجین ان کی پوری پابندی کر کے اپنی زندگی کو بھی شیریں اور پر لطف بنائیں اور فطرت کے منشا کی بھی علی احسن الوجوہ تکمیل کریں۔ مثلاً نفس تعلق ازدواج کے متعلق سرور عالم ﷺ کے ارشادات گرامی ملاحظہ ہوں :-

(۱) قرآن مجید میں مومن کی اخروی کامیابی کی ایک شرط شرم گاہ کی حفاظت بھی ہے
والذین هم لفروجهم حافظون (المومنون : ۵)

(۲) عن ابی نضرة قال کان ابن عباس یا مر بالمتعة و کان ابن الزبیر ینهی عنها، قال فذکرت ذلک لجابر بن عبدالله فقال : علی یدی دار الحدیث تمتعنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فلما قام عمر قال ان الله کان یحل لرسوله ماشاء بماشاء وان القرآن قد نزل منازله فاتموا الحج والعمرة کما امرکم الله وابتوا نکاح هذه النساء فلن اوتی برجل نکح امرأة الی اجل الا رجمته بالحجارة (الصحیح لمسلم ، کتاب الحج ، ۱ / ۳۹۳، قدیمی)(۳) ولا تقربوا الزنا انه کان فاحشة وساء سبیلاً (سورة بنی اسرائیل : ۳۲)

(۴) حرمت علیکم امهاتکم وبناتکم واخواتکم وعماتکم وخالاتکم و بنات الاخ وبنات الاخت وامهاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة و امهات نسائکم و ربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم التی دخلتم بهن فان لم تکونوا دخلتم بهن فلا جناح علیکم وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم وان تجمعوا بین الاختین الا ماقد سلف ان الله کان غفورا رحیما والمحصنت من النساء (النساء : ۲۳-۲۴) وفی الهندیة : لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره (الهندیة ، کتاب النکاح ، الباب الثالث فی بیان المحرمات ، القسم الثامن ۱ / ۲۸۲، ماجدیة)

ازدواج و نکاح کی ترغیب

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فانه اغض للبصر واحصن للفرج۔(۱) انتهى مختصراً متفق عليه۔ ترجمہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص ازدواجی زندگی کا بار اٹھا سکتا ہے اسے لازم ہے کہ نکاح کرے کہ یہ اس کی نظر کو نیچی رکھنے والا اور شرم گاہ کا محافظ ہے۔

(۲) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلثة حق على الله عونهم المكاتب الذى يريد الاداء والناكح الذى يريد العفاف والمجاهد فى سبيل الله(۲) (ترمذی نسائی ابن ماجه كذافى المشكوة) ترجمہ :۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ تین شخص ہیں جن کی مدد اللہ تعالیٰ نے خود اپنے فضل و کرم سے اپنے اوپر لازم کر لی ہے (۱) مکاتب جو آقا کو طے شدہ رقم ادا کرنا چاہتا ہے اور (۲) نکاح کرنے والا جو پاک دامن رہنے کے ارادے سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور (۳) اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا۔

(۳) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا کلها متاع وخير متاع الدنيا المرأة الصالحة (۳) (مسلم شریف كذافى المشكوة) ترجمہ :۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا دنیا تمام کی تمام انسان کے فائدہ اٹھانے کا سامان ہے اور دنیا کے تمام سامانوں میں سے بہترین سامان نیک عورت ہے۔

(۴) قال النبى صلى الله عليه وسلم مااستفاد المؤمن بعد تقوى الله خيراً له من زوجة صالحة ان امرها اطاعته وان نظر اليها سرته وان اقسم عليها ابرته وان غاب عنها نصحته فى نفسها وماله۔(۴) (ابن ماجه كذافى المشكوة) ترجمہ :۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ کے تقویٰ (یعنی ایمان و اعمال صالحہ) کے بعد اس سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں کہ اسے نیک بیوی میسر ہو جائے جو اس کے احکام کی تعمیل کرے اور جب یہ اس کی طرف نظر اٹھائے تو وہ اس کو حسن خلق اور خندہ پیشانی سے مسرور کر دے۔ اور اگر یہ کوئی ایسی قسم کھا لے جس کا پورا کرنا بیوی کے قبضہ میں ہو تو اس کی قسم پوری کر دے اور اگر یہ کہیں چلا جائے تو بیوی اپنے نفس کے رویہ اور مرد کے مال میں خیر خواہی اور اخلاص برتے۔

(۵) عن سعد بن ابى وقاص رضى الله تعالىٰ عنه قال رد رسول الله صلى الله عليه وسلم على عثمان بن مظعون التبتل ولو اذن له لا ختصينا۔(۵) (متفق عليه كذافى المشكوٰة) ترجمہ :۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عثمان بن مظعون کی مجرد رہنے کی درخواست نامنظور فرمادی۔ اگر حضور ان کو تجرد کی اجازت دے دیتے تو ہم اپنے آپ کو خصی کرا لیا کرتے۔

---

(۱) صحيح البخارى ، كتاب النكاح ، باب من لم يستطع الباءة فليصم ،۲/ ۷۵۸، قديمى۔
(۲) جامع الترمذى ، ابواب فضائل الجهاد عن النبى صلى الله عليه وسلم ، باب ماجاء فى الجهاد والمكاتب والناكح وعون الله اياهم ، ۱/ ۲۹۵، سعيد و كذافى سنن ابن ماجة ، ابواب العتق ، باب المكاتب ، ص :۱۸۱، قديمى۔
(۳) الصحيح لمسلم ، كتاب الرضاع ، باب الوصية بالنساء ،۱/ ۴۷۵، قديمى و كذافى كنز العمال ، كتاب النكاح ،۱۶/ ۲۷۸، (رقم الحديث :۴۴۴۵۱) التراث الاسلامى بيروت۔
(۴) سنن ابن ماجة ، ابواب النكاح ، باب افضل النساء ، ص :۱۳۳، قديمى و كذافى كنز العمال ، كتاب النكاح ،۱۶/ ۲۷۲، (رقم الحديث :۴۴۴۱۰) التراث الاسلامى بيروت۔
(۵) صحيح البخارى ، كتاب النكاح ، باب مايكره من التبتل والخصاء ،۲/ ۷۵۹، قديمى۔

مذکورہ احادیث اور اسی قسم کی بکثرت روایات تعلق ازدواج کی اہمیت اور اس کی فضیلت بصراحت تمام ثابت کرتی ہیں۔ اس کے بعد وہ احادیث ملاحظہ ہوں جن میں آنحضرت ﷺ نے شریک زندگی کے انتخاب میں ان صفات کی طرف توجہ دلائی ہے جو زوجین کی آئندہ زندگی کو پر کیف اور مسرت سے معمور کرنے والی اور ان کے تعلقات کو استحکام بخشنے والی ہیں۔

(۶) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنکح المرأۃ لا ربع لما لھا ولحسبھا ولجما لھا ولدینھا فاظفر بذات الدین الخ۔(۱)(متفق علیہ کذافی المشکوٰۃ) ترجمہ :۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عورت سے نکاح کرنے میں چار (۴) چیزوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ (۱) عورت کے مالدار ہونے کا (۲) اس کی خاندانی برتری کا۔ (۳) اس کی خوبصورتی کا۔ (۴) اس کی دینداری کا۔ تو تم دیندار عورت حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کرو۔

(۷) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جاء کم من ترضون دینہ وخلقہ فانکحوہ الا تفعلوا تکن فتنۃ فی الارض وفساد الا تفعلو ا تکن فتنۃ فی الارض و فساد الا تفعلو ا تکن فتنۃ فی الارض وفساد قالوا یارسول اللہ وان کان فیہ قال اذا جائکم من ترضون دینہ وخلقہ فانکحوہ ثلث مرات ۔(۲)(ترمذی) ترجمہ :۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیام لے کر حاضر ہو جس کی دینداری اور خوش خلقی تمہیں پسند ہو تو اس کا پیام منظور کر کے مخطوبہ لڑکی کا نکاح اس کے ساتھ کر دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے (یعنی نکاح میں دین و اخلاق کا لحاظ مقدم نہ رکھو گے) تو زمین میں فتنہ و فساد پھیل جائے گا۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ و فساد پھیل جائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر اس میں کوئی نی ہو ؟(۱) حضور نے فرمایا جب تمہارے پاس ایسا شخص پیام دے جو دین اور اخلاق میں پسندیدہ ہو تو نکاح کر دو اور اس جملے کو تاکیداً تین مرتبہ فرمایا۔

مذکورہ احادیث میں عورت کی ان صفات کا ذکر فرمایا ہے جو استحکام رشتہ الفت و محبت کے لئے ضروری ہیں اور ظاہر ہے کہ دینداری اور حسن خلق ہی ایسی چیزیں ہیں جو عورت کو مراعات حقوق اور حفظ مراتب پر آمادہ کر سکتی ہیں۔ اسی لئے ان دونوں کو دوسری چیزوں پر مقدم رکھا۔ اور ان کی رعایت کو ضروری قرار دیا۔ بلکہ ہمیں آنحضرت ﷺ کے ایسے کلمات طیبات بھی ملتے ہیں جن میں نری مالداری اور خوبصورتی اور نسبی برتری کو نظر انداز کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

(۸) لا تنکحو المرأ ۃ لحسنھا فعسی حسنھا ان یردیھا ولا تنکحوا المراء ۃ لما لھا فعسی مالھا ان یطغیھا وانکحو ھا لدینھا فلا مۃ سوداء خرماء ذات دین افضل من امراء ۃ حسناء لا دین لھا۔(۳)(رواہ سعید بن منصور فی سننہ کذافی کنزا لعمال) ترجمہ :۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کسی عورت سے محض حسن کی بنا پر نکاح نہ کرو ممکن ہے کہ اس کا حسن اس کو ہلاکت میں ڈال دے اور کسی عورت سے محض مالدار ہونے کی وجہ سے نکاح نہ کرو۔ ممکن ہے کہ اس کا مال اس کو سرکش اور نافرمان بنا دے۔ ہاں عورت کے دیندار ہونے کی بنا پر

---

(۱) صحیح البخاری ، کتاب النکاح ،باب الا کفاء فی الدین،۲ / ۷۶۲ ،قدیمی و کذافی الصحیح لمسلم ، کتاب النکاح ، باب جواز ھبتھا نو بتھا لضرتھا،۱ / ۴۷۳،قدیمی۔
(۲) جامع الترمذی ، ابواب النکاح ، باب ماجاء فی النھی والتبتل،۱ / ۲۰۷،سعید۔
(۳) کنز العمال ، کتاب النکاح ،۱۶ / ۳۰۴،(رقم الحدیث :۴۴۶۰۸)، التراث الا سلامی بیروت

نکاح کیا کرو کیونکہ سیاہ فام کن چری عورت (باندی) دیندار ہو تو وہ خوبصورت بے دین عورت سے افضل ہے۔

(۹) لا تنکحوا النساء لحسنهن فعسی حسنهن ان یردیهن ولا تنکحوهن لاموالهن فعسی اموالهن ان یطغیهن فانکحوهن علی الدین ولامة سوداء خرماء ذات دین افضل(۱)(رواه الطبرانی والبیهقی کذافی کنزالعمال) ترجمہ :۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں سے محض ان کے حسن کی وجہ سے نکاح نہ کرو ممکن ہے کہ ان کا حسن ان کے لئے موجب ہلاکت ہو جائے۔ اور نہ ان کی مالداری کی بنا پر نکاح کرو۔ ممکن ہے کہ ان کا مال ان کے لئے سبب رعونت و سرکشی ہو جائے تو تم ان کی دینی صلاحیت پر نکاح کرو اور بیشک ایک سیاہ فام کن چری عورت (باندی) جب کہ دیندار ہو افضل ہے۔ (ناتمام)

(۱) کنز العمال، کتاب النکاح، ۱۶ / ۳۰۳، (رقم الحدیث : ۴۴۶۰۷، التراث الاسلامی بیروت۔

انیسواں باب

متبنیٰ

متبنیٰ بنانا درست ہے یا نہیں ؟

(سوال) زید نے ایک لڑکے کو متبنیٰ بنا رکھا ہے اور اس کے ہاں حقیقی اولاد بھی موجود ہے متبنیٰ لڑکے سے بہت خاطر مدارات اور اچھی طرح سے اس کی پرورش کرتا ہے اور حقیقی اولاد کے ساتھ اچھی طرح برتاؤ نہیں کرتا اور نہ ان کی تربیت کا خیال ہے۔ آیا اس صورت میں زید حقیقی اولاد کی حق تلفی کرتا ہے یا نہیں ؟ اور متبنیٰ بنانا درست ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۸۷ اسلام الدین چاہ رہٹ دہلی۔ ۱۶ رمضان سن ۱۳۵۲ھ م ۳ جنوری سن ۱۹۳۴ء

(جواب ٤٥٤) متبنیٰ بنانا تو درست ہے۔ لیکن متبنیٰ بنانے سے متبنیٰ کے لئے حقیقی اولاد کے احکام ثابت نہیں ہوتے۔(۱) اور نہ متبنیٰ کو وراثت کا حق حاصل ہوتا ہے۔ حقیقی اولاد کا حکم اور حقوق متبنیٰ کی وجہ سے تبدیل نہیں ہو جاتے۔(۲) اگر یہ شخص متبنیٰ کی خدمت گزاری اور اطاعت شعاری کی وجہ سے اس کی خاطر مدارات کرتا ہے اور حقیقی اولاد کی نافرمانی کی وجہ سے ناراض ہے تو اس میں وہ ایک حد تک معذور ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر حقیقی اولاد بھی اطاعت شعار اور خدمت گزار ہو اور یہ بغیر وجہ معقول متبنیٰ کو اولاد پر ترجیح دے تو بے شک حق تلفی کا مواخذہ دار ہوگا۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

متبنیٰ کو بیٹا کہہ کر پکارنا

(سوال) ایک شخص نے لاوارث ہونے کی وجہ سے ایک لڑکے کو متبنیٰ بنایا لیکن اپنی بیوی سے دودھ نہیں پلوایا۔ وہ لڑکا ان دونوں کو ماں باپ کہہ کر پکارتا ہے اور وہ دونوں بھی اس کو بیٹا کہتے ہیں یہاں علما کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ بعض تو کہتے ہیں کہ اس بچہ کو بیٹا کہہ کر پکارنا حرام ہے۔ اور وہ باپ کہہ کر پکارے تو یہ بھی حرام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر وہ باپ کہہ کر پکارے تو جائز ہے مگر ان کو جواب دینا حرام ہے۔

المستفتی نمبر ۴۱۸ حکیم مولوی عزیزالرحمٰن (چاٹگام) ۷ رجب سن ۱۳۵۳ھ م ۱۲ اکتوبر سن ۱۹۳۴ء

(جواب ٤٥٥) اس لڑکے کے لئے جائز ہے کہ یہ اپنے متبنیٰ بنانے والے کو باپ اور اس کی اہلیہ کو ماں کہہ کر پکارے اور ان دونوں کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کو بیٹا کہہ کر پکاریں۔ شریعت میں اس کی ممانعت نہیں۔ شرعی حکم یہ ہے کہ متبنیٰ بیٹے کو حقیقی بیٹے کے احکام شرعیہ نکاح وراثت پردہ وغیرہ میں شریک نہ سمجھا جائے۔(۱) شفقت اور پرورش کے لحاظ سے بیٹا کہنے اور پکارنے کی ممانعت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) وما جعلکم ادعیا نکم ابنائکم ۔ (الاحزاب : ۴) قال الصابونی : ادعیائکم جمع دعی وهو الذی یدعی ابنا ولیس بابن وهو التبنی الذی کان فی الجاهلیة (روائع البیان تفسیر آیات الاحکام لمحمد علی الصابونی، ۲ / ۲۵۴ مکتبة الغزالی دمشق)

(۲) ذلک قولکم بافواهکم : (الاحزاب : ۴) قال الجصاص فی تفسیر : یعنی انه لا حکم له وانما هو قول لا معنی له ولا حقیقیة (احکام القرآن ، ۳ / ۳۵٤، دار الکتاب العربی بیروت)

(۳) حدثنا حماد عن حاجب بن المفضل بن المهلب عن ابیه قال سمعت النعمان بن بشیر یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اعدلوا بین ابنائکم اعدلوا بین ابنائکم (سنن ابی داؤد ، کتاب النکاح ، باب الرجل یفضل بعض ولده فی النحل، ۲ / ۱۴۴ سعید)

متبنیٰ بنانا شرعاً کیسا ہے؟

(سوال) متبنیٰ بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی عبدالستار خاں (ٹونک)

(جواب ٤٥٦) تبنیت یعنی کسی دوسرے کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانا یعنی حقیقی بیٹے کے احکام اس پر مترتب کرنا جیسا کہ عرب میں دستور تھا اور اب بھی ہندوؤں اور بعض دوسری قوموں میں مروج ہے منسوخ اور مردود ہو چکا۔ اس میں کوئی نزاع نہیں۔ یہ شرعاً اور عقلاً باطل ہے کہ مخلوق میں ماء عمرو لن زید ہو جائے۔ رہی یہ بات کہ اگر زید عمرو کے بیٹے کو لے کر اپنے بیٹے کی طرح پرورش اور تربیت کا متکفل کرے اور یہ کہے کہ میں نے عمرو کے بیٹے کو بیٹا کر لیا ہے۔ یعنی مثل اپنے بیٹے کے اس کی پرورش و تربیت کا کفیل ہو گیا ہوں۔ ہے وہ عمرو ہی کا بیٹا۔ میرا حقیقیہ بیٹا نہیں ہے ہاں متبنیٰ ہے تو اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں قرآن پاک کی آیت ماجعل ادعیاء کم ابناء کم(۲) اور ادعوھم لا بنھم(۳) اور عبارات تفسیر یہ سب اسی تبنیت کے متعلق ہیں جس میں ابن حقیقی کے احکام متبنیٰ پر جاری کئے جاتے تھے۔ اور حقیقی باپ سے نسبت منقطع کر کے متبنیٰ بنانے والے کی طرف مثل حقیقی بیٹوں کے منسوب کر دیا جاتا تھا۔ لیکن جب کہ یوں کہا جائے کہ زید بیٹا تو محمود کا ہے مگر خالد نے اسے پرورش و تربیت کے لئے منہ بولا بیٹا بنا لیا ہے۔ خالد اپنی زندگی تک یا ایک مدت معینہ تک اس کے مصارف کا متکفل ہے۔ وہ خالد کا وارث نہیں اور کوئی حکم حقیقی بیٹے کا اس پر جاری و ثابت نہیں تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

یہ بات کہ کسی حال میں اور مجازاً بھی کسی کو بیٹا کہنا ناجائز ہے۔ یا یہ کہ فقہ کے بعض مسائل مثلاً کسی مجہول النسب اور ایسے شخص کے بارے میں یہ اقرار کرنا کہ یہ میرا بیٹا ہے جس کا عمر کے لحاظ سے مقر کا بیٹا ہونا ممکن ہو اجرائے احکام کا موجب ہوتا ہے حقیقۃً تبنیت کا جواز ثابت کرنا میرے خیال میں درست نہیں۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(جواب)(از نائب مفتی صاحب) بیشک یہ فیصلہ حضرت مفتی صاحب کا نہایت صحیح و درست ہے۔ تبنیت حقیقی منسوخ اور مردود ہے اور تبنیت مجازی جائز و مشروع ہے۔ اور فقہا کے بعض مسائل سے تبنیت حقیقی کا جواز ثابت کرنا غلط ہے۔(۵)

فقط حبیب المرسلین عفی عنہ

---

(۱)(قولکم بافواھکم) فقط من غیر ان یکون له مصداق وحقیقة فی الا عیان فاذن هو بمعزل من استتباع احکام النبوة کما زعمتم (تفسیر ابی السعود، ۴: ۴۰۰، مکتبة الریاض) قال ابن کثیر: وقد کانوا یعاملونهم معاملة الا بناء من کل وجه فی الخلوة بالمحارم وغیر ذلك، ولهذا قالت سهلة بنت سهیل امرأة ابی حذیفة رضی الله تعالیٰ عنهما: یا رسول الله انا کنا ندعو سالما ابنا، وان الله قد انزل ماانزل وانه کان ید خل علی وانی اجدفی نفس ابی حذیفة من ذلك شیئا. فقال صلی الله علیه وسلم ارضعیه تحرمی علیه (تفسیر ابن کثیر، ۳: ۴۶۶، سهیل اکیڈمی)

وایضاً قال (ادعوهم لا بائهم هو اقسط عندالله) هذا امر ناسخ لما کان فی ابتداء الا سلام من جواز ادعاء الا بناء الا جانب وهم الا دعیاء فامر تبارك وتعالیٰ برد نسبهم الی ابائهم فی الحقیقة وان هذا هو العدل، والقسط والبر (ایضاً)

(۲) الا حزاب: ٤

(۳) الا حزاب: ٥

(۴) وهو الذی یدعی ابناً ولیس بابن وهو التبنی الذی کان فی الجاهلیة وابطله الا سلام (روائع البیان تفسیر آیات الا حکام، ۲: ۲۵۴، مکتبة الغزالی دمشق) (۵) ایضاً

متبنی کے لئے وصیت کرنا

(سوال) ایک شخص نے اپنی وفات سے نو سال قبل ایک لڑکی بعمر یکسالہ کو اپنا متبنی بنایا۔ اور اپنی وفات سے پیشتر چند معززین کو بلا کر وصیت کی کہ میری وفات کے بعد مذکورہ بالا لڑکی میری جائیداد کی جائز وارث ہو گی۔ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۹۱۲ حاجی محمد تقی پانی پت۔ ۲۰ صفر سن ۱۳۵۵ھ م ۴ مئی سن ۱۹۳۶ء

(جواب) (از مولوی حمد اللہ پانی پتی) شریعت میں متبنی بنانے سے مال پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ لہذا لڑکی کا وراثت سے کچھ تعلق نہیں۔ مال کے وارث اس کے وارث قریبی بعیدی جو ہوں گے ان کو حق پہنچے گا البتہ چونکہ مرنے والا وصیت کر گیا ہے کہ میرے مال کو میرے مرنے کے بعد لڑکی متبنی کو دے دینا لہذا وصیت کی رو سے لڑکی کو تہائی مال ملے گا۔ (۱) جیسا کسی غیر کو وصیت کر جاتا تو تہائی اس کو ملتی۔ واللہ اعلم بالصواب حمد اللہ عفی عنہ

(جواب ۷۵۷) (از حضرت مفتی اعظمؒ) اگر الفاظ یہ تھے جو سوال میں مذکور ہیں کہ "میری وفات کے بعد لڑکی جائز وارث ہو گی۔" تو یہ لغو ہیں وصیت نہیں۔ ہاں اگر یہ کہا ہو کہ سب ترکہ اس کو دے دینا تو وصیت ہو گی اور ثلث میں جاری ہو گی۔ (۲) محمد کفایت اللہ

(جواب الجواب) (از مولوی حمد اللہ پانی پتی) مولانا المکرم زاد الطافکم۔ بعد سلام مودبانہ عرض ہے۔ مشکور ہوں کہ گرامی نامہ جلدی موصول ہو گیا اور جناب نے اصلاح فرمادی۔ اور مجھ سے بار ہلکا ہو گیا ایک سند حاصل ہو گئی۔ لیکن ابھی تک پوری تسکین و انشراح صدر حاصل نہیں ہوا، جس کی مجھ کو خاص اپنے لئے ضرورت ہے۔ جناب نے کوئی حوالہ یا دلیل تحریر نہیں فرمائی کہ کیوں الفاظ مذکورہ سوال لغو ہیں۔ وصیت میں تملیک مضاف الی مابعد الموت ہے۔ لفظ وصیت کوئی ضروری نہیں بلکہ اور الفاظ سے بھی ہو سکتی ہے۔ وصیت، وراثت میں مشابہت بھی لکھتے ہیں کہ دونوں میں قائم مقامی ہے۔ عاقل بالغ کے کلام کو حتی الامکان صحت پر محمول کرنا چاہئے حقیقت نہ ہو تو مجازی۔ وصیت بعض موقع پر غلط الفاظ سے بھی مان لی جاتی ہے۔ جیسے کوئی وارث کو وصیت کرے تو لغو نہ ہو گی بلکہ موقوف اجازۃ پر ہو گی۔ تمام مال وصیت ہو گی تو ثلث میں رکھی جائے گی۔ تو اگر یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد فلاں میرا جائز وارث ہے یا ہو گا اور میں یہ وصیت کرتا ہوں تو کیوں اس کو وصیت نہ رکھا جائے اور لفظ جائز کو لغو کر دیا جائے اور وارث کے لفظ کو موصی لہ، پر محمول کر کے وصیت کے طور ثلث دے دیا جائے۔ فقط

مکرر یہ بھی عرض ہے کہ مرنے والے کی غرض تو یہ ہے کہ اس کو تمام مال دیا جائے پھر بعض بھی نہ ملے تو غرض کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ بعض حضرات دیوبندی اپنا خیال وصیت کا ظاہر کرتے ہیں۔ مگر دلیل اور حوالہ نہیں اور نہ دستخط۔ میں دوبارہ جناب کو تکلیف دیتا ہوں۔ امید ہے کہ اس طرح تحریر فرمائیں گے کہ طبیعت یکسو ہو جائے گی۔ والسلام۔

---

(۱) ولا تجوز بما زاد علی الثلث لقول النبی علیہ السلام فی حدیث سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ . الثلث والثلث کثیر بعد مانفی وصیتہ بالکل والنصف (الھدایۃ ، کتاب الوصایا، ۴ /۶۵۴ ـ ۶۵۵، شرکۃ علمیۃ)
(۲) ایضاً

(جواب)(از حضرت مفتی اعظمؒ) سوال میں جو الفاظ مذکور ہیں وہ صرف یہ ہیں (میری وفات کے بعد مذکورہ لڑکی میری جائیداد کی جائز وارث ہوگی) یہ ایک جملہ خبر یہ ہے۔انشا پر اسے محمول کرنا اور اس سے انشائے وصیت نکالنا متصور نہیں۔ متوفی کے الفاظ میں وصیت کا لفظ بھی نہیں۔ سائل اپنے بیان میں یہ کہتا ہے۔ چند معززین کو بلا کر یہ وصیت کی تو یہ لفظ وصیت اس نے استعمال کیا ہے۔ متوفیٰ کے الفاظ میں نہیں ہے۔ متوفیٰ کے الفاظ کا جملہ خبر یہ چونکہ غلط اور شریعت کے خلاف ہے کہ ایک غیر وارث کو وہ جائز وارث بتارہا ہے اس لئے وہ غلط اور لغو ہی ہوگا۔ اس کے سوا اور کوئی اس کا محل نہیں۔ اگر مرحوم کے الفاظ میں یہ ہوتا کہ "میں تمام جائیداد کی اس کے لئے وصیت کرتا ہوں۔ یا اپنی تمام جائداد اس کو دیتا ہوں۔ یا میری تمام جائداد اس کو دے دینا۔ یا میری تمام جائداد کا مستحق اس کو سمجھنا۔ یا میں اپنی جائداد کا مستحق اس کو قرار دیتا ہوں۔ یا اپنی جائداد کا وارث اس کو قرار دیتا ہوں۔" تو ان تمام صورتوں میں ہم اس کو وصیت قرار دیتے اور ایک ثلث اس کو دلوا دیتے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

متبنیٰ کے لئے میراث میں کوئی حصہ نہیں

(سوال) زید نے بوجہ لاولد ہونے کے ایک لڑکا اپنی سالی یعنی بیوی کی بہن کا پرورش کیا۔ آیا شرعاً وہ زید کا بیٹا ہو سکتا ہے یا نہیں اور زید کے انتقال کے بعد اس کی جائداد میں سے کچھ ترکہ اس کو پہنچ گیا یا نہیں۔ بعد ازاں زید نے ایک مسجد کی تعمیر کی اور اپنی کچھ جائیداد اس مسجد کے نام وقف کر دی۔ اب زید فوت ہو گیا۔ اور اس نے اپنے بعد ایک بیوی اور ایک بھتیجہ حقیقی یعنی اپنے بڑے بھائی کا لڑکا اور دو بھانجے یعنی بہن کے لڑکے چھوڑے ہیں مگر زید کا بھائی یعنی بھتیجہ کا باپ اور زید کی بہن یعنی بھانجوں کی ماں زید کے سامنے ہی فوت ہو چکے ہیں لہذا اب زید کی بقیہ متروکہ جائداد کس طرح پر تقسیم ہوگی، کون کون حق دار ہوگا اور کس کس کو کتنا حق پہنچے گا؟

المستفتی نمبر ۲۱۳۲ حشمت اللہ صاحب امروہہ۔ ۱۶ شوال سن ۱۳۵۶ھ م ۲۰ دسمبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۵۸)متبنیٰ کا کوئی حق بہ نسبت متبنیٰ ہونے کے نہیں(۱) یعنی نہ وہ بیٹے کی طرح میراث پا سکتا ہے نہ بیٹے کے دوسرے احکام اس پر جاری ہوتے ہیں(۲) ہاگر زید نے اس کو حق میں کوئی وصیت کی ہو تو وصیت کی رو سے ایک ثلث ترکہ کے اندر اس کا استحقاق ثابت ہو سکتا ہے۔ (۳) اور اگر کوئی وصیت نہ ہو تو زید کا ترکہ اس کی بیوی اور بھتیجے کو ملے گا۔ بیوی کو پہلے مہر دیا جائے گا۔ اور پھر (اگر اور کوئی قرض و وصیت نہ ہو) تو بقیہ ترکہ کی چوتھائی اس کو بحق میراث دی جائے۔ (۴) اور نیز چوتھائی بھتیجے کا حق ہے۔ (۵) بھانجوں کا کوئی حق نہیں۔ (۶)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) بلکہ ذوی الارحام کو میراث ملے گی۔ کما فی قولہ تعالیٰ : واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ (الاحزاب : ۶)
(۲) وما جعلکم ادعیا ئکم ابنائکم ذلکم قولکم بافواھکم واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔(الاحزاب : ۴)
(۳) وتجوز بالثلث الا جنبی عند عدم المانع (الدر المختار ، کتاب الوصایا،۶ ،۶۵۰ سعید)
(۴) ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد۔(النساء : ۱۲)
(۵) والعصبۃ کل من یاخذ ما ابقتہ اصحاب الفرائض السراجی فی المیراث ص ۴ سعید) وایضاً قال فی بیان العصبات : اما العصبۃ بنفسہ ثم جزء ابیہ ای الاخوہ ثم بنو ھم (السراجی ، ص : ۱۳ سعید)
(۶) اس صورت میں عصبہ کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہیں۔ کما فی السراجی : ثم بالعصبات من جھۃ النسب ... ثم ذوی الارحام (السراجی فی المیراث، ص : ۳ سعید)

بیسواں باب

نکاح زانی وزانیہ

زنا سے حاملہ عورت کے ساتھ نکاح صحیح ہے

(سوال) ایک شخص نے کسی عورت اجنبیہ غیر منکوحہ غیر معتدہ سے زنا کیا اور اس زنا سے وہ عورت حمل بردار ہوئی۔ زانی اقرار کرتا ہے کہ میرے زنا سے ہے اور مزنیہ بھی اقرار کرتی ہے کہ اسی کا ہے اور کسی سے نہیں۔ لہذا ان دونوں کا نکاح کر دیا گیا۔ یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۶۵۳ محمد اسحٰق (برما) ۲۴ رجب سن ۱۳۵۴ھ م ۲۳ اکتوبر سن ۱۹۳۵ء

(جواب ٤٥٩) غالباً سوال کا منشا یہ ہے کہ زانی اور مزنیہ کا نکاح وضع حمل سے پہلے حالت حمل میں کر دیا گیا تو یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ جب کہ عورت غیر منکوحہ غیر معتدہ تھی تو اس کا نکاح حاملہ من الزنا ہونے کی صورت میں جائز ہے خواہ زانی سے ہو یا غیر زانی سے۔ زانی سے نکاح ہو جائے تو وطی بھی جائز ہے اور غیر زانی سے ہو تو وضع حمل تک وطی ناجائز ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

ایضاً

(سوال) مسماۃ سارا کا زید سے ناجائز تعلق تھا اور زید کے نطفے سے حمل بھی قرار پایا۔ لیکن سارا نے زید کو چھوڑ کر عمرو سے نکاح کر لیا۔ یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ دوسرے مسماۃ سارا ابھی تک حاملہ ہے اور اب وہ عمرو کو چھوڑ کر زید سے نکاح کرنا چاہتی ہے۔ اس کی کیا صورت ہوگی؟ المستفتی چھجو خاں (دہلی)

(جواب ٤٦٠) حمل جب زنا سے ہو تو حاملہ کا نکاح زانی اور غیر زانی دونوں سے صحیح ہو جاتا ہے یعنی خواہ زانی سے نکاح کرے یا غیر زانی سے اگر زانی سے ہو تو وہ دوران حمل میں وطی بھی کر سکتا ہے اور غیر زانی سے نکاح ہو تو وہ وضع حمل سے پہلے وطی نہیں کر سکتا۔ الغرض صورت مسئولہ میں نکاح صحیح ہو گیا۔(۲) اب اگر یہ شخص اس کو طلاق دے کر علیٰحدہ کر دے تو سارا بعد وضع حمل زید سے (یعنی وہ زانی جس سے حمل تھا) نکاح کر سکے گی۔(۳) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

زانی مزنیہ سے نکاح کر سکتا ہے

(سوال) ایک عورت کے ساتھ کسی نے زنا کیا۔ اگر وہ شخص چاہے کہ اس کے ساتھ نکاح پڑھائے مدت پوری کرنے کے بعد تو اس کے ساتھ نکاح درست ہو سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۸۸۶ محمد عبدالقادر (بمبئی) ۲۸ محرم سن ۱۳۵۵ھ م ۲۱ اپریل سن ۱۹۳۶ء

---

(۱) وصح نکاح حبلیٰ من زنا لا حبلیٰ من غیرہ وان حرم وطئھا ودواعیه حتی تضع ... لو نکحھا الزانی حل له وطئھا اتفاقا (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات ۳/ ۴۹ سعید)

(۲) وصح نکاح حبلیٰ من زنا ... وان حرم وطئھا ودواعیه ... لو نکحھا الزانی حل له وطئھا (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۴۸-۴۹، سعید)

(۳) واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (الطلاق : ۴) وفی الرد : لا حبلیٰ من غیرہ شمل الحبلی من نکاح صحیح او فاسد ... لثبوت نسبه فھی فی العدۃ ونکاح المعتدۃ لایصح (ردالمحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات ۳/ ۴۸، سعید)

(جواب ٤٦١) ہاں زانی اس عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے جس سے اس نے زنا کیا ہے۔(۱) جب کہ وہ عورت منکوحۃ الغیر یا معتدہ نہ ہو اور کسی اور رشتہ کی وجہ سے اس کے لئے حرام نہ ہو۔ زنا کی کوئی عدت نہیں۔ یعنی زنا کے بعد کوئی مدت گزارنے کی شرط نہیں۔(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

زنا سے حاملہ کے ساتھ نکاح

(سوال) مجھ کو دھوکہ دے کر ایک شخص نے میرے لڑکے کا نکاح اپنے رشتہ دار کی لڑکی کے ساتھ کر دیا جس وقت لڑکی رخصت ہو کر اپنے خاوند کے گھر آئی تو معلوم ہوا کہ لڑکی حمل حرام رکھتی ہے۔ دوسرے روز لڑکی مطابق رواج دنیوی اپنے باپ کے گھر چلی گئی۔ جب وہ اپنے باپ کے گھر چلی گئی تو اس کے حمل کو کسی ذریعہ سے اسقاط کرا دیا گیا۔ چنانچہ چند شہادتیں بھی اسی قصبہ کے لوگوں کی کہ جہاں پر اس کا باپ رہتا ہے گذریں کہ واقعی یہ امر واقع ہوا تھا۔ لہذا اس صورت میں اس کا نکاح بروئے شرع شریف ہو لیا کہ نہیں؟ دوئم یہ کہ بروقت نکاح جو مہر باندھا گیا تھا اس کو وہ لڑکی معاف کر چکی ہے۔ مگر لڑکی اب اپنے باپ کے گھر پر ہے اور میں اس کو بوجہ کراہت کے بلانا نہیں چاہتا ہوں۔ تو کیا وہ ایسی حالت میں مہر کی حق دار ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۷۔ ۱۳ نذیر محمد صاحب ..... دہلی۔ ۲۴ ذی الحجہ سن ۱۳۵۵ھ م ۸ مارچ سن ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٦٢) حمل حرام یعنی زنا کا ہو اور عورت منکوحہ یا معتدہ غیر نہ ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔(۳) اور صورت مسئولہ میں حمل کا شبہ بھی کوئی معقول نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات پیٹ میں نفخ ریاح وغیرہ کی وجہ سے حمل کا شبہ ہوتا ہے۔ اور یہ قرینہ بھی حمل کے خلاف موجود ہے کہ اگر لڑکی اور اس کے گھر والوں کو حمل گرانا ہی ہوتا تو شادی کرنے اور خاوند کے گھر بھیجنے سے پہلے اسقاط حمل کی کارروائی کرتے اور لوگوں کی اس بارے میں شہادت بھی مشکوک ہے۔ پس خود اس شبہ کو نظر انداز کر کے اپنی منکوحہ کو اپنے پاس بحیثیت اپنی بیوی کے لانے اور رکھنے کا حق رکھتا ہے۔(۴) اور بیوی اگر مہر معاف کر چکی ہے تو اب اسے مطالبہ مہر کا حق نہیں ہے۔(۵) اور اگر وہ معافی کی منکر ہو تو معافی کا ثبوت پیش کرنا ذمہ زوج ہوگا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) حاملہ سے جو نکاح ہوا ہے وہ صحیح ہے دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں
(۲) حاملہ کے ساتھ جماع کرنا کیسا ہے؟

(سوال) (۱) اگر کسی لڑکی کا نکاح کیا اور بعد شادی کے معلوم ہوا کہ حاملہ زنا سے ہے تو بعد حمل دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ کیونکہ ہدایہ شریف میں وارد ہے کہ نکاح حبلی درست ہے۔ مگر جماع نہیں اور یہاں دونوں باتیں ہو گئیں۔ (۲) اور اگر قصداً حبلیٰ یعنی حاملہ من الزنا کا نکاح کیا اور جماع سے نہ روکا تو نکاح پڑھانے والے کا کیا حکم

---

(۱) فی مجموع النوازل: اذا تزوج امرأۃ قدزنی ھو بھا وظھر بھا حبل فالنکاح جائز (الھندیۃ، کتاب النکاح، الباب الثالث، القسم الثالث، ۱/ ۲۸۰، ماجدیۃ) (۲) فلا عدۃ لزنا (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ۳/ ۵۰۳، سعید)
(۳) وصح نکاح حبلی من زنا لا حبلیٰ من غیرہ (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳/ ۴۹، سعید)
(۴) بلذا یہ شک کی صورت ہوئی اور حمل نہ ہونا یقینی ہے، تو یقین نہ کہ شک سے زائل نہیں ہو سکتا، الیقین لا یزول بالشک (قواعد الفقہ، ص: ۱۴۳، رقم القاعدۃ: ۴۲۱، الصدف پبلشرز)
(۵) والمھر یتاکد باحد معان ثلاثۃ الدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت احد الزوجین سواء کان مسمی او مھر المثل حتی لا یسقط منہ شیء بعد ذلک الا بالابراء من صاحب الحق (الھندیۃ، کتاب النکاح، الباب السابع فی المھر، ۱/ ۳۰۳، ماجدیۃ)

ہے اور دوبارہ نکاح کیا جائے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۹۳۷ امیر زماں خاں صاحب (برار) ۷ ربیع الاول سن ۱۳۵۶ھ م ۱۸ مئی سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۶۳) حاملہ من الزنا کا نکاح درست ہے۔ اگر زوج کو یہ معلوم ہو کہ عورت حاملہ ہے تو اس کے لئے جماع کرنا حلال نہیں۔ بعد وضع حمل کے جماع جائز ہوتا ہے۔(۱) اور اگر اسے حاملہ ہونا معلوم نہ تھا اور جماع کر لیا تو گنہگار نہ ہوگا۔ اور وضع حمل کے بعد دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں۔ خواہ جماع واقع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔
(۲) حبلی من الزنا کا نکاح کر دینا باوجود حاملہ ہونے کا علم کے درست ہے۔ ہاں زوج کو بتا دینا چاہئے کہ وضع حمل تک وطی نہ کرے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

زانی مرد عورت کا نکاح آپس میں صحیح ہے

(سوال) زانی مرد و عورت اگر توبہ کر لیں تو ان کے درمیان نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۴۶۴ خواجہ مصلح الدین صاحب (مغربی خاندیس) ۲۳ ربیع الاول سن ۱۳۵۶ھ م ۳ جون سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۶۴) زانی مرد اور عورت جب توبہ کر لیں تو ان کا باہم نکاح ہو سکتا ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حاملہ من الزنا سے نکاح

(سوال) ایک عورت کو زنا سے حمل ہے اور یہ معلوم نہیں کہ کس کا حمل ہے مگر اس عورت کا یہ کہنا ہے کہ بکر کا حمل ہے مگر اس کے مکان پر دس بارہ مرد جایا کرتے تھے۔ آیا بکر اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے اور اگر اس نے نکاح کیا تو کیا اس کا نکاح صحیح ہے یا باطل ہے۔
(۲) اگر وہ عورت جس کو زنا سے حمل ہے وہ اقرار نہ کرے کہ اس کا حمل ہے اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کس کا حمل ہے تو بھی نکاح صحیح ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۲۸۷ قاضی بدرو میاں محمود میاں۔ ۱۵ جمادی الثانی سن ۱۳۵۶ھ م ۲۳ اگست سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۶۵) جس عورت کو زنا کا حمل ہو اور وہ کسی کی منکوحہ یا معتدہ نہ ہو تو اس کا نکاح حمل کی حالت میں جائز ہے خواہ اس شخص سے جس کا حمل ہے خواہ کسی دوسرے سے مگر جس کا حمل ہے اس کے ساتھ نکاح ہو تو وہ وطی بھی کر سکتا ہے اور دوسرے شخص سے ہو تو بچہ پیدا ہونے سے قبل وہ وطی نہیں کر سکتا۔(۴) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) وصح نکاح حبلی من زنا لا حبلی من غیرہ ... وان حرم وطؤها ودواعیه حتی تضع (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات ۳: ۴۸-۴۹، سعید)
(۲) ایضا
(۳) اذا تزوج امرأة قد زنی هو بها وظهر بها حبل فالنکاح جائز (الهندیة، کتاب النکاح، الباب الثالث ۱: ۲۸۰، ماجدیة)
(۴) وصح نکاح حبلی من زنا لا حبلی من غیرہ ... وان حرم وطؤها ودواعیه حتی تضع ... فرع: لو نکح الزانی حل له وطؤها اتفاقا (الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات ۳: ۴۸-۴۹، سعید)

ایک عبارت کا ترجمہ

(سوال) در مختار کی اس عبارت کا ترجمہ لفظ بہ لفظ تحریر فرمائیں۔ وصح نکاح حبلیٰ من الزنا لا حبلیٰ من غیرہ ای الزنا لثبوت نسبہ ولو من حربی او من سیدھا المقربہ وان حرم وطیھا ودواعیہ حتی تضع۔

المستفتی نمبر ۲۶۳۳ مولوی عبدالحق امام مسجد دوحد ضلع پنچ محل مورخہ ۱۳ جمادی الثانی سن ۱۳۵۹ھ م ۲۰ جولائی سن ۱۹۴۰ء

(جواب ٤٦٦) جو عورت زنا سے حاملہ ہو اس کا نکاح جائز ہے۔ اور حاملہ زنا سے حاملہ نہ ہو اس کا حالت حمل میں نکاح جائز نہیں کیونکہ اس عورت کے بچے کا نسب کسی سے ثابت ہوگا۔(۱) اور ثابت النسب بچے کے پیدا ہونے سے پہلے حاملہ کا نکاح درست نہیں ہوتا۔ خواہ یہ ثابت النسب بچہ حربی کا ہو یا عورت کے مولیٰ کا ہو جو اس نسب کا اقرار کرتا ہو۔ البتہ حاملہ من الزنا سے ناکح کو (جب کہ وہ غیر زانی ہو) وضع حمل سے پہلے وطی کرنا اور دواعی وطی عمل میں لانا حرام ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حاملہ کا نکاح پڑھانے والے اور شرکاء محفل کا نکاح نہیں ٹوٹتا۔

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ جنوری سن ۱۹۳۲ء)

(سوال) ایک شخص کا ایک حاملہ عورت سے نکاح ہوا لیکن عورت کے رشتہ داروں میں کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ حاملہ ہے۔ ایسی صورت میں کیا نکاح پڑھانے والے قاضی اور شرکائے محفل کے نکاح فسخ ہوگئے ؟

(جواب ٤٦٧) زنا سے حاملہ عورت سے نکاح جائز ہے۔(۲) جو لوگ نکاح میں شامل ہوئے نہ انہوں نے کوئی گناہ کیا اور نہ ان کے نکاح پر کوئی اثر پڑا۔ اور نہ ان پر کوئی کفارہ لازم آیا۔ البتہ اگر حمل زنا کا نہ ہو بلکہ ایسا حمل ہو جس میں بچہ ثابت النسب ہوتا ہے تو ایسی حاملہ عورت سے نکاح درست نہیں ہوتا۔(۳) لیکن نکاح میں شامل ہونے والوں کو معلوم نہ ہو تو اس صورت میں بھی وہ گنہگار نہیں ہوتے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ،

حاملہ من الزنا سے نکاح کیونکر درست ہے جب کہ قرآن میں ہے "واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن"

(سوال) ایک کنواری لڑکی عمر ۱۸ سال کو حمل حرام کا ہوگیا۔ اس کا نکاح کرنا ہے۔ حمل اس وقت تقریباً چار پانچ ماہ کا ہے۔ کیا اس کا نکاح اسی شخص سے ہو سکتا ہے جس کا حمل ہے؟ نکاح کے بعد مباشرت جائز ہے یا نہیں ؟ اور کسی غیر آدمی سے کیا جاوے تو مباشرت جائز ہے یا نہیں ؟ سنا گیا ہے کہ امام محمد عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی اپنی کتاب جامع البیان میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہر دو مذکورہ بالا صورتوں میں نکاح تو جائز ہے مگر مباشرت ناجائز ہے۔ کیا یہ درست ہے ؟ براہ کرم جواب دیتے وقت قرآن پاک کی آیت (سورہ طلاق پارہ نمبر ۲۹) واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (۴) کا بھی خیال رکھئے گا۔ قرآن پاک کی ایک واضح آیت کو چھوڑ کر ہم حدیثوں کی جانب کیوں رجوع کریں۔

---

(۱) ..... (۲) وصح نکاح حبلی من زنا (الدر المختار ، کتاب النکاح ، فصل فی المحرمات، ۳ : ۴۸ ، سعید)
(۳) وحبلیٰ ثابت النسب لا یجوز نکاحہا اجماعاً (الھندیۃ ، کتاب النکاح، الباب الثالث ، القسم السادس المحرمات التی یتعلق بہا حق الغیر، ۱ : ۲۸۰، ماجدیۃ) (٤) الطلاق : ٤

المستفتی حافظ ظفر حسن کلکٹر ریلوے۔وزیر آباد گوجرانوالہ۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۱ء

(جواب ٤٦٨) جو عورت کہ زنا سے حاملہ ہو جائے اس کا نکاح حالت حمل میں خود زانی اور غیر زانی دونوں میں سے کسی شخص کے ساتھ درست ہے۔اگر خود زانی سے نکاح ہو جس سے حمل ہے تو اسے حالت حمل میں وطی کرنا بھی درست ہے۔اور اگر کسی دوسرے شخص سے نکاح ہوا تو اسے وضع حمل سے پہلے وطی(۱) کرنا درست نہیں ہے۔زنا سے حاملہ عورت کا نکاح حالت حمل میں اس لئے درست ہے کہ شریعت مقدسہ میں زنا کی کوئی عدت قرار نہیں دی گئی۔(۲) پس زنا سے حاملہ عورت گویا عدت میں نہیں ہے اس لئے نکاح درست ہے۔آیت مطہرہ واولات الاحمال الایۃ (۳) ان حاملہ عورتوں کے حق میں ہے جو نکاح صحیح یا نکاح فاسد میں طلاق یا موت یا متارکت کے زیر اثر ہیں اور حاملہ ہوں تو وضع حمل ان کی عدت ہو گی۔لیکن زنا کی کوئی عدت شریعت سے ثابت نہیں۔پس حاملہ من الزنا اس آیت کے حکم سے علیحدہ ہے۔وصح نکاح حبلی من زنا الخ(۴)(درمختار)

کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۱۳۲۹ھ

---

(۱) وصح نکاح حبلیٰ من زنا لاحبلیٰ من غیرہ ... وان حرم وطیھا ودواعیہ حتی تضع ... فرع : لو نکحھا الزانی حل له وطیھا اتفاقا (الدرالمختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات ۳ /۴۸، ۴۹، سعید)

(۲) فلاعدۃ لزنا (الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ۳ /۵۰۳، سعید)

(۳) الطلاق : ۴

(۴) الدرالمختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، ۳ /۴۸، سعید)

اکیسواں باب
نکاح باطل اور فاسد
نکاح پر نکاح کے متعلق چند سوالات

(سوال) زید ایک قصبہ کی مسجد کا پیش امام ہے۔ نکاح خوانی کا رجسٹر بھی اس کے پاس ہے۔ یعنی وہ قصبہ کا قاضی بھی ہے۔ وہ ایک بارات میں لے جایا گیا جس گاؤں میں بارات گئی وہاں مسجد میں کوئی پیش امام نہ تھا۔ برات والوں اور مقامی لوگوں کے اصرار پر زید نے نکاح پڑھایا۔ جس میں باقاعدہ ایک وکیل اور دو گواہ تھے۔ نکاح کے بعد گاؤں کے ایک دوسرے آدمی نے بتایا کہ لڑکی جس کا نکاح پڑھایا گیا ہے اس کا نکاح پہلے ہو گیا ہے اور ۴۷ء سے اس کا خاوند پاکستان میں موجود ہے۔ اسے ہر چند لکھا گیا کہ آکر لڑکی کو لے جائے مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ لڑکی جوان تھی اس کی بیوہ ماں نے اور اس کے جملہ رشتہ داروں نے قاضی کو اس کا علم نہ ہونے دیا۔ قاضی (زید) کا حلفیہ بیان ہے کہ اگر اسے نکاح سے پیشتر علم ہو جاتا تو وہ ہرگز نکاح نہ پڑھتا تو اب :

(۱) قاضی (زید) کس حد تک قصوروار ہے اور اس کے قصور کی کس طرح تلافی ہو سکتی ہے؟

(۲) نکاح ہوا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

(۳) نکاح خوانی کے روپے قاضی کو لینے جائز ہیں یا ناجائز؟

المستفتی عزیز احمد مدرس مکتب عبداللہ پور ضلع میرٹھ

(جواب ٤٦٨) اس صورت میں کہ لڑکی منکوحہ ہے اور اس کا خاوند زندہ پاکستان میں موجود ہے اس کا دوسرا نکاح جائز نہیں ہے۔(۱) پہلے اس کے پہلے خاوند سے طلاق لینی یا عدالت میں مقدمہ کر کے نکاح فسخ کرانا اس کے بعد عدت گزارنا لازم ہے۔

امام کو اگر پہلے نکاح کی خبر نہیں تھی تو وہ دوسرا نکاح پڑھانے میں معذور ہے۔ لڑکی اور لڑکی والوں کو لازم ہے کہ وہ دوسرے خاوند سے لڑکی کو علیحدہ کرلیں۔ قاضی کو نکاح کے روپے نہ لینے چاہئیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

عدالت کے اندر نکاح کرنا صحیح نہیں

(سوال) میرے خاوند نے نان نفقہ ادا نہ کرنے کی جہ سے مجھ کو طلاق دے دی۔ طلاق نامہ مکمل نہ ہو سکا تھا کیونکہ کسی نے کوشش نہیں کی۔ ان ہی ایام میں میں بچی کو دودھ پلا رہی تھی اور عدت میں تھی۔ طلاق کے ایک ماہ کے اندر ہی میرا دوسرا نکاح رات کے دو بجے قاضی کو بلا کر کرا دیا گیا۔ میرے ماں باپ کی غیر موجودگی میں قاضی نے طلاق نامہ پورا نہ ہونے کی وجہ سے میرے دوسرے نکاح کا کاغذ بھی نہیں لکھا اور یہ کہہ دیا کہ میں دونوں کاغذ دے دوں گا۔ لیکن میرے کسی پیروکار کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ کاغذات نہ حاصل کر سکی۔ میرے نکاح کے بعد میرے موجودہ خاوند نے ایک اور نکاح کیا اور اس نے اپنی دوسری بیوی سے پیشہ کرانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد مجھ پر بھی زور دینا شروع کر دیا

---

(۱) والمحصنت من النساء (النساء : ٢٤)
وفي الهندية : لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره (الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير، ١ / ٢٨٠، ماجدية)

اور ہر قسم کے دباؤ دے کر مجھ سے حرام کاری کرائی گئی۔ میں جب بھی اس کام سے نفرت کرتی تھی اور اب بھی کرتی ہوں۔ لیکن ایک کمزور عورت ہونے کی وجہ سے اس کے چنگل سے آزاد نہ ہو سکی۔
اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں شرعی حکم حاصل کر کے اپنے لئے راستہ اختیار کروں۔ ایسی صورت میں مجھ کو خدا اور اس کے رسول کے احکام سے آگاہ فرمایا جائے کہ میرا نکاح شرعی نقطہ نگاہ سے ہوا یا نہیں۔ اگر نہیں ہوا تو میں اس کے چنگل سے آزاد ہونے کے لئے کسی مضبوط ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں تو کیا مجھ کو عدت یا اور کوئی صورت اختیار کرنی ہوگی؟ المستفتی شاہجہاں بیگم، دہلی

(جواب ٤٦٩) طلاق کے بعد اس کی عدت پوری کرنی ضروری تھی۔ اگر عدت پوری کئے بغیر دوسرا نکاح کسی اور شخص سے کر دیا گیا تو وہ نکاح حرام تھا۔(۱) عورت کو حق ہے کہ وہ اس نکاح کو فسخ کرا لے اور پہلی عدت ختم ہونے کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

عقد نکاح کے بعد انکار سے نکاح نہیں ٹوٹتا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۳۰ء)

(سوال) زید نے خالدہ خانم سے بر ضا و رغبت تقریباً ایک سو آدمیوں کے مجمع میں خالدہ خانم کے مکان پر جو زید کے مکان سے ۲۵ میل کے فاصلے پر ہے نکاح کیا۔ گواہ وغیرہ سب موجود تھے۔ جب زید اپنے مکان پر واپس آیا تو اس نے اپنے رشتہ داروں کے دریافت کرنے پر نکاح ہونے سے انکار کیا۔ اس انکار میں مصلحت یہ تھی کہ اگر یکایک رشتہ داروں کو معلوم ہوگا تو صدمہ ہوگا اور آپس میں رنجش و کشیدگی ہوگی۔ اب اگر ہفتے کے بعد نکاح ہونے کا اقرار کرتا ہے تو آیا نکاح ٹوٹ گیا؟

(جواب ٤٧٠) اگر پہلے نکاح حسب قاعدۂ شرعیہ منعقد ہو چکا ہے تو زید کا بغرض اخفا نفی میں جواب دینا موجب فسخ نکاح نہیں ہو سکتا۔(۲) زیادہ سے زیادہ یہ کہ زید پر کذب بیانی کا الزام عائد ہوگا مگر منعقدہ شدہ نکاح بدستور قائم اور صحیح رہے گا۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفرلہ،

شوہر کے کفر کی جھوٹی خبر پا کر بیوی نے دوسری جگہ نکاح کر لیا، کیا حکم ہے؟

(سوال) زید کی عدم موجودگی میں یہ مشہور ہو گیا کہ زید آریہ ہو گیا ہے۔ اس کی زوجہ کا نکاح ثانی کر دیا گیا ہے۔ بعد مدت کے عورت کو پتہ چلا کہ زید نے مذہب تبدیل نہیں کیا۔ یہ افترا اور بہتان تھا۔ ایسی صورت میں عورت مذکورہ کیا کرے؟

(جواب) اس صورت میں کہ زوجہ نے محض ایک غلط خبر کی وجہ سے نکاح ثانی کر لیا تھا نکاح ثانی صحیح نہیں ہوا اور زوج اول کا نکاح باقی ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله (البقرة : ۲۳۵)
لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره وكذا المعتدة، (الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث ۱/ ۲۸۰، ماجدية)
(۲) البيان يعتبر بالابتداء ان صح، والا فلا (قواعد الفقه، ص : ٦٥، (رقم القاعدة: ٦٣)، الصدف پبلشرز)
(۳) لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره وكذا المعتدة (الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس، ۱ / ۲۸۰، ماجدية)

بائیسواں باب

متفرق مسائل

مرد، عورت کے دعوے کے بغیر نکاح پر شہادت معتبر نہیں

(سوال) مسمی امان خان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مسماۃ صاحبزادی نے حکیم محمد شریف سے نکاح کیا اور یہ ہر دو یعنی مسماۃ صاحبزادی اور حکیم محمد شریف اس نکاح سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے درمیان انعقاد نکاح نہیں ہوا۔ امان خان انعقاد نکاح کے دو گواہ پیش کرتا ہے۔ بیان یہ ہے کہ مسماۃ صاحبزادی کا جس روز نکاح ہوا اس روز صرف جان محمد و نور محمد صرف دو اشخاص موجود تھے اور مسماۃ صاحبزادی و حکیم محمد شریف تھے اور کوئی نہیں تھا۔ حکیم نے کہا کہ میں اس سے نکاح کرتا ہوں اور مسماۃ صاحبزادی نے تین دفعہ کہا کہ میں نے تجھ کو اپنا تن بخشا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ امان خان جو ایک ثالث شخص ہے جس نے دعویٰ نکاح کیا۔ باوجودیکہ مسماۃ صاحبزادی و حکیم محمد شریف انکار کررہے ہیں۔ اس ثالث شخص کی شہادت پیش کرنے سے نکاح منعقد ہوگا یا نہیں اور باوجود انکار ہر دو کے یہ شہادت قابل التفات ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۴۷۲) نکاح پر بغیر دعویٰ احد الزوجین شہادت مقبول نہیں۔ پس جب تک زوجین میں سے کوئی نکاح کا مقر نہ ہو کسی تیسرے شخص کا شہادت پیش کرنا غیر معتبر ہے۔(۱) جن چیزوں میں شہادت بغیر دعویٰ مسموع ہو جاتی ہے وہ خالص حقوق اللہ ہے۔ نکاح ان میں داخل نہیں۔(۲) واللہ اعلم۔

مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے

(سوال) زید کہتا ہے کہ مسلمانوں کا نکاح مسجد میں ہونا چاہئے کیونکہ قرون اولیٰ میں نکاح مسجد میں ہوتا تھا۔ عمرو کہتا ہے کہ مسجد میں نکاح ہونا اول تو مشابہت بہ نصاریٰ ہے اس لئے کہ ان کے مذہب میں گرجا میں ہی نکاح ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مسجد میں خاص اسی نکاح کے لئے روشنی بے حد ہمیشہ سے زیادہ کرنی اور فرش وغیرہ ہمیشہ سے زیادہ بچھانا اور ہزار ڈیڑھ ہزار آدمیوں کا مسجد میں گھس آنا (جن میں سے اکثر بے وضو اور اکثر بے نمازی ہوتے ہیں) اور بعد نکاح کے اسی مسجد میں مبارکبادی گانا پھر صحن مسجد میں شربت پلانا، مسجد میں شور وغل ہونا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل ہوتا ہے وغیرہ یہ سب خلاف آداب مسجد ہیں۔ اس لئے مسجدوں میں نکاح نہیں ہونا چاہئے۔ ان دونوں میں سے کون حق پر ہے؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۴۷۳) مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے۔ ویندب اعلانہ وتقدیم خطبة وکونه فی مسجد یوم جمعة (درمختار) (۳) قوله فی مسجد للامر به فی الحدیث (۴) (ردالمحتار)، اور عمرو کا یہ قول کہ اس میں مشابہت بہ نصاریٰ ہے اس لئے صحیح نہیں کہ جب کہ حدیث میں مسجد کے اندر نکاح کرنے کا حکم وارد ہے تو اب مشابہت کا کوئی

---

(۱) ولا تقبل الشهادة بدون الدعوى ،لان طلب المدعى يشترط فى الشهادة، لانه حقه، (فتاوى النوازل، كتاب الشهادة، ص : ۲۹۸، حیدر آباد دکن) الشهادة على حقوق العباد لاتقبل بلادعوى (قواعد الفقه، ص : ۸٦، (رقم القاعدة: ۱۵۷)، الصدف پبلشرز)

(۲) الشهادة : ويجب الاداء بلاطلب لو الشهادة فى حقوق الله تعالى وهى كثيرة (الدرالمختار، كتاب الشهادات، ۵/ ٤٦۳، سعيد)

(۳) الدرالمختار، كتاب النكاح، ۳/۸، سعيد

(٤) ردالمحتار ، كتاب النكاح، ۳/۸، سعيد

اثر نہیں ہو سکتا۔ فرش زیادہ بچھانا ایک امر مستحسن و مندوب کے لئے اس لئے مضر نہیں۔ ہزار ڈیڑھ ہزار آدمیوں کا گھس آنا بھی موجب کراہت نہیں ہو سکتا کیونکہ کثرت جماعت اسباب کراہت میں سے نہیں ہے۔ بے وضو ہونا یا بے نمازی ہونا بھی جواز دخول کو مانع نہیں۔ ہاں نکاح کے بعد بلند آواز سے مبارکباد گانا یا مسجد کے صحن کو شربت سے ملوث کرنا یا مسجد میں شور و غل کرنا یہ باتیں آداب مسجد کے خلاف ہونے کی وجہ سے مسجد میں مکروہ ہیں۔ پس اس سنت کو کہ نکاح مسجد میں ہو جاری کرنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ ان امور کو روکا جائے جو آداب مسجد کے خلاف ہیں نہ یہ کہ اصل سنت کو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی ممنوعات سے کسی طرح باز نہ رہیں۔ یعنی مسجد میں نکاح کرنا گویا لازمی اور ضروری طور پر ان منہیات کے وجود کو مستلزم ہو اور اس کی اصلاح نہ ہو سکے تو ایسی حالت میں مسجد میں نکاح نہ کرنا ہی بہتر ہو گا تاکہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو۔ کیونکہ مسجد کا احترام قائم رکھنا ضروری ہے۔(۱)

زیادہ روشنی مسجد کے مال سے کرنا قطعاً جائز نہیں۔(۲) ہاں اگر ناکح اپنے مال سے کرے تو بشرطیکہ حد اسراف کو نہ پہنچے جائز ہے۔(۳) فقط واللہ اعلم۔

غیر ملک میں نکاح کو کورٹ میں رجسٹر کرانا

(سوال) ملک ساؤتھ افریقہ میں یہاں کا قانون ہے کہ اگر عورت کورٹ میں یا میرج آفیسر کے پاس نکاح رجسٹرڈ نہ کرے تو جب مذکورہ عورت کا خاوند مر جائے تو اس کو کچھ حصہ گورنمنٹ کی طرف سے نہیں ملتا۔ مرنے والے کی سب جائیداد گورنمنٹ ضبط کر لیتی ہے۔ اگر مرد کی کوئی اولاد ہو تو اس اولاد کا ثبوت گورنمنٹ کو دینا پڑتا ہے۔ اگر گورنمنٹ کو یہ تسلی ہو جائے کہ بے شک یہ اولاد مرد مذکورہ کی ہے تو پھر گورنمنٹ ضبط شدہ جائیداد میں سے ہر صد میں سے دس پونڈ کاٹ کر باقی جائیداد مذکورہ مرد کی اولاد کو واپس دے دیتی ہے لیکن عورت مذکورہ کو پھر بھی کچھ نہیں ملتا۔ اور اس ملک میں ایک ہی عورت کر سکتا ہے۔ یعنی ایک ہی عورت کرنے کی گورنمنٹ کی طرف سے اجازت ہے۔ اب ساؤتھ افریقہ کے مسلمانوں کو اس صورت میں بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ مسلمان کورٹ یا میرج آفیسر کے پاس نکاح رجسٹر کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اس لئے کہ اگر مسلمان اپنی عورت کو رجسٹر کرے تو پھر دوسری شادی نہیں کر سکتا۔ اور اسلام میں چار شادی کرنے کی اجازت ہے۔ اگر عورت رجسٹر کی جائے اور خاوند مر جائے تو آدھی جائیداد عورت کو اور آدھی اس کی اولاد کو مل جاتی ہے۔ گورنمنٹ اس کی جائیداد کی مالک نہیں ہو سکتی۔ صرف دو فیصدی اپنی ڈیوٹی لے سکتی ہے۔ لیکن یہاں کی گورنمنٹ نے اتنی رعایت بھی رکھی ہے کہ مسلمان کو چار عورتیں کرنے کی اجازت ہے لیکن رجسٹرڈ ایک ہی کرا سکتا ہے اور قانوناً صرف وہ رجسٹرڈ عورت اور اسی کی اولاد جائیداد کی وارث ہو سکتی ہے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں ساؤتھ افریقہ کا مسلمان اپنی عورت کو رجسٹرڈ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو اس کی دوسری عورت یا دوسری عورت کی اولاد ہو تو اس صورت میں مذکورہ مرد کی

---

(۱) یاایہا الذین آمنوا لاتحلوا شعائر اللہ (المائدۃ : ۲) قال احمد مصطفی المراغی فی تفسیر ہذہ الایۃ : والمعنی یاایہا الذین آمنوا لاتحلوا شعائر دین اللہ حلالاً لکم تتصرفون فیہا کما تشاؤون بل اعملوا بما بینہ لکم ولا تہاونوا بحرمتہا (تفسیر المراغی، ۶/۴۴)

(۲) ولا باس بان یترک اکثر من ذلک الا اذا شرط الواقف ذلک او کان ذلک معتاداً فی ذلک الموضع (الہندیۃ، کتاب الصلوۃ، الباب السابع، ۱/۱۱۰، ماجدیۃ)

(۳) ولا تسرفوا انہ لایحب المسرفین (الانعام : ۳۱)

جائیداد کسے تقسیم کی جائے اور کیا عورت رجسٹرڈ کرانے میں ازروئے شریعت کچھ نقصان ہے یا نہیں۔ اگر مسلمان عورت کو رجسٹرڈ نہ کریں تو مالدار مسلمان اگر مر جائے تو ایک تو اس کی جائیداد کو بہت نقصان پہنچتا ہے دوسرے گورنمنٹ کے نزدیک اس کی یہ اولاد حلال نہیں سمجھی جاتی۔

(جواب ٤٧٤) نکاح کی رجسٹری کرانے کا لزوم (۱) اور رجسٹری کرانے کی صورت میں عورت کو نصف جائیداد کا مستحق قرار دینا۔ (۲) رجسٹری نہ ہونے کی صورت میں جائیداد کا ضبط ہو جانا۔ (۳) غیر رجسٹرڈ عورت کو میراث کا نہ ملنا۔ (۴) صرف ایک عورت کو رجسٹر کر سکنا۔ (۵) غیر رجسٹری شدہ عورت سے جو اولاد ہوا کو میراث نہ ملنا۔ (۶) یہ تمام باتیں اسلامی پرسنل لاء کے خلاف اور مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں بے جا مداخلت کی صاف اور صریح صورت ہے۔ مسلمانوں کا پہلا فرض تو یہ ہے کہ وہ ہر جائز اور ممکن طریقے سے اسلامی پرسنل لاء کی آزادی کے لئے پوری کوشش کریں اور جب تک ان کو اس میں کامیابی نہ ہو اس وقت کے لئے اگر وہ نکاح رجسٹری کرانے میں مصلحت سمجھیں تو کرا سکتے ہیں۔ لیکن رجسٹری شدہ منکوحہ احکام اسلامیہ کی رو سے نصف جائیداد کی مستحق نہیں ہے۔ رجسٹری کرانے میں ایک طرف یہ فائدہ تو ہے کہ جائیداد ضبط ہونے سے بچ جاتی ہے۔ مگر دوسری طرف یہ نقصان بھی ہے کہ عورت جو اولاد ہونے کی صورت میں ۸/۱ کی مستحق ہے ۲/۱ کی قانوناً مستحق ہو جاتی ہے اور رجسٹری نہ ہونے کی صورت میں تو وہ بھی محروم رہتی ہے اور جائیداد ساری حکومت ضبط کر لیتی ہے۔ اس لئے رجسٹری کرانے میں کسی قدر فائدہ ہی ہے۔ تاہم ان تمام غیر شرعی قوانین کو مسلمانوں کے حق میں شرعی صورت میں لانے کے لئے پوری جدوجہد کرنی لازم ہے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۷ محرم ۱۳۵۰ھ

عذر کے بغیر بیٹی کو شوہر کے گھر سے روکنا ظلم ہے

(سوال) مجھ کمترین کی شادی اجمیر شریف میں ہوئی تھی اور شادی میں میرے والد کا روپیہ میری زوجہ کے والدین نے ڈیڑھ ہزار صرف کرایا۔ اس کے علاوہ میری زوجہ کی نانی صاحبہ نے بیچ میں بہت روپیہ لیا اور میری زوجہ کو تین چار مہینے تک میرے پاس بھیج دیا اور پھر واپس لے جا کر روک لیا اور میں کئی مرتبہ لینے کو گیا مگر نہیں بھیجا اور دیگر مکانوں میں چھپانا شروع کر دیا کیونکہ وہ میرے پاس آنا چاہتی تھی اور جب اس نے اپنے والدین سے کہا کہ مجھ کو میرے شوہر کے ساتھ بھیج دو تو اس کو ریاست کوٹہ بھیج دیا۔ اس طرح سے ڈھائی تین سال کا عرصہ گزرا۔ اب اجمیر کی عدالت میں میری زوجہ کے نام سے جھوٹا دعویٰ کرو لیا کہ "شادی میں یہ وعدہ و شرط ہوئی تھی کہ گھر داماد رہوں گا اور میرے والدین کے مکان پر دس روز رہ کر اور میرا تمام زیور اور کپڑے لے کر رات کو فرار ہو گیا۔ لہٰذا میں طلاق لینے کی حقدار ہو گئی

---

(۱) واضح رہے کہ رجسٹری کا لزوم صحیح نہیں اس لئے کہ نکاح ایجاب و قبول سے منعقد ہو جاتا ہے کما فی الهداية : النكاح ينعقد بالايجاب والقبول (الهداية، كتاب النكاح، ۲/۳۰۵، شركت علمية)

(۲) جائز نہیں۔ ولهن الربع مما تركتم ان لم يكن لكم ولد فان كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم- (النساء : ۱۲)

(۳) جائیداد کی مذکورہ ضبطی جائز نہیں۔ لاتاكلوا اموالكم بينكم بالباطل (۴) شادی شدہ عورت کی میراث کو قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا ہے : ولهن الربع مما تركتم ان لم يكن لكم ولد فان كان لكم ولد فلهن الثمن (النساء : ۱۲) (۵) ایک عورت کا رجسٹرڈ ہونا یعنی ایک ہی شادی پر مجبور کرنا جائز نہیں بلکہ وہ چار عورتوں سے بیک وقت شادی کر سکتا ہے۔ قال تعالیٰ : فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث ورباع (النساء : ۳) (۶) اولاد کو میراث سے محروم کرنا جائز نہیں۔ یوصيكم الله في اولادكم للذكر مثل حظ الانثيين (النساء : ۱۱)

ہوں۔" تو حضرت میری زوجہ کے والدین کی خاص منشا یہ ہے کہ عدالت سے نکاح ثانی کی اجازت لے کر اور دوسرے آدمی سے روپیہ لوٹ کر اس کے ساتھ بغیر طلاق نکاح کر دیں اور میں نے گھر داماد رہنے کا وعدہ قطعی نہیں کیا۔

المستفتی نور محمد لوہار جے پور ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ٤٧٥) اگر یہ حالات صحیح ہیں تو زوجہ کے اولیاء جنہوں نے یہ حرکت کی ہے سخت گناہ گار ہیں(۱) ظالم ہیں اور اگر تم نے گھر داماد رہنے کی شرط نہیں کی تھی تو ان کا مطالبہ بھی باطل ہے اور بغیر طلاق لئے اگر وہ دوسرا نکاح کر دیں گے تو وہ نکاح بھی باطل ہوگا اور وہ شرعاً و قانوناً مجرم ہوں گے۔(۲) فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

بیوی کی چھاتی منہ میں لینا

(سوال) اگر خاوند مستی میں آکر عورت کی چھاتی منہ میں لے لے تو جائز ہے یا نہیں؟ عورت کی چھاتی میں دودھ نہیں ہے نہ ان دونوں کی کوئی اولاد ہے۔

(جواب ٤٧٦) مرد اگر اپنی بیوی کی چھاتی منہ میں لے لے جب کہ چھاتی میں دودھ نہ ہو تو یہ مباح ہے۔ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

والدین اور برادری شادی میں رسوم ادا کرنے پر مصر ہیں، کیا کیا جائے؟

(سوال) زید کی دلی خواہش ہے کہ اس کی شادی میں رسوم خلاف شرع مثلاً گانا، باجے، ناچ وغیرہ بالکل نہ ہوں۔ لیکن اس کی برادری کے لوگ اور خود اس کے والدین اس پر مصر ہیں کہ بغیر گانے باجے اور کنگنا وغیرہ باندھے کے برادری میں نکاح کسی صورت سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس صورت میں زید کے لئے شرعاً کیا حکم ہے۔ اگر اس صورت سے نکاح کرتا ہے تو ان قبائح کا مجرم ہوتا ہے۔ اگر نکاح نہیں کرتا تو ارتکاب معاصی کا خوف ہے۔ برادری سے باہر نکاح کرنے میں بھی خرابیاں ہیں۔

المستفتی نمبر ۱۶ محمد عبدالمجید خان۔ سرونج مالوہ۔ ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ

(جواب ٤٧٧) اگر زید سختی سے ان چیزوں کے ارتکاب سے انکار کر دے تو امید ہے کہ طریق مسنون پر نکاح کر دینے کے لئے بھی کوئی نیک افراد تیار ہو جائیں گے۔(۳) صرف تھوڑی سی تاخیر ہوگی تو تاخیر کو برداشت کرتے ہوئے اگر وہ پختہ رہے تو ماجور ہوگا۔(۴)

عورت طلاق لئے بغیر دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔

(سوال) ایک فریق کہتا ہے کہ مرد اگر مریض ہو جائے تو عورت بغیر طلاق کے خود نکاح کر سکتی ہے۔ یہاں ایک مولوی نے فتویٰ دے کر نکاح کر دیا۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ بغیر طلاق کے نکاح حرام ہے۔ بلکہ طلاق کے بعد عدت گزار کر نکاح درست ہے لہذا کون فریق حق پر ہے۔

---

(۱) عن ابی ہریرۃ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لیس منا من خبب امرأۃ علی زوجها اوعبداً علی سیدہ (سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، ۱ /۳۰۳، سعید)

(۲) والمحصنت من النساء (النساء : ۲٤)

وفی الهندیة: لایجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیرہ (الهندیة، کتاب النکاح، الباب الثالث، ۱ /۲۸۰، ماجدیة)

(۳) ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا (الطلاق : ۲)

(٤) والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین (العنکبوت : ٦٩)

المستفتی نمبر ۲۰۹ محمد اطہر میاں (ضلع بردوان) ۳۰ شوال ۱۳۵۲ھ م ۱۵ فروری ۱۹۳۴ء

(جواب ٤٧٨) مرد کے مریض ہو جانے پر عورت کو یہ حق نہیں۔(۱) کہ وہ اپنا دوسرا نکاح کر لے۔بغیر مرد کے طلاق دینے کے یا کسی کے حکم سے بوجوہ شرعیہ نکاح فسخ کئے جانے کے اور بعد طلاق یا فسخ کے عدت گزر جانے کے بغیر دوسرا نکاح نہیں کر سکتا۔(۲) جس نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ شوہر کے بیمار ہو جانے پر عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے اس نے غلط فتویٰ دیا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

کافر میاں بیوی مسلمان ہو جائیں تو دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں۔

(سوال) زید مع اپنی بیوی کے مسلمان ہوا۔اولاد نہیں ہے۔کیا دونوں کا از سر نو نکاح کرنا ضروری ہے ؟

المستفتی نمبر ۵۳۲ عبدالرحمٰن۔ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۳ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ٤٧٩) اگر میاں بیوی ساتھ ساتھ مسلمان ہوئے ہیں تو ان کا نکاح جدید کرانا لازم نہیں۔بس جیسے وہ میاں بیوی تھے ویسے ہی رہیں گے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

نکاح پر نکاح پڑھانے والے قاضی اور شرکاء مجلس کے نکاح برقرار ہیں

(سوال) اگر کوئی امام مسجد ایک مرد اور عورت کا نکاح پڑھا دے اور بعد میں معلوم ہو کہ عورت مذکورہ کا نکاح سابق باقی ہے تو کیا نکاح خواں اور گواہان نکاح کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا باقی رہتا ہے ؟ المستفتی نمبر ۶۳۳ مولوی نور اللہ (ضلع لائل پور)

(جواب ٤٨٠) نکاح خواں اور گواہوں کا نکاح نہیں ٹوٹتا۔انہوں نے بے احتیاطی ضرور کی اور جب معلوم ہو گیا کہ عورت منکوحۃ الغیر ہے تو وہ نکاح بھی درست نہیں ہوا۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

تعویذ کے ذریعے نکاح و طلاق پر آمادہ کرنا

(سوال) بیوہ عورت سے جو نکاح کرنا چاہتا ہے لیکن وہ بیوہ اس سے نکاح کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔پھر وظیفہ کے ذریعہ یا تعویذ کے ذریعہ اس کا رجحان ہو جاتا ہے۔وہ نکاح کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔بعد ازاں نکاح ہو جاتا ہے۔کچھ عرصہ کے بعد عمل کا اثر جاتا رہتا ہے یا کہنے والے کہتے ہیں کہ تو تو انکاری تھی اور نکاح کیوں کیا؟ اب وہ جواب دیتی ہے کہ خود میں حیران ہوں کہ پہلے تو مجھ کو انکار تھا۔ایک دم میں نے دل سے اقرار کرتے ہوئے نکاح کر لیا۔اب اسے معلوم ہوتا ہے کہ میرے اوپر کسی قسم کا عمل تعویذ وغیرہ کیا گیا ہے اور مرد بھی اقراری ہوتا ہے کہ ہاں میں نے ایسا کیا۔یہ عورت فوراً بد ظن ہو جاتی ہے۔آیا یہ نکاح جائز رہا یا نہیں۔اسی طریقے سے باکرہ بالغہ کے ساتھ مذکورہ بالا عمل ہوتا ہے پھر بھی وہ اس سے بد ظن ہو جاتی ہے۔ایسے ہی دیکھا گیا کہ خاوند طلاق دینے کو آمادہ نہیں ہے اور اس کو تعویذ وغیرہ کے ذریعہ آمادۂ طلاق کیا گیا اور اس نے طلاق دے دی۔ایسے حالات میں طلاق صحیح پڑی یا نہیں ؟

---

(۱) والمحصنت من النساء (النساء : ٢٤)

(۲) ولاتعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله (البقرة : ٢٣٥)

(۳) واذا تزوج الكافر بغير شهود اوفي عدة كافر وذلك في دينهم جائز ثم اسلما اقرا عليه (الهداية، كتاب النكاح، باب نكاح اهل الشرك ٢ /٣٢٤، شركة علمية)

(٤) لايجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره(الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث، ١ /٢٨٠، ماجدية)

(جواب ۴۸۱) نکاح(۱) اور طلاق (۲) سب صحیح اور واقع ہو جاتی ہے جبکہ اختیار اور خوشی سے واقع ہوں۔ یہ وہم عمل یا تعویذ کے ذریعے سے ایسا ہوا معتبر نہیں ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ، دہلی

لڑکی ایک شہر میں ہے اور لڑکا دوسرے شہر میں، نکاح کا شرعی طریقہ کیا ہو گا؟

(سوال)(۱) اگر لڑکی ایک شہر میں ہے اور لڑکا دوسرے شہر میں اور کوئی ایسی شکل نہیں کہ ایک جگہ آسکیں تو صورت میں نکاح کی کیا صورت ہو گی؟(۲) لڑکی بالغ ہے اپنا نکاح اس صورت سے اپنی مرضی کے خلاف کر سکتی۔ نہیں ؟(۳) لڑکی کا تحریری قبول جائز ہے یا نہیں ؟(۴) ایجاب کی مفصل عبارت کیا ہو گی ؟(۵) قبول کی عبارت لڑکی لکھے گی کیا ہونا چاہئے ؟(۶) ایجاب و قبول ایک ہی کاغذ پر ہونا ضروری ہے یا نہیں ؟(۷) ایجاب کا کسی قاضی سامنے لکھا جانا ضروری ہے یا نہیں ؟(۸) تحریری قبول پر گواہی کی ضرورت ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کتنے گواہوں (۹) وکیل ہونا لازمی ہے یا نہیں ؟(۱۰) تحریری ایجاب و قبول ہونے کے بعد ان تحریروں کا کسی قاضی کے سامنے پیش کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟(۱۱) نکاح کا خطبہ اس صورت میں کیونکر ہو گا؟(۱۲) اعلان نکاح لازمی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس مجلس میں، جہاں لڑکا ہے وہاں اعلان ضروری ہے یا جہاں لڑکی ہے وہاں اعلان ضروری ہے۔(۱۳) رسم نکاح ادائیگی اور تکمیل کے لئے لڑکے کی طرف سے لڑکی کو کوئی ہدیہ دیا جانا ضروری ہے یا نہیں ؟(۱۴) اس صورت میں ایجاب اور قبول میں دو ایک دن کا فاصلہ پڑے گا۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۸۳۱ اختر رضوی صاحب (گوالیار) ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ، ۱۲ ستمبر ۱۹۳۶

(جواب ۴۸۲) ایجاب اور قبول ایک مجلس میں گواہوں کے سامنے ہونا صحت نکاح کے لئے لازم ہے۔(۳) خطبہ نکاح لازم اور واجب نہیں۔(۴) نکاح کا قاضی کے یہاں درج کیا جانا بھی لازم نہیں۔ نکاح کی شہرت دینا مستحسن ہے لیکن صحت نکاح کے لئے صرف دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول ہو جانا کافی ہے۔(۵) لڑکی کو کوئی ہدیہ یا مہر کا کچھ حصہ نکاح کے وقت دے دینا مستحسن ہے۔(۶) مگر نکاح کی صحت اس پر موقوف نہیں۔ اگر لڑکی بالغہ ہے تو وہ ولی کی اجازت کی محتاج نہیں۔ یعنی اگر وہ خود اپنا نکاح کرلے تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔(۷) بشرطیکہ نکاح غیر کفو میں نہ کیا ہو(۸) اگر لڑکی اور لڑکا ایک مقام پر نہ ہوں اور تحریری ایجاب و قبول کرنا ضروری ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔(۹) لیکن بہتر ہے کہ لڑکی کا کوئی وکیل لڑکے کے جائے قیام پر آجائے یا لڑکے کا وکیل لڑکی کے جائے قیام پر چلا جائے۔

---

(۱) النکاح ینعقد بایجاب من أحدھما وقبول من الآخر (الدر المختار، ۳/۹، سعید

(۲) یقع طلاق کل زوج إذا کان بالغا عاقلا سواء کان حرا او عبدا طائعا او مکرھا (الھندیۃ، کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لایقع طلاقہ، ۱/۳۵۳، ماجدیۃ)

(۳) ومنھا (ای من شرائطھا) ان یکون الایجاب والقبول فی مجلس واحد حتی لواختلف المجلس بان کانا حاضرین فاوجب احدھما فقام الآخر عن المجلس او اشتغل بعمل یوجب اختلاف المجلس لاینعقد (الھندیۃ، کتاب النکاح، ۱/۲۶۹، ماجدیۃ)

(٤) ویندب اعلانہ وتقدیم خطبۃ، (الدر المختار، کتاب النکاح، ۳/۸، سعید)

(۵) وشرط حضور شاھدین حرین او حر وحرتین مکلفین سامعین معا (الدر المختار، کتاب النکاح، ۳/۲۲، سعید)

(٦) ومنھا مایدفع بعد الدخول کالإزار والخف والمکعب واثواب الحمام، وھذہ مالونۃ بمنزلۃ المشروط عرفا(ردالمحتار، کتاب النکاح باب المھر، ۳/۱۳۰، سعید) (۷) فنفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلارضا ولی (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/۵٦، سعید)

(۸) ولہ ای للولی الاعتراض فی غیر الکفؤ، فیفسخہ القاضی (ایضاً)

(۹) ولا بکتابۃ حاضر، بل غائب بشرط اعلام الشھود بھا فی الکتاب مالم یکن بلفظ الامر فیتولی الطرفین(الدر المختار، وفی الر : فانہ قال ینعقد النکاح بالکتاب کماینعقد بالخطاب (ردالمحتار، کتاب النکاح، ۳/۱۲، سعید)

ں کے ذریعے سے ایجاب و قبول ایک مجلس میں کرا لیا جائے اگر توکیل کی صورت نہ ہو سکے تو لڑکا ایک کاغذ پر
ت لکھے کہ میں فلاں بن فلاں ساکن مقام فلاں نے تم فلانہ بنت فلاں ساکنہ فلاں کو بعوض اتنے مہر کے اپنے نکاح
لیا۔ یہ تحریر جب عورت کے پاس پہنچے تو وہ اس کو دو گواہوں کے سامنے پڑھے اور ان کو بتلائے کہ فلاں شخص نے
سے نکاح کرنے کے لئے مجھے یہ لکھا ہے اور ایجاب کی عبارت ان کو پڑھ کر سنائے اور پھر کہے کہ میں نے قبول
(۱) یعنی گواہ ایک مجلس میں ایجاب و قبول دونوں سن لیں۔ اس صورت میں نکاح صحیح ہو جائے گا۔ (۲) اس کے بعد
ت میں ثبوت نکاح کا معاملہ وہ علیحدہ ہے اس کے لئے قانونی ضروریات مہیا کرنی ہوں گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

ی کو خفیہ رکھنا کیسا ہے ؟

ال) زید ایک معزز اور شریف آدمی ہے - آٹھ دس سال سے شادی شدہ ہے۔ صاحب اولاد بھی ہے مگر کچھ عرصے
حق زوجیت ادا نہیں کر سکتا۔ کسی بیماری کی وجہ سے وہ اس فعل سے معذور ہے - گو وہ نان و نفقہ اور دیگر آسائش کا
ن مہیا کر سکتا ہے - زید اپنی عورت کے جذبات کا لحاظ رکھتے ہوئے طلاق دے کر عقد ثانی کی اجازت دینا چاہتا ہے
ونکہ وہ ذی عزت شخص ہے لہذا وہ اس معاملے کو پردے میں رکھ کر کرنا چاہتا ہے - زید کی دلی منشا یہ ہے کہ عورت کا
ثانی بھی ہو جائے اور عورت اسی کے گھر میں رہے اور بچوں کی دیکھ بھال بھی ہوتی رہے اور اس معاملے کو ماسوائے
پڑھانے والے کے اور شاہدوں کے اور کسی کو علم نہ ہو اور بکر جس سے عقد ہو وہ بھی ان کے ہمراہ رہے۔ اس بارے
علماء دین متین کا کیا خیال ہے اور کیا فتویٰ ہے - کیا ایسا عقد جائز ہو سکتا ہے اور جو اولاد بعد میں ہو گی وہ ٹھیک ہو گی ؟

المستفتی نمبر ۱۲۸۴ معراج الدین صاحب (رڑکی) ۱۹ شوال ۱۳۵۵ھ ، م ۳ جنوری ۱۹۳۷ء

اب ۴۸۳) زوجین یا ان کے وکیلوں کے علاوہ دو شاہدوں کے سامنے ایجاب و قبول ہونا صحت نکاح کے لئے کافی
نکاح منعقد ہو جائے گا۔ (۳) لیکن انعقاد نکاح کے بعد وہ عورت منکوحۃ الغیر ہونے کی وجہ سے زید کے پاس خلوت
رہ سکے گی۔ (۴) کیونکہ اجنبیہ اور منکوحۃ الغیر ہو گی اور بکر زوج ثانی کے لئے اس سے ازدواج کے تعلقات کرنے
ہوں گے۔ اولاد بھی بکر کی ہو گی۔ زید طلاق دے کر اور عدت گزر جانے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کرا سکتا
(۵) مگر اس کو اس طرح مخفی رکھنا کہ لوگ زید کی بیوی ہی سمجھتے رہیں (۶) اخلاقاً اور شرعاً اور نتیجتاً خطرناک ہے - (۷)

فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

منہ قال ینعقد النکاح بالکتاب کما ینعقد بالخطاب وصورته : ان یکتب الیها یخطبها فاذا بلغها الکتاب احضرت الشهود
علیهم وقالت زوجت نفسی منه، اوتقول ان فلانا کتب الی یخطبنی فاشهدوا انی زوجت نفسی منه (ردالمحتار کتاب
ح، ۱۲/۳، سعید)
ارسل الیها رسولاً اوکتب الیها بذلک فقبلت بحضرة شاهدین سمعا کلام الرسول وقراءة الکتاب جاز لاتحاد المجلس
یة، کتاب النکاح، الباب الاول ، ۲۶۹/۱ ،ماجدیة)
نکاح ینعقد بایجاب من احدهما وقبول من الآخر (الدرالمختار، کتاب النکاح، ۹/۳، سعید)
عن ابن عباس عن النبی صلی لله علیه وسلم قال : لایخلون رجل بامراة الامع ذی رحم محرم (صحیح البخاری،
النکاح، باب لایخلون رجل بامراة، ۷۸۷/۲، قدیمی)
اذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن (البقرة : ۲۳۲)
ن عائشة قالت : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اعلنوا هذا النکاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیه بالدفوف
الترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی اعلان النکاح، ۲۰۷/۱، سعید)
ن ابن عباس عن النبی ﷺ قال : لایکلمن رجل بامرأة الا کان ثالثها الشیطان (جامع الترمذی، ابواب الرضاع، ۲۲۱/۱، سعید)

عورت زنا کا تقاضا کرے تو اس کو پورا کرنا حرام ہے

(سوال) ایک عورت بالکل جوان ہے۔ خاوند اس کا نہایت کمزور ہے۔اب یہ عورت کسی ہم عمر شخص سے صحبت کرنا چاہتی ہے۔ اور نہایت عاجزی سے سوال کرتی ہے اور اپنی زبان سے اپنا نفس بھی اس شخص کو بخشتی ہے۔اس عورت کا سوال پورا کرنا چاہئے یا رد کرنا چاہئے۔ایک عالم فرماتے ہیں کہ جب انسان کو سوال پورا کرنے کی توفیق ہے تو سوال پورا کردے۔ المستفتی نمبر ۱۴۳۶ چودھری خیر الدین صاحب (ضلع انبالہ) ۷ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ

(جواب ٤٨٤) جو عورت کسی کی منکوحہ ہے اور اپنے خاوند کے سوا کسی دوسرے شخص سے خواہش نفسانی پورا کرنے کا سوال کرتی ہے تو یہ سوال بھی حرام اور اس کو پورا کرنا بھی حرام ہے۔(۱) سوال وہی پورا کرنا جائز ہے جو سوال جائز ہے اور اس کو پورا کرنے میں کوئی گناہ نہ ہوتا ہو۔(۲) فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

عورت کو اغواء کر کے لونڈی بنانا

(سوال) ایک مرد مسلمان نے ایک ہندو عورت کو اس کے مرد سے چھڑا کر اپنے گھر میں لونڈی بنا کر رکھ لیا ہے اور اس سے ہمبستر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ باندی کیساتھ صحبت جائز ہے اور نکاح کرنے سے انکار کرتا ہے۔لہذا ایسے شخص کے لئے پیشوائے امت کا کیا حکم ہے ؟ اور باندی کس عورت کو کہیں گے اور کتنی حیثیت کے لئے باندی جائز ہو سکتی ہے اور کہاں کے لئے اور کس ملک کے لئے باندی کا حکم ہے۔اگر کوئی ناجائز فعل کرے اور کہے کہ یہ جائز ہے تو ایسے شخص کو کیا کیا جاوے ؟ المستفتی نمبر ۱۵۳۴ حافظ محمد اسماعیل صاحب (گنجام) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ

(جواب ٤٨٥) ہندوستان میں صحیح شرعی طریق پر باندی نہیں مل سکتی۔ کسی ہندو کی بیوی کو اس کے شوہر سے چھڑا کر رکھ لینا اور اس کو باندی سمجھنا جائز نہیں۔ اگر وہ عورت مسلمان ہو گئی ہو اور اس کے خاوند نے مسلمان ہونا قبول نہ کیا ہو اور عدت گزر گئی ہو تو پھر کوئی مسلمان اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔(۳) بغیر نکاح اس سے صحبت کرنا حرام ہے اور جو شخص ایسی عورت رکھے اور اس کو حلال سمجھے وہ سخت فاسق اور گناہ گار ہے۔(۴) بلکہ ایمان جاتے رہنے کا قوی خطرہ(۵) ہے۔ فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

مسلمان پر کفار کی گواہی معتبر نہیں

(سوال) ایک عورت کافرہ جو گن ایمان لائی ہے اور اسلام پر آئی ہے اور پھر اس نے کسی مسلمان کے ساتھ نکاح شرعی کر لیا ہے۔دوسرے روز اس عورت کا بھائی آیا اور اس سے دو آدمیوں نے پوچھا کہ تو کس کام کے لئے آیا ہے؟ اس نے

(۱) عن ابن عمر قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما احب وکرہ مالم یومر بمعصیة، فان امر بمعصیة فلا سمع علیہ ولاطاعة (جامع الترمذی، ابواب الجھاد، باب ماجاء، لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق، ۱/ ۳۰۰، سعید)

قال تعالی: ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشة وساء سبیلاً (سورة بنی اسرائیل : ۳۲)

(۲) ماحرم فعلہ حرم طلبہ (قواعد الفقہ، ص : ۱۱۵، (رقم القاعدة: ۲۹۲)، الصدف پبلشرز)

(۳) وانکحوا الایامی منکم (النور : ۳۲)

(٤) ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظالمون (البقرة : ۲۲۹)

(٥) ومنھا ان استحلال المعصیة صغیرة کانت او کبیرة کفر اذا ثبت کونھا معصیة بدلالة قطعیة (شرح فقہ الاکبر لعلی القاری، ۱/ ۲۲۵، بیروت)

کہا کہ میری بہن پیر سکندر سے نکل کر موضع مساہو کا میں چلی آئی ہے - میں اس کو لے جانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ وہ کنواری ہے یا شادی شدہ ہے ؟ اس نے کہا کنواری ہے شادی شدہ نہیں ہے ، منگنی ہوئی بھی نہیں۔ اور پھر تیسرے روز اس عورت کا باپ آیا اس نے بھی اسی طرح کہا۔ جب دس دن گذرے تو ایک شخص جوگی آیا۔ اس نے کہا کہ یہ عورت میری ہے اور اس کا منڈوا میرے ساتھ پڑھا ہے اور میں بھی مسلمان ہو گیا ہوں اور اس کا بھائی بھی مسلمان ہو گیا ہے - یہ عورت مجھے دے دو اور اس جوگی نے منڈوے کے گواہ بھی بنا لئے اور اس کے کنواری ہونے کے گواہ بھی موجود ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ بستی لال بیگ میں بصدارت پیر گلاب علی صاحب ذیلدار بستی لال بیگ و خان محمد خان ذیلدار بستی دلاور اجتماع ہوا اور مجلس عام میں اس جوگی دیندار سے جو مدعی تھا پوچھا گیا کہ تیرا منڈوا کس وقت اور کس طرح اور کس نے پڑھا ہے ؟ اس نے کہا کہ میرا منڈوا اور شادی پیشی کے وقت پھر کہا نہیں دیگر اور پھر کہا غروب کے وقت ہوا ہے اور جنڈی کے چوفیر ہم پھرے ہیں اور منڈوے پڑھنے والے مسمی مولچند نے کہا کہ پھیرے لے لو جس طرح تمہارے ماں اور باپ نے لئے ہیں اور پیو دلوا نے لئے ہیں۔ پس اس کے بعد عورت سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں کنواری ہوں یہ میرا خاوند نہیں۔ مدعی کاذب ہے بلکہ میری بھانجی کا خاوند ہے۔ میرا اپتر ہے، میں اس کی ساس ہوں۔ پس میں نے صدق اور صفائی دل سے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا ہے - میں اس گیڈر اور گوہ اور سانپ کھانے والوں کے ساتھ ہرگز نہیں جاتی ہوں۔ اور یہ بناوٹی مسلمان ہوا ہے اور انہوں نے جھوٹے دعوئے مسلمانی کے بعد گوہ اور نیولا وغیرہ کا شکار کیا جس کے گواہ مجمع میں موجود تھے۔ المختصر دونوں طرف سے گواہ بھگت گئے۔ عورت کے کنواری ہونے کے تمام گواہ مسلمان ہیں اور اس مدعی کے گواہ دو مسلمان اور باقی کافر جوگی ہیں۔ ایک مسلمان نے گواہی دی کہ اس شخص کی شادی اور منڈوا دیگر کے وقت ہوا ہے۔ میں نے دیکھا لانوانی پھیرا لیتے ہیں لیکن میں نے عورت کو پہچانا نہیں کہ کونسی عورت ہے اور کس نے منڈوا پڑھا ہے اور دوسرے گواہ مسلمان نے کہا کہ اس کی شادی اور منڈوا موضوع جوسران میں شام کے وقت ہوئی ہے - مگر میں نے عورتوں کو پہچانا نہیں کہ منہ پر نقاب تھا اور پھر باقی جو کافر گواہ تھے انہوں نے بھی اسی طرح مختلف طور پر شہادت دی۔ کسی نے کہا کہ دیگر کے وقت اور کسی نے کہا شام کے وقت اور کسی نے عشاء کے وقت۔ کیا اس شخص کا دعویٰ عند الشرع درست ہے یا نہیں اور اس کا اسلام معتبر ہے یا نہیں اور اس کے منڈوے کے گواہوں کے مطابق منڈوے کو نکاح سمجھا جائے یا نہیں اور گواہی معتبر ہے یا نہیں اور عورت واپس کی جائے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۶۰۳ نور احمد صاحب ضلع منٹگمری ۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ

(جواب ٤٨٦) کافروں کی گواہی تو بالکل غیر معتبر ہے (۱) اور مسلمانوں کی گواہی بھی اس لئے قابل قبول نہیں کہ دونوں نے یہ کہا کہ ہم نے عورت کو نہیں پہچانا اور جب عورت کے باپ اور بھائی کا بیان موجود ہے کہ عورت کنواری ہے اور منڈوے کے گواہوں کے بیان بھی مختلف ہیں۔ کوئی دوپہر کا وقت بتاتا ہے ، کوئی شام کا اور کوئی عشاء کے بعد کا، تو یہ گواہیاں سب نا قابل اعتبار ہیں۔ (۲) اور عورت کا اس کے باپ بھائی کا بیان معتبر قرار دیا جائے گا اور عورت کنواری

(۱) لاتقبل شهادة كافر على مسلم (الدر المختار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه، ٥/ ٤٧٥، سعيد)
(۲) وكذا تجب مطابقة الشهادتين لفظاً ومعناً بطريق الوضع (الدر المختار، كتاب الشهادات، باب الاختلاف في الشهادة، ٥/ ٤٩٣، سعيد)

قرار دی جائے گی اور اس کا نکاح مسلمان کے ساتھ جو ہوا ہے وہ قائم رکھا جائے گا۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نکاح سے قبل عورت کو حرام کیا اور اس سے شادی نہ کرنے کی قسم کھائی تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) زید نے قبل از نکاح خود ایام مختلفہ میں مندرجہ ذیل جملے اپنے نکاح کے متعلق کہے ہیں اور اس کی ان مختلف تحریرات میں جو اس نے آمنہ کو دی تھیں منجملہ مختلف اقوال کے یہ اقوال بھی اپنے نکاح کے بارے میں تحریر ہیں۔ (۱) عائشہ مجھ پر حرام ہے۔(۲) عائشہ سے کبھی نکاح نہیں کروں گا۔(۳) میں عائشہ سے کبھی شادی نہیں کروں گا۔ (۴) اگر میں نے عائشہ سے نکاح کیا تو مجھ پر حرام ہے۔(۵) عائشہ اور باقی سب عورتیں مجھ پر حرام ہیں۔(۶) عائشہ مجھ پر بلفظ کلی حرام ہے۔(۷) خدا کی قسم میں عائشہ سے شادی نہیں کروں گا۔(۸) عائشہ بنت عمرو مجھ پر بمنزلہ بھائی کے ہے یا بہن کے ہے۔(۹) آمنہ آپ کے سوا مجھ پر عائشہ اور باقی سب عورتیں حرام ہیں۔ جملہ نمبر ۵ اور نمبر ۶ میں زید کو شک ہے کہ یہ دو جملے اس کے منہ سے نکلے ہیں یا نہیں ؟

(۱) اب قابل استفسار یہ ہے کہ وہ عائشہ سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں ؟(۲) وہ عائشہ بنت عمرو سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں ؟(۳) کیا وہ کہیں اور شادی کر سکتا ہے ؟ اگر کر سکتا ہے تو کیونکر ؟(۴) قسم واقع ہوئی ہے یا نہیں، بصورت اثبات کونسی قسم واقع ہوئی ہے ؟(۵) کیا شرع شریف اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ چاروناچار آمنہ سے وہ تحریرات لا کر رفع شک کرتے ہوئے قاضی کے سامنے پیش کرے۔ اس صورت میں جب کہ اس کا آمنہ کے پاس جانے اور تحقیق کرنے میں ہزاروں مفاسد کا فتح باب ہو تو اب اس صورت میں کیا یہاں زید کے لئے کوئی صورت ازروئے شریعت مطہرہ نکل سکتی ہے کہ نہ تو اسے آمنہ کے پاس برائے مطالبہ تحریرات خود جانا پڑے اور نہ فتح باب مفاسد ہو اور اس کے لئے کسی طریقے سے شادی کرنا جائز ہو جائے۔ نیز اس کے لئے وہ شادی جمیع مخالفت شرعیہ حالیہ و مستقبلہ سے مبرا ہو جائے اور پھر اگر کسی وقت اس کی عائشہ سے شادی ہو جانے کے بعد اسے وہ تحریرات مل گئیں اور اس میں لفظ کلی وغیرہ لکھا تھا تو اس صورت میں اس کی شادی منسوخ و فسخ نہ ہو جائے۔ کوئی ایسی صورت نکال دیجئے۔

(المستفتی نمبر ۱۸۴۹ محمد اسماعیل خانقاہ شریف (ضلع ڈیرہ اسماعیل خان)

۲۸ رجب ۱۳۵۶ھ م ۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۸۷) فقرہ نمبر ۵ اور ۶ جن کے زبان سے نکلنے میں ہی شک ہے اس کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔ یعنی زید پر اس عمل میں ان کا لحاظ کرنا لازم نہیں۔(۲) لیکن اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نکل آئے یا گواہوں سے اس کا تلفظ زید کی زبان سے ثابت ہو گیا تو پھر اس کے موافق حکم لازم ہوگا۔(۳) فقرہ نمبر ۱ وغیرہ و نمبر ۹ اس حال میں کہے گئے ہیں کہ صرف آمنہ زید کے نکاح میں ہے اور عائشہ اور کوئی عورت اس کے نکاح میں نہیں ہے۔ پس یہ فقرہ جملہ خبریہ صادقہ

---

(۱) وانكحوا الايامى منكم (النور : ۳۲)
وفي الخانية : رجلان ادعيا نكاح امراة ..... وان اقام كل واحد منهما البينة انهاله وكانت في يداحد هما يقضي بها لصاحب اليد الخانية على هامش (الهندية، كتاب النكاح، فصل في دعوى النكاح، ۱/۴۰۵، ماجدية)
(۲) اليقين لايزول بالشك (الاشباه والنظائر، القاعدة الثالثة، ۱/۱۹۳، ادارة القرآن)
(۳) فان وجد الشرط وهي في ملكه انحلت اليمين ووقع الطلاق لانه وجد الشرط، والمحل قابل للجزاء فينزل الجزاء ولاتبقى اليمين (الجوهرة النيرة، كتاب الطلاق، ۲/۵۲، امداديه)

ہے اس کا کوئی اثر اس پر نہیں پڑے گا۔ ہاں اگر زید اقرار کرے کہ اس کا مقصد اس سے یمین تھی تو اس کے اقرار سے یمین ہو جائے گی۔(۱) فقرہ نمبر ۶ جس میں لفظ کلما کا مدخول نہیں، وہ بھی بیکار ہے۔ فقرہ نمبر ۷ یمین منعقدہ ہے۔ اگر عائشہ سے نکاح کیا تو کفارۂ یمین دینا ہوگا۔(۲) اور فقرہ نمبر ۸ بھی جملہ خبریہ صادقہ ہے۔ اس کا اس پر کوئی اثر نہیں۔(۳) اور فقرہ نمبر ۲ و ۳ کا بھی کوئی اثر نہ ہوگا کہ یہ اقرار کی خلاف ورزی ہے۔

پس زید عائشہ سے اور کسی عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ لیکن عائشہ سے شادی کرنے کی صورت میں فقرہ نمبر ۷ کے بموجب قطعاً اور فقرہ نمبر ۱، ۵، ۹ کے بموجب بصورت اقرار یمین کفارہ دینا ہوگا۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

قاضی کا وقتی طور پر طلاق نامہ لکھوانے کے بعد نکاح پڑھانا کیسا ہے؟

(سوال) زید ایک عورت باہر سے اپنے ہمراہ اپنی جائے سکونت پر لایا اور تقریباً دو سال تک اپنے گھر میں رکھا۔ جس کی عمر تقریباً اس وقت گیارہ سال کی تھی۔ کوئی قابل وقعت شہادت اس امر کی نہیں ہے کہ اس نے اس عورت کے ساتھ باہر نکاح کیا تھا۔ بعد ازاں اس کو مطلقہ قرار دے کر دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح کر دیا۔ قاضی نکاح خواں نے بوقت نکاح خوانی یہ سوال اٹھایا کہ تاوقتیکہ میرے سامنے کوئی تحریری ثبوت اس بات کا پیش نہیں کیا جائے کہ فی الواقع زید نے عورت کو طلاق دی ہے اور ایام عدت پورے ہو چکے ہیں میں نکاح نہیں پڑھاؤں گا۔ اس کے جواب میں زید نے بتایا کہ میں نے اس کو بطور لڑکی کے رکھا ہے۔ نیز یہ بھی کہا کہ میری خادمہ ہے۔ لیکن قاضی نے خوف اپنی سبکدوشی کے لئے تحریر کا ہونا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اسی وقت طلاق نامہ لکھا گیا۔ جس میں تقریباً چھ ماہ گزشتہ کی تاریخ لکھی گئی۔ جب گواہوں نے دستخط کر دیئے باوجود اس کا علم ہونے کے کہ طلاق نامہ ابھی درج و تحریر ہوا ہے قاضی نے نکاح پڑھا دیا۔ (۱) کیا یہ نکاح جائز ہے؟ (۲) قاضی اور زید و گواہان کے لئے بصورت ناجائز ہونے کے کیا حکم ہے؟ اور اس کا کیا کفارہ ہو سکتا ہے؟ المستفتی نمبر ۱۸۵۳ بشیر احمد خاں (روہتک)

۲۹ رجب ۱۳۵۶ھ، م ۵ا اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۸۸) یہ کارروائی تو غلط اور مصنوعی تھی مگر قاضی نے اگر اس علم پر نکاح پڑھایا ہو کہ یہ عورت منکوحہ نہیں تھی اور تحریر طلاق نامہ محض قانون کی گرفت سے بچنے کے لئے ہو تو قاضی مجرم نہ ہوگا۔(۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) سئل ابوبکر عمن قال . هذه الخمر على حرام ثم شربها والمختار للفتوى انه ان ارادبه التحريم وجب الكفارة وان ارادالاخبار، اولم تكن له نية لاتجب الكفارة (الهندية، باب مايكون يمينا، ۲/۵۶، ماجدية)

(۲) واليمين المنعقدة هي الحلف على الامر المستقبل ان يفعله اولا يفعله فاذاحنث في ذلك لزمته الكفارة الجوهرة النيرة، كتاب الايمان، ۲/۲۴۷، امدايه)

(۳) سئل ابوبكر عمن قال : هذه الخمر على حرام ثم شربها والمختار للفتوى انه ان ارادبه التحريم وجب الكفارة وان ارادالاخبار اولم تكن له نية لاتجب الكفارة (الهندية، باب مايكون يمينا، ۲/۵۶، ماجدية)

(۴) والمنعقدة مايحلف على امرالمستقبل ان يفعله اولايفعله، واذا حنث فى ذلك لزمته الكفارة (الهداية، كتاب الايمان، ۲/۴۷۸، شركة علمية)

(۵) المطلقة الثلاث اذا اتت الزوج الاول وقالت . تزوجت بزوج آخر ودخل بى وطلقنى وانقضت عدتى. ان كانت ثقة ووقع عندالاول انها صادقة حل للزوج الاول ان يتزوجها (الخانية على هامش الهندية، ۱/۳۶۷، ماجدية)

شوہر بیوی کی رخصتی پر تیار نہیں، کیا نکاح فسخ کرایا جا سکتا ہے؟

(سوال) ہندہ منکوحہ کئی سال سے اپنے گھر بیٹھی ہے۔ اس کا شوہر جو شرعاً بعد عقد ہوا ہے کسی شہر میں گوشہ نشین بنا بیٹھا ہے۔ جب رخصتی کا خط اس کے پاس جاتا ہے تو تاریخ مقررہ میں نہیں آتا بلکہ خود تاریخ معین کرتا ہے اور اس میں بھی نہیں آتا۔ ہم لوگ برابر منتظر رہے کہ آئے اور شادی ہو مگر کئی تاریخیں ٹل گئی ہیں۔
اور یہ قصہ اب کا ہے، ورنہ اس سے قبل جب نکاح ہوا تھا دونوں یعنی ہندہ اور اس کا شوہر نابالغ اور نابالغہ تھے۔ ماں باپ کی خوشی پر بچے نے ایجاب و قبول کیا تھا۔ اور باپ کی قدرت سے باہر ہے کہ ایسی صورت میں جب کہ میرے کچھ اختیارات ان پر ہیں رخصت کیونکر ہو گی اور بچی غریب کا کیا حال ہو گا۔ کچھ شرعی طریقہ ایسا فرمائیے، یا ایسا حکم خاص صادر فرمادیں جس سے بچی ہندہ کی داد رسی ہو سکے۔ آپ حقیقت میں شرعی حاکم ہیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو اس قسم کے جوابات الجمعیۃ کے احکام و حوادث میں شائع فرمادیں۔

المستفتی نمبر ۲۱۹۲ شاہ فضیلت الرحمن صاحب (مونگیر) ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ، م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۸۹) اگر عورت کے لئے گزارے اور حفظ صحت کی کوئی صورت نہیں ہے اور خاوند ان امور کی پرواہ نہیں کرتا تو عورت کو حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرائے اور پھر عدت گزار کر دوسرا نکاح کرے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

غلطی سے منکوحہ کا نکاح پڑھانے والا معذور ہے

(سوال) سہواً یا خطأً منکوحہ عورت کا دوسرے شخص سے نکاح کیا گیا۔ آیا نکاح خواں اور گواہان پر کوئی تعزیر شرعی ہے یا نہیں۔ بصورت ثانی جو یہ کہے کہ مذکورین اشخاص کا نکاح فاسد ہو گیا کیا اس قول کے قائل پر کوئی سزا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۹۳۳ بائی ولد عبدل (فیروزپور) ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ، م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۹۰) منکوحہ عورت کا دوسرا نکاح پڑھ دینا اگر دیدہ و دانستہ ہو تو موجب فسق ہے۔(۲) اور اگر پڑھانے والے اور گواہوں کو اس بات کا علم نہ ہو تو وہ معذور ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دوسرے کی بیوی کو رکھنا حرام ہے

(سوال) دو بھائی ہیں۔ بڑے بھائی کی نکاحی کو چھوٹے بھائی نے بے طلاق دیئے ہوئے رکھ لیا ہے۔ اس پر کیا کفارہ ہے؟ المستفتی نمبر ۱۸۲۹ شاہ محمد صاحب اعظم گڑھ۔ ۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ، م ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۹۱) بے طلاق کے منکوحہ غیر کو رکھ لینا سخت گناہ ہے۔(۳) خواہ بھائی کی منکوحہ ہو یا کسی اور شخص کی۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) حنفیہ کے ہاں ایسی صورت میں نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا البتہ متاخرین احناف نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے کسی شافعی المسلک سے نکاح فسخ کرانے کی اجازت دی ہے۔
واصحابنا لما شاهد والضرورة في التفريق، استحسنوا ان ينصب القاضي نائب شافعي المذهب يفرق بينهما (شرح الوقاية، كتاب الطلاق، باب النفقة، ۲/ ۱۵۲، سعيد)
(۲) ولا تعاونوا على الاثم والعدوان واتقوا الله ان الله شديد العقاب، (المائدة ۲)
(۳) والمحصنت من النساء (النساء : ۲۴)
وفي الهندية لايجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره (الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث، ۱/ ۲۸۰، ماجدية)

(۱) مسلمان ہونے کے بعد عورت پر عدت لازمی ہے یا نہیں ؟
(۲) شرعی سزا کے بغیر زانی اور زانیہ کا آپس میں نکاح
(۳) پہلی بیوی کا حق مارنے کی غرض سے دوسرا نکاح صحیح نہیں
(۴) حاملہ سے نکاح

(سوال) (۱) ایک ہندو عورت کو ایک مسلمان کے نفس قابو میں آئے ہوئے چھ ماہ کا عرصہ ہو گیا۔ اب شخص مذکور عورت داشتہ کو مسلمان بنا کر نکاح کرنے کی خواہش کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ موصوفہ مذکورہ کو قبول اسلام کے بعد شرعی قید عدت ضروری ہے۔ قید عدت کے بغیر نکاح ہو گیا تو وہ نکاح کیا ہو گا؟
(۲) ایک ہندو عورت شرف اسلام کے بعد کسی مسلمان سے ناجائز تعلقات ایک عرصے سے برقرار رکھتی ہے۔ لہذا اب دونوں کا نکاح کونسی شرعی سزا کے بعد درست تسلیم کیا جائے گا۔ اس سلسلہ گزارش میں یہ بھی مطلوب ہے کہ بغیر شرعی سزا نکاح مذکورہ کیسا ہو گا؟
(۳) زید ایک شادی شدہ مسلمان ہے۔ زید کی عورت عاجلہ صحت آفرین صورت اور قابل تحسین سیرت رکھتی ہے۔ حیف کہ زید وساوس شیطانی سے مغلوب ہو کر ہوس نفس کی خاطر ایک ہندو عورت کو مسلمان ہونے کی ترغیب دے کر اور مسلمان بنا کر اپنی زوجیت میں لانا چاہتا ہے۔ یہ بھی واضح خاطر ہو کہ زید مذکور یعنی زید کا نکاح وقوع پذیر ہونے کے بعد زید کی پہلی عورت کے اور اس سے وابستہ رشتہ داروں کے ارمانوں کا خون ہونے کا نہایت اندیشہ ہے۔ لہذا زمانہ حال کے ایک نفس پرست طبقہ پر نظر عنایت فرما کر شرعی نقطہ نظر سے فیصلہ مرحمت ہو کہ زید کے اس نکاح کے معاملہ میں ہم مسلمان تائید کریں یا تردید؟
(۴) ایک مسلمان عورت کی نسبت یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ وہ حاملہ ہے اور اس حالت میں ایک مسلمان اس کو منکوحہ بنانا چاہتا ہے۔ الغرض ان دونوں کا نکاح شرعاً کیسا ہو گا؟ اس معاملے میں ایک مسلم جماعت افواہ مذکور کی تحقیق کے بغیر ان دونوں کا نکاح کر دے تو شریعت اسلامی اس جماعت کو کیا کہے گی؟

المستفتی نمبر ۲۰۳۴ منشی سید الطاف حسین صاحب (ضلع کنتور) ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۹۲) (۱) ہندو عورت شادی شدہ ہے اور اس کا شوہر موجود ہے تو اس کے مسلمان ہونے کے بعد عدت گزارنی ہو گی۔ عدت کے بعد وہ نکاح کر سکے گی۔(۱) اور اگر غیر شادی شدہ یا بیوہ ہے تو مسلمان ہونے کے بعد اس سے فوراً نکاح ہو سکے گا۔(۲)
(۲) شرعی سزا جاری کرنے کا مسلمانوں کو اختیار اور طاقت نہیں۔ عورت و مرد دونوں گناہ گار ہیں لیکن اگر وہ آئندہ گناہ سے بچنے کے لئے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو ان کا نکاح آپس میں جائز ہے۔(۳)
(۳) جہاں تک ممکن ہو زید کو سمجھا کر اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن اگر وہ کسی طرح نہ مانے

(۱) واذا اسلمت المراۃ فی دار الحرب وزوجها کافر لم یقع الفرقة علیها حتی تحیض ثلث حیض ثم تبین من زوجها (الهدایة، باب نکاح اهل الشرك، ۲/ ۳۴۷، شرکة علمیة) (۲) واحل لکم ماوراء ذلکم (النساء : ۲۴)
(۳) وفی مجموع النوازل. اذا تزوج امراۃ قد زنی هو بها وظهر بها حبل فالنکاح جائز عندالکل وله ان یطاها عندالکل (الهندیة، کتاب النکاح الباب الثالث، القسم السادس، ۱/ ۲۸۰، ماجدیة)

تو پھر دوسری کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے پر اس کو مجبور کیا جائے اور اگر وہ پہلی بیوی کے ساتھ بد سلوکی کرے تو اس کو بجبر انصاف کی طرف لایا جائے۔(۱)

(۴) اگر وہ عورت معتدہ نہ ہو یعنی طلاق یا موت کی عدت نہ گزار رہی ہو تو اس حاملہ کا نکاح جائز ہے۔(۲)

بیوہ کے نکاح کو معیوب سمجھنے والوں کے ہاں بیٹی کا عقد کرنا کیسا ہے؟

(سوال) ایک موضع کے مسلمان بیوہ کی شادی کو بہت معیوب سمجھتے ہیں اور اس پر انہیں ضد اور اصرار بھی ہے۔ بعض بیوائیں مجبور ہو کر بد چلن ہو کر فرار بھی ہو گئیں۔ مگر انہیں اس رسم کی پابندی کے آگے سب کچھ گوارا ہے تو ایسے گاؤں میں اس خیال کے مسلمانوں کو اپنی بیٹی دینا درست ہے یا ناجائز ہے؟

المستفتی نمبر ۲۰۳۵ مسلمانان مسوری ڈاسنہ (میرٹھ) ۱۲ رمضان سن ۱۳۵۶ھ م ۷ انومبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۹۳) بیوہ عورتوں کی دوسری شادی کو معیوب سمجھنا بڑا سخت گناہ اور ظلم عظیم ہے۔ شریعت مقدسہ اسلامیہ نے بیوہ عورتوں کے نکاح کر دینے کی بہت ترغیب دی اور تاکید ہے۔(۳) ہمارے آقا سر تاج پیغمبران جناب رسول کریم ﷺ نے سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تمام نکاح بیواؤں کے ساتھ ہی کئے۔ بیوگی کی وجہ سے اور دوسرا نکاح معیوب سمجھ کر نہ کرنے کی حالت میں جو بیوائیں گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں اس کا وبال اور گناہ ان لوگوں کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جاتا ہے جو نکاح بیوگان کو عیب سمجھتے ہیں اور بیوگان کو نکاح کرنے نہیں دیتے ہیں۔ اگر مسلمان ایسے لوگوں سے زجراً مقاطعہ کر لیں اور اپنی بیٹیاں ان کو نہ دیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔(۴) واللہ عندہ حسن الثواب لمن تاب واناب۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شوہر کے گھر سے جانا طلاق نہیں

(سوال) عرصہ پانچ چھ سال سے حفیظ اللہ کا تعلق ایک مسماۃ صغریٰ سے ہو گیا۔ صغریٰ زوجہ ایک دوسرے شخص کی ہے۔ صغریٰ کے شوہر نے یہ کہا کہ جب صغریٰ اس کے مکان سے بلا اجازت و رضامندی چلی گئی اور حفیظ اللہ کے یہاں رہنے لگی تو صغریٰ اس کے نکاح سے باہر ہو گئی۔ لیکن صغریٰ کا شوہر صغریٰ کو فارغ کر دینے پر راضی نہیں ہے۔ حفیظ اللہ کے ایک لڑکی صغریٰ کے بطن سے پیدا ہوئی ہے جس کی عمر چھ ماہ ہے حفیظ اللہ صغریٰ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ امر قابل دریافت یہ ہے کہ آیا حفیظ اللہ کا نکاح از روئے شرع صغریٰ کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۱۲۲ نصیر خاں (جھانسی) ۱۴ شوال سن ۱۳۵۶ھ م ۱۸ دسمبر سن ۱۹۳۷ء

جواب ۴۹۴) صغریٰ ابھی تک اپنے شوہر کی منکوحہ ہے۔ شوہر کے گھر سے چلے آنے کی وجہ سے اور حفیظ اللہ کے پاس رہنے اور لڑکی پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس کا نکاح باطل نہیں ہوا اور جب تک کہ صغریٰ اپنے شوہر سے

(۱) عن حذيفة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتكونوا معه تقولون ان احسن الناس احسنا وان ظلموا ظلمنا ولكن وطنوا انفسكم ان حسن الناس ان تحسنوا وان ظلموا ظلمنا ولكن وطنوا انفسكم ان احسن الناس ان تحسنوا وان اساؤا فلا تظلموا (جامع الترمذي، ابواب البر والصلة، باب ماجاء في الاحسان والعفو، ۲/۲۱، سعيد)

(۲) وصح نكاح حبلى من زنا (الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ۳/۴۸، سعيد)

(۳) وانكحوا الايامى منكم (النور: ۳۲) قال ابن كثير في تفسيرة: والايامى جمع ايم ويقال ذلك للمرأة التي لازوج لها وللرجال الذي لا زوجة له سواء قد تزوج ثم فارق او لم يتزوج واحد منهما (تفسيرابن كثير، ۳/۲۸٦، سهيل اكيدمى)

(۴) فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين (الانعام: ٦٨)

طلاق حاصل نہ کرے یا کوئی مسلمان حاکم کسی شرعی وجہ پر فسخ نکاح کا فیصلہ نہ کر دے اس وقت تک حفیظ اللہ صغریٰ کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔(۱) اس پر لازم ہے کہ فوراً صغریٰ کو اپنے پاس سے علیٰحدہ کر دے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دوسرے کی بیوی کو اپنے پاس رکھنا حرام ہے

(سوال) ہم ایک باپ کے تین بیٹے ہیں۔ بڑے کا نام بہادر علی اس سے چھوٹا علی بہادر اور سب سے چھوٹا میں خاکسار حشمت علی جو کہ فی الحال برما شیل کمپنی میں موٹر ڈرائیوری پر ملازم اور آپ سے فتویٰ کا خواستگار ہوں۔ میری شادی سن ۱۹۱۸ء میں بمقام پوٹھی سید جان کے ساتھ ہوئی۔ ہمارے گھر سے پوٹھی تک ۲۴ میل ہے۔ یہ بات بچے بچے کو معلوم ہے کہ میں برات لے کر وہاں گیا۔ شادی کیا اور ڈولی میں ڈال کر گھر کو لے گیا۔ اس کا ثبوت رجسٹر ڈ بھی ہے۔ اس پر میرا اور سید جان دونوں کا نام درج ہے۔ وہ عرصہ تین سال میرے پاس موجود رہی۔ اس کے بعد میں اس کو والدہ کے پاس چھوڑ کر انگریزی علاقہ میں چلا آیا۔ کیونکہ مجھ کو شادی کا قرضہ ادا کرنا تھا۔ تین سال کے بعد میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ہمارے حقیقی بھائی منجھلے مسمی علی بہادر نے میری عورت کے ساتھ تعلقات قائم کر لئے اور زبردستی گھر میں رکھ لیا۔ یہ ایسی بات ہے کہ میں اپنی قوم میں منہ دکھا نہیں سکتا۔ تھوڑے عرصے کے بعد جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے دو تین رجسٹری سرکار کی طرف کی لیکن کچھ فیصلہ نہیں ہوا کیونکہ وہ ملک ہندو راجہ کا ہے۔
علی بہادر نے ایک جعلی کاغذ بنا لیا ہے۔ میرے نکاح سے آگے کا نکاح موجود کرتا ہے جس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ وہاں کے مولوی کے پاس جو رجسٹر ہے اس میں ابھی تک نکاح علی بہادر صاحب درج نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ مولوی ڈرتا ہے۔ اس سے اس کے تین چار بچے بھی پیدا ہوئے۔

المستفتی نمبر ۲۱۲۴ حشمت علی خاں (ضلع ناسک) ۱۴ شوال سن ۱۳۵۶ھ م ۱۸ دسمبر سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۹۵) اگر تمہارے بھائی علی بہادر کا نکاح اس سے نہیں ہوا تھا اور مسماۃ سید جان تمہاری منکوحہ ہے اور علی بہادر نے جعلی کاغذ نکاح کا بنا لیا ہے تو علی بہادر سخت گنہگار اور مجرم ہے اور اس کو سید جان کے ساتھ تعلقات رکھنا حرام ہے۔(۲) اور اس کی اولاد بھی ولد الزنا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

عورت کے ناجائز تعلقات کی وجہ سے شوہر طلاق دیتا ہے نہ صلح کرتا ہے، کیا کیا جائے؟

(سوال) زید اپنی منکوحہ بیوی کے ساتھ تقریباً دس سال گزار چکا ہے۔ اس عرصے میں اس کی بیوی سے تین لڑکیاں تولد ہوئیں۔ قریب ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوا اور اس کی بیوی فوت ہو چکی۔ اب ڈیڑھ سال کے عرصے میں زید نے اپنی بڑی سالی ہندہ سے (جو اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر برائے ہمدردی اپنی فوت شدہ بہن کے بچوں کی دیکھ بھال کے لئے

---

(۱) والمحصنٰت من النساء (النساء : ۲۴)
وفی الهندية : لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره (الهندية ، كتاب النكاح ، الباب الثالث ، القسم السادس ، ۱/ ۲۸۰ ، ماجدية)
(۲) عن عبدالله بن مسعود قال قال رجل : يا رسول ای الذنب عندالله اكبر قال : ان تدعو لله نداً وهو خلقك ، قال : ثم ای قال ان تقتل ولدك خشية ان يطعم معك قال : ثم ای قال : ان تزنی بحليلة جارك (صحيح البخاری ، كتاب التفسير ، باب قوله والذين لا يدعون مع الله الٰهاً آخر ، ۲/ ۷۰۱ ، قديمی)
عن عقبة بن عامر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اياكم والد خول على النساء الحديث (صحيح البخاری ، كتاب النكاح ، باب لا يخلون رجل بامراءة ، ۲/۷۸۷، قديمی)

زید کے پاس آیا کرتی تھی) صنفی تعلقات پیدا کر لئے۔ ہندہ کو اپنے جائز خاوند سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی بقید حیات ہیں۔ ایسی حالت میں ہندہ کا شوہر نہ ہی اس کو طلاق دینا چاہتا ہے نہ خلع پر راضی ہے۔ ہندہ کے حامیوں کی استدعا پر بھی کان نہیں دھر تا فی الوقت ہندہ اپنے شوہر کے پاس نہیں۔ اب علمائے دین کوئی فیصلہ از روئے شرع دیں تاکہ ہندہ کا تعلق اپنے شوہر سے منقطع ہو جائے اور ہندہ کو زید کے نکاح میں دے دیا جائے۔

المستفتی نمبر ۲۲۹۲ اہل جماعت علی نگر ضلع شمالی ارکاٹ (مدارس) ۶ ربیع الثانی سن ۱۳۵۷ھ م ۶ جون سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۹۶) ہندہ کا جب جائز خاوند موجود ہے اور اس سے اولاد بھی ہے تو اس کو اپنے بہنوئی سے تعلقات پیدا کرنا سخت گناہ (۱) اور بے غیرتی کی بات ہے۔

ہندہ کو اپنے شوہر کے پاس واپس جانا چاہئے (۲) اور کوئی وجہ نہیں کہ اس سے علیحدہ کر کے زید سے نکاح کرنے کی سعی کی جائے۔ (۳)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیوی مرتد ہو جائے تو دوبارہ اس سے نکاح کی کیا صورت ہے؟

(سوال) عورت کسی کفر کی وجہ سے مطلقہ ہو جائے اس سے شوہر سابق سال کے بعد نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔ حلالہ وغیرہ کی ضرورت تو نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۲۳۴۱ حافظ محمد اسمٰعیل صاحب (آگرہ) ۲۶ ربیع الثانی سن ۱۳۵۷ھ م ۲۶ جون سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۹۷) عورت جب مرتدہ ہونے کی وجہ سے خاوند کے نکاح سے باہر ہو جائے تو پھر مسلمان ہو کر شوہر سابق سے نکاح کر سکتی ہے۔ اس کے لئے کوئی عدت گزارنا یا حلالہ شرط نہیں ہے۔ (۴)

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نکاح کے بعد اگرچہ خلوت نہ ہوئی ہو عوت دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی

(سوال) ایک لڑکی نابالغ جس کی عمر آٹھ سال یا اس سے کم ہے اس کی شادی اس کے ماں باپ نے کر دی۔ لیکن صرف نکاح کیا وداع نہیں کی اور اب یہ لڑکی بالغ ہو گئی۔ چونکہ وارثان لڑکا اور لڑکی میں تنازعہ ہو گیا۔ اس وجہ سے لڑکی اپنے خاوند کے گھر نہیں گئی اور نہ اب جانا چاہتی ہے اور نہ ہی نکاح کے وقت سے اب تک لڑکی کا کبھی تخلیہ اپنے خاوند کے ساتھ ہوا۔ یعنی خاوند نے اس لڑکی کے ساتھ صحبت نہیں کی۔ ایسی حالت میں کیا لڑکی اپنا نکاح کسی اور شخص سے کر سکتی ہے لیکن اس کا پہلا خاوند طلاق دینے پر رضامند نہیں ہے۔ دریافت طلب صرف یہ امر ہے کہ اگر اس لڑکی سے کوئی اور شخص شادی کر لے تو جائز ہے یا نا جائز۔ شرع شریف کا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

(۱) ولا تقربوا الزنى انه كان فاحشة وساء سبيلاً سورة بنی اسرائیل :

(۲) عن قيس بن سعد ...... لو كنت آمر احدا ان يسجد لاحد لا مرت النساء ان يسجدن لازواجهن لما جعل الله عليهن من الحق (سنن ابی داؤد ، كتاب النكاح، باب في حق الزوج على المراة ۱ /۲۹۸، سعيد)

(۳) عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ليس منا من خب امرأة على زوجها او عبداً على سيده (سنن ابی داؤد ، كتاب الطلاق ، ۱/۲۹٦ ،امدادية)

(٤) ولو اجرت كلمة الكفر على لسانها مغايظة لزوجها او اخراجاً لنفسها عن حبا لته او لا ستيجاب المهر عليه بنكاح مستانف تحرم على زوجها فتجبر على الا سلام ، ولكل قاضي ان يجدد النكاح بادنى شيء ولو بدينار سخطت او رضيت وليس لها ان تتزوج الا بزوجها ، قال الهندوانی آخذ بهذا قال ابو الليث وبه ناخذ (الهندية ، كتاب النكاح ، الباب العاشر فی نكاح الكفار ، ۱/۳۳۹، ماجدية)

(نوٹ) قانون گورنمنٹ کی رو سے دریافت نہیں کیا جارہا ہے بلکہ شرع شریف کی رو سے کیونکہ مجھے ایک مولوی صاحب نے یہ بتلایا ہے کہ اگر کسی لڑکی کا نکاح نابالغی کی حالت میں ہو یا بالغ ہونے کی حالت میں لیکن نکاح کے بعد تخلیہ نہ ہو یعنی خاوند اور بیوی کا تخلیہ نہ ہو تو عورت مختار ہے کہ اپنے نکاح اگر چاہے تو کسی اور سے کرلے۔

المستفتی نمبر ۲۳۵۰ عبد الغنی صاحب (رہتک) ۳ جمادی الاول سن ۱۳۵۷ھ م ۲ جولائی سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۹۸) یہ جو آپ کو بتایا گیا ہے غلط ہے۔ لڑکی اور اس کے شوہر میں اگرچہ تخلیہ نہ ہوا ہو جب بھی وہ اس کی منکوحہ تو ہے اور جب تک ان دونوں کی علیحدگی طلاق یا خلع یا فسخ کے ذریعہ سے نہ ہو وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔(۱) شوہر سے طلاق لی جائے یا خلع کیا جائے یا بذریعہ مسلمان حاکم کے نکاح فسخ کرایا جائے پھر دوسرے شخص سے نکاح جائز ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جب لڑکی کی رضامندی سے نکاح ہوا تو لڑکی دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی

(سوال) ایک لڑکی کا نکاح (جس کی عمر ۱۶ یا ۱۷ سال ہے اور بیوہ یعنی رانڈ ہے) اس کے والدین نے مع رضامندی لڑکی کے ایک لڑکے سے جس کی عمر ۱۲ سال کی ہے کر دیا اور سات یا آٹھ ماہ اپنی سسرال میں رہ چکی ہے۔ اب وہ بچتے نہیں کہتے ہیں کہ ہم کو مولوی صاحبان کہتے ہیں کہ اس کا نکاح نہیں ہوا اور اب وہ دوسری جگہ نکاح کراتے ہیں۔ کیا اس عورت کا نکاح اس بارہ سال کے لڑکے سے نہیں ہوا اور ان کو دوسری جگہ اس کا نکاح کر دینا شرع شریف میں جائز ہے۔ قاضی نے اس کی ماں سے اور اس کے باپ سے اور لڑکی سے اچھی طرح اذن لے کر نکاح پڑھا ہے۔

المستفتی نمبر ۲۳۵۱ مولوی فضل الرحمٰن صاحب (حصار) ۳ جمادی الاول سن ۱۳۵۷ھ م ۲ جولائی سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۹۹) جب لڑکی کی رضامندی اور اجازت سے نکاح ہوا تو نکاح صحیح ہو گیا۔(۲) اب اس لڑکی کا دوسرے شخص سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اگر کر دیں گے تو ناجائز اور حرام ہوگا۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دوران حیض جماع کرنے کا کیا کفارہ ہے؟

(سوال) (۱) زید ۱۹ سال کی عمر کا ہے نئی شادی ہوئی ہے۔ وہ اپنی منکوحہ کے پاس گیا۔ اس نے منع کیا کہ ہم کو ایام مقررہ ہیں۔ زید ہٹ گیا مگر بسبب تقاضائے جوانی کے صبر نہیں کیا اور اپنی منکوحہ کو فرش بنایا۔ اب زید کے لئے شرعی حکم کیا ہے۔ زید اس کو ادا کرے۔

(۲) زید شرعی حکم ادا کرنے سے پہلے اپنی منکوحہ کے پاس جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۶۸ غلام قدر (آلہ آباد) ۱۲ جمادی الاول سن ۱۳۵۷ھ م ۱۱ جولائی سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۰۰) ایام مقررہ میں صحبت کرنا ناجائز ہے۔(۴) صحبت کرلی گئی تو زید کو اور اس کی بیوی کو توبہ کرنی چاہئے اور بہتر یہ ہے کہ زید ڈھائی روپیہ صدقہ کر دے۔(۵) زید کو عورت کے پاک ہونے کے بعد صحبت کرنا جائز

---

(۱) والمحصنات من النساء (النساء : ۲۴)
(۲) ومنها رضا المرأۃ اذا کانت بالغة بکراً کانت او ثیباً (الھندیة ، کتاب النکاح ، الباب الاول ، ۱/ ۲۶۹ ، ماجدیة)
(۳) لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیرہ (الھندیة ، کتاب النکاح ، الباب الثالث ، القسم السادس ، ۱/ ۲۸۰ ، ماجدیة)
(۴) فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھن حتیٰ یطھرن (البقرة : ۲۲۲)
(۵) عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیه وسلم فی الذی یاتی امرأته وھی حائض ، قال: یتصدق بدینار او بنصف دینار (سنن ابی داؤد ، کتاب النکاح ، ۱: ۲۹۴ ، ۲۹۵ ، سعید)

ہے(۱) خواہ صدقہ کیا ہو یا ابھی نہیں کیا ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) مجبوراً قبول کرنے سے نکاح منعقد ہو گیا
(۲) نکاح کے بعد زوجین باہم وارث ہوں گے
(۳) طلاق یا فسخ کے بغیر مرد، عورت کا تعلق ختم نہیں ہوتا

(سوال) (۱) لڑکے کے باپ نے بلا رضامندی اپنے لڑکے کے اس کو مجبور کر کے ایک بیوہ سے کسی مصلحت کی بنا پر نکاح پڑھا دیا لڑکے نے اس وقت جبراً ہاں کر لی یا خاموشی اختیار کر لی مگر اسی وقت کہہ دیا کہ میں اس نکاح کو قبول نہیں کرتا مجھے منظور نہیں یہ نکاح رہا یا نہیں ؟

(۲) روز اول یعنی روز نکاح سے جس کو بہت عرصہ ہوا بوجہ منافرت باہمی اس وقت تک لڑکے مذکور کا بیوہ سے کوئی تعلق زن و شو نہیں ہوا۔ کیا اندریں صورت زن، شوہر فرضی کی جائداد میں حق دار ہو سکتی ہے ؟

(۳) صورت بالا کے علاوہ ایک مرد و عورت فرض کیا جائے کہ نکاح شدہ ہیں کسی وجہ سے باہمی منافرت ہو گئی اور بے تعلقی ہو گئی اور کچھ تعلق نہ رہا تو کس مدت کے بعد ایک دوسرے کے حقوق شرعی زائل ہو جائیں گے۔ یعنی مرد اپنے زر و زیور اور عورت سے اپنے مہر کی مستحق طلبی نہ رہیں گے اور اپنے اپنے افعال و اعمال میں شرعی طور پر آزاد سمجھے جائیں گے۔ المستفتی نمبر ۲۲۶۹ شبیر حسین صاحب (پانی پت) ۱۲ جمادی الاول سن ۱۳۵۷ھ

(جواب ۱۰۵) (۱) عقد نکاح کے وقت لڑکے نے ایجاب قبول کر لیا تو نکاح ہو گیا۔(۲) اب وہ چھوڑے گا تو یہ طلاق ہو گی اور اگر قبل خلوت چھوڑا تو نصف مہر دینا ہو گا۔(۳)

(۲) تعلق ہوا یا نہیں ہوا۔ صحت نکاح کی صورت میں عورت حصہ میراث کی مستحق ہو گی۔(۴) اور شوہر کی وفات کی صورت میں مہر بھی پورا ملے گا۔(۵)

(۳) جب کہ زوجین میں نکاح قائم ہو تو خواہ کتنی ہی مدت گزر جائے ایک دوسرے کے ساتھ احکام نکاح متعلق رہتے ہیں جب تک باقاعدہ فسخ یا خلع یا طلاق نہ ہو ہر ایک احکام زوجیت کا ذمہ دار ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

فضولی کے نکاح کا حکم

(سوال) ایک مقام پر نکاح اس طرح سے ہوا کہ ایک وکیل اور دو گواہ لڑکی اور لڑکے والے نے مقرر کئے اور اجازت لینے اندر مکان لڑکی کے پاس گئے۔ مہر مقرر کیا۔ لڑکی نے اپنے نکاح کی اجازت دے دی وہ تینوں صاحب لڑکی سے اجازت لے کر قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وکیل صاحب سے قاضی صاحب نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں لڑکی کی طرف سے وکیل ہوں اور یہ دونوں صاحب گواہ ہیں۔ قاضی صاحب

---

(۱) فاذا تطهرن فاتوهن من حيث امركم الله (البقرة : ۲۲۲)
(۲) النكاح ينعقد با يجاب من احدهما وقبول من الآخر (الدر المختار ، كتاب النكاح ، ۹/۳، سعيد)
(۳) ويجب نصفه بطلاق قبل وطی او خلوة (الدر المختار ، كتاب النكاح ، باب المهر ، ۱۰۴/۳ ، سعيد)
(۴) فان اختار الصغير والصغيرة الفرقة بعد البلوغ فلم يفرق القاضي بينهما حتى مات احد هما ، توارثا (الهندية ، كتاب النكاح ، الباب الرابع في الاولياء، ۲۸۵/۱، ماجدية)
(۵) والمهر يتا كد باحد معان ثلاثة : الدخول والخلوة الصحيحة و موت احد الزوجين (الهندية ، كتاب النكاح ، الباب السابع في المهر، ۱ / ۳۰۳، ماجدية)

نے کہا کہ لڑکی کا والد خود نکاح پڑھادے تو ولی ہے اور جو پڑھا ہوا نہ ہو تو وہ خود اجازت دے دے۔ اب قاضی صاحب نے اس لڑکی کے والد سے دریافت کیا نہیں اور نہ لڑکی سے دوبارہ دریافت کیا بلکہ اسی شخص سے جو پہلے وکیل بن چکا تھا لڑکی کا نام والد اور دادا کا نام دریافت کیا اور مہر دریافت کیا۔ اس کے بعد دولہا کا نام وو الد و دادا کا نام دریافت کیا۔ اب قاضی صاحب نے دولہا سے یہ نہیں کہا کہ تمہارے نکاح کے یہ وکیل اور یہ گواہ ہیں۔ بغیر گواہ اور وکیل کے قاضی صاحب نے نکاح پڑھا دیا ایسی صورت میں نکاح جائز ہوا کہ نہیں۔ جواب سے مطلع فرمایئے گا۔

المستفتی نمبر ۲۳۹۷، محمد یعقوب صاحب (بریلی) ۱۶ جمادی الثانی سن ۱۳۵۷ھ م ۱۴ اگست سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۰۲) اگر مجلس نکاح میں لڑکی کا باپ موجود تھا اس کے سامنے نکاح پڑھا دیا گیا اور وہ خاموش رہا تو یہ نکاح اس کی اجازت سے پڑھایا جانا قرار پائے گا اور نکاح صحیح ہوگا۔(۱) اور اگر باپ موجود نہ تھا تو یہ نکاح جو قاضی صاحب نے پڑھایا اگر اس میں وکیل سے ایجاب نہیں کرایا تو نکاح فضولی ہوا اور جب لڑکی کو یا اس کے باپ کو خبر ہوئی کہ نکاح ہو گیا اور انہوں نے اس سے انکار نہیں کیا بلکہ لڑکی کو رخصت کر دیا یا مبارکباد قبول کی یا اور سامان تیار اور درست کیا تو یہ ان کی طرف سے اجازت ہو گئی۔(۲) اور اگر ابھی تک اس قسم کا کوئی عمل نہ پایا گیا ہو جس سے اجازت سمجھی جائے تو یہ نکاح لڑکی کی (اگر وہ بالغہ ہو) یا اس کے ولی کی اجازت پر موقوف ہے۔ اگر وہ اجازت دیں تو صحیح ورنہ فسخ ہو جائے گا۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

منکوحہ عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی

(سوال) مسماۃ فاطمہ بالغہ بیوہ کا نکاح مسمی کاندھل سے برضا و رغبت فریقین ہوا۔ بعد نکاح ابھی مسماۃ کاندھل کے گھر نہیں گئی تھی کہ اس کے متوفی سابق شوہر کے رشتہ داروں نے فاطمہ پر حملہ آور ہو کر زبردستی اسے اٹھا کر لے گئے اور اس کا نکاح اس کے متوفی شوہر کے بھائی مسمی جیلیا سے کر دیا یہ دوسرا نکاح اس کے اصل شوہر مسمی کاندھل کے طلاق دینے کے بغیر جائز ہوگا۔ اگر جائز نہ ہوگا تو پھر کیا فاطمہ اور جیلیا (جن کے زن و شوہر کے سے تعلقات قائم ہیں) زانی ٹھہریں گے اور کیا یہ دونوں اور وہ لوگ کہ جو اس نکاح میں گواہ اور وکیل بنے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں گے۔ ان تمام لوگوں پر شریعت اسلام نے کیا تعزیر مقرر کی ہے۔ مسلمانوں کو ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے؟

المستفتی نمبر ۲۳۹۷ علی شبیر (ضلع کرنال) ۱۹ جمادی الثانی سن ۱۳۵۷ھ م ۱۷ اگست سن ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۰۳) دوسرا نکاح ناجائز ہوا۔(۴) اور زوجین دونوں حرام کاری کی لعنت میں مبتلا ہیں، نکاح پڑھانے والا اور اس میں مدد کرنے والے سب فاسق اور گنہگار ہوئے۔(۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) امر الاب رجلا ان يزوج صغيرته فزوجها عند رجل وامراتين والحال ان الاب حاضر، صح: لانه يجعل عاقدا حكما (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، ۳/ ۲۴، سعيد)

(۲) رجل زوج رجلا بغير امره فهناه القوم وقبل التهنئة فهو رضا، لان قبول التهنئة دليل الاجازة (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الاولياء والاكفاء، ۱۲۳/۳، بيروت)

(۳) وتثبت الاجازة لنكاح الفضولي بالقول والفعل (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الاولياء، ۲۹۹/۱، ماجدية)
لا يجوز نكاح احد على بالغة صحيحة العقل..... فان فعل ذلك فالنكاح موقوف على اجازتها، فان اجازته جاز والا بطل (الهندية كتاب النكاح، الباب الرابع في الاولياء، ۲۸۷/۱، ماجدية)

(۴) لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره (الهندية، كتاب النكاح، الباب الثالث، ۲۸۰/۱، ماجدية)

(۵) ولا تعاونوا على الاثم والعدوان (المائدة: ۲)

نو مسلم بالغہ کو نکاح کے بعد دوبارہ ہندو باپ کے حوالے کرنا مسلمان ناجائز حکم کے پابند نہیں

(سوال) ایک لڑکی مسماۃ موہنی جو بالغہ ہے اور جس کی عمر ۱۶ سال آٹھ مہینے ہے خوشی و رضا مشرف باسلام ہوئی اور مسلمان ہو کر اس کا نکاح مسمی محمد عالم کے ساتھ کر دیا گیا۔ لڑکی کے ہندو باپ نے عدالت میں رجوع کیا۔ عدالت نے لڑکی کے بلوغ، قبول اسلام اور نکاح کے جائز قرار دینے کے باوجود لڑکی کو ہندو باپ کے قبضہ میں دے دیا اور مسمی محمد عالم سے ملنے کی اور خط و کتابت کی بھی ممانعت کر دی۔

(۱) کیا عدالت کا یہ فعل مداخلت فی الدین ہے یا نہیں؟

(۲) کیا مسلمانوں کو ایسے ناجائز حکم کی پابندی کرنی چاہئے یا نہیں؟

(۳) کیا عدالت ہائی کورٹ کا موجودہ حکم دوسرے صوبجات میں مثال کے طور پر پیش نہ کر دیا جائے گا؟

(۴) اگر یہ معاملہ مداخلت فی الدین ہے تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی نمبر ۲۵۰۳ مولوی عبدالحی صاحب حقانی (کراچی) ۷ ربیع الثانی سن ۱۳۵۸ھ م ۷ جون سن ۱۹۳۹ء

(جواب ٥٠٤) جب کہ لڑکی بالغہ ہے اور اس نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا اور اس کی رضامندی سے اس کا نکاح اسلامی شریعت کے ماتحت ہو گیا تو اب اس کو جبراً ہندو باپ کے قبضہ میں دے دینا اسلامی قانون کے لحاظ سے مداخلت فی الدین ہے۔(۱) مسلمان ایسے ناجائز حکم کے پابند نہیں۔ ان کو اس حکم کے منسوخ کرانے کے لئے ہر امکانی جدوجہد کرنی لازم ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ایجاب و قبول کے وقت لیا ہوا نام معتبر ہے

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے نکاح کی بات چیت ہوئی تو مسماۃ انشاء اللہ جان سے نکاح ہونا قرار پایا لیکن جب قاضی نے ایجاب و قبول کرایا تو بجائے مسماۃ انشاء اللہ جان کے مسماۃ آمنہ بی کے ساتھ آمنہ بی کا نام لے کر ایجاب و قبول کرایا اور رجسٹر میں بھی مسماۃ آمنہ بی لکھا گیا۔ جب رخصت ہوئی تو مسماۃ انشاء اللہ جان کو رخصت کر دیا گیا۔ حالانکہ ایجاب و قبول آمنہ بی سے کرایا گیا۔ عند الشرع ایسے نکاح کا کیا حکم ہے؟ ایجاب و قبول کے وقت مسماۃ آمنہ بی کے والد اور بھائی موجود تھے۔ چھ ماہ کے بعد یہ بات معلوم ہوئی۔ مسماۃ انشاء اللہ جان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہو چکی ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۲۲۷۲ قمر الدین۔ پل بنگش۔ دہلی ۲۸

(جواب ٥٠٥) یہ نکاح آمنہ بی کے ساتھ منعقد ہوا۔(۳) جس کا نام ایجاب و قبول کے وقت لیا گیا۔ مگر چونکہ یہ غلطی ہوئی تو اب اس کے تدارک کی بہتر سبیل یہ ہے کہ انشاء اللہ جان کو شوہر سے علیحدہ کر دیا جائے اور شوہر آمنہ بی

(۱) قال تعالیٰ : یا یها الذین امنوا اذا جاء کم المؤمنات مهاجرات فامتحنوهن الله اعلم بایمانهن فان علمتموهن مؤمنات فلا ترجعوهن الی الکفار، لا هن حل لهم ولا هم یحلون لهن وآتوهم ما انفقوا ولا جناح علیکم ان تنکحوهن اذا آتیتموهن اجورهن (الممتحنة: ١٠)

(۲) حدثنا محمد بن المثنی فقال ابو سعید اما هذا فقد قضی ما علیه ، سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه الحدیث (الصحیح لمسلم ، کتاب الایمان ، ١/ ٥١، قدیمی)

(۳) ولو کان لرجل بنتان : کبری اسمها عائشة وصغری اسمها فاطمة و اراد ان یزوج الکبری وعقد باسم فاطمة ینعقد علی الصغری (الهندیة ، کتاب النکاح ، الباب الاول ، ١/ ٢٧٠، ماجدیة)

کو طلاق دے دے اور اس کے بعد انشاء اللہ جان کے ساتھ اس کا دوبارہ نکاح کر دیا جائے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

الجواب صحیح حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

غیر شخص کے ساتھ جانے سے عورت کا نکاح نہیں ٹوٹتا

(سوال) زید کی زوجہ ایک غیر شخص کے ساتھ چلی گئی۔ بعد چار یوم کے اس کا پتہ لگا اور اس کو لا کر زید کے پاس بھیج دیا گیا۔ آیا وہ زید کے نکاح میں رہی یا نکاح ٹوٹ گیا؟

(جواب ۵۰۶) عورت اپنے خاوند کے نکاح میں ہے۔ وہ چاہے تو اس کو بدستور اپنی بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے اور نہ رکھنا چاہے تو طلاق دیکر علیحدہ کر سکتا ہے۔(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

رقص و سرور پر مشتمل مجلس نکاح میں شرکت

(سوال) جو دولہا وقت نکاح خلاف شرع وضع اور لباس رکھتا ہو یا اس مجلس میں رقص و سرور ہو، خالص ایمان داروں کو وہاں کیا کرنا چاہئے؟

(جواب ۵۰۷) اول دولہا کو حکم دینا چاہئے کہ لباس خلاف شرع کو بدلے اور وضع کی اصلاح کی بابت اقرار کرے کہ ایسا نہ کروں گا اور گزشتہ پر توبہ کرے۔ اور رقص و سرور کو مجلس سے باہر کرنا چاہئے اور اگر نہ مانیں تو اٹھ کر چلا آنا چاہئے (۲) محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ محمد کرامت اللہ تلطف حسین عبدالرحمٰن مدرسہ عبدالرب۔ محمد عبدالغنی واعظ انجمن، محمد امین الدین مہتمم مدرسہ امینیہ، ابو محمد عبدالحق۔ محمد حبیب محمد اکمل مدرس باڑہ ہندو راؤ۔ شبیر احمد عثمانی دیوبندی مدرس فتح پوری۔ محمد عبدالعلی امام کالی مسجد۔ سید عبدالسلام پھاٹک حبش خاں۔ مشتاق احمد مدرس۔ محمد عبدالجبار۔ محمد ابراہیم خلف مولوی محمد حسین فقیر۔ سید ابوالحسن پھاٹک حبش خاں۔ سید احمد امام جامع مسجد دہلی۔ محمد اسحق خلف مولوی محمد حسین فقیر۔ محمد اسحق تیلی واڑہ۔ سید محمد امام عیدگاہ۔ محمد کاظم دہلوی۔ محمد کاظم علی مدرسہ حسین بخش۔ محمد ابراہیم بلیاوی مدرس دوم مدرسہ فتح پوری دہلی۔ محمد عبدالسبحان۔ عبدالرشید پھاٹک حبش خاں محمد شفیع مدرسہ عبدالرب۔ محمد نظام الدین جھجری سفیر انجمن ہدایت الاسلام دہلی۔

المشتہران۔ حاجی محمد اسحق ناظم انجمن۔ حاجی عبدالغنی۔ حافظ محمد صدیق ملتانی۔ حافظ محمد یعقوب پائی والے۔ حاجی عبدالصمد۔

---

(۱) لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة جاء رجل الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله ان عندی امراة هی من احب الناس الی وهی لا تمنع ید لا مس فقال علیه السلام طلقها قال لا اصبر عنها، قال استمتع بها (سنن النسائی، کتاب النکاح، باب کراهیة تزویج العقم، ۲/ ۵۹، سعید)

(۲) من دعی الی ولیمة فوجد ثمة لعباً وغناءً فلا باس ان یقعد ویاکل فان قدر علی المنع یمنعهم وان لم یقدر علی منعهم فانه یخرج ولا یقعد (الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی، ۵/۳۴۳، ماجدیة) قال علیه السلام من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فقلبه وذلك اضعف الایمان (الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، ۱/۵۱، قدیمی) وفی البخاری: هل یرجع إذا رأی منکرا فی الدعوة ورأی ابن مسعود صورة فی البیت فرجع ودعا ابن عمر ابا ایوب فرأی فی البیت سترا علی الجدار. فقال من کنت اخشی علیه فلم اکن اخشی علیك والله لا اطعم لکم طعام (صحیح البخاری، باب هل یرجع اذا رای منکراً، ۲/۷۷۸، قدیمی)

بیوی کے پستان منہ میں لینے سے نکاح نہیں ٹوٹتا

(سوال) شہوت کے غلبہ میں اگر کوئی شخص اپنی عورت کی پستانوں کا مساس کرے تو نکاح تو نہیں ٹوٹتا؟
(جواب ۵۰۸) اگر مرد اپنی عورت کی پستان کا مساس کرے تو نکاح فاسد ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔(۱)
محمد کفایت اللہ غفر لہ،

بالغہ غیر منکوحہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے

(سوال) ایک لڑکی کو اس کی والدہ اپنے رشتہ دار کے پاس بطور امانت چھوڑ گئی تھی جو خود عیال دار تھا۔ جب ہندوستان سے لڑکی کی والدہ واپس آئی تو لڑکی کو اس شخص نے چھپا رکھا تھا۔ لڑکی والدہ کی خبر پا کر اس کے پاس بھاگ کر چلی آئی۔ وہ شخص جس کے پاس یہ لڑکی امانۃ چھوڑی گئی تھی اس نے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ یہ میری منکوحہ ہے۔ عدالت نے نکاح خواں اور گواہ طلب کئے۔ لیکن وہ نکاح خواں پیش نہ کر سکا۔ لڑکی کا بیان ہے کہ میں جبراً رکھی گئی تھی۔ اور میرا نکاح بالکل نہیں ہوا۔ ہم بستری بھی جبراً کی گئی تھی جس سے وہ حاملہ ہوگئی۔ عدالت نے مدعی کا دعویٰ خارج کر دیا اور لڑکی والدہ کو مل گئی۔ اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو اب تین سال کا ہے۔ اس تین سال کے عرصہ میں نہ تو فریق خاوند نے لڑکی کی طرف رجوع کیا اور نہ لڑکی نے خاوند کی طرف۔ اب لڑکی کہیں نکاح کرنا چاہتی ہے۔ اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ احقر ولایت علی (پشاور)
(جواب ۵۰۹) جب کہ مدعی اپنے دعوائے نکاح کا ثبوت ہی پیش نہ کر سکا تو اس کے دعوے کا کوئی اثر لڑکی پر نہیں پڑ سکتا۔(۲) لڑکی جب کہ اس کے دعوے کا جھوٹا ہونا جانتی ہے تو اس کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے۔(۳)
محمد کفایت اللہ غفر لہ،

سالی سے زنا کرنے سے بیوی نکاح سے خارج نہیں ہوتی

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ فروری سن ۲۷ء)
(سوال) (۱) ایک شخص کی زوجہ موجود ہے اور دو نابالغ بچے بھی ہیں۔ اسی دوران میں اس کا ناجائز تعلق سالی سے ہو گیا اور اس کی زوجہ کو معلوم ہو گیا تو وہ اپنے شوہر کے پاس جا سکتی ہے یا نہیں؟
(۲) ایک عورت نے شوہر کے ہوتے ہوئے دوسرے مرد سے ناجائز تعلق کر لیا تو نکاح میں فرق آیا یا نہیں؟ اگر مرد کو اس کے تعلق کا علم ہو گیا تو نکاح میں فرق آیا یا نہیں؟
(جواب ۵۱۰) سالی کے ساتھ ناجائز تعلق ہو جانے کی وجہ سے اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوئی۔(۴) اور نکاح میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور جب تک اس کی بیوی اس کے نکاح میں ہے سالی سے نکاح نہیں ہو سکتا۔(۵)
(۲) اگر منکوحہ عورت حرام کاری کرے تو اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا۔(۶) خاوند اگر رکھنا چاہے تو وہ بدستور اس کے پاس رہ

(۱) مص رجل ثدی زوجته لم تحرم (الدر المختار ، كتاب النكاح ، باب الرضاع ، ۲۲۵/۳، سعید)
(۲) المدعی لا یستحق الا بحجة (فتاوی النوازل ، کتاب الدعوی ، ص ۳۰۴ حیدر آباد دکن)
(۳) وینعقد نکاح الحرة البالغة العاقلة برضاها (الهندية ، كتاب النكاح ، باب فی الاولیاء ، ۳۱۳/۲، شركة علمية)
(۴) وفی الخلاصة: وطی اخت امرأة لا تحرم علیه امراته (الدر المختار ، كتاب النكاح ، فصل فی المحرمات ، ۳۴/۳۰)
(۵) وان تجمعوا بین الاختین (النساء : ۲۳)
(۶) والمزنی بها لا تحرم علی زوجها (الدر المختار ، كتاب النكاح ، باب المحرمات ۵/۳)

سکتی ہے۔(۱) اور جب کہ خاوند کو اس کی حرام کاری کا علم نہ ہو تو اس کے ذمہ کوئی مواخذہ نہیں ہے۔
فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ،

دھوکہ میں آکر منکوحہ کا نکاح پڑھانے والے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ جنوری سن ۷ ۲ء)

(سوال) اگر اجنبی عورت آکر کہے کہ میرا خاوند مر چکا ہے یا مجھ کو طلاق ہو چکی ہے (حالانکہ دراصل نہ تو اس کا خاوند مرا ہے نہ اس کو طلاق ہوئی ہے) اور امام اس کا نکاح پڑھاوے تو ایسے امام کی امامت کیسی ہے؟

(جواب ۵۱۱) اگر اجنبیہ عورت کے کہنے کا یقین ہو جائے اور اس کی سچائی کے قرائن موجود ہوں تو نکاح کر لینا جائز ہے۔(۲) اگر شوہر زندہ ہے یا طلاق نہیں ہوئی تھی تو عورت پہلے شوہر کو دلائی جائے گی۔ اور لاعلمی میں نکاح پڑھنے پڑھانے والوں پر کوئی مواخذہ نہیں۔ البتہ اگر ان لوگوں نے عورت کے بیان کو جھوٹ یا مشتبہ سمجھتے ہوئے نکاح پڑھا دیا ہے تو یہ لوگ گنہگار ہوں گے اور ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ،

بیوی سے خلاف فطرت فعل کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ مارچ سن ۷ ۲ء)

(سوال) زید اپنی منکوحہ عورت سے فعل خلاف وضع فطرت کرتا ہے۔ اس سے اس کا نکاح ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۵۱۲) اپنی بیوی کے ساتھ بھی فعل ناجائز (لواطت) کرنا حرام ہے۔(۳) اس کا ارتکاب کرنے والا بشرط ثبوت تعزیر کا مستحق ہوگا۔(۴) مگر اس فعل کے کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ،

نکاح کے ساڑھے چھ ماہ بعد بچی پیدا ہوئی تو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ مئی سن ۷ ۱۹۲ء)

(سوال) ہندہ کے ساتھ زید نے نکاح کیا۔ نکاح کے ساڑھے چھ ماہ بعد لڑکی پیدا ہوئی تو اب زید کو تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں؟ یا نکاح سابق کافی ہے؟

(جواب ۵۱۳) نکاح سابق کافی ہے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔(۵) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

ایک ساتھ مسلمان ہونے والے میاں بیوی کا سابقہ نکاح برقرار ہے

(۱) لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة (الدر المختار ، كتاب النكاح ، باب المحرمات ، ۳/ ۵۰، سعيد)

(۲) وحل نكاح من قالت طلقني زوجي وانقضت عدتي او كنت امة لفلان واعتقني ان وقع في قلبه صدقها وتمامه في الخانية: قلت وحاصله انه متى اخبرت بامر محتمل فان ثقة او وقع في قلبه صدقها لا باس بتزوجها (الدر المختار، كتاب الحظر والاباحة ، فصل في البيع ، ۶/ ۴۲۰)

(۳) عن طلق بن علي قال : اتى اعرابي فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : اذا فسا احد كم فليتوضأ ولا تاتوا النساء في اعجازهن فان الله لا يستحي من الحق (جامع الترمذي ، ابواب الرضاع، ۱/ ۲۲۰، سعيد)
عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لا ينظر الله الى رجل اتى رجلاً او امرأةً في الدبر (جامع الترمذي ، ابواب الرضاع ، باب ماجاء في كراهية اتيان النساء في ادبارهن ، ۱/ ۲۲۰ ، سعيد)

(۴) من اتى امراة في الموضع المكروه او عمل عمل قوم لوط فلا حد عليه عند ابي حنيفة ويعزر ويودع السجن (الجوهرة النيرة كتاب الحدود ، ۲/ ۲۰۰ ، امداديه)

(۵) کیونکہ پہلے نکاح کے ٹوٹنے کی کوئی وجہ نہیں پائی گئی اور بچی بھی ثابت النسب ہے۔
واكثر مدة الحمل سنتان واقله ستة اشهر لقوله تعالى : وحمله وفصاله ثلاثون شهراً ثم قال : "وفصاله في عامين" فبقي للحمل ستة اشهر (الهندية ، كتاب الطلاق ، باب ثبوت النسب ، ۲/ ۴۳۳ ، شركة علمية)

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ ستمبر سن ۷ ۱۹۲ء)

(سوال) کل جامع مسجد میں شوہر و زوجہ اہل ہنود داخل اسلام ہوئے ہیں۔ بعد ختم رسم ایک صاحب نے امام صاحب سے سوال کیا کہ آیا پھر ان دونوں میں تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ ضرورت نہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(جواب ۵۱٤) جب کافر میاں بیوی ایک دم مسلمان ہو جائیں اور ان میں کوئی ایسا رشتہ نہ ہو جس میں اسلام کے قواعد کے بموجب مناکحت حرام ہے تو وہ اپنے سابقہ تعلق ازدواجی پر قائم رہیں گے جدید نکاح کی ضرورت نہ ہو گی۔ لیکن اگر دونوں میں کوئی ایسا رشتہ ہے جو اسلام کے اصول سے مناکحت کو ناجائز قرار دیتا ہے تو ان میں تفریق کر دینی پڑے گی۔ اور دونوں بحیثیت میاں بیوی نہ رہ سکیں گے۔(۱)　　محمد کفایت اللہ غفر لہ،

عورت کی طرف مصیبت منسوب کرنا غلط ہے

(سوال) کیا شرع میں اس کی کوئی اصل ہے کہ مرد کی تقدیر کی اولاد اور عورت کی تقدیر کا رزق ہوتا ہے۔ اور جب کسی عورت سے نکاح کرنے کے بعد کوئی ترقی یا تنزل یک لخت ہوتا ہے تو کس کی تقدیر پر محمول ہو گا۔ عوام عورت کی تقدیر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

(جواب ۵۱۵) یہ بات جو مشہور ہے کہ مرد کی تقدیر کی اولاد اور عورت کی تقدیر کا رزق ہوتا ہے یہ بے اصل اور غلط ہے۔ ہر جاندار کا رزق جو انسان ہو یا جانور، مذکر ہو یا مونث مقدر ہے۔ اور ہر عوت یا مرد کی اولاد مقدر ہے۔(۲) شادی کے بعد کوئی مصیبت یا تکلیف پیش آجائے تو اس کو عورت کی طرف منسوب کرنا بھی نہایت مذموم ہے۔(۳)

تحریری بیان بر قانون تعیین عمر رضامندی

(الجمعیۃ مورخہ ۳ اگست سن ۲۹ء، ۶ اگست سن ۲۹ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ چند تمہیدی مقدمات بیان کر دیئے جائیں جن کو پیش نظر رکھنے سے　　جواب کی صحت متیقن ہو جائے گی

(۱) اسلام میں نکاح کو صرف معاشرتی حیثیت میں نہیں رکھا گیا ہے بلکہ اس کو مذہبی عمل کی حیثیت بھی دی گئی ہے اور اس پر ثواب اور فضیلت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ پیغمبر اسلام ارواحنا فداہ کا ارشاد ہے۔ النكاح من سنتي فمن رغب عن سنتي فليس مني (فتح الباری شرح صحیح البخاری)(۴) یعنی نکاح میری سنت ہے۔ جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہو گا۔ اور بخاری شریف میں حدیث مذکور کے الفاظ یہ ہیں۔ واتزوج النساء فمن

---

(۱) اسلم المتزوج بلا سماع شهود اوفي عدة كافر معتقدين ذلك اقرا عليه ، لانه امر بتركهم وما يعتقدون لو كان المتزوجان اللذان اسلما محرمين او اسلم احد المحرمين او ترافعا الينا وهما على الكفر فرق القاضي او الذى حكما د بينهما (الدر المختار ، كتاب النكاح ، باب نكاح الكافر ، ۳/ ۱۸٦ ، سعيد)

(۲) وما من دابة في الارض الا على الله رزقها ويعلم مستقرها و مستودعها كل في كتب مبين (سورة هود ٦)

(۳) وما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم (الشورى : ۳۰)

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لا عدوى ولا طيرة (الصحيح لمسلم ، باب لاعدوى ولا طيرة ، ۲ / ۲۳۰ ، قديمى)

(٤) فتح البارى ، كتاب النكاح ، باب الترغيب في النكاح ، ۹/ ۹٦ ، بولاق

رغب عن سنتی فلیس منی (بخاری کتاب النکاح)(۱) یعنی میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں تو جو میری سنت (نکاح) سے روگردانی کرے گا وہ میری جماعت میں سے نہ ہوگا۔ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ من تزوج فقد استکمل نصف الایمان فلیتق اللہ فی النصف الباقی۔ (طبرانی فی الاوسط کذا فی جمع الفوائد)(۲) یعنی جس نے نکاح کیا اس نے آدھا ایمان تو پکا کر لیا تو چاہئے کہ دوسرے نصف میں بھی خدا سے خوف کو ملحوظ رکھے۔ اور حضور انور ﷺ نے عکاف بن بشر سے فرمایا تھا۔ ان سنتنا النکاح شرارکم عزابکم واراذل موتاکم عزابکم (جمع الفوائد)(۳) یعنی ہماری سنت نکاح ہے۔ تم میں سے جو لوگ مجرد ہیں وہ بہت برے ہیں اور جو مجرد ہی مر جائیں وہ بدترین مردے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ من تزوج ثقة باللہ واحتسابا کان حقا علی اللہ ان یعینه وان یبارك له ، (طبرانی فی الاوسط والصغیر کذافی جمع الفوائد)(۴) یعنی جو شخص خدا پر بھروسہ کر کے اور طلب ثواب کے خیال سے نکاح کرے گا تو خدا تعالیٰ پر (اس کے وعدہ صادقہ کی بنا پر) لازم ہے کہ اس کی مدد کرے اور برکت عطا فرمائے یعنی اللہ تعالیٰ ضرور اس کی اعانت کرے گا اور ایسے اسباب مہیا کر دے گا جو اس کی فراخی اور مسرت و خوش عیشی کے لئے کافی ہوں گے اور اس کو برکت دے گا۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ قد اختلف فی النکاح فقال الشافعیة لیس عبادة ولهذا لو نذره لم ینعقد وقال الحنفیة هو عبادة (فتح الباری کتاب النکاح)(۵) یعنی نکاح کی شرعی حیثیت میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نکاح عبادت نہیں ہے اور اسی لئے اگر کوئی نکاح کی منت مانے تو منعقد نہ ہوگی۔ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ نکاح کو عبادت کی حیثیت حاصل ہے یعنی اس پر ثواب مترتب ہوتا ہے اور وہ موجب تقرب خداوندی ہے اور درمختار میں ہے۔ لیس لنا عبادة شرعت من عهد ادم الی الان ثم تستمر فی الجنة الا النکاح والا یمان۔(۶) یعنی ہمارے لئے کوئی عبادت نکاح اور ایمان کے سوا ایسی نہیں ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے جاری ہو کر آج تک قائم رہی ہو اور پھر جنت میں بھی مستمر رہے۔ اور اسی کتاب میں ہے۔ ویکون سنة مؤکدة فی الا صح فیا ثم بترکه ویثاب ان نوی ولداً وتحصینا(۷) یعنی نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے صحیح قول کی بنا پر۔ پس اس کا تارک گنہگار ہوگا۔ اور جو بہ نیت پاک دامنی و تحصیل ولد نکاح کرے گا وہ ثواب کا مستحق ہوگا۔ ورجح فی النهر وجو به للمواظبة علیه والا نکار علی من رغب عنه (در مختار)(۸) یعنی (کتاب) نہر (الفائق) میں نکاح کے واجب ہونے کو ترجیح دی ہے اس دلیل سے کہ حضور ﷺ نے اس پر مواظبت فرمائی ہے اور اعراض کرنے والے پر عتاب کا اظہار فرمایا ہے۔

(۲) سنت نکاح پر عمل کرنے اور ثواب حاصل کرنے کے لئے صرف عقد نکاح کافی ہے۔ مباشرت کا وجود ضروری نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے عقد نکاح کر لیا اور کسی وجہ سے مثلاً زوجہ کی کم عمری یا بیماری کی وجہ سے

(۱) صحیح البخاری ، کتاب النکاح ، باب الترغیب فی النکاح ، ۲/ ۷۵۷، قدیمی
(۲) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ، کتاب النکاح ، باب الحث فی النکاح ، ۴/ ۲۵۲، بیروت
(۳) مجمع الزوائد و منبع الفوائد ، کتاب النکاح ، باب عون اللہ سبحانه ، للمتزوج ، ۴ / ۲۵۰، بیروت
(۴) مجمع الزوائد و منبع الفوائد ، کتاب النکاح ، باب عون اللہ سبحانه ، للمتزوج ، ۴ / ۲۵۰، بیروت
(۵) فتح الباری ، کتاب النکاح ، باب الترغیب فی النکاح ، ۹/ ۸۹، بولاق
(۶) الدر المختار ، کتاب النکاح ، ۳/ ۳، سعید
(۷) الدر المختار ، کتاب النکاح ، ۳/ ۷، سعید
(۸) الدر المختار ، کتاب النکاح ، ۳/ ۷، سعید

مقاربت کی نوبت نہ آئی اور اسی حالت میں مر گیا تو ترک سنت کا مواخذہ نہ ہوگا۔

(۳) عقد نکاح ہونے کے ساتھ لازم نہیں کہ زوجین میں فوراً مقاربت بھی ہو جائے بلکہ اس کے لئے زوجین کی صلاحیت کا لحاظ ضروری ہے۔ جب تک زوجہ جماع کے قابل نہ ہو جائے اس کو شوہر کے پاس بھیجنا لازم نہیں ہے اور خاوند بھی اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ **وللزوج المطالبة بتسليمها ان تحملت الرجل (در مختار)**(۱) یعنی شوہر اپنی زوجہ کو اپنے پاس لانے کا مطالبہ جب کر سکتا ہے جب کہ زوجہ مرد کے قابل ہو جائے۔ **قال البزازی و لا یجبر الاب علی دفع الصغیرة الی الزوج (رد المحتار)**(۲) یعنی چھوٹی لڑکی جو قابل جماع نہ ہو اس کے باپ کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ اس کو زوج کے حوالہ کرے۔

(۴) عورت کے قابل جماع ہو جانے کے وقت کو عمر کے ساتھ متعین نہیں کیا جا سکتا۔(۳) کیونکہ مختلف ملکوں اور مختلف خاندانوں میں نشوونما کے مدارج مختلف ہونے اور آب و ہوا کے اختلاف اور جسمانی خصوصیات کے تباین سے عورتوں کی صلاحیت جماع کے اوقات میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ بعض لڑکیاں اپنے قوائے جسمانیہ کی درستی کی وجہ سے نو دس سال کی عمر میں بھی جماع کے قابل ہو سکتی ہیں اور بغیر کسی مضرت و تکلیف کے دس گیارہ سال کی عمر میں بچہ کی ماں بن سکتی ہیں۔ اور بعض لڑکیاں سولہ سترہ سال کی عمر تک بھی اپنی فطری نحافت یا عارضی امراض کی وجہ سے جماع کے قابل نہیں ہوتیں۔ اسی لئے اسلام کے مقننین نے جماع کے لئے عمر کی تعیین کرنے کے بجائے زوجہ کی صلاحیت و طاقت کا اعتبار کیا ہے۔ **قال البزازی ولا یعتبر السن (رد المحتار)**(۴) یعنی بزازی نے کہا کہ اس بارے میں عمر کا اعتبار نہیں ہے۔ **فان زعم الزوج انها تتحمل الرجال وانكروا لاب فالقاضی یریها النساء ولا یعتبر السن (رد المحتار)**(۵) یعنی اگر شوہر کہے کہ میری منکوحہ مرد کے قابل ہو گئی ہے اور منکوحہ کا باپ کہے ابھی نہیں ہوئی تو قاضی عورتوں کو دکھلا کر معلوم کرے کہ وہ مرد کی طاقت رکھتی ہے یا نہیں اور عمر کا اعتبار نہ کرے۔

(۵) شریعت مقدسہ اسلامیہ نے شوہر کو اس وقت تک بیوی سے جماع کرنے کی اجازت نہیں دی ہے جب تک وہ اس کی متحمل نہ ہو جائے۔ اگرچہ اس کی عمر زیادہ ہی کیوں نہ ہو گئی ہو۔ **وان كانت نحيفة مهزولة لا تطيق الجماع ويخاف عليها المرض لا يحل للزوج ان يدخل بها وان كبر سنها وهوالصحيح (فتاوی عالمگیری)**(۶) یعنی اگر عورت دبلی ہو اور جماع کی طاقت نہ رکھتی ہو اور بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو شوہر کو اس کے ساتھ جماع کرنا حلال نہیں اگرچہ اس کی عمر بڑی ہو گئی ہو اور یہی قول صحیح ہے۔ **فی التتار خانیة البالغة اذا كانت لا تتحمل لا یؤمر بدفعها الی الزوج (رد المحتار)**(۷) یعنی تاتار خانیہ میں ہے کہ بالغہ لڑکی بھی اگر جماع کی طاقت نہ رکھتی ہو تو

---

(۱) الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر، ۳/۱۶۱، سعید

(۲) رد المحتار، کتاب النکاح، باب المهر، ۳/۱۶۱، سعید

(۳) واختلفوا فی وقت الدخول بالصغيرة واكثر المشايخ علی انه لا عبرة للسن فی هذا الباب وانما العبرة للطاقة، ان كانت ضخمة سمينة تطيق الرجال ولا يخاف عليها المرض من ذلك كان للزوج ان يدخل بها و ان لم تبلغ تسع سنين. وان كانت نحيفة مهزولة لا تطيق الجماع و يخاف عليها المرض لا يحل للزوج ان يدخل بها وان كبر سنها (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع فی الاولياء، ۱/۲۸۷، ماجدية) (۴) رد المحتار، کتاب النکاح، باب المهر، ۳/۱۶۱، سعید

(۵) رد المحتار، کتاب النکاح، باب المهر، ۳/۱۶۱، سعید

(۶) الهندية، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الأولياء، ۱/۲۸۷، ماجدية

(۷) رد المحتار، کتاب النکاح، باب المهر، ۳/۱۶۱، سعید

اس کو خاوند کے حوالہ کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا۔

(۶) نکاح کی صرف یہی غرض نہیں ہے کہ شوہر فوراً بیوی سے مجامعت کر سکے۔ بلکہ شوہر کی نیت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کو تنہائی کا ایک مونس محرم راز مل جائے۔(۱) یا اس کے لئے کھانے وغیرہ کا انتظام ہو سکے۔ اور یہ فوائد ایسی لڑکی کے ساتھ نکاح کر لینے سے حاصل ہو سکتے ہیں جو ابھی اپنی کم عمری یا فطری کمزوری کی وجہ سے قابل جماع تو نہیں ہوئی مگر بات چیت کر کے دل بہلانے کے لائق ہے۔ یا کھانے پکانے، سینے پرونے کا انتظام خوب کر سکتی ہے۔ اور لڑکی کے اولیا کی نیت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ نکاح کر دینے کے بعد اس کے خاوند سے اس کا مہر وصول کریں اور خود لڑکی پر خرچ کریں اور اسکی کفالت کے بار سے سبکدوش ہو جائیں۔ یا اپنے ضعف اور بڑھاپے میں لڑکی کے رشتہ کی طرف سے مطمئن ہو جائیں اور اطمینان قلب سے اپنے بقیہ ایام زندگی پورے کریں۔ **لا بی الصغیرۃ المطالبۃ بالمھر** (درمختار)(۲) **ولو کان الزوج لا یستمتع بھا کما فی الھندیۃ عن التجنیس (رد المحتار)**(۳) یعنی چھوٹی لڑکی کا باپ لڑکی کے شوہر سے مہر کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اگرچہ شوہر اس صغیرہ سے فائدہ جماع حاصل نہ کر سکتا ہو۔ **صغیرۃ لا یستمتع بھازوج فللاب ان یطالب الزوج بمھر ھا (فتاوی عالمگیری)** (۴) یعنی ایک چھوٹی لڑکی منکوحہ ہے جس سے زوج فائدہ مقاربت حاصل نہیں کر سکتا تو بھی لڑکی کا باپ اس کے شوہر سے مہر کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ **واذا نقد الزوج المھر وطلب من القاضی ان یامرا باالمرأ ۃ بتسلیم المرأ ۃ فقال ابو ھا انھا صغیرۃ لا تصلح للرجال ولا تطیق الجماع الی قولہ لا تتحمل الرجال لا یؤمر بتسلیمھا الی الزوج (عالمگیری)**(۵) یعنی اگر شوہر نے مہر ادا کر دیا اور پھر قاضی سے درخواست کی کہ وہ لڑکی کے باپ کو حکم دے کہ اپنی لڑکی کو اس کے شوہر کے حوالے کر دے مگر لڑکی کے باپ نے یہ عذر کیا کہ وہ ابھی کم عمر ہے مرد کے قابل نہیں ہوئی اور جماع کی متحمل نہیں ہوگی تو قاضی اس کی تحقیق کرے۔ اگر ثابت ہو جائے کہ فی الحقیقت وہ مرد کے قابل نہیں ہوئی ہے تو خاوند کے حوالہ کرنے کا حکم نہ دے۔

(۷) شریعت مقدسہ اسلامیہ نے بچوں کے نکاح کے لئے عمر کی کوئی حد معین نہیں کی ہے۔ قرآن مجید یا احادیث یا فقہ میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے کہ اتنی عمر سے پہلے لڑکے یا لڑکی کا نکاح ناجائز ہے۔ بخلاف اس کے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چھ سال کی عمر والی لڑکی (یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے خود نکاح کیا تھا۔(۶) اور کتب فقہ میں صغار یعنی چھوٹی عمر کے لڑکوں اور لڑکیوں کے نکاحوں کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اور قرآن مجید میں نابالغہ لڑکیوں کی عدت بتائی گئی ہے۔(۷) اور ظاہر ہے کہ عدت نکاح کے بعد ہی لازمی ہوتی ہے۔

(۸) اسلام نے نابالغوں کے باپ اور دادا اور دوسرے اولیاء کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی ولایت سے نابالغ بچوں کا نکاح کر

---

(۱) الدر المختار، کتاب النکاح، باب المھر، ۳/۱۶۱، سعید

(۲) رد المحتار، کتاب النکاح، باب المھر، ۳/۱۶۱، سعید

(۳) وکذا صغیرۃ تصلح للخدمۃ اوللا ستئناس الدر المختار، کتاب الطلاق باب النفقۃ، ۳/۵۷۶، سعید

(۴) الھندیۃ، کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء، ۱/۲۸۷، ماجدیۃ (۵) ایضاً

(۶) عن عروۃ تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ وھی ابنۃ ست وبنی بھا وھی ابنۃ تسع ومکثت عندہ تسعا (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب من بنی با مرأۃ وھی بنت تسع سنین، ۲/۷۷۵، قدیمی)

(۷) واللائی یئسن من المحیض من نسائکم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللائی لم یحضن (الطلاق: ۴) وفی البخاری، باب انکاح الرجل ولدہ الصغار لقولہ تعالی واللائی لم یحضن، فجعل عدتھا ثلثۃ اشھر (صحیح البخاری، کتاب النکاح ۲/۷۷۱، قدیمی

دیں۔(۱)باپ اور دادا کا کیا ہوا نکاح لازم ہوتا ہے۔(۲)اور دوسرے اولیاء کا کیا ہوا نکاح صحیح تو ہوتا ہے مگر لازم نہیں ہوتا۔(۳)نابالغ اگر بالغ ہوتے ہی ناراضی ظاہر کردے تو حکم حاکم باختیار فسخ ہو سکتا ہے۔لولی الصغیر و الصغیرۃ ان ینکحھما وان لم یرضیا بذلک کذافی البرجندی سواء کانت بکرا اوثیباً کذافی العینی شرح الکنز (فتاویٰ عالمگیری)(۴)وھو ای الولی شرط صحۃ نکاح صغیرو مجنون ورقیق (در مختار)(۵)یعنی صغیر اور صغیرہ کے ولی کو اختیار ہے کہ ان کا نکاح کردے اگرچہ صغیر اور صغیرہ راضی نہ ہوں اور لڑکی باکرہ ہو یا ثیبہ اور صغیرہ اور مجنون اور غلام کے نکاحوں کی صحت کے لئے ولی شرط ہے اور باب ولایت و حقوق اختیارات اولیا اسلامی فقہیات میں سے ایک عظیم الشان باب ہے۔ہزاروں احکام اس کے متعلق ہیں۔بچوں کی نابالغی میں ان کے نکاحوں کا اختیار ،ان کی مملوکہ جائدادوں کی حفاظت اور انتظام ،ان کی طرف سے دعویٰ کرنا اور ان کی جانب سے مدافعت کرنا۔یہ سب اولیاء کے فرائض واختیارات میں داخل ہے اور کوئی قانون جو ان حقوق واختیارات کو سلب یا باطل کرتا ہو اسلامی نقطہ نظر سے مسلمانوں کے نزدیک قابل تسلیم والائق قبول نہیں ہو سکتا۔(۶)

مذکورہ بالا آٹھ مقدمات کی تفصیل وتصریح کے بعد میں اس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ کیا لڑکیوں کے نکاح کے لئے کوئی قانونی عمر مقرر کی جاسکتی ہے ؟ کہ اس کی خلاف ورزی پر کسی قسم کی سزادی جاسکے ؟

ہمارا جواب یہ ہے کہ صغیر و صغیرہ کے نکاح کے لئے قانوناً عمر کی تعیین مسلمانوں کے لئے بوجوہ متعددہ نہیں کی جاسکتی جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے :

الف۔مقدمہ اولیٰ سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام میں عقد نکاح کی حیثیت صرف ایک معاشرتی معاملے یا معاہدے کی نہیں ہے بلکہ وہ عبادت اور مذہبی عمل کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔اور اس پر کوئی قانونی پابندی عائد کرنا مذہبی مداخلت ہے۔(۷)جو قانوناً ناجائز ہے۔

(ب)عمر معین کردینے سے یہ خرابی ہوگی کہ بہت سی لڑکیاں جن کے والدین ضعیف العمر ہوں گے اور چاہتے ہوں گے کہ اپنی بچیوں کا نکاح کسی اچھی جگہ اپنے سامنے کردیں اور ایسی جگہ بھی میسر ہو جائے گی مگر تعیین عمر کی قانونی پابندی کی وجہ سے نکاح نہ کر سکیں گے اور رات دن اسی رنج وغم میں رہنے کی وجہ سے ان کی صحت اور دماغ پر تباہ کن اثر پڑے گا۔اور اگر اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا تو لڑکیاں بے وارث رہ جانے کی وجہ سے تباہ اور خراب حال ہو جائیں گی۔اور اس خرابی کا حلقہ کم عمری کی شادی سے جو نقصان ہوتا ہے اس سے بہت زیادہ وسیع ہوگا۔

(ج)بہت سے نادار والدین جو لڑکیوں کی پرورش کے مصارف کا بار برداشت نہیں کر سکتے اپنی کمسن لڑکیوں کا نکاح ایسے بچوں سے کردیتے ہیں جن کے سرپرست کل یا بعض مہر ادا کردینے پر خوشی سے تیار ہو جاتے ہیں اور لڑکی کے

---

(۱) عن عروۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب عائشۃ الی ابی بکر (صحیح البخاری ، کتاب النکاح ، ۲ : ۷۶۰، قدیمی)
(۲)ولزم النکاح ولوبغبن فاحش ان کان المزوج بنفسہ ابا او جدا (الدر المختار، کتاب النکاح ، باب الولی ، ۳ : ۶۶ ، سعید)
(۳)وان زوجھما غیر الاب والجد فلکل واحد منھما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ (الھندیۃ ، کتاب النکاح ، باب الاولیاء ، ۲/ ۳۱۷ شرکۃ علمیۃ)
(۴)الھندیۃ، کتاب النکاح ، الباب الرابع فی الا ولیاء ، ۱/ ۲۸۵ ، ماجدیۃ
(۵)الدر المختار ، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/ ۵۵، سعید
(۶)فلاوربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (النساء ۶۵)
(۷)ان الحکم الا للہ (سورۃ یوسف : ۶)

والدین وصول شدہ مہر کی رقم سے لڑکی کی پرورش و تعلیم کا انتظام کرنے پر قادر ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی معین عمر تک نکاح سے قانونی ممانعت کر دی گئی تو بہت سی لڑکیوں کی پرورش اور تعلیم کی ایک ممکن صورت ناممکن یا قانونی جرم ہو جائے گی اور وہ فقر و فاقہ کا فی اتعال شکار ہو جائیں گی یا جاہل رہ جائیں گی۔

(د) صرف عقد نکاح کر دینا کسی تمدنی، عمرانی جسمانی خرابی کا موجب نہیں۔ اور اس کے ذریعہ سے ایک مذہبی غرض (اتباع سنت) اور عمرانی و جسمانی فوائد (سہولت پرورش و تیسیر تعلیم) حاصل ہو سکتے ہیں۔ پس اس پر قانونی پابندی عائد کرنے کے لئے کوئی معقول وجہ نہیں۔

(ہ) عقد نکاح کے لئے اگر ایسی عمر مقرر کی گئی جو لڑکی کے بالغ ہو جانے کی عمر ہو مثلاً پندرہ سال تو اس صورت میں یہ قانون اولیاء کے اس حق کو جو ولایت نکاح کے متعلق انہیں شرعاً حاصل ہے۔(۱) (جیسا کہ مقدمہ ثانیہ میں ثابت کیا گیا) باطل اور زائل کر دے گا۔ یعنی اس حق اور اختیار کے استعمال کرنے کی کوئی صورت نہ رہے گی۔ کیونکہ بالغہ لڑکی اپنے نکاح کی خود مالک ہو جاتی ہے۔(۲) اور اولیاء کی ولایت اجبار ساقط ہو جاتی ہے۔(۳) تو گویا بلوغ عورت سے قبل اسکے نکاح کی ممانعت کر دینا اس کے مساوی ہے کہ اسلامی قانون کے باب ولایت اور حقوق اولیاء کو باطل یا منسوخ کر دیا جائے۔ اور مسلمان ہرگز اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ وہ حکومت کے اس اقتدار کو اسلامی ابواب کے ابطال کے متعلق تسلیم کر لیں۔(۴) اور اگر کوئی ایسی عمر معین کی گئی جو یقینی طور پر بالغ ہو جانے کی عمر نہیں ہے۔ مثلاً تیرہ یا چودہ سال تو اس میں اگرچہ حق ولایت کا بالکلیہ ابطال لازم نہیں آتا مگر مقررہ عمر سے پہلے تو یقیناً حق ولایت کا بطلان لازم آتا ہے اس کے علاوہ جن خرابیوں کو وضع قانون کے لئے آڑ بنایا جا رہا ہے وہ بلوغ سے پہلے کی کوئی عمر معین کر دینے سے دفع بھی نہ ہوں گی اور یہ تعیین لغو اور بیکار ہو گی۔

اس کے بعد سوال کے دوسرے حصہ پر بھی غور کرنا ہے کہ لڑکیوں کے عقد نکاح کے لئے اگر عمر کی تعیین نہیں ہو سکتی تو وداع کے لئے تعیین کر دینے میں تو کوئی خرابی نہیں ہے۔ سوال کا جواب یہ ہے کہ وداع کے لئے بھی عمر کی تعیین نہیں کی جا سکتی۔ مقدمہ رابعہ میں اس کا ثبوت دیا جا چکا ہے کہ عورت کی صلاحیت جماع کے وقت کو عمر کے ساتھ متعین نہیں کیا جا سکتا(۵) بلکہ اس کا مدار عورت کے جسمانی قوی اور بدنی طاقت پر ہے اور اختلاف ماحول کی بنا پر اس میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ کوئی لڑکی بارہ سال کی عمر میں اتنی تنومند اور طاقت ور ہو جاتی ہے کہ دوسری سولہ سترہ سال کی لڑکیاں بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ پھر عمر کی تعیین کر دینے سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ کیونکہ مسلمانوں میں کم عمری کے زمانے میں نکاح کر دینے کا تو تھوڑا بہت رواج ہے مگر کم عمری کے زمانے میں

(۱) وللولي انكاح الصغير والصغيرة (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، ۳/ ۶۶، سعيد)
(۲) نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الاولياء، ۱/ ۲۸۷، ماجدية)
(۳) ولا يجوز نكاح احد على بالغة صحيحة العقل من اب او سلطان بغير اذنها بكرا كانت اوثيبا (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الاولياء، ۱/ ۲۸۷، ماجدية)
(۴) وعن النواس بن سمعان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق (شرح السنة، كتاب الامارة، باب الطاعة في المعروف، ۶/ ۳۵، دار الفكر بيروت)
(۵) واكثر المشايخ على انه لا عبرة للسن في هذا الباب وانما العبرة للطاقه، ان كانت ضخمة سمينة تطيق الرجال كان للزوج ان يدخل بها وان لم تبلغ تسع سنين، وان كانت نحيفة مهزولة لا تطيق الجماع لا يحل للزوج ان يدخل بها وان كبر سنها، هو الصحيح (الهندية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الاولياء، ۱/ ۲۸۷، ماجدية)

وداع کرنے کا رواج نہیں ہے اگر کہیں ایسا واقعہ ہو جاتا ہے تو شاذ و نادر ہے۔ ایسے شاذ و نادر واقعات کو وضع قانون کے لئے حیلہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ اسلامی قانون میں یہ بات موجود ہے کہ خاوند اور اس کے اولیاء لڑکی کے اولیاء سے اس بات کا مطالبہ نہیں کر سکتے کہ ناقابل جماع لڑکی ان کے حوالے کر دی جائے۔(۱) اور اگر بفرض محال لڑکی خاوند کے پاس پہنچ بھی جائے تو خاوند کو شریعت اسلامیہ مذہباً مجامعت سے روکتی ہے۔(دیکھو مقدمہ خامسہ)(۲) اس کے بعد مسلمانوں کو کسی قانون کی ضرورت نہیں۔(۳) کمزوری اور ناتوانی جس میں عورت وطی و مجامعت کے لائق نہ ہو صرف کم عمری میں منحصر نہیں۔ بلکہ مریضہ اور حاملہ جو قریب الولادت ہو حائضہ اور نفساء یہ سب عورتیں ناقابل وطی ہیں۔ (۴) اسلامی قانون ان سب کو شامل ہے اور مجوزہ قانون ان متعدد اقسام کی ناقابل جماع عورتوں میں سے صرف ایک قسم کے لئے کچھ چارہ کار ہو سکتا ہے۔ باقی اقسام کا ضرر حسب حال خود قائم رہے گا۔ حالانکہ بعض مریضہ عورتوں یا حاملہ عورتوں یا قریب الولادت یا نفاس والی عورتوں سے جو مجامعت کی جاتی ہے وہ بسا اوقات اتنی مضر ہوتی ہے کہ نابالغہ مراہقہ سے مجامعت اتنی مضر بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے صرف عمر رضامندی کی تعیین کر دینے سے اس مضرت کی تلافی نہیں ہو سکتی جو عورتوں کو ان کے خاوندوں کی بے اعتدالی سے پیش آتی ہے۔ زناشوئی کے تعلقات میں بہت سی بے اعتدالیاں جاہل خاوندوں سے سرزد ہوتی ہیں۔ مثلاً کثرت جماع، وطی فی الدبر وغیرہ مگر قانون اس کا علاج کرنے سے ہمیشہ قاصر رہا ہے جس کی وجہ عورتوں کی خلقی حیا اور تعلقات زوجیت کی گوناگوں بندشیں ہوتی ہیں جو عورت کو عدالت تک جانے اور قانونی چارہ جوئی کرنے سے روکتی ہیں۔ پس ان چیزوں کا صحیح علاج مسلمانوں کے لئے مذہبی احکام کی تبلیغ و تفہیم ہے نہ کہ وضع قانون۔

کہا جاتا ہے کہ جب کہ مسلمانوں کا مذہب بھی ان کو کمزور و ناتواں عورت سے جماع کی اجازت نہیں دیتا تو اسی مضمون کا قانون وضع کر دینے میں کیا مضائقہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے :-

(۱) اول تو مذہبی حکم کے ہوتے ہوئے وضع قانون کی مسلمانوں کی ضرورت نہیں۔

(۲) دوم یہ کہ یہ معاملہ ایسے ماحول میں ہوتا ہے کہ وہاں قانون کی دسترس نہیں اور اہل معاملہ میں سے پانچ فیصدی بھی قانونی چارہ جوئی کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔

(۳) مجوزہ قانون اگر عورت کی صلاحیت اور طاقت کو معیار قرار دیتا تو اس حیثیت سے مسلمان اس کی مخالفت نہ کرتے بلکہ اس وقت ان کی مخالفت اس بنا پر ہوتی کہ اس قسم کے مذہبی اور خانگی امور میں قانون کی مداخلت ناقابل برداشت ہے۔ مگر وہ عمر کو معیار قرار دیتا ہے جو مختلف افراد اور مختلف اقوام کے لئے یکساں طور پر معیار بننے کی صلاحیت ہی نہیں

(۱) ولیس له تسلیمها للدخول بها قبل طاقة الوطی ولا عبرة للسن (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الولی ۳/ ۶۶، سعید)
(۲) وان کانت نحیفة مهزولة لا تطیق الجماع و یخاف علیها المرض لا یحل للزوج ان یدخل بها وان کبر سنها، وهو الصحیح (الهندیة، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الاولیاء، ۱/ ۲۸۷، ماجدیة)
(۳) الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (المائدة: ۳)
(۴) فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوهن حتی یطهرن (البقرة: ۲۲۲)

رکھتی۔ پھر اگر مثلاً قانون نے پندرہ سال کی عمر مقرر کی اور کسی قوم کی لڑکیاں تیرہ برس میں بالغ ہو جاتی ہیں تو ان کے لئے یہ قانون مخالفت شریعت کا موجب بھی ہوگا اور وبال جان بھی۔ مخالفت شریعت کا اس لئے کہ جب لڑکی تنومند اور طاقتور ہے اور بالغ بھی ہو گئی ہے اور اس کو مرد کی خواہش ہے تو شریعت نے مرد کو اجازت دی ہے کہ وہ اس سے مقاربت کرے۔(۱) لیکن یہ قانون ایک جائز امر کو اس کے لئے جرم قرار دے۔ اس کے علاوہ اگر مرد کو اس صورت میں خیال ہو کہ اگر میں نے مقاربت نہ کی تو عورت بدکاری میں مبتلا ہو جائے گی تو اس پر واجب ہوگا کہ مقاربت کرے۔ پس اس کی حیثیت یہ ہو گی کہ اسلام تو اس پر وطی واجب کرتا ہے کہ قانون مذکور اس کو جرم قرار دیتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ لامحالہ مذہب کا اتباع کرے گا اور لازم آئے گا کہ قانون اس کو مذہبی فعل کی تعمیل اور اطاعت امر خداوندی پر سزا دے جو صریح مذہبی مداخلت ہے۔ نیز لڑکی بالغ اور مشتہاۃ ہو جانے کیوجہ سے مقاربت کی خواہش مند ہو گی مگر قانون اس کو خاوند سے منتفع ہونے میں مانع و مزاحم ہوگا۔ اور اسے مجبور کرے گا کہ وہ ناجائز طریقوں سے اپنی نفسانی خواہش پوری کرے اور وہ اس قانون کی وجہ سے مذہبی مخالفت اور خالق کی معصیت میں مبتلا ہونے پر مجبور ہو گی۔ اور یہ صریح مذہبی مداخلت ہے۔

اور وبال جان اس لئے کہ لڑکیوں کو بالغ ہو جانے اور طاقتور ہونے کی صورت میں مردوں سے روکنا اور ان کی حفاظت کرنا بہت مشکل ہے۔ خصوصاً ان متوسط الحال لوگوں کے لئے جو اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں اور ان کے گھروں میں صرف ایسی لڑکیاں ہوتی ہیں جو بالغ ہو چکی ہیں اور طاقتور بھی ہیں۔ مگر قانونی عمر کو نہیں پہنچیں۔ اگر وہ لوگ ان لڑکیوں کی حفاظت کرتے ہیں تو کاروبار تباہ ہوتا ہے اور کاروبار میں مشغول رہ کر لڑکیوں کو گھروں میں تنہا چھوڑتے ہیں تو عزت برباد ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ قانونی تعیین ان کے لئے وبال جان ہو گی۔

کہا جاتا ہے کہ عمر رضامندی کی تعیین کا قانون تو ایک عرصہ سے ہندوستان میں نافذ ہے اور مسلمان بھی اس کو تسلیم کر چکے ہیں تو اب ان کی مخالفت بے معنی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت یہ قانون وضع کیا گیا ہوگا اس وقت ماہران علوم اسلامیہ کے مشورے اور استصواب کے بغیر قانون پاس کر لیا گیا۔ مسلمانوں کے مذہبی حلقوں کو اور پبلک کو اس کی خبر ہی نہ ہوئی۔ اور اس وجہ سے کوئی مخالف آواز بلند نہ ہوئی۔ یا واضع قانون جماعت نے مجاریٹی کی قوت سے اس کو پاس کر دیا اور گورنمنٹ کی طاقت نے اس کو نافذ کر دیا۔ کسی قانون کا نافذ ہو جانا نہ اس کی صحت کی دلیل ہے نہ اس امر کی متعلقہ فرقوں کی رضا و تسلیم سے وہ پاس ہوا ہے۔ نظیر کے لئے پبلک سیفٹی بل کا نفاذ (جو بطور آرڈیننس کے نافذ کر دیا گیا ہے) اور تعزیرات ہند و دیگر قوانین موجودہ کی سیکڑوں دفعات جو اسلامی احکام کے سراسر اخلاف ہیں کافی ہیں۔ دعوائے مہر میں تین سال کی مدت مقرر کر دینا۔ تمادی عارض ہو جانا حق شفعہ کا سال بھر کے بعد ساقط ہو جانا اور اسی قسم کے بہت سے قوانین نافذ ہیں جو شریعت اسلامیہ کے صریحاً خلاف ہیں تو ان کے نفاذ سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں نے انہیں تسلیم کر لیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں پر جبراً ان قوانین کو نافذ کیا جاتا ہے۔ اور وہ مخالفانہ ایجی ٹیشن نہیں کرتے۔

پس صورت حاضرہ میں مسلمان نہ تو تعیین عمر عقد نکاح پر راضی ہو سکتے ہیں اور نہ وداع کی عمر معین کرنے کو تسلیم کر سکتے ہیں اور ان کی قطعی رائے ہے کہ کم عمری کی شادیوں یا کم عمری میں مجامعت سے جو نقصانات ہوتے

---

(۱) لا عبرة للسن في هذا الباب و انما العبرة للطاقة ان كانت ضخمة سمينة تطيق الرجال .... كان للزوج ان يدخل بها وان لم تبلغ تسع سنين (الهندية ، كتاب النكاح ، الباب الرابع في الاولياء ۱/ ۲۸۷ ، ماجدية)

ہیں ان کا وقوع مسلمانوں میں اول تو بہت کم ہے۔ دوسرے اس کا علاج مذہبی احکام کی تبلیغ ہے نہ کہ قانون۔ اور نہ کہ قانون مذکور کی کئی صورتیں مذہبی احکام سے متصادم ہیں اور ان بنا پر وہ مذہبی مداخلت سے خالی نہیں۔(۱)

ساردا بل پر مفصل تبصرہ

نوٹ :۔ ساردا بل جب اسمبلی میں پیش ہوا تو حکومت نے رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی۔ یہ کمیٹی تمام ہندوستان کا دورہ کرتی ہوئی ۲۸ جنوری سن ۱۹۲۹ء کو دہلی پہنچی اور شہادتیں قلم بند کیں۔ اس وقت حضرت مفتی اعظم دہلی میں موجود نہ تھے۔ سفر سے واپس آکر آپ نے مندرجہ بالا بیان تحریر فرمایا اور ارکان تحقیقاتی کمیٹی کے پاس بھیجا۔

اس کے بعد آپ نے ساردا بل پر ایک مبسوط تبصرہ بنام "ساردا بل کی حقیقت" تحریر فرمایا جو ۲ اکتوبر سن ۱۹۲۹ء کو ایک رسالہ کی صورت میں شائع ہوا اور الجمعیۃ مورخہ ۱۹ اکتوبر سن ۲۹ء و ۱۳ اکتوبر سن ۲۹ء میں بھی شائع ہوا۔ یکم اکتوبر سن ۲۹ء کو لارڈ گوشن نے جو اس وقت ہز ایکسلنسی لارڈ ارون کی جگہ بطور قائم مقام کے تھے ساردا بل پر منظوری کی دستخط کر دیئے تھے۔ ۲۷ اکتوبر سن ۲۹ء کو لارڈ ارون ہندوستان واپس آئے اور مورخہ ۷ نومبر سن ۲۹ء کو حضرت مفتی اعظم نے مندرجہ ذیل خط ویسرائے کے نام تحریر فرما کر بھیجا۔ (واصف عفی عنہ)

مکتوب بنام وائسرائے ہند
(الجمعیۃ مورخہ ۹ نومبر سن ۲۹ء ۱۳ نومبر سن ۱۹۲۹ء)

جناب والا! مسودہ قانون جو پہلی منزل میں ساردا بل کے نام سے مشہور تھا ہز ایکسلنسی وائسرائے کی منظوری کے بعد ایکٹ نمبر ۱۹ بابت سن ۱۹۲۹ء بن چکا ہے۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ جناب والا کو ان احساسات و جذبات سے باخبر کردوں جو مسلمانوں کی طبائع میں اس قانون کے خلاف موجزن ہیں۔ نیز ان وجوہ کی بھی تصریح کردوں جن کی بنا پر مسلمان اس قانون سے ناراض ہیں اور کسی طرح اس کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔

(ساردا بل) ایکٹ نمبر ۱۹ بابت سن ۱۹۲۹ء سے مسلمانوں کی بیزاری کے وجوہ

(الف) گورنمنٹ کے صریح وعدوں اور اعلانوں کے خلاف ہے۔ (ب) اس سے مذہبی مداخلت ہوتی ہے۔ (ج) مسلمان قوم کی نارضامندی کے باوجود اس کا اطلاق مسلمانوں پر کیا گیا ہے۔ (د) اس کی حیثیت آئینی نہیں بلکہ جبری ہے۔ (ہ) اس قانون کے پاس ہو جانے سے ایک ایسا خطرناک اصول قائم ہو گیا جس سے مسلمانوں کے مخصوص شرعی قانون (پرسنل لا) میں مداخلت کا دروازہ کھل گیا ہے اور اس کے محفوظ رہنے کا کوئی اطمینان نہیں رہا۔

میں ان نمبروں میں سے ہر نمبر پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈالتا ہوں۔

(۱) گورنمنٹ برطانیہ نے ہمیشہ اس وعدے کا اعلان کیا ہے کہ وہ مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی۔ ملکہ

(۱)عن ابن عمر قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : السمع والطاعة على المرأ المسلم فيما احب وكره مالم يؤمر بمعصية فان امر بمعصية فلا سمع عليه ولا طاعة . (جامع الترمذی، ابواب الجهاد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، باب ماجاء لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق ، ۱/ ۳۰۰ سعيد)

وکٹوریہ کا ابتدائی اعلان اور ان کے جانشینوں کی پیہم تصدیق و تائید اس دعوے کا کافی ثبوت ہے اور اس وقت سے آج تک گورنمنٹ نے مسلمانوں کی شادی (میرج) کو مذہبی امور میں داخل رکھا ہے اور اسی حیثیت سے اس کے متعلق تمام مقدمات محمڈن لا کے مطابق فیصلے ہوتے رہے ہیں۔ پس ایک ایسے امر کے لئے جواب تک قانونی طور پر مذہبی امور میں داخل اور قانونی مداخلت کے ناقابل تھا اسمبلی میں قانون بنانا جس کی مجاریٹی غیر مسلم ہے اور اسلام سے قطعاً ناواقف ہے اور گورنمنٹ کی جانب سے اس کی حمایت و تائید ہونا اور سرکاری ارکان کا اس کی موافقت میں ووٹ دینا گورنمنٹ کی قدیم مشتہرہ پالیسی کی قطعاً خلاف ورزی ہے۔

(۲) اس سے مذہبی مداخلت ہوتی ہے۔ اس بات کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ میں مذہبی مداخلت کا مفہوم بھی واضح کردوں۔ مذہبی مداخلت کے مفہوم کی دو جہتیں ہیں :۔

مذہبی مداخلت کے مفہوم کی پہلی جہت

(۱) جن امور کو مذہب نے فرض یا واجب قرار دیا ہو۔ مثلاً نماز، روزہ، حج۔ جب مرد یا عورت بالغ ہوجائے اور قوی الشہوۃ ہونے کی وجہ سے زنا میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ ہو تو ان کے لئے نکاح کرنا وغیرہ۔

(۲) جو امور کہ مذہب کے شعائر میں داخل ہوں۔ مثلاً اذان، ختنہ، بستی سے باہر عید کی نماز کے لئے اجتماع وغیرہ۔

(۳) جو امور کہ مذہب نے مؤکد یا مستحسن قرار دیا ہو ان کی ترغیب دی ہو اور ثواب کا وعدہ کیا ہو۔ مثلاً نفل نماز، نفل روزہ نفل حج، ایک سے زیادہ قربانی، محلوں اور عام راستوں پر مسجدیں بنانا وغیرہ۔

(۴) جن امور کو شریعت نے جائز قرار دیا ہو ان پر عمل کرنا ایک مذہبی حق سمجھا جاتا ہو۔ مثلاً ایک سے زیادہ بیویوں سے نکاح کرنا۔ قربانی کے مختلف جانوروں میں سے کسی جانور کو منتخب کرنا وغیرہ۔

مذکورہ بالا چاروں قسموں میں جو امور داخل ہیں ان میں سے کسی ایک کو روکنا یا جرم قرار دینا یا ایسی پابندی عائد کرنا جس کا نتیجہ فی الجملہ ترک فعل پر مجبور کرتا ہو مذہبی مداخلت ہے۔ اب میں یہ دکھا دینا چاہتا ہوں کہ اس قانون کے ذریعے سے جو پابندی عائد کی گئی ہے وہ ان چاروں بیان کردہ صورتوں کے لحاظ سے مذہبی مداخلت ہے۔

مذہبی مداخلت کی پہلی صورت یعنی کسی فرض یا واجب سے روکنا

جب کہ لڑکا اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے بالغ ہوجائے یا لڑکی چودہ سال سے پہلے بالغ ہوجائے اور قوائے جسمانیہ کے قوی اور مستحکم ہونے کی وجہ سے اس کے زنا میں مبتلا ہوجانے یا کسی مرض کے پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہو تو ولی پر اور خود لڑکے پر اور لڑکی پر واجب ہوجاتا ہے کہ وہ نکاح کرلے۔

احادیث رسول اللہ ﷺ۔ پیغمبر اسلام (ارواحنا فداہ) ﷺ نے فرمایا ہے۔ **من ولدله ولد فليحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فليزوجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثمافانما اثمه على ابيه (رواه البيهقي كذافي المشكوٰة)**(۱)

ترجمہ :۔ جس کسی کو حق تعالیٰ کوئی بچہ (لڑکا یا لڑکی) عطا کرے تو اسے چاہئے کہ بچے کا اچھا نام رکھے اور اچھی تعلیم دے اور جب بچہ بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کردے۔ اگر بچہ بالغ ہوگیا اور باپ نے اس کا نکاح نہ کیا اور بچے

(۱) شعب الایمان للبیهقی، ٦ / ٤٠١ (رقم الحدیث : ٨٦٦٦)، دارالکتب العلمیة، بیروت

سے گناہ سرزد ہو گیا تو اس کا وبال اس کے باپ کے اوپر ہو گا۔ اور پیغمبر اسلام ﷺ نے دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا ہے۔ فی التوراة مکتوب من بلغت ابنته اثنتیٰ عشرة سنة ولم یزوجها فاصابت اثما فاثم ذلك علیه (رواہ البیهقی کذافی المشکوة)(۱) ترجمہ:۔ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی بارہ سال کی ہو جائے (یا بالغ ہو کر نکاح کی حاجت مند ہو) اور باپ اس کا نکاح نہ کرے اور لڑکی سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کا گناہ باپ پر ہو گا۔ اور شریعت اسلامی کا اصول یہ ہے کہ انجیل یا توراۃ کا جو حکم پیغمبر اسلام نے نقل فرما کر اس کے خلاف کچھ نہ فرمایا ہو تو وہ مسلمانوں کے لئے بھی شرعی حکم ہو جاتا ہے۔(۲)

احکام فقہ اسلامی۔ وحالة التوقان واجب(فتاویٰ هندیه معروف به فتاوی عالمگیری)(۳) ترجمہ:۔ نکاح بوقت شدت حاجت واجب ہے۔ ویکون واجبا عند التوقان فان تیقن الزنا الا به فرض (درمختار)(۴) ترجمہ۔ اور شدت حاجت کے وقت نکاح واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر بغیر نکاح رہنے میں صدور زنا یقینی ہو جائے تو نکاح فرض ہو جاتا ہے۔ ویجب عند التوقان(۵)(البرهان شرح مواهب الرحمن) ترجمہ۔ یعنی شدت اشتیاق کے وقت نکاح واجب ہو جاتا ہے۔ وصفته فرض و واجب وسنة (الی قوله) اما الا ول فبان یخاف الوقوع فی الزنا لو لم یتزوج بحیث لا یمکنه الا حتراز عنه الا به لا ن مالا یتوصل الی ترك الحرام الا به یکون فرضا (بحرالرائق شرح کنز الدقائق) ترجمہ۔ اور احکام شرعیہ میں نکاح کی حیثیت یہ ہے کہ وہ بعض حالات میں فرض اور بعض میں واجب اور بعض میں سنت ہوتا ہے۔ (الی قولہ) فرض ہونے کی حالت یہ ہے کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا کا ایسا خوف ہو کہ بدون نکاح کے زنا سے بچاؤ نہ ہو سکے گا۔ اس حالت میں فرض ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز کے بغیر حرام سے بچنا ممکن نہ ہو وہ چیز حرام سے بچنے کے لئے فرض ہو جاتی ہے۔ فاما فی حال التوقان قال بعضهم هو واجب بالا جماع لانه یغلب علی الظن او یخاف الوقوع فی الحرام وفی النهایة ان کان له خوف الوقوع فی الزنا بحیث لا یتمکن من التحرز لا به کان فرضا (فتح القدیر شرح هدایه)(۷) ترجمہ:۔ شدت احتیاج و شدت اشتیاق کی حالت میں بعض علماء نے کہا کہ نکاح کرنا بالاتفاق واجب ہے کیونکہ ایسی حالت میں نکاح نہ کرنے سے زنا میں مبتلا ہو جانے کا خوف یا گمان غالب ہوتا ہے اور نہایہ میں ہے کہ اگر زنا میں واقع ہونے کا اتنا خوف ہو کہ بدون نکاح کے بچاؤ نہ ہو سکے تو نکاح کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ اما من احتاج الی النکاح ولم یقدر علی الصبر دون النساء وخشی علی نفسه العنت ان لم یتزوج فالنکاح علیه واجب۔(۸) انتہی مختصراً (مقدمات ابن رشد) ترجمہ:۔ بہر حال جو نکاح کا خواہش مند ہو بغیر عورت کے صبر نہ کر سکے اور زنا

---

(۱) شعب الایمان للبیهقی، ٦/ ٤٠٢، (رقم الحدیث - ٨٦٧٠)، دارلکتب العلمیة بیروت
(۲) ومما یتصل بسنة نبینا علیه السلام شرائع من قبله، والقول الصحیح فیه ان ما نص الله تعالی او رسول منها من غیر انکار یلزمنا علی انه شریعة لرسولنا صلی الله علیه وسلم (الحسامی، ص ٩٣، میر محمد)
(۳) الهندیة، کتاب النکاح، الباب الاول، ١/ ٢٦٧، ماجدیة
(٤) الدر المختار، کتاب النکاح، ٣/ ٦، سعید
(٥) الهندیة، کتاب النکاح، الباب الاول، ١/ ٢٦٧، ماجدیة
(٦) البحر الرائق، کتاب النکاح، ٣/ ٨٤، بیروت
(٧) فتح القدیر، کتاب النکاح، ٣/ ١٨٧، الحلبی مصر
(٨) لم اطلع علیه ولکن معناه فی تبیین الحقائق، کتاب النکاح، ٢/ ٩٥، امدادیه

میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس پر نکاح واجب ہے۔ وقد یجب فی نحو خائف عنت تعین علیه(۱) القلیوبی علی شرح منهاج الطالبین فی فقه الا مام الشافعی) ترجمہ :۔ نکاح کبھی واجب بھی ہو جاتا ہے مثلاً اس شخص کے لئے جس کو زنا میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو۔

پس ایسی صحیح الجسم لڑکی جو تیرہ سال کی عمر میں بالغ ہو جائے اور ایسا صحیح القوی لڑکا جو پندرہ یا سولہ سال کی عمر میں بالغ ہو جائے اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور خوف ہو کہ اگر ان کا نکاح نہ کیا گیا تو یہ فواحش میں مبتلا ہو جائیں گے (خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کم ہو) تو ان کا نکاح کر دینا شرعاً واجب یا فرض ہے اور سارد ابل ان کو اس شرعی فرض یا واجب کی ادائیگی سے روکتا ہے۔ اس لئے ان صورتوں میں مذہبی مداخلت کی صور چہارگانہ میں سے پہلی صورت متحقق ہو جائے گی۔

دوسری صورت یعنی کسی اسلامی شعار سے روکنا

نکاح اسلامی شعار ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا۔ اربع من سنن المرسلین الحیاء والتعطر والسواك والنكاح (ترمذی)(۲) ترجمہ :۔ یعنی چار چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنتیں ہیں۔ حیاء عطر لگانا مسواک کرنا۔ نکاح کرنا۔ دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ان سنتنا النكاح شرار كم عزابكم۔(۳) (رواه ابو يعلى فى مسنده كذافى البرهان) ترجمہ :۔ نکاح ہماری سنت ہے۔ تم میں سے برے وہ لوگ ہیں جو مجرد ہیں۔ تیسری حدیث میں فرمایا ہے۔ النكاح من سنتى فمن رغب عن سنتى فليس منى –كذافى فتح البارى والبرهان)(۴) ترجمہ :۔ نکاح میری سنتوں میں سے ہے تو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ میرا نہیں۔

پس کسی مسلمان لڑکے یا لڑکی کو جب کہ وہ بالغ ہو چکے ہوں مگر قانونی عمر سے کم عمر رکھتے ہوں یا ان کے اولیاء کو ایک ایسے امر سے روکنا جو شعار اسلامی ہے مذہبی مداخلت کی صور چہارگانہ میں سے دوسری صورت میں داخل ہے۔

تیسری صورت یعنی جن امور کو مذہب نے مؤکد یا مستحسن قرار دیا ہے ان سے روکنا

قرآن کریم۔ وانكحوا الا يامى منكم (سورة نور) (۵) ترجمہ :۔ بے شوہر والی عورتوں اور بے بیوی والے مردوں کے نکاح کر دو۔ ایامی جمع کا صیغہ ہے اس کا مفرد ایم ہے جو ایسے مرد کے لئے جس کی بیوی نہ ہو اور ایسی عورت کے لئے جس کا خاوند نہ ہو بولا جاتا ہے۔ خواہ یہ بالکل بن بیاہے ہوں یا بیاہے ہوں مگر پھر تنہارہ گئے ہوں مفردات (۶) امام راغب میں ہے۔ الايم هى المرأة التى لا بعل وقيل للرجل الذى لا زوج له۔ یعنی جس عورت کا خاوند نہ ہو اور جس مرد کی بیوی نہ ہو دونوں کو ایم کہا جاتا ہے۔ لسان العرب (۷) ج ۱۲ ص ۳۰۵ میں ہے۔

الا يامى الذين لا ازواج لهم من الرجال والنساء ورجل ايم سواء كان تزوج قبل اولم يتزوج والايم من

---

(۱) لم اطلع عليه
(۲) جامع الترمذى، ابواب النكاح، ۱/۲۰۶، سعيد
(۳) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب النكاح، باب الحث فى النكاح، ۴/۲۵۰، بيروت
(۴) فتح البارى، كتاب النكاح، باب الترغيب فى النكاح، ۹/۹۶، بولاق
(۵) النور: ۳۲
(۶) المفردات للامام راغب، ص: ۳۱، ومعجم مقاييس اللغة، ۱/۱۶۶
(۷) لسان العرب، ۱۲/ ۳۹، بيروت

النساء التی لا زوج لھا بکرا کانت او ثیبا۔ ترجمہ ایامٰی ان مردوں کو جن کی بیویاں نہ ہوں اور ان عورتوں کو جن کے شوہر نہ ہوں کہا جاتا ہے۔ مرد کو خواہ اس نے شادی کی ہو یا نہ کی ہو مگر بغیر بیوی کے رہ جائے ایم کہا جاتا ہے۔ اسی طرح عورت کو خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ مگر بے خاوند کی ہو ایم کہا جاتا ہے۔ اور انکحوا امر کا صیغہ ہے جو یہاں پر کم از کم استحباب مؤکد کے لئے ہے۔ تفسیر خازن میں ہے۔(۱) والا مرا لمذکور فی الا یۃ امر ندب واستحباب لا جماع السلف علیہ ج ۵ ص ۵۹) یعنی صیغہ امر اس آیت میں ندب واستحباب کے لئے ہے کیونکہ سلف کا اس پر اجماع واتفاق ہے۔ فھی (ای صیغۃ الا مرفی قولہ وانکحوا) علی الندب لا علی الا باحۃ(۲) (مقدمات ابن رشد۔ ج ۲ ص ۲۲) یعنی اس آیت میں امر کا صیغہ ندب کے لئے ہے نہ کہ اباحت کے لئے

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا۔ من تزوج فقد استکمل نصف الایمان (جمع الفوائد)(۳) یعنی جس نے نکاح کر لیا اس نے اپنا آدھا ایمان کامل کر لیا۔ اور فرمایا۔ من تزوج ثقۃ باللہ احتسا با کان حقا علی اللہ ان یعینہ وان یبارکلہ ، (طبرانی کذافی جمع الفوائد)(۴) یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے بہ نیت ثواب نکاح کرے گا خدا تعالےٰ ضرور ہی اس کی امداد فرمائے گا اور برکت دے گا۔ یاعلی ثلاث لا تؤخرھا الصلوٰۃ اذاانت والجنازۃ اذا حضرت والا یم اذا وجدت لھا کفؤ (رواہ الترمذی کذافی المشکوٰۃ)(۵) ترجمہ :۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اے علی ! تین چیزیں ایسی ہیں جن میں تاخیر اور دیر نہ کرنا۔ نماز جب اس کا وقت آجائے۔ جنازہ جب تیار ہو جائے۔ اور بے خاوند کی عورت جب اس کے لائق رشتہ میسر ہو جائے۔

ان حدیثوں کے علاوہ وہ حدیثیں بھی ملاحظہ کی جائیں جو دوسری صورت کے بیان میں اوپر لکھی جاچکی ہیں۔

ان تمام احادیث اور ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث سے بھی نکاح کی فضیلت اور اس کا مستحب مؤکد ہونا صراحۃً ثابت ہوتا ہے۔ اور حضرت علیؓ کی روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مناسب رشتہ اور کفو میسر ہونے پر نکاح میں تاخیر اور دیر کرنی ناجائز ہے۔ کیونکہ لڑکیوں کے لئے سب سے زیادہ اہم بات یہی ہے کہ اچھے اور لائق خاوند میسر آجائیں اور یہ ہر وقت میسر نہیں ہوتے اس لئے ایسا رشتہ ملنے کی صورت میں نکاح کر دینے اور تاخیر نہ کرنے کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔

روایات فقہیہ

ویسن حالۃ الا عتدال(البرھان شرح مواھب الرحمن)(۶) ترجمہ :۔ نکاح حالت اعتدال میں بھی یعنی اگرچہ شدت حاجت نہ ہو مسنون ہے۔ ویکون سنۃ مؤ کدۃ فی الا صح فیا ثم بترکہ (در مختار)(۷) یعنی نکاح سنت مؤکدہ ہے۔ پس اس کے ترک سے گنہگار ہوگا فھو انہ فی حالۃ الا عتدال سنۃ مؤ کدۃ (فتاویٰ عالمگیری)

(۱) تفسیر الخازن لعلاء الدین علی بن محمد ، ۷۲/۵

(۲) لم اطلع علیہ

(۳) مجمع الفوائد ومنبع الفوائد ، کتاب النکاح ، باب الحث فی النکاح ، ۲۵۲/۴ ، بیروت

(۴) مجمع الزوائد و منبع الفوائد ، کتاب النکاح ، باب الحث فی النکاح ، ۲۵۸/۲ ، بیروت

(۵) جامع الترمذی ، ابواب الصلوٰۃ ، باب ماجاء فی الوقت الا ول من الفضل ، ۴۳/۱ ، سعید

(۶) لم نرجع

(۷) الدر المختار ، کتاب النکاح ، ۷/۳ ، سعید

(۱) یعنی درمیانی حالت میں نکاح سنت مؤکدہ ہے۔ قال الحنفیۃ ھو عبادۃ (فتح الباری) (۲) یعنی حنفیہ کہتے ہیں کہ نکاح ایک عبادت ہے۔ ولیس لنا عبادۃ شرعت من عھد آدم الی الان ثم تستمر فی الجنۃ الا النکاح والایمان (در مختار) (۳) یعنی ہمارے لئے کوئی عبادت ایسی نہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہو کر اب تک قائم رہی ہو اور پھر جنت میں بھی برقرار ہے مگر نکاح اور ایمان۔

پس قرآن پاک اور احادیث رسول اللہ ﷺ اور فقہ اسلامی سے نکاح کا مسنون اور کم از کم مستحب مؤکد ہونا ثابت ہوتا ہے اور ساردابل کے ذریعہ سے ایک مدت معینہ تک اس کی ممانعت اور بندش ہوتی ہے۔ اس لئے یہ مذہبی مداخلت کی تیسری صورت میں داخل ہے۔

تنبیہ: واضح رہے کہ اگر لڑکا اور لڑکی نابالغ اور ناقابل مباشرت بھی ہوں جب بھی ان کے عقد نکاح کو منع کرنا اور جرم قرار دینا مذہبی مداخلت ہے۔ اور اگر بالغ ہوں مگر ۱۴ اور ۱۸ سال سے کم عمر رکھتے ہوں تو پھر عقد نکاح اور مباشرت دونوں پر بندش عائد کرنا مذہبی مداخلت ہے۔

چوتھی صورت یعنی ایسے امور سے روکنا جو صرف جائز ہیں مگر مذہبی حق سمجھے جاتے ہیں

چھوٹے بچوں اور بچیوں کا نکاح کر دینا اگرچہ لازمی اور ضروری نہیں ہے مگر اسلام نے اسے جائز رکھا ہے اور اس سے منع نہیں کیا۔ اور یہ حق اسلامی حق قرار دیا گیا ہے۔ اس کے ثبوت میں دلائل ذیل ملاحظہ ہوں۔

قرآن کریم۔ واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللائی لم یحضن۔ (سورۃ طلاق) (۴) ترجمہ:۔ تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں کہ حیض سے (بوجہ پیرانہ سالی) ناامید ہو جائیں۔ اگر تمہیں ان کے بارے میں شک و شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اور ان بچیوں کی بھی جنہیں اب تک حیض آنا شروع نہیں ہوا۔

اسلامی قانون نے غیر حاملہ عورتوں کے لئے طلاق کی عدت تین حیض قرار دی ہے۔ مگر جن عورتوں کو پیرانہ سالی کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا ہو یا ایسی منکوحہ لڑکیاں جنہیں ابھی حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا اس آیت میں ان کی عدت بیان کی گئی ہے کہ یہ دونوں قسم کی عورتیں تین مہینے عدت گزاریں۔ اس آیت میں غیر حائضہ نابالغہ لڑکیوں کی عدت کا حکم بیان کرنا اس کی دلیل ہے کہ نابالغہ لڑکیوں کا عقد نکاح جائز ہے۔ (۵) ورنہ طلاق اور اس کی عدت کا حکم بیان کرنے کے کچھ معنی نہیں ہو سکتے۔

یہاں پر کہا جاتا ہے کہ اسلام سے پہلے ایسے نکاح ہوتے تھے اور ان کی وجہ سے کم عمر منکوحہ بچیوں کو طلاق دینے کے واقعات پیش آتے تھے اس لئے ان کی عدت بیان کر دی گئی ہے۔ پس اس آیت سے ایسے نکاح کر دینے کا جواز نہیں نکلتا۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق کی عدت بتانا اور نکاح جس پر طلاق مرتب ہوتی ہے اس کے حکم سے

(۱) الھندیۃ، کتاب النکاح، الباب الاول، ۱/۲۶۷، ماجدیۃ
(۲) فتح الباری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ۹/۸۹، بولاق
(۳) الدر المختار، کتاب النکاح، ۳/۳، سعید (۴) الطلاق: ٤
(۵) وفی البخاری: باب النکاح الرجل ولدہ الصغار، لقولہ تعالی "واللائی لم یحضن" فجعل عدتھا ثلثۃ اشھر قبل البلوغ صحیح البخاری، کتاب النکاح، ۲/۷۷۱، قدیمی وفی فتح الباری: فدل علی ان نکاحھا قبل البلوغ جائز وھو استنباط حسن فتح الباری، کتاب النکاح۔

سکوت فرمانا نکاح کے جواز کی صریح دلیل ہے۔ اگر ان بچیوں کا نکاح ناجائز ہوتا تو ضرور اس کی تصریح بھی یہیں کر دی جاتی۔ جب اس کے عدم جواز کی تصریح نہیں کی گئی اور ان کی طلاق کی عدت بتائی گئی تو نکاح کے جواز میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔(۱)وان خفتم الا تقسطوا في اليتامىٰ فانكحوا ما طاب لكم من النساء(سورة نساء)(۲)

ترجمہ :۔ اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیم بچیوں کے بارے میں تم انصاف نہ کر سکو گے تو انہیں چھوڑ کر اور عورتیں جو تمہیں اچھی معلوم ہوں ان سے نکاح کرو۔

اس آیت کا مطلب جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا ہے یہ ہے کہ جن لوگوں کی تربیت میں یتیم بچیاں ہوتی تھیں اور وہ صاحب مال یا صاحب جمال ہوتی تھیں تو یہ ولی ان کی ساتھ نکاح کر لیتے تھے اور تھوڑا سا مہر مقرر کر دیتے تھے اور اگر وہ صاحب مال یا صاحب جمال نہ ہوتیں تو پھر خود نکاح نہیں کرتے تھے اور دوسرے رشتے تلاش کرتے تھے۔ تو حق تعالیٰ نے ان کو اس ناانصافی سے منع کیا ہے۔ فرمایا کہ اگر تم ان بچیوں سے انصاف کا معاملہ نہ کرو اور پورا مہر نہ باندھو تو ان کے ساتھ نکاح مت کرو یعنی اگر ان کے ساتھ انصاف کرو اور پورا مہر باندھو تو نکاح جائز ہے۔(۳)ممانعت صرف ناانصافی کی صورت میں ہے۔ یہ ایسے اولیاء کے لئے حکم تھا جن کے لئے زیر تربیت یتیمہ بچیوں کے ساتھ نکاح کر لینا جائز ہوتا ہے۔ جیسے چچازاد بھائی وغیرہ پس اس آیت سے بھی یتیمہ بچیوں کے ساتھ (صغر سنی میں) نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے۔(۴)صرف ناانصافی کی صورت میں نکاح کرنے کی ممانعت ہے۔ کیونکہ یہ حکم ممانعت اولیاء کو اسی حالت میں دیا جا سکتا ہے جب کہ یتیمہ ابھی خود مختار نہ ہوئی ہو اور ولی اپنے اختیار سے ناانصافی کے ساتھ عقد کرلے۔ اور یتیم اور یتیمہ کا اطلاق انہیں بچوں پر آتا ہے جن کے باپ کا انتقال ہو گیا ہو اور وہ ابھی نابالغ ہوں۔

مفردات راغب میں ہے۔(۵)اليتيم انقطاع الصبي عن ابيه قبل بلوغه(ص ۵۷۲) یعنی بچے کا نابالغی کی حالت میں بن باپ کے رہ جانا یتیمی ہے تاج(۶)العروس شرح قاموس میں ہے۔ وهو يتيم مالم يبلغ الحلم فاذا بلغ زال عنه اسم اليتيم(ج ۹ ص ۱۱۳) یعنی بچہ اس وقت تک یتیم کہلاتا ہے جب تک بالغ نہ ہو اور جب بالغ ہو جائے تو یتیم کا اطلاق اس پر سے اٹھ جاتا ہے۔ ایک حدیث میں بھی اس کی تصریح ہے۔ لا يتم بعد الحلم (كذافي فتح القدير)(۷) یعنی بلوغ کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔

---

(۱)لقوله تعالى واللائي لم يحضن ، فأثبت العدة للصغيرة وهو فرع تصور نكاحها شرعاً (فتح القدير ، كتاب النكاح ، باب في الاولياء والاكفاء، ۳/۲۷٤، الحلبي مصر)

(۲)النساء : ۳

(۳)عن عروة بن الزبير انه سأل عائشة عن قول الله تعالى "وان خفتم الا تقسطوا في اليتمى" فقالت : يا ابن اختي هذه اليتيمة تكون في حجرو ليها تشركه في ماله . ويعجبه مالها وجمالها فيريد وليها ان يتزوجها بغير ان يقسط في صدا قها ، فيعطيها مثل مايعطيها غيره فنهوا ان ينكحو هن الا ان يقسطوا لهن ويبلغوالهن على سنتهن في الصداق، فامروا ان ينكحوا ما طاب لهم من النساء (صحيح البخاري ، كتاب التفسير ، باب ان خفتم الا تقسطو ، ۲/٦٥٨، قديمي)

(٤)وفي فتح القدير . لنا قوله تعالى "وان خفتم الا تقسطوا في اليتامى" ...... منع من نكا حهن عند خوف عدم العدل فيهن ، وهذا فرع جواز نكاحهن عند عدم الخوف (فتح القدير ، كتاب النكاح باب الاولياء والاكفاء، ۳/ ۲۷۵ ،الحلبي مصر) التفسير ، باب ان خفتم الا تقسطوا ، ۲/٦٥٨، قديمي)

(٥)المفردات لامام الراغب ، ص ۵۷۲

(٦)تاج العروس ، فصل الياء من باب الميم ، ۱۱۳/۹،

(۷)فتح القدير ، كتاب النكاح ، باب الاولياء ، ۳/ ۲۷۵ ، الحلبي مصر

پس جس طرح آیت کے پہلے حصہ سے نابالغہ لڑکیوں کے نکاح کا جواز ثابت ہے اسی طرح دوسرے حصے فانکحوا ماطاب لکم من النساء (۱) سے بھی جواز ثابت ہوتا ہے کہ اس میں بالغہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زیر تربیت یتیم بچیوں کو چھوڑ کر دوسری جن عورتوں سے چاہو نکاح کرو خواہ وہ بالغہ ہوں یا نابالغہ۔ یہاں پر یہ کہا جاتا ہے کہ نساء کا لفظ بالغہ عورتوں پر ہی بولا جاتا ہے۔ مگر یہ ایسے ہی شخص کا قول ہو سکتا ہے جسے نہ قرآن مجید کے احکام کی خبر ہے نہ الفاظ کی۔ نہ وہ عربی زبان سے واقف ہے نہ عربی لغت سے، قرآن مجید میں آیت میراث میں وان کن نساء (۲) یعنی اگر میت کی اولاد میں دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو ان کا حصہ باپ کے ترکہ میں ۳/۲ ہے۔ یہاں نساء کا لفظ ہے۔ اور ایک دن کی بچی بھی اس حکم میں داخل ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ نابالغہ لڑکیوں کے لئے باپ ماں کے ترکہ میں حصہ نہیں ہے اس لئے کہ وہ لفظ نساء میں داخل نہیں ہیں۔ اسی طرح بہت سی آیتوں میں لفظ نساء میں بچیاں اور بچی پوری عورتیں شامل رکھی گئی ہیں۔

وانکحوا الا یامیٰ منکم۔ (سورۂ نور) (۳) اس آیت میں بھی بالغہ اور نابالغہ سب داخل ہیں کیونکہ ایم بن عورت کے مرد اور بن شوہر کی عورت کو کہتے ہیں خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ۔ اور جب کہ تیرہ سال کی لڑکی بالغہ ہو جائے یا پندرہ سولہ سال کا لڑکا بالغ ہو جائے تو اس امر استحباب کا اس کے متعلق ہو جانا ظاہر ہے۔ اور بلوغ سے پہلے بھی جب کہ اچھا رشتہ میسر ہو تا ہو تو صرف عقد نکاح کر دینا بھی اسی کے ماتحت داخل ہے۔

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس میں قولی اور فعلی دونوں قسم کی روایتیں موجود ہیں۔

الا نکاح الی العصبات (رواہ سبط ابن جوزی کذافی فتح القدیر) (۴) ترجمہ :۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ بچوں کے نکاح کر دینے کا اختیار عصبات کو ہے۔ وعن عائشة قالت تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست سنین وبنی بی وانا بنت تسع سنین (رواہ البخاری) (۵) ترجمہ :۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے میرے ساتھ نکاح اس وقت کیا جب میں چھ سال کی تھی اور زفاف اس وقت کیا جب میں جب میں نو سال کی تھی (اور شوہر کے قابل ہو گئی تھیں) وزوج صلی اللہ علیہ وسلم بنت عمه حمزة رضی اللہ عنہ من عمر بن ابی سلمة وھی صغیرة (کذافی فتح القدیر) (۶) ترجمہ :۔ اور حضور ﷺ نے اپنی چچازاد بہن (امامہ) بنت حمزہؓ کا نکاح عمر بن ابی سلمہ کے ساتھ ایسے وقت میں کر دیا کہ وہ صغیرہ تھیں۔

آثار صحابہ کرام۔ تزوج قدامة بن مظعون بنت الزبیر یوم ولدت (فتح القدیر) (۷) یعنی قدامہ بن مظعون صحابی نے حضرت زبیرؓ کی لڑکی سے اس کے یوم ولادت ہی میں نکاح کر لیا ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ امھا فاطمة الزھراء رضی اللہ تعالیٰ عنھا خطبھا عمر بن الخطاب الی علی

(۱) النساء : ۳
(۲) النساء: ۱۱
(۳) النور : ۳۲
(۴) فتح القدیر ، کتاب النکاح ، باب الاولیاء الا کفاء ۳/ ۲۷۷، بحلبی مصر
(۵) صحیح البخاری ، کتاب النکاح ، باب بنی با مراة وھی تسع سنین ، ۷۷۵/۲ ، قدیمی
(۶) فتح القدیر ، کتاب النکاح ، باب الا ولیاء والا کفاء ، ۲۷۶/۳ ،بحلبی مصر
(۷) فتح القدیر ، کتاب النکاح ، باب الا ولیاء والا کفاء ، ۳/ ۲۷۴ ، بحلبی مصر

فقال انها صغیرۃ (الی قولہ) فان رضیتها فقد زوجتکها (انتھی مختصراً مافی الا ستیعاب لا بن عبد البر) (۱) یعنی حضرت عمرؓ نے ام کلثومؓ کے لئے جو حضرت علی کی حضرت فاطمہؓ سے صاحب زادی تھیں اپنے نکاح کا پیغام دیا تو حضرت علی نے عذر کیا کہ وہ ابھی بچی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں خاندان نبوت کے ساتھ نسبت پیدا کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اچھا میں اس کے ہاتھ آپ کی خدمت میں ایک چادر بھیجتا ہوں وہ آپ کے سامنے آئے گی۔ اگر آپ اس سے نکاح کرنا پسند کریں تو میں نے آپ کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔ (اسی طرح الا صابہ فی تمیز الصحابہ (۲) میں ابن حجر عسقلانی نے بھی ذکر کیا ہے)

روایات فقہیہ۔ ویجوز نکاح الصغیر والصغیرۃ اذا زوجهما الولی بکر اکانت الصغیرۃ اوثیبا (ھدایہ) (۳) یعنی صغیر اور صغیرہ کا نکاح جائز ہے جب کہ ولی ان کا نکاح کرے۔ صغیرہ خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ لقولہ تعالی واللائی لم یحضن فاثبت العدۃ للصغیرۃ وھو فرع تصور نکاحها شرعاً وتزویج ابی بکر عائشۃ رضی اللہ تعالی عنها وھی بنت ست نص قریب من المتواتر وتزوج قدامۃ بن مظعون بنت الزبیر مع علم الصحابۃ رضی اللہ عنهم نص فی فهم الصحابۃ عدم الخصوصیۃ فی نکاح عائشۃ (فتح القدیر) (۴) یعنی صغیر اور صغیرہ کے نکاح کے جواز کی دلیل یہ آیت ہے۔ واللائی لم یحضن۔ (۵) کہ اس میں صغیرہ مطلقہ کی عدت بیان کی گئی ہے۔ اور عدت جب ہی ثابت ہو سکتی ہے کہ اس کے نکاح کو شریعت نے معتبر رکھا ہے اور حضرت ابو بکرؓ کی جانب سے حضرت عائشہؓ کی کم عمری (چھ سال کی عمر) میں ان کا نکاح کر دیا جانا ایسی نص ہے جو متواتر کے قریب ہے اور قدامہ بن مظعون صحابی کا حضرت زبیرؓ کی نوزائیدہ بچی سے صحابہ کرامؓ کے علم واطلاع میں نکاح کر لینا اور کسی کا انکار نہ کرنا اس بات کی نص ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت عائشہؓ کی کم عمری کے نکاح کو آنحضرت ﷺ کی خصوصیت نہیں سمجھا۔ ولنا قولہ تعالی وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ماطاب لکم من النساء (الا یۃ) منع من نکا حھن عند خوف عدم العدل فیهن وھذا فرع جواز نکاحهن عند عدم الخوف (فتح القدیر) (۶) یعنی صغیرہ کے نکاح کے جواز میں ہماری دلیل یہ آیت ہے۔ فانکحوا کہ اس میں ناانصافی کے خوف کی حالت میں یتیمہ بچیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ جب ناانصافی کا خوف نہ ہو تو یتیمہ بچیوں کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ (اور یتیمہ وہی بچی ہے جو نابالغ ہو) اجمع المسلمون علی تزو یجه بنته البکر الصغیرۃ (نووی شرح مسلم) (۷) یعنی مسلمانوں کا اجماع واتفاق ہے کہ باپ اپنی چھوٹی بچی باکرہ کا نکاح کر سکتا ہے۔ لولی الصغیر و الصغیرۃ ان ینکحهما (برجندی کذافی الفتاوی العالمگیریہ) (۸) یعنی صغیر اور صغیرہ کے ولی کو یہ حق ہے کہ ان کا نکاح کر دے۔ سواء کانت بکرا اوثیباً (۹) (کذافی العینی شرح الکنز) خواہ لڑکی باکرہ ہو یا

---

(۱) الا ستیعاب لا بن عبدالبر علی ھامش الا صابہ فی تمیز الصحابۃ، ۴: ۴۹۰، دارلفکر بیروت
(۲) الا صابۃ فی تمیز الصحابۃ، کتاب النکاح، ۴: ۴۹۲، دارالفکر بیروت
(۳) الهدایۃ، کتاب النکاح، باب فی الا ولیاء ولا کفاء، ۲: ۳۱۶، شرکۃ علمیۃ
(۴) فتح القدیر، کتاب النکاح، باب فی الا ولیاء والا کفاء، ۳: ۲۷۴، بحلبی مصر (۵) النساء: ۳
(۶) فتح القدیر، کتاب النکاح، باب فی الا ولیاء، والا کفاء، ۳: ۲۷۵، بحلبی مصر
(۷) شرح النووی لمسلم، کتاب النکاح، باب جواز تزویج الا ب البکر الصغیر، ۱: ۴۵۶، قدیمی
(۸) الهندیۃ، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الا ولیاء، ۱: ۲۷۵، ماجدیۃ
(۹) ایضا

ثیبہ۔ اسی طرح تمام کتب فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ ان سب کی عبارتیں نقل کر کے میں اس مکتوب کو طویل کرنا نہیں چاہتا۔

پس قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ ﷺ اور فقہ اسلامی نے اولیاء کو یہ حق دیا ہے اور یہ حق ان کا شرعی اسلامی حق ہے اس کو سلب کرنا ایسی ہی مداخلت ہے جس طرح کہ ایک سے زیادہ بیویوں سے نکاح کرنے کے شرعی حق کو یا گائے کی قربانی کرنے کے شرعی حق کو یا بر لب شوارع مسجد تعمیر کرنے کے شرعی حق کو قانون کے ذریعے سے جرم قرار دینا مذہبی مداخلت ہے۔

میں یہاں پر یہ بھی واضح کردوں کہ تمام مسلمانوں کا مذہبی اعتقاد یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کا قانون ایسا کامل اور مکمل قانون ہے کہ اس میں قیامت تک کسی ترمیم تبدیل، اضافہ یا کمی کی گنجائش نہیں ہے۔(۱) غیر مسلم تو کجا کسی مسلمان کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ اسلامی قانون کے مقابلے میں کوئی دوسرا قانون وضع کرے یا اس کی تائید و حمایت کرے۔ پس اس اعتقاد و یقین کے ہوتے ہوئے وہ ایک آن کے لئے بھی اس کو برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی ایسی جماعت جس میں مسلم و غیر مسلم شریک ہوں اور غیر مسلموں کی اکثریت ہو مسلمانوں کے لئے قانون وضع کر کے ان کے اسلامی حقوق میں دست اندازی کرے۔

مذہبی مداخلت کے مفہوم کی دوسری جہت

مذہبی مداخلت کے مفہوم کی دوسری جہت یہ ہے کہ مسلمانوں کو قانون کے ذریعے سے کسی ایسے امر کے لئے مجبور کیا جائے جو ان کے مذہب میں ناجائز ہے۔ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ بعض حالات میں اٹھارہ سال سے کم عمر کے لڑکے اور چودہ سال سے کم عمر لڑکی کا نکاح کرنا شرعاً واجب اور فرض ہو جاتا ہے اور ترک نکاح ناجائز اور حرام ہو جاتا ہے۔(۲) اور یہ قانون ان کو تکمیل عمر قانونی سے پہلے ترک نکاح پر مجبور کرے گا جو مذہباً ناجائز اور حرام ہوگا۔ اور اس دوسری جہت سے بھی یہ ممانعت مذہبی مداخلت ہوگی۔

مسلمان قوم کی ناراضامندی کے باوجود اس کا اطلاق مسلمانوں پر کیا گیا ہے

اس کے ثبوت کے لئے مجھے تطویل کی حاجت نہیں۔ ہز ایکسلنسی سے یہ امر پوشیدہ نہ ہوگا کہ :-

(۱) مسلم ممبران اسمبلی کی اکثریت نے ستمبر سن ۱۹۲۸ء میں ایک یادداشت جس پر بائیس مسلم ارکان کے دستخط تھے ہوم ممبر کی خدمت میں پیش کردی تھی اور بل سے اپنا اختلاف اس بناء پر ظاہر کیا تھا کہ اس بل سے شریعت اسلامیہ میں مداخلت ہوتی ہے۔ (۲) منتخبہ کمیٹی کے دو مسلمان ممبروں مسٹر محمد یعقوب و مسٹر محمد رفیق صاحبان نے اپنے اختلافی نوٹ میں یہ ظاہر کیا تھا کہ اس بل سے مسلمانوں کے پرسنل لا پر اثر پڑتا ہے اس لئے یہ بل کے اصول کے خلاف ہے۔ (۳) مسٹر غزنوی نے اسی مرحلے پر علمائے اسلام کا ایک فتویٰ بھی ہوم ممبر کو دیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بل مذہب اسلام کے اصول و احکام پر اثر ڈالتا ہے اس لئے شرعاً قابل قبول نہیں (۴) فروری سن ۱۹۲۹ء میں بھی اس

---

(۱) قال تعالیٰ : الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (المائدة : ۳) وقال تعالیٰ مقاماً آخر : قل مایکون لی ان ابدله من تلقائی نفسی ان اتبع الا ما یوحی الی (سورة یونس : ۱۵)

(۲) ویکون واجبا عند التوقان ، فان تیقن الزنا الا به فرض (الدر المختار) وفی الرد (فان تیقن الزنا الا به فرض) ای بان کان لا یمکنه الاحتراز عن الزنا الا به لا مالا یتوصل الی ترک الحرام الا به یکون فرضا ۰ (رد المحتار، کتاب النکاح، ۳/۶، سعید)

بل کے پیش ہونے کے وقت مسلمانوں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ بل اسلامی اصول کے مخالف ہے۔(۵) ستمبر سن ۲۹ء میں بھی بائیس مسلمان حاضر ارکان میں سے سولہ مسلمان ممبروں نے بل کو مخالف اصول اسلامی بتاتے ہوئے اس سے اپنی بیزاری کا تحریری بیان ہوم ممبر کو دیا۔(۶) مولانا محمد شفیع داؤدی نے ترمیم پیش کی کہ مسلمانوں کو اس سے مستثنی کر دیا جائے تو مسلمان منتخب شدہ ارکان میں سے بارہ نے ترمیم کے موافق اور صرف پانچ نے مخالف رائے دی۔ مسلمان منتخب شدہ انتیس ارکان میں سے صرف سات نے بل کی موافقت میں رائے دی ہے۔(۷) کونسل آف اسٹیٹ کے تمام مسلمان ممبروں نے (باستثنائے گورنمنٹ کے مسلم ارکان کے) بل کے خلاف تحریری بیان دیا۔(۸) ۳۰ مارچ سن ۱۹۲۸ء کو روزانہ "ہمدرد" میں مولانا محمد علی کا ایک بسیط مضمون بل کے خلاف شائع ہوا۔(۹) ۱۰ اپریل سن ۱۹۲۸ء کے اخبار الجمعیۃ میں اس کے خلاف مضمون لکھا گیا اور اس کو مذہبی مداخلت بتایا گیا۔(۱۰) میں نے اپریل سن ۲۸ء میں ۲۲ سے پہلے تمام ارکان اسمبلی کو تار دیا کہ اس قسم کے قوانین مذہب اسلام میں ناجائز مداخلت ہیں۔ یہ تار ۲۲ اپریل سن ۲۸ء کے الجمعیۃ میں شائع ہو چکا ہے۔(۱۱) ۲۶ اپریل سن ۲۸ء کے الجمعیۃ میں شائع ہوئی۔ اس میں پوری وضاحت اور دلائل کے ساتھ بتایا گیا کہ اس قسم کے بل اسلامی پرسنل لا پر اثر انداز ہیں اس لئے قابل قبول نہیں (۱۲) ۶ مئی سن ۲۸ء الجمعیۃ میں نہایت مبسوط مدلل لیڈر لکھا گیا جس کی دوسری قسط ۱۰ مئی سن ۲۸ء کے الجمعیۃ میں شائع ہوئی۔(۱۳) ۱۸ مئی سن ۲۸ء ۲۲ مئی سن ۲۸ء کے الجمعیۃ میں بھی اس کے خلاف مضامین چھپے۔(۱۴) ۱۶ اپریل سن ۲۸ء کے الانصار دیوبند نے اس کے خلاف مضمون لکھا اور اس کو اسلامی پرسنل لا کے خلاف بتایا۔(۱۵) ۱۱ اگست سن ۲۹ء کو جمعیۃ علمائے ہند کے مجلس مرکزیہ کے اجلاس مراد آباد نے اس کے خلاف تجویز پاس کی اور وائسرائے اور پریسیڈنٹ اسمبلی اور اراکین اسمبلی کو بھیجی گئی۔(۱۶) ۱۲،۱۳ اگست سن ۲۹ء کے الجمعیۃ میں ایک میرا طویل مضمون دو قسطوں میں شائع ہوا جس میں اس قانون کی مخالفت کی گئی۔(۱۷) اس کے بعد الجمعیۃ میں متواتر یکم ستمبر سن ۲۹ء ۵ ستمبر ۹ ستمبر ۱۳ ستمبر ۲۰ ستمبر ۲۴ ستمبر ۲۸ ستمبر کو اس کے خلاف مضامین لکھے گئے۔ تار دیئے گئے اور صراحۃ بتایا گیا کہ یہ بل اسلامی پرسنل لا کے خلاف ہے اس لئے مسلمان اسے ہرگز قبول نہ کریں گے۔(۱۸) پھر اکتوبر سن ۲۹ء میں یکم اکتوبر ۵ اکتوبر ۹ اکتوبر ۱۳ اکتوبر ۱۶ اکتوبر ۲۰ اکتوبر ۲۴ اکتوبر ۲۸ اکتوبر کے الجمعیۃ کی اشاعتوں میں برابر اس سے اختلاف اور بیزاری کا اظہار کیا گیا۔ یہ اگرچہ بل کی منظوری کے بعد کے مضامین ہیں مگر میں نے اس لئے ذکر کر دیئے ہیں کہ جناب والا کو مسلمانوں کی عام بیزاری کا بخوبی علم ہو جائے۔(۱۹) ماہ ستمبر کے وسط سے تمام مسلم پریس اس کی مخالفت اور اظہار بیزاری میں ہم آہنگ ہے۔ جن اخباروں کے مضامین میں نے خود دیکھے ہیں ان کے نام یہ ہیں :۔(۱) ہمدرد دہلی (۲) الجمعیۃ دہلی۔(۳) ملت دہلی۔(۴) انقلاب لاہور۔(۵) زمیندار لاہور۔(۶) سیاست لاہور۔(۷) سچ لکھنؤ۔ (۸) صراط شیعہ اخبار لکھنؤ۔(۹) ہمت لکھنؤ۔(۱۰) الامان دہلی۔(۱۱) مہاجر دیوبند۔(۱۲) الانصار دیوبند۔(۱۳) عصر جدید کلکتہ۔(۱۴) خلافت بمبئی۔(۱۵) حقیقت لکھنؤ۔(۱۶) امارت پٹنہ۔(۱۷) ترجمان سرحد۔(۱۸) شہاب راولپنڈی۔(۱۹) اتحاد پٹنہ۔(۲۰) الخلیل میرٹھ۔(۲۰) بالعموم رہنمایان مذہب اور مقتدایان قوم نے اس سے بیزاری کا اعلان کیا۔ مثلاً مولانا محمد علی صاحب۔ مولانا ظفر علی خان صاحب۔ عرفان سر محمد اقبال صاحب۔ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت صوبہ بہار۔ مولانا محمد عرفان صاحب سکریٹری خلافت کمیٹی۔ میر غلام بھیک صاحب

نیرنگ سکریٹری انجمن تبلیغ الاسلام انبالہ۔ مولانا ابو البرکات عبدالرؤف صاحب داناپوری۔ شمس العلماء سید نجم الحسن صاحب مجتہد۔ مولانا سید ناصر حسین صاحب مجتہد۔ شمس العلماء، مولانا سبط حسن صاحب۔ مولانا قطب الدین عبدالوالی صاحب فرنگی محلی۔ مولانا عبید اللہ صاحب پچھرایونی۔ مولانا عمر دراز بیگ صاحب ناظم جمعیۃ علماء صوبہ متحدہ۔ مولانا سید ولایت حسین صاحب الہ آبادی وغیرہم۔ (۲۱) مذہبی اداروں اور مذہبی حلقوں نے بھی اس کو مذہب کے خلاف قرار دیا۔ اور اس سے بیزاری کا اعلان کیا۔ مثلاً جمعیۃ علمائے ہند۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ دارالعلوم دیوبند۔ مظاہر العلوم سہارنپور۔ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ۔ اہل حدیث کانفرنس وغیرہ۔ (۲۲) ہندوستان کے بہت سے شہروں اور قصبوں میں جلسے ہوئے جن میں ہزارہا مسلمانوں نے مجمع عام میں بالاتفاق اس بل کے مسلمانوں پر اطلاق سے ناراضی ظاہر کی اور اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان مقامات اور جلسوں کی روداد اور طویل بے اخبارات میں یہ اطلاعات پیہم شائع ہوتی رہتی ہیں۔ (۲۳) ابھی حال میں ۲۷ اکتوبر کو دہلی میں ہندوستان کی متعدد مجالس اسلامیہ اور جمعیۃ ہائے قومیہ کے نمائندوں کا ایک جلسہ ہوا ہے اس میں بالاتفاق اس بل سے ناراضی اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے اور اس سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کرانے کے لئے انتہائی قربانی تک کا تہیہ کر لیا گیا ہے۔ یہ تجویز جناب والا کی خدمت میں بھیجی جا چکی ہے۔

ان تمام حقائق وواقعات کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس بل کا اطلاق مسلمان قوم کی ناراضی اور اظہار بیزاری اور عدم قبول کے اعلان کے باوجود مسلمانوں پر کیا گیا ہے جو اصول انصاف کے خلاف ہے۔

مسلمانوں کے حق میں اس کی حیثیت آئینی نہیں بلکہ جبری ہے

فروری سن ۲۷ء میں اس بل کو رائے صاحب مسٹر ہربلاس سارڈا نے ایسے مسودے کی صورت میں پیش کیا تھا جو ہندو قوم کے ساتھ مخصوص تھا۔ اس کے بعد جب مجالس(۱) منتخبہ نے اس کو عام کر دیا اور دوبارہ یہ اسمبلی میں فروری سن ۲۹ء میں پیش ہوا تو اس پر یہ بجا اعتراض کیا گیا کہ چونکہ یہ بل مسلمانوں کے پرسنل لا پر اثر انداز ہے اس لئے بغیر وائسرائے کی منظوری جدید کے زیر غور نہیں آسکتا۔ اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ ۶۷ ضمن (۱) کا حوالہ دیا گیا۔ لیکن باوجود اس کے اس پر غور کیا گیا حتی کہ پاس کر دیا گیا وہ کارروائی دفعہ ۲۱، ضمن (۱) کی صریح خلاف ورزی ہے اور جب کہ اصولی طور پر یہ اسمبلی میں وائسرائے کی منظوری کے بغیر پیش نہیں ہو سکتا تھا تو اس کے بعد کی تمام کارروائی مسلمانوں کے حق میں آئینی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر یہ ان پر نافذ کیا گیا تو یہ نفاذ آئینی نہیں بلکہ جبریہ ہوگا۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ ستمبر سن ۲۸ء میں بائیس مسلمان ممبروں نے اس کو اپنے تحریری بیان میں اسلامی پرسنل لا کے خلاف قرار دیا تھا اور مسٹر غزنوی نے ۲۲ علماء کا متفقہ فتویٰ بھی اس مفاد کے لئے پیش کر دیا تھا تو اس کے بعد فروری سن ۲۹ء کی یہ کارروائی کہ اس کو بغیر جدید منظوری گورنر جنرل کے اسمبلی میں پیش کر دیا گیا کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے؟ اگر اسمبلی کی غیر مسلم اکثریت اس کا فیصلہ کرنے کی بھی مجاز مانی جائے کہ کوئی بل اسلامی پرسنل لا کے خلاف ہے یا نہیں تو مسلمانوں کے لئے اس کے سوا چارہ نہ ہوگا کہ وہ ہندوستان میں اپنے مذہب کے

(۱) مجالس منتخبہ۔

غیر محفوظ ہو جانے کا یقین کر لیں اور اس قسم کے یقین تو کیا سر سری خیال کے نتائج بھی جناب والا سے مخفی نہ ہوں گے۔

اس قانون کے پاس ہو جانے سے پرسنل لا میں مداخلت کا دروازہ کھل گیا ہے

میں جناب والا کی توجہ اس گہرے اور عمیق رخنے کی طرف مبذول کرانا اپنا فرض سمجھتا ہوں جو اس قانون کے پاس ہو جانے سے مذہبی آزادی اور ہر مذہب کے پرسنل لا کی حفاظت کی مضبوط دیوار میں پڑ گیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مسلمان اپنے مذہب اور مذہبی احکام کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور انہیں اس کا بھی یقین ہے کہ اسلام ایک کامل اور مکمل مذہب ہے۔(۱) اس کا قانون، الٰہی قانون ہے جس میں کسی قسم کی اصلاح و ترمیم کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے ان کے واسطے اس قانون کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اسلام کے قوانین اور احکام نے ان کو ایسے امور کی بابت قانون ساز مجالس کا مرہون منت ہونے سے ہمیشہ کے لئے بے نیاز کر دیا ہے۔ اگر آج اس رخنہ کو بند نہیں کیا گیا تو پھر جس نظریہ کو پیش نظر رکھ کر یہ قانون بنایا گیا ہے اور حفظان صحت اور خیر خواہی بنی نوع انسان کا جو شریف جذبہ اس کا محرک بتایا جاتا ہے اسی نظریہ اور اسی جذبہ کی بنا پر ایسے ایسے بل پیش ہو سکتے ہیں جن کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ مثلاً کہا جائے گا کہ ایک مرد کے لئے ایک سے زائد زوجہ کا ہونا صنف نازک پر ظلم ہے اس لئے اس کو قانوناً جرم قرار دیا جائے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ اسلام میں تعدد ازدواج جائز ہے اور نص قرآن مجید سے ثابت ہے۔(۲) اسی طرح مستورات کے لئے بے حجابی کی بابت کسی بل کا پیش ہونا کوئی مستبعد نہیں ہے۔ کہا جائے گا کہ برقعہ پوشی سے مستورات کی صحت خراب ہوتی ہے۔ اس لئے مستورات کو پردہ اور حجاب میں رکھنا جرم قرار دیا جائے اور اس کے لئے بھی سزائیں تجویز کی جائیں۔ اور کسی ایسے بل کا آنا بھی ممکن ہے کہ شہر کی عام گذرگاہوں پر کسی قوم کو معابد بنانے کی اجازت نہ دی جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ختنہ کو بچوں پر ظلم قرار دے کر جرم قرار دیا جائے۔ روشن خیال اور شریعت اسلامیہ سے ناواقف اشخاص اس قسم کے بلوں کی تائید کریں گے۔ جیسے کہ زیر بحث قانون کی حمایت میں اسی قسم کے چند مسلمان کر رہے ہیں۔ اور اس کے بعد جو فتنہ برپا ہوگا اس کا تصور بھی اس وقت ناممکن ہے۔

اور یہ کہ نکاح کو آج تک قانونی طور پر بھی مسلمانوں کے پرسنل لا میں داخل رکھا گیا تھا تو اگر آج اس قانون کے اسمبلی میں آنے اور پاس ہو جانے کی موجودہ صورت کو قبول کر لیں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے تمام اسلامی قانون یعنی پرسنل لا کو اسمبلی کی غیر مسلم اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ ہندوستان کی اسمبلی میں مسلمانوں کی اکثریت بظاہر حالات ناممکن ہے۔ اور اس امر کے تصور سے کسی ایک سچے مسلمان کا دل کانپ جاتا ہے۔

میں جناب سے درخواست کروں گا کہ اس معاملہ کو صرف اس نظر سے نہ دیکھیں کہ یہ قانون بچوں کی شادی کے انسداد کے لئے بنایا گیا ہے۔ بلکہ اس کے عواقب و نتائج پر پورا غور فرما کر اس قانون کے ساتھ اس خطرناک نظریہ کا بھی آئندہ کے لئے سدباب کر دیں کہ "مسلمانوں کے پرسنل لا کے متعلق کوئی قانون بھی اسمبلی میں بغیر مسلمان قوم کی

---

(۱) اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا (المائدة: ۳)
(۲) فانكحوا ماطاب لكم من النساء مثنى وثلث ورباع (النساء ۳)

متفقہ منظوری کے پیش کیا جا سکتا ہے۔"

اس بل کے لئے فقہ شیعہ کی جانب سے کوئی قابل اعتنا شہادت ہی نہیں لی گئی اور سنی فریقے کی شہادت بھی نہایت کم اور نا قابل اعتنا ہے۔ کیونکہ مذہبی اداروں اور اسلامی آزاد حلقوں کی شہادت بہت کم ہے۔ مصر اور بعض دیگر اسلامی حکومتوں کی نظیر پیش کرنی اس لئے فضول ہے کہ اسلامی حکومت اور غیر مسلم اکثریت کے احکام میں تباین ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

اس وقت اس طویل مکتوب کے ملاحظہ کرنے کی جناب کو تکلیف دینے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ ساردا بل نے آخری مرحلہ آپ کی غیبت میں طے کیا۔ اور اس وقت اس بل کے خلاف جس قدر آئینی اور قانونی کارروائیاں ہو سکتی ہیں۔ سب اختیار کی گئیں اور بار بار مختلف طریقوں سے توجہ دلائی گئی مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اب جب کہ آپ تشریف لے آئے ہیں تو میرا فرض ہے کہ میں جناب کے علم کے لئے تمام واقعات کو پیش کردوں۔ اسی کے ساتھ وہ تمام دلائل و براہین بھی اختصار کے ساتھ درج کردوں جن کی بنا پر مسلمان اس بل کی مخالفت کرتے ہیں اور بحق اہل اسلام اسے منسوخ کرانا چاہتے ہیں۔ تاکہ جناب والا ان تمام امور پر غور کر سکیں اور ملاحظہ فرما سکیں کہ مسلمانوں کی اس قانون سے مخالفت کس قدر مضبوط اور مستحکم اصول و دلائل پر مبنی ہے۔ اور یہ کہ جمعیۃ علمائے ہند اور مجلس مشاورت نے جو ایک آخری فیصلہ اس قانون کے خلاف کیا ہے وہ کن ناگزیر حالات و اسباب کی بنا پر ہے۔ اس فیصلہ کی نقل جناب کی نقل میں روانہ کی جا چکی ہے۔

آخر میں اس مکتوب کی طوالت کی بابت معافی چاہتا ہوں کہ اظہار حقیقت کے لئے اتنی طوالت ناگزیر تھی اور جناب کی انصاف پسندی اور آئین نوازی اور فرامین شاہی کی حرمت پروری سے یہ امید رکھتا ہوں کہ جناب اس قانون کو بحق اہل اسلام منسوخ فرما کر مسلمانوں کو مطمئن فرمائیں گے اور کسی ایسے ابتلاو آزمائش کا موقع نہ آنے دیں گے جس کی کسی انصاف پسند فرمانبردار سے توقع ہی نہیں ہو سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ صدر جمیعۃ علمائے ہند۔ ۷ نومبر سن ۱۹۲۹ء

سارد ابل کی حقیقت

مؤلفہ حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمیعۃ علماء ہند

سارد ابل کیا ہے؟

مسٹر ہربلاس سارد انے ہندو سوسائٹی کی اس خرابی کی اصلاح کے لئے کہ ہندوؤں میں عام طور پر لڑکیوں کی شادیاں کم عمری میں کر دی جاتی ہیں خواہ لڑکی کی عمر دو سال کی یا تین سال کی ہی کیوں نہ ہو بلکہ بعض اوقات لڑکی پیدا ہوتے ہی اس کی شادی ہو جاتی ہے اور اکثر حالت میں یہ شادی شدہ لڑکیاں بلوغ سے پہلے ہی اپنے خاوندوں کے پاس چلی جاتی ہیں اور مباشرت کی وجہ سے ان کی صحت پر ایسا ناگوار اثر پڑتا ہے کہ پھر عمر بھر اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی اور ایسی عورتوں کی اولاد بھی کمزور اور نحیف پیدا ہوتی ہے اور اسی وجہ سے بہت سے بچے صغر سنی میں ہی مر جاتے ہیں اور بہت سی عورتیں کم عمری میں ہی بیوہ ہو جاتی ہیں اور ہندوؤں میں بیوہ کی شادی نہ ہونے کی وجہ سے ان کی عمریں تباہ ہو جاتی

ہیں اور ہندوؤں کی مردم شماری پر بھی اس کا تباہ کن اثر پڑتا ہے۔ ایک مسودہ قانون اسمبلی میں پیش کیا تھا اور اس کو ہندوؤں کے ساتھ ہی متعلق رکھا تھا۔

مگر جب اسمبلی میں پیش ہوا تو اس وقت یہ سوال اٹھایا گیا کہ بل کو ہندوؤں سے ہی مخصوص رکھا جائے یا تمام باشندگان ہندوستان کے لئے عام کر دیا جائے۔

بعض مسلم ارکان اسمبلی نے اس وقت بغیر سوچے سمجھے یہ رائے ظاہر کر دی کہ مسلمانوں پر بھی اس کا اطلاق کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

جن مسلم ارکان اسمبلی نے یہ رائے ظاہر کی تھی وہ نہ تو احکام اسلام سے واقف تھے اور نہ انہوں نے اس کے عواقب و نتائج پر پورا غور کیا تھا۔ محض سرسری طور پر یہ سمجھ لیا کہ کم عمری کی شادیاں صحت پر برا اثر ڈالتی ہیں اس لئے اگر ان کے خلاف قانون بن جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ مگر ان ارکان میں سے بعض ارکان نے جب علمائے اسلام سے گفتگو کی اور اس کے متعلق اسلامی احکام معلوم کئے اور عامہ مسلمین کے جذبات کا انہیں علم ہوا تو انہوں نے اپنی رائے بدل دی اور آج وہ بل کے مخالفین کی صف اول میں ہیں مگر افسوس کہ ابتدائی مرحلہ میں بے سوچے سمجھے اظہار رائے سے جو نقصان پہنچ چکا تھا اب ان کے اختلاف سے بھی اس کی تلافی نہ ہو سکی۔ بہر حال وہ بل رائے عامہ سے استصواب کے لئے مشتہر کیا گیا۔ ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر ہوئی جس نے ملک کا دورہ کیا۔ شہادتیں قلم بند کیں اور اس کے بعد تحقیقاتی رپورٹ تیار کر کے پیش کر دی۔ اس کمیٹی کے ارکان میں مولوی محمد یعقوب صاحب ڈپٹی پریسیڈنٹ اسمبلی بھی شامل تھے۔ انہوں نے رپورٹ کے ساتھ اپنا اختلافی نوٹ بھی شامل کر دیا اس نوٹ میں انہوں نے صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ مسلمانوں کے معتمد علماء اور معتبر حلقے اس بل کے مسلمانوں پر اطلاق کو مذہبی مداخلت سمجھتے ہیں اور اس امر پر افسوس ظاہر کیا کہ شیعوں کے نقطہ خیال کے معلوم ہونے میں بہت کمی رہی ہے اور جب تک ان کا نقطہ خیال معلوم نہ ہو جائے نیز مسلمانوں کے مقتدر علماء اور مذہبی رہنماؤں کے بیانات شامل۔۔۔ نہ ہو جائیں اس وقت تک بل کا اطلاق مسلمانوں پر کرنے کا فیصلہ نہ کیا جائے۔

تحقیقاتی کمیٹی نے اس سلسلے میں اصل بل میں کچھ ترمیمات کی تھیں اور بل سے علیحدہ اپنی طرف سے کچھ سفارشات پیش کیں۔

اس اثناء میں مسلمانوں کے معتبر حلقوں سے اس کی مخالفت کی گئی اور بہت سے مقتدر رہنماؤں نے صاف طور سے یہ ظاہر کر دیا کہ یہ بل اسلامی احکام کے خلاف ہے اور مسلمانوں پر اس کا اطلاق کرنا مذہبی مداخلت ہے۔ مگر گورنمنٹ اس بل کی حمایت کے لئے کھڑی ہو گئی اور سرکاری ممبر نے اعلان کر دیا کہ گورنمنٹ بل کی حمایت کرے گی۔

اب کیا تھا جن لوگوں کا مقصد صرف اپنی معاشرتی اصلاح ہی نہیں بلکہ ایک ایسے اصول کو قائم کرا دینا تھا جس کے ذریعہ سے آئندہ سینکڑوں اسلامی احکام کے اندر مداخلت کا موقع ہاتھ آجائے وہ اور شیر ہو گئے اور بعض مسلمان ممبروں نے ان کی تائید کر کے ان کے اس نامبارک مقصد کی تکمیل کر دی اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک ہولناک خطرہ پیدا کر دیا۔

اور بل ۲۳ ستمبر سن ۲۹ء کو اسمبلی میں اور ۲۸ ستمبر کو مجلس مملکت میں پاس کر دیا گیا۔ بل جس صورت میں پاس ہوا ہے وہ "تیج" مورخہ ۳۰ ستمبر سن ۲۹ء میں شائع ہو گیا ہے جس کی نقل یہ ہے :۔

سارد ابل کی منظور شدہ دفعات

ا۔(الف) اس کا نام قانون انسداد شادی بچگان ہو گا۔

(ب) اس کا نفاذ تمام برطانی ہند میں ہو گا۔ برطانی بلوچستان اور سنتھال پرگنہ میں بھی عائد ہو گا۔

(ج) اس پر عمل درآمد یکم اپریل سن ۱۹۳۰ء سے شروع ہو گا۔

۲۔(الف) اس قانون میں "بچہ" سے مراد ۱۸ سال سے کم عمر کا لڑکا اور ۱۴ سال سے کم عمر کی لڑکی ہے۔

(ب) شادی بچگان سے مراد ایسی شادی ہے جس میں دولہایا "دلہن بچہ" ہو۔

(ج) فریقین شادی سے مراد وہ شخص ہیں جن کی شادی ہو۔

(د) نابالغ سے مراد ۱۸ سال سے کم عمر کا لڑکا یا لڑکی ہے۔

۳۔ جو مرد ۱۸ سے ۲۱ سال کی عمر کے درمیان بچپن کی شادی کرے گا اسے ایک ہزار روپیہ تک جرمانہ کی سزا دی جائے گی۔

۴۔ جو مرد ۲۱ سال سے زائد عمر میں بچپن کی شادی کرے گا وہ ایک ماہ تک قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی سزا کا مستوجب ہو گا۔

۵۔ جو کوئی بچپن کی شادی کا انتظام کرے گا، اس کی رہنمائی کرے گا یا رسم ادا کرائے گا وہ ایک ماہ قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی سزا کا مستحق ہو گا۔ اگر وہ یہ ثابت نہ کر سکے کہ اس کے پاس یہ باور کرنے کی وجوہات تھیں کہ وہ شادی بچپن کی شادی نہیں تھی۔

۶۔(الف) اگر کوئی نابالغ بچپن کی شادی کر لے تو وہ آدمی جو ماں باپ یا سرپرست یا کسی دیگر قانونی یا غیر قانونی حیثیت سے اس نابالغ کا انچارج ہو اور جو اس شادی کے لئے کارروائی کرے یا شادی کی اجازت دے یا لاپرواہی کی وجہ سے اس شادی کو منع نہ کرے اسے ایک ماہ قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی سزا ملے گی لیکن عورتوں کو قید کی سزا نہیں دی جائے گی۔

(ب) بشرطیکہ برعکس ثبوت بہم نہ پہنچایا جائے یہ تصور کر لیا جائے گا کہ نابالغ کے بچپن کی شادی کرنے میں نابالغ کا سرپرست لاپرواہی کی وجہ سے شادی کو روکنے میں ناکام رہا ہے۔

۷۔ سن ۱۸۹۷ء کے جنرل کلاز ایکٹ کی دفعہ ۲۵ یا تعزیرات ہند کی دفعہ ۶۴ کی باوجود کوئی عدالت اس قانون کی دفعہ ۳ کے مطابق کسی مجرم کو سزا دیتے ہوئے اس بات کی مجاز نہ ہو گی کہ بصورت عدم ادائیگی جرمانہ ملزم کو قید کی سزا دے سکے۔

۸۔ ضابطہ فوجداری سن ۱۹۲۸ء کی دفعہ ۱۹۰ کے باوجود پریزیڈنسی مجسٹریٹ یا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سوا کسی بھی عدالت کو اس قانون کے ماتحت کسی بھی جرم کی سماعت یا اس میں دست اندازی کرنے کا اختیار نہ ہو گا۔

۹۔ اس قانون کے متعلق کسی جرم کے بارے میں کوئی عدالت اس وقت تک غور نہیں کرے گی تاوقتیکہ استغاثہ

شادی (جس سے وہ جرم تعلق رکھتا ہو) کو ایک سال ہونے سے پہلے پہلے دائر نہ کیا گیا ہو۔
۱۰۔ اس قانون کے ماتحت کسی جرم کی سماعت کرنے والی عدالت بشرطیکہ وہ زیر دفعہ ۲۰۳ ضابطہ فوج داری استغاثہ کو خارج نہ کرے یا تو خود ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۰۲ کی رو سے تحقیقات کرے گی اور یا اپنے ماتحت کسی مجسٹریٹ درجہ اول کو ایسا کرنے کی ہدایت کرے گی۔
۱۱۔ (الف) مستغیث کا بیان لینے کے بعد اور ملزم کو حاضر ہونے کے لئے مجبور کرنے سے پہلے عدالت (سوائے اس حالت کے جب کہ تحریری وجوہات دی گئی ہوں) مستغیث سے اس معاوضہ کی ادائیگی کے لئے جو زیر دفعہ ۲۵۰ ضابطہ فوج داری اس پر لازم ہو سکتا ہے ایک سو روپیہ تک کی ضمانت کے ساتھ یا بلا ضمانت مچلکہ طلب کرے گی اور اگر وہ ضمانت عدالت سے مقرر کردہ میعاد کے اندر اندر داخل نہ کی جائے تو استغاثہ خارج کر دیا جائے گا۔
(ب) اس قانون کے ماتحت جو مچلکہ لیا جائے گا وہ ضابطہ فوجداری کے مطابق لئے گئے مچلکہ جیسا ہی سمجھا جائے گا اور اس لئے اس پر ضابطہ فوجداری کا باب عائد ہو گا۔

سارداایکٹ کا اثر کیا ہو گا؟

اس قانون پر جو آثار اور نتائج مترتب ہوں گے وہ یہ ہیں :۔
(۱) چودہ سال سے کم عمر کی لڑکی کا نکاح نہ ہو سکے گا خواہ ایک ہی دن کم ہو اور خواہ کیسی ہی شدید ضرورت ہو اور خواہ لڑکی شرعاً بالغہ ہو چکی ہو۔
(۲) اٹھارہ سال سے کم عمر لڑکے کا نکاح نہ ہو سکے گا خواہ ایک ہی دن کی کمی ہو اور کیسی ہی شدید ضرورت ہو اور خواہ لڑکا شرعاً بالغ بھی ہو چکا ہو۔
(۳) اگر ایسا لڑکا جس کی عمر ۱۸ اور ۲۱ سال کے درمیان ہو۔ ۱۴ سال سے کم عمر لڑکی سے نکاح کرلے تو اسے ایک ہزار روپیہ تک جرمانہ کی سزا دی جائے گی۔ اگرچہ مقاربت بھی نہ کرے۔
(۴) اگر ایسا لڑکا جس کی عمر ۲۱ سال سے زائد ہو ۱۴ سال سے کم عمر کی لڑکی سے نکاح کرلے تو اس کو ایک ماہ کی قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی دونوں سزائیں دی جائیں گی مقاربت کرے یا نہ کرے اس کا کوئی فرق نہیں۔
(۵) جس شادی یا نکاح میں لڑکی کی عمر ۱۴ سال سے کم ہو یا لڑکے کی عمر ۱۸ سال سے کم ہو ایسی شادی یا نکاح کا انتظام کرنے والا، رہنمائی کرنے والا، نکاح پڑھانے والا سب کے سب مجرم ہوں گے اور ان کو ایک ماہ کی قید محض یا ایک ہزار روپیہ تک جرمانہ یا قید و جرمانہ کی دونوں سزائیں دی جائیں گی۔ ہاں عورتوں کو قید کی سزا نہ دی جائے گی۔
اس دفعہ کی رو سے ۱۴ سال سے کم عمر شادی شدہ لڑکی یا اٹھارہ سال سے کم عمر شادی شدہ لڑکے کا باپ دادا یا یتیم بچی کی ماں، دادی، نانی یا اور جو کوئی مرد یا عورت جو شادی کے انتظام میں شامل ہو یا رہنمائی کرے یا کوئی عالم یا امام یا قاضی جو نکاح پڑھائے یا وکیل یا شاہد بنے سب سزایاب ہوں گے۔ عورتوں کو قید کی سزا نہ ہو گی۔ جرمانہ کی سزا ان کو بھی دی جائیں گی۔

۶۔(الف)اگر کوئی لڑکی جس کی عمر ۱۸ سال سے کم ہے کسی ۱۷ سالہ لڑکے سے خود شادی کر لے تو اس لڑکی کا باپ یا دادا یا ماں یا دادی یا کوئی دوسرا قانونی یا غیر قانونی سرپرست بھی مجرم قرار دیا جائے گا اور اس کو ایک ماہ کی قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی دونوں سزائیں دی جائیں گی مگر عورت کو قید کی سزا نہ ہوگی اور یہ فرض کر لیا جائے گا کہ سرپرست اور ولی نے بے پروائی کر کے یہ شادی ہونے دی ہے (بشرطیکہ اس کے برخلاف ثبوت بہم نہ پہنچایا جائے)

(ب)اگر کوئی لڑکا جس کی عمر ۱۸ سال سے ایک دن بھی کم ہے (اگرچہ وہ شرعاً بالغ ہو چکا ہو اور اس کے قوائے جسمانیہ بھی اچھے ہوں) کسی لڑکی سے خواہ اس کی عمر ۱۸ سال سے زیادہ ہو نکاح کر لے گا تو لڑکے کا باپ یا دادا یا ماں یا دادی یا کوئی دوسرا شخص جو قانونی یا غیر قانونی طور پر اس کا سرپرست ہے مجرم قرار دیا جائے گا اور اس کو ایک ماہ کی قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ دونوں سزائیں دی جائیں گی مگر عورت کو قید کی سزا نہیں دی جائے گی۔ اور (تاوقتیکہ برعکس ثبوت بہم نہ پہنچایا جائے) یہ فرض کر لیا جائے گا کہ لڑکے کے سرپرست یا ولی نے لاپرواہی سے یہ شادی ہونے دی ہے۔

(۷)مسلمانوں کی بچیوں کے وہ تمام نکاح رک جائیں گے جو وہ اپنی مالی مجبوری کی وجہ سے بڑی لڑکیوں کی شادی کے سلسلہ میں قریب البلوغ لڑکیوں کے صرف نکاح کر دیتے تھے اور ایک ہی دفعہ میں کئی نکاحوں کی تقریبیں ادا کر کے باربار کے مالی بوجھ سے بچ جاتے تھے۔ اسی طرح ضعیف العمر باپ یا کوئی دوسرا ولی جو قریب المرگ ہو اپنی بالغہ مگر ۱۴ سال سے کم عمر بچی کا نکاح بھی نہ کر سکے گا۔ اگرچہ بچی کی والدہ یا کوئی اور نگرانی کرنے والا موجود نہ ہو اور باپ اس کو بغیر کسی سرپرست اور نگراں کے چھوڑ کر مر رہا ہو۔

(۸)مسلمان بچیاں جو ۱۳ سال کی عمر میں شرعاً بالغ ہو جائیں گی اور شرعی احکام کے بموجب ان کی شادی کرنا ماں باپ کے ذمہ لازم ہو جائے گا ان کے ماں باپ شرعی احکام کے باوجود ان کا نکاح نہ کر سکیں گے اور کریں گے تو قانوناً مجرم ہو کر سزا پائیں گے۔

(۹)لڑکے پندرہ سال کی عمر میں شرعاً بالغ ہو جاتے ہیں اور اگر ان کے قویٰ اچھے ہوں تو خود ان پر اور ان کے اولیاء پر واجب ہے کہ وہ ان کا نکاح کر دیں۔ لیکن وہ خود اور ان کے اولیا اس شرعی واجب پر عمل نہ کر سکیں گے اگر کریں گے تو قانون ان کو مجرم قرار دے کر سزا دے گا۔

(۱۰)قانونی عمر سے کم عمر کی لڑکیاں اور لڑکے جب کہ اپنی جسمانی صحت اور قوت کے لحاظ سے مباشرت کے حاجت مند ہوں گے اور رفع حاجت کا شرعی طریقہ یعنی نکاح ان کے لئے قانوناً ممنوع ہوگا تو خطرہ ہے کہ وہ ناجائز طریقوں سے حاجت روائی کریں گے اور مسلمانوں میں بھی زنا کی کثرت ہو جائے گی اور مسلمان سوسائٹی بھی مذہبی حیثیت سے تباہ و برباد ہو جائے گی۔ یہ تو مختصر طور پر ان مفاسد کا بیان تھا جو اس بل سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں اور ان مفاسد کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے مفاسد اور مشکلات پیدا ہو جائیں گے مثلاً

(۱۱)ہر نکاح اور شادی کے وقت جب تک سرپرست لڑکیوں اور لڑکوں کی عمروں کا مصدقہ سارٹیفکٹ پیش نہ کریں نکاح خواں نکاح نہیں پڑھائے گا نہ کوئی وکیل و گواہ بننے پر تیار ہوگا۔ اور ایسے سارٹیفکٹ حاصل کرنے میں جو دشواریاں پیش آئیں گی اور جو مالی بار پڑے گا ہزاروں غریب مسلمان اس کو برداشت کرنے کے قابل نہ ہوں گے۔

(۱۲) اس قانون کے سبب سے تمام نکاحوں اور شادیوں کی رجسٹری کرانی لازم ہو جائے گی، تاکہ قانونی خلاف ورزی نہ ہونے کے لئے سند ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ جبریہ رجسٹریشن کس قدر تکلیف دہ اور موجب جرم و فساد ہوگا۔
(۱۳) اس قانون کی وجہ سے بچوں کی ولادت درج رجسٹر کرانا اور پھر اس تاریخ کو صحیح صحیح یاد رکھنا لازم ہوگا۔ اور لاکھوں ان پڑھ مسلمان اس کا التزام نہ کر سکنے کی وجہ سے ملزم اور مجرم قرار پائیں گے اور سزائیں بھگتنی پڑیں گی۔
یعنی باوجود یہ کہ ان کی لڑکی چودہ سال کی ہو جائے گی اور وہ قانون کے موافق نکاح کریں گے لیکن ان کے دشمن جو چلتے پرزے اور ہوشیار ہوں گے وہ ان کو قانونی الجھن میں مبتلا کر دیں گے اور بسا اوقات جیل خانہ تک پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔
(۱۴) اگر اس کو قابل دست اندازی پولیس قرار دے دیا گیا تو غریب شرفا کی شادیوں بیاہوں میں پولیس کو طرح طرح کی رکاوٹ پیدا کرنے کے مواقع بہم پہنچیں گے اور غریبوں کو ناقابل برداشت مصائب اٹھانے پڑیں گے۔
(۱۵) اس قانون کو نافذ کرنے کے بعد اس کے دنبالے (جن کی سفارش تحقیقاتی کمیٹی نے کی ہے) بطور ربائی لاز کے وقتاً فوقتاً بنتے رہیں گے اور خدا جانے کن کن مصائب اور مشکلات کا سامنا ہوگا۔ مثلاً ۱۳ سال کی لڑکی کی شادی ہو جائے تو اس کو خاوند سے علیحدہ رکھنے کے لئے سفارش کی گئی ہے کہ ایک زنانہ پولیس کا محکمہ قائم کیا جائے اور ایسی لڑکیوں کو ماں باپ یا ان کے اولیا سے علیحدہ کر کے زنانہ پولیس کی نگرانی میں ایک علیحدہ مکان میں سال بھر رکھا جائے اور جب ۱۴ سال کی ہو جائے تو خاوند کے حوالہ کی جائے اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ بات کہ ان کی دوشیزہ لڑکیاں ان کی نگرانی میں نہ رہیں اور غیروں کے حوالہ کر دی جائیں ناقابل برداشت ہے۔

سارد ابل مسلمانوں کے لئے ناقابل قبول کیوں ہے؟
مسلمان اس بل کو ہرگز ہرگز قبول نہیں کر سکتے
اور اس کی متعدد وجوہ ہیں

وجہ اول :۔ اس بل کا اطلاق مسلمانوں پر مذہبی مداخلت ہے۔
مذہبی مداخلت کسے کہتے ہیں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ جن امور کو شریعت مقدسہ اسلامیہ نے مسلمانوں کے لئے جائز کیا ہے اور وہ ان امور کو کرنے میں شریعت کے نزدیک مجرم نہیں ہیں بلکہ ثواب کے مستحق ہیں ان کو قانون کے ذریعہ سے مسلمانوں کے حق میں ممنوع اور جرم قرار دے دیا جائے یہ مذہبی مداخلت ہے اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔
(۱) مسلمانوں کو شریعت مقدسہ نے مسجد میں نوافل پڑھنے کی اجازت دی ہے۔(۱) اس اجازت کے خلاف نوافل کے لئے ان پر مسجدوں کا دروازہ بند کر دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔
(۲) مسلمانوں کو شریعت مقدسہ نے نفلی روزے رکھنے کی اجازت دی ہے۔(۲) اس اجازت کے خلاف کسی ڈاکٹری تجویز پر انہیں نفل روزے رکھنے سے روک دیا جائے اور روزے کو جرم قرار دے دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔

(۱) ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ (البقرہ : ۱۱۴)
(۲) آئندہ صفحہ ۳۳۶ پر پہلا حاشیہ دیکھیں

(۳) مسلمانوں کو شریعت مقدسہ نے نفلی حج کرنے کی اجازت دی ہے۔(۲) پس اگر ان کو نفلی حج کرنے سے روک دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔
(۴) مسلمانوں کو شریعت مقدسہ نے گائے کی قربانی کرنے کی اجازت دی ہے۔(۳) پس اگر اس اجازت کے خلاف ان کو گائے کی قربانی سے روک دیا جائے اور اس کو جرم قرار دے دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔
(۵) مسلمانوں کے یہاں اذان بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔(۴) پس اگر ان کو بلند آواز سے اذان کہنے سے روکا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔
(۶) مسلمانوں کو استطاعت اور عدل کے ساتھ چار بیویاں کرنے کی اجازت ہے۔(۵) پس اگر اس کو قانوناً روکا جائے اور اس کو جرم قرار دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔
(۷) مسلمان اپنے بچوں کے عقیقہ میں گائے ذبح کر سکتے ہیں۔(۶) پس اگر ان کو قانوناً روکا جائے اور اس کو جرم قرار دیا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔
(۸) مسلمان اپنی غذا کے لئے گائے کا گوشت استعمال کر سکتے ہیں (۷) پس اگر قانوناً ان کو گائے کے گوشت سے روکا جائے تو یہ مذہبی مداخلت ہے۔ اور جس طرح کہ شریعت کے جائز کئے ہوئے امور سے روکنا مذہبی مداخلت ہے۔ اسی طرح ان کو کسی ایسے فعل کا حکم دینا جو شریعت میں ناجائز ہے یا ناجائز فعل کا ذریعہ ہے۔ یہ بھی مذہبی مداخلت ہے۔ اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں :۔

(۱) شریعت میں شراب پینا حرام ہے۔(۸) کسی مسلمان کو شراب پینے کا حکم دینا مذہبی مداخلت ہے۔
(۲) شریعت میں جھوٹ بولنا گناہ ہے۔(۹) کسی کو جھوٹ بولنے پر مجبور کرنا مذہبی مداخلت ہے۔
(۳) شریعت نے زنا کو حرام کیا ہے۔(۱) کسی کو زنا کا حکم دینا یا ایسے اسباب پیدا کرنا جن سے لامحالہ زنا کا ارتکاب ہو۔ جیسے صحیح الجسم معتدل القوی بالغ کی شادی سے روکنا جو اس قانون کا منشا ہے مذہبی مداخلت ہے۔

---

(۱)عن يزيد الرشك قال حدثتني معاذة العدوية انها سالت عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم اكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصوم من كل شهر ثلاثة ايام ، قالت : نعم ، فقلت لها من ايام الشهر كان يصوم قالت: لم يكن يبالي من اى ايام الشهر يصوم (الصحيح لمسلم ، كتاب الصيام ، باب استحباب صيام ثلاثة ايام من كل شهر ، ۱/۳۶۷، قديمي)
عن عمران بن حصين ان النبي صلى الله عليه وسلم قال له او لرجل آخر صمت من شهر شعبان ، قال: لا ، قال: فاذا افطرت فصم يومين (الصحيح لمسلم ، كتاب الصيام ، باب صوم شعبان ، ۱/ ۳۶۸، قديمي)
(۲)بناء الرباط افضل من حج النفل ، واختلف في الصدقة، ورجح في البزازية افضلية الحج لمشقته في المال والبدن جميعا ، قال وبه افتى ابو حنيفة حين حج و عرف المشقة (الدر المختار ، كتاب الحج ، باب الهدى ، ۲/ ۶۲۱ ، سعيد)
(۳)عن جابر بن عبدالله قال : كنا نتمتع في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم نذبح البقرة عن سبعة نشترك فيها (سنن ابى داؤد ، كتاب الضحايا، باب البقر و الجزور عن كم تجزى ،۲/ ۳۲، امداديه)
(٤) فسنن الاذان في الاصل نوعان : نوع يرجع الى نفس الاذان ونوع يرجع الى صفات المؤذن ، و اما الذى يرجع الى نفس الاذان فانواع : ان يجهر بالاذان فيرفع به صوته ، لان المقصود وهو الاعلام تحصل به (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة فصل في بيان سنن الاذان ، ۱/ ۱٤۹، سعيد)
(٥)وان خفتم الا تقسطوا في اليتمى فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربع (النساء : ۳)
(٦) قد علم ان الشرط قصد القربة من الكل وكذا لو اراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد له من قبل (رد المحتار ، كتاب الاضحية ، ٦ / ٣٢٦ ، سعيد)
(۷)والانعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع و منها تاكلون (النحل : ٥)
(۸)يايها الذين آمنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون (المائدة : ۹۰)
(۹)قال تعالى : فنجعل لعنة الله على الكاذبين (آل عمران : ٦١) (لے) آ ئندہ صفحہ پر ا ۔

(۴) شریعت نے بالغہ لڑکیوں کی شادی نہ کرنے اور ان کو یوں ہی بٹھائے رکھنے سے منع کیا ہے۔(۲) پس ان کو قانوناً شادی نہ کرنے پر مجبور کرنا مذہبی مداخلت ہے۔
مذہبی مداخلت کے معنی کی اس تشریح کے بعد ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ

نفس نکاح کا شریعت اسلامیہ میں کیا حکم ہے؟
نکاح کا شرعی مرتبہ

شریعت مقدسہ اسلامیہ نے نکاح کو صرف ایک معاشرتی معاہدے کی ہی حیثیت میں منحصر نہیں رکھا ہے بلکہ اس کو معاشرتی معاہدے کی حیثیت سے بڑھا کر ایک عبادت اور فضیلت اور ثواب کا کام بھی قرار دیا ہے۔ اس کے لئے یہ حدیثیں ملاحظہ ہوں :-

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع من سنن المرسلین الحیاء و التعطر والسواک والنکاح (ترمذی) (۳) یعنی حضور انور ﷺ نے فرمایا چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہیں۔ (۱) حیا، (۲) عطر لگانا، (۳) مسواک کرنا، (۴) نکاح کرنا۔

(۲) من تزوج فقد استکمل نصف الا یمان الحدیث۔(۴) یعنی حضور انور ﷺ نے فرمایا جس نے نکاح کر لیا اس نے نصف ایمان کامل کر لیا۔ اس حدیث میں نکاح کو نصف ایمان فرمایا ہے جس سے اس کا شرعی اور مذہبی عمل ہونا صراحۃً ثابت ہوتا ہے۔

(۳) ان سنتنا النکاح شرار کم عزابکم واراذل موتکم عزا بکم (جمع الفوائد)(۵) یعنی حضور انور ﷺ نے عکاف بن بشر تمیمی سے فرمایا تھا کہ ہماری سنت نکاح ہے۔ تم میں سے جو مجرد ہیں وہ تم میں برے لوگ ہیں اور جو بغیر نکاح مر جائیں وہ مردوں میں برے مردے ہیں۔ جو مجرد ہیں وہ تم میں برے لوگ ہیں۔

(۴) النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی (فتح الباری)(۶)
یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے جو میری سنت سے اعراض کرے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔

(۵) من تزوج ثقۃ باللہ واحتسابا کان حقا علی اللہ ان یعینہ وان یبارک لہ (طبرانی فی الا وسط کذا فی جمع الفوائد)(۱)
یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص خدا کے فضل و کرم پر بھروسہ کر کے اور ثواب کی نیت سے نکاح کرے گا تو خدا نے اپنے فضل و کرم سے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ اس کی مدد فرمائے اور اس کے لئے برکات عطا کرے۔

---

(۱) ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا (سورۃ بنی اسرائیل : ۳۲)
(۲) عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : فی التوراۃ مکتوب "من بلغت ابنتہ اثنتی عشرۃ ولم یزوجھا فاصابت اثما فاثم ذلک علیہ شعب الا یمان للبیہقی ، ۶/ ۴۰۲ ، رقم الحدیث : ۸۶۷۰ ، دارالکتب العلمیۃ بیروت
(۳) جامع الترمذی ، ابواب النکاح ، ۱/ ۲۰۶ ، سعید
(۴) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ، کتاب النکاح ، باب الحث فی النکاح ، ۴/ ۲۵۲ ، بیروت
(۵) مجمع الزوائد و منبع الفوائد ، کتاب النکاح ، باب الحث فی النکاح ، ۴/ ۲۵۰ ، بیروت
(۶) فتح الباری ، کتاب النکاح ، باب الترغیب فی النکاح ، ۹/ ۹۲ ، بولاق
(۱) اگلے صفحہ پر

پیغمبر اسلام خاتم الانبیاء ﷺ کے یہ وہ ارشادات عالیہ ہیں جن سے نکاح کی شرعی حیثیت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ صرف ایک معاشرتی معاہدہ نہیں بلکہ ایک شرعی عبادت ہے۔اس کے بعد علمائے اسلام کے اقوال ملاحظہ فرمائیے۔

(۲)وقال الحنفیة هو عبادة (فتح الباری)(۲) یعنی علماء حنفیہ نکاح کو عبادت قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت حنفی ہے۔

(۷)لیس لنا عبادة شرعت من عهد آدم الی الآن ثم تستمر فی الجنة الاالنکاح والا یمان۔(در مختار)(۳) یعنی نکاح اور ایمان کی سوا اور کوئی ایسی عبادت نہیں جو حضرت آدم کے وقت سے شروع ہو کر آج تک قائم رہی ہو اور پھر جنت میں بھی مستمر رہے۔

(۸)ویکون سنة مؤکدة فی الا صح فیا ثم بترکه ویثاب ان نوی ولداً وتحصینا (در مختار)(۴)
یعنی نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ صحیح ترین قول کی بناء پر۔ پس اس کا تارک گنہگار ہوگا اور اگر اولاد اور پاک دامن رہنے کی نیت سے نکاح کرے۔(یعنی صرف شہوت رانی مقصود نہ ہو) تو اس کو نکاح کرنے پر ثواب ملے گا۔

(۹)ورجح فی النهر وجوبه للمواظبة علیه والا نکار علی من رغب عنه (در مختار)(۵)
یعنی کتاب نہر فائق میں اس قول کو ترجیح دی ہے کہ نکاح کرنا واجب ہے کیونکہ اس پر حضور ﷺ نے مواظبت فرمائی ہے اور نکاح سے اعراض کرنے والے پر عتاب فرمایا ہے۔

ان احادیث اور اقوال علماء سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ نکاح صرف ایک معاشرتی معاہدہ نہیں ہے بلکہ وہ مذہبی عمل کی حیثیت رکھتا ہے اور مذہبی عمل بھی محض مباح یا مستحب کے درجہ کا نہیں بلکہ سنت مؤکدہ یا واجب کے مرتبہ کا ہے۔ یعنی یہی نہیں کہ اس کا کرنا ثواب کا کام ہے بلکہ شریعت نے اس کی تاکید بھی کی ہے اور نہ کرنے پر ملامت اور عتاب اور گنہگاری کی وعید ہے۔ پس اس شرعی عمل پر قانونی پابندیاں عائد کرنا مذہبی مداخلت ہے۔

بعض ممبران اسمبلی کا اعتراض

بعض مسلم ممبران اسمبلی نے اسمبلی میں شان اجتہاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغیر اس کے کہ انہوں نے اسلامی قانون کی ابجد بھی پڑھی ہو اپنے تبحر کی نمائش کے لئے یہ اعتراض کیا کہ اگرچہ اسلامی شریعت نے بچوں کے نکاح کو جائز رکھا ہے اور ولی کو اختیار دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو نابالغوں کا نکاح کر دے لیکن شریعت نے نابالغوں کے نکاح کرنے کا حکم نہیں دیا۔ یعنی یہ لازم نہیں کیا ہے کہ نابالغ کا نکاح ضرور کر دیا جائے۔ پس یہ قانون ایک اختیاری امر پر پابندی عائد کرتا ہے ۔ اس لئے یہ مذہبی مداخلت نہیں ہے ۔البتہ اگر یہ کسی لازمی حکم کو روکتا تو مذہبی مداخلت میں

(۱)مجمع الزوائد و منبع الفوائد ، کتاب النکاح ، باب عون الله سبحانه للمتزوج ، ۴/ ۲۵۸ بیروت
(۲)فتح الباری ، کتاب النکاح ، باب الترغیب فی النکاح، ۹ /۹۲ ، بولاق
(۳)الدر المختار ، کتاب النکاح ، ۳/۳، سعید
(۴)الدر المختار ، کتاب النکاح ، ۳/ ۷، سعید
(۵)ایضا

داخل ہوتا۔ اسی خیال کو اسلامی اخبارات میں سے "مدینہ" بجنور نے ظاہر کیا ہے اور جو علماء ور ہنمایان ہندوستان اس کو مذہبی مداخلت کہتے اور سمجھتے ہیں اخبار "مدینہ" کے محترم مدیران کو قدامت پسندی کا طعنہ دیتے ہوئے سار دابل کو اصلاح کا پہلا اور اہم قدم قرار دیتے ہیں۔ اس اعتراض کا جواب ہم دو طرح دیتے ہیں :۔

اول یہ کہ مذہبی مداخلت کے یہ معنی کہ کسی فرض یا واجب کو روکا جائے تو مذہبی مداخلت ہے ورنہ نہیں عقلاً، شرعاً، عرفاً ہر طرح غلط ہیں۔

ہم مذہبی مداخلت کے صحیح معنی پہلے بیان کر چکے ہیں اور مثالیں دے کر اس کا مفہوم واضح کر چکے ہیں اور مزید توضیح کے لئے پھر اتنا کہے دیتے ہیں کہ کسی مذہب کے مخصوص اعمال سے اس مذہب کے متبعین کو روکنا مذہبی مداخلت ہے خواہ وہ اعمال اس مذہب میں فرض ہوں یا واجب یا سنت یا مستحب بلکہ مذہب نے جن امور کو مباح بھی کیا ہے ان سے روکنا بھی مذہبی مداخلت ہے۔ کیونکہ مذہبی مداخلت نہ کرنے کا اصول عقلی اور قانونی طور پر اسی لئے قائم کیا گیا ہے کہ لوگ آزادی سے ان اعمال کو ادا کر سکیں جنہیں وہ مذہبی اعمال سمجھتے ہیں اور جن کی ان کے مذہب نے ان کو اجازت دی ہے تاکہ خیالات وافکار میں تصادم نہ ہو اور امن عامہ میں خلل نہ پڑے۔

قانونی طور پر آج تک تعزیوں شدوں مورتیوں نگر کیر تن گرنتھ صاحب کے جلوس اسی اصول پر جائز رکھے گئے اور ان کو مذہبی جلوس قرار دیا گیا اور کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا گیا کہ آیا مذہباً ایسے جلوس نکالنے فرض ہیں یا نہیں اور مذاہب متعلقہ میں ان جلوسوں کو سڑکوں پر گھمانے کے لازمی احکام موجود ہیں یا نہیں۔

اس کے علاوہ ان حضرات کو کبھی یہ خیال بھی آیا یا نہیں کہ اگر (بفرض) نابالغوں کے نکاح کر دینے کے وجوبی احکام شریعت اسلامیہ میں موجود نہیں ہیں تو اسی طرح (۱) نفل نمازوں کے لئے (۲) نفل روزوں کے لئے (۳) نفلی حج کے لئے (۴) خاص گائے کی قربانی کے لئے (۵) شہر میں دو چار مسجدوں کے ہوتے ہوئے مزید مساجد کی تعمیر کے لئے۔ (۶) عرسوں کے سالانہ اجتماعات کے لئے (۷) خاص گائے کا گوشت کھانے کے لئے (۸) بلکہ مطلقاً گوشت خوری کے لئے۔ (۹) تعزیوں کے جلوس کے لئے (۱۰) مجالس میلاد اور مجالس وعظ کے انعقاد کے لئے (۱۱) چار نکاحوں کے لئے (۱۲) کفو اور خاندان میں شادی کرنے کے لئے۔

اور اسی قسم کے سینکڑوں ہزاروں اعمال کے لئے بھی شریعت میں وجوبی احکام موجود نہیں ہیں تو کیا اگر ان اعمال کو بند کرنے یا ان پر ناواجب پابندیاں عائد کرنے کے لئے قوانین بنائے جائیں تو یہ مسلمان ممبران اسمبلی جنہوں نے سارد ابل کی اس لئے حمایت کی ہے کہ وہ کسی فرض یا واجب کو نہیں روکتا۔ ان تمام قوانین کی اسی اصول پر حمایت کر دیں گے اگر جواب اثبات میں ہے تو بس ؎

گر ہمیں کونسل است واین ارکان کار مذہب تمام خواہد شد

اور اگر جواب نفی میں ہے تو ان کا یہ اصول غلط ہو گیا کہ کسی جائز امر پر پابندیاں عائد کرنا مذہبی مداخلت نہیں ہے اور ان کو اقرار کرنا چاہئے کہ جس طرح مذکورہ بالا اعمال قانونی مداخلت کے متحمل نہیں ہیں اسی طرح نکاح نابالغان بھی قانونی مداخلت کا متحمل نہیں ہے اور اس میں بھی قانونی مداخلت یقیناً مذہبی مداخلت ہو گی۔

ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ ہندوؤں نے گائے کشی کو بند کرانے کے لئے قانونی حمایت حاصل کرنے کی کوشش

کی تھی تو مسلمانوں کے علماء و عمائد دونوں نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ اگر ہمارے حق گاؤ کشی اور قربانی گاؤ کو جبر ہم سے چھیننے کی کوشش کی گئی تو ہم پوری طاقت سے مزاحمت کریں گے۔ مسلمانوں کو یہ حق تو ہے کہ قربانی کے جانوروں میں سے وہ جس جانور کو چاہیں اپنی مرضی سے منتخب کرلیں۔(۱) لیکن اگر ان کو جبراً حق گاؤ کشی اور قربانی گاؤ سے محروم کرنے کی کوشش کی جائے گی تو ان پر واجب ہو جائے گا کہ اپنا حق قائم رکھنے کے لئے خاص گائے کی قربانی کریں۔ ان فقرات کی سیاہی بھی ابھی خشک نہیں ہوئی ہو گی کہ ہمارے مسلم ممبران نے اس کے بالکل برعکس اسمبلی میں اپنا اجتہادی بیان دے دیا اور نہ صرف بیان دیا بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ اس مسئلہ میں ہم دقیانوسی علماء کی تقلید نہ کریں گے۔ اور علماء پر پھبتیاں بھی کس دیں۔ حالانکہ اس بل کی مخالفت میں سوائے سات آٹھ مسلم ارکان اسمبلی کے ہندوستان کے تقریباً تمام رہنما اور مسلم پریس ہم آہنگ ہیں۔ خیر علماء کے خلاف تو وہ جو چاہیں کریں اور کہیں لیکن خدارا اسلام کے اصول اور اسلامی احکام کا احترام تو قائم رکھیں۔(۲)

آج جو اصول کہ انہوں نے سارد ابل کی حمایت کے لئے قائم کر دیا ہے اس کی ہمہ گیر وسعت کے نتائج پر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ان کی سمجھ میں بھی یہ بات آجانی کچھ مشکل نہیں ہے کہ انہوں نے سوائے چند فرائض و واجبات کے تمام اعمال مذہبیہ کو اسمبلی کی غیر مسلم اکثریت کی خوشنودی حاصل کرنے کے قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ اور دانستہ یا نادانستہ (اور خدا کرے کہ نادانستہ ہی صحیح تعبیر ہو) اپنے ہاتھ سے اسلامی اصول، اسلامی اعمال اسلامی تہذیب غرض کہ اسلام کے تمام (پرسنل لا) مخصوص قانون کو ذبح کر ڈالا ہے۔

دوم۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ قانون کی مقرر کردہ عمر یعنی لڑکی کی چودہ سال اور لڑکے کی ۱۸ سال کی عمر سے پہلے نکاح کرنا یا کرا دینا بھی بعض حالات میں واجب ہو تا ہے۔ یعنی جب کہ ان عمروں سے پہلے لڑکی اور لڑکا بالغ ہو جائیں اور ان کی صحت جسمانیہ اچھی ہو قویٰ مضبوط ہوں اور تاخیر نکاح سے ان کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس وقت ان کو خود نکاح کرنا اور ان کے اولیاء کو نکاح کرا دینا لازم و واجب ہو جاتا ہے۔(۳)

ایسی حالت میں قانون ان کو اس واجب شرعی سے روکے گا اور مذہبی مداخلت آپ کے بیان کردہ معنی کے لحاظ سے بھی متحقق ہو جائے گی۔ یعنی اگر بالفرض ہم تسلیم بھی کرلیں کہ مذہبی مداخلت کے وہی معنی ہیں جو آپ نے بیان کئے ہیں (حالانکہ وہ غلط ہیں) تاہم یہ قانون مذکورہ بالا حالات میں اس معنی کے لحاظ سے بھی یقیناً مذہبی مداخلت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور کوئی قانون جو کلی طور پر مذہبی مداخلت کرتا ہو یا اپنے بعض اطلاقات میں مذہبی مداخلت کا امکان رکھتا ہو یقیناً عہد نامہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور اعلانات حکومت برطانیہ کے خلاف ہو گا اور نا قابل قبول ہو گا۔

وجہ دوم:۔ اس قانون کو قبول نہ کرنے کی مسلمانوں کے لئے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ قانون ایک مہتم بالشان اسلامی حکم ولایت کو باطل کرتا ہے۔

شریعت مقدسہ نے نابالغوں کے اولیاء کو حق ولایت عطا کیا ہے کہ وہ اپنی ولایت سے نابالغ بچوں کا عقد نکاح

(۱) شاة بدل من ضمير تجب (او سبع بدنة) هي الا ء بل والبقر (الدر المختار)، كتاب الا ضحية، ٦/ ٣١٥، سعيد)
(۲) قال تعالىٰ : ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب (الحج : ٣٢)
(۳) ويكون واجبا عند التوقان فان تيقن الزنا الا به فرض الدر المختار، كتاب النكاح، ٦/٣، سعيد)

کر سکتے ہیں۔(۱)اور باب ولایت اسلامی فقہ کے ابواب میں سے ایک مہتم بالشان باب ہے۔

نابالغوں کے متعلق حق ولایت نکاح نابالغی کے زمانے تک محدود رہتا ہے۔بالغ ہو جانے پر یہ حق ختم ہو جاتا ہے۔(۲) پھر بالغہ لڑکی اور بالغ لڑکا اپنے نکاح کے لئے خود مختار ہو جاتے ہیں۔(۳)(بشرطیکہ وہ مجنون نہ ہوں) حنفیہ کا مذہب یہی ہے اور ہندوستان کی اکثریت حنفی ہے۔

حق ولایت تمام امت اسلامیہ کے نزدیک متفق علیہ اصول ہے۔اور نابالغوں کے اس نکاح کی صحت پر جو جانزولی نے کیا ہو امت مرحومہ کا اجماع ہے۔

اجمع المسلمون علی تزویجه بنته البکر الصغیرة لهذا الحدیث ۔(نووی شرح مسلم)(۴) یعنی تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ باپ کو یہ حق ہے کہ اپنی نابالغہ باکرہ لڑکی کا نکاح کردے۔لولی الصغیر والصغیرة ان ینکحهما وان لم یرضیا بذلك کذافی البر جندی سواء کانت بکرا اوثیبا کذافی العینی شرح الکنز (فتاوی عالمگیری)(۵) یعنی نابالغہ لڑکی اور نابالغ لڑکے کے ولی کو حق ہے کہ ان دونوں کی رضامندی حاصل کئے بغیر ان کا نکاح کردے (اور یہ حکم حنفیہ کے نزدیک) باکرہ اور ثیبہ دونوں کے حق میں یکساں ہیں۔

اور بہت سی احادیث ہیں جن سے حق ولایت اور حق النکاح ثابت ہوتا ہے۔(۶) ہم تطویل کے خوف سے ان کو نقل نہیں کر سکتے۔

پس یہ بل جو اسلامی قانون (پرسنل لا) کے ایک اہم باب کو بالکل باطل یا منسوخ کرتا ہے۔مسلمانوں کے نزدیک ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

وجہ سوم :۔ اس قانون کو قبول نہ کرنے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ قانون اسلامی تہذیب اور عصمت کو تباہ کردے گا۔

جیسا کہ ہر شخص جانتا ہے اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مسلمان عصمت مآب خواتین کے لئے ہوس رانی کے وہ تمام دروازے بند ہیں۔(۱)جو دوسری اقوام کی عورتوں کو حاصل ہیں اور اس صورت میں ان کی عفت و عصمت کی حفاظت کی ایک ہی شکل ہے کہ جس وقت وہ بالغہ ہو جائیں فوراً ان کی شادی کردی جائے۔بلوغ کے لئے عمر کا کوئی معیار معین نہیں ہے بلکہ اس کا مدار جسمانی صحت و قوت اور نوعیت غذا اور آب و ہوا کی مساعدت پر ہے۔بعض لڑکیاں بارہ سال کی عمر میں بالغہ ہو جاتی ہیں اور بعض اس سے پہلے اور بعض اس کے بعد بالغہ ہو جاتی ہیں اور قوائے جسمانیہ کی صحت و قوت کی حالت میں اگر ان پر جائز طریقے مسدود کر دیئے جائیں گے تو قوی خطرہ ہے کہ وہ ناجائز

(۱)وللولی انکاح الصغیر والصغیرة (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/۶۵، سعید)

(۲)ولا یجوز اجبار البکر البالغة علی النکاح (الهدایة، کتاب النکاح، باب فی الاولیاء والاکفاء، ۲/۳۱۴، شرکة علمیة)

(۳) وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم یعقد علیها ولی (الهدایة، باب فی الاولیاء والاکفاء، ۲/۳۱۳، شرکة علمیة)

(۴)شرح المسلم للنووی، کتاب النکاح، باب جواز تزویج الاب البکر الصغیر، ۱/۴۵۶، قدیمی

(۵)الهندیة، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الاولیاء، ۱/۲۸۵، ماجدیة

(۶)فی البخاری : عن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم تزوجها وهی بنت ست سنین وادخلت علیه وهی بنت تسع (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب انکاح الرجل ولده الصغار، ۲/۷۷۱، قدیمی)عن ابی موسی قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : لا نکاح الا بولی (جامع الترمذی، ابواب النکاح، باب لا نکاح الا بولی، ۱/۲۰۸، سعید)

راستے اختیار کریں گی اور اس طرح مسلمانوں کے حریم عصمت میں وہ خرابیاں پیدا ہو جائیں گی جو ان کی مخصوص تہذیب و تمدن اور ان کی مذہبی پاکی کو تباہ و برباد کر دیں گی اور یہ بات مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ کوئی قوم اپنے لئے کسی ایسے قانون کو قبول نہیں کر سکتی جو اس کی مخصوص تہذیب یا اس کے مذہبی تقدس کو تباہ و برباد کر دے۔

آج تک خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں کے گھر زناکاری اور بد نظری کی اس عام بلا سے محفوظ ہیں جو یورپ سے سیلاب عظیم کی صورت میں ایشیا کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے۔ لیکن یہ قانون مسلمانوں کے حریم عصمت میں اس سیلاب کے داخل ہو جانے کے لئے ایک وسیع روزن کا کام دے گا اور پھر اس بلا کو حرم ہائے مسلمین سے علیحدہ کرنا محال ہو جائے گا۔

وجہ چہارم :۔ مسلمانوں کے لئے اس قانون کے ناقابل قبول ہونے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ قانون حضور پیغمبر اسلام ارواحنا فداہ اور اکابر صحابہ کے افعال کو جرائم کی فہرست میں داخل کرتا ہے

صحیح روایات کی بنا پر ثابت ہے کہ حضور انور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جس وقت نکاح کیا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چھ سال کی تھی۔(۲) اور اسی طرح حضرت عمر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثابت ہے کہ انہوں نے چھوٹی عمر کی لڑکیوں کا نکاح کیا(۳) اور بہت سے صحابہؓ نے چھوٹی لڑکیوں سے نکاح کئے ہیں۔(۴) تو اس قانون کو تسلیم کر لینے کی صورت میں مسلمانوں پر لازم آئے گا کہ وہ اقرار کریں کہ جس عمل کو ان کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر مقتدر صحابہ کرام نے کیا ہے وہ جرم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کا مجرمانہ فعل ہونا مسلمانوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

ایک مسلمان اس کے وہم اور تصور سے بھی تھرا جائے گا کہ وہ کسی ایسے عمل کا جرم ہونا تسلیم کرے جو اس کے مولیٰ اور آقائے دوجہاں یا ان کے مقتدر جانشینوں سے ثابت ہو۔

یہ واضح رہے کہ ان روایات میں صرف عقد نکاح کا ذکر ہے اور اس سے کسی شرعی یا اخلاقی خرابی کا ارتکاب ہرگز ہرگز لازم نہیں آتا۔ مقاربت زوجہ کے احکام بالکل علیحدہ ہیں اور اس کے لئے اگرچہ عورت کی طاقت اور استطاعت شرط ہے مگر عمر کی تحدید اس میں بھی غیر معقول ہے۔(۱)

ساردا بل کی قانونی حیثیت

اگرچہ یہ بل اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ میں پاس ہو چکا ہے مگر ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اس بل کا نفاذ ان پر ہرگز ہرگز آئین کے موافق نہیں بلکہ محض جبری ہوگا۔

(۱) وقل للمؤمنٰت یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن (النور ۳۱) وقال تعالٰی فی مقام آخر : ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا (سورۃ بنی اسرائیل : ۳۲)
عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : لا یخلون رجل بامرأۃ الا مع ذی محرم (صحیح البخاری ، باب لا یخلون رجل بامرأۃ الا ذی محرم ، ۲ / ۷۸۷ ، قدیمی)
(۲) عن عائشۃ قالت : تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست سنین وبنی بی وانا بنت تسع سنین (صحیح البخاری ، کتاب النکاح ، باب من بنی بامرأۃ وھی بنت تسع ، ۲ / ۷۷۵ ، قدیمی)
(۳) تزوج قدامۃ بنت مظعون بنت الزبیر یوم ولدت (فتح القدیر ، کتاب النکاح ، باب الاولیاء والاکفاء ، ۳ / ۲۷٤ ، مصر)
(٤) زوج (النبی) صلی اللہ علیہ وسلم بنت عمہ حمزۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ من عمر بن ابی سلمۃ وھی صغیرۃ (فتح القدیر ، کتاب النکاح ، باب الاولیاء والاکفاء ۳ / ۲۷٦ ، مصر)

آئینی نفاذ کی صورت تو یہ تھی کہ مسلم قومیت تمام کی تمام یا اس کی اکثریت اس کو قبول کر لیتی اور اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیتی۔ لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت بلکہ باستثنائے چند ناواقف یا ہندوؤں کو خوش رکھنے کی کوشش کرنے والے یا گورنمنٹ کے پرستار مسلمانوں کے باقی تمام مسلم قوم اس قانون سے بیزار ہے اور اپنی بیزاری کا پورے طور پر اظہار واعلان کر چکی ہے۔ اس کے لئے دفعات ذیل ملاحظہ ہوں۔

(۱) ستمبر سن ۱۹۲۸ء میں (حسب بیان مولانا محمد شفیع صاحب داؤدی ممبر اسمبلی) ۲۲ مسلمان ارکان اسمبلی کے دستخطوں سے ایک بیان گورنمنٹ کے ہوم ممبر کر دیا گیا جس میں اس قانون کے مسلمانوں پر اطلاق کرنے سے بیزاری کا اظہار کیا گیا تھا اور صاف صاف بتا دیا تھا کہ مسلمان اس قانون کو ہرگز قبول نہ کریں گے۔

یہ واقعہ اس قانون کے پاس ہونے سے ایک سال پہلے کا ہے اور دستخط کرنے والے ممبروں کی تعداد بھی ۲۲ تھی جو مسلم منتخب اراکین کونسل کی ۳ / ۲ کی اکثریت سے بھی زیادہ تھی۔

(۲) "ہمدرد" مورخہ ۳۱ مارچ سن ۲۸ء میں مولانا محمد علی نے اس بل کے خلاف ایک طویل مضمون لکھا اور اس میں صاف صاف ظاہر کر دیا کہ مسلمان اس بل کو مذہبی مداخلت سمجھتے ہیں اور ہرگز قبول نہ کریں گے۔

(۳) پھر خاکسار نے اپریل سن ۲۸ء میں ہی تمام مسلم اراکین اسمبلی کو بذریعہ مکتوب مطلع کر دیا تھا کہ یہ بل شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے اور اس کی تنفیذ مذہبی مداخلت ہوگی۔

(۴) ستمبر سن ۲۹ء میں جب کہ اسمبلی میں بل پیش ہو رہا تھا ۱۶ مسلمان ممبروں نے اپنے دستخطوں سے ایک یادداشت سرکاری ممبر کو دی کہ اس قانون سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کر دیا جائے کیونکہ مسلمان قوم اس سے ناراض ہے اور وہ اسے قبول نہ کرے گی۔ اس وقت کونسل کے ارکان میں کل بائیس ۲۲ مسلمان ممبر حاضر تھے ان میں سے ۱۶ ممبروں نے اس یادداشت پر دستخط کر دیئے تھے اور ظاہر ہے کہ ۱۶ کا عدد ۲۲ کے ساتھ ۳ / ۲ کی اکثریت سے کچھ زیادہ ہی نسبت رکھتا ہے۔

(۵) اس کے بعد مولانا محمد شفیع صاحب داؤدی نے باقاعدہ اجلاس میں ترمیم پیش کی کہ اس بل کا اطلاق مسلمانوں پر نہ کیا جائے مگر اس ترمیم کو غیر مسلم اور سرکاری ارکان کی اکثریت سے مسترد کر دیا گیا۔

(۶) اس کے بعد آخری مرحلے پر مسلم ممبران اسمبلی کی کافی تعداد بطور اظہار ناراضی اور احتجاج کے اجلاس سے اٹھ کر چلی گئی اور ان کی کوئی پروانہ کی گئی اور غیر مسلم اور سرکاری ارکان کی اکثریت نے بل پاس کر دیا۔

(۷) پاس ہو جانے کے بعد مسلم ارکان اسمبلی کا ایک معزز و مقتدر وفد مولوی محمد یعقوب صاحب ڈپٹی پریسیڈنٹ کی قیادت میں حضور وایسرائے کی خدمت میں باریاب ہوا اور اس نے اس حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ مسلمان قوم اس بل کے خلاف ہے وہ ہرگز اسے قبول نہ کرے گی۔ اس لئے آپ اس بل کی آخری منظوری اس وقت تک نہ دیں جب تک کہ مسلمان اس کے اطلاق سے مستثنیٰ نہ کر دیئے جائیں۔

---

(۱) واكثر المشايخ على انه لا عبرة للسن في هذا الباب وانما العبرة للطاقة ان كانت ضخمة سمينة تطيق الرجال كان للزوج ان يدخل بها وان لم تبلغ تسع سنين (الهندية ، كتاب النكاح ، ۱ / ۲۸۷ ، ماجدية)

(۸) کونسل آف اسٹیٹ کے مسلمان ممبروں کی اکثریت نے اس بل سے اختلاف کیا اور مسلمانوں کے استثنا کا مطالبہ کیا۔ مگر ہندو اور سرکاری ممبروں کی اکثریت نے کوئی شنوائی نہیں کی۔

(۹) جس درمیان میں کہ بل اسمبلی میں پیش تھا میں نے بحیثیت صدر جمعیۃ علمائے ہند ۲ ستمبر سن ۲۹ء کو حضور وائسرائے اور پریسیڈنٹ اسمبلی اور مسلم اراکین اسمبلی کو بذریعہ تار مسلمانوں کے احساسات و جذبات سے مطلع کیا کہ مسلمان ہرگز اس بل کو قبول نہ کریں گے اور ان سب سے درخواست کی کہ مسلمانوں کو اس کے اطلاق سے مستثنےٰ کر دیا جائے۔

(۱۰) ہندوستان کے دیگر عمائدو زعمایان کے بیانات اخبارات میں شائع ہوئے جن میں مسلمانوں پر اس بل کے اطلاق سے بیزاری کا اظہار کیا گیا۔ ان میں سے چند حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں :۔ مولانا حافظ احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند۔ مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت بہار۔ مولانا محمد علی صاحب۔ ڈاکٹر سر اقبال صاحب۔ مولانا محمد عرفان صاحب سکریٹری خلافت کمیٹی۔ مولانا ظفر علی خان صاحب۔ سید غلام بھیک نیرنگ سکریٹری تبلیغ الاسلام انبالہ مولانا ابو البرکات عبد الرؤف صاحب داناپوری۔ مولانا عمر دراز بیگ صاحب ناظم جمعیۃ علماء صوبہ متحد شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب مجتہد۔ مولانا سید ناصر حسین صاحب مجتہد۔ شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب۔ مولانا عبد الباری قطب الدین صاحب فرنگی محلی۔ مولانا عبید اللہ صاحب پنجرایونی۔

(۱۱) لکھنو میں سنی اور شیعہ علماء اور عمائد کا مشترک جلسہ ہوا جس میں بل کے اطلاق کے خلاف تجاویز پاس ہوئیں اور وائسرائے اور پریسیڈنٹ اسمبلی کے پاس نقول بھیجی گئیں۔

(۱۲) مسلم پریس کے تقریباً تمام جرائد مثلاً انقلاب۔ زمیندار۔ مدینہ۔ الجمعیۃ۔ سچ ہمت سیاست۔ صراط، شیعہ اخبار لکھنو۔ مہاجر۔ عصر جدید۔ الامان۔ خلافت۔ حقیقت۔ امارت۔ ترجمان سرحد شہاب اتحاد۔ الخلیل نے بل کے مسلمانوں پر اطلاق کے خلاف پر زور مضامین لکھے اور اس کی آخری منظوری سے پہلے بتادیا کہ مسلمان اسے قبول کرنے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہیں ہیں۔

(۱۳) ہندوستان کے مختلف مقامات میں جلسے منعقد ہوئے جن میں مسلمانوں پر اطلاق کے خلاف احتجاج کیا گیا تجاویز پاس کی گئیں۔ اور سرکاری افسران متعلقہ کو بھیجی گئیں۔

(۱۴) ہندوستان کے علمی مرکزوں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور اور لکھنو کے شیعہ مراکز علمیہ کی طرف سے تار دیئے گئے کہ بل مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں۔ ان تمام امور کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے تاہم اجمالی طور پر اس بات کے سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ مسلمان قوم نے اپنی ناراضی کا اظہار کرنے کے لئے تمام آئینی ذرائع کا استعمال کر لیا ہے اور مسلمان قوم کے وہ نمائندے جو اسمبلی میں اس کی نمائندگی کرتے ہیں انہوں نے بھی اپنی بڑی اکثریت کے ساتھ مسلمان قوم کی ناراضی ظاہر کر دی ہے۔

ہندوؤں اور سرکاری ممبروں پر لازم تھا کہ وہ مسلمانوں کے معاملے میں غیر جانبدار رہتے۔ ان کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ اپنی اکثریت سے ایسے قانون کو جس کا مسلمانوں کے (پرسنل لا) مخصوص قانون پر مخالفانہ اثر پڑتا ہے پاس کر دیں۔ اگر اس پر ہندو اور سرکاری ممبر رائے نہ دیتے اور صرف مسلمان ارکان اسمبلی پر چھوڑ دیا جاتا تو اسمبلی میں ہی مسلمان

اس کے اطلاق سے مستثنےٰ ہو جاتے۔ ہمارے علم میں ہندوستان کے طول و عرض میں ایک جلسہ بھی ایسا نہیں ہوا ہے جس میں مسلمانوں نے بل کی حمایت کی ہو اور اظہار ناراضی کے لئے بیسیوں جلسے ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ اور مسلمان انتہائی منزل تک جانے کے لئے تیار ہیں۔

سر فضل حسین نے کونسل آف اسٹیٹ میں بل کی حمایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کی نصف قوم یعنی نسوانی طبقہ بل کی حمایت میں ہے۔ ہم اسے ایک بڑے ذمہ دار شخص کی طرف سے صریح غیر ذمہ داری کا بیان سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اگر چند مسلمان خواتین نے جو بعض مردوں کی طرح سے اسلامی قوانین سے ناواقف اور بل کے عواقب و نتائج سے نابلد ہیں اور نہیں سمجھتیں کہ اس بل سے اسلام کے خاص اصول اور مذہبی اعمال پر کس قدر شدید ضرب پڑتی ہے اس کی حمایت کر دی تو اس سے تمام مسلمان خواتین کو بل کا حامی قرار دے دینا سر فضل حسین جیسے ذمہ دار شخص سے بہت بعید ہے۔ ان مسلمان خواتین کی تعداد ان مردوں سے زیادہ نہ ہوگی جو بل کے حامی ہیں۔ لیکن اب دنیا دیکھ لے گی کہ حامیان بل کی تعداد کو مخالفین بل کے ساتھ کیا نسبت ہے۔

ان تمام واقعات کا لحاظ کرتے ہوئے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ بل مسلمانوں پر نافذ کیا گیا تو صرف سات آٹھ مسلمان ارکان اسمبلی کی حمایت کے مقابلے میں ارکان اسمبلی کی مسلم اکثریت اور تمام قوم کی مخالفت کے باوجود اس کا نفاذ ہرگز آئینی نفاذ نہیں ہوگا۔ بلکہ ہندو اکثریت اور حکومت کی طرف سے مسلمانوں پر جبراً نافذ کیا جائے گا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

کہا جاتا ہے کہ بعض علاقے کے مسلمانوں میں بھی رواج ہے کہ کم عمر لڑکیوں کی شادی کر دیتے ہیں اور لڑکیوں کو خاوندوں کے پاس بھیج دیا جاتا ہے اور وہ مباشرت کر لیتے ہیں اور اس کا نہایت مضر اثر ان لڑکیوں اور ان کی اولاد پر پڑتا ہے اور اس کے انسداد کی سوائے قانونی مداخلت اور کوئی سبیل نہیں ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو مسلمانوں میں کم عمری کی شادیوں کا رواج بہت کم ہے۔ پھر اگر کسی قدر رواج کہیں ہے بھی تو صرف نکاح کر دینے کا ہے۔ ناقابل مجامعت عورت کو رخصت کر دینے کا نہیں ہے۔(۱) لڑکی خاوند کے یہاں اسی وقت بھیجی جاتی ہے جب مجامعت کے قابل ہو جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صرف نکاح کر دینے میں بیان کردہ خرابیوں میں سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

اور اگر بالفرض کوئی شاذ اور نادر واقعہ ایسا بھی ہوا ہو کہ ناقابل جماع عورت سے جماع کر لیا گیا ہو تو وہ اپنی قلت و ندرت کے لحاظ سے ناقابل اعتبار ہے۔

---

(۱) واذا نقد الزوج المهر وطلب من القاضي ان يامر ابا المرأة تسليم المرأة فقال ابوها : انها صغيرة لا تصلح للرجال وتحتمل الرجال امر الاب بدفعها الى الزوج وان قال لاتحتمل الرجال لا يؤمر بتسليمها الى الزوج (الهندية ، كتاب النكاح ، الباب الرابع في الاولياء ، ۱ / ۲۸۷ ، ماجدية)
وفي الرد: البالغة اذا كانت لا تتحمل لا يؤمر بدفعها الى الزوج (رد المحتار ، كتاب النكاح ، باب المهر ، ۳ / ۱۶۱ ، سعيد)

دوسرے یہ کہ اس خرابی کا وجود اسی صورت میں ہوتا ہے کہ جب کہ ناقابل جماع عورت سے جماع کیا جائے اور ظاہر ہے کہ قابل جماع ہونا عمر کے ساتھ معین نہیں کیا جا سکتا۔(۱) بلکہ اس کا حقیقی معیار بلوغ ہے۔

تیسرے یہ کہ اس قسم کی خرابی کا ۱۴ سال اور اس سے زیادہ عمر کی عورتوں میں بھی جب کہ وہ کمزور اور مریض ہوں امکان ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ایسی عورتوں کی تعداد جو باوجود ۱۴۔ ۱۵ سال کی عمر رکھنے کے کمزوری اور بیماری کی وجہ سے ناقابل جماع ہوں ایسی منکوحہ لڑکیوں سے کہیں زیادہ ہو جو کم عمری کے باعث ناقابل جماع ہوں۔(۲)

چوتھے یہ کہ فی ہزار ایک دو عورتوں کے جسمانی نقصان کی وجہ سے (اگر اس قدر ہوتا بھی ہو تو تمام مسلمان قوم کی فیصدی تقریباً ۷۵ دوشیزہ نوجوان عورتوں کو جو ۱۴ سال سے کم عمر میں بالغ ہو جاتی ہیں اور تقریباً تمام لڑکوں کو جو ۱۵ سال کی عمر میں شرعی طور پر بالغ ہو جاتے ہیں،(۳) ایک شرعی حق چھین کر مبتلائے مصائب کر دینا کون سی عقل مندی ہے۔ بالخصوص جب کہ ان پابندیوں سے ان کے دینی و دنیوی مفاد کے تباہ ہونے کا بھی قوی خطرہ ہے۔

حاصل کلام یہ ہے

اس بل کا مسلمانوں پر اطلاق یقیناً مذہبی مداخلت ہے اور اس سے ان کی مخصوص تہذیب اسلامی معاشرت اور ان کی حریم عفت و عصمت کی بربادی کا قوی خطرہ ہے۔ اس سے ناقابل برداشت مصائب اور سختیاں غریب مسلمانوں پر پڑ جائیں گی اور بہت سے حالات میں وہ مذہبی احکام کی رو سے اس بل کی تعمیل میں گنہگار ہوں گے۔ اور اس سے پیغمبر اسلام اور صحابہ کرام کے افعال پر ناجائز اور دل آزار حملوں کا دروازہ کھل جائے گا جو امن عامہ کے لئے بھی تباہ کن ہے۔

اور یہ کہ مسلمانوں کے نمائندوں کی اکثریت اور تمام مسلم قوم اس سے ناراض اور بیزار ہیں اس لئے اس کا آئینی طور پر مسلمانوں پر اطلاق نہیں ہو سکتا۔

ہز ایکسلنسی وائسرائے یا تو اسے اپنے اختیار خصوصی سے مسلمانوں کے حق میں مسترد کر دیں ورنہ مسلمان اس جبریہ قانون کے خلاف اپنی امکانی طاقت صرف کر دیں گے۔(۴) اور اس کے عواقب و نتائج کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ ہم نے پورے طور پر اتمام حجت کر دیا ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ، ۱۲ اکتوبر سن ۱۹۲۹ء

۱۲ اکتوبر تک (جب کہ یہ رسالہ لکھا گیا تھا) یہ اطلاع نہیں ملی تھی کہ وائسرائے (لارڈ گوشن جو اس وقت لارڈ ارون کے بجائے قائم مقام وائسرائے تھے۔ نے اس بل پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ ۴ اکتوبر کو دفعۃً معلوم ہوا کہ

---

(۱) قال البزازی: ولا یعتبر السن (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر ۳: ۱۶۱، سعید)

(۲) واکثر المشایخ علی انه لا عبرة للسن فی هذا الباب وانما العبرة للطاقة (الهندیة، کتاب النکاح، الباب الرابع ۱: ۲۸۷، ماجدیة)

(۳) بلوغ الغلام بالاحتلام ولاحبال والانزال والجاریة بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد فیهما شئ فحتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة، به یفتی (الدر المختار، کتاب الحجر ۶: ۱۵۳، سعید)

(۴) قال علیه السلام من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلک اضعف الایمان (الصحیح لمسلم، کتاب الایمان ۱: ۵۱، قدیمی)

وائسرائے نے یکم اکتوبر کو ہی بل پر اپنی منظوری دے دی ہے۔ ۲۷ اکتوبر سن ۲۹ء کو لارڈ ارون ہندوستان واپس آئے اور ۷ نومبر کو میں نے ان کے نام یہ مبسوط خط لکھا جو درج ذیل ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

(نوٹ) یہ مبسوط خط اوپر درج ہو چکا ہے۔

(واصف)

بیس سال بعد نکاح کا انکار کرنے والی عورت کیا دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ اکتوبر سن ۳۱ء)

(سوال) ایک مسلمان پردیس سے ایک بیوہ عورت قوم کی برہمنی کو ساتھ لے کر اپنے مکان کو آیا یہاں بستی کے لوگوں کو بالکل معلوم نہیں کہ اس عورت اور مرد کا نکاح ہوا یا نہیں اور نہ کسی نے دریافت کیا۔ اس طرح دونوں کو میاں بیوی کی طرح رہتے ہوئے۔ بیس سال گزر گئے۔ اب ان دونوں میں جھگڑا ہوا اور عورت نے جامع مسجد میں جمعہ کے دن جا کر مجمع عام میں ظاہر کیا کہ میرا ابھی تک اس کے ساتھ نکاح نہیں ہوا۔ عام جماعت پنچوں نے عورت سے ہر قسم کا حال پوچھا۔ اس نے نکاح سے انکار کیا۔ شوہر کہتا ہے کہ بیس سال کا عرصہ ہوا۔ نکاح کے گواہ اور قاضی وغیرہ کوئی بھی موجود نہیں رہے۔ سب مر کھپ گئے۔ ہم شہادت یا ثبوت کہاں سے لائیں۔ شوہر کسی قسم کا ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔ اب یہ عورت چھ مہینے سے دوسرے آدمی کے پاس ہے۔ کیا وہ اس سے بغیر طلاق کے نکاح کر سکتی ہے ؟

(جواب ۵۱۸) چونکہ بیس سال تک دونوں میاں بیوی کی طرح رہتے رہے اور عورت نے اس طویل عرصہ میں یہ ظاہر نہیں کیا کہ اس کا نکاح نہیں ہوا ہے۔ اس لئے اب اس کے کہنے سے مرد کے ذمہ یہ جرم اور الزام قائم نہیں ہو سکتا کہ اس نے بے نکاحی عورت کو رکھا۔ اور چونکہ ان دونوں نکاح کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔(۱) اس لئے عورت کو اب طلاق حاصل کرنے پر مجبور بھی نہیں کیا جا سکتا وہ دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

سار دا ایکٹ کے نفاذ کے لئے کوشاں شخص کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ یکم نومبر سن ۳۱ء)

(سوال) زید جو مذہباً مسلمان ہے ایک اسلامی ریاست میں سار دا ایکٹ کو نافذ کرنے کی تحریک پیش کرتا ہے۔ در آں حالیکہ باشندے اس قانون کو ناپسند کرتے ہیں۔ نیز علوم مشرقی کی مخالفت کرتے ہوئے ریاست کے ان مدارس کو جن میں عربی فارسی ادب اور دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بند کرا دینا چاہتا ہے۔

(جواب ۵۱۹) زید کی یہ دونوں حرکتیں اسلامی جذبے کے خلاف ہیں اور ان سے اسلامی تہذیب کی تخریب کی سعی جھلکتی ہے۔ جس کی وجہ سے زید اسلام اور مسلمانوں کے سامنے جواب دہ قرار پاتا ہے۔ مسلمانوں کو اس کے اس فعل کے خلاف اظہار ناراضگی و نفرت ضروری ہے۔ اور متفقہ سعی سے اس کی کوشش کو ناکام کر دینا چاہئے۔(۱)

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

---

(۱) ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا او غيره كنكاح و طلاق (الدر المختار ، كتاب الشهادات ، ۵/ ۴۶۵، سعيد)

مجبوراً نکاح پر رضامندی کیسی ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ جون سن ۱۹۳۳ء مطابق ۴ ربیع الاول سن ۱۳۵۲ھ)

(سوال) ہندہ کے منگیتر میں کچھ عیب سن کر اس کے والدین رشتہ منقطع کر دیتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے ہیں کہ اب انہوں نے رشتہ اپنے بھائی کے لڑکے بکر کے ساتھ کر دیا ہے۔ حالانکہ بکر کو علم بھی نہیں۔ بکر جس کے ساتھ ہندہ کی چھوٹی ہمشیرہ کی نسبت کچھ عرصے سے بتائی جاتی تھی اپنی مخالفت ظاہر کیا کرتا تھا۔ اسے ہندہ پیش کی گئی۔ مگر جن نقائص کی وجہ سے وہ چھوٹی بہن کا رشتہ نہیں چاہتا تھا وہ ہندہ میں بھی موجود تھے انکار کر دیتا ہے۔ اب چونکہ ہندہ کے والدین مشتہر کر چکے تھے۔ قول کو حق ثابت کرنے کے لئے بکر پر ادھر ادھر سے زور ڈالنا شروع کیا اور کہا گیا کہ لڑکی کو تعلیم دلوائی جائے گی۔ سینا پرونا سکھایا جائے گا اور بھی مدد کی جائے گی وغیرہ۔ اور بھی سبز باغ دکھائے گئے بکر نے بہت منت آکر رضامندی ظاہر کر دی منگنی کی رسم ادا ہوئی۔ بعد میں بکر نے وہی انکار شروع کر دیا کیونکہ لڑکی کے والدین نے شادی کے لئے کہنا شروع کر دیا۔ اور اس لئے بھی کہ لڑکی بدستور ان پڑھ اور دوسرے وعدے بھی پورے نہیں ہوتے معلوم ہوتے تھے۔ طالب علمی کا زمانہ تھا۔ اسے کسی کی مدد کا بھروسہ بھی نہ تھا۔ کچھ شکل سے بھی نفرت تھی۔ بہت سر پھوڑا کہ شادی نہ ہو۔ کسی طرح سے بلا ٹل جائے مگر والدین نے کوئی پروانہ کی۔ کیونکہ رشتہ داری کا معاملہ تھا ہندہ کے والدین کو بھی سب علم تھا۔ مگر وہ اس لئے قدم نہ اٹھاتے تھے کہ بدنامی ہوگی۔ باوجود اس کے کہ بکر کہتا تھا کہ اگر رشتہ ہو گیا تو طلاق دے دوں گا۔ ہندہ کے والدین نے بکر کے والدین پر بہت دباؤ ڈالا اور دھمکیاں دیں کہ اگر جلدی شادی نہ کی گئی تو سب رشتہ داریاں چھوڑ دیں گے۔ انہیں مجبوراً انتظامات کرنے پڑے۔ بکر بدستور نہیں نہیں کرتا رہا۔ اور یہ حالت تھی کہ شادی کے ذکر سے خواہ بازار ہو رو پڑتا تھا اور آخری دن تک یہی حالت تھی۔ دعا کرتا تھا کہ کسی طرح رہائی ہو، مگر نہ ہوئی۔ خودکشی اسلام میں منع ہے اس لئے نہ کی۔ گھر سے بھاگا۔ اس لئے کہ نہ کسی رشتہ دار نے مدد کا وعدہ کیا نہ جواب دیا۔ مجبوراً کرنی پڑی۔ اب شادی ہوئے تقریباً ۴½ ماہ ہو چکے ہیں۔ اب بھی ہندہ کے لئے اس کے دل میں پہلے سے زیادہ نفرت ہے اور دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ شکل تک دیکھنے سے نفرت ہے۔ ہندہ میں کوئی بات یا خوبی نہیں جو اس کا دل اپنی طرف لا سکے۔ بکر شادی کو اپنے اوپر ظلم سمجھتا ہے۔ اور یہی رونا روتا ہے۔ ایسی شادی کے متعلق شریعت کیا حکم دیتی ہے؟

(جواب)(از نائب مفتی صاحب) اگر بکر بروقت عقد نکاح کے مجبور کیا گیا ہے قبول کر لینے پر تو عقد نکاح صحیح و نافذ نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ زوجین کی رضامندی صحت نکاح کے لئے شرط ہے(۲) جیسا کہ نماز کی صحت کے لئے وضو شرط ہے۔ فقط واللہ اعلم حبیب المرسلین عفی عنہ

---

(۱) فقال ابو سعید : اما هذا فقد قضى ماعليه سمعت رسول الله يقول : من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان (الصحيح لمسلم ، كتاب الايمان ، ۱ / ۵۱ ، قديمي)

وقال النووي في شرح هذا الحديث : انما يا مر وينهى من كان عالماً به وينهى عنه وذلك يختلف باختلاف الشئ فان كان من الواجبات الظاهرة والمحرمات المشهورة كالصلوٰة والصيام والزنا والخمر ونحو ها فكل المسلمين علماء بها (شرح المسلم للنووي ، كتاب الايمان ، ۱ / ۵۰ ، قديمي)

(۲) ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لا نقطاع الولاية بالبلوغ (الدر المختار) وفي الرد: ولا الحر البالغ والمكاتب [illegible] كتاب النكاح ، باب الولي ۳ / ۵۸ ، سعيد)

(جواب ۵۲۰) (از حضرت مفتی اعظمؒ) الجمعیۃ مورخہ ۴ ربیع الاول سن ۱۳۵۲ھ میں نکاح کے متعلق ایک فتویٰ شائع ہوا ہے۔ سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ "خاوند ایک عورت سے شادی کرنے پر رضامند نہیں تھا مگر اس کے والدین نے اسے مجبور کر کے اسی عورت سے اس کی شادی کر دی۔ شادی کو ایک عرصہ ہو گیا مگر خاوند اب تک زوجہ کی طرف مائل اور متوجہ نہیں ہے۔" مستفتی نے دریافت کیا تھا کہ آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ مولوی حبیب المرسلین صاحب نے جواب دیا تھا "یہ نکاح چونکہ خاوند کی مرضی کے خلاف ہوا ہے اس لئے صحیح و نافذ نہیں ہوا" اس جواب کے متعلق مولانا عبدالوہاب نے دربھنگہ سے مجھے اطلاع دی کہ یہ "جواب صحیح نہیں ہے۔" میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت جواب صحیح نہیں ہے۔ اول تو سوال سے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ واقعہ مذکورہ میں کوئی ایسی زبردستی کی گئی ہو جس کو اکراہ قرار دیا جائے تو جواز نکاح میں کوئی شبہ ہی نہیں(۱) اور اگر بالفرض اکراہ بھی ہو تا جب بھی صحیح جواب یہی تھا کہ نکاح صحیح ہو گیا۔ کیونکہ نکاح اکراہ میں بھی صحیح ہو جاتا ہے۔(۲) جن صاحب نے وہ سوال بھیجا تھا وہ اپنے سوال کا جواب یہ سمجھیں کہ نکاح تو صحیح ہو چکا ہے البتہ اگر زوجین میں نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو خلع یا طلاق کے ذریعہ سے علیحدگی کرائیں۔(۳) اور زوجین کی زندگی کو تلخی اور کشمکش میں مبتلا رکھنے سے بچانے کی تدبیر کریں۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مدرسہ امینیہ دہلی (یکم اگست سن ۱۹۳۳ء)

شادیوں میں عورتوں کا مل کر گیت گانا کیسا ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۵ مئی ۱۹۳۴ء)

(سوال) شادیوں میں عورتیں جو مل کر گیت گاتی ہیں اس کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ رسالت میں اس کا ثبوت ہے کہ مدینہ میں انصار کی لڑکیاں حضور ﷺ کی آمد پر گیت گاتی تھیں۔ ایک مصرع یہ تھا **وفینا نبی یعلم مافی غد**۔ جس کو حضور ﷺ نے منع فرمایا۔

(جواب ۵۲۱) یہ واقعہ دو لڑکیوں کے گانے کا عید کے ایام کا ہے۔(۴) اگر لڑکیاں عید یا شادی کے موقع پر زنانہ مکان میں غیر مردوں تک آواز نہ جائے(۵) ایسے اشعار گالیں کہ ان کا مضمون صحیح ہو تو اباحت میں داخل ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) وینعقد متلبسا بایجاب من احدھما وقبول من الآخر (الدرالمختار، کتاب النکاح، ۳/۹، سعید)

(۲) اکرہ علی نکاحھابان یدمن مھر المثل بطلت الزیادۃ وجاز النکاح (البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ، کتاب الاکراہ، ۶/۱۳۰، ماجدیۃ)

(۳) ویجب لوفات الامساک بالمعروف ... ومن محاسنہ التخلص بہ من المکارہ (الدرالمختار) وفی الرد: من (المکارہ) ای الدینیۃ والدنیویۃ ای کأن عجز عن اقامۃ حقوق الزوجۃ او کان لایشتھیھا (ردالمحتار، کتاب الطلاق، ۳/۲۲۹، سعید)

(۴) قالت الربیع بنت معوذ بن عفراء: جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدخل حین بنی علی ... فجعلت جویریات لنایضربن بالدف ویندبن من قتل من آبائی یوم بدر اذ قالت احداھن: "وفینا نبی یعلم مافی غد" فقال: دعی ھذہ وقولی بالذی کنت تقولین (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح والولیمۃ، ۲/۷۷۳، قدیمی) عن عائشۃ قالت: دخل صلی اللہ وعندی جاریتان تغنیا بغناء بعاث فاضطجع علی الفراش وحول وجھہ ودخل ابوبکر فانتھرنی ... فاقبل علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: دعھما ... وکان یوم عید (صحیح البخاری، کتاب العیدین، ۱/۱۳۰، قدیمی)

(۵) عن محمد بن حاطب قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فصل مابین الحلال والحرام الدف والصوت فی النکاح (سنن نسائی، کتاب النکاح، باب اعلان النکاح بالصوت وضرب الدف، ۲/۷۵، سعید)

زنا کرنے سے بیوی شوہر پر حرام نہیں ہوتی

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) ایک شخص اپنی بیوی کو اپنے گھر میں چھوڑ کر واسطے روزگار کے کلکتہ چلا گیا اور برابر خرچ اخراجات کے لئے روپیہ بھیجتا رہا۔ اس درمیان میں اس کی بیوی کا ایک شخص سے ناجائز تعلق ہو گیا۔ جب یہ بات بستی والوں کو معلوم ہوئی تو ان دونوں کو بستی سے نکال دیا۔ وہ لوگ دوسری بستی میں جا کر قیام پذیر ہوئے۔ معلوم ہونے پر وہاں کے لوگوں نے بھی ان دونوں کو نکال دیا عورت وہاں سے اپنے شوہر کے گھر چلی آئی۔ اتفاقاً اسی روز اس کا شوہر بھی کلکتہ سے آگیا۔ جب یہ سب حرکات اس کو معلوم ہوئیں تو اس نے کہا کہ ہم اس کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اگر اس نے برا فعل کیا ہے تو اس کا وبال اس کے سر رہے گا اور بیوی بھی اپنے شوہر کو چھوڑنا نہیں چاہتی ہے۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ بیوی اپنے شوہر پر حلال رہی ہے حرام ؟

(جواب ۵۲۲) بیوی کی بداعمالی سے اس کا نکاح فسخ نہیں ہوا۔ وہ بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں (۱) ہے۔ اگر شوہر اس کو رکھنا چاہتا ہے تو رکھ سکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

عقد کے وقت جس لڑکی کا نام لیا گیا اس سے نکاح ہوا ہے اگرچہ غلطی سے لیا گیا ہو

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جولائی ۱۹۳۸ء)

(سوال) زید کی دو بیٹیاں ہیں۔ بڑی بالغہ ہے چھوٹی نابالغہ ہے بڑی کا عقد بکر سے مقرر ہوتا ہے بکر جو زید کا ہمشیرہ زادہ ہے مع احباب کے آتا ہے۔ نکاح پڑھانے کے لئے قاضی صاحب دلہن کا نام دریافت کرتے ہیں تو زید بھولے سے چھوٹی لڑکی کا نام نکاح کے رجسٹر میں لکھواتا ہے۔ اور دو گواہوں کے روبرو بڑی لڑکی یعنی دلہن سے نکاح پڑھا کر دینے کی قبول حاصل کرتا ہے۔ لڑکی قبول دیتی ہے۔ مجلس میں لڑکی کی قبولی سنائی جاتی ہے۔ قاضی صاحب خطبہ پڑھنے کے بعد نکاح کے صیغے دلہن کے باپ اور دولہا سے تین تین دفعہ کہلواتے ہیں۔ اور صیغے میں ہر بار چھوٹی لڑکی ہی کا نام دوہرایا جاتا ہے۔ نکاح ہونے کے بعد دولہا دلہن کو رخصت کرا کے لے جاتا ہے اور خلوت صحیحہ حاصل کرتا ہے۔ اب زید کہتا ہے نکاح میں جو نام لیا گیا وہی نام بڑی لڑکی کا ہے۔ حالانکہ غلط کہتا ہے کیونکہ نکاح میں جو نام لیا گیا ہے اصل میں وہ چھوٹی لڑکی کا نام ہے۔ اور اس کو اسی نام سے داخل مدرسہ کئے ہیں وہی نام سے ہمسایہ بلاتے ہیں۔ لہذا اس صورت میں نکاح کس سے ثابت ہوتا ہے۔ چھوٹی سے یا بڑی سے ؟ اگر چھوٹی سے ثابت ہوا تو بکر کو اپنی متصرفہ دلہن کو رکھنے کا کیا طریقہ ہے ؟

---

(۱) عن ابن عباس جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال : ان عندی امرأة هی من احب الناس الی وهی لا تمنع ید لامس، قال: طلقها ، قال : لا اصبر عنها ، قال: استمتع بها (سنن النسائی ، کتاب النکاح ، ۲/ ۵۹، سعید)
وفی آخر المجتبی: لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة (الدر المختار، کتاب النکاح ،۳/ ۵۰، سعید)
(۲) لو کان لرجل بنتان ، کبری اسمها عائشة وصغری اسمها فاطمة واراد ان یتزوج الکبری وعقد باسم فاطمة ، ینعقد علی الصغری (الهندیة، کتاب النکاح ،الباب الاول ،۱/ ۲۷۰ ، ماجدیة)

(جواب ۵۲۳) نکاح اسی لڑکی کا ہوا جس کا نام عقد کے وقت لیا گیا(۲) اور رخصتی بڑی لڑکی کی ہوئی۔ بڑی سے خلوت و وطی واقع ہوئی تو یہ وطی وطی بالشبہ ہوئی۔ اب شوہر کو لازم ہے کہ چھوٹی لڑکی کا نام لے کر اس کو طلاق دے دے اور بڑی لڑکی سے جو موطوءہ ہے نکاح کرے۔ نکاح ایجاب و قبول دو گواہوں کے سامنے کر لینے سے ہو جائے گا۔(۱) چھوٹی لڑکی کی طلاق قبل الخلوۃ ہوگی اس لئے کوئی عدت لازم نہ ہوگی۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

پہلا حاشیہ نمبر ۲ پچھلے صفحے کے حاشیہ نمبر ۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) وشرط حضور شاهدين حرين او حر و حرتين مكلفين سامعين قولهما معاً (الدر المختار ، كتاب النكاح ، ۳/ ۲۲، سعيد)
(۲) ان فرق قبل الدخول لا تجب العدة (الهندية، كتاب الطلاق ، الباب الثالث عشر فى العدة ، ۱/ ۵۲۶، ماجدية)

کتاب الحجاب

پردے کے احکام وحدود

عورتوں کا غیر محرموں کے سامنے جانا اور گانا سنانا جائز نہیں

(سوال) اپنی لڑکیوں یا بہنوں کو شادی یا ماتم پرسی میں یا سودا خریدنے کو بھیجنا کیسا ہے۔ اور شادی میں عوام کے سامنے گانا اور منہ کھولنا اور غیر محرم کو مخاطب کر کے گانا سنانا عورتوں کا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

(جواب ٥٢٤) عورتوں کو غیر محرم کے سامنے جانا خواہ شادی میں ہو یا ماتم پرسی میں یا اور کسی تقریب میں ناجائز ہے۔(۱) اسی طرح غیر محرموں کے سامنے گانا حرام ہے۔(۲) اگر عورت مجبوری کی وجہ سے سودا وغیرہ لینے جائے تو برقع وغیرہ ایسی طرح اوڑھ لے کہ کسی کی نظر اس کے بدن پر نہ پڑے۔(۳)

چہرے کے پردے کا حکم

(سوال) مستورات کو چہرے کے پردے کا کیا حکم ہے ؟ زید کہتا ہے کہ پردہ صرف چہرے کا ہونا چاہئے نہ منہ کا۔ عمرو کہتا ہے کہ پردہ منہ کا ہونا چاہئے۔

المستفتی نمبر ۲۶۶ محمد طاہر صاحب (ضلع گورداسپور) ۱۴ محرم سن ۱۳۵۳ھ م ۲۹ اپریل سن ۱۹۳۴ء

(جواب ٥٢٥) عورت کا چہرہ نماز میں پردے کا حکم نہیں رکھتا۔(۴) مگر غیر محرموں کے سامنے آنے جانے میں پردہ کا حکم رکھتا ہے۔(۵) کیونکہ چہرہ ہی اصل شے ہے جو جاذب نظر اور مہیج جذبات ہے۔

عیدین کی نماز کے لئے عورتوں کا جانا جائز نہیں

(سوال) عورتوں کو عیدگاہ میں نماز عید کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۵۱۲ ۴ ربیع الثانی سن ۱۳۵۴ھ م ۶ جولائی سن ۱۹۳۵ء

(جواب ٥٢٦) نہیں کہ ان کے لئے جانے میں فتنہ ہے۔(۶) محمد کفایت اللہ

ماں کے ماموں سے پردہ

(سوال) عورت کی ماں کا ماموں سگا یا سوتیلا یا اخیافی اسی طرح اس کی نانی کا سگا یا سوتیلا یا اخیافی ماموں سے پردہ کرنا

---

(۱) قرآن مجید میں عورتوں کو گھروں ہی میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور بے پردہ باہر گھومنے سے روکا گیا ہے۔
قال الله تعالى : وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الا ولى (الاحزاب : ۳۳)
(۲) نغمة المرأة عورة ... فلا يحسن ان يسمعها لرجل ، وفي الكافي : ولا تلبي جهرا ، لا ن صوتها عورة (رد المحتار، كتاب الصلوة باب شروط الصلوة ۱ / ٤٠٦ ، سعيد) (۳) وليضربن بخمرهن على جيوبهن ولا يبدين زينتهن (النور : ۳۱)
(٤) انكشاف ربع القدم يمنع الصلوة والكف والوجه ليس بعورة (الخانية على هامش الهندية ، كتاب الصلوة ، ۱/ ١٣٤، ماجدية)
(٥) وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين رجال ، لا لانه عورة بل لخوف الفتنة (الدر المختار ، كتاب الصلوة باب شروط الصلوة ، ۱/ ٤٠٦ ، سعيد) والمعنى تمنع من الكشف لخوف ان يرى الرجال وجهها فتقع الفتنة ، لا نه مع الكشف قد يقع النظر اليها بشهوة (رد المحتار ، كتاب الصلوة ، ۱/ ٤٠٦ ، سعيد)
(٦) عن عائشة قالت : لوادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ماا حدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل (جامع الترمذى ، ابواب العيدين ، ۱/ ١٢٠ ، سعيد) وفي الدر : ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقا ولو عجوزا ليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان (الدر المختار ، كتاب الصلوة ، باب الا مامة، ۱/ ٥٦٦، سعيد)

ہو گیا نہیں۔ خصوصاً جب کہ ان کے روبرو جانے کی شرم اجازت نہیں دیتی یا دین کے بعض ضروری مسئے میں خلل کا اندیشہ ہے۔ المستفتی نمبر ۲۷۵ عبدالرشید (ضلع سلہٹ) ۱۱ جمادی الاولیٰ سن ۵۴ ۱۳ھ م ۱۲ اگست سن ۱۹۳۵ء

(جواب ۵۲۷) اگر ان لوگوں کے سامنے ہونے سے کوئی فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو پردہ کرنا لازم ہو گا۔(۱)

محمد کفایت اللہ

ساس کو بے پردگی کی ترغیب دینا درست نہیں

(سوال) زید نے اپنی زوجہ کی حقیقی ماں یعنی اپنی ساس سے جو کہ شوہر دار ہے دانستہ یہ کہا کہ جس وقت میرے بڑے حقیقی بھائی بکر گھر کے اندر آیا کریں ان سے پردہ نہ کیا کرو۔ یعنی اٹھ کر اندر کمرے میں نہ چلی جایا کرو (بکر رنڈوا ہے) زید کا اپنی ساس سے یہ کہنا جائز ہے یا نہیں اور اس کی زوجہ کے اور اس کے نکاح میں کوئی خرابی تو واقع نہیں ہوئی؟

المستفتی نمبر ۹۸۰ عبدالوحید (ضلع بلند شہر) ۱۵ ربیع الاول سن ۵۵ ۱۳ھ م ۶ جون سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۲۸) زید کا اپنی ساس سے یہ کہنا کہ تم میرے بڑے بھائی سے پردہ نہ کیا کرو درست نہیں ہے۔(۲) لیکن اس کہنے سے زید کے نکاح میں کوئی فرق نہیں آیا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

رشتہ داروں سے پردے کی حدود

(سوال) اعزا سے پردے کی تحدید کیسا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۰۸۲ قاری خادم علی مدرس مدرسہ نئی سڑک دہلی ۱۰ جمادی الاول سن ۵۵ ۱۳ھ

(جواب ۵۲۹) سوائے محارم کے اور رشتہ داروں سے پردہ ضروری ہے۔ پردے سے مراد یہ ہے کہ عورت کا بدن غیر محرم نہ دیکھے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) دیور، جیٹھ وغیرہ سے پردہ
(۲) اپنوں سے گھونگھٹ کا پردہ

(سوال) (۱) شوہر کے مکان میں شوہر کی والدہ برادر کلاں و خورد بھی رہتے ہیں اور حیثیت اتنی نہیں ہے کہ دوسرے مکان میں رہیں۔ لیکن زوجہ اور اس کے والدین ان کے سامنے آنے کو حرام سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس حال میں عورت کا تشدد کہاں تک صحیح ہے؟

(۲) اب تک ہمارے خاندان میں پردے کا یہ طریقہ رہا ہے کہ قریبی رشتہ داروں سے فقط گھونگھٹ اور آنکھوں کی شرم کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن دور کے رشتہ داروں سے باقاعدہ پردہ ہوتا ہے۔ قریبی رشتہ داروں سے سائل کی مراد ماموں، چچا و پھوپھی زاد بھائی، ماموں زاد بھائی، بھانجہ، خالہ زاد بھائی، بھتیجہ ہیں۔ اور یہ سب حقیقی ہیں۔ ان کی ہر وقت آمد و رفت رہتی ہے۔ ان کی روک تھام میں آپس میں قطع تعلق کا سخت خطرہ ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے شوہر کی

---

(۱) ومن محرمه هي من لا يحل له نكاحها ابدا بنسب او بسبب ولو بزنا الى الراس والوجه والصدر والساق والعضد إن أمن شهوته وشهوتها ايضاً والا ، لا (الدر المختار ، كتاب الحظر والا باحة ، ۶/ ۳۶۷، سعيد)

(۲) اس لئے کہ پردہ محرم سے نہیں، جو تالو رداماد کا بھائی محرم نہیں۔ جیساکہ مذکورہ بالا حوالہ میں مذکور ہے۔

(۳) ولا يبدين زينتهن الا لبعو لتهن او ابا نهن او آباء بعو لتهن او ابنائهن او ابناء بعو لتهن او اخوانهن او بنى اخوانهن او بنى اخواتهن (النور: ۳۱)

خواہش ہے کہ قریبی رشتہ داروں سے فقط گھونگھٹ نکال لیا کرو۔ اس پر عورت کہتی ہے کہ ہم کو خدا اور رسول ﷺ اور والدین کی جدائی کا ڈر ہے اور والدین کی جدائی پر شوہر کی جدائی کو ترجیح دیتی ہے تو یہ شوہر کی خواہش ان موانعات اور مضرات پر نظر کرتے ہوئے کہاں تک صحیح ہے۔ ویسے تو شوہر بھی پردے کا سختی سے حامی ہے۔

المستفتی نمبر ۱۰۸۲ قاری خادم علی مراد آبادی

(جواب ۵۳۰) (۱) عورت کا حق ہے کہ اس کو ایسے مکان میں رکھا جائے جس میں شوہر کے اقارب نہ ہوں۔(۱) دیور اور جیٹھ کے سامنے ہونے سے اگر زوجہ انکار کرتی ہے تو اس انکار میں وہ حق بجانب ہے۔(۲)
(۲) ہاں گھونگھٹ سے رہنا جواز کے لئے کافی تو ہے۔ لیکن گھونگھٹ کا التزام ایک گھر میں رہ کر ہمیشہ کرنا دشوار ہے۔ جن لوگوں سے نکاح جائز ہے وہ سب غیر محرم ہیں اور ان سے پردہ کرنے کا عورت کو حق ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دیور سے پردہ کرنے پر شوہر کے والدین کی ناراضی صحیح نہیں

(سوال) ایک شخص نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنی زوجہ کو پردہ شرعی دیا ہے حتی کہ اپنے بڑے بھائی کو ادب اور آرام سے کچھ عرصہ بعد شادی کے پردہ کا حکم شرعی سنا کر پردہ کر دیا ہے چونکہ یہ بہت عرصے سے آباؤاجداد میں پردہ نہ تھا۔ لہذا پردے کی وجہ سے والدہ صاحبہ سخت ناراض ہو گئی ہیں کہ تو اپنے بھائی سے پردہ نہ کرا اور نہ میں تم سے جدا ہو جاؤں گی۔ اب عرض یہ ہے کہ اس وجہ سے والدہ صاحبہ کا ناراض ہو جانا قیامت میں کیسا ہو گا؟

المستفتی نمبر ۱۳۸۲ سجادہ صاحب دین پور شریف ڈاک خانہ خان پور۔
ریاست بھاولپور ۳۰ ذی الحجہ سن ۱۳۵۵ھ م ۱۴ مارچ سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۳۱) حدیث شریف میں شوہر کے بھائی کو عورت کے لئے موت سے تعبیر فرمایا ہے۔(۴) جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پردہ کرنا لازم ہے تو اس شخص نے شریعت کے مطابق کام کیا ہے اس پر والدہ کی ناراضگی اس کے حق میں مضر نہیں ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دیور اور خسر کے ساتھ اکٹھے مکان میں رہنا کیسا ہے

(سوال) ایک مکان میں چار بھائی اور ان کے والدین اکٹھے رہتے ہیں۔ بھائیوں میں سے ایک نابالغ اور تین بالغ۔ دو کی شادی ہو گئی۔ مکان تنگ ہونے کی وجہ سے اس میں حصے نہیں ہو سکتے۔ علاوہ ازیں خورد نوش میں بھی جدائی ناممکن

---

(۱) وکذا تجب لها السکنی فی بیت خال عن اهله (الدر المختار)
وفی الشامیة : لا نها تتضرر بمشارکة غیرها فیه ، لا نها لا تامن علی متاعها ویمنعها ذلک من المعاشرة مع زوجها ومن الا ستمتاع الا ان تختار ذلک ، لانها رضیت با نتقاص حقها (رد المحتار ، کتاب الطلاق ، باب النفقة ، ۳/ ۶۰۰، سعید)
(۲) عن عقبة بن عامر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل من الانصار : یا رسول الله افرایت الحمو؟ قال : الحمو الموت (صحیح البخاری ، کتاب النکاح ، ۲/ ۷۸۷، قدیمی)
(۳) وقل للمؤمنت یغضضن من ابصار هن . (النور : ۳۱) قال ابن کثیر فی تفسیره : ای عما حرم الله علیهن من النظر الی غیر ازواجهن ولهذا ذهب کثیر من العلماء الی انه لا یجوز للمرأة النظر الی الرجال الا جانب بشهوة ولا بغیر شهوة اصلاً (تفسیر ابن کثیر ، ۳/ ۲۸۳، سهیل اکیڈمی)
(۴) عن عقبة بن عامر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال : ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل من الا نصار یا رسول الله افرایت الحمو ؟ قال : الحمو الموت (جامع الترمذی ابواب الرضاع، باب ماجاء فی کراهیة الدخول علی المغیبات ، ۱/ ۲۲۰، سعید)

ہے۔ کیونکہ کوئی روزگاری، کوئی طالب علم، کوئی بے روزگار اور بسااوقات ہر ایک بھائی کو اندر جانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ کبھی کوئی چیز مانگی۔ کوئی بات کہی کھانا کھانا وغیرہ ضروریات تمدن روزمرہ واقع ہوتے رہتے ہیں۔ اب پردہ کس طرح کرنا چاہئے وجہ و کفین ور جلین کی استثنا جائز ہے یا نہیں جواز کی صورت میں قباحت یہ ہے کہ انسان کے چہرہ دیکھنے میں ہی بد خیالی پیدا ہوتی ہے اور عدم جواز کی صورت میں گھر کے کاروبار مشکل۔ اس کے علاوہ بسااوقات بیبیاں دوسرے بھائیوں کی نظر میں پڑ جاتی ہیں۔

المستفتی نمبر ۱۵۴۱ عبدالنور صاحب (ضلع سلہٹ) ۷ ربیع الثانی سن ۱۳۵۶ھ م ۷ ۲ جون سن ۷ ۱۹۳ء

(جواب ۵۳۲) ایسی حالت میں عورتوں کو گھر میں احتیاط سے رہنا اور حتی الامکان کھلے منہ سامنے ہونے سے بچنا لازم ہے۔(۱) امکانی کوشش کرلیں اور مجبوری سے احیاناً سامنا ہو جائے تو صفائی قلب کی حالت میں اس کی معافی کی امید ہو سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ساس سے پردہ نہیں

(سوال) مرد اپنی ساس کے سامنے بے پردہ آسکتا ہے یا نہیں ؟ اور بیٹے کی ساس باپ کے سامنے بے پردہ آسکتی ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۲۶۶ مولوی محمد ابراہیم صاحب (جیو مسلم) ۱۱ شوال سن ۱۳۵۵ھ م ۲ دسمبر سن ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۳۳) بیٹے کی ساس کا باپ کے سامنے بے پردہ آنا درست نہیں۔(۲) ہر شخص اپنی ساس کے سامنے بے پردہ آسکتا ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

استفتاء

عورتوں کا وعظ کی مجلسوں میں جانا

(ماخوذ از کف المومنات عن حضور الجماعات مطبوعہ سن ۱۳۴۴ھ)

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ عورتوں کا مجالس وعظ میں جانا جائز ہے یا نہیں ؟ بالخصوص ایسے جلسوں میں جن میں خوش الحانی سے اشعار پڑھے جاتے ہوں اور مجمع میں ہر قسم کے لوگ موجود ہوں۔ اور اگر عورتوں کے لئے ایسے موقعوں پر جداگانہ پردے کا بندوبست کر دیا جائے تو آیا اس کا کچھ اثر جواز و عدم جواز میں ہوگا یا نہیں ؟ اور یہ کہ عورتوں کو ایسے مجامع میں شریک ہونے سے منع کرنے کا خاوند کو حق حاصل ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۵۳۴)(۱) عورتوں کو فقہائے حنفیہ نے نماز کی جماعتوں اور عیدین اور مجالس وعظ میں جانے سے منع کیا ہے۔(۴) اور کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورتوں کے لئے مجالس وعظ اور جماعت نماز اور عیدین میں جانا مکروہ

(۱) قل للمؤ منات یغضضن من ابصار ھن (النور : ۳۱) قال ابن کثیر : ای عما حرم اللہ علیھن من النظر الی غیر ازواجھن. ولھذا ذھب کثیر من العلماء الی انہ لا یجوز للمراۃ النظر الی الرجال الا جانب بشھوۃ ولا بغیر شھوۃ اصلاً (تفسیر ابن کثیر، ۳ ۲۸۳، سھیل اکیڈمی)

(۲) اس لئے کہ بیٹے کی ساس محرمات میں سے نہیں۔ کما فی الشامیۃ : ولا ام زوجۃ الا بن (ردالمحتار، کتاب النکاح ، باب المحرمات، ۳/ ۳۱، سعید)

(۳) لانھا من محرماتہ کما فی قولہ تعالی : وامھات نسائکم (النساء : ۲۳)

(٤) ویکرہ حضور ھن الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید و وعظ مطلقا علی المذھب المفتی بہ لفساد الزمان (الدر المختار، کتاب الصلوۃ باب الامامۃ، ۱/ ۵۶۶، سعید)

تحریمی ہے جو حرام کے قریب ہے۔ اور اس حکم فقہی کی دلیل یہ حدیث ہے جو بخاریؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے۔

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم مااحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل فقلت لعمرة او منعن قالت نعم (۱) (رواه البخاري)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر عورتوں کی یہ حرکات جو انہوں نے اب اختیار کی ہیں رسول اللہ ﷺ ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عمرہ سے پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں ؟ انہوں نے فرمایا ہاں ! ۔ انتہی

اس حدیث سے نہایت صاف طور پر یہ بات معلوم ہو گئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ہی عورتوں کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ ان کا گھروں سے نکلنا اور جماعتوں میں جانا سبب فتنہ تھا۔ اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و دیگر اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین عورتوں کو جماعت میں آنے سے منع کرتے تھے۔

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت میں جس میں عورتوں کا زمانہ رسالت پناہی میں عیدین میں جانا مذکور ہے تحریر فرماتے ہیں۔

وقال العلماء كان هذا في زمنه صلى الله عليه وسلم واما اليوم فلا تخرج الشابة ذات الهيئة ولهذا قالت عائشة لو رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل قلت هذا الكلام من عائشة بعدزمن يسير جدا بعد النبي صلى الله عليه وسلم واما اليوم فنعوذ بالله من ذلك فلا يرخص في خروجهن مطلقا للعيد وغيره۔(۲) (عینی شرح بخاری)

علماء نے فرمایا کہ عورتوں کا عیدین میں جانا رسول خدا ﷺ کے زمانے میں اس لئے تھا کہ وہ زمانہ خیر و برکت کا تھا اور فتنہ کا خوف نہ تھا۔ اور آج کل جوان عورتیں خوبصورت خوش وضع ہرگز نہ جائیں اور اسی لئے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کی یہ حرکات ملاحظہ فرماتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک کے بہت تھوڑے دنوں بعد کا ہے اور آج کل تو خدا کی پناہ !

پس مطلقاً عورتوں کو عید اور غیر عید میں جانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ انتہی

(من المؤلف) جب کہ علامہ عینی اپنے زمانے میں یہ فرماتے ہیں کہ آج کل کی عورتوں کے حالات سے خدا کی پناہ ! تو پھر ہمارے اس زمانے چودھویں صدی کی عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے ؟ اور علامہ عینی عمدۃ القاری میں دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

(۱) صحيح البخاري ، كتاب الاذان ، باب خروج النساء الى المساجد بالليل ، ۱/ ۱۲۰ ، قديمي
(۲) عمدة القاري ، كتاب العيدين ، باب خروج النساء والحيض الى المصلى ، ۶/ ۲۹۶ ، سعيد

ومذهب اصحابنا ما ذكر صاحب البدائع اجمعوا على انه لا يرخص للشابة الخروج فی العيدين والجمعة وشئی من الصلوٰة لقوله تعالیٰ وقرن فی بیوتکن ولا ن خروجهن سبب للفتنة واما العجائز فیر خص لهن الخروج فی العيدين ولا خلاف ان الفضل ان لا يخرجن فی صلاۃ (عینی شرح بخاری وبدائع ج اص ۱۵۷ ۳)(۱)

ہمارے اصحاب یعنی علمائے حنفیہ کا مذہب وہ ہے جو صاحب بدائع نے ذکر کیا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جوان عورت کو عیدین اور جمعہ بلکہ کسی نماز میں جانے کی اجازت نہیں بوجہ ارشاد باری تعالےٰ وقرن فی بیوتکن کے اور اس لئے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے ہاں بوڑھیاں عیدین کے لئے جا سکتی ہیں اور اس میں خلاف نہیں کہ افضل بوڑھیوں کے لئے بھی یہی ہے کہ کسی نماز کے لئے نہ نکلیں۔ انتہی

ولا یباح للشواب منهن الخروج الی لجماعت بدلیل ماروی عن عمر رضی الله عنه انه نهی الشواب عن الخروج ولان خروجهن سبب للفتنة والفتنة حرام وما ادی الی الحرام فهو حرام۔(۲)(بدائع ص ۱۵۷ ج۱)

یعنی جوان عورتوں کا جماعتوں میں جانا مباح نہیں۔ اس روایت کی دلیل سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے جوان عورتوں کو نکلنے سے منع فرمادیا تھا۔ اور اس لئے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے۔ اور فتنہ حرام ہے اور جو چیز فتنہ کی طرف پہنچائے وہ بھی حرام ہوتی ہے۔ انتہی

اور فتاویٰ ہندیہ معروف بہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے :۔

والفتویٰ اليوم على الكراهة فی كل الصلوات لظهور الفساد كذافی الكافی۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۹۳ ج۱)(۳)

یعنی اس زمانے میں فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے۔ کیونکہ ظہور فساد کا زمانہ ہے۔

واما المرأة فلانها مشغولة بخدمة الزوج ممنوعة عن الخروج الی محافل الرجال لكون الخروج سببا للفتنة و لهذا لا جماعة عليهن ولا جمعة عليهن ايضاً (بدائع ص ۲۵۸ ج۱)(۴)

یعنی عورت کا حکم یہ ہے کہ وہ خاوند کی خدمت میں (شرعاً) لگائی گئی ہے اور مردوں کی مجلسوں میں جانے سے (شرعاً) روکی گئی ہے۔ کیونکہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور اسی لئے عورتوں پر جماعت اور جمعہ نہیں۔

(من المولف) ان تمام عبارتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کو نماز پنجگانہ، عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں جانا مکروہ تحریمی ہے۔ اور گھروں سے ان کے نکلنے میں ہی فتنہ ہے۔ اور یہ ممانعت حضرت عمرؓ حضرت

---

(۱) بدائع الصنائع ، كتاب الصلوة فصل في شرائطها و وجوبها وجوازها ، ۱/ ۲۷۵، سعيد
(۲) بدائع الصنائع ، كتاب الصلوة فصل في بيان من يصلح للامامة في الجملة ، ۱/ ۱۵۷، سعيد
(۳) الهندية ، كتاب الصلوة ، الباب الخامس ، الفصل الخامس ، ۱/ ۸۹، ماجدية
(٤) بدائع الصنائع، كتاب الصلوة ، فصل في بيان شرائط الجمعة ، ۱/ ۲۵۸، سعيد

عائشہؓ عروۃ بن الزبیرؒ قاسمؒ یحیٰی بن سعید انصاری، امام مالکؒ امام ابو یوسفؒ وغیرہ ہم سے منقول ہے۔ اور ائمہ حنفیہ کا بالا تفاق یہی مذہب ہے جیسا کہ عینی اور بدائع کی عبارتوں سے واضح ہے۔

باوجود یہ کہ نماز پنجگانہ اور عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں رسول خدا ﷺ کے زمانے میں عورتیں جاتی اور شریک ہوتی تھیں۔ اور یہ جماعتیں فرائض کی جماعتیں ہیں اور شعار اسلام میں سے ہیں مگر اختلاف زمانہ اور تغیر حالات کی وجہ سے صحابہ کرام اور ائمہ عظام نے عورتوں کو ان جماعتوں سے روک دیا۔ اور ائمہ حنفیہ نے بالا تفاق عورتوں کے جماعت میں جانے کو مکروہ فرمادیا تو اس سے ہر سمجھ دار شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ جب فرائض کی جماعتوں کا یہ حکم ہے تو واعظ کی مجلسوں میں جانا عورتوں کو کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔(۱) اول تو آج کل وعظ کی اکثر مجلسیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ عورتیں تو عورتیں مردوں کو بھی ان میں جانا جائز نہیں (۲) اس وجہ سے کہ اکثر واعظ نام کے مولوی ہوتے ہیں۔ دو چار اردو کی قصے کہانیوں کی کتابیں دیکھیں اور واعظ بن گئے۔ پھر ان کے واعظ میں سوائے قصے کہانیوں، جھوٹی سچی روایتوں، من گھڑت باتوں کے اور کیا ہوگا۔ سو ایسے وعظ میں کسی کو بھی جانا جائز نہیں۔ اور بعض واعظ مولوی بھی ہیں۔ لیکن چونکہ وعظ سے ان کا مقصود دنیا کمانا ہے اور عوام کو خوش کرنا اور اپنا معتقد بنانا اس لئے وہ بھی عام پسند باتوں کے بیان کرنے میں ہی اپنا فائدہ سمجھتے ہیں۔ اور عوام کو خوش کرنے کے لئے صرف قصے کہانیوں پر وعظ کو ختم کر دیتے ہیں۔ مجلس وعظ کی گرمی کے لئے اولیائے کرام کے کچھ فرضی واقعات سنا دیئے کچھ بے سند موضوع روایات بیان کر دیں اور اپنا الو سیدھا کر لیا۔ ایسے مولویوں کے وعظ میں بھی جانا مفید نہیں اور کسی مرد و عورت کو ان کے وعظ میں جانا جائز نہیں۔ چنانچہ اس کی تفصیل آخر میں بطور تتمہ بیان کی جائے گی۔

رہے صرف وہ معدودے چند علماء جو فی الواقع عالم بھی ہیں اور وعظ سے ان کا مقصود بھی تعلیم دین اور تبلیغ مذہب اور اشاعت اسلام ہے۔ دنیا طلبی انہیں مقصود نہیں۔ ان کا وعظ رطب ویابس قصوں، جھوٹی سچی روایتوں سے خالی اور پاک ہوتا ہے تو ایسے وعظ میں صرف مردوں کو حاضر ہونا جائز ہے، عورتوں کو نہیں۔ کیونکہ جب فرائض کی جماعتوں میں عورتوں کا جانا مکروہ اور ناجائز ہے تو مجلس وعظ میں جانا بدرجہ اولیٰ مکروہ اور ناجائز ہوگا۔ چنانچہ فقہائے کرام نے اس کی تصریح فرمادی ہے۔ اور متعدد معتبر فتاویٰ فقہائے حنفیہ میں یہ مضمون بصراحت موجود ہے جو ناظرین کے اطمینان کے لئے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:۔

ولا یحضرن الجماعات لقوله تعالیٰ وقرن فی بیوتکن وقال صلی الله علیه وسلم صلاتها فی قعریبتها افضل من صلاتها فی صحن دارها وصلاتها فی صحن دارها افضل من صلاتها فی مسجد ها وبیوتهن خیر لهن الی قوله قال المصنف فی الکافی والفتوىٰ الیوم علی الکراهیة فی الصلوٰة کلها الظهور الفساد و متی کره حضور المسجد للصلاة فلان یکره حضور مجالس الوعظ خصوصاً عند

---

(۱) و کره حضور المسجد للصلوة فلان یکره حضور مجالس الوعظ خصوصاعند هولاء الجهال الذین تحلوا بحلیة العلماء اولی (البحر الرائق، باب الامامة، ۱/ ۳۸۰، بیروت)

(۲) ان الواعظ مهما فرج کلام البدعة یجب منعه ولا یجوز حضور مجلسه الا علی قصد الرد علیه ان قدروا، وان لم یقدروا لا یحضر مجلسه، (مجالس الابرار (مترجم)، ص: ۴۸۲، مکتبه حقانیة بشاور)

ھٰؤلاء الجھال الذین تحلوا بحلیة العلماء اولیٰ ذکرہ فخر الا سلام (بحر الرائق ص ۳۸۰)(۱)

اور عورتیں جماعتوں میں نہ جائیں بوجہ ارشاد باری تعالیٰ وقرن فی بیوتکن کے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کی نماز کوٹھڑی کے اندر اس نماز سے اچھی ہے جو گھر کے صحن میں ہو اور صحن کی نماز اس نماز سے اچھی ہے جو مسجد میں ہو اور ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔ الی قولہ۔ مصنف یعنی صاحب کنزالد قائق نے کافی میں فرمایا کہ آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے بوجہ ظہور فساد کے اور جب کہ مسجد میں نماز کے لئے جانا مکروہ ہوا تو وعظ کی مجلسوں میں جانا اور بالخصوص ان جاہل واعظوں کی مجلسوں میں جنہوں نے علماء کی سی صورتیں بنا رکھی ہیں بدرجہ اولیٰ مکروہ ہے۔ یہ فخر الاسلام نے ذکر کیا ہے۔ انتہی

اور علامہ بدرالدین عینی شرح کنز میں تحریر فرماتے ہیں :۔

ولا یحضرن ای النساء سواء کن شواب او عجائز الجماعات لظھور الفسادو عند ابی حنیفة للعجوزان تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء وعند ھما فی الکل وبہ قالت الثلاثة والفتوی الیوم علی المنع فی الکل فلذلک اطلق المصنف ویدخل فی قولہ الجماعات الجمع والا عیاد والا ستسقاء ومجالس الوعظ ولا سیما عند الجھال الذین تحلوا بحلیة العلماء وقصد ھم الشھوات وتحصیل الدنیا۔ (عینی شرح کنز ص ۳۹)(۲)

یعنی عورتیں خواہ جوان ہوں یا بوڑھیاں جماعتوں میں نہ جائیں کیونکہ ظہور فساد کا زمانہ ہے۔ امام ابو حنیفہ سے بوڑھیوں کے لئے فجر اور مغرب اور عشا میں جانے کی اجازت مروی ہے۔ اور صاحبین سے تمام نمازوں میں جانے کی۔ اور اسی کے ائمہ ثلاثہ قائل ہیں۔ اور آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ تمام نمازوں میں جانا جوان عورتوں اور بوڑھیوں دونوں کو منع ہے۔ اور مصنف کے قول اجماعات میں جمعہ اور عیدین اور استسقا اور وعظ کی مجلسیں بھی داخل ہیں۔ بالخصوص ان جاہل واعظوں کی مجلسیں جو علماء جیسی صورتیں بنا لیتے ہیں اور مقصود ان کا اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنا اور دنیا کمانا ہے۔

اور در مختار میں ہے :۔

ویکرہ حضور ھن الجماعة ولو الجمعة وعید و وعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذھب المفتی بہ لفساد الزمان۔ (در مختار ص ۳۹۷ ج ۱)(۳)

یعنی عورتوں کا جماعت میں جانا خواہ جماعت جمعہ کی ہو یا عید کی یا وعظ کی۔ مکروہ ہے اور خواہ جانے والی بوڑھی عورت ہو اور رات کو جائے۔ مذہب مفتی بہ کی بنا پر۔ اور یہ حکم بوجہ ظہور فساد زمانہ کے ہے۔ انتہی

(من المولف) بحر الرائق عینی شرح کنزالد قائق اور در مختار کی عبارتوں سے صراحتہً یہ بات ثابت ہو گئی کہ عورتوں کو مجالس وعظ میں جانا مکروہ اور ناجائز ہے۔ اور بالخصوص ایسے واعظوں کی مجلسوں میں جن کا مقصود دنیا کمانا ہو۔ یعنی اگر واعظ جاہل یا دنیا کمانے والا ہو تو اس کی مجلس میں تو قطعاً ناجائز ہے۔ اس میں تو کلام ہی نہیں۔ عالموں اور اچھے

(۱) البحر الرائق ، کتاب الصلوة ، باب الامامة، ۱ / ۳۸۰، بیروت
(۲) عینی ، ص ۳۹ (۳) الدر المختار ، کتاب الصلوة ، باب الامامة ، سعید

واعظوں کی مجلس واعظ میں جانا بھی فساد زمانہ کی وجہ سے مکروہ اور ناجائز ہے۔ ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

ويمكن حمل النهي على عجائز متطيبات اومتزينات او على شواب ولو في ثياب بذلتهن لو جود الفتنة في خروجهن على قياس كراهة خروجهن الى المساجد (مرقاة شرح مشكوة ص ٤٧٠ ج ۱)(۱)

یعنی آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو زیارت قبور سے جو منع فرمایا ہے تو اس ممانعت کو ان بوڑھیوں پر جو خوشبو لگا کر نکلیں یا زینت کر کے نکلیں یا جوان عورتوں پر خواہ وہ معمولی لباس میں نکلیں محمول کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے گھر سے نکلنے میں ہی فتنہ ہے اور یہ ممانعت ان کے مسجدوں میں جانے کی کراہت پر قیاس کی جاتی ہے۔ انتہی۔

(من المؤلف) اس عبارت سے اور اسی طرح پہلی عبارتوں سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ عورتوں کا گھر سے نکلنا اور جماعتوں میں شریک ہونا موجب فتنہ ہے۔ اور ممانعت کا حکم اس فتنہ سے بچنے کے لئے ہے۔ زیارت قبور، جمعہ، عیدین، وعظ، استسقا سب اسی حکم میں داخل ہیں۔(۲)

اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جوان عورتیں خواہ بناؤ سنگار کر کے نکلیں یا معمولی حالت میں بہر حال ان کا نکلنا ناجائز ہے۔ اور اگرچہ بعض روایتوں سے بوڑھیوں کے لئے نماز فجر و مغرب و عشا میں جانا شرط یہ کہ زینت اور بناؤ سنگار کر کے نہ جائیں جائز معلوم ہوتا ہے لیکن قول مفتی بہ یہ ہے کہ بوڑھیوں کو جانا بھی جائز نہیں جیسا کہ علامہ عینی کی شرح کنز اور در مختار کی عبارت سے بصراحت ثابت ہوتا ہے۔ اور جب کہ ان عوارض کا لحاظ بھی کیا جائے جو سوال میں مذکور ہیں کہ مجلس وعظ میں خوش الحانی سے اشعار پڑھے جاتے ہیں اور مضامین عشقیہ کے اشعار سنائے جاتے ہیں تو ایسے وعظ میں عورتوں کے جانے کا حکم ایسا نہیں ہے جس میں کسی ذی علم کو کچھ بھی تردد اور تامل ہو سکے۔

عن انس رضي الله تعالى عنه قال كان للنبي صلى الله عليه وسلم حاد يقال له انجشه وكان حسن الصوت فقال له النبي صلى الله عليه وسلم رويدك يا انجشه لا تكسرا لقوارير قال قتادة يعني ضعفة النساء متفق عليه (مشكوة ص ٤١٠)(۳)

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ایک حدی خواں تھا۔ اس کا نام انجشہ تھا اور وہ خوش آواز تھا۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے انجشہ! ٹھہرو کہیں شیشیاں نہ توڑ دینا۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ شیشیوں سے آپ کی مراد عورتیں ہیں۔ انتہی۔ اس پر مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں :۔

امر رسول الله صلى الله عليه وسلم انجشة ان يغض من صوته الحسن وخاف الفتنة عليهن بان يقع من قلوبهن موقعا لضعف عزائمهن وسرعة تاثرهن

یعنی رسول اللہ ﷺ نے انجشہ کو حکم فرمایا کہ اپنی آواز کو پست کر دے۔ اور آپ کو خوف ہوا کہ کہیں یہ

(۱) مرقات المفاتیح، ۲ / ٤٧٠، امدادیة
(۲) ویدخل في قوله "الجماعات" الجمع والاعياد والاستسقاء و مجالس الوعظ (عینی شرح الكنز ص ۳۹)
(۳) مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، الفصل الثالث، ۲ / ٤١٠، سعيد

عورتوں کے دلوں میں کھب نہ جائے اور فتنہ واقع ہو۔ کیونکہ عورتوں کا استقلال کمزور ہوتا ہے اور ان کے دل میں ایسی باتوں کا اثر بہت جلد ہوتا ہے۔ (لمعات کذافی حاشیة المشكوٰة) (۱)

(من المئولف) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک خوش آواز شخص کو زور سے شعر پڑھنے سے صرف اس لئے منع فرمایا کہ عورتیں ساتھ تھیں اور اندیشہ تھا کہ اس کی خوش آوازی کی وجہ سے عورتوں کے دلوں میں کسی قسم کی بد خیالی پیدا ہو جائے اور اس کی خوش آواز سے متاثر ہو کر فتنہ میں پڑ جائیں۔

پس جب کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے زمانے کی عورتوں پر جو ہر طرح آنحضرت ﷺ کے فیض سے مشرف تھیں، یہ اندیشہ ہوا کہ خوش آوازی سے وہ بگڑ نہ جائیں تو پھر آج کل کی عورتوں کا کیا ٹھکانہ ہے۔ پس جس طرح کہ مردوں کے لئے غیر محرم کا گانا سننا حرام ہے اسی طرح عورتوں کو مردوں کا گانا سننا حرام ہے۔ اور کسی طرح عورتوں کو ایسے وعظ میں جانا جائز نہیں جہاں خوش آوازی سے اشعار پڑھے جاتے ہوں اور گایا جاتا ہو۔

(۲) رہا یہ امر کہ مجالس وعظ میں اگر عورتوں کے لئے کسی خاص طرف پردے کا انتظام کر دیا جائے تو پھر عورتوں کو وعظ میں جانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا ہی مکروہ ہے۔ (۲) اور اس نکلنے میں ہی چونکہ فتنہ کا احتمال ہے اس لئے اکثر فقہا نے خروج کو ہی ناجائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ جب عورتوں کے لئے جماعت نماز یا وعظ وغیرہ کے لئے گھر سے نکلنے کی اجازت ہو جائے اور وہ نکلنے لگیں تو اب ہر وقت اس کی تحقیقات کرنا بہت مشکل ہے کہ آیا وہ مسجد میں ہی گئی اور وعظ میں ہی حاضر ہوئی یا اور کہیں چلی گئی۔ اور گھر آ کر نماز یا وعظ کا بہانہ کر دیا۔ نیز فقہا کا یہ حکم کہ عورتوں کو جماعات نماز و واعظ و جمعہ و عیدین میں جانا ناجائز ہے کیونکہ یہ باعث فساد ہے۔ صراحۃً ان روایات سے معلوم ہو چکا جو اوپر لکھی گئی ہیں۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ اسباب فتنہ کیا ہیں؟ سو تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنے کے اسباب یہ ہیں :۔

(۱) عورت گھر سے نماز یا وعظ کے بہانے سے نکلے اور اپنی خباثت نفسانی سے کسی اور جگہ چلی جائے اور گھر والے یہ سمجھیں کہ نماز و وعظ میں گئی ہے۔ (۲) جماعت نماز و مجلس وعظ میں جا کر مردوں کی نظریں اس پر پڑیں گی اور اس لئے اندیشہ ہے کہ کسی غیر مرد کا کسی عورت سے ناجائز تعلق ہو جائے۔ (۳) (۳) عورت کی نظر غیر مردوں پر پڑے گی اور اس لئے احتمال ہے کہ عورت کا کسی غیر مرد پر دل آ جائے اور نتیجہ برا پید ہو۔

یہ تین احتمال ہیں۔ ان میں سے پہلا احتمال تو اس طرح رفع نہیں ہو سکتا کہ مجلس وعظ میں ان کے لئے پردے کا انتظام کر دیا جائے۔ کیونکہ فتنہ کا یہ احتمال تو نفس خروج عن الدار کو لازم ہے۔

---

(۱) حاشية المشكوٰة للشيخ عبدالحق دهلوی ، كتاب الآداب ، ۲ / ۴۱۰ ، سعيد

(۲) قال تعالى: وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى الاحزاب : ۳۳

(۳) وقال للمؤمنت يغضضن من ابصارهن ويحفظن فروجهن قال القرطبي في تفسيره : وبداء بالغض لان البصر رائد للقلب كما ان الحمى رائد للموت و اخذ هذا المعنى بعض الشعراء فقال :

الم تر ان العين للقلب رائد فما تالف العينان فالقلب آلف

وفي الخبر : النظر سهم من سهام ابليس مسموم ، فمن غض بصره اورثه الله تعالى الحلاوة في قلبه (تفسير القرطبي ، ۱۲ / ۱۵۱ ، دار الكتب العلمية بيروت)

وفي روح المعاني : وبداء سبحانه بالارشاد الى غض البصر لما في ذلك من سد باب الشر فان النظر باب الى كثير من الشرور وهو بريد الزنا و رائد الفجور (روح المعاني ۱۸ ، ۲۰۴ ، دار الفكر بيروت)

بلکہ اس کا علاج اگر ہے تو یہ ہے کہ عورت کے گھر سے نکلنے کے وقت سے اس کی واپسی تک کوئی معتبر شخص جو اس کی حرکات و سکنات کو دیکھتا رہے اس کے ساتھ رہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی نہیں کرتا۔ اور نہ اس قدر نگہداشت ان تمام عورتوں کی ہو سکتی ہے جو بصورت اجازت نماز یا وعظ میں جانے لگیں گی۔ اور یہی وجہ ہے کہ فقہا نے عورتوں کو جانے ہی سے منع کیا۔ ان کی نظر زیادہ تر اسی احتمال پر تھی۔ اور عورتوں کے حالات بھی اسی کے مقتضی ہیں۔ اور حضرت عائشہؓ کی روایت کے یہ الفاظ مااحدث النساء بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے بدنیتی پیدا کرنے اور ٹٹی کی اوٹ شکار کھیلنے کی نسبت عورتوں کی جانب کی ہے۔ اور روایت یتخذنه دغلاً کا مفہوم بھی یہی ہے۔ یعنی اگر عورتوں کو اجازت خروج عن الدار کی دے دی جائے گی تو وہ اسے اچھا خاصا بہانہ بنالیں گی۔ اور اس کی آڑ میں اپنی خواہشیں پوری کریں گی۔ ورنہ اگر اس احتمال کی رعایت فقہا کو مد نظر نہ ہوتی تو یہ بات آسان تھی کہ مساجد میں عورتوں کی نماز کے لئے پردے کی جگہ بنادی جاتی اور عورتوں کو جماعت کی شرکت اور وعظ کی مجلس میں حاضری سے فقہا منع نہ کرتے لیکن کسی فقیہ نے کسی کتاب میں یہ ترکیب نہیں لکھی کہ مسجدوں میں عورتوں کے لئے ایک پردے کی جگہ بنادو اور ان کو جماعت میں آنے دو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے نفس خروج کو موجب فساد سمجھ کر گھر سے نکلنے کو ہی منع فرمادیا۔ اور اسی وجہ سے اکثر فقہا کی عبارت میں اس مقام پر خروج کے ہی لفظوں سے اس مسئلے کو ذکر بھی کیا گیا ہے نیز مندرجہ ذیل حدیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ :-

عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشیطان (رواه الترمذی)(۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ عورت سر تاپا پردے کی چیز ہے۔ جہاں وہ گھر سے نکلی اور شیطان اس کی تاک میں لگا۔ انتہی

یہاں رسول خدا ﷺ نے عورت کے گھر سے نکلنے ہی کو محل فتنہ قرار دیا اور فرمایا کہ شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے کہ خود اسے بہکا کر کسی نامناسب جگہ لے جائے یا کسی مرد کو بھکا کر اس عورت کی طرف سے آنے اور فتنہ برپا کردے۔ اور اس روایت پر مکرر نظر ڈالئے جو بحر الرائق کی عبارت میں ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کی اس نماز کو جو کوٹھری کے اندر پڑھے صحن کی نماز سے بہتر اور اس نماز کو جو صحن مکان میں پڑھے مسجد کی نماز سے بہتر فرمایا ہے۔ (۲) یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ عورت اپنے مکان اور اپنے خیر استتار و اطمینان سے جس قدر دور ہوتی جائے گی اسی قدر احتمال فتنہ قوی ہوتا جائے گا۔ اسی لئے اخیر میں آنحضرت ﷺ نے وبیوتھن خیر لھن فرمادیا۔ یعنی ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ عورتوں کا گھر سے نکلنا ہی محل فتنہ ہے۔ اس لئے مجلس وعظ میں پردے کی جگہ مقرر کرنا کچھ مفید نہیں اور نہ اس کے جواز پر کچھ اثر ہے۔ ورنہ لازم ہے کہ مساجد میں پردے کی جگہ مقرر کر کے ان کو نمازوں میں حاضر ہونے اور جماعت میں شریک ہونے کی اجازت بھی دے دی جائے اور یہ کسی کتاب سے ثابت نہیں۔

(۱) جامع الترمذی، ابواب الرضاع، ۱/ ۲۲۲، سعید

(۲) وقال علیه السلام : صلاتها فی قعر بیتها افضل من صلاتها فی صحن دارها وصلاتها فی صحن دارها افضل من صلوتها فی مسجدها، وبیوتهن خیر لهن (البحر الرائق - کتاب الصلوة، باب الامامة، ۱/ ۳۸۰، بیروت)

اب دوسرے احتمال پر نظر ڈالیے کہ غیر مردوں کی نظریں عورتوں پر پڑیں گی۔ سو اگرچہ بظاہر وہم ہو سکتا ہے کہ مجلس وعظ میں پردے کا انتظام کر دینے کی صورت میں یہ احتمال مرتفع ہو جاتا ہے۔ لیکن حقیقت شناس خوب جانتے ہیں کہ مجلس وعظ کا پردہ اس احتمال کو بھی رفع نہیں کر سکتا۔ اکثر ایسی بے احتیاطیاں عمل میں آتی ہیں کہ غیر مردوں کی نظر عورتوں پر پڑ جاتی ہے۔ اور ایسے مجمعوں میں شریک ہونے والے حضرات اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ مجلس وعظ کا پردہ عورت پر غیر مردوں کی نظر پڑنے سے مانع ہوتا ہے۔ تاہم تیسرا احتمال کہ عورتوں کی نظر مردوں پر پڑے اس پردے سے کسی طرح مرتفع نہیں ہوتا۔ عورتیں پردے میں سے تمام مجلس کے لوگوں کو جھانکتی تاکتی ہیں اور آج کل کی عورتوں میں یہ مرض ایسا عام ہے کہ شاید فیصدی دو چار عورتیں اس سے مستثنیٰ ہوں تو ہوں ورنہ اتنی بھی نہیں۔ پس یہ احتمال فتنہ اس پردے سے جو مجلس وعظ میں عورتوں کے لئے کیا جاتا ہے کسی طرح مرتفع نہیں ہوتا۔ بلکہ حقیقت پوچھئے تو یہ پردہ کرنا اصل میں عورتوں کو غیر مردوں کے تاک اور جھانک کا موقع دینا ہے۔ اس بات سے کوئی شخص واقف کار بروئے ایمان و انصاف انکار نہیں کر سکتا۔ اور یاد رہے کہ جس طرح مردوں کو غیر عورتوں پر نظر ڈالنا حرام ہے(۱) اسی طرح عورتوں کو غیر مردوں کا دیکھنا حرام ہے۔ اس کے لئے حدیث ذیل ملاحظہ ہو :-

عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا انہا کانت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و میمونۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اذ اقبل ابن ام مکتوم فدخل علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلت یارسول اللہ لیس ھوا عمی لا یبصر نا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیا وان انتما لستما تبصرانہ (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد) کذافی المشکوٰۃ(۲)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میمونہ اور ام سلمہ دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں کہ عبداللہ ابن ام مکتوم نے جو نابینا تھے آنے کا ارادہ کیا۔ آپ نے ان دونوں بی بیوں سے فرمایا کہ پردہ کرو۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ تو نابینا ہیں ہمیں نہیں دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا تم دونوں تو نابینا نہیں ہو تم تو انہیں دیکھو گی۔

اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہو گیا کہ عورت کو بھی غیر مرد پر نظر ڈالنا حرام ہے۔ جبھی تو آپ نے دونوں بی بیوں کو پردہ کرنے کا حکم دے دیا۔

وکان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسدون الثقب والکوی فی الحیطان لئلا تطلع النساء علی الرجال ورأی معاذ امرأتہ تطلع فی کوۃ فضربھا فینبغی للرجل ان یفعل کذلک ویمنع امرأتہ عن مثل ذلک (مجالس الابرار ص ۵۶۳)

اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرام کا یہ طریقہ تھا کہ دیواروں کے سوراخ اور جھروکے بند کر دیا کرتے تھے تا کہ عورتیں مردوں کو نہ جھانکیں اور حضرت معاذؓ نے اپنی بیوی کو دیکھا کہ ایک جھروکے سے جھانک رہی تھیں تو

(۱) وقل للمؤمنت یغضضن من ابصارھن (النور : ۳۱)
(۲) سنن ابی داؤد ، کتاب اللباس ، باب وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ، ۲/ ۲۱۴ ، امدادیۃ
(۳) مجالس الابرار مترجم ، ص ۵۶۳ ، مکتبہ حقانیۃ پشاور

ان کو مارا۔ پس مرد کو چاہئے کہ ایسا ہی کرے۔ اور اپنی بی بی کو ایسی باتوں سے روکے۔

پس واضح طور سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ مجلس وعظ کا پردہ کچھ مفید نہیں اور اس برائے نام رسمی پردے سے فتنہ کے احتمال مرتفع نہیں ہوتے۔ بالخصوص احتمال نمبر ایک کے رفع کرنے میں تو اس کو کچھ دخل نہیں۔ حالانکہ اصل الاصول وہی ہے۔ اور احتمال نمبر ۲ بھی بنظر بے احتیاطی اس پردہ سے مرتفع نہیں ہوتا۔ اور احتمال سوم عورتوں کے حالات اور عادات کو دیکھتے ہوئے قطعاً اس پردے سے مرتفع نہیں ہوتا۔ اور احتمال سوم عورتوں کے حالات اور عادات کو دیکھتے ہوئے قطعاً اس پردے سے مرتفع نہیں ہوتا۔ پس اب ناظرین خود ہی انصاف کرلیں کہ اس پردے کا جواز پر کیا اثر ہو سکتا ہے؟

یہاں پر یہ بات بھی ذرا قابل لحاظ ہے کہ آخر مجلس وعظ میں عورتوں کو بلانے اور ان کے لئے پردے کا انتظام کرنے کا اہتمام کیوں کیا جاتا ہے؟ وعظ کی مجلس میں عورتوں کے لئے اس قدر انتظام کرنا اور نماز کی جماعت اور جمعہ وعیدین کی شرکت کے لئے مساجد میں پردے کا اہتمام نہ کرنا کس طرح سے ہے؟ اور اگر اس میں وعظ کی نیت کو دخل نہ ہو تاہم یہ ترجیح مرجوح ہے جو باطل ہے۔ اور واعظ صاحب کی نیت کو دخل ہو کہ عورتوں سے ان کو زیادہ فائدہ پہنچنے کی امید ہے اور معقول رقمیں حاصل ہونے کی طمع۔(۱) تو یہ ایک اور وجہ عدم جواز کی وجوہ مذکورہ بالا پر مستزاد ہو جائے گی۔

(۳) مجلس واعظ میں جانے سے عورتوں کو منع کرنے کا حق خاوند کو ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مضامین سابقہ سے یہ بات معلوم ہو چکی کہ واعظ کی مجلس میں عورتوں کو جانا ہی جائز نہیں پس ایسی مجلس سے روکنے کا حق خاوند کو بدرجہ اولیٰ حاصل ہوگا۔ کیونکہ خاوند کو فقہائے کرام کی تصدیق کے بموجب یہ حق حاصل ہے کہ ضروری مسائل دریافت کرنے کے لئے بھی عوت کو باہر نہ جانے دو۔ بشرطیکہ خود علماء سے دریافت کر کے اسے بتادیا کرے اور اگر خاوند خود دریافت کر کے نہ بتانے تو عورت کو کسی خاص حادثہ کے وقت بضرورت اس حادثہ کا حکم دریافت کرنے کے لئے نکلنا جائز ہے بشرطیکہ وہ واقعہ بھی ضروری السوال ہو۔ فقہا کی عبارتیں ملاحظہ ہوں :-

له منعها من مجلس العلم الا لنا زلة امتنع زوجها من سئوا لها۔(۲)(درمختار ص ۶۸۳ ج ۲) فان لم تقع نازلة وارادت الخروج لتعلم مسائل الوضو و الصلوٰة ان كان الزوج يحفظ ذلك ويعلمها له منعها۔(۳)(رد المحتار نقلا عن البحر ص ۶۸۳ ج ۲) ولا يسعها الخروج مالم يقع عليها نازلة وان خرجت من بيت زوجها بغير اذنه يلعنها كل ملك فى السماء وكل شئى تمر عليه الا الانس والجن فخرو جها من بيته بغير اذنه حرام عليها قال ابن الهمام حيث ابيح عليها الخروج فانما يباح بشرط عدم الزينة وتغير الهيئة الى مالا يكون داعيا الى نظر الرجال واستمالتهم (مجالس الا برار ص ۵۶۳)(۴)

یعنی خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ عوت کو مجلس علم میں سے روکے مگر ایسے وقت کہ اسے کوئی حادثہ پیش

(۱) ويدخل فى قوله " الجماعات" الجمع والا عياد ومجالس الوعظ ولا سيما عند الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء وقصدهم الشهوات وتحصيل الدنيا (عيني شرح الكنز، ص : ۳۹)
(۲) الدر المختار ، كتاب الطلاق ، باب النفقة ، ۳: ۶۸۴، سعيد
(۳) رد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، ۳: ۶۸۴، سعيد
(۴) مجالس الا برار مترجم ، ص : ۵۶۳، مكتبه حقانيه پشاور

آیے اور خاوند اس حادثہ کا حکم علماء سے دریافت کر کے اسے نہ بتائے۔انتہی۔ اگر کوئی حادثہ پیش نہ آئے اور عورت مسائل وضو و نماز سیکھنے کے لئے گھر سے نکلنا چاہے تو زوج یہ مسائل جانتا ہو اور اسے بتا سکے تو اسے یہ حکم حاصل ہے کہ عورت کو باہر جانے سے روکے۔انتہی عورت پر جب تک کوئی حادثہ پیش نہ آئے جس کا حکم پوچھنا ضروری ہو گھر سے نکلنا جائز نہیں۔ اور اگر وہ خاوند کے گھر سے بغیر اس کی اجازت کے نکلی تو آسمان کا ہر فرشتہ اس پر لعنت کرتا ہے اور جن چیزوں پر اس کا گزر ہوتا ہے وہ سب لعنت کرتی ہیں سوائے جن وانس کے۔ علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر نے فرمایا کہ جن موقعوں پر عورت کو گھر سے نکلنے کی اجازت بھی ہے وہ بھی اس شرط سے ہے کہ زینت نہ کرے اور اپنی ہیئت ایسی بنا کر نکلے کہ مردوں کو اس کی طرف توجہ نہ ہو اور ان کے دل اس کی جانب مائل نہ ہوں۔انتہی۔

پس ان روایات سے بوضاحت یہ بات ثابت ہو گئی کہ خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عورت کو مجالس وعظ سے روکے۔ کیونکہ عورت کو مجلس وعظ میں جانا جائز نہیں اور ناجائز امور سے روکنا اس کے ذمے لازم ہے۔ واللہ اعلم۔

تتمہ اولیٰ

چونکہ اس مضمون میں وعظ اور واعظین کا ذکر آ گیا اس لئے نامناسب نہ ہوگا کہ وعظ اور واعظین کے آداب بھی مختصر طور پر ذکر کر دیئے جائیں اور اس کے لئے مجالس الابرار کی عبارت کافی تھی۔ اس لئے اسے مع ترجمہ نقل کئے دیتا ہوں۔ وھو ھذا۔

الواعظ ينبغي له ان يكون عزمه و همته ان يد عوالناس من الدنيا الى الاخرة ومن المعصية الى الطاعة ومن الحرص الى القناعة ويحبب اليهم الاخرة و يبغض عليهم الدنيا ويعلمهم العبادة والتقوىٰ لان الغالب في طباعهم الزيغ عن منهج الشرع والسعي فيما لا يرضى الله تعالىٰ فيلقى في قلوبهم الرعب و يخوفهم عما يستقبلهم من المخاوف لعل صفات باطنهم تتغير ومعا ملة ظاهر هم تتبدل ويظهر منهم الحرص الى الطاعة والرجوع عن المعصية وهذا هو طريق الوعظ والنصيحة وكل واعظ لا يكون وعظه هكذا فوعظه وبال على القائل والسامع بل قيل انه شيطان في صورة الانسان يخرج الخلق عن طريق الحق ويهلكهم فيجب عليهم ان يفروا منه فرارهم من الا سد ومن كان له يد وقدرة يجب عليه ان ينزله من منا بر المسلمين ويمنعه عما باشره لا نه من جملة الا مربالمعروف والنهي عن المنكرو كذا الوعاظ الذين يشتغلون بالقصص التي يتطرق اليها والزيادة والنقصان والكذب وا لبهتان وقد وردنهي السلف عن الجلوس في مجلسهم لان القصص منها ماينفع سماعه ومنها ما يضر سماعه وان كان صدقا فمن فتح على نفسه ذلك الباب يختلط عليه الصدق بالكذب والنافع بالضار قال احمد بن حنبل رحمة الله عليه القصة ان كانت من قصص الا نبياء والصالحين فيما يتعلق بامور الدين وكانت صحيحة الرواية فلا ارىٰ به باساً فليحذرالكذب (مجالس الابرار ص ٤٨٢)(١)

واعظ کے لئے یہ لائق ہے کہ اس کا قصد اور ارادہ صرف یہی ہو کہ لوگوں کو دنیا سے آخرت کی طرف

(١)مجالس الابرار مترجم، ص : ٤٦٣، مکتبہ حقانیہ پشاور

بلائے اور معصیت سے طاعت کی طرف اور حرص سے قناعت کی طرف لائے اور آخرت کی محبت ان کے دلوں میں اور دنیا سے نفرت پیدا کرے اور ان کو عبادت اور تقوے سکھائے کیونکہ لوگوں کی طبیعتوں میں شرع کی راہ سے کجی غالب ہے اور ایسی چیزوں میں کوشش کرتے ہیں جن سے خدا تعالیٰ راضی نہیں۔ پس واعظ کو چاہئے کہ ان کے دلوں میں خوف ڈالے اور آنے والی خوفناک چیزوں سے ڈرائے تاکہ ان کی باطنی حالتیں بدل جائیں توان کو عبادت کی حرص پیدا ہو۔ اور گناہوں سے توبہ کریں۔ اور یہی طریقہ ہے وعظ و نصیحت کا۔ اور جس واعظ کا وعظ ایسا نہ ہو تو اس کا واعظ خود واعظ اور سامعین دونوں کے حق میں وبال ہے۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ وہ انسانی صورت میں پوشیدہ ہے کہ مخلوق کو طریق حق سے نکالتا اور ہلاک کرتا ہے پس لوگوں پر واجب ہے کہ اس واعظ سے ایسا بھاگے جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔ اور جس شخص کو قدرت ہو وہ واعظ کو مسلمانوں کے منبر سے اتادے اور واعظ سے وہ یہ بھی مجملہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ہے۔ اور اس طرح وہ واعظ ہیں جو قصے بیان کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور ایسے قصے جن میں زیادتی کی اور جھوٹ بہتان شامل ہوتا ہے سناتے ہیں۔ اور سلف صالحین سے ایسے قصد او اعظوں کی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے کہ بعض قصے مفید ہوتے ہیں اور بعض مضر۔ اگرچہ سچے بھی ہو تو جو شخص قصے بیان کرنے کی عادت ڈال لیتا ہے اس پر سچے جھوٹے قصے مختلط ہو جاتے ہیں اور نافع و مضر کی تمیز نہیں رہتی۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ قصہ اگر انبیاء و صالحین کا قصہ ہو اور دین سے تعلق رکھتا ہو اور اس کی روایت اور سند بھی صحیح ہو تو میں اس کے بیان میں مضائقہ نہیں سمجھتا۔ پس جھوٹے قصوں سے بچنا لازم ہے۔ انتہی

لکن یجب علیه ان یحترز عن خلط کلامه البدعة لماذ کرفی الاحیاء ان الواعظ مهما فرج کلام البدعة یجب منعه ولا یجوز حضور مجلسه الا علی قصد الردعلیه ان قدروان لم یقدر ولا یحضر مجلسه و کذا مهما کان کلامه مائلا الی الا رجاء و تجرئه الناس علی المعاصی وزاد بسبه رجاء الخلق علی خوفهم فهو منکریجب منعه لکون فساده عظیماً (مجالس الابرار ص ۴۸۲)(۱)

لیکن واعظ پر واجب ہے کہ اپنے کلام کو بدعت کی آمیزش سے بچائے۔ کیونکہ امام غزالیؒ نے احیاء میں ذکر کیا ہے کہ واعظ جب اپنے کلام میں بدعت کی آمیزش کرے تو اسے وعظ سے روک دینا واجب ہے اور اس کی مجلس میں جانا جائز نہیں مگر رد کرنے کے قصد سے۔ اگر قدرت ہو رد کرنے کی تو جائے اور قدرت نہ ہو تو نہ جائے۔ اور اسی طرح جب واعظ کا کلام لوگوں کو امیدوار بنانے کی طرف مائل ہو اور گناہوں پر جرات دلائے اور اس واعظ سے مخلوق کی امید بڑھ جائے اور خوف کم ہو جائے تو ایسا وعظ برا ہے۔ اس کا روکنا واجب ہے کیونکہ اس کا بر اثر بہت عظیم ہے۔ انتہی

وذکر فی موضع اخر من الاحیاء ان هذا الزمان زمان لا ینبغی ان یذکر فیه للخلق اسباب الرجاء وسعة رحمة الله تعالیٰ لان ذکر ها یهلکهم بالکلیة لکنها لما کانت اخف علی النفوس والذ فی القلوب ولم یکن غرض الوعاظ الا استمالة القلوب واستنطلق الخلق بالثناء علیهم کیف ما کانو اما لوا الی الا رجاء حتی ازداد الفساق فساد او المنهمکون فی طغیانهم نما دیا (مجالس الابرار ص ۴۸۱) (۲)

---

(۱) مجالس الابرار مترجم، ص : ۴۸۲، مکتبہ حقانیہ پشاور

اور احیاء العلوم میں دوسری جگہ مذکور ہے کہ یہ زمانہ ایسا زمانہ ہے کہ اس میں امید اور وسعت رحمت خداوندی کے اسباب بیان کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ ایسی چیزوں کا ذکر لوگوں کو بالکل ہلاک کر دے گا۔ مگر چونکہ یہ باتیں لوگوں پر ہلکی ہیں۔ اور اس میں مزہ آتا ہے اور واعظوں کی غرض بھی صرف یہی ہوتی ہے کہ لوگ ان کی طرف مائل ہو جائیں اور ان کی تعریفیں کریں خواہ وہ کیسے ہی ہوں۔ اس لئے واعظوں نے صرف امید و ثواب کی باتیں بیان کرنا اختیار کر لیا۔ یہاں تک کہ فاسقوں کا فسق اور بڑھ گیا اور سرکشی زیادہ بڑھ گئی۔ انتہی

الا مام يجب عليه ان يقوم مصالح الرعية ويرتب في كل قرية وفي كل محلة عالما متدينا يعلم الناس دينهم فينظر في العلماء فيمن يرى فيه علما و ديانة وحسن عقيدة ياذن له ان يعظ الناس ومن لايرى فيه هذه الصفات لا ياذن له في الوعظ لئلا يوقع الناس في البدعة والضلالة كما هو واقع في هذا الزمان (مجالس الا برار ص ٤٨٠)(١)

اور یہ بیان کرنے کہ واعظ امیر یا مامور کا حق ہے لکھتے ہیں کہ شرط ماموریت اس لئے کہ امام پر واجب ہے کہ رعیت کی مصلحتوں کا انتظام کرے اور ہر بستی اور ہر محلہ میں ایک دیندار عالم مقرر کرے کہ وہ لوگوں کو تعلیم دین کی دیا کرے۔ پس امام جس شخص میں علم اور دیانت یعنی پرہیز گاری اور اچھے عقیدے دیکھے اس کو واعظ کہنے کی اجازت دے اور جس میں یہ باتیں نہ ہوں اسے واعظ کی اجازت نہ دے تاکہ وہ لوگوں کو بدعات میں مبتلا نہ کر دے اور گمراہی میں نہ ڈالے جیسا کہ اس زمانہ میں واقع ہو رہا ہے۔ انتہی

ان تمام عبارتوں کا مطلب واضح ہے۔ کسی مزید شرح اور بیان کا محتاج نہیں۔ اس لئے خاکسار اسی قدر پر اکتفا کرتا ہے اور خدا تعالٰے سے ہدایت اور استقامت کی دعا کرتا ہے۔

تتمہ ثانیہ

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب عورتوں کو مجالس وعظ میں جانا ناجائز ہے تو ان کے لئے وعظ و پند کا دروازہ ہی بند ہو گیا۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ نہیں وعظ و پند کا دروازہ اب بھی مفتوح ہے۔ بند نہیں ہوا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ شرعی طریقے سے وہ اس پر کاربند ہوں۔ اور وہ طریقہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں واعظ عالم متقی کو بلا کر وعظ سن لیا کریں۔ مگر اس میں یہ شرط لازمی ہے کہ عورتیں صرف اسی گھر کی ہوں یا اس کے آس پاس کے قریب مکانوں کی ہوں کہ ان کا مکان وعظ میں آنا گویا خروج عن المکان ہی نہ ہو۔ اور یہ کہ مجلس وعظ میں سوائے واعظ یا گھر کے آدمیوں کے غیر مردوں کا مجمع نہ ہو اور واعظ کا بیان بھی قرآن مجید و حدیث شریف و سیرت سلف صالحین کے موافق ہو۔ جھوٹے سچے قصے۔ موضوع روایتیں بیان نہ کرتا ہو۔ واعظ کا مقصود بھی تعلیم اور پند و نصائح ہو اور سننے والیوں کا مقصود بھی دین سیکھنا اور خدا رسول ﷺ کے ذکر سے برکت و نصیحت حاصل کرنا ہو تو ان صورتوں سے عورتوں کو وعظ سننا اور واعظ کو ایسی مجلس میں وعظ کہنا جائز ہے۔ مگر یاد رہے کہ آج کل گھروں پر وعظ کرانے کا ایک عام دستور ہے اور عورتیں رسمی طور پر گھروں میں وعظ کراتی ہیں۔ ان رسمی وعظوں میں اکثر ایسی بے احتیاطیاں ہوتی ہیں

(١) مجالس الا برار مترجم، ص : ٤٨١، مكتبه حقانيه پشاور
(٢) مجالس الا برار مترجم، ص ٤٨٠، مكتبه حقانيه پشاور

جو شریعت میں ناجائز ہیں۔ اول تو واعظ سے مقصود ہی صرف رسم کا پورا کرنا ہوتا ہے۔ دوسرے دور دور سے عورتیں آکر جمع ہوتی ہیں۔ جن کے اتنے دور سے آنے کو حرمت خروج لازم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ خروج کے مفاسد متحقق ہو جاتے ہیں۔ پس ایسے وعظوں کا حکم وہی ہے جو عورتوں کے مجالس وعظ میں جانے کے متعلق پہلے بیان ہو چکا۔ خاص عورتوں کے مجمع میں واعظ کا وعظ کرنا حدیث ذیل سے ثابت ہوتا ہے۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قالت النساء للنبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوما من نفسک فوعدھن یوما لقیھن فیہ فوعظھن الحدیث (بخاری) (۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عورتوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کی مجالس وعظ و پند پر مرد ہم سے غالب ہیں یعنی وہ روز حاضر رہتے ہیں اور ان کی وجہ سے ہمیں حاضری کا موقع نہیں ملتا۔ اس لئے آپ ہمارے لئے اپنی جانب سے کوئی دن مقرر فرمائیں تو آپ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمایا اور اس روز آپ نے عورتوں کے پاس تشریف لے جاکر واعظ فرمایا۔

وفی روایۃ سھل بنا بی صالح عن ابیہ عن ابی ھریرۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال موعد کن بیت فلانۃ الخ (فتح الباری) (۲)

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں (۱) اول یہ کہ باوجود یہ کہ جماعت نماز میں عورتیں مردوں کے ساتھ مساجد میں شریک ہوتی تھیں۔ مگر وعظ و پند کی مجالس میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی مردوں کے مجمع میں حاضر نہیں ہوتی تھیں اور اپنے عدم حضور کے وجہ مردوں کا حاضر ہونا بیان کر کے ایک جداگانہ دن مقرر فرمانے کی درخواست کی۔ (۲) دوسرے یہ کہ عورتوں کے مجمع میں واعظ عالم متقی کو جانا اور وعظ کرنا جائز ہے اور یہ ضرورت شرعیہ ہے جس کا ثبوت خود آنحضرت ﷺ کے فعل سے ہو گیا۔ پس اگر عورتوں کا مجمع ان منکرات سے خالی ہو جو اوپر مذکور ہوئے اور وہ وعظ کی درخواست کریں تو عالم متدین کو وہاں جاکر وعظ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

کتبہ العبد الاواہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ مدرس، مدرسۃ الامینیۃ الواقعۃ بدہلی (سن ۱۳۳۴ھ)

صلوٰۃ الصالحات

مطبوعہ سن ۱۳۳۴ھ

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین اما بعد شعبان سن ۱۳۳۴ھ میں ایک صاحب نے خاکسار کے سامنے ایک سوال پیش کیا۔ وہ یہ کہ عورتوں کا مجالس وعظ میں جانا جائز ہے یا نہیں؟ سائل حنفی تھا اس لئے خاکسار نے حنفی مذہب کے موافق جواب تحریر کر دیا۔ اور سادات فقہائے حنفیہ کی عبارتیں نقل کر دینا کافی سمجھا۔ جواب کسی قدر طلب طویل ہو گیا۔ اس لئے اسے رسالہ کی شکل میں مرتب کر کے اس کا نام کف المئومنات عن حضور الجماعات رکھا اور حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے اسے چھپوا کر شائع کر دیا۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب ھل یجعل النساء یوم علی حدۃ، ۱/ ۲۰، قدیمی
(۲) فتح الباری، کتاب العلم، باب ھل یجعل النساء یوم علی حدۃ، ۱/ ۱۷۵، بولاق

مجھے اس وقت یہ بیان کرنا ہے کہ نہ میں نے رسالہ کف المؤمنات کسی مخاصمت کی بناء پر لکھا تھا اور نہ مجھے اتنی فرصت ہے کہ میں ایسی باتوں میں پڑ کر اپنا وقت ضائع کروں۔ مجھ سے مسئلہ پوچھا گیا تھا میں نے جو کچھ حق سمجھا ظاہر کر دیا۔ حنفی مذہب کے لحاظ سے تو اس میں حکم کراہت کا کافی ثبوت موجود ہے۔ اور فقہ حنفی کی معتبر کتابیں وہی حکم دیتی ہیں جو کف المؤمنات میں لکھا گیا ہے۔ اس لئے اگر کوئی حنفی عالم اس سے اختلاف کرتا تو یقیناً اصول حنفیہ کو چھوڑ کر اس کو انداز تحریر اختیار کرنا پڑتا۔ اور ایسی حالت میں مجھے اس کی طرف التفات کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

لیکن آج ۱۱ ذی قعدہ سن ۳۴۳ اھ کو ایک رسالہ مسمی عید احمدی میری نظر سے گزرا۔ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس کے مؤلف کوئی مولوی عبدالستار صاحب کلانوری ہیں۔ اور وہ نہ صرف مؤلف کف المومنات کو بلکہ علامہ عینی کو صراحۃً اور ائمہ حنفیہ و دیگر بزرگان دین کو کنایۃً یہ الزام دیتے ہیں کہ انہوں نے حدیث کے خلاف کیا۔ ارشاد نبوی کی مخالفت کی۔ حدیثوں کا مطلب نہیں سمجھے۔ حضرت عائشہؓ پر بہتان باندھا وغیرہ۔

یہ سب کچھ تو ہوا لیکن عید احمدی کو اول سے آخر تک دیکھئے تو ایک دو سطریں بھی ایسی نہیں ملیں گی جنہیں کف المؤمنات کے کسی مضمون کا معقول جواب کہا جا سکے۔ اور باوجود دعوائے حدیث دانی احادیث کی خبر نہیں۔ حدیثوں کے معنی و مفہوم سے مس نہیں۔

اگرچہ عید احمدی کسی اہل علم و فہم کے نزدیک تو قابل التفات بھی نہیں۔ لیکن محض اس خیال سے کہ عوام کو کہیں یہ دھوکہ نہ ہو جائے کہ واقعی حنفیہ کا یہ کہنا کہ عورتوں کا نکلنا مکروہ ہے بے دلیل بات ہے میں نے مناسب سمجھا کہ اس مسئلہ کو اچھی طرح واضح کر دیا جائے اور احادیث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور آثار صحابہ کرام و اقوال سلف صالحین سے اس کا پورا ثبوت دے دیا جائے۔ میں نے نفس مسئلہ کو واضح کرنے کے خیال سے یہ تحریر لکھی ہے۔ امید ہے کہ اہل علم و فہم اس سے نفع اٹھائیں گے اور مسئلے کی حقیقت سے واقف ہو کر بے راہی سے بچیں گے۔ **وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب**

واضح ہو کہ حضرات فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ اس کا انکار نہیں کرتے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں نماز پنجگانہ اور عیدین کی جماعت میں حاضر ہوتی تھیں۔ وہ اس کا نہایت بلند آواز سے اقرار کرتے ہیں۔ پس حنفیہ کے سامنے اور ان کے مقابلے میں ایسی حدیثیں جن سے صرف آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں عورتوں کا جماعت میں جانا ثابت ہوتا ہو پیش کرنا مفید نہیں۔ کلام اس میں ہے کہ آیا اب بھی یہ حکم باقی ہے یا نہیں؟ تو اس بحث اور اس کے متعلقات کو ہم متعدد فصلوں میں فصل طور پر بیان کرتے ہیں۔

(۱) آیا مردوں کی طرح عورتوں کو جماعت میں حاضر ہونے کی تاکید تھی یا نہیں؟

اس باب میں کوئی حدیث ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جس سے عورتوں کے لئے جماعتوں کی حاضری مؤکد ثابت ہوتی ہو ہم نے جہاں تک کتب حدیث کو دیکھا اور شروح حدیث کا مطالعہ کیا ہمیں کوئی روایت ایسی دستیاب نہیں ہوئی۔ بلکہ چند احادیث سے اس کا خلاف ثابت ہوتا ہے۔

حدیث (۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لولا ما فی البیوت من النساء والذریۃ اقمت صلوۃ العشاء وامرت فتیانی یحرقون مافی البیوت بالنار (رواہ احمد

مشکوٰۃ (۱)

ترجمہ :- حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں نماز عشا قائم کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم کرتا کہ گھروں میں آگ لگادیں۔

یہ وعید آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے لئے فرمائی تھی جو جماعت عشا میں حاضر نہ ہوتے تھے۔ اس حدیث سے ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان مردوں کو جو جماعت عشا میں حاضر نہ ہوتے تھے آگ سے جلادینے کی سزا دینے کا ارادہ فرمایا مگر عورتوں بچوں کا گھر میں ہونا اس کی تکمیل سے مانع آیا۔ عورتوں کا اس حدیث میں ذکر فرمانا اس کی دلیل ہے کہ وہ جماعت میں حاضر ہونے کی مکلف نہ تھیں اور جماعت ان کے ذمہ مؤکد نہ تھی۔ ورنہ وہ بھی اسی جرم کی مجرم اور اسی سزا کی مستوجب ہوتیں۔ اور ان کا گھروں میں ہونا مردوں کی سزا کے لئے مانع نہ ہوتا۔ لیکن چونکہ وہ اس غیر حاضری میں شرعی مجرم نہ تھیں اس لئے ان کے جل جانے کا خیال مردوں کی سزا دینے میں بھی مانع ہو گیا۔ اسی طرح تمام وہ حدیثیں جو آگے آتی ہیں اس امر کی دلیل ہیں کہ عورتوں کے ذمہ جماعت میں شریک ہونا ضروری نہ تھا۔

(۲) آیا عورتوں کو گھروں میں نماز پڑھنا افضل تھا یا مسجد میں ؟

حدیث (۲) عن ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال خیر مساجد النساء قعر بیوتهن (رواہ الامام احمد والبیهقی كذافی كنز العمال)(۲)

ترجمہ :- حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا عورتوں کے لئے بہترین مسجد ان کی کوٹھریوں کا اندرونی حصہ ہے۔

حدیث (۳) عن ام سلمة رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوٰة المرأة فی بیتها خیر من صلوٰتها فی حجرتها وصلوتها فی حجرتها خیر من صلوتها فی دارها وصلوتها فی دارها خیر من صلوتها فی خارج (رواہ الطبرانی فی الاوسط كذافی كنز العمال) (۳)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کی نماز جو اندرونی کمرہ میں ہو وہ دالان کی نماز سے بہتر ہے اور دالان کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے اور صحن کی نماز گھر سے باہر کی نماز سے بہتر ہے۔

حدیث (٤) عن ام حمید امراءة ابی حمید الساعدی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال لها قد علمت انك تحبین الصلوٰة معی وصلوتك فی بیتك خیر من صلوٰتك فی حجرتك و صلوٰتك فی حجرتك خیر من صلوتك فی دارك وصلوتك فی دارك خیر من صلوتك فی مسجد قومك وصلوتك

---

(۱) مجمع الزوائد ، كتاب الصلوة ، باب التشديد على ترك الجماعة ، ۲/ ٤۲ ، بيروت وكذافی المسند لا مام احمد بن حنبل ۲/ ۳٦۷ ، ميمنه

(۲) كنز العمال، كتاب الصلاة ، فصل فی حكم خروج النساء ، الى المساجد ، ۷/ ٦۷٦، (رقم الحديث : ۲۰۸۰)، التراث الا سلامی بيروت

(۳) كنز العمال ، كتاب الصلوٰة فصل فی حكم خروج النساء الى المساجد ، ۷/ ٦۸٦، (رقم الحديث : ۲۰۸٦۹) التراث الا سلامی بيروت

فی مسجد قومك خیر من صلوتك فی مسجدی (رواہ الا مام احمد و ابن حبان کذافی کنز العمال)(۱)
ابو حمید ساعدیؓ کی بیوی ام حمیدؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو۔ حالانکہ تمہاری وہ نماز جو اندرونی کوٹھری میں ہو وہ دالان کی نماز سے بہتر ہے اور دالان کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے اور گھر کے صحن کی نماز محلّہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے اور محلّہ کی مسجد کی نماز میری مسجد (مسجد نبوی) کی نماز سے بہتر ہے۔

حدیث (۵) واوردہ الهیثمی فی مجمع الزوائد وزاد فامرت فبنی لها مسجد فی اقصی بیت فی بیتها واظلمه فکانت تصلی فیه حتی لقیت اللہ عزوجل قال الهیثمی رجاله رجال الصحیح غیر عبد اللہ ابن سوید الا نصاری و وثقه ابن حبان۔(۲)

اور اس حدیث کو ہیثمی مجمع الزوائد میں لائے ہیں اور اس میں اتنی زیادتی اور ہے کہ ام حمیدؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ سن کر اپنے گھر والوں کو حکم دیا اور ان کے لئے ان کے گھر کی ایک اندرونی کوٹھری میں جو نہایت تاریکی میں تھی نماز کی جگہ بنادی گئی اور یہ اس میں نماز پڑھتی رہیں یہاں تک کہ خدا سے جاملیں۔ حافظ ہیثمی نے کہا کہ اس روایت کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے عبداللہ بن سوید انصاری کے۔ تو ان کو ابن حبان نے ثقہ بتایا ہے۔

حدیث (٦) عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال صلوۃ المرأۃ فی بیتها افضل من صلوتها فی حجرتها او صلوتها فی مخدعها افضل من صلوتها فی بیتها . (رواہ ابو داؤد)(۳)
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کی نماز کوٹھری میں بیرونی کمرے کی نماز سے بہتر ہے۔ اور کوٹھری کے اندر چور گھر کی نماز کوٹھری کی نماز سے بہتر ہے۔
(چور گھر سے مراد وہ چھوٹی سی کوٹھری ہے جو گھر کے بالکل اندرونی حصہ میں اشیائے نفیسہ یا روپیہ پیسہ رکھنے کے لئے بناتے ہیں)

حدیث (۷) عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه قال صلوٰۃ المرأۃ فی بیتها افضل من صلاتها فی حجر تها وصلاتها فی حجر تها افضل من صلوتها فی دارها وصلوتها فی دارها افضل من صلاتها فی ماسواها ثم قال ان المرأۃ اذا خرجت استشرفها الشیطان رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجاله رجال الصحیح (مجمع الزوائد)(۴)
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ عورت کی کوٹھری کی نماز دالان کی نماز سے بہتر ہے۔ اور دالان کی نماز گھر کے صحن کی نماز سے بہتر ہے اور گھر کے صحن کی نماز اور جگہوں کی نماز سے بہتر ہے۔ پھر فرما

---

(۱) کنز العمال ، کتاب الصلاۃ ، فصل فیحکم خروج النساء الی المساجد ، ۷/ ۶۷٦، (رقم الحدیث : ۲۰۸۷۰) ، التراث الاسلامی بیروت
(۲) مجمع الزوائد ، کتاب الصلاۃ ، باب خروج النساء الی المساجد وغیرذلک ، ۲/ ۳٤، بیروت
(۳) سنن ابی داؤد ، کتاب الصلاۃ ، باب التشدید فی ذلک ، ۱/ ۸٤، سعید
(٤) مجمع الزوائد ، کتاب الصلاۃ ، باب خروج النساء الی المساجد و غیر ذلک ، ۲/ ۳٤، بیروت

کہ بے شک عورت جہاں نکلی اور شیطان اس کی تاک میں لگا۔ طبرانی نے اسے معجم کبیر سے روایت کیا اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

حدیث (۸) وعنه انه كان يحلف فيبلغ في اليمين مامن مصلى للمرأة خير من بيتها الا في حج اوعمرة الا امرأة قد يئست من البعولة وهى فى منقليها قلت ما منقليها قال امرأة عجوز قد تقارب خطوها رواه الطبراني في الكبير ورجاله موثقون (مجمع الزوائد)(۱)

اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ قسم کھاتے تھے اور سخت قسم کھاتے تھے کہ عورت کے لئے اس کی کوٹھری سے بہتر اور افضل کوئی مسجد نہیں مگر حج اور عمرہ میں سوائے اس عورت کے جو خاوند کی خواہش سے بے نیاز ہونے کی عمر تک پہنچ گئی ہو اور اپنے منقلین میں ہو۔ راوی نے پوچھا کہ منقلین میں ہونے سے کیا مراد ہے۔ فرمایا ایسی بڑھیا کہ ضعف پیری کی وجہ سے اس کے قدم قریب قریب پڑنے لگیں۔ طبرانی نے معجم کبیر میں اسے روایت کیا اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔

حدیث (۹) وعنه ماصلت امرأة من صلوة احب الى الله من اشد مكان في بيتها ظلمة رواه الطبراني في الكبير ورجاله موثقون (مجمع الزوائد)(۲)

اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ عورت کی کوئی نماز خدا کو اس نماز سے زیادہ محبوب نہیں جو اس کی تاریک تر کوٹھری میں ہو۔

حدیث (۱۰) وعن عبدالله بن مسعود عن النبى صلى الله عليه وسلم قال المرأة عورة وانها اذا خرجت استشرفها الشيطان وانها اقرب ماتكون الى الله وهى فى قعربيتها رواه الطبراني ورجاله موثقون (مجمع الزوائد)(۳)

اور عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے فرمایا کہ عورتیں سر تاپا پردہ کی چیز ہیں اور بے شک جہاں وہ گھر سے نکلی شیطان اس کی تاک میں لگا۔ اور بے شک وہ خدا سے زیادہ قرب اسی حالت میں ہوتی ہے جب کہ اپنی کوٹھری میں ہوتی ہے۔ اسے طبرانی نے ثقہ راویوں کے طریقے سے روایت کیا ہے۔

حدیث (۱۱) وعن عبدالله بن مسعودؓ قال انما النساء عورة وان المرأة لتخرج من بيتها وما بها من باس فيستشرفها الشيطان فيقول انك لا تمرين باحد الا اعجبتيه وان المراءة لتلبس ثيابها فيقال اين تريدين فتقول اعود مريضا او اشهد جنازة او اصلى فى مسجد وما عبدت امراة ربها مثل ان تعبده فى بيتها رواه الطبراني ورجاله ثقات (مجمع الزوائد)(۴)

اور عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے فرمایا کہ عورتیں سر تاپا پردہ کی چیز ہیں اور بے شک عورت گھر سے ایسی حالت میں نکلتی ہے کہ اس کے اندر کوئی عیب نہیں ہوتا پھر شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے اور اس سے کہتا

---

(۱) مجمع الزوائد، كتاب الصلاة، باب خروج النساء الى لمساجد وغير ذلك، ۲/ ۳۴، بيروت
(۲) مجمع الزوائد، كتاب الصلاة، باب خروج النساء الى المساجد وغير ذلك، ۲/ ۳۵، بيروت
(۳) ايضا
(۴) ايضا

ہے کہ تو جس کے سامنے سے گزرے گی اسے اچھی لگے گی۔ اور بے شک عورت لباس پہنتی ہے تو گھر والے پوچھتے ہیں کہ کہاں کا ارادہ ہے تو کہتی ہے کسی بیمار کو دیکھنے جاتی ہوں یا موتی ایں جاتی ہوں یا مسجد میں نماز کو جاتی ہوں۔ حالانکہ عورت کی کوئی عبادت اس سے بہتر نہیں کہ اپنی کوٹھری میں عبادت کرے۔ اسے طبرانی نے ثقہ راویوں سے روایت کیا۔

ان تمام حدیثوں سے مفصلہ ذیل باتیں صراحۃً ثابت ہوتی ہیں :۔

(۱) عورتوں پر جماعت میں حاضر ہونے کی تاکید نہیں بلکہ بر خلاف اس کے ان کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ (دیکھو تمام احادیث مذکورہ)

(۲) عورتوں کا آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جماعتوں میں حاضر ہونا محض رخصت واباحت کی بنا پر تھا نہ کہ تاکید یا فضیلت واستحباب کی بنا پر۔ (دیکھو حدیث نمبر ۴، ۵)

(۳) باوجود اس رخصت واباحت کے آنحضرت ﷺ کا ارشاد اور تعلیم ان کے لئے یہی تھی کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں۔ اور اسی کی ترغیب دیتے تھے اور فضیلت بیان فرماتے تھے۔ (دیکھو حدیث نمبر ۴ خصوصاً)

(۴) حدیث چہارم میں اس زیادتی سے جو حافظ ہیثمی نے نقل کی ہے صراحۃً یہ بات ثابت ہے کہ ام حمید رضی اللہ عنہا نے آپ کی تعلیم وترغیب پر عمل کر کے مدۃ العمر اپنی کوٹھری کے اندر نماز پڑھی۔ اور یہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا عین اتباع اور آپ کی خواہش کی تکمیل تھی۔

(۵) حدیث دہم سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ عورت کے گھر سے نکلنے کو محل فتنہ فرماتے ہیں اور اپنی کوٹھری میں رہنا اس کے لئے باعث تقرب الی اللہ۔ اور اسی لئے حدیث نمبر ۸، ۹ حضرت ابن مسعودؓ مبالغہ سے قسم کھا کر اس کی ہر نماز کو گھر کی کوٹھری میں افضل فرماتے ہیں۔

(۶) حدیث دوم سوم چہارم میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورت کی کوٹھری کے اندر کی نماز دالان کی نماز سے افضل اور دالان کی نماز صحن دار کی نماز سے افضل اور صحن کی نماز مسجد محلّہ کی نماز سے افضل اور مسجد محلّہ کی نماز مسجد نبوی کی نماز سے افضل ہے۔ پس اس میں کیا شبہ رہا کہ عورتوں کو جماعت میں اور مسجد نبوی میں حاضر ہونا کسی استحباب وفضیلت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ محض مباح تھا۔

پس کس قدر افسوس ہے ان لوگوں کے حال پر جو عورتوں کو مسجد میں بلاتے اور جماعتوں میں آنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی تعلیم اور آپ کی مرضی ومنشاء کے خلاف انہیں تعلیم دیتے اور غضب یہ ہے کہ اسے سنت بتاتے ہیں اور اپنے اس فعل کو احیائے سنت سمجھتے ہیں اگر عورتوں کے لئے جماعتوں میں حاضر ہونا سنت ہوتا تو آنحضرت ﷺ اپنی مسجد کی نماز سے مسجد محلّہ کی نماز کو اور مسجد محلّہ کی نماز سے گھر کی نماز کو افضل کیوں فرماتے ؟ کیونکہ اس صورت میں گھر میں تنہا نماز پڑھنا عورتوں کے لئے ترک سنت ہونا تو کیا ترک سنت میں ثواب زیادہ تھا اور سنت پر عمل کرنے میں کم۔ اور کیا رسول اللہ ﷺ عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دے کر گویا ترک سنت کی ترغیب دیتے تھے۔ شاید یہ لوگ اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ سے زیادہ بزرگ اور اپنی مسجدوں کو مسجد نبوی سے زیادہ افضل سمجھتے ہیں۔

(۷) مسجد نبوی میں ایک نماز پر بروایت حضرت انسؓ پچاس ہزار نماز کا ثواب ملتا ہے :۔

حدیث (۱۲) عن انس بن مالك رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم صلوٰة الرجل فی بیته بصلوٰة الی قوله علیه السلام وصلوٰته فی مسجدی بخمسین الف صلوٰة الحدیث رواه ابن ماجه (مشکوٰة)(۱)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کی نماز گھر میں تو ایک ہی نماز شمار ہوتی ہے (الی قولہ) اور اس کی نماز میری مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہوتی ہے۔

جب کہ مسجد نبوی کی اس فضیلت کی باوجود عورت کی مسجد محلّہ کی نماز مسجد نبوی کی نماز سے افضل فرمائی گئی اور گھر کی نماز مسجد محلّہ کی نماز سے افضل بتائی گئی اور دالان کی نماز صحن کی نماز سے افضل اور کوٹھری کی نماز دالان کی نماز سے افضل ہوئی تو اس سے نہایت واضح طور پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ عورت جس قدر اپنے پردے اور تستر کی جگہ سے دور ہوتی جاتی ہے اسی قدر ثواب کم ہوتا جاتا ہے۔ اور یہ کیوں ؟ صرف اس لئے کہ جس قدر گھر سے دوری ہوتی جائے گی فتنہ کا احتمال قوی ہوتا جائے گا۔ ورنہ کمی ثواب کی کوئی وجہ نہیں۔ دیکھو مردوں کے دور جانے میں چونکہ یہ احتمال فتنہ نہیں ہے اس لئے دور جانے سے ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

حدیث (۱۳) عن ابی موسی الا شعری رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اعظم الناس اجرافی الصلوة ابعدهم فابعدهم ممشی (بخاری و مسلم)(۲)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ثواب میں وہ لوگ بڑھے ہوئے ہیں جو نماز کے لئے دور سے آتے ہیں اور ان سے زیادہ وہ جو ان سے زیادہ دور سے آتے ہیں۔

حدیث (۱٤) وعن جابر رضی الله تعالی عنه قال قال النبی صلی الله علیه وسلم لبنی سلمة حین ارادوا ان ینتقلوا قرب المسجد دیا رکم تکتب اثارکم دیارکم تکتب اثارکم انتهی مختصرا (مسلم)(۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بنی سلمہ نے مسجد نبوی کے قریب آجانے کا ارادہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنے گھروں میں رہو۔ دور سے آنے میں تمہارے قدموں کا ثواب لکھا جائے گا مکرر یہی فرمایا۔

پھر یہ رخصت ولاجت بھی ان شرطوں کے ساتھ مشروط تھی کہ عورت خوشبو لگا کر نہ جائے۔ لباس فاخرہ پہن کر نہ نکلے۔ بجتا ہوا زیور پہن کر نہ آئے۔ دیکھو احادیث ذیل :۔

حدیث (۱۵) عن زینب الثقفیةؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم اذا خرجت الی العشاء فلا تمسن طیباً (رواه ابن حبان كذافی الكنز)(۴)

زینب ثقفیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت جب عشا کی نماز کے لئے نکلے تو ہر گز

(۱) سنن ابن ماجة ، کتاب الصلوٰة ، باب ماجاء فی الصلاة فی المسجد الجامع، ص : ۱۰۳ ، میر محمد
(۲) صحیح البخاری ، کتاب الصلاة ، باب فضل صلاة الرجل فی جماعة ، ۱/ ۹۰، قدیمی
(۳) الصحیح لمسلم، کتاب المساجد، ۱/ ۲۳۵، قدیمی
(٤) کنز العمال ، کتاب الصلاة ، فصل فی خروج النساء الی المساجد ، ۷/ ۲۷۸، (رقم الحدیث : ۲۰۸۷٦) ، التراث الاسلامی بیروت)

خوشبو نہ لگائے۔

حدیث (۱۶) وعنها عن النبی صلی اللہ علیه وسلم اذا شهدت احداکن العشاء فلا تطیب تلك اللیة (رواہ مسلم) (۱)

اور انہیں زینب سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت عشاء کی نماز میں جانے کا ارادہ کرے تو اس رات خوشبو نہ لگائے۔

حدیث (۱۷) وعن زینب امرأة عبد اللہ قالت قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا شهدت احداکن المسجد فلا تمس طیبا (رواہ مسلم) (۲)

اور عبداللہ کی بیوی زینبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم عورتوں سے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں آئے تو خوشبو نہ لگائے۔

حدیث (۱۸) وعن ابی هریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولکن لتخرجن وهن تفلات (رواہ ابو داؤد)(۳)قوله وهن تفلات ای غیر متطیبات یقال امراة تفلة اذا کانت متغیرة الریح کذا قال ابن عبدالبر وغیرہ قاله الشوکانی وفی المعالم التفل سوء الرائحة یقال امرأة تفلة اذا لم تطیب (عون المعبود)(۴)ویلحق بالطیب مافی معناہ من المحرکات لداعی الشهوة کحسن الملبس والتحلی الذی یظهر اثرہ والزینة الفاخرہ (عون المعبود)(۵)

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم خدا کی بندیوں کو خدا کی مسجدوں سے نہ روکو۔ لیکن وہ ایسی حالت میں جائیں کہ میلی کچیلی ہوں قوله وهن تفلات یعنی تفلات کے معنی یہ ہیں کہ خوشبو لگائے ہوئے نہ ہوں۔ امرأة تفلة اس عورت کو کہا جاتا ہے جو متغیرة الرائحہ ہو۔ اسی طرح ابن عبدالبر نے کہا ہے یہ شوکانی کا بیان ہے۔ اور معالم میں ہے کہ تفل کے معنی ناگوار بو کے ہیں۔ امرأة تفلة جب کہا جاتا ہے کہ خوشبو لگائے ہوئے نہ ہو۔ اور خوشبو کے حکم میں تمام وہ چیزیں شامل ہیں۔ جو خواہشات نفسانی کو حرکت میں لانے والی ہیں جیسے عمدہ لباس اور وہ زیور جس کے آثار ظاہر ہوں اور پر تکلف زینت۔

ان حدیثوں سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کو مسجدوں میں آنے کی جو اجازت اور رخصت تھی وہ ان قیود اور شرائط کے ساتھ تھی۔ تو ظاہر ہے کہ ان شرطوں پر عمل نہ ہونے کی حالت میں ان کے لئے اجازت دینا گویا خلاف حکم آنحضرت ﷺ کے اجازت دینا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ آج کل مساجد میں جانے والی اور عیدین میں حاضر ہونے والی عورتیں ان قیود وشروط پر عمل کرتی ہیں؟ کیا وہ عمدہ لباس زیب تن کر کے نہیں جاتیں؟ کیا بجنے والا زیور پہنے ہوئے نہیں ہوتیں؟ اور کیا وہ میلے کچیلے متغیر الرائحہ کپڑوں میں جانے کے حکم پر عمل کرتی ہیں؟ اگر کوئی شخص خواہ مخواہ زبردستی سے یہ دعویٰ کرے کہ ہاں ایسا ہی کرتی ہیں تو اس کے جواب کے لئے ناظرین

(۱)الصحیح لمسلم ، کتاب الصلاة ، ۱ / ۱۸۳ ، قدیمی (۲)الصحیح لمسلم ، کتاب الصلاة ، ۱ / ۱۸۳ ، قدیمی
(۳)سنن ابی داؤد ، کتاب الصلاة ، باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد ، ۱ / ۱۸۴ ، سعید
(۴)عون المعبود ، کتاب الصلاة ، باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد ، ۳ / ۳۷۳ ، دار الفکر بیروت
(۵)عون المعبود ، کتاب الصلوة ، باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد ، ۳ / ۲۷۴ ، دارالفکر بیروت

آگے آنے والی فصل سوم کو ملاحظہ فرمائیں۔ لیکن منصف مزاج جو ہٹ دھرمی کو برا سمجھتے ہیں وہ یقیناً انہیں شروط کا خلاف دیکھ کر اور صریح احکام نبویہ کی مخالفت مشاہدہ کر کے یہیں سے سمجھ لیں گے کہ آج کل عورتوں کے لئے وہ اباحت اس وجہ سے نہیں رہی کہ وہ شروط اباحت پر عمل نہیں کرتیں۔ اور ان سے عمل کرانا بھی مشکل ہے۔

تکملہ :۔ اگرچہ ان تمام حدیثوں کے دیکھنے کے بعد کسی سمجھدار شخص کو اس میں شبہ نہیں رہے گا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتوں کا جماعتوں میں حاضر ہونا محض رخصت واباحت کے طور پر تھا۔ نہ کہ فضیلت واستحباب کے طور پر۔ لیکن آج کل کے مدعیان عمل بالحدیث لوگوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ عورتوں کا جماعتوں میں جانا عیدین میں حاضر ہونا سنت ہے بلکہ سنت بھی مؤکدہ ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ سنت مؤکدہ اسے کہتے ہیں جس کے تارک پر ملامت ہوتی ہے اور ترک پر اصرار کرنے والا مستحق سزا ہوتا ہے۔ جیسے جماعت کہ مردوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے۔ اگر کوئی شخص جماعت میں حاضر نہ ہو تو مستحق ملامت ہوگا اور ترک پر اصرار کرنے والا اور ترک کی عادت ڈالنے والا مستحق سزا ہوگا۔ رسول خدا ﷺ نے عشا کی نماز میں حاضر نہ ہونے والوں کو جلا دینے کا ارادہ فرمایا۔ یہ اسی لئے کہ انہوں نے جماعت عشا میں حاضر نہ ہونے کی عادت کرلی تھی۔ پس اگر عورتوں کے لئے جماعت سنت مؤکدہ ہوتی تو ام حمیدؓ جنہوں نے مدۃ العمر گھر کی کوٹھری میں نماز پڑھی مستحق سزا ہوتیں۔ بلکہ اگر جماعت عورتوں کے لئے مستحب اور افضل بھی ہوتی تو آنحضرت ﷺ ام حمیدؓ کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب نہ دیتے۔ حالانکہ وہ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کی رغبت اور خواہش رکھتی تھیں۔

اس گروہ کی اس غلط بیانی کے طلسم کو توڑنے کے لئے ہم ان حدیثوں کو یہاں پر ذکر کرتے ہیں جنہیں یہ عمل بالحدیث کا دعویٰ کرنے والے لوگوں کو سنا سنا کر عورتوں کا جماعتوں میں حاضر ہونا سنت بتاتے ہیں اور ان احادیث نبویہ کے صحیح معنی پیش کرتے ہیں جن سے ناظرین انصاف پسند خود موازنہ کرلیں گے کہ ان مدعیان عمل بالحدیث کا دعویٰ ان حدیثوں سے کہاں تک ثابت ہوتا ہے۔

حدیث (۱۹) لا تمنعوا النساء حظوظهن من المساجد اذا استاذنکم۔(۱)
عورتوں کے مساجد میں سے حصوں کو نہ روکو۔ جب وہ اجازت مانگیں۔

حدیث (۲۰) لا یمنعن رجل اهله ان یاتوا المسجد (احمد)(۲)
کوئی شخص اپنے اہل کو مسجد میں جانے سے نہ روکے۔

حدیث (۲۱) لا تمنعوا نساء کم المساجد (ابو داؤد)(۳)
اپنی عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو۔

حدیث (۲۲) اذا استاذنت امرأة احدکم الی المسجد فلا یمنعها (صحیح بخاری صحیح مسلم)(۴)
جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت مانگے تو ہرگز اسے منع نہ کیا جائے۔

---

(۱) الصحيح لمسلم ، كتاب الصلوة ، باب خروج النساء الى المساجد ، ۱ / ۱۸۳ ، قديمی
(۲) مسند احمد بن حنبل ، ۲ / ۳٦ ، مسنه كذا في معجم الكبير للطبرانی ، ۱۲ / ۴۰۸
(۳) سنن ابی داؤد ، كتاب الصلاة ، باب ماجاء في خروج النساء الى المساجد ، ۱ / ۸۴ ، سعيد
(٤) صحيح البخاری ، كتاب الصلاة ، باب انصراف النساء من الصبح ، ۱ / ۱۲۰ ، قديمی

یہ حدیثیں عید احمدی میں اسی طرح لکھی ہیں ہم نے بعینہ اسی سے یہاں نقل کردی ہیں۔ لیکن ان حدیثوں میں کیا ہے ؟ صرف یہ کہ خاوندوں کو عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکنے کی ممانعت ہے۔ ان حدیثوں سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ عورتوں کو مسجدوں میں جانا مستحب یا سنت مؤکدہ ہے۔ عورتوں کو چونکہ آپ کے زمانے میں مسجدوں میں جانا مباح تھا تو اس اباحت ورخصت سے فائدہ اٹھانے کا حق انہیں حاصل تھا اس لئے مردوں کو ان کے روکنے سے منع فرمایا تاکہ ان کا یہ حق زائل نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس وقت عورتوں کے مسجد میں آنے کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ عورتوں کو تعلیم کی بہت حاجت تھی اور اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ مسجد میں حاضر ہو کر آنحضرت ﷺ کے افعال نماز کو دیکھیں اور اگر کوئی بات پوچھنی ہو تو خود پوچھ لیں۔ (كذا قال الشيخ الحديث الدهلوی) تیسرے یہ کہ چونکہ آنحضرت ﷺ کا مبارک زمانہ فتنہ و فساد سے مامون تھا۔ اس لئے اس وقت مردوں کا عورتوں کو روکنا خوف فتنہ کی وجہ سے نہ ہوتا۔ بلکہ محض شیخی اور تکبر کی بنا پر ہوتا۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے مردوں کو فرمایا کہ عورتوں کو نہ روکیں۔ (كما في حجة الله البالغة)(۱)

حدیث (۲۳) عن ابن عمر رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ائذنوا للنساء بالليل الى المساجد (بخاری)(۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو رات میں مسجد جانے کی اجازت دو۔

حدیث (۲۴) عن ابن عمر رضی الله تعالى عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا استاذ نكم نساء كم بالليل الى المسجد فاذنوا لهن (بخاری)(۳)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہاری عورتیں رات کو مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو اجازت دے دو۔

ان حدیثوں سے بھی صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو مسجد میں جانے کی رخصت و اجازت تھی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اگر عورتوں کو جانا ضروری ہوتا تو خاوندوں سے اجازت مانگنے کی قید نہ ہوتی۔ (فتح الباری) کیونکہ ضروری عبادات کے لئے اجازت مانگنا ضروری نہیں۔ نیز اس سے استحباب بھی ثابت نہیں ہوتا۔ جیسے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

حدیث (۲۵) عن ابن عباس رضی الله تعالى عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یخرج بناته ونساءه فی العیدین رواه البیهقی وابن ماجة (تلخيص الحبير)(۴)

(۱) نص العبارة هكذا: منها ما اذا كان خوف فتنة كامرأة اصابت بخورا ولا اختلاف بين قوله صلى الله عليه وسلم "اذا استاذنت امرأة احدكم الى المسجد فلا يمنعها" وبين ماحكم به جمهور الصحابة من منعهن اذ المنهي الغيرة التي تنبعث من الانفة دون خوف الفتنة والجائز مافيه خوف الفتنة وذلك قوله صلى الله عليه وسلم "الغيرة ثان" الحديث، و حديث عائشة " ان النساء احدثن" الحديث (حجة الله البالغة، ص: ۴۶۹)
(۲) الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب خروج النساء الى المساجد، ۱: ۱۸۳، قديمي
وروى البخاري بمعناه، كتاب الصلوة، باب خروج النساء، الى المساجد بالليلة، ۱: ۱۱۹، قديمي
(۳) صحيح البخاري، كتاب الصلوة باب خروج النساء الى المساجد بالليلة، ۱: ۱۱۹، قديمي
(۴) التلخيص الحبير، كتاب صلوة العيدين، ۲: ۸۱

اس روایت سے بھی صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں عورتوں کو عیدین میں جانے کی رخصت وإباحت تھی اور آنحضرت ﷺ بھی اپنی صاحبزادیوں اور بیویوں کو عیدین میں لے جاتے تھے۔ لیکن صرف لے جانے کے ثبوت سے استحباب یا سنت ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اس کی نظیر مندرجہ ذیل حدیث ہے :۔

حدیث (۲۶) عن عائشة رضی الله عنها ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یقبل بعض نسائه وهو صائم وکان املکلم لا ربه (بخای و مسلم کذا فی التلخیص)(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ روزہ کی حالت میں اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیتے تھے اور آپ اپنی خواہش پر تم سب سے زیادہ قابو رکھتے تھے۔ اور ایک اور روایت میں ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص اپنی خواہش پر اس قدر قابو رکھتا ہے جس قدر نبی ﷺ رکھتے تھے۔

اس حدیث سے باوجود ثبوت فعل آنحضرت ﷺ کے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بحالت روزہ بیوی کا بوسہ لینا سنت یا مستحب ہے۔ بلکہ حضرت عائشہؓ اشارۃً یہ بتاتی ہیں کہ لوگوں کو ایسا نہ کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ اپنے نفس پر قادر تھے اس لئے بوسہ سے تجاوز کرنے کے احتمال نہ تھا۔ اور لوگوں میں چونکہ نفس پر قادر ہونے کی صلاحیت کم ہے اس لئے تجاوز کا احتمال قوی ہے۔ ان کو اس سے پرہیز کرنا افضل ہے۔

حدیث (۲۷) قالت ام عطیة امرنا ان نخرج فنخرج الحیض والعواتق وذاوت الخدور فاما الحیض فیشهدن جماعة المسلمین و دعوتهم ویعتزلن مصلاهم (بخاری)(۲)

ام عطیہؓ فرماتی ہیں ہم کو حکم کیا گیا کہ خود بھی جائیں اور حائضہ اور جوان اور پردہ نشین عورتوں کو بھی عیدگاہ میں لے جائیں۔ لیکن حائضہ عورتیں صرف مجمع اور دعا میں شریک رہیں اور نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں۔

حدیث (۲۸) عن ام عطیة رضی الله تعالی عنه قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اخرجوا العواتق وذاوت الخدور لیشهدن العید ودعوة المسلمین ولیجتنبن الحیض مصلی الناس (رواه ابن ماجته)(۳)

ام عطیہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جوان عورتوں اور پردہ نشینوں کو نکالو (یا لے جاؤ) یہ سب عید اور دعا میں حاضر رہیں اور حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں۔

یہ دونوں حدیثیں آج کل کے علماء اہل حدیث کی قوی سے قوی دلیلیں ہیں۔ کیونکہ ان میں امر کا لفظ اور صیغہ موجود ہے جس سے وہ تاکید یا کم از کم استحباب ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ ان حدیثوں کا اصل مفہوم سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ ہم اس کی پوری وضاحت بیان کرتے ہیں :۔

واضح ہو کہ امر کا صیغہ تین معنوں (۴) میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کبھی اس سے وجوب مراد ہوتا ہے جیسے

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب المباشرۃ للصائم، ۱ / ۲۵۸، قدیمی وفی الصحیح لمسلم، کتاب الصیام، باب بیان ان القبلة فی الصوم لیست محرمة علی من لم تحرك شهوته، ۱ / ۳۵۲، قدیمی

(۲) صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب خروج النساء، والحیض الی المصلی، ۱ / ۱۳۳، قدیمی

(۳) سنن ابن ماجة، کتاب الصلوۃ، ماجاء فی خروج النساء فی العیدین، ص: ۹۲، قدیمی

(۴) یعنی تین معنوں میں زیادہ استعمال ہوتا ہے ورنہ امر کے صیغہ کا استعمال سولہ معنوں میں ہوتا ہے۔ کما فی نور الانوار: ان الامر یستعمل لستة عشر معنی کالوجوب والاباحة والندب (نور الانوار، بحث الامر، ص: ۳۱، میر محمد)

اقیموا الصلوٰۃ(۱)اور کبھی استحباب جیسے فکلو ا منھا واطعمو االقانع والمعتر (۲)اور کبھی اباحت جیسے اذا حللتم فاصطادو۔(۳)اور کلوا واشربوا۔(۴)اگرچہ امر کی اصل وجوب ہے۔لیکن جب قرائن سے ثابت ہو جائے کہ وجوب مراد نہیں تو استحباب یا اباحت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔(۵)

اب یہاں پر یہ دیکھنا ہے کہ عیدین میں عورتوں کے جانے کے بارے میں جو امر کا صیغہ اختیار کیا گیا ہے اس میں اس سے کیا مراد ہے۔ تو یاد رہے کہ وجوب تو یقیناً مراد نہیں۔ کیونکہ اس کا کوئی قائل نہیں کہ عیدین میں عورتوں کا جانا فرض ہے۔ (وجوب سے مراد اس موقع پر فرضیت ہی ہے) عیدین کی نماز بھی اور عیدین میں جانا بھی مردوں پر تو فرض ہے(۶) نہیں پھر عورتوں پر فرض ہونے کے کیا معنی ؟اور چونکہ مدعیان عمل بالحدیث بھی فرضیت کے قائل نہیں اس لئے ہمیں اس کے متعلق مزید بیان کی حاجت نہیں۔اب رہا دوسرا احتمال کہ امر استحباب کے لئے ہو تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی نہیں۔اور اس کی کئی دلیلیں ہیں۔اول یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے وہ صریح ارشادات ملاحظہ کریں جن میں آپ عورت کو کوٹھری کی نماز کو مسجد کی نماز سے افضل فرماتے ہیں۔اور اسی فصل میں ہم مفصل طور پر نقل کر چکے ہیں۔ آنحضرت ﷺ اپنی مسجد کی نماز سے (جس میں پچاس ہزار نماز کا ثواب ہے) عورتوں کی کوٹھری کی نماز کو کئی درجہ افضل اور بہتر فرماتے ہیں اور اس کے سوا اس کی کوئی وجہ نہیں کہ عورت جس قدر اپنے حیز استتار اور پردہ کی جگہ سے دور ہوتی جاتی ہے اسی قدر ثواب کم ہوتا جاتا ہے۔(دیکھو حدیث نمبر ۳۔۴۔۵۔۶)پس یہ وجہ عید یہاں موجود ہے کہ مجمع میں جانا، مردوں پر نظر پڑنا، دن اور روشنی کا وقت ہونا یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں۔پس ان حدیثوں میں عید کی نماز کا استثناء موجود نہیں ہے۔دوم یہ کہ جمعہ اور نماز ہائے پنجگانہ فرض نمازیں ہیں اور ان کی جماعتوں میں حاضر ہونا عورت کے لئے بہتر اور افضل نہیں تو عید جو فرض نہیں اس میں حاضر ہونا کیونکر افضل واولیٰ ہو سکتا ہے؟سوم یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدین میں جانے والی عورتوں کے لئے کوئی ترغیب اور فضیلت بیان نہیں فرمائی جس سے ثابت ہو کہ ان کو عیدین میں جانا مستحب و مستحسن امر ہے۔

پس جب نہ امر وجوب کے لئے نہیں اور استحباب کے لئے بھی نہیں تو لامحالہ اب صرف رخصت واباحت کے لئے ہوا۔اور آپ کے ارشاد کا صحیح مفہوم یہ ہوا کہ عورتوں کو عیدین میں جانے دو یا جانا چاہیں تو منع نہ کرو۔ یہ تو ان کے لئے جانا مباح ہے اور اس کے ہم قائل ہی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کا جانا مباح تھا۔

(۳)عورتوں کو جماعتوں میں آنے کی جو رخصت واباحت تھی وہ اب بھی ہے یا نہیں؟

واضح ہو کہ جناب سرور دو عالم فخر بنی آدم ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کو مساجد میں آنے کی اجازت تھی۔لیکن آپ کے زمانے کے بعد ہی صحابہ کرام کے سامنے ہی حالت بدل گئی اور فتنہ و فساد و بدنظمی شروع ہو گئی۔اور

(۱)البقرۃ : ۴۳
(۲)الحج : ۳۶
(۳)المائدۃ : ۲
(۴)الاعراف : ۳۱
(۵)وعندنا الوجوب حقیقۃ الامر فیحمل علیہ مطلقۃ مالم تقم قرینۃ خلافہ واذا کانت قرینۃ یحمل علیہ علی حسب المقام (نور الانوار ، مبحث الامر ، ص ۲۷ ، سعید)
(۶)ویجب صلوۃ العید علی کل من تجب علیہ الجمعۃ (الہدایۃ ، کتاب العیدین ، ۱ / ۱۷۲ ، شرکۃ علمیۃ)

خود صحابہ کرام نے ہی عورتوں کو منع کرنا شروع کر دیا۔ اور ان کی یہ ممانعت خدا اور رسول کے حکم سے ہی ماخوذ تھی جیسا کہ ناظرین عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے۔ پس علمائے حنفیہ رحمہم اللہ اس کے قائل ہیں کہ عورتوں کے لئے اب اجازت نہیں ہے کہ وہ جماعتوں میں حاضر ہوں بلکہ ان کو گھروں میں نماز پڑھنا آنحضرت ﷺ کے زمانے میں تو افضل اور بہتر تھا لیکن اب ضروری ہو گیا۔ اس حکم کے لئے حنفیہ کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں :۔

(الف)

حدیث (۲۹) عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت لو ادرك رسول الله صلی الله علیه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنی اسرائیل ۔ الحدیث۔ بخاری۔(۱)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ فرمایا کہ اگر آنحضرت ﷺ عورتوں کی یہ حرکات ملاحظہ فرماتے جو انہوں نے اب ایجاد کی ہیں تو ان کو مسجدوں سے روک دیتے۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔

حدیث (۳۰) وقد ثبت ذلك من حدیث عروة عن عائشة موقوفا اخرجه عبد الرزاق باسناد صحیح ولفظه قالت كن نساء بنی اسرائیل یتخذن ارجلا من خشب یتشر فن للرجال فی المساجد فحرم الله علیهن المساجد وسلطت علیهن الحیضة وهذا وان كان موقوفا لكن حكمه حكم الرفع لانه لایقال بالرأی

فتح الباری۔(۲) **عون المعبود**(۳) **نیل الاوطار زرقانی**(۴)

بنی اسرائیل کی عورتوں کا مسجدوں سے روکا جانا اس حدیث سے ثابت ہے جو عبدالرزاق نے صحیح سند کے ساتھ بواسطہ عروہؓ حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں لکڑی کے پاؤں بنا لیتی تھیں تاکہ ان پر اونچی ہو کر مسجدوں میں مردوں کو جھانکیں تو اللہ نے ان پر مسجدیں حرام کر دیں اور حیض ان پر مسلط کر دیا گیا۔ اور یہ روایت اگرچہ حضرت عائشہ پر موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ ایسی بات محض رائے اور قیاس سے نہیں کہی جاتی۔

حافظ ابن حجر، قاضی شوکانی، علامہ زرقانی شارح موطا امام مالک، صاحب عون المعبود۔ ان سب نے روایت نمبر ۳۰ کو حکماً مرفوع مانا ہے اور صحیح ہونا تسلیم کیا ہے۔ پس اس حدیث سے یہ باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

بنی اسرائیل کی عورتیں مسجدوں میں نماز پڑھنے آتی تھیں اور انہیں آنے کی اجازت تھی۔ سب انہوں نے یہ حرکت کی کہ لوگوں کو دیکھنے کے لئے لکڑی کے اونچے پاؤں بنا کر جھانکنا شروع کر دیا اور بدنیتی ان میں پیدا ہوئی تو خدا نے ان پر مسجدوں میں آنا حرام کر دیا۔ پس بنی اسرائیل کے لئے خدا کا حکم عورتوں کی بدنیتی اور فساد کے وقت یہ تھا کہ مسجدوں میں آنا ان پر حرام ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کی حدیث نمبر ۲۹ سے صراحتاً یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد عورتوں نے ایسی حرکتیں ایجاد کی تھیں جو رسول اللہ ﷺ ملاحظہ فرماتے تو یقیناً منع فرما دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں مسجدوں سے روک دی گئی تھیں۔ پس بدنیتی اور فساد کا پیدا ہونا تو حضرت عائشہ کی حدیث سے

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاذان باب خروج النساء باللیل، ۱/ ۱۲۰، قدیمی۔ الصحیح لمسلم، کتاب الصلاة، باب خروج النساء الی المساجد، ۱/ ۱۸۳، قدیمی

(۲) فتح الباری، ابواب صفة الصلوة، باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس، ۲/ ۲۹۰، بولاق

(۳) عون المعبود، کتاب الصلوة باب التشدید فی ذلك، ۳/ ۲۷٦

(٤) زرقانی، کتاب الصلوة، باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد، ۲/ ٦

ثابت ہو گیا۔ اور بد نیتی اور فساد پیدا ہونے کے وقت عورتوں پر مسجدوں میں آنے کی حرمت خدا کے اس حکم سے ثابت ہوئی جو بنی اسرائیل کی عورتوں کو دیا گیا تھا۔ پس یقیناً امت محمدیہ کی عورتوں کو بوجہ بد نیتی اور فساد پیدا ہو جانے کے خدا کے حکم سے مسجدوں میں جانا حرام ہوا۔ یہ اس لئے کہ پہلی امتوں میں جو خداوندی احکام تھے اگر وہ منسوخ نہ ہوئے ہوں تو ان کی پیروی اور اتباع ہمارے اوپر اسی طرح ضروری اور لازم ہے جیسے کہ اپنی شریعت کی پیروی اور اتباع لازم ہے۔ قال الله تعالى فبهداهم اقتده(۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ ان کی یعنی انبیائے سابقین کی ہدایت یعنی شریعت کی اقتدا کرو۔

حدیث (۳۹) فقال ابن عباس رضی الله عنه نبیکم صلی الله علیه وسلم ممن امران یقتدی بهم (بخاری)(۲)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تمہارے نبی ان میں سے ہیں جن کو انبیائے سابقین کی اقتدا کا حکم کیا گیا ہے۔
مگر چونکہ پہلی شریعتوں کی کتابیں محفوظ نہیں۔ اس لئے ان کی موجودہ کتابوں کے احکام کی تعمیل ہمارے ذمہ اس لئے ضروری نہیں ہے کہ موجودہ احکام کا احکام خداوندی ہونا یقینی نہیں ہے۔ لیکن جب کسی حکم کو آنحضرت ﷺ بیان فرما دیں کہ یہ شرائع سابقہ میں سے کسی شریعت کا حکم تھا اور ہماری شریعت میں وہ حکم منسوخ نہ ہوا ہو تو یقیناً اس پر عمل کرنا ہمارے ذمہ اپنی شریعت کے حکم کی طرح ضروری اور لازمی ہے۔ (۳) اور جب کہ اس حدیث صحیح سے یہ ثابت ہو گیا کہ فتنہ و فساد کے وقت بنی اسرائیل کی عورتوں پر خدا تعالیٰ نے مسجدوں میں آنا حرام فرما دیا تھا تو یقیناً یہی حکم امت محمدیہ کی عورتوں کے لئے بھی واجب الاتباع اور خدا کا حکم ہے۔ اور ان پر مسجدوں میں آنا اسی حکم خداوندی کی بنا پر حرام ہے۔ یہ دلیل نہایت صاف اور واضح ہے اور کسی قسم کا اس میں شک و شبہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے اجزا میں ایسی دو صحیح حدیثیں اور ایک آیت قرآنی ہے جو اس مدعا پر نہایت واضح طور سے دلالت کرتی ہیں۔ لیکن ممکن ہے کہ بعض لوگ اس پر یہ شبہ کریں جو ذیل میں مندرج ہے۔ اس لئے تتمیماً للفائدہ اسے مع جواب کے ذکر کیا جاتا ہے۔
شبہ نمبر (۱) پہلی شریعتوں کے احکام ہمارے لئے اس وقت واجب الاتباع ہوتے ہیں کہ ہماری شریعت میں ان احکام کے خلاف حکم نہ آیا ہو۔ اور صورت متنازعہ فیہا میں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ہماری شریعت نے اس حرمت کے حکم کے خلاف عورتوں کو مسجدوں میں آنے کی اجازت دی تو پہلا حکم حرمت کا منسوخ ہو گیا اس لئے اس حکم سے اب حرمت خروج نساء پر استدلال کرنا گویا ایک حکم منسوخ سے استدلال کرنا ہے۔
(جواب) یہ خیال غلط ہے کیونکہ اسی حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں مسجدوں میں نماز پڑھتی تھیں اور ان کے لئے مسجدوں میں آنے کی اجازت تھی۔ لیکن جب انہوں نے بد نیتی اور فساد شروع کیا اس وقت ان پر مسجدیں حرام ہوئیں تو شریعت بنی اسرائیل کا حکم یہ ہوا کہ وجود فتنہ و فساد کے وقت عورتوں کو

---

(۱) الانعام : ۹۱
(۲) صحيح البخاری ، كتاب التفسير ، باب قوله اولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده ، ۲/ ٦٦٦، قديمى
(۳) ومما يتصل بسنة نبينا عليه السلام شرائع من قبله ، والقول الصحيح فيه : ان ماقص الله تعالى او رسول منها من غير انكار يلزمنا على انه شريعة لرسولنا (الحسامی ، بحث السنة، ۱/ ۹۲ ۹۳، مير محمد)

مسجدوں میں آنا حرام ہے اور ہماری شریعت نے اس حکم کو منسوخ نہیں کیا۔ رہی عورتوں کے آنے کی اجازت تو وہ بوجہ فتنہ وفساد نہ ہونے کے تھی۔ یہ اجازت جو فتنہ وفساد نہ ہونے کے زمانے میں تھی اس حکم حرمت کی ناسخ نہیں ہو سکتی جو فتنہ وفساد کے وقت کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس بد نیتی اور فساد کا نہ ہونا جو حکم حرمت وممانعت کی علت ہے۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث(۱) نمبر ۲۹ سے صراحۃً ثابت ہے۔ وہ امر میں صریح ہیں کہ آپ کے زمانے میں وہ حرکات فتنہ وفساد پیدا نہ ہوئی تھیں۔ پس اس وقت کی اجازت یقیناً اس حکم حرمت کے مخالف اور اس کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔

شبہ نمبر (۲) یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں فتنہ نہ تھا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ بعض لوگ عورتوں کو تاکنے کے خیال سے پچھلی صفوں میں کھڑے ہوتے تھے اور بعض متقی اگلی صفوں میں جانا چاہتے تھے تاکہ عورتوں پر ان کی نظر نہ پڑے۔ جن کے متعلق آیت ولقد علمنا المستقد مین منکم ولقد علمنا المستاخرین۔ نازل ہوئی ہے۔ اور ترمذی شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ایک صحابی نے ایک عورت سے جبراً زنا کیا اور دوسرا شخص شبہ میں پکڑا گیا۔ اور قریب تھا کہ رسول اللہ ﷺ اسے سنگسار کرنے کا حکم فرمادیں کہ اصل مجرم نے ایک بے گناہ کو پھنستا ہوا دیکھ کر خود اقرار کیا اور سنگسار کیا گیا۔ پس جب کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اس قسم کے واقعات کا ہونا ثابت ہے تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ آپ کے زمانے میں بوجہ امن عن الفتنہ کے اجازت تھی اور بعد میں فتنہ کی وجہ سے ممانعت ہوگئی۔

(جواب) بنی اسرائیل کی عورتوں پر مسجدوں کے حرام ہونے کا حکم عورتوں کی بد نیتی کی وجہ سے تھا۔ اور حضرت عائشہؓ نے بھی اپنے قول میں نئی حرکات ایجاد کرنے کی نسبت عورتوں کی طرف کی ہے۔ پس ان دونوں حدیثوں کے ملانے سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ جو فتنہ وفساد حکم ممانعت کی علت ہے وہ عورتوں کی نیت کا فساد ہے۔ اور اس آیت وحدیث سے جو شبہ میں ذکر کی گئی ہیں مردوں کی بد نیتی ثابت ہوتی ہے نہ کہ عورتوں کی۔ اس لئے یہ واقعات منشائے حکم سے خارج ہیں۔ اور اصل یہ ہے کہ اگر عورت کی نیت پاک صاف ہو تو مردوں کی بد نیتی سے اس قدر جرائم واقع نہیں ہو سکتے جس قدر عورتوں کی جانب سے بد نیتی ہونے کی حالت میں ہو سکتے ہیں۔ اس لئے بنی اسرائیل کی عورتوں میں جب بد نیتی ہوئی اس وقت حکم حرمت نازل ہوا تھا اسی طرح امت محمدیہ میں حکم حرمت اس وقت ہوا جب عورتوں میں بد نیتی پیدا ہوئی۔

(۱)عن عائشة قالت : لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنى اسرائيل ، فقلت لعمرة : او منعن قالت: نعم (صحيح البخارى ، كتاب الاذان ، باب خروج النساء الى المساجد بالليل والغلس، ۱ / ۱۲۰ ، قديمى) (۲) الحجر : ۲۴

(۳)وقال ابن جرير : حدثنا محمد بن عبدالاعلى انه قال : كان اناس يستاخرون فى الصوف من اجل النساء فانزل الله "ولقد علمنا المستقد مين منكم ولقد علمنا المستاخرين " (تفسير ابن كثير ، ۲/ ۵۴۹ ، سهيل اكيڈمى)

(۴)عن ابيه ان امراءة خرجت على عهد النبى صلى الله عليه وسلم تريد الصلوة فتلقا ها رجل فتجللها فقضى حاجة منها فصاحت، فانطلق ومربها رجل فقالت: ان ذلك الرجل فعل بى كذا وكذا ومرت بعصابة من المهاجرين فقالت: ان ذلك الرجل فعل بى كذا وكذا . فانطلقوا فاخذوا الرجل الذى ظنت انه وقع عليها فاتوا ها فقالت : نعم هوهذا ، فاتوا به رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فلما امربه ليرجم قام صاحبها الذى وقع عليها ، فقال للرجل : قولاً حسناً وقال للرجل الذى وقع عليها: ارجموه ، وقال : لقد تاب توبة لوتاب بها اهل المدينة لقبل منهم (جامع الترمذى ، ابواب الحدود ، باب ماجاء فى المرأة التى استكرهت على الزنا ، ۱ / ۲۶۹ ، سعيد)

اگر عورتوں مردوں کی بدنیتی کے تفاوت سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تاہم یہ واقعات موجب شبہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک دو واقعات کا ہو جانا آپ کے زمانے کو فتنہ و فساد کا زمانہ نہیں بنا سکتا۔ فتنہ و فساد کے زمانے سے مراد ایسا زمانہ ہے جس میں اس قسم کے واقعات بکثرت ہونے لگیں۔ اور حضرت عائشہؓ کی حدیث سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالت آپ کے بعد پیدا ہوئی تھی۔

(ب) حضرت عائشہؓ کی حدیث مذکور سے استدلال کا دوسرا طریق یہ ہے کہ وہ فرماتی ہیںؓ۔

لو ادرك النبی صلی الله علیه وسلم ما احدث النساء بعده لمنعهن المساجد متفق علیه (۱)
(التلخیص الحبیر) (۲)

اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کی یہ حرکت پاتے جو انہوں نے آپ کے بعد ایجاد کی ہیں تو ضرور ان کو مسجدوں سے روک دیتے۔

اس حدیث سے صراحۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں عورتوں کی حرکات ناشائستہ کا ظہور نہ ہوا تھا آپ کے بعد ہوا ہے تو حضرت عائشہ کے کلام کا مطلب یہ ہوا کہ ان حرکات کے وجود کو حکم ممانعت لازم ہے اور اس لزوم کی تاکید کے لئے لام تاکید داخل کر کے انہوں نے لمنعهن فرمایا۔ یعنی ضرور منع فرما دیتے۔ پس حضرت عائشہؓ کے اس کلام سے جو وجود حرکات و حکم ممانعت میں لزوم ثابت ہو گیا۔ اس لئے جب یہ ثابت ہو جائے کہ حرکات ناشائستہ کا وجود ہو گیا ہے تو بحکم لزوم حکم ممانعت خود ثابت ہو جائے گا۔ ورنہ تلازم صحیح نہیں رہے گا۔ اور خود اسی حدیث سے حرکات ناشائستہ کا وجود آنحضرت ﷺ کے زمانے کے بعد ثابت ہے۔ پس اس کا لازم یعنی حکم ممانعت خود بخود بحکم تلازم ثابت ہو گیا۔

شبہ نمبر (۱) حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس دلیل پر شبہ کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے اس قول سے عورتوں کے لئے مطلقاً ممانعت نہیں نکلتی۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ نے حکم ممانعت کو ایسی شرط پر معلق کیا ہے جس کا وجود نہ ہوا تو اس حکم ممانعت کا بھی وجود نہ ہو گا۔ کیونکہ انتفائے شرط کو انتفائے مشروط لازم ہے۔ اس لئے یوں کہا جا سکتا ہے لم یر فلم یمنع فاستمر الحکم یعنی آنحضرت ﷺ نے ان حرکات کو نہیں دیکھا اس لئے عورتوں کو منع نہیں فرمایا۔ تو مسجدوں میں آنے کی اجازت ان کے لئے مستمر اور باقی رہی۔ (۳)

(جواب) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا تو صحیح ہے کہ آپ نے ان حرکات کو نہیں دیکھا۔ پس منع نہیں فرمایا لیکن آگے یہ فرمانا فاستمر الحکم محل نظر ہے کیونکہ ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے اسی قول سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وجود حرکات کو حکم ممانعت لازم ہے۔ پس حافظ ابن حجر کا یہ فرمانا کہ باوجود حرکات ناشائستہ پائے جانے کے اجازت کا حکم مستمر اور باقی ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ ہاں اگر حافظ ابن حجر اس تلازم کو نہ مانیں یعنی یہ فرمائیں کہ وجود حرکات ناشائستہ کو ممانعت کا حکم لازم ہی نہیں جیسے کہ ان کے قول بناءً علی ظن ظنته سے سمجھا جاتا ہے تو

---

(۱) صحیح البخاری ، کتاب الاذان ، باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس، ۱/ ۱۲۰، قدیمی
(۲) التلخیص الحبیر ، کتاب صلوۃ العیدین ، ۲/ ۸۱
(۳) قال فی فتح الباری: وتمسك بعضهم بقول عائشة رضی الله تعالیٰ عنها فی منع النساء مطلقاً ، وفیه نظر اذا لا یترتب علی ذلك تغیر الحکم ، لانها علقته علی لویوجد بناء علی ظن ظنته ، فقالت : لورایٰ لمنع فقال علیه لم یرو لم یمنع فاستمرا لحکم (فتح الباری ، کتاب الاذان، باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس، ۲/ ۲۹۰، بولاق)

اس کے دو جواب ہیں۔ اول یہ کہ ہمیں حضرت عائشہ کے قول سے استدلال کرنا مقصود ہے اور اس قول سے تلازم ثابت ہوتا ہے۔ یعنی حضرت عائشہؓ وجود حرکات ناشائستہ پر حکم ممانعت کو لازم قرار دیتی ہیں۔ اور حافظ ابن حجر اسے نہیں مانتے اور حضرت عائشہ کا خیال اور گمان بتاتے ہیں۔ ہم حضرت عائشہؓ کے قول سے استدلال کرتے ہیں نہ کہ حافظ ابن حجر کی رائے سے۔ دوسرے یہ کہ حضرت عائشہؓ نے وجود حرکات ناشائستہ پر حکم ممانعت کو جو لازم بتایا ہے یہ صرف ان کا خیال اور گمان نہیں ہے بلکہ وہ اسے خدا کا حکم سمجھتی ہیں۔ اور ان کے پاس بنی اسرائیل کی عورتوں والی روایت اس کی زبردست دلیل موجود ہے۔ پس جب کہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ وجود حرکات ناشائستہ اور حکم ممانعت میں لزوم ہے تو حافظ ابن حجرؒ کا یہ کہنا کہ آپ نے وہ حرکات نہیں دیکھیں اور منع نہ فرمایا اس لئے حکم اجازت مستمر اور باقی ہے کسی طرح صحیح نہیں۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ شیرہ انگور جب تک اس میں نشہ پیدا نہ ہوا ہو اس کی متعلق یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ لوکان مسکرا لحرم شربہ یعنی اگر یہ مسکر ہوتا تو اس کا پینا حرام ہوتا۔ لیکن اگر کوئی کہے **لم یکن مسکرا فلم یحرم فاستمر الحکم** تو یہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ یعنی چونکہ وہ مسکر نہیں تھا اس لئے حرام نہیں تھا اور حکم حلت مستمر اور باقی ہے۔ یعنی وجود سکر (ملزوم) کے بعد بھی حکم حلت باقی ہے اور حکم حرمت (لازم) متحقق نہیں ہوا۔ یہ ہرگز صحیح نہیں۔

شبہ نمبر (۲) حافظ ابن حجرؒ نے اس دلیل پر یہ بھی شبہ کیا ہے کہ اگر وجود فتنہ کو حکم حرمت لازم ہوتا تو خدا کو تو معلوم تھا کہ فتنہ پیدا ہونے والا ہے۔ اس نے حکم حرمت کیوں نہیں بھیجا؟(۱)

(جواب) خدا کو بے شک معلوم تھا کہ فتنہ پیدا ہونے والا ہے۔ لیکن پیدا تو نہ ہوا تھا۔ اور پیدا ہونے سے پہلے اس کا حکم بھیج دینا لازم نہیں۔ ورنہ احکام وقتیہ میں سے کوئی حکم بھی حافظ ابن حجرؒ کے اس اعتراض سے نہیں بچ سکتا۔ مثلاً تیمم کا حکم اس سفر میں نازل ہوا جس میں حضرت عائشہؓ کی شکایت کی اور حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو برا بھلا بھی کہا اور تکلیف بھی پہنچائی۔ اس کے بعد حکم تیمم نازل ہوا۔(۲) تو اگر حافظ ابن حجرؒ سے کوئی کہے کہ خدا کو تو معلوم تھا کہ ایسی ضرورتیں پیش آئیں گی کہ پانی نہ ملے گا۔ اس نے پہلے سے حکم تیمم کیوں نازل نہ کر دیا تھا؟ اسی طرح ہزاروں احکام ہیں جو خاص خاص وقتوں میں اسباب خاصہ کے وجود کے بعد نازل ہوئے ہیں۔ ... ان سب پر یہی شبہ ہوگا تو جو جواب حافظ ابن حجر ان کا دیں گے وہی ہم ان کے اس اعتراض کا دیں گے۔

دوسرے یہ کہ بیشک وجود فتنہ کا خدا تعالیٰ کو علم تھا۔ اور وہ حکم حرمت بھی نازل فرما چکا تھا۔ یعنی بنی اسرائیل کی عورتوں پر مسجدوں کو حرام کر چکا تھا۔ اور وہی حکم ہمارے لئے بھی حکم تھا۔ اس لئے جداگانہ حکم نازل فرمانے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کا اس حکم سابق کو ہمارے سامنے نقل کر دینا کافی تھا۔(۲)

---

(۱) وايضاً فقد علم الله سبحانه ما سيحد ثن فما اوحى الى نبيه (فتح البارى ، كتاب الاذان ، باب خروج النساء الى المساجد بالليل والغلس، ۲ / ۲۹۰، بولاق)

(۲) عن عائشة زوج النبى صلى الله عليه وسلم قالت : خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى بعض اسفاره حتى اذا كنا بالبيداء او بذات الجيش ، انقطع عقد لى فاقام رسول الله صلى الله عليه وسلم على التماسه واقام الناس معه وليسوا على ماء فاتى الناس الى ابى بكر الصديق فقالوا : الا ترى ماصنعت عائشة ، اقامت برسول الله صلى الله عليه وسلم والناس وليسوا على ماء وليس معهم ماء فجاء ابو بكر و رسول الله صلى الله عليه وسلم واضع راسه على فخذى قد نام فقال : حبست رسول الله صلى الله عليه وسلم والناس وليسوا على ماء وليس معهم ماء ، فقالت عائشة : فعاتبنى ابو بكر وقال ما شاء الله ان يقول وجعل يطعننى بيده فى خاصرتى فلا يمنعنى من التحرك الا مكان رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم حين اصبح على غير ماء ، فانزل الله عز وجل آية التيمم (صحيح البخارى ، كتاب التيمم ، ۱ / ۴۸ ، قديمى)

(۲) ان ماقص الله تعالى اورسول منهامن غير انكار يلزمنا انه شريعة لرسولنا (الحسامى، بحث السنة،ص: ۹۲ ۹۳، مير محمد)

شبہ نمبر (۳) حافظ ابن حجر نے یہ بھی شبہ کیا ہے کہ اگر فتنہ کی وجہ سے حکم ممانعت لازم بھی ہو جب بھی انہیں عورتوں کے لئے ہونا چاہئے جو بد نیتی اور فتنہ کی مرتکب ہوں۔ تمام عورتوں کو منع کرنا صحیح نہیں۔(۱)

(جواب) جب کہ عورتوں میں بد نیتی اور فساد پیدا ہو جائے تو پھر اس کی تحقیق کرنا کہ کس میں بد نیتی اور فساد ہے مشکل بلکہ تقریباً محال ہے۔ اگر بعض عورتوں کے لئے اجازت رہی تو تمام عورتیں اسی حیلے سے آسکتی ہیں کہ ہمارے اندر بد نیتی نہیں۔ اگر مسجدوں کے دروازوں پر محتسب کوڑا لئے ہوئے بھی کھڑا رہے تاہم وہ نیک نیت اور بد نیت عورت میں امتیاز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بد نیتی اور بد خیالی ایک باطنی امر ہے۔ جس پر کسی کو سوائے علام الغیوب (۲) کے اطلاع نہیں ہو سکتی تو ایسی حالت میں خاص بد نیت عورتوں کو روکنے کی کوئی سبیل نہیں۔ اس لئے سد الذباب تمام عورتیں حکم کراہت میں شامل ہونی ضروری ہیں تاکہ اس فتنہ کا پورا دروازہ بند ہو جائے۔ اور اس کی نظیر شریعت میں یہ ہے کہ منافق اور یہودی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر راعنا کہتے تھے اور خلاف ادب معنی مراد لیتے تھے اور مخلص مسلمان بھی راعنا کہتے تھے ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ ہماری طرف دیکھئے۔ یہی معنی صحیح اور درست تھے۔ لیکن چونکہ اس لفظ کے استعمال کرنے میں منافقین اور یہود کو بے ادبی اور گستاخی کا موقع ملتا تھا اور بظاہر کوئی صورت اس کی نہ تھی کہ صرف گستاخی کی نیت سے کہنے والوں کو روکا جائے اس لئے عموماً مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے خدا تعالیٰ نے منع فرمادیا۔ یا ایھا الذین امنو الا تقولو راعنا وقولوا انظرنا۔(۳) پس اسی طرح یہاں بھی جب کہ بد نیت اور نیک نیت عورتوں میں امتیاز مشکل ہے اس لئے سد الباب تمام عورتوں کو روکنا ضروری ہے۔ اور بنی اسرائیل کی عورتوں والی روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عموماً عورتوں پر مسجدیں حرام کردی گئی تھیں اس لئے حافظ ابن حجر کا یہ شبہ بھی صحیح نہیں۔

(ج)

حدیث (۳۲) عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال کان الرجال والنساء من بنی اسرائیل یصلون جمیعاً فکانت المرأۃ اذا کان لھا خلیل تلبس القالبین تطول بھما لخلیلھا فالقی اللہ علیھن الحیض فکان ابن مسعودؓ یقول اخرجوھن من حیث اخرجھن اللہ الحدیث (مجمع) (۴) الزوائد وقال رجالہ رجال الصحیح)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کے مرد اور عورتیں ساتھ ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور جب کسی عورت کا کوئی یار ہوتا تو وہ لکڑی کے پاؤں پہن کر آتی تاکہ اونچی ہو جائے اور یار کو دیکھنے کا موقع ملے تو خدا نے ان عورتوں پر حیض ڈال دیا۔ پھر ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے اور عورتوں کو مسجدوں سے نکالو جس طرح خدا نے انہیں نکالا ہے۔

حدیث (۳۳) وعن ابی عمرو الشیبانی انہ رای عبداللہ یخرج النساء من المسجد یوم الجمعۃ ویقول

---

(۱) قال فی الفتح : وایضاً فالا حداث انما وقع من بعض النساء لا من جمیعھن فان تعین المنع فلیکن لمن احدثت (فتح الباری ، کتاب الاذان ، باب خروج النساء الی المساجد باللیل و الغلس ، ۲/ ۲۹۰ ، بولاق)
(۲) انہ علیم بذات الصدور (سورۃ ھود: ۵) (۳) البقرۃ : ۱۰۴
(۴) مجمع الزوائد ، کتاب الصلاۃ ، باب خروج النساء الی المساجد ، ۲/ ۳۵ ، بیروت

اخرجن الی بیوتکن خیر لکن مجمع الزوائد وقال رجاله موثقون(۱)
حافظ ہیثمی نے فرمایا کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ ابو عمرو شیبانی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جمعہ کے روز عورتوں کو مسجد سے نکالتے تھے اور فرماتے تھے کہ نکلو اپنے گھروں کو جاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔(حافظ ہیثمی نے فرمایا کہ اس کے راوی معتبر ہیں)

ان روایتوں سے یہ باتیں صراحۃً معلوم ہوئیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ عورتوں کو جماعت جمعہ میں مسجد سے نکالتے تھے۔ لوگوں کو فرماتے تھے کہ عورتوں کو مسجدوں سے نکالو۔ بنی اسرائیل کی عورتوں کا واقعہ بیان کرکے وہ بوجہ بدنیتی اور فساد کے مسجدوں سے نکالی گئیں مسلمانوں کو بھی وہی حکم دیتے ہیں اور اس کو خدا تعالیٰ کا حکم قرار دیتے ہیں۔

پس چونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت (۳۳) بھی حکماً مرفوع ہے اور حضرت عائشہ کی روایت کے قریب المعنی ہے اور اسناد بھی اس کی معتبر ہے۔ جیسا کہ حافظ ہیثمی نے اس کی تصریح فرمادی اس لئے ان دونوں حدیثوں سے یہ بات صراحۃً ثابت ہوگئی کہ عورتوں میں بدنیتی اور فساد پیدا ہونے کے وقت خدا تعالیٰ نے انہیں مسجدوں سے نکالنے کا حکم دیا ہے۔ پس ان کے لئے مساجد میں آنا مکروہ تحریمی ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے بعد مساجد میں عورتوں کے آنے کو مکروہ سمجھنے والے صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین اور فقہاء

اس کے بعد اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ کے زمانہ مبارک کے بعد مساجد میں عورتوں کے آنے کو مکروہ سمجھنے والے یا منع کرنے والے کون کون صحابہ و تابعین وائمہ مجتہدین و فقہاو محدثین ہیں۔

حدیث (۳٤) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال کانت امراۃ لعمر تشھد صلوۃ الصبح والعشاء فی الجماعۃ فی المسجد فقیل لھا لم تخرجین وقد تعلمین ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یکرہ ذلک ویغار قالت فما یمنعہ ان ینھانی قالوا یمنعہ قول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ

رواہ البخاری و ابن ابی شیبہ کذافی الکنز۔(۲)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی ایک بیوی عشا اور فجر کی نماز کے لئے مسجد میں جاتی تھیں تو ان سے کہا گیا کہ تم کیوں جاتی ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ تمہارے جانے کو مکروہ سمجھتے ہیں اور انہیں غیرت آتی ہے۔ انہوں نے فرمایا تو پھر وہ مجھے منع کیوں نہیں کر دیتے۔ لوگوں نے کہا کہ منع کرنے سے انہیں ارشاد نبوی مانع ہے کہ خدا کی بندیوں کو خدا کی مسجدوں سے نہ روکو۔

اس روایت سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ صبح کی اور عشا کی نماز میں بھی عورتوں کے مسجد میں جانے کو مکروہ سمجھتے تھے اور غیرت کرتے تھے۔ اور ان کی یہ غیرت یقیناً خوف فتنہ کی وجہ سے تھی جس کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ غیرت محمودہ فرماتے ہیں۔ موطاء امام مالکؒ میں یہ روایت اس طرح ہے کہ جب عمرؓ کی یہ

(۱) ایضاً حاشیہ ٤ ص ۳۸٦۔
(۲) کنز العمال، کتاب الصلوۃ، الباب الخامس، ۸/۳۲۵، (رقم الحدیث : ۲۳۱۲۹)، التراث الاسلامی بیروت

بیوی ان سے مسجد میں جانے کی اجازت مانگتیں تو حضرت عمرؓ خاموش ہو جاتے تھے۔(۱) لیکن بخاری کی اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ کی خاموشی رضامندی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ کراہت و ناخوشی کی وجہ سے تھی۔ اسی طرح علامہ زرقانی شرح مؤطا میں سکوت کی وجہ حضرت عمرؓ کی ناخوشی ہی بیان فرماتے ہیں۔ فیسکت لا نه کان یکره خروجها للصبح والعشاء۔(۲)

رہا یہ شبہ کہ حضرت عمرؓ اگر مکروہ سمجھتے تھے تو منع کیوں نہ فرماتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قصہ حضرت عمرؓ کی بیوی عاتکہ بنت زید کا ہے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے نکاح کرتے وقت یہ شرط کر لی تھی کہ مجھے مسجد میں نماز کے لئے جانے سے نہ روکیں۔(۳) اس لئے حضرت عمرؓ منع تو نہ فرماتے تھے کہ خلاف عہد نہ ہو مگر جانے سے ناخوش ضرور ہوتے تھے اور مکروہ سمجھتے تھے۔

اگر یہ شبہ ہو کہ جب ان کے نزدیک جانا مکروہ تھا تو نکاح کے وقت اس شرط پر ہی کیوں راضی ہوئے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح کے وقت عورتوں کی حالت فتنہ و فساد کے اس درجہ تک نہ پہنچی ہو کہ حضرت عمرؓ ان کے نکلنے کو مکروہ سمجھتے اس لئے شرط کر لی اس کی بعد یہ حالت فتنہ و فساد کی پیدا ہوئی تو وہ مکروہ سمجھنے کے باوجود ایفائے عہد کے خیال سے منع نہ فرماتے تھے۔ اور اس حدیث میں منع نہ کرنے کی جو وجہ مذکور ہے کہ وہ ارشاد نبوی لا تمنعوا اماء الله مساجد الله (۴) کی مخالفت کے ڈر سے منع نہ فرماتے تھے۔ اس میں اول تو اس کی تصریح نہیں کہ حضرت عمرؓ سے یہ وجہ منقول ہے۔ ممکن ہے کہ لوگوں کا یہ خیال ہو۔ دوسرے اس پر یہ شبہ ہے کہ اگر وہ ارشاد نبوی کی وجہ سے منع نہ فرماتے تھے تو مکروہ کیوں سمجھتے تھے؟ اصل بات یہ ہے کہ ان کا مکروہ سمجھنا خوف فتنہ کی وجہ سے تھا۔ اور منع نہ کرنا ایفائے عہد کی وجہ سے۔ اور خوف فتنہ کی وجہ سے مکروہ سمجھنا ارشاد نبوی لا تمنعوا الخ کے مخالف نہیں ہے۔

والرابع انه مکروہ وقد حکاه الترمذی عن الثوری وابن المبارك وهو قول مالك و ابی یوسف وحکاه ابن قدامة عن النخعی ویحییٰ ابن سعید الانصاری الخ (نیل الاوطار)(۵)

اور چوتھا قول یہ ہے کہ عورتوں کا عیدین میں جانا مکروہ ہے۔ اور اس قول کو ترمذی نے سفیان ثوری اور عبداللہ بن مبارک سے نقل کیا ہے۔ اور ابن قدامہ نے ابراہیم نخعی اور یحییٰ بن سعید انصاری سے نقل کیا ہے۔

قال اصحابنا یستحب اخراج النساء غیر ذوات الهیئات والمستحسنات فی العیدین دون غیر هن واجابوا عن اخراج ذوات الخدور والمخباة بان المفسدة فی ذلك الزمن کانت مامونة بخلاف الیوم ولهذا صح عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها لورای رسول الله صلی الله علیه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل قال القاضی عیاض رحمة الله علیه واختلف السلف فی خروجهن للعیدین فرای جماعة ذلك حقا علیهن منهم ابو بکر رضی الله تعالیٰ عنه وعلی

(۱) عن عاتکة بنت زید امراة عمر بن الخطاب انها کانت تستاذن عمر بن الخطاب الی المسجد فیسکت الحدیث (المؤطا لامام مالك ، باب خروج النساء الی المساجد، ۱ / ۱۸٤، میر محمد)
(۲) زرقانی ، کتاب الصلوة ، باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد ، ۲ / ۶
(۳) ذکر الحافظ فی الاصابة ان عمر لما خاطبها شرطت علیه ان لا یضربها ولا یمنعها من الحق ولا من الصلاة فی المسجد النبوی (حاشیة المؤطاء لامام مالك ، باب خروج النساء الی المساجد ، ۱ / ۱۸٤، میر محمد)
(٤) سنن ابی داؤد ، کتاب الصلوة ،باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد، ۱ / ۹۱، سعید
(٥) نیل الاوطار ، کتاب العیدین ، ۳ / ۳۲۷

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیر ھم و منھم من منعھن ذلک منھم عروۃ والقاسم ویحیی الا نصاری ومالک وابو یوسف واجازہ ابو حنیفۃ مرۃ ومنعہ اخری (نووی[۱] عون المعبود) (۲)

ومنھا خوف فتنۃ کامراۃ اصابت بخورا اولا اختلاف بین قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استاذنت امراۃ احد کم الی المسجد فلا یمنعھا و بین ماحکم بہ جمہور الصحابۃ من منعھن اذ المنھی عنہ الغیرۃ التی تنبعث من الا نفۃ دون خوف الفتنۃ والجائز (من الغیرۃ) مافیہ خوف الفتنۃ وذلک قولہ صلی اللہ علیہ وسلم الغیرۃ غیر تان وحدیث عائشۃ ان النساء احدثن (حجۃ اللہ البالغۃ) (۳)

ہمارے اصحاب شوافع کہتے ہیں کہ صرف ایسی عورتوں کو جو وضعدار اور حسین نہ ہوں عیدین میں لے جانا مستحب ہے نہ کہ وضعدار اور حسینوں کو اور حدیث میں جو پردہ نشینوں کو لے جانے کا ذکر ہے اس کا جواب ہمارے اصحاب نے یہ دیا ہے کہ اس زمانے میں فتنہ وفساد سے امن تھا۔ بخلاف موجودہ زمانے کی اور اسی لئے حضرت عائشہؓ سے بسند صحیح یہ ثابت ہے انہوں نے فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کی یہ نئی حرکات ملاحظہ فرماتے تو مسجدوں سے روک دیتے۔ جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ قاضی عیاض نے فرمایا کہ عورتوں کے عیدین میں جانے کے بارے میں سلف صالحین میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت تو ان کے جانے کو حق سمجھتی ہے۔ ان میں سے ابو بکرؓ اور علیؓ اور ابن عمرؓ وغیرہم ہیں اور دوسری جماعت عورتوں کو عیدین میں جانے سے منع کرتی ہے۔ ان میں سے عروہؒ اور قاسمؒ اور یحییٰ انصاریؒ اور امام مالکؒ اور امام ابو یوسفؒ ہیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ نے ایک بار اجازت دی اور دوسری بار منع فرمادیا۔

اور ان عذروں میں سے جن کی وجہ سے جماعت میں نہ جانا جائز ہے خوف فتنہ ہے جیسے کوئی عورت خوشبو لگا کر جائے اور آنحضرت ﷺ کے اس قول میں کہ "جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو اسے منع نہ کرو" اور جمہور صحابہ کے حکم ممانعت میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ حدیث میں جو منع کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صرف شیخی اور تکبر کی وجہ سے جو غیرت پیدا ہو کر روکنے کا سبب بنتی ہے۔ یہ غیرت منع ہے اور صحابہ نے جس غیرت کی وجہ سے عورتوں کو روکا وہ غیرت خوف فتنہ کی وجہ سے ہے اور یہ غیرت جائز ہے اور یہی مطلب ہے نبی ﷺ کے ارشاد الغیرۃ غیرتان کا۔ اور یہی مطلب ہے حضرت عائشہؓ کی حدیث ان النساء احدثن کا۔

ان عبارتوں سے صراحۃً ثابت ہو گیا کہ عورتوں کو نماز پنجگانہ کی جماعتوں اور عیدین سے روکنے والے یا ان کے جانے کو مکروہ کہنے والے مندرجہ ذیل حضرات ہیں۔

جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (حجۃ اللہ البالغہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (حدیث نمبر ۲۹، ۳۰) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (حدیث نمبر ۳۲، ۳۳) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (حدیث نمبر ۳۴) سفیان ثوریؒ عبداللہ بن مبارکؒ (ترمذی) امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ ابراہیم نخعیؒ، یحییٰ بن سعید الانصاریؒ (نیل الاوطار) حضرت عائشہؓ کے بھانجے عروہ بن زبیرؒ، قاسمؒ، امام ابو حنیفہؒ (نووی و عون المعبود)

---

(۱) شرح المسلم للنووی، کتاب العیدین، ۱: ۲۹۰، قدیمی

(۲) عون المعبود، کتاب الصلاۃ، باب خروج النساء فی العید، ۳: ۴۸۸، دارالفکر بیروت

(۳) حجۃ اللہ البالغۃ، الجماعۃ، ۲: ۲۶، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ دمشق

اس بیان سے ناظرین اچھی طرح سمجھ لیں گے کہ عورتوں کو مساجد اور عیدین میں لے جانے سے روکنے کی ابتدا خود صحابہ کرام کے زمانے سے ہوئی۔ اور ممانعت کا منشاء خدا تعالیٰ کا وہ حکم ہے جو بوقت فتنہ و فساد بنی اسرائیل کی عورتوں کے لئے نازل ہوا تھا۔ اور صحابہ کرام کے زمانے سے آج تک ایک جماعت محدثین و فقہاکی منع کرتی چلی آتی ہے۔ جس کی تفصیل گزر چکی۔

اس مضمون کو دیکھ کر اگر عورتوں کے دل میں یہ مایوسی پیدا ہو کہ وہ مسجد نبوی کے اس ثواب سے محروم رکھی گئیں جو مردوں کے لئے بیان فرمایا گیا ہے کہ ایک نماز پر پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے تو ان کی تسلی کے لئے دو جواب ہیں۔ اول یہ کہ ان کو اس میں کوئی مایوسی نہ ہونی چاہئے بلکہ خوش ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے لئے گھر بیٹھے ان کی نماز کو مسجد نبوی کی نماز سے بہتر بنادیا۔ (دیکھو حدیث نمبر ۴) مردوں کو تو کچھ مسافت طے کر کے جانا پڑتا جب وہ ثواب ملتا۔ اور عورتوں کو گھر کی نماز ہی مسجد کی نماز سے افضل قرار دے دی گئی۔ تو عورتوں کے لئے خوشی اور شکریہ کا موقع ہے نہ کہ رنج اور مایوسی کا۔ دوسرے یہ کہ گھروں سے باہر نکلنا اور مجمعوں میں شریک ہونا خدا نے مردوں کے لئے مخصوص کر دیا ہے اور اسی طرح جہاد و وعظ و خطبہ و امامت کبریٰ و قضاء وغیرہ بہت سے کام ہیں جو مردوں کے لئے مخصوص ہیں۔ پس جیسے کہ عورتوں کو ان کاموں میں حسب ارشاد خداوندی و لا تتمنوا ما فضل الله(۱) مردوں کی حرص کرنا ممنوع ہے۔ اسی طرح جماعت نماز میں یہ خیال نادرست ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی کام کیسا ہی خوشنما اور بظاہر نیک کیوں نہ ہو لیکن ہمارا حق یہی ہے کہ اپنے خیال کو خدا اور رسول کی مرضی کے تابع رکھیں جسے خدا اور رسول افضل اور بہتر بتائے اسی کو افضل اور بہتر سمجھیں۔ رسول خدا ﷺ نے عورتوں کی گھر کی نماز کو اپنی مسجد کی اور اپنے ساتھ کی نماز سے افضل اور بہتر فرمایا ہے۔ (۲) پس عورتوں کی اطاعت شعاری اسی میں ہے کہ اسی کو افضل اور بہتر سمجھیں اور اپنے اس خیال کو کہ مسجد میں جماعت کا ثواب زیادہ ہوگا، چھوڑ دیں۔ بعض مدعیان تمسک بالحدیث لوگوں کو یہ دھوکا دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اجازت کے مقابلے میں صحابہ کی ممانعت قابل قبول نہیں۔ کیونکہ حدیث مرفوع کے مقابلے میں صحابہ کا قول حجت نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ ایک دھوکا یا غلط فہمی ہے۔ حدیث مرفوع کے سامنے قول صحابی اس وقت حجت نہیں ہوتا جبکہ دونوں میں تعارض ہو اور کسی طرح وہ تعارض اٹھانہ سکے۔ اور یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کی اجازت بوجہ عدم فتنہ کے تھی اور صحابہ کی ممانعت وجود فتنہ کی وجہ سے جیسے کہ حدیث عائشہؓ نے اس کی تصریح کر دی۔ پس حدیث مرفوع اور قول صحابہ میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ ممانعت صرف صحابہ کا قول یا فعل نہیں ہے بلکہ حدیث نمبر ۵ سے جو حکماً مرفوع ہے وجود فتنہ کے وقت خدا کی طرف سے حکم ممانعت ثابت ہے اور اس صورت میں حدیث مرفوع صرف قول صحابی سے چھوڑنا لازم نہیں آتا جیسا کہ فصل سوم میں مفصل گزر چکا ہے۔

---

(۱) النساء : ۳۲

(۲) عن ام حمید عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال لها قد علمت انك تحبين الصلوة معي ، وصلوتك في بيتك خير من صلوتك في حجرتك ، وصلوتك في حجرتك خير من صلوتك في مسجد قومك ، وصلوتك في مسجد قومك خير من صلوتك في مسجدی (کنز العمال ، کتاب الصلوة ، ۷/ ۶۷۶ ، (رقم الحديث : ۲۰۸۷) ، احياء التراث الاسلامي بيروت

وآخر دعونا ان الحمد لله رب العٰلمين والصلوة والسلام على رسوله محمد واله واصحابه اجمعين
كتبه الراجي رحمة مولاه محمد كفاية الله اوصله الله غاية متمناه مدرسه امينيه دهلى يكم ذى الحجه سن ۱۳۳۴ھ

عورت کا پردے کے ساتھ تحصیل علم اور دیگر ضروریات کے لئے نکلنا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ اکتوبر سن ۱۹۲ء)

(سوال)(۱) کیا عورت اپنا تمام بدن باستثنائے وجہ وکفین وقدمین مستور کر کے ضرورۃ (مثل تحصیل علم، خانگی امورات اعزہ واقارب سے ملنا وغیرہ) اپنے مکان سے باہر جا سکتی ہے؟ (۲) کیا عورت بہ ہیئت مذکورہ بالا یا برقعہ اوڑھ کر اپنے شوہر کے ہمراہ بغرض تفریح باہر جا سکتی ہے؟ (۳) زید نے بی بی کو بہ ہیئت مذکورہ بالا ضرورۃ باہر نکلنے کی اجازت دے رکھی ہے اور یہ بھی کہہ دیا ہے کہ وہ بطیب خاطر جتنا پیدل چل سکتی ہے اس کو خواہ مخواہ ڈولی یا یکہ کا محتاج نہ ہونا چاہئے کیا یہ درست ہے؟

(جواب ۵۳۶) اگرچہ چہرہ اور کفین کا پردہ نماز میں ضروری نہیں(۱) اور شرعاً براہ راست ان کا چھپانا فرض نہیں مگر فساد زمانہ کی وجہ سے متاخرین نے چہرہ اور ہاتھوں کو بھی غیر محرموں کے سامنے کھولنے سے منع کیا ہے۔(۲) اور یہی مروجہ پردہ ہے۔ بوقت ضرورت امن عن الفتنہ کی حالت میں منہ ہاتھ کھولنا جائز ہوگا۔(۳) برقع کے ساتھ باہر نکلنا اور اپنی ضروریات کے لئے باہر جانا جائز ہے۔(۴) اپنے خاوند کے یا کسی محرم کے ساتھ عورت بغرض سیر برقع کے ساتھ باہر جا سکتی ہے۔(۵)

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

مسلمان عورتوں کو غیر مسلم عورتوں سے پردہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

(الجمعیۃ مورخہ ۶ نومبر سن ۱۹۲۷ء)

(سوال) مسلمان عورتوں کو غیر مسلم عورتوں سے پردہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

(جواب ۵۳۷) غیر مسلمہ غیر معتمد علیہا عورتیں جن کے میل سے کوئی دینی ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو ان سے پردہ اور یکسوئی کرنی چاہئے۔(۶)

محمد کفایت اللہ غفر لہ،

---

(۱) انكشاف ربع القدم يمنع الصلوة ، والكف والوجه ليس بعورة (الخانية على هامش الهندية ، كتاب الصلوة، فصل فيما يفسد الصلوة ، ۱/ ۱۳۴ ، ماجدية)
(۲) وللحرة جميع بدنها خلا الوجه والقدمين على المعتمد وصوتها على الراجح وتمنع الشابة من كشف الوجه بين رجال ، لا لانه عورة بل لخوف الفتنة (الدر المختار، كتاب الصلوة ، باب شروط الصلاة ، ۱/ ۴۰۶ ، سعيد)
(۳) وينظر من الاجنبية الى وجهها وكفيها فقط ، وعبدها كالاجنبي معها فينظر الى وجهها وكفيها فقط. فان خاف الشهوة او شك امتنع نظره الى وجهها ، فحل النظر مقيد لعدم الشهوة والا فحرام (الدر المختار ، كتاب الحظر والاباحة . فصل في النظر و اللمس ، ۶/ ۳۷۰ ، سعيد) (۴) قال تعالى : يدنين عليهن من جلابيبهن (الاحزاب : ۵۹)
(۵) قد اذن الله لكن ان تخرجن لحوائجكن (كنز العمال ، ۱۶ /۴۰۹ ، (رقم الحديث : ۴۴۱۴۹)
(۶) ولا ينبغي للمرأة الصالحة ان تنظر الى المرأة الفاجرة ، لانها تصفها عند الرجال فلا تضع جلبابها ولا خمارها ولا يحل ايضا لامرأة مؤمنة ان تنكشف عورتها عند امة مشركة او كتابية الا ان تكون امة لها (الهندية ، كتاب الكراهية، الباب الثامن، ۵/ ۳۲۷، ماجدية)

فاحشہ عورتوں سے عام مسلمان عورتوں کا پردہ

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ مارچ سن ۲۸ء)

(سوال) وہ عورتیں جو فاحشہ ہوں۔ بیباک آوارہ خراب چال چلن رکھنے والی، تھیٹر میں پارٹ کرنے والی اور مردوں کا رنگ اختیار کرنے والی جو زنانہ اسکولوں کا معائنہ کرتی پھرتی ہوں۔ نیز وہ عورتیں جن کا اصل مقصد تبلیغ عیسائیت ہے اور وہ علی العموم گھروں میں دستکاری سکھانے کے بہانے سے آتی جاتی ہیں۔ ایسی عورتوں سے عام مسلمان عورتوں کو پردہ کرنا چاہئے۔

(جواب ۵۳۸) ہاں ایسی عورتوں سے جن سے مضرت دینیہ یا اخلاقیہ پہنچنے کا ظن غالب ہو مسلمان عورتوں کو پردہ کرنا چاہئے نہ اس حیثیت سے کہ عورت سے عورت پردہ کرے بلکہ اس مضرت کے خیال سے جس کے پہنچنے کا ظن غالب ہے۔　　　　محمد کفایت اللہ غفر لہ،

غیر محرموں سے سارے بدن کا پردہ کرنا لازمی ہے

(سوال) آزاد مومنہ کا پردہ اجنبیوں لوٹا محرموں کے سامنے آنے میں کس قدر ہے؟ کیا برقع اوڑھنا واجب ہے یا چہرہ اور ہاتھ کھول کر نکلنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو اس شخص کی نسبت شرع کا کیا حکم ہے؟ جو عورتوں کو گھر میں بیٹھے رہنے پر مجبور کرے چار دیواری سے نکلنے نہ دے۔

(جواب ۵۳۹) پردے اور حجاب کے حکم کا مدار خوف فتنہ پر ہے اور ظاہر ہے کہ چہرے پر نظر پڑنا فتنہ کے بارے میں زیادہ موثر ہے اس لئے فقہائے کرام نے مومنہ حرہ کے لئے اجانب کے سامنے کشف وجہ کو ناجائز قرار دیا ہے۔ احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ۔ قرآن پاک میں اگر منہ چھپانے کا حکم موجود نہیں ہے۔ تو منہ کھولنے کی بھی صریح اجازت نہیں ہے۔ اشارات ودلالات نصوص سے پردہ یعنی ستر وجہ کی ہی تائید ہے اور یہی احوط و اسلم ہے۔ پس برقع اوڑھ کر نکلنا اوفق بالشرع والحکمۃ ہے۔　　　　محمد کفایت اللہ غفر لہ،

عورتوں کا تفریح کے لئے عید گاہ میں جانا کیسا ہے؟

(سوال) ہر سال اکثر مسلمان عورتیں عید الفطر کے دوسرے روز عید گاہ میں بطور سیر و تفریح آتی ہیں۔ گزشتہ سال چند اشخاص نے عورتوں کو عید گاہ جانے سے روک دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عورتیں دیگر مقامات پر جھنڈے والا، قدم شریف، بھوری بھٹیاری کا محل وغیرہ چلی گئیں جہاں کہ ان کی بے پردگی وغیرہ کا احتمال زیادہ ہے۔ ایسی صورت میں

---

(۱) ولا ينبغي للمرأة الصالحة ان تنظر الى المرأة الفاجرة لانها تصفها عندالرجال فلا تضع جلبابها ولا خمارها (الهندية ، كتاب الكراهية ، الباب الثامن ، ۵/ ۳۲۷، ماجدية)

(۲) وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين رجال لا لانه عورة بل لخوف الفتنة ، (الدر المختار ، كتاب الصلوٰة باب شروط الصلوٰة ، ۱/ ۴۰۶، سعيد)

(۳) عن ام سلمة انها كانت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وميمونة اذا قبل ابن ام مكتوم فدخل عليه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : احتجبا منه ، فقلت : يا رسول الله اليس هو اعمى ، لا يبصرنا ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : افعمياوان انتما ، الستما تبصرانه (سنن ابی داؤد كتاب اللباس ، باب وقل للمؤمنت يغضضن من ابصارهن ، ۲/ ۲۱۴، امداديه)

(۴) عن عائشه قالت: لوادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم مااحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل ، فقلت لعمرة: او منعن ، قالت: نعم (صحيح البخاری كتاب الآذان ، باب خروج النساء الى المساجد بالليل والغلس ، ۱/ ۱۲۰، قديمی)

کتاب الطلاق

پہلا باب

فصل اول

طلاق دینا اور طلاق پڑنا

شوہر طلاق کا انکار کرے اور گواہ طلاق دینے کی گواہی دیں تو طلاق واقع ہو جائے گی

(سوال) زید نے اپنی منکوحہ کو اپنے مکان پر بیٹھ کر بوجہ ناراضگی تین طلاق شرعی دیکر حق زوجیت سے علیحدہ کر دیا اور اپنے مکان سے نکال دیا اور مسماۃ مطلقہ اس وقت روبرو گواہان موجودہ اپنے والد کے مکان پر جو تقریباً پچیس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے چلی گئی اور وہاں جاکر اس نے ایام عدت بموجب احکام شرع شریف پورے کئے چنانچہ جب والد مسماۃ مطلقہ کا انتقال ہو گیا تو کوئی وسیلہ نان و پارچہ کا نہ رہا اس وجہ سے مسماۃ مطلقہ جائے دیگر عقد کرنا چاہتی ہے اور زید طلاق دہندہ عقد نہیں کرنے دیتا اور کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی شرعاً طلاق ہوئی یا نہیں ؟ اور اس کو جائے دیگر نکاح ثانی کا حق ہے یا نہیں ؟ مگر وقت طلاق سوائے گواہوں کے کوئی تحریر نہیں ہوئی تھی۔

(جواب ۱) جب کہ زید نے اپنی منکوحہ کو تین طلاقیں دیدیں تو اب زید کا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ قال اللہ تعالی **فان طلقها فلا تحل له حتی تنکح زوجا غیره** (۱) رہی یہ بات کہ وہ طلاق دینے ہی سے انکار کرتا ہے تو اس کے ثبوت میں گواہوں کی شہادت کافی ہے ثبوت طلاق اور وقوع طلاق کے لئے تحریر کی ضرورت نہیں صرف تلفظ سے بھی طلاق پڑ جاتی ہے (۲) پس صورت مسئولہ میں جب کہ مسماۃ مطلقہ ثلثہ اپنی عدت پوری کر چکی ہے تو وہ جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

"تلاک" کے لفظ کے ساتھ طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے

(سوال) زید نے اپنی عورت کو بغیر الفاظ صاف تین طلاق دیا یعنی یوں کہا ایک تلاک دو تلاک تین تلاک یہ الفاظ کے کوئی معنی نہیں بجز طلاق کیونکر ہو سکتا ہے الطلاق کے معنی تفریق کے ہیں اب عادۃً لفظ کے لئے ہے طلاق کے کیا معنی ہوگا بعض کتب میں صاف لفظ کی قید ہے۔

---

(۱) البقرۃ ۲۳۰

(۲) هو رفع قید النکاح فی الحال بالبائن او المآل بالرجعی بلفظ مخصوص هو ما اشتمل علی الطلاق (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۳/ ۲۲۶' ط – سعید کراتشی (قوله ورکنه لفظ مخصوص) هو ما جعل دلالة علی معنی الطلاق من صریح او کنایة فخرج الفسوخ علی ما مر واراد اللفظ لو حکما لیدخل لکتابة المستبینة واشارة الاخرس والاشارة الی العدد بالاصابع فی قوله انت طالق هکذا کما سیأتی' و به ظهران من تشاجر مع زوجته واعطاها ثلاثة احجار ینوی الطلاق ولم یذکر لفظا لا صریحا ولا کنایة لا یقع علیه کما افتی به الخیر الرملی وغیره (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق ۳/ ۲۳۰' ط – سعید کراتشی)

المستفتی نمبر ۳۹۸ غلام الرحمن (رنگون - برما) ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۲) لفظ تلاک اگر کسی عالم کی زبان سے نکلا ہے جو طلاق کہنے پر بھی قادر تھا اور وہ دعوی کرے کہ میرا مقصود طلاق دینا نہیں تھا تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر وہ یہ دعوی نہ کرے یا کسی بے پڑھے آدمی کی زبان سے نکلا ہے تو طلاق واقع ہونے کا حکم دیا جائے گا (۱) کما ہو روایة شمس الائمة الحلوانی — (۲)
واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کسی کے کہلوانے سے کہا "ایک دو تین طلاق دے دی" اور معنی نہ جانتا ہو تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) زید کا اپنی بیوی سے کسی بات پر جھگڑا ہوا - خالد کو جب اطلاع ملی تو زید سے کہا کہ تو نے ایسی سرکش بیوی کو جو تجھ سے جھگڑتی ہے اب تک رکھا ہے زید نے کہا تو کیا کروں خالد نے کہا طلاق دے دو زید نے کہا میں تو جانتا نہیں ہوں کہ کس طرح طلاق دی جاتی ہے خالد نے کہا کہ اس طرح طلاق دی جاتی ہے کہ ایک دو تین طلاق دے دی خالد کے بتلانے پر زید نے بعینہ وہ الفاظ کہہ دیئے - اس صورت میں طلاق پڑی یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۹۷۳ مولوی کبڈ صاحب (ضلع نواکھالی)
۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۴ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۳) زید کی زبان سے جو الفاظ خالد نے ادا کرائے ان کے موافق طلاق پڑ گئی کیونکہ زید نے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ ان الفاظ سے اس کی بیوی پر طلاق پڑے گی ان الفاظ کا تلفظ کیا ہے (۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

---

(۱) یقع بھا ای بھذہ الالفاظ وما بمعنا ھا من الصریح ویدخل نحو طلاغ و تلاغ و طلاک و تلاک او ط' ل' ک او " طلاق باش" بلا فرق بین عالم و جاھل وان قال تعمدته تخویفالم یصدق قضاء إلا اذا اشھد علیه قبله به یفتی (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الصریح ۳/۲۴۸ ط - سعید کراتشی)

(۲) و فی الھندیة رجل قال لامرأته ترا تلاق ھھنا خمسة الفاظ تلاق و تلاغ و طلاغ و طلاک و تلاک عن الشیخ الامام الجلیل ابی بکر محمد بن الفضل رحمه الله تعالی انه یقع وان تعمد وقصد ان لا یقع ولا یصدق قضاء و یصدق دیانة إلا اذا اشھد قبل ان یتلفظ به وقال ان امراتی تطلب منی الطلاق ولا ینبغی لی ان اطلقھا فاتلفظ بھا قطعا لقیلھا و تلفظ بھا وشھد وابذلك عند الحاکم لا یحکم بالطلاق بینھما وکان فی الابتداء یفرق بین العالم و الجاھل کما ھو جواب شمس الائمة الحلوانی رحمه الله تعالی ثم رجع الی ما قلنا و علیه الفتوی کذا فی الخلاصة (الفتاوی الھندیة کتاب الطلاق' الباب الثانی فی ایقاع الطلاق' الفصل الاول فی الطلاق الصریح ۱/۳۵۷ ط- ماجدیة کوئٹه)
حضرت مفتی اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے شمس الائمہ الحلوانی کا جو قول عالم اور جاھل کے فرق میں نقل کیا ہے وہ ان کا مرجوع عنہ اور غیر مفتی بہ قول ہے' اور ان کا راجح' مرجوع الیہ اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ عالم اور جاہل کے درمیان کوئی فرق نہیں' جیسا کہ عالمگیری کی عبارت سے مصرح ہے - فقط

(۳) صریحه مالم یستعمل الا فیه ولو بالفارسیة کطلقتك وانت طالق و مطلقة --- و یقع بھا ای بھذہ الالفاظ وما بمعنا ھا من الصریح واحدة رجعیة وان نوی خلا فھا او لم ینوشیئا (الدر المختار شرح تنویر الابصار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الصریح ۳/۲۴۷ ط- سعید کراتشی)

محض دل میں خیال پیدا ہونے سے طلاق نہیں ہوتی (الجمعیۃ مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۳۱ء)

(سوال) ایک شخص نے اپنی عورت کو دل میں طلاق دی ہے کسی آدمی کے سامنے نہیں دی لوگوں نے کہا ہے کہ عورت نے نکاح کر لیا ہے بعد ازاں وہ اپنے خاوند کے گھر آگئی ہے۔

(جواب ٤) طلاق اگر صرف دل میں خیال کرنے کے طور پر دی ہے زبان سے تلفظ نہیں او اکیا نہ آہستہ نہ زور سے تو طلاق نہیں ہوتی (۱) جب تک طلاق کے الفاظ زبان سے ادا نہ ہوں طلاق نہیں ہوتی عورت نے نکاح کر لیا ہے اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا یعنی اگر وہ منکوحہ تھی اور اس نے کسی دوسرے سے نکاح کر لیا تو یہ دوسرا نکاح ہی باطل ہے (۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ

فصل دوم

طلاق صریح

میری اس عورت پر طلاق ہے' طلاق ہے' طلاق ہے کہنے سے عورت پر تین طلاق واقع ہو گئی

(سوال) ایک شخص کی عورت اپنے شوہر سے تکلیف پاکر بغیر اجازت اپنے شوہر کے اپنے والد کے گھر چلی گئی شوہر نے چند آدمیوں کے روبرو جو صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں یہ الفاظ کہے کہ وہ میری عورت بغیر میری اجازت اپنے میکے چلی گئی اب میرے نکاح سے باہر ہے اب اس کو جیسے گویا اپنی ماں بہن سے برتاؤ کیا اور میری اس عورت کو طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے۔اب آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں ؟

(جواب ٥) صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہو گئی اور وہ عورت اس شخص کے واسطے بغیر حلالہ جائز نہیں۔یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغا عاقلا سواء کان حرا او عبد اطائعا او مکرھاً کذافی الجوھرۃ النیرہ (عالمگیری ص ۳۸۲ ج ۱) (۳)

---

(۱) عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ عزو جل تجاوز لامتی عما حدثت بہ انفسھا مالم تعمل او تتکلم بہ (رواہ مسلم فی صحیحہ' کتاب الایمان' باب بیان تجاوز اللہ تعالیٰ عن حدیث النفس ۱ /۷۸ ط قدیمی) (ورکنہ لفظ مخصوص) ھو ما جعل دلالۃ علی معنی الطلاق من صریح او کنایۃ و بہ ظھر ان من تشا جرمع زوجتہ فاعطا ھا ثلاثۃ احجار ینوی الطلاق ولم یذکر لفظا لا صریحا ولا کنایۃ لا یقع علیہ کما افتی بہ الخیرالرملی (ھامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق ۳ /۲۳۰ ط – سعید کراتشی)

(۲) کل صلح بعد صلح فالثانی باطل و کذا النکاح بعد النکاح – والا صل ان کل عقداعید فالثانی باطل (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الصلح ٥/٦٣٦ ط – سعید کراتشی)

(۳) الفتاویٰ الھندیۃ کتاب الطلاق' الباب الاول' فصل فیمن یقع طلاقہ و فیمن لا یقع طلاقہ ۱ /۳٥۳ ط – ماجدیہ کوئٹہ وکذا فی الدر المختار مع ھامش رد المحتار کتاب الطلاق ۳ /۲۳٥ ط– سعید کراتشی)

فصل سوم

کنایات طلاق

اگر میرے بغیر تو اپنے باپ کے یہاں ایک روز بھی رہی تو میرے کام کی نہیں اور میں تیرا کچھ نہیں بغیر نیت طلاق کہا تو کیا حکم ہے؟

(سوال) زید نے اپنی بیوی سے کہا تو اپنے ماموں سے بڑا تعلق رکھتی ہے اس لئے تو اپنے باپ کے گھر جائے تو مجھے خبر کر دینا اور جتنے روز تو اپنے باپ کے یہاں رہے گی میں تیرے ہمراہ رہوں گا اگر میرے بغیر تو اپنے باپ کے یہاں ایک روز بھی رہی تو تو میرے کام کی نہیں اور میں تیرا کچھ نہیں (زید کی بیوی کا ماموں زید کی بیوی کے باپ کے یہاں رہتا ہے) زید نے اپنی بیوی سے ایک بار یہ بھی کہا کہ تو قرآن شریف اٹھا کر قسم کھا کہ اس سے بڑے تعلقات سے بری ہوں زید کی بیوی نے قرآن شریف لے کر قسم کھائی کہ میرے ماموں سے میرا کوئی بڑا تعلق نہیں ہے چند مہینے بعد زید کی بیوی اپنے والد کے گھر جانے لگی تو زید بھی ہمراہ گیا اور جتنے روز زید کی بیوی اپنے والد کے یہاں رہی زید بھی ہمراہ رہا پھر دوسری مرتبہ زید کی عورت اپنے والد کے گھر گئی اس وقت بھی زید اس کے ہمراہ گیا وہاں جا کر زید کی بیوی اپنے دوسرے ماموں کے یہاں جو دیہات میں رہتے ہیں جانے لگی زید نے اپنی بیوی کو وہاں جانے سے منع کیا مگر وہ نہ مانی اور چلی گئی اس کے جانے کے بعد زید اپنی سسرال سے اپنے گھر واپس آگیا اور زید کی بیوی اپنے دوسرے ماموں کے گھر رہ کر پھر اپنے والد کے گھر آگئی قریب دو ماہ کا ہوا وہ اپنے والد کے مکان پر ہے عمرو کہتا ہے کہ زید نے جو الفاظ اپنی بیوی کو کہے تھے کہ "اگر میرے بغیر تو اپنے باپ کے یہاں ایک روز بھی رہی تو تو میرے کام کی نہیں اور میں تیرا کچھ نہیں" تو زید کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی طلاق بائن پڑ گئی - زید اس کے جواب میں کہتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو ننھیال جانے کی پابندی کے لئے بطور ڈرانے کے مذکورہ الفاظ کہے تھے طلاق کی نیت نہیں تھی - المستفتی نمبر ۱۲۹ عبدالرحیم صاحب موٹالوچھ ضلع سورت۔

۳ شعبان ۱۳۵۲ھ م ۲۲ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۶) اگر زید ان الفاظ کو بہ نیت طلاق کہنے سے انکار کرتا ہے تو زید کا قول مع قسم کے معتبر ہوگا اور طلاق واقع نہ ہوگی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

بیوی کو "جاؤ چلی جاؤ" کہنا

(سوال) زید نے بلا کسی نیت اور ارادہ مستقلہ اور تذکرہ کے اپنی اہلیہ سے لفظ "جاؤ چلی جاؤ" کہا مگر اس وقت

---

(۱) فالکنایات لا تطلق بها إلا بنية او دلالة الحال - فنحو اخرجي واذهبي و قومي يحتمل ردا و نحو خلية برية حرام بائن يصلح سبا و نحو اعتدي - سرحتك فارقتك لا يحتمل السب والرد ففي حالة الرضا تتوقف الاقسام الثلاثة تاثيرا على نية للاحتمال والقول له بيمينه في عدم النية و يكفي تحليفها له في منزله فان ابى رفعته للحاكم فان نكل فرق بينهما (تنوير الابصار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الكنايات ۳/۲۹٦ ط - سعيد كراتشي) وكذا في الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الثاني في ايقاع الطلاق' الفصل الخامس في الكنايات ۱/ ۳۷٤ ط - ماجدية كوئٹه.

طلاق کا تخیل یکا یک آگیا زید نے ایسی حالت میں جب کہ نہ وہ غصہ تھا اور نہ طلاق کا ذکر تھا دوران گفتگو میں بلا ارادہ کے "دور ہو جاؤ" کہا اور اس وقت طلاق کا خیال اس طریقہ سے آگیا کہ اس سے اگر طلاق مراد لے لیں تو کیا حرج ہے یا یہ خیال میں آیا کہ اس سے طلاق مراد لے لینا چاہئیے ان دونوں طریقوں میں
سے اگر دماغ میں یہ چیز آئی ہو تو طلاق واقع ہو گی یا نہیں ؟ زید بہت شکی واقع ہوا ہے جس سے خود نہایت پریشان ہے اور اب بیٹھے بیٹھے طلاق کا تخیل آجایا کرتا ہے ان صورتوں میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۰۷ معرفت ناظم دارالاشاعت مونگھیر - ۷ امحرم ۱۳۵۳ھ ۲ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۷) اہلیہ سے یہ الفاظ " جاؤ چلی جاؤ" کہنے کے بعد یعنی ان الفاظ کا تلفظ ختم ہونے کے بعد اگر یکا یک طلاق کا تصور آگیا خواہ اس طرح کہ "اگر اس سے طلاق مراد لے لیں تو کیا حرج ہے "یا اس طرح کہ "اس سے طلاق مراد لے لینا چاہئیے "تو یہ وقوع طلاق کے لئے کافی نہیں ہے جب کہ صورت یہ تھی کہ الفاظ کا تلفظ کرنے سے قبل نہ طلاق کا ارادہ تھا نہ ذکر - تلفظ ہو چکنے کے بعد کا مذکورہ بالا تصور مؤثر نہیں ہو سکتا -(۱) لان النیة لا تعمل فیما مضی (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

بیوی کو ماں کہنے سے طلاق نہیں ہوتی

(سوال) زید نے پنچوں کے روبرو یہ بیان دیا ہے کہ میں نے اپنے تنازعہ کی وجہ سے بیوی کو یہ کہا کہ کیا تجھ کو ماں کہنا پڑے گا؟ اس کے جواب میں بیوی نے یہ کہا کہ میرا مہر دے دو اس پر میں نے کہا کہ مہر معاف کر دے تو میں طلاق دوں گا زید کی بیوی سے پوچھا گیا تو اس نے بھی یہی بیان دیا کہ زید کا بیان ٹھیک ہے اس کے بعد تین گواہوں نے یہ بیان دیا کہ زید نے ہمارے سامنے بیوی سے یہ کہا کہ میں تجھ کو ماں کہتا ہوں تو میرے گھر سے نکل جا- زید کی بیوی نے اس سے مہر طلب کیا اس نے کہا کہ اس وقت میرے پاس مہر نہیں ہے-

المستفتی نمبر ۶۶۸ حاجی عبدالقادر (ناگپور) ۵ شعبان ۱۳۵۴ھ م ۳ نومبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۸) گواہ اگر معتبر لوگ ہوں تو ان کی گواہی سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ مانی جائے گی اور زید کا بیان قابل سماعت نہ ہو گا لیکن گواہوں کے بیان میں بھی طلاق کا لفظ نہیں ہے اور جو الفاظ مذکور ہیں ان سے طلاق نہیں پڑتی (۱) اور زید چونکہ اس بیان سے منکر ہے اس لئے اس سے نیت کا استفسار نہیں ہو سکتا اس لئے مذکورہ صورت میں طلاق کا حکم نہیں دیا جا سکتا- محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) ولو قال لها اذهبی ای طریق شئت لا یقع بدون النیة وان کان فی حال مذاکرة الطلاق (الفتاوی الهندیة کتاب الطلاق' الباب الثانی فی ایقاع الطلاق' الفصل الخامس فی الکنایات ۱/۳۷۶ ط - ماجدیه کوئٹه)

(۲) ولا عبرة بنیة متاخرة عنها (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الصلاة' باب شروط الصلاة ۱/۴۱۷) و فی الاشباه والنظائر ولایکون شارعا بنیة متأخرة لان ما مضی لم یقع عبادة لعدم النیة (الاشباه والنظائر لابن نجیم الفن الاول فی القواعد الکلیة النوع الاول' القاعدة الثانیة الامور مقاصد ها ۱/۱۵۰ ط -ادارة القرآن کراتشی)

بیوی کے متعلق یہ کہنا کہ " اب اسے مجھ سے کچھ سروکار نہیں ' مجھ سے کوئی واسطہ نہیں "

(سوال) جس شخص نے برسر اجلاس حکومت انگریزیہ موجودہ اپنی زوجہ کے بارے میں یہ کہا کہ یہ میری عورت بد چلن وبد اطوار ہوگئی اب اس سے اور مجھ سے کچھ سروکار نہیں میں اس بد وضع عورت کو نہیں چاہتا حاکم نے بھی بہت کچھ شوہر سے کہا کہ اس عورت کو تم لے جاؤ مگر اس نے سخت انکار کیا آج عرصہ ایک برس کا ہوتا ہے کہ شوہر نے کوئی خبر گیری نہ کی بلکہ جس سے بھی کہا یہ کہا کہ مجھ سے کوئی واسطہ نہیں تو یہ کہنا شوہر کا طلاق بالکنایہ ہوگا یا نہیں ؟ خاص کر اس صورت میں جب کہ فتنہ پیدا ہونے کا خوف ہو اور زوجہ مذکورہ پر نان نفقہ کی تنگی ہے اور زوجہ نے بھی حاکم کے سامنے یہ کہا کہ میں ایسے شوہر سے پناہ مانگتی ہوں جو ظالم اور نشہ خوار ہے اس پر شوہر نے بھی مذکورہ بالا جملہ کہا تھا کہ مجھ سے اور عورت سے کوئی سروکار اور واسطہ نہیں۔
المستفتی نمبر ۷۸۸ سید اکرام حسین صاحب (سہرام) ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲۹ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۹) صورت مسئولہ میں قرائن ایسے ہیں کہ وقوع طلاق کا حکم راجح ہے عورت کو بد وضعی کے ساتھ متصف کرنا اور پھر اپنی بے تعلقی کو ان الفاظ سے ادا کرنا یہ سب قرائن ایسے ہیں کہ اس نے یہ الفاظ بہ نیت طلاق کہے اس لئے عورت کو طلاق ہو چکی ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بیوی کو کہنا "اپنے باپ کے گھر چلی جا"

(سوال) زید نے اپنی بیوی کو غصہ میں مار پیٹ کر مکان سے باہر کر دیا اور کہا تو اپنے باپ کے مکان پر چلی جا اور پھر چند گھنٹے کے بعد مکان میں داخل کر لیا اور مل بیٹھے اس کے بعد لڑکی کے والد کو خبر ہوئی کئی روز بعد وہ اس کو اپنے مکان میں لے گئے لڑکی کے والد کو بعض لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ اب لڑکی کو وہاں نہ بھیجو بلکہ اس کا نکاح دوسری جگہ کر دو اور کسی مولوی صاحب سے فتویٰ لے لو ایک مولوی صاحب اس پر تیار ہو گئے کہ میں فتویٰ دیتا ہوں طلاق ہو گئی ہے صورت مسئلہ مولوی صاحب نے یہ قائم کی کہ خاوند کو بلایا اور دو گواہ اس بات

---

(۱) وان نوی بانت علی مثل امی او کامی - برا اوظهارا او طلاقا صحت نیتهووقع ما نواه لانه کنایة والا ینو شیئا او حذف الکاف لغاو تعین الادنی ای البر یعنی الکرامة (درمختار) و فی الرد (قوله او حذف الکاف) بان قال انت امی - قلت ویدل علیه ما تذکره عن الفتح من انه لابد من التصریح بالا داة (قوله لغا) لانه مجمل فی حق التشبیه فما لم یتبین مراد مخصوص لا یحکم بشئی فتح (هامش رد المحتار ' کتاب الطلاق' باب الظهار ۳/ ۴۷۰ ط سعید)

(۲) ولو قال لم یبق بینی و بینك عمل ونوی یقع کذافی العتابیة (الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الثانی فی ایقاع الطلاق' الفصل الخامس فی الکنایات ۱/ ۳۷۶ ط ماجدیه کوئٹه) یہ الفاظ کنایہ کے قسم ثانی میں داخل ہیں' جس کا حکم یہ ہے کہ نیت پر موقوف ہے اگر شوہر نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت کی ہے جیسے قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی' اگر نیت نہیں کی تو طلاق واقع نہیں ہوتی - کما فی رد المحتار ' والحاصل ان الاول یتوقف علی النیة فی حالة الرضا والغضب والمذاکرة والثانی فی حالة الرضا والغضب فقط و یقع فی المذاکرة بلا نیة والثالث یتوقف علیها فی حالة الرضا فقط و یقع فی حالة الغضب والمذاکرة بلانیة (هامش رد المحتار ' کتاب الطلاق' باب الکنایات ۳/ ۳۰۱ ط سعید کراتشی)

کے کہ لڑائی ہوئی یا نہیں تم دونوں کے درمیان ؟ خاوند نے کہا کہ بے شک لڑائی ہوئی اور میں نے لڑائی میں ضرور یہ لفظ کہے کہ تو اپنے باپ کے گھر چلی جا کیونکہ میری ماں کے اور بیوی کے درمیان لڑائی تھی ماں کو میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا بیوی کو میں نے مارا بھی اور کہا تو اپنے باپ کے گھر چلی جا میں نے طلاق نہیں دی اور نہ طلاق کی نیت سے میں نے یہ کہا - بلکہ جس طرح لڑائی جھگڑے میں کہا کرتے ہیں اسی طرح کہا دونوں گواہوں نے بھی یہی کہا کہ ہم نے لفظ طلاق تو سنا نہیں ہے یہی لڑائی ہوتے ہوئے سنی ہے اور یہ بھی کہہ رہا تھا کہ اپنے باپ کے گھر چلی جا اس پر مولوی صاحب موصوف نے فتویٰ دیا کہ طلاق کے اردو میں یہی معنی ہوتے ہیں کہ چلی جا اب اس پر گواہوں کی کیا ضرورت ہے طلاق ہو گئی اور نکاح دوسری جگہ کر دیا گیا یہ صحیح ہوا یا غلط ؟

المستفتی نمبر ۸۲۹ محمد اسمٰعیل (ضلع مظفر نگر) ۱۲ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰) شوہر اگرچہ اقراری ہے کہ میں نے مار پیٹ کے بعد غصہ کی حالت میں کہہ دیا کہ باپ کے یہاں تو چلی جا لیکن طلاق کی نیت سے شوہر انکاری ہے لہذا اس صورت میں طلاق نہیں پڑی (۱) اور نکاح شوہر اول کا بدستور سابق قائم ہے تو باوجود قائم ہونے نکاح شوہر سابق کے دوسرا نکاح باطل و ناجائز ہو گا (۲) شوہر ثانی پر لازم ہے کہ اس عورت کو شوہر سابق کے سپرد کر دے ورنہ بذریعہ عدالت کے شوہر اول اپنی زوجہ کو لے سکے گا - والحاصل ان الاول یتوقف علی النیة فی حالة الرضا والغضب والمذاکرة الخ رد المحتار جلد ۲ ص : ۵۰۵ ، (۳) حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی
الجواب صحیح محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بیوی کو یہ کہنا " تجھ سے مجھے کچھ مطلب نہیں " یا تو ہماری کوئی نہیں

(سوال) اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ تجھ سے مجھے کچھ مطلب نہیں یا تو ہماری کوئی نہیں اور نیت اس سے صرف ڈرانا مقصد ہے تو طلاق ہوئی یا نہیں - المستفتی نمبر ۱۰۰۷ عبد الستار (گیا)
۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۱) یہ الفاظ اگر طلاق کی نیت سے نہ کہے جائیں تو طلاق نہیں ہوتی - (۳) محمد کفایت اللہ

---

(۱) لوقال لها اذهبی ای طریق شئت لا یقع بدون النیة وان کان فی حال مذاکرة الطلاق (الفتاویٰ الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الثانی فی ایقاع الطلاق' الفصل الخامس فی الکنایات ۱/ ۳۷۶ ط ماجدیه کوئٹه)
(۲) قال الله تعالیٰ "حرمت علیکم امهاتکم – والمحصنات من النساء" (سورة النساء رقم الایة ۲۳'۲۴) قال فی الدر کل صلح بعد صلح فالثانی باطل وکذا النکاح بعد النکاح – والا صل ان کل عقد اعید فالثانی باطل (الدر المختار مع هامش رد المحتار ' کتاب الصلح ۵/ ۶۳۶ ط سعید کراتشی)
(۳) هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الکنایات ۳/ ۳۰۱ ط سعید کراتشی)

تین ماہ میں نے نفقہ وغیرہ نہ دیا تو ایسی عورت سے لادعوی رہوں گا

(سوال) ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور ساتھ ہی دستاویز لکھ دی جس میں مندرجہ ذیل عبارت ہے اگر اتفاقاً میں اپنی عورت کو بلا خوراک و پوشاک دیئے بلا حفاظت چلا گیا اور بھاگ جانے کی حالت میں تین ماہ میں نے نفقہ وغیرہ نہ دیا تو ایسی عورت سے لادعوی رہوں گا میرے نکاح کے عورت پر کوئی حق اور حقوق نہ رہیں گے میرے نکاح کے سب حق باطل اور رد سمجھے جائیں گے اب جواب طلب امر یہ ہے کہ لفظ لادعوی اور میرے نکاح کے حق اور حقوق نہ رہیں گے کنایات طلاق بکر طلاق واقع ہوگی یا نہیں بینوا توجروا۔ المستفتی نمبر ۱۰۱۸ مولانا فضل احمد صاحب مدرس مدرسہ مظاہر العلوم محلہ کھڈہ کراچی ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۴ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۲) ان الفاظ سے (عورت سے میں لادعوی رہوں گا میرے نکاح کے عورت پر کوئی حق حقوق نہیں رہیں گے میرے نکاح کے سب حق باطل اور رد سمجھے جائیں) یقیناً طلاق مراد ہے(۲) قطع تعلق کا مفہوم ادا کرنے میں یہ بالکل واضح اور صاف ہیں اس لئے خلاف ورزی شرائط کی صورت میں طلاق واقع ہونے کا حکم دیا جائے گا۔(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

اپنی بیوی کے متعلق یوں کہنا کہ "یہ عورت میرے لائق نہیں"

(سوال) کسی مقدمے کے دوران میں جب حاکم نے زید سے کہا کہ تو اپنی بیوی کو لے جا تو اس نے برسر عدالت اپنی بیوی کے متعلق یوں کہا کہ یہ عورت میرے لائق نہیں ہے میں اس کو نہ لے جاؤں گا اس کے جو دل میں آئے کرے یہی اس کا فیصلہ ہے ایک مولوی صاحب سے استفسار کیا گیا جس پر مولوی صاحب موصوف نے جواباً تحریر فرمایا کہ یہ الفاظ خط کشیدہ عرفاً محتمل طلاق ہونے کی وجہ سے کنایات سے شمار ہوں گے لہذا مذاکرہ طلاق و حالت خصومت و غضب میں واقع ہونے کی وجہ سے طلاق بائنہ ہوگی دریافت طلب امر یہ ہے کیا واقعی طلاق ہوگئی اور ہوگئی تو ایک یا ایک سے زائد۔ المستفتی نمبر ۱۹۱۴ سید محمد افضال الحق صاحب (ٹاٹا نگر) ۱۸ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء

---

(۱) ولو قال لهالا نكاح بيني و بينك اوقال لم يبق بيني و بينك نكاح يقع الطلاق اذا نوى (الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في ايقاع الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات ۱/۳۷۵) ثم قال بعد صفحة ولو قال لم يبق بيني و بينك عمل ونوى يقع كذا في العتابية الفتاوى الهندية كتاب الطلاق الباب الثاني في ايقاع الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات ۱/۳۷۶ ط - ماجديه كوئٹه)

(۲) فالكنايات لا تطلق بها قضاء إلا بنية اودلالة الحال و هو حالة مذاكرة الطلاق او الغضب فنحوا خرجي و اذهبي و قومي يحتمل رد او نحو خلية برية حرام بائن يصلح سبا و نحوا عتدى - سرحتك، فارقتك لا يحتمل السب والرد (تنوير الابصار مع هامش رد المحتار، كتاب الطلاق، باب الكنايات ۳/۲۹۶ ط سعيد كراتشى)

(۳) واذا اضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل ان يقول لا مرأته ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاوى الهندية كتاب الطلاق الباب الرابع الفصل الثاني في تعليق الطلاق ۱/۴۲۰ ط ماجديه كوئٹه)

(جواب ۱۳) ان الفاظ میں فی الحقیقت طلاق کی تصریح نہیں ہے اس لئے زوج کی نیت دریافت کرنے کی ضرورت ہے اگر وہ کہے کہ میں نے طلاق دینے کی نیت سے ہی کہے تھے تو ایک طلاق بائن کا حکم دیا جائے گا(۱) اور اگر وہ نیت طلاق کا انکار کرے تو اس سے قسم لی جائے گی اور قسم کھالے تو اس کا قول معتبر ہوگا(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

لفظ چھوڑ دیا کہنے سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے یا صریح ؟

(سوال) مسماۃ پیاری دختر شمشو کا عقد نکاح مسمی اسماعیل سے عرصہ دس بارہ سال ہوئے کہ ہوا تھا لیکن اب عرصہ چھ سال سے مسمی مذکور بالکل لاپتہ ہے اور وہ بد چلن تھا ایک عورت کو اغوا کر کے لے گیا تھا اور جاتے وقت دس بارہ آدمیوں کے روبرو یہ بھی مسماۃ مذکورہ کو کہہ گیا تھا کہ جاؤ میں نے تجھے چھوڑ دیا- اب میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں رہا میرے پاس تمہارے لئے روٹی کپڑا دینے کے لئے کچھ نہیں ہے مسماۃ مذکورہ جوان العمر ہے- نان و نفقہ سے بھی تنگ رہتی ہے لہذا اس صورت میں کیا وہ عقد ثانی کر سکتی ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۲۰۲۶ سمند خان نمبردار (روہتک) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۴) اگر خاوند جاتے وقت یہ لفظ کہہ گیا تھا کہ جاؤ میں نے تمہیں چھوڑ دیا اب میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں رہا اور یہ واقعہ بھی صحیح ہے کہ وہ کسی عورت کو اغوا کر کے لے گیا ہے تو اس عورت منکوحہ کو چھوڑ دینے کے معنی طلاق دینے کے ہی ہیں(۳) اور عورت کو حق ہے کہ وہ دوسرا نکاح کرے قانونی مواخذہ سے بچنے کے لئے لازم ہے کہ اس کے ان الفاظ کے سننے والے لوگوں کی شہادت پیش کر کے عدالت سے نکاح ثانی کی اجازت حاصل کر لے- محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) فالکنایات لا تطلق بھا قضاء الا بنیة اودلالة الحال - فنحوا خرجي واذھبي -سرحتك فارقتك - ففي حالة الرضا تتوقف الاقسام الثلاثة تاثیرا علی النیة للاحتمال (تنویر الابصار مع ھامش رد المحتار کتاب الطلاق باب الکنایات ۳/۲۹۶ ط سعید کراتشي)

(۲) والقول له بیمینه في عدم النیة الخ (الدر المختار مع ھامش ردالمحتار' کتاب الطلاق' باب الکنایات ۳/۳۰۰ ط سعید کراتشي)

(۳) فالکنایات لا تطلق بھا قضاء إلا بنیة او دلالة الحال فنحوا خرجي واذھبي - سرحتك' فارقتك ففي حالة الرضا تتوقف الاقسام الثلاثة تاثیرا علی النیة للاحتمال (تنویر الابصار مع ھامش ردالمحتار' کتاب الطلاق' باب الکنایات ۳/۲۹۶ ط سعید کراتشي) حضرت مفتی اعظمؒ نے جو یہاں قرائن سے ان الفاظ سے وقوع طلاق کا حکم لکھا ہے یہ اصل کے اعتبار سے ہے کہ اصل میں لفظ چھوڑ دیا (سرحتک) الفاظ کنایات میں سے ہیں جو کہ نیت کے محتاج ہیں اردو میں لفظ چھوڑ دیا جب بیوی کے متعلق استعمال کیا جائے تو اس مسئلہ میں فتاوی علماء عصر مختلف ہیں' عزیز الفتاوی اور فتاوی دار العلوم دیوبند میں اس کو کنایہ قرار دیکر محتاج نیت فرمایا ہے بشرط نیت وقوع بائن کا حکم دیا ہے' یہی رائے حضرت العلام (جاری ہے)

(جواب دیگر ۱۵) لفظ "چھوڑ دی" اگر طلاق کی نیت سے کہا ہے تو طلاق ہو گئی(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

بیوی کے متعلق یہ کہنا کہ "میں اپنی عورت کو اپنی ماں کی جگہ سمجھتا ہوں اور میں نے اسے چھوڑ دیا" کیا حکم ہے؟

(سوال) ایک شخص کی عورت کو ایک دوسرا شخص بھگا کر لے گیا اور لے جانے کے بعد پھر وہی شخص جو عورت کو لے گیا ہے تین بار اس عورت کے زوج کے پاس آیا کہ تم اس معاملہ کا فیصلہ کر دو تو زوج نے جواب دیا کہ میں اپنی عورت کو اپنی ماں کی جگہ سمجھتا ہوں میں نے چھوڑ دیا ہے کیا عورت کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۰۵۰ غلام قادر (ضلع ہزارہ) ۱۵ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶) اگر عورت کے خاوند نے اس سوال پر کہ عورت کا فیصلہ کر دو یہ جواب دیا تھا کہ میں اس عورت کو ماں کی جگہ سمجھتا ہوں اور میں نے چھوڑ دیا تو عورت پر طلاق ہو گئی(۲) اس کے بعد زمانہ عدت کے اندر عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی لیکن عدت گزرنے کے بعد اس کو دوسرا نکاح کرنا جائز ہے(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) مفتی اعظم کی ہے، اور بعض علماء نے حضرت فقیہ العصر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بھی یہی حکم نقل کیا ہے اور حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنوی اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس لفظ کو بوجہ عرف عام صریح قرار دیتے تھے حکم اس کا یہی ہے کہ ایک طلاق رجعی ہو گی خواہ نیت ہو یا نہیں حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے دیکھیں (امداد المفتین ۲ ۵۲۹'۵۳۰ ط - ادارۃ المعارف دار العلوم کراچی) قال فی رد المحتار فان سرحتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعمال في الصريح فاذا قال " رها كردم" اى سرحتك يقع به الرجعي مع انه اصله كناية ايضا، وما ذاك الا لانه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق وقد مران الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من اى لغة كانت (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الكنايات ۳/۲۹۹ ط - سعيد كراتشي)

(۱) ایضاً

(۲) وان نوى بانت على مثل امي او كامي - برا او ظهارا او طلاقا صحت نيته ووقع ما نواه لانه كناية والا ينو شيئا او حذف الكاف لغا و تعين الا دنى اى البر يعني الكرامة (در مختار) قال في الرد' قلت' و يدل عليه ما تذكره عن الفتح من انه لا بد من التصريح بالأداة (قوله لغا) لا نه مجمل في حق التشبيه فما لم يتبين مراد مخصوص لا يحكم بشني فتح هامش رد المحتار مع الدر المختار كتاب الطلاق باب الظهار ۳/۴۷۰ سعيد كراتشي) فالكنايات لا تطلق بها قضاء الا بنية او دلالة الحال فنحوا خرجي واذهبي - و نحوا عتدى - سرحتك' فارقتك لا يحتمل السب والردففي حالة الرضا تتوقف الاقسام الثلاثة تاثيرا على نية للاحتمال (تنوير الابصار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الكنايات ۳/۲۹۶ ط سعيد كراتشي)

(۳) اما نكاح منكوحة الغير و معتدة . فلم يقل احد بجوازه فلم ينعقد اصلا (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق باب العدة' مطلب في النكاح الفاسد و الباطل ۳/۵۱۶ ط سعيد كراتشي)

"میرے گھر سے چلی جا" طلاق کی نیت سے کہا' تو طلاق ہو گی ورنہ نہیں .

(سوال) ہمارا ایک بھائی ہے جس نے اپنی عورت کو بولا کہ جا تو ہمارے گھر سے چلی جا کہ تیرا فلاں آدمی کے ساتھ ناجائز تعلق ہے میرے گھر سے چلی جا نہیں تو میں تجھ کو ماروں گا پھر وہ لڑکی اپنی مائی کے پاس چلی گئی اور مائی کے آگے سب حال خاوند کا بیان کیا کہ وہ مجھ پر یہ الفاظ بولتا ہے اور گھر سے نکال دیا ہے-
پھر اس لڑکی کی بڑی ہمشیرہ اس کو نال لے کر پھر وہ اس کے گھر آئی اور ہمشیرہ کو گھر چھوڑ دیا جب پھر اس خاوند نے دیکھا اور پھر وہی کلمات اس نے بولے بڑی سالی کے روبرو اور کہا کہ اپنی بہن کو لے جا اس کو میں ہر گز نہیں رکھتا کہ اس کا فلاں آدمی کے ساتھ تعلق ہے غرض کہ اس لڑکی کو بڑی بہن یعنی ہمشیرہ تین دفعہ اس کے گھر چھوڑنے کو گئی مگر اس لڑکی کو خاوند نے نہیں رکھا پھر وہ اپنی مائی کو چلی گئی لڑکی کی مائی بیوہ ہے اور پھر عرصہ ایک سال ہو گیا ہے جس میں اس لڑکی کے خاوند نے کوئی خبر نہیں لی ہے پھر ایک سال کے بعد اس لڑکی کے خاوند اپنی برادری کا میلہ اس لڑکی اور اس کی مائی کے پاس لائے ہیں کہ راضی نامہ کرلو اب لڑکی نہیں مانتی اور بولتی ہے کہ میرا اس کے ساتھ نکاح نہیں ہے اب اس جھگڑے میں چھ ماہ ہو گئے ہیں کہ جو آدمی راضی نامہ کے واسطے آتا ہے اس کو بولتی ہے کہ اس خاوند کا میرے ساتھ نکاح نہیں ہے اور اس بات کا کافی ثبوت بھی ہے اور گواہ بھی اس وقت ہیں کہ جب اس نے اپنی بیوی کو بولا کہ جا چلی جا تیرا فلاں کے ساتھ ناجائز تعلق ہے اس لڑکی کا قصور نہیں ہے اس کے خاوند کا قصور ہے اور اس کے ساتھ ایک تین سال کی لڑکی بھی اس خاوند سے ہے اور وہ اس عورت نے خاوند کو دیدی ہے اور کہتی ہے کہ تو لڑکی لے جا میں نہیں جاتی کہ سر مجلس تو نے ہم کو گھر سے نکال دیا اب میرا تیرا نکاح جاتا رہا ہے آیا اس لڑکی کا نکاح باقی ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۰۶۹ مستری فضل حسین صاحب (جہلم) ۲۳ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۷) اگر اس کا خاوند اقرار کرے کہ میں نے جو الزام ناجائز تعلق کا لگایا تھا وہ غلط تھا اور قسم کھائے کہ میں نے جو کہا تھا کہ چلی جا اس سے طلاق کی نیت نہیں کی تھی(۱) تو یہ عورت اس کے ساتھ جا کر رہ سکتی ہے نکاح باقی ہے- محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱)والقول له بيمينه في عدم النية و يكفي تحليفها له في منزله' فان ابى رفعته للحاكم فان نكل فرق بينهما (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الكنايات ۳ / ۳۰۰ ط سعيد كراتشي) باقی شوہر کا اقرار کرنا کہ میرا الزام غلط تھا رجوع کے لئے ضروری نہیں اگر یہ اقرار نہ کرے صرف طلاق کی نیت نہ ہونے پر قسم کھالے تو بھی عورت اس کے ساتھ رہ سکتی ہے- فقط

بیوی کو یہ کہا کہ " میں تم سے بیزار ہوں' میں تم سے اسی وقت علیحدہ ہوتا ہوں"

(سوال) (۱) طلاق کے لئے آیا لفظ کا اظہار ضروری ہے یا مفہوم سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے آیا اشارہ یا کنایہ یا دلالت حال سے طلاق واقع ہوتی ہے؟

(۲) اگر مرد اپنی عورت سے غصہ کی حالت میں چند دفعہ حسب ذیل کلمات کہے تو کیا طلاق پڑ جائے گی اور اگر ایسی صورت میں طلاق واقع ہو تو مرد کو اپنی عورت سے رجوع ہونے کی کیا صورت ہے؟

مثلاً مرد اپنی عورت سے چندبار کہے میں تم سے بیزار ہوں' مجھے تم سے تکلیف ہے' میں تم سے اس وقت علیحدہ ہوتا ہوں تم سے میرا دل شکستہ ہے تم سے مایوسی ہے میں تمہارے لئے ایک بلا ہوں تم سے بعض وقت علیحدہ رہنے میں راحت ہے' تمہارے حق میں خرابی ہے' ایسی زندگی بیکار ہے' کیا بد قسمتی ہے' اب حد ہو گئی' کوئی راستہ معلوم نہیں ہوتا ہے' صفائی کی کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی ہے' یا اللہ توبہ اور اسی قسم کے بعض کلمات ہوں اور اس وقت کبھی عورت بھی جواب دے کہ میری زندگی خود تلخ ہے اب کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بد قسمتی ہے اسی قسم کے بعض کلمات ہوں مذکورہ بالا کلمات نمبر ۲ کے اظہار کرتے وقت اگر مرد اپنی عورت کو طلاق دینے کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور غصہ دفع ہونے کے بعد وہ اپنی عورت سے بدستور ملتا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۲۱۸۱ جناب منصور الحق صاحب پٹنہ (بہار) ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۱۵ جنوری ۱۹۳۸ء۔

(جواب ۱۸) ان تمام جملوں میں سے صرف دو جملے نمبر ۱ و ۳ ایسے ہیں (جن پر سرخ نشان لگا دیا ہے) کہ اگر ان کو طلاق کی نیت سے کہا ہو تو طلاق ہو گی اور اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو طلاق نہیں ہو گی (۱) اور باقی جملے محض بیکار ہیں ان سے طلاق نہیں ہوتی طلاق کی نیت ہو جب بھی طلاق نہیں ہوتی (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) فالکنایات لا تطلق بها قضاء إلا بنية او دلالة الحال فنحوا خرجي واذهبي – و نحوى اعتدى– سرحتك' فارقتك لا يحتمل السب والرد' ففى حالة الرضا' تتوقف الاقسام الثلاثة تاثير اعلى النية للاحتمال (تنویر الابصار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الکنایات ۳/۲۹۶ ط سعید کراتشی)

(۲) وكذا كل لفظ لا يحتمل الطلاق لا يقع به الطلاق وان نوى مثل قوله بارك الله عليك او قال لها اطعميني او اسقيني و نحو ذلك (الفتاوى الهنديه كتاب الطلاق الباب الثانى فى ايقاع الطلاق' الفصل الخامس فى الكنايات ۱/۳۷۶ ماجديه كوئٹه) وقال في الرد : لان ما ذكر وه في تعريف الكناية ليس على اطلاقه بل هو مقيد بلفظ يصح خطا بها به ويصلح لا نشاء الطلاق – ولا بدمن ثالث هو كون اللفظ مسببا عن الطلاق و ناشئا عنه (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الكنايات ۳/۲۹۶ ط سعيد كراتشى)

سوال متعلقہ سوال سابق

(سوال)اگر مرد اپنی عورت سے چندبار یہ کہے کہ میں تم سے بیزار ہوں میں تم سے اس وقت علیحدہ ہوتا ہوں اور غصہ کی حالت میں ہو جواب میں ان دو جملوں پر سرخ نشان لگادیا گیاہے کہ اگر یہ دو جملے طلاق کی نیت سے کہے ہوں تو طلاق ہو گی ورنہ نہیں۔
(۱) ان دو مذکورہ جملوں کو کہتے وقت یا طلاق ظاہر کرتے وقت اگر طلاق کا خیال آئے لیکن طلاق کی نیت و ارادہ نہ ہو تو کیا حکم ہے ؟
(۲) ان جملوں کو اگر طلاق کی نیت یا ارادے سے کہا ہو تو طلاق پڑجانے پر مرد اپنی عورت سے کیونکہ رجوع کر سکتا ہے یا مل سکتا ہے اس کی کیا صورت ہے ؟
المستفتی نمبر ۲۲۰۸ جناب منصور الحق صاحب (پٹنہ) ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۲۳ جنوری ۱۹۳۸ء
(جواب ۱۹)اگر طلاق کی نیت سے یہ جملے کہے گئے ہوں تو پھر شوہر اپنی عورت سے تجدید نکاح کر سکتا ہے بغیر تجدید نکاح کے رجعت صحیح نہیں ہے (۱) طلاق کا خیال آنے سے کیا مطلب ہے اور نیت وارادہ طلاق نہ ہونے سے کیا مراد ہے یہ فرق ہماری سمجھ میں نہیں آیا- محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

بیوی کو بغیر نیت طلاق یہ کہنا "نہ تو میری کوئی ہے 'اور نہ میں تیرا کوئی ہوں"

(سوال) میں ایک مصیبت زدہ غریب اہل حدیث کی لڑکی ہوں مصلحت خداوندی سے میری شادی ایک شخص امی آدمی حنفی المذہب سے ہو گئی جو بالکل نااہل ہے تقریباً بیس برس کا زمانہ میری شادی کو گزرتا ہے اس مدت دراز تک کبھی بھی زن و شوہر میں اتحاد جیسا کہ زن و شوہر میں ہونا چاہئیے نہیں ہوا برابر نفاق اور رنج سے زندگی گزرتی ہے میرے ہر ایک کام خانگی یا عبادت ' تلاوت ' دینی کتابیں پڑھنا پڑھانا' پندو نصائح کرنا غرضیکہ ہر ایک کام ان کو ناپسند ہے کہتے ہیں کہ تو سب کام زبردستی کرتی ہے مجھ کو کہہ دیتے ہیں کہ ہم تیرا کچھ حق ادا نہ کریں گے خوشی ہو تو مکان میں رہ یا چلی جا تو تو اپنی خوشی سے ہے اس لئے خدا ہم سے کچھ پوچھ نہ کرے گا اور کہتے ہیں کہ میرا ارادہ تو گیارہ برس سے طلاق دینے کا ہے مگر دین مہر سے مجبور ہوں اور اسی طرح برابر کہتے رہتے ہیں کہ نہ تو میری کوئی ہے نہ میں کوئی تیرا ہوں میں کہتی ہوں کہ تب میرا فیصلہ کر دیجئے تو کہتے ہیں کہ ہم بار بار کیا فیصلہ کریں جو کرنا تھا سو کر دیا ہم بھڑوا مرد نہیں ہیں ہم خدا پرست ہیں نفس پرست نہیں ہیں ہم نے رخ جو موڑ لیا سو موڑ لیا ہم جدا ہو گئے سو ہو گئے اب کتنا ہی کوئی سمجھائے گا مان نہیں سکتا ہوں نہ ملت ہوئی ہے نہ قیامت تک ملت ہو گی اس طرح پر زندگی میری تلخ ہے میں کہتی ہوں کہ جب ہمارے کام بالکل ناپسند ہی ہیں تو مجھ کو طلاق دے دیجئے

---

(۱) اذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان یتزوجها فی العدة و بعد انقضائها (الفتاوی الھندیة کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعة' فصل فیما تحل به المطلقة وما یتصل به ۱/۴۷۲ ط ماجدیه کوئٹه)

تو کہتے ہیں کہ ہرگز ہرگز طلاق نہیں دوں گا زندگی بھر جلاتا رہوں گا غرضیکہ کسی صورت سے مجھ کو نہ اخلاق وملت ہے، کہتے ہیں نہ ہی طلاق دیتے ہیں میں کس طرح ان سے جان خلاصی کروں حنفی جماعت والوں کو میں دیکھتی ہوں کہ اس طرح کے معاملات اپنے امیر شریعت پھلواری پٹنہ بہار میں پیش کر کے خلع کرا کر جان خلاصی کرا لیتی ہیں مجھے بھی اکثر لوگ یہی کہتے ہیں کہ تم بھی امیر شریعت پھلواری پٹنہ بہار کو درخواست دو ورنہ عدالتی کارروائی کرو لہذا میرا خیال ہے کہ میری جماعت کے جو سردار ہیں ان سے میں درخواست کر کے کیوں نہ اپنی سبکدوشی کرا لوں کیونکہ عدالتی کارروائی کرنے کی ہم میں یا والدین میں صلاحیت ہی نہیں ہے اور پنچایت بھی یہاں کی اچھی نہیں ہے شعبان ۶۰ھ سے مجھ کو گھر سے نکال دیا ہے میں نے پنچایت میں بھی درخواست کی تھی تو پنچایت نے ان کو سمجھا بجھا دیا مگر پنچ کی باتوں کو بھی نہیں مانا تو پنچ نے کہا کہ تم اب اپنے میکے میں چلی جاؤ ہم لوگ کیا کریں جب کہ وہ کسی کی بات ہی نہیں مانتا ہے بالکل نااہل ہے غرضیکہ میں اپنے میکہ چلی آئی ہوں پہلی رمضان المبارک ۶۰ھ سے میکے میں ہوں والدین کو اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ میری پرورش کریں لہذا مجھے آپ لوگ بہت جلد کوئی تدبیر خلاصی کی بتائیں۔ **المستفتی** نمبر ۲۱۹۷ باجرہ خاتون (پٹنہ) ۵ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ دوشنبہ۔

(جواب) از مولانا ثناء اللہ امرتسری۔ صورت مرقومہ میں ایسے الفاظ (نہ تو میری کوئی ہے نہ میں تیرا کوئی ہوں) بجائے خود موجب طلاق ہیں کیونکہ مفہوم اس کا جدائی ہے جس روز خاوند نے ایسے الفاظ کہے اسی روز سے عدت شمار ہوگی جس کی میعاد تین حیض ہے لقولہ تعالیٰ۔ **والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلثة قروء**(۱) واللہ تعالیٰ اعلم (بقلم رضاء اللہ ثانی) المفتی ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری)

(جواب ۲۰) از مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ۔ یہ الفاظ خود تو طلاق کے الفاظ نہیں ہیں (۲) ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ طلاق کی نیت وارادہ سے اس قسم کے الفاظ استعمال کئے جائیں نیت طلاق ہونے کا حکم یا بولنے والے کے اقرار پر دیا جا سکتا ہے یا قرائن حالیہ سے (۳) یہاں خط میں اس کی تصریح مذکور ہے کہ ہرگز ہرگز طلاق

---

(۱) البقرة - ۲۲۸

(۲) قال في الدرالمختار كناية عند الفقهاء مالم يوضع له اى الطلاق و احتمله غيره (درمختار) وقال في الرد (قوله مالم يوضع له الخ) اى بل وضع لما هو اعم منه (هامش رد المحتار مع الدرالمختار' كتاب الطلاق' باب الكنايات ۳ / ۲۹۶ ط سعيد كراتشى)

(۳) فالكنايات لا تطلق بها قضاء الا بنية او دلالة الحال وهى حالة مذاكرة الطلاق اوالغضب (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب الطلاق' باب الكنايات ۳ / ۲۹۶ ط سعيد كراتشى) وقال ايضا لست لك بزوج او لست لى بامرأة او قالت له لست لى بزوج فقال صدقت طلاق ان نواه خلا فا لهما (درمختار) وقال في الرد: واشار بقوله طلاق إلى ان الواقع بهذه الكناية رجعي' كذافي البحر من باب الكنايات (هامش رد المحتار مع الدر المختار ' كتاب الطلاق' باب الصريح ۳ / ۲۸۳ ط سعيد كراتشى)

نہ دوں گا زندگی بھر جلاتا رہوں گا اس تصریح کے بعد تو نیت طلاق نہ ہونا معین ہو جاتا ہے اس لئے ان الفاظ کی بناء پر طلاق واقع ہونے اور عدت شروع کر دینے کا حکم درست نہیں ہاں اگر حالات یہی ہیں اور شوہر کی طرف سے یہ زیادتی اور ظلم ہو رہا ہے تو آپ کو حق ہے کہ یا تو امارت شرعیہ کے دار القضاء میں رجوع کریں یا ایکٹ نمبر ۸ ۳۹ء کے ماتحت کسی مسلمان جج کی عدالت میں دعوی کر کے اپنا نکاح فسخ کرالیں (۱) پھر عدت گزار کر دوسرا نکاح کر سکیں گی (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی ۴ جمادی الاول ۱۳۶۱ھ م ۲۱ مئی ۱۹۴۲ء

بیوی کو کہا "تجھ کو چھوڑتا ہوں' میرے گھر سے نکل جا"

(الجمعیۃ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک عورت جس کی خاوند سے ناراضگی رہتی ہے اس کو خاوند کوئی آٹھ دس دفعہ کہہ چکا ہے کہ میں تجھ کو چھوڑتا ہوں تو میرے گھر سے نکل جا اس نے ایک اور عورت ناجائز طور سے گھر میں ڈال رکھی ہے زوجہ پر دباؤ ڈال کر گھر سے نکل جانے پر مجبور کر دیا اور وہ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھی ہے۔

(جواب ۲۱) خاوند کے اس کہنے سے کہ "تجھ کو چھوڑتا ہوں میرے گھر سے نکل جا" اس صورت میں طلاق واقع ہو گی (۳) جب کہ نیت طلاق کی ہو اگر وہ نیت طلاق کا انکار کرے تو اس سے قسم لی جائے گی پھر اگر قسم کھالے تو اس کا قول معتبر سمجھا جائے گا (۴) اور جب تک طلاق کا فیصلہ نہ ہو عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی (۵)

محمد کفایت اللہ غفر لہ

بیوی کو تین بار کہا "میں نے تجھ کو چھوڑ دیا" تو کتنی طلاق واقع ہوئیں ؟

الجمعیۃ مورخہ ۴ انومبر ۲۷ء

(سوال) چند ماہ گزرے کہ یہاں پر نزدیک کے قریہ میں ایک شخص جو حنفی مذہب رکھتا ہے اس نے اپنی

---

(۱) دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ' للحلیلۃ العاجزۃ حکم زوجہ متعنت ص ۷۳ مطبوعہ دار الاشاعت' کراچی

(۲) قال اللہ تعالی" ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ" (سورۃ البقرۃ' رقم الآیۃ ۲۳۵)

(۳) اردو میں لفظ چھوڑ دیا صریح ہے یا کنایہ ؟ اس سے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت شرط ہے یا نہیں ؟ اس کے متعلق تفصیلی بحث جواب نمبر ۱۴ حاشیہ نمبر ۳ پر ملاحظہ ہو۔

(۴) والقول لہ بیمینہ فی عدم النیۃ و یکفی تحلیفها لہ فی منزلہ فان ابی رفعتہ للحاکم فان نکل فرق بینهما (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الکنایات ۳/ ۳۰۰ ط سعید کراتشی)

(۵) اما نکاح منکوحۃ الغیر و معتدتہ۔ فلم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق باب العدۃ' مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ۳/ ۵۱۶ ط سعید کراتشی) وقال ایضا: کل صلح بعد صلح فالثانی باطل وکذا النکاح بعد النکاح والاصل ان کل عقد اعید فالثانی باطل (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الصلح ۵/ ۲۳۶ ط سعید کراتشی)

عورت کو طلاق دینا چاہا جماعت مسلمین کے لوگ اس کو بار بار روکتے چلے آئے ایسا کئی بار ہو گیا کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر ایک دن اس نے جماعت مسلمین اور نائب قاضی کے روبرو اپنی عورت کو لا کر ایک ہی محفل میں تین بار اپنی عورت سے کہا کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا اور جماعت و نائب قاضی سے کہا کہ تم گواہ رہو لوگوں نے کہا کہ طلاق نامہ لکھ دے اس نے کہا کہ اتنے گواہ ہیں طلاق نامہ لکھنے کی ضرورت نہیں اس وجہ سے لوگ بھی خاموش ہو گئے اب اس عورت کی عدت پوری ہونے کے بعد شوہر کہتا ہے کہ میں نے اسے طلاق نہیں دیا اور رجوع کرنے کو کہتا ہے ؟

(جواب ۲۲) اگر مرد نے یہ لفظ (میں نے تجھ کو چھوڑ دیا) تین بار کہے تو اس کی عورت پر طلاق بائن ہو گئی (۱) اور وہ اس کے نکاح سے باہر ہو گئی (۲) ہاں دوبارہ وہ شخص اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ عورت بھی رضامند ہو حلالہ کی ضرورت نہیں اور جب گواہ موجود ہیں تو اس کا انکار معتبر نہیں۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ'

بیوی کو کہا ''میں نے تجھے تھوک کر چھوڑ دیا''

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۳۱ء)

(سوال) زید نے اپنی کنواری منکوحہ کو بآواز بلند شارع عام پر کھڑے ہو کر تین چار بار کہا کہ حرام زادی' بد معاش آوارہ' بد چلن' ناکارہ' کتیا ہے میں نے تجھے تھوک کر چھوڑ دیا زوجہ میکے میں ہے اس نے بھی زید کی آواز سنی (زید کو اس کے چال چلن پر بد گمانی ہے)

---

(۱) یعنی ایک بائن طلاق تین نہیں کیونکہ ایک بائن کے بعد دوسری بائن طلاق نہیں ہوتی۔ کما فی الدر المختار الصریح یلحق الصریح ویلحق البائن، والبائن یلحق الصریح ولایلحق البائن تنویر الابصار مع الدرالمختار مع ھامش ردالمحتار کتاب الطلاق باب الکنایات ۳/ ۲۹۶ ط، سعید کراتشی.

(۲) حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ نے جو یہاں پر فرمایا ہے کہ اگر مرد نے یہ لفظ ''میں نے تجھ کو چھوڑ دیا'' تین بار کہا ہے تو اس کی عورت پر طلاق بائن واقع ہو گئی یہ اصل کے اعتبار سے ہے کہ اصل میں یہ الفاظ کنایات میں سے ہیں جن سے نیت ہو تو بائن طلاق ہوتی ہے لیکن بعد میں یہ لفظ طلاق کے لئے اتنی کثرت سے استعمال ہونے لگا کہ دوسرے کسی معنی کا ارادہ ہی نہیں کیا جاتا' اس وجہ سے یہ صریح ہو گیا اب بغیر نیت بھی اس سے طلاق رجعی واقع ہو گی رد المحتار میں ہے کہ عرف فارس میں ''رہا کردم'' (چھوڑ دیا) طلاق میں صریح ہے' بخلاف فارسیة قوله سرحتك وھو " رھا کردم" لانه صار صریحا فی العرف علی ما صرح به نجم الزاھدی الخوارزمی فی شرح القدوری – فان سرحتك کنایة لکنه فی عرف الفرس غلب استعماله فی الصریح فاذا قال " رھا کردم" ای سرحتك یقع به الرجعی مع ان اصله کنایة ایضا وما ذاك ! لا لانه غلب فی عرف الفرس استعماله فی الطلاق وقد مران الصریح مالم یستعمل ! لا فی الطلاق من ای لغة کانت (ھامش رد المحتار ' کتاب الطلاق' باب الکنایات ۳/ ۲۹۹ ط سعید کراتشی) لہذا جس علاقہ میں یہ لفظ صریح کے درجہ میں سمجھا جاتا ہے وہاں تو اس لفظ سے بلا نیت طلاق واقع ہو گی اب اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین دفعہ یہ کہا کہ ''میں نے تجھ کو چھوڑ دیا'' تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں ہو گئیں اور بیوی مغلظہ ثلاثہ ہو جائے گی کما فی الدر المختار الصریح یلحق الصریح و یلحق البائن (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الکنایات ۳ /۳۰۶) و فی الھندیة : الطلاق الصریح یلحق الطلاق الصریح بان قال انت طالق وقعت طلقة ثم قال انت طالق تقع أخری (الفتاوی الھندیة ' کتاب الطلاق' الباب الثانی فی ایقاع الطلاق' الفصل الخامس فی الکنایات ۶/ ۳۷۷ ط ماجدیه کوئٹه)

(جواب ۲۳) زید نے اگر یہ الفاظ طلاق کی نیت سے کہے تھے تو اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو گئی(۱) اگر عورت غیر مدخول بہا ہے یعنی نہ تو زید نے اس سے وطی کی ہے اور نہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو تو زید کے ذمہ نصف مہر لازم ہو گا(۲) اور وطی یا خلوت ہو چکی ہے تو پورا مہر واجب الوصول ہو گا(۳) اگر وہ نیت طلاق کا انکار کرے تو اس کو قسم کھانی ہو گی (۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

بیوی کو کہا "جا میرے گھر سے نکل جا" تو میری ماں بہن کی جگہ پر ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) زید نے اپنی زوجہ کو کہا "جا میرے گھر سے نکل جا قسم قرآن شریف اور حلف شریف کی تو آج سے میری ماں اور بہن کی جگہ پر ہے" کیا وہ زید کی زوجیت سے خارج ہو گئی؟

(جواب ۲۴) اگر زید نے یہ الفاظ کہ "جا میرے گھر سے نکل جا(۵) تو میری ماں بہن کی جگہ ہے طلاق کی نیت سے کہے ہیں تو طلاق بائن واقع ہو گئی(۶) اب اگر زید کی زوجہ راضی ہو تو نکاح ہو سکتا ہے(۷) حالت

---

(۱) اس کے لئے جواب نمبر ۲۲ حاشیہ نمبر ا ملاحظہ ہو۔

(۲) قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔ وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة ' فنصف مافرضتم (سورة البقرة' رقم الاية ۲۳۷) وقال في الدر المختار و يجب نصفه بطلاق قبل وطئي او خلوة اى نصف المهر المذكور –الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب النكاح باب المهر ۱۰٤/۳ ط سعيد كراتشي

(۳) "واتو النساء صدقاتهن نحلة" (سورة النساء رقم الاية ٤) وقال في الدر المختار ويتأكد عند وطئي او خلوة صحت من الزوج او موت احدهما (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب النكاح' باب المهر ۱۰۲/۳ ط سعيد كراتشي)

(٤) والقول له بيمينه في عدم النية و يكفي تحليفها في منزله فان ابى رفعته للحاكم فان نكل فرق بينهما (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الكنايات ۳۰۱/۳ ط سعيد كراتشي)

(٥) فالكنايات لا تطلق بها قضاء إلا بنية او دلالة الحال فنحوا خرجي واذهبي وقومي – و نحو خلية برية حرام بائن و نحوا عتدى – سرحتك فارقتك – و يقع بباقيها اى باقي الفاظ الكنايات المذكورة خلا اختارى البائن ان نواها (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب الطلاق' باب الكنايات ۲۹٦/۳ ط سعيد كراتشي)

(٦) وان نوى بانت على مثل امى او كامى – برا اوظهارا او طلاقا صحت نيته ووقع مانوى لانه كناية إلا ينوى شيئا او حذف الكاف لغا وتعين الا دنى اى البر يعني الكرامة (درمختار) وقال في الرد او ينبغي ان لا يصدق قضاء في ارادة البر اذا كان في حال المشاجرة وذكر الطلاق (قوله او طلاق) لان هذا اللفظ من الكنايات و بها يقع الطلاق بالنية او دلالة الحال على مامر – قلت ينبغي ان لا يصدق لان دلالة الحال قرينة ظاهرة تقدم على النية في باب الكنايات فلا يصدق في نية الادنى لان فيه تخفيفا عليه (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الظهار ٤۷۰/۳ ط سعيد كراتشي)

(۷) اذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجها في العدة و بعد انقضائها(الفتاوى الهندية كتاب الطلاق' الباب السادس في الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ٤۷۲/۱ ط ماجديه كوئته)

غضب میں کہنے سے طلاق پڑ جانے کا حکم دیا جائے گا کیونکہ غضب نیت طلاق کے لئے کافی قرینہ ہے(۱)

بیوی کو بنیت طلاق یہ کہا "تم سے کوئی تعلق نہیں" تو طلاق پڑ جائے گی ۔

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جون ۳۴ء)

(سوال) (۱) ازدواجی زندگی کے تعلق ناپسندیدہ سے گھبرا کر اگر کوئی شخص بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کرے کہ اے خدائے برتر تو اس رشتے کو منقطع کرا دے اور کوئی شخص اس کی طرف سے اس کی زوجہ کو خط لکھ دے کہ میں نے قطع تعلق کیا (اور اس خط کا اسے علم بھی نہیں) ایسی صورت میں رشتہ منقطع ہوا یا نہیں ؟ (۲) اس کی زوجہ نے اس سے کہا کہ تم نے ایسا کیوں لکھا اس نے لکھنے سے انکار کیا اور لاعلمی ظاہر کی زوجہ نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا شوہر نے غصہ ہو کر کہا کہ ہم نے لکھا تو پھر ہم کو بلایا کیوں ؟ جواب میں عورت نے کہا کہ صفائی کردو یہ کیا ہوا ؟ (۳) پھر اس نے کہا کہ اگر تمہارے والدین تم کو جانے سے روکتے ہیں تو میں پوشیدہ طور سے چلنے کا سامان کرتا ہوں تم چلنے کو تیار ہو یا نہیں ؟ عورت نے کہا کہ ہاں تیار ہوں شوہر نے کہا کہ اگر تم نے وقت پر دھوکا دیا تو ہم سے تم سے کوئی تعلق نہیں تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر لیکن عین وقت پر زوجہ نے دھوکا دیا اور جانے سے انکار کر دیا اس کا کیا حکم ہے ؟

(جواب ۲۵) (۱) رشتہ منقطع نہیں ہوا (۲) (۲) یہ بھی رشتہ منقطع کرنے کے لئے کافی نہیں (۳) (۳) اس صورت میں اگر شوہر نے یہ الفاظ بہ نیت طلاق کہے ہوں تو زوجہ کے انکار کرنے پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی (۴) اور پھر تجدید نکاح کی ضرورت ہو گی ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) فالکنایات لا تطلق بها قضاء إلا بنية او دلالة الحال وهى حالة مذاكرة الطلاق او الغضب (تنوير الابصار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الكنايات ۳/۲۹۶ ط سعيد كراتشى)

(۲) (قوله وركنه لفظ مخصوص) هو ما جعل دلالة على معنى الطلاق من صريح او كناية – واراد اللفظ ولو حكما ليدخل الكتابة المستبينة واشارة الاخرس والاشارة الى العدد بالا صابع فى قوله انت طالق هكذا كما سياتى (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' ۳ / ۲۳۰ ط سعيد كراتشى)

(۳) کیونکہ اس میں پہلے طلاق کے الفاظ لکھنے سے انکار کیا گیا ہے۔

(٤) ولو قال لا نكاح بينى و بينك او قال لم يبق بينى و بينك نكاح يقع الطلاق اذا نوى' ولو قالت المرأة لزوجها لست لى بزوج فقال الزوج صدقت و نوى به الطلاق يقع فى قول ابى حنيفة ثم قال بعد صفحة : و فى الفتاوى لم يبق بينى و بينك عمل و نوى يقع كذافى العتابية (الفتاوى الهندية كتاب الطلاق' الباب الثانى فى ايقاع الطلاق' الفصل الخامس فى الكنايات ۱/۳۷۵، ۳۷۶ ط ماجديه كوئته) وكذا فى الدر المختار و يقع بباقيها اى باقى الفاظ الكنايات المذكورة – البائن ان نواه (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الكنايات ۳/۲۹۶ ط سعيد كراتشى)

فصل چہارم
نابالغ کی طلاق

نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی

(سوال) چھوٹا لڑکا اور لڑکی یعنی نابالغ لڑکا اور نابالغ لڑکی ہو اور ولی ایجاب و قبول کریں ابھی وہ لڑکا اور لڑکی نابالغ ہیں اور طلاق کی ضرورت پڑ جائے تو ولی لڑکے کا طلاق دے سکتا ہے یا لڑکا بھی طلاق دے سکتا ہے ؟

(جواب ۲۶) نابالغ کی طلاق قبل از بلوغ معتبر نہ ہوگی کیونکہ وقوع طلاق کے لئے زوج کا بالغ ہونا شرط ہے یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغا عاقلا الخ (هندیه ص ۳۷۶) ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل (۱) (ایضاً)

نابالغ کی بیوی کا زنا میں مبتلا ہونے کا ڈر ہو تو اس کی طلاق واقع ہو گی یا نہیں ؟

(سوال) ایک عورت عاقلہ بالغہ کا نکاح باتفاق اولیاء نابالغ صبی سے کیا گیا دو چار سال گزرنے کے بعد بہ سبب بعض مفاسد اولیاء کا خیال ہے کہ نکاح فسخ کرا کے کسی بالغ مرد سے کیا جائے حنفیہ کے نزدیک طلاق بھی واقع نہیں ہوتی اب اس خاص صورت میں جبکہ مفاسد یعنی زنا وغیرہ کا خوف ہے اور ہمارے ملک بلوچستان میں زناکار کو قتل کر دیتے ہیں تو شرعاً کسی صورت سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۵۸۹ عبداللطیف (ٹھل سندھ) ۴ جمادی ۱۳۵۴ھ م ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۷) فریقین یعنی عورت اور نابالغ کے اولیاء کسی نیک متقی عالم کو حکم بنا دیں بہتر ہے کہ حکم حنبلی المذہب یا اہل حدیث ہو وہ امام احمدؒ کے مسلک کے ماتحت فسخ نکاح کا حکم کر دے اور اس کے فیصلے پر عمل کیا جائے (۲) اس میں منشائے فسخ عدم تیسیر وصول نفقہ ہو گا یا امام مالک کے مذہب کے موافق خوف زنا کو منشا قرار دیکر نکاح فسخ کر دیا جائے (۳) فقط محمد کفایت اللہ

---

(۱) الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق الباب الاول فصل فیما یقع طلاقه و فیمن لا یقع طلاقه ۱/۳۵۳ ط ماجدیه کوئٹه)

(۲) (قوله وجوزه الامام احمد) ای اذا کان ممیز ا یعقله بان یعلم ان زوجته تبین منه کما هو مقرر فی متون مذهبه (هامش ردالمحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' ۳/۲۴۳ ط سعید کراتشی)

(۳) و فی حاشیة القتال' وذکرا لفقیه ابو اللیث فی تاسیس النظائر انه اذا لم یوجد فی مذهب الامام قول فی مسئلة یرجع إلی مذهب مالك انه اقرب المذاهب الیه (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الرجعة' مطلب مال بعض اصحابنا إلی بعض اقوال مالك رحمه الله تعالیٰ ضرورة ۳/۴۱۱ ط سعید کراتشی) و فیه ایضا ولا یفرق بینه و بینها و لو بعد مضی اربع سنین خلافا لمالك – لقول القهستانی ' لوافتی به فی موضع الضرورة لا باس به علی ما اظن (هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب المفقود' مطلب فی الافتاء بمذهب مالك فی زوجة المفقود ۴/۲۹۵ ط سعید کراتشی)

(جواب)(از نائب مفتی صاحب) اگر شوہر صبی نابالغ اس قدر سمجھ رکھتا ہے کہ طلاق دینے سے عورت اپنے شوہر سے علیحدہ اور بے تعلق ہو جاتی ہے تو موافق مذہب امام احمد بن حنبلؒ کے ایسے نابالغ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے حنفی مذہب کا حاکم بھی بوجہ ضرورت شدیدہ کے وقوع طلاق کا فیصلہ کر سکتا ہے لہذا اس صورت میں نابالغ سے طلاق دلوا کر مسلمان حاکم کی عدالت میں درخواست دے کر کہ اس طلاق کی تنفیذ و تصحیح یعنی قوع طلاق کا فیصلہ حاصل کر لیا جائے فتاوی شامی میں ہے قوله و جوزه الامام احمد ای اذا کان ممیز ا یعقله بان یعلم ان زوجته تبین منه کما هو مقرر فی متون مذهبه فافهم (۱) (جلد ثانی ص ۶۲۴ واللہ اعلم)

حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی 'اور نہ اس کے والدین کی

(سوال) عمر بکر دونوں ماں جائے بھائی ہیں عمر کی لڑکی نابالغہ تھی اور بکر کا لڑکا نابالغ ہے قانون شاردہ بل کے خوف سے نابالغ بچوں کا نکاح دونوں بھائیوں نے کر دیا تھا اور اس خیال سے بھی کہ ان بچوں کے جوان ہونے کے بعد بوجہ خانگی تنازعات شاید یہ سلسلہ نسبت قائم نہ رہ سکے انہی خیالات کی مجبوری سے نکاح کر دیا اتفاق زمانہ کہ لڑکا اس وقت ۱۱ سال کا ہے اور ابھی جوان ہونے میں دیر ہے اور لڑکی جوان ہو چکی ہے۔ اور اب اس کی پاکدامنی اور عصمت پر بد نما دھبہ لگنے کا اندیشہ ہے چند معزز مہربان برادری نے باہمی فیصلہ کیا کہ عمر اپنے پاس سے بکر کو مبلغ ساٹھ روپے کا زیور نقرئی و طلائی ادا کرے اور مبلغ چھتیس روپے بابت مہر معاف کرے اور لڑکی کی عدت کا نان پارچہ بھی چھوڑ دے اور نکاح کا جوڑا بھی دے دیوے چنانچہ یہ سب دیا دلایا گیا اور بخوشی فریقین جلسہ عام میں بکر اور اس کے نابالغ پسر نے لڑکی کو طلاق دیدی اور آزاد کر کے اجازت دیدی کہ لڑکی کا نکاح ثانی کر دیا جائے لڑکی اس فعل سے بہت خوش ہوئی عمر نے بکر سے یہ بھی اقرار کیا ہے کہ بکر کے لڑکے کی شادی میں حسب حیثیت میں کچھ مدد کروں گا اب حالات مذکورہ پر کیا حکم دیا جاتا ہے- المستفتی نمبر ۱۰۵ میاں جی محمد یوسف خان صاحب (ضلع گوڑگانوہ)

۲ ا جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ۵ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۸) باپ کو نابالغ بچوں کا نکاح کر دینے کا تو اختیار ہوتا ہے مگر طلاق دینے کا حق نہیں ہوتا (۲) اور حنفیہ کے نزدیک نابالغ کی طلاق صحیح نہیں ہوتی (۳) ہاں امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک سمجھ دار اور ہوشیار

---

(۱) هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الطلاق ۳/ ۲۴۳ ط سعید کراتشی)

(۲) لا یقع طلاق المولی علی امراة عبده لحدیث ابن ماجه لطلاق لمن اخذ بالساق - والمجنون والصبی ولو مراهقا او اجازه بعد البلوغ والمعتوه (الدر المختار مع هامش رد المحتار کتاب الطلاق ۳/ ۲۴۳ ط سعید کراتشی)

(۳) ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل (الهندیة کتاب الطلاق الباب الاول' فصل فیمن یقع طلاقه و فیمن لا یقع طلاقه ۱/ ۳۵۳ ط ماجدیه کوئته)

لڑکے کی طلاق پڑجاتی ہے (۱) پس اگر لڑکی کے گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی خطرہ ہے تو امام احمدؒ کے مذہب کے موافق عمل کرلینا جائز ہے (۲) جس کی صورت یہ ہے کہ فریقین کسی کو حکم بنا کر معاملہ اس کے سپرد کردیں اور وہ امام احمدؒ کے مسلک کے موافق وقوع طلاق کا فیصلہ کردے۔

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نابالغ کی بیوی پر نہ نابالغ کی اور نہ اسکے ولی کی طلاق واقع ہوتی ہے

(سوال) زید حنفی المذہب اپنے نابالغ پنج سالہ لڑکے کا ایک بالغہ عورت کے ساتھ نکاح پڑھ دیتا ہے اور ایک ماہ کے بعد اسکو طلاق دیکر اس عورت کا دوسری جگہ پر نکاح کردیتا ہے آیا (۱) طلاق صغیر یا طلاق ولی صغیر مذہب حنفی میں واقع ہوسکتی ہے یا نہیں ؟ (۲) طلاق ولی صغیر جو مذہب امام مالکؒ جائز لکھی ہے حنفی المذہب اس پر عمل کرسکتا ہے یا نہیں اگر کرسکتا ہے تو کس موقع اور کن شرائط پر ؟ (۳) اگر طلاق واقع نہیں ہوسکتی تو ایسے شخص کی ازروئے شرع شریف کیا سزا ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور تعلقات رکھنا برتاؤ کرنا کس طرح چاہئیے (۴) جس شخص نے اس عورت کا دوبارہ نکاح کیا ہے اس کے ساتھ تعلقات رکھنا برتاؤ رکھنا جائز ہے یا نہیں (۵) اور جن لوگوں نے اس برے کام میں امداد کی ہے ان کے ساتھ تعلقات رکھنا جائز ہے یا نہیں (۶) اور ان کی مباشرت کو جماع کہا جائے گا یا زنا اور جو اولاد اس سے پیدا ہوگی وہ حلالی ہوگی یا حرامی یعنی ولد الزنا۔

المستفتی نمبر ۱۴۰۱ غلام سرور شیخ صاحب (ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان)

۲۸ محرم ۱۳۵۶ھ م ۱۱ اپریل ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹) صغیر یا ولی صغیر کی طلاق حنفی مذہب کی رو سے واقع نہیں ہوسکتی (۳) الا یہ کہ ایسا نکاح موجب فتنہ ہو اور جوان عورت کے لئے شوہر کے بلوغ کا انتظار کرنا تقریباً ناممکن ہو تو ایسی حالت میں امام احمدؒ کے مذہب کے موافق عمل کرلینے کی گنجائش ہے ان کے نزدیک صبی ممیز کی طلاق واقع ہوجاتی ہے (۴) چھ سات برس کا لڑکا صبی ممیز کی حد میں داخل ہے بعض

---

(۱) لقوله وجوزه الامام احمد ای اذا کان ممیز یعقله بان یعلم ان زوجته تبین منه کما هو مقرر فی متون مذهبه فافهم (هامش رد المحتار کتاب الطلاق ۳/۲۴۳ ط سعید کراتشی) م

(۲) ولا بأس بالتقلید عند الضرورة لکن بشرط ان یلتزم جمیع ما یوجبه ذلك الامام کما قدمنا ان الحکم الملفق باطل بالاجماع (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الصلاة ۱/۳۸۲ ط سعید کراتشی)

(۳) تصرف الصبی والمعتوه ان کان نافعا کالاسلام والاتهاب صح بلا اذن وان ضارا کالطلاق والعتاق لا وان اذن به ولیهما (درمختار) وقال فی الرد : (قوله وان اذن به ولیهما) لاشتراط الاهلیة الکاملة - وکذا لا تصح من غیره کابیه ووصیه والقاضی للضرر (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب المأذون بحث فی تصرف الصبی ومن له الولایة علیه وترتیبها ۶/۱۷۳ ط سعید کراتشی)

(۴) (قوله وجوزه الامام احمد) ای اذا کان ممیزا یعقله بان یعلم ان زوجته تبین منه کما هو (جاری ہے)

بچے پانچ سال کی عمر میں بھی ممیز کی حد میں شامل ہو سکتے ہیں بہر حال معاملہ مسئول عنہا میں اگر کوئی مجبوری ایسی پیش آگئی ہو کہ اس نکاح کا باقی رکھنا ناممکن ہو گیا ہو تو عمل بمذہب الامام احمد کی گنجائش تھی اور اگر یہ فعل محض عدم مبالاۃ یا اغراض نفسانی کے ماتحت کیا گیا ہے تو موجب ملامت ہے(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

لڑکے کی عمر پندرہ سال ہو گئی ہو تو اس کی طلاق واقع ہو گی یا نہیں ؟

(سوال) زید کے دو لڑکے تھے جن میں سے ایک شادی شدہ اور دوسرا نابالغ تھا زید نے نابالغ لڑکے کا نکاح ایک بالغہ لڑکی سے کر دیا بعد عرصہ کے بڑے لڑکے کی عورت فوت ہو گئی زید نے بڑے لڑکے کا نکاح ایک نابالغ لڑکی سے کر دیا اب ازروئے مصلحت زید دونوں بھائیوں کے نکاح کا تبادلہ کرانا چاہتا ہے یعنی طلاق کرواکر چھوٹے لڑکے کی منکوحہ کا نکاح بڑے لڑکے کے ساتھ کرنا چاہتا ہے اور بڑے لڑکے کی منکوحہ کا نکاح چھوٹے لڑکے سے کرنا چاہتا ہے مفصل فیصلہ شرعی تحریر فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۱۸۳۰ مولوی محمد بخش موضع میاں جی سلطان ضلع جھنگ

۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۰)اگر چھوٹا لڑکا بالغ ہو گیا ہے تو وہ اپنی زوجہ کو طلاق دے سکتا ہے اور اگر ابھی نابالغ ہے تو اس کی طلاق معتبر نہ ہو گی (۲) اگر پندرہ سال عمر ہو گئی ہو تو بالغ قرار دیا جائے گا(۳) اور طلاق معتبر ہو گی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نابالغ نہ خود طلاق دے سکتا ہے اور نہ اس کی طرف سے اس کا ولی

(سوال) ایک لڑکا جو کہ نابالغ ہے اس کی شادی ہو چکی ہے اور اگر وہ خود یا اس کے ولی عورت کو طلاق دینا

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) مقرر فی متون مذهبه فافهم (هامش رد المحتار مع الدر المختار ' كتاب الطلاق ۳/ ۲٤۳ ط سعيد كراتشي)

(۱) ولا بأس بالتقليد عند للضرورة لكن بشرط ان يلتزم جميع ما يوجبه ذلك الامام لما قدمنا الحكم الملفق باطل بالا جماع (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الصلاة ۱ /۳۸۲ ط سعيد كراتشي)

(۲) و يقع طلاق كل زوج اذا كان بالغا عاقلا سواء كان حرا او عبدا طائعا او مكرها كذا في الجوهرة النيرة – ولا يقع طلاق الصبي وان كان يعقل (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الاول' فصل فيمن يقع طلاقه و فيمن لا يقع طلاقه ۱ /۳۵۳ ط ماجديه كوئٹه)

(۳) بلوغ الغلام بالا حتلام والا حبال والا نزال – فان لم يوجد فيها شئ فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى لقصر اعمار اهل زماننا (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الحجر' فصل بلوغ الغلام بالاحتلام الخ ۶/۱۵۳ ط سعيد كراتشي)

چاہیں تو جائز ہے یا نہیں اگر اس عورت نے کسی غیر شخص سے شادی کرلی تو جس شخص کے ساتھ شادی ہوئی اور اس مولوی نے جس نے جان بوجھ کر نکاح پڑھایا اس کے لئے کون سا کفارہ ہوتا ہے۔

المستفتی نمبر ۲۲۲۵ شیخ رمضان علی صاحب (بستی) ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۹ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۳) نابالغ لڑکے کی طلاق معتبر نہیں (۱) اور اس کے ولی کو یہ حق نہیں کہ نابالغ لڑکے کی بیوی کو طلاق دیدے (۲) پس ایسی حالت میں نابالغ منکوحہ کا نکاح دوسری جگہ جائز نہیں اور جس نے پڑھایا اور جو شریک ہوئے سارے گناہ گار ہوئے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی

(سوال) زید نے اپنے لڑکے عمر کا نکاح اپنی بھانجی زینب سے کیا جس کا ولی بھی یہی ہے زینب بالغ ہے اور عمر نابالغ ہے اس بلوغ اور عدم بلوغ کی وجہ سے نااتفاقی ہوئی اب زید چاہتا ہے کہ زینب کو مطابق شرع شریف کے طلاقیں مل جائیں چہ حالت عدم بلوغ میں طلاق دیدے یا کہ باپ کو طلاق دینے کی اجازت ہے یا نابالغ کے بلوغ کا انتظار کیا جائے۔

المستفتی نمبر ۲۳۴۲ محمد شریف بصیر پور (منٹگمری) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۲) حنفیہ کے نزدیک نابالغ کی طلاق معتبر نہیں (۴) لڑکے کے بلوغ کا انتظار کرنا ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) ویقع طلاق کل زوج اذا کان بالغا عاقلا سواء کان حرا او عبدا طائعا او مکرها کذا فی الجوهر النیرة - ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل (الفتوی الهندیة کتاب الطلاق' الباب الاول فصل فیمن یقع طلاقه و فیمن لا یقع طلاقه ۱ / ۳۵۳ ط ماجدیه کوئٹه)

(۲) لا یقع طلاق المولی علی امرأة عبده لحدیث ابن ماجه الطلاق لمن اخذبا لساق - والمجنون والصبی ولو مراهقا اوا جازه بعد البلوغ والمعتوه (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۳/ ۲۴۳ ط سعید کراتشی) وقال ایضا و تصرف الصبی و المعتوه ان کان نافعا محضا کا لا سلام والا تهاب صح بلا اذن وان ضارا کالطلاق والعتاق والصدقة والقرض لا وان اذن به ولیهما(درمختار) وقال فی الرد (قوله وان اذن به ولیهما) لا شتراط الاهلیة الکاملة - وکذا لا تصح من غیره کابیه ووصیه والقاضی للضرر (هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب المأذون مبحث فی تصرف الصبی ومن له الولایةعلیه و ترتیبها ۶/ ۱۷۳ سعید کراتشی)

(۳) کل صلح بعد صلح فالثانی باطل وکذا النکاح بعد النکاح - والا صل ان کل عقد ا عید فالثانی باطل (الدر المختار مع هامش رد المحتار ' کتاب الصلح ۵/ ۶۳۶ ط سعید کراتشی)

(٤) و یقع طلاق کل زوج اذا کان عاقلا بالغا ولا یقع طلاق الصبی والمجنون والنائم لقوله علیه السلام کل طلاق جائز الا طلاق الصبی والمجنون ولان الاهلیة بالعقل الممیز وهما عدیم العقل والنائم عدیم الاختیار (الهدایة کتاب الطلاق' فصل ۲/ ۳۵۸ ط شرکة علمیه ملتان)

فصل پنجم
نسبت یا اضافت طلاق
عورت کی طرف نسبت کئے بغیر طلاق کا حکم

(سوال) زید نے اپنی زوجہ سے کسی بناء پر لڑنا جھگڑنا شروع کیا رفتہ رفتہ غصہ ہو کر مار پیٹ کرنے لگا تو اس کے بعض عزیز واقارب نے اس کو اس کی زوجہ سے بیچ بچاؤ کر کے علیحدہ کیا مگر وہ باز نہیں آتا تھا تو انہوں نے زبردستی پکڑ کے مار دھکیل کے باہر دور کیا اس درمیان میں زید نے یہ کہہ دیا کہ تجھ کو طلاق ہے۔ پھر جب کسی نے اس کا منہ بند کیا تو کشاکشی کر کے ایک دو منٹ کے اندر اندر دوبارہ یوں کہہ دیا کہ تجھ کو سات اس قدر کا زید بھی اقرار کرتا ہے مگر سننے والے چند آدمی اس بات کے گواہ ہیں لفظ طلاق بھی زید نے کہا ہے (یعنی تجھ کو سات طلاق) مگر زید اقرار نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ میں نے تو طلاق کا لفظ کہا ہی نہیں غرضیکہ دوبارہ زید نے جو یہ کہا کہ تجھ کو سات اس میں اختلاف ہے کہ سات طلاق کہا جیسا کہ گواہ کہتے ہیں یا فقط سات جیسا کہ زید فقط تنہا کہتا ہے بخلاف اول دفعہ کے کہ اس میں کسی کا خلاف نہیں زید بھی اقرار کرتا ہے کہ پہلی مرتبہ میں نے اپنی زوجہ کو طلاق دی پس اس خاص صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں اگر ہوگی تو کونسی طلاق ہوگی زید نے جو مخاطب کی ضمیر تجھ کو استعمال کی ہے اس کا مرجع اس خاص صورت میں اس کی زوجہ ہے یا کوئی اور بھی ہو سکتا ہے ؟ جبکہ زوجہ اس کی اس قدر فاصلے پر ہو کہ سن سکتی ہے مگر بعض وجوہات سے سنائی نہ دیا جاتا ہو زید نے تصریح کر دی کہ لفظ تجھ کو سے میری مراد میری زوجہ ہے پھر دوسرے روز اپنی اس تصریح کے خلاف بیان کیا کہ میری مراد میری زوجہ نہیں تھی۔ پس اس خاص واقعہ میں زید کا یہ بیان اس کی تصریح کے خلاف مقبول عند الشرع ہوگا ؟ باوجودیکہ زید کا یہ بیان غیر ناشی عن الدلیل ہے بلکہ اس کی تصریح پر (کہ لفظ تجھ کو سے میری مراد میری زوجہ ہے) قرائن وآثار موجود ہیں لڑنا جھگڑنا غصہ ہو کر مار پیٹ کرنا بیچ بچاؤ کرانے سے باز نہ رہنا منہ بند کرنے پر کشاکشی کرنا وغیرہ غرض کہ زید کی تصریح پر دلالت حال موجود ہے اگرچہ اب وہ اپنی تصریح کے خلاف بیان کرتا ہے بینوا توجروا ؟

(جواب ۳۳) صورت مسئولہ میں زید کی زوجہ پر تینوں طلاقیں پڑ گئیں اگرچہ اس نے صرف لفظ سات ہی کہا ہو کیونکہ طلاق کے موقع پر اس عدد کا معدود طلاق ہوگی لاغیر - **ولو قال انت بثلاث وقعت ثلاث ان نوی ولو قال لم انو لا یصدق اذا کان فی حال مذاکرة الطلاق والا صدق و مثله فی الفارسیة توبسه علی ما هو المختار للفتوی (هندیه ص ۳۸۱ ج ۱)**[1] اور جب کہ اس کی زوجہ مطلقہ ثلثہ ہو گئی تو اب بغیر حلالہ کے اس کے واسطے حلال نہیں ہو سکتی[2] نیز زید کا یہ

---

(۱) الفتاوی الهندیة کتاب الطلاق' الباب الثانی فی ایقاع الطلاق' الفصل الاول فی الطلاق الصریح' مطلب لو قال انت بثلاث ۱ /۳۵۷ ط ماجدیه کوئٹه)

(۲) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة او الاثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا (جاری ہے) .

اقرار کہ لفظ تجھ کو سے میری مراد میری زوجہ ہے اور دلالت حال یہ دونوں اس امر کے لئے کافی ہیں کہ تجھ کو کی مخاطب اس کی زوجہ ہو لہذا اب اس کا انکار غیر معتبر ہے **یقع طلاق زوج اذا کان بالغا عاقلا سواء کان حرا او عبدا طائعا او مکرھا کذا فی الجوھرة النیرة (ھندیة ص ٣٧٦ ج ١)** (١)

طلاق میں عورت کی طرف ظاہری نسبت ضروری نہیں

(سوال) زید اپنی بیوی ہندہ کو اس کے ماں باپ کے گھر سے بلانے کے واسطے گیا ہندہ نے آنے سے انکار کیا ہندہ کہتی ہے کہ میں اس وقت یا آج کل نہ جاؤں گی زید نے غصہ ہو کر کہا کہ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق ہے قال الفاظ الطلاق بغیر نسبت - یعنی اس طرح نہ کہا کہ تجھ پر طلاق یا تو طلاق ہے اور زید نے یہ الفاظ دوسرے مکان میں جا کر اپنی زبان سے نکالے آیا ہندہ پر تین طلاقیں واقع ہوئیں یا نہیں ؟

(جواب ٣٤) چونکہ غصہ کا موقع ہے نیز اس کی بیوی سے جھگڑا ہوا اس لئے ظاہر یہی ہے کہ اس نے بیوی کو ہی طلاق دی ہے اور وہی اس کے ذہن میں مراد تھی نسبت یا اضافت طلاق صراحۃً ہونا ضروری نہیں اسی طرح عورت کا سامنے موجود ہونا وقوع طلاق کے لئے شرط نہیں پس صورت مسئولہ میں اس کی بیوی مطلقہ ثلثہ ہو گئی اور بدون حلالہ اس کے لئے حلال نہیں - **ولا یلزم کون الاضافة صریحة فی کلامہ لما فی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ** (ردالمحتار)(٢)

بغیر نسبت کے صرف "لفظ طلاق" کہنے سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) زید کی والدہ و ساس کے درمیان ایک عرصے سے خانگی جھگڑے ہو رہے تھے زید سخت بیمار ہے ایک روز زید کے برادر خورد نے زید کی والدہ سے کہا کہ اماں یہ جھگڑے ختم نہ ہوں گے ہم اور تم کہیں چلیں ان دونوں کو یہاں رہنے دو اور زید کا بھائی اپنی والدہ کو لے جانے لگا زید نے کہا کہ تم نہ جاؤ میں اس جھگڑے کو ہی ختم کئے دیتا ہوں اور یہ کہہ کر کہا کہ میں نے طلاق دی یہ الفاظ اپنی والدہ سے مخاطب ہو کر کہے پھر اس کے بعد جوش میں آکر صرف طلاق طلاق طلاق پانچ چھ مرتبہ کہا لیکن اپنی زوجہ کا نام ایک مرتبہ بھی نہیں لیا اور نہ اس سے مخاطب ہو کر کہا اور زید کا خیال بھی یہی تھا کہ صرف لفظ طلاق کہنے سے طلاق نہیں ہوتی زوجہ گھر میں موجود تھی لیکن اس نے الفاظ مذکورہ نہیں سنے -

المستفتی نمبر ۳۱۱ - ۲۲ صفر ۱۳۵۳ھ م ۶ جون ۱۹۳۴ء

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) صحیحا و یدخل بھا ثم یطلقھا اویموت عنھا کذافی الھدایة (الفتاوی الھندیة کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعة فصل فیما تحل بہ المطلقة وما یتصل بہ ١/ ٤٧٣ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(١) الفتاوی الھندیة کتاب الطلاق الباب الاول فصل فیمن یقع طلاقہ و فیمن لا یقع طلاقہ ١/ ٣٥٣ ط ماجدیہ کوئٹہ

(٢) ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق باب الصریح' مطلب " سن بوش " یقع بہ الرجعی ٣/ ٢٤٨ ط سعید کراتشی

(جواب ۳۵) زید کے ان الفاظ میں جو سوال میں مذکور ہیں لفظ طلاق تو صریح ہے لیکن اضافت الی الزوجہ صریح نہیں ہے(۱) اس لئے اگر زید قسم کھاکر یہ کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ نہیں کہے تھے تو اس کے قول اور قسم کا اعتبار کر لیا جائے گا(۲) اور طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

غصہ کی حالت میں بیوی کی طرف نسبت کئے بغیر زبان سے تین طلاق کا لفظ نکالا' تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) زید نے اپنی منکوحہ کے بارے میں بحالت غصہ زبان سے تین طلاق کا لفظ نکالا بلا اضافت کسی کے زید نے جو تین طلاق کا لفظ زبان سے نکالا تو زید کے دل میں کچھ بھی نہیں تھا۔بینوا توجروا

المستفتی نمبر ۳۹۴ مولوی عبدالخالق (رنگون) ۲۹ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۶) اگر زید نے زبان سے صرف یہ لفظ نکالا" تین طلاق"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا تو ظاہر ہے کہ اس میں اضافت طلاق نہیں ہے لیکن اگر یہ لفظ سوال طلاق کے جواب میں کہے ہوں مثلاً زوجہ یا اس کے کسی ولی یا رشتہ دار نے زید سے کہا کہ اپنی زوجہ کو طلاق دے دو اور زید نے کہا کہ " تین طلاق" تو اس صورت میں قرینہ حالیہ اضافتہ الی المنکوحہ کے ثبوت کے لئے کافی ہو گا(۳) اور قاضی طلاق کا حکم کرے گا سوال میں غصہ کی حالت کا ذکر ہے لیکن غصہ کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں بعض صورتیں تو سوال طلاق کی حالت کا حکم رکھتی ہیں اور بعض نہیں۔

اب چونکہ مجلس قضاء کا وجود بھی نہیں اس لئے حکم دیانت یہ ہے کہ زید کو کہا جائے کہ اگر تو نے اپنی بیوی ہی کو یہ لفظ کہا تھا تو طلاق مغلظہ ہو گئی اور اگر بیوی کو نہیں کہا تھا تو طلاق نہیں ہوئی یہ تو عند اللہ حکم ہے اور لوگوں کے اطمینان کے لئے اس سے حلف لیا جائے گا اگر وہ حلف سے کہہ دے کہ میں نے

---

(۱) ولكن لا بدفي وقوعه قضاء وديانة من قصد اضافة لفظ الطلاق اليها عالما بمعناه ولم يصرفه إلى ما يحتمله كما افاده في الفتح وحققه في النهر احتراز اعمالو كرر مسائل الطلاق بحضرتها او كتب ناقلا من كتاب امرأتي طالق مع التلفظ او حكى يمين غيره فانه لا يقع اصلا مالم يقصد زوجته (هامش رد المحتار كتاب الطلاق باب الصريح مطلب في قول البحران الصريح' يحتاج في وقوعه ديانة إلى النية ۳/ ۲۵۰ ط سعيد كراتشي)

(۲) والقول له بيمينه في عدم النية (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق باب الكنايات ۳/ ۳۰۰ ط سعيد كراتشي)

(۳) ولا يلزم كون الاضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت فقال امرأتي طلقت امرأته.... ويؤيده ما في البحر لوقال امرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلاثا وقال لم اعن امرأتي يصدق و يفهم منه انه لولم يقل ذلك تطلق امرأته لان العادة ان من له امرأة انما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها فقوله اني حلفت بالطلاق ينصرف اليها مالم يرد غيرها لانه يحتمله كلامه (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق باب الصريح مطلب " سن بوش" يقع به الرجعي ۳/ ۲۴۸ ط سعيد كراتشي)

بیوی کو تین طلاق نہیں کہا تھا تو لوگوں کو بھی اس کے تعلق زنا شوئی سے تعرض نہیں کرنا چاہئیے اور بیوی بھی اس کے پاس رہ سکتی ہے اور اگر وہ قسم سے انکار کرے تو زوجین میں تفریق کر دی جائے (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیوی کا نام بدل کر طلاق دی' تو طلاق واقع نہ ہو گی

(سوال) زید نے خود اپنی زبان سے یہ کہا کہ میں طلاق دیتا ہوں حسینہ سلطان کو ساتھ دو گواہوں کے دوبارہ و سہ بارہ بھی ان الفاظ کے ساتھ کہا اور یہ بھی کہا پردہ واجب ہے کریں چاہے نہ کریں طلاق دیتے وقت میں (زید) نے یہ نہیں دیکھا کہ بیوی کہاں ہے اور کتنے فاصلے پر ہے اس وقت چھ ماہ کا حمل ہے اور ایک لڑکی ۲ سال کی موجود ہے اس وقت میری (زید کی) کوئی غصہ کی حالت نہیں تھی اور نہ کوئی نشہ تھا میرے ذہن میں حسینہ سلطان ہی نام تھا یہ میرا خود (زید) کا ہی صحیح بیان ہے زید کی بیوی کے خالو اور بہنوئی مندرجہ بالا وقوعہ سے اتفاق رکھتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ لڑکی کا نام صحیح حسینہ خانم ہے اور طلاق کے الفاظ کے وقت زید کی پشت کی طرف قریب دو تین گز کے فاصلہ پر موجود تھی جس نے طلاق کے الفاظ کو نہیں سنا۔

المستفتی نمبر ۱۱۳۸ محمد احمد دہلی- ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۲ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۷) سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ خاوند نے طلاق دیتے وقت عورت کا نام حسینہ سلطان لیا ہے حالانکہ اس کا صحیح نام حسینہ خانم ہے جو نکاح نامہ میں مذکور ہے اور لڑکی کی طرف اشارہ نہیں کیا نہ اس کے باپ کا نام لیا اگر وہ صرف حسینہ کہتا تو وقوع طلاق کا حکم ہو سکتا تھا کہ وہ نام کا اختصار ہوتا لیکن حسینہ سلطان کہنا تبدیل کر دیتا ہے اور اس سے وقوع طلاق کا حکم نہیں ہو سکتا (۲) کیونکہ کوئی حسینہ سلطان اس کی بیوی نہیں ہے اگرچہ اس کے ذہن میں تصور یہی ہو کہ بیوی کو طلاق دے رہا ہوں مگر طلاق الفاظ سے پڑتی ہے نہ کہ تصور سے (۳) اور تبدیلی نام کی صورت میں وقوع طلاق کے لئے یہ لفظ کافی نہیں جیسے غلام حسین آزاد ہے

---

(۱) والقول له بيمينه في عدم النية ويكفي تحليفهاله منزله' فان ابى رفعته للحا كم فان نكل فرق بينهما (در مختار) وقال في الرد (قوله بيمينه) فاليمين لازمة له سواء ادعت الطلاق ام لا حقا لله تعالى- (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب الكنايات ۳/۳۰۱ ط سعيد كراتشى)

(۲) و في المحيط الا صل انه متى و جدت النسبة وغير اسمها بغيره لا يقع لان التعريف لا يحصل بالتسمية متى بدل اسمها لان بذلك الا سم تكون امرأة اجنبية ولو بدل اسمها و اشارا ليها يقع (البحر الرائق' كتاب الطلاق باب الطلاق الصريح ۳/۲۷۳ ط دارالمعرفة بيروت) و في النهر قال : فلانة طالق واسمها لذلك وقال عنيت غيرها دين ولو غيره صدق قضاء و على هذا لو حلف لدائنه بطلاق امرأته فلا نة واسمها غيره لا تطلق (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب الطلاق باب طلاق غيرالمدخول بها ۳/۲۹۳ ط سعيد كراتشى)

(۳) (وركنه لفظ مخصوص) هو ما جعل دلالة على معنى الطلاق من صريح او كناية - واراد اللفظ ولو حكما (هامش ردالمحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق ۳/۲۳۰ ط سعيد كراتشى)

کہنے سے غلام علی آزاد نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسرا نام ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ایک طلاق دو طلاق سہ طلاق کہا' تو کون سی طلاق واقع ہو گی

(سوال) شخصے مسمی بدین محمد در زبان ہندی خود میگوید من بسبب زدو کوب زوجہ ام او گفتہ است تو مرا طلاق بدہ من آں گفتہ ام یک طلاق دو طلاق سہ طلاق نام تو چیست ندانم ایں سخن گفتہ من از خانہ بیرون شدہ رفتہ ام پس دریں صورت زوجہ دین محمد شرعاً سہ طلاق مطلقہ خواہد گردید یانہ۔

المستفتی نمبر ۱۳۵۰ مولوی محمد عزیز الرحمٰن صاحب نوا کھالی متعلم دارالعلوم دیوبند

۲۷ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۸) (از مولوی مسعود احمد نائب مفتی دارالعلوم دیوبند) اس صورت میں دین محمد کی زوجہ پر تین طلاق واقع ہو گئی اور وہ مغلظہ بائنہ ہو کر شوہر پر حرام ہو گئی اب بدون حلالہ کے دین محمد دوبارہ اس کو اپنے نکاح میں نہیں لا سکتا قال اللہ تعالیٰ **فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره الآيه فقط** (۱) واللہ تعالیٰ اعلم مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

۱۰ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ

جواب صحیح ہے مگر دین محمدؒ نے اگر ایک طلاق دو طلاق سہ طلاق سے اپنی منکوحہ مراد نہیں لیا ہے تو طلاق واقع نہیں ہو گی ورنہ ہو جائے گی۔ **لو قال امرأة طالق – او قال طلقت امرأة و قال لم اعن امرأتي يصدق و يفهم منه انه لو لم يقل ذلك تطلق امرأته الخ** (۲) شامی ج ۲ کتاب الطلاق باب الصریح ص ۶۲۴ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد سہول عثمانی عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند ۔ مہر دارالافتاء ۔ دیوبند

الجواب صحیح ما قالہ الاستاذ الحاج مولانا محمد سہول مدظلہ

محمد اعزاز علی غفرلہ' ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ

(جواب) (از مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی) صورت بالا میں منکوحہ پر تین طلاق واقع ہو گئیں شوہر نے ایک طلاق دو طلاق سہ طلاق سے اپنی منکوحہ مراد لی ہو یا نہ لی ہو سوال میں صاف طور پر موجود ہے کہ میاں بیوی میں پہلے جھگڑا ہوا یہاں تک کہ مار پیٹ کی نوبت پہنچی ایسی حالت میں منکوحہ کہتی ہے "مرا طلاق بدہ" شوہر اسی وقت اسی مجلس میں منکوحہ کی طلب طلاق کے جواب میں کہتا ہے کہ یک طلاق دو طلاق سہ طلاق بلکہ غیظ و غضب کی حالت میں کہتا ہے "نام تو چیست ندانم" یعنی تیرا نام جانتا تو نام لیکر

---

(۱) سورۃ البقرۃ رقم الایۃ ۲۳۰

(۲) ھامش ردالمختار ' کتاب الطلاق باب الصریح' مطلب " سن بوش" یقع به الرجعی ۳/۲۴۸ ط سعید کراتشی)

طلاق دیتا یا اب میں تیرا نام لینا ہی نہیں چاہتا ان حالات میں الفاظ طلاق میں اضافت و نسبت کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں جھگڑا مار پیٹ اور پھر نتیجہ کے طور پر منکوحہ کا مطالبہ طلاق ایسی حقیقتیں ہیں جن کی موجودگی میں اس معاملہ کو شوہر کی نیت و قول پر محمول نہیں کیا جا سکتا شوہر خواہ کچھ کہے منکوحہ پر طلاقیں پڑ گئیں علامہ شامی نے بحر سے جو جزئیہ نقل کیا ہے وہ اس معاملہ سے غیر متعلق ہے اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ عام اور سادہ حالات میں شوہر اگر یوں کہہ دے "امرأة طالق" اور جب اس سے دریافت کیا جائے تو کہے ان الفاظ سے مطلب اپنی منکوحہ کو طلاق دینا نہیں تھا صرف دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی در مختار میں ہے- قالت لزوجها طلقنی فقال فعلت طلقت (۱) یہاں منکوحہ کی طلب پر شوہر نے محض فعلت کہا تب بھی طلاق پڑ گئی کیوں ؟ محض قرینہ طلب کی وجہ سے جیسا کہ شامی میں ہے " ای طلقت بقرینة الطلب" فتاویٰ عالمگیری میں حسب ذیل جزئیات موجود ہیں "قالت لزوجها" "مرا طلاق دہ" فقال الزوج دادہ است او کردہ است یقع نوی اولم ینوولا یصدق فی ترك النیة الخ (۲) سئل شمس الائمة الاوزجندی عن امرأة قالت لزوجها لو کان الطلاق بیدی لطلقت نفسی الف تطلیقة فقال الزوج من نیز هزار دادم ولم یقل دادم ترا قال یقع الطلاق (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم عتیق الرحمٰن عثمانی مفتی دیوبند-

۴ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ

هذا الجواب صحیح و هومبنی علی حکم القضاء ای لا یصدق الزوج انه لم ینو امرأته

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی (۴)

غصہ کی حالت میں بیوی کی طرف نسبت کئے بغیر ایک طلاق' دو طلاق' تین طلاق' چار طلاق کہا' تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) زید نے نہایت غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو یہ الفاظ دو عورتوں کے سامنے جو ایک کوٹھے میں ان کے پاس بیٹھی تھی اور ایک صحن میں بیٹھی تھی کہے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق چار طلاق زید کو خود

---

(۱) هامش رد المحتار' کتاب الطلاق باب طلاق غیر المدخول بها ۳/۲۹۴ ط سعید کراتشی-

(۲) الفتاوی الهندیه کتاب الطلاق' الباب الثانی فی ایقاع الطلاق الفصل السابع فی الطلاق بالا لفاظ الفارسية ۱/۳۸۰ ط ماجدیه کوئٹه-

(۳) الفتاوی الهندیه' کتاب الطلاق' الباب الثانی فی ایقاع الطلاق' الفصل السابع فی الطلاق بالا لفاظ الفارسية ۱/۳۸۳ ط ماجدیه کوئٹه

(۴) کما یشعر من عبارة الهندیة یقع نوی اولم ینو ولا یصدق فی ترك النیة قضاء (الفتاوی الهندیة کتاب الطلاق' الباب الثانی فی ایقاع الطلاق' الفصل السابع فی الطلاق بالا لفاظ الفارسية ۱/۳۸۰ ط ماجدیه کوئٹه)

الفاظ یاد نہیں سو اس قسم کی طلاق کا کیا حکم ہے اور پھر وہ اس کی بیوی ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۰۰۶ اصغر حسین (مظفر نگر) ۲۰ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۴ نومبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۹) الفاظ طلاق گو صریح ہیں مگر نسبت الی الزوجہ صریح نہیں ہے اس لئے خاوند اگر حلف شرعی کے ساتھ یہ کہہ دے کہ بیوی کو طلاق دینے کے لئے یہ الفاظ نہیں کہے تھے تو میاں بیوی بحیثیت میاں بیوی کے رہ سکتے ہیں یعنی طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

بیوی کی طرف نسبت کئے بغیر صرف لفظ "تین طلاق" کہا تو طلاق واقع نہیں ہوتی

(سوال) زید نے اپنے والد سے نئی تزویج کے مکالمے میں جھگڑا و فساد کر کے پانچ آدمیوں کے سامنے کہا کہ " کیا تین طلاق دوں "ان پانچوں شاہدوں میں سے دو شاہد شہادت دیتے ہیں کہ زید نے یہ کلام کہا "کیا تین طلاق دوں "اور باقی تین شاہد شہادت دیتے ہیں کہ زید نے صرف تین طلاق کہا پس ان میں سے تین شواہد کی شہادت "تین طلاق" کی بناء پر عدم وقوع طلاق کا حکم نافذ ہو گا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۰۶۸ شاہ بان (اکیاب) ۱۹ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۰) صرف لفظ "تین طلاق" سے جب تک کوئی اور قرینہ حالیہ یا مقالیہ اضافت طلاق کے لئے نہ ہو وقوع طلاق کا حکم نہ ہو گا(۲) اور دو شاہد جو "کیا تین طلاق دوں "کا تلفظ بیان کرتے ہیں وہ تو وقوع طلاق کے لئے مفید نہیں ہے(۳)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

غصہ کی حالت میں تین بار کہا "میں نے اسے طلاق دی" تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) زید کی کسی معاملہ میں کسی سے حجت ہوئی غصہ کی حالت میں اپنے منہ سے یہ تین بار کہا کہ میں نے اسے طلاق دیا مگر اس کی آواز کسی نے نہیں سنی زید کہتا ہے کہ اپنی آواز میں نے نہیں سنی لیکن سمجھ گیا یہ

---

(۱) ولا يلزم كون الاضافة صريحة في كلامه لما مرفي البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت؟ فقال امرأتي طلقت امرأته..... ويؤيده ما في البحر لو قال امرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلاثا وقال لم اعن امرأتي يصدق و يفهم منه انه لو لم يقل ذلك تطلق امرأته لان العادة ان من له امرأة انما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها (هامش رد المحتار كتاب الطلاق باب الصريح مطلب " سن بوش" يقع به الرجعي ۳/۲۴۸ ط سعيد كراتشي)

(۲) ايضاً حواله سابقه

(۳) بخلاف قوله طلقي نفسك فقالت انا طالق او انا اطلق نفسي لم يقع لانه وعد جوهرة (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب الطلاق باب تفويض الطلاق ۳/۳۱۹ ط سعيد كراتشي) وقال في الهندية بخلاف قوله كنم لانه استقبال فلم يكن تحقيقا بالتشكيك و في المحيط لو قال بالعربية اطلق لا يكون طلاقا إلا اذا غلب استعماله للحال فيكون طلاقا (الفتاوى الهندية كتاب الطلاق الباب الثاني في ايقاع الطلاق الفصل السابع في الطلاق بالالفاظ الفارسية ۱/۳۸۴ ط ماجديه كوئٹه)

معاملہ تنہائی کا بیان کیا گیا ہے لیکن اس خطرے کا اظہار دوسروں سے کر دیا کہ میں نے اپنے منہ سے تین بار کہا کہ اسے طلاق دیا اور اپنی بیوی سے بھی کہہ دیا کہ میں نے اپنے منہ سے تین بار کہا کہ اسے طلاق دیا پھر زید کی بی بی نے زید سے کہا کہ ایک خط میرے والد کے پاس میری طرف سے بھیج دو کہ مجھے طلاق مل چکی ہے زید نے خط بھی بھیج دیا یہی مضمون لکھ کر اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر طلاق پڑ گئی تو زید رجوع کر سکتا ہے یا نہیں اور رجوع کرنے کا طریقہ کیا ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۲۰۰ محمد مصطفی حسین انصاری (کانپور) ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ٤١) زید کے ان الفاظ میں کہ (میں نے اسے طلاق دیا) اسے کا اشارہ اپنی زوجہ کی طرف تھا تو طلاق ہو گئی (۱) بشرطیکہ زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے ہوں - اگر زبان سے الفاظ ادا نہیں ہوئے صرف دل میں تصور تھا تو طلاق نہیں ہوئی (۲) اور اگر لفظ اس سے مراد اس کی بیوی نہ تھی تو طلاق نہیں ہوئی پہلی صورت میں طلاق مغلظہ ہے اور رجعت جائز نہیں (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

صرف طلاق' طلاق' طلاق کہنے سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) ایک شخص نے اپنی عورت سے جھگڑا کر کے غصہ کے مارے کہا طلاق' طلاق' طلاق اس وقت وہ عورت اپنے گھر سے دس یا بارہ ہاتھ دوسرے کے مکان میں رہ کر سنتی ہے اس کے بعد شوہر نے اپنے مکان میں آکر کہا بالائی جاؤ یہ بات عورت سن سکی ہے یا نہیں سن سکی ہے بعد ازاں وہ عورت شوہر کے مکان میں جب آئی تو شوہر نے اس کو مارنا چاہا تو عورت بولی تم نے مجھ کو طلاق دے دیا تو پھر کیوں مارو گے

---

(۱) ولا یلزم کون الاضافة صریحة فی کلامه لما فی البحر لو قال طالق فقیل له من عنیت؟ فقال امرتی طلقت امراته...... ویؤیده ما فی البحر لو قال امرأة طالق او قال طلقت إمرأتی ثلاثا وقال لم اعن امراتی یصدق' و یفهم منه انه لولم یقل ذلك تطلق امرأته' لان العادة ان من له امرأة انما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها (هامش ردالمحتار' کتاب الطلاق' باب الصریح مطلب "سن بوش" یقع به الرجعی ۲۴۸/۳ ط سعید کراتشی)

(۲) حدیث شریف میں ہے عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ان الله تجاوز عن امتی ما وسوست به صدرها مالم تعمل به او تتکلم متفق علیه (مشکوٰة المصابیح' باب الوسوسة ۱۸/۱) وقال فی الرد (قوله ورکنه لفظ مخصوص) هو ما جعل دلالة علی معنی الطلاق من صریح او کنایة- واراد اللفظ ولو حکما لیدخل الکتابة المستبینة واشارة الاخرس والاشارة الی العدد بالاصابع فی قوله انت طالق هکذا کما سیأتی و به ظهران من تشاجر مع زوجته فاعطا ها ثلاثة احجار ینوی الطلاق ولم یذکر لفظا لا صریحا ولا کنایة لا یقع علیه کما افتی به الخیر الرملی وغیره (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۲۳۰/۳ ط سعید کراتشی) وقال ایضا' واراد بما اللفظ او ما یقوم مقامه من الکتابة المستبینة اوالاشارة المفهومة - لان رکن الطلاق اللفظ او ما یقوم مقامه مما ذکر کما مر (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الصریح ۲۴۷/۳ ط سعید کراتشی)

(۳) ارشاد باری تعالیٰ ہے- "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره" (سورة البقرة' رقم الایة ۲۳۰) ارشاد نبوی ہے عن عائشة ان رجلا طلق امراته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی ﷺ أتحل للاول قال لاحتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول- (رواه البخاری فی الجامع الصحیح' کتاب الطلاق' باب من اجاز طلاق الثلاث ۷۹۱/۲ ط قدیمی کراتشی)

مرد نے جواب دیا کہ میں نے طلاق نہیں دی اس وقت سے غالباً ساڑھے تین مہینے ہو گئے عورت اپنے والد کے مکان میں رہتی ہے مگر کبھی کبھی زوج کے مکان میں آمد و رفت کرتی ہے اب شخص مذکور کہتا ہے کہ اس وقت میری طلاق کی نیت نہ تھی۔

المستفتی نمبر ۲۲۰۴ فضل الرحمن صاحب (آسام) ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۰ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۳) اگر شوہر نے صرف یہی الفاظ کہے ہیں طلاق، طلاق، طلاق یعنی عورت کا نام نہیں لیا اس کی طرف اشارہ نہیں کیا اور کوئی قرینہ بھی عورت کو معین کرنے کا نہ تھا تو طلاق نہیں ہوئی (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

تین مرتبہ کہا "میں نے طلاق دی" تو کیا حکم ہے؟

(سوال) زید نے ہندہ کو ایک لڑائی کے سلسلہ میں جو گھر میں دوسرے لوگوں سے ہو رہی تھی غصہ میں آکر یہ کہتے ہوئے کہ اگر میری زندگی تباہ کرنا تھی اور اس طرح پریشان کرنا تھا تو میری شادی کیوں کی گئی تین مرتبہ یہ کہا کہ میں نے طلاق دی حالانکہ زید اور ہندہ میں آج تک کوئی رنجش نہ ہوئی اور نہ اب ہے ایسی حالت میں ازروئے شریعت کیا حکم ہے طلاق ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو اب کیا صورت ہو سکتی ہے؟ ہندہ یہ بھی کہتی ہے کہ اگر میری شادی کسی دوسرے کے ساتھ کی گئی تو میں جان دیدوں گی ازروئے شریعت جو حکم ہو مرحمت فرمائیں اور امام شافعیؒ کے مذہب سے بھی اس مسئلہ میں روشنی درکار ہے کہ ان کے مذہب میں کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۲۴۶۳ محمد احمد صاحب۔ لکھنؤ

۱۹ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ م ۱۱ مارچ ۱۹۳۹ء

(جواب ۴۳) اگر خاوند نے اپنی بیوی کو یہ لفظ (میں نے طلاق دی) تین مرتبہ کہہ دیئے تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی ان لفظوں میں بیوی کا نام اور اس کی طرف اضافت مذکور نہیں ہے اس لئے اگر زید اقرار کرے کہ اس نے یہ الفاظ بیوی کو کہے ہیں یا کوئی قرینہ حالیہ موجود ہو جس سے یہ بات متعین ہو جائے کہ یہ الفاظ بیوی ہی کو کہے گئے ہیں تو یہی حکم ہے جو اوپر لکھا گیا ہے اور اگر کوئی قرینہ نہ

---

(۱) ولا یلزم کون الا ضافة صریحة فی کلامه لما فی البحر لو قال طالق فقیل له من عنیت؟ فقال امرأتی طلقت امرأته - و یؤیده ما فی البحر لو قال امرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلاثا وقال لم اعن امرأتی یصدق و یفهم منه انه لو لم یقل ذلك تطلق امرأته لان العادة ان من له امرأة انما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها (هامش رد المحتار، کتاب الطلاق، باب الصریح، مطلب "سن بوش" یقع به الرجعی ۳ / ۲۴۸ ط سعید کراتشی)

ہو اور زوج بھی اقرار نہ کرے تو پھر ان الفاظ سے وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا(۱) فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیوی کی طرف نسبت کئے بغیر کہا "ایک طلاق' دو طلاق' تین طلاق بائن تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟

(سوال) قمر الدین اور شجو محمد کے مکان میں محفل کے اندر طالق اور گواہوں کی زبان بندی کے لئے قمر الدین نے توکی محمد و دانشت محمود و مفیظ الدین و صالح محمود ان چار آدمیوں کو بلایا اس میں مکان کے لوگ بھی شریک تھے وجہ اس کی پان سپاری کھانا تھا اس کے بعد صالح محمود نے کہا کہ قمر الدین رات بہت ہو گئی ہم لوگوں کو کیوں بلایا ہے اس کے جواب میں مہر محمد نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بی بی کو طلاق دینے کے لئے ہم لوگوں کو بلایا ہے اس کے بعد سب لوگوں نے کہا کہ بولو قمر الدین' قمر الدین نے کہا کہ کس طرح کہنا ہوتا ہے تم لوگ ہم کو سکھلا دو اس وقت طلاق کے الفاظ کسی نے اس وجہ سے نہیں سکھلایا کہ لفظ طلاق زبان پر لانے سے اس کی بی بی چھوٹ جائے گی اس کے بعد توکی محمد کی بیوی مر گئی تھی اس لئے طلاق کا خطرہ نہ تھا سب لوگوں نے کہا کہ تم سکھلا دو - اس نے سکھلانا شروع کیا توکی محمد نے قمر الدین سے کہا کہ کہو قمر الدین ایک طلاق' دو طلاق' تین طلاق بائن کہہ دیا لیکن طلاق دیتے وقت اس کی بی بی کا نام یا میری بی بی کر کے نہیں کہا اور کس کو طلاق دیا ہے پنچایت والوں نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں پوچھا مگر بیان قمر الدین نے کہا کہ میں نئی شادی کروں گا میرے ماموں میری پہلی بیوی کو طلاق نہ دینے سے نکاح میں شرکت نہیں کرتا' اس لئے مجبور ہو کر طلاق دیا توکی محمد نے جو کچھ سکھلایا اسی کے مطابق میں نے اس کے ساتھ ساتھ ویسا ہی کہا میرے دل میں اپنی بی بی کو طلاق دینے کی نیت نہ تھی -
(۱) پہلا گواہ توکی محمد - قمر الدین ہم کو پان سپاری کھانے کے واسطے اپنے مکان میں بلا کر لایا ہم نے آکر دیکھا کہ مفیظ و دانشت و صالح محمود و مہر محمد وہاں پر موجود ہیں صالح محمود نے کہا قمر الدین رات بہت ہو گئی کیوں ہم کو بلایا ہے کہو مہر نے کہا قمر الدین شیخ اپنی بی بی کو طلاق دیں گے اس لئے بلایا ہے قمر الدین نے کہا کس طرح کہنا ہوتا ہے وہ میں نہیں جانتا آپ لوگ ہم کو سکھلا دیجئے - اس وقت کسی نے اس خوف سے الفاظ طلاق نہیں سکھلایا کہ جو لفظ طلاق زبان پر لائیں گے ان کی بی بی ان سے چھوٹ جائے گی اس کے بعد توکی محمد کی بی بی مر گئی تھی اس لئے سب لوگوں نے توکی محمد سے کہا کہ طلاق کے الفاظ قمر الدین کو

---

(۱) ولا يلزم كون الاضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت؟ فقال امرأتي طلقت امرأته - ويؤيده ما في البحر لو قال امرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلاثا وقال لم اعن امرأتي يصدق' و يفهم منه انه لو لم يقل ذلك تطلق امرأته لان العادة ان من له امرأة انما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها (هامش رد المحتار كتاب الطلاق' باب الصريح مطلب "سن بوش" يقع به الرجعي ٣/٢٤٨ ط سعيد كراتشي)

سکھلاؤ تب توکی محمد نے سکھلایا ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بائن - قمر الدین نے اس کے ساتھ ویسا ہی کہا اس کے بعد پنچایتی اس سے کوئی بات پوچھے بغیر چلے گئے -

(۲) دوسرے گواہ دانشت محمود نے بھی توکی محمد کی طرح کہا بیان یہ ہے کہ طلاق دیتے وقت قمر الدین نے میری بی بی کہہ کر طلاق نہیں دیا -

(۳) تیسرے گواہ صالح محمود نے کہا کہ قمر الدین نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے واسطے ہم کو بلایا ہے ہم نے آکر دیکھا کہ بابر علی و دانشت و مفیظ الدین و توکی محمد و مہر و شہر و زین الدین وہاں پر موجود ہیں ہم نے کہا کہ رات بہت ہوگئی ہے قمر الدین نے ہم لوگوں کو کیوں بلایا ہے کھو مہر نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ قمر الدین اپنی بی بی کو طلاق دیں گے اس لئے ہم لوگوں کو بلایا ہے اس کے بعد قمر الدین سے پوچھا قمر الدین نے جواب دیا کہ طلاق نہ دے کر کیا کروں اس سے ہمارا کام نہیں چلتا - اس کے بعد توکی محمد نے کہا کہ قمر الدین کہو ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بائن۔ قمر الدین نے بھی ویسا ہی کہا قمر الدین نے کیوں طلاق دی پنچایتی یہ بات بغیر پوچھے چلے گئے -

(۴) چوتھا گواہ پیر علی - قمر الدین نے اپنے بھائی کو بلانے کے واسطے بھیجا میں نے ان کے بھائی سے پوچھا کیوں بلاتے ہو اس نے کہا کہ میرے بھائی اپنی بی بی کو طلاق دیں گے اس لئے بلایا ہے میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ صالح محمود اور توکی محمد و شجو محمود و ضمیر الدین و مہر سب لوگ پان تمباکو کھا رہے ہیں اس کے بعد صالح محمود نے کہا قمر الدین کیوں ہم لوگوں کو بلایا ہے اس وقت قمر الدین پس و پیش کرنے لگے مہر نے کہا قمر الدین اپنی بی بی کو چھوڑ دیں گے اس لئے بلایا ہے توکی محمود نے سکھلا دیا - ایک طلاق' دو طلاق' تین طلاق - قمر الدین نے ساتھ ساتھ اسی طرح کہا -

(۵) پانچواں گواہ مہر محمد - قمر الدین نے میرے گھر میں جاکر کہا میری شادی ہے میری پہلی بیوی کو طلاق دینا چاہیے ذرا میرے گھر میں چلو بعد میں ہم نے آکر دیکھا دانش مفیظ دو آدمی بابر علی نے پوچھا قمر الدین کیوں بلایا ہے میں نے کہا اس کی بیوی کو طلاق دے گا قمر الدین نے کہا میری بی بی کو طلاق دیوے گا قمر الدین نے کہا کس طرح سے طلاق دیتا ہے میں نہیں جانتا ہوں توکی نے کہا ایک طلاق' دو طلاق' تین طلاق بائن - قمر الدین نے ساتھ ساتھ اسی کو کہا -

(۶) چھٹا گواہ - شجو محمد - قمر الدین اس کی بی بی کو طلاق نہ دینے سے میری لڑکی کو نہیں دیں گے قمر الدین نے کہا میری بی بی کو طلاق دیں گے اسی بات پر چند آدمیوں کو بلا کر ان کے سامنے اپنی بی بی کو طلاق دیا، صلحا' توکی' دانش' مفیظ' بابر علی' مہر' شہر' منا محمود وغیر ہم نے کہا قمر الدین ہم لوگوں کو کیوں بلاتے ہو مہر نے کہا قمر الدین اس کی بی بی کو چھوڑ دیں گے قمر الدین نے کہا طلاق کس طرح دینا ہوتا ہے ہم نہیں جانتے توکی نے سکھلا دیا ایک طلاق' دو طلاق' تین طلاق بائن اسی طرح ساتھ ساتھ قمر الدین نے بھی ویسا ہی تین دفعہ کہا پنچایتی یہ پوچھے بغیر کہ کس کو طلاق دیا چلے گئے -

(۷) ساتواں گواہ منا محمد صلحاوغیرہ وہاں پر تھے قمر الدین نے کہا میری بی بی کو طلاق دیں گے میرے مکان کی طرف چلو صلحا نے پوچھا قمر الدین کیوں بلاتے ہو مہر نے کہا کہ قمر الدین اس کی بی بی کو چھوڑ دیں گے تو کی نے الفاظ طلاق سکھلا دیا - یعنی ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق بائن -

(۸) آٹھواں گواہ بائیو ماموند نے قمر الدین سے پوچھا کہ تیری پہلی بی بی کو طلاق دیا ہے یا نہیں قمر الدین بولا میں نے پہلی بیوی کو طلاق دیا اس محفل کے بہت آدمی اس کے شاہد ہیں کہ قمر الدین نے اپنی پہلی بی بی کو طلاق دیا - المستفتی نمبر ۲۵۶۹ محمد نور الحسن صاحب عالم نگر - رنگپور

۲۵ محرم ۱۳۵۸ھ م ۵ مارچ ۱۹۴۰ء

(جواب) (از قاضی عبدالجبار صاحب ربانی کوڑیگرام) مذکورہ صورت میں قمر الدین کی بی بی پر طلاق واقع نہیں ہوئی بوجہ نہ پائی جانے اضافت کے کیونکہ ہر گواہ نے اپنی گواہی میں کہا کہ قمر الدین نے طلاق دینے کے وقت نہ اپنی بی بی کا نام لیا اور نہ اس کی طرف اشارہ کیا اگرچہ دو ایک گواہوں سے معلوم ہوا کہ وہ طلاق دینے سے قبل اپنی بی بی کا ذکر کیا تھا اور قمر الدین بھی دوسری شادی کرنے کی وجہ سے طلاق کے الفاظ کہنے کو مجبوراً اقرار کیا اور نہ اس کی گواہی سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق دینے کی نیت نہ تھی اور مجبوری کی حالت میں نیت رہنا بھی غیر مظنون ہے - ھکذا کتب فی قاضی خان (۱) والعالمگیریۃ (۲) و رد المحتار (۳) واللہ تعالیٰ اعلم - الراقم قاضی عبدالجبار ربانی - کوڑی گرام

(جواب) (از مولوی عبدالعزیز صاحب جونپوری) چونکہ سوال میں طلاق صریح ہے اس لئے قضاءً نیت کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے گا خصوصاً مذاکرہ طلاق کے وقت تو کنایۃً بھی بغیر نیت ہو جاتی ہے چہ جائیکہ صریح - اور بحر الرائق ص ۲۷۴ میں ہے - لو قالت المرأۃ انا طالق فقال الزوج نعم کانت طالقاً (۴)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ سوال کے جواب میں اضافت کیا لفظ طلاق کے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں ہے اور جب قمر الدین کا یہ بیان ہے کہ اپنی پہلی بی بی کو جب تک میں طلاق نہ دوں میرے ماموں شرکت نہیں کریں گے اور مجھے شادی کرنی ہے اور اس طلاق کے لئے محفل بھی منعقد کی گئی اور قمر الدین نے طلاق دینے کا طریقہ سیکھنا چاہا اور سکھلایا گیا تو یقیناً یہ کہنا پڑے گا کہ قمر الدین نے

---

(۱) لواکرہ علی ان یقر بالطلاق فاقر لا یقع کما لو اقربالطلاق ھاز لا او کاذ با (الفتاوی الخانیۃ علی ھامش الفتاوی الھندیۃ' کتاب الاکراہ ۳/۴۸۳)

(۲) واجمعو ا علی انہ لواکرہ علی الاقرار بالطلاق لا ینفذ اقرارہ کذافی شرح الطحاوی (الفتاوی الھندیۃ کتاب الطلاق الباب الاول' فصل فیمن یقع طلاقہ و فیمن لا یقع طلاقہ ۱/۳۵۳ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۳) ولو عبداو مکرھا فان طلاقہ صحیح لا اقرارہ بالطلاق (درمختار) وقال فی الرد (قولہ لا اقرارہ بالطلاق) قید بالطلاق لا بالکلام فیہ وإلا فاقرار المکرہ بغیرہ لا یصح ایضا رھامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' مطلب فی الاکراہ علی التوکیل بالطلاق والنکاح والعتاق ۳/۲۳۵ ط سعید کراتشی)

(۴) البحر الرائق کتاب الطلاق'باب الطلاق الصریح ۳/۲۷۴ ط دار المعرفۃ بیروت)

اپنے ماموں کا مطالبہ پورا کیا۔
لہذا قرینہ حالیہ و مقالیہ دونوں سے اضافت پائی گئی گو کہ الفاظ طلاق کے ساتھ اضافت متصل نہیں پس ایسی صورت میں قضاء یہ حکم دینا پڑتا ہے کہ قمر الدین کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی اور بغیر تحلیل رجوع نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم حررہ ناچیز عبدالعزیز صدر مدرس
مدرسہ کرامتیہ مانولہ (جون پور)

(جواب ٤٤) (از حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ) ہو الموفق اگرچہ طلاق صریح ہے مگر اضافت صریحہ نہیں اور تمام شہادتوں سے باستثنا شہادت نمبر ۸ صراحتہً ثابت ہے کہ قمر الدین نے طلاق کا تلفظ سیکھنے کی غرض سے کیا ہے نیت ایقاع وانشا کا ثبوت و قرینہ نہیں ہے مجلس میں سوال طلاق بھی نہیں ہے ایک شخص کا یہ کہنا ہے کہ قمر الدین نے اپنی بی بی کو طلاق دینے کے لئے یہ مجمع کیا ہے شہادت نمبر ۸ سے اتنا ثابت ہے کہ قمر الدین نے اقرار طلاق دینے کا کیا ہے۔
پس زیادہ سے زیادہ اقرار طلاق سے ایک طلاق کا حکم دیا جا سکتا ہے(۱)
مجلس میں جو لفظ طلاق بغرض تعلیم مذکور ہے اس میں اس کا قول کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دینے کی نیت نہیں کی تھی معتبر و مقبول ہونا چاہئے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیوی کی طرف نسبت کئے بغیر تین مرتبہ یہ الفاظ کہے ''طلقت 'طلقت 'طلقت'' تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۳۴ء)

(سوال) بحالت غصہ زید نے اپنی عورت کو تین مرتبہ یہ الفاظ کہے طلقت طلقت طلقت یہ الفاظ عورت کے کہنے پر جب کہ کسی بات پر جھگڑا تھا کہہ دیئے تھے یہ واقعہ اگست ۱۹۳۳ء کا ہے غصہ فرو ہو جانے کے بعد عورت زید سے دریافت کرتی ہے کہ کیا نتیجہ ہو گا ان الفاظ کا ؟ تو زید نے جواب دیا کہ ہم نے لفظ طلاق شیطان کے لئے استعمال کئے تھے اب سوال یہ ہے کہ طلاق عورت کے کہنے پر دی گئی اور شیطان کا لفظ بعد میں بڑھا دیا کیا حکم ہے ؟ دوبارہ پھر ۲۵ جون ۱۹۳۴ء کو عورت نے شوہر کو کوسا اور طلاق مانگی زید نے اپنی عورت کا نام لے کر کہا کہ میں نے طلاق دی دوسری اور تیسری دفعہ بغیر نام لئے کہا کہ میں نے طلاق دی طلاق دی۔

---

(۱) ولواقر بالطلاق کاذبا اوھا زلا و قع قضاء لا دیانۃ (ھامش رد المحتار کتاب الطلاق ۲۳۶/۳ ط سعید کراتشی)
(۲) ذکر اسمھا او اضافتھا الیہ کخطابہ کما بینا فلو قال طالق فقیل لہ من عنیت؟ فقال امرأتی طلقت امرأتہ ولو قال امرأۃ طالق او قال طلقت امرأۃ ثلاثا وقال لم اعن بہ امرأتی یصدق (البحر الرائق کتاب الطلاق باب الطلاق الصریح ۲۷۳/۳ ط دار المعرفۃ بیروت)

(جواب ٤٥) طلاق مغلظ تو پہلے ہی واقعہ میں ہو چکی اگرچہ الفاظ میں صراحتہً عورت کی نسبت نہیں ہے یعنی اس نے طلقت کہا ہے طلقتک نہیں کہا لیکن سوال میں مذکور ہے کہ عورت کے طلاق مانگنے پر یہ الفاظ کہے گئے اس لئے قرینہ حالیہ ثبوت اضافت کے لئے کافی ہے(۱) قاضی شرع اس کے کہنے کو کہ میں نے شیطان کو طلاق دی تسلیم نہیں کرے گا تاہم اگر فی الحقیقت اس نے شیطان کو دل میں مراد لے کر طلاق کے الفاظ کا تلفظ کیا تھا تو عنداللہ جائز تھا کہ وہ عورت کو بدستور بیوی سمجھے دوسرے واقعہ میں بھی اضافت صریحہ موجود نہیں اس میں بھی قضاءً تین طلاقیں ثابت ہوں گی اور اگر خاوند عورت کو طلاق دینے کا انکار نہ کرے اور کوئی مطلب نہ بتائے تو طلاق مغلظہ ہے(۲) اور رجعت کا حق نہیں رہا(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

بیوی کی طرف نسبت کئے بغیر کہا "لو طلاق' طلاق' طلاق" تو کیا حکم ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ١٦ فروری ١٩٣٦ء)

(سوال) زید اور ہندہ کا جھگڑا ہوا - ہندہ نے زید کو طعنہ دیا میری ہی بدولت ساس سسر والا ہوا جورو والا ہوا دہ بچوں والا ہوا زید نے حالت غصہ میں ہندہ سے اپنی بیوی کی غیر موجودگی میں کہا تیری ہی بدولت ہوا ہے تو لے طلاق' طلاق طلاق طلاق طلاق ایک ہی سانس میں آٹھ دس مرتبہ طلاق طلاق کہہ دیا اور خود ہی اکثر لوگوں سے تذکرہ بھی کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدیا ہے -

(جواب ٤٦) اس گفتگو سے جو زید اور ہندہ کے درمیان ہوئی زید کی بیوی پر طلاق نہیں ہوئی کیونکہ اس میں بیوی کا نام اور کوئی قرینہ اس کے لئے نہیں ہے(۴) ہاں زید نے لوگوں کے سامنے جب اقرار کیا کہ میں نے بیوی کو طلاق دیدی ہے تو اس اقرار سے وہ قضاءً ماخوذ ہو گا اور اس کی بیوی پر وقوع طلاق کا حکم دیا

---

(۱) ولا یلزم کون الاضافة صریحة فی کلامه لما فی البحر لو قال طالق فقیل له من عنیت؟ فقال امرأتی طلقت امرأته - ویؤیده ما فی البحر لو قال امرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلاثا وقال لم اعن امرأتی یصدق' و یفهم منه انه لو لم یقل ذلك تطلق امرأته لان العادة ان من له امرأة انما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الصریح مطلب "سن بوش" یقع به الرجعی ٣/٢٤٨ ط سعید کراتشی)

(۲) ایضاً حواله سابقه

(۳) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة و ثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا و یدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها کذافی الهدایة (الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعة' فصل فیما تحل به المطلقة وما یتصل به ١/٤٧٣ ط ماجدیه' کوئٹه)

(٤) وذکر اسمها واضافتها الیه کخطابه کما بینا فلو قال طالق فقیل له من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأته ولو قال امرأة طالق اوقال طلقت امرأة ثلاثا وقال لم اعن به امرأتی یصدق (البحر الرائق' کتاب الطلاق' باب الطلاق الصریح ٣/٣٧٣ ط دار المعرفة بیروت)

جائے گا (۱) اگر طلاق کی کوئی صفت (مثلاً بائن یا مغلظہ) اس نے اقرار میں ذکر نہیں کی ہو تو طلاق رجعی کا حکم ہوگا اور عدت کے اندر رجوع کر سکے گا (۲) اور عدت کے بعد تجدید نکاح کا حق ہوگا (۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فصل ششم
کتابت طلاق

ثالث نے طلاق نامہ لکھوایا' اور شوہر سے انگوٹھا لگوایا' تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟

(سوال) ایک شخص کا نکاح عرصہ آٹھ سال کا ہوا ایک لڑکی کے ساتھ ہوا تھا جس کی عمر اب ۲۲ سال ہے اس کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے اس لڑکی کے پھوپھا نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی غرض سے اس کے شوہر سے طلاق چاہی اس نے طلاق دینے سے انکار کر دیا پس پھوپھا نے اپنا سر پھوڑ کر عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا اور ایک دوسرے شخص کو کچھ روپیہ دیکر اس سے بھی ایک مقدمہ دائر کرا دیا عدالت میں پیشی ہوئی اور مچلکے لے لئے گئے اور بظاہر کوئی صورت سوائے سزایابی کے نظر نہ آئی تو چند لوگوں نے ہر دو فریقین کو بلایا اور آپس میں صلح کی تحریک کی لیکن ان لوگوں نے سوائے اس کے اور کوئی جواب نہیں دیا کہ لڑکی کا شوہر لڑکی کو طلاق دیدے تو ہم صلح نامہ داخل عدالت کر دیں ثالث حضرات نے کاتب کو بلا کر اسٹامپ ہر دو کے نام سے خریدا اور کاتب سے طلاق نامہ لکھوایا معلوم نہیں کہ اس کا کیا مضمون ہے اس لڑکی کا شوہر ایک جگہ بیٹھا ہوا رو رہا تھا کہ کاتب نے اٹھ کر اس کے انگوٹھے میں سیاہی لگا کر نشان لے لیا اس نے طلاق وغیرہ کا کوئی لفظ اپنی زبان سے نہیں نکالا تو یہ طلاق شرعاً جائز ہے یا ناجائز ؟

(جواب ٤٧) کوئی دوسرا شخص اگر کسی کی منکوحہ کا طلاق نامہ لکھے تو شوہر کو مضمون کا علم اور اقرار

---

(۱) ولو اقربالطلاق کاذبا اوهاز لا وقع قضاء لا ديانة (هامش رد المحتار كتاب الطلاق مطلب في الاكراه على التوكيل بالطلاق والنكاح والعتاق ۲۳٦/۳ ط سعيد كراتشي) وقال في البحر لواكره على ان يقر بالطلاق فاقر لا يقع كما لو اقر بالطلاق هازلا او كاذبا كذافي الخانية من الاكراه و مراده بعدم الوقوع في المشبه به عدمه ديانة لما في الفتح القدير ولو اقربا لطلاق وهو كاذب وقع في القضاء' وصرح في البزازية بان له في الديانة امساكها اذا قال اردت به الخبر عن الماضي كذبا وان لم يردبه الخبر عن الماضي او اراد به الكذب اوا لهزل وقع قضاء و ديانة (البحر الرائق' كتاب الطلاق ۳/ ۲٦٤ ط دار المعرفة بيروت)

(۲) اذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها في عدتها (الهداية كتاب الطلاق باب الرجعة ۲/ ۳۹٤ ط شركة علميه ملتان)

(۳) وان كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجها في العدة و بعد انقضاء ها (الفتاوى الهندية كتاب الطلاق' الباب السادس في الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة و ما يتصل به ۱/ ٤۷۳ ط ماجديه كوئته)

طلاق نامہ کہ یہ میرا ہی ہے ایقاع طلاق کے لئے ضروری ہے صورت مسئولہ میں شوہر کو معلوم نہیں کہ اس کاغذ میں کیا لکھا گیا ہے اور نہ وہ اقرار ہی کرتا ہے لہذا طلاق واقع نہیں ہوئی یہ لڑکی بدستور اس کی زوجہ ہے - **ولو استکتب من اخر کتابا بطلاقها وقرأه علی الزوج فاخذه الزوج و ختمه و عنونه و بعث به الیها فاتاها وقع ان اقرالزوج وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یملہ بنفسه لا یقع الطلاق مالم یقر اله کتابه - اه ملخصا** (ردالمحتار مختصرا)(۱)

زبردستی طلاق نامہ پر دستخط لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

(سوال) ایک شخص کی بیوی کے ورثاء نے ایک کاغذ پر اس شخص سے ناجائز دباؤ ڈال کر دستخط لئے ہیں جس میں طلاق کے الفاظ تھے آیا شرعاً یہ طلاق باطل ہے یا نہیں ؟

(جواب ۴۸) ناجائز دباؤ سے مراد اگر یہ ہے کہ اس کو مار نے یا بند رکھنے کی دھمکی دی تھی اور دھمکی دینے والے اس پر قادر بھی تھے تو اس کے دستخط کر دینے سے طلاق نہیں ہوئی بشرطیکہ اس کے ذہن میں یہ بات آگئی ہو کہ اگر میں نے دستخط نہیں کئے تو یہ مجھے ضرور ماریں گے یا بند کریں گے لیکن اگر یہ حالت نہ تھی اور پھر بھی اس نے دستخط کر دیئے تو اگر یہ دستخط کرنے کا اقرار کرتا ہو کہ باوجود اس علم کے کہ اس میں طلاق لکھی ہوئی ہے پھر بھی میں نے دستخط کئے ہیں تو طلاق واقع ہو جائے گی - **ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبداً او مکرها فان طلاقه صحیح (درمختار مختصرا)**(۲) **و فی البحران المراد الاکراہ علی التلفظ بالطلاق فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق لان الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ههنا- کذافی الخانیة (رد المحتار)**(۳) واللہ اعلم

تم کو "طلاق دیتا ہوں 'طلاق ہے' طلاق 'طلاق ہے" لکھ کر بیوی کو بھیج دیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟

(سوال) ایک شخص بوجہ ناموافقت اپنی زوجہ کے مفقود ہو گیا ہے مفقود الخبر ہونے کے کچھ دنوں بعد اس نے ایک طلاق نامہ گجراتی زبان میں جس کا ترجمہ ذیل میں لکھا جاتا ہے لفافہ میں بند کر کے بھیج دیا-
نقل طلاق نامہ :-بائی رفان بائی بنت عمر بھائی عرف جھانکہ والا تحریر کنندہ عبدالکریم ولد عثمان بھائی جھانکہ والا بعد سلام-میں کہتا ہوں کہ تم کو میں طلاق دیتا ہوں تو آج سے ہماری بہن برابر ہے تم کو اور مجھ

---

(۱) ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' مطلب فی الطلاق بالکتابة ۳/۲۴۶ ط سعید کراتشی
(۲) الدر المختار مع ھامش رد المحتار ' کتاب الطلاق ۳/۲۳۵ ط سعید کراتشی
(۳) ھامش رد المحتار ' کتاب الطلاق مطلب فی الاکراہ علی التوکیل بالطلاق والنکاح والعتاق ۳/۲۳۶ ط سعید کراتشی

کو بھائی بہن کا علاقہ ہے اور تمہارے ہمارے درمیان کچھ ذرہ برابر علاقہ نہیں رہا تم کو طلاق دیتا ہوں طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے۔ تاریخ ۲ شوال دستخط بقلم خود۔ تمہارے مہر کا روپیہ مبلغ چوالیس روپے حسب رواج ہے سو میری ملکیت سے دیں گے باقی ہماری ملکیت سے تم کو دخلہ دینا نہ چاہئیے یہ مضمون تھا جو عرض کیا گیا۔

(جواب ۴۹) اس صورت میں اگر زوجہ کو اس امر کا یقین یا گمان غالب ہو جائے کہ یہ خط میرے خاوند کا ہی لکھا ہوا ہے تو دیانۃً اسے عدت گزار کر دوسرا نکاح کرنا جائز ہے اس دوسرے نکاح کے جائز ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ شرعاً اس خط سے طلاق ثابت ہو گئی بلکہ اس کا اثر صرف اس قدر ہے کہ عورت کو (جب کہ اسے یقین یا گمان غالب وقوع طلاق کا ہو گیا ہے) دوسرا نکاح کرنے سے روکا نہیں جائے گا اور وہ شرعاً گناہ گار نہ ہو گی۔ صرحوا بان لها التزوج اذا اتا ها كتاب منه بطلاقها ولو على يد غير ثقة ان غلب علىٰ ظنها انه حق و ظاهرا لا طلاق جوازه فی القضاء حتى لو علم القاضي يتركها الخ (ردالمحتار)(۱)

تحریری طلاق لکھنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے

(سوال) ایک شخص نے اپنی بیوی کو تحریری طلاق دی تحریر پر دو آدمیوں کی گواہی ہے مگر ان گواہوں کی حالت یہ ہے کہ پہلا سود خوار اور یہاں کا وطن دار نہیں ہے کچھ عرصے سے یہاں پر رہنے آگیا ہے اور فی الحال تو یہیں رہتا ہے دوسرا گواہ افیون کھانے والا اور مدک کا پینے والا ہے اور یہ دونوں گواہ جھوٹے اور نا قابل اعتماد ہیں۔

المستفتی نمبر ۱۱۸ بسم اللہ خاں۔ ضلع مغربی خاندیس

۲۸ رجب ۱۳۵۲ھ م ۱۸ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۵۰) اگر خاوند نے فی الواقع طلاق دی ہے اور وہ طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے تو محض اس وجہ سے کہ چونکہ گواہ نا قابل شہادت ہیں طلاق غیر مؤثر اور نا قابل اعتبار نہیں ہو سکتی بلکہ طلاق واقع ہو جائے گی(۲) لیکن اگر خاوند منکر ہے اور اس کے طلاق دینے کا اور کوئی ثبوت سوائے ان گواہوں کے بیان کے

---

(۱) هامش رد المحتار ' كتاب الطلاق' باب الرجعة ۴۲۱/۳ ط سعيد كراتشي)

(۲) وفيه ايضا رجل استكتب من رجل آخر الى امرأته كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فاخذه و طواه و ختم و كتب في عنوانه و بعث به إلى امرأته فأتا ها الكتاب واقر الزوج انه كتابه فان الطلاق يقع عليها وكذلك لو قال لذلك الرجل ابعث بهذا الكتاب اليها او قال له اكتب نسخة وابعث بها اليها وان لم تقم عليه البينة ولم يقرانه كتابه لكنه وصف الامر على وجهه فانه لا يلزمه الطلاق في القضاء ولا فيما بينه و بين الله تعالىٰ وكذلك كل كتاب لم يكتب بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع به الطلاق اذا لم يقرانه كتابه كذافي المحيط والله اعلم بالصواب (الفتاوىٰ الهندية كتاب الطلاق الباب الثاني في ايقاع الطلاق' الفصل السادس في الطلاق بالكتابة ۳۷۹/۱ ط ماجديه كوئته)

نہیں ہے تو ایسے گواہوں کی گواہی سے طلاق ثابت نہ ہو گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شوہر نے طلاق نامہ لکھوا کر' اس پر انگوٹھا لگایا اور دو گواہوں کی گواہی کرائی تو کون سی طلاق واقع ہو گی؟

(سوال) زید نے اپنی لڑکی مسماۃ ہندہ کی شادی بکر کے ساتھ کر دی کچھ عرصہ کے بعد فریقین میں سخت نزاع واقع ہو گئی بکر نے رخصت کرانے کا دعوی عدالت مجاز میں کر دیا سرکاری حکم کے موافق ہندہ دو سپاہیوں کے ذریعہ رخصت ہو کر بکر کے ہمراہ کر دی گئی جب بکر رخصت کرا کر لے چلا تو بیچ راستہ سڑک پر ہندہ بیٹھ گئی اور اپنے شوہر کے ساتھ جانے سے انکاری ہو گئی بکر نیز اس بستی کے بہت سے لوگوں نے سمجھایا مگر ہندہ جانے پر راضی نہ ہوئی اور بھاگ کر ایک ٹھاکر رام سنگھ کے مکان میں گھس گئی ٹھاکر مذکور نے قانون کا خیال کرتے ہوئے ہندہ کو اپنے گھر سے باہر کر دیا اور سختی سے سمجھاتے ہوئے یہاں تک کہا کہ اگر تو اپنے شوہر کے ہمراہ نہ جائے گی تو میں تجھے چار آدمیوں سے بندھوا کر بھیجوں گا مگر کچھ خیال نہ کرتے ہوئے ہندہ سڑک پر ہی بیٹھی رہی اور کہنے لگی بکر نے مجھے ہزاروں قسم کی بے جا تہمتیں لگائی ہیں اس لئے میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی شوہر (بکر) نے بہتیرا سمجھایا مگر وہ کسی طرح نہ مانی مجبوراً بکر ٹھاکر مذکور کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرا زیور ہندہ سے دلایا جائے میں اس کو خود نہ رکھوں گا طلاق دیتا ہوں آپ طلاق نامہ لکھ دیجئے میں انگوٹھے کا نشان بنا دوں گا ٹھاکر نے اس کو بھی بہت سمجھایا لیکن بکر طلاق نامہ لکھوانے سے باز نہ آیا ٹھاکر نے دو مسلمان گواہوں اور کئی سو ہندو گواہوں کے روبرو جو اس وقت اتفاقیہ پہنچ گئے تھے طلاق نامہ لکھ دیا جس پر بکر نے اپنے انگوٹھے کا نشان بنا کر گواہوں سے جو موقع پر موجود تھے کہا کہ تم لوگ دستخط بنا دو لہذا گواہوں نے دستخط بنا دیئے طلاقنامہ حسب ذیل ہے۔

یہہ چنوبا ولد فیروز ساکن موضع کھیرا اسٹیٹ میہر حال مقیم چھتاری جو کہ رخصت کرانے کی ڈگری میں نے عدالت سے اصرار کرا کر بذریعہ پنجاب خاں چپڑاسی مسمی کنگی کے یہاں سے رخصت کرایا یا مگر مسماۃ مذکور میرے ہمراہ جانے اور میری زوجیت میں رہنے سے قطعی انکاری ہے چند بھلے آدمیوں کے سمجھانے پر بھی انکار سے باز نہیں آتی ایسی حالت میں اپنی راضی خوشی وبہ درستگی ہوش وحواس طلاق دے دینا ٹھیک سمجھتا ہوں اس لئے جو میرے زیورات مسماۃ رجی کے جسم پر تھے واپس لیکر تین طلاق دیدیا اور جو روپیہ مطالبہ ڈگری کا ذمہ کنگی والد رجی مدعا علیہ کے تھا وہ رقم روبرو گواہان حاشیہ ٹھاکر رام سنگھ ساکن موضع پونڑی کے ہاتھ سے وصول پالیا اس لئے رسید لکھ دیا کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آوے طلاق لکھنے کے کچھ دن بعد بکر کو نہ جانے کیا خیال پیدا ہوا یا واللہ اعلم کسی نے اس کو بھکایا لہذا طلاق نامہ لکھنے کے کچھ ہی دن بعد طلاق نامہ لکھنے اور دینے سے انکاری ہے اور پھر اپنی مطلقہ کو رخصت کرانے کی کوشش کر رہا ہے اور ٹھاکر مذکور کے پاس پہنچ کر کچھ لالچ دے کر کہا کہ طلاق نامہ کو چاک کر ڈالو میری

برادری کے اکثر لوگ اس طلاق کے خلاف ہیں مگر طلاق نامہ ہندہ کے والد کے پاس پہنچ چکا ہے اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں جب کہ شوہر طلاق دے چکا اور طلاق نامہ لکھ چکا بحبہ کا انکار کچھ کارآمد ہو سکتا ہے یا طلاق شرعاً مان لی جائے گی ؟ **المستفتی نمبر ۱۹۹۹** شیخ کنگی متھون (انوپ پور)
۴ رمضان ۱۳۵۶ھ ۹ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۱) اگر زید نے طلاق دیدی ہے اور طلاق نامہ لکھ دیا تھا تو طلاق ہو چکی ہے(۱) اور زید کو اب اس بیوی کو رکھنا حرام ہے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

طلاق نامہ لکھوایا اور دستخط بھی کیا' تو طلاق واقع ہو گئی

(سوال) ایک شخص لال حسین نے اپنی منکوحہ کو طلاق نامہ لکھوا کر دیا اور کاتب نے جو غیر مسلم تھا پڑھ کر سنایا تو اس نے طلاق نامہ کی زبان سے تردید کی اور کہا کہ میں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں نہیں دیں بلکہ میں شرعی طلاق دینا چاہتا ہوں حاضرین نے اس کو نصیحت کی کہ تم کسی کی طلاق نہ دو لیکن وہ کسی طرح نہ مانا تھوڑی دیر بعد اس نے اسی طلاق نامہ پر دستخط کر دیئے 'جس کے مضمون کی اس نے زبان سے تردید کی تھی اور اپنے ہاتھ سے دستخط کرنے کے بعد وہی اسٹامپ طلاق نامہ عورت کے حوالے کر دیا کچھ دنوں بعد اب وہ عورت کو اپنے گھر واپس لے آیا ہے حالانکہ طلاق نامہ جس میں تین طلاقیں مندرج تھیں اور وہ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود اچھی طرح سب مضمون طلاق جانتا تھا لہذا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کے تردیدی زبانی قول کے اوپر اعتبار کر کے طلاق رجعی قرار دی جائے گی یا اس کے بعد کے ہاتھ کے لکھے ہوئے دستخط پر اعتبار کیا جائے گا جو اس نے بطور تصدیق لکھ کر وہی طلاق نامہ عورت کے سپرد کیا۔ **المستفتی نمبر ۲۲۸۶** مولوی محمد زماں خاں صاحب (بلوچستان)
۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۵ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۲) اگر یہ شخص تعلیم یافتہ ہے اور اس نے زبان سے تردید کرنے کے بعد پھر اسی طلاق نامہ پر جس میں تین طلاقیں لکھی ہوئی تھیں اپنی خوشی سے دستخط کر دیئے اور طلاقنامہ عورت کو دے دیا تو اس

---

(۱) کتب الطلاق ان مستبینا علی نحو لوح وقع ان نوی وقیل مطلقا (درمختار) وقال فی الرد : ثم المرسومة لا تخلو اما ان ارسل الطلاق بان کتب' اما بعد فانت طالق فکما کتب هذا یقع الطلاق' وقال ایضا بعد اسطر ولو قال للکاتب اکتب طلاق امراتی کان اقرارا بالطلاق وان لم یکتب (هامش ردالمحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' مطلب فی الطلاق بالکتابة ۳/ ۲۴۶ ط سعید کراتشی)

(۲) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة و ثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا و یدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها کذافی الهدایة (الفتاوی الهندیة کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعة' فصل فیما تحل به المطلقة ومایتصل به ۱/ ۴۷۳ ط ماجدیه کوئٹه)

کی عورت پر طلاق نامہ میں لکھی ہوئی طلاقیں پڑ گئیں(۱) اور وہ زبانی بیان اور تردید جو دستخط سے پہلے کی تھی بیکار ہو گئی۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

والد نے منشی سے طلاق نامہ لکھوایا' اور دھوکہ دیکر شوہر سے دستخط کرایا' تو طلاق واقع نہیں ہوتی

(سوال) زید اور ہندہ زوجین ہیں ان میں باہمی کچھ نزاع ہوا وقت نزاع ہندہ نے زید سے کہا کہ تم مجھے طلاق دے دو زید نے ہندہ سے کہا کہ اگر تو اپنا مہر معاف کر دے تو میں تجھ کو طلاق دے دوں۔اس کے جواب میں ہندہ نے کہا کہ میں اپنا مہر تو کبھی معاف نہیں کروں گی یہ سن کر زید وہاں سے خاموش چلا گیا اور اس تذکرہ کو انہیں شرطیہ الفاظ کے ساتھ اپنے باپ سے آکر کہا۔اس کے کئی دن بعد زید کی عدم موجودگی میں اس کے باپ نے ایک منشی سے طلاق نامہ لکھوایا منشی نے زید کی جانب سے اس مضمون کا طلاق نامہ لکھا کہ میں نے اپنی زوجہ فلاں کو طلاق مغلظہ دی اور معافی مہر طلاق نامہ میں نہیں لکھی اور دو فرضی گواہوں کے نام بھی اس طلاق نامہ پر لکھ دیئے دونوں گواہ باوجود عادل نہ ہونے کے انکاری بھی ہیں بعدہ' زید کو بلا کر کہا گیا کہ تمہاری زوجہ طلاق نامہ طلب کرتی ہیں اس لئے یہ طلاق نامہ لکھ دیا گیا ہے تم اس پر اپنے دستخط کر دو چونکہ زید سوائے اپنے دستخط کرنے کے اور کچھ بھی پڑھنا لکھنا نہیں جانتا اس لئے اس نے اس منشی سے دریافت کیا کہ اس طلاق نامہ میں وہ شرط معافی مہر کی بھی لکھی ہے یا نہیں تو منشی نے کہا کہ ہاں لکھی ہے اور طلاق نامہ زید کو پڑھ کر سنا کر کہا کہ طلاق مغلظہ معافی مہر کی شرطیہ ہی کو کہتے ہیں منشی کے یقین دلانے سے زید نے اس طلاق نامہ پر اپنے دستخط کر دیئے اس کے بعد زید کا باپ زید کو مع اس طلاق نامہ کے حاکم مجاز کے پاس لے گیا حاکم مجاز کے سامنے زید نے اس طلاق نامہ کو سن کر اس کی تصدیق کی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید جو مطلق جاہل اور بالکل ناخواندہ شخص ہے لفظ مغلظہ کے معنی ہر گز نہیں جانتا اور نہ اس کو بوقت دستخط اور تصدیق کے لفظ مغلظہ کے معنی اصلی سمجھائے گئے بلکہ وہ لفظ مغلظہ سے وہی شرط معافی مہر مندرجہ بالا ہی سمجھا جیسا کہ بوقت دستخط کرانے کے اس کو منشی نے سمجھا دیئے تھے تو اس صورت میں زید کی جانب سے اس کی زوجہ ہندہ پر کوئی طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو ایک طلاق ہوئی یا تین طلاق جو حکم بموجب مسئلہ شرعیہ ہو اس سے مطلع فرمایا جائے اجر ہو گا۔

---

(۱) ولو قال للکاتب اکتب طلاق امراتي کان اقرارا بالطلاق وان لم یکتب ولو استکتب من آخر کتابا بطلاقها و قرأه علی الزوج فاخذه الزوج و ختمه و عنونه و بعث به الیها فاتاه وقع ان اقر الزوج انه کتابه او قال للرجل ابعث به الیها اوقال له اکتب نسخة او ابعث بها الیها وان لم یقرانه کتابه ولم تقم بینة لکنه وصف الامر علی وجهه لا تطلق قضاء ولا دیانة وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق مالم یقرانه کتابه (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' مطلب في الطلاق بالکتابة ۳/۲٤٦ ط سعید کراتشی)

المستفتی نمبر ۲۳۵۳ عبدالقدوس صاحب ٹونک (راجپوتانہ)
۴ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ ۳ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۳) جب کہ زید ناخواندہ ہے خود لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تو اس کی طرف سے طلاق بالکتابت اس وقت صحیح ہو سکتی ہے جب کہ اس کو لکھا ہوا مضمون صحیح طور پر سنادیا اور سمجھادیا گیا ہو اور جب اس کو طلاق نامہ سنایا گیا اور اس نے دریافت کیا کہ اس میں معافی مہر کی شرط بھی درج ہے تو اس کو غلط بتادیا گیا کہ ہاں درج ہے اور بتایا کیا لفظ مغلظ کے معنی یہی ہیں کہ طلاق بعوض معافی مہر کے ہو اور یہ سن کر اس نے دستخط کئے تو اس کی بیوی پر کوئی طلاق نہیں پڑی -(۱) کیونکہ یہ طلاق نامہ در حقیقت وہ طلاق نامہ نہیں ہے جس پر اس نے دستخط کئے تھے اس نے تو طلاق بعوض معافی مہر پر دستخط کئے ہیں اور طلاق نامہ بعوض معافی مہر کے نہیں ہے لہذا دستخط غیر معتبر ہیں دستخط تو جدا رہے اگر کوئی شخص ایسی عربی فارسی عبارت کا تلفظ بھی کر دے جس کے معنی نہ جانتا ہو تو اس تلفظ سے بھی طلاق نہیں پڑتی یعنی دیانۃً فی ما بینہ وبین اللہ طلاق واقع نہیں ہوئی- **کما لو قالت لزوجها اقرأ علی اعتدی انت طالق ثلاثا ففعل طلقت ثلا ثا فی القضاء لا فی مابینه و بین الله اذا لم یعلم الزوج ولم ینو بحر عن الخلاصه** (شامی)(۲) اور رجسٹری کرادینے سے بھی دیانۃً طلاق نہیں پڑی- **ظن انه وقع الثلاث علی امرأته بافتاء من لم یکن اهلاً للفتوٰی و کلف الحاکم کتابتها فی الصك فکتب ثم استفتیٰ ممن هو اهل للفتوٰی فافتی بانه لا تقع والتطلیقات الثلاث مکتوبة فی الصك بالظن فله ان یعود الیها دیانة ولکن لا یصدق فی الحکم اه** (شامی)(۳) یہاں صورت یہ ہے کہ اس نے اپنے خیال میں ایسے کاغذ پر دستخط اور ایسے کاغذ کی بوقت رجسٹری تصدیق کی ہے جس میں طلاق بعوض معافی مہر لکھی ہے پس ان دستخطوں اور اس تصدیق سے وہ طلاق واقع نہیں ہو سکتی ہے جو ایسی نہ ہو طلاق میں جد اور ہزل مساوی ہیں مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ خواہ معنی الفاظ سے واقف ہو یا نہ ہو طلاق پڑ جاتی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ کے معنی تو جانتا ہو مگر طلاق دینے کا ارادہ نہ ہو محض مذاق اور ٹھٹول کے طور پر تلفظ کرے تو طلاق پڑ جاتی ہے اور مغلظ کے معنی نہ جانتا کوئی مستبعد نہیں ہزاروں آدمی ایسے ہیں کہ وہ لفظ مغلظ کے معنی نہیں جانتے تو ان پر اس لفظ کے تلفظ سے طلاق واقع ہونے کا حکم نہیں دیا جا سکتا چہ جائیکہ کتابت پر دستخط کر دینا کہ یہ صورت تلفظ سے کمزور ہے-

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

---

(۱) ولو استکتب من آخر کتابا بطلاقها وقرأه علی الزوج فاخذه الزوج و ختمه و عنونه و بعث به الیها فاتا ها وقع ان اقر الزوج انه کتابه او قال للرجل ابعث به الیها او قال له اکتب نسخة و ابعث بها الیها وان لم یقر انه کتابه ولم تقم بینة لکنه وصف الامر علی وجهه لا تطلق قضاء و لا دیانة و کذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق مالم یقر ان کتابه (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' مطلب فی الطلاق بالکتابة ۳/۲۴۶ ط سعید کراتشی)

(۲) هامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۳/۲۴۱ ط سعید کراتشی

(۳) هامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۳/۲۴۲ ط سعید کراتشی

جبراً طلاق نامہ لکھوانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی بشرطیکہ منہ سے الفاظ طلاق نہ کہے ہوں

(سوال) بیوی کے چند رشتہ داروں نے جبریہ خاوند سے یہ لکھوالیا کہ مسماۃ فلاں بنت فلاں زوجہ اپنی کو اپنی لڑکی لے کر تین طلاقیں دیتا ہوں اور اپنی زوجیت سے خارج کر دیا فقط دستخط خاوند فلاں مورخہ ۲ اگست ۱۹۳۸ء۔

(نوٹ) لڑکی خاوند کو نہیں دی اور عورت کو تین ماہ کا حمل ہے معلوم یہ کرنا ہے کہ طلاق ہوئی یا نہیں خاوند سے مذکورہ بالا تحریر جبریہ لکھوائی گئی اور خاوند نے زبان سے ایک بھی لفظ نہیں کہا۔
المستفتی نمبر ۲۳۹۱ اکرام اللہ خاں (نیو دہلی) ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۸ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۴) اگر تحریر مذکور جبراً لکھوائی گئی ہے اور زبان سے طلاق نہیں دی گئی تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔(۱) تحریری طلاق اس وقت پڑتی ہے کہ خاوند اپنی مرضی سے تحریر لکھ کر دے۔ فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل ہفتم
انشاء واخبار

شوہر سے کہا گیا کہ تو کہہ کہ "ہم نے فلاں کی لڑکی کو طلاق دی" اس نے جواب میں کہا "ہم نے قبول کیا" تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) ہندہ زید کے نکاح میں دس سال سے ہے عرصہ ایک ماہ کا ہوا کہ ہندہ اپنے میکے سے پانچ آدمیوں کو اور زید کے قریب کے موضع سے چار آدمیوں کو لے کر زید کے مکان پر آئی اور ان سب لوگوں کے سامنے ہندہ نے یہ کہا کہ زید نامرد ہے مجھ کو طلاق دلوا دیجئے لوگوں نے زید سے دریافت کیا کہ تو نامرد ہے ؟ زید نے کہا کہ میں نامرد نہیں ہوں بلکہ ہندہ مجھ کو قریب نہیں جانے دیتی تب لوگوں نے کہا کہ اچھا بھائی تو چند روز اور رہ ہم لوگ تجربہ کر لیں ہندہ نے کہا کہ میں ایک ساعت نہیں رہ سکتی ہوں تب لوگوں نے زید کو ڈانٹا اور کہا کہ جب وہ نہیں رہے گی تو کیوں پریشان ہوتا ہے طلاق دے دے زید خاموش ہو گیا آخر ایک آدمی اٹھا اور کہا کہ تو کہہ کہ ہم نے فلاں کی لڑکی کو طلاق دی زید نے بوجہ دہشت کے مجبور ہو کر کہا ہم نے قبول کیا ہمارے خدا نے قبول کیا لفظ طلاق وغیرہ زبان پر کچھ نہیں لایا تب حاضرین نے کہا

---

(۱) وفی البحر - ان المراد الاکراہ علی التلفظ بالطلاق فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق لان الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ھنا' کذافی الخانیة (ھامش ردالمحتار' کتاب الطلاق ۳/ ۲۳۶ ط سعید کراتشی) وقال فی الھندیة: رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فکتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته کذافی فتاوی قاضی خان (الفتاوی الھندیة' کتاب الطلاق' الباب الثانی فی ایقاع الطلاق' الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة ۱/ ۳۷۹ ط ماجدیه کوئٹه)

کہ ایسا طریقہ طلاق دینے کا نہیں ہے بلکہ قصبہ بادشاہ پور قریب ہے بازار کے روز اہل برادری موجود ہوں گے اور عالم لوگ بھی وہاں موجود ہیں وہ لوگ جس طریقہ سے کہیں گے اس طریقہ سے طلاق دی جائے گی آخر کار تاریخ مقرر کی گئی لیکن تاریخ مقررہ پر نہ ہندہ حاضر ہوئی نہ زید اس کے بعد زید دو مرتبہ ہندہ کو لینے گیا مگر ہندہ اور وارثان ہندہ یہی کہتے ہیں کہ ہندہ کو طلاق ہو گئی اور زید کہتا ہے کہ نہ میں نے طلاق دی اور نہ دوں گا لہذا فرمایئے کہ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں ؟

(جواب ٥٥) صورت مسئولہ میں اجنبی شخص کے اس کہنے پر کہ تو کہہ کہ فلاں کی بیٹی کو ہم نے طلاق دی زید کا یہ کہنا کہ ہم نے قبول کیا ہمارے خدا نے قبول کیا موجب وقوع طلاق نہیں کیونکہ اجنبی شخص نے زید کی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے کہ زید کی اجازت سے وہ صحیح ہو جاتی بلکہ زید کو انشائے طلاق کا حکم کیا ہے زید کا یہ کہنا ہم نے قبول کیا انشائے طلاق نہیں ہے بلکہ وعدہ امتثال امر ہے(۱) پھر اگر اس نے طلاق دی ہوتی تو پڑتی اور نہیں دی تو صرف وعدہ خلافی ہوئی وقوع طلاق کی کوئی وجہ نہیں ۔واللہ اعلم

شوہر نے محض والد کے ڈر سے کاغذ لکھ دیا' جب رجسٹرار نے شوہر سے پوچھا کہ تم نے طلاق دی ہے' تو اس نے کہا ہاں دے دی ہے' تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟

(سوال) منکہ شفیق احمد خلف منشی علی احمد قوم قریشی ساکن مراد آباد محلہ مقبرہ حصہ دوئیم مکان کا ہوں جو کہ دھوکا دیکر عقد نکاح و وداع ساتھ مسماۃ نجیب النساء بنت ممتاز حسین قوم شیخ ساکن بریلی محلہ گندہ نالہ حال مراد آباد محلہ کہنہ مغل پورہ علیحدہ شدہ ریلوے مراد آباد سے جس کے مرض کنٹھ مالا ہوتا رہتا ہے رخصتی سے پیشتر تبادل کر دوسری لڑکی کو دکھلا کر کنٹھ مالا والی کو رخصت کیا عرصہ تقریباً چھ ماہ ہوا طلاق شرعی بالمواجہہ نجیب النساء حسب شرع و حسب خواہش مسماۃ بوجہ نا اتفاقی باہمی وجوہات مندرجہ بالا مسماۃ مذکورہ کو طلاق دیدی اور ادا کر دیا تین مرتبہ کہ جا میں نے طلاق دیدی تجھ کو ۔اب کوئی تعلق میرا کسی قسم کا نہ رہا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا لہذا قانوناً باب بحالت صحت نفس و ثبات عقل و درستی حواس خمسہ بخوشی خاطر طلاق نامہ لکھ دیا کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے ۔فقط

زید کے والد نے زید سے اس مضمون کا کاغذ لکھوایا جس کی نقل اوپر درج ہے زید نے باوجودیکہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا محض والد کے ڈر سے یہ کاغذ لکھ دیا والد اس کو محکمہ رجسٹری میں لے گئے اور رجسٹرار کے سامنے اس کے ہاتھ سے پیش کرایا رجسٹرار نے زید سے پوچھا کہ تم نے طلاق

---

(۱) اور وعدوں سے طلاق نہیں ہوتی بخلاف قوله طلقي نفسك فقالت انا طالق او انا اطلق نفسي لم يقع لانه وعد جوهرة' مالم يتعارف او تنو الانشاء فتح (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب تفويض الطلاق ۳/ ۳۱۹ ط سعيد كراتشي)

دیدی ہے تو زید نے کہا کہ ہاں دے ہی دی ہے دوبارہ دریافت پر جواب مذکور دیا بوجہ سماعت میں نہ آنے کے رجسٹرار کے واقعہ یہ ہے کہ کاغذ میں جو لکھا گیا ہے کہ عرصہ تقریباً چھ ماہ کا ہوا طلاق شرعی تالفظہ آئندہ کبھی ہوگا یہ بالکل غلط ہے نہ اس کے قبل کوئی طلاق دی گئی تھی اور نہ اس کاغذ کے سوا کوئی اور طلاق نامہ لکھا گیا بس یہی مضمون جس کی نقل اوپر درج ہے لکھا گیا اور اس کی رجسٹری کرائی گئی اور صرف وہ لفظ جو رجسٹرار کے جواب میں کہے گئے زبان سے ادا کئے گئے اس صورت میں زید کی بیوی پر طلاق پڑی یا نہیں ؟

(جواب ۵۶) اگر واقعہ یہ ہے جو سوال میں مذکور ہے تو طلاق کے کاغذ میں جو کچھ لکھا ہے وہ وقت تحریر سے چھ ماہ پیشتر کی ایک خبر ہے بوقت تحریر انشائے طلاق کے الفاظ نہیں ہیں اور خبر بھی حسب بیان سائل جھوٹی ہے جو دیانۃً موجب وقوع طلاق نہیں ہوئی اس لئے جہاں تک کاغذ اور اس کی تحریر کا تعلق ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ جھوٹ اور خلاف واقعہ ہے تو دیانۃً طلاق نہیں ہوئی اب اس کے بعد جب رجسٹرار نے پوچھا کہ تم نے طلاق دیدی ہے اور اس کے جواب میں زید نے کہا کہ ہاں دے ہی دی یہ سوال اور جواب بھی ماضی سے متعلق ہے رجسٹرار کے سوال میں لفظ "دیدی ہے" میں لفظ "ہے" اس کی دلیل ہے اور جواب میں لفظ "ہی" جو دیدی کے درمیان آگیا ہے وہ بھی اسی کی دلیل ہے کہ زمانہ گزشتہ میں دیدینے کا ذکر ہے اس وقت انشائے طلاق مقصود نہیں اور چونکہ یہ جواب بھی جھوٹی خبر ہے اس لئے اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اس سے طلاق نہیں ہوئی لہذا یہ کاغذ اور سوال و جواب کوئی بھی دیانۃً وقوع طلاق کا حکم دینے کے لئے کافی نہیں ہیں(۱)

محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ دہلی ۱۴ اپریل ۱۹۳۱ء

سادے اسٹامپ کاغذ پر شوہر نے دستخط کیا' اور اس کے علم کے بغیر اس کی بیوی کے لئے طلاق نامہ لکھوا کر بھیج دیا گیا' تو طلاق واقع نہیں ہوتی

(سوال) ایک شخص نے شادی کی ہے مگر چند وجوہات کی بناء پر اس نے سفید اسٹامپ کاغذ برائے طلاق خرید کیا اور اسی سادہ اسٹامپ کاغذ پر جو کہ طلاق کی نیت سے خرید اتھا دستخط کر کے اپنے رفقاء کے حوالہ کیا اور منہ سے کچھ نہ بولا اس کے بعد اس کے رفقاء نے اس کو عرضی نویس سے پر کرلیا اور اس کی غیر

(۱) ولو اکرہ علی ان یقربا لطلاق فاقر لا یقع کما لواقرھا ز لا او کاذبا کذا فی الخانیۃ من الاکراہ ومرادہ بعدم الوقوع فی المشبہ بہ عدمہ دیانۃ لما فی فتح القدیر ولو اقربا لطلاق وھو کاذب وقع فی القضاء و صرح فی البزازیۃ بان لہ فی الدیانۃ (مساکھا اذا قال اردت بہ الخبر عن الماضی کذبا وان لم یرد بہ الخبر عن الماضی او ا رادبہ الکذب او لھزل وقع قضاء و دیانۃ (البحر الرائق' کتاب الطلاق ۳/۲۶۴ ط دار المعرفۃ بیروت) وقال فی الرد ولو اقر بالطلاق کاذبا اوھاز لا وقع قضاء و لا دیانۃ (ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۳/۲۳۶ ط سعید کراتشی)

موجودگی میں اس کاغذ پر گواہوں کی شہادتیں وغیرہ تحریر کرائی گئیں اس کے بعد ان رفقاء نے یہ اسٹامپ اس کی بیوی کو بھیج دیا اور شخص مذکور کو یہ تحریر مذکور نہ سنائی گئی اور نہ ہی اس کے روبرو وہ تحریر لکھی گئی اور نہ اس نے پڑھی نہ اس نے منہ سے کچھ کہا تھا جب وہ طلاق نامہ اس کی بیوی کو ملا تو چند آدمیوں نے شخص مذکور سے پوچھا کہ کیا تو نے طلاق دیدی ہے تو وہ "ہاں" میں جواب دیتا رہا یعنی کہ اس نے طلاق دیدی ہے مگر اس اسٹامپ پیپر کی رو سے جواب دیا گیا کوئی نئی طلاق کی نیت نہیں تھی آیا اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں اور ہو گئی تو ایک یا تین ؟

المستفتی نمبر ۲۹۱ محمد حسین صاحب (گوجرانوالہ) ۸ صفر ۱۳۵۳ھ ۲۳ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۵۷) سادہ اسٹامپ کاغذ پر دستخط کرنے سے کوئی طلاق نہیں پڑی اگرچہ دستخط کرنے کے بعد لوگوں نے اس پر طلاق لکھوالی (۱) ہاں لوگوں کے سوالات کے جواب میں اس کے یہ کہنے سے کہ طلاق دیدی ہے اقرار طلاق ثابت ہوتا ہے اور اس اقرار سے اگرچہ متعدد بار کیا گیا ہو ایک ہی طلاق ثابت ہو گی (۲) بشرطیکہ سوال میں کسی خاص قسم کی طلاق (مثلاً بائن یا مغلظہ) کا ذکر نہ ہو محض یہ دریافت کیا گیا ہو کہ کیا تم نے طلاق دیدی ہے ؟ یہ اقرار اگرچہ اس خیال پر کیا گیا ہو کہ اسٹامپ میں طلاق لکھی گئی ہے جب بھی یہ حکم بالطلاق کے لئے کافی ہے بہر حال اگر طلاق مغلظہ کا اقرار نہیں ہوا ہے تو یہ شخص اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے (۳)

محمد کفایت اللہ

جب تک طلاق کا تلفظ زبان سے نہیں کیا' محض خیال پیدا ہونے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

(سوال) ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہے اس کی عمر اس وقت سترہ سال کی ہے لیکن اس نے طلاق کسی کے سامنے نہیں دی اور نہ بیوی کو مکمل یقین ہوتا ہے کہ واقعی مکمل طلاق دی جا چکی ہے مگر اس نے اپنے دل میں مکمل ارادہ کر لیا ہے کہ طلاق دی جا چکی ہے اور بعد ازاں جو کوئی بھی اس سے پوچھتا ہے

---

(۱) وان لم یقرانہ کتابہ ولم تقم بینة لکنہ وصف الامر علی وجہہ لا تطلق قضاء ولا دیانة' وکذا کل کتاب لم یکتبہ بخطہ ولم یملہ بنفسہ لا یقع الطلاق مالم یقرانہ کتابہ (ہامش رد المحتار' کتاب الطلاق' مطلب فی الطلاق بالکتابة ۲۴۷/۳ ط سعید کراتشی)

(۲) ولو اقربا لطلاق کاذبا اوھاز لا وقع قضاء لا دیانة (ہامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۲۳۶/۳ ط سعید)
وقال فی البحر : و مرادہ بعدم الوقوع فی المشبہ بہ عدمہ دیانة لما فی فتح القدیر ولو اقربا لطلاق وھو کاذب وقع فی القضاء و صرح فی البزازیة بان لہ فی الدیانة امساکہا اذا قال اردت بہ الخبر عن الماضی کذبا وان لم یرد بہ الخبر عن الماضی او اراد الکذب او الھزل وقع قضاء و دیانة (البحر الرائق کتاب الطلاق ۳ : ۲۶۴ ط دار المعرفة بیروت)

(۳) اذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فلہ ان یتزوجہا فی العدة و بعد انقضائہا - (الفتاوی الھندیة' کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعة' فصل فیما تحل بہ المطلقة وما یتصل بہ ۴۷۳/۱ ط ماجدیہ کوئٹہ)

اسے یہی جواب دیتا ہے کہ طلاق دی جاچکی ہے مہر ادا کیا نہیں ہے عرصہ تین سال کے بعد وہ عورت اس کے گھر آجاتی ہے اور وہ پھر اس سے مباشرت کر بیٹھتا ہے اور اس کے مکمل ایک سال بعد یعنی بارہ ماہ بعد اسکے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوتی ہے جو کہ بہت گوری چٹی ہوتی ہے حالانکہ ان دونوں افراد میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے اس اثناء میں جب کہ اسے طلاق دینے کا وقت تھا وہ خاوند کا گھر چھوڑ کر اپنے گھر چلی جاتی ہے میلے وغیرہ جو کہ دیہات کے ہوتے ہیں خوب حصہ لیتی ہے اور بارہا اسے منع کیا گیا منع نہیں ہوئی اس کی عمر تقریباً بیس سال ہے زیادہ فاحشہ نہیں معلوم دیتی واللہ اعلم طلاق کسی خاص طریقہ سے نہیں دی جاتی ہے محض دلی مصمم ارادہ ہوتا ہے اور جب کبھی دل سے آواز آتی ہے طلاق کی ہی آتی ہے اللہ کے خوف سے رجوع ہونا چاہتا ہے ورنہ طبعیت قطعی نہیں چاہتی کیا طلاق ہو چکی حالانکہ ایک دو تین جس طرح طلاق کا طریقہ ہے نہیں دی گئی اور ویسے جب کسی نے پوچھا اس نے طلاق کہا۔

المستفتی نمبر ۱۸۱۷ ادین محمد کلرک سینٹرل کوآپریٹو بینک

۱۵ رجب ۱۳۵۶ھ ۲۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۸) طلاق محض دل کے ارادے سے نہیں ہوتی زبان سے طلاق کے الفاظ ادا کئے جائیں تو طلاق پڑتی ہے پس اگر شخص مذکور نے زبان سے طلاق نہیں دی ہے تو طلاق نہیں ہوئی(۱) اور لوگوں کے سامنے یہ اقرار کرنا کہ طلاق ہو چکی ہے دیانۃً وقوع طلاق کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ یہ اقرار خلاف واقع ہے اور اس صورت میں بچہ انہیں زوجین کا بچہ قرار پائے گا رنگ کے اختلاف کا کوئی اثر نہیں ہے پس اس صورت میں کہ طلاق زبان سے نہیں دی گئی ہو میاں بیوی میں اخبار یا اقرار خلاف واقع سے طلاق نہیں ہوئی ہے یہ حکم فیمابینہ وبین اللہ ہے قاضی اقرار پر طلاق کا حکم کر دیتا ہے۔(۲) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

بیوی کو طلاقن کہہ کر خطاب کرنے سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں ؟

(سوال) ہم پنچان یعنی شیخ حافظ عبد الحیٔ صاحب و شیخ خادم حسین صاحب و شیخ نھو صاحب و شیخ عبد العزیز صاحب ساکنان شہر الہ آباد و معتبر بخش چودھری صاحب بائیس کراری و منگو صاحب ساکن جیتھاپور و شیخ

---

(۱) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ عزو جل تجاوز لامتی عما حدثت بہ انفسھا مالم تعمل او تتکلم بہ " (رواہ مسلم فی صحیحہ کتاب الایمان' باب تجاوز اللہ تعالیٰ عن حدیث النفس ۱/ ۷۸ ط مکتبہ قدیمی کراتشی) وقال فی الرد (قولہ ورکنہ لفظ مخصوص) ھو ما جعل دلالۃ علی معنی الطلاق من صریح او کنایۃ – واراداللفظ ولو حکما لیدخل الکتابۃ المستبینۃ واشارۃ الاخرس – وبہ ظھران من تشاجر مع زوجتہ واعطاھا ثلاثۃ احجار ینوی الطلاق ولم یذکر لفظا لا صریحا ولا کنایۃ لا یقع علیہ کما افتی بہ الخیر الرملی وغیرہ (ھامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق ۳/ ۲۳۰ ط سعید کراتشی)

(۲) ولو اقربا لطلاق کاذبا او ھازلا وقع قضاء لا دیانۃ (ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۳/ ۲۳۶ ط سعید کراتشی)

گجو صاحب و شیخ بابو صاحب و شیخ عید و صاحب و شیخ مولا بخش صاحب و شیخ رمضان علی صاحب و شیخ الہ دین صاحب ساکنان کشبا و معتبر بخش صاحب ساکن چوراد یہہ و شیخ ولی محمد صاحب کراری کے روبرو زید کا اپنی زوجہ کے طلاق دینے کا معاملہ پیش ہوا تو پنچان نے زید اور اس کی زوجہ کا بیان حلفی لیا۔

(۱) بیان زید کی زوجہ کا۔ میں اپنے حلف و ایمان سے کہتی ہوں کہ یہ مجھ کو بغرض بلانے کے آئے اور مجھ سے کہا میں نے بوجہ اپنی ماں اور بھائی کی علالت کے جانے سے انکار کیا اس پر انہوں نے میری ماں کے روبرو مجھ کو طلاق ثلاثہ دیا بوقفہ ایک ایک کر کے اور ایک طمانچہ مار کر کہا کہ اب جاتا ہوں کبھی نہ لے جاؤں گا اور تیرے ہاتھ کا کھانا کھاؤں تو سؤر کھاؤں۔

(۲) بیان زید۔ اپنے حلف و ایمان سے کہتا ہوں کہ میرے اور میری زوجہ کے درمیان میں بحث ضرور ہوئی مگر میں نے طلاق نہیں دیا۔ طالقن ضرور کہا۔

(۳) شہادت بیان زوجہ کی ماں کا۔ میں اپنے حلف و ایمان سے کہتی ہوں کہ میرے روبرو زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دیا ان دونوں کے بیان و شہادت کے گوش گزار ہونے پر پنچان غور کر رہے تھے کہ زید کی ماں بھی ساتھ زید کے آئی تھی پنچان سے عرض کیا کہ میں کہتی ہوں کہ میرا لڑکا ہی جھوٹا ہے اور بیوی بچی ہے پنچان ان کی غلطیوں کو معاف کر دیں اگر پھر ان کے درمیان کوئی شکایت واقع ہوئی تو میں خود آکر طلاق دلوا دوں گی لہذا آپ کی خدمت بابرکت میں التماس ہے کہ اس معاملہ میں شرعاً طلاق ہوا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۶۰۴ کریم بخش صاحب (الہ آباد)

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ م ۲۱ مئی ۱۹۴۰ء

(جواب ۵۹) اس سوال میں زید کا جو بیان لکھا ہے اور پنچوں کے دستخط ثبت ہیں اس میں زید کا اقرار موجود ہے کہ میں نے ہندہ کو طالقن ضرور کہا اس اقرار سے ثابت ہو گیا کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دی اسی لئے اس کو طالقن (یعنی طلاق دی ہوئی عورت) کہا ہے پس یہ اقرار حکم وقوع طلاق کے لئے کافی ہے (۱)

اگرچہ اس لفظ سے طلاق رجعی ثابت ہوتی ہے لیکن اس کے بعد مدت عدت میں رجوع نہ کیا تو یہی طلاق بائن ہو گئی (۲) اب اگر ہندہ زید کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے پر راضی ہو تو زید کے ساتھ نکاح

---

(۱) ولو اقربا بالطلاق كاذبا اوهازلا وقع قضاء لا ديانة (هامش رد المحتار كتاب الطلاق ۳/۲۳۶ ط سعيد كراتشي)

(۲) فاذا انقضت العدة ولم يراجعها بانت منه (فقه السنة' كتاب الطلاق' حكم الطلاق الرجعي ۲/۲۷٤ ط دار الكتاب العربي بيروت لبنان) وقال في الهندية و تنقطع الرجعة ان حكم بخروجها من الحيضة الثالثة ان كانت حرة (الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس في الرجعة ۱/٤٧١ ط ماجديه كوئته) وكذا في التنوير و تنقطع الرجعة اذا طهرت من الحيض الاخير يعم الامة لعشرة ايام مطلقا و ان لم تغتسل (تنوير الابصار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الرجعة ۳/٤۰۳ ط سعيد كراتشي)

ہو سکے گا،(۱) اور راضی نہ ہو تو وہ خود مختار ہے جس شخص سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شوہر نے اپنی والدہ سے کہا" اگر تم فلاں کام نہ کرو' تو میں اپنی زوجہ کو تین طلاق دے دوں گا' تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) زید نے حالت اشتعال میں اپنی والدہ سے کہا کہ "اگر تم فلاں کام نہ کرو تو میں اپنی زوجہ کو تین طلاق دے دوں گا" اس کی والدہ نے جب امر مذکورہ پر عمل نہ کیا تو زید نے انتہائی غضب کی حالت میں یہ سمجھتے ہوئے کہ میری شرط پوری نہیں ہوئی لہذا شرط کے مطابق اس پر طلاق پڑ گئی ہے اپنی زوجہ سے کہا کہ "تم پر تین طلاقیں پڑ گئی ہیں اور تم مجھ پر حرام ہو گئی ہو۔" اسکے بعد زید کی والدہ نے زید کی شرط کے مطابق مطلوبہ کام کر دیا کیا زید کی زوجہ مطلقہ قرار دی جا سکتی ہے ؟ اس واقعہ سے آٹھ روز پہلے زید کے دماغ پر ایک ضرب بھی لگی تھی جس کا اثر اس کے دماغ پر موجود تھا۔

المستفتی نمبر ۲۷۵۹ حافظ محمد شفیع خواجہ سیٹھی محلہ خواجگان شہر بھیرہ ضلع شاہپور

۹ صفر ۱۳۶۲ھ م ۱۵ فروری ۱۹۴۳ء

(جواب ٦٠) زید کے دماغ پر چوٹ کا اثر ہو یا وہ صحیح الدماغ ہو دونوں صورتوں میں اس کی بیوی مطلقہ نہیں ہوئی کیونکہ تعلیق میں اس نے لفظ "دیدوں گا" استعمال کیا ہے جس کا اثر یہ نہیں ہے کہ شرط پوری ہونے پر خود طلاق پڑ جائے اور بعد میں اس نے یہ خبر دی ہے کہ "تم پر تین طلاقیں پڑ گئی ہیں اور تم مجھ پر حرام ہو گئی ہو" اور خبر سے کوئی طلاق نہیں پڑتی بلکہ انشاء سے پڑتی ہے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

میں اس کو طلاق دیتا ہوں کہنے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟

(سوال) زید بحالت غصہ دو شخصوں کو بلا کر اپنے مکان پر لے گیا اور اپنے چھوٹے بھائی سے یہ کہا کہ جاؤ والد صاحب کو بلاؤ جس وقت زید کے والد آئے تو اس نے اپنے والد سے کہا کہ میں اس کو طلاق دیتا ہوں

---

(۱) وان کان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان یتزوجها فی العدة و بعد انقضائها (الهندیة' کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعة' فصل فیما تحل به المطلقة و مایتصل به ۱/۴۷۲ ط ماجدیه کوئٹه)

(۲) اذا مکن جعله اخبار اعن الاول – فلا یقع لانه اخبار فلا ضرورة فی جعله انشاء بخلاف ابنتك باخری – لتعذر حمله علی الاخبار فیجعل انشاء (الدر المختار مع هامش رد المحتار کتاب الطلاق' باب الکنایات ۳/۳۰۹ ط سعید کراتشی) وقال فی الرد' ومقتضاه ان یقع به هنا لانه انشاء لا اخبار کذافی الفتح ملخصا ' وقال فی النهر وقید المسئلة فی المعراج بما اذا لم ینو انشاء الطلاق فان نوی وقع (هامش رد المحتار کتاب الطلاق باب تفویض الطلاق ۳/۳۱۹ ط سعید کراتشی)

کیونکہ یہ منہ زور ہے زید کے والد نے غصہ ہو کر کہا کہ اس طرح سے طلاق نہیں ہوتی ہے اور زید نے گواہوں سے یہ کہا کہ میں اس کو طلاق دیتا ہوں ایک طلاق دو طلاق تین طلاق اور پانچ سات منٹ کے بعد زید نے مکان کے اندر سے کچھ سامان نکال کر مسماۃ کو دیا اور کہا کہ اس مکان سے چلی جاؤ لیکن مسماۃ مکان چھوڑ کر نہیں گئی اور اب تک اسی مکان میں ہے۔

المستفتی ظہور الدین ولد جمال الدین مستری ساکن ریاست اندور - ۱۵ صفر ۱۳۵۰ھ

(جواب ۶۱) اگر زید اقرار کرے کہ اس نے لفظ "دیتا ہوں" اس نیت سے کہا تھا کہ میں نے طلاق دی تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظ پڑ گئی(۱) لیکن اگر وہ کہے کہ "طلاق دیتا ہوں" سے مراد یہ تھی کہ طلاق دینے کا ارادہ تھا تو طلاق نہ ہوگی۔(۲) فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرسہ امینیہ' دہلی

شوہر نے ایک دو تین طلاق کہا تو کیا حکم ہے؟

(سوال) زید جب اپنے گھر آیا تو دیکھا کہ زید کا باپ زید کی زوجہ کو برا بھلا کہہ رہا ہے اچانک زید کی زبان سے "ایک دو تین طلاق دیے" نکل گیا فقط اتنا ہی بولا بدون اضافت اور خطاب کے نہ زوجہ کو دیکھا ہے نہ زوجہ کی طرف خطاب کیا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۱۲۷ مولوی حمد اللہ (ضلع نواکھالی)

۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ۱۵ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۶۲) اگر لفظ "دیے" خبر کا لفظ ہے انشاء کی جگہ استعمال نہیں ہوتا اور لفظ "دیلم" انشاء کی جگہ استعمال ہوتا ہے تو لفظ "دیے" کہنے سے اس وقت طلاق نہیں پڑتی مگر اقرار بالطلاق ثابت ہوتا ہے اور یہ اقرار کاذب ہوگا کیونکہ پہلے طلاق دی نہیں ہے اور اقرار کاذبا سے عند اللہ طلاق نہیں پڑتی لیکن قضاءً اس کا قول مانا نہیں جائے گا اور قاضی تفریق کا حکم کردے گا۔ لو اراد به الخبر عن الماضی کذباً لا یقع دیانةً (انتھٰی شامی)(۳) وفی موضع اٰخر ولو اقر بالطلاق کاذبا او ھازلا وقع قضاءً لادیانةً

---

(۱) صورت مسئولہ میں زید نے جو جملہ کہا کہ "میں اس کو طلاق دیتا ہوں" یہ حال کے صیغہ ہے' اور صیغہ حال سے طلاق واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ رد المحتار میں ہے: لان المضارع حقیقة فی الحال مجاز الا ستقبال کما هو احد المذاهب و قیل بالقلب وقیل مشترك بینهما و علی الاشتراك یرجع هنا ارادة الحال بقرینة کونها اخبارا عن امر قائم فی الحال (هامش رد المحتار کتاب الطلاق باب تفویض الطلاق ۳/ ۳۱۹ سعید کراتشی)

(۲) لما فی الدر المختار : بخلاف قوله طلقی نفسك فقالت انا طالق او انا اطلق نفسی لم یقع لانه وعد جوهرة' مالم یتعارف او تنو الانشاء فتح (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب تفویض الطلاق' ۳/۳۱۹ ط سعید کراتشی) اگر زید یہ کہتا کہ "طلاق دوں گا" تو وہ صریح استقبال ہے اور وعدہ ہے' اور وعدوں سے طلاق نہیں ہوتی لیکن صورت مذکورہ میں اس نے "دیتا ہوں" کہا ہے جو بظاہر حال ہے اور صیغہ حال سے طلاق واقع ہوتی ہے جیسا کہ شامیہ ص ۳۱۹ ج ۳ میں مذکور ہے لان المضارع حقیقة فی الحال الخ اگرچہ اس صیغہ میں یہ احتمال ہے کہ آئندہ دیدوں گا مگر یہ احتمال خلاف ظاہر ہے' اسی احتمال کی بناء پر حضرت مفتی اعظمؒ نے یہ کہا ہے کہ اگر وہ کہے کہ "طلاق دیتا ہوں" سے مراد یہ تھی کہ طلاق دینے کا ارادہ تھا تو طلاق نہ ہوگی' البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ "دیتا ہوں" کو حال کے معنی میں لے کر وقوع طلاق کا حکم دیا جائے فقط

(۳) هامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۳/۲۳۸ ط سعید کراتشی

(انتہٰی - شامی ص ۴۸۶ جلد ۲)(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فصل ہشتم
مطلقہ کا حق میراث

مرض الموت میں شوہر نے طلاق دیدی، تو بیوی کو میراث ملے گی یا نہیں ؟

(سوال) زید نے اپنے مرض الموت (دق و سل) میں نکاح کیا اور تین ماہ بعد اس نے اپنی منکوحہ کو تحریری طلاق اپنے مرنے کے ۲۴ گھنٹے قبل دی جو کہ زوجہ تک نہ پہنچی دریافت طلب امر یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟ اور زوجہ مطلقہ کو ترکہ ملے گا یا نہیں ؟

(جواب ۶۳) اگر زوجین کے درمیان وطی یا خلوت کا اتفاق ہو چکا ہے تو بیوی کو حصہ میراث ملے گا کیونکہ خاوند کا انتقال عدت کے اندر ہو گیا (۲) لیکن اگر وطی یا خلوت کی نوبت نہیں آئی تھی تو عورت کو میراث نہ ملے گی (۳) یہ حکم اس وقت ہے کہ زوج نے تحریری طلاق اپنی خوشی سے بغیر جبر واکراہ بطور تنجیز کے دی ہو یعنی وقوع طلاق، عورت تک خبر طلاق یا تحریر پہنچنے پر معلق نہ ہو (۴) اور تحریر کے

---

(۱) ہامش رد المحتار، کتاب الطلاق ۳/ ۲۳۶ ط سعید کراتشی

(۲) رجل طلق امرأته رجعیا و هی فی العدة ورثت کان الطلاق فی الصحة او فی المرض (الفتاوی الخانیة علی ہامش الهندیة کتاب الطلاق باب العدة فصل فی المعتدة التی ترث ۱/ ۵۵۵ ط ماجدیه کوئٹه) وقال فی الهندیة : قال الخجندی الرجل اذا طلق امرأته طلاقا رجعیا فی حال الصحة او فی حال مرضه برضاها او بغیر رضاها ثم مات وهی فی العدة فانهما یتوار ثان بالا جماع (الفتاوی الهندیة، کتاب الطلاق، الباب الخامس فی طلاق المریض ۱/ ۴٦۲ ط ماجدیه کوئٹه)

(۳) اسلامی شریعت کا قانون یہ ہے کہ جس عورت کو اس کے شوہر نے جماع یا خلوت صحیح سے پہلے طلاق دیدی ہے تو ایسی عورت غیر المدخول بہا ہے اور غیر المدخول بہا عورت پر عدت گزارنا لازم وضروری نہیں ہے، وہ آزاد ہے شوہر سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا، وہ فوراً دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے اور جب اس عورت کا شوہر سے کوئی تعلق نہیں رہا اور اس پر عدت گزارنا لازم وضروری نہیں تو وہ شوہر کی وارث بھی نہیں بنے گی کما قال اللہ تبارك و تعالی : یا ایها الذین آمنو اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لکم علیهن من عدة تعتدو نها (سورة الاحزاب، رقم الایة ۴۹)

(۴) کتب الطلاق ان مستبینا علی نحو لوح وقع ان نوی و قیل مطلقا ولو علی نحو الماء فلا مطلقا ولو کتب علی وجه الرسالة والخطاب کان یکتب یا فلا نة اذا اتاك کتابی هذا فانت طالق طلقت بوصول الکتاب جوهرة (درمختار) وقال فی الرد : ثم المرسومة لاتخلوا ما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد، فانت طالق فکما کتب هذا یقع الطلاق و تلزمه العدة من وقت الکتابة وان علق طلاقها بمجیء الکتاب بان کتب اذا جاءك کتابی فانت طالق فجاء ها الکتاب فقرأته او لم تقرأ یقع الطلاق کذا فی الخلاصة (ہامش رد المحتار مع الدرالمختار، کتاب الطلاق مطلب فی الطلاق بالکتابة ۳/ ۲۴٦ ط سعید کراتشی)

وقت اس کے ہوش وحواس بھی درست ہوں(۱)

فصل نہم
حاملہ کی طلاق

حالت حمل میں بیوی پر طلاق واقع ہو جاتی ہے

(سوال) زید نے اپنی عورت کو لڑائی جھگڑے اور غصہ کی حالت میں طلاق دیدی اس کے بعد پھر رجوع کر لیا زید کہتا ہے کہ عورت پر بحالت حمل طلاق نہیں پڑتی میں نے تو تنبیہاً ایسا کیا تھا-

(جواب ٦٤) طلاق تو حاملہ پر بھی پڑ جاتی ہے(۲)اور بہر صورت خواہ مذاقاً تنبیہاً یا ایقاعاً کہی جائے واقع ہو جاتی ہے پس اگر شخص مذکور نے ایسی طلاق دی تھی جس میں رجعت ہو سکتی ہے تو اس کا رجوع کرنا صحیح ہے(۳)اور اگر طلاق بائن یا مغلظہ دی تھی تو رجوع کرنا ناجائز اور حرام ہے بائن میں نکاح جدید کر کے رجوع ہو سکتا ہے(۴)اور مغلظہ میں بدون حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا(۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حالت حمل میں طلاق دینے کے بعد بیوی کا نان نفقہ اور بچوں کی پرورش کا حکم

(سوال) ایام حمل میں زوجہ پر طلاق ہو سکتی ہے یا نہیں ؟اگر ہو سکتی ہے تو نان نفقہ ایام حمل کا دینا ہو گا یا نہیں بصورت طلاق کس عمر تک کے لڑکے اور کس عمر تک کی لڑکیاں خاوند کو ملیں گی اور کس عمر تک کی زوجہ کو ملیں گی ؟ **المستفتی** نمبر ۸۸ عبدالقادر خاں- موری دروازہ دہلی

۷ رجب ۱۳۵۲ھ م ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ٦٥) ایام حمل میں بھی طلاق واقع ہو سکتی ہے(۶)حاملہ کی عدت وضع حمل ہے

---

(۱)لا یقع طلاق المولی علی امرأۃ عبدہ والمجنون والصبی والمعتوہ والمبرسم (الدر المختار مع ھامش رد المحتار کتاب الطلاق ۳/ ۲۴۳ ط سعید کراتشی)

(۲) و طلاق الحامل یجوز عقیب الجماع (الھدایۃ کتاب الطلاق باب طلاق السنۃ ۲/ ۳۵٦ ط شرکۃ علمیہ ملتان)

(۳) واذا طلق الرجل امرأتہ تطلیقۃ رجعیۃ او تطلیقتین فلہ ان یراجعھا فی عدتھا (الھدایۃ کتاب الطلاق باب الرجعۃ ۲/ ۳۹٤)

(٤) اذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فلہ ان یتزوجھا فی العدۃ و بعد انقضائھا (الفتاوی الھندیۃ کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعۃ' فصل فی ما تحل بہ المطلقۃ وما یتصل بہ ۱/ ٤۷۳ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۵) لا ینکح مطلقۃ من نکاح صحیح نافذ -- بھا ای بالثلاث لوحرۃ و ثنتین لوامۃ حتی یطأ ھا غیرہ ولو مرا ھقا یجامع مثلہ بنکاح (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الرجعۃ ۳/ ٤۰۹ ط سعید کراتشی)

(٦) وطلاق الحامل یجوز عقیب الجماع (الھدایۃ کتاب الطلاق باب طلاق السنۃ ۲/ ۳۵٦ ط شرکۃ علمیہ ملتان)

(۱) وضع حمل تک کا نفقہ بھی دینا ہوگا(۲) جدائی ہو جانے کے بعد سات سال یا اس سے زیادہ عمر کے لڑکے اور بالغہ لڑکیاں والد لے سکتا ہے(۳) اور سات سال سے کم عمر کے لڑکے اور نابالغہ لڑکیاں والدہ کی پرورش میں رہیں گی(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

حمل کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) ایک شخص نے اپنی عورت کو حمل کی صورت میں طلاق دیدی ہے تو یہ طلاق ہو گئی یا نہیں اور اب وہ عورت میکے میں بیٹھی ہے اور بعد وضع حمل تین برس سے میکے میں ہے اور مرد پر کیا کفارہ ہے اور طلاق ہو گئی ہے تو بغیر حلالہ کے نکاح پڑھا سکتے ہیں ؟

---

(۱) قال اللہ تعالی واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (الطلاق : ٤) وقال فی الھندیة وعدة الحامل ان تضع حملھا کذافی الکافی سواء کانت حاملا وقت وجوب العدة او حبلت بعد الوجوب کذا فی فتاوی قاضی خان (الفتاوی الھندیة' کتاب الطلاق' الباب الثالث عشر فی العدة ۱/ ۵۲۸ ط ماجدیه کوئٹه)

(۲) قال اللہ تعالی وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن (الطلاق : ٦) وقال فی الھندیة والمعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسکنی کان الطلاق رجعیا او بائنا او ثلاثا حاملا کانت المرأة او لم تکن کذافی فتاوی قاضی خان (الھندیة کتاب الطلاق الباب السابع عشر فی النفقات' الفصل الثالث فی نفقة المعتدة ۱/ ۵۵۷ ماجدیه کوئٹه)

(۳) والام والجدة احق بالغلام حتی یاکل – و فی الجامع الصغیر حتی یستغنی فیاکل وحده و یشرب وحده – والخصاف قدر الاستغناء بسبع سنین اعتبار اللغالب (الھدایة کتاب الطلاق باب حضانة الولد ومن احق به ۲/ ٤۳۵ ط شرکة علمیه ملتان) وقال فی الدر : والحاضنة اما او غیر ھا احق به ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع و به یفتی لانه الغالب (الدر المختار) وقال فی الرد : (قوله قدر بسبع) ھو قریب من الاول بل عینه لانه حینئذٍ یستنجی وحده ألا تری إلی ما یروی عنه صلی اللہ علیه وسلم انه قال : "مروا صبیانکم اذابلغوا سبعا " والا مر بما لا یکون إلا بعدالقدرة علی الطھارة (ھامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/ ۵٦٦ ط سعید کراتشی)

(٤) والام والجدة احق بالجاریة حتی تحیض لان بعدالا ستغناء تحتاج إلی معرفة آداب النساء والمرأة علی ذلك اقدرو بعد البلوغ تحتاج إلی التحصین والحفظ والا ب فیه اقوی (الھدایة کتاب الطلاق باب حضانة الولد ومن احق به ۲/ ٤۳۵ ط شرکة علمیه ملتان) وقال فی الدر : والام والجدة احق بھا بالصغیرة حتی تحیض ای تبلغ فی ظاھر الروایة (الدر المختارمع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق باب الحضانة ۳/ ۵٦٦ ط سعید کراتشی) حضرت مفتی اعظمؒ نے ظاہر الروایۃ کے مطابق یہ کہا ہے کہ نابالغ لڑکیاں بلوغ تک والدہ کی پرورش میں رہیں گی جیسا کہ ھدایہ اور در مختار کی عبارات سے واضح ہے لیکن مفتی بہ قول یہ ہے کہ بچی کی عمر نو سال ہونے تک ان کی پرورش کا حق والدہ کو حاصل ہے اور اس کے بعد بچی کو اس کا والد لے سکے گا کما قال فی الدر : وغیرھما احق بھا حتی تشتھی وقدر بتسع وبه یفتی و بنت احدی عشرة مشتھاة اتفاقا زیلعی و عن محمد ان الحکم فی الام والجدة کذلك و به یفتی لکثرة الفساد (درمختار) و قال فی الرد : (قوله وبه یفتی) قال فی البحر بعد نقل تصحیحه والحاصل ان الفتوی علی خلاف ظاھر الروایة (ھامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/ ۵٦۷ ط سعید کراتشی)

المستفتی نمبر ۱۸۲۹ شاہ محمد صاحب' موضع پسرام پور- ضلع اعظم گڑھ
۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٦٦) حمل کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے(۱) جس قسم کی ہو گی وہی پڑے گی اگر تین طلاقیں دی ہیں تو بغیر حلالہ کے نکاح نہیں ہو سکتا (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل دہم
طلاق کے متعلق عورت کا اخبار

بیوی طلاق اور عدت گزارنے کا دعوی کرتی ہے' تو کیا وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) ایک عورت نے یہ دعوی کیا کہ مجھے میرے خاوند نے طلاق دیدی ہے اور میری عدت بھی گزر چکی ہے اور میں اب نکاح کرنا چاہتی ہوں چند آدمیوں نے اس کو قسم دی اس نے قسم بھی کھالی اس بناء پر ایک شخص نے اس سے نکاح کر لیا بعد ایک ماہ کے اس کا پہلا خاوند ظاہر ہو گیا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ نکاح خواں اور گواہان اور دیگر حاضرین مجلس پر شرعاً کوئی تعزیر ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(جواب ٦٧) صورت مسئولہ میں جس شخص نے اس عورت سے نکاح کیا ہے خود اس پر اور دیگر حاضرین کسی پر گناہ نہیں ہاں جب کہ اس کا خاوند ظاہر ہو گیا تو یہ اسکا نکاح باطل ہو گیا (۳) لو قالت امرأة لرجل طلقنی زوجی وانقضت عدتی لا بأس ان ینکحها (درمختار) (٤)

تین طلاق کے بعد شوہر کا انتقال ہو گیا' اور بیوی تین طلاق کا انکار کرتی ہے' تو کیا کیا جائے گا؟

(سوال) عرصہ ہوا کہ زید نے اپنی منکوحہ کو بحالت صحت نفس وثبات عقل وہوش بحالت غصہ تین

---

(۱) و طلاق الحامل یجوز عقیب الجماع (الهدایة کتاب الطلاق' باب طلاق السنة ۲/ ۳۵٦ ط مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۲) قال الله تعالیٰ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره (البقرة ۲۳۰) عن عائشة ان رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی ﷺ أتحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول (رواه البخاری فی الجامع الصحیح' کتاب الطلاق' باب من اجاز الطلاق الثلاث ۲ / ۷۹۱ ط قدیمی کراتشی) وقال فی الهندیة وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة و ثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا و یدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها کذا فی الهدایة الفتاویٰ الهندیة' کتاب الطلاق الباب السادس فی الرجعة فصل فیما تحل به المطلقة و ما یتصل به ۱/ ٤۷۳ ماجدیه کوئٹه)

(۳) (قوله فان ظهر قبله) قال ثم بعد رقمه رأیت المرحوم ابا سعود نقله عن الشیخ شاهین و نقل ان زوجة له والاولاد للثانی (هامش رد المحتار کتاب المفقود ٤/ ۲۹۷ ط، سعید کراتشی)

(٤) الدر المختار هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدة ۳/ ۵۲۹ ط سعید کراتشی-

طلاق ایک مجلس میں دی تھیں اس کے گواہ زید کا بڑا بھائی بھتیجی بڑے بھائی کا داماد اور بہت سے رشتہ دار اور عورتیں ہیں اور تمام قصبہ میں اس کی شہرت ہے اب زید کے انتقال کے بعد منکوحہ مطلقہ زید اپنی کسی غرض سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ زید نے مجھ کو طلاق نہیں دی صورت بالا میں اگر طلاق واقع ہو گئی تو عدت طلاق کا نان نفقہ شوہر پر واجب ہے یا نہیں ؟

(۲) شخص مذکور نے طلاق دینے اور عدت گزرنے کے بعد اگر یہ طریق عمل اختیار کیا ہو کہ مطلقہ سے تعلقات زوجیت تو منقطع کر دیئے اور کوئی واسطہ نہ رکھا لیکن مطلقہ کی امداد اور کچھ اپنی سہولت کے پیش نظر ضروری مصارف کا متکفل ہو گیا اس کو مکان میں رکھا اس سے اپنا کھانا پکواتا رہا۔اس سے طلاق پر کوئی اثر پڑا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۶۹ متولی سعید جھنجھانہ ضلع مظفر نگر

۲۵ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۶۸) اگر زید نے منکوحہ کو تین طلاقیں دیدی تھیں تو تینوں طلاقیں پڑ گئیں(۱) طلاق کی شہادت جب کہ گواہ معتبر اور عادل ہوں مقبول ہو گی(۲) عدت واجب ہو گی اور عدت کا نفقہ زوج کے ذمہ ہو گا(۳)

(۲) اس واقعہ سے طلاق پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل یازدھم
انشاء اللہ کہہ کر طلاق دینا

لفظ "انشاء اللہ" کے ساتھ دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی

(سوال) ایک شخص کی بیوی اور والدہ کے مابین تکرار ہوئی شخص مذکور جب مکان پر آیا تو والدہ نے اس سے شکایت کی اس نے اپنی والدہ سے مخاطب ہو کر کہا انشاء اللہ تین طلاق دیتا ہوں مگر اس کی نیت صرف طلاق رجعی دینے کی تھی اور یہ الفاظ بیوی کی عدم موجودگی میں زبان سے ادا کئے۔

المستفتی نمبر ۳۵۸ عبد الغنی (سوجت مارواڑ) ۷ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۳۰ جون ۱۹۳۴ء

---

(۱) والبدعی ثلاث متفرقة او ثنتان بمرۃاو مرتین فی طھر واحد لا رجعة فیه او واحدۃ فی طھر وطئت فیه (درمختار) وقال فی الرد (قوله ثلاثة متفرقة) وکذا بکلمة واحدۃ بالاولی - وذھب جمھور الصحابة والتابعین ومن بعد ھم من ائمة المسلمین إلی انه یقع ثلاث (ھامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق ۳/۲۳۲ ط سعید کراتشی)

(۲) و نصابھا لغیر ھا من الحقوق سواء کان الحق مالا او غیرہ کنکاح ووکالة ووصیة واستھلال صبی ولو للارث رجلان اور رجل وامرأتان ولا یفرق بینھما لقوله تعالیٰ "فتذکر احداھما الاخری" (الدر المختار مع ھامش ردالمحتار' کتاب الشھادات ۵/۴٦۵ ط سعید کراتشی)

(۳) اذا طلق الرجل امرأته فلھا النفقة والسکنی فی عدتھا رجعیا کان او بائنا (الھدایة کتاب الطلاق باب النفقة ۲/۴۴۳ ط شرکة علمیه ملتان)

(جواب ۶۹) سوال میں الفاظ "انشاء اللہ تین طلاق دیتا ہوں" مذکور ہیں لفظ انشاء اللہ کے ساتھ جو طلاق دی جائے وہ واقع نہیں ہوتی، لہذا اس کی بیوی پر کوئی طلاق نہیں پڑی۔ محمد کفایت اللہ

فصل دوازدہم
شہادت طلاق

شوہر طلاق کا انکار کرتا ہے، مگر گواہ نہیں، تو کیا حکم ہے؟

(سوال) زید کی لڑکی کو محمود ہمیشہ مار پیٹ کیا کرتا تھا ایک روز زید اپنی لڑکی کو بلانے گیا اس روز بھی اتفاق سے وہ اپنی بیوی کو مار چکا تھا اس نے زید سے کہا کہ تم اپنی لڑکی کو لے جاؤ میں نے اس کو طلاق دیدی ہے اب یہ میرے گھر پر نہ آئے اور پھر اپنی گھر والی کی طرف منہ کر کے کہا کہ اب تو اپنے باپ کے ساتھ جاتی ہے نکل جا میرے گھر پر اب تو نہ آئیو میں نے تجھ کو طلاق طلاق طلاق دی اور لڑکی کے منہ پر طمانچہ مار کر گھر سے نکل گیا زید اپنی لڑکی کو لیکر خاموشی سے چلا آیا اب محمود طلاق سے انکار کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں نے تو طلاق نہیں دی۔

المستفتی نمبر ۵۲۸ حاجی عبدالحکیم، باڑہ ہندو راؤ۔ دہلی

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۰ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۷۰) اگر محمود نے طلاق دیدی ہے تو طلاق ہو گئی ہے(۲) لیکن اگر وہ طلاق دینے سے انکار کرتا ہے تو قاضی کے سامنے طلاق ثابت کرنے کے لئے شہادت کی ضرورت ہے(۳) اور دو گواہ نہ ہوں تو پھر محمود سے حلف لیا جائے گا اگر وہ حلف کر لے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے تو قاضی طلاق نہ ہونے کا فیصلہ کر دے گا(۴) لیکن اس فیصلہ سے عورت محمود کے لئے اگر وہ فی الحقیقت طلاق دے چکا ہے حلال نہ

---

(۱) اذا قال لا مرأته انت طالق ان شاء الله تعالى متصلا لم يقع الطلاق لقوله عليه السلام : من حلف بطلاق او عتاق وقال ان شاء الله تعالى متصلا به لاحنث عليه (الهداية كتاب الطلاق، باب الايمان فى الطلاق، فصل فى الاستثناء ۲ ۳۸۹ ط شركة علميه ملتان)

(۲) ويقع طلاق كل زوج اذا كان عاقلا بالغا (الهندية كتاب الطلاق فصل ۲/۳۵۸ ط شركة عليه ملتان) وقال فى الهندية : و يقع طلاق كل زوج اذا كان بالغا عاقلا سواء كان حرا او عبدا طائعا او مكرها كذا فى الجوهرةالنيرة (الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الاول، فصل فيمن يقع طلاقه و فيمن لا يقع طلاقه ۱/۳۵۳ ط ماجديه كوئته)

(۳) ونصا بها لغير هامن الحقوق سواء كان الحق مالا او غيره كنكاح و طلاق -رجلان - اورجل وامرأتان (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب الشهادات ۵/۴۶۵ ط سعيد كراتشى)

(۴) و يسأل القاضى المدعى عليه عن الدعوى فيقول انه ادعى عليك كذا فما ذا تقول - فان اقر فيها اوانكر فبر هن المدعى قضى عليه بلا طلب المدعى والا يبرهن حلفه الحاكم بعد طلبه اذ لا بدمن طلب اليمين فى جميع الدعا وى الا عند الثانى - (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب الدعوى ۵/۵۴۷ ط سعيد كراتشى)

ہو گی اور مدۃ العمر وہ حرام کاری میں مبتلا رہے گا- فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کئی دفعہ طلاق دے چکا ہے' مگر گواہوں نے انکار کیا' تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک آدمی نے اپنی عورت کو طلاق دیا دوآدمیوں کے سامنے بعد کو دونوں آدمیوں سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے انکار کیا دوبارہ پھر طلاق دیا تب عورت دوسرے مکان میں چلی گئی اور تین روز تک وہاں مقیم رہی اور عورت کو زبردستی اپنے مکان میں لے گئے مرد بالکل جاہل اور بد چلن ہے اب لوگوں سے دریافت کیا جاتا ہے تو وہ انکار کرتے ہیں لڑکی بہت نیک چلن ہے اسی کا بیان ہے کوئی گواہ نہیں کہتا عورت یہ کہتی ہے کہ اگر مجھ کو خاوند کے یہاں روانہ کریں گے تو میں جان دیدوں گی-

المستفتی نمبر ۷۷۹ محمد رفیع صاحب سوداگر چرم (ضلع میدنی پور) یکم ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲۵ فروری ۱۹۳۶ء-

(جواب ۷۱) اگر فی الحقیقت طلاق دی ہے تو طلاق پڑ گئی(۱) عورت کو اس کے پاس نہیں بھیجنا چاہئیے(۲) اور خلاصی کی سبیل نکالنی چاہئیے- محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

میاں بیوی طلاق کے منکر ہیں' اور گواہ تین طلاق کی گواہی دیں' تو طلاق واقع ہو گی یا نہیں ؟

(سوال) زید نے خالد کو الزام دیا کہ اے خالد تو نے اپنی منکوحہ ہندہ کو میرے سامنے تین طلاقیں دیں اور خالد و ہندہ سراسر انکار کرتے ہیں زید اور خالد نے فیصلے کے لئے ایک قاضی صاحب پر اتفاق کیا مگر ہندہ نے سراسر انکار کیا اور کہا کہ یہ قاضی صاحب ضرور میرے خلاف فیصلہ کریں گے زید و خالد فیصلے کے لئے قاضی صاحب کے پاس حاضر ہوئے تو زید نے بحیثیت مدعی ہونے کے یہ دعوی کیا کہ خالد نے میرے روبرو اپنی منکوحہ ہندہ کو تین طلاقیں دیں اور خالد نے اس دعوے سے انکار کیا قاضی صاحب نے مدعی سے شہادت کا مطالبہ کیا تو مدعی نے دو گواہ پیش کئے قاضی صاحب نے خالد سے سوال کیا کہ ان دو گواہوں کی شہادت پر جو فیصلہ مرتب ہو گا وہ تجھے منظور ہے یا نہیں خالد نے کہا کہ اگر فلاں گواہ مسمی بکر حلف اللہ کہہ کر شہادت دے تو مجھے منظور ہے قاضی صاحب نے گواہ مسمی بکر کو کہا کہ زید نے جو دعوی کیا ہے اس دعوے کے ثبوت کے لئے قسم اٹھا کر تو شہادت دینے کے لئے تیار ہے یا نہیں ؟ بکر نے کہا کہ پہلے خالد قسم اٹھائے کہ میں نے ہندہ کو تین طلاقیں نہیں دیں تب میں قسم اٹھاؤں گا لیکن قاضی نے بکر کو

---

(۱) و یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو تقدیرا بدائع ولو عبدا او مکرھا (تنویر الابصار مع ھامش رد المحتار کتاب الطلاق ۳/ ۲۳۵ ط سعید کراتشی)

(۲) المرأة کالقاضی اذا سمعته او اخبرھا عدل لا یحل لها تمکینه (ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الصریح' مطلب فی قول البحر ان الصریح یحتاج فی وقوعه دیانة إلی النیة ۳/ ۲۵۱ ط سعید کراتشی)

کہا کہ مدعا علیہ کا حق قسم کھانے کا نہیں ہے لہذا قسم تمہیں ہی اٹھانی پڑے گی بیان بکر ہے کہ واللہ باللہ تاللہ خالد نے میرے سامنے ہندہ منکوحہ کو تین طلاق دیں بیان گواہ مسمی عمرو کہ خالد نے میرے سامنے منکوحہ کو تین طلاق دیں اگر میری شہادت کاذبہ ہو تو میری منکوحہ مجھ پر طلاق ہے قاضی صاحب نے یہ فیصلہ سنادیا کہ خالد کی منکوحہ ہندہ تین طلاق خالد پر حرام ہے اب علمائے اسلام کا آپس میں اختلاف اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ قاضی صاحب کا فیصلہ نافذ نہیں ہوا۔

المستفتی نمبر ۷۵۰ امر زاخاں۔

۷ رجب ۱۳۵٦ھ م ۱۳ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۷۲) کسی شخص کا یہ کہنا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے جب کہ زوج اور زوجہ دونوں طلاق کے منکر ہوں یہ دعوی نہیں ہے کیونکہ دعوی اپنا حق طلب کرنے کا نام ہے(۱) اور ظاہر ہے کہ یہ اجنبی اس اخبار میں اپنا حق طلب نہیں کر رہا بلکہ ایک حق اللہ یعنی حرمت زوجہ علی زوجہا کی خبر دے رہا ہے جو حقیقتہ شہادت ہے پس اس کا یہ قول دعوی قرار نہیں دیا جا سکتا اور اس بناء پر اس کا یہ قول غیر مجلس قضا میں لغو ہے اور اس لغو قول کی وجہ سے یہ خصم نہیں بن سکتا اور جب یہ خصم نہیں ہوا تو اس کی اور زوج کی جانب سے تحکیم صحیح نہیں ہوئی کیونکہ تحکیم خصمین کی طرف سے ہوتی ہے(۲) اور صورت مسئولہ میں خصمین کا وجود ہی نہیں ہوا پس حکم کے سامنے جو شہادتیں ہوئیں وہ بھی غیر معتبر اور حکم کا فیصلہ بھی غیر معتبر ہاں اس معاملہ میں یہ اجنبی بھی ایک شاہد ہے اور طلاق کی شہادت دینے کے لئے دعوی بھی شرط نہیں مگر شہادت ادا کرنے کے لئے مجلس قضا شرط ہے اگر یہ اجنبی قاضی شرعی کے سامنے مجلس قضا میں جا کر شہادت دیتا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے اور قاضی اس شہادت پر کارروائی کرتا تو وہ درست ہوتی(۳) بشرطیکہ شاہد کی طرف سے ادائے شہادت میں تاریخ طلاق سے غیر ضروری تاخیر نہ

---

(۱) و شرعا قول مقبول عند القاضی یقصد به حق قبل غیره خرج الشهادة والا قرار او دفعه ای دفع الخصم عن حق نفسه دخل دعوی دفع التعرض فتسمع به یفتی بزازیة (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الدعوی ۵/۱ ٤ ۵ط ، سعید کراتشی)

(۲) و عرفا تولیة الخصمین حاکما یحکم بینهما (درمختار) وقال فی الرد (قوله تولیة الخصمین) ای الفریقین المتخاصمین (هامش رد المحتار مع در المختار کتاب القضاء باب التحکیم ۵/ ٤۲۸ ط سعید کراتشی)

(۳) ویجب الاداء بلا طلب لو الشهادة فی حقوق الله تعالیٰ وهی کثیرة عد منها فی الاشباه اربعة عشر قال و متی اخر شاهد الحسبة شهادة بلا عذر فسق فترد کطلاق امرأة ای بائنا و عتق امة (درمختار) و قال فی الرد : قال فی الاشباه تقبل شهادة الحسبة به دعوی فی طلاق المرأ ة و عتق الامة والوقف و هلال رمضان وغیره - (هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الشهادات ۵/۴٦۳ ط سعید کراتشی) وقال فی تقریرات الرافعی تحت قول صاحب الرد (و تقبل شهادة الحسبة بلا دعوی فی طلاق المرأة) ولو رجعیا قال فی الهندیة من متفرقات الدعوی' الدعوی فی عتق الامة و فی الطلقات الثلاث والطلاق البائن لیست بشرط لصحة القضاء و کذلک فی الطلاق الرجعی لا تکون الدعوی شرطا لصحته لان حکمه الحرمة بعد انقضاء العدة وانه حقه تعالیٰ (تقریرات الرافعی الملحقة بهامش رد المحتار' کتاب الشهادات ۵/۲۰٦ ط سعید کراتشی)

ہوتی (۱) کیونکہ قاضی شرعی کو یہ حق ہے کہ وہ حقوق اللہ کی حفاظت کے لئے کارروائی کرے اور حکم اسی وقت قاضی کے لئے قائم مقام ہو سکتا ہے جب خصمین اس کو اپنی طرف سے فیصلہ کا حق دیں اور جب تک خصومت متحقق نہ ہو تحکیم متحقق نہیں ہو سکتی پس صورت مسئولہ میں لفظ قاضی صاحب سے مراد اگر حکم ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو میرے نزدیک یہ تمام کارروائی عبث ہوئی واللہ تعالیٰ اعلم - دوسرے علمائے متبحرین سے بھی تحقیق کی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بیوی طلاق کا دعویٰ کرتی ہے 'اور شوہر انکار کرتا ہے 'مگر گواہ موجود نہیں 'تو کیا حکم ہے ؟

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) ہندہ سے زید کی شادی کو عرصہ چار سال کا ہوا اور ایک بچہ دو سال کا موجود ہے بعد شادی ہندہ برابر اپنی سسرال میں شوہر کے ساتھ رہی عرصہ تین ماہ کا ہوا کہ ہندہ کا حقیقی بھائی ہندہ کو میکے لے آیا بعد دو ڈھائی ماہ کے جب زید رخصت کرانے کو ہندہ کے میکے گیا تو آٹھ دس روز خوب اچھی طرح سے میل کے ساتھ میاں بی بی رہے جب رخصتی کو کہا گیا تو ایک روز ہندہ نے یکایک اپنے باپ سے اظہار کیا کہ میرے شوہر زید نے خلوت میں آج شب کو مجھے طلاق دیا ہے اس پر زید کو جو خلوت میں بے خبر سویا ہوا تھا جگایا گیا اور دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے ہرگز طلاق نہیں دی یہ بات عورت کسی کے ورغلانے سے کہتی ہے اور مجھ پر جھوٹا بہتان لگاتی ہے بعد اس کے زید قسم کھاتا ہے کہ اگر میں نے طلاق دیا ہو تو میرا خاتمہ کافروں کے ساتھ ہو معاملہ خلوت کا ہے - گواہ کوئی نہیں ہے۔

(جواب ۷۳) جب کہ طلاق کے گواہ نہیں ہیں تو اس صورت میں زید کا قول مع حلف معتبر ہوگا اور ہندہ کا قول غیر معتبر ہوگا (۲) محمد کفایت اللہ غفرلہ 'مدرسہ امینیہ دہلی

---

(۱) متی اخر شاهد الحسبة شهادته بلا عذر فسق فترد کطلاق امرأة ای بائنا (درمختار) وقال فی الرد (قوله بلاعذر) بان کان لهم قوة المشی او مال یستکرون به الدواب - (هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الشهادات ۵/۴۶۳ ط سعید کراتشی)

(۲) و نصابها لغیر ها من الحقوق سواء کان الحق مالا او غیره کنکاح و طلاق و وکالة ووصیة - رجلان او رجل وامرأتان ولا یفرق بینهما لقوله تعالیٰ فتذکر احداهما الأخری (الدر المختار مع هامش رد المحتار کتاب الشهادات ۵/۴۶۵ ط سعید کراتشی) دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں نصاب شہادت ہیں اور یہاں کوئی بھی نہیں لہذا قضاء طلاق ثابت نہیں ہوتی البتہ اگر بیوی کو یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ اس کے شوہر نے اس کو طلاق مغلظ دی ہے تو اس کو درست نہیں ہے کہ اس سے تعلق قائم رکھے اور جس طرح ہو سکے شوہر سے علیحدہ رہے اور کسی کو جائز نہیں ہے کہ اس حالت میں بیوی کو شوہر کے حوالہ کرے اور اگر جبرا بیوی شوہر کو دلوا دی گئی تو بیوی گنہگار نہیں ہوگی شوہر گنہگار ہوگا کما فی الدر المختار سمعت من زوجها انه طلقها ولا تقدر علی منعه من نفسها إلا بقتله لها قتله بدواء خوف القصاص ولا تقتل نفسها وقال الاوز جندی ترفع الامر للقاضی فان حلف ولا بینة فلا ثم علیه وان قتله فلا شئی علیها وقال بعداسطر : وقیل لا تقتله قاتله الا سبیجابی و به یفتی کما فی التاترخانیه و شرح الوهبانیة عن الملتقط ای والا ثم علیه کما مر (الدر المختار مع هامش رد المحتار کتاب الطلاق باب الرجعة ۳/ ۴۲۰ ط سعید کراتشی)

کسی دوسرے شخص سے ناجائز تعلق رکھنے کی بناء پر نکاح نہیں ٹوٹتا

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مارچ ۱۹۲۷ء)

(سوال) کیا یہ درست ہے کہ جو عورت دوسرے شخص سے ناجائز تعلق کرلے اور اس کا خاوند کسی دوسری عورت سے ناجائز تعلق کرلے تو ان کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

(جواب ۷٤) شوہر کے کسی اجنبیہ عورت سے یا بیوی کے کسی اجنبی شخص کے ساتھ ناجائز تعلقات سے نکاح نہیں ٹوٹتا(۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

عورت کے اجنبی شخص کے ساتھ بھاگ جانے سے نکاح نہیں ٹوٹتا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۲۷ء)

(سوال) نعیمہ زوجہ زید بدون طلاق بکر کے ساتھ ناجائز تعلق کر کے چلی گئی چند روز کے بعد پھر شوہر کے گھر واپس آگئی زید نے اس کو رکھ لیا پھر دوبارہ نعیمہ غیر مرد کے ساتھ بھاگ گئی پھر کچھ عرصہ کے بعد واپس آئی زید نے پھر بھی رکھ لیا لوگوں نے طعنہ دیا تو زید نے اس سے نکاح ثانی کرلیا لیکن پھر نعیمہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر غیر مرد کے ساتھ فرار ہوگئی اور برسوں غائب رہی زید نے عاجز ہو کر ایک مرد مسلمان معتبر کے سامنے نعیمہ کو تین طلاق دے دیا لیکن اس کے بعد نعیمہ پھر شوہر کے پاس آئی اب زید نے نعیمہ کو بدون تجدید نکاح رکھ لیا ہے اور زید طلاق دینے سے بھی انکار کرتا ہے۔

(جواب ۷۵) جب کہ زید طلاق سے انکار کرتا ہے اور ایک آدمی کی گواہی سے طلاق کا ثبوت نہیں ہوتا (۲) تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ زید سے قسم لے لیں اگر وہ قسم کھا کر کہہ دے کہ میں نے طلاق نہیں دی تو اس کا اعتبار کرلیں (۳) اور اسلامی تعلقات جاری رکھیں اگرچہ ایسی عورت کو جو بار بار فرار ہوتی رہی ہے رکھ لینا زید کی غیرت و حمیت سے تعلق رکھتا ہے تاہم اگر زید نے طلاق نہ دی ہو تو عورت اس کی منکوحہ ہے اور اسے رکھ لینے کا حق ہے عورت کے بھاگ جانے سے نکاح نہیں ٹوٹتا(۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ

---

(۱) وفی آخر حظر المجتبی لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ ولا علیہا تسریح الفاجر الا اذا خافا ان لا یقیما حدود اللہ فلا بأس ان یتفرقا (الدر المختار مع ھامش رد المحتار کتاب النکاح فصل فی المحرمات ۳/ ۵۰ سعید کراتشی)

(۲) و نصابها لغیر ھامن الحقوق سواء کان الحق مالا او غیرہ کنکاح و طلاق و وکالۃ و وصیۃ .... رجلان او رجل وامرأتان (الدر المختار مع ھامش رد المحتار کتاب الشھادات ۵/ ٤٦۵ ط سعید کراتشی)

(۳) ویسأل القاضی المدعی علیہ عن الدعوی فیقول انہ ادعی علیک کذا فما ذا تقول – فان اقر فبہا او انکر فبرھن المدعی قضی علیہ بلا طلب المدعی والا یبرھن حلفہ الحاکم بعد طلب اذ لا بدمن طلبہ الیمین فی جمیع الدعاوی الا عند الثانی – (الدر المختار مع ھامش رد المحتار کتاب الدعوی ۵/ ۵٤۷ ط سعید کراتشی)

(٤) ولا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ ولا علیہا تسریح الفاجر الا اذا خافا ان لا یقیما حدود اللہ فلا بأس ان یتفرقا (الدر المختار مع ھامش رد المحتار کتاب النکاح فصل فی المحرمات ۳/ ۵۰ ط سعید کراتشی)

فصل سیز دہم
حالت نشہ میں طلاق دینا

نشہ کی حالت میں تین دفعہ کہا ”اس حرام زادی کو طلاق دیتے ہیں“ تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟
(الجمعیۃ مورخہ یکم ستمبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) ایک مسلم عاقل بالغ نے حالت سکر بیوی کی کسی حرکت کے سبب غیظ و غضب سے از خود رفتہ ہو کر دو عورتوں کی مواجہت میں کہا ”بلا و چار آدمی کے سامنے طلاق دیں“ اور بیوی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ”اس حرام زادی کو طلاق دیتے ہیں ‘اس حرام زادی کو طلاق دیتے ہیں ‘اس حرام زادی کو طلاق دیتے ہیں“ زاں بعد طالق اپنے باپ کے استفسار پر انکار کرتا ہے کہ ہم نے ہر گز طلاق نہیں دیا نیز ہمیں طلاق یاد نہیں ہے دراں حالیکہ خود مطلقہ اور گھر کی دو عورتیں گواہ ہیں ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟

(جواب ۷۶) انشائے طلاق کے لئے اصل لفظ صیغہ ماضی ہے (یعنی میں نے اس کو طلاق دی) اگر یہ لفظ ہوتا تو وہ انشائے طلاق کے معنی اور نسبت الی الزوجہ میں صریح ہوتا کہ نیت کی حاجت نہ ہوتی (۱) اور حالت سکر میں زجراً وقوع طلاق کا حکم دیا جا سکتا (۲) لیکن سوال میں جو لفظ مذکور ہے وہ صیغہ ماضی نہیں ہے بلکہ (طلاق دیتے ہیں) صیغہ حال ہے اس کو انشاء کے لئے استعمال کرنے میں نیت کی حاجت ہے (۳) کہ

---

(۱) فالصریح قولہ انت طالق و مطلقة و طلقتك فهذا يقع به الطلاق الرجعي لان هذه الا لفاظ تستعمل في الطلاق ولا تستعمل في غيره فكان صريحا وانه يعقب الرجعة بالنص ولا يفتقرالى النية لانه صريح فيه لغلبة الاستعمال (الهداية كتاب الطلاق باب ايقاع الطلاق ۲ /۳۵۹ ط شركة علميه ملتان) (۲) ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو تقديرا بدائع ليدخل السكران (درمختار) وقال في الرد : (قوله ليدخل السكران) اى فانه في حكم العاقل زجراله (هامش رد المحتار مع الدر المختار كتاب الطلاق ۳ /۲۳۵ ط سعيد كراتشي) طلاق السكران واقع ولنا انه زال بسبب هو معصية فجعل باقيا حكما زجراله - (الهداية كتاب الطلاق فصل ۳ /۳۵۸ ط شركة علميه ملتان)
(۳) لفظ ”طلاق دیتے ہیں“ اگرچہ مستقبل قریب کے لئے بھی کا ہے گا ہے استعمال ہوتا ہے لیکن اس کی وضع حال کے لئے ہے لہذا اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے البتہ شوہر اگر نیت استقبال کا مدعی ہو تو خلاف ظاہر ہونے کی وجہ سے اس کا قول قبول نہ ہوگا کما في الشامية ويقع بها اى بهذه الالفاظ و ما بمعنا ها من الصريح (درمختار) وقال في الرد (قوله و ما بمعنا هامن الصريح) اى مثل ما سيذكره من نحو كونى طالق واطلقي ويا مطلقة بالتشديد وكذا المضارع اذا غلب في الحال مثل اطلقك كما في البحر قلت ومنه في عرف زماننا تكوني طالقا و منه خذى طلاقك فقالت اخذت فقد صحيح الوقوع به بلا اشتراط نية كمافي الفتح (هامش رد المحتار مع الدر المختار ' كتاب الطلاق باب الصريح مطلب ” سن بوش“ يقع به الرجعي ۳ /۲٤۸ ط سعيد كراتشي) وقال ايضا : لان المضارع حقيقة في الحال مجاز في الاستقبال كما هو احد المذاهب و قيل بالقلب وقيل مشترك بينهما و على الاشتراك يرجع هذا ارادة الحال بقرينة كونه اخبار اعن امر قائم في الحال (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق باب تفويض الطلاق ۳ /۳۱۹ ط سعيد كراتشي) لہذا ان عبارات کی روشنی میں صورت مسئولہ میں تین طلاق کے وقوع کا حکم دیا جائے گا - فقط واللہ اعلم بالصواب۔

یہ لفظ انشاء کے لئے استعمال کرنے کا قصد کیا گیا ہو ولا نیة للسکران- پس اس صورت میں وقوع طلاق کا حکم دینا اس کو مستلزم ہوگا کہ گویا زجراً اس کی نیت انشاء ہونے کا حکم پہلے دیا گیا اور پھر وقوع طلاق کا حکم دیا گیا قواعد فقہیہ سے وقوع طلاق کا زجراً حکم دینا ثابت ہے لیکن کسی نیت اور ارادے کا زجراً ثابت کر دینا میرے خیال میں ثابت نہیں پس صورت مسئولہ میں وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا جا سکتا- فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نشہ پلا کر جب ہوش نہ رہا' طلاق دلوائی' تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟

سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(سوال) زید کو چند فقیروں نے مل کر گانجہ پلایا اور وہ بالکل مست و بیہوش ہو گیا اس اثناء میں ایک فقیر نے زید کی بی بی کو اپنی مجلس میں بلانے کا حکم دیا زید کی بی بی نے وہاں آکر اس فقیر کی بے عزتی کی اور خوب ڈانٹا زید نے اسی نشہ میں اپنی بی بی کو کہا کہ میں نے تم کو تین طلاق دیا پھر ہوش میں آکر پشیمان ہوا اور ایک عالم سے دریافت کیا انہوں نے کہا کہ طلاق نہیں ہوئی زید نے اپنی بی بی کو گھر بلا لیا اور ساتھ رہتے ہوئے مدت گزر گئی اور ایک لڑکا بھی پیدا ہوا اب بعض علماء کہتے ہیں کہ بغیر تحلیل کے وہ عورت اس کے لئے جائز نہیں ہوئی-

(جواب ۷۷) نشہ کی حالت کی طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ نشہ اپنے علم و اختیار سے استعمال کیا ہو(۱) اگر کسی نے دھوکہ دے کر یا زبردستی نشہ پلا دیا اور اس حالت میں طلاق دی گئی تو وہ طلاق نہیں پڑتی(۲) پس صورت مسئولہ میں اگر دوسری صورت واقع ہوئی تھی یعنی نشہ اپنے علم و اختیار سے استعمال نہیں کیا تو طلاق نہیں ہوئی تھی اور اگر پہلی صورت تھی تو طلاق ہو گئی تھی(۳) اور حلالہ ضروری

---

(۱) ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو تقدیرا بدائع لیدخل السکران ولو عبدا او مکرها او هازلا او سفیها خفیف العقل والسکران ولو بنبیذ او حشیش او افیون او بنج زجرا به یفتی تصحیح القدوری (تنویر الا بصار مع هامش رد المحتار ' کتاب الطلاق ۳/۲۳۵ ط سعید کراتشی)

(۲) واختلف التصحیح فیمن سکر مکرها او مضطرا (در مختار) وقال فی الرد (قوله اختلف التصحیح) فصحح فی التحفة وغیرها عدم الوقوع و جزم فی الخلاصة بالوقوع' قال فی الفتح والا ول احسن' لا ن موجب الوقوع عنه زوال العقل لیس ! لا التسبب فی زواله بسبب محظور وهو منتف و فی النهر عن تصحیح القدوری انه التحقیق (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۳/۲۴۰ ط سعید کراتشی) وقال فی الهندیة ولو اکره علی شرب الخمر او شرب الخمر لضرورة و سکر و طلق امرأته اختلفوا فیه التصحیح انه کما لا یلزمه الحد لا یقع طلاقه ولا ینفذ تصرفه کذا فی فتاوی قاضی خان (الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الاول' فصل فیمن یقع طلاقه و فیمن لا یقع طلاقه ۱/۳۵۳ ط ماجدیه کوئته)

(۳) وطلاق السکران واقع اذا سکر من الخمر او النبیذ وهو مذهب اصحابنا رحمهم الله تعالی کذافی المحیط ثم قال بعد اسطر ومن سکر من البنج یقع طلاقه و یحد لفشو هذا الفعل بین الناس و علیه الفتوی فی زماننا کذا فی جواهر الاخلاطی (الهندیة ' کتاب الطلاق' الباب الاول فصل فیمن یقع طلاقه و فیمن لا یقع طلاقه ۱/۳۵۳ ط ماجدیه کوئته)

تھا(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

نشہ کی حالت میں طلاق دی، مگر شوہر کو خبر نہیں کہ کتنی طلاق دی، تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) زید نے شب کے دو بجے شراب کے نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو زدو کوب کیا اور کہا کہ تجھے طلاق ہے اس وقت اس مکان میں زید اور اس کی بیوی اور زید کے والد صرف تین ہی آدمی موجود تھے زید کے والد کا حلفیہ بیان ہے کہ میرے لڑکے نے ایک مرتبہ طلاق کا لفظ کہا تو میں نے اسے روکا اور خبر دار کیا۔ اور وہاں سے اسے علیحدہ کر رہا تھا۔ کہ اس نے دوسری مرتبہ بھی طلاق کا لفظ کہا اتنے میں میں نے اسے علیحدہ کر کے تنبیہ کیا دوسرے روز جب لڑکی کے والدین نے یہ خبر سنی تو آکر اپنی لڑکی کو لے گئے پھر کسی نے زید سے پوچھا کہ تم نے کیا اپنی بیوی کو طلاق دیا تھا تو اس نے کہا کہ ہاں دیا تھا جب یہ پوچھا جاتا ہے کہ کتنی طلاق دیا تھا تو کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کیونکہ میں نشہ میں تھا لڑکی سے پوچھا گیا کہ تم نے کتنی مرتبہ طلاق کا لفظ سنا تھا وہ کہتی ہے کہ میں مار پیٹ کی وجہ سے بد حواس تھی میں نے صرف طلاق کا لفظ سنا مگر یہ معلوم نہیں کتنی مرتبہ کہا اس واقعہ کے چھ ماہ بعد زید کے والد لڑکی کے والدین کے پاس گئے اور حلفیہ بیان کیا کہ زید نے صرف دو مرتبہ طلاق دیا ہے اور وہ بھی نشہ کی حالت میں، طلاق نہیں ہوا تم لڑکی کو بھیج دو انہوں نے کہا کہ عالم سے پوچھو ایک مقامی عالم سے یہ واقعہ من وعن بیان کر دیا اور ان کا بتایا ہوا کفارہ ادا کر کے میاں بیوی کو ملا دیا گیا جس کو تقریباً پانچ سال گزر چکے ہیں اور دونوں میں زن و شوئی کے تعلقات قائم ہیں برادری کے لوگ کہتے ہیں کہ نشہ کی طلاق ہو گئی تھی لہذا یہ تعلقات ناجائز ہیں۔

المستفتی نمبر ۶۰۳ عبدالحکیم (ناگپور) ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۹ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۷۸) ہاں نشہ کی حالت کی دی ہوئی طلاق ہو جاتی ہے(۲) لیکن ایک مرتبہ یا دو مرتبہ صریح لفظ طلاق سے طلاق رجعی ہوتی ہے پس اگر عورت کی عدت پوری نہ ہوئی ہو تو اندرون عدت رجعت صحیح ہوئی(۳) اور اگر عدت گزر چکی تھی تو دوبارہ نکاح کرنا ضروری تھا(۴) بغیر تجدید نکاح میاں بیوی کو ملا دینا درست نہیں تھا اب فوراً دونوں کا نکاح پڑھ دینا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ و ثنتین فی الامۃ لم تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحاو یدخل بھا ثم یطلقھا او یموت عنھا کذافی الھدایۃ (الفتاوی الھندیۃ' کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعۃ' فصل فیما تحل به المطلقۃ وما یتصل به ۱/۴۷۳ ط ماجدیه کوئٹه)

(۲) ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو تقدیرا بدائع لیدخل السکران ولو عبدا او مکرھا او ھازلا او سفیھا او سکران ولو بنبیذ او حشیش او افیون او بنج زجرا و به یفتی تصحیح القدوری (تنویر الابصار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۳/۲۳۵ ط سعید کراتشی)

(۳) اذا طلق الرجل امرأته تطلیقۃ رجعیۃ او تطلیقتین فله ان یراجعھا فی عدتھا (الھدایۃ کتاب الطلاق' باب الرجعۃ ۲/۳۹۴ ط شرکۃ علمیه ملتان)

(۴) واذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان یتزوجھا فی العدۃ و بعد انقضائھا (الفتاوی الھندیۃ کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعۃ فصل فیما تحل به المطلقۃ وما یتصل به ۱/۴۷۳ ط ماجدیه کوئٹه)

فصل چار دهم
طلاق کی اقسام

طلاق بدعی کے آٹھ قسموں کا بیان

(سوال) خاکسار نے یہ مسئلہ غایۃ الاوطار شرح اردو در مختار نولکشوری کے ص ۴۹ پر لکھا ہوا دیکھا ہے باب الطلاق جلد ثانی (عبارت) البدعي ثلث متفرقة او ثنتان بمرة الخ (اردو ترجمہ) اور طلاق بدعی یہ کہ تین طلاق دینا جدا جدا یا دو طلاق یکبارگی یعنی ایک لفظ سے الخ آگے چل کر خود ہی لکھتے ہیں یہ سب صور تیں طلاق بدعی کی ہیں سو جب تین طلاق متفرق بدعی ہوئیں تو یکبارگی تین طلاق دینا بطریق اولیٰ بدعی ہوگا اور اگر طہر میں طلاق بدعی دیکر رجعت کرے گا تو طلاق بدعی باقی نہ رہے گی (غایۃ الاوطار جلد ثانی) (علاوہ ازیں آٹھ قسمیں بدعی کی بتائی ہیں وہاں پر لکھا ہے) (۱) ایک طہر میں تین متفرق طلاق دینا (۲) تین طلاق ایک لفظ سے ایک طہر میں دینا (۳) اس طہر میں طلاق جس میں وطی ہو چکی ہے غرض یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تین بار یکبارگی کہنا بدعی ہے اور بدعی میں رجوع کافی ہے یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں یا اس کا مطلب کچھ اور ہے دوسری وطی والے طہر میں طلاق دینا بھی بدعی ہے اور شخص مذکور نے اس طہر میں جس میں طلاق دی ہے وطی بھی کی ہے طلاق بدعی دیکر رجعت کرنے سے بدعی باقی نہیں رہے گی ؟ کیا مطلب ہے شخص مذکور کا نکاح ثانی کر دیا گیا تو اس کا نکاح اگر اس طرح بلا حلالہ درست نہ ہو اور وہ حرام ہو تو اس کو روک دیا جائے یا جو صورت حکم وارشاد کے مطابق ہو عمل میں لائی جائے۔

المستفتی نمبر ۷۱۱ سلطان محمد (رہتک)

۱۹ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۸ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۷۹) ہاں ایک طہر میں تین طلاقیں ایک لفظ سے یا تین مرتبہ متفرق طور پر دینا بدعی طلاق ہے(۱) اور تین طلاقیں دینے کے بعد رجعت نہیں ہو سکتی حلالہ ضروری ہے(۲) جس طہر میں وطی کی ہے اس میں ایک طلاق بھی دی جائے تو یہ بدعی ہوگی لیکن ایک یا دو طلاقیں دیکر اسی طہر میں رجوع کرلے تو یہ

---

(۱) او طلاق البدعة ان يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة او ثلاثا في طهر واحد فاذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصيا (الهداية كتاب الطلاق باب طلاق السنة ۲ : ۳۵۵ ط شركة علميه ملتان)

(۲) قال الله تعالىٰ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره (البقرة : ۲۳۰) وعن عائشة ام المؤمنين ان رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبي ﷺ أتحل الاول قال لاحتى يذوق عسيلتها كما ذاق الا ول (رواه البخاري في الجامع الصحيح باب من اجاز الطلاق الثلاث ۲ /۷۹۱ ط قديمي كراتشي) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها كذا في الهداية (الفتاوى الهندية كتاب الطلاق الباب السادس في الرجعة فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ۱ /۴۷۳ ط ماجديه كوئته)

جائز ہے اور طلاق بدعی نہ رہے گی یعنی بدعی طلاق دینے کا گناہ رجعت کر لینے سے معاف ہو جائے گا(۱) غرض تین طلاقیں یکدم ایک لفظ میں دینے کے بعد رجعت جائز نہیں اسی طرح متفرق طور پر دینے سے تین پوری ہو جانے کے بعد رجعت جائز نہیں(۲) رجعت اسی صورت میں جائز ہے کہ وطی والے طہر میں یا حالت حیض میں ایک یا دو طلاقیں دی ہوں ان صورتوں میں رجعت ہو سکتی ہے(۳) بدعی کی آٹھ قسمیں جو غایۃ الاوطار میں مذکور ہیں ان میں سے تیسری' چوتھی' پانچویں' چھٹی' ساتویں' آٹھویں صورتوں میں رجعت جائز ہے مگر پانچویں سے آٹھویں تک صورتوں میں ایک یا دو طلاقیں ہوں تین نہ ہوں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل پانزدھم

ایک مجلس میں تین طلاقیں

(۱) یکبارگی تین طلاق ایک مجلس میں دینے سے تین طلاق واقع ہو جائے گی
(۲) حالت حیض میں کہا "میں نے تجھے طلاق بدعی دی" تو کتنی طلاق واقع ہوئی
(۳) حالت غصہ میں طلاق دینے سے حنفیہ کے علاوہ اور اماموں کے نزدیک طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

(سوال) (۱) زید نے اپنی زوجہ کو بایں الفاظ طلاق نامہ جب کہ وہ حیض سے تھی حالت غضب میں تحریر کر کے دیا کہ ہندہ بنت بکر کو تینوں طلاق ساتھ دیتا ہوں راقم زید بن فلاں تو اس صورت میں عند الشافعیؒ یا عند احمدؒ یا مالکؒ طلاق واقع ہو گی یا نہیں اگر واقع ہو گی تو کتنی؟ (۲) زید اگر یہ کہے اپنی زوجہ کو کہ میں نے تجھے طلاق بدعی دی تو اس کہنے اور حالت حیض میں تینوں ساتھ دینے میں کچھ فرق ہے یا نہیں (مذہب ثلاثہ مذکورہ میں) (۳) دیگر یہ کہ حالت غضب میں طلاق دینے سے حنفیہ کے علاوہ اور اماموں کے نزدیک طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں یہاں پر سوائے علمائے احناف کے اور کوئی عالم نہیں ہے نہ شافعیؒ نہ مالکیؒ نہ حنبلیؒ اور نہ یہ معلوم ہے کہ ہندوستان میں ہے بنابریں جمعیۃ علماء ہند کے جید علماء کی خدمت

---

(۱) والبدعی ثلاث متفرقة او ثنتان بمرة اومرتین فی طهر واحد لا رجعة فیه او واحدة فی طهر وطئت فیه او واحدة فی حیض موطؤة و تجب رجعتها علی الاصح فیه ای فی الحیض رفعا للمعصیة فاذا طهرت طلقها ان شاء او امسکها (درمختار)قال فی الرد (قوله ثلاثة متفرقة) وکذا بکلمة واحدة بالاولی (هامش ردالمحتار مع الدر مختار کتاب الطلاق ۳/۲۳۲ ط سعید کراتشی)

(۲) لا ینکح مطلقة من نکاح صحیح نافذ بها ای بالثلاث لوحرة و ثنتین لوامة حتی یطأ ها غیره ولو الغیر مراهقا یجامع مثله بنکاح(الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق　　جاری ہے

میں یہ استفتاء شافعیہ ومالکیہ وحنابلہ کے مذہب کے متعلق جواب حاصل کرنے کے لئے روانہ کئے گئے ہیں قوی امید ہے کہ علمائے احناف خصوصاً علامہ مفتی اعظم محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ 'جواب سے مطلع فرماکر عنداللہ ماجور و مشکور ہوں گے۔

المستفتی نمبر ۱۱۰۷ مسٹر ایم اے مایت (جوہانسبرگ۔افریقہ)

۱۵ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۸۰) ایک لفظ سے یا ایک مجلس میں تینوں طلاق دینے سے تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے(۱) حیض کی حالت کی طلاق بھی پڑ جاتی ہے البتہ اگر ایک دو طلاق دی گئی ہوں تو رجعت لازم ہوتی ہے(۲) تین طلاق حالت حیض میں دیدی جائیں تو ائمہ اربعہ کے نزدیک طلاق مغلظ ہو جائے گی(۳) البتہ بعض اہل ظاہر اور روافض کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں نہیں پڑتیں(۴)

(۲) اگر حیض میں یہ کہے کہ میں نے تجھے طلاق بدعی دی تو ایک طلاق ہوگی اور رجعت واجب ہوگی(۵)

حاشیہ صفحہ گذشتہ: باب الرجعة ۳/ ۴۰۹ ط سعید کراتشی) وقال فی الهندیة وان کان الطلاق ثلا ثا فی الحرة و ثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا و یدخل بها ثم یطلقها اویموت عنها والا صل فیه قوله تعالیٰ " فان طلقها فلا تحل له من بعدحتی تنکح زوجا غیره" والمراد الطلقة الثالثة (الهدایة کتاب الطلاق باب الرجعة' فصل فیما تحل به المطلقة ۲/ ۳۹۹ ط شرکة علمیه ملتان)

(۳) واذا طلق الرجل امرته تطلیقة رجعیة او تطلیقتین فله ان یراجعها فی عدتها رضیت بذلک اولم ترض لقوله تعالیٰ "فامسکوهن بمعروف" من غیر فصل (الهدایة کتاب الطلاق باب الرجعة ۲/ ۳۹۴ ط شرکة علمیه ملتان)

(۱) وقال اللیث عن نافع کان ابن عمرؓ اذا سئل عمن طلق ثلاثا قال لو طلقت مرة او مرتین' فان النبی ﷺ امرنی بهذا فان طلقها ثلاثا حرمت حتی تنکح زوجا غیره (رواه البخاری فی الجامع الصحیح کتاب الطلاق باب من قال لامرأته انت علی حرام الخ ۲/ ۷۹۲ ط قدیمی کراتشی) وقال فی الرد وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین إلی انه یقع ثلاث –وقد ثبت النقل عن اکثرهم صریحا بایقاع الثلاث ولم یظهر لهم مخالف فما ذا بعد الحق الا الضلال و عن هذا قلنا لو حکم حاکم بانها واحدة لم ینفذ حکمه لانه لایسوغ الاجتهاد فیه فهو خلاف لا اختلاف (هامش رد المحتار کتاب الطلاق ۳/ ۲۳۳ ط سعید کراتشی) وکذا فی فتح القدیر ۳/ ۴۶۹' ۴۷۰ ط مصطفی البانی الحلبی بمصر' والمغنی لابن قدامة کتاب الطلاق' فصل تطلیق الطلاق بکلمة واحدة ۷/ ۲۸۳ دار الفکر بیروت)

(۲) عن ابی غلاب یونس بن جبیر قال قلت لابن عمر رجل طلق امرأته وهی حائض قال تعرف ابن عمرؓ ان عمر ان ابن عمر طلق امرأته وهی حائض فاتی عمر النبی ﷺ فذکر ذلک له فامره ان یراجعها فاذا طهرت فاراد ان یطلقها فلیطلقها قلت فهل عد ذلک طلاقا قال ارایت ان عجز واستحمق (رواه البخاری فی الجامع الصحیح' کتاب الطلاق' باب من طلق وهل یوا جه الرجل امرأته بالطلاق ۲/ ۷۹۰ ط قدیمی کراتشی)

(۳) حائضہ کو حالت حیض میں طلاق دینا بیشک بدعت ہے 'لیکن طلاق واقع ہو جاتی ہے اسی لئے فقہاء رجعت کو ضروری کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ رجعت ایک یا دو طلاق صریح میں ہو سکتی ہے 'لیکن تین طلاق کے بعد رجعت درست نہیں اور بغیر حلالہ کے اس سے شوہر اول کا نکاح جائز نہیں' کما فی الهدایة وغیر ها من کتب الفقه وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة و ثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا و یدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها والاصل فیه قوله تعالیٰ : فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره" (الهدایة کتاب الطلاق باب الرجعة ۲/ ۳۹۹)

جاری ہے

(۳) حالت غضب کی طلاق بعض حنابلہ کے نزدیک واقع نہیں ہوتی (۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اپنی بیوی سے تین دفعہ کہا "میں نے تجھے طلاق دی"

(الجمعیۃ مورخہ ۶ / اکتوبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) میں اپنے میکے میں تھی میرا شوہر ماتم پرسی کو آیا اور دن بھر رہا بعد مغرب اس نے میرے بھائی سے کہا کہ میں دوسری بیوی کرنا چاہتا ہوں اس بیوی سے (میری طرف اشارہ کر کے) مجھے کوئی واسطہ نہیں اسے چاہے وہ اختیار ہے میں نے اس کو چھوڑ دیا مجھے میرا زیور دیدو تب میرے بھائی نے محلّہ کے پانچ شخصوں کو بلایا جو کہ صاحب علم اور مذہب سے واقف تھے انہوں نے میرے شوہر کو بہت سمجھایا پر وہ بار بار وہی جملے کہتا رہا کہ میں دوسری بیوی کرنا چاہتا ہوں میرا زیور مجھے دیدو تب ان شخصوں نے کہا کہ ایسے جملے کہنے سے بیوی کو طلاق ہو جاتا ہے تب میرے شوہر نے کہا کہ مجھے دوسری بیوی کرنا ہے اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس لئے میں نے اس کو طلاق دیا طلاق دیا طلاق دیا پھر میں نے خود پوچھا کہ کیا آپ نے مجھے طلاق دیا تو کہا کہ ہاں میں نے تجھے طلاق دیا میں نے تجھے طلاق دیا میں نے تجھے طلاق دیا جب وہ طلاق دے چکا تو ان شخصوں نے مجھے زیور دے دینے کی نسبت کہا پر میں نے زیور دینے سے انکار کیا کیونکہ کل زیور میں سے کچھ زیور میری مشقت کا تھا اور کچھ میرے میکہ میں سے بعد شادی کے ملا تھا پر میرے شوہر نے جھوٹا سچا حق ہر زیور کے لئے بتا کر اور جب کچھ نہ بن پڑا تو ہر زیور کے وقت طلاق پر طلاق دیکر کل زیور لیا مغرب کے وقت سے رات کے ایک بجے تک طلاق کا استعمال ہوتا رہا طلاق کے کچھ دن بعد اس نے دوسری بیوی کر لی اب کچھ عرصہ کے بعد وہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دیا اور کہتا ہے کہ میرا ایک گواہ ہے (جو اس کا حقیقی ماموں ہے)

(جواب ۸۱) اگر واقعہ یہی ہے جو سوال میں مذکور ہے تو تینوں طلاقیں ہو چکی ہیں اور عورت بدون حلالہ کے شوہر کے لئے جائز نہیں ہو سکتی (۲) عورت کے لئے دو گواہوں کی گواہی سے طلاق ثابت ہو سکتی ہے

حاشیہ صفحہ گذشتہ (۴) وعن الامامیة لا یقع بلفظ الثلاث ولا فی حالة الحیض لانه بدعة محرمة (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۳/۲۳۳ ط سعید کراتشی)

(۵) والبدعی ثلاث متفرقة..... او واحدة فی حیض موطؤة و تجب رجعتها علی الاصح ای فی الحیض رفعا للمعصیة (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۳/۲۳۳ ط سعید کراتشی)

(۱) قلت و للحافظ ابن القیم الحنبلی رسالة فی طلاق الغضبان قال فیها انه علی ثلاثة اقسام – احدها ان یحصل له مبادی الغضب بحیث لا یتغیر عقله و یعلم ما یقول و یقصد وهذا الاشکال فیه الثانی ان یبلغ النهایة فلا یعلم ما یقول ولا یریده فهذا لا ریب انه لا ینفذ شئی من اقواله – الثالث من توسط بین المرتبتین بحیث لم یصر کالمجنون فهذا محل النظر والا دلة تدل علی عدم نفوذ اقواله ملخصامن شرح الغایة الحنبلیة لکن اشارفی الغایة إلی مخالفته فی الثالث حیث قال و یقع طلاق من غضب خلاف لابن القیم (هامش رد المحتار' جاری ہے

(۱)اور جب پانچ گواہ موجود ہیں تو پھر ثبوت میں کیا کلام ہے ؟　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل شانزدھم
طلاق مشروط بمعافی مہر

مہر کی معافی کی شرط پر طلاق دی 'اور عورت نے مہر کی معافی سے انکار کردیا' تو طلاق واقع نہیں ہوتی

(سوال) زید نے اپنی سسرال میں جاکر برائے روزگار سکونت اختیار کرلی چند روز بعد وہ ارادہ وطن آنے کا کرتا ہے اور اپنے خسر سے اپنی زوجہ کی رخصت کا طالب ہوتا ہے زید کا خسر کہتا ہے کہ اگر رہنا ہے تو میرے ہی مکان پر رہو لڑکی کو تمہارے مکان پر رخصت نہ کروں گا اگر تم کسی قسم کی زیادتی کروگے تو میں تدارک کروں گا بہتر یہ ہے کہ تم طلاق دے دو ورنہ واپس چلے جاؤ زید واپس آکر اپنے چچا کو ہمراہ لے کر پہنچتا ہے اور رخصت کا طالب ہوتا ہے نوبت بخشش مہر منجانب مسماۃ و نوبت طلاق پہنچتی ہے بعد تحریر دستاویزات جس وقت نوبت نشانی انگوٹھا پہنچتی ہے وہ انکار کردیتی ہے کہ میں مہر بخشوں نہ طلاق لوں اس طرف زید انکار کرتا ہے کیونکہ یہ معاملہ غصہ کا درمیان خسر و چچا لڑکے و لڑکی کے درمیان کا تھا بعدہ' وہ دونوں کاغذ پھاڑ دیئے گئے زید اپنی زوجہ کو رخصت کراکر واپس لے آتا ہے اہل برادری کہتے ہیں کہ جب تک نکاح دوبارہ نہ ہوجائے حقہ پانی میں ہم شریک نہ ہوں گے غرضیکہ دوبارہ نکاح ہوتا ہے اس حالت میں نکاح اول جائز رہا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۸۷۵ مہر علی صاحب (نگلہ رسول پور-آگرہ)
۴ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۸۲) جبکہ طلاق معافی مہر کے ساتھ مشروط تھی اور عورت نے معافی مہر سے انکار کردیا تو طلاق نہیں پڑی(۲) نکاح اول باقی ہے تجدید نکاح کی ضرورت نہ تھی۔　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حاشیہ صفحہ گذشتہ :
کتاب الطلاق' مطلب فی طلاق المدھوش ۳/۲۴۴ ط سعید کراتشی)
(۲) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة اوثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا و یدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها والا صل فیه قوله تعالیٰ " فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره" والمراد الطلقة الثالثة. الهدایة' کتاب الطلاق' باب الرجعة فصل فیما تحل به المطلقة ۲/۳۹۹ ط شرکة علمیه ملتان)
حاشیہ صفحہ ھذا :
(۱) ونصا بها لغیر ها من الحقوق سواء کان الحق مالا وغیره کنکاح و طلاق ووکالة ووصیة- رجلان - او رجل وامراتان (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الشهادات ۵/۴۶۵ ط سعید کراتشی)
(۲) واذا اضافه إلی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقا مثل ان یقول لا مرأته ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الرابع فی الطلاق بالشرط' الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق ۱/۴۲۰ ط ماجدیه کوئٹه)

فصل ہفدہم
حق مطالبہ طلاق

(۱) عورت کب طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے ؟
(۲) جب شوہر نے تین طلاقیں دیدیں تو بیوی پر تینوں واقع ہو گئیں

(سوال) (۱) ایک عورت کی شادی عرصہ سات آٹھ سال سے ہوئی زوجہ نیک طبیعت 'ایماندار' نیک چلن ہے اس کا خاوند بڑا بد مزاج ہے اور رات دن تکالیف دیتا رہتا ہے اور بلا ناغہ روزانہ مار پیٹ کرتا رہتا ہے عورت کو قطعی نہیں چاہتا نان و نفقہ میں بھی کمی کرتا ہے زوجہ مار پیٹ سے ہمیشہ خوف زدہ رہا کرتی ہے اور شوہر اس کا برابر شدید مار پیٹ کرتا ہے مار کوٹ سے ہمیشہ بیوی بیمار رہا کرتی ہے کیا ایسی صورت میں عورت اپنے شوہر سے شرعاً طلاق لے سکتی ہے ؟

(۲) شوہر بد مزاج ہے زوجہ کی تعمیل حکم کرتے ہوئے بھی شوہر اس کو ہمیشہ مار کوٹ کرتا رہتا ہے اور نہیں چاہتا اس سلسلہ میں کئی مرتبہ عورت کو کہتا ہے کہ تو چلی جا تجھے طلاق ہے اور اپنے گھر سے باہر نکال دیتا ہے لیکن ایک یا دو مرتبہ لفظ طلاق کہہ کر رک جاتا ہے تیسری مرتبہ اپنے منہ سے طلاق کا لفظ نہیں کہتا ایک مرتبہ طلاق کا لفظ کہہ کر زوجہ کو اس کے شوہر نے گھر سے باہر نکال دیا اس کے باپ کے یہاں زوجہ رہی اس کے بعد عورت اپنے میکے میں ہی تھی کہ بیس روز بعد پانچ سات آدمی مسلمان معتبر ساتھ لاکر زوجہ کا شوہر اپنے گھر بلا لایا شوہر کا باپ موجود تھا پھر وہی زوجہ کے باپ و تایا کو بھی بلا لایا تمام اشخاص کے سامنے دو مرتبہ زوجہ کے خاوند نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدی اس طرح سے تین مرتبہ طلاق دی اور کہا کہ اب میں اس عورت کو نہیں رکھنا چاہتا کیا ایسی صورت میں شرعاً طلاق ہو چکی ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۸۹۲ شیخ محمد حسین صاحب (راجپوتانہ) ۷ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۸۳) (۱) ہاں شوہر کی اس تعدی پر زوجہ کو حق ہے کہ وہ طلاق یا خلع کا مطالبہ کرے اور زوج کو لازم ہے کہ وہ یا تعدی سے باز آئے یا زوجہ کو چھوڑ دے(۱)

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ : "الطلاق مرتان فا مساك بمعروف او تسريح باحسان - فان خفتم الا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به تلك حدود الله فلا تعتدوها ومن يتعد حدود الله فاولئك هم الظالمون" (البقرة : ۲۲۹) وقال في البحر : واما سببه فالحاجة الى الخلاص عند تبائن الاخلاق و عروض البغضاء الموجبة عدم اقامة حدود الله تعالىٰ - ويكون واجبا اذا فات الا مساك بالمعروف (البحر الرائق' كتاب الطلاق ۲۵۳/۳ ط دارالمعرفة بيروت) وقال في الدر ولا بأس به عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق (درمختار) وقال في الرد (قوله للشقاق) اى لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم و في القهستاني عن شرح الطحاوى' السنة اذا وقع بين الزوجين اختلاف ان يجتمع اهلها ليصلحوا بينهما فان لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع وهذا هو الحكم المذكور في الاية (الدر المختار كتاب الطلاق باب الخلع ۴۴۱/۳ ط سعيد كراتشى)

(۴) جب شوہر تین طلاق دیدے خواہ ایک دفعہ خواہ فاصلے سے اور فاصلہ کتنا ہی ہو (۱) جب تین طلاقیں پوری ہو جائیں تو طلاق مغلظہ پڑ جائے گی (۲) صورت مسئولہ میں سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ طلاقوں کا مجموعہ تین سے زیادہ ہو چکا ہے اس لئے عورت پر طلاق مغلظہ ہو چکی ہے اور اسی وقت سے ہوئی ہے جب طلاقوں کا مجموعہ پورا ہوا ہے۔　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل ہیجدہم
تنجیز و تعلیق

تعلیق طلاق میں شرط پائے جانے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے ورنہ نہیں.

(سوال) زید شام سے مجلس سماع میں ۱۲ بجے شب تک موجود رہا جب مجلس ختم ہوئی اپنے گھر آیا اور اپنی بی بی کے مکان کے اندر داخل ہوا زید کی بی بی اپنے بچے کے پاس تھی جس کی عمر بیس روز کی تھی زید نے اسے اٹھا کر یہ کہا کہ اس وقت ہم تم سے ہمبستر ہوں گے زید کی بی بی مذکور نے یہ کہا کہ ہم اس وقت حالت نفاس میں ہیں حالت حیض و نفاس میں مرد کو ہمبستر ہونا نہیں چاہئے یہ خدا کا حکم ہے مگر زید نے اس کی بات کو نہیں سمجھا اور دوبارہ خواہش ظاہر کی اس پر زید کی بی بی نے زید سے یہ کہا کہ اگر زبردستی کرو گے تو تمہاری والدہ کو اٹھا کر یہ بات کہہ دیں گے اس پر غصہ ہو کر زید نے کہا کہ اگر میری والدہ سے اس وقت جا کر کہہ دو گی تو تم کو طلاق دیدیں گے پھر وہ اپنا ہمبستر ہونے کی خواہش ظاہر کی بوجہ اصرار زید کے وہ اپنے مکان سے اٹھ کر اپنی خوشدامن کی طرف چلی اس وقت اس کی خوشدامن بے خبر نیند میں سوئی ہوئی تھی لہذا اپنی خوشدامن کو جگا نہیں سکی واپس اپنے گھر میں زید کے پاس آئی زید کو یہ شبہ ہوا کہ میری والدہ سے جا کر کہہ دیا ہے زید نے اسی وقت اسی گھر میں بی بی کو تین طلاق دیدیں اور باہر چلا آیا جب صبح کو لوگوں نے زید سے یہ دریافت کیا کہ تم نے اپنی بی بی کو رات طلاق کیوں دیا تو زید نے یہ کہا کہ اس نے میری بات میری والدہ کو جا کر کہی ہے ہم نے غصہ کی حالت میں طلاق دیدی اس پر لوگوں نے زید کی

---

(۱) شریعت مقدسہ نے مرد کو ایک عورت کے متعلق تین طلاقیں دینے کا اختیار دیا ہے یہ تین طلاقیں خواہ یکے بعد دیگرے ایک طہر میں یا ایک مجلس میں ہوں یا تین مجلسوں میں یا تین طہروں میں ہوں یا ایک طلاق یا دو طلاق کے بعد مدت طویلہ گزر جانے کے بعد ہوں اور خواہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجعت کر لی گئی ہو یا نہ کی ہو رجعت نہ کرنے کی صورت میں دوسری طلاق انقضاء عدت سے قبل ہو گی تو محسوب ہو گی ورنہ نہیں اس لئے کہ وقوع طلاق کے لئے عورت کو منکوحہ یا معتدہ ہونا ضروری ہے۔ کما فی رد المحتار (قوله و محله المنکوحة) ای ولو معتدة عن طلاق رجعي او بائن غير ثلاث في حرة و ثنتين في امة (هامش رد المحتار مع الدر المختار كتاب الطلاق ۳/ ۲۳۰ ط سعيد كراتشي)

(۲) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها كذا في الهداية (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس في الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ۱/ ۴۷۳ ط ما جديه كوئٹه)

والدہ سے دریافت کیا تو اس کی والدہ نے کہا کہ ہم کو زید کی بی بی نے کچھ نہیں کہا اور نہ وہ میرے پاس آئی ہے اور زید کی بی بی سے بھی یہ بات دریافت کی گئی تو اس نے یہ کہا کہ ہم نے کوئی بات اپنی خوش دامن سے نہیں کہی اور نہ جگایا بلکہ واپس چلی گئی لہذا گزارش یہ ہے کہ زید کی بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں اگر طلاق ہو گئی تو عورت کی عدت کتنی ہو گی - المستفتی نمبر ۲۲۸۱ محمد قیوم صاحب - دربھنگہ

۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۸٤) اگر زید نے عورت کو طلاق دیتے وقت معلق طور پر طلاق دی ہو یعنی یوں کہا ہو کہ اگر تو نے میری بات میری ماں سے کہی تو تجھے طلاق اور عورت نے اس کی ماں سے وہ بات نہیں کہی تو طلاق نہیں ہوئی(۱) لیکن اگر اس نے تعلیق نہیں کی تھی تو طلاق ہو گئی (۲) اور اب اس کی عدت تین حیض آنے پر پوری ہو گی(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل نوزدہم
تخییر طلاق

شوہر کی طرف سے بیوی کو طلاق کے اختیار ملنے کے بعد بیوی کو طلاق کا حق حاصل ہے

(سوال) زید نے اپنی اہلیہ کو ایک تحریر ۱۷ مئی ۱۹۴۲ء کو دی اور اس نے اس وقت پڑھ بھی لی بعد ازاں ۲۶ مئی ۴۲ء تک دونوں زن و شو ایک مکان میں رہتے رہے اور تعلقات زن و شو قائم رہے ۲۶ مئی ۴۲ء کو اطلاع دی اور ایک تحریر ۳۰ مئی ۴۲ء کو زوجہ زید نے دی دونوں کی نقلیں درج ذیل ہیں پس اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو کونسی ہوئی؟

(نقل تحریر شوہر) محترمہ! السلام علیکم میں نے آپ کے مطالبہ پر بہت غور و خوض کرنے کے بعد جو فیصلہ کیا ہے اس سے آپ کو مطلع کر دینا بہت ضروری سمجھتا ہوں دنیاوی تعلقات یا خدا اور رسول کی طرف سے جو حق مجھ کو حاصل ہے اس کا مختار آپ کو کرتا ہوں یعنی اگر آپ واقعی مجھ سے علیحدگی کا فیصلہ کریں تو میں آپ کی راہ میں مخل نہیں ہوں گا بلکہ آپ کا اپنے فیصلہ سے مطلع کر دینا کافی ہو گا زیادہ کیا عرض کروں میری گستاخیوں کو معاف فرماتے ہوئے اپنے فیصلہ سے مطلع فرمائیں-

---

(۱) واذا اضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط مثل ان يقول لا مرأته ان دخلت الدار فانت طالق (الهداية كتاب الطلاق' باب الايمان فى الطلاق ۲/ ۳۸۵ ط شركة علميه ملتان)

(۲) و يقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو تقديرا بدائع ليدخل السكران ولو عبدا او مكرها (تنوير الابصار مع هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق ۳/ ۲۳۵ ط سعيد كراتشى)

(۳) قال الله تعالىٰ - والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء (البقرة ۲۲۸) وقال فى الدر وهى فى حق الحرة ولو كتابية تحت مسلم تحيض لطلاق ولو رجعيا او فسخ بجميع اسبابه بعد الدخول حقيقة او حكما ثلاث حيض كوامل لعدم تجزى الحيضة (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق باب العدة ۳/ ٥٠٤ ط سعيد كراتشى)

۱۷ مئی ۱۹۴۲ء

(نقل تحریر زوجہ) جناب ---- وعلیکم السلام - آپ کی تحریر مجھ کو ملی میں نے کافی غور کیا آپ کی تحریر سے مجھے اتفاق ہے میں آپ کو زبانی بھی مطلع کر چکی ہوں اور اس تحریر کے ذریعہ پھر مطلع کرتی ہوں کہ میں نے طلاق منظور کیا اب مجھے آپ سے کوئی واسطہ نہیں اور کسی قسم کا تعلق زن و شوہی باقی نہیں رہا۔

۳۰ مئی ۱۹۴۲ء

المستفتی نمبر ۲۱۷۲ محمد فخر الہدیٰ کلکتہ - ۲۶ جمادی الاول ۱۳۶۱ھ م ۱۱ جون ۱۹۴۲ء

(جواب ۸۵) زید کی تحریر میں تخییر و تفویض ہے اور عموم اوقات کا کوئی لفظ نہیں ہے اسلئے وہ مقید بالمجلس ہے یعنی جس مجلس میں زوجہ نے وہ تحریر پڑھی تھی اسی مجلس میں اسے طلاق ڈال لینے کا حق تھا جب اس مجلس میں اس نے اپنے اوپر طلاق نہیں ڈالی تو وہ اختیار جو اسے دیا گیا تھا باطل ہو گیا(۱) پھر ۲۶ مئی تک دونوں کا باہم زن و شو کی طرح رہنا بھی مبطل اختیار ہے لہذا ۲۶ مئی کو زوجہ کی طرف سے زوج کو زبانی اطلاع دینا اور ۳۰ مئی کو تحریر دینا بیکار ہے اور پھر تحریر بھی مہمل ہے یعنی اس سے یہ نہیں نکلتا کہ تخییر کے حق کو وہ استعمال کر کے خود طلاق لے رہی ہے بلکہ یہ نکلتا ہے کہ زوج نے اسے طلاق دی ہے وہ اسے منظور کرتی ہے حالانکہ زوج نے اپنی تحریر میں اسے طلاق نہیں دی بلکہ اسے اپنے اوپر طلاق ڈالنے کا اختیار دیا تھا لہذا زوجہ پر کوئی طلاق نہیں پڑی ہے اور وہ بدستور زید کے نکاح میں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل بستم
طلاق غیر مدخولہ

رخصتی سے قبل طلاق دینا چاہے' تو کیا طریقہ ہے؟

(سوال) ایک شخص کا صرف نکاح ہو گیا ہے لیکن ابھی رخصت نہیں ہوئی وہ اپنی بیوی کو فی الفور طلاق دینا چاہتا ہے ایک ہی وقت میں تو کس طرح دے؟ ایک دم تین مرتبہ کہہ دے یا وقفہ دے کر؟

(جواب ۸۶) غیر مدخولہ کو ایک طلاق دے دینا کافی ہے ایک ہی طلاق سے وہ بائن ہو جاتی ہے حالت

---

(۱) قال لها اختاری او امرك بيدك ينوی تفويض الطلاق او طلقی نفسك فلها ان تطلق في مجلس علمها به مشا فهة او اخبارا وان طال يوما او اكثر مالم يوقت و يمضي الوقت قبل علمها مالم تقم لتبدل مجلسها حقيقة او حكما بان تعمل ما يقطعه مما يدل على الاعراض لانه تمليك فيتوقف على قبولها في المجلس لا توكيل.... لا تطلق بعده اى المجلس إلا اذا زاد على قوله طلقی نفسك متى شئت او متى ماشئت اوا ذا ما شئت (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب الطلاق باب تفويض الطلاق ۳/ ۳۱۵ ط سعيد كراتشي)

طہر میں طلاق دینا بہتر ہے (۱) فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ 'مدرسہ امینیہ دہلی

فصل بست و یکم
متفرقات

بیوی سے کہا "میں نے تجھ کو ثلاث ایک طلاق بائن دیا" تو کتنی طلاق واقع ہوئی ؟

(سوال) زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھ کو ثلاث ایک طلاق بائن دیا تم جاؤ' تو اس کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوں گی ؟

(جواب ۸۷) "زید کے اس قول سے کہ میں تجھ کو ثلاث ایک طلاق بائن دیا "اس کی بیوی پر تین طلاقیں پڑیں اور وہ مطلقہ مغلظہ ہوگئی (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

حالت حمل میں طلاق دینے کے بعد رجوع کرنا

(سوال) زید کی شادی و نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا ہندہ سے زید نے بتاریخ ۱۶ مئی ۳۳ء وطن چلنے کے لئے کہا ہندہ نے انکار کیا اس پر زید نے ہندہ کو طلاق دیدی ہندہ اس وقت حاملہ تھی ہندہ کے ۷ جون ۳۳ء کو وضع حمل ہوا ہندہ کا خود اس کے والدین کا بیان ہے کہ زید نے تین چار مرتبہ طلاق دی یہ کہہ کر کہ "میں نے تجھ کو طلاق دی" زید انکاری ہے مگر حاکم کی رائے میں تین چار مرتبہ طلاق دینا ثابت نہیں البتہ ایک واقعہ یہ ثابت ہے کہ وقوعہ طلاق کے عین مابعد زید اور زید کے خسر و خود نائب قاضی صاحب ریاست بھوپال کے پاس گئے اور ان کے روبرو ایک استفتا پیش کیا اور واقعات زبانی زید کے خسر نے بیان کئے جن کی زید نے تردید نہیں کی اس استفتا اور واقعات سے جو زید کے خسر نے بیان کئے نائب

---

(۱) وقال لغیر المؤطوء ۃ انت طالق واحدۃ و واحدۃ بالعطف - یقع واحدۃ بائنۃ ولا تلحقھا الثانیۃ لعدم العدۃ (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب طلاق غیر المدخول بھا ۲۸۸/۳ ط سعید کراتشی) قال لزوجتہ غیر المدخول بھا انت طالق ثلاثا وقعن وان فرق بانت بالاولی لاالی عدۃ ولذا لم تقع الثانیۃ بخلاف الموطوء ۃ حیث یقع الکل وکذا انت طالق ثلاثا متفرقات فواحدۃ (تنویر الابصار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق باب طلاق غیر المدخول بھا ۳ / ۲۸٤ سعید کراتشی)

(۲) فالذی یعود الی العدد ان یطلقھا ثلاثا فی طھر واحد بکلمۃ واحدۃ او کلمات متفرقۃ او یجمع بین التطلیقتین فی طھر واحد بکلمۃ واحدۃ او بکلمتین متفرقتین فاذا فعل ذلک وقع الطلاق وکان عاصیا (الفتاوی الھندیۃ کتاب الطلاق الباب الاول مطلب الطلاق البدعی ۱/ ۳٤۹ ط ماجدیہ کوئٹہ) وقال ایضا ولو قال انت بثلاث وقعت ثلاث ان نوی ولو قال لم انو لا یصدق اذا کان فی حال مذاکرۃ الطلاق والا صدق و مثلہ بالفارسیۃ " توبسہ" علی ما ھو المختار للفتوی (الفتاوی الھندیۃ' کتاب الطلاق' الباب الثانی فی ایقاع الطلاق' الفصل الاول فی الطلاق الصریح ۱/ ۳۵۷ ط مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

قاضی صاحب نے یہ نتیجہ نکالا کہ طلاق رجعی ہو گئی طلاق بائن نہیں ہوئی نیز زید کا ادعا ہے کہ نائب قاضی صاحب کے حکم کے بعد اس نے اپنے خسر کے سامنے رجعت کی۔ لیکن یہ ثابت نہیں ہے دوسری رجعت زید نے عدالت کے روبرو بتاریخ یکم نومبر ۳۳ء دوران حلفی بیان خود کی اور ہندہ کے وضع حمل ۷ جون ۳۳ء کو ہو چکا تھا لہذا بر بنائے واقعات مندرجہ بالا کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مابین زید و ہندہ طلاق وارد ہوئی یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۱۹ عبدالحلیف خاں

۱۴ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ م ۲۴ فروری ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۸) اس سوال میں وہ واقعات درج نہیں جن سے طلاق ہونے یا نہ ہونے کا حکم دیا جا سکے۔ اسی طرح صحت رجعت وعدم صحت کا حکم بھی۔ اس سوال کا جواب اسی قدر ہو سکتا ہے کہ ثبوت طلاق کے لئے شہادت شرعیہ کی ضرورت ہے (۱) نائب قاضی کے سامنے زید کے خسر کا بیان شہادت طلاق کا کام نہیں دے سکتا (۲) اور رجعت عدت کے اندر ہو سکتی ہے (۳) اگر طلاق کا ثبوت ہو جائے تو عدت اس کی وضع حمل پر ختم ہو جاتی ہے وضع حمل سے پہلے رجعت ہوئی تو معتبر ہو گی ورنہ نہیں (۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تین طلاق دینے کے بعد جھوٹے گواہوں کی گواہی سے عورت اس کے لئے حلال نہیں ہو گی

(سوال) ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو طلاق دینے کے وقت پوچھا کہ تم کو کچھ ہے (یعنی حمل ہے) اس نے جواب میں کہا کہ ہم کو کچھ نہیں ہے اس شخص نے کہا کہ اگر کچھ ہو تو اس کا میں ذمہ دار نہیں ہوں اور اس نے تین طلاق پوری دی اور چند آدمیوں کے سامنے طلاق نامہ لکھ دیا اور پھر چند روز کے بعد اس نے کہا کہ میں نے شرطی طلاق دی ہے اور جھوٹے گواہ لے جا کر مفتی سے فتویٰ لا کر اس عورت کو کام میں لاتا ہے۔ المستفتی نمبر ۳۰۷ نیک مسلم نورانی کلب ڈیگون

۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۹ جولائی ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۹) اگر شخص مذکور بلا شرط طلاق دے چکا ہے اور تین طلاقیں دی ہیں تو اس کی زوجہ اس

---

(۱) او ما سوی ذلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین او رجل وامر أتین سواء کان الحق مالا او غیر مال مثل النکاح والطلاق والو کالة والو صیة (الهندیة کتاب الشهادة ۳/ ۱۵۴ ط شرکة علمیه ملتان)

(۲) لا تقبل من اعمی-والزوجة لزوجها وهو لها ولو فی عدة من ثلاث والفرع لا صله وان علاو بالعکس للتهمة (تنویر الابصار مع هامش رد المحتار کتاب الشهادات باب القبول وعد مه ۵/ ۴۷۸ ط سعید کراتشی)

(۳) واذا طلق الرجل امرأته تطلیقة رجعیة او تطلیقتین فله ان یراجعها فی عدتها رضیت بذلک او لم ترض لقوله تعالی "فامسکوهن بمعروف" من غیر فصل (الهدایة کتاب الطلاق باب الرجعة ۲/ ۳۹۴ شرکة علمیه ملتان)

(٤) ولا بدمن قیام العدة لان الرجعة استدامة الملک ألا تری انه سمی امساکا وهو الا بقاء وانما یتحقق الا ستدامة فی العدة لانه لا ملک بعد العدة (الهدایة کتاب الطلاق باب الرجعة ۲/ ۳۹۴ ط شرکة علمیه ملتان)

کے لئے حرام ہو چکی ہے (۱) جن لوگوں نے جھوٹی گواہی دی وہ سخت گناہ گار اور فاسق ہوئے (۲) اور ان کی جھوٹی گواہی کی بناء پر اور مفتی کے فتوے کی وجہ سے وہ عورت اس شخص کے لئے حلال نہیں ہو جائے گی کیونکہ مفتی کا فتوی تو بیان سائل پر ہوتا ہے اگر بیان جھوٹا ہو تو مفتی اس کا ذمہ دار نہیں اور نہ اس کے فتوے سے حرام چیز حلال ہو سکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شوہر نے بیوی سے کہا "میں جاتا ہوں، تم طلاق لے لو" تو کیا حکم ہے؟

(سوال) زید کی منکوحہ عورت آٹھ ماہ میں بچہ جن چکی ہے اب زید کو کچھ دماغی عارضہ ہو گیا زید کو وہم ہوا کہ میری زوجہ نے مجھ پر جادو کروادیا ہے اس خیال پر زوجہ کو مارا پیٹا اس نے اپنی جان کے خوف کے باعث اپنے عزیزوں کو اطلاع دی جنہوں نے زید کو مار پیٹ کر نکال دیا زید قریب ایک سال کے بعد اپنی زوجہ کے پاس گیا اور کہا کہ تم نے میری ہمدردی نہیں کی ہے اس لئے میں جاتا ہوں اگر تم چاہو تو طلاق نامہ کاغذ پر لکھ دوں عورت نے جواب دیا کہ اب مجھ کو دوسرا خاوند کرنا نہیں ہے جو تم سے طلاق لوں تمہاری خوشی ہو آنا یا نہ آنا اب تین سال کے بعد زید اپنی جورو سے متفق ہونا چاہتا ہے اس واسطے زید دریافت کرتا ہے کہ عورت مذکورہ میرے نکاح میں سے خارج تو نہیں ہوئی۔

المستفتی نمبر ۱۲۳۷ مستری صادق علی صاحب (ضلع بلند شہر)

۲۴ شعبان ۱۳۵۵ھ م ۱۰ نومبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۰) صرف اس کہنے سے کہ میں جاتا ہوں تم چاہو تو طلاق لے لو اور عورت کا یہ کہنا کہ مجھے دوسرا خاوند کرنا نہیں ہے جو تم سے طلاق لے لوں تمہاری خوشی ہو آنا یا نہ آنا اس سے طلاق نہیں ہوئی (۳) میاں بیوی باہم زوجین کی طرح رہ سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة او ثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا و یدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها والا صل فیه قوله تعالی : "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره" والمراد الطلقة الثالثة (الهدایة کتاب الطلاق باب الرجعة فصل فیما تحل به المطلقة ۲ / ۳۹۹ ط شرکة علمیه ملتان)

(۲) عن ابی بکرةؓ قال کنا عند رسول الله ﷺ فقال ألا أنبئکم باکبرا لکبائر ثلاثا الاشراك بالله و عقوق الوالدین و شهادة الزور کان رسول الله ﷺ متکئاً فجلس فما زال یکررها حتی قلنا لیته سکت (رواه مسلم فی الصحیح کتاب الایمان باب الکبائر واکبرها ۱ / ٦٤ ط قدیمی کراتشی) عن انسؓ عن النبی ﷺ فی الکبائر قال الشرك بالله و عقوق الوالدین و قتل النفس وقول الزور (رواه مسلم فی الصحیح باب الکبائر واکبرها ۱ / ٦٤ ط قدیمی کراتشی)

(۳) اسلئے کہ یہ الفاظ طلاق صریح یا کنایہ میں سے نہیں ہیں، پس ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی، کمافی رد المحتار (قوله ورکنه لفظ مخصوص) هو ماجعل دلالة علی معنی الطلاق من صریح او کنایة واراد اللفظ ولو حکما لیدخل الکتابة ... وبه ظهر ان من تشاجر مع زوجته فاعطاها ثلاثة احجار ینوی الطلاق ولم یذکر لفظا لا صریحا ولا کنایة لا یقع علیه کما افتی به الخیر الرملی وغیره الخ (رد المحتار مع الدرالمختار کتاب الطلاق ۳ / ط. سعید کراتشی)

عورت نے کہا "میں اگر تم سے تعلق رکھوں تو اپنے باپ اور بھائی سے تعلق رکھوں گی تو طلاق واقع نہیں ہوتی

(سوال) میری شادی ہونے عرصہ سات سال کا ہوا میری اہلیہ ناخواندہ جاہل مزاج اور نافرمان ہے جب سے میری شادی ہوئی ہے میں کبھی خوش نہیں ہوں ہمیشہ نااتفاقی ہی رہتی ہے اس وقت دو لڑکے ہیں تین بچے ہوئے پہلا لڑکا قضا کر گیا دوسرا چار سال کا ہے تیسرا شیر خوار ہے میری پہلے سے منشاء دوسرے نکاح کی ہے لیکن میری اہلیہ اس کے خلاف ہے اس رنجش کی وجہ سے اس نے عہد کر لیا ہے کہ میں اگر تم سے تعلق رکھوں گی تو اپنے باپ اور بھائی سے تعلق رکھوں گی تو میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے میرے نکاح میں ہے یا نکاح سے باہر ہوگئی مہر پانچ سو روپے دو سرخ دینار ہے علاوہ اس کے وہ بچوں کو نہیں چھوڑنا چاہتی ہے اس لئے کل باتوں سے مجھے مطلع فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۱۵۳۹ سید احمد علی صاحب (ضلع رائے پور ریاست کھیرا گڈھ) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ

(جواب ۹۱) اہلیہ کے اس عہد کر لینے سے طلاق نہیں پڑتی(۱) اور نہ اس سے وطی کرنا شوہر کے لئے ناجائز ہوتا ہے شوہر وطی کر سکتا ہے اگر اہلیہ نے عہد مؤکد بقسم بھی کیا ہو جب بھی مرد کے لئے کچھ حرج نہیں اس کو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا(۲) اور بس آپ اس کو مسئلہ سمجھا کر اس سے تعلقات زوجیت قائم کر لیں اور جب اس کے بطن سے اولاد ہے تو اسی کے ساتھ نباہ کرنے کی کوشش کریں(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جب شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی' تو طلاق واقع ہوگئی

(سوال) زید نے اپنی بیوی کو پنچایت کے روبرو طلاق دیدی اور عورت کو گھر سے نکال دیا وہ عورت اپنے بھائی کے پاس چلی گئی اس کا بھائی پنچایت لے کر آیا اس نے زید سے پوچھا تم نے طلاق کیوں دی اس نے کہا میں نے نہیں رکھنی اس لئے طلاق دیدی آپ بتائیں کہ اس عورت کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۴۰۸ فضل الدین ٹیلر ماسٹر (جالندھر) ۵ رجب ۱۳۵۷ھ م یکم ستمبر ۱۹۳۸ء

---

(۱) طلاق کا اختیار شریعت نے مرد ہی کو دیا ہے عورت کو یہ اختیار نہیں دیا گیا' کما فی حدیث ابن ماجه الطلاق لمن اخذ بالساق قال فی الرد (قوله لم اخذ بالساق) کناية عن ملك المتعة (هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الطلاق ۳/۲۴۲ ط سعید کراتشی) وقال فی الدر لان الطلاق لا یکون من النساء (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب النکاح باب نکاح الکافر ۳/۱۹۰ ط سعید کراتشی)

(۲) وهذا القسم فیه الکفارة لآية " واحفظوا ایمانکم" ولا یتصور حفظ إلا فی مستقبل فقط ان حنث (الدر المختار مع هامش رد المحتار کتاب الایمان ۳/۷۰۸ ط سعید کراتشی)

(۳) قال الله تعالیٰ وان امرأة خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحا والصلح خیر (النساء: ۱۲۸)

(جواب ۹۲) جب کہ شوہر نے طلاق دیدی تو طلاق ہو گئی(۱) طلاق کتنی مرتبہ دی یہ معلوم نہ ہوا اگر ایک یا دو مرتبہ لفظ طلاق کے ساتھ طلاق دی تو رجعت ہو سکے گی(۲) اور تین مرتبہ دی ہو تو طلاق مغلظہ کا حکم ہو گا(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شوہر نے کئی دفعہ کہا "میں نے تجھ کو طلاق دی' تو بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو گئی

(سوال) مسماۃ ننھی بیگم زوجہ عبدالغنی ولد وزیر علی خاں ساکن قصبہ اجھانی ضلع بدایوں وارد حال شہر دہلی تخمیناً عرصہ دو سال سے اپنے شوہر سے نان نفقہ وصول کرنے سے عاجز ہے اور ضروریات کو پورا کرنے میں محتاج ہے۔ اور اس نے کئی مرتبہ کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی اور میں اپنے چچازاد بھائی کے یہاں چلی گئی ایسی صورت میں میرے واسطے کیا حکم ہے؟ (نمبر ۸) نشانی انگوٹھا مسماۃ ننھی بیگم

مورخہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ ۲۰ جولائی ۱۹۳۳ء

(جواب ۹۳) اگر خاوند کئی مرتبہ یہ کہہ چکا ہے کہ میں نے تجھ کو طلاق دی تو عورت پر طلاق ہو چکی ہے(۴) وہ عدالت میں طلاق دینے کا ثبوت پیش کر کے حکم تفریق حاصل کر سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

صورت مسئولہ میں عورت پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو گئیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک مرد ہے جس کے نکاح میں عرصہ آٹھ سال سے ایک عورت تھی جس کو ہمیشہ مرد مذکور نکالا کرتا تھا اور چودہ بار مرد مذکور نے طلاق دیا تھا عورت چلی جاتی تھی پھر بلا کر رکھ لیتا تھا مگر کبھی درمیان

---

(۱) یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغا عاقلا سواء کان حرا او عبدا طائعا او مکرھا کذا فی الجوھرۃ النیرۃ (الفتاوی الھندیۃ' کتاب الطلاق الباب الاول' فصل فیمن یقع طلاقہ و فیمن لا یقع طلاقہ ۱/۳۵۳ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۲) واذا طلق الرجل امرأتہ تطلیقۃ رجعیۃ او تطلیقتین فلہ ان یراجعھا فی عدتھا (الھدایۃ کتاب الطلاق باب الرجعۃ ۲/۳۹۴ ط .شرکۃ علمیہ ملتان)

(۳) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ او ثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحا و یدخل بھا ثم یطلقھا او یموت عنھا (الھدایۃ کتاب الطلاق' باب الرجعۃ فصل فیما تحل بہ المطلقۃ ۲/۳۹۹ ط شرکۃ علمیہ ملتان)

(٤) صریحہ مالم یستعمل إلا فیہ ولو بالفارسیۃ کطلقتک وانت طالق ومطلقۃ یقع بھا ای بھذہ الا لفاظ ومابمعناھا من الصریح واحدۃ رجعیۃ وان نوی خلافھا اولم ینو شیئا (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق باب الصریح ۳/۲٤۷ ط سعید کراتشی) فالصریح قولہ انت طالق مطلقۃ وطلقتک فھذا یقع بہ الطلاق الرجعی لأن ھذہ الالفاظ تستعمل فی الطلاق ولا تستعمل فی غیرہ فکان صریحا وانہ یعقب الرجعۃ ولا یفتقر إلی النیۃ (الھدایۃ کتاب الطلاق باب ایقاع الطلاق ۳/۳۵۹ ط شرکۃ علمیہ ملتان)

فریقین کے اتفاق نہ رہا آخری مرتبہ نکال دینے کے بعد مرد نے اپنی دوسری شادی بھی کرلی ایسی صورت میں کہ وہ اس سے بے تعلق ہو چکا ہے عورت کے لئے کیا حکم ہے ؟

(جواب ۹٤) اگر واقعہ یہ ہے کہ چودہ بار مرد طلاق دے چکا ہے تو نکاح قائم رہنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے رجعت کا حق بھی دو طلاق تک رہتا ہے(۱) تیسری طلاق کے بعد عورت مطلقہ مغلظہ ہو جاتی ہے(۲) پس بصورت صدق واقعہ وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ'

شوہر نے بیوی سے تین بار کہا "تم کو چھوڑ دیا" تو کتنی طلاقیں واقع ہوئیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک شخص نے اپنی بیوی سے تین بار کہا کہ تم کو چھوڑ دیا لیکن یہ الفاظ حالت غضب میں کہے تھے بعدہ شوہر نے انکار کر دیا کہ میں نے کوئی طلاق نہیں دی ہے اس معاملہ میں چار شخص موجود تھے ایک اہل ہنود ایک والد عورت کا اور دو شخص دیگر یہ چار شخص حلفیہ بیان کرتے ہیں کہ خاوند نے واقعی الفاظ مذکورہ کہے ہیں مگر جو شخص دوسرے ہیں وہ خاوند کے مخالف ضرور ہیں۔

(جواب ۹۵) اگر خاوند نے یہ الفاظ کہ میں نے تم کو چھوڑ دیا طلاق کی نیت سے کہے ہوں تو ایک طلاق بائن پڑی اور نیت طلاق نہ ہو تو طلاق نہیں ہوئی(۳) اگر وہ نیت طلاق کا انکار کرے یا ان الفاظ کے کہنے سے ہی منکر ہو اور گواہ بھی نہ ہوں یا قابل اعتماد نہ ہوں تو خاوند کا قول مع قسم کے معتبر ہوگا(۴)

محمد کفایت اللہ غفر لہ

---

(۱) قال الله تعالى : الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان (البقرة ۲۲۹) اذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها في عدتها (الهداية كتاب الطلاق باب الرجعة ۲/٤ ۳۹ ط شركة علميه ملتان)

(۲) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة او ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها والاصل فيه قوله تعالى فان طلقها فلا تحل له من بعدحتى تنكح زوجا غيره' المراد الطلقة الثالثة (الهداية كتاب الطلاق باب الرجعة فصل فيما تحل به المطلقة ۳۹۹/۳ ط شركة علميه ملتان)

(۳) فالكنايات لا تطلق بها قضاء إلا بنية او دلالة الحال وهي حالة مذاكرة الطلاق اوالغضب فنحوا خرجي واذهبي و قومي يحتمل ردا ونحو خلية ' برية حرام بائن يصلح سبا و نحواعتدى واستبرئي رحمك سرحتك فارقتك لايحتمل السب والرد ففي حالة الرضا اى غير الغضب والمذاكرة تتوقف الاقسام الثلاثة تاثيرا على نية للاحتمال و في الغضب توقف الاولان ان نوى وقع الا لا وفي مذاكرة الطلاق يتوقف الاول فقط و يقع بالا خيرين ان لم ينو (تنوير الابصار وشرحه مع هامش رد المحتار كتاب الطلاق باب الكنايات ۲۹٦/۳ ط سعيد كراتشي) اردو میں لفظ "چھوڑ دیا" صریح ہے یا کنایہ ؟ اس سے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت شرط ہے یا نہیں ؟ اس کے متعلق تفصیلی بحث جواب نمبر ۱۴ حاشیہ نمبر ا پر ملاحظہ فرمائیں۔

(٤) والقول له بيمينه في عدم النية و يكفي تحليفها له في منزله فان ابى رفعته للحاكم فان نكل فرق بينهما (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب الطلاق باب الكنايات ۳۰۰/۳ ط سعيد كراتشي)

طلاق یا خلع کے بغیر میاں بیوی میں تفریق ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک مسلمان کے گھر غیر کی منکوحہ عورت دس بارہ سال سے رہتی ہے اور اس مرد کے اس عورت کے بطن سے چند بچے بھی پیدا ہو چکے ہیں وہ عورت اپنے شوہر کے گھر ہرگز نہیں جاتی اور شوہر اس کو طلاق نہیں دیتا یہ نکاح بغیر طلاق کے کسی طرح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ اور یہ عورت مرد مذکور پر کسی طرح حلال ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ عرصہ مدید کی موانست اور بچوں کی محبت بھی مانع مفارقت ہے۔

(جواب ۹۶) اس عورت کا پہلے خاوند سے نکاح کسی صورت سے فسخ کرایا جائے اور کوئی صورت ممکن نہ ہو تو کم از کم ایلا کی صورت پیدا کر کے چار ماہ کے بعد وقوع طلاق کا حکم دیا جائے گا(۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ

پیر کے کہنے سے کہ "اگر ہماری تابعداری کے خلاف کیا' تو تمہاری عورت پر طلاق پڑ جائے گی' مریدین کی عورتوں پر طلاقیں نہیں ہوتیں

(الجمعیۃ مورخہ ۵ جون ۱۹۳۴ء)

(سوال) ایک مولوی جو نماز پنجگانہ کا پابند نہیں' ہر روز سینما دیکھتا ہے قوالی اور گانا سنتا ہے ساری رات گانے کے محفل میں جاگے اور نماز فجر کے وقت سو جائے اور اپنے متبعین سے یہ عہد لے کہ تم پر ہماری تابعداری ہر طرح فرض ہے اگر اسکے خلاف کیا تو تمہاری عورت پر طلاق پڑ جائے گی اس کے چیلے یہ سن کر جواب نہیں دیتے بلکہ سب کے سب تسلیم کرتے ہیں کیا واقعی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں ان کی عورتوں پر طلاق پڑ جائے گی ؟

(جواب ۹۷) یہ شخص اگرچہ نام کا عالم ہو مگر در حقیقت عالم نہیں ہے جاہل ہے اس کی متابعت کرنا ناجائز ہے اور اس کا خلاف کرنے سے کسی شخص کی بیوی پر طلاق نہیں پڑے گی(۲) کیونکہ محض اس کے اس کہنے سے کہ جو میرا خلاف کرے گا اس کی بیوی پر طلاق ہو جائے گی کوئی طلاق معلق نہیں ہو گی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) اس کی صورت یہ ہے کہ شوہر یہ قسم کھالے کہ واللہ میں تیرے قریب چار ماہ تک نہ جاؤں گا اور پھر چار ماہ تک نہ گیا تو بے شک اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے کما قال اللہ تعالیٰ للذین یولون من نسائھم تربص اربعة اشھر فان فاؤ ا فان اللہ غفور رحیم وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم (البقرة : ۲۲۶ - ۲۲۷) وقال فی الھدایة : اذا قال الرجل لامرأ ته واللہ لا اقربك او قال واللہ لا اقربك اربعة اشھر فھو مول فان وطئھافی الاربعة الاشھر حنث فی یمینه ولزمته الکفارة وسقط الایلاء وان لم یقربھا حتی مضت اربعة اشھر بانت منه بتطلیقة (الھدایة' کتاب الطلاق باب الایلاء ۲/۱ ۰ ٤ ط شرکة علمیه ملتان) و کذافی الدر المختار مع ھامش رد المحتار کتاب الطلاق باب الایلاء ۳/٤۲۵ ط سعید کراتشی)

(۲) لا یقع طلاق المولی علی امرأة عبده لحدیث ابن ماجه " الطلاق لمن اخذ بالساق" الدر المختار مع ھامش رد المحتار کتاب الطلاق ۳/۲٤۲ ط سعید کراتشی- وقال فی الرد (قوله واھله زوج عاقل بالغ مستیقظ) احترز بالزوج عن سید العبد ووالد الصغیر (ھامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الطلاق ۳/۲۳۰ ط سعید کراتشی) وقال فی الدر او یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبدا او مکرھا (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۳/۲۳٦ ط سعید کراتشی)

دوسرا باب
فسخ و انفساخ
فصل اول
عمر قید زوج

شوہر بیس سال کے لئے قید ہو گیا' تو عورت نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) عرصہ تقریباً سات سال کا ہوا جب کہ سائلہ کی عمر تقریباً سات سال کی تھی اور قطعی نابالغہ تھی بلا علم و اجازت وبلا رضامندی سائلہ نکاح سائلہ ہمراہ محمد صدیق ولد محمد دین ہوا تھا جس میں رضامندی محض بزرگان فریقین تھی اس وقت زوج کی عمر تقریباً چودہ سال تھی بعد نکاح زوجہ بر مکان زوج بہ سبب علالت خسر مرحوم عرصہ ڈیڑھ سال ہوا صرف ڈیڑھ ماہ کے لئے گئی تھی اور اس دوران میں کسی قسم کا کوئی واسطہ زوجہ کا زوج سے نہیں ہوا اور نہ تاہنوز زوجہ یہ جانتی ہے کہ زوج سے کیا واسطہ اور تعلق ہوتا ہے اب تقریباً ڈیڑھ دو ماہ گزرے کہ زوج کو ایک مقدمہ قتل میں جنم قید ہو گئی ہے جس کی مدت کم از کم بیس سال ہوتی ہے زوجہ کی عمر اس وقت چودہ پندرہ سال ہے اور کوئی اثاثہ ایسا نہیں ہے جس سے وہ اپنی گزر اوقات کر سکے اور دل کو مار سکے نیز زوجہ کی خوشی اور رضامندی زوج کے ساتھ نہیں ہے اور زوج کا باپ بھی زندہ نہیں ہے اب وہ نکاح ثانی کس طرح کر سکتی ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۷ امساۃ کبیرا معرفت منشی محمد صدیق مختار عام ہمدرد دواخانہ' دہلی

۱۰ رمضان ۱۳۵۲ھ م ۲۸ دسمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۹۸) ایسی حالت میں کہ خاوند کو عمر قید ہو گئی ہے اور کوئی اثاثہ بھی زوجہ کے نفقہ کے لئے نہیں چھوڑا تو کوئی مسلمان حاکم اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے بعد حکم فسخ عورت دوسرا نکاح کر سکے گی (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) اس صورت میں حنفیہ کا اصل مذہب یہ ہے کہ نکاح فسخ نہیں ہو سکتا اور عورت کو بغیر طلاق دیئے شوہر کے دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں کما فی الدر المختار اولا یفرق بینهما بعجزه عنها الثلاثة ولا بعدم ایفائه لو غائبا حقها (کتاب الطلاق باب النفقة ۳ / ۵۹۰ ط سعید کراتشي) لیکن بعض دیگر ائمہ ایسی صورت میں فسخ نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں اور حنفی کو بضرورت شدیدہ اس پر عمل کرنا درست ہے اور امام شافعیؒ کے مذہب کے موافق فتویٰ دینا صحیح ہوگا البتہ احوط یہ ہے کہ جس کا مذہب تفریق و فسخ نکاح کا ہے اسی سے فسخ کرائے کما فی الدر المختار وجوزه الشافعي با عسار الزوج و بتضررها بغيبته ولو قضى به حنفي لم ينفذ نعم لو امر شا فعيا فقضى به نفذ اذا لم يرتش الآمر والما مور بحر (درمختار) وقال في الرد' (جاری هے)

قیدی کی بیوی کا کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک شخص کو کالے پانی کی سزا بتعین ۲۰ سال کی ہوئی ہے اور اس کی بیوی جوان ہے وہ اس عرصہ تک نہیں رہ سکتی اور اپنی شادی کرنا چاہتی ہے تو ایسی صورت میں عقد ثانی کا کیا حکم ہے ؟
المستفتی نمبر ۲۲۲ قاضی عبدالرؤف دھولانہ ضلع میرٹھ

۱۶ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ م ۳ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۹۹) اگر ممکن ہو تو اس قیدی شوہر سے طلاق حاصل کر لی جائے لیکن اگر حصول طلاق کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو پھر یہ حکم ہے کہ اگر عورت اتنی طویل مدت تک صبر نہ کر سکتی ہو یا اس کے نفقہ کی کوئی صورت خاوند کی جائداد وغیرہ سے نہ ہو تو کسی مسلمان حاکم نے نکاح فسخ کرالیا جائے - اور بعد فسخ نکاح وانقضائے عدت دوسرا نکاح کر دیا جائے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شوہر نہ طلاق دیتا ہے 'نہ نان و نفقہ' تو بیوی نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید بمقدمہ خون ریاست نیپال میں گرفتار ہوا اور سولہ برس تک حوالات میں رہا اب اس کے مقدمہ کا فیصلہ ہوا اور سزا دائم الحبس کی دی گئی زید اپنی زوجہ کو نہ طلاق دیتا ہے نہ نان نفقہ دیتا ہے کیا ایسی صورت میں اس کی زوجہ بغیر طلاق دوسرا نکاح کر سکتی ہے ؟

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) والحاصل ان عند الشافعی اذا اعسر الزوج بالنفقة فلها الفسخ وكذا اذا غاب وتعذر تحصيلها منه على ما اختاره كثيرون منهم لكن الاصح المعتمد عندهم ان لا فسخ ما دام موسرا – قال في عزز الاذكار ثم اعلم ان مشائخنا استحسنوا ان ينصب القاضي الحنفي نائبا ممن مذهبه التفريق بينهما اذا كان الزوج حاضرا وابى عن الطلاق ' لان دفع الحاجة الدائمة لا يتيسر بالا ستدانة اذ الظاهر انها لا تجد من يقرضها و غنى الزوج مالا امر متوهم فالتفريق ضرورى اذا طلبته وان كان غائبا لا يفرق لان عجزه غير معلوم حال غيبته – والحاصل ان التفريق بالعجز عن النفقة جائز عند الشافعي حال حضرة الزوج وكذا حال غيبته مطلقا او مالم تشهد بينة باعسار الآن كما علمت فما نقلناه عن التحفة والحالة الاولى جعلها مشايخنا حكما مجتهدا فيه فينفذ فيه القضاء دون الثانية – نعم يصح الثانى عند احمد كما ذكر في كتب مذهب و عليه يحمل مافى فتاوى قارى الهداية حيث سأل عمن غاب زوجها ولم يترك لها النفقة فاجاب : اذا اقامت بينة على ذلك وطلبت فسخ النكاح من قاض يراه ففسخ نفذ وهو قضاء على الغائب وفي نفاذ القضاء على الغائب روايتان عندنا فعلى القول بنفاذه يسوغ للحنفى ان يزوجها من الغير بعد العدة (هامش رد المحتار مع الدر المختار كتاب الطلاق ' باب النفقة ۳/ ۵۹۰ ط سعيد كراتشى) البتہ علماء حنفیہ جن میں ہندو پاکستان کے ممتاز علماء شامل ہیں نے بھی دار القضاء اور جماعت المسلمین کے ذریعہ تفریق کی اجازت دی ہے دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ' مقدمہ دربیان حکم قضائے قاضی در ہندوستان و دیگر ممالک غیر اسلامیہ ص ۳۳ ط دار الاشاعت کراچی-

(۱) ومن اعسر بنفقة امرأته لم يفرق بينهما و يقال لها استديني عليه وقال الشافعي يفرق لانه عجز عن الامساك بالمعروف فينوب القاضي منابه في التفريق (الهداية كتاب الطلاق' باب النفقة ۲/ ۴۳۹ ط شركة علميه ملتان) جواب نمبر ۹۸ حاشیہ نمبر ا کے تحت درج تفصیل کا ملاحظہ فرمائیں-

(جواب ۱۰۰) اس صورت میں عورت حاکم مجاز سے اپنا نکاح فسخ کرا کے اور عدت گزار کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے بغیر حکم فسخ دوسرا نکاح جائز نہیں ہے(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل دوم
نافرمانئ زوجہ

عورت کے بھاگ جانے سے عورت اپنے شوہر کے نکاح سے علیحدہ نہیں ہوتی

(سوال) مسماۃ کرم جی بنت جمال الدین کی شادی رحمت اللہ سے ہوئی عرصہ دس سال تک زن و شو میں اتفاق رہا اور دو لڑکیاں بھی ہوئیں ازاں بعد نفاق و رنجش باہمی کی وجہ سے مسماۃ اپنے والدین کے گھر رہی کئی سال تک دخل زوجیت کا مقدمہ عدالت ہائی کورٹ تک پہنچا رحمت اللہ کامیاب ہوا مگر مسماۃ کو جب عدالت سے سپرد کئے جانے کا حکم ہوا تو مسماۃ مع اپنی دختران اور برادر خود کے شہر سے فرار ہو گئی گیارہ سال تک روپوش رہی اپنی گزر اوقات طریقہ ناجائز سے متفرق شہر و دیار میں کرتی رہی اس وقت تک شوہر نے کوئی پتہ رسی نہیں کی مسماۃ اسی صورت سے گزر کرتی ہے اور ہر دو دختران کی شادی بھی کر دی اب سوال یہ ہے کہ مسماۃ اپنے شوہر کے نکاح سے علیحدہ ہو گئی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۸۱ عبدالرحمن خاں جے پور

۲۲ رمضان ۱۳۵۲ھ ۹ جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۰۱) مسماۃ مذکورہ ابھی تک رحمت اللہ کی زوجیت سے علیحدہ نہیں ہوئی(۲) علیحدگی کے لئے لازمی ہے کہ یا تو رحمت اللہ طلاق دیکر علیحدہ کرے یا پھر کوئی مسلمان حاکم ان دونوں کی صورت حال معلوم کر کے جب اجتماع اور نباہ کو ناممکن سمجھے تو ان کا نکاح فسخ کر کے تفریق کا حکم دے(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) آج کل بضرورت شدیدہ اس مسئلہ میں مالکیہ کے مذہب پر فتویٰ دیا گیا ہے جس کی پوری تفصیل الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ للتھانوی رحمہ اللہ تعالی میں مذکور ہے دیکھیں ص ۷۳ حکم زوجہ غائب غیر مفقود - نیز کچھ تفصیل جواب نمبر ۹۸ کے حاشیہ نمبر ۱ میں بھی ہے - فقط

(۲) نکاح شوہر ہی توڑ سکتا ہے یا وقت ضرورت شریعت نے قاضی کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار دیا ہے عورت کے ہاتھ میں یہ معاملہ نہیں رکھا گیا ہے کما قال فی الدر المحتار لان الطلاق لا یکون من النساء (الدر المختار مع ہامش رد المحتار' کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۱۹۰/۳ ط سعید کراتشی) ولحدیث ابن ماجہ الذی ذکر صاحب الدر والرد (قولہ الطلاق لم اخذ بالساق) کنایۃ عن ملک المتعۃ (ہامش رد المحتار' مع الدر المختار' کتاب الطلاق ۲۴۲/۳ ط سعید کراتشی)

(۳) ویکون واجبا اذا فات الامساک بالمعروف کما فی امرأۃ المجبوب والعنین بعد الطلب ولذا قالوا اذا فاتہ الامساک بالمعروف ناب القاضی منابہ فوجب التسریح بالاحسان (البحر الرائق کتاب الطلاق ۲۵۵/۳ ط دار المعرفۃ بیروت)

فصل سوم
عدم نان نفقہ

نان و نفقہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں تفریق ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) میری منکوحہ بیوی نے عدالت انگریزی پنجاب میں دعویٰ دائر کیا کہ چونکہ میرے شوہر نے ساڑھے تین سال سے نان نفقہ ادا نہیں کیا لہذا مجھے نکاح ثانی کرنے کی اجازت دی جائے عدالت نے میری حاضری کا سمن جاری کیا چونکہ میں غیر ملک میں تھا میں نے جواب دعویٰ تحریری روانہ عدالت کیا جو کسی خاص وجہ سے عدالت میں پیش نہیں کیا گیا میری بیوی نے جو فتوے عدالت میں پیش کئے اس میں تحریر ہے کہ اگر شوہر بیوی کے حقوق ادا کرنے سے انکار کرے اور خرچ بھی نہ دے تو جدائی ہو سکتی ہے پیشتر اس کے کہ عدالت مجھ سے کوئی تحریر طلب کرے عدالت نے سمن بذریعہ اشتہار جاری کر کے یکطرفہ ڈگری دیکر میری بیوی کو نکاح ثانی کی اجازت دیدی کیونکہ میرا جواب دعویٰ عدالت میں پیش نہیں ہوا۔المستفتی نمبر ۳۶۲، ۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ یکم جولائی ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۰۲) عدالت کو خاوند سے جواب لینا چاہئے تھا اور اگر وہ نفقہ دینے یا طلاق دینے سے انکار کرتا تو پھر وہ فسخ نکاح کا حکم کر سکتی تھی لیکن اگر مسلمان حاکم نے فسخ نکاح کا حکم اس بناء پر کر دیا ہے کہ خاوند کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا اور نہ موصول ہونے کی امید تھی تو اس کا حکم صحیح ہو گیا اور اگر انقضائے عدت سے قبل خاوند آجائے اور بیوی کے حقوق نفقہ ادا کر کے اسے راضی کرلے تو بیوی اس کو مل سکتی ہے۔(۱)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شوہر جب خبر نہ لے تو بیوی تفریق کے لئے کیا کرے ؟

(سوال) ایک عورت عظمیٰ نامی کا عرصہ ۱۴-۱۵ سال ہوئے ایک شخص زید کے ساتھ نکاح ہو چکا ہے نکاح کے سال بھر ہی کے اندر شوہر نے ناراضی سے اس کو اس کے میکے پہنچا دیا اور اس وقت سے آج تک ایک کوڑی خرچ کو نہ دی اور نہ کوئی خبر لی اور نہ عورت کے بلانے کی خواہش کی کئی بار اس کے شوہر سے کہا گیا کہ اگر تم کو اسے رکھنا منظور نہیں تو اسے طلاق دے دو تو وہ کہتا ہے کہ طلاق ہی سی ہے مجھے کیا وہ جو چاہے کرے چونکہ عورت کو کھانے پینے کی تنگی رہی اس لئے اس کا ایک شخص سے ناجائز تعلق ہو گیا اور وہ اس کا کفیل ہے بستی والے کہتے ہیں کہ تو نکاح کرلے نکاح پڑھنے والے کہتے ہیں کہ جب طلاق

---

(۱) جو شخص باوجود قدرت کے بیوی کے حقوق نان و نفقہ وغیرہ ادا نہ کرے وہ متعنت کہلاتا ہے اس کا حکم بھی بوقت ضرورت شدیدہ ستم رسیدہ مستورات کی رہائی کے لئے مالکیہ کے مذہب سے لیا گیا ہے "جو الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ حکم زوجہ متعنت فی النفقۃ میں مذکور ہے دیکھئے صفحہ ۷۳ ۔

نہیں ہوئی تو نکاح کیسے ہوگا۔

المستفتی نمبر ۷۲۶ حافظ محمد وجاہت حسین (ضلع اٹاوہ) ۵ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۳۰ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰۳) یہ صحیح ہے کہ عورت جب تک پہلے شخص کے نکاح میں ہے دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا(۱) لیکن جب کہ زوج اول طلاق نہیں دیتا تو اول تو لوگوں کو چاہئے کہ اسے مجبور کریں کہ یا تو اپنی بیوی سے نباہ کرے اور اس کا کفیل ہو یا طلاق دیدے(۲) اگر وہ نہ مانے تو اس کا مقاطعہ کردیں اور عورت عدالت میں بوجہ عدم کفالت شوہر کے فسخ نکاح کا دعویٰ کردے اور عدالت تحقیقات کر کے اگر ثابت ہو جائے کہ فی الحقیقت شوہر کا ظلم ہے تو نکاح کو فسخ کردے یہ حکم مسلمان حاکم کی عدالت سے حاصل کیا جائے اور بعد حصول حکم عدت پوری کر کے عورت کا دوسرا نکاح کردیا جائے(۳)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شوہر نان و نفقہ نہ دے اور حقوق زوجیت ادا نہ کرے تو بیوی علیحدہ ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) ایک شخص نے اپنی شادی کی شادی ہو جانے پر قریب چار برس ہو چکے نہ تو وہ عورت کو لینے جاتا ہے نہ اس کو کچھ خرچ دیتا ہے لڑکی کے ماں باپ چاہتے ہیں اور کہلاتے ہیں دوسروں سے مگر اس کا شوہر نہ اس کا خسر لینے نہیں آتا اور نہ کچھ جواب دیتا ہے کیا کیا جائے ؟

المستفتی نمبر ۸۰۶ منشی مقبول احمد (چھکوہی) ۷ ا ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰۴) اس لڑکی کا نکاح کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے فسخ کرانا چاہئے اور جب نکاح فسخ کر دیا جائے تو پھر دوسرا نکاح ہو سکے گا (۴)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نان و نفقہ نہ ملنے کی وجہ سے تفریق کی کیا صورت ہوگی ؟

(سوال) ایک شخص اپنی زوجہ کو بغیر نان و نفقہ اور مکان سکنیٰ کے چھوڑ کر چلا گیا اور اس کی زوجہ جوان

---

(۱) کل صلح بعد صلح فالثانی باطل وکذا النکاح بعد النکاح - والا صل ان کل عقد اعید فالثانی باطل (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الصلح ۵/۶۳۶ ط سعید کراتشی)

(۲) ویجب الطلاق لو فات الامساك بالمعروف (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' ۳/۲۲۹ ط سعید کراتشی) وقال فی البحر و یکون واجبا اذا فات الامساك بالمعروف کما فی امراة المجبوب والعنین بعد الطلب وکذاقالوا اذا فاته الامساك بالمعروف ناب القاضی منابه فوجب التسریح بالاحسان (البحر الرائق کتاب الطلاق ۳/۲۵۳ ط دار المعرفة بیروت)

(۳) دیکھئے الحیلة الناجزة' حکم زوجه متعنت ص ۷۳ ط دارالاشاعت کراچی

(٤) نعم یصح الثانی عند احمد کما ذکر فی کتب مذهبه و علیه یحمل مافی فتاوی قاری الهدایة حیث سأل عمن غاب زوجها ولم یترك لها النفقة فاجاب اذا اقامت بینة علی ذلك و طلبت فسخ النکاح من قاض یراه ففسخ نفذ وهو قضاء علی الغائب و فی نفاذ القضاء علی الغائب روایتان عندنا فعلی القول بنفاذه یسوغ للحنفی ان یزوجها من الغیر بعد العدة (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق باب النفقة ۳/۵۹۱ ط سعید کراتشی)

عین شباب میں تھی اس نے بشدت تمام پورے دو سال انتظار کھینچ کر اپنی حالت بعض علمائے کرام کے سامنے پیش کی اور اپنی ہر قسم کی ضرورت سنائی اس پر علمائے اہل حدیث نے اس کو فسخ نکاح کی اجازت دی اور ایک عالم نے اس کا نکاح فسخ کر دیا اب اس نے دوسری جگہ اپنا نکاح کر لیا ہے، یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۸۷۶ محمد اسمٰعیل (ضلع لائلپور) ۲۵ محرم ۱۳۵۵ھ ۱۸ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰۵) اگر عورت مجبور و مضطر تھی تو اس کا نکاح فسخ کر دینا اس حالت میں جائز تھا مگر فسخ کرنے کا حق یا تو بااختیار حاکم کو یا جماعت مسلمین باشرع کو تھا(۱) کسی ایک عالم کو یہ حق نہیں تھا اس لئے نکاح ثانی جائز نہیں ہوا (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جو شوہر عرصہ نو سال تک بیوی کی خبر گیری نہ کرے، تو وہ عورت کیا کرے ؟

(سوال) زید نے اپنی زوجہ کو عرصہ نو سال سے ترک کر رکھا ہے نہ اس کو اپنے مکان پر لے جاتا ہے نہ نان و نفقہ کی خبر گیری کرتا ہے نہ طلاق دیتا ہے عورت جوان ہے ایسی صورت میں کیا حکم ہے ؟ نیز وہ اپنا مہر لینے کی حقدار ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۰۶) زوجہ کو حق ہے کہ مسلمان جج کی عدالت سے ایکٹ نمبر ۸ ۱۹۳۹ء کے تحت اپنا نکاح فسخ کرالے پھر عدت پوری کر کے دوسرا نکاح کر سکے گی (۳) زوجہ اپنا مہر لینے کی حقدار ہے (۴)

شوہر جب نان و نفقہ نہ دے تو بیوی دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) آج ایک عرصہ دراز ہوا زید اپنے مکان پر نہیں آتا ہے اور نہ اپنی عورت کو خوراک و پوشاک کا خرچ ادا کرتا ہے زید کے والدین غریب ہیں وہ عورت اپنے ماں باپ کے گھر میں آکر پرورش ہوتی ہے اسی اثناء میں ایک خط زید نے بذریعہ ڈاک اپنے والد کے نام روانہ کیا اس خط میں زید لکھتا ہے کہ میری

---

(۱) دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ 'مقدمہ در بیان حکم قضائے قاضی در ہندوستان و دیگر ممالک غیر اسلامیہ 'ص ۳۳'ص ۳۴ ط: دارالاشاعت کراتشی)

(۲) کل صلح بعد صلح فالثانی باطل وکذا النکاح بعد النکاح- والا صل ان کل عقدا عید فالثانی باطل (الدر المختار مع ھامش رد المحتار ' کتاب الصلح ۶۳۶/۵ ط سعید کراتشی)

(۳) وعلیہ یحمل ما فی فتاوی قاری الھدایۃ حیث سأل عمن غاب زوجھا ولم یترک لھا نفقۃ فاجاب اذا اقامت بینۃ علی ذلک و طلبت فسخ النکاح من قاض یراہ ففسخ نفذ وھو قضاء علی الغائب و فی نفاذ القضاء علی الغائب روایتان عند نافعلی القول بنفاذہ یسوغ للحنفی ان یزوجھا من الغیر بعد العدۃ (ھامش رد المحتار ' کتاب الطلاق' باب النفقۃ ۳/ ۵۹۱ ط سعید کراتشی)

(۴) و تجب العشرۃ ان سماھا او دو نھا و یجب الاکثر منھا ان سمی الاکثر ویتا کد عند وطئ او خلوۃ صحت من الزوج او موت احدھما (در مختار) وقال فی الرد : و افا دان المھر وجب بنفس العقد- و انما یتأ کد لزوم تمامہ بالوطء و نحوہ (ھامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب النکاح باب المھر ۳/ ۱۰۲ ط سعید کراتشی)

عورت کی چوڑیاں توڑ دو اس ملک اڑیسہ میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی عورت بیوہ ہوتی ہے تو اس کی چوڑیاں توڑ دی جاتی ہیں وہ خط اب گم شدہ ہے مگر اس خط کے پڑھنے والے دو شخص گواہی دیتے ہیں کہ اس خط میں زید کی لکھائی (ہینڈ رائٹنگ) موجود ہے اور اس میں وہ لکھتا ہے کہ میری عورت کی چوڑیاں توڑ دو وہ عورت نوجوان ہے اور کسی سے نکاح کرنا چاہتی ہے اس صورت پر اس گم شدہ خط کے مضمون کے موافق عورت پر طلاق واقع ہو سکتی ہے یا نہیں اور وہ عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں -
المستفتی نمبر ۱۳۴۱ مولوی شیخ غلام صاحب (اڑیسہ)

۲۵ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ ۸ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۷) اس خط پر تو طلاق کا حکم نہیں دیا جاسکتا(۱) مگر جب زوجہ کے نان و نفقہ کی کوئی صورت نہ ہو یا وہ بغیر شوہر کے اپنے نفس کو حفاظت عصمت پر قادر نہ سمجھے تو کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے وہ اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور بعد حصول حکم فسخ و انقضاء عدت وہ دوسرا نکاح کر سکے گی(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

نان و نفقہ اور حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کی صورت میں تفریق ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) مسماۃ تمیز النساء کا نکاح چار سال کا عرصہ ہوا کہ مسمی عبدالکریم سے ہوا تھا اس نے چار سال کے اندر نہ حق زوجیت ادا کیا اور نہ نان و نفقہ دیا بلکہ جب کبھی گئی مار پیٹ کر نکالدیا مجبور ہو کر اس نے عدالت میں نان و نفقہ و مہر کا دعویٰ دائر کیا چنانچہ وہ ڈگری ہو گیا پھر بھی اس نے کچھ نہیں دیا مجبوراً اس کو قید کرادیا نہ وہ طلاق دیتا ہے اور نہ زر مہر ادا کرتا ہے اور نہ نان و نفقہ دیتا ہے اس میں نہ اتنی طاقت ہے کہ وہ زر خرچہ قید ادا کر سکتا ہے اور نہ اس میں طاقت ہے کہ بسر اوقات کرے چونکہ جوان العمر ہے لہذا وہ بیٹھ نہیں سکتی اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ وہ مرتد ہو کر کسی غیر مذہب کے ساتھ چلی جائے لہذا علمائے دین سے سوال ہے کہ خدا کے واسطے کوئی ایسی سبیل بتائیے کہ جس سے وہ اس مصیبت سے نجات پائے آپ کو اجر عظیم ہو گا- المستفتی نمبر ۱۴۷۴ جناب قاضی بشیر الدین صاحب (میرٹھ)

۲۷ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ۷ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۸) ایسی مجبوری اور ضرورت کے وقت عورت کو حق ہے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کی

---

(۱) اس لئے کہ جو الفاظ شوہر نے کہے ہیں "میری عورت کی چوڑیاں توڑ دو" یہ طلاق صریح یا کنایہ کے الفاظ نہیں ہیں پس ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی کما فی الدر المختار (قوله رکنه لفظ مخصوص) هو ما جعل دلالة على معنى الطلاق من صريح او كناية - وبه ظهران من تشاجر مع زوجة فاعطاها ثلاثة احجار ينوى الطلاق ولم يذكر لفظا لاصريحا ولا كناية لايقع عليه (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق ۳/ ۲۳۰ ط سعید کراتشی)
(۲) دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ بحث حکم زوجہ متعنت فی النفقۃ ص ۷۳ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرالے کوئی مسلمان حاکم فسخ نکاح کا حکم دے سکتا ہے اور بعد حصول حکم فسخ و انقضاء عدت عورت دوسرا نکاح کرنے کی مجاز ہوگی(۱) فقط　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نو سال تک جس عورت کے شوہر نے خبر نہیں لی' اس کا کیا حکم ہے؟

(سوال) ہندہ کی شادی ہوئے تقریباً چودہ سال گزرے ہیں اور ایک لڑکا بارہ سال کا ہے لیکن تقریباً ۹ سال ہوگئے کہ ہندہ کے شوہر نے بیوی بچے کی کوئی خبر نہیں لی اور نہ روٹی کپڑا دیا اس عرصہ میں ایک دفعہ جہاں کہ ہندہ کا شوہر تھا اس کے پاس اس کے بیوی بچے کو لیکر گئے لیکن اس نے کوئی خبر گیری ان کی نہ کی بلکہ اس نے گھر میں آنا چھوڑ دیا دوسرا موقع اس کو ایک اور آیا کہ وہ اپنی بیوی بچے کے ساتھ رہے لیکن وہ وہاں سے بھی چھوڑ کر چلا گیا اب ۹ سال گزر گئے ہیں کہ بیوی بچے کی روٹی کپڑے کی یا خرچ وغیرہ کی کوئی خبر نہ لی اس صورت میں شرع کیا اجازت دیتی ہے؟

المستفتی نمبر ۱۸۳۴ حاجی محمد بشیر صاحب - ریاست حیدر (ضلع وادری)

۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۹) بیوی کو حق ہے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرالے اور پھر عدت گزار کر دوسرا نکاح کرلے(۲) فقط　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا شافعی المذہب عورت نان و نفقہ نہ ملنے کی وجہ سے تفریق کرا سکتی ہے؟

(سوال) ایک عورت کی شادی ہوئے چار پانچ مہینے شوہر کے پاس تھی بعدہ نااتفاقی کے باعث شوہر نے زوجہ کو اس کے والدین کے گھر پہنچا دیا اور خود نے دوسری زوجہ سے نکاح کرلیا اس کو آج سات سال ہوگئے سات سال کی مدت میں شوہر نے زوجہ کی کوئی بھی کسی طرح سے خبر گیری نہیں کی نہ نان و نفقہ پہنچایا اور شوہر کو اس مذکورہ زوجہ سے نفرت بھی ہے مگر زوجہ میں کسی بات کا عیب نہیں اور شوہر طلاق بھی نہیں دیتا زوجین مقلد شافعیہ ہیں سات سال نان و نفقہ نہ بھیجتے ہوئے بغیر طلاق کے ثانی نکاح ہو سکتا

---

(۱) قال فی غرر الاذکار : لم اعلم ان مشا یخنا استحسنوا ان ینصب القاضی الحنفی نائبا ممن مذھبہ التفریق بینھما اذا کان الزوج حاضرا و ابی عن الطلاق - والحاصل ان التفریق بالعجز عن النفقة جائز عند الشافعی حال حضرة الزوج وکذا حال غیبتہ او مالم تشھد بینة باعسارہ الآن - نعم یصح الثانی عند احمد کما ذکر فی کتب مذھبہ و علیہ ما یحمل فی فتاوی قاری الھدایة حیث سأل عمن غاب زوجھا ولم یترک لھا نفقة فا جاب اذا اقامت بینة علی ذلک و طلبت فسخ النکاح من قاض یراہ ففسخ نفذ وھو قضاء علی الغائب و فی نفاذ القضاء علی الغائب روایتان عندنا فعلی القول بنفاذہ یسوغ للحنفی ان یزوجھا من الغیر بعد العدة (ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب النفقة ۳ / ۵۹۱ ط سعید کراتشی) تفصیل کے لئے دیکھئے الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة' بحث حکم زوجہ متعنت فی النفقة ص ۷۳ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

(۲) ایضاً حوالہ سابقہ

ت یا نہیں یا شوہر کرنے پر راضی ہے۔
المستفتی سید کمال الدین صاحب (ضلع قلابہ) ۱۹ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۱۱۰) بغیر طلاق یا فسخ کے دوسرا نکاح نہیں کر سکتی ہاں قاضی سے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے بعد فسخ کے عدت گزار کر دوسرا نکاح کر سکے گی(۱)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شوہر بیوی کو نان و نفقہ نہ دے' تو اس کی شرعی تدبیر کیا ہے؟

(سوال) مسماۃ زینب کا نکاح بحالت نابالغی اس کے والدین نے زید کے ساتھ کر دیا لڑکی ہنوز نابالغہ تھی کہ زید سنگاپور چلا گیا جس کو تقریباً بارہ سال ہو گئے وہاں زید نے دوسری شادی کر لی اور اس کی زوجہ ثانیہ سے دو بچے پیدا ہو گئے اپنی زوجہ اولیٰ یعنی زینب کی کوئی خبر گیری نہیں کرتا اتنے زمانے کے بعد صرف تیس روپے اور خط روانہ کیا جس کو آٹھ ماہ ہوتے ہیں ہر چند کوشش کی جاتی ہے کہ وہ مکان آئے یا اپنی زوجہ اولیٰ کو بھی اپنے پاس بلاوے مسماۃ زینب سخت پریشان ہے اور اب مجبوراً عقد ثانی کرنے کے لئے بے چین اور تیار ہے کیونکہ اس کے والدین بھی قضا کر گئے ہیں جس کی وجہ سے اور بھی اسکی زندگی وبال جان ہے شوہر نہ خرچ دیتا ہے اور نہ اپنے پاس سنگاپور بلاتا ہے اور نہ خود آتا ہے اس صورت میں زینب مذکورہ کے عقد ثانی کی کیا صورت ہے۔ اس کا نکاح ثانی صحیح ہوگا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۴۱ حافظ ولی اللہ صاحب (اعظم گڑھ) ۳۰ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۱۱۱) زینب کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرے اور حاکم بعد تحقیقات بربنائے عدم موصول نفقہ و خطرہ عصمت نکاح فسخ کر دے اور پھر بعد عدت نکاح ثانی کر لے(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شوہر نان و نفقہ نہ دے' تو نکاح ثانی کا حکم

(سوال) میں ایک غریب دکھیا ہوں محنت مزدوری کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالتی ہوں میری ایک بڑی بیٹی جس کی شادی کو چودہ سال ہو گئے ہیں اس کے خاوند میں اور اس میں کھٹ پٹ ہو گئی ہے آٹھ یا نو سال

---

(۱) وجوزہ الشافعی باعسار الزوج وبتضررها بغیبته ولو قضی به حنفی لم ینفذ' نعم لوامر شافعیا فقضی به نفذ (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق باب النفقة ۳/ ۵۹۰ ط سعید کراتشی) وقال فی الهدایة وقال الشافعی یفرق لانه عجز عن الامساك بمعروف فینوب القاضی منابه فی التفریق (الهدایة کتاب الطلاق' باب النفقة ۲/ ۴۳۹ ط شرکة علمیه ملتان)
(۲) هذا فی الاصل مذهب مالك' افتی به علمائنا الحنفیة و تفصیل المسئلة فی الرسالة المؤلفة فی هذا الباب المسماة بالحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة' بحث حکم زوجه متعنت فی النفقة ص ۷۳ ط دار الاشاعت کراچی

سے میرے پاس ہے اور اسکی پانچ سالہ لڑکی بھی یہیں پر ہے آٹھ سال کے عرصہ میں مجبوراً اس کا خاوند ایک ماہ تک یہاں رہا ہے اور اب وہ نہ تو لڑکی کا خرچ دیتا ہے نہ بیوی کا۔ وہ خرچ دینے کے قابل ہی نہیں ہے کیونکہ وہ کما نہیں سکتا آخر کار لاچار ہو کر مقدمہ چارہ جوئی سے نکاح فسخ کرایا گیا اور دوسرا سال نکاح ٹوٹنے کو ہونے والا ہے مگر یہاں پر جو مولوی صاحبان ہیں وہ اس بات کے بر خلاف ہیں خاص کر پیر سید فیض الحسن جو احرار کے بڑے لیڈر ہیں کہتے ہیں کہ جب تک خود خاوند طلاق کا لفظ نہ کہے یا لکھ کر نہ دے دوسرا نکاح جائز نہیں اور وہ طلاق تو دیتا نہیں اور لڑکی بھی بڑی نیک اور باعلم ہے اور اگر اسے ذرا بھی آرام ہوتا تو طلاق لینے کی ضرورت نہ تھی وہ بالکل نکما ہے اس سے اتنا بوجھ اٹھایا نہیں جاتا خیر جس طرح خدا کو منظور تھا اب میں آپ کو اس لئے تکلیف دیتی ہوں کہ برائے خدا اس مسئلہ کو حل کریں کہ لڑکی کا نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں میں تو شرع پر چلنے والی ہوں میں سخت مجبور ہوں مہربانی سے میرے حال پر ترس کریں اور فتویٰ بھیجیں۔

المستفتی نمبر ۱۹۹۷ از زینب بی بی (سیالکوٹ) ۳ رمضان ۱۳۵۶ھ ۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۲) اگر نکاح فسخ کرنے والا حاکم مسلمان تھا تو فسخ صحیح ہو گیا اور بعد انقضائے عدت عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے (۱) اور اگر حاکم غیر مسلم تھا تو فسخ صحیح نہیں ہوا (۲) اس لئے اب کسی مسلمان حاکم سے فسخ کرانے کی سعی کرنی چاہئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نان و نفقہ نہ دینے کی صورت میں فسخ نکاح کرنے کا حکم

(سوال) گپو مسلمان اپنی عورت کو بارہ سال سے چھوڑ دیا ہے اور جس وقت چھوڑا تھا اپنا نکاح ایک دوسری عورت سے کر لیا تھا کچھ روز کے بعد وہ عورت مر گئی تو پھر اس نے تیسرا نکاح کر لیا شادی شدہ عورت کو نہ طلاق دیتا ہے نہ اپنے پاس بلاتا ہے' نہ کھانے کو دیتا ہے یہ عورت سخت مصیبت میں ہے اور نہ قاضی جی کہیں نکاح ہونے دیتے ہیں کہتے ہیں کہ جب تک اس کا خاوند طلاق نہ دے نکاح نہیں ہو سکتا یا کہتے ہیں کہ ایسا فتویٰ لاؤ تو نکاح پڑھاؤں ایسی حالت میں علماء کیا فرماتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۲۰۴۶ شیخ ممتاز صاحب (ضلع ہوشنگ آباد)

۱۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۳) اگر خاوند عورت کو نہ طلاق دیتا ہے نہ نفقہ دیتا ہے اور نہ اس سے فیصلہ اور سمجھوتہ کرتا

---

(۱) دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ للحیلۃ العاجز بحث حکم زوجہ متعنت فی النفقۃ ص ۷۳ ط دار الاشاعت کراچی

(۲) و مقتضاہ ان تقلید الکافر لا یصح وان اسلم . حتی لو قلد الکافر لم اسلم هل یحتاج إلی تقلید آخر منہ فیہ روایتان قال فی البحر وبہ علم ان تقلید الکافر صحیح وان لم یصح قضاء ہ علی المسلم حال کفرہ. (ہامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب القضاء ۵/ ۳۵٤ ط سعید کراتشی)

ہے تو عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے حاکم بعد تحقیقات اگر مرد کی طرف سے زیادتی اور ظلم کا مشاہدہ کرے تو اس کو نکاح فسخ کر دینے کا حق ہے(۱) بعد حصول حکم فسخ وانقضاء عدت عورت دوسرا نکاح کر سکے گی(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اگر شوہر بیوی کو نان ونفقہ نہ دے اور حق زوجیت بھی ادا نہ کرے تو امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے

(سوال) ایک عورت منکوحہ کا نکاح ہوئے عرصہ قریب دس سال کا ہوا مگر نکاح کے بعد منکوحہ کا خاوند صرف چھ ماہ عورت کے پاس رہ کر افریقہ چلا گیا افریقہ گئے ہوئے زوج کو عرصہ نو برس کے اوپر گزر گیا عورت منکوحہ کا خاوند خوراکی وپوشاکی قدرے قلیل روانہ کیا کرتا ہے جو خرچہ افریقہ سے روانہ کرتا ہے وہ منکوحہ کے خورد ونوش کے لئے کافی ووافی نہیں ہے خوراکی وپوشاکی کے لئے از حد تکلیف گوارا کرتی ہے اور فی الحال عورت منکوحہ کی عمر پچیس سال ہے یعنی عالم شباب ہے اور منکوحہ کو اس کا خاوند افریقہ بھی نہیں بلاتا اور عورت منکوحہ کے خاوند نے افریقہ میں دوسرا نکاح کر لیا ہے اور افریقہ میں اس عورت سے تین اولادیں ہیں اور منکوحہ کا خاوند یہاں بھی نہیں آتا ہے اور عورت منکوحہ کو طلاق بھی نہیں دیتا ہے مذکور الصدر منکوحہ اپنے زوج سے مذکورہ شدائد سے عاجز ہے جو کہ واقعی ایک انسان ہر ممکن صورت سے برداشت نہیں کر سکتا لہذا اس کا نکاح فسخ کرنے کی کیا صورت ہے کیا کسی حاکم کے روبرو کسی امام کے نزدیک ائمہ اربع میں سے فسخ ہو سکتا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۳۴۶ میجر عبدالکریم صاحب (کاٹھیاواڑ)

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۱۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۱٤) اس صورت میں امام مالکؒ کے مذہب کے موافق نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے کیونکہ جوان عورت کے حقوق زوجیت ادا نہ کئے جائیں اور اس کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ ہو تو مسلمان حاکم نکاح فسخ کر سکتا ہے اور حنفیہ بھی ضرورت شدیدہ میں اس پر عمل کر سکتے ہیں(۳) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة ص ۷۳' بحث حکم زوجہ متعنت فی النفقة ط دار الاشاعت کراچی

(۲) نعم یصح الثانی عند احمد کما ذکر فی کتب مذهبه و علیه یحمل ما فی فتاوی قاری الهدایة سال عمن غاب زوجها ولم یترك لها نفقة فاجاب اذا اقامت بینة علی ذلك و طلبت فسخ النكاح من قاض یراه ففسخ نفذ وهو قضاء علی الغائب وفی القضاء علی الغائب روایتان عندنا فعلی القول بنفاذه یسوغ للحنفی ان یزوجها من الغیر بعد العدة (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب النفقة ۳/ ۵۹۱ ط سعید کراتشی) (۳) تفصیل کے لئے دیکھئے الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة ص ۷۳ بحث حکم زوجه متعنت فی النفقة مطبوعه دار الاشاعت کراچی

نان و نفقہ اور حقوق زوجیت کی عدم ادائیگی کی صورت میں مسلمان حاکم کے ذریعہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(سوال) ایک شخص اپنی بیوی کو ۵-۶ برس سے نان و نفقہ نہ دیوے خبر گیری نہ کرے، نہ رکھے نہ طلاق دیوے نہ عدالت مجاز میں حاضر آوے تو کیا اس کا یہ ظلم جائز ہے کیا ایسی عورت مجبوراً اس کے نکاح میں بندھی رہے گی کیا اس کو اسلام چھوڑنے ہی سے چھٹکارا مل سکتا ہے کیا اسلام ایسا سخت گیر اور یکطرفہ مردوں کو اختیار اور حقوق دینے والا نا انصاف مذہب ہے؟ کیا اسلام میں عورت کو اس طرح پھنسا کر چھوڑ دیا جانا جائز ہے کیا قانون اسلامی کے مطابق عورت خلع نہیں کرا سکتی؟

المستفتی نمبر ۲۴۰۳ قاضی سید محمد رمضان علی کاظمی - ضلع ہمیر پور (یوپی)

۲ رجب ۱۳۵۷ھ ۲۹ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۱۵) ان حالات میں کہ شوہر نہ نان و نفقہ دیتا ہے نہ عورت کو آباد کرتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے اور عورت کے گزارے اور حفظ عصمت کی کوئی شکل نہیں ہے عورت کو حق ہے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں اپنے نکاح کے فسخ کا دعویٰ پیش کرے اور حاکم شوہر کے ان مظالم کی تحقیقات کر کے نکاح فسخ کر دے اور عورت کو نکاح ثانی کی اجازت دیدے تو عورت عدت پوری کر کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے اگر عدالت میں کوئی مسلمان حاکم نہ ہو اور مسلمان کی کوئی پنچایت ایسی ہو جو اس قسم کے معاملات کا فیصلہ کرنے کی طاقت رکھتی ہو تو وہ پنچایت بھی نکاح فسخ کر سکتی ہے - اس کا فیصلہ بھی شرعی طور پر کافی ہوگا(۱) عدالت شریعت ایکٹ نمبر ۲۲، ۱۹۳۷ء کی رو سے نکاح فسخ کر سکتی ہے -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

غائب شوہر کی عورت کا حکم (الجمعیۃ مؤرخہ ۱۸ جون ۱۹۲۸ء)

(سوال) ایک لڑکی کی شادی گیارہ سال کی عمر میں اس کے والد نے کر دی تھی اس کا شوہر آٹھ سال نو یوم رہ کر چلا گیا اور ملک آسام میں شادی کر کے رہائش اختیار کی اور اپنی زوجہ اول کے پاس آج تک دو سال میں نہ کوئی خط و کتابت کی ہے نہ نان و نفقہ کی خبر ہے اب کیا کیا جائے؟

(جواب ۱۱۶) جب کہ خاوند کی زندگی اور مقام قیام معلوم ہے تو اس سے ہر ممکن طریقہ سے نان و نفقہ یا طلاق حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور جب ناکامی اور مایوسی ہو جائے تو حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کے موافق تفریق کا فتویٰ حاصل کر کے کسی حاکم با اختیار سے اس کے موافق حکم حاصل کر لیا جائے اور پھر عدت گزارنے کے بعد دوسرا نکاح کر لیا جائے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ ص ۷۳ بحث حکم زوجہ متعنت فی النفقۃ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

(۲) یہ شخص اگرچہ مفقود نہیں مگر چونکہ زوجہ اس کی غیبت اور عدم التفات کی وجہ سے مصیبت میں رہتی ہے اس لئے بضرورت اس مسئلہ میں بھی مذہب دیگر ائمہ پر فتویٰ دیا گیا ہے اور چند شرائط کے ساتھ اس کے لئے نکاح ثانی کی اجازت دی گئی ہے جس کی تفصیل رسالہ "حیلہ ناجزہ" میں مذکور ہے و کذا فی الرد نعم یصح الثانی عند احمد کما ذکر فی کتب مذھبہ (جاری ہے)

فصل چہارم
نااتفاقی زوجین

زوجین کے درمیان ناچاقی اور نان و نفقہ نہ ملنے کی بناء پر نکاح فسخ ہو گیا یا نہیں؟

(سوال) تقریباً تین چار سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ ایک عورت مسماۃ سکینہ کا نکاح ایک شخص مولوی مسمی موسیٰ سے ہوا تھا موسیٰ کے باپ نے سکینہ کے باپ سے کہا تھا کہ اگر تو بڑی لڑکی کا نکاح میرے لڑکے سے کر دے تو میں تجھے اور تیرے بچوں کو دکان تجارت کے لئے کرا دوں گا (موسیٰ کے باپ نے نکاح کے بعد کوئی دکان نہیں کرا دی) سکینہ زیادہ سے زیادہ دو تین ماہ اپنے خاوند کے مکان پر رہی ہو گی غالباً زوجین کے درمیان ناچاقی کی وجہ سے آپس میں دل شکنی رہی موسیٰ سکینہ سے اور سکینہ موسیٰ سے خوش نہیں معلوم ہوتی تھی موسیٰ کا باپ چاہتا تھا کہ کسی طرح گھر ہو جائے اور ہمیشہ اسی کوشش میں رہا مگر بظاہر زوجین کی ناچاقی کی وجہ سے موسیٰ کے باپ کو کامیابی نہیں ہوتی تھی یہ بھی سننے میں آتا ہے کہ موسیٰ کہتا ہے کہ یہ لڑکی مجھے نہیں چاہئے اگر میرا باپ کوشش کرتا ہو کہ ہمارے گھر میں لا کر رکھیں تو وہ اپنے لئے کوشش کرتا ہو گا اب یہ حالت بڑھ گئی ہے جب موسیٰ کے باپ کی طرف سے کوئی اس لڑکی کو بلانے جاتا ہے تو سکینہ کا باپ کہتا ہے کہ لڑکی کو نان و نفقہ نہیں پہنچا اور میں غریب آدمی ہوں لہذا مجھے اس کا بندوبست کر دیجئے اور پھر لے جایئے یہ جھگڑا برد ھتا رہا نکاح سے پہلے کچھ مدت سکینہ کے باپ پر مقدمہ دائر کر دیا کہ یہ میرے مکان پر اتنا عرصہ رہا اس کی خوراکی پوشاکی کی یہ رقم ہوئی موسیٰ کے والد کو ججمنٹ مل گیا اس کے بعد موسیٰ کے والد نے ایک شخص مسمی محمد صاحب کو سکینہ کے بلاوے کے لئے بھیجا جب وہ شخص سکینہ کے والد کے پاس گیا اور اس نے کہا کہ تم سکینہ کو اسکے خاوند کے ہاں بھیج دو تو سکینہ کے والد نے پھر وہی عذر پیش کیا کہ نہ تو وہ لوگ نان نفقہ دیتے ہیں اور ججمنٹ لیکر مجھے اور مالی نقصان پہنچایا شخص مذکور نے اسے پانچ پونڈ کا چک اپنے پاس سے دیا اور نیز ایک تحریر لکھ دی کہ اگر وہ (موسیٰ کا باپ) ججمنٹ کی رقم تم سے طلب کرے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں (شخص مذکور کا بیان ہے کہ یہ میں نے موسیٰ کے باپ کے کہنے سے لکھ دیا تھا) اب سکینہ کے باپ نے اپنی لڑکی کو خاوند کے گھر بھیج دیا تقریباً تین روز وہاں رہی تیسرے دن موسیٰ دو اور لڑکیوں کو لے کر آیا خود باہر کھڑا رہا اور ایک عورت گھر میں گئی سکینہ سے مخاطب ہو کر کہا "تو کون ہے؟" اور یہاں کیا ڈھونڈتی ہے؟ سکینہ نے جواب دیا کہ یہ میرے خاوند کا گھر ہے گھر میں آنے والی عورت بولی موسیٰ تو میرا خاوند ہے اور ہم نے کورٹ میں

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) و علیه یحمل فتاویٰ قاری الهدایة حیث سائل عمن غاب زوجها ولم یترك لها نفقة فاجاب اذا اقامت بینة علی ذلك وطلبت فسخ النكاح من قاض یراہ ففسخ نفذ و هو قضاء علی الغائب و فی نفاذ القضاء علی الغائب روایتان عندنا فعلی القول بنفاذه یسوغ للحنفی ان یزوجها من الغیر بعد العدة - فقوله من قاض یراہ لا یصح ان یراد به الشافعی فضلا عن الحنفی بل یراد به الحنبلی فافهم (هامش رد المحتار كتاب الطلاق' باب النفقة ۳/۵۹۱ ط سعید کراتشی)

کاح کیا ہے لہذا تو چلی جا اور اگر تجھے لڑنا ہے تو آ باہر نکل! موسیٰ کے باپ نے یہ حالت دیکھ کر آنے والی
ورت کو سمجھا کر واپس کر دیا اور موسیٰ بھی چلا گیا اس کے بعد موسیٰ کے باپ نے سکینہ سے کہا کہ میرا
ڑکا میرے کہنے میں نہیں اس لئے بالفعل تو اپنے باپ کے گھر چلی جا یہ کہہ کر موسیٰ کا باپ سکینہ کو اس
کے باپ کے گھر چھوڑ آیا اب موسیٰ کے والد نے مذکورہ بالا جج منٹ جو اسے ملا تھا اس کی رو سے سکینہ
کے باپ پر وارنٹ نکالا سکینہ کے باپ نے دفاع میں اس تحریر کو پیش کیا جو محمد صاحب نے لکھ دی تھی
مجسٹریٹ نے اول لڑکے اور لڑکی کو بلا کر سمجھایا کہ آپس میں مل جل کر رہو سکینہ نے کہا کہ یہ نہ مجھ سے
راضی تھا نہ میں اس سے راضی تھی میرے اور اس کے باپ نے مل کر ہمارا عقد کرا دیا (عقد بطریق اہل
سنت والجماعت ہوا تھا) لڑکے نے کہا کہ جو زیورات ہم نے دیئے تھے وہ یہ لے کر نہیں آئی اس لئے میں
سے نہیں رکھتا مجسٹریٹ نے یہ بھی سمجھایا کہ کیا تو زیورات کا بھوکا ہے یا اپنی عورت کا مگر لڑکا یہ کہتا رہا کہ
ب تک سکینہ زیورات لے کر نہ آئے میں اسے نہیں رکھتا اب کھلے کورٹ میں کارروائی شروع ہوئی
وسیٰ کہہ رہا ہے کہ زیورات جو ہم نے دیئے تھے لے کر نہ آئے تو میں نہیں رکھتا سکینہ نے کہا کہ
یورات جو آپ نے دیئے تھے ان میں سے ہمارے پاس چھ چوڑیاں اور کان کی بالیاں باقی ہیں ہار وغیرہ ہم
چ کر کھا گئے کیونکہ آپ کی طرف سے ہمیں نان نفقہ نہیں ملا اور ہم لوگ غریب ہیں جو زیورات لڑکی
تی تھی کہ میرے پاس ہیں وہ کورٹ میں پہن رکھے تھے سکینہ اور اس کے باپ کی طرف سے پیروی
رنے والا وکیل جرح میں موسیٰ سے پوچھتا ہے کہ یہ (۱) لڑکی سکینہ اس وقت جس حال میں ہے اسے
ں تجھے سپرد کرتا ہوں تو تیری عورت کر کے اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا
مجھے یہ قبول نہیں مجھے یہ نہیں چاہئے جرح (۲) تو مجسٹریٹ کے روبرو حلف اٹھا کر زبان دے رہا ہے میں
تجھ سے دوسری بار پوچھتا ہوں کہ سکینہ کو تیری عورت سمجھ کر کہ اس موجودہ حال میں ہے اسی طرح تو
یری عورت سکینہ کو قبول کرنے پر راضی ہے؟ جواب میں راضی نہیں وکیل نے تیسری بار پھر پوچھا
واب میں موسیٰ نے کہا کہ میں کہہ چکا کہ میں لینے کے لئے تیار نہیں ہوں اس وقت تقریباً چھ سات
مسلمان کورٹ میں موجود تھے جو مذکورہ بالا سوال وجواب سن رہے تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ سوال وجواب سے طلاق پڑ جاتی ہے یا نہیں؟ اگر طلاق پڑ جاتی ہے
یا اور نہ پھر کیا کیا جائے تین چار سال کے عرصہ میں لڑکی اپنے خاوند کے ہاں محدود عرصے تک رہی یعنی
بمشکل سب ملا کر دو تین ماہ نہ تو لڑکی کو نان نفقہ ملتا ہے اور نہ خاوند کے ساتھ رہنے کا موقع ملا اور نہ
وجین میں اتفاق ہے اگر سکینہ موسیٰ سے خلع کی درخواست کرتی ہے تو موسیٰ چھوڑنے پر راضی نہیں
وتا اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے **ولا تمسکوھن ضراراً لتعتدوا** (۱) نیز فرمایا **فلا تمیلوا کل**

---

(۱) البقرۃ ۲۳۱

المیل فتذروھا کالمعلقہ (۱) اس صورت میں سکینہ کو صرف فسخ نکاح کا دعویٰ کرنے کا حق ہے مگر بد قسمتی سے نہ یہاں قاضی ہے نہ حاکم مجاز مجسٹریٹ یا جج وغیرہ جو ہیں وہ عیسائی ہیں یا یہودی ہیں مسلمانوں کی کوئی پنچایت وغیرہ بھی نہیں ہے مسلمان کمزوری یا ریا وغیرہ اسباب کی بناء پر اس قسم کے معاملے میں دخل دینے کے لئے تیار بھی نہ ہوں گے علمائے دین ہیں مگر وہ بھی اپنے سیٹھوں کے زیر احسان اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور ہیں لہذا ان دونوں کی جدائی کس طرح کی جائے ؟

المستفتی نمبر ۴۸۷ دیا اینڈ کمپنی جوہانسبرگ ساؤتھ افریقہ

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ ۲۸ اگست ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۱۷) ان جوابوں سے جو وکیل کے سوالوں پر موسیٰ نے دیئے ہیں طلاق تو نہیں پڑتی (۲) لیکن ان حالات میں عورت کو حق ہے کہ وہ فسخ نکاح کی درخواست کرے اور مجسٹریٹ اگر غیر مسلم ہو تو اس سے درخواست کی جائے کہ وہ اس مقدمہ کو فیصلہ کے لئے کسی مسلمان کے سپرد کردے اور وہ مسلمان فریقین کے بیان اور شہادت وغیرہ لے کر جب دیکھے کہ ان میں باہم اتفاق سے رہنے اور حقوق زوجیت ادا کرنے کی کوئی صورت ممکن نہیں تو فسخ نکاح کا حکم کردے (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شوہر نہ بیوی کو اپنے پاس رکھتا ہے' اور نہ اسے طلاق دیتا ہے' تو اس صورت میں کیا حکم ہے ؟

(سوال) زید نے نکاح کیا' زوجہ عرصہ پانچ چھ سال تک زید کے مکان میں رہی ازاں بعد میاں بیوی کی آپس میں نااتفاقی ہونے کی وجہ سے زید نے بغیر طلاق کے اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیا اب وہ اپنے باپ کے مکان میں ۴ سال تک بیٹھی رہی اسی امید میں کہ زید بلوائے مگر ہنوز زید نے عرصہ تک مطلق پروا نہیں کی اور نہ بلوائی اپنی شادی دوسری جگہ کرلی اتنے عرصہ بعد مسماۃ مذکور کا اس کے والد نے نکاح ثانی کردیا اس کے نکاح کی زید کو چنداں وقت اطلاع دی مگر زید نہ آیا اور نہ کچھ رکاوٹ پیش کی نکاح ثانیہ ہونے کے بعد زید نے آن کر مقدمہ دائر کیا مدعی مدعا علیہ کی زبانی سن کر کورٹ نے یہ فیصلہ دیا جو لڑکی زید کے نطفہ سے تھی اس لڑکی کا نان نفقہ حق پرورش کی رقم اس کی والدہ کو دے کر دختر مذکورہ کو لے جاؤ یہ

---

(۱) النساء ۱۳۰

(۲) اس لئے کہ سوال میں مذکور الفاظ جو وکیل کے سوال پر شوہر نے کہے ہیں' الفاظ طلاق نہیں ہیں اور نہ یہ الفاظ طلاق کے ہم معنی ہیں پس ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی کما فی الرد (قولہ ورکنہ لفظ مخصوص) ہو ما جعل دلالۃ علی معنی الطلاق من صریح او کنایۃ (ہامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق ۳/ ۲۳۰ ط سعید کراتشی)

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ ص ۷۳ بحث حکم زوجہ متعنت فی النفقۃ ط دار الاشاعت کراچی

حکم عدالت سے پاکر اپنے ملک کو روانہ ہوا پھر نہیں آیا اور نہ دختر کی طلبی کی اتنے عرصہ بعد خاوند ثانیہ بھی فوت ہو گیا اب وہ عورت بطریق بیوہ رانڈ بیٹھی ہے گزر معاش کا کوئی ذریعہ نہیں اب وہ نکاح ثالث کرنا چاہتی ہے چند مسلمان قصبہ ہذا کے معترض ہیں اور مفتیان سے فتوے کی درخواست کرتے ہیں۔
المستفتی نمبر ۲۱۲۶ سید محمد رشید ترمذی (مہی کانٹھا) ۱۴ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۸ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۸) شوہر اول سے فیصلہ کر لینا چاہئے یا کسی مسلمان مجسٹریٹ سے یہ فیصلہ حاصل کر لیا جائے کہ نکاح اول فسخ کر دیا گیا اور نکاح ثانی کی اجازت ہے(۱) جب دوسرا نکاح ہو سکے گا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

بیوی اپنے شوہر کے گھر جانے پر راضی نہیں ' تو کیا وہ نکاح فسخ کرا سکتی ہے؟

(سوال) ایک نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کے والد نے زید سے کر دیا زید اس وقت بالغ تھا لڑکی اس وقت سن بلوغ کو پہنچ چکی ہے مگر چند وجوہ کی بناء پر اپنے شوہر کے گھر جانے پر رضامند نہیں اور اپنا نکاح فسخ کرانا چاہتی ہے کیا اس لڑکی کا نکاح فسخ ہو سکتا ہے اگر ہو سکتا ہے تو فسخ بذریعہ عدالت کرایا جائے یا متعلقہ فتویٰ ہی کافی شافی ہے۔ المستفتی نمبر ۱۷۲۳ عبداللہ چپراسی (مالیر کوٹلہ)
۱۴ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۳ جولائی ۱۹۲۸ء

(جواب ۱۱۹) لڑکی نکاح جن وجوہ سے فسخ کرا سکتی ہے وہ وجوہ کسی مسلمان حاکم(۲) یا کسی ثالث مسلم فریقین(۳) کے سامنے پیش کرے اگر حاکم یا ثالث ان وجوہ کو معقول اور موجب فسخ سمجھے گا تو نکاح

---

(۱) و علیه یحمل ما فی فتاوی قاری الهدایة حیث سئل عمن غاب زوجها و لم یترك لها نفقة فاجاب اذا اقامت بینة علی ذلك و طلبت فسخ النكاح من قاض یراه ففسخ نفذ وهو قضاء علی الغائب و فی نفاذ القضاء علی الغائب روایتان عندنا فعلی القول بنفاذه یسوغ للحنفی ان یزوجها من الغیر بعد العدة (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب النفقة ۳/ ۵۹۱ ط سعید كراتشی) وكذا فی الحیلة الناجزة' للحلیلة العاجزة' ص ۷۳ بحث حكم زوجه متعنت ط دار الاشاعت كراچی۔

(۲) واهله اهل الشهادة ای اداؤها علی المسلمین (درمختار) وقال فی الرد: الضمیر فی اهله راجع إلی القضاء بمعنی من یصح منه – حاصله ان شروط الشهادة من الاسلام والعقل والبلوغ – شروط بصحة تولیته و لصحة حكمه بعدها و مقتضاه ان تقلید الكافر لا یصح وان اسلم (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب القضاء ۵/ ۳۵٤ ط سعید كراتشی)

(۳) واما المحكم فشرطه اهلیة القضاء، و یقضی فیما سوی الحدود والقصاص (هامش رد المحتار' كتاب القضاء ۵/ ۳۵٤ ط سعید كراتشی) ثالث کے ذریعہ صحت فسخ نکاح کا فتویٰ ضرورت کی بناء پر ہے کما فی حاشیة الحیلة الناجزة ص ۳٤ اما التحكیم فی بعض مسائل الباب لا یصح اصلا و فی البعض یصح ولكن لا یفتی به لما قال صاحب الهدایة وغیره من انه لا یفتی به فی النكاح والطلاق وغیرهما لكیلا یتجاسر العوام فلذا تركناه – وقال فی الفتح: و فی فتاوی الصغری حكم المحكم فی الطلاق و المضاف ینفذ لكن لا یفتی به (فتح القدیر' كتاب القضاء ۷/ ۳۱۹ ط مصر)

فسخ کردے گا کوئی فتویٰ فسخ نکاح کے لئے کافی نہیں(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شوہر بیوی کے پاس نہیں جاتا اور نہ حقوق زوجیت ادا کرتا ہے' تو تفریق ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) تقریباً پانچ سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا مگر زید نے کبھی خوشی سے بیوی کے پاس جانا منظور نہ کیا والدین کے کہنے سے اس کے پاس گیا بھی تو کوئی اظہار خواہش نفسانی کا نہیں کیا اور نہ کرنے کی امید ہے ہندہ اس سے طلاق لینا چاہتی ہے مگر وہ طلاق نہیں دیتا اب کیا کرنا چاہئے۔

(جواب ۱۲۰) اگر زید عنین ہے اور اس وجہ سے ہندہ سے مقاربت نہیں کرتا تو بقاعدہ عنین مرافعہ الی الحاکم وامہال یکسال(۲) کے بعد تفریق ہو سکتی ہے(۳) اور اگر عنین نہیں ہے محض زوجہ کے ساتھ یکدلی اور الفت نہ ہونے کی وجہ سے مقاربت نہیں کرتا تو اس کو لازم ہے کہ طلاق دیدے یا خلع کی صورت کرکے اس سے علیحدگی کرائی جائے اگر اس پر آمادہ نہ ہو تو پھر حاکم مسلم نکاح کو فسخ کر سکتا ہے(۴) فقط

محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ' مدرسہ امینیہ' دہلی

فصل پنجم
صغر سنی زوج

نابالغ کی بیوی زنا میں مبتلا ہونے کے ڈر سے نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) ایک نابالغ لڑکی معمرہ آٹھ نو سالہ کا نکاح اس کے باپ نے ایک نابالغ لڑکے معمرہ پانچ سالہ کے

---

(۱) و شرط للکل القضاء (الدر المختار مع هامش رد المحتار کتاب النکاح' باب الولی ۳/ ۷۱ ط سعید کراتشی)
وان کان الزوج غیر هما ای غیر الاب وابیه ولو الام او القاضی او وکیل الاب لا یصح من غیر کفء او بغبن فاحش اصلا وان کان من کفء وبمهر المثل صح ولکن لها خیار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنکاح بعده بشرط القضاء (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب النکاح' باب الولی ۳/ ۶۷' ۷۰ ط سعید کراتشی)
(۲) حکم کے پاس مقدمہ کی پیشی اور ایک سال کی مہلت۔
(۳) جاء ت المرأة إلی القاضی بعد مضی الاجل وادعت انه لم یصل الیها وادعی الزوج به الوصول- وان نکل خیرها القاضی وان قالت المرأة ان بکر نظرت الیها النساء والواحدة تکفی والثنتان احوط – وان قلن هی بکر او اقر الزوج انه لم یصل الیها خیرها القاضی فی الفرقة – فان اختارت الفرقة امر القاضی ان یطلقها طلقة بائنة فان ابی فرق بینهما (الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الثانی عشر فی العنین ۱/ ۵۲۴ ط ماجدیه کوئٹه) اس مسئلہ میں موجودہ زمانہ کی ضرورت کے پیش نظر مذہب مالکیہ کے مطابق عورت کی رہائی کی صورت تجویز کی گئی ہے تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ "الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة ص ۴۳ بحث حکم زوجۂ عنین' مطبوعه دار الاشاعت کراچی)
(۴) کذا فی الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة ص ۴۵ بحث حکم زوجه عنین مطبوعه دار الاشاعت کراچی

ساتھ کردیا جس کو عرصہ قریب چھ سال کا گزرا اب لڑکی کی عمر پندرہ سال کی ہو چکی ہے اور اب وہ بالغہ ہے لیکن بد قسمتی سے لڑکے کی عمر دس گیارہ سال کی ہے اور اس کو بالغ ہونے کے لئے آٹھ سال کا عرصہ درکار ہے لڑکی اتنی طویل مدت تک اس لئے انتظار نہیں کرنا چاہتی کہ ایسے انتظار سے اس کی عصمت و عفت خطرے میں ہونے کے علاوہ ناموافقت عمر کے باعث لڑکی کو اپنی زندگی کا مستقبل صریحاً تلخ و تاریک نظر آرہا ہے اور آئندہ فلاح و بہبودی کی کوئی امید نہیں بنابریں وہ اپنے باپ کی غفلت و بے احتیاطی سے کئے ہوئے نکاح کو فسخ کرنا چاہتی ہے لیکن نابالغ لڑکے کا باپ انفساخ نکاح پر رضامند نہیں ہے آیا لڑکی کو ازروئے فقہ حنفی عدالت سے تنسیخ نکاح کرانے کا حق ہے یا نہیں ؟ واضح ہو کہ لڑکا اور لڑکے کا باپ حنفی ہیں اور لڑکی اور لڑکی کا باپ شافعی ہیں۔

المستفتی نمبر ۱۷۷ جنگی خاں شیروانی۔ ہمتا آباد (ریاست حیدر آباد)

۲۵ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۹ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۲۱) اس صورت میں فقہ مالکی کی رو سے بربنائے خوف زنا فسخ نکاح کا حکم ہو سکتا ہے (۱) اور حنفی ضرورت شدیدہ میں فقہ مالکی پر عمل کر سکتا ہے (۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

لڑکے کی عمر پندرہ سال ہے 'مگر ابھی نابالغ اور کمزور ہے ہمبستری کے قابل نہیں تو کیا عورت تفریق کرا سکتی ہے

(سوال) ایک لڑکا اور ایک لڑکی کا نکاح ہوا دونوں کی عمریں تقریباً چھ سال تھیں اور لڑکے کا والد انتقال کر چکا اور لڑکے کی طرف سے اس کا دادا ولی تھا اور لڑکی کا والد زندہ تھا اور وہی ولی تھا اور اس وقت لڑکے کے دادا کا انتقال ہو چکا ہے اور لڑکی کا والد زندہ ہے اور اس وقت لڑکے اور لڑکی کی عمر تقریباً ۱۴ یا ۱۵ سال کی ہے اور جب سے نکاح ہوا لڑکی اپنے باپ ہی کے گھر پر موجود ہے اور لڑکے کے گھر نہیں گئی اور نہ ہی کبھی خلوت ہوئی ہے اور لڑکا بوجہ مسکین اور یتیم ہونے کے لاغر معلوم ہوتا ہے اور لڑکی کا والد زندہ ہے اس لئے لڑکی فربہ اور ہوشیار معلوم ہوتی ہے اب رہا یہ معاملہ کہ لڑکی کے والد نے اپنی لڑکی سے عدالت میں یہ عرضی دلوائی ہے کہ مجھ کو طلاق ملنی چاہئیے ہم سب لوگ لڑکے کو سمجھا چکے ہیں کہ تو طلاق دیدے لیکن لڑکا اس بات کو نہیں مانتا اور کہتا ہے میں طلاق نہیں دیتا۔

المستفتی نمبر ۲۳۸۱ فیض محمد (ریاست جنید)

---

(۱) دیکھئے الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة ص ۷۳ بحث حکم زوجہ متعنت فی النفقة ط دار الاشاعت اردو بازار' کراچی

(۲) و فی حاشیة الفتال وذکر الفقیه ابو اللیث فی تأسیس النظائر انه اذا لم یوجد فی مذهب الامام قول فی مسئلة یرجع الی مذهب مالك انه اقرب المذاهب الیه (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب الرجعة ۴۱۱/۳ ط سعید کراتشی)

۲۵ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۴ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۲۲) اگر لڑکی بالغہ ہو چکی ہے اور طاقتور و توانا ہے اور لڑکا ابھی نابالغ اور کمزور ہے اس کے بالغ ہونے میں بظاہر اتنی دیر ہو کہ لڑکی خواہش نفس کو برداشت نہ کر سکے اور اس کے مبتلائے زنا ہو جانے کا غالب گمان ہو تو ایسی حالت میں مسلم حاکم فسخ نکاح کر سکتا ہے اگر حاکم بعد تحقیقات کے نکاح فسخ کر دینا ضروری سمجھے اور فسخ کر دے تو عورت دوسرے شخص سے نکاح کر سکے گی(۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نابالغ کی بیوی کا نکاح مسلمان حاکم کے ذریعہ فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(سوال) زید نے اپنی لڑکی مسماۃ زینب بی بی عمر کے لڑکے عبداللہ جو کہ چھوٹی عمر والے کو دیکر ایک اشام بھی تحریر کیا ہے اب لڑکی ایک سال سے جوان ہے اور لڑکا عبداللہ تخمیناً ۹ سال کی عمر کا ہے فریقین کو اندیشہ ہو رہا ہے کہ فسادات زمانہ دیکھ کر کہیں لڑکی کسی دیگر شخص کے ساتھ ناجائز تعلق پیدا کر کے نکل نہ جائے عمر لکھتا ہے کہ زید کو کہ تم اپنی لڑکی زینب کی کسی دوسری جگہ شادی کر دو اس طرف سے اجازت ہے کیا از روئے شریعت لڑکی زینب بی بی عبداللہ کے علاوہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۴۳۶ غلام مصطفیٰ (صوبہ سرحد) ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ م ۱۲ جنوری ۱۹۳۹ء

(جواب ۱۲۳) اگر لڑکی بالغہ ہو چکی ہے اور اس کا شوہر ابھی نابالغ ہے اور اس کے بلوغ تک انتظار کرنے میں لڑکی کی عصمت خراب ہونے کا خطرہ ہے تو اس صورت میں کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے نکاح فسخ کرایا جا سکتا ہے اور بعد حصول فیصلہ فسخ دوسرا نکاح ہو سکے گا(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نابالغ لڑکے کے ساتھ بالغ لڑکی کی شادی ہوئی تو لڑکی نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) ایک لڑکی جس کی عمر اٹھارہ انیس سال ہے اس کا نکاح ایک لڑکے سے جس کی عمر آٹھ نو سال ہے کر دیا گیا چونکہ فتنہ کا سخت خطرہ ہے کیا تفریق کی کوئی صورت ہو سکتی ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۶۶۲ مولوی نصیر بخش بھاولپور ۲۳ صفر ۱۳۶۰ھ م ۲۲ مارچ ۱۹۴۱ء

(جواب ۱۲۴) اگر لڑکی کے مبتلائے معصیت ہونے کا قوی خطرہ ہو تو کوئی مسلمان حاکم اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ

(۲) دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ ص ۷۳ بحث حکم زوجہ متعنت فی النفقۃ، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

(۳) دیکھئے حوالہ سابقہ

گزارش ہے کہ حضرت علامہ مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ نے اس جواب کا حوالہ طلب فرمایاہے براہ کرم جلد تحریر فرمائیں۔

(جواب ۱۲۵) خاص اس صورت میں کہ لڑکا نابالغ ہو اور لڑکی بالغہ ہو جائے اور اس کے زناء میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو مخصوص جزئی نظر سے نہیں گزری مگر جواب میں جو حکم لکھا گیا ہے وہ اس پر مبنی ہے کہ ابتلائے زنا کا خطرہ اور حبس شہوت کا ضرر ،ضرر عدم نفقہ سے قوی ہے اور مفقود میں تضرر بعدم النفقہ و تضرر بحبس الشہوۃ دونوں کو عذر قرار دیا گیا ہے اور تضرر بحبس الشہوۃ کو اقوی قرار دیکر اس کے لئے چار سال کی مدت بھی ضروری نہیں سمجھی گئی بلکہ فوراً فسخ نکاح کی اجازت مالکیہ نے دے دی اور صورت مسئول عنہا میں تضرر بحبس الشہوۃ بوجہ نابالغی و عدم صلاحیت شوہر کے یقینی ہے جس کے لئے کسی انتظار کی ضرورت نہیں جیسے کہ مفقود میں اس خاص صورت (خوف زناء) میں نہیں رکھی گئی یہ بات کہ زوجۃ المفقود میں خوف زنا کی صورت میں تاجیل ضروری نہیں سمجھی گئی حیلہ ناجزہ کے صفحہ ۱۱۰ '۱۱۲ میں موجود ہے(۱) مگر امراۃ مفقود کے بارے میں یہ روایات ہیں نیز اس صورت میں ضرورت کی وجہ سے امام احمد ابن حنبل کے مذہب کے موافق نابالغ ممیز سے طلاق دلوا کر اس کے نفاذ کا حکم بھی دیا جا سکتا ہے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فصل ششم
زوج کا مفقود الخبر ہونا

گمشدہ شوہر کی بیوی مسلمان حاکم یا مسلمان دیندار جماعت کی تفریق کے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکتی

(سوال) مسماۃ ظہیر النساء بنت سکندر خاں سندھور کا نکاح سات سال کی عمر میں سکندر خاں نے عزیز محمد ولد اسد علی کے ساتھ جس کی عمر اس وقت ۹ سال تھی کر دیا تھا عقد کے کچھ دنوں بعد عزیز محمد پردیس چلا گیا جس کو اب دس برس کا زمانہ ہو گیا دو سال تک اس کی خبر تھی اب آٹھ سال سے وہ بالکل لاپتہ ہو گیا کچھ خبر اس کی نہیں ہے نہ خط وغیرہ آتا ہے لڑکی کی رخصتی نہیں ہوئی اب لڑکی کی عمر بیس سال ہے اس کا باپ بھی بہت غریب ہے لڑکی کی گزر مشکل ہے و نیز شباب کا زمانہ ہے فتنہ کا اندیشہ ہے

المستفتی نمبر ۱۱۱۹ محمد حیات صاحب (پرتاب گڑھ)

---

(۱) الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزہ' بحث حکم زوجہ مفقود فائدہ ص ۷۳ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

(۲) لا یقع طلاق المولی علی امرأۃ عبدہ والمجنون والصبی ولو مرا ہقا اجازہ بعدالبلوغ - وجوزہ الامام احمد (درمختار) وقال فی الرد(قولہ وجوزہ الامام احمد) ای اذا کان ممیز ا یعقلہ بان یعلم ان زوجتہ تبین منہ کما ہو مقرر فی متون مذہبہ (ھامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الطلاق ۳/ ۲۴۲'۲۴۳ ط سعید کراتشی)

۲۲ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۱ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۲۶) کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے پہلا نکاح فسخ کرالیا جائے تو دوسرا نکاح بعد انقضائے عدت ہو سکتا ہے (۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جہاں مسلمان حاکم نہ ہو' وہاں مسلمانوں کی دیندار جماعت کے ذریعہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے

(سوال) (۱) مسلمان حاکم ہمارے ضلع میں کوئی نہیں ہے جس کی عدالت میں مسماۃ ظہیر النساء کا معاملہ حسب الارشاد پیش کیا جائے (۲) عدالت میں مقدمہ باقاعدہ دائر کر کے مسماۃ ظہیر النساء کا نکاح ثابت کرنا اور پھر اشتہار وغیرہ کرانا جس میں کم از کم پچیس روپے صرف ہو گا اور مسماۃ بوجہ غربت اور اس کا باپ بوجہ مفلسی بالکل مجبور ہیں بمشکل گزر ہوتی ہے اب چار سال یا بدرجہ مجبوری ایک سال مسماۃ کا اپنے مفقود الخبر شوہر کا انتظار کرنا نہایت دشوار ہے سخت فتنہ کا اندیشہ ہے۔

المستفتی نمبر ۱۱۲۰ محمد حیات صاحب (پرتاب گڑھ)

۲۲ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۱ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب)(از نائب مفتی دارالعلوم دیوبند) اگر مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت میں مقدمہ دائر کرنا بوجہ افلاس و تنگدستی کے دشوار ہو تو چند دیندار مسلمانوں کی پنچایت جس میں ایک معتبر اور مستند عالم بھی ہو قائم مقام قاضی کے ہو کر خدمات قاضی انجام دے سکتی ہے (۲) اور ایک سال کی مدت مقرر کرنا لازمی ہے اور تفصیل اس مسئلہ کی رسالہ الحیلۃ الناجزہ (۳) اور رسالہ المرقومات للمظلومات میں موجود ہے جو دارالاشاعت دیوبند سے ملتی ہے (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دارالعلوم

---

(۱) ولا يفرق بينه و بينها ولو بعد مضى اربع سنين خلافا لمالك (درمختار) وقال في الرد (قوله خلافا لمالك) فان عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضى اربع سنين - لقول القهستاني لو افتى في موضع الضرورة لا بأس به على ما اظن (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب المفقود' مطلب في الافتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود ٤/ ٢٩٥ ط سعيد كراتشي) نیز دیکھئے الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة - بحث حكم زوجه مفقود ص ٥٩ تا ص ٧٢ مطبوعه دار الاشاعت كراچی

(٢) واما المحكم فشرطه اهلية القضاء و يقضي فيما سوى الحدود والقصاص (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب القضاء ٥/ ٣٥٤ ط سعيد كراتشي)

(٣) الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة' بحث حكم زوجه مفقود' فائده ص ٧١ مطبوعه دار الاشاعت كراچی

(٤) صرح بذلك العلامة الصالح التونسي مفتي المالكية في المسجد النبوى الشريف بالمدينه المنورة في فتواه الملحقة بالرسالة المسماة " الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة" في الرواية السابعة عشر الذى عليه الجمهور وبه العمل وهو المشهور ان ذلك التفريق وسائله وما يتعلق به للحاكم فان عدم حسا اواعتبارا فجماعة المسلمين الثلاثة فما فوق تقوم مقامه ولا يكفي الواحد في مثل هذا وانما نسب ذلك للاجهوري في احدى الروايتين عنه و تبعه بعض الشراح من المصريين والاول هو الذى عليه المعول و عليه فلا لزوم لتعريف المعرفة هذا الواحد ولبيان المهمات التي يرجع فيها اليه على ان ذلك واضح وهي كناية عن كونه عالما عاقلا مرجعا لاهل جهته في حل مشكلاتهم مطلقا ص ١٢٨ مطبوعه دار الاشاعت كراچی -

یوبند الجواب صحیح محمد سہول مفتی دار العلوم دیوبند ۷ ۲ ربیع الاول
(مکرر استفسار از حضرت مفتی اعظمؒ)

سوال متعلقہ استفتائے سابق

(سوال) حضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے پہلا نکاح فسخ کرالیا جاوے اس کے بعد انقضائے عدت کے بعد دوسرا عقد ہو سکتا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرے ضلع میں مسلمان حاکم نہیں ہے اور عدالت میں مقدمہ دائر کرنے سے یہ بھی امر مانع ہے کہ کم از کم پچیس روپیہ صرف ہوگا مستفتی بہت غریب آدمی ہے دیوبند سے بھی استفتا منگایا گیا ہے مفتی صاحب نے بھی عذر مذکورہ بالا کی بناء پر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ کسی عالم معتبر کے سامنے یہ معاملہ طے کرادیا جائے لیکن مفتی صاحب نکاح فسخ کرانے کے بعد ایک سال کی میعاد انتظار کی مقرر فرماتے ہیں حضور والا وہ عورت اور اس کا باپ بہت پریشان ہیں دس گیارہ سال اس عورت نے کسی نہ کسی طرح گزر کیا لیکن اب معاملہ بہت نازک ہے اور سخت اندیشہ فتنہ کا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۱۲۰ محمد حیات صاحب (پرتاب گڑھ)

(جواب ۱۲۷) (از حضرت مفتی اعظمؒ) دیوبند کا جواب میں نے دیکھا اس میں پنچایت مقرر کرکے جس میں کم از کم ایک معتبر عالم بھی ہو اس کے سامنے مقدمہ پیش کرنے کو لکھا ہے آپ لکھتے ہیں کہ کسی عالم سے فیصلہ کرالیا جائے تو واضح رہے کہ کسی ایک عالم کا فیصلہ کافی نہ ہوگا پنچایت ضروری ہے اور پنچایت اس جماعت کا نام ہے جس کو قوم کی طرف سے ایسے فیصلے کرنے کا اختیار دیا گیا ہو اور قوم میں اس کے فیصلے نافذ ہوتے ہوں تو ایسی پنچایت کا وجود بھی مسلمان حاکم کے وجود کی طرح مشکل ہو؟ اللہ تعالیٰ رحم کرے مفتی کے بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

غیر مسلم حاکم کے ذریعہ مسلمانوں کا نکاح فسخ نہیں ہو سکتا

(سوال) ایک لڑکی کا خاوند پانچ سال سے مفقود الخبر ہے سیشن کورٹ نے خاوند کی گم شدگی کی بنا پر فیصلہ دیدیا ہے کہ بروئے قانون لڑکی دوسری شادی کر سکتی ہے اندریں باب فتویٰ شریعت کیا ہے اس کا جواب بدیں نمط موصول ہوا کہ ”اگر سیشن جج مسلمان تھا اور اس نے خاوند کی گمشدگی کی بناء پر یہ فیصلہ دیا ہو بعد تحقیقات کے کہ لڑکی دوسرا نکاح کر سکتی ہے تو اس کا نکاح سابق فسخ ہو گیا اور دوسرا نکاح کرنا جائز ہو گیا اب توضیح طلب امر یہ ہے کہ فیصلہ کرنے والا حاکم سیشن جج مسلمان نہیں ہے لیکن ریاست نے اسے ہر قسم کے فیصلے کا مختار و مجاز قرار دیا ہے تو کیا ایسی شکل میں کہ اس مقدمہ کے لئے حاکم مسلم کا تعین متعذر ہے حاکم غیر مسلم کا فیصلہ اس باب میں معتبر نہ ہوگا اور اگر نہیں تو فسخ کی کونسی صورت ممکن ہو سکتی ہے؟

المستفتی نمبر ۷۷۷ اغلام رسول تکیہ بوٹے شاہ - ریاست جیند
۱۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۸) غیر مسلم حاکم کا فیصلہ کافی نہیں(۱) صورت مسئولہ میں یہ ممکن ہے کہ سیشن جج غیر مسلم سے درخواست کی جائے کہ وہ اس معاملہ کے لئے کسی مسلمان عالم کو مجاز کردے کہ وہ شرعی فیصلہ کردے اور پھر سیشن جج اس کے فیصلہ کو اپنی عدالت سے نافذ کردے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شوہر اٹھارہ سال سے لاپتہ ہو' تو کیا بیوی نکاح فسخ کرا کے دوسری شادی کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) زید شوہر طاہرہ تقریباً ۱۸ سال سے لاپتہ ہے اس کی کوئی خبر اس وقت سے اب تک نہیں ملی کیا طاہرہ عقد ثانی کر سکتی ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۸۳۸ امر ؤبخش صاحب (اٹاوہ)
۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۹) طاہرہ اپنا نکاح کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے فسخ کرا کر اور عدت گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جس عورت کا شوہر چار سال سے لاپتہ ہو تو وہ عورت کیا کرے ؟

(سوال) ایک لڑکی کا شوہر جس کی عمر تخمیناً چوبیس پچیس سال کی ہے یہ لڑکا آج چار برس سے لاپتہ ہے لڑکی لڑکے کے وارثوں سے کہتی ہے کہ یا تو میرا روٹی کپڑے کا بندوبست کرو یا مجھے اجازت مل جائے تاکہ میں نکاح کرلوں لڑکی کے والدین نہیں ہیں لڑکی بذات خود محنت مزدوری کر کے شکم پروری کرتی ہے لڑکے کے وارث بھی غریب ہیں وہ پرورش کرنے کو تیار نہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر تیرا دل نکاح کرنے کو چاہتا ہے بیشک کرلے ہم منع نہیں کرتے اس صورت میں نکاح کر دینا بہتر ہے یا نہیں اور لڑکی بھی دونوں باتوں میں راضی ہے وارث نکاح کی اجازت دیں یا روٹی کپڑا۔
المستفتی نمبر ۲۳۰۷ حاجی منشی فتح محمد صاحب (کرنال) ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۱۲ جون ۱۹۳۸ء

---

(۱) واهله اهل الشهادة اى ادائها على المسلمين (درمختار) وقال في الرد (وحاصله ان شرط الشهادة من الاسلام و العقل والبلوغ والحرية و عدم العمى والحدفي القذف شرط لصحة توليته ولصحة حكمه بعدها و مقتضاه ان تقليد الكافر' لا يصح وان اسلم – قال في البحر : و به علم ان تقليد الكافر صحيح و ان لم يصح قضاء ه على المسلم حال كفره – (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب القضاء ٥/ ٣٥٤ ط سعيد كراتشى)
(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة' بحث حكم زوجه مفقود ص ۵۹ مطبوعه دار الاشاعت کراچی۔

جواب ۱۳۰) لڑکی کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرالے اور نکاح ثانی کی اجازت حاصل کرلے تو دوسرا نکاح بعد انقضائے عدت کرسکے گی(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نوان العمر عورت کا شوہر چار سال سے گم ہو گیا ہے 'کیا حکم ہے ؟
(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

سوال) زید اپنی منکوحہ بیوی کو جو کہ لاوارث لڑکی تھی کسی کے گھر بڑی ہوئی عرصہ قریباً چار سال ہوئے بغیر طلاق دیئے چھوڑ کر چلا گیا ہے جس کا ابھی تک پتہ معلوم نہیں ہے لڑکی اپنے مربی باپ کے ھر رہتے ہوئے ناجائز تعلق کر کے حاملہ ہوئی اور لڑکا پیدا ہوا اب گھر والے لڑکی سے سخت ناراض ہیں اور ہر وقت جنگ و جدل میں رہتے ہیں اس کے اصل زوج کا پتہ نہیں لڑکی سخت تکلیف میں ہے اس کا نکاح مسلمانوں کی پنچایت نے فسخ کر دیا ہے بعض مولوی اعتراض کرتے ہیں کہ نکاح ثانی نہیں ہو سکتا۔

جواب ۱۳۱) اگر وہ پنچایت جس نے لڑکی کا نکاح فسخ کیا ہے اس بستی کے مسلمانوں کی مسلمہ پنچایت ہے جس کو اس قسم کے اختیارات حاصل ہیں تو نکاح کا فسخ صحیح ہوا اور لڑکی بعد انقضائے عدت دوسرا نکاح کر سکتی ہے(۲) اور اگر مسلمہ پنچایت نہیں تو کسی مسلمان حاکم سے نکاح فسخ کرایا جائے تو فسخ صحیح ہوگا(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل ہفتم
کفاءت

والد نے نابالغہ لڑکی کا نکاح حرامی لڑکے سے کرادیا' تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک بے وقوف باپ نے جو کہ کانوں سے کم سنتا ہے اور آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا ہے اپنی

---

(۱) دیکھئے الحیلة الناجزة للحليلة العاجزة' بحث حکم زوجہ مفقود ص ۵۹ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی -

(۲) مسلمانوں کی مسلمہ پنچایت کے لئے چند شرائط ہیں (۱) جماعت کے ارکان کم از کم تین ہوں (۲) سب ارکان عادل یعنی پکے دیندار ہوں (۳) سب ارکان یا کم از کم ایک رکن ایسا عالم ہو جو شہادت و قضاء کے احکام شرعیہ میں ماہر ہو' اور اگر اس میں کوئی بھی عالم نہیں عوام نے محض اپنی رائے سے فیصلہ کر دیا' تو وہ حکم نافذ نہ ہوگا اگر اتفاقاً وہ حکم صحیح بھی ہو گیا ہو (۴) فسخ نکاح کا فیصلہ سب ارکان اتفاق رائے سے کریں' اور اگر خدانخواستہ کسی واقعہ کے متعلق پنچایت کے ارکان میں اختلاف رہا تو ان کے فیصلے سے تفریق وغیرہ نہ ہو سکے گی وهذا ملخص من الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة ص ۳۴ ص ۴۰ ط دار الاشاعت کراچی

(۳) واهله اهل الشهادة ای ادائها على المسلمين (درمختار) وقال في الرد : و حاصله ان شرط الشهادة من الاسلام والعقل والبلوغ و الحرية وعدم العمى والحد فى القذف شروط لصحة توليته ولصحة حكمه بعد و مقتضاه ان تقليد الكافر لا يصح وان اسلم- قال في البحر و به علم ان تقليد الكافر صحيح وان لم يصح قضاء على المسلم حال كفره (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب القضاء ۵/۳۵۴ ط سعيد كراچی) وانظر ايضا الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة' بحث حکم زوجہ مفقود ص ۶۲ ط دار الاشاعت کراچی -

نابالغہ لڑکی کا عقد ایک حرامی لڑکے سے اس لڑکے کی والدہ و چچا کی ولایت میں کر دیا ہے وہ اس طرح کہ لڑکی کے بہنوئی نے لڑکی کے والد کو بہت کچھ ورغلایا اور اس پوشیدگی کے ساتھ یہ عقد کرایا کہ جس وقت لڑکی کے خاص عزیز بھائی چچا وغیرہ کوئی موجود نہ تھے یہ کہا گیا کہ گورنمنٹ سے سارادا ایل پاس ہو چکا ہے کہ کوئی شخص نابالغ لڑکا لڑکی کی شادی اگر کرے گا تو مجرم گردانا جائے گا عجلت میں نکاح ہو گیا نہ لڑکی کے والد نے کوئی بات دریافت کی لڑکے کے متعلق اور نہ لڑکے کے چچا والد نے ذکر کیا کہ یہ لڑکا حرامی ہے اگر لڑکی کے چچا بھائی دادا وغیرہ موجود ہوتے تو یہ نکاح ہرگز نہ ہونے دیتے جب لڑکی بالغ ہوئی اس کو رخصت کرنا چاہا لیکن اس نے بالکل انکار کر دیا کہ میں ہرگز حرامی لڑکے کے یہاں رہنا نہیں چاہتی چاہے خودکشی کرلوں یا تمام عمر بیٹھی رہوں جب لڑکی کے ساس و سسر اور اس کے والد وغیرہ سمجھا کر مجبور ہو گئے اور اس نے منظور ہی نہ کیا بحالت مجبوری لڑکی کا والد مولانا عبدالسلام جبلپوری کی خدمت میں حاضر ہوا اور تحریر جواب اس مضمون کا چاہا کہ میں نے اپنی نابالغہ لڑکی کا عقد ایک حرامی لڑکے سے کر دیا ہے اور بروقت نکاح مجھ کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ لڑکا حرامی ہے مولانا صاحب نے فتویٰ دیا کہ لڑکی کو اختیار ہے کہ وہ شریف النسب سے اپنا عقد کر سکتی ہے ایسا فتویٰ ایک شخص کو بتایا تو اس شخص نے فتویٰ صحیح سمجھ کر لڑکی سے عقد کر لیا اب برادری کے لوگوں کا کہنا ہے کہ لڑکی کے باپ کو ضرور معلوم تھا کہ یہ لڑکا حرامی ہے مولانا صاحب سے انہوں نے غلط سوال کیا ہے کہ مجھ کو معلوم نہ تھا اس لئے یہ دوسرا نکاح جو لڑکی نے اپنی مرضی سے کیا ہے جائز نہیں ہے لڑکی دوسرے شوہر سے حاملہ بھی ہے اور برادری والے حمل حرام قرار دیتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۱۲۱۳ امجد علی صاحب ہند یلکھنڈ - ۱۶ رجب ۱۳۵۵ھ م ۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۳۲) نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کے باپ نے ناواقفیت سے اگر غیر کفو میں کر دیا تو نکاح تو ہو گیا (۱) لیکن یہ معلوم ہونے کے بعد کہ لڑکا غیر کفو ہے خود اس کو اور لڑکی کو بعد البلوغ نکاح فسخ کرانے کا حق ہے (۲) کوئی مسلمان حاکم اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے (۳) فسخ کرانے سے پہلے جو دوسرا نکاح کر دیا گیا وہ صحیح

---

(۱) النكاح الصغير والصغيرة جبرا ولو ثيبا ولزم النكاح ولو بغبن فاحش بنقص مهرها و زيادة مهره او زوجها بغير كفؤ ان كان الولي المزوج بنفسه بغبن ابا اوجدا لم يعرف منهما سوء الاختيار مجانة و فسقا وان عرف لا يصح النكاح اتفاقا (تنوير الابصار و شرحه مع هامش رد المحتار كتاب النكاح باب الولي ۳/۶۷ ط سعيد كراتشي)

(۲) رجل زوج ابنته الصغيرة من رجل ذكر انه لايشرب المسكرة فوجد شربا مدمنا فبلغت الصغيرة وقالت لا ارضى قال الفقيه ابو جعفرؒ ان لم يكن ابو البنت يشرب المسكر وكان غالب اهل بيته الصلاح فالنكاح باطل لان والد الصغيرة لم يرض بعدم الكفاءة وانما زوجها منه على ظن انه كفء (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية كتاب النكاح باب الكفاءة ۱/۳۵۳ ط ماجديه كوئته) وقال في خزانة المفتين الاب اذا زوج ابنته الصغيرة من رجل وظن انه يقدر على ايفاء المعجل والنفقة ثم ظهر عجزه عن ذلك كان للاب ان يفسخ لانه يخل بالكفاءة ولم يسقط حقه لانه زوج على انه قادر انتهى (خزانة المفتين ۲/۱۲۱)

(۳) وشرط للكل القضاء (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب النكاح باب الولي ۳/۷۱ ط سعيد كراتشي)

نہیں ہوا(۱) البتہ چونکہ دوسرا نکاح اس بناء پر کیا کہ پہلے نکاح کو ایک عالم نے ناجائز بتا کر دوسرے نکاح کی اجازت دے دی تھی اس لئے دوسرے خاوند کی وطی وطی بالشبہ واقع ہوئی اس لئے وہ زنا کا مجرم نہ ہوگا (۲) اور وہ بچہ جو اس وطی سے پیدا ہوگا اس دوسرے خاوند کا نہیں بلکہ پہلے خاوند کا قرار دیا جائے گا بشرطیکہ وہ اس کے نسب سے انکار نہ کردے کیونکہ ابھی تک وہ پہلے کی منکوحہ ہے اور **الولد للفراش وللعاهر الحجر** (۳) منکوحہ کے لئے قاعدہ کلیہ ہے اب پہلے نکاح کو بذریعہ عدالت یا پنچایت فسخ کرانے کے بعد دوسرے خاوند سے دوبارہ نکاح پڑھا جاوے - فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شوہر مذہب تبدیل کر کے قادیانی ہو گیا' تو عورت کا نکاح فسخ ہو گیا

(سوال) واضح ہو کہ ایک فتویٰ درباب فسخ نکاح ایسے شخص کے جو قادیانی مذہب اختیار کرلے بدیں مضمون آیا ہے کہ اگر شخص مذکور فرقہ قادیانیہ کا متبع ہے تو لڑکی کا نکاح اس سے فسخ کرالیا جائے تفریق کے لئے قانونی طور پر عدالت کا فیصلہ لازمی ہے (دستخط) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اب اس فتوے میں یہ امر تصریح طلب ہے کہ فسخ نکاح کی کیا صورت ہو؟

(۱) کیا بدون اس کے کہ خاوند سے طلاق دلائی جائے عدالت اس امر کی مجاز ہے کہ وہ تفریق کرادے -

(۲) اگر احیاناً اصول دین سے ناواقف ہونے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے عدالت فسخ نکاح (بر خلاف فتویٰ شریعت) ضروری قرار نہ دے تو والدین زوجہ مسلمہ کیا کریں-

(۳) کیا ارتداد کی کوئی شکل مستوجب فسخ نکاح بدون فیصلہ عدالت ہے اگر ہاں تو کیا قادیانی مذہب میں شامل ہونا اس قسم کا ارتداد نہیں جس سے نکاح از خود ٹوٹ جاتا ہو؟

المستفتی نمبر ۱۵۸۵ عبد اللہ صاحب (سنگرور - جیند) ۳ جمادی الاول ۱۳۵٦ھ ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء

---

(۱) لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره وكذا المعتدة كذا في السراج الوهاج (الفتاوى الهندية' كتاب النكاح' الباب الثاني القسم السادس' المحرمات التي يتعلق بها حق الغير ۱/ ۲۸۰ ط ماجديه' كوئته)

(۲) و في المجتبى تزوج بمحرمة او منكوحة الغير او معتدته ووطنها ظانا الحل لايحد ويعزر وان ظانا الحرمة فكذلك عنده خلافا لهما (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الحدود ٤/ ٢٤ ط سعيد كراتشي)

(۳) رواه الترمذى في الجامع ' ابواب الطلاق والرضاع' باب ماجاء ان الولد للفراش ۱/ ۲۱۹ ط سعيد كراتشي) وقال في الدر ان الفراش على اربع مراتب وقد اكتفوا بقيام الفراش بلا دخول كتزوج المغربي بمشرقية بينهما سنة فولدت لستة اشهر مذتزوجها كتصوره كرامة اواستخداما فتح (درمختار) وقال في الرد (قوله على اربع مراتب) ضعيف وهو فراش الامة لا يثبت النسب فيه إلا بالدعوة و متوسط وهو فراش ام الولد فانه يثبت فيه بلا دعوة لكنه ينتفي بالنفي وقوى فراش المنكوحة و معتدة الرجعي فانه فيه لا ينتفي إلا باللعان' واقوى كفراش معتدة البائن فان الولد لا ينتفي فيه اصلا لان نصبه متوقف على اللعان و شرط اللعان الزوجية (هامش رد المحتار مع الدر المختار ' كتاب الطلاق فصل في ثبوت النسب ۳/ ۵۵۰ ط سعيد كراتشي)

(جواب ۱۳۳)(۱)ہاں عدالت اس کی شرعاً مجاز ہے کہ فسخ کا حکم کردے۔
(۲)جس طرح ممکن ہو تفریق کی سعی کریں بھاولپور میں ایک فیصلہ ہو چکا ہے' وہ جامعہ عباسیہ بھاولپور سے طلب کریں۔
(۳)ہاں ارتداد سے شرعاً نکاح فسخ ہو جاتا ہے (۱) لیکن عدالت کا فیصلہ قانونی مؤاخذہ سے بچنے کے لئے لازمی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جب ہندو عورت مسلمان ہو جائے تو اس کا نکاح فسخ ہو گیا نہیں ؟

(سوال) ایک ہندو عورت اپنے شوہر سے جدا ہو کر مسلمان ہو گئی اور ایک بزرگ سے بیعت حاصل کر کے سر ٹیفکیٹ حاصل کر لیا مسلمان ہونے کے ایک سال بعد اس کا شوہر اپنی زوجہ کو مجبور کر کے زوجیت میں لینے کا خواستگار ہے حسب احکام شرع شریف رائے عالی سے مشرف فرمادیں کیونکہ مسماۃ حسب خواہش شوہر خود زیر حوالات کر دی گئی ہے۔
المستفتی نمبر ۱۶۶۲ سکریٹری اسلامی بورڈ (گوالیار) ۲۷ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۵ اگست ۱۹۳۷ء
(جواب ۱۳۴) احکام شرعیہ کے بموجب عورت جب مسلمان ہو جائے اور اسکا شوہر باوجود علم کے مسلمان نہ ہو اور عدت گزر جائے تو ان دونوں کا تعلق زوجیت منقطع ہو جاتا ہے سال بھر کا زمانہ اتنا زمانہ ہے کہ اس میں عدت گزر چکی ہو گی اس لئے وہ عورت اب اس کی زوجہ نہیں اور اگر بالفرض عدت نہ گزری ہو جب بھی وہ مسلمان ہو کر تو عورت کا مطالبہ کر سکتا ہے لیکن غیر مسلم ہونے کی صورت میں مطالبہ کا کوئی حق نہیں(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی
(جواب دیگر ۱۳۵) کوئی عورت مسلمان ہونے کے بعد ہندو کی زوجیت میں نہیں رہ سکتی (۳) اگر عدت کے اندر کسی مسلمان سے شادی کرلے تو نکاح درست نہیں(۴) اور عدت گزرنے

---

(۱) وارتداد احدهما ای احد الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء (درمختار) وقال فی الرد (قوله بلا قضاء) ای بلا توقف علی قضاء القاضی و کذا بلا توقف علی مضی عدة فی المدخول بها کذا فی البحر (قوله ولو حکما) اراد به الخلوة الصحیحة (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۳/ ۱۹۴ ط سعید کراتشی)
(۲) ولو اسلم احدهما ای احد المجوسیین اوامرأة الکتابی ثمة ای فی دار الحرب و ملحق بها کالبحر الملح لم تبن حتی تحیض ثلاثا او تمضی ثلاثة اشهر قبل اسلام الآخر اقامة لشرط الفرقة مقام السبب (درمختار) وقال فی الرد (قوله لم تبن حتی تحیض) افادبتوقف البینونة علی الحیض ان الآخر لو اسلم قبل انقضائها فلا بینونة بحر (هامش ردالمحتار مع الدرالمختار' کتاب النکاح باب النکاح الکافر ۳/ ۱۹۱ ط سعید کراتشی)
(۳) دیکھئے حوالہ سابقہ
(٤) اذا اسلم احد الزوجین فی دار الحرب ولم یکونا من اهل الکتاب او کانا والمرأة هی التی اسلمت فانه یتوقف انقطاع النکاح بینهما علی مضی ثلاث حیض سواء دخل بها او لم یدخل بها کذا فی الکافی (الفتاوی الهندیة' کتاب النکاح' الباب العاشر فی نکاح الکفار ۱/ ۳۳۸ ط ماجدیه کوئٹه)

کے بعد نکاح کرے تو نکاح جائز ہوگا اور وہ مسلمان کی منکوحہ ہو جائے گی(۱) اور نکاح نہ کرے بے شوہر کے رہے جب بھی ہندو شوہر سابق اس کو نہیں لے سکتا کیونکہ ہندو مسلمان عورت کا شوہر نہیں ہو سکتا(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عاقلہ بالغہ اپنے نکاح میں خود مختار ہے

(سوال) میری عمر بوقت نکاح سولہ سال کی تھی میرے نکاح کو عرصہ چار ماہ کا ہوا میرے والد نے بغیر میری رضامندی کے میرا نکاح ایک ایسے شخص سے کر دیا جس کا بد دماغ 'بد چلن ہونا بعد میں ثابت ہوا ایک مرتبہ اس نے اپنی بد دماغی سے اپنی خودکشی کا ارادہ کر لیا تھا اور کثیر تعداد میں افیون وگڑو تیل کھالیا تھا مگر بعد میں علاج معالجہ سے صحت ہو گئی ایسے بد دماغ سے مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے یہ خیال رہے کہ ابھی تک رخصتی کی نوبت نہیں آئی ہے لیکن ہاں لڑکے والے میرے والد کو رخصت کرنے پر مجبور کر رہے ہیں اب جب کہ میرے والد کو ان تمام باتوں کا پتہ چل گیا ہے وہ بھی رخصت نہیں کرنا چاہتے اور نفرت کرتے ہیں۔اگر جبراً میری رخصتی کی گئی تو جان کھونے پر آمادہ ہوں۔
المستفتی نمبر ۱۶۹۴ رئیسہ خاتون۔۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ ۲۸ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۳۶) بالغہ عورت کا نکاح بدون اس کی رضامندی کے نہیں ہو سکتا باپ بھی اگر بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت حاصل کئے بغیر کر دے تو نکاح لڑکی کی رضامندی پر موقوف رہتا ہے اگر وہ نکاح کی خبر پاکر انکار کر دے یا نارضامندی ظاہر کر دے تو نکاح باطل ہو جاتا ہے اور رضامندی کا اظہار کر دے تو نکاح قائم رہتا ہے پس صورت مسئولہ میں اگر تم نے نکاح کی خبر پانے کے وقت نارضامندی کا اظہار کر دیا ہو تو نکاح باطل ہو چکا ہے اور اگر اذن دیا ہو یا رضامندی کا اظہار کیا ہو تو نکاح قائم ہے (۳) اب اگر خاوند

---

(۱) (قوله لم تبن حتى تحيض) افاد بتوقف البينونة على الحيض ان الآخر لو اسلم قبل انقضائها فلا بينونة بحر (قوله اقامة لشرط الفرقة) وهو مضى هذه المدة مقام السبب - فاذا مضت هذه المدة صار مضيها بمنزلة تفريق القاضي و تكون فرقة بطلاق على قياس قولهما و على قياس قول ابي يوسف بغير طلاق لانها بسبب الا باء حكما و تقديرا بدائع (هامش رد المحتار مع الدر المختار ' كتاب النكاح' باب نكاح الكافر ۳ / ۱۹۱ ط سعيد كراتشي)
(۲) قال الله تعالى : ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن ولأمة مؤمنة خير من مشركة ولو اعجبتكم ولا تنكحوا المشركين حتى يومنوا ولعبد مؤمن خير من مشرك ولو اعجبكم (البقرة - ۲۲۱)
(۳)ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لا نقطاع الولاية بالبلوغ فان استأذنها هواى الولي وهوالسنة او وكيله اورسوله او زوجها وليها واخبر ها رسوله او فضولي عدل فسكت عن رده مختارة او ضحكت غير مستهزية او تبسمت او بكت بلا صوت فلو بصوت لم يكن اذنا ولا ردا حتى لو رضيت بعده انعقد (الدر المختار مع هامش رد المحتار ' كتاب النكاح' باب الولي ۳ / ۵۸ ط سعيد كراتشي) وقال ايضا وهو اى الولي شرط صحة نكاح صغير و مجنون و رقيق لا مكلفة فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي والا صل ان كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه وما لا فلا (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب النكاح' باب الولي ۳ / ۵۵ ط سعيد كراتشي)

کے کوئی ایسے حالات ظاہر ہوئے ہوں جو پہلے معلوم نہ تھے اور ان حالات کی بناء پر نباہ ناممکن ہو یا دشوار نظر آتا ہو تو کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے نکاح فسخ کرایا جا سکتا ہے(۱)

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

مسلمان عورت کا نکاح قادیانی مرد سے جائز نہیں

(سوال) زید نے اپنی لڑکی مسماۃ ہندہ جو سنی المذہب ہے کا عقد خالد (جس نے بوقت عقد نیز اس سے چند روز پیشتر مسماۃ ہندہ کے والد زید کے اس شبہ کو کہ خالد قادیانی مذہب رکھتا ہے بایں عبارت (میں حنفی المذہب اہل سنت والجماعت ہوں اگر میرے خسر مجھ کو اس کے برعکس دیکھیں تو وہ اپنی لڑکی کو علیحدہ کرا سکتے ہیں تحریراً و تقریراً زائل کر دیا تھا) سے کر دیا- اب دو ماہ کے بعد وہ کہتا ہے کہ میں تو قادیانی ہوں اور بوقت عقد بھی قادیانی تھا اگرچہ مصلحتہً میں نے اپنے قادیانی ہونے کو چھپالیا تھا-

(الف) یہ عقد ہندہ کا خالد سے درست ہوا یا نہیں (ب) اگر جائز و درست ہوا تو اب اس کے اس اقرار سے کہ میں قادیانی ہوں نکاح فسخ ہوا یا نہیں (ج) اگر فسخ ہوا تو محض اس کے اس اقرار پر خود بخود یا کسی دیگر شخص سے فسخ کرایا جائے گا یا نہیں (د) کیا اس کی اس تحریر سے کہ جو مذکور الصدر ہے کہ اگر میرے خسر مجھ کو اس کے برعکس دیکھیں تو اپنی لڑکی کو علیحدہ کرا سکتے ہیں طلاق واقع ہوئی یا نہیں جب کہ وہ اس وقت برعکس ہے (ز) اگر طلاق ہو گئی یا نکاح خود بخود فسخ ہو گیا یا دوسرے سے فسخ کرایا گیا تو اب ہندہ کا نکاح دوسرے شخص سے کر سکتے ہیں یا زید سے طلاق لینے کی ضرورت ہو گی-

---

(۱) تفریق کی صورت یہ ہے کہ مجنون کی عورت قاضی کی عدالت میں درخواست دے اور خاوند کا خطرناک جنون ثابت کرے، قاضی واقعہ کی تحقیق کرے اگر صحیح ثابت ہو تو مجنون کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دیدے اور بعد اختتام سال اگر زوجہ پھر درخواست کرے اور شوہر کا مرض جنون ابھی تک موجود ہو تو عورت کو اختیار دے دیا جائے اس پر عورت اسی مجلس تخیر میں فرقت طلب کرے تو قاضی تفریق کر دے (الحیلۃ الناجزۃ ص ۵۴ تحت حکم زوجہ مجنون ط دار الاشاعت کراچی) وقال فی الدر : ولا یتخیر احدهما ای احد الزوجین بعیب الآخر فاحشا کجنون و جذام و برص و رتق و قرن و خالف الائمة الثلاثة فی الخمسة لو بالزوج ولو قضی بالرد صح فتح (درمختار) وقال فی الرد : والظاهر ان اصلها : و خالف الائمة الثلاثة فی الخمسة مطلقا و محمد فی الثلاثة الاول لو بالزوج کما یفهم من البحر وغیره (هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الطلاق باب العنین وغیره ۳/ ۵۰۱ ط سعید کراتشی) وقال فی الهندیة اذا کان بالزوجة عیب فلا خیار للزوج واذا کان بالزوج جنون او برص او جذام فلا خیار لها کذافی الکافی قال محمد رحمه الله تعالی ان کان الجنون حادثا یؤجله سنة کالعنة یخیر المرأة بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطبقا فهو کالجب و به نأخذ کذا فی الحاوی القدسی (الفتاوی الهندیة کتاب الطلاق الباب الثانی عشر فی العنین ۱/ ۵۳۶ ط ماجدیه کوئٹه) وقال فی المبسوط : و علی قول محمد لها الخیار اذا کان علی حال لا تطیق المقام معه (المبسوط لشمس الائمة السرخسی کتاب النکاح باب الخیار فی النکاح ۵/ ۹۷ ط دار المعرفة بیروت) و فی کتاب الآثار للامام محمد رحمه الله تعالی او کذلک اذا وجدته مجنونا موسوسا یخاف علیها قتله (کتاب الآثار باب الرجل یتزوج وبه عیب ص ۷۲ ط مکتبه اهل سنت والجماعت کراچی)

المستفتی نمبر ۲۰۷۰ حافظ احمد سعید صاحب (حیدر آباد دکن)
۲۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۳۷) (ا) یہ عقد درست نہیں ہوا (ج) قانونی مواخذہ سے بچنے کے لئے بذریعہ حاکم فسخ کرالیا جائے ورنہ شرعاً فسخ کرانے کی ضرورت نہیں(۱)(د) یہ تحریر تو وقوع طلاق کے لئے کافی نہیں ہے (۲)(ز) دوسرے شخص سے نکاح کرنے کے لئے صرف قانونی طور پر اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شوہر بد اطوار ہو' بیوی کے حقوق ادا نہ کرے' تو بیوی علیحدہ ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) ہندہ ایک نوجوان عورت ہے اس کا شوہر زید اشد زناکار و رنڈی باز ہے اور وہ اپنی بی بی کا حقوق زوجیت کما حقہ ادا نہیں کرتا ہے مشیت الٰہی اس کے شوہر زید کو کسی جرم زناکاری میں سات برس کی قید ہوئی ہے اب ہندہ نے اپنے شوہر زید پر بایں مضمون ایک مقدمہ عدالت میں دائر کیا ہے کہ میرا شوہر زید میرے حقوق زوجیت کما حقہ ادا نہیں کرتا ہے اکثر اوقات رنڈی بازی وغیرہ امر ناشائستہ میں مصروف رہتا ہے علاوہ بریں میرے شوہر زید کی کوئی جائداد وغیرہ کچھ بھی نہیں جس سے میں پرورش پاسکوں باوجود اس کے میں ایک نوجوان عورت ہوں اپنی شہوت تھامنا مجھ پر سخت دشوار ہے لہذا حضور کے پاس درخواست کرتی ہوں کہ حضور میرے حق میں نیک فیصلہ عنایت فرمائیں عدالت نے تو بمطابق قانون سرکاری ہندہ مذکورہ کو اختیار دیدیا ہے کہ تم کو اختیار ہے چاہے تم اپنے شوہر زید کا انتظار کرو یا دوسری جگہ نکاح میں بیٹھو اس سے تم پر سرکاری قانون مزاحم نہ ہوگا اب حضرات علماء کرام سے سوال یہ ہے کہ دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۳۰۵ ابو عبدالصمد ۔ (بنگال)
۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۱ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۳۸) اگر یہ حاکم مسلمان تھا تو اس کا یہ حکم ہندہ کے عمل کے لئے کافی ہے اور وہ بعد انقضائے عدت دوسرا نکاح کر سکتی ہے عدت حاکم کے فیصلہ کے وقت سے شروع کی جائے لیکن اگر حاکم

---

(۱) اس لئے کہ قادیانی باتفاق علماء اہل سنت والجماعت کافر ہے اور مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد کے ساتھ جائز و درست نہیں کما قال اللہ تعالی ولا تنکحو المشرکات حتی یومن ولأمة مؤمنة خير من مشركة ولو اعجبتكم ولا تنكحوا المشركين حتى يومنوا و لعبد مؤمن خير من مشرك ولو اعجبكم (البقرة - ۲۲۱)
(۲) اس لئے کہ یہ الفاظ "اگر میرے خسر مجھ کو اس کے بدلے کچھ ...ئیں تو وہ اپنی لڑکی علیحدہ کرا سکتے ہیں" الفاظ طلاق صریح و کنایۃ تفویض طلاق کے الفاظ میں سے نہیں ہیں لہذا ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی کما قال فی الرد (قوله وركنه لفظ مخصوص) هو ما جعل دلالة على معنى الطلاق من صريح او كناية - (هامش رد المحتار مع الدر المختار كتاب الطلاق ۳/ ۲۳۰ ط سعيد كراتشي)

غیر مسلم تھا تو ہندہ کو کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے نکاح فسخ کرانا ضروری ہے(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شیعہ آدمی نے دھوکہ دیکر نکاح کرلیا' تو وہ فسخ ہو گیا یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) میں مسماۃ سکینہ دختر فہیم الدین عرض پرداز ہوں کہ ۱۹۲۵ء میں جب کہ میری عمر گیارہ سال کی تھی ایک شخص ضمیر الحسن پسر ابو الحسن نے میرے والد کو دھوکہ دیکر اور یہ کہہ کر کہ میں اہل سنت والجماعت ہو گیا ہوں میرے ساتھ نکاح کرلیا اور نکاح کے بعد اس نے اپنا وہی طریقہ رکھا اور مجھ کو شیعہ بننے پر مجبور کیا اور سخت تکلیفیں پہنچائیں میں اس کے مذہب سے سخت بیزار ہوں اور کسی سنت جماعت سے نکاح کرنا چاہتی ہوں میری عمر اٹھارہ سال ہے میرے ماں باپ بالکل نادار ہیں۔

(جواب ۳۹ ؛)اگر خاوند نے عورت کے باپ کو یہ بتایا تھا کہ میں اہل سنت والجماعت ہو گیا ہوں اور اسی بناء پر باپ نے نکاح کردیا تھا بعد نکاح معلوم ہوا کہ وہ سنی نہیں ہوا بلکہ ابھی تک شیعہ ہے تو لڑکی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عدالت کے ذریعہ سے اپنا نکاح فسخ کرالے(۲) اور اگر خاوند غالی شیعہ تبرائی ہو تو نکاح ہی درست نہیں ہوا ہے(۳) بذریعہ عدالت فیصلہ کرا کے عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے(۴) فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) واهله اهل الشهادة اى ادائها على المسلمين (درمختار) وقال في الرد : وحاصله ان شروط الشهادة من الاسلام و العقل والبلوغ والحرية و عدم العمى والحد فى القذف شروط لصحة توليته ولصحة حكمه بعد ها و مقتضاء ان تقليد الكافر لا يصح وان اسلم - قال في البحر و به علم ان تقليد الكافر صحيح وان لم يصح قضاء ه على المسلم حال كفره (هامش رد المحتار مع الدر المختار كتاب القضاء ٥/٣٥٤ ط سعيد كراتشى) وكذا فى الحيلة الناجزة ص ٣٣ ط دار الاشاعت کراچی

(۲) وافاد البهنسى انها لو تزوجته على انه او سنى او قادر على المهر والنفقة فبان بخلافه - كان لها الخيار فليحفظ (درمختار) وقال في الرد: لكن ظهر لى الآن ان ثبوت حق الفسخ لها التعزير لالعدم الكفاء ة بدليل انه لو ظهر كفؤ يثبت لها حق الفسخ لانه غرها (هامش رد المحتار مع الدر المختار كتاب الطلاق باب العنين وغيره ٣/١٠٥٠٢٥٠٥ ط سعيد كراتشى)

(۳) نعم لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة او انكر صحبة الصديق او اعتقد الا لوهية في على وان جبريل غلط في الوحي او نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن (هامش رد المحتار مع الدر المختار كتاب الجهاد باب المرتد ٤/٢٣٧ ط سعيد كراتشى)

(۴) عدالت سے یہ فیصلہ کروانا قانونی طور پر اجازت حاصل کرنے کے لئے ہے' شرعاً اس کو فی الحال اجازت ہے۔

فصل ہشتم
زوج کا مخبوط الحواس یا مجنون ہونا

پاگل کی بیوی شوہر سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) زید کو خالد نے غلط بیانی سے یہ دھوکا دیا کہ میرے لڑکے میں بجز کم علمی کے اور کچھ نقص نہیں ہے اور اس پر زید کو اپنی صداقت دیانتداری کے واسطے پورا اطمینان دلایا اس پر زید نے مطمئن ہو کر اپنی لڑکی کا نکاح خالد کے لڑکے سے کر دیا مگر شادی کے بعد واقعہ اس کے خلاف ثابت ہوا یعنی (۱) لڑکے میں دماغی خرابی پائی گئی مثلاً کبھی گھر سے بھاگ کر نکل جانا کبھی آنا کبھی رونا' کبھی لڑنا' وحشیانہ حرکت کرنا' لڑکی کا خاص روپیہ لیکر خرچ کر دینا' زیور فروخت کے لئے طلب کرنا' زن و شو کے واقعات کو غیروں سے بیان کرنا (۲) خالد کا لڑکا نہ قرآن پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی نماز کا پابند ہے' حالانکہ زید کو یہ کہا گیا تھا کہ وہ نماز کے پابند ہیں لڑکی تعلیم یافتہ اور صوم و صلوٰۃ کی پابند ہے زید خود بھی نہایت محتاط اور صوم و صلوٰۃ کا پابند انسان ہے (۳) خالد کا لڑکا نہ تو عقل معاش ہی صحیح رکھتا ہے نہ خط و کتابت ہی معمولی طریقہ سے کر سکتا ہے حالانکہ خالد نے ان چیزوں کے متعلق اطمینان دلایا تھا۔ (۴) خالد کے لڑکے میں نہ تو تعلیم ہے نہ تربیت ہے حالانکہ خالد نے یہ اطمینان دلایا تھا کہ ان کی تربیت درست ہے (۵) ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ لڑکی کو لڑکے سے علیحدہ رکھا جائے ورنہ اس کی صحت پر اس کا خراب اثر پڑے گا اور لڑکے کو بغرض علاج رانچی لے جایا جائے ان حالات میں زید کی لڑکی نہایت پریشان ہے بیمار ہو کر ناتواں ہو گئی ہے اور چاہتی ہے کہ میرا نکاح اس سے فسخ کر دیا جائے آیا شریعت اسلامیہ کے آئین میں صورت مذکورہ میں فسخ نکاح کی اجازت ہے اگر اجازت ہے تو اس کے فسخ کرانے کی کیا صورت ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۲۸۶ سید ابو البقا محمد صاحب (پٹنہ)

۲۱ شوال ۱۳۵۵ھ م ۵ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۴۰) اگر نمبر ا و نمبر ۵ صحیح ہیں یعنی وہ شخص صحیح الحواس نہیں ہے اور اطبا و ڈاکٹر زوجین کے اجتماع کو لڑکی کے لئے مضر بتاتے ہیں اور اگر لڑکی کے نفقہ کی کفالت وہ نہ کر سکتا ہو بلکہ اس کے برعکس لڑکی کا زیور تلف کرنا یا تلف کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو ان صورتوں میں کوئی مسلمان حاکم لڑکی کا نکاح فسخ کر سکتا ہے۔ یہ فسخ بر بنا اختلاف حواس ہو تو حنفی مذہب کے موافق (۱) اور بر بنائے عدم

---

(۱) ولا يتخير احدهما اى احد الزوجين بعيب الآخر فاحشا كجنون و جذام و برص و رتق و قرن و خالف الائمة الثلاثة فى الخمسة لو بالزوج ولو قضى بالرد صح فتح (درمختار) وقال فى الرد : والظاهران اصلها : و خالف الائمة الثلاثة فى الخمسة مطلقا و محمد فى الثلاثة الاول ولو بالزوج كما يفهم من البحر وغيره (قوله ولو قضى بالرد صح) اى لو قضى به حاكم يراه فافا دانه مما يسوغ فيه الاجتهاد (هامش رد المحتار مع الدر المختار كتاب الطلاق باب العنين وغيره ۳ / ۵۰۱ ط) سعيد كراتشى) حضرت مولانا اشرف علی التھانوی نے اپنے زمانہ میں تمام علماء ہندو

کفالت نفقہ ہو تو امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کے موافق ہو گا(۱) اور ضرورت شدیدہ کے وقت حنفیہ اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سوال مثل بالا

(سوال) ایک شخص نے ہوش وحواس کی حالت میں نکاح کیا عقد کرنے کے ایک سال بعد دیوانہ ہو گیا یہاں تک کہ اسے پابہ زنجیر رکھنا پڑتا ہے اس میں للہ کھانے کمانے کا بالکل ہوش نہیں لڑکی جب شوہر کے مکان پر رہتی ہے تو سخت تکلیف پہنچتی ہے کبھی کبھی جان کا خطرہ بھی ہو جاتا ہے اس وجہ سے لڑکی اپنے والدین کے مکان پر چلی گئی قریباً دس سال سے اپنے والدین کے مکان پر رہتی ہے اور اس کے تمام خرچ و اخراجات والدین ہی اٹھارہے ہیں لڑکی والوں کی و نیز لڑکے والوں کی یہ خواہش ہے کہ اگر فسخ نکاح ہو سکتا ہو تو کسی اور کے ساتھ لڑکی کا عقد کر دیا جائے کیونکہ لڑکی جوان ہے عمر صرف ۲۵ سال کی ہے ابھی تک کوئی بال بچہ نہیں ہوا ہے آیا مذہب اہل سنت والجماعت میں فسخ نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۱۳۳۹ منشی سید مظفر حسین صاحب رضوی کیمپ اسٹیٹ (ضلع کیرا)
۲۵ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۸ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۴۱) ہاں اہل سنت والجماعت حنفی مذہب کے موافق بھی مجنون کی بیوی اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور اب کہ جنون کو دس بارہ سال کا عرصہ ہو گیا ہے بغیر کسی مزید مہلت کے کوئی حاکم نکاح فسخ کر سکتا ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) پاکستان کے اتفاق سے دوسرے ائمہ اور امام محمدؒ کے قول پر فسخ نکاح کا فتویٰ دیا ہے کما فی الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ بحث حکم زوجہ مجنون ص ۵۱ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی — وقال فی الهندية: او قال محمد ان كان الجنون حادثا يؤجله سنة كالعنة ثم تخير المرأة اذا لم يبرأ وان كان مطبقا فهو كالجب و به نأخذ كذافي الحاوي القدسي (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق الباب الثاني عشر في العنين ۱ /۵۲٦ ط ماجديه كوئٹه)

(۱) وقد اختلف العلماء في هذا الحكم وهو فسخ النكاح عند اعسار الزوج بالنفقة على اقوال الاول ثبوت الفسخ وهو مذهب علي و عمر و ابي هريرةؓ و جماعة من التابعين ومن الفقهاء و مالك و الشافعي و احمد و به قال اهل الظاهر مستد لين بحديث لا ضرر ولا ضرار والثاني ما ذهب اليه الحنفية وهو قول للشافعي انه لا فسخ للاعسار بالنفقة مستدلين بقوله تعالى و من قدر عليه رزقه فلينفق مما اتاه الله لا يكلف الله نفسا إلا ما اتاها (من فتاوى العلامة سعيد بن صديق الفلاتيؒ الملحقة بالحيلة الناجزة ص ۱۳۲ دار الاشاعت كراچي)

(۲) اذا كان بالزوجة عيب فلا خيار للزوج واذا كان بالزوج جنون او برص او جذام فلا خيار لها كذافي الكافي' قال محمدؒ ان كان الجنون حادثا يؤجله سنة كالعنة ثم يخير المرأة بعد الحول اذا لم يبرأ وان كان مطبقا فهو كالجب و به نأخذ كذافي الحاوي القدسي (الفتاوى الهنديه' كتاب الطلاق' الباب الثاني عشر في العنين ۱/ ۵۲٦ ط ماجديه كوئٹه) وقال السرخسي او على قول محمد لها الخيار اذا كان على حال لا تطيق المقام معه لانه تعذر عليها الوصول إلى حقها لمعنى فيه فكان بمنزلة ما لو وجدته مجبوبا (المبسوط للسرخسي كتاب النكاح باب الخيار في النكاح ۵/ ۹۷ ط دار المعرفة بيروت)

سوال مثل بالا

(سوال) ہندہ زید کے نکاح میں عرصہ تیس سال سے ہے اور تقریباً بیس سال سے زید بالکل پاگل ہے آیا ہندہ اس حالت میں نکاح ثانی کر سکتی ہے اور ہندہ اس کے نکاح میں ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۳۵۷ محمد یعقوب صاحب (دہلی) ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۶ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۴۲) اگر زید بالکل مجنون اور حقوق زوجیت ادا کرنے کے ناقابل ہے اور اس کا کوئی اثاثہ بھی نہیں ہے جو زوجہ کے نفقہ کے لئے کافی ہو اور زوجہ اس حالت پر زیادہ صبر نہیں کر سکتی تو ایسی حالت میں اسے حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنے خاوند کے مجنون ہونے کی بناء پر نکاح فسخ کرالے (۱) اور عدت گزار کر نکاح ثانی کرلے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جب شوہر پاگل ہو گیا' تو بیوی شوہر سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) لڑکی مسماۃ بیگم بی بی قوم میراثی عرصہ گیارہ سال سے شادی شدہ ہے اور ایک لڑکی اور ایک لڑکا تولد ہوا ہے اور اب اس کا خاوند پاگل ہو گیا ہے اور اس لڑکی کو خرچ وغیرہ کی بہت تکلیف ہے اور لڑکی کی اور کوئی سبیل نہیں ہے لاچار ہو کر بے چاری مانگتی پھرتی ہے اس کا خاوند اس عورت کی کوئی دین و دنیا کی حاجت ادا کرنے کے قابل نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۱۷۱۸ مولوی محمد قاسم علی صاحب (ضلع لائل پور)

۴ شعبان ۱۳۵۶ھ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۴۳) یہ عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں درخواست دیکر اپنا پہلا نکاح فسخ کرالے (۳) اور بعد حصول حکم فسخ عدت گزار کر دوسرا نکاح کرلے (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شوہر دیوانہ ہو تو بیوی کو خیار تفریق حاصل ہے' یا نہیں ؟

(سوال) ایک عورت کے اس کے خاوند سے تین بچے ہیں خاوند اسکا دیوانہ ہو چکا ہے عرصہ چھ، سال سے

---

(۱) ایضاً حوالہ سابقہ صفحہ گزشتہ حاشیہ ۲)

(۲) اگر عیب جنون معلوم ہونے سے پہلے خلوت صحیحہ ہو چکی تھی بعد ازاں فسخ نکاح کی نوبت آئی ہے تو پورا مہر لازم رہے گا اور عدت بھی واجب ہو گی قلت و یجب العدة ایضا کما هو مقتضى الخلوة الصحيحة (الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة بحث حكم زوجه مجنون ص ۵۵ -۵۷ ط دار الاشاعت کراچی)

(۳) اور وہ جنون جو عقد نکاح کے بعد پیدا ہو گیا ہو اس کے متعلق امام محمدؒ سے کوئی تصریح نہیں ہے لیکن مالکیہ کے مذہب میں اسکے متعلق یہ تصریح ہے کہ اگر نکاح کے بعد جنون ہو جاوے تب بھی عورت کو علیحدگی کا اختیار ہے كما فى المدونة ص ۱۹۶ ج ۳ (الحیلة الناجزة' بحث حکم زوجه مجنون تنبیه ضروری ص ۵۶ مطبوعه دار الاشاعت کراچی)

(۴) زوجہ مجنون کی عدت کا حکم یہ ہے کہ تفریق قبل الخلوۃ میں عدت واجب نہیں اور بعد الخلوۃ میں واجب ہے (الحیلة الناجزة' بحث حکم زوجه مجنون ص ۵۷ مطبوعه دار الاشاعت کراچی)

عورت مذکورہ اپنے خاوند کے گھر سے اس وجہ سے نکل آئی ہے کہ وہ اس کو دیوانگی کی وجہ سے مار تا پیٹتا ہے عورت مذکورہ نان و نفقہ سے بھی تنگ ہے کیونکہ ماں باپ اس کے بہت تنگ ہیں بغیر خاوند کے عورت مذکورہ کا گزارہ نہیں ہو سکتا اس صورت میں کیا عورت مذکورہ بغیر طلاق اپنے خاوند سودائی کے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟ آیا اس کے لئے شریعت میں کوئی طریقہ دوسری جگہ نکاح کرنے کا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۹۶۵ چودھری غلام رسول (گوجروالہ)

۲۶ شعبان ۱۳۵۶ھ م یکم نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۴۴) یہ عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرائے تو دوسری جگہ نکاح بعد عدت کر سکے گی(۱) جب تک فسخ نکاح نہ ہو دوسری جگہ نکاح جائز نہیں ہے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مجنون کی بیوی کے لئے نان و نفقہ نہیں 'اور زنا کا بھی خطرہ ہے 'تو دوسری شادی کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) (۱) ایک عورت کو اس کے خاوند نے (جس کو مرض مالیخولیا کی تقریباً ۱۶ سال سے شکایت ہے اور جو چرس بھنگ پینے کا بھی عادی ہے) گھر سے نکال دیا اور خود فقیرانہ زندگی بسر کرنی شروع کردی عورت مذکور عرصہ پانچ سال سے اپنے والدین کے پاس ٹھیری اس کے اور اس کے بچوں کے کھانے کا بوجھ عورت مذکور کے والدین برداشت کرتے رہے اس عرصہ میں اسکے خاوند نے اس عورت کو لانے کی کوئی تجویز نہیں کی اسی عرصہ میں عورت مذکور کے والدین کا انتقال ہو گیا عورت مذکور اس گاؤں کے نمبر دار کے کہنے پر اپنے بال بچوں سمیت اپنے خاوند کے گھر آئی اس کے خاوند نے اس کو پھر بھی تنگ کرنا شروع کیا اور کئی کئی دن تک نہ ہی بچوں کو اور نہ اس عورت کو کھانے کو دیا خاوند مذکور دو ماہ ٹھہر کر پھر کہیں چلا گیا اور فقیرانہ بھیس میں باہر پھر تا رہا اور تین سال تک واپس نہ آیا اس کے جانے کے بعد ہی زمین قرض خواہوں نے لے لی عورت مذکور تین سال تک محنت مزدوری کر کے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتی رہی تین سال کے بعد اس کا خاوند پھر واپس آگیا اور عورت مذکور کو مار پیٹ کر کے گھر سے نکال دیا لوگوں کے کہنے سننے پر اس کو گھر آنے دیا گاؤں کے معتبر لوگوں نے اس کے خاوند کو سمجھایا کہ وہ اپنی بیوی کو ناحق

---

(۱) واذا کان بالزوج جنون و برص و جذام فلا خیار لها کذا فی الکافی قال محمدؒ ان کان الجنون حادثا یؤجله سنة کالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول اذا لم یبرأوان کان مطبقا فهو کالجب و به نأخذ کذافی الحاوی القدسی (الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق الباب الثانی عشر فی العنین ۱/۵۲۶ ماجدیه کوئٹه) وکذا فی الحیلة الناجزة' بحث حکم زوجه مجنون ص ۵۱ مطبوعه دار الاشاعت کراچی)

(۲) لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره و کذا المعتدة کذافی السراج الوهاج (الفتاوی الهندیة' کتاب النکاح الباب الثالث فی بیان للمحرمات القسم السادس المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر ۱/۲۸۰ ط ماجدیه کوئٹه)

تنگ نہ کرے لیکن وہ باز نہیں آیا اور پھر پہلے کی طرح گھر سے چلا گیا اور تقریباً دو سال تک لا پتہ رہا۔
(۲) عورت مذکور کے خاوند نے اس کے ساتھ مجامعت کرنی تقریباً عرصہ بارہ سال سے جب سے کہ وہ فقیر ہو گیا تھا بالکل ترک کر دی تھی یہ بات عورت مذکورہ کے بیان سے ثابت ہوتی ہے اس کا یہ بھی ثبوت ہے کہ اس کا چھوٹا بچہ تقریباً چودہ سال کا ہے اور نکاح ثانی کے بعد اس کی گود میں ایک لڑکی ہے۔
(۳) عورت مذکور نے اپنے خاوند کے ظلم و ستم سے تنگ آکر اپنے خاوند سے کہا کہ یا تو مجھے طلاق دے دو یا کھانے پینے کو دو اور میری جائز خواہشات کو بھی پورا کرو اس کے خاوند نے نان و نفقہ دینے سے بھی انکار کر دیا اور طلاق دینے سے بھی انکار کر دیا آخر کار وہ عورت تنگ ہو کر عیسائی ہو گئی اس کے عیسائی ہونے سے موجودہ گورنمنٹ کے قانون کے مطابق اس عورت کا نکاح ٹوٹ گیا پھر عورت مذکورہ عرصہ چھ ماہ کے بعد مسلمان ہو گئی اور پھر کسی دوسرے مسلمان کے ساتھ نکاح کر لیا۔
(۴) کیا یہ نکاح جائز ہے یا کہ ناجائز؟

المستفتی نمبر ۲۱۴۶ چودھری محمد بخش صاحب (لائل پور)
۲۳ شوال ۱۳۵۶ھ م ۲۷ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱٤٥) اگر یہ واقعات صحیح ہیں جو سوال مذکورہ میں ہیں تو عورت کا نکاح ثانی صحیح ہو گیا(۱)

پاگل کی بیوی کیا کرے؟

(سوال) میرا شوہر بعارضہ صرع مدت سے بیمار ہے عرصہ ہفت سال علاج کیا گیا مگر آرام نہ ہوا اب دس ماہ سے مجنون ہو کر گھر سے نکل گیا ہے ڈاکٹر اور حکیم اس کو لا علاج بتا رہے ہیں میرے چھوٹے کمسن بچے ہیں بوجہ افلاس تنگ آگئی ہوں عمر کے لحاظ سے جوان ہوں۔

(جواب ۱٤٦) خاوند کے مجنون ہو جانے کی صورت میں حضرت امام محمدؒ کے قول کے موافق

---

(۱) اس لئے کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح تو فوراً فسخ ہو گیا کما فی الدر المختار وارتداد احدھما ای الزوجین فسخ فلا ینقص عددا عاجل بلا قضاء (درمختار) وقال فی الرد (قولہ : بلا قضاء) ای بلا توقف علی قضاء القاضی و کذا بلا توقف علی مضی عدة فی المدخول بھا کما فی البحر (ھامش رد المحتار مع الدر المختار ' کتاب النکاح ' باب نکاح الکافر ۳/۱۹۳ ' ۱۹٤ ط سعید کراتشی) لہذا صورت مسئولہ میں جب عورت عیسائی ہو گئی تو اس کا نکاح اس کے مجنون شوہر سے فوراً فسخ ہو گیا پھر جو یہ مسئلہ ہے کہ مرتدہ کو جبراً مسلمان کر کے شوہر اول کے ساتھ تجدید نکاح کیا جائے یہ تو دار الاسلام میں ہو سکتا ہے نہ کہ دار الحرب میں اس لئے کہ دار الحرب میں اجبار من القاضی جائز نہیں اور اگر کسی طریقہ سے عورت کو شوہر اول کے ساتھ تجدید نکاح کرنے پر مجبور کیا گیا تو دوبارہ مرتد ہونے کا اندیشہ ہے لہذا ارتداد سے بچانے کے لئے روایت مشابہ پر عمل کرنا جائز اور احوط ہے (قولہ لیس للمرتدة التزوج بغیر زوجھا) وظاھرہ ان لھا التزوج بمن شاءت (ھامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الجھاد ' باب المرتد ٤/۲۵۳ ط سعید کراتشی) و کذا فی فتاوی دار العلوم دیوبند ۸/۳٤۷ ط امدادیہ ملتان)

ضرورت شدیدہ میں حاکم مجاز کو نکاح فسخ کر دینے کی گنجائش ہے(۱) لیکن حاکم مجاز سے حکم فسخ حاصل کرنے سے قبل دوسرا نکاح کر لینا جائز نہیں۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شادی کے بعد شوہر دیوانہ ہو گیا' تو بیوی ایک سال کی مہلت کے بعد تفریق کرا سکتی ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۲۷ء

(سوال) ایک شخص صحت عقل و تندرستی بدن تقریباً تین چار برس اپنی منکوحہ کے ساتھ بسر کرتا رہا چنانچہ اسی زوجہ سے اس کا ہفت سالہ لڑکا بھی ہے پھر وہ شخص مجنون ہو گیا اور چھ برس سے مجنون ہے اس کے ورثا نے باقاعدہ اس کا علاج بھی نہیں کرایا عورت جوان ہے اور زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے کسی صورت سے اس کا نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱٤۷) حضرت امام محمدؒ کے قول کے بموجب شوہر کے مجنون ہو جانے کی صورت میں نکاح فسخ ہو سکتا ہے مگر فسخ کے لئے حاکم مجاز کے فیصلہ کی ضرورت ہے وہ جنون حادث میں ایک سال کی مہلت بغرض علاج دیگر سال بھر کے بعد اگر جنون زائل نہ ہو تو عورت کے طلب پر نکاح فسخ کر سکتا ہے(۳) (یعنی ثالث مسلم فریقین) کو بھی حاصل ہوتا ہے(۴) لیکن حاکم یا حکم کے فیصلہ کے بغیر نکاح فسخ نہیں

---

(۱) ولا یتخیر احدھما ای الزوجین بعیب الآخر فاحشا کجنون وجذام و برص ورتق و قرن وخالف الائمة الثلاثة فی الخمسة لو بالزوج ولو قضی بالرد صح فتح (درمختار) وقال فی الرد والظاهر ان اصلها و خالف الائمة الثلاثة فی الخمسة مطلقا و محمد فی الثلاثة الاول لو بالزوج کما یفهم من البحر وغیره (قوله ولو قضی بالرد صبی ای لو قضی به حاکم یراه فافاد انه مما یسوغ فیه الاجتهاد (هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الطلاق' باب العنین وغیر ۳/ ۵۰۱ ط سعید کراتشی) وقال فی الهندیة اذا کان بالزوجة عیب فلا خیار للزوج واذا کان بالزوج جنون او برص او جذام فلا خیار لها کذافی الکافی' قال محمدؒ ان کان الجنون حادثا یؤجله سنة کالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول اذا لم یبرأوان کان مطبقا فهو کالجب وبه ناخذ کذا فی الحاوی القدسی الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الثانی عشر فی العنین ۱/ ۵۲۶ ط ماجدیه کوئٹه)

(۲) اس لئے کہ جب تک تفریق نہ ہو وہ عورت اسی مجنون شوہر کی بیوی ہے اور کسی کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے بلکہ دوسرا نکاح باطل ہے کما قال فی الهندیة لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره وکذلك المعتدة کذا فی السراج الوهاج (الفتاوی الهندیة کتاب النکاح الباب الثالث فی بیان المحرمات القسم السادس المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر ۱/ ۲۸۰ ط ماجدیه کوئٹه)

(۳) و اذا کان بالزوج جنون او برص او جذام فلا خیا ر لها کذا فی الکافی وقال محمدؒ ان کان الجنون حادثا یؤجله سنة کالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول اذا لم یبرأوان کان مطبقا فهو کالجب و به نأخذ کذا فی الحاوی القدسی (الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الثانی عشر فی العنین ۱/ ۵۲۶ ط ماجدیه کوئٹه)

(٤) واما المحکم فشرطه اهلیة القضاء و یقضی فیما سوی الحدود القصاص (هامش رد المحتار ' کتاب القضاء ۵/ ۳۵٤ ط سعید کراتشی)

ہو سکتا(۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرسہ امینیہ' دہلی

شوہر کو جنون ہو' تو اس کی بیوی کو تفریق کا حق حاصل ہے یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۲۸ء)

(سوال) ایک شخص نوجوان ضلع جلپائی گوڑی کا باشندہ تقریباً ڈیڑھ سال سے مرض جنون میں مبتلا ہے نا داری کی وجہ سے کسی اچھے حکیم یا ڈاکٹر یا وید سے علاج کرانے کا اتفاق نہیں ہوا نہ سرکاری پاگل خانے میں بھیجا گیا جس سے مرض کے اچھے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کیا جاتا شخص مذکور کی بیوی نوجوانی اور مفلسی سے تنگ آکر مستفتی ہوئی کہ نکاح ثانی درست ہے یا نہیں بعض علماء نے مجرد پاگل ہونے اس کے شوہر کے نکاح سابق کو فسخ قرار دیکر نکاح ثانی کا فتویٰ دیدیا اور نکاح کر بھی دیا دوسرے علماء نے تا تحقیق عدم استرداد صحت' عدم جواز کا فتویٰ دیا اب دو جماعت ہو گئی ہے اور نا اتفاقی کی خلیج وسیع تر ہوتی جا رہی ہے یہ نکاح درست ہے یا نہیں ؟ اور عدم جواز نکاح کی صورت میں زانی اور زانیہ کو توبہ کے ساتھ ساتھ کیا کفارہ ادا کرنا چاہئیے ؟

(جواب ۱۴۸) جب کہ ڈیڑھ سال سے زوج جنون میں مبتلا ہے اور اس مدت میں افاقہ نہ ہوا تو بغیر مزید انتظار کے امام محمدؒ کے قول کے بموجب تفریق جائز ہے(۲) مگر حکم تفریق کے لئے حاکم بااختیار یا حکم کا فیصلہ ضروری ہے نیز حکم تفریق کے بعد عدت بھی گزارنی ہوگی (اگر عورت مدخول بہا تھی) یہ مراتب پورے کر لئے گئے تو نکاح ثانی درست ہوا ورنہ ناجائز(۳) ناجائز ہونے کی صورت میں تفریق یا تجدید ضروری ہے اور گزشتہ کی تلافی کے لئے صرف توبہ کافی ہے کوئی کفارہ لازم نہیں -(۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ

شوہر کو جذام کی بیماری ہو' تو بیوی کو نکاح فسخ کرانے کا حق ہے یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) میری شادی میرے والد نے صغر سنی میں شیخ نصیر الدین سے کر دی تھی کہ میرے شوہر کو

---

(۱) اس لئے کہ بغیر قضاء حاکم کے نکاح فسخ نہیں ہوگا اور وہ عورت بدستور اسی مجنون کے نکاح میں ہے لہذا کسی کی بیوی سے جب تک وہ اس کے عقد نکاح میں ہے نکاح کرنا شرعاً درست نہیں اور دوسرا نکاح منعقد بھی نہیں ہوگا کما قال فی الرد : اما نکاح منکوحۃ الغیر و معتدتہ- فلم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا (ھامش ردا لمحتار' کتاب الطلاق باب العدۃ ۵۱۶/۳ ط سعید کراتشی)

(۲) قال محمد ان کان الجنون حادثا یؤجلہ سنۃ کالعنۃ ثم یتخیر المرأۃ بعد الحول اذا لم یبرأ و ان کان مطبقا فھو کالجب و بہ نأخذ کذا فی الحاوی القدسی (الفتاویٰ الھندیۃ کتاب الطلاق الباب الثانی عشر فی العنین ۵۲۶/۱ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ بحث حکم زوجہ مجنون ص ۵۱ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

(٤) کما ورد فی الحدیث التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ (رواہ ابن ماجہ فی سننہ باب ذکر التوبۃ ص ۳۲۳ ط مکتبہ میر محمد کراتشی) -

جذام کا مرض لاحق ہوا اب میں عرصہ تیں برس سے بالغ ہوں اور اپنے والد کے گھر زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں مجھے اپنے شوہر کے ساتھ رہنا منظور نہیں کیونکہ وہ مرض نا قابل علاج میں گرفتار ہے اور عرصہ چار برس سے اپنی سسرال نہیں گئی نہ جانے کے لئے تیار ہوں طلاق مانگتی ہوں تو طلاق نہیں دیتا اور میں خلع کی استطاعت نہیں رکھتی۔

(جواب ۱۴۹) جذامی شوہر کی بیوی حاکم با اختیار کی عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست دیکر حکم فسخ حاصل کر سکتی ہے حاکم امام محمدؒ کے قول کے بموجب نکاح کو فسخ کر سکتا ہے(۱) اور بعد حصول حکم فسخ عدت پوری کر کے عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے(۲) محمد کفایت اللہ غفرلہ'

شوہر کتنا ہی سخت بیمار ہو اس صورت میں بھی عورت پر خود بخود طلاق نہیں پڑتی

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۳۶ء)

(سوال) زید عرصے سے مرگی میں مبتلا ہے اور مرض کی وجہ سے ایک سال سے اس کی زبان بند ہے بول نہیں سکتا ایک عالم نے فتویٰ دیا کہ زید کی زوجہ کو طلاق ہو گئی کیونکہ اس قدر مریض کا نکاح نہیں رہ سکتا اس فتویٰ کو حق سمجھ کر اس کی بیوی کا دوسری جگہ نکاح کر دیا گیا۔

(جواب ۱۵۰) شوہر کے مریض ہونے کی صورت میں خود بخود طلاق نہیں پڑ جاتی خواہ کتنا ہی سخت مرض ہو پس صورت مسئولہ میں یہ نکاح جو بدون طلاق کے پڑھا دیا گیا صحیح نہیں ہوا(۳) اور جس نے اس نکاح کے جواز کا فتویٰ دیا اس نے سخت غلطی کی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) وان كان بالزوج جنون او برص او جذام فلاخيار لها عند ابى حنيفة و ابى يوسف وقال محمد لها الخيار دفعا للضرر عنها كما في الجب والعنة بخلاف جانبه لانه متمكن من دفع الضرر بالطلاق (الهندية' كتاب الطلاق' باب العنين وغيره ۲/ ۵۲۲ ط شركة علميه ملتان)

(۲) اذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا اوثلاثا اووقعت الفرقة بينهما بغير طلاق و هى حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة اقراء سواء كانت الحرة مسلمة او كتابية كذا فى السراج الوهاج ثم قال بعد صفحه لو كانت المعتدة بالحيض - و بنفس الانقطاع فى الحيضة الثالثة تبطل الرجعة - و يجوز لها ان تتزوج بآخر ان كان قد طلقها (الهندية' كتاب الطلاق' الباب الثالث عشر فى العدة ۱/ ۵۲۷' ۵۲۸ ط ماجديه كوئٹه)

(۳) اس لئے کہ مرض کتنا ہی سخت ہو جب تک شوہر بیوی کو طلاق نہیں دیتا بیوی پر خود بخود طلاق نہیں پڑتی' ہاں بعض مرض ایسے ہیں جیسا کہ جنون' جذام اور برص جن کی وجہ سے امام محمد اور ائمہ ثلاثہؒ کے مذہب کے مطابق عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہے اور وہ قاضی یا جماعت المسلمین (پنچایت) کے ذریعہ سے اپنا نکاح فسخ کرائے گی كما هو فى كتب الفقه اور جب طلاق نہیں پڑی تو دونوں کا نکاح بر قرار رہا' اس لئے دوسرا نکاح ازروئے شریعت جائز نہیں بلکہ باطل ہے كما فى الدر المختار كل صلح بعد صلاح فالثانى باطل كذا النكاح بعد النكاح - والا صل ان كل عقد اعيد فالثانى باطل (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الصلح ۵/ ۶۳۶ ط سعيد كراتشى) وقال فى الهندية' لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة كذا فى السراج الوهاج (الفتاوى الهندية' كتاب النكاح' الباب الثالث فى بيان المحرمات القسم السادس المحرمات التى يتعلق بها حق الغير ۱/ ۲۸۰ ط ماجديه كوئنه)

فصل نہم

زوج کا ظلم وزیادتی

ظالم شوہر سے نجات کی کیا صورت ہے؟

(سوال) مجبور وبے کس عورتیں جو شوہروں کی ہر قسم کی زیادتی اور ظلم برداشت کرتی ہیں ان کے لئے خلاصی کی شرعاً کوئی صورت ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۰۰ محمد شبیر دھوبی (بنارس) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۵۱) مظلوم عورتوں کو ظالم شوہروں کے پنجہ ظلم سے چھڑانے کے لئے ایک مسودہ قانون اسمبلی میں پیش ہونے والا تھا مگر ابھی تک اس کے متعلق کوئی تسلی بخش صورت نہیں نکلی ہے کوشش کی جارہی ہے کہ ایسا قانون بن جائے اور مالکی مذہب کے موافق نکاح فسخ کیا جا سکے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جو شخص اپنی بیوی کو ایذاء دے' اس کی بیوی کیا کرے؟

(سوال) ایک لڑکی بعمر پچیس چھبیس سال جس کی شادی کو عرصہ دس بارہ سال کا ہو چکا دوران شادی میں خاوند نے طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں اور اب عرصہ پانچ سال سے مطلق خبر نہیں لی ایک لڑکی بھی جس کی عمر قریب پانچ ہی سال کی ہے اس کے پاس رہتی ہے کئی مرتبہ اس کے شوہر سے کہا گیا کہ اپنی بیوی کو لے جاؤ یا فیصلہ کردو مگر وہ کسی طرح رضامند نہ ہوا بلکہ اور یہ سمجھ گیا کہ نہ میں رکھوں نہ میں چھوڑوں لڑکی کی عمر اس قابل نہیں کہ وہ بیٹھی رہے اب تک اس نے محنت مزدوری سے گزر کی اس نے فعل مختاری کی درخواست دی تھی جو کہ منظور ہو گئی وہ چاہتی ہے کہ کہیں بیٹھ کر بقایا زندگی بسر کروں اب جناب سے التماس ہے کہ جناب بذریعہ فتویٰ اجازت دیں کہ لڑکی کا اس حالت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۸۱۹ ایم نذیر حسین سوداگر چرم صدر بازار، دہلی۔

۲۲ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۵۲) عدالت سے خود اختیاری تو مل گئی اب اس کی ضرورت ہے کہ فریقین کسی کو ثالث بنادیں اور وہ تحقیقات کے بعد فسخ نکاح کا حکم کردے (۲) اور پھر عورت عدت پوری کر کے دوسرا نکاح

---

(۱) اس کے لئے دیکھئے رسالہ "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ" للتھانویؒ جس میں تفصیل کے ساتھ مظلوم عورتوں کی مشکلات کا شرعی حل جو شوہر کے ہاتھوں تحت تکلیف میں ہیں قلمبند کیا گیا ہے۔

(۲) تولیة الخصمین حاکما بینهما ورکنه لفظه الدال علیه مع قبول الآخر ذلك و شرطه من جهة المحکم بالکسر العقل لا الحریة والا سلام – وشرطه من جهة المحکم بالفتح صلاحیته للقضاء کما مر (درمختار) قوله کمامر – ای فی الباب السابق فی قوله والمحکم کالقاضی (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب القضاء باب التحکیم ٥: ٤٢٨ ط سعید کراتشی)

کر لے اگر شوہر ثالثی پر آمادہ نہ ہو یعنی کسی کو ثالث نہ بنائے تو عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ کر کے نکاح فسخ کرا لے اگر مسلمان حاکم نکاح فسخ کرنے کا فیصلہ دیدے تو پھر بعد انقضائے عدت وہ دوسرا نکاح کر سکے گی(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جس عورت کا شوہر نہ اسے طلاق دے 'نہ اپنے پاس رکھ کر نان و نفقہ اور حقوق زوجیت ادا کرے 'تو وہ عورت کیا کرے ؟

(سوال) زید نے اپنی لڑکی کا نکاح اپنے بھائی عمر کے بیٹے کے ساتھ کر دیا تھا جب وہ سسرال میں بھیجی گئی تو کچھ عرصہ کے بعد ساس وغیرہ نے اس کے ساتھ جھگڑا شروع کر دیا ہوتے ہوتے اس اثناء میں اس کی ساس و زید کے بھائی عمر نے زید کی لڑکی پر زنا کا الزام لگایا جس کو زید اور زید کے تمام طرفدار بہتان عظیم تصور کرتے ہیں لیکن عمرو عمر کے طرفدار اس کو حقیقت خیال کرتے ہیں اسی دن سے لڑکی زید کے گھر میں ہے جس کو عرصہ تین سال کا گزرنے والا ہے نہ تو وہ گھر سے لے جاتے اور نہ طلاق ہی دیتے ہیں بیچ میں لٹکائے ہوئے ہیں بہت دفعہ عمر کے پاس بڑے بڑے معزز آدمی بھیجے گئے کہ کوئی فیصلہ کرو مگر وہ کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔

المستفتی نمبر ۱۸۳۱ مستری عطاء اللہ لانسحدار لوہار۔ مسلم بازار۔ ڈیرہ اسماعیل خاں
۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۵۳) اگر خاوند زید کی لڑکی یعنی اپنی زوجہ کو آباد نہیں کرتا اور نہ طلاق دیتا ہے تو زید کو حق ہے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں دعویٰ کر کے نکاح کو فسخ کرا لے حاکم بعد تحقیقات نکاح کو فسخ کر سکتا ہے بعد حصول حکم فسخ و انقضائے عدت دوسرا نکاح ہو سکے گا (۲) الزام زنا بھی موجب لعان ہے (۳) اور بعد لعان تفریق ہو سکتی ہے (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہیں وہاں تو معاملہ آسان ہے اور جہاں قاضی شرعی موجود نہیں ان میں وہ مسلمان حکام جو مجسٹریٹ وغیرہ حکومت کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے کما فی الدر المختار ویجوز تقلید القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافر اذ کر مسکین وغیرہ (الدر المختار مع ہامش رد المحتار کتاب القضاء ۳۶۸/۵ ط سعید کراتشی)
(۲) دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ بحث حکم زوجہ متعنت فی النفقہ ص ۷۳ ط دار الاشاعت کراچی
(۳) فمن قذف بصریح الزنا فی دار الاسلام زوجۃالحیۃ بنکاح صحیح ولو فی عدۃ الرجعی العفیفۃ عن فعل الزنا و تہمتہ لاعن ۔ رد المحتار مع الدر المختار کتاب الطلاق باب اللعان ۴۸۴/۳ ' ۴۸۵ ط سعید کراتشی)
(۴) ومن حکمہ وجوب التفریق بینہما ووقوع البائن بھذا التفریق بحر (ہامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الطلاق باب اللعان ۴۸۳/۳ ط سعید کراتشی) لعان کے لئے چونکہ دار الاسلام اور قاضی شرعی کی عدالت کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ کتب الفقہ میں مذکور ہے لہذا شرائط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے لعان ثابت نہیں ہوا اس لئے اگر زوجین خود بخود لعان کرے تو اس سے تفریق نہیں ہوگی اور طلاق نہیں پڑے گی البتہ شوہر پر اس تہمت کے لگانے کا مواخذہ رہے گا اور دنیا میں اس وقت اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا فقط

نان و نفقہ نہ دینے اور حقوق زوجیت نہ ادا کرنے والے شوہر سے نکاح فسخ ہو گیا یا نہیں ؟

(سوال) میں مسماۃ کرم جان عرصہ گیارہ سال سے مجھ کو میرے خاوند عبدالہادی نے گھر سے نکال دیا نکالنے پر میں اپنے بھائی کے گھر چلی آئی ہر چند معتبرین شہر سے میں نے صدا کی اور اپنے خاوند کے پاس جرگہ لے گئی کہ مجھے آباد کریں یا خرچہ دیں مگر میرا کوئی حیلہ کارگر نہ ہوا آخر کار میں نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا میرا بھائی ایک مفلس شخص ہے میں نوجوان عورت ہوں خرچہ سے لاچار اگر شریعت محمدیہ کے علماء سے استدعا کرتی ہوں کہ کوئی صورت شریعت نے ہم بے کس و لاچار عورتوں کے لئے تجویز فرمائی ہے کہ اگر خاوند نان و نفقہ نہ دے اور عورت لاچار ہو تو کیا وہ عورت عندالشرع کسی حیلے سے مطلقہ ہو سکتی ہے ؟ نفس امارہ بہت غالب ہے عرصہ کثیر کے بعد اب لاچار آکر استدعا کرتی ہوں اب صبر کا کام ختم ہو گیا ہے اگر شریعت کی وجہ سے طلاق ہو سکتی ہے تو برائے خدا میری جان کو اس آفت سے بچائیں اگر کوئی جائیداد ہوتی تو گزارا کرتی۔

المستفتی نمبر ۲۰۲۸ مستری فضل الٰہی (ضلع کیمل پور) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۵۴) اگر شوہر بیوی کو آباد نہیں کرتا اور طلاق بھی نہیں دیتا تو عورت کو کوئی حاکم مجاز با اختیار جرگہ یا با اختیار قاضی نکاح فسخ کر کے خاوند کے ظلم سے بچا سکتا ہے با اختیار حاکم یا جرگہ یا قاضی نکاح فسخ کر دے تو فسخ صحیح ہے (۱) اور پھر عورت عدت گزار کر دوسرا نکاح کر سکے گی (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شوہر کے ظلم و زیادتی کی صورت میں 'بیوی نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) خادمہ ایک مالگزار کی دختر ہے قریباً ۱۵ برس کی عمر میں میرا عقد کیا گیا میں اپنے خاوند کے پاس ۴-۵ سال رہی اس وقت میری عمر قریباً بیس بائیس سال کی ہے اسی درمیان یعنی بمدت زوجیت میرے خاوند نے مجھے طرح طرح کی ایذاء و تکلیفیں پہنچائیں اور دوسرے شخص سے میری آبروریزی کرانے کی کوشش کی اور کہا کہ تو میرے کام کی نہیں ان سختیوں اور وجوہات سے میں اسے چھوڑ کر اپنے ماں باپ کے گھر آگئی ہوں میں چاہتی ہوں کہ وہ مجھے طلاق دیدے مگر وہ مجھے طلاق نہیں دیتا میں اس سے ڈیڑھ سال سے علیحدہ ہوں میں اس شخص کے گھر بالکل نہیں جانا چاہتی میری جوانی کی عمر ہے مجھ سے برداشت بھی نہیں ہو سکتی بغیر طلاق لئے میں دوسرا نکاح بھی نہیں کر سکتی اس لئے حضور کی خدمت

---

(۱) اس مسئلہ میں بضرورت شدیدہ موجودہ دور میں مذہب مالکیہ کے مطابق فتویٰ دیا گیا ہے جس کی پوری تفصیل رسالہ "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ للتھانوی بحث حکم زوجہ متعنت فی النفقہ ص ۷۳ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی میں درج ہے۔

(۲) لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیرہ وکذلک المعتدۃ کذا فی السراج الوھاج (الفتاویٰ الھندیۃ' کتاب النکاح' الباب الثالث فی بیان المحرمات' القسم السادس المحرمات التی یتعلق بھا حق الغیر ۱/ ۲۸۰ ط ماجدیہ کوئٹہ)

میں ملتجی ہوں کہ مجھے شرعی حکم مرحمت فرمائیں۔
المستفتی نمبر ۲۱۸۷ الیس بی ولد عبدالهادی (چھیند واڑہ)
۴ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جنوری ۱۹۳۸ء

(**جواب ۱۵۵**) اگر شوہر کے مظالم ناقابل برداشت ہوں اور وہ طلاق بھی نہ دے اور عورت کی عصمت خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور بعد حصول فسخ وانقضائے عدت دوسرا نکاح کر سکتی ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ حیاسوز سلوک کرتا ہے' بد اخلاقی سے پیش آتا ہے' اور ایذاء پہنچاتا ہے تو وہ عورت کیا کرے؟

(**سوال**) میری شادی یکم اپریل ۱۹۳۵ء جسے آج تین سال ہوتے ہیں مسمی محمد غیوث ولد فتح محمد قوم پٹھان پیشہ ملازمت سے ہوئی تھی مذکور نے ایک ہزار کا مہر سادہ مع بیس روپے خرچہ پاندان وغیرہ کے ساتھ اس شرط سے تحریر کیا تھا کہ وہ میری والدہ کے گھر میرے ساتھ رہے گا اور خود مجھے کہیں دہلی سے باہر یا دوسرے محلہ میں نہیں لے جائے گا اور مجھ سے اخلاق سے پیش آئے گا اس نے یہ بھی اقرار کیا تھا کہ وہ کنوارا ہے اور اس سے پیشتر اس کی شادی نہیں ہوئی ہے حالانکہ میری شادی کے بعد معلوم ہوا کہ یہ سراسر دھوکہ تھا وہ شادی شدہ ہے شادی ہونے کے بعد وہ مجھ سے حیاسوز سلوک کرتا رہا اور بد اخلاقی سے پیش آتا رہا' طرح طرح کے فریب کر کے میرا ذاتی زیور اور روپیہ عیاشی میں برباد کرتا رہا اور مجھ سے کنارہ کش رہا اور مجھ سے لاپروا ہو گیا۔ مجھے باہر ملتان لے جانا چاہتا تھا مگر میں اس کے چال چلن سے یہاں تک خائف تھی کہ مجھے خطرہ لاحق تھا میں نہیں گئی کیونکہ وہ مجھے فروخت کرنا چاہتا تھا بعد ازیں اس نے میری والدہ پر اور مجھ پر مقدمہ چلایا کہ اس کا فرنیچر وغیرہ ہم نے ضائع کر دیا ہے مقدمہ ہمارے حق میں رہا اور خارج ہو گیا میرے والد بزرگوار رخصت ہو چکے ہیں صرف میری ماں میری وارث ہے میں شوہر مذکور کے گھر میں نہیں رہنا چاہتی اور وہ مجھے طلاق نہیں دینا چاہتا بلکہ کافی رقم طلاق دینے کی طلب کرتا ہے حالانکہ قانوناً مہر اور خرچہ تین سال کا میں اس سے وصول کر سکتی ہوں مگر بوجہ غربت اور اپنی عزت کے کچھ نہیں کر سکتی ایک مسلمان عورت کی حیثیت سے سخت پریشان ہوں۔
المستفتی نمبر ۲۲۸۲ منور خانم بنت آغا حسین دریا گنج دہلی
۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۴ جون ۱۹۳۸ء

(**جواب ۱۵۶**) اگر واقعات مذکورہ سوال صحیح ہیں تو عورت کو حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے۔ رسالہ الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة' بحث حکم زوجه متعنت فی النفقة ص ۷۳ مطبوعه دار الاشاعت کراچی

میں درخواست دیکر اپنا نکاح فسخ کرالے اور پھر عدت گزار کر دوسرا نکاح کر لے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) نکاح کے وقت جو شرط لگائی گئی اس کی خلاف ورزی سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں ؟
(۲) شرائط لکھنے کے بعد اس پر عمل نہ کرنے سے بیوی پر طلاق پڑے گی یا نہیں ؟

(سوال) (۱) عورت وقت عقد نابالغ تھی اہل برادری نے ناکح کا چال چلن خراب معلوم کر کے اس سے ایک اقرار نامہ اس مضمون کا تحریر کرایا کہ اگر میں اپنا چال چلن ایک سال کے اندر درست نہ کر سکوں تو میری زوجہ واس کے وارثان کو اختیار ہوگا کہ وہ دوسری جگہ منسوب کرلیں مجھ کو کسی قسم کا عذر نہ ہوگا اس اقرار نامہ کو تین سال گزر گئے ہیں اب اسلامی بورڈ کے اجلاس میں مسماۃ کی درخواست پیش ہے کہ جس شخص سے میرا مشروط نکاح بزمانہ نابالغی ہوا تھا وہ بربناء شرط نویسندہ دستاویز منسوخ فرما کر دوسرے عقد کی اجازت دی جائے ایسی صورت میں آں قبلہ کی کیا رائے ہے ؟ شہادت پیش کردہ سائلہ سے نویسندہ دستاویز کا اس وقت تک بد چلن ہونا ثابت ہے پس احکام شرعی سے بورڈ کو مطلع فرمایا جائے - مجریہ بورڈ اسلامی گوالیار نمبر ۱۵۵ ا ۳ مئی ۱۹۳۸ء

(۲) ایک عورت کے شوہر نے وقت شادی چند معاہدات کے ساتھ ایک دستاویز لکھی اور اس میں یہ شرط درج کی کہ اگر معاہدات کی پابندی میری جانب سے نہ ہو تو یہ دستاویز طلاق نامہ تصور کی جائے شادی کے بعد ہی شوہر لاپتہ ہو گیا مسماۃ کی درخواست ہے کہ جب شوہر لاپتہ ہے تو پھر دستاویز کی پابندی کون کرے لہذا مجھ کو دوسرے عقد کی اجازت دی جائے اسلامی بورڈ نے مسمی مذکور کے نام گزٹ میں نوٹس شائع کرایا مگر نہ وہ حاضر ہوا اور نہ اس نے کوئی جواب دیا جس سے اس کا لاپتہ ہونا ثابت ہے تین چار سال سے لاپتہ ہے شہادت سے ثابت ہے -

المستفتی نمبر ۲۲۹۹ سکریٹری اسلامی بورڈ (گوالیار) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۷ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۵۷) (۱) اقرار نامہ نکاح کے بعد تحریر کیا گیا ہو اور اس کی شرائط کی خلاف ورزی کی گئی ہو تو بورڈ کو حق ہے کہ وہ عورت کو شرائط اقرار نامہ کے ماتحت آزادی دے کہ وہ بقاعدہ شرعیہ نکاح ثانی کرے -(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ " الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة" بحث حکم زوجہ متعنت فی النفقة ص ۷۳ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

(۲) واذا اضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل ان يقول لامرأته ان دخلت الدار فانت طالق ولا تصح اضافة الطلاق إلا ان يكون الحالف مالكا او يضيفه الى ملك والاضافة إلى سبب الملك كالتزوج كالاضافة إلى الملك فان قال لا جنبية ان دخلت الدار فانت طالق ثم نكحها فدخلت الدار لم تطلق كذا في الكافي (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الرابع في الطلاق بالشرط' الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغيرهما ۱ / ۴۲۰ ط ماجديه كوئٹه)

(۲) شوہر کے لاپتہ ہو جانے کی صورت میں عورت کا گزارہ ممکن نہ ہو یا اس کی عصمت خطرے میں ہو تو بورڈ کو حق ہے کہ وہ نکاح کو فسخ کر کے عورت کو آزادی دیدے اور عورت کو آزادی ملنے کے بعد عدت گزار کر نکاح ثانی کر لینا جائز ہو گا(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جس عورت کا شوہر اوباش' اغلام باز اور حقوق زوجیت ادا نہ کرے' تو اس کی بیوی کیا کرے ؟

(سوال) (۱) درخواست کنندہ رابعہ بی زوجہ منظور عالم ساکن اسٹیٹ ریوان عرض کرتی ہے مدرسہ کو فدویہ جو درخواست دے رہی ہے اس درخواست پر شرعاً میرا فیصلہ کیا جائے خدا اور رسول ﷺ نے حنفی و سنی کے لئے جو ارشاد کیا ہے۔

(۲) میرے شوہر منظور عالم میں ایک عیب تو یہ ہے کہ ان کو اغلام بازی کا شوق ہے وہ عورت سے محبت نہیں رکھتے میں نے ان کو تین سال تک سمجھایا کہ یہ بد فعل چھوڑ دے لیکن وہ نہیں چھوڑتے اس لئے میں ان سے بیزار ہوں اور ان کی زوجیت میں رہنا نہیں چاہتی اس بات پر شرعاً فیصلہ چاہتی ہوں۔

(۳) میرے بیاہتا خاوند نے مبلغ گیارہ سو پچیس روپے جو مہر کا دیا تھا اس کا زیور بنا دیا تھا وہ زیور جناب منظور عالم صاحب کے مکان سے چوری چلا گیا اب میرے پاس ایک پیسہ تک نہیں ہے مجھ کو دو تین روز کا فاقہ گزرتا ہے اور میرا ایک بچہ نابالغ جو بیاہتا خاوند کی طرف سے ہے ہم ماں بچے بھوکے مرتے ہیں کوئی پرسان حال نہیں ہے موجودہ خاوند سے کھانے کپڑے کو مانگتی ہوں تو کوئی جواب نہیں ملتا وہ خاوند مجھ کو لینے نہیں آتا نہ خرچ دیتا ہے ۱۳ ماہ گزرے خاوند بیوی سے بے فکر ہو کر بیٹھ گئے ہیں ایسے خاوند پر شرعاً کیا حکم عائد ہوتا ہے ؟

(۴) اگر علمائے دین نے اس معاملہ کا فیصلہ نہیں کیا تو اب میں علمائے دین کے سامنے قسم کھا کر قرآن شریف کی کہتی ہوں کہ میں اس پیٹ کے لئے چاہے عیسائی بن جاؤں یا آریہ پھر مجھ پر آپ لوگ کوئی بدنامی نہ دینا میں حرام کر کے پیٹ بھرنا نہیں چاہتی فاقہ میں دن نکل جائیں اگر اسلامی فیصلہ نہ ہو گا تو عیسائی بن جاؤں گی یا آریہ حرام نہیں کروں گی اس لئے اپنی درخواست علمائے دین کے سامنے پیش کرتی ہوں جو سچا حکم خدا اور رسول کا ہو وہ حکم پندرہ دن کے اندر دیا جائے ورنہ کوئی جواب نہ ملنے پر اسلامی دعوے سے علیحدہ ہو جاؤں گی پھر مجھے کوئی بدنامی نہ دینا۔

المستفتی نمبر ۲۳۳۰ رابعہ بی زوجہ منظور عالم بلاسپور (سی پی)

۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۱ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۵۸) جب کہ خاوند اس قدر خطار کار اور ظالم ہے کہ بیوی بچے کو نفقہ نہیں دیتا اور نہ حقوق

---

(۱) ھکذا فی الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ– بحث حکم زوجہ غائب غیر مفقود ص ۷۷ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

زوجیت ادا کرتا ہے تو عورت کو حق ہے کہ وہ حاکم کے ہاں دعویٰ کر کے اپنا نکاح فسخ کرا لے اور پھر عدت گزار کر دوسرا نکاح کر لے(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دس سال تک جس شوہر نے خبر نہیں لی' اس کا کیا کیا جائے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۴ امارچ ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک نوجوان شریف عورت شادی شدہ ہے مگر اس کا خاوند اس کو نہ تو گھر میں آباد کرتا ہے نہ اس کے نان و نفقہ کا ذمہ لیتا ہے جس کو عرصہ دس سال کا گزر گیا ہے عورت کے والدین نادار ہیں جب اس سے طلاق طلب کی جاتی ہے تو چار پانچ ہزار روپے طلب کرتا ہے۔

(جواب ۱۵۹) اس پر مہر اور نان نفقہ کی نالش کر کے دباؤ ڈالا جائے یا برادری وغیرہ سے دباؤ ڈال کر طلاق حاصل کی جائے(۲) کیونکہ جب تک اس سے فیصلہ نہ کیا جائے دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا(۳)

محمد کفایت اللہ غفر لہ'

جو شوہر عرصہ تیرہ چودہ سال سے بیوی کی خبر گیری نہ کرے تو وہ عورت کیا کرے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۲۸ء)

(سوال) مسماۃ ہندہ کو اس کے شوہر نے تیرہ چودہ سال سے ترک کر دیا ہے نہ اس کے خورد و نوش کا کفیل ہے اور نہ مکان کا بندوبست کرتا ہے اور نہ زر مہر دیتا ہے نہ طلاق دیتا ہے۔؟

---

(۱) دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ بحث حکم زوجہ متعنت فی النفقۃ ص ۷۳ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی جہاں قاضی یا حاکم شرعی حکومت کی طرف سے نہ ہو' وہاں مسلمانوں کی شرعی پنچایت بنائی جا سکتی ہے' اور اس پنچایت کا فیصلہ شرعاً نافذ ہوگا۔

(۲) ولا یفرق بینهما بعجزہ عنها بانواعها الثلاثة ولا لعدم ایفائه لو غائبا حقها ولو موسرا وجوز الشافعی با عسار الزوج و بتضررها بغیبة ولو قضی به حنفی لم ینفذ نعم لو امر شافعیا فقضی به نفذ (درمختار) وقال فی الرد: قال فی غرر الاذکار ثم اعلم ان مشایخنا استحسنوا ان ینصب القاضی الحنفی نائب ممن مذهبه التفریق بینهما اذا کان الزوج حاضرا وابی عن الطلاق (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب النفقة ۳/ ۵۹۰ ط سعید کراتشی)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کا مذہب اس صورت میں تفریق کا نہیں ہے البتہ امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں تفریق صحیح ہے لہذا شافعی المذہب حاکم یا قاضی سے تفریق کرا سکتا ہے لیکن موجودہ حالات میں علماء حنفیہ نے قاضی یا حاکم نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین شرعی پنچایت اور دار القضاء کے ذریعہ فسخ نکاح کرانے پر فتویٰ دیا ہے' اس کی پوری تفصیل دیکھئے حضرت مولانا تھانویؒ کی کتاب "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ" بحث حکم زوجہ متعنت فی النفقۃ' ص ۷۳ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

(۳) لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیرہ و کذلك المعتدة کذا فی السراج الوهاج (الفتاوی الهندیة' کتاب النکاح الباب الثالث فی بیان المحرمات' القسم السادس المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر ۱/ ۲۸۰ ط ماجدیه کوئٹه)

(جواب ۱۶۰) جب کہ خاوند ازراہ شرارت زوجہ کے خورد ونوش کا کفیل نہیں ہوتا اور نہ حقوق زوجیت ادا کرتا ہے تو بذریعہ برادری یا حکومت کے اس کو طلاق دینے پر مجبور کرنا چاہئیے (۱) اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم با اختیار نکاح کے فسخ کا حکم دے سکتا ہے (۲) اور بعد حکم فسخ عورت عدت گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ظالم شوہر جو بیوی کا جانی دشمن ہو'اس سے نجات کی کیا صورت ہو گی؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) ایک شوہر اور زوجہ کے درمیان سخت نزاع اور عداوت پیدا ہو گئی ہے شوہر نے عورت پر مقدمہ فوجداری ۴۹۸ تعزیرات ہند برپا کر کے اس کو اور اس کے آشنا کو قید بھی کرایا ہے اور حفظ امن دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری بھی لی جا چکی ہے اب وہ عورت بوجہ خوف جان محنت مزدوری کر کے گزارہ کرتی ہے خاوند اس کو ضرر رسانی کی خاطر طلاق بھی نہیں دیتا عورت جوان ہے اور خاوند بوڑھا ہے عورت اس سے طلاق حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہونے کی وجہ سے تبدیل مذہب کرنے کے لئے تیار ہے' ہم نے اس کو روک رکھا ہے۔

(جواب ۱۶۱) اگر زوجین میں اب باہم اتفاق اور نباہ کی صورت نہیں ہے بلکہ عورت کو اپنی جان کا خوف ہے تو وہ کسی مسلمان حاکم یا ثالث کے ذریعہ سے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور بعد حصول حکم فسخ و انقضائے عدت دوسرا نکاح کر سکتی ہے (۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) و یجب الطلاق لو فات الامساك بالمعروف (الدر المختار مع هامش رد المحتار ' کتاب الطلاق ۳/۲۲۹ ط سعید کراتشی)

(۲) هکذا فی الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة' بحث حکم زوجه متعنت فی النفقة ص ۷۳ مطبوعه دار الاشاعت کراچی

(۳) اس لئے کہ بغیر فسخ نکاح اور بغیر عدت گزارنے کے نکاح ثانی درست نہیں ہوتا کما فی الهندیة لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره و کذلك المعتدة کذا فی السراج الوهاج (الفتاوی الهندیة' کتاب النکاح' الباب الثالث فی بیان المحرمات' للقسم السادس المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر ۱/۲۸۰ ط ماجدیه کوئته)

(۱) دیکھئے الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة بحث حکم زوجة متعنت فی النفقة ص ۷۳ مطبوعه دار الاشاعت کراچی

فصل دہم
تعدد ازدواج

نکاح ثانی کو رسم کی وجہ سے عیب جاننا گناہ ہے 'اور اس کی وجہ سے عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہیں

(سوال) ایک لڑکی کی شادی حالت نابالغی اس کی ماں اور بھائی نے اور قریبی رشتہ داروں نے ایک بالغ لڑکے سے کردی اور وداعگی تاہنوز نہ ہوئی اب لڑکی بالغ ہو چکی ہے شوہر نے بعد شادی ایک عیسائی عورت کو داخل اسلام کر کے نکاح کر لیا اس عورت سے تین بچے بھی ہو چکے ہیں ان حالات کو سن کر لڑکی اپنے شوہر کے پاس جانے سے انکار کرتی ہے اور لڑکی کے وارثان بھی بھیجنے سے انکار کرتے ہیں اور خاوند طلاق دینے سے انکار کرتا ہے ایسی حالت میں لڑکی فسخ نکاح کا مطالبہ کرتی ہے اس کے لئے شریعت اسلامیہ کیا طریقہ بتلاتی ہے ؟

المستفتی عبدالرحمن محلہ دودھیان - نصیر آباد (راجپوتانہ) ۱۹ جنوری ۱۹۵۱ء

(جواب ۱۶۲) دوسرا نکاح کر لینا تو طلاق کی وجہ نہیں بن سکتا (۱) اگر اور کوئی معقول وجہ ہو تو اس کی بناء پر عدالت میں مقدمہ کر کے نکاح فسخ کرایا جائے اور اگر غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کردے تو پھر مسلمان پنچایت سے بھی فسخ کرایا جائے (۲) مسلمان پنچایت بھی فسخ کردے تو لڑکی آزاد ہو گی اور دوسرا نکاح کر سکے گی -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

فصل یازدہم
حرمت مصاہرت

بیوی شوہر کے بیٹے کے ساتھ زنا کا دعویٰ کرتی ہے 'اور لڑکا انکار کرتا ہے 'مگر شرعی گواہ موجود نہیں 'تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) میری دوسری بیوی ایک بد معاش آدمی سے مل کر جھوٹا الزام خاوند کے اوپر لگا کر نکاح فسخ

---

(۱) اس لئے کہ نکاح ثانی جائز اور مستحب ہے 'اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے 'اس کو بوجہ عدم رواج قومی کو عیب جاننا جہالت کی بات ہو گی اور سخت گناہ گار ہے قال اللہ عزو جل - فانکحو اما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلث و ربع' فان خفتم الاتعدلو افواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنی الا تعولوا (النساء : ۳)

(۲) اس لئے کہ قاضی کافر کا حکم اہل اسلام پر نافذ نہیں ہوتا کمافی رد المحتار و مقتضاہ ان تقلید الکافر لا یصح وان اسلم - قال البحر :وبہ علم ان تقلید الکافر صحیح وان لم یصح قضاء ہ علی المسلم حال کفرہ (ہامش رد المحتار' کتاب القضاء ۵/ ۳۵۴ ط سعید کراتشی)

کرانے کا دعویٰ کرتی ہے کہتی ہے کہ سوتیلے لڑکے نے میرے ساتھ زناء کیا ہے وہ اپنی ہی زبان سے ثابت کرتی ہے موقع کی کوئی شہادت نہیں خاوند نے اپنی زبان سے اس کو کوئی تہمت نہیں دی نہ ثابت ہوئی ہے اور نہ اس سوتیلے لڑکے کی زبان سے ثابت ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ میری ماں ہے اور زنا کوئی نہیں ہوا یہ صرف جعل بناتی ہے آپ لکھیں کہ نکاح جائز ہے یا حرام ہے اور فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ خاوند اس کو چھوڑنا نہیں چاہتا اپنے گھر آباد کرنا چاہتا ہے یہ فریب سے نکلنا چاہتی ہے۔

المستفتی نمبر ۱۹۸۳ چراغ دین بلاسپور (شملہ) ۲۹ شعبان ۱۳۵۶ھ ۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۳) اگر عورت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اسکے شوہر کے لڑکے نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے اور وہ لڑکا انکار کرتا ہے تو عورت کا قول معتبر نہیں اس کو لازم ہے کہ یا تو چار گواہ چشم دید پیش کرے جو زنا کی چشم دید گواہی دیں (۱) ورنہ یہ عورت خود تہمت لگانے کی سزا پائے گی (۲) اگر چار گواہ زنا کی گواہی دینے والے نہ ہوں اور شوہر زنا کو تسلیم نہ کرے تو نکاح فسخ نہیں ہو سکتا (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

فصل دوازدہم

ارتداد

بیوی مرتد ہو کر پھر مسلمان ہو جائے تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) پہلے ایک عورت مسلمان تھی پھر وہ ایک مرد مسلمان کے ہمراہ بھاگ آئی اور بھاگ کر آریہ سماج میں دونوں مرد و زن داخل ہو گئے عرصہ دو یا تین سال کا ہوا کہ دو تین بچے پیدا ہوئے اس کے بعد وہ دونوں شخص کہتے ہیں کہ ہم فیروز پور پنجاب میں دونوں شخص مسلمان ہو گئے اب ان کا نکاح ہوا اور اس

---

(۱) الشهادة على مراتب منها الشهادة في الزنا يعتبر فيها اربعة من الرجال لقوله تعالىٰ "واللاتي يأتين الفاحشة من نسائكم فا ستشهدوا عليهن اربعة منكم" (الهداية' كتاب الشهادة ۳/ ۱۵٤ ط شركة علميه ملتان)

(۲) واذا قذف الرجل رجلا او امرأة محصنة بصريح الزنا وطالب المقذوف بالحد حده الحاكم ثمانين سوطا ' ان كان حرا لقوله تعالىٰ " والذين يرمون المحصنات" إلى ان قال : " فاجلدو هم ثمانين جلدة" الآية المراد بالرمى الزناء بالا جماع و في النص اشارة اليه وهو اشتراط اربعة من الشهداء اذهو مختص بالزنا (الهداية' كتاب الحدود' باب حد القذف ۲/ ۵۲۹ ط شركة علميه ملتان)

(۳) وان ادعت الشهوة في تقبيله او تقبيلها ابنه وانكرها الرجل فهو مصدق لا هي (درمختار) وقال في الرد : قوله ان ادعت الشهوة في تقبيله) اى ادعت الزوجة انه قبل احد اصولها او فروعها بشهوة اوان احد اصولها او فروعها قبله بشهوة - (قوله فهو مصدق) لانه ينكر ثبوت الحرمة والقول للمنكر (هامش ردالمحتار مع الدر المختار' كتاب النكاح' فصل في المحرمات ۳/ ۳٦ ط سعيد كراتشى)

عورت کا پہلا خاوند حیات ہے اور اب یہ چرچا ہوا کہ جتنے اشخاص اس نکاح کے اندر تھے ان سب کا نکاح ٹوٹ گیا۔ المستفتی نمبر ۲۰۰۰ عبدالعزیز محرم نگر صوبہ دہلی

۵ رمضان ۱۳۵۶ھ ۱۰ نومبر ۱۹۳۷ء

جواب ۱٦٤) عورت کے آریہ ہونے کی وجہ سے پہلے خاوند کا نکاح ٹوٹ گیا(۱) اور اب دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد عورت اور اس شخص کو جو بہکا کر لایا تھا سزا اسلامی حکومت دے سکتی تھی اور مجبور کر سکتی تھی کہ عورت پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کرے (۲) لیکن اب اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے عورت نے اس شخص سے جو نکاح کر لیا ہے یہ نکاح منعقد ہو گیا(۳) اور اس میں شریک ہونے والے مجرم نہیں ہیں۔ اور نہ ان کے نکاح ٹوٹے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) کلمات کفریہ سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے

(۲) خدا اور رسول کو نہیں مانوں گی کہنے سے نکاح فسخ ہوا یا نہیں ؟

(۳) دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد تجدید نکاح ضروری ہے یا نہیں ؟

(۴) اب اگر شوہر بیوی کو رکھنا نہیں چاہتا تو طلاق دینا ضروری ہے یا انہیں کلمات کفریہ سے نکاح فسخ ہو گیا ؟

سوال) (۱) ایک شخص نے دوران گفتگو میں کہا کہ شریعت ظاہری توعین کفر ہے زبان سے یہ جملہ نکلنا داخل ارتداد ہے یا نہیں اگر داخل ارتداد ہے تو ارکان ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہیں ؟

(۲) ایک عورت جس کا سن ۲۰ سال ہے اور اس سے پہلے دو شوہروں سے یعنی ایک کے بعد دوسرے سے طلاق خود حاصل کرنے کے بعد اب تیسرا نکاح کیا ہے اور تیسرے شوہر کے گھر سے اپنی ماں کے گھر خوشی گئی اور وہاں کچھ دن رہ کر اس شوہر کے پاس آنے سے بضد انکار کچھ دن تک کرتی رہی لیکن ماں بہن وغیرہ کے سمجھانے سے اس شرط پر شوہر کے پاس آنے کا اقرار کیا کہ چلی تو جاؤں گی مگر نعوذ باللہ

---

(۱) وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ فلا ینقص عدد اعاجل بلا قضاء (الدر المختار مع هامش ردالمحتار' کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۱۹۳/۳ ط سعید کراتشی)

(۲) و تجبر علی الاسلام و علی تجدید النکاح زجرالها بمهر یسیر کدینار وعلیه الفتویٰ ولو الحیة (درمختار) وقال فی الرد : (قوله علی تجدید النکاح) فلکل قاض ان یجدده بمهر یسیر ولو بدینار رضیت ام لا وتمنع من التزوج بغیره بعد اسلامها ولا یخفی ان محلها ما اذا طلب الزوج ذلك اما لو سکت او ترکه صریحا فانها لا تجبر و تزوج من غیره لا نه ترك حقه (هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر ۳/ ۱۹٤ ط سعید کراتشی)

(۳) وظاهره ان لها التزوج بمن شاء ت (هامش رد المحتار' کتاب الجهاد باب المرتد ٤/ ۲۵۳ ط سعید کراتشی) دارالحرب میں شامیہ کی اس عبارت پر عمل کیا جائے گا' اس لئے کہ دارالحرب میں اجبار علی الاسلام و تجدید نکاح ممکن نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی کو اس پر قدرت نہیں ہے۔

خدااور رسول کو نہیں مانوں گی جب اس کے کلمات مذکور پر لعن کیا تو دوسرے دن توبہ کر کے شوہر کے گھر آئی شوہر سے نہ کوئی جھگڑا تھااور نہ شوہر کو کلمات مذکورہ کا علم تھا اس لئے یکجائی بھی ہوئی اسکے بعد کلمات مذکورہ کا شوہر کو علم ہوا دریافت طلب بات یہ ہے کہ شوہر بلا علم کلمات مذکور مرتکب فعل یکجائی جو ہوا اس کی وجہ سے کسی سزا کا مستحق ہوا یا نہیں اگر ہوا تو کیا صورت اس سے براءت کی ہے۔

(۳) اب اس عورت پر تجدید نکاح لازم ہے یا نہیں ؟

(۴) اور اگر شوہر اس کو اپنی زوجیت میں اب نہ رکھنا چاہتا ہو تو جدید طلاق کی ضرورت ہے یا صرف وہی کلمات ارتداد علیحدگی کے لئے کافی ہیں

المستفتی نمبر ۲۰۱۰ شجاعت حسین صاحب (آگرہ) ۹ رمضان ۱۳۵۶ھ ۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۵) (۱) ہاں اس کلام کے ظاہری معنی ارتداد کے موجب ہیں اور ان کے کہنے سے کہنے والا اسلام سے نکل جاتا ہے پس اس کو توبہ کرنا اور از سر نو تجدید نکاح کرنا لازم ہے (۱)

(۲) شوہر پر کوئی گناہ اور مواخذہ نہیں ہے (۲)

(۳) عورت کے ان کلمات کی بناء پر تجدید نکاح احتیاطاً لازم ہے۔ (۳)

(۴) جدید طلاق کی ضرورت تو نہیں مگر طلاق دے دینا احتیاطاً بہتر ہے۔ (۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) ما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل و النکاح واولادہ اولاد زنا و ما فیہ خلاف یؤمر بالا ستغفا ر والتوبة و تجدید النکاح (درمختار) وقال فی الرد : (قولہ واولادہ اولاد الزنا) کذا فی فصول العمادی' لکن ذکر فی نور العین ویجدد بینھما النکاح ان رضیت زوجتہ بالعود الیہ وا لا فلا تجبرو المولود بینھما قبل تجدید النکاح بالوطی بعد الردة یثبت نسبہ منہ لکن یکون زنا (قولہ والتوبة) ای تجدید الاسلام (ھامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الجھاد' باب المرتد ٤/٢٤٧ ط سعید کراتشی)

(۲) اس لئے کہ شوہر کو بیوی کے متعلق معلوم نہیں ہوا تھا کہ اس نے کفریہ کلمات کہے ہیں لہذا علم نہ ہونے کی وجہ سے مواخذہ نہیں۔

(۳) (قولہ و تجدید النکاح) ای احتیاطا کما فی الفصول العمادیة – و قولہ احتیاطا ای یأمرہ المفتی بالتجدید لیکون و طؤ ہ حلا لا بالا تفاق (ھامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الجھاد' باب المرتد ٤/٢٤٧ ط سعید کراتشی)

(۴) اس لئے کہ ارتداد سے نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے کما فی الدر المختار وارتداد احدھما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء (الدر المختار مع ھامش رد المحتار ' کتاب النکاح باب النکاح الکافر ۳/۱۹۳ ط سعید کراتشی) مگر احتیاطاً طلاق دیدینا بہتر ہے اس لئے کہ کلمہ "اللہ ورسول کو نہیں مانوں گی" کہتے وقت اگر عورت کی نیت یہ نہیں تھی بلکہ اس میں کسی قسم کی کوئی تاویل کی گنجائش ہو گی تو قضاء اگر چہ اس کی تصدیق نہیں ہو گی لیکن دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی اور جب اس کی اس نیت کی تصدیق کرلی گئی تو خطاء اس نیت سے یہ الفاظ کہنے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں ہوا اسی لئے احتیاطاً طلاق دے دینا بہتر ہے۔

شوہر قادیانی ہو گیا، تو نکاح فسخ ہو گیا یا نہیں ؟
(الجمعیۃ مورخہ ۹ اگست ۲۹ء)

(سوال) زید قادیانی ہو گیا ہے اس کی منکوحہ بیوی بوجہ غیرت و اسلامی حمیت اس کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی اور نکاح فسخ کرانا چاہتی ہے

(جواب ۱۶۶) مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین کے متعلق جماہیر علمائے اسلام کا فتویٰ شائع ہو چکا ہے کہ یہ لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں ان کے کفر کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے ایسے مسائل میں جو اسلام کے قطعی اور یقینی مسائل ہیں انہوں نے انکار کیا ہے یا ایسی تاویلات باطلہ کی ہیں جو کفر کے حکم سے نہیں بچا سکتیں - مثلاً حضور خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے ختم نبوت سے انکار کرنا حالانکہ ختم نبوت کا مسئلہ قطعی اجماعی ہے مرزا صاحب کا دعوائے نبوت دعوائے رسالت دعوائے معجزات وغیرہ توہین انبیاء علیہم السلام کی تکفیر امت محمدیہ کہ ان کے نزدیک تمام غیر احمدی مسلمان کافر ہیں اس بناء پر کوئی مسلم عورت کسی قادیانی کے نکاح میں نہیں رہ سکتی شوہر کے قادیانی بن جانے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے (۱) اور ہائی کورٹ بہار و مدراس فسخ نکاح کے فیصلے بھی کر چکے ہیں - واللہ تعالیٰ اعلم
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کسی کو مرتد ہونے کا مشورہ دینا کفر میں داخل ہے یا نہیں ؟

(سوال) ہندہ کو کسی نے مشورہ دیا کہ تو عیسائی ہو جا اس نے کہا کہ میں راضی ہوں یا کسی شخص نے کسی دوسرے سے یوں کہا کہ ہندہ سے کہہ دو کہ وہ عیسائی ہو جائے اس طرح کسی عورت کو عیسائی بننے کی ترغیب دینا یا اس کو عیسائی بنانے کے لئے کسی سے مشورہ کرنا یہ تمام امور شرعاً کیسے ہیں ؟ یہ لوگ مرتد ہیں یا نہیں ؟ ان کے نکاح باقی رہے یا نہیں ؟ اگر نکاح ٹوٹ گئے تو عدت گزارنی ضروری ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۲۷) مرتد ہونا تو انتہائی جرم ہے مگر مرتد ہونے کا کسی کو مشورہ دینا ارتداد میں سعی کرنا یہ بھی کفر ہے جن لوگوں نے کسی کو مرتد ہونے کا مشورہ دیا یا مرتد بنانے کی سعی کی وہ خود بھی کافر ہو گئے (۲) ان کو اپنے ایمان کی تجدید اور توبہ کے ساتھ نکاح کی بھی تجدید کرنی چاہئیے (۳) عدت کے اندر اور عدت کے بعد ہر صورت میں تجدید نکاح ہو سکتی ہے فقط - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) قادیانیوں کے کفر پر علماء کا اتفاق ہے اور جب قادیانی کافر ہے تو شوہر کا قادیانی مذہب اختیار کرنا ارتداد ہے اور مرتد کا نکاح ارتداد کے فوراً بعد فسخ ہو جاتا ہے کما فی الدر المختار' وارتداد احدھما ای الزوجین فسخ - عاجل بلا قضا - (الدر المختار مع ہامش ردالمحتار' کتاب النکاح باب نکاح الکافر ۱۹۳/۳ ط سعید کراتشی)
(۲) ومن امر امرأۃ بان ترتد- کفر الآخر (شرح الفقۃ الاکبر ص ۲۲۵)
(۳) ما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد الزنا و ما فیہ خلاف یؤمر بالا ستغفار والتوبۃ و تجدید النکاح (درمختار) وقال فی الرد (قولہ واولادہ اولاد زنا) کذافی فصول العمادی لکن ذکر فی (جاری ہے)

فصل سیزدھم
ولی کا سوء اختیار

چچازاد بھائی نے بحیثیت ولی نابالغہ کا نکاح کر دیا' تو اس کے فسخ کا کیا طریقہ ہے؟

(سوال) مولوی الٰہی بخش و شرف الدین بایں رشتہ دار تھے کہ مولوی الٰہی بخش کا دادا حقیقی اور شریف الدین کا باپ دونوں حقیقی بھائی تھے اور شرف الدین و مولوی الٰہی بخش آپس میں مخالف بہت رہتے تھے مولوی الٰہی بخش اور ان کے والد فوت ہو گئے اور مولوی الٰہی بخش کی لڑکیاں تین نابالغہ رہ گئیں اور ان کا متولی صرف مردوں میں سے شرف الدین ہی رہا اب ان لڑکیوں کے نکاح اپنے لڑکوں سے کر دیئے ہیں شرف الدین پہلے اس کے اور اب بھی مولوی الٰہی بخش ان کی زوجہ اور اولاد اور اس کے باپ وغیرہ سے بدسلوکی کرتا چلا آیا ہے تو اب شرف الدین موقع پا کر یہ نکاح کرتے ہیں اور ایک لڑکی کا نکاح تو اپنے لڑکے غلام محمد سے کیا ہے جو کہ پہلے سے شادی شدہ ہے جس کو دوسری شادی کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ پہلی شادی اس کی ابھی ہوئی ہے اور وہ اپنے گھر میں خوش آباد ہے اور اس کی اولاد بھی ہو رہی ہے غرضیکہ اس کو دوسری شادی کی ضرورت نہیں ہے شرف الدین صرف اپنے غیظ و غضب کو پورا کرنے کے لئے مولوی الٰہی بخش مرحوم کی یتیمہ کو سوکن پر نکاح کیا ہے تاآنکہ کالمعلقہ رہے اور زندگی اس کی خراب گزرے جس سے اس کی والدہ وغیرہ جلیں غرضیکہ شرف الدین نے جو نکاح یتیمہ ہائے مولوی الٰہی بخش کے اپنے لڑکوں سے کئے ہیں ان میں اس نے شفقت اور رحم ہرگز نہیں کیا بلکہ اپنے غیظ و غضب کو پورا کرنا چاہتا ہے اور سوء اختیار اختیار کیا ہے چنانچہ اب شرف الدین نے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا ہے کہ بازوہائے یتیمہ مولوی الٰہی بخش کی مجھے ملیں کیونکہ ان کی لڑکیوں کا میرے لڑکوں سے شرعاً نکاح ہے بعد ازاں ان لڑکیوں کی جو رشتہ دار عورتیں ہیں مثلاً والدہ وغیرہ وہ بہت مصیبت میں ہیں اور ناراض ہیں کیونکہ شرف الدین جو کہ مولوی الٰہی بخش کا اور ہمارا دشمن تھا وہ ہماری لڑکیوں کا قبضہ لیکر بہت تنگ کرے گا بیان ماسبق سے ظاہر ہوا کہ شرف الدین نے ثبت نکاح کر کے یتیمہ ہائے مولوی الٰہی بخش سے شفقت و رحم متولیانہ اختیار نہیں کیا بلکہ سوء اختیار' اختیار کیا ہے کیونکہ اپنے نفسانی طمع غیظ و غضب کو پورا کرنا چاہتا ہے اور مال جو کہ شادی ہائے لڑکوں پر خرچ ہوتا وہ بھی بچت میں رہا ہے اور ان نکاحوں میں یتیمہ ہائے مولوی الٰہی بخش کی کوئی بہتری نہیں سوچی جس سے سوء اختیار ظاہر معلوم ہوتا ہے سو فرمائیے کہ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) نور العین و یجدد بینهما النکاح ان رضیت زوجة بالعود الیه والا فلا تجبر والمولود بینهما قبل تجدید النکاح بالوطئ بعد الردة یثبت نسبه منه لکن یکون زنا (قوله والتوبة) ای تجدید الاسلام (قوله و تجدید النکاح) ای احتیاطا کما فی الفصول العمادیة قوله احتیاطا ای یأمره المفتی بالتجدید لیکون وطؤه حلا لا باتفاق (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الجهاد باب المرتد ٤/ ٢٤٧ ط سعید کراتشی)

ایسے متولی سوء اختیار والے کا نکاح نافذ ہو گیا نہیں علاوہ ازیں جو کہ لڑکی غلام محمد سے سوکن پر نکاح کر دی گئی ہے وہ اب بالغہ ہو چکی ہے بالغہ ہوتے ہی بلا تاخیر اس نے نکاح کو رد کر دیا ہے یعنی اولین قطرہ خون حیض آتے ہی اس نے نکاح کو رد کر دیا ہے اور اس پر گواہ بھی بنا دیئے ہیں اور عمر اس کی پتہ نہیں کہ کتنی ہے صحیح پتہ نہیں چل سکتا کیونکہ تاریخ ولادت معلوم نہیں ہے لہذا ارشاد فرمایئے کہ سرے سے نکاح ہوئے ہیں یا نہیں اگر ہوئے ہیں تو مرد مذکور سے نکاح فسخ ہو جائے گا یا نہیں اور فسخ نکاح کس طرح پر ہو گا ہندو منصف یا جج جو کہ ریاست بہاولپور کا مسلمان نواب حاکم ہے یہ نکاح بعد از درخواست فسخ کر سکتے ہیں یا نہیں یا کہ مسلمان حاکم ہونا شرط ہے اگر مسلمان حاکم ہونا شرط ہے تو بحوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۰۸۱ ابو الحسن صاحب بہاولپور - ۲۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۳۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۸) شرف الدین کی عداوت اور دشمنی اگر ثابت ہو تو حاکم بعد تحقیقات ان نکاحوں کے فساد کا حکم کر سکتا ہے اور اگر یہ بات نہ ہو تو پھر لڑکیوں کو خیار بلوغ تو یقیناً حاصل ہے اور ایک لڑکی جس نے بالغ ہوتے ہی نکاح کو رد کر دیا ہے وہ نکاح بحکم حاکم مسلمان فسخ ہو جائے گا۔(۱) مسلمان حاکم کی شرط لازم ہے کیونکہ قاضی کے لئے اسلام شرط ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل چہار دھم
شوہر کا عنین ہونا

نامرد کی بیوی نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) مسماۃ نادری بنت غفور بخش کی لڑکی کی شادی احمد بخش عرف لالہ کے ساتھ کر دی گئی۔ شادی کو عرصہ دس سال کا ہو گیا ہے ابھی تک کوئی لڑکا یا لڑکی پیدا نہیں ہوئے مسماۃ نادری کی زبانی معلوم ہوا کہ میرا شوہر نامرد ہے اب اس کی شادی دوسری جگہ کی جا رہی ہے ایسی حالت میں شرعاً نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

---

(۱) انکاح الصغیر والصغیرة جبرا ولو ثیبا و لزم النکاح بغبن فاحش او زوجها بغیر کفء ان کان الولی الزوج بنفسه بغبن ابا اوجدالم یعرف منها سوء الاختیار مجانة و فسقا وان عرف لا یصح النکاح من غیر کفء او بغبن فاحش اصلا وان کان المزوج غیر هما ای غیر الاب و ابیه ولو الام او القاضی او وکیل الاب لایصح النکاح من غیر کفء او بغبن فاحش اصلا وان کان من کفء و بمهر المثل صح ولکن لهما ای لصغیرو صغیرة و ملحق بها خیار الفسخ بالبلوغ اوا لعلم بالنکاح بعده لقصور الشفقة بشرط القضاء للفسخ (درمختار) وقال فی الرد: و حاصله انه اذا کان الزوج للصغیر والصغیرة غیر الاب والجد فلهما الخیار بالبلوغ اوا لعلم به فان اختار الفسخ لا یثبت الفسخ ! لا بشر ط القضاء (هامش رد المحتار' مع الد ر المختار کتاب النکاح باب الولی ۳/ ۶۵-۷۰)

(۲) واهله اهل الشهادة ای ا دائها علی المسلمین (درمختار) وقال فی الرد : و حاصله ان شروط الشهادة من الاسلام والعقل والبلوغ والحریة - و مقتضاه ان تقلید الکافر لا یصح وا ن اسلم- قال فی البحر و به علم ان تقلید الکافر صحیح وان لم یصح قضاء علی المسلم حال کفره - (هامش رد المحتار' مع الدر المختار کتاب القضاء ۵ ۳۵٤ ط سعید کراتشی)

المستفتی نمبر ۲۲۱۵ حافظ نظام الدین آگرہ - ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۶۹) مسماۃ نادری کی شادی بغیر طلاق کے دوسری جگہ نہیں ہو سکتی شوہر اول طلاق دے یا بوجہ نامرد ہونے کے حاکم نکاح فسخ کرے(۱) اور پھر عدت گزر جائے جب دوسرے شخص سے نکاح ہو سکے گا نادری کو یہ حق ہے کہ اپنے شوہر کے نامرد ہونے کی وجہ سے وہ عدالت میں نکاح فسخ کرانے کی درخواست کرے حاکم قاعدہ شرعیہ کے مطابق شوہر کو سال بھر کی مہلت بغرض علاج دے گا(۲) اور سال بھر میں اگر شوہر کی حالت درست نہ ہوئی تو مسماۃ نادری کی دوسری درخواست پر حاکم بعد تحقیقات نکاح فسخ کر دے گا(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

طلاق یا مسلمان حاکم کے ذریعہ نکاح فسخ کرانے کے بعد عورت دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے ورنہ نہیں

(سوال) ایک عورت مسماۃ ہندہ نکاح شدہ ہے اور دو تین بار سسرال بھی ہو آئی ہے بعدہ مسمی زید نے اسے اغوا کر لیا اور مسمی بکر کے ہاتھ مبلغ چار سو روپے کے عوض فروخت کر دیا اب مسماۃ مذکورہ مسمی بکر کے ساتھ تعلق زنا شوئی قائم کرنا نہیں چاہتی بکر کو کہتی ہے کہ طلاق حاصل کر کے میرے ساتھ شرعی طور پر نکاح کر لو اصل واقعہ یہ ہے کہ مسماۃ مذکورہ بکر مذکور کے گھر آباد نہیں ہونا چاہتی اور علی الاعلان کہتی ہے کہ میں مسمی بکر کے گھر آباد نہیں رہوں گی اس میں خواہ میری جان ضائع ہو جائے ڈر ہے کہ وہ کسی دوسرے کے ساتھ اغوا پر جائے یا مسیحیت قبول کر لے اور اپنے ایمان کو ضائع کر دے مزید عرض یہ ہے کہ جس شخص کے ساتھ منکوحہ ہے اس کے گھر آباد ہونا بھی اس کا مشکل ہے صورت حال پر غور فرمائیں تاکہ شرعی طور پر یہ عقدہ حل ہو سکے کہ کسی مسلمان کے ساتھ جائز طور پر نکاح ہندہ مذکورہ کا ہو سکے -

المستفتی نمبر ۲۳۱۶ چودھری غلام احمد ضلع لائل پور

۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۴ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۷۰) شوہر سابق سے طلاق حاصل کرنے یا بذریعہ کسی مسلمان حاکم کے نکاح کو فسخ کرانے

---

(۱) اذا وجدت المرأة زوجها مجبوبا - و فيه المجبوب كالعنين فرق الحاكم بطلبها لو حرة بالغة غير رتقاء و قرناء و غير عالمة بحالة قبل النكاح وغير راضية بعده بينهما في الحال (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب الطلاق باب العنين وغيره ۳/ ۴۹۴'۴۹۵ ط سعيد كراتشي)

(۲) ولو وجدته عنينا هو من لا يصل إلى النساء لمرض او كبر او سحر - اجل سنة لا شماله على الفصول الاربعة ولا عبرة بتأجيل غير قاضي البلدة (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق باب العنين وغيره ۳/ ۴۹۶ ط سعيد كراتشي)

(۳) فان وطئ مرة فيها وإلا بانت بالتفريق من القاضي ان ابى طلاقها بطلبها (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب العنين وغيره ۳/ ۴۹۸ ط سعيد كراتشي - وكذا في الفتاوى الهندية كتاب الطلاق' الباب الثاني عشر في العنين ۱/ ۵۲۲ ط ماجديه كوئته)

کے بعد کسی دوسرے سے نکاح ہو سکتا ہے(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل شانزدہم

تقسیم ہند

میاں بیوی علیحدہ علیحدہ ملک میں ہیں' شوہر بیوی کو نہ طلاق دیتا ہے اور نہ ہی اپنے پاس رکھتا ہے تو تفریق کس صورت میں ہوگی

(سوال) ایک لڑکی کی شادی ہندوستان میں کی گئی اور پھر ہم سب لوگ پاکستان آگئے اور وہ لوگ ابھی تک پاکستان نہیں آئے اور نہ ہی لڑکی کو لے جاتے ہیں اور ہم لوگ چٹھی دیتے ہیں تو وہ لڑکی کو لے جانے کے متعلق کچھ جواب نہیں دیتے۔ المستفتی عبدالشکور

(جواب ۱۷۱) آپ عدالت میں مقدمہ کر کے اس لڑکی کا نکاح فسخ کرالیں(۲) اگر مسلمان جج نکاح فسخ کردے تو وہ کافی ہے اور غیر مسلم جج نکاح فسخ کرے تو پھر مسلمان پنچایت سے بھی فسخ کرالیا جائے(۳) اس کے بعد لڑکی آزاد ہوگی اگر خاوند سے مل چکی ہو تو عدت گزارنی لازم ہوگی اور نہ ملی ہو تو عدت بھی لازم نہ ہوگی (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) اس لئے کہ دوسرے کی منکوحہ سے نکاح کرنا شرعاً جائز نہیں ہے کما قال اللہ تعالیٰ حرمت علیکم امهاتکم و بناتکم واخواتکم - والمحصنات من النساء إلا ما ملکت ایمانکم کتاب اللہ علیکم واحل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین (النساء ۲۳-۲٤) وقال فی الهندیة لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره وکذلك المعتدة کذا فی السراج الوهاج (الفتاوی الهندیة کتاب النکاح' الباب الثالث فی بیان المحرمات' القسم السادس المحرمات التی بها حق الغیر ۱/۲۸۰ ط ماجدیه کوئٹه) وقال فی الرد : واما نکاح منکوحة لغیر و معتدته - فلم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلا (هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الطلاق باب العدة مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ۳/۵۱۶ ط سعید کراتشی)

(۲) دیکھئے الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة' بحث حکم زوجه غائب غیر مفقود ص ۷۷ مطبوعه دار الاشاعت کراچی

(۳) واهله اهل الشهادة اذا نها علی المسلمین (درمختار) وقال فی الرد : وحاصله ان شروط الشهادة من الاسلام والعقل والبلوغ - ومقتضاه ان تقلید الکافر لا یصح وان اسلم - قال فی البحر وبه علم ان تقلید الکافر صحیح وان لم یصح قضاء علی المسلم حال کفره (هامش رد المحتار ' کتاب القضاء ۵/۳۵٤ ط سعید کراتشی) اور جب غیر مسلم حاکم کا فسخ کیا ہوا نکاح غیر معتبر ہے تو مجبوراً مذہب مالکیہ کے مطابق دیندار مسلمانوں کی پنچائت میں معاملہ پیش کرنے کی گنجائش ہے اور پنچایت واقعہ کی تحقیق کر کے شریعت کے موافق حکم کردے تو یہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور اس سے نکاح بھی فسخ ہو جائے گا کما فی الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة' جزء دوم تفریق بین الزوجین بحکم حاکم' مقدمہ دربیان حکم قضائے قاضی در ہندوستان ودیگر ممالک غیر اسلامیہ ص ۳۴ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔

(٤) قال اللہ تعالیٰ یا ایها الذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لکم علیهن من عدة تعتدونها ' فمتعوهن و سرحوهن سراحا جمیلا (الاحزاب : ٤۹)

شوہر تین سال سے دوسرے ملک میں ہے
خبر گیری نہیں کرتا تو اس کی بیوی کیا کرے ؟

(سوال) زید تقسیم سے پہلے دہلی میں رہتا تھا تقسیم کے بعد پاکستان چلا گیا زید کی بیوی اور چار بچے ہیں عرصہ تین سال سے زید نے اپنے بیوی بچوں کی کسی قسم کی خبر گیری نہیں کی خرچ تو خرچ یہاں تک کہ اس نے یہ اطلاع نہیں دی کہ میں وہاں ہوں زید کی بیوی نے بڑی بچی کی شادی کر دی رمضان شریف میں زید کو کسی طرح سے معلوم ہو گیا کہ لڑکی کی شادی کر دی ہے اس پر اس نے اپنی بیوی کو بہت سخت لکھا اور یہاں تک لکھا کہ کبھی پاکستان ہندوستان میں رابطہ ہو گیا تو تجھے قتل کر دوں گا اور یہ بھی یاد رکھنا کہ طلاق نہیں دے سکتا ہوں اس کے جواب میں زید کی بیوی نے لکھا کہ مجھے آکر لے جاؤ زید نے جواب دیا کہ اگر آنا چاہو تو جالندھر کیمپ میں آجاؤ وہاں سے پاکستان کی فوج لے جائے گی اس حالت میں زید کی بیوی کیا کرے اس کی عمر تقریباً تیس سال ہے اس کا کوئی ذریعہ نہیں جس سے گزر بسر کر سکے نہ کوئی ذاتی مکان ہے۔ المستفتی اللہ بخش شیر کوٹ ۲۲ محرم ۱۳۶۹ھ

(جواب ۱۷۲) زید کی بیوی عدالت سے بذریعہ مقدمہ کے نکاح فسخ کرالے اگر عدالت کا غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کر دے تو پھر مسلمان پنچوں سے فسخ کرائے(۱) پھر عدت گزارے تو آزاد ہو جائے گی اور دوسرا نکاح کر سکے گی(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل ہفدہم
غیر مسلم حاکم کا فیصلہ

موجودہ دور حکومت میں حاکم غیر مسلم کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں ؟

(سوال) حکومت موجودہ میں حاکم وقت اگر کسی عورت کو آزادگی کی درخواست دینے پر بغیر رضامندی شوہر حکم آزادگی دیدے تو وہ عقد ثانی کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۷۳) اگر غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کر دے تو عورت آزاد نہ ہوگی اور دوسرا نکاح نہ

---

(۱) دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ' بحث حکم زوجہ غائب غیر مفقود ص ۷۷ ' و بحث تفریق بین الزوجین بحکم حاکم' مقدمہ دربیان حکم قضاء قاضی در ہندوستان و دیگر ممالک غیر اسلامیہ ص ۳۲ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔

(۲) اس لئے کہ کسی کے معتدہ کے ساتھ عدت کے دوران نکاح کرنا صحیح نہیں کما قال فی الرد :اما نکاح منکوحۃ الغیر و معتدتہ. فلم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا (ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق ' باب العدۃ مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ۵۱۶/۳ ط سعید کراتشی)

کر سکے گی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

تیسرا باب
خلع

خلع خاوند اور بیوی کی رضامندی کے بغیر نہیں ہو سکتا

(سوال) ایک عورت نکاح ہونے کے بعد کچھ عرصہ تک شوہر کے پاس رہی اس کے بعد خاوند بیمار ہو گیا اور بدن میں ناسور پڑ گیا اب دو تین سال سے وہ زخم اچھا ہوتا ہے اور پھر بہنے لگتا ہے خاوند نامرد نہیں ہے لیکن کمزوری کی وجہ سے جماع نہیں کر سکتا اگر کرتا ہے تو تکلیف ہوتی ہے اور عورت کو کسی قسم کی تکلیف نہیں کھانا کپڑا اچھی طرح دیتا ہے مگر وہ نکاح فسخ کرانا چاہتی ہے مہر کا عوض بھی عورت کے قبضہ میں ہے اور دینے سے انکار کرتی ہے عورت کی خوشی سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۷٤) جب کہ یہ عورت اپنے خاوند کے پاس رہ چکی ہے اور جماع ووطی بھی ہو چکی اس کے بعد خاوند کو مرض لاحق ہوا تو اب عورت کو فسخ نکاح کا کوئی حق نہیں کیونکہ ایک مرتبہ جماع ہو جانے کے بعد فسخ نکاح کا حق نہیں رہتا۔(۲) ہاں اگر خاوند اور بیوی دونوں رضامندی سے خلع کر لیں تو بہتر ہے اور جب کہ خاوند مجبور ہے تو مستحسن یہی ہے کہ عورت کو ناحق روک کر تنگ نہ کرے (۳) رہا

---

(۱) واهله اهل الشهادة اى ادائها على المسلمين (درمختار) وقال فى الرد : و حاصله ان شروط الشهادة من الاسلام و العقل والبلوغ – شروط لصحة توليته ولصحة حكمه بعدها و مقتضاه ان تقليد الكافر لا يصح وان اسلم – قال فى البحر – و به علم ان تقليد الكافر صحيح وان لم يصح قضاء على المسلم حال كفره (هامش رد المحتار مع الدر المختار كتاب القضاء ٥ / ٣٥٤ ط سعيد كراتشي) ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ مثل غیر معتبر ہے اور اس کے فیصلے سے فسخ وغیرہ بالکل نہیں ہو سکتا اور جہاں قاضی شرعی نہیں وہاں پر وہ حکام جن کے سپرد حکومت کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور جہاں وہ بھی نہ ہوں تو وہاں مسلمانوں کی پنچایت کو بھی کچھ شرائط کے ساتھ نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے تفصیل کے لئے دیکھئے الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة جزدوم تفريق الزوجين بحكم حاكم مقدمہ دربیان قضائے قاضی در ہندوستان وغیرہ مکتبہ اسلامیہ ص ۳۳ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی

(۲) وسقط حقها بمرة و يجب ديانة احيانا (در مختار) وقال فى الرد : صرح اصحابنا بان جماعها احيانا واجب ديانة لكن لا يدخل تحت القضاء والا لزام الا الوطأة الاولى ولم يقدروا فيه مدة (هامش رد المحتار كتاب النكاح باب القسم ٣ / ٢٠٢ سعيد كراتشي)

(۳) قال الله تعالى فان خفتم الا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به تلك حدود الله ولا تعتدوها ومن يتعد حدود الله فاولئك هم الظلمون (البقرة : ٢٢٩) عن ابن عباس ان امرأة ثابت بن قيس اتت النبى ﷺ فقالت يا رسول الله ثابت بن قيس ما اعتب عليه فى خلق ولا دين ولكنى اكره الكفر فى الاسلام فقال رسول الله ﷺ اتردين عليه حديقته قالت نعم قال رسول الله ﷺ اقبل الحديقة و طلقها تطليقة (رواه البخارى فى الجامع الصحيح كتاب الطلاق باب الخلع و كيف الطلاق فيه ٢ / ٧٩٤ ط قديمى كراتشى) وقال فى الدر : لا بأس به عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق (درمختار) وقال فى الرد (قوله للشقاق) اى لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم و فى القهستانى عن شرح الطحاوى السنة اذا وقع بين الزوجين اختلاف ان يجتمع اهلهما ليصلحوا بينهما فان لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع وهذا هو الحكم المذكور فى الآية (هامش رد المحتار مع الدر المختار كتاب الطلاق باب الخلع ٣ / ٤٤١ ط سعيد كراتشى)

معاوضہ اور مہر تو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ دونوں آپس میں جو کچھ طے کر لیں وہ لازم ہو گا(۱) بہتر یہی ہے کہ مہر واپس نہ لیا جائے کیونکہ آخر خاوند اس سے انتفاع بھی حاصل کر چکا ہے - واللہ اعلم

خلع سے عورت پر طلاق بائن واقع ہوتی ہے' اس میں شوہر رجعت نہیں کر سکتا

(سوال) اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے خلع کر لے تو اس صورت میں شوہر مذکور کو عدت کے اندر رجعت کا حق ہے یا نہیں کیا خلع سے طلاق بائن ہوتی ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۵۴۶ حاتم احمد بھکوی فاضل دیوبند (بنگال) ۲۷ شعبان ۱۳۵۸ھ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء

(جواب ۱۷۵) خلع سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے(۲) اس میں رجعت کرنے کا حق نہیں ہوتا البتہ زوجین راضی ہوں تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے (۳) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی**

عورت کی مرضی کے بغیر خلع نہیں ہوتا

(سوال) عمرو نے زینب کو اس مضمون کا ایک پرچہ لکھ دیا کہ " میری بیوی فلانہ بنت فلاں اگر تم اپنا مہر معاف کرو گی تو بعوض مہر میری طرف سے تجھ کو طلاق ہے اگر بعوض مہر طلاق لینا چاہتی ہو تو اس پرچہ پر دستخط کر لینا"

اس کے جواب میں زینب کے ایک رشتہ دار نے زینب کی جانب سے اس مضمون کا ایک پرچہ لکھا کہ " میرے شوہر فلاں بن فلاں میں نے مہر معاف کیا -" پھر اس نے اس پرچہ کو زینب کے سامنے پیش کیا زینب نے پرچہ دیکھتے ہی کہا کہ میں ہر گز مہر معاف نہیں کروں گی نہ دستخط کروں گی اس کے چار گواہ بھی ہیں لیکن اس کے رشتہ دار نے کہا کہ معاف کرو یا نہ کرو مگر عمرو تم کو مہر عمر بھر نہیں دے سکتا لہذا ضرور تم کو دستخط کرنا پڑے گا زینب نے کہا کہ نہ میں طلاق لینا چاہتی ہوں نہ مہر معاف کرتی ہوں خالی تمہارے کہنے سے دستخط کرتی ہوں یہ کہہ کر زینب نے دستخط کر دیئے اب زینب کے حق میں

---

(۱) واذاتشاقا الزوجان وخافا ان لا يقيما حدود الله فلا بأس بان يفتدى نفسها منه بمال يخلعها لقوله تعالى " فلا جناح عليهما فيما افتدت به" فاذا فعل ذلك وقع بالخلع تطليقة بائنة ولزمها المال لقوله عليه السلام الخلع تطليقة بائنة (الهداية كتاب الطلاق باب الخلع ۲ / ٤٠٤ شركة علميه ملتان)

(۲) وحكمه ان الواقع به ولو بلا مال و بالطلاق الصريح على مال طلاق بائن . وقع بائن فى الخلع و رجعى فى غيره درمختار وقال فى الرد (قوله بائن فى الخلع) لانه من الكنايات الدالة على قطع الوصلة فكان الواقع به بائنا (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق باب الخلع ۳ / ٤٤٦ ط سعيد كراتشى)

(۳) اذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجها فى العدة و بعد انقضائها لان حل المحلية باق لان زواله معلق بالطلقة الثالث (الهداية كتاب الطلاق' باب الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة ۲ /۳۹۹ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

حکم شرعی کیا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۶۰۶ مولوی محمد وسیم صاحب مدرس اول مدرسہ عالیہ ریاض العلوم - کانپور
۹ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۸ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۷۶) اس صورت میں طلاق نہ ہوگی بشرطیکہ عورت کا انکار ثابت ہو جائے -(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

خلع سے کون سی طلاق واقع ہوتی ہے' شوہر کو بعوض خلع کس قدر رقم لینی جائز ہے' اور خلع کے بعد اسی عورت سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جون ۱۹۲۷ء

(سوال) (۱) کتنی طلاق دینے کے بعد خلع درست و مکمل ہو جاتا ہے؟ (۲) خلع میں زوجہ سے مہر واپس لینا یا بخشوا لینا درست ہے یا مہر کے سوا دوسرا مال یا کیا لینا درست ہے؟ (۳) خلع کے بعد وہ زوج اسی زوجہ سے بغیر حلالہ نکاح کر سکتا ہے؟ اگر کر سکتا ہے تو کتنی مدت کے اندر؟ (۴) خلع کے بعد کیا زوج اول کو حق ہے کہ وہ اس زوجہ کو برس ڈیڑھ برس کے بعد دوبارہ اپنی زوجیت میں لے لے؟ (۵) اگر لے سکتا ہے تو کتنی مدت تک؟ (۶) اگر خلع میں یہ حق دیا گیا ہے تو خلع سے کیا فائدہ ہوا؟

(جواب ۱۷۷) (۱) جو طلاق کہ مال کے بدلے میں خلع کے عنوان سے دی جائے وہ خلع ہے اس کا حکم طلاق بائن کا ہے(۲) یعنی زوجین کی مرضی سے تجدید نکاح ہو سکتی ہے بغیر زوجہ کی رضامندی کے اس کو دوبارہ نکاح میں لے آنے کا اختیار زوج کو نہیں رہتا (۲) ہاں مہر یا کوئی دوسرا مال جو مہر کے مساوی قیمت رکھتا ہو واپس لینا یا بخشوا لینا درست ہے یہ جب کہ تعدی اور زیادتی زوجہ کی جانب سے ہو ورنہ اتنا بھی لینا مکروہ تحریمی ہے(۳) (۳) ہاں اگر زوجہ رضامندی سے دوبارہ نکاح کرنے پر راضی ہو اور خلع کی صورت طلاق مغلظہ کے ضمن میں واقع نہ ہوئی ہو تو بدون حلالہ دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے اور اس کے لئے کسی زمانے اور مدت کی قید نہیں ہے(۴) (۴) خلع کے بعد زوج دوبارہ نکاح کر سکتا ہے لیکن زوجہ کی رضامندی

(۱) الخلع هو ازالة ملك النكاح المتوقفة على قبولها (درمختار) وقال في الرد (قوله على قبولها) اى المرأة قال في البحر : ولا بدمن القبول منها حيث كان على مال او كان بلفظ خالعتك او اختلعي (هامش رد المحتارمع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب الخلع ۳/ ۴۳۹-۴۴۰ ط سعيد كراتشي)

(۲) وقع طلاق بائن في الخلع و رجعي في غيره (درمختار) وقال في الرد : (قوله بائن في الخلع) لانه من الكنايات الدالة على قطع الوصلة فكان الواقع به بائنا (هامش ردالمحتار مع الدر المختار كتاب الطلاق باب الخلع ۳/ ۴۴۶ ط سعيد كراتشي)

(۳) وكره تحريما اخذ شئ ويلحق به الابراء عما لها عليه ان نشز وان نشزت لا لو منه نشوز ايضا' ولو باكثر مما اعطا ها على الأوجه (درمختار) وقال في الرد (قوله و كره تحريما اخذ شئ) اى قليلا كان او كثيرا والحق ان الاخذ اذا كان النشوز منه حرام قطعا لقوله تعالى " فلا تأخذوا منه شيئا" إلا انه ان اخذ ملكه بسبب خبيث و تمامه في الفتح (هامش رد المحتار' مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب الخلع ۳/ ۴۴۵ ط سعيد كراتشي) (۴) اذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجها في العدة و بعد انقضائها' لان حل المحلية باق لان زواله معلق بالطلقة الثالثة فينعدم قبله (الهداية كتاب الطلاق باب الرجعة فصل فيما تحل به المطلقة ۲/ ۳۹۹ ط شركة علميه ملتان)

کے ساتھ بدوں اس کی رضامندی کے زوج کو یہ حق نہیں کہ اس کو اپنے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور کرے (۵) کوئی مدت معین نہیں مگر زوجہ کی رضامندی شرط ہے (۶) خلع سے زوجہ کو کامل خلاصی مل جاتی ہے وہ چاہے تو دوبارہ نکاح کرے اور نہ چاہے تو اسے خاوند مجبور نہیں کر سکتا(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

چوتھا باب
مرتدہ اور مرتد

مرتد ہو کر دوبارہ مسلمان ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

(سوال) ہندہ نے اپنا مذہب اسلام تبدیل کر کے زید کے نکاح سے باہر ہو گئی اب ہندہ اسلام قبول کرے یا بغیر اسلام قبول کئے زید کے علاوہ کسی دیگر شخص سے بموجب شرع محمدی نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۱۷۸) ایسی عورت مسلمان ہو کر سوائے اپنے خاوند کے جسکے نکاح سے بوجہ مرتد ہو جانے کے نکلی ہے کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی اور قاضی کو اختیار ہے کہ وہ بہت تھوڑے مہر پر اسی خاوند سے زبردستی اس کا نکاح کر دے ۔ **ولو اجرت كلمة الكفر على لسانها مغا بظة لزوجها او اخراجا لنفسها عن حبالته اولا ستيجاب المهر عليه بنكاح مستانف تحرم على زوجها فتجبر على الاسلام ولكل قاض ان يجدد النكاح باد نى شئى ولو بدينار سخطت او رضيت وليس لها ان تزوج الا بزوجها قال الهند وانى اخذبهذا قال ابو الليث و به ناخذ - كذافى التمر تاشى انتهى**(۲) (فتاوی عالمگیری جلد اول ص ۳۶۲)

محض علیحدگی کے لئے مرتد ہوئی پھر مسلمان ہو گئی تو دوسرے مسلمان سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

(سوال) ایک مسلم عورت مرتد ہو گئی اور پندرہ سال سے وہ شادی شدہ تھی وہ اس خیال سے مرتد ہوئی

---

(۱) و حكمه ان الواقع به ولو بلا مال و بالطلاق الصريح على مال طلاق بائن (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب الطلاق باب الخلع ۳ : ٤٤٤ ط سعيد كراتشى) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ خلع سے جو طلاق واقع ہوتی ہے وہ بائن ہوتی ہے اور طلاق بائن میں رجوع کا حق نہیں ہوتا ۔ درست نہیں ۔ ... بغیر اس کی رضامندی کے ... اس کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا کما فى الدر المختار ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ فان استأذنها هو اى الولى وهو السنة (در مختار) وقال فى الرد (قوله وهو السنة) بان زوجها بغير استئمار فقد اخطأ السنة وتوقف على رضاها (هامش رد المحتار مع الدر المختار كتاب النكاح باب الولى ۳ : ۵۸ ط سعيد كراتشى)

(۲) الهندية كتاب النكاح الباب العاشر فى نكاح الكفار ۱ : ۳۳۹ ط ماجدية كوئته)

ہے کہ اپنے خاوند کے نکاح سے الگ ہو جاؤں اور پھر اسلام لا کر کسی دوسرے مرد سے اپنا نکاح کر لوں آیا پہلا نکاح جاتا رہتا ہے یا باقی رہتا ہے اور دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد کسی دیگر غیر خاوند سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟ المستفتی محمد عبدالمجید خان ہوشیار پوری ڈاکخانہ ہڈلہ بارٹہ

(جواب ۱۷۹) مرتد ہو جانے سے پہلا نکاح جاتا رہا لیکن مسلمان ہو کر کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی بلکہ قاضی مجاز جبراً پہلے خاوند کے ساتھ اس کا نکاح کر دے گا- **وارتداد احدهما فسخ عاجل فللمو طوءة كل مهر ها ولغير ها نصفه لوارتد -ولا شئی لوارتدت و تجبر علی الاسلام و علی تجدید النكاح زجرا لها بمهر يسير كدينار و عليه الفتوىٰ ولوالجية**[1]

(در مختار مختصراً)

کفار کی مذہبی رسوم خوشی سے ادا کرنا باعث ارتداد ہے' تجدید ایمان و نکاح کے بعد پہلے والے مسلمان شوہر کے پاس رہ سکتی ہے

(سوال) ایک کافرہ عورت نے مسلمان ہو کر کسی مسلمان سے نکاح کر لیا ایک عرصہ تک ساتھ رہنے کے بعد وہ مسلمان اس عورت کو اپنے نکاح میں چھوڑے ہوئے کہیں چلا گیا چند روز کے بعد یہ عورت ایک کافر کے ساتھ چلی گئی اور انہیں میں رہ کر ہر قسم کے مذہبی رسوم کفریہ ادا کرتی رہی پھر طویل زمانے کے بعد شوہر اول مسلمان واپس آگیا تو یہ عورت پھر مسلمان ہو گئی اب اس عورت کو اس مسلمان زوج کے ساتھ اسی اول نکاح سے رہنا جائز ہے یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے اور استبرائے رحم کی بناء پر عدت گزارنا ہوگا یا نہیں ؟ اور اگر عدت گزارنا ہو تو مسلمان ہوتے ہی فسخ نکاح کا حکم دے کر عدت گزارنا ہوگا یا تین حیض کے بعد نکاح فسخ سمجھ کر اب سے عدت گزارے ہر صورت کو تفصیل سے بیان فرمائیں ؟بینوا توجروا

(جواب ۱۸۰) کفار کی مذہبی رسوم خوشی سے ادا کرنے اور اعمال کفریہ بجالانے سے وہ کافرہ مرتدہ ہو گئی اور زوج مسلم کا نکاح اس کے ساتھ فسخ ہو گیا پھر جب وہ دوبارہ مسلمان ہو گئی تو زوج اول کو تجدید نکاح کر کے اسے رکھنا جائز ہے[2] اور مسلمان ہوتے ہی نکاح کر لینا جائز ہے البتہ اگر حاملہ ہو تو وضع حمل تک مقاربت جائز نہیں کیونکہ حالت ارتداد میں جس کافر کے ساتھ وہ رہی ہے یا تو اس نے اس مرتدہ سے نکاح کیا ہوگا یا محض زنا کاری کرتا ہوگا اور دونوں صورتوں میں اس پر عدت یا استبراء واجب نہیں نکاح کرنے کی صورت میں اس لئے کہ حالت ارتداد کا نکاح صحیح نہیں اور جب نکاح صحیح نہیں ہوا تو

---

(۱) الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب النكاح' باب نكاح الكافر ۳/ ۱۹۴ ط سعيد كراتشی

(۲) وصح نكاح حبلى من زنى لا حبلى من غيره اى الزنا لثبوت نسبه ولو من حربى (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب النكاح' فصل فی المحرمات ۳ / ۴۸ ط سعيد كراتشی)

یہ صورت اور محض زنا کی صورت برابر ہو گئی اور زنا کی شریعت میں کوئی عدت نہیں اسی لئے حاملہ من الزنا سے نکاح کرنا جائز ہے پس زوج اول اس عورت سے مسلمان ہوتے ہی نکاح کر سکتا ہے ان تمام امور کے دلائل یہ روایات فقہیہ ہیں - قال فی الدر المختار فی بیان حکم تصرفات المرتد و یبطل منه اتفاقا ما یعتمد الملة وهی خمس النکاح والذبیحة الخ انتهی - و فی رد المحتار قوله ما یعتمد الملة ای ما یکون الا عتماد فی صحة علی کون فاعله معتقد املة من الملل ای والمرتد لا ملة له اصلا لا نه لا یقر علی ما انتقل الیه (۱) انتهی مختصراً - ثم قال قوله النکاح ای ولو لمرتدة مثله انتهی - و فیه فی موضع اخر وان لحقت بدار الحرب کان لزوجها ان یتزوج اختها قبل ان تنقضی عدتها الی قوله وان عادت مسلمة کان لها ان تتزوج من ساعتها- اه (۲) واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرس مدرسہ امینیہ' دہلی (الجواب صحیح - محمد انور عفااللہ عنہ - محمد اعزاز علی غفرلہ - شبیر احمد عفااللہ عنہ - اصغر حسین عفی عنہ - عبدالسمیع عفی عنہ - سراج احمد رشیدی عفی عنہ - اشرف علی - ۲۹ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ)

نو مسلمہ سے نکاح کیا' پھر وہ مرتدہ ہو گئی' دوبارہ مسلمان ہو کر کسی دوسرے مسلمان سے شادی کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) زید نے ایک غیر مسلمہ سے جسے روبروئے حاضرین مجلس عقد میں مسلمان برضا و رغبت کر کے بذریعہ وکیل و شاہد و عاقد نکاح و چند اشخاص خانہ خدا میں نکاح پڑھا جس کی تصدیق وکیل و ہر دو شاہد و عاقد بھی کرتے ہیں اور تخمیناً ۴ سال ہمراہ بھی رہی اور دو اولاد بھی ہوئی کچھ دنوں سے اس عورت کو اس کی ہمشیرہ غیر مسلمہ بھکا پھسلا کر لے بھاگی اب وہ اس کے سمجھانے سے انکار کرتی ہے کہ میں نہ ہی مسلمان ہوئی تھی اور نہ ہی نکاح کیا تھا کچھ دن نہیں گزرے کہ اس نے ایک مسلمان سے نکاح کر لیا اور وہی ہمارا قدیمی نام رکھا ہوا ابھی بحال رکھا شرعاً اس عورت کا نکاح ثانی صحیح ہے یا زید کا ؟ بینوا توجروا

(الجواب) وهو الموفق للصدق والصواب - الحمد لله وحده والصلوٰة علی من لانبی بعده (از مولوی عبدالجلیل سامرودی) اما بعد - عورت مذکورہ چونکہ مسلمان کر لی گئی تھی بالخصوص مجمع میں اس لئے اس کے بوقت عقد نکاح اسلام ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں جب اسلامی ہونا اس کا متحقق ہو گیا تو اب زید سے شرعی نکاح ہونے میں کسی قسم کی بندش نہیں جب زید کا نکاح بحضور وکیل عورت و دو شاہد و نکاح خوان مجمع میں پڑھایا گیا شرعاً نکاح زید کا صحیح و درست ہوا اصول نظائر شرعی محمدی کے باب نمبر ۷ دفعہ نمبر ۲ میں ہے کہ جس کو ولیم مگناٹن نے لکھا ہے کہ عقد نکاح کے لئے ایجاب و قبول کا ہونا ضروری ہے دفعہ نمبر ۱ میں لکھا ہے کہ نکاح سے وہ عقد مراد ہے جو واسطے توالد و تناسل

---

(۱) هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الجهاد' باب المرتد ٤/٢٤٩ ط سعید کراتشي-
(۲) هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الجهاد' باب المرتد ٤/٢٥٣ ط سعید کراتشي-

کے عمل میں آئے - دفعہ ۳ میں ہے کہ عقد کے واسطے گواہوں کا ہونا ضروری ہے اور ایجاب و قبول ایک وقت میں ہونا چاہئیے دفعہ نمبر ۴ میں ہے کہ جو گواہ عقد نکاح کی نسبت ہوں ان میں چار صفات کا ہونا ضروری ہے یعنی آزادی' عقل' بلوغ' اور دین محمدی سے ہونا اس نکاح میں یہ سب باتیں موجود ہیں' جو دفعات مذکورہ میں مسطور ہیں لہذا زید کا نکاح شرعاً صحیح ہے مسماۃ نو مسلمہ کا بلا طلاق شرعی زید کسی دوسرے سے نکاح درست نہیں منکوحہ غیر سے نکاح کرنا کرانا شرعاً حرام ہے - واللہ اعلم بالصواب - حررہ بقلمہ و قالہ بفمہ العاجز ابو عبدالکبیر محمد الشہیر بعبدالجلیل السامرودی کان اللہ لہ' - محرم ۱۳۴۸ھ

(جواب ۱۸۱) از مفتی اعظم - ھوالموفق - اگر نو مسلمہ مذکورہ مسلمان ہونے کے وقت کسی کی منکوحہ نہ تھی تو مسلمان کرنے کے بعد اسی مجلس میں اس کا نکاح زید سے صحیح و درست ہو گیا تھا لیکن اگر وہ کسی کی منکوحہ تھی تو یہ نکاح ہی بدون انقضائے عدت کے درست نہیں ہوا کیونکہ جس کے نکاح میں تھی اس پر اسلام پیش کرنا یا اس کو عورت کے اسلام لانے کی خبر پہنچنا اور اس کا اسلام نہ لانا زوجین کے نکاح کو فسخ کرنے کے لئے ضروری تھا(۱) اور جب زوج کافر کے اسلام نہ لانے پر فسخ نکاح کا حکم کیا جاتا تو اس وقت عورت مسلمان ہو چکی ہوتی اور اس پر بحق اسلام عدت گزارنی واجب ہوتی(۲) جب عدت گزر جاتی جب کسی مسلمان سے نکاح درست ہوتا یہ تو پہلے نکاح کا حکم ہوا جو زید کے ساتھ ہوا تھا -

اس کے بعد جب وہ عورت ایک عرصے تک مسلمان رہنے کے بعد اپنی بہن کافرہ کے بھکانے پھسلانے سے اپنے اسلام لانے اور نکاح کرنے سے منکر ہو گئی تو اگر یہ انکار مطلقاً اسلام لانے سے تھا تو اس کا مطلب ظاہر ہے کہ وہ انکار کے وقت اپنے کفر کی مدعی تھی یعنی یہ کہ میں مسلمان نہیں ہوئی ہوں اور اس وقت بھی کافرہ ہوں تو اس کے اس قول سے وہ کافرہ مرتدہ ہو گئی اور زید کا نکاح جو اس سے اس کے اسلام لانے کے بعد ہوا (بر تقدیر صحت بھی) جاتا رہا اور فسخ ہو گیا(۳) اور جب اس کے بعد پھر تجدید اسلام کرنے کے بعد اس نے کسی شخص سے نکاح کیا ہے تو وہ نکاح درست ہو گیا(۴) ہاں اگر وہ اسلام لانے سے

---

(۱) واذا اسلم احد الزوجين المجوسين او مرأة الكتابي عرض الاسلام على الآخر فان اسلم فبها والا بان أبى او سكت فرق بينهما - والا صل ان كل من صح منه الاسلام إذا اتى به صح منه الا باء اذا عرض عليه (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب النكاح' باب نكاح الكافر ۳/۱۸۸ ط سعيد كراتشي)

(۲) واذا اسلم احد الزوجين في دار الحرب ولم يكونا من اهل الكتاب او كانا و المرأة هي التي اسلمت فانه يتوقف انقطاع النكاح بينهما على مضي ثلاث حيض سواء دخل بها او لم يدخل بها كذا في الكافي (الفتاوى الهندية' كتاب النكاح' الباب العاشر في نكاح الكفار ۱/۳۳۸ ط ماجدیه کوئٹه)

(۳) وارتداد احدهما اى الزوجين فسخ عاجل بلا قضاء (در مختار) وقال في الرد (قوله بلا قضاء) اى بلا توقف على قضاء القاضي وكذا بلا توقف على مضي عدة في المدخول بها كما في البحر (قوله ولو حكما) اراد به الخلوة الصحيحة (هامش رد المحتار مع الدر المختار ' كتاب النكاح باب نكاح الكافر ۳/۱۹۲ ط سعيد كراتشي)

(۴) یہ اس وقت ہے جب کہ عورت خاوند سے علیحدگی اختیار کرنے کے لئے مرتدہ کافرہ ہوئی ہو اور اگر عورت محض (جاری ہے)

انکار نہ کرتی صرف زید کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کرتی تو مرتدہ نہ ہوتی اور اسکا دوسرا نکاح درست نہ ہوتا مگر اسلام لانے سے انکار کرنے کی صورت میں جواب مذکورہ بالا درست نہیں ہے- واللہ تعالیٰ اعلم

محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ دہلی

تین طلاق کے بعد اگر عورت مرتد ہو جائے 'تو حلالہ ساقط نہیں ہوتا

(سوال) زید نے اپنی بیوی جمیلہ کو طلاق مغلظہ دی جمیلہ مطلقہ کو بہت ملال ہوا اور مرتد ہو کر ہندو مذہب قبول کر لیا جب اس کے وارثوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے سمجھایا بجھایا اور جمیلہ توبہ کر کے پھر مسلمان ہو گئی اور اپنے شوہر مذکور زید کو راضی کر کے بعد گزارنے مدت طلاق بغیر حلالہ نکاح اپنا زید مذکور سے کر لیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں ؟ محمد محسن کوکری ضلع مونگھیر

(جواب ۱۸۲) مرتد ہو جانے سے حلالہ ساقط نہیں ہوا اس کو لازم تھا کہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرتی پہلے خاوند سے جس نے اس کو تین طلاقیں دی تھیں بغیر حلالہ کے نکاح جائز نہیں تھا(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مطلقہ ثلاثہ اگر مرتدہ ہونے کے بعد پھر مسلمان ہو جائے تو پہلا شوہر بغیر حلالہ کے نکاح نہیں کر سکتا

(سوال) زن مطلقہ اگر بعد طلاق مرتدہ ہو جائے اور پھر اسلام لائے تو بغیر تحلیل شوہر اول کے لئے درست ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۸۳) زید مطلقہ ثلاث اگر مرتدہ ہو جائے اور پھر اسلام لائے تو زوج اول بغیر تحلیل نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ ارتداد سے حکم طلاق باطل نہیں ہوتا- **فلا یحلها وطی المولی ولا ملک امة بعد**

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) خاوند سے علیحدہ ہونے کی وجہ سے مرتدہ ہوئی اور کفر کو اختیار کیا تو ایسی حالت میں اس عورت کو جبراً مسلمان کر کے شوہر اول سے ہی اس کا نکاح کیا جائے گا لیکن یہ اس وقت ہے جب پہلا شوہر اس کا طالب ہو اور اگر وہ خاموش ہے یا صراحتاً اس کو چھوڑ رہا ہے تو پھر عورت کسی شخص سے نکاح کر سکتی ہے 'کما فی الدر المختار وارتدت لمجی الفرقة منها قبل تاکده - و صرحوا بتعزیر ها خمسة و سبعین و تجبر علی الاسلام و علی تجدید النکاح زجر لها بمهر یسیر کدینار وعلیه الفتوی ولوالجیة (درمختار) وقال فی الرد (قوله و علی تجدید النکاح) فلکل قاض ان یجدده بمهر یسیر ولو بدینار رضیت ام لا و تمنع من التزوج بغیره بعد اسلامها ولا یخفی ان محله ما اذا طلب الزوج ذلك اما لو سكت او تركه صریحا فانها لا تجبر و تزوج من غیره لانه ترك حقه (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۳ ۱۹٤ ط سعید کراتشی)

(۱) ولو ارتدت المطلقة ثلاثا ولحقت بدار الحرب ثم استرقها او طلق زوجته الامة ثنتین ثم ملکها ففی هاتین لا یحل له الوطء الا بعد زوج آخر كذا فی النهر الفائق (الهندیة' کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعة' فصل فیما تحل به المطلقة وما یتصل به ۱ ٤۷۳ ط ماجدیه کوئٹه)

طلقتين اوحرة بعد ثلاث و ردة و سبى (درمختار) لو طلقها ثلاثا و هى حرة فارتدت ولحقت بدار الحرب ثم سبيت و ملكها لا يحل له و طيها بملك اليمين حتى يزوجها فيدخل بها الزوج ثم يطلقها كما في الفتح (ردالمحتار) نظيره من فرق بينهما بظهار او لعان ثم ارتدت و سبيت ثم ملكها لم تحل له ابدا (درمختار) وجه الشبه بين المسئلتين ان الردة واللحاق والسبى لم تبطل حكم الظهار واللعان كما لم تبطل حكم الطلاق انتهى (ردالمحتار) قلت ولما لم تحل المطلقة الثلاث بعد الردة واللحاق بملك الرقبة فلان لا تحل بملك النكاح اولى (۱) واللہ تعالیٰ اعلم كتبہ الراجی رحمتہ مولاہ محمد كفایت اللہ غفر لہ‘ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی - مہر دارالافتاء مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی

کلمہ کفر کہنے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے

(سوال) اگر مسلمان کلمہ کفر کہنے سے کافر ہو گیا مگر چند منٹ یا چند گھنٹے کے بعد تائب ہو گیا اس کا نکاح ٹوٹ گیا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۶۷۔۷ ۲ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۸۴) اگر مسلمان کسی کلمہ کفر یا کسی فعل کی وجہ سے مرتد ہو جائے تو خواہ کتنی ہی جلدی توبہ کر کے اسلام میں واپس آجائے اس پر تجدید نکاح لازم ہوگی کیونکہ مرتد ہوتے ہی نکاح فسخ ہو جاتا ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘

شوہر نے قادیانی مذہب اختیار کر لیا‘ تو نکاح فوراً فسخ ہو گیا

(سوال) ایک شخص نے نکاح کیا جس کو عرصہ دس سال کا ہوا اس وقت سے نہ اپنی بیوی کی طرف رجوع ہے نہ نان نفقہ دیتا ہے جبھی سے بیوی اپنے والدین کے گھر بیٹھی ہوئی ہے اور وہ قادیانی مذہب بھی اختیار کر چکا ہے - المستفتی نمبر ۱۶۹ منشی محمد حسین ضلع گورداسپور ۷ رمضان ۱۳۵۲ھ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۸۵) اس صورت میں عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں درخواست دیکر عدم وصولی نفقہ اور خاوند کے تبدیل مذہب کی بناء پر نکاح فسخ کرالے اور حاکم ارتداد زوج کی وجہ سے نکاح فسخ کر سکتا ہے بعد حصول حکم فسخ عدت گزار کر (اگر خلوت ہو چکی ہو) یا بغیر عدت (اگر اب تک یکجائی کی

---

(۱) هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب الرجعة ۳/ ٤١٢ ط سعيد كراتشى

(۲) وارتداد احدهما اى الزوجين فسخ عاجل بلا قضاء (درمختار) وقال فى الرد (قوله بلا قضاء) اى بلا توقف على قضاء القاضى وكذا بلا توقف على مضى عدة فى المدخول بها كما فى البحر (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب النكاح' باب نكاح الكافر ۳/ ۱۹۳ ط سعيد كراتشى)

نوبت ہی نہ آئی ہو) دوسرا نکاح ہو سکے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اللہ اور رسول کا انکار باعث ارتداد ہے' نکاح فسخ ہو جاتا ہے

(سوال) ایک شادی شدہ عورت صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع کے پاس ایک درخواست پیش کرتی ہے اور اس میں لکھتی ہے کہ میں خدا کی وحدت اور رسول علیہ ﷺ کی رسالت سے انکار کرتی ہوں مجھے نہ خدا کی وحدت پر ایمان ہے' نہ رسول کی رسالت پر۔ آیا اس کے مندرجہ بالا الفاظ کہنے سے اس کا نکاح شرعی اور قانونی طور پر تنسیخ ہو جاتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ٨٧٢ غلام رسول طاہر عباسی (جالندھر) ٢٣ محرم ١٣٥٣ھ م ٨ مئی ١٩٣٤ء

(جواب) (از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی) یہ عورت مرقومہ بالا بیشک کافرہ و مرتدہ ہو گئی ہے اس کا نکاح فسخ ہو گیا ہے شرعاً و قانوناً اگر یہ عورت تجدید اسلام کرے گی تو اپنی حسب منشاء دوسرے شخص کے ساتھ نکاح اسلامی حکومت میں نہیں کر سکے گی بلکہ جبراً پہلے شوہر کے ساتھ دوبارہ پڑھا دیا جائے گا فقط واللہ اعلم۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

(جواب ١٨٦) (از حضرت مفتی اعظم) اس صورت میں عورت مرتدہ ہو گئی اور ارتداد سے نکاح فسخ ہو جانے کا حکم راجح اور قوی ہے اس لئے اس کا نکاح تو فسخ ہو گیا(١) اور چونکہ غیر مسلم حکومت کے غیر اسلامی قانون کی وجہ سے مسلمان مجبور ہیں کہ ایسی عورت کو کوئی زجر یا تنبیہ نہیں کر سکتے اس لئے اب اگر یہ عورت بعد میں تجدید اسلام کر کے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لے تو اس سے تعرض کرنے کی(٢)

---

(١) اس صورت میں جس وقت مرد نے قادیانی مذہب اختیار کر لیا تو اسی وقت اس کا نکاح فسخ ہو گیا اور فسخ نکاح کے لئے قضائے قاضی ضروری نہیں ہے اگر عورت مدخولہ ہے تو بعد مدت گزارنے کے دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے اور اگر مدخولہ و موطوءہ نہیں ہے تو بغیر مدت گزارنے کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے کما فی الدر المختار : و ارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء فللموطوء ة کل مهر ها ولغیر ها نصفه لو ارتد و علیه نفقة العدة (درمختار) وقال فی الرد (قوله بلا قضاء) ای بلا توقف علی قضاء القاضی وکذا بلا توقف علی مضی عدةفی المدخول بها کما فی البحر (قوله علیه نفقة العدة) ای لومد خولا بها اذ غیر ها لا عدة علیها وافاد وجوب العدة سواء ارتدا وارتدت بالحیض او با لا شهر لوصغیرة او آیسة او بو ضع الحمل کما فی البحر (هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب النکاح' نکاح الکافر ٣/١٩٣ ط سعید کراتشی) لیکن جواب مذکورہ میں حضرت مفتی اعظم نے عورت کو کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں درخواست دیکر عدم وصول نفقہ اور خاوند کے تبدیلی مذہب کی بناء پر نکاح فسخ کرانے کا جو حکم دیا ہے وہ قانونی مواخذہ سے بچنے کے لئے ہے کہ بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرا لیا جائے ورنہ شرعاً فسخ کرانے کی کوئی ضرورت نہیں کما مر فی عبارة الدر المختار و رد المحتار –

(٢) وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء (در مختار) وقال فی الرد (قوله بلا قضاء) (ای بلا توقف علی قضاء القاضی وکذا بلا توقف علی مضی عدة فی المدخول بها کما فی البحر (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب النکاح باب نکاح الکافر ٣/١٩٣ ط سعید کراتشی)

(٣) ولیس للمراة التزوج بغیر زوجها به یفتی (درمختار) وقال فی الرد (وظاهره ان لها التزوج بمن شاء ت (هامش رد المحتار مع الدر المختار 'کتاب الجهاد' باب المرتد ٤/٢٥٣ ط سعید کراتشی)

کوئی صورت نہیں ورنہ اسلامی حکومت ہوتی تو اس کو پہلے خاوند سے ہی نکاح کرنے پر مجبور کیا جاتا(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسلمان میاں بیوی مرزائی ہو گئے پھر دوبارہ مسلمان ہو گئے تو دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟

(سوال) ایک شخص پہلے اہل سنت والجماعت تھا پھر مرزائی عقائد کا پابند ہو گیا تھا اب وہ پھر اہل سنت والجماعت میں شامل ہونا چاہتا ہے اس کی بیوی اس کے عقائد کی پابند رہی اب اس کو دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۳۱۲ علی حسین امروہوی (دہلی)

۲۹ صفر ۱۳۵۳ھ م ۱۳ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۸۷) اگر وہ شخص سچے دل سے توبہ کرے اور اقرار کرے کہ مرزائی عقیدہ غلط اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوے جھوٹے تھے اور ان دونوں فریق لاہوری اور قادیانی گمراہ ہیں میں دونوں سے بیزار ہوں تو وہ اہل سنت والجماعت میں شامل ہو سکتا ہے اگر شوہر اور بیوی ایک ہی وقت میں ساتھ ساتھ قادیانی یا احمدی ہوئے تھے اور پھر ایک ہی وقت میں دونوں نے توبہ کی ہو جب تو ان کے نکاح کی تجدید لازم نہیں ہے اور وہ اپنے سابقہ نکاح پر رہ سکتے ہیں(۲) لیکن اگر قادیانی یا احمدی ہونے میں تقدم و تاخر ہوا ہے یا توبہ کرنے اور واپس آنے میں آگے پیچھے ہو گئے ہیں تو نکاح کی تجدید بھی لازم ہو گی(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عورت محض خاوند سے علیحدہ ہونے کی وجہ سے مرتد ہو گئی تو مسلمان ہو کر دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) اگر کوئی مسلمہ عورت اپنے شوہر کے یہاں نہیں رہنا چاہتی اور دوسرے مسلمان شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے اور اس غرض سے مذہب اسلام چھوڑ کر مذہب نصرانیت کو قبول کر لے اور شوہر کو

---

(۱) ولو ارتدت لمجئ الفرقة منها قبل تاكده - وصرحوا بتعزيرها خمسة و سبعين و تجبر على الاسلام و على تجديد النكاح زجرا لها بمهر يسير كدينار و عليه الفتوىٰ ولو اللجية (درمختار) وقال في الرد (قوله و على تجديد النكاح) فلكل قاض ان يجدده بمهر يسير ولو بدينار رضيت ام لا و تمنع من التزوج بغيره بعد اسلامها ولا يخفى ان محله لما اذا طلب الزوج ذلك اما لو سكت او تركه صريحا فانها لا تجبر و تزوج من غيره لانه ترك حقه (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب النكاح' باب نكاح الكافر ۳/ ۱۹۴ ط سعيد كراتشي)

(۲) و بقي النكاح ان ارتدا معا بان لم يعلم السبق فيجعل كالغرقى ثم اسلما كذلك استحسانا (الدرالمختار مع هامش رد المحتار' كتاب النكاح' باب نكاح الكافر ۳/ ۱۹۶ ط سعيد كراتشي)

(۳) و فسدان اسلم احدهما قبل الآخر (در مختار) وقال في الرد (قوله و فسد الخ) لان ردة احدهما منافية للنكاح ابتداء فكذا بقاء نهر (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب النكاح' باب نكاح الكافر ۳/ ۱۹۶ ط سعيد كراتشي)

اطلاع دیدے کہ میں اب تمہارے نکاح میں نہیں رہی تو اس صورت میں نکاح باقی رہا یا نہیں اور یہی عورت کچھ عرصہ کے بعد یہ اعلان کردے کہ میں پھر مسلمان ہو گئی اور اس شخص سے نکاح کرے جس سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو یہ دوسرا نکاح درست ہو گا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۴۰۰ احمد حسین صاحب سہارنپور - ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ ۲۶ ستمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۸۸) مرتد ہونے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے(۱) اور تجدید اسلام کے بعد اگر وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے تو نکاح صحیح ہو جائے گا(۲) اگر اسلامی حکومت ہوتی تو عورت سداً للباب پہلے خاوند سے نکاح کرنے پر مجبور کی جاسکتی تھی(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب ۴۶۸ دیگر ۱۸۹) ارتداد سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے(۴) بعض فقہاء نے زجراو سداً للباب یہ حکم دیا تھا کہ مرتدہ کو مجبور کیا جائے کہ وہ پہلے خاوند سے ہی نکاح کرے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے کی اجازت نہ دی جائے(۵) لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ قوت اسلامی حکومت کے ہاتھ میں ہو سکتی ہے اور وہ مفقود ہے اس لئے یہ زجر عمل میں نہیں آسکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

۲۰ محرم ۱۳۵۶ھ م ۲۵ اپریل ۱۹۳۷ء

شوہر یا بیوی کے مرتد ہونے سے نکاح فوراً فسخ ہو جاتا ہے

(سوال) زید مذہب اسلام چھوڑ کر آریہ عیسائی مجوسی مذہب اختیار کرلیتا ہے تو کیا زید مرتد ہو جاتا ہے ؟ اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے باہر ہو جاتی ہے ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرتد کی عورت جو ہنوز مذہب اسلام کی پابند ہے مرتد کے نکاح سے باہر نہیں ہوتی اور وہ اپنی مسلمہ عورت سے تعلقات زوجیت قائم رکھ

---

(۱) وارتداد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقة بغیر طلاق فی الحال قبل الدخول و بعده (الفتاوی الھندیة کتاب النکاح' الباب العاشر فی نکاح الکفار ۱/۳۳۹ ط ماجدیه کوئٹه)

(۲) ظاھرہ ان لھا التزوج بمن شاء ت (ھامش رد المحتار مع الدرالمختار' کتاب الجھاد' باب المرتد ٤/۲۵۳ ط سعید کراتشی)

(۳) ولیس للمرتدة التزوج بغیر زوجھا به یفتی (درمختار) وقال فی الرد : ولکن حکموا بجبر ھا علی تجدید النکاح مع الزوج و بضرب خمسة و سبعین سوطا و اختارہ قاضی خان للفتوی (ھامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الجھاد' باب المرتد ٤/۲۵۳ سعید کراتشی)

(٤) وارتداد احدھما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء (درمختار) وقال فی الرد (قوله بلا قضاء) ای بلا توقف علی مضی عدة فی المدخول بھا کما فی البحر (قوله و لو حکما) اراد به الخلوة الصحیحة (ھامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۳/۱۹۳ ط سعید کراتشی)

(۵) لو ارتدت لمجئ الفرقة — و صرحوا بتعزیر ھا خمسة و سبعین و تجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح زجرا لھا بمھر یسیر کدینار و علیه الفتوی ولو الجیة(درمختار) وقال فی الرد (قوله و علی تجدید النکاح) فلکل قاض ان یجدد ہ بمھر یسیر ولو بدینار رضیت ام لا و تمنع من التزوج بغیر ہ بعد اسلامھا (ھامش رد المحتار' مع الدر المختار' کتاب النکاح' نکاح الکافر ۳/۱۹٤ ط سعید کراتشی)

سکتا ہے اسی طرح اگر عورت مرتد ہو جائے تو وہ بھی مسلمان شوہر کے نکاح سے خارج نہیں ہوتی اور شوہر اس سے تعلقات زوجیت قائم رکھنے میں زنا کا مرتکب نہ ہو گا کیا یہ صحیح ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۸۶ حکیم تاج محمد (ناگپور) ۱۹ رمضان ۱۳۵۴ھ م ۱۶ دسمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۹۰) زید دین اسلام چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنے سے مرتد ہو گیا مرتد ہوتے ہی اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی(۱) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مرتد کی عورت جو مسلمان ہے مرتد کے نکاح میں ہے اور خاوند اس سے حقوق زوجیت ادا کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے وہ جاہل اور احکام شریعت سے ناواقف ہیں مرتد اپنی اولاد پر اور زوجہ مسلمہ پر کوئی دعویٰ نہیں رکھتا- عورت اگر مرتد ہو جائے تو وہ بھی شوہر کے نکاح سے نکل جاتی ہے(۲) مگر شوہر اتنا حق رکھتا ہے کہ اگر حکومت اسلام ہو تو عورت کو اسلام لانے اور اسی شوہر سے دوبارہ نکاح کرنے پر مجبور کیا جاتا(۳) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسلمان شوہر اپنی مرتدہ بیوی سے تعلقات زناشوئی رکھ سکتا ہے ان کے قول کی صحت کے لئے یہی محل ہے-

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شوہر کے ظلم کی وجہ سے عورت عیسائی ہو گئی' پھر مسلمان ہو کر کسی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) زید نے اپنی نو سالہ لڑکی کا نکاح عمرو کے ساتھ کر دیا نکاح کے بعد لڑکی صرف دو روز اپنے شوہر کے ہاں رہی پھر آپس کی رنجشوں کی وجہ سے دو برس تک اپنے والدین کے گھر رہی اس کے بعد اس نے اپنے والدین کو مجبور کیا کہ اس کا فیصلہ کرا دیں کیونکہ وہ خاوند کے گھر نہیں جانا چاہتی تھی مقدمہ عدالت تک پہنچا خاوند نے مہر ادا کر دیا مگر طلاق دینے سے انکاری ہے نہ اس کو بلا کر اپنے پاس رکھتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی ایک دوسرے شخص کے ساتھ فرار ہوئی اور دو برس تک مفقود رہی پھر لڑکی کے والدین نے اس کا پتہ لگایا اور اپنے گھر لے آئے مگر پھر بھی اس کا کچھ فیصلہ نہیں کیا گیا نہ خاوند اس کو اپنے گھر لے گیا موقع پا کر لڑکی دوبارہ فرار ہو گئی اور تین سال غائب رہنے کے بعد عیسائی مذہب اختیار کر لیا اب لڑکی مسلمان ہونا چاہتی ہے اور کسی مسلمان سے نکاح کرنا چاہتی ہے کیا یہ نکاح ہو سکتا ہے ؟ کیا پہلا

---

(۱) وارتداد احد الزوجين عن الاسلام وقعت الفرقة بغير طلاق - (الهداية ' كتاب النكاح' باب نكاح اهل الشرك ۲/ ۳٤۸ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) وارتداد احدهما اى الزوجين فسخ عاجل بلا قضاء (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب النكاح' باب نكاح الكافر ۳/۱۹۳ ط سعيد كراتشي)

(۳) وليس للمرتدة التزوج بغير زوجها به يفتي (درمختار) وقال في الرد (قوله و ليس للمرتد التزوج بغير زوجها) و تجبر على الاسلام و ان عادت مسلمة كان لها ان تتزوج من ساعتها- لكن حكموا بجبر ها على تجديد النكاح مع الزوج و يضرب خمسة و سبعين سوطا و اختاره قاضي خان للفتوى(هامش رد المحتار مع الدرالمختار' كتاب الجهاد ' باب المرتد ٤/۲۵۳ ط سعيد كراتشي

خاوند اب بھی اس کا حقدار ہو سکتا ہے ؟ اگر لڑکی عیسائی ہی رہے اور کوئی مسلمان اس سے نکاح کر لیں تو درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۰۰۸ حبیب الرحمٰن (دہلی) ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۱ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۹۱) اسلام لانے کے بعد جس مسلمان سے یہ نکاح کرلے گی نکاح درست ہو جائے گا- کیونکہ ارتداد سے پہلا نکاح فسخ ہو چکا ہے (۱) اگر یہ عیسائی رہے تو اس کا نکاح کسی مسلمان سے درست نہیں ہوگا کیونکہ مرتدہ کا نکاح کسی مسلمان سے نہیں ہو سکتا (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

خود کو کافر اور مرتد کہنا باعث ارتداد ہے ' نکاح فسخ ہو جاتا ہے

(سوال) ایک عورت کافرہ کو مجمع عام میں مسلمان بنایا گیا بعد ازیں زید مسلم کے ہمراہ اسی مسجد میں نکاح پڑھا دیا گیا یہ عورت بحالت کفر کسی کے نکاح میں تھی مگر اسلام سے چھ ماہ قبل اس عورت کی باقاعدہ ان کی جماعت میں طلاق ہو گئی تھی عین وقت اسلام وہ کسی کے بھی نکاح میں نہ تھی بعد اسلام باقاعدہ شرعی نکاح زید سے پڑھایا گیا اس وقت اس کی عمر تخمیناً بیس سال کی تھی عورت تخمیناً ۴ سال اسلامی شوہر کے ہمراہ رہی ہی اور اولاد بھی ہوئیں اسلامی نام اس عورت کا سکینہ رکھا گیا تھا گردش زمین سے ایک دوسرے مسلمان نے اس سے ناجائز تعلق پیدا کرنے کی غرض سے اس کی بہن کافرہ کو ورغلایا اس نومسلمہ کو اس کی بہن کافرہ کی وساطت سے بھکا ور غلا کر زید کے یہاں سے نکلوا لے گیا زید نے اس بھگا لے جانے والے پر مقدمہ دائر کیا بھگانے اور ناجائز تعلق پیدا کرنے پر عورت کو صرف صغیر بچوں کی خاطر مدعا علیہ نہیں بنایا گیا بلکہ اسے شہادت کے لئے چالیا گیا مگر عورت نے عدالت میں موجودہ مصلحت وقت دیکھ کر زبان سے کہہ دیا کہ یہ مجھے بھگا نہیں لے گیا تھا اور نہ ہی اس نے مجھ سے بد فعلی کی زید کے نکاح میں ' میں نہیں ہوں اور نہ ہی میں مسلمان ہوئی ہوں اس کے اسلام کے ثبوت عدالت کو کافی سے زیادہ پہنچایا گیا بلکہ خود اس نے فوجدار شہاب الدین صاحب کے روبرو اپنے اسلام کی شہادت دی ہے کورٹ نے شخص مذکور کو صرف اس کے اس زبانی بیان کی بناء پر کہ وہ بھگا کر نہیں لے گیا ہے اور نہ ہی بد فعلی کی ہے رہا کر دیا تھا شخص مذکور چند اشخاص کے ہمراہ اس عورت کو نائب قاضی کے مکان پر لے گیا اور کہا اس کو مسلمان کر کے نکاح پڑھا دیجئے نائب قاضی نے اس عورت سے دریافت کیا کہ تیرا نام کیا ہے اس نے کہا کہ میرا نام سکینہ ہے نائب قاضی کو شبہ ہوا یہ لوگ مسلمان کر کے نکاح

---

(۱) ارتداد احد الزوجین عن الاسلام وقفت الفرقة بغير طلاق في الحال قبل الدخول و بعده (الهندية كتاب النكاح الباب العاشر نكاح الكفار ۱/ ۳۳۹ ط ماجديه كوئته)

(۲) ولا يصلح ان ينكح مرتد او مرتدة احد من الناس مطلقا (درمختار) وقال في الرد (قوله مطلقا) اى مسلما او كافر او مرتدا وهو تأ كيد كما فهم من النكرة في النفى (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب النكاح' باب نكاح الكافر ۳/ ۲۰۰ ط سعيد كراتشي)

پڑھانے کو کہتے ہیں اور یہ تو مسلمان معلوم ہوتی ہے نائب قاضی نے نکاح پڑھانے سے انکار کر دیا شخص مذکور مع ہمراہیوں کے شہر قاضی کے پاس پہنچا اور ان سے نکاح کی درخواست کی قاضی صاحب بر سر سفر تیار تھے قاضی صاحب نے نائب قاضی کو رقعہ لکھ دیا کہ اس کا سر دست نکاح پڑھادو نائب قاضی نے حکم قاضی نکاح پڑھادیا نکاح کا ثبوت بھی شخص مذکور کے روبرو عدالت میں کامل طور پر ہوا تھا اور اسے خبر تھی کہ یہ منکوحہ زید ہے تاہم قاضی و نائب قاضی کو اندھیرے میں رکھ کر دھوکا دیکر اپنا نکاح پڑھوالیا اب سوال یہ ہے کہ زید کا نکاح شرعاً صحیح ہے یا شخص مذکور کا؟

المستفتی نمبر ۱۰۲۰ صاحبزادہ نواب ابراہیم خاں صاحب - سورت

۴ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۵ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۹۲) یہ دوسرا شخص شرعاً کئی جرائم کا مرتکب اور مجرم ہے (۱) منکوحۃ الغیر کو اغوا کرنا اور بھگا کر لے جانا (۲) اسے جھوٹ بولنے پر آمادہ کرنا اور جھوٹا اظہار دلوانا (۳) اسلام کا انکار کرا کے از سر نو مرتد بنانا (۴) پھر جھوٹ بول کر دھوکا دیکر اس سے خود نکاح کرنا ان تمام جرائم کی سزا اور تعزیر کا مستحق ہے زید کا نکاح صحیح تھا مگر جب عورت نے اسلام سے انکار کر کے ارتداد اختیار کر لیا تو وہ نکاح فسخ ہو گیا (۱) عورت اسلام کا انکار کر کے اور دوسرا شخص اس ارتداد پر عورت کو آمادہ کر کے دونوں مرتد ہو گئے (۲) اگر اس کے بعد دونوں اسلام لائیں اور توبہ کریں اور پھر باہم نکاح کریں تو نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن وہ شخص اور یہ عورت جرائم مذکورہ کی تعزیر سے نہیں بچیں گے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عورت عیسائی ہو گئی' تو نکاح فسخ ہو گیا' دوبارہ مسلمان ہو کر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) آج کل مسلم عورتیں بغرض فسخ نکاح حیلہ کرتی ہیں اور مذہب عیسائیت قبول کر لیتی ہیں آیا نکاح واقع میں شرعاً بھی فسخ ہو جاتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۴۲۴ محمود صاحب (ملتان)

۱۳ صفر ۱۳۵۶ھ م ۲۵ اپریل ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۹۳) ارتداد سے نکاح کا فسخ ہو جانا ظاہر روایت کے بموجب صحیح ہے (۳) البتہ بعض مشائخ

---

(۱) اذا ارتد احد الزوجين عن الاسلام وقعت الفرقة بغير طلاق (الهداية كتاب النكاح' باب نكاح اهل الشرك ۲/ ۳۴۸ ملتان)

(۲) من امر امرأة بان ترتد - كفر الآمر (شرح الفقه الاكبر ص ۲۲۵)

(۳) وارتداد احدهما اى الزوجين فسخ عاجل بلا قضاء (در مختار) وقال في الرد (قوله بلا قضاء) اى بلا توقف على قضاء القاضي وكذا بلا توقف على مضى عدة في المدخول بها كما في البحر (هامش رد المحتار ' كتاب النكاح' باب نكاح الكافر ۳/ ۱۹۳' ۱۹۴ ط سعيد كراتشي)

بلخ نے زجراً اور سد اللباب یہ کہا تھا کہ مرتدہ کو اسلام لانے اور زوج اول سے نکاح کرنے پر مجبور کیا جائے (۱) اور بعض نے یہ بھی کہا تھا کہ نکاح فسخ نہ ہونے کا فتویٰ دیا جائے لیکن یہ دونوں حکم زجر و توبیخ اور سدباب کے لئے تھے (۲) اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اسلامی حکومت ہو اور جبر علی الاسلام یا جبر علی النکاح بالزوج السابق کا امکان ہو یا زوج اول عورت پر خود یا بذریعہ حکومت قبضہ کرنے پر قادر ہو اور یہ سب باتیں انگریزی حکومت اور انگریزی قانون کی رو سے غیر ممکن ہیں لہذا اصل مذہب کے موافق انفساخ نکاح کا حکم ہی صحیح نافذ رہا اور اس کے لحاظ سے عورت مرتدہ بعد اسلام کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے تو اس کا نکاح نافذ ہوگا (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

عورت کو مرتد ہونے کی ترغیب دینے والا خود بھی مرتد ہے ٗ اور ارتداد سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے

(سوال) مطبوعہ فتویٰ ارسال ہے آپ سے فیصلہ یہ کرانا ہے کہ کونسا غلط ہے اور کونسا صحیح ہے امیر عالم کو مفتی فتویٰ دیتے ہیں کہ ایوب خاں کافر ہے اور اس کے ساتھ برتاؤ کرنے والے بھی کافر ہیں ایوب خاں کو مفتی فتویٰ دیتے ہیں کہ امیر عالم کافر ہے اس کے ساتھ میل جول کرنے والے بھی کافر ہیں عجب معاملہ ہے - ایک عورت کو ایوب خاں نے اغوا کیا اور اس کو پہلے چھپائے رکھا طلاق کے لئے کوشش

---

(۱) لوا رتدت لمجی الفرقة - وصرحوا بتعزیر ها خمسة و سبعین و تجبر علی الاسلام و علی تجدید النکاح زجرا لیا بمهر یسیر کدینار و علیه الفتوی بل الحیة (درمختار) وقال فی الرد (قوله و علی تجدید النکاح) فلکل قاض ان یجدده بمهر یسیر ولو بدینا ر رضیت ام لا و تمنع من التزوج بغیره بعد اسلا مها (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۳/۱۹٤ ط سعید کراتشی) وقال فی الهندیة : ولو اجرت کلمة الکفر علی لسانها مغایظة لزوجها او خراجا لنفسها عن حبالته او لا ستیجاب المهر علیه بنکاح مستأمن تحرم علی زوجها فتجبر علی الاسلام ولکل قاض ان یجدد النکاح بادنی شئ ولو بدینار سخطت اورضیت ولیس لها ان تتزوج إلا بزوجها قال الهند وانی آخذ بهذا وقال ابو اللیث وبه نأخذ کذا فی التمر تاشی (الهندیة کتاب النکاح' الباب العاشر فی نکاح الکافر ۱/۳۳۹ ط ماجدیة کوئٹه)

(۲) وافتی مشائخ بلخ بعدم الفرقة بردتها زجرا و تیسیرا لا سیما التی تقع فی المکفر ثم تنکر قال فی النهر والا فتاء بهذا اولی من الافتاء بما فی النوادر (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب النکاح باب نکاح الکافر ۳/۱۹٤ ط . سعید کراتشی) وقال قاضی خان منکوحة ارتدت والعیاذ بالله حکی عن ابی نصرو ابی القاسم الصفار انهما قالا لا تقع الفرقة بینهما حتی لاتصل إلی مقصودها ان کان مقصودها الفرقة (الفتاوی الخانیة' علی هامش الهندیة' کتاب الطلاق' فصل فی الفرقة بین الزوجین بملك احدهما صاحبه و بالکفر ۱/٥٤٦ ط ماجدیه کوئٹه)

(۳) اصل مذہب اور ظاہر الروایہ تو یہ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فوراً فسخ ہو جائے گا لیکن پھر اس کو حبس و قید کرکے تجدید اسلام اور پہلے خاوند سے تجدید نکاح کرنے پر مجبور کیا جائے گا جیسا کہ قاضی خان ٗ عالمگیریہ ٗ درمختار اور شامیہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے ٗ چونکہ حاکم مسلم اور قاضی شرعی نہ ہونے کی وجہ سے تجدید اسلام و تجدید نکاح پر عورت کو مجبور نہیں کیا جا سکتا لہذا ظاہر الروایہ کی بناء پر فسخ نکاح کا حکم کیا جائے گا اور پھر علامہ شامی کی ایک عبارت " و ظاهره ان لها التزوج بمن شاءت (هامش رد المحتار' کتاب الجهاد' باب المرتد ٤/۲٥۳ ط سعید کراتشی) پر عمل کیا جائے گا کہ عورت کسی اور شخص سے نکاح کر سکتی ہے - فقط -

بھی کی ایسی بد ذات خاندان کی ناک کاٹنے والی عورتوں کو طلاق کون دیتا ہے آخر یہ چال چلی گئی کہ مل ملا کر مشن سے یہ سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا جائے کہ عورت عیسائی ہو گئی ہے پھر عورت کو گھر رکھ لیا اور کہا کہ چونکہ عورت مرتد ہو گئی ہے اس لئے اس کا پہلا نکاح ٹوٹ گیا ہے اب میں نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا ہے امیر عالم نے جب سنا تو علماء سے فتویٰ پوچھا تقریباً ساٹھ سے زیادہ علماء کرام نے یہ فتویٰ دیا کہ اس طرح عورت کا نکاح فسخ نہیں ہوتا عورت نہ تو اسلام سے بیزار ہوئی نہ اس کے دل میں عیسائیت کی رغبت ہوئی اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے ردت کا تعلق دل سے ہوتا ہے- یہاں شرط مفقود ہے -اذا فات الشرط فات المشروط جیسا کہ ہدایہ کی جلد سوئم میں ہے- **لان الردة تتعلق بالا عتقاد الا یری انه لو کان قلبه مطمئنا بالایمان لا یکفر-** عورت مرتد ہو گئی تو اسلام لانے پر مجبور کی جائے یعنی اس کو قید رکھیں یہاں تک کہ مر جائے یا اسلام لائے اور جدید نکاح ہو تو مہر تھوڑا رکھا جائے عورت نے زبان سے کلمہ کفر جاری کیا تاکہ شوہر سے پیچھا چھوٹے یا اس لئے کہ دوسرا نکاح ہو گا اس کا مہر بھی وصول کرے گی تو قاضی کو اختیار ہے کہ کم از کم مہر پر اسی شخص کے ساتھ نکاح کرے عورت راضی ہو یا ناراض اور عورت کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ دوسرے سے نکاح کرے عالمگیری' بہار شریعت حصہ ہفتم' مصنفہ جناب مولانا مولوی حکیم الحاج امجد علی صاحب- عورت مرتد ہو گئی اس واسطے اپنے زوج کو چھوڑ دے -بقول ابو یوسف اور نکاح نہ کرے غیر زوج سے -اسی کا فتویٰ غایۃ الاوطار ص ۴۴۳ وغیرہ وغیرہ بہت حوالجات ہیں -بخوف طوالت چند پر اکتفا کیا ہے-

المستفتی نمبر ۲۱۴۰ شاہسوار (راولپنڈی) ۱۹ شوال ۱۳۵۶ھ م ۲۳ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۹۴) اگر یہ بیانات صحیح ہیں اور واقعات یہی ہیں تو اغوا کنندہ اور عورت کو ارتداد کی ترغیب دینے والا مرتد کرنے والا سخت مجرم ہے اور خود بھی مرتد ہو گیا(۱) اس کی اپنی عورت بھی نکاح سے باہر ہو گئی(۲) اس کو تجدید اسلام توبہ اور اپنے نکاح کی تجدید کرنی لازم ہے(۳) اور قوم کو حق ہے کہ اس کا مقاطعہ کر دے جب تک کہ وہ اپنے افعال شنیعہ سے توبہ نہ کرے اس سے تعلقات اسلامی منقطع کر دیں(۴) اور

---

(۱) ومن امرا مرأة بان ترتد- کفر الآخر (شرح الفقة الاکبر ص ۲۲۵)

(۲) وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء (در مختار) وقال فی الرد (قوله بلا قضاء) ای بلا توقف علی قضاء القاضی وکذا بلا توقف علی مضی عدة فی المدخول بها کما فی البحر (هامش رد المحتار' کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۱۹۳/۳ ط سعید کراتشی)

(۳) ما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولاده اولاد زنا وما فیه خلاف یؤمر بالا ستغفار والتوبة و تجدید النکاح (الدر المختار' مع هامش رد المحتار' کتاب الجهاد' باب المرتد ۲۴۶/۴ ط سعید کراتشی)

(۴) مرتد کا اصل حکم یہ ہے کہ اگر وہ اسلام نہ لائے تو حکومت اسے قتل کر دے۔ مگر ہندوستان میں اس وقت اسلامی حکومت نہیں تھی اس لئے اس سے قطع تعلق کا حکم دیا گیا قال فی فتح الباری فتبین هنا السبب المسوغ للهجر و هو لمن صدرت منه معصیة فیسوغ لمن اطلع علیها منه هجره علیها لیکف عنها - قال المهلب غرض البخاری فی هذا الباب ان یبین صفة الهجران الجائز وانه یتنوع بقدر الجرم فمن کان من اهل العصیان یستحق الهجران بترک (جاری ہے)

اگر اسلامی حکومت ہوتی تو عورت کو شوہر سابق سے ہی نکاح کرنے پر مجبور کیا جاتا اور دوسرے شخص سے ہر گز نکاح کی اجازت نہ دی جاتی(۱) وہ فتویٰ جو ایوب خاں کے اشتہار میں درج ہے بالکل جداگانہ صورت سے متعلق ہے اس کو اس واقعہ سے اصلا سروکار نہیں اور اس فتوے سے جو نتائج کہ ایوب خاں نے اخذ کر کے امیر عالم پر چسپاں کئے ہیں وہ ان واقعات کی روشنی میں ہر گز امیر عالم پر چسپاں نہیں ہوتے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عورت مرتد ہو کر مسلمان ہو جائے' تو دوسرے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

(سوال) مسماۃ ہندہ شادی کے بعد چھ سال تک اپنے خاوند کے پاس رہی خاوند نے اپنے سالے ہندہ کے حقیقی بھائی کو قتل کر دیا اور مقدمہ میں پھانسی کی سزا سے بچ گیا قتل کے بعد بیوی کو اس کے دادا کے پاس چھوڑ گیا پھر اس کو لینے نہیں آیا جس کو ڈھائی سال کا عرصہ گزر گیا طلاق دینے کے لئے اس سے کہا گیا تو طلاق سے بھی انکار کیا اب ہندہ بھی بوجہ اس صدمے کے کہ اس کے حقیقی بھائی کو اس نے ہلاک کیا ہے خاوند کے گھر بسنا نہیں چاہتی تھی بالآخر ہندہ نے عیسائی مذہب قبول کر لیا ہے تاحال وہ عیسائی ہی ہے کیا مسلمان ہو جانے کے بعد اس کا نکاح دوسرے مسلمان خاوند کے ساتھ جائز ہے یا نہیں عدالت نے ہندہ کے نکاح کو بوجہ عیسائی ہو جانے کے فسخ کر دیا ہے۔

المستفتی نمبر ۲۳۶۲ محمد طاہر صاحب (لائل پور) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۹ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۹۵) اگر ہندہ اسلام قبول کرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کر لے گی تو وہ نکاح صحیح اور درست ہو جائے گا پہلے خاوند سے نکاح کرنے پر مجبور کرنے کا حکم زجراً وسد اللباب تھا(۲) جو انگریزی حکومت میں ممکن العمل نہیں ہے اور اصل مذہب یہی ہے کہ ارتداد احد الزوجین موجب انفساخ نکاح

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) والمکالمة کما فی قصة کعب وصاحبیه (فتح الباری شرح الصحیح للبخاری' باب ما یجوز من الهجران لمن عصی ۱۰/۴۱۵ ط مصر) وقال فی الدر المختار ومن ارتد عرض الحاکم علیه الاسلام استحبابا علی المذهب لبلوغة الدعوة و تکشف شبهته ببان ثمرة العرض و یحبس و جوبا وقیل ندبا ثلاثة ایام- فان اسلم فیها والا قتل لحدیث : " من بدل دینه فاقتلوه (الدر المختار مع هامش، رد المحتار کتاب الجهاد' باب المرتد ۴/۲۲۶ ط سعید کراتشی)

(۱) و صرحوا بتعزیر ها خمسة و سبعین و تجبر علی الاسلام و علی تجدید النکاح زجرالها بمهر یسیر کدینار و علیه الفتویٰ ولو الجیه (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۳/۱۹۴ ط سعید کراتشی)

(۲) ولو اجرت کلمة الکفر علی لسانها مغا یظة لزوجها او خراجا لنفسها عن حبالته اولا ستیجاب المهر علیه بنکاح مستانف تحرم علی زوجها فتجبر علی الاسلام و لکل قاض ان یجدد النکاح بادنی شئی و لوبدینار سخطت او رضیت ولیس لها ان تتزوج إلا بزوجها قال الهند وانی اخذ بهذا ' قال ابو اللیث و به نأخذ کذافی التمرتاشی (الفتاوی الهندیة' کتاب النکاح' الباب العاشر فی نکاح الکفار ۱/۳۳۹ ط ماجدیه کوئته)

ہے(۱)ففی ھذہ الصورۃ ھو المعول محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شوہر کے بدسلوکی سے تنگ آکر جو عورت مرتد ہوئی' مسلمان ہونے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) اگر کوئی عورت مسلمان خاوند کی بدسلوکی سے تنگ آکر اس سے جان چھڑانے کے لئے العیاذ باللہ عیسائی مذہب قبول کرلے تو اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں اور اگر دوبارہ مسلمان ہو جائے تو پہلے خاوند کے سوا کسی دوسرے مسلمان سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۴۲۴ مولوی عبدالرحیم صاحب راولپنڈی۔

۲۳ رمضان ۱۳۵۷ھ م ۷ انومبر ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۹۶) مرتد ہونے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے(۲) مگر یہ حیلہ اختیار کرنا بدترین اور سخت ترین گناہ ہے اس پر وہ سزا کی مستحق ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عورت مرتد ہو جائے تو نکاح فسخ ہو جاتا ہے

(سوال) ایک عورت اپنے خاوند زید سے بددل ہو کر کرانی (مرتدہ) ہو گئی تاکہ اس کے نکاح سے خلاصی کا حیلہ حاصل کروں چنانچہ حکم انگریزی میں اس کو دیا گیا کہ اس کا نکاح فسخ ہو چکا ہے لیکن علمائے دین متین نے تمام لوگوں کو حکم دیا کہ ان بے دین لوگوں سے برتاؤ تعلقات چھوڑ دو پھر وہ عورت تائب ہوئی اور کوشش کی کہ کسی طرح علماء سے اجازت لوں اور کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلوں لیکن علماء نے حکم دیا کہ نکاح اول باقی ہے اور تمام ہندوستان کے علماء کا اجماعی فتویٰ ہے لیکن آخر کار ایک ناعاقبت اندیش مولوی کو کچھ رقم دیکر فتویٰ حاصل کیا کہ دوسرے شخص ولید سے نکاح کرلے چنانچہ ولید سے نکاح کر لیا تو اس پر علمائے مقامی نے فتویٰ دیا کہ یہ نکاح ثانی ناجائز ہے ان سے برتاؤمت کرو اس کے کچھ مدت بعد ولید نے (زید) زوج اول سے طلاق بالبدل حاصل کرلی اور استیناف و تجدید نکاح کا ارادہ کیا لیکن ابھی تک عدت ختم نہ ہوئی تھی کہ یہ زوج ثانی فوت ہو گیا اور اسی مرتدہ عورت سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا

---

(۱) وارتداد احدھما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء (الدر المختار' مع ھامش رد المحتار' کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۳/ ۱۹۳ ط سعید کراتشی)

(۲) ایضاً حوالہ سابقہ

(۳) و صرحوا بتعزیر ھا خمسۃ و سبعین و تجبر علی الاسلام(درمختار) وقال فی الرد (قولہ و صرحوا بتعزیر ھا خمسۃ و سبعین ھو اختیار لقول ابی یوسف فان نھایۃ تعزیر الحر عندہ خمسۃ و سبعون و عند ھما تسعۃ و ثلاثون قال فی الحاوی القدسی' و بقول ابی یوسف ناخذ (قولہ تجبر) ای بالحبس الی ان تسلم او تموت – (ھامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۳/ ۱۹٤ ط سعید کراتشی)

جو اس نکاح ثانی کے ۷-۸ ماہ بعد پیدا ہوا اب اس ولید کی وراثت میں جھگڑا ہے یہ عورت (جو مرتدہ ہوئی تھی) اور اس کا لڑکا وراثت کے مدعی ہیں لیکن اس زوج ثانی (ولید) کے دوسرے لڑکے اور ورثاء مدعی ہیں کہ ان کا کوئی حق نہیں کیونکہ ابھی تک نکاح نہیں ہوا طلاق اب حاصل کی گئی ہے اب آپ شرعی حکم دیں یہاں کے علماء کا خیال ہے کہ چونکہ متفقہ اجماعی فتویٰ ہے کہ عورت کا نکاح اول فسخ نہیں ہوتا لہٰذا یہ عورت وارث نہیں اور سیاست اسلامی کا تقاضا بھی یہی ہے لیکن اس کا لڑکا وارث ہے کیونکہ زوج ثانی (ولید) متوفی نسب کا مدعی تھا اور شرعاً حقیقی فراش (اگرچہ نکاح فاسد و باطل سے ہو) کا اعتبار نسب میں ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

المستفتی نمبر ۲۵۰۲ مولوی محمد جان خاں صاحب (پنجاب)

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ م ۵ جون ۱۹۳۹ء

(جواب ۱۹۷) مرتدہ کا نکاح اصل مذہب کے لحاظ سے فسخ ہو جاتا ہے(۱) علماء و مشائخ بلخ نے زجراً عدم فسخ نکاح کا حکم دیا تھا(۲) جو اسلامی سلطنت میں قابل نفاذ تھا غیر اسلامی حکومت میں اس کے نفاذ کی کوئی صورت نہیں پس ولید کا نکاح اس عورت کے ساتھ جس نے ارتداد کے بعد اسلام لا کر ولید سے نکاح کیا تھا صحیح اور اس کی اولاد صحیح النسب ہے اور اس کو یعنی عورت اور اس کے لڑکے کو میراث ملے گی(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

عورت خاوند سے خلاصی کی غرض سے مرتد ہوئی تو نکاح فسخ ہوا یا نہیں؟

(سوال) زید نے ہندہ سے نکاح کیا شوہر نے مہر بھی ادا کر دیا اور ہندہ چودہ سال تک اس کی زوجیت میں رہی اب وہ اپنے شوہر سے الگ ہونا اور قطع تعلق کرنا چاہتی ہے مگر زید الگ کرنا نہیں چاہتا اب عورت فسخ نکاح کی غرض کے لئے مرتد ہو جاتی ہے اور اپنے ارتداد کو اخبار میں شائع کرا دیتی ہے کہ میں

---

(۱) وارتداد احدھما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء - (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۱۹۳/۳ ط سعید کراتشی)

(۲) وافتی مشایخ بلخ بعدم الفرقة بردتها زجرا و تیسیرا لاسیما التی تقع فی المکفر ثم تنکر قال فی النھر والا فتاء بھذا اولی من الافتاء بما فی النوادر (الدر المختار مع رد المحتار کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۱۹۳/۳ سعید کراتشی) وقال فی قاضی خان . مکوحة ارتدت والعیاذ باللہ حکی عن ابی نصر و ابی القاسم الصفار انھما قالا لا تقع الفرقة بینھما حتی لا تصل الی مقصودھا ان کان مقصودھا الفرقة و فی الروایات الظاھرة تقع الفرقة و تحبس المرأة حتی تسلم و یجدد النکاح سدا لھذا الباب علیھا (الفتاوی الخانیة علی ھامش الفتاوی الھندیہ ' کتاب النکاح' فصل فی الفرقة بین الزوجین بملك احدھما صاحبه و بالکفر ۵۴۶/۱ ط ماجدیه کوئٹه)

(۳) چونکہ یہ نکاح درست اور صحیح ہے اس لئے کہ پہلا نکاح عورت کے مرتد ہونے سے ختم ہو گیا تھا اور پھر از سر نو عورت کے اسلام لانے کے بعد دوسرے مسلمان مرد سے اس کا نکاح درست ہوا اور یہ عورت اس مرد کی بیوی بنی اور اس حالت میں جو اولاد ہوئی وہ بھی اس شخص کی ہوگی لہٰذا اس شخص کے مرنے کے بعد بیوی اور اولاد سب ترکہ میں اپنے حصص شرعیہ کے حقدار ہوں گے اور ان کو ان کے شرعی حصے کے مطابق میراث ملے گی۔ فقط

(نعوذباللہ) اسلام سے مرتد ہوگئی اس لئے اب تم میرے شوہر کسی طرح سے نہیں ہو سکتے پس سوال یہ ہے کہ کیا صرف اس حیلہ اور مکر کے لئے اسلام ترک کرنے سے حقیقی معنوں میں خارج از اسلام ہوگئی ؟اور زید سے اس کا نکاح فسخ ہو گیا ؟

المستفتی نمبر ۲۶۰۲ یوسف سلیمان احمد صاحب - رنگون (برما)

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ م ۲۱ مئی ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۹۸) حنفیہ کا اصل مذہب جو ظاہر روایت پر مبنی ہے یہی ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کے مرتد ہوجانے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے پس صورت مسئولہ میں نکاح ٹوٹ گیا(۱) مگر ایکٹ نمبر ۸۔ ۱۹۳۹ء میں ارتداد کو وجہ فسخ قرار نہیں دیا گیا اگر یہ ایکٹ برما میں نافذ نہ ہو تو وہاں اصل مذہب کے موافق فیصلہ ہوگا ہاں اسلامی حکومت میں ایسی عورت کو شوہر اول سے دوبارہ نکاح کرنے پر مجبور کیا جائے گا(بشر طیکہ زوج اول بھی تجدید نکاح پر راضی ہو)(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مرزائی بھائی نے اپنی مسلمان نابالغہ بہن کا نکاح' ایک نابالغ مرزائی لڑکے سے کر دیا تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) (۱) ایک لڑکی نابالغہ مسماۃ ہندہ کے والدین فوت ہو چکے تھے اور بھائی زید نے ہندہ مذکورہ کا نکاح ایک نابالغ لڑکے سے کر دیا تھا نیز واضح رہے کہ زوجین کے متولی مرزائی تھے جب لڑکی بالغہ ہوئی تو بھائی مرزائی نے لڑکے نابالغ مرزائی کی ساتھ شادی کر دی ایک ہفتہ لڑکی آباد رہی بعدہ انکار کر دیا کہ میں مرزائی نہیں ہوں اگر چہ میرے والدین وباقی رشتہ داران مرزائی ہیں مرزائی مرد کے ساتھ آباد ہونے سے انکاری ہوں اب لڑکی بھائی مرزائی کے گھر ہے وہ چاہتی ہے کہ میرا سابقہ نکاح فسخ کیا جائے تاکہ دوسری جگہ نکاح کروں لڑکا مذکور ابھی تک نابالغ ہے اور وہ بھی اور اس کے والدین سب مرزائی ہیں اب شرعی فیصلہ کرنا ہے اور لڑکا حکم شرعی کے سامنے پیش بھی نہیں ہو تا فقط لڑکی پیش ہوتی ہے فیصلہ کی کیا صورت ہے مفصلاً مرقوم فرما کر مشکور فرمائیں۔ اگر یہ صورت ہو تو پہلے بوجہ مطابقت والدین دونوں کافر تھے اب لڑکی بعد بلوغت کے مسلمان ہوگئی تو کیا لڑکے کے بالغ ہونے تک انتظار کرنا ضروری

---

(۱) وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء (الدر المختار مع هامش ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر ۳/۱۹۳ ط سعید کراتشی)

(۲) لو ارتدت لمجی الفرقة منها - و صرحوا بتعزیر ها خمسة و سبعین و تجبر علی الاسلام و علی تجدید النکاح زجرالها بمهر یسیر کدینار و علیه الفتوی ولو الحیة (درمختار) وقال فی الرد (قوله علی تجدید النکاح) فلکل قاض ان یجدده بمهر یسیر و لو بدینار رضیت ام لا و تمنع من التزوج بغیره بعد اسلامها ولایخفی ان محله ما اذا طلب الزوج ذلک اما لو سکت او ترکه صریحا فانها لا تجبر و تزوج من غیره لانه ترک حقه (هامش رد المحتار مع الدر المحتار' کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۳: ۱۹٤ ط سعید کراتشی)

دیکیا قبل از بلوغ فیصلہ ہو سکتا ہے فیصلہ کی تمام صورتوں کو بیان فرما کر مشکور فرمائیں۔
(۲) حیلہ ناجزہ میں ارتداد کی بعض صورتوں میں یہ لکھا ہے کہ اگر خاوند مرتد ہو گیا تو دارالحرب میں تفریق کی ضرورت نہیں تین حیض کے بعد جدا ہو جائے گی اور دارالاسلام میں تفریق شرط ہے کیا موافق فتویٰ دارالحرب عمل کیا جائے یا احتیاطاً تفریق کی جائے۔

المستفتی نمبر ۲۶۶۱ محمد اسحاق ملتانی (دہلی)

۴ صفر ۱۳۶۰ھ م ۳ مارچ ۱۹۴۱ء

(جواب ۱۹۹) تحکیم تو فریقین کی رضامندی سے ہوتی ہے جب ایک فریق (شوہر) کی طرف سے ثالثی منظور نہیں ہوئی تو ثالثی کا فیصلہ بھی متصور نہیں(۱) رہا نکاح کا قصہ تو صورت مسئولہ میں قابل تحقیق یہ امر ہے کہ لڑکی کا باپ جس وقت مرزائی ہوا اس وقت یہ لڑکی پیدا ہو چکی تھی یا نہیں ؟ اگر پیدا ہو چکی تھی اور بعد میں اس کا باپ مرزائی ہو تو یہ لڑکی مسلمہ قرار دی جائے گی کیونکہ باپ کے ارتداد سے لڑکی پر جو پہلے مسلمہ قرار دی جا چکی حکم ارتداد نہ ہوگا اور اس صورت میں اس کے مرتد بھائی نے اس کا جو نکاح کیا وہ نکاح ہی صحیح نہیں ہوا کیونکہ کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں(۲) لیکن اگر لڑکی حال ارتداد پدر میں پیدا ہوئی اور اس کی ماں بھی مرزائیہ تھی تو لڑکی بھی کافرہ ہی قرار پائے گی(۳) مگر اس حال میں اس کے مرتد بھائی کا کیا ہوا نکاح موقوف رہے گا یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائے(۴) لیکن جب کہ وہ مسلمان نہ ہوا اور لڑکی مسلمان ہو گئی اور اس نے نکاح موقوف کو رد کر دیا تو نکاح رد ہو گیا کیونکہ نکاح موقوف قبل

---

(۱) تولیة الخصمین حاکما یحکم بینهما ورکنه لفظه الدال علیه مع قبول الآخر (درمختار) وقال فی الرد (قوله مع قبول الآخر) ای المحکم بالفتح فلو یقبل لا یجوز حکمه إلا بتجدید التحکیم (هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب القضاء باب التحکیم ۵/۴۲۸ ط سعید کراتشی)

(۲) یشترط حریة و تکلیف و اسلام فی حق مسلمة ترید التزوج و ولد مسلم لعدم الولایة (درمختار) وقال فی الرد (قوله لعدم الولایة) یعنی ان الکافر لا یلی علی المسلمة وولده المسلم لقوله تعالی ولن یجعل الله للکافرین علی المؤمنین سبیلا (هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب النکاح باب الولی ۳/۷۷ ط سعید کراتشی)

(۳) زوجان ارتدا ولحقا فولدت المرتدة ولد اوولد له ای لذلک المولود ولد فظهر علیهم جمیعا فالولدان فئ لصحبس والولد الاول یجبر بالضرب فی الاسلام وان حبلت به ثمة تبعیته لا بویه (درمختار) وقال فی الرد (قوله تبعیته لابویه) ای فی الاسلام والردة وهما یجبران فکذا هو وان اختلفت کیفیة الجبر (هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الجهاد باب المرتد ۴/۲۵۶ ط سعید کراتشی)

(۴) واعلم ان تصرفات المرتد علی اربعة اقسام فینفذ منه اتفاقا مالا یعتمد تمام ولایة ویبطل منه اتفاقا ما یعتمد الملة – و یتوقف منه اتفاقا ما یعتمد المساواة وهو المفاوضة او ولایة متعدیة (درمختار) وقال فی الرد (قوله وهو المفاوضة) فاذا فاوض مسلما توقفت اتفاقا فان اسلم نفذت وان هلک بطلت و تصیر عنانا من الاصل عندهما و بطل عنده (قوله او ولایة متعدیة) ای الی غیره (هامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الجهاد باب المرتد ۴/۲۴۹ ط سعید کراتشی)

اجازت مجیز جائز حکم عدم میں ہوتا ہے (۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

اللہ کی شان میں گستاخی کرنے والی عورت کا حکم

(سوال) ہندہ اور زید کے باہمی تعلقات ایک عرصہ سے ناخوشگوار ہیں زید اپنی بی بی مسماۃ ہندہ پر طرح طرح کے ظلم کرتا ہے چند آدمیوں کے سامنے ان دونوں میں سخت کلامی ہوئی ہندہ نے طیش میں آکر کہا کہ "جس خدا نے تم جیسے ظالم انسان پیدا کئے میں ایسے خدا کو خدا نہیں مانتی میں ایسے خدا سے بیزار ہوں" ان الفاظ کے کہنے کے بعد (۱) ہندہ کا ایمان باقی رہایا نہیں ؟ (۲) اس کا نکاح قائم رہایا نہیں ؟ (۳) کیا مسماۃ ہندہ پر عدت لازم ہے جب کہ وہ تجدید ایمان کرلے ؟ (۴) کیا تجدید ایمان کے بعد عدت گزار کر وہ زید کے علاوہ کسی اور شخص سے نکاح کرلے تو درست ہوگا ؟

المستفتی نمبر ۲۸۰۳ والدہ عبدالغفار دہلی - ۴ شوال ۱۳۶۵ھ

(جواب ۲۰۰) (۱) مسماۃ ہندہ اس قول کی بناء پر ایمان سے باہر ہوگئی اور مرتد ہوگئی (۲) (۲) نکاح بھی باطل ہوگیا (۳) (۳) ہاں تجدید ایمان کے بعد عدت لازم ہے (۴) (۴) تجدید ایمان کے بعد وہ جس سے چاہے نکاح کرسکے گی (۵) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

---

(۱) و نکاح عبد وامة بغیر اذن السید موقوف علی الاجازة کنکاح الفضولی سیجی فی البیوع توقف عقوده کلها ان لها مخیر حالة العقد ولا تبطل - (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب النکاح' باب الکفاء ة ۳/ ۹٦ ط سعید کراتشی)

(۲) یکفر اذا وصف الله تعالی بما لا یلیق به او سخر باسم من اسمائه او بأمرمن اوا مره اوانکر وعده و وعیده او جعل له شریکااوولدا او زوجة - اوقال خدای حاکی راتشاید - فهذا کله کفر (الفتاوی الهندیة'کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین'مطلب موجبات الکفر ۲/ ۲۵۸ ط ماجدیه کوئٹه)

(۳) وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء (درمختار) وقال فی الرد (قوله بلا قضاء) ای بلا توقف علی قضاء القاضی وکذا بلا توقف علی مضی عدة فی المدخول بها کما فی البحر (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۳/ ۱۹۳'۱۹٤ ط سعید کراتشی)

(٤) وهی فی حق حرة ولو کتابیة تحت مسلم تحیض لطلاق ولو رجعیا او فسخ بجمیع اسبابه بعد الدخول حقیقة او حکما (درمختار) وقال فی الرد (قوله بجمیع اسبابه) مثل الانفساخ بخیار البلوغ والعتق اوعدم الکفاء ة و ملك احد الزوجین الآخر والردة فی بعض الصور والا فتراق عن النکاح الفاسد والوطی بشبهة فتح (هامش ردالمحتار مع الدر المختار ' کتاب الطلاق باب العدة ۳/ ۵۰٤ ط سعید کراتشی)

(۵) اس لئے کہ حاکم مسلم اور قاضی شرعی کی غیر موجودگی کی بناء پر عورت کو تجدید ایمان اور تجدید نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا لہذا عدت گزارنے کے بعد عورت کو اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے' کما ذکر فی الشامیة وظاهره ان لها التزوج من شاء ت (هامش رد المحتار' کتاب الجهاد' باب المرتد ٤/ ۲۵۳ ط سعید کراتشی) لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب پہلا شوہر دوسرے نکاح پر خاموش رہے' یا صاف صاف اس کو چھوڑ دیا ہو تو پھر یہ عورت عدت گزار کر دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے' کما فی الرد (ولا یخفی ان محله ما اذا طلب الزوج ذلك' ما لو سکت او ترکه صریحا فانها لا تجبر و تزوج من غیره لانه ترك حقه (هامش رد المحتار کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۳/ ۱۹٤ ط سعید کراتشی)

بیوی مرتد ہو گئی اور حالت ارتداد میں بچہ پیدا ہوا

(سوال) ایک عورت مرتدہ جس کو سال ڈیڑھ سال ارتداد میں گزر گیا اور اسی حالت میں اس کے بچہ پیدا ہو گیا اور اس کے پہلے خاوند نے اس کی کوئی خبر نہ لی ایک سال گزرنے پر وہ اس کو لینے آیا تھا مگر یہ اسکے ساتھ نہ گئی اور باوجود سمجھانے کے اس کے ساتھ جانا بھی نہیں چاہتی معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہ اس کو رکھنا بھی نہیں چاہتا بلکہ دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ المستفتی ظہیر الدین گوڑ گانوی

(جواب ۲۰۱) عورت اگر مرتدہ ہو گئی تھی تو اس کا پہلا نکاح ٹوٹ گیا تھا(۱) اگر اب پہلے خاوند سے وہ راضی نہیں اور نہ پہلا خاوند اس کی پرواکرتا ہے تو وہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح کر سکتی ہے(۲) پہلے اس کو مسلمان کیا جائے پھر جس سے وہ راضی ہو اس سے نکاح پڑھا دیا جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عورت مذہب تبدیل کرلے' تو نکاح سے خارج ہو گئی
مسلمان ہو کر دوسری شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟

(سوال) مسماۃ مجید بانو کا بعمر ۱۴ سال مسمی محمد اکرم سے نکاح ہوا محمد اکرم کا اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ ناجائز تعلق پہلے سے تھا اور آج تک چلا آتا ہے اس دوران میں مجید بانو نے پنچایت اور علمائے دین کے روبرو ہر چند کوشش کی کہ یا تو مجھ کو آباد کرے یا طلاق دے اس نے کسی بات کو تسلیم نہ کیا آخر مجبور ہو کر مجید بانو نے عدالت میں تبدیل مذہب کر کے تنسیخ نکاح کی درخواست دی عدالت نے تحقیق کرنے کے بعد نکاح فسخ کر دیا آیا نکاح فسخ ہوا یا نہیں'

المستفتی نمبر ۱۹۸۵ مولوی عبدالمجید خطیب جامع مسجد پٹھان کوٹ
یکم رمضان ۱۳۵۶ھ م ۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۰۲) ہاں عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ ہو گیا (۳) اور عورت کو مسلمان ہونے کے بعد اختیار ہو گا کہ کسی شخص سے شادی کرلے یا نہ کرے(۴)۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء (الدر المختار مع هامش رد المحتار کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۳/۱۹۳ ط سعید کراتشی)

(۲) ولا یخفی ان محله ما اذا طلب الزوج ذلک' اما لو سکت او ترکه صریحا فانها لا تجبر و تزوج من غیره لا نه ترك حقه (هامش ردالمحتار' کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۳/۱۹٤ ط سعید کراتشی)

(۳) وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء (الدر المختار مع هامش رد المحتار کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۳/ ۱۹۳ ط سعید کراتشی) وقال فی الهندیة : ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقة بغیر طلاق فی الحال قبل الدخول بها وبعده (الفتاوی الهندیة' کتاب النکاح' الباب العاشر فی نکاح الکفار ۱/۳۳۹ ط ماجدیه کوئٹه) (٤) وظاهره ان لها التزوج بمن شاء ت (هامش رد المحتار' کتاب الجهاد باب المرتد ٤/۲۵۳ ط سعید کراتشی)

شوہر کے مظالم کی وجہ سے عورت مرتد ہوئی تو نکاح فسخ ہوا یا نہیں ؟

الجمعیۃ مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء

(سوال) ہندہ معمرہ ۳۵ سالہ زید کی بیاہتا بیوی تھی جو بائیس سال تک اپنے شوہر زید کے طرح طرح کے آزاد دستی ولسانی سہتی رہی آخر مظالم سے تنگ آکر اپنی خالہ کے گھر جاکر رہ گئی مگر اس کے خاوند زید نے قاضی کی عدالت میں طلب زوجہ کا دعویٰ کیا اور قاضی نے بلا سماعت عذرات مسماۃ ہندہ کو اس کے شوہر زید سے نیک چلنی کی ضمانت لیکر ہندہ کو زید کے حوالے کر دینا چاہا بالآخر تنگ آکر ہندہ مرتد ہو گئی تاکہ نکاح فسخ ہو جائے ہندہ نے قاضی کو اپنے ارتداد کی اطلاع بھی دیدی اور قاضی نے اپنے ایک معتمد علیہ کو ہندہ کی قیام گاہ پر بھیج کر تصدیق بھی کرالی اور ہندہ نے کئی آدمیوں کے سامنے اقرار لسانی کیا کہ وہ مرتد ہو گئی ہے مگر قاضی اب بھی ہندہ کو زید کی زوجہ شرعی تصور کرتا ہے اور اسے زید کے گھر بھجوانا چاہتا ہے۔

(جواب ۲۰۳) عورت یا مرد دونوں میں سے کسی ایک کے مرتد ہو جانے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے(۱) بعض فقہاء نے مرتدہ کو زوج سابق کی طرف جبراً لوٹانے کا فتویٰ بے شک دیا ہے لیکن وہ ارتداد کے سدباب کی غرض سے دیا ہے تاہم اس کے لئے تجدید نکاح کی ضرورت ہے(۲) نیز اس قول پر عمل کرنے والے قاضی کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ خاوند کی تعدی اور موجب ارتداد کی بھی تحقیقات کرے اور زوج کو بھی اس کی زیادتیوں اور مظالم کی سزا دے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

شوہر کے مظالم کی وجہ سے عورت مرتد ہوئی، تو نکاح فسخ ہوا یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ یکم مئی ۱۹۳۵ء)

(جواب ۲۰۴) موجودہ حالات میں عورت مرتدہ اسلام قبول کرنے کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے کیونکہ اس کو دوسرے نکاح سے باز رکھنے اور شوہر اول سے جبراً اس کا نکاح کرانے کی

---

(۱) وارتداد احدهما فسخ عاجل بلا قضاء (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب النكاح باب نكاح الكافر ۱۹۳/۳ ط سعيد كراتشي)

(۲) منكوحة ارتدت والعياذ بالله حكي عن ابي نصروابى القاسم الصفار انهما قالا لا تقع الفرقة بينهما حتى لا تصل الى مقصودها ان كان مقصودها الفرقة وفى الروايات الظاهرة يقع الفرقة و تحبس المرأة حتى تسلم و يجدد النكاح سدا لهذا الباب عليها (الفتاوى الخانية على هامش الهندية' كتاب الطلاق' فصل فى الفرقة بين الزوجين بملك احدهما صاحبه وبالكفر ۵٤٦/۱ ط ماجديه كوئله) وقال فى الهندية ولو اجرت كلمة الكفر على لسانها مغايظة لزوجها او اخراجا لنفسها عن حبالته اولا ستيجاب المهر عليه بنكاح ومستأنف تحرم على زوجها فتجبر على الاسلام ولكل قاض ان يجدد النكاح بأدنى شئى ولو بدينار سخطت او رضيت وليس لها ان تتزوج إلا بزوجها قال الهند وانى اخذ بهذا قال ابوالليث وبه نأخذ فى التمر تاشى - الفتاوىٰ الهندية كتاب النكاح الباب العاشر فى نكاح الكفار ۳۳۹/۱ ط ماجديه كوئله)

طاقت مثنی ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شوہر کے آریہ مذہب اختیار کرنے کی غلط خبر مشہور ہونے کی وجہ سے بیوی نے دوسری شادی کرلی' تو کیا حکم ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۳...ء)

(سوال) زید کی عدم موجودگی میں اس کے متعلق یہ مشہور ہو گیا کہ زید آریہ ہو گیا ہے زید کی زوجہ نے نکاح ثانی کر لیا بعد مدت کے عورت کو پتہ چلا کہ زید نے مذہب تبدیل نہیں کیا ایسی صورت میں کیا کیا جائے ؟

(جواب ۲۰۵) اس صورت میں کہ زوجہ نے محض ایک غلط خبر کی وجہ سے نکاح ثانی کر لیا تھا۔ نکاح ثانی صحیح نہیں ہوا(۲) اور زوج اول کا نکاح باقی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) اس لئے کہ اس کو مسلمہ اور تو بغیر شک کے نہ ہونے کی وجہ سے عورت کو تجدید اسلام اور تجدید نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا لہذا دوسرے شخص سے نکاح کرنے کی گنجائش ہے' کما فی الشامیۃ' و ظاهره ان لها التزوج بمن شاءت (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الجهاد باب المرتد ٤/٢٥٣ ط سعيد كراتشي)

(۲) اخبرت بارتداد زوجها فلها التزوج بآخر بعد العدة استحبابا كما في الاخبار من ثقة بموته او تطليقة ثلاثا كذا لو لم يكن ثقة فاتاها بكتاب طلاقها واكبر رأيها انه لا بأس بأن تعتد و تتزوج مبسوط (درمختار) وقال في الرد : قوله لا بأس بان تعتد) اى من حين الطلاق او الموت لا من حين الاخبار فيما يظهر تامل ثم لا يخفى انه اذا ظهرت حياته اوانكر الطلاق اوالردة ولم تقم عليه بينة شرعية ينفسخ النكاح الثاني و تعود اليه (هامش ردالمحتار مع الدر المختار' كتاب الجهاد' باب المرتد ٤/٢٥٢' ٢٥٣ ط سعيد كراتشي)

بیان حضرت مفتی اعظمؒ

بمقدمہ فسخ نکاح بوجہ ارتداد

بند سوالات بنام گواہ نمبر ۳ مفتی کفایت اللہ صدر مدرس مدرسہ امینیہ' دہلی

بمقدمہ حسین بی بی بنام خان محمد از ڈیرہ غازی خاں

(سوال ۱) آپ کتنے عرصہ سے حدیث تفسیر وغیرہ علوم عربیہ کا درس دیتے ہیں؟

(جواب) تقریباً تیس برس سے۔

(سوال ۲) افتا کا کام کتنے عرصہ سے کرتے ہیں؟

(جواب) اسی قدر عرصہ سے۔

(سوال ۳) مفصلہ ذیل امور کی بابت بتلائیں کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانی فرقہ احمدیہ کے عقائد وہی ہیں؟ جو قرآن مجید واحادیث صحیحہ مشہورہ سے ثابت ہیں اور جو معتمد مشاہیر علماء مفتیان اسلام کا عقیدہ اب تک رہا ہے۔ اگر وہ نہیں تو مرزا صاحب موصوف کا کیا عقیدہ تھا؟ اور ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مسلمان ہے یا کافر؟ اپنے بیان میں قرآن مجید واحادیث صحیحہ وکتب عقائد وکتب جماعت احمدیہ کا جن پر آپ کے بیان کا انحصار ہو حوالہ دیں۔

(جواب) مرزا صاحب کے بہت سے عقیدے قرآن مجید واحادیث صحیحہ و جمہور امت محمدیہ کے عقائد کے خلاف ہیں مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ایسی باتیں کہیں جن سے انبیائے سابقین بلکہ آنحضرت ﷺ پر مرزا صاحب کی فضیلت ثابت ہوتی ہے مرزا صاحب کے کلام سے بعض پیغمبروں کی توہین بھی ثابت ہوتی ہے مرزا صاحب اپنے متبعین کے سوا باقی تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور اس کے پیغمبروں اور آنحضرت ﷺ اور قرآن پر ایمان لانا بھی مسلمان ہونے کے لئے کافی نہیں رہا جب تک مرزا غلام احمد پر ایمان نہ لایا جائے یہ اور اسی قسم کی وجوہ ہیں جن کی بناء پر مرزا غلام احمد کو جمہور علمائے اسلام خارج از اسلام قرار دیتے ہیں۔

(الف) وجود وذات وصفات باری تعالیٰ

(جواب) مرزا غلام احمد گو خدا کے وجود کے قائل ہیں لیکن خدا کی صفات میں ان کی بہت سی تصریحات شریعت کی تعلیم سے باہر ہیں۔

(ب) وجود ملائکہ

(جواب) ملائکہ کے وجود کے وہ اس طرح قائل نہیں جس طرح کہ سلف صالحین اور جمہور امت محمدیہ کا عقیدہ ہے۔

(ج) کتب سماویہ سابقہ و قرآن مجید
(جواب) اس کے متعلق میری نظر میں کوئی تصریح نہیں ہے۔
(د) قیامت
(جواب) قیامت کا بظاہر اقرار ہے۔
(ہ) انبیائے کرام، خصوصاً عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ ۔
(جواب) انبیائے کرام کے متعلق ان کے عقائد اور تصریحات جمہور امت محمدیہ کے خلاف موجود ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کی تصریحات بہت گمراہ کن اور موجب توہین ہیں۔
(و) حیات عیسیٰ علیہ السلام
(جواب) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حیات کے قائل نہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے بلکہ ان کی قبر بھی کشمیر میں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔
(ز) نبوت و رسالت کی تعریف
(جواب) نبی اور رسول کی تعریفیں بھی وہ ایسی کرتے ہیں جس میں ان کی نبوت کی گنجائش نکل سکے۔
(ح) ختم نبوت
(جواب) ختم نبوت کے وہ اس معنی میں قائل نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔
(نوٹ) تمام سوالات میں الفاظ مرزا صاحب سے مراد مرزا غلام احمد صاحب بانی فرقہ احمدیہ ہے۔
(سوال ۴) کیا مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت مطلقہ و تشریعیہ کیا؟ اور حضور خاتم النبیین علیہ السلام کے بعد مدعی نبوت کا کیا حکم ہے؟ اور علاوہ ازیں اور بھی مرزا صاحب نے ایسے دعاوی کئے؟ جن سے کفر لازم آئے مثلاً دعویٰ الوہیت و دعویٰ وحی جس کو قرآن شریف کے برابر قرار دیا و دعویٰ فضیلت از انبیاء - اور ایسے مدعی کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟
(جواب) مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا ہے۔
(اس موقع پر گواہ نے کہا کہ بہت سے سوالات کے جوابات بہت طول طویل ہوں گے اور کئی روز خرچ ہوں گے اس لئے سو روپے ان کی فیس ہونی چاہئے میں نے ان کو کہہ دیا ہے کہ وہ لکھ کر بھیج دیں)
بیان مولوی کفایت اللہ باقرار صالح :- مرزا صاحب کے دعوؤں میں نبوت مطلقہ اور تشریعیہ دونوں کا دعویٰ موجود ہے اور جو شخص کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے مرزا صاحب کے کلام میں ایسی باتیں موجود ہیں جن کی بناء پر ان کو خارج از اسلام قرار دیا جاتا ہے مثلاً وحی کا دعویٰ جو قرآن کے برابر درجہ رکھتی ہے اور بعض انبیاء علیہم السلام کی توہین، آنحضرت ﷺ کی برابری کا دعویٰ اور جو شخص کہ کسی نبی کی توہین کرے یا قرآن کے برابر وحی کا دعوے کرے یا آنحضرت ﷺ سے برابری کا مدعی ہو وہ کافر ہے

(سوال ۵) کیا مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی؟
(جواب) ہاں توہین کی ہے۔

(سوال ۶) کیامرزاصاحب نے آنحضور محمد ﷺ کی توہین کی ؟
(جواب) مرزاصاحب کے کلام سے آنحضرت ﷺ کی توہین لازم آتی ہے اور حضور ﷺ کی برابری بلکہ حضور ﷺ سے افضل ہونے کادعویٰ موجود ہے۔
(سوال ۷)جو شخص انبیائے کرام کی توہین کرے حقیقۃً یاالزام یااستہزاء مسلمان ہے یاکافر ؟اس لحاظ سے مرزا صاحب مسلمان تھے یاکافر ؟
(جواب) جو شخص انبیاء کی توہین کرے یااستہزا کرے وہ کافر ہے۔اس لحاظ سے مرزاصاحب کافر تھے۔
(سوال ۸) کیامرزاصاحب اپنے منکر کو کافر کہتاتھا؟یعنی ساری امت کوبجز اپنے متبعین کے کافر کہتاتھا؟
(جواب) مرزاصاحب کے کلام میں اس طرح کی تصریحات موجود ہیں کہ وہ اپنے متبعین کے سوا باقی تمام مسلمانوں کو کافر کہتے تھے۔
(سوال ۹)جو شخص مسلمان کو کافر کہے اس کا کیا حکم ہے ؟
(جواب)جو شخص مسلمانوں کو اس بناء پر کافر کہے کہ وہ اس کے دعوے کی تصدیق نہیں کرتے حالانکہ اس کا دعویٰ ہی غلط وباطل ہے تو یہ شخص کافر ہے۔
(سوال ۱۰) کیامرزاصاحب کے الہامات اس قسم کے ہیں جس سے مرزاصاحب پر کفر عائد ہوتا ہے ؟اور وہ کیا کیا ہیں ؟
(جواب)مرزاصاحب کے بہت سے الہامات اس قسم کے ہیں کہ ان پر کفر عائد ہوتا ہے جو ان کی کتابوں میں دیکھ کر بتائے جاسکتے ہیں آئندہ تاریخ پر حوالے پیش کروں گا۔
(سوال ۱۱) کیاانبیائے کرام صادق اور معصوم ہوتے ہیں ؟اور کیامرزاصاحب صادق اور معصوم تھے ؟اگر نہیں تو ان کے غیر معصوم ہونے کے وجوہ بیان فرماویں۔
(جواب)انبیائے کرام یقیناً صادق اور معصوم ہوتے ہیں مرزاصاحب نہ صادق تھے اور نہ معصوم۔اور ان کے کذب کے ثبوت کے لئے بہت سے شواہد ان کی کتابوں میں موجود ہیں جو آئندہ پیش کروں گا۔
(سوال ۱۲) کیامرزاصاحب اور ان کے متبعین کے متعلق تمام مشاہیر علمائے اسلام نے بالاتفاق کفر کا فتویٰ دیا ہے یانہیں ؟
(جواب) مرزاصاحب اور ان کے متبعین کے متعلق عام طور پر علمائے اسلام نے کفر کا فتویٰ دیا ہے۔
(سوال ۱۳) کیامرزاصاحب دعوائے نبوت سے پیشتر ختم نبوت مطلق یاتشریعی کے قائل تھے ؟اور منکر ختم نبوت کے متعلق کیافتویٰ ہے ؟
(جواب)مرزاصاحب دعوائے نبوت سے پہلے ختم نبوت کے قائل تھے اور منکر ختم نبوت باتفاق علماء کافر ہے۔
(سوال ۱۴)مرزاصاحب اور ان کی جماعت معجزات انبیائے کرام کے قائل ہیں یاانکاری ہیں ؟اگر انکاری ہیں تو شرع میں ان کے متعلق کیا حکم ہے ؟اور کیوں ؟

(جواب) مرزا صاحب نے بہت سے معجزات کا انکار کیا ہے اور ان کی صورتیں بدل دی ہیں حالانکہ قر
احادیث کی تصریحات ان کی تاویلوں کی صراحتہً تردید کرتی ہیں بلکہ بعض معجزات کا انکار اس پیرایہ میں
ہے جس سے اصل معجزہ کی تحریر اور اس کا استہزاء لازم آتا ہے جو شخص کہ معجزات انبیاء کرام کا اس طرح
کرے کہ اس سے استہزا پیدا ہوتا ہو تو وہ اس بناء پر کافر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق اس کا عقیدہ
ثبوت کا مقتضی ہے یا قصداً انبیاء کا استہزاء کرتا ہے۔

(سوال ۱۵) مرزا صاحب اجماع امت کے اصول کو تسلیم کرتے تھے؟ یا انکار کرتے تھے؟

(جواب) مرزا صاحب اجماع امت کے اصول کو عملاً تسلیم نہیں کرتے تھے۔

(سوال ۱۶) اجماع امت کے منکر کے متعلق اسلام میں کیا حکم ہے؟

(جواب) اجماع امت اگر حقیقی ہو تو اس کا منکر کافر ہوتا ہے۔

(سوال ۱۷) اگر سوالات مذکورہ کا حکم اثبات میں ہو تو علمائے کرام کے فتوے اگر آپ کے پاس موجود ہو
پیش کریں۔

(جواب) اس امر پر فتوے عام ہندوستان میں شائع ہو چکے ہیں میرے پاس کوئی نقل اس وقت موجود نہ
ہے آئندہ پیش کروں گا۔

(سوال ۱۸) اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ کیم جنوری ۱۹۳۹ء کے صفحہ ۴ کالم نمبر ۱ پر آپکے نام سے جو
نسبت نکاح اہل سنت والجماعت و مرزائی درج ہے دیکھ کر بتلائیں کہ یہ فتویٰ آپ نے دیا تھا؟

(جواب) اخبار الجمعیۃ مورخہ ۳۹-۱-۱ کے صفحہ ۴ کالم نمبر ا پر جو فتوی تحریر ہے اور جس پر نشان CI کمشنر
ڈالا ہے صحیح ہے اور میرا ہی دیا ہوا ہے۔

فتویٰ مولوی محمد یوسف مدرسہ امینیہ دہلی منسلکہ بند حوالات آپ نے پڑھا اور اس پر الجواب صحیح آپ کے تحر
کردہ ہیں اور مہر دار الافتاء مدرسہ اسلامیہ دہلی کی ہے؟

(نوٹ) ایسا کوئی فتویٰ جو مولوی محمد یوسف کا لکھا ہوا ہو اور جس پر "الجواب صحیح" مولوی مفتی کفایت
صاحب نے لکھا ہو اور دار الافتاء کی مہر ہو شامل بند سوالات نہیں ہے۔

(سوال ۱۹) احمدیہ یعنی مرزائی مرد اور غیر احمدی مسلمان عورت کے مابین نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(جواب) احمدی مرد اور غیر احمدی مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں ہے۔

سوالات جرح

(۱) سوال نمبر تین مندرجہ بند سوالات منجانب مدعیہ (الف) تا (ح) کے جوابات میں آپ نے اگر حضر
مرزا صاحب کی کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے تو آپ بتلائیں کہ آپ نے وہ ساری کتابیں پڑھی ہوئی ہیں جس کا آ
نے حوالہ دیا ہے اور کیا اس کتاب میں اور حضرت مرزا صاحب کی دیگر کتابوں میں جو تصریحات ان ام
(مندرجہ الف تا ح) کے متعلق ہیں ان کو اپنے جوابات میں ملحوظ رکھا ہے؟

اب) سوال نمبر تین کے جواب میں میں نے کسی مخصوص کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے باقی حصہ کا سوال نہیں ہوتا جو جواب دیا جائے - حوالجات آئندہ پیش کروں گا -
ال)(۲) کیا آپ نے بانی سلسلہ احمدیہ مرزا غلام احمد صاحب کی جملہ تصانیف کو پڑھا ہے ؟ اور آپ بتا سکتے جو مطبوعہ فہرست کتب سوالات جرح ہذا کے ساتھ منسلک کی گئی ہے اس میں حضرت مرزا صاحب کی بفات کے نام درست طور پر درج ہوئے ہیں ؟ اگر آپ نے مرزا صاحب کی تمام تصنیفات کو نہیں پڑھا تو تصنیفات حضرت مرزا صاحب کی آپ نے اول سے لیکر آخر تک پڑھی ہیں فہرست مطبوعہ کو دیکھ کر ان بفات پر نشان مع دستخط خود لگا دیں -
اب) مرزا صاحب کی جو تصنیفات میں نے پوری پڑھی ہیں فہرست مطبوعہ ہیں (جس پر نشان ڈالا گیا) ان کے ناموں پر میں نے دستخط کر دیئے ہیں ان کے علاوہ ان کی بہت سی کتابیں میں نے پڑھی ہیں -
ال ۳) آپ نے جو عقائد حضرت مرزا صاحب اور ان کی جماعت کی طرف منسوب کئے ہیں کیا ان عقائد مسائل کو حضرت مرزا غلام احمد صاحب اور ان کی جماعت تسلیم کرتی ہے ؟ یا ان عقائد اور مسائل کو وہ اپنی ریروں اور تحریروں میں رد کرتے ہیں ؟
اب) جو مسائل و عقائد میں نے مرزا صاحب کی طرف منسوب کئے ہیں ان کو مرزا صاحب اور ان کی عت تسلیم کرتی ہے -
وال ۴) کیا حضرت مرزا صاحب کی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی ذات اور اس کی صفات پر اور ئکہ کے وجود اور صفات پر قرآن مجید اور دوسری پہلی آسمانی کتابوں پر اور قیامت پر اور حضرت عیسیٰ علیہ لام اور نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء کی نبوت پر اپنا ایمان ظاہر نہیں کیا گیا ؟
واب) مرزا صاحب کی تصنیفات میں ان چیزوں کا جن کا سوال میں ذکر ہے بیان ضرور آیا ہے مگر ان کی یقت شرعی بہت سے مقامات میں بدل دی گئی ہے -
وال ۵) کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا عقیدہ ایسا عقیدہ ہے کہ اس عقیدہ کو نہ ماننے والا مسلمان ہیں رہ سکتا ؟
واب) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا عقیدہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک مسلمہ عقیدہ ہے اور جو ض ان کی حیات کا عقیدہ نہ رکھے وہ جمہور کے نزدیک اسلام سے خارج ہے -
وال ۶) الف - کیا آپ کو معلوم ہے کہ سر سید احمد خاں بانی علیگڑھ کالج اور ان کے معتقدین حضرت عیسیٰ یہ السلام کی وفات کے قائل ہیں ؟
جواب) سید احمد خاں یا ان کے متبعین کی وہ تصریحات سامنے لائی جائیں جس میں انہوں نے وفات عیسیٰ علیہ سلام کی تصریح کی ہو تو جواب دیا جا سکتا ہے -
ب) کیا آپ کو علم ہے کہ شیخ محمد عبدہٗ مصری مرحوم جو ملک مصر کے مفتی اعظم تھے ان کا اور ان کے تقدوں کا بھی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں -

(جواب) ایضاً
(ج) کیا آپ کو علم ہے کہ حضرت امام مالکؒ اور امام ابن حزمؒ بھی وفات عیسیٰ کے قائل تھے ؟
(جواب) ان دونوں محترم اماموں کی تصریح پیش کرنی چاہئے۔
(د) کیا آپ نے سر سید احمد خاں کی تفسیر القرآن اور شیخ محمد عبدہ مصری مفتی اعظم کی تفسیر جسے محمد رشید رضا ایڈیٹر المنار مصر نے شائع کیا ہے پڑھی ہے ؟
(جواب) میں نے یہ دونوں تفسیریں پڑھی ہیں مگر ان کا ایک ایک حرف نہیں پڑھا۔
(ہ) کیا آپ نے مجمع بحار الانوار مصنفہ شیخ محمد طاہر گجراتی میں حضرت امام مالکؒ کا یہ مذہب پڑھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاگئے ہیں۔
(جواب) مجمع البحار میں امام مالکؒ کا یہ قول مذکور ہونا مجھ کو یاد نہیں "مالک" کا قول مذکور ہے مگر مالک سے خدا جانے کون مراد ہے۔
(و) کیا آپ نے امام ابن حزم کی کتاب المحلے پڑھی ہے ؟ جو مصر سے چھپ کر شائع ہوئی ہے کیا اس میں یہ مسئلہ درج ہے یا نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے ہیں ؟
(جواب) میں نے المحلی پوری نہیں پڑھی اور اس میں یہ قول میرے مطالعہ میں نہیں آیا بلکہ المحلی جلد اول کی ابتداء میں یہ موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے جو آنحضرت ﷺ سے پہلے کے نبی ہیں۔
(ح) آپ کے نزدیک سر سید احمد خان حضرت امام مالک حضرت امام ابن حزم اور مفتی محمد عبدہ اور ان کے معتقدین مسلمان ہیں یا نہیں ؟
(جواب) سر سید احمد خاں کے بہت سے عقائد جمہور علمائے اسلام کے خلاف ضرور ہیں مگر ان پر تکفیر کا حکم کرنے میں احتیاط کی جاتی ہے اور حضرت امام مالک اہل سنت والجماعت کے مسلم امام ہیں اور ابن حزم اور مفتی محمد عبدہ مصری کے متعلق بھی میرے علم میں کوئی وجہ تکفیر نہیں ہے۔
(سوال ۷) کیا حضرت مرزا صاحب نے آنحضرت ﷺ کے بعد کسی شریعت کا آنا یا آنحضرت ﷺ کی شریعت کا منسوخ کیا جانا یا اس کے بعض حصوں کا منسوخ کیا جانا کسی ایسے نبی کا آجانا جو آپ کی امت سے باہر ہو اور جس نے آنحضرت ﷺ کی پیروی سے تمام فیض حاصل نہ کیا ہو اپنی کسی کتاب میں جائز لکھا ہے ؟
(جواب) مرزا صاحب نے آنحضرت ﷺ کے بعد نبی کا آنا جائز رکھا ہے اور خود تشریعی نبوت کا دعویٰ کر کے ثابت کیا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نئی شریعت آسکتی ہے اور حکم جہاد کے خلاف اپنا حکم دیکر یہ ثابت کر دیا کہ مرزا صاحب شریعت محمدیہ کے احکام کو منسوخ کر سکتے تھے۔
(سوال ۸)(الف) اگر کسی کتاب میں حضرت مرزا صاحب نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین نہیں ہیں یا آپ پر نبوت ختم نہیں ہے تو اس کا حوالہ دیں ؟
(جواب) خاتم النبیین کے معنی مرزا صاحب نے ایسے بیان کر دیئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین بھی

کہتے رہیں اور اپنی نبوت بھی منوائیں حوالہ جات آئندہ دوں گا۔
(ب) حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتب میں قرآن مجید کی آیت خاتم النبیین پر اپنا ایمان ظاہر فرمایا ہے یا نہیں ؟
(جواب) اس طرح کا ایمان ظاہر کیا ہے جو اوپر لکھا جا چکا ہے۔
(ج) حضرت مرزا صاحب ہر اس شخص کو جو حضرت نبی کریم ﷺ سے علیحدہ ہو کر اور نبی کریم ﷺ کی پیروی کو چھوڑ کر دعوائے نبوت کرے اسے ملعون سمجھتے ہیں یا نہیں ؟
(جواب) صرف یہی کافی نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت سے باہر ہو کر جو شخص منصب نبوت کا دعویٰ کرے وہی ملعون ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کے بعد جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ ملعون ہے اور یہ بات مرزا صاحب نے تسلیم کی ہے۔
(سوال ۹) اے ۔ نبوت مطلقہ اور نبوت تشریعی سے آپ کی کیا مراد ہے ؟
(جواب) نبوت مطلقہ سے یہ مراد ہے کہ کسی شخص کو حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت عطا کیا جائے خواہ اس کو جدید شریعت دی جائے یا نہ دی جائے اور تشریعی نبوت سے یہ مراد ہے کہ منصب نبوت کے ساتھ اس کو جدید شریعت بھی عطا کی جائے۔
(بی) کیا کسی ایسے نبی کا نام آپ بتا سکتے ہیں جس نے آنحضرت ﷺ کے بعد یہ دعویٰ کیا ہو کہ میں آنحضرت ﷺ کا پیرو اور آپ کی شریعت کے تابع ہوں اور پھر اس کی نسبت یہ فتویٰ دیا گیا ہو جو آپ نے بیان کیا ہے ؟
(جواب) ایسے نبی بھی ہوئے ہیں جنہوں نے حضرت ﷺ کی نبوت کا انکار نہیں کیا مگر آپ کے بعد اپنی نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور وہ کافر قرار دیئے گئے جن میں سے ایک شخص اخرس کا واقعہ مشہور ہے۔
(سی) کیا آپ قرآن مجید کی کسی آیت سے دکھا سکتے ہیں جس میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کی پیروی کرتے ہوئے اور آپ کی شریعت کے تابع رہتے ہوئے آپ کی امت میں سے کوئی شخص درجہ نبوت تابع آنحضرت ﷺ نہیں پا سکتا ؟
(جواب) قرآن شریف کی آیت خاتم النبیین ہی اس معنی کے لئے نص صریح ہے کہ اس میں تمام انبیاء کا خاتم حضور ﷺ کو قرار دیا گیا ہے اور تشریعی و غیر تشریعی نبوت کا فرق نہیں کیا گیا۔
(ڈی) کیا آپ کو علم ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی نے کتاب فتوحات مکیہ میں یہ تحریر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نبوت کے ختم ہونے اور آپ کے بعد کسی نبی کے نہ آنے کے یہ معنی ہیں کہ ایسی نبوت اور ایسا نبی نہ ہوگا جو آنحضرت ﷺ کی شریعت کو منسوخ کرے یا آپ کی شریعت کے خلاف کوئی شریعت لائے اور شیخ اکبر موصوف نے کیا اپنی کتاب مذکورہ میں یہ تحریر نہیں کیا کہ غیر تشریعی نبوت بند نہیں ہے ؟
(جواب) شیخ اکبر کی کوئی عبارت اس مطلب میں صریح نہیں ہے۔
(ای) کیا آپ کو علم ہے کہ علی بن محمد سلطان القاری جو ملا علی قاری کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے اپنی کتاب موضوعات کبیر میں لکھا ہے کہ آیت خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی ایسا

نبی نہیں آئے گا جو آپ کے مذہب کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔
(جواب) ملا علی قاری کی عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے کو جائز سمجھتے ہوں۔
(ایف) کیا مولوی محمد قاسم مرحوم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں یہ لکھا ہے کہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبی ﷺ کوئی نبی پیدا ہوا تو پھر خاتمیت نبوت محمد ﷺ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔
(جواب) مولانا محمد قاسم صاحب کی کتاب تحذیر الناس کی عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی آپ کی امت میں سے آسکتا ہے۔
(جی) کیا آپکو علم ہے کہ مولانا ابو الحسنات محمد عبدالحئی لکھنوی مرحوم نے اپنے رسالہ موسومہ دافع الوسواس فی اثر ابن عباس میں لکھا ہے کہ بعد آنحضرت ﷺ کے یا زمانہ میں آنحضرت ﷺ کے مجرد کسی نبی کا ہونا محال نہیں بلکہ صاحب شرع جدید ہونا البتہ ممتنع ہے۔
(جواب) مولانا عبدالحئی صاحب کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت عطا ہو سکتا ہے۔
(ایچ) کیا آپ نے تکملہ مجمع بحار الانوار مصنفہ شیخ محمد طاہر گجراتی پڑھا ہے؟ جس میں حضرت عائشہ کا یہ قول درج ہے کہ آنحضرت ﷺ کو خاتم الانبیاء کہو اور یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔
(جواب) حضرت عائشہ کا یہ قول میں نے پڑھا ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی جو کہ پہلے کا نبی ہو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنا محال نہیں۔
(آئی) قرآن مجید کی آیت خاتم النبیین کس سن میں آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی تھی اور کیا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم ﷺ کے فرزند ابراہیم نے وفات پائی تھی؟ اس وقت آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔
(جواب) اگر آیت خاتم النبیین نازل ہو چکی تھی اور اس کے بعد میں حضور اکرم ﷺ نے یہ فرمایا کہ لو عاش لکان نبیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو یہ بتلانا تھا کہ چونکہ میرے بعد نبوت نہیں ہو سکتی تھی اس لئے تقدیر الٰہی یہی تھی کہ میرا بیٹا زندہ نہ رہے۔
(سوال ۱۰) عربی محاورہ خاتم المحدثین خاتم المفسرین خاتم الاولیاء خاتم الفقہا کے کیا معنی ہوتے ہیں؟
(جواب) اس لفظ کے تو یہی معنی ہوتے ہیں کہ جس کو خاتم الفقہاء کہا جائے وہ گویا آخری فقیہ ہو جس کو خاتم المفسرین کہا جائے وہ آخری مفسر ہو مگر اس کا اطلاق مبالغۃً یا مجازاً کسی بڑے فقیہ یا مفسر پر کر دیا جاتا ہے گو اس کے بعد اور فقیہ و مفسر پیدا ہوتے رہتے ہیں لیکن خاتم النبیین کا اطلاق آنحضرت ﷺ پر مبالغۃً یا مجازاً نہیں کیا گیا ہے آپ حقیقی اور واقعی طور پر خاتم ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔
(سوال ۱۱) کیا آپ نے کتاب کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق مصنفہ امام مناوی" پڑھی ہے؟ اور اس میں یہ حدیث دیکھی ہے کہ ابو بکر افضل ھذہ الامۃ الا ان یکون نبی ان الفاظ کا اردو ترجمہ کر دیجئے۔

(جواب) اس کتاب کو میں نے دیکھا ہے اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ابوبکرؓ اس امت میں سب سے افضل ہیں مگر یہ کہ نبی نہیں یہ جب کہ لفظ نبیا ہو اگر نبی ہو تو پھر حدیث کی صحیح عبارت وہ ہے جو جامع صغیری میں ہے یعنی ابوبکر افضل الناس الا ان یکون نبی یعنی نبیوں کے سوا ابوبکر تمام لوگوں سے افضل ہیں۔

(سوال ۱۲) آپ کے نزدیک شیخ محی الدین ابن عربی، علی بن محمد سلطان القاری، مولوی محمد قاسم دیوبندی، مولوی عبدالحیٰ لکھنوی، شیخ محمد طاہر گجراتی کس درجہ کے مسلمان تھے؟

(جواب) یہ سب عالم اور بزرگ مسلمان تھے۔

(سوال ۱۳) کیا حضرت مرزا صاحب نے کسی جگہ اپنا یہ عقیدہ ظاہر فرمایا ہے کہ میں تمام انبیاء سے افضل ہوں؟

(جواب) ہاں مرزا صاحب نے اس قسم کے الفاظ لکھے ہیں جن سے یہ مطلب سمجھا جاتا ہے مثلاً ان کا اپنا شعر ہے۔

آنچہ داداست ہر نبی را جام داد آں جام را مرا بہ تمام
(درثمین)

اور ان کا دوسرا شعر ہے۔

له خسف القمر المنير وان لى غسا القمران المشرقان اتنكر (اعجاز احمدی ص ۷۱)

یعنی آنحضرت ﷺ کے لئے تو صرف چاند گرہن ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں پر گرہن پڑا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی نبوت کی نشانی کے طور پر تو صرف چاند گرہن کا ظہور ہوا اور میری (نبوت کی) نشانی کے لئے چاند اور سورج دونوں کا گرہن ہوا۔

اور مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ "ہمارے نبی کریم ﷺ کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقیات کا انتہانہ تھا بلکہ اس کے کمالات کے معراج کے لئے پہلا قدم تھا پھر اس روحانیت نے چھٹے ہزار برس کے آخر میں یعنی اس وقت پوری طرح تجلی فرمائی"

(خطبہ الہامیہ ص ۱۷۷)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں "غرض اس زمانہ کا نام جس میں ہم ہیں زمان البرکات ہے لیکن ہمارے نبی اکرم ﷺ کا زمانہ زمان التائیدات اور دفع الآفات تھا۔"

(اشتہار مرزا صاحب مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۰۰ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نہم ص ۴۴)

نیز مرزا صاحب فرماتے ہیں "اسلام ہلال کی طرح شروع ہوا اور مقدر تھا کہ انجام کار آخر زمانہ میں بدر ہو جائے خدا تعالیٰ کے حکم سے پس خدا تعالیٰ کی حکمت نے چاہا کہ اسلام اس صدی میں بدر کی شکل اختیار کرے جو شمار کی رو سے بدر کی طرح مشابہ ہو پس انہیں معنوں کی طرف اشارہ ہے خدا تعالیٰ کے اس قول میں کہ لقد نصر کم الله ببدر (خطبہ الہامیہ ص ۱۸۴)

ان عبارتوں کا اور ان کے علاوہ ان کی بیسیوں عبارتوں کا مطلب صاف ہے کہ آنحضرت ﷺ کا زمانہ بھی

روحانی ترقیات کا ابتائی زمانہ تھابلکہ ابتدائی تھا اور مرزا صاحب کے ذریعہ سے وہ معراج کمال پر پہنچا یعنی مرزا صاحب آنحضرت ﷺ سے بھی اعلیٰ اور افضل واکمل ہیں اور جب حضور اکرم ﷺ سے بھی افضل ہوئے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ تمام انبیاء سے افضل واکمل ہوئے۔

(سوال ۱۴) کیا حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں یہ نہیں لکھا کہ میں آنحضرت ﷺ کا غلام اور آپ کا امتی اور آپ کی شریعت کا متبع ہوں ؟

(جواب) مرزا صاحب کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے اور اس کے خلاف یہ بھی لکھا ہے جو نمبر ۱۳ کے جواب میں میں نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ روحانی ترقی کے پہلے قدم پر تھے اور مرزا صاحب معراج کمال پر۔

جب مسلمان مرزا صاحب پر اعتراض کرتے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد تم نبی کیسے ہوگئے تو ان سے جان بچانے کے لئے وہ کہہ دیا کرتے تھے کہ میں تو آنحضرت ﷺ کا غلام اور امتی ہوں اور حضور ﷺ کے اتباع کی بدولت مجھ کو نبوت ملی ہے اور جب اپنی تعلّی میں آتے تو پھر صاحب وحی اور صاحب شریعت نبی بننے کے لئے مضامین کا طوفان برپا کردیتے۔

(سوال ۱۵) قرآن شریف کی رو سے کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

(جواب) قرآن شریف میں ہے۔ تلك الرسل فضلنا بعضهم علىٰ بعض۔

(سوال ۱۶) کیا آپ کے نزدیک مہدی معہود اور مسیح موعود کا درجہ عام امتیوں کے برابر ہے ؟

(جواب) مہدی موعود اور مسیح موعود کا رتبہ بہت بڑا ہے کیونکہ مسلمان تو حضرت مسیح موعود کو وہی نبی عیسیٰ بن مریم مانتے ہیں جو بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے اور ان کی نبوت کا دور ختم ہو گیا اب وہ اس امت میں بطور ایک خلیفہ آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہوں گے یہ بعثت بعثت نبوت نہ ہوگی اور نہ وہ نبوت سابقہ سے معزول ہوں گے بلکہ ان کی نبوت کا دور ختم ہو چکا ہے اس لئے وہ بحیثیت نبی مبعوث نہ ہوں گے بلکہ اس امت میں خلیفہ خاتم المرسلین ہوں گے جو پہلے اپنی امت میں نبی تھے اور مہدی موعود بھی آنحضرت ﷺ کے خلیفہ اور ولی کامل ہوں گے اور یہ دونوں علیحدہ علیحدہ شخص ہوں گے۔

(سوال ۱۷) کیا آپ کو علم ہے کہ شیعوں کے نزدیک شیعہ مذہب کے بارہ امام آنحضرت ﷺ کے سوا تمام انبیاء سے افضل ہیں ؟

(جواب) اگر ان میں سے غالی فرقوں کا یہ عقیدہ ہو تو ان کی گمراہی اور ضلالت کا نتیجہ ہوگا۔

(سوال ۱۸) اگر آپ کے پاس کتاب بحار الانوار جلد ۷ مصنفہ محمد باقر مجلسی مطبوعہ ایران موجود ہے تو اس کے صفحہ ۳۴۵ "باب تفضیلھم علی الانبیاء وعلی جمیع الخلق" کو دیکھ کر بتلائیں کہ اس میں یہ عبارت موجود ہے

اعلم ما ذکرہ رحمہ الله من فضل نبینا وانمتنا صلوات الله علیھم علی جمیع المخلوقات و کون انمتنا علیھم السلام افضل من سائر الانبیاء ھو الذی لا یرتاب فیہ من تتبع اخبارھم۔

(جواب) یہ کتاب میرے پاس موجود نہیں۔

(سوال ۱۹) کیا سنی مرد کا شعیہ عورت سے اور شیعہ مرد کا سنی عورت سے نکاح ہو سکتا ہے ؟

(جواب) شیعوں میں سے جو فرقے غالی ہیں اور ان پر کفر کا حکم کیا گیا ہے ان میں سے کسی شیعہ مرد کا نکاح سنی عورت سے جائز نہیں البتہ سنی مرد کا نکاح شیعہ عورت سے جائز ہے۔

(سوال ۱/ ۱۹) حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا نبی مانا ہے یا نہیں اور اپنی کتابوں میں یہ لکھا ہے یا نہیں کہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کرتا ہوں اور ان کی وہ عزت کرتا ہوں جیسی نبیوں کی عزت کرنی چاہئیے ؟

(جواب) ہاں مرزا صاحب کی کتابوں میں یہ مضمون بھی ہے اور ابتداء میں وہ اسی قسم کے مضامین لکھتے تھے مگر ان کی کتابوں میں ایسے مضامین بھی بکثرت موجود ہیں جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین ہوتی ہے مثلاً ان کا قول ہے :

"تو پھر اس امر میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح کو وہ فطری طاقتیں نہیں دی گئیں جو مجھے دی گئیں کیونکہ وہ ایک خاص قوم کے لئے آئے تھے اور اگر وہ میری جگہ ہوتے تو اپنی اس فطرت کی وجہ سے وہ کام انجام نہ دے سکتے تھے جو خدا کی عنایت نے مجھے انجام دینے کی قوت دی۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۵۳)

اور لکھتے ہیں :- "مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مسیح ابن مریم میرے زمانے میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہیں کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۴۸)

اور مرزا کا شعر ہے۔

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم عیسیٰ کجاست تا بنہد پا بمنبرم

(ازالۃ الاوہام ص ۱۵۸-۶۷)

اور ضمیمہ انجام آتھم ص ۷ میں مرزا صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تین دادیوں اور نانیوں کو زناکار اور کسبی عورتیں بتاکر یہ فقرہ لکھا "جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا" اور کنجریوں سے میل ملاپ ہونا اور اسکی وجہ جدی مناسبت درمیان میں ہونا قرار دی ہے یہ بھی لکھا کہ آپ کو (یعنی مسیح کو) کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔

(سوال ۲۰) حضرت مرزا صاحب کا یہ دعویٰ ہے یا نہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مثیل بنا کر بھیجا ہے ؟

(جواب) مرزا صاحب کا یہی دعویٰ نہیں کہ وہ مثیل مسیح ہو کر آئے ہیں بلکہ وہ مثیل آدم مثیل نوح مثیل ابراہیم مثیل موسیٰ مثیل عیسیٰ مثیل محمد رسول اللہ ﷺ بلکہ عین محمد رسول اللہ ﷺ ہو کر آئے ہیں یہ سب باتیں ان کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں مثلاً ان کا بیان ہے "خدا نے مجھ کو آدم بنایا اور مجھ کو وہ سب چیزیں بخشیں اور مجھ کو خاتم النبیین اور سید المرسلین کا بروز بنایا" (خطبہ الہامیہ ص ۱۶۷)

اور ان کا قول ہے "دنیا میں کوئی نبی نہیں گزرا جس کا نام مجھے نہیں دیا گیا سو جیسا کہ براہین احمدیہ میں خدا نے فرمایا ہے کہ میں (یعنی مرزا صاحب) آدم ہوں میں نوح ہوں میں ابراہیم ہوں میں اسحٰق ہوں میں یعقوب

ہوں، میں اسمٰعیل ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ بن مریم ہوں، میں محمد ﷺ ہوں یعنی بروزی طور پر۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۸۴)

(سوال ۲۱) اگر حضرت مرزا صاحب کی کسی کتاب سے یا کسی عبارت سے آپ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین نکلتی ہے تو کیا حضرت مرزا صاحب نے اس کے متعلق بار بار یہ نہیں فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین ہرگز نہیں کی گئی بلکہ ان حملوں کے جواب میں جو عیسائیوں نے حضرت محمد ﷺ پر کئے ہیں عیسائیوں کو الزامی رنگ میں جواب دیئے گئے ہیں۔

(جواب) مرزا صاحب نے یہ عذر کیا ہے مگر یہ عذر غلط ہے کیونکہ ان کی کتابوں میں اس طرح توہین موجود ہے کہ وہاں ---- عیسائیوں کو الزامی رنگ میں جواب دینے کا عذر چل ہی نہیں سکتا۔

(سوال ۲۲) کیا آپ مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی مرحوم کو جنہوں نے کتاب ازالۃ الاوہام فارسی میں لکھی تھی جانتے ہیں؟

(جواب) ہاں مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی کا نام اور کچھ حالات سنے ہوئے ہیں۔

(سوال ۲۳) کیا آپ مولوی آل حسن صاحب مرحوم کو جانتے ہیں؟ جو مولوی رحمت اللہ کے ہم عصر تھے اور عیسائیوں کے جواب میں انہوں نے کتاب استفسار لکھی تھی؟

(جواب) مولانا آل حسن صاحب مرحوم کے نام سے واقف ہوں۔

(سوال ۲۴) کیا آپ کو علم ہے کہ مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم اور مولوی آل حسن مرحوم نے اپنی کتابوں میں عیسائیوں کی تردید کرتے ہوئے الزامی رنگ میں اس قسم کی عبارت کا استعمال کیا ہے جیسے حضرت مرزا صاحب نے عیسائیوں کی تردید میں بعض عبارات لکھی ہیں مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم مہاجر مکی اور مولوی آل حسن صاحب مرحوم کی نسبت آپ کا کیا اعتقاد ہے؟

(جواب) ان کی عبارتیں پیش کرو تاکہ مرزا صاحب کی عبارتوں سے ان کا مقابلہ ہو سکے مولانا رحمت اللہ صاحب ایک بزرگ عالم تھے مولوی آل حسن صاحب سے میں زیادہ واقف نہیں ہوں۔

(سوال ۲۵) جس شخص نے مندرجہ ذیل عبارت اپنی کتاب میں لکھی ہیں اس کی نسبت آپ کا کیا فتویٰ ہے؟

(اے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ ہونا تو عقلاً مشتبہ ہے اس لئے کہ حضرت مریم یوسف کے نکاح میں نہیں تھی چنانچہ اس زمانہ کے معاصرین لوگ یعنی یہود جو کہتے ہیں وہ ظاہر ہے۔

(بی) تربیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی از روئے حکمت بہت ناقص ٹھہری۔

(سی) اگر پیشن گوئیاں انبیائے بنی اسرائیل اور ان کے حواریوں کی ایسی ہیں جیسے خواب اور مجذوبوں کی بڑ، اگر انہیں باتوں کا نام پیشگوئی ہے تو ہر ایک آدمی کے خواب اور ہر دیوانہ کی بات کو ہم پیشن گوئی ٹھہرا سکتے ہیں۔

(ڈی) عیسیٰ بن مریم آخر درمانده ہو کر دنیا سے انہوں نے وفات پائی۔

(ای) سب عقلاً جانتے ہیں کہ بہت سے اقسام سحر کے مشابہ ہیں معجزات سے - خصوصاً معجزات موسویہ و عیسویہ۔

(ایف)اشعیاہ اور ارمیاہ اور عیسیٰ کی غیب گوئیاں قواعد نجوم اور رمل سے بخوبی نکل سکتی ہیں بلکہ اس سے بہتر -
(جی)حضرت عیسیٰ کا معجزہ احیائے میت کا بعضے بھان متی کرتے پھرتے ہیں کہ ایک آدمی کا سر کاٹ ڈالا بعد اس کے سب کے سامنے دھڑ سے دھڑ ملا کر کہا اٹھ کھڑا ہو! وہ اٹھ کھڑا ہوا-
(ایچ) معجزات موسویہ و عیسویہ کے بسبب مشاہدہ کارخانہ سحر اور نجوم وغیرہ کے کسی کی نظر میں ان کا اعجاز ثابت نہیں ہو سکتا دوسرے یہ کہ معجزات موسویہ اور عیسویہ کی سی حرکات یہاں بہتوں نے کر دکھائیں-
(آئی)یسوع نے کہا میرے لئے کہیں سر رکھنے کی جگہ نہیں دیکھو یہ شاعرانہ مبالغہ ہے اور صریح دنیا کی تنگی سے شکایت کرنا قبیح ترین ہے-
(جے)جوان ہو کر اپنے بندے یحییٰ کا مرید ہوا اور آخر کار ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہا-
(کے)جس طرح اشعیاہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی بعض بلکہ اکثر پیشن گوئیاں ہیں جو صرف بطور معمے اور خواب کے ہیں جس پر چاہو منطبق کر لو باعتبار ظاہری معنوں کے محض جھوٹ ہیں یا مانند کلام یوحنا کے محض مجذوبوں کی سی بڑ ہیں-ویسی پیشن گوئیاں البتہ قرآن میں نہیں ہیں-
(ایل)حضرت عیسیٰ نے یہودیوں کو جو حد سے زیادہ گالیاں دیں تو ظلم کیا-
(ایم)کافروں نے معجزہ مانگا حضرت عیسیٰ نے ان کافروں کو جھڑک دیا اور تہدید و عید الٰہی کی' یا کچھ نہیں بولے' چپکے بیٹھے رہے اور ان کے ہاتھوں ذلتیں اٹھائیں-
(این)جناب مسیح اقرار می فرمایند کہ یحییٰ در بیابان می ماندند و ہمراہ جناب مسیح بسیار زناں ہمراہ می گشتند و مال خود رای خورانیدند و زنان فاحشہ پائہائے آنجناب رامی بوسیدند و آنجناب مرثاو مریم را دوست می داشتند و خود شراب برائے نوشیدن دیگر کساں عطامی فرمودند-
(او)و قتیکہ یہودا فرزند سعادت مند شاں از زوجہ پسر خود زنا کرد و حاملہ گشت و فارض را کہ از آباؤ اجداد سلیمانؑ و عیسیٰ علیہ السلام بود زائید-یعقوب علیہ السلام ہیچ کس را از ینہاسزائے ندادند-
(جواب) یہ تمام اقتباسات اصل کتابوں اور ان کے سیاق و سباق سے ملا کر پڑھے جائیں جب کچھ خیال قائم کیا جاسکتا ہے-
(سوال ۳۶) کیا آپ مولانا عبد الرحمٰن جامی مرحوم کو جانتے ہیں ؟اور کیا آپ کو علم ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب سلسلتہ الذہب میں فارسی میں مندرجہ ذیل نظم لکھی ہے ؟اگر آپ کو علم نہ ہو کہ یہ نظم کس نے لکھی ہے تو یہ فرماد یجئے کہ جس شخص نے یہ نظم لکھی الزامی رنگ میں حضرت علیؓ کی شان میں لکھی ہے وہ مسلمان ہے یا کافر ہو گیا؟

شیعیے پیش سیے فاضل — گفت کالے در علوم دیں کامل
باز گو رمزے از علی ولی — کہ ترا یا قسم ولی علی
گفت کاے در دلائے من واہی — از کدا میں علی سخن خواہی
زاں علی کش توئی ظہیر و معین — یا ازاں کش منم رہی و رہین

گفت من گرچہ اند کے دانم | در دو عالم علی یکے دانم
شرح ایں نکتہ را تمام بگو | آں کدامست وایں کدام بگو
گفت آں کو بود گزیدہ تو | نیست جز نقش تو کشیدہ تو

پیکرے آفریدہ بخیال | گزرانیدہ برو احوال
پہلوانے بروت مالیدہ | بہرکیں دروغا بگالیدہ
گربزے پرتہور و بیباک | کینہ خوی و مفتن و سفاک
بندہ نفس خویش چوں من و تو | فارغ از دین وکیش چوں من و تو
در خیبر بزور خود کندہ | بردہ تادوش دورش افگندہ
خلافت دلش بے مائل | شد ابوبکرؓ درمیاں حائل
بعد ابوبکرؓ خواست دیگر بار | لیکن آں بر عمرؓ گرفت قرار
چوں ازیں ورطہ رخت بست عمرؓ | شد خلافت نصیب یار دگرؓ
در تگ و پوئے بہر ایں مطلوب | ہمہ غالب شد ندواو مغلوب
باچنیں وہم وظن زنا دانی | اسد اللہ غالبش خوانی
ایں علی در شمار کرومہ | خود نبوداست ورنہ باشد بہ
واں علی کش منم بجاں بندہ | سیلت نفس شوم را کندہ
برصف اہل زیغ بادل صاف | بہر اعدائے دیں کشید مصاف
بودہ از غایت فتوت خویش | خالی از حول خویش و قوت خویش
ایں علی در کمال خلق و ہنر | عین بوبکرؓ بودو عین عمرؓ
نیست در ہیچ معنی و جہتے | رافضی رلبا و مشابہتے
او بموہوم خویش دارد رو | زانکہ موہوم اوست در خوراو
علے بہر خود تراشیدہ | خاطر از مہر او خراشیدہ

(جواب) مجھے معلوم نہیں کہ یہ نظم کس کی ہے اور شیعہ سنی سے اس میں کون اشخاص مراد ہیں نیز اس کا مضمون صاف ہے ایک موہوم "علی" کو کہا گیا ہے جو کچھ کہا گیا ہے اور دونوں پہلو آمنے سامنے موجود ہیں اس میں غلط فہمی کا کوئی امکان نہیں۔

(سوال ۲۷) کیا حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی بحد تعریفیں نہیں کیں؟

(جواب) آنحضرت ﷺ کی تعریف بے شک کی ہے لیکن جب کہ خود بھی آنحضرت ﷺ کے بروز بلکہ عین محمد ہونے کا دعویٰ بھی کردیا گیا بلکہ آنحضرت ﷺ سے بھی اپنے آپ کو بڑھادیا تو حضور ﷺ کی تعریف گویا اپنے آپ کو انتہائی معراج ترقی پر پہنچانے کی تمہید تھی (دیکھو جواب نمبر ۱۳)

(سوال ۲۸) کیا حضرت مرزا صاحب نے انبیاءؑ کی تحقیر کرنا اپنی کتابوں میں ناجائز قرار نہیں دیا؟
(جواب) یہی تو لطف ہے کہ ایک جگہ جس چیز کو ناجائز قرار دیتے ہیں دوسری جگہ اس ناجائز کا ارتکاب اس جرأت و دلیری سے کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔
(سوال ۲۹) یہ درست ہے یا نہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے مخالفوں نے انبیاءؑ کی توہین کرنے کا الزام آپ پر لگایا تھا اور آپ نے اپنی کتابوں میں بار بار اس کی تردید کی ہے؟
(جواب) انہوں نے اس الزام کی تردید کی ہے مگر تردید ناقابل قبول اور ناقابل اعتماد ہے جیسا کہ نمبر ۲۱ کے جواب میں کہہ چکا ہوں۔
(سوال ۳۰) حضرت مرزا صاحب کے دعوے سے پہلے جو لوگ اس امت کے گزرے ہیں ان کے متعلق حضرت مرزا صاحب کا کوئی فتویٰ اگر آپ نے حضرت مرزا صاحب کی کسی کتاب میں پڑھا ہے تو اس کا حوالہ دیجئے۔
(جواب) اس سوال کا مفہوم صاف نہیں۔
(سوال ۳۰/۱) اگر کوئی شخص حضرت مرزا صاحب کو مفتری قرار نہیں دیتا اور آپ کی تکفیر و تکذیب نہیں کرتا اور جو لوگ آپ پر کفر کا فتویٰ دینے والے ہیں ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتا اور وہ اہل قبلہ میں سے ہے تو ایسے شخص کے متعلق حضرت مرزا صاحب نے وہی فتویٰ دیا ہے جو آپ کی تکفیر و تکذیب کرنے والوں اور آپ کو مفتری قرار دینے والوں کے متعلق ہے تو اس کا حوالہ دیجئے؟
(جواب) ہاں مرزا صاحب کی عبارتوں میں مرزا صاحب کے اوپر ایمان نہ لانے والوں کو خدا ور سول پر ایمان نہ رکھنے والا قرار دیا گیا ہے دیکھئے مرزا صاحب کا قول ہے۔
”علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول ﷺ کو بھی نہیں مانتا“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳)
اور ان کا الہام ہے ”جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہو گا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے“
(اشتہار معیار الاخیار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نہم ص ۲۷ مجموعہ اشتہارات مرزا صاحب)
مرزا صاحب کے خلیفہ مرزا محمود احمد کا فتویٰ یہ ہے۔
”آپ (مرزا صاحب مسیح موعود) نے اس شخص کو جو آپ کو سچا جانتا ہو مگر مزید اطمینان کے لئے اس بیعت میں توقف کرتا ہے کافر ٹھیرایا ہے بلکہ اس کو بھی جو آپ کو دل میں سچا قرار دیتا ہے اور زبانی بھی آپ کا انکار نہیں کرتا لیکن ابھی بیعت میں اسے کچھ توقف ہے کافر ٹھیرایا ہے (ارشاد مرزا محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ تشحیذ الاذہان جلد نمبر ۶ نمبر ۴ اپریل ۱۹۱۱ء) منقول از قادیانی مذہب ص ۶۴۹ طبع پنجم۔
مرزا صاحب کا قول ہے ”پس یاد رکھو کہ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے اوپر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ چاہئیے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو“
(اربعین نمبر ۳ ص ۳۴) (مرزا صاحب سے) سوال ہوا کہ اگر کسی جگہ امام نماز حضور کے حالات سے واقف

نہیں تو اسکے پیچھے نماز پڑھ لیں یا نہ پڑھیں۔

حضرت مسیح موعود (یعنی مرزا صاحب) نے فرمایا کہ پہلے تمہارا فرض ہے اسے واقف کرو پھر اگر تصدیق نہ کرے نہ تکذیب کرے تو وہ بھی منافق ہے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو (ملفوظات احمدیہ حصہ چہارم ص ۱۴۶) از قادیانی مذہب ص ۲۶۳ طبع پنجم)

(سوال ۳۱) کیا یہ درست نہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے بعض مخالف مولویوں نے بعض دوسرے مولویوں کے پاس پہنچ کر آپ کے خلاف فتویٰ حاصل کیا اور حضرت مرزا صاحب نے اپنی طرف سے فتویٰ دینے میں ابتداء نہیں کی۔؟

(جواب) علمائے اسلام نے مرزا صاحب کے دعاوی باطلہ اور توہین انبیاء و تاویلات مردودہ کی بناء پر ان کے خلاف فتوے دیئے مگر مرزا صاحب نے علماء کے خلاف زہر افشانی اور سب و شتم بہت پہلے سے شروع کر رکھا تھا۔

(سوال ۳۲) کیا آپ شیخ الاسلام ابو العباس المعروف ابن تیمیہ کو جانتے ہیں ؟ آپ کے نزدیک وہ کیسے عالم تھے ؟ کیا آپ نے ان کی کتاب منہاج السنۃ جلد ۳ پڑھی ہے جس میں انہوں نے ص ۶۱ و ۶۲ میں بیان کیا ہے کہ خوارج حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ اور ان کے اری جماعت کو کافر کہتے تھے مگر حضرت علی اور ان کی جماعت خارجیوں کو کافر نہیں کہتے تھے اگر اس کا علم نہ ہو تو بتلادیجئے کہ بطور امر واقعہ یہ درست ہے یا نہیں کہ حضرت علیؓ اور ان کی جماعت خارجیوں کو کافر نہیں کہتے تھے ؟

(جواب) منہاج السنۃ میں نے پڑھی ہے مگر اس کا نسخہ اس وقت موجود نہیں ہے تاکہ حوالے کی صحت کی جانچ اور ان کی عبارت کا مطلب بیان کیا جاسکے۔

(سوال ۳۳) حضرت مرزا صاحب کے الہامات کے جو معنی اور تشریح آپ کرتے ہیں کیا حضرت مرزا صاحب بھی ان الہامات کے وہی معنی اور تشریح کرتے ہیں ؟ یا ان معنوں اور تشریح کو جو آپ کرتے ہیں حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں رد کیا ہے ؟

(جواب) مرزا صاحب کے الہامات بہت ہیں اور ممکن ہے کہ بعض الہامات کے معنی اور مطلب بیان کرنے میں مرزا صاحب اور دوسرے علماء متفق ہوں اور بعض الہامات ایسے بھی ہیں کہ خود مرزا صاحب بھی اس کے معنی سمجھنے سے قاصر رہے اور بعض الہامات کے معنی خود بدولت غلط سمجھے اور بعض الہامات کے معنی میں مرزا صاحب اور دوسرے علماء آپس میں مختلف ہیں۔

(سوال ۳۴) حضرت مرزا صاحب سے پہلے جو اولیاء اللہ اس امت میں ہوئے ہیں کیا ان پر بھی اس وقت کے علماء کی طرف سے اعتراضات ہوتے رہے ہیں یا نہیں ؟

(جواب) بعض بزرگوں پر ان کے زمانے کے مخالفین نے اعتراضات کئے ہیں۔

(سوال ۳۵) کیا آپ کوئی حوالہ پیش کر سکتے ہیں جس میں حضرت مرزا صاحب نے اپنا یہ عقیدہ لکھا ہو کہ انبیاء علیہم السلام صادق اور معصوم نہیں ہوتے۔

(جواب) حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق مرزا صاحب نے صاف لکھا ہے کہ ان کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی (دیکھو جواب ۱/۱۹)

(سوال ۳۶) حضرت مرزا صاحب سے پہلے جو مقبولان الٰہی اس امت میں گزرے ہیں کیا ان میں سے اکثر پر علمائے وقت کی طرف سے کفر کے فتوے نہیں لگائے جاتے رہے؟

(جواب) بعض بزرگوں کے متعلق تو ایسا ہوا ہے مگر یہ کلیہ نہیں کہ ہر بزرگ پر کفر کا فتویٰ لگا ہے نیز کیا یہ قاعدہ الٹا نہیں ہو سکتا کہ کاذب اور جھوٹے مدعیان نبوت اور دجالوں کی تصدیق کرنے والے بھی ہوتے رہے ہیں اور آج بھی صریح کفر کے مرتکبین کی جماعتیں موجود ہیں۔

(سوال ۳۷) جن علماء نے حضرت مرزا صاحب کے خلاف فتویٰ دیا ہے کیا وہ علماء آپس میں ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے نہیں دیتے۔

(جواب) اگر ایسا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب کے کفر پر مختلف العقائد علماء بھی متفق ہیں۔

(سوال ۳۸) حضرت مرزا صاحب کے مخالف علماء نے جو غلط عقائد مرزا صاحب کی طرف منسوب کئے ہیں ان کی تردید حضرت مرزا صاحب کی تصانیف میں موجود ہے یا نہیں؟

(جواب) غلط عقائد کونسے منسوب ہیں؟ ان کی تفصیل بیان کر کے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ ان کا رد مرزا صاحب کی کتابوں میں ہے یا نہیں؟

(سوال ۳۹) واضح کیجئے کہ نبوت مطلقہ اور نبوت تشریعیہ سے آپ کی کیا مراد ہے؟

(جواب) نبوت اور رسالت کے اندر اصطلاحی فرق کیا گیا ہے وہ یہ کہ نبی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ منصب نبوت عطا فرمائے وحی والہام سے نوازے مگر کتاب عطا نہ ہو اور رسول وہ ہے کہ اس کو نبوت عطا ہو وحی والہام سے نوازا جائے اور اس کو کتاب بھی عطا کی جائے اگر نبوت تشریعیہ سے مراد رسالت ہو تو اس کی تعریف یہ ہوگی جو اوپر مذکور ہوئی اور اس کے مقابل محض نبوت کو نبوت مطلقہ کہہ دیا جائے تو یہ ایک اصطلاحی بات ہوگی ورنہ نبوت حقیقیہ جو اللہ کی طرف سے ایک منصب عظیم ہے اس میں حقیقۃً نبوت تشریعیہ اور نبوت مطلقہ یا غیر تشریعیہ کا کوئی فرق نہیں ہے۔

(سوال ۴۰) نبوت مطلقہ اور نبوت تشریعی کا دعویٰ جس کتاب میں حضرت مرزا صاحب نے کیا ہے اس کا حوالہ دیجئے؟

(جواب) مرزا صاحب کا دعوائے نبوت ان کی کئی کتابوں میں صراحۃً موجود ہے تتمہ حقیقۃ الوحی 'اربعین' دافع البلاء وغیرہ۔ "اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اس نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے ہیں جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں"

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۸)

"سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا" (دافع البلاء ص ۱۱)

مرزا صاحب کا الہام قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (ای مرسل من اللہ) (البشریٰ جلد دوم ص ۵۶)

"ہلاک ہوگئے وہ لوگ جنہوں نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہ کیا مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا میں خدا کی سب راہوں میں آخری راہ ہوں - اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں" (کشتی نوح ص ۵۶)

مرزا صاحب کا الہام ہے - " انا ارسلنا احمد الی قومہ فاعرضو او قالوا کذاب اشر" (اربعین نمبر۳ ص ۴۰)

(سوال ۴۱) کوئی ایسا حوالہ دیجئے کہ جس میں حضرت مرزا صاحب نے ختم نبوت کے منکر پر اس فتوے کے خلاف فتوی دیا ہو جو آپ کے خیال میں دعوے سے پہلے دیتے تھے ؟

(جواب) ختم نبوت کے منکرین کے بارے میں مرزا صاحب کی پہلی تحریریں یہ ہیں -

"کیا ایسا بد بخت مفتری جو خود رسالت و نبوت کا دعویٰ کرتا ہے قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے بعد رسول اور نبی ہوں" (انجام آتھم ص : ۲۷)

"میں جناب خاتم الانبیاء ﷺ کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"

(اقرار مرزا صاحب تبلیغ رسالت جلد دوم ص ۴۴)

"ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اور آنحضرت ﷺ کے ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں -"

(اشتہار مرزا صاحب مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ششم ص ۲)

میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن و حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سید نا و مولانا حضرت محمد مصطفی ﷺ ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہو میرا یقین ہے وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گئی -

(اشتہار مرزا تبلیغ رسالت جلد دوم ص ۲۰)

اس کے بعد جب خود نبی بنے تو ختم نبوت کے معنی بدلنے لگے اور اپنی نبوت کا اعلان ہونے لگا مثلاً "سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بنا کر بھیجا" (دافع البلاء ص ۱۱) "یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت ﷺ کے وحی الہی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہے اور آئندہ قیامت تک اس کی کوئی امید بھی نہیں" (ضمیمہ براہین احمدیہ جلد پنجم ص ۱۸۳)

"اور آں حضرت ﷺ کو جو خاتم الانبیاء فرمایا گیا ہے اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ کے بعد دروازہ مکالمات و مخاطبات الہیہ کا بند ہے اگر یہ معنی ہوتے تو یہ امت ایک لعنتی امت ہوتی جو شیطان کی طرح ہمیشہ

سے خداتعالیٰ سے دورومہجور ہوتی" (ضمیمہ براہین احمدیہ پنجم ص ۱۸۳)
یعنی منکرین ختم نبوت کو یا تو پہلے کافر اور کاذب اور ملعون اور دائرۂ اسلام سے خارج کہتے تھے یا اب خود ہی نبی اور رسول بن گئے اور ختم نبوت کے عقیدہ کو لعنتی قرار دے دیا۔
(سوال ۴۲) کوئی ایسا حوالہ دیجئے جس میں حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہو کہ میں معجزات انبیاء کا قائل نہیں ہوں۔؟
(جواب) مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ کے معجزات کا انکار ان الفاظ میں کیا ہے "حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا اور اس دن سے کہ آپ نے معجزہ مانگنے والوں کو گندی گالیاں دیں اور ان کو حرام کار اور حرام کی اولاد ٹھیرایا اسی روز سے شریفوں نے آپ سے کنارہ کیا" (ضمیمہ انجام آتھم ص ۶)
"اور یہ اعتقاد بالکل غلط اور فاسد اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیح مٹی کے پرندے بنا کر اور ان میں پھونک مار کر انہیں سچ مچ کے جانور بنا دیتا تھا نہیں بلکہ صرف عمل الترب (یعنی مسمریزم) تھا جو روح کی قوت سے ترقی پذیر ہو گیا تھا" (ازالہ اوہام ص ۳۲۲)
اسی طرح معجزہ شق القمر وغیرہ کا انکار بھی مرزا صاحب کی کتابوں میں موجود ہے۔
(سوال ۴۳) کیا یہ درست ہے یا نہیں کہ جن لوگوں نے حضرت مرزا صاحب پر الزام لگایا کہ آپ انبیاء کے معجزات کا انکار کرتے ہیں آپ نے اپنی کتابوں میں ان کی تردید کی؟
(جواب) ہاں تردید بھی کرتے گئے اور خود انکار بھی کرتے رہے۔
(سوال ۴۴) باوجود اس اقرار کے کہ انبیاءؑ سے معجزات ظاہر ہوتے ہیں کسی شخص کا ایک خاص امر کی نسبت یہ کہنا کہ میرے نزدیک یہ معجزہ نہیں اور دوسرے کا اس خاص امر کے متعلق یہ کہنا کہ میرے نزدیک یہ معجزہ ہے کیا ایسا بیان کفر ہے؟
(جواب) اگر کوئی معجزہ متفق علیہا ہو تو اس کو معجزہ تسلیم نہ کرنا انکار ہی قرار دیا جائے گا۔
(سوال ۴۵) کیا یہ درست ہے کہ بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ قرآن مجید کی فلاں آیت میں فلاں معجزے کا ذکر ہے اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے کہ ان آیات میں معجزے کا ذکر نہیں گو اس بات میں ان کا اختلاف نہیں ہے کہ انبیاء سے معجزات ظاہر ہوتے ہیں؟
(جواب) خاص حوالہ دیکر اتفاق یا اختلاف کا سوال کرنا چاہئے۔
(سوال ۴۶) کیا یہ درست ہے کہ سر سید احمد خان بانی علی گڑھ کالج معجزات کے قائل نہ تھے؟
(جواب) سر سید احمد خان بہت سے معجزات کا انکار کرتے تھے۔
(سوال ۴۷) کیا یہ صحیح ہے کہ اجماع کی تعریف میں خود علمائے اسلام کا سخت اختلاف ہے؟
(جواب) اجماع کی تعریف میں اس کے شرائط میں اسکے احکام میں گو کچھ اختلاف ہے مگر وہ ایسا اختلاف نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے اجماع غیر معتبر ہو جائے قول صحیح اور راجح کی تعیین دلائل سے ہو سکتی ہے اور جو قول صحیح اور راجح ہے اس کے موافق اجماع کو حجت اور دلیل قرار دیا جا سکتا ہے۔

(سوال ۴۸) کیا حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے یہ فرمایا ہے کہ ومن ادعی الاجماع ھو کاذب جو شخص اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔؟

(جواب) امام احمد بن حنبلؒ کے اس قول کا حوالہ دیا جائے تو اس کے متعلق کچھ کہا جا سکتا ہے۔

(سوال ۴۹) اجماع امت کے حجتہ شرعیہ ہونے میں علمائے اسلام کا اختلاف ہے یا نہیں ؟

(جواب) اجماع کی کئی قسمیں ہیں بعض قسموں کے حجت ہونے میں بیشک اختلاف ہے مگر اجماعی قطعی کے حجت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(سوال ۵۰) کیا آپ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت پر اجماع ہے ؟ اگر یہ درست ہے تو فرمایئے وہ لوگ جو شیعہ مذہب رکھتے ہیں اور حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے منکر ہیں وہ مسلمان ہیں یا کافر ؟

(جواب) ہاں خلافت صدیقؓ پر اجماع ہے اور جو لوگ کہ خلافت صدیق کے منکر ہیں یعنی یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ ابو بکر صدیقؓ پہلے خلیفہ ہوئے وہ نہ صرف دائرہ اسلام سے خارج بلکہ جاہل اور قطعیات کے منکر ہیں۔

(سوال ۵۱) جو حکم اجماع امت کے منکر کا آپ بیان کرتے ہیں کیا اس حکم پر سب علمائے امت کا اتفاق ہے ؟

(جواب) اجماع قطعی کے منکر کا حکم متفق علیہ ہے۔

(سوال ۵۲) آپ حضرت مرزا صاحب کا کوئی ایسا حوالہ پیش کریں جس میں انہوں نے لکھا ہو کہ میں اجماع امت کا کلی منکر ہوں ؟

(جواب) بعینہ اس عبارت کا کوئی حوالہ تو مجھے یاد نہیں مگر مرزا صاحب نے اجماعیات کا انکار کیا ہے۔

(سوال ۵۳) ایک فرقہ کے علماء جو دوسرے فرقہ کے لوگوں کو کافر کہتے ہیں کیا باوجود ان کے دعویٰ اسلام کے ان کی عورتوں اور مردوں کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب) تکفیر کی مختلف وجوہ ہیں بعض صورتوں میں ارتداد کا حکم یقینی ہوتا ہے اور بعض میں ظنی اس لئے اس کے احکام بھی مختلف ہیں۔

(سوال ۵۴) حضرت مرزا صاحب اور آپ کے متبعین اپنی کتابوں میں اللہ تعالیٰ پر فرشتوں پر اور خدا تعالیٰ کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور نبیوں پر اور قیامت پر اور تقدیر پر اور حشر و نشر اور جنت و دوزخ پر اور قرآن شریف اور آنحضرت ﷺ کی نبوت پر اور کلمہ شریفہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر اپنا ایمان ظاہر کرتے ہیں یا نہیں ؟ اور اسی طرح نماز ' روزہ ' حج ' زکوۃ اور شریعت اسلامیہ کی پابندی کے متعلق حضرت مرزا صاحب کی اور آپ کے متبعین کی کتابوں میں ہدایات اور تاکیدات درج ہیں یا نہیں ؟

(جواب) ان چیزوں پر ایمان کا دعویٰ ان کی کتابوں میں ہے مگر بعض ایمانیات کی صورتیں انہوں نے بدل دی ہیں اور بعض میں تحریف کر کے ان کو مسخ کر دیا ہے۔

(سوال ۵۵) بانی سلسلہ احمدیہ اور آپ کی جماعت اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں یا نہیں ؟

(جواب) یہ لوگ اپنے مسلمان ہونے کے مدعی ہیں۔
(سوال ۵۶) آپ نے کسی سرکاری یونیورسٹی سے کوئی سند تحصیل علوم عربی کی حاصل کی ہے ؟ اگر حاصل کی ہے تو کونسی ؟ اور اس کی سند پیش کیجئے ؟
(جواب) میں نے کسی سرکاری یونیورسٹی سے کوئی سند حاصل نہیں کی۔
(سوال ۵۷) آپ کس فرقہ اسلام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ؟
(جواب) میں اہل السنت والجماعت حنفی مسلمان ہوں۔
(سوال ۵۸) جس مدرسہ میں آپ مدرس ہیں وہ سرکاری ہے یا پرائیویٹ ؟
(جواب) یہ مدرسہ سرکاری نہیں قومی ہے۔
(سوال ۵۹) آپ ماہوار تنخواہ کیا لیتے ہیں ؟
(جواب) میں (پچھتر روپے) ماہوار پاتا ہوں۔
(سوال ۶۰) کیا آپ کا تعلق دیوبندی جماعت سے نہیں ہے ؟
(جواب) ہاں میری تعلیم دارالعلوم دیوبند کی ہے۔
(سوال ۶۱) کیا دیوبندی خیالات کے لوگوں پر علماء کی کسی جماعت نے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا؟
(جواب) اس جماعت کے بعض افراد کے خلاف بعض لوگوں نے کفر کا فتویٰ دیا ہے مگر جن عقائد کی ان کی طرف نسبت کر کے کفر کا فتویٰ دیا ہے وہ در حقیقت ان کے عقائد نہیں ہیں غلط طور پر ان کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔
(سوال ۶۲) مولوی احمد رضا خان بریلوی اور ان کے ہم خیال علماء دیوبندی خیالات کے علماء اور لوگوں کو کافر اور مرتد سمجھتے ہیں یا نہیں ؟
(جواب) بعض علمانے ایسا کیا ہے۔
(سوال ۶۳) کیا دیوبندی خیال کے علماء نے مولوی احمد رضا خان بریلوی اور ان کے ہم خیال لوگوں پر کفر کا فتویٰ لگایا ہوا ہے یا نہیں ؟
(جواب) تمام دیوبندی علماء مولوی احمد رضا خان اور ان کی جماعت کی تکفیر نہیں کرتے۔
(سوال ۶۴) کیا یہ درست نہیں ہے کہ موٹے موٹے فرقہ ہائے اسلام مثلاً سنی 'شیعہ 'اہل حدیث وغیرہ کے علماء نے ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ لگایا ہوا ہے یا نہیں ؟
(جواب) کسی فرقہ کے بعض افراد نے دوسرے فرقہ کے بعض افراد پر مخصوص عقیدہ کی بنا پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔

مکرر سوالات متعلقہ جرح

(سوال ۱) متعلقہ جرح نمبر ۴۔ اگر سوال نمبر ۴ کا جواب اثبات میں ہو تو یہ بتلائیں کہ
الف۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور آسمانی کتابوں اور انبیاءِ کرام کے وجود کے قائل تھے یا

نہیں ؟اور اگر قائل تھے تو باایں ہمہ وہ از روئے قرآن مجید مسلمان ہیں یا کافر ؟اور اگر کافر ہیں تو کیوں ؟
(جواب) یہود و نصاریٰ اور مشرکین ان سب پر ایمان رکھتے ہوئے بھی اس لئے کافر ہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور انہوں نے مسیح کو خدا یا خدا کا بیٹا یا حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔یا غیر اللہ کی عبادت کی۔

(ب)مرزا صاحب کی کتب ہائے ذیل دیکھ کر بتلائیں کہ ان میں عقیدہ ہائے ذیل درج ہیں یا نہیں ؟
(۱)توضیح المرام طبع اول ص ۷۵ ہم فرض کر سکتے ہیں کہ قیوم العالمین ایک وجود اعظم ہے جس کے بیشمار ہاتھ اور بیشمار پیر اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہیں کہ تعداد سے خارج اور لاانتہا عرض اور طول رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں۔
(جواب)یہ مضمون توضیح المرام میں موجود ہے۔
(۲)حقیقۃ الوحی باب ۴ ص ۱۰۳" میں (خدا تعالیٰ) خطا بھی کروں گا اور صواب بھی یعنی جو میں چاہوں گا کبھی کروں گا اور کبھی نہیں۔میرا ارادہ پورا ہو گا اور کبھی نہیں۔
(جواب)مرزا صاحب کا یہ الہام ان کی کتاب الاستفسار کے ص ۸۶ میں موجود ہے اس کی عبارت یہ ہے۔**انی مع الرسول اجیب' اخطی واصیب** یعنی خدا فرماتا ہے میں رسول کے ساتھ ہوں قبول کرتا ہوں' خطا بھی کرتا ہوں' اور صواب بھی۔اور حقیقۃ الوحی ص ۱۰۳ میں ہے۔**انی مع الرسول اجیب اخطی واصیب** اور اس کا ترجمہ بین السطور میں اس طرح لکھا ہوا ہے"میں رسول کے ساتھ ہو کر جواب دوں گا اپنے ارادے کو کبھی چھوڑ بھی دوں گا اور کبھی پورا کروں گا۔
(۳)حقیقۃ الوحی ص ۷۴ **انت منی وانا منک** "تو مجھ سے ظاہر ہوا اور میں تجھ سے"
(جواب)یہ الہام الاستفسار کے ص ۸۰ میں موجود ہے اس کی عبارت یہ ہے۔**یا قمر یا شمس انت منی وانا منک** نیز دافع البلا کے صفحہ ۶ میں یہ بھی الہام موجود ہے مگر یا قمر یا شمس کے الفاظ نہیں ہیں اور حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۷۴ میں الاستفتاء کی عبارت کے موافق موجود ہے۔
(۴)دافع البلا ص ۴ **انت منی بمنزلۃ اولادی** ترجمہ اے مرزا تو میری اولاد کے بمنزلہ ہے۔
(جواب)دافع البلا ص ۶ میں یہ الہام موجود ہے۔**انت منی بمنزلۃ اولادی** اور یہ بھی ہے **انت منی وانا منک**۔

(۵)توضیح المرام ص ۲ طبع اول فرشتے روح کی گرمی کا نام ہے۔
(جواب)توضیح مرام کے ص ۲۴ میں یہ عبارت ہے"جب خدا تعالیٰ کی محبت کا شعلہ واقع ہو تو اس شعلہ سے جس قدر روح میں گرمی پیدا ہوتی ہے اس کو سکینت واطمینان اور کبھی فرشتہ وملک کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں"
(۶) توضیح مرام ص ۸۷ جبرائیل فرشتہ خدا کا عضو ہے۔
(جواب) توضیح مرام کے ص ۸۷ میں یہ عبارت ہے "سو وہ وہی عضو ہے جس کو دوسرے لفظوں میں

جبرئیل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے"
(۷) حقیقۃ الوحی ص ۸۴ "قرآن مجید خدا کی کلام اور میرے منہ کی باتیں ہیں"
(جواب) الاستفتاء ص ۸۲ پر موجود ہے۔ ان القرآن کتاب اللہ و کلمات خرجت من فوهی اور حقیقۃ الوحی کے ۸۴ میں یہ عبارت ہے "اس نشان کا مدعا یہ ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔"
(۸) ازالہ اوہام طبع قدیم ص ۲۶ طبع جدید ص ۱۱ "قرآن شریف سخت زبانی کے طریق کو استعمال کر رہا ہے"
(جواب) ازالہ اوہام میں یہ عبارت اس طرح ہے۔ "قرآن شریف جس آواز بلند سے سخت زبانی کے طریق کو استعمال کر رہا ہے ایک غایت درجہ کا غبی اور سخت درجہ کا نادان بھی اس سے بے خبر نہیں رہ سکتا" نیز اسی میں کہا ہے "ایسا ہی ولید مغیرہ کی نسبت (قرآن نے) نہایت درجہ کے سخت الفاظ جو بصورت ظاہر گندی گالیاں معلوم ہوتی ہیں استعمال کئے ہیں"
(۹) ازالہ اوہام طبع سوم ص ۱۲۶ اور ص ۱۲۷ "حضرت مسیح علیہ السلام عمل الترب میں کمال رکھتے تھے یعنی مسمریزی طریق سے بطور لہو ولعب کے"
(جواب) ہاں یہ مضمون ازالہ اوہام کے صفحہ ۱۲۶ اور ۱۲۷ میں موجود ہے اس کے آخر میں مرزا صاحب نے کہا ہے کہ "اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا"
(۱۰) ازالہ اوہام ص ۱۲۷ "معجزات مسیح مکروہ اور قابل نفرت ہیں"
(جواب) یہ اسی حوالہ کا خلاصہ ہے جو اوپر نمبر ۹ میں بیان ہوا۔
(۱۱) دافع البلاء ص ۱۵ "جس (مسیح) کے فتنہ نے دنیا کو تباہ کر دیا"
(جواب) ہاں دافع البلا کے ص ۱۵ میں یہ عبارت موجود ہے "لیکن ایسے شخص (یعنی مسیح) کو کسی طرح دوبارہ دنیا میں نہیں لا سکتا جس کے پہلے فتنہ نے ہی دنیا کو تباہ کر دیا ہے"
(۱۲) دافع البلا صفحہ آخر "عیسیٰ علیہ السلام نے یحییٰ کے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کی تھی"
(جواب) دافع البلاء میں یہ مضمون موجود ہے "اور پھر یہ کہ حضرت عیسیٰ نے یحییٰ کے ہاتھ پر جس کو عیسائی یوحنا کہتے ہیں جو پیچھے ایلیا بنایا گیا اپنے گناہوں سے توبہ کی تھی"
(۱۳) دافع البلاء ص ۲۰ "میں اس (عیسیٰ) سے بڑھ کر ہوں"
(جواب) دافع البلاء ص ۲۰ میں یہ مضمون موجود ہے عبارت یہ ہے "اب خدا بتلاتا ہے کہ دیکھو میں اس کا (یعنی مسیح کا) ثانی پیدا کروں گا جو اس سے بھی بہتر ہے جو غلام احمد ہے یعنی احمد کا غلام"
(۱۴) ازالہ اوہام ص ۴ "مسیح کی پیشن گوئیاں اوروں سے زیادہ غلط نکلیں"
(جواب) ازالہ اوہام ص ۴ میں یہ عبارت موجود ہے "حضرت مسیح کی پیشن گوئیاں اوروں سے زیادہ غلط نکلیں" اور ص ۳ میں ہے "اس سے زیادہ قابل افسوس امر یہ ہے کہ جس قدر حضرت مسیح کی پیشن گوئیاں غلط نکلیں

اس قدر صحیح نہیں نکل سکیں۔"

(۱۵) حقیقۃ الوحی ص ۸۹ "تیرا یعنی مرزا غلام احمد کا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا"

(جواب) یہ الہام عربی عبارت میں الاستفتا کے ص ۸۳ پر موجود ہے - عبارت یہ ہے "ولکن سریرك وضع فوق کل سریر" ترجمہ "لیکن تیرا تخت ہر تخت سے اوپر رکھا گیا" اور حقیقۃ الوحی کے ص ۸۹ میں بھی یہ لفظ ہیں "آسمان سے کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا"

(۱۶) حاشیہ تحفہ گولڑویہ ص ۱۱۲ "خدا نے آنحضرت ﷺ کے چھپانے کے لئے ایک ذلیل جگہ تجویز کی جو متعفن اور حشرات الارض کی نجاست کی جگہ تھی۔

(جواب) ہاں یہ عبارت تحفہ گولڑویہ سائز کلاں طبع ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۶۹ کے حاشیہ پر موجود ہے "اور خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے چھپانے کے لئے ایک ایسی ذلیل جگہ تجویز کی جو نہایت متعفن اور تنگ و تاریک اور حشرات الارض کی نجاست کی جگہ تھی"

(۱۷) ازالہ اوہام طبع سوم صفحہ ۵۸ خدا کے تائید یافتہ بندے قیامت کا روپ بن کر آتے ہیں اور انہیں کا وجود قیامت کے نام سے موسوم ہو سکتا ہے"

(جواب) ازالہ اوہام ص ۵۸ میں یہ عبارت موجود ہے -اگر عقیدہ ہائے مذکورہ بالا کتب ہائے مذکورہ بالا میں درج ہیں تو ایسے عقیدے رکھنے والا شخص مسلمان کہلا سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں کہلا سکتا تو کیوں ؟ حالانکہ وہ خدا کے وجود اور فرشتوں کے اور قیامت کے وجود کا بھی قائل ہے سب قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ کے حوالے سے دیویں -مرزا صاحب ان عبارتوں اور عقیدوں اور ان کے علاوہ اور بھی ایسے عقائد ہیں جن کی وجہ سے خارج از اسلام ہیں اور کوئی شخص جو ان جیسے عقائد رکھتا ہو مسلمان نہیں رہ سکتا۔

(۲) متعلقہ جرح نمبر ۵' ۶

(الف) مرزا صاحب نے ازالہ اوہام ص ۵۵۶ پر تواتر کو حجت تسلیم کیا ہے یا نہیں ؟ اور کیا رسالہ عقائد احمدیت ص ۱۲ پر مرزا صاحب کا یہ عقیدہ درج ہے کہ "سنت ایک عملی طریق ہے جو اپنے ساتھ تواتر رکھتا ہے جو آنحضرت نے جاری کیا اور یقینی مراتب میں قرآن شریف سے دوسرے درجہ پر ہے۔

(جواب) ہاں ازالہ اوہام ص ۲۳۰ طبع سوم پر مرزا صاحب نے تواتر کو حجت تسلیم کیا ہے رسالہ عقائد احمدیت اس وقت موجود نہیں ہے۔

(ب) حضرت عیسیٰ کی حیات کا عقیدہ آنحضور ﷺ کے عہد مبارک سے لیکر آج تک مروج ہے اور معمول خاص و عام چلا آتا ہے یا نہیں ؟ اور کتب عقائد مذکور تواتر کی حد تک پہنچتا ہے یا نہیں ؟

(جواب) حیات و نزول عیسیٰ کا عقیدہ امت میں آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے آج تک چلا آتا ہے کتب عقائد میں بھی اس کو بیان کرتے ہوئے چلے آئے ہیں۔

(ج) عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے تواتر کے منکر کے لئے شرعاً کیا حکم ہے ؟

(جواب) ایسا شخص جاہل اور معاند ہے اور اس کے لئے وہی فتویٰ ہو سکتا ہے جو مرزا صاحب نے خود ازالہ اوہام کے ص ۲۲۱ میں دیا ہے وہ یہ ہے
"اب اس قدر ثبوت پر پانی پھیرنا اور یہ کہنا کہ یہ تمام حدیثیں موضوع ہیں در حقیقت ان لوگوں کا کام ہے جن کو خدا تعالیٰ نے بصیرت دینی اور حق شناسی سے کچھ بھی بخرہ اور حصہ نہیں دیا"
(د) کیا وفات مسیح کا عقیدہ بھی کتب عقائد میں درج ہو کر اس کی تعلیم دی جاتی ہے یا نہیں؟
(جواب) وفات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ کتب عقائد میں مذکور نہیں اور نہ اس کی تعلیم دی جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ وفات پا گئے۔
(ہ) سر سید اور ابن حزم و سید رضا اور محمد طاہر گجراتی کے ذاتی خیالات و عقائد اجماع امت کے مقابلہ میں اسلام کے لئے حجت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور مفسرین مذکورین مسلمانوں کے پیشوا معتمد علیہ ہیں یا نہیں؟
(جواب) سر سید احمد خان اور ابن حزم اور سید (رشید) رضا اور محمد طاہر گجراتی کے ذاتی خیالات حجت شرعیہ نہیں۔
(و) شیخ محمد عبدہ کی تفسیر اور کتاب محلی مسلمانوں میں مروج اور مدارس اسلامیہ میں زیر تعلیم ہے یا نہیں؟
(جواب) شیخ محمد عبدہ کی تفسیر اور کتاب محلی یہاں مسلمانوں میں مروج نہیں نہ مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب ہے۔
(ز) مجمع البحار عقائد کی کتاب ہے یا لغت کی؟ کتاب ہذا میں امام مالکؒ کے قول (مات عیسیٰ) کے کیا معنی کئے گئے ہیں۔
(جواب) مجمع البحار لغات کی کتاب ہے عقائد یا حدیث کی کتاب نہیں احادیث کا ذکر لغات کے ضمن میں تبعاً آجاتا ہے امام مالکؒ سے یہ قول ثابت نہیں اور یہ بھی ثابت نہیں کہ مالک سے امام مالک مراد ہیں یا اور کوئی۔
(ح) کتاب مذکور ص ۲۸۶ ج ۱ میں تحریر ہے کہ "عیسیٰ علیہ السلام کا نزول حد تواتر کو پہنچتا ہے"
(جواب) ہاں مجمع البحار ص ۲۸۶ ج ۱ میں یہ عبارت موجود ہے لتواتر خبر النزول یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر متواتر ہونے کی جہت سے نیز اسی کتاب کے تکملہ کے صفحہ ۸۵ میں ہے بان یتزوج ویولد له وکان لم یتزوج قبل رفعه الی السماء (انتہی مختصراً) یعنی حضرت عیسیٰ نازل ہو کر نکاح کریں گے اور اولاد بھی ہو گی کیونکہ آسمان پر جانے سے پہلے انہوں نے نکاح نہیں کیا تھا۔
(ط) قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور تواتر کے مقابلہ میں چند اشخاص کے خیالات درست عقیدہ قائم کرنے کے لئے حجت ہو سکتے ہیں؟
(جواب) نہیں ہو سکتے۔

(۳) متعلقہ جرح نمبر ۷

(الف) مرزا صاحب کا فتویٰ فتاویٰ احمدیہ ص ۸۱ ج ۲ میں تحریر ہے "(جنگ) جہاد کا فتویٰ فضول ہے اب

آسمان سے نو۔ حد اکا نزول ہے" نیز رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد میں مرزا صاحب نے جہاد کو غیر ضروری قرار دیا ہے کیا یہ عقیدہ قرآن شریف کے عقیدے کے موافق ہے یا بر خلاف ؟
(جواب) جہاد کے فضول ہونے کا عقیدہ جو مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے قرآن و حدیث اور اجماع امت کے خلاف ہے اس سے لازم آتا ہے کہ مرزا صاحب نے شریعت محمدیہ کے ایک قطعی حکم کو منسوخ کر دیا جو صریح کفر ہے۔

(۴) متعلقہ جرح نمبر ۸ اے -بی

(الف) ازالہ اوہام ص ۴۲۲، ۷۶۱ اور حمامۃ البشریٰ ص ۹۶ کی عبارت پڑھ کر کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ مرزا صاحب نے ختم نبوت کو تسلیم کیا یا نہیں ؟ اور اپنی نبوت کی نفی کی یا نہیں ؟
(جواب) ازالہ اوہام ص ۳۱۰ طبع سوم میں ہے " قرآن کریم بعد خاتم النبیین کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا کیونکہ رسول کو علم دین بتوسط جبرئیل ملتا ہے اور باب نزول جبرئیل بہ پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آوے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو"
اور حمامۃ البشریٰ ص ۶۸ پر لکھتے ہیں۔" وکیف یجیئ نبی بعد رسولنا صلی اللہ علیہ وسلم وقد انقطع الوحی بعد وفاتہ و ختم اللہ بہ النبیین۔" یعنی ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نبی کس طرح آسکتا ہے حالانکہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد وحی منقطع ہو گئی اور حضور اکرم ﷺ پر اللہ نے انبیاء کا سلسلہ بند کر دیا۔
(ب) نزول مسیح ص ۲ و تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۵ دیکھ کر بتلائیں کہ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا یا نہیں ؟ اور اگر کیا تو کیا یہ دعویٰ ختم نبوت کا عملاً و عمداً انکار ہے یا نہیں ؟
(جواب) نمبر ۴۱ کے جواب میں مرزا صاحب کی وہ عبارتیں نقل کر چکا ہوں جن سے ان کا دعوائے نبوت ثابت ہوتا ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ پہلے وہ آں حضرت ﷺ کو خاتم النبیین مانتے تھے اور بعد میں انہوں نے ختم نبوت کا انکار کر دیا بلکہ ختم نبوت کے عقیدے پر اعتراض جڑے اور اس کی ہنسی اڑائی۔

(۵) متعلقہ جرح نمبر ۹

(الف) کیا چراغ دین ساکن جموں نے جو متبع شریعت محمدیہ ہونے کے علاوہ مرزا صاحب کا مرید بھی تھا دعویٰ نبوت کا مرزا صاحب کے دائرہ ارادت میں کیا مرزا صاحب نے اس کے متعلق دافع البلاء ص ۲۱ پر لعنۃ اللہ علی الکافرین کا تمغہ عطا کر کے کفر کا فتویٰ دیا یا نہیں اس کے علاوہ مختار ثقفی اور ابو الطیب متبنی وغیرہ نے دعوائے نبوت عہد اسلام میں آں حضور کی پیروی کرتے ہوئے کیا ان کی بابت شرع نے کیا حکم دیا اور ان کا کیا حشر ہوا؟
(جواب) ہاں دافع البلاء میں چراغ دین کو مدعی رسالت ہونے کی بناء پر لعنۃ اللہ علی الکافرین کا حکم سنایا

ہے اور اس کی رسالت کو ناپاک رسالت قرار دیا ہے اسلام نے حضور ﷺ کے بعد ہر مدعی نبوت کو کاذب اور ملعون قرار دیا اور مدعیان نبوت میں سے اکثر ذلت اور خواری سے قتل کئے گئے -

(ب) کیا قرآن مجید کے الفاظ خاتم النبیین (جس کا معنی مرزا صاحب نے ازالہ اوہام ص ۶۱۵ طبع اول میں ختم کرنے والا نبیوں کا کیا ہے) کے متعلق قرآن مجید میں یہ بتلایا گیا ہے کہ بعض قسم کے نبیوں کی تعداد ختم ہو گئی ہے اور بعض قسم کی ختم نہیں ہوئی اگر یہ نہیں بتلائی گئی تو پیروی کرنے والے اور غیر پیروی کرنے والے ہر قسم کے نبیوں کی تعداد ختم مانی جائے گی یا نہیں؟

(جواب) مرزا صاحب نے ازالہ اوہام ص ۶۱۴ میں خاتم النبیین کے معنی خود یوں کئے ہیں "ختم کرنے والا نبیوں کا" اس کی تشریح خود یوں بیان کی ہے " یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی اکرم ﷺ کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا"

اس کے علاوہ ہم جواب ۱۴ کے ماتحت مرزا صاحب کی عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں انہوں نے خود حضور اکرم ﷺ کے بعد ہر مدعی نبوت و رسالت کو کاذب اور کافر قرار دیا ہے اور قرآن مجید کی آیت "خاتم النبیین" کا یہ مفہوم کہ آں حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آسکتا مرزا صاحب نے اہل سنت والجماعت کا مسلم الثبوت عقیدہ تسلیم کیا ہے اور فی الحقیقت تمام امت محمدیہ کا یہی عقیدہ ہے کہ نبوت بالکلیہ ختم ہو چکی ہے -

(ج) کیا شیخ ابن عربی اور ملا علی قاری اور مولانا محمد قاسم اور مولانا عبدالحئی اور شیخ محمد طاہر یا کسی اور معتبر عالم نے اپنی کسی کتاب میں یہ اعتقاد ظاہر کیا ہے کہ آنحضور ﷺ کے بعد نیا نبی پیدا ہو گا یا ہو سکتا ہے بشرطیکہ اعتقادی بات لکھی ہو نہ کہ فرضی یا شرعی نیز نبی کے ساتھ جدید کی صفت بھی ایزادی ہونہ کہ پرانا -

(جواب) ان بزرگوں نے اور کسی معتبر عالم نے یہ نہیں لکھا کہ حضور ﷺ کے بعد کسی کو منصب نبوت عطا ہو گا اور کوئی نبی بن کر مبعوث ہو سکے گا -

(د) مجمع البحار ص ۸۵ پر درج ہے یا نہیں کہ آنحضور ﷺ کے بعد نبی کے آنے سے مراد عیسیٰ کا نزول ہے -

(جواب) تکملہ مجمع البحار ص ۸۵ میں ہے **وھذا ناظر الی نزول عیسیٰ** یعنی حضور کے بعد جو نبی آنے والا ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو نازل ہوں گے اور وہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل کے نبی ہیں یعنی حضور ﷺ کی بعثت کے بعد ان کو منصب نبوت عطا نہیں ہو گا -

(ہ) کیا رسالہ عقائد احمدیہ ص ۱۴ میں مرزا صاحب کا اصول درج ہے کہ "جو حدیث قرآن مجید اور صحیح بخاری کے مخالف ہو وہ قبول کے لائق نہیں" کیا اصول مذکورہ کے مطابق حدیث مندرجہ سوال بوجہ مخالفت آیت قرآن (خاتم النبیین) اور حدیث صحیح بخاری ص ۵۸ جلد ۴ مطبوعہ مصر اور ابن ماجہ (لو قضی ان یکون بعد محمد نبی لعاش ابنہ ولکن لا نبی بعدہ) کے قابل رد ہے یا نہیں؟ و نیز حدیث مندرجہ سوال کے متعلق حاشیہ ابن ماجہ میں مرقوم ہے کہ حدیث مندرجہ سوال جرح کا راوی متروک ہے (قابل قبول نہیں) اور کیا جس طرح آیت ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین

تو حدیث باری تعالیٰ والفاظ سورۂ اخلاص لم یلد کے منافی نہیں اسی طرح حدیث مندرجہ سوال بفرض صحت ختم رسالت کے منافی نہیں یا ہے ؟

(جواب) کتاب عقائد احمدیت تو موجود نہیں مگر یہ اصول مرزا صاحب نے کئی کتابوں میں لکھا ہے مثلاً حمامۃ البشریٰ مترجم ص ۳۰ میں لکھتے ہیں" ولا اظن احدا من العالمین العاملین المتقین ان یقدم غیر القراٰن علی القراٰن او یضع القراٰن تحت حدیث مع وجود التعارض بینھما و یرضی له ان یتبع احاد الاٰثار و یترك بینات القراٰن"

یعنی میں تو کسی عالم باعمل پر بدگمانی نہیں کر سکتا کہ وہ غیر قرآن کو قرآن پر مقدم کرے اور باوجود تعارض کے قرآن و حدیث کے قدموں کے نیچے ڈال دے اور اپنے لئے پسند کرے کہ ان آثار کا متبع ہو کر جو آحاد ہیں قرآن کے بینات کو ترک کرے" پس اس قاعدہ کے ماتحت حدیث لو قضی ان یکون بعد محمد نبی لعاش ابنه صحیح اور درست ہے اور لو عاش کان نبیا والی روایت ناقابل اعتماد ہے۔

کتاب تمیز الطیب من الخبیث میں حدیث لو عاش ابراھیم لکان نبیاً کے متعلق لکھا ہے قال النووی فی تھذیبه ھذاالحدیث باطل یعنی امام نووی نے اپنی کتاب "تہذیب" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے

الغرض حدیث لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا اول تو صحیح نہیں اور بفرض صحت اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی ہو سکتا ہے آیت خاتم النبیین قطعی ہے اور ختم نبوت کا مسئلہ اجماعی مسئلہ ہے مرزا صاحب نے خود اسی مضمون کو اپنی پہلی کتابوں میں تسلیم کیا ہے کہ " تمام اہل سنت والجماعت کا مسلم الثبوت عقیدہ یہی ہے" وہ حمامۃ البشریٰ مترجم ص ۲۸ میں لکھتے ہیں۔

و کیف یجیئ نبی بعد رسولنا صلی الله علیه وسلم وقد انقطعت الوحی بعد وفاته و ختم الله به النبیین یعنی اور آنحضرت کے بعد کوئی نبی کیونکر آوے حالانکہ آپ کی وفات کے بعد وحی نبوت منقطع ہو گئی ہے اور آپ کے ساتھ نبیوں کو ختم کر دیا ہے"

اس سے پہلے لکھ چکے ہیں (ص ۲۶ حمامۃ البشریٰ مترجم) الا تعلم ان الرب الرحیم المتفضل سمی نبیا صلی الله علیه وسلم خاتم الانبیاء بغیر استثناء و فسره نبینا فی قوله لا نبی بعدی بیان واضح للطالبین ولو جوزنا ظھور نبی بعد نبینا صلی الله علیه وسلم لجوزنا انفتاح باب وحی النبوة بعد تغلیقھا و ھذا خلف کما لا یخفی علی المسلمین۔

یعنی کیا تو نہیں جانتا کہ اس محسن رب نے ہمارے نبی کا نام خاتم الانبیاء رکھا ہے اور کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا اور آنحضرت نے طالبوں کے لئے بیان واضح سے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور اگر ہم آنحضرت کے بعد کسی نبی کا ظہور جائز رکھیں تو لازم آتا ہے کہ وحی نبوت کے دروازے کا انفتاح بھی بند ہونے کے بعد جائز خیال کریں اور یہ باطل ہے جیسا کہ مسلمانوں پر پوشیدہ نہیں۔

ان عبارتوں سے مرزا صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی حتیٰ کہ عیسیٰ بن مریم

بھی نہیں آسکتے کیونکہ یہ خاتم النبیین اور لا نبی بعدی کے خلاف ہے" اور اس میں صاف اقرار ہے کہ حضور کی وفات کے بعد وحی نبوت بند ہو چکی اور اب اس کا دروازہ کھلنا محال اور باطل ہے۔

(۵) متعلقہ جرح نمبر ۱۰

اگر کوئی شخص کسی عالم یا محدث کو دنیا کا آخری عالم یا آخری محدث بنائے اس کا یہ کہنا اپنی دانست کے مطابق اور اپنی معلومات کی بناء پر ہو گا یا خدا کے علم کے مطابق کہا ہو گا اور کیا قرآن مجید میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے اور لوگوں کے ایسے الفاظ بولنے سے قرآن مجید اور احادیث صحیح کے قانون مقرر کردہ میں کچھ فرق آجاتے گا یا نہیں ؟

(جواب) میں جواب ۱۰ میں بیان کر چکا ہوں کہ ہمار اکسی کو خاتم المحد ثین یا خاتم الفقہاء کہنا مبالغہ کی جہت سے ہوتا ہے نہ کہ حقیقت کے لحاظ سے مگر حضور ﷺ کا لقب خاتم الانبیاء خاتم النبیین حقیقت پر مبنی ہے اس کو مبالغہ پر حمل نہیں کر سکتے۔

(۶) متعلقہ جرح نمبر ۱۳

حقیقۃ الوحی ص ۸۹ دیکھ کر بتلائیں کہ مرزا صاحب نے اس میں لکھا ہے یا نہیں ؟ کہ "آسمان سے کئی تخت اترے پر تیرا تخت (یعنی مرزا صاحب کا) سب سے اوپر بچھایا گیا ہے۔"

نیز تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۶ میں لکھا ہے یا نہیں کہ "میرے معجزات اس قدر ہیں کہ بہت کم نبی ایسے آئے جنہوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہوں۔"

اور نزول مسیح ص ۹۹ میں لکھا ہے یا نہیں :-

آدم نیز احمد مختار
در برم جامہ ہمہ ابرار
کم نہ ام زاں ہمہ بروے یقین
ہر کہ گوید دروغ ہست لعین

اور تحفہ گولڑویہ خورد ص ۶۳ پر مرزا صاحب نے یہ تحریر کیا ہے کہ "آنحضور کے تین ہزار معجزات تھے" اور براہین احمدیہ جلد پنجم ص ۵۶ پر یہ تحریر ہے کہ "مرزا صاحب کی نشانیاں اور معجزات دس لاکھ سے زیادہ ہیں۔"

کیا عبارات مندرجہ بالا سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا کہ مرزا صاحب تمام انبیاء سے افضل ہیں ؟

(جواب) مرزا صاحب کے یہ اقوال میں اوپر بھی بتا چکا ہوں اور مزید حوالے بھی اب بتاتا ہوں۔

"آسمان سے کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا" (حقیقۃ الوحی ص ۸۹) نزلت سرر من السماء ولکن سریرك وضع فوق کل سریر (الاستفتا نمبر ۸۳) یعنی آسمان سے کئی تخت اترے لیکن تیرا

تخت سب سے اوپر بچھایا گیا" خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا جواب یہ ہے کہ اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنہوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہوں۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۶)

نزول المسیح ص ۹۹ میں یہ شعر موجود ہیں اور تحفہ گولڑویہ سائز کلاں کے ص ۴۰ میں یہ مضمون ہے کہ آنحضرت ﷺ سے تین ہزار معجزات ظہور میں آئے" اور براہین احمدیہ پنجم ص ۵۶ پر یہ مضمون ہے۔

"ان چند سطروں میں جو پیشن گوئیاں ہیں وہ اس قدر نشانوں پر مشتمل ہیں جو دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے اور نشان بھی ایسے ایسے کھلے کھلے ہیں جو اول درجہ پر خارق عادت ہیں" اور حقیقۃ الوحی ص ۶۷ پر لکھتے ہیں کہ " میری تائید میں اس نے (خدا نے) وہ نشان ظاہر فرمائے ہیں کہ آج کی تاریخ سے جو ۱۶ جولائی ۱۹۰۶ء ہے اگر میں ان کو فرداً فرداً شمار کروں تو میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں"

ان عبارتوں سے اور نیز ان عبارتوں سے جو ہم نے سوال نمبر ۱۳ کے جواب میں لکھوائی ہیں یہ بات آفتاب کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ مرزا صاحب تمام انبیا اور آنحضرت ﷺ سے بھی افضل ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے حضور ﷺ کی روحانیت کو ہلال اور اپنی روحانیت کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دیتے تھے۔

(۷) متعلقہ جرح نمبر ۱۷، ۱۸

یہ جرح متعلق مقدمہ ہذا نہیں ہے اور نہ گواہ سے تعلق رکھتا ہے

(۸) متعلقہ جرح نمبر ۱۹

یہ جرح بھی غیر متعلق ہے فریق مقدمہ میں سے کوئی شیعہ نہیں ہے

(۹) متعلقہ جرح نمبر ۱/۱۹

کیا ایک شخص باوجود کسی کے دعویٰ محبت کرنے کے اس کی توہین کر سکتا ہے یا نہیں؟ مرزا صاحب نے آپ کے علم میں عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی ہے یا نہیں؟ کیا مرزا صاحب نے دافع البلاء ص ۳۰ میں یہ تحریر کیا ہے کہ :- " ابن مریم کے ذکر کو چھوڑ دو - اس سے بہتر غلام احمد ہے" اور کیا منافق لوگ دعویٰ ایمان کے باوجود آں حضور ﷺ کی شان میں توہین کے الفاظ استعمال کرتے تھے یا نہیں؟ اور کیا مرزا صاحب نے کشتی نوح کے ص ۶۳ و ۷۳ پر حضرت عیسیٰ کی عزت کا دم بھر کے ان کے والدہ ماجدہ پر ناپاک اتہام لگایا ہے کہ انہوں نے حمل کی حالت میں نکاح کیا تھا اس کی مخصوصیت کے متعلق قرآن میں کیا ذکر ہے۔

(جواب) بہت سے دعویٰ محبت کرنے والے بھی توہین کرتے ہیں خصوصاً جب کہ یہ دعویٰ صدق و اخلاق پر مبنی نہ ہو مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی ہے جیسا کہ ہم سوال نمبر ۱۹ کے جواب میں لکھوا چکے ہیں دافع البلاء ص ۲۰ میں یہ شعر موجود ہے ابن مریم کے ذکر کو چھوڑ دو - اس سے بہتر غلام احمد ہے نیز اسی دافع البلاص ۲۰ پر ہے" اور اگر تجربہ کی رو سے خدا کی تائید مسیح ابن مریم سے بڑھ کر میرے ساتھ نہ ہو تو میں جھوٹا ہوں۔"

اور ازالتہ الاوہام ص ۱۵۸ پر ہے۔

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم
عیسیٰ کجاست تابنہد پابہ منبرم

(۱۰) متعلقہ جرح نمبر ۲۰

اگر زید یہ دعویٰ کرے کہ میں انگلستان کے بادشاہ کا مثیل ہوں یا در حقیقت شاہ انگلستان ہوں کیا یہ شاہ انگلستان کی توہین نہیں کیا مرزا صاحب مثیل مسیح کا دعویٰ ترک کر کے خود مسیح موعود بنے یا نہیں ؟ اس کے متعلق ازالہ اوہام ص ۱۹۰ طبع اول اور نزول مسیح ص ۴۸ اور دافع البلاص ۳۰ کا ملاحظہ کر کے جواب دیں مثیل مسیح موعود اور خود مسیح موعود میں فرق بتلادیں۔

(جواب) ہم سوال نمبر ۲۰ کے جواب میں لکھوا چکے ہیں کہ مرزا صاحب نہ صرف مثیل مسیح بنے بلکہ وہ تمام انبیاء کے مثیل بنے پھر آنحضرت ﷺ کے بروز بن گئے یہاں تک کہ پکار اٹھے من فرق بینی و بین المصطفی فما عرفنی وما رانی (خطبہ الہامیہ ص ۱۷۱) یعنی جو شخص مجھ میں اور مصطفےٰ میں تفریق کرتا ہے اس نے مجھ کو نہ دیکھا اور نہ پہچانا اور ایک جگہ لکھتے ہیں "میں محمد ﷺ ہوں یعنی بروزی طور پر" (تتمہ حقیقتہ الوحی ص : ۸۵) غرضکہ مثیل مسیح موعود سے ترقی کر کے مسیح موعود بلکہ آنحضرت ﷺ کے بروز بن گئے بلکہ حضور ﷺ سے افضلیت کا دعویٰ کر دیا اور اس سے بڑھ کر انبیاء اور آنحضرت ﷺ کی توہین اور کیا ہو گی

(۱۱) متعلقہ جرح نمبر ۲۱

کیا کسی مخالفت کی وجہ سے کسی معزز کی توہین کرنا درست ہے یا نہیں ؟ کیا قرآن مجید کی سورہ مائدہ میں ہے کہ "کسی قوم کی دشمنی تمہیں مجرم نہ بنادے" کیا مرزا صاحب نے ضمیمہ انجام آتھم ص ۷ میں لکھا ہے کہ " آپ یعنی عیسیٰ کا خاندان بھی نہایت ناپاک ہے تین دادیاں نانیاں زناکار کسبیاں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا" نیز صفحہ ۵ میں لکھا ہے کہ "آپ کو یعنی عیسیٰ کو جھوٹ بولنے کی بھی کسی قدر عادت تھی اور بد زبانی کی اکثر عادت تھی۔"

(جواب) الزامی رنگ میں بھی ایسا جواب نہیں دیا جا سکتا جس سے کسی معزز نبی یا ولی کی توہین ہوتی ہو خود مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ "ایسا کرنا سفاہت اور جہالت ہے کچھ تعجب نہیں کہ کسی نادان بے تمیز نے سفیہانہ بات کے جواب میں سفیہانہ بات کہہ دی ہو جیسا کہ بعض جاہل مسلمان کسی عیسائی کی بد زبانی کے مقابل پر جو آنحضرت ﷺ کی شان میں کرتا ہے حضرت عیسیٰ کی نسبت کچھ سخت الفاظ کہہ دیتے ہیں" (تبلیغ رسالت جلد دہم ص ۱۰۲)

(۱۲) متعلق جرح نمبر ۲۲ تا ۲۶

کیا مولوی رحمت اللہ یا مولوی آل حسن اور مولوی جامی معصوم تھے ؟ان کے اقوال کسی مذہب کے لئے حجت ہو سکتے ہیں ؟ اور کیا مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا ؟ اور نزول مسیح ص ۴ میں لکھا ہے کہ جو میرے مخالف تھے ان کا نام عیسائی یہودی مشرک رکھا گیا ہے اور اگر مولوی رحمت اللہ یا مولوی آل حسن یا کوئی مولوی کسی نبی کی توہین کرے تو مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب) مولوی رحمت اللہ ' مولوی آل حسن اور مولانا جامی معصوم نہیں تھے اور نہ ان کے اقوال حجت ہو سکتے ہیں مرزا صاحب نے یقیناً دعوائے نبوت کیا اور نزول المسیح ص ۴ میں یہ عبارت موجود ہے۔

"اگر خدانخواستہ یہ لوگ بھی کسی نبی کی توہین کرتے تو یہ بھی مسلمان نہیں رہ سکتے تھے۔"

(۱۳) متعلقہ جرح نمبر ۲۷ تا ۳۰

کیا مرزا صاحب نے دیباچہ براہین احمدیہ ص ۱۵ میں تحریر کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص آں حضور کو کثیف کہے وہ بدکار ہے اور پھر ازالہ اوہام ص ۷۴ طبع اول میں تحریر کیا ہے کہ "معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں ہوا" اور ازالہ اوہام ص ۶۹۱ طبع اول میں لکھا ہے کہ "آنحضور ﷺ کو حقیقت دجال وغیرہ کی پوری معلوم نہ ہوئی تھی" نیز اسی صفحہ ۳۴۶ میں لکھا ہے کہ "ابن مسعود ایک معمولی آدمی تھا" اور ازالہ اوہام ص ۶۲۹ پر لکھا ہے کہ "چار سو نبی کی پیش گوئی غلط نکلی" کیا یہ اندراجات نبی کریم اور دیگر انبیائے کرام کی توہین کے محتمل ہیں ؟

(جواب) ہاں دیباچہ براہین کے صفحہ ۱۵ میں یہ شعر ہے۔

لعل تاباں را گر گوئی کثیف زیں چہ کاہد قدر روشن جوہرے

طعنہ بر پاکاں نہ بر پاکاں بود خود کنی ثابت کہ ہستی فاجرے

اور ازالہ اوہام ص ۷۴ کے حاشیہ میں یہ عبارت موجود ہے "سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا " اور ازالہ اوہام ص ۶۹۱ میں یہ عبارت موجود ہے "اگر آں حضرت ﷺ پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونے کے مو بمو منکشف نہ ہوئی ہو (الی قولہ) تو کچھ تعجب کی بات نہیں" اور ازالہ اوہام ص ۶۲۹ میں لکھا ہے کہ "ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبی نے اس کی فتح کے بارے میں پیش گوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے اور بادشاہ کو شکست آئی الخ" یہ عبارتیں یقیناً توہین ضمنی یا توہین صریح میں داخل ہیں۔"

(۱۴) متعلق جرح نمبر ۳۰

کیا مرزا صاحب نے آئینہ کمالات ص ۵۴۷ میں لکھا ہے کہ "ہر مسلم مجھے قبول کرتا ہے مگر کنجریوں کی اولاد نہیں قبول کرتی" انجام آتھم ص ۲۶۸ میں لکھا ہے کہ "منکر کتے اور کتے کے بچے ہیں" اور کیا حقیقۃ الوحی ص

۱۶۳ میں لکھا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے"

(جواب) ہاں آئینہ کمالات اسلام کے ص ۵۴۳ میں یہ عبارت ہے " تلك كتب ينظر اليها كل مسلم بعين المحبة والمودة و ينتفع من معارفها و يقبلني و يصدق دعوتي الا ذرية البغايا الذين ختم الله على قلوبهم فهم لا يقبلون" ترجمہ یہ کتابیں ہیں جن کو ہر مسلمان محبت اور دوستی کی نظر سے دیکھتا اور ان کے معارف سے فائدہ اٹھاتا ہے اور مجھے قبول کرتا ہے اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے' مگر کنجریوں کی اولاد جن کے دلوں پر خدا نے مہر لگادی ہے وہ قبول نہیں کرتے"

نیز الاستفتا کے ص ۹۰ میں ہے -من انكر الحق المبين فانه كلب و عقب الكلب سرب ضراء " یعنی جو کھلے ہوئے حق کا انکار کرے وہ کتا اور کتے کی اولاد ہے "الخ- نیز اسی قصیدہ میں ص ۱۰۷ پر ہے-

اذيتني خبثا فلست بصادق ان لم تمت بالخزی یا ابن بغاء

یعنی اپنے ایک منکر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تو نے مجھے ستایا ہے اپنی خباثت سے تو میں سچا نہ ہوں گا اگر تو ذلت سے نہ مرا اے کنجری کے بچے یا اے حرام زادے نیز حقیقۃ الوحی کے ص ۱۶۳ میں مرزا صاحب کا یہ قول موجود ہے "ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے"

(۱۵) متعلقہ جرح نمبر ۳۱' ۳۲

(سوال ۳۱ و ۳۲) غیر متعلق مقدمہ ہے-

(۱۶) متعلقہ جرح نمبر ۳۳

کیا مرزا صاحب کے الہامات بھی ہیں جن کی تشریح مرزا صاحب نے خود کی اور بعد میں اس تشریح سے منحرف ہوگئے کیا مرزا صاحب نے ازالہ اوہام ص ۳۲۷ طبع اول میں احمد بیگ کی لڑکی کا نکاح اپنے ساتھ ہونے کی بابت پیش گوئی کی اور الہام مفصل و مشرح درج کیا اور پھر اس تشریح کے پابند رہے کیا مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی ص ۳۳۹ میں صاف الفاظ لکھے ہیں کہ " پہلے میرا نام مریم رکھا گیا اور ایک مدت تک میرا نام خدا کے نزدیک یہی رہا-" اور ص ۷۶ پر یہ الہام درج ہے کہ " يا مريم اسكن انت وزوجك الجنة" اے مریم تو اور تیرے دوست جنت میں داخل ہوں" اور کشتی نوح طبع جدید ص ۹۵ میں لکھا ہے کہ " وضع حمل روحانی ہوا"

کیا مرزا صاحب بعد میں ایسے الہامات پر قائم رہے اور کیا حقیقۃ الوحی ص ۱۰۵ میں یہ الہام درج ہے کہ " انما امرك اذا اردت شيئاً ان تقول له كن فيكون" "تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ تیرے حکم سے فوراً ہو جاتا ہے" اور ص ۲۵۵ پر لکھا ہے کہ " خدا تعالیٰ نے سرخی سے دستخط کردیئے اور چھینٹیں بھی پڑیں " اور کتاب البریہ و آئینہ کمالات میں مفصل کہا ہے کہ میں خود خدا ہوں-" کیا ایسے الہامات کے متعلق مرزا صاحب

کا اعتقاد پختہ ہے ؟

(جواب) ہاں ایسے الہام ہیں ازالہ اوہام ص ۳۹۶ میں یہ الہام درج ہے۔

"خدا تعالیٰ نے پیش گوئی کے طور پر اس عاجز پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیگ ولد مرزا گاماں بیگ ہشیار پوری کی دختر کلاں انجام کار تمہارے نکاح میں آئے گی اور وہ لوگ بہت عداوت کریں گے اور بہت مانع آئیں گے اور کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو لیکن آخر کار ایسا ہی ہوگا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہر طرح سے اسکو تمہاری طرف لائے گا' باکرہ ہونے کی حالت میں بیوہ کر کے' اور ہر ایک روک کو درمیان سے اٹھادے گا اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا' کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

پھر دوسرا الہام تبلیغ رسالت جلد دوم ص ۸۵ پر یہ ہے **ویستلونك احق هو قل اى و ربى انه لحق وما انتم بمعجزين زوجنا كها لا مبدل لكلما ته** – ترجمہ اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات سچ ہے کہ ہاں مجھے اپنے رب کی قسم یہ سچ ہے اور تم اس بات کو وقوع میں آنے سے روک نہیں سکتے ہم نے خود اس سے (محمدی بیگم) سے تیرا عقد نکاح باندھ دیا ہے میری باتوں کو کوئی بدلا نہیں سکتا"

پھر جب محمدی بیگم کا نکاح دوسری جگہ ہو گیا تو مرزا صاحب کو دوسری طرح الہام ہونے لگے انجام آتھم ص ۲۱۶ میں ان کا یہ الہام ہے۔ **فسيكفيكهم الله و يردها اليك لا تبديل لكلمات الله** ترجمہ بین السطور – وبرائے تو ایں ہمہ را کفایت خواہم شد و آں زن را کہ زن احمد بیگ را دختر است باز بسوئے تو خواہم آورد"

اسی طرح ایک اور الہام انجام آتھم ص ۲۲۳ میں درج ہے۔ **بل الامر قائم على حاله ولا يرده احد با حتياله والقدر قدر مبرم من عند الرب العظيم** ترجمہ بین السطور – بلکہ اصل امر بر حال خود قائم است و ہیچ کس با حیلہ خود اورا رد نتواند کرد و ایں تقدیر از خدائے بزرگ تقدیر مبرم است"

ان الہاموں کے باوجود مرزا صاحب مر گئے اور محمدی بیگم اپنے شوہر کے پاس رہی یہ سارے الہام غلط اور جھوٹے نکلے۔

حقیقۃ الوحی ص ۳۳۹ میں یہ درج ہے کہ (خدا نے)" پہلے میرا نام مریم رکھا اور ایک مدت تک میرا نام خدا کے نزدیک یہی رہا" اور ص ۷۲ پر یہ الہام بھی درج ہے" **یا مریم اسکن انت و زوجك الجنة**" اور پھر مرزا صاحب نے کشتی نوح ص ۴۹ میں وضع حمل روحانی کا ذکر کیا ہے اور ص ۷۴ پر یہ عبارت درج ہے" مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ مجھے حاملہ ٹھیرایا گیا اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین احمدیہ کے حصہ چہارم ص ۵۵۶ میں درج ہے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھیرا۔"

حقیقۃ الوحی کے ص ۱۰۵ اور الاستفتا کے ص ۸۶ پر یہ الہام درج ہے

"**انما امرك اذا اردت شيئا ان تقول له كن فيكون**" اور حقیقۃ الوحی ص ۲۵۵ پر درج ہے "اور اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تامل کے سرخی کے قلم سے اس پر دستخط کئے اور دستخط کرنے کے وقت قلم کو چھڑکا جیسا کہ جب قلم پر زیادہ سیاہی آجاتی ہے تو اس طرح پر جھاڑ دیتے ہیں اور پھر دستخط کر دیئے اور میرے پر اس وقت

نہایت رقت کا عالم تھا (الی قولہ) سرخی کے قطرے میرے کرتے اور اس کی ٹوپی پر بھی گرے"

مرزا صاحب اپنی وحی اور الہام پر ایسا ہی ایمان رکھتے تھے جیسا کہ قرآن پر - ان کا قول ہے "میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان رکھتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر - اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں' اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے خدا کا کلام یقین کرتا ہوں"

(حقیقۃ الوحی ص ۲۱۱)

دوسری جگہ کہتے ہیں "میں خدا تعالیٰ کے ان الہامات پر جو مجھے ہو رہے ہیں ایسا ہی ایمان رکھتا ہوں جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن مقدس پر ایمان رکھتا ہوں"

(تبلیغ رسالت جلد ہشتم ص ۶۴)

ایک اور جگہ لکھا ہے "مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن کریم پر -"

(اربعین چہارم ص ۲۵)

ان حوالہ جات سے صاف ثابت ہے کہ مرزا صاحب اپنے الہاموں کو یقینی اور قطعی سمجھتے تھے اور قرآن کی طرح ان پر ایمان رکھتے تھے۔

(۱۷) متعلق جرح نمبر ۳۵

کیا مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام ص ۴۰۰ پر لکھا ہے کہ آنحضور نے بھی پیش گوئیوں کے سمجھنے میں غلطی کھائی ص ۶۲۹ میں لکھا ہے کہ چار سو نبیوں نے پیش گوئیاں کیں اور جھوٹے نکلے اور ص ۸ میں تحریر ہے کہ مسیح کی پیش گوئیاں اوروں سے بھی زیادہ غلط نکلیں -

کیا مرزا صاحب نے کشتی نوح ص ۵ میں لکھا ہے کہ قرآن شریف بلکہ توراۃ کے بعض صحیفوں میں یہ چیز موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی کیا مرزا صاحب نے یہ حوالہ نہیں دیا ہے ؟

کیا مرزا صاحب نے ازالہ اوہام ص ۷۷ میں یہ خواب درج کیا ہے کہ تین شہروں کا نام قرآن شریف میں اعزاز کے ساتھ درج ہے - مکہ 'مدینہ' قادیان کیا یہ حوالہ و خواب سچا ہے یا جھوٹا ؟

کیا مرزا صاحب نے البشریٰ وغیرہ میں یہ الہام درج کیا ہے کہ ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں - کیا یہ الہام سچا ہے ؟

کیا مرزا صاحب نے براہین احمدیہ ص ۵۵۷ میں لکھا ہے کہ "عیسیٰ حالت زندگی آسمان سے نازل ہوں گے "اور پھر ازالہ اوہام ص ۱۹۷ پر لکھا ہے کہ "عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو کر وطن گلیل میں دفن ہوئے" اور ست بچن ص ۲ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ملک شام میں ہے "اور کشتی نوح ص ۵۳ میں تحریر کیا ہے کہ "ان کی قبر ملک کشمیر میں ہے" ان میں سے کون سی بات سچی ہے ؟

(جواب) ہاں ازالۃ الاوہام ص ۱۶۵ میں لکھا ہے "بعض پیش گوئیوں کی نسبت آنحضرت ﷺ نے خود اقرار کیا

ہے کہ میں نے ان کی اصل حقیقت سمجھنے میں غلطی کھائی ہے" نیز یہ بھی لکھا ہے "ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبیوں نے اس کی فتح کے بارے میں پیشن گوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے"
(ازالہ اوہام ص : ۷۵۲)
اور لکھا ہے کہ حضرت مسیح کی پیشن گوئیاں اوروں سے زیادہ غلط نکلیں" (ازالہ اوہام ص ۴) یہ تمام مرزا صاحب کا افترا اور اتہام ہے جو نبیوں پر باندھا گیا ہے۔
مرزا صاحب نے کشتی نوح کے ص ۵ پر لکھا ہے" قرآن شریف میں بلکہ توریت کے بعض صحیفوں میں بھی یہ خبر موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی" حالانکہ یہ قرآن پر بہتان ہے اور نرا جھوٹ ہے۔
مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام ص ۳۲ پر اپنا یہ کشف لکھا ہے کہ "اور میں نے کہا کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے مکہ اور مدینہ اور قادیان" اور ظاہر ہے کہ یہ کشف جھوٹا ہے قرآن شریف میں حقیقۃً قادیان کا نام نہیں کتاب البشریٰ ص ۱۰۵ میں مرزا صاحب کا یہ الہام درج ہے "ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں" حالانکہ یہ الہام بالکل جھوٹ ثابت ہوا مرزا صاحب لاہور میں مرے اور قادیان میں دفن ہوئے۔
مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی ص ۱۴۹ پر خود لکھا ہے۔
اگرچہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور یہ بھی مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسول ﷺ نے دی تھی مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اس اعتقاد پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر سے نازل ہوں گے" پھر ازالۃ اوہام ص ۱۹۷ میں ہے "یہ تو سچ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جاکر فوت ہو گیا لیکن یہ ہر گز سچ نہیں کہ وہی جسم جو دفن ہو چکا تھا پھر زندہ ہو گیا"
پھر تحفہ گولڑویہ سائز کلاں ص ۱۰۲ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں
"یہ ثبوت بھی نہایت روشن دلائل سے مل گیا کہ آپ کی قبر سرینگر علاقہ کشمیر خان یار کے محلّہ میں ہے" اور کشتی نوح ص ۱۵ میں ہے "اور تم یقیناً سمجھو کہ عیسیٰ بن مریم فوت ہو گیا ہے اور کشمیر سری نگر محلّہ خان یار میں اسکی قبر ہے"
ان مختلف تحریرات اور بیانات کا تناقض ظاہر ہے اور پہلے اعتقاد کے سواوہ تمام مسلمانوں کے عقیدہ کے موافق ہے پچھلے بیان غلط اور باطل ہیں۔

(۱۸) متعلقہ جرح نمبر ۳۶ تا ۳۸

کیا نبی اور بزرگ اور ولی کا درجہ ایک ہے ؟ مرزا صاحب پر یہ فتویٰ کفر جو علمائے اسلام نے دیئے ہیں وہ ضد کی بناء پر ہیں یا ان کے عقائد فاسدہ کی بناء پر ؟ کیا فتوے مذکور سچ ہیں یا غلط ؟ کیا مرزا صاحب نے مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کی اور اپنی جماعت الگ بنائی ہے یا نہیں ؟ کیا مرزا صاحب اور ان کی جماعت باقی مسلمانوں کے برخلاف اجرائے نبوت اور وفات مسیح اور نبوت مرزا صاحب کے علی الاعلان قائل ہیں یا نہیں ؟ اور کیا مرزا

صاحب پر فتویٰ کفر علمائے اسلام نے بالاتفاق دیا ہے یا بالاختلاف ؟
(جواب) نبی اور ولی کا درجہ ایک نہیں ہو سکتا نہ کوئی ولی کسی نبی سے افضل ہو سکتا ہے مرزا صاحب پر کفر کے فتوے علماء نے ان کے عقائد فاسدہ کی وجہ سے دیئے ہیں اور وہ فتوے صحیح ہیں مرزا صاحب خود اپنے اقرار کے بموجب کاذب اور جھوٹے ٹھیرے کہ محمدی بیگم کا نکاح ان کے ساتھ نہیں ہوا اور وہ وفات پا گئے اقرار یہ ہے کہ "وانی اجعل هذا النبأ معیار الصدقی او کذبی "(انجام آتھم ص ۲۲۳) یعنی اس خبر کو کہ محمدی بیگم ضرور میرے نکاح میں آئے گی یہ خدا کا طے کردہ فیصلہ ہے تقدیر مبرم ہے کوئی اس کو بدل نہیں سکتا میں اپنے صادق یا کاذب ہونے کا معیار قرار دیتا ہوں"
مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ان کی جماعت اس دعوے کی تصدیق کرتی ہے اور مرزا صاحب کو نبی اور رسول کہتی ہے تمام مسلمانوں سے علیحدہ رہتی اور ان کو کافر سمجھتی ہے اور علمائے اسلام نے بالاتفاق مرزا صاحب اور ان کی جماعت کو خارج از اسلام قرار دیا ہے میں ایک مطبوعہ فتویٰ جس میں بہت سے علماء کے دستخط منقول ہیں پیش کرتا ہوں -

(۱۹) متعلق جرح نمبر ۳۹ تا ۴۰

کیا مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی ص ۱۰۵ میں یہ الہام لکھا ہے کہ " تیرا حکم چاہے ہو جاتا ہے "اس الہام سے مرزا صاحب کا درجہ نبوت تشریعی وغیر تشریعی سے کہیں بڑھ کر ثابت ہوتا ہے یا نہیں کیا مرزا صاحب نے ان انبیا سے جو نئی شریعت لائے مثلاً عیسیٰ علیہ السلام بہتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے یا نہیں ؟ کیا مرزا صاحب لوگوں کے اعتراضات سے بچنے کے لئے قسم قسم کی تاویلات کیا کرتے تھے یا نہیں ؟ کیا مرزا صاحب نے نزول مسیح ص ۹۹ میں اپنی وحی کو قرآن کی طرح منزہ لکھا ہے یا نہیں ؟ اور اربعین نمبر ۴ ص ۶ و ۷ میں دعویٰ کیا ہے یا نہیں ؟ کہ میں صاحب شریعت ہوں اور حقیقۃ الوحی ص ۲۱۱ میں لکھا ہے یا نہیں کہ اپنے الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جس طرح قرآن پر ؟ کیا مرزا صاحب کے نزدیک اصول دین وہی رہے جو اس وقت تک تمام مسلمانوں کے رہے ؟
(جواب) حقیقۃ الوحی ص ۱۰۵ پر یہ الہام درج ہے - انما امرك اذا اردت شیئاً ان تقول له کن فیکون ترجمہ بین السطور - تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ تیرے حکم سے فی الفور ہو جاتی ہے "اس الہام سے تو مرزا صاحب کا درجہ نبوت کیا درجہ الوہیت کا ادعا ثابت ہوتا ہے مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلکہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے جیسا کہ سوال نمبر ۱۳ اور سوال ۱ / ۱۹ کے جواب میں بیان ہو چکا ہے اور مرزا صاحب کے اقوال کے حوالے دیئے جا چکے ہیں مرزا صاحب نے اعتراضات سے بچنے کے لئے ایسی دور دراز کار تاویلیں کی ہیں جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اسی وجہ سے ان کے کلام میں تناقض اور اختلاف ہے انہوں نے بیشک دعویٰ کیا کہ ان کی وحی اور الہام قرآن کی طرح یقینی ہے ان کا قول ہے -

انچہ من بشنوم زوحی خدا بخدا پاک دانمش زخطا
ہمچو قرآں منزہش دانم از خطا ہا ہمیں است ایمانم
(نزول المسیح ص ۹۹)

اور ان کا قول ہے ”مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن کریم پر“ (اربعین چہارم ص ۲۵) مرزا صاحب اس اصول کی رو سے جماعت مسلمین سے خارج ہو گئے۔

(۲۰) متعلق جرح نمبر ۴۷ تا ۵۳

نور الانوار قمر الاقمار وغیرہ کتب اصول دین دیکھ کر بتلادیں کہ ائمہ اربعہ جن میں امام احمد بھی شامل ہیں اجماع امت کے قائل ہیں یا نہیں ؟ کیا کتب اصول میں منکر اجماع کو کفر کا حکم دیا گیا ہے ؟ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے یا نہیں ؟

عقائد احمدیت ص ۲۳ دیکھ کر بتلادیں کہ مرزا صاحب نے ائمہ اربعہ کی شان کو تسلیم کیا ہے یا نہیں ؟

(جواب) اجماع حجت شرعیہ ہے اس کے حجت ہونے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف نہیں ہے نامی شرح حسامی میں ہے **فاتفق جمھور المسلمین علی حجیته خلا فا للنظام والشیعة و بعض الخوارج** نامی ص ۲ ج ۲ یعنی اجماع کے حجت ہونے پر جمہور مسلمین کا اتفاق ہے البتہ نظام اور شیعہ اور بعض خوارج کا اختلاف ہے اور منکر اجماع قطعی کے کافر ہونے میں بھی اختلاف نہیں ہے۔

(۲۱) متعلق جرح نمبر ۵۴ تا آخر

کیا ایک شخص کلمہ گوئی اور دعویٰ اسلام کے باوجود قرآن مجید اور احادیث صحیحہ متواترہ کے بر خلاف اعتقاد رکھے وہ مسلمان ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ اور کیا جو شخص اپنا اعتقاد قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے مطابق رکھے کافر ہے۔ اور کیا فریق اول کے مرد کا فریق ثانی کی عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں اور جماعت احمدیہ مرزا صاحب بھی غیر احمدی مرد مسلمان سے احمدیہ عورت کا نکاح جائز سمجھتے ہیں یا نہیں ؟

(جواب) جو شخص کلمہ گوئی کے باوجود نماز کی فرضیت کا انکار کردے' زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کردے' روزے کی فرضیت کا انکار کردے یا نبوت کا دعویٰ کردے یا کسی نبی کی توہین کرے یعنی کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کا دین میں سے ہونا بالیقین ثابت ہو وہ یقیناً کافر اور اسلام سے خارج ہے۔ دیکھو! خود مرزا صاحب نے اور ان کی جماعت نے تمام دنیا کے کلمہ گویوں کو اسلام سے اس بنا پر خارج کردیا کہ وہ مرزا صاحب پر ایمان نہیں لائے۔ حالانکہ وہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں کلمہ گو ہیں۔ نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج اور دیگر فرائض و واجبات کو مانتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو رسول' نبی اور خاتم الانبیاء والمرسلین اعتقاد کرتے ہیں۔ اس کے باوجود مرزا صاحب اور ان کے خلیفہ اور ان کی جماعت ان تمام مسلمانوں کو کافر بتاتے ہیں۔

مرزا صاحب کا قول یہ ہے۔ ”ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا'

مسلمان نہیں ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳)
مرزاصاحب خود فرماتے ہیں۔ "کفر دو قسم پر ہے۔ اول ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوم یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا۔"

(حقیقۃ الوحی ص ۱۷۹)

اس کا مطلب صاف ہے کہ دوسری قسم کا کفر مرزاصاحب نے ان تمام مسلمانوں اور کلمہ گویوں کے لئے ثابت کیا ہے جو اسلام پر اور آں حضرت ﷺ پر ایمان رکھنے کے باوجود مسیح موعود (یعنی مرزاصاحب) پر ایمان نہ لائیں۔

اسی عبارت سے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ "اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔" اور وہ یہ کہ مرزاصاحب کا انکار یا تکذیب خدا اور رسول کے انکار و تکذیب کی طرح کفر ہے۔

اور مرزاصاحب کا الہام ہے۔ "جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد نہم ص ۲۷)
اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مرزاصاحب اپنے الہام کو قطعی اور یقینی اور قرآن کی طرح منزہ عن الخطا سمجھتے تھے۔ پس ان کے اس الہام کے بموجب ہر وہ مسلمان جو تمام ایمانیات پر ایمان رکھتا ہو حتی کہ آنحضرت ﷺ پر بھی ایمان رکھتا ہو ان کے نزدیک بلا شبہ قطعی جہنمی ہے پس مرزاصاحب اور ان کی جماعت کے نزدیک تمام غیر قادیانی مسلمان کافر اور جہنمی ہیں اور اسی بنا پر مرزاصاحب اور ان کی جماعت نے فتویٰ دیا ہے کہ قادیانیوں اور غیر قادیانیوں میں باہم رشتہ ناتا یعنی شادی مناکحت جائز نہیں ہے۔

"حضرت مسیح موعود کا حکم اور زبردست حکم ہے کہ کوئی احمدی غیر احمدی کو اپنی لڑکی نہ دے اس کی تعمیل کرنا بھی ہر ایک احمدی کا فرض ہے" (برکات خلافت ص ۷۵ منقول از قادیانی مذہب)

ہمارا یعنی مسلمانوں کا متفقہ مسئلہ ہے کہ جو مسلمان کافر ہو جائے وہ مرتد ہے اور مرتد کے ساتھ مسلمان لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر غیر قادیانی ہونے کی حالت میں نکاح ہوا تھا بعد میں قادیانی بن گیا تو فی الفور نکاح ٹوٹ جاتا ہے خاوند کے ارتداد پر نکاح فسخ ہو جانا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ وارتداد احدھما فسخ عاجل (درمختار)(۱)

---

(۱) الدر المختار مع ھامش ردالمحتار' کتاب النکاح

پانچواں باب
مفقود الخبر

شوہر تین سال سے لاپتہ ہو' تو دوسری شادی کا کیا حکم ہے؟

(سوال) ہندہ کا زوج بلا اطلاع اپنی منکوحہ کے کہیں چلا گیا اور دو تین برس سے اس کا کوئی پتہ نہیں چلا ہندہ نے دوسرے سے اپنا نکاح پڑھا لیا تو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

(جواب ۲۰۶) اگر ہندہ نے جب کہ اس کا شوہر دو تین برس سے مفقود ہے کسی اور سے نکاح کر لیا تو اس کا یہ نکاح جائز نہیں کیونکہ احناف کے نزدیک تو نوے سال تک زوجہ مفقود کو انتظار کرنا چاہئے۔(۱) اور بوقت ضرورت امام مالکؒ کے قول پر جو فتویٰ ہے اس میں بھی چار برس تک خاوند مفقود ہے اور پھر عدت وفات چار ماہ دس یوم پوری کرنے کے بعد نکاح ہو سکتا ہے۔ **فان عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضی اربع سنین(رد المحتار ص ۳۶۰ ج۳)**(۲) اور ایک روایت میں قضائے قاضی بھی شرط ہے(۳) پس یہ نکاح کسی طرح بھی درست نہیں ہوا۔(۴)

گمشدہ شوہر کی بیوی کو دوسری شادی کرنے کے لئے قضائے قاضی ضروری ہے یا نہیں؟

(سوال) زوجہ مفقود اگر بمذہب امام مالکؒ چار سال کے بعد دوسرا نکاح کرنا چاہے تو اس کو تفریق کی ضرورت ہے یا نہیں اگر تفریق کی ضرورت ہے تو اس کی دلیل کیا ہے اور اگر تفریق کی ضرورت نہیں ہے تو عبارات ذیل کا کیا مطلب ہے؟ جن سے تفریق ضروری معلوم ہوتی ہے۔ **ولا یفرق بینه و بین امرأته (هدایه)**(۵) **ولا یفرق بینه و بینها ولو مضی اربع سنین (درمختار)**(۶) **قال مالك اذا مضی اربع**

---

(۱) (قوله علی المذهب) و قیل یقدر بتسعین سنة بتقدیم التاء من حین ولادته واختاره فی الکنز وهو الاوفق هدایة و علیه الفتوی ذخیرة (هامش ردالمحتار مع الدر المختار' کتاب المفقود ۴ /۲۹۵ ط سعید کراتشی)

(۲) فان عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضی اربع سنین (هامش رد المحتار' کتاب المفقود' ۲۹۵/۴ ط سعید کراتشی)

(۳) ولا یفرق بینه و بین امرأته وقال مالك اذا مضی اربع سنین یفرق القاضی بینه و بین امرأته و تعتد عدة الوفاة ثم تزوج من شاء ت (الهدایة' کتاب المفقود ۶۲۲/۲ ط شرکه علمیه ملتان) و کذا فی الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة' بحث حکم زوجه مفقود ص ۶۲' ص ۶۴ ط دار الاشاعت کراچی "زوجہ مفقود کی صورت میں اس کے نکاح سے خارج ہونے میں مختار نہیں بلکہ ہر حال میں قضائے قاضی شرط ہے' کما هو مصرح فی الروایة العشرین من الامام مالكؒ"

(۴) اما نکاح منکوحة الغیر و معتدته ... فلم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلا (هامش ردالمحتار' کتاب الطلاق' باب العدة' مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ۵۱۶/۳ ط سعید کراتشی)

(۵) الهدایة' کتاب المفقود ۶۲۱/۲ ط مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۶) الدر المختار مع هامش ردالمحتار' کتاب المفقود ۲۹۵/۴ ط سعید کراتشی)

سنين يفرق القاضي بينه و بين امرأته و تعتد عدة الوفاة ثم تزوجت من شاء ت لان عمرؓ هكذا قضى الخ (هدايه) (۱) لا يفرق بينه و بين امراته و حكم بموته بمضى تسعين سنة و عليه الفتوى (عالمگيرى) (۲) انه انما يحكم بموته بقضاء لانه امر محتمل فما لم ينقم اليه القضاء لا يكون حجة (درمختار) (۳) ان هذاای ماروی عن ابی حنيفة من تفويض موته الى راى القاضى نص على انه انما يحكم بموته بقضاء (شامى) (٤)

اگر تفریق ضروری ہے تو اس ملک میں کون تفریق کر سکتا ہے کیونکہ حاکم وقت نصاریٰ کی طرف سے کوئی قاضی مقرر نہیں ہے اور مسلمانوں کی تراضی اور اتفاق سے بھی کسی کو منصب قضا نہیں ملا ہے۔ پھر تفریق کی کیا صورت ہے؟

بعض علماء حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ کی عبارت واذاخلا الزمان من سلطان ذى كفاية فالامور مؤكلة الى العلماء و يجب على الامة الرجوع اليهم و يصرون ولاة فاذا عسر جمعهم على واحد استقل كل قطر باتباع علمائه فان كثر را فالمتبع اعلمهم فان استووا اقرع بينهم سے ہر عالم کو قاضی تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر ذی علم اس وقت اس ملک میں تفریق کر سکتا ہے۔

حاکم وقت نصاریٰ کی طرف سے جو جج یا مجسٹریٹ یا اکسٹرا اسسٹنٹ ہیں اگر یہ ذی علم علوم شرعیہ ہوں اور مسلمان ہوں تو قاضی شرعی کے حکم میں ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا؟

(جواب ۲۰۷) حنفیہ کا اصل مذہب تو یہی ہے کہ جب تک مفقود کی موت کا گمان غالب نہ ہو جائے اس کی زوجہ انتظار کرے اور اس مدت کی مقدار جس میں موت کا گمان غالب حاصل ہو موت اقران یا رائے قاضی یا نوے برس کے ساتھ علی اختلاف الاقوال مقدر ہے(۵) لیکن متاخرین حنفیہ نے ضرورت شدیدہ کے وقت حضرت امام مالکؒ کے مذہب کے موافق فتویٰ دیدیا ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت امام مالکؒ کا قول اور مذہب کیا ہے(٦) تو ظاہر کتب فقہیہ اور شروح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام مالکؒ کے نزدیک چار

---

(۱) الهداية' كتاب المفقود ۶۲۲/۲ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) الفتاوى الهندية' كتاب المفقود ۳۰۰/۲ ط مكتبه ماجديه' كوئته)

(۳) الدر المختار مع هامش ردالمحتار' كتاب المفقود ۲۹۷/٤ ط سعيد كراتشى)

(٤) هامش رد المحتار' كتاب المفقود ۲۹۷/٤ ط سعيد كراتشى)

(۵) لا يفرق بينه و بين امرأته و حكم بموته بمضى تسعين سنة و عليه الفتوى وفى ظاهر الرواية يقدر بموت اقرانه فاذالم يبق احد من اقرانه حيا حكم بموته و يعتبر موت اقرانه فى اهل بلده كذافى الكافى والمختار انه يفوض الى رأى الامام كذافى التبيين (الفتاوى الهندية' كتاب المفقود ۳۰۰/۲ ط ماجديه كوئته)

(٦) كمافى الحيلة الناجزة : "زوجہ مفقود کس صورت میں اس کے نکاح سے خارج ہونے میں خود مختار نہیں بلکہ ہر حال میں قضائے قاضی شرط ہے' كما هو مصرح فى الرواية العشر ين من الامام مالكؒ (بحث حكم زوجه مفقود ص ٦٤ مطبوعه دارالاشاعت کراچی) وفى الرواية العشرين: قلت ارأيت امرأة المفقود تعتد الاربع سنين فى قول مالك بغير امر سلطان قال: قال مالك. لا فان بنس منه ضرب لها من تلك الساعة اربع سنين فقيل لمالك هل تعتد بعد (جاری ہے)

سال کے بعد زوجہ مفقود نکاح ثانی کر سکتی ہے لیکن جواز نکاح کے لئے حکم موت زوج اول حاکم سے حاصل کرنا اور پھر عدت وفات پوری کرنا شرط ہے۔ ہدایہ میں ہے :- وقال مالك اذا مضى اربع سنين يفرق القاضي بينه و بين امرأته وتعتد عدة الوفاة ثم تتزوج من شاء ت لان عمرؓ هكذا قضىٰ في الذى استهواه الجن بالمدينة و كفى به اماما ولا نه منع حقها بالغيبة يتفرق القاضي بينهما بعد مضى مدة اعتبار ابالا يلاء اوالعنة (۱) انتهىٰ - زرقانی شرح مؤطا مالکؒ میں ہے۔ وضعف الاول بقول مالكؒ لواقامت عشرين سنة ثم رفعت يستانف لها الاجل (۲) نیز اسی زرقانی میں ہے۔قال مالك وان تزوجت بعد انقضاء عدتها و دخل بها زوجها اولم يدخل بها فلا سبيل لزوجها الاول اليها اذا جاء او ثبت انه حى لان الحاكم اباح للمرأة الزواج مع امكان حياته فلم يكشف الغيب اكثر مما كان يظن.(۳) اه فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے۔اخرج سعيد بن منصور بسند صحيح عن ابن عمر و ابن عباس قالا ينتظر امراة المفقود اربع سنين و ثبت ايضاً عن عثمان و ابن مسعود في رواية و عن جمع من التابعين كالنخعى و عطاء والزهرى و مكحول والشعبى واتفق اكثرهم على ان التاجيل من يوم ترفع امرها للحاكم و علىٰ انها تعتد عدة الوفاة بعد مضى الاربع سنين (۴) الخ . ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مقدار مدت میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن اکثر علماء اور امام مالکؒ کے نزدیک بھی حکم حاکم شرط ہے جیسے کہ اس قول سے ثابت ہے۔

لو اقامت عشرين سنة الخ پس حنفیہ کا فتویٰ جواز جو امام مالکؒ کے مذہب پر دیا گیا ہو وہ بھی بالقضاء ہوگا۔(۵)

ہاں ضرورۃً انگریزی عدالتوں کے مسلم جج یا منصف قائم مقام قاضی شرعی کے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کو حکومت کی طرف سے معاملات مخصوصہ اہل اسلام مثل طلاق، نکاح، میراث وغیرہ میں احکام شرعیہ کے موافق فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔(۶)

حدیقہ ندیہ کی جو عبارت سوال میں مذکور ہے وہ یا تو دیانات پر محمول ہے کہ دیانات میں آج کل بضرورت علماء قائم مقام قاضی کے سمجھے جا سکتے ہیں لیکن فصل خصومات میں چونکہ گورنمنٹ کی طرف سے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) الاربع سنين عدة الوفاة اربعة اشهر و عشرا من غيران يامرها السلطان بذلك قال نعم مالها و ما للسلطان فى الاربعة الاشهر و عشر التى هى عدة (مجموعة الفتاوىٰ المالكية الملحقة بالحيلة الناجزة ص ۱۳۰ مطبوعه دار الاشاعت کراچی)

(۱) الهداية' كتاب المفقود ۲-۶۲۲ ط شركة علميه ملتان

(۲) شرح الزرقاني على مؤطا الامام مالك ' كتاب الطلاق' بحث عدة التى تفقد زوجها ۱۹۹/۳ ط دارالفكر بيروت

(۳) شرح الزرقاني على موطأ الامام مالك كتاب الطلاق' بحث عدة التى تفقد زوجها ۱۹۹/۳ ط دار الفكر بيروت

(۴) فتح البارى بشرح صحيح الامام البخارى' كتاب الطلاق' باب حكم المفقود فى اهله و ماله ۳۸۰/۹ ط مصر

(۵) الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة' بحث حكم زوجه مفقود' جواب سوال سوم ص ۶۴ مطبوعه دار الاشاعت كراچى

(۶) الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة' بحث حكم زوجه مفقود' جواب سوال پنجم ص ۶۴' ومقدمہ دربیان قضائے قاضی در ہندوستان ودیگر ممالک غیر اسلامیہ ص ۳۳ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی۔

علماء کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا ہے اس لئے خصومات میں ان کا کوئی فیصلہ معتبر نہیں۔ یا اس عبارت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جہاں مسلمان حکام نہ ہوں وہاں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے علماء کو اپنے فصل خصومات کے لئے والی بنالیں (۱) اور اگر مسلمان ایسا کرلیں تو بیشک ان علماء کا فیصلہ معتبر ہوگا لیکن جب تک مسلمان ایسا نہ کریں اس وقت تک علماء قائم مقام ولاۃ احکام نہیں ہو سکتے۔ واللہ اعلم۔

(۱) جس کا شوہر عرصہ چھ سال تک بیوی کو نان و نفقہ نہ دے اور اس کی خبر گیری بھی نہ کرے، تو وہ عورت کیا کرے؟
(۲) گمشدہ شوہر کی بیوی کتنے دنوں کے بعد دوسرا نکاح کرے گی؟

(سوال) (۱) ایک مرد اپنی منکوحہ بیوی کو چھوڑ کر الگ ہو گیا اور چھ سال تک اس کے نان نفقہ وغیرہ سے خبر نہیں لیتا بلکہ عورت نے کوشش کی کہ خاوند اس کو اپنے گھر لے جائے لیکن نہ گھر لے جاتا ہے نہ طلاق دیتا ہے۔

(۲) ایک شخص اپنی منکوحہ کو چھوڑ کر لاپتہ ہو گیا ہے اب منکوحہ مذکورہ اپنا نکاح ثانی کتنی مدت میں کر سکتی ہے؟ **المستفتی** نمبر ۳۵ معین اللہ طرفدار (ضلع میمن سنگھ) ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۰۸) (۱) ایسی حالت میں عورت اگر مجبور ہو جائے اور گزر نہ کر سکے تو وہ کسی حاکم مسلم کی عدالت سے نفقہ وصول نہ کر سکنے کی بناء پر فسخ نکاح کا حکم حاصل کرلے اور پھر بعد عدت دوسرا نکاح کرلے خاوند خواہ اسی شہر میں ہو یا باہر ہو۔(۲)

(۲) مفقود ہونے کی بنا پر اگر تفریق مطلوب ہے تو مفقود ہونے کے وقت سے چار سال گزرنے کے بعد فسخ نکاح کا حکم دیا جا سکتا ہے کیونکہ امام مالک کے نزدیک مدت انتظار مفقود چار سال ہے اور حنفیہ نے

---

(۱) اما بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والا عیاد و یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین فیجب علیهم ان یلتمسوا والیا مسلما منهم (هامش ردالمحتار' کتاب القضاء ۳۶۹/۵ ط سعید) وقال ایضا و فی الفتح: واذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلید منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کفر طبة الآن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولی قاضیا و یکو ن هو الذی یقضی بینهم و کذا ینصبوا اماما یصلی بهم الجمعة (هامش رد المحتار' کتاب القضاء' مطلب فی حکم تولیة القضاء فی بلاد تغلب علیها الکفار ۳۶۹/۵ ط سعید کراتشی)

(۲) قال فی عرر الاذکار: ثم اعلم ان مشایخنا استحسنوا ان ینصب القاضی الحنفی نائبا ممن مذهبه التفریق بینهما اذا کان الزوج حاضرا وابی عن الطلاق لان دفع الحاجة الدائمة لا یتیسر بالا ستدانة وقال بعد صفحة: و علیه یحمل ما فی فتاوی قاری الهدایة، حیث سال عمن غاب زوجها ولم یترك لها نفقة فاجاب اذا اقامت بینة علی ذلك و طلبت فسخ النكاح من قاض یراه ففسخ نفذ وهو قضاء علی الغائب و فی نفاذ القضاء علی الغائب روایتان عندنا فعلی القول بنفاذه یسوغ للحنفی ان یزوجها مع الغیر بعدالعدة (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب النفقة' مطلب فی فسخ النكاح بالعجز عن النفقة و بالغیبة ۵۹۱/۳ ط سعید کراتشی)

مدت کے بارے میں امام مالکؒ کے مذہب کو اختیار کر کے فتویٰ دیا ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جوان العمر عورت جس کا شوہر کافی دنوں سے لاپتہ ہے' کیا کرے ؟

(سوال) اگر کسی جوان عورت کا شوہر بلا کہے سنے چلا جاوے اور اس کی کچھ خبر نہ ملے کہ آیا مردہ ہے یا زندہ تو وہ عورت کتنی مدت تک اسی شوہر کے نام سے بیٹھی رہے۔ اس شوہر کی نابالغ اولاد بھی موجود ہو اور عورت کے اعزہ بھی کفالت نہ کریں تو وہ عورت عقد ثانی کر سکتی ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۸۷ کفایت حسین محمد صدیق۔ رتلام اسٹیٹ ۶ صفر ۱۳۵۳ھ م ۲۱ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۰۹) مفقود کی بیوی امام مالکؒ کے مذہب کے موافق چار سال کے بعد تفریق کا حکم حاصل کر سکتی ہے(۲) اور اگر اس سے پہلے وہ نان نفقہ سے تنگ ہو اور کوئی صورت گزارے کی نہ ہو سکے تو امام احمدؒ کے مذہب کے موافق عدم تیسر نفقہ کی بنا پر حکم فسخ حاصل کر سکتی ہے(۳) حنفیہ بوقت ضرورت شدیدہ امام مالکؒ یا امام احمدؒ کے مذہب پر عمل کر سکتے ہیں۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) گمشدہ شوہر کی بیوی کو کتنے دن کی مہلت دی جائے گی اور اس کی ابتدا کب ہوگی ؟
(۲) پہلے شوہر کے آنے کے بعد بیوی اسی کو ملے گی یا نہیں ؟

(سوال) زوجہ مفقود الخبر کتنی مدت گزارنے کے بعد نکاح کر سکتی ہے اور وہ مدت روز فقدان سے شمار ہوگی یا مرافعہ الی القاضی کے وقت سے ؟ صورت مسئولہ میں نکاح ثانی ہو جانے کے بعد اگر شوہر مفقود الخبر کا کہیں

---

(۱) (قوله خلافا لمالك) فان عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي اربع سنين (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب المفقود' مطلب في الافتاء بمذهب مالك في زوجه المفقود ٤-٢٩٥) وقال في الهداية ولا يفرق بينه و بين امرأته وقال مالك اذا مضى اربع سنين يفرق القاضي بينه و بين امرأته و تعتدعدة الوفاة ثم تزوج من شاءت لان عمر هكذا قضى في الذى استهواه الجن بالمدينة و كفى به اماما (الهداية كتاب المفقود ٢-٦٢٢ ط شركة علميه ملتان)

(۲) (قوله خلافا لمالك) فان عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي اربع سنين ... وقد قال في البزازية الفتوى في زماننا على قول مالك وقال الزاهدى كان بعض اصحابنا يفتون به للضرورة (هامش ردالمحتار مع الدرالمختار' كتاب المفقود ٤-٢٩٦ ط سعيد كراتشي)

(۳) قال في غرر الاذكار : ثم اعلم ان مشايخنا استحسنوا ان ينصب القاضي الحنفي نائبا ممن مذهبه التفريق بينهما اذا كان الزوج حاضر اوابى عن الطلاق ... و عليه يحمل ما في فتاوى قارئ الهداية حيث سال عمن غاب زوجها ولم يترك لها نفقة فاجاب : اذا اقامت بينة على ذلك و طلبت فسخ النكاح من قاضي يراه ففسخ نفذ وهو قضاء على الغائب و في نفاذ القضاء على الغائب روايتان عندنا فعلى القول بنفاذه يسوغ للحنفي ان يزوجها مع الغير بعد العدة فقوله من قاض يراه لا يصح ان يراد به الشافعي فضلا عن الحنفي بل يراد به الحنبلي فافهم (هامش ردالمحتار مع الدرالمختار' كتاب الطلاق' باب النفقة ٣-٥٩٠ ٥٩١ ط سعيد)

(٤) وفي حاشيةالفتال : وذكر الفقيه ابو الليث في تأسيس النظائر انه اذا لم يوجد في مذهب الامام قول في مسالة يرجع الى مذهب مالك لانه اقرب المذاهب اليه (هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق' باب الرجعة مطلب مال اصحابنا الى بعض اقوال مالك ضرورة ٣-٤١١ ط سعيد كراتشي)

پتہ چل جاوے یا وہ خود آجاوے تو یہ عورت شوہر اول کی رہے گی یا ثانی کی؟ بینوا بالکتاب توجروا بالحساب۔
المستفتی نمبر ۳۸۳ رحمت اللہ (ضلع میرٹھ) ۲ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۴ اگست ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۱۰) کتب احناف میں تو امام مالکؒ کے قول کی زیادہ تفصیل مذکور نہیں۔ مدونہ میں امام مالکؒ کا یہی قول مذکور ہے کہ مرافعہ کے روز سے قاضی چار سال مقرر کرے گا (۱) مگر بظاہر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات حاکم کی رائے پر چھوڑ دی جائے اگر گزری ہوئی مدت کو کافی سمجھے تو فوراً فسخ نکاح کا حکم دیدے ورنہ چار سال کی مدت مقرر کردے اس طرح حنفیہ کی بعض روایات پر بھی عمل ہو سکے گا اور یہ بات اصول کے بھی خلاف نہیں ہے (۲) باقی اگر نکاح ثانی سے پہلے زوج اول آجائے تو زوجہ اسی کی بیوی ہوگی لیکن اگر نکاح کے بعد آئے تو پھر اس کو زوجہ نہ ملے گی۔ (۳) واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) کما فی الروایۃ العشرین من فتاوی العلامۃ سعید بن صدیق المالکی : قلت ارایت امراۃ المفقود تعتد الاربع سنین فی قول مالک بغیر امر السلطان قال: قال مالک: لا وان اقامت عشرین سنۃ ثم وقعت امرھا السلطان نظر فیھا و کتب الی موضعہ الذی خرج الیہ فان یئس منہ ضرب لھا من تلک الساعۃ اربع سنین (مجموعۃ الفتاوی المالکیۃ الملحقۃ بالحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ ص ۱۳۰ مطبوعہ دار الاشاعت کراتشی)

(۲) کذافی الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ بحث حکم زوجہ مفقود فائدہ ص ۷۱ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

(۳) حضرت مفتی اعظمؒ نے جو یہ فرمایا ہے کہ "اگر نکاح کے بعد آئے تو پھر اس کو زوجہ نہ ملے گی" اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے جو حیلہ ناجزہ میں "واپسی مفقود کے احکام" کے عنوان سے درج ہے وہ یہ ہے کہ وہ مفقود جس پر مرافعہ و تفتیش کے بعد چار سال تک انتظار کر کے قاضی نے موت کا حکم کر دیا ہے اگر حکم بالموت کے بعد واپس آجائے' خواہ عدت وفات کے اندر یا بعد اور خواہ نکاح ثانی سے پہلے یا بعد' اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایسے وقت واپس آئے' جب کہ عدت وفات گزارنے کے بعد عورت دوسرے مرد سے نکاح کر چکی ہے' اور خلوت صحیحہ بھی ہو چکی ہے' ان میں سے پہلی صورت کا حکم بالاتفاق یہ ہے کہ زوجہ شوہر اول ہی کے نکاح میں بدستور سابق رہے گی' دوسرے خاوند کے پاس نہیں رہ سکتی' اور دوسری صورت میں مالکیہ کا مشہور مذہب یہی ہے کہ زوجہ دوسرے خاوند کے پاس رہے گی' اور شوہر اول کا اب اس سے کوئی تعلق نہیں رہا' لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب اس بارے میں یہ ہے کہ اگر مفقود حکم بالموت کے بعد بھی واپس آجائے تو اس کی عورت ہر حال میں اسی کو ملے گی خواہ عدت وفات کے اندر آجائے یا بعد انقضائے عدت کے اور خواہ نکاح ثانی' خلوت اور صحبت کے بعد آئے یا پہلے۔
لہذا حنفی کے لئے غیر حنفیہ کے مذہب پر فتویٰ دینا تحت ضرورت کے وقت تو جائز ہے' جیسے تاجیل زوجہ مفقود وغیرہ کی صورتیں ہیں' لیکن واپسی مفقود کی صورت میں دوسرے مذہب پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت داعی نہیں' لہذا اس صورت ثانیہ میں بھی "یعنی جب کہ واپسی مفقود سے قبل شوہر ثانی خلوت صحیحہ بھی کر چکا ہے تب بھی" زوجہ اپنے خاوند سابق ہی کے نکاح میں رہے گی' شوہر ثانی کے پاس رہنا جائز نہیں' کیونکہ شوہر اول کی واپسی سے نکاح ثانی باطل قرار دیا گیا ہے' کما فی الشامیۃ لکن لو عاد حیا بعد الحکم بموت اقرانہ قال الطحطاوی' الظاہر انہ کالمیت اذا احی والمرتد اذا اسلم فالبا فی یدور ثتہ لہ ولا یطالب بما ذھب قال ثم بعد رقمہ رایت المرحوم اباسعود نقلہ عن الشیخ شاہین و نقل ان زوجتہ لہ والا ولاد للثانی (ھامش رد المحتار' کتاب المفقود ۴-۲۹۷ ط سعید کراتشی) اس مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قول یہی ہے کہ دونوں صورتوں میں (یعنی نکاح سے پہلے یا نکاح کے بعد) عورت خاوند اول ہی کو ملے گی' البتہ مفتی اعظمؒ نے جو نقل کیا ہے وہ غیر مفتی بہ ہے کما فی الھندیۃ: فان عادزوجھا بعد مضی المدۃ فھو احق بھا وان تزوجت فلا سبیل لہ علیھا (الفتاوی الھندیۃ کتاب المفقود ۲-۳۰۰ ط ماجدیہ' کوئٹہ) لہذا حیلہ ناجزہ کے حاشیہ میں یہ عبارت موجود ہے وما فی العالمگیریۃ ص ۳۰۰ ج ۲ عن التاتر خانیۃ : فان عاد زوجھا بعد مضی المدۃ فھو احق بھا وان تزوجت فلا سبیل لہ علیھما" فلا یعول علیہ فی مقابلۃ تصریح المبسوط یعنی مبسوط کی عبارت جس میں یہ مذکور ہے کہ " وقد صح رجوعہ (یعنی عمرؓ) الی قول علیؓ وانہ (ای علیا) کان یقول ترد الی زوجھا الاول و یفرق بینھما و بین الآخر ولھا المھر بما استحل من فرجھا ولا یقربھا الاول حتی تنقضی عدتھا من الآخر و بھذا کان یاخذ ابراھیم فیقول قول علیؓ احب الیّ من قول عمرؓ وبہ ناخذ ایضا (المبسوط للسرخسی کتاب المفقود ۱۱-۳۷ ط دار المعرفۃ بیروت) یعنی شوہر اول کی واپسی سے زوجہ اسی کو ملے گی" کے مقابلہ میں عالمگیری کی عبارت جس میں یہ مذکور ہے کہ "زوج ثانی کے ساتھ شادی کے بعد خلوت صحیحہ ہو جانے سے زوجہ شوہر اول کو نہیں ملے گی" پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ فقط

جو نو سال سے گمشدہ ہے اس کی بیوی دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) زید نے اپنی لڑکی کا نکاح حالت نابالغی میں کر دیا تھا اور اب اس کے شوہر کو گئے ہوئے ۹ سال کا عرصہ گزرتا ہے۔ پتہ نہیں چلتا۔ بہت کوشش اور جستجو کی گئی باپ غریب ہے لڑکی جوان ہو گئی ہے اسکا نکاح ثانی کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۴۴۰ محمد عمر چیڑ اسی (میرٹھ) یکم محرم ۱۳۵۴ھ م ۶ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۱۱) اس صورت میں متاخرین حنفیہ کے فتوے کے بموجب عورت کو حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنے شوہر کے مفقود ہونے یا نان نفقہ وصول نہ ہو سکنے کی بنا پر اپنا نکاح فسخ کرالے۔ (۱) فسخ نکاح کا حکم حاصل ہونے کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکے گی (۲) اور اگر وطی و خلوت کی نوبت نہ آئی تھی تو عدت بھی لازم نہ ہوگی (۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جس عورت کا شوہر پانچ سال سے لاپتہ ہو وہ امام مالکؒ کے فتویٰ پر عمل کرے

(سوال) مسماۃ ہندہ کا خاوند بحالت دیوانگی عرصہ پانچ سال سے مفقود ہے جس کا کچھ پتہ نہیں اور حالات حاضرہ کی بناء پر آئندہ بھی اس کی خبر ملنے کی توقع نہیں اور ہندہ کے واسطے نان نفقہ وغیرہ مشکلات کا سامنا ہے لہذا ہندہ اپنا نکاح امام احمدؒ کے قول پر عمل کر کے فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں ؟ اگر نکاح فسخ کرانے کے واسطے قاضی کی ضرورت ہے تو کیا کرے۔ شرعی قاضی تو ہے نہیں یا جماعت مسلمین سے فسخ کرا سکتی ہے ؟ بینوا توجروا
المستفتی نمبر ۹۳۶ سنجاوی (افریقہ) ۷ صفر ۱۳۵۵ھ م ۱۹ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب) (از نائب مفتی صاحب) مسماۃ ہندہ بوجہ مفقود الخبر ہونے زوج کے موافق قول حضرت امام مالکؒ کے نکاح فسخ کرا سکتی ہے کیونکہ فقہائے متاخرین حنفیہ نے موافق قول حضرت امام مالکؒ کے فتویٰ دیدیا ہے (۴) کہ بعد انتظار چار سال کے مفقود الخبر کی زوجہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں درخواست دیکر نکاح اول کے فسخ کر دینے کا حکم و فیصلہ حاصل کر لے اس کے بعد وفات کی عدت پوری گزار کر نکاح ثانی کر سکے گی (۵) غیر مسلم حکومت کی عدالت کے حاکم کا بھی یہ فیصلہ کافی ہو گا بشرطیکہ حاکم مسلمان ہو۔ (۶) فقط
حبیب المرسلین عفی اللہ عنہ، نائب مفتی۔

---

(۱) الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ' بحث حکم زوجہ مفقود ص ۶۲ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

(۲) (خلافا لمالك) فان عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي اربع سنين...... وقد قال في البزازية الفتوى في زماننا على قول مالك وقال الزاهدي كان بعض اصحابنا يفتون به للضرورة(هامش ردالمحتار مع الدر المختار' كتاب المفقود ٤/ ٢٩٥ ط سعيد كراتشي)

(۳) وقال الله تعالى يا ايها الذين آمنوا اذا نكحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لكم عليهن من عدة تعتدونها (الاحزاب: ٤٩)

(۴) دیکھئے حوالہ حاشیہ نمبر ۲

(۵) کذافی الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ' بحث حکم زوجہ مفقود ص ۶۲ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

(۶) دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ' بحث حکم زوجہ مفقود جواب سوال پنجم ص ۶۵ ' ومقدمہ دربیان حکم قضائے قاضی در ہندوستان و دیگر ممالک اسلامیہ ص ۳۲ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی

(جواب ۲۱۲) (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہاں امام مالک کے مسلک کے موافق جماعت مسلمین جس کے افراد مسئلہ شرعیہ سے واقف اور متدین ہوں ایسے معاملے میں فسخ نکاح کا حکم کر سکتی ہے (۱) رہا قانونی نفاذ تو اس کی کوئی سبیل کرلینی قانون داں اصحاب کا کام ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جس عورت کا شوہر سات سال سے گم ہے' تو وہ نان و نفقہ نہ پانے کی وجہ سے تفریق کرا سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) مسماۃ فیدن کا شوہر تقریباً سات سال ہوئے فرار ہو گیا ہے آج تک لا پتہ ہے نہ معلوم کہ زندہ ہے یا مر گیا ہے متعدد جگہ تلاش کیا مگر پتہ نہیں چلا مسماۃ مذکور کے لئے اندیشہ ہے کہ چال چلن خراب نہ ہو جائے مسماۃ مذکور کی عمر ۲۰ سال ہے سائل تنگدست ہے صورت ہذا میں عقد ثانی ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۰۷۱ مثی ولد گلاب (آگرہ) ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۱۳) اس صورت میں مسماۃ کو بوجہ نفقہ نہ ملنے اور عصمت خراب ہونے کے خوف کے یہ حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا پہلا نکاح فسخ کرالے (۲) اور پھر عدت گزار کے دوسرا نکاح کرلے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جس کا شوہر پانچ سال سے گم ہو' وہ عورت کیا کرے ؟

(سوال) ایک شخص نے اپنی دختر کا نکاح کیا اور اس کا شوہر کچھ مدت اس کے پاس رہا اور پھر کہیں چلا گیا اور کسی سے ذکر نہ کیا جس کو عرصہ پورا پانچ برس کا گزر گیا خاوند نے نہ خط لکھا اور نہ کہیں اس کا پتہ ہے بہت تلاش بھی کیا مگر کچھ پتہ و نشان نہیں معلوم ہوا دختر مذکور جوان ہے اب اس کے واسطے علمائے دین کیا فرماتے ہیں اس کا نکاح دوسرے سے کر دینا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۸۵۵ قاضی عبدالحق صاحب (میسور) ۲۹ رجب ۱۳۵۶ھ م ۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

---

(۱) صرح بذلک العلامہ الصالح التونسی مفتی المالکیة فی المسجد النبوی الشریف بالمدینة المنورة فی فتاواہ الذی علیه الجمهور وبه العمل وهو المشهور ان ذلک التفریق ووسائله وما یتعلق به للحاکم فان عدم حسا او اعتبارا فجماعة المسلمین الثلاثة فما فوقه تقوم مقامه ولا یکفی الواحد فی مثل هذا (مجموعة الفتاوی المالکیه الملحقة بالحیلة الناجزة' الروایة السابعة عشر ص ۱۲۸ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

(۲) وقال فی غرر الاذکار : ثم اعلم ان مشایخنا استحسنوا ان ینصب القاضی الحنفی نائبا ممن مذهب التفریق بینهما اذا کان الزوج حاضرا وابی عن الطلاق ثم قال بعد صفحه : و علیه یحمل مافی فتاوی قاری الهدایة حیث سئل عمن غاب زوجها ولم یترک لها نفقة فاجاب : اذا اقامت بینة علی ذلک و طلبت فسخ النکاح من قاض یراه ففسخ نفذ وهو قضاء علی الغائب و فی نفاذ القضاء علی الغائب روایتان عندنا' فعلی القول بنفاذه یسوغ للحنفی ان یز[illegible]ها من الغیر بعد العدة (هامش ردالمحتار' کتاب الطلاق' باب النفقة ۳ / ۵۹۰' ۵۹۱ ط مطلب فی فسخ النکاح بالعجز عن النفقة و بالغیبة ط سعید کراتشی) وکذافی الحیلة الناجزة بحث حکم زوجه مفقود ص ۷۳

(جواب ۲۱۴) کسی مسلمان حاکم سے اس عورت کا نکاح فسخ کرایا جائے(۱) اس کے بعد یہ عورت عدت پوری کرلے اس کے بعد دوسرا نکاح ہو سکے گا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جوان العمر عورت جس کا شوہر دس سال سے لاپتہ ہے اس کی خبر گیری نہ کرے اور نان و نفقہ کا بندوبست نہیں' تو کیا کرے ؟

(سوال) ایک عورت کا خاوند عرصہ دس سال تین ماہ سے مفقود الخبر ہے اس کی کچھ خبر نہیں ہے اس عرصہ میں اس نے نہ کبھی خط لکھا ہے اور نہ ہی خرچ بھیجا ہے خدا جانتا ہے کہ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ گھر سے روانگی کے وقت کہہ گیا تھا کہ میں کلکتہ جا رہا ہوں۔ اس دن سے آج تک اس کی کچھ خبر نہیں ہے بہتیری تلاش کی اور کلکتہ سے آنے جانے والوں سے پوچھا۔ عورت حنفی المذہب ہے عورت مذکورہ دوسرا عقد کرنا چاہتی ہے چونکہ جوان عمر ہے۔ عورت کا ذریعہ معاش کچھ نہیں ہے اور نہ کوئی امداد کرنے والا ہے اسکے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۹۳۹ (لاہور) ۲۱ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۱۵) یہ عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح بربنائے عدم وصول نفقہ و خطرہ عصمت فسخ کرا سکتی ہے اور فسخ نکاح کا حکم حاصل کرکے عدت گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

گمشدہ شوہر کی بیوی کے سلسلہ میں امام مالکؒ کا فتویٰ' اور حنفیہ کا اس پر عمل

(سوال) ایک شخص عرصہ چھ سال سے مفقود الخبر ہے' اس کی زوجہ نو عمر ہے جذبات انسانی و خواہشات نفسانی کے باعث انتظار و صبر کی متحمل نہیں ہو سکتی بموجب مذہب اہل سنت والجماعت نکاح ثانی کی مجاز ہے ؟ یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۹۸۰ شریف احمد صاحب نئی چھاؤنی دہلی ۲۸ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳ نومبر ۱۹۳۷ء

---

(۱) اس لئے کہ زوجہ مفقود کسی صورت میں اس کے نکاح سے خارج ہونے میں خود مختار نہیں' بلکہ ہر حال میں قضائے قاضی شرط ہے کما ہو مصرح فی الروایۃ العشرین من الامام مالکؒ (حیلہ ناجزہ' بحث حکم زوجہ ' مفقود' جواب سوال سوم ص ۶۴ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

(۲) اس لئے کہ عدت میں معتدہ عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں' کما فی الشامیۃ اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ . فلم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا (ہامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب العدۃ' مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ۵۱۶/۳ ط سعید کراتشی) وکذافی الہندیۃ: لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ وکذا المعتدۃ کذافی السراج الوہاج (الفتاویٰ الہندیۃ' کتاب النکاح ' الباب الثالث فی بیان المحرمات' القسم السادس المحرمات التی یتعلق من الغیر ۲۸۰/۱ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۳) وعلیہ یحمل ما فی فتاوی قاری الہدایۃ' حیث سال عمن غاب زوجہا ولم یترک لہا نفقۃ: فاجاب اذا اقامت بینۃ علی ذلک و طلبت فسخ النکاح من قاض یراہ ففسخ نفذ وہو قضاء علی الغائب و فی نفاذ القضاء علی الغائب روایتان عندنا فعلی القول بنفاذہ یسوغ للحنفی ان یزوجہا من الغیر بعد العدۃ (ہامش رد المحتار کتاب الطلاق ' باب النفقۃ' مطلب فی فسخ النکاح بالعجز عن النفقۃ و بالغیبۃ ۵۹۱/۳ ط سعید کراتشی)

(جواب ۲۱۶) حنفیہ نے امام مالک کے مذہب کے موافق چار سال انتظار کرنے کے بعد اس امر کی اجازت دی ہے کہ عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرالے اور پھر عدت گزار کر دوسرا نکاح کرلے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

مفقود الخبر کی بیوی موجودہ زمانہ میں کتنے دنوں کے بعد نکاح کرے گی؟

(سوال) اگر کسی عورت کا شوہر گم ہو جائے اور اس کا کوئی پتہ نہ چلے تو وہ عورت کتنی مدت کے بعد دوسرا خاوند کر سکتی ہے۔ المستفتی نمبر ۲۱۰۰ عبدالمجید خاں صاحب (روہتک) ۷ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۱ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۱۷) چار سال انتظار کرکے کسی مسلمان حاکم سے اپنا نکاح فسخ کرائے اور پھر عدت گزار کر دوسرا نکاح کرے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

شوہر کے تقریباً پانچ سال گمشدگی کے بعد بیوی نے دوسری شادی بغیر قضائے قاضی کے کرلی تو جائز ہے یا نہیں؟

(سوال) ایک عورت کا خاوند اپنے سسرال کے رشتہ داروں سے کسی بات پر تنازعہ ہونے سے لڑ جھگڑ کر اور ناراضگی ظاہر کرکے کسی دور دراز جگہ چلا گیا اور عرصہ تک اس عورت کے والدین نے ہر چند اس کو تلاش کیا لیکن کہیں سراغ نہ ملا اس کے بعد چار سال چار ماہ دس دن کی مدت سے زائد عرصہ قریباً پانچ سال گزر جانے پر عورت مذکور کا نکاح ثانی کسی دیگر شخص سے کردیا گیا جسکو اب تقریباً تین سال کا عرصہ ہو گیا ہے اور عورت کا خاوند از اول تا ہنوز مفقود الخبر ہے کیا اس عورت کا نکاح ثانی درست ہے اور عقد پڑھانے والے پر کوئی ذمہ داری تو عائد نہیں ہوتی اگر ہوتی ہے تو اس کے لئے اب کیا حکم ہے جب کہ وہ ایک قریہ کی مسجد کا امام ہے۔ المستفتی نمبر ۲۱۷۳ جناب منشی حفیظ اللہ صاحب (حصار) ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۱۸) جب کہ خاوند آٹھ سال سے مفقود الخبر ہے تو اس کی زوجہ کو یہ حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرائے اور پھر عدت گزار کر دوسرا نکاح کرلے (۳) پہلا نکاح فسخ کرانے سے پہلے

---

(۱) (قوله حلافا لمالك) فان عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي اربع سنين...... وقد قال في البزازية: الفتوى في زماننا على قول مالك وقال الزاهدی كان بعض اصحابنا يفتون به للضرورة (هامش رد المحتار مع الدرالمختار كتاب المفقود مطلب في الافتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود ٤/ ٢٩٥ ط سعيد كراتشی)

(۲) ولا يفرق بينه و بين امراته وقال مالك اذا مضى اربع سنين يفرق القاضي بينه و بين امراته و تعتد عدة الوفاة ثم تزوج من شاءت لان عمر هكذا قضى في الذى استهواه الجن بالمدينة وكفى به اماما (الهداية كتاب المفقود ٢/ ٦٢٢ ط شركة علميه ملتان) (۳) ولا يفرق بينه و بين امراته وقال مالك اذا مضى اربع سنين يفرق القاضي بينه و بين امراته و تعتدعدة الوفاة ثم تزوج من شاءت لان عمر هكذا قضى في الذى استهواه الجن بالمدينة وكفى به اماما (الهداية كتاب المفقود ٢/ ٦٢٢ ط شركة علميه ملتان)

جو نکاح کر دیا گیا وہ جائز نہیں ہوا (۱) نکاح پڑھانے والے نے اگر یہ جانتے ہوئے کہ عورت منکوحہ ہے اور اس کا نکاح فسخ نہیں کرایا گیا نکاح پڑھایا تو وہ گناہ گار ہوا اس کو توبہ کرنی لازم ہے توبہ کے بعد وہ امامت پر قائم رکھا جائے تو جائز ہے۔ (۲)

• مسلمان حاکم میسر نہ ہو تو جماعت مسلمین جس میں علماء و عمائد شریک ہوں فسخ کی کارروائی کر سکتے ہیں ان کی کارروائی شرعی جواز کے لئے کافی ہو گی (۳) قانونی مواخذہ قائم رہے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

گمشدہ شوہر کی بیوی کی دوسری شادی کے لئے قضائے قاضی ضروری ہے اور اگر قاضی نہ ہو تو جماعت مسلمین یہ کام کر سکتی ہے

(سوال) میری لڑکی جوان ہے اور شوہر اسکا پانچ سال سے مفقود ہے بہت تلاش کیا گیا مگر پتہ نہیں چلا کوئی ذریعہ اس کے گزارہ کا نہیں اور ہندوستان میں قاضی شرعی بھی موجود نہیں کیا یہ ممکن ہے کہ جماعت مسلمین کے سامنے یہ قضیہ پیش کر کے مذہب مالکی پر فتویٰ لیا جائے جس میں چار سال کے بعد حکم موت مفقود کا کر دیا ہے۔ میں غریب آدمی ہوں کسی اسلامی ریاست تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس واسطے کوئی آسان تدبیر لڑکی کی رہائی کی ارشاد فرمائی جائے اور جماعت مسلمین کے فیصلے کے لئے کیا شرائط ہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۳۹ شیخ سلیم الدین صاحب میرٹھ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۵ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۱۹) جماعت مسلمین بھی یہ کام کر سکتی ہے جب کہ شرعی قاضی نہ ہو اور کوئی دوسری صورت ممکن نہ ہو (۴) موجودہ حالت میں مسلمان جج بھی شرعی قاضی کے قائم مقام ہو سکتا ہے (۵) اور حافظ عبداللہ کا شریعت بل جو پاس ہو کر ایکٹ بن چکا ہے اس کے ماتحت مقدمہ چل سکتا ہے اور رہائی ہو سکتی ہے جماعت مسلمین کی کارروائی قانوناً قابل اعتبار نہ ہو گی اور جب اس کے ہاتھ میں قوت تنفیذ یہ نہیں تو وہ غیر مفید ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ...... فلم یقل احد بجواز فلم ینعقد اصلا (ہامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدۃ' مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ۳/ ۵۱۶ ط سعید کراتشی) وکذافی الھندیۃ لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ وکذا المعتدۃ کذافی السراج الوھاج (الفتاوی الھندیۃ' کتاب النکاح' الباب الثالث فی بیان المحرمات القسم السادس المحرمات التی یتعلق بھا حق الغیر ۱/ ۲۸۰ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۲) حدیث شریف میں ہے: عن ابی عبید بن عبداللہ عن ابیہ قال قال رسول اللہ ﷺ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ (رواہ ماجہ فی سننہ باب ذکر التوبۃ ص ۳۲۳ ط میر محمد کراتشی)

(۳) الحیلۃ الناجزۃ' بحث حکم زوجہ مفقود' جواب سوال پنجم ص ۶۵ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

(۴) الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ' بحث مقدمہ دربیان حکم قضائے قاضی در ہندوستان ودیگر ممالک غیر اسلامیہ ص ۳۴ طبوعہ دار الاشاعت کراچی

(۵) الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ' بحث مقدمہ دربیان حکم قضائے قاضی در ہندوستان ودیگر ممالک غیر اسلامیہ ص ۳۴ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

جس عورت کا شوہر وفات پاچکا ہے 'وہ عدت وفات کے بعد دوسری شادی کر سکتی ہے

(سوال) ہندہ کا شوہر بکر تھا جو عرصہ پانچ سال سے مفقود الخبر ہے زائد حصہ تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ہلاک کر ڈالا گیا اب ہندہ زید کے ساتھ عقد کر سکتی ہے جب کہ زید کا ناجائز تعلق ہندہ کے ساتھ بکر کی زندگی میں بھی تھا۔ فقط المستفتی نمبر ۲۳۶۵ قاضی منظور احمد صاحب (ہردوئی) ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۰ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۲۰) جب کہ ہندہ کا شوہر بکر ہلاک ہو چکا ہے تو ہندہ زید کے ساتھ عقد کر سکتی ہے اگر چہ اس کا زید سے ناجائز تعلق تھا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

دس سال بعد جماعت مسلمین نے گمشدہ کی بیوی کی دوسری شادی کردی 'بعد میں پہلا شوہر آگیا' تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک مسماۃ کا شوہر جو اس کے بیان سے معلوم ہوا کہ دس برس سے مفقود الخبر تھا اس مسماۃ نے اپنے گاؤں کے پنچوں کی اجازت اور مشورے سے زید کے ساتھ عقد پڑھالیا عقد کے چند روز بعد اس کا اصلی شوہر جو مفقود الخبر تھا آگیا تو اب وہ عورت کو واپس لے سکتا ہے یا نہیں اور اصلی شوہر کے آجانے سے دوسرے شوہر کا عقد باقی رہا یا ٹوٹ گیا ؟ المستفتی نمبر ۲۴۷۳ شہادت صاحب برہانپور (سی پی) ۱۳ صفر ۱۳۵۸ھ ۴ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۲۱) اگر عورت نے اپنے شوہر کا مفقود الخبر ہونا جماعت مسلمین پر واضح کردیا تھا اور جماعت نے تحقیق کر کے عدم نفقہ یا خوف زنا کی وجہ سے عورت کا پہلا نکاح فسخ کر کے دوسرے نکاح کی اجازت دیدی تھی تو اب شوہر اول عورت کو واپس نہیں لے سکتا نکاح ثانی قائم ہے اور قائم رہے گا بشرطیکہ عورت نے عدت گزار کر باقاعدہ دوسرا نکاح کیا ہو۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

(جواب دیگر ۲۲۲) مفقود کی زوجہ کے لئے ۹۰ سال انتظار کرنے کے بارے میں فقہائے متاخرین نے سخت دشواری محسوس کی اس لئے انہوں نے اس قول پر فتویٰ دینا ترک کردیا اور چار سال انتظار کرنے کے بعد نکاح فسخ کردینے کا حکم دے دیا اور آج کل اسی پر عمل ہے،(۳) حاکم سے نکاح فسخ کرایا جائے اور عورت عدت

---

(۱) وصح الموطوء ۃ بملک اوا الموطوء ۃ بزنی ای جاز نکاح من رآھا تزنی ولہ وطؤ ھا بلا استبراء واما قولہ تعالیٰ: "والزانیۃ لا ینکحھا الاذان" فمنسوخۃ بآیۃ" فانکحوا ما طاب لکم من النساء" (الدر المختار' مع ھامش ردالمحتار' کتاب النکاح' فصل فی المحرمات ۳/ ۵۰ ط سعید کراتشی)

(۲) فان عاد زوجھا بعد مضی المدۃ فھو احق بھا وان تزوجت فلا سبیل لہ علیھا (الفتاویٰ الھندیۃ' کتاب المفقود ۲/ ۳۰۰ ط ماجدیہ کوئٹہ) حضرت مفتی اعظمؒ کے ایسے ہی ایک جواب کی پوری تفصیل جواب نمبر ۲۱۰ کے حاشیہ نمبر ۳ میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

(۳) (قولہ خلافا لمالک) فان عندہ تعتد زوجۃ المفقود عدۃ الوفاۃ بعد مضی اربع سنین - وقد قال فی البزازیۃ' الفتویٰ فی زماننا علی قول مالک وقال الزاھدی کان بعض اصحابنا یفتون بہ للضرورۃ (ھامش رد المحتارمع الدر المختار' کتاب المفقود' مطلب فی الافتاء بمذھب مالک فی زوجۃ المفقود ۴/ ۲۹۵ ط سعید کراتشی)

گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نابالغ کی بیوی کو زنا میں مبتلا ہونے کا ڈر ہو، تو وہ کیا کرے؟

(سوال) ایک لڑکی جس کی عمر اٹھارہ انیس سال ہے اس کا نکاح ایک لڑکے سے جس کی عمر آٹھ نو سال کی ہے کر دیا گیا۔ چونکہ فتنہ کا سخت خطرہ ہے کیا کوئی صورت تفریق کی ہو سکتی ہے؟ **المستفتی** نمبر ۲۶۹۲ مولوی نصیر بخش بہاولپور مورخہ ۲۳ صفر ۱۳۶۰ھ م ۲۲ مارچ ۱۹۴۱ء

(جواب ۲۲۳) اگر لڑکی کے مبتلائے معصیت ہونے کا قوی خطرہ ہو تو کوئی مسلمان حاکم اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

گزارش ہے کہ حضرت علامہ مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ نے اس جواب کا حوالہ طلب فرمایا ہے۔ براہ کرم حوالہ تحریر فرمائیں۔

(جواب) خاص اس صورت میں کہ لڑکا نابالغ ہو اور لڑکی بالغہ ہو جائے اور اس کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا قوی خطرہ ہو مخصوص جزئی نظر سے نہیں گزری مگر جواب میں جو حکم لکھا گیا ہے وہ اس پر مبنی ہے کہ ابتلاء زنا کا خطرہ اور حبس شہوت کا ضرر ضرر عدم نفقہ سے قوی ہے اور مفقود میں تضرر بعدم النفقہ و تضرر بحبس الشہوۃ دونوں کو عذر قرار دیا گیا اور تضرر بحبس الشہوۃ کو اقوی قرار دیکر اس کے لئے چار سال کی مدت بھی ضروری نہیں سمجھی بلکہ فوراً فسخ نکاح کی اجازت مالکیہ نے دیدی اور صورت مسئول عنہا میں تضرر بحبس الشہوۃ بوجہ نابالغی و عدم صلاحیت شوہر کے یقینی ہے جس کے لئے کسی انتظار کی ضرورت نہیں جیسے کہ مفقود میں اس خاص صورت (خوف زنا) میں نہیں رکھی گئی یہ بات کہ زوجۃ المفقود میں خوف زنا کی صورت میں تاخیر ضروری نہیں سمجھی گئی حیلہ ناجزہ کے صفحہ (۳) ۱۱۰ و ۱۱۲ میں موجود ہے مگر امراۃ مفقود کے بارے میں یہ روایات ہیں۔ نیز اس صورت میں ضرورت کی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کے موافق نابالغ ممیز سے طلاق دلوا کر اس کے نفاذ کا حکم بھی دیا جا سکتا ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) قال مالکؒ: اذا مضی اربع سنین یفرق القاضی بینه و بین امراته و تعتد عدة الوفاة ثم تزوج من شاء ت لان عمر هکذا قضی فی الذی استهواه الجن بالمدینة (الهدایة، کتاب المفقود ۲/۶۲۲ ط شرکة علمیه ملتان) وکذا فی الحیلة الناجزة بحث حکم زوجه مفقود ص ۵۹ مطبوعه دار الاشاعت کراچی)

(۲) الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة، بحث حکم زوجه متعنت ص ۷۳ مطبوعه دار الاشاعت کراچی

(۳) الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة، بحث حکم زوجه مفقود، باقی مفقود کے احکام قاعدہ س اے مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

(٤) قوله وجوزه الامام احمد) ای اذا کان ممیزا یعقله بان یعلم ان زوجته تبین منه کما هو مقرر فی متون مذهبه فافهم (هامش رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الطلاق ۳/۲٤۳ ط سعید کراتشی)

جس عورت کے شوہر کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ وہ مر گیا ہے یا زندہ ہے تو وہ عورت کیا کرے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) بیان مسماۃ گلاب بانو دختر عبداللہ ذات بلوچ عمر تیس سال سکنہ حال موگا ضلع فیروز پور باقرار صالح مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۲۶ء بیان کیا کہ میرا نکاح ہمراہ خان بیگ ولد شیر خاں ذات بلوچ سکنہ جایا ضلع میانوالی حال آباد کالا باغ ضلع میانوالی عرصہ نو دس سال کا ہوا ہے ہوا تھا اور حق مہر معجّل و غیر موجل یکصد روپیہ مقرر ہوا۔ اس کے گھر تقریباً چھ سات سال آباد رہی اس کے نطفے اور میرے بطن سے ایک لڑکی عمر تین سال موجود ہے تین سال کا عرصہ ہوا کہ اس نے مجھے گھر سے نکالدیا ہے اور آج تک میرے نان نفقہ کا کوئی انتظام نہیں کیا میں محنت کر کے اپنا گزارہ کرتی ہوں معلوم نہیں وہ مر گیا یا زندہ ہے مجھے آنکھوں سے کم نظر آتا ہے میں چاہتی ہوں اگر شرع اجازت دے تو کسی دیگر شخص سے نکاح کرلوں اس وقت اسپتال کو بغرض علاج آئی ہوں مگر علاج درست نہیں ہوا ہے اس لئے محنت کرنے سے بھی معذور ہوں۔

(جواب ۲۲٤) اگر شوہر کی زندگی معلوم یا مظنون ہو تو اس سے طلاق لینے اور فیصلہ کرنے کے بغیر دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا(۱) ہاں اگر اس کا مرجانا یقینی ہو تو عدت وفات گزار کر دوسرا نکاح کیا جا سکتا ہے۔(۲) اور موت اور حیات دونوں میں سے کسی کا یقین نہ ہو تو اس صورت میں وہ مفقود الخبر کہلائے گا اور اس کی زوجہ کو خاوند کے مفقود الخبر ہونے کے وقت سے کم از کم چار سال کا انتظار کرنا پڑے گا(۳) محمد کفایت اللہ غفرلہ'

متاخرین حنفیہ نے گمشدہ شوہر کی بیوی کے بارے میں امام مالکؒ کے فتویٰ پر عمل کیا ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۲۷ء)

(سوال) اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۶ء میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ زوجہ کو خاوند کے مفقود الخبر ہونے کے وقت سے کم از کم چار سال انتظار کرنا پڑے گا اس مسئلہ کے متعلق یہاں کے بعض علماء اعتراض کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ ہمارے مذہب میں نہیں بلکہ امام مالکؒ کا مذہب ہے۔

(جواب ۲۲۵) ہاں ان بزرگوں کا یہ کہنا صحیح ہے کہ زوجہ مفقود کے لئے چار سال انتظار کرنے کے بعد نکاح کی اجازت دینا حضرت امام مالکؒ کا مذہب ہے اور یہ کہ حنفیہ کا اصل مذہب اس کے خلاف ہے۔(۱) مگر اس کے

---

(۱) قال الله تعالى : حرمت عليكم امهاتكم ...... والمحصنات من النساء الا ما ملكت ايمانكم كتب الله عليكم واحل لكم ماوراء ذلكم ان تبتغوا باموالكم (النساء : ۲۳ - ۲٤)

(۲) والذين يتوفون منكم و يذرون ازواجا يتربصن بانفسهن اربعة اشهر و عشرا (البقرة : ۲۳٤)

(۳) قوله خلافا لمالك ، فان عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي اربع سنين ...... وقد قال في البزازية : الفتوى في زماننا على قول مالك وقال الزاهدي : كان بعض اصحابنا يفتون به للضرورة (هامش رد المحتار مع الدرالمختار' كتاب المفقود مطلب في الافتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود ٤/٢٩٥ ط سعيد كراتشي) (٤) ولا يفرق بينه و بين امرأته و حكم بموته بمضي تسعين سنة وعليه الفتوى و في ظاهر الرواية يقدر بموت اقرانه فاذا لم يبق احد من اقرانه حيا حكم بموته و يعتبر موت اقرانه في اهل بلده كذا في الكافي والمختار انه يفوض الى راى الامام كذافي التبين (الفتاوى الهندية' كتاب المفقود ۲/۳۰۰ ط ماجدية كوئته)

ساتھ ان بزرگوں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئیے کہ متاخرین حنفیہ نے زمانہ موجودہ کی ضرورت پر نظر کرتے ہوئے حضرت امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ دیدیا ہے شامی میں اس کی تصریح موجود ہے(۱) اسی بنا پر میں نے پہلا فتویٰ لکھا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سوال متعلقہ استفتائے سابق

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مارچ ۱۹۲۷ء)

(جواب ۲۲۶) جب کہ خاوند چھ سال سے مفقود الخبر ہے تو اس کی عورت حاکم مجاز سے اجازت حاصل کر کے عدت وفات پوری کر کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا عورت پانچ چھ سال گمشدہ شوہر کا انتظار کرنے کے بعد دوسری شادی کر سکتی ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۲۷ء)

(سوال) ہندہ کے چچا نے ہندہ کی شادی زید سے بحالت نابالغی کر دی تھی آج عرصہ پانچ چھ سال کا ہوتا ہے کہ زید مفقود الخبر ہے اور ہندہ چار سال سے بالغ ہے کیا ایسی صورت میں ہندہ نکاح ثانی کر سکتی ہے ؟

(جواب ۲۲۷) اس صورت میں ہندہ حاکم مجاز سے اپنا نکاح فسخ کرا کے اور عدت گزار کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے(۳) بغیر حکم فسخ دوسرا نکاح جائز نہیں ہے(۴) فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ'

عورت کو اگر شوہر کی موت کا یقین یا ظن غالب ہو' تو وہ عدت وفات پوری کر کے دوسری شادی کر سکتی ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۲۸ء)

(سوال) زید مزدوری کی غرض سے دوسرے شہر (مثلاً لاہور) گیا ہوا تھا وہاں بیمار ہو گیا۔ دوستوں کے شورے سے وطن روانہ ہونے کے ارادے سے اکیلا موٹر میں بیٹھ کر لاہور کے اسٹیشن پہنچا اور اسٹیشن پر ہی نقال کر گیا اقارب واعزہ کو اس کی موت کی خبر نہ تھی جب اس کے رفقا گھر آئے تو معلوم ہوا کہ وہ گھر نہیں

---

(۱) (قوله خلافا لمالك) فان عنده تعتدزوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضى اربع سنين ...... وقد قال في البزازية الفتوى في زماننا على قول مالك وقال الزاهدى : كان بعض اصحابنا يفتون به للضرورة (هامش ردالمحتار مع الدرالمختار' كتاب المفقود' مطلب في الافتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود ٤/ ٢٩٥ ط سعيد كراتشى)

(۲) وقال مالك اذا مضى اربع سنين يفرق القاضي بينه و بين امراته و تعتد عدة الوفاة ثم تزوج من شاءت (الهداية' كتاب المفقود ٢/ ٦٢٢ و كذافي الحيلة الناجزة بحث حكم زوجه مفقود ص ٦٣' ٦٤ مطبوعه دار الاشاعت)

(۳) الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة' بحث حكم زوجه مفقود ص ٦٣' ٦٤ مطبوعه دارالاشاعت كراچى)

(۴) اما نكاح منكوحة الغير و معتدته..... فلم يقل احد بجوازه فلم ينعقد اصلا (هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق' باب العدة' مطلب في النكاح الفاسد والباطل ٣/ ٥١٦ ط سعيد كراتشى)

پہنچا اس اثنا میں اس کی موت کی خبر تھانے میں پہنچی اور فوٹو آیا یہ فوٹو جو پولیس کے ذریعے سے آیا ہے بعینہ اسی مرنے والے کا ہے مگر کوئی شاہد نہیں ہے اب زید کو مفقود سمجھا جائے یا متوفی اور اس کی عورت کے نکاح ثانی کا طریقہ کیا ہوگا؟

جواب ۲۲۸) اگرچہ پولیس کی خبر اور فوٹو کا اس صورت معلومہ کے ساتھ مشابہ ہونا حجت شرعیہ نہیں بنے تاہم اس کی عورت کو اگر اس خبر سے موت زوج کا یقین یا ظن غالب حاصل ہو جائے تو وہ عدت وفات پوری کر کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

خاوند پانچ سال سے لاپتہ ہے' تو عورت دوسری شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) ایک عورت کا خاوند عرصہ پانچ سال سے مفقود ہے عورت سخت تنگ دست اور پریشان ہے اندریں حالت کسی دوسرے فرقہ کے عالم سے فتویٰ لیکر اس کی مخلصی کی صورت پیدا کی جاسکتی ہے؟

(جواب ۲۲۹) مفقود الخبر کی زوجہ کے بارے میں تو متاخرین فقہائے حنفیہ نے بھی یہ فتویٰ دیدیا ہے کہ زوجہ مفقود سخت ضرورت کے وقت مسلمان حاکم کی عدالت میں رجوع کرے اور حاکم چار سال کے بعد اس کو پہلے خاوند کی موت کا حکم دیکر نکاح ثانی کی اجازت دیدے اور وہ عدت گزار کر دوسرا نکاح کرلے(۲) انگریزی عدالتوں کے مسلمان حکام اور جماعتی پنچ بھی یہ کام کر سکتے ہیں(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جس عورت کا شوہر عرصہ دو سال سے نان و نفقہ اور حقوق زوجیت ادا نہ کرے' تو وہ عورت کیا کرے؟

(سوال) میرا شوہر ایک برس سے زائد عرصہ سے مفقود ہے سننے میں آتا ہے کہ وہ اپنے خویش و اقارب سے خط و کتابت جاری رکھا ہے مگر اس مظلومہ و بے سروسامان عاجزہ پر کوئی قسم مہربانی نہیں دو سال سے مجھ کو نان و نفقہ سے بھی محروم رکھا ہے اب ایک معتبر انجمن کے ماتحت اپنی زندگی بسر کر رہی ہوں ایسا ظالم اور بد

---

(۱) وفیه عن الجوهرة: اخبر هاثقة ان زوجها الغائب مات او طلقها ثلاثا اواتاها منه كتاب على يدثقة بالطلاق' ان اكبر رايها انه حق فلا باس ان تعتد و تزوج (درمختار) وقال فى الرد : وفى جامع الفصولين : اخبر ها واحد بموت زوجها او بردته او بتطليقها حل لها التزوج (هامش ردالمحتار مع الدرالمختار' كتاب الطلاق' باب العدة ۵۲۹/۳ ط سعيد كراتشى)

(۲) (قوله خلافا لمالك) فان عنده تعتد زوجة المفقودعدة الوفاة بعد مضى اربع سنين... وقد قال فى البزازية الفتوى فى زماننا على قول مالك وقال الزاهدى كان بعض اصحابنا يفتون به للضرورة (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب المفقود' مطلب فى الافتاء بمذهب مالك فى زوجة المفقود ۲۹۵/۴ ط سعيد كراتشى)

(۳) الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة' بحث حكم زوجه مفقود جواب سوال پنجم ص ۶۵' ومقدمہ بیان حکم قضائے قاضی در ہندوستان و دیگر ممالک غیر اسلامیہ ص ۳۳ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

اخلاق شوہر مجھے ملا۔

(جواب ۲۳۰) اگر شوہر کسی طرح راہ راست پر نہیں آتا اور اپنی بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا تو مسلمان حاکم اس کے نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔ حضرت امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے مذہب کے موافق فسخ نکاح کی صورت ہو سکتی ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) و علیہ یحمل ما فی فتاوی قاری الہدایۃ حیث سئل عمن غاب زوجہا ولم یترک لہا نفقۃ فاجاب اذا اقامت بینۃ علی ذلک و طلبت فسخ النکاح من قاض یراہ ففسخ نفذ وھو قضاء علی الغائب و فی نفاذ القضاء علی الغائب روایتان عندنا فعلی القول بنفاذہ یسوغ للحنفی ان یزوجہا من الغیر بعد العدۃ ... فقولہ من قاض یراہ لا یصح ان یراد بہ الشافعی فضلا عن الحنفی بل یراد بہ الحنبلی فافہم (ہامش ردالمحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب العدۃ ۳ / ۵۹۱ ط سعید کراتشی)

چھٹا باب

عنین

نامرد کی بیوی ایک سال کی مہلت کے بعد تفریق کرا سکتی ہے

(سوال) ایک شخص نے نکاح کیا بعد نکاح معلوم ہوا کہ وہ عنین یعنی نامرد ہے اس سے کہا گیا کہ تو بیوی کو طلاق دیدے تو وہ کہتا ہے کہ میرا خرچہ جو ہوا ہے دے دو اور مہر بھی چھوڑ دو تو طلاق دیتا ہوں ورنہ نہیں اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(جواب ۲۳۱) جب کہ خاوند عنین یعنی نامرد ہو تو عورت کو یہ حق ہے کہ وہ کسی مسلم مجاز کی عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست کرے اور حاکم خاوند کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دے گا ایک سال میں اگر خاوند کی حالت درست ہو گئی تو خیر ورنہ پھر عورت کی دوبارہ درخواست پر حاکم نکاح کو فسخ کر دے گا خاوند کے ذمہ (اگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہو) پورا مہر واجب الاداء ہے نکاح کے مصارف میں سے عورت کے ذمہ کچھ لازم نہیں۔

اذا رفعت المرأة زوجها الى القاضي وادعت انه عنين و طلبت الفرقة فان القاضي يسأله هل وصل اليها او لم يصل فان اقر انه لم يصل [...] اجله سنة الخ (هنديه) (۱) جاء ت المرأة الى القاضي بعد مضي الاجل وادعت انه لم يصل اليها واقر الزوج انه لم يصل اليها خيرها القاضي في الفرقة ان اختارت الفرقة امر القاضي ان يطلقها طلقة بائنة فان ابى فرق بينهما ولها المهر كاملا وعليها العدة بالاجماع ان كان الزوج قد خلا بها وان لم يخل بها فلا عدة عليها ولها نصف المهر ان كان مسمى والمتعة ان لم يكن مسمى (هنديه ملتقطا) (۲)

جس عورت کا شوہر نامرد ہو تو وہ نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟

(سوال) سات سال کا عرصہ ہوا ایک عورت نے ایک شخص سے نکاح کیا اور خلوت ہونے پر عورت کو معلوم ہوا کہ میاں نامرد ہے وہ اپنے باپ کے ہاں چلی گئی باپ کے گھر رہتے ہوئے چھ سال سے زائد ہو گئے تو لڑکے والوں نے اس کو بلایا اور کہا کہ اب تمہارے شوہر کی طبیعت ٹھیک ہے چنانچہ عورت گئی تو اپنے مرد کو مثل سابق نامرد پایا عورت جوان ہے تقریباً تیس سال کے قریب عمر ہے اس کے ماں باپ مفلس ہیں نہ خرچ دے سکتے ہیں نہ شوہر طلاق دیتا ہے ایسی مظلومہ کے لئے تفریق کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ المستفتی نمبر ۲۰.. مولوی حکیم محمد ابراہیم صاحب (راندیر) ۲۲ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۳۲) شوہر عنین ہو تو عورت کو اپنا نکاح فسخ کرانے کا حق ہوتا ہے یہ حق امتداد مدت سے ساقط

---

(۱) الفتاوى الهندية كتاب الطلاق الباب الثاني عشر في العنين ۱ / ۵۲۲ ط ماجدية كوئٹه

(۲) الفتاوى الهندية كتاب الطلاق الباب الثاني عشر في العنين ۱ / ۵۲۴ ط ماجدية كوئٹه

نہیں ہو تا یعنی اگر بیوی نے شادی کے بعد کئی سال تک خاموشی اختیار کی تو اس کا حق ساقط نہ ہو گا(۱) اگر شوہر خود طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو عورت کسی مسلمان مجسٹریٹ کی عدالت میں درخواست دے کہ میرا خاوند نامرد ہے اس لئے میرا نکاح فسخ کر دیا جائے حاکم شوہر کو ایک سال کی مہلت دیگا کہ وہ علاج کرلے ایک سال میں اگر وہ درست ہو گیا تو خیر ورنہ عورت مکرر درخواست کرے کہ خاوند کی حالت درست نہیں ہوئی لہذا میرا نکاح توڑ دیا جائے اب حاکم خاوند سے دریافت کرے اگر وہ اس کا اقرار کرے کہ وہ عورت سے صحبت کرنے پر قادر نہیں ہوا تو حاکم نکاح فسخ کر دے گا اور اگر خاوند کہے کہ میں صحبت کر چکا ہوں اور عورت کہے کہ نہیں کی تو قاضی عورت کا کسی معتبر اور ماہر عورت سے معائنہ کرائے اگر عورت کا باکرہ ہونا اس کی شہادت سے ثابت ہو جائے تو قاضی عورت کی خواہش پر تفریق کرا دے گا(۲) انگریزی عدالت کے مسلمان حاکم کا فیصلہ بھی شرعاً کافی ہے۔(۳) واللہ اعلم ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نابالغی میں نامرد سے نکاح ہو گیا' اب بالغ ہونے کے بعد کیا کرے ؟

(سوال) کسی لڑکی کی شادی صغر سنی میں ہو گئی جب وہ لڑکی سن بلوغ کو پہنچی تو شوہر اس کا نامرد ثابت ہوا پھر اس کے شوہر کو علاج کرانے کا موقع دیا گیا مگر وہ درست نہیں ہوا ایسی حالت میں بھی جب کہ وہ نا قابل ہے طلاق نہیں دیتا اور اب وہ لڑکی بالغہ ہے کیا وہ لڑکی عقد ثانی کر سکتی ہے اس کا شوہر بغرض علاج پانچ سال تک مختلف مقامات پر گیا اور علاج کرایا مگر درست نہیں ہوا ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے۔ المستفتی نمبر ۱۵۴۲ حافظ بشیر احمد صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ (ضلع جھانسی) ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۴ جون ۱۹۳۷ء

(جواب) (از مولوی عبدالاول صاحب)اگر شوہر واقعی نا قابل علاج ہے تو ایسی صورت میں عورت کسی مسلمان حاکم کے ہاں درخواست دیکر فسخ نکاح کا حکم حاصل کر سکتی ہے اور پھر عدت گزار کر عقد ثانی کر سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ خادم العلماء محمد عبدالاول راسخ دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی ۱۸۔۵۔۵۲

(جواب ۲۳۳) (از حضرت مفتی اعظمؒ) فسخ کا دعویٰ شوہر کے عنین ہونے کی بنا پر ہو گا تو قاضی یا حاکم ایک سال کی مہلت بغرض علاج دے گا اور ایک سال کے بعد عورت کی دوبارہ درخواست پر نکاح فسخ کر دے گا۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) وهو اى هذا الخيار على التراضي لا الفور فلو وجدته عنينا او مجبوبا ولم تخاصم زمانا لم يبطل حقها وكذا لو خاصمته ثم تركت مدة فلها المطالبة (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب العنين وغيره ۴۹۹/۳ ط سعيد كراتشي)

(۲) اس تمام تفصیل کے لئے دیکھئے الدر المختار مع هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق' باب العنين وغير ۴۹۹/۳' ۵۰۰ ط سعيد كراتشي)

(۳) الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة' بحث مقدمہ دربیان حکم قضائے قاضی در ہندوستان و دیگر ممالک غیر اسلامیہ ص ۳۳ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

(۴) تفصیل کے لئے دیکھئے الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الثاني عشر في العنين ۱' ۵۲۲'۵۲۴ ط ماجدية' كوئته)

جب نامرد شوہر بیوی کو طلاق نہ دے ' تو وہ کیا کرے ؟

(سوال) ایک لڑکی کا شوہر نامرد ہے جب یہ بات ظاہر ہوئی تو علاج متواتر تین سال کرایا گیا مگر وہ کامیاب نہیں ہوا والدین لڑکی کا طلاق چاہتے ہیں وہ نہیں دیتا اور وہ اپنی مرضی سے لڑکی کو دوسری جگہ بٹھلانا چاہتا ہے جس کو وہ لڑکی اور وارثان پسند نہیں کرتے ایسی صورت میں کیا حکم ہے۔ المستفتی نمبر ۱۸۹۱ رحمان بخش صاحب (گوڑگانوہ) ۷ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۳۴) اگر شوہر نامرد ہے تو زوجہ کو حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں درخواست دیکر نکاح فسخ کر دینے کی استدعا کرے حاکم شوہر کو بقاعدہ شرعیہ ایک سال کی مہلت دے گا اور ایک سال میں بھی شوہر تندرست نہ ہوا تو عورت کی دوبارہ درخواست پر نکاح فسخ کر دے گا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

نامرد کی بیوی دوسرا نکاح کیسے کرے ؟

(سوال) زید اور زبیدہ کی شادی صغر سنی میں اس کے والدین نے کی زید اور زبیدہ بالغ ہوئے باہم مجامعت نہیں ہوئی زبیدہ عرصہ دراز تک شرم و حجاب میں خاموش رہی اب مجبور ہو کر اظہار کیا ہے کہ میرا شوہر قطعی نامرد ہے مجھ سے کبھی قصد بھی نہیں کیا میرا نکاح فسخ کرا کر شادی دوسرے مرد سے کی جائے زید کی ظاہرا حالت زنانیہ ہے زبیدہ عرصہ آٹھ ماہ سے ناامید ہو کر اپنے پیر بیٹھی ہے لڑکے کے وارثوں نے لڑکے سے سپردگی کا دعویٰ عدالت میں کرایا عدالت سے زید کو ڈگری مل گئی ہے جس سے اس کا منشا زبیدہ کو روک کر تکلیف پہنچانا ہے زید پیدائشی نامرد ہے اور اس کے وارث چھٹکارا نہیں کرنے دیتے۔ ایسی حالت میں زبیدہ کیا کرے اپنی جان پر کب تک ظلم برداشت کرے۔ المستفتی نمبر ۱۹۲۴ کریم بخش صاحب ضلع پلوارہ ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۳۵) زبیدہ کو حق ہے کہ وہ عدالت میں اپنے شوہر کے نامرد ہونے کی بنا پر فسخ نکاح کا دعویٰ کرے اور عدالت اس کے شوہر کو بلا کر ایک سال کی مہلت دے گی اور اگر اس عرصہ میں بھی وہ تندرست نہ ہوا تو عورت کی دوبارہ درخواست پر عدالت نکاح فسخ کر دے گی۔(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

موجودہ زمانہ میں نامرد کی بیوی کی تفریق کس طرح کرائی جائے؟ جب کہ قاضی شرعی موجود نہیں

(سوال) زید کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہوا جس کو آج پندرہ سال کا زمانہ گزر چکا لیکن زن و شو کے مخصوص تعلقات نہ قائم ہو سکے بوجہ اس کے کہ زید نامرد ہے جس کی شہادت ہندہ دیتی ہے اب ہندہ طلاق چاہتی ہے لیکن زید

---

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ نمبر ۳
(۲) دیکھئے الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الثانی عشر فی العنین ۱/۵۲۲ ' ۵۲٤ ط ماجدیه کوئٹه

طلاق نہیں دیتا ایسی صورت میں ہندہ کے لئے کیا چارہ کار ہے۔ درآں حالیکہ آج کل شرعی قاضی بھی نہیں ہے ہندہ کے لئے حصول طلاق کی کیا صورت ہوگی؟ المستفتی نمبر ۲۳۱۰ محمد یوسف صاحب ضلع بنوں ۳ اربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۳ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۳۶) ایسی صورت میں ہندہ انگریزی عدالتوں کے کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں فسخ نکاح کے لئے درخواست کرے اور حاکم شوہر کو ایک سال کی مہلت بغرض علاج دے اگر سال بھر میں وہ تندرست ہو جائے تو خیر ورنہ عورت کی دوبارہ درخواست پر حاکم نکاح فسخ کر دے گا اور عورت بعد انقضائے عدت دوسرا نکاح کر لے گی۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نامرد سے نکاح ہو جاتا ہے اور اس کی امامت بھی درست ہے

(سوال) ایک شخص فطرتاً نامرد ہے یعنی قوت مردمی سے محروم ہے اس کی حرکات و سکنات میں بھی عورتوں سے مشابہت ہے ایسے شخص کی امامت صحیح ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۷۶۲ قاضی عبدالحمید امام جامع مسجد کراچی ۱۳ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۹ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۳۷) عنین کا نکاح صحیح ہو جاتا ہے خواہ مادرزاد عنین ہو جب کہ مردانہ اعضاء موجود ہوں اور عورت کے اعضاء نہ ہوں (جیسے کہ خنثیٰ میں دونوں اعضاء ہوتے ہیں) تو وہ مرد ہے (۲) اور اس کا نکاح صحیح ہے (۳) حرکات اور بول چال میں عورتوں کی مشابہت ہو تو یہ صحت نکاح کے لئے مانع نہیں ہے ایسے شخص کی امامت بھی درست ہے (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نامرد کی بیوی کی تفریق بذریعہ طلاق، حکم یا خلع ہو سکتی ہے ان کے بغیر دوسرا نکاح درست نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) زید نامرد ہے۔ اس کی زوجہ اس حالت میں اس کے پاس گزارا نہیں کر سکتی اور وہ طلاق نہیں دیتا۔

---

(۱) دیکھئے الدر المختار مع ہامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العنین وغیرہ ۳ / ۴۹۹ ، ۵۰۰ ط سعید کراتشی

(۲) العنین ہو الذی لا یصل الی النساء مع قیام الآلۃ (الفتاوی الہندیۃ' الباب الثانی عشر فی العنین ۱ / ۵۲۲ ط ماجدیہ کوئٹہ) وقال فی الدر: ولو وجدتہ عنینا ہو من لا یصل الی النساء لمرض او کبر او سحر ویسمی المعقود (درمختار) وقال فی الرد: قولہ ہو من لا یصل الی النساء: ہذا معناہ لغۃ' واما معناہ الشرعی المراد ہنا فہو من لا یقدر علی جماع فرج زوجتہ مع قیام الآلۃ لمرض بہ (ہامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب العنین وغیرہ ۳ / ۴۹۶ ط سعید کراتشی)

(۳) وینعقد بایجاب من احدہما وقبول من الآخر (الدر المختار مع ہامش رد المحتار' کتاب النکاح ۳ / ۹ ط سعید کراتشی) نامرد کی بیوی کا قاضی سے نکاح فسخ کرانے کی جو صورت بیان ہوئی ہے اس سے بھی نامرد کے نکاح منعقد ہونے کی دلیل ملتی ہے۔

(۴) نامرد ہونے سے امامت پر کوئی اثر نہیں پڑتا یہ ایسا عیب نہیں جو امامت کی کراہیت کا باعث ہو اور فقہائے کرام نے نامردی کو کراہیت امامت کے اسباب میں ذکر نہیں کیا ہے۔

(جواب ۲۳۸) بغیر طلاق یا حکم فسخ حاصل کئے جانے یا خلع کے دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا، ہاں مرد نامرد ہو تو حسب قاعدہ فسخ کیا جا سکتا ہے اگر وہ طلاق یا خلع پر راضی نہ ہو تو عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست کرے حاکم شوہر کو ایک سال کی مہلت بغرض علاج دے گا اس کے بعد اگر وہ تندرست نہ ہو تو عورت کی دوبارہ درخواست پر حاکم نکاح کو فسخ کر دے گا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

ساتواں باب
تحریری طلاق

"معافی مہر کے بعد طلاق دیتا ہوں" کی تحریر لکھوا کر دستخط کرنے سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

(سوال) زید کے عقد میں ہندہ تھی۔ دونوں میں لڑائی ہوئی۔ عورت (ہندہ) نے مرد (زید) سے کہا کہ مجھ کو طلاق دیدو زید خاموش رہا پھر دوسرے وقت کہا کہ طلاق دے دو اس پر زید نے کہا کہ تم مہر نامہ لکھ دو میں طلاق دے دوں گا زید دوپہر کو باہر چلا گیا رات کو زید بازار سے کھانا لایا اور دونوں نے کھایا پھر دوسرے روز ہندہ نے کہا کہ ہمارا فیصلہ نہ ہوگا زید نے جواب دیا نہیں ہوگا غرضیکہ لڑائی میں چار روز گزر گئے نہ کھانا پکا نہ کھایا گیا پانچویں روز بہت اصرار پر زید کاتب اور حافظ صاحب کو بلا کر لایا حافظ صاحب نے ہندہ کو بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانی تب کاتب نے ہندہ سے دریافت کیا کہ تم مہر سے دست بردار ہو گی ہندہ نے جواب دیا میں ایسے تو دست بردار نہیں ہوں گی مجھ کو بیس روپے اور گھر کی گرہستی دیں تو دست بردار ہو سکتی ہوں زید نے جواب دیا میں نہیں دے سکتا پھر معاملہ ملتوی ہو گیا دو دن بعد پھر ہندہ نے کہا خدا کے واسطے میرا فیصلہ کر دو۔ چاہے مجھ کو کچھ بھی نہ دو اس پر زید پھر کاتب کے پاس گیا اور کاتب سے کہا کہ ہندہ فیصلہ کرانا چاہتی ہے جو کچھ لکھنا لکھانا ہو لکھ دو (کاتب ہندہ وثیقہ نویس ہے) کاغذ اسٹامپ کی خریداری کے دستخط اور نشان انگوٹھا زید اور ہندہ کے بھی لئے اسٹامپ لیکر کاتب مکان چلا آیا پھر صبح کو آیا اور عورت سے پوچھا کہ کاغذ لکھوں ہندہ نے جواب دیا لکھو۔ پھر زید سے پوچھا اس نے کہا کہ اگر ان کی مرضی ہے تو لکھو کاتب نے دوسرے کمرے میں جا کر مسودہ لکھا

---

(۱) فان وطی مرة فیها والا بانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقها بطلبها (درمختار) وقال فی الرد (قوله من القاضی ان ابی طلاقها) ای ان ابی الزوج لانه وجب علیه التسریح بالاحسان حین عجز عن الامساك بالمعروف فاذا امتنع کان ظالما فناب عنه واضیف فعله الیه (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب العنین وغیره ۳ / ۴۹۸ ط سعید کراتشی)

(۲) اس تمام تفصیل کے لئے دیکھئے الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الثانی عشر فی العنین ۱ / ۵۲۲ - ۵۲۴ ط ماجدیه کوئٹه (وکذا فی الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العنین وغیره ۳ / ۴۹۹ - ۵۰۰ ط سعید کراتشی)

وہاں زید و ہندہ کوئی نہ تھا پھر زید وہاں گیا کاتب نے اس کو مسودہ سنایا جس کی نقل پر انگوٹھا اور دستخط زید کا لیا گیا (جس کی نقل ہمرشتہ تحریر ہذا ہے) یعنی طلاق نامہ۔ اس کو سن کر زید خاموش چلا گیا اس کے بعد دونوں کاغذ اسٹامپ پر لکھے گئے اور پھر کسی کو کوئی مضمون نہیں سنایا گیا بلکہ دونوں کے دستخط اور نشان انگوٹھا بھی لے لئے گئے ہندہ نے زید سے چند چیزیں مانگیں وہ زید نے خوشی دیدیں ہندہ وہ سامان لیکر دوسرے مکان میں چلی گئی اور وہاں ایک دن اور ایک رات رہی اس کے بعد زید کو بلا کر ہندہ نے کہا کہ اب مجھ کو گھر لے چلو میں کسی کے پاس نہیں رہ سکتی جس طرح ہو مجھ کو دو روٹیاں دو یہ کل سرگزشت ہے لہذا جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۴۸۵۱ حاجی ایم کریم بخش (ضلع اٹاوہ) ۲۴ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۲۵ اگست ۱۹۳۵ء

نقل معافی نامہ مہر۔ کاغذ قیمتی ایک روپیہ۔ منکہ مسماۃ حشمت بیگم دختر کالے خاں قوم مسلمان ساکن قصبہ اوریا ضلع اٹاوہ کی ہوں واضح ہو کہ حسب منشاء منمقر بعد معافی زر مہر عوض مبلغ پانچ سو روپے بروئے تحریر طلاق نامہ مورخہ امروزہ نوشتہ امتیاز محمد خاں ولد ولایت خاں مسلمان ساکن قصبہ اوریا پرگنہ اوریا ضلع اٹاوہ نے مجھ کو طلاق دیدی ہے لہذا بذریعہ تحریر ہذا اقرار کرتی ہوں اور لکھے دیتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ اب من مقرہ سے اور امتیاز محمد خاں سے کوئی واسطہ اور تعلق کسی قسم کا نہ رہا اور نہ آئندہ ہو گا اگر آئندہ کبھی مقرہ یا میرے ورثہ و جانشینان مشار الیہ سے طلب نان و نفقہ یا بعد وفات مشار الیہ خواستگاری حق زوجیت کا دعویٰ کریں تو ازروئے تحریر ہذا بالکل باطل اور کاذب متصور ہو کر روبرو حاکمان وقت قابل پذیرائی تصور نہ فرمایا جاوے لہذا یہ چند کلمے بطریق دستاویز اظہار انفساخ ازدواج لکھ دیئے کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آوے مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۵ء بقلم راج بہادر وثیقہ نویس اوریا نشانی انگوٹھہ دو دستخط مسماۃ حشمت بیگم گواہ شد
محمد عظیم بخش بقلم خود گواہ شد محمد عبدالمنان بقلم خود۔

نقل طلاق نامہ۔ منکہ امتیاز محمد خاں ولد ولایت خاں قوم مسلمان ساکن قصبہ اوریا ضلع اٹاوہ کا ہوں جو کہ مسماۃ حشمت دختر کالے خاں مسلمان ساکن قصبہ اوریا ضلع اٹاوہ بالعوض مبلغ پانچ سو روپے زر مہر مؤجل عرصہ ڈیڑھ سال سے میری زوجیت میں تھی لیکن بوجہ اختلاف مزاج و اختلاف طبیعت باہم منمقر و زوجہ مذکورہ کشیدگی رہا کرتی ہے اور آئے دن طرح طرح کے قصے پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے تنازعات پیدا ہورہے ہیں اور مسماۃ مذکورہ باوجود فہمائش اہل برادری طلب زر مہر پر زور دیتی ہے یوں تو میں بھی طلاق دینے پر آمادہ تھا لیکن اب مسماۃ مذکور نے خوشی خاطر خود معافی زر مہر مبلغ پانچ سو روپے مجھ سے طالب طلاق ہوئی چنانچہ آج میں بعد معاف کرالینے زر مہر مذکور کے معاوضہ زر مہر بطریق جائز مواجہہ گواہان حاشیہ و دیگر اشخاص مسماۃ حشمت مذکور کو طلاق دی اور جلسہ عام میں کچھ ٹھہر ٹھہر کر تین طلاقیں حسب احکام شریعت محمدی دیدیں اور اپنی زوجیت سے خارج کر دیا اب میری اور زوجہ میری کی قطعی جدائی ہو گئی اب آئندہ نہ مجھ کو مسماۃ مذکور پر دعویٰ زوجیت کا رہا اور نہ مسماۃ کا مہر مجھ پر رہا اب مسماۃ کو اختیار ہے کہ چاہے اپنا نکاح دوسرے سے کرے یا نہ کرے اگر آئندہ میں مسماۃ پر دعویٰ زوجیت کا کروں یا مسماۃ مجھ سے مہر کی خواستگار ہو یا نان نفقہ کی عدالت میں نالش کرے تو قطعی ناجائز اور باطل ہو گی لہذا یہ چند کلمے بطریق طلاق نامہ لکھ دیئے کہ سند رہے

اور وقت ضرورت کام آوے۔
مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۵ء۔ بقلم راج بہادر وثیقہ نویس۔ العبد نشان انگوٹھا و دستخط امتیاز محمد خاں گواہ شد محمد عظیم بخش بقلم خود۔ گواہ شد عبد المنان بقلم خود۔
(جواب ۲۳۹) اس روداد پر جو کاغذ نمبر ایک میں درج ہے اور جس کا ماحصل یہ ہے کہ ہندہ اور زید نے صرف کاغذوں پر دستخط کئے ہیں زبان سے کچھ نہیں کہا یعنی طلاق زبان سے نہیں دی ہے جواب یہ ہے کہ یہ طلاق بائن بعوض معافی مہر کے ہوئی ہے (۱) طلاق مغلظہ نہیں ہوئی ہے اگر زید اور ہندہ باہم راضی ہوں تو بدون حلالہ نکاح جدید کر سکتے ہیں (۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

غصہ کی حالت میں یکدم تین طلاق لکھنے سے کتنی طلاقیں واقع ہوئیں ؟

(سوال) زید اور اس کی زوجہ ہندہ کا خانگی امور میں نزاع رہتا تھا نوبت یہاں تک پہنچی کہ زید تنگ آگیا اور غصہ اور بے بسی کی حالت میں عورت کے روبرو خط تحریر کر کے ہندہ کو دیدیا کہ ہندہ بنت بکر کو تینوں طلاق ساتھ دیتا ہوں اور اپنے دستخط کر کے ہندہ کو دے دیا اور خویش و اقارب سے مذاکراۃ کہا کہ میں نے ہندہ کو طلاق دے دی تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ صورت مسئولہ میں غصہ اور بے بسی کی حالت میں جو ہندہ کو طلاق دی گئی ہے اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں ؟ اگر واقع ہوگی تو کتنی واقع ہوگی رجعی بائن یا مغلظ ؟ کیا تینوں طلاق کے ساتھ دینے میں اور علیحدہ علیحدہ دینے میں کچھ فرق ہے یا دونوں کا ایک حکم ہے اور عورت کے روبرو ہوتے ہوئے تحریر طلاق معتبر ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا المستفتی نمبر ۸۷۳ محمد اسمٰعیل سیدات (جوہانسبرگ) ۲۵ محرم ۱۳۵۵ھ ۱۸ اپریل ۱۹۳۶ء
(جواب ۲۴۰) تینوں طلاقیں یکدم دینا ناجائز اور مکروہ ہے لیکن اگر کوئی اس مکروہ فعل کو عمل میں لے آئے تو تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں اور شخص مذکور خلاف ہدایت عمل کرنے کا مواخذہ دار ہوتا ہے (۳) تینوں طلاقوں کا پڑ جانا اور طلاق مغلظ ہو جانا امام ابو حنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ یعنی چاروں اماموں اور جمہور

---

(۱) وحکمه ان الواقع به ولو بلا مال و بالطلاق الصریح علی مال طلاق بائن (تنویر الابصار و شرحه مع هامش ردالمحتار کتاب الطلاق' باب الخلع ۳/ ٤٤٤ ط سعید کراتشی) وقال فی ردالمحتار' ان الصریح نوعان' صریح رجعی و صریح بائن فالاول ان یکون بحروف الطلاق بعد الدخول حقیقة غیر مقرون بعوض ولا بعد الثلاث' واما الثانی فبخلافه (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الصریح' مطلب الصریح نوعان رجعی و بائن ۳/ ۲۵۰ ط سعید کراتشی)
(۲) اذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان یتزوجها فی العدة و بعد انقضائها (الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعة' فصل فیماتحل به المطلقة وما یتصل به ۱/ ٤٧٢ ط ماجدیه' کوئٹه)
(۳) اما البدعی ان یطلقها ثلاثا فی طهر واحد بکلمة واحدة او بکلمات متفرقة او یجمع بین التطلیقتین فی طهر واحد بکلمة واحدة او بکلمتین متفرقتین فاذا فعل ذلك وقع الطلاق وکان عاصیا (الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الاول فی تفسیره ۱/ ۳٤۸ ط ماجدیه کوئٹه)

امت محمدیہ کا مذہب ہے(۱) غصے کی حالت کی طلاق پڑ جاتی ہے(۲) لفظ ”بے بسی“ سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مراد اکراہ ہو تو حالت اکراہ کی تحریری طلاق واقع نہیں ہوتی بشرطیکہ زبان سے تلفظ نہ کیا ہو صرف کسی کے جبر و اکراہ سے قلم سے لکھ دی ہو۔(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

معلق طلاق میں جب شرائط نہیں پائی گئیں تو طلاق بھی نہیں ہوئی

(سوال) اول نور محمد کی لڑکی اور رحمت اللہ کا لڑکا، دوم نور محمد کی لڑکی اور رحمت اللہ کا لڑکا، سوم نور محمد کی لڑکی اور رحمت اللہ کا لڑکا، چہارم ولایت خاں کی لڑکی اور محمود خاں کا لڑکا، پنجم ولایت خاں کی لڑکی اور نور محمد کا لڑکا، ششم محمود خاں کی لڑکی اور نور محمد کا لڑکا نابالغ تھے اور سب بالغ تھے یہ سب آپس میں دو گواہوں کے سامنے اس شرط پر اپنے گھر سے قاضی صاحب کے یہاں گئے اور جو شرط مقرر کی وہ یہ ہے کہ تم ہماری کو طلاق دو گے تو ہم تمہاری کو طلاق دے دیں گے اور قاضی صاحب کے وہاں جاکر گواہوں کی موجودگی میں قاضی صاحب سے بھی کہا کہ یہ ہماری کو طلاق دیتے ہیں اور ہم ان کی کو طلاق دیتے ہیں واسطے ان سب کے طلاق نامے لکھ دو۔ ازاں بعد قاضی صاحب نے ان سب کے طلاق ناموں کی تحریریں چھ تیار کیں ان تحریروں میں قاضی صاحب سہوا الفاظ شرط کو بھول گئے باوجودیکہ طرفین نے قاضی صاحب کو یہی شرط کہا تھا یہ ہماری کو طلاق دیتے ہیں تو ہم ان کی کو طلاق دیتے ہیں ازاں بعد ایک ایک تحریر پر مع گواہوں کے قاضی صاحب نے دستخط لینے شروع کئے تو چار نے دستخط دے دیئے اور ایک بیمار تھا وہاں جاکر دستخط لینے پر ملتوی رکھا اور جو نابالغ تھا وہ حاضر نہ تھا مگر اس کے طلاق کی تحریر اس کے والد نے لکھائی تھی گواہوں کے روبرو مگر دستخط دینے کو اس کے والد کو کہا تو اس کے والد نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ تو جنہوں نے چار تحریروں پر دستخط دیئے تھے انہوں نے بھی قاضی صاحب کو کہا جب یہ دستخط کرنے سے انکار کرتا ہے تو ہماری طرف سے بھی طلاق نہیں ہے کیونکہ ہماری شرط یہ تھی کہ یہ ہماری کو طلاق دیں گے تو ہم ان کی کو طلاق دیں گے تو اس

---

(۱) وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلاث.... وقد ثبت النقل عن اكثرهم صريحا بايقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال . و عن هذا قلنالو حكم حاكم بانها واحدة لم ينفذ حكمه لانه لا يسوغ الاجتهاد فيه فهو خلاف لا اختلاف (هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق ۳/۲۳۳ ط سعيد كراتشى) جمہور فقہاء کی دلیل حدیث عائشہ ہے جسکو امام بخاری نے صحیح بخاری میں نقل کیا ہے عن عائشة ان رجلا طلق امراته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبى ﷺ اتحل للاول قال لاحتى يذوق عسيلتها كما ذاق الاول (رواه البخارى فى الجامع الصحيح' كتاب الطلاق' باب من اجاز طلاق الثلاث لقوله تعالى الطلاق مرتان فامساك بمعروف اوتسريح باحسان ۲/۷۹۱ ط قديمى كراتشى)

(۲) و يقع طلاق من غضب خلافا لا بن القيم' وهذا الموافق عندنا لما مرفى المدهوش (هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق' مطلب فى طلاق المدهوش ۳/۲۴۴ ط سعيد كراتشى)

(۳) و فى البحر ان المراد الاكراه على التلفظ بالطلاق فلو اكره على ان يكتب طلاق امراته فكتب لا تطلق لان الكتابة اقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولاحاجة هنا كذا فى الخانية (هامش ردالمحتار مع الدرالمختار' كتاب الطلاق ۳/۲۳۶ ط سعيد كراتشى)

صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۸۰۷ حاجی معین الدین صاحب (ڈیرہ) ۱۹ رجب ۱۳۵۶ھ ۲۵ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۴۱) چونکہ طلاق دینے والوں نے طلاق مشروط لکھنے کا حکم دیا تھا لیکن قاضی صاحب نے طلاق غیر مشروط لکھ دی اور دستخط کرنے والوں نے طلاق مشروط سمجھ کر دستخط کر دیئے تو یہ طلاق نہیں ہوئی (۱) اور نابالغ کی طرف سے اس کے ولی کو طلاق دینے کا حق نہیں ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

طلاق نامہ خود لکھنے یا کسی دوسرے سے لکھوانے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے

(سوال) زید نے اپنی منکوحہ زوجہ کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں طلاق لکھ کر بھیج دی جس کو عرصہ بیس روز کا ہوا بعد ازاں وہ اپنی زوجہ کو اپنی طرف رجوع کرنا چاہتا ہے نیز یہ بھی کہتا ہے کہ میرا طلاق دینے کا قطعی ارادہ نہ تھا ایک دشمن نے میرے اوپر سفلی علم کرایا جس کا اثر یہ ہوا کہ میرا ایک گھنٹہ میں طلاق دینے کا ارادہ ہو گیا اور اسی وقت طلاق لکھ کر بھیج دی گویا مجھے اس بات کا ہوش نہ رہا کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کیا نہیں کر رہا اور یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ ایک دشمن نے میرے اوپر سفلی کرائی ہے لہذا اب زوجہ کو رجوع کرنے کے لئے شرع المقدس کیا اجازت دیتی ہے اور کس طرح ؟ المستفتی نمبر ۱۸۳۲ عبدالغفور محلّہ نیاریان دہلی ۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۴۲) اگر خاوند اس امر کا اقرار کرے کہ لکھی ہوئی تحریر اسی نے لکھ کر یا لکھوا کر بھیجی ہے تو طلاق پڑ گئی (۳) اور جس قسم کی طلاق تحریر میں ہو گی اس قسم کی پڑی ہے اگر تین طلاقیں لکھی تھیں تو تین پڑیں اور رجوع جائز نہیں (۴) یہ عذر کہ شوہر کے ہوش و حواس قائم نہ تھے اس کی تحقیقات بذریعہ قاضی یا ثالث کے ہو سکتی ہے اگر قاضی یا ثالث بعد تحقیقات کے یہ فیصلہ کر دے کہ فی الحقیقت شوہر تحریر طلاق کے وقت ہوش و حواس بجانہ رکھتا تھا اور زوال ہوش و حواس اس کے اختیاری ناجائز فعل سے نہ تھا تو قاضی یا حکم

---

(۱) لو استکتب من آخر کتاب بطلاقها و قراه علی الزوج فاخذه الزوج و ختمه و عنونه و بعث الیها فاتا ها وقع ان اقرا لزوج انه کتابه ..... وان لم یقرانه کتابه و لم تقم بینة لکنه و صف الامر علی وجهه لا تطلق قضاء ولا دیانة وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق مالم یقرانه کتابه (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' مطلب فی الطلاق بالکتابة ۳/۲۴۶ ط سعید کراتشی)

(۲) لا یقع طلاق المولیٰ علی امرأة عبده لحدیث ابن ماجه الطلاق لمن اخذ بالساق' والمجنون والصبی ولو مراهقا (الدرالمختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۳/۲۴۲ ط سعید کراتشی)۔

(۳) کتب الطلاق ان مستبینا علی نحو لوح وقع ان نوی و قیل مطلقا (درمختار) وقال فی الرد : ولو استکتب من آخر کتابا بطلاقها وقراه علی الزوج فاخذه الزوج و ختمه و عنونه و بعث الیها وقع ان اقرالزوج انه کتابه.... (هامش رد المحتار مع الدرالمختار کتاب الطلاق' مطب فی الطلاق بالکتابة ۳/۲۴۶ ط سعید کراتشی)

(۴) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة و ثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا و یدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها کذافی الهدایة (الفتاویٰ الهندیة' کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعة' فصل فیما تحل به المطلقة وما یتصل به ۱/۴۷۳ ط ماجدیه' کوئٹه)

یہ فیصلہ دے سکتا ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شوہر نے طلاق نامہ خود نہیں لکھا اور نہ کسی دوسرے سے لکھوایا' تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک مسلمان کی شادی بلوغیت کی حالت میں ایک نابالغ مسلمان لڑکی سے ہوئی اب لڑکی بالغ ہوگئی ہے مگر آجتک رخصتی نہ ہوئی ہے بات یہی تھی کہ محرم کے ماہ میں رخصتی ہوگی اسکا شوہر کلکتہ میں ملازمت کرتا ہے اس نے کسی کی شکایت یا بدظنی کی بنا پر طلاق نامہ لکھ کر ڈاک کے ذریعہ سے لڑکی کے وارث کے پاس بھیج دیا جسکا خلاصہ یہ ہے۔

علی جان سبحان و علی بخش کو معلوم ہو کہ ہماری شادی جو تمہاری بہن زینب سے ہوا تھا ہم اس کو آج مجبوری سے طلاق دیتے ہیں خدا رسول اور سب فرشتوں کو گواہ رکھ کر تین طلاق۔ تمہارے خاندان کا حال پہلے سے ایسا معلوم نہ تھا سب لوگ کہتے بھی تھے بولو تمہاری بہن تھانہ کے داروغہ سے پھنسی ہے۔ روشن میاں سے بھی پھنسی ہے وغیرہ ہم نے آنکھ سے دیکھا جو مولوی صاحب کو بھی ہم بولے تھے علی خاں اپنی ماں اور خالہ سے بھی کہہ دیں کہ ہم تمہاری بیٹی زیب النساء کو تین طلاق دیا' طلاق دیا' طلاق دیا ہم نے محبوب میاں' عبدل میاں کو بھی لکھ کر بھیج دیا ہے تم سب لوگ بھڑواہو لواب گھر میں رکھ کر کمائی کھاؤ خدا تم لوگوں کو غارت کرے گا ہم کو بہت لڑکی ہیں مگر تمہارے جیسے رنڈی نہیں۔ شیخ محی الدین علی پور' کلکتہ

مندرجہ بالا طلاق نامہ آنے کے بعد محی الدین کہتا ہے کہ رخصتی کردو ہم نے طلاق نہیں دی ہے بالکل جھوٹ بات ہے یہ طلاق نامہ ہم نے نہیں لکھا ہے خدا کی قسم اور بھاری بھاری قسم کھاتا ہے کہ ہم کو طلاق تک کی خبر نہیں ہے کسی دشمن یا دوسرے شخص نے میری طرف سے طلاق نامہ لکھ کر بھیج دیا ہوگا ہم نے نہ تو طلاق دیا ہے نہ برا بھلا کہا ہے ہم کو لڑکی رخصت کردو۔ یہ طلاق نامہ جعلی ہے طلاق نامہ لڑکی کے یہاں موجود ہے اور وہ انکار کرتا ہے کہ ہم نے نہیں لکھا ہے اور ڈاکخانہ کا مہر بھی صاف کلکتہ کا ہے جہاں وہ ملازم ہے اس کے علاوہ ایک خط اور بھی ہے جو شوہر کی ماں لے کر لڑکی کے پاس آئی تھی یہ طلاق نامہ کے پہلے اس میں لکھا ہے۔ یعنی انہوں نے اپنی ماں کو لکھا ہے کہ تم برابر یہ خط لیکر گرگپور رخصتی کے لئے جاؤ رخصتی مانگو اور کہہ دو کہ یہاں کا چال چلن اچھا نہیں ہے لڑکی اب بچی نہیں ہے اور کہہ دو کہ اگر رخصتی نہ کروگے تو ہم پھر طلاق دیدیں گے تو پھر پچھتاؤ گے لڑکی والے نے رخصتی نہ کی اور خط بھی لڑکی والے نے رکھ لیا شوہر کہتا ہے کہ یہ خط بھی ہم نے نہیں لکھا ہے سب جعلی ہے ماں کو کوئی بھیجا ہوگا اب بتلایئے کہ لڑکی کو طلاق پڑی یا نہیں کیا اس

---

(۱) وسئل نظما فیمن طلق زوجته ثلاثا فی مجلس القاضی وهو مغتاظ مدهوش' فاجاب نظما ایضا فان الدهش من اقسام الجنون فلا یقع واذا کان یعتاده بان عرف منه الدهش مرة یصدق بلا برهان (هامش ردالمحتار' کتاب الطلاق' مطلب فی طلاق المدهوش ۳/۲۴۴ ط سعید کراتشی) وقال ابن عابدین فی العقود الدریه' فعلی هذا حیث وصل للرجل دهش زال به عقله وصار لا شعور له لا یقع طلاقه والقول قوله بیمینه ان عرف منه الدهش وان لم یعرف منه لا یقبل قوله قضاء الا ببینة کما صرح بذلك علماء الحنفیة (العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة' کتاب الطلاق ۱/۳۸ ط حاجی عبدالغفار قندهار' افغانستان)

کیا اس کے انکاری ہونے سے طلاق صحیح نہ ہوگی۔ المستفتی نمبر ۲۰۳۷ محمد رمضان خاں (ضلع مونگیر)
(جواب ۲۴۳) تحریری طلاق نامہ کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ یا تو شوہر خود اقرار کرے کہ اس نے طلاق نامہ بھیجا ہے(۱) یا اس امر کے شاہد موجود ہوں جو شہادت دیں کہ یہ طلاق نامہ ان کے سامنے شوہر نے لکھا ہے یا لکھوایا ہے(۲) اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو پھر شوہر کا یہ حلفیہ بیان کہ اس نے یہ طلاق نامہ نہیں لکھا نہ لکھوایا نہ بھیجا قبول ہوگا اور طلاق کا حکم نہ دیا جائے گا۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

صرف تحریری طلاق سے بھی طلاق ہو جاتی ہے۔

(سوال) تحریری طلاق دیکر انکار کرنا تحریر کا اپنی ہونے کا اقرار لیکن طلاق دینے سے انکار ہے اور واقعی زبان سے طلاق نہیں دی ہے گواہ یہی کہتے ہیں کہ زبان سے طلاق نہیں دی صرف لکھ دیا ہے طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۳۴۱ حافظ محمد اسماعیل صاحب (آگرہ) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۶ جون ۱۹۳۸ء
(جواب ۲۴۴) تحریری طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے جب کہ شوہر اپنے ہاتھ سے طلاق تحریر کرے یا دوسرے کی طلاق کو پڑھ کر یا سنکر خوشی سے دستخط کر دے۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

شوہر سے جبراً طلاق نامہ لکھوایا گیا ' مگر اس نے زبان سے نہیں کہا ' تو طلاق واقع نہیں ہوئی

(سوال) ہندہ بنت ابوبکر زوجہ عمر نکاح کے دو سال بعد اپنی والدہ کے ہاں گئی جب عمر لینے کے واسطے گیا تو ابوبکر وغیرہ نے اپنے چند ہمسایوں کو جمع کر کے عمر کو دھمکی قتل اور مار پیٹ کی دیکر طلاقنامہ مندرجہ ذیل لکھوالیا۔
منکہ عمر ولد عبداللہ ساکن فلاں جگہ کا ہوں جو کہ عقد نکاح میرے ساتھ مسماۃ ہندہ بنت ابوبکر کے

---

(۱) لو استکتب من آخر کتابا بطلاقها وقراه على الزوج فاخذه الزوج و ختمه وعنونه وبعث اليها فاتاها وقع ان اقرا لزوج انه کتابه.... وان لم يقرانه کتابه ولم تقم بينةلکنه وصف الامر على وجهه لاتطلق قضاء ولاديانة وکذا کل کتاب لم يکتبه بخطه او لم يمله بنفـ لايقع الطلاق مالم يقرانه کتابه (هامش ردالمحتار' کتاب الطلاق' مطلب فی الطلاق بالکتابة ۲۴۷'۲۴۶/۳ ط سعيد کراتشى)
(۲) و نصابها لغير ها من الحقوق' سواء کان الحق مالا او غيره کنکاح و طلاق.... رجلان او رجل وامر اتان (الدر المختار مع هامش ردالمحتار' کتاب الشهادات ۴۶۵/۵ ط سعيد کراتشى)
(۳) ويسأل القاضى المدعى عليه عن الدعوى فيقول انه ادعى عليك کذافما ذايقول... فان اقر فيها اوانکر فبرهن المدعى قضى عليه بلا طلب المدعى والا يبرهن حلفه الحاکم بعدطلبه (الدرالمختارمع هامش ردالمحتار' کتاب الدعوى ۵۴۷/۵ ط سعيد کراتشى)
(۴) لو استکتب من آخر کتابا بطلاقها وقراه على الزوج فاخذه الزوج وختمه وعنونه و بعث اليهافاتاها وقع ان اقرالزوج انه کتابه ....وان لم يقر کتابه ولم تقم بينة لکنه وصف الامر على وجهه لاتطلق قضاء ولا ديانة وکذا کل کتاب لم يکتبه بخطه اولم يمله بنفسه لايقع الطلاق مالم يقرانه کتابه (هامش ردالمحتارمع الدرالمختار' کتاب الطلاق' مطلب فى الطلاق بالکتابة ۲۴۶/۳ ط سعيد کراتشى)

ہوا تھا اب وہ مجھ سے ناراض ہے اور میرے ساتھ جانا نہیں چاہتی اور خواہش مند طلاق کی ہے لہذا میں نے اس کو عنداللہ طلاق دیکر آزاد کر دیا اب میرا اس کے ساتھ کوئی واسطہ نہ رہا۔
بعد تحریر کہا کہ یہ تحریر میں نے تم لوگوں کے کہنے سے لکھدی ہے اگر میں ہزار سال بھی زندہ رہوں گا تو بھی طلاق نہیں دوں گا ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۷۸۳ نواب زادہ محمد مرشد خاں مراد آباد ۵ ارجب ۱۳۵۶ھ م ۱۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲٤٥) اگر یہ تحریر جبر واکراہ سے لکھوائی گئی ہے اور زبان سے طلاق کا تلفظ نہیں ہوا تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ کذافی کتب الفقہ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

زبردستی شوہر سے طلاق نامہ پر کوئی انگوٹھا لگوالے تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی
(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ جون ۱۹۳۴ء)

(سوال) ایک شخص نے اپنی زبان سے اپنی منکوحہ عورت کو طلاق کا کوئی لفظ صراحۃً اور کنایۃً نہیں کہا بالی ایک فرضی طلاق نامہ لکھ کر تین چار آدمیوں نے زبردستی اسکا ہاتھ پکڑ کر اس جعلی اور فرضی طلاق نامہ پر اس کا انگوٹھا ضرور لگوالیا ہے اس صورت میں اس کی منکوحہ پر طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟
سائل مذکور ان کے مجبور کرنے پر طلاق کا کاغذ خریدنے تو ان کے ساتھ گیا مگر ہر چند انکار کرتا رہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق نہیں دوں گا اور کاتب کو ہر چند طلاق نامہ لکھنے سے روکا گیا مگر مکرہین نے اپنے طور پر ایک فرضی طلاق نامہ تیار کر لیا اور سائل سے زبردستی صرف انگوٹھا لگوالیا گیا اور سائل نے طلاق کا لفظ زبان سے نہیں کہا۔ چند آدمی ایک پاس کے شہر میں سائل کو دھوکے سے لے گئے انہوں نے اپنی گرہ سے دام دیکر طلاق کا کاغذ خرید لیا اور وثیقہ نویس سے طلاق کا کاغذ لکھوانا شروع کیا میں نے وثیقہ نویس کو ہر چند لکھنے سے روکا اور تیس روپے دینے کا وعدہ بھی کیا مگر وہ نہ مانا یہ جعلی کاغذ لکھوا کر تین چار آدمیوں نے پکڑ کر میرا انگوٹھا لگوالیا۔

(جواب ۲٤٦) اس طرح زبردستی انگوٹھا لگوا لینے سے اس کی بیوی پر طلاق نہیں ہوئی۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) وفی البحر : ان المراد الاکراہ علی التلفظ بالطلاق فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امراتہ فکتب لاتطلق لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھنا کذافی الخانیۃ (ھامش ردالمحتار مع الدرالمختار' کتاب الطلاق ۳/۲۳٦ ط سعید کراتشی)

(۲) رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امراتہ فلانۃ بنت فلان فکتب امراتہ فلانۃ بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امراتہ' لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھھنا (الفتاوی الخانیۃ علی ھامش الفتاوی الھندیۃ' کتاب الطلاق' فصل فی الطلاق بالکتابۃ ۱/ ٤٧٢ ط ماجدیہ کوئٹہ)

شوہر طلاق خود لکھنے یا دوسرے سے لکھوانے کا انکار کرتا ہے مگر گواہ نہیں ہے تو کیا حکم ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۹ نومبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) سلیمان صاحب کا بیان ہے کہ ستمبر ۱۹۳۳ء میں میرا لڑکا اپنی بہن خدیجہ بی بی کو مولمین سے رنگون لینے کو آیا اور اپنی بہن کو لیکر رنگون اسٹیشن پر پہنچا اسٹیشن پر خدیجہ بی بی کا شوہر احمد آیا اور خدیجہ بی بی کو قرآن شریف دیا اور کہا کہ تم اپنا قرآن شریف بھی لیتی جاؤ مولمین پہنچ کر تقریباً ایک ماہ بعد خدیجہ بی بی کو قرآن شریف پڑھتے پڑھتے ایک خط اس میں رکھا ہوا ملا جس کا مضمون یہ تھا مرقومہ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۲ء میں نے اپنی بی بی خدیجہ بنت سلیمان کو اپنی خوشی سے تین طلاقیں دیں۔ بقلم احمد

احمد شوہر خدیجہ بی بی کا حلفیہ بیان ہے کہ میں نے کبھی بھی اس قسم کا نہ خط لکھا اور نہ دوسرے سے لکھوایا نہ میں نے قرآن شریف میں رکھا نہ رکھوایا ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے ؟

(جواب ۲٤۷) اگر خدیجہ بی بی اس امر کا ثبوت پیش کر سکتی ہے کہ یہ خط اس کے شوہر نے لکھا یا لکھوایا ہے تو البتہ وقوع طلاق کا حکم دیا جا سکتا ہے لیکن اگر اس کے پاس کوئی شہادت نہیں(۱) صرف قرآن مجید میں یہ پرچہ نکلنا بیان کرتی ہے تو شوہر کا حلفیہ بیان قبول کیا جائے گا(۲) اور طلاق واقع ہونے کا حکم نہ دیا جائے گا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

اسٹامپ پیپر خرید کر طلاق نامہ ادھورا لکھا مگر دستخط نہیں کیے 'تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۳۶ء)

(سوال) میری ہمشیرہ عرصہ سے میرے مکان پر رہتی تھی اسی ایام میں میرے بہنوئی بشارت علی نے ہمیشہ جھگڑا فساد کیا اور نوبت تفریق تک پہنچی اسٹامپ کاغذ خود بشارت علی لایا اور لکھا جس وقت کاغذ لکھا جا رہا تھا اسوقت بیس پچیس آدمی وہاں موجود تھے کاغذ لکھتے لکھتے گود کی لڑکی کا ذکر آیا جس پر بشارت علی نے جھگڑا کیا اور اسٹامپ کا غذ ادھورا رہ گیا وہ نامکمل کاغذ لیکر اپنے گھر چلا گیا کچھ روز کے بعد دو چار آدمی اور بشارت کے والد اور احباب میرے گھر جمع ہوئے اور مصالحت ہوئی ہم نے ہمشیرہ کو بشارت کے والد کے ساتھ مع گود کی بچی کے بھیج دیا ایک ماہ بعد پھر جھگڑا فساد مار پیٹ کی گئی اب ہمشیرہ مع بچی کے میرے گھر آگئی ہے اور وہ اسٹامپ کاغذ بھی میرے پاس ہے جس پر نہ بشارت کے دستخط ہیں نہ کسی گواہ کے۔

---

(۱) ثبوت کے لئے دو مرد عادل یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے 'کما فی الدرالمختار ' و نصابها لغیر ها من الحقوق سواء کان الحق مالا او غیرہ کنکاح و طلاق..... رجلان او رجل وامرأتان (الدرالمختار مع هامش ردالمحتار ' کتاب الشہادات ٥ ' ٤٦٥ ط سعید کراتشی)

(۲) ویسأل القاضی المدعی علیه عن الدعوی فیقول انه ادعی علیك کذا فماذاتقول..... فان اقربها او انکر فبرهن المدعی قضی علیه بلا طلب المدعی والا یبرهن حلفه الحاکم بعد طلبه (الدرالمختار مع هامش ردالمحتار ' کتاب الدعوی ٥/٥٤٧ ط سعید کراتشی)

(جواب ۲۴۸) اگر بشارت نے زبانی طلاق دے دی ہو تو طلاق ہوئی(۱) زبانی طلاق کی شہادت پیش کرنا عورت کے ذمہ ہے(۲) اور زبانی طلاق نہیں دی تھی صرف اسٹامپ لکھا تھا تو یہ اسٹامپ جس پر دستخط نہیں ہیں بیکار ہے اس سے طلاق کا حکم نہیں دیا جاسکتا(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

آٹھواں باب
طلاق بالاکراہ

جبراً طلاق دلوانے سے طلاق پڑتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) زید نے اپنی بیوی ہندہ کو اپنے باپ کے جبر واکراہ سے مجبور ہو کر طلاق دی زید طلاق دینے پر راضی نہ تھا اور نہ اس کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ تین طلاق دینے کے بعد حلالہ کی ضرورت ہوتی ہے صرف یہ معلوم تھا کہ عدت کے بعد تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی لہذا زید اپنے اس فعل پر سخت منفعل ہے عورت بھی کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا نہیں چاہتی بلکہ زید کے پاس واپس آنا چاہتی ہے حلالہ کرنا بھی نہیں چاہتی وہ اپنی عصمت کو دوسرے مرد کے ہاتھ بیچنا نہیں چاہتی ہے قوی احتمال ہے کہ بلا حلالہ وہ نکاح کرلیں اور حدود شرع سے تجاوز کریں عورت عفت مآب ہے دونوں کی محبت درجہ عشق تک پہنچی ہوئی ہے۔ المستفتی نمبر ۶۳۶ مولوی عبدالوہاب (ضلع بارہ بنکی) ۳ رجب ۱۳۵۴ھ م ۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۴۹) اگر معاملہ فی الحقیقت اس حد تک پہنچ گیا ہو تو زوج کسی ایسے عالم سے جو طلاق مکرہ کے وقوع کا قائل نہ ہو فتویٰ حاصل کرکے احتیاطاً تجدید نکاح کرکے عمل کرلے(۴) حنفیہ کے مذہب میں تو طلاق

---

(۱) ورکنه لفظ مخصوص (درمختار) وقال في الرد (قوله لفظ مخصوص) هو ما جعل دلالة على معنى الطلاق و من صريح او كناية ... واراد اللفظ ولو حكما ..... و به ظهر ان من تشا جر مع زوجته فاعطا هاثلاثة احجار ينوى الطلاق ولم يذكر لفظا لا صريحا ولا كناية لا يقع عليه (هامش ردالمحتار مع الدرالمختار' كتاب الطلاق ۳ / ۲۳۰ ط سعيد كراتشى)

(۲) اس لئے کہ عورت مدعی طلاق ہے' اور مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہے' جیساکہ حدیث شریف میں مذکور ہے' عن عمرو بن شعیب عن ابيه عن جده ان النبى ﷺ قال فى خطبة البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه وقال الترمذى بعد اسطر والعمل على هذا عند اهل العلم من اصحاب النبى ﷺ وغير هم ان البينة على المدعي و اليمين على المدعي عليه (رواه الترمذى' ابواب الاحكام' باب ماجاء في ان البينة على المدعي واليمين على المدعي عليه ۱ / ۲۴۹ ط سعيد كراتشى)

(۳) لو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقراه على الزوج فاخذه الزوج و ختمه وعنونه و بعث به اليها فاتها وقع ان اقر الزوج انه كتابه ... و كذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقرانه كتابه (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' مطلب فى الطلاق بالكتابة ۳ / ۲۴۶ ط سعيد كراتشى)

(۴) فى المجتبى عن محمد فى المضافة لا يقع' و به افتى ائمة خوارزم انتهى' وهو قول الشافعي و للحنفى تقليده بفسخ قاض بل محكم بل افتاء عدل (الدر المختار مع هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق' باب التعليق ۳ / ۳۴۶ ط سعيد كراتشى) وقال فى الدرالمختار . يفيد صحة التحكيم فى كل المجتهدات كحكمه يكون (جاری ہے)

مگر وہ واقع ہو جاتی ہے(۱) نیز تین طلاقوں کے بعد بغیر حلالہ تجدید نکاح بھی نہیں ہو سکتی(۲) اور بدون وطی حلالہ بھی معتبر نہیں ہوتا(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

صورت مسئولہ میں نکاح صحیح ہے' اور طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) بیوہ عورت سے جو نکاح کرنا چاہتا ہے' لیکن وہ بیوہ اس سے نکاح کرنے پر آمادہ نہیں ہے پھر وظیفہ کے ذریعہ سے یا تعویذ کے ذریعہ اس کا رجحان ہو جاتا ہے اور وہ نکاح کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے بعد ازاں نکاح ہو جاتا ہے کچھ عرصہ کے بعد عمل کا اثر جاتا رہتا ہے یا کہنے والے کہتے ہیں کہ تو تو انکاری تھی اور نکاح کیوں کیا اب وہ جواب دیتی ہے کہ خود میں حیران ہوں کہ پہلے تو مجھ کو انکار تھا ایک دم میں نے دل سے اقرار کرتے ہوئے نکاح کر لیا اب اسے معلوم ہوتا ہے کہ میرے اوپر کسی قسم کا عمل تعویذ وغیرہ کا کیا گیا اور مرد بھی اقراری ہوتا ہے کہ ہاں میں نے ایسا کیا یہ عورت فوراً بد ظن ہو جاتی ہے آیا یہ نکاح جائز رہا یا نہیں اسی طریقہ سے بالغہ باکرہ کے ساتھ مندرجہ بالا عمل ہوتا ہے پھر وہ بھی اس سے بد ظن ہو جاتی ہے ایسے ہی دیکھا گیا کہ خاوند طلاق دینے کو آمادہ نہیں ہے اور اس کو تعویذ وغیرہ کے ذریعہ آمادہ طلاق کیا گیا اور اس نے طلاق دیدی ایسے حالات میں طلاق صحیح پڑی یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۱۴۰ ۵ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۲۴ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۵۰) نکاح اور طلاق سب صحیح اور واقع ہو جاتی ہے جب کہ اختیار اور خوشی سے واقع ہوں(۴) یہ وہم کہ عمل یا تعویذ کے ذریعہ سے ایسا ہوا معتبر نہیں ہے۔(۵) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(بقیہ صفحہ گزشتہ) الکنایات رواجع و فسخ الیمین المضافۃ الی الملک و غیر ذلک لکن ھذا مما یعلم و یکتم (درمختار) وقال فی الرد. قال فی الفتح' و فی الفتاوی الصغری حکم المحکم فی الطلاق المضاف ینفذ لکن لا یفتی بہ و فیہا روی عن اصحابنا ما ھو اوسع من ھذا وھو ان صاحب الحادثۃ لو استفتی فقیھا عدلا فافتاہ ببطلان الیمین و سعہ اتباع فتواہ وامساک المراۃ المحلوف بطلاقھا وروی عنھم ماھو اوسع وھو ان تزوج اخری وکان حلف بطلاق کل امراۃ یتزوجھا فاستفتی فقیھا آخر فافتاہ بصحۃ الیمین فانہ یفارق الاخری و یمسک الاولی عملا بفتواھما (ھامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب القضاء' باب التحکیم' مطلب حکم بینھما قبل تحکیمہ ثم اجازہ جاز ۵/۴۳۰ ط سعید کراتشی)

(۱) و یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ..... ولو عبدا او مکرھا فان طلاقہ صحیح (الدر المختار' مع ھامش رد المحتار کتاب الطلاق ۳/۲۳۵ ط سعید کراتشی)

(۲) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ اوثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحا یدخل بھا ثم یطلقھا او یموت عنھا والا صل فیہ قولہ تعالی : " فان طلقھا فلا تحل لہ من بعدحتی تنکح زوجا غیرہ" والمراد الطلقۃ الثالثۃ (الھدایۃ' کتاب الطلاق' باب الرجعۃ' فصل فیما تحل بہ المطلقۃ ۲/۳۹۹ ط شرکۃ علمیہ ملتان)

(۳) لا ینکح مطلقۃ من نکاح نافذ بھا ای بالثلاث لو حرۃ ..... حتی یطاھا غیرہ ولو الغیر مراھقا(الدر المختار مع ھامش ردالمحتار' کتاب الطلاق' باب الرجعۃ ۳/۴۰۹ ط سعید کراتشی)

(۴) و ینعقد بایجاب من احدھما و قبول من الآخر (الدرالمختار مع ھامش ردالمحتار' کتاب النکاح ۳/۹ ط سعید کراتشی) وقال ایضا : و یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو تقدیرا بدائع لیدخل السکران ولو عبداو مکرھا فان طلاقہ صحیح ..... وھازلا او سفیھا او سکران (الدر المختار مع ھامش ردالمحتار ' کتاب الطلاق ۳/۲۳۵ ط سعید کراتشی)

(۵) اس لئے کہ تعویذ سے عقل اور اختیار سلب نہیں ہو جاتا لہذا تعویذ کئے بھی ہوں تو بھی نکاح وطلاق ہو جاتے ہیں۔

جبراً طلاق نامہ لکھوانے سے طلاق نہیں ہوتی

(سوال) ایک شخص پر اس کا بڑا بھائی حملہ کرتا ہے اور جس پر وہ حملہ آور ہے اسکو اپنی جان کا خطرہ ہے حملہ آور کا مطالبہ ہے کہ اگر تجھ کو اپنی جان بچانی ہے تو اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے۔ وہ شخص ہر طرح انکار کرتا ہے مگر طلاق سے اس کا انکار و عذر و معذرت کوئی کارگر نہیں اپنے خوف سے جس میں جان کا خوف ہے وہ شخص قلم دوات لیکر ایک کاغذ پر طلاق مکرر سہ لکھ دیتا ہے اور جب طلاق کا لفظ لکھنے لگا ہے تو بار بار رو رو کر یہ کہتا ہے کہ تیرے ڈر سے میں یہ لفظ لکھ رہا ہوں میرے دل سے طلاق کا انکار ہے میں طلاق ہرگز نہیں دیتا ویسے لکھ دیتا ہوں اور یہ شرعاً طلاق ہو ہی نہیں سکتی صورت مذکورہ میں مکرہ شخص کی بیوی کو کیا شرعاً طلاق ہو گئی یا نہیں طلاق کا لفظ لکھتے وقت وہ طلاق سے صاف منکر ہے جو حکم شرعی ہو اس سے اطلاع بخشی جاوے تاکہ اس پر عمل ہو کیونکہ مولوی ثناء اللہ امرتسری نے عدم وقوع طلاق کا فتویٰ دیا ہے اگر ایسا ہی ہو تو زہے قسمت ورنہ جو حکم شرعی ہو اس پر عمل کیا جائے۔ المستفتی نمبر ۱۳۴۷ سیکریٹری انجمن رحمانیہ (جہانیا منڈی ضلع ملتان) ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۵۱) اگر اس شخص نے بحالت اضطرار صرف طلاق لکھ دی ہے زبان سے ایقاع طلاق کے الفاظ ادا نہیں کئے تو اس کی بیوی پر طلاق نہیں پڑی **فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأتہ و کتب لاتطلق** الخ (شامی) (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

زبردستی طلاق دلوانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی' جب تک کہ زبان سے الفاظ طلاق نہ ادا کئے ہوں

(سوال) بکر کے رشتہ دار نے آکر بکر سے کہا کہ تم اپنی بیوی کلثوم کو طلاق دے دینا ورنہ ہم تم سے تعلق قطع کر لیں گے اور تمہاری بدنامی و خواری کریں گے تو بکر نے اپنی عزت شکنی کے خوف سے ان لوگوں کے سامنے اپنی عزت بچانے کے لئے ایک پرچہ پر لکھ دیا کہ میری بیوی فلانہ بنت فلاں میری طرف سے تجھ کو طلاق ہے صرف تحریر کر دیا مگر زبان سے کچھ نہیں کہا اور نہ دل میں ارادہ طلاق دینے کا تھا تو حکم شرعی کلثوم کے حق میں کیا ہے اگر یہ چاروں وقوعات ایک ہی عورت کے ساتھ واقع ہو جائیں تو اس کے حق میں کیا حکم شرعی صادر ہوتا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۶۰۶ مولوی محمد وسیم صاحب مدرس اول مدرسہ ریاض العلوم (کانپور) ۵ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۵۲) اگر زید کو اس کتابت پر مجبور کیا گیا ہو تو اس لکھ دینے سے طلاق نہ ہوگی بشرطیکہ زبان سے

---

(۱) ہامش ردالمحتار' کتاب الطلاق مطلب فی الاکراہ علی التوکیل بالطلاق والنکاح والعتاق ۳/۲۳۶ ط سعید کراتشی)

تلفظ نہ کیا گیا ہو۔(۱) مجبوری سے مراد یہ ہے کہ اس کو جان کا یا کسی عضو کے تلف ہونے یا ضرب شدید کا خوف اور ظن غالب ہو گیا ہو۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

جبراً شوہر سے طلاق لکھوانے سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی

(سوال) میری ساس صبح چھ بجے آئیں اور مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ چل میں نے کہا چلتا ہوں کیا کام ہے ابھی سو کر اٹھا ہوں منہ ہاتھ دھو لوں اس کے بعد چلوں گا آپ ذرا بیٹھ جائیں ابھی چلتا ہوں اس پر ساس صاحبہ نے جواب دیا منہ ہاتھ بعد میں آکر دھولیجیو میں یہاں نہیں بیٹھتی ۔ ابھی میرے ساتھ چل میں مجبوراً ساس صاحبہ کے کہنے پر چلا گیا اور وہ مجھے اپنے ماموں کے یہاں لے گئیں وہاں میں نے دیکھا کہ کئی مرد اور عورتیں جمع ہیں میں خاموش جاکر بیٹھ گیا اور حیران تھا کہ کیا ماجرا ہے کچھ دیر کے بعد مجھ سے سب نے کہا ہماری لڑکی کو طلاق دے میں نے طلاق دینے سے انکار کیا اور سب نے مجھے گھیر لیا تب میں نے مجبوراً یہ کہا اچھا مجھے دو دن کی مہلت دو اس کے بعد طلاق دے دوں گا اس پر سب نے کہا ابھی طلاق دے مہلت نہیں دیتے میں نے کہا اچھا ایک دن کی ہی مہلت دے دو اس پر بھی انکار کیا گیا اس کے بعد پھر میں نے کہا کہ گھنٹہ دو گھنٹہ کی مہلت دو بار بار مہلت مانگی لیکن کسی صورت مجھے مہلت نہ دی اور طلاق دینے پر مجبور کیا اور چاروں طرف سے سب نے مجھے گھیر لیا اور ہزاروں باتیں سنائیں اور میرے بزرگوں کو گالیاں دیں میں سب کچھ برداشت کرتا رہا کیوں کہ میں تنہا تھا اور میرا وہاں کوئی نہ تھا اور مجھے دھوکہ سے بلا لیا تھا کہ ضروری کام ہے اسی جبر کی صورت میں بیدلی اور بیکسی کی حالت میں مجھ سے جو میرے ساڑھو نے کہا وہ لکھ دیا میرا ساڑھو جو کچھ لکھواتا رہا میں لکھتا رہا خوف کی وجہ سے لکھنے سے انکار نہیں کیا تھا کیونکہ میرا ساڑھو مجھ سے طاقتور اور قوی ہے اس کے علاوہ اور بھی کئی مرد تھے میں اپنی ذات سے اکیلا تھا مجھ سے جو طلاق کے طور پر کاغذ لکھوایا تھا وہ میری ساس صاحبہ میرے ہاتھ سے چھین کر لے گئیں تب میں نے پڑوسیوں کی طرف مخاطب ہو کر زور سے کہا کہ مجھ سے زبردستی طلاق لکھوائی ہے میں نے دل سے طلاق نہیں لکھی اور نہ اپنی زبان سے طلاق دی اس کے بعد مجھے ہوش نہ رہا جب مجھے ہوش آیا تو میں ناتوانی کی حالت میں گھر آیا اور کسی سے کچھ نہ کہا اس کے بعد اپنی ملازمت پر چلا گیا کیونکہ میری ملازمت کا وقت ہو چکا تھا اور دیر بھی ہو گئی تھی دوسرے روز میں نے وہاں کے پڑوسیوں سے پوچھا کہ تم کو کچھ پتہ ہے میں نے کیا لکھا ہے اور مجھ

---

(۱) و فی البحران المراد الاکراہ علی التلفظ بالطلاق' فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امراتہ فکتب لا تطلق' لا ن الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھنا کذافی الخانیۃ (ھامش ردالمحتار' کتاب الطلاق' مطلب فی الاکراہ علی التوکیل بالطلاق والنکاح والعتاق ۳ '۲۳۶ ط سعید کراتشی)

(۲) وشرطہ اربعۃ امور قدرۃ المکرہ علی ایقاع ماھدد بہ سلطانا اولصا والثانی خوف المکرہ ایقاعہ فی الحال والثالث کون الشئی المکرہ بہ متلفا نفسا او عضوا او موجبا غما یعدم الرضا والرابع کون المکرہ ممتنعا عما اکرہ علیہ قبلہ اما لحقہ... (الدرالمختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الاکراہ ٦ '١٢٩ ط سعید کراتشی)

سے کیا لکھایا گیا۔ تب وہاں کے پڑوسیوں نے زبانی مضمون بتایا اور کہا کہ لکھتے وقت تجھے ہوش نہ تھا ہم تیرے معاملے میں اس وجہ سے نہیں بولے کہ ہم سے روزانہ لڑائی رہتی۔ وہ مضمون یہ ہے جو کہ مجھ سے جبریہ لکھوایا گیا۔ (میں اکرام اللہ خاں ولد کفایت اللہ خاں زوجہ اپنی کو مولوی عبدالہادی و محمد یامین خاں کے سامنے اپنی اہلیہ اور اس کی والدہ کے کہنے پر اپنی لڑکی رئیسہ خاتون کو لیکر تین طلاقیں دیتا ہوں اور اپنی زوجیت سے خارج کرتا ہوں اکرام اللہ خاں بقلم خود۔ مورخہ ۲ اگست ۱۹۳۸ء)

میری زوجہ کو تین یا چار ماہ کا حمل بھی ہے اور میری لڑکی اپنی ماں کے ہی پاس ہے اور دو ماہ پیشتر بیوی کی نانی صاحبہ سے میرا جھگڑا ہوا تھا اب معلوم یہ کرنا ہے کہ بے دلی اور بغیر زبان کے طلاق دینے طلاق ہوئی یا نہیں ہوئی۔ فقط

میں حلفیہ کہتا ہوں کہ نہ میرے دل میں طلاق کا خیال تھا اور نہ میں نے دل سے طلاق لکھی اور نہ زبان سے طلاق کا کوئی لفظ ادا کیا اتنی بات ضرور ہے کہ میرا ساڑھو عبدالہادی مجھ سے دشمنی رکھتا ہے کیونکہ مجھ سے پیشتر اس کے چھوٹے بھائی سے میری زوجہ کا نکاح ہوا تھا۔ المستفتی نمبر ۲۴۰۶ اکرام اللہ خاں دہلی ۳ رجب ۱۳۵۷ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۵۳) اگر یہ طلاق جبر الکھوائی گئی ہے اور زبان سے طلاق نہیں دی گئی تو طلاق نہیں ہوئی(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

زبردستی طلاق دلوانے سے یا نشہ کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۲۸ء)

(سوال) طلاق جو بالجبر حاصل کی جائے یا شوہر نے بحالت نشہ دی ہو کیا اثر رکھتی ہے اہل تشیع میں ایسی طلاق مانی نہیں جاتی مگر اہل سنت اس کو مانتے ہیں کیا اس مسئلہ کے ہوتے ہوئے کوئی کمزور مسلمان اپنی بیوی کو قبضہ میں رکھ سکتا ہے ؟ حضرت عائشہؓ کی سوانح عمری مؤلفہ مولانا سید سلیمان ندوی جو دارالمصنفین سے شائع ہوئی ہے اس میں جبریہ حاصل کی ہوئی طلاق کو ناجائز اور ناقابل عمل لکھا ہے۔

(جواب ۲۵۴) جبریہ طلاق میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ضرور ہے مگر ہم حنفیہ اس کے قائل ہیں کہ جبریہ طلاق اور نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور ہماری دلیل حدیث "ثلاث جدھن

---

(۱) رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امراتہ فلانۃ بنت فلان بن فلان' فکتب امراتہ فلانۃ بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امراتہ' لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھھنا (الفتاوی الخانیۃ علی ھامش الفتاوی الھندیۃ' کتاب الطلاق' فصل فی الطلاق بالکتابۃ ۱ / ۴۷۲ ط ماجدیہ کوئٹہ)

جد وہز لھن جد " ہے(۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

نواں باب
لعان

شوہر بیوی پر ناجائز تعلقات کا الزام لگاتا ہے' اور بیوی انکار کرتی ہے

(سوال) ایک منکوحہ عورت پر اس کے شوہر نے ایک غیر مرد کے ساتھ ناجائز تعلق قائم کرنے کا الزام لگایا اور اس بناء پر اس سے قطع تعلق کر لیا نیز اس کے نان نفقہ سے بے نیاز ہو کر روپوش ہو گیا عورت متذکرہ الزام کو بے بنیاد ٹھہراتی ہے اور الزام دہندہ شوہر سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے حاکم ضلع کی عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ کیا۔ عدالت سے شخص مذکور کے نام تین سمن جاری کئے گئے لیکن اس نے سمن کی تعمیل نہ کی اور حاضر عدالت نہ ہوا لہذا عدالت نے تنسیخ نکاح کا حکم دے دیا عورت اپنے آپ کو مطلقہ تصور کرتے ہوئے بعد انقضائے عدت ایک امام مسجد کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک ایسے شخص سے نکاح کی طالب ہوئی جو کہ وہ نہیں ہے جس سے ناجائز تعلقات قائم کرنے کا الزام اس کے شوہر نے لگایا تھا امام مسجد نے عدالت کے حکم تنسیخ نکاح کو کافی نہ جانا اور کسی عالم دین کے فتوے پر نکاح پڑھانے کی آمادگی ظاہر کی طالب نکاح اور طالبہ نکاح نے انجمن اسلامیہ لاہور کے مقرر کردہ مفتی مقیم شاہی مسجد لاہور سے ایک فتویٰ حاصل کیا جو کہ لف ہذا ہے مفتی مذکور اس صورت کو لعان ٹھہراتے ہیں حالانکہ شوہر ان کے روبرو حاضر نہیں ہوا امام مسجد نے اس فتوے کی سند پر نکاح پڑھا دیا عورت اپنے جدید شوہر کے گھر آباد ہے چند مسلمان ایسے ہیں جو مفتی صاحب کے فتویٰ کو غلط تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معاملہ مذکورہ میں لعان کی صورت پیدا نہیں ہوئی اور امام مسجد نے اس فتویٰ کی بنا پر مذکور مرد اور عورت کا نکاح پڑھنے سے ایک حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ ان چند مسلمان بھائیوں کا یہ خیال ایک دوسرے فتوے کی بناء پر ہے جو انہوں نے ایک مولانا سے حاصل کیا ہے مولانا ممدوح کا فتویٰ بھی لف ہذا ہے۔ ڈپٹی صاحب کے فیصلے کی نقل بھی منسلک ہے مسلمانوں میں دو فریق ہو گئے ہیں فیصلہ ان امور کے متعلق مطلوب ہے :-

الف : مفتی صاحب مسطورہ فوق کا فتویٰ فقہ حنفی کی رو سے درست ہے یا غلط ؟

ب : اگر فتویٰ مفتی صاحب کا غلط ہے تو کیا اس کی بناء پر امام مسجد کا مذکورہ عورت مرد کا نکاح پڑھا

---

(۱) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ ھذا حدیث حسن غریب والعمل علی ھذا عند اھل العلم من اصحاب النبی ﷺ و غیرھم (رواہ الترمذی فی الجامع' ابواب الطلاق واللعان' باب ماجاء فی الجد والھزل فی الطلاق ۱ / ۲۲۵ ط سعید کراتشی' و رواہ ابوداؤد فی سننہ' کتاب الطلاق' باب فی الطلاق علی الھزل ۱ / ۳۰۵ ط امدادیہ ملتان)

دینا امام مسجد کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ اپنی بیوی سے دوبارہ نکاح کرے کیونکہ مخالف فتویٰ گروہ کہتا ہے کہ امام مسجد نے حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے اور مرتکب حرام کافر ہے۔

المستفتی طالب حق ایم فضل الدین' پنجاب کوآپریٹو یونین' لاہور

نقل سوال وجواب انجمن اسلامیہ لاہور۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ میرے شوہر نے مجھے متہم بزنا کر کے بلانان نفقہ چھوڑا ہوا تھا میں نے عدالت میں اس امر کی چارہ جوئی کی اور وہاں سے مجھے تنسیخ نکاح کا حکم ملا اب میں دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہوں آیا شرعاً میرا نکاح فسخ ہو گیا ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں بحکم لعان کے حکم حاکم سے طلاق واقع ہو گئی اور نکاح فسخ ہو گیا۔ کیونکہ لعان میں حاکم و قاضی کے حکم سے تفریق واقع ہوتی ہے جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ سببه قذف الرجل امراته قذ فايوجب الحد في الاجانب فيجب به اللعان بين الزوجين كذافي النهاية .اذا قال لها يازانية او انت زنيت او رأيتك تزنين فانه يجب اللعان . كذافي السراج الوهاج (۱) اذاالتعنا فرق الحاكم بينهما ولا تقع الفرقة حتى يقضى بالفرقة على الزوج فيفا رقها بالطلاق فان امتنع فرق القاضي بينهما و قبل ان يفرق القاضي لا تقع الفرقة الخ .فتاوىٰ عالمگیری (۲) جلد ثانی صفحه ۱۸۶ و ۱۸۷ مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ لعان کی صورت میں حاکم و قاضی کے حکم سے طلاق و تفریق واقع ہوتی ہے اور نکاح فسخ ہو جاتا ہے پھر ایام عدت گزر جانے کے بعد عورت جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح کر سکتی ہے اس لئے مذکورہ بالا صورت میں مسماۃ نصیبن کا نکاح حکم حاکم سے فسخ ہو گیا اور اب اسے شرعاً اختیار ہے کہ جس شخص کے ساتھ چاہے عقد ثانی کر لے۔ نکاح سابق فسخ ہو گیا۔ کتبہ العبد الضعیف محمد عبدالستار عفی عنہ' مفتی شاہی مسجد لاہور

نقل سوال و جواب مفتی عبدالقادر صاحب مدرس مدرسہ غوثیہ عالیہ لاہور' کیا عورت کے اتنا دعویٰ کرنے سے کہ شوہر نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس الزام سے میں شوہر سے علیحدہ ہونا چاہتی ہوں اس قسم کا دعویٰ حاکم وقت کے پاس دائر کیا اور دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت حاصل کر لی اس اجازت کو مولوی عبدالستار صاحب نے لعان بنا کر جواز نکاح پر زور دیا اس کے بعد ایک امام مسجد نے مطابق اجازت کے نکاح پڑھا دیا اب شرعاً نکاح اور نکاح خواں کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں عورت اپنے شوہر سے علیحدہ نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ طلاق نہ دے محض الزام لگانے سے تفریق کسی وجہ سے نہیں ہو سکتی لعان قاضی شرعی کے روبرو ہوا کرتا ہے یہاں وہ صورت اصلاً نہیں پائی جاتی لہذا نکاح کی اجازت بلا محل ثابت ہوئی اسی وجہ سے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے امام

---

(۱) الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الحادي عشر في اللعان ۱ / ۵۱۵ ط ماجدية' كوئته

(۲) الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الحادي عشر في اللعان ۱ / ۵۱۶ ط ماجدية' كوئته

مسجد نے جو نکاح پڑھایا ہے یہ ان کا فعل حرام ہے لقولہ تعالیٰ والمحصنات من النساء (۱) شوہر والی عورت کا نکاح پڑھنا حرام ہے اور حرام کا مستحل کافر ہے کافر کا اپنا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اس کے پیچھے نماز وغیرہ قبل از توبہ ناجائز ہے مجمع عام میں توبہ کرے اور تجدید نکاح و تجدید ایمان کرے گواہوں کا بھی یہی حکم ہے اور عورت شوہر ثانی سے نکال کر شوہر اول کے حوالے کرے ہذا ما عندی۔ کتبہ مفتی عبدالقادر مدرس مدرسہ غوثیہ عالیہ مسجد سادھوان لاہور خطیب شاہی ستمبر ۱۹۲۹ء

(جواب ۲۵۵) (از حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صدر جمعیۃ علماء ہند) دونوں فتوے درست نہیں ہیں پہلا تو اس لئے کہ لعان جاری نہیں ہوا اور جب تک لعان جاری نہ ہو جائے لعان کا حکم یعنی تفریق بھی نہیں ہو سکتی اور لعان ہو جانے کے بعد بھی قاضی کے حکم تفریق سے تفریق واقع ہوتی ہے (۲) نہ کہ خود بخود۔ اور قاضی کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے غیر مسلم حاکم کا فیصلہ کافی نہیں۔ (۳)

دوسرا فتویٰ اس لئے کہ ارتکاب حرام موجب کفر نہیں البتہ حرام قطعی کا استحلال موجب کفر ہوتا ہے اور کسی حرام کا ارتکاب مستلزم استحلال نہیں (۴) پس امام جس نے نکاح پڑھایا ہے اس کے کفر کا حکم کرنا اور اس کے نکاح ٹوٹ جانے کا حکم کر دینا درست نہیں ہے البتہ اس نے نکاح پڑھانے میں غلطی ضرور کی ہے لیکن یہ غلطی اسے کافر نہیں بناتی اسی طرح نکاح کے گواہ اور شرکاء بھی کافر نہیں ہوتے نیز نکاح خواں نے اس فتوے کی بناء پر نکاح پڑھایا جس میں نکاح کو جائز بتایا تھا تو اس نے منکوحۃ الغیر کا نکاح نہیں پڑھایا بلکہ اپنے خیال میں ایسی عورت کا نکاح پڑھایا جس کو وہ ایک عالم کے فتوے کے بموجب نکاح پڑھانے کا محل سمجھتا تھا اور اس صورت میں وہ مستحل حرام قرار نہیں دیا جا سکتا اگرچہ فی الحقیقت اس کا یہ خیال مطابق واقع نہ ہو مگر اسکو تکفیر سے بچانے کے لئے کافی ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

شوہر نے بیوی پر تہمت لگائی ہے، اب بیوی تفریق کرا کر دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے، تو کیا حکم ہے؟

(سوال) (۱) اگر ناکح خود اپنی زوجہ منکوحہ کا حمل حرام قرار دے اور مشہور کرے تو نکاح قائم رہتا ہے یا

---

(۱) النساء : ۲٤

(۲) و صفته ما نطق النص الشرعي به من كتاب و سنة فان التعنا ولو اكثره بانت بتفريق الحاكم فيتوارثان قبل تفريقه الذى وقع اللعان عنه و يفرق (در مختار) وقال في الرد' وهو انه لا تقع الفرقة بنفس اللعان قبل تفريق الحاكم (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب اللعان ۳/ ٤۸۸ ط سعيد)

(۳) واهله اهل الشهادة اى ادائها على المسلمين (در مختار) وقال في الرد' و حاصله ان شروط الشهادة من الاسلام والعقل والبلوغ الحرية' و مقتضاه ان تقليد الكافر لا يصح' قال في البحر و به علم ان تقليد الكافر صحيح وان لم يصح قضاءه على المسلم حال كفره (هامش رد المحتار مع الدرالمختار' كتاب القضاء ٥/ ۳٥٤ ط سعيد كراتشى)

(٤) اذا اعتقد الحرام حلالا فان كانت حرمته لعينه و قد ثبت بدليل قطعي بكفر والا فلا' بان يكون حرمته لغيره او ثبت بدليل ظني و بعضهم لم يفرق بين الحرام لعينه و لغيره' وقال من استحل حراما..... فكافر وفعل هذه الاشياء و بدون الاستحلال فسق (شرح العقائد النسفية ص ۱۸٥)

نہیں ؟(۲) ناکح حمل حرام ثابت کرنے کے بعد اسے بطور زوجہ منکوحہ اپنے گھر رکھ سکتا ہے یا نہیں ؟(۳) بصورت سوال نمبر ا انفساخ نکاح پر مسماۃ دوسری جگہ اپنا نکاح کرنے کی مستحق ہے یا نہیں ؟ ناکح کا تحریری بیان ہے کہ میں ۹ ماہ سے اب تک اپنی منکوحہ کے پاس نہیں گیا اور نہ ہی اس سے ہم بستر ہوا اور منکوحہ کا سات ماہ کا حمل اس وقت ہو چکا ہے مقدمہ منجانب منکوحہ واسطے تنسیخ نکاح عدالت کے سپرد ہے۔ المستفتی نمبر ۲۲ بابو نور الٰہی شملہ ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ ۷ اگست ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۵۶) اس قسم کے بیان سے جیسا کہ ناکح نے دیا ہے اور سوال میں مذکور ہے نکاح فسخ نہیں ہوا (۱) اگر وہ عدالت میں بھی یہی بیان دے اور اس پر قائم رہے تو بقاعدہ شرعیہ اس کو لعان کرنا پڑے گا (۲) اور اگر لعان کرایا جائے گا تو پھر حاکم زوجین میں تفریق کرا سکے گا (۳) ناکح کا یہ خیال کہ میں ۹ ماہ سے زوجہ سے ہمبستر نہیں ہوا اور اس کو سات ماہ کا حمل ہے تو یہ حمل کسی بد فعلی کا ہی نتیجہ ہے غلط ہے اس لئے کہ جس حمل کو سات ماہ کا سمجھا جاتا ہے ممکن ہے کہ وہ زیادہ مدت کا ہو کیونکہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال تک ہے (۴) ضروری نہیں ہے کہ نو ماہ میں ہی بچہ پیدا ہو جائے تو اس کو اس خیال سے باز آنا چاہئیے جب تک باقاعدہ لعان نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی منکوحہ اس کی بیوی ہے اور وہ اس کو مثل زوجہ رکھ سکتا ہے ہاں اگر وہ اس قسم کا جھوٹا الزام لگائے گا تو اس پر حد قذف لازم آئے گی یا لعان کرنا ہوگا۔ (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی۔ الجواب صحیح محمد عظمت اللہ نائب مفتی جمعیۃ علمائے ہند۔ زوجہ کے لئے بہتر ہے کہ شوہر سے خوبصورتی سے تصفیہ کرلے ورنہ لعان آخری شرعی فیصلہ ہے۔

کتبہ بندہ محمد یوسف عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی

بیوی کو شوہر نے زنا کی تہمت لگائی تو دونوں کے درمیان لعان ہو گا

(سوال) اگر کسی شخص کی بیوی اپنے خاوند کے گھر سے کسی رشتہ دار کے گھر آوے اور وہاں آکر دو ماہ بعد

---

(۱) وهو انه لا تقع الفرقة بنفس اللعان قبل تفريق الحاكم (هامش رد المحتار مع الدرالمختار' كتاب الطلاق' باب اللعان ۳/ ۴۸۸ ط سعيد كراتشي)

(۲) وسببه قذف الرجل زوجته قذفا يوجب الحد في الاجنبية' فمن قذف بصريح الزنا في دار الاسلام زوجته او من نفي نسب الولد منه و طالبته به لا عن فان ابى حبس حتى يلا عن او يكذب نفسه فيحد فان لا عن لا عنت والا حبست فيند فع به اللعان ولا تحد (تنوير الابصار و شرحه مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق باب اللعان ۳/ ۴۸۳ . ۴۸۵ ط سعيد كراتشي)

(۳) و صفته ما نطق النص الشرعي به من كتاب و سنة' فان التعنا ولو اكثره بانت بتفريق الحاكم الذي يوضع اللعان عنده و يفرق وان لم يرضيا بالفرقة (تنوير الابصار وشرحه مع هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق باب اللعان ۳/ ۴۸۸ ط سعيد كراتشي)

(۴) اكثر مدة الحمل سنتان (الدر المختار مع هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق' فصل في ثبوت النسب ۳/ ۵۴۰ ط سعيد كراتشي)

(۵) يحد الحر او العبد قاذف المسلم الحر الثابتة حرية البالغ العاقل العفيف عن فعل الزنا بصريح الزنا (الدرالمختار مع هامش ردالمحتار' كتاب الحدود' باب حد القذف ۴/ ۴۵ ط سعيد كراتشي)

حمل قرار پاجائے اور خاوند اپنے تئیں اس رشتہ دار کے گھر آنا بغرض الزام زناکاری ظاہر نہ کرے اور اس رشتہ دار سے اپنی بیوی کا ناجائز تعلق بیان کرے اور بیوی پر تہمت زناکاری لگائے اور حمل قرار دے تو بروئے لعان مندرجہ منکوحہ تنسیخ نکاح کی مستحق ہے یا نہیں اور علمائے دین تفریق زوجین بقاعدہ شرعیہ کس طرح فرماتے ہیں (۲) مسماۃ مذکورہ کا حمل اس وقت سات ماہ کا ہے بصورت تنسیخ نکاح دوسری جگہ اپنا نکاح کس وقت کر سکتی ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۳ بابو نور الٰہی شملہ ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ ۷ اگست ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۵۷) خاوند کی طرف سے بیوی پر زنا کی تہمت لگائی جائے تو لعان واجب ہوتا ہے (۱) لعان کی صورت یہ ہے کہ مرد پانچ قسمیں کھاتا ہے کہ میں نے عورت کی طرف جو زناکاری کی نسبت کی ہے اس میں میں سچا ہوں اور اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو پھر عورت بھی پانچ قسمیں کھائے کہ میرا خاوند اس الزام لگانے میں جھوٹا ہے اگر وہ سچا ہو تو میرے اوپر خدا کا غضب نازل ہو اگر فریقین یہ قسمیں کھالیں تو لعان پورا ہوا (۲) اور اس کے بعد حاکم دونوں میں تفریق کر دیتا ہے اور نکاح فسخ ہو جاتا ہے (۳) زوجہ کو مہر دلوادیا جاتا ہے اور بعد انقضائے عدت وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ (۴) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

لعان کے لئے دارالاسلام اور قاضی شرعی کا ہونا شرط ہے

(سوال) زید تین سال کے بعد پردیس سے واپس آیا اس کی زوجہ ہندہ نے اس کی غیوبت کے زمانے کا نفقہ طلب کیا زید نے خرچہ دینے سے انکار کیا اور بہتان زنا کا دیا ہندہ نے اپنا تعلق زن و شو قطع کر کے بہتان زنا کا دعویٰ حاکم وقت کے سامنے پیش کیا حاکم نے فریقین کے دعوے اور جواب اور شہادت سننے کے بعد فسخ نکاح کا حکم صادر فرمایا اس وجہ سے کہ زید نے خرچہ طلب کرنے پر جھوٹا بہتان تہمت زنا کی لگائی ہے اس لئے

---

(۱) فمن قذف بصريح الزنا في دار الاسلام زوجته العفيفة عن فعل الزنا و تهمته..... وصلحالاداء الشهادة على المسلم او من نفى نسب الولد و طالبته به لا عن فان ابى حبس حتى يلا عن او يكذب نفسه فيحد فان لا عن لا عنت (الدرالمختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب اللعان ٣/ ٤٨٤'٤٨٥ ط سعيد)

(۲) و شرعا شهادات اربعة كشهود الزنا مؤ كدات بالا يمان مقرونة شهادته باللعن و شهادتها بالغضب قائمة شهادته مقام حد القذف في حقه وشهاداتها مقام حدالزنا في حقها (الدر المختار مع هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق' باب اللعان ٣/ ٤٨٢ ط سعيد كراتشي) وقال في الهداية' و صفة اللعان ان يبدئ القاضي بالزوج فيشهد اربع مرات يقول في كل مرة اشهد بالله انى لمن الصادقين فيما رميتها به و يقول في الخامسة لعنة الله عليه ان كان من الكاذبين فيما رما هابه من الزنا يشير اليها في جميع ذلك ثم تشهد المراة اربع مرات تقول في كل مرة اشهد بالله انه لمن الكاذبين فيما رما نى به من الزنا و تقول في الخامسة غضب الله عليها ان كان من الصادقين فيما رمانى به من الزنا (الهداية' كتاب الطلاق' باب اللعان ٢/ ٤١٨ ط شركة علميه ملتان)

(۳) فان التعنا بانت بتفريق الحاكم الذى وقع اللعان عنده (در مختار) وقال في الرد (قوله بانت بتفريق الحاكم) اى تكون الفرقة تطليقة بائنة عندهما وقال ابو يوسف هو تحريم مؤبد هداية..... وهو انه لا تقع الفرقة بنفس اللعان قبل تفريق الحاكم (هامش رد المحتار مع الدرالمختار' كتاب الطلاق' باب اللعان ٣/ ٤٨٨ ط سعيد كراتشي)

(۴) اس لئے کہ عدت میں نکاح نہیں کر سکتی' اما نكاح منكوحة الغير و معتدته ... فلم يقل احد بجوازه فلم ينعقد اصلا (هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق' باب العدة مطلب في النكاح الفاسد والباطل ٣/ ٥١٦ ط سعيد كراتشي)

قانون محمدی کی رو سے ہندہ فسخ نکاح کی مستحق ہے زید نے عدالت عالیہ میں اپیل داخل کر کے پردیس دوسری سلطنت میں چلا گیا تین سال کے بعد حاکم نے اپیل خارج کر کے پہلا فیصلہ بحال رکھا ہر دو حاکم غیر مسلم تھے فسخ نکاح کی نسبت چند عالموں سے دریافت کیا گیا تو یہی جواب ملا کہ فسخ نکاح کے لئے شرعی قاضی شرط ہے یہاں کے حاکم کا فیصلہ کوئی چیز نہیں ہے ایک شخص نے یہ بھی رائے دی کہ اس ملک میں تبدیل مذہب سے نکاح فسخ کیا جاتا ہے اور فیصلہ کو نو سال ہو گیا اور چودہ سال سے زید نے نان و نفقہ نہیں دیا نہ اس کا پورا پتہ معلوم ہے نہ اس کے آنے کی کوئی امید پائی جاتی ہے اور ہندہ نکاح کی خواہش رکھتی ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ علاوہ تبدیل مذہب کوئی صورت فسخ نکاح اور اجازت عقد ثانی کی نکل سکتی ہو تو ارقام فرمائی جاوے۔ **المستفتی نمبر ۲۲۶۲** بنارسی نابینا (بنارس سٹی) ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۵ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب) (از مولانا سید سلیمان ندوی) یہ صورت لعان کی ہے لعان میں صرف لعان سے تفریق واقع نہیں ہوتی حنفیہ کے نزدیک قاضی کا فیصلہ شرط ہے نیز یہ کہ وہ قاضی مسلمان ہو اور دارالاسلام میں ہو البتہ شوافع کے نزدیک نفس لعان سے تفریق ہو جاتی ہے اور قضاء قاضی کی ضرورت نہیں (دیکھئے شامی (۱) ص ۹۱۰ مصری) ہندوستان کی جو صورت ہے اس میں اس وقت تک جب تک نظام شریعت قائم نہیں حاکم وقت کا فیصلہ مجبوری مان لیا جائے گا اس لئے صورت مسئولہ میں اگر حاکم نے تفریق کا فیصلہ کر دیا ہے تو عورت نکاح کر سکتی ہے۔ (۲) سید سلیمان ندوی

(جواب ۲۵۸) (از حضرت مفتی اعظمؒ) عورت کو لازم ہے کہ کسی مسلمان مجسٹریٹ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرے خواہ جدید فیصلہ حاصل کرے یا فیصلہ سابق کی اس سے تنفیذ کرالے (۳) اس کے بعد نکاح ثانی کر سکے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) فمن قذف بصريح الزنا في دارالاسلام زوجته العفيفة عن فعل الزنا وتهمته' او نفى نسب الولد و طالبته به لا عن..... و صفته ما نطق النص الشرعي به من كتاب و سنة فان التعنا ولو اكثره بانت بتفريق الحاكم الذى و قع اللعان عنده (درمختار) وقال في الرد , قوله في دارالاسلام) اخرج دارالحرب (قوله بانت بتفريق الحاكم) . وهو انه لا تقع الفرقة بنفس اللعان قبل تفريق الحاكم وقال بعد سطر' و عند الشافعي تقع الفرقة بنفس اللعان(هامش ردالمحتار مع الدرالمختار' كتاب الطلاق' باب اللعان ۳ ٤٨٤' ٤٨٥' ٤٨٨ ط سعيد كراتشي)

(۲) شرطیہ لعان کرانے والا قاضی مسلمان ہو اور شرعی قاعدہ کے مطابق لعان کروا کے نکاح فسخ کرائے۔

(۳) اس لئے کہ دارالحرب میں لعان نہیں ہو سکتا اس کے لئے دارالاسلام ہونا شرط ہے' كما صرح به في الدرالمختار فمن قذف بصريح الزنا في دارالاسلام زوجته الحية العفيفة عن فعل الزنا وتهمته (درمختار) وقال في الرد (قوله في دار الاسلام) اخرج دارالحرب لا نقطاع الولاية(هامش ردالمحتار مع الدرالمختار' كتاب الطلاق' باب اللعان ٤٨٤/٣ ط سعيد كراتشي) البتہ اگر حاکم مسلمان ہو اور وہ حکومت غیر مسلم کا مامور و ملازم ہو اور قاعدہ شرعیہ کے مطابق لعان کروا کے نکاح فسخ کرائے تو لعان ہو جائے گا کیونکہ وہ بھی حکم قاضی ہے كما صرح به في الدر المختار مع هامش ردالمحتار' واهله اهل الشهادة اى ادائها على المسلمين (درمختار) وقال في الرد' قال في البحر : و به علم ان تقليد الكافرصحيح وان لم يصح قضاء ه على المسلم حال كفره (هامش رد المحتارمع الدرالمختار'كتاب القضاء ٣٥٤/٥ ط سعيد كراتشي) وقال ايضا : ويجوز تقليد القضاء من السلطان العادل و الجائر ولو كافر (الدرالمختار مع هامش ردالمحتار'كتاب القضاء ٣٦٨/٥ ط سعيد كراتشي) كذافي امداد المفتين للشيخ المفتي الاعظم محمد شفيع الديوبندي' كتاب الطلاق' باب الظهار والا يلاء واللعان ٥٧٤/٢ ط ادارة المعارف دار العلوم كراتشي)

دسواں باب
تعلیق

طلاق کو بھائیوں سے روپیہ نہ ملنے پر معلق کیا' تو روپیہ نہ ملنے پر طلاق واقع ہو جائے گی .

(سوال) زید نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ مجھ کو کچھ روپیہ کاروبار کے واسطے دو بھائیوں نے اس خیال سے کہ زید روپیہ مفت میں برباد کر دے گا کہا کہ ہم نہیں دیں گے زید نے اس غصہ میں کہا کہ اگر تم مجھ کو روپیہ نہیں دو گے تو میری زوجہ پر تین طلاق یعنی ایک دو تین۔ پس اس صورت میں زید کی زوجہ پر طلاق بالفعل واقع ہوئی یا نہیں ؟ یا معلق رہی کیونکہ الفاظ تعلیق اس میں مصرح موجود ہیں۔

(جواب ۲۵۹) صورت مسئولہ میں طلاق معلق رہے گی اگر اس کے بھائیوں نے روپیہ نہیں دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر دیدیا تو کچھ نہیں **واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا (عالمگیری)** (۱) لیکن اگر زید کے کلام یا قرنیہ مقام سے روپیہ دینے کا کوئی وقت معین ہوتا ہو تو اس وقت تک نہ دینے سے طلاق پڑ جائے گی اور اگر وقت کا مطلقاً ذکر نہ ہو تو زید یا اس کے بھائیوں میں سے اول مرنے والے کے اخیر جزء حیات میں طلاق پڑے گی۔ (۲) واللہ اعلم

معافی مہر کی شرط پر طلاق دی' اب بعد طلاق عورت کہتی ہے کہ میں نے مہر معاف نہیں کیا .

(سوال) کسی زن و شو میں نااتفاقی ہو گئی اور زوجہ نے زید اپنے شوہر کو طلاق دینے کے لئے مجبور کیا مگر زید نے طلاق نہ دی ہندہ زوجہ زید نے اس کو بار بار تنگ کرنا شروع کیا تو زید نے کہا کہ اگر تم مہر بخش دو تو میں طلاق دے دوں ہندہ نے نامنظور کیا لیکن لوگوں کی فہمائش سے اس نے کہا کہ اچھا ہم مہر بخشے دیتے ہیں تم طلاق دیدو اور پھر تنگ کرنا شروع کیا زید نے مجبوراً غصہ کے وقت طلاق بائن کہہ کر ایک طلاق دی ہندہ نے دوسرے ہی دن یہ اعلان کیا کہ میں نے مہر نہیں بخشا زید طلاق دینے کے بعد سفر کو جا چکا تھا جب وہ واپس آیا تو اس کو بھی معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ اگر تم نے مہر لوگوں کے سمجھانے سے بخشا تھا اور اب کہتی ہو کہ نہیں بخشا ہے تو میں نے بھی تمہیں طلاق مہر بخشنے پر دی تھی اور میرے طلاق دینے میں شرط تھی یعنی بشرط

---

(۱) الفتاوىٰ الهندية' كتاب الطلاق' الباب الرابع فى الطلاق بالشرط' الفصل الثالث فى تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغيرهما ۱/ ۴۲۰ ط ماجديه ' كوئٹه)

(۲) بخلاف ما اذا كان شرط الحنث امراعد ميا مثل ان لم اكلم زيدا : وان لم ادخل فانها لا تبطل بفوت المحل بل يتحقق به الحنث للياس من شرط البر وهذا اذا لم يكن شرط البر مستحيلا (هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق' باب التعليق' مطلب فى مسئلة الكوز ۳/ ۳۴۹ ط سعيد كراتشى)

ہیہ مہر میں نے تجھ کو طلاق دی تھی اب ہندہ رہنے پر راضی ہے اور زید رکھنے پر راضی ہے ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۶۰) اگر زید نے طلاق کو معافی مہر پر معلق کر کے طلاق دی تھی اور ہندہ نے مہر معاف نہیں کیا تو طلاق واقع نہیں ہوئی(۱) اور اگر زید نے ہندہ کے وعدہ پر اعتبار کر کے بلا تعلیق کے طلاق دیدی تو طلاق واقع ہوئی ہے(۲) لیکن چونکہ ایک طلاق بائن ہے اس لئے زید دوبارہ نکاح کر کے اس کو رکھ سکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شوہر نے کہا کہ "اگر تم میرے ہمراہ نہ چلیں' تو اب میرا تم سے تمام عمر کوئی تعلق نہیں رہا" تو کیا حکم ہے؟

(سوال) زید عرصہ دو سال بعد موجب حکم حاکم ہندہ یعنی اپنی زوجہ منکوحہ کو لینے کے واسطے آیا ہندہ نے جانے سے انکار کیا ہندہ کے انکار کی وجہ سے بات بڑھ گئی اور زید نے بحالت غصہ ہندہ سے یہ کہا کہ اگر تم اس وقت میرے ہمراہ نہ چلیں تو بس تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے چھوٹ گئیں اور اب میرا تم سے تمام عمر کے لئے کوئی تعلق نہیں رہا ہندہ خاموش ہو گئی اور زید کے ہمراہ نہیں گئی کیا مذہب حنفیہ میں زید کے مذکورہ بالا الفاظ سے ہندہ پر طلاق شرعی قائم ہو گئی یا نہیں؟ فقط

(جواب ۲۶۱) یہ الفاظ چونکہ غصہ و غضب کی حالت میں کہے گئے ہیں اور متمحض للجواب ہیں(۴) اس لئے اگر عورت اس وقت خاوند کے ساتھ نہیں گئی تو اس پر طلاق بائن واقع ہوئی(۵) نکاح جدید کے ساتھ اس خاوند کے پاس بھی رہ سکتی ہے(۶) واللہ اعلم

---

(۱) قوله لها انت بالف او على الف و قبلت في مجلسها لزم الالف لانه تعويض او تعليق (درمختار) وقال في الرد (قوله لانه تعويض) قال الزيلعي .ولابدمن قبولها لانه عقد معاوضة او تعليق بشرط فلا تنعقد المعاوضة بدون القبول ولا ينزل المعلق بدون الشرط' اذلا ولاية لا حد هما في الزام صاحبه بدون رضاه (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب الخلع ۴۴۹/۳ ط سعيد كراتشي)

(۲) يقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو عبدا او مكرها (الدر المختار' مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق ۳ ۲۳۵ ط سعيد كراتشي)

(۳) اذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجها في العدة وبعدانقضائها (الفتاوىٰ الهندية ' كتاب الطلاق' الباب السادس في الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ۴۷۲/۱ ط ماجديه كوئته)

(۴) یہ الفاظ (اگر تم اس وقت میرے ہمراہ نہ چلیں' تو بس تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے چھوٹ گئیں) محض اور خالص جواب کے لئے ہیں۔

(۵) اس لئے کہ یہ الفاظ الفاظ کنایات میں سے ہیں' كما في الهندية: او قال لم يبق بيني و بينك نكاح يقع الطلاق ان نوى... وفي الفتاوىٰ لم يبق بيني و بينك عمل و نوى يقع (الفتاوىٰ الهنديه' كتاب الطلاق' الباب الثاني في ايقاع الطلاق' الفصل الخامس في الكنايات ۳۷۵/۱' ۳۷۶ ط ماجديه' كوئته)

(۶) اذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث' فله ان يتزوجها في العدة و بعدانقضائها (الفتاوىٰ الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس في الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ۴۷۲/۱ ط ماجديه' كوئته)

اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر چھ ماہ تک نفقہ نہ دوں تو تجھ کو طلاق کا اختیار ہے' پھر نفقہ نہ دیا!

(سوال) ایک شخص نے ایک عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر میں چھ ماہ تک نان نفقہ لباس نہ دوں تو چھ ماہ بعد تجھ کو طلاق ہے اور دوسرے مرد کے ساتھ تجھ کو نکاح کرنے کا اختیار ہے آٹھ آنے کے سرکاری دستاویزی کاغذ پر یہ تحریر لکھی گئی نکاح کے بعد زوج کے پاس یہ عورت دو سال برابر رہی بعد دو برس کے یہ شخص نکاح کرنے والا اپنے وطن کو چلا گیا اور وطن گئے ہوئے اس کو چار سال ہو گئے اس مدت میں نہ اس شخص نے زوجہ کے لئے کچھ خرچ بھیجا نہ کوئی خط روانہ کیا عورت نے زوج کے پاس کئی خط روانہ کئے اس مضمون کے کہ یا تو مجھے نفقہ دے یا طلاق دے مگر وہ شخص اس کا کچھ جواب نہیں دیتا نہ وطن سے آتا ہے وہ شخص زندہ موجود ہے صورت مسئولہ میں اس دستاویز کے مطابق عورت کو طلاق ہو چکی یا الگ طلاق دینے کی ضرورت ہے۔ بینوا توجروا

(جواب ۲۶۲) یہ تعلیق اگر قبل النکاح واقع ہوئی جب تو لغو ہے کیونکہ اس وقت تک منکوحہ پر اسے ملک استمتاع حاصل تھی اور اس تعلیق میں اضافت الی الملک نہیں ہے(۱) ہاں اگر اس طرح تعلیق کی گئی ہو کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں اور پھر چھ ماہ تک نفقہ نہ دوں تو تجھ پر طلاق ہے تو تعلیق صحیح ہو جائے گی اسی طرح اگر بعد النکاح یہ تعلیق واقع کی گئی ہو تو بعد وجود شرط عورت پر طلاق پڑ گئی اور بعد انقضائے عدت اسے دوسرے نکاح کا اختیار ہے۔ قال لا جنبیۃ مادمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق ثم تزوجھا فتزوج علیھا امرأۃ لا یقع ولو قال ان تزوجت کما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجھا والمسئلۃ بحالھا یقع. کذافی الوجیز للکردری (عالمگیری)(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مشروط طلاق میں شرط پائے جانے سے طلاق ہو جاتی ہے.

(سوال) شخصے در کابین نامہ زن خود نوشتہ داد کہ تا حین حیات تو زن دیگر نکاح نکنم اگر کنم بر اں زن یک دو سہ طلاق واقع است۔ اکنوں شخص مذکور زوجہ اولیٰ را طلاق دادہ نکاح دیگر کردہ است 'موجب شرط مذکور بالا بزوجہ ثانیہ طلاق واقع شد یا نہ ؟ بینوا توجروا

(ترجمہ) ایک شخص نے اپنی منکوحہ کے کابین نامہ میں یہ تحریر دی کہ تیری زندگی بھر کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کروں گا اگر کروں تو اس عورت پر ایک دو تین طلاق ہے۔ اب اس شخص نے پہلی بیوی کو طلاق دیکر نکاح ثانی کر لیا ہے تو شرط مذکورہ بالا کے مطابق زوجہ ثانیہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) واذا اضافہ الی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقا.... ولا تصح اضافۃ الطلاق الا ان یکون الحالف مالکاو یضیفہ الی ملک (الفتاوی الھندیۃ' کتاب الطلاق' الباب الرابع فی الطلاق بالشرط' الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا وغیرھما ۱/ ۴۲۰ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۲) الفتاوی الھندیۃ' کتاب الطلاق' الباب الرابع فی الطلاق بالشرط' الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا وغیرھما ۱/ ۴۲۶ ط ماجدیہ' کوئٹہ)

(جواب ۲۶۳) طلاق معلق بشرط بوقت وقوع شرط واقع می شود(۱) ودر صورت سوال شرط طلاق زوجہ ثانیہ ایں قرار دادہ کہ نکاحش بحیات زوجہ اولیٰ واقع شود پس تاوقتیکہ زوجہ اولیٰ بقید حیات است بہ ہیچ زنے دیگر نکاحش روانباشد اگر کند زن ثانیہ مطلقہ گردد۔ زیراکہ درالفاظ تعلیق حیات زوجہ اولیٰ را مطلق ذکر کردہ است تقیید زمانہ حیات منکوحہ بودن زن اولیٰ نہ کردہ پس نظر بہ منطوق کلام زمانہ حیات براطلاق خود باشد خواہ منکوحہ باشد یانہ باشد۔

و علی هذالو قال کل امرأة اتزوجها بغیر اذنك فطالق - فطلق امرأته طلاقا بائنا او ثلاثا ثم تزوج بغیراذنهاطلقت لانه لم یتقید یمینه ببقاء النکاح لا نها انما تتقید به لو کانت المرأة تستفید ولایة الاذن والمنع بعقد النکاح انتهی فتح (ردالمحتار)(۲)

قلت یوخذ من هذا ان التقیید بالنکاح انما یعتبر اذا کان للنکاح مدخل فی افادة الشرط ولذاالغوا تقیید الیمین المذکور بزمان النکاح لانه لیس لعقد النکاح مدخل فی افادة ولایة الاذن بالتزوج للزوجة فان الزوج مستقل فی تزوج الثانیة بغیر استیذان ولا استشارةٍ من الزوجة الاولیٰ. وظهر بهذاحکم السؤال الذی نحن بصدد جوابه انه لما علق طلاق الثانیة بوجود التزوج فی حیاة الزوجة الاولیٰ - و ابان الزوجة الاولیٰ وتزوج الثانیة فی حیاتها تطلق الثانیة ولا تتقید الیمین بزمان النکاح فان عقد النکاح لا یفید المنع من التزوج بالثانیة فلاد لالة علی التقیید بزمان النکاح فی کلامه فیجری علی اطلاقه.

لیکن اگر زوج درکلام خود نیت کردہ باشد کہ یمین مقید بزمانہ نکاح زوجہ اولیٰ ہست وبریں تقیید عمل کردہ بعد تطلیق وبانۃ زوجہ اولیٰ نکاح دیگر کردہ پس ایں نیت دیانۃ معتبر باشد واورا فیما بینہ وبین اللہ میرسد کہ بزوجہ ثانیہ معاشرۃ قائم دارد۔

نیة تخصیص العام تصح دیانة اجماعاً- لا یصدق قضاءً (درمختار) (۳)

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ، سنہری مسجد دہلی

(ترجمہ) مشروط طلاق شرط کے پائے جانے پر واقع ہو جاتی ہے صورت مسئولہ میں زوجہ ثانیہ پر طلاق پڑنے کی یہ شرط قرار دی گئی ہے کہ اس کا نکاح زوجہ اولیٰ کی زندگی میں منعقد ہوا توجب تک کہ زوجہ اولیٰ زندہ ہے اس شخص کا کسی دوسری عورت سے نکاح صحیح نہیں ہوگا اگر کرے گا توزوجہ ثانیہ پر طلاق پڑجائے گی

---

(۱) واذا اضافه الی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقا مثل ان یقول لا مرأته ان دخلت الدارفانت طالق (الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الرابع فی الطلاق بالشرط' الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة ان واذاوغیرهما ۱/۴۲۰ ط ماجدیه' کوئٹه)

(۲) هامش ردالمحتار' کتاب الایمان' باب الیمین فی الضرب والقتل و غیر ذلك' مطلب حلفه وان لیعلمنه بکل داعر ۳/۸۴۵ ط سعید کراتشی)

(۳) الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الایمان' باب الیمین فی الأکل والشرب واللبس و الکلام ۳/۷۸۴ ط سعید کراتشی)

کیونکہ تعلیق کے الفاظ میں زوجہ اولیٰ کی زندگی کو مطلقاً ذکر کیا ہے اور زندگی کے ساتھ اس کے نکاح میں رہنے نہ رہنے کی قید نہیں لگائی ہے پس ظاہر کلام کے لحاظ سے زمانہ حیات کو اپنے اطلاق پر ہی رکھا جائے گا خواہ وہ اس کے نکاح میں رہے یا نہ رہے۔

علیٰ ہذا اگر کسی شخص نے کہا کہ ہر وہ عورت جس کے ساتھ تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں اس پر طلاق ہے اور پھر اس نے اس بیوی کو طلاق بائن یا مغلظہ دیدی اور بغیر اسکی اجازت کے دوسری عورت سے نکاح کر لیا تو اس پر طلاق پڑ جائے گی کیونکہ اس کی یمین بقائے نکاح زوجہ اولیٰ کے ساتھ مقید نہیں ہے یہ تقیید اس وقت ہو سکتی تھی جب کہ عورت کو مرد کے عقد نکاح کے لئے منع واجازت کا حق اور ولایت حاصل ہوتی (ردالمحتار)

میں (مجیب) کہتا ہوں کہ مذکورہ اقتباس سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ بقائے نکاح زوجہ اولیٰ کی قید اس وقت معتبر ہو سکتی تھی جب کہ بقائے نکاح شرط کے لئے مفید ہوتا اور اسی وجہ سے فقہاء نے زمانہ نکاح کی قید کو لغو قرار دیا ہے کیونکہ مرد کے نکاح ثانی کے لئے زوجہ اولیٰ کو ولایت اذن حاصل نہیں ہے مرد کو زوجہ اولیٰ کے مشورہ واجازت کے بغیر نکاح ثانی کا پورا اختیار حاصل ہوتا ہے اس سے مسئلہ مذکورہ سوال کا حکم معلوم ہو گیا کہ مرد نے جبکہ طلاق زوجہ ثانیہ کو حیات زوجہ اولیٰ کے اندر تزوج کے ساتھ مشروط کیا اور پہلی زوجہ کو طلاق دیکر اس کی زندگی میں دوسری عورت سے نکاح کر لیا تو دوسری پر طلاق پڑ جائے گی اور اس یمین کو زمانہ منکوحیت زوجہ اولیٰ کے ساتھ مقید نہیں کیا جائے گا کیونکہ زوجہ اولیٰ کا زمانہ منکوحیت عقد ثانی کے لئے مانع نہ تھا لہذا یمین کو اس کے ساتھ مقید کرنے کے لئے کوئی دلیل نہیں پس اس کا کلام اپنے اطلاق پر ہی رکھا جائے گا لیکن اگر شوہر نے اپنے کلام میں یہ نیت کرلی ہو کہ یہ یمین زمانہ منکوحیت زوجہ اولیٰ کے ساتھ مقید ہے اور اس تقیید کو پیش نظر رکھتے ہوئے زوجہ اولیٰ کو طلاق دینے اور علیحدہ کرنے کے بعد نکاح ثانی کیا تو یہ نیت دیانۃً معتبر ہو گی اس صورت میں اگر وہ زوجہ ثانیہ کے ساتھ تعلقات رکھے تو آخرت میں باز پرس نہ ہو گی کسی عام کی تخصیص کی نیت دیانۃً معتبر ہوتی ہے یہ متفق علیہ مسئلہ ہے' مگر قضاءً قابل اعتبار نہیں ہے۔ (درمختار) کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ' دہلی

جب شرط نہیں پائی گئی' تو طلاق بھی نہیں ہوئی.

(سوال) زید نے اپنی زوجہ سے کہا کہ اگر آج میں مغرب کی نماز نہ ادا کروں تو تجھ پر تین طلاق پھر اس نے مغرب کی نماز پڑھی لیکن قرأت میں غلطی کی کہ بجائے عصیٰ ادم ربہ کے میم پر زبر اور ربہ کی با پر پیش پڑھ گیا اس کی زوجہ نے یہ غلطی سن لی تھی زوجہ نے قاضی کے ہاں دعویٰ کیا کہ میرے خاوند نے میری طلاق کو مغرب کی نماز ادا نہ کرنے پر معلق کیا تھا اور اس نے نماز ادا نہیں کی کیونکہ مذکورہ بالا غلطی اس نے کی جس سے اس کی نماز فاسد ہو گئی اس لئے وجود شرط کی وجہ سے میں مطلقہ ہو گئی ہوں قاضی نے زید سے دریافت کیا اس نے غلطی کرنے کا اقرار کیا مگر کہا کہ چونکہ یہ غلطی مجھ سے خطاءً ہوئی قصداً میں نے غلط نہیں پڑھا

اس لئے میری نماز صحیح ہوئی اور وجود شرط نہیں ہوا قاضی نے زوج کے اقرار بالخطا کو تسلیم کر کے اس کی صحت نماز کا حکم کردیا اور زوجہ کا دعویٰ طلاق خارج کردیا اس کے بعد عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ چونکہ کلمہ مذکورہ ایک کلمہ کفریہ ہو گیا تھا زید نے کلمہ کفریہ کا تکلم کیا ہے اس لئے وہ مرتد ہو گیا اور ارتداد کی وجہ سے دعویٰ فسخ نکاح کا حق مجھے حاصل ہو گیا ہے میرا نکاح فسخ کردیا جائے یعنی فسخ نکاح کا حکم کردیا جائے سوال یہ ہے کہ قاضی کا پہلا حکم دربارہ صحت نماز صحیح واقع ہوا یا نہیں اور کیا اب قاضی زید پر ارتداد کا حکم کر کے فسخ نکاح کا حکم دے سکتا ہے ؟بینوا توجروا

(جواب ۲٦٤) زید کا دعویٰ دربارہ صدور غلطی عن الخطاء وعدم قصد واختیار مقبول ہے کیونکہ نماز اور اس کے ارکان وشرائط حقوق اللہ خالصۃ میں سے ہے اور حقوق اللہ خالصۃ میں دعوئے خطا دیانۃ وقضاءً مقبول ہے **والخطا وهو عذر صالح لسقوط حق الله تعالىٰ و يصير شبهة في دفع العقوبة حتى لا ياثم الخاطي ولا يؤاخذ بحد او قصا ص (كذافي نورالانوار)** (۱) **فان زفت اليه غير امرأته فظنها انها امرأته فوطنها لا يحد ولا يصير اثما (نور الانوار)** (۲) جیسے کہ خطأً غیر عورت سے وطی کرلی یا شکار سمجھ کر کسی انسان کو مار ڈالا تو ان صورتوں میں دعویٰ خطا قضاءً بھی مقبول ہے اور حدود قصاص واجب نہیں ہوتا کیونکہ حدود حقوق اللہ خالصہ میں سے ہیں اور ان میں دعوائے خطا مقبول ہے پس جب کہ دعوائے خطا مقبول ہوا تو اب یہ دیکھنا ہے کہ قرأت میں خطأً اعراب غلط پڑھنے کا کیا حکم ہے تو متقدمین اگرچہ ایسی غلطی میں جس سے معنیٰ میں تغیر فاحش ہو جائے فساد صلوٰۃ کے قائل ہیں لیکن متاخرین میں سے بہت سے جلیل القدر فقہا فرماتے ہیں کہ نماز صحیح ہو جائے گی فاسد نہ ہوگی اور یہی قول مفتی بہ ہے۔ **واما المتاخرون كابن مقاتل وابن سلام و اسمعيل الزاهد وابى بكر البلخى والهند وانى وابن الفضل والحلوانى فاتفقوا على ان الخطا فى الاعراب لايفسد مطلقا ولو اعتقاده كفرا(رد المحتار)** (۳) **وكذا وعصى ادم ربه بنصب الاول ورفع الثانى يفسد عند العامة– وكذا فساء مطر المنذرين بكسر الذال واياك نعبد بكسر الكاف والمصور بفتح الواو– و فى النوازل لا تفسد فى الكل و به يفتى . بزازيه و خلاصه (ردالمحتار)** (٤) **وهو الاشبه كذافى المحيط و به يفتى كذافى العتابيه وهكذا فى الظهيريه (عالمگیری)** (۵) پس اس قول مفتی بہ کے موافق قضائے اول یعنی صحت

(۱) نورالانوار شرح المنار' باب القیاس' فصل فی بیان الاهلية' ص ۳۱۰ ط سعید کراتشی–
(۲) ایضاً حوالہ سابقہ
(۳) هامش ردالمحتار' كتاب الصلاة' باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها' مطلب مسائل زلة القارى ۱ / ٦۳۱ ط سعید کراتشی)
(٤) ایضا حوالہ سابقہ
(۵) الفتاوى الهندية' كتاب الصلاة' الباب الرابع فى صفة الصلاة' الفصل الخامس فى زلة القارى ۱ / ۸۱ ط ماجدیه کوئٹہ)

نماز کا حکم صحیح ہو گیا اور جب نماز صحیح ہو گئی تو وجود شرط نہ ہوا اور طلاق معلق واقع نہ ہوئی (۱) اس کے بعد عورت کا ارتداد زوج کی وجہ سے دعویٰ فسخ نکاح کرنا غیر مسموع ہے کیونکہ قاضی اس صورت میں ارتداد زوج کا حکم نہیں کر سکتا جس کے وجوہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) اب اگر حکم بالارتداد کیا جائے تو دو حال سے خالی نہیں اول یہ کہ قضائے اول بحالہ باقی رہے اور قضاباا لارتداد بھی کردی جائے اس میں تو صریح طور پر اجتماع ضدین بلکہ نقیضین ہے۔ کیونکہ قضائے اول کا مقتضی صحت نماز ہے اور قضائے ثانی کا بطلان نماز قضائے اول کا مقتضا بقائے نکاح ہے اور قضائے ثانی کا بطلان نکاح قضائے اول کا مقتضے اسلام زید ہے (کیونکہ صحت صلوۃ کے حکم کے لئے اسلام مصلی شرط ہے) اور قضائے ثانی کا مقتضے کفر زید اور مبنی ان دونوں متناقض حکموں کا وہی کلام واحد ہے۔ دوئم یہ کہ قضائے اول کو باطل کردیا جائے اور قضائے ثانی کو صحیح واجب النفاذ سمجھا جائے مگر یہ دونوں صورتیں باطل ہیں پہلی تو بوجہ لزوم اجتماع نقیضین کے اور دوسری اس وجہ سے کہ قضائے اول جب کہ مسئلہ مجتہد فیہ میں واقع ہو جائے تو پھر وہ واجب العمل والتنفیذ ہو جاتی ہے اور خود اس قاضی کو یا کسی دوسرے قاضی کو اس کے ابطال کا اختیار نہیں رہتا۔ واذا رفع الیہ حکم قاض اخر - قید اتفاقی اذ حکم نفسہ قبل ذلک (ای الرفع) کذلک نفدہ . ای الزام الحکم بمقتضاہ لو مجتھد ا فیہ (در مختار) قولہ نفدہ ای یجب علیہ تنفیذہ (رد المحتار) اعلم انھم قسموا الحکم ثلاثۃ اقسام قسم یرد بکل حال وھو ما خالف النص اوالا جماع و قسم یمضی بکل حال وھو الحکم فی محل الاجتھاد الخ (رد المحتار) (۲)

(۲) حکم بالردۃ حقوق اللہ خالصہ میں سے ہے اور حقوق اللہ خالصہ میں دعوائے خطا قضاءً مقبول ہے ورنہ وطی بالشبہۃ میں دعوائے خطا مقبول نہ ہوتا اور حد زنا لازم آتی رمی الانسان بالخطامیں دعوائے خطا مقبول نہ ہوتا اور قصاص قضاءً لازم آتا حالانکہ لازم باطل ہے یعنی قضاءً وجوب حد یا قصاص کا حکم نہیں دیا جاتا کیونکہ حدود حقوق اللہ میں سے ہیں اور قصاص میں اگرچہ حق عبد بھی ہے لیکن اس کا بدل دیت کی صورت میں ادا کردیا گیا اور اس کی شکستگی خاطر کا جبر ہو گیا اور اخلائے عالم عن الفساد جو موجب قصاص تھا بوجہ دعوئے خطا اس کا حکم مرتفع ہو گیا یہ بات کہ حکم بالردۃ حقوق اللہ میں سے ہے اس عبارت سے ثابت ہے۔ **بخلاف الارتداد لا نہ معنی یتفرد بہ المرتد لاحق فیہ لغیرہ من الاد میین (بزازیہ)** (۳) پس جب کہ صورت مسئولہ میں زید تکلم بالخطا کا مدعی ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کا قول قضاءً مقبول نہ ہو۔

---

(۱) تنحل ای تبطل الیمین ببطلان التعلیق اذا وجد الشرط مرۃ (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب التعلیق ۳/۳۵۲ ط سعید کراتشی)

(۲) ھامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب القضاء' فصل فی الحبس ' مطلب ما ینفد من القضاء وما لا ینفذ ۵/۳۹۳' ۳۹۴ ط سعید کراتشی)

(۳) الفتاوی البزازیۃ علی ھامش الفتاوی الھندیۃ' کتاب الفاظ تکون اسلاما او کفرا او خطأ' الفصل الثانی فیما یکون کفرا من المسلم وما لا یکون ۶/۳۲۲ ط ماجدیۃ' کوئٹہ)

(۳) ردّۃ کی حقیقت فقہا نے اس طرح بیان کی ہے اجراء کلمة الکفر علی اللسان (۱) یعنی کلمہ کفر قصداً زبان پر جاری کرنا قصداً کی قید لفظ اجراء سے مفہوم ہوتی ہے ورنہ جریان کلمۃ الکفر کہا جاتا پھر جہاں شرائط صحت ردۃ بیان کئے ہیں وہاں طوع یعنی اختیار کو شرائط صحت میں بھی ذکر کیا ہے۔ پس جب تک کہ قصد و اختیار متحقق نہ ہو ردۃ کا تحقق ہی نہیں ہو سکتا (۲) اور کسی چیز کے تحقق سے قبل اس کا حکم کر دینا بداہتہً باطل ہے مثلاً وضو شرائط نماز میں سے ہے تو جو نماز بے وضو پڑھی جائے وہ صحیح نماز نہ ہوگی تو قبل تحقق وضو کے صحت نماز کا حکم کر دینا یقیناً غلط اور باطل ہے (۳) اور یہ ظاہر ہے کہ قصد و اختیار امور قلبیہ میں سے ہے اس پر سوا صاحب معاملہ کے کسی دوسرے انسان کو اطلاع نہیں ہو سکتی جب تک کہ صاحب معاملہ خود اقرار نہ کرے پس تحقق شرط ردۃ کے لئے صاحب معاملہ کا یہ اقرار کہ اس نے قصداً الفاظ کفریہ کا تلفظ کیا ہے ضروری ہے اور چونکہ اس کے اقرار کے سوا اور کوئی سبیل اس کے حکم کی نہیں اس لئے اس کے انکار و اقرار کی تصدیق ضروری ہوگی ہاں کبھی اس کے عدم انکار قصد کو قائم مقام اقرار قصد کے حکم قضا میں کر لیا جائے تو ممکن ہے لیکن اس کے انکار صریح کی کہ تعمد سے صراحتہً منکر ہو تصدیق نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں نیز اقرار صرف تلفظ بالاختیار کا ثبوت ردۃ کے لئے کافی ہے اس کے معنی کا قصد کرنا اور مراد لینا شرط نہیں کیونکہ ہازل ولاعب کے ارتداد کا حکم فتح القدیر و بحر وغیرہما کتب معتبرہ میں مصرح ہے اور ان دونوں کے کفر کی وجہ ان کا یہ کلمہ کفریہ غیر مقصود المعنی نہیں بلکہ استخفاف بالدین ہے پس یہ قول کہ ادعائے خطا کی صورت میں ارتداد کا حکم نہ کرنا چاہئے یقیناً راجح بلکہ صواب ہے قال فی البحر' والحاصل ان من تکلم بکلمة الکفر ھا زلا اولا عبا کفر عند الکل ولا اعتبار باعتقادہ کما صرح به فی الخانیة' ومن تکلم بھا مخطئا او مکرھا لا یکفر عند الکل الی اخرہ (ردالمحتار) (۴) اس عبارت کا ظاہر مفہوم یہی ہے کہ خطا اور اکراہ کی صورت میں دیانۃً و قضاءً بالاتفاق کافر نہ ہوگا کیونکہ خطا اور اکراہ کو ایک مد میں شامل کیا ہے اور اکراہ میں قضاءً کافر نہ ہونا مسلم ہے فکذا فی الخطا۔ اگر شبہ کیا جائے کہ ردۃ زوج کے ساتھ زوجہ کا حق فسخ و خروج عن الملک متعلق ہے تو ممکن ہے کہ خطا کے ادعا سے اس پر فیما بینہ و بین اللہ کفر کا حکم عائد نہ ہو لیکن اگر قاضی ادعائے خطا کی تصدیق کرلے تو زوجہ کا حق باطل ہوتا ہے اور اسی وجہ سے بزازیہ اور شامی میں ہے کہ '' خطا

---

(۱) ورکنھا اجراء کلمة الکفر علی اللسان بعد الایمان (الدر المختار مع ھامش ردالمحتار' کتاب الجھاد' باب المرتد ۴/۲۲۱ ط سعید کراتشی)

(۲) وشرائط صحتھا العقل والصحو والطوع (درمختار) وقال فی الرد ومن تکلم بھا مخطئاً او مکرھا لا یکفر عند الکل ومن تکلم بھا عامدا عالما کفر عند الکل (ھامش ردالمحتار مع الدر المختار' کتاب الجھاد' باب المرتد ۴/۲۲۴ ط سعید کراتشی)

(۳) ثم الشرط لغة العلامة و شرعا ما یتوقف علیه الشیء ولا یدخل فیه (درمختار) وقال فی الرد اما ان یتوقف الشیء علیه کالوضوء للصلاۃ فیسمی شرطا (ھامش رد المختار مع الدر المختار' کتاب الصلاۃ' باب شروط الصلاۃ ۱/۴۰۲ ط سعید کراتشی)

(۴) ھامش رد المحتار' کتاب الجھاد' باب المرتد ۴/۲۲۴ ط سعید کراتشی -

میں اگرچہ کافر نہیں ہوتا مگر قاضی تصدیق نہ کرے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم خود بزازیہ سے نمبر ۲ میں نقل کر چکے ہیں کہ ردت کا حکم کرنے میں کسی آدمی کا حق متعلق نہیں پس اس کی یہ عبارت خود اس حکم عدم تصدیق قاضی کے منافی ہے اور شامی نے اس قول کو صرف بلفظ بدلیل صرحوا(۱) بیان کیا ہے اور تصریح کرنے والوں کا نام نہیں بتایا اس لئے یہ نقل چنداں قابل اعتماد نہیں پھر ہم کہتے ہیں کہ زوجہ کا حق نفس تکلم بکلمۃ الکفر کے ساتھ متعلق نہیں بلکہ ردت کے آثار مترتبہ علیہا میں سے ہے اور ترتب آثار بعد وجود حقیقت ہوتا ہے اور جب تک کہ طوع واختیار ثابت نہ ہو جائے حقیقت ردت تو متحقق ہوئی نہیں' اس پر آثار کا ترتب کیسا پھر خود شامی نے جامع الفصولین ونور العین وخیریہ وبحر سے نقل کیا کہ ایسے الفاظ کفریہ جن میں کوئی بعید تاویل بھی ہو سکتی ہے بولنے پر بھی حکم بکفر نہ کیا جائے اور علامہ شامی فرماتے ہیں **و مفهومه انه لا يحكم بفسخ النكاح** - یعنی جامع الفصولین ونور العین کی عبارتوں کا مفہوم یہ ہے کہ فسخ نکاح کا حکم نہ کیا جائے پس جامع الفصولین ونور العین وخیریہ کی نقول شامی کی بحث سے بدرجہا اولیٰ بالعمل والقبول ہیں(۲) پھر یہ اس صورت کا حکم ہے کہ قائل نے کلمہ کفریہ کا یقیناً تکلم کیا اور خود کوئی صورت بچاؤ کی پیش نہیں کی۔ حالانکہ صورت مسئولہ میں قائل خود ہی اپنی معذوری اور بے اختیاری بیان کرتا ہے پس یہاں بدرجہ اولیٰ حکم ردت نہیں ہو سکتا۔

(۴) تعلیقات طلاق (**ان دخلت الدار فانت طالق**) جس میں عورت کا حق بالذات متعلق ہوتا ہے ان کا حکم یہ ہے کہ اگر زوج تعلیق یا وجود شرط کا انکار کر دے اور زوجہ تعلیق باوجود شرط کی مدعی ہو تو بینہ زوجہ کے ذمہ ہے اور قول زوج کا معتبر ہوتا ہے - **وان اختلفا في وجود الشرط فالقول له الا اذا برهنت وما لا يعلم الا منها فالقول لها في حقها (عالمگيری)**(۳) **فان اختلفا في وجود الشرط فالقول له مع اليمين لا نكار الطلاق (در مختار) قوله في وجود الشرط اى اصلا او تحققاً كما في شرح المجمع اختلفا في وجود اصل التعليق بالشرط او في الشرط بعد التعليق . و في**

---

(۱) بدليل ما صرحوا به من انهم اذا اراد ان يتكلم بكلمة مباحة فجرى على لسانه كلمة الكفر خطأ بلا قصد لا يصدق القاضي وان كان لا يكفر فيما بينه و بين ربه تعالى (هامش ردالمحتار' كتاب الجهاد' باب المرتد ٤/ ٢٢٩ ط سعيد كراتشي)

(۲) ثم ان مقتضى كلامهم ايضا انه لا كفر بشتم دين مسلم اى لا يحكم بكفره لا مكان التاويل ثم رايته في جامع الفصولين حيث قال بعد كلام اقول' و على هذا ينبغي ان يكفر من شتم دين مسلم ولكن يمكن التاويل بان مراده اخلاقه الردية و معاملة القبيحة لا حقيقة دين الاسلام فينبغي ان لا يكفر حينئذ والله تعالى اعلم' واقره في نور العين و مفهومه انه لا يحكم بفسخ النكاح' و فيه البحث الذى قلناه وامامره بتجديد النكاح فهو لا شك فيه احتياط خصوصا في حق الهمج الارذال الذين يشتمون بهذه الكلمة فانهم لا يخطر على بالهم هذا المعنى اصلا وقد سئل في الخيرية عمن قال له الحاكم ارض بالشرع فقال لا اقبل فافتى مفت بانه كفر و بانت زوجته فهل يثبت كفره بذلك فاجاب بانه لا ينبغي للعالم ان يبادر بتكفير اهل الاسلام الى آخر ما حرره في البحر (هامش رد المحتار كتاب الجهاد' باب المرتد' مطلب في حكم من شتم دين مسلم ٤ / ٢٣٠ ط سعيد كراتشي)

(۳) الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الرابع في الشرط' الفصل الثالث في التعليق بكلمة ان واذا و غيرهما' مطلب اختلاف الزوجين في وجود الشرط ١ / ٤٢٢ ط ماجديه كوئته)

البزازية ادعى الاستثناء او الشرط فالقول له الخ (ردالمحتار) (۱) پس دعوائے فسخ نکاح میں گویا زوجہ وجود شرط کی مدعی ہے اور وہ تکلم بکلمۃ الکفر طوعاً واختیاراً ہے اور زوج اس کا منکر ہے لہذا حسب قاعدہ مذکورہ قول زوج قضاءً بھی معتبر ہونا چاہئیے بلکہ یہاں بدرجہ اولیٰ قول زوج کا اعتبار ہوگا کیونکہ عورت کا حق بالذات ثبوت ردت کے ساتھ متعلق نہیں بلکہ احکام ردت میں سے ہے وحكم الشئ ثمرته واثره المترتب عليه (رد المحتار) (۲) الحاصل جس شخص کی زبان سے کوئی کلمہ کفریہ نکل جائے اور وہ خطاءً نکلنے کا مدعی ہے جیسے کہ اکثر نماز میں خطاءً ایسے ایسے الفاظ جن کا تعمد کفر ہے نکل جاتے ہیں دیانۃً حکم ارتداد کا عائد نہ ہونا تو متفق علیہ ہے قضاءً بھی اس کے قول کی مع یمین تصدیق کی جائے گی اور قاضی کو کوئی حق نہیں کہ اس پر ارتداد کا حکم لگائے اور اس کی قسم کا اعتبار نہ کرے یا اس کی زوجہ کا نکاح فسخ کردے نیز خطاءً کسی کلمہ کے زبان سے نکلنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ متکلم بے ہوش ہو یا مجنون ہو بلکہ ہوش وحواس صحیح ہونے ادراک وشعور قائم ہونے کی حالت میں بھی بلا قصد الفاظ زبان سے نکل جاتے ہیں انت طالق کہنے کے بعد یہ تاویل کہ میری مراد طالق عن وثاق تھی قضاءً اس لئے معتبر نہیں کہ الفاظ طلاق خود موجب حکم ہیں اور ان کے صدور کے ساتھ بالذات حق عورت متعلق ہو جاتا ہے بخلاف کلمہ کفر کے کہ یہ بالذات موجب ردۃ نہیں بلکہ طوع واختیار شرائط صحت ردت سے ہے اور اس کے ساتھ کسی انسان کا حق بالذات متعلق نہیں پس انکار اختیار درحقیقت انکار سبب ہے پس انکار حکم مع الاقرار بالسبب۔ ہذا واللہ اعلم بالصواب ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ۷ رجب ۱۳۳۶ھ

شوہر نے کہا کہ ”اگر کبھی جوا کھیلوں تو میری بیوی پر ”طلاق“ ہے“ تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک شخص نے ایک جماعت کثیرہ سے جو ہمیشہ جوا کھیلتی ہے ہر شخص سے یہ قسم لی کہ خدا کی قسم میں کبھی جوا نہیں کھیلوں گا اگر کبھی جوا کھیلوں تو میری بیوی پر طلاق ہے اب اگر اس جماعت میں سے کوئی شخص جوا کھیلے تو اس کی بیوی پر طلاق پڑے گی یا نہیں اور پڑے گی تو کون سی طلاق ؟

(جواب ۲۶۵) ان قسم کھانے والوں میں سے جس جس کی شادی ہو چکی تھی اور قسم کے وقت اس کے نکاح میں کوئی عورت تھی وہ اگر اس قسم کے بعد جوا کھیلے گا تو اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی (۳) کیونکہ معلق طلاق واحد صریح ہے اور وہ رجعی ہوتی ہے (۴) واللہ اعلم۔ کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرس مدرسہ امینیہ شہری مسجد دہلی۔

---

(۱) هامش ردالمحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب التعليق' مطلب اختلاف الزوجين في وجود الشرط ۳/۳۵۶ ط سعيد كراتشي)

(۲) هامش رد المحتار' كتاب الوقف ٤/ ۳٤۰ ط سعيد كراتشي)

(۳) وتنحل اليمين بعد الشرط مطلقا' لكن ان وجد في الملك طلقت و عتقت والا لا (الدرالمختار' مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب التعليق ۳/ ۳۵۵ ط سعيد كراتشي) (٤) الطلاق على ضربين' صريح و كناية والصريح قوله انت طالق و مطلقة وطلقتك فهذا يقع به الطلاق الرجعي' لان هذه الالفاظ تستعمل في الطلاق ولا تستعمل في غيره فكان صريحا وانه يعقب الرجعة بالنص (الهداية' كتاب الطلاق' باب ايقاع الطلاق ۲/ ۳۵۹ ط شركة علميه ملتان)

الجواب صواب بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ الجواب صواب بندہ محمد قاسم عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ مہر دارالافتاء۔

نکاح نامے میں لکھوائی گئی شرطوں کی خلاف ورزی.

(سوال) لڑکی والے نکاح نامہ میں ناکح سے یہ شرطیں لکھواتے ہیں کہ اتنا نفقہ ماہوار دیا جائے اور مرد عورت پر ظلم نہ کرے اور اگر اس کا خلاف ہو تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ مرد کو چھوڑ دے یا اس طرح کہ اگر اس کا خلاف ہو تو عورت کو طلاق ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا طلاق نامہ کی یہ شرطیں صحیح ہیں اور کیا ان کی رو سے خلاف شرط ہونے پر عورت خاوند کو چھوڑ سکتی ہے ؟ یا اس پر طلاق واقع ہو سکتی ہے ؟ بینوا توجروا.

(جواب ۲۶۶) طلاق کو کسی شرط پر معلق کرنا یا عورت کو کسی شرط پر طلاق اپنے اوپر ڈال لینے کا اختیار دینا یہ دونوں باتیں جائز اور صحیح ہیں لیکن دونوں میں یہ شرط ہے کہ جس عورت کو طلاق دینے کا ذکر ہے وہ اس تعلیق یا تفویض کے وقت منکوحہ ہو یا طلاق کی اضافت نکاح کی جانب ہو مثلاً یوں کہے کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے پس یہ نکاح نامے جن میں شروط مذکورہ فی السوال لکھی جاتی ہیں اگر عقد نکاح سے یعنی ایجاب و قبول سے پہلے لکھے گئے تو بالکل بیکار ہیں ان کی رو سے نہ عورت کو طلاق ڈالنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور نہ خلاف شرط ہونے کی صورت میں اس پر طلاق واقع ہو سکتی ہے کیونکہ بوقت تحریر نکاح نامہ نہ وہ منکوحہ تھی نہ اضافت الی النکاح پائی گئی ولا تصح اضافۃ الطلاق الا ان یکون الحالف مالکا او یضیفہ الی ملک۔ الی قولہ فان قال لا جنبیۃ ان دخلت الدار فانت طالق ثم تزوجہا فدخلت الدار لم تطلق لان الحالف لیس بما لک وما اضافہ الی الملک و سببہ ولا بدمن واحد منہما (ہدایۃ)(۱) واللہ اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرس مدرسہ امینیہ دہلی' مہر دارالافتاء

شوہر نے بیوی سے کہا"اگر تو نے اس رات کے اندر روپیہ مذکور نہیں دیا' تو تجھ پر تین طلاق ہے"کیا حکم ہے ؟

(سوال) زید کے مقفل سوٹ کیس کے اندر سے چند روپے کھو گئے تھے زید نے اپنی بی بی پر شبہ کیا کہ ہندہ نے میرا روپیہ چرایا ہے اس کی کوئی دلیل نہیں تھی نہ کسی نے دیکھا تھا ہندہ نے بھی انکار کیا زید نے ہندہ سے کہا کہ اگر تو نے اس رات کے اندر روپیہ مذکور نہیں دیا تو تجھ پر تین طلاق ہے وہ رات گزر گئی ہندہ نے روپیہ نہیں چرایا تھا۔ بینوا توجروا المستفتی نمبر ۱۱۰ لطف الرحمٰن جونیر مدرس مالدہ ۲۴ رجب ۱۳۵۲ھ ۱۴ نومبر ۱۹۳۳ء

---

(۱) الہدایۃ: کتاب الطلاق باب الایمان فی الطلاق ۲/ ۳۸۵ ط شرکۃ علمیہ ملتان۔

(جواب ۲۶۷) اس صورت میں ہندہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ تعلیق میں الفاظ یہ تھے "اگر تو نے اس رات میں روپیہ مذکور نہیں دیا الخ" اور روپیہ مذکور کے معنی یہ ہیں کہ جو روپیہ تو نے چرایا ہے اور جب کہ ہندہ نے وہ روپیہ نہیں چرایا تھا تو تعلیق لغو ہو گئی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جس شرط پر طلاق کو معلق کیا وہ شرط پائے جانے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے' ورنہ نہیں.

(سوال) ایک شخص نے ان خط کشیدہ الفاظ میں تعلیق کی کہ آج سے اگر میں اس گھر کے اندر (اس سے مراد ایک مکان معین ہے) عورتوں کے پاس جاؤں (یعنی اس گھر کے اندر داخل ہوں یہاں تک کہ ان عورتوں تک چلا جاؤں جو اس گھر میں رہتی ہیں) علاوہ دہلیز کے (دہلیز مکان کے ابتدائی حصہ کو کہتے ہیں جو ہر خاص و عام کے بیٹھنے کے لئے ہوتا ہے' یعنی اس مکان کی دہلیز میں جا سکتا ہوں) اور زید کے گھر اور عمرو کے گھر اور بکر کی جانب احاطہ میں (ایک احاطہ ہے جس کے بیچ میں دیوار ہے اور دونوں جانب مکان بنے ہیں ایک طرف بکر رہتا ہے' اور دوسری طرف سلیمان) اور خالد کے گھر (خالد کے دو مکان جدا جدا ہیں ایک زنانہ دوسرا مردانہ اس نے زنانہ مکان مراد لیا) اگر میں قدم رکھوں تو میری عورت کو طلاق۔ متعلقہ صورت بالا حسب ذیل سوالات ہیں۔

(۱) کسی ضرورت سے مکان اول میں جا سکتا ہے یا نہیں بشرطیکہ عورتوں تک نہ جائے۔

(۲) دہلیز کی استثناء درست ہوئی یا نہیں ؟ (۳) ایک مدت ہوئی کہ زید کی وفات ہو چکی بعد ازاں اس کا لڑکا اس مکان میں رہنے لگا چنانچہ بوقت تعلیق اس کا لڑکا ہی اس مکان میں رہتا تھا اور اب بھی ہے تو کیا اس مکان میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ (۴) عمرو کی وفات کے بعد اس کے گھر میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ (۵) سلیمان کی طرف کے مکان میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ (۶) بکر و سلیمان نے اپنے مکانوں کا تبادلہ کر لیا تو اب کس جانب جا سکتا ہے اور کس جانب نہیں (۷) خالد کا باپ یونس ابھی زندہ ہے اور وہی مکان کا مالک بھی ہے تو کیا ان ہر دو مکان زنانہ و مردانہ میں داخل ہو سکتا ہے اگر نہیں تو کس میں ؟ (۸) یونس کی وفات کے بعد اس کے دونوں لڑکے خالد اور احمد و دیگر ورثہ مکانوں کے مالک ہوں گے تو اب خالد کے مکان میں جا سکتا ہے یا نہیں ؟ (۹) اشخاص مذکورین بالا اگر اب کوئی جدید مکان حاصل کریں یا بنوائیں تو اس میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ (۱۰) سہواً مکان میں داخل ہوا اور یاد آنے کے بعد فوراً نکل آیا تو کیا طلاق واقع

---

(۱) لما فی الهندیة: واذا اضافه الی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقامثل ان یقول لا مراته ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الرابع فی الطلاق بالشرط' الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة ان واذا وغیرهما ۱ / ۴۲۰ ط ماجدیة' کوئٹه)

ہو گی یا نہیں ؟(۱۱) اگر جبراً ان مکانوں میں داخل کیا گیا تو کیا حکم ہے ؟(۱۲) جملہ اشخاص مذکورین بالا کے مکانوں میں داخل ہونے کے بعد وقوع طلاق ہو گا یا نہیں ؟ یا کسی ایک مکان میں داخل ہونے سے وقوع طلاق ہو جائے گی (۱۳) مکانات مذکورہ بالا میں ترتیب وار داخل ہونے اور بغیر ترتیب کے داخل ہونے میں کوئی فرق ہو تو بیان فرمایا جائے (۱۴) طلاق رجعی ہو گی یا بائن ؟(۱۵) اگر بائن ہے تو کیوں اور کیا عدت گزرنے سے پہلے نکاح کر لینا کافی ہے ؟(۱۶) ان سب صورتوں سے بچنے کے لئے اگر کوئی حیلہ شرعی ہو تو بیان فرماویں (۱۷) فقہاء کے مشہور قول التنجیز یبطل التعلیق کا کیا مطلب ہے اور کیا صورت مذکورہ بالا میں یہ حیلہ چل سکتا ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۱۱ مولوی محمد یحییٰ اعظمی مبارکپوری لکھنؤ ۲ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ م ۱۷ فروری ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۶۸) (۱) اگر اس گھر کے اندر عورتیں موجود ہیں تو ضرورت اور عدم ضرورت دونوں صورتوں میں نہیں جا سکتا(۱) اور عورتیں نہ ہوں تو دونوں صورتوں میں جا سکتا ہے (۲) درست ہے(۲) (۳) نہیں داخل ہو سکتا کیونکہ اگرچہ زید کا لڑکا اس میں سکونت رکھتا تھا مگر مکان زید کے نام سے مشہور ہو گا اسی بنا پر حالف نے زید کی طرف مکان کی نسبت کر کے وہی مکان مراد لیا(۳) (۴) نہیں جب تک کہ وہ مکان عمرو کے نام سے معروف رہے(۴) (۵) داخل ہو سکتا ہے(۵) (۶) تبادلہ کر لینے کی صورت میں جس جانب بکر ہو گا اس جانب نہیں جا سکتا(۶) (۷) اگر خالد بھی ان مکانوں میں سکونت پذیر ہے تو مکانوں میں نہیں جا سکتا۔ (۸) خالد کے مکان میں نہیں جا سکتا۔

---

(۱) جس کام پر قسم اٹھائے اسے ضرورت کی وجہ سے کرنے پر بھی قسم ٹوٹ جاتی ہے: لما فی الهدایة والقاصد فی الیمین والمکره والناسی سواء حتی تجب الکفارة (الهدایة' کتاب الأیمان ۲/۴۷۹ ط شرکة علمیه ملتان) وقال فی الدر لو الحالف مکرها او مخطئا او ذاهلا او ساهیا او ناسیا بان حلف ان لا یحلف ثم نسی و حلف فیکفر مرتین مرة لحنثه واخری اذا فعل المحلوف علیه عینی لحدیث ' ثلاث هزلهن جد منها الیمین فی الیمین او الحنث فیحنث بفعل المحلوف علیه مکرها (الدر المختار مع هامش ردالمحتار' کتاب الایمان ۳/۷۰۸' ۷۰۹ ط سعید کراتشی)

(۲) والا صل ان الاستثناء تکلم بالحاصل بعد الثنیا وهو الصحیح و معناه انه تکلم بالمستثنی منه فیصح استثناء البعض من الجملة لانه یبقی التکلم بالبعض بعده (الهدایة' کتاب الطلاق' باب الایمان فی الطلاق' فصل فی الاستثناء ۲/۳۹۰ ط شرکة علمیه ملتان)

(۳) و فی حلفه لا یکلم عبده ای عبد فلان او عرسه او صدیقه اولا یدخل داره اولا یلبس ثوبه او لا یاکل طعامه اولا یرکب دابته ان زالت اضافته ببیع او طلاق اوعداوة و کلمه لم یحنث فی العبد اشار الیه بهذا اولا علی المذهب و فی غیره ان اشار بهذا او عین حنث والا یشر ولم یعین لا یحنث (تنویر الابصار و شرحه مع هامش رد المحتار' کتاب الایمان باب الیمین فی الاکل والشرب واللبس والکلام ۳/۷۹۷' ۷۹۸ط سعید کراتشی)

(٤) و فی حلفه لا یکلم عبده ای عبد فلان او عرسه او صدیقه اولا یدخل داره اولا یلبس ثوبه اولا یاکل طعامه اولا یرکب دابته ان زالت اضافته ببیع او طلاق او عداوة و کلمه لم یحنث فی العبد اشار الیه بهذا اولا و فی غیره ان اشار بهذا وعین حنث والا یشر و لم یعین لا یحنث (تنویر الابصار' مع هامش رد المحتار' کتاب الایمان' باب الیمین فی الاکل والشرب ۳/۷۹۷ ط سعید کراتشی)

(۵) اس لئے کہ شرط میں سلیمان کے گھر میں داخل ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(٦) فی الخانیة ایضا حلف لا یدخل دار زید ثم حلف لا یدخل دار عمرو فباعها زید من عمرو و سلمها الیه فدخلها الحالف حنث فی الیمین الثانیة عنده لان عنده المستحدث بعد الیمین یدخل فیها لومات مالك الدار فدخل لا یحنث لانتقالها للورثة (هامش رد المحتار' کتاب الایمان' باب الیمین فی الدخول والخروج و السکنی والا تیان والرکوب وغیر ذلك ۳/۷٦۱)

اور جب تک مکان تقسیم نہ ہوں اس وقت تک کسی مکان میں نہیں جاسکتا(۱) (۹) اگر کوئی جدید مکان بنوائیں اور اس میں خود سکونت پذیر ہو جائیں تو نہیں جاسکتا (۱۰) طلاق واقع ہو جائے گی(۲) (۱۱) جبر کا یہ مطلب کہ کوئی اس کو زبردستی اٹھا کر مکان میں لے گیا تو طلاق نہیں ہوگی مگر جب بٹھتے ہی بلا توقف فوراً وہاں سے نکلنا لازم ہوگا اگر ذرا بھی خود ٹھہرا تو طلاق ہو جائے گی(۳) (۱۲) ہر ایک مکان میں داخل ہونے سے طلاق ہوگی (۱۳) کوئی فرق نہیں (۱۴) طلاق رجعی ہوگی (۱۵) بائن نہیں(۴) (۱۶) کوئی حیلہ نہیں (۱۷) اس صورت میں اس کا کوئی اثر نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

شوہر نے بیوی سے کہا "اباجی کو اٹھنے دو' تو خدا کی قسم تم کو طلاق دوں گا' تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں ؟

(سوال) زید نے اپنی بیوی سے کسی بات پر کچھ جھگڑا کیا غصہ میں اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اباجی کو اٹھنے دو تو خدا کی قسم تم کو طلاق دوں گا اس کے بعد ان دونوں میں بحث ہوئی بیوی کہتی تھی کہ اباجی کے اٹھنے پر طلاق ہوگئی کیونکہ مندرجہ بالا الفاظ اس کی بیوی نے سنے تھے زید کہتا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی میرے یہ الفاظ تھے کہ اباجی کے اٹھنے پر میں اس بات کا تصفیہ کرواؤں گا اگر انہوں نے تصفیہ نہ کیا تو تم کو طلاق دوں گا بیوی کہتی ہے کہ خدا میں نے یہ سنا ہے کہ اباجی کے اٹھنے پر تم کو خدا کی قسم طلاق دوں گا زید کہتا ہے کہ اس میں میں نے لفظ دوں گا شامل کیا تھا یہ لفظ شرطیہ ہے میں نے تصفیہ کرنے کی شرط رکھی تھی بیوی کہتی ہے کہ پہلے صرف یہ کہا تھا کہ اباجی کو اٹھنے دو خدا کی قسم تم کو طلاق دوں گا اگر انہوں نے تصفیہ نہ کیا یعنی تصفیہ کا لفظ آخر میں کہا ہے۔

المستفتی نمبر ۲۳۴ سید اولاد حسن اصفہانی ۹ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ ۶ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۶۹) جو الفاظ عورت بھی تسلیم کرتی ہے وہ یہ ہیں "اباجی کو اٹھنے دو خدا کی قسم تم کو طلاق دوں گا" ان الفاظ سے طلاق نہیں پڑسکتی نہ بالفعل نہ اباجی کے اٹھنے پر(۵) بلکہ اباجی کے اٹھنے پر زید پھر طلاق دے تو

---

(۱) ایضاً حوالہ سابقہ صفحہ گزشتہ

(۲) اس لئے کہ قسم ٹوٹنے میں سہو اور غیر سہو میں کوئی فرق نہیں ہے کما فی الدر : ولو الحالف مکرھا او مخطئا اوذاھلا او ساھیا اوناسیا فان حلف ان لا یحلف ثم نسی و حلف فیکفر مرتین مرۃ لحنثہ واخری اذا فعل المحلوف عینی لحدیث ثلاث ھزلھن جد" منھا الیمین فی الیمین او الحنث فیحنث بفعل المحلوف علیہ مکرھا (الدر المختار مع ھامش رد المحتار کتاب الایمان ۳/ ۷۰۸ ' ۷۰۹ ط سعید کراتشی)

(۳) اذا حلف الرجل لا یدخل دار فلان فادخل مکرھا لا یحنث ھذا اذا حملہ انسان واد خلہ مکرھا (الفتاوی الھندیۃ' کتاب الحیل' الفصل التاسع فی الایمان ۶ / ۴۰۰ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۴) اس لئے کہ صریح طلاق کو معلق کیا ہے لہذا بعد تحقق شرط رجعی طلاق واقع ہوگی – لمافی الھدایۃ الطلاق علی ضربین' صریح و کنایۃ فالصریح قولہ انت طالق و مطلقہ وطلقتک فھذا یقع بہ الرجعی (الھدایۃ' کتاب الطلاق' باب ایقاع الطلاق ۲/ ۳۵۹ ط شرکۃ علمیہ ملتان)

(۵) اس لئے کہ "تم کو طلاق دوں گا" وعدہ طلاق یا ارادہ طلاق کا اظہار ہے' اور وعدہ و ارادہ طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی' کما فی الدر المختار' بخلاف قولہ طلقی نفسک فقالت انا طالق او انا اطلق نفسی لم یقع لانہ وعد جوھرۃ مالم یتعارف اوتنو الانشاء فتح (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب تفویض الطلاق ۳/ ۳۱۹ ط سعید کراتشی)

پڑے گی ورنہ نہیں عورت کا یہ خیال کہ ابا جی کے اٹھنے پر خود بخود طلاق پڑ گئی صحیح نہیں ہے ہاں اگر الفاظ یہی تھے اور ابا جی کے اٹھنے پر زید نے طلاق نہیں دی تو زید پر قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہو گا کہ اس نے قسم پوری نہیں کی (۱) لیکن اگر یہ قسم بھی تصفیہ نہ ہونے کی صورت میں طلاق دینے کی تھی اور ابا جی کے اٹھنے پر تصفیہ ہو گیا تو نہ طلاق پڑی اور نہ قسم کا کفارہ واجب ہوا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

نکاح سے پہلے کہا "اگر میں نے جھوٹ بولا تو جب میں نکاح کروں وہ عورت مجھ پر طلاق ہے

(سوال) زید نے قبل ملک نکاح کے کہا کہ اگر میں نے کبھی بھی جھوٹ بولا تو جب میں نکاح کروں وہ عورت مجھ پر طلاق ہے اب اس شرط ٹھہرانے کے بعد زید نے جھوٹ بھی قصداً یا عذراً بولا اب زید نے نکاح بعد وقوع شرط کے کیا یا کرتا ہے تو کیا اس وقوع شرط سے جو قبل ملک نکاح سے ہے وقوع مشروط بھی لازم ہوتا ہے یا نہیں اور اگر بالفرض نکاح بھی کر لیا تو کیا ہم بستر ہونا زنا میں شمار ہو گا ؟ المستفتی نمبر ۲۹۸ گل محمد (ضلع سورت) ۱۶ صفر ۱۳۵۳ھ ۳۱ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۷۰) ہاں نکاح کرنے کے بعد عورت پر طلاق ہو جائے گی طلاق نہ ہونے کا حیلہ یہ ہے کہ زید خود نکاح نہ کرے نہ کسی کو وکیل بنائے نہ امر کرے بلکہ کوئی دوسرا شخص بطور فضولی کے زید کا نکاح کسی عورت سے کر دے اور زید اس نکاح کی منظوری قول کے ساتھ نہ دے بلکہ اس منکوحہ عورت سے وطی کر لے تو یہ وطی نکاح کی اجازت بھی ہو جائے گی اور زید کا نکاح بھی ہو جائے گا اور طلاق بھی نہیں پڑے گی (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

مہر نفقہ عدت وغیرہ کی معافی کی شرط پر طلاق.

(سوال) زید کی لڑکی نابالغہ جس کی عمر وقت نکاح سات سال تھی بولایت پدر بکر کے لڑکے بالغ کے ساتھ عقد ہوا یہ لڑکی بکر کے لڑکے کے نکاح میں سات سال رہی اور اس عرصہ میں وہ اپنے خاوند کے ہاں نہیں گئی بعد گزرنے سات سال کے بکر کے لڑکے نے اس وجہ سے کہ لڑکی نابالغ بتائی جاتی ہے اور مجھے دکھائی نہیں گئی اس لئے وقت بالغ ہونے کے ایسا نہ ہو کہ مہر و نفقہ طلب کرے اس شرط پر طلاق بائن دی کہ آئندہ کوئی جھگڑا مہر وغیرہ کا منجانب لڑکی نہ ہو زید نے کل ذمہ داری بہ جلسہ عدالت کے اور طلاق قبول کی زید کی لڑکی کو نہ تو وقت طلاق بلایا گیا اور نہ اس نے مہر و نفقہ وغیرہ کی معافی دی اور نہ طلاق قبول کی تو کیا طلاق ہو گئی ؟

---

(۱) وہذا القسم فیہ الکفارۃ فقط ان حنث (الدر المختار ہامش ردالمحتار' کتاب الایمان ۳/۷۰۸ ط سعید کراتشی)
قسم توڑنے کی صورت میں کفارہ قسم یہ ہے (۱) غلام آزاد کرنا (۲) یا دس مسکینوں کا دونوں وقت کھانا کھلانا (۳) یا دس مسکینوں کو دس جوڑے کپڑے کا دینا اور اگر یہ تینوں نہ ہو سکیں تو تین دن کے روزے پے در پے رکھنا کما فی الدر المختار و کفارتہ تحریر رقبۃ او اطعام عشرۃ مساکین او کسوتھم بما یستر عامۃ البدن 'وان عجز عنہا کلہا وقت الاداء عندنا..... صام ثلاثۃ ایام ولاء (الدرالمختار مع ہامش ردالمحتار' کتاب الایمان ۳/۷۲۵ ط سعید کراتشی)
(۲) حلف لا یتزوج فزوجہ فضولی فاجاز بالقول حنث وبالفعل و منہ بالکتابۃ خلافا لا بن سماعۃ لا یحنث بہ یفتی خانیۃ (درمختار) وقال فی الرد: (قولہ بالفعل) کبعث المہر او بعضہ بشرط ان یصل الیہا و قیل الوصول لیس بشرط نہر' و کتقبیلہا بشہوۃ و جماعہا لکن یکرہ تحریما بقرب نفوذ العقد من المحرم بحر قلت فلو بعث المہر اولا لم یکرہ التقبیل والجماع لحصول الاجازۃ قبلہ (ہامش رد المحتار مع الدرالمختار' کتاب الایمان ' باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک ۳/۸۴۶ ط سعید کراتشی)

وقت طلاق کے بکر کے لڑکے کو بتایا گیا کہ لڑکی نابالغ ہے اس لئے میں یعنی زید مہر وغیرہ کی معافی اور طلاق قبول کر سکتا ہے اور آئندہ کوئی جھگڑا نہیں ہوگا طلاق بائن حاصل کی حالانکہ لڑکی اس وقت بالغ تھی اس لئے کہ وقت نکاح سات سال تھی اور وقت طلاق ۱۴ سالہ ہوگئی تو کیا ایسی صورت میں زید کا مہر وغیرہ معاف کرنا اور طلاق قبول کرنا جائز ہوا؟ اور طلاق صحیح ہوگئی؟ طلاق کے بعد جب پانچ ماہ گزر گئے تو نکاح ثانی ہوا اور بالغ ثابت ہوئی اور صحیح معلوم ہوا کہ لڑکی ایک سال سے بالغ ہے۔

لڑکے نے یہ الفاظ بوقت طلاق اپنی زبان سے کہے تھے میں معاوضہ معافی مہر و نفقہ عدت جہیز و چڑھاوا وغیرہ طلاق بائن دیتا ہوں زید نے طلاق قبول کی اور چڑھاوا وغیرہ اپنی لڑکی کی طرف سے معاف کیا اب جو مسئلہ شرعی ہو اس سے آگاہ کیا جائے؟ **المستفتی نمبر ۷۰۴ سیف اللہ (کوٹہ راجپوتانہ) ۲۲ جمادی الثانی۔**

(جواب ۲۷۱) یہ طلاق مہر کی معافی اور نفقہ عدت و جہیز و چڑھاوا کے بدلے میں دی گئی ہے۔ باپ کو ان چیزوں کا اختیار نہیں تھا۔ البتہ اگر لڑکی نے مہر معاف کر دیا ہو اور نفقہ عدت و جہیز و چڑھاوا چھوڑ کر طلاق لینا قبول کیا ہو تو طلاق صحیح ہوگئی ورنہ نہیں(۱)۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

شوہر نے کہا" اگر یہ لڑکی اس مرض میں مرگئی تو اس کے مرنے کے ساتھ تجھ پر تین طلاق پڑ جائیں گی" تو کیا حکم ہے؟

(سوال) زید کی ایک لڑکی مرض شدید میں مبتلا تھی۔ زید کی زوجہ یعنی لڑکی کی والدہ نے اس لڑکی کو حالت مرض میں سخت تکلیفیں دیں۔ اس پر زید کو بہت صدمہ ہوا اور اس نے غصہ میں آکر کہہ دیا کہ اگر یہ لڑکی اس مرض میں مر گئی تو اس کے مرنے کے ساتھ تجھ پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور تو مطلقہ ثلثہ ہو جائے گی۔ بعد چند دن کے وہ لڑکی اسی مرض سے مر گئی۔ اب زید کی زوجہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۴۱۹ محمد یونس (چاٹگام) ۱۷ رجب ۱۳۵۳ھ ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۷۲ / ۱۵۶۷) (از دار الافتاء دیوبند) یہ تعلیق بالشرط ہے اور جب کہ دختر مذکورہ اسی مرض میں مر گئی ہے جس میں مر جانے پر طلاق ثلاث کو معلق کیا تھا تو تین طلاقیں واقع ہونے میں تردد نہیں کیا جا سکتا ہے(۲) رہا یہ کہ جزا میں لفظ استقبال کا ہے قابل التفات نہیں ہے عموماً جزا مستقبل ہی ہوتی ہے اس کے خلاف کی صورتیں کم ہوتی ہیں علاوہ(۳) ازیں جزائے مستقبل کی صحت نصوص میں موجود ہے **ستجدنی ان شاء اللہ صابرا ولا اعصی لک امرا. ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین**—(۴) ان کے بعد دونوں جگہ

---

(۱) (قوله وكذا الكبيرة الخ) اى اذا خلعها ابوها بلا اذنها فانه لا يلزمهاالمال بالا ولى لانه كالا جنبى فى حقها و فى الفصولين اذاضمنه الاب اوالا جنبى وقع الخلع ثم ان اجازت نفذ عليها و برئ الزوج من المهر وان لم يضمن توقفالخلع على اجازتها فان اجازت جاز وبرئ الزوج عن المهر والا لم يجز (هامش ردالمحتار مع الدرالمختار كتاب الطلاق باب الخلع مطلب فى خلع الصغيرة ۳/۴۵۷ ط سعيد كراتشى)

(۲) واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقامثل ان يقول لا مراته ان دخلت الدارفانت طالق (الفتاوى الهندية كتاب الطلاق الباب الرابع فى الطلاق بالشرط الفصل الثالث فى تعليق الطلاق ۱/۴۲۰ ط ماجديه كوئٹه)

(۳) الكهف ۶۹ (۴) الصافات ۱۰۲

مضارع کے اول میں سین داخل ہے جو استقبال کے لئے ہے اس کے باوجود یہ تعلیق صحیح ہو گی بناءً علیہ زید کی زوجہ پر تین طلاق واقع ہو گئی ہیں فقط محمد اعزاز علی امروہوی (مقیم دار العلوم دیوبند) نفس جواب صحیح ہے بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح بندہ محمد شفیع غفرلہ (خادم دار الافتاء دار العلوم دیوبند) الجواب صحیح۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ صحیح ہے ریاض الدین عفی عنہ۔ الجواب صحیح اشرف علی یکم رجب ۱۳۵۳ھ طلاق واقع ہو گئی شبیر احمد عثمانی دیوبندی۔ الجواب صحیح خاکسار سراج احمد رشیدی عفی عنہ (مدرس مدرسہ عربیہ ڈابھیل)الجواب صواب بندہ محمد بدر عالم مدرس مدرسہ عربیہ ڈابھیل۔ الجواب صحیح عبدالرحمٰن کان اللہ لہ' ولوالدیہ و لجمیع المسلمین۔ الجواب صحیح احمد غفرلہ مہتمم مدرسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت۔ تین طلاقیں ہو گئیں محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مہر دار الافتا مدرسہ امینیہ مہر دار الافتاء دیوبند مہر دار الافتاڈابھیل۔

اگر اپنی بیوی کو ماہانہ خرچ نہ دیا' تو ایک ماہ انتظار کے بعد تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی' تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) محمد یوسف کی شادی شیخ بھو علی کی لڑکی سے ہوئی کچھ عرصہ زن و شوہر کے درمیان محبت رہی اور محمد یوسف سسرال ہی میں مع بیوی رہنے لگے اور اپنا گھر بار بلا مرمت چھوڑ دیا ازاں بعد محمد یوسف سفر میں چلے گئے اور جب کچھ عرصہ بعد سفر سے واپس آئے تو بھو علی نے پنچایت بٹھلایا کہ یوسف علی میری لڑکی کو کھانا خرچ نہیں دیتے اس لئے میری صفائی کرادیں پنچ نے محمد یوسف کو تنبیہ کی اور بھو علی نے اپنی رضامندی اس بات پر ظاہر کی کہ محمد یوسف برابر ماہ بماہ خرچ دینے کا ایک شرائط نامہ لکھ دے۔ چنانچہ محمد یوسف نے شرائط نامہ لکھ دیا جس کی نقل منسلکہ استفتائے ہذا ہے محمد یوسف پھر سسرال میں ہی رہنے لگے اس کے ہفتہ دو ہفتہ بعد محمد یوسف اور ان کی سسرال والوں کے درمیان نااتفاقی ہو گئی اور محمد یوسف نے وداعگی مانگی۔ اس پر بھو علی نے کہا کہ محمد یوسف اپنا مکان بنوائے تو وداعگی میں مجھ کو کچھ عذر نہ ہو گا محمد یوسف نے مکان بنوایا اس کے بعد رخصتی ہوئی اور محمد یوسف اپنی بیوی کو گھر لایا اور بارام رکھنا شروع کیا لیکن لڑکی کے میکے والے محمد یوسف کے خلاف رہے آخر کار ۲۹ مئی ۱۹۳۱ء کو جب محمد یوسف محرم کا تماشا دیکھنے گیا ہوا تھا تو اس کے غائبانہ اس کی خوشدامن صاحبہ بغیر اجازت محمد یوسف کے اس کی بیوی کو اپنے گھر لے گئیں جب محمد یوسف واپس آیا اور بیوی کو لاپتہ پایا تو سسرال گئے وہاں تکرار ہوئی اور لڑکی کے میکے والوں نے رخصتی سے انکار کر دیا اور لڑکی ہنوز میکے میں روکی ہوئی ہے اس کے بعد محمد یوسف نے پنچایت میں ایک عرضی دی اس پر پنچ نے رخصتی دلانے کی کوشش کی اور بہت اصرار کیا لڑکی والوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ لڑکی محمد یوسف کی بیوی نہیں رہی حالانکہ لڑکی کو گئے ہوئے ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا آخر کار مجبور ہو کر پنچ نے محمد یوسف کی عرضی و شرائط نامہ مع مناسب سوالات کے دار العلوم دیوبند بھیج دیا جس کی نقل مع جواب مشمولہ استفتائے ہذا ہے اس ہیر پھیر میں شرائط نامہ کے مطابق مہینہ پورا ہو رہا تھا اس لئے محمد یوسف نے مبلغ پانچ روپے خرچہ کے لئے اپنی بیوی کو بھیج دیا لیکن اس نے لینے سے انکار کیا اور نہیں لیا اسکے بعد استفتا کا جواب آیا کہ میکے میں خرچ دینا واجب نہیں محمد یوسف نے میکے میں خرچ دینا موقوف کر دیا البتہ رخصتی کے لئے کئی مرتبہ تقاضا کیا اور ہنوز کر رہا ہے

لیکن اس کے خسر صاحب رخصتی نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ اس کی بیوی مطلقہ ہو گئی۔
نقل اقرار نامہ۔ میں شیخ یوسف علی پسر شیخ کنی خلیفہ ساکن کھر کپور آگئے ہم پنچان کے سامنے اقرار کرتے ہیں اور لکھ دیتے ہیں کہ ہم اپنی بیوی کو برابر ماہ بماہ خرچ خانہ داری دیں گے اگر دینے میں کسی طرح کی کوتاہی کریں تو ایک ماہ انتظار دیکھ کر آخری دو ماہ تک نہیں دیں تو ہمارا تینوں طلاق واقع ہو جائے گی اس لئے اقرار نامہ پر انگشت نشان دیا کہ وقت پر کام آئے کاتب شیخ امیر علی۔ تاریخ ۳۔۱۰۔۳۱ المستفتی نمبر ۴۳۴ قادر بخش خواجہ (ضلع مونگھیر) ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ م ۹ فروری ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۷۳) اقرار نامہ میں اس کی تصریح نہیں کہ محمد یوسف اپنی بیوی کو نفقہ اس صورت میں دے گا کہ بیوی اس کے گھر میں رہے اس لئے محمد یوسف کو دونوں صورتوں میں نفقہ دینا لازم ہے خواہ بیوی محمد یوسف کے گھر رہے خواہ محمد یوسف کی رضامندی یا کسی عذر صحیح شرعی کی وجہ سے میکے میں رہے البتہ اگر بیوی محمد یوسف کی اجازت کے بغیر اور بغیر کسی حق شرعی کے میکے میں رہے گی تو نفقہ کی مستحق نہ ہو گی(۱) پس اگر صورت واقعہ میں اس کی بیوی ناحق میکے میں چلی گئی اور بغیر کسی عذر صحیح شرعی کے وہاں رہی تو نفقہ کی مستحق نہیں(۲) لیکن اگر وہ محمد یوسف کی کسی ایسی حرکت کی وجہ سے چلی گئی ہے جس پر اسے جانا اور میکے میں رہنا جائز تھا تو وہ نفقہ کی مستحق ہے پہلے مہینے کا نفقہ محمد یوسف نے مدت کے اندر بھیجا مگر زوجہ نے نہیں لیا تو اس عورت کا مطالبہ ساقط اور اقرار نامہ اس مدت کے لئے غیر مؤثر ہو گیا کیونکہ محمد یوسف نے نفقہ بھیج دیا نہ لینا عورت کا قصور ہے۔ محمد یوسف کی جانب سے خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ نفقہ کم ہونے کا عذر عورت کی جانب سے صحیح نہیں کیونکہ اقرار نامہ میں کوئی مقدار مذکور نہیں اس کے بعد محمد یوسف نے نفقہ نہیں دیا تو اگر عورت میکے میں کسی عذر صحیح شرعی کی بناء پر مقیم ہے تو محمد یوسف کے نفقہ نہ دینے سے طلاق ہو گئی اور پہلی مرتبہ واپس کر دینے کو محمد یوسف اپنے نہ دینے کے عذر میں بیان نہیں کر سکتا اگر عورت ناحق میکے میں مقیم ہے تو بوجہ اس کے کہ وہ نفقہ کی مستحق ہی نہیں۔ محمد یوسف کے نفقہ نہ دینے سے اس پر طلاق نہیں ہوئی(۳) کیونکہ اقرار نامہ استحقاق نفقہ کی صورت سے ہی متعلق ہو سکتا ہے۔

طلاق کو کسی کام کرنے پر معلق کیا' اب اس کام کو کرنے سے بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں ؟

(سوال) زید دہلی میں بکر کے ہاں ملازمت کرتا تھا در میان ملازمت میں زید نے بکر کے کچھ روپے غبن کئے

---

(۱) لا نفقة لا حدى عشر مرتدة... و خارجة من بيته بغير حق و هي الناشزة حتى تعود ولو بعد سفره خلافا للشافعي' والقول لها بعدم النشوز بيمينها (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب النفقة ۳/ ۵۷۶ ط سعيد كراتشي)
(۲) اس لئے کہ وہ عورت ناشزہ ہے اور ناشزہ عورت کو شوہر کی طرف سے نفقہ نہیں ملتا کما صرح به في الدر المختار' كتاب الطلاق' باب النفقة ۳/ ۵۷۶ ط سعيد كراتشي)
(۳) اس لئے کہ اس میں شرط نہیں پائی گئی اور جب شرط نہیں پائی گئی' تو طلاق بھی واقع نہیں ہوئی کما في الهندية' واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الرابع في الطلاق بالشرط' الفصل الثالث في تعليق الطلاق ۱/ ۴۲۰ ط ماجدية' كوئته)

اور جب بکر کو اس کا علم ہوا تو زید بکر کے ہاں سے چلا آیا اور دہلی میں ہی روپوش ہو گیا بکر نے اس غبن کی پولیس میں رپورٹ کرائی اور زید کے خلاف وارنٹ جاری ہو گیا جب زید کو اس کا علم ہوا تو وہ اپنے ایک عزیز کے پاس گیا اور ان سے مدد کا طالب ہوا مگر عزیز نے یہ کہہ کر مدد دینے سے انکار کر دیا کہ بغیر تمہارے والد کی اجازت کے کچھ نہیں کر سکتا اور جب زید کو کہیں سے مدد نہ ملی تو وہ اپنی زوجہ کے پاس گیا اس کی زوجہ نے اس کی مدد کا وعدہ کیا لیکن اس شرط پر کہ وہ اپنی زوجہ کو مندرجہ ذیل تحریر لکھ دے۔ "اگر اس قسم کی کارروائی جو میں نے بکر کے ساتھ کی ہے آئندہ کروں یا تم کو چھوڑ کر کبھی چلا جاؤں تو تم پر تین طلاق ہیں" زید کو چونکہ اس وقت تک کہیں سے مدد نہ ملی تھی اس نے گرفتاری کے اندیشے سے اپنی زوجہ کو یہ تحریر دیدی اور اس کی زوجہ نے کچھ روپے بکر کے دینے کے لئے زید کے رشتہ دار کے پاس رکھوا دیئے اور دو تین روز بعد زید کے رشتہ دار نے زید کے باپ کی اجازت مل جانے پر ان روپوں میں جو کمی تھی اس کو پورا کر کے بکر کو ادا کر دیئے چونکہ اس سے قبل بھی زید اس قسم کے فعل کر چکا تھا اور جب کبھی اس سے اس قسم کے فعل سرزد ہوئے وہ اپنی عادت کے موافق روپوش ہو جایا کرتا تھا اس لئے تحریر لیتے وقت زوجہ کی اور تحریر دیتے وقت شوہر کی یہ نیت نہ تھی کہ تحریر دینے کے بعد بغیر اجازت زوجہ کے باہر بھی نہ جا سکے بلکہ منشا یہ تھی کہ اس قسم کی حرکات کرنے کے بعد جو زید روپوش ہو جایا کرتا تھا وہ آئندہ ایسا نہ کر سکے۔ اس واقعہ کے ایک ہفتہ کے بعد زید اور اس کی زوجہ میں کچھ تکرار ہو گئی جس کی وجہ سے زوجہ نے اس کو کچھ جسمانی تکلیف پہنچائی چونکہ زید کو جسمانی تکلیف پہنچی تھی اس لئے وہ اپنی زوجہ سے یہ کہہ کر چلا گیا کہ "اچھا میں جاتا ہوں خدا حافظ" اس تکرار کے درمیان زید کے ایک عزیز کو جو وہیں قریب رہتا تھا بلایا گیا انہوں نے اس معاملہ کو رفع دفع کرنے کے لئے زید سے کہا کہ آج رات کو تم میرے گھر سو رہو کل صبح آجانا اور اس کی اجازت تحریر کی رو سے زید کی زوجہ سے مانگی زوجہ نے کہا کہ میرے والد سے پوچھو۔ اس کے والد سے پوچھا تو انہوں نے کہا زوجہ سے پوچھو۔ غرضکہ دونوں میں سے کسی نے صاف جواب نہیں دیا اس لئے زید اپنے عزیز کے ہاں چلا گیا تھوڑی دیر بعد زید نے پھر اپنے عزیز کو زوجہ کے والد کے پاس بھیجا اور زید کے عزیز نے زوجہ کے والد سے جا کر کہا کہ اس وقت معاملہ کو رفع دفع کر دو اور زید کو میرے ہاں رہنے کی اجازت اس کی زوجہ سے دلوا دو مگر زوجہ اور اس کے والد نے اس وقت زید کے عزیز سے یہ کہا کہ زید تو جاتے وقت اپنی زوجہ سے تین دفعہ یہ کہہ گیا ہے کہ میرا تیرا آخری فیصلہ ہے مگر زید قسم کھا کر ان لفظوں کے کہنے سے انکار کرتا ہے بلکہ کہتا ہے کہ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ "اچھا میں جاتا ہوں خدا حافظ" مگر زوجہ اور اس کے والد یہی کہتے رہے کہ وہ کہہ گیا ہے کہ "میرا تیرا آخری فیصلہ ہے" اب وہ کیسے گھر آ سکتا ہے اس وجہ سے مجبوراً زید پھر زوجہ کے گھر اب تک نہیں گیا اور کچھ اپنے کپڑے بھی ساتھ لے آیا۔ بینوا توجروا۔ المستفتی حاجی متین احمد خلف حاجی رشید احمد دہلی۔

(جواب ۲۷٤) اس واقعہ کے متعلق دو فتوے میں پہلے لکھ چکا ہوں یہ تیسرا ہے اور افسوس کہ پہلے فتووں کی نقل بھی نہیں رکھی گئی اگر جوابوں میں کچھ اختلاف نظر آئے تو وہ بیان سائل کے اختلاف پر مبنی ہوگا کیونکہ مفتی کے پاس اس بات کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ کون سا بیان سچا اور واقعہ کے مطابق

ہے اور کون سا جھوٹا اور واقعہ کے خلاف ہے اس سوال میں زید کی تحریر کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ دو باتوں میں سے کوئی ایک بات پیش آئے گی تو بیوی پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔ اول یہ کہ زید کوئی ایسی حرکت کرے جو چوری یا خیانت کی حد تک پہنچتی ہو (کیونکہ پہلی حرکت جو بکر کے ساتھ کی گئی تھی اسی قسم کی تھی) دویم یہ کہ زید اپنی بیوی کی اجازت کے بغیر اس کو چھوڑ کر کہیں چلا جائے یہ دونوں شرطیں مستقل ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی پائی جائے تو طلاق ہو جائے گی دوسری پائی جائے یا نہ پائی جائے۔ پس صورت مسئلہ میں جب کہ زید اپنی بیوی سے لڑ بھڑ کر اس کی اجازت کے بغیر اپنا سامان کپڑے وغیرہ لیکر اس کے گھر سے چلا آیا اور اس پر کئی دن گزر گئے دوسری شرط کا وجود متحقق ہو گیا اور طلاق معلق واقع ہو گئی۔(۱) زید کا اور اس کے عزیز کا زوجہ سے اجازت مانگنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ خود بھی اپنے اس فعل کو شرط کی خلاف ورزی تصور کرتا تھا اس لئے اجازت حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا لیکن اجازت نہ ملنے پر وہ یوں ہی بلا اجازت عزیز کے گھر رہنے لگا یعنی قصداً شرط کی خلاف ورزی کی اور کوئی پروانہ کی اور یہ عذر کہ زوجہ اور اس کے والدنے یہ کہا کہ وہ تو جاتے وقت یہ کہہ گیا ہے "میرا تیرا آخری فیصلہ ہے" زید کے لئے مفید نہیں ہے اس لئے کہ جب اس کے حلفیہ بیان کے بموجب اس نے یہ الفاظ نہیں کئے تھے تو اس کو لازم تھا کہ وہ زوجہ کے گھر میں ہی رہتا تاکہ شرط سابق کی خلاف ورزی نہ ہوتی۔ ہذا واللہ اعلم بالصواب۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اگر میں نے اس قسم کی کارروائی کی 'یا تم کو چھوڑ کر چلا جاؤں تو تم پر تین طلاقیں ہیں 'تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) زید نے ایک تحریر اپنی زوجہ کے نام لکھی تھی جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ بنام بلقیس بیگم۔ اگر اس قسم کی کارروائی جو میں نے ضمیر الحق کے ساتھ کی ہے آئندہ کروں یا تم کو چھوڑ کر چلا جاؤں تو تم پر تین طلاق ہیں۔ دستخط محمد عثمان بقلم خود۔ ۱۶ جون ۱۹۳۵ء
اس تحریر کے تقریباً ایک ماہ بعد زید اور اس کی زوجہ میں خرچ وغیرہ پر بھی کچھ جھگڑا ہوا اور کچھ مار پیٹ کی بھی نوبت آگئی اور اس جھگڑے کے بعد ۱۶ جولائی ۱۹۳۵ء سے ۲۴ جولائی ۱۹۳۵ء تک جس کو ایک ہفتہ سے زیادہ ہو گیا شوہر اپنی زوجہ کو چھوڑ کر اور اپنا کل سامان لیکر چلا گیا اور اس کے بعد اب تک نہیں آیا اور نہ کچھ خبر گیری کی نہ کوئی اطلاع کی۔ دریافت طلب یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں زید کی زوجہ پر حسب تحریر بالا طلاق واقع ہو گئی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۵۷۳ حافظ حنیف الدین دہلی ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۴ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۷۵) اپنا سامان لیکر گھر سے بغیر اجازت زوجہ کے نکل جانا اور پھر متعدد دنوں تک غائب رہنا

---

(۱) واذا اضافہ الی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقاً مثل ان یقول لامرأتہ ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاوی الھندیۃ' کتاب الطلاق' الباب الرابع فی الطلاق بالشرط' الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق ۱/ ۴۲۰ ط ماجدیہ' کوئٹہ)

چھوڑ کر چلے جانے میں داخل ہے اس لئے طلاق معلق واقع ہو گئی۔(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'
(جواب)(از نائب مفتی صاحب) اگر محمد عثمان ۱۶ جولائی ۱۹۳۵ء سے ۲۳ جولائی ۱۹۳۵ء تک اپنی زوجہ بلقیس کو چھوڑ کر چلا گیا ہے تو اس کی زوجہ بموجب اس کی تحریر کے مطلقہ مغلظہ ہو گئی ہے بغیر حلالہ کے رجوع کرنا محمد عثمان کا ہرگز صحیح نہ ہو گا۔(۲) فقط حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ' دہلی

اگر تم کو چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں' تو تم پر تین طلاقیں ہیں' چھوڑ کر چلا گیا

(سوال) زید بکر کے ہاں ملازمت کرتا تھا درمیان ملازمت میں زید نے بکر کے کچھ روپے غبن کئے بکر کو علم ہوا تو زید روپوش ہو گیا اسی حالت میں زید اپنی زوجہ کے پاس گیا اور مدد چاہی اس کی زوجہ نے بکر کا تمام روپیہ ادا کرنے کا وعدہ کیا لیکن اس شرط پر کہ زید اپنی زوجہ کو اس قسم کی تحریر دیوے کہ "آئندہ اگر میں اس قسم کی کوئی کارروائی کروں جو میں نے بکر کے ساتھ کی ہے یا تم کو چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں تو تم پر تین طلاق ہیں" زید چونکہ اس سے قبل بھی کئی دفعہ اس قسم کی حرکت کر چکا تھا اور جب کبھی ایسی حرکت اس سے ہو جاتی تھی تو وہ شرم و خجالت کی وجہ سے روپوش ہو جاتا تھا تحریر دینے والے اور تحریر لینے والے کی منشا اور نیت یہ نہ تھی کہ وہ اس تحریر دینے کے بعد بغیر اجازت زوجہ کے گھر سے باہر قدم بھی نہ نکال سکے بلکہ نیت یہ تھی کہ ایسی کارروائی کرنے کے بعد زید جو روپوش ہو جایا کرتا تھا' وہ آئندہ ایسا نہ کر سکے زید چونکہ دہلی میں اس قسم کی حرکت کر چکا ہے اور دہلی میں ملازمت کرنے کے قابل نہیں ہے اس لئے وہ اپنی فلاح و بہبودی کے لئے اپنے والد کے پاس کلکتہ جانا چاہتا ہے یا اور کسی شہر میں ملازمت کی تلاش میں جانا چاہتا ہے لیکن اس کی زوجہ اس کو دہلی سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتی اب زید بغیر اجازت اپنی زوجہ کے دہلی سے باہر جا سکتا ہے یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۴۷۵ محمد عثمان دہلی ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۳ اگست ۱۹۳۵ء
(جواب ۲۷۲) خاوند کے الفاظ یہ ہیں "یا تم کو چھوڑ کر چلا جاؤں" اس کا مفہوم یہ ہے کہ بیوی کی اجازت کے بغیر دہلی (یعنی وطن) سے باہر چلا جائے یا اپنے گھر سے ایسی طرح غائب ہو جائے جس کو یہ کہہ سکیں کہ بیوی کو چھوڑ رکھا ہے تو طلاق ہو گئی (۳) گھر میں سے باہر جانا مطلقاً مراد نہیں ہو سکتا مثلاً نماز کے لئے باہر جانا یا سودا سلف لینے کے لئے گھر سے نکلنے یا گھنٹہ دو گھنٹے کے لئے گھر سے باہر رہنے یا کاروبار کے لئے دن میں

---

(۱) واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقامثل ان يقول لامراته ان دخلت الدارفانت طالق (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الرابع فى الطلاق بالشرط' الفصل الثالث فى تعليق الطلاق ۱/ ۴۲۰ ط ماجديه' كوئته)
(۲) وان كان الطلاق ثلاثا فى الحرة وثنتين فى الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها والا صل فيه لقوله تعالىٰ: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" والمراد الطلقة الثالثة(الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة فصل فيما تحل به المطلقة ۲/ ۳۹۹ شركة علميه ملتان)
(۳) واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط مثل ان يقول لا مراته ان دخلت الدار فانت طالق وهذا بالا تفاق لان الملك قائم فى الحال والظاهر بقاء ه الى وجود الشرط فيصح يمينا او ايقاعا (الهداية' كتاب الطلاق' باب الايمان فى الطلاق ۲/ ۳۸۵ ط شركة علميه ملتان)

گھر سے باہر رہنے پر طلاق نہیں ہوگی کیونکہ ان صورتوں میں عرفاً یہ صادق نہیں آتا کہ وہ بیوی کو چھوڑ کر باہر چلا گیا اور یمین کا دارومدار عرف پر ہوتا ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اگر میری اجازت کے بغیر میرے گھر آئے تو میرے حق میں تین طلاق ہوگی

(سوال) ایک شخص اس طرح زبان بندی دیتا ہے کہ اپنی زوجہ کے ساتھ جھگڑے کے بعد زوجہ میری لڑکی کو مارنے سے میں خفا ہو کر اس کو اپنے دار مسکونہ سے نکال کر کہا کہ یہ میرے گھر آنے سے تین طلاق ساتھ ہی دوسری دفعہ کہا کہ یہ اگر میری اجازت کے بغیر میرے گھر آئے تو میرے حق میں تین طلاق ہوگی میری یہ بات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ میری زوجہ جھگڑے میں ہمیشہ مشغول رہتی ہے کسی طرح سے اس سے روکی نہیں جاتی اور کسی سے ڈرتی بھی نہیں اور مانتی بھی نہیں ایسی حالت میں لڑکی کو مارنے سے میں خفا ہو کر اور اس کے برتاؤ سے دق ہو کر کہا یہ میرے گھر جانے سے تین طلاق اور یہ بات کہنے کے بعد دل میں آیا کہ اس کو ڈرانے کے لئے کہتا ہوں لیکن جس طرح زبان سے بات نکل گئی وہ ارادہ دل کے خلاف ہوا ساتھ ہی یا کچھ دل کی باتیں کھول کر کہا ہے کہ یہ اگر میری اجازت کے بغیر میرے گھر جائے تو میرے حق میں تین طلاق ہوگی اب گزارش یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں تنجیز ہوگی یا تعلیق؟ تنجیز کی صورت میں ترک اضافت کی وجہ سے عدم وقوع طلاق کا حکم دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور ہمارے اس دیار کے عرف و عادت کے لحاظ سے شق اول کو تعلیق کہا جاتا ہے پس بنا بر تعلیق عدم حنث کی کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ دار مسکونہ میں حالف کی سکونت ہے بر تقدیر تعلیق حالف دار مسکونہ کو بعوض مہر زوجہ مذکورہ سے بیچ کر اس میں سکونت کر سکتا ہے یا نہیں۔ یا یمین فی الفور کے ذریعہ اس کی رہائی کی کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ یا اگر کوئی شخص زوجہ مذکورہ کو جبراً اٹھا کر دار مسکونہ میں داخل کر دے تو عدم حنث کی کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ دوسری گزارش یہ ہے کہ حالف مذکور اپنی زبان بندی کے کئی روز بعد کہتا ہے کہ میں نے اپنی زبان بندی میں غلطی کی ہے یعنی میں نے یہ کہا اگر یہ میرے گھر آئے تو تین طلاق اب حالف کی یہ بات مانی جائے گی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۶۳۵ مولوی فضل الرحمن (ضلع نواکھالی) ۳ رجب ۱۳۵۴ھ م ۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء۔

(جواب ۲۷۷) (از نائب مفتی) اس واقعہ مرقومہ میں یہ عورت اگر اپنے شوہر کے یہاں آئے گی تو اس عورت پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی (۲) آسانی کے ساتھ وقوع طلاق سے خلاصی اس طرح ہو سکتی ہے کہ

---

(۱) والاصل ان الایمان مبنیة عند الشافعی علی الحقیقة اللغویة و عندنا علی العرف مالم ینو ما یحتمله اللفظ درمختار وقال فی الرد (قوله و عندنا علی العرف) لان المتکلم انما یتکلم بالکلام العرفی اعنی الالفاظ التی یراد بها معانیها التی وضعت لها فی العرف (هامش ردالمحتار مع الدرالمختار کتاب الایمان باب الیمین فی الدخول و الخروج والسکنی والاتیان والرکوب وغیر ذلک ۳/۷۴۳ ط سعید کراتشی)

(۲) واذا اضافه الی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقا مثل ان یقول لامراته ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاوی الهندیة کتاب الطلاق الباب الرابع فی الطلاق بالشرط الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة ان واذا وغیرهما ۱/۴۲۰ ط ماجدیه کوئٹه)

بغیر اس عورت کے کہنے کے کہار اس کو ڈولی میں سوار کرلیں کسی اور شخص کے کہنے سے یہ عورت ڈولی میں سوار ہو جائے تو کہار ڈولی کو اس کے شوہر کے مکان کے دروازے میں سے اندر لے جاکر مکان میں اتار دیں یعنی کہہ دیں کہ ڈولی میں سے اتر جاؤ تو طلاق کے واقع ہونے سے یہ عورت بچ جائے گی (۱) فقط (حضرت مفتی صاحب قبلہ کی رائے لیکر جواب لکھا گیا ہے) حبیب المرسلین عفی عنہ'

اگر فلاں کام فلاں وقت معین میں نہ کیا' تو میری بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی' تو کیا حکم ہے؟

(سوال) زید نے ایک طلاق معلق بشرط معین زبانی بایں مضمون کہ اگر میں زید فلاں کام فلاں وقت معین میں نہ کیا تو میری زوجہ فلاں ہندہ کو طلاق واقع ہو جاوے گی کاتب سے صک مروجہ سرکاری پر لکھوا کر زوجہ اپنی ہندہ مذکورہ کے حوالے کیا پھر حالف نے کام معین بوقت معین میں نہ کیا بعد عرصہ پانچ چھ مہینے کے یقین وقوع طلاق مفتی علاقہ کے پاس دعوائے رجوع کیا۔ مگر مفتی صاحب نے سبب عدم ثبوت رجوع فی العدۃ دعویٰ اس کارد کیا پس چند ایام کے بعد حالف نے از سر نو دعوائے ثانی کیا کہ میری ایک شرط تعلیق کی دیگر علاوہ شرط محررہ فی الصک سے تھی مثلاً سکونت جو وہ موجود نہیں ہوئی لہذا میری زوجہ ہندہ مذکورہ مطلقہ نہیں ہوئی حالانکہ یہ نسبت ظاہر صک شرط زائد مغیر عین محررہ ہے اور بوقت دعوائے رجوع کوئی شرط زائد کا ذکر نہ تھا اور تحریر صک میں بھی نہیں اور بلحاظ ظاہر صک برادران ہندہ شرط زائد کے منکر ہیں اور نصاب شہادت عند الطرفین موجود نہیں آیا دعویٰ شرط زائد بعد دعوائے رجوع جو مبنی بر وقوع طلاق تھا مسموع ہے یا نہ ؟ اگر مسموع ہے تو حلف کس قرین پر ہوگی تنقیح یعنی دعوائے حالف اولاً بابت رجوع جو اقتضاءً اقرار یہ قوع طلاق اور عدم شرائط زائد ہے اور دعویٰ حالف ثانیاً شرط زائد و عدم طلاق ہندہ کے درمیان تناقض ہے یا نہ ؟ بینوا توجروا۔ المستفتی نمبر ۸۰۲ محمد موسیٰ پرواضلع۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء۔

(جواب ۲۷۸) اگر اس شخص نے تعلیق باللفظ کی تھی اور اس کے الفاظ کے شاہد موجود ہیں اور ان الفاظ میں شرط زائد مذکور نہیں تو اب دعوائے زیادت شرط درست نہیں لیکن اگر تعلیق باللفظ نہ تھی بلکہ بالکتابۃ تھی تو اگر زوج خواندہ شخص ہے اور اس نے خود کاغذ پڑھ لیا اور اس پر دستخط کئے یا اسکو حرفاً حرفاً سنادیا گیا اور اس کی شہادت موجود ہو تو اس صورت میں بھی دعوائے زیادت شرط درست نہیں (۲) لیکن اگر وہ ناخواندہ ہے اور صک اسے حرفاً حرفاً سنائی نہیں گئی اور اسے انگوٹھا لگوالیا یا دستخط کرالئے (بعض ناخواندہ لوگ بھی دستخط کرنا سیکھ

---

(۱) اذا حلف الرجل لا یدخل دار فلان فادخل مکرھا لا یحنث ھذا اذا حملہ انسان و ادخلہ مکرھا (الفتاوی الھندیۃ' کتاب الحیل' الفصل التاسع فی الایمان ۶/ ۴۰۰ ط ماجدیہ' کوئٹہ)

(۲) اس لئے کہ جب نصاب شہادت شرعیہ موجود ہو تو اس کے مقابلے میں کوئی بات معتبر نہیں۔

لیتے ہیں اور دستخطوں کے علاوہ کچھ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے) تو اس کا دعویٰ قابل سماعت ہوگا(۱) رہا یہ دعویٰ کہ رجعت کر چکا ہے یہ ایسا معارض نہیں ہے کہ اس سے دعوائے شرط زائد غیر مسموع ہو جائے کیونکہ ان دوباتوں میں اس صورت میں تطبیق ممکن ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

فلاں کی اولاد میں سے جب جب میرا نکاح کسی لڑکی سے ہوگا ' تو میری طرف سے اس پر فوراً تین طلاقیں پڑ جائیں گی!

(سوال) مسماۃ نور بھری ولد عالم خاں ایک ادھیڑ عورت کا نکاح میرے ایک کمسن عزیز مسمی محمد خان سے کرادیا گیا نکاح کرنے والوں کی ناپاک اغراض کچھ بھی ہوں مگر محمد خاں نے ہوش سنبھالتے ہی مذکورہ عورت سے نہایت نفرت کے ساتھ بیزاری کا اظہار کیا اور نہ یہ کہ تین طلاقیں دیدیں بلکہ اپنے اردگرد مکروفریب کا تنا ہوا جال محسوس کر کے اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ عالم خاں کی اولاد میں سے جب جب میرا نکاح کسی لڑکی سے ہوگا میری طرف سے فوراً اس پر تب تب تین پڑتی جائیں گی سائل کو تین سوالوں کا جواب درکار ہے(۱) حنفیہ کے نزدیک حد بلوغ کیا ہے؟ شامی نے پندرہ سال لکھی ہے کیا یہ صحیح ہے؟(۲) محمد خاں کی عمر طلاق دیتے وقت پندرہ سال تین ماہ تھی اور بالغ بھی تھا کیا طلاق واقع ہونے میں کوئی شبہ ہے؟(۳) اگر کسی فریب میں لاکر محمد خاں سے حلالہ کرایا جائے یا اس کا نکاح عالم خاں کی اولاد میں سے کسی لڑکی سے کیا جائے تو کیا یہ ممکن ہے؟ **المستفتی** نمبر ۹۰۲ دوست محمد (کوہاٹ) ۷ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۹ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۷۹) بلوغ احتلام سے یا جب کہ لڑکے کی عمر پندرہ سال کی ہو جائے ثابت ہو جاتا ہے(۲) یعنی پندرہ سال عمر کے لڑکے کی طلاق معتبر ہے(۳) پندرہ سال تین ماہ کے لڑکے کی طلاق پڑ جانے میں شبہ نہیں عالم خاں کی اولاد میں کسی لڑکی سے محمد خاں کا نکاح درست نہ ہوگا یعنی جب نکاح ہوگا طلاق پڑ جائے گی حلالہ کے بعد بھی طلاق کا سلسلہ جاری رہے گا۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) کیونکہ نہ تو خود لکھا اور نہ دوسرے کے لکھے ہوئے پر اقرار کیا' بلکہ لکھے ہوئے میں شرط زائد کا دعویٰ کر رہا ہے' حالانکہ کتب فقہ میں تصریح ہے : لو استکتب من آخر کتابا بطلاقها و قراه علی الزوج فاخذه الزوج و ختمه و عنونه و بعث به الیها فاتاها وقع ان اقرالزوج انه کتابه' وان لم یقرانه کتابه ولم تقم بینة لکنه و صف الامر علی وجهه لا تطلق قضاء ولا دیانة وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق مالم یقرانه کتابه (هامش ردالمحتار' کتاب الطلاق' مطلب فی الطلاق بالکتابة ۳/۲٤٦ ط سعید کراتشی)

(۲) بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال ' فان لم یوجد فیهما شئ فحتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة به یفتی لقصر اعمارا هل زماننا (الدر المختار مع هامش ردالمحتار' کتاب الماذون' فصل فی بلوغ الغلام ۶/۱۵۳ ط سعید کراتشی)

(۳) و یقع طلاق کل زوج اذا کان عاقلا بالغا ولا یقع طلاق الصبی والمجنون والنائم (الهدایة' کتاب الطلاق فصل ۲/۳۵۸ ط شرکة علمیه ملتان)

(٤) تنحل ای تبطل الیمین ببطلان التعلیق اذا وجد الشرط مرة الا فی کلمافانه ینحل بعدالثلاث لا قتضاء عموم الافعال (درمختار) وقال فی الرد (قوله الا فی کلما) فان الیمین لا تنتهی بوجود الشرط مرة وافاد حصره ان متی لاتفید التکرار و قیل تفید والحق انهاانما تفید عموم الا وقات ففی متی خرجت فانت طالق المفاد ان ای وقت تحقق فیه الخروج یقع الطلاق ثم لایقع بخروج آخر (هامش رد المحتار مع الدرالمختار' کتاب الطلاق' باب التعلیق ۳/۳۵۲' ۳۵۳ ط سعید کراتشی)

شوہر نے کہا ”اگر تیرے سوا کوئی اور پانی لانے والا نہیں ہے “تو تجھے ایک دو تین طلاق دیدیں“ یہ تعلیق طلاق ہے یا تنجیز؟

(سوال) زینب کو اس کے شوہر اور ساس نے تالاب میں سے پانی لانے کی ممانعت کی کیوں کہ وہاں پردے کا کوئی انتظام نہ تھا مگر اس نے اس کی کوئی پروا نہیں کی اور پانی لینے کو چلی گئی جب واپس آئی تو شوہر نے کہا کہ اتنی سخت ممانعت کے باوجود تو پانی لینے کیوں گئی؟ زینب نے کہا کہ اگر میں پانی لینے نہیں جاؤں گی تو کون لائے گا؟ اس کے شوہر نے خفا ہو کر کہا کہ اگر تیرے سوا کوئی اور پانی لانے والا نہیں ہے تو تجھے ایک دو تین طلاق دیدیں کہاں جائے گی چلی جا اس مسئلہ میں دو عالم مختلف الرائے ہیں ایک صاحب کہتے ہیں کہ یہ تعلیق ہے لہذا اگر زینب کے علاوہ کوئی دوسرا پانی لانے والا ہو تو طلاق نہیں پڑی گی دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ یہ تنجیز ہے کیونکہ دی ہوئی طلاق کی تنجیز کے کیا معنی جب اس نے ایقاع کی خبر بلفظ ماضی دیدی ہے نیز بعد کو کہاں جائے گی چلی جا کہہ کر تنجیز کی تاکید کردی ہے تو تعلیق کیونکر ہو گی۔ گو شرط کا ذکر ہے مگر وہ لغو چلی جائے گی۔ المستفتی نمبر ۳۷۹ مولوی کبڈ صاحب (ضلع نواکھالی)

(جواب ۲۸۰) اس صورت میں شوہر کے بیان حلفی پر فیصلہ ہوگا اس سے دریافت کیا جائے کہ اس کا مطلب کیا تھا اگر وہ ایسا مطلب بیان کرے جس سے تعلیق کے معنی پیدا ہوتے ہوں تو تعلیق ہو گی اور اگر ایسا مطلب ظاہر کرے جس سے تنجیز نکلتی ہو تو تنجیز ہو گی اس کے الفاظ دونوں معنی کے محتمل ہیں اس لئے اس کے حلفی بیان سے ایک صورت متعین کی جا سکتی ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘ دہلی

اگر میں اس مدرسہ کو تمہاری اجازت کے بغیر چھوڑ کر چلا جاؤں تو میری بیوی کو تین طلاق ہو جائیں گی

(سوال) بکر نے اپنے بھتیجے زید کو افریقہ اپنے قائم کردہ مدرسے میں پڑھانے کے لئے بلایا زید کے افریقہ آنے کے بعد تقریباً ایک سال تک بکر نے بلا تنخواہ صرف خورد و نوش پر مدرسی کرائی بعدہ بکر نے اپنی لڑکی ہندہ کے ساتھ زید کا نکاح کر دیا اور زید اب داماد کی حیثیت سے رہنے اور مدرسی کا کام انجام دینے لگا ایسے میں ساس جو کہ ہندہ کی سوتیلی ماں ہے داماد کے ساتھ جھگڑا فساد کرنے لگی جس سے تنگ آکر زید نکل گیا اور مدرسہ بھی بکر نے اٹھا دیا جھگڑا تقریباً تین چار ماہ قائم رہا پھر چند دوسروں کی فہمائش پر زید اور بکر و ساس میں صلح ہو گئی اور زید ساتھ رہنے لگا پھر ایک روز زید کے کھانے میں کوئی دست آور چیز ملا کر کھلادی جس سے خون تک جاری ہو گیا تھا علاج سے دست بند ہوئے لیکن کمزوری حد سے بڑھ گئی اس کمزوری کی حالت میں ساس اور خسر نے ڈرا دھمکا کر بالا کراہ حسب ذیل تحریر لکھوالی :-

---

(۱) تاثیر علی نیة للا حتمال والقول له بیمینه فی عدم النیة (درمختار) وقال فی الرد (قوله للاحتمال) لما ذکرنا من ان کل واحد من الالفاظ یحتمل الطلاق وغیره والحال لا تدل علی احد هما فیسأل عن نیته ویصدق فی ذلک قضاء بدائع (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب الکنایات ۳ / ۳۰۰ ط سعید کراتشی)

''میں خود زید میں اپنی عقل ہوشیاری اور راضی خوشی سے نہ کسی کی عقل ہوشیاری سے پیچھے کی شرط اپنی عقل ہوشیاری سے لکھ دیتا ہوں (۱) میں بکر کے مدرسے میں جو نمبر ۱۱ ٹوپی اسٹریٹ پر ہے اس میں پڑھا سکتا ہوں اور دوسرے مدرسے میں جیسا کہ ماٹانڈل اور نیو کلر اور تھانون یا نیو لینڈ کے پڑھانے کا اور دوسرا کوئی کام کرنے کا مجھ کو حق نہیں ہے اگر میں ایسا کروں تو بکر کو حق ہے پولیس کی معرفت سے یا کسی دوسرے کی معرفت سے مجھ کو بلوا سکتا ہے (۲) دوسرا اگر میں اس مدرسے کو چھوڑ کر چلا جاؤں تو میری عورت ہندہ کو تین طلاق ہو جائیں گی پھر اس پر میرا کچھ حق نہیں اور اگر ان کی خوشی اور اجازت سے جاؤں تو جا سکتا ہوں (۳) یہ کہ اس مدرسہ میں جتنے بچے پڑھتے ہیں ان کو پھرانے کا مجھ کو حق ہے اور اگر سرکار مجھ کو یہاں سے نکال دے تو یہ کاغذ سے طلاق ہو جائے گی۔''

اس تحریر کے بعد زید تندرست ہوا لیکن مدرسہ بکر کا قائم نہ رہا تو زید نے دوسرے مدرسہ میں ملازمت برضائے بکر اختیار کی چند ماہ بعد اس مدرسے سے علیحدہ ہوا تو ایک رئیس نے بکر سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے یا داماد کو بلا کر تمہارا مدرسہ پھر جاری کرو اور تنخواہ تمہارے داماد کو میں دوں گا بہت فہمائش کے باوجود بکر راضی نہ ہوا اور زید کے متعلق ناشائستہ کلام منہ سے نکالنے لگا بالآخر زید نے بلا رضا و اجازت بکر شہر سے دور دوسرے شہر میں ملازمت تلاش کری اور وہاں چلا گیا اس عرصہ میں ہندہ کو ایک لڑکا بھی ہوا ہے زید وہاں سے وقتاً فوقتاً خط و کتابت کرنے لگا تو بکر واپس کر دیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے اس سے کچھ واسطہ نہیں اب سوال یہ ہے کہ بنا بر تحریر و شرائط و حالات مذکورہ بالا کے زید کی اس تحریر سے اور پھر بلا اجازت دوسرے شہر میں ملازمت اختیار کرنے سے ہندہ کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟**المستفتی** نمبر ۹۷۶ حافظ محمود جوہانسبرگ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۴ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۸۱) اگر یہ تحریر جبراً لکھوائی گئی ہے تو بالکل غیر معتبر اور غیر مؤثر ہے اس کی کوئی شرط بھی قابل اعتبار نہیں (۱) اور اگر جبر و اکراہ نہ ہو تو معتبر ہے اور اس صورت میں شرط نمبر (۱) اس وقت مؤثر ہو سکتی ہے کہ بکر کا مدرسہ نمبر ۱۱ ٹوپی اسٹریٹ پر ہونے کے باوجود زید اسے چھوڑ کر دوسرے مدرسے میں جاتا اور بغیر اجازت جاتا تو طلاق واقع ہوتی لیکن اگر دوسرے شہر میں جانے کے وقت بکر کا مدرسہ نہیں تھا یا تھا مگر اجازت سے گیا تو ان دونوں صورتوں میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) وفي البحران المراد الاكراه على التلفظ بالطلاق فلو اكراه على ان يكتب طلاق امراته فكتب لاتطلق لان الكتابة اقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا، كذا في الخانية (هامش رد المحتار، كتاب الطلاق ۳/ ۲۳۶ ط سعيد كراتشي)

(۲) واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقامثل ان يقول لا مراته ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب الرابع في الطلاق بالشرط، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغيرهما ۱/ ۴۲۰ ط ماجديه كوئته)

شوہر نے کہا کہ ”اگر میں پنچوں کا فیصلہ نامنظور کروں‘ تو یہی تحریر میری طلاق سمجھی جائے‘ تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) مسماۃ منگو (دختر عیدو گھوسی سکنہ ٹونڈلہ ضلع آگرہ) کا عقد ہمراہ خدا بخش (ولد رولیا گھوسی لدھیانہ) سال ۱۹۱۷ء میں بزمانہ نابالغی مسماۃ ہوا تھا بعد نکاح رخصتی نہیں ہوئی بوجوہات خانگی زوجین میں مقدمہ بازی ہوگئی چنانچہ اسی دوران میں زوجین نے بذریعہ تحریر اقرار نامہ ثالثان مقرر کر دیئے شوہر مذکور نے علاوہ تحریر اقرار ثالثی کے یہ الفاظ بھی لکھے کہ بصورت نامنظور کرنے کے پنچان کو یہ تحریر میری قطعاً شرعاً قانوناً طلاق صحیح و معتبر سمجھی جائے پس ثالثان نے بعد تحقیقات و لئے جانے بیانات کے یہ طے کیا کہ مسماۃ مذکورہ شوہر موصوف کو مبلغ تین سو روپے دے کر خلع کرلے شوہر مذکور نے فیصلہ پنچان کو نامنظور کیا اور روپیہ لینے سے انکار کیا مسماۃ مذکورہ نے ایک دعویٰ استقرار یہ منسوخی نکاح عدالت دیوانی میں بمقابلہ شوہر مذکور دائر کیا بدیں دادرسی کہ استقرار منسوخ و منقطع ہونے نکاح مدعیہ کا مدعا علیہ سے بدست برداری مہر کیا جائے چنانچہ عدالت مجاز نے بعد تحقیقات و ثبوت یہ تجویز فرمایا کہ دعویٰ استقرار متعلق دادرسی (الف) مع خرچہ یکطرفہ ڈگری کیا گیا جب کہ عدالت منصفی آگرہ موصوف نے دعویٰ استقرار منسوخ نکاح بحق مسماۃ منگو مذکورہ نے جو اپنا عقد ثانی بعد فیصلہ عدالت ممدوحہ چار ماہ بعد کیا ہے یہ جائز ہے یا ناجائز؟ المستفتی نمبر ۱۰۹۷ مسماۃ منگو معرفت قاضی ضمیر الدین صاحب (میرٹھ) ۱۴ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۳ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۸۲) اگر زوج نے یہ تحریر دیدی تھی کہ اگر میں پنچوں کا فیصلہ نامنظور کروں تو یہی تحریر میری قطعاً شرعاً قانوناً طلاق صحیح و معتبر سمجھی جائے تو پنچوں کا فیصلہ نامنظور کرنے پر اس کی طرف سے طلاق ہوگئی(۱) اور بعد انقضائے عدت دوسرا نکاح عورت کا جائز ہو گیا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘ دہلی

جو کوئی معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گویا اس نے اپنی عورت کو طلاق دے دی‘ تو خلاف ورزی پر طلاق ہوگی یا نہیں ؟

(سوال) دو گروہ میں جھگڑا ہوا اور وہ جھگڑا اس قدر طویل ہو گیا کہ ہر ایک گروہ کے آدمیوں نے آپس میں یہ طے کیا اور باقاعدہ لکھ دیا کہ ایک گروہ دوسرے کے یہاں نہ تو کھانا وغیرہ کھاوے اور آپس میں کسی کے یہاں نہ لڑکی لاوے نہ اپنی دے اس معاہدے کے جو خلاف کرے تو گویا اس نے اپنی عورت کو طلاق دے دیا یہی معاہدہ دونوں گروہوں کا ہوا کچھ دنوں کے بعد جھگڑا ختم ہوا اور پیشتر کا معاہدہ جو تھا اس کو ترک کر کے آپس

---

(۱) واذا ضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل ان يقول لامراته ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الرابع في الطلاق بالشرط' الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغيرهما ۱/ ۴۲۰ ط ماجديه كوئته) وقال في الدر و تنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا' لكن ان وجد في الملك طلقت و عتق والا لا (الدرالمختار' مع هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق' باب التعليق ۳/ ۳۵۵ ط سعيد كراتشي)

(۲) قال الله تعالى . " ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله" (البقرة . ۲۳۵)

میں کھانا وغیرہ کھانے ۔لہٰذا اب اس صورت میں ان کی عورتوں کو طلاق ہو گی یا کہ نہیں اب اگر طلاق واقع ہو تو اب کیا کرنا چاہئے۔ المستفتی نمبر ۱۱۷۳ عبدالرزاق صاحب (ضلع میدنی پور) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۹ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۸۳) اگر معاہدہ کے الفاظ یہ تھے کہ جو کوئی معاہدہ کے خلاف کرے گویا اس نے اپنی عورت کو طلاق دے دی تو خلاف کرنے والوں کی بیویوں پر طلاق نہیں ہو گی بلکہ ان پر یمین کا کفارہ لازم ہو گا(۱) یعنی دس مسکینوں کو پونے دو سیر فی مسکین کے حساب سے گیہوں دینے ہوں گے۔(۲) فقط محمد کفایت اللہ

اگر میں عمر سے ملوں یا اس کے پاس جاؤں' تو میری بیوی پر طلاق ہے' تو عمر سے ملنے سے بیوی پر طلاق پڑ جائے گی

(سوال) زید نے حلف اٹھایا کہ میں عمر سے نہ ملوں گا اور نہ اس کے پاس جاؤں گا خالد نے کہا کہ مجھے تیری اس قسم کا اعتبار نہیں بلکہ یوں کہو کہ اگر میں عمر سے ملوں یا اس کے پاس جاؤں تو میری بیوی پر طلاق ہے بعینہ ان الفاظ کو زید نے تین بار کہا مگر پندرہ بیس دن کے بعد زید عمر کے پاس گیا اور اس سے ملا خالد نے کہا کہ تو نے تو نہ ملنے پر طلاق دی تھی ایسا کیوں کیا زید نے کہا کہ میں بھول گیا تھا لہٰذا ازروئے شرع فرمایا جاوے کہ صورت مذکورہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر واقع ہوئی تو کونسی ؟ المستفتی نمبر ۱۲۰۶ مستجاب الدین ریاض الدین صاحبان سوداگران ظروف بازار شاہی مسجد مراد آباد۔ ۱۱ رجب ۱۳۵۵ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب) (از مولانا خلیل احمد صاحب) ہو الموصوب صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہو گئیں لہٰذا اب بدون حلالہ نکاح نہیں ہو سکتا جیسا کہ در مختار میں ہے۔ في ايمان الفتح ما لفظه وقد عرف في الطلاق انه لو قال ان دخلت الدار فانت طالق ان دخلت الدار فانت طالق ان دخلت الدار فانت طالق وقع الثلث واقره المصنف (هامش شامی ص ۵۲۹) (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حررہ الملتجی عفو ربہ الجلیل الصمد المدعو خلیل احمد وفقہ اللہ التزود لغد مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۳۶ء۔

الجواب صواب محمد عجب نور غفرلہ۔ لقد اصاب من اجاب احقر محمد نعیم غفرلہ' مدرس مدرسہ امدادیہ۔

---

(۱) یہ کلمہ لفظ "گویا" جب تخییر طلاق میں ہو تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح جب وہ تعلیق طلاق میں استعمال ہو جائے تب بھی طلاق نہیں پڑے گی ابتداء اس میں اس قسم کا معنی متحقق ہوتا ہے اور جب اس کے خلاف کیا تو قسم ٹوٹ گئی لہٰذا قسم کا کفارہ لازم ہو گا كما في الدرالمختار' اليمين لغة القوة و شرعا عبارة عن عقد قوى به عزم الحالف على الفعل او الترك فدخل التعليق فانه يمين شرعا (الدر المختار مع هامش ردالمحتار' كتاب الايمان ۳/۷۰۲ ط سعيد كراتشي)

(۲) و كفارته تحرير رقبة او اطعام عشرة مساكين كما مر في الظهار او كسوتهم بما يستر عامة البدن وان عجز عنها كلها وقت الاداء صام ثلاثة ايام ولاء (تنوير الابصار و شرحه) وقال في الرد (قوله عشرة مساكين) اى تحقيقا او تقديرا حتى لو اعطى مسكينا واحدا في عشرة ايام كل يوم نصف صاع يجوز (هامش ردالمحتار مع الدرالمختار' كتاب الايمان' مطلب كفارة اليمين ۳/۷۲۵ ط سعيد كراتشي)

(۳) الدرالمختار مع هامش رد المحتار' كتاب الايمان' باب التعليق ۳/۳۷۶ ط سعيد كراتشي)

الجواب صحیح بندہ عبداللہ غفرلہ' مدرسہ امدادیہ عربیہ مراد آباد ۲۴ جمادی الثانی ۱۹۵۵ء۔ الجواب صحیح فخر الدین احمد (مدرس اول مدرسہ شاہی مسجد مراد اباد)

(جواب ۲۸۴) (از حضرت مفتی اعظمؒ) بھول جانے کا عذر مفید نہیں اور قضاءً تین طلاق پڑنے کا ہی حکم دیا جائے گا۔(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اگر میں شرع کے خلاف کوئی کام کروں تو مجھ پر طلاق اضافی ہوگی' ان الفاظ سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟

(سوال) برائے زید پدر یا مادر یا برادران زید مثلاً نکاح کردہ۔ وو روقت نکاح کردن زن صغیرہ بود و زید کامل عاقل بالغ بود و زن در خانہ پدر بود و بخانہ شوہر نیاوردہ شد زیرا کہ صغیرہ بود پس ازیں قسم نکاح کہ ذکر شد از زبان زید الفاظ ذیل بجائے حلف یعنی در موضع استعمال حلف صادر شد کہ "اگر من پس ازایں زمانہ از شریعت مخالفت کردم مرا طلاق اضافی باشد" این معلوم نیست کہ ایں الفاظ مذکورہ یکبار گفتہ یا دو سہ بار گفتہ۔ و حالف در حالت حلف نمی داند کہ طلاق اضافی چہ طور است و کدام الفاظ طلاق اضافی است پس از چنیں حلف از حالف تجاوز از حد شرعی صادر شد پس از حانث شدن زید سن او بالغ شدہ بود و زن و پدر زن از زید طلب کرد کہ زن خود را بخانہ خود بیاورد و زید از علماء فتویٰ طلب کرد کہ برائے زید ایں زن منکوحہ جائز است یا نہ۔ دریں مسئلہ اختلافات کثیرہ از علماء صاحبان واقع شدہ بیان اختلاف این است کہ بعض علماء حکم کردہ کہ برائے زید بالکل نکاح کردن جائز نیست۔ خواہ آں زن سابقہ باشد کہ پدر یا مادر یا برادران زید برائے زید نکاح کردہ یا دیگر زن نو باشد زیرا کہ ایں الفاظ کہ از زبان زید صادر شدہ کنایہ ہست از طلاق اضافی و حکم طلاق اضافی این است کہ بالکل انسان از نکاح کردن محروم می شود وبعض علماء حکم کردہ کہ ایں الفاظ یعنی لفظ اضافی طلاق مہمل است بر این چنین لفظ طلاق واقع نمی شود و اضافی واقع می شود۔

دیگر علماء جواب می دہند کہ قول اول بالکل غلط است زیرا کہ عمل یمین در نکاح کہ قبل از یمین شدہ بود ہرگز جاری نمی شود نہ غیر اضافی واقع می شود بلکہ برائے زید نکاح کردن جائز است خواہ آں سابقہ بود یا دیگر زن نو بود خواہ بزبان خود بود یا بزبان دیگر شخص بود بطور اجازت خواہ اجازت قولاً خواہ کتابۃً بود یعنی بہر طور کہ ہست برائے زید حالف نکاح کردن جائز است۔ و از حنث خود فدیہ یمین بر زید واجب شدہ و بعض علماء حکم کردہ کہ اگر دیگر شخص خواہ ولی زید بود یا غیر ولی بود و برائے زید نکاح می کند بغیر زن سابقہ یعنی دیگر زن نو برائے زید نکاح می کنند بغیر اجازت زید قولاً یا کتابۃً بر این تقدیر مذکورہ برائے زید نکاح کردن جائز است و اگر از طرف زید اجازت قولاً یا کتابۃً واقع شود پس بر تقدیر اجازت زید نکاح کردن دیگر شخص برائے زید ہم جائز نیست۔ و بر ایں

---

(۱) لو الحالف مکرها او مخطئا او ذاهلا او ساهیا او ناسیا بان حلف ان لا یحلف ثم نسی و حلف فیکفر مرتین مرة لحنثه واخری اذا فعل المحلوف علیه عینی لحدیث " ثلاث هزلهن جد" منها الیمین فی الیمین اوالحنث فیحنث بفعل المحلوف علیه مکرها (الدر المختار مع هامش ردالمحتار کتاب الایمان ۳/ ۷۰۸ ' ۷۰۹ ط سعید کراتشی)

اختلاف مذکورہ دوازدہ سال گزشتہ تاہذالوقت بوجہ مفصل مطابق مذہب خود حل نہ شدہ آخرالامر ہمہ اختلاف کنندہ صاحبان حالف مذکورہ کہ زید است عمل باتفاق بر فتویٰ مولانا مولوی مفتی کفایت اللہ صاحب مقرر کردہ کہ بہر طور حکم از طرف کفایت اللہ صاحب خواہد آمد در جواز نکاح کردن برائے زید مذکورہ یا در عدم جواز نکاح کردن برائے زید بر آں حکم عمل می کنیم انشاء اللہ تعالیٰ۔

المستفتی نمبر ۱۲۹۲ عزیز اللہ صاحب حق شیر وردہ معرفت نور شیر محمد صاحب۔ پشاوری نووارد دہلی ۲۵ شوال ۱۳۵۵ھ م ۹ جنوری ۱۹۳۷ء

(ترجمہ) زید کے واسطے مثلاً اس کے باپ یا ماں یا بھائیوں نے نکاح کیا اور نکاح کے وقت منکوحہ کم سن تھی اور زید جوان عاقل بالغ تھا اور کم سنی کی وجہ سے منکوحہ کو شوہر کے گھر رخصت نہیں کیا گیا اس طرح کے نکاح کے بعد زید کی زبان سے مندرجہ ذیل الفاظ بطور حلف کے صادر ہوئے کہ "اگر میں اس وقت کے بعد سے شریعت کے خلاف کروں تو مجھ پر طلاق اضافی ہوگی" یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ الفاظ اس نے ایک دفعہ کہے یا دو تین بار کہے۔

اور زید حالف نہیں جانتا ہے کہ طلاق اضافی کیا چیز ہے اور اس کے الفاظ کس طرح پر ہیں۔ اس حلف کے بعد زید کی طرف سے حدود شرع سے تجاوز سرزد ہوا زید کے حانث ہونے کے بعد اس کی منکوحہ بالغ ہو چکی تھی اس کے والدین نے زید سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی منکوحہ کو رخصت کرالائے۔

زید نے علماء سے فتویٰ طلب کیا کہ یہ اس کی منکوحہ اس کے لئے جائز و حلال ہے یا نہیں ؟ اس مسئلہ میں علماء نے مختلف فتوے صادر فرمائے بعض علماء نے حکم دیا کہ زید کے لئے بالکل نکاح کرنا جائز نہیں خواہ وہ پہلی ہی عورت ہو جسکا زید کے لئے اس کے باپ یا ماں یا بھائیوں نے نکاح کیا تھا خواہ کوئی دوسری عورت ہو کیونکہ زید کی زبان سے جو الفاظ نکلے ہیں وہ طلاق اضافی سے کنایہ ہیں اور طلاق اضافی کا حکم یہ ہے کہ انسان نکاح کرنے سے بالکل محروم ہو جاتا ہے۔

بعض علماء نے حکم دیا کہ یہ الفاظ یعنی لفظ اضافی طلاق مہمل ہے اور ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور اضافی واقع ہو جاتی ہے۔ دیگر علماء جواب میں فرماتے ہیں کہ قول اول بالکل غلط ہے کیونکہ یمین کا عمل اس نکاح پر جو یمین سے پہلے منعقد ہوا تھا ہرگز جاری نہ ہوگا اور طلاق غیر اضافی بھی واقع نہیں ہوگی بلکہ زید کے لئے نکاح کرنا جائز ہے خواہ پہلی عورت ہو یا دوسری نئی عورت ہو۔ خواہ نکاح اپنی زبان سے ہو یا دوسرے شخص کی زبان سے باجازت زید قولاً یا کتابۃً۔ یعنی جس طرح بھی ہو زید کو نکاح کرنا جائز ہے اور قسم توڑنے کا کفارہ زید پر واجب ہے۔ پھر بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر دوسرا شخص ولی زید ہو یا غیر ولی زید کے لئے کسی نئی عورت کا نکاح کرے اور زید کی اجازت قولاً یا کتابۃً حاصل نہ کرے اس تقدیر پر نکاح کرنا جائز ہے۔ اور اگر زید کی طرف سے اجازت قولاً یا کتابۃً واقع ہو جائے تو اس اجازت کے بعد شخص دیگر کا کیا ہوا نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

اس اختلاف پر بارہ سال گزر چکے ہیں اور اب تک اپنے مذہب کے مطابق یہ مسئلہ حل نہیں ہوا آخر

الا مر تمام اختلاف کرنے والے علماء نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے فیصلہ کو تسلیم کریں گے اور زید کے لئے حضرت مفتی صاحب موصوف جو حکم صادر فرمائیں گے اسی پر عمل کیا جائے گا۔

(جواب ۲۸۵) قول زید یعنی این الفاظ (کہ اگر من خلاف شرع کارے بکنم مرا طلاق اضافی باشد) قول مہمل است اگر شخص مذکور بعد ازیں حانث شود بر و طلاق لازم نہ گردد و نکاح او کہ قبل از حلف شدہ بود ازیں حنث باطل نہ شود(۱) واگر او بعد از حنث نکاح جدید ہم کند آں نکاح جدید ہم جائز باشد۔(۲)

اگر فرضاً ایں یمین را موثر ہم قرار دادہ شود اثر او بر نکاح کہ بعد از یمین منعقد کردہ شود خواہد بود امابر نکاحے کہ بوقت یمین موجود بود بر و اثر یمین ہر گز نخواہد بود۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(ترجمہ) زید کا یہ قول کہ "اگر میں شرع کے خلاف کوئی کام کروں تو مجھ پر طلاق اضافی ہوگی" بالکل لغو اور مہمل ہے اگر زید حانث ہو جائے تو طلاق لازم نہیں ہوگی اور اس کا وہ نکاح جو پہلے ہو چکا تھا اس حانث ہونے سے باطل نہیں ہوگا اور حانث ہونے کے بعد وہ جو جدید نکاح کرے گا وہ بھی جائز ہوگا۔

اگر بالفرض اس یمین کو نکاح پر اثر انداز مان بھی لیا جائے تو وہ اس نکاح پر اثر انداز ہو سکتی ہے جو یمین کے بعد منعقد کیا جائے لیکن جو نکاح کہ یمین کے وقت موجود تھا اس پر ہر گز اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اگر میں اسے رکھوں' تو اس پر تین طلاق' نکاح کرنے سے تین طلاق واقع ہو جائیں گی

(سوال) ایک شخص کے لئے اس کے والد نے ایک عورت کا خطبہ کیا ابتدائے گفت وشنید سے وہ شخص اس عورت پر ناراض تھا نکاح کے قبل وہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ نکاح کے متعلق گفتگو کر رہا تھا اثناء گفتگو میں ہمسایوں میں سے ایک نے کہا کہ تمہیں اس عورت سے ضرور نکاح کرنا ہوگا۔ اس وقت اس شخص نے کہا کہ اگر میں اسے رکھوں تو اس پر تین طلاق۔ صورت مسئولہ میں بعد نکاح تین طلاق واقع ہوگی یا نہیں بر تقدیر اول تحلیل کی ضرورت ہوگی یا زوج کے لئے نکاح ثانی کافی ہوگا۔ نوٹ :- ہمارے یہاں کے محاورہ میں

---

(۱) اس لئے کہ طلاق اضافی کا مطلب یہ ہے کہ "اگر میں شرع کے خلاف کوئی کام کروں' تو جب نکاح کروں تو میرے پردہ عورت طلاق ہے" اور صورت مسئولہ میں یہ عورت پہلے سے اس کی بیوی ہے' اس سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا' پس یہ کلام لغو ہوا: لما فی الدرالمختار' و شرط صحته کون الشرط معدو ماعلی خطر الوجود (درمختار) وقال فی الرد (قوله لغو) فلا یقع اصلا لان غرضه منه تحقیق النفی حیث علقه بامر محال هذا یرجع الی قولهماامکان البر شرط انعقادالیمین خلافالا بی یوسف (هامش ردا لمحتار مع الدرالمختار' کتاب الطلاق' باب التعلیق ۳۴۲/۳ ط سعید کراتشی) پس موجودہ حالت میں جب کہ وہ عورت اس کے نکاح میں پہلے سے ہے' اس پر بسبب تعلیق مذکور کے طلاق واقع نہیں ہوگی

(۲) اور جب شرع کے خلاف کوئی کام کرنے سے قسم ٹوٹ گئی' تو اب کسی دوسری عورت سے نکاح کرنے سے دوبارہ حانث نہ ہوگا' کیونکہ قسم ختم ہو چکی ہے' کما فی الدرالمختار : و فیها کلها تنحل الیمین ای تبطل الیمین ببطلان التعلیق ان وجدالشرط مرة (الدرالمختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق باب التعلیق ۳۵۲/۳ ط سعید کراتشی)

رکھوں سے عرفاً نکاح کروں مراد لیا جاتا ہے۔ **المستفتی** نمبر ۱۳۷۷ مسٹر محمد اظہار صاحب (ضلع اکیاب) ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۰ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۸۶) اگر وہ اقرار کرے کہ لفظ رکھوں سے اس کی مراد نکاح کروں تھی تو تین طلاقیں نکاح کرنے پر پڑ جائیں گی (۱) اور بدون تحلیل وہ عورت اس شخص کے لئے حلال نہ ہوگی (۲) اور اقرار نہ کرے تو رکھوں کا لفظ نکاح کروں کے معنی پر محمول نہ ہوگا اور وقوع طلاق کا حکم نہ ہوگا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) شوہر نے بیوی سے کہا "اگر تو گھر میں داخل ہوئی، تو تجھ پر طلاق ہے"
(۲) شوہر نے بیوی سے کہا "اگر تم خالد کے گھر جاؤ گی، تو تمہارا اور ہمارا تعلق قطع ہو جائے گا"

(سوال) (۱) زید نے اپنی زوجہ سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھ پر طلاق ہے لیکن طلاق کی نیت نہ تھی پھر وہ گھر میں داخل ہوئی تو طلاق مغلظہ ہوگی یا رجعی؟ (۲) زید نے اپنی زوجہ ہندہ سے ڈرانے کی غرض سے کہا کہ اگر تم خالد کے گھر جاؤ گی تو تمہارا اور ہمارا تعلق قطع ہو جائے گا لیکن نیت طلاق کی نہ تھی اور نہ جدائی کی نیت تھی نہ بینونت کی نیت تھی محض ڈرانے کے لئے کہا تھا پھر ہندہ زید سے پوشیدہ خالد کے گھر گئی تو جو حکم ہندہ کے حق میں صادر ہوتا ہے تحریر فرمایا جائے؟ **المستفتی** نمبر ۱۶۰۲ مولوی محمود خاں صاحب مدرس اول مدرسہ ریاض العلوم (کانپور) ۵ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۱۴ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۸۷) (۱) اس صورت میں اگر عورت گھر میں داخل ہوئی تو طلاق پڑ جائے گی (۳) مگر طلاق رجعی ہوگی (۴) البتہ اگر عورت غیر مدخولہ ہوگی تو طلاق بائن ہوگی مغلظہ نہ ہوگی (۵) (۲) اس صورت میں چونکہ نیت طلاق کی نہیں تھی اور طلاق کا صریح لفظ بھی نہ تھا اس لئے طلاق نہ ہوگی۔ (۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) اذا اضاف الطلاق الی النکاح وقع عقیب النکاح نحو ان یقول لامراۃ ان تزوجتک فانت طالق او کل امراۃ اتزوجھا فھی طالق (الفتاویٰ الھندیۃ' کتاب الطلاق' الباب الرابع فی الطلاق بالشرط'الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا وغیرھما) ۱ / ۴۲۰ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۲) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ اوثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحا و یدخل بھا ثم یطلقھا او یموت عنھا والا صل فیہ قولہ تعالیٰ: " فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ والمرادالطلقۃ الثالثۃ(الھدایۃ' کتاب الطلاق' باب الرجعۃ فصل فیما تحل بہ المطلقۃ ۲ /۳۹۹ ط شرکۃ علمیہ ملتان)

(۳) واذا اضافہ الی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقا مثل ان یقول لامراتہ ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاویٰ الھندیۃ' کتاب الطلاق الباب الرابع فی الطلاق بالشرط'الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا وغیرھما ۱ / ۴۲۰ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۴) وصریحہ مالم یستعمل الا فیہ' کطلقتک وانت طالق و مطلقۃ و یقع بھا ای بھذہ الالفاظ وما بمعناہ من الصریح واحدۃ رجعیۃ(الدرالمختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق باب الصریح ۳/۲۴۷ ط سعید کراتشی)

(۵) فان فرق الطلاق بانت بالاولی ولم تقع الثانیۃ والثالثۃ' وکذا اذا قال لھا انت طالق' وقعت واحدۃ ما ذکر نالانھا بانت بالا ولی (الھدایۃ' کتاب الطلاق' فصل فی الطلاق قبل الدخول ۲ /۳۷۱ ط شرکۃ علمیہ ملتان)

(۶) فالکنایات لا تطلق بھا قضاء الا بنیۃ او دلالۃ الحال وھی حالۃ مذاکرۃ الطلاق او الغضب (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الکنایات ۳/۲۹۶ ط سعید کراتشی)

اگر آج سے تو نے میرے سامنے رنگین کپڑے پہنے تو میری طرف سے تین طلاق ہے

(سوال) ایک شخص سے اس کی بیوی کی لڑائی ہوتی ہے لڑائی کا سبب یہ ہوتا ہے کہ مرد رنگین کپڑوں سے خوش ہوتا ہے اور عورت کو رنگین کپڑوں سے رغبت کم ہوتی ہے یہاں رنگین کپڑوں سے مراد گھر کے رنگے ہوئے کپڑے ہیں جو اپنے ہاتھ سے رنگ کر پہنے جاتے ہیں ایک روز عورت کو کسی محفل میں شریک ہونا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ سفید کپڑے پہن کر محفل میں شریک ہو مگر اس وقت سفید کپڑے موجود نہیں تھے بس یہی سبب اصل لڑائی کا ہوتا ہے دن بھر مرد غصہ کی حالت میں برا بھلا کہتا رہا ہے شام کو قصہ طول پکڑ جاتا ہے مرد غصہ کی حالت میں عورت سے کہتا ہے کہ اگر آج سے تو نے میرے سامنے رنگین کپڑے پہنے تو میری طرف سے تین طلاق ہے بلکہ تو میری سگی بہن کے برابر ہو گی اب عورت کے پاس گھر کے رنگے ہوئے کپڑوں کے علاوہ ولایتی رنگے ہوئے کپڑے بہت ہیں جن کو وہ پہننا چاہتی ہے اور اس میں مرد بھی راضی ہے کیا عورت اب رنگے ہوئے ولایتی کپڑے پہن سکتی ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۶۵۵ فضل حق نثار احمد پانی والے (دہلی) ۲٦ جمادی الاول ۱۳۵٦ھ م ٤ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۸۸) طلاق معلق سے وہ صورت خارج ہے کہ عورت مرد کے سامنے نہ ہو اور رنگین کپڑے پہن لے یعنی اس صورت میں طلاق نہیں پڑے گی لیکن اگر رنگین کپڑوں میں مرد کے سامنے آجائے گی تو طلاق پڑ جائے گی۔(۱)

مرد کے الفاظ میں تو رنگین کپڑوں کا ذکر ہے اور وہ گھر کے رنگے ہوئے اور ولایتی رنگے ہوئے دونوں کو شامل ہے اس کے کلام میں کوئی تفصیل نہیں ہے لیکن اگر جھگڑا انہیں کپڑوں کے متعلق تھا جو گھر میں رنگے جاتے ہیں اور ولایتی رنگین کپڑوں کے متعلق نہیں تھا اور مرد بھی اقرار کرتا ہے کہ اس کی نیت بھی ولایتی رنگین کپڑوں سے متعلق نہ تھی تو ولایتی رنگین کپڑوں کے ساتھ طلاق متعلق نہ ہو گی۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

گاؤں کے باشندوں نے متفق ہو کر کہا کہ اگر کوئی شخص پنچایت سے الگ ہو جائے اور مسجد میں نماز نہ پڑھے 'تو اس کی بیوی کو تین طلاق

(سوال) ایک گاؤں میں ایک ہی مسجد ہے کوئی دوسری مسجد نہیں ہے اور وہاں کے باشندوں نے متفق ہو کر

---

(۱) واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل ان يقول لا مراته ان دخلت الدار فانت طالق(الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الرابع في الطلاق بالشرط' الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغيرهما ۱ / ٤۲۰ ط ماجديه' كوئٹه)

(۲) حلفه وال ليعلمنه بكل داعر بمهملتين اى مفسد دخل البلدة تقيد حلفه بقيام ولايته بيان لكون اليمين المطلقة تصير مقيدة بدلالة الحال وينبغي تقييد يمينه بفور علمه (درمختار) وقال فى الرد (قوله تقيد حلفه بقيام ولايته) هذا التخصيص بالزمان ثبت بدلالة الحال وهو العلم بان المقصود من هذا الاستحلاف زجره بما يدفع شره او شر غيره بزجره (هامش رد المحتار مع الدرالمختار' كتاب الايمان' باب اليمين في الضرب والقتل وغيره ' مطلب حلفه وال ليعلمنه بكل داعر ۳/ ۸٤٤ ط سعيد كراتشى)

یہ کہا کہ اگر آپس میں کوئی جھگڑا فساد ہو جائے تو سب مل کر آپس ہی میں فیصلہ کر لیا کریں گے اور پنچایت بھی قائم کر لی اور یہ بھی وعدہ کیا کہ سب مل کر مسجد ہی میں نماز پڑھا کریں گے اگر کوئی شخص پنچایت سے علیحدہ ہو جائے اور مسجد میں نماز نہ پڑھے تو اس کی بیوی کو تین طلاق اور اس بات کو ہر شخص نے منظور کر لیا اتفاق وقت کہ کسی بات پر آپس میں جھگڑا ہو گیا اور چند آدمی پنچایت سے فیصلہ ہونے سے پہلے پنچایت سے علیحدہ ہو گئے اور مسجد میں نماز بھی پڑھنا چھوڑ دی اور عید اور بقر عید کی نماز بھی علیحدہ پڑھی آیا وہ لوگ جو جماعت سے علیحدہ ہو گئے ہیں ان لوگوں کی بیویوں کو ان لوگوں کے قول کے مطابق تین طلاق ہوئی یا نہیں ؟المستفتی نمبر ۱۸۵۷ محمد امین پیش امام مسجد (آگرہ) ۳۰ رجب ۱۳۵۶ھ م ۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۸۹) جو لوگ پنچایت سے علیحدہ ہوئے اور مسجد میں نماز پڑھنی چھوڑ دی اگر انہوں نے خود یہ تعلیق کی تھی کہ اگر ہم پنچایت سے علیحدہ ہوں اور مسجد میں نماز نہ پڑھیں تو ہماری بیوی پر تین طلاق تو بے شک ان کی بیویوں پر طلاق مغلظہ پڑ گئی (۱) اور اگر انہوں نے یہ تعلیق اپنی زبان سے نہیں کی تھی تو ان کی بیویوں پر طلاق نہیں پڑی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اگر میں ان شرائط کی خلاف ورزی کروں یا زدو کوب کروں' تو میری زوجہ کو طلاق مغلظہ ہو گی

"نقل اقرار نامہ"

(سوال) منکہ شبراتی ولد علی قوم بز قصاب ساکن بازار ہرپت گنج مزرعہ موضع ہیرا گوبند پور پرگنہ و تحصیل و ضلع رائے بریلی کا ہوں عرصہ قریباً بارہ سال کا ہوا کہ مُقر کا عقد ہمراہ مسماۃ رمضانی دختر بجر عیدی بز قصاب ساکن تیلیاکوٹ شہر رائے بریلی سے حسب شرع شریف محمدی حدیث حنفیہ کے ہوا اور مسماۃ مذکور رخصت ہو کر آتی جاتی رہی مُقر کی جانب سے اکثر تساہلی نان و نفقہ ہوتی رہی چنانچہ مُقر نے رائے بریلی آکر روبرو پنچان داد خواہ ہوا کہ مُقر کی غفلتوں کا اعتراف کرتے ہوئے زوجہ مُقر ہمراہ مظہر رخصت کر دی جائے اب مظہر مذکور تکلیف روحانی و جسمانی نہ پہنچائے گا قبل اس کے بھی ایک اقرار نامہ مُقر نے نسبت نان و نفقہ زوجہ اپنی کو تحریر کر دیا تھا جس کی پابندی مُقر سے نہیں ہو سکی پنچان مظہر رحم خسروانہ ہمراہ مُقر زوجہ مُقر کو رخصت کرا دینے پر آمادہ و تیار ہوئے کہ مظہر ایک اقرار نامہ تحریر کر دیوے کہ اب کسی قسم کی تکلیف روحانی و جسمانی زوجہ منکوحہ کو نہ پہنچائے گا اور بآرام نان و نفقہ حسب استطاعت خود کرے گا چنانچہ مُقر حسب ذیل کا پابند ہوتا ہے اول یہ کہ مُقر زوجہ منکوحہ اپنی کو اپنے مکان میں بآرام رکھوں گا کسی طرح کی تکلیف روحانی و جسمانی نہ پہنچاؤں گا اور نہ کوئی کمی نان و نفقہ میں کروں گا اور بموجب رواج رخصت بھی دیا کروں

---

(۱) واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل ان يقول لا مراته ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الرابع في الطلاق بالشرط' الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغيرهما ۱/ ۴۲۰ ط ماجديه كوئته)

گا اور بعد میں آمد و رفت رہے گی اگر مُقر شرائط بالا کے خلاف کرے گا اور تکلیف روحانی و جسمانی پہنچائے گا اور نان و نفقہ میں کمی کرے گا یا زدوکوب کرے تو مُقر اقرار شرعی کرتا ہے اور تحریر کئے دیتا ہے کہ میری زوجہ کو طلاق مغلظ ہو گی اور زوجہ مُقر کو اختیار ہو گا کہ وہ جس شخص کے ساتھ چاہے عقد ثانی کرلیوے مجھ کو دعوٰی و حق نہ ہو گا اور مُقر ادائے دین مہر کا ذمہ دار ہو گا۔ المستفتی نمبر ۱۹۳۴ عبدالغنی صاحب (رائے بریلی) ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹۰) چونکہ زوج نے اپنے اقرار میں لکھا ہے کہ اگر ان شرائط کی خلاف ورزی کروں یا زدوکوب کروں تو منکوحہ کو طلاق مغلظ ہو جائے گی تو اگر زوج نے اس اقرارنامہ کی تحریر کے بعد منکوحہ کو زدوکوب کیا ہے یا دیگر شرائط کی خلاف ورزی کی ہے تو منکوحہ پر طلاق مغلظ اس کی تحریر کے بموجب واقع ہو گئی (۱) اور وہ دوسرا نکاح بعد عدت کرنے کی حق دار ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اگر دس روپے ماہوار نہ دوں یا علیحدہ رہنا اختیار کروں تو اس دن سے میری منکوحہ سے میرا کوئی تعلق نہ رہے گا

نقل کابین نامہ

مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۶ء ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ

(سوال) اقرار کرد صحیح و اعتراف نمود شرعی معتبر اسم و نسب خود مظفر حسین خلف مظہر حسین خاں ساکن قدیمی اندور سے عوض مہر ۵۰۰ روپے کلدار نصف معجل و نصف موجل بموجب رسم شریعت کے ہوا ہے لہذا اس جلسہ نکاح میں روبرو قاضی صاحب بصحت عقل و حواس و درستی دماغ کے میں اپنے کو خاص اس تحریر کے ذریعہ پابند کر کے لکھ دیتا ہوں کہ میں اپنی منکوحہ کو نان و نفقہ اور کسی بات کی تکلیف نہ دوں گا اور ہمیشہ استرضاء زوجہ خود مسطورہ کو شش کروں گا کوئی بات خلاف شرافت کے نہ ہو گی یعنی سخت کلامی دشنام دہی و زدوکوب نہ کروں گا اور اپنے قوت بازو سے کماؤں گا اور اپنی بیوی کے ہاتھ میں دوں گا پردیس نہیں لے جاؤں گا اور آمد و رفت گھر و عزیز و اقارب سے مانع نہ ہوں گا اور اس بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری بیوی نہ کروں گا مزید برآں میں اپنے کو پابند کر کے اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ یوم عقد سے میں اور میری منکوحہ خسر غلام دستگیر خاں صاحب اور خوشدامن کلثوم بی کی خدمت میں رہوں گا جہاں رہیں گی ہرگز علیحدہ نہ رہوں گا اور خود اپنی کمائی سے ہم میاں بیوی اپنا کھائیں گے اور جملہ اخراجات وابستگی انسان کریں گے اور خدانخواستہ

---

(۱) واذا اضافه الی الشرط وقع عقیب الشرط مثل ان یقول لا مراته ان دخلت الدار فانت طالق وهذا بالا تفاق لان الملك قائم فی الحال والظاهر بقاء ه الی وقت وجود الشرط فیصح یمینا و ایقاعا (الهدایة' کتاب الطلاق' باب الایمان فی الطلاق ۲/ ۳۸۵ ط شرکة علمیه ملتان) وقال فی الدر: و تنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا لکن ان وجد فی الملك طلقت و عتق والا لا (الدرالمختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب التعلیق ۳/ ۳۵۵ ط سعید کراتشی)

(۲) قال الله تعالیٰ ولا تعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ الکتاب اجله (البقرة ۲۳۵)

ناافتاقی واقع ہو تو نان و نفقہ کو دس روپے ماہوار اپنی منکوحہ کو بلا کسی عذر و حیلہ ادا کرتا رہوں گا اگر دس روپے ماہوار نہ دوں یا علیحدہ رہنا اختیار کروں تو اس وقت اور اس دن سے میری منکوحہ سے میرا کوئی تعلق نہ رہے گا حسب شرع میری طرف سے مثل طلاق ثلاثہ کے رہیگا یہ چند کلمات بطور اقرار نامہ کے لکھ دیئے ہیں کہ سند ہوں اور وقت ضرورت کام آویں۔ مظفر حسین گواہ نور محمد، نظیر محمد، قاضی صاحب وغیرہ

اس صورت میں کہ جس شخص نے یہ کابین نامہ مع گواہ مندرجہ بالا کے تحریر کر کے اپنے کو پابند کابین نامہ کیا ہے مگر وہ اس کابین نامہ کے شرائط کا پابند نہیں ہے تو ایسی صورت میں طلاق متصور ہوگی یا نہیں۔ جواب مرحمت ہو؟ المستفتی نمبر ۲۰۸۲ ایم' کے' بمبئی والا (سورت) ۲۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۳۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹۱) کابین نامہ کی تمام شرائط کی خلاف ورزی پر طلاق معلق نہیں کی گئی ہے بلکہ طلاق صرف دو شرطوں پر معلق ہے جو لفظ اگر سے شروع ہوتی ہے وہ یہ ہیں کہ بصورت ناافتاقی کے دس روپے ماہوار نہ دے اور دوسری شرط یہ ہے کہ بی بی کو چھوڑ کر علیحدہ رہنا اختیار کرے ان دو شرطوں میں سے کسی ایک کے واقع ہونے پر طلاق ہوگی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

اگر بموجب اقرار نامہ کے بیوی کے لئے نان و نفقہ کا انتظام نہیں کریں گے، تو اپنی بیوی سے لادعویٰ ہو جائیں گے' کیا حکم ہے؟

(سوال) مسمی نبی رسول ولد میرا بخش نے ایک اقرار نامہ لکھا اس پر قائم نہیں رہے اور بیوی سے بالکل بے تعلق ہیں جس کو آج چار سال کے قریب ہوتا ہے تو آیا اس اقرار نامہ سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں شرط طلاق نامہ یہ ہے کہ مسماۃ فہیمہ بی بی دختر میاں جی نور محمد ساکن موضع کپ مانوں عرف درگاہ تحصیل گھوسی ضلع اعظم گڑھ کو خرچ خانگی مبلغ صد روپے ماہوار اور سال میں دو جوڑہ کپڑا برابر دیا کریں گے اور اگر درمیان میں کسی طور کا نقص و فتور ہو گا یا ہم فتور پیدا کریں گے تو ہماری ذات و جائیداد سے ساتھ دعوے کے میانجی نور محمد صاحب وصول کر لیویں گے اور علاوہ اس کے یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ بموجب اقرار نامہ کے نہیں انتظام کریں گے تو اپنی بیوی سے لادعویٰ ہو جائیں گے۔ المستفتی نمبر ۲۱۰۹ شیخ نور محمد صاحب (اعظم گڑھ) ۹ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۳ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹۲) اگر نبی رسول اقرار کرے کہ اس کا مطلب ان الفاظ سے یہ تھا کہ بیوی کو طلاق ہو جائے گی تو اس کی خلاف ورزی کرنے پر طلاق ہو گئی اور اگر وہ اقرار نہ کرے تو اس اقرار سے تو طلاق نہیں

---

(۱) واذا اضافه الی الشرط وقع عقیب الشرط مثل ان یقول لا مراته ان دخلت الدار فانت طالق وهذا بالا تفاق لان الملك قائم فی الحال والظاهر بقاء ه الی وقت وجود الشرط فیصح یمینا وایقاعا (الهدایة' كتاب الطلاق' باب الایمان فی الطلاق ۲/ ۳۸۵ ط شركة علمیه ملتان)

ہوئی(۱) مگر عورت کو بوجہ نان و نفقہ وصول نہ ہونے کے مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرانے کا حق ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شوہر نے بیوی سے کہا "اگر تم اپنے بھائی کے سامنے ہوگی، تو تو حرام ہو جائے گی" تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) زید نے اپنی بیوی سے کسی رنجش کی بنا پر غصہ کی حالت میں کہا کہ اگر تو اپنے بھائی کے سامنے ہوگی تو تو حرام ہو جائے گی اور اسی وقت لوگوں نے زید سے کہا کہ تم ایسا لفظ زبان پر کیوں لاتے ہو تو زید نے فوراً اپنی نشست میں کہا میں طلاق کی نیت سے یہ لفظ زبان پر نہیں لایا آپ لوگ خواہ مخواہ نیا مطلب لگاتے ہیں مگر سامعین اس کی باتوں پر یقین نہ کرتے ہوئے شبہ کرتے ہیں کہ زید نے ضرور نیت طلاق سے کہا ہوگا لیکن لفظ کی گرفت کی وجہ سے نیت طلاق سے انکار کرتا ہے پھر ایسی صورت میں زید کے قول سے طلاق معلق ہوئی کہ نہیں اگر زید کی بیوی اپنے بھائی کے سامنے ہوگی تو طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں اور لوگوں کا شبہ کرنا کہاں تک صحیح ہے ؟

(۲) زید سے جب لوگوں نے پوچھا اور اس نے کہا کہ میری نیت طلاق کی نہیں ہے بلکہ میں نے دھمکی دینے اور اس سے میل جول کرنے سے روکنے کے لئے ایسا کہا ہے اب میں سامنے ہونے کے لئے اجازت دیتا ہوں مگر اس کی بیوی احتیاطاً اب تک اپنے بھائی کے سامنے نہیں ہوتی ہے اب جب کہ زید نے سامنے ہونے کی اجازت دیدی ہے تو اگر زید کی بیوی اپنے بھائی کے سامنے ہو تو کیا حکم ہے ؟ **المستفتی نمبر ۲۱۳۴** اور ضوان محمد غازی (پٹنہ) ۷ اشوال ۱۳۵۶ھ م ۲۱ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹۳) منکوحہ کے لئے حرام کا لفظ بغیر نیت طلاق کے بھی طلاق کے معنی ہی پر محمول ہوتا ہے اس لئے پہلا عذر غلط ہے(۳) ہاں جب اس نے اجازت دیدی تو اب اس کی بیوی کے اپنے بھائی کے سامنے ہونے سے طلاق نہیں پڑے گی کیونکہ پہلی تعلیق بشہادت عرف بغیر اجازت زوج سامنے ہونے پر محمول

---

(۱) اس لئے کہ "...... ہو جائیں گے" الفاظ کنایہ میں سے ہے، صریح طلاق کا لفظ نہیں ہے لہذا اس میں اگر طلاق کی نیت ہو، تو طلاق بائنہ واقع ہوگی، ورنہ نہیں، اور نیت کا حال شوہر سے معلوم ہو سکتا ہے، کما فی الدر المختار : فالکنایات لا تطلق بھا قضاء الا بنیۃ او دلالۃ الحال وھی حالۃ مذاکرۃ الطلاق او العضب ...... والقول لہ بیمینہ فی عدم النیۃ (تنویر الابصار و شرحہ مع ھامش ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب الکنایات ۳/۲۹۶، ۲۹۷، ۳۰۰ ط سعید کراتشی)

(۲) دیکھئے اس کتاب کا باب فسخ و انفساخ، فصل سوم عدم نان نفقہ مسئلہ نمبر ۱۰۴ حاشیہ نمبر ۴

(۳) قال لا مراتہ انت علی حرام ایلاء ان نوی التحریم اولم ینو شیئا وظھار ان نواہ وھدر ان نوی الکذب و تطلیقۃ بائنۃ ان نوی الطلاق و ثلاث ان نواھا و یفتی بانہ طلاق بائن ان لم ینوہ لغلبۃ العرف (الدر المختار، مع ھامش ردالمحتار کتاب الطلاق باب الایلاء ۳/۴۳۳ ط سعید کراتشی) وقال فی رد المحتار : والحاصل ان المتاخرین خالفوا المتقدمین فی وقوع البائن بالحرام بلانیۃ حتی لا یصدق اذا قال لم انو لا جل العرف الحادث فی زمان المتاخرین (ھامش رد المحتار، کتاب الطلاق، باب الکنایات ۳/۲۹۹ ط سعید کراتشی)

ہو گی اور اجازت کے ساتھ سامنے ہونا شرط کے وجود کا باعث نہ ہو گا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جب تک تم اس شہر میں ہو اگر میں نے یہ امامت کی تو میری عورت کو تین طلاق ہے

(سوال) زید و عمر و دو بھائیوں کے درمیان لڑائی ہوئی زید نے عمرو کو ایک کام کرنے پر مجبور کرنا چاہا اور عمرو نے انکار کیا مگر زید نے بہت تنگ کیا اور غصہ ہو کر عمرو کو کہا کہ تو کافر ہے عمرو نے اپنی جان چھڑانے کے لئے بہت غصہ میں کہا کہ ہاں بھائی میں کافر ہوں اور دو خدا ہیں (نعوذ باللہ) اور عمرو کا دل بالکل مطمئن تھا وحدانیت الٰہی پر مگر غصہ کی حالت تھی کیا عمرو اس کلمہ کے کہنے سے مرتد ہو گیا یا نہیں؟ پھر کلمہ توحید پڑھ کر عمرو وہاں سے روانہ ہوا زید اس کے پیچھے چلا تھوڑی دور جا کر زید نے کہا اچھا بھائی تو میری جگہ پر امامت کرنا میں کسی دوسری جگہ گزارہ کروں گا عمرو نے کہا کہ جب تک تو اسی شہر میں ہو اگر میں نے یہ امامت کی تو میری عورت کو تین طلاق' اور دونوں بہت غصہ کی حالت میں تھے زید نے کہا بہت اچھا امامت نہ کرو اور دو تین گھنٹے بعد غصہ فرو ہوا تو دونوں راضی ہو گئے اور اس بات پر اتفاق ہوا کہ دوسرے دن میں اس شہر سے چلا جاؤں گا اور تم یہ امامت کرو عمرو نے کہا بہت اچھا! چنانچہ زید سامان لے کر روانہ ہوا اور شہر سے نکل گیا عمرو نے امامت کی تین چار نماز پڑھائی دوسرے دن زید مع سامان کے اسی شہر میں پھر داخل ہوا اور عمرو نے ظہر کی امامت کر لی زید کہتا ہے کہ میرا اس شہر سے واپس جانے کا ارادہ تھا کیا عمرو کی عورت کو طلاق ہو جائے گی یا نہیں؟ اور کیا عمرو کے لئے اول اوپر کے کلمے کہنے سے امامت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۸۱۵ مولانا حشمت علی صاحب صدر مدرس مدرسہ قاسمیہ بلند شہر ۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹۴) اگر یہ الفاظ کہ "ہاں بھائی میں کافر ہوں اور دو خدا ہیں" عمرو نے ہوش و حواس قائم ہونے کی حالت میں کہے ہیں تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا(۲) مگر دوسری بار تعلیق طلاق سے تعلیق صحیح ہو گئی اور خلاف ورزیٔ شرط پر طلاق معلق واقع ہو جائے گی(۳) اور اگر وہ ہوش و حواس قائم نہ رکھتا تھا یعنی شدت

---

(۱) حلفه وال ليعلمنه بكل داعر بمهملتين اى مفسد دخل البلدة تقيد حلفه بقيام ولايته بيان لكون اليمين المطلقة تصير مقيدة بدلالة الحال و ينبغي تقييد يمينه بفور علمه (درمختار) وقال في الرد (قوله تقيد حلفه بقيام ولايته) هذا التخصيص بالزمان ثبت بدلالة الحال وهو العلم بان المقصود من هذا الاستحلاف زجره بما يدفع شره او شر غيره بزجره (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الايمان باب اليمين فى الضرب والقتل وغيره' مطلب حلفه وال ليعلمنه بكل داعر ۳ / ۸۴۴ ط سعيد كراتشى)

(۲) اذا اطلق الرجل كلمة الكفر عمدا لكنه لم يعتقد الكفر قال بعض اصحابنا لا يكفر لان الكفر يتعلق بالضمير ولم يعتقد الضمير على الكفر وقال بعضهم يكفر وهو الصحيح عندى لانه استخف بدينه (هامش ردالمحتار' كتاب الجهاد' باب المرتد ۴ / ۲۲۴ ط سعيد كراتشى)

(۳) بشرطیکہ تجدید نکاح کر لیا ہو اس لئے کہ مرتد ہونے سے نکاح فوراً فسخ ہو جاتا ہے' اور جب نکاح فسخ ہو گیا تو عورت پر طلاق نہیں ہو گی کیونکہ وقوع طلاق کے لئے عورت کا شوہر کے نکاح میں ہونا ضروری ہے' كما فى الرد (قوله و محله المنكوحة) اى ولو معتدة عن طلاق رجعى او بائن غير ثلاث فى حرة و ثنتين فى امة (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق ۳ / ۲۳۰ ط سعيد كراتشى)

غضب میں مسلوب الحواس ہو گیا تھا تو ارتداد نہیں ہوا (۱) اور تعلیق طلاق صحیح ہو گئی اور پھر زید کے شہر میں داخل ہونے کی حالت میں جو نماز ظہر عمرو نے پڑھائی اس سے شرط کی خلاف ورزی ہو کر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سوال متعلقہ استفتائے سابق

متعلقہ استفتائے سابق

(سوال) (۱) بصورت فسخ نکاح جب یہ الفاظ کہ "اگر میں نے یہ امامت کی تو میری عورت کو تین طلاق ہیں" صادر ہوئے تو عورت منکوحہ نہ تھی کیونکہ نکاح بوجہ ارتداد فسخ ہو گیا لہذا یہ تعلیق کیونکر صحیح ہو گی علاوہ ازیں حروف شرط میں سے کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس امر کو ظاہر کر رہا ہو کہ جب کبھی یہ نکاح کرے گا تو وجود شرط کی وجہ سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

(۲) کیا یہ صورت یمین فوری نہیں ہو سکتی کہ اگر زید شہر میں رہتا ہوتا اور عمرو اسی وقت امامت کرتا تو ضرور طلاق واقع ہو جاتی حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہوا علاوہ ازیں اگر اس نے زید کے آنے کے بعد اور غصہ کے فرو ہونے کے بعد ظہر کی نماز پڑھائی تو عرف اور کلام متخاصمین میں امامت سے مراد تو مستقلاً امامت ہے کیونکہ زید نے یہ کہا تھا کہ میری جگہ پر امامت کرنا نہ یہ کہ ایک وقت کی نماز پڑھانا کیونکہ زید مستقلاً امام ہے ہاں اگر عمرو یہ کہہ دیتا کہ اگر کسی وقت بھی میں نے یہ امامت کی تو میری عورت پر تین طلاق ہیں تو اور بات تھی۔
المستفتی نمبر ۲۱۳۵ مولانا حشمت علی صاحب مدرس اول مدرسہ قاسمیہ بلند شہر۔ ۱۷ شوال ۱۳۵۶ھ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹۵) (۱) قال فی الفتح و یقع طلاق زوج المرتدة علیها مادامت فی العدة لان الحرمة بالردة غیر متابدة فانها ترتفع بالا سلام فیقع طلاقه علیها فی العدة مستتبعافائدته من حرمتها علیه بعدالثلاث حرمة مغیاة بوطء زوج اخر بخلاف حرمة المحر میة فانها متابدة لا غایة لها فلا یفید لحوق الطلاق فائدة الخ (شامی ص ٤٢٥ ج ۲) (۳) اور جب تنجیز طلاق مرتد سے صحیح ہے تو تعلیق بدرجہ اولیٰ صحیح ہو گی۔

---

(۱) وشرائط صحتها العقل والصحو والطوع فلا تصح ردة مجنون و معتوه و موسوس و صبی لا یعقل (درمختار) وقال فی الرد (قوله معتوه) عزاه فی النهر الی السراج وهو الناقص العقل و قیل المدهوش من غیر جنون کذافی المغرب (هامش رد المحتار مع الدرالمختار' کتاب الجهاد' باب المرتد ٤/٢٢٤ ط سعید کراتشی) وقال فی الهندیة' وکذا لو کان معتوها او موسوسااومغلوبا علی عقله بوجه من الوجوه فهو علی هذا (الفتاوی الهندیة' کتاب السیر' الباب التاسع فی احکام المرتدین ۲/۲۵۳ ط ماجدیه' کوئٹه)
(۲) تنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا لکن ان وجد فی الملك طلقت و عتق والا لا (الدر المختار' مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب التعلیق ۳/۳۵۵ ط سعید کراتشی)
(۳) هامش ردالمحتار' کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۳/۱۹۳ ط سعید کراتشی)

(۲) یمین فور کے احکام اس وجہ سے جاری نہیں ہو سکتے کہ فور کا وجود نہیں پہلے غصہ کی حالت رفع ہو چکی ہے اور عمرو توبہ واستغفار کر کے جا چکا ہے زید نے اس کو جا کر ایک امر پیش کیا اس پر اس نے یمین کی یمین کے الفاظ میں امامت مستقلہ یا عارضہ کا کوئی فرق نہیں کیا گیا اس لئے وہ مطلق امامت پر محمول ہوگی(۱) اور شرط کے وجود پر طلاق ضرور ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مشروط طلاق میں شرط پوری نہ ہونے کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوگی.

(سوال) زید نے اپنی شادی کے وقت لہجہ کے اسٹامپ پر اقرار کیا ہے کہ بصورت نااتفاقی وناچاقی زوجہ ام کو مبلغ ۔ روپے ماہوار گزارہ اس کے والدین کے یہاں بیٹھی کو دوں گا اگر کسی وجہ سے دو ماہ تک رقم گزارہ نہ دے سکوں تو پھر میری زوجہ میری زوجیت سے آزاد ہو جائے گی اور نکاح بعدم نکاح متصور ہوگا زید نو ماہ تک تو بیوی خود کے پاس رہ کر اس کا گزارہ حسب خواہش کرتا رہا اس کے بعد دوسری جگہ ملازم ہو کر چلا گیا جہاں سے دس روپے ماہوار بذریعہ منی آرڈر بھیجتا رہا رسید منی آرڈر دو ماہ کی زید کے پاس موجود ہیں مگر زوجہ زید نے منی آرڈر نہیں لئے واپس کرتی رہی اب نوٹس دے دیا ہے کہ گیارہ ماہ سے تم نے مجھے گزارہ نہیں دیا اس لئے میں تمہاری زوجیت سے بموجب تمہاری تحریر کے آزاد ہوں لہذا رقم مہر ۱۰۰ روپے عند الطلب اور رقم گزارہ ۱۱ ماہ ادا کر دو ورنہ بذریعہ عدالت بموجب تمہاری تحریر کے وصول کروں گی اس لئے براہ مہربانی تحریر فرمائیں کہ ایسی صورت و حالت میں طلاق واجب ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۳۴ بشیر احمد (کوہ شملہ) ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۳ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۹۶) اگر زید نو ماہ تک بیوی کے ساتھ رہا اور دونوں گزارہ کرتے رہے پھر سفر میں گیا تو وہاں سے بھی دس روپے ماہوار بھیجے زوجہ نے منی آرڈر وصول نہیں کیا تو زید کی طرف سے شرط کی خلاف ورزی نہیں ہوئی اور طلاق واقع نہیں ہوئی۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

اگر سوا مہینہ کے اندر اندر تمہارے نان ونفقہ کی جملہ واجب الادا رقم پہنچا کر تمہیں اپنے ساتھ نہ لے جاؤں، تو میری اس تحریر کو طلاق سمجھے

(سوال) (۱) عبدالرحمن نامی ایک شخص نے مسماۃ فاطمہ بو سے نکاح کیا اور سال ڈیڑھ سال کے بعد اپنی زوجہ فاطمہ بو کو اپنے خسر کے مکان پر بھیج دیا اور خود زوج گداگر بن کر چلہ کشیوں کے بہانہ سے آستانوں مزاروں پر

---

(۱) بل المطلق یجری علی اطلاقہ والمقید علی تقییدہ (اصول الشاشی، البحث الاول فی کتاب اللہ تعالیٰ فصل فی المطلق والمقید ص ۱۱ ط قدیمی کراتشی) وقال فی التوضیح: حکم المطلق ان یجری علی اطلاقہ کما ان المقید علی تقییدہ فاذا ورد ای المطلق والمقید فان اختلف الحکم لم یحمل الحکم المطلق علی المقید (التوضیح والتلویح، فصل حکم المطلق ۱/۱۶۹ ط میر محمد کراتشی)

(۲) واذا اضافہ الی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقا (الفتاوی الهندیة، کتاب الطلاق، الباب الرابع فی الطلاق بالشرط، الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة ان واذا وغیرهما ۱/۴۲۰ ط ماجدیہ، کوئٹہ)

بیٹھ کر مفت کی روٹیاں کھانے لگا اور ملازمت وغیرہ سب چھوڑ کر اپنے اوپر کسب حلال کا سدباب ہی کر لیا اسی طرح ڈھائی تین سال تک آوارہ گردی میں لاپتہ رہا اور فاطمہ بو کے غریب والدین اپنی لڑکی کے نان و نفقہ کا خرچ برداشت کرتے رہے۔

(۲) آخر الامر عبدالرحمن خاں اپنی زوجہ کے شہر میں گھومتے گھماتے آنکلا اپنی زوجہ کے پاس آنے کی نیت سے نہیں بلکہ اس ارادہ سے آگیا تھا کہ کسی آستانہ پر چندروز مفت کی روٹیاں کھا کر چلتا بنوں مگر اتفاق سے راہ میں عبدالرحمن خاں کو اس کے سالے نے دیکھ لیا اور اسے سمجھا بجھا کر اس کی زوجہ کے پاس لے آیا زوجہ نے اپنے زوج سے نان و نفقہ واجبہ کا مطالبہ کیا اور خود کو ساتھ لے جانے کو کہا مگر سر دست عبدالرحمن خاں میں یہ وسعت کہاں تھی کہ مذکورہ مدت کا نان و نفقہ ادا کر کے زوجہ کو سنبھال لے جب کہ اپنا پیٹ پالنا مشکل ہو ںا آخر زوج مذکور نے ایک تحریر بمضمون ذیل لکھ کر زوجہ کے حوالے کی۔

من محرر عبدالرحمن خاں ولد بھیکن خاں وجہ تحریر اینکہ چونکہ میں تمہارے نان و نفقہ کا متحمل نہیں ہو سکا اس لئے میں نے تم کو تمہارے والدین کے مکان پر بھجوادیا اور انہوں نے ڈھائی تین سال تک تمہارے نان و نفقہ کا خرچ برداشت کیا اب جب کہ انہوں نے تم کو اتنی مدت سنبھالا ہے تو میں مزید بر آں تم سے مہینہ سوا مہینہ کی مہلت اور چاہتا ہوں اگر مہینہ سوا مہینہ کے اندر اندر تمہارے نان و نفقہ کی جملہ واجب الادار قم پہنچا کر تمہیں اپنے ساتھ نہ لے جاؤں تو میری اس تحریر کو طلاق سمجھیے۔ الراقم عبدالرحمن خاں ولد بھیکن خاں۔

عبدالرحمن خاں کی بیوی سے وثوق کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ میں جب تک اپنے زوج کے ساتھ رہی وہاں تک بھی میرا زوج جیسا چاہیئے ویسا صحبت پر قادر نہ تھا اور جس وقت زوج نے مذکورہ تحریر میرے حوالے کی اور جانے لگا اس وقت یہ کہہ گیا ہے کہ میں اب دنیا کی لائن میں نہیں ہوں یہ بات بھی جناب کی خاص توجہ کی محتاج ہے تحریر تعلیق طلاق عبدالرحمن خاں زوجہ کے حوالے کر کے چلتا بنا حتی کہ مدت مطلوبہ ختم ہو چکی اور اس پر بھی آٹھ نو مہینے گزر چکے ہیں اور مدت مطلوبہ ختم ہونے کے قبل و بعد بذریعہ رجسٹری متعدد دنوں سے زوج کو مدت تعلیق طلاق کی یاددہانی بھی کی گئی مگر جملہ تدابیر بے سود ہوئیں زوجہ عبدالرحمن خاں فاطمہ بو صورت مسئولہ میں مطلقہ سمجھی جائے گی یا نہیں۔ آپ کی جانب سے شرعی جواب آجانے کے بعد دوسرے نکاح کے لئے عدت کی مدت گزارنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۴۷ مولوی حسین میاں صاحب (کاٹھیاواڑ) ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۸ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۹۷) یہ تحریر جو عبدالرحمن خاں نے خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر زوجہ کو دی معتبر اور تعلیق صحیح ہے اس تحریر کی تاریخ سے سوا مہینے یعنی ۳۸ دن گزرنے کے بعد زوجہ پر طلاق پڑ گئی جب کہ اس کو اس مدت میں کل رقم نفقہ واجبہ کی ادا نہ کی گئی ہو (۱) اور اس کے بعد اگر تین حیض آچکے تو مدت بھی ختم

---

(۱) اذا اضافه الی الشرط وقع عقیب الشرط مثل ان یقول لا مراته ان دخلت الدار فانت طالق (الهدایة' کتاب الطلاق باب الایمان فی الطلاق ۲ / ۳۸۵ ط شرکة علمیه ملتان)

ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شرائط لکھنے کے بعد عمل نہ کرے تو اس کی بیوی مطلقہ ہوگی یا نہیں ؟

(سوال) ایک شخص شفیع محمد نامی نے جس کا نکاح خاتون سعیدن سے ۵ برس قبل ہوا تھا اور جو گزشتہ سنین میں خاتون سعیدن کے نان نفقہ کا کوئی مناسب بندوبست نہ کر سکا مورخہ ۱۵ جون ۱۹۳۷ء کو جب موصوف بسلسلہ روزگار ترک وطن کر رہا تھا تحریر بذا لکھ کر دی۔

میکہ شفیع محمد ولد غریبی قوم مسلمان ساکن نیت مار کیٹ کا ہوں جو کہ میری شادی و نکاح مسماۃ سعیدن دختر ننھے خان قوم مسلمان ساکن بیروں اور چھار دروازہ شہر جھانسی سے عرصہ چار سال جب ہوا تھا مگر میں مقراب تک مسماۃ مذکور کے نان و نفقہ وغیرہ کا مناسب انتظام نہیں کر سکا اس لئے بغرض اطمینان مسماۃ مذکور کو حسب شرائط ذیل اقرار نامہ کر رہا ہوں۔

(۱) یہ کہ میں مقر بے بسی سے بسلسلہ ملازم ہو کر باہر جا رہا ہے اور مسماۃ مذکور جو کہ اپنے والدین کے ہاں عرصہ سے موجود ہے اس کے واسطے آٹھ روپے ماہوار نفقہ وغیرہ روانہ کرتا رہے گا۔

(۲) یہ کہ مقر اب کبھی مسماۃ مذکور کو کسی قسم کی کوئی تکلیف روحانی و جسمانی وغیرہ نہ دے گا۔

(۳) یہ کہ مقر اگر چھ ماہ تک مسماۃ مذکور کو مبلغ آٹھ روپے ماہوار کے حساب سے نان و نفقہ وغیرہ نہ ادا کرے اور نہ کسی قسم کی روحانی و جسمانی خبر لے اور نہ خط و کتابت رکھے تو یہ اقرار نامہ بطور طلاق نامہ متصور ہوگا اور مسماۃ مذکور کو بعد گزرنے میعاد عدت اختیار ہوگا کہ مسماۃ مذکور اپنا دوسرا عقد کر لے تو مقر کو عقد ثانی کی نسبت کوئی کارروائی پنچایتی و عدالتی کرنے کا کوئی حق و اختیار نہ ہوگا اور یہ طلاق ساتھ رضامندی کے ہوگی اور نہ کوئی میرے رشتہ داروں کو حق اعتراض ہوگا۔

(۴) یہ کہ اگر مقر نان و نفقہ میعاد مقررہ تک ادا نہ کرے اور طلاق ہو جاوے تو اس صورت میں مسماۃ مذکور کو اختیار ہوگا کہ تین ماہ پندرہ یوم گزرنے میعاد عدت کے نان و نفقہ رقم مہر تعدادی مبلغ پانچ سو روپے کا دعویٰ کرے اور مجھ کو اور وارثان میرے کو کسی طرح کا عذر و حیلہ نہ ہوگا۔

(۵) اور یہ کہ مقر مسماۃ مذکور کو اپنے ہمراہ کسی وقت لے جاوے اور وہاں پر کسی طرح کی تکلیف روحانی و جسمانی وغیرہ اس کو دیوے تو مسماۃ مذکور کو اختیار ہوگا کہ وہ بلا اجازت میرے اپنے والدین خواہ اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں جا سکتی ہے اور کسی وقت مسماۃ مذکور کو خواہ کوئی حقیقی رشتہ دار بنابر رخصت مذکور کو لینے کے واسطے پہنچے تو مقر بلا عذر و حیلہ اس کے ساتھ فوراً رخصت کر دے گا اور یہ اقرار نامہ بدرستی ہوش و حواس اور نہ کسی زور کے ساتھ تحریر کر دیا کہ سند ہو اور وقت ضرورت کام آوے۔ دستخط بقلم خود سید اشتیاق

---

(۱) وهي في حق حرة تحيض لطلاق ولو رجعيا او فسخ بجميع اسبابه بعد الدخول حقيقة او حكما ثلاث حيض كوامل (الدر المختار مع هامش رد المحتار، كتاب الطلاق، باب العدة ۳ / ۵۰۴ ط سعيد كراتشي)

احمد محرر وکیل کلکٹری جھانسی ۵ اجون ۱۹۳۷ء
لکھ کر لڑکی مذکور کے ورثاء کے حوالہ کر گیا تا ہنوز موصوف نے اپنا اقرار پورا نہیں کیا نہ نان و نفقہ نہ خط و کتابت جس کو عرصہ ایک سال کا ہوا اب دریافت طلب امر یہ ہے۔
(۱) طلاق واقع ہو گئی یا نہیں 'اگر ہوئی تو کب' نیز لڑکی کو از روئے شرع عقد ثانی کا اختیار ہے یا نہیں اور عدت ختم ہو چکی یا نہیں ؟
(۲) لڑکی شخص مذکور سے زر مہر لے سکتی ہے یا نہیں ؟
(۳) شخص موصوف کو طلاق واقع ہونے کی صورت میں کوئی حق باقی رہتا ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۲۳۰۷ نھے خاں صاحب (جھانسی) ۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ ۱۲ جولائی ۱۹۳۸ء
(جواب ۲۹۸) اگر شوہر نے اقرار نامہ لکھایا لکھوایا تھا اور اس پر دستخط یا نشان انگوٹھا لگایا تھا اور پھر چھ ماہ تک نفقہ مقررہ ادا نہیں کیا اور کوئی خبر گیری نہ کی اور نہ خط و کتابت رکھی تو چھ ماہ گزرتے ہی عورت پر طلاق ہو گئی (۱) اور اس کے بعد تین مرتبہ حیض آچکا ہو تو عدت بھی پوری ہو گئی (۲) اب وہ شوہر سے مہر لے سکتی ہے (۳) اور اپنی مرضی سے جہاں چاہے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شوہر نے بیوی سے کہا "اگر تو نے زنانہ کیا' تو تو میری بیوی ہے اور اگر تو نے زنا کیا ہے' تو میری طرف سے تین دفعہ طلاق ہے' تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) (۱) زید کا نکاح ہندہ سے ہوا جس کو عرصہ بیس سال کا ہوا ہو گا زید سے ہندہ کے ایک لڑکی ہے جو کہ اب شادی شدہ ہے اب زید ہندہ پر چند شبہات کی وجہ سے زنا کا شک کرتا ہے کہ ہندہ نے محمود سے زنا کیا ہو گا جو کہ زید کا بہنوئی ہے محمود کی عمر ۵۰ سال کی ہے زید نے محمود کو ہندہ سے زنا کرتے نہیں دیکھا نہ کوئی اور گواہ زنا کرتے ہوئے دیکھنے کا ہے۔
(۲) زید نے برادری کے دو آدمیوں سے کہا کہ مجھ کو محمود پر شک ہے کہ اس نے ہندہ سے زنا کیا ہو اس لئے کیا محمود اپنے بیٹے پر ہاتھ رکھ کر قسم کھا کر میرا شک دور کر سکتا ہے ان دو آدمیوں نے محمود سے لڑکے پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے کو کہا محمود نے یہ کہا کہ میں لڑکے پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے کو تیار ہوں اور

---

(۱) واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل ان يقول لا مراته ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الرابع في الطلاق بالشرط' الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغيرهما ۱/ ۴۲۰ ط ماجدیه کوئٹه)
(۲) وهي في حق حرة تحيض لطلاق بعد الدخول حقيقة او حكما ثلاث حيض كوامل بعدم تجزى الحيضة (الدر المختار مع هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق' باب العدة ۳/ ۵۰۴ ط سعيد كراتشى)
(۳) وتجب ان سماها او دونها و يجب الا كثر منها ان سمى الاكثر ويتا كد عند وطئ او خلوة صحت من الزوج او موت احدهما (الدر المختار مع هامش ردالمحتار' كتاب النكاح' باب المهر ۳/ ۱۰۲ ط سعيد كراتشى)

قرآن شریف ہاتھ میں لے کر قسم کھانے کو تیار ہوں کہ میں نے ہندہ سے نہ زنا کیا نہ کبھی بدنیتی سے دیکھا بلکہ ہندہ کو میں اپنی بیٹی کے برابر سمجھتا رہا ہوں ان دو آدمیوں نے زید سے آکر کہا کہ محمود ہر قسم کی قسم کھانے کو تیار ہے مگر زید بدگمانی سے باز نہیں آیا۔
(۳) ہندہ قرآن شریف کی قسم کھانے کو تیار ہے اور ہندہ کے ایک بیٹی ہے بیٹی کی قسم کھانے کو تیار ہے مگر زید بدگمانی کرتا ہے۔
(۴) اب یہ معاملہ درپیش ہے کہ زید ہندہ کو شرطی طلاق اس طرح پر دیتا ہے کہ ہندہ کو زید طلاق دیتا ہے تین اس شرط پر کہ اگر تو نے زنانہ کیا تو میری بیوی ہے اور جو تو نے محمود سے زنا کیا ہے تو میری طرف سے تین دفعہ طلاق۔
(۵) اب ایسی صورت میں جب کہ ہندہ اور محمود قسم کھا کر زنا سے انکار کرتے ہیں شرطی طلاق دینی چاہئے یا نہیں اور شرطی طلاق دینے سے طلاق ہوگی یا نہیں اور ہندہ اپنا مہر زید سے لے سکتی ہے یا نہیں ہر حالت میں شرط کے ساتھ طلاق دے یا صاف طلاق دے۔ المستفتی نمبر ۲۳۸۹ محمد عمر محمد ظفر (گوڑ گانوہ) ۸ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ ۶ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۹۹) اس صورت میں زنا کا شبہ کرنا اور اس کی وجہ سے عورت کو طلاق دینا درست نہیں اگر خاوند طلاق دے دے گا تو مہر ادا کرنا ہوگا (۱) اگر طلاق باشرط دی جائے گی اور فی الواقع زنا نہیں ہوا تھا تو طلاق واقع نہیں ہوگی (۲) لیکن خاوند کو جب زنا کا شبہ ہے تو عورت سے احتراز کرے گا اور عورت باوجود غیر مطلقہ ہونے کے مطلقہ جیسی ہو جائے گی لہذا یہ طلاق باشرط فضول ہے یا تو خاوند اپنے دل کو عورت کی طرف سے صاف کرلے اور دونوں میاں بیوی کی طرح رہیں یا پھر قطعی طور پر طلاق دے کر علیحدہ کردے (۳) اور اس کا مہر ادا کردے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شرائط نامہ کی خلاف ورزی کا حکم

(سوال) ایک شخص مسمی خلافت حسین نے ایک عورت سے نکاح کیا اور نکاح کے کچھ دنوں کے بعد سے بیوی کی خبر گیری بالکل چھوڑ دی آمد و رفت نان و نفقہ سب بند کر دیا جب عرصہ تک یہ حال رہا تو عورت کے والد نے پنچایت بٹھائی اور اس میں خلافت حسین کو بلایا گیا اس پنچایت میں اس نے ایک اقرار نامہ لکھا جس کی

---

(۱) لا خلاف لا حد ان تاجیل المہر الی غایۃ معلومۃ نحو شہر او سنۃ صحیح وان کان لا الی غایۃ معلومۃ فقد اختلف المشایخ فیہ قال بعضہم یصح وہو الصحیح وہذا لان الغایۃ معلومۃ فی نفسہا وہو الطلاق او الموت الا تری ان تاجیل البعض صحیح وان لم ینص علی غایۃ معلومۃ کذا فی المحیط، (الفتاوی الہندیۃ کتاب النکاح الباب السابع فی المہر الفصل الحادی عشر فی منع المراۃ نفسہا بمہر ہا والتاجیل فی المہر وما یتعلق بہما ۱:۳۱۸ ط ماجدیہ کوئٹہ)
(۲) واذا اضافہ الی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقا (الفتاوی الہندیۃ کتاب الطلاق الباب الرابع فی الطلاق بالشرط الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا وغیرہما ۱:۴۲۰ ط ماجدیہ کوئٹہ)
(۳) قال اللہ تعالی فامساک بمعروف او تسریح باحسان (البقرۃ ۲۲۹)

نقل اِس استفتا کے ساتھ ہے اس پنچایت اور اقرار کے بعد خلافت حسین اپنی بیوی کو لے گیا اور تقریباً ڈیڑھ پونے دو ماہ تک اس کو اپنے ساتھ رکھا اور نان نفقہ بھی دیا اس کے بعد یکایک بغیر ایک روز کا بھی خرچ دیئے اور بغیر کوئی انتظام کئے ہوئے کلکتہ چلا گیا چند روز تک خلافت حسین کے چھوٹے بھائی نے خلافت حسین کی بیوی کو کھانا وغیرہ دیا لیکن عورت کی تکلیف بڑھ چلی اور خلافت حسین کے گھر والوں نے اس کو پریشان کرنا شروع کیا تو عورت اپنے باپ کے گھر چلی آئی۔ اس واقعہ کے بعد تقریباً پونے دو برس تک خلافت حسین نے اپنی بیوی کی کوئی خبر نہیں لی نہ نان و نفقہ دیا نہ کبھی لے گیا اور نہ خود کبھی آیا باوجودیکہ خلافت حسین کے چھوٹے بھائی نے خلافت حسین کو اس کے بارے میں بارہا خط لکھا لیکن کوئی جواب بھی نہیں دیا باوجودیکہ وہ کلکتہ میں کماتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے اور منسلکہ اقرار نامہ کے بعد خلافت حسین کی بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں اب وہ خلافت حسین کے پاس جا سکتی ہے یا نہیں اور اگر اب وہ عورت دوسرا نکاح کرنا چاہے تو عدت گزارنی پڑے گی یا عدت پوری ہو چکی براہ کرم جواب سے جلد سرفراز فرمایا جاوے۔

نقل اقرار نامہ

میں خلافت حسین ولد رجب علی حی القائم ساکن محلہ سبحان گنج تھانہ و ضلع مونگیر بمقابلہ پنچان محلہ حاجی سبحان و صندل پور کے حلفیہ آج بتاریخ ۱۴ مارچ ۱۹۳۷ء کو حسب ذیل اقرار کرتا ہوں۔

(۱) یہ کہ آج کی تاریخ سے ہم اپنی بی بی کو کھانا کپڑا کو اچھی طرح سے رکھیں گے اور کھانا کپڑا اپنی اوقات کے موافق دیا کریں گے اور اپنے باپ کے گھر میں محلہ حاجی سبحان پرگنہ مونگیر میں اپنی بیوی کے ساتھ رہا کریں گے۔

(۲) یہ کہ اگر ہم قصداً بلا وجہ اپنی بی بی کو کھانا کپڑا نہیں دیں اور خبر گیری چھ ماہ نہیں لیں تو ہم کو اپنی بی بی سے کوئی سروکار نہیں ہوگا اور طلاق بائن سمجھی جائے گی اور ہماری بی بی کو اختیار کامل ہوگا کہ وہ اپنا عقد کسی دوسرے مرد سے کر لے اس میں ہم کو کوئی عذر نہ ہوگا۔

(۳) یہ کہ اگر ہم کو یا ہماری بی بی کو ایک دوسرے سے کسی قسم کی شکایت ہو تو ہم دونوں کو یہ فرض عین ہوگا کہ اپنے گھر والوں کو اپنے محلہ والوں کو آگاہ کریں گے اور ان کے ذریعہ اس شکایت کو رفع کریں گے۔

(۴) یہ کہ اگر کسی قسم کی بدعنوانی ہم سے یا ہمارے والدین سے یا ہمارے ساس سسر وغیرہ سے بہ نسبت ہماری بی بی کے ہو جائے تو اس کو فوراً ہر شخص اپنے اپنے محلہ کے پنچوں کو رجوع کریں گے اور تصفیہ کرائیں گے۔

(۵) یہ کہ اقرار نامہ ہم نے خوب سمجھ بوجھ کر لکھوایا ہے کبھی کسی مضمون سے انحرافی نہیں کریں گے اور اگر انحرافی کریں تو رد باطل و نا مسموع ہوگا اس لئے یہ اقرار نامہ لکھ دیا جو وقت ضرورت کام آ ے۔ فقط

المستفتی نمبر ۲۴۳۸ محبوب علی صاحب محلہ صندلپور (مونگیر) ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ م ۷ا جنوری ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۰۰) اقرارنامہ کی شرط نمبر ۲ بالکل صاف ہے اور جب کہ خلافت حسین نے غائب ہونے کے دن سے بی بی کو چھ ماہ تک نفقہ نہیں دیا اور خبر گیری نہیں کی تو چھ ماہ پورے ہونے پر اس کی بیوی پر طلاق بائن پڑ گئی (۱) اور وہ اس کے نکاح سے باہر ہو گئی اور اس کے بعد اگر تین مرتبہ حیض آچکا تو عدت بھی پوری ہو گئی (۲) اب عورت کو حق ہے کہ وہ جس سے چاہے اپنا نکاح کر لے۔ (۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

میں فلانی عورت سے نکاح کروں' تو اپنی ماں سے کروں' وہ میرے اوپر قیامت تک حرام ہے' یہ الفاظ تعلیق کے ہیں یا ظہار کے؟

(سوال) ایک شخص نے کہا کہ میں فلانی عورت سے نکاح کروں تو اپنی ماں سے کروں وہ میرے اوپر قیامت تک حرام ہے یہ بات کہتے وقت عورت کا نام اور اپنی ماں کا نام لیا اب اس شخص نے اسی عورت سے نکاح کر لیا ہے اس شخص کا نکاح جائز ہے یا نہیں' طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں قدسمع اللہ میں جو آیات شریفہ ہیں اس اصول کے مطابق کیا کفارہ ہو سکتا ہے۔ المستفتی نمبر ۲۴۵۱ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب (مراد آباد) ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ م ۱۱ فروری ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۰۱) یہ ظہار نہیں ہے تعلیق طلاق ہے (۴) اور نکاح کرتے ہی طلاق نہیں پڑی' کیونکہ یہ صورت بظاہر تعلیق تھی مگر حقیقت میں یمین تھی (۵) نکاح کرنے سے اس پر کفارہ یمین واجب ہوگا (۶) یعنی دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا واجب ہوگا۔ (۷) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الرابع في الطلاق بالشرط' الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغيرهما ۱/ ۴۲۰ ط ماجديه' كوئته)

(۲) وهى فى حق حرة تحيض لطلاق بعد الدخول حقيقة او حكما ثلاث حيض كوامل لعدم تجزى الحيضة (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب العدة ۳/ ۵۰۴ ط سعيد كراتشى)

(۳) قال الله تعالى : فاذا بلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف واشهدوا ذوى عدل منكم (الطلاق : ۲) فاذا بلغن اجلهن فلا جناح عليكم فيما فعلن فى انفسهن بالمعروف و الله بما تعملون خبير (البقرة ۲۳۴)

(۴) اس لئے کہ یہ الفاظ الفاظ ظہار نہیں ہیں لہذا ظہار نہ ہونے کی وجہ سے طلاق بھی واقع نہیں ہوگی' كمافى الدر المختار' وان نوى بانت على مثل امى او كامى وكذا لو حذف على خانية برا او ظهارا او طلاقا صحت نيته ووقع مانواه لانه كناية والا ينو شيئا او حذف الكاف لغا (الدر المختار مع هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق' باب الظهار ۳/ ۴۷۰ ط سعيد كراتشى)

(۵) وفى ايمان البحر' ظاهر ما فى البدائع ان التعليق يمين فى اللغة ايضا قال لان محمدا اطلق عليه يمينا وقوله حجة فى اللغة فافادانه يمين لغة واصطلاحا وكذاقال فى معراج الدراية : اليمين يقع على الحلف بالله و على التعليق (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب التعليق' مطلب فيما لو حلف لا يحلف فعلق ۳/ ۳۴۶ ط سعيد كراتشى)

(۶) و فيه الكفارة لآية " واحفظوا ايمانكم" فقط ان حنث (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الايمان ۳/ ۷۰۴ ط سعيد كراتشى)

(۷) و كفارته تحرير رقبة او اطعام عشرة مساكين او كسوتهم بما يستر عامة البدن (تنوير الابصار مع هامش ردالمحتار' كتاب الايمان ۳/ ۷۲۵ ط سعيد كراتشى)

شوہر نے کہا" اگر ہمارے پاس رہنا نہیں چاہتی ہو تو ہم تم کو طلاق دیتے ہیں' تو طلاق واقع ہو گی یا نہیں ؟

(سوال) زید اپنی بی بی منکوحہ کو کسی ناخوشی پر بی بی کے باپ کے گھر پر آکر جہاں کچھ عرصہ سے بی بی مقیم تھی بموجودگی اپنے سسر اور ساس اور حقیقی بھائی کے اور غصہ کی حالت میں اپنی بی بی کو بلاتا ہے بی بی اس وقت بیس قدم کے فاصلہ پر ایک کمرہ کے اندر تھی اس کی بی بی اس وقت اس کے پاس نہیں پہنچتی ہے بھائی کی مزید تاکید پر یہ بیان کرتا ہے کہ میں اپنے والدین کی تعمیل حکم کرنے آیا ہوں اگر تم ہمارے پاس رہنا نہیں چاہتی ہو تو ہم تم کو طلاق دیتے ہیں۔ طلاق کا لفظ تین مرتبہ کہا اور اٹھ کر اپنے مکان پر چلا گیا بی بی کا بیان ہے کہ میں نے کچھ نہیں سنا۔ لوگوں سے بعد میں معلوم ہوا پس ایسی حالت میں واقعہ مذکورہ کے متعلق کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۵۰۴ نصیب احمد (غازی پور) ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ ۸ جون ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۰۲) یہ طلاق معلق ہے "اگر تم ہمارے پاس رہنا نہیں چاہتی ہو تو ہم تم کو طلاق دیتے ہیں" اگر بی بی یہ کہے کہ میں رہنا نہیں چاہتی تو طلاق پڑی ورنہ نہیں(۱)۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اقرار نامہ کے خلاف کرنے سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں ؟

(سوال) زید نے نسیمہ جان دختر اکبر دین کے ساتھ حسب ذیل شرائط وپابندی کے ساتھ نکاح کیا اور نکاح کرتے وقت زید نے خود اپنی طرف سے بطور اقرار نامہ شرائط تحریر کردی ہیں اور وہ شرائط یہ ہیں۔

(۱) کہ میں اپنی منکوحہ بیوی مسماۃ نسیمہ جان کو تمام زندگی اپنی سسرال کے ساتھ رکھوں گا۔ (۲) اگر مسماۃ مذکور اپنے والدین کے ساتھ کراچی سے علاوہ کسی اور جگہ یا اپنے عزیز وطن کو چلی جائے تو مجھے اسے روکنے کا کوئی حق نہیں ہوگا (۳) جب تک میں اور میری بیوی زندہ ہے میں اپنی بیوی کے ساتھ اس کے والدین کے ساتھ رہوں گا (۴) اگر میں مسماۃ مذکورہ سے یا اپنی سسرال کی رضامندی کے بغیر اپنی بیوی کو کسی دوسری جگہ لیجاؤں یا صرف اپنی بیوی کو سسرال چھوڑ کر کہیں بھی چلا جاؤں تو پھر مجھے اپنی منکوحہ بیوی کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق اور حق نہیں ہوگا دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید مذکورہ بالا شرائط کی خلاف ورزی کر کے اپنی بیوی کو اپنی سسرال چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا ہے کیا ایسی صورت میں زید کی منکوحہ بیوی کو شریعت حقہ کی رو سے طلاق ہو گئی یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۵۳۶ کرم خاں صاحب (کراچی) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ م ۷ اگست ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۰۳) نمبر ۴ میں طلاق ہونے کا ذکر نہیں کیا گیا صرف یہ لکھا ہے کہ مجھے اپنی منکوحہ بیوی کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق اور حق نہیں ہوگا اس سے اسوقت تک طلاق ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا جب

---

(۱) واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقامثل ان يقول لامراته ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاوىٰ الهندية' كتاب الطلاق' الباب الرابع فى الطلاق بالشرط' الفصل الثالث فى تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغيرهما ۱/ ۴۲۰ ط ماجديه كوئٹه)

تک کہ زوج اس امر کا اقرار نہ کرے کہ ان الفاظ سے اس نے طلاق کی نیت کی تھی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

شوہر نے کہا "اگر میرے گھر میں سے شادی میں شریک ہوئی ہوگی تو میں نے اس کو طلاق دی" تو کیا حکم ہے؟

(سوال) زید کا اور زید کے بھانجے کا مکان ایک ہے صرف کوٹھریاں الگ الگ ہیں زید کا اور اس کے والدین وغیرہ کا شبیر سے تنازعہ تھا اب بھانجے کی شادی میں زید کی بیوی کو اور والد کو نہایت مجبور کیا گیا مجبوراً زید کی بیوی کو بھی معمولی شرکت کرنی پڑی کیونکہ اس درمیان میں زید کی لڑکی سخت درد قولنج میں مبتلا ہوگئی تھی کامل شرکت نہیں ہوئی یعنی بارات میں نہیں گئی ولیمہ کا کھانا کھایا اگرچہ کھانا بھی اپنے ہی گھر میں کھایا تھا کیونکہ تمام شادی کی عورتوں کو زید ہی کے مکان میں کھانا کھلایا گیا تھا خلاصہ یہ ہے کہ زید کی بیوی بارات و نکاح میں شریک نہیں ہوئی البتہ زید کے بھانجے کے گھر آئی اگرچہ تھوڑی ہی دیر کے واسطے بعد شادی کے مکان سے زید کے بڑے بھائی نے زید کو تحریر کیا کہ بوجہ مجبوری شریک ہونا پڑا گویا بہت اصرار کرنے کے بعد زید نے یہ مضمون سنتے ہی اپنے جسم کو توڑنا شروع کر دیا بحالت جنون و غصہ کے اس کی زبان سے یہ کلمات ادا ہوئے۔

(۱) میں نے طلاق دیدی اگر گھر میں سے شادی میں شریک ہوئی ہوگی۔ صرف ایک بار پھر دوسرے جلسہ میں زید نے بحالت جنون ہی کے اپنے بزار خوردو غیرہ سے یہ کہا۔

(۲) بس میرے سامنے سے ہٹ جاؤ مکان کو خط بھیج دو اس کو طلاق ہوگئی اس کلمہ میں شادی کا ذکر نہیں ہے۔(۳) پھر بحالت جنون ہی کے ایک لفافہ زید نے مکان بنام بڑے بھائی ارسال کیا جس کی نقل یہ ہے اور اصل شامل فتوی ہے۔

مکرم جناب بھائی قاری صاحب گزارش خدمت ہے کہ عین انتظار کے بعد آپ کا خوشی نامہ ملا کل حال سے آگاہی ہوئی بہت خوشی ہوئی۔ اگرچہ والدہ صاحبہ نے شرکت کرلی لیکن اگر میرے گھر میں سے بھی شرکت کی ہے تو میں نے اس کو طلاق دی اب بعد عدت پوری کرنے کے اس کو اختیار ہے کہ کہیں جائے اور میرے کل حقوق خانگی سامان و مکان ادائیگی مہر اس کو دے دیا جائے خواہ فروخت کر کے قیمت لے جائے یا اس ملکیت کا کچھ بھی کرے اس کو اختیار ہے جب میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے تو میں بھی کسی کا نہیں ہوں۔ یہ ضرور ہے کہ وہ بے خطا تھی لیکن غلہ کے ہمراہ گھن بھی پس جایا کرتے ہیں میں اپنی بیتابی دل سے مجبور تھا امید ہے کہ خبر آپ کو پہلے ہی مل گئی ہوگی کیونکہ میں نے معین الدین کو پرچہ کے پڑھنے کے بعد ہی جوابی کارڈ دے

---

(۱) فالکنایات لا تطلق بها قضاء الا بنیة اودلالة الحال وهی حالة مذاکرة الطلاق او الغضب تتوقف الاقسام الثلاثة تاثیرا علی نیة للاحتمال والقول له بیمینه فی عدم النیة (تنویرالابصار وشرحه مع هامش ردالمحتار' کتاب الطلاق' باب الکنایات ۳/۲۹۶'۲۹۷' ۳۰۰ ط سعید کراتشی)

دیا تھا کہ تم یہ مضمون لکھ کر ابھی ڈال دو کیونکہ میری حالت اس قابل نہیں رہی تھی کہ جو میں لکھتا اور نہ اب تک ہے لیکن اس نے میرے کہنے پر شاید عمل نہ کیا ہوگا یہ مفصل اور صاف حال نہ لکھا ہوگا اس وجہ سے مجبوری جس طرح لکھا گیا لکھ کر ارسال خدمت ہے۔ فقط رشید الدین۔

ازروئے شرع شریف فرمائیں کہ زید کی بیوی مطلقہ ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو کون سی طلاق ہوئی۔ المستفتی نمبر ۲۵۷۰ جناب معین الدین صاحب (نئی دہلی) ۲۶ محرم ۱۳۵۹ھ م ۶ مارچ ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۰۴) اگر یہ تمام واقعات مذکورہ سوال صحیح ہیں تو زید سے دریافت کیا جائے کہ شادی کی شرکت سے اس کی مراد کیا تھی اگر کامل شرکت یعنی بارات و نکاح کی شرکت مراد تھی اور اس پر طلاق معلق کی تھی تو اس کی بیوی پر کوئی طلاق نہیں پڑی لیکن اگر فی الجملہ شرکت کو بھی ناپسند کرتا تھا اور اس پر طلاق معلق کی تھی تو اس کی بیوی پر دو طلاقیں پڑ گئیں (۱) مگر دونوں مل کر بھی رجعی طلاق ہوئی (۲) عدت کے اندر رجعت ہو سکتی ہے (۳) سوال میں نمبر ۲ کے الفاظ اس کو خط بھیج دو اس کو طلاق ہو گئی بیکار ہیں (۴) ان سے کوئی طلاق نہیں پڑی صرف نمبر ایک اور نمبر ۳ (۵) کے الفاظ سے دو طلاقیں ہوتی ہیں نمبر ۳ میں جو الفاظ مذکور ہیں وہ رجعی کو بائن بنانے کے لئے یقینی طور پر حجت نہیں ہیں احتیاط برتی جائے تو تجدید نکاح عدت کے اندر یا بعد عدت کر لی جائے بہر صورت طلاق مغلظہ نہیں ہے اور حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ لہ، دہلی

میں تمہاری اجازت کے بغیر دوسری شادی نہیں کروں گا اگر کروں تو اس بیوی پر ایک دو تین طلاق واقع ہوں گی

(سوال) ایک شخص مسمی منصور علی نے اپنی زوجہ ارخول کے کابین نامہ میں لکھا کہ "میں تمہاری بلا اجازت دوسری شادی نہیں کروں گا اگر سخت ضرورت ہو تو تمہارا پورا مہر ادا کر کے اور تم سے تحریری اجازت حاصل کر کے کروں گا بلا اجازت کرنے سے اس بی بی پر ایک دو تین طلاق واقع ہوں گی" منصور علی نے ایک دوسری شادی کی ارخول نے طلاق تفویض کی بناء پر ایک طلاق نامہ رجسٹری کرایا جس میں لکھا کہ میرے شوہر نے مجھ سے اجازت لئے بغیر دوسری شادی کی ہے حکم کے پاس یہ مقدمہ پیش ہوا تو منصور علی نے تحصیل

---

(۱) پہلی زبانی اور دوسری تحریری، پہلی طلاق شدید غصہ کی حالت میں تھی، لیکن ہوش و حواس قائم تھے لہٰذا وہ بھی واقع ہے۔ واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل ان يقول لا مراته ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الرابع فى الطلاق بالشرط' الفصل الثالث فى تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغير هما ۱/ ۴۲۰)

(۲) صريحه مالم يستعمل الا فيه ولو بالفارسية كطلقتك وانت طالق و مطلقة ' يقع بها اى بهذه الالفاظ وما بمعنا ها من الصريح' واحدة رجعية (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق باب الصريح ۳/ ۲۴۹ ط سعيد كراتشى)

(۳) اذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجها فى العدة و بعدانقضائها (الفتاوىٰ الهندية كتاب الطلاق'الباب السادس فى الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ۱/ ۴۷۲ ط ماجديه' كوئٹه)

(۴) کیونکہ یہ پہلی طلاق کی جزء ہے نئی طلاق نہیں۔

(۵) نمبر ا میں نے طلاق دے دی' اگر گھر میں سے شادی میں شریک ہوئی ہو گی الخ' نمبر ۳ اگرچہ والدہ صاحبہ نے شرکت کر لی' لیکن اگر میرے گھر میں سے بھی شرکت کی ہے تو میں نے اس کو طلاق دی الخ

اجازت زبانی کا دعویٰ کیا اور اپنے دعوے پر دو شاہد پیش کئے نیز ارخول نے بھی کابین نامہ کی تحریر سے رجوع کیا اور اقرار کیا کہ منصور علی نے مجھ سے اجازت حاصل کر کے دوسری شادی کی ہے اس صورت میں منصور علی کی دوسری بی بی مطلقہ ہو گی یا نہیں اور کیا اس کی زبانی اجازت لے لینی کافی ہو گی ؟ ایک مولوی صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ :-

ارخول کا پہلا قول غیر معتبر ہے اور منصور علی کی اس سے اجازت زبانی حاصل کرنی اس کے قول ثانی اور شہادت سے ثابت ہے منصور علی نے دوسری بی بی پر طلاق واقع ہونے کو نکاح بلا اجازت کے ساتھ معلق کیا تھا چونکہ اس نے اجازت حاصل کرنے کے بعد دوسری شادی کی لہذا اس کی دوسری بی بی پر طلاق واقع نہیں ہوئی فتاویٰ عالمگیری میں ہے(۱) **فاذا اضافه الی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقاً** کابین نامہ مذکور میں "بلا اجازت کرنے سے الخ یہ عبارت تعلیق طلاق کی ہے اس سے اوپر والی عبارت میں محض وعدہ ہے کہ اگر دوسری شادی کرنی ہو تو قبل شادی پورا مہر ادا کرے گا اور تحریری اجازت حاصل کرے گا مگر جملہ تعلیق میں اجازت کو مطلق رکھا گیا فقہاء احناف کے نزدیک جب تک مطلق کو اطلاق پر باقی رکھنے کی گنجائش ہو اسکو مقید پر حمل نہیں کیا جاتا البتہ اگر حادثہ ایک ہونے کے ساتھ حکم بھی ایک ہو تو ناچار مقید پر حمل کیا جاتا ہے۔ **فی المنار(۲) عندنا لا یحمل المطلق علی المقید وانکانا فی حادثة واحدة لا مکان العمل بهما الا ان یکون فی حکم واحد وفی التوضیح (۳) حکم المطلق ان یجری علی اطلاقه کما ان المقید علی تقییده فاذا ورداای المطلق والمقید فان اختلاف الحکم لم یحمل الحکم المطلق علی المقید ایضاً فیه اذا حمل المطلق علی المقید یلزم ابطال المطلق لانه بدل علی اطلاقه والمقید علی تقییده عندالامکان.** صورت مذکورہ میں وعدہ کے اندر اجازت مقید ہو تحریری کے ساتھ اور تعلیق میں مطلق ہو تو کوئی تنافی نہیں قرینہ سیاق سے بھی شبہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ عبارت ما سبق میں ادائے مہر کا بھی ذکر ہے مگر ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ طلاق معلق نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ تعلیق ما سبق سے مستقل ہے لہذا منصور علی کی زبانی اجازت لے لینی کافی ہو گی جو کہ مطلق اجازت کا ایک فرد ہے۔

دوسرے ایک مولوی صاحب نے اس کا جواب لکھا جس کا ماحصل یہ ہے کہ منصور علی تحریری اجازت حاصل نہ کرنے کی وجہ سے حانث ہو گیا اس لئے کہ قولہ بلا اجازت کرنے سے الخ **قوله تغدی معی فقال ان تغدیت فکذا** (۴) کا مشابہ ہے جیسا سوال میں تغدی مقید ہے اور جواب میں مطلق ہے تاہم مقید پر محمول

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الرابع فی الطلاق بالشرط' الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة ان واذا وغیر هما ۱/ ۴۲۰ ط ماجدیه' کوئٹه)

(۲) نور الانوار شرح المنار' بحث الوجوه الفاسدة ص ۱۵۹ ط سعید کراتشی

(۳) التوضیح والتلویح' فصل حکم المطلق ۱/ ۱۶۹ ط میر محمد کراتشی

(۴) الدر المختار مع هامش ردالمحتار' کتاب الایمان' باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی والا تیان والرکوب وغیر ذلك ۳/ ۷۶۲ ط سعید کراتشی)

ہے اسی طرح حادثہ مذکورہ میں اجازت مطلقہ کو تحریری اجازت پر محمول کیا جائے گا مجیب ثانی نے توضیح کی ان عبارتوں سے استدلال کیا۔ اللفظ الذی وردبعد سوال او حادثة اماان لا یکون مستقلاً (۱) الخ ص ۱۰۱

جناب والا کے نزدیک مسئلہ کا جوجواب صحیح ہو تحریر فرمائیں دلائل کی بھی تصریح فرمادیں مذکورہ بالا دونوں جواب کی تصریح سوال میں کردینا اس لئے مناسب معلوم ہوا تاکہ حضرت والا مخالف کے جواب کی وجہ تغلیط ظاہر فرمادیں۔ المستفتی نمبر ۲۶۵۹ مولوی عبدالجلیل صاحب فاضل دیوبند (ڈھاکہ بنگال) ۲ صفر ۱۳۶۰ھ م یکم مارچ ۱۹۴۱ء

(جواب ۳۰۵) مجیب اول کا جواب صحیح ہے پہلی جگہ کابین نامہ میں لفظ بلا اجازت مطلق ہے دوسری جگہ مقید تیسری جگہ مطلق پہلے دونوں مقام وعدہ کے منفی اور مثبت پہلو ہیں تیسرا مقام تعلیق کا ہے اسے اگر مطلق رکھا جائے تو پہلے مقام کے ساتھ اس کی مطابقت ظاہر ہے اس کرنے کو پہلے مقام کے نہ کرنے کے مقابلے ہی پر رکھنا اوفق ہے۔ یعنی وعدہ یہ تھا بلا اجازت دوسری شادی نہ کروں گا اور تعلیق یہ ہے کہ بلا اجازت کرنے سے الخ درمیانی عبارت وعدہ کے متعلق اثباتی پہلو کو بتاتی ہے جس میں تبرعاً اجازت کو تحریری اجازت تک بڑھادیا گیا ہے لہذا تعلیق پر اس کا اثر نہ ہونا چاہئے اسی طرح اس اثباتی جملہ میں ادائے مہر کا بھی ذکر ہے مگر تعلیق میں نہیں ہے اس لئے اس کا تعلیق پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

نکاح کی طرف اضافت کر کے تعلیق کی 'توشرط پائے جانے سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں ؟

(سوال) ایک غیر شادی شدہ حنفی شخص نے جو مذاہب اربعہ کو حق مانتا ہے یہ کہا کہ اگر وہ یہ کام کرے تو اگر نکاح کرے تو اس کی بیوی پر تین طلاق ایسی صورت میں اگر وہ شخص امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کرلے تو کیا شرعاً اس کو اجازت ہے اگر نہیں ہے تو امام اعظمؒ کے مذہب کی بنا پر نکاح کی صورت کیا ہے نیز اگر بجائے لفظ اگر کے وہ لفظ یہ کہے کہ جب کبھی وہ نکاح کرے یعنی لفظ (کلما) تو اس کی بیوی پر تین طلاق تو کیا ایسی مجبوری کی صورت میں امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کرسکتا ہے اگر کرسکتا ہے تو کیا فتویٰ مفتی شرط ہے اگر وہ شخص خود بھی عالم ہو تو کیا اپنے رائے کے مطابق امام شافعیؒ کے قول پر عمل کرسکتا ہے اگر کسی نے مجبوری کے ماتحت کرلیا تو گناہ ہوگا یا نہیں اگر ہوگا تو کس قسم کا گناہ ؟ المستفتی نمبر ۲۶۷۹ محمد صالح و عبدالرحمن جامع مسجد امروہہ (مراد آباد) ۲ رجب ۱۳۶۰ھ م ۲۸ جولائی ۱۹۴۱ء

(جواب ۳۰۶) "اگر" اور "جب کبھی" دونوں صورتوں میں یمین کے بعد نکاح کرنے سے منکوحہ پر تین

---

(۱) التوضیح والتلویح' مسئلة ۱/۱۶۷ ط میر محمد کراتشی

طلاقیں پڑ جائیں گی اور یمین منحل ہو جائے گی (۱) دوسرے نکاح میں طلاقیں نہیں پڑیں گی (۲) کلما کا مطلب یا تو تکرار لفظ "جب" سے پیدا ہو گا مثلاً یوں کہے "جب میں نکاح کروں" یا لفظ بھی لانے سے مثلاً یوں کہے "جب بھی نکاح کروں" (۳) اور ان دونوں صورتوں میں مخلصی کی صورت یہ ہے کہ خود نکاح نہ کرے بلکہ کوئی فضولی اس کے امر اور اجازت کے بغیر اس کا نکاح کردے اور یہ اجازت بالقول نہ دے بلکہ اجازت بالفعل دے مثلاً مہر ادا کردے یا منکوحہ سے وطی کرلے تو طلاق نہیں پڑے گی۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شوہر نے بیوی سے کہا "اگر ایک ہفتہ کے اندر نہ آؤ گی تو طلاق ہو جاوے گی 'تم کو طلاق ہے' تم کو طلاق ہے' رجعی 'کیا حکم ہے؟

(سوال) مسمی سعید احمد نے ایک تحریر اپنی بی بی صغریٰ کو دی جو بعینہ درج ذیل ہے :-

"اپنی بی بی صغریٰ کا کہا کرتا ہوں میں۔ اگر ایک ہفتے کے اندر نہ آؤ گی میکے میں سے تو طلاق ہو جاوے گی تم کو طلاق ہے تم کو طلاق ہے رجعی"

بیان حلفی سعید احمد کا۔ "بیان کیا کہ طلاق نامہ لکھے ہوئے قریب ایک ماہ کے ہوا لکھنے کے بعد میں نے رکھ دیا پھر اس نے لے لیا یعنی صغریٰ نے اور اس نے کہا تھا کہ طلاق نامہ لکھ دو اور اس میں یہ شرط لکھ دو کہ اگر ایک ہفتہ کے اندر نہ آؤ گی تو طلاق ہو جائے گی اگر نہ لکھو گے تو ہمبستری نہ کرنے دوں گی طلاق نامہ لکھنے کے بعد دو مرتبہ یہاں میکے آئی ہے اس مرتبہ کو لے کر پہلی مرتبہ طلاق نامہ لکھنے کے بعد جو آئی تھی سات آٹھ دن کے بعد آئی تھی اور صرف چار روز رہ کر میکے میں پھر میرے گھر گئی اس کے بعد ہمارے یہاں دس روز رہ کر جب دوبارہ میکے میں آئی پھر نہیں گئی"

بیان حلفی صغریٰ کا۔ "طلاق نامہ جو ملا ہے مجھ کو پندرہ سولہ روز ہوا ہو گا جب میں یہاں میکے سے گئی اس کے دو تین روز بعد ملا ہے جب یہ طلاق نامہ ملا ہے اس کے دس پندرہ روز قبل کا لکھا ہوا ہے۔

---

(۱) اذا اضاف الطلاق الی النکاح وقع عقیب النکاح نحو ان یقول لا مرأته ان تزوجتك فانت طالق او کل امرأة اتزوجها فھی طالق (الفتاویٰ الھندیة' کتاب الطلاق' الباب الرابع فی الطلاق بالشرط' الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة ان واذا وغیر ھما ۱/ ۴۲۰ ط ماجدیه' کوئٹه)

(۲) و فیھا کلھا تنحل ای تبطل الیمین ببطلان التعلیق اذا وجد الشرط مرة' (الدر المختار مع ھامش ردالمحتار' کتاب الطلاق' باب التعلیق ۳/ ۳۵۲ ط سعید کراتشی)

(۳) الا فی کلما فانه ینحل بعد الثلاث لا قتضا ئھا عموم الافعال کاقتضاء کل عموم الاسماء فلا یقع ان نکحھا بعد زوج آخر الا اذا دخلت کلما علی التزوج نحو کلما تزوجت فانت کذا(الدر المختار' مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب التعلیق ۳/ ۳۵۲ ط سعید کراتشی)

(۴) حلف لا یتزوج فزوجه فضولی فاجاز بالقول حنث و بالفعل و منه الکتابة خلافا لابن سماعة لا یحنث به یفتی خانیة (درمختار) وقال فی الرد (قوله بالفعل) کبعث المھر او بعضه بشرط ان یصل الیھا ...... وکتقبیلھا بشھوة و جماعھا لکن یکرہ تحریما لقرب نفوذ العقد من المحرم بحر (ھامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الایمان ' باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلك مطلب حلف لا یتزوج فزوجه فضولی ۳/ ۸۴۶ ط سعید کراتشی)

یہ خیال ہے کہ مرہی(۱)بند ہوئی تھی اس وقت کا لکھا ہوا ہے مرہی بند ہونے کے بعد جب میکے آئی اور چار روز رہ کر وہاں یعنی سسرال گئی اور وہاں دس روز رہی پھر اس کے بعد جب دوبارہ میکے آئی ہوں آج بارہ روز ہوئے طلاق نامے کا سبب مجھ کو معلوم نہیں طلاق نامہ لکھنے کو میں نے اس بات پر کہا تھا کہ جب انہوں نے کہا کہ میکے میں ملی ہو اس پر میں نے کہا کہ اگر ایسا سمجھتے ہو تو طلاق نامہ لکھ دو یہ ہیں بیانات زوجین کے۔

اب سوال یہ ہے کہ طلاق نامہ لکھنے اور اس سے مطلع ہونے کے بعد میکے گئی اور صرف چار روز رہ کر شوہر کے یہاں واپس آگئی اب اس کے بعد دس روز رہ کر دوبارہ میکے گئی اور ایک ہفتہ سے زیادہ رہ گئی اس صورت میں طلاق واقع ہو گی یا نہیں ؟ اگر واقع ہو گی تو کیسی ؟ ایک طلاق رجعی یا تین طلاق مغلظ ؟ اور پہلی بار جب کہ ایک ہفتہ کے اندر واپس آگئی تو شرط ختم ہو گئی یا باقی رہی ؟ یا دوبارہ میکے جا کر ایک ہفتہ سے زیادہ رہنے پر شرط پائی جائے گی اور طلاق واقع ہو گی۔ شرط کا وجود کب سے شروع ہو گا ؟

(جواب)(از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی) جب ہفتہ کے اندر ایک بار واپس آگئی تو تعلیق ختم ہو گئی اور ہر بار جانے کے بعد کی واپسی مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ لفظ "اگر" عموم کے لئے نہیں۔ اشرف علی عفی عنہ

(جواب)(از مولانا مفتی ریاض الدین صاحب دار العلوم دیوبند) جب ایک ہفتہ سے کم میں واپس آگئی کسی قسم کی طلاق نہیں پڑی کیونکہ شوہر نے دو طلاق کو ایک ہفتہ نہ آنے پر معلق کیا ہے شرط نہیں پائی گئی طلاق نہیں پڑی وتنحل الیمین بعد وجود الشرط (درمختار)(۲) صورت مذکورہ میں وجود شرط نہیں ہوا اگر شرط کا وجود ہوتا تو طلاق پڑتی شرط کا وجود نہیں ہوا طلاق بھی نہیں پڑی صورت مذکور میں چونکہ شرط نہیں پائی گئی طلاق کسی قسم کی نہیں پڑی۔ ریاض الدین عفی عنہ مفتی دیوبند۔

(جواب) (از مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری) قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ قضیہ وقتیہ ہے مستمرہ نہیں۔ پس پہلی دفعہ آجانے کے بعد اس شرط کا اثر نہیں رہتا دو طلاق واقع نہ ہو گی کیونکہ یہ شرط کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ واللہ اعلم (ابو الوفا ثناء اللہ عفی عنہ امرتسری)

(جواب)(از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی دار المصنفین اعظم گڑھ) جب پہلی دفعہ چار روز کے بعد واپس آگئی شرط ختم ہو گئی دو طلاق جو بعد میں ہے وہ الگ نہیں ہے بلکہ اس پہلی شرط کا بیان ہے اس لئے کسی قسم کی کوئی طلاق نہیں پڑی۔ سید سلیمان ندوی

(جواب) (از مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدرس اول مدرسہ مفتاح العلوم مئو) صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہو گئی لفظ "اگر" عربی کے لفظ اِنْ کا ترجمہ ہے اور اِنْ تراخی کے لئے ہوتا ہے (اشباہ)(۳) بشر طیکہ فور کا

---

(۱) مرہی ہونے کے دن سے بیانات قلم بند ہونے تک ایک ماہ ہوتا ہے۔

(۲) الدر المختار مع ھامش رد المحتار، کتاب الطلاق، باب التعلیق ۳۵۵/۳ ط سعید کراتشی

(۳) ان علی التراخی الا بقرینۃ الفور (الاشباہ والنظائر، کتاب الطلاق ۱۳۲/۲ ط مکتبہ ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیۃ کراتشی)

کوئی قرینہ نہ ہو (شامی) (۱) اور صورت مسئولہ میں فور کا کوئی قرینہ نہیں ہے بلکہ بیانات میں تراخی کا قرینہ موجود ہے مثلاً صغریٰ کا طلاق نامہ لکھنے کے سات آٹھ دن بعد میکے جانا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی دن یا اسی وقت وہ میکے نہیں جا رہی تھی اور جب فور کا قرینہ موجود نہیں ہوتا تو جس وقت بھی شرط کا تحقق ہوتا ہے طلاق واقع ہو جاتی ہے شامی و عالمگیری دونوں میں یہ جزئیہ مذکور ہے۔ **ان بعثت اليك فلم تاتني فعبدي حر فبعث اليه فاتاه ثم بعث اليه ثانيا فلم ياته حنث ولا يبطل اليمين بالبر حتى يحنث مرة فيبطل اليمين (عالمگيری** (۲) **ص ۷۱ ج ۳ شامی ص ۸۷ ج ۳**) (۳) اور طلاق بھی مغلظ واقع ہوگی اس لئے کہ بظاہر سعید احمد نے تینوں طلاقیں اسی شرط پر معلق کی تھیں پس وجود شرط کے بعد تینوں واقع ہوں گی اور اگر پچھلی دونوں منجز ہیں جیسا کہ ظاہر صیغہ سے مستفاد ہوتا ہے تو دو اسی وقت واقع ہوں گی اور تیسری وجود شرط کے بعد۔

(جواب الجواب) (از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی) مجھے اس تحقیق سے اتفاق نہیں شرطیت نہ ہونے کی صورت میں بھی طلاق واحد رجعی سے معاملہ آگے نہیں بڑھ سکتا جو صاحب اس کے خلاف پر اصرار کرتے ہیں مجھے ان سے شدید اختلاف ہے اشباہ و شامی کے حوالے بے سود ہیں اردو زبان ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ سید سلیمان ندوی

(جواب الجواب) (از مفتی ریاض الدین صاحب دار العلوم دیوبند) مولوی صاحب کا افتا اور مسئلہ جزئیہ پر قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں کیونکہ اول توإن تاخیر کے لئے آتا ہے غلط ہے **كمافي الهداية** (۴) **والفاظ الشرط ان واذا واذا ما وغيرها . ثم كلمته ان حرف الشرط لانه ليس فيها معنى الوقت وما ورائها ملحق بها. ففي هذه الا لفاظ اذا وجد الشرط انحلت وانتهت اليمين لانها غير مقتضية للعموم والتكرار لغة فبو جود الفعل مرة يتم الشرط ولا بقاء لليمين بدونه** خواہ "ان" حرف شرط ہو یا دوسرا کوئی حرف شرط ہو شرط افعال ہوتے ہیں جس فعل پر معلق کیا ہے وہ شرط ہے جب اس فعل کا وجود متحقق ہوگا جزا مرتب ہوگی خواہ کبھی احد ہما کی موت سے پہلے جب تک زوجیت قائم ہے شرط کا تحقق ہو جزا مرتب ہوگی جب زوج نے ایک ہفتہ کی قید لگادی اور ہفتہ سے پہلے واپس آگئی شرط متحقق نہ ہوئی یمین ختم ہو گئی طلاق نہیں پڑی ہاں اگر ایسے فعل پر معلق کرتا کہ مقید بالزمان نہ ہوتا تو جب اس فعل کا تحقق ہوتا طلاق پڑ جاتی اور یہاں مقید بالزمان ہے اور جو ہفتہ طلاق کے بعد آئے گا وہی شمار ہوگا اس ہفتہ کے گزرنے سے پہلے اگر

---

(۱) وفي طلاق الاشباه ان للتراخي الا بقرينة الفور (درمختار) وقال في الرد : و معنى كون ان للتراخي انها تكون للتراخي وغيره عند عدم قرينة الفور (هامش رد المحتار مع الدر المختار كتاب الايمان باب اليمين في الدخول والخروج والسكنى والا تيان والركوب وغير ذلك ۳/ ۷۶۳ ط سعيد كراتشي)

(۲) الفتاوى الهندية كتاب الايمان الباب السابع في اليمين في الطلاق والعتاق ۲/ ۱۱۲ ط مكتبه ماجديه كوئنه

(۳) هامش رد المحتار مع الدر المختار كتاب الايمان باب اليمين في الدخول والخروج والسكنى والا تيان والركوب وغير ذلك ۳/ ۷۶۳ ط سعيد كراتشي)

(٤) الهداية كتاب الطلاق باب الايمان في الطلاق ۲/ ۳۸۵ ط مكتبه شركة علميه ملتان

آئی طلاق نہ ہوئی مثال مذکور سے استدلال کرنا درست نہیں مثال مذکور میں جزا دو شرطوں پر موقوف ہے ایک ارسال دوم عدم اتیان۔ دونوں کے تحقق کے بعد غلام آزاد ہو گا اسی واسطے اگر بھیجا اور آگیا شرط نہ پائی گئی غلام آزاد نہ ہوا۔ لہذا دوسری بار اگر بھیجا اور نہ آیا اب شرط کا وجود ہوا جزا مرتب ہو گی اور غلام آزاد ہو گا۔ نہ اس وجہ سے کہ ان میں تاخیر ہے یا تکرار کا مقتضی ہے اور یہاں فور سے کچھ واسطہ نہیں بلکہ طلاق کو ایک زمانہ معینہ پر معلق کیا ہے جب زمانہ معینہ کا وجود بلا شرط پایا گیا اس وقت طلاق ہو گی اور اس سے پہلے اگر وجود شرط ہو گیا طلاق نہ ہو گی اور وہ مطلق اسبوع نہیں بلکہ جو طلاق کے بعد ہفتہ آئے گا وہی معتبر ہے چنانچہ اگر زوج نے یوں کہا انت طالق غداً او فی غدٍ یقع عند طلوع الصبح۔ باوجود یکہ غد کا لفظ نکرہ ہے غد معین نہیں کہ کل ہی معین غد ہے اگر یہی عموم ہے تو چاہیئے کہ غد سے کوئی غد موت تک لے سکے۔ یا غد بمعنی قیامت بھی آیا ہے وہ لے لے۔ ولا یقول بہ جاھل فضلا ان یقول بہ عالم۔ الغرض جب ایک ہفتہ کے اندر واپسی پر طلاق کو معلق کیا ہے اگر ایک ہفتہ میں واپس آگئی وہ یمین ختم ہو گئی اور اس کا حکم باقی نہیں رہا اور طلاق نہیں ہوئی۔ کما حررتہ اولا وافتی بہ العلماء الکبار۔ ریاض الدین عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند۔

حضرت مفتی صاحب۔ یہ تمام جوابات موافق و مخالف اور اصل طلاق نامہ ارسال خدمت کر رہا ہوں ملاحظہ فرما کر اپنی رائے عالی سے مطلع فرمائیں۔

(الجواب ۳۰۷) واللہ الھادی الی الحق والصواب (از حضرت مفتی اعظمؒ) سعید احمد نے جو تحریر لکھی ہے اس میں اپنی بی بی کو خطاب کیا ہے اس لئے اس تحریر کا عمل لکھنے کے وقت سے شروع نہیں ہو گا بلکہ عورت کو اس کا علم ہونے کے بعد سے شروع ہو گا اس تحریر میں ایک طلاق رجعی معلق کی گئی ہے ایک سے زیادہ نہ طلاق معلق ہے نہ منجز اگرچہ عبارت میں لفظ طلاق تین مرتبہ آگیا ہے لیکن عبارت ایک ہی سیاق میں منتظم ہے اور اس کا مفاد ایک رجعی طلاق کی تعلیق سے زیادہ نہیں ہے سعید احمد کی اس عبارت اور اس کے بیان کی دوسری عبارت منقولہ فی السوال سے بوضاحت اس کا طرز کلام اور محاورہ ظاہر ہوتا ہے اس کے لحاظ سے عبارت تعلیق کا تجزیہ اس طرح ہوتا ہے۔

(۱) اگر ایک ہفتہ کے اندر نہ آوگی میکے میں سے تو طلاق ہو جائے گی تم کو۔

(۲) .... طلاق ہے تم کو۔

(۳) .... طلاق ہے رجعی۔

پہلے فقرے میں پوری تعلیق شرط و جزا کے ساتھ موجود ہے مگر چونکہ جزا کے الفاظ بوجہ صیغہ مستقبل ہونے کے انشائے طلاق کے معنی ظاہر کرنے میں مشتبہ تھے اس لئے اس کو صاف کرنے کے لئے اس نے اسی کی توضیح اور تعیین ارادہ انشا کے لئے دوسرا فقرہ استعمال کیا جس کا مطلب اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ دوسرا فقرہ کہہ دینے کے بعد اب عبارت یہ ہو گئی۔ اگر ایک ہفتہ کے اندر نہ آوگی میکے میں سے تو طلاق ہے تم کو۔ اس کے بعد اس نے اسی طلاق معلق کی نوعیت متعین کرنے کے لئے تیسرا فقرہ استعمال کیا کہ "طلاق ہے رجعی"

تواب تینوں فقروں کے ملنے سے یہ عبارت حاصل ہوئی :-

”اگر ایک ہفتہ کے اندر نہ آؤ گی میکے میں سے تو طلاق ہے تم کو طلاق رجعی“

اور اس عبارت کا مفاد صرف ایک رجعی طلاق کی تعلیق ہے فقرہ نمبر ۲ و ۳ کو نمبر ایک سے علیحدہ کرنا اور تجیز قرار دینا اس وقت تک صحیح نہیں جب تک سعید احمد خود اس کا اقرار نہ کرے کہ میں نے یہ دونوں فقرے پہلی معلق طلاق سے جداگانہ دو نئی طلاقیں فوراً دینے کے ارادے سے لکھے تھے۔

اس کے بعد یہ امر غور طلب ہے کہ تعلیق میں جو شرط مذکور ہے اس کا مفاد کیا ہے آیا ہفتہ سے کوئی معین ہفتہ مراد ہے یا مطلقاً ہر وہ ہفتہ جس میں عورت اپنے میکے جائے اور وہ جانے کے دن سے شمار کیا جائے یا تعلیق کا علم عورت کو ہونے کے وقت سے ؟ یہ ظاہر ہے کہ معین ہفتہ مراد ہونے کی کوئی دلیل عبارت مذکورہ میں نہیں ہے ہاں کسی قرینہ حالیہ سے تعین ممکن ہے اور یہ صرف دو صورتوں میں منحصر ہے اول یہ کہ عورت اپنے میکے میں موجود ہوتی اور خاوند وہاں خود جاکر اس کو خطاب کر کے زبانی کہتا کہ ”اگر ایک ہفتہ کے اندر نہ آؤ گی میکے میں سے تو......“ یا اسی مضمون کی تحریر اس کو میکے میں ہونے کی حالت میں بھیج دیتا تو عورت کا میکے میں ہونا اور اس کی جلدی واپسی کے ارادے سے ہفتہ یا زیادہ قیام کرنے پر طلاق کو معلق کرنا اس کا قرینہ ہو سکتا ہے کہ ہفتہ سے یہی خاص ہفتہ مراد لے لیا جائے جو اس کے مخاطب کرنے یا تحریر بھیجنے کے وقت موجود ہے اور اس صورت میں اس ہفتہ کی ابتدا وقت خطاب یا علم بالتعلیق کے وقت سے ہو گی اور اگر وہ اس ہفتہ کے اندر واپس آگئی تو طلاق نہ ہو گی اور تعلیق بھی باطل ہو جائے گی دوسری صورت یہ ہے کہ عورت خاوند کے گھر میں ہو مگر میکے جارہی ہو یا میکے جانے کا خاوند سے تذکرہ ہو رہا ہو وہ ہفتہ کے اندر واپس آنے کا مطالبہ کر رہا ہو اور عورت زیادہ قیام کرنا چاہتی ہو اور یہ سب گفتگو اسی مرتبہ جانے آنے کے متعلق ہو اور خاوند اس کو تعلیق مذکور کے الفاظ کہہ دے یا لکھ کر دیدے تو یہاں اس امر کا قرینہ موجود ہے کہ ہفتہ ... مراد یہی ہفتہ ہو جو اس تعلیق کے بعد ہو گا مگر اس صورت میں اس کی ابتدا اس وقت سے ہو گی جس وقت وہ میکے کو جائے گی اور اگر جانے سے ایک ہفتہ کے اندر واپس آگئی تو طلاق نہ پڑے گی اور تعلیق باطل ہو جائے گی تعلیق کے ساتھ مخاطب کرنے یا لکھ کر دینے کے بعد خواہ کتنے ہی دن خاوند کے یہاں رہے تعلیق پر اس کا کوئی اثر نہ ہو گا اور جب میکے جائے گی اس وقت سے ہفتہ تعلیق کی ابتدا ہو گی۔(۱)

مذکورہ بالا دونوں صورتیں نہ ہوں تو پھر معین مراد لینا صحیح نہ ہو گا اور تعلیق مذکور کا مطلب یہ لینا پڑے گا کہ عورت جب بھی میکے میں جائے 'جانے سے ایک ہفتہ کے اندر واپس آنا لازم ہو گا تاکہ طلاق نہ پڑے اور جب کبھی جاکر ایک ہفتہ کے اندر واپس نہ آئے گی تو طلاق پڑ جائے گی ہاں ایک مرتبہ طلاق

---

(۱) اس لئے کہ یہ تعلیق غیر متعین کی صورت ہے آخر عمر تک انتظار کیا جائے گا کہ عورت میکے گئی اور ایک ہفتہ کے اندر واپس نہیں آئی تو عورت پر طلاق پڑ جائے گی' کما فی الرد بخلاف مااذا کان شرط الحنث امرا عدمیا مثل ان لم اکلم زیدا وان لم ادخل فانہالا تبطل بفوت المحل بل یتحقق بہ الحنث للیاس من شرط البروھذا اذالم یکن شرط البرمستحیلا (ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب التعلیق' مطلب فی مسئلۃ الکوز ۳/۳۴۹ ط سعید کراتشی)

پڑ جانے کے بعد یمین منحل یعنی ختم ہو جائے گی۔(۱)

پس واقعہ سوال میں اگر معین ہفتہ مراد لینے کی مذکورہ بالا صورتوں میں سے قرائن حالیہ کے ذریعہ سے کوئی صورت معین ہو جائے اور اس معین ہفتہ میں عورت چار دن میکے میں رہ کر واپس آگئی تھی تو طلاق نہیں پڑی اور یمین باطل ہو جانے کی وجہ سے دوسری مرتبہ زیادہ رہنے سے بھی طلاق نہیں پڑے گی۔(۲)

اور اگر تعیین ہفتہ کی کوئی صورت نہ ہو تو مطلقاً ہر وہ ہفتہ مراد ہو گا جس میں عورت میکے میں جائے پہلی مرتبہ جا کر چونکہ ہفتہ کے اندر واپس آگئی تو شرط طلاق نہیں پائی گئی اس لئے طلاق نہیں پڑی لیکن یمین منحل نہیں ہوئی بلکہ بحالہ قائم ہے جب دوسری بار گئی اور ہفتہ کے اندر واپس نہ آئی تو اب شرط طلاق متحقق ہوئی اور طلاق رجعی معلق واقع ہو گئی۔(۳)

اگر ہفتہ معینہ مراد نہ لیا جا سکے (جس کے لئے مذکورہ بالا قرائن حالیہ کی ضرورت ہے) تو ایک مرتبہ میکے جا کر ہفتہ کے اندر واپس آجانے سے یمین منحل نہیں ہو سکتی کیونکہ یمین کا انحلال وجود شرط کے بعد ہوتا ہے اور صورت مذکورہ میں وجود شرط (ہفتہ کے اندر واپس نہ ہونا) نہیں ہوا پس انحلال یمین کی کوئی وجہ نہیں ہاں ایک مرتبہ وجود شرط ہو کر طلاق پڑ جانے کے بعد یمین منحل ہو جائے گی کیونکہ حرف شرط یعنی لفظ "اگر" عموم و تکرار کو مقتضی نہیں پہلی مرتبہ ہفتہ کے اندر واپس آجانے میں چونکہ شرط کا تحقق ہی نہیں ہوا تھا اس لئے دوسری مرتبہ میں تحقق شرط کی بنا پر طلاق پڑے گی نہ اس بنا پر کہ (لفظ ان یا اگر) حرف شرط کو مقتضی تکرار قرار دیا گیا۔ وھذا ظاھر جداً- محمد کفایت اللہ غفرلہ، اسپیشل جیل گجرات

شوہر نے بیوی کے عزیز سے کہا کہ آپ ہمارے ذاتی معاملات میں بالکل دخل مت دیجئے اس پر آپ نہیں مانتے تو ہم اپنی عورت کو طلاق دیتے ہیں کیا حکم ہے؟

(سوال) زید ہندوستان کا رہنے والا رنگون میں ملازم ہے وطن میں بیوی بچے ہیں جن کے نان نفقہ کا فرض ادا نہیں کرتا تقریباً چھ مہینے گزرے کہ اس نے اپنی دوسری شادی کے لئے کوشش کی اور مشہور یہ کیا کہ وطن میں میرے گھر میں بچہ پیدا ہوا تھا وہ بچہ اور میری بیوی دونوں انتقال کر گئے رنگون میں ہی جب اس کی اطلاع زید کے خاص عزیز خالد کو ہوئی تو اس نے اس غرض سے دوڑ دھوپ شروع کر دی کہ زید کا نکاح نہ ہونے پائے چونکہ یہ کوشش اور دوڑ دھوپ زید کے جذبات کے خلاف تھی اس نے ایک تحریر بنام خالد بھیجی جس کا مضمون یہ ہے "آپ ہمارے ذاتی معاملات میں بالکل دخل مت دیجئے ہم نے جو کچھ کیا ہے سوچ سمجھ کر حتمی

---

(۱) وفیھا کلھا تنحل ای تبطل الیمین ببطلان التعلیق اذا وجد الشرط مرۃ (الدرالمختار مع ھامش ردالمحتار' کتاب الطلاق باب التعلیق ۳/ ۳۵۲ ط سعید کراتشی)

(۲) ایضاً سابقہ حوالہ

(۳) واذا اضافہ الی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقا مثل ان یقول لامراتہ ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاوی الھندیۃ' کتاب الطلاق الباب الرابع فی الطلاق بالشرط' الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا وغیرھما ۱/ ۴۲۰ ط ماجدیہ' کوئٹہ)

فیصلہ کیا ہے ہماری موت حیات کا سوال ہے اس پر آپ نہیں مانتے تو ہم اپنی عورت کو طلاق دیتے ہیں ہم کو اپنے والد کی جائیداد یا کوئی چیز نہیں چاہئیے ہم کو اپنے وطن سے کوئی تعلق نہیں" الخ اس تحریر کے پہنچنے کے بعد بھی خالد نے مجوزہ نکاح میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے اپنی کوشش کا سلسلہ جاری رکھا لیکن کامیابی نہ ہوئی اور زید کا نکاح ہو گیا پس سوال یہ ہے کہ آیا صورت مسئولہ میں شرعاً زید کی وطنی بیوی پر طلاق واقع ہو گئی یا نہیں ؟

المستفتی محمد یعقوب شاہجہانپوری ۲۱ نومبر ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۰۸) اگر خالد نے اس کے بعد بھی مخالفانہ کارروائی اور زید کے نکاح میں دخل اندازی جاری رکھی تو زید کی بیوی پر طلاق پڑ گئی(۱) لیکن یہ طلاق ایک رجعی طلاق ہے(۲) عدت کے اندر رجعت اور عدت کے بعد تجدید نکاح ہو سکتا ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

دنیا کے پردہ پر جتنی عورتیں ہیں ان سے میرا نکاح ہو
تو ان سبھوں پر طلاق طلاق طلاق ٗ تو کیا حکم ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۶ء)

(سوال) ایک شخص حنفی المذہب عاقل و بالغ جس کا نکاح ابھی تک کسی عورت سے نہیں ہوا ہے اس نے کہا کہ پردۂ دنیا پر جتنی عورتیں ہیں ان سے میرا نکاح ہو تو ان سبھوں پر طلاق ٗ طلاق ٗ طلاق اب اس کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ دیگر اماموں کے مذاہب میں کوئی گنجائش ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۰۹) حنفیہ کے نزدیک یہ تعلیق صحیح ہو جاتی ہے اور جس عورت سے اس کے بعد اس شخص کا نکاح ہو گا اس پر طلاق ہو جائے گی(۴) ہاں سخت مجبوری اور اضطرار کی حالت میں یہ جائز ہو جاتا ہے کہ صاحب واقعہ حضرت امام شافعی کے مذہب سے استفادہ کرے(۵) اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی عورت سے نکاح

---

(۱) واذا اضافه الی الشرط وقع عقیب الشرط اتفاقا مثل ان یقول لا مراته ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاوی الهندیة کتاب الطلاق الباب الرابع فی الطلاق بالشرط الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة ان واذا وغیر هما ۱ / ۴۲۰ ط مکتبه ماجدیه کوئٹه)

(۲) صریحه مالم یستعمل الا فیه..... کطلقتک وانت طالق......یقع بها ای بهذه الالفاظ ومابمعنا ها من الصریح ... واحدة رجعیة(الدر المختار مع هامش رد المحتار کتاب الطلاق باب الصریح ۳/ ۲۴۷ ط سعید کراتشی)

(۳) واذا طلق الرجل امراته تطلیقة رجعیة فله ان یراجعها فی عدتها (الهدایة کتاب الطلاق باب الرجعة ۲ / ۳۹۴ ط مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۴) واذا اضاف الطلاق الی النکاح وقع عقیب النکاح مثل ان یقول لا مراة ان تزوجتک فانت طالق او کل امراة اتزوجها فهی طالق (الهدایة کتاب الطلاق باب الایمان فی الطلاق ۲ / ۳۸۵ ط مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۵) فی المجتبی عن محمد فی المضافة لا یقع و به افتی ائمة خوارزم انتهی وهو قول الشافعی و للحنفی تقلیده بفسخ قاض بل محکم بل افتاء عدل (درمختار) وقال فی الرد : وفی البحر عن البزازیة و عن اصحابنا ما هو اوسع من ذلک وهو انه لو استفتی فقیها عدلافا فتاه ببطلان الیمین حل له العمل بفتواه و امساکها (هامش ردالمحتار مع الدرالمختار کتاب الطلاق باب التعلیق ۳ / ۳۴۶ ، ۳۴۷ ط سعید کراتشی) وقال فی الرد ایضا هذا وقد صرح ابن مجدان فی تاسیس النظائر وغیره انه اذا لم یوجد نص فی حکم من کتب اصحابنا یرفع الی مذهب مالک (هامش ردالمحتار کتاب النکاح باب القسم ۳/ ۲۰۳ ط سعید کراتشی)

کرے اور قبل وطی و خلوت وہ عورت طلاق پڑ جانے کا دعویٰ کردے اور زوجین کسی شافعی عالم کو اپنا حکم (ثالث) مقرر کر کے اس کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں وہ ثالث اپنے مذہب کے موافق فیصلہ کردے کہ یہ تعلیق غیر معتبر ہے اور عورت مطلقہ نہیں ہوئی اور زوجین اس حکم کے موافق عمل کرلیں۔(۱) واللہ اعلم ۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سوال متعلقہ سوال سابق

(الجمعیۃ مورخہ ۲ فروری ۱۹۲۶ء)

(سوال) اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۶ء میں ایک مسئلہ نظر سے گزرا جس کا سوال یہ ہے کہ ایک شخص حنفی المذہب عاقل بالغ نے کہا کہ پردہ دنیا پر جتنی عورتیں ہیں ان سے میرا نکاح ہو تو ان سبھوں پر طلاق' طلاق' طلاق۔ جناب میں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ "مذہب حنفیہ میں یہ تعلیق صحیح ہو جاتی ہے" اس میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ آئندہ جو عورتیں پیدا ہونے والی ہیں ان سے بھی اس کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۱۰) ہاں اگر تعلیق ان لفظوں میں ہو کہ "دنیا کے پردہ پر جس قدر عورتیں موجود ہیں ان سے میرا نکاح ہو تو ان پر طلاق طلاق طلاق تو اس تعلیق کے بعد کی پیدا شدہ عورتیں اس تعلیق میں داخل نہ ہوں گی اور ان سے نکاح ہو سکے گا۔(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

شوہر نے کہا" اس خط کو دیکھتے ہی اگر تم نے ان دونوں باتوں میں سے ایک بات بھی قبول نہ کی تو تم کو ہماری طرف سے ایک طلاق ہے' تو کیا حکم ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مئی ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک شخص کی زوجہ کانپور میں اپنی والدہ کے ہاں مقیم تھی اس نے ایک خط لکھ کر اس کے نام روانہ کیا کہ "تم اس خط کو دیکھتے ہی فوراً اٹاوہ چلی آؤ اگر کسی طرح نہ آسکو تو جو زیور تمہارے پاس ہمارا ہے وہ بذریعہ پارسل میرے پاس روانہ کردو فوراً اس خط کے دیکھتے ہی اگر تم نے ان دونوں باتوں میں سے ایک بات بھی قبول نہ کی تو تم کو ہماری طرف سے ایک طلاق ہے۔ یہ مضمون بطور ڈراوے کے لکھا تھا کہ اس خط کو راستہ میں ایک شخص نے لے لیا اور جب اس شخص کو یہ معلوم ہوا کہ میرا خط میری زوجہ کو نہیں پہنچا تو اس نے کہا

---

(۱) وقال الشافعي لا يقع لقوله عليه السلام لا طلاق قبل النكاح (الهداية' كتاب الطلاق' باب الايمان في الطلاق ۲/۳۸۵ مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل ان يقول لا مرأته ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الرابع في الطلاق بالشرط' الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغيرهما ۱/۴۲۰ ط ماجديه كوئته)

کہ میں اس طلاق سے باز آیا میں اپنی زوجہ کو اپنے پاس ہی رکھوں گا اور کئی بار رجعت کی مگر زوجہ کی غیر موجودگی کی وجہ سے وہ اس سے مل نہ سکا۔

(جواب ۳۱۱) جب تک وہ خط زوجہ کو نہ پہنچے اور وہ اسے نہ دیکھے بے اثر ہے یعنی اس خط میں لکھی ہوئی طلاق کا کوئی اثر نہیں نہ طلاق پڑ سکتی ہے اور اگر وہ خط زوجہ کے پاس پہنچنے اور اس کے دیکھنے سے پہلے ضائع کر دیا جائے تو تعلیق باطل ہو جائے گی(۱) اگر وہ خط زوجہ کے پاس پہنچ جاتا اور وہ دیکھ لیتی اور دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہ کرتی جب بھی اس پر ایک طلاق پڑتی(۲) اور عدت کے اندر رجعت کر لینے سے رجعت صحیح ہو جاتی۔(۳) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

اگر میں تمہاری لڑکی کے سوا کسی اور سے شادی کروں' تو وہ حرام ہے۔

(الجمعیۃ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) میں نے یہ مسئلہ پوچھا تھا کہ زید نے اپنے چچا بکر سے کہا کہ "اگر میں تمہاری لڑکی کے سوا کسی اور سے نکاح کروں تو وہ حرام ہے" بعد ازاں اس نے اپنے ماموں عمر کی لڑکی سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح شرعاً جائز تھا؟ آپ نے جواب دیا ہے کہ "نکاح ناجائز ہے لیکن زید کو حق ہے کہ تجدید نکاح کر لے"

میری سمجھ میں نہیں آیا اگر وضاحت فرمائیں تو مہربانی ہوگی فرض کیجئے کہ زید نے لفظ حرام کہا لیکن بعد میں اس کی طبیعت چچا کی لڑکی سے نکاح کرنے کو نہ چاہی تو کیا زید پر ضروری ہے کہ وہ اسی جگہ نکاح کرے دوسری کسی لڑکی کے ساتھ نکاح ناجائز ہے؟ جب کہ از روئے شریعت ایک آدمی چار نکاح کر سکتا ہے آپ نے فرمایا کہ تجدید نکاح کرلے تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ ایک عورت سے دوبار نکاح کرنے سے نکاح جائز ہو سکتا ہے۔

ایک اور بات ہے جب ایک عورت سے نکاح ہی نہیں کیا تو اس پر طلاق ہی کیسے پڑے گی؟ تجدید

---

(۱) اس لئے کہ تعلیق میں شوہر نے خط دیکھنے کا ذکر کیا ہے یعنی خط دیکھتے ہی دونوں باتوں میں سے ایک بات بھی قبول نہ کی تو تم کو ہماری طرف سے ایک طلاق ہے لہذا جب تک عورت خط نہیں دیکھے گی اس وقت تک تعلیق پر عمل ممکن نہیں' کما فی الدر المختار' لو کتب علی وجه الرسالة والخطاب كان يكتب يا فلانة اذا اتاك كتابي هذا فانت طالق' طلقت بوصول الكتاب جوهرة (درمختار) وقال في الرد (قوله طلقت بوصول الكتاب) اى اليها ولا يحتاج الى النية في المستبين المرسوم...... ولو وصل الى ابيها فمزقه ولم يدفعه اليها فان كان متصرفا في جميع امور ها فوصل اليه في بلدها وقع وان لم يكن كذلك فلا ما لم يصل اليها وان اخبر ها بوصوله اليه و دفعه اليها ممزقا' ان امكن فهمه وقراء ته وقع والا فلا طحطاوى عن الهندية (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' مطلب في الطلاق بالكتابة ۳/۲۴۶ ط سعيد كراتشى)

(۲) وصريحه مالم يستعمل الا فيه ولو بالفارسية كطلقتك وانت طالق و مطلقة ويقع بها اى بهذه الالفاظ وما بمعناها من الصريح..... واحدة رجعية (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الصريح ۳/۲۴۷ ط سعيد كراتشى)

(۳) اذا طلق الرجل امراته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها في عدتها (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة ۲/۳۹۴ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

نکاح کی تو جب ضرورت پڑتی جب کہ زید نے ماموں کی لڑکی سے نکاح کیا ہوتا اور بعد ازاں چچا سے کہا ہوتا کہ اگر تمہاری لڑکی کے سوا کسی اور جگہ نکاح کروں تو وہ حرام ہے تب پہلی عورت پر طلاق پڑتی۔ اب اگر زید کسی اور عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کو ایک دفعہ ہی نکاح کر لینا ٹھیک نہ ہوگا؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے نکاح کرنے سے عورت پر طلاق پڑی پھر تجدید کرنے پر نکاح جائز ہوا۔

(جواب ۳۱۲) جب زید نے اپنے چچا سے کہا کہ "اگر میں تمہاری لڑکی کے سوا کسی اور سے شادی کروں تو وہ حرام ہے" یہ صورت تعلیق طلاق کی ہوئی اور چونکہ نکاح کرنے پر طلاق کا وقوع معلق ہے اس لئے اس کے بعد زید نے چچا کی لڑکی کے سوا جس لڑکی سے نکاح کیا اس پر نکاح ہوتے ہی طلاق پڑ گئی (۱) اور نکاح جاتا رہا کیونکہ طلاق بائن ہوئی جس میں نکاح جاتا رہتا ہے اب اس کی قسم یعنی طلاق معلق کا اثر ختم ہو گیا (۲) اس کے بعد زید خواہ اسی عورت سے یا کسی اور عورت سے نکاح کرے تو طلاق نہ پڑے گی کیونکہ تعلیق میں عموم کا کوئی لفظ نہیں ہے صرف ایک دفعہ کے نکاح پر اس کا اثر ہوگا اس کے بعد نہ ہوگا۔ (۳) محمد کفایت اللہ غفرلہ

شرائط نامہ کی خلاف ورزی سے بیوی کو طلاق کا حق حاصل ہو گیا یا نہیں؟

(الجمعیۃ مورخہ ۵ اگست ۱۹۳۱ء)

(سوال) مسماۃ بی بی زلیخا کی شادی شیخ میاں جان سے ہوئی جس کو تقریباً نو سال کا عرصہ ہوتا ہے شیخ میاں جان شوہر زلیخا ساڑھے تین برس سے آوارگی اور بد چلنی میں مبتلا ہے اور بازاری عورت سے اس کا تعلق بھی ہے زلیخا سے بالکل قطع تعلق کئے ہوئے ہے کسی قسم کا سلوک اور مدد نہیں کرتا ہے کئی مرتبہ محلہ اور برادری کی پنچایت نے اس کو تنبیہ کی مگر کوئی اثر نہیں ہوا بتاریخ ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو پھر محلہ اور برادری کی پنچایت ہوئی اس میں شیخ میاں جان موصوف نے ایک باقاعدہ اقرار نامہ اپنے انگوٹھے کا نشان اور پنچایت کے چھ معزز اشخاص کی گواہی کے ساتھ تحریر کر دیا ہے اس میں یہ شرائط بخوشی تحریر کی ہے کہ اگر تین ماہ کے اندر اپنے چال چلن کی اصلاح نہ کی اور ماہانہ پانچ روپے اپنی بیوی زلیخا کو نفقہ کے لئے نہ دیئے تو ایسی حالت میں بی بی زلیخا کو اختیار و مجاز ہے کہ وہ دوسرے سے عقد شادی کر لے بجائے تین ماہ کے نو ماہ گزر رہے ہیں اب تک اس نے نہ اپنے چال چلن کی اصلاح کی اور نہ ایک خرمہرہ خورد و نوش کے واسطے دیا زلیخا کی عمر اب ساڑھے سترہ سال کی ہے۔

---

(۱) اذا اضاف الطلاق الی النکاح وقع عقیب النکاح نحو ان یقول لامراتہ ان تزوجتک فانت طالق او کل امراۃ اتزوجھا فھی طالق (الفتاویٰ الھندیۃ' کتاب الطلاق' الباب الرابع فی الطلاق بالشرط' الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا وغیرھما ۱/ ۴۲۰ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۲) وفیھا کلھا تنحل ای تبطل الیمین ببطلان التعلیق اذا وجد الشرط مرۃ (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب التعلیق ۳/ ۳۵۲ ط سعید کراتشی)

(۳) (قولہ ای تبطل الیمین) ای تنتھی و تتم واذا تمت حنث فلا یتصور الحنث ثانیا الا بیمین اخری لانھا غیر مقتضیۃ للعموم والتکرار لغۃ نھر (ھامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب التعلیق ۳/ ۳۵۲ ط سعید کراتشی)

(جواب ۳۱۳) ہاں تین مہینے گزرنے پر زلیخا کو طلاق ہو گئی(۱) اور عدت کے بعد وہ دوسرا نکاح کرنے کی مجاز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

ہم پر ہماری عورتیں تین تین طلاق سے طلاق ہوں گی 'اگر ہم ہندو کی زمین کاشت کریں گے' تو خلاف ورزی کرنے پر طلاق واقع ہو گی ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۳۳ء)

(سوال) موضع منھو تحصیل ٹانک ضلع ڈیرہ اسمعیل خاں کے مسلمان باشندوں نے وعدہ کیا اور قسم کھائی کہ ہم پر ہماری عورتیں تین تین طلاق سے طلاق ہوں گی اگر ہم ہندو کی زمین کاشت کریں گے کیونکہ ۸ / ۵ حصہ غلہ زمیندار خود لیتا ہے اور ۸ / ۳ حصہ ہم کو دیتا ہے اور ہم پر سخت ظلم کرتا ہے اگر ہندو نصف حصہ غلہ ہم کو دے گا اور باقی نصف خود رکھے گا تو ہم کاشت کریں گے اور جو اقرار توڑے گا اور اس سے اقرار نہ توڑنے والا کوئی آدمی احسان کرے گا اس پر بھی عورت تین طلاق سے طلاق ہو گی اب وعدہ خلافی کر کے چند آدمی کاشت کرنے لگے ہیں لوگوں نے ان سے کہا کہ تمہاری عورتیں تم پر طلاق ہو گئی ہیں لیکن ایک مولوی ٹانک کا محمد حسن خطیب جامع مسجد ان سے کہتا ہے کہ مرزائی دین کے اصول سے تم پر عورتیں طلاق نہیں ہیں وہ بھی مسلمانوں کا ایک دین ہے لہذا تم ہندو کی زمین کاشت کرو۔

(جواب ۳۱۴) جن لوگوں نے حلف کے خلاف کیا ہے ان کی بیویوں پر طلاق پڑ گئی ہے(۳) مولوی محمد حسن کا فتویٰ غلط ہے اور مرزائی جماعت ہندوستان کے تمام علماء کے متفقہ فتوے کے بموجب گمراہ اور کافر ہے اور یہ بھی صحیح نہیں کہ مرزائی دین میں ان حالفین کے حلف سے طلاق نہیں پڑتی کیونکہ مرزائیوں کی کتابوں میں یہ بات کہیں نہیں لکھی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کہا اگر تم اس خط کو دیکھتے ہی جواب لے کر فوراً اپنے گھر واپس نہ گئیں تو تم پر طلاق 'یعنی میرے نکاح سے خارج ہو جاؤ گی' تو کیا حکم ہے ؟

(متعلقہ طلاق مشروط)

(جواب ۳۱۵) اگر زوج نے اپنے خط میں مندرجہ ذیل الفاظ لکھے تھے :-

---

(۱) واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل ان يقول لا مراته ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاوىٰ الهندية' كتاب الطلاق' الباب الرابع في الطلاق بالشرط' الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغيرهما ۱/ ۴۲۰ ط ماجديه كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله (البقرة : ۲۳۵)

(۳) واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل ان يقول لا مراته ان دخلت الدار فانت طالق (الفتاوىٰ الهندية' كتاب الطلاق' الباب الرابع في الطلاق بالشرط' الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة ان واذا و غيرهما ۱/ ۴۲۰ ط ماجديه كوئٹه)

''اگر تم اس خط کو دیکھتے ہی جواب لے کر فوراً اپنے گھر واپس نہ گئیں تو تم پر طلاق یعنی تم میرے نکاح سے خارج ہو جاؤ گی خدا اور اس کے رسول کے درمیان۔''

اور اس کی زوجہ اس خط کو دیکھ کر اپنے والدین سے کوئی جواب لے کر فوراً خاوند کے گھر نہیں گئی تو اس پر ایک طلاق بائن پڑ گئی کیونکہ طلاق کی یہ تشریح ''یعنی تم میرے نکاح سے خارج ہو جاؤ گی'' اس کو بائن بنا دیتی ہے طلاق رجعی میں عورت نکاح سے خارج نہیں ہوتی بلکہ نکاح قائم رہتا ہے اور عدت ختم ہونے پر نکاح کے احکام ختم ہوتے ہیں ویؤیده قوله فی الفتح عند الکلام علی قول الشافعی بحرمة الوطی انه عندنایحل لقیام ملك النکاح من کل وجه وانما یزول عند انقضاء العدة فیکون الحل (ای حل الوطی فی عدة الطلاق الرجعی) قائما قبل انقضاء ها اه (رد المحتار (۱) مصری ص ۵۴۴) بائن میں البتہ عورت فی الجملہ نکاح سے نکل جاتی ہے اسی وجہ سے دوبارہ تعلقات زوجیت قائم کرنے کے لئے تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔(۲) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

گیارہواں باب
تفویض

اقرار نامہ کے مطابق عورت خود کو طلاق دے سکتی ہے یا نہیں؟

(سوال) ہندہ کا شوہر عرصہ چھ سات سال سے مفقود الخبر ہے اور اس نے نکاح کے وقت ہندہ کو اس مضمون کا ایک کابین نامہ لکھ دیا تھا کہ ''اگر میں نامرد ہو جاؤں یا سرکاری حکومت سے سزا یافتہ یا مفقود الخبر ہو جاؤں یا کہ پردیس میں رہ کر تمہارے پاس آنا جانا خیر و خبر نہ لوں وغیرہ وجوہات سے مدت دو سال تک ہمارا انتظار دیکھ کر مجھے طلاق دینے کا جو حق و اختیار ہے وہ تمہیں سپرد کرتا ہوں تم اس سے مختار ہو کر مجھے تین طلاق دے کر دوسرے خاوند سے نکاح کر کے زندگی بسر کر سکتی ہو'' اب سوال یہ ہے کہ یہ عورت بوجہ تنگ دستی کے بہت تکلیف سے زندگی بسر کرتی ہے اور وہ خوب جوان ہے شوہر کی سخت ضرورت ہے قریب ہے کہ زنا میں مبتلا ہو جاوے ایسی حالت میں دیگر ائمہ کے مذہب یا کہ کابین نامہ کی شرط کی رو سے اپنے خاوند پر تین طلاق دے کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۱۶) صورت مسئولہ میں اگر عورت طلاق لینا چاہے تو اس کو طلاق ہو سکتی ہے ولو جعل امرها بیدها علی انه ان غاب عنها ثلثة اشهر ولم تصل نفقته الیها فهی تطلق متی شاء ت

---

(۱) هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الرجعة ۳۹۸/۳ ط سعید کراتشی

(۲) اذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان یتزوجها فی العدة و بعد انقضائها (الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعة' فصل فیما تحل به المطلقة وما یتصل به ۴۷۲/۱ ط ماجدیه' کوئٹه)

فبعث الیها درھما قال ان لم یکن ھذا قدر نفقتھا ھذہ المدۃ صارا مرھا بیدھا الخ (ھندیۃ ص ۴۲۵)(۱)

بیس دن تک تمہیں اکیلے چھوڑ کر غیر حاضر رہوں تو تم کو طلاق کا اختیار ہے' تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) عورت کو جو خاوند نے اختیار دیا ہے. بیس یوم کے بعد دوسرا عقد بعد عدت کے کر سکتی ہے یا نہیں منکہ عبدالغنی ولد خدا بخش قوم راجپوت پیشہ سقہ ساکن ساڈھورہ تحصیل نرائن گڈھ ضلع انبالہ کا ہوں جو کہ منمقر کا نکاح ہمراہ مسماۃ مجیداً دختر مولا بخش ولد خبا قوم راجپوت پیشہ سقہ ساکن قصبہ سرہند بروئے اقرار نامہ ۷ / مگھر سمہ ۱۹۸۷ ہو چکا ہے جس میں مفصل شرائط درج ہیں منمقر اپنے معاہدہ سابقہ کے خلاف اکیلا ہی ساڈھورے کو چلا گیا اور یہاں سے غیر حاضر ایک سال تک رہا مسماۃ مجیداً زوجہ ام میری غیر حاضری میں اپنے والد کے گھر ہے اب منمقر مسماۃ مجیداً کو اپنے ساتھ رخصت کرا کے لے جانا چاہتا ہے اور شرط مقرر کرتا ہے کہ متواتر بیس یوم مسماۃ مجیداً کو اکیلے چھوڑ کر غیر حاضر نہیں ہوگا اگر منمقر بیس یوم غیر حاضر رہے تو مسماۃ مجیداً زوجہ ام کو اختیار ہوگا کہ اپنا نکاح ثانی کسی دوسرے شخص سے کر لیوے مجھ کو عذر نہیں ہوگا اور نیز منمقر جس قدر عرصہ مجیدا کو اپنے گھر رکھوں گا خوش و خرم رکھوں گا اور مجیداً اگر چاہے میرے سے گزارہ قدر دس روپے ماہوار مندرجہ اقرار نامہ لیوے یا نکاح ثانی میری غیر حاضری کی وجہ سے کر لیوے مجھ کو عذر نہیں ہوگا اور نیز ایک سال کی غیر حاضری منمقر کا خرچ نان و نفقہ زوجہ ام کا مولا بخش والد مجیداً نے خود برداشت کیا ہے اس وجہ سے دوسرے اقرار نامہ کی ضرورت پیش آئی اور مسماۃ مجیداً بھی منمقر کے پاس رہے گی چنانچہ منمقر یہ چند کلمے بصحت نفس و ثبات عقل بلا اکراہ و اجبار بغرض اطمینان مولا بخش خسر خود مسماۃ مجیداً زوجہ خود کو لکھ کر بطور اقرار نامہ ثانی دیتا ہے کہ سند ہوں اور وقت ضرورت کام آویں۔ المستفتی نمبر ۳۶۶ مولا بخش پٹیالہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۷ جولائی ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۱۷) اگر مسماۃ مجیداً نے بیس یوم کی غیر حاضری شوہر کے بعد فوراً اسی مجلس میں اپنی علیحدگی کا اعلان کر دیا ہو تو وہ عدت کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے لیکن غیر حاضری کے وقت سے بیس یوم گزرنے پر اگر اس نے ذرا بھی توقف کیا کہ مجلس میں علیحدگی اختیار نہیں کی تو وہ اختیار باطل ہو گیا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) الفتاوی الھندیۃ' کتاب الطلاق' الباب الثالث فی تفویض الطلاق' الفصل الثانی فی الامر بالید ۱/۳۹۸ ط ماجدیہ' کوئٹہ)

(۲) قال لھا اختاری او امرک بیدک ینوی تفویض الطلاق...... او طلقی نفسک فلھا ان تطلق فی مجلس علمھا بہ مشافھۃ او اخبارا وان طال مالم تقم لتبدل مجلسھا حقیقۃ او حکما بان تعمل ما یقطعہ....... لا تطلق بعدہ ای المجلس (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب تفویض الطلاق ۳/۳۱۵ ط سعید کراتشی)

اگر شوہر نے کسی غیر کو طلاق دینے کا اختیار دیا، تو اس اختیار کے بعد اس کی طلاق واقع ہوگی یا نہیں ؟

(سوال) (۱) کیا زید ہندہ کو اس شرط پر نکاح کر سکتا ہے کہ ہندہ کو طلاق دینے کا اختیار عمرو کے ہاتھ میں رہے یا زید کی کوئی دوسری بیوی (خالدہ) کے ہاتھ میں رہے اب بعد نکاح عمرو یا خالدہ نے ہندہ کو طلاق دے دیا اس سے ہندہ پر طلاق پڑے گی یا نہیں ؟ (۲) یہاں بعض کابین نامہ میں شوہر لکھ دیتے ہیں کہ میں نکاح ثانی نہیں کروں گا اگر ثانی نکاح کروں تو اس کو طلاق دینے کا اختیار تجھے (زوجہ کو) دیتا ہوں یا دے دیا ہوں۔ اب اگر نکاح ثانی کرے اور زوجہ اولیٰ بنابر اختیار مذکور زوجہ ثانیہ کو طلاق بھی دیدے اس سے زوجہ ثانیہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۱۸۷ پروفیسر محمد طاہر صاحب ایم اے (ضلع میمن سنگھ) ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۱۸) (۱) ایسی تعلیق درست اور جائز ہوتی ہے اور جس کے ہاتھ میں اختیار دیا گیا ہے وہ طلاق دیدے تو طلاق ہو جائے گی (۱) (۲) اس کا جواب بھی وہی ہے جو نمبر ا کا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

اقرار نامہ کے مطابق عورت طلاق لے سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) ایک شخص نے مسماۃ فلاں کے ساتھ نکاح کیا او روقت نکاح ایک اقرار نامہ منسلکہ درخواست ہذا تحریر کر دیا اور عرصہ سے مسماۃ مذکور کے ساتھ بد سلوکی کرتا رہا اس اثنا میں دونوں میں ناچاقی ہوئی اور مسماۃ مذکور اپنے باپ کے گھر چلی گئی اب شوہر مذکور نے ایک دوسرا نکاح کیا ہے خلاف مرضی وبغرض تکلیف دہی مسماۃ مذکور کے کر لیا ہے ایسی صورت میں بصورت اقرار نامہ حسب دفعہ ۵ و ۶ مسماۃ مذکور کو طلاق ہوئی یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۶۹۶ چودھری عید و چوڑی فروش (الہ آباد) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۸ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۱۹) اقرارنامہ کی شرط نمبر ۶ کی رو سے مسماۃ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی جھگڑے کے وقت اپنے اوپر طلاق ڈال لے (۲) جب وہ دو گواہوں کے سامنے ایسا کرے گی تو اس پر طلاق پڑ جائے

---

(۱) کما ذکر ما یوقعه بنفسه بنو عیه ذکر ما یوقعه غیرہ باذنه وانواعه ثلاثة تفویض و توکیل و رسالة.....واما فی طلقی ضرتك او قوله لا جنبی طلق امراتی فیصح رجوعه منه ولم یقید بالمجلس لانه توکیل محض وفی طلقی نفسك و ضرتك کان تملیکا فی حقها توکیل فی حق ضرتها جوهرة(الدر المختار مع هامش ردالمحتار' کتاب الطلاق' باب تفویض الطلاق ۳/۳۱۷ ط سعید کراتشی) وقال فی الهندیة' و فی الفتاویٰ الصغریٰ لو قال لا جنبی امر امراتی بیدك یقتصر علی المجلس ولا یملك الرجوع قال فی المحیط وهو الاصح کذافی الخلاصة المفوض الیه ان کان یسمع فالا مر بیده ما دام فی ذلك المجلس وان لم یسمع او کان غائبا فانما یصیر الا مر بیده اذا علم او بلغه الخبر و یکون الامر فی یده مادام فی مجلس العلم (الفتاویٰ الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الثالث فی تفویض الطلاق' الفصل الثالث فی الامر بالید ۱/۳۹۳ ط ماجدیه' کوئٹه)

(۲) قال لها اختاری اوامرك بیدك ینوی تفویض الطلاق ـــــ او طلقی نفسك فلها ان تطلق فی مجلس علمها به مشافهة او اخبارا (الدر المختار' مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب تفویض الطلاق ۳/۳۱۵ ط سعید کراتشی)

گی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اقرار نامہ ۳
نقل مطابق اصل۔اسٹامپ قیمتی ۸

مایاں کہ مکوولد عیدو ساکن محلّہ میر گنج وبقر عیدی ولد مدر ساکن محلہ دارا گنج وجمن ولد بدل ساکن محلّہ کیٹ گنج شہر الہ آباد اقوام چوڑھا دہن۔

جو کہ مقر نمبر ۳ مقران نمبر ۱ و ۲ کا بھتیجا ہے اور مقر نمبر ۳ کی شادی ہونا ضروری ہے چنانچہ مقر نمبر ۳ کی شادی ہمراہ دختر عیدو چودھری کے حسب رائے برادری ہونا قرار پایا ہے مگر دختر کے باپ کا اس بات کا اصرار ہے کہ قبل ہونے شادی کے مجھ کو اس بات کا اطمینان دیدیا جائے کہ بعد ہو جانے شادی کے میری لڑکی مسماۃ نیکی کو کسی قسم کی تکلیف خورد و نوش وغیرہ کی نہ ہونے پاوے گی لہذا ہم مقران حالت صحت نفس و ثبات عقل بدرستی ہوش وحواس صحیح بلا جبر واکراہ وترغیب و تحریص کسی دوسرے کے بخوشی ورضا مندی حسب ذیل اقرار تحریر کر کے اس کے پابند ہوتے ہیں اور یہ کہ بعد ہو جانے شادی مسماۃ نیکی دختر حیدر کے ہمراہ مقر نمبر ۳ کے ہم مقران کا فرض ہو گا کہ اس کے آسائش و خورد و نوش کا انتظام حسب حیثیت کرتے رہیں گے کسی قسم کی تکلیف کی نوبت نہ آوے گی۔

نمبر ۲ یہ کہ بعد ہو جانے شادی کے جس وقت مسمی عیدو پسر دختر یاان کے رشتہ داران بغرض کرانے رخصتی مسماۃ نیکی آویں گے تو ہم مقران بلا کسی عذر وحیلہ کے رخصت کر دیا کریں گے اس میں کسی قسم کا عذر نہ کریں گے اور نوبت شکایت کی نہ آنے دیں گے۔

نمبر ۳ یہ کہ ہم مقران رخصت کرنے سے انکار کریں یا کوئی عذر یا حیلہ کریں تو اس وقت مسمی عیدو پدر دختر کو اختیار ہو گا کہ اپنی اہل برادری میں جو کہ معززو دیانت دار اور کسی سے بھی ان سے اس شکایت کی اطلاع کر کے مسماۃ نیکی کو ہم مقران کے یہاں سے رخصت کرا کے لے آویں یا اگر ہم مقران سے قاصر رہیں تو مسمی عیدو پدر دختر کو اختیار ہے وہ ہو گا کہ بذریعہ چارہ جوئی عدالت مسمی نیکی اپنی لڑکی کو رخصت کرالیویں اس میں ہم مقران کو کسی قسم کا عذر نہیں ہے (۴) یہ کہ اگر ہم مقران مسماۃ نیکی مذکور کو کسی قسم کی تکلیف خورد و نوش یا کپڑے وغیرہ کی دیویں تو مسماۃ نیکی کو اختیار ہے وہ ہو گا کہ اپنے باپ کے یہاں چلی آوے اور ان کے ہمراہ رہے اور مبلغ ۱۵ روپے ماہوار بطور خرچ نان نفقہ کے ہم مقران کی ذات و جائیداد منقولہ و غیر منقولہ ہر قسم سے بذریعہ عدالت وصول کرلیویں اس میں ہم مقران کو کسی قسم کا عذر نہیں ہے اور نہ آئندہ ہو گا۔

---

(۱) ذكر في اجناس الناطفي شهد رجلان على رجل وقالا شهد ان فلانا امرنا ان نبلغ امراته انه جعل امرها بيدها و بلغناها وقد طلقت نفسها بعد ذلك جازت شهادتهما (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الثالث في تفويض الطلاق' الفصل الثاني في الامر باليد ۳۹۸/۱ ط ماجدية' كوئته)

نمبر ۵ یہ کہ اگر خدانخواستہ مقر نمبر ۳ بعد ہو جانے شادی کے کوئی دوسری شادی کرے یا کوئی عورت مدخولہ کرلیویں تو اس حالت میں مسماۃ نیکی دختر عیدو کو اختیار ہے وہو گا کہ مبلغ پانچ سو روپے (صمار) جو کہ دین مہر مقرر ہوا ہے اس میں مناسب ہم مقران کی ذات و جائیداد منقولہ و غیر منقولہ ہر قسم سے وصول کرلیویں علاوہ اس کے ہر ایک حالت میں ہر وقت مسماۃ نیکی کو اختیار حاصل رہے گا جب اور جس وقت چاہے دین مہر مقررہ مبلغ پانچ سو روپے کے وصول کرلیویں اس میں ہم مقران خواہ وارثان قائمقامان کو کوئی عذر نہیں ہے اور نہ آئندہ ہو گا اور نان و نفقہ مقران سے وصول کرلیں۔
نمبر ۶ اگر مابین مقر نمبر ۳ و مسماۃ نیکی کسی قسم کا جھگڑا و فساد پیدا ہووے تو مسماۃ نیکی کو اختیار ہے وہو گا کہ طلاق دے کر علیحدہ ہو جائے لہذا یہ چند کلمے بطریق اقرار نامہ کے لکھ دیئے کہ سند رہے اور وقت پر کام آوے۔ فقط
المرقوم ۱۶ مئی ۱۹۳۱ء

شوہر بیوی کو طلاق کا اختیار دیدے تو عورت کو طلاق کا حق حاصل ہوتا ہے

(سوال) زید ہندہ کو ایک ہزار روپیہ جس میں سے دو سو روپیہ زیورات بابت نقد وصول باقی آٹھ سو روپے میں سے چار سو معجّل یعنی عند الطلب اور ضروری اور چار سو مؤجل یعنی تابقاء نکاح رفتہ رفتہ اداء ضروری اور کابین نامہ بحیثیت کابین نامہ خویش و اقربا اقرار کر کے شادی پر راضی ہوا اور عقد بست کے روز بوجہ قلت فرصت سادہ کاغذ میں فقط دولہا زید و دیگر شاہدوں کے دستخط بدون تفصیل و تحریر شرائط کابین نامہ ایجاب و قبول ہو گئے اور چند روز بعد بحیثیت مذکورہ کابین نامہ گیارہ شرط اور جزا کے ساتھ لکھوا کر دولہا زید کو سنایا گیا اور وہ بھی بحال طبیعت سمجھ کر کابین نامہ مطالعہ کر کے رجسٹری کر دیا اور زوج زید دو تین ماہ تک سسرال میں اپنی بی بی ہندہ کے پاس آمد و رفت کیا مگر تاہنوز اپنی بی بی ہندہ کو اپنے مکان میں نہیں لے گیا کابین نامہ میں لکھی ہوئی شرطوں میں سے آخری شرط یہ ہے کہ خدانہ کرے اگر میں مفقود یا مجنون یا محبوس یا بوجہ مرض دیگر معاملہ زوجیت پر قادر نہ ہوں یا دیگر مرض ہالک مثل جذام و غیرہ میں مبتلا ہوں یا وطن میں چھ مہینے اور سفر میں دو برس سے زائد زمانہ آپ کی مواصلت سے باز رہوں یا مہر معجّل عند الطلب ادا نہ کروں یا آپ کے نان و نفقہ سے عاجز ہو جاؤں یا شروط مذکورہ میں سے بعض یا کل کے خلاف کروں تو مہر موجل معجّل ہو جائے گا اور مجھ کو شریعت کی رو سے آپ کو طلاق دینے کا جو حق اور اختیار ہے وہ اس کابین نامہ کے ذریعہ سے نیز زبانی بھی آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ آپ جب چاہیں بلا قید زمان و مکان اپنے نفس پر تین طلاق واقع کر کے میری زوجیت سے الگ ہو کر دوسرا زوج اختیار کر سکتی ہیں میرا کوئی عذر اس میں مسموع نہ ہو گا بعد ازاں زید کابین نامہ کی شرائط میں سے چھ شرطوں کا مخالف ہوا زوجہ ہندہ دو برس سات ماہ تک انتظار کر کے بذریعہ وکیل کورٹ مہر معجّل و خورد و نوش طلبی نوٹس کرائی جواب و مہر و خورد و نوش نہ پانے کے بعد شروط کی مخالفت کے سبب کابین نامہ میں زوج نے زوجہ کو جو قوت و اختیار بذریعہ تحریر و اللفظ عطا کیا اسی مسلمہ قوت و اختیار سے زوجہ بحال طبیعت شاہدوں کے سامنے اپنے نفس پر ایک دو تین طلاق واقع کر کے مطلقہ ہو گئی اور طلاق نامہ رجسٹری کر دیا بعد ازاں زوج نے

زوجیت کا مقدمہ کیا اور جج صاحب نے زوج کو ڈگری دی اب دریافت طلب یہ ہے کہ زوجہ مذکورہ کو اپنے نفس پر تین طلاق واقع کرنی صحیح ہے یا نہیں ؟ بر تقدیر اول جج صاحب کی ڈگری کے موافق زید ہندہ کو بلا تحلیل لے سکتا ہے یا نہیں ہندہ کو بھی حسب ڈگری جج صاحب بلا تحلیل زید کی زوجیت میں داخل ہو کر جماع ولوازمات جماع کرنی جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۱۷۶ محمد عبدالرشید صاحب (بنگال) ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۲۰) اگر فی الحقیقت زوج نے یہ اقرار نامہ لکھا تھا تو زوجہ کا اپنے نفس پر طلاق ڈالنا صحیح تھا (۱) اور غیر مسلم جج کا فیصلہ درست نہیں ہوا (۲) اور زوجہ کو بلا تحلیل زوج کے ساتھ تعلقات زوجیت قائم کرنا جائز نہیں (۳) ہاں اگر واقعات مذکورہ سوال ثابت نہ ہوں تو حکم بدل جائے گا زوجہ کو اپیل کرنا چاہئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

اگر میں بد فعل ہو جاؤں یا تمہاری اجازت کے بغیر نکاح کروں' تو تم کو اختیار ہے' اس کے بعد عورت خود کو طلاق دے سکتی ہے ؟

(سوال) ایک عورت اپنے خاوند سے ایک تحریری معاہدہ لیتی ہے جس میں وہ لکھواتی ہے کہ اگر تم بد فعل ہو جاؤ یا عقد ثانی کر لو تو مجھے بعد از فراہمی ثبوت تمہاری طرف سے دو شرعی طلاق ہو جائیں اور اس کے بعد مجھے یہ حق بھی حاصل رہے کہ اگر میں چاہوں تو پھر نکاح کر کے تمہارے ساتھ زندگی بسر کر لوں اس کا خاوند بھی بطیب خاطر اس چیز کو منظور کر کے تحریری معاہدہ لکھ دیتا ہے اس بارے میں جناب کوئی واضح اور صاف امر شرعی تحریر فرمائیں اور اس چیز کی بھی وضاحت فرمائیں کہ کیا ایسا معاہدہ ہو سکتا ہے اگر ہو سکتا ہے تو اس کی کیا صورت ہے اس کے علاوہ یہ بھی تحریر فرمائیں کہ شرعی گواہی کتنے اشخاص پر مبنی ہوتی ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۲۶۱ مالکہ زنانہ میڈیکل ہال (لاہور) ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۵ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۲۱) اقرار نامہ کی عبارت شوہر کے الفاظ میں اس طرح سے ہو کہ "اگر میں بد فعل ہو جاؤں یا بلا اجازت اپنی اہلیہ فلاں بنت فلاں سے عقد ثانی کر لوں تو میری اہلیہ فلاں بنت فلاں کو میری طرف سے یہ حق

---

(۱) قال لها اختاری اوامرك بيدك ينوی تفويض الطلاق لا نها كناية فلا يعملان بلا نية او طلقي نفسك فلها ان تطلق فی مجلس علمها به مشافهة اواخبارا (الدرالمختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب تفويض الطلاق ۳/ ۳۱۵ ط سعيد كراتشی) وقال ايضا: قال لها طلقي نفسك ولم ينواونوی واحدة فطلقت وقعت رجعية وان طلقت ثلاثا و نواه وقعن (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق فصل فی المشيئة ۳/ ۳۳۱ ط سعيد كراتشی)

(۲) واهله اهل الشهادة ای ادائها علی المسلمين (در مختار) وقال فی الرد' قال فی البحر وبه علم ان تقليد الكافر صحيح وان لم يصح قضاء ه علی المسلم حال كفره (هامش ردالمحتار مع الدر المختار' كتاب القضاء ۵/ ۳۵۴ ط سعيد كراتشی)

(۳) وان كان الطلاق ثلاثا فی الحرة و ثنتين فی الامة لم تحل له حتی تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها والا صل فيه قوله تعالی" فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنكح زوجا غيره" والمراد الطلقة الثالثة (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة ۲/ ۳۹۹ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

اور اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے اوپر طلاق بائن جب چاہے ڈال لے۔"
اس کے بعد اگر دونوں شرطوں میں سے کسی ایک کی خلاف ورزی پر عورت اپنے نفس پر طلاق ڈال لے تو طلاق بائن پڑ جائے گی (۱) اور پھر اگر وہ راضی ہو تو اسی شوہر کے ساتھ تجدید نکاح بھی کر سکے گی کیونکہ طلاق بائن کے بعد زوجین تجدید نکاح کر سکتے ہیں۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بارھواں باب
طلاق مغلظہ اور حلالہ

ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے بعد دوسرے مسلک پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں ؟

(سوال) زید نے اپنی بیوی کو حالت غضب میں تین طلاقیں ایک وقت میں دیں اور بلا حلالہ کے نکاح جدید کے ساتھ رجوع کیا آیا زید کی رجعت کسی امام نے ائمہ اربعہ میں سے جائز رکھی ہے یا نہیں ؟بینوا توجروا
(جواب ۳۲۲) ایک وقت میں اگر تین طلاقیں دیں جائیں تو تینوں واقع ہوں گی یہی مذہب ہے جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ مسلمین کا۔البتہ فرقہ امامیہ کے نزدیک ایک طلاق شمار کی جاتی ہے لیکن یہ مذہب بالاتفاق مردود ہے جیساکہ حضرت عمرؓ کا فیصلہ محضر صحابہؓ میں خود اس پر شاہد ہے۔**فقال عمران الناس قد استعجلوا فی امر کان لھم فیه افادة فلو مضیناه علیھم فامضاه علیھم و ذھب جمھور الصحابة والتابعین ومن بعدھم من ائمة المسلمین الیٰ انه یقع ثلاث.** (۳) پس مذہب اہل سنت والجماعت کے موافق اس شخص کو قبل التحلیل رجوع حرام ہے۔

تین طلاق دینے کے بعد شوہر انکار کرتا ہے' حالانکہ دو گواہ موجود ہیں' تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک شخص محی الدین نے غصہ میں اپنی زوجہ کو طلاق دی اور دو تین گواہوں سے یہ بات ثابت ہے کہ اس نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہیں اور وہ شخص اب انکار کرتا ہے کہ تین طلاق نہیں دی ہیں بلکہ دو طلاق دی ہیں اب اس صورت میں شرعاً کتنی طلاق واقع ہوں گی اور اگر کوئی یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ کے

---

(۱) قال لھا اختاری اوامرك بیدك ینوی تفویض الطلاق لانھا کنایة فلا یعملان بلانیة او طلقی نفسك فلھا ان تطلق فی مجلس علمھا به مشافھة او اخبارا (الدرالمختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب تفویض الطلاق ۳/۳۱۵ ط سعید کراتشی)
(۲) اذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان یتزوجھا فی العدة و بعد انقضائھا (الفتاوی الھندیة' کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعة' فصل فیما تحل به المطلقة وما یتصل به ۱/۴۷۲ ط ماجدیه' کوئٹه)
(۳) ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۳/۲۳۳ ط سعید کراتشی

زمانے میں تین طلاقیں دیتے تھے تو ایک طلاق ہوتی تھی لہذا یہاں بھی ایک ہی طلاق ہوگی معتبر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۳۲۳) ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد بن حنبلؒ اور جماہیر اہل سنت والجماعت اس امر کے قائل ہیں کہ تین طلاق دینے سے تینوں پڑ جاتی ہیں خواہ ایک لفظ سے دی جائیں یا ایک جلسہ میں یا ایک طہر میں۔(۱) پس صورت مسئولہ میں چونکہ گواہوں سے (بشرطیکہ گواہ عادل بھی ہوں) یہ بات ثابت ہے کہ زوج نے تین طلاقیں دی ہیں اس لئے اس کی منکوحہ مطلقہ مغلظہ ہوگئی اور اب بدون حلالہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی(۲) آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بہ نیت انشائے طلاق تین طلاقیں دینے پر ایک کا حکم نہیں دیا جاتا تھا بلکہ نیت تاکید کا اعتبار کرلیا جاتا تھا اور یہ اعتبار حضرت ﷺ کے حکم اور صحابہؓ کے اتفاق سے ساقط ہوگیا۔(۳) واللہ اعلم۔

شوہر نے بخوشی طلاق نامہ لکھوا کر دستخط بھی کیا، مگر گواہ موجود نہیں، تو کیا حکم ہے؟

(سوال) زید نے عمرو سے کہا کہ میں اپنی منکوحہ مسماۃ خدیجہ کو طلاق دینا چاہتا ہوں تم مجھے طلاق نامہ لکھ دو عمرو نے جواب دیا کہ طلاق کے معاملے میں اس قدر عجلت مناسب نہیں سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہئے زید نے کہا کہ نہیں مجھے طلاق ہی دینا منظور ہے لہذا تم جلد لکھو میں اس پر دستخط کردیتا ہوں عمرو نے ہر چند ٹالا لیکن زید اصرار کرتا رہا جب عمرو نے دیکھا کہ زید باوجود فہمائش کے بھی اپنے ارادے سے باز نہیں آتا تو عمرو نے مجبور ہوکر طلاق نامہ لکھ دیا جس میں زید کی طرف سے مسماۃ خدیجہ اہلیہ زید کو تین طلاق انت طالق انت طالق

---

(۱) والبدعي ثلاث متفرقة او ثنتان بمرة او مرتين في طهر واحد لا رجعة فيه (در مختار) وقال في الرد (قوله ثلاث متفرقة) وكذا بكلمة واحدة بالأولى..... و ذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلاث (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق ۳/۲۳۳ ط سعيد كراتشي)

(۲) انظر البقرة۲۳۰ قال الله تعالى " فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" والصحيح للبخاري' كتاب الطلاق' باب من اجاز طلاق' الثلاث ۲/۷۹۱ ط قديمي كراتشي عن عائشةؓ " ان رجلا طلق امراته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبي ﷺ اتحل للاول قال لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الاول' والهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة فصل فيما تحل به المطلقة ۲/۳۹۹ ط مكتبه شركة علميه' والفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس في الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ۱/۴۷۳ ط ماجديه' كوئته)

(۳) وقد اختلف العلماء فيمن قال لامراته انت طالق ثلاثا فقال الشافعي و مالك و ابو حنيفة واحمد و جماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث.....' اما حديث ابن عباسؓ فاختلف العلماء في جوابه و تاويله فالاصح ان معناه انه كان في اول الامر اذا قال لها انت طالق انت طالق انت طالق ولم ينوتا كيد اولااستينافا يحكم بوقوع طلقة تعلقة ارادتهم الاستيناف بذلك فحمل على الغالب الذى هو ارادة التاكيد فلما كان في زمن عمرؓ وكثرا استعمال الناس بهذه الصيغة و غلب منهم ارادة الاستيناف بها حملت عندالاطلاق على الثلاث عملا بالغالب السابق الى الفهم منها و في ذلك العصر و قيل المراد ان المعتاد في الزمن الاول كان طلقة واحدة و صار الناس في زمن عمر يوقعون الثلاث دفعة فنفذه عمر فعلى هذا يكون اخبارا عن اختلاف عادة الناس لا عن تغير حكم في مسئلة واحدة (شرح الصحيح لمسلم للعلامة النووى كتاب الطلاق' باب طلاق الثلاث ۱/۴۷۸ ط قديمي كراتشي)

انت طالق صریح الفاظ میں لکھی اور یہ طلاق نامہ دودفعہ زید کو پڑھ کر سنایا اس کے بعد زید نے اس طلاق نامہ پر دستخط کئے پھر یہ طلاق نامہ اور بعوض مہر مبلغ پندرہ سوروپے کا چیک ایک شخص کے ہاتھ متعلقین مطلقہ کے پاس بھیج دیا اور زید ایک دوسرے مقام پر جہاں اس کا مستقل قیام ہے چلا گیا جب طلاق نامہ مطلقہ کے متعلقین کے پاس پہنچا اور دیکھا تو اس پر گواہوں کے دستخط نہ تھے اس لئے اس طلاق نامہ کو اپنے خیال میں غیر معتبر سمجھ کر واپس دے دیا اور کہا کہ اس پر گواہوں کے دستخط نہیں ہیں اور مہر کے ساتھ زمانہ عدت کے مصارف بھی نہیں ہیں اس واسطے تم زید کو واپس کر دو اس مبلغ نے وہ طلاق نامہ بذریعہ ڈاک واپس روانہ کر دیا اور نہ لینے کی وجہ بھی لکھ دی اس کے واپس پہنچنے کے بعد زید نے ایک طلاق نامہ دوسرا لکھوایا اور اس پر اپنے دستخط کے ساتھ گواہوں کے دستخط بھی کرائے اور ایک خط لکھا جس میں مہر اور زمانہ عدت کے مصارف کا ذکر ہے یہ ہر دو پرچے ایک رجسٹری خط میں مطلقہ کے بھائی کے نام بذریعہ ڈاک روانہ کئے اور اسی وقت تین خط اپنے دوستوں کو لکھے اور اطلاع کی کہ میں اپنی اہلیہ خدیجہ کو طلاق دے چکا ہوں اور مہر اور دیگر مصارف بھی دے چکا ہوں اس رجسٹری کے روانہ ہو جانے کے بعد زید کو اپنی اس عاجلانہ کارروائی پر ندامت ہوئی اور اس نے فوراً مرسل الیہ کو تار دیا کہ میں نے تمہارے نام ایک رجسٹری غلطی سے روانہ کی ہے اسے تم وصول نہ کرو اور واپس کر دو مرسل الیہ کو اگلے واقعہ کی خبر تھی ہی اس لئے اس نے رجسٹری وصول کر لی دیکھا تو اس میں ایک طلاق نامہ اور ایک خط جس میں مہر وغیرہ مصارف کے حوالہ کا ذکر تھا نکلے دوسرے روز زید یہاں آیا اور اس کے کہنے اور دلانے سے ایک دوسری جگہ سے پندرہ سو اسی روپے بابت مہر و مصارف عدت متعلقین مطلقہ نے وصول کئے اب زید لوگوں سے کہتا ہے اور متعلقین مطلقہ کو کہلاتا ہے کہ میں نے یہ طلاق نامے ہوش کی حالت میں نہیں لکھوائے اور مجھے طلاق دینی منظور نہیں اب میں اس طلاق سے رجوع کرنا چاہتا ہوں مطلقہ کے متعلقین نے جواب دیا کہ علماء سے دریافت کرنے کے بعد معلوم ہو کہ تین طلاق دینے کے بعد رجوع کرنا صحیح ہے تو ہم مطلقہ کو تمہارے ہاں رخصت کر دیں گے ورنہ نہیں۔ زوجین ہر دو حنفی المذہب ہیں چنانچہ علمائے احناف سے دریافت کیا گیا تو سب نے یہی جواب دیا کہ یہ طلاق مغلظہ ہے اس میں رجوع صحیح نہیں زید نے اس واقعہ میں علمائے اہل حدیث کی طرف رجوع کیا تو مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے یہ جواب دیا کہ ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی رجعی شمار ہوں گی رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں تین طلاق ایک ہی شمار ہوتی تھی اس لئے مسلم کی روایت کے مطابق اس شخص کو رجوع کرنا صحیح ہوگا اور اس میں خلاف حنفیہ کا ہے انتہی اب سوال یہ ہے کہ (۱) تین طلاق لفظاً یا کتابۃً میں ایک ہی طلاق واقع ہوگی اور دو طلاق تاکید سمجھی جائیں گی یا نہیں ؟ اور ایک کی نیت کرنی ہر دو حالت میں جائز اور صحیح ہے یا نہیں (۲) اگر ایک کی نیت صحیح ہے تو دار قطنی کی روایت کے موافق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا حضور اکرم ﷺ سے یہ سوال کرنا کہ ارایت لو

طلقتها ثلاثا ایحل لی ان اراجعها تو جواب میں آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ لا کانت تبین منك و کانت معصیة کا کیا مطلب ہوگا ؟ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کی نیت صحیح نہیں ورنہ رجوع صحیح ہوتا لیکن آپ نے انکار فرمادیا (۳) اگر ایک کی نیت صحیح نہیں تو حدیث کانه طلقها ثلاثا فی مجلس واحد میں آپ کا یہ فرمانا انما تلك طلقة واحدة کا صحیح محمل کیا ہوگا ؟ (۴) حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے جو مسلم میں مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ و حضرت ابوبکر صدیقؓ اور شروع زمانہ خلافت عمرؓ میں تین طلاق ایک ہی شمار ہوتی تھیں اور اب نہیں ہو سکتی اس کی کیا وجہ ہے ؟ (۵) طلاق نامہ کی یہ عبارت وضارت لا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ' ایک کی نیت کرنے کی نفی اور مغلظ بالثلث کی تصریح کرتی ہے یا نہیں ؟ اگر تصریح کرتی ہے تو ایقاع ثلث کی نیت ہوتے ہوئے بھی ایک کی نیت کرنی صحیح ہے یا نہیں اور اگر ایک کی نیت صحیح نہیں تو طلاق نامہ کی اس عبارت کی رو سے اہل حدیث کے نزدیک بھی تین طلاقیں واقع ہوں گی یا ایک ؟ (۶) حنفی المذہب کو ایسے وقت میں اہل حدیث کے مسلک کے موافق مطابق حدیث مسلم رجوع کرنا صحیح ہے یا نہیں ؟ ثانی طلاق نامہ اور خط بابت مہر و مصارف عدت ذیل میں مندرج ہے :-

نقل طلاق نامہ :- **اقرواعترف واشهد علی نفسه اسمعیل بن احمد تیمول المقیم فی باسین (برما) وهو فی حال السلامة المعتبرة شرعا انه طلق زوجته المدخول بها خدیجة بنت غلام محمد کتراداالمقیمة فی رنگون ثلاثا امام الشهود المرقومة اسماء هم ادناه وقدسلمها المهر و قدره الف و خمس مأته روبیه و نفقة العدة و قدرها ثما نون روبیه فصارت خدیجة المذکورة لا تستحق طرف اسمعیل المذکور شیئا و صارت لا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره وقد حررت هذه الوثیقة للعمل بمقتضاها عند اللزوم تحریر ۱۹ جمادی الاخری ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۱۷ء المطلق ۔ اسمعیل احمد جی تیمول . شهد علی ذلك نور احمد پیش امام بنگالی مسجد' شهد علی ذلك عبدالکریم ابن شبراتی مقیم بسین برما بقلم نور احمد پیش امام بنگالی مسجد بسین برما .**

نقل خط ۔ نیک نام میاں محمد یوسف غلام محمد کھترادا صاحب ۔ مقام رنگون ۔ بعد تحریر عرض آنکہ مبلغ پندرہ سو روپے مہر کے اور اسی روپے مصارف عدت کے یہ دونوں ملا کر پندرہ سو اسی روپے میاں اسمعیل و سید صاحب کو بھیج کر میاں عبدالعزیز اینڈ سنز کے پاس سے منگالیں اگر آپ میاں اسمعیل و سید صاحب کی معرفت نہیں منگوائیں گے تو کسی دوسرے شخص کو وہ نہیں دیں گے ۔ راقم اسمعیل احمد جی تیمول ۔ بسین بتاریخ ۱۲ اپریل ۱۹۱۷ء ۔ امید ہے کہ احادیث کو مد نظر رکھتے ہوئے جواب کا وہ پہلو اختیار کیا جائے جو احناف و اہل حدیث ہر دو کے لئے موجب طمانیت ہو۔

(جواب ۳۲۴) صورت مسئولہ میں اسمعیل احمد جی تیمول کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی اور اس کی بیوی

خدیجہ اس کے نکاح سے خارج اور اس کے اوپر حرام ہوگئی اب بغیر حلالہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی(۱) اور طلاق اس وقت سے واقع ہوئی جس وقت پہلا طلاق نامہ لکھا گیا اور زوج نے اس پر دستخط کئے(۲) کیونکہ نفس وقوع طلاق کے لئے گواہوں کی ضرورت نہیں ہاں ثبوت کے لئے گواہوں کی ضرورت ہے مگر زوج طلاق نامہ لکھنے اور بھیجنے کا مقر ہو تو پھر شہادت کی ضرورت نہیں(۳) اور ایک مجلس کی تین طلاقیں یا ایک لفظ سے تین طلاقیں تمام صحابہ و تابعین وائمہ مجتہدین و جمہور علمائے اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک واقع ہو جاتی ہیں اور تین ہی سمجھی جاتی ہیں ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبلؒ کا یہی مذہب ہے اور اسی پر سلفاً و خلفاً تمام مسلمانوں کا عمل ہے اور یہی قرآن مجید و احادیث نبویہ و فتاویٰ اکابر صحابہؓ سے ثابت ہے پس جو اس کا خلاف کرے وہ اہل سنت والجماعت کا مخالف ہے اور اگر وہ مبتدعین میں داخل ہے اب بقدر ضرورت دلائل بیان کئے دیتا ہوں۔ **قال اللہ تعالیٰ الطلاق مرتان الیٰ قولہ فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ**(۴) اس آیت کریمہ میں حق تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ وہ طلاق جس کے بعد رجعت جائز ہے دو طلاقیں ہیں اور جب خاوند تیسری طلاق دے دے تو پھر عورت اس کے لئے بغیر حلالہ حلال نہیں (انتہی) آیت اپنے عموم سے ان تمام صورتوں کو شامل ہے کہ تیسری طلاق ایک ہی مجلس میں ہو یا دوسری مجلس میں۔ ایک طہر میں ہو یا اطہار متعددہ میں یا حالت حیض میں۔ طلاق اول و ثانی و ثالث کے درمیان رجعت متخلل ہوئی ہو یا نہیں آیت کے عموم سے ان تمام صورتوں کا حکم یہی ثابت ہوتا ہے کہ تینوں طلاق واقع ہو کر حرمت مغلظہ پیدا کردیں گی اور زوجہ بغیر حلالہ زوج کے لئے حلال نہ ہوگی اگرچہ بعض صورتوں میں زوج گناہ گار بھی ہوگا مثلاً حالت حیض میں مطلقاً طلاق دینے یا طہر واحد میں تینوں طلاق دینے کی صورت میں لیکن وقوع طلاقمیں کچھ شبہ نہیں **وعن عبادۃ بن الصامتؓ ان اباہ طلق امراۃ الف تطلیقۃ فانطلق عبادۃ الی رسول اللہ ﷺ فسالہ فقال بانت بثلاث فی معصیۃ اللہ رواہ عبدالرزاق (کذافی فتح القدیر)**(۵) یعنی عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد صامت نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیدیں تو عبادہؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا حکم دریافت کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عورت تین طلاقوں کے ساتھ بائنہ ہوگئی اور خدا کی نافرمانی بھی ہوئی مطلب یہ کہ

---

(۱) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ او ثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحا او یدخل بہا ثم یطلقہا او یموت عنہا والاصل فیہ قولہ تعالیٰ "فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ" المراد الطلقۃ الثالثۃ (الہدایہ' کتاب الطلاق' باب الرجعۃ' فصل فیما تحل بہ المطلقۃ ۲/۳۹۹ ط مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

(۲) ولو استکتب من آخر کتابا بطلاقہا وقراہ علی الزوج فاخذہ الزوج و ختمہ وعنونہ و بعث بہ الیہا وقع ان اقر الزوج انہ کتابہ (ہامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' مطلب فی الطلاق بالکتابۃ ۳/۲۴۶'۲۴۷ ط سعید کراتشی)

(۳) وان لم یقر انہ کتابہ ولم تقم بینۃ لکنہ وصف الامر علی وجہہ لا تطلق قضاء ولا دیانۃ وکذا کل کتاب لم یکتبہ بخطہ ولم یملہ بنفسہ لا یقع الطلاق مالم یقر انہ کتابہ (ہامش رد المحتار' کتاب الطلاق' مطلب فی الطلاق بالکتابۃ ۳/۲۴۷ ط سعید کراتشی)

(۴) البقرۃ ۲۲۹'۲۳۰

(۵) فتح القدیر' کتاب الطلاق' باب طلاق السنۃ ۳/۳۳۰ ط مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

ہزار میں سے تین طلاقیں پڑ گئیں اور باقی ۷ ۹۹ لغو ہو گئیں اور چونکہ تینوں طلاقیں ایک دفعہ دی گئیں اس لئے زوج گناہ گار بھی ہوا اس حدیث سے دو باتیں صراحۃً ثابت ہوتی ہیں اول یہ کہ تین طلاقیں ایک دفعہ دینے سے تینوں پڑ جاتی ہیں اور یہ کہ خود آنحضرت ﷺ نے تینوں طلاقیں پڑ جانے کا حکم دیا ہے دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ایک دفعہ سے تین طلاقیں دینا اگرچہ گناہ ہے لیکن اس کا منہی عنہ اور معصیت ہونا عدم وقوع کو مستلزم نہیں طلاق مغلظہ تو پڑ کر ہی رہے گی زوج گناہ گار ہو گا یہ بات علیحدہ ہے اور اس بات کی نظیر شریعت مقدسہ میں دوسری بھی موجود ہے وہ یہ کہ حالت حیض میں طلاق دینا بھی منع ہے لیکن اگر کوئی مرد اپنی حائضہ بیوی کو طلاق دیدے تو طلاق پڑ جائے گی۔ **عن نافع عن عبداللہ انہ طلق امراتہ و ھی حائض تطلیقۃ واحدۃ فامرہ رسول اللہ ﷺ ان یراجعھا (متفق علیہ)**(۱) **وعن سالم ابن عبداللہ قال قال ابن عمر فراجعتھا و حسبت لھا التطلیقۃ التی طلقتھا (رواہ مسلم)**(۲) **و عن سعید بن جبیر ابن عمر قال حسبت علی بتطلیقۃ(رواہ البخاری)** (۳) یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی (یعنی ایک طلاق) تو آنحضرت ﷺ نے ان کو رجعت کر لینے کا حکم فرمایا اور انہوں نے رجعت کر لی پھر وہ خود فرماتے ہیں کہ میرے اوپر یہ ایک طلاق شمار کر لی گئی اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ حالت حیض میں طلاق دینا اگرچہ گناہ ہے لیکن طلاق پھر بھی پڑ جاتی ہے ورنہ اس کا ایک طلاق شمار کیا جانا بے معنی ہو گا۔ **وعن سھل بن سعد الساعدی ان عویمر العجلانی قال یا رسول اللہ ﷺ ارایت رجلا وجد مع امراتہ رجلا ایقتلہ فتقتلونہ ام کیف یفعل فقال رسول اللہ ﷺ قد انزل اللہ فیک و فی صاحبتک فاذھب فات بھا قال سھل فتلا عن فی المسجد وانا مع الناس عند رسول اللہ ﷺ فلما فرغا قال عویمر کذبت علیھا یا رسول اللہ ﷺ ان امسکتھا و طلقھا ثلاثا (رواہ الشیخان)** (۴) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عویمر نے اپنی بیوی کو لعان کے بعد تین طلاقیں دیں اور آنحضرت ﷺ نے سکوت فرمایا یعنی ان کو یہ نہ فرمایا کہ تین طلاقیں دینے سے کیا فائدہ جب کہ تین سے بھی ایک ہی ہوتی ہے تو ایک ہی دینی چاہئے تھی **و عن نافع قال کان ابن عمر اذا سئل عمن طلق ثلاثا قال لو طلقت مرۃ او مرتین فان النبی ﷺ امرنی بھذا فان طلقتھا ثلاثا فقد حرمت علیک حتی تنکح زوجا غیرک و عصیت اللہ تعالی فیما امرک من طلاق امراتک (رواہ المسلم)** (۵) یعنی نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے جب ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا جاتا تھا جو اپنی

---

(۱) واللفظ لمسلم' کتاب الطلاق' باب تحریم طلاق الحائض ۱ / ۴۷۶ ط مکتبہ قدیمی کراتشی
(۲) رواہ مسلم فی الصحیح' کتاب الطلاق' باب تحریم طلاق الحائض ۱ / ۴۷۶ ط مکتبہ قدیمی کراتشی
(۳) رواہ البخاری فی الجامع الصحیح' کتاب الطلاق' باب اذا طلقت الحائض یعتد بذلک الطلاق ۱ / ۷۹۰ ط مکتبہ قدیمی کراتشی)
(۴) رواہ البخاری فی الجامع الصحیح' کتاب الطلاق' باب من اجاز الطلاق الثلاث ۲ / ۷۹۱' و باب اللعان و من طلق بعد اللعان ۲ / ۷۹۹ ط مکتبہ قدیمی کراتشی' و رواہ مسلم فی الصحیح' کتاب اللعان ۱ / ۴۸۸ ط مکتبہ قدیمی کراتشی)
(۵) رواہ مسلم فی الصحیح' کتاب الطلاق' باب تحریم طلاق الحائض ۱ / ۴۷۶ ط مکتبہ قدیمی کراتشی

بیوی کو تین طلاق دیدے تو وہ فرماتے تھے کہ اگر ایک یا دو طلاق دے تو بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اسی بات کا حکم فرمایا تھا لیکن اگر تو بیوی کو تین طلاق دیدے گا تو وہ تجھ پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرے اور تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا ہوگا اس حکم میں جو دربارہ طلاق زوجہ تجھ کو دیا ہے اس حدیث سے بھی صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقیں ایک دفعہ یا ایک طہر میں دینے سے پڑ جاتی ہیں کیونکہ گناہ گار ہونا انہیں جیسی صورتوں میں ہوتا ہے۔ عن ابی سلمۃ ان حفص بن المغیرۃ طلق امراتہ فاطمۃ بنت قیس علی عہد رسول اللہ ﷺ ثلث تطلیقات فی کلمۃ واحدۃ فابانھا منہ النبی ﷺ الحدیث (رواہ الدارقطنی) (۱) یعنی ابو سلمہ سے روایت ہے کہ حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو تین طلاقیں ایک کلمہ میں دیدیں تو نبی اکرم ﷺ نے فاطمہ کو ان سے جدا کر دیا اس حدیث سے بھی صاف ثابت ہے کہ ایک دفعہ کی دی ہوئی تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں اور عورت بائنہ مغلظہ ہو جاتی ہے۔ و عن عمرو بن مرۃ قال سمعت ھامان یسئل سعید بن جبیر عن رجل طلق امراتہ ثلثا فقال سعید سئل ابن عباس ؓ عن رجل طلق امراتہ مائۃ فقال ثلث یحرم علیک امراتک و سائر ھن وزر اتخذت ایات اللہ ھزوا (رواہ الدار قطنی) (۲) یعنی عمرو بن مرہ کہتے ہیں کہ میں نے ہامان کو سعید بن جبیر سے یہ پوچھتے سنا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو کیا حکم ہے سعید نے کہا کہ حضرت ابن عباس ؓ سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں تو انہوں نے فرمایا تھا کہ تین طلاقیں تیری بیوی کو تجھ پر حرام کر دیتی ہیں اور باقی ستانوے گناہ رہیں تو نے آیات اللہ کو ٹھٹھا بنالیا ہے وعن مجاھد عن ابن عباس انہ سئل عن رجل طلق امراتہ مائۃ قال عصیت ربک وفارقت امراتک لم تتق اللہ فیجعل لک مخرجا (رواہ الدارقطنی) (۳) مجاہد کہتے ہیں کہ ابن عباس ؓ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیدی ہیں انہوں نے فرمایا کہ تو نے اپنے خدا کی نافرمانی کی اور اپنی بیوی سے جدا ہو گیا تو نے خدا کا خوف نہیں کیا کہ وہ تیرے لئے کوئی سبیل نکالتا۔ وعن مجاھد قال جاء رجل من قریش الی ابن عباس ؓ فقال یا ابا عباس انی طلقت امراتی ثلثا وانا غضبان فقال ان ابن عباس لا یستطیع ان یحل لک ماحرم علیک عصیت ربک و حرمت علیک امراتک الحدیث (رواہ الدار قطنی) (۴) مجاہد کہتے ہیں کہ قریش میں سے ایک شخص ابن عباس ؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو بحالت غصہ تین طلاقیں دیدی ہیں انہوں نے فرمایا کہ ابن عباس کی یہ طاقت نہیں کہ وہ تیرے لئے حلال کر دے وہ چیز جو حرام کی گئی تو نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ پر حرام ہو گئی۔

---

(۱) رواہ الدار قطنی فی سننہ: کتاب الطلاق والخلع والایلاء، ٤ / ١٢ ط دار نشر الکتب الاسلامیۃ لاہور پاکستان
(۲) المصدر السابق ٤ / ١٢
(۳) المصدر السابق ٤ / ١٣
(٤) المصدر السابق ٤ / ١٣

وعن عمرانه رفع الیه رجل طلق امراته الفاً فقال له عمرا طلقت امراتك قال لا انما كنت العب فعلاه عمر بالدرة فقال انما يكفيك من ذلك ثلث' اخرجه عبدالرزاق كذافی التعليق المغنی (۱) یعنی حضرت عمرؓ کے سامنے ایک شخص لایا گیا جس نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیدی تھیں حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ تو نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے اس نے کہا نہیں میں تو مذاق کرتا تھا حضرت عمرؓ نے اس کے درے مارے اور فرمایا کہ تجھے تین طلاقیں دینا کافی تھا۔

یہ تمام حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ایک کلمہ سے یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تینوں پڑ جاتی ہیں اور یہ کہ جناب رسالتمآب ﷺ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہی فتوے دیتے تھے جیسا کہ روایات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔

قال صاحب المنتقی بعد ما اورد روایات ابن عباسؓ وهذا كله يدل علی اجماعهم علی صحة وقوع الثلث بالكلمة الواحدة كذافی التعليق المغنی (۲) صاحب منتقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایتیں بیان کر کے فرمایا کہ یہ سب اس امر پر دال ہیں کہ صحابہؓ و تابعینؒ کا اس امر پر اجماع تھا کہ ایک کلمہ سے تینوں طلاقوں کا واقع ہونا صحیح ہے۔ وقال الامام النووی فی شرح صحيح مسلم (۳) وقد اختلف العلماء فيمن قال لامراته انت طالق ثلثا فقال الشافعی و مالك و ابو حنيفة واحمد و جماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث الخ . یعنی امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ علماء نے اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی کو انت طالق ثلثا کہہ دے یعنی ایک ہی کلمہ سے تین طلاقیں دیدے اختلاف کیا ہے پس امام شافعیؒ امام مالکؒ امام ابو حنیفہ اور امام احمدؒ اور جماہیر علماء سلف و خلف اس بات کے قائل ہیں کہ تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی وقال الشيخ ابن الهمام فی فتح القدير (۴) و ذهب جمهور الصحابة والتابعين و من بعدهم من ائمة المسلمين الی انه يقع الثلاث - یعنی تمام جمہور صحابہؓ و تابعینؒ اور ان کے بعد ائمہ مسلمین اس بات کے قائل ہیں کہ تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں - وقال الزرقانی فی شرح المؤطا (۵) والجمهور علی وقوع طلاق الثلاث بل حكی ابن عبدالبر للاجماع قائلا بان خلافه شاذلا يلتفت اليه یعنی علامہ زرقانی نے مؤطا امام مالکؒ کی شرح میں فرمایا کہ جمہور اسی پر ہیں کہ تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں بلکہ علامہ ابن عبدالبر نے اس پر اجماع نقل کر کے کہا کہ اس کا خلاف شاذ ہے اس کی طرف التفات نہ کرنا چاہئیے۔

---

(۱) التعليق المغنی علی سنن الدار قطنی كتاب الطلاق والخلع والايلاء وغيره ۴/۱۳ ط دار نشر الكتب الاسلامية لاهور پاكستان، اخرجه عبدالرزاق فی مصنفه كتاب الطلاق باب المطلق ثلاثا ۶/۳۹۳ ط المكتب الاسلامی بيروت لبنان)

(۲) المصدر السابق ۴/۱۳

(۳) شرح الصحيح للامام مسلم للعلامة النووی كتاب الطلاق باب طلاق الثلاث ۱/۴۷۸ ط مكتبه قديمی كراتشی

(۴) فتح القدير كتاب الطلاق باب طلاق السنة ۳/۴۶۹ ط مكتبه مصطفی البابی الحلبی بمصر -

(۵) شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك كتاب الطلاق باب ماجاء فی البتة ۳/۱۶۷ ط دار الفكر بيروت)

وقال العلامة العینی فی شرح الهدایه (۱) اذا طلق الرجل امراته ثلاثا قبل الدخول بها وقعن علیها عندعامة العلماء وهو مذهب عمرو علی و ابن عباس و ابی هریرة و عبدالله بن عمر و بن العاص و عبدالله بن مسعود وانس بن مالکؓ و به قال سعید بن المسیب و محمد بن سیرین و عکرمة و ابراهیم و عامر الشعبی و سعید بن جبیر والحکم و ابن ابی لیلی والا وزاعی و سفیان الثوری و ابن المنذر و ذکر ابن ابی شیبة انه قول عائشة وام سلمة و خالد بن محمد و مکحول و حمید بن عبدالرحمن الخ- یعنی علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں فرمایا ہے کہ جب کہ آدمی اپنی بیوی کو ایک دفعہ سے تین طلاق قبل الدخول دیدے تو تینوں پڑ جائیں گی نزدیک علمائے عامہ کے اور یہی مذہب ہے حضرت عمر اور حضرت علی اور ابن عباس اور ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن مسعود اور انس بن مالکؓ کا' اور اسی کے قائل ہیں سعید بن میسب اور محمد بن سیرین اور عکرمہ اور ابراہیم اور عامر شعبی اور سعید بن جبیر اور حکم اور ابن ابی لیلیٰ اور اوزاعی اور سفیان ثوری اور ابن منذر رحمہم اللہ اور حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ نے ذکر کیا کہ یہی قول ہے حضرت عائشہؓ اور ام سلمہ اور خالد بن محمد اور مکحول اور حمید بن عبدالرحمن کا۔ وقال العلامة العینی فی شرح صحیح البخاری (۲) وذهب جماهیر العلماء من التابعین ومن بعدهم منهم النخعی والثوری و ابو حنیفة و مالك و الشافعی و احمد واخرون کثیرون الی من طلق امراته ثلثا و قعن علیها لکنه یاثم وقالوا من خالف فیه فهو شاذ مخالف لا هل السنة وانما تعلق به اهل البدعة ومن لا یلتفت الیه لشذوذه عن الجماعة. یعنی علامہ عینی نے شرح صحیح بخاری میں ذکر کیا ہے کہ جماہیر علمائے تابعین اس امر کی طرف گئے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے تو تینوں پڑ جائیں گی لیکن وہ گناہ گار ہوگا۔ اسی کے قائل ہیں ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری اور ابو حنیفہ اور مالک اور شافعی اور احمد اور بہت لوگ۔ اور کہا انہوں نے کہ جو اس کا خلاف کرے وہ شاذ ہے اور اہل سنت کا مخالف ہے اور نا قابل التفات کیونکہ جماعت اہل علم سے جدا ہے وقال الحافظ ابن حجر بعد البحث الطویل والراجح ایقاع الثلاث للاجماع الذی انعقدفی عهد عمر علی ذلك ولا یحفظ ان احدا فی عهده خالفه فی ذلك وقد دل اجماعهم علی وجود ناسخ وان کان خفی عن بعضهم قبل ذلك حتی ظهر لجمیعهم فی عهد عمر فالمخالف بعد هذاالاجماع منا بذله' والجمهور علی عدمه اعتبار من احدث الاختلاف بعدالاتفاق والله اعلم (تعلیق المغنی) (۳) یعنی حافظ ابن حجر نے فتح

---

(۱) البنایة شرح الهدایة' کتاب الطلاق' فصل فی الطلاق قبل الدخول ۹۶'۹۵/۵ ط رشیدیه' کوئٹه

(۲) عمدة القاری شرح الصحیح للبخاری' کتاب الطلاق' باب من اجاز طلاق الثلاث ۲۳۳/۲۰ ط ادارة الطباعة المنیریة' محمد امین دمج بیروت

(۳) تعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی' کتاب الطلاق والخلع والایلاء وغیره ۶۰/۴ ط دارنشر الکتب الاسلامیه' لاهور پاکستان و فتح الباری شرح الصحیح للبخاری' کتاب الطلاق' باب من جوز طلاق الثلاث ۳۱۹/۹ ط الکبری المیریة بولاق مصر -

الباری میں بحث طویل کے بعد فرمایا اور راجح یہ ہے کہ تینوں طلاقیں واقع کردی جائیں کیونکہ اس پر حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں اجماع منعقد ہو گیا ہے اور یہ بات محفوظ نہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کسی نے ان کا اس مسئلہ میں خلاف کیا ہو اور ان کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی ناسخ موجود ہے اگرچہ وہ ناسخ اس سے پہلے بعض لوگوں سے پوشیدہ رہا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں سب پر ظاہر ہو گیا پس اس اجماع کے بعد جو اس میں خلاف کرے وہ اجماع کا مخالف ہے اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اجماع و اتفاق کے بعد جو اختلاف کرے وہ غیر معتبر ہے۔

پس ان تمام عبارات سے ظاہر ہو گیا کہ ایک کلمہ یا ایک مجلس کی دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور یہی حکم قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت ہے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس پر صحابہ و تابعین کا اجماع ہو گیا اور ائمہ اربعہ بھی اسی کے قائل ہیں اور سلفاً و خلفاً علمائے امت کا یہی مذہب ہے اور اس کا مخالف اہل سنت والجماعت سے جدا ہے اور اس کا قول غیر معتبر ہے۔

اب آپ کے سوالوں کا جواب نمبروار تحریر کیا جاتا ہے۔

(۱) سوال اول کا جواب یہ ہے کہ صریح تین طلاقیں لفظاً ہوں یا کنایۃً (بشروط معتبرہ فی الکنایات) ایک لفظ سے اور ایک مجلس میں ہوں یا متعدد الفاظ سے مختلف مجالس میں ہوں تینوں پڑ جاتی ہیں اور عورت مطلقہ مغلظہ ہو جاتی ہے اور قضاءً ایک کی نیت کا ہرگز اعتبار نہ ہوگا ہاں اگر ایک کلمہ میں تین طلاقیں نہ دی ہوں بلکہ لفظ طلاق کو تین مرتبہ مکرر کیا ہو اور اخیرین میں تاکید کی نیت کی ہو تو دیانۃً یہ نیت معتبر ہوگی اور قضاءً تینوں پڑ جائیں گی کرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین (درمختار) ای وقع الکل قضاء وکذا اذا طلق اشباہ ای بان لم ینوا استینا فاولا تاکید الان الاصل عدم التاکید (رد المحتار) (۱)

(۲) سوال دوم کا جواب خود صاف ہو گیا کہ صورت مسئولہ میں ایک کی نیت نہ دیانۃً صحیح ہے نہ قضاءً کیونکہ طلاق مغلظہ کلمہ واحدہ سے دی گئی ہے اور ایسی طلاق کا پڑ جانا اور منکوحہ کا مطلقہ مغلظہ ہو جانا قرآن مجید و حدیث شریف و اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہو چکا ہے۔

(۳) سوال سوم کا جواب یہ ہے کہ طلاق ثلث میں ایک کی نیت ہونے کی صورت یہ ہے کہ لفظ طلاق کو مکرر کیا جائے اور اخیر کے دو لفظوں سے پہلی مرتبہ کے تلفظ کی تاکید مقصود ہو یعنی استیناف و انشا کا ارادہ نہ کیا جائے لیکن صورت سوال میں یہ نہیں ہے بلکہ یہاں تو ایک لفظ سے طلاق ثلثہ مغلظہ دی گئی ہے اور خود زوج مطلق نے اپنی نیت کی تشریح ان الفاظ سے کر دی ہے کہ وصارت لا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ - پھر ایسی صورت میں ایک کی نیت ہونے کے کوئی معنی نہیں رہی حدیث رکانہ اور حدیث ابن عباس جو مسلم میں مروی ہے تو اس کے متعلق اولاً یہ گزارش ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ بات

---

(۱) ہامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب طلاق غیر المدخول بھا ۳/۲۹۳ ط سعید کراتشی

تھی کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو تین طلاق اس طرح دیتا تھا کہ انت طالق انت طالق انت طالق اور پہلے لفظ سے تو انشائے طلاق مقصود ہوتا اور پچھلے دو لفظوں سے تاکید مقصود ہوتی اور وہ یہ کہتا کہ میری نیت میں تو ایک ہی طلاق تھی تو آنحضرت ﷺ اس کے قول کا اعتبار فرما لیتے اور ایک طلاق کا حکم دیتے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے صامتؓ کے قصہ میں جنہوں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی تھیں بانت بثلاث فی معصیۃ اللہ فرما کر ہزار میں سے تین طلاقیں پڑنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ہم شروع میں مسند عبد الرزاق سے بحوالہ فتح القدیر نقل کر چکے ہیں۔ وقال الامام النووی(۱) اما حدیث ابن عباسؓ فاختلف العلماء فی جوابہ و تاویلہ والا صح ان معناہ انہ کان فی اول الامر اذا قال انت طالق انت طالق انت طالق ولم ینوا التاکید ولا الا استیناف یحکم بوقوع طلقۃ واحدۃ لقلۃ ارادتھم الاستیناف بذلک فحمل علی الغالب الذی ھو ارادۃ التاکید فلما کان زمن عمرو کثر استعمال الناس بھذہ الصیغۃ و غلب منھم ارادۃ الاستیناف بھا حملت عندالاطلاق علی الثلث عملاً بالغالب السابق الی الفھم منھا فی ذلک العصر - یعنی امام نوویؒ نے فرمایا کہ ابن عباسؓ کی روایت کا جواب دینے اور معنی بیان کرنے میں علما نے اختلاف کیا ہے اور اصح یہ ہے کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ ابتدا میں یہ بات تھی کہ جب کوئی شخص انت طالق انت طالق تین مرتبہ کہتا اور تاکید اور استیناف کا بہت کم ارادہ کرتے تھے پس اسی اکثری حالت پر حمل کیا گیا پھر جب حضرت عمرؓ کا زمانہ ہوا اور لوگوں نے اسی صیغہ کا استعمال بکثرت شروع کر دیا اور ان کی جانب سے استیناف کا ارادہ غالب ہو گیا تو اطلاق کے وقت تین طلاقوں پر حمل کیا گیا تاکہ احتمال غالب سابق الی الفہم پر عمل ہو جائے رکانہ کی حدیث مضطرب ہے مسند امام احمد (۲) کی روایت میں یہ لفظ ہیں جو سائل نے سوال میں ذکر کئے ہیں یعنی طلق رکانۃ بن عبدیزید امراتہ ثلثا فی مجلس واحد . الخ -اور ابوداؤد اور ترمذی اور دار قطنی (۳) وغیرہ میں اس طرح ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق ثلثہ دیدی اور آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہاری نیت کیا تھی انہوں نے عرض کیا کہ ایک طلاق کی نیت تھی آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم ایک ہی طلاق کی نیت تھی؟ عرض کیا کہ خدا کی قسم ایک ہی طلاق کی نیت تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا ایک ہی طلاق ہوئی- غرضیکہ یہ روایت مضطرب

---

(۱) شرح الصحیح لمسلم للعلامۃ النوویؒ کتاب الطلاق' باب طلاق الثلاث ۱/۴۷۸ ط مکتبہ قدیمی کراتشی -

(۲) عن ابن عباسؓ قال طلق رکانۃ بن عبد یزید اخو بنی المطلب امراتہ ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیھا حزنا شدیدا قال فسالہ رسول اللہ ﷺ کیف طلقتھا؟ قال ثلاثا قال : فقال فی مجلس واحد ؟ قال نعم قال فانما تلک واحدۃ فارجعھا ان شئت قال فرجعھا فکان ابن یری انما الطلاق عند کل طھر (رواہ احمد فی مسندہ' مسند عبداللہ بن عباس ۱/۴۳۸ ط دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۳) عن علی بن یزید بن رکانۃ عن ابیہ عن جدہ انہ طلق امراتہ البتۃ فاتی رسول اللہ ﷺ فقال ما اردت قال واحدۃ قال اللہ قال اللہ قال ھو علی ما اردت (رواہ ابوداؤد فی سننہ' کتاب الطلاق' باب فی البتۃ ۱/۳۰۰ ط سعید کراتشی' و رواہ الترمذی فی الجامع' ابواب الطلاق واللعان' باب ماجاء ان الرجل طلق امراتہ البتۃ ۱/۲۲۱ ط سعید کراتشی) ورواہ الدار قطنی فی سننہ' کتاب الطلاق والخلع والایلاء وغیرہ ۴/۳۴ ط دار نشر الکتب الاسلامیۃ لاھور باکستان)

سے اس سے استدلال کرنا مستقیم نہیں۔قولہ ان رکانۃ بن عبد یزید طلق امراتہ . الحدیث – رواہ الشافعی و ابوداؤد والترمذی و ابن ماجۃ و ابن حبان والحاکم واعلہ البخاری بالا ضطراب وقال ابن عبدالبر فی التمھید ضعفوہ واختلفوا ھل من مسند رکانۃ او مرسل رکانۃ کذافی التلخیص (التعلیق المغنی) (۱) وقال الشوکانی وھو مع ضعفہ مضطرب و معارض اما الاضطراب فکما تقدم – الخ (التعلیق المغنی) (۲) وقال المحقق ابن ھمام فی فتح القدیر (۳) فتاویلہ (ای معنی حدیث ابن عباس) ان قول الرجل انت طالق انت طالق کان واحدۃ فی الزمان الاول لقصد ھم التاکید فی ذلک الزمان ثم صاروا یقصدون التجدید فالزمھم عمر بذلک لعلمہ بقصدھم . انتھی ان تمام عبارتوں سے ثابت ہوگیا کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا مطلب یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں تین طلاقوں کا ایک قرار دیا جانا اسی بنا پر ہوتا تھا کہ تینوں بقصد انشاء و تجدید نہیں ہوتی تھیں اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چونکہ لوگ بقصد انشاء و تجدید تین طلاقیں دینے لگے تو حضرت عمرؓ نے وقوع ثلاث کا حکم دے دیا اور انشاء و تجدید کی نیت ہونے کی حالت میں تینوں طلاقیں پڑجانے کا حکم خود آنحضرت ﷺ کے اس حکم سے ماخوذ ہے جو صامت کی ہزار طلاقوں کے بارے میں آپ نے دیا تھا۔

(۵) سوال پنجم کا جواب بھی اب صاف ہوگیا کہ تین طلاق کی نیت ہوتے ہوئے بھی ایک طلاق کا حکم کرنا قرآن و حدیث و اجماع کے خلاف ہے اور زوج کا صورت سوال میں یہ دعویٰ کرنا کہ میری نیت ایک طلاق کی تھی صریح تناقض ہے لہذا لغو ہے طلاق نامہ کی عبارت یہ ہے طلق زوجتہ المدخول بھا خدیجۃ بنت غلام محمد کترادا المقیمۃ فی رنگون ثلاثا– اس عبارت میں بھی ایک کی نیت کا ادعا صحیح نہیں کیونکہ یہ ایک کلمہ سے تین طلاقیں دی گئی ہیں ایک کی نیت کا احتمال تو تکرار لفظ طلاق کی صورت میں ہو سکتا تھا وہ یہاں نہیں ہے اور پھر آگے یہ عبارت وصارت لا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ – تو ارادہ حرمت مغلظہ میں نص صریح ہے۔

(۶) سوال ششم کا جواب یہ ہے کہ ہر گز جائز نہیں کیونکہ اول تو یہ قول قرآن مجید اور حدیث شریف اور اجماع کے خلاف ہے اور بقول علامہ عینی اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے اور بقول حافظ ابن حجر اس کا قائل خارق اجماع ہے دوسرے یہ کہ ایسا کرنا درحقیقت خواہش نفسانی کا اتباع اور شریعت مطہرہ کے ساتھ استہزا ہے۔نعوذ باللہ واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم– کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ‘ مدرس مدرسہ امینیہ مسجد پانی پتیان دہلی

---

(۱) التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی‘ کتاب الطلاق والخلع والایلاء وغیرہ ۴/۳۳ ط دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور–
(۲) التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی‘ کتاب الطلاق والخلع والایلاء وغیرہ ۴/۳۴ ط دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور پاکستان
(۳) فتح القدیر‘ کتاب الطلاق‘ باب طلاق السنۃ ۳/۴۷۱ ط مکتبہ مصطفی الحلبی بمصر

تین طلاق کے بعد عورت مرتدہ ہوگئی اب بغیر حلالہ کے رجوع کر سکتا ہے یا نہیں ؟

(سوال) زید نے اپنی بیوی جمیلہ کو تین طلاق مغلظہ دیدی جمیلہ کو بہت ملال ہوا اور وہ مرتد ہو کر ہندو مذہب میں شامل ہو گئی جب اس کے وارثوں کو معلوم ہوا تو اس کو سمجھا بجھا کر توبہ پر راضی کر لیا اس نے توبہ کر کے اسلام قبول کر لیا اور عدت طلاق گزار کر بغیر حلالہ کے اپنے شوہر زید مذکورہ کو راضی کر کے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کر لیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں ؟

(جواب ۳۲۵) مرتد ہو جانے سے حلالہ ساقط نہیں ہوا(۱) اس کو لازم تھا کہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرتی پہلے خاوند سے جس نے تین طلاقیں دی تھیں بغیر حلالہ کے نکاح جائز نہیں تھا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

تین طلاق کے بعد بیوی کو رکھنا کیسا ہے ؟

(سوال) میں نے اپنی زوجہ کو ہر چند سمجھایا کہ میری مرضی کے خلاف تم کوئی کام نہ کرو اور بہت عرصہ تک یہ انتظار کیا کہ یہ میری منشا کے خلاف کوئی کام نہ کرے لیکن جب میں مایوس ہو گیا تو مجبور ہو کر میں نے اس سے کہا کہ میں تجھ کو طلاق دے دوں گا اس نے کہا کہ یہ تو مجھ کو نظر آرہا ہے خیر میں مہر معاف کرتی ہوں اور تم دونوں بچے مجھے دے دو کچھ روز کے بعد میں نے اس کو تین طلاق دے دیں اور اس کو اس کے والد کے ہمراہ میکے بھیج دیا اب اس کے والد اور اس کے عزیز و اقارب مجھ پر زور ڈال رہے ہیں کہ اس کو اپنی بیوی بنالو میں پریشان ہوں کہ کیا کروں ؟المستفتی نمبر ۲۰۷ عبدالرحمن دہلی ۲۸ شوال ۱۳۵۲ھ ۱۳ فروری ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۲۶) تین طلاقیں دیدینے کے بعد زوجہ کو بیوی بنالینے کی صورت باقی نہیں رہی اب تو وہ جب تک کسی اور شخص کے نکاح میں نہ جائے اور اس سے بعد وطی طلاق کے ذریعہ یا اور کسی سبب سے علیحدہ نہ ہو شوہر اول کے نکاح میں نہیں آسکتی۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

---

(۱) فلا يحلها وطء المولى ولا ملك امة بعد طلقتين او حرة بعد ثلاث وردة و سبي نظيره من فرق بينهما بظهار او لعان ثم ارتدت و سبيت ثم ملكها لم تحل له ابدا (درمختار) وقال في الرد : اى لو طلقها ثنتين وهي امة ثم ملكها او ثلاثا وهي حرة فارتدت ولحقت بدر الحرب ثم سبيت ثم ملكها لم تحل له ابدا (درمختار) وقال في الرد: اى لو طلقها ثنتين وهي امة ثم ملكها او ثلاثا وهي حرة فارتدت ولحقت بدار الحرب ثم سبيت و ملكها لا يحل له وطؤها بملك اليمين حتى يزوجها فيدخل بها الزوج ثم يطلقها كما في الفتح......فوجه الشبه بين المسئلتين ان الردة اللحاق والسبى لم تبطل حكم الظهار واللعان كما لم تبطل حكم الطلاق (هامش رد المحتار مع الدرالمختار كتاب الطلاق باب الرجعة ۳/ ۴۱۲ ط سعيد كراتشي)

(۲) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة او ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها والاصل فيه قوله تعالى : " فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" والمراد الطلقة الثالثة (الهداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة ۲/ ۳۹۹ ط شركة علميه ملتان)

(۳) دیکھئے قرآن شریف سورۃ بقرۃ آیت ۲۳۰ " فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" بخارى شريف كتاب الطلاق ، باب من اجاز طلاق الثلاث ۲/ ۷۹۱ ط قديمي عن عائشة ان رجلا طلق امراته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبي ﷺ اتحل للاول قال لاحتى يذوق عسيلتها كما ذاق الاول" شاميه، كتاب الطلاق، باب الرجعة ۳/ ۴۰۹ ط سعيد كراتشي، هداية كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة ۲/ ۳۹۹ ط مكتبه شركة علميه ملتان، هنديه كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة ما يتصل به ۱/ ۴۷۳ ط ماجديه، كوئٹه

بیوی کا نام لئے بغیر کئی بار کہا کہ ”میں نے اس کو طلاق دی“ تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟

(سوال) ایک شخص اپنی اہلیہ کو لے کر اپنی سسرال میں گئے وہاں جا کر بیوی کے سوتیلے بھائی سے تکرار ہو گئی تکرار ہوتے ہوئے یہ الفاظ منہ سے نکل گئے کہ میں نے اس کو طلاق دیا اور کئی مرتبہ کہہ دیا گیا اس وقت بیوی موجود نہیں تھی اور کسی مکان کے اندر بیٹھی ہوئی تھی نہ ہی بیوی کا نام لیا گیا اگر طلاق اس طرح واجب ہو گیا ہو تو اس کو دوبارہ نکاح میں لانے میں کیا رائے ہے بیوی سے کسی قسم کی تکرار نہیں ہوئی ۳ ماہ کا حمل ہے۔المستفتی نمبر ۲۲۵ نیاز محمد صاحب کیتھل ضلع کرنال ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ ۳ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۲۷) خاوند نے جب یہ لفظ کہہ دیئے کہ ”میں نے اس کو طلاق دیا“ اور اس کی نیت بیوی کو ہی طلاق دینا تھی تو اس کی بیوی پر طلاق پڑ گئی خواہ وہ سامنے موجود تھی یا نہ تھی (۱) حاملہ ہونے یا نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں (۲) اور یہ لفظ تین مرتبہ یا تین سے زیادہ کہہ دیا تو تین طلاقیں ہو گئیں اور عورت اس کے نکاح سے باہر ہو گئی اب جب تک کہ عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں نہ جائے اور دوسرا خاوند بعد صحبت طلاق نہ دے اور عدت پوری نہ ہو پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘

ایک مجلس کی تین طلاق کے باوجود بغیر حلالہ رجوع کا فتویٰ کیسا ہے ؟

(سوال) زید نے اپنی عورت کو حالت غصہ میں تین طلاق ایک دم دے دیں بعدہ‘ اس نے اس عورت کو گھر سے نکال دیا پھر اس کی جدائی شاق گزری تو پھر بلا لیا کیونکہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو سنبھالنا بھی دشوار تھا پانچ ماہ کے بعد اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کر لیا مولانا عبدالحیٔ مرحوم کے فتوے پر جس کی عبارت ذیل میں ہے ص ۴۹ ۳ استفتاء کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت کو حالت غضب میں کہا کہ میں نے طلاق دیا میں نے طلاق دیا میں نے طلاق دیا۔ تو اس تین بار کہنے سے تین طلاق واقع ہوں گی یا نہیں حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورت خاص میں عمل کرنے کی رخصت دی جائے گی یا نہیں ہو المصوب اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہوں گی اور بغیر تحلیل نکاح نادرست ہوگا مگر بوقت ضرورت کے کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا دشوار ہو اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو‘ تقلید کسی اور امام کی اگر کرے گا تو کچھ

---

(۱) ولا يلزم كون الاضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال : طالق فقيل له من عنيت؟ فقال امراتي طلقت امراته ويؤيده ما في البحر لو قال : امراة طالق او طلقت امراة ثلاثا وقال لم اعن امراتي يصدق‘ و يفهم منه انه لو لم يقل ذلك تطلق امراته لان العادة ان من له امراة انما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها (هامش رد المحتار‘ كتاب الطلاق‘ باب الصريح‘ مطلب " سن بوش " يقع به الرجعي ۳/ ۲٤۸ ط سعيد كراتشي)

(۲) اس لئے کہ حاملہ کو حالت حمل میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے لما في الهداية‘ طلاق الحامل يجوز عقيب الجماع (الهداية‘ كتاب الطلاق‘ باب طلاق السنة ۲/ ۳۵٦ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) ان كان الطلاق ثلاثا في الحرة او ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها كذافي الهداية (الفتاوى الهندية‘ كتاب الطلاق‘ الباب السادس في الرجعة‘ فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ۱/ ٤۷۳ ط مكتبه ماجديه‘ كوئٹه)

مضائقہ نہ ہوگا۔الخ۔ اور صورت حال میں مفاسد ہونے کا یقین تھا اب کیا شخص مذکور کا نکاح ہوا یا فسخ کرے؟ بینوا توجروا المستفتی نمبر ۳۰۸ مسٹر محمد احمد (ضلع بھروچ) ۲۱ صفر ۱۳۵۳ھ م ۵ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۲۸) صرف حنفیہ کے نزدیک ہی نہیں بلکہ سب ائمہ مجتہدین یعنی امام شافعی امام مالک امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی تینوں طلاقیں پڑ گئیں(۱) اور عورت مطلقہ مغلظہ ہو گئی اور ان مفاسد کی بنا پر جو سوال میں مذکور ہیں دوبارہ نکاح کی اجازت مشکل ہے مولانا عبدالحیٰؒ نے جو لکھا ہے وہ اضطراری صورت میں تو قابل عمل ہو سکتا ہے (۲) لیکن ایسے امور میں جو صرف مشکلات کی حد میں داخل ہیں اضطرار تک نہیں پہنچتے ائمہ کے نزدیک اس کی اجازت دشوار ہے۔(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ایک مجلس کی تین طلاق کے بعد حالت ضرورت شدیدہ میں دوسرے مسلک پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں؟

(سوال) ایک شخص نے ایک کافرہ کو مسلمان بنا کر اس سے نکاح کیا کچھ عرصہ کے بعد آپس کی ناچاقی کی وجہ سے اس کو تین طلاق دیدی اب صورت یہ پیش آئی ہے کہ وہ عورت اس کو کسی طرح چھوڑنے کے لئے تیار نہیں کہتی ہے کہ میں کسی حالت میں بھی کسی اور شخص سے نکاح نہیں کروں گی اگر تو اپنے گھر میں نہیں رکھے گا تو میں خودکشی کرلوں گی یا پھر مرتد ہو جاؤں گی اب وہ شخص سخت پریشان ہے اور کہتا ہے کہ تاوقتیکہ شرعاً اجازت نہ ہو میں ہر گز نہیں رکھوں گا۔ المستفتی نمبر ۵۲۵ حکیم غلام محمد خاں جوناگڑھ ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۹ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب)(از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی) اگر اس شخص کو ظن غالب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر میں اس عورت کو نہیں رکھوں گا تو یہ عورت خودکشی کرلے گی یا مرتد ہو جائے گی تو عورت سے عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور اگر عدت گزر گئی تو صرف تجدید نکاح کی ضرورت ہو گی بوجہ لازم آنے مفاسد عظیمہ کے یہ اجازت دی جاتی ہے۔ فقط حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ' دہلی

---

(۱) والبدعی ثلاثۃ متفرقۃ (درمختار) وقال فی الرد (قولہ ثلاثۃ متفرقۃ) وکذا بکلمۃ واحدۃ بالاولیٰ' و ذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلاث وقد ثبت النقل عن اکثر صریحا بایقاع ثلاث ولم یظھر لھم مخالف' فماذا بعد الحق الا الضلال (ھامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' ۳/۲۳۳ ط سعید کراتشی)

(۲) الضرورۃ ان تطرا علی الانسان حالۃ من الخطر اوالمشقۃ الشدیدۃ بحیث یخاف حدوث ضرر او اذی بالنفس او بالعضوا و بالعرض او بالعقل او بالمال و توابعھا ولا یمکن دفع ذلک الضرر الاباارتکاب فعل محرم او ترک واجب شرعی او تاخیرہ عن وقتہ (نظریۃ الضرورۃ الشرعیۃ للدکتور وھبۃ الزحیلی ص ۶۷'۶۸ ط بیروت)

(۳) فی المجتبی عن محمد فی المضافۃ لا یقع و بہ افتی ائمۃ خوارزم انتھی وھو قول الشافعی و للحنفی تقلیدہ بفسخ قاض بل محکم بل افتاء عدل (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب التعلیق ۳/۳۴۶ ط سعید کراتشی) وقال ایضا : ولا باس بالتقلید عند الضرورۃ لکن بشرط ان یلزم جمیع ما یوجبہ ذلک الامام (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الصلاۃ ۱/۳۸۲ ط سعید کراتشی)

(جواب)(از مولوی خلیق احمد صاحب) مفاسد عظیمہ کے وقت اجازت ہونے کے لئے حوالہ کتاب کی ضرورت ہے میرے نزدیک جواب مذکورہ صحیح نہیں ہے۔ خلیق احمد عفی عنہ خطیب و مفتی جامع مسجد جوناگڑھ

(جواب ۳۲۹) (از مفتی اعظمؒ) صورت واقعہ میں تینوں طلاقوں کا واقع ہو جانا اور رجوع کی اجازت نہ ہونا اور بدون حلالہ کے دوسرا نکاح جائز نہ ہونا ائمہ اربعہ کا مذہب ہے اور وہی راجح اور واجب العمل ہے(۱) مگر ائمہ اربعہ کے مذہب کے خلاف بعض اہل ظاہر اور اہل حدیث کا مذہب یہ ہے کہ ایک دفعہ کی اور ایک مجلس کی تین طلاقیں نہیں پڑتیں بلکہ تین کی جگہ ایک طلاق پڑتی ہے(۲) اور خاوند کو رجعت کا حق عدت کے اندر اندر ہوتا ہے لیکن عدت گزر جانے کے بعد بالاتفاق زوجین کو ازسرنو ایجاب و قبول کر کے تجدید نکاح کرنی ہوگی (۳) اگر اس بات کا یقین یا ظن غالب ہو کہ عورت خودکشی کرے گی یا مرتد ہو جائے گی تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اہل ظاہر و اہل حدیث کے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت دیدی جائے لیکن انقضائے عدت کے بعد تجدید نکاح کا لازم ہونا اور بغیر تجدید نکاح کے رجعت جائز نہ ہونا تو اتفاقی مسئلہ ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ

(جواب)(از مولوی خلیق احمد صاحب) صورت مسئولہ میں بغیر حلالہ کے اب شوہر اول سے نکاح کسی طرح بھی درست نہیں **وان كان الطلاق ثلثة في الحرة او ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها (هداية ص ۳۷۵ ج ۲)**(۴) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اب بغیر حلالہ کے شوہر اول سے کسی طرح بھی تجدید نکاح جائز نہیں اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ صورت مسئولہ میں بہر نوع تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں حدیث شریف میں ہے **ان رجلا قال لعبدالله بن عباس انى طلقت امراتى مائة تطليقة فما ذا ترى على فقال ابن عباس طلقت منك بثلث و سبع و تسعون اتخذت بايات الله هزوا- رواه فى المؤطا (مشكوة ص ۲۸٤)**(۵) اس حدیث کے مضمون سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ بیک وقت اگر تین یا

---

(۱) وقد اختلف العلماء فيمن قال لا مراته انت طالق ثلاثا فقال الشافعي و مالك وابو حنيفة و احمد و جماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث (شرح الصحيح لمسلم للعلامة النووى' كتاب الطلاق' باب طلاق الثلاث ۱ /٤۷۸' ط مكتبه قديمى كراتشى) و ذهب جمهور الصحابة والتابعين و من بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلاث ' فتح القدير' كتاب الطلاق' باب طلاق السنة' ۳/٤٦۹ ط مكتبه مصطفى البابى الحلبى بمصر)

(۲) وقال طاؤس و بعض اهل الظاهر لا يقع بذلك الا واحدة وهو رواية عن الحجاج بن ارطاة و محمد بن اسحاق و المشهور عن الحجاج بن ارطاة انه لا يقع شئ وهو قول ابن مقاتل ورواية عن محمد بن اسحاق (شرح الصحيح لمسلم للعلامة النووى' كتاب الطلاق' باب طلاق الثلاث ۱/٤۷۸ ط مكتبه قديمى كراتشى)

(۳) اس لئے کہ ان کے نزدیک صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور طلاق رجعی میں جب شوہر عدت کے اندر رجوع نہ کرے تو وہ بائن بن جاتی ہے اور طلاق بائن میں تجدید نکاح ضروری ہے - كما فى الهندية' اذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجها فى العدة و بعد انقضائها (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس فى الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ۱/٤۷۲ ط ماجديه' كوئته)

(٤) الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة ۲/۳۹۹ ط كتبه شركة علميه ملتان

(۵) رواه مالك فى المؤطا' كتاب الطلاق' باب ماجاء فى البتة ص ۵۱۰ ط مكتبه مير محمد كرتشى' و مشكوة المصابيح باب الخلع والطلاق ۲/۲۸٤ ط مكتبه سعيد كراتشى

تین سے زیادہ طلاقیں دی جائیں تو بہر صورت تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور تمام علمائے امت کا یہی مذہب و مسلک ہے بہر حال صورت مسئولہ میں ہر گز ہر گز کسی طرح بھی تجدید نکاح بغیر حلالہ کے درست نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ خادم العلماء خلیق احمد خطیب و مفتی ریاست جونا گڑھ ۱۵ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب)(از حضرت مفتی اعظمؒ) صورت مسئولہ میں حنفی فقہ کی رو سے بیشک تین طلاقیں واقع ہونے کا حکم صحیح ہے لیکن جب کہ عورت کے مرتد ہو جانے یا خود کشی کرنے کا ظن غالب یا یقین ہو تو ایسی صورت میں اہل ظاہر کے مذہب پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے (۱) اس کے لئے مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ جلد دوم کے صفحہ ۵۴ میں اس قسم کا سوال وجواب ملاحظہ فرمایا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

یکبار گی تین طلاق دی' رجعت کر سکتا ہے یا نہیں ؟

(سوال) زید نے اپنی زوجہ کو طلاق طلاق طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا اور زوجہ اپنے والدین کے گھر چلی گئی جب ہر دو فریق کا غصہ فرو ہوا تو سخت پشیمان ہوئے زید کے خیر خواہوں نے علمائے اہل حدیث کے فتوے سے جواز دلا دیا جس کی رو سے زید اپنی بیوی کو لے آیا جس کو دو ماہ گزر گئے کیا مذہب امام اعظمؒ کی رو سے یہ رجعت جائز ہے ؟المستفتی نمبر ۵۴۲ عبدالشکور وہرہ دون۔ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۳۰) امام اعظمؒ' امام شافعیؒ' امام مالکؒ' امام احمد بن حنبلؒ' چاروں اماموں کے مذہب کے موافق یہ رجعت جائز نہیں ہوئی ایک مجلس کی تین طلاقیں چاروں اماموں کے نزدیک تین ہی قرار دی جاتی ہیں۔(۲)

شوہر نے ایک ہی مجلس میں کہا '' طلاق ہے' طلاق ہے' طلاق ہے' تو کون سی اور کتنی طلاقیں واقع ہوئیں ؟

(سوال) زید نے اپنی بیوی کی سخت بد زبانی اور گستاخانہ تلخ کلامی سے نہایت مشتعل اور غضب ناک ہو کر

---

(۱) ایسی ضرورت شدیدہ میں فقہاء حنفیہ نے دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے' بشرطیکہ واقعتاً ضرورت اضطراری حالت کو پہنچ چکا ہو' جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی نے شرح عقود رسم المفتی میں نقل کرتے ہیں : و به علم ان المضطر له العمل بذلك لنفسه كما قلنا وان المفتي له الافتاء به للمضطر فما مر من انه ليس له العمل بالضعيف والا فتاء به محمول على غير مواضع الضرورة (رسائل ابن عابدين' شرح عقود رسم المفتي ص ۵۰) وكذا في هامش رد المحتار مع الدر المختار ۱ / ۷۴ ط سعيد كراتشي وفي الدر المختار' قال ولا باس بالتقليد عند الضرورة لكن بشرط ان يلتزم جميع ما يوجبه ذلك الامام لما قدمنا ان الحكم الملفق باطل بالا جماع (الدر المختار مع هامش رد المحتار ' كتاب الصلاة ۱/۳۸۲ ط سعيد كراتشي)

(۲) وان طلق ثلاثا بكلمة واحدة وقع الثلاث و حرمت عليه حتى تنكح زوجا غيره ولا فرق بين قبل الدخول و بعده روى ذلك عن ابن عباس و ابي هريرة و ابن عمر و عبدالله بن عمرو و ابن مسعود و انس وهو قول اكثر اهل العلم من التابعين والائمة بعد هم (المغني لا بن قدامة ' كتاب الطلاق' باب تطليق الثلاث بكلمة واحدة' فصل ۵۸۲۰ ' ۷/۲۸۲ ط دار الفكر بيروت)

ایک ہی جلسہ میں تین طلاقیں دیدیں الفاظ یہ ادا کئے تھے کہ طلاق ہے' طلاق ہے' طلاق ہے۔ علماء نے طلاق مغلظہ واقع ہونے کے فتوے دے دیئے بیوی حاملہ ہے چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں تحلیل زید کو گوارا نہیں نیز تحلیل کی کوئی یقینی معتمد صورت بھی نظر نہیں آتی موجودہ حالت میں بچے ماں کے پاس رہیں یا باپ کے۔ دونوں صورتوں میں پرورش اور تعلیم وتربیت کے لحاظ سے ان کی تباہی وبربادی کا غالب گمان ہوتا ہے عورت کی آئندہ زندگی بھی مذہبی واخلاقی نقطہ نظر سے اندیشہ ناک معلوم ہوتی ہے طرفین تجدید نکاح پر آمادہ بھی ہیں مذکورہ بالا جملہ میں لفظ نسبت نہیں تھا اور وقوع طلاق کے لئے لفظاً معنی نسبت ہونی چاہئے اگرچہ حالت باہمی گفتگو اور ہم کلامی کی تھی ایک لڑکی زید کی بعمر ہفت سالہ صرف کھڑی تھی دوسرے زاد المعاد میں مرقوم ہے کہ ایک جلسہ میں اس طرح تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں یہ چاروں اماموں کا مذہب ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نزدیک اور بعض دیگر علماء کے مسلک پر ایسی طلاق سے یا تو طلاق ہی نہیں ہوتی یا ایک طلاق ہوتی ہے حنفیہ کے نزدیک شدید ضرورت کی صورت میں دوسرے امام کے طریقہ پر عمل کرنے کی اجازت ہے مذکورہ صورت میں بغیر تحلیل کے صرف تجدید نکاح پر اکتفا کرنے کی صورت نکل سکتی ہو تو مطلع فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۵۷۸ سید نثار علی' جاورہ ۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۴ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۳۱) طلاق کے الفاظ میں منکوحہ کی طرف نسبت(۱) لفظاً ہو یا کنایۃً یا دلالۃً اور دلالت میں یہ بھی معتبر ہے کہ مقام ہم کلامی میں الفاظ ادا کئے گئے ہوں(۲) اور یہ سب اس وقت ہے کہ مطلق کی نیت کا علم نہ ہو لیکن اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے ہی الفاظ طلاق استعمال کئے ہیں اور اس کا اقرار بھی کر رہا ہے جیسا کہ اسی سوال میں تصریح ہے کہ زید نے اپنی بیوی کی سخت بدزبانی اور گستاخانہ تلخ کلامی سے نہایت مشتعل وغضبناک ہو کر ایک ہی جلسہ میں تین طلاقیں دے دیں اب ظاہر ہے کہ اس کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس اقرار کے بعد نسبت طلاق کی بحث چھیڑنا فضول ہے۔ اور تین طلاقیں جو ایک ہی جلسہ میں دی جائیں وہ ائمہ اربعہ اور جماہیر علمائے امت کے نزدیک تین ہی قرار پاتی ہیں اور راجح اور قوی دلیل کے لحاظ سے یہی صحیح ہے۔(۳) صورت مسئولہ میں ضرورت

---

(۱) (قوله لتركه الاضافة) اى المعنوية فانها الشرط والخطاب من الاضافة المعنوية وكذا الاشارة نحو هذه طالق وكذا نحو امراتي طالق و زينب طالق (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب الصريح' مطلب " سن بوش" يقع به الرجعي ۳ / ۲۴۸ ط سعيد كراتشي)

(۲) ولايلزم كون الاضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت؟ فقال امراتي طلقت امراته' و يويده ما في البحر لو قال ' امراة طالق او قال طلقت امراة ثلاثا وقال لم اعن امراتي يصدق و يفهم منه انه لو لم يقل ذلك تطلق امراته' لان العادة ان من له امراة انما يحلف بطلاقها ولا بطلاق غيرها فقوله انى حلفت بالطلاق ينصرف اليها مالم يرد غيرها لانه يحتمله كلامه (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الصريح' مطلب "سن بوش" يقع به الرجعي ۳ /۲۴۸ ط سعيد كراتشي)

(۳) والبدعي ثلاث متفرقة (درمختار) وقال في الرد (قوله ثلاثة متفرقة) كذا بكلمة واحدة بالاولى وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلاث (هامش رد المحتار مع (جاری ہے)

شدیدہ کی بھی کوئی وجہ نہیں بیان کی گئی سوائے اس کے کہ تحلیل زید کو گوارا نہیں تو یہ بات ایک ایسے مسئلے میں جو ائمہ اربعہ اور جماہیر امت کا متفق علیہ ہو وجہ عدول نہیں ہو سکتی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ نکاح درست نہیں ہے۔

(سوال) ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دیدیں پھر عدت گزرنے کے بعد دوبارہ نکاح کر لیا کیا یہ نکاح صحیح ہے؟ ہمارے یہاں لوگ کہتے ہیں کہ اس نکاح کے پڑھانے والوں اور گواہوں اور نکاح کی اجازت دینے والوں کی بیویوں پر طلاق پڑ گئی اور یہ نکاح بھی فاسد ہے آیا ان لوگوں کے گھر کھانا پینا اور ان کے ہاتھ کا ذبح کردہ جانور کا کھانا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۶۹۳ ارشاد عالم (دہلی) ۲۸ رمضان ۱۳۵۴ھ م ۲۵ دسمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۳۲) ایک مجلس میں تین طلاقیں ائمہ اربعہ اور جماہیر علمائے اسلام کے نزدیک تین ہی شمار ہوتی ہیں(۲) اور مطلقہ طلاق مغلظہ کے ساتھ مطلقہ ہو جاتی ہے اور بدون تحلیل اس خاوند کے لئے حلال نہیں رہتی (۳) پس صورت مسئولہ میں نکاح درست نہیں ہوا یہ تو صحیح نہیں کہ نکاح پڑھانے والوں اور اجازت دینے والوں اور شریک ہونے والوں کے نکاح ٹوٹ گئے مگر یہ بات ٹھیک ہے کہ چاروں اماموں اور جمہور امت محمدیہ کے مسلک کے موافق یہ سب لوگ سخت گناہ گار اور فاسق ہوئے اور ان کا ذبیحہ حرام نہیں(۴) ہاں انکو امام بنانا مکروہ ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(بقیہ صفحہ گزشتہ) الدر المختار' کتاب الطلاق ۲۳۳/۳ ط سعید کراتشی) وقال فی بدایة المجتهد ' جمهور فقهاء الامصار علی ان الطلاق بلفظ الثلاث حکمه حکم الطلقة الثالثة (بدایة المجتهد و نهایة المقتصد لابن رشد الاندلسی' کتاب الطلاق' باب الطلاق بلفظ الثلاث ۳٤۷/٤ ط دار الکتب العلمیه بیروت)

(۱) وقد ثبت النقل عن اکثرهم صریحا بایقاع الثلاث ولم یظهر لهم مخالف' فما ذا بعد الحق الا الضلال – وعن هذا قلنا لو حکم حاکم بانها واحدة لم ینفذ حکمه لانه لا یسوغ الاجتهاد فیه فهو خلاف لا اختلاف (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۲۳۳/۳ ط سعید کراتشی)

(۲) والبدعی ثلاثة متفرقة (درمختار) وقال فی الرد (قوله ثلاثة متفرقة) وکذا بکلمة واحدة بالاولی.... و ذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع ثلاث ... وقد ثبت النقل عن اکثرهم صریحا بایقاع الثلاث ولم یظهر لهم مخالف' فما ذا بعد الحق الا الضلال' و عن هذا قلنا لو حکم حاکم بانها واحدة لم ینفذ حکمه لانه لا یسوغ الاجتهاد فیه فهو خلاف لا اختلاف (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۲۳۳/۳ ط سعید کراتشی)

(۳) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة و ثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا و یدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها والاصل فیه قوله تعالی : فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره' والمراد الطلقة الثالثة (الهدایة' کتاب الطلاق' باب الرجعة' فصل فیما تحل به المطلقة ۳۹۹/۲ ط شرکة علمیه ملتان)

(۴) اس لئے کہ ذابح کا مسلمان ہونا کافی ہے' و شرط کون الذابح مسلما (الدر المختار' مع هامش رد المحتار' کتاب الذبائح ۲۹٦/٦ ط سعید کراتشی) (۵) و یکره امامة عبدواعرابی و فاسق واعمی (درمختار) وقال فی الرد (قوله و فاسق) من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة و لعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی وآکل الربا و نحو ذلك کذافی البر جندی اسماعیل و فی المعراج قال اصحابنا : لا ینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعة لانه فی غیرها یجد اما ما غیره (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الصلاة' باب الامامة ٥٦٠/١ ط سعید کراتشی)

تین طلاق کے بعد پھر بیوی کا شوہر کے پاس رہنا کیسا ہے ؟

(سوال) (۱) تقریباً ڈھائی سال کا عرصہ ہوا کہ زید اپنی زوجہ ہندہ کو چند احباب کے سامنے (جو بحیثیت شواہد کے موجود تھے) فوری طلاق ثلاثہ دیا طلاق ثلاثہ دینے کے ایک ماہ بعد زید اور مطلقہ ہندہ میں خفیہ طور پر پھر سابقہ تعلقات قائم ہو گئے اس مدت میں ہندہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی زید ڈھائی سال کے عرصہ سے تعلقات سابقہ کو بدستور قائم رکھ کر ہنوز ہندہ کے نان نفقہ کا انتظام کرتا ہے اب زید اور ہندہ دونوں شرعی طور پر رجوع ہونا چاہتے ہیں آیا زید اپنی زوجہ سے شرعاً رجوع کر سکتا ہے ؟ **المستفتی نمبر ۸۵۶ قاضی حکیم محمد نورالحق صاحب** (چامراج نگر) ۲۱ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۲۳) فوری طلاق یا ایک مجلس میں تینوں طلاق دینے سے ائمہ اربعہ اور جمہور علمائے اسلام کے نزدیک تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں (۱) اور تینوں طلاقیں پڑ جانے کے بعد بدون اس کے کہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور بعد وطی و مباشرت اس سے کسی جائز ذریعہ سے علیحدگی حاصل ہو زوج اول کے نکاح میں نہیں آسکتی (۲) سوال میں جو واقعہ مذکور ہے اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق ثلاثہ دینے کے بعد خفیہ تعلقات قائم کر لینا زید کے لئے حرام تھا اس کو مطلقہ سے کلی علیحدگی لازم تھی اور اب بھی لازم ہے کہ فوراً علیحدگی کر لے اور دونوں نکاح بھی نہیں کر سکتے ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے۔ (۳) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ**

تین طلاق جدا جدا کر کے تین مرتبہ دی، تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) (۱) ایک شخص نے اپنی زوجہ منکوحہ جائز کو ایک رجعی طلاق بتاریخ ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء دی اور قریب ۷ ایوم بعد طلاق شوہر نے طلاق مذکورہ بتاریخ ۲۱ ستمبر ۱۹۳۳ء بہ طیب خاطر منسوخ کر کے بموجب احکام شریعت رجوع کر لیا اور بعدہ وہ میاں بیوی کے طور پر خوش و خرم آباد رہے (۲) ساڑھے سات سال بعد رجوع مذکور جدید حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ اس شخص نے پھر اپنی اس منکوحہ کو ایک طلاق روبرو گواہان بتاریخ ۲۹ فروری ۱۹۳۶ء تحریر کر کے دیدی جب کہ وہ بحالت طہر تھی (۳) چند یوم بعد ایک طلاق مذکور

---

(۱) والبدعي ثلاثة متفرقة (درمختار) وقال في الرد (قوله ثلاثة متفرقة) وكذا بكلمة واحدة بالاولى...و ذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلاث' وقد ثبت النقل عن اكثرهم صريحا بايقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف -فماذا بعد الحق الا الضلال - وعن هذا قلنا لو حكم حاكم بانها واحدة لم ينفذ حكمه لانه لايسوغ فيه الاجتهاد فهو خلاف لا اختلاف (هامش رد المحتار مع الدر المختار ' كتاب الطلاق ۳/ ۲۳۳ ط سعيد كراتشي)

(۲) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها كذا في الهداية (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس في الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ۱/ ۴۷۳ ط ماجديه كوئٹه)

(۳) وان طلق ثلاثا بكلمة واحدة وقع الثلاث و حرمت عليه حتى تنكح زوجا غيره ولا فرق بين قبل الدخول و بعده' روى ذلك عن ابن عباس و ابى هريرة و ابن عمر و عبدالله و عمرو و ابن مسعود و انس وهو قول اكثر اهل العلم من التابعين والائمة بعد هم (المغني لابن قدامه كتاب الطلاق' باب تطليق الثلاث بكلمة واحدة' فصل ۵۸۲۰' ۷/ ۲۸۲ ط دار الفكر بيروت)

مندرجہ ضمن نمبر ۲ بالا اس عورت کو ایام ماہواری آنے اور جب وہ ایام ماہواری سے فارغ ہو گئی تو اسے دوسری طلاق بتاریخ ۱۴ مارچ ۱۹۳۶ء بعدم موجودگی کسی گواہ کے تحریر کر کے بھیج دی گئی میاں بیوی مذکور اس دوسری طلاق کے واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں (۴) دوسری طلاق مذکور کے بعد آج تک تیسری طلاق نہیں دی گئی میعاد عدت ختم ہو چکی ہے۔ المستفتی نمبر ۱۲۱۹ شیخ غلام حیدر صاحب بی-اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ (فیروزپور شہر) ۱۹ رجب ۱۳۵۵ھ م ۶ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۳۴) شریعت مقدسہ نے مرد کو ایک عورت کے متعلق تین طلاقیں دینے کا اختیار دیا ہے یہ تین طلاقیں خواہ یکے بعد دیگرے پیہم ایک طہر میں یا ایک مجلس میں ہوں یا تین مجلسوں یا تین طہروں میں ہوں یا ایک طلاق یا دو طلاق کے بعد مدت طویلہ گزر جانے کے بعد ہوں اور خواہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجعت کر لی گئی ہو یا نہ کی ہو،(۱) رجعت نہ کرنے کی صورت میں دوسری طلاق انقضاء عدت سے قبل ہو گی تو محسوب ہو گی ورنہ نہیں(۲) پس صورت مسئولہ مذکورہ میں پہلی طلاق ۱۹۳۳ء محسوب ہو گی اور ۱۹۳۶ء کی دو طلاقوں کے ساتھ مل کر طلاق مغلظہ ہو گئی۔ اور اب بدون تحلیل وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں تمام کتب فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے۔(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

غصے میں گالی دے کر کہا طلاق طلاق طلاق' اور کہتا ہے نیت نہ تھی.

(سوال) ایک عورت کو اس کے شوہر نے کسی بنا پر مارا تو وہ ناراض ہو کر اپنے بھائی کے گھر چلی گئی جب دوسرے دن شوہر لینے گیا تو اس نے مارنے کا سبب دریافت کیا اس کے جواب میں شوہر نے اس عورت کو گالی دی اور طلاق طلاق طلاق کہہ کر باہر کا راستہ لیا دریافت کرنے پر یہ شخص کہتا ہے کہ غصہ میں یہ الفاظ اس طرح نکلے۔ نیت طلاق دینے کی نہ تھی اس صورت میں از روئے شرع متین طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو کتنی اور کیسی اب اگر یہ مرد اور عورت پھر ملنا چاہیں تو اس کی کیا شکل ہو سکتی ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۳۳۰ ای ایم امر ا (ڈربن) ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۴ فروری ۱۹۳۷ء

---

(۱) قال الله تعالى : الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان' فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره (البقرة : ۲۲۹' ۲۳۰) و عن نافع قال كان عبدالله اذا سئل عن ذلك قال لاحد هم اما انت طلقت امراتك مرة او مرتين فان رسول الله ﷺ امرني بهذا وان كنت طلقتها ثلاثا فقد حرمت عليك حتى تنكح زوجا غيرك و عصيت الله فيما امرك من طلاق امرأتك (رواه مسلم في الصحيح' كتاب الطلاق' باب تحريم طلاق الحائض ۱/ ۴۷۶ ط قديمي كراتشي)

(۲) اس لئے کہ طلاق واقع ہونے کے لئے عورت کا منکوحہ یا معتدہ ہونا ضروری ہے' كما في هامش رد المحتار (قوله و محله المنكوحة) اى ولو معتدة عن طلاق رجعي او بائن غير ثلاث في حرة و ثنتين في امة (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق ۳/ ۲۳۰ ط سعيد كراتشي)

(۳) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها والا صل فيه قوله تعالى :" فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" والمراد الطلقة الثالثة (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة ۲/ ۳۹۹ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(جواب)(از مولوی احمد مختار صدیقی صاحب) صورت مذکورہ بالا میں چونکہ الفاظ صریح نہیں لہذا ایک طلاق واقع ہوئی دوسری دوبار جو لفظاً طلاق طلاق کہا ہے وہ اس پہلی کی تاکید مانی جائے گی اس لئے بائن ہو جائے گی اور طلاق بائن کا حکم یہ ہے کہ اگر مرد و عورت پھر راضی ہو جائیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ ہذا فی الکتب الفقہیۃ۔ احمد مختار ذرمان

(جواب ۳۳۵) (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہوالموفق یہ جواب صحیح نہیں ہے قرآن وحدیث وفقہ کے اصول کے خلاف ہے صحیح جواب یہ ہے کہ لفظ طلاق اگرچہ صریح ہے مگر بیوی کی طرف اضافت صراحتہً وجود نہیں ہے اس لئے شوہر اگر اس بات پر حلف کرے کہ لفظ طلاق کہنے سے زوجہ کو طلاق دینا مقصود نہ تھا تو طلاق ایک بھی نہیں ہوئی اور اگر وہ کہے کہ زوجہ کو طلاق دینا مقصود تھا یا قسم کھانے سے انکار کرے تو طلاق مغلظہ کا حکم ہوگا (۱) اور بدون حلالہ یہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی (۲) طلاق بائن کی اس واقعہ میں کوئی صورت نہیں ہے اگر طلاق کے دو لفظوں کو پہلے لفظ کی تاکید ہونے کا وہ دعویٰ کرے تو یہ قول اس کا حکم کے لئے تسلیم نہ کیا جائے گا ہاں دیانۃً وہ اس کو صرف ایک طلاق سمجھ کر بدون تجدید نکاح رجعت کرے تو عنداللہ ماخوذ نہ ہوگا۔ کرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین (درمختار) قوله کرر لفظ الطلاق بان قال للمدخولة انت طالق انت طالق اوقدطلقتك قدطلقتك الخ (رد المحتار) قوله وان نوی التاکید دین ای ووقع الکل قضاءً الخ (ردالمحتار)(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

جب تین طلاق دی' تو طلاق مغلظہ ہوئی بغیر حلالہ رجوع جائز نہیں!

(سوال) جو مرد اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاق دے کر چار برس پردیس میں رہے اور نان ونفقہ بھی نہ دے اب واپس آکر رجوع کرنا چاہے تو رجوع کر سکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۴۹۲ کرم الٰہی صاحب (ضلع رنگ پور) ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۳ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۳۶) ایک مجلس کی تین طلاقیں ائمہ اربعہ کے نزدیک تین ہی شمار کی جاتی ہیں (۴) اور اس میں

---

(۱) لو قال ان خرجت یقع الطلاق اولا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لم یقع لترکه الاضافة الیها (درمختار) وقال فی الرد (قوله لترکه الاضافة) ای المعنویة فانها الشرط والخطاب من الاضافة المعنویة وکذا الاشارة' وقال بعد اسطر ولا یلزم کون الاضافة صریحة فی کلامه لما فی البحر لو قال طالق فقیل من عنیت فقال امراتی طلقت امراته ... ویؤیده ما فی البحر لو قال امراة طالق او قال طلقت امراة ثلاثا وقال لم اعن امراتی یصدق' و یفهم منه انه لو لم یقل ذلك تطلق امراته لان العادة ان من عنده امراة انما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها لقوله انی حلفت بالطلاق ینصرف الیها مالم یرد غیرها لانه یحتمله کلامه (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب الصریح' مطلب "سن بوش" یقع به الرجعی ۳/۲۴۸ ط سعید کراتشی)

(۲) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة و ثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا و یدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها کذافی الهدایة (الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعة' فصل فیما تحل به المطلقة وما یتصل به ۱/۴۷۳ ط ماجدیه' کوئٹه)

(۳) هامش رد المحتار' مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب طلاق غیر المدخول بها ۳/۲۹۳ ط سعید کراتشی

(٤) وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع ثلاث' وقد ثبت النقل عن اکثرهم صریحا بایقاع الثلاث ولم یظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال' وعن هذا قلنا لو حکم حاکم بانها واحدة لم ینفذ حکمه لانه لایسوغ الاجتهاد فیه فهو خلاف لا اختلاف (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۳/۲۳۳ ط سعید کراتشی)

رجوع کا شوہر کو حق نہیں ہوتا (۱) اور جو لوگ کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے ہیں ان کے نزدیک بھی عدت کے اندر رجعت کا حق ہوتا ہے انقضائے عدت کے بعد رجوع کرنے کا حق کسی کے نزدیک بھی نہیں رہتا۔ (۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حلالہ میں جماع شرط ہے 'اگر بغیر صحبت کے طلاق دے گا تو پہلے شوہر کے لئے جائز نہ ہوگی.

(سوال) زید نے اپنے والدین کے اصرار پر ہندہ کو طلاق مغلظہ دیدی لیکن چونکہ میاں بیوی میں محبت تھی اس لئے طلاق کے چند روز بعد پھر یکجا ہوگئے اس وقت بڑوں کی پنچایت نے دونوں میں پھر تفریق کرادی ہے لیکن دونوں بہت پریشان ہیں طلاق کے وقت ہندہ حاملہ تھی جس نے ایک بیٹا بھی پیدا ہوگیا ہے 'اس نے دونوں کی محبت میں اور اضافہ کردیا ہے ایسی حالت میں دونوں کو باہمی جدائی اور بھی زیادہ شاق معلوم ہورہی ہے اب خاندان والے بھی کوشاں ہیں کہ زید و ہندہ کی کوئی ازدواجی صورت پیدا ہو جائے لیکن زید و ہندہ اس کے لئے تیار نہیں کہ ہندہ دوسرے سے عقد کرے اور زوج ثانی اس سے صحبت صحیحہ کرے اور شوہر ثانی کے طلاق کے بعد زید کے عقد میں آئے جب تک کہ زید کے خاندان والے زید و ہندہ کی وابستگی کی صورت پیدا کرنے میں کوشاں ہیں دونوں امید وبیم کی صورت میں خاموش ہیں لیکن قطعی ناامیدی کی صورت میں مفاسد و حوادث کے خطرات ہیں مثلاً یہ کہ دونوں پہلے کی طرح بصورت حرام یکجا ہو جائیں یا دونوں میں سے کوئی ارتکاب خودکشی کر بیٹھے وغیرہ پس کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ ہندہ کا نکاح کسی اور شخص سے اس صورت سے ہو جائے کہ شخص مذکور بغیر صحبت صحیحہ ہندہ کو طلاق دیدے اور پھر ہندہ کا نکاح شوہر اول سے درست ہو جائے یا زوج ثانی کی ہندہ سے صحبت صحیحہ لازمی ہے اگر حنفی مذہب میں صحبت صحیحہ لازمی ہو تو کیا ایسی صورت میں کسی غیر مذہب کے مسئلہ پر عمل کیا جاسکتا ہے حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم کے مجموعہ فتاویٰ جلد اول ص ۳۴۹ مطبوعہ یوسفی پریس فرنگی محل میں ایک فتویٰ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفریق

---

(۱) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة و ثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا و یدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها کذافی الهدایة(الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعة' فصل فیما تحل به المطلقة وما یتصل به ۱/۴۷۳ ط ماجدیه' کوئٹه)

(۲) اس لئے کہ ان کے نزدیک صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے' اور طلاق رجعی میں جب شوہر عدت کے اندر رجوع نہ کرے تو عدت کے بعد وہ طلاق رجعی طلاق بائن بن جاتی ہے' فاذا انقضت العدة ولم یراجعها بانت منه (فقه السنة' کتاب الطلاق' حکم الطلاق الرجعی ۲/۲۷۴ ط دار الکتب العربی بیروت) اور طلاق بائن کے بعد تجدید نکاح ضروری ہے' واذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان یتزوجها فی العدة و بعد انقضائها (الهدایة کتاب الطلاق' باب الرجعة' فصل فیما تحل به المطلقة ۲/۳۹۹ مکتبه شرکة علمیه ملتان)

میں مفاسد کا خوف ہو تو حضرت امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کیا جا سکتا ہے کیا یہ صحیح ہے اور صحیح ہے تو اس کی کیا صورت ہے غیر مقلدین صحبت واحدہ میں ایک سے زائد طلاق کو ایک ہی شمار کرتے ہیں اور زید نے دو صحبتوں میں کئی بار ہندہ کو طلاق دی ہے تو کیا حالت مذکورہ حنفی غیر مقلدین کے مسئلہ پر عمل کر سکتا ہے بہر حالت زید و ہندہ کی مکرر وابستگی کی آسان سے آسان تر جو صورتیں ممکن ہوں ان سے مطلع فرما کر دونوں کو حوادث و مفاسد سے بچائیں۔ المستفتی نمبر ۱۶۱۹ جناب قمر الدین صاحب (بنارس) ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۱ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۳۷) تین طلاقیں ایک مجلس میں ہوں یا دو مجلسوں میں دینے سے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی چاروں مذہبوں میں طلاق مغلظہ واقع ہو جاتی ہے (۱) اور اس کے بعد بغیر حلالہ کے زوجہ زوج اول کے لئے حلال نہیں ہوتی (۲) حلالہ میں زوج ثانی کا صحبت کرنا شرط ہے ہاں صحبت میں صرف دخول حشفہ کافی ہے انزال شرط نہیں (۳) مولانا عبدالحیؒ نے فتاویٰ میں ضرورت کے وقت مذہب شافعی پر عمل کرنے پر لکھا ہے مگر اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ حلالہ لازم ہے۔ (۴)

ہاں غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ ایک طلاق ہوئی اور حلالہ شرط نہیں بغیر حلالہ تجدید نکاح کافی ہے ہم حنفی تو اس مذہب کو صحیح نہیں سمجھتے اس لئے اس پر فتویٰ نہیں دے سکتے۔ (۵) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ**

---

(۱) وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلاث' وقد ثبت النقل عن اكثرهم صريحا با يقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف ' فما ذا بعد الحق الا الضلال' و عن هذا قلنا لو حكم حاكم بانها واحدة لم ينفذ حكمه لانه لا يسوغ الاجتهاد فيه فهو خلاف لا اختلاف (هامش رد المحتار'كتاب الطلاق ۳/۲۳۳ ط سعيد كراتشي)

(۲) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها والا صل فيه قوله تعالى' فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره' والمراد الطلقة الثالثة (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة ۲/۳۹۹ ط شركة علميه ملتان)

(۳) ويشترط ان يكون الا يلاج موجبا للغسل وهو التقاء الختانين هكذا في العيني شرح الكنز' اما الا نزال فليس بشرط للاحلال (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس في الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ۱/۴۷۳ ط ماجدية' كوئته) وقال في الهداية ' والشرط الا يلاج دون الانزال لانه كمال و مبالغه فيه و الكمال قيد زائد (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة فصل فيما تحل به المطلقة ۲/۴۰۰ ط شركة علميه ملتان)

(۴) قال المزني قال الشافعي ' واحب ان يطلق واحدة' ولا يحرم عليه ان يطلقها ثلاثا' قال الماوردى هذا كما قال' فان طلقها ثلاثا في وقت واحد وقعت الثلاث (الحاوى الكبير للماوردى الشافعي' كتاب الطلاق' باب اباحة الطلاق' ووجهه و تفريعه ۱۲/۳۸۸ ط دار الفكر بيروت اذاقال الرجل لا مراته التي تحيض انت طالق ثلاثا للسنة وقعن جميعا معافي وقت طلاق السنة اذا كانت طاهرا من غير جماع وقعن حين قاله' لا لام للامام الشافعي' بحث تفريق طلاق السنة في المدخول بها التي تحيض اذا كان الزوج غائبا ۵/۱۸۱ ط دار المعرفة بيروت

(۵) وقد اثبتنا النقل عن اكثرهم صريحا با يقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف فما ذا بعد الحق الا الضلال وعن هذا قلنا لو حكم حاكم بان الثلاث بفم واحدة لم ينفذ حكمه لانه لا يسوغ الاجتهاد فيه فهو خلاف لا اختلاف (فتح القدير' كتاب الطلاق' باب طلاق السنة ۳/۳۳۰ ط مكتبه رشيديه' كوئته)

تین دفعہ سے زیادہ طلاق دی' تو کون سی طلاق واقع ہوئی ؟

(سوال) زید بحالت غصہ اپنی بیوی ہندہ کو روبرو ایک لڑکا قریب البلوغ کے کہا کہ میری بیوی کے والدین کو خبر کرو کہ ہم اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دیدیں گے وہ اپنی لڑکی کو اپنے گھر لے جائیں لڑکے نے جانے سے انکار کیا بس زید محلّہ میں بخانہ دیگر شخص پہنچ کر اہل خانہ سے یوں بیان کیا کہ میں اپنی بیوی ہندہ کو ایک طلاق دو طلاق تین طلاق چار طلاق بلکہ اس کے ساتھ بائنہ لفظ کہا گیا ہے' جب کہ خبر طلاق دینے کی زید کے محلّہ میں منتشر ہوئی تو زید کے ولی نے اس کے استاد کو بلایا اور کہا کہ زید سے ایسی خطا ظاہر ہوئی ہے استاد نے بعد دریافت حالات طلاق زید سے پوچھا کہ تمہاری نیت طلاق سے کیا ہے زید نے جواب دیا کہ میری نیت چھوڑنے کی نہیں ہے استاد صاحب نے زید وولی زید کو یہ ہدایت کی کہ کسی مفتی سے فتویٰ لے کر عمل درآمد کرو مگر ولی زید وخود زید نے استاد کے کہنے پر عمل نہ کرتے ہوئے ازروئے حدیث خلاصۃ النکاح جس میں حوالہ شرح وقایہ کا درج ہے اس کی رو سے نکاح کی تجدید ہندہ سے کیا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۷۰۱ محمد ابراہیم صاحب (ضلع پورنیہ) ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۳۱ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۳۸) جب کہ زید نے اپنی بیوی کو بلفظ طلاق صریح چار طلاقیں دیدی ہیں تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی ہے (۱) اور اس کے لئے تجدید نکاح جائز نہیں تھی وہ عورت زید کے لئے حرام ہو گئی اور جب تک کسی دوسرے زوج کے ساتھ نکاح ہو کر بعد وطی اس کے نکاح سے باہر نہ نکلے زید کے لئے حلال نہیں ہو سکتی (۲) ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ایک مجلس میں تین طلاق دی' اب رجوع کرنا چاہتا ہے' تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) کیا ایک وقت میں تین طلاقیں دینے سے طلاق ہو سکتی ہے یا نہیں اور تین طلاق فوری کے بعد پہلا خاوند اپنی ایسی مطلقہ ثلاثہ بیوی سے رجوع کر سکتا ہے یا نہیں ؟

کتاب اسرار شریعت جلد دوم مولفہ مولوی محمد فضل خاں ڈاک خانہ چنگا بنگیال ضلع راولپنڈی صفحہ ۱۹۳ لغایت ۲۲۰ ظاہر کیا گیا ہے کہ تین طلاق دفعۃً واحدۃً دی جائیں تو ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ اور ایک

---

(۱) وطلاق البدعة ان يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة او ثلاثا فى طهر واحد فاذا فعل ذلك وقع الطلاق و كان عاصيا (الهداية' كتاب الطلاق' باب طلاق السنة ۲/۳۵۵ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) وان كان الطلاق ثلاثا فى الحرة و ثنتين فى الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها او يموت والا صل فيه قوله تعالىٰ " فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" والمراد الطلقة الثالثة (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة ۲/۳۹۹ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلاث وقد ثبت النقل عن اكثرهم صريحا با يقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف' فماذا بعد الحق الا الضلال (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق ۳/۲۳۳ ط سعيد كراتشى) وقال فى بداية المجتهد : جمهور فقهاء الامصار على ان الطلاق بلفظ الثلاث حكمه حكم الطلقة الثالثة (بداية المجتهد و نهاية المقتصد' كتاب الطلاق' باب الطلاق بلفظ الثلاث ۴/۳۴۷ ط دار الكتب العلميه بيروت)

دفعہ تین طلاقیں دینا خدااور رسول نے حرام ٹھہرایا ہے اور طلاق میں عدت کا رکھنا واجب ٹھہرایا ہے طلاق میں عدت نہ رکھنا نقص اور امر الٰہی کے مخالف ہے اور ایسی بات کامل نہیں ہو سکتی نیز پارہ ۲۸ سورہ طلاق کما قال اللہ تعالیٰ واشھدوا ذوی عدل منکم تک آیات نقل کر کے اور چند احادیث درج کر کے ثابت کیا ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دینی چاہئیے دوسرے طہر میں دوسری اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق یعنی ہر حیض کے بعد خاوند عورت کو طلاق دے اور جب تیسرا طہر یا مہینہ آوے خاوند کو ہوشیار ہونا چاہئیے کہ اب تیسرا طہر ہے طلاق دے کر دائمی جدائی ہے یا تیسری طلاق سے رک جائے اور اگر تیسری طلاق جو تیسرے حیض کے بعد ہوتی ہے دیدے تو اب وہ عورت اس کی عورت نہیں اور جب تک یہ خاوند نہ کرے تب تک پہلے خاوند کے نکاح میں نہیں آسکتی اس لئے تیسری طلاق سے پہلے بیوی اور خاوند آپس میں رجوع کر سکتے ہیں ۔المستفتی نمبر ۷۹۹ ازراعت اللہ بیگ (ضلع ملتان) ۷ ارجب ۱۳۵۶ھ م ۲۳ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۳۹) یہ صحیح ہے کہ شریعت مقدسہ نے طلاق دینے کا جو طریقہ تعلیم کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے اور پھر دوسرے طہر سے پہلے دوسری طلاق نہ دی جائے ممکن ہے کہ طہر اول کے بقیہ حصہ اور زمانہ حیض کے گزرنے تک میاں بیوی میں مصالحت کی صورت پیدا ہو جائے اور خاوند رجوع کرلے لیکن اس مدت تک صلح صفائی نہ ہو سکے اور طلاق دینے پر ہی خاوند آمادہ ہو تو دوسرے میں ایک طلاق (جو دوسری ہوگی) دی جائے اور پھر بقیہ طہر اور زمانہ حیض تک خاوند خاموش رہے اگر اس زمانے میں صلح صفائی کی صورت نکلے تو رجوع کرلے لیکن اگر اس مدت میں بھی صفائی نہ ہو سکے اور خاوند بالکل قطع تعلق کا ہی ارادہ کرے تو تیسرے طہر میں تیسری طلاق دیدے اس کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا اور عورت اس مرد پر قطعی حرام ہو جاتی ہے یہ طریقہ تو خدااور رسول کا تعلیم فرمودہ اور ہمارے لئے مفید اور بہت سے مصالح پر مبنی تھا (۱) لیکن اگر کوئی شخص شامت اعمال سے اس پر عمل نہ کرے اور ایک دفعہ ہی ایک ہی مجلس میں یا ایک لفظ سے تین طلاقیں دیدے تو جمہور فقہاء و محدثین وائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تینوں طلاقیں پڑ جاتی ہیں (۲) اور عورت قطعی حرام ہو جاتی ہے اور یہ شخص طریقہ شرعیہ کے خلاف طلاق دینے کا گناہ گار بھی ہوتا ہے یہ سب کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں ایک طہر میں یا ایک لفظ سے تین طلاقیں دیدے تو پڑ گئیں تینوں ایک نہ ہوگی (۳) قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت نہیں جسکا یہ مطلب ہو کہ

---

(۱) اما الطلاق السنی فی العدد والوقت فنو عان حسن واحسن فلا حسن ان یطلق امراتہ واحدۃ رجعیۃ فی طہر لم یجامعھا فیہ ثم یترکھا حتی تنقضی عدتھا او کانت حاملا قد استبان حملھا والحسن ان یطلقھا واحدۃ فی طہر لم یجامعھا فیہ ثم فی طہر آخر اخری ثم فی طہر آخر اخری کذافی محیط السرخسی (الفتاوی الھندیۃ' کتاب الطلاق' الباب الاول فی تفسیرہ ۱/۳۴۸ ط مکتبہ ماجدیہ' کوئٹہ)

(۲) وذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلاث وقد ثبت النقل عن اکثرھم صریحا بایقاع الثلاث ولم یظھر لھم مخالف' فما ذا بعدالحق الا الضلال (ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق ۳/۲۳۳ ط سعید کراتشی) (۳) واما البدعی' ان یطلقھا ثلاثا فی طہر واحد بکلمۃ واحدۃ او بکلمات متفرقۃ او یجمع بین التطلیقتین فی طہر واحد بکلمۃ واحدۃ او بکلمتین متفرقتین فاذا فعل ذلک وقع الطلاق و کان عاصیا (الفتاوی الھندیۃ' کتاب الطلاق' الباب الاول فی تفسیرہ ورکنہ ۱/۳۴۹ ط ماجدیہ کوئٹہ)

ایک مجلس کی یا ایک طہر کی یا ایک لفظ کی تین طلاقیں دی جائیں تو ایک طلاق ہو گی اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیدیں تو انہوں نے فرمایا کہ تین طلاقیں پڑ کر وہ بائنہ (مغلظہ) ہو گئی اور ۹۹۷ بیکار گئیں (۱) کتاب اسرار شریعت سے جو عبارت نقل کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں ایک طلاق ہو گی ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء و محدثین کے مذہب کے خلاف ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کہا "ایک دو تین طلاق دیتا ہوں" تو کیا حکم ہے؟

(سوال) (۱) ایک شخص کی اپنی منکوحہ عورت کے ساتھ لڑائی ہوئی عورت منکوحہ نے اپنے مرد کو ایسے سخت کلمے کہے کہ مرد برداشت نہ کر سکا غصہ کا غلبہ زیادہ ہوا اس وقت مرد نے اپنے تایازاد بھائی سے کہا کہ اس میری عورت کو گھر سے نکال دو تایازاد بھائی نے کہا کہ تم باہر جاؤ میں اس عورت کو سمجھاؤں گا اور کل گاڑی کرایہ کر کے اس کو اس کے باپ کے گھر بھیج دوں گا۔ مرد نے اس بات کو بھائی سے کئی مرتبہ کہا کہ اس عورت کو گھر سے نکال دو میں نہیں مانوں گا آخر بھائی نے بھائی کو سمجھایا کہ تم باہر جاؤ میں ٹھیک کر دوں گا اس پر مرد مذکور برائے نماز بوقت عشا چلا گیا اور نماز عشا سے فارغ ہو کر آیا اور اپنے بھائی سے کہا تم نے اس عورت کو نکالا نہیں انہوں نے پھر سمجھانے کی بات کہی مذکور عورت کا مرد غصہ سے بھرا ہوا باہر چلا گیا اور اپنی برادری کے تین آدمیوں کو بلا کر لایا اپنی بیٹھک میں جہاں سے عورت کا رہنا فاصلہ پر تھا اور بیٹھک میں اپنے بھائی کو بھی بلا لیا وہاں بیٹھ کر مرد نے اپنی برادری کے لوگوں کے سامنے یہ کہا کہ میری عورت مجھ کو بہت زیادہ تکلیف دیتی ہے اور بہت تنگ کرتی ہے میں آپ لوگوں کے سامنے ایک دو تین طلاق دیتا ہوں۔ زمین پر لکھ دیتا رہا جب تین لکیر ہو چکی اس وقت ایک دفعہ لفظ طلاق کہہ دیا مرد کے منہ سے طلاق کی آواز مذکورہ عورت نے اپنے کان سے نہیں سنی اس عورت کو اور مخلوق سے معلوم ہوا کہ تیرے خاوند نے تجھ کو رات کے وقت طلاق دے دی ہے مندرجہ بالا تحریر کے بموجب طلاق پڑ گئی یا نہیں اور ان دونوں مرد عورت میں کوئی صورت نکاح کی نکل سکتی ہے یا نہیں (۲) نمبر ایک سوال کے بموجب اگر طلاق پڑ گئی تو مرد کے اوپر گناہ تو لازم نہیں آتا اور اگر گناہ لازم آیا تو اس کا کفارہ کیا ہو گا؟ المستفتی نمبر ۱۷۱۹ نیاز محمد خاں (روہتک) ۲۷ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۴۰) (۱) اس صورت میں عورت پر طلاق پڑ گئی اور طلاق مغلظہ پڑی اب بدون حلالہ کوئی صورت ان کے اجتماع کی نہیں ہے (۲) (۲) دفعۃً تین طلاق دے دینا خلاف شریعت فعل ہے اس کا گناہ ہوا مگر

---

(۱) مالك انه بلغه ان رجلا قال لابن عباس انی طلقت امراتی مائة تطليقة فما ذا ترى على فقال له ابن عباس طلقت منك بثلاث و سبع و تسعون اتخذت بها آيات الله هزوا (رواه مالك فی المؤطا' كتاب الطلاق' باب ماجاء فی البتة' ص ۵۱۰ ط مكتبه مير محمد كراتشی) (۲) ان كان الطلاق ثلاثا فی الحرة و ثنتين فی الامة لم تحل له حتی تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها كذافی الهداية (الفتاوىٰ الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ۱/۴۷۳ ط ماجديه' كوئٹه)

طلاق پڑ گئیں (۱) اور اس گناہ کا کفارہ توبہ ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تین دفعہ "طلاق' طلاق' طلاق کہہ دیا" تو کون سی طلاق واقع ہوئی؟

(سوال) ایک مرد کا اپنی عورت سے جھگڑا ہوا غصہ کی حالت میں مرد نے عورت کو کہہ دیا تم پر طلاق' طلاق' طلاق۔ ایسا تین دفعہ کہہ دیا مگر طلاق دیتے وقت بائن نہیں کہا تھا اور پہلے سے اس مرد کا اپنی عورت کو طلاق دینے کا مطلب نہیں تھا آیا طلاق ہوئی کہ نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۹۲ محمد علی حسن (آسام) ۲ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۴۱) طلاق بائن کا لفظ کہا یا نہیں طلاق ہو گئی اور تین دفعہ طلاق کہنے سے مغلظہ ہو گئی (۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مطلقہ مغلظہ جو زنا سے حاملہ تھی' کے ساتھ نکاح کیا' پھر جماع کے بعد طلاق دیدی' تو شوہر اول کے لئے حلال ہوئی یا نہیں؟

(سوال) زید ہندہ را سہ طلاق داد بعد انقضائے عدت زید با ہندہ زنا نمود بعد ازاں خالد ہندہ مزنیہ را نکاح کرد واندریں نکاح موقوف خالد با ہندہ وطی حرام نمود بعد وطی ہندہ وضع حمل نمود اندریں صورت با زید ہندہ را نکاح کردن تواند یا نہ بر تقدیر اول الوطی فی النکاح الموقوف کالوطی فی النکاح الفاسد چہ معنی دارد حالانکہ در نکاح فاسد وطی محلل نشود۔ المستفتی نمبر ۱۹۹۴ شیخ احمد صاحب (نواکھالی) ۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(ترجمہ) زید نے ہندہ کو طلاق مغلظہ دی اور عدت گزرنے کے بعد زید نے ہندہ سے زنا کیا پھر خالد نے ہندہ مزنیہ سے نکاح کیا اور اس نکاح موقوف کے اندر خالد نے ہندہ کے ساتھ وطی حرام کی' بعد وطی ہندہ نے وضع حمل کیا اس صورت میں زید اور ہندہ کا نکاح کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بر تقدیر اول الوطی فی النکاح الموقوف کالوطی فی النکاح الفاسد کا کیا مطلب ہو گا؟ حالانکہ نکاح فاسد میں وطی محلل نہیں ہوتی؟

(جواب ۳۴۲) مطلقہ بعد عدت اجنبیہ محضہ شدہ زید کہ باد وطی کرد ایں زنا واقع شد و نکاح مزنیہ صحیح است پس نکاح خالد صحیح شد و وطی اگرچہ بسبب حمل زنا حرام بود اما برائے تحلیل کافی باشد۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(ترجمہ) مطلقہ عدت گزرنے کے بعد زید کے لئے محض اجنبی عورت ہو گئی اور زید نے جو اس کے ساتھ

---

(۱) واما البدعي ان يطلقها ثلاثا في طهر واحد بكلمة واحدة او بكلمات متفرقة او يجمع بين التطليقتين في طهر واحد بكلمة واحدة او بكلمتين متفرقتين فاذا فعل ذلك وقع الطلاق و كان عاصيا (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الاول في تفسيره وركنه ۱/۳۴۹ ط ماجديه' كوئته)

(۲) كما ورد في الحديث الشريف' عن ابي عبيدة بن عبدالله عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ التائب من الذنب كمن ذنب له (رواه ابن ماجه في سننه' باب ذكر التوبة ص ۳۲۳ ط مير محمد كراتشي)

(۳) و طلاق البدعة ان يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة او ثلاثا في طهر واحد فاذا فعل ذلك وقع الطلاق و كان عاصيا (الهداية' كتاب الطلاق باب طلاق السنة ۲/۳۵۵ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

صحبت کی یہ خالص زنا ہوا اور مزنیہ کا نکاح صحیح ہو جاتا ہے(۱) پس خالد کا نکاح صحیح ہو گیا اور خالد کا اس کے ساتھ صحبت کرنا اگرچہ حاملہ من الزنا ہونے کی وجہ سے حرام تھا(۲) لیکن حلالہ ہو جانے کے لئے کافی ہے(۳)

شوہر نے یہ الفاظ لکھے "کہ سواب تحریری ہر سہ طلاق ایک دو تین ہیں 'آج سے باہمی کوئی واسطہ نہ رہا" تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) اگر خاوند کی طرف سے حسب ذیل الفاظ کہ "سواب تحریری ہر سہ طلاق ایک دو تین ہیں 'آج سے باہمی کوئی واسطہ نہ رہا" تحریر ہوں تو کیا مذکورہ بالا الفاظ کی رو سے عورت کو طلاق ہے۔ المستفتی نمبر ۱۹۹۶ احمد نواز شاہ صاحب (ڈیرہ غازی خاں) ۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۴۳) اگر یہ طلاق نامہ مسٹر شاہ نواز شاہ کا لکھا ہوا ہے یا لکھوایا ہوا ہے تو طلاق مغلظہ اس تحریر سے واقع ہو گئی۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

(۱) جس عورت سے زنا کیا 'اس سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں ؟
(۲) حاملہ عورت کو تین طلاق دی 'طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟

(سوال) (۱) ہندہ پہلے بیوہ تھی اور اس درمیان میں اس نے زید سے ناجائز تعلق کر کے حاملہ ہو گئی چھ ماہ گزرنے پر زید نے حمل پوشیدہ کرنے کی غرض سے ہندہ سے عقد کر لیا نکاح صحیح ہوا یا غلط ؟

(۲) کچھ دنوں تک ہندہ زید کے شامل اطمینان سے رہی بعد اس کے زید کے خلاف ہوئی اور ہمیشہ اس کی نافرمانی کرنے لگی جو کہ بالکل خدا اور رسول کے خلاف باتیں تھیں حالانکہ علاقے والے بھی اس کی بد زبانی و نالائقی پر رنج خاطر تھے بلکہ ہندہ نے خدا اور رسول کی قسم دیکر زید کو طلاق دینے پر مجبور کر لیا زید نے مجبور

---

(۱) وصح نكاح حبلى من زنى لا حبلى من غيره اى الزنا وان حرم وطؤ ها ودوا عيه حتى تضع (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب النكاح' فصل فى المحرمات ۴۸/۳ ط سعيد كراتشى)

(۲) وان حرم وطؤها ودواعيه حتى تضع متصل بالمسئلة الاولى لئلا يسقى ماؤه زرع غيره اذ الشعر ينبت منه ولو نكحها الزانى حل له وطؤ ها اتفاقا والولد له ولزمه النفقة (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب النكاح' فصل فى المحرمات ۴۹/۳ ط سعيد كراتشى)

(۳) والشرط الايلاج دون الانزال لانه كمال و مبالغة فيه والكمال قيد زائد (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة فصل فيما تحل به المطلقة ۴۰۰/۲ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(۴) كتب الطلاق' ان مستبينا على نحو لوح وقع ان نوى و قيل مطلقا (درمختار) وقال فى الرد (ولو قال لكاتب اكتب طلاق امراتى كان اقرار بالطلاق وان لم يكتب' واستكتب من آخر كتابا بطلاقها و قراه على الزوج فاخذه الزوج و ختمه و عنونه و بعث به اليها فاتاها وقع ان اقر الزوج انه كتابه' وان لم يقرانه كتابه ولم تقم بينة لكنه و صف الامر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق' مالم يقرانه كتابه (هامش رد المحتار مع الدرالمختار ' كتاب الطلاق' مطلب فى الطلاق بالكتابة ۲۴۶/۳' ۲۴۷ ط سعيد كراتشى)

ہو کر ہندہ کو ایک جلسہ میں تین طلاق دے دیا طلاق دینے کے بعد معلوم ہوا کہ ہندہ دو ماہ کے حمل سے تھی اب سوال یہ ہے کہ طلاق صحیح ہوا یا غلط ؟ اب زید اگر پھر دوبارہ اس سے عقد کرنا چاہے تو اس کی صورت کیا ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۰۱۴ محمد فصیح الدین صاحب (ہزاری باغ) ۹ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٣٤٤) اگر ہندہ بیوگی کی عدت گزار چکی تھی اور اس کے بعد زید کے ساتھ ناجائز تعلق ہوا اور زنا سے حاملہ ہوئی اور پھر زید نے نکاح کر لیا تو یہ نکاح صحیح ہو گیا کیونکہ حاملہ من الزنا کا نکاح درست ہے (۱) اور حمل کی حالت میں طلاق بھی پڑ جاتی ہے (۲) زید نے اگر تین طلاقیں دیدیں تو ہندہ کے حاملہ ہو جانے کے باوجود وہ تینوں طلاقیں پڑ گئیں اور اب بدون حلالہ کے زید کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ (۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

غصہ میں بیوی کو تین چار مرتبہ طلاق دی، تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) میرا بڑا لڑکا جاہل صرف اردو کی دو تین کتابیں مدرسہ کا پڑھا ہوا ہے اور چودہ سال کی عمر سے بمقام کراچی ریلوے کارخانہ میں ملازم ہے جس کو عرصہ بائیس سال کے قریب ہو گیا ہے گویا عرصہ بائیس سال سے کارخانہ میں جاہلوں کی صحبت میں رہ کر اور زیادہ جاہل اور بے تمیز سا ہو گیا ہے شرع اور مسئلہ وغیرہ کے نتائج سے بالکل بے خبر ہے وہ سال بھر میں ایک مرتبہ چھٹی لیکر مکان پر ایک مہینہ کے واسطہ آتا ہے اس کی شادی اس کی پھوپھی کی لڑکی سے ہوئی ہے اب سے پہلی مرتبہ جو وہ مکان پر آیا تھا تو وہ اپنی اہلیہ سے کہہ گیا تھا کہ تو اپنے بھائی کے مکان پر نہ جانا لیکن اس کے بعد وہ ایک مرتبہ امر ضروری کی وجہ سے مجھ سے یعنی اپنے خسر سے دریافت کر کے چلی گئی اور تین چار روز رہ کر واپس چلی آئی اس کے ایک لڑکی ہے جس کی عمر پانچ سال کی ہے اور اب جو وہ دس روز کی چھٹی لیکر مکان پر آیا تو اس کی لڑکی نے کہا کہ بابو آپا تو ماموں کے یہاں گئی تھی اس نے اپنی اہلیہ سے دریافت کیا اس نے جانے سے انکار کیا جس پر اس نے کہا کہ اچھا قسم کھاؤ کہ میرا بھائی مرے جو میں گئی ہوں اس نے اس طرح قسم کھانے سے بھی انکار کیا۔ اس پر اس کی ضد بڑھتی چلی گئی نتیجہ یہاں تک پہنچا کہ اس نے غصہ میں اس کو دو عورتوں کے مواجہہ میں جس میں سے ایک عورت تو کوٹھے میں اس کے پاس تھی اور دوسری باہر صحن میں موجود تھی طلاق تین چار مرتبہ دے دی لیکن طلاق کے نتیجہ سے پورے طور پر واقف نہ ہو کر اور یہ سمجھ کر کہ یہ بھی ایک قسم کی گالی اور دھمکی ہے کچھ عرصہ کے بعد پھر

---

(۱) وصح نکاح حبلی من زنی لا حبلی من غیرہ ای الزنا' وان حرم وطؤ ھا ودواعیہ حتی تضع ' لو نکح الزانی حل لہ وطؤھا اتفاقا والولد لہ ولزمہ النفقۃ (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب النکاح' فصل فی المحرمات ۳/۴۸-۴۹ ط سعید کراتشی)

(۲) و طلاق الحامل یجوز عقیب الجماع لانہ لا یؤدی الی اشتباہ وجہ العدۃ (الھدایۃ' کتاب الطلاق' باب طلاق السنۃ ۲/۳۵۶ ط مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

(۳) قال اللہ تعالی : الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسریح باحسان ' فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ" (البقرۃ : ۲۲۹'۲۳۰)

ایک ہو جائیں لیکن جب اس کو اس طلاق کا نتیجہ اصلی طور پر معلوم ہوا تب وہ بہت شرمندہ ہوا اور صبح کو روتا ہوا اپنی ملازمت پر چلا گیا تو اس قسم کی طلاق کا کیا حکم ہے وہ پھر اس کی بیوی ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۲۰۲۷ منشی اصغر حسین (مظفر نگر) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(**جواب ۳۴۵**) طلاق اگر لفظ طلاق کے ساتھ دی ہے جب تو طلاق مغلظہ ہو گئی (۱) اور اگر الفاظ کچھ اور استعمال کئے ہوں مثلاً فارغ خطی یا اس کے مثل تو وہ الفاظ بتا کر حکم دریافت کیا جائے۔ **محمد کفایت اللہ** کان اللہ لہ، دہلی

اگر بیوی سے کہا "طلاق دیدی 'طلاق دیدی' دیدی 'دیدی تو کتنی طلاق واقع ہوئیں ؟

(**سوال**) زید اپنی رخصت ختم کر کے باہر اپنی ملازمت پر جا رہا تھا چند امور خانگی کی، جہ سے زید کی بیوی یہ کہہ گزری کہ میں آپ کے ساتھ نہیں جاتی اس پر زید نے غصہ میں آکر کہا کہ اگر تم میرے ساتھ نہیں چلتیں تو میں نے تم کو طلاق دے دی ایک دم تین مرتبہ کہہ دیا درمیان میں کوئی وقفہ نہیں ہوا اور زید اپنی ملازمت پر چلا گیا آیا اس کو طلاق ہوئی یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۲۰۹۲ ماسٹر محمد اللہ صاحب (گوجرانوالہ) ۳ شوال ۱۳۵۶ھ م ۷ دسمبر ۱۹۳۷ء

(**جواب ۳۴۶**) اگر خاوند کے الفاظ یہی تھے کہ میں نے تم کو طلاق دے دی تو اس صورت میں خاوند اگر اقرار کرے کہ تین طلاقیں دینی مقصود تھیں تو طلاق مغلظہ ہوئی (۲) اور اگر وہ اقرار نہ کرے تو ایک طلاق رجعی ہوئی ہے (۳) عدت کے اندر رجعت ہو سکتی ہے۔ (۴) فقط **محمد کفایت اللہ** کان اللہ لہ ' دہلی

شوہر نے نشہ میں کسی کے دھمکانے پر بیوی کو طلاق دی 'تو کون سی طلاق واقع ہوئی ؟

(**سوال**) میاں بیوی میں جھگڑا ہو گیا بی بی کہنے لگی کہ ہم کو سواری منگا دو تا کہ ہم میکے چلے جاویں اور اس گھر میں برابر تکرار ہوتا ہے اس پر میاں نے کہا کہ جاؤ تم کو تین طلاق شوہر کی نیت طلاق کی نہ تھی محض ڈرانے اور تادیب کے خیال سے کہا تھا اور نیت فقط ایک ہی کی تھی اور لفظ تین صرف مضبوطی کے لئے کہا تھا اس پر کیا حکم مرتب ہوتا ہے ؟ **المستفتی** نمبر ۲۱۵۷ لطافت حسین (ضلع پورنیہ) ۲۷ شوال ۱۳۵۶ھ

---

(۱) والبدعي ثلاث متفرقة (درمختار) وقال في الرد (قوله ثلاثة متفرقة)وكذا بكلمة واحدة بالاولى وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعد هم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلاث (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق ۲۳۳/۳ ط سعيد كراتشي)

(۲) واما البدعي ' ان يطلقها ثلاثا في طهر واحد بكلمة واحدة او بكلمات متفرقة' فاذافعل ذلك وقع الطلاق و كان عاصيا (الفتاوىٰ الهندية' كتاب الطلاق' الباب الاول في تفسيره ۳۴۸/۱ ط مكتبه ماجديه' كوئٹه)

(۳) كرر لفظ الطلاق وقع الكل وان نوى التاكيد دين (درمختار) وقال في الرد : (قوله كرر لفظ الطلاق) بان قال للمدخولة انت طالق انت طالق اوقدطلقتك قد طلقتك اوانت طالق قد طلقتك او انت طالق وانت طالق (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب طلاق غير المدخول بها ۲۹۳/۳ ط سعيد كراتشي)

(۴) واذا طلق الرجل امراته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها في عدتها رضيت بذلك او لم ترض (الهداية' كتاب الطلاق باب الرجعة ۳۹۴/۲ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

م ۳۱ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۴۷) عورت پر تین طلاقیں پڑ گئیں۔ (۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شوہر نے بیوی سے کہا " جاؤ تم کو تین طلاق " مگر نیت تین طلاق کی نہ تھی' تو کتنی طلاق واقع ہوئی ؟

(سوال) زید نے شراب کے نشہ میں اپنے ماموں کے دھمکانے پر قاضی کے سامنے اپنی بیوی کو طلاق دیدی بیوی کا کوئی قصور نہیں نہ بیوی بد چلن ہے بلکہ زید اپنی نوکری پر گیا ہوا تھا تو زید کا ماموں اور زید کا باپ زید کی بیوی کو میکے سے لینے گئے زید کے سسر سے کچھ جھگڑا زید کے ماموں اور باپ کا ہو گیا تو ماموں نے یہ کہا کہ ہم تمہاری لڑکی کو طلاق دلوادیں گے۔ جب زید اپنی نوکری پر سے چھٹی لیکر مکان گیا تو زید کے ماموں نے زور دیا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو ورنہ میں تم کو گولی سے ماردوں گا اس پر قاضی کو بلوا کر اور زید کے والد وغیرہ کو بلوا کر طلاق دلوادی اب زید اور اس کی بیوی بہت پریشان ہیں اور شرعی مسئلہ چاہتے ہیں کہ یہ طلاق ہو گئی یا نہیں ؟ اگر طلاق ہو گئی ہو تو پھر نکاح کس صورت سے ہو سکتا ہے اور حالت مجبوری شرع کیا اجازت دیتی ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۲۱۸ ارتضا علی کانسٹبل (دہرہ دون) ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۲۳ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۴۸) طلاق تو ہو گئی (۲) اور اگر تین طلاقیں دی ہیں تو اب بدون حلالہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا (۳) اگر تین طلاقیں نہ دی ہوں تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تین طلاق کے بعد میاں بیوی کا ساتھ رہنا جائز نہیں !

(سوال) (۱) کسی نے اپنی زوجہ کو گزشتہ سال تین طلاق بائن دے دیا تھا پھر اسی مطلقہ عورت کو اپنے مکان میں رکھا مابین زوج و زوجہ کے دستور کے مطابق سب کچھ ہوا الغرض اس کی تحلیل جائز ہو گی یا نہیں اگر تحلیل جائز ہے تو تحلیل سے قبل مذکورہ عورت کو عدت کرنی ہو گی یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۲۶۴

---

(۱) فالصریح قوله انت طالق و مطلقة و طلقتك فهذا يقع به الطلاق الرجعي' ولا يفتقر الى النية لانه صريح فيه لغلبة الاستعمال (الهداية' كتاب الطلاق' باب ايقاع الطلاق ۲/۳۵۹ ط شركة علميه ملتان)

(۲) و يقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو تقديرا بدائع ليدخل السكران ولو عبدا او مكرها فان طلاقه صحيح لا اقراره بالطلاق (درمختار) وقال في الرد (قوله ليدخل السكران) اى فانه في حكم العاقل زجراله فلا منا فاة بين قوله عاقل و قوله آلاتي او سكران (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق ۳/۲۳۵ ط سعيد كراتشي)

(۳) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة او ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها والا صل فيه قوله تعالىٰ " فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره " والمراد الطلقة الثالثة (الهداية' كتاب الطلاق باب الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة ۲/۳۹۹ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(٤) اذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجها في العدة و بعد انقضائها (الفتاوىٰ الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس في الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ۱/٤۷۲ ط مكتبه ماجديه' كوئته)

محمد عبدالوہاب صاحب (رامپور) ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۵ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۴۹) جس عورت کو تین طلاقیں دیدی تھیں اس کو اپنے پاس رکھنا اور زوجین کی طرح تعلقات قائم کرنا حرام ہے (۱) اس کو فوراً علیحدہ کرنا چاہئیے اور بعد عدت کے وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ صحبت کرنے کے بعد طلاق دیدے اور اس کی عدت بھی گزر جائے جب زوج اول کے ساتھ نکاح ہو سکے گا۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

تین طلاق دی 'تو تینوں ہی واقع ہوئی

(سوال) (۱) ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق بیک وقت دیدی جس کو ۶-۷ ماہ کا عرصہ گزر رہا ہے طلاق دینے کے بعد سے اب تک وہ عورت اپنے والدین کے گھر نہیں گئی بلکہ اپنے شوہر ہی کے گھر اس امید پر رہی کہ قرآن و حدیث کی رو سے تین طلاق واقع ہو جانے کے بعد جو صورت حلالہ ہونے کی ہو وہ کر کے پھر پہلے ہی شوہر کے ساتھ دوبارہ نکاح ہو تاکہ اپنے پہلے ہی شوہر کے ساتھ رہ کر زندگی بسر کرے مگر اس عورت کا پہلا شوہر (جس نے طلاق دے دیا ہے) کسی صورت سے راضی اور خوش نہیں ہوتا ہے کہ میرا نکاح پہلی بی بی سے دوبارہ ہو ایسی حالت میں مرد و عورت کے لئے جو بہتر طریقہ ہو تحریر فرمائیں (۲) اس عورت کی گود میں دو سال کی لڑکی بھی ہے (۳) جس بستی کا یہ واقعہ ہے وہاں کے کچھ آدمیوں کی رائے ہے کہ جس صورت سے ممکن ہو یہ عورت پہلے ہی مرد کے پاس رہے مگر مرد اس کے بالکل خلاف ہے (۴) جس مرد نے طلاق دی ہے اس کے باپ اور بڑے بھائی (جو گھر کے مالک و مختار ہیں) کا بھی زور ہے کہ اس عورت سے دوبارہ نکاح کر کے اپنے گھر میں رکھو مگر مرد کسی کے کہنے سے راضی نہیں ہوتا ہے جس کی وجہ سے مرد کو بستی کے کچھ لوگ اور اس کے باپ بھائی دھمکی دے رہے ہیں کہ دوبارہ نکاح ضرور کرو لہذا ایسی صورت میں مرد کی رضامندی کا خیال کیا جاوے یا عورت کی ؟ (۵) غالب گمان ہے کہ مرد کسی صورت سے دوبارہ نکاح کرنے کے لئے راضی نہیں ہوا تو بستی کے کچھ لوگ اور عورت دین مہر کے لئے مطالبہ کریں گے ایسی صورت میں مرد کو کیا کرنا ہوگا ؟ المستفتی نمبر ۲۳۰۴ محمد شمیم الدین صاحب (ضلع ساون) ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۹ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۵۰) جب کہ خاوند نے تین طلاقیں دیدی ہیں تو عورت مطلقہ مغلظہ ہو گئی

---

(۱) ومفاده انه لو وطئها بعد الثلاث في العدة بلا نكاح عالما بحرمتها لا تجب عدة اخرى لانه زنا وفي البزازية' طلقها ثلاثا و وطئها في العدة مع العلم بالحرمة لاتستانف العدة بثلاث حيض ويرجمان اذا علما بالحرمة ووجه شرائط الاحصان (هامش رد المحتار ' كتاب الطلاق' باب العدة' مطلب في وطء المعتدة بشبهة ۳/۵۱۸ ط سعيد كراتشي)

(۲) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها كذافي الهداية (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس في الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ۱/۴۷۳ ط مكتبه ماجديه' كوئته)

ہے(۱)اور خاوند کے ذمہ عورت کا مہر واجب الادا ہو گیا وہ اپنا مہر وصول کر سکتی ہے ۔(۲)حلالہ کے بعد اس شوہر سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے لیکن اگر شوہر دوبارہ نکاح کرنے پر راضی نہیں ہے تو اس کو مجبور کرنا بھی صحیح نہیں اور بدون حلالہ اس شوہر سے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہی نہیں(۳) حلالہ کی جائز صورت کسی مقامی عالم سے دریافت کر لیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

شوہر نے بیوی کو تین بار "طلاق 'طلاق 'طلاق "لکھ کر طلاق نامہ دیا تو کتنی طلاق واقع ہوئی 'اب رجوع کرنے کی کیا صورت ہے ؟

(سوال) زید نے عرصہ ایک ماہ کا ہوا ہندہ کو طلاق طلاق طلاق تین بار لکھ کر طلاق نامہ دیا ازاں بعد اپنے کئے پر ندامت آئی اور اب پھر دوبارہ ہندہ کو اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے تو از روئے شرع شریف بتلایا جائے کہ کس صورت سے ہندہ اس کے نکاح میں آسکتی ہے حلالہ یا بغیر حلالہ۔ ایک دوسرے شخص عمر نے اپنی عورت کو عرصہ گیارہ سال ہوئے طلاق دی طلاق نامہ مروجہ لکھ کر دیا جو عموماً تین طلاق ہی کا ہوتا ہے اس طلاق نامہ کی نقل دستیاب نہیں ہوئی اب عمر مذکور اپنی سابقہ عورت کو اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے اس کے لئے بھی از روئے شرع شریف کیا حکم ہے ؟ المستفتی حکیم عبدالکریم فاضل الطب والجراحت

(جواب ۳۵۱) دونوں صورتوں میں جب کہ تین طلاقیں دی گئی ہیں تو عورت مطلقہ مغلظہ ہو گئی اور اب وہ اپنے شوہروں کے نکاح میں بدون حلالہ کے نہیں آسکتیں۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

شوہر نے کہا "میں نے اس بڈھے کی بیٹی کو ثلاثہ دو طلاق دیدیا ہے 'تو کتنی طلاق واقع ہوئی ؟ دو یا تین ؟

(سوال) ایک شخص مسمی امداد حسین نے حالت غضب میں بہ ثبات عقل و ہوش بر سر مجلس اپنے سسر کی طرف جو اس وقت مجلس میں موجود تھا اشارہ کر کے کہا کہ میں نے اس بڈھے کی بیٹی کو دو طلاق دیا۔

---

(۱) وطلاق البدعة ان يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة او ثلاثا في طهر واحد فاذا فعل ذلك وقع وكان عاصيا (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة ۲ / ۳۵۵ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) لا خلاف لا حد ان تاجيل المهر الى غاية معلومة نحو شهر او سنة صحيح وان كان لا الى غاية معلومة فقد اختلف المشائخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لان الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق اوالموت الا يرى ان تاجيل البعض صحيح وان لم ينصا على غاية معلومة كذافي المحيط (الفتاوى الهندية' كتاب النكاح' الباب السادس في المهر' الفصل الحادي عشر في منع المرأة نفسها بمهرها والتاجيل في المهر وما يتعلق بها ۱ /۳۱۸ ط مكتبه ماجديه' كوئته)

(۳) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة اوثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها والاصل فيه قوله تعالى " فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" والمراد الطلقة الثالثة (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة ۲ /۳۹۹ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(٤) لا ينكح مطلقة من نكاح صحيح نافذ بها اى بالثلاث لوحرة و ثنتين لو امة ....حتى يطاها غيره ولو الغير مراهقا يجامع مثله بنكاح (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الرجعة ۳/ ۴۰۹ ط سعيد كراتشي)

گھر کے باہر سے ایک شخص مسمی عبدالمطلب نے اس کو کہا کہ تو نے یہ کیا کیا امداد حسین نے اس کو کہا کہ عورت کی حرکات ناشائستہ سے میرا پیٹ بالکل جل گیا ہے پھر اپنے سسر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس بڈھے کی بیٹی عائشہ خاتون کو میں نے ثلثہ دو طلاق دے دیا ہے اب عرض خدمت میں یہ ہے کہ مذکورہ بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوں گی یا دو طلاق اور جملہ اس بڈھا کی بیٹی عائشہ خاتون کو میں نے ثلثہ دو طلاق دے دیا کا کیا معنی ہوگا ہم لوگ عجب حیرت میں پڑے ہیں کہ ثلثہ دو طلاق کس قسم کی طلاق ہے ازروئے مہربانی تحقیق جواب ارقام فرمائیں اور آدمی جاہل ہے کہتا ہے کہ میں ثلثہ کے معنی نہیں جانتا میری نیت دو طلاق کی تھی اس کا یہ قول شرعاً قابل اعتبار ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۲۳۸۵** مولوی حکیم قاری منیر الدین صاحب (برما) ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م یکم اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۵۲) اگر وہ ثلثہ کے معنی نہیں جانتا تھا (اس پر اس سے حلف لیا جائے) تو اس کی بیوی پر دو طلاقیں پڑیں (۱) اگر وہ جانتا تھا کہ ثلثہ کے معنی تین ہیں تو تین طلاقیں پڑیں اس صورت میں نیت کا اعتبار نہیں۔(۲) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی**

شوہر نے کہا "میں نے بیوی کو طلاق دی' طلاق دی' طلاق دی" تو کتنی طلاق واقع ہوئی؟

(سوال) عرصہ پانچ سال کا ہوا کہ مسماۃ بھاں کا نکاح مراد کے ساتھ ہوا لیکن صرف چار مہینے بھاں اپنے مالک کے گھر رہی اور بعد میں مناقشہ ولی خش مابین زن و مرد ہوئی بھاں چار مہینے کے بعد اب تک اپنے میکے میں رہتی تھی اور بھاں کا لڑکا بھی میکے میں پیدا ہوا رنجش کی کیفیت اور واردات مندرجہ ذیل ہے۔ اس عرصہ میں سال میں دو تین دفعہ بکثرت آدمی شریف و غیر شریف مراد کے گھر جا کر صلح کرانے کی غرض سے گفتگو چھیڑا کرتے تھے لیکن مراد حاضرین مجلس (صلح کرانے والوں) کو یہی جواب دیتا کہ میں نے بھاں کو طلاق دی' طلاق دی' طلاق دی' اور وہ مجھ پر حرام حرام حرام ہے اب بھاں کے والدین و دیگر رشتہ داروں نے سوچا کہ اس کو ہمیشہ گھر بٹھایا جائے یا نکاح کیا جائے اب آپ مطلع فرمائیں کہ بھاں مطلقہ سمجھی جائے یا وہ اپنے مالک مراد کے گھر آباد ہو سکتی ہے اس وقت یہ تحریر خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر لکھی گئی ہے اس میں فرق نہیں ہے۔ نشانی انگوٹھہ حسب ذیل ہے۔

---

(۱) (قوله اولم ینو شیئا) مامران الصریح لا یحتاج الی النیة ولکن لا بد فی وقوعه قضاء و دیانة من قصد اضافة لفظ الطلاق الیها عالما بمعناه' ولم یصرفه الی ما یحمله کما افاده فی الفتح وحققه فی النهر احترازا عمالو کرر مسائل الطلاق بحضرتها او کتب ناقلا من کتاب امراتی طالق مع التلفظ او حکی یمین غیره فانه لا یقع اصلا مالم یقصد زوجته و عمالو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غیر عالم بمعناه فلا یقع اصلا علی ما افتی به مشایخ اوزجند صیانة عن التلبیس (هامش رد المحتار مع الدرالمختار' کتاب الطلاق' باب الصریح' مطلب فی قول البحر ' ان الصریح یحتاج فی وقوعه دیانة الی النیة ۳/ ۲۵۰ ط سعید کراتشی)

(۲) فالصریح قوله انت طالق و مطلقة و طلقتك فهذا یقع به الرجعی' ولا یفتقر الی النیة لانه صریح فیه لغلبة الاستعمال (الهدایة' کتاب الطلاق' باب ایقاع الطلاق ۲/ ۳۵۹ ط شرکة علمیه ملتان)

انگوٹھا میاں احمد گوپیرا سکنہ چک نمبر ایل ۱۱/ ۶۷۰ انگوٹھا مہر لال گوپیرا سکنہ چک نمبر ایل ۱۱/ ۶۷۰
انگوٹھا مہر محمد گوپیرا سکنہ چک نمبر ایل ۱۱/ ۶۷۰ مہر رمضان گوپیرا چک نمبر ایل ۱۱/ ۶۷۰ وغیرہ
اس کے علاوہ اور بھی بکثرت آدمی تھے جس میں چند ضروری اور شریف لوگوں کے حلفاً انگوٹھے لگوائے گئے تاکہ جناب کو تسلی ہو۔ المستفتی نمبر ۲۵۳۴ سید ظہور الحسن شاہ صاحب (ضلع لائل پور) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ م ۱۷ اگست ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۵۳) اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دے چکا ہے(۱) تو اس صورت میں اس کی بیوی عدت کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

طلاق اور مہر کے متعلق احکام

(سوال) (۱) مسماۃ حلیما زوجہ اللہ بخش دوکاندار روٹی اسٹیشن جاکھل نے بوقت لڑائی اپنی بیوی کو کہا کہ یا تو باز آجا ورنہ میں تجھے طلاق دے دوں گا اور یہی الفاظ اس سے پہلے کئی مرتبہ کہے اور اسکے بعد مجلس عام میں چار پانچ دفعہ کہا۔ طلاق طلاق۔

اور کہا کہ اب میری طرف سے تو طلاق ہے اور سب مجمع کو مخاطب کر کے یہ کہا کہ بس میں نے طلاق دے دی ہے اس نے ساتھ میں یہ بھی قرآن شریف کی قسم کھا کر کہا کہ اگر اب اس پر ازار بند کھولوں تو اپنی ماں اور بہن پر کھولوں اور یہ لفظ بھی بعد اس موقع کے قسم کے ساتھ کئی مرتبہ دہرائے گئے تو ان کا نکاح قائم رہا یا طلاق ہو چکی ہے۔

(۲) اللہ بخش خاوند مسماۃ حلیما روٹی کی دکان کرتا ہے اور مسماۃ حلیما بھی دوسری روٹی کی دکان کرتی ہے مسماۃ حلیما کی دوکان بستی میں ہے اور اللہ بخش کی دوکان ریلوے حدود میں ہے اس حالت میں جب کہ ان کی طلاق ہو گئی ہو اور ان کا آنا جانا یا لینا دینا یا کسی قسم کی ایک دوسرے کی امداد یا کھانا پینا باقی رہے تو اس معاملہ میں شرع شریف کا کیا حکم ہے کہ ان کا یہ معاملہ قائم رہنا چاہئے یا نہیں اور نہیں تو کیا عام مسلمان ان کی دوکان پر کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں ؟ باقی ان کا باہمی جھگڑا کبھی کبھی پہلے بھی ہوتا رہا ہے اور اللہ بخش خاوند حلیما یہ کہتا رہا کہ تو باز آجا ورنہ میں تجھے طلاق دے دوں گا۔

(۳) اگر ان کی طلاق ہو چکی ہو تو ان کا دوبارہ نکاح کس صورت میں ہو سکتا ہے ؟

---

(۱) والبدعی ثلاث متفرقة (درمختار) وقال فی الرد (قوله ثلاثة متفرقة) كذا بكلمة واحدة بالاولى و ذهب جمهور الصحابة والتابعين و من بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلاث (هامش رد المحتار مع الدرالمختار' كتاب الطلاق ۳ ۲۳۳ ط سعيد كراتشي) وقال فی المغنی' وان طلق ثلاثا بكلمة واحدة وقع الثلاث و حرمت عليه حتى تنكح زوجا غيره ولا فرق بين قبل الدخول و بعده روى ذلك عن ابن عباس و ابی هريرة و ابن عمر و عبدالله بن عمرو و ابن مسعود و انس و هو قول اكثر اهل العلم من التابعين والائمة بعد هم (المغنی لابن قدامه' كتاب الطلاق' باب تطليق الثلاث بكلمة واحدة' فصل ۰ ۵۸۲' ۲۸۲ ط دارالفكر بيروت)

(۲) قال الله تعالى ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله (البقرة : ۲۳۵)

(۴) اگر اللہ بخش کے پاس زر مہر شرع محمدی یکمشت دینے کی ہمت نہ ہو تو کیا وہ اس کو قسط کے ساتھ ادا کر سکتا ہے؟

(۵) اور کیا وہ اس سے زر مہر ادا کرنے تک کے عرصہ میں کوئی کسی قسم کا تعلق مثلاً بولنا چالنا یا کسی قسم کی امداد یا آنا جانا یا طرفین میں ایک دوسرے کی کھانے کی اشیاء استعمال کرنا قائم رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر** ۲۶۰۲ لطیف احمد خان (حصار) ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ م ۱۸ مئی ۱۹۴۰ء

(**جواب ۳۵۴**) (۱) ان الفاظ سے کہ تو باز آجا ورنہ میں تجھے طلاق دے دوں گا طلاق نہیں ہوتی (۱) خواہ کتنے ہی مرتبہ کہے گئے ہوں مگر جب اس نے اس کے بعد یہ لفظ طلاق طلاق طلاق اپنی بیوی کو کہے اور یہ بھی کہا کہ اب سے میری طرف سے تو طلاق ہے اور یہ بھی کہا کہ اگر اب میں اس پر کمر بند کھولوں تو اپنی ماں اور بہن پر کھولوں تو اس کی زوجہ پر اس کی طرف سے طلاق ہو گئی اور چونکہ تین مرتبہ سے زیادہ اس نے یہ الفاظ استعمال کئے اس لئے طلاق مغلظہ ہو گئی اور وہ اس کے لئے حرام ہو گئی۔ (۲)

(۲) ان دونوں کا نکاح باقی نہیں رہا اور اب ان دونوں میں تعلقات زوجیت قائم نہیں رہ سکتے اگر اب بھی یہ میاں بیوی کی طرح رہیں تو حرام کے مرتکب ہوں گے اور فاسق ہوں گے (۳) اور ان کے ساتھ مسلمانوں کو تعلقات قائم رکھنا بہتر نہ ہوگا۔

(۳) چونکہ طلاق مغلظہ ہو چکی ہے اس لئے اب بدون حلالہ ان کا دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ (۴)

(۴) زر مہر یکدم ادا کرنے کی وسعت نہ ہو تو قسطوار ادائیگی ہو سکتی ہے دونوں آپس میں مفاہمت کر کے قسط کی مقدار مقرر کر لیں۔

(۵) بولنا چالنا ایک کو دوسرے کی چیز کھالینا تو جائز ہے میاں بیوی کے تعلقات اور ان کے درمیان بے تکلفی (۵)

---

(۱) صیغة المضارع لا یقع به الطلاق الا اذا غلب فی الحال کما صرح به الکمال بن الهمام (الفتاوی الحامدیة' کتاب الطلاق ۱/۳۸ ط مکتبه حاجی عبدالغفار قندهار افغانستان) وقال فی الدر : بخلاف قوله طلقی نفسك فقالت انا طالق اوانا اطلق نفسی لم یقع لانه وعد جوهرة' مالم یتعارف او تنوالانشاء (الدر المختار' کتاب الطلاق' باب تفویض الطلاق ۳/۳۱۹ ط سعید کراتشی)

(۲) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة او ثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا و یدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها والاصل فیه قوله تعالی فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره" والمراد الطلقة الثالثة (الهدایة' کتاب الطلاق' باب الرجعة' فصل فیما تحل به المطلقة ۲/۳۹۹ ط مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۳) و مفاده انه لو وطئها بعد الثلاث فی العدة بلا نکاح عالما بحرمتها لا تجب عدة اخری لا نه زنا (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدة' مطلب فی وطء المعتدة بشبهة ۳/۵۱۸ ط سعید کراتشی)

(۴) بخاری شریف میں ہے :عن عائشة ان رجلا طلق امراته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی ﷺ اتحل للاول قال لاحتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول (رواه البخاری فی الجامع الصحیح' کتاب الطلاق' باب من اجاز طلاق الثلاث ۲/۷۹۱ ط مکتبه قدیمی کراتشی)(۵) ولا بدمن سترة بینهما فی البائن لئلا یختلی بالا جنبیة و مفاده ان الحائل یمنع الخلوة المحرمة وفی المجتبی الا فصل الحیلولة بستر ولو فاسقا فبا مراة قال ولهما ان یسکنا بعد الثلاث فی بیت واحد اذا لم یلتقیا التقاء الا زواج و لم یکن فیه خوف فتنة انتهی' وسئل شیخ الاسلام عن زوجین افترقا ولکل منهما ستون سنة و بینهما اولاد تتعذر علیهما مفارقتهم فیسکنان فی بیتهم ولا یجتمعان فی فراش ولا یلتقیان التقاء الازواج هل لهما ذلك قال نعم (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدة ۳/۵۳۷' ۵۳۸ ط سعید کراتشی)

اور سب پر یہ بھی جائز نہیں ایک غیر عورت کی طرح اس کو رہنا چاہئیے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تین طلاق کے بعد عورت عدت پوری کر کے دوسری شادی کر سکتی ہے

(سوال) مسماۃ زینب دختر بوٹا سکنہ کپور تھلہ پنجاب کا نکاح صغر سنی میں ضلع سیالکوٹ میں ہوا اور بالغ ہو کر بھی کچھ عرصہ وہ اپنے خاوند کے ہمراہ آباد رہی اس کو خاوند کی طرف سے سخت تکالیف دی گئیں بالآخر ایک روز اس کے خاوند نے اس کو زبانی طلاق دے دی تین مرتبہ اور مثل ماں بہن اپنے اوپر حرام قرار دیا اس کے بعد دیہاتی ملاؤں سے دریافت کیا جو سند یافتہ نہیں تھے انہوں نے کہا کہ ساٹھ مسلمانوں کو کھانا کھلاؤ' ساٹھ تہبند دو اور ساٹھ لوٹے مسجد میں دو چنانچہ اس نے ساٹھ مسلمانوں کو کھانا کھلا دیا لیکن تہبند اور لوٹے نہیں دیئے چند ماہ بعد پھر مسماۃ مذکور اس کے گھر سے اپنے والدین کے گھر آگئی عرصہ دو سال کا ہوا مسماۃ نے اپنے خاوند کو رجسٹرڈ نوٹس دیا کہ یا تو اس کو گزارہ دے یا گھر آباد کرے لیکن خاوند نہ اس کو گھر لے گیا اور نہ گزارہ دیا بلکہ آکر پھر دو آدمیوں کے روبرو زبانی طلاق تین مرتبہ دے دی اور اب مسماۃ مذکور کا ارادہ نکاح ثانی کرنے کا ہے ؟

(جواب ۳۵۵) اگر سوال کا بیان کردہ واقعہ صحیح ہے تو پہلی ہی مرتبہ جب کہ خاوند نے تین طلاقیں دیدی تھیں منکوحہ اس پر حرام ہو گئی تھی(۱) اور جن ملاؤں نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے اور ساٹھ تہبند دینے اور ساٹھ لوٹے مسجد میں رکھنے کا فتویٰ دیا تھا وہ فتویٰ غلط تھا عورت کو پہلی ہی دفعہ کی تین طلاقوں کے بعد عدت پوری کر کے دوسرے شخص سے نکاح کر لینے کا حق تھا اور جب دوسری بار بھی وہ تین طلاقیں دے گیا تو اب شبہ کی کیا بات رہی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حلالہ میں جب شوہر ثانی بغیر صحبت کے طلاق دے' تو وہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہو گی

(سوال) زید نے اپنی عورت سلیمہ کو طلاق مغلظہ دی تھی پھر سلیمہ نے عدت کے ایام گزار کر عمرو سے حلالہ کرلیا عمرو نے خلوت صحیحہ کے بعد سلیمہ کو طلاق مغلظہ دیدی لہذا سلیمہ نے عدت گزار کر اپنے پہلے شوہر زید سے دوبارہ نکاح کر لیا زید کو نکاح کے کچھ دن بعد پتہ چلا کہ عمرو نے خلوت صحیحہ کا موقع ملنے کے باوجود سلیمہ کو چھوا تک نہیں وطی نہ کرنے کی وجہ ممکن ہے یہ بھی ہو کہ عمرو نامرد ہو کیونکہ اس واقعہ کا پتہ زید کو سلیمہ سے نکاح کرنے کے بعد چلا ہے اب فرمائیے کہ زید اور سلیمہ کا یہ نکاح از روئے شریعت صحیح ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں تو اس کا تدارک اب کس طرح ہو گا ؟ المستفتی عقیل احمد آباد محلہ سید واڑہ مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۴۲ء

(جواب ۳۵۶) سلیمہ کی بات کی تصدیق عمرو سے کرنی چاہئیے اگر وہ بھی وطی نہ کرنے کا اقرار کرے تو زید اور

---

(۱) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ او ثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحا و یدخل بھا ثم یطلقھا او یموت عنھا والا صل فیہ قولہ تعالیٰ :" فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ" والمراد الطلقۃ الثالثۃ (الھدایۃ' کتاب الطلاق' باب الرجعۃ' فصل فیما تحل بہ المطلقۃ ۲ / ۳۹۹ ط شرکۃ علمیہ ملتان)

سلیمہ کو علیحدہ ہونا چاہئیے کیونکہ ان کا یہ نکاح جائز نہیں ہوا(۱) عمرو اگر وطی کرنے کا مدعی ہو تو اس کی بات صحیح ہوگی اور عورت کی بات معتبر نہ ہوگی نکاح قائم رہے گا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا سلیمہ کی بات کی تصدیق کرانا ضروری ہے اگر دریافت کرنے کے باوجود عمرو بسبب شرم یا ادب خاموش ہے تو کیا کیا جائے ؟ عقیل احمد آبادی

سلیمہ کی بات کی تصدیق کرانی ضروری ہے عمرو اگر وطی سے انکار نہ کرے تو وہ اس کا اقرار سمجھا جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تین طلاق کے بعد عورت مرتدہ ہوگئی 'پھر مسلمان ہو کر پہلے شوہر سے بغیر حلالہ کئے شادی کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق ثلثہ دیا بعدہ ہندہ مرتدہ ہوگئی اور کچھ عرصہ کے بعد تائب ہو کر مسلمان ہوگئی اب زید اس سے بغیر حلالہ کے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۵۷) ارتداد زوجہ مطلقہ سے طلاق ثلاث کا حکم باطل نہیں ہوتا ضرورت تحلیل باقی رہتی ہے۔ ولو ارتدت المطلقة ثلاثا ولحقت بدار الحرب ثم استر قها او طلق زوجته الامة ثنتين ثم ملكها ففي هاتين لا يحل له الوطي الا بعد زوج اخر كذافي النهر الفائق .(۳) محمد کفایت اللہ غفرلہ

حنفی کے لئے تین طلاق کی صورت میں مسلک اہل حدیث پر عمل جائز ہے یا نہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۶ ادسمبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) زید حنفی المذہب نے اپنی بیوی ہندہ کو ایک مجلس میں بحالت غیظ و غضب و مرض میں بیک زبان تین طلاقیں دے دیں پھر پچھتایا اور نادم ہوا کہ گھر ویران اور بال بچے دربدر ہو جائیں گے اشد ضرورت میں مفتی اہل حدیث سے فتویٰ طلب کیا وہاں سے فتویٰ ملا کہ صرف ایک ہی طلاق ہوئی ہے زید نے رجوع کر لیا

---

(۱) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة او ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها والا صل فيه قوله تعالىٰ : " فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" والمراد الطلقة الثالثة (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة ۲/ ۳۹۹ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) و فيها قال الزوج الثاني كان النكاح فاسدا ولم ادخل بها و كذبته فالقول لها' وقال في الرد (قوله فالقول لها) كذافي البحر و عبارة البزازية ادعت ان الثاني جامعها وانكر الجماع حلت للاول و على القلب لا و مثله في الفتاوى الهندية عن الخلاصة و يخالف قوله و على القلب لا ما في الفتح و البحر' ولو قالت دخل بي الثاني والثاني منكر فا لمعتبر قوله وكذا في العكس (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب الرجعة ۳/ ۴۱۷' ۴۱۸ ط سعيد كراتشي)

(۳) الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس في الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ۱/ ۴۷۳ ط مكتبه ماجديه' كوئته)

اس پر دوسرے علماء مفتی اہل حدیث پر کفر کا فتویٰ لگادیا اور مقاطعہ کا حکم دیا اور مسجد میں آنے سے روک دیا گیا یہ فعل جائز ہے ؟ اور کیا ائمہ متقدمین میں سے کوئی اس کا قائل تھا یا نہیں ؟

(جواب ۳۵۸) ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں پڑ جانے کا مذہب جمہور علماء کا ہے اور ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے ماسوا بعض علماء اس کے قائل ضرور ہیں کہ ایک طلاق رجعی ہوتی ہے اور یہ مذہب اہل حدیث نے بھی اختیار کیا ہے اور حضرت ابن عباس اور طاؤس و عکرمہ و ابن اسحٰق سے منقول ہے(۱) پس کسی اہل حدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں اور نہ وہ قابل مقاطعہ اور نہ مستحق اخراج عن المسجد ہے۔ ہاں حنفی کا اہل حدیث سے فتویٰ حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا تو یہ باعتبار فتویٰ ناجائز تھا۔(۲) لیکن اگر وہ بھی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں اس کا مرتکب ہوا ہو تو قابل درگزر ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ'

حلالہ کی کیا تعریف ہے' اور حلالہ کرنے والے کا حکم کیا ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) شرع شریف میں حلالہ کس کو کہتے ہیں ؟ بعض علاقوں میں مروجہ حلالہ عمل میں لاتے ہیں کس کے لئے حلالہ کرتے ہیں بعض مفتی اس پر جواز کا فتویٰ دیتے ہیں آیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو حدیث شریف لعن رسول اللہ ﷺ المحلل والمحلل لہ' کا کیا مطلب ہے ؟

(جواب ۳۵۹) مطلقہ عورت کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرلے اور پھر اس سے طلاق یا موت زوج کی

---

(۱) وقد اختلف العلماء فيمن قال لا مراته انت طالق ثلاثا فقال الشافعي و مالك و ابو حنيفة واحمد و جماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث وقال طاؤس و بعض اهل الظاهر لا يقع بذلك الا واحدة وهو رواية عن الحجاج بن ارطاة و محمد بن اسحق و المشهور عن الحجاج بن ارطاة انه لا يقع به شي وهو قول ابن مقاتل ورواية عن محمد بن اسحق (شرح الصحيح لمسلم للعلامة النووى كتاب الطلاق' باب طلاق الثلاث ۱/ ۴۷۸ ط مكتبه قديمي كراتشي)

(۲) وقد ثبت النقل عن اكثرهم صريحا بايقاع الثلاث ولم يظهر مخالف فما ذا بعد الحق الا الضلال وعن هذا قلنا لو حكم حاكم بانها واحدة لم ينفذ حكمه لانه لا يسوغ الاجتهاد فيه فهو خلاف لا اختلاف (هامش رد المحتار' كتاب لطلاق ۳ ۲۳۳ ط سعيد كراتشي)

(۳) في المجتبى عن محمد في المضافة لا تقع و به افتى ائمة خوارزم انتهى وهو قول الشافعي و للحنفي تقليده بفسخ قاض بل محكم بل افتاء عدل (درمختار) وقال في الرد (قوله بل افتاء عدل الخ) وفي البحر عن البزازية وعن اصحابنا ماهو اوسع من ذلك وهو انه لو استفتى فقيها عدلا فافتاه ببطلان اليمين حل له العمل بفتواه و امساكها و روى اوسع من هذا وهو انه لو افتاه مفت بالحل ثم افتاه آخر بالحرمة بعد ما عمل بالفتوى الاولى فانه يعمل بفتوى الثاني في حق امراة اخرى لا في حق الاولى و يعمل بكلا الفتوتين في حادثتين لكن لا يفتى به (هامش ردالمحتار مع الدر المختار كتاب الطلاق' باب التعليق ۳/ ۳۴۶' ۳۴۷ ط سعيد كراتشي) وقال في الدر' ولا بأس بالتقليد عند الضرورة لكن بشرط ان يلتزم جميع ما يوجبه ذلك الامام (الدرالمختار مع هامش رد المحتار' كتاب الصلوة ۱/ ۳۸۲ ط سعيد كراتشي) وقال في شرح عقود رسم المفتي' و يعلم ان المضطر له العمل بذلك لنفسه كما قلنا وان المفتي له الافتاء به للمضطر فما مر من انه ليس له العمل بالضعيف والافتاء به محمول على غير موضع الضرورة كما علمته من مجموع ما قررناه و الله اعلم (شرح عقود رسم المفتي ص ۵۰)

وجہ سے علیحدہ ہو کر پہلے زوج مطلق کے لئے حلال ہو جاتی ہے اس کا نام حلالہ ہے (۱) لیکن زوج اول یا زوجہ یا اس کے کسی ولی کی طرف سے زوج ثانی سے یہ شرط کرنی کہ وہ طلاق دیدے اور زوج ثانی کا اس شرط کو قبول کر کے نکاح کرنا یہ حرام ہے اس میں فریقین پر لعنت کی گئی ہے حدیث جو سوال میں مذکور ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ تحلیل کی شرط کر کے نکاح کرنا موجب لعنت ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ'

تیرھواں باب
طلاق بائن اور رجعی

شوہر نے بیوی سے کہا "اگر تو چاہے تو تجھے طلاق ہے"
بیوی نے جواب میں کہا 'اچھا مجھے طلاق دیدو' تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو چاہے تو تجھے طلاق ہے اس کی بیوی نے جواب میں کہا اچھا یا اچھی بات ہے یا اچھا مجھے طلاق دے دو یا اچھی بات ہے میں طلاق لے لوں گی شوہر خاموش ہو گیا طلاق ہوئی یا نہیں ؟المستفتی نمبر ۳۲۳ احمد مجتبیٰ گورنمنٹ اسکول ایٹہ ۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۱۸ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۶۰) شوہر نے بیوی سے کہا کہ اگر تو چاہے تو تجھے طلاق ہے بیوی نے جواب میں کہا اچھا یا اچھی بات ہے یا اچھا مجھے طلاق دیدو یا اچھی بات ہے میں طلاق لے لوں گی ان چاروں صورتوں میں سے کوئی صورت واقع ہوئی ہو اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی پڑ گئی (۳) عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة او ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس في الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ۱/ ۴۷۳ ط ماجديه كوئته)

(۲) وكره التزوج للثاني تحريما لحديث لعن المحلل والمحلل له بشرط التحليل كتزوجتك على ان احللك وانحلت للاول بصحة النكاح و بطلان الشرط فلا يجبر على الطلاق كما حققه الكمال (الى قوله) اما اذا اضمرا ذلك لا يكره و كان الرجل ماجورا لقصد الاصلاح (درمختار) وقال في الرد (قوله بشرط التحليل) تاويل للحديث بحمل اللعن على ذلك (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب الرجعة ۳/ ۴۱۴' ۴۱۵ ط سعيد كراتشى)

(۳) والفاظ التفويض ثلاثة تخيير وامر بيد و مشيئة' قال لها اختارى او امرك بيدك ينوى تفويض الطلاق (درمختار) وقال في الرد (قوله قال لها اختارى) ولو قال لها اختارى الطلاق فقالت اخترت الطلاق فهي واحدة رجعية لانه لما صرح بالطلاق كان التخيير بين الاتيان بالرجعي و تركه (هامش رد المحتار مع الدر المختار'كتاب الطلاق' باب تفويض الطلاق ۳/ ۳۱۵ ط سعيد كراتشى) چوتھا جملہ اگرچہ مستقبل کا صیغہ ہے لیکن وہ بیوی کی چاہت اور لے لینے پر معلق تھا لہذا جب بیوی کی چاہت اور لے لینا معلوم ہو گیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

(۴) واذا طلق الرجل امراته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها في عدتها (الهداية' كتاب الطلاق باب الرجعة ۲/ ۳۹۴ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

بیوی تین طلاق کا دعویٰ کرتی ہے اور شوہر دو کا تو کتنی طلاق واقع ہوئی ؟

(سوال) (۱) عورت دعویٰ کرتی ہے کہ میرے شوہر نے میرے سامنے تین طلاق دی ہیں اور شوہر انکار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے تین طلاق ہرگز نہیں دیابلکہ صرف دو طلاق۔ گواہ کسی کے پاس نہیں تو اس صورت میں کس کا قول معتبر ہوگا ؟ نیز شوہر رجعت کر سکتا ہے یا نہیں ؟

(۲) اور اگر کوئی دوسری صورت ایسی ہی پیش آئے جس میں شوہر شک وتردد ظاہر کرتا ہو تو کیا حکم ہوگا ؟

(۳) اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو تین طلاق دیتے ہوئے سنے اور شوہر منکر ہو تو اس عورت کو شوہر کے پاس رہنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۴) فی زمانہ ہندوستان میں شرعی قاضی کہیں بھی موجود نہیں تو رفع نزاع کے لئے شرعی فیصلہ کی کیا صورت ہوگی فریقین کسی کو حکم مقرر کرکے یا پنچایت سے اگر فیصلہ حاصل کریں گے معتبر ہوگا یا نہیں ؟

(۵) اگر پنچ یا حکم مسئلہ شرعی سے ناواقف ہوں تو وہاں کا مفتی یا کوئی اور شخص قضا کا حکم بتا سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔ المستفتی نمبر ۳۸۲ عبداللطیف قاسمی (ضلع اعظم گڑھ) یکم جمادی الاولی ۱۳۵۳ھ ۱۳ اگست ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۶۱) (۱) اگر زوجہ تین طلاق کی مدعی اور شوہر تین کا منکر اور دو کا مقر ہے تو اس صورت میں حکم دیانت (عند اللہ) یہ ہے کہ واقع میں تین طلاقیں دی ہیں تو طلاق مغلظہ ہوئی(۱) اور دو دی ہیں تو حق رجعت ہے(۲) لیکن اگر فریقین حکم دیانت پر قانع اور عاقل نہ ہوں تو حکم قضا یہ ہے کہ یا تو عورت تین طلاقوں کا ثبوت (بینہ عادلہ) پیش کرے ورنہ شوہر سے حلف لے کر اس کے موافق دو کا حکم دیا جائے گا (۳) اور اس کو اس صورت میں ظاہر کے لحاظ سے رجعت کا اختیار ہوگا (اگرچہ فی الحقیقت قسم جھوٹی ہونے کی صورت میں اسے رجعت کا کوئی حق نہیں رہا ہے) سوال دوم کا حکم بھی یہی ہے۔

(۳) اگر عورت نے خود شوہر کی زبان سے تین طلاقیں سنی ہیں تو اس کو شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں یعنی دیانۃ وہ اس کے لئے حلال نہیں رہی استخلاص نفس کی سعی کرے۔(۴)

---

(۱) واما البدعي ان يطلقها ثلاثا في طهر واحد بكلمة واحدة او بكلمات متفرقة' فاذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصيا (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الاول في تفسيره ۱ /۳۴۸ ط مكتبه ماجديه' كوئته)

(۲) واذا طلق الرجل امراته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها في عدتها (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة ۲ /۳۹۴ ط مكتبه شركة علميه ملتان)(۳) ويسال القاضي المدعى عليه عن الدعوىٰ فيقول انه ادعى عليك كذا فما ذا تقول بعد صحتها والا تصدر صحيحة لايسال لعدم وجوب جواب فان اقر فبها او انكر فبرهن المدعي قضى عليه بلا طلب المدعي والا يبرهن حلفه الحاكم بعد طلبه (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الدعوىٰ ۵/۵۴۷ ط سعيد)

(۴) والمراة كالقاضي اذا سمعته او اخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوىٰ على انه ليس لها قتله ولا يقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال او تهرب' كما انه ليس له قتلها اذا حرمت عليه و كلما هرب ردته بالسحر و في البزازية عن الا وز جندى انها ترفع الامر الى القاضي فان حلف ولا بينة لها فالا ثم عليه (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الصريح' مطلب في قول البحر ' ان الصريح يحتاج في وقوعه ديانة الى النية ۳/ ۲۵۱ ط سعيد كراتشي)

(۴) حکم اور ثالث اس مقدمہ کا فیصلہ کر سکتا ہے (۱) اور عدالت کا مسلمان جج بھی قاضی کے حکم میں ہو سکتا ہے (۲) اور جج یا سوال نمبر ۵ میں ذکر کئے ہوئے ثالث یا پنچایت جب خود مسئلے سے ناواقف ہوں تو ان کا فرض ہے کہ کسی عالم سے دریافت کر کے اس کے موافق فیصلہ کریں اور عالم ان کو قضا کی صورت شرعیہ بتادے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

طلاق رجعی میں عدت کے اندر رجوع کرنے سے رجعت ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) کیا دوران عدت میں مرد مطلقہ بیوی کو رجوع نہیں کر سکتا ہے بدون تجدید نکاح کے ؟ المستفتی نمبر ۹۴۵ عبدالعلی خاں (ریاست بھرت پور) یکم ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۲۳ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۶۲) رجوع کرنے سے مطلب یہ ہے کہ زبان سے کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجعت کرلی (۴) رجوع کرنے سے یہ مطلب نہیں کہ صحبت کرنا لازم ہو رجعی طلاق میں تجدید نکاح ضروری نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شوہر نے کہا "میں نے آزاد کیا" تو کون سی طلاق واقع ہوئی ؟

(سوال) زید نے اپنی بیوی کے متعلق یہ سنا کہ وہ کچھ آوارہ ہو گئی ہے اس پر زید نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو وہ میرے لئے بیکار ہے اور میں نے آزاد کیا اس کے بعد معلوم ہوا کہ اس خبر کی کوئی اصلیت نہیں ہے تب زید اپنی بیوی کو لینے کے لئے گیا بیوی نے کہا کہ تم تو مجھ کو آزاد کر چکے ہو زید نے کہا کہ تمہارا یہاں رہنا کسی طرح مناسب نہیں ہے تم میرے ساتھ چلو اور اگر کچھ تردد ہو تو اطمینان رکھو میں ماں بہن ہی سمجھ کر خرچ دوں گا ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۹۷۶ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۶ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۶۳) زید اپنی بیوی سے (احتیاطاً) نکاح کی تجدید کر لے (۵) یعنی دو گواہوں کے سامنے میاں

---

(۱) واما المحکم فشرطه اهلية القضاء و يقضي فيما سوى الحدود والقصاص ثم القاضي تنفيد ولا يتقيد بالزمان والمكان والحوادث (هامش رد المحتار' كتاب القضاء ۵/۳۵۴ ط سعيد كراتشي) (۲) الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة' مقدمہ در بیان قضائے قاضی در ہندوستان دیگر ممالک غیر اسلامیہ ۳۳ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی

(۳) لان القضاء تابع للفتوىٰ في زماننا لجهل القضاة (هامش رد المحتار كتاب الحظر والاباحة' فصل في البيع ۶/۴۴۱ ط سعيد كراتشي) (۴) والرجعة ان يقول راجعتك او راجعت امراتي وهذا صريح في الرجعة لا خلاف بين الائمة (اى لاحد في جواز الرجعة بالقول) الهداية ' كتاب الطلاق' باب الرجعة ۲/۳۹۵ ط سعيد كراتشي)

(۵) اسلئے کہ لفظ "آزاد کرنا" یعنی انت حرة اصل کے اعتبار سے کنایات میں سے ہے' اور کنایات کی اس قسم میں سے ہے جس میں حالت غصہ بغیر نیت کئے طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے لیکن اب بکثرت استعمال فی الطلاق ہونے کی وجہ سے اس کو طلاق صریح بائن میں شمار کیا جاتا ہے' اسی لئے حضرت مفتی اعظم نے احتیاطاً تجدید نکاح کر لینے کو فرمایا ہے' كما في الرد ' بخلاف فارسية قوله سرحتك وهو "رها كردم" لانه صار صريحا في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري..... فان سرحتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح فاذا قال " رها كردم" اى سرحتك يقع به الرجعي مع ان اصله كناية ايضا وما ذاك الا لانه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق وقد مران الصريح مالم الا في الطلاق من اى لغة كانت (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الكنايات ۳/۲۹۹ ط سعيد كراتشي)

نوی ایجاب و قبول کرلیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘

دو طلاق کے بعد دوبارہ نکاح کس طرح سے ہو گا؟

(سوال) بکر و زید دو بھائی ہیں جس میں بکر بڑا ہے زید نے ایک بیوہ عورت سے جائز طریقہ سے نکاح کیا اور چند روز اپنے پاس رکھنے کے بعد اس کو اس شبہ پر کہ تعلق بکر سے ناجائز ہے جس سے زید نے مار پیٹ کی اور مار پیٹ کی حالت میں زید نے دو طلاقیں صریح دیدیں تیسری مرتبہ دینا چاہتا تھا کہ زید کی والدہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا جس سے تیسری طلاق نہ دے سکا بلکہ بیوی کو مکان سے نکال دیا وہ اپنی بہن کے پاس چلی گئی جس کو عرصہ اڑھائی سال ہو چکا ہے نان نفقہ کچھ نہیں دیا یہ واقعہ ۱۸ اپریل ۱۹۳۵ء کا ہے اب کسی وجہ سے زید پھر چاہتا ہے کہ مطلقہ عورت سے نکاح کرلوں تو بلا حلالہ زید اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۰۸۰ امیدان خاں دہلی ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۶۴) اگر زید نے صرف دو طلاقیں دی تھیں تین نہیں دی تھیں تو زید اپنی مطلقہ بیوی سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے(۱) حلالہ کی ضرورت نہیں مگر عورت کی رضامندی شرط ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شوہر نے کہا ”میں نے تجھے طلاق دی‘ تو میری بہن کی مانند ہے“ تو ان الفاظ سے کون سی طلاق واقع ہوئی؟

(سوال) زید نے اپنی بی بی ہندہ سے دو عورتوں کی موجودگی میں ایکبار کہا کہ میں نے تجھے طلاق دیا تو میری بہن کی مانند ہے اور بعد میں بھی کئی آدمیوں سے کہا کہ وہ میری بہن کے مانند ہے اسے اپنے گھر میں رکھنا نہیں چاہتا ہوں بعد طلاق دینے زید کے ہندہ اپنے باپ کے گھر آگئی جس کو آج چار مہینے کا عرصہ ہوا لیکن اب زید کہتا ہے کہ میں نے اسے طلاق نہیں دیا اور وہ دو عورتیں جن کے سامنے اس نے طلاق دی تھی زید کے دباؤ سے گواہی نہیں دیتی ہیں کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۹۰ ولایت حسین اجمیر شریف یکم رمضان ۱۳۵۶ھ ۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۶۵) ایک دفعہ صریح طلاق دینے کے بعد تو رجعت کر سکتا تھا(۳) مگر تو میری بہن کے مانند ہے ان الفاظ سے طلاق بائن ہو جاتی ہے(۴) پس اگر ان الفاظ کے گواہ موجود ہوں تو طلاق بائن کا حکم دیا

---

(۱) اذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان یتزوجها فی العدة و بعد انقضائها (الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعة فصل فیما تحل به المطلقة ومایتصل به ۱/ ۴۷۲ ط ماجدیه' کوئٹه) (۲) اس لئے کہ یہ نکاح جدید ہے' و ینعقد با یجاب من احدهما و قبول من الآخر (الدر المختار' کتاب النکاح ۳/ ۹ ط سعید کراتشی) (۳) اذا طلق الرجل امراته تطلیقة رجعیة او تطلیقتین فله ان یراجعها فی عدتها رضیت بذلك او لم ترض (الهدایة' کتاب الطلاق' باب الرجعة ۲/ ۳۹۴ ط مکتبه شرکة علمیه ملتان) (۴) جب کہ ان سے طلاق کی نیت ہو اور یہاں ماقبل میں طلاق کا دینا نیت طلاق کے قائم مقام ہے' وان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لو حذف علی خانیة برا او ظهارا او طلاقا صحت نیته ووقع ما نواه لانه کنایة (درمختار) وقال فی الرد (قوله لا نه کنایة) ای من کنایات الظهار والطلاق' قال فی البحر' واذا نوی به الطلاق کان بائنا (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب الظهار ۳/ ۴۷۰ ط سعید کراتشی)

جائے اور عورت کو خاوند کے پاس نہ بھیجا جائے گاہاں تجدید نکاح جائز ہو گی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شوہر نے بیوی سے کہا" جا میں نے طلاق دی" تو اس سے کون سی طلاق واقع ہوئی ؟

(سوال) زید نے نکاح کیا اس کی بیوی تقریباً چودہ یوم اپنے شوہر (زید) کے مکان میں رہی لیکن پڑوسی عورتوں کے بھکانے سے وہ زید سے کہنے لگی کہ میں رہنا نہیں چاہتی ہوں زید نے اس امر سے منع کیا اور سمجھایا بلکہ بعض اوقات کچھ سخت سست الفاظ استعمال کئے اور سمجھا تا رہا اور وجہ دریافت کی جواباً کہا کہ میں رہنا نہیں چاہتی ہوں بھکانے سے اس نے ایک مرتبہ اپنے عزیزوں کے یہاں جانے کی اجازت چاہی زید نے جانے کی اجازت نہ دی زید چونکہ ملازم پیشہ ہے وہ اپنے کام پر چلا گیا وہ عورت موقع پاکر چھوٹے بچوں کو جو کہ اگلی عورت سے ہیں اور جن کی عمر آٹھ نو سال کے اندر اندر ہے ہمراہ لے کر اپنے عزیز جن کی معرفت اس کا نکاح زید سے ہوا تھا ان کے مکان پر صبح زید کے جانے پر چلی گئی اور وہاں تین چار بجے شام تک رہ کر ان بچوں کو ہمراہ لے کر زید کے مکان کو واپس ہوئی اثنائے راہ میں ایک نالہ حائل ہے وہاں پہنچ کر ان بچوں سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو میں پاخانہ پیشاب سے فارغ ہو کر آرہی ہوں اور وہ عورت اسی نالہ نالہ اپنے عزیز کے مکان کی طرف قریب میں پوشیدہ ہو گئی شام کو جب زید نوکری سے رخصت پاکر مکان گیا تو بچوں سے دریافت حال کر کے وہ اس کے عزیز کے مکان پر گیا ان کو مطلع کیا گیا انہوں نے تلاش کیا آخر ملنے پر اس کو لائے اور زید کے مکان پر اس کو چھوڑ گئے دوسرے دن سے پھر وہی کہنا شروع کیا کہ میں نہیں رہنا چاہتی چنانچہ جب زید تنگ ہو گیا تو اس نے پڑوسیوں کو اور اس کے عزیزوں کو جمع کر کے اس امر کا تذکرہ کیا اول ان لوگوں نے سمجھایا مگر وہ اس کے یہاں رہنے سے انکار کرتی رہی آخر اس مجمع کے دو آدمیوں نے عورت کو کہا کہ تو مہر معاف کر دے اس نے مہر معاف کر دیا پھر زید سے کہا کہ تم طلاق دیدو زید نے اس کے جانے کے رنج میں اور غصہ کی حالت میں اس عورت سے کہا' جا سالی میں نے طلاق دی" اس لفظ کو سن کر اپنے عزیزوں کے ہمراہ مکان چلی گئی آٹھ دس یوم اپنے یہاں رہ کر زید کو خبر پہنچائی کہ مجھ کو آکر لے جاؤ جب بار بار خبر آتی رہی تو زید نے اس کے عزیزوں کو اور درمیانی آدمیوں کو جن کے ذریعہ نکاح ہوا تھا ساتھ لے کر اس عورت کے یہاں گئے اس سے گفتگو کی اور کہا کہ تیرا عقد ثانی دوسری جگہ کرادیویں اس نے کہا کہ نہیں میں زید کے مکان میں جاؤں گی اسی کے ساتھ رہوں گی ورنہ کہیں نہیں جاتی زیادتی کرنے پر مر جاؤں گی تو ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں ؟ اور زید رجعت کر سکتا ہے یا نہیں یا اس عورت کا عقد ثانی ہو کر طلاق ہو اور وہ عدت کے دن عزیزوں کے یہاں گزارے پھر زید سے نکاح ہو۔ المستفتی نمبر ۲۰۸۶ علی جان صاحب (اجمیر شریف) ۲۶ رمضان ۱۳۵۶ھ م یکم دسمبر ۱۹۳۷ء۔

---

(۱) وینکح مبانۃ بمادون الثلاث فی العدۃ و بعد ھا بالا جماع (الدر المختار' کتاب الطلاق' باب الرجعۃ ۳/۴۰۹ ط سعید کراتشی)

(جواب ۳۶۶) سوال میں زید کے الفاظ طلاق جو منقول ہیں وہ صرف ایک مرتبہ یہ جملہ کہا گیا ہے" جا سالی میں نے طلاق دی" اس سے ایک طلاق پڑی(۱) سوال میں یہ بات صاف نہیں ہے کہ مہر کی معافی کا ذکر بطور شرط طلاق کے ہوا یا نہیں بہر حال اس واقعہ کا حکم یہ ہے کہ حلالہ کی ضرورت نہیں بدون حلالہ زید اور عورت دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کر لیں۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

میں نے تجھ کو چھوڑ دیا' صریح ہے یا کنایہ 'بنگال میں اسی کے کہنے کا رواج ہے

(سوال) طلقتك اور سرحتك ہر دو لفظ کا معنی بزبان ہندی میں نے تجھ کو چھوڑ دیا اور بزبان بنگالی یہی معنی ہیں یعنی ہر دو لفظ عربی کے تقاضے علیحدہ علیحدہ ہیں اور مقتضی ہے طلاق رجعی کا یعنی رجعت کافی ہے عقد ثانی کی ضرورت نہیں ہے ایک شخص اپنی زوجہ کو بزبان بنگالی جس کا معنی ہندی میں نے تجھ کو چھوڑ دیا کہا اس مسئلہ میں زید کہتا ہے کہ یہ طلاق طلاق رجعی ہے کیونکہ لسان ہندی میں اور بنگالی میں جو الفاظ مذکورہ ہیں یہ معنی طلقتك کے ہیں اور بکر کہتا ہے کہ یہ طلاق طلاق بائن ہے کیونکہ ہندی اور بنگالی زبان میں جو الفاظ مذکور ہیں وہ معنی طلقتك اور سرحتك ہر دونوں لفظ کا بن سکتا ہے بلکہ زبان ہندی اور بنگالی میں زوجہ کو جسے یوں کہا جاتا ہے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا ویسا ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ میں نے تجھے طلاق دیا اب صورت ثانیہ رجعی میں بالکل واضح ہے کیونکہ یہی معنی بالکل طلقتك کے مطابق ہیں اور صورت اولیٰ طلاق بائن میں ظاہر ہے کیونکہ وہی معنی سرحتك کا بالکل مطابق معلوم ہوتا ہے اور سرحتك کا معنی ہندی اور بنگالی زبان میں الفاظ مذکورہ کے سوائے اور لفظ دیگر نہیں ملتا ہے بخلاف طلقتك کے لہذا صورت مسئولہ عنہا میں انہی الفاظ مذکورہ سے طلاق بائن واقع ہونا چاہئے علاوہ اس کے جب دونوں لفظ عربی معنی واحد میں مشترک ہیں باوجود اس کے کہ ہر ایک کا مقتضی علیحدہ علیحدہ ہے تو احتیاطاً طلاق بائن واقع ہو گا اور عقد ثانی کی ضرورت ہے رجعی سے کافی نہیں ہو گا اب دریافت طلب یہ ہے کہ زید اور بکر کے اختلاف میں کس کا قول صحیح ہے اور صورت مسئولہ عنہا میں آپ کا کیا فتویٰ ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۱۶۷ مولوی محمد بدرالدجی (بنگال) ۲۹ شوال ۱۳۵۶ھ م ۲ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۶۷) عربی میں طلقتك اور سرحتك کے معنی اگرچہ چھوڑ دیا کے ہیں لیکن طلقتك میں رجعی اور سرحتك میں بائن اس لئے ہوتی ہے کہ طلقتك کا لفظ طلاق کے لئے مخصوص ہو گیا بخلاف سرحتك کے۔ اس لئے پہلا لفظ طلقتك صریح اور دوسرا لفظ سرحتك کنایہ قرار دیا گیا یہی حال اس کے ترجمہ میں بھی ہو گا اگر کوئی لفظ ہندی کا طلاق کے لئے مخصوص ہو گیا ہو تو وہ صریح ہو گا اور مخصوص نہ ہو

---

(۱) صریحه مالم یستعمل الا فیه ولو بالفارسیة کطلقتك وانت طالق و مطلقة...... و یقع بها ای بهذه الا لفاظ و ما بمعناها من الصریح واحدة رجعیة (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الصریح ۳/۲۴۷ ط سعید کراتشی)

(۲) اذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان یتزوجها فی العدة و بعد انقضائها (الهدایة' کتاب الطلاق' باب الرجعة' فصل فیما تحل به المطلقة ۲/۳۹۹ ط شرکة علمیه ملتان)

تو کنایہ ہوگا بنگالی الفاظ کا بھی یہی حکم ہوگا ہم بنگالی الفاظ کا مفہوم نہیں جانتے اس کا فیصلہ علمائے بنگالہ ہی کر سکتے ہیں چھوڑ دیا کو ہم کنایہ قرار دیتے ہیں۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تین مرتبہ لفظ حرام کہا' تو کتنی طلاق اور کون سی طلاق واقع ہوئی ؟

(سوال) زید کی ہندہ سے پہلے سے شادی تھی بعد میں مسماۃ زینب سے نکاح کر لیا مسماۃ ہندہ کے ورثاء زینب سے نکاح کرنے کو برا سمجھتے تھے مسمی زید کو اپنے مکان پر بلا کر کہا کہ مسماۃ زینب کو طلاق بلفظ حرام دیدے اس پر مسمی زید نے ٹال مٹول کیا اور اس سے گریز کیا مگر ہندہ کے ورثاء نے کاغذ پر لفظ حرام کو کاتب سے تین مرتبہ لکھوا کر اور پھر کاغذ کو سمیٹ کر زید کے سامنے پیش کیا اور اس سے یہ لفظ تین مرتبہ کہلوایا اور دستخط کرا لئے بعد میں تکمیل بلفظ ثلاثۃ مغلظۃ کر کے سرکاری طور پر سب رجسٹرار سے رجسٹری کرائی اور سب رجسٹرار نے بھی زید سے کچھ دریافت نہ کیا ویسے ہی رجسٹری کر لی چونکہ ہندہ کے ورثاء دنیاوی لحاظ سے اعلیٰ آفیسر ہیں اب قابل استفسار یہ امر ہے کہ لفظ حرام سے کون سی طلاق واقع ہوگی اور بعد میں جو لفظ ثلاثۃ مغلظۃ کو زیادہ کیا گیا ہے آیا اس کو بھی دخل ہے یا کہ نہیں اور سب رجسٹرار کا بغیر تصدیق مقر کے رجسٹری کر دینا اس کو بھی شرعاً کوئی دخل ہے کہ نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۵۱۴ سراج احمد صاحب (بہاولپور) ۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ م ۵ جولائی ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۶۸) اگر زید نے ثلاثۃ مغلظۃ کا لفظ زبان سے نہیں کہا اور نہ اس لفظ کو دیکھ کر دستخط کئے تو صرف لفظ حرام زبان سے کہنے پر اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن پڑے گی (۲) اگرچہ لفظ حرام تین مرتبہ کہا ہو (۳) اور وہ زینب سے تجدید نکاح کر سکتا ہے (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) چھوڑ دیا اصل کے اعتبار سے تو کنایہ ہے' لیکن اب عرف کی وجہ سے طلاق صریح میں سے ہے' کما فی الرد بخلاف فارسیة قوله سرحتك وهو " رها کردم" لانه صار صریحا فی العرف علی ما صرح به نجم الزاهدی فی شرح القدوری......فان سرحتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح' فاذا قال" رها كردم" ای سرحتك يقع به الرجعی مع ان اصله كناية ايضا (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الكنايات ۳/۲۹۹ ط سعيد كراتشي)لہذا جس علاقہ میں یہ لفظ صریح کے درجہ میں سمجھا جاتا ہے' تو وہاں اس لفظ سے بغیر نیت کے طلاق واقع ہوگی' اور جہاں صریح کے درجہ میں نہیں' تو وہاں اس لفظ سے بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوگی' اسی لئے حضرت مفتی اعظمؒ نے اس لفظ کو کنایہ طلاق میں شمار کیا ہے' کہ ان کے زمانہ میں ہندوستان میں یہ لفظ صریح طلاق میں استعمال نہیں ہوتا تھا' فقط واللہ اعلم

(۲) قال لا مراته انت علی حرام و نحوذلك كانت معی فی الحرام......و تطليقة بائنة ان نوى الطلاق و ثلاث ان نواها و يفتى بانه طلاق بائن و ان لم ينوه لغلبة العرف (الدرالمختار' مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الايلاء ۳/۴۳۳، ۴۳۴ ط سعيد كراتشي)

(۳) لا يلحق البائن البائن (درمختار) وقال فی الرد (قوله لا يلحق البائن البائن)المراد بالبائن الذی لايلحق هو ماكان بلفظ الكناية لانه هو الذى ليس ظاهرا فی انشاء الطلاق كذافی الفتح (هامش رد المحتار' مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب الكنايات ۳/۳۰۸ ط سعيد كراتشي)

(۴) اذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجها فی العدة و بعد انقضائها (الفتاوىٰ الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعة' فصل فيماتحل به المطلقة و ما يتصل به ۱/۴۷۲ ط ماجديه' كوئٹه)

شوہر نے بیوی سے مخاطب ہو کر کہا "آؤ اپنی طلاق لے لو" تو بیوی پر طلاق پڑی یا نہیں؟

(سوال) زید کی طبیعت ناساز تھی شام کے وقت جب وہ تنخواہ لے کر گھر میں لوٹا تو قرضخواہوں نے پیسہ کا تقاضا کیا اس وقت زید کی عورت نے زید سے جھگڑا کیا گالی دی۔ زید کو اس پر غصہ آیا عورت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ آؤ اپنا طلاق لے لو عورت سنتے ہی روانہ ہو گئی زید نے زمین سے ایک مشت خاک اٹھائی اور عورت کی طرف پھینک دی شریعت کی روشنی میں زید اور اس کی عورت کے لئے کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ المستفتی نمبر ۲۵۵۷ خلیفہ محمد اسمٰعیل صاحب (کراچی) ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ م ۷ جنوری ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۶۹) اگر زید نے طلاق دینے کی نیت سے یہ کہا اور مٹی پھینکی تو اس کی بیوی پر ایک طلاق پڑ گئی(۱) مگر زید کو عدت کے اندر رجعت کرنے کا حق ہے یعنی طلاق رجعی ہے(۲) تجدید نکاح کی ضرورت نہیں عدت کے اندر رجعت نہ کرے تو پھر عدت کے بعد تجدید نکاح ضروری ہوگی (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

دو طلاق رجعی کے بعد جب بیوی سے صحبت کر لی' تو رجعت ہو گئی یا نہیں؟

(سوال) ایک شخص نے اپنی عورت کو دو طلاقیں دیں اس کے بعد لوگوں نے اس کا منہ بند کر دیا جس سے وہ کچھ صاف طور پر نہ کہہ سکا علماء نے زبانی فتویٰ دے دیا کہ طلاق رجعی ہوئی وہ اپنی سسرال جا کر عورت کے پاس رہا اور رجوع کر لیا اور اس کے بعد کئی دفعہ اپنے یہاں رات کو بلایا چونکہ کوئی تحریری فتویٰ نہیں ملا تھا اس وجہ سے وہ علانیہ بیوی کو نہیں لا سکا اور پنچوں نے اس کو بند کر دیا اب پنچ لوگ فتوے کو صحیح جانتے ہیں مگر بیوی کے پاس آنا جانا اور بلانا اس کو پنچ لوگ رجعت نہیں سمجھتے تو شرعاً یہ رجعت ہوئی یا نہیں؟ عدت طلاق کو تین ماہ دس دن مقرر کر سمجھنا کیسا ہے؟ ایام حیض میں کوئی کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ یا ہمیشہ ایک ہی وقت مقررہ پر آیا کرتا ہے؟ المستفتی حاجی یار محمد حاجی صدیق اللہ بنارس ۴ جون ۱۹۵۰ء

(جواب ۳۷۰) اگر دو طلاقیں دینے کے بعد اس نے بیوی سے صحبت کر لی تو یہ رجعت ہو گئی(۴) اور اب بیوی اس کے لئے حلال ہے عدت کی مدت تین حیض آجانے پر پوری ہو جاتی ہے (۵) حیض کے آنے میں

---

(۱) و به ظهران من تشاجر مع امراته فاعطا ها ثلاثة احجار ينوى الطلاق ولم يذكر لفظا لا صريحا ولا كناية لا يقع عليه كماافتى به الخير الرملي وغيره (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' مطلب في طلاق الدور ۳/ ۲۳۰ ط سعيد كراتشي)

(۲) اذا طلق الرجل امراته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها في عدتها رضيت بذلك او لم ترض (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة ۲/ ۳۹٤ ط سعيد كراتشي)

(۳) عدت کے اندر رجوع نہ کرنے سے طلاق بائن ہو لی ہے' فاذا انقضت العدة ولم يراجعها بانت منه (فقه السنة' كتاب الطلاق' حكم الطلاق الرجعي ۲/ ۲۷٤ ط دار الكتاب العربي بيروت) اور طلاق بائن میں تجدید نکاح ضروری ہے اذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجهافي العدة و بعد انقضائها (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة'فصل فيما تحل به المطلقة ۲/ ۳۹۹ ط سعيد كراتشي)

(٤) والرجعة ان يقول راجعتك او راجعت امراتي وهذا صريح في الرجعة لا خلاف بين الائمة او يطاها او يقبلهاا و يلمسها بشهوة او ينظر الى فرجها بشهوة (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة ۲/ ۳۹۵ ط شركة علميه ملتان)

(۵) قال الله تعالىٰ : والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء (البقرة ۲۲۸)

دنوں کی کمی بیشی کا فرق ہو سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

طلاق دے دوں گا' یا دیتا ہوں' کہنے کے بعد دوبار طلاق طلاق کہا' تو کون سی طلاق واقع ہوئی ؟

(سوال) ایک دن کسی واقعہ پر زید غصہ میں اپنی بیوی کو سزا دینے کو لپکا کہ بیوی کو مارے پیٹے اتنے میں زید کا باپ دونوں کے درمیان حائل ہوا اور زید کو زدو کوب کرنے سے منع کیا زید نے باپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ مارنے دو ورنہ طلاق دے دوں گا مگر چونکہ باپ بیچ میں حائل تھا زید اپنی بیوی کو سزا نہ دے سکا اور لفظ طلاق طلاق دو مرتبہ کہہ کر باہر چلا گیا مگر زوجہ کی طرف سے لفظ دیدوں گا میں اختلاف ہے زوجہ کہتی ہے کہ دیتا ہوں کہا تھا (جو کہ صریحاً غلط ہے) تاہم واقعہ جو بھی ہو دو ایک ہفتہ بعد میاں بیوی ایک دوسرے کی طرف رجوع ہو گئے یعنی زید نے غصہ فرو ہونے کے بعد بیوی کو پھر اپنی زوجیت میں رکھ لیا اور وہی رشتہ ابھی تک قائم ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۲۶۹ منظور حسین (بمبئی) ۷ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۸ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۷۱) زید نے طلاق دے دوں گا کہا ہو جب تو یہ لفظ فضول ہے اور دیتا ہوں کہا ہو جب بھی یہ آئندہ دینے کے ارادہ پر محمول ہوگا (۱) پھر اس کے بعد دوبار طلاق طلاق کہا تو یہ دو طلاقیں ہوئیں اور ان کے بعد رجوع جائز تھا (۲) جو زوجین نے کر لیا لہذا واقعہ مذکورہ میں زوجین وظائف زوجیت ادا کر سکتے ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تین بار طلاق دینے کے بعد شوہر کو حق رجعت نہیں رہتا.

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید نے اپنی زوجہ ہندہ کی غیبت میں کہا کہ ہندہ کو طلاق دیا طلاق دیا طلاق دیا اس وقت زید کی نیت طلاق بائن کی تھی اس واقعہ کے چند روز بعد زید نے ہندہ کو جب ایک مقام پر پہنچادیا تو ہندہ نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس وقت بھی طلاق بائن کی نیت سے زید نے کہا کہ میں نے تمہیں طلاق دی' طلاق دی' طلاق دی۔ اسکے بعد زید چاہتا ہے کہ رجوع کرلے بعض علماء کہتے ہیں کہ طلاق بائن واقع نہیں ہوئی البتہ زید کہتا ہے کہ میں تم کو تین طلاق دیتا ہوں تو طلاق بائن واقع ہوتی۔

(جواب ۳۷۲) تین مرتبہ طلاق دے دینے کے بعد اور وہ بھی طلاق بائن (مغلظہ) کی نیت سے طلاق مغلظہ پڑ جاتی ہے اور حق رجعت باقی نہیں رہتا اور جب تک عورت دوسرے شخص سے نکاح کر کے اس

---

(۱) صیغة المضارع لا یقع به الطلاق الا اذا غلب فی الحال کما صرح به الکمال بن الهمام (الفتاوی الحامدیة' کتاب الطلاق ۱ /۳۸ ط مکتبه عبدالغفار قندهار افغانستان) وقال فی الدر المختار بخلاف قوله طلقی نفسك فقالت انا طالق او انا اطلق نفسی لم یقع لانه وعد جوهرة (الدر المختار مع هامش رد المحتار ' کتاب الطلاق' باب تفویض الطلاق ۳/ ۳۱۹ ط سعید کراتشی)

(۲) اذا طلق الرجل امراته تطلیقة رجعیة او تطلیقتین فله ان یراجعها فی عدتها رضیت بذلك ام لم ترض (الهدایة' کتاب الطلاق' باب الرجعة ۲/ ۳۹٤ ط مکتبه شرکة علمیه ملتان)

سے آزاد ہو اس کے لئے حلال نہیں ہوتی(۱) ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

کسی نے اپنی بیوی سے کہا" میں تم کو طلاق دے دیا' میرے گھر سے نکل جاؤ" تو بیوی پر کون سی طلاق واقع ہوئی ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) ایک دفعہ تابعدار مکان بنوا رہا تھا اس میں مسلمان مزدور تھے تابعدار نے اپنی عورت سے کہا کہ تین چار آدمی مسلمان مزدور ہیں ان کا بھی کھانا ہم لوگوں کے کھانے کے ساتھ پک جانا بہتر ہے عورت مذکور نے کہا کہ میں کھانا نہ پکاؤں گی تابعدار نے بہت غصہ ہو کر کہا کہ میں تم کو طلاق دے دوں گا ایک ہفتہ عورت ادھر ادھر ڈر سے مجھ سے چھپ کر رہی کیونکہ بہت مارا تھا اور طلاق کا کاغذ لکھنے والا بلا لائے اور زبان سے بھی کہہ دیا بہت غصہ میں کہ تم کو طلاق دے دیا میرے گھر سے نکل جاؤ اور پھر ایک ہفتہ کے بعد بات چیت ہو گئی اور صلح ہو گئی اس واقعہ کو ایک سال ہو گیا۔

(جواب ۳۷۳) اگر زبان سے صرف یہ لفظ کہے تھے کہ تم کو طلاق دے دیا میرے گھر سے نکل جاؤ تو طلاق ہو گئی تھی(۳) مگر جب ایک ہفتہ کے اندر صلح ہو گئی اور میاں بیوی کی طرح رہنے لگے تو وہ طلاق کالعدم ہو گئی (۴) اب آئندہ احتیاط رکھنا کہ دو مرتبہ کہنے سے مغلظہ ہو جائے گی۔ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مدرسہ امینیہ، دہلی

شوہر نے بیوی سے کہا" میں نے تجھ کو طلاق دی' دی' دی" تو کتنی طلاق واقع ہوئی ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۳۲ء)

(سوال) زید نے اپنی منکوحہ سے کہا" میں نے تجھ کو طلاق دی دی دی" یعنی لفظ طلاق کو ایک مرتبہ اور لفظ دی کو تین مرتبہ کہا ایسی صورت میں کون سی طلاق واقع ہوئی ؟

(جواب ۳۷٤) اس صورت میں اگر وہ خود تین طلاق دینے کی نیت کا اقرار نہ کرے تو ایک طلاق رجعی کا حکم دیا جائے گا۔(۵) فقط محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

---

(۱) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ او ثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحا و یدخل بھا ثم یطلقھا او یموت عنھا والاصل فیہ قولہ تعالیٰ " فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ" والمراد الطلقۃ الثالثۃ (الہدایۃ کتاب الطلاق' باب الرجعۃ' فصل فیما تحل بہ المطلقۃ ۲/ ۳۹۹ ط مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

(۲) جمہور فقہاء الامصار علی ان الطلاق بلفظ الثلاث حکمہ حکم الطلقۃ الثالثۃ (بدایۃ المجتھد و نھایۃ المقتصد کتاب الطلاق' بحث الطلاق بلفظ الثلاث ٤/ ۳٤۷ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

(۳) وصریحہ مالم یستعمل الا فیہ ولو بالفارسیۃ کطلقتک وانت طالق و مطلقۃ..... یقع بھا ای بھذہ الالفاظ وما بمعناھا من الصریح ..... واحدۃ رجعیۃ (الدر المختار' مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الصریح ۳/ ۲٤۷ ط سعید کراتشی)

(٤) یعنی نکاح دوبارہ قائم ہو گیا' باقی دو طلاق اپنی جگہ شمار میں قائم رہے گی۔

(۵) وکرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین (در مختار) وقال فی الرد (قولہ وان نوی التاکید دین) ای وقع الکل قضاء (ھامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب طلاق غیر المدخول بھا ۳/ ۲۹۳ ط سعید کراتشی)

جھگڑا کے دوران کہا ”ہم اپنی عورت کو طلاق دیدیں گے“ والد نے کہا ”دیدے“ شوہر نے کہا ”جاؤ دیدیا“ تو کیا حکم ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) ایک روز جب کہ زید اور اس کے والدین کے درمیان جھگڑا ہو رہا تھا زید نے اپنے والد سے کہا کہ اگر اب تم کچھ بولو گے تو ضدا ہم اپنی عورت کو طلاق دیدیں گے والد نے کہا دیدے زید نے کہا جاؤ دیدیا اب کیا کیا جائے ؟

(جواب ۳۷۵) واقعہ مذکورہ کی صورت میں ایک مرتبہ کہنے سے ایک طلاق رجعی ہو گئی (۱) زبان سے کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجعت کر لی (۲) یعنی جو طلاق دی تھی اس سے رجوع کیا تو دونوں میاں بیوی بدستور میاں بیوی رہیں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

طلاق رجعی' طلاق بائن اور طلاق مغلظہ کے احکام

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جون ۱۹۲۷ء)

(سوال) (۱) طلاق دیتے وقت طلاق رجعی یا بائن کا اظہار اور تشریح ضروری ہے یا نہیں ؟ اگر ضروری ہے تو رجعی یا بائن کا حکم اگر عورت کو معلوم ہو جائے تو بے پروائی کی وجہ سے اصلاح پذیر نہیں ہو گی۔

(۲) ایک یا دو طلاق دینے کے بعد رجعت کر لینے سے وہ ایک یا دو طلاق کیا ہو جاتے ہیں ؟

(۳) رجعت کیا ایک دو طلاق کو رد یا فسخ و باطل کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(۴) اگر باطل نہیں کر سکتی تو رجعت کا کیا ماحصل ہوا اور رجعت سے کیا مقصد ہے ؟

(۵) رجعت کا حق ایک یا دو طلاقیں دینے کے بعد کب تک باقی رہتا ہے ؟

(جواب ۳۷۶) (۱) رجعی اور طلاق بائن اور طلاق مغلظہ کے الفاظ اور طریقے متعین ہیں صریح طلاق کے لفظ سے ایک دو طلاقیں دینے سے رجعی طلاق ہوتی ہے (۳) بشرطیکہ لفظ طلاق کے ساتھ اور کوئی لفظ جو طلاق کو بائن بنا دیتا ہے نہ بولا جائے (۴) تین طلاقیں دینے سے طلاق مغلظہ ہو جاتی

---

(۱) ویستدل بهدين العبارتين ولو قيل له طلقت امرأتك فقال نعم او بلى بالهجاء طلقت بحر (درمختار) وقال في الرد قوله طلقت اى بلا نية على ما قررناه آنفا (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب الصريح ۳/۲۴۹ ط سعد كراتشي) وقال في الرد و منه خذى طلاقك فقالت اخذت فقد صحيح الوقوع به بلا اشتراط نية كما في الفتح (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الصريح' مطلب " سن بوش" يقع به الرجعي ۳/۲۴۸ ط سعيد كراتشي)

(۲) والرجعة ان يقول راجعتك او راجعت امرأتي وهذا صريح في الرجعة لا خلاف بين الائمة (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة ۲/۳۹۴ ط مكتبه شركة علميه ملتان) (۳) فالصريح قوله انت طالق و مطلقة و طلقتك فهذا يقع به الطلاق الرجعي لان هذه الالفاظ تستعمل في الطلاق ولا تستعمل في غيره فكان صريحا وانه يعقب الرجعة بالنص (الهداية' كتاب الطلاق' باب ايقاع الطلاق ۲/۲۵۹ ط مكتبه شركة علميه ملتان) (۴) ويقع بقوله انت طالق بائن او البتة او افحش الطلاق' او طلاق الشيطان او البدعة او اشر الطلاق او كالجبل او كالف او ملء البيت او تطليقة شديدة او طويلة او اكبره' واحد بائنة (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الصريح ۳/۲۷۶' ۲۷۷ ط سعيد كراتشي)

ہے۔(۱) طلاق رجعی اور طلاق بائن اور طلاق مغلظہ کے احکام جدا جدا ہیں۔

(۲) ایک یا دو مرتبہ صریح طلاق دینے کے بعد رجعت ہو سکتی ہے(۲) رجعت کر لینے سے بیوی نکاح میں لوٹ آتی ہے یہ طلاقیں شمار میں قائم رہتی ہیں(۳) یعنی دو طلاقیں دیکر رجعت کر لینے کے بعد اگر ایک طلاق دیدے گا تو پہلی دو کے ساتھ مل کر تین طلاق کا حکم ہو جائے گا اور طلاق مغلظ ہو جائے گی۔

(۳) رجعت اس حرمت کو جو طلاق سے پیدا ہوتی ہے زائل کر دیتی ہے مگر طلاق کے شمار کو زائل نہیں کرتی۔

(۴) رجعت کا مقصد یہی ہے کہ طلاق دے کر زوجہ کو اپنے لئے حرام کرنے میں زوج نے جو نافہمی اور ناعاقبت اندیشی کی ہے ایک حد تک اس کا تدارک ہو جائے۔ (۴)

(۵) رجعت کا اختیار صرف زمانہ عدت تک رہتا ہے یعنی ایک یا دو رجعی طلاقیں دینے کے بعد جب تک زوجہ عدت میں ہے اس وقت تک زوج رجعت کر سکتا ہے عدت ختم ہو جانے کے بعد رجعت کا حق زائل ہو جاتا ہے(۵) پھر اگر زوجین چاہیں تو نکاح ہو سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

چودھواں باب
مجنون اور طلاق مجنون

جس عورت کا شوہر عرصہ چودہ سال سے دیوانہ ہے' وہ عورت کیا کرے ؟

(سوال) عرصہ چودہ سال سے ہندہ کا شوہر مسمی زید دیوانہ ہو گیا ہے جب سے دیوانہ ہوا ہے تب سے اس وقت تک برابر دیوانہ چلا آتا ہے چنانچہ چند سال سے لاہور کے پاگل خانہ میں داخل ہے ہندہ عرصہ مذکور سے بخانہ والدین صبر کے بیٹھی رہی کہ شاید میرا شوہر تندرست ہو جائے آخر مایوس ہو گئی اور ہندہ کے والدین بھی

---

(۱) والبدعي ثلاث متفرقة (درمختار) وقال في الرد [قوله ثلاثة متفرقة) كذا بكلمة واحدة (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق ۳/۲۳۳ ط سعيد كراتشي)

(۲) واذا طلق الرجل امراته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها في عدتها (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة ۲/۳۹٤ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) قد يستدل بهذه الآية' قال الله تعالى : الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره (البقرة : ۲۲۹)

(٤) الرجعة ابقاء النكاح على ماكان مادامت في العدة كذافي التبيين (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس في الرجعة ۱/٤٦٨ ط ماجديه' كوئته)

(٥) اذا طلق الرجل امراته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها في عدتها رضيت بذلك او لم ترض لقوله تعالى فامسكوهن بمعروف. من غير فصل و لا بدمن قيام العدة' لان الرجعة استدامة الملك الا ترى انه سمى امساكا وهو الابقاء وانمايتحقق الاستدامة في العدة لانه لا ملك بعدانقضائها (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة ۲/۳۹٤ ط شركة علميه ملتان)

صحت زید سے مایوس ہو گئے چونکہ ہندہ نوعمر ہے زیادہ صبر نہیں کر سکتی لہذا علمائے دین سے اس امر کی درخواست ہے کہ صورت فسخ نکاح ہندہ ہو سکتی ہے یا نہیں اور دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ؟

(جواب ۳۷۷) احناف کا اصل مذہب تو یہی ہے کہ جنون میں زوجین میں سے کسی کو اختیار نہیں (۱) لیکن امام محمدؒ سے مروی ہے کہ زوجہ کو زوج کے مجنون ہونے کی حالت میں فسخ نکاح کا اختیار ہے بعض فقہاء نے بوقت ضرورت اس پر فتویٰ بھی دیا ہے لہذا اگر شدید ضرورت ہو تو زوجہ حاکم مجاز سے نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔
قال محمد ان کان الجنون حادثا یؤجله سنة کالعنة ثم تخیر المراة اذا لم یبرأ و ان کان مطبقا فهو کالجب والعنة و به ناخذ . کذافی الحاوی القدسی (هندیه ص ۵۴۹ ج ۱) (۲)

دیوانہ کی بیوی نان ونفقہ نہ ملنے کی بنا پر شوہر سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) ایک منکوحہ کا شوہر پاگل یعنی مجنون ہو گیا اور نان نفقہ وغیرہ کی خبر مطلق نہیں لے سکتا منکوحہ مذکور کے لئے کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۳۵ عین اللہ طرفدار (ضلع میمن سنگھ) ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۷۸) ایسی حالت میں عورت اگر مجبور ہو جائے اور اگر گزر نہ کر سکے تو وہ کسی حاکم مسلم کی عدالت سے نفقہ وصول نہ کر سکنے کی بنا پر فسخ نکاح کا حکم حاصل کرلے اور پھر بعد عدت دوسرا نکاح کرلے خاوند خواہ اسی شہر میں ہو یا باہر ہو۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

پاگل کی بیوی بغیر طلاق کے دوسری شادی کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) ایک شخص جو تین سال سے مجنون ہے اور حالت جنون میں اس کی عورت نے بغیر طلاق کے ایک شخص سے نکاح کر لیا لیکن پھر لوگوں نے اس سے کہا کہ تیرا عقد نہیں ہوا ہے جس دن ایک مجلس میں اہل برادری جمع ہوئے تو لوگوں نے اس مجنون مذکور سے حالت جنون میں طلاق دلوائی بار دیگر اس نے نکاح کیا اسی پہلے شخص سے تو ایسی حالت میں یہ نکاح درست ہوا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۲۲ رحمت الٰہی جالس ضلع

---

(۱) ولا یتخیر احدهما ای الزوجین بعیب الآخر فاحشا کجنون و جذام و برص و رتق و قرن (درمختار) وقال فی الرد (قوله ولا یتخیر) ای لیس لو احد من الزوجین خیار فسخ النکاح بعیب فی الآخر عند ابی حنیفة و ابی یوسف وهو قول عطاء والنخعی (رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب العنین وغیره ۳/۵۰۱ ط سعید کراتشی)
(۲) الفتاویٰ الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الثانی عشر فی العنین ۱/۵۲۶ ط ماجدیه' کوئٹه
(۳) و علیه یحمل ما فی فتاوی قاری الهدایة حیث سال عمن غاب زوجها ولم یترك لها نفقة فاجاب اذا اقامت بینة علی ذلك و طلبت فسخ النکاح من قاض یراه ففسخ نفذ وهو قضاء علی الغائب و فی نفاذ القضاء علی الغائب روایتان عندنا فعلی القول بنفاذه یسوغ للحنفی ان یزوجها من الغیر بعدالعدة (هامش ردالمحتار ' کتاب الطلاق' باب النفقة ۳/۵۱۹) (کذا فی الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة' بحث حکم زوجه متعنت فی النفقة ص ۷۳ مطبوعه دار الاشاعت کراچی

راندیر ضلع بریلی ۲۹ رجب ۱۳۵۲ھ م ۱۹ نومبر ۱۹۳۳ء
(جواب ۳۷۹) وہ مجنون اگر ایسا مجنون ہے کہ کسی وقت افاقہ ہوتا ہے اور کسی وقت دیوانگی تو افاقہ کی حالت میں اس کی طلاق درست ہو سکتی ہے (۱) لیکن اگر کسی وقت بھی افاقہ نہیں ہوتا ہر وقت دیوانہ ہی ہے تو اس کی طلاق غیر معتبر ہے (۲) مگر جب کہ اہل برادری نے جمع ہو کر اس کی بیوی کو اس سے علیحدہ کرنے کا فیصلہ کر دیا اور عورت نے عدت گزار کر دوسرے شخص سے نکاح کر لیا ہو تو یہ نکاح درست ہو گا برادری کا فیصلہ قائم مقام عدالتی فیصلہ کے ہو جائے گا۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

جس کا شوہر دیوانہ ہو جائے اس کا نکاح فسخ ہو گیا یا نہیں؟

(سوال) منکوحہ غیر مدخولہ مجنون فسخ نکاح طلب کرتی ہے اور مجنون کے والد و برادر حقیقی اجازت فسخ نکاح کی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تزویج کے قابل نہیں اور ان تمام نے اپنا حکم مقرر کیا ہے اور والد مجنون یوں بھی کہتا ہے کہ میرے بیٹے نے میرے روبرو اپنی زوجہ کو مطلقہ کر دیا ہے اور طبیعت اس وقت اس کی منجمد تھی کام میں استقامت تھی واللہ اعلم۔ اور حکم نے مجنون سے بہت سوال کئے حتی الطلاق کوئی جواب صحیح نہیں دیا غیر اسمیت وولدیت کے بلکہ بہت بکواس سنانے اور لوگوں سے شہادت لی گئی کہ اقوال میں متحیر ہے الا نادراً۔ افعال کرانے سے درست کرتا ہے اگر مرضی ہو خود بخود علیحدہ کوئی کام نہیں کرتا حتی الا کل۔ کیا حکم فسخ نکاح کر سکتا ہے؟ از روئے شرع شریف ۔ **علی قول محمد اذا کان بالزوج جنون فلها الخیار . و بموجب فتوی عبدالحی فی فتاوی جلد سوم ص ۸۶ و بموجب قول الشامی فی باب نکاح الکافر جلد دوم ص ۳۹۰ بل هو اهل للوقوع ای حکم الشرع بوقوعه علیه عند وجود موجبه ای عند الحاجة ملخصا الی اخره بینوا اهو مجنون ام معتوه احکمهما واحد ام لا انا جل سنة ام لا لکن ابوه لا یطلب الا جل ومن المنکوحة خوف عظیم وجنونه منذ ثلاثین شهرا و عند عقد النکاح شرع الجنون به لکنه قلیل حینئذ وقد قبل العقدبنفسه علی الاستقامةو قدبلغت الان منکوحة وهی عند العقد صبیة وقد انکحها ابوهااباه** المستفتی نمبر ۲۰۲ مولوی محمد عظیم (ضلع میانوالی) ۲۶ شوال ۱۳۵۲ھ م ۱۱ فروری ۱۹۳۴ء
(جواب ۳۸۰) حکم کو جب فریقین نے رضامندی سے حکم بنایا ہے اور اس کو فسخ نکاح کا اختیار دیا ہے اور

---

(۱) و جعله الزیلعی فی حال افاقته کالعاقل والمتبادر منه انه کالعاقل البالغ وماذکره الزیلعی علی ما اذا کان تام العقل (هامش رد المحتار کتاب الحجر ۶ / ۱۴۴ ط سعید کراتشی)
(۲) لا یقع طلاق المولی علی امراة عبده لحدیث ابن ماجة" الطلاق لمن اخذ بالساق" والمجنون والصبی و المعتوه (الدر المحتار مع هامش رد المحتار کتاب الطلاق ۳ / ۲۴۲ ط سعید کراتشی)
(۳) دیکھئے احیلۃ الناجزۃ مقدمہ، بیان حکم قضاء قاضی در ہندوستان و دیگر ممالک غیر اسلامیہ ص ۳۴ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔

زوج مجنون ہے تو حکم دونوں کا نکاح فسخ کر سکتا ہے (۱) اور تاجیل کی حاجت نہیں کیونکہ جنون جب کہ ڈھائی سال سے ہے تو جنون مطبق ہے اس میں تاجیل کی ضرورت نہیں ہوتی (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

جو مجنون پاگل خانہ میں ہے 'اس کی بیوی کیا کرے ؟

(سوال) یک شخص از سالہا سال بہ انواع مظالم و مصائب زن خود را مبتلا نمودہ گناہ میکرد حالا آں شوہر ظالم پاگل شدہ در پاگل خانہ کراچی از مدت ہفت و ہشت ماہ محبوس میباشد آں زن مظلومہ دریں مدت نہ نان خوردن میدارد و نہ جائے سکونت و محرم میدارد بلکہ مہاجرہ در ملک غیر است دریں صورت دیگر شوہر کردہ میتواند یانہ۔ المستفتی نمبر ۲۳۷۹ حبیب الرحمٰن پشاور ۲۲ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۱ جولائی ۱۹۳۸ء

(ترجمہ) ایک شخص نے سالہا سال سے اپنی عورت کو قسم قسم کی مصیبتوں اور اذیتوں میں مبتلا کر رکھا تھا اب وہ پاگل ہو کر کراچی کے پاگل خانے میں سات آٹھ ماہ سے داخل ہے وہ مظلوم عورت بیکس ہے نہ کھانے کو روٹی ہے نہ رہنے کی جگہ نہ کوئی اس کا محرم رشتہ دار ہے بلکہ بے وطن اور مہاجرہ ہے اب وہ کیا کرے ؟

(جواب ۳۸۱) ایں زن مظلومہ راحق حاصل است کہ بربنائے عدم تیسر حصول نفقہ از حاکم مسلم نکاح خود فسخ کناند و ہر گاہ کہ فیصلہ فسخ حاصل شود عدت گذارد و بعد از عدت اختیار نکاح ثانی او را حاصل خواہد شد۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

(ترجمہ) اس مظلوم عورت کو حق حاصل ہے کہ عدم تیسر حصول نفقہ کی بناپر مسلم حاکم سے اپنا نکاح فسخ کرالے اور فیصلہ فسخ حاصل ہونے کے بعد عدت گزار کر نکاح ثانی کرلے۔ (۳)

(جواب دیگر ۳۸۲) (۱۳۳۹) اہل سنت والجماعت حنفی مذہب کے موافق بھی مجنون کی بیوی اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے (۴) اور اب کہ جنون کو دس بارہ سال کا عرصہ ہو گیا ہے بغیر کسی مہلت کے کوئی حاکم

---

(۱) تولیۃ الخصمین حاکما یحکم بینھما و رکنہ لفظہ الدال علیہ مع قبول الآخر ذلک (درمختار) وقال فی الرد (قولہ کما مر) والمحکم کالقاضی (ردالمحتار مع الدر المختار' کتاب القضاء' باب التحکیم ۵/۴۲۸ ط سعید کراتشی)

(۲) قال محمد وان کان الجنون حادثا یؤجلہ سنۃ کالعنۃ ثم یخیر المراۃ بعد الحول اذا لم یبرا وان کان مطبقا فھو کالجب وبہ ناخذ کذافی الحاوی القدسی (الفتاوی الھندیۃ' کتاب الطلاق' الباب الثانی عشر فی العنین ۱/۵۲۶ ط ماجدیہ' کوئٹہ)

(۳) قال فی غرر الاذکار ثم اعلم ان مشایخنا استحسنوا ان ینصب القاضی الحنفی نائبا ممن مذھبہ التفریق بینھما وعلیہ یحمل ما فی فتاوی قاری الھدایۃ حیث سئل عمن غاب زوجھا ولم یترک لھا نفقۃ فاجاب اذا اقامت بینۃ علی ذلک وطلبت فسخ النکاح من قاض یراہ ففسخ نفذ وھوقضاء علی الغائب و فی نفاذ القضاء علی الغائب روایتان عندنا فعلی القول بنفاذہ یسوغ للحنفی ان یزوجھا من الغیر بعد العدۃ(ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب النفقۃ ۳/۵۹۰' ۵۹۱ ط سعید کراتشی) وکذا فی الحیلۃ الناجزۃ' بحث حکم زوجہ متعنت فی النفقۃ ص ۷۳ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

(۴) واذا کان بالزوج جنون او برص او جذام فلا خیار لھا عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف و قال محمد لھا الخیار دفعاللضرور عنھا کما فی الجب والعنۃ (الھدایۃ' کتاب الطلاق' باب العنین وغیرہ ۲/۴۲۲ ط مکتبہ شرکہ علمیہ ملتان)

نکاح فسخ کر سکتا ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘ ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ ۸ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب دیگر ۱۳۵۷) اگر زید بالکل مجنون اور حقوق زوجیت ادا کرنے کے ناقابل ہے اور اس کا کوئی اثاثہ بھی نہیں ہے جو زوجہ کے نفقہ کے لئے کافی ہو اور زوجہ اس حالت پر زیادہ صبر نہیں کر سکتی تو ایسی حالت میں اسے حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے اپنے خاوند کے مجنون ہونے کی بنا پر نکاح فسخ کرالے اور عدت گزار کر نکاح ثانی کرلے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘ دہلی ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۶ فروری ۱۹۳۷ء

پندرھواں باب
عدت اور نفقہ عدت

زانی زانیہ سے فوراً نکاح کر سکتا ہے‘ اور زانیہ پر عدت نہیں.

(سوال) زید مسلم کا ہندہ کافرہ سے ایک عرصہ سے ناجائز تعلق تھا اور اس کے دو بچے بھی اس عرصہ میں ہوئے اب ہندہ مسلمان ہو گئی ہے اور وہ فوراً ہی زید مسلم کے ساتھ شرعی نکاح کرنا چاہتی ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس کو عدت کی ضرورت ہے یا بغیر عدت اس کا نکاح صحیح و درست ہو گا یا نہیں؟

(جواب ۳۸۴) زید ہندہ کے ساتھ فوراً نکاح کر سکتا ہے کیونکہ زنا کی کوئی عدت شریعت میں مقرر نہیں اور سوال سے ظاہر ہے کہ ہندہ کسی اور زوج کی منکوحہ بھی نہیں ہے۔ **لا تجب العدة علی الزانیة وھذا قول** ابی حنیفة و محمدؒ کذافی شرح الطحاوی (العالمگیری ص ۵۴۹ ج ۱)(۳)

مطلقہ عورت کی عدت کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے.

(سوال) ہندہ زید کے مکان سے اپنے والد کے مکان پر چلی گئی اس نے بہ سبیل ڈاک تین طلاقیں بھیج دیں تو کیا وہ عدت کا خرچ دے سکتا ہے یا نہیں اور مہر کا روپیہ بھی دے یا نہیں؟

(جواب ۳۸۵) شوہر پر زمانہ عدت کا نفقہ واجب ہے اور مہر بھی واجب الادا ہے۔ **المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسکنی کان الطلاق رجعیا اوبائنا اوثلاثا حاملا کانت المراة او لم تکن**

---

(۱) قال محمدؒ ان کان الجنون حادثا یؤجله سنة کالعنة ثم یخیر المراة بعد الحول اذالم یبرا وان کان مطبقا فھو کالجب و به ناخذ کذافی الحاوی القدسی (الفتاوی الھندیة‘ کتاب الطلاق‘ الباب الثانی عشر فی العنین ۱/۵۲۶ ط ماجدیه‘ کوئٹه)

(۲) دیکھئے الحیلة الناجزہ بحث حکم زوجہ مجنون ص ۵۱ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

(۳) الفتاوی الھندیة‘ کتاب الطلاق‘ الباب الثالث عشر فی العدة ۱/۵۲۶ ط ماجدیه‘ کوئٹه

كذافي فتاوىٰ قاضي خان (هنديه)(۱)

جہاں شوہر کا انتقال ہوا ہے' عورت کو وہیں عدت گزارنی چاہئیے.

(سوال) مطلقہ عورت عدت کہاں رہ کر پوری کرے شوہر کے یہاں یا اپنے والد کے گھر؟ بینوا توجروا

(جواب ۳۸٦) مطلقہ عورت کے لئے اپنے گھر میں جہاں شوہر کے ساتھ رہتی تھی عدت پوری کرنی لازم ہے۔(۲)

مجبوری اور خوف ہو تو شوہر کے گھر کے بجائے والدین کے یہاں عدت گزارے!

(سوال) ہندہ کے شوہر زید کا انتقال ہوا زید کا کوئی مستقل مکان سکونت کا نہ تھا بلکہ زید اپنی بیماری سے پہلے اپنی ملازمت پر تھا اور اس کے اہل و عیال سب ساتھ تھے زید مکان کی تلاش میں ضرور تھا مگر اب تک کوئی مکان ملا نہ تھا ایام علالت میں جس مکان میں زید رہتا تھا وہ اس کے اور اس کے بھائیوں میں مشترک تھا اور چونکہ مکان جس میں اس کے بھائی ہیں بہت مختصر ہے ہندہ کو ایام عدت یہاں گزارنے پر پردہ کا بندوبست نہ ہو سکے گا نیز یہ کہ اس مکان میں کوئی ایسا شخص جو ہندہ کی دلدہی کر سکے نہیں ہے ہندہ اپنے سسرال کے لوگوں سے مانوس نہیں کیونکہ اس کی شادی ابھی حال میں ہوئی تھی لہذا ان وجوہات بالا کی بنا پر ہندہ اگر اپنے والد کے گھر اٹھ جائے تو جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا؟

(جواب ۳۸۷) زید کے بھائی ہندہ کے غیر محرم ہیں اور اگر ورثائے زوج میں غیر محرم بھی ہوں اور معتدہ کا حصہ اس کی سکونت کے لئے کافی نہ ہو تو معتدۃ الوفاۃ کو زوج کے مکان سے اٹھ جانے کا اختیار ہوتا ہے۔لو كان في الورثة من ليس محرما لها و حصتها لا تكفيها فلها ان تخرج وان لم يخرجوها (رد المحتار) (۳) اس کے علاوہ اور باتیں جو سوال میں مذکور ہیں خروج معتدۃ کے لئے شرعاً عذر نہیں۔واللہ اعلم

دوسرے شوہر نے عدت میں نکاح کیا' تو وہ نکاح فاسد ہے اور وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی.

(سوال) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دی پھر وہ پچھتایا حلالہ کرانے کی غرض سے ایک شخص دیگر سے نکاح کرادیا اور پھر طلاق دلوادی زوج اول کی طلاق سے سات مہینے گزرنے کے بعد اس عورت کے بچہ

---

(۱) الفتاوىٰ الهندية' كتاب الطلاق' الباب السابع عشر في النفقات ' الفصل الثالث في نفقة المعتدة ۱/۵۵۷ ط ماجديه' كوئٹه

(۲) وتعتد ان معتدة طلاق و موت في بيت و جبت فيه ولا يخرجان منه الا ان تخرج او ينهدم بمنزل او تخاف انهدامه (الدر المختار' كتاب الطلاق' باب العدة' فصل في الحداد ۳/۵۳٦ ط سعيد كراتشي)

(۳) هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب العدة' فصل في الحداد ۳/۵۳۷ ط سعيد كراتشي)

پیدا ہوا اسی سات مہینے میں نکاح ثانی اور حلالہ بھی ہوا اب بچہ پیدا ہونے سے معلوم ہوا کہ نکاح ثانی عدت میں ہوا تھا جواب طلب یہ امر ہے کہ کیا یہ نکاح صحیح اور یہ حلالہ معتبر ہوا یا نہیں ؟

(جواب ۳۸۸) سات مہینے کی مدت اتنی مدت ہے کہ اس میں زوج اول کی طلاق کی عدت ختم ہو کر دوسرے سے علوق ہونا اور اقل مدت حمل میں بچہ پیدا ہونا ممکن نہیں زوج اول کی عدت گزرنے کے لئے اگر عدت بالحیض ہو کم از کم انتالیس چالیس روز درکار ہیں اور اس کے بعد علوق ہو کر وضع حمل سات مہینے میں غیر ممکن ہے لیکن چونکہ عدت طلاق مغلظہ کی ہے اور دوسرے سے نکاح کر لیا ہے اور دو سال سے قبل بچہ ہوا ہے اس لئے بچہ کا نسب زوج اول ہی سے ثابت ہوگا اور دوسرا نکاح نکاح فاسد ہوگا اور حلالہ غیر معتبر سمجھا جائے گا زوج اول کے لئے حلال ہونے کے واسطے کافی نہ ہوگا۔ اذا تزوجت المعتدة بزوج اخر ثم جاء ت بولدان جاء ت به لا قل من سنتين منذ طلقها الاول او مات ولا قل من ستة اشهر منذ تزوجهاالثاني فالولد للاول الخ (عالمگیری ص ٥٦٠ ج ١ طبع مصر)(١) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحاً و يدخل بهاالخ (عالمگیری ص ٥٠١ ج ١ طبع مصر)(٢) کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ سنہری مسجد دہلی

ایام عدت میں کوئی عورت زنا سے حاملہ ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے ؟

(سوال) زید ہندہ را طلاق داد و بعد تطلیق زید با ہندہ زنا کرد و از زنائے زید ہندہ باردار شد۔ قبل وضع حمل ہندہ را خالد نکاح نمودہ وطی حرام کرد پس اندریں صورت اگر خالد ہندہ را طلاق دہد بعد وضع حمل نکاح ہندہ با زوج اول یعنی زید درست شود یا نہ ؟ بینوا توجروا

(ترجمہ) زید نے ہندہ کو طلاق دی اور طلاق دینے کے بعد زید نے ہندہ سے زنا کیا اور اس سے ہندہ حاملہ ہو گئی پھر وضع حمل سے قبل ہندہ سے خالد نے نکاح کر کے ناجائز صحبت کی پس اس صورت میں اگر خالد ہندہ کو طلاق دیدے تو وضع حمل کے بعد اس کا نکاح زوج اول یعنی زید کے ساتھ درست ہو گا یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(جواب ۳۷۹) نکاح خالد فاسد واقع شد پس ہندہ برائے زید حلال نشد ایں حکم دراں صورت است کہ وطی زید با ہندہ اندر مدت عدت واقع شدہ باشد لیکن اگر زید بعد انقضائے عدت زنا کردہ بود و ہندہ حاملہ بزنا بود پس نکاح خالد صحیح شد و ہندہ برائے زید حلال شد۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(ترجمہ) خالد کا نکاح فاسد ہوا پس ہندہ زید کے لئے حلال نہیں ہوئی یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ

---

(١) الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الخامس عشر في ثبوت النسب، ١/٥٣٨ ط ماجديه كوئته

(٢) الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس في الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ١/٤٧٣ ط ماجديه' كوئته)

زید نے عدت کے اندر ہندہ سے وطی کی ہو(۱) لیکن اگر انقضائے عدت کے بعد زنا کیا اور ہندہ حاملہ بزنا ہوئی تو خالد کا نکاح صحیح تھا(۲) اور ہندہ زید کے لئے حلال ہو جائے گی۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ایام عدت میں نکاح حرام ہے۔

(سوال) ایک شخص مولوی محمد قاسم مدت سے مسجد کے امام چلے آتے ہیں اتفاقاً ایک بیوہ عورت کا نکاح جبکہ تین چار دن عدت کے باقی تھے انہوں نے ایک شخص کے ساتھ منعقد کر دیا حالانکہ پہلے انہوں نے تحقیق بھی کر لی تھی کہ عدت گزر چکی ہے یا نہیں لیکن نکاح کرنے والوں نے ان کو یہ بتایا تھا کہ عدت بتمامہ گزر چکی ہے ان کے کہنے پر اعتماد کر کے انہوں نے نکاح پڑھا دیا بعد میں صحیح حساب لگا کر دیکھا گیا تو چار دن ابھی باقی تھے لوگوں نے امام مذکور کو اس خطا کی وجہ سے معزول کر دیا ہے یہ نکاح غیر صحیح سمجھ کر ایک دوسرے مولوی صاحب کو فیس کثیرہ دے کر دوبارہ نکاح پڑھوایا گیا اور مولوی محمد قاسم کا بھی جدید نکاح کیا گیا۔
المستفتی نمبر ۲۵۶ مولوی محمد زماں خاں ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۴ اپریل ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۹۰) عدت کے اندر نکاح ناجائز ہے (۴) لیکن اگر نکاح پڑھانے والے کو معلوم نہ ہو یا اس کو دھوکا دیکر بتایا جائے کہ عدت گزر چکی ہے اور وہ نکاح پڑھا دے تو اس کے ذمہ کوئی مواخذہ نہیں اور اس کا اپنا نکاح ساقط نہیں ہوتا ہاں معتدہ کا دوبارہ نکاح پڑھا دینا چاہئے پس صورت مسئولہ میں مولوی محمد قاسم کا نکاح دوبارہ پڑھانا فضول تھا اور ان کی امامت جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

زمانہ عدت میں کیا گیا نکاح باطل ہے

(سوال) ایک عورت چند سال ایک خاوند کے نکاح میں رہی اس کے بعد زوجین میں نااتفاقی پیدا ہو گئی اور عورت ناراض ہو کر اپنے والدین کے گھر چلی آئی یہاں آکر تین سال رہی اس اثنا میں حاملہ بزنا ہو گئی حاملہ

---

(۱) اما نکاح منکوحۃ الغیر و معتدتہ فالدخول فیہ لا یوجب العدۃ ان علم انھا للغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا (ہامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدۃ' مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ۳/۵۱۶ ط سعید کراتشی)
(۲) اس لئے کہ یہ نکاح عدت کے بعد ہوا اور زنا کی مدت شریعت میں مقرر نہیں : لاتجب العدۃ علی الزانیۃ وھذا قول ابی حنیفۃ و محمد' کذافی شرح الطحاوی (الفتاوی الہندیۃ' کتاب الطلاق' الباب الثالث عشر فی العدۃ ۱/۵۲۶ ط ماجدیۃ' کوئٹہ)
(۳) وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ و ثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحا و یدخل بھا ثم یطلقھا اویموت عنھا کذافی الہدایۃ (الفتاوی الہندیۃ' کتاب الطلاق' الباب السادس فی الرجعۃ' فصل فیماتحل بہ المطلقۃ وما یتصل بہ ۱/۴۷۳ ط ماجدیہ کوئٹہ)
(۴) قال اللہ تعالیٰ : ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ (البقرۃ ۲۳۵) لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ وکذلک المعتدۃ وکذا فی السراج الوہاج (الفتاوی الہندیۃ' کتاب النکاح' الباب الثالث فی بیان المحرمات' القسم السادس المحرمات التی یتعلق بھا حق الغیر ۱/۲۸۰ ط ماجدیہ کوئٹہ)

ہونے کے بعد زانی نے عورت کے خاوند کو روپے دے کر تین طلاق حاصل کرلی اور عدت کے اندر اس سے نکاح کرلیا۔ آیا یہ جائز ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۵۷ مولوی محمد زماں خاں، ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور ۹ اذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۴ اپریل ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۹۱) اس عورت کا نکاح عدت کے اندر ناجائز ہے حاملہ بالزنا کا اس صورت میں نکاح جائز ہوتا ہے جب کہ وہ معتدۃ نہ ہو یہ صورت جواز نکاح کی نہیں ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

طلاق اور وفات کی عدت میں فرق کیوں ہے ؟

(سوال) عدت وفات اور عدت طلاق میں تفریق کی وجہ کیا ہے اگر عدت سے مقصود محض استبرائے رحم ہے تو وہ فقط ایک حیض آنے سے ہو سکتا ہے۔ المستفتی نمبر ۴۷۶ ابو محمد عبدالجبار (رنگون) ۱۰ صفر ۱۳۵۴ھ ۱۴ مئی ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۹۲) عدت وفات اور عدت طلاق میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ طلاق کی عدت مقرر کرنے کی وجہ استبرائے رحم ہے اور اگرچہ ایک حیض بھی استبرائے رحم کے لئے کافی ہے لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ جس خون کو حیض سمجھا گیا وہ حقیقتہ حیض نہ ہو بلکہ حالت حمل میں کسی عارض کی وجہ سے آگیا ہو اور حیض کے ساتھ مشتبہ ہو گیا ہو اس لئے احتیاطاً تین حیض مقرر کئے گئے کہ تین مرتبہ عادت معہودہ کے ماتحت خون آجانے سے یقینی طور پر فراغ رحم ثابت ہو جائے اور کسی قسم کا شک و شبہ حمل کا باقی نہ رہے نیز طلاق رجعی ہو تو اس مرد اور عورت کو ایک کافی زمانہ غور و فکر کے لئے مل جائے کہ دونوں اپنے اختلافات پر سکون واطمینان سے غور کر کے اجتماع واتفاق کی صورت نکال سکیں ان وجوہ پر نظر کرتے ہوئے تین حیض کی مدت عدت کے لئے مقرر کرنے کی حکمت واضح ہو جاتی ہے۔(۲)

عدت وفات میں استبرائے رحم کے ساتھ ایک دوسری وجہ بھی شامل ہے اور وہ یہ کہ عورت اور مرد کا ازدواجی تعلق شریعت کی نظر میں نہایت اہم ہے اور اس میں عورت کو زیادہ احتیاج ہے مرد کی وفات سے عورت کو سخت صدمہ اور نقصان پہنچتا ہے شریعت نے اس مہتم بالشان تعلق کی وفات شوہر سے منقطع ہو جانے پر اظہار تاسف اور سوگ کے لئے عورت پر عدت مقرر فرمائی ہے کہ اس عرصہ میں وہ ترک زینت کر کے اپنے فطری جذبہ کے ماتحت شوہر کی مفارقت کا رنج ظاہر کر سکے اسی لئے یہ عدت صغیرہ اور بالغہ

---

(۱) اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ (الی قولہ) فلم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا (ہامش ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ۳/۵۱۶ ط سعید کراتشی)

(۲) وھی فی حق حرۃ...... بعد الدخول حقیقۃ او حکما ثلاث حیض کوامل لعدم تجزی الحیضۃ فالا ولی لتعرف براءۃ الرحم والثانیۃ لحرمۃ النکاح والثالثۃ لفضیلۃ الحریۃ (درمختار) وقال فی الرد (قولہ فالاولی) بیان لحکمۃ کونہا ثلاثا مع ان مشروعیۃ العدۃ لتعرف براءۃ الرحم ای خلوہ عن الحمل وذلک یحصل بمرۃ فبین ان حکمۃ الثانیۃ لحرمۃ النکاح ای لاظہار حرمتہ واعتبارہ حیث لم ینقطع اثرہ بحیضۃ واحدۃ فی الحرۃ و الامۃ و زید فی الحرۃ ثالثۃ لفضیلتہا (ہامش رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدۃ ۳/۵۰۵ سعید کراتشی)

اور عجوز سب کے لئے ہے اگر چہ صغیرہ اور آئسہ میں استبرائے رحم کی ضرورت نہیں تھی مگر نکاح میں منسلک ہو جانے کی وجہ سے موت شوہر پر اظہار تحسر کے لئے یہی مناسب تھا۔

صغیرہ نا قابل وطی پر مطلقاً اور کبیرہ غیر مدخولہ و غیر مخلوہ بہا پر عدت طلاق لازم نہیں کہ وہاں استبرائے رحم کی ضرورت نہیں ہے مگر عدت وفات ان سب پر اس لئے لازم ہے کہ اس کی حکمت مفارقت زوج پر اظہار حسرت ہے اور اس میں یہ سب عورتیں یکساں ہیں۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عدت کے اندر نکاح کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

(سوال) زید نے ہندہ معتدہ سے نکاح کیا اور جماع بھی کر لیا چند روز کے بعد پتہ چلا کہ نکاح کے وقت ہندہ کی عدت ختم نہیں ہوئی تھی تو ایسی حالت میں ناکح و گواہان اور زید و ہندہ سہو و غلطی کے باوجود عند اللہ ماخوذ ہیں یا نہیں ؟ اور نکاح ہو ا یا نہیں ؟ اب زید و ہندہ آپس میں کیا کریں گے ؟ المستفتی نمبر ۵۰۶ نذیر احمد پورنیہ ۷ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ ۳۰ جون ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۹۳) اگر نادانستگی میں یہ بات ہو گئی تو کسی پر مؤاخذہ نہیں اور نہ ناکح کا نکاح ٹوٹا (۲) اب زید اور ہندہ دوبارہ ایجاب و قبول کر کے تجدید نکاح کر لیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جس کو طویل مدت تک حیض نہ آئے اس کی عدت کیا ہے ؟

(سوال) ایک عورت مطلقہ جس کو طلاق ہوئے تقریباً تین ماہ کا عرصہ ہوا دوسری شادی کرنا چاہتی ہے مگر تقریباً دس بارہ ماہ سے اس کو حیض آنا بند ہو گیا ہے اور اس کی عمر چالیس سال سے بھی کم ہے ایسی صورت میں اس کی عدت کی میعاد کتنی ہے کتنے عرصہ کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے اور اس کو حمل وغیرہ کے کسی قسم کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ المستفتی نمبر ۵۴۵ حفیظ اللہ (میرٹھ) ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۹۴) یہ عورت ممتدۃ الطہر ہے حنفیہ کے نزدیک تو اس کی عدت حیض سے ہی پوری ہو گی تا آنکہ سن ایاس تک پہنچے (۳) لیکن امام مالک کے نزدیک ایک روایت میں نو مہینے دوسری روایت میں سال بھر تک

---

(۱) انما وجبت العدة عليها وان لم يدخل بها وفاء للزوج المتوفى و مراعاة لحقه (فقه السنة' كتاب الطلاق' بحث عدة غير المدخول بها ۲/ ۳۲٦ ط دار الكتاب العربي بيروت)

(۲) اس لئے کہ بغیر حقیقت حال کے علم کے کوئی غلطی ہو جائے تو اس پر مواخذہ نہیں : قال الله تعالىٰ :" لا يكلف الله نفسا الا وسعها لها ما كسبت و عليها ما اكتسبت" (البقرة: ۲۸٦)

(۳) والعدة في حق من لم تحض حرة ام ام ولد لصغر بان لم تبلغ تسعا او كبر بان بلغت سن الايا س او بلغت بالسن و خرج بقوله ولم تحض الشابة الممتدة بالطهر بان حاضت ثم امتد طهر ها فتعتدبالحيض الى ان تبلغ سن الاياس جوهرة وغير ها (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب الطلاق' باب العدة ۳/ ۵۰۸ ط سعيد كراتشي)

حیض نہ آنے کی صورت میں انقضائے عدت کا حکم دے دیا جاتا ہے(۱) تو اگر کوئی تحت ضرورت لاحق ہو اور نکاح ثانی نہ ہونے کی صورت میں قوی خطرہ وقوع فی الحرام یا کسی ایسے ہی مفسدہ کا ہو تو کسی مالکی سے فتویٰ لیکر اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔(۲) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

طلاق کے بیس دن بعد دوسرے شوہر سے نکاح

(سوال) یہاں پر جماعت المسلمین شافعی مذہب کے ملا صاحب نے ایک عورت کا نکاح پڑھایا وہ عورت اپنے شوہر سے طلاق بیس روز آگے لے چکی تھی یعنی اس عورت کو اس کے شوہر نے اس نکاح سے بیس روز آگے طلاق دیا تھا تین سال سے وہ اپنے والدین کے گھر رہتی تھی شوہر اول کے پاس نہیں گئی تھی۔
المستفتی نمبر ۱۴۰۷ شیخ محمد بابا (ضلع رتناگری) ۲۵ شوال ۱۳۵۴ھ م ۲۱ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۹۵) بیس روز میں طہر و حیض کے لحاظ سے عدت پوری نہیں ہو سکتی (۳) حاملہ کی عدت وضع حمل سے ہوتی ہے (۴) وہ تو ممکن ہے کہ طلاق کے بعد ہی وضع حمل ہو کر عدت پوری ہو جائے شوافع کے نزدیک طہر کی مدت کم از کم پندرہ روز ہے (۵) اور اگر طلاق طہر میں واقع ہوئی ہو تو دو طہر پورے اور درکار ہیں (۶) اس لئے بیس روز میں عدت پوری ہونے کا امکان نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) (قوله من انقضائها بتسعة اشهر ، ستة منها مدة الاياس و ثلاثة منها للعدة ورايت بخط شيخ مشايخنا السائحاني ان المعتمد عند المالكية انه لا بد لو فاء العدة من سنة كاملة تسعة اشهر لمدة الاياس و ثلاثة اشهر لانقضاء العدة وكذا عبر في الجمع بالحول (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب العدة ۳/ ۵۰۸ ط سعيد كراتشى)

(۲) قلت هذا ظاهر اذا امكن قضاء مالكي به او تحكيمه اما في بلاد لا يو جدفيها مالكي يحكم به فالضرورة متحققة. لهذا قال الزاهدى وقد كان بعض اصحابنا يفتون بقول مالك في هذه المسئلة الضرورة (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق باب العدة' مطلب في الافتاء بالضعيف ۳/ ۵۰۹ ط سعيد كراتشى)

(۳) اس لئے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مدت پوری ہونے کے لئے کم از کم ساٹھ دن درکار ہیں اور صاحبین کے نزدیک کم سے کم انتالیس دن۔ ولو بالحيض فاقلها لحرة ستون يوما و لامة اربعون يوما (درمختار) وقال في الرد و عندهما اقل مدة تصدق فيه الحرة تسعة وثلاثون يوما (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب العدة ۳/ ۵۲۳ ط سعيد كراتشى)

(۴) قال الله تعالىٰ : واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن (الطلاق ۴) وان كانت حاملا فعدتها ان تضع حملها (الهداية' كتاب الطلاق ' باب العدة ۲/ ۴۲۳ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(۵) فصل واما اقل الطهر بين الحيضتين فخمسة عشر يوما فهو قول ابى حنيفة و اكثر الفقهاء (الى ان قال) ثبت ان اقل الطهر خمسة عشر يوما (الحاوى الكبير للعلامة الماوردى الشافعى' كتاب الطهارة' باب حيض المراة وطهرها واستحاضتها ۱/ ۵۳۴ ط دارالفكر بيروت)

(۶) وتاثيرهذا الاختلاف في حكم المعتدة ان من جعل الاقراء الاطهار قال : ان طلقت في طهر كان الباقي منه وان قل قرناً فاذا حاضت و طهرت الطهر الثانى' كان قرءا ثانيا فاذا حاضت و طهرت الطهر الثالث حتى برزدم الحيضة الثالثة كان قرءاً ثالثا' وقد انقضت عدتها (الحاوى الكبير للعلامة الماوردى الشافعى' كتاب العدد ۱/ ۱۸۹-۱۹۰ ط دار الفكر بيروت)

عدت وفات میں ضرورت شدیدہ کے وقت عورت گھر سے نکل سکتی ہے

(سوال) عورت عدت میں ہے اور اگر وہ مختار نامہ عام نہ کرے تو اس کا مال ضائع ہوتا ہے اور مختار نامہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ حاکم گھر پر آکر رجسٹری کرے گا اس کو اس کے سامنے پردے میں بولنا ہوگا آیا شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۷۲۵ عبدالخالق صاحب صدر بازار دہلی' ۵ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۳۰ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۹۶) عدت کے اندر بولنا بات کرنا تو منع نہیں ہے بلکہ اگر ضرورت ہو تو عورت رجسٹری کرانے کے لئے رجسٹری آفس میں بھی جا سکتی ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کافرہ عورت مسلمان ہونے کے بعد کسی مسلمان سے شادی کرے 'تو عدت گزارنی ضروری ہے یا نہیں ؟

(سوال) ایک عورت قوم کھتری بعمر تقریباً ۳۰ سال آکر مسلمان ہوتی ہے اور بیان دیتی ہے کہ میرا پہلا خاوند عرصہ ایک سال سے فوت ہو چکا ہے میں اب مسلمان ہو چکی ہوں اگر شرع اجازت دے تو ایک شخص جس نے اس کو مسلمان کرلیا ہے اس کے ساتھ نکاح کرلوں لہذا اس کا نکاح کر دیا ہے کوئی شخص کہتا ہے کہ اس عورت پر عدت لازم ہے اور نکاح نہیں ہوا ہے۔المستفتی نمبر ۷۵۹ مستری حاجی عبدالرشید (بہاولپور) ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۶ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۹۷) اگر یہ قرار دیا جائے کہ وہ اسلام لانے کے وقت منکوحہ نہیں تھی بلکہ بیوی تھی تو اس پر کوئی عدت واجب نہیں لیکن اگر اسکو منکوحہ قرار دیا جائے تو اسلام لانے کے بعد بقول صاحبینؒ اس پر عدت واجب ہے(۲) اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے بیان کو تسلیم کیا جائے یا نہیں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد اس کے بیان کو بظن غالب صحیح سمجھا جائے تو نکاح جائز ہے اور اگر کذب کے قرائن قائم ہوں تو بعد عدت نکاح کی اجازت دی جائے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) و معتدة موت تخرج في الجديدين وتبيت اكثر الليل في منزلها لان نفقتها عليها فتحتاج للخروج حتى لو كان عندها كفايتها صارت كالمطلقة فلا يحل لها الخروج فتح وجوز في القنية خروجها لا صلاح مالا بد منه كزراعة ولا وكيل لها (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب العدة' فصل في الحداد ۵۳٦/۳ ط سعيد كراتشي)

(۲) ذمية غير حامل طلقها ذمي او مات عنها لم تعتد عند ابي حنيفة اذا اعتقد واذلك لانا امرنا بتركهم وما يعتقدون (درمختار) وقال في الرد وفي قول صاحبيه نكاحها باطل حتى تعتد بثلاث حيض (هامش ردالمحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب العدة ۵۲٦/۳ ط سعيد كراتشي)

(۳) في الخانية قالت : ارتد زوجي بعد النكاح وسعه ان يعتمد على خبرها ويتزوجها وان اخبرت بالحرمة بامر عارض بعد النكاح من رضاع طارى او نحو ذلك' فان كانت ثقة اولم تكن ووقع في قلبه صدقها فلا باس بان يتزوجها الا لوقالت كان نكاحي فاسد او كان زوجي على غير الاسلام لانها اكبرت بامر مستنكر اى لان الاصل صحة النكاح (هامش رد المحتار كتاب الطلاق' باب العدة ۵۲۹/۳ ط سعيد كراتشي)

عدت سے متعلق چند سوالات

(سوال) (۱) ۲۹ فروری ۱۹۳۶ء کو ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق روبرو گواہان دی اور تحریر بھی کردی (۲) ۲ مارچ سے ۹ مارچ تک اس عورت کو حالت حیض رہی (۳) ۱۴ مارچ کو اس عورت کو دوسری طلاق تحریر کر کے بدون ثبت کرانے گواہی گواہان اور بغیر موجودگی گواہان بھیج دی گئی جس کے دینے اور بھیجنے کو فریقین تسلیم کرتے ہیں (۴) ۲۸ مارچ سے ۴ اپریل تک حالت حیض رہی (۵) ۲۴ اپریل سے ۳۰ اپریل تک حالت حیض رہی (۶) ۲۰ مئی سے ۲۷ مئی تک حالت حیض رہی تیسری طلاق نہیں دی گئی مذکورہ واقعات کی روشنی میں سوالات حسب ذیل ہیں۔
(۱) ہمیں کالج میں پڑھایا گیا تھا کہ طلاق کے بعد عدت کی مدت تین طہر ہوتی ہے کیا پہلا طہر ۲ مارچ کو اور دوسرا طہر ۲۸ مارچ کو اور تیسرا طہر ۲۴ اپریل کو ختم نہ ہوگئے۔
(۲) اگر ختم ہوگئے تو کیا طلاق وعدت ۲۴ اپریل کو مکمل نہ ہوگئیں ؟ اگر مکمل نہ ہوئیں تو کس تاریخ کو مکمل ہوں گی ؟
(۳) اگر تیسری طلاق نہ دی گئی ہو تو کیا وہ عورت عدت اور طلاق کے مکمل ہونے کے بعد بغیر کسی دوسرے شخص سے نکاح وفراغت شرعی حاصل کرنے کے اس پہلے شخص سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟
(۴) آیا ایک طلاق اور تین طہر کی خاموشی اور دو طہروں میں دو طلاق اور بعدہ تیسرے طہر کے اختتام تک کی خاموشی سے اس شخص سے مکرر نکاح کے جواز پر کچھ فرق پیدا کرتی ہے ؟
(۵) اگر ۴ اپریل سے ۲۴ اپریل تک کے درمیان کے عرصہ میں یعنی اس طہر میں تیسری طلاق دیدی جاتی تو پھر نکاح کب ختم ہوتا اور عدت کب ختم ہوتی۔ المستفتی نمبر ۸۳۴ شیخ غلام حیدر بی اے ایل ایل بی وکیل لاہور ہائی کورٹ ۱۴ محرم ۱۳۵۵ھ م ۷ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۹۸) (۱) طلاق کی عدت کی مدت احناف کے یہاں تین حیض ہیں اور شوافع کے یہاں تین طہر (۱) میں نے جو جواب دیا تھا وہ مذہب حنفی کے اصول کے موافق تھا ۲۴ اپریل کو بھی تین طہر ختم نہیں ہوتے کیونکہ اب عدت دوسری طلاق ۱۴ مارچ کے بعد سے لی جائے گی ۲۷ مئی کو دوسری طلاق کے بعد سے تین حیض ختم ہوں گے اور اس وقت عورت عدت سے اصول حنفیہ کے بموجب فارغ ہوگی۔ (۲)
(۲) ۲۷ مئی کو عدت ختم ہوگی اور اس تاریخ کو طلاق مکمل یعنی بائن ہو جائے گی۔ (۳)

---

(۱) واذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا او رجعیا او وقعت الفرقة بینهما بغیر طلاق وهی حرة ممن تحیض فعدتها ثلاثة اقراء لقوله تعالیٰ "والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء ...... والا قراء الحیض عندنا وقال الشافعی الاطهار (الهدایة' کتاب الطلاق' باب العدة ۲/ ۴۲۲ ط مکتبه شرکة علمیه ملتان)
(۲) و مبدا العدة بعد الطلاق و بعد الموت علی الفور و تنقضی العدة وان جهلت المراة بهما ای بالطلاق والموت (الدرالمختار' کتاب الطلاق' باب العدة ۳/ ۵۲۰ ط سعید کراتشی)
(۳) فاذا انقضت العدة ولم یراجعها بانت منه (فقه السنة' کتاب الطلاق' بحث حکم الطلاق الرجعی ۲/ ۲۷۴ ط دار الکتاب العربی بیروت)

(۳) عدت کی تکمیل یعنی ۷ ۲ مئی گزرنے کے بعد عورت خود مختار ہو گی اگر چاہے تو زوج اول سے دوبارہ نکاح کرلے اور چاہے کسی اور سے تیسری طلاق نہ ہونے کی صورت میں طلاق بائن ہوتی ہے طلاق مغلظ نہیں ہوتی اور طلاق بائن کے بعد صرف تجدید نکاح کرنا ہوتا ہے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کی اور پھر فراغت ہونے کی شوہر اول سے نکاح کرنے کے لئے حاجت نہیں ہوتی۔(۱)

(۴) دوطہروں میں دوطلاقیں دے کر انقضائے عدت تک خاموش ہو جانا حق تجدید نکاح پر اثرانداز نہیں ہوتا۔(۲)

(۵) اگر ۴ اپریل سے ۲۴ اپریل تک کے درمیانی عرصہ میں تیسری طلاق دیدی جاتی تو عدت کی ابتدا ۲۴ اپریل کو آنے والے حیض سے ہوتی اور ۷ ۲ مئی کو ختم ہونے والا حیض دوسرا حیض ہوتا اس کے بعد ایک اور حیض آنے پر عدت ختم ہوتی اور پھر شوہر اول کا حق تجدید بدون تحلیل ساقط ہو جاتا۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

حاملہ عورت کی عدت بچہ کی پیدائش سے پوری ہوتی ہے

(سوال) زمانہ عدت وضع حمل بچہ پیدا ہونے تک مانا جاتا ہے یا جب تک کہ عورت چالیس دن کا چلہ نہ نہالے کیونکہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ المستفتی نمبر ۹۴۵ عبدالعلی خاں (ریاست بھرت پور) کیم ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۳ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۹۹) بچہ پیدا ہوتے ہی عدت ختم ہو جاتی ہے چالیس دن کا چلہ نہانا انقضائے عدت کے لئے لازم نہیں۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

غیر مدخولہ عورت پر عدت نہیں مگر جسکا شوہر مر جائے اس پر ہر حال میں عدت ہے چاہے بالغہ ہو یا نابالغہ

(سوال) منکوحہ غیر موطوءہ کو طلاق دی جائے تو اس پر عدت نہیں اور صغیرہ متوفی عنہا الزوج پر عدت ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ المستفتی نمبر ۱۱۰۲ شیخ عبدالغنی صاحب (ضلع لائل پور) ۱۵ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۴ اگست ۱۹۳۶ء

---

(۱) اذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجها في العدة و بعد انقضائها (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس في الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به ۱ / ۴۷۲ ط ماجديه كوئٹه)

(۲) ايضا حواله سابقه

(۳) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة او ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها والاصل فيه قوله تعالى " فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" والمراد الطلقة الثالثة (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة ۲ / ۳۹۹ ط شركة علميه ملتان)

(۴) و في حق الحامل مطلقا وضع جميع حملها لان الحمل اسم لجميع ما في البطن (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب العدة ۳ / ۵۱۱ ط سعيد كراتشي)

(جواب ۴۰۰) متوفی عنہا الزوج پر عدت براءت رحم کے لئے نہیں بلکہ خاوند کی موت پر اظہار حسرت کے لئے ہے اس لئے صغیرہ پر بھی واجب ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیوہ حاملہ کا نکاح بچہ کی پیدائش سے پہلے جائز نہیں

(سوال) مسماۃ ہندہ کا عقد زید سے کیا گیا باوجودیکہ ہندہ حمل سے تھی اور کسی کو اس کے حاملہ ہونے کا علم بوقت نکاح نہ تھا اب زید کے گھر ہندہ کی لڑکی سات ماہ کی دو مہینے بیس دن کے بعد پیدا ہوئی اب ہندہ سے دریافت کیا گیا کہ یہ لڑکی تمہارے خاوند زید کی ہے تو ہندہ نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ غیر کی ہے لہذا مسئلہ شرعی کی ضرورت ہے کہ زید سے جو عقد ہوا تھا باوجود ہندہ کے حاملہ من الغیر ہونے کے وہ عقد باقی رہا جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو تجدید نکاح زید سے ثانیاً کردیا جاوے یا نہیں جو کچھ حکم شریعت کے موافق ہو وہ تحریر فرما کر ثواب دارین حاصل کیجئے۔ المستفتی نمبر ۱۳۴۲ محمد اسماعیل صاحب (دہلی) ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۹ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۰۱) سائل نے زبانی بیان کیا کہ ہندہ مطلقہ تھی پہلے خاوند نے طلاق دی تھی طلاق کے تین ماہ بعد دوسرا نکاح ہوا اور نکاح سے دو ماہ بیس دن بعد بچہ پیدا ہوا تو لازم ہے کہ حمل طلاق سے پہلے کا ہو کیونکہ طلاق سے پانچ ماہ بیس دن بعد بچہ کی ولادت اسی کی مقتضی ہے(۲) اس لئے دوسرا نکاح اندرون عدت واقع ہوا اور ناجائز ہوا(۳) اب پھر از سر نو نکاح کرنا لازم ہے زید کے ساتھ از سر نو نکاح کردینا درست ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نابالغہ مطلقہ پر بھی خلوت کے بعد عدت ہے

(سوال) زید کی شادی ہندہ سے ہوئی زید ہندہ کو رخصت کرا کے گھر لے گیا ہندہ اس وقت نابالغہ تھی نابالغہ ہونا زید کو اور اسکے والدین کو ناگوار و ناپسندیدہ خاطر ہوا پانچ چھ روز کے بعد ہندہ اسکے ماں باپ کے گھر پہنچا دی گئی اس کو عرصہ زائد از یک سال قریب ۱۷ ماہ کے ہوتا ہے کہ ہندہ اپنے ماں باپ کے مکان میں ہے زید نے اس کی کوئی خبر نہ لی بلکہ اس عرصہ میں اس نے دوسری شادی بھی کر لی اب اگر زید نے ہندہ کو تحریری طلاق نامہ بایں مضمون کہ ہم نے تم کو بیک جلسہ تین طلاق دیدی لکھ بھیجا ہے دریافت طلب امر

---

(۱) والعدة للموت اربعة اشهر و عشر من الایام بشرط بقاء النکاح صحیحا الی الموت وطئت اولا ولو صغیرة او کتابیة تحت مسلم (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق ' باب العدة ۳/ ۵۱۰ ط سعید کراتشی) وقال ایضا اذا کانت معتدة بت او موت وان امرها المطلق او المیت بترکه لانه حق الشرع اظهارا للتاسف علی فوات النکاح (الدرالمختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق باب العدة ۳/ ۵۳۱ ط سعید کراتشی)

(۲) واذا تزوجت المعتدة بزوج آخر ثم جاء ت بولد ان جاء ت به لا قل من سنتین منذ طلقها الاول اومات ولا قل من ستة اشهر منذ تزوجها الثانی فالولد للاول (الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الخامس فی العدة ۱/ ۵۳۸ ط مکتبه ماجدیه' کوئٹه)

(۳) ولا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره وکذا المعتدة هکذا فی السراج الوهاج (الفتاوی الهندیة' کتاب النکاح' الباب السادس فی بیان المحرمات' القسم السادس المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر ۱/ ۲۸۰ ط ماجدیه' کوئٹه)

یہ ہے کہ ہندہ سسرال گئی تو حسب دستور زمانہ دو ایک شب تو خلوت ضرور ہوئی مگر بوجہ نابالغہ ہونے کے صحبت نہ ہوئی ایسی صورت میں ہندہ کو عدت گزارنا ضروری ہو گا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۴۴۸ سید نصیر الدین صاحب (ضلع مونگیر) ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ۲۲ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۰۲) ہندہ کو عدت گزارنی ہوگی کیونکہ مراہقہ کی خلوت میں عدت لازم ہوگی(۱) اور حکم کا مدار طاقت پر ہے اور بعض فقہاء نو سال کی لڑکی کے ساتھ خلوت کو صحیح اور وطی کے حکم میں قرار دیتے ہیں (۲) عدت خلوت فاسدہ میں لازم ہوتی ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

اگر دو ماہ پانچ دن میں تین حیض آ چکے ہیں، تو عدت ختم ہو گئی

(سوال) زید نے اپنی عورت منکوحہ مسماۃ ہندہ کو تین طلاقیں سہہ کر روبرو گواہان کے دے کر عدالت میں بذریعہ وکیل طلاق نامہ تحریر کر دیا کہ میں نے اپنی عورت مسماۃ فلاں بنت فلاں کو بموجب قانون شرعی کے تین طلاقیں دیدی ہیں اور اپنے اوپر حرام کر دیا ہے آج سے میرا کوئی تعلق زوجیت کا عورت مذکورہ کے ساتھ نہیں ہے بعد گزارنے ایام عدت کے جہاں چاہے نکاح کر لے بعد گزرنے ۲ ماہ پانچ دن کے عورت نے کہا کہ مجھے تین حیض گزر چکے ہیں جس گھر میں مطلقہ عدت پوری کر رہی تھی اس گھر سے بھی بعد تحقیق معلوم ہوا کہ تین حیض مطلقہ کے ختم ہو چکے ہیں لہذا بعد طلاق کے تین حیض جو کہ ۲ ماہ پانچ دن کے اندر ختم ہو چکے ہیں نکاح کر دیا گیا بعد نکاح کے چند لوگوں نے شبہ ڈال دیا کہ یہ نکاح درست نہیں ہے کیونکہ عدت مطلقہ کی تین ماہ دس دن ہے بعد گزرنے تین ماہ دس دن کے نکاح ہونا چاہئے تھا لہذا بعد تحقیق بدلائل شرعیہ مطلقہ کی عدت سے اور نکاح کے صحیح ہونے یا نہ ہونے سے مطلع فرمایا جائے۔ المستفتی نمبر ۱۵۱۲ پیش امام لعل میر صاحب، پونا چھاؤنی ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۲۰ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۰۳) عدت مطلقہ کی تین حیض سے پوری ہو جاتی ہے(۴) اور دو ماہ پانچ دن میں تین حیض آ سکتے ہیں(۵) لہذا جب کہ عورت نے کہا کہ مجھے تین حیض آ چکے اور مدت اتنی تھی کہ اس میں تین حیض آ سکتے تھے تو

---

(۱) والعدة فی حق من لم تحض حرة ام ام ولد لصغر بان لم تبلغ او كبر بان بلغت سن الایاس او بلغت بالسن ولم تحض ...... ثلاثة اشهر ان وطئت فی الكل ولو حكما كالخلوة ولو فاسدة كمامر (درمختار) وقال فی الرد (قوله بان تبلغ تسعا) و قیل سبعا بتقدیم السین علی الباء الموحدة و هی الفتح والاول اصح وهذا بیان اقل سن یمكن فیه بلوغ الانثی وتقییده بذلك تبعا للفتح والبحر والنهر لا یعلم منه حكم من زاد سنها علی ذلك و لم تبلغ بالسن و تسمی المراهقة وقد ذكر فی الفتح ان عدتها ایضا ثلاثة اشهر...... وهی من لم تبلغ تسعا (هامش رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة مطلب فی عدة الصغیرة المراهقة ۳/ ۵۰۷ ط سعید) (۲) وقدرت الاطاقة بالبلوغ و قیل بالتسع (هامش رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب فی احكام الخلوة ۳/ ۱۱۴ ط سعید كراتشی) (۳) و تجب العدة بخلوته وان كانت فاسدة لان تصریحهم بوجوبها بالخلوة الفاسدة شامل لخلوة الصبی كذافی البحر من باب العدة (هامش رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب فی احكام الخلوة ۳/ ۱۱۴ ط سعید) (۴) وهی فی حق حرة ولو كتابیة تحت مسلم تحیض لطلاق ولو رجعیا او فسخ بجمیع اسبابه ......بعد الدخول حقیقة او حكما ثلاث حیض كوامل لعدم تجزی الحیضة (الدر المختار مع هامش رد المحتار، كتاب الطلاق باب العدة ۳/ ۵۰۴ ط سعید كراتشی) (۵) اس لئے کہ انقضائے عدت کے لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک کم از کم ساٹھ دن درکار ہیں اور صاحبین کے نزدیک کم از کم انتالیس دن، ولو بالحیض فاقلها لحرة ستون یوما (درمختار) وقال فی الرد (قوله ستون یوما) فیجعل كانها طلقها فی الطهر بعد الوطء ویؤخذ لها اقل الطهر خمسة عشر لانه لاغایة لا كثره واوسط الحیض خمسة لان اجتماع اقلهما نادر...... و عندهما اقل مدة تصدق فیها الحرة تسعة و ثلاثون یوما ثلاث حیض بتسعة ایام و طهران بثلاثین (هامش رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة ۳/ ۵۲۳، ۵۲۴ ط سعید كراتشی)

یہ نکاح صحیح ہو گیا(۱) جو لوگ کہتے ہیں کہ مطلقہ کی عدت تین ماہ دس روز ہے وہ غلط کہتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

زمانہ عدت والا نکاح باطل ہے 'اور بعد عدت والا درست ہے

(سوال) زید نے ایک عورت مطلقہ ثلاث سے عدت کے اندر نکاح کر لیا اور میاں بیوی کی طرح رہائش کرنے لگے لوگوں نے اعتراض کیا کہ نکاح فاسد ہے تین حیض کے تمام ہو لینے کے بعد نکاح ہوتا ہے جب صحیح ہوتا تو کسی دوسری جگہ جا کر یہ بیان کیا عدت تمام ہو گئی ہے وہاں دوبارہ نکاح پڑھوالیا اب دریافت طلب چند چیزیں ہیں (۱) کہ اول نکاح جو عدت میں صرف ایک حیض کے گزرنے پر ہوا وہ شرعاً معتبر رہے گا یا ساقط الاعتبار (۲) اس کے ہونے سے عدت پر بھی کچھ اثر پڑے گا یا نہیں (۳) عدت طلاق لینے کے وقت سے شمار ہو گی یا نکاح اول کے بعد سے تین حیض پورے کرنا لازم ہے (۴) اگر طلاق کے وقت سے تین حیض پورے ہو کر نکاح ثانی ہوا ہو لیکن نکاح اول کے وطی بالشبہ کے بعد جب کہ تین حیض تاحال پورے نہ ہوں تو ایسی حالت میں نکاح ثانی صحیح و معتبر شرعاً ہو گا یا یہ بھی بمثل اول فاسد ہے؟ (۵) کیا خاوند بیوی میں عدت کے لئے مفارقت بھی ضروری ہے۔ المستفتی نمبر ۱۶۷۲ مولوی عبدالقدیر صاحب (گوجرانوالہ) ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۴ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب) (از مولوی عبدالقدیر صاحب) (۱) نکاح اول جو صرف ایک حیض کے تمام پر کیا گیا وہ فاسد ہے اس اثناء میں جو منافع زوجیت حاصل کئے وہ سب حرام اور زناکاری کے درجہ میں ہیں خاوند اور بیوی پر بحیثیت مسلمان ہونے کے فرض ہے کہ ایک دوسرے سے علیحدہ رہیں اور جب تک صحیح اور جائز طور سے نکاح نہ ہو آپس میں ملاپ نہ کریں (۲) اگر یہ نکاح جو اثناء عدت میں کیا گیا ہے نہ ہوا ہوتا تو عدت طلاق لینے کے وقت سے شروع ہوتی 'لیکن نکاح فاسد کے ہونے سے جس میں وطی بشبہۃ النکاح ہو چکی ہے مستقل طور سے دوسری عدت واجب ہو گی البتہ علمائے احناف اول عدت طلاق اور دوسری عدت کو تداخل سے پورا کر لینا کافی کہتے ہیں۔ قال فی الهدایة (۲) ص ۴۰۵ اذا وطئت المعتدة بشبهة فعلیها عدة اخریٰ و تداخلت العدتان و تکون ما تراه المراة من الحیض محتسبا منهما فاذا انقضت العدة الاولیٰ ولم تکمل الثانیة فعلیها تمام الثانیه اه موطوءۃ معتدہ بالشبہ کی متعدد صورتیں فقہاءؒ نے بیان کی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عدت میں کسی سے نکاح ہو گیا اس سے اس شبہ سے جماع کر لیا تو اس صورت میں دوسری عدت لازم ہو جاتی ہے قال فی العنایة علی هامش الفتح (۳) ص ۲۸۳ ج ۳ عند تعدید صور الموطؤة بالشبهة المحکومة علیها بوجوب العدتین اذا وجب علی المراة عدتان

---

(۱) قالت مضت عدتی والمدة تحتمله وکذبها الزوج قبل قولها مع حلفها والا تحتمله المدة لا (درمختار) وقال فی الرد (قوله قالت مضت عدتی) اعلم ان انقضاء العدة لا ینحصر فی اخبار ها بل یکون به وبالفعل بان تزوجت بآخر بعد مدة تنقضی فی مثلها العدة (هامش رد المحتار مع الدرالمختار' کتاب الطلاق' باب العدة ۳/۵۲۳ ط سعید کراتشی)
(۲) الهدایة' کتاب الطلاق' باب العدة ۲/۴۲۵ ط مکتبه شرکةعلمیه ملتان
(۳) العنایة علی هامش الفتح للعلامة' اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی' کتاب الطلاق' باب العدة ۴/۳۲۵-۳۲۶ ط مکتبه مصطفی البابی الحلبی بمصر

الی قولہ او من جنس واحد کالمطلقة اذا تزوجت فی عدتها فوطیها الثانی و فرق بینهما تتداخلان عندنا و نحوہ فی رد المحتار(۱) من باب العدة عن الدرر تعلیقاً علی قولہ فی المتن اذا وطئت المعتدة بشبهة ولو من المطلق - ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عدت میں نکاح ہو کر وطی کر لے تو یہ وطی بالشبہ ہو گی اور اس میں جدید عدت مستقل لازم ہوتی ہے البتہ اول عدت کو دوسری میں مدغم کر کے تداخل سے دونوں کو تمام کیا جائے گا قال فی الکنز(۲) ص ۱۴۷ تجب عدة اخری بوطی المعتدة بشبهة الخ . معلوم ہوا کہ وطی بالشبہ بھی موجب عدت ہے۔

(۳) مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طلاق کے وقت سے تین حیض پورے کر لینا نکاح ثانی کی صحت کے لئے کافی نہیں جبکہ نکاح اول جو کہ ایک حیض کے بعد ہوا وہاں سے عدت پوری نہ ہو جائے علی تفصیل سیاتی پس بصورت مذکورہ محررہ سابقہ نکاح ثانی جو طلاق کے وقت سے تین حیض پورے کر کرادیا ہے وہ بھی نکاح فاسد ہی ہوا کیونکہ مبدء عدت طلاق دینے کا وقت اس صورت میں نہیں ہے بلکہ نکاح اول جو ایک حیض کے بعد ہوا اور اس میں وطی بالشبہ ہوئی اس کے بعد مفارقت کرا کر عدت پوری کی جاتی اور اس کے بعد نکاح کیا جاتا جب صحیح ہوتا لہذا نکاح ثانی بھی قبل از تمام عدت ہی ہو کر فاسد ہو گا قال فی الدر المختار(۳) من باب العدة و مبدء ها (ای العدة) فی النکاح الفاسد بعد التفریق. وطی بالشبہ نکاح فاسد میں مستقل موجب عدت ہے یہاں سے تین حیض پورے کرائے جاتے جب نکاح ثانی درست ہوتا صرف طلاق کے وقت سے پورے کر لینے کافی نہیں بلکہ نکاح اول جو ایک حیض کے تمام پر ہوا ہے اس میں بھی وطی سے عدت جب شروع ہوتی کہ زوجین میں تفریق ہو جاتی اور تفریق کرانے کا لزوم فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا۔ کما نقله عن الدر المختار (۴)و مبدئها فی النکاح الفاسد بعد التفریق و سیأتی تمامه اب نکاح ثانی کا فساد دو وجہ سے ہوا کہ (۱) عدت طلاق کے وقت سے پوری کی گئی حالانکہ ضروری یہ تھا کہ نکاح فاسد اول سے عدت پوری کی جاتی (۲) جب کہ مفارقت بین الزوجین نہیں پائی گئی اور نہ متارکت کما ینبغی بلکہ مستمرا خاوندیوی کا سا تعلق قائم رہا تو اب عدت سوائے وجود شرط کیسے پوری مانی گئی۔

(۴) معلوم ہو چکا کہ نکاح ثانی بدون تمام عدت ہوا ہے شرعاً یہ نکاح بھی بمثل اول فاسد ہو گا ناکح ثانی نے جو صرف تین کے عدد پر کفایت کی ہے اور یہ تفتیش نہیں کی کہ تین نکاح فاسد اول سے ہیں یا طلاق سے یا طلاق سے تین پورے کر لینے پر کفایت کی ہے وہ اس کی غلطی ہے نیز بلا مفارقت و بلا متارکت حقوق زوجیت قائم رہتے ہوئے عدت پوری مان لینا یہ بھی احکام شرعیہ میں مسابلت ہے اس چشم پوشی سے نکاح جو ہوا ہے ہرگز صحیح نہیں۔

---

(۱) الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدة ۳ / ۵۱۸ ط سعید کراتشی
(۲) کنز الدقائق للنسفی' کتاب الطلاق' باب العدة ص ۱۴۴ ط مکتبہ امدادیہ ملتان
(۳) الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدة ۳ / ۵۲۲ ط سعید کراتشی
(۴) المصدر السابق

قال فی رد المحتار(۱) من باب العدة معلقاً علی قول الماتن و مبدئها فی النکاح الفاسد بعد التفریق السبب الموجب للعدة شبهة النکاح و رفع هذه الشبهة بالتفریق فلا یضر شارعته فی العدة مالم ترفع الشبهة بالتفریق کما فی الکافی وغیره – انتہی بحذف بعضه ہاں فقہاء نے اس صورت میں متارکت پر بھی کفایت کرلی ہے یعنی اگرچہ مفارقت نہیں ہوئی لیکن خاوند نے زبانی اظہار متارکت زوجہ سے کردیا ہے تو بھی عدت شروع ہوسکے گی مگر صورت حاضرہ میں نہ مفارقت ہوئی نہ اظہار متارکت پس عدت کیسے صحیح ہوئی ۔قال فی الدر المختار (۲)عطفا علی قوله التفریق المذکورہ سابقا اوالمتارکة ای اظهار العزم علی ترك وطئها بان یقول بلسانه ترکتك بلا وطی و نحوہ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف قصد متارکت قلبی طور سے بھی کافی نہیں جب تک کہ ظاہر اس پر دلیل نہ ہو اور وہ اظہار لسانی ہے سو بدون اظہار لسانی عدت نہیں شروع کی جائے گی کنز میں جو صرف عزم ترک کہہ دیا ہے اس سے اظہار عزم مراد ہے ۔کما نبه علیه فی رد المحتار هناك قال فی العنایة علی هامش الفتح(۳) ص ۲۸۷ ج ۳– والعزم امر باطن لا یطلع علیه وله دلیل ظاهر وهو الا خبا ر بذلك بان یقول ترکت و طأها او نحوه فی الفتح . اس سے معلوم ہوا کہ نکاح فاسد اول کے بعد جب تک تفریق نہیں ہوئی اور نہ اظہار متارکت قولا ہوا بلکہ برابر ازدواجی تعلقات وابستہ رہے ہوں اور بیوی خاوند کی طرح رہتے ہوئے عدت نہیں شروع ہوسکتی ۔ولذا قال فی الفتح (۴)ص ۲۸۷ ج ۳ لا تثبت العدة مادام التمکن علی وجه الشبهة قائما ولا ینقطع التمکن کذلك الا بالتفریق اوالمتارکة صریحا الحاصل سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ برابر ان کی رہائش میاں بیوی کی طرح ہوتی چلی آتی ہے کوئی متارکت یا مفارقت ان میں نہیں ہوئی تو اب نکاح ثانی عدت کے تمام پر جو سمجھا گیا ہے وہ غلط ہے عدت بدون ان مذکورہ دو صورتوں کے تمام نہیں ہوسکتی نکاح ثانی بھی قبل تمام عدت ہی ہوا ہے لہذا زوجین کو چاہئیے کہ آپس میں مفارقت کرکے تین حیض پورے ہوکر نکاح کریں ابتداء عدت جبھی سے معتبر ہوگی کہ تفریق ہوجائے یا قولی متارکت لیکن صرف قولی متارکت پر اعتماد کرکے نکاح غیر معتمد ہوگا کیونکہ ناکح یعنی زوج بوجہ فسق مفرط اس قابل نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جائے کہ یہ حدود شرعیہ پر برابر قائم ہوگا ازدواجی تعلق سے اجتناب کیا ہوگا ولہذا تفریق ہی سے عدت پوری ہونی چاہئیے اور نکاح جدید کران چاہئیے اور تفریق اور متارکت کے بدون جو نکاح ہوا وہ فاسد ہے اور نکاح میں فاسد اور باطل ایک ہی حکم رکھتے ہیں ۔من باب العدة قال فی ردالمحتار (۵) فی بیان الفرق بینهما و عدمه لا فرق بین الباطل والفاسد فی النکاح بخلاف البیع کما فی نکاح الفتح والمنظومة اہ – جزئیات فقہاء بھی اسی کو چاہتے ہیں ۔واللہ اعلم

---

(۱) هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدة ۳ / ۵۲۲ ط سعید کراتشی
(۲) الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدة ۳ / ۵۲۲ ط سعید کراتشی
(۳) العنایة مع هامش الفتح للعلامة اکمل الدین محمد بن محمود البا برتی' کتاب الطلاق' باب العدة ۴ / ۳۳۰ ط مکتبه مصطفی البانی الحلبی بمصر
(۴) فتح القدیر شرح الهدایة لابن الهمام' کتاب الطلاق' باب العدة ۴ / ۳۳۱ ط مصطفی البانی الحلبی بمصر
(۵) هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدة' مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ۳ / ۵۱۶ ط سعید کراتشی

(جواب ٤٠٤) (از حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ) ہوالموفق عدت طلاق میں معتدہ نے زید سے جو نکاح کیا وہ نکاح فاسد ہوا کیونکہ معتدۃ الغیر سے عدت کے اندر نکاح کرنا حرام ہے(۱) اس نکاح فاسد کے بعد زید نے منکوحہ سے وطی کرلی یہ وطی بالشبہ واقع ہوئی اور اس کی وجہ سے اس عورت پر ایک اور عدت واجب ہوگئی(۲) اس عدت کی ابتداء تفریق یا متارکت سے ہوگی(۳) اب عورت پر (بعد التفریق او المتارکتہ) دو عدتیں ہیں اور ان دونوں میں تداخل ہوجائے گا پہلی عدت طلاق کی حق زوج اول ہے دوسری عدت وطی بالشبہ کی حق زوج ثانی ہے جب پہلی عدت ختم ہوجائے گی تو زوج اول کا اور اس کے حق کا تعلق ختم ہوجائے گا زوج ثانی کی عدت باقی ہوگی اس زمانہ میں اگر زوج ثانی کے علاوہ کوئی تیسرا شخص نکاح کرے تو نکاح فاسد ہوگا کیونکہ شخص ثالث کا نکاح معتدۃ الغیر سے واقع ہوگا جو حرام ہے(۴) لیکن اگر زوج ثانی جس کی عدت میں تھی وہی تجدید نکاح کرے تو یہ جائز ہے کیونکہ ہر شخص اپنی معتدہ سے ایام عدت کے اندر نکاح کرسکتا ہے جب کہ عدت طلاق مغلظہ کی نہ ہو اور بعد عدت اس عورت سے نکاح حلال ہو تو عدت کے اندر اور عدت کے بعد دونوں حالتوں میں نکاح جائز ہے۔ وینکح مبانة بما دون الثلاث فی العدة و بعد ها بالا جماع و منع غیره لاشتباه النسب (درمختار)(۵) حرمة النکاح فی العدة وان کانت فی الایة عامة لکن خص منها الزوج بالا جماع فانه یتزوج معتدته بمادون الثلث (حاصل مافی رد المحتار) نکح معتدته نکاحاً صحیحاً ولو من فاسد (درمختار)(۶) هذا صریح فی انه یصح نکاح المعتدة بزوجها الذی وجبت العدة لحقه علیها .

پس صورت مسئولہ میں زید نے دوسرا نکاح اگر زوج اول کی طلاق کی عدت پوری ہوجانے کے بعد کیا ہے تو دوسرا نکاح صحیح ہوگیا ہاں زید کے علاوہ کوئی تیسرا شخص اس عورت سے نکاح کرتا تو تفریق یا متارکت کے بعد ایک عدت اور گزارنے کے بعد وہ نکاح صحیح ہوتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عورت ایام عدت میں کہیں جاسکتی ہے یا نہیں؟

(سوال) کوئی عورت مطلقہ دوسرا خاوند کرنے کے لئے اپنی عدت میں کسی مقررہ مکان میں بیٹھے وہاں

(۱) اما نکاح منکوحة الغیر و معتدته فلم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلا (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدة مطلب النکاح الفاسد والباطل ۳/۵۱۶ ط سعید کراتشی)

(۲) واذا وطئت المعتدة بشبهة ولو من المطلق وجبت عدة اخری لتجدد والسبب و تداخلتا والمرئی من الحیض منهما (الدر المختار مع هامش رد المحتار ' کتاب الطلاق' باب العدة ۳/۵۱۹ ط سعید کراتشی)

(۳) و مبدأها فی النکاح الفاسد بعد التفریق من القاضی بینهما ثم لو وطئها حد جوهرة وغیر ها..... او المتارکة ای اظهار العزم من الزوج علی ترك وطئها بان یقول بلسانه ترکتك بلا وطء ونحوه (الدر المختار مع هامش ردالمحتار' کتاب الطلاق' باب العدة ۳/۵۲۲'۵۲۳ ط سعید کراتشی)

(٤) لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره وکذا المعتدة هکذا فی السراج الوهاج (الفتاوی الهندیه' کتاب النکاح' الباب الثالث فی بیان المحرمات' القسم السادس المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر ۱/۲۸۰ ط ماجدیه کوئته)

(٥) الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الرجعة ۳/٤٠٩ ط سعید کراتشی

(٦) الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق باب العدة ۳/٥٢٤ ط سعید کراتشی

سے دوسرے زنانے مکان میں ویسے ہی خالی بیٹھنے کے لئے جاوے تو عدت میں نقصان ہو گا یا نہیں کہ پہلے دن عدت میں شمار کئے جائیں گے یا نہیں اگر عدت ٹوٹی ہے اور نئے سرے سے عدت کے دن شمار نہیں کئے اور پہلے کے دن شمار کر لئے یعنی تین حیض گن لئے اور نکاح کر لیا تو یہ نکاح ہو گیا یا نہیں یا پھر سے عدت کر کے نکاح کیا جائے گا؟ المستفتی نمبر ۱۸۱۸ آدم محمد یوسف (بہرائچ) ۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۰۵) بلا ضرورت مطلقہ کو اپنے گھر سے باہر نہیں جانا چاہئے(۱) لیکن اگر چلی جائے تو عدت کے دن از سر نو شمار نہیں کئے جاتے گزرے ہوئے دن بھی عدت میں شمار کئے جائیں گے اور سب دن شمار کر کے عدت پوری ہو جانے پر نکاح جائز ہو گا۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عدت ختم ہونے پر نکاح کر لیا' معلوم ہوا کہ حمل ہے' تو عدت کا کیا ہو گا' اور نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

(سوال) (۱) زید نے ایک بیوہ سے جس کے دو لڑکے پہلے شوہر سے موجود ہیں عدت گزر جانے کے بعد نکاح کیا اس وقت حمل کا کوئی اثر معلوم نہیں ہوا مگر پانچ ماہ کے بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی وضع حمل کے بعد بھی طرفین ایک ہی مکان میں مع بچوں کے زن و شوہر کی طرح زندگی گزارتے رہے تقریباً دو برس کے بعد زید ایک کافی جائداد چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوا زید نے اپنے پیچھے بھی بیوی بچہ اور بھانجہ چھوڑا بھانجہ کی والدہ یعنی زید کی بہن زید کی زندگی میں ہی فوت ہو چکی تھی لہذا زید کا نکاح باقی رہا یا نہیں (۲) زید کا تجدید نکاح لازمی ٹھہرا یا نہیں (۳) طرفین کا بلا تجدید نکاح زن و شوہر کی طرح زندگی گزارنا کیسا ٹھہرا۔ (۴) تقسیم جائداد کا کیا حل ہے؟ المستفتی نمبر ۱۸۳۹ مولوی محمد ابراہیم صاحب مدرسہ فیض الغرباء آرہ ۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۴۰۶) بیوہ کی عدت گزر جانے سے کیا مراد ہے یعنی خاوند کی موت پر چار ماہ دس روز گزرنے کے بعد نکاح کر لیا تھا تو گویا شوہر اول کی وفات کے نو سوا نو مہینے کے بعد بچہ ہوا تو یہ بچہ شوہر اول کا بچہ قرار پائے گا (۳) اور نکاح کا عدت کے اندر منعقد ہونا قرار دیا جائے گا اور یہ نکاح ناجائز ہو گا (۴) اور اگر شوہر اول کی موت پر

---

(۱) ویعتد ان ای معتدة طلاق و موت فی بیت و جبت فیه ولا یخرجان منه الا ان تخرج او ینهدم المنزل او تخاف بیدامه او تلف مالها او لا تجد کراء البیت و نحو ذلک من الضرورات فتخرج لا قرب موضع الیه (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدة ۳/ ۵۳۶ ط سعید کراتشی)

(۲) قال الله تعالی ولا تعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ الکتاب اجله (البقرة ۲۳۵)

(۳) واذا تزوجت المعتدة بزوج آخر ثم جاءت بولد ان جاءت به لاکثر من سنتین منذ طلقها الاول او مات ولا قل من ستة اشهر منذ تزوجها الثانی فالولد للاول (الفتاوی الهندیة' کتاب الطلاق' الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب ۱/ ۵۳۸ ط ماجدیه' کوئٹه)

(۴) اما نکاح منکوحة الغیر و معتدته ... فلم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلا (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدة مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ۳/ ۵۱۶ ط سعید کراتشی)

زیادہ مدت گزر چکی تھی یعنی دو سال ہو چکے تھے تو یہ حمل زنا کا ہوگا(۱) اور نکاح جائز قرار دیا جائے گا(۲) مگر بچہ کا نسب شوہر دوم سے اس صورت میں بھی ثابت نہ ہوگا کیونکہ تاریخ نکاح سے چھ مہینے سے پہلے بچہ ہو گیا تو اس شوہر کا بچہ نہیں ہے(۳) بہر حال پہلی صورت میں تو نہ تو عورت وارث ہوگی نہ بچہ اور دوسری صورت میں عورت کو میراث ملے گی بچہ کو نہ ملے گی(۴) اور پہلی صورت میں تجدید نکاح لازم تھی دوسری صورت میں تجدید لازم نہ تھی پہلی صورت میں زید کی میراث بھانجہ کو ملے گی اور دوسری صورت میں جائیداد کا ربع بیوی کو اور ۳/۴ بھانجہ کو ملے گا۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عدت وفات میں بیوی کا نان و نفقہ شوہر کے ترکہ میں سے نہیں دیا جائے گا

(سوال) جب خاوند انتقال کر گیا تو اس کے وارث پر مہر و عدت کا نفقہ واجب ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۸۵۸ عبدالرحمٰن (خاندیس) ۳۰ رجب ۱۳۵۶ھ م ۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۰۷) زوج متوفی کے ترکہ میں سے زوجہ کا مہر ادا کیا جائے گا(۶) اور عدت کا نفقہ ترکہ میں سے نہیں دیا جائے گا۔(۷) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مطلقہ عورت عدت گزرنے کے بعد نکاح کر سکتی ہے البتہ عدت کے اندر جو ہمبستری ہوتی ہے' وہ حرام ہے

(سوال) ایک شخص نے ایک دوسرے شخص سے اس کو کچھ روپے دیکر اس کی عورت کو مطلقہ کرایا اور اس

---

(۱) وان جاء ت به لاكثر من سنتين منذ طلقها الاول او مات ولا قل من ستة اشهر منذ تزوجها الثاني لم يكن للاول ولا للثاني (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الخامس عشر في ثبوت النسب ۱/۵۳۸ ط ماجديه كوئته)

(۲) کیونکہ عدت ختم ہونے کے بعد ہوا ہے' ولا تجب العدة على الزانية هذا قول ابى حنيفة و محمد كذافى شرح الطحاوى (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الثالث عشر في العدة ۱/۵۲۶ ط ماجديه كوئته)

(۳) واذا تزوج الرجل امرأة فجاء ت بالولد لا قل من ستة اشهر منذ تزوجها لم يثبت نسبه وان جاء ت به لستة اشهر فصاعدا يثبت نسبه منه اعترف به الزوج او سكت (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب الخامس عشر في ثبوت النسب ۱/۵۳۶ ط مكتبه ماجديه' كوئته)

(۴) اس لئے کہ پہلی صورت میں نکاح فاسد تھا اور استحقاق ارث کے لئے نکاح کا صحیح ہونا ضروری ہے ويستحق الارث برحم و نكاح صحيح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعا (درمختار) وقال في الرد (قوله و نكاح صحيح) ولو بلا وطء ولا خلوة اجماعا (قوله فلا توارث بفاسد) هو ما فقد شرطا من شروط الصحة كشهود ولا باطل كنكاح المتعة والموقت وان جهلت المدة او طالت في الاصح (هامش رد المحتار مع الدرالمختار' كتاب الفرائض ۶/۷۶۲ ط سعيد كراتشي) اور دوسری صورت میں چونکہ نکاح صحیح تھا اس لئے وہ وارث بنے گی اور بچہ کا نسب دونوں صورتوں میں اس آدمی سے ثابت نہیں لہذا وہ کسی صورت میں وارث نہیں بنے گا۔ فقط واللہ اعلم

(۵) هو كل قريب ليس بذى سهم ولا عصبة ولا يرث مع ذى سهم ولا عصبة سوى الزوجين لعدم الرد عليهما فيا خذ المنفرد جميع المال (درمختار) وقال في الرد (قوله فياخذ المنفرد) اى الواحد منهم من اى صنف كان جميع المال اى او ما بقى بعد فرض احد الزوجين (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الفرائض باب توريث ذوى الارحام ۶/۷۹۱'۷۹۲ ط سعيد كراتشي)

(۶) اس لئے کہ مہر قرض کی طرح ہوتا ہے اور میت کے ترکے کو تقسیم کرنے سے قبل اس پر واجب الاداء قرض ادا کرنا ضروری ہوتا ہے' لہذا مہر کی ادائیگی تقسیم ترکہ سے قبل ضروری ہے

(۷) لا نفقة للمتوفى عنها زوجها لان احتباسها ليس لحق الزوج بل لحق الشرع (الهداية' كتاب الطلاق' باب النفقة ۲/۴۴۳ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

عورت کو اپنے گھر میں رکھ چھوڑا اور مطلقہ کرانے کے بعد دس دن تین ماہ جب گزر گئے تو اب اس سے نکاح کر لیا اور نکاح کے بعد کا اس کو حمل بھی رہ گیا اور ان دس دن تین ماہ میں عورت کو تین حیض بھی یقیناً ہو گئے اور اسی عرصہ میں اس سے ہمبستری بھی ہوتا رہا تو اب یہ نکاح جو اس عرصہ کے بعد کیا گیا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۵۵ عبدالرحمن صاحب (گوڑگانوہ) ۲۴ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۰۸) عدت کے اندر ہمبستری تو حرام واقع ہوئی لیکن اگر عورت کو تین حیض آ گئے تو اس شخص کا نکاح جو تین ماہ دس یوم کے بعد ہوا منعقد ہو گیا اور نکاح کے بعد وہ اس کی بیوی ہو گئی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مطلقہ عورت عدت طلاق میں کسی مجبوری کی وجہ سے گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں؟

(سوال) طلاق کی عدت کسی مجبوری سے اس گھر میں پوری نہ کر سکے تو اپنے میکے میں کر سکتی ہے یا نہیں یا اور کوئی صورت اس سے آسان ہے؟ المستفتی نمبر ۱۹۷۱ نیاز محمد خاں (روہتک) ۲۷ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۰۹) اگر اس گھر میں عدت پوری کرنا ممکن نہ ہو تو پھر جس گھر میں منتقل ہو وہی گھر عدت کا گھر ہو جاتا ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ایام عدت کا نفقہ بذمہ شوہر واجب ہے

(سوال) زید اپنی بیوی کے چال چلن سے مشکوک تھا کہ بیٹی والوں کے اصرار پر اس نے بشرائطا اپنی بیوی کو رکھ لیا سب سے اول شرط یہ تھی کہ عورت کو دو سال تک اپنی نیک چلنی کا ثبوت دینا ہو گا اور اس درمیان میں زید کسی قسم کا تعلق خلوت وغیرہ بھی نہیں رکھے گا چنانچہ اس درمیان میں زید کی بیوی اپنا چال چلن ٹھیک نہ رکھ سکی اور ناجائز طریقہ سے حاملہ ہو گئی زید نے اس کو حاملہ پا کر طلاق دیدی تو اب سوال طلب امر یہ ہے کہ جب کہ زید ایک عرصہ سے نہ اپنی بیوی سے بولتا تھا نہ خلوت کرتا تھا تو ایام عدت کے کسی نان و نفقہ دینے کا ذمہ دار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۰۰۱ خدا بخش مولا بخش (بلند شہر) ۵ رمضان ۱۳۵۶ھ ۱۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۱۰) عدت کا نفقہ زید کے ذمہ ہو گا(۳) کیونکہ وہ بہر حال زید کی منکوحہ تھی اور زید کی طلاق کی عدت میں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) اس لئے کہ عدت میں نکاح جائز نہیں ہے قال اللہ تعالیٰ " ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ" (البقرۃ ۲۳۵)

(۲) وتعتد ای معتدۃ طلاق و موت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامہ او تلف مالھا اولا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات فتخرج لا قرب موضع الیہ (الدرالمختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدۃ فصل فی الحداد ۳/۵۳۶ ط سعید کراتشی)

(۳) وتجب لمطلقۃ الرجعی والبائن والفرقۃ بلا معصیۃ (الدرالمختار' کتاب الطلاق' باب النفقۃ ۳/۶۰۹ ط سعید کراتشی)

شوہر کے انتقال کے وقت بیوی جہاں تھی وہیں عدت گزارے!

(سوال) میں نے اپنے لڑکے کی شادی کی تھی ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ لڑکا بیمار ہو گیا اور مر گیا مرنے سے ایک روز قبل اس کی بیوی آگئی لڑکے کی سسرال والوں نے اپنی لڑکی کے لے جانے کا تقاضہ کیا ہم نے بیوی کو نہیں بھیجا ابھی تک عدت کے دن بھی پورے نہیں ہوئے اب پھر وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری لڑکی کو بھیج دو ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ پھر اپنی لڑکی کو نہیں بھیجیں گے اس مسماۃ کا ایک دیور بھی ہے وہ حقدار ہے اور ہم مذہب حنفی ہیں عدت کے درمیان میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۱۱۳ عبدالمجید گنگا پاری (ضلع سہارنپور) ۱۰ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۴ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۱۱) عدت کے اندر عورت کو متوفی شوہر کے مکان میں رہنا لازم ہے(۱) مگر عدت کے بعد وہ اپنے میکے کو جا سکتی ہے اور دیور کا اس پر کوئی حق نہیں ہے وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے دیور کے ساتھ نکاح کرنے پر اس کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا(۲) اس کا مہر خاوند کے ترکہ میں سے ادا کرنا(۳) اور اس کو حصہ میراث دینا واجب ہے(۴) عدت کے اندر نکاح حرام ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جب تک عورت ایسی عمر میں ہے' جس میں حیض آنے کے قابل ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے

(سوال) ایک شخص نے ایک عورت کو ۲۶ جون ۱۹۳۷ء کو طلاق دی اور ۲۶ جولائی ۱۹۳۷ء کو ایک ماہ ہوتا ہے اور ۲۶ اگست ۱۹۳۷ء کو دو ماہ ہوتے ہیں اور ۲۶ ستمبر ۱۹۳۷ء کو تین ماہ ہوتے ہیں یعنی کل ۳ یوم کم تین ماہ ہوئے اور پھر ہندہ کو حیض بھی تین نہیں گزرے چونکہ ہندہ کو حیض تین سال میں آتے ہیں اور ہندہ کی گود میں ایک دس ماہ کا شیر خوار بچہ بھی ہے اس کے لئے جناب والا فرمادیں کہ ہندہ کا نکاح ۳ یوم کم تین ماہ میں ہوا یا نہیں ہوا اور حیض کے لئے بھی مدت جو ہوتی ہے اس میں ۳ یوم کم ہوتے ہیں آیا کہ ان کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۲۰۹ فتح محمد صاحب ریاست جیند ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۱۲) عورت جب کہ قابل حیض ہے (یعنی ابھی اس کی عمر حیض آنے کے قابل ہے) تو اس کی عدت تین حیض ہیں(۶) جب تین حیض آچکیں گے تب عدت ختم ہوگی اور نکاح جائز ہوگا تقضائے عدت

---

(۱) وتعتد ان ای معتدة طلاق و موت فی بیت و جبت فیه ولا یخرجان منه الا ان تخرج او ینهدم المنزل او تخاف انهدامه او تلف مالها (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدة ۳/ ۵۳۶ ط سعید کراتشی)

(۲) قال الله تعالیٰ " فلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن اذا تراضوا بینهم بالمعروف" (البقرة ۲۳۲)

(۳) قال الله تعالیٰ :" وآتوا النساء صدقتهن نحلة " (النساء ۴) مہر کا ادا کرنا شوہر کے ذمہ واجب ہے اور جب اس نے ادا نہیں کیا اور اس کا انتقال ہو گیا تو وہ شوہر متوفی کے ذمہ قرض ہے لہذا مہر کی ادائیگی شوہر کے ترکہ میں سے تقسیم ترکہ سے قبل ضروری ہے' تتعلق بتركة الميت حقوق اربعة مرتبة الاول . يبدأ بتكفينه و تجهيزه من غير تبذير ولا تقصير ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله (السراجي في الميراث ص ۳ ط مجيديه' ملتان)

(۴) قال الله تعالیٰ : " وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والاقربون مما قل منه او كثر نصيبا مفروضا "(النساء ۷)

(۵) لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره و كذلك المعتدة كذافي السراج الوهاج (الفتاوى الهندية' كتاب النكاح' الباب الثالث في بيان المحرمات' القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير ۱/ ۲۸۰ ط ماجديه' كوئٹه)

(۶) وهی فی حق الحرة تحيض لطلاق او فسخ بجميع اسبابه بعد الدخول حقيقة او حكما ثلاث حيض كوامل (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب العدة ۳/ ۵۰۴ ط سعيد كراتشي)

سے پہلے نکاح جائز نہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

عدت کے دوران جو نکاح ہوا وہ صحیح نہیں اور جو بعد میں ہوا وہ صحیح ہے

(سوال) مسماۃ بتول کو اس کے شوہر نے تین طلاق تحریری کاغذ ایک روپیہ پر دیدی تھی بعد عدت وہ میرے نکاح میں آگئی اب عرصہ ڈیڑھ ماہ کا ہوا کہ وہ میرے یہاں سے پھر شوہر اول فتح محمد کے پاس چلی گئی اور بغیر طلاق اور بغیر نکاح کے وہ اس کے پاس ہے اور مسماۃ بتول کے لڑکا ایک سالہ گود میں ہے بعد بچہ ہونے کے مسماۃ مذکور کے ایام حیض عرصہ ڈھائی تین سال کے بعد آیا کرتے ہیں جس وقت مجھ سے نکاح ہوا اس کو طلاق کے وقت سے عرصہ تین ماہ ہو چکا تھا یعنی عدت طلاق تین ماہ ہو چکے تھے لہذا وہ عورت میرے نکاح میں ہے یا نہیں اور میرا نکاح درست ہے یا نہیں اب اس کا شوہر اول فتح محمد یہ کہتا ہے کہ میں اس کو روزینہ دیتا ہوں اور اپنے بچوں کی پرورش کراتا ہوں کیا بغیر میری رضامندی وہ اپنے بچوں کی پرورش کرا سکتا ہے یا نہیں ؟ **المستفتی نمبر ۲۲۲۴** نظیر خاں سپاہی ریاست جیند ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۵ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۱۳) عدت تین حیض آنے سے پوری ہوتی ہے (۲) اگر شوہر اول کی طلاق کے بعد تین حیض آچکے تھے تو تمہارا نکاح درست ہو گیا تھا اور اس صورت میں شوہر اول کو یہ حق نہیں کہ وہ اس عورت کو تمہاری اجازت کے بغیر بچوں کی پرورش کے لئے رکھ سکے لیکن اگر شوہر اول کی طلاق کے بعد اس کو تین حیض نہیں آئے تھے کہ تم نے نکاح کر لیا تو وہ نکاح عدت میں ہونے سے ناجائز ہوا (۳) تمہیں لازم ہے کہ اسے علیحدہ کر دو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

عدت کے بارے میں ایک جواب پر اشکال اور اس کا جواب

(سوال) ہندہ سے خلوت صحیحہ واقع ہو چکی ہے بعد کو بوجہ ناچاقی ہندہ اپنے والدین کے گھر مقیم رہی پورے تین برس میں ہندہ کو خاوند نے مس تک نہیں کیا اور تین برس کے عرصہ میں ہندہ سے کوئی اولاد ہوئی بعد تین برس ہندہ کو طلاق دے دی تو جناب نے ہندہ پر تین حیض عدت واجب قرار دی اور علت عدت حضور نے اظہار حزن و سوگ تحریر فرمائی۔ جواباً گزارش ہے کہ صورت مذکورہ میں ہندہ تو قید سے آزاد ہوئی

---

(۱) اما نکاح منکوحة الغیر و معتدته ...... فلم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا (هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدة' مطلب فی النکاح الفاسد و الباطل ۳/۵۱۶ ط سعید کراتشی)

(۲) وهی فی حق حرة ولو کتابیة تحت مسلم تحیض لطلاق ولو رجعیا او فسخ بجمیع اسبابه...... بعد الدخول حقیقة او حکما ثلاث حیض کوامل (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدة ۳/۵۰۴ ط سعید کراتشی)

(۳) اما نکاح منکوحة الغیر و معتدته..... فلم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا (هامش رد المحتار کتاب الطلاق' باب العدة' مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ۳/۵۱۶ ط سعید کراتشی) وقال فی الهندیة' لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیرہ و کذا المعتدة هکذا فی السراج الوهاج (الفتاوی الهندیة' کتاب النکاح' الباب الثالث فی بیان المحرمات' القسم السادس المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر ۱/۲۸۰ ط مکتبه ماجدیه' کوئٹه)

کیونکہ خاوند نے تین برس نان ونفقہ وغیرہ تک ایک کوڑی بھی نہیں دی تو یہ تفرقہ ہندہ کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے اور مژدہ نجات ۔ تو اب حزن وسوگ کا اظہار خلاف عقل وخلاف قیاس ہے علت تحریر کردہ جناب کی مقصود ہے لہذا معلول کا مفقود ہونا اظہر من الشمس ہے اس لئے وجوب عدت غلط ہے۔

المستفتی نمبر ۲۶۲۴ شیر محمد عباسی ۲۵ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ ۲ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ٤١٤) میرے پہلے جواب کی نقل آپ بھیجتے تو میں دیکھتا کہ میرے پورے جواب کا مطلب کیا تھا۔ غالباً آپ نے یہ لکھا ہوگا کہ عدت کا تقرر براءت رحم کے لئے ہوا ہے پس جب کہ ایسی صورت ہو کہ علوق کا شبہ نہ ہو مثلاً عورت کئی سال سے خاوند سے جدا ہو تو اس پر عدت واجب نہ ہونی چاہئیے اس کے جواب میں غالباً میں نے لکھا ہوگا کہ وجوب عدت کے صرف یہی وجہ نہیں ہے کہ براءت رحم معلوم ہو جائے بلکہ عدت واجب ہونے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ براءت رحم معلوم ہو جائے اور یہ بھی کہ نکاح کا تعلق جو ایک فطری تعلق اور نظام عالم کی بقاء وترقی کا کفیل ہے اور دوام کا مستحق ہے اور جب یہ منقطع ہو تو موجب افسوس ہے یہ انقطاع اگر شوہر کی موت کی وجہ سے ہو تو زوجہ پر خواہ وہ صغیرہ یا آئسہ ہو سوگ بھی لازم ہے اور طلاق کی وجہ سے ہو تو جب بھی فی حد ذاتہ افسوس اور اظہار حزن کا موجب ہے[1] اگرچہ خاص حالات میں خاص عورت کے لئے یہ قطع تعلق موجب مسرت اور سبب نجات ہی ہو گیا ہو چونکہ اصل فطرت کے تقاضے اور اس کے موجبات کلیہ کے موافق احکام وضع کئے جاتے ہیں جزئیات کی خصوصیات کا لحاظ نہیں کیا جاتا اس لئے حکم کلی یہ ہے کہ مدخولہ عورت کو جب طلاق دی جائے تو اس کو تین حیض کی عدت گزارنی ہوگی اور اس حکم کلی کی دلیل اور علت یہ آیت ہے **والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلثة قروء**[2] اور مطلقہ غیر مدخولہ کو اس حکم سے دوسری آیت نے علیحدہ کر دیا ہے وہ یہ ہے۔ **اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لکم علیهن من عدة تعتدونها**[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

جس عورت کو طویل عرصے سے حیض نہ آتا ہو' اس کو امام مالکؒ کے مسلک پر عمل جائز ہے یا نہیں ؟

(سوال) ایک عورت تیس سال عمر والی جس سے تین بچے بھی پیدا ہوئے دو برس سے حیض اس کا منقطع ہو گیا پھر شوہر نے تین طلاقیں دیدیں اس صورت میں بقول امام مالکؒ تین مہینے عدت کر کے زوج ثانی اختیار کر لیا تھا پھر زوج ثانی کو طلاق دیئے ہوئے نو دس مہینے گزر گئے بلکہ کچھ زائد مگر ہنوز انقطاع حیض حال ہے

---

(۱) تحد مکلفة مسلمة ولو امة مکوحة بنکاح صحیح ...... ' وان امرها المطلق اوالمیت بترکه لانه حق الشرع اظهار التاسف علی فوات النکاح (الدر المختار مع هامش رد المحتار ' کتاب الطلاق ' باب العدة ۳/ ۵۳۰ ط سعید کراتشی)
(۲) البقرة ۲۲۸
(۳) الاحزاب ٤٩

اب بقول امام مالکؒ اس عورت کا نکاح زوج اول کے واسطے حلال ہو گیا یا نہ اور حنفیہ کو بنا بر ضرورت و مجبوری بقول امام مالکؒ فتویٰ اس مسئلہ میں دینا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۶۳۴ محمد عبدالواحد صاحب (اکیاب) ۵ رجب ۱۳۵۹ھ ۱۰ اگست ۱۹۴۰ء

(جواب ٤١٥) ممتدۃ الطہر کی عدت امام مالکؒ کے نزدیک نو مہینے یا ایک سال گزرنے سے پوری ہوتی ہے مشہور قول نو مہینے کا ہے(۱) اور سائحانی نے تصریح کی ہے کہ امام مالکؒ کے مقلدین کے نزدیک معتمد یہ ہے کہ ایک سال میں عدت پوری ہوگی (۲) پس صورت مذکورہ میں تین مہینے کے بعد جو نکاح کیا وہ قطعا عدت کے اندر ہوا پس یہ عورت زوج اول کے لئے حلال نہیں ہوئی۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عدت پوری ہونے میں اگر ایک دن بھی باقی ہو' تب بھی نکاح جائز نہیں

(سوال) ہندہ بیوہ کا شوہر مورخہ ٦ بھادوں و ۲۷ رجب ۱۳۶۰ھ کو صبح صادق کے ساتھ واہر و ملک بقا ہوا (اور اہل دیہات عموماً تاریخ ولادت و وفات لکھنے کے عادی نہیں صرف تخمینہ سے کام لیا کرتے ہیں البتہ سرکاری چوکیدار لکھوا لیتے ہیں مگر ان کا اثبات بھی قابل اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ بسا اوقات وہ بجہت بعض اغراض مقدم مؤخر لکھوا لیتے ہیں) اور شب ششم ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ میں زید نکاح خواں نے ورثاء ہندہ مذکور کے بتلانے پر تخمیناً مدت وفات مکمل خیال کرتے ہوئے ہندہ کا عقد نکاح عمرو کے ساتھ روبروئے بکر و خالد شاہدین کر دیا اور ہندہ غیر حامل ہے جس کے بعد دوسرے دن خویلد نکاح خواں ثانی نے جو زید نکاح خواں کا مخالف ہے علی الاعلان کہا کہ یہ نکاح فاسد ہے کیونکہ مدت عدت میں کیا گیا ہے بلکہ زید و بکر و خالد و غیرہم کے اپنے نکاح بھی فاسد ہو گئے لہذا زید وغیرہ کی امامت و دیگر معاملات دینی ناجائز ہیں چنانچہ اس نے زید

---

(۱) وان لم تميز او تاخر بلا سبب او مرضت تربصت تسعة اشهر ثم اعتدت بثلاثة كعدة من لم تحض (مختصر الشيخ خليل) وقال في شرحه جواهر الاكليل (تربصت) اى تاخرت (تسعة اشهر) استبراء على المشهور لزوال الريبة لانها مدة الحمل غالبا وهل تعتبر من يوم الطلاق او من يوم ارتفاع حيضها قولا ن (ثم اعتدت بثلاثة) اشهر حرة كانت اوامة و حلت بتمام السنة...... و قيل التسعة عدة ايضا والصواب انه خلاف لفظي (جواهر الاكليل شرح مختصر الشيخ خليل للشيخ صالح عبدالسميع الازهري' باب في العدة وما يتعلق بها ۳۸۵/۱ ط دار المعرفة بيروت) كذافي بداية المجتهد' كتاب الطلاق' بحث التي تطلق ولا تحيض وهي في سن الحيض ٤٠٤/٤)

(۲) و خرج بقوله ولم تحض الشابة الممتدة بالطهر بان حاضت ثم امتد طهرها' فتعتد بالحيض الى ان تبلغ سن الاياس جوهرة و غير ها وما في شرح الوهبانية من انقضائها بتسعة اشهر غريب مخالف بجميع الروايات فلا يفتى به...... نعم لوقضى مالكي بذلك نفذ كما في البحر والنهر (درمختار) وقال في الرد' و رايت بخط شيخ مشايخنا السائحاني ان المعتمد عند المالكية انه لا بدلو فاء العدة من سنة كاملة تسعة اشهر لمدة الاياس وثلاثة اشهر لانقضاء العدة (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب العدة ٥٠٨/٣ ط سعيد كراتشي)

(قلت) فان ارتفع الحيض عنها (قال) تنتقل الى عدة السنة كما وصفت لك تسعة اشهر من يوم انقطع الدم عنها ثم ثلاثة اشهر و عدتها من الطلاق انما هى الاشهر الثلاثة التى بعد التسعة والتسعة انما هى استبراء (قلت) وهذا قول مالك قال نعم (قلت) ارايت اذا طلق الرجل امراته و مثلها تحيض فارتفعت حيضتها قال قال مالك تجلس سنة من يوم طلقها زوجها فاذا مضت سنة فقد حلت (المدونة الكبرى للامام مالك' كتاب العدة و طلاق السنة' باب ماجاء في عدة المرتابة والمستحاضة ٤٢٦/٢ ط دار صادر بيروت)

(۳) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة او ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها والاصل فيه قوله تعالى : فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره' والمراد الطلقة الثالثة (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة' فصل فيما تحل به المطلقة ۳۹۹/۲ ط مكتبه ماجديه' كوئٹه)

وغیرہ پر عمداً ایسا کرنے کا بہتان لگا کر کسی عالم سے فتویٰ بھی اس مضمون کا منگایا ہے اس پر تحقیقات بالغہ کے بعد ہم کو یہی معلوم ہوا کہ زید نے جو نکاح ہندہ کا عمرو کے ساتھ کیا ہے وہ اس کے شوہر کے وقت وفات سے لیکر "۴ ماہو ۹ نوروز" اسلامی پر واقع و منعقد ہوا ہے یعنی ایک دن یا کم وپیش وفات میں سے باقی رہتا تھا جو سہواً خطا پر محمول ہے لہذا آپ فرمائیں کہ یہ عقد ہندہ کا عمرو کے ساتھ صحیح ہے یا فاسد اگر فاسد ہے تو کیوں حالانکہ چار ماہ مکمل اور عشرہ کا اکثر حصہ بھی گزر چکا تھا اور یہ قضیہ ہمارے علمائے احناف کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ للاکثر حکم الکل۔

نیز یہ حکم فساد مذکورہ میں وما جعل علیکم فی الدین من حرج کے خلاف معلوم ہوتا ہے نیز فرمائیں کہ زید وبکر وخالد وغیرہم کے نکاح بھی فاسد ہو گئے یا نہیں اگر فاسد ہو گئے ہیں تو کیوں آیا یہ حکم فساد آیت من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان (۱) اور لیس علیکم جناح فیما اخطاتم بہ و لکن ما تعمدت قلوبکم (۲) کے خلاف نہیں یعنی شریعت محمدی ﷺ کے اندر مسلمان کے نکاح صحیح میں بغیر طلاق صریح وکنایہ کے فساد تب عارض ہوتا ہے کہ اس سے بلاجبر واکراہ غیر برضاء دل کلمہ کفر سرزد ہو یا ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار باہوش وحواس اس سے پایا جائے والا قلا کیونکہ امت مرحومہ کے مکرہین وخاطئین بآیات مذکورہ بالا معاف ہیں۔ المستفتی نمبر ۲۱۰۷ چودھری لال دین ولد شہاب (لائل پور) ۹ محرم ۱۳۶۱ھ م ۲۷ جنوری ۱۹۴۲ء

(جواب ٤١٦) (۱) اگر عدت پوری ہونے میں ایک دن کی کمی رہی تو نکاح نہیں ہوا کیونکہ چار مہینے دس دن کی عدت قرآن مجید کی صریح نص میں ہے (۳) حدود مقررہ منصوصہ میں للاکثر حکم الکل کا قاعدہ جاری نہیں ہوتا چار رکعت والی نماز تین رکعتیں پڑھ لینے سے ادا نہیں ہوگی رمضان کے بیس پچیس روزے رکھ لینے سے فریضہ صیام ادا نہ ہوگا تین حیض والی عدت دو حیض آنے پر پوری نہ ہوگی چار مہینے دس دن کی عدت چار مہینے نو دن سے پوری نہ ہوگی اور ان احکام میں سے کسی میں ما جعل علیکم فی الدین من حرج کی مخالفت لازم نہیں آتی دین کا مسئلہ یہ ہے کہ متوفی عنہا زوجہا غیر حاملہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس سے کم مدت میں نکاح پڑھا دینا دین کا مسئلہ ہی نہیں لہذا آیت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

زید وبکر' خالد (یعنی نکاح خواں وشاہدین) کے نکاح فاسد نہیں ہوئے خویلد کا یہ کہنا کہ ان لوگوں کے نکاح فاسد ہو گئے غلط ہے ان لوگوں نے غلطی سے ناتمام مدت کو کامل عدت سمجھا اور اپنے خیال میں معتدۃ کا نکاح نہیں پڑھایا بلکہ غیر معتدۃ کا پڑھایا ہے اس غلطی کے ارتکاب سے ان کے ایمان میں خلل آیا نہ

---

(۱) النحل : ۱۰۶

(۲) الاحزاب : ۵

(۳) قال اللہ تعالیٰ : " والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر و عشر فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف" (البقرة : ۲۳٤)

ان کے نکاح فاسد ہوئے(۱) ہاں ہندہ اور عمرو ناکح پر تجدید نکاح واجب ہے وہ از سر نو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں ۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

شوہر سے الگ رہنے کے باوجود ' مدخولہ پر طلاق کے بعد عدت لازم ہے

(سوال) متعلقہ ضرورت عدت

(جواب ۴۱۷) طلاق کے بعد عورت پر عدت لازم ہے' چاہے وہ کتنی ہی مدت سے خاوند سے جدا ہو ۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

(جواب دیگر ۴۱۸) اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت حمل وضع ہونے تک ہے(۴) اور حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت تین حیض آنے تک ہو گی(۵) عدت ختم ہونے سے پہلے دوسرا نکاح نہیں کر سکتی(۶) اور زینت کی چیزوں زیور اور کپڑے سرخ و زرد کا استعمال نہ کرے ۔(۷) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

انقضائے عدت سے پہلے نکاح کرنا حرام ہے

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی یوم طلاق سے بارہویں دن عورت نے عقد ثانی کرلیا یہ عقد جائز ہے یا نہیں اور اس صورت میں شوہر مذکور اس عورت کو حقوق شوہری ادا کرنے پر مجبور کر سکتا ہے ؟

(جواب ۴۱۹) اگر یہ عورت جسکو طلاق دی گئی مدخولہ ہے یعنی خاوند اس سے صحبت یا خلوت کر چکا ہے اور حاملہ نہ تھی تو اس کی عدت تین حیض آنے کے بعد ختم ہوتی(۸) حاملہ کی عدت وضع حمل ہوتی

---

(۱) ولیس علیکم جناح فیما اخطاتم بہ ولکن ما تعمدت قلوبکم وکان اللہ غفوراً رحیما' (الاحزاب ۵)

(۲) اس لئے کہ عدت میں کیا گیا نکاح باطل ہے' اما نکاح منکوحۃ الغیر و معتدتہ...... فلم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا' (ہامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدۃ' مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ۳/۵۱۶ ط سعید)

(۳) قال اللہ تعالی :" یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا لعدۃ" (الطلاق : ۱)

(۴) قال اللہ تعالی " واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن " (الطلاق ۴) (و فی حق الحامل مطلقا..... وضع جمیع حملھا (الدرالمختار مع ہامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدۃ ۳/۵۱۱ ط سعید کراتشی)

(۵) قال اللہ تعالی " والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء " (البقرۃ ۲۲۸) وھی فی حق حرۃ .....تحیض...." ثلاث حیض کوامل (الدر المختار مع ہامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدۃ ۳/۵۰۴ ط سعید)

(۶) قال اللہ تعالی :" ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ (البقرۃ ۲۳۵)

(۷) تحد مکلفۃ مسلمۃ .... اذا کانت معتدۃ بت او موت بترک الزینۃ بحلی او حریرا وامتساط بضیق الانسان و الطیب والدھن والکحل و لبس المعصفر والمزعفر (تنویر الابصار و شرحہ مع ہامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدۃ' فصل فی الحداد ۳/ ۵۳۰ - ۵۳۱ ط سعید کراتشی)

(۸) وھی فی حق حرۃ.... تحیض ..... ثلاث حیض کوامل (الی ان قال) ان وطئت فی الکل ولو حکما کالخلوۃ (درمختار) وقال فی الرد (قولہ فی الکل) یعنی ان التقیید بالوطء شرط فی جمیع ما مر عن مسائل العدۃ بالحیض والعدۃ بالاشہر (ہامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب العدۃ ۳/ ۵۰۴' ۵۰۹ ط سعید کراتشی)

ہے (۱) انقضائے عدت سے پہلے نکاح کرنا حرام ہے (۲) اگر عدت کے اندر نکاح کیا گیا ہو تو اس کو فسخ کرنا واجب ہے اور جدید شوہر حقوق زوجیت ادا کرنے پر عورت کو مجبور نہیں کر سکتا (۳) انقضائے عدت کے بعد تجدید نکاح لازم ہے۔ اور اگر مطلقہ عورت غیر مدخولہ اور غیر خلوت شدہ تھی تو اس کے ذمہ کوئی عدت نہیں تھی (۴) اور اس کا نکاح درست ہو گیا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مدخولہ عورت پر طلاق کے بعد عدت گزارنی ضروری ہے اگرچہ وہ سال بھر شوہر سے الگ رہی ہو

(الجمعیۃ مورخہ ۲ نومبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور بکر نے اگلے ہی روز نکاح پڑھوالیا اور عدت تین ماہ دس دن پوری نہیں کی زوجہ زید ایک سال سے اپنے باپ کے ہاں بیٹھی تھی اور اپنے شوہر کے ہاں جانا نہیں چاہتی تھی اس واسطے شوہر نے مجبوراً طلاق دی اور طلاق نامہ لکھ دیا کیا زبان سے بھی تین مرتبہ طلاق دینا ضروری ہے؟ اور جس شخص نے نکاح پڑھایا اور گواہان کے نکاح میں کچھ فرق آیا یا نہیں؟ اور بکر جو مطلقہ کا شوہر بنا ہے اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

(جواب ۴۲۰) اگر زید کی بیوی مدخولہ تھی یا اس کے ساتھ خلوت ہو چکی تھی تو اس پر عدت لازم تھی (۵) اس کا کچھ اعتبار نہیں کہ وہ سال بھر سے ماں باپ کے یہاں بیٹھی تھی اس صورت میں دوسرا نکاح عدت کے اندر ہوا اور ناجائز و حرام ہوا (۶) مگر نکاح پڑھانے والے اور گواہوں کے نکاح نہیں ٹوٹے ہاں اگر ان کو یہ معلوم تھا کہ عورت معتدہ ہے تو وہ سب گناہ گار ہوئے ان کو توبہ کرنی چاہئیے (۷) اور شوہر ثانی بکر کو لازم ہے کہ وہ اس عورت کو فوراً علیحدہ کر دے اور جب عدت ختم ہو جائے تو پھر از سر نو نکاح پڑھائے طلاق دینے لکھ دینے سے بھی طلاق ہوتی ہے اگر خاوند اپنے ہاتھ سے طلاق لکھے یا اس کے کہنے سے کوئی اور لکھے

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ " واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (الطلاق ٤) وفی حق الحامل مطلقا..... وضع جمیع حملھا (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدۃ ۳ / ۵۱۱ ط سعید کراتشی)

(۲) اما نکاح منکوحۃ الغیر و معتدتہ..... فلم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا (ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدۃ' مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ۳ / ۵۱٦ ط سعید کراتشی)

(۳) اس لئے کہ دونوں کے درمیان میں نکاح ہی منعقد نہیں ہوا' قال اللہ تعالیٰ ' ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ (البقرۃ ۲۳۵)

(٤) قال اللہ تعالیٰ " یا ایھا الذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا فمتعوھن و سرحوھن سراحا جمیلا" (الاحزاب ٤۹)

(۵) قال اللہ تعالیٰ " والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء (البقرۃ ۲۲۸) و سبب وجوبھا عقد النکاح المتا کد بالتسلیم وما جری مجراہ من موت او خلوۃ ای صحیحۃ (درمختار) وقال فی الرد (قولہ بالتسلیم) ای بالوطء (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدۃ ۳ / ٥٠٤ ط سعید کراتشی)

(٦) اما نکاح منکوحۃ الغیر و معتدتہ........فلم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا (ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب العدۃ' مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ۳ / ۵۱٦ ط سعید کراتشی)

(۷) قال اللہ تعالیٰ " الم یعلموا ان اللہ ھو یقبل التوبۃ عن عبادہ و یاخذ الصدقات وان اللہ ھو التواب الرحیم (التوبۃ ۱۰٤) وورد فی الحدیث الشریف: قال رسول اللہ ﷺ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ)(رواہ ابن ماجۃ' باب ذکر التوبۃ ص ۳۲۳ ط میر محمد کراتشی)

تو پھر زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عدت وفات چار ماہ دس دن ہے' اس سے پہلے جو نکاح ہوا ہے وہ باطل ہے

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک شخص مسمی درازخاں مورخہ ۳ مئی ۱۹۲۶ء کو فوت ہوا اس کی بیوہ مسماۃ حوا کا مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۲۶ء کو دوسرا عقد پڑھادیا گیا کیا یہ نکاح صحیح ہوا اگر ناجائز ہے تو کیا عدت ختم ہونے کے بعد دوبارہ نکاح پڑھانے کی ضرورت ہے کیا اس ناجائز نکاح کو پڑھادینے کا ذمہ دار قاضی بھی ہے ؟

(جواب ۴۲۱) عدت وفات (اگر زوجہ متوفی حاملہ نہ ہو) چار ماہ دس روز ہے(۲) اور صورت مسئولہ میں چار ماہ دس روز پورے ہونے سے پہلے نکاح پڑھایا گیا ہے پس عدم وضع حمل کی صورت میں یہ نکاح اندرون عدت ہوا اور ناجائز ہوا(۳) بعد انقضائے عدت تجدید نکاح لازم ہے اس ناجائز نکاح کی ذمہ داری عورت پر اور ان لوگوں پر ہے جن کو عدت پوری نہ ہونے کا علم تھا اور وہ نکاح میں ساعی اور شریک ہوئے اگر قاضی نکاح خواں کو بھی اس امر کا علم تھا تو وہ بھی گناہ میں شریک ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ غفرلہ'

حاملہ عورت کی عدت بچہ کی پیدائش سے پوری ہوتی ہے اگرچہ شوہر کا انتقال ہو گیا ہو

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید کی عورت کے کسی سے ناجائز تعلقات ہیں اسی زمانہ میں زید کا انتقال ہو گیا بکر نے بعد انتقال زید کے میعاد عدت گزرنے کے بعد اس عورت سے عقد کر لیا بعد عقد ہو جانے کے معلوم ہوا کہ عورت حاملہ تھی تو ایسی حالت میں نکاح جائز ہوا یا نہیں ؟

(جواب ۴۲۲) جب عورت زید کے نکاح میں تھی اور زید کی وفات کے وقت حاملہ تھی تو اس کی عدت چار ماہ دس روز نہ تھی بلکہ وضع حمل اس کی عدت تھی(۵) پس حالت حمل میں جو نکاح ہوا وہ ناجائز ہوا بعد وضع حمل تجدید نکاح کرنا ضروری ہے کیونکہ معتدۂ غیر سے عدت کے اندر نکاح کرنا حرام ہے۔(۶)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) کتب الطلاق ان مستبینا علی نحو لوح وقع ان نوی (درمختار) وقال فی الرد' ولو قال للکاتب اکتب طلاق امراتی کان اقرار بالطلاق وان لم یکتب ولو استکتب من آخر کتابا بطلاقہا و قراہ علی الزوج فاخذہ الزوج و ختمہ و عنونہ و بعث بہ الیہا فاتاہا وقع ان اقرالزوج انہ کتابہ' (ھامش رد المحتارمع الدرالمختار' کتاب الطلاق مطلب فی الطلاق بالکتابۃ ۳ '۲۴۶ ط سعید کراتشی)

(۲) قال اللہ تعالی : والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن بانفسہن اربعۃ اشہر و عشرا (البقرۃ ۲۳۴)

(۳) اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ ..... فلم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا (ھامش رد المحتار ' کتاب الطلاق' باب العدۃ' مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ۳ '۵۱۶ ط سعید کراتشی)

(۴) قال اللہ تعالی : ولیس علیکم جناح فیما اخطا تم بہ ولکن ما تعمدت قلوبکم وکان اللہ غفورا رحیما (الاحزاب ۵)

(۵) قال اللہ تعالی واولات الاحمال اجلہن ان یضعن حملہن (الطلاق ۴)

(۶) لایجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ وکذا المعتدۃ ہکذا فی السراج الوہاج (الفتاوی الہندیۃ' کتاب النکاح' الباب الثالث فی بیان المحرمات' القسم السادس المحرمات التی یتعلق بہا حق الغیر ۱ / ۲۸۰ ط ماجدیہ کوئٹہ)

زانیہ عورت اگر شوہر والی نہ ہو‘ تو اس پر کوئی عدت لازم نہیں

(الجمعیۃ مورخہ یکم اگست ۱۹۲۸ء)

(سوال) ایک طوائف نے توبہ کی اور نکاح کیا اور عدت میں نہیں بیٹھی اس کا نکاح درست ہوا یا نہیں ؟

(جواب ۴۲۳) اگر یہ طوائف ناجائز پیشہ کرتی تھی اور کسی کی منکوحہ نہ تھی تو اس پر توبہ کے بعد کوئی عدت لازم نہ تھی(۱) توبہ کرتے ہی فوراً نکاح کر لینا جائز تھا۔(۲) محمد کفایت اللہ غفرلہ‘

ایک عورت کو دو سال سے حیض نہیں آیا‘ اس کی عدت کیسے پوری ہوگی؟

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جون ۱۹۳۸ء)

(سوال) عورت مرضعہ کو جس کا شیر خوار بچہ ابھی پانچ ماہ کا ہے اس کے شوہر نے طلاق دیدی ہے اور عورت کو دو سال تک ایام رضاعت قبل ازیں بھی کبھی حیض نہیں آیا کیا عورت مذکورہ کی عدت حیض سے ہوگی یا مہینوں سے ؟

(جواب ۴۲۴) اس عورت کی عدت حیض سے ہی ہوگی مہینوں سے نہیں ہوگی۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مطلقہ عورت کو شوہر کے گھر میں عدت گزارنی لازم ہے

(سوال) ایک عورت اپنے شوہر سے طلاق لیکر بغرض عدت گزارنے کے اپنے ورثا کے پاس محض اس وجہ سے نہیں جانا چاہتی کہ ان کا رویہ درست نہیں ورثا میں عورت کی دادی اور باپ ہیں‘ طلاق کی عدت شوہر کے گھر گزارنا واجب ہے یا جہاں جی چاہے ؟ المستفتی منشی محمد احسان اللہ‘ باڑہ ہندوراؤ‘ دہلی

(جواب ۴۲۵) مطلقہ پر شرعاً لازم ہوتا ہے کہ عدت خاوند کے مکان میں گزارے(۴) البتہ اگر طلاق بائن یا مغلظہ ہو تو خاوند سے پردہ کرنا ضروری ہے اور اگر طلاق رجعی ہو تو پردہ ضروری نہیں۔(۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘ دہلی الجواب صحیح۔ محمد مظہر اللہ غفرلہ‘ امام مسجد فتح پوری‘ دہلی

---

(۱) ولا تجب العدة علي الزانية وهذا قول ابی حنيفة و محمد كذافی شرح الطحاوی (الفتاویٰ الهندية‘ كتاب الطلاق‘ الباب الثالث عشر في العدة ۱/۵۲٦ ط ماجديه‘ كوئنه)

(۲) (قوله فلا عدة لزنا) بل يجوز تزوج المزنی بها وان كانت حاملاً لكن يمنع عن الوطء حتی تضع والا فيندب له الاستبراء (هامش رد المحتار مع الدر المختار‘ كتاب الطلاق‘ باب العدة ۳/۵۰۳ ط سعيد كراتشی)

(۳) والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء (البقرة ۲۲۸) والعدة فی حق من لم تحض.... بان بلغت سن الاياس او بلغت بالسن وخرج بقوله ولم تحض الشابة الممتدة بالطهر بان حاضت ثم امتد طهر ها فتعتد بالحيض الی ان تبلغ سن الاياس جوهرة وغيرها (الدر المختار‘ مع هامش رد المحتار كتاب الطلاق‘ باب العدة ۳/۵۰۷‘ ۵۰۸ ط ماجديه‘ كوئنه)

(٤) وتعتدان ای معتدة طلاق و موت فی بيت وجبت فيه ولا يخرجان منه الا ان تخرج او ينهدم المنزل اوتخاف انهدامه او تلف مالها (الدر المختار مع هامش رد المحتار‘ كتاب الطلاق‘ باب العدة ۳/۵۳٦ ط سعيد كراتشی)

(۵) (قوله ای معتدة طلاق وموت) قال فی الجوهرة هذا اذا كان الطلاق رجعيا فلو بائنا فلا بدمن سترة الا ان يكون فاسقا فانها تخرج‘ فافا دان مطلقة الرجعی لاتخرج ولا تجب سترة ولو فاسقا لقيام الزوجية بينهما ولان غايته انه اذا وطئها صار مرجعا (هامش ردالمحتار مع الدرالمختار‘ كتاب الطلاق‘ باب العدة ۳/۵۳٦ ط سعيد كراتشی)

زمانہ عدت کا نفقہ شوہر پر لازم ہے

(سوال) ایک شخص اپنی عورت کو طلاق دے دیتا ہے اور پھر امدادی طور پر زمانہ عدت میں اس کے گزارے کا انتظام اپنی نگرانی میں کرنا چاہتا ہے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے ؟ المستفتی منشی محمد احسان اللہ باڑہ ہندو راؤ دہلی

(جواب ۴۲۶) عدت کے زمانہ کا نفقہ تو خاوند کے ذمہ واجب ہے اس کو دینا لازم ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی الجواب صحیح محمد مظہر اللہ غفر لہ' امام مسجد فتح پوری دہلی

سولھواں باب

حضانت

بچوں کا حق پرورش اور نان و نفقہ

(سوال) (۱) بعد طلاق ایک سالہ لڑکی کا مالک لڑکی کا باپ ہے یا اس کی ماں ؟

(۲) لڑکی اگر ماں کے پاس رہے تو اس کے صرفہ خوراک و پوشاک و عقیقہ کے خرچ کا ذمہ دار تا سن بلوغت اس لڑکی کا باپ ہو گا یا نہیں ؟

(۳) لڑکی کس عمر تک بالغ سمجھی جائے گی ؟

(جواب ۴۲۷) (۱) لڑکی یا لڑکا بعد ان کی ماں کے طلاق دیئے جانے کے والد کے ہیں لیکن ماں کو حق پرورش حاصل ہے(۲) اور لڑکی کی بالغ ہونے تک ماں کے پاس رہ سکتی ہے بشرطیکہ لڑکی کے غیر محرم سے نکاح نہ کرلے(۳) اور کسی دوسری وجہ سے بھی اسکا حق پرورش ساقط نہ ہو جائے۔

(۲) بیشک لڑکی کے مصارف نفقہ باپ کے ذمہ ہوں گے۔(۴)

(۳) جب کہ لڑکی کو حیض آنے لگے یا احتلام ہو جائے یا حمل ہو جائے یا بصورت عدم ظہور ان علامات کے

---

(۱) وتجب لمطلقة الرجعة والبائن والفرقة بلا معصية .... النفقة والسكنى والكسوة وان طالت المدة (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب العدة ۳/ ۶۰۹ ط سعيد كراتشى)

(۲) عن عبدالله بن عمرو ان امراة قالت يارسول الله ان ابني هذا كان بطني له وعاء و ثديي له سقاء و حجري له حواء وان اباه طلقني واراد ان ينتزعه مني فقال لها رسول الله ﷺ انت احق به مالم تنكحي (رواه ابوداؤد في سننه' كتاب الطلاق' باب من احق بالولد ۱/ ۳۱۰ ط سعيد كراتشى)

(۳) والام والجدة لام او لاب احق بالصغيرة حتى تحيض اى تبلغ في ظاهر الرواية (تنوير الابصار و شرحه مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق باب الحضانة ۳/ ۵۶۶ ط سعيد كراتشى) یہ ظاہر الروایۃ ہے اس روایت کے تحت لڑکی اپنی والدہ کے پاس سن بلوغت تک رہے گی لیکن مفتی بہ قول امام محمد سے مروی ہے وہ یہ ہے کہ لڑکی نو سال کی عمر تک اپنی والدہ کے پاس رہے گی جب نو سال کی ہو جائے تو باپ کو حق ہے کما فی تنوير الابصار و شرحه (وعن محمد ان الحكم في الام والجدة كذلك و به يفتى لكثرة الفساد (درمختار) وقال في الرد (قوله به يفتى) قال في البحر بعد نقل تصحيحه والحاصل ان الفتوى على خلاف ظاهر الرواية (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/ ۵۶۷ ط سعيد كراتشى) وقال في الدر' والحاضنة يسقط حقها بنكاح غير محرمه اى الصغير (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق ' باب الحضانة ۳/ ۵۶۵ ط سعيد كراتشى)

(۴) و نفقة الاولاد الصغار على الاب لا يشاركه فيها احد كما لا يشاركه في نفقة الزوجة لقوله تعالى " و على المولود له رزقهن " والمولود له الاب (الهداية' كتاب الطلاق' باب النفقة ۲/ ۴۴۴ ط شركة علميه ملتان)

نہ پندرہ سال کی پوری ہو جائے۔(۱)

گذشتہ سالوں کا نفقہ بغیر قضائے قاضی یا بغیر رضائے شوہر واجب نہیں

(سوال) ہندہ بزمانہ حمل خود کو مطلقہ ہونا بیان کرتی ہے بعد وضع حمل لڑکا پیدا ہوا اب بچہ کے باپ زید سے ہندہ کا باپ یعنی بچہ کا نانا اس کے خرچ پرورش کا دعویٰ کرتا ہے کیا اس کو موجودگی ہندہ بذات خود حق دعویٰ حاصل ہے ؟بینوا توجروا

(جواب ۴۲۸) نانا نے نواسے پر جو کچھ بلا حکم قاضی یا رضائے والد خرچ کیا ہے وہ تبرع سمجھا جائے گا نانا کو یہ حق نہیں کہ نواسے کے والد سے اپنے خرچ کو وصول کرے یا اس کا دعویٰ کرے والنفقة لا تصير دينا الا بالقضاء او الرضاء (در مختار)(۲)

مطلقہ عورت بچہ کے باپ سے زمانہ گذشتہ کے اخراجات کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(سوال) ہندہ کو زمانہ حمل میں طلاق دی گئی وضع حمل کے بعد لڑکا پیدا ہوا تھا تین سال تک ہندہ نے بچہ کے باپ زید سے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کیا ساڑھے تین سال بعد ہندہ بچہ کے باپ سے زمانہ گذشتہ کے اخراجات کا مطالبہ کرتی ہے کیا اس کو گزشتہ خرچ کا مطالبہ کرنے کا حق زید سے ہے ؟

(جواب ۴۲۹) ہندہ کو یہ حق نہیں ہے کہ گذشتہ زمانے کا نفقہ یعنی بچہ پر جو کچھ خرچ کیا ہے اس کا مطالبہ بچہ کے باپ سے کرے گزشتہ زمانے کا نفقہ جب کہ بغیر حکم قاضی یا رضامندی باہمی کے ہوا ساقط ہو جاتا ہے۔ وان انفقت عليه (اى الصغيرة) من مالها او مسئلة الناس لا ترجع على الاب (ردالمحتار)(۳)

بچوں کا خرچہ پرورش باپ کے ذمہ ہے البتہ گذشتہ مدت کا نفقہ اس کے ذمہ واجب نہیں

(سوال) (۱) زید کے ہندہ سے دو تین بچے ہیں نانا کے یہاں پرورش پاتے ہیں زید نے ان کا اب تک کچھ خرچ پورا نہیں کیا نانا وہ خرچہ زید سے پا سکتا ہے یا نہیں ؟

(۲) اگر زید ہندہ کو طلاق نہ دے اور نہ اپنے گھر بلا لے اور عورت کوئی نافرمانی بھی نہ کرے تو اس صورت میں ہندہ از روئے شرع زید سے نفقہ پا سکتی ہے یا نہیں ؟ اور بچوں کا خرچ آئندہ کس کے ذمہ ہے ؟بینوا توجروا

(جواب ۴۳۰) (۱) زید کے بچوں پر نانا نے جو کچھ خرچ کیا وہ تبرع ہے اور نانا وہ خرچہ زید سے وصول

---

(۱) بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والاصل هو الانزال والجارية بالاحتلام والحيض والحبل فان لم يوجد فيهما شي فحتى يتم لكل منهما خمس عشر سنة به يفتى لقصر اعمار اهل زماننا (تنوير الابصار شرحه مع هامش رد المحتار كتاب الحجر فصل بلوغ الغلام ٦ / ١٥٣ ط سعيد كراتشي)

(۲) تنوير الابصار و شرحه مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب النفقة ٣ / ٥٩٤ ط سعيد كراتشي

(۳) هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب النفقة' مطلب في مواضع لا يضمن فيها المنفق اذا قصد الاصلاح ٣ / ٦٣٤ ط سعيد كراتشي)

نہیں کر سکتا۔(۱)

(۲) اگر عورت کو طلاق نہ دے اور نہ اپنے گھر بلائے لیکن اگر بلانا چاہے تو عورت انکار نہ کرے اس صورت میں عورت شوہر سے نفقہ پانے کی مستحق ہے(۲) بچوں کا خرچ پرورش ان کے باپ کے ذمہ ہے (۳)اور آئندہ کا نفقہ اس سے لیا جا سکتا ہے لیکن گذشتہ نفقہ لینے کا نانا کو استحقاق نہیں۔(۴) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'**

باپ نہ ہونے کی صورت میں نابالغ اولاد کا نفقہ کس کے ذمہ پر واجب ہے ؟

(سوال) زید کا انتقال ہو گیا اور اپنے پیچھے ایک زوجہ ایک دختر ایک سالہ چھوڑ گیا صورت موجودہ میں زوجہ زید کو اس کا مہر اور مال متروکہ میں حصہ ملے گا ؟ نیز دختر مذکور کی پرورش کون کرے گا ؟ اور اس کا نفقہ کس پر اور کس عمر تک واجب ہو گا ؟ بینوا توجروا

(جواب ۱۴۳۱) زوجہ زید کو اس کا پورا مہر ملے گا(۵)اور زید کے ترکہ میں سے اس کی زوجہ کو حق ارث آٹھواں حصہ دیا جائے گا(۶) اور باقی اس کی لڑکی کا حق ہے جب کہ زید کا سوائے ان دو کے اور کوئی وارث نہ ہو(۷) لڑکی کی پرورش کا حق اس کی والدہ کو ہے(۸) اور نفقہ خود لڑکی کے مال میں سے لیا جائے گا(۹)اور جب اس کا مال نہ رہے تب ماں کے ذمہ ہو گا۔(۱۰) واللہ اعلم **کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ**

ماں کے بعد نانی کو حق پرورش ہے

(سوال) ایک شخص کا انتقال ہو گیا اور وہ تین لڑکیاں اور ایک لڑکا چھوڑ کر مر گیا اس کی زوجہ نے دوسرا شوہر کر لیا بچوں کی نانی اور دادی بھی موجود ہے لڑکیوں کا چچا اور سوتیلا بھائی بچوں کو ماں سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ بچے اپنا ورثہ طلب کرتے ہیں اور ماں اپنا مہر طلب کرتی ہے اور وہ دینے سے انکار کرتے ہیں ؟

---

(۱) والنفقة لا تصير دينا الا بالقضاء او الرضاء اى اصطلاحهما على قدر معين اصنافا (تنوير الابصار و شرحه مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب النفقة ۳/۵۹۴ ط سعيد كراتشي)

(۲) ولو هي في بيت ابيها اذا لم يطالبها الزوج بالنقلة به يفتي وكذا اذا طالبها ولم تمتنع او امتنعت للمهر (الدرالمختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب النفقة ۳/۵۷۵ ط سعيد كراتشي)

(۳) وتجب النفقة بانواعها على الحر لطفله يعم الانثى والجمع الفقير الحر (درمختار) وقال في الرد (قوله الفقير) اى ان لم يبلغ حد الكسب (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب النفقة ۳/۶۱۲ ط سعيد كراتشي)

(۴) دیکھئے حاشیہ نمبر ا

(۵) المهر يتاكد باحد معان ثلاثة' الدخول والخلوة الصحيحة و موت احد الزوجين (الفتاوى الهندية' كتاب النكاح' الباب السابع في المهر' الفصل الثاني فيما يتاكد به المهر والمتعة ۱/۳۰۳ ط مكتبه ماجديه' كوئته)

(۶) قال الله تعالى فان كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها او دين (النساء ۱۲)

(۷) والثالث ان كان مع الاول اى الجنس الواحد من لا يرد عليه وهو الزمان اعطي من لا يرد عليه فرض من اقل مخارجه وقسم الباقي على رؤوس من يرد عليه (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الفرائض' باب العول ۶/۷۸۹ ط سعيد كراتشي)

(۸) والحضانة تثبت للام ولو كتابية او مجوسية او بعد الفرقة الا ان تكون مرتدة او فاجرة او غير مامونة (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب العدة ۳/۵۵۵-۵۵۶ ط سعيد كراتشي)

(۹) انما تجب النفقة على الاب اذا لم يكن للصغير مال اما اذا كان فالا صل ان نفقة الانسان في مال نفسه صغيرا كان او كبيرا (الهداية' كتاب الطلاق' باب النفقة ۲/۴۴۵ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱۰) وهي اولى بالتحمل من سائر الاقارب (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب النفقة ۳/۶۱۵ ط سعيد كراتشي)

(جواب ۴۳۲) نابالغ لڑکیوں کا حق پرورش ماں کو ہے مگر چونکہ اس نے دوسرا نکاح کرلیا ہے تو اگر دوسرا خاوند بچوں کا ذی رحم محرم نہ ہو تو ماں کا حق حضانت ساقط ہو گیا۔ اب نانی مستحق ہے وان لم یکن له ام تستحق الحضانة بان کانت غیر اهل للحضانة او متزوجة بغیر محرم او ماتت فام الام اولی من کل واحدة وان علت الخ (ہندیہ)(۱)

پرورش کا حق ماں کو کب تک حاصل ہے باپ پر خرچہ پرورش لازم ہے

(سوال) ہندہ مطلقہ کی گود میں ایک لڑکی نو ماہ کی ہے اس کا حق پرورش کس پر ہے باپ پر ہے یا ماں پر اگر ماں پر ہے تو کتنے روز تک ہے اس کی حد بیان فرمائیں اور اگر ہندہ بعد انقضائے عدت دوسرا نکاح کرے تو اس بچہ کو زید اس سے لے سکتا ہے؟

(جواب ۴۳۳) مطلقہ کو اپنی لڑکی کا حق پرورش حاصل ہے(۲) نفقہ باپ کے ذمہ ہوگا(۳) لڑکی کے بالغ ہونے تک یہ حق اس کو ہے(۴) بشر طیکہ ماں لڑکی کے کسی غیر محرم سے نکاح نہ کرلے یا اور کسی وجہ سے حق حضانت ساقط نہ ہو جائے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ماں کے ہوتے ہوئے پھوپھی کو حق پرورش نہیں

(سوال) زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور طلاق کے وقت اس کے پاس اتنی رقم کی مالیت چھوڑی جو اس کے مہر اور ایام عدت کے مصارف سے بھی زیادہ تھی زید کے چھ بچے ہیں چار لڑکے اور دو لڑکیاں لڑکوں کی عمر ۱۴ سال ۱۲ سال ۷ سال ۴ ماہ ہے اور لڑکیوں کی عمر ۱۰ سال ۴ سال ہے زید اپنی زوجہ کے چال چلن سے مطمئن نہیں ہے اور چاہتا ہے کہ بچوں کو اپنی ہمشیرہ کے زیر تربیت رکھے تو کیا شرعاً اسے یہ حق حاصل ہے اور اگر ہے تو کس کس بچہ کے لئے اس کی زوجہ مطالبہ کے باوجود بچوں کو نہیں دیتی اور ان کے نان نفقہ کا مطالبہ کرتی ہے۔ المستفتی نمبر ۴ فیاض احمد خاں آگرہ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ ۱۳ جولائی ۱۹۳۳ء

(جواب ۴۳۴) جب تک زوجہ مطلقہ کسی ایسے شخص سے جو بچوں کا محرم نہ ہو نکاح نہ کرے بچوں کی

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة' کتاب الطلاق' الباب السادس عشر في الحضانة ۱/۱ ۵٤ ط ماجدیة' کوئٹه

(۲) واذا وقعت الفرقة بین الزوجین فالام احق بالولد لما روی ان امراة قالت یا رسول الله ان ابنی هذا کان بطنی له وعاء وحجری له حواء و ثدیی له سقاء و زعم ابوه انه ینزعه منی فقال علیه السلام انت احق به مالم تزوجی ولان الام اشفق واقدر علی الحضانة فکان الدفع الیها انظر (الهدایة' باب حضانة الولد ومن احق به ۲/ ٤۳٤ ط مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۳) و تجب النفقة بانواعها علی الحر لطفله الفقیر الحر (درمختار) وقال فی الرد (قوله الفقیر) ای ان لم یبلغ حد الکسب (هامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب النفقة ۳/ ٦۱۲ ط سعید کراتشی)

(٤) والحاضنة اما او غیرها ..... والام والجدة لام اولاب احق بالصغیرة حتی تحیض ای تبلغ في ظاهر الروایة (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/ ٥٦٦ ط سعید کراتشی) (اس مسئلہ کی پوری وضاحت جواب نمبر ۴۲۷ کے حاشیہ ۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(٥) الحضانة تثبت للام' الا ان تکون مرتدة او فاجرة' او غیر مامونة...... او متزوجة بغیر محرم الصغیر (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/ ٥٥٥ ط سعید کراتشی)

پرورش کا حق اس وقت ہے جب سات سال سے کم عمر کا لڑکا اور نابالغ لڑکیاں اس کی پرورش میں رہیں گی(۲)اور ان کا نفقہ والد کے ذمہ ہوگا(۳)بچوں کی پھوپھی کا ماں کے ہوتے ہوئے اور قابل حضانت ہوتے ہوئے کوئی حق نہیں ہے۔(۴)فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

ماں جب غیر سے شادی کرے 'تو اس کا حق پرورش ختم ہو جاتا ہے

(سوال) زید نے انتقال کیا مال واسباب وغیرہ چھوڑا دو بچے چھوڑے ایک لڑکا عمر ۷ سال اور ایک لڑکی عمر ۹ سال عورت نے بعد گزر جانے عدت کے غیر محرم سے نکاح کر لیا اور دونوں بچوں کے وارث تایا چچا زندہ ہیں وہ دونوں بچوں کو لینا چاہتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۱۲ حافظ محمد اسمعیل دہلی' ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ م ۲۷ جولائی ۱۹۳۳ء

(جواب ۴۳۵) بچوں کی ماں نے جب کہ بچوں کے غیر محرم سے نکاح کر لیا ہے تو اسکا حق حضانت ساقط ہو گیا (۵)اور لڑکے کی عمر سات سال کی ہو گئی تو وہ حد حضانت سے نکل گیا (۶)لہذا لڑکا تو چچا یا تایا کو پرورش اور نگرانی کے لئے مل جائے گا (۷)رہی لڑکی جس کی عمر نو سال کی ہے تو وہ بلوغ تک نانی کے پاس رہ سکتی ہے (۸)بشرطیکہ نانی اس کی تعلیم و تربیت اچھی طرح کر سکے اور اس کے چال چلن کی طرف سے اطمینان ہو ورنہ وہ بھی چچا یا تایا کو مل جائے گی۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ

---

(۱) ایضاً حوالہ سابقہ

(۲) والحاضنة اما او غيرها احق به اى بالغلام حتى يستغنى عن النساء وقدر بسبع و به يفتى لانه الغالب ... والام والجدة لام او لاب احق بها بالصغيرة حتى تحيض اى تبلغ فى ظاهر الرواية (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳ / ۵۶۶ ط سعید کراتشی) لڑکی کے بارے میں مفتی بہ قول نو سال کا ہے دیکھئے جواب ۴۳۷ حاشیہ نمبر ۳

(۳) نفقة الاولاد الصغار على الاب لا يشاركه فيها احد (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب السابع عشر فى النفقات ۱ / ۵۶۰ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(٤) ثم اى بعد الام بان ماتت او لم تقبل او سقطت حقها ' او تزوجت باجنبى ام الام ثم ام الاب و ان علت ثم الاخت لاب وام ثم لام ثم الاخت لاب ثم الخالات كذلك ثم العمات كذلك (تنوير الابصار و شرحه مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳ / ۵۶۲ ط سعید کراتشی)

(٥) الحضانة تثبت للام ... الا ان تكون مرتدة او غير مامونة ... او متزوجة بغير محرم الصغير (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳ / ۵۵۵ ط سعید کراتشی)

(٦) والام والجدة احق بالغلام حتى يستغنى وقدر بسبع سنين وقال القدورى حتى ياكل وحده و يشرب وحده و يستنجى وحده و قدره ابوبكر الرازى بسبع سنين والفتوى على الاول (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب السادس عشر فى الحضانة ۱ / ۵٤۲ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۷) و فى الفتح و يجبر الاب على اخذ الولد بعد استغنائه عن الام لان نفقته و صيانته عليه بالا جماع و فى شرح المجمع واذا استغنى الغلام عن الخدمة اجبر الاب او الوصى او الولى على اخذه لانه اقدر على تاديبه و تعليمه و فى الخلاصة و غيرها واذا استغنى الغلام وبلغت الجارية فالعصبة اولى يقدم الاقرب فالا قرب (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳ / ۵۶۶ ط سعید کراتشی)

(۸) والام والجدة لام او لاب احق بها بالصغيرة حتى تحيض اى تبلغ فى ظاهر الرواية (درمختار) وقال فى الرد (قوله اى تبلغ) و بلوغها اما بالحيض و الا نزال او السن .... قال فى البحر لانها بعد الاستغناء تحتاج الى معرفة آداب النساء والمراة على ذلك اقدر (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳ / ۵۶۶ ط سعید کراتشی) یہ تو ظاہر الروایہ ہے لیکن متاخرین نے جس مفتی بہ قول کے مطابق ماں اور نانی کو حق پرورش صرف نو سال کی عمر تک حاصل ہے اس کے بعد والد یا تایا کے پاس کو ملے گی ہے کما فى الدر المختار' و عن محمد ان الحكم فى الام والجدة كذلك و به يفتى لكثرة الفساد (درمختار) وقال فى الرد (قوله و به يفتى) قال فى البحر بعد نقل تصحيحه والحاصل ان الفتوى على خلاف ظاهر الرواية (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳ / ۵۶۷ ط سعید کراتشی)

نابالغوں کا حق پرورش

(سوال) میری اہلیہ نے انتقال کیا دو بچیاں جن کی عمریں چار سالہ و دو سالہ ہیں چھوڑیں جو میری اولاد ہیں بعد انتقال اہلیہ کے میرے خسر نے میری ہر دو بچیوں کو حق حضانت نانی کا حق ظاہر کر کے مجھ سے لے لیں ان کی کفالت میرے ذمہ لگا کر سات روپے ماہوار صرف خوراک وغیرہ اور چار چار جوڑہ پارچہ سالانہ دس پانچ آدمی اہل محلہ جو شرعی مسائل سے بے بہرہ ہیں جمع کر کے ایک دباؤ ناجائز دیکر ان کے سامنے ایک تحریر مجھ سے لے لی جو مجبوراً مجھے دینا پڑی لیکن کوئی تحریر مجھ کو اس قسم کی نہ دی گئی اور نہ کوئی اطمینان دلایا گیا کہ مجھے یہ رقم آیا کب تک ادا کرنی ہوگی بچیوں کی تعلیم و تربیت اور آمد و رفت کے متعلق کوئی اطمینان نہیں دلایا گیا باوجودیکہ میں لڑکیوں کا باپ ہوں ہر طرح ان کی پرورش کر سکتا ہوں ان کے آرام و آسائش کے لئے ایک انا بطور خدمتی رکھ سکتا ہوں علاوہ ازیں اولاد کو میرے خیال ناقص میں کوئی متنفس والدین سے زیادہ آرام نہیں پہنچا سکتا۔ المستفتی نمبر ۱۳۳ حافظ عبدالرحمن صاحب (بھوپال) ۴ شعبان ۱۳۵۲ھ م ۲۳ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۴۳۶) بچوں اور بچیوں کی پرورش کا حق جن اقربا کو دیا گیا ہے وہ بچوں اور بچیوں کی غور و پرداخت اور ان کی خیر خواہی اور محبت کے لحاظ سے دیا گیا ہے (۱) نانی کو یہ حق حاصل ہے (۲) لیکن اگر لڑکیوں کا باپ انا مقرر کر کے ان کی پرورش کرنے اور ہر قسم کی غور و پرداخت کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور انا مقرر کرنے پر آمادہ ہے اور بچیوں کو بھی نانی سے علیحدہ رہنے میں کوئی کلفت نہ ہو تو بے شک باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بچیوں کی پرورش اپنی نگرانی میں کرائے اور نانی سے بچیوں کو واپس لے لے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

لڑکی کی پرورش کی کیا مدت ہے' اور اس کے بعد کا کیا حکم ہے؟

(سوال) (۱) زید میت نے اپنی ایک سالہ دختر مسماۃ زینب' منکوحہ ہندہ اور چار حقیقی بھائی چھوڑا ان میں سے زینب کا حق پرورش کس کو حاصل ہے؟

(۲) ہندہ اپنی دختر زینب کی عمر دس سال ہونے تک اس کے چچاؤں کے ساتھ رہ کر انہیں کے مکان میں انہیں کے مال سے اپنی تربیت میں پرورش کرتی تھیں کہ ہندہ کا بھائی آیا انہیں بھکا کر اپنے ہاں لے گیا اور ہندہ کا نکاح زینب کے غیر محرم سے کر دیا بدیں حالت زینب اپنی والدہ کے ساتھ غیر محرم کے مکان میں رہ سکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) ان الام اشفق واقدر علی الحضانة فکان الدفع الیها انظر (الهدایة' کتاب الطلاق' باب الحضانة ۲/۴۳۴ ط مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۲) ثم ای بعد الام بان ماتت او لم تقبل اواسقطت حقها او تزوجت باجنبی ام الام وان علت عند عدم اهلیة القربی (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق باب الحضانة ۳/۵۶۲ ط سعید کراتشی)

(۳) والحاضنة یسقط حقها بنکاح غیر محرمه ای الصغیر وکذا بسکناها عند المبغضین له لما فی القنیة' لو تزوجت الام بآخر فامسکته ام الام فی بیت الراب فللاب اخذه (الدر المختار مع هامش رد المحتار' کتاب الطلاق باب الحضانة ۳/۵۶۵ ط سعید کراتشی)

(۳) نانی خالہ کے ہاں رہنے میں زینب کی طبیعت پر فسق اور جہالت کا بر اثر ہونے کا احتمال ہے تو اس حالت مخدوش میں ان کے نزدیک رہ سکتی ہے یا نہیں ؟
(۴) فی الحال چونکہ زینب کی عمر گیارہ سال کی ہو چکی ہے تو کیا اب بھی اس کو والدہ نانی وغیرہ کو پرورش کے لئے اپنے ہی پاس روک رکھنے کا حق حاصل ہے ؟
(۵) یتیم و یتیمہ کا حق حضانت و پرورش والدہ' نانی' خالہ اور پھوپھی کو کس عمر تک حاصل ہے ان کے وارثین ولی اپنی حفاظت میں کب لے سکتے ہیں ؟
(۶) یتیمہ زینب کا نکاح بیاہ کا حق مندرجہ صدر وارثین میں کس کو حاصل ہے ؟
(۷) حقیقی چچا کی موجودگی میں اس کی والدہ ہندہ کو زینب کا نکاح کر دینے کا حق حاصل ہے یا نہیں ؟
(۸) اگر زینب کا نکاح اس کی والدہ یا نانی یا ماموں کرنا چاہیں تو چچاؤں کو اس کی مزاحمت کا حق حاصل ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا المستفتی نمبر ۸۹۱ محمد حسین قاسم بھائی (ضلع ناسک) ۵ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۷ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۳۷) نمبر ۵ میں ماں اور نانی لڑکی کی پرورش بلوغ تک کر سکتی ہیں بنابر ظاہر روایت اور حد شہوت تک امام محمدؒ کی روایت کے بموجب۔ امام محمدؒ کی روایت کو مفتی بہ بھی کہا گیا ہے مگر دوسری روایت بوجہ ظاہر الروایت ہونے کے ترجیح رکھتی ہے اور امام محمدؒ کی روایت مفتی بہا ہونے کی جہت سے راجح ہے۔(۱) چچا کے سامنے ماں یا نانی کو ولایت تزویج حاصل نہیں (۲) چچا نابالغہ کا نکاح کر سکتا ہے۔(۳) ہاں نابالغہ کو خیار بلوغ حاصل ہوگا ۔ فقط اور سب جواب صحیح اور درست ہیں۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حق پرورش کی مدت

(سوال) لڑکی کا زمانہ رضاعت کس عمر تک ہے کہ مطلقہ بیوی اس کو بطور پرورش اپنے پاس رکھنے کی حق دار ہو سکتی ہے۔ المستفتی نمبر ۹۴۵ عبدالعلی خان (ریاست بھرت پور) یکم ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۳ مئی ۱۹۳۶ء

---

(۱) والام والجدة احق بها حتى تحيض اى تبلغ في ظاهر الرواية..... وغير ها احق بها حتى تشتهي وقدر بتسع و به يفتي' و عن محمد ان الحكم في الام والجدة كذا وبه يفتي لكثرة الفساد (درمختار) وقال في الرد (قوله وبه يفتي) قال في البحر بعد نقل تصحيحه والحاصل ان الفتوى على خلاف ظاهر الرواية (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/۵۶۷ ط سعيد كراتشي)
(۲) الولي في النكاح لا المال العصبة بنفسه بلاتوسط الانثى على ترتيب الارث والحجب (درمختار) وقال في الرد (قوله لا المال) فانه الولي فيه الاب ووصيه والجد ووصيه والقاضي و نائبه فقط (هامش رد المحتار مع الدرالمختار' كتاب النكاح باب الولي ۳/۷۹ ط سعيد كراتشي) وقال في الهندية' واقرب الا ولياء الى المراة الابن ثم ابن الابن و ان سفل ثم الاب ثم الجد ابو الاب وان علا كذافي المحيط.... ثم الاخ لاب وام ..... ثم العم لاب وام العم لاب ثم ابن العم (الفتاوى الهندية ' كتاب النكاح' الباب الرابع في الاولياء ۱/۲۹۳ ط مكتبه ماجديه' كوئٹه)
(۳) ايضاً حواله سابقه (۴) وان كان المزوج غير هما اى غير الاب وابيه..... لا يصح النكاح من غير كفؤ او بغبن فاحش وان كان من كفؤ رد بمهر المثل صح ولكن لهما خيار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ اوالعلم بالنكاح بعده (درمختار) وقال في الرد : و حاصله انه اذا كان المزوج للصغير والصغيرة غير الاب والجد فلهما' الخيار بالبلوغ اوالعلم به (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب النكاح' باب الولي ۳/۶۷- ۷۰ سعيد كراتشي)

(جواب ٤٣٨) لڑکی کی حضانت یعنی پرورش کا زمانہ بلوغ تک ہے یعنی وہ اپنی ماں یا نانی دادی کے پاس بلوغ تک رہ سکتی ہے(۱) بشرطیکہ ماں یا نانی یا دادی کا حق پرورش کسی وجہ سے ساقط نہ ہو گیا ہو۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نابالغوں کا حق پرورش کس کو ہے؟

(سوال) ہندہ مطلقہ ہے اور اپنے میکے میں رہتی ہے مگر اس کے تین اولاد ہے نرینہ چھ سات سال اور صبیہ چہار سالہ' یہ ہر دو اپنے والد زید کے پاس رہتے ہیں اور ایک دختر ڈھائی سالہ جو ہے وہ ہندہ کے پاس ہے اب ہندہ مواخذہ کرنا چاہتی ہے کہ یہ ہر سہ اولاد اپنی زیر نگرانی رکھے زید بسلازمت تعلقہ افسری دو ڈھائی سو روپے ماہانہ پر دوسرے شہر میں ہے اب زید ہندہ کی خواہش پر اولاد کو اس کے سپرد کرے یا نہ کرے 'حق حضانت کس کا ہے؟ المستفتی نمبر ۱۰۰۶ علی ابن آدم' ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ٤٣٩) لڑکے کی پرورش کی عمر سات سال تک ہے جب لڑکا سات سال کا ہو جائے تو عورت کا حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے(۳) اور لڑکے کو اس کا باپ تعلیم و تربیت کی غرض سے اپنے پاس رکھ سکتا ہے (۴) لڑکیوں کی پرورش کی عمر ان کے بالغہ ہونے تک کی ہے لڑکیوں کی . والدہ لڑکیوں کے بالغ ہونے تک اپنے پاس رکھ سکتی ہے(۵) یہ حق حضانت اس وقت تک رہتا ہے کہ عورت بچوں کے غیر محرم کے ساتھ نکاح نہ کرلے۔(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سات سال کے بعد باپ لڑکے کو اس کی نانی سے لے سکتا ہے

(سوال) زید کی لڑکی شادی شدہ زیادہ تر اپنے پدر زید کے پاس رہی اخیر مرتبہ بیمار ہو کر اپنے شوہر کے یہاں سے زید کے یہاں آگئی اور یہیں اس کا معالجہ شروع ہوا اس علاج میں زید نے کثیر مصارف کئے ایک عرصہ تک بیمار رہ کر وقت آچکا تھا انتقال ہو گیا اس کے مرنے پر تمامی مصارف بڑی تعداد کے ساتھ زید

---

(۱) والام والجدة لام اولاب احق بها بالصغيرة حتى تحيض اى تبلغ في ظاهر الرواية (الدر المختار مع هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/۵٦٦ ط سعيد كراتشي) اب فتویٰ اس پر ہے کہ نو سال تک رہ سکتی ہے دیکھئے جواب ۴۲۷ کا حاشیہ ۳

(۲) والحضانة تثبت للام ولو بعدالفرقة الا ان تكون مرتدة او غير ما مونة...... او متزوجة بغير محرم الصغير او ابت ان تربيه مجانا والاب معسر والعمة تقبل ذلك على المذهب (تنوير الابصار و شرحه مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق ' باب الحضانة ۳/۵۵۵ ط سعيد كراتشي)

(۳) والحاضنة اماً او غير ها احق به اى بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتي لانه الغالب (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/۵٦٦ ط سعيد كراتشي)

(٤) و في شرح المجمع واذا استغنى الغلام عن الخدمة اجبر الاب اوالوصي اوالولي على اخذه' لانه اقدر على تاديبه و تعليمه (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق ' باب الحضانة ۳/۵٦٦ ط سعيد كراتشي)

(٥) والام والجدة لام اولاب احق بها بالصغيرة حتى تحيض اى تبلغ في ظاهر الرواية (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/۵٦٦ ط سعيد كراتشي) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے جواب نمبر ۴۲۷ حاشیہ نمبر ۳

(٦) والحاضنة يسقط حقها بنكاح غير محرمه اى الصغير (الدر المختار مع هامش رد المحتار ' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/۵٦٥ ط سعيد كراتشي)

کے یہاں ہی ہوئے اس نے ایک بچہ شیر خوار دو ڈھائی سالہ چھوڑا اس کی پرورش بھی بڑے پیمانہ پر زید کے یہاں ہوئی اس کی خالہ نے اس کو دودھ پلایا ایک نوکرانی بھی دودھ پلانے کے لئے رکھی گئی اس کی خدمت و پرورش میں زر کثیر صرف ہوا اور اس وقت تک وہ زید کے یہاں موجود ہے جب عمر اس کی ساڑھے تین سال کی ہوئی تو اس کی تعلیم شروع ہونے پر جملہ مصارف اچھی صورت میں ہوتے رہے بچہ کی عمر اس وقت دس سال کی ہے اب بکر اس کا باپ تعلیم کے نام سے اسکو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے بکر نے عقد ثانی بھی کر لیا ہے اس کی بھی اولاد ہے بچہ بکر کے پاس رہنا نہیں چاہتا ہے بکر پکڑ پکڑ کر لے جاتا ہے اور وہ پھر بھاگ کر آجاتا ہے اس کو سمجھایا بھی جاتا ہے تو وہ وہاں جانے سے انکار کرتا ہے بکر کو اس کے ملنے والوں کے ذریعہ سے سمجھوایا بھی گیا کہ بقول تمہارے بچہ کو تم اپنے پاس رکھ کر تعلیم کرانا چاہتے ہو تو جس معیار پر تعلیم کرانے کا خیال ہے وہ لکھ کر دے دیا جائے اس معیار سے دوچند پیمانہ پر زید اس کا نانا اپنے مصارف سے تعلیم کرانے کے لئے تیار ہے مگر بکر اس کا باپ کسی اغراض یا ضد کی وجہ سے اس کو نہیں مانتا زید اس کے نانا کو بچہ کے رکھنے میں سوائے اس کے کہ بچہ آرام سے رہے اور دختر مرحومہ کی یادگار خدا قائم رکھے اور اس کی نسل کا سلسلہ خدا بڑھائے اور اپنی حیات میں ہی اگر چہ دختر مرحومہ شرعاً محروم الارث ہے اس دختر کے حقوق اپنے سامنے خوشی سے دے دیئے جائیں اس کے علاوہ اور اس کے ساتھ سلوک کیا جائے کوئی غرض وابستہ نہیں ہے اور جس قدر صرفہ زید نے زوجہ بکر کی بیماری اور تجہیز و تکفین میں کیا ہے اس کی ادائیگی کا بکر شرعاً ذمہ دار ہے یا نہیں ؟ اور اس طرح سے زید نے پسر بکر کی پرورش میں جو کچھ صرف کیا ہے اس کی واپسی بکر پر لازم ہے یا نہیں اور عدم ادائیگی مطالبات مذکورہ مانع سپردگی پسر ہے یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۱۱۶۲ ہدایت محمد خاں (سرونج) ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م یکم ستمبر ۱۹۳۶ء

(**جواب ٤٤٠**) زید نے اپنی مرحومہ لڑکی کے علاج اور تجہیز و تکفین اور بچہ کی پرورش اور تعلیم میں بغیر امر واذن بکر جو مصارف کئے ہیں ان کا بکر سے مطالبہ نہیں کر سکتا یہ سب تبرع سمجھے جائیں گے(۱) بچہ کی عمر جب سات سال سے متجاوز ہو گئی تو باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ بچہ کو اپنی نگرانی میں لے لے اور اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے(۲) اگر بچہ کی تعلیم و تربیت نانا کے یہاں قابل اطمینان طریق پر ہو رہی ہے اور بچہ نانا کے یہاں رہنے میں خوش ہے تو اس کے باپ کو صلح و رضامندی کے ساتھ اس پر آمادہ کیا جائے کہ بچہ کو نانا کے یہاں چھوڑ دے جبراً بچہ کو اپنے یہاں رکھنے کا نانا کو حق نہیں ہے بالغ ہو جانے کے بعد بچہ نانا کے یہاں رہنا

---

(۱) و نقل المصنف تبعا للبحر عن الخلاصة انفق الشريك على العبد في غيبة شريكه بلا اذن الشريك او القاضي فهو متطوع (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب النفقة ۳/۶۳۸' ۶۳۹ ط سعيد كراتشي) وقال في العناية تحت قول الهداية (و تحوز الكفالة بامر المكفول...... فان كفل بامره رجع بما ادى عليه وان كفل بغير امره لم يرجع بما يؤديه لانه متبرع بادائه) وان كفل بغير امره لم يرجع لانه متبرع بادائه والمتبرع لا يجب (شرح العناية على فتح القدير' كتاب الكفالة ۷/۱۹۰ ط مصر)

(۲) والحاضنة اما او غيرها احق به اى بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى لانه الغالب (درمختار) وقال في الرد' و في الفتح' و يجبر الاب على اخذ الولد بعد استغنائه عن الام لان نفقته وصيانة عليه بالاجماع و في شرح المجمع' واذا استغنى الغلام عن الخدمة اجبر الاب او الوصي او الولي على اخذه لانه اقدر على تاديبه و تعليمه (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/۵۶۶ ط سعيد كراتشي)

پسند کرے تو اسے یہ اختیار حاصل ہوگا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بچہ کی پرورش کے متعلق ایک جواب پر اشکال اور اسکا جواب

(سوال) بعض سوالات کا جواب بالتصریح نہ ملنے سے تسکین نہیں ہوئی اگر بکر اپنی اہلیہ کا علاج کرتا تو زید کو کیا ضرورت تھی کہ وہ بکر کے مصارف کو روک کر اپنے مصارف شروع کردیتا کیا شوہر کے یہ فرائض میں نہیں کہ بحالت بیماری اہلیہ اس کا علاج کرائے اور علاج میں جو مصارف ہوں ان کو برداشت کرے کیا یہ شوہر کے فرائض میں نہیں کہ اہلیہ کے مرنے پر اس کی تجہیز و تکفین کرے اور اس کے مصارف برداشت کرے مصارف کا بار اس وقت بکر پر نہیں پڑسکتا کہ جب بکر مصارف کررہا ہو اور زید اس کو روک کر اپنے مصارف شروع کرے یہی صورت پرورش بچہ کے مصارف کی ہے کیا ایسی صورت میں بھی ان مصارف پر تبرع ہوسکتا ہے؟

(۲) زید یعنی نانا کو کیا ضرورت ہے کہ جبراً بچہ کو اپنے پاس رکھے یا مصارف برداشت کرے سوال تو یہ ہے کہ بچہ کسی تکلیف سے باپ کے پاس نہ رہنا چاہے اور اپنے نانا کے پاس خود رہنا پسند کرے تو کیا باپ اس کا جبراً بلا رضا مندی اس کی لے جاسکتا ہے کیا اس کے باپ کے دعوے پر عدالت بلا رضا مندی بچہ اس کو جبر کے ساتھ سپرد کرسکتی ہے کیا یہ بات اخلاقاً بھی درست ہوسکتی ہے؟ المستفتی نمبر ۱۲۳۳ ہدایت محمد خاں (سرونج) ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۳۱ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۴۱) (۱) شوہر پر زوجہ مریضہ کا علاج لازم نہیں (۲) ہاں شوہر پر تجہیز و تکفین لازم ہے (۳) لیکن فاتحہ ایصال ثواب وغیرہ لازم نہیں تجہیز و تکفین وغیرہ میں غالباً زیادہ سے زیادہ خرچ ہوتے ہیں اور وہ بھی اگر متوفیہ کے اقارب بغیر امر زوج کردیں تو ان کی طرف سے یہ تبرع ہوتا ہے یہ ضروری نہیں کہ روک کر کرے بلکہ بغیر امر کرنے کی صورت بھی تبرع ہوگی۔

(۲) جب بچہ نابالغ ہے تو سمجھ اور ناسمجھی ظاہر ہے اس لئے اس کی اپنی مرضی غیر معتبر قرار دی گئی ہے ابھی اسکا احساس معتبر نہیں ہے کیونکہ ناسمجھی کی عمر ہے بے شک شارع نے اخلاق پیش نظر رکھ کر ضابطے بنائے اور ضابطہ کلیہ یہی ہے کہ بلوغ سے پہلے بچوں کی مرضی کا اعتبار نہ ہو ورنہ تمام نظام درہم برہم

---

(۱) والغلام اذا عقل واستغنی برایہ لیس للاب ضمہ الی نفسہ (درمختار) وقال فی الرد (قولہ والغلام اذا عقل)... ثم المراد الغلام البالغ لان الکلام فیما بعد البلوغ و عبارۃ الزیلعی ثم الغلام اذا بلغ رشید افلہ ان ینفرد الا ان یکون مفسدا مخوفا علیہ (ہامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الطلاق باب الحضانۃ ۳/۵۶۸ ط سعید کراتشی)

(۲) ولا یجب الدواء للمرض ولا اجرۃ الطبیب ولا الفصد ولا الحجامۃ کذافی السراج الوہاج (الفتاوی الہندیۃ کتاب الطلاق الباب السابع عشر فی النفقات ۱/۵۴۹ ط ماجدیہ کوئٹہ) وقال فی الرد (قولہ کما لا یلزمہ مداواتہا) ای اتیانہ لہا بدواء المرض ولا اجرۃ الطبیب ولا الفصد ولا الحجامۃ ہندیۃ عن السراج (ہامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الطلاق باب النفقۃ ۳/۵۷۵ ط سعید کراتشی)

(۳) قال وہل یباع فی کفنہا ؟ ینبغی علی قول الثانی المفتی بہ نعم کما یباع فی کسوتہا (درمختار) وقال فی الرد (قولہ علی قول الثانی) ای من ان مؤنۃ تجہیزہا علی الزوج وان ترکت مالاً لان الکفن کالکسوۃ حال الحیاۃ (ہامش رد المحتار مع الدر المختار کتاب الطلاق باب النفقۃ ۳/۵۹۸ ط سعید کراتشی)

ہو جائے گا۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ماں کے انتقال کے بعد' نانی کو بچوں کی پرورش کا حق ہے

(سوال) ہندہ نے اپنے انتقال پر ایک بچہ دو برس کا چھوڑا اس بچہ کی پرورش کا حق اس کے باپ کو ہے یا نانا نانی کو پرورش کا خرچ کس کے ذمہ ہے اور یہ بچہ اپنے پرورش کنندہ کے پاس کب تک رہے گا ہندہ کے ترکہ اور مہر وغیرہ میں سے ۱۲ سہام کر کے اس بچہ کے ۵ سہام ہیں اس بچہ کے نانا نانی ہندہ کے شوہر پر مہر معاف کرنا چاہتے ہیں تو صرف وہ اپنا حق معاف کر سکتے ہیں یا بچہ کے جو ۵ سہام کا حصہ ہے وہ بھی معاف کر سکتے ہیں۔
المستفتی نمبر ۱۵۲۷ حافظ محمد یوسف صاحب (دہلی) ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۴۲) بچہ کی پرورش کا حق نانی کو ہے (۲) پرورش کا خرچ بچہ کے حصہ میں سے لیا جائے اور پھر باپ کے ذمہ ہو گا (۳) بچہ سات سال کی عمر تک نانی کے پاس رہے گا پھر باپ لے لے گا (۴) نانا نانی مہر میں سے اپنا حصہ معاف کر سکتے ہیں بچہ کا حصہ معاف کرنے کا انہیں حق نہیں ہے۔ (۵) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

وہ عورتیں جن کو بچوں کا حق پرورش ہے' وہ موجود نہ ہوں تو حق پرورش کس کو حاصل ہو گا؟

(سوال) زید بحالت بیماری اپنے سوتیلے بھائی کو وصیت کر گیا کہ میری بیوی اور سہ سالہ لڑکی ہے تم ان دونوں کو اپنی نظر عنایت میں رکھنا اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا آج تک زید کی بیوی اور بچی زید کے سوتیلے بھائی کی زیر نگرانی رہے اب فی الحال زید کی بیوی نے غیر محرم سے نکاح کر لیا اب بچی کی پرورش کس کے پاس ہو بچی کی حقیقی نانی پر نانی بھی نہیں ہاں حقیقی نانا زندہ ہیں بچی کے حقیقی دادا دادی چچا وغیرہ

---

(۱) ولا خيار للغلام والجارية ولنا انه لقصور عقله يختار من عنده الدعة لتخليته بينه و بين اللعب فلا يتحقق النظر وقد صح ان الصحابة لم يخيروا (الهداية' كتاب الطلاق' باب حضانة الولد ومن احق به ۴۳۶/۲ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) ثم اى بعد الام بان ماتت او لم تقبل اواسقطت حقها او تزوجت باجنبي ام الام وان علت عندعدم اهلية القربى ثم ام الاب وان علت بالشرط المذكور (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۵۶۲/۳ ط سعيد كراتشي)

(۳) نفقة الاولاد الصغار على الاب لا يشاركه فيها احد.....ارضاع الصغير اذ يوجد من ترضعه انما يجب على الاب اذا لم يكن للصغير مال واما اذا كان له مال فتكون مؤنة الرضاع في مال الصغير كذا في المحيط (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب السابع عشر في النفقات' الفصل الرابع في نفقة الاولاد ۵۶۰/۱ ط ماجديه' كوئٹه)

(۴) والحاضنة اما او غيرها احق به اى بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع و به يفتى لانه الغالب (درمختار) وقال في الرد' و في الفتح' و يجبر الاب على اخذ الولد بعد استغنائه عن الام لان نفقته و صيانته عليه بالاجماع و في شرح المجمع' واذا استغنى الغلام عن الخدمة اجبر الاب اوالوصي اوالولي على اخذه لانه اقدر على تاديبه و تعليمه (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۵۶۶/۳ ط سعيد كراتشي)

(۵) وہ تصرف جس میں نابالغ کے لئے ضرر اور نقصان ہو ولی کو بھی کرنے کا حق نہیں ہے' چہ جائے کہ غیر ولی جیسے نانا یہ تصرف کرے' لہذا صورت مسئولہ میں نانا نانی کو بچہ کے حصے کو معاف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے' اس لئے کہ اس معاف کرنے میں بچہ کا نقصان ہے

والولاية في مال الصغير الى الاب ثم وصيه ثم وصي وصيه ثم الى اب الاب ثم الى وصيه.... و ليس لوصي الام ولاية التصرف في تركة الام مع حضرة الاب (تنوير الابصار' وقال في الرد' و في جامع الفصولين' ليس للاب تحرير قنه بمال وغيره ولا ان يهب ماله ولو بعوض ولا اقراضه في الاصح (هامش ردالمحتار مع الدرالمختار شرح تنوير الابصار' كتاب الوكالة' فصل لا يعد وكيل البيع والشراء والاجارة ۵۲۸/۵' ۵۲۹ ط سعيد كراتشي)

نہیں بلکہ سوتیلے دادی چچا وغیرہ ہیں اب رہی یہ بات کہ بچے کا سوتیلا بھائی کہتا ہے میں اپنی اولاد کے ساتھ پرورش کروں گا اب شرع شریف کا کیا حکم ہے ؟ اس بچی کی پرورش سوتیلی نانی یا بچی کی ماں یا حقیقی نانا کرے یا سوتیلی دادی یا سوتیلے چچا ؟ المستفتی نمبر ۱۹۹۱ سوداگر عبدالرزاق صاحب ضلع کٹنور ۲ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۴۳) ماں کا حق حضانت غیر محرم سے شادی کر لینے سے ساقط ہو گیا (۱) اور نانا اور سوتیلی نانی اور سوتیلے چچا اور سوتیلی دادی وغیرہ کا کوئی حق ہے نہیں (۲) اس لئے اب لڑکی کی پرورش اور تربیت کا انتظام اس کا ولی یعنی چچا کر سکتا ہے (۳) اور عورتوں میں سے جس کے پاس رہنا زیادہ انفع ہو اس کے پاس رکھ دی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ماں کے بعد نانی کو' پھر دادی کو حق پرورش ہے

(سوال) ابراہیم حاجی محمد بلائی میمن نے اپنی زوجہ مسماۃ مریم بی بنت جو سب دادا میمن کو اس کی نافرمانی اور بد اخلاقی کے باعث طلاق دی بعد طلاق دینے کے مطلقہ مریم ایک لڑکی بھی سات سالہ رابعہ بانو ساتھ لے کر گئی اور مطلقہ نے ایک پٹھان مسمی عبدالستار سے نکاح کیا جس کے پانچ بچے ہیں مریم بی رابعہ بانو کو ساتھ رکھے ہوئے ہے ایسی حالت میں جب کہ رابعہ بانو کی نانی ایک عرب کے ساتھ نکاح کر کے بیٹھی ہے اور ماں نے بھی غیر کفو پٹھان سے نکاح کر لیا ہے آیا پرورش کا حق اس کو ہے یا نہیں ؟ رابعہ بانو کی دادی حیات ہے ؟

(جواب ۴۴۴) جب کہ لڑکی کی ماں اور نانی دونوں نے لڑکی کے غیر محرم سے نکاح کر لیا ہے تو لڑکی کو رکھنے کا ان کا حق جاتا رہا (۴) لڑکی کو اس کی دادی رکھ سکتی ہے (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) والحضانة تثبت للام... الا ان تکون مرتدة او فاجرة او غیر مامونة......او متزوجة بغیر محرم الصغیر (تنویر الابصار و شرحہ مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/۵۵۵ ط سعید کراتشی)

(۲) اس لئے کہ حق پرورش نابالغ میں ماں کے بعد نانی' نانی کے بعد دادی' دادی کے بعد بہن' بہن کے بعد خالہ اور خالہ کے بعد پھوپھی کو ہے' ان کے علاوہ دوسری عورتوں کو نہیں' کما فی تنویر الابصار و شرحہ' ثم ای بعد الام بان ماتت او لم تقبل اواسقطت حقھا او تزوجت باجنبی ام الام وان علت عند عدم اھلیة القربی ثم ام الاب وان علت ثم الاخت لاب وام ثم لام ثم الاخت لاب ثم الخالات کذلك ثم العمات کذلك (تنویر الابصار مع شرحہ مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/۵۶۲ ط سعید کراتشی)

(۳) ثم العصبات بترتیب الارث فیقدم الاب ثم الجد ثم الاخ الشقیق ثم لاب ثم بنوہ کذلك ثم العم ثم بنوہ واذا اجتمعوا بالا روع ثم الاسن اختیار (درمختار) وقال فی الرد (قولہ ثم العم ثم بنوہ) ینبغی ان یقول کذلك لما فی البحر والفتح ثم العم شقیق الاب ثم لاب واما اولادہ فید فع الیھم الغلام لا الصغیرة لانھم غیر محارم (ھامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/۵۶۳ ط سعید کراتشی)

(۴) والحاضنة یسقط حقھا بنکاح غیر محرمه ای الصغیر (الدر المختار مع ھامش رد المحتار' کتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/ ۵۶۵ ط سعید کراتشی)

(۵) وان لم یکن له ام تستحق الحضانة بان کانت غیر اھل للحضانة او متزوجة بغیر محرم او ماتت فام الام اولی من کل واحدة وان علت فان لم یکن للام ام فام الاب اولی ممن سواھا وان علت کذافی فتح القدیر (الفتاوی الھندیة' کتاب الطلاق' الباب السادس عشر فی الحضانة ۱/۵۴۱ ط ماجدیه' کوئٹه)

بچی کا حق پرورش کب تک ہے ؟

(سوال) ایک شخص کا نکاح ۳۵ سال قبل ہوا تھا اس بیوی کے بطن سے ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً ۲۵ سال ہے موجود ہے اور ایک لڑکی ہے جس کی عمر تقریباً دس سال ہے عرصہ پانچ سال ہوئے کہ ان میاں بیوی میں تنازعہ ہو گیا وجہ تنازعہ یہ ہوئی کہ ایک شخص جو برادری کا ہے اس کو عورت نے دینی بھائی بنایا اس کے خاوند نے کوئی بات دیکھ کر منع کیا اس پر وہ عورت خاوند سے علیحدہ ہو کر اس شخص کے ساتھ رہنے لگی چار سال متواتر ہو گئے پھر اس کے والدین اور رشتہ داروں نے اس عورت کو ہر چند سمجھایا لیکن وہ اپنے خاوند کے ہاں نہیں گئی پنچایت ہوئی پھر اس کو سمجھایا گیا مگر عورت نے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ میں اپنی دینی بھائی کو نہیں چھوڑ سکتی چاہے خاوند چھوٹ جائے اس پر اس کے خاوند نے طلاق دیدی اور پنچایت نے سر ہو کر فارغتی دلوادی اس کے بعد عورت نے اپنے اور لڑکی کے روٹی کپڑے کی بابت دعویٰ دائر کر دیا وہ درخواست خارج ہو گئی پھر عورت نے صرف لڑکی کی طرف سے درخواست دی لڑکی کی خوراک عدالت نے چار روپے ماہوار کے حساب سے روٹی کپڑے کی ڈگری دیدی لڑکی کی عمر دس سال ہے اس کا باپ اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے آیا وہ رکھ سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ٤٤٥) لڑکی بلوغ تک اپنی ماں کے پاس رہ سکتی ہے (۱) ہاں اگر باپ کوئی ایسی وجہ بتلائے کہ اس کی بنا پر لڑکی کو ماں کے پاس سے ہٹانا ضروری ہو تو پھر باپ لے سکے گا (۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ماں' نانی' دادی اور بہن کے بعد' حق پرورش خالہ کو ہے

(سوال) زید کا انتقال ہوا اس نے ایک زوجہ اور ایک دو سالہ لڑکی چھوڑی دو سال گزرنے پر زوجہ نے نکاح ثانی کر لیا زید مرحوم کا نہ کوئی حقیقی وارث ہے نہ اس کی بیوہ کی حقیقی ماں موجود ہے البتہ اس کا حقیقی باپ اور بہن زندہ ہے اب زید کی بچی کی پرورش کون کرے زید کا سوتیلا بھائی اور زید کی سوتیلی ماں کہتے ہیں ہم پرورش کریں گے۔ المستفتی نمبر ۲۰۰۳ عبدالقادر (ضلع گنٹور) ۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٤٦) اگر ہندہ کی حقیقی بہن یعنی بچی کی خالہ موجود ہے اور وہ پرورش کرنے پر راضی اور تیار ہے تو اس کو حق حضانت حاصل ہے (۳) اور اگر وہ انکار کر دے تو پھر ماں (جس کا حق حضانت بوجہ نکاح غیر محرم کے ساقط ہو چکا ہے) اور سوتیلی دادی یا سوتیلا چچا یا حقیقی نانا ان میں سے جو بچی کی تربیت اور نگرانی اچھی

---

(۱) والام والجدة لام اولاب احق بها با لصغيرة حتى تحيض اى تبلغ في ظاهر الرواية (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/ ٥٦٦ ط سعيد كراتشي) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے جواب ۴۴۷ کا حاشیہ ۳

(۲) والحاضنة يسقط حقها بنكاح غير محرمه اى الصغير وكذا بسكناها عند المبغضين له لما في القنية لوتزوجت الام بآخر فامسكته ام الام في بيت الراب فللاب اخذه (الدر المختار مع هامش رد المحتار ' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/ ٥٦٥)ط سعيد كراتشي

(۳) ثم اى بعد الام بان ماتت او لم تقبل 'اواسقطت حقها او تزوجت باجنبى ام الام ثم ام الاب وان علته ثم الاخت لاب وام ثم لام ثم الاخت لاب ثم الخالات كذلك ثم العمات كذلك (تنوير الابصار' و شرحه مع هامش ردالمحتار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/ ٥٦٢ ط سعيد كراتشي)

طرح کر سکے اس کے پاس بچی کو رکھ دیا جائے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

جواب دیگر ۴۴۷) (۲۰۰۶) تین خالہ زندہ ہیں تو ان میں سے کسی ایک کی پرورش میں بچی رہ سکتی ہے(۲) سوتیلے چچا اور سوتیلی دادی کو حق حضانت حاصل نہیں ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی ۹ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۴ نومبر ۱۹۳۷ء

ستر ھواں باب
ایلاء

کسی نے اپنی بیوی سے کہا "جب تک تم تین پارے قرآن شریف نہ پڑھ لے اس وقت تک مجھ پر حرام ہے" تو کیا حکم ہے؟

(سوال) ایک شخص نے اپنی منکوحہ سے یوں کہا کہ (جب تک تو تین پارے قرآن شریف کے نہ پڑھ لے اس وقت تک مجھ پر حرام ہے) اس کے بعد اس نے قرآن شریف پڑھنا شروع کر دیا اسی درمیان میں کہ وہ قرآن شریف پڑھتی تھی اور ابھی تین پارے پورے نہ ہوئے تھے کہ ایک ماہ کچھ دن کے بعد اس عورت سے جماع کر لیا جماع کے بعد اس عورت نے یہ کہا کہ تم نے تو قسم کھائی تھی ایسا کیوں کیا اس کے جواب میں اس نے کہا کہ اب تو میں تو ایسا کر لیا آئندہ کے لئے وہی بات رہی چنانچہ اس کو عرصہ سات ماہ کا ہو چکا اور ابھی تک تین پارے پورے نہیں ہوئے نہ کسی قسم کا کوئی کفارہ ادا کیا نہ صحبت کی پس اس صورت میں وہ عورت اس کے نکاح میں باقی ہے یا نہیں اگر نکاح سے باہر ہو گئی تو دوبارہ اس سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں یا ان تین پاروں کے پورا کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں اور پورا لفظاً پڑھا جائے یا یاد کرایا جائے یا کفارہ ادا کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں اور کفارہ کیا ہونا چاہئے؟ المستفتی نمبر ۱۴۹۸ مولوی عبدالحق صاحب۔ (ضلع مراد آباد) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۴۸) تین پارے پڑھنے سے پہلے جو وطی کر لی ہے اس میں کفارہ یمین واجب ہوا (۱) یعنی دس مسکینوں کو فی مسکین پونے دو سیر گیہوں دینا چاہئے۔ (۲)

---

(۱) وأفاد ... بأن هذا مفروض فيما اذا كان مستحق للحضانة اقرب منه فلو لم يكن غيره وكان الولد ذكرا يبقى عنده وكذا لو كان انثى لا تشتهي (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/۵۶٦ ط سعيد كراتشي)

(۲) ... اى بعد الام ... او لم تقبل او اسقطت حقها او تزوجت باجنبي ام الام وان علت ثم ام الاب وان علت ثم الاخت لاب وام ثم لام ثم الاخت لاب ثم الخالات كذلك ثم العمات ... ثم العصبات بترتيب الارث فيقدم الاب ... واذا اجتمعوا فالاورع ثم الاسن (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الحضانة ۳/۵٦۳ ط سعيد كراتشي)

اس کے بعد پھر اس نے یہ کہا کہ آئندہ کے لئے وہی بات رہی یہ از سر نو ایلاء ہوا اس وقت سے چار ماہ گزرنے تک تین پارے نہ ہونے اور درمیان میں وطی واقع نہ ہوئی تو چار ماہ گزرنے پر طلاق بائن ہو گئی (۳) اب تجدید نکاح کی ضرورت ہے اور ایلاء ختم ہو گیا تجدید نکاح کر کے وہ بیوی سے مقاربت کر سکتا ہے (۴) لیکن تین پارے پورے ہونے سے قبل جو وطی واقع ہو گی اس میں اسے کفارہ یمین دینا ہو گا تین پارے ناظرہ پڑھ لینا قسم پوری ہو جانے کیلئے کافی ہو گا۔ حفظ ہونے کی ضرورت نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قسم کھا کر کہا "تو مجھ پر حرام ہے' اب میں تجھ سے صحبت نہیں کروں گا' اس کے بعد بالکل ہمبستری نہیں کی' تو کیا حکم ہے؟

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) زید اپنی عورت کو طرح طرح کی اذیتیں خلاف شرع دیتا ہے اور بار ہا امر ممنوع کے ارتکاب پر جبر کرتا ہے مثلاً صوم ماہ رمضان میں وطی کرتا ہے ہر چند عورت منع کرتی ہے مگر نہیں مانتا ایک روز اپنی عورت کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا یہ ان دنوں میں جب کہ پورے نو ماہ کی حاملہ تھی عورت سے بار بار یہ کلمات کہتا رہتا ہے۔

(۱) اگر میں تجھ سے ہم بستری کروں یا کلام کروں تو گویا اپنی ماں بہن سے کروں' ان کلمات کے کہنے کے بعد آٹھ نو ماہ سے بالکل ہم بستری نہیں کی۔

(۲) اور یہ بھی کہا ہے کہ قسم ہے خدا کی تو مجھ پر حرام ہے اب میں تجھے بالکل حرام کر چکا ہوں۔

(۳) اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ جو تیرے تین بچے پیدا ہوئے ہیں ان میں سے ایک بھی میرا نہیں ہے ایک فلاں کا ایک فلاں کا۔

(۴) اور یہ بھی کہا ہے کہ میں تجھ سے بہت زمانہ سے عہد کر چکا ہوں کہ اب تجھ سے صحبت نہیں کروں گا اب میرے اور تیرے درمیان میاں بیوی کے سے تعلقات نہیں ہیں اب تجھے بازار کی رنڈی کی طرح گھر میں رکھتا ہوں۔

---

(۱) وهذا القسم فيه الكفارة لآية : واحفظوا ايمانكم. فقد ان حنث (تنوير الابصار وشرحه مع هامش رد المحتار، كتاب الايمان ۳ / ۷۰۸ ط سعيد كراتشي)

(۲) قال الله تعالى: فكفارته اطعام عشرة مسكين من اوسط ما تطعمون اهليكم او كسوتهم او تحرير رقبة (المائدة ۸۹) وكفارته تحرير رقبة او اطعام عشرة مساكين او كسوتهم (درمختار) وقال الرد (قوله عشرة مساكين) اى تحقيقا او تقديرا حتى لو اعطى مسكينا واحدا في عشرة ايام كل يوم نصف صاع يجوز (الدر المختار مع هامش رد المحتار، كتاب الايمان ۳ / ۷۲۵ ط سعيد كراتشي)

(۳) فان وطئها في الاربعة الاشهر حنث في يمينه و لزمته الكفارة و يسقط الايلاء وان لم يقربها حتى مضت اربعة اشهر بانت منه بتطليقة (الهداية، كتاب الطلاق، باب الايلاء، ۲ / ۴۰۱ ط شركة علميه ملتان)

(۴) اذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان يتزوجها في العدة و بعد انقضائها (الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به ۱ / ۴۷۲ ط مكتبه ماجديه كوئته)

(جواب ۴۴۹) عبارت نمبر ۲ اور نمبر ۴ سے کم از کم ایلاء ضرور ثابت ہوتا ہے(۱) اور جب کہ ان الفاظ کے کہنے کے بعد چار ماہ تک اس نے اپنی بی بی سے وطی نہ کی اور علیحدگی رکھی تو عورت پر طلاق بائن پڑ گئی(۲) اور بعد انقضائے عدت وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرسہ امینیہ' دہلی

اٹھارھواں باب
ظہار

کسی نے کہا "اگر میں اس سے زندگی کروں گا' تو اسی کے نطفہ سے پیدا ہوں گا" تو کیا حکم ہے؟

(سوال) زید کی بیوی اور زید کی والدہ میں فساد ہوا اور زید کی والدہ نے زید سے شکایت کی زید نے سخت غصہ کی حالت میں اپنی زوجہ کی غیر موجودگی میں یہ کہا کہ "اگر میں اس سے زندگی کروں گا تو اسی کے نطفہ سے پیدا ہوں گا" اس کا کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۴۲۰ عیسیٰ خاں مدرس مدرسہ نسواں (ضلع امراؤتی) ۱۹ رجب ۱۳۵۳ھ م ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۵۰) یہ قسم ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ زید اپنی بیوی کے ساتھ میاں بیوی کے تعلقات اور خانہ داری کے تعلقات رکھ سکتا ہے اور قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے(۴) کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا ہر مسکین کو پونے دو سیر گیہوں دیدے یا دس مسکینوں کو ایک ایک چادر دیدے اس کی قدرت نہ ہو تو تین روزے متواتر پے در پے رکھ لے۔(۵) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کسی نے کہا "وہ عورتیں جو اپنے خاوندوں کی تابعدار ہیں' وہ ماؤں سے مشابہ ہیں باعتبار شفقت و محبت کرنے کے' تو کیا حکم ہے؟

(سوال) (۱) زید نے اپنی بیوی سے باہم بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ صاحب اخلاق جلالی فرماتے ہیں کہ

---

(۱) واذا قال الرجل لامرأته والله لا اقربك او قال والله لا اقربك اربعة اشهر فهو مول لقوله تعالىٰ " للذين يؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر بالآية (الهداية' كتاب الطلاق' باب الايلاء ۲/ ۴۰۱ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) وان لم يقربها حتى مضت اربعة اشهر بانت منه بتطليقة (الهداية' باب الايلاء ۲/ ۴۰۱ ط مكتبه شركة علميه ملتان) وقال في الدر: و حكمه وقوع طلقة بائنة ان بر و لم يطأ (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الايلاء ۳/ ۴۲۴ ط سعيد كراتشي)

(۳) قال الله تعالىٰ " واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن اذا تراضوا بينهم بالمعروف (البقرة ۲۳۲)

(۴) وهذا القسم فيه الكفارة لاية "واحفظوا ايمانكم" فقط ان حنث (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الايمان ۳/ ۷۰۸ ط سعيد كراتشي)

(۵) قال الله تعالىٰ " فكفارته اطعام عشرة مسكين من اوسط ما تطعمون اهليكم او كسوتهم او تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلثة ايام ذلك كفارة ايمانكم اذا حلفتم (المائدة' ۸۹) وكفارته تحرير رقبة اواطعام عشرة مساكين كما مر في الظهار او كسوتهم... وان عجز عنها كلها وقت الاداء صيام ثلاثة ايام ولاء (تنوير الابصار و شرحه مع هامش رد المحتار' كتاب الايمان ۳/ ۷۲۵ ط سعيد كراتشي)

علماء کے نزدیک وہ عورتیں جو اپنے خاوندوں پر مہربان ہیں اور شفقت سے پیش آتی ہیں اور ان کی تابعدار اور وفادار ہیں وہ ماؤں سے مشابہ ہیں باعتبار شفقت اور محبت کرنے کے کیا زید کے اس کہنے سے ظہار واقع ہو گایا نہیں (۲) ظہار کے باب میں سورہ مجادلہ میں ابتدا کی جو آیت ہے کس آیت تک ظہار کا تذکرہ ختم ہو جاتا ہے ؟ ذلك لتؤمنوا بالله ورسوله تک یا وللکفرین عذاب الیم تک
(۳) اور اگر ظہار واقع ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے جس سے تلافی ظہار ہو جائے۔ المستفتی نمبر ۱۵۳۱ غلام محمد (ضلع حصار) ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ م ۲۴ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ٤٥١) زید کے اس تذکرہ سے ظہار نہیں ہوا(۱) قرآن پاک میں ظہار کا تذکرہ جس آیت پر ختم ہوتا ہے وہ عذاب الیم پر ختم ہوتی ہے۔(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کسی نے اپنی بیوی سے کہا' کہ "تو میری بہن کے برابر ہے" تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک آدمی نے اپنی عورت کو حالت غصہ میں دو مرتبہ اپنی بہن کے برابر ہونے کے الفاظ کہہ دیئے ہیں یعنی یہ کہا ہے کہ تو میری بہن کے برابر ہے یہ دو مرتبہ کہا ہے پھر بعد میں عورت کے رشتہ داروں سے یہ بھی کہا کہ اس عورت کو تم اپنے گھر لے جاؤ کیونکہ میں نے اس کو دو مرتبہ بہن کے برابر ہونا کہہ دیا ہے تو اب میں رکھنا نہیں چاہتا ہوں بعد میں گھر میں رہنے دیا ہے اب للہ یہ بتلائیں کہ ان دونوں سے نکاح میں فساد ہے کہ نہیں اور فساد ہے تو کس طرح کا یعنی طلاق ہے تو رجعی ہے یا طلاق بائن ہے یہ صورت فقط طلاق نہ ہو تو ظہار ہی ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۸۱۸ آدم محمد یوسف (بہار) ۲۲ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٥٢) طلاق کی نیت سے یہ الفاظ کہے ہوں تو طلاق بائن ہے(۳) اور تجدید نکاح کرنا لازم ہے حلالہ کی ضرورت نہیں(۴) اور طلاق کی نیت نہ ہو بلکہ عزت میں بہن کے برابر کہا ہو تو کچھ نہیں ظہار نہیں ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) وان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لوحذف علی خانیۃ برا اوظهارا او طلاقا صحت نيته ووقع مانواه لانه كنايه ولا ينوشيا او حذف الكاف لغا وتعين الادنى اى البر يعنى الكرامة (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب الطلاق باب الظهار ۳ / ۴۷۰ ط سعيد كراتشى)
(۲) دیکھئے سورۃ المجادلۃ آیت ۱-۲-۳-۴
(۳) وان نوى بانت على مثل امى او كامى وكذا لوحذف على خانية برا او ظهارا او طلاقا صحت نيته ووقع مانواه لانه كنايه (درمختار) وقال فى الرد (قوله لانه كناية) اى من كنايات الظهار والطلاق قال فى البحر واذا نوى به الطلاق كان بائنا كلفظ الحرام (هامش رد المحتار مع الدر المختار كتاب الطلاق باب الظهار ۳ / ۴۷۰ ط سعيد كراتشى)
(۴) وينكح مبانته بما دون الثلاث فى العدة وبعدها بالاجماع (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب الطلاق باب الرجعة ۳ / ۴۰۹ ط سعيد كراتشى)
(۵) وان لا ينوشيا او حذف الكاف لغا وتعين الادنى اى البر يعنى الكرامة (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب الطلاق باب الظهار ۳ / ۴۷۰ ط سعيد كراتشى)

بیوی کو ماں کہہ دیا تو نکاح نہیں ٹوٹا

(سوال) ایک شخص نے اپنی منکوحہ بیوی کو غصہ کی حالت میں یہ لفظ کہہ دیا کہ میری ماں ادھر سے ادھر آ جا زوجہ کو ماں کہنے میں کوئی طلاق تو نہیں پڑتی اگر طلاق پڑتی ہے تو کیسی یا ظہار ہو کر کفارہ دینا ہو گا یا کچھ بھی نہ ہو گا یہ لفظ کہتے وقت نیت نہ طلاق کی تھی نہ ظہار کی۔ **المستفتی نمبر ۱۹۱۵** ملا عبدالغنی صاحب امام مسجد (جے پور) ۱۸ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب **۴۵۳**) اس لفظ کے کہنے سے نہ طلاق ہوئی نہ ظہار لغو اور مہمل لفظ تھا بیکار گیا۔(۱) **محمد کفایت اللہ** کان اللہ لہ، دہلی

بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں کہا تو کیا حکم ہے؟

(سوال) بیوی کو بہ نیت طلاق ماں کہہ دینا۔

(جواب **۴۵۴**) اگر اپنی بیوی کو تکرار میں ماں یا بہن یا بیٹی طلاق کی نیت سے کہہ دے تو طلاق بائن ہو جاتی ہے۔(۲) **محمد کفایت اللہ** کان اللہ لہ، دہلی

شوہر نے بیوی سے کہا "اگر میں تم سے صحبت کروں تو اپنی ماں سے صحبت کروں" تو کیا حکم ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) (۱) اگر کوئی شخص غصہ کے ساتھ اپنی بی بی سے کہے کہ اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو اپنی ماں سے صحبت کروں (۲) ایک شخص اپنی بیوی کو کہتا ہے کہ میں تیرا باپ ہوں تو میری بیٹی ہے یا یہ کہتا ہے کہ تو میری ماں ہے میں تیرا بیٹا ہوں یا تو میری ماں اور میں تیرا باپ کیا حکم ہے؟

(جواب **۴۵۵**) (۱) یہ کلام مہمل اور بیہودہ ہے نہ اس سے طلاق پڑتی ہے اور نہ ظہار ہوتا ہے۔(۳) (۲) یہ سب الفاظ مہمل اور بیہودہ ہیں ان سے طلاق نہیں ہوتی۔ **محمد کفایت اللہ** غفر لہ،

---

(۱) وان نوى بانت علي مثل امي او كامي وكذا لو حذف علي خانية برا او ظهارا او طلاقا صحت نيته ووقع مانواه لانه كناية والا ينو شيئا او حذف الكاف لغا وتعين الادنى يعني الكرامة (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الظهار ۳ / ۴۷۰ ط سعيد كراتشي)

(۲) بلا حرف تشبیہ کے بیوی کو ماں یا بہن کہنے سے (انت امی او انت اختی) نہ طلاق واقع ہوتی ہے [illegible] البتہ [illegible] بعد کی عبارات فقہاء [illegible] قال في الدر المختار: وان نوى بانت علي مثل امي او كامي وكذا لو حذف علي خانية برا او ظهارا او طلاقا صحت نيته ووقع مانواه لانه كناية والا ينو شيئا او حذف الكاف لغا (الدر المختار) وقال في الرد (قوله او حذف الكاف) بان قال انت امي (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق باب الظهار ۳ / ۴۷۰ ط سعيد كراتشي) [illegible] مفتی اعظم [illegible] طلاق کا [illegible] مد مسامحة الشيخ والاصل ماحررناه من اقوال الفقهاء [illegible]

(۳) لو قال ان وطئتک وطئت امی فلا شيء عليه كذا في غاية السروجي (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب التاسع في الظهار ۱ / ۵۰۷ ط مكتبه ماجديه كوئٹه) (۴) والا ينو شيئا او حذف الكاف لغا وتعين الادنى اي البر يعني الكرامة ويكره قوله انت [illegible] (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق باب الظهار ۳ / ۴۷۰ ط سعيد كراتشي)

شوہر نے کہا" یہ تو میری ماں ہے" پھر اس کے بعد طلاق نامہ بھی تحریر کر دیا' تو کیا حکم ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید نے اپنی لڑکی نابالغہ کا عقد بکر نابالغ کے ساتھ کر دیا تھا بالغ ہونے سے پیشتر لاعلمی کی حالت میں دونوں کو باہمد گر صرف کھیل کود کا موقع ملتا رہا بالغ ہونے کے بعد جب لڑکی کو بکر کے ہاں بھیجا گیا تو بکر نے اپنے والدین سے کہا کہ مجھے اس سے کیا واسطہ یہ یہاں کیوں بلائی گئی ہے صورت حال یہ ہے کہ بکر آوارہ اور بد چلن اور مندرجہ رجسٹر پولیس ہے لڑکی والوں نے جب یہ کہا کہ اچھا ہم اس کو واپس لے جاتے ہیں اس کا زاد راہ تو دے دو اس نے جواب دیا کہ یہ تو میری ماں ہے اس کا کرایہ کیسا ؟ بکر نے سادہ کاغذ پر دو شاہدوں کے دستخط سے ایک طلاق نامہ بھی تحریر کر دیا ہے اگر طلاق ہو گئی تو عدت کا شمار اسی وقت سے ہو گا یا دوسرا طلاق نامہ قانون رائج الوقت کے مطابق لکھوایا جائے۔

(جواب ۴۵۶) زید نے جب طلاق نامہ تحریر کر دیا ہے تو طلاق ہو گئی(۱) اسی تاریخ سے عدت شمار ہو گی بشر طیکہ طلاق نامہ کے الفاظ تنجیز طلاق کے ہوں دوسرا طلاق نامہ لکھوانے کی وقوع طلاق کے لئے تو ضرورت نہیں ہاں حجت اور ثبوت کے لئے لکھوا لینے کا مضائقہ نہیں مگر عدت پہلے ہی طلاق نامہ کی تحریر کے وقت سے شمار ہو گی۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ " تو آج سے میری ماں ہے اور میں آج سے تیرا بیٹا ہوں" تو کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک شخص نے اپنی بیوی کو معمولی لڑائی کی وجہ سے کہا کہ تو آج سے میری ماں ہے اور میں آج سے تیرا بیٹا ہوں اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ چھوڑنے کی وجہ سے کہا ہے کیونکہ میں اس کو چھوڑنا چاہتا ہوں ؟

(جواب ۴۵۷) یہ الفاظ تو لغو ہیں اگر طلاق دینا ہے تو صاف الفاظ میں دیدے ان الفاظ سے طلاق نہیں ہوئی۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) كتب الطلاق' ان مستبينا على نحو لوح وقع ان نوى و قيل مطلقا (در مختار) وقال في الرد ولو قال للكاتب اكتب طلاق امراتي كان اقرارا بالطلاق وان لم يكتب (هامش رد المحتار مع الدر المختار' كتاب الطلاق' مطلب في الطلاق بالكتابة ۳ / ۲۴۶ ط سعيد كراتشي)

(۲) بان كتب اما بعد' فانت طالق' فكما كتب هذا يقع الطلاق و تلزمها العدة من وقت الكتابة وان علق طلاقها بمجئ الكتاب بان كتب' اذا جاء ك كتابي فانت طالق فجاء ها الكتاب فقرأه او لم تقرأ يقع الطلاق كذافي الخلاصة (هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' مطلب في الطلاق بالكتابة ۳ / ۲۴۶ ط سعيد كراتشي)

(۳) لو قال لها انت امي لا يكون مظاهرا و ينبغي ان يكون مكروها و مثله ان يقول يا ابنتي ويا اختي و نحوه (الفتاوى الهندية' كتاب الطلاق' الباب التاسع في الظهار ۱ / ۵۰۷ ط ماجدية' كوئٹہ)

انیسواں باب
متفرقات

عورت بھاگ کر دوسرے کے پاس چلی گئی تو بغیر طلاق کے اس سے نکاح کرنا جائز نہیں

(سوال) ایک شخص کے نکاح میں دو عورتیں تھیں ان میں سے ایک آپس کی رنجش و لڑائی جھگڑے کی وجہ سے کسی اور شخص کے ہمراہ بھاگ نکلی اور چودہ پندرہ سال اس کے ساتھ رہی اولاد بھی ہوئی اب وہ شخص جس کے ساتھ نکلی تھی دو سال ہو چکے فوت ہو چکا ہے اگر اس وقت کوئی اور آدمی اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو کیا اس کو اصلی خاوند سے طلاق نامہ حاصل کرنا چاہئیے اور عدت ختم ہونے پر نکاح کرنا چاہئیے ؟
المستفتی نمبر ۴۷ اشہباز خاں پٹشنر (ضلع کرنال) ۴ ارمضان ۱۳۵۲ھ م یکم جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۵۸) ہاں اس عورت کا چونکہ جائز خاوند موجود ہے اس لئے کسی دوسرے مرد کو اس کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے اصلی خاوند سے طلاق لینی ضروری ہے (۱) اور جب خاوند طلاق دیدے گا تو عورت کو عدت بھی گزارنی ہوگی (۲) بعد انقضائے عدت کوئی دوسرا شخص نکاح کر سکے گا۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

گاؤں کے سرداروں نے طلاق دینے پر جو رقم شوہر سے لی ہے اس کا حکم

(سوال) کلثوم اور بکر کے درمیان عرصہ سے ناجائز تعلق تھا جس کی وجہ سے کلثوم حاملہ ہوئی بعد از ظہور حمل محلّہ کے سرداروں کو اطلاع ملی سرداروں نے دونوں کا نکاح کرا دیا بعد از نکاح حمل سابق سے ایک لڑکی پیدا ہوئی کچھ مدت کے بعد بکر نے کلثوم کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو سرداروں نے کہا کہ تجھے دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنا پڑے گا بجز اس کے چارہ نہیں ہے یا تو اس کو زوجیت میں رکھو یا پچاس روپے ادا کرو کیونکہ اگر تم اس کو طلاق دیدوگے تو چونکہ تمہاری حرکت ناشائستہ کی وجہ سے بیچاری ایک گونہ قابل نفرت ہو گئی لہذا اب دوسری جگہ شادی کرنے میں ضرور کچھ روپیہ دینا پڑے گا ہاں اگر یہ روپیہ نہ لگے تو اس کو کار خیر میں خرچ کر دیا جائے گا چنانچہ روپیہ لے لیا گیا حسن اتفاق سے دوسری جگہ شادی کرنے میں اس میں سے ایک روپیہ بھی خرچ نہ ہوا وہ روپیہ کلثوم کے والد کے پاس امانت رکھا ہے اب سردار لوگ دریافت کرتے ہیں کہ یہ روپیہ

---

(۱) اس لئے کہ کسی کی منکوحہ سے نکاح شریعت میں جائز نہیں ہے لقوله تعالى حرمت عليكم امهاتكم .. والمحصنات من النساء الا ما ملكت ايمانكم كتاب الله عليكم (النساء ۲۴) اما نكاح منكوحة الغير و معتدته..... فلم يقل احد بجوازه فلم ينعقد اصلا (هامش رد المحتار كتاب الطلاق باب العدة مطلب فى النكاح الفاسد والباطل ۳/۵۱۶ ط سعيد كراتشي)
(۲) قال الله تعالى : والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء (البقرة ۲۲۸)
(۳) قال الله تعالى : واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن اذا تراضوا بينهم بالمعروف (البقرة ۲۳۲)۔

کار خیر میں خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۹۷۳** مولوی کبڈ صاحب (نواکھالی) ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۴ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۵۹) یہ روپیہ کسی نیک کام میں خرچ نہیں ہو سکتا بلکہ بکر کو واپس دینا چاہئے (۱) اگر بکر واپس نہ لے اور کہہ دے کہ کسی نیک کام میں خرچ کر دو تو بیشک کسی نیک کام میں خرچ ہو سکے گا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

چند کلمات کے اصطلاحی معنی

(سوال) مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی اصطلاحی تحریر فرمائیے اگر بذریعہ تحریر جواب نہ دے سکیں تو تشریف لاکر حل فرمائیں صرفہ آمد و رفت پیش کیا جائے گا نمبر ۳، ۴، ۵، ۶ کی خاص تشریح کی ضرورت ہے کیونکہ ان اشخاص کے دینے سے طلاق نہیں پڑتی (۱) مجنون (۲) صبی (۳) معتوہ (۴) برسم (۵) مغمی علیہ (۶) مدہوش (۷) نائم (۸) جبل (۹) احبال۔ **المستفتی نمبر ۱۲۰۲** طاہر خاں صاحب (ضلع گونڈہ) ۵ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۴ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۶۰)

نمبر شمار	الفاظ	معنی اصطلاحی
(۱)	مجنون	دیوانہ پاگل
(۲)	صبی	نابالغ بچہ
(۳)	معتوہ	یہ دونوں قریب المعنی ہیں ایسے شخص کو کہتے ہیں جو بالکل پاگل تو نہ ہو مگر اس کے حواس اس درجہ کے مختل ہوں کہ اس کے نادرست افعال غالب اور درست کم ہوں۔
(۴)	برسم	
(۵)	مغمی علیہ	بیماری یا صدمہ سے بے ہوش ہونے والا
(۶)	مدہوش	جس کے اوسان اور حواس فوری طور پر خطا ہو جائیں
(۷)	نائم	سونے والا
(۸)	جبل	حمل — یہ دونوں لفظ اس فہرست میں نہیں ہیں جو ایسے لوگوں کے متعلق ہے جن کی طلاق واقع نہیں ہوتی یہ لفظ علامات بلوغ میں ذکر کئے جاتے ہیں۔
(۹)	احبال	حاملہ کر دینا

---

(۱) اس لئے کہ یہ روپیہ تعزیر [illegible] مالی [illegible] جائز نہیں ہے لہٰذا اس سے وصول کیا گیا ہے وہ رقم کی طرح ہے [illegible] [illegible] صدقہ [illegible] رضامندی [illegible] خرچ نہیں کر سکتا چاہئے کما فی الدر المختار: لا باخذ مال فی المذھب بحر (درمختار) (وقال فی الرد: قولہ لا باخذ مال فی المذھب) [illegible] وعندھما و باقی الائمۃ لا یجوز (قولہ فیہ) اذ لا یجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی و فی المجتبی لم یذکر کیفیۃ الاخذ واری ان یاخذھا فیمسکھا فان ایس من توبتہ یصرفھا الی ما یری و فی شرح الآثار التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ (ھامش رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب فی التعزیر باخذ المال ۴ / ۶۱ ط سعید کراتشی)

جناب من السلام علیکم : الفاظ کے معانی لکھ دیئے گئے ان میں ناقابل حل کون سی بات ہے مجھے آنے کی فرصت نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عورت کا کسی شخص کے ساتھ بھاگ جانے سے 'نکاح نہیں ٹوٹتا

(سوال) ایک مسلمان عورت کی شادی ہو کر عرصہ گزرا اس وقت چھ سات اولاد موجود ہیں وہ عورت غیر قوم کے ایک فرد کے ساتھ فرار ہو گئی دو تین ماہ بعد اس کا بڑا لڑکا اس کو تلاش کر کے لایا اور گھر میں رہنے لگی اور مرد بھی اس سے راضی ہو گیا پس ایسی عورت کا نکاح قائم رہ سکتا ہے یا نہیں اور وہ اپنے شوہر سے زندگی گزار سکتی ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۱۹۱۹ سید ابراہیم صاحب (گوداوری) ۱۹ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٦١) ہاں نکاح قائم ہے فرار ہونے سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کسی نے کہا "تو مجھ پر تین طلاقیں حرام ہے" جب کہ اس کے سامنے نہ اس کی بیوی تھی اور نہ کوئی دوسرا شخص 'تو کیا حکم ہے؟

(سوال) ایک شخص اپنی منکوحہ کے حق میں بحالت غضب کہتا ہے کہ تو مجھ پر تین طلاقیں حرام ہے حالانکہ اس وقت نہ اس کی منکوحہ موجود تھی نہ کوئی دیگر شخص ؟ المستفتی نمبر ۲۰۲۰ مولوی محمد عبداللہ شاہ (میانوالی) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٦٢) یہ لفظ خطاب (تو) کس کو کہا تھا پورا واقعہ لکھنا چاہئے تھا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شوہر نے لوگوں کے کہنے سے اپنی بیوی کو طلاق دی 'تو طلاق واقع ہو گئی

(سوال) ایک شخص گنوار ہے اور بالکل ناواقف ہے اس نے اپنی بیوی کو لوگوں کے کہنے سے طلاق دیدی ہے اور پندرہ دن کے بعد دونوں میاں بیوی رجوع ہو گئے ہیں رجوع ہونے پر لوگوں نے دریافت کیا کہ تم نے طلاق کیسی دی ہے تو اس نے جواب دیا کہ جب لوگوں نے مجبور کیا تو مجبوری کی وجہ سے زبانی طلاق دی ہے میرے دل کے اندر یہ تھا کہ دس بیس دن کے بعد ہم ایک ہو جائیں گے اس کا کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۰۷۴ عبدالغنی صاحب' گوڑگانواں ۲۴ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۹ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٦٣) اگر طلاق ایک یا دو دفعہ کہی تھی تو رجوع کر لینا جائز ہے(۲) اور تین مرتبہ طلاق دیدی تھی تو پھر

---

(۱) فرار ہونا فسخ نکاح کا موجب نہیں ہے۔

(۲) اذا طلق الرجل تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها في عدتها (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة ۲ / ۳۹۴ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

تایازاد بہن سے شادی ہو جائے، تو وہ بیوی بن جاتی ہے، اور جب طلاق پڑ جائے تو وہ تایازاد بہن ہی رہتی ہے

(سوال) میرے بابا کی ایک لڑکی تھی اس کی شادی میرے بابا نے کر دی پندرہ برس کے بعد شوہر انتقال کر گیا کچھ روز کے بعد بابا نے میرے ساتھ نکاح کر دیا چار برس کے بعد کچھ آپس میں لڑائی جھگڑا ہوا ہے جس کے سبب سے میں نے طلاق دیدی ہے میرے بابا نے کل جائیداد لڑکی کے نام سے لگادیا اب وہ جائیداد میرے بابا کی لڑکی نے میرے نام ہبہ کر دیا ہے جب میں نے لڑکی کو طلاق دے دیا ہے تو وہ ہماری رشتہ میں کون ٹھہری بہن یا اور کچھ عدالت فتویٰ طلب کرتی ہے۔ المستفتی نمبر ۲۲۹۳ محمد زکریا خاں (ضلع فیض آباد)
۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ٤٦٤) بابا سے مراد شاید تایا ہے تایا کی لڑکی تایازاد بہن ہوتی ہے اور اس سے شادی ہو جائے تو وہ بی بی بن جاتی ہے جب تم نے طلاق دیدی تو بیوی نہیں رہی وہی پہلا رشتہ یعنی تایازاد بہن ہونے کا قائم ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

فسخ نکاح کے لئے جن لوگوں نے عورت کو مرتد ہونے کی ترغیب دی ہے، وہ سب مرتد ہو گئے

(سوال) زید کی لڑکی کے ساتھ بکر کے لڑکے کا عقد ہوا بعد عقد لڑکی رخصت کرا کر سسرال لائی گئی اور اپنے شوہر کے ساتھ رہتی رہی مگر عرصہ تین ماہ بعد وہ مفرور ہو کر اپنے باپ کے گھر چلی گئی پتہ چلنے پر اس کے شوہر کا بھائی اس کو بلانے کے لئے گیا تو اس کے ماں باپ نے بھیجنے سے انکار کر دیا بعدہ لڑکے کی والدہ گئی مگر اس نے پھر بھی رخصت نہیں کیا پھر اس کا شوہر بذات خود گیا اور کہا سنا مگر لڑکی کے والدین اس کو لے کر دوسری جگہ فرار ہو گئے اور رخصت نہ کیا اسی طرح پر بہت عرصہ گزر گیا وہ گھر ہی رہتی رہی لڑکی کے والدین نے نکاح ثانیہ کرنا چاہا تو کوئی نکاح پڑھانے کو تیار نہ ہوتا تھا کیونکہ اس کے پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی لڑکی کے والد کے ایک پیر صاحب ہیں جو کہ عالم بھی ہیں اور وعظ و نصیحت کا بھی کام کرتے ہیں وہ تشریف لے گئے ان سے عقد ثانی کے لئے کہا گیا لڑکی کے والدین نے بھی اور اس کی برادری کے.... لوگوں نے مولوی صاحب کو مجبور کیا تو انہوں نے یہ ترکیب بتائی جس کا نام شرعی حیلہ رکھا کہ لڑکی بت پرستی کرے بت پرست ہونے پر وہ مرتد ہو جائے گی اور نکاح اس کا فسخ ہو جائے گا تب نکاح ثانی بلا طلاق دیئے پہلے شوہر کے

---

(۱) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة اوثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها والا صل فيه قوله تعالى :" فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" والمراد الطلقة الثالثة (الهداية' كتاب الطلاق' باب الرجعة' فصل فيماتحل به المطلقة ٢/٣٩٩ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

ہو جائے گا مولوی صاحب کی اس ترکیب پر عمل در آمد ہوا اور شرعی حیلہ عمل میں آگیا اور عقد ثانی کر دیا گیا جس کو عرصہ ہو گیا اور اس کے دوسرے شوہر سے اس کے تین بچے بھی ہیں اب دوسرے شوہر کے اور لڑکی کے درمیان انہیں لوگوں نے جدائی کرادی جو پہلے شوہر کے چھڑانے میں شریک تھے اب دوسرا شوہر برادری کے مجبور کرنے پر یہ کہتا ہے کہ پہلے شوہر سے لڑکی طلاق حاصل کرلے تو میں اس کو رکھوں گا اور پہلے شوہر کو اب مجبور کیا جاتا ہے کہ تم طلاق دو اور وہ وہی لوگ ہیں اور ایک کثیر جماعت ہے چونکہ پہلا شوہر بھی اسی برادری کا ہے اس لئے اس کو ہر طرح سے قوم کے لوگ تنگ اور پریشان کرتے ہیں اور دھمکیاں دیتے ہیں اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ جن لوگوں کی ترغیب سے لڑکی نے بت پرستی کی اس کے لئے اسلامی اور شرعی حکم کیا ہے اور لڑکی کے ساتھ ہی ساتھ وہ کس حکم میں داخل ہیں اور جو لوگ اس عقد میں شریک تھے ان کا عقد فسخ ہو گیا یا باقی ہے۔ المستفتی نمبر ۲۳۰۶ امیر محمد و نور الدین صاحبان چوہٹہ بازار (ریوان) ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۲ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ٤٦٥) جن لوگوں نے لڑکی کو بت پرستی کی ترغیب دی اور بت پرستی کرائی وہ سب کافر اور مرتد ہو گئے (۱) اور ان کے نکاح ٹوٹ گئے (۲) ان سب کو توبہ اور تجدید اسلام و تجدید نکاح کرنا لازم ہے (۳) جو لوگ کہ بت پرستی کی ترغیب دینے میں شامل نہ تھے دوسرے نکاح میں شریک تھے وہ کافر نہیں ہوئے شوہر اول کو ایسی صورت میں طلاق دے دینا مناسب ہے۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

میاں بیوی کا آپس میں نباہ نہ ہو سکے' تو طلاق دے دینا چاہئیے

(سوال) زید کی لڑکی کے ساتھ بکر کے لڑکے کا عقد ہوا عقد ہو جانے کے بعد لڑکی گھر لائی گئی کچھ دن بعد معلوم ہوا کہ لڑکی حاملہ ہے اور یہ حمل اس کے میکے کا ہے اس نے لڑکی کے والدین کو بلا کر لڑکی ان کے سپرد کردی اور برادری کے لوگ اکٹھے ہوئے اور پنچایت کی پنچوں نے یہ بات طے کی کہ اس معاملہ کی پوری تحقیقات کرنے کے بعد جیسا ہو گا ہم لوگ فیصلہ کریں گے جس کو عرصہ پندرہ بیس سال کا ہوا مگر اب تک کوئی بات طے نہیں ہوئی ظاہری طور پر مگر باطنی طور پر اس کا عقد ثانی کر دیا گیا اور یہ اس طرح پر ہوا کہ قوم کے لوگوں میں سے دو یا تین آدمی شاہد ہو گئے کہ پہلے شوہر نے طلاق دی ہے مگر یہ شاہد جھوٹے تھے بعد میں جب مولوی صاحب جنھوں نے نکاح پڑھایا تھا ان کو معلوم ہوا کہ شاہد جھوٹے تھے اس پر انہوں نے یہ کہا کہ

---

(۱) ومن امرا مراۃ بان ترتد...... کفر الآخر (شرح فقہ الاکبر ص ۲۲۵)
(۲) وارتداد احدھما فسخ عاجل بلا قضاء (الدر المختار مع ھامش رد المحتار ' کتاب النکاح' باب نکاح الکافر ۱۹۳/۳ ط سعید کراتشی)
(۳) وما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا وما فیہ خلاف یومر بالاستغفار والتوبۃ و تجدید النکاح (درمختار) وقال فی الرد (قولہ والتوبۃ) ای تجدیدالاسلام (قولہ تجدید النکاح) ای احتیاط کما فی الفصول العمادیۃ (ھامش رد المحتار مع الدر المختار' باب المرتد ۲٤۷/٤ ط سعید کراتشی)
(٤) بل یستحب لومؤذیۃ او تارکۃ صلاۃ...... و تجب لوفات الامساک بالمعروف (درمختار) وقال فی الرد' (قولہ مؤذیۃ) اطلقہ فشمل المؤذیۃ لہ او لغیرہ بقولہا او بفعلہا (ھامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق ۲۲۹/۳ ط سعید کراتشی)

شاہدوں کا نکاح فسخ ہو گیا اور میر ابھی نکاح فسخ ہو گیا لڑکی کا شوہر ثانی انتقال کر گیا تب لڑکی ایک اہل ہنود کے پاس چلی گئی اور اب تک موجود ہے۔ اور اب برادری کے لوگ پہلے شوہر سے طلاق طلب کرتے ہیں جواب یہ دیا جاتا ہے کہ لڑکی خود آکر طلاق طلب کرے تو کہا جاتا ہے کہ لڑکی کو کون تلاش کرے تم طلاق دو تب برادری کے قابل ہو گے اس میں کیا کرنا چاہئیے۔ المستفتی نمبر ۲۳۰۶ امیر محمد و نور الدین صاحبان سوداگران چوہٹہ بازار (ریوان)

(جواب ٤٦٦) شوہر اول کو طلاق دے دینا چاہئیے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

طلاق مہر اور نکاح کے متعلق چند احکام

(سوال) (۱) زید نے ایک عورت سے شادی کی اپنے گھر لایا تو اس کو نماز کو کہا اس نے انکار کیا بلکہ غسل کو کہا غسل سے بھی انکار کیا اور خاوند کی قربت اور نزدیکی سے بھی احتراز کیا نہ پکاوے نہ کھاوے چند روز تک اسی طرح کرتی رہی اس کے بعد اپنے والد صاحب کے ساتھ رات کو بھاگ گئی کچھ دنوں کے بعد پھر لائے پھر اسی طرح سے کرنے لگی پھر زنجیروں سے باندھ دیا اور مکان کا باہر سے کنڈا لگا دیا پھر بعد عشاء کے خاوند نے آکر دیکھا کہ مکان کا چراغ گل ہوا ہے اور ہاتھ کی زنجیریں کھلی ہوئی ہیں خاوند نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہوا عورت نے کہا کہ تیرے باپ نے کھول دی حالانکہ خاوند کا باپ نماز کے لئے مسجد میں تھا پھر دھمکایا تو بیان کیا کہ تیرے بھائی نے کھول دی۔ حالانکہ خاوند کے بھائی نماز میں تھے پھر مار کے دھمکایا تو بیان کیا کہ فلاں آدمی نے کھولی ہے پھر دریافت کیا کہ وہ یہاں کیوں آیا بیان کیا کہ میں نے اس کو خود بلایا تھا لہذا اس کی اسی طرح کی حرکتوں پر خاوند نے کہا کہ اسکو میں نہیں رکھتا میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے دفع کرو۔ پھر اس کے باپ کے یہاں بھیج دیا جس کسی نے دریافت کیا کہ تم اپنی عورت کو لے آؤ خاوند نے بیان کیا کہ میں نے اسکو چھوڑ دیا ہے اور واقعی اس کی اس طرح کی حرکت دیکھ کر خاوند بیزار ہو گیا تو کیا اس کو طلاق ہو گئی ہے یا اب اور طلاق دینے کی ضرورت ہے۔

(۲) اس کا مہر عشرہ ہے آیا وہ معاف ہو گیا ہے یا اس کو دینا پڑے گا؟

(۳) آپس میں آٹا ساٹا یعنی اسکے بدلے میں خاوند کی طرف سے ان کو لڑکی دی ہوئی ہے وہ لڑکی اور اس کا خاوند نابالغ ہیں اگر لڑکی کو طلاق لیویں تو کیا نابالغ دس بارہ برس کے لڑکے یا اس کے باپ سے طلاق ہو سکتی ہے یا کہ نہیں؟

(۴) جبکہ آپس میں دونوں طرف سے لڑکی دینی لینی اقرار کر کے نکاح کرتے ہیں تو یہ نکاح درست ہے یا آٹا ساٹا کرنا ناجائز ہے؟

---

(۱) الا صح حظره ای منعه الا لحاجة..... بل يستحب لو مؤذية او تاركة صلاة غاية و مفاده ان لا اثم بمعاشرة من لا تصلي و يجب لو فات الامساك بالمعروف (الدرالمختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق ۳/۲۲۷. ۲۲۹ ط سعيد كراتشى)

(۵) جب کہ ایک طرف کی لڑکی یا لڑکا مر گیا تو دوسری طرف والوں کو اپنی لڑکی بھیجنے میں کچھ عذر یا انکار ہو سکتا ہے یا کہ نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۲۷ عبدالغنی صاحب (کرنال) ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۹ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ٤٦٧) (۱) لفظ چھوڑ دی اگر طلاق کی نیت سے کہا ہے تو طلاق ہو گئی۔(۱)
(۲) مہر پورا ادا کرنا ہوگا۔(۲)
(۳) نابالغ کی طرف سے طلاق نہیں ہو سکتی۔(۳)
(۴) یہ رسم آئے سائے کی ناجائز ہے لیکن نکاح ہو جاتا ہے مگر فریقین گنہگار ہوتے ہیں۔(۴)
(۵) ایک طرف سے کوئی مر جائے تو دوسری طرف والوں کو لڑکی روکنے کا حق نہیں اور نہ دوسری لڑکی کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شوہر روپیہ لیکر اپنی بیوی کو حقوق زوجیت سے دستبردار ہو گیا تو وہ خلع کے حکم میں ہے

(سوال) (۱) ایک عورت مسماۃ فاطمہ دعویٰ کرتی ہے کہ مجھے میرے شوہر زید اور باپ نے مل کر بکر مشتری پر فروخت کیا ہے اس دعوے کے ثبوت کے لئے عورت کا اقرار اور بیع کا زبان زد عوام ہونا کافی ہے یا نہیں؟
(۲) منکوحہ عورت کو فروخت کرنے سے خلع ہو کر فسخ نکاح اول کا اور جواز نکاح ثانی کا ہو سکتا ہے یا نہیں؟
(۳) بصورت جواز نکاح ثانی کے یہ ضروری ہے کہ بکر مشتری کے ساتھ ہو یا جہاں عورت چاہتی ہے۔ المستفتی نمبر ۲۴۸۱ مقصر شاہ مہتمم مدرسہ اسلامیہ کھیوڑہ (جہلم) ۲۵ صفر ۱۳۵۸ھ م ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ٤٦٨) اگر یہ ثابت ہو جائے کہ شوہر نے کسی سے روپیہ لیکر اپنی بیوی اس کو دیدی اور زوجیت کے حقوق سے دست بردار ہو گیا تو یہ خلع کے حکم میں ہو جائیگا(۵) اور زوجہ اس کے نکاح سے نکل جائے گی اور جس نے رقم دی ہے اس کی زوجہ نہیں ہوگی نہ باندی بنے گی بلکہ اگر اس نے عورت کے کہنے سے رقم ادا کی ہے تو وہ اپنی رقم عورت سے لے سکے گا۔(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) فالكنايات لا تطلق بها قضاء الا بنية او دلالة الحال وهي حالة مذاكرة الطلاق او الغضب..... فنحو اخرجي واذهبي و قومي يحتمل رداً و نحو خلية برية حرام بائن يصلح سبا و نحو اعتدي واستبرئي رحمك..... سرحتك فارقتك لا يحتمل السب والرد (تنوير الابصار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الكنايات ۳/۲۹٦، ۳۰۰ ط سعيد كراتشي)
(۲) ويتاكد عند وطء او خلوة صحت من الزوج او موت احدهما (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب النكاح' باب المهر ۳/۱۰۲ ط سعيد كراتشي)
(۳) ولا يقع طلاق المولى على امراة عبده والمجنون والصبي والمعتوه والمبرسم (تنوير الابصار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق ۲/۲٤۲ ط سعيد كراتشي) وقال في الهداية' ولا يقع طلاق الصبي والمجنون والنائم (الهداية' كتاب الطلاق ۲/۳۵۸ ط مكتبه ماجديه' ملتان) (٤) ووجب مهر المثل في الشغار هو ان يزوجه بنته على ان يزوجه الآخر اواخته مثلا معاوضة بالعقدين وهو منهي عنه لخلوه عن المهر (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب النكاح' باب المهر ۳/۱۰٦ سعيد كراتشي) (۵) فان خالعها الاب على مال ضامنا له اى ملتزما لا كفيلا لعدم وجوب المال عليها اصح المال عليه كالخلع من الاجنبي فالاب اولى (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب الخلع ۳/٤۵۸ ط سعيد كراتشي) (٦) من قام عن غيره بواجب بامره رجع بما دفع وان لم يشترطه كالامر بالانفاق عليه و بقضاء دينه (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الكفالة ۵/۳۳۳ ط سعيد كراتشي) وقال ايضا و فيه قال انفق علي او على عيالي او على اولادى ففعل' قيل يرجع بلا شرط و قيل لا ولو قضى دينه بامره بلا شرطه (الدر المختار مع هامش رد المحتار' كتاب الطلاق' باب النفقة ۳/٦۱۷، ٦۱۸ ط سعيد كراتشي)

طلاق مغلظہ کے بعد بیوی شوہر پر حرام ہو جاتی ہے

(سوال) مسمی غلام نبی ولد محب اللہ نے اپنی زوجہ مسماۃ برکت دایہ کو بوجہ خلش باہمی معاوضہ معافی حقوق زوجیت اور مبلغ پچاس روپے علاوہ معافی حقوق کے زوجہ مذکورہ سے لے کر طلاق دیدی اور طلاق نامہ تحریر کر کے دے دیا کچھ عرصہ بعد غلام نبی مذکور نے مسماۃ برکت پر پھر زوجیت کا دعویٰ کرادیا چنانچہ بعد تحقیقات عدالت طلاق مغلظہ ثابت ہوگئی اس واقعہ کے بعد مسماۃ برکت نے اپنی دختر جو غلام نبی کی صلب سے ہے اس کی شادی کرنی چاہی اور اپنی برادری کو شادی دختر میں مدعو کیا اہل برادری نے مسماۃ برکت سے کہا کہ تو اگر اپنے شوہر غلام نبی سے پھر نکاح کرلے تو برادری تیرے شریک ہے ورنہ ذات باہر ہے مسماۃ برکت نے کہا کہ مجھے یہ بات کسی طرح گوارا نہیں اس لئے کہ ایک تو یہ بات خلاف حکم خدا اور رسول ہے دوسرے مجھے مسمی مذکور سے ہمیشہ تکالیف پہنچی ہے پھر کس طرح میں اس سے نکاح ثانی کروں مگر برادری کے لوگ مسماۃ برکت کو اسی بات پر مجبور کرتے رہے آخر کار مسماۃ برکت نے تنگ آکر یہ کہا کہ قاضی شہر اللہ و رسول کے موافق جو فیصلہ کردیں گے وہ مجھے منظور ہوگا مسماۃ برکت اہل برادری سے علیحدہ قاضی صاحب شہر کے پاس گئی اور کہا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق مغلظہ دیدی ہے جو بعد تحقیقات عدالت سے بھی ثابت ہو چکی ہے اب اہل برادری مجھے مجبور کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ تو پھر اس سے نکاح کرلے اس بارے میں خدا اور رسول کا کیا حکم ہے ؟

قاضی صاحب نے فرمایا تم کو جب طلاق مغلظہ ثابت ہو چکی ہے تو کسی اور شخص سے اول نکاح کرا اور وہ بعد نکاح تجھے طلاق دیدے تو ایام عدت گزار کر پھر شوہر مذکور سے نکاح کی مجاز ہو سکتی ہے مسماۃ برکت نے کہا کہ مجھے نکاح کرنا نہیں اور جب کہ خدا اور رسول کا حکم یہی ہے تو پھر آپ میری برادری کے لوگوں سے بھی فرمادیں تاکہ وہ مجھے خلاف شرع امر پر مجبور نہ کریں۔

دوسرے جلسہ میں قاضی صاحب شہر کے پاس مسماۃ برکت اہل برادری کے ساتھ گئی برادری والوں میں سے ایک دو آدمیوں نے قاضی صاحب سے کچھ تنہائی میں بات چیت کی قاضی صاحب نے ان دونوں کی بات چیت سن کر کہا کہ جس وقت مسماۃ برکت کو اس کے شوہر نے طلاق دی تھی اس وقت برادری میں سے بھی کوئی شخص موجود تھا برادری والوں نے جواب دیا کہ اس وقت کوئی موجود نہیں تھا یہ سن کر قاضی صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر طلاق نہیں ہوئی مسماۃ برکت اور غلام نبی بدستور آپس میں زوجین ہیں اور قاضی صاحب نے کچھ شکر ایک پیالے میں گھولی اور شربت زوجین کو پلا کر فرمایا کہ جاؤ تم اسی طرح میاں بیوی ہو جس طرح تھے۔

مسماۃ برکت قاضی صاحب کے اس فیصلہ سے سخت پریشان ہے اور کسی طرح غلام نبی کی زوجیت میں رہنا نہیں چاہتی اس لئے مندرجہ ذیل امور طلب جواب شرعی پیش ہیں :-

(۱) جو طلاق نامہ محولہ بالا مسمی غلام نبی نے مسماۃ برکت کو دیا تھا اور اس طلاق نامہ کی بنا پر عدالت سے طلاق مغلظہ واقع ہو کر زوجین میں جدائی کا فیصلہ ہو چکا تھا تو اب قاضی صاحب کے قول کے موافق کیا وہ شوہر

نامہ بھی طلاق دے چکا اور کیا وہ زوجہ مسماۃ برکت مطلقہ بغیر نکاح کے اور حلالہ کے پھر زوجین ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اور کیا بغیر شرکت اہل برادری طلاق شرعی نہیں ہو سکتی جیسا کہ قاضی صاحب کا ارشاد ہے۔

(۳) قاضی صاحب نے باوجود علم فیصلہ عدالت معاملہ مذکورہ میں اہل برادری کے کہنے سننے پر سابقہ نکاح برقرار رکھتے ہوئے شوہر و زوجہ کو زوجین قرار دیا ہے ان کا یہ فتویٰ مانے جانے کے لائق ہے یا نہیں اور ایسے قاضی صاحب عالم ہیں یا جاہل اور آئندہ بھی ان کا کوئی حکم شرعی امور میں مانا جا سکتا ہے یا نہیں ایسے خلاف شرع حکم دینے پر وہ قضاۃ کے عہدہ سے معزول کئے جا سکتے ہیں یا نہیں اور وہ مسلمان بھی رہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۶۷۳ مسماۃ برکت دایہ (جہلم) ۸ جمادی الاول ۱۳۶۰ھ م ۵ جون ۱۹۴۱ء

(جواب ۴۶۹) (۱) طلاق نامہ تحویلدار اگر عدالت شرعیہ میں مقبول ہو چکا ہے اور وقوع طلاق کا فیصلہ حاکم عدالت کر چکا ہے تو طلاق کا حکم صحیح اور واجب التعمیل ہے اور اب یہ زوجین باہم میاں بیوی نہیں رہے۔(۱)

(۲) برادری کا ایک فرد بھی موجود نہ ہو جب بھی طلاق ہو سکتی ہے شہادت شرعیہ برادری پر منحصر نہیں ہے۔(۲)

(۳) قاضی صاحب کا یہ فیصلہ بظاہر بالکل غلط ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم نہیں ہیں جو ایسا جاہلانہ فیصلہ انہوں نے کر دیا جس عورت کو شرعی عدالت مطلقہ مغلظہ مان چکی ہے وہ اس کو اور اس کے خاوند کو شریعت کے خلاف پھر میاں بیوی بنا دیتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیوی کا بعد شریعت نہ ہو تو طلاق دینا کیسا ہے؟

(سوال) کیا مرد پر کسی وقت طلاق دینا واجب بھی ہو جاتا ہے؟ کسی شخص نے اپنی بیوی کو مارا بھی سمجھایا بھی مگر وہ نماز نہیں پڑھتی تو کیا اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دے تو گنہگار ہوگا؟ ایسی صورت میں طلاق کی ترغیب دینے والا کیسا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۸۵۷ عبدالسعید شاہجہانپور مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۴۳ء

(جواب ۴۷۰) طلاق دینا بعض اوقات مستحب اور بعض اوقات مرد پر واجب بھی ہو جاتا ہے در مختار میں

---

(۱) القضاء هو فصل الخصومات وقطع المنازعات وقيل غير ذلك (درمختار) وقال في الرد (قوله وقيل غير ذلك) منه قول العلامة قاسم انه انشاء الزام في مسائل الاجتهاد المتقاربة فيما يقع فيه النزاع لمصالح الدنيا (هامش رد المحتار مع الدر المختار كتاب القضاء ۵/۳۵۱ ط سعيد كراتشي) وفي الدر والقضاء ملزم على الخصم (كتاب القضاء ۵/۳۵۵) وقال ايضا امر القاضي حكم (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب القضاء ۵/۴۲۵ ط سعيد كراتشي)

(۲) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة او ثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها والاصل فيه قوله تعالى " فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" والمراد الطلقة الثالثة (الهداية كتاب الطلاق باب الرجعة فصل فيما تحل به المطلقة ۲/۳۹۹ ط مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا او غيره كنكاح و طلاق ووكالة ووصية ... رجلان او رجل وامرأتان (الدر المختار مع هامش رد المحتار كتاب الشهادة ۵/۴۶۵ ط سعيد كراتشي)

ہے بل یستحب لو موذیة او تارکة صلوة ویجب لو فات الامساك بالمعروف (۱) بے نماز عورت کو طلاق دینا واجب نہیں اور شوہر طلاق نہ دینے سے گناہ گار نہ ہوگا اسی اوپر والی عبارت میں بے نماز عورت کی طلاق کو مستحب کہا ہے واجب نہیں کہا اور تارک صلوۃ کے آگے لکھا ہے۔ و مفاده ان لا اثم بمعاشرة من لا تصلی (۲) ترغیب دینے والا گناہ گار اور امر منکر کا مرتکب نہیں ہے کیونکہ بے نمازی عورت کو طلاق دینا اگرچہ واجب نہیں تاہم ممنوع بھی نہیں ہے وعن ابن مسعود لان القی الله تعالی وصداقها بذمتی خیر من ان اعاشر امراة لا تصلی (۳)

میاں بیوی طلاق کے منکر ہیں اور ایک آدمی تین طلاق کی گواہی دیتا ہے، تو کیا حکم ہے؟

(سوال) زید نے خالد کو الزام دیا کہ اے خالد تو نے اپنی منکوحہ ہندہ کو میرے سامنے تین طلاقیں دیں اور خالد و ہندہ سراسر انکار کرتے ہیں اب زید اور خالد نے فیصلے کے لئے ایک قاضی صاحب پر اتفاق کیا مگر ہندہ نے سراسر انکار کیا کہ یہ قاضی صاحب ضرور میرے خلاف فیصلہ کریں گے اب زید اور خالد فیصلے کے لئے قاضی صاحب کے پاس جاتے ہوئے تو زید نے بحیثیت مدعی کے یہ دعویٰ کیا کہ خالد نے میرے روبرو اپنی منکوحہ ہندہ کو تین طلاقیں دیں اور خالد نے اس دعوے سے انکار کیا اب قاضی صاحب نے مدعی سے شہادت کا مطالبہ کیا تو مدعی نے دو گواہ پیش کئے قاضی صاحب نے خالد سے سوال کیا کہ ان دو گواہوں کی شہادت پر جو فیصلہ مرتب ہوگا وہ تجھے منظور ہے یا نہیں؟ خالد نے کہا کہ اگر فلاں گواہ بکر حلف اٹھا کر شہادت دے تو مجھے منظور ہے اب قاضی صاحب نے گواہ مسمی بکر کو کہا کہ زید نے جو دعویٰ کیا ہے اس کے ثبوت کے لئے قسم اٹھا کر تو شہادت دینے کے لئے تیار ہے یا نہیں؟ بکر گواہ نے جواب میں کہا کہ پہلے خالد قسم اٹھائے کہ میں نے ہندہ کو تین طلاق نہیں دی تب میں قسم اٹھاؤں گا قاضی نے بکر گواہ سے کہا کہ مدعا علیہ کا حق قسم اٹھانے کا نہیں ہے لہذا قسم تمہیں اٹھانی پڑے گی۔

بیان بکر گواہ :- واللہ باللہ تعالیٰ خالد نے میرے سامنے ہندہ کو تین طلاق دی۔

بیان عمرو گواہ :- کہ خالد نے میرے سامنے تین طلاق دی اگر میری شہادت کاذبہ ہو تو میری منکوحہ مجھ پر طلاق ہے۔

قاضی صاحب نے فیصلہ سنا دیا کہ خالد کی منکوحہ ہندہ تین طلاق خالد پر حرام ہے۔

اب علماء کا آپس میں اختلاف ہو گیا اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ قاضی صاحب کا فیصلہ نافذ نہیں ہوا ان کے دلائل متعدد ہیں۔

دلیل نمبر ۱ :- مدعی صرف زید ہے اور مدعا علیہ خالد اور ہندہ زوجین۔ جب تک ان تینوں کا

---

(۱) الدر المختار مع هامش رد المحتار کتاب الطلاق ۳ / ۲۲۹ ط سعید کراتشی
(۲) المصدر السابق ۳ / ۲۲۹
(۳) رد المحتار مع الدر المختار کتاب الطلاق ۳ / ۲۲۹ ط سعید کراتشی

اتفاق ایک حاکم پر نہ ہو تب تک حاکم کا فیصلہ نافذ نہیں ہوتا یہاں اگرچہ زید اور خالد نے ایک حاکم پر اتفاق کیا ہے مگر ہندہ جس پر فیصلہ نافذ کیا گیا ہے جب قبل از فیصلہ اس نے کہہ دیا کہ یہ قاضی صاحب ضرور میرے خلاف فیصلہ کریں گے مجھے ان کا فیصلہ ہرگز منظور نہیں تو بغیر ہندہ کی رضا کے فیصلہ ہرگز نافذ نہیں ہو سکتا۔

دلیل نمبر ۲:- مدعی اور گواہ فاسق معلن ہیں اور صاحب مروت بھی نہیں اور مدعا علیہ ان کی صداقت کا پچ پچ اقرار کرتا ہے ایسے فساق اور فجار کی شہادت مقبول نہیں ہو سکتی۔

دلیل نمبر ۳ - شاہد مسمیٰ عمرو نے کہا کہ اگر میں شہادت میں کاذب ہوں تو میری منکوحہ مجھ پر طلاق ہے یہ بیان دلالت کرتا ہے کہ عمرو یقیناً کاذب ہے اگر سچا ہوتا تو کہتا کہ اگر میں اپنی شہادت میں کاذب ہوں تو میری منکوحہ تین طلاق حرام ہے اس لئے کہ یہی خوف کا کلمہ ہے۔

دلیل نمبر ۴:- عمرو نے شہادت دینے کے بعد اپنی منکوحہ کو دو گواہوں کے سامنے زبانی رجوع کیا اگر عمرو اپنی شہادت میں سچا ہوتا تو منکوحہ کو رجوع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

دلیل نمبر ۵:- اگر اب بھی مدعی و شاہد کو یہ کہا جائے کہ تم یہ کہہ دو کہ اگر ہم اس دعوے و شہادت میں کاذب ہوں تو ہم پر اپنی منکوحہ تین طلاق حرام ہے تو وہ ہرگز یہ بیان دینے پر تیار نہیں ہیں حالانکہ فساق و فجار سے جب تک ایسا کلمہ نہ کہلایا جائے تب تک اس پر یقین مشکل ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔

دلیل نمبر ۶:- ہندہ نے جب یہ کہا کہ اگر مدعی یہ قسم اٹھائے تب میں قسم اٹھاؤں گا پھر بعد ازاں اگرچہ قاضی کے کہنے پر اس نے قسم اٹھائی ہے مگر یہ قول شاہد کا دلالت کرتا ہے کہ شاہد واقعہ میں کاذب ہے اگر سچا ہوتا تو یہ کلمہ نہ کہتا۔

دلیل نمبر ۷:- مدعی کی بھانجی بھی خالد کی منکوحہ ہے اب اگر خالد کی پہلی منکوحہ بھی آباد رہے تو مدعی کی بھانجی کو تکلیف ہوتی ہے لہٰذا مدعی نے اپنی بھانجی کی تکلیف کو مد نظر رکھتے ہوئے خالد پر یہ الزام لگایا ہے۔

فریق دوئم کہتا ہے کہ قاضی صاحب کا فیصلہ نافذ ہے اس کے دلائل یہ ہیں۔

دلیل نمبر ۱ - مدعا علیہ اس وقت خالد کو قرار دیا جائے اور ہندہ جس پر فیصلہ نافذ ہوا ہے وہ مدعا علیہ نہیں ہے اگر بالفرض ہندہ کو بھی مدعا علیہ قرار دیا جائے تو خالد اصل ہے اور ہندہ فرع ہے جب اصل نے فیصلہ ہونے سے پیشتر قاضی صاحب کی قضا کو منظور کر لیا تو فرع کا انکار لغو ہو سکتا ہے۔

دلیل نمبر ۲:- گواہ اگرچہ فاسق ہیں اور معلن بھی ہیں اور صاحب مروت بھی نہیں اور مشہور فساق و فجار میں سے ہیں مگر جب مدعا علیہ نے یہ کہہ دیا کہ ان کی شہادت پر جو فیصلہ ہو وہ مجھے منظور ہے اب ان کے فسق و فجور کی طرف توجہ نہ کی جائے گی۔

بقیہ دلائل سے متعلق کوئی رد نہیں پیش کیا جاتا۔ المستفتی مرزا خان

(جواب ۴۷۱) کسی شخص کا یہ کہنا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے جب کہ زوج اور زوجہ

دونوں طلاق کے منکر ہوں یہ دعویٰ نہیں ہے کیونکہ دعویٰ اپنا حق طلب کرنے کا نام ہے(۱) اور ظاہر ہے کہ پنچایت اس اخبار میں اپنا کوئی حق طلب نہیں کررہا بلکہ ایک حق اللہ یعنی حرمت زوجہ علی زوجہا کی خبر دے رہا ہے جو حقیقۃً شہادت ہے(۲) پس اس کا یہ قول دعویٰ قرار نہیں دیا جاسکتا اور اس بنا پر اس کا یہ قول غیر مجلس قضا میں لغو ہے(۳) اور اس لغو قول کی وجہ سے یہ خصم نہیں بن سکتا اور جب یہ خصم نہیں ہوا تو اس کی اور زوج کی جانب سے تحکیم صحیح نہیں ہوئی کیونکہ تحکیم خصمین کی طرف سے ہوتی ہے(۴) اور صورت مسئولہ میں خصمین کا وجود ہی نہیں ہوا پس حکم کے سامنے جو شہادتیں ہوئیں وہ بھی غیر معتبر اور حکم کا فیصلہ بھی غیر معتبر ہے۔

ہاں اس معاملے میں پنچایت کی حیثیت شاہد ہے اور طلاق کی شہادت دینے کے لئے دعویٰ بھی شرط نہیں(۵) مگر شہادت ادا کرنے کے لئے مجلس قضا شرط ہے(۶) اگر یہ پنچایت قاضی شرعی کے سامنے مجلس قضا میں جاکر شہادت دیتا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے اور قاضی اس شہادت پر کارروائی کرتا تو وہ درست ہوتی بشرطیکہ شاہدوں کی طرف سے ادائے شہادت میں تاریخ طلاق سے غیر ضروری تاخیر نہ ہوئی ہوتی(۷) قاضی شرعی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حقوق اللہ کی حفاظت کے لئے کارروائی کرے اور حکم اس وقت قاضی کے قائم مقام ہوتا ہے جب خصمین اپنی طرف سے فیصلے کا حق دیں(۸) اور جب تک خصومت متحقق نہ ہو تحکیم متحقق نہیں ہو سکتی پس صورت مسئولہ میں لفظ قاضی صاحب سے مراد اگر حکم ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو [illegible] یہ تمام کارروائی عبث ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ دوسرے علمائے کرام سے بھی تحقیق کی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حضرت اقدس دامت فیوضہم السامیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ سوال وجواب بغرض استصواب ارسال خدمت کررہا ہوں جو جواب میں نے لکھا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟ امداد کرم جواب سے خوش وقت [illegible]

---

(۱) الدعوى هي قول مقبول عند القاضي يقصد به طلب حق قبل غيره أو دفعه عن حق نفسه (الدر المختار مع هامش رد المحتار، كتاب الدعوى ٥/ ٥٤١ ط سعيد كراتشي)

(۲) الشهادة هي إخبار صدق لإثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القاضي ولو بلا دعوى (تنوير الأبصار وشرحه مع هامش رد المحتار، كتاب الشهادات ٥/ ٤٦١ ط سعيد كراتشي)

(۳) قال الطحطاوي تحت قول الدر المختار: لكونه في مجلس القاضي، خرج به إخباره في غير مجلسه فلا يعتبر بخلاف القاضي فإنه يتقيد بمجلس حكمه الشرعي من الأمد والسعي ولايته (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الشهادات ٣/ ٢٢٧ ط دار المعرفة بيروت)

(٤) التحكيم هو تولية الخصمين حاكما يحكم بينهما وركنه لفظه الدال عليه مع قبول الآخر ذلك (تنوير الأبصار مع هامش رد المحتار، كتاب القضاء، باب التحكيم ٥/ ٤٢٨ ط سعيد كراتشي)

(٥) والذي تقبل فيه الشهادة حسبة بدون الدعوى أربعة عشر منها الوقف (درمختار) وقال في الرد: قوله أربعة عشر، وهي الوقف وطلاق الزوجة وتعليق طلاقها (هامش رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب المواضع التي تقبل فيها الشهادة حسبة بلا دعوى ٤/ ٤٠٩ ط سعيد كراتشي)

(٦) فهو إخبار صدق لإثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القضاء هكذا في فتح القدير (الفتاوى الهندية، كتاب الشهادة، الباب الأول في تعريفها وركنها ٣/ ٤٥٠ ط مكتبة ماجدية كوئته)

(٧) شاهد الحسبة إذا أخرها لغير عذر لا تقبل لفسقه أسنده عن القنية (هامش رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب المواضع التي تقبل فيها الشهادة حسبة بلا دعوى ٤/ ٤١٠ ط سعيد كراتشي)

(٨) أما المحكم فشرطه أهلية القضاء ويقضي فيما سوى الحدود والقصاص (هامش رد المحتار، كتاب القضاء ٥/ ٣٥٤ ط سعيد كراتشي)

مطمئن فرمائیں۔ خادم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۸ رجب ۱۳۵۲ھ

(جواب) (از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی) الجواب صحیح قال فی الاشباہ فالدعوی حسبۃ لاتجوز والشہادۃ حسبۃ بلا دعوی جائزۃ فی ہذہ المواضع فلتحفظ والمواضع الوقف و طلاق الزوجۃ و تعلیق طلاقہا و حریۃ الامۃ و تدبیرہا والخلع و ہلال رمضان والنسب وحد الزنا وحد الشرب والایلاء والظہار و حرمۃ المصاہرۃ وقال الحموی فی شرحہ شہادۃ الحسبۃ لیست دعوی من الشاہد وانما ہو مجرد شہادۃ وہذا خلاف کلام العلماء الشافعیۃ لانہم یقولون ان الشاہد حسبۃ مدع ایضا فہی عندہ شہادۃ و دعوی اہ ص ۲۳۸ (۱)

واذا لم یکن مدعیا عندنا لم یصح تحکیمہ مع الزوج رجلا لیقضی بینہما فان القضاء والتحکیم لا یصحان بدون الدعوی وہو ظاہر فقضاء الحکم لیس بقضاء نعم صرحوا بان المراۃ کالقاضی فی باب الطلاق یجوز لہا سماع شہادۃ الشہود علی طلاق زوجہا فان شہد عندہا شہود عدول بان زوجہا طلقہا ثلاثا لزمہا العمل بشہادتہم وان لم یکونوا عدولا فلا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مولانا دامت فیوضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں تو مدتوں کا کئی روز کے بعد جواب لکھ رہا ہوں اب قویٰ مضمحل ہوگئے مشاغل کا بھی ہجوم ہے اور علمی لیاقت پہلے ہی سے مفقود ہے یہ اسباب ہیں تاخیر جواب کے۔ احتیاطاً مولوی ظفر احمد سے بھی مشورہ کیا انہوں نے جداپرچے پر اپنی رائے لکھی ہے جس کا حاصل آپ کے موافق ہے نہ خلاف شہود عدول کا حکم ہے تاہم سوال میں گواہوں کو تو فاسق معلن لکھا ہے مگر زید کی عدالت یا فسق سے تعرض نہیں کیا البتہ اس کی بدنامی کے تعلق کو موجب اشتباہ لکھا ہے اب یہ امر قابل غور ہے کہ کیا صرف یہ شبہ عدم وثوق کے لئے کافی ہے یا زید میں کوئی دوسرا مانع بھی ہے بہر حال اگر یہ عادل یا مقبول القول نہ ہو تو شہادت تو تھی ہی نہیں جیسا اصل جواب میں مفصل لکھا ہے صرف اخبار تھا وہ مخبر کے غیر عادل ہونے سے مقبول نہیں اور اگر زید عادل ہے تو المراۃ کالقاضی (۲) کا جزئیہ قابل نظر ہے اور عادل ہونے کی صورت میں شاید عدد شرط ہو یاد نہیں۔ فقط

عدت والی عورت سے زمانہ عدت میں زنا کیا' پھر عدت کے بعد اس سے نکاح کیا' تو کیا حکم ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۳۶ء)

(سوال) ایک شخص رئیس اپنے چار سے واقف دوسرے کی منکوحہ عورت جو لایا اور کئی مہینے کے بعد کچھ

---

(۱) الاشباہ والنظائر' کتاب القضاء والشہادات والدعاوی ۲ / ۲۵۴ ط ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ کراچی)

(۲) والمراۃ کالقاضی اذا سمعتہ او اخبرہا عدل لا یحل لہا تمکینہ والفتوی علی انہ لیس لہا قتلہ ولا تقتل نفسہا بل تفدی نفسہا بمال او تہرب ' ہامش رد المحتار مع الدر المختار' کتاب الطلاق' باب الصریح' مطلب فی قول البحر ان الصریح یحتاج فی وقوعہ دیانۃ الی النیۃ ۳ / ۲۵۱ ط سعید کراچی

اپنے شوہر سے طلاق لے کر عدت کے اندر اپنے نوکر کو رکھ لیا اور زنا کرنے کا حکم دیا اور عدت میں ایک شخص اپنے پاس سے نکاح کرادیا وہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟

(جواب ۴۷۲) دوسرے شخص کی منکوحہ کو نکال لانا اور عدت کے اندر عورت کے پاس دوسرے شخص کو لے جانا اور زنا کرانا یہ سب گناہ اور ظلم اور فسق ہے۔ ان امور کا مرتکب سخت فاسق و فاجر اور ظالم ہے اور عدت سے پہلے جو نکاح کردیا ہو وہ نکاح درست نہیں ہے۔[1] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ[2]

تم الجزء السادس من كفاية المفتي و يليه الجزء السابع اوله كتاب الوقف

---

(۱) قال الله تعالى : ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله (البقرة: ۲۳۵) و في الهندية: لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة كذا في السراج الوهاج (الفتاوى الهندية: كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير ۱ / ۲۸۰ ط ماجدية كوئٹه)

(۲) قال الله تعالى : واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن اذا تراضوا بينهم بالمعروف (البقرة: ۲۳۲)

کتاب الوقف

پہلا باب
مسجد کی بناء و تعمیر
فصل اول
مسجد کی بنائے اولین اور بانی

مسجد کے نیچے دکانیں تعمیر کرنے کا حکم

(سوال) ایک جدید مسجد تعمیر ہو رہی ہے۔ مسجد کے فرش یعنی جماعت خانے کے نیچے دکانیں تعمیر کرانے کا خیال ہے لہذا دکانوں کی بابت شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۳۰۰ حاجی نذیر احمد محلہ کرم علی چوک۔ میرٹھ ۱۸ صفر ۱۳۵۳ھ، ۲ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۱) اگر مسجد (۱) کے نیچے دکانیں تعمیر کرائی جائیں اور دکانیں مسجد کے لئے ہوں کسی دوسرے شخص کی ملکیت اور حق کو اس میں دخل نہیں دیا جائے تو مسجد مسجد ہو جائے گی۔ اگرچہ یہ بات بہتر نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ

مسجد کے نیچے بنائی گئی دکانوں پر ذاتی ملکیت کا دعویٰ کرنا

(سوال) ایک مسجد پچھتر سال سے بطور عبادت گاہ عام استعمال ہوتی رہی ہے۔ یہ مسجد چار دکانات کے اوپر بنی ہوئی ہے۔ زید کا دعویٰ ہے کہ دکانات اس کی ملکیت ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آیا شرعاً یہ ممکن ہے؟ کہ ایسی دکانات زید کی پرائیویٹ ملکیت ہو سکیں۔ دیگر جائداد مذکور یعنی دکانات و مسجد خدانخواستہ زلزلہ یا کسی دیگر حادثہ سے منہدم ہو جائیں اور زید منزل زیریں تعمیر نہ کرے تو مسجد کا وجود اس صورت میں رہے گا یا نہیں۔ اگر رہے گا تو اس کی کیا شکل ہو گی؟

المستفتی نمبر ۹۷۳ محمد سرور خاں (ضلع رہتک) ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ ۳۱ جولائی ۱۹۳۴ء

(جواب ۱) (از مولانا حبیب المرسلین نائب مفتی) جب بانی مسجد نے ان چار دکانات کو مسجد کی ضروریات کے لئے بنادیا ہے اور دیگر کل جائداد کو اپنے حین حیات میں اپنی لڑکیوں کے واسطے ان کے نام منتقل کردیا ہے اور ان دکانات کو کسی کے نام پر منتقل نہیں کیا تو یہ بھی دلیل ہے اس بات کی کہ یہ دکانات مسجد ہی کے مصالح و ضروریات کے لئے ہیں۔ لیکن مسجد کی ان دکانات کو جو کہ بعینہ مسجد کے نیچے ہی بنی ہوئی ہیں کرایہ پر دینا جائز نہ ہو گا۔ ہاں صرف مسجد کی اشیائے ضروریہ مثلاً دریاں لوٹے وغیرہ ان میں رکھ سکتے ہیں۔ (۲) فقط واللہ اعلم۔ نیز مکرر یہ ہے کہ

---

(۱) (واذا جعل تحته سردا بالمصالحه) ای المسجد (جاز) کمسجد المقدس. ولوجعل لغیره لایکون مسجدا رفی ردالمحتار واذا کان السرداب او العلو لمصالح المسجد، اوکان وقفا علیه صار مسجدا (الدرالمختار مع ردالمحتار کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد صفحه ۳۵۷/ ٤ سعید)

(۲) (واذا جعل تحته سردابا لمصالحه ای المسجد جاز ، وفی الشامیة : ولا یجوز اخذ الاجرة منه ولا ان یجعل شیئا مستغلا. (الدرالمختار مع ردالمحتار : کتاب الوقف ، مطلب فی احکام المسجد ٤/ ۳۵۷ ط. سعید)

جب بانی مسجد نے اس مسجد کو مسجد ہی ٹھہرادیا تھا تو مسجد کا، مسجد ہونا موقوف و مشروط ہے اس پر کہ یہ بعینہ مسجد کے نیچے کی دکانیں بھی مسجد ہی ہوں لہذا ان کو کرایہ پر دینا جائز ہے(۱) اور اگر یہ مسجد و دکانیں خدانخواستہ گر جائیں گی تو بھی ان دکانوں کی زمین کا قطعہ قیامت کے قائم ہونے تک مسجد ہی رہے گا۔(۲) ماسوا مسجد کے اس قطعہ کو اور کسی کام میں لانا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ تو از سر نو مسجد بنانے والوں کو چاہئے کہ ان دکانوں کو موقوف کر دیں اور ان کی جگہ پر ملبہ بھر دیں تاکہ کرایہ پر دینے کے گناہ سے بچ جاویں فتاوی شامی میں ہے وحاصله ان شرط كونه مسجد ا ان يكون سفله وعلوه مسجد الينقطع حق العبد عنه الخ جلد ثالث(۳) صفحہ ۴۴۰ فقط واللہ اعلم۔ اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

(جواب ۲)(از حضرت مفتی اعظمؒ) مسجد کے نیچے کی دکانیں، ظاہر یہی ہے کہ مسجد کے لئے وقف ہوں گی۔ کیوں کہ بغیر اس کے کہ نیچے کی دکانیں وقف ہوں مسجد کی مسجدیت ہی درست نہیں۔(۴) لیکن جب کہ پچھتر سال سے وہ مسجد عام مساجد کی طرح استعمال ہوتی ہے اور مسلمان اس کو مسجد ہی یقین کرتے ہیں تو اب جب تک کہ دکانوں کی ملکیت کا دعویٰ کرنے والا اپنی ملکیت کا پختہ ثبوت پیش نہ کرے اور یہ بات ثابت نہ ہو جائے کہ دکانیں وقف نہ تھیں بلکہ مملوکہ تھیں اس وقت تک دکانیں مسجد کی دکانیں قرار پائیں گی۔(۵) فقط محمد کفایت اللہ

فصل دوم
بنائے اول کے بعد غیر بانی کے تصرفات

مسجد کے نیچے خالی جگہ ہو تو مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم

(سوال) شہر دہلی میں سر بازار ایک قدیم مسجد واقع ہے جس کی عمارت دو منزلہ ہے۔ منزل زیریں میں صحن مسجد کے نیچے بجانب بازار چار شرقرویہ دکانیں ہیں جن کی حدود نصف صحن مسجد تک پہنچتی ہیں۔ بجانب مغرب دالان مسجد کے نیچے دو غربرویہ حجرے ہیں یہ دکانیں اور حجرے بہ کرایہ آباد ہیں۔ جن کی آمدنی ضروری اخراجات مسجد میں صرف ہوتی ہے۔ بجانب جنوب صحن مسجد کے نیچے ایک چھتہ واقع ہے جو رہ گذر عام ہے۔ اس چھتہ میں ملے ہوئے جنوب رویہ غسل خانہ جات وبیت الخلاء ہیں کہ وہ بھی صحن مسجد کے نیچے واقع ہیں۔ ہیئت متذکرہ سے ظاہر ہے کہ بحالات موجودہ دالان وصحن مسجد کا بیشتر حصہ ایسا ہے کہ ٹھوس نہیں ہے۔ چنانچہ نمازیوں کے لئے

(۱) وحاصله ان شرط كونه مسجدا ان يكون سفله وعلوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه (رد المحتار : كتاب الوقف، مطلب في احكام المسجد: ٤ / ٣٥٨ ط . سعيد)
(۲) ولو خرب ماحوله ، واستغنى عنه يبقى مسجداً عندالا مام والثانى ابدا الى قيام الساعة (الدر المختار كتاب الوقف، مطلب فى احكام المسجد ٤ / ٣٥٨ ط سعيد)
(۳) كتاب الوقف مطلب فى احكام المسجد ٤ / ٣٥٨ ط سعيد)
(۴) واذا جعل تحته سردابا لمصالحه لايكون مسجداً (الدرالمختار: كتاب الوقف، مطلب فى احكام المسجد ٤ / ٣٥٧ ط سعيد)
(۵) ادعى دارا فى يدى رجل انها ملكه باصلها و بنائها وانكر المدعى عليه ذلك وادعى انها وقف على مصالح مسجد كذا، واقام المدعى بينة على دعواه وقضى له بذلك وكتب له السجل. (هنديه ، كتاب الوقف، الباب السادس فى الدعوى والشهادة ٢ / ٤٣٢ ، ٤٣٣ ط ماجديه كوئته)

یہ امر دریافت کرنا نہایت دشوار ہے کہ جہاں وہ نماز پڑھ رہے ہیں اس مقام کے نیچے خلا ہے یا نہیں۔ جن صاحب کے بزرگوں نے ابتداءً اپنی اراضی پر مسجد مذکور تعمیر کرائی تھی وہی تاحال وراثۃً قابض و متولی مسجد ہیں۔ فی الحال مسجد مذکور کی تعمیر جدید کا مسئلہ درپیش ہے اور نقشہ جدید زیر غور ہے جس کے متعلق اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ متولی مسجد کہہ رہے ہیں کہ عمارت جدید کی ساری منزل زیریں میں گودام و دکاکین و بیوتات ضروری مثل بیت الخلا غسل خانے وغیرہ بنوا دیئے جائیں۔ اور منزل بالا پر مسجد تعمیر کی جائے۔ اس صورت میں فرق صرف اس قدر ہوگا کہ بحالت موجودہ مسجد کے بیشتر حصہ کے نیچے بے قاعدہ طور پر خلا ہے۔ آئندہ عمارت مسجد کے تمام رقبہ کے نیچے خلا ہو جائے گا مگر مسجد کی آمدنی میں معتدبہ اضافہ ہو جائے گا جس سے مسجد کی صفائی وغیرہ کا معقول انتظام ہو سکے گا۔ بصورت ضرورت ایک معقول ذی علم شخص امامت کے واسطے مقرر ہو سکے گا، جس سے غریب اہل محلہ کو دریافت مسائل میں ضروری مدد ملے گی۔ غریب مسلمانوں کی ابتدائی مذہبی تعلیم کے واسطے ایک مدرسہ جاری کیا جا سکے گا جس کی از حد ضرورت ہے۔ بعض اصحاب کو یہ اعتراض ہے کہ ایسی جگہ جس کے نیچے خلا ہو نماز نہیں ہوتی یا مکروہ اور ناقص ہوتی ہے۔ لہذا مسجد کی پشت کی جانب کے حجرے بالکل بند کر دیئے جائیں اور بجانب بازار اگر ضرورۃً دکانیں رکھی جائیں تو انہیں بھی طول میں کم کر دیا جائے تاکہ صحن مسجد کا بیشتر حصہ خلا سے محفوظ رہے اور غسل خانہ جات وغیرہ صحن مسجد میں ایک جانب بنائے جائیں۔ اس صورت میں صحن مسجد بھی جو کسی قدر مختصر ہے گھر جائے گا اور آمدنی مسجد مصارف معمولی کے واسطے بھی شاید بدقت کافی ہو سکے اور دوسری اغراض متذکرہ بالا بالکل فوت ہو جائیں گی۔ پس تمام حالات متقدمہ پر غور فرما کر مفصلاً ایما فرمایا جائے کہ ایسے مقام پر نماز پڑھنے کے متعلق جہاں نیچے خلا ہو شرع شریف کے کیا احکام ہیں؟ بحالات خاص متقدمہ متولی مسجد کی رائے لائق ترجیح ہے یا فریق دوم کی؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۳) جو جگہ مسجد بنالی جائے تو تحت الثریٰ سے آسمان تک اتنی جگہ مسجد کے حکم میں ہو جاتی ہے۔ اب اس میں کوئی ایسا کام کرنا جو حرمت مسجد کے خلاف ہو مناسب نہیں۔ صورت مسئولہ میں مسجد کے حصہ زیریں میں پاخانہ دکانیں بنانا مناسب نہیں لیکن اگر دکانیں بنالی جائیں تو ان کے اوپر نماز پڑھنے میں کوئی نقصان نہیں۔ یہ خیال کہ جو جگہ ٹھوس نہ ہو اس پر نماز فاسد یا مکروہ ہوتی ہے صحیح نہیں۔ **وکرہ تحریما الوطیء فوقه (ای المسجد) والبول و التغوط لانه مسجد الی عنان السماء (درمختار) قوله الی عنان السماء بفتح العین وکذا الی تحت الثری کما فی البیری عن الا سبیجابی بقی لوجعل الواقف تحته بیتا للخلاء هل یجوزلم اره صریحا نعم سیاتی متنا فی کتاب الوقف انه لوجعل تحته سرداباً لمصالحه جاز تامل (۱)(رد المحتار مختصراً)**

(۱) (رد المحتار ، باب مایفسد الصلوة، مطلب فی احکام المسجد ، ج ۱ صفحه ٦٥٦ ط سعيد) مزید تفصیل کے لئے دیکھیں صفحہ ۴، حاشیہ : نمبر ا

مسجد کی آمدنی کو کسی دوسری مسجد، مدرسہ اور فقراء وغیرہ پر خرچ کرنا

(سوال) زید نے کئی ہزار روپیہ مسجد کی موقوفہ زمین اور مسجد پر جو پہلے سے آباد تھی لگا کر از سر نو آباد کیا۔ مگر آباد کرتے وقت زید نے یہ نیت کر لی تھی کہ اس نو آبادی کا جس قدر کرایہ وصول ہوگا میں اپنے اختیار سے جہاں جہاں کسی اور مسجد یا مدرسہ یا بیواؤں وغیرہ کو ضرورت ہوگی، صرف کروں گا اور مسجد میں بھی صرف کروں گا۔ (مگر ضرورت کے موافق بھی صرف نہیں کرتا) آیا زمین موقوفہ بالا پر اس نیت سے آبادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس صورت میں اس نو آبادی کا کرایہ مسجد کا وقف سمجھا جائے گا یا نہیں۔ بر صورت ثانی و نیز اگر بناء مذکور جائز ہو تو ان دونوں صورتوں میں رواج کے موافق موقوفہ زمین نو آبادی کا جس قدر کرایہ ہوتا ہو اس کو بانی کسی دوسری جگہ مسجد یا مدرسہ یا بیواؤں وغیرہ پر صرف کر سکتا ہے یا نہیں۔ بصورت اولیٰ وہ علاوہ اخراجات مسجد باقی روپیہ کسی دوسری جگہ صرف کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب ٤) مسجد کی زمین موقوفہ پر اگر متولی مسجد کوئی عمارت اپنے روپے سے بنوائے اور اس کی نیت وقف کے لئے بنانے کی ہو یا کچھ نیت نہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں یہ عمارت وقف کی ہوگی اور اس کی جو کچھ آمدنی ہوگی وہ مسجد کی سمجھی جائے گی۔ اور متولی کو کسی دوسری جگہ صرف کرنے کا حق نہیں اور بناتے وقت اس کی اس قسم کی نیت بھی (جب کہ اس نے نیت وقف سے یا بلا نیت بنوائی ہو) غیر معتبر ہے۔ ہاں اگر متولی مسجد زمین موقوفہ پر اپنی ملکیت کی نیت سے کوئی عمارت بنوائے اور اس نیت و ارادہ پر گواہ کرلے تو اس صورت میں وہ عمارت اس کی ملک ہوگی اور اسے تصرف کا حق حاصل ہوگا۔ اور زمین وقف کا وہ غاصب سمجھا جائے گا۔ لیکن صورت مذکورۂ سوال ایسی نہیں ہے۔ لہٰذا متولی کو کوئی حق تصرف کا نہیں۔ **متولي وقف بني في عرصة الوقف فهو للوقف ان بناه من مال الوقف اومن مال نفسه ونواه للوقف اولم ينو سيئاً وان بنى لنفسه واشهد عليه كان له انتهى** (۱)۔ (ہندیہ) اور جب یہ عمارت مسجد کی ملک ہوئی تو اس کا حکم یہ ہے کہ مسجد کی دکانوں کی آمدنی یا دیگر اشیاء موقوفہ علی المسجد کا دوسری جگہ صرف کرنا جائز نہیں۔ **الفاضل من وقف المسجد هل يصرف الى الفقراء قيل لا يصرف وانه صحيح ولكن يشترى به مستعملا للمسجد كذافي المحيط انتهى (هنديه)** (۲) ہاں اگر واقف نے یہ شرط کر دی ہو کہ "یہ وقف مسجد کے واسطے ہے اور اگر مسجد مستغنی ہو تو متولی کو فقراء پر تقسیم کرنے کا اختیار ہے" تو اس صورت میں متولی کو فقراء پر صرف کرنا بھی جائز ہے۔ **على ان للقيم ان يتصرف في ذلك على مايرى واذا استغنى المسجد يصرف الى فقراء المسلمين فيجوز ذلك كذا في الظهيريه** (ہندیہ) (۳)

---

(۱) (عالمگیریہ ، الباب الخامس فی ولایۃ الوقف وتصرف القیم فی الاوقاف فی کیفیۃ قسمۃ الغلۃ الخ ۲ / ٤۱٦ ط ماجدیۃ، کوئٹہ ، پاکستان)

(۲) (عالمگیریہ ، کتاب الوقف ، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق بہ ، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد و تصرف القیم وغیرہ فی مال الوقف علیہ ۲ / ٤٦۳ ط ماجدیہ ، کوئٹہ)

(۳) (عالمگیریۃ، کتاب الوقف الباب المذکور ، الفصل المذکور ۲ / ٤٦۰ ط ماجدیہ ، کوئٹہ)

مضبوط اور مستحکم مسجد گرا کر اس کی جگہ نئی مسجد تعمیر کرنا

(سوال) ایک مسجد پرانی موسوم بہ مسجد شاہی مراد آباد جس کے اطراف میں مدرسۃ الغرباء قاسم العلوم بھی واقع ہے نہایت مضبوط اور مستحکم ہے۔ اور باوجود قدیم ہونے کے چوڑے چوڑے آثار ہونے کے سبب سے اس وقت تک کچھ تغیر نہیں آیا ہے۔ اب بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کو منہدم کر کے آثار کم کر کے از سر نو تعمیر کیا جائے تاکہ گنجائش زیادہ ہو جائے اور اونچی اور خوشنما بن جائے اور اس کام کے لئے کوئی سرمایہ بھی موجود نہیں ہے بلکہ توڑ کر چندہ کر لینے کا خیال ہے۔ آیا از روئے شرع شریف کے ایسی مسجد مستحکم کا بخیال مذکورہ بالا توڑنا اور از سر نو تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں۔ نیز صورت مذکورہ بالا کے لئے چندہ مانگنا بھی جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۵) ایسی مسجد کو جس کی موجودہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہے توڑنا اور از سر نو بنانا اگر مال مسجد خرچ کر کے بنائی جائے تو ناجائز ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص خاص اپنے مال سے بنانا چاہے تو اس طور سے جائز ہے کہ بنائے جدید بنائے قدیم سے زیادہ مستحکم اور مضبوط ہو۔ محض خوشنمائی اور بلندی کے خیال سے توڑنا اور بنانا ٹھیک نہیں۔ آثار کم کرنے میں استحکام میں ضرور کمی ہے۔ اگر آثار کی کمی سے توسیع مقصود ہو تو بشرط حاجت توسیع ہونے کی اتنی حد تک کمی آثار کی جائز ہو سکتی ہے کہ بناء میں ضرر نہ ہو۔ اور اگر کوئی شخص اپنے خاص مال سے نہیں بنانا چاہتا بلکہ چندہ کرنا چاہتا ہے تو بلا ضرورت چندہ کرنا اور مسلمانوں پر بار ڈالنا جائز نہیں۔ نیز چندہ کی حالت بھی متوہم ہے۔ بقدر ضرورت فراہم ہو یا نہ ہو اور مسجد کو پہلے سے منہدم کر دیا پھر چندہ فراہم نہ ہوا تو نہ بنائے اول رہی نہ ثانی تیار ہو سکی۔ لہذا ایسی حالت میں کہ بنائے ثانی کا مبنیٰ امید چندہ پر ہو توڑنے کی گنجائش نہیں۔(۱) واللہ اعلم

مسجد کے صحن کے نیچے دکانیں بنا کر کرایہ وصول کرنا

(سوال) ایک مسجد اونچی جگہ پر واقع تھی۔ لوگوں نے اس کا صحن کھود کر دکانیں بنا دیں۔ ان کے اوپر نماز بدستور سابق ہوتی ہے اور دکانیں کرایہ پر چلتی ہیں۔ یہ دکانوں کا بنانا درست ہوا یا نہیں ؟ اور ان کا کرایہ حلال ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ٦) (خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون) فی الدر المختار . اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق . تاتار خانية . فاذا كان هذا فى الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولا يجوز اخذ الا جرة منه ولا ان يجعل شيئاً منه مستغلا ولا سكنى(۲) اس میں صاف تصریح ہے کہ صورت مسئولہ میں ان دکانوں کا بنانا جائز نہ تھا اور اب بند کر دینا ضروری ہے اور کرایہ ان کا جو لیا گیا ہے وہ حلال نہیں ہے اور ان دکانوں کا ضروریات مسجد کے لئے استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ مصالح

(۱) اراد اهل المحلة نقض المسجد و بناء ه احكم من الاول ، ان البانى من اهل المحلة لهم ذالك ، والا لا . بزازية وفى الشامية : مسجد مبنى اراد رجل ان ينقضه، ويبنيه احكم ، ليس له ذالك، لا نه لا ولاية له الا ان يخاف ان ينهدم ان لم يهدم ، وتاويله ان لم يكن البانى من اهل تلك المحلة، وما اهلها فلهم ان يهدموه ويجددوا بناء ه ، ويفرشوا الحصير ، ويعلقوا القناديل لكن من مالهم، لا من مال المسجد ، الا بامر القاضى، خلاصة (الدر المختار مع رد المحتار ، كتاب الوقف ، مطلب فى احكام المسجد ٤/ ٣٥٧ ط سعيد بزازية على هامش هندية فصل فى احكام المسجد ٦ / ٢٦٨ ط ، ماجديه كوئٹه)
(۲) کتاب الوقف ، فصل فى احكام المسجد . ج : ٤/ ٣٥٨ سعيد

مسجد کیلئے تہ خانہ وہ جائز ہے جو ابتداہی میں مسجد بنانے کے وقت بنایا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم عفا عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ الصواب منحصر فی ہذا الجواب کتبہ اشرف علی عفی عنہ ۲۹ شعبان ۱۳۴۸ھ۔ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔ محمد مظہر اللہ غفرلہ، امام مسجد فتحپوری دہلی۔ محمد مصطفیٰ بجنوری مقیم میرٹھ محلہ کرم علی۔ محمد سراج الحسین مدرس اول مدرسہ اسلامیہ میرٹھ۔ محمد میاں غفرلہ، مدرس مدرسہ حسین بخش، دہلی نور الحسن عفا عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش۔ محمد اسحٰق عفی عنہ مدرس مدرسہ حسینیہ۔ سلطان محمود مدرسہ فتحپوری۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

دکانوں سے وصول شدہ ناجائز کرایہ مسجد پر لگانا

(سوال) جوابات مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ ان دکانوں کا کرایہ حرام ہے۔ پس اس حرام کے کرایہ سے نیز ان دکانوں کے حلال کرایہ سے جو زیر مسجد نہیں ہیں اسی مسجد کا فرش پتھر کا بنایا گیا۔ آیا اس فرش مسجد پر نماز جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز نہیں ہے تو فرش مسجد (یعنی ان پتھروں) کو کیا کیا جائے۔ اس کا بھی جواب تحریر فرماویں۔

المستفتی محمد بشیر الدین قاضی شہر میرٹھ

(جواب ٦) (از حضرت مفتی اعظمؒ) مسجد کے نیچے دکانیں بنانا اس صورت میں کہ پہلے نہیں تھیں اور ان کو کرایہ پر دینا ناجائز تھا مگر جو کرایہ حاصل ہو چکا ہے اس کا مسجد کے لئے استعمال حرام نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ مسجد میں استعمال کرنا ناجائز ہو تو کیا کیا جائے۔ آیا ان لوگوں کو واپس دیا جائے جنہوں نے دکانوں کو استعمال کیا اور یہ صحیح نہیں کیونکہ غاصب او قاف سے ضمان وصول کرنا اور وقف پر خرچ کرنا جائز ہے۔ پس زیادہ سے زیادہ اس اجرت کا حکم ضمان غصب کا ہوگا اور اس کو مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے۔ پس اس روپے سے جو فرش تیار کیا گیا ہے اس پر نماز جائز ہے۔ ان دکانوں کے بنانے کا گناہ بنانے والوں پر ہوا اور کرایہ پر دینے اور کرایہ پر لینے کا گناہ دینے والوں اور لینے والوں پر ہوا۔ لیکن کرایہ کا وصول شدہ روپیہ مسجد کی ملک ہے اور مسجد پر خرچ کیا جائے گا اس کو حرام نہیں کہا جا سکتا۔ فقط(۱) محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی

(۱) مسجد گرا کر اس کی جگہ پر دکانیں بنانا
(۲) مسجد کی دیوار کی جگہ کو مسجد سے باہر نکالنا ناجائز ہے
(۳) قبرستان کی فارغ زمین مسجد میں داخل کرنا
(۴) قبرستان جانے کے لئے مسجد سے راستہ کر لینا

(سوال) ملتان میں ایک چھوٹی سی مسجد بر سر بازار ہے جس کی آمدنی نہیں ہے جو مسجد کی ضروریات میں کام دے

---

(۱) (منافع الغصب استوفاها، او عطلها) فانها لا تضمن عندنا، ويو جد في بعض المتون ، ومنافع الغصب غير مضمونة (الى قوله الا) في ثلاث، فيجب اجر المثل على اختيار المتاخرين (ان يكون) المغصوب (وقفا) للسكنى اوللا ستغلال (اومال يتيم (الدرالمختار) (قوله منافع) اى المغصوب، (استوفا ها او عطلها) صورة الاول ان يستعمل العبد شهراً مثلاً ، ثم يرده على سيده ، والثاني: ان يمسكه ، ولا يستعمله ثم يره (الى قوله) (قوله للسكنى اوللا ستغلال) اقول: او لغير هما كالمسجد، فقد افتى العلامة المقدسي في مسجد تعدى عليه رجل، وجعله بيت قهوة بلزوم اجرة مثله مدة شغله كما في الخيرية والحامدية (الشامية: كتاب الغصب مطلب في ضمان الغصب ٦/٢٠٦ ط. سعيد)

اور نہ کوئی ذی حیثیت مسلمان ارد گرد میں ہے جو اس پر خرچ کرے بلکہ حوالی میں اکثر ہندو ہیں اور اگر کوئی مسلمان ہے تو قلاش۔ زید جو اس کے ارد گرد کے مسلمانوں پر ایک کم حیثیت آدمی ہے چاہتا ہے کہ اس کی آمدنی کی کوئی صورت کر دے جس سے یہ مسجد ہمیشہ کے لئے آباد رہے۔ عزم کر رہا ہے کہ ملتان و دیگر بلاد و قری سے چندہ جمع کر کے اس تحتانی حصہ میں دکانیں بنادے دکانوں میں کچھ حصہ وہ بھی آئے گا جو سجدہ گاہ رہا ہے اور فوقانی حصہ کو جائے نماز بنادے تاکہ دکانوں کا کرایہ مسجد میں خرچ ہوتا رہے۔

(۱) ہمارا خیال ہے کہ مسجد کی موجودہ عمارت کو گرا کر مسجد کو بارہ فٹ بلندی پر تیار کر کے سقف پر سجدہ گاہ بنائی جائے۔ نیچے کی زمین دکانات میں شامل کی جائی۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مسجد کی بیرونی دیوار کو گرا کر اس دیوار کی زمین کو مکان میں شامل کر کے نئی دیوار کی زمین مسجد کی سجدہ گاہ سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) مسجد کے متصل ایک قبرستان ہے لیکن سوائے تین قبروں کے باقی مسمار ہو چکی ہیں مگر وہ تین قبریں بھی ایک طرف بچی ہوئی ہیں باقی قبرستان کی زمین فارغ ہے۔ آیا وہ فارغ زمین مسجد میں داخل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) قبرستان کی بقیہ تین قبروں کے لواحقین مسجد میں سے برائے آمد و رفت راستہ لینا چاہتے ہیں حالانکہ اگر وہ کوشش کریں تو دوسری طرف سے لے سکتے ہیں۔ یہ راستہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۷۱ حافظ عبدالسلام صاحب تاجر کتب۔ شہر ملتان ۱۳ رمضان ۱۳۵۲ھ م ۳۱ دسمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۷) جو حصہ کہ اس وقت مسجدیت کے ساتھ خاص ہے اس کو اب مستقل یعنی آمد ذریعہ بنانا جائز نہیں ہے۔(۱) ہاں مسجد کی وہ زمین جو نماز کے لئے مخصوص نہ ہو بلکہ مسجد کے مصالح کے لئے ہوتی ہے اس میں دکانیں بنانا جائز ہے۔(۲) لیکن اگر کوئی شخص مسجد کو چھت پر بنا کر اس کے نیچے دکانیں نکال دے گا تو وہ خود گنہگار تو ہو گا لیکن مسجد کی مسجدیت باطل نہ ہو گی۔(۳)

(۱) ناجائز ہے۔(۴) (۲) ناجائز ہے مسجد کی دیوار مکان کو نہیں دی جا سکتی۔(۵) (۳) اگر اب قبرستان کی زمین دفن کے کام میں نہیں آسکتی تو اسے مسجد کے کام میں لے سکتے ہیں۔(۶) (۴) اگر اب تک قبرستان کا راستہ

---

(۱) ولا ان یجعل شیئا منه مستغلا وفی الشامیة : المراد منه ان یوجر منه شئ لاجل عمارته (الدرالمختار کتاب الوقف ٤ / ۳۵۸ ط . سعید)

(۲) لو بنی فوقه بیتا للامام لا یضر لا نه من المصالح، اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع، (الدر المختار) وفی رد المحتار : (قوله لو تمت المسجدیة ای بالقول علی المفتی به، او بالصلاة فیه علی قولهما (الدر المختار مع رد المحتار ، کتاب الوقف، فصل فی احکام المسجد ٤ / ۳۵۸ ط . سعید)

(۳) یبقی مسجد اعند الا مام والثانی ابداً الی قیام الساعة (الدر المختار کتاب الوقف ٤ / ۳۵۸

(۵) فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد (الدر المختار کتاب الوقف ٤ / ۳۵۸ سعید

(۴) واذا اراد الانسان ان یتخذ تحت المسجد حوانیت غلة لمرمة المسجد او فوقه لیس له ذالك کذافی الذخیرة (العالمگیریة الباب الحادی عشر فی المسجد ، وما یتعلق به ۲ / ٤٥٥ ط ماجدیة کوئٹه)

(۶) قال الحافظ رحمه الله تعالی: فان قلت هل یجوزان یبنی المساجد علی قبور المسلمین ؟ قلت : قال بن القاسم رحمه الله تعالی لوان مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجداً لم ار بذلك باساًوذلك لا ن المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاهم لایجوز لا حدان یملکها فاذا درست فاستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها الی المساجد، لان المسجد ایضاً وقف من اوقاف المسلمین ولا یجوز تملیکه لا حد فمعنا هما علی هذا واحداً .(عمدة القاری باب هل ینبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد ج ٤/ ۱۷۹ بیروت)

وفی الشامیة عن الزیلعی : ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره والبناء علیه . (رد المحتار ، کتاب صلاة الجنائز ، مطلب فی دفن المیت ، ج : ۲/۲۳۳، سعید)

مسجد میں سے نہ تھا تو اب مسجد میں سے راستہ دینا جائز نہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(۱) مسجد مکمل ہونے کے بعد دوسری منزل بنانا۔
(۲) مسجد میں دینی علوم کا درس دینا۔

(سوال) ایک مسجد ہے جس کے اطراف میں علوم شرعیہ کی درس و تدریس کے لئے مدرسہ بنایا گیا ہے مسجد اور مدرسہ مسلمانوں کے چندے سے بنائے گئے ہیں۔ تعمیر کے وقت یہ خیال تھا کہ مسجد کو دو منزلہ بنایا جائے کیونکہ مسجد کی جگہ تنگ ہے تاکہ زیادہ آدمی ہوں تو دونوں طبقوں میں مل کر ایک جماعت سے نماز ادا کر سکیں۔ مگر سرمایہ کم ہونے کی وجہ سے اس وقت مسجد کی تعمیر کو نامکمل چھوڑ دیا۔ اب بعض حضرات کا خیال ہے کہ مسجد پر دوسری منزل ہوا دیں۔ شامی کتاب الوقف ج ۳ صفحہ ۵۱۲ میں ہے کہ (فروع) **لوبنی فوقه بیتا للا مام لایضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم ارادالبناء منع و لوقال عنیت ذلك لم یصدق (تتارخانیه)**(۲) اس عبارت سے شبہ ہوتا ہے کہ کیا مسجد پر مسجد بھی بنا نہیں کر سکتے جس طرح کہ امام وغیرہ کے لئے مکان یا مصالح مسجد کے لئے اور کسی قسم کا کمرہ؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ مسجد کے دونوں طبقوں میں درس علوم شرعیہ خارج اوقات نماز میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۴۰۲ مدرسہ حسینیہ محمدیہ راندیر ضلع سورت ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ م یکم اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۸) مسجد کی تعمیر میں بانی اور متولی حسب صوابدید خود مسجد کی حیثیت سے تغیر و تبدل کر سکتے ہیں۔ **مسجد اراد اهله ان یجعلوا الرحبة مسجدا والمسجد رحبةً وارادوا ان یحدثواله بابا وارادوا ان یحولوا الباب عن موضعه فلهم ذلك فان اختلفوا نظر ایهم اکثرو افضل ذلك کذافی المضمرات** (عالمگیری)(۳) در مختار کی عبارت منقولہ سوال کا مطلب یہ ہے کہ مسجد کی منزل اول کی تکمیل کے بعد اس پر امام کے لئے سکونتی مکان یا مدرسے کے لئے درسگاہ نہیں بن سکتی کہ اس صورت میں جہت بدل جاتی ہے اور مسجد کی غیر مسجد کی طرف تحویل لازم آتی ہے۔ اگر مسجد کی منزل ثانی کی نیت سے منزل ثانی بنائی جائے اور اس میں تبعا تعلیم بھی ہو جیسے کہ اکثری طور پر مساجد میں قرآن پاک اور علوم دینیہ کے مدرسین بیٹھ کر درس دیتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔(۴) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

چھوٹی مسجد کو بڑی مسجد کے صحن میں شامل کرنا

(سوال) ایک مسجد جو عیدگاہ کے نام سے موسوم تھی اب بوجہ جمعہ ہونے کے جامع مسجد کہلانے لگی۔ جمعہ و

---

(۱) واذا ارادوا ان یجعلوا شیئا من المسجد طریقاً للمسلمین فقد قیل لیس لهم ذلك وانه صحیح (عالمگیریه ،کتاب الوقف ، ج : ۲/۴۵۷)

(۲) الدر المختار ، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد، ج : ٤ ، ۳۵۸ ، سعید)

(۳) (عالمگیریة ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یعلق به، ط ماجدیة ۲ / ٤٥٦)

(۴) ومسجد استاذه لدرسه او لسماع الاخبار افضل اتفاقا . (الدر المختار ،باب مایفسد الصلوٰة مطلب فی افضل المساجد ، ج: ۱/ ٦٥٩، سعید)

عیدین کی نمازیں اس مسجد میں ادا ہوتی ہیں۔اس مسجد کے متصل نیچے کی جانب ایک قدیمی مسجد ہے اب بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس قدیمی مسجد کو شہید کر کے بڑی مسجد کے صحن کو کشادہ کیا جائے۔یہ جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۷۴۳، ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ م ۳ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۹) اگر بڑی مسجد کو توسیع صحن کی حاجت نہیں ہے تو چھوٹی مسجد کو بحال خود قائم رکھنا چاہئے اور اگر بڑی مسجد میں اب پنج وقتہ جماعت ہونے لگی ہے تو وہ بھی مسجد جماعت ہو گئی اور اس میں توسیع کر کے چھوٹی مسجد کو ضرورت کے وقت شامل کر لینا بھی جائز ہے۔(۱)　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد کی ضروریات کے لئے خالی زمین پر امام کا حجرہ

(سوال) مسجد کی چہار دیواری کے اندر حجرہ مع صحن پختہ امام صاحب کے لئے واقع ہے۔ حجرہ مذکورہ کے صحن میں کبھی کبھی بوجہ زیادتی نمازیوں کے نماز بھی ادا کی گئی ہے۔ حجرہ مذکور مع صحن بذریعہ دیوار، مسجد سے علیحدہ کر کے امام صاحب کے لئے زنانہ مکان بنانا مقصود ہے جس کا داخلہ کا دروازہ اور پاخانہ علیحدہ گلی میں ہو گا۔ کیا بصورت بالا مکان بنانا جائز ہے ؟

المستفتی نمبر ۷۳۰ اقبال احمد صاحب (ضلع میرٹھ) ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۴ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰) جب کہ حجرہ اور اس کا صحن مسجد سے جداگانہ اور ممتاز طریق پر اب بھی واقع ہے پردہ نہیں ہے تو پردہ کی دیوار اٹھا کر اس کو علیحدہ کر دینا جائز ہے۔ حجرہ کے جنوبی جانب گلی کھلتا ہو پاخانہ بھی بنانا جائز ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

مسجد کی ضروریات کے لئے خالی زمین پر ناجائز رسومات کے لئے مکان بنانا

(سوال) ایک مسجد ہے جس کا نقشہ دوسرے صفحہ پر ہے۔اس کو بنے عرصہ پچاس سال سے زائد ہو گیا اس کی بنیاد حضرت صوفی حافظ نور محمد صاحب مرحوم مغفور نے ڈالی تھی۔ آپ نے ہی مسجد اور اس کی ملحقہ جگہ خرید کی تھی اور مسجد کے ساتھ ہی دوسری جگہ بھی وقف کر دی گئی تاکہ اگر بعد میں ضرورت پڑے تو تمام جگہ پر مسجد تعمیر کر دی جائے جیسا کہ نقشہ میں ظاہر ہے کہ قطعہ زمین (الف) پر کچھ پودے ہیں اور باقی تمام جگہ پر بڑے خوبصورت اور قیمتی پودے اُگے ہوئے ہیں اب تمام اہل محلہ مقام (الف) پر ایک تکیہ یاڈیرہ بنانا چاہتے ہیں جس میں برات بیٹھا کرے گی۔برادری مذکور کی رسومات درواجات کے مطابق برات تین دن تک ٹھہرتی ہے جس کے دوران میں گانا بجانا، مجرا، نقل، ناچ اور حقہ نوشی لوازمات شادی میں شامل ہیں جو قطعاً غیر شرعی ہیں اور حصہ (الف) پر مکان بن جانے کی صورت میں یہ سب کچھ وہاں پر ہو گا۔ معترضین کے جواب میں وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مقام (ج) پر

---

(۱) ولیس له از عاج غیره منه ولو مدرسا، واذا ضاق فللمصلی از عاج القاعد ولو مشغلا بقراة او درس بل و لا هل المحلة منع من لیس منهم عن الصلوة فیه، ولهم نصب متول وجعل المسجدین واحدا وعکسه لصلاة لا لدرس، او ذکر فی المسجد عظة و قرآن (الدرالمختار کتاب الصلوٰة ، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها ، مطلب فیمن سبقت یده الی مباح ۱ / ٦٦٢، ٦٦٣)

(۲) لوبنی فوقه بیتا للامام لا یضر، لانه من المصالح .(ردالمحتار ، کتاب الوقف ، ج : ٤ / ٣٥٨ ، سعید)

دروازہ نکال لیں گے۔ اس طرح نہ تو مسجد کی بے حرمتی ہوگی نہ ہی اس مکان سے کوئی تعلق مسجد کا ہوگا بلکہ مندرجہ بالا رسومات کی ادائیگی کی راہ میں کوئی شے مزاحم نہ ہوگی۔

صوفی صاحب مرحوم کے ورثاء جو کہ مکان کے بنانے کے خلاف ہیں کہتے ہیں کہ ہم مسجد کے مالک نہیں ہیں مسجد خانہ خدا ہے وقف شدہ جگہ ہے اس لئے ہم مسجد کی بربادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہرگز گوارا نہیں کر سکتے۔ ہم اپنے خون کا آخری قطرہ تک اس کو بچانے کی غرض سے بہا دینے کو تیار ہیں۔ برسر مخالف پارٹی کے ممبران کی تعداد ۸۶ فیصدی ہے جن میں چند مقتدر اور سربرآوردہ اصحاب کے علاوہ حافظ محمد اسماعیل خطیب مسجد پانڈیان بھی شامل ہیں۔ اگر یہاں کوئی عمارت بن گئی تو وہ مسمار نہ ہو سکے گی اس پر موجودہ اور کی ایک اور پارٹی مسجد کا باقی حصہ لے لی جو کہ دیر سے برسر اقتدار ہے۔ اور اب غیر جانبدار ہے۔ پس از راہ الطاف وکرم ہمیں اس کے متعلق مفصل مسئلہ بروئے شرع محمدی تحریر فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۱۱۶۱ یوسف حسن صاحب (محلہ بھوسی ریاست) مؤرخہ ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۳۱ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۱) جو زمین کہ مسجد پر وقف ہے اس پر کسی دوسرے کام کے لئے عمارت بنانا حرام ہے(۱) اور خصوصاً ایسی عمارت جس میں مسجد کے احترام کے خلاف کام لئے جائیں۔ عمارت کا ارادہ کرنے والے خالی اور متاثر ہیں ان کو وقف اور واقف کی غرض کے خلاف کوئی کام کرنا جائز نہیں۔(۲) اور مسجد کے واقف کی اولاد کو تولیت کا حق حاصل ہے۔(۳) ان کی اجازت کے بغیر غیر لوگ کوئی تصرف کرنے کے قانوناً بھی مجاز نہیں۔ مسجد کے متولی اور اہل جماعت تعمیر جدید مذکور سے منع کر سکتے ہیں(۴) اور اس مخالفت میں وہ حق بجانب ہیں اور جو تکالیف اٹھائیں گے اس کا ثواب پائیں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) مسجد کے لئے وقف اسی پر خرچ کیا جائے
(۲) پرانی مسجد کی کچھ زمین پر مسجد کی آمدنی کے لئے دکانیں بنانا
(۳) پہلی مسجد کے غیر آباد ہونے کا اندیشہ ہوتے ہوئے دوسری مسجد بنانا

(سوال)(۱) ایک شخص نے مرتے وقت اپنی جائداد سے کچھ حصہ ایک معین مسجد جامع کے نام وقف کر دیا ہے آیا یہ رقم کسی دوسری مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں۔(۲) ایک پرانی مسجد کا کوئی حصہ ایسا نہیں کہ اگر از سر نو تعمیر کرلیا جاوے تو مسجد کا حصہ کنارے والا بر لب سڑک جو کہ سطح سڑک سے سوا گز بلند ہے، مسجد کے فائدے

---

(۱) قیم المسجد لا یجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا او مسكنا تسقط حرمته وهذا لا یجوز . والفناء تبع المسجد فیكون حكمه حكم المسجد(الهندیه كتاب الوقف، الباب الحادی عشر. الفصل الثانی، ۲/۴۶۲ ط. ماجدية

(۲) سئل شمس الائمة الحلوانی: هل یجوز للقاضی صرف وقف ما استغنی عن العمارة الی عمارة ماهو محتاج الی العمارة قال ، لا كذافی المحیط . عالمگیریه كتاب الوقف ، الباب الثالث عشر فی الاوقاف ، ج : ۲ ۴۷۸ ، ماجدیه

(۳) والا فضل ان ینصب من اولاد الموقوف علیه واقاربه مادام یوجد احد منهم یصلح لذلك والظاهر ان مراده بالموقوف علیه من كان من اولادالوقف. (الشامیه مطلب لا یجعل الناظر من غیر اهل الواقف ۴ / ۴۲۴ ط. سعید

(۴) مسجد مبنی ارادرجل ان ینقضه ویبنیه ثانیا احكم من البناء الاول لیس له ذالك ، تاویله اذالم یكن البانی من اهل تلك المحلة . (الهندیة ، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر الفصل الاول.۲/ ۴۵۷ ط. ماجدیة)

کے واسطے اس کے ذرا نیچے دکانیں بنائی جائیں یعنی بجائے سوا گز کے نصف گز سطح زمین دکان کی رکھی جائے تو جائز ہے یا نہیں ؟ (۳) اتفاق عامۃ الناس سے ایک جامع مسجد تیار ہوئی ہے۔ حالانکہ اس مسجد کے ارد گرد اہل ہنود رہتے ہیں۔ صرف ایک مسلمان کا گھر ہے۔ اب وہی لوگ تقریباً ڈیڑھ سو دو سو قدم کے فاصلہ پر اپنے گھروں کے درمیان دوسری مسجد تعمیر کرتے ہیں اور مسجد اول کے مقابل گوردوارہ ہے اور ہندو رہتے ہیں۔ اب اگر مسجد ثانیہ تعمیر ہو گئی تو ضرور مسجد اول کے غیر آباد ہونے کا اندیشہ ہے اور مسجد اول کی ہر طرح کی بے حرمتی کا خیال ہے تو مسجد اول کو ویران غیر آباد کر کے دوسری تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ کیا مسجد ثانیہ مسجد ضرار ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۲۸۹ مولوی عبدالعزیز صاحب خطیب جامع مسجد (ٹوبہ ٹیک سنگھ) ۲۳ شوال ۱۳۵۵ھ ۷ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۲) (۱) اگر یہ وقف ثلث کے اندر ہو تو جائز ہے۔(۱) اور اس کو اسی مسجد پر خرچ کرنا چاہئے جس کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ دوسری مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں۔(۲) (۲) مسجد قدیم یا اس کے کسی حصہ کے نیچے جب کہ پہلے دکانیں نہ تھیں دکانیں بنانا جائز نہیں۔(۳) (۳) مسجد جدید بنانا جبکہ اس کی غرض مسجد قدیم کو نقصان پہنچانا نہیں ہے جائز ہے۔ اگر مسجد قدیم اس سے ضرر (قلت نمازیان) پہنچنے کا خوف ہو اور ان لوگوں کو جو مسجد بنانا چاہتے ہیں مسجد قدیم میں نماز کے لئے جانے آنے میں زیادہ مشقت نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ مسجد جدید نہ بنائیں اسی مسجد قدیم کو آباد رکھیں۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد بننے کے بعد نیچے والی دکان کو چائے خانہ کے لئے کرایہ پر دینا۔
مسجد کے قریب بنے ہوئے بیت الخلاء کو دور کرنے کا حکم

(سوال) یہاں احمد آباد میں ایک مسجد "الف کی مسجد" کے نام سے مشہور ہے اور جو شاہی زمانہ میں تعمیر کی گئی تھی۔ چونکہ یہ مسجد وسط بازار میں تھی اس لئے اس کی کرسی کافی اونچی بنائی گئی تھی۔ جماعت خانہ کے سوا صحن اور حوض وغیرہ کے حصہ میں نیچے کی جانب اطراف میں روشیں بنائی گئیں تاکہ مسافر و محتاج وہاں آرام لے سکیں۔
اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد بہت کچھ عرصہ گذرنے پر اس مسجد کا انتظام گورنمنٹ کی طرف سے مقامی سنی مسلم وقف کمیٹی کو سپرد کیا گیا جو ایک سرکاری جماعت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس میں مسلمان قوم کی آواز

---

(۱) مریض وقف دارا فی مرض موته فهو جائز اذا کان یخرج من ثلث المال، وان کان لایخرج فاجازته الورثة فکذلك (عالمگیریة ، کتاب الوقف الباب العاشر فی وقف المریض ۲ / ۴۵۱ ط. ماجدیه)
(۲) سئل شمس الائمة الحلوانی عن مسجد اوحوض استغنی الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج الی العمارة او علی العکس هل یجوز للقاضی صرف وقف مااستغنی عن العمارة الی عمارة ماهو محتاج الی العمارة ؟ قال : لا . کذافی المحیط . (هندیة ، کتاب الوقف، الباب الثالث عشر فی الاوقاف یستغنی عنها الخ ۲/۴۷۸ ط. ماجدیه)
(۳) واذاأراد ان یتخذتحت المسجد حوانیت غلة لمرمة المسجد او فوقه لیس له ذلك. (عالمگیریه ، کتاب الوقف ، ج ۲/۴۵۵ ، ماجدیه
(۴) قرآن مجید میں ہے: والذین اتخذوا مسجداضرارا و کفرا و تفریقا بین المؤمنین وارصادا لمن حارب اللہ ورسوله من قبل لا تقم فیه ابدا لمسجد اسس علی التقوی

کو کچھ دخل نہیں ہے۔ افراتفری کے زمانہ میں اطراف میں جو مسلمان جوتہ فروش آباد تھے۔ انہوں نے مسجد کے صحن وغیرہ کے نیچے جو روش تھی وہاں اپنی دکانیں لگالی تھیں وقف کمیٹی نے ان دکانوں کو مستقل صورت دے کر معقول آمدنی کا ذریعہ بنایا تو کیا واقف کی مرضی کے خلاف اس طریقہ پر مسجد کی تعمیر کے کئی سو سال بعد دکانیں بنا کر کرایہ پر دینا جائز ہو سکتا ہے؟

مذکورہ مسجد میں جگہ کی قلت ہونے کی بنا پر عام مسلمانوں نے شور مچایا تاکہ مسجد کو وسیع بنایا جائے اور مسجد کی مغربی سمت کی ملکیت کا جو مکان از سرنو تعمیر ہو رہا تھا وہ بھی مسجد کے طور پر شریک کر لیا جائے۔ عام مسلمانوں کے اس مطالبہ سے مجبور ہو کر وقف کمیٹی نے مکان کی تعمیر موقوف کر دی۔ اور مسلمانوں کی مرضی کے مطابق اس مکان کو بھی مسجد میں شریک کر کے مسجد کی از سرنو تعمیر کی۔ صحن اور حوض کا حصہ بدستور قائم رہا مگر اصلی جماعت خانہ کے نیچے جہاں پہلے نہ خلا تھا نہ روش تھی نہ کوئی دکان تھی۔ اس حصہ میں بھی دکان بنالی گئی ۔جب یہ دکان زیر تعمیر تھی اس وقت مسلمانوں کے مطالبہ پر وقف کمیٹی نے وہاں مدرسہ بنانا قبول کیا تھا۔ تاکہ مسجد کی حرمت بھی برقرار رہے اور مذہبی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہو سکے۔ لیکن بعد میں وقف کمیٹی نے وعدہ کے خلاف اصلی پورے جماعت خانہ کے نیچے (جس میں پرانے جماعت خانہ کی جگہ بھی شامل ہے) چائے خانہ کے لئے کرایہ پر جگہ دے دی ہے۔ ہوٹلوں میں جس قسم کا شور وغیرہ ہوتا ہے وہ بھی سب پر ظاہر ہے۔ اس صورت میں وقف کمیٹی کا یہ فعل کس حد تک جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً پرانے جماعت خانہ کی زمین پر بھی دکان بنانا شریعت کی نظروں میں کیا حکم رکھتا ہے؟

اندریں حالات اگر مذکورہ بالا فعل ناجائز ہے تو مذکورہ ہوٹل میں کھانے پینے کے لئے مسلمانوں کا جانا شرعاً جائز ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ایک عالم شخص کے لئے ایسی مسجد میں بحیثیت پیش امام کے ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر بجائے ہوٹل کے اسی جگہ پر مدرسہ یا اسلامیہ دارالکتب یعنی لائبریری یا کلچر ہال بنایا جائے تو اس کے متعلق کیا حکم ہوگا؟

موجودہ مسجد کی مغربی سمت کی دیوار سے لگا ہوا ایک انگریزی اسکول کا پاخانہ ہے اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔ یہ پاخانہ مسجد کی دیوار سے کم از کم کتنی دور ہونا چاہئے۔

المستفتی نمبر ۱۶۱۳ حکیم بدر نظامی (احمد آباد) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۳) مسجد کی قدیم وضع کو تبدیل کر کے دکانیں بنانا جائز نہیں(۱) ہاں نماز کی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ

(۱،۳)(واذا جعل تحته سردابا ، لمصالحه جاز ..... لوبنی فوقه بیتا للامام لایضر لانه من المصالح ، واما لو تمت المسجدیة ثم أرادالبناء منع، ولوقال عنیت ذالك لم یصدق ، فاذا کان هذا فی الواقف فکیف لغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد، ولا یجوزا خذ الا جرة منه ، ولا ان یجعل شیئا منه مستغلا ولا سکنی، بزازیة (الدر المختار ، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد ، ٤/٣٥٧ ، ٣٥٨ ط . سعید) وفی الهندیة: قیم المسجد لا یجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فناء ه الخ (کتاب الوقف ، الباب فی المسجد، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد ، الخ ٢ / ٤٦٢ ، ط . کوئٹه)

کی وضع حسب صوابدید متولی بدل سکتی ہے۔(۱) قدیم جماعت خانہ کے نیچے دکانیں۔ مدرسہ لائبریری پچھ بھی جائز نہیں وقف کمیٹی کا یہ فعل ناجائز ہوا۔

لیکن اب کہ اس نے عمارت تعمیر کرلی اور رقم خرچ ہو چکی تو اب اس کے سوا کوئی سبیل نہیں کہ اس جگہ کو ایسے مصرف میں لایا جائے جس سے مسجد کے احترام میں خلل نہ ہو۔(۲) ہوٹل میں بہت شور و شغب اور افعال غیر مشروعہ ہوتے ہیں اس لئے اس میں ہوٹل کا قیام احترام مسجد کے خلاف ہے۔ ہاں مدرسہ اور کتب خانہ اس سے بہتر ہے۔ اور یہ اس مجبوری سے کہ اب تعمیر بن چکی ہے۔(۳)

پاخانہ مسجد کی تعمیر سے پہلے کا ہو تو اس کو ہٹانے کا مطالبہ نہیں ہو سکتا۔(۴) اور بعد کا ہو تو اتنی دور کرا دینا چاہئے کہ اس کی بدبو مسجد میں نہ آئے اور نجاست مسجد کی دیوار سے مس نہ کرے۔(۵) محمد کفایت اللہ

حکومت مسجد کو اپنی تحویل میں نہیں لے سکتی

(سوال) (۱) کیا کسی حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی مسجد کو ضبط کرلے اور پھر اس کو زر نقد لے کر یا ایسی شرائط پر واگذار کرے جن کی رو سے مسجد پر حکومت کا تسلط رہے۔

(۲) کیا مسجد کی منتظمہ کمیٹی کو یہ حق ہے کہ وہ مسجد کی سیڑھیوں کو کبوتربازوں اور اسی قسم کا کام کرنے والوں کو کرایہ پر دے جن کی وجہ سے مسجد کی حریم میں شور و شغب اور ہر قسم کی بیہودگی اور بداخلاقی کے افعال ہوتے رہیں۔

المستفتی نمبر ۲۶۴۷ محمد یوسف صاحب (پشاور) ۱۴ رجب ۱۳۵۹ھ م ۱۹ اگست ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۴) (۱) مسجد خدا کا گھر ہے اور خدا ہی اس کا مالک ہے وہ کسی انسان کی ملک نہیں۔ قرآن پاک میں ہے وان المساجد للہ(۱) یعنی یقیناً مسجدیں خاص خدا کی ہیں۔ اور جب کہ وہ خدا کی ملک ہیں اور اس کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں تو کسی حکومت کو ان کے اوپر مخالفانہ تسلط اور قبضہ اور ضبط کرنے کا حق نہیں۔ حکومت انسانی املاک پر قبضہ کرے تو کرے خدا کی ملک پر قبضہ نہیں کر سکتی اور اگر جبر و استبداد سے قبضہ شرعاً ناجائز اور کالعدم

(۱) وفی الفتاوی ارض وقف علیٰ مسجد والارض بجنب ذالک المسجد وارادوا ان یزیدوا فی المسجد شیئا من هذه الارض جاز لکن یرفع الا مرالی القاضی لیاذن لهم ، ومستغل الوقف کا لدار والحانوت علی هذا(خلاصة الفتاوی کتاب الوقف ، الفصل الرابع فی المسجد الخ ٤ /٤٢١ ط . امجد اکیڈمی

(۲) فان کان الغاصب زاد فی الارض من عنده ... ان کانت الزیادة مالا متقوما کالبناء والشجر یومر الغاصب برفع البناء، وقلع الاشجار ورد الارض ، ان لم یضر ذالک بالوقف، وان کان اضربان خرب الارض بقلع الاشجار ، والدار برفع البناء لم یکن للغاصب ان یرفع البناء اویقلع الشجر إلا ان القیم یضمن قیمة الغرس مقلوعاًوقیمة البناء مرفوعا.(الهندیة ، کتاب الوقف، الباب التاسع فی غصب الوقف ٢ / ٤٤٧)

(۳) ویحرم فیه السوال ، ویکره الا عطاء... وکل عقد و انشاد ضالة او شعر الا مافیه ذکر، ورفع صوت بذکرالا للمتفقهة، والوضوء لا فیما اعد لذالک ... واکل و نوم (الدر المختار ، کتاب الصلوٰة ، باب مایفسد الصلوٰة ، مطلب فی احکام المسجد ٦٥٩ ، ٦٦٢ . سعید)

(۴) گذشتہ صفحہ کا حاشیہ نمبر ایک ملاحظہ کریں۔

(۵) ویحرم فیه السوال ویکره الا عطاء ... والوضوء (الدرالمختار) قوله والوضوء، لان ماءه مستقذر طبعاً فیجب تنزیه المسجد عنه، کما یجب تنزیهه عن المخاط والبلغم بدائع (و) کره تحریما (الوط فوقه والبول والتغوط) لا نه مسجد الی عنان السماء (الدرالمختار) (قوله الی عنان السماء) بفتح العین ، وکذا الی تحت الثری واکل نحو ثوم (الدرالمختار ، کتاب الصلوة ، مطلب فی احکام المسجد ، ج ١ / ٦٥٩ تا ٦٦١ ، سعید) (۶) سورة الجن رقم الایة : ١٨

ہو گا اور اسے لازم ہو گا کہ اسے واگذار کر دے(۱) واگذاری کے عوض میں کوئی رقم وصول کرنی یا کوئی شرائط عائد کرنے کا حکومت کو کوئی حق نہیں۔

(۲) مسجد کی منتظمہ کمیٹی کو لازم ہے کہ مسجد کو پاک صاف رکھے اور اس کے احاطہ اور حریم یا فناء مسجد میں کوئی ایسی بات نہ ہونے دے جس سے نماز و عبادت میں خلل واقع ہو یا مسجد کے احترام کو صدمہ پہنچے۔ مسجد کی سیڑھیاں حریم مسجد اور فناء مسجد میں داخل ہیں ان پر کبوتر بازوں کا شور و شغب یقیناً احترام مسجد کے منافی ہے۔(۲) فقہاء کرام نے حدود مسجد اور فناء مسجد میں مسجد کے متولی اور قیم کو دکانیں بنانے کی اجازت نہیں دی ہے۔ **قیم المسجد لا یجوزله ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا و مسکنا تسقط حرمته وهذا لایجوز و الفناء تبع للمسجد فیکون حکمه حکم المسجد کذافی محیط السرخسی** (عالمگیری)(۳) یعنی مسجد کے متولی کے لئے جائز نہیں ہے کہ مسجد کی حد میں یا فناء مسجد میں دکانیں بنائے یعنی (جب کہ واقف نے نہ بنائی ہوں متولی ابتداء بنانا چاہے) کیونکہ مسجد میں دکان یا سکونتی مکان بنایا جائے تو مسجد کا احترام جاتا رہے گا اور یہ جائز نہیں اور فناء مسجد بھی مسجد کے تابع ہے تو اس کا حکم مسجد کا حکم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

مسجد یا ضروریات مسجد کے لئے وقف شدہ زمین پر مسجد بنانا

(سوال) ایک مسجد ہے۔ اس کی آمدنی ہے۔ اور اس مسجد کی ایک زمین عمدہ جگہ پر واقع ہے۔ اگر فروخت کی جائے تو زمین کی اچھی قیمت آسکتی ہے۔ جس جگہ پر وہ زمین ہے وہاں مسجد کی سخت حاجت ہے۔ فی الحال وہ زمین کرایہ پر دی ہوئی ہے۔ سوائے اس کرایہ کے مسجد کی اور آمدنی بھی ہے۔ اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس زمین پر مسجد بنائی جائے۔ ایک شخص مسجد بنا دینے کے لئے تیار ہے یا چندہ کر کے بنا دیں۔ اوپر مسجد ہو اور نیچے دکانیں نکال دی جائیں تو خوب کرایہ آئے گا جو اس مسجد پر اور اصل مسجد پر خرچ ہو گا۔ ایک صورت مسجد بنانے کی یہ بھی ہے کہ ایک شخص بنا دے اور کرایہ سے اپنا روپیہ وصول کرتا رہے۔ جب روپیہ وصول ہو جائے تو دکانیں مسجد کے حوالے کر دے سوال یہ ہے کہ اس زمین پر مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور بنا سکتے ہیں تو کس طرح؟ چندہ کر کے مسجد بنائی جائے یا اس زمین کو ایک شخص اپنے روپے سے بنائے اور پھر پانچ سات سال تک روپیہ وصول کرتا رہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد کی زمین پر مسجد نہیں بنا سکتے۔ اس موقع پر جہاں زمین ہے مسجد کی سخت حاجت ہے۔ بینوا توجروا۔

(جواب ۱۵) مسجد کی زمین جو مسجد ہے اور مسجد کے لئے وقف ہو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ واقف نے

(۱) ولو غصبها من الواقف او من والیها غاصب ، فعلیه ان یردها الی الواقف فان ابی و ثبت غصبه عند القاضی حبسه حتی رد ، فان کان دخل الوقف نقص غرم النقصان و یصرف الی مرمة الوقف الخ (عالمگیریة ، کتاب الوقف ، الباب التاسع فی غصب الوقف ۲ / ۴۴۷ ماجدیه)

(۲) عن عائشه رضی الله تعالی قالت امر رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یتخذ المسجد فی الدور وان تطهر و تطیب (سنن ابن ماجه کتاب الصلوة ، ابواب المساجد ، صفحه ۵۵ ، قدیمی)

(۳) (فتاوی عالمگیریة، کتاب الوقف ، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق به ، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد و تصرف القیم و غیره فی مال الوقف علیه ، ۲ / ۴۶۲ ط ماجدیه)

اس کی تصریح کردی ہو کہ اس کی آمدنی سے مسجد کے مصارف چلائے جائیں۔ اس صورت میں اس زمین کو خود مسجد بنالینا صرف اس صورت میں جائز ہو سکتا ہے کہ مسجد موقوف علیہ کی آمدنی کے اور ذرائع موجود ہوں اور اس کا اتنا مال جمع ہو کہ اس زمین کی آمدنی کی اسے حاجت نہ ہو۔ نہ فی الحال اور نہ آئندہ اور اس زمین کی آمدنی کے ضائع ہونے یا غیر مصرف میں خرچ ہونے کا اندیشہ ہو تو ان حالات میں اس زمین پر مسجد بنانا جائز ہے۔ فقد یستانس له بما فی فتاوی النسفی سئل شیخ الا سلام عن اهل قریة افتر قوا وتداعی المسجد الی الخراب و بعض المتغلبة یستولون علی خشب المسجد وینقلو نه الی دیارهم هل لواحد من اهل القریة ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسك الثمن لیصرفه الی بعض المساجد او الی هذا المسجد قال نعم كذافی المحیط (۱) انتهی. وما فی الواقعات الحسامیة متولی مسجد جعل منزلا موقوفا علی المسجد مسجدا وصلی الناس فیه سنین ثم ترك الناس الصلوة فیه فاعیده منزلا مستغلا جاز لانه لم یصح جعل المتولی اباه مسجدا انتهی (هذا كله فی الهندیه)(۲) قلت یوخذ مما فی الحسامیة ان المنزل الموقوف علی المسجد و ان لم یلزم كونه مسجدا من جعل المتولی ایاه مسجدا لكن لا یحرم فی الصلوة بل تصح صلوة الناس فیه سنین وان جعل القاضی مستغل المسجد مسجدا جاز قال فی الهندیة (۳) ارض وقف علی مسجد والا رض بجنب ذلك المسجد وارادوا ان یزید وا فی المسجد شیئا من الارض جاز و لكن یرفعون الا مرالی القاضی لیا ذن لهم ومستغل الوقف كالدار والحانوت علی هذا كذافی الخلاصة (۴) انتهی۔ دوسری صورت یہ کہ واقف سے یہ تصریح ثابت نہ ہو یا زمین مذکورہ متولی نے مسجد کے مال سے خریدی ہو تو اس صورت میں اس پر مسجد بنانا بلا شبہ جائز ہے۔ مسجد اراد اهله ان یجعلوا الرحبة مسجدا او المسجد رحبة وارادوا ان یحدثوا له بابا وارادوا ان یحولوا الباب عن موضعه فلهم ذلك الخ (هندیة) (۵) وفیها ایضا. بنی اهل المحلة مسجدا فی الطریق الواسع وذلك لا یضر بالطریق فمنعهم رجل فلا باس ان یبنوا. كذافی الحاوی (۶) والله اعلم محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی

(۱) الفتاوی العالمگیریة، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر فی الا وقاف التی یستغنی عنها وما یتصل به من صرف غلة الا وقاف فی وجوه اخر ایضا ۲ / ۴۷۸ - ۴۷۹ ، ماجدیه
(۲) فتاوی عالمگیریة، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به ، الفصل الا ول فیما یصیربه مسجدا وفی احكامه ۲ / ۴۵۵ - ۴۵۶ ط ماجدیه
(۳) جامع الفتاوی ، كتاب الوقف ، الفصل الرابع فی المسجد و اوقافه ومسائله ۴/ ۴۲۱ ط امجد اكیڈمی لاهور پاكستان .
(۴) العالمگیریة كتاب الوقف ، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق به ، الفصل الا ول فیما یصیر به مسجدا وفی احكامه واحكام ما فیه ، ۲ / ۴۵۶
(۵) الهندیة ، كتاب الوقف الباب الحادی عشر ، ج ۲ صفحه ۴۵۶ ط ، ماجدیه) كذافی الشامیه، سئل ابو القاسم عن اهل مسجد اراد بعضهم ان یجعلوا المسجد رحبة والرحبة مسجدا او یتخذوا له بابا او یحولوا بابه عن موضعه وابی البعض ذلك قال اذا اجتمع اكثرهم ، فلیس للاقل منعهم الخ كتاب الوقف، مطلب فی جعل شئ من المسجد طریقا ط سعید ۴ / ۳۷۸ .
(۶) وفی حاشیة بن عابدین ... ذكر فی المنتقی عن محمد رحمه الله تعالی فی الطریق الواسع بنی فیه اهل المحلة مسجدا وذلك لا یضر الخ (الهندیة ، كتاب الوقف ، باب الحادی ، فی المسجد ۲ / ۴۵۶)

قبروں کے اوپر مسجد تعمیر کرنا

(سوال) ایک قدیم مسجد کو کرسی دے کر از سر نو بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن صحن مسجد میں چند قبریں ہیں۔ اور اگرچہ وہ موجودہ صورت میں صحن مسجد سے علیحدہ ہیں۔ لیکن کرسی دے کر مسجد کو از سر نو تعمیر کرنے میں بغرض وسعت کرنے مسجد و صحن کے وہ قبریں صحن مسجد کے نیچے آجاتی ہیں تو کیا ایسی صورت میں بالائے قبور بکرسی ۴ فٹ تہ خانہ یا گودام بنا سکتے ہیں ؟ نیز یہ کہ قبروں کے بالائی حصہ میں گودام برائے افادہ مسجد بنا سکتے ہیں ؟ اگر صحن مسجد کے نیچے خلا نہ رکھیں اور قبروں پر بغرض صحن مسجد مٹی ڈال کر ٹھوس کرلیں تو کیا ایسی صورت میں کوئی ممانعت ہے ؟

(جواب ۱۶) قبروں کی زمین اگر قبروں کے لئے وقف نہ ہو بلکہ کسی کی ملک ہو یا دوسرے کام کے لئے وقف کر دی گئی ہو تو جب کہ میت کے اجزاء کے باقی نہ رہنے کا ظن غالب ہو جائے تو قبروں پر تعمیر یا زراعت کرنا یا وہ کام کرنا جس کے لئے وہ زمین وقف کی گئی ہے جائز ہے۔ اذا بلی المیت وصار تراباً جاز ا الزرع و البناء علیه (در مختار)(۱) مسجد تعمیر شدہ یعنی مسجد قدیم کے نیچے تہ خانہ یا گودام اگر مسجد کا اسباب وغیرہ رکھنے کے لئے بنایا جائے تو مضائقہ نہیں۔(۲) لیکن کرایہ پر دینے کے لئے بنانا جائز نہیں خواہ وہ کرایہ مسجد ہی کے فائدے کے لئے ہو۔(۳) اگر تمام خلاء کو مٹی ڈال کر ٹھوس کرلیں جس میں قبریں بھی دب جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں جب کہ قبروں کے اندر اجزائے میت کے باقی نہ ہونے کا ظن غالب ہو۔(۴) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد کے صحن میں حوض پاخانہ وغیرہ بنانے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) کیا صحن مسجد میں برائے وضو حوض اور برائے بول و براز طہارت خانہ بنا سکتے ہیں ؟ مسجد کو منہدم کر کے صحن مسجد قرار دینا اور دوسری جدید مسجد پچیس گز کے فاصلہ پر بنانا کس حد تک صحیح ہے ؟

(جواب ۱۷) صحن مسجد کا اطلاق دو معنوں پر کیا جاتا ہے۔ اول مسجد کے اس غیر مسقف حصہ کو صحن کہتے ہیں جو مہیا للصلوٰۃ تو ہوتا ہے یعنی نماز و جماعت ادا کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے لیکن بغیر چھت کے کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ دوم اس حصہ کو بھی صحن کہہ دیتے ہیں جو موضع مہیا للصلوٰۃ کے مسقف اور غیر مسقف حصہ کے بعد خالی زمین یا فرش کی صورت میں چھوڑ دیا جاتا ہے مگر وہ نماز و جماعت ادا کرنے کے لئے نہیں بنایا جاتا۔

---

(۱) (هكذا ليس في الدر المختار بل في ردالمحتار : لو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه كتاب الصلاة باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت ۲/ ۲۳۳ ط سعيد وفي ۲/ ۲۴۵ (قال) . وتقدم انه اذا بلي الميت وصار ترابا بان يجوز زرعه ، والبناء عليه (تحت قوله : يكره المشي في طريق ظن انه محدث حتى لا يصل الى قبره)

(۲) (واذا جعل تحته سردابا لمصالحه جاز لو بني فوقه بيتا للامام لا يضر لانه من المصالح، اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع . (الدر المختار ، كتاب الوقف ، مطلب في احكام المسجد . صفحه ۴ ، ۳۵۷ . ۳۵۸ ط سعيد)

(۳) اذا اراد انسان آن يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد او فوقه ليس له ذلك عالمگيريه. كتاب الوقف . ج ۲ . ۴۵۵

(۴) قال الزيلعي : لوبلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه (شامية، كتاب الصلاة باب صلاة الجنائز ، مطلب في دفن الميت ۲ ۲۳۳ ط سعيد (وكذا في العالمگيريه. كتاب الصلاة باب الجنائز . فصل القبر والدفن ۱/۱۶۷)

پہلے معنی کے لحاظ سے صحن تو مسجد کا ہی ایک حصہ ہے اور اس کے احکام مسجد کے احکام ہیں۔ اس میں حوض اور وضو کی نالی وغیرہ بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ جو جگہ ایک مرتبہ مسجد ہو جائے اور اس کو نماز کے لئے مخصوص کر دیا جائے پھر اس کو کسی دوسرے کام میں نہیں لا سکتے (۱) اور دوسرے معنی کے لحاظ سے صحن ایک علیحدہ چیز ہے یعنی اگرچہ وہ مسجد کے ساتھ وقف ہونے میں شامل ہے مگر مسجد کے احکام اس کے لئے ثابت نہیں۔ اس میں جوتیاں پہن کر جانا، جنابت کی حالت میں گزرنا جائز ہے مسجد کی توسیع کی ضرورت سے اس کو مسجد میں شامل کر لینا یا اس میں حوض اور وضو کی نالی بنا لینا جائز ہے (۲)۔ اگر وہ مسجد میں ایک مرتبہ شامل کر لیا جائے گا تو پھر وہ مسجد کے حکم میں ہو جائے گا۔ اسی صحن بالمعنی الثانی کے کسی ایسے گوشہ میں جو نفس مسجد سے دور ہو پاخانہ بنا لینا بھی جائز ہے بشرطیکہ اس کی بدبو مسجد تک نہ پہنچے (۳)۔ مسجد کو منہدم کر کے صحن بنا لینا بالمعنی الاول جائز ہے (۴) اور مسجد کو صحن بالمعنی الثانی بنانا ناجائز ہے (۵)۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فصل سوم
مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا

مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم

(سوال) مسجد کہنہ را بجائے دیگر نقل کردن جائز است یانہ ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۱۸) بقول مفتی بہ مسجد یکبار حکم مسجد گرفت تا قیامت مسجد خواہد ماند۔ اگرچہ از بعض عبارات کتب فقہیہ معلوم می شود کہ ہرگاہ ماحول مسجد ویران گردد و مسجد مستغنی عنہ شود انتقالش جائز است اما ایں قول مرجوح است۔ (۶) کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

---

(۱) (ويزول ملكه عن المسجد والمصلى) بالفعل (وبقوله جعلته مسجدا) عند الثاني (وشرط محمد) والامام (الصلاة فيه) الدرالمختار (قوله بالفعل) اى بالصلاة فيه ، ففي شرح الملتقى انه يصير مسجدا بلا خلاف در مختار ، كتاب وقف ٤ / ٣٥٦ اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع ولو قال عنيت ذالك لم يصدق ، تاتار خانية ، فاذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه (الدر المختار ، كتاب الوقف ، مطلب في احكام المسجد ، ٤ / ٣٥٨) ط سعيد

(۲) ولو اراد ان يقف ارضه على المسجد وما فيه مصلحة على ان للمقيم ان يتصرف في ذالك على مايرى (عالمگيريه ، كتاب الوقف الباب الحادى عشر في المسجد فصل في الوقف على المسجد ، وتصرف القيم ٢ / ٤٥٩ ، ٤٦٠) ارض وقف على مسجد والارض بجنب ذالك المسجد وارادوا ان يزيدوا في المسجد شيئا من الارض جاز الخ (خلاصة الفتاوى ، كتاب الوقف ، الفصل الرابع في المسجد ، ٤ / ٤٢١)

(۳) (قوله واكل نحو ثوم) اى كبصل ونحوه مماله رائحة كريهة ، للحديث الصحيح في النهى عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد رد المحتار كتاب الصلوة ، باب مايفسد الصلاة ، مطلب في الغرس في المسجد ١ / ٦٦١)

(۴) في الكبرى : مسجد اراد اهله ان يجعلوا الرحبة مسجداً او المسجد رحبة..... فلهم ذالك (هنديه : كتاب الوقف ، الباب الحادى عشر في المسجد وما يتعلق به ج ٢ / ٤٥٦ ماجديه)

(۵) وان ارادوا ان يجعلوا شيئا من المسجد طريقا للمسلمين فقد قيل ليس لهم ذلك ، وانه صحيح كذافي المحيط (عالمگيرية ، كتاب الوقف ٢ / ٤٥٧) واما جعل كل المسجد طريقا فالظاهر انه لايجوز قولا واحدا (شاميه كتاب الوقف ، مطلب في جعل شئ من المسجد طريقا ، ج : ٤ / ٤٧٨ ، سعيد)

(۶) (ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الامام الثاني) ابدا الى قيام الساعة (وبه يفتي) وفي ردالمحتار : فلا يعود ميراثا ، ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه اولا وهو الفتوى . (الدرالمختار مع رد المحتار ، كتاب الوقف ، مطلب فيما لو خرب المسجد او غيره ، ج : ٤ / ٣٥٨ ، سعيد)

مسجد کو منتقل کرنے، گرانے اور دوسری ضروریات میں لانے کا حکم

(سوال) کیا مسجد کے متولی اور عام مسلمانوں کو یہ حق ہے کہ وہ مسجد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل اور منتقل کردیں اور کیا وہ مسجد کا معاوضہ لے کر اسے منہدم کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں اور کیا جو مسجد کہ ایک مرتبہ مسجد ہو جائے وہ کسی دوسرے کام میں آسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۱۹) جو زمین کہ ایک مرتبہ مسجد ہو گئی وہ خالص خدا تعالیٰ کی ہو گئی۔ کسی شخص کو اس پر حق تصرف باقی نہیں رہا۔ قال الله تعالى وان المساجد لله(۱) الآية. اور فتاوی عالمگیری میں ہے۔ وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته الى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث كذافي الهداية (ج ۲ صفحه ۳۶۳)(۲) واقف کی ملک اس پر سے زائل ہو جاتی ہے۔ واذا كان الملك يزول عندهما يزول بالقول عند ابي يوسف رحمة الله عليه وهو قول الائمة الثلاثة وهو قول اكثر اهل العلم وعلى هذا مشائخ بلخ وفي المنية وعليه الفتوى كذافي فتح القدير وعليه الفتوى كذا في السراج (هنديه(۳) ج ۲ صفحه ۳۹۴) پس متولی یا عام مسلمانوں کو نہ اس کے تبدیل اور منتقل کرنے کا اختیار ہے نہ اجازت۔ اور نہ معاوضہ لینے کا حق ہے نہ کسی دوسری مسجد کے کام میں آسکتی ہے۔ واما حكمه فعندهما زوال العين عن ملكه الى الله تعالى (هنديه)(۴) والفتوى على قول ابي يوسف رحمة الله تعالى انه لايعود الى ملك مالك ابدا كذا في المضمرات (هنديه)(۵) ولو كان مسجد في محلة ضاق على اهله ولا يسعهم ان يزيدوا فيه فسألهم بعض الجيران ان يجعلوا ذلك المسجد له ليدخله في داره ويعطيهم مكانه عوضا ماهو خير له فيسع فيه اهل المحلة قال محمد رحمه الله تعالى لا يسعهم ذلك كذا في الذخيرة (هنديه)(۶)

مسجد کو بلاعوض یا بعوض سڑک میں دینا ناجائز ہے

(سوال) ہمارے ہاں ریاست میں ایک سڑک نکل رہی ہے جس میں ایک مسجد آگئی ہے حکام کا خیال ہے کہ معاوضہ لے کر مسجد کو سڑک میں دے دیا جائے۔ آیا معاوضہ لے کر یا دوسری مسجد بنوا کر مسجد کو سڑک میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۲۰) جو جگہ ایک مرتبہ مسجد ہو جائے وہ ابدالآباد تک کے لئے مسجد ہو گئی۔ اس زمین سے ملک [illegible]

(۱) سورة الجن، رقم الآية ۱۸
(۲) فتاوى عالمگيرية، كتاب الوقف، الباب الاول في تعريفه وركنه وسببه ۲ / ۳۵۰
(۳) فتاوى عالمگيرية، كتاب الوقف، الباب الاول ۲ / ۳۵۱
(۴) عالمگيرية، الباب الاول ۲ / ۳۵۲
(۵) فتاوى عالمگيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به ط ماجدية ۲ / ۴۵۷
(۶) عالمگيرية، كتاب الوقف، ج ۲ / ۳۵۰ ماجدية
(۷) ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بقوله جعلته مسجدا عند الثاني وشرط محمد والامام الصلاة فيه [illegible] خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الامام والثاني ابدا الى قيام الساعة وبه يفتي. حاوي القدسي (الدر المختار، كتاب الوقف، ۴ / ۳۵۵، ۳۵۸)

سے کہ مسجد کو سڑک میں دے دے(۱) کیونکہ مسجد کسی قوم کی شخص یا متولی کی ملک نہیں۔ مسجد خدا کی ملک ہے (۲) اور خدا کی ملک کے مبادلہ یا معاوضہ کا کسی کو اختیار نہیں۔ جو ایسا کرے گا وہ شرعی احکام کے بموجب گناہ گار ہوگا۔ حکام سے درخواست کریں کہ وہ مسجد کو بحالہ قائم رکھیں۔

ایک مسجد کے علاوہ باقی مساجد کو ختم کرنا جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۶ء)

(سوال) ایک بستی ایسی ہے جس میں بالغ مرد و عورت تخمیناً بارہ سو آدمی بود و باش کرتے ہیں اس بستی میں سات مسجدیں ہیں۔ کسی مسجد میں جماعت التزاماً نہیں ہوتی ہے۔ ایک مسجد میں ہفتہ گانہ جمعہ کے امام مقرر ہیں اور مسجد کے لئے موذن مقرر ہیں۔ مگر لزوماً وقت پر اذان نہیں ہوتی۔ اب بعض نیک نیت لوگوں کا خیال ہے کہ ساتوں متولیوں کو اور ان مسجدوں کے نمازیوں کو راضی کر کے اور سب مسجدوں کو توڑ کر انہیں مسجدوں کے اسباب سے ایک مسجد کو آباد کر لیا جائے؟

(جواب ۲۱) ان سب مسجدوں کو آباد کرنے کی سعی کرنی چاہئے۔ ان سب کو توڑ کر ایک مسجد بنانا جائز نہیں ہے مسجد جب ایک مرتبہ جائز طور پر مسجد ہو جائے تو پھر قیامت تک وہ مسجد ہی رہے گی۔(۳) ہاں جمعہ کو ایک ہی میں مقرر کر دینا بہتر ہے۔ یعنی جمعہ کی نماز ایک ہی مسجد میں ہو تو بہتر ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ،

آبادی ختم ہو جانے کی صورت میں مسجد کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۳۳ء)

(سوال) ڈیرہ اسمٰعیل خان چھاؤنی میں مسلمانوں کے پیسے سے جو وہاں ملازم تھے ساٹھ ستر برس قبل مسجدیں تعمیر کرائی گئی ہیں۔ باقاعدہ وہاں پنج وقتہ اور جمعہ و عیدین کی نمازیں پڑھائی جاتی ہیں۔ اب چھاؤنی ٹوٹ گئی ہے مسجدیں غیر آباد ہو گئی ہیں۔ چھاؤنی کا تمام اسباب مکانات وغیرہ نیلام ہو چکا ہے۔ اب گورنمنٹ نے مسلمانوں کو مطلع کیا ہے کہ یا توان کا تمام ملبہ شہتیر کڑیاں وغیرہ دے جاویا ان کو آباد کرو اس کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

(جواب ۲۲) جو مسجد کہ ایک بار شرعی قاعدہ سے مسجد ہو جائے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی۔(۱) اس کا ملبہ وغیرہ مسجد کے کام میں نہیں لا سکتے۔ اگر اس کے قریب آبادی نہ رہے اور مسجد میں کوئی نماز پڑھنے والا نہ رہے جب بھی

---

(۱) وان ارادوا ان یجعلوا شیئا من المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لهم ذلك (عالمگیریة، کتاب الوقف ۲/ ۴۵۷)

(۲) وان المساجد لله (سورة الجن، رقم الآیة ۱۸) (و) حكمه عندهما زوال العين عن ملكه الى الله تعالى ... حكمه صيرورة العين محبوسة على ملكه بحيث لا تنتقل عن ملك الى مالك حتى لا يملك بيعه ولا يورث عنه (الهندية، كتاب الوقف، الباب الاول في تعريفه وركنه ۲/ ۳۵۲ ط ماجدية)

(۳) (ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بقوله جعلته مسجدا) عند الثاني (وشرط محمد) والامام (الصلاة فيه) ... (ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجدا عند الامام والثاني) ابدا الى قيام الساعة (وبه يفتى) حاوي القدسي (الدر المختار، كتاب الوقف ۴/ ۳۵۵، ۳۵۸)

(۱) (ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجدا عند الامام والثاني) ابدا الى قيام الساعة (وبه يفتى) (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد ۴/ ۳۵۹ ط سعيد)

اس کی حفاظت اور سامان کر کے اس کو محفوظ کر دینا ضروری ہے۔(۱) البتہ اگر کوئی مسجد پہلے ہی شرعی قاعدہ سے مسجد نہ ہو مثلاً اس کی زمین موقوفہ نہ ہو کسی کی ملک ہو اور اس نے وقف نہ کی ہو تو وہ مسجد کا حکم نہیں رکھتی۔(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

فصل چہارم
مسجد ضرار

کیا آج کل بھی کسی مسجد کو مسجد ضرار کہہ سکتے ہیں؟

(سوال) مسجد ضرار صرف رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی تک تھی یا اب بھی اگر کوئی مسلمان مسجد بنائے اور اس میں شرائط ضرر پائی جائیں تو اس کو مسجد ضرار کہہ سکتے ہیں؟
(المستفتی عبدالرحمن۔ گودھرہ ضلع پنچ محل۔ ۷ ۲ شوال ۱۳۵۴ھ)
(جواب ۲۳) مسجد ضرار کا وجود اور حکم آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک محدود نہ تھا قیامت تک بھی یہ حکم پایا جا سکتا ہے لیکن چونکہ اس میں مسجد بنانے والوں کی نیت کا زیادہ دخل ہے اور حضور انور ﷺ کے زمانہ میں وحی کے ذریعہ سے نیت کا حال معلوم ہو جاتا تھا اس لئے ضرر کا حکم لگانا ممکن تھا اور اب چونکہ کسی کی نیت پر یقینی اطلاع پانے کا کوئی ذریعہ نہیں اس لئے ضرر کا حکم لگانے میں اشکال ہے۔(۳) یہ کہنا کہ فلاں شخص نے مسجد بغرض فساد و تفریق جماعت بنائی ہے بہت مشکل ہے اب تو صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اگر نیت فاسد سے بنائی ہو تو ضرر کے حکم میں ہے
واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفر لہ، سنہری مسجد دہلی

امام سے منازعت کی وجہ سے علیحدہ بنائی ہوئی مسجد ضرار کہلائے گی

(سوال) ایک جگہ چند لوگوں نے چندہ جمع کر کے ایک مسجد بنائی اور عرصہ تیس سال سے اس میں نماز پڑھتے چلے آتے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد چند لوگ کسی دنیاوی معاملہ کی وجہ سے امام مسجد مذکور سے کچھ جھگڑا کر کے اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے رک گئے اور باہر جنگل میں نماز پڑھنے لگے اور اپنے ہندو زمیندار کے پاس مسجد بنانے کی اجازت لینے کے واسطے گئے۔ اس نے اجازت تو نہ دی بلکہ ایک عالم متشرع کے پاس ان کو بھیج دیا۔ مولوی صاحب نے انہیں کو مجرم ٹھہرا کر امام مذکور کے پیچھے ہی نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ خیر سب لوگ تو نماز کے لئے مسجد قدیم میں آتے رہے لیکن دو آدمی پھر بھی نہ آئے۔ تین چار سال کا عرصہ ہوا کہ جماعت ثانیہ نے ایک مسجد جدید تیار کی جس کی تیاری کے وقت علماء نے بہت کچھ سمجھایا مگر وہ کسی طرح اپنے ارادہ سے باز نہ آئے۔ اور

(۱) (قوله ولو خرب ما حوله) اى ولو مع بقائه عامرا وكذا لو خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه ... فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر ، سواء كانوا يصلون فيه اولا (الشاميه : كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد ، ۴/۳۵۸ ط سعيد)
(۲) قلت وهو كذالك ، فقد شرط الوقف التابيد والارض اذا كانت ملكا لغيره فللما لك استردادها ، وامره بنقض البناء (رد المحتار ، كتاب الوقف ، مطلب مناظرة ابن الشحنة ، ۴/۳۹۰ ط سعيد)
(۳) وان الظن لا يغنى من الحق شيا سورة النجم : رقم الآية : ۲۷

ایک مکار مولوی کے اغوا سے مسجد بنا کر اسی میں نماز پڑھنے لگے۔ ہماری بستی جس مقام پر آباد ہے وہ زمین اونچی ہے اور اس کے گرد و اگرد کی زمین نیچی ہے جہاں پانی کھڑا ہو جاتا ہے اور بارش کے موسم میں ہر شخص کشتی میں بیٹھ کر ہر جگہ آتا جاتا ہے۔ یہ لوگ اسی طرح تیس سال سے مسجد قدیم میں آتے تھے۔ لیکن اب یہ بہانہ کرکے کہ ہم کو بارش کے موسم میں مسجد قدیم میں آنے سے تکلیف ہوتی ہے اس لئے ہم تمہارے ساتھ نہیں رہیں گے۔ سماج علیحدہ کریں گے اور مسجد بھی علیحدہ کریں گے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ مسجد جو امام سے منازعت کی وجہ سے بنائی ہے اور نیز علماء کا کہنا نہ مان کر اپنی ہٹ دھرمی پر جمے رہے ہیں لہذا یہ مسجد صحیح ہے یا مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے۔ علماء کی ایک بڑی جماعت اسی طرف ہے کہ یہ مسجد جو کہ محض نفسانیت اور کینہ کی بنا پر بنائی گئی ہے مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے اور مسجد ضرار ہے اور ایک شرذمہ قلیل ان لوگوں کی جو فیصلہ سے پہلے اس میں نماز پڑھ چکے ہیں اس کو مسجد صحیح بتاتے ہیں۔ لہذا آپ کو ثالث بنایا جاتا ہے امید ہے کہ جناب والا مدلل جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

(جواب ۲۴) حسد اور کینہ اور بغض افعال قلبیہ میں سے ہیں اسی طرح نیت ایک باطنی امر ہے اس پر اطلاع کا ذریعہ ہمارے پاس کوئی نہیں۔ زمانہ نزول وحی میں تو خدا تعالیٰ بذریعہ وحی آنحضرت ﷺ کو مطلع فرما دیتا تھا اور اس طریقہ سے آنحضرت ﷺ کے لئے سہل تھا کہ کسی مسجد پر ضرار کا حکم لگا دیں اور مسجد قباء کے مقابلہ پر جو مسجد بنائی گئی تھی اس پر ضرار کا حکم لگایا بھی تھا مگر یہ سب کچھ بذریعہ وحی ہوا تھا۔(۱) فقہاء و مفسرین نے ہر ایسی مسجد کو جو بقصد ریا یا سمعہ کی نیت سے یا مال حرام سے بنائی گئی ہو مسجد ضرار کے حکم میں رکھا ہے(۲) لیکن یہ حکم دیانت کا ہے نہ کہ قضا کا۔ کیونکہ قاضی کے لئے بواطن امور پر مطلع ہونے کی کوئی سبیل نہیں رہی۔ امارات و علامات جن سے بغض و حسد یا ریا و سمعہ پر استدلال کیا جائے وہ حکم لگانے کے لئے کافی نہیں کیونکہ ان سے یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ صورت سوال میں فریق مخالف کے یہ الفاظ کہ "ہم تمہارے ساتھ نہیں رہیں گے سماج علیحدہ کریں گے" نہایت سخت الفاظ ہیں بلکہ اگر بہ نیت توہین مسجد و تشبیہ مسجد بسماج کہے گئے ہوں تو خوف کفر ہے اور ان الفاظ سے ظاہر یہی ہے کہ مسجد جدید محض نفسانیت سے بنائی گئی ہے۔ تاہم مسجد ضرار کا حکم دینا مشکل ہے۔ لیکن مفتی کا حکم نہ دینا ان لوگوں کے لئے عند اللہ مفید نہیں۔ اگر ان کی نیت فی الواقع ضد اور نفسانیت کی تھی خلوص للہ مقصود نہ تھا تو بے شک ان کی یہ مسجد مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے۔ وقیل کل مسجد بنی مباھاۃ اوریاء اوسمعۃ اولغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ اوبمال غیر طیب فھولا حق بمسجد الضرار انتھی (مدارک) (۳)

---

(۱) وما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی النجم : ۳،۴

(۲) وقیل کل مسجد بنی مباھاۃ اوریاء، اوسمعۃ اولغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فھو لا حق بمسجد الضرار . (تفسیر المدارک ، ۱/ ۶۵۱ سورۃ التوبۃ ، الجزء الحادی عشر، رقم الآیۃ نمبر ۱۰۷ ط قدیمی)

(۳) (ایضا)

فصل پنجم
زمین غیر موقوفہ پر مسجد بنانا

(۱) پٹہ پر لی ہوئی زمین پر مسجد عارضی مسجد کہلائے گی
(۲) کیا عارضی مسجد کو بھی باقی ہمیشہ کے لئے رکھا جائے ؟
عارضی مسجد کی تعمیر میں حصہ لینا اور چندہ دینا بھی ثواب کا باعث ہے۔
عارضی مسجد حکومت کے ختم کرنے تک مسجد رہے گی۔

(سوال) کراچی کی بندرگاہ (کیاڑی) جس میں تقریباً پندرہ ہزار مسلمانوں کی آبادی ہے اس میں تقریباً عرصہ تمیں چالیس سال سے ایک جامع مسجد منجانب مسلمانان کیاڑی قائم ہے جس میں پنجگانہ نماز باجماعت اور نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے۔ چونکہ وہ مسجد متعلقات بندرگاہ میں سے شمار کی جاتی ہے اس لئے گورنمنٹ کا محکمہ پورٹرسٹ اس زمین کے کسی حصہ کو دائمی طور پر قیمتاً یا بلا قیمت کسی طرح دینے کو تیار نہیں ہے۔ اگر کسی کو زمین دی جاتی ہے تو ۹ سال یا نوے سال یا کسی میعاد مقررہ کے پٹہ پر دی جاتی ہے۔ چنانچہ مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بندرگاہ پر جتنی بلڈنگیں بنی ہیں لاکھوں روپے کی کھڑی ہیں وہ سب اسی شرط سے مشروط ہیں۔ شہر کے روساء و معززین نے جامع مسجد کی زمین کے لئے ہر ممکن سعی کو کام میں لا کر مسجد کو آزاد کرانے کی فکر کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اب جب کہ مسجد کی عمارت بوسیدہ ہو رہی تھی تمام اہل شہر نے کمیٹی کر کے فیصلہ کیا کہ اس اللہ کے گھر کو اتنی خراب حالت میں نہ رہنے دیا جائے اور چندہ جمع کر کے اس کی تعمیر کو ہاتھ میں لیا جائے، مگر چند نفوس (اللہ ان کو ہدایت دے) جن کی نشست و برخاست عام طور پر بازاروں میں رہتی ہے وہ اس مقدس کام میں روڑا اٹکانے کی غرض سے اٹھ کھڑے ہوئے کہتے ہیں کہ چونکہ یہ مسجد ہی نہیں ہے اس لئے اس میں چندہ وغیرہ دینا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے عام طبقہ جہلاء کو ورغلانے اور اس کار خیر میں رکاوٹ ڈالنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ مگر اللہ کا شکر ہے کہ تمام معززین اہل شہر تاہنوز اپنے ارادہ پر قائم ہیں۔ اس لئے علمائے کرام سے چند سوال جو اس مسجد سے تعلق رکھتے ہیں ان کو واضح طور پر بیان کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔ اور ایسی مجبوریوں کی حالت میں جو شریعت حقہ صحیح صحیح فیصلہ فرمائے اس کی حقیقت کا انکشاف مطلوب ہے۔

(۱) کیا یہ مسجد مسجد شمار کی جاسکتی ہے یا نہیں اور جمعہ و جماعت کا کیا حکم ہے ؟

(۲) اگر نہیں کی جاسکتی تو آخر باشندگان شہر مسجد کے لئے کون سی سبیل اختیار کریں۔ اس لئے کہ اپنی طرف سے تو وہ سب زور لگا چکے ہیں ؟

(۳) کیا عدم مسجد ہونے کی صورت میں شہر کی اور جو دو چار مساجد اسی شرط پر ہیں ان سب کو بند کر دیا جائے تاکہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں نمازیں پڑھ لیا کریں اس لئے کہ مسجد کا تو ثواب ملنا ہی نہ ہوا۔

(۴) اگر اس کو بند نہ کیا جائے تو کیا کیا جائے۔ اس لئے کہ جب وہ مسجد ہی نہ رہی تو عوام الناس طبقہ جہلاء یا تعلیم

یافتہ اس میں چندہ دینا بند کر دیتے ہیں اس لئے کہ وہ اس کو مسجد ہی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ وہاں کی تمام مساجد کے اخراجات چندوں پر موقوف ہوتے ہیں۔ (پانی کا انتظام، پیش امام، بتی، تیل، فرش وغیرہ)

(۵) خواہ وہ کسی حالت میں ہی مسجد کیوں نہ شمار کی جائے۔ آیا مسلمانوں کو اس میں چندہ دینا اور اس کی تعمیر میں حصہ لینا موجب ثواب ہوگا یا نہیں ؟

(۶) ہم مسلمان جو اس کار خیر کے لئے کمربستہ ہوئے ہیں اپنی کسی خاص ذاتی غرض کے لئے نہیں۔ بلکہ خالصا لوجہ اللہ اس کو اللہ کا گھر سمجھ کر اس کی خدمت کو اپنا فرض منصبی خیال کر کے کھڑے ہوئے ہیں اور یہ سوچ کر کہ آخر ہم اپنے گھروں کی زیبائش اور اس کی اچھائی کے درپے رہتے ہیں اور یہ خدا کا گھر جس میں پنجگانہ ہم اپنے سر نیاز کو جھکاتے ہیں وہ اس طرح ردی حالت میں پڑا ہے اور ہمارے دل پر اس کا کچھ صدمہ نہ ہو۔ علمائے کرام سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہم لوگوں کو برائی کی طرف لے جا رہے ہیں یا اچھائی کی طرف اور ہمارا یہ فعل احسن ہے یا خبیث ؟

(۷) خدا کا شکر ہے کہ اتنی بڑی آبادی میں دو تین مساجد تو نظر آتی ہیں جن میں گاہے گاہے آثار مسلمانی کے پر تو تو نظر آجاتے ہیں۔ اگر علمائے کرام ان کو بھی مساجد سے نکال دیں تو بسم اللہ ہمارا کیا جاتا ہے ہماری طرف سے تمام شہر کفرستان بن جائے۔

(۸) کیا جو چھ گورنمنٹ نے ہمارے ساتھ میعاد کی ہے اس میعاد تک وہ مسجد کہلائے جانے کی مستحق ہے یا نہیں ؟

(نوٹ) چونکہ کراچی میں فریقین کو جنگ وجدل تک نوبت پہنچ جاتی ہے اس لئے امید ہے کہ اراکین جمعیۃ علماء بہت جلد اس کو سلجھانے کی کوشش کریں گے۔ ابھی حال میں مجھے کراچی سے ایک مکتوب آیا ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ وہاں کے لوگوں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ اگر جمعیۃ علماء ہماری اتنی مجبوریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے یہی فتویٰ دیتی ہے کہ یہ مسجد نہیں ہے تو ہم انشاء اللہ سب سے پہلی فرصت میں اس مسجد کو شہید کر دیں گے اس لئے کہ جب وہ مسجد ہی نہیں تو ہم کیوں اس کا نشان باقی رکھیں۔

آپ کا ادنیٰ خادم محمد عبدالحئی عفی عنہ حال وارد مسلم بورڈنگ حضوری باغ لاہور ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۲ء

(جواب ۲۵) مسجد کے مختلف احکام ہیں اور اسی طرح حالات بھی مختلف ہیں۔ مثلاً ایک حکم تو یہ ہے کہ جو مسجد بقاعدہ شرعیہ ایک مرتبہ مسجد ہو جائے وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہے۔(۱) اس حکم کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ جس زمین پر ابتداءً یہ مسجد تعمیر ہوئی ہے یا وہ مالک زمین نے مسجد کے لئے وقف کی ہو اور اپنے مالکانہ حقوق اس سے بالکل ہٹا لئے ہوں۔ پس کوئی ایسی مسجد جو غیر موقوفہ زمین پر تعمیر ہوئی ہو اس کے لئے حکم مذکور ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس کے دلائل یہ ہیں :-

---

(۱) اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع ..... فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولا يجوز اخذ الاجرة منه ..... ولو خرب ماحوله، واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الامام والثاني ابدا الى قيام الساعة (وبه يفتى) . (الدر المختار ، كتاب الوقف ، مطلب فيما لو خرب المسجد او غيره ۴ / ۳۵۸ ط . سعيد

اما ان وقت الا مر باليوم او الشهر او السنة ففى هذا الوجه لا تصير الساحة مسجدا لو مات يورث عنه . كذا فى الذخيرة ـ انتهى (عالمگیری)(۱) اور ظاہر ہے کہ جب تک زمین مملوک ہے اس کے مالک کو مالکانہ حقوق حاصل ہیں۔ اور اس صورت میں تابید جو شرط جواز ہے متحقق نہیں ہو سکتی۔ قلت وهو كذلك فان شرط الوقف التابيد والارض اذا كانت ملكا لغيره فللمالك استردادها وامره بنقض البناء وكذا لو كانت ملكا له فان لورثته بعده ذلك فلا يكون الوقف مؤبدا وعلى هذا فينبغى ان يستثنى من ارض الوقف ما اذا كانت معدة للاحتكار لا ن البناء يبقى فيها الخ (ردالمحتار)(۲) یا وہ ایسی زمین پر تعمیر ہوئی ہو جو موقوفہ ہے اور احتکار کے طور پر (یعنی عمارت بنانے یا باغ لگانے کے لئے دواما) کرایہ پر لی گئی ہو۔ قال فى انفع الوسائل انه لو بنى فى الارض الموقوفة المستاجرة مسجدا انه يجوز قال واذا جاز فعلى من يكون حكره والظاهر انه يكون على المستاجر مادامت المدة باقية فاذا نقضت ينبغى ان يكون من بيت مال الخراج واخواته ومصالح المسلمين .(۳) انتہی۔ ان دو صورتوں کے سوا اور کوئی صورت اقول صحیح ایسی نہیں جس میں مسجد کے لئے حکم مسجدیت علی التابید ہو سکے۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ اس میں نماز درست ہو اور جماعت کا ثواب ملے تو اس کے بصورت اختیار و امکان تو وہی شرائط ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔ لیکن بصورت مجبوری کہ کسی جگہ مسجد کے لئے زمین دستیاب ہی نہ ہو سکے اور جو زمین ملے وہ غیر کی ملک ہو اور بطور پٹہ کے ایک مدت معینہ کے لئے ملتی ہو تو اگرچہ ایسی زمین پر جو مسجد تعمیر ہوگی وہ مؤبد نہ ہوگی کیونکہ ملک غیر پر دائمی مسجد نہیں بنائی جا سکتی اور بغیر مالک جائز کے وقف کرنے کے زمین وقف نہیں ہو سکتی۔ مگر ہاں مجبوری کی وجہ سے ایسی زمین پر مسجد بنانا اور اس میں نماز پڑھنا اور جمعہ و جماعت قائم کرنا سب جائز اور موجب اجر و ثواب ہے۔ وعن ابى يوسف انه جوز فى الوجهين حين قدم بغداد وراى ضيق المنازل فكانه اعتبر الضرورة . وعن محمد انه حين دخل الرى اجاز ذلك كله لما قلنا (هدايه) (۴) وهذا تعليل صحيح لا نه تعليل بالضرورة (فتح القدير)(۵) ويحرم بالاكبر دخول مسجد لا مصلى عيد وجنازة (در مختار (۶) فليس لهما حكم المسجد فى ذلك وان كان لهما حكمه فى صحة الا قتداء وان لم تتصل الصفوف الخ. (۷) پس اس تقریر کی بعد آپ کے سوالوں کا جواب نمبروار یہ ہے :۔

(۱) جو مسجد کہ ایسے پٹہ پر لی ہوئی زمین پر بنی ہے وہ حقیقۃً مسجد نہیں ہے کیونکہ نہ مؤبد ہے نہ حق عبد اس سے منقطع ہوا ہے۔

---

(۱) فتاوى عالمگيرية ، كتاب الوقف ، الباب الحادى عشر فى المسجد ، وما يتعلق به ، الفصل الا ول فيما يصير به مسجدا وفى احكامه و احكام مافيه ، ج : ۲/ ۴۵۵ ، ماجديه .)
(۲) (رد المحتار ، كتاب الوقف ، مطلب مناظرة ابن الشحنة مع شيخه العلامة قا سم فى وقف البناء ۴/ ۳۹۰ ، سعيد)
(۳) كتا ب الوقف ، مطلب مناظرة ابن الشحنة ، ج : ۴/ ۳۹۰ ، سعيد)
(۴) (الهداية ، كتاب الوقف ، ج : ۲/ ۶۴۴ ، امداديه ملتان)
(۵) (فتح القدير ، كتاب الوقف ، ۶/۲۳۵ ط. مصر)
(۶) الدر المختار كتاب الطهارة ، بعد مطلب يوم عرفة افضل من يوم الجمعة ، ج : ۱/۱۷۱ . سعيد)
(۷) (ردالمحتار ،ايضا)

(۲) اگر مسجد کے لئے زمین وقف نہیں مل سکتی تو اہل شہر پٹہ پر لی ہوئی زمین پر مسجدیں بنائیں۔ کیونکہ بوقت ضرورت وحاجت اس کی اجازت ہے۔

(۳) وہ ضرورۃً مسجدیں ہیں۔ ان میں جمعہ وجماعت جائز ہے۔ اس لئے بند کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

(۴) جب کہ وہ ضرورۃً مسجد کا حکم دربارہ اقامت جمعہ وجماعت واجر وثواب رکھتی ہیں تو ان کی آبادی اور تعمیر سے غفلت کرنا نادانی ہے۔

(۵) بے شک مجبوری کی حالت میں ان مساجد میں چندہ دینا اور ان کی تعمیر میں حصہ لینا اور آباد کرنا موجب اجر وثواب ہے۔

(۶) اس کا جواب بھی نمبر ۵ کے جواب کے موافق ہے۔

(۷) یہ کوئی سوال نہیں ہے۔

(۸) ہاں ضرورۃً اس میعاد تک بلکہ جب تک گورنمنٹ زمین کو واپس نہ لے (خواہ میعاد مقررہ سے کتنی ہی زیادہ مدت گزر جائے) وہ مسجدیں ہیں۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفر لہ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

سرکاری زمین پر بلا اجازت مسجد تعمیر کرنا

(سوال) بعض مقامات پر جہاں نہر کے افسران کی کوٹھیاں یا دفاتر ہیں وہاں کے مسلمان اہلکاروں نے بغرض ادائے نماز پنجگانہ کہیں افسر کی اجازت سے اور کہیں بغیر اجازت چبوترے قائم کر لئے ہیں اور کسی جگہ ان پر سائبان بھی ڈال لیا ہے۔ چنانچہ عرصہ سے اسی طرح سے یہ طریقہ جاری تھا مگر اب سرکار نے ان چبوتروں کے لئے یہ حکم دیا ہے کہ ان مقامات کا جہاں نماز پڑھی جاتی ہے بطور قبضہ کے ایک سرخط حق وزیر ہند لکھنا پڑے گا اور سالانہ بطور کرایہ جو کہ سرکار مقرر کردے وہ رقم دینی پڑے گی۔ اور چبوتروں کی شکست وریخت کرایہ دار کے ذمہ ہوگی اور جس وقت سرکار چاہے گی ایک ماہ کا نوٹس دے کر اس چبوترے کو کرایہ دار سے واپس لے لے گی اور جس وقت چاہے کرایہ دار ایک ماہ کی اطلاع کے بعد نماز کے چبوترے کو شہید کر کے اس کا سائبان یا جو کچھ اس پر عمارت ہو اٹھا دینا ہوگا۔ اور اگر یہ کرایہ دار مذکور ایسا نہ کرے گا تو سرکاری طور پر وہ سامان اٹھا دیا جائے گا جس کا بار کرایہ دار کے ذمہ ہوگا اور کوئی آدمی بغرض سکونت اس میں نہ رہ سکے گا بلکہ یہ چبوترہ صرف بغرض ادائے نماز ہوگا۔ پس ایسی صورت میں شریعت کا ہمارے واسطے کیا حکم ہے؟

(جواب ۲۶) سرکاری زمین پر بدون اجازت مسجد یا نماز کا چبوترہ بنالینا ناجائز ہے۔ اور اجازت کے بعد بنا لینے میں کوئی حرج نہیں۔(۱) اگر وہ زمین مسلمانوں کو مسجد یا چبوترہ بنانے کے لئے سرکار ہبہ کردے جب تو وہ شرعاً صحیح

---

(۱)(قوله وارض مغصوبه او للغير) ...... وتكره في ارض الغير ...... الا اذا كانت بينهما صداقة او راى صاحبها لا يكرهه فلا باس ، بنى مسجد اعلى سور المدينة لا ينبغي ان يصلي فيه ..... كالمبنى في ارض مغصوبة. ومدرسة السليمانية خولف في بنائها شرط وقف الارض ..... فالصلاة فيها مكروهة تحريما في قول، وغير صحيحة له في قول آخر .(الشاميه ، كتاب الوقف، مطلب في الصلاة في الارض المغصوبة، ج ۱ صفحه ۳۸۱ ط . سعيد)

مسجد ہو جائے گی۔(۱) اور اس میں مسجد کا پورا ثواب ملے گا۔ لیکن اگر زمین ہبہ نہ کرے اور اس کا سر خط لکھوائے تو اگر مسلمانوں کو کوئی زمین قطعی طور پر نہ مل سکتی ہو تو ایسی صورت میں پٹہ لکھ کر بھی زمین حاصل کرنا جائز ہوگا مگر وہ مسجد شرعی مسجد نہ ہوگی۔ اس میں نماز پڑھنا تو جائز ہوگا مگر مسجد کا ثواب نہ ہوگا۔ تاہم ضرورت کے وقت کہ دوسری زمین دستیاب نہیں ہوئی اسی کو لینا اور جماعت سے نماز پڑھنا بہتر ہوگا۔ یہ حکم تو آئندہ کے لئے ہے۔(۲) اور جو چبوترے کہ پہلے سے بنے ہوئے ہیں اور مسلمان ان پر نماز باجماعت ادا کرتے چلے آرہے ہیں اگر ان چبوتروں کے بنانے والے مسلمان اس امر کا اقرار کریں کہ انہوں نے بلا اجازت افسران مجاز کے چبوترہ بنالیا تھا یا بشرط واپسی اجازت ملی تھی یعنی جب سرکار چاہے چبوترہ کو ہٹا کر زمین واپس لے لے تو بانیان چبوترہ کے اس اقرار کی صورت میں وہ چبوترہ سرکاری زمین پر قرار دیا جائے گا اور بصورت مجبوری اس کا سر خط لکھ دینا بھی جائز ہوگا۔(۳) لیکن اگر چبوترہ قدیم ہو اور اس کے بانی موجود نہ ہوں اور عرصہ سے اس پر نماز باجماعت ہو رہی ہو تو اس صورت میں ظاہر یہی ہے کہ وہ چبوترہ اجازت لے کر بنایا گیا ہوگا اور اس پر نماز باجماعت ہو جانے کی صورت میں وہ مسجد کا حکم رکھتا ہے۔ اب نہ اس کو توڑنا جائز ہے اور نہ اس کے متعلق سر خط لکھنے کا کسی کو حق ہے۔(۴)

راستہ کی کچھ زمین مسجد یا مدرسہ کی تحویل میں لینا

(سوال) قصبات کی آبادی کے درمیان جو شارع عام ہوتے ہیں اور جانبین شارع عام کے بعض حصص حقوق مکانات کے سمجھے جاتے ہیں جس کی اصل یہ سمجھی جاتی ہے کہ جس قدر شارع عام میں فرش وغیرہ سرکار کی طرف سے بنایا گیا وہ سرکاری ہے بقیہ جگہ جانبین سڑک کے حقوق مکانات کے ہیں جو برتاؤ سے صاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ اکثر بوجہ انقلاب صورت وہ حدود عمارت کم وبیش سڑک ہوتے رہتے ہیں۔ نیز ہر طرح سے مکانات والوں کو استعمال کا حق ہوتا ہے۔ مثلاً ضرورت کے وقت اس جگہ پشتہ خام و پختہ بنا دیتے ہیں۔ یا دروازہ بلندی پر ہو تو اس جگہ پر چبوترہ وغیرہ بنا دیتے ہیں کبھی ممانعت نہیں ہوتی۔ ہاں اگر فرش کو عارضی طور سے بھی استعمال میں لائیں تو روک ٹوک ہوتی ہے۔ غرض جس سے پورے طور پر پتہ چلنا باعتبار وسعت سڑک کے تو مشکل ہوتا ہے کہ اصل میں اس کی وسعت کیا تھی صرف سرکاری بندوبست میں پیمائش آبادی کی ہوتی ہے۔ اس میں لفظ حقوق قصبہ یا متعلق قصبہ کر کے مع پیمائش کے لکھا ہوا رہتا ہے اور یہ پیمائش مع افتادہ جگہ جانبین کے ہوتی ہے اور اسی کاغذ کا یہ قاعدہ اور قانون ہے کہ نصف گٹھہ جو تخمیناً و تقریباً ڈیڑھ درع کا ہوتا ہے درج پیمائش ہوتا

---

(۱) اذا سلم المسجد الی متولی یقوم بمصالحه یجوز ...... وكذا اذا سلمه الى القاضی او نائبه، (الهندية: كتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الاول، ۲/ ۴۵۵ ط. ماجدية)

(۲) واما ان وقت الامر باليوم اوالشهر، اوا لسنة ففی هذا الوجه لا تصير الساحة مسجدا لومات يورث عنه. (الهندية، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الاول، ۲/ ۴۵۵ ط. ماجدية)

(۳) والارض اذا كانت ملكا لغيره فللما لك استرداده (رد المحتار كتاب الوقف مطلب مناظرة ابن الشحنه ۴/ ۳۹۰ ط سعيد)

(۴) وقف قديم مشهور لايعرف واقفه استولى عليه ظالم وادعى المتولى انه وقف على كذا مشهور وشهد بذالك فالمختار انه يجوز، (شامية، ج: ۴/ ۴۱۱، سعيد) (وفيها) وتقبل فيه الشهادة على الشهادة وشهادة النساء مع الرجال والشهادة بالشهرة لاثبات اصله، وان صرحوا به (ای بالسماع) فی المختار. (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب فی الشهادة على الوقفه ۴/ ۴۱۱ ط. سعيد)

ہے مثلاً اگر کسی جگہ پر سوا گٹھہ ہوگا تو سرکاری کاغذ میں ڈیڑھ گٹھہ لکھا جائے گا۔ اور اگر پونے دو گٹھہ راستہ ہوگا تو دو گٹھہ لکھا جائے گا جس کی تصدیق مشاہدہ سے ہوتی ہے۔ اب دو سوال ہیں۔ اول یہ کہ یہ کاغذ سرکاری اس باب میں حجت شرعیہ ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص خلاف حدود پیمائش سرکاری کسی ایسی افتادہ زمین کو جس کی تفصیل اوپر گذری کہ جو جانبین سڑک کے ہوتی ہے جزءیا کلا اپنے مکان یا مسجد یا مدرسہ و مکانات وقفیہ میں داخل کرلے اور تعمیر بنالے اس طور پر کہ سڑک میں کوئی تنگی نہ ہو تو آیا وہ حقوق العباد کی معصیت کا مرتکب ہوگا یا حقوق اللہ کا؟ اور کیا اس پر واجب ہوگا کہ اس عمارت کو منہدم کردے اور جب کہ ایسی سڑک پر مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہوں اور سب سے زیادہ اکثر نے ایسا تصرف کر رکھا ہو تو اہل مکان و مسجد و مدرسہ واہل اسلام پر ایسی تعمیر کا انہدام واجب ہوگیا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۲۷) ایسی افتادہ زمینیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مالکان مکان کی مملوک ہوتی ہیں جو اپنے آرام و آسائش کے خیال سے اپنی زمین میں سے کچھ مقدار چھوڑ کر مکان بناتے ہیں۔ اس صورت میں تو ...... انہیں حق حاصل ہے کہ وہ اس زمین کو اپنی جائیداد میں یا مسجد و مدرسہ میں داخل کردیں یا اس پر پشتہ وغیرہ بنائیں یا بیکار پڑا رہنے دیں۔ دوسری صورت یہ کہ وہ عامۃ الناس کے فائدے کے لئے سرکاری طور پر راستہ کے آس پاس چھوڑ دی گئی ہو۔ مالکان مکان کی ملک نہ ہو اور صورت سوال میں ظاہرا ایسی صورت مراد ہے) اگرچہ ضرورت کے موقع پر اس زمین کو مالکان مکان عارضی طور پر استعمال کر لیتے ہیں مثلاً بوریہ بچھا کر جلسہ کر لیا۔ یا مستقل طور پر اپنے کام میں لے آتے ہیں۔ مثلاً پشتہ یا دروازہ کی سیڑھی بنالی اور سرکاری عمال نے غفلت یا رشوت یا رعایت کی وجہ سے منع نہ کیا۔ لیکن ان باتوں سے مالکان مکان زمین کے مالک نہیں ہو جاتے اور اس میں عامۃ الناس کا حق برابر ثابت ہے۔ ایسی زمین پر مسجد یا مدرسہ یا کوئی ایسی عمارت جو کسی کی ملک نہ ہو بلکہ اس سے رفاہ عام مقصود ہو بنانا بشر طیکہ راستہ میں اور مستحقین کو کوئی ضرر نہ پہنچے جائز ہے۔(۱) البتہ کوئی خاص مملوک عمارت بنانے میں یہ شرط ہے کہ علاوہ مضر نہ ہونے اور تنگی پیدا نہ کرنے کے مستحقین میں سے کوئی ناراض نہ ہو۔ ورنہ ناراض ہونے والے کے مطالبہ سے ابتداءً نہ بنانا یا بنی ہوئی عمارت کو منہدم کرنا لازم ہوگا۔(۲) بشر طیکہ ناراض ہونے والے نے خود اسی قسم کا تصرف نہ کر رکھا ہو۔ واللہ اعلم۔

حرام مال سے، یا مغصوبہ زمین پر بنائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ ہے

(سوال) جو مسجد ناجائز کمائی سے غیر موقوفہ یا مغصوبہ زمین پر بنائی جائے اس میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟
(المستفتی نمبر ۵۳ شیخ بھائی جی (خاندیس) ۱۹ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

---

(۱) ذکر فی المنتقی عن محمد رحمہ اللہ تعالی فی الطریق الواسع بنی فیہ اہل المحلۃ مسجداً وذالک لا یضر بالطریق فمنعہم رجل، فلا باس ان یبنوا کذافی الحاوی (عالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر ۲/۴۵۶ ط. ماجدیہ)
(۲) وفی شرح السیر الکبیر للسرخسی وکذا کل مایکون المسلمون فیہ سواء کالنزول فی الرباطات، والجلوس للمساجد للصلاۃ، والنزول بمنی اوعرفات للحج، حتی لو ضرب فسطاطہ فی مکان کان ینزل فیہ غیرہ فہواحق، ولیس للآخر ان یحولہ فان اخذ موضعا فوق ما یحتا جہ فللغیر اخذ الزائد منہ (الشامیۃ، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ مطلب فی سبقت یدہ الی مباح / ۶۶۲ ط. سعید)

(جواب ۲۸) جو مسجد مال حرام سے بنی ہو یا غصب کی زمین پر اس میں نماز پڑھنی مکروہ ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ

مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم

(سوال) موضع پیرا ڈاکوری فدو شیخ کے مکان میں ۶۰ - ۷۰ سال آگے ایک مسجد کچی بنائی تھی۔ زمین مسجد کی وقف نہیں تھی۔ چند روز کے بعد فدو شیخ کو چلنے پھرنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اس وجہ سے فدو شیخ نے چاہا کہ دوسری جگہ مسجد اٹھالیں تب مقتدی مل کر شہر اخوند کو بھی چلنے پھرنے میں تکلیف ہونے لگی تب اس نے چاہا کہ دوسری جگہ مسجد نقل کرے۔ شہر اخوند سب مقتدیوں کو کہا کہ آپ لوگ یہاں سے مسجد اٹھالے جائے۔ تب مقتدی مل کر شہر اخوند کا مکان کے باہر وقف زمین پر ٹین کا ایک مسجد اٹھایا پھر وہاں سے مسجد کا بچھونا وغیرہ چوری ہونے لگا تو ایک رئیس آدمی نے کہا کہ میری زمین وقف کرتا ہوں اور مسجد کو پختہ بنواتا ہوں۔ سب مقتدی اس بات پر راضی ہوا۔ اس نے اپنے مکان کے سامنے ایک زمین وقف کر دیا اور اس پر ایک مسجد پختہ بنوادیا اور تالاب کھدوادیا۔ تو یہ پختہ مسجد جائز ہے یا نہیں۔ مسجد قدیم کی جگہ دو تین قبریں ہیں اور ویران ہو گیا۔

(المستفتی نمبر ۳۰۱ حاجی محمد علی چودھری ضلع میمن سنگھ ۱۸ صفر ۱۳۵۳ھ ۲ جون ۱۹۳۴ء)

(جواب ۲۹) جب کہ مسجد قدیم کی زمین وقف نہیں تھی تو اس کو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز تھا(۲) اور جب کہ رئیس نے ایک زمین وقف کی اور اس پر پختہ مسجد بنوائی تو یہ پختہ مسجد صحیح طور پر مسجد ہو گئی(۳) اور اس میں نماز پڑھنے کا ثواب مسجد کا ثواب ہوگا۔ اور پرانی مسجدوں کی زمین وقف نہیں تھی تو اس زمین کے مالک زمین کو اپنے جس کام میں چاہیں لا سکتے ہیں۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

مالک سے جبراً وصول کی ہوئی زمین پر مسجد بنانا

(سوال) ایک ہندو شخص کی زمین حاکم ورانحالیکہ نہ ہندو ہے اور نہ مسلم ایک مسلم شخص کو بغیر رضامندی ہندو

---

(۱) (وكذا تكره في اما كن كفوق كعبة وفي طريق ومزبلة ...... وارض مغصوبة (الدر المختار وفي الواقعات : بنى مسجداً في سور المدينة لا ينبغي ان يصلي فيه لانه حق العامة فلم يخلص لله تعالى كالمبنى في ارض مغصوبة اه ثم قال ... فالصلاة فيها مكروهة تحريماً في قول وغير صحيحة في قول آخر . (الشامية كتاب الصلاة ، مطلب في الصلاة في الارض المغصوبة قبيل باب الاذان ج ۱ صفحه ۳۸۱ ط. سعيد)

(۲) متولي مسجد جعل منزلا موقوفا على المسجد مسجداً ، وصلى الناس فيه سنين ثم ترك الناس الصلاة فيه فاعيد منزلا مستغلا جاز ، لانه لم يصح جعل المتولي اياه مسجداً (العالمگيرية ، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد ۲/ ۴۵۵، ۴۵۶ ط ماجدية) قلت كذا هذا بل اولى لانه اذا جاز جعله مستغلا بعد ما كان مسجدا وهو موقوف على المسجد فغير الموقوف اولى به) (وفيها) من جعل مسجدا تحته سرداب او فوقه ، وجعل باب المسجد الى الطريق وعزله فله ان يبيعه وان مات يورث عنه (عالمگيرية ج ۲ صفحه ۴۵۵ كتاب الوقف ، الباب السابق

(۳) اما ان امرهم بالصلاة فيها ابداً نصاً بان قال : صلوا فيها ابداً او امرهم بالصلاة مطلقا ونوى الابد ففي هذين الوجهين صارت الساحة مسجداً لو مات لايورث عنه ، (عالمگيرية، كتاب الوقف ، الباب الحادى عشر ۲/ ۴۵۵ من بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه وياذن بالصلاة فيه في وقف الخصاف : اذا جعل ارضه مسجدا وبناه واشهد ان له ابطاله وبيعه فهو شرط باطل ، ويكون مسجدا. عالمگيرية ، كتاب الوقف الباب الحادى عشر ، ج : ۲ ، ۴۵۴ تا ۴۵۷ ، ماجديه)

(۴) من جعل مسجداً تحته سرداب او فوقه بيت ...... فله ان يبيعه وان مات يورث عنه (العالمگيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر ج. ۲ صفحه ۴۵۵)

شخص کی دباؤ دے کر دلوا دے آیا ایسی زمین میں مسجد ہو اکر عبادت یعنی جمعہ اور پنجوقتہ نمازیں باجماعت ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(المستفتی نمبر ۱۱۸۲ محبوب علی صاحب۔ دہلی ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۰ ستمبر ۱۹۳۶ء)

(جواب ۳۰) اگر ہندو اس زمین کا جائز طور پر مالک ہو اور حاکم اس پر جبر کر کے اس کی رضامندی کے بغیر مسلمان کو وہ زمین دیدے تو ایسی زمین پر مسجد بنانی جائز نہیں۔(۱) لیکن اگر حاکم صاحب اقتدار تھا اور اس نے زمین ضبط کر کے سرکاری کر لی اور پھر مسلمان کو دے دی۔ ایسی زمین پر مسجد بنے تو وہ مسجد کے حکم میں ہو جائے گی(۲)۔ فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کرایہ پر لی ہوئی زمین میں مسجد بنانا

(سوال) بلاسپور واقع صوبجات متوسط میں بنگال ناگپور کا جنکشن اسٹیشن ہے۔ چند سال ہوئے یہاں پر مسلمانوں کی آبادی کم تھی اور ریلوے نے جو زمین خطہ لوکو کی مسجد کے لئے وقف کی تھی اس میں چھوٹی سی مسجد تعمیر کی گئی تھی۔ اب مسلمانوں کی آبادی بہت بڑھ گئی ہے اور موجودہ مسجد بڑھانے کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ عرصہ تین سال سے ریلوے سے خط و کتابت جاری ہے کہ تھوڑی سی زمین اور مل جائے تاکہ مسجد اور کشادہ ہو جائے لیکن ریلوے کے ایجنٹ صاحب رضامند نہ ہوئے حال کی خط و کتابت میں ایجنٹ صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۹۳۶ء سے ریلوے بورڈ نے قانون پاس کر دیا ہے کہ اگر مسجد، مندر، گرجا کو زمین دی جائے تو اس پر کرایہ لگانا چاہئے۔ اس لئے اب مسجد بلاسپور واقع لوکو خط کو بغیر کرایہ کے زمین نہیں مل سکتی اور معاملہ ایجنٹ صاحب کے ہاتھ میں نہیں۔ بلکہ ریلوے بورڈ کے قانون کی پیروی کرنا ان کا فرض ہے چونکہ مسجد کو بڑھانے کی اشد ضرورت ہے اس لئے حضور کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر کرایہ پر زمین لے کر مسجد کو بڑھائیں تو کرایہ کی لی ہوئی زمین پر نماز جائز ہے کہ نہیں؟

(المستفتی نمبر ۱۸۷۶ محمد یوسف آنریری سکریٹری مسلم انشورنس ریلوے بلاسپور۔ (سی۔ پی)
۴ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء)

(جواب ۳۱) جو زمین کرایہ پر لی جائے گی وہ وقف نہ ہو سکے گی اور مسجد کا حکم اس کو نہیں ہو گا۔(۳) لیکن نماز پڑھنا اس میں جائز ہو گا اور جماعت کا ثواب بھی ملے گا۔ صرف مسجد کی فضیلت حاصل نہ ہو گی۔(۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) قوم بنوا مسجداً، واحتا جوا الى مكان ليتسع المسجد واخذ وامن الطريق، واد خلوه في المسجد ان كان يضر بأصحاب الطريق لايجوز. (الفتاوى العالمگيرية كتاب الوقف ج ۲ صفحه ۴۵۶).
(۲) سلطان اذن لقوم ان يجعلوا ارضاً من ارض البلدة حوانيت موقوفة على المسجدوامرهم أن يرزيد وا في مساجد هم ينظر إن كانت البلدة فتحت عنوة يجوزأمره إذا كان لايضربالمارة لان البلدة اذا فتحت عنوة صارت ملكا للغزاة فجاز امر السلطان فيها، وان فتحت صلحاً بقيت البلدة على ملكهم فلم يجز امر السلطان فيها. كذافي محيط السرخسي (عالمگيرة، كتاب الوقف الباب الحادى عشر ج ۲ صفحه ۴۵۷)
(۳) لا يجوز وقف البناء في ارض هي اغارة واجارة، كذا في فتاوى قاضيخان عالمگيريه، كتاب الوقف، ج: ۲/۳۶۲، ماجديه.
(۴) وتكره في ارض الغير لو مزروعة او مكروبة الا اذا كانت بينهما صداقة اوراى صاحبها لا يكرهه فلا باس به ردالمحتار، كتاب الصلاة مطلب في الصلاة على الارض المغصوبة، ج: ۱/۳۸۱، سعيد

غیر موقوف زمین پر مسجد کا حکم

(سوال) اکثر لوگ ملازم وغیرہ ملازم حدود چھاؤنی میں جہاں گورنمنٹ کا تصرف ہے یا غیر مسلم حصر ان کا قبضہ ہے اپنی جائے رہائش کے قریب نماز پڑھنے کے لئے جگہ کو مخصوص و محدود کر لیتے ہیں۔ چبوترہ و چہار دیواری بنا لیتے ہیں۔ اس میں اکیلے اکیلے یا اذان و جماعت سے نماز پڑھتے رہتے ہیں وہ لوگ چلے گئے اور آگئے۔ وہ جگہ عرصہ تک اسی طرح تصرف میں آتی رہتی ہے۔ موجودہ افسران کی بلا اجازت یا اجازت سے کوئی جگہ مقرر کر لیتا ہے اور یہ جائے نماز بعض جگہ ایک سے زیادہ مختلف جگہ بنائی جاتی ہے۔ اکثر چھاؤنیوں میں مسجدیں پختہ الگ ہی بنی ہوئی ہیں اور کسی جگہ نہیں۔ سوال یہ ہے کہ آیا وہ جائے نماز محدودہ مسجد کا حکم رکھتی ہیں؟ احکام مسجد ان پر وارد ہو سکتے ہیں؟ ان کی حرکت اور اس جگہ کو ہمیشہ کے لئے مسجد کہا جا سکتا ہے؟ اس کا تغیر تبدل اٹھانا ہٹانا ناجائز ہے یا مسجد کا حکم نہیں رکھتی۔ افسران کے حکم سے یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے کہ وہاں لوگ نماز پڑھنے والے کم ہیں اور دوسری ایسی جگہ پر جہاں سب مل کر پڑھ سکتے ہیں۔ امام مقرر اذان و جماعت کا انتظام ہو اور مسجد پختہ نہیں ہے۔ اس طرح کا چبوترہ و چہار دیواری قائم کر کے غیر مسلم کی اجازت سے اور اس سابقہ جگہ کو جس کو اگرچہ کافی عرصہ گزر چکا ہے اٹھا، ہٹایا کرا سکتے ہیں تاکہ ایک جگہ نماز باجماعت پڑھ سکیں یا مسجد کے حکم میں ہو چکی ہے قیامت تک مسجد کہلائے گی۔ چھاؤنیوں میں اگر گورنمنٹ سے اجازت لے کر پختہ مسجد بنائی جائے تو مسجد کے احکام جاری ہو سکتے ہیں یا نہیں اور بعض جگہ اجازت مسجد بنانے کی اس معاہدہ پر دیتے ہیں یا بنانے والوں سے لکھوا لیتے ہیں کہ جب گورنمنٹ کو اس جگہ کی ضرورت پڑے گی مسجد کی عمارت اٹھوا دے گی اور جگہ اپنے تصرف میں لائے گی ایسی صورت میں کیا حکم ہے۔ اجازت مشروط و غیر مشروط میں کیا فرق ہے یا دونوں مساوی ہیں۔ غیر مسلم کا وقف معابد کے لئے شرعاً جائز ہے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عمارت یا محدود جگہ مسجد رہے گی یا کیا حکم ہے؟

(المستفتی نمبر ۱۹۸۰ شریف احمد نئی چھاؤنی دہلی۔ ۲۸ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳ نومبر ۱۹۳۷ء)

(جواب ۳۲) جب تک مسجد کی زمین مالک کی طرف سے مسجد کے لئے وقف نہ ہو وہ شرعی مسجد نہیں ہوتی (۱) نماز پڑھنے کی اجازت مالک کی طرف سے ہو تو نماز جائز ہے اور جماعت کا ثواب بھی ملے گا۔ (۲) مگر مسجد کے احکام اس وقت جاری ہوں گے جب گورنمنٹ نے زمین دوامی طور پر مسلمانوں کو دے دی ہو اور مسلمانوں نے مسجد کے لئے وقف کر دی ہو۔ (۳) مشروط اجازت کی صورت میں مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے۔

---

(۱) من جعل مسجد اتحته سرداب اوفوقه بيت فله ان يبيعه وان مات يورث عنه (عالمگيرية كتاب الوقف . الباب الحادى عشر ج ۲ . صفحه ۴۵۵)

(۲) وتكره فى ارض الغير لو مزروعة او مكروبة الا اذا كانت بينهما صداقة ، او راى صاحبها لا يكرهه فلا باس به (الشاميه ، كتاب الصلاة ، مكروهات الصلاة ، مطلب فى الصلاة فى الارض المغصوبة ط . سعيد ج ۱ صفحه ۳۸۱)

(۳) سلطان اذن لقوم ان يجعلوا ارضا من ارض البلدة حوانيت موقوفة على المسجد و امرهم ان يزيدوا فى المساجد ينظر ان كانت البلدة فتحت عنوة . يجوز امره اذا كان لايضر بالمار (عالمگيرية كتاب الوقف ، الباب الحادى عشر فى المسجد و مايتعلق ۲ / ۴۵۷ ط . ماجدية)

ہاں نماز اور جماعت سب درست ہوگی(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

مسجد کو شہید کرنے کی صورت میں مسلمانوں کی ذمہ داری

(سوال) ایک مسجد کچھ عرصہ قبل بنائی گئی تھی اس کی عمارت تعمیر کرانے میں غریب مسلمانوں کا چندہ صرف ہوا اور اس کی زمین ایک غیر مسلم حکومت کے قبضہ میں تھی اس سے اجازت طلب کی گئی تو اس نے مسجد بنانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ اس وقت سے آج تک پنجگانہ نماز مع جمعہ کے نہایت امن و سکون کے ساتھ ہوتی رہی۔ اب اگر اس مسجد کو بھی حکمران شہید کریں تو مسلمانوں پر کیا فرض عائد ہوتا ہے۔

(المستفتی نمبر ۲۶۵۰ صوفی محمد خاں صاحب (راجپوتانہ) ۷ ارجب ۱۳۵۹ھ)

(جواب ۳۳) اگر حکمران نے زمین پر مسجد بنانے کی مستقل اور قطعی طور پر اجازت دے دی تھی یعنی زمین ہی مسلمانوں کو دے دی تھی کہ وہ مسجد بنالیں اور مسلمانوں نے مسجد بنالی تو وہ شرعی مسجد ہو گئی اب اس کو منہدم کرنے کا حکمران کو بھی حق نہیں تھا۔(۲) اگر اس نے منہدم کردی تو مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ حکمران سے اس کی تجدید و تعمیر کرانے کی سعی کریں(۳)

لیکن اگر ابتدا میں مستقل اور قطعی طور پر اجازت نہیں دی گئی تھی بلکہ نماز پڑھنے کے لئے عارضی طور پر عمارت بنالینے کی اجازت دی گئی تھی تو اگرچہ اس میں نماز اور جمعہ اور جماعات سب جائز تھے مگر اس کو مسجد کے تمام احکام حاصل نہیں تھے۔(۴) اس صورت میں حاکم نے اسے منہدم کردیا ہو تو مسلمانوں کو اپنی عمارت کے نقصان کی تلافی کرانے کا حق ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد کو گرانا اور اس میں نماز پڑھنے سے روکنے کا حکم

(سوال) اندرون سرحد ڈیوڑھی ریاست جے پور احاطہ رسالہ خاص میں باجازت والئی ریاست زمین ریاست پر ملازمین رسالہ و عام مسلمانوں کے چندہ سے ایک مسجد آج سے تقریباً ۶۰ سال پہلے تعمیر ہوئی تھی۔

---

(۱) وتكره في ارض الغير لو مزروعة او مكروبة الا اذا كانت بينهما صداقة ، او راى صاحبها لا يكرهه، فلا باس به (ردالمحتار ، كتاب الصلاة ، ومطلب في الصلاة في ارض المغصوبة ۱ / ۳۸۱ ط. سعيد)

(۲) قال في البحر، وحاصله ان شرط كونه مسجدا ان يكون سفله وعلوه مسجدا لينقطع حق العبد (الشامية ، كتاب الوقف ، مطلب في احكام المسجد ، ج . ۲ صفحه ۳۵۸ ط. سعيد) وفي الذخيرة : وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف ، حتى انه اذا بنى مسجدا و اذن للناس بالصلاة فيه بجماعة فانه يصير مسجدا (الشامية، كتاب الوقف ج : ۴/ ۳۵۶، سعيد) اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع (الدرالمختار) قال في الشامية : واما لو تمت المسجد ثم اراد هدم ذالك و البناء فانه لا يمكن ذالك الخ (الشامية ، كتاب الوقف ، مطلب في احكام المسجد، ج . ۴ صفحه ۳۵۸ سعيد)

(۳) هدم حائط مسجد يؤمر بتسويته ، واصلاحه كذا في القنية عالمگيرية : كتاب الغصب الباب الثالث فيما لا يجب الضمان باستهلاكه ۵ : ۱۲۹ ط. ماجديه وفي الاشباه من هدم حائط غير فانه يضمن بنقصانها ولا يؤمر بعمارتها الا في حائط مسجد كما في كراهة الخانية (الاشباه والنظائر مع شرحه غمز عيون البصائر : كتاب الغصب ۳ /۲۸ ط. ادارة القرآن كراچي)

(۴) واما ان وقت الامر باليوم او الشهر، او السنة ففي هذا الوجه لا تصير الساحة مسجدا لومات يورث عنه ، كذافي الذخيرة. وهكذا في فتاوى قاضيخان (عالمگيرية : كتاب الوقف ، الباب الحادى عشر ، الفصل الاول ، ج.۲ صفحه ۴۵۶ ط. ماجدية)

(۵) وان كانت الزيادة مالا متقوما كالبناء يؤمر الغاصب برفع البناء ورد الارض ان لم يضر ذالك بالوقف، وان كان اضر لم يكن للغاصب ان يرفع البناء الا ان القيم يضمن قيمة البناء مرفوعا. (الهنديه ، كتاب الوقف ، الباب التاسع ، ج .۲ صفحه ۴۴۷ ط. ماجدية)

تعمیر مسجد کے بعد سے ملازمین رسالہ و دیگر عام مسلمانان اس مسجد میں نماز پنجگانہ و جمعہ ادا کرتے تھے۔ ۷ اسال ہوئے جب رسالہ تخفیف میں آ گیا۔ لیکن رسالہ کی تخفیف کے بعد بھی بدستور اس زمانہ سے اب تک اہلکاران و عام مسلمانان مسجد مذکورہ میں نماز جمعہ و پنجگانہ ادا کرتے رہے۔ احاطہ رسالہ خاص کے دو دروازے ہیں جو رسالہ خاص تخفیف میں آجانے کے بعد بھی برابر کھلے ہوئے رہتے تھے اور عام طریقہ پر مسجد میں جانے اور آنے والوں کے علاوہ اسی طرف سے عام لوگوں کو گذرنے کے لئے بھی کوئی روک ٹوک نہ تھی اور یہ راستہ شارع عام کی حیثیت رکھتا تھا۔ رسالہ خاص کے زمانہ میں اور اس کے تخفیف میں آنے کے بعد مسلمانان ہی مسجد کی حفاظت و مرمت وغیرہ کرتے رہے اور اب تک ایک پیش امام عام مسلمانوں کی طرف سے مقرر تھا جس کی تنخواہ بھی عام مسلمانوں کے چندہ سے دی جاتی تھی۔ اب ایک نیا غیر مسلم راجپوتوں کا رسالہ اس رسالہ خاص کے احاطہ میں رکھا گیا ہے جہاں یہ مسجد واقع ہے۔ چنانچہ ۱۸ اگست ۱۹۴۰ء تک مغرب کی نماز تک نمازیوں سے کوئی مزاحمت نہ کی گئی۔ پیش امام موجودہ مسجد کو عشاء کی نماز سے قبل سنتری نے احاطہ سے باہر نکال دیا۔ چنانچہ پیش امام صاحب حسب الحکم باہر آ گیا مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۴۰ء میں پیش امام کو باوجود استدعا اندر جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ روزن دروازے سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس مسجد کے منارے، محراب اور منبر وغیرہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ شہادت مسجد کے بعد سے اس وقت تک مخصوص ملازمین رسالہ کے علاوہ کسی کو آمد و رفت کی اجازت نہیں۔ لہذا علمائے کرام سے حسب ذیل استفتاء ہے کہ :

(۱) کیا مسجد مذکور کی شہادت کسی طرح جائز قرار دی جاسکتی ہے۔

(۲) کیا رسالہ خاص کے مسلمانوں اور عام مسلمانوں کے چندے سے بنائی ہوئی مسجد جس میں رسالہ خاص کے مسلمان اور عام مسلمان برابر پنجگانہ نمازیں اور نماز جمعہ ادا کرتے رہے اور دیگر عام لوگوں کے ساتھ عام مسلمانوں کو بھی اس مسجد میں آنے جانے کا راستہ رسالہ خاص کے تخفیف میں آنے کے بعد جاری رہا تو کیا ایسی حالت میں اب عام مسلمانوں کو اس مسجد میں ادائے فریضہ نماز سے روکا جاسکتا ہے ؟

(۳) کیا عام مسلمانوں اور ملازمین رسالہ خاص کے چندے سے بنوائی ہوئی مسجد بجائے اللہ کی ملک ہونے کے والیٔ ریاست کی ملک ہو سکتی ہے اور ریاست کے کسی حاکم یا موجودہ والیٔ ریاست کو ایسا اختیار ہے کہ اس مسجد میں نماز ادا کرنے سے مسلمانوں کو روک دے یا اس مسجد کو شہید کرادے ؟

(۴) کیا اس مسجد کو علاوہ اسلامی عبادت گاہ کے کسی حالت میں بھی کسی اور کام میں لایا جاسکتا ہے ؟

(۵) کیا ایسا مسجد کے شہید شدہ حصہ کا ملبہ (چونا پتھر وغیرہ) کسی اور مصرف میں لایا جاسکتا ہے ؟

(۶) شرعی حیثیت سے مسلمانان جے پور کا ریاست سے یہ مطالبہ حق بجانب ہے یا نہیں کہ مسجد کے شہید شدہ حصہ کی از سر نو تعمیر کی جائے اور مسجد حسب دستور قدیم عام مسلمانوں کے ادائے فریضہ پنجگانہ کے لئے کھلی رہے ؟

(المستفتی نمبر ۲۶۵۴ سکریٹری انجمن خادم الاسلام (جے پور) ۷ شعبان ۱۳۵۹ھ م ۱۰ ستمبر ۱۹۴۰ء)

(جواب ۳۴) احاطہ رسالہ خاص کی جو زمین مسجد کے لئے ریاست کی طرف سے دی گئی تھی اگر وہ دائمی طور پر

مسلمانوں کو دے دی گئی(۱) ہو تو اس پر تعمیر کی ہوئی مسجد قیامت تک کے لئے مسجد ہے(۲) اس کو شہید کرنا یا کسی اور کام میں لانا ناجائز ہے۔(۳)

لیکن اگر ابتداءً اس زمین کا دوامی طور پر دیا جانا ثابت نہ ہو جب بھی مسلمانوں کا اس پر مسجد تعمیر کرنا اور عرصہ دراز تک بے روک ٹوک نماز ادا کرنا عطائے دوامی کی دلیل ہو گی۔(۴) البتہ اگر کوئی ایسا ثبوت موجود ہو کہ اس سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ ریاست نے مسجد کی اجازت دیتے وقت یہ شرط تسلیم کرالی تھی کہ ریاست جب چاہے گی زمین واپس لے لے گی تو پھر یہ مسجد شرعی مسجد کی حیثیت میں نہیں آئے گی۔(۵) مگر اس صورت میں بھی ریاست کو یہ حق نہیں کہ وہ مسجد کی عمارت کو خود منہدم کر دے یا اس کے ملبہ اور سامان کو خود ضبط کرلے کیونکہ وہ مسلمانوں کا ہے اور عمارت مسلمانوں کی بنائی ہوئی ہے۔ ان کی تعمیر کی ہوئی عمارت (جو ریاست کی اجازت سے بنائی گئی تھی) کوئی دوسری طاقت توڑ نہیں سکتی۔(۶)

مسلمانوں کو واپسی زمین کی شرط دکھلا کر ان سے کہا جاتا کہ تم اپنی عمارت ہٹالو اور زمین خالی کر کے واپس کر دو۔ زبردستی منہدم کر دینا سراسر جبر و تعدی ہے۔(۷) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مشترک زمین پر مسجد بنانے کا حکم

(سوال) چند حصہ داران کی مملوکہ زمین مسجد کے لئے مانگ لی گئی۔ سب نے دیا اور دستخط بھی کر دیئے صرف ایک حصہ دار نے انکار کیا مگر یہ سمجھ کر کہ وہ راضی کر لیا جائے گا مسلمانوں نے مسجد بنالی مگر اب وہ راضی نہیں ہوتا اور مسجد کو غصب کا مال بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ نماز نہیں ہوتی۔ کیا واقعی غصب ہے اور نماز نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہے تو مسجد کی زمین اس کے حوالے کر دی جائے۔ کیا عدم تقسیم بین الحصص پر بھی منکر حصہ دار مسجد ہی کی زمین کو اپنی زمین کہہ کر مال غصب کہہ سکتا ہے۔

(المستفتی نمبر ۲۶۸۸ جناب حاجی عبدالغنی صاحب (چاندہ) ۱۲ شوال ۱۳۶۰ھ م ۳ نومبر ۱۹۴۱ء)

(جواب ۳۵) یہ صحیح ہے کہ کسی مملوکہ زمین پر مالک کی اجازت کے بغیر مسجد بنانا درست نہیں اور جب تک

---

(۱) فان شرط الوقف التابید (الشامیہ ، کتاب الوقف ، مطلب مناظرۃ ابن الشحنہ ج . ٤ صفحہ ٣٩٠ ، ط سعید)
(٣،٢) اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ... (ولو خرب ماحولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدا عند الامام والثانی) ابدا الی قیام الساعۃ (وبہ یفتی) حاوی القدسی وفی الشامیۃ : امالو تمت المسجدیۃ ثم اراد ھدم ذلک البناء فانہ لایمکن من ذلک. (الدرالمختار مع رد المحتار ، کتاب الوقف ، ج : ٤ /٣٥٨،سعید)
(۴) وقف قدیم مشہور لایعرف واقفہ استولی علیہ ظالم : فادعی المتولی انہ وقف علی کذا مشہور و شہد بذالک ، فالمختار انہ یجوز (الشامیۃ کتاب الوقف ج : ٤ / ٤١١ ط سعید) وتقبل فیہ الشہادۃ علی الشہادۃ وشہادۃ النساء مع الرجال والشہادۃ بالشہرۃ وان صرحوا بہ (ای بالسماع) فی المختار (الدر المختار حوالہ بالا)
(۵) واما ان وقت الامر بالیوم ، اوالشہر ، اوالسنۃ ، ففی ھذا الوجہ لا تصیر ساحۃ مسجدا لومات یورث عنہ (عالمگیریۃ : کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق بہ ٢ ٤٥٥ ط . ماجدیۃ)
(۶) ثم ان ضر رفع البناء لم یرفع ، وان لم یضر رفع او یتملکہ القیم برضا المستاجر ، فان لم یرض تبقی الی ان یخلص ملکہ. محیط (الدرالمختار ، کتاب الوقف ٤ / ٣٩٢ ط سعید) ھدم حائط مسجد یومر تسویتہ و اصلاحہ کذا فی القنیۃ (عالمگیریۃ، کتاب الغصب ، الباب الثالث ج .٥ صفحہ ١٢٩ ط . ماجدیۃ)
(۷) والاجازۃ لاتلحق الاتلاف فلو اتلف مال غیرہ تعدیا فقال المالک اجزت او رضیت او امضیت لم یبرا الضمان (الاشباہ والنظائر مع شرحہ غمز عیون البصائر : کتاب الغصب ٣/٢٠٩ ط ادارۃ القرآن.

مالک اجازت نہ دے اور زمین وقف مسجد وقف نہ کردے اس وقت تک وہ مسجد صحیح اور جائز مسجد نہیں ہوتی۔(۱)
مشترکہ زمین کے چند حصے داران نے اپنے اپنے حصے مسجد کے لئے دے دیئے تو آیا یہ حصے بھی وقف ہوگئے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف مشاع جائز ہے۔ مگر مسجد میں ان کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ یعنی مسجد کا اگر وقف مشاع ہو تو اتفاقاً جائز نہیں۔ **وابو یوسف لما لم یشترط التسلیم اجاز وقف المشاع والخلاف فیما یقبل القسمة اما ما لا یقبلها کالحمام والبئر والرحی فیجوز اتفاقاً الا فی المسجد والمقبرة الخ** (ردالمحتار(۲) ج ۳ صفحہ ۳۹۷) پس صورت مسئلہ میں تمام مسجد حقیقۃً مسجد نہیں ہوئی۔ تاہم امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے (اگرچہ مسجد کا پورا ثواب جب ملے گا جب وہ شریک بھی اپنا حصہ وقف کردے یا ضمان لے لے) **(قال ابو یوسفؒ اذا غصب رجل ارضا وبناها حوانیت وحماما ومسجدا فلا باس بالصلوٰة فی ذلك المسجد عالمگیری** ج ۵ صفحہ ۱۵۸)(۳)
تاہم اہل مسجد کو لازم ہے کہ وہ اس شریک کے حصہ کی قیمت ادا کریں یا وہ خود اپنی مرضی سے اپنا حصہ بھی وقف کردے تاکہ مسجد باقاعدہ صحیح مسجد ہو جائے۔(۴) اب اس شریک کو زمین واپس لینے اور عمارت کو منہدم کرنے کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مملوکہ زمین پر مسجد بنانا

(سوال) متعلقہ تعمیر مسجد بر زمین مملوکہ؟

(جواب ۳۶) مالک زمین کی اجازت سے عارضی مسجد بنا کر نماز پڑھنا جائز ہے(۶)۔ جب وہ زمین کو کسی دوسرے کام میں لانا چاہے تو زمین خالی کردی جائے گی۔(۷) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

مشترکہ یا مدرسہ کے لئے وقف شدہ زمین پر مسجد بنانا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۶ء)

(سوال) ایک مشترکہ زمین جس کے کئی وارث و مالک ہیں بغیر اجازت وارثوں کے اس پر مسجد بنانا جائز ہے یا

---

(۱) فان شرط الواقف التابید والارض اذا کانت ملکا لغیرہ فللمالک استردادہ وامرہ بنقض البناء (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب مناظرة ابن الشحنة، ج: ٤، ۳۹۰، سعید)
(۲) رد المحتار، کتاب الوقف، ج: ٤، ۳٤۸، سعید
(۳) عالمگیریہ، کتاب الوقف، الباب الثانی فی تملك الغاصب والمغصوب والانتفاع بہ، ج ۵ صفحہ ۱٤۲
(٤) وتکرہ [illegible] اذا کانت صداقة بینهما او یری صاحبها فلا باس بہ (عالمگیریہ کتاب الوقف، ج ۲، ٤۵۵، ماجدیہ)
(۵) [illegible] المسجدیة [illegible] فانہ لا یمکن من ذلك (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد، ج ٤، ۳۵۸، سعید)
(٦) واما ان وقف الامر [illegible] لانصیر الساحة مسجدا لو مات یورث عنہ کذا فی الذخیرة وهکذا فی فتاوی قاضیخان (العالمگیریہ کتاب الوقف، الباب الحادی عشر ۲/٤۵۵ ط ماجدیہ)
(۷) والارض اذا کانت ملکا لغیرہ فللمالك استردادها وامرہ بنقض البناء (الشامیہ کتاب الوقف، مطلب مناظرة ابن الشحنة ص ٤، ۳۹۰ ط سعید)

نہیں ؟ یا ایک قطعہ زمین جو مدرسہ کے لئے وقف کیا گیا ہے جس کی آمدنی کو مدرسہ میں صرف کیا جاتا ہے اس پر مسجد بنانا کیسا ہے ؟ اور اس میں نماز پڑھنے سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا یا نہیں ؟

(جواب ۳۷) مشترکہ زمین پر بغیر اجازت تمام شرکاء کے مسجد بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ بنائے مسجد کے لئے ضروری ہے کہ زمین جائز طور پر مسجد کے لئے وقف ہو اور صورت مذکورہ میں یہ بات نہیں اور جو زمین کہ مسجد کے سوا اور کسی غرض مثلاً مدرسہ کے لئے وقف ہو اس پر مسجد بنانا جائز نہیں ہے (۱) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،**

حکومت کی زمین پر بلا اجازت مسجد بنانا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۳۳ء)

(سوال) (۱) شہر جمشید پور میں ایک قطعہ زمین بغرض تعمیر جامع مسجد ٹاٹا اسٹیل کمپنی نے ۱۹۲۶ء میں نامزد کی. مگر اس پر کسی قسم کا کوئی قبضہ یا دخل نہیں دیا۔ (۲) اس زمین کے چاروں طرف غیر مسلم آبادی ہے اور آئندہ کوئی امید نہیں کہ مسلم آبادی وہاں ہو سکے گی کیونکہ سب پلاٹ پر ہو چکے ہیں۔ (۳) جب ہنود کو یہ اطلاع ملی کہ کمپنی نے یہ جگہ مسلمانوں کے لئے برائے تعمیر مسجد نامزد کی ہے تو انہوں نے نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی سے درخواست کی کہ یہاں مسجد بنانے کی اجازت نہ دی جائے۔ درخواست ڈپٹی کمشنر ضلع کے ہاں پیش ہو کر ۱۹۲۸ء میں یہ فیصلہ ہوا کہ حالات حاضرہ کو دیکھتے ہوئے یہ جگہ مسلمانوں کو نہیں دی جا سکتی۔ اس کے علاوہ اور کوئی جگہ کمپنی تجویز کرے۔ کمپنی نے اب ایسی جگہ تجویز کی ہے جہاں مسلم یا غیر مسلم کوئی آبادی ڈیڑھ ڈیڑھ سو گز تک نہیں ہے۔ اب کیا کرنا چاہئے ؟

(جواب ۳۸) مسلمان اس زمین پر عارضی طور سے مسجد بنا سکتے ہیں (۲)۔ اگر کمپنی وہ زمین مسلمانوں کو تملیک کے طور پر دے دے اور اپنا حق ملکیت اٹھالے تو مسلمان اس کو مستقل طور پر مسجد بنا کر بھی کام میں لا سکتے ہیں اور اگر ملکیت کمپنی اپنی رکھے تو عارضی طور پر اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ**

---

(۱) البقعة الموقوفة على جهة اذا بنى رجل فيها بناء و وقفها على تلك الجهة يجوز بلاخلاف تبعاً لها، فان وقفها على جهة اخرى اختلفوا في جوازه، والاصح انه لايجوز (عالمگيريه كتاب الوقف، الباب الثاني ص ۲ / ۳۶۲) فلا يجوز وقف مشاع يقسم وفي الشامية يشمل ما استحق جزء من الارض شائع فيبطل في الباقي (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب شروط الواقف على قولهما، ج ۴ / ۳۴۸)

(۲) دیکھئے صفحہ نمبر ۵۸ حاشیہ نمبر ۱۔

فصل ششم
موضع مہیا للصلوۃ

کیا مسجد کا صحن مسجد کے حکم میں ہے؟

(سوال) صوبہ گجرات اور بالخصوص ضلع سورت میں عام دستور یہ ہے کہ جب مسجد بناتے ہیں تو اس کے مسقف حصہ کو نماز پڑھنے کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں۔ اسی لئے اس کو جماعت خانہ کہتے ہیں۔ اسی کے ساتھ کچھ کھلا ہوا حصہ بطور صحن کے بناتے ہیں۔ اس لئے کہ اس میں اس قسم کی باتیں ہوتی ہیں جو مسجد کے احترام کے خلاف اور ممنوع ہیں۔ مثلاً ہر وقت اٹھنا بیٹھنا اور وہیں سونا اور دنیاوی باتیں کرنا۔ یہاں تک کہ حالت جنابت میں بھی اس صحن میں رہتے ہیں کیونکہ اس کو خارج از مسجد سمجھا جاتا ہے۔ نیز اس میں جماعت خانہ کی طرح کبھی نماز یا جماعت نہیں ہوتی۔ پس راندیر کی مسجد چنارواڑ بھی اسی طرح پہلے کچھ مختصر بنی ہوئی تھی اور اس کی صحن کے ساتھ بالکل غیر مسجد کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ تقریباً ۱۲۹۰ھ میں یہاں کے بعض بزرگوں نے اس مسجد کو از سر نو بنایا اور ایک زمین خرید کر اس میں شامل کر کے وسیع کیا۔ جس طرح اس کے جماعت خانہ کو بڑھایا اسی طرح اس کے صحن کو بھی وسعت دی۔ چنانچہ جس جگہ قدیم مسجد کا حوض تھا اس جگہ کو ٹا اکھا کر اس کے بعض حصہ کو صحن میں شامل کر لیا اور حصہ جنوبی کا بر آمدہ کے طریق پر ضروریات وضو کے لئے مخصوص رکھا۔ جدید تعمیر کرنے والے اصحاب کے زمانے سے اب تک بھی اس صحن کے ساتھ خارج مسجد کا برتاؤ تھا اور وہ لوگ اہل علم اور سمجھدار تھے جو داخل مسجد اور خارج مسجد کو خراب سمجھتے تھے۔ پھر بھی کبھی انہوں نے اس صحن کو مسجد میں شامل نہ سمجھا۔ اس کے علاوہ ایک عام رواج یہ بھی ہے کہ اکثر مسجدوں کے صحن میں قبریں بناتے ہیں۔ چنانچہ اس نواح کی کوئی مسجد ایک مشکل سے ملے گی جس کے صحن میں کسی پرانی قبر کا نشانہ نہ پایا جاتا ہو۔ پس یہ صورت بھی اس کا کھلا ہوا قرینہ ہے کہ صحن کو مسجد میں داخل نہیں سمجھتے۔ بعض حضرات تھوڑے عرصہ سے یہاں کی مسجدوں کو دہلی وغیرہ کی مسجدوں پر قیاس کرتے ہیں۔ یہ قیاس صحیح نہیں ہے اس لئے کہ وہاں کی مسجدیں اکثر ایسی بنائی جاتی ہیں کہ ہوادار نہیں ہوتیں۔ اسی وجہ سے وہاں گرمی کے موسم میں صحن میں نماز پڑھنا اور صحن کو مسجد میں داخل سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف یہاں کی مسجدیں نہایت ہوادار اور کشادہ ہوتی ہیں۔ ہوا کی آمدورفت کے لئے چاروں طرف دریچیاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں۔ اس وجہ سے کبھی صحن میں نماز پڑھنے کی ضرورت واقع نہیں ہوتی اور اس صحن کو داخل مسجد کرنے کا اب تک کوئی ثبوت بھی باقاعدہ نہیں ہے۔ پس ایسی صورت میں مسجد چنارواڑ کا صحن شرعاً مسجد سے خارج سمجھا جائے گا یا نہیں اور جنازہ کی نماز صحن میں پڑھنا جائز ہو گا یا نہیں؟

(المستفتیان محمد اسماعیل عارف، احمد ابراہیم سنگاپوری)

(جواب ۳۹) کسی جگہ کے مسجد ہونے کے لئے یہ باتیں ضروری ہیں۔

(۱) واقف نے (جو صحیح طور پر زمین کا مالک تھا اور وقف کرنے کا اختیار شرعی رکھتا تھا)(۱) اس کو مسجدیت کے لئے وقف کیا ہو۔ خواہ وہ زمین خالی عن العمارۃ ہو یا عمارت میں ہو(۲)۔

(۲) اس کو اپنی ملک میں سے اسی طرح علیحدہ کر دیا ہو کہ کسی دوسرے شخص کا یا خود واقف کا کوئی حق متعلق نہ رہے(۳)۔

(۳) وقف کر کے اس کو متولی کے سپرد کر دیا ہو یا واقف کی اجازت سے اس میں ایک مرتبہ بھی نماز باجماعت ہو گئی ہو(۴)۔

جس زمین یا عمارت میں یہ باتیں متحقق ہو جائیں وہ مسجد ہو جائے گی۔ ان میں سے پہلی بات یعنی مسجدیت کے لئے وقف کرنا واقف کی نیت سے متعلق ہے۔ اگر نیت کی تصریح موجود ہو جب تو کوئی اشکال ہی نہیں لیکن اگر تصریح نہ ہو تو پھر قرائن سے اس کی نوعیت متعین کی جا سکتی ہے۔ گجرات کی اکثر مساجد اور بالخصوص مسجد چناروالا (راندیر ضلع سورت) کے وہ صحن جو مسقف حصہ کے سامنے مشرقی جہت میں واقع ہیں میرے خیال میں ان کی مسجدیت راجح ہے۔ جماعت کا بالعموم مسقف حصہ میں ہونا اس امر کا متقضی نہیں کہ غیر مسقف حصہ خواہ مخواہ مسجد کے حکم سے خارج ہو۔ مسقف حصہ کا نام جماعت خانہ رکھ دینا بھی غیر مسقف کو مسجدیت سے نہیں نکالتا۔ ہاں اس نام رکھ دینے کا یہ اثر ضرور ہوا کہ گجرات کے لوگ اس کو جماعت کے لئے مخصوص سمجھنے لگے۔ ورنہ میں نے خود دیکھا ہے کہ اس صحن میں نوافل و سنن برابر پڑھتے ہیں اور فرضوں کی جماعت بھی اگر بڑی ہو جیسے کہ جمعہ کی نماز میں ہوتی ہے تو اس صحن میں برابر صفیں ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ صحت اقتدا کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر یہ حصہ مسجد ہو تو اقتدا صحیح ہے ورنہ نہیں۔(۵) تاہم اس میں کھڑے ہونے والے اور نماز پڑھنے والے مسجد کا ثواب اسی وقت پا سکتے ہیں یہ حصہ مسجد قرار دیا جائے۔(۶) میرا خیال ہے

---

(۱) واما شرائط (فمنها العقل والبلوغ) (ومنها) الملك وقت الوقف (عالمگيرية، كتاب الوقف الباب الاول ۲/ ۳۰۲، ۳۰۳ ماجديه)

(۲) (وفي العالمگيرية) فلوجعل وسط داره مسجداً واذن للناس في الدخول والصلاة فيه ان شرط معه الطريق صار مسجدا في قولهم...... رجل له ساحة لابناء فيها امر قوما ان يصلوا فيها ...... ابدا ...... صار الساحة مسجداًلومات لايورث عنه (وفيها) واذا سلم المسجد الى متول يقوم بمصالحه يجوز وان لم يصل فيه والاضافة الى مابعد الموت، والوصية ليست بشرط، بصيرورة المكان مسجداً صحة ولزوماً (عالمگيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر ۳/ ۴۰۴، ۴۰۵

(۳) مريض جعل داره مسجدا ومات ولم يخرج من الثلث ولم تجز الورثة صار كله ميراثا وبطل جعله مسجداً لان للورثة فيه حقا فلم يكن مفرزاعن حقوق العباد، فقد جعل المسجد جزأ شائعا فبطل (عالمگيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر ۲/ ۴۰۶ ماجديه .

(۴) من بنى مسجد الم يزل ملكه حتى يفرز عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلاة فيه...... واما الصلاة فلانه لابد من التسليم . التسليم في المسجد ان تصلى في الجامعةباذنه...... واذا سلم المسجد الى متول يقوم بمصالحه يجوز وان لم يصل فيه، وهوا لصحيح كذا في الاختيار (عالمگيرية كتاب الوقف، الباب الحادى عشر ۲/ ۴۵۴، ۴۵۵ ماجديه)

(۵) والخلاصة هذا اذا لم تكن الصفوف متصلة على الطريق، اما اذا اتصلت الصفوف لايمنع الاقتداء (عالمگيريه كتاب الوقف، ج۲ ص ۸۷)

(۶) عن انس بن مالك رضى الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : صلاة الرجل في بيته بصلاة، وصلاته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة، ابن ماجه ابواب المساجد والجماعات، باب ما جاء في الصلاة في المسجد الجامع ، ص ۱۰۳

کہ اس حصہ کو مسجد قرار دینے میں نمازیوں کا بہت زیادہ فائدہ ہے اور اس لحاظ سے یہ امر اقرب الی القیاس ہے کہ واقف اس حصہ کی مسجدیت کی نیت کرتے ہوں گے۔ مسجد چناروا‌ڑ کے شمالی سمت میں جو دالان ہے اور شمال مشرقی دالان اٹھنے بیٹھنے، سونے کے لئے بنائے گئے ہوں تو یہ قرین قیاس ہے لیکن کھلا ہوا صحن بھی مسجد نہ ہو یہ بات میری سمجھ سے تو باہر ہے۔

مسجد کے جماعت خانہ میں کتنی ہی کھڑکیاں ہوں لیکن جس وقت ہوا بند ہوتی ہے تو کھڑکیاں کیا فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ اگر مسجد مذکور میں بجلی کے پنکھے نہ ہوں اور وقت ہوا بند ہونے کا ہو تو جماعت خانہ اور صحن کا فرق بدیہی طور پر معلوم ہو سکتا ہے۔ اگر ابتدائی تعمیرات میں اس مسقف حصہ کا نام جماعت خانہ مشہور نہ ہو جاتا اور ان کے خیالات میں جماعت کے لئے یہ حصہ مخصوص نہ ہو جاتا تو وہ بھی گرمیوں میں ہوا بند ہونے کے زمانے میں باہر کے صحن میں جماعت کرتے۔

بہر حال جماعت کا ہمیشہ اندر ہونا اس کی تو دلیل ہے کہ جماعت خانہ یقینی طور پر مسجد ہے مگر اس کی دلیل نہیں کہ صحن مسجد کے حکم سے خارج ہے۔ رہی اس صحن میں جنازہ کی نماز تو حنفیہ کے نزدیک مسجد میں بلا عذر جنازہ کی نماز مکروہ ہے۔ اگر کوئی عذر ہو مثلاً باہر کوئی پاک جگہ نماز کے لئے موجود نہ ہو تو اس صورت میں مکروہ بھی نہیں (۱)۔ دوسرے یہ کہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اس میں زیادہ جھگڑنے کا موقع بھی نہیں ہے جو لوگ پڑھ لیں ان کو مطعون نہیں کرنا چاہئے۔ جو مسجد میں نہ پڑھیں ان کو برا کہنا نہیں چاہئے۔ اگر یہ منظور ہو کہ سب لوگ شریک ہوں تو ایسے طور پر نماز پڑھو کہ کسی کو اختلاف نہ ہو۔ یعنی صحن مسجد سے باہر پڑھو تاکہ سب بالاتفاق شریک ہوں۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ

مسجد کے صحن میں مدرسہ یا اسکول قائم کرنا

(سوال) صحن مسجد، مسجد سے باہر کم از کم کتنی دور تک ہونا چاہئے۔ شرعاً کوئی حد ہے یا نہیں۔ جتنی جگہ پہ مدنی کر کے مسجد کے نام سے مالک نے دے دیا مالک اگرچہ ہندو ہو اتنی جگہ کے اندر بنگالہ یا اور کوئی مادری زبان تعلیم کے واسطے اسکول بنانا جس میں اکثر رامورلائن کی کتابیں و دیگر دنیوی تعلیم دی جاتی ہے اور لڑکوں سے فیس لیا جاتا ہے اور معلمین تنخواہ لے کر پڑھاتے ہیں۔ نیز سرکاری امداد ملتی ہے اور مدت سے اس جگہ ناوانستہ اسکول گھر بنایا ہوا ہے۔ ایسی جگہ میں ویسا اسکول بنانا بعض علماء سے شرعاً ممنوع جان کر دوبارہ وہ گھر مضبوط کر کے بناتے وقت محلّہ کے بعض لوگ اس علاقہ کے بعض علماء کو حاضر کر کے منع دلایا۔ نیز یہ اسکول دوسری جگہ تحویل ہو سکتا ہے۔ بناء علیہ علماء نے اس جگہ کو صحن مسجد میں داخل کر کے فرمایا کہ ایسا اسکول صحن مسجد میں بنانا شرعاً ممنوع ہے۔ لیکن

(۱) انما تکرہ فی المسجد بلا عذر فان کان فلا ومن الاعذار المطر کما فی الخانیۃ، والاعتکاف کما فی المبسوط، کذا فی الحلیہ، وغیرھا. والظاھر ان المراد اعتکاف الولی .. قد توضع فی بعض المواضع خارج المسجد فی الشارع فیصلی علیھا، ویلزم منہ فسادھا من کثیر من المصلین لعموم النجاسۃ وعدم خلعھم نعالھم المتنجسۃ (الی قولہ) واذا کان ماذکرناہ عذر فلا کراھۃ اصلا واللہ اعلم (الشامیۃ: کتاب الصلاۃ، باب صلوۃ الجنائز، مطلب فی کراھۃ صلاۃ الجنازۃ فی المسجد ص ۲۲۶، ۲۲۷/۲ ط. سعید)

محلّہ کے بٹ باز لوگ اصرار سے بولے کہ ہم لوگ شریعت نہیں مانتے۔ جب مدت سے یہاں اسکول چل رہا ہے اب منع کوئی نہیں۔ اس بٹ پر اسکول تیار ہی کیا۔ نیز اس جگہ میں عید کی نماز بھی پڑھی جاتی ہے۔ اب جو جگہ مسجد کے نام بنام مسجد چوہدی کروہ پڑی ہوئی ہے اس جگہ بناء اسکول کے متعلق اور ان منکرین شریعت کے متعلق قرآن وحدیث ودیگر کتب معتبرہ میں کیا کیا فیصلہ کیا گیا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۶۱۷ مولوی محمد اسماعیل (ضلع پٹنہ) ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۲۰ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۰) (از نائب مفتی دار العلوم دیوبند) صحن مسجد اور چبوترہ مسجد میں اسکول یا مدرسہ اسلامیہ قائم کرنا جائز نہیں ہے بلکہ نماز پڑھنے کے علاوہ کوئی کام وہاں کرنا جائز نہیں ہے۔ جو لوگ اسکول وہاں رکھنے پر مصر ہیں وہ گناہ گار ہیں۔ ان کو لازم ہے کہ اسکول دوسرے مکان میں منتقل کردیں۔ کبیری شرح منیہ میں ہے . وھھنا ابحاث الاول فیما تصان عنہ المساجد الی ان قال والمرور فیھا لغیر ضرورۃ ورفع الصوت للخصومۃ وادخال المجانین والصبیان لغیر الصلوۃ ونحوھا لماروی عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الشراء والبیع فی المسجد وان تنشد فیہ الاشعار وان تنشد فیہ الضالۃ. الحدیث. وفی صحیح مسلم قال علیہ الصلوۃ والسلام من تسمع رجلا ینشد فی المسجد ضالۃ فلیقل لاردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا (۱) الخ وروی عبدالرزاق (۲) ثنا محمد بن اسلم عن عبدربہ ابن عبداللہ عن مکحول عن معاذ بن جبل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم وشراء کم وبیعکم وخصوماتکم ورفع اصواتکم الخ والمراد بالبیع والشراء ماکان للتجارۃ والکسب کماھو الظاھر من الاحادیث الخ والتفصیل (۳) فی الکبیری فصل فی احکام المسجد. فقط واللہ تعالی اعلم۔

مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح۔ محمد سہول عثمانی مفتی دار العلوم دیوبند۔ الجواب صواب بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۶ء

(۱) صحیح مسلم، باب عن نشد الضالۃ فی المسجد وما یقولہ اذا سمع الناشد ج ۱ / ۲۱۰، قدیمی)
(۲) مصنف عبدالرزاق، ج : ۱ / ۴۷۲، بیروت
(۳) (غنیۃ المستملی فی شرح منیۃ المصلی المشتھر بشرح الکبیر للشیخ ابراھیم الحلبی الحنفی فصل فی احکام المسجد۔ (بعد فصل فی الجنائز) ط. سھیل اکیڈمی، لاھور ص ۶۱۱)

فصل ہفتم
تعدد مساجد

جامع مسجد کے علاوہ دوسری مسجد بنانا

(سوال) کسولی ایک پہاڑی مقام ہے جو فوجی چھاؤنی ہے مجموعی آبادی تقریباً تین ہزار ہے۔ مسلمانوں کی آبادی تقریباً ایک ہزار ہے- یہاں ایک ہی مسجد ہے- کیا اس کو جامع مسجد کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے ؟ موجودہ مسجد آبادی کے ایک بڑے حصہ سے دور واقع ہے-بنگلوں اور مارکیٹ بازار کچہری اور ڈاکخانہ وغیرہ سے کافی فاصلہ ہے-اکثر مسلمان بالخصوص تجارت و ملازمت پیشہ اصحاب پنج وقتہ نماز، نماز جمعہ و نماز تراویح میں بوجہ دوری و قلت وقت شامل ہونے سے قاصر رہتے ہیں اور ایک دوسری مسجد کی جو قریب تر واقع ہو ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اندریں صورت دوسری مسجد کی بناڈالنے والے کس حد تک اجر و ثواب کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

(جواب ٤١) اس مسجد کو جب کہ وہ جمعہ کی جماعت کے لئے کافی ہو جامع مسجد کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے-دوسری مسجد بنانا موجب اجر و ثواب ہے کیونکہ تمام نمازیوں کو ہر وقت اتنی دور مسجد میں جانا یقیناً موجب حرج و مشقت ہے-والحرج مدفوع۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

فصل ہشتم
مسجد کی زمین یا دیوار دبالینا

مسجد کی زمین یا دیوار پر قبضہ کر لینے کا حکم

(سوال) وقف شدہ مسجد یا امام بارہ پنچایتی کا ایک جزو کھلا ہوا بصورت چبوترہ واقع ہے۔ اس پر کسی فرد کو مکان سکونتی تعمیر کر کے بودوباش کا مالکانہ حق شرعاً ہے یا نہیں۔ اگر چند اشخاص برادری کے خلاف بطور سازش کسی کو زمین موقوفہ پر مکان بنانے کی اجازت دے دیں تو یہ شرعی اجازت ہوگی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۶۲ متھو خلیفہ نداف۔ جھانسی، ۷ محرم ۱۳۵۳ھ ۲۲ اپریل ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۲) اگر یہ چبوترہ مسجد یا مکان موقوفہ کا جز ہے اور وقف میں شامل ہے تو اس پر مکان بنانا اور مالکانہ قبضہ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ کسی کو یہ حق ہے کہ وہ اس پر مالکانہ قبضہ کرنے کی کسی کو اجازت دے۔(۱) محمد کفایت اللہ

(۱) مسجد کی دیوار پر اپنی دیوار رکھنا ناجائز ہے
(۲) مسجد کے حوض پر ذاتی مکان بنانا
(۳) مسجد میں سے راستہ بنانے کا حکم
(۴) مسجد کی زمین پر ذاتی مکان بنوانا

(سوال) (۱) ایک شخص نے مسجد کی دیوار پر اپنی دیوار قائم کر لی۔ اس سے مسجد کی مسجدیت میں کوئی فرق تو نہیں آیا اور اس کا یہ فعل کیسا ہے؟ (۲) حوض کی جگہ کوئی شخص اپنا ذاتی مکان تعمیر کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۳) حجرہ اور غسل خانہ کا راستہ صحن مسجد سے رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ (۴) زمین مسجد کی ہے اس پر کوئی شخص مکان بنوا دے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۱۹۲ مصطفیٰ خاں صاحب (جھانسی) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۳) (۱) مسجد کی دیوار پر جس نے اپنی دیوار قائم کی اس کا یہ فعل ناجائز ہے۔ اس سے مسجد کی مسجدیت میں کوئی فرق نہیں آیا(۲) (۲) حوض کی جگہ اگر مسجد کی تھی اور ظاہر یہی ہے تو اس پر کوئی شخص ذاتی مکان تعمیر نہیں کر سکتا(۳) (۳) صحن مسجد سے مراد اگر وہ صحن ہے جس میں نماز پڑھی جاتی ہے تو اس میں سے حجرہ اور غسل خانہ کا راستہ رکھنا مکروہ ہے۔ (۴) جائز ہے مگر مکان مسجد کی ملک ہوگا جب کہ زمین مسجد کی ہے تو اس پر ذاتی مکان تعمیر نہیں ہو سکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دھلی۔

---

(۱) وليس للقيم ان ياخذ مافضل عن عمارة المدرسة ديناً ليصرفها الى الفقراء وان احتاجوا اليه (عالمگيريه، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، ج : ۲/ ۴۱۵، جديد)

(۲) قلت : وبه علم حكم مايصنعه بعض جيران المسجد من وضع جذوع على جداره فانه لايحل، ولودفع الاجرة (الشامية كتاب الوقف مطلب في احكام المسجد ج ۴/ ۳۵۸ وليس للقيم ان يأخذ مافضل عن وجه عمارة المدرسة دينا ليصرفها الى الفقراء، وان احتاجوا اليه..... (عالمگيريه : كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف ۲/۴۱۵، ماجديد)

(۳) اما لوتمت المسجدية، ثم ارادالبناء منع (الدر المختار : كتاب الوقف ، مطلب في احكام المسجد ص ۴/۳۰۸)

فصل نہم
مال مسجد کے مصارف

صحن مسجد میں موجود قبر پر کٹہرا بنانا

(سوال) ایک مسجد کے صحن میں مسجد کی زمین میں ایک قبر تھی۔ اس صحن کو مسجد اونچی کرنے کے لئے اونچا کیا گیا اور اس کے ساتھ قبر بھی اونچی کی گئی۔ پھر دوبارہ مسجد کو اونچا کرنے کی ضرورت پڑی۔ اس مرتبہ اس قبر کے چاروں طرف اینٹ کی دیوار قبر سے چھ اونچی چن لی گئی اور اوپر سے بند کردی گئی اور قبر اندر محفوظ ہوگئی اوپر سے تمام صحن برابر کردیا گیا۔ اب عرض یہ ہے کہ (۱) صحن کی اس جگہ پر جس کے نیچے قبر ہے پتھر کا تعویذ رکھنا اور اس کے آس پاس کٹہرا بنانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) صحن کی اس جگہ میں جس کے نیچے قبر ہے چلنا پھرنا اور نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۳۵۹ محمد ابراہیم۔ کالوپور احمد آباد ۷ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۲۰ جون ۱۹۳۴ء

(جواب) (از مولانا محمد ابراہیم احمد آبادی) (۱) جو چیز جس کام کے لئے وقف ہوئی ہے اس کو اس کام میں صرف کرنا چاہئے اس کے غیر میں صرف کرنا جائز نہیں۔ مسجد کی زمین مسجد کے کام کے لئے وقف ہوتی ہے اور پتھر کا تعویذ و کٹہرا مسجد کے کام میں داخل نہیں ہے۔ نیز فقہ میں یہ مسئلہ ہے کہ جنازہ جس پر مردے کو لے جاتے ہیں مصالح مسجد سے نہیں ہے تو پتھر کا تعویذ اور کٹہرا بطریق اولیٰ مصالح مسجد سے نہیں ہے۔ لہذا پتھر کا تعویذ کٹہرا مسجد کی زمین میں بنانا جائز نہیں ہے۔ (اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه) بسبب خراب وقف احدهما (جاز للحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الاخر عليه) لانهما حينئذ كشئ واحد (وان اختلف احدهما) بان بنى رجلان مسجدين اورجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما اوقافا (لا) يجوزله ذلك (۱)(شامي استنبولي ج ۱ صفحه ۵۱۵) هل يشترى المتولى الجنازة قال لا وان كان الواقف ذكر في الوقف ان القيم يشترى جنازة وان اشترى ضمن لان الجنازة ليست من مصالح المسجد (خلاصة الفتاوىٰ كتاب الوقف ج ٤ صفحه ۴۲۲) (۲)

(۲) جب مذکورہ طریقہ سے قبر بند کردی گئی تو اب اس پر چلنا پھرنا نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس لئے کہ قبر نیچے کے مکان میں ہے اور صحن اوپر کے مکان میں۔ صحن پر چلنا پھرنا قبر پر چلنا پھرنا نہیں ہے۔ لہذا ظاہر۔ حررہ محمد ابراہیم احمد آبادی غفرلہ احمد آباد۔ جواب صحیح ہے۔ محمد سہول عثمانی حنفی چشتی پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ۔
۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ

(جواب ٤٤) (از حضرت مفتی اعظمؒ) قبر مسجد کی زمین میں تھی تو جواب یہی ہے جو مذکور ہوا کہ اس پر نماز پڑھنا چلنا پھرنا جائز ہے اور تعویذ بنا کر اسے ممتاز کردینا جائز نہیں خواہ تعویذ مال مسجد سے بنایا جائے خواہ اس کی لاگت کوئی اپنے پاس سے ادا کرے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

(۱) قوله : شامي من سبق قلم ، والصحيح الدر المختار : كتاب الوقف ٤ / ۳٦۰ ط سعيد
(۲) (الفصل الرابع في المسجد واوقافه ومسائله، ٤ / ۴۲۲ ، ط. امجد اكيڈمی لاهور)

مسجد کا پرانا سامان اور ملبہ فروخت کرنا

(سوال) مسجد کا پرانا سامان اور ملبہ جو اسی مسجد کی تعمیر جدید میں کام نہ آسکتا ہو فروخت کر دینا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۷۶۷ بادشاہ خان صوبیدار (ضلع غازیپور) ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۸ فروری سن ۱۹۳۶ء

(جواب ٤٥) مسجد کا پرانا سامان اور ملبہ جو اسی مسجد کی تعمیر جدید میں کام نہ آسکتا ہو۔ فروخت کر دینا جائز ہے ۔ بہتر یہ ہے کہ مسلمان کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور اس کی قیمت کو اسی مسجد کی ضروریات تعمیر میں یا اس قسم کا سامان خریدنے کی شکل میں صرف کر دیا جائے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

ایک مسجد کی رقم دوسری میں خرچ کرنا

(سوال) ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں۔وہاں پر ایک نمازی بھی نہیں غیر آباد مسجد ہے۔ المستفتی نمبر ۱۴۲۰ مولوی صاحب (ضلع بھروچ) ۷ صفر ۱۳۵۶ھ م ۱۹ اپریل ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٦) جب مسجد کی جگہ ویران ہو جائے اور مسجد میں نمازی نہ رہیں اور اس کو آباد رکھنے کی کوئی صورت متصور نہ ہو تو اس کو مقفل کر کے محفوظ کر دیا جائے اور اس کا روپیہ کسی دوسری حاجت مند مسجد میں صرف کر دیا جائے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد کی آمدنی سے امام اور مؤذن کو تنخواہ دینا جائز ہے

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ٦ مئی ۱۹۳۷ء)

(سوال) ایک مسجد کے تحت و متعلق دو دکانیں اور ایک مکان اور ایک کوٹھڑا ہے جن کی مجموعی آمدنی تخمیناً سولہ روپے ماہوار ہے۔ اس میں سے امام و مؤذن کی تنخواہ بحساب دس روپے ماہوار اور چار روپے ماہوار دینا شرعاً کیسا ہے ؟

(جواب ٤٧) مسجد کی آمدنی میں سے امام اور مؤذن کی تنخواہ دینی جائز ہے۔ کمی و بیشی کا فیصلہ وقف کی آمدنی اور مقدار لیاقت امام و مؤذن کے لحاظ سے کیا جا سکتا ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

---

(۱) سئل شیخ الا سلام عن اهل قرية افترقوا وتداعى مسجد القريه الى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشب المسجد و ينقلونه الى ديارهم ، هل لواحد من اهل القريه ان يبيع الخشب بامر القاضي ، ويمسك الثمن ليصرف الى بعض المساجد ، او الى هذا المسجد ؟ قال نعم كذا في المحيط (العالمگيريه، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر ۲ / ٤٧٨، ٤٧٩ ط.ماجديه)

(۲) في فتاوى النسفي : سئل شيخ الا سلام عن اهل قرية افترقوا وتداعى مسجد القرية الى الخراب ، وبعض المتغلبة يستولون على خشب المسجد، وينقلونه الى ديارهم هل لواحد من اهل القرية ان يبيع الخشب بامر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه الى بعض المساجد او الى هذا المسجد قال : نعم ، كذافي المحيط .(العالمگيرية : كتاب الوقف الباب الثالث عشر في الا وقاف التي يستغنى عنها وما يتصل به من صرف غلة الا وقاف الى وجوه آخر ۲/ ٤٧٨ ، ٤٧٩ ط ماجديه)

(۳) ويبدأ من غلته بعمارته ، ثم ماهواقرب لعمارته كا مام مسجد ، ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم (الدرالمختار كتاب الوقف ٤ / ٣٦٦ ، ٣٦٧ ط سعيد)

ظہر اور عصر کی نماز میں اکثر ناغہ کرنے والے امام کی تنخواہ کا حکم

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۶ مئی ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید مدرسہ اسلامیہ میں صدر مدرس ہے۔ مدرسہ کی آمدنی چندہ وغیرہ سے مبلغ چالیس روپے ماہوار تنخواہ پاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک مسلمان وکیل کو عربی پڑھا کر اس سے مبلغ دس روپے ماہوار تنخواہ لیتا ہے اور ایک مسجد میں جو مدرسہ مذکور سے کچھ فاصلہ پر ہے وہاں امامت کرتا ہے اور مبلغ دس روپے مزید حاصل کرتا ہے۔ آغاز تقرر امامت میں زید مدرسہ کی ملازمت کی وجہ سے ظہر و عصر کی نمازیں اپنے لڑکے سے پڑھوایا کرتا تھا۔ اب کچھ دنوں سے لڑکا چلا گیا ہے اور زید سے صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ آئندہ میں ان دو نمازوں کی پابندی نہیں کر سکتا ہوں۔ اب مغرب، عشا، فجر تین وقت کی نماز تو وہ پابندی سے پڑھا رہا ہے عصر کی گاہے گاہے۔ اور ظہر میں شاذ و نادر ہی کبھی آتا ہے۔ نماز جمعہ بھی زید پڑھاتا ہے اور کبھی کبھی وعظ بھی بیان کرتا ہے۔ پس موجودہ حالات مذکورہ متولی مسجد کو آمدنی کرایہ جائداد متعلقہ مسجد سے زید کو مبلغ دس روپے ماہوار دینا اور امام کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۴۸) امامت کی تنخواہ لینا جائز ہے اور امام جس قدر کام کر سکتا ہے اور اس کا اقرار کرتا ہے اگر متولی اس قدر کام کے عوض میں راضی ہو کر اسے کوئی مقدار تنخواہ کی دینا منظور کر لے تو اس میں کوئی وجہ عدم جواز کی نہیں۔(۱) ہاں اگر متولی کو امام موصوف کی طرح لیاقت رکھنے والا شخص ایسا مل جائے جو پانچوں وقت کی نماز اتنے معاوضہ میں پڑھا دیا کرے تو متولی کو جائز ہوگا کہ وہ سابق امام کے بجائے اس کو مقرر کرے۔(۲)

محمد کفایت اللہ غفر لہ، دہلی

فصل دہم
مسجد میں ناجائز رقم لگانا

خالص حرام یا حلال و حرام مخلوط آمدنی سے بنی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا

(سوال) ہمارے ملک میں جو مسجدیں بنائی جاتی ہیں ان میں مندرجہ ذیل اشخاص عموماً حصہ دار ہوتے ہیں۔ دھوکے سے پیسہ کمانے والے۔ زکوٰۃ نہ دینے والے، حج فرض ادا نہ کرنے والے، عرائض نویس جو جھوٹ لکھ کر پیسہ کماتے ہیں ......، سپاہی جو دشمنان اسلام کی طرف سے اہل اسلام کے ساتھ جنگ کرتے ہیں، زمین گروی لینے والے، لڑکیوں کا حصہ نہ دینے والے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں پاک چیز قبول کرتا ہوں۔ جب خدا قبول نہیں کرتا تو علمائے دین کیوں قبول کرتے ہیں اور ان مسجدوں میں نمازیں ادا کرتے ہیں۔ جواب دیں کہ آیا ان مسجدوں میں نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ شہری علماء کا طریقہ ہے۔ اور دیہاتی علماء کا طریقہ یہ ہے کہ وہ روٹیاں

(۱) کیونکہ یہ اجارہ ہے اور اجارہ میں موجر و مستاجر جتنی اجرت پر راضی ہوں اتنی مقرر کرنا جائز ہے چاہے کم ہو یا زیادہ۔

(۲) (قوله ولم ار حكم عزله لمدرس وامام ولاهما) اقول : وقع التصريح بذالك في حق الامام ، والمؤذن ..... اذا عرض للامام والمؤذن عذر منعه من المباشرة ستة اشهر للمتولي ان يعزله ويولي غيره ، وتقدم مايدل على جواز عزله اذا مضى شهر اقول : ان هذا العزل لسبب مقتض . (الشامية : كتاب الوقف ، مطلب في عزل الواقف المدرس ٤ / ٤٢٧ ط سعيد)

لے کر امامت کرتے ہیں اور مندرجہ بالا اشخاص کے گھروں سے درودو فاتحہ کا کھانا بھی کھاتے ہیں۔ کیا ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں حرام کھانے والوں کی دعا قبول نہیں کرتا۔ تو نماز بھی دعا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شبہ سے یعنی شرک سے بچو۔ ہمارے ملک میں جس عالم سے مسئلہ پوچھو تو وہ یہی جواب دیتا ہے کہ ساری دنیا کا رواج جو ہے ہم بھی وہی کرتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۵۶۹ مستری محمد عالم (ضلع جہلم) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ ۱۱ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۹) جس شخص کی تمام کمائی حرام کی ہو اور وہ اس حرام مال سے مسجد بنائے تو وہ مسجد صحیح مسجد نہیں ہوتی۔ نماز اس میں بھی ہو جاتی ہے مگر مسجد کا ثواب نہیں ملتا۔ اور جس شخص کی کمائی حلال بھی ہو اور حرام بھی اور وہ مخلوط کمائی سے مسجد بنائے تو اگرچہ حرام مال خرچ کرنے کا اسے کچھ ثواب نہیں ملے گا لیکن احکام اور فتویٰ کی رو سے یہ مسجد مسجد ہو جائے گی۔ اور وقف صحیح ہونے کا حکم دیا جائے گا اور مسلمانوں کو حق ہو گا کہ وہ اس کو حیثیت مسجد کے استعمال کریں اور اس کی حفاظت کریں۔(۱)

یہی حکم دعوت قبول کرنے کا ہے کہ جس کی کمائی خالص حرام ہو اس کے یہاں دعوت قبول کرنا جائز نہیں اور جس کی کمائی مخلوط ہو اس کے یہاں دعوت قبول کرنا مباح ہے۔(۲) مگر مقتدا کے لئے بہتر اور تقویٰ کی بات یہ ہے کہ قبول نہ کرے۔(۳) امامت کی تنخواہ لینا جائز ہے یعنی اگر تنخواہ مقرر کر کے کسی کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کیا جائے تو یہ بات جائز ہے اور تنخواہ اور امام کی امامت مکروہ نہیں ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

ناجائز آمدنی والوں سے چندہ لینا

(سوال) ایک انجمن اسلامی ہے جو لوگ انجمن کا کام کرتے ہیں ان کے ہاتھ میں مسجد کا کام بھی ہے اور مدرسہ کا بھی۔ قوم کا چندہ جمع ہو کر کام کرنے والے کو دیا جاتا ہے۔ چندہ دینے والوں میں مختلف قوموں کے آدمی ہیں۔ مثلاً سود کھانے والے، شیعہ، کچھی لوگ، بوہرے لوگ اور غیر مقلد لوگ، ان لوگوں کا چندہ مسجد اور مدرسہ کے مصرف میں آسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۶۳۲ حافظ محمد اسحق (کوئٹہ) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۵۰) انجمن میں ان لوگوں سے چندہ نہ لینا چاہئے جن کی کمائی اکثر حرام ہو۔ اگر حرام مغلوب اور

---

(۱) قال فی الشامیة : (قوله لو بما له الحلال) قال تاج الشریعة : اما لو انفق فی ذالك مالا خبیثاً وما لا سببه الخبیث والطیب فیکره، لان الله تعالیٰ لا یقبل الا الطیب ،فیکره تلویث بیته بما لا یقبله (کتاب الصلاة، مطلب فی احکام المسجد ۱/ ۶۵۸ ط. سعید)بنی مسجدا فی ارض غصب لا باس بالصلاة فیه الخ (شامیة کتاب الصلاة مطلب فی الصلاة فی ارض المغصوبة ۱ / ۳۸۱ ط . سعید)

(۲) لا یجب دعوة من کان غالب ماله حرام مالم یخبر انه حلال، وبالعکس یجیب مالم یتبین انه حرام (عالمگیریه : کتاب الکراهیة ،الباب الثانی عشر الهدایا والضیافات، ۲ / ۳۴۳ ط. ماجدیه)

(۳) وفی الروضة یجیب دعوة الفاسق ... ومن دعی الی ولیمة فوجد ثم لعبا وغناء فلا باس ان یقعد ویاکل فان قدر علی المنع یمنعهم وان لم یقدر یصبر وهذا اذا لم یکن مقتدی به اما اذا کان (مقتدی) ولم یقدر علی منعهم فانه یخرج ولا یقعد . (عالمگیریة ، کتاب الکراهیة ، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات ۵ /۳۴۳ ماجدیه)

(۴) (وبعض اصحابنا المتا خرین قال : یجوز (ای اخذ الا جرة) علی التعلیم والا مامة فی زماننا وعلیه الفتوی) لحاجة الناس الیه الخ (الا ختیار لتعلیل المختار، کتاب الاجارة ۲ / ۵۹ ط. استنبول)

حلال غالب ہو تو ایسے لوگوں سے چندہ لینا اور مدرسہ یا مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے۔(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

سودی اور غیر سودی رقم سے بنی ہوئی مسجد میں نماز

(سوال) ایک مسجد کواز سر نو تعمیر کرنے کے لئے مسلمانوں نے عام چندہ کیا۔ تقریباً دو سو روپیہ فراہم ہوا۔ ایک مکان والے نے بھی اپنے مکان کا سامان اس مسجد میں وقف کر دیا۔ ایک سود خور صاحب نے لوگوں سے کہا کہ تم لوگوں سے یہ مسجد تعمیر نہ ہوگی لہذا ہم اپنی ذاتی رقوم سے اس کی تعمیر کرائیں گے۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ سودی روپے سے مسجد نہیں بن سکتی اس پر اس نے کہا کہ ہم سودی روپیہ نہیں لگائیں گے۔ لوگوں نے اس کے اعتماد پر چھوڑ دیا۔ اس نے چندہ کی رقم اور اپنی رقم ملا کر بنوانا شروع کیا۔ جب تعمیر مکمل ہونے کے قریب تھی۔ اس وقت ایک شخص نے کہا کہ یہ روپیہ سودی تو نہیں ہے ؟ تو اس پر سود خور نے کہا کہ ہمارا سب روپیہ ایک ہی میں ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ سودی ہے یا نہیں ؟ اب لوگ کہتے ہیں کہ اس مسجد میں نماز جائز نہیں ہو سکتی۔

المستفتی نمبر ۸۲۸ زین الحق (غازی پور) ۱۱ محرم ۱۳۵۵ھ م ۳ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۱) اس مسجد میں نماز جائز ہے کیونکہ وہ مسجد قدیم ہے۔ تعمیر میں چندہ کا روپیہ بھی لگا ہے اور سود خوار کا بھی۔ تو سود خوار کا جس قدر روپیہ لگا ہے اگر وہ اطمینان دلائے کہ وہ روپیہ حلال کا تھا تو خیر ورنہ اتنا روپیہ اس کو واپس دے دیا جائے۔ اور نماز بہر حال مسجد میں جائز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

حرام و حلال رقم سے بنائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم۔
سود لینے والوں کی رقم مسجد پر لگانا۔

(سوال) ایک شخص کی آمدنی کے پانچ چھ ذریعے ہیں جن میں ایک سود کا کاروبار بھی ہے۔ جتنی لوگوں کو سودی روپیہ دیتا ہے اور اس کی قسطیں لیتا ہے۔ اس نے ایک پکی مسجد شہید کر کے اس طور پر پختہ بنوایا کہ پکی مسجد کو صحن کر دیا اور اس سے بعد کی زمین جو موقوفہ تھی اس میں مسجد بنوائی۔ اس تعمیر میں کچھ سامان مسجد سابقہ کا اور کچھ روپیہ باشندگان موضع کا صرف ہوا ہے۔ بقیہ روپیہ جو اس سے بہت زیادہ ہے اس شخص نے اپنے پاس سے لگایا ہے۔ جس قدر وقت تعمیر میں دو ایک مرتبہ کہا گیا کہ پاک روپیہ لگانا۔ اس نے کہا کہ ضرور پاک روپیہ لگاؤں گا۔ ایک مرتبہ اس سے کچھ بھی کہا گیا تو اس نے کہا کہ ہمارا روپیہ بنا نہیں ہے سب ملا جلا ہے۔ تو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر کوئی نقص ہے تو اس کے دفعیہ کی کیا صورت ہے ؟ مسجد مذکور کو شہید کر کے دوبارہ بنانا باشندگان موضع کے لئے ناممکن ہے۔

---

(۱) ولا يجوز قبول هدية امراء الجور لان الغالب في مالهم الحرمة الا اذا علم ان اكثر ماله حلال بان كان صاحب تجارة (الهندية كتاب الكراهية ، الباب الثاني عشر ۵ / ۳۴۲)

(۲) قال تاج الشريعة : اما لو انفق مالا خبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب يكره ، لان الله لا يقبل الا الطيب (رد المحتار كتاب الصلاة، مطلب كلمة لا بأس دليل على ان المستحب غيره ، لان البأس الشدة ۱ / ۶۵۸ ط سعيد)

(۳)جولوگ بدرجہ مجبوری کسی مہاجن کو سود دیتے ہیں حالانکہ وہ لوگ اس کو حرام جانتے ہیں تو ان کا فعل شرعاً کیسا ہے؟ اور ایسے لوگوں کا روپیہ مسجد میں یا کسی کار خیر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۸۵۸ محمد حبیب اللہ (غازی پور) ۲۲ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۲) اس مسجد میں نماز بلاشبہ درست ہے کیونکہ مسجد اور زمین تو پہلے سے وقف ہے اور تعمیر میں جو روپیہ اس شخص نے لگایا وہ بھی خالص حرام کا نہیں بلکہ مخلوط ہے۔ اس لئے مسجد حرام مال سے بنی ہوئی قرار نہیں دی جاسکتی۔ ہاں اگر ممکن ہو تو مسلمان تھوڑا تھوڑا کر کے اس کا روپیہ ادا کردیں۔(۱)

(۳) سود دینا اگرچہ حرام ہے۔ لیکن دینے والے کا اپنا مال مسجد میں لگانا درست ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ

جائز اور ناجائز مخلوط آمدنی سے کنواں اور مسجد بنوانا

(سوال) زید عرصہ دراز سے اپنا گھر بار چھوڑ کر افریقہ میں مقیم ہے اور وہاں سے اس نے دکان کھولی ہے جس میں اس نے خلاف شرع ناجائز چیزیں مثلاً شراب خنزیر وغیرہ رکھی ہے اور وہ ایک مرتبہ حج بیت اللہ سے بھی سرفراز ہو چکا ہے۔ اس نے وہاں چھ عرصہ کے کاروبار سے ایک معتد بہ رقم جمع کر کے ایک کنواں اپنے وطن میں قبرستان میں تعمیر کروایا۔ اور جہاں وہ اب مقیم ہے۔ (افریقہ میں) ایک مسجد بھی تعمیر کروائی۔ لیکن اہل افریقہ اور جہاں کا وہ پیدائشی ہے زید کی ان ہر دو تعمیرات سے جو اس نے اس رقم سے تعمیر کروائی نہایت ہی محترز ہیں۔ نہ وطن والے اس کنویں کو نہ اہل افریقہ اس مسجد کو استعمال کرتے ہیں۔ نیز ایک دوکان اپنی قوم کی پنچایت کے نام مخصوص کر دی ہے وہ بھی اسی مد میں ہے۔

المستفتی نمبر ۸۶۹ حاجی کریم بخش (شملہ) ۲۳ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۳) زید کی تجارت میں جائز اور ناجائز تجارت مخلوط ہوگی۔ اور اس کی جائز اور ناجائز آمدنی بھی مخلوط ہوگی۔ مسجد اور کنویں وغیرہ میں خالص حلال پیسہ لگانا چاہئے تھا۔ اگر اس(۳) نے ایسا انتظام کیا ہو کہ ان چیزوں میں حلال آمدنی خرچ کی ہو تو ان چیزوں کو کام میں لانا جائز ہے اور اگر مخلوط پیسہ ہی لگایا ہو تو ان کا ثواب اسے نہ ملے گا۔ مگر ان چیزوں کو برتنا جائز ہے۔ البتہ اگر خالص حرام کے پیسے سے بنی ہوں تو پھر استعمال کرنا بھی جائز نہیں۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱)وفی رد المحتار تحت قوله : بما له الحرام : قال تاج الشريعة : اما لو انفق مالا خبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب يكره لان الله لا يقبل الا الطيب (كتاب الصلاة ، مطلب كلمه لا باس دليل على ان المستحب غيره،لان الباس الشرق، ۱ ۶۵۸ ط سعيد)

(۲)وفی الروضة يجيب دعوة الفاسق والورع ان لايجيبه ، وفيها : ولا ينبغي للناس ان ياكلوا من اطعمة الظلمة لتقبيح الامر عليهم وزجر هم عما ير تكبون وان كان يحل كذافي الغرائب كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات ۵ ۳۴۲، ۳۴۳ ط ماجدية)

(۳) اما لو انفق في ذالك مالا خبيثا وما لا سببه الخبيث والطيب فيكره (الشاميه ، كتاب الصلاة مطلب في احكام المسجد ، ۱ ۶۵۸ ط سعيد)

(۴) في العالمگيرية ولا يجوز قبول هدية امراء الجور لان الغالب في مالهم الحرمة ، الا اذا علم ان اكثر ماله حلال بان كان صاحب تجارة او زرع فلا باس به لان اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب. وكذا اكل طعامهم كذافي الاختيار لتعليل المختار شرح المختار (كتاب الكراهية الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات ،ط ماجدية،كوئٹه ۵ ۳۴۲)

سٹہ کا نمبر بتاکر کمائی ہوئی آمدنی مسجد پر خرچ کرنا

(سوال) زید جو ایک فاسق آدمی ہے شریعت کا پابند نہیں اور جس کی کمائی یہ ہے کہ وہ سٹہ کا نمبر بتابتا کر پیسہ وصول کرتا ہے کہ فلاں نمبر کھلے گا اور فلاں نہیں گو وہ خود نہیں کھیلتا۔ اس نے ایک مسجد میں فرش لگوایا دروازہ بنوایا اور کنویں میں پمپ لگوایا۔ اس مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۹۴۲ احمد نور خاں (اندور) ۲۸ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۰ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ٥٤) سٹہ کا نمبر بتاکر پیسہ وصول کرنا کمائی کا ناجائز ذریعہ ہے۔ اس ذریعہ سے حاصل کیا ہوا مال شرعی مال طیب نہیں۔(۱) لہذا ایسے مال کو مسجد میں لگانا ناجائز ہے اور اسے روکا جاسکتا ہے۔ اگر کسی مسجد میں جو پہلے سے شرعی مسجد ہے اس قسم کے غیر طیب مال سے کوئی تعمیر کرائی گئی ہو تو اس مسجد میں نماز تو جائز ہے کیونکہ وہ پہلے سے باقاعدہ مسجد ہے۔ البتہ ان اشیاء سے نفع اٹھانا مکروہ ہے اور اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ فرش پر جو خراب مال سے لگوایا گیا ہے اپنا کپڑا بچھالیا جائے۔ نل سے وضو نہ کیا جائے وغیرہ۔ اور ان چیزوں کی لاگت اگر پاک مال سے ادا کردی جائے تو یہ چیزیں قابل انتفاع ہو جائیں گی۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

مخنث کی کمائی سے بنائی ہوئی مسجد کا حکم

(سوال) اگر کوئی مخنث شخص اپنے کسب کردہ مال سے مسجد بنوائے تو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور وہ مسجد مسجدوں کے حکم میں ہوگی یا نہیں۔ اور مخنث کا ذریعہ کسب گانا بجانا اور بلا ضرورت سوال کرنا اور مانگنا اور بچوں کی پیدائش کے وقت مسلم و غیر مسلم سے مبارکبادی کے ذریعہ رقم وصول کرنا ہوتا ہے۔ اگر جائز نہ ہو تو اس صورت میں کوئی مسلمان اپنے حلال مال سے اس مخنث کو رقم صرف کردہ دے کر اس مسجد کو احکام مسجد میں کرسکتا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۱۱۵ مولوی عبدالعزیز صاحب (ڈیرہ اسمٰعیل خاں) ۱۷ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۶ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ٥٥) اگر یہ مسجد مسجد قدیم ہے اس کی تعمیر جدید ہیجڑے نے اپنے مال حرام سے کی ہے تو وہ مسجد تو حقیقۃً مسجد ہے۔ تعمیر جدید میں حرام مال لگائے جانے سے اصل مسجد حکم مسجدیت سے نہیں نکل سکتی اس میں نماز جائز اور مسجد ثواب بھی ملے گا۔ ہاں حرام مال کی تعمیر سے نفع اٹھانا موجب کراہت ہے۔(۳) تو اگر کوئی مسلمان اس کو اس کی خرچ کی ہوئی رقم واپس کردے تو پھر مسجد میں بلا کراہت نماز درست ہے۔ اور اگر مسجد کی زمین بھی اس ہیجڑے کی وقف کردہ ہے تو وہ مسجد مسجد شرعی نہیں ہوئی اور اس میں مسجد کا ثواب نہیں اگرچہ

(۱) انما الخمر والميسر رجس من عمل الشيطان ، الآية

(۲) (قوله لو بما له الحلال) قال تاج الشريعة : اما لو انفق في ذالك ما لا خبيثاً وما لا سببه الخبيث والطيب، فيكره ، لان الله تعالىٰ لا يقبل الا الطيب، فيكره تلويث بيته ما لا يقبله اه شرنبلالية .(الشامية ، كتاب الصلاة ،مطلب كلمة لا باس دليل على ان المستحب غيره ، لان الباس الشدة ، قبيل مطلب في افضل المساجد ، ۱/ ٦٥٨ ط. سعيد) (قلت استفيد منه الكراهة اذا كان ماله مختلطا بالطيب والخبيث ، واما الحرام الخالص فهواشد، فينبغي ان لا يجوز)

(۳) حوالہ بالا نمبر ۲

اس میں نماز بکراہت ادا ہو جائے گی۔ لیکن مسجد کا ثواب نہ ہوگا۔(۱) اور اس صورت میں بھی اگر اس کی خرچ کی ہوئی رقم اس کو دے دی جائے اور رقم ادا کرنے والا اس کو اپنی طرف سے مسجد قرار دے دے تو پھر وہ صحیح طور پر مسجد ہو جائے گی۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

رنڈیوں اور ہیجڑوں کی تعمیر کردہ مساجد میں نماز پڑھنا

(سوال) رنڈیوں اور ہیجڑوں کی تعمیر کردہ مساجد میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟
(۱) جو علماء کہ نماز پڑھنے کا حکم فرماتے ہیں وہ اپنی دلیل میں بیت اللہ یعنی کعبہ شریف و بیت المقدس کی تعمیر کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ (۲) جو علماء کہ نماز ناجائز ہونے کی دلیل پیش کرتے ہیں وہ مسجد ضرار تعمیر کردہ منافقین کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۱۳۷۵ محمد شفیع خان (فیروز آباد آگرہ) ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۰ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۶) ایسی مسجدوں میں جو رنڈیوں اور ہیجڑوں کی تعمیر کردہ ہوں نماز جائز تو ہے مگر مسجد کا ثواب نہیں ملتا۔(۳) اگر مسجدوں کے بانی موجود ہوں اور ان کو ان مساجد کی لاگت کی رقم مال حلال سے ادا کر دی جائے تو وہ جائز مسجدیں ہو جائیں گی۔ فقط(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

پیشہ ور زانیہ عورت کی کمائی کی مسجد میں نماز پڑھنا

(سوال) عرصہ ۳۵ سال کا گذرا ایک زانیہ عورت (رنڈی) جو کہ زنا کا پیشہ کرتی تھی ایک عورت رئیس کے پاس رہتی تھی۔ اس کے پاس اس کی کمائی ناجائز سے دس پندرہ ہزار روپیہ تھا۔ اس نے خیال کیا کہ اگر اس روپے سے ایک جامع مسجد قصبہ کے اندر تعمیر کرا دی جائے تو بہت ثواب ہو۔ اس خیال سے اس قصبہ کے اندر ایک جامع مسجد بڑی عالی شان ہوا دی۔ مسجد تیار ہونے پر مسلمانوں سے نماز پڑھنے کے لئے کہا گیا تو مسلمانوں اور مولویوں نے یہ اعتراض پیدا کیا کہ یہ مسجد رنڈی کے سرمایہ سے بنی ہے لہذا ہماری نماز اس میں نہیں ہوگی۔ اور سب مسلمانوں نے اس مسجد میں نماز پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد اس رنڈی نے مسلمانوں کو یہ دھمکی دی کہ تم لوگ اگر اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتے ہو تو میں اس مسجد میں ٹھاکر جی کا بت رکھوا کر مندر بنوا دوں گی۔ اس کلمہ کے سنتے ہی چند پیر صاحبان اور مولوی صاحبان نے یہ فتویٰ دیا کہ بت خانہ سے تو مسجد ہزار درجہ بہتر ہے اور سب مسلمان اس مسجد میں نماز پڑھنے لگے۔ جب سے اب تک ۳۰۔ ۳۵ سال کا عرصہ گذرا ہوگا برابر اس

(۱) بنی مسجداً علی سور المدینة لا ینبغی ان یصلی فیه ... فالصلاة فیها مکروهة تحریما فی قول و غیر صحیحة فی قول (الشامیة، کتاب الصلاة، مطلب فی الصلاة فی الارض المغصوبة ج : ۱ / ۳۸۱، سعید)
(۲) بنی مسجداً فی ارض غصب، لا باس بالصلاة فیه (شامیة، کتاب الصلاة، مطلب فی الصلاة فی الارض المغصوبه ۱ / ۳۸۱)
(۳) تکره الصلاة فی ارض مغصوبة اوللغیر (درمختار، کتاب الصلاة : ۱ / ۳۸۱ ط. سعید)
(۴) مایاخذ من المال ظلما، ویخلطه بما له وبمال مظلوم آخر یصیر ملکا له ... نعم لا یباح الا نتفاع به قبل اداء البدل فی الصحیح من المذهب (ردالمحتار کتاب الزکاة، مطلب فی التصرف من مانحرام ۲ / ۲۹۲ ط. سعید)

مسجد میں عیدین و جمعہ و پنجوقتہ نمازیں پڑھی جا رہی ہیں۔ لیکن اتنا عرصہ نکل جانے کے بعد اب چند مولوی صاحبان اس مسجد میں نماز پڑھنے کو ناجائز بتاتے ہیں تو اب ہم مسلمانان قصبہ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں کہ اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور جب ہم لوگ اس مسجد میں نماز نہ پڑھیں گے تو وہ مسجد فی الحال بنی ہے ویران ہو جائے گی تو اس میں ہم لوگ گنہگار ہوں گے یا نہیں۔ اب اس عالی شان مسجد کو قفل لگا کر بند کر دینا چاہئے یا کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی نمبر ۲۱۹ محبوب خاں صاحب (ریاست دھولپور) ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۷ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۷) اس مسجد میں نماز ہو جاتی ہے۔(۱) اس کو چھوڑ دینا اور ویران کر دینا مناسب نہیں۔ (۲) جب اس کا کوئی مالک نہیں تو مسلمان اس پر قابض ہیں اور وہ اس کو مسجد قرار دے سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

ذاتی چیز بیچ کر اس کی قیمت سے بنائی ہوئی مسجد کا حکم

(سوال) ایک شخص نے مسجد کے واسطے ایک گائے کا بچہ یعنی بیل لے جا کر مسجد کے مصلیوں سے پوچھا کہ یہ بچہ آپ لوگوں کے واسطے چھوڑ دیتا ہوں۔ یہ بیل بڑا ہو کر ہندوؤں اور مسلمانوں کی زراعت کا نقصان کرے گا جب بڑا ہو جائے تب اس کو بیچ کر جو قیمت حاصل ہوگی اس سے یہ مسجد کی چھوٹی [illegible] دیا جائے گا۔ [illegible] اس قسم سے چھوڑے ہوئے بیل کی قیمت سے مسجد بنانا یا مرمت کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر واقعی میں کوئی شخص اس قسم کی مسجد بنا دے تب اس میں نماز پڑھنا بھی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۲۳۱ مولوی عبدالقادر صاحب [illegible] ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۲ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۸) وہ بیل چھوڑ دینے سے بدستور اسی کی ملکیت میں رہا۔ اس شخص کی ملک سے خارج نہیں ہوا۔ پس اگرچہ اس کا یہ فعل ناجائز تھا کہ بیل کو دوسرے لوگوں کی کھیتی خراب کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا لیکن بیل کا وہ مالک تھا اور جب اس نے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد میں لگا دی تو وہ مسجدیت میں کوئی خلل پیدا نہیں کرے گی۔ مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہوگا۔ اور بیل نے جن لوگوں کی کھیتی خراب کی ہے ان کے نقصانات کا ضمان اس شخص کے ذمہ واجب ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) بنی مسجدا في أرض غصب لا بأس بالصلاة فيه (الشامية، كتاب الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة ۱/ ۳۸۱ [illegible]) [illegible] قوله وشرطه شرط سائر التبرعات) افاد ان الواقف لابد ان يكون مالكه وقت الوقف ملكا [illegible] ولو بسبب فاسد [illegible] بعد القبض وعليه القيمة للبائع [illegible] كالشراء والهبة الفاسدة بعد القبض [illegible] كتاب الوقف ۴/ ۳۴۰ ط سعيد)
(۲) في الكبرى: مسجد مبني [illegible] وسيه [illegible] الحكم [illegible] لأنه ليس له ذلك [illegible] بكن [illegible] تحت المسجد (عالمگیریہ كتاب الوقف الباب الحادي عشر ۲/ ۴۵۷ ط ماجدیہ)
(۳) قوله وشرطه شرط سائر التبرعات) افاد ان الواقف لابد ان يكون مالكه وقت الوقف ملكا [illegible] كتاب الوقف ۴/ ۳۴۰ ط سعيد)
(۴) قال في الشامية (قوله من هدم حائط غيره ضمن نقصانه) في شرح الغاية للعلامة قاسم [illegible] بعد الهدم [illegible] وضمنه النقصان [illegible] بعمارته على الهيئة كما كان لأن الحائط ليس من ذوات الأمثال [illegible] (الشامية كتاب الغصب مطلب فيمن هدم حائط ج ۶ صفحہ ۱۸۱ سعيد)

سود کا روپیہ مسجد پر لگانا ناجائز ہے

(سوال) سود کا روپیہ مسجد یا مدرسہ میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۵۹) سود کا روپیہ نہ مسجد میں لگایا جاسکتا ہے نہ مدرسہ میں۔(۱) وہ تو جس سے لیا ہے اس کو واپس دیا جائے یہ ممکن نہ ہو تو خیرات کردیا جائے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حرام مال سے، یا قرض لے کر مسجد تعمیر کرنا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ [illegible] ۱۹۲۵ء)

(سوال) اگر کوئی زن بازاری خود یا مسلمان اپنا مال جو کہ بذریعہ کسب حرام ایک ہندو آشنا سے اس نے حاصل کیا ہے، تعمیر صحن مسجد میں صرف کرنا چاہے تو مسلمانوں کو وہ مال لینا چاہئے یا قبول؟ اگر وہ عورت بقدر تعمیر صحن مسجد کے روپیہ قرض لے کر تعمیر صحن میں صرف کردے اور قرضہ اپنے مال سے ادا کردے تو اس کو اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ مال حرام سے تعمیر مسجد جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۶۰) خاص وہ مال جو اس نے حرام ذریعہ سے حاصل کیا ہے ہرگز نہیں لینا چاہئے۔ مال حرام سے مسجد کی تعمیر ناجائز ہے۔(۳) اور قرض سے اگر وہ صحن مسجد تعمیر کرائے تو جائز ہے۔(۴) اور اگر مسلمان اجازت دے دیں تو ان پر بھی کوئی الزام نہیں۔ کیونکہ قرض سے جو مال اس نے حاصل کیا ہے وہ حلال ہے اور یہ لازم نہیں آتا کہ مسجد میں مال حرام لگایا گیا۔ آئندہ ادائے قرض کا معاملہ اس کے اور دائن (قرض خواہ) کے درمیان ہے وہ جانے اور اس کا قرض خواہ۔ اگر دائن غیر مسلم ہو تو ہمیں اس سے بحث نہیں۔ اگر مسلمان ہو تو اس کو اپنے قرضے میں مال حرام لینا جائز نہ ہوگا۔(۵) محمد کفایت اللہ غفر لہ

سودی اور ووٹ کے عوض لی ہوئی رقم مسجد پر لگانا

(الجمعیۃ مورخہ ۹ فروری ۱۹۳۳ء)

(سوال) (۱) اگر کسی شخص نے بنک کا سود لے کر مسجد بنانے میں خرچ کردیا تو کیسا ہے؟

(۲) ووٹ دینے سے جو روپیہ [illegible] ملتا ہے اس سے مسجد عیدگاہ اور قبرستان بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

(جواب ۶۱) (۱) بنک سے جو سود کا روپیہ ملے وہ روپیہ صدقہ کردینا چاہئے مسجد میں نہیں لگانا چاہئے۔

---

(۱) لا یجوز قبول ہدیۃ امراء الجور لان الغالب فی مالہم الحرمۃ (عالمگیریۃ، کتاب الکراہیۃ [illegible] ج: ۵ صفحہ ۳۴۲)

(۲) وعلی ہذا قالوا: لو مات الرجل وکسبہ من بیع الباذق او الظلم او اخذ الرشوۃ یتورع الورثۃ ولا یاخذون منہ شیئا وہو اولی بہم ویردونہ علی اربابہ ان عرفوہم والا تصدقوا بہا لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبہ (رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع ج: ۶ ص ۳۸۹، سعید)

(۳) [illegible] ایضاً بحوالہ [illegible] ۴ صفحہ ۲۶۷

(۴) لان الملک ما من شانہ ان یتصرف فیہ بوصف الاختصاص (رد المحتار، کتاب الوقف، ج: ۴ ص ۵۰۲، سعید)

(۵) ویملک القرض المستقرض بالقرض الصحیح (رد المحتار، فصل فی القرض، ج ۵ ص ۱۶۱، سعید)

(۶) لو کان الخبیث نصابا لا یلزمہ الزکوٰۃ لان الکل واجب التصدق علیہ فلا یفید ایجاب التصدق ببعضہ (رد المحتار، کتاب الزکاۃ، باب زکوٰۃ الغنم، ج ۲ ص ۲۹۱، سعید)

(۲) ووٹ کی قیمت لینا جائز نہیں(۱) اور اس پیسے کو مسجد میں لگانا بھی جائز نہیں   محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ،

فصل یازدہم
سمت قبلہ

صحیح سمت قبلہ سے منحرف مسجد کو گرا کر دوبارہ تعمیر کرنا

(سوال) ایک مسجد زیادہ ٹیڑھی بن گئی اور بعد مدت کے معلوم ہوا کہ ٹیڑھی ہے تو اس کو منہدم کر دینا چاہئے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۴۰۵ منشی عبدالوحید صاحب (ضلع بلند شہر) ۷ صفر ۱۳۵۶ھ م ۱۸ اپریل سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۶۲) اگر اس کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کرنے کا سامان ہو تو منہدم کر کے جدید تعمیر کر لینا جائز ہے اور جب تک اس کی وسعت نہ ہو تو اس میں صحیح خطوط صفوں کے قائم کر کے نماز ادا کرنی چاہئے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

فصل دوازدہم
غیر مسلم کا مال مسجد میں لگانا

غیر مسلم کی زمین اور مال مسجد کے استعمال میں لانا

(سوال) (۱) اگر کوئی کافر یا مشرک ہندو بغیر عوض زمین دے تو اس زمین پر مسجد بنانا ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) مسجد میں کافر یا مشرک (ہندو) روپیہ وغیرہ کی امداد کرے تو وہ لینا جائز ہے یا نہیں۔ (۳) اگر بجائے روپیہ، اینٹ، چونا، پتھر، لکڑی وغیرہ کی رعایتاً امداد کرے تو وہ بھی قبول ہو سکتی ہے یا نہیں۔ (۴) مندرجہ بالا امداد کی بناء پر جو مسجد تعمیر ہوئی ہو آیا اس مسجد میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۶۷۳ فقیر سید منور علی صاحب (ہمت نگر) ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۴ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۶۳) (۱) اگر ہندو اپنی خوشی سے زمین کسی مسلمان کو دے دے اور وہ مسلمان اس زمین کو اپنی طرف سے مسجد کے لئے وقف کر دے اور اس پر مسجد بنائی جائے تو جائز ہے اور مسجد صحیح طور پر مسجد ہو جائے گی۔(۳)

(۱) ولا یجوز اخذ المال لیفعل الواجب . (رد المحتار ، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوۃ والھدیۃ ، ج : ۵: ۳۶۲ ، سعید)

(۲) مسجد مبنی اراد رجل ان ینقضہ ویبنیہ ثانیاً احکم من البناء الاول ، لیس لہ ذلک لانہ لا ولایۃ لہ کذا فی المضمرات وفی النوازل : الا ان یخاف ان ینھدم ، کذافی التاتار خانیۃ، وتاویلہ اذالم یکن البانی من اھل تلک المحلۃ ، واما اھل تلک المحلۃ فلھم ان یھدموا ویجددوا بناءہ ویفرشوا الحصیر ویعلقوا القنادیل ، لکن من مال انفسھم ، اما من مال المسجد فلیس لھم ذلک الا بامر القاضی .(عالمگیریہ، الباب الحادی عشر ، ج : ۲ /۴۵۷ ، ماجدیہ)

(۳) قال صاحب الدر المختار فی کتاب الوقف (وسببہ اداء ۃ محبوب النفس) فی الدنیا ببرالاحباب فی الآخرۃ بالثواب یعنی بالنیۃ من اھلھا، لانہ مباح بدلیل صحتہ من الکافر، وقال العلامۃ الشامی : یعنی قدیکون مباحاً کما، عبر فی البحر، والمراد انہ لیس موضوعا للتعبد بہ کالصلاۃ والحج بحیث لایصح من الکافر اصلا بل التقریب بہ موقوف علی نیۃ القربۃ، منھو بدونھا مباح حتی یصح من الکافر کالعتق والنکاح. (ردالمحتار کتاب الوقف اوائلہ، ص ۳۳۹ ط سعید) قال (ومصرف الجزیۃ والخراج ومال التغلبی وھدیتھم الخ)...... (مصالحنا وکذاثغور وبناء قنطرۃ وجسر وکفایۃ العلماء) قال العلامۃ الشامی، لقولہ وبناء قنطرۃ وجسر) ... ومثلہ بناء مسجد وحوض، ورباط...... وکذا النفقۃ علی المساجد کمافی زکاۃ الخانیۃ، فیدخل فیہ الصرف علی اقامہ شعائرھامن وظائف الامامۃ والاذان ونحوھما بحر (ردالمحتار ، کتاب الجہاد، مطلب فی مصارف بیت المال، ۲۱۷/۴، ط. سعید)

(۲) اسی طرح کافر کی دی ہوئی چیز مسجد میں لگانی بھی جائز ہے۔ یعنی کافر اپنی خوشی سے کسی مسلمانوں کو کوئی چیز دے دے اور وہ مسلمان اپنی طرف سے مسجد میں لگادے۔(۱) (۳) اس کا حکم بھی وہی ہے جو نمبر ۲ میں لکھا گیا ۔(۲) (۴) نمبر ایک کا جواب دیکھو۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

غیر مسلم کی رقم سے تعمیر شدہ مسجد میں نماز پڑھنا

(سوال) ایک قدیم زمانہ کی بہت پرانی مسجد ہے جو ایسی جگہ واقع ہے کہ جس کے پس و پیش آج سے چند سال پیشتر مسلم آبادی کی ایک زبردست گنجان تھی۔ تقریباً دس گیارہ سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ یوروپین کمپنی نے ایک غیر مسلم زمیندار سے جٹ میل کی تعمیر کے لئے ایک وسیع سے وسیع تر خطہ زمین خرید کرلی۔ چنانچہ جامع مسجد بھی وسط زمین پر گئی۔ اب کمپنی نے آبادی کو ہٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کی کوشش اور زور لگایااور باشندوں پر جگہ چھوڑ دینے کے لئے نہایت جبرو تشدد کرنا شروع کیا۔ آخر کار یہ لوگ مجبور ہو کر اس جگہ کو خیرباد کہتے ہوئے مختلف سمت میں منتشر ہو کر بودوباش اختیار کر چکے ہیں۔ اب ان حضرات کو اس مسجد کے ساتھ دور کا تعلق بھی باقی نہیں رہا کیونکہ کمپنی نے شہر پناہ کی طرف چار دیواری کھینچ دی اور مسجد ایک گوشہ بیابان پر گئی۔ جہاں بازاری اور آبادی کے لوگوں کا گذر شاذونادر ہوتا ہے۔ اب کمپنی کی یہ سعی و کوشش ہونے لگی کہ مسجد کو شہید کردیا جائے اور عیدگاہ کی زمین پر جو عین مسجد سے متصل ہے مشرقی و جنوبی حصہ پر پڑتی ہے قبضہ کرلیا جائے یا معاوضہ میں مسلمان جہاں کہیں بھی دوسری جگہ منتخب اور پسند کریں مسجد بنوادی جائے اور عیدگاہ کے لئے بھی زمین دی جائے۔ لیکن اس جٹ میل کی مسلم مزدور پارٹی نے اس بات سے انکار کردیا کہ اسلامی مذہب ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ دوسری جگہ مسجد بنوائی جائے۔ غرض یہ کہ کمپنی کو اس حرکت ناشائستہ سے باز رکھنے کے لئے ان ہی مزدور غریب نے انتہائے جوش و خروش کے ساتھ جانی و مالی ایثار و قربانی کا نمایاں طریقہ پر ثبوت پیش کیا۔ اس سلسلہ میں چھ سات سال تک کمپنی سے مقدمہ بازیاں بھی ہوتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کمپنی نے مسلمانوں کے مطالبات منظور کرکے باہمی مقدمہ بازی کا تصفیہ کرلیا کیونکہ مسجد کی صیانت و حفاظت اور آبادی کا دارومدار اب ان ہی غریب مزدوروں پر ہے جن کا رہنا سہنا جٹ میل کی چار دیواری کے اندر اندر ہے۔ لہذا تصفیہ مقدمہ کے موقع پر کمپنی نے برضا رغبت اپنے مزدوروں کی مزید سہولت کے لئے باضابطہ برقی روشنی اور وضو کے لئے مسجد میں حوض اور پانی کا انتظام کردیا ہے۔ اب اس کے متعلق مندرجہ ذیل مسائل دریافت طلب ہیں۔

(۱) حوض اور پانی کا نظم نیز برقی روشنی کا انتظام مسجد میں جو یوروپین کمپنی کی طرف سے ملا ہوا ہے کیا اس پانی سے

....

(۱) (۲)(۳) قال صاحب الدر المختار فی کتاب الوقف (وسببه اداء ة محبوب النفس) فی الدنیا ببر الاحباب فی الآخرة بالثواب یعنی بالنیة من اهلها، لانه مباح بدلیل صحته من الکافر، وقال العلامة الشامی : یعنی فقد یکون مباحاً کما، عبر فی البحر، والمراد انه لیس موضوعا للتعبد به کالصلاة والحج بحیث لا یصح من الکافر اصلا بل التقریب به موقوف علی نیة القربة، فهو بدونها مباح حتی یصح من الکافر کالعتق والنکاح. (ردالمحتار کتاب الوقف اوائله، ص ۳۳۹ ط سعید) قال (ومصرف الجزیة والخراج ومال التغلبی وهدیتهم الخ)..... (مصالحنا وکذا تغور وبناء قنطرة وجسر وکفایة العلماء) قال العلامة الشامی، لقوله وبناء قنطرة وجسر)..... ومثله بناء مسجد وحوض، ورباط..... وکذا النفقة علی المساجد کما فی زکاة الخانیة، فیدخل فیه الصرف علی اقامة شعائرها من وظائف الامامة والاذان ونحوهما بحر (ردالمحتار ، کتاب الجهاد، مطلب فی مصارف بیت المال، ۲۱۷/۴، ط. سعید)

وضو کرنا اور حالت نماز میں اس روشنی سے فائدہ اٹھانا شرعاً جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟
(۲) وہ مسجدیں جن کو یوروپین کمپنی نے عام مسلمانوں کو نماز پڑھنے کے واسطے ذاتی اخراجات سے بنوادیا ہے کیا وہ مسجدیں مسجد بنائی جا سکتی ہیں یا نہیں۔
(۳) مسجد میں نماز پڑھنے کی جو فضیلتیں اور بزرگیاں قرآن اور حدیث میں آئی ہیں وہ کمپنی کی بنوائی مسجدوں میں حاصل ہو سکتی ہیں یا نہیں۔
(۴) کمپنی از سر نو تعمیر کرنا چاہتی ہے۔ کیا شرعاً تعمیر کروائی جا سکتی ہے یا نہیں۔
(۵) کمپنی نے مفاہمت اور مصالحت مقدمہ کے سلسلہ میں جو زمین کہ نماز عیدین کے لئے چھوڑ دی ہے اس عیدگاہ میں نماز عیدین جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۲ حافظ عبدالکریم انصاری۔ ضلع ہگلی ۳ رجب ۱۳۵۶ھ م ۹ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٦٤) (۱) بلاشبہ جائز ہے۔(۱) (۲) اگر وہ مسجدیں کسی مسجد کے معاوضہ میں نہیں بلکہ ابتدائی طور پر کمپنی نے از خود بنادی ہیں اور مسلمانوں کو دے دی ہیں تو ان میں نماز پڑھنا جائز ہے۔(۲) (۳) اگر کمپنی نے اپنے مالکانہ حقوق سے دستبرداری کرلی ہو اور مسلمان مسجد کے متعلق پورے بااختیار ہوں تو مسجد کا ثواب بھی ملے گا۔(۲) (۴) کمپنی کو چاہئے کہ مسلمانوں کو روپیہ دے دے اور مسلمان اپنے اہتمام سے تعمیر کریں تو یہ جائز ہے۔(۱) (۵) جائز ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

مسجد پر کافر کا روپیہ خرچ کر کے اس میں نماز پڑھنا

(سوال) اگر کافر نماز پڑھنے کے لئے مسجد بنادے تو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
(۲) مسجد بنانے میں کافر کا روپیہ خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۴۳۳ مولوی عبدالحق امام مسجد دوحد ضلع پنچ محل ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ ۲۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ٦٥) (۱) کافر اگر مسجد تعمیر کر کے مسلمانوں کو بخش دے اور مسلمان اس کو مسجد قرار دے کر نماز پڑھیں تو جائز ہے۔(۱) (۲) مسجد میں کافر کا روپیہ جب کہ اس نے اپنی خوشی سے دیا ہو لے کر خرچ کرنا مباح ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

ہندو کا مال مسجد میں لگانا

(سوال) ہندو کا مال مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ المستفتی محمد سلیمان پٹیالوی

(جواب ٦٦) ہندو اگر اپنی خوشی سے کوئی مال دے دے تو اسے مسجد میں لگانا درست ہے البتہ اس سے مسجد کے لئے طلب کرنا نہیں چاہئے۔(۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔

(۱) قال فی الدر المختار (ومصرف الجزیة والخراج ومال التغلبی وهدیتهم الخ)۔۔۔ مصالحنا الخ وفی الشامیة (قوله وبناء قنطرة وجسر) مثله بناء المسجد الخ (٤/٢١٧)

(۸،۷،۵،۲) ولو قال یسرج به بیت المقدس او یجعل فی مرمة بیت المقدس جاز۔ (عالمگیریه کتاب الوقف، الباب الاول، ج: ۲، ص ۳۵۳، ماجدیه)

(٦،٤،٣) ونظیره (ای تبدل الملك كتبدل العین) المشتری شراء فاسداً اذا أباح لغیره لایطیب له ذلك، ولو ملكه یطیب. (هدایه، باب موت المكاتب، ج: ۳/ ۳۳۹، شركة علمیه ملتان)

الجواب صحیح۔ بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔

مسجد میں ہندو کا مال لگانا بلا حیلہ درست نہیں۔ مولوی عبدالحئی صاحب مرحوم لکھتے ہیں

"حسب تصریح معتبرات مال ہنود کا تعمیر معبد خاصہ اہل اسلام میں صرف کرنا درست نہیں ہے۔ بناء علیہ صورت مسئلہ میں روپیہ ہنود کا خواہ بتحریک غیر خواہ بلا تحریک دیں نہیں لینا چاہئے۔" (فتاوی عبدالحئی ص ۳۴۳) نیز ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ کے تحت میں صاحب مدارک لکھتے ہیں۔ عبارتہا مااسترم منها وقمها وتنظيفها وتنويرها بالمصابيح الخ۔(۲) سراج المنیر میں ہے۔ ماینبغی للمشرکین ان یعمروا مساجد الله بدخوله والقعود فيه وخدمته وذهب جماعة الى ان المراد منه العمارة المعروفة من بناء المسجد وترميمه عند خرابه الخ۔(۳) احمدی۔ ماصح للمشركين ومااستقام لهم الجمع بين المتنافيين عمارة بيت الله وعبادة غيره تعلم منه ان البناء الجديد ممنوع لهم بالطريق الاولى فان اراد كافران يبني مساجد اويعمر يمنع منه الخ۔(۴)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو کا مال مسجد میں نہ لگانا چاہئے۔ ہاں کسی مسلمان سے قرض لے کر مسجد میں لگادیا جائے پھر اس قرض کو ہندو ادا کردے۔ جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے زر رشوت کے بارے میں لکھا ہے کہ قرض لے کر مسجد میں لگادیا جائے اور وہ قرض زر رشوت سے ادا کردیا جائے۔ اسی قیاس پر ہندو کے مال سے روزہ افطار کرنا بھی ہونا چاہئے کیونکہ قربت محضہ ہے۔ محمد عبداللطیف عفاعنہ مدرسہ فتح پوری۔ دہلی

اقول وبالله التوفیق۔ اصل سوال یہ تھا کہ مسجد میں ہندو کا مال لگانا درست ہے یا نہیں۔ خاکسار نے اس کے جواب میں لکھا کہ ہندو اگر اپنی خوشی سے کوئی مال دے دے تو اسے مسجد میں لگانا درست ہے۔ البتہ اس سے مسجد کے لئے طلب کرنا نہیں چاہئے۔ خاکسار کے اس مختصر جواب کی صحت بعض افاضل پر واضح نہ ہوئی اور مولانا عبدالحئی لکھنوی اور بعض کتب تفسیر کی عبارتوں سے ان کو اشتباہ ہو گیا اس لئے تھوڑی سی تفصیل کرنی مناسب ہے۔ ہندو کا مال مسجد میں لگانے کی کئی صورتیں ہیں۔

اول یہ کہ ہندو کوئی مال کسی مسلمان کو ہبہ کردے اور مسلمان اس مال کا مالک ہو کر اپنی جانب سے مسجد میں لگادے۔ مثلاً ہندو نے پختہ اینٹیں مسلمانوں کو دے دیں اور انہیں مالک بنادیا اور مسلمانوں نے یہ اینٹیں مسجد میں لگادیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہندو نے کچھ روپیہ مسلمانوں کو دیا اور انہیں مالک بنادیا اور مسلمانوں نے اس روپے کو مسجد کی تعمیر میں خرچ کردیا۔ تیسری صورت یہ کہ ہندو نے کچھ سامان مثلاً اینٹ چونہ مسلمانوں کو اس طرح دیا کہ یہ سامان تم اپنی مسجد میں لگاؤ۔ یعنی مسلمانوں کو تملیک نہیں کی بلکہ انہیں لگانے کا وکیل بنا کردیا۔

---

(۱) (مجموعة فتاوی عبدالحي كتاب المساجد، ص ۱۷٦ ط. سعيد) (اس کی عبارت یہ ہے۔ سوال۔ مسجد کی تعمیر میں ہندو کا روپیہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب: نہیں۔)

(۲) (تفسير المدارك، ۱/٦۱۳ سورة التوبة الجزء العاشر، رقم الايه نمبر ۱۷)

(۳، ٤) (التفسيرات الاحمدية في بيان الآيات الشرعية، سورة التوبة، الجزء العاشر، رقم الايه نمبر ۱۷، ۱/٤٥٤ المطبع الكريمي الواقع في بمبئی)

چوتھی صورت یہ کہ اس نے اسی طرح روپیہ مسلمانوں کو دیا کہ یہ روپیہ مسجد کی تعمیر میں خرچ کرو۔ پانچویں صورت یہ کہ کسی شکستہ مسجد کی کسی ہندو نے خود مرمت کرائی اور اپنا سامان یا روپیہ اس کی مرمت میں یا تعمیر میں خرچ کیا اور منتظم تعمیر بھی خود رہا۔

یہ پانچ صورتیں ہیں جن کا حکم خاکسار کے خیال میں یہ ہے :۔

پہلی اور دوسری صورت میں تو غالباً کسی کو اختلاف نہ ہوگا کہ جائز ہے۔ کیونکہ جب ہندو نے سامان یا روپے کا مالک مسلمانوں کو بنادیا تو اب وہ ہندو کا مال ہی نہ رہا بلکہ تبدل ملک سے حکماً تبدل عین ہو کر وہ مال مسلمانوں کا مال ہو کر مسجد میں لگا اور اس کے جواز میں کوئی اشتباہ نہیں اور یہی میرے جواب مذکورہ بالا کا مصداق ہے کہ "ہندو اگر اپنی خوشی سے کوئی مال مسلمانوں کو دے دے تو اسے مسجد میں لگانا درست ہے۔ البتہ اس سے مسجد کے لئے مانگنا نہیں چاہئے۔"(۱)

تیسری اور چوتھی صورت کا حکم یہ ہے کہ خاکسار کے خیال میں یہ صورتیں بھی جائز ہیں۔ کیونکہ کافروں کا مال جب کہ وہ اپنی خوشی سے مسجد میں لگانے کے لئے دیں محض اس وجہ سے کہ وہ کافروں کا مال ہے لینے اور مسجد میں لگانے سے کوئی وجہ شرعی مانع نہیں ہے۔ خانہ کعبہ میں زمانہ جاہلیت کے دفائن حضور رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے اور حضور ﷺ نے ان کو نہیں نکالا اور نہ خلفائے راشدین نے نکالا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے نکالنے کا ارادہ بھی کیا لیکن شیبہؓ کے اس کہنے پر کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت صدیقؓ نے ان دفائن کو نہیں نکالا، فاروق اعظم نے بھی ارادہ ملتوی کر دیا۔(۲) اور ظاہر ہے کہ یہ مدفون خزانے خانہ کعبہ کے ملک ہیں اور اگر احیاناً خانہ کعبہ کی تعمیر کی ضرورت پڑے تو اس میں خرچ ہو سکتے ہیں اور خرچ کرنا جائز بھی ہے۔

پس اگر کافروں کا مال محض اس وجہ سے وہ کافروں کا مال ہے مسجد میں لگانے کے قابل نہ ہوتا تو مسجد حرام میں اس کا مدفون رہنا بھی جائز نہ ہوتا اور حضور انور ﷺ اس مال کو جب کہ وہ مال خبیث ہوتا اسی طرح خانہ کعبہ سے نکال پھینکتے جس طرح کہ بتوں اور تصویروں کو اس میں سے نکال پھینکا۔ اگر کہا جائے کہ شہر مکہ عنوۃً فتح ہوا ہے اس لئے یہ دفائن مسلمان فاتحین کی ملک ہو گئے تھے اس لئے مسجد میں بحالہا مدفون رکھے گئے تو جواب یہ کہ خانہ کعبہ کے دفائن کفار کی ملک نہیں تھے بلکہ مسجد حرام کی ملک تھے اور اوقاف صحیحہ کی املاک پر عنوۃً فتح ہونے کی صورت میں بھی مسلمان فاتحین کی ملک ثابت نہیں ہو سکتی۔ ان دفائن کا خانہ کعبہ کی ملک ہونا اس مسئلہ فقیہہ پر مبنی ہے کہ مسجد کے لئے اگر کوئی شخص کوئی مال ہبہ کرے اور متولی کو تسلیم کر دے تو مسجد اس مال کی مالک ہو جاتی ہے۔ یہ مسئلہ فتاویٰ عالمگیری میں مصرح موجود ہے۔(۳) اس سے زیادہ صاف اور واضح دلیل کافروں کے

---

(۱) ایضاً بحوالہ سابقہ ص ۶،٤،۳، ص ۷۸.

(۲) "عن ابی وائل قال جلست مع شيبة على الكرسي في الكعبة، فقال لقد جلس هذا المجلس عمر. فقال : لقد هممت ان لاادع فيها ولا بيضاء الاقسمته، قلت : ان صاحبيك لم يفعلا، قال : هما المرأن اقتدى بهما." (صحيح البخارى. كتاب المناسك، باب كسوة الكعبة، ج : ۱ ۲۱۷، قديمى)

(۳) رجل اعطى درهما فى عمارة المسجد اومصالح المسجد صح، لانه وان كان لايمكن تصحيحه تمليكا بالهبة للمسجد فاثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح، فيتم بالقبض (الى ان قال) ولو قال، وهبت دارى للمسجد اواعطيتهاله صح ويكون تمليكا، فيشترط التسليم، كمالوقال وقفت هذه المأة للمسجد يصح بطريق التمليك، اذا سلمه للقيم، كذافى الفتاوىٰ العتابية ، ولو قال هذه الشجرة للمسجد لا تصير للمسجد حتى تسلم الى قيم المسجد كذا فى المحيط (الفتاوىٰ العالمگيرية ، كتاب الوقف الباب الحادى عشر الفصل الثانى، ص ۲/ ٤٦٠)

مال سے مسجد کی تعمیر و مرمت کے جواز کی یہ ہے : **ومصرف الجزية والخراج ومال التغلبي وهديتهم للامام وانما يقبلها اذا وقع عندهم ان قتالنا للدين لاللدنيا وما اخذمنهم بلاحرب ومنه تركة ذمي وما اخذه عاشر منهم ظهيريه مصالحنا كسد ثغور وبناء قنطرة وجسر كفاية العلماء والمتعلمين تجنيس وبه يدخل طلبة العلم فتح والقضاة والعمال الخ۔**(۱) یعنی جزیہ اور خراج اور بنی تغلب سے جو صدقہ مضاعفہ کے حساب سے مال لیا جاتا ہے اور جو مال کہ کفار سلطان اسلام کو بطور ہدیہ دیں (یہ واضح رہے کہ یہ ہدیہ سلطان کی ذاتی ملکیت میں داخل نہیں ہوتا) اور جو مال کہ کفار سے ترک جنگ کے شکریہ کے طور پر لیا جائے اور وہ مال جو ہمارے عاشر ان سے وصول کرے ان تمام اموال کا مصرف ہماری مصلحتوں کے کام ہیں۔ جیسے سرحدوں کی حفاظت، دریاؤں کے پل بنانا، علماء، طلباء، قاضیوں کے وظائف، اسلامی فوج اور ان کی اولاد کی تنخواہیں وغیرہ۔ ان پر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں : **ومثله بناء مسجد وحوض ورباط وكرى انهار عظام غير مملوكة كالنيل والجيحون. قهستاني. وكذا النفقة على المساجد كمافي زكوة الخانية فيد خل فيه الصرف على اقامة شعائرها من وظائف الا مامة والاذان ونحوهما. بحرانتهى۔**(۲) یعنی "جیسے مذکورہ بالا چیزوں میں یہ تمام اموال کفار خرچ کرنا جائز ہے اسی طرح ان مالوں سے مسجدیں بنانا، حوض اور رباط بنانا، بڑی بڑی غیر مملوک نہریں کھدوانا جیسے نیل اور جیحوں ہیں اور مساجد کے دیگر اخراجات میں خرچ کرنا اور اماموں اور موذنوں کو وظائف دینا جائز ہے۔" اس صاف و صریح فقہی حکم کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ کافروں نے اپنی خوشی سے جو مال دیا ہو اس کا مسجد میں لگانا ناجائز ہے۔

اگر شبہ کیا جائے کہ جزیہ اور خراج بوجہ وظیفہ شرعیہ ہونے کے ان کے ذمہ واجب الادا ہے اس لئے ان سے وصول کئے جانے کے بعد وہ مال کفار نہ رہا تو جواب یہ ہے کہ یہ حکم اموال واجبۃ الاخذ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ ہدیہ کفار اور ترک جنگ کے صلہ میں وصول کیا ہوا مال اور ترکہ ذمی کا بھی یہی حکم ہے۔ جیسا کہ در مختار کی عبارت منقولہ بالا میں صراحۃً موجود ہے۔ اگر شبہ ہو کہ ان اموال سے بنائے مساجد اس لئے جائز ہے کہ دینے والے کافروں نے یہ مال خاص مسجد کے لئے مسجد کے نام سے نہیں دیئے ہیں بلکہ انہوں نے مسلمانوں کو دیئے اور مسلمان ان سے وصول کرنے کے بعد مالک ہو گئے اور پھر انہوں نے مسجدوں کی تعمیر میں ان کو خرچ کیا تو گویا اپنا مال خرچ کیا۔ تو جواب یہ ہے کہ ان تمام اموال کا جن کے مصارف در مختار کی عبارت منقولہ بالا میں مذکور ہیں سلطان اسلام یا فقرائے مسلمین یا عام مسلمین کی ملک میں داخل ہو جانا ممنوع ہے۔ سلطان کی ملک خاص میں داخل نہ ہونا تو ظاہر ہے اور فقرائے مسلمین کی ملک میں داخل نہ ہونا اس لئے کہ اگر فقراء اس مال کے مستحق بھی ہوتے تو مثل صدقات کے یہ اموال بھی فقراء کو تقسیم کئے جاتے اور جب کہ فقراء کا استحقاق بھی ثابت نہیں تو پھر ملک کے ثبوت کے تو کوئی معنی ہی نہیں۔ اور عام مسلمین کی ملک میں داخل نہ ہونا اس لئے کہ عام مسلمانوں

(۱) (الدرالمختار ، كتاب الجهاد، مطلب في مصارف بيت المال، ص ۲۱۷/٤، مکتبۂ ایچ، ایم ،سعید)
(۲) كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية مطلب في مصارف بيت المال، ۲۱۷/٤، ط. سعيد)

کو اس سے دینا اور تقسیم کرنا جائز نہیں۔ ہاں ان کاموں میں جو رفاہ عام سے تعلق رکھتے ہیں خرچ کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس سے عام مسلمانوں کی ملک ثابت نہیں ہو سکتی۔ پس یہ کہنا کہ ان صورتوں میں یہ مال مسلمانوں کے مال بن کر مسجد میں لگے صحیح نہیں ہے۔

اور ترکہ ذمی یا ہدیہ کفار اور وہ مال جو کوئی ہندو مسجد میں لگانے کے لئے دیتا ہے اس حیثیت سے کہ کافر کے مال ہیں دونوں برابر ہیں۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ ترکہ ذمی اور ہدیہ کفار مسجد میں لگانے کے نام سے نہیں دیئے گئے ہیں۔ لیکن اس کی کوئی وجہ نہیں کہ مال کافر ہونے کی وجہ سے تو مسجد میں لگانا جائز نہ ہو لیکن مسجد کا نام لینے سے مسجد میں لگانا ناجائز ہو جائے۔

پھر یہاں پر ایک سوال غور طلب ہے کہ جس کافر کے ذمہ جزیہ کے مثلاً دو روپے ہیں وہ اپنی خوشی سے دو روپے کی جگہ چار روپے اور جس کے ذمہ خراج کے چار روپے ہیں وہ چار کی جگہ آٹھ اور تغلبی زکوٰۃ کی دونی مقدار کی جائے چوگنی اپنی خوشی سے دے دے تو یہ زیادتی لینا ان سے جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو اس زیادتی کے مصارف کیا ہیں۔ آیا وہی مصارف جو اصل کے مصارف ہیں اس زیادتی کے مصارف ہوں گے یا ان کے علاوہ ؟ اگر وہی مصارف ہیں تو پھر مسجد بھی ان مصارف میں داخل ہے۔ پھر مال کفار کا مسجد میں لگانا کس طرح ناجائز ہو سکتا ہے ؟

رہی پانچویں صورت اس کا حکم یہ ہے کہ کفار کو یہ موقع دینا کہ وہ کسی مسجد کی تعمیر کریں بے شک ناجائز ہے لیکن عدم جواز کی وجہ یہ نہیں کہ مال کفار مسجد میں لگانا جائز ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ معابد کے اہل اسلام پر کفار کا تصرف اور تسلط ممنوع ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ان کے تصرف و تسلط سے مسلمانوں کی کوتاہی اور قصور ظاہر ہوتا ہے دوسرے یہ کہ کافر بحیثیت کافر ہونے کے شعائر اسلام اور خانہ خدا پر تصرف اور تسلط رکھنے کا مستحق نہیں جیسا کہ آیہ شریفہ **ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ**(۱) سے اس تقدیر پر کہ تعمیر سے تعمیر معروف مراد ہو ثابت ہوتا ہے کہ اس میں حق تعالیٰ نے کفار سے حق تعمیر کی نفی فرمائی ہے اور تعمیر سے بھی تعمیر کا ایک اکثری لازم مراد ہے اور وہ تصرف و تسلط ہے۔ پس آیت شریفہ میں اس تعمیر کے استحقاق کی نفی ہے جو تصرف اور تسلط کو مستلزم ہو۔ اور یہی مطلب ہے کتب تفسیر کی ان عبارتوں کا جن میں کفار کے لئے مساجد کی تعمیر معروف کو ممنوع لکھا ہے۔

اور جب کہ تعمیر ظاہری بھی موجب استحقاق تصرف و تسلط نہ ہو تو وہ بھی کفار کے لئے ممنوع نہیں ہوگی۔ جیسے ہندو معماروں سے اجرت پر مسجد کی تعمیر کرانا۔ کیونکہ مزدوری پر کام کرنے سے کوئی استحقاق تصرف و تسلط ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے باوجودیکہ ہندو معمار حقیقی طور پر تعمیر کا مباشر ہے لیکن یہ مباشرت بھی ممنوع نہیں۔

پس آیت شریفہ اور عبارات کتب تفسیر سے کفار کا مال مسجد میں لگانے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔

البتہ ایسی تعمیر جس سے ان کو تصرف اور تسلط کا استحقاق حاصل ہو جائے حکم آیت و کتب تفاسیر

---

(۱)(سورۃ توبہ پارہ نمبر ۱۰ آیت نمبر ۱۷ [illegible])

ممنوع ہے اور اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ یہ تعمیر کفار کے مال سے ہو بلکہ اگر کوئی کافر مسلمانوں سے چندہ جمع کرے اور مسجد کی تعمیر کرائے لیکن انتظام واہتمام میں خود مستقل ہو کسی مسلمان کو اس میں دخل نہ دینے دے تو یہ تعمیر بھی تعمیر ممنوع ہے۔ باوجودیکہ مسلمانوں کے مال سے ہوئی ہو۔

اس تمام بیان سے واضح ہو گیا کہ مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی مرحوم کا یہ فرمانا کہ "حسب تصریح معتبرات مال ہنود کا تعمیر معابد خاصہ اہل اسلام میں صرف کرنا درست نہیں ہے۔" محتاج دلیل ہے۔ معتبرات کی عبارتیں اور حوالے مولانا نے نہیں دیئے کہ ان میں دیکھا جاتا اور جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے مال کفار کا مساجد میں لگانے کا جواز مصرح ہے۔ ممکن ہے کہ مولانا نے تفسیر کی ان عبارتوں سے جن میں کفار کے لئے تعمیر مساجد کی ممانعت مذکور ہے۔ یہ سمجھا ہو کہ کفار کا مال مسجد میں لگانا درست نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے اور کتب تفسیر کا مطلب خاکسار کے خیال میں وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ محمد کفایت اللہ

ہندو کی بنوائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا

(الجمعیة مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) مسجد میں جو مسلمانوں سے چندہ وصول کر کے بنواتے ہیں اگر ہندوؤں سے چندہ لیں یا ہندو اس میں چندہ دے کر شامل ہونا چاہیں تو چندہ لینا یا شامل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی ہندو پوری مسجد بنوا دے تو اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(جواب ۶۷) مسجد کی تعمیر کے لئے غیر مسلموں سے چندہ طلب کرنا جائز نہیں۔ اور اگر غیر مسلم خود چندہ دیں یعنی بغیر مانگے ہوئے اپنی خوشی سے دے دیں تو اس صورت سے قبول کرنے میں مضائقہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کی تملیک کر دیں اور مسلمان اپنی طرف سے مسجد میں خرچ کر دیں۔ اسی طرح اگر غیر مسلم (ہندو یا عیسائی) مسجد تعمیر کر کے مسلمانوں کو دے دیں تو اس کے شرعاً مسجد ہونے کی صورت یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کو ملک کر دیں اور مسلمان اپنی طرف سے اس کو مسجد کے نام سے نامزد کر کے وقف کر دیں۔ (۱) غیر مسلم کا وقف اس صورت میں صحیح ہوتا ہے کہ جس کام کے لئے وہ وقف کرتا ہے وہ کام اس کے مذہب اور اسلام کے نزدیک قربت ہو ورنہ وقف صحیح نہیں ہوتا۔ یعنی قاضی اسلام ایسے وقف کی صحت کا حکم نہیں کرے گا جو واقف کے مذہب کے لحاظ سے قربت نہیں۔ (۲) (جیسے ہندو کی بنائی ہوئی مسجد، یا اسلام کے نزدیک قربت نہیں (جیسے مسلمان کا بنایا ہوا بت خانہ) واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

---

(۱) ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۳، ۴، ۶ ص ۷۴

(۲) اما شرائطه ... فمنها ان يكون قربة في ذاته وعند التصرف فلا يصح وقف المسلم او الذمي على البيعة والكنيسة او على فقراء اهل الحرب كذافي النهر الفائق ... لو جعل ذمي داره مسجداً للمسلمين، وبناه كما بنى المسلمون واذن لهم بالصلاة فيه فصلوا فيه ثم مات يصير ميراثا لورثته، وهذا قول الكل كذافي جواهر الاخلاطي (الفتاوى العالمگيرية، كتاب الوقف الباب الاول، ص ۲ /۳۵۳، ط، ماجدية)

بت خانہ میں استعمال شدہ اشیاء کو مسجد میں لگانا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) ضلع کاوار تعلقہ سرسی سے چودہ میل کے فاصلہ پر بنام ہنواسی ایک قصبہ میں مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان جزئی اور فروعی اختلاف کی وجہ سے ایک جماعت جن کی اکثریت احناف کی ہے مسجد کی تعمیر کے لئے بت خانہ سے لکڑی یا پتھر خرید کر دوسرے ایک اہل حدیث جماعت کے رکن کے خلاف کے باوجود لکڑی یا پتھر سے امداد دیتے ہوئے نہ لے کر بت خانہ کی استعمال کی ہوئی لکڑی لینے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۶۸) اگر کوئی مسلمان اہل حدیث مسجد کے لئے سامان تعمیر دیتا ہے تو اسے لینا چاہئے اور بہتر یہی ہے کہ مسلمان سے لیا جائے لیکن اگر بت خانہ کی استعمال شدہ اشیاء خرید کر مسجد میں لگادی جائیں تو مسجد میں نقصان نہیں آئے گا کیونکہ کعبہ کی عمارت کو بھی حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے مشرکین نے بت خانہ کے طور پر استعمال کیا۔ لیکن حضور ﷺ نے اس بناء پر اس عمارت کو نہیں بدلا کہ یہ پہلے بت خانہ کے طور پر استعمال کی گئی ہے۔(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

ہندو کی رقم مسجد میں لگانا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۳۵ء)

(سوال) علاقہ کٹنور محلہ سنگری گنڈ میں ایک مسجد نئی تعمیر کی جارہی ہے اور مبلغ پانچ سو روپے ایک ہندو کی امداد بھی ملی ہے جو اس نے اپنی ممبری کونسل کی کامیابی کی خوشی میں دی ہے۔ کیا اس رقم کو مسجد کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے ؟

(جواب ۶۹) اگر مسلمانوں نے اس ہندو سے مسجد کے لئے روپیہ طلب نہیں کیا تھا اور نہ اس کو ووٹ دینے کا یہ معاوضہ ٹھہرایا تھا کہ وہ مسجد کے لئے روپیہ دے تو مسلمان اس کو ووٹ دیں گے اور نہ اس ہندو کی کوئی غرض ایسی ہو جس سے مسجد پر اس کا کوئی اثر و اقتدار قائم ہوتا ہو بلکہ اس کی نیت محض یہ ہو کہ تعمیر مسجد ایک اچھا کام ہے اس میں کچھ امداد کردوں تو یہ روپیہ مسجد میں لگانا جائز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

فصل سیزدہم

متفرقات

جامع مسجد دہلی کا نقشہ مسجد اقصیٰ بیت المقدس کے مشابہ نہیں ہے

(سوال) مسجد اقصیٰ کہاں ہے اور بیت المقدس میں جو مسجد ہے اس کا کیا نام ہے ؟ اور جامع مسجد دہلی کا نقشہ مسجد

---

(۱) عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ یوم الفتح دخول البیت ستون وثلث مائۃ نصب فجعل یطعنھا بعود فی یدہ ویقول : جاء الحق وزھق الباطل، رکذاعن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما قدم مکۃ ابی ان یدخل وفیہ الالھۃ فامربھا فاخرجت (صحیح بخاری، کتاب المغازی، ج ۲ ۲۱۲، قدیمی)

(۲) لووقف الذمی دارہ علی بیعۃ او کنیسۃ اوبیت نارفھو باطل، کذافی المحیط، وکذاعلی اصلاحھا ودھن سراجھا ولو قال یسرج بہ بیت المقدس اویجعل فی مرمۃ بیت المقدس جاز (عالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب الاول، ص ۲/۳۰۳)

اقصیٰ کے مشابہ ہے یا نہیں اور اس کے نقشہ کے ساتھ کوئی تاریخی واقعہ ثابت ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۴۴۶ منشی محمد صدیق عاصی (بمبئی) یکم محرم ۱۳۵۴ھ ۶ اپریل ۱۹۳۴ء

(جواب ۷۰) مسجد اقصیٰ زمین پر ہے۔ بیت المقدس کی مسجد کا نام مسجد اقصیٰ (۱) ہے۔ جامع مسجد دہلی کا نقشہ مسجد اقصیٰ سے مشابہ نہیں ہے اور نہ اس کے نقشہ کے ساتھ کوئی تاریخی واقعہ صحیح طور پر ثابت ہوتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

مسجد کے پیسوں پر بولی کے ذریعے روپے کمانا

(سوال) پھگواڑہ میں جامع مسجد تعمیر ہو رہی ہے جس کے واسطے عیدالفطر کے موقع پر ارکان مسجد کمیٹی نے چندہ فراہم کرنا شروع کر دیا۔ شمار کر کے روپیہ کے علاوہ اڑھائی پیسے زائد بچے۔ چنانچہ چند اصحاب نے اڑھائی پیسے کی بولی دینی شروع کی اور ساتھ ہی شرط لگادی گئی کہ جو بولی دہندہ ہووے، جس قدر بولی وہ دیوے اس کو وہ پیسے دینے ہوں گے۔ مثلاً ان ڈھائی پیسے کی بولی ایک آدمی ایک روپیہ دیتا ہے - دوسرا ایک روپیہ آٹھ آنے، تیسرا دو روپے تو ان تینوں کو اپنی اپنی بولی کے پیسے دینے ہوں گے۔ جس نے ایک روپیہ بولی دی ہے اس کو ایک روپیہ دینا ہوگا اور اس سے زیادہ جس طرح پر زائد کے لئے بولی دی ہے ان تمام کو پیسے داخل کرنے ہوں گے لیکن اس معاملہ میں ارکان مسجد کمیٹی نے کوئی دخل نہیں دیا۔ انہوں نے بولی میں کوئی بولی زائد یا کم نہیں دی بلکہ خاموش رہے۔ اس طرح بولی دے کر مسجد کے واسطے روپیہ پیسہ اکٹھا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ ارکان مسجد کمیٹی نے اگر کسی قسم کا دخل نہیں دیا یا بولی نہیں دی اور خاموشی اختیار کی تو ازروئے شریعت گناہ گار تو نہیں ہوئے۔ بولی دہندگان میں یہ بات پھیلی کہ ہم نے بولی اس واسطے دینی شروع کی تھی کہ معلوم ہووے کہ ارکان مسجد کمیٹی آیا بولی میں مقابلہ کرتے ہیں یا نہیں ؟ اور بولی دینے والے صرف تین چار اشخاص تمام مجمع عیدالفطر میں تھے باقی نمازی نماز عید سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

المستفتی نمبر ۶۹۵ شیخ چراغ الدین۔ پھگواڑہ ۵ شوال ۱۳۵۴ھ یکم جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۷۱) یہ نیلام اور بولی بیع ہے - پیسوں کی بیع پیسوں کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ ناجائز ہے۔ (۲) ہاں المونیم کے سکے یا چاندی کے سکے کے ساتھ جائز ہے یعنی ڈھائی پیسے جو تانبے کے ہیں ان کے عوض کوئی اکنی دونی یا روپیہ چاندی کا دے تو جائز ہے۔ غرضیکہ جنس بدل جانے کی صورت میں کمی بیشی جائز ہے۔ (۳) بولی خواہ

---

(۱) قال فی تفسیر ابن کثیر : بسم اللہ الرحمن الرحیم سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الخ (من المسجد الحرام) وھو مسجد الاقصی) وھو بیت المقدس، الذی بایلیاء معدن الانبیاء من لدن ابراھیم الخلیل (تفسیر ابن کثیر، للامام الجلیل، الحافظ عمادالدین، ابوالفداء اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی سورۃ بنی اسرائیل، رقم الآیۃ نمبر ۱ ، ط. لاھور ص ۲/۳)

(۲) (قولہ وفلس بفلسین) ھذا عندھما وقال محمد : لایجوز ومبنی الخلاف علی ان الفلوس الرائجۃ اثمان والاثمان لاتتعین بالتعیین، فصار عندہ کبیع درھم ودرھمین وعندھما لما کانت غیر اثمان خلقۃ بطلت ثمنیتھا باصطلاح العاقدین واذا بطلت فتعین بالتعیین کالعروض وتمامہ فی الفتح. (الدرالمختار، کتاب البیوع، باب الربا، ط. سعید. ص ۵/۱۷۵)

(۳) (وعلتہ) ای علۃ تحریم الزیادۃ (القدر) المعھود بکیل اووزن (مع الجنس، فان وجدا حرم الفضل) ای الزیادۃ (والنساء) بالمد التاخیر (وان وجد احدھما) ای القدر وحدہ اوالجنس (حل الفضل وحرم النساء) (الدرالمختار، کتاب البیوع، باب الربا، ص ۱۷۱، ۵/۱۷۲)

نمازی دیں یا مسجد کمیٹی کے ارکان دیں اس میں کوئی فرق نہیں اور اس طرح چندہ کرنے میں بھی مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں کوئی جبر نہیں ہے۔ جو چاہے بولی دے جو نہ چاہے نہ دے۔ ہر بولی دینے والا مسجد کے لئے چندہ دیتا ہے۔ یعنی ڈھائی پیسوں کو ایک روپے میں اپنے قصد و اختیار سے اس لئے خریدتا ہے کہ مسجد کو فائدہ ہو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

عمارت قدیم پر جب مسجد ہونے کی نشانیاں ہوں اور گواہ موجود ہوں تو وہ مسجد ہوگی

(سوال) ایک عمارت ایک متبرک مقام میں ایسی واقع ہوئی ہے جس کی غرب رویہ دیوار میں مغرب سے رخ پر محرابیں قائم ہیں اور اس کے متعلق عرصہ دراز سے شہرت بھی یہی ہے کہ وہ مسجد ہے بکثرت ایسے مسلمان موجود ہیں جنہوں نے اس مسجد میں نماز و تراویح پڑھی ہے اور ایسے مسلمانوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے جنہوں نے کثرت سے لوگوں کو اس جگہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس متبرک مقام کے عہد انگریزی کے پرانے کاغذات میں بھی اس کو مسجد ہی لکھا ہے۔ البتہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ مسجد کب تعمیر ہوئی اور کس نے تعمیر کی۔ ایسی حالت میں اس کو شرعاً مسجد قرار دیا جائے گا یا نہیں۔ نیز یہ کہ ایسی مسجد کو اگر کوئی شخص ذاتی رہائش بنالے تو اس کا یہ فعل جائز ہوگا یا ناجائز؟

المستفتی نمبر ۱۰۸ ۲ مرزا عبدالقادر بیگ، دہلی دروازہ، اجمیر۔ ۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۵ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۷۲) جب کہ اس عمارت کی وضع اور ہیئت مسجد کی طرح ہے اور اس میں نماز و تراویح پڑھنے والے موجود ہیں اور اس میں نماز ہوتے ہوئے دیکھنے والے بھی بکثرت موجود ہیں تو اس عمارت کے مسجد ہونے میں شبہ نہیں۔ اوقاف قدیمہ میں اگر واقف اور تاریخ تعمیر کے علم نہ ہو تو یہ بات ان کے وقف ہونے میں مانع نہیں ہوتی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

مسجد کے قریب ہندو سبھا منڈپ تعمیر کریں تو مسلمانوں کی ذمہ داری کیا ہے؟

(سوال) بمبئی بائیکلہ میں ایک مسجد ہے اور اس کے بالکل قریب ایک مندر ہے۔ اس کے متصل کارپوریشن بمبئی ہندوؤں کے لئے ایک سبھا منڈپ بنارہی ہے جس میں بھجن اور کیرتن ہوگا۔ مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ مسجد کے سامنے بھجن اور کیرتن نہیں ہوسکتا۔ ہندو زور دے رہے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ جس طرح مسلمانوں کو اپنی عبادت اپنے طریقہ پر ادا کرنے کا حق ہے اسی طرح ہندوؤں کو بھی اپنے طریقہ پر عبادت کرنے کا حق ہے اور اس کے لئے وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ بھجن اور کیرتن کیا جائے گا۔ مرنمنٹ سے

(۱) قال في العالمگیرية : الوقف التي تقادم امرها ومات وارثها ومات الشهود الذين يشهدون عليها. فان كانت لها رسوم في دواوين القضاة يعمل عليها. فاذاتنازع اهلها فيها اجريت على الرسوم الموجودة في دواوينهم. وان لم تكن لها رسوم في دواوين القضاة يعمل عليها. تجعل موقوفة فمن اثبت في ذالك حقا قضى له به هذا كله اذا لم تعرف ورثة الواقف (عالمگیریه، كتاب الوقف، ج : ۲، ۴۳۹، ماجديه) وتقبل الشهادة على الشهادة في الوقف كذا شهادة النساء مع الرجال كذافي الظهيرية، وكذا الشهادة بالتسامع، وقالا تشهد بالتسامع تقبل شهادتهما وان صرحا به لان الشاهد ربما يكون سنه عشرين سنة وتاريخ الوقف مائة سنة فيتيقن القاضي ان الشاهد يشهد بالتسامع لابالعيان (العالمگیریه، كتاب الوقف، الباب السادس في الدعوى والشهادة، الفصل الثاني، ط ماجديه، ۲ : ۴۳۸)

اعلان میں ہے کہ وہ اس سبھا منڈپ کی تعمیر کے بعد اس میں نیوسنس نہیں ہونے دے گی۔ جس کا مفہوم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بھجن اور کیرتن اس طرح نہیں ہونے دیا جائے گا کہ مسلمانوں کی عبادت میں خلل واقع ہو۔

اب قابل استفتاء دو چیزیں ہیں : (۱) یہ کہ آیا مسجد کے سامنے ہندو بھجن اور کیرتن کر سکتے ہیں یا نہیں۔ خواہ وہ اوقات نماز میں ہو یا غیر اوقات نماز میں۔ (۲) اگر گورنمنٹ نے اس اعلان کے مطابق ہندوؤں کو اجازت دے دی کہ ہندو اوقات نماز کے علاوہ بھجن اور کیرتن کر سکتے ہیں اور اس اپنے اعلان کی تنفیذ میں اپنی حاکمانہ قوت کا بھی اعلان کرے تو ایسی صورت میں کیا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ گورنمنٹ کے حکم کی خلاف ورزی کریں اور اس کی ہر ہر پاداش کے لئے تیار ہو جائیں۔ یعنی اگر گورنمنٹ گولیاں چلائے تو مسلمان اس کی مخالفت کے لئے اس صورت میں بھی آمادہ رہیں جس میں مسلمانوں کی موت یقینی ہے۔ یہ تصریح کر دینا ضروری ہے کہ ہندو اور گورنمنٹ دونوں اس پر متفق ہیں کہ نماز کے اوقات اور ایام متبرکہ میں بھجن اور کیرتن بند کر دیا جائے گا۔

المستفتی نمبر ۱۲۳۴ منجانب پیس ریلیف کمیٹی۔ بمبئی۔ ۷ شعبان ۱۳۵۵ھ م ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۷۳) استفتاء پر نظر کرنے، نیز مستفتیوں سے زبانی دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ مسجد اور مندر قریب قریب واقع ہیں اور مندر بھی سالہا سال سے موجود ہے بلکہ مستفتی حضرات نے بتایا کہ مسجد تخمیناً پچاس ساٹھ سال سے موجود ہے اور مندر اس سے بھی پہلے کا ہے اور اب اس مندر کے ساتھ مندر کی افتادہ زمین میں ایک عمارت سبھا منڈپ کے نام سے بنائی جا رہی ہے۔ اس کی تعمیر پر یہ تمام ہنگامہ ہوا۔ میں اس امر کے سمجھنے سے قاصر تھا کہ جب کہ پچاس ساٹھ سال سے یہ مندر اور مسجد اس قدر قریب قریب واقع ہے کہ ایک طرف سے دونوں میں تخمیناً دس بارہ فٹ اور دوسری طرف سے تخمیناً پانچ چھ فٹ فاصلہ تھا اور کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا تو اب سبھا منڈپ کی تعمیر اس خون خراب کی بنیاد کیسے بن گئی۔ اس میں اتنا ہی تو فرق ہوا تھا کہ پانچ چھ فٹ فاصلہ کی طرف اب دونوں کے درمیان دو فٹ فاصلہ باقی رہے گا۔ مجھے بتایا گیا کہ سبھا منڈپ کی تعمیر وجہ نزاع نہیں۔ آخر مندر مدت دراز سے موجود ہی تھا بلکہ وجہ نزاع یہ تھی کہ مندر میں تو آج تک بھجن اور کیرتن نہیں ہوا اور اب سبھا منڈپ میں ہندو بھجن اور کیرتن کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس سے عبادت میں خلل پڑنا یقینی ہے۔ میں ان تمام حالات کے پیش نظر یہ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ہندوستان ایسا ملک ہے جس میں مختلف رسومات اور متضاد جذبات رکھنے والی قومیں آباد ہیں۔ حکومت غیر ملکی اور غیر مسلم ہے۔ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ تمام مذاہب کو آزادی دیتی ہے اور کسی کے مذہب میں مداخلت نہیں کرتی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب پچاس سال سے مسجد اور مندر قائم ہیں تو کوئی ایک فریق دوسرے فریق کے معبد کو ہٹا نہیں سکتا۔ یعنی نہ تو ہندو مسجد کو ہٹا سکتے ہیں اور نہ مسلمان مندر کو۔ پس دونوں جیسے کہ اب ایک دوسرے کی دیوار کے نیچے موجود ہیں اسی طرح موجود رہیں گے اور اس بناء پر ہندو مسلمانوں کا مذہبی، قومی، وطنی، انسانی فریضہ یہی ہے کہ وہ خود باہم سمجھوتہ کر لیں۔ لیکن اگر ملک کی بد قسمتی ابھی اس کی اجازت نہ دے تو پھر حکومت کا فرض ہے کہ وہ تصادم کی صورت پیدا نہ ہونے دے۔ مسلمان مسجد میں آزادی سے عبادت کریں اور ہندو مندر میں۔ بشر طیکہ کسی ایک

فریق کی عبادت میں خلل اندازی نہ ہو۔ کیونکہ یہی خلل اندازی ناقابل برداشت اور موجب نقض امن ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے۔ اگر یہ واقعہ ہے کہ مسجد اور مندر اس قدر قریب واقع ہوئے ہیں کہ اس ساٹھ سال میں کبھی تصادم نہیں ہوا تو ایسی صورت حال کو قائم رکھنا فریقین کا بھی مذہبی اور انسانی اور وطنی فریضہ تھا اور ہے۔ اور حکومت کا بھی فرض ہے کہ وہ تعامل قدیم کو جس کے سایہ میں پچاس ساٹھ سال امن سے گذرے قائم رکھے اور کوئی جدید صورت فساد کی نہ ہونے دے۔ لیکن اگر انسانیت اور وطن کے دشمن کوئی نئی صورت فساد کر کے ہی چھوڑیں اور حکومت بھی نئی صورت فساد کی روک تھام نہ کرے اور کوئی ایسا فارمولا بنائے جس سے مسلمانوں کی عبادت میں خلل نہ پڑتا ہو تو اس کو قبول کر لینے میں مسلمان معذور سمجھے جائیں گے اور امید ہے کہ وہ خدا کے نزدیک ماخوذ نہ ہوں گے۔ فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

طواف کرنے کی جگہ پر چھت بنانا

(سوال) ایک شخص چاہتا ہے کہ کعبۃ اللہ میں طواف کی جگہ پر وہاں کے بادشاہ کی اجازت سے جتنی کہ طواف کی جگہ ہے اوپر چھت بناؤں تو سوال یہ ہے کہ طواف کی جگہ پر چھت بنانے میں کوئی شرعی ممانعت ہے یا کہ نہیں ؟
المستفتی نمبر ۱۵۸۷ موسیٰ یعقوب مایت (جوہانسبرگ ٹرانسوال) ۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۷۴) مطاف (طواف کی جگہ) پر چھت بنانے کی ممانعت کی کوئی دلیل تو ہماری نظر میں نہیں۔ مگر میری طبیعت اور وجدانی کیفیت اس کی اجازت کی طرف مائل نہیں ہوتی کہ ساڑھے تیرہ سو برس سے جو ہیئت مطاف کی قائم ہے اس کو بدل دیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

مملوکہ مکان جب مسجد کے لئے وقف کر دیا تو اسے خالی کرنا ضروری ہے

(سوال) ریاست دوجانہ میں محلہ فروز خانیوں میں سے مسمی غوث محمد خاں ولد امام خاں نے اپنا مکان جو کہ خرید کردہ ہے مسجد بازار محلہ دولت خانیوں میں وقف کر دیا ہے۔ اس کے لڑکے مکان خالی کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۹۲۱ سلیمان خاں ولد اسمٰعیل خاں۔ ریاست دوجانہ ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۱ جولائی سن ۱۹۳۷ء

(جواب ۷۵) غوث محمد خاں نے اپنا مملوکہ مکان مسجد کے نام وقف کر دیا تو بقول مفتی بہ وقف صحیح ہو گیا اور متولیان مسجد کو حق ہے کہ وہ مکان موقوف کو مسجد کے لئے غوث محمد خاں کے لڑکوں سے خالی کرا لیں۔(۱) صحت وقف کے بعد لڑکے مکان موقوف پر مالکانہ قبضہ نہیں رکھ سکتے۔ فقط(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) قال فی العالمگیریة: ذکر الصدر الشهید رحمة الله علیه فی باب الواو، اذا تصدق بداره علی مسجد او علی طریق المسلمین تکلموا فیه والمختار انه یجوز (وفیها:) رجل وقف ارضاله علی مسجد و لم یجعل آخره للمساکین. تکلم المشایخ فیه والمختار انه یجوز فی قولهم جمیعا ، کذا فی الواقعات الحسامیة .(کتاب الوقف ، الباب الحادی عشر ، الفصل الثانی ط. ماجدیة، ۲ / ۳٦۰)
(۲) فی العالمگیریة : ولو غصبها من الواقف او من والیها غاصب، فعلیه ان یردها الی الواقف ، فان ابی و ثبت غصبه عند القاضی حبسه حتی یرد . (کتاب الوقف ، الباب التاسع فی غصب الوقف ۲/ ٤٤۷)

کیا مشترکہ زمین پر قبرستان یا مسجد بنانے کے لئے تمام شرکاء کی رضامندی ضروری ہے

(سوال)(۱)ایک اراضی موسومہ قبرستان جس پر سرکاری مالگذاری نہیں ہے یعنی معافی دوام ہے بہت سے مسلمانوں کی مشترکہ ہے۔ جو ان کی مملوکہ اور مقبوضہ ہے (یہ امر بھی قابل اظہار ہے کہ بندوبست دہم کے کاغذات سرکاری میں مالکان اراضی ہذا میں صرف تین چار نام تھے پھر بندوبست یازدہم میں بہت سے لوگوں کے نام داخل ہوگئے جو شرعاً اور قانوناً وارث نہیں تھے اور اس کا ثبوت بھی نہیں ملتا کہ ان کے نام بذریعہ بیع نامہ داخل ہوئے ہوں بلکہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصل مالکان نے ان بقیہ لوگوں کے نام کاغذات سرکاری میں اس لئے درج کرائے ہوں گے کہ ان کو بھی قبرستان مذکور میں دفن کرنے کا حق حاصل ہو جائے) اس اراضی کے درمیانی حصہ میں خام و پختہ قبریں ہیں اور ایک جانب میں چند مکانات اس حیثیت سے بن گئے ہیں کہ بعض شرکاء نے اپنے حصہ کی اراضی دوسرے اشخاص کو فروخت کر دی اور انہوں نے مکانات بنا لئے یا شرکاء نے دوسرے شرکاء سے ان کا کل یا جزو حصہ خرید لیا اور اپنے اس کل یا جزو میں مکانات بنا لئے۔ اس مشترک اراضی کی دوسری جانب کچھ حصہ بغیر قبرستان کے پڑا ہوا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کوئی قبر اس حصہ میں نہیں بنائی گئی۔ اس حصہ میں بعض شرکاء نے اپنی جانب سے ایک فقیر تکیہ دار آباد کر دیا ہے اور کچھ اراضی لب سڑک پڑی ہوئی ہے جس میں بعض شرکاء اپنی جانب سے مسجد بنانی چاہتے ہیں۔ مصارف تعمیر دوسرے لوگ اور بعض شرکاء بھی برداشت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جگہ ایسی ہے کہ جہاں مسجد کی سخت ضرورت ہے۔ اب ایسی صورت میں جب کہ کل اراضی مشترکہ ہے اور بہت شرکاء نابالغ اور مستورات بھی ہیں۔ تعمیر مسجد میں ہر حصہ دار کی فرداً فرداً اجازت ضروری ہے یا نہیں ؟ (۲) اور نابالغ کی اجازت کی شرعاً کیا صورت ہو سکتی ہے۔ شرکاء کی تعداد چونکہ بہت زیادہ ہے اور چونکہ کچھ نامعلوم بھی ہیں اور بہت سے دور دور بھی ہیں۔ ایسی صورت میں سب کی رضامندی حاصل کرنا مشکل ہے۔ (۳) کیا بندوبست دہم کے ان مالکان وارثان کی ہی رضامندی کافی ہے یا بعد کو بندوبست یازدہم میں جن کے نام غیر وارث ہونے کے باوجود کاغذات میں ہوں گے ان کی بھی ضروری ہے۔ ایسی صورت میں ایک دو بڑے حصہ دار یہ بھی چاہتے ہیں کہ اپنے حصہ میں سے بقدر مسجد جگہ دیدیں مفت یا قیمتاً لیکن ظاہر ہے کہ ان کا حصہ تقسیم شدہ نہیں ہے۔ تو کیا وہ جگہ متعین کر کے مسجد کے واسطے دے سکتے ہیں وہ اس بات پر رضامند ہیں کہ مسجد میں اراضی دے دینے کے بعد جو ان کا حصہ باقی رہتا ہے وہ اس سے کم نے لیں گے اور اس آخری صورت میں اگر کوئی دوسرا معترض ہو تو مسجد بنانا کیسا ہے۔ یہ امر بھی دریافت طلب ہے کہ ایسے مشترکہ قبرستان میں چند شـ ـ ء کی اجازت سے کسی مردے کو دفن کرنا جائز ہے یا نہیں جب کہ جملہ شرکاء کی اجازت حاصل ہونا: ت زیاد ـ ـکل ہے۔

المستفتی نمبر ۲۰۱۸ سید رضی حیدر (بجنور۔ یوپی) ۱۰ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۵ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۷۶) ـ ب ـ مسجد کی اس جگہ ضرورت ہے اور بعض شرکاء اپنے حصہ کی زمین مسجد کے لئے دے

دیں تو اس زمین پر تعمیر مسجد جائز ہے اگرچہ حصہ غیر منقسمہ ہو مگر مملوک تو ہے۔(۱) اور اگر سرکاری طریقہ پر تقسیم کی کارروائی ممکن ہو تو وہ بھی کرالینا چاہئے۔ اگر یہ قطعہ قبرستان کے نام سے بغرض دفن اموات چھوڑا ہوا ہے تو اس میں دفن کرنے کے لئے کسی مزید اجازت کی ضرورت نہیں۔(۲)　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسجد کی تعمیر میں رکاوٹ بننا

(سوال) ہمارے گاؤں میں ایک مسجد جدید خام ہے۔ اس میں تین چار سال سے نماز ہوتی آرہی ہے اب تین چار ماہ سے اہل ہنود نے جھگڑا چلا رکھا ہے اور قبضہ میں ہمارے ہے۔ پانچ وقت نماز جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس گاؤں میں دو مذہب کے آدمی ہیں جو لوگ شیعہ ہیں وہ ہمارے شریک حال ہیں اور جو حنفی مذہب والے ہیں وہ ہمارا ساتھ نہیں دیتے ہیں۔ شرعاً ان کے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۲۰۷۹ ۲۴ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب) جب کہ وہ زمین عرصہ سے مسجد کے لئے مالک نے دی ہوئی ہے اور مسلمانوں نے اس میں جماعت سے نماز پڑھی ہے اور پڑھ رہے ہیں تو وہ مسجد مسجد ہے اور اس کی تعمیر کرنا اور آباد کرنا مسلمانوں کے لئے لازم ہے (۳) جو مسلمان کہ ہندوؤں کی مرضی سے مطابق ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور مسجد کی تعمیر کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب گنہگار ہوں گے اور خدا اور رسول کے یہاں ان کی پکڑ ہوگی۔(۴)　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) مسجد کے چندہ کے لئے جاری اسکیم کو روکنا
(۲) مسرفانہ اخراجات اور فضول رسومات کو چھوڑنا مستحسن ہے

(سوال) (۱) ایک قوم مسلمانان نے آپس میں مل کر اپنے محلہ کے اندر ایک مسجد تعمیر کی اور اس کو آباد اور قائم رکھنے کے لئے اس کی آمدنی کا ذریعہ سب نے بالاتفاق اس طرح پر طے کیا تھا کہ جس شخص کے یہاں شادی خواہ

---

(۱) مشترک زمین کا وقف کرنا اگرچہ امام ابو یوسف کے نزدیک درست ہے اور متاخرین اس پر فتوی بھی دیتے ہیں لیکن دونوں اماموں کے قول کے مطابق بھی مشترک زمین پر مسجد بنانا درست نہیں ہے لہذا بہتر یہ ہے کہ تقسیم کر کے الگ کیا جائے صرف ملکیت ہونا کافی نہیں)

چنانچہ عالمگیری میں ہے : وقف المشاع المحتمل للقسمة لا يجوز عند محمد رحمة الله عليه وبه اخذ مشايخ بخاری وعليه الفتوى . كذا في السراجية والمتاخرون افتوا بقول ابي يوسف انه يجوز وهو المختار. كذا في خزانة المفتين واتفقا (الامامان ابو يوسف رحمة الله عليه و محمد) على عدم جعل المشاع مسجدا او مقبرة مطلقا سواء كان مما لا يحتمل القسمة او يحتملها هكذا في فتح القدير (عالمگيرية، كتاب الوقف الباب الثاني ، فصل في وقف المشاع ۲ / ۳۶۵ ولو ضاق المسجد على الناس وبجنبه ارض لرجل توخذ الارض بالقيمة كرها كذا في فتاوى قاضي خان . (كتاب الوقف ، الباب الحادی عشر ، الفصل الاول فيما يتصير به مسجدا ج ۲ ، ۴۵۶ ماجديه) وفي الاجناس ونوادر هشام قال سألت محمد بن الحسن عن نهر قرية كثيرة الاهل لا يحصى عددهم . واراد قوم ان يعمروا بعض هذا النهر ويبنوا عليه مسجدا لايضر ذلك بالنهر ولا يتعرض لهم احد من اهل النهر قال محمد يسعهم ان يبنوا ذلك المسجد للعامة والمحلة. كذا في المحيط . (عالمگيرية ، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الاول ۲ / ۴۵۶)(۲) وهذ ظاهر

(۲) اذا قال : ارضي هذه صدقة موقوفة على الجهاد او الغزاة او في اكفان الموتى او في حفر القبور او غير ذلك مما يشبهها فذلك جائز . (عالمگيريه، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف ، ج : ۲ ، ۳۷۰ ، ماجديه)

(۳) التسليم في المسجدان تصلي فيه الجماعة باذنه . عالمگيريه ، كتاب الوقف الباب الحادی عشر ج ۲ ، ۴۵۵ ماجديه

(۴) ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها اولئك ما كان لهم ان يدخلوها الا خائفين لهم في الدنيا خزى ولهم في الاخرة عذاب عظيم (سورة البقرة ، رقم الآيه : ۱۱۴)

لڑکی کی ہو یا لڑکے کی ہو دو دو وقت کھانا اپنی برادری اور دوست احباب وغیرہ کو دیتا ہے جس کا صرف تقریبا ایک وقت کا چالیس پچاس روپے سے کم نہیں سمجھا جاتا ہے اس لئے وہ ایک وقت کھانا برادری یا ملنے والوں کو کھلائے اور دوسرے وقت کے کھانے کا صرفہ جو اوسط درجہ ہے سے بھی کم سمجھا جاتا ہے وہ مبلغ تیس ۳۰ روپے مقرر کر کے مسجد میں اللہ کے واسطے دے دیا کرے تاکہ اس آمدنی سے مسجد کا کام بخوبی چلتا رہے سب معاملہ آپس میں برضامندی منظور ہو کر اور تقریباً ۱۳ یا ۱۴ سال سے اسی طرح چلا جاتا تھا اور مسجد کو ترقی ہوتی رہتی تھی لیکن اب حال میں قوم کے ایک شخص نے جو نہایت مالدار اور سب سے خوشحال ہے جو پیشتر سے اس معاملہ میں شریک حال رہا اب وہ یہ چاہتا ہے کہ یہ کام بند کر دیا جائے تو اب اس میں دریافت طلب یہ ہے کہ قوم کے اس شخص کا ایسا کرنا جو باتفاق اسی کی رضامندی کے ساتھ تھا شرعاً جائز تھا کہ نہیں۔ اگر جائز تھا تو اس کار خیر کو روکنے والا عنداللہ کیسا ہے۔ اگر ناجائز ہے تو مفصل تحریر فرمائیں۔

(۲) شادیوں میں جو رسومات خلاف شریعت چلی آتی ہیں اور ان کے اندر فضول خرچ کرتے ہیں سوال یہ کہ قوم نے آپس میں مل کر یہ طے کر لیا ہے کہ ان تمام رسومات خلاف شریعت کو چھوڑ دینا چاہئے اور اس کے بجائے جہاں تمہاری ان رسومات میں دس روپے خرچ ہوں وہاں تم عنداللہ پانچ روپے مسجد میں دے دیا کرو تو قوم کا ایسا کرنا جائز ہے کہ نہیں اور جو شخص غریب ہے اس کی غربت پر نظر کرتے ہوئے کم دیا جاتا ہے کہ جتنی اس کی قدرت میں کچھ قوت ہے اور کوئی تکلیف معلوم نہ ہوتی ہو تو عنداللہ مسجد میں کچھ دے دیا کرو تو قوم کا ایسا کرنا کیسا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۲۶۶ مستری محمد عمر صاحب۔ سروٹ دروازہ (مظفر نگر) ۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۶ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ۷۸) (۱) جو لوگ کہ اپنی خوشی سے یہ رقم مسجد میں دیں تو ان کو کون روک سکتا ہے۔(۱) لیکن برادری اور پنچایت کے دباؤ سے مجبور کر کے لینا جائز نہیں۔(۲) اور جن لوگوں نے ابتداءً وعدہ کیا تھا اس کی پابندی دوسرے لوگوں کو جو مجلس وعدہ میں شریک نہیں تھے لازم نہیں۔

(۲) ایسا کرنا اس صورت میں جائز ہے کہ کسی پر جبر کر کے رقم نہ لی جائے (۳) ہاں مسرفانہ اور فضول رسمیں ترک کرنا اور ترک کرانے کی کوشش کرنا بہر صورت امر مشروع اور مستحسن ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مسجد کے قریب بلند وبالا گوردوارہ بنانا

(سوال) (۱) مسجد کے قریب مندر یا گوردوارہ بنانا جائز ہے یا نہیں۔ سنکھ بجانا یا میلہ کرنا جس کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں خلل آتا ہے جب اہل ہنود ایسا کریں تو مسلمانوں کو کیا عمل کرنا چاہئے؟

(۲) مسجد خانہ خدا سے اونچی عمارت بنانا، مندر یا گوردوارہ جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) لو وقف الذمی [illegible] وقال یسرج به بیت المقدس او یجعل فی مرمة بیت المقدس جاز (عالمگیریه، کتاب الوقف، الباب الاول، ج: ۲، ۳۵۳، ماجدیه)

(۲، ۳) لایحل مال امرئ الا بطیب نفسه (مشکوة شریف، باب الغصب والعارية، ج: ۱، ۲۵۵، سعید)

(۴) من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه

المستفتی نمبر ۲۳۳۷ شیخ محمد حسن دہلی۔ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۴ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۷۹)(۱) دارالاسلام میں اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ شعائر کفر کے اظہار و اعلان کا موقع نہ دے۔ لیکن دارالحرب میں جہاں مسلمانوں کو کوئی شوکت اور تنفیذ کی قوت حاصل نہیں وہاں ان کا فرض ہے کہ وہ حکمت عملی اور باہمی رواداری کے ذریعہ سے اظہار شعائر کفر کو روکیں اور حکومت متسلطہ کے واسطے سے ایسی باتوں کو روکوائیں جو فتنہ اور نقض امن پیدا کریں۔ مسجد کے قریب مندر بنانے کی اجازت دینے سے سنکھ اور گھنٹہ کی آواز سے مسلمانوں کی نماز میں خلل واقع ہونا یقینی ہے۔ اس لئے اس فتنہ کا سدباب حکومت کے فرائض میں سے ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی زمین پر مسجد سے اونچی عمارت بناتا ہے تو (بشر طیکہ اس عمارت میں کوئی فتنہ کا کام نہ کیا جائے) اسے روکا نہیں جاسکتا۔ ہزاروں مسجدیں اس پوزیشن میں آج بھی موجود ہیں۔ مندر اور گوردوارہ کا اتصال موجب فتنہ ہو تو فتنہ و نقض امن کی جہت سے روکا جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

مسجد کے دروازہ پر کتبہ میں لا الہ الا اللہ لکھ کندہ کرنا

لاالہ الااللہ (قال محمدؐ) محمد الرسول اللہ الصلوٰۃ قربان لکل تقی

(سوال) ایک مسجد کے دروازہ پر مندرجہ ذیل طریقہ پر کتبہ کندہ ہے۔

اس کے متعلق سوال یہ ہے کہ اس کتبہ کا طرز تحریر صحیح ہے یا غلط ہے۔ کسی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ طریقہ غلط ہے کیونکہ اسے جو شخص پڑھے گا اس طرح پڑھے گا کہ لا الہ الا اللہ کے بعد قال محمدؐ پڑھے گا۔ پھر محمد رسول اللہ پڑھے گا۔ بعد و نیچے کی حدیث شریف پڑھے گا۔ اوپر کی سطر کا مطلب اس طرح سے یوں ہو گا کہ لا الہ الا اللہ کہا محمد نے کہ محمد رسول اللہ۔ اب خاکسار جناب سے سوال کرتا ہے کہ کیا مذکورہ بالا اعتراض بجا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۶۳۶ شیخ یوسف علی (برار) ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ م ۲۸ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۸۰) اس کتبہ میں ایک تو صریح غلطی ہے کہ محمد الرسول اللہ لکھا ہے۔ حالانکہ صحیح "محمد رسول اللہ" ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ "الصلوٰۃ قربان لکل تقی" لکھے ہیں۔ یہ حدیث جامع صغیر(۱) سیوطی اور کنوز الحقائق مناوی(۲) اور کنز العمال(۳) تینوں کتابوں میں اس طرح پائی گئی۔ "الصلوۃ قربان کل تقی" یعنی کل پر لام نہیں ہے۔ تیسری کوتاہی اس میں طرز تحریر کی بھی ہے۔ لفظ "قال محمد" کو پہلی سطر میں کلمہ کے درمیان کہہ دینا نامناسب ہوا۔ اس لئے کتبہ کی صحیح اور بہتر صورت یہ ہونی چاہئے۔(۳)

لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ قربان کل تقی

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) جامع صغیر، حرف الصاد ج: ۲، ۵۰ المکتبۃ الاسلامیہ

(۲) کنوز الحقائق علی هامش الجامع الصغیر، ج: ۲، ٤ المکتبہ الاسلامیہ

(۳) کنز العمال الفصل الثانی فی فضائل الصلاۃ، ج: ۷، ۲۸۸، رقم الحدیث: ۱۸۹۹۷

مسجد کی تعمیر کے متعلق چند سوالات

(سوال) ایک قدیم مسجد کی از سر نو تعمیر کے دوران میں زید کی طرف سے محراب مسجد پر کلمہ طیبہ کی تختی نصب کرنے کے متعلق خالد نے سائز وغیرہ دریافت کی۔ اس وقت بکر صدر تعمیر مسجد کمیٹی نے کہا کہ دوست یا دشمن مسجد کی زیبائش کے لئے کوئی چیز دے تو ہمیں انکار و اعتراض نہیں۔ عہدیداران تعمیر کمیٹی مذکور کی موجودگی میں مستری نے خالد سے کہا کہ زید کو سنگ مرمر کا منبر بنوانے کی ترغیب دلائیں تاکہ مسجد کی زیبائش بڑھ جائے۔ خود عمرو سکریٹری کمیٹی مذکور نے تیسرے روز خالد کو بلا کر منبر کے لئے مستری کا مجوزہ تخمینہ بھی بتلایا تو زید نے چار روز کی کوشش کے بعد ایک کمپنی سے معاملہ بالکل طے کر کے منبر کا پلان بھی حاصل کیا۔ لیکن یکایک عہدیداران کمیٹی مذکور نے ایک عذر بے جا پیش کر کے اس وقت منبر مذکور لینے سے انکار کر دیا۔ عمرو نے یہ بھی کہا "کس کتاب میں سنگ مرمر بنوانے کے لئے لکھا ہے ؟"

قریباً تین ماہ گذرنے پر اب خالد نے بذریعہ تحریر عہدیداران تعمیر مسجد کمیٹی سے تختی و منبر مذکور قبول کرنے کے متعلق دریافت کیا تو جواب سے بلطائف الحیل گریز کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ زید اب بجائے منبر مذکور بنوانے کے تعمیر مسجد میں نقداً حصہ لے لے تاکہ محض زید کی ضد میں بکر کو اپنی طرف سے ایسا ہی منبر بنوانے کا موقع مل سکے۔ اندریں صورت :-

(۱) عہدیداران تعمیر مسجد کمیٹی کا زید کی طرف سے منبر لینے سے انکار کرنا جائز ہے یا ناجائز ؟

(۲) زید کو منبر مذکور بنانے کے عزم اور طے کردہ معاملہ سے بدلنے پر مجبور کر کے تعمیر مسجد میں نقداً حصہ لینے کی ترغیب دلانا جائز ہے یا ناجائز ؟

(۳) بکر محض زید کی ضد میں عہدیداران تعمیر مسجد کمیٹی کے ذریعہ زید کو منبر مذکور بنوانے سے روک کر خود دوسرا منبر بنوانا چاہتا ہے تو بکر کا یہ فعل شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

(۴) جو لوگ بکر کی تائید و حمایت میں زید کو اس کار خیر کے انجام دینے سے باز رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے ؟

(۵) عمرو کے قول "کس کتاب میں سنگ مرمر کا منبر بنوانے کیلئے لکھا ہے" پر تحقیقی روشنی ڈالی جائے۔ کیونکہ حرمین شریفین اور اکثر بڑی مساجد میں اسی قسم کے منبر موجود ہیں۔

المستفتی نمبر ۲۶۳۸ محمد حبیب اللہ صاحب (بمبئی) ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ م ۲۹ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۸۱) (۱) عہدیداران تعمیر مسجد کمیٹی کا منبر لینے سے انکار ناجائز ہے کیونکہ مسجد کے لئے کوئی عطیہ قبول نہ کرنا مسجد کو نقصان پہنچانا ہے اور مسجد کو نقصان پہنچانے کا متولی یا منتظم کو حق نہیں ہے۔(۱)

(۲) اگر اس میں حقیقۃً مسجد کا فائدہ مد نظر ہو ذاتی غرض کی آمیزش نہ ہو تو ایسا مشورہ دینا گناہ نہیں۔ مشورہ قبول

---

(۱) خیر الفتاویٰ میں ہے : مساجد، مدارس، یتیم خانے اور دیگر اداروں کے لئے مسلمانوں کا چندہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ صالح ہو یا فاسق، جیسا کہ ہر مسلمان کی وفات پر جنازہ پڑھا جاتا ہے، چاہے نیک ہو یا بد۔ البتہ ایک احتیاط ضروری ہے کہ مسجد میں حرام مال نہ لگایا جائے۔ (ما تعلق باحکام المساجد، ج : ۲ ۶۷۷)

کرنا نہ کرنا زید کے اختیار میں ہے۔
(۳) اگر بکر کا یہ فعل محض ضد اور اپنی شہرت اور ناموری کی نیت سے ہو تو ناجائز ہے۔ من سمع سمع الله به
(۴) مگر نیت امر قلبی ہے۔ کسی پر بدنیتی کا الزام لگانا بھی بغیر پختہ دلیل کے خطرناک ہے۔(۱)
(۴) زید ایک نیک کام کا ارادہ کر رہا ہے۔ اس سے اسے باز رکھنے کی کوشش کرنا درست نہیں۔ اگر دو آدمی ایک ہی کام کرنا چاہتے ہیں تو باہمی رضامندی سے فیصلہ کر لیں یا پھر قرعہ ڈال لیں۔ جس کا نام نکل آئے وہ منبر بنائے اور دوسرا آدمی رقم مسجد کے کسی اور کام میں صرف کر دے۔(۲)
(۵) یہ قول تو محض عامیانہ ہے کیونکہ سنگ مرمر کا منبر ہونے کا جواز اس پر موقوف نہیں ہے کہ وہ کسی کتاب میں لکھا ہو۔ مسجد میں قالین کا فرش بچھانا کسی کتاب میں نہیں لکھا۔ ٹائل لگانا کسی کتاب میں نہیں لکھا لیکن یہ سب کام متمول لوگ کر رہے ہیں اور اباحت اصلیہ کی بناء پر برداشت کئے جا رہے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ

مسجد یا اس کے سامان میں شرکت نہیں ہو سکتی

(سوال) خانہ خدا یعنی مسجد کی عمارت، رقبہ، چار دیواری، تہہ زمینی، ملبہ سامان وغیرہ میں کوئی صورت اشتراک کسی شخص کی قائم رہ سکتی ہے یا نہیں؟ اور مسجد کی دیوار مسجد کے اور کسی ہمسایہ کے درمیان مشترک ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۲۷ محمد بخش اعوان مکھیالہ ضلع جہلم ۳۰ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ م ۱۵ جولائی ۱۹۴۲ء

(جواب ۸۲) مسجد شرعی اصول و قواعد کے ماتحت اسی وقت مسجد ہوتی ہے جب حقوق العباد کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ رہے تو مسجد شرعی کے کسی جزو کے ساتھ حق عبد متعلق نہیں رہ سکتا۔ اذا جعل ارضا له مسجدا و شرط من ذلک شیئا لنفسه لایصح بالاجماع کذافی المحیط (فتاوی عالمگیری)(۳) حاصله ان شرط کونه مسجدا ان یکون سفله و علوه مسجد الینقطع حق العبد عنه۔ (شامی ص ۲۰۴ ج ۳)(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد کی کوئی چیز اپنی ملکیت میں نہیں

(سوال) مسجد فتح پوری کے پشتہ متنازعہ فیہ کے متعلق حاجی محمد اسحق صاحب کا جو ایک معزز رکن کمیٹی مسجد فتح پوری سے ہیں بیان ہے کہ یہ پشتہ شاہی وقت کا ہے اور تعمیر کنندہ مسجد نے مسجد کے ساتھ اس پشتہ کو بنوایا ہے۔ کیا اس چیز کے ثابت ہوتے ہوئے کہ یہ پشتہ مسجد کا ہے کسی دنیوی مصلحت کی وجہ سے وہ پشتہ کسی شخص کو دے

(۱) خیر الفتاوی میں ہے: مساجد مدارس، یتیم خانے اور دیگر اداروں کے لئے مسلمانوں کا چندہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ صاف دیوار سی بھی ایسا ہی مسلمان کی وفات پر جنازہ پڑھا جاتا ہے، چاہے نیک ہو یا بد، البتہ ایک احتیاط ضروری ہے کہ مسجد میں حرام مال نہ لگایا جائے۔ (ما یتعلق باحکام المساجد ج ۲ ص ۶۷۷)
(۲) الماروی ان النبی علیه السلام کان اذا اراد سفرا اقرع بین نسائه (هدایة کتاب النکاح، باب القسم ص ۳۴۹، ۲، ط. مکتبه شرکه علمیة) (وقال فی الدرایة: متفق علیه)
(۲) مسند احمد ج ۵ ص ۵۷ بیروت
(۳) (کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، الفصل الاول فیما یصیر به مسجد او فی احکامه واحکام مافیه ص ۴۰۷، ۲ ط ماجدیة)
(۴) (ردالمحتار: کتاب الوقف ص ۳۰۸، ۴ سعید)

دیا جائے کہ وہ اپنی عمارت میں داخل کر لے یا یہ شرعاً جائز ہے؟

المستفتی خلیل الرحمن ۔ گلی پان والی پہاڑ گنج ۔ دہلی۔

(جواب ۸۳) مجھے یہ معلوم نہیں کہ حاجی محمد اسحق صاحب نے یہ بیان دیا ہے یا نہیں ؟ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اگر یہ بیان ہے تو کس امر پر مبنی ہے ۔ بہر حال مسئلہ تو صاف ہے کہ مسجد کے تمام اجزاء جو مسجد کے ساتھ وقف ہوں اور ان کی جزئیت اور وقف ہونے کا ثبوت شرعی ہو وہ کسی مصلحت کے باعث منتقل نہیں کئے جا سکتے (۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

مسجد کے لئے وقف شدہ زمین پر مسجد کے لئے مکان بنانا

(الجمعیۃ سلطان العلوم نمبر مورخہ ۳ نومبر ۱۹۲۸ء)

(سوال) میرے والد مرحوم اپنی اراضیات میں سے دو بیگہ اراضی نوع کاشت ریتی مسجد میں وقف کر گئے ۔ اب اس زمین کی پشتہ بوجہ قطع و برید دریا ناقص ہو گئی ہے اور پیداوار بھی کم ہو گئی ہے ۔ کیا میں اس زمین کو مکان بنانے کے لئے بندوبست کر سکتا ہوں ۔ اس کی آمدنی اس طرح نسبتاً زیادہ ہو سکتی ہے ۔

(جواب ۸۴) اس زمین پر مسجد کے لئے مکان بنانا جائز ہے جب کہ مکان مسجد کے لئے وقف ہو اور اس کی آمدنی مسجد پر صرف کی جائے ۔ (۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ ،

مسجد کے صفائی کے متعلق احکام
مسجد کے احکام متعلقہ صفائی و نظامت

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا الحديث ۔ (بخاری ۔ مسلم ۔ مشکوٰۃ) (۳)

(۲) البزاق فی المسجد خطیئة (بخاری ۔ مسلم ۔ و مشکوٰۃ) (۴)

(۳) وجدت فی مساوی اعمالها النخاعة فی المسجد لاتدفن (مسلم ۔ مشکوٰۃ) (۵)

---

(۱) وكذالك اذا جعل داره مسكنا للمساكين ودفعها الى وال يقوم بذالك فليس له ان يرجع فيها (العالمكيرية كتاب الوقف، الباب الثاني عشر ، ص ۴۶۵ ، ۲ ط. ماجديديه) رجل له ساحة لابناء فيها امرقوما ان يصلوا فيها بجماعة الى قوله صارت الساحة مسجد الومات لايورث عنه (عالمگيرية كتاب الوقف، الباب الحادى عشر ص ۴۵۵ ۲) ديباج الكعبه اذا صار خلقا لا يجوز اخذه (عالمگيرية كتاب الوقف. الباب الحادى عشر . الفصل الثانى ص ۴۵۹ ۲) ماجديه

(۲) ارض وقف على مسجد والارض بجنب ذلك المسجد وارادوا ان يزيد وافى المسجد شيئا من الارض جاز لكن يرفع الامر الى القاضى لياذن لهم مستغل الوقف كالدار والحانوت على هذا. كذافى الخلاصة (فتاوى عالمگيريه، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر ، الفصل الثانى فيما يصير به مسجدا، ج ۲ ص ۴۵۶)

(۳) بخاری شریف، باب مايكره من الثوم والبقول. ج : ۲ ۸۲۱، ۸۲۲، قديمى كتب خانه، مسلم شريف باب من اكل ثوما او بصلا ونحوها. ج ۱ ۲۰۹ قديمى كتب خانه، مشكوة شريف، كتاب الصلاة باب المساجد. ج ص ۶۸

(۴) بخاری شریف. باب كفارة البزاق فى المسجد، ج ۱ ۵۹، قديمى، مسلم شريف، باب النهى عن البزاق فى المسجد ج ۱ /۲۰۷ ، ولكن بهذه الالفاظ التفل فى المسجد خطيئة، مشكوة ص ۶۹ بحواله بالا

(۵) مسلم شريف، باب النهى عن البصاق، ج ۱ /۲۰۷ - قديمى، مشكوة شريف ص ۶۹ بحواله بالا

(۴) امر رسول الله صلی الله علیه وسلم ببناء المسجد فی الدور وان ینظف ویطیب (ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ)(۱)

(۵)قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا رأ یتم الرجل یتعاهد المسجد فاشهدواله بالایمان (ترمذی۔ ابن ماجہ ص ۵۸ باب لزوم المساجد وانتظار الصلوٰۃ۔ قدیمی۔ دارمی۔ مشکوٰۃ)(۲)

(۶)رای النبی صلی الله علیه وسلم نخامة فی القبلة فشق ذالك علیه حتی رئی فی وجهه فقام فحکه بیده(بخاری۔ مشکوٰۃ)(۳)

(۷)جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم وبیعکم وشراء کم ورفع اصواتکم(منذری۔ ردالمحتار ص ۶۶۱ ج ۱)(۴)

(۸) وکره تحریما الوطی فوقه والبول والتغوط واتخاذه طریقا بغیر عذروادخال نجاسة فیه وعلیه فلا یجوزالاستصباح بدهن نجس فیه ولا تطیینه، بنجس ولا البول والفصد فیه ولوفی اناء(درمختار)(۵)

(۹) لایدخل المسجد من علی بدنه نجاسة (ردالمختار عن الهندیه(۶) ص ۶۶۱ ج ۱)

(۱۰)کره تحریما البول والتغوط فوقه لانه مسجد الی عنان السماء (درمختار) (۷) وکذاالی تحت الثریٰ (ردالمحتار) (۸)

ہر وقف عام کے لئے تابید ضروری ہے

(۱) ویجعل اخره لجهة لاتنقطع (تنویر الابصار) (۹) یعنی لابدان ینص علی التابید عند محمد خلافالابی یوسف وهذا فی غیر المسجد اذلامخالفة لمحمد فی لزوم (۱۰)(ردالمحتار ص ۳/۳۷۶) فظهر بهذا ان الخلاف بینهما فی اشتراط ذکر التابید وعدمه انما هو فی التنصیص علیه اوما یقوم مقامه کالفقراء ونحوهم واما التابید معنی فشرط اتفاقا علی الصحیح وقد نص علیه محققو المشائخ اه(ردالمحتار(۱۱) ص ۳۷۶ ج ۳)

مسجد کے لئے تابید بالاتفاق ضروری ہے

ویزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل وبقوله جعلته مسجدا (درمختار) (۱۲)قوله بالفعل ای بالصلوٰة فیه ففی شرح الملتقی انه یصیر مسجدا بلاخلاف ثم قال عند قول الملتقی وعند ابی یوسف یزول بمجردالقول ولم یردانه لایزول بدونه لما عرفت انه یزول بالفعل ایضا

---

(۱) ابوداؤد، باب اتخاذ المسجد فی الدور، ج: ۱، ص ۶۶ سعید، ترمذی شریف، باب ماذکرفی تطییب المساجد، ج ۱، ۱۳۰، سعید، ابن ماجه، باب تطهیر المساجد وتطییبها، ص ۵۵، قدیمی، مشکوٰة شریف ص ۶۹ بحواله بالا
(۲) بخاری شریف، باب حك البزاق بالیدمن المسجد، ج: ۱/ ۵۸، قدیمی، مشکوٰة شریف ص ۶۹بحواله بالا
(۳) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب مایفسدالصلاة، ج: ۱/ ص ۶۵۶، سعید
(۴) ایضاً (۵) ایضاً (۶) ایضاً (۷) ایضاً
(۸) تنویر الابصار، کتاب الوقف، مطلب فی الکلام علی اشتراط التابید، ج: ۴ ص ۳۴۸، سعید
(۹) ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی الکلام علی اشتراط التابید، ص ۴/۳۴۸ ط. سعید)
(۱۰)(ایضاً ص ۴/۳۴۹)
(۱۱) والدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد، ص ۴/۳۵۶،۳۵۵ ط سعید)(۱۲) ایضًا

بلاخلاف اھ قلت وفی الذخیرۃ وبالصلوۃ بجماعۃ یقع التسلیم بلاخلاف حتی انہ اذا بنی مسجدا واذن للناس بالصلوۃ فیہ جماعۃ فانہ یصیر مسجدا(ردالمحتار(۱)ص۳۸۱ ج۳)

اعلم ان المسجد یخالف سائر الاوقاف فی عدم اشتراط التسلیم الی المتولی عند محمد وفی منع الشیوع عند ابی یوسف وفی خروجہ عن ملک الواقف عندالامام وان لم یحکم بہ حاکم کما فی الدرر وغیرہ (ردالمحتار(۲)ص۳۸۱ ج۳)

ولوخرب ماحولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدا عندالامام والثانی ابدالی قیام الساعۃ وبہ یفتی (درمختار) (۳) فلا یعود میراثاولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد اخر سواء کانوا یصلون فیہ اولا. وھوالفتوی (حاوی القدسی) واکثرالمشائخ علیہ (مجتبی) وھوالاوجہ (فتح) اھ بحر (ردالمحتار (۴) ص ۳/۳۸۲) ان المسجد اذا خرب یبقی مسجدا ابدا المفتی بہ قول ابی یوسف انہ لایجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد اخر کما مر عن الحاوی (۸) رد المحتار ص۳۸۳ ج۳)

اذا جعل ارضہ مسجدا ونواہ واشھد ان لہ ابطالہ وبیعہ فھو شرط باطل ویکون مسجدا. کذا فی الذخیرۃ (عالمگیری (۵) ص ٤٤٥) والفتوی علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی انہ لایعود الی ملک مالک ابدا (عالمگیری (۲) ص ٤٤٥) وقیل ھو مسجد ابدا وھوالاصح کذافی خزانۃ المفتین(عالمگیری ص۴۴۵)(۷)

باوجود عدم استعمال کے مسجد کی مسجدیت زائل نہیں ہوتی

ان المسجد اذا خرب یبقی مسجدا ابداً (ردالمحتار)(۸)سئل القاضی الامام شمس الائمۃ محمود الاوزجندی مسجد لم یبق لہ قوم وخرب ماحولہ واستغنی الناس عنہ ھل یجوز جعلہ مقبرۃ قال لاوسئل ھوایضا عن المقبرۃ فی القری اذا اندرست ولم یبق فیھا اثر الموتی لاالعظم ولا غیرہ ھل یجوززرعھا واستغلالھا قال لاولھا حکم المقبرۃ کذافی المحیط (فتاوی (۹)عالمگیری ص۴۵۲ ج۲)

فان حرمۃ المسجد واحکامہ الثابتۃ لہ باقیۃ الی یوم القیامۃ ولواتسع وازیلت جدرہ واعیدت عادت علی ذالک الحکم من غیر تغیر فان الحکم المذکور منوط بالمسجد من حیث ھولا بذلک الجدار بعینہ (الحاوی)(۱۰) ص۱۷ ج۲

---

(۱) (ردالمختار، ایضاً ض ٤/٣٥٦)(٢) ایضاً ص ٣٥٦،٣٥٥)/٤

(٣) (الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب فیما لوخرب المسجداوغیرہ ص ٣٥٨/٤ ط سعید)

(٤) (ایضاً ص ٤/٣٥٨)(٥) (ایضاً ص ٤/٣٥٩)

(٦) (الفتاوی العالمگیریہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الاول، ص ٤٥٨،٤٥٧/٢ ط ما جدیہ)

(٧) ایضاً ص ٤٥٨/٢)(٨) (العالمگیر یہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الاول، ص ٤٥٨/٢ ط ماجدیۃ)

(٩)ردالمحتار، کتاب الوقف مطب فیما لوحزب المسجد اوغیرہ، ص ٤/٣٥٩ ط سعید)

(١٠) الفتاوی عالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، ص ٤٧٠/٢ ط ماجدیۃ)

(١١) (الحاوی للفتوی فصل فی بیان ان جماعۃ من مفتی عصر المولف افتوا بجواز فتح الباب الکوۃ والشباك من دار بیت ملا صقۃ للمسجد ص ٢/ ١٧ ط بیروت

مسجد اپنی جائیداد موقوفہ کی مالک ہے اور قانونی شخص کی حیثیت رکھتی ہے

ولو قال وهبت داری للمسجد اواعطيتها له صح. ويكون تمليكا فيشترط التسليم كما لوقال وقفت هذه المائة للمسجد. يصح بطريق التمليك اذا سلمه للقيم كذافي الفتاوى (۱) العتابيه لوقال هذه الشجرة للمسجد لاتصير للمسجد حتى تسلم الى القيم كذا في المحيط (فتاوى عالمگيری ص ۲/٤٤٧) رجل اعطى درهما في عمارة المسجد اونفقة المسجد اومصالح المسجد صح لانه وان كان لايمكن تصحيحه تمليكا بالهبة للمسجد فاثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح فيتم بالقبض كذافي الواقعات الحساميه(فتاوی عالمگیری(۲)ص ۴۴۷ ۲)

رجل وقف ارضاله على مسجد ولم يجعل اخره للمساكين تكلم المشائخ فيه والمختار انه يجوز في قولهم جميعا كذافي الواقعات الحساميه (فتاوى (۳) عالمگيری ص ۲/٤٤٧) اذا غرس شجراً في المسجد فالشجر للمسجد (فتاوی(۴)عالمگیری ص ۴۵۵ ۲)رجل غرس تالة في مسجد فكبرت بعد سنين فاراد متولى المسجد ان يصرف هذه الشجرة الى عمارة بيرفى هذه السكة والغارس يقول هي لي فاني ماوقفتها على المسجد قال الظاهر ان الغارس جعلها للمسجد فلا يجوز صرفها الى البيرولا يجوز للغارس صرفها الى حاجة نفسه كذافي المحيط (عالمگیری(۵) ص۴۵۶) مسجد فيه شجرة تفاح يباح للقوم ان يفطروابهذاالتفاح قال الصدر الشهيد رحمه الله المختار انه لايباح كذافي الذخيرة (فتاوى عالمگيری (۶)ص ٤٥٦) مسجد له اوقاف مختلفة لاباس للقيم ان يخلط غلتها كلها وان خرب حانوت منها فلا باس بعمارته من غلة حانوت اخرلان الكل للمسجد ولو كان مختلفالان المعنى يجمعها(۷)۔

(۱) ہر وہ چیز جو موقوف علیہ بن سکے اور متعین ہو وہ قانونی شخص ہے اور مسجد موقوف علیہ بن سکتی ہے۔

(۲) ہر وہ چیز جو مالک بن سکے وہ قانونی شخص ہے اور اس کی ملک کی حفاظت گورنمنٹ کا فرض ہے اور اس کو اپنی ملک کی حفاظت کے لئے دعویٰ دائر کرنے کا حق ہے۔

(۳) شخصی ملک قابل زوال وانتقال ہے- مالکانہ حیثیت جو قابل زوال وانتقال ہے جب یہ اپنے مالک کو قانونی شخص کی حیثیت دے دیتی ہے تو مسجد کی ملک جو نا قابل زوال وانتقال ہے اپنے مالک (مسجد) کو قانونی شخص کا مرتبہ بدرجہ اولیٰ دے گی۔

---

(۱) (العالمگيريه ، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر ، الفصل الثاني، ۲/ ٤٦٠ ط ماجدية)
(۲) (ايضا) (۳) ايضاً (٤) (العالمگيرية كتاب الوقف، الباب الثانی عشر، ۲/ ٤٧٤ ط ماجدية)
(٥) العالمگيريه، كتاب الوقف، الباب الثانی عشر، ص ٤٧٧/ ۲ ط ماجديه)
(٦) (ايضا)
(۷) (الشاميه، كتاب الوقف مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه ، ٤/ ۳٦١ ط سعيد) ومثله في البزازية، كتاب الوقف الفصل الرابع، ص ۳ ۲٦٩ ، ۲۷۰ ط ماجدية)

دوسرا باب
فصل اول
مدرسے کا اور اس کے مال کا صحیح مصرف

مدرسہ کی رقم کفار کی تعلیم میں خرچ کرنے کا حکم

(سوال) قصبہ مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ میں ایک مدرسہ دارالعلوم نامی صرف قرآن پاک اور دینی تعلیم کی غرض سے محض صدقات و قربات چرم اضحیہ و مفلس و بے کس غریب نادار مسلمانوں کی پاک کمائی سے جاری ہے۔ اگرچہ چند روز سے بطور امداد منجانب سرکار انگلشیہ بھی مبلغ ۵۰ روپے ماہوار اور وہ بھی خاص عربی تعلیم کے لئے ملتے ہیں۔ اب اس کے اندر تھوڑے روز سے چند ناعاقبت اندیش مسلمانوں کے ناجائز مشورے سے ایک ہندو آریہ ملازم رکھا گیا ہے اور کفار اشرار کے بیسیوں لڑکے ہندی حساب کتاب کی تعلیم پاتے ہیں اور غریب مسلمانوں کی پاک اور گاڑھی کمائی کا پیسہ ان ملاعنہ اشرار کی تعلیم میں برابر صرف ہو رہا ہے۔ لہذا ایسا طیب اور حلال مال جو یتیموں و بیواؤں کے منہ سے چھین کر صرف اسلامی تعلیم کیلئے دیا جاتا ہے کفار کی تعلیم میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

(جواب ۸۶) چندہ کا روپیہ اسی کام میں صرف ہو سکتا ہے جس کے لئے دینے والوں نے دیا ہے۔ اس کے علاوہ خرچ کرنا جائز نہیں(۱) جو خرچ کرے گا وہ خود ضامن ہوگا۔ حساب کتاب وغیرہ کی تعلیم مسلمانوں اور کافروں کے بچوں کو دینا ناجائز نہیں مگر اس کام کے لئے وہ روپیہ خرچ نہیں کیا جا سکتا جو خاص دینی تعلیم یا خاص مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم کے لئے دیا گیا ہو۔ مدرسہ کے کارکن چندہ دینے والوں کے وکیل ہیں اور وکیل اگر اپنے مؤکل کے حکم اور اجازت کے خلاف خرچ کرے تو خود ضامن ہوتا ہے۔ **الوكيل اذا خالف ان خلافا الى خير في الجنس كبيع بالف درهم فباعه الف ومائة نفذ ولو بمائة دينارا لاولو خيرا** (خلاصہ و در مختار)(۲)

وقف کا مال واقف کی نیت کے مطابق خرچ کرنا

(سوال) دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت نے صرف دینی و مذہبی تعلیم و اشاعت کی نیت سے ایک عمارت مع زمین وقف کر دی وہ عمارت مدرسہ اسلامیہ عربیہ کے نام سے مشہور ہو کر تقریباً عرصہ بیس سال سے اب تک دینی و مذہبی و اسلامی تعلیمات کا گہوارہ بنی رہی۔ مقامی طلباء کے علاوہ بیرونی تشنگان علوم عربیہ بھی اس مدرسے سے سیراب ہوتے رہے۔ مخیر حضرات کی امداد کے ذریعہ ان کی خورد و نوش کا انتظام ہوتا رہا۔ لیکن چند ماہ سے ایک شخص مدرسہ کے انتظام کو بعض حکام کی مدد سے اپنے ہاتھ میں لے کر بانیان مدرسہ کے اغراض و مقاصد کے

---

(۱) سئل القاضي الامام شمس الائمة محمود الاوزجندي في مسجد لم يبق له قوم وخرب ماحوله، واستغنى الناس عنه هل يجوز جعله مقبرة ؟ قال : لا (عالمگيريه، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر، ج : ۲/ ۴۷۸)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الوكالة، ج : ۵/ ۵۲۱، سعيد)

خلاف مدرسے کو انگریزی اسکول بنانا اور انگریزی تعلیم و مغربی تنظیم کے ماتحت لانا چاہتا ہے۔ علوم اسلامیہ عربی فارسی کی تعلیمات کو محض اپنی شخصی و ذاتی رائے سے وقف کرنا چاہتا ہے - چنانچہ اس دینی درس گاہ میں بجائے مولوی کے انگریزی داں کو ہیڈ ماسٹر بنانا جو کہ علوم دینیہ و مذہبی معلومات سے قطعاً نابلد ہے عربی فارسی کے طلباء کو خارج کر دینا چاہتا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۹۶۶ حاجی عبدالغفور (ضلع بجنور) ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ یکم جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۸۷) شرط واقف کی رعایت لازم اور واجب ہے جو عمارت کہ دینی تعلیم کے لئے وقف کی گئی ہے اس کو دنیوی تعلیم کے لئے استعمال کرنا درست نہیں۔(۱) ایسے مدرسے میں جو دینی تعلیم کے لئے وقف ہے۔ دینی تعلیم کے ماہرین ہی مدرس بنائے جا سکتے ہیں۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد میں دینی اور عصری تعلیم جاری کرنا

(سوال)(۱) مسجد کے اندر مدرسہ بنانا بایں خیال کہ مدرسہ مسجد کے اندر مستقل طور پر قائم کیا جاوے اور اس میں دین و دنیا دونوں کی تعلیم دی جائے حتیٰ کہ ہندو کے لڑکے بھی تعلیم پاویں اور ڈسٹرکٹ بورڈ سے امداد بھی لی جائے - بورڈ کا ممتحن بھی برائے امتحان و معائنہ خواہ کسی مذہب کا ہو آوے۔ کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے ؟
(۲) اور اگر حیثیت مذکور کا بالا مدرسہ نہ ہو بلکہ خاص دینی تعلیم ہو قرآن و حدیث کی کوئی مدرس تنخواہ لے کر پڑھانے والا ہو اور اس مدرسہ کو خاص طور پر مسجد ہی کے اندر رکھا جائے شرعاً کیسا ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۴۳۰ محمد امین صاحب (ضلع اعظم گڑھ) ۲۸ صفر ۱۳۵۶ھ م ۱۰ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۸۸) مسجد کے اندر مدرسہ بنانے سے اگر مراد یہ ہے کہ مسجد کا حصہ (مہیاللصلوٰۃ) کو مدرسہ بنا دینا تو یہ نہیں ہو سکتا۔(۳) ہاں مسجد میں بیٹھ کر دینیات کی تعلیم دینے میں مضائقہ نہیں مگر مسجد کی حیثیت مسجد ہی کی رہے گی۔ مدرسہ کی حیثیت پیدا نہ ہوگی۔(۴) اور آداب مسجد کی رعایت لازم ہوگی اور اگر مراد یہ ہے کہ احاطہ مسجد کے اندر فاضل جگہ موجود ہے - موضع مہیاللصلوٰۃ اس سے علیحدہ ہے تو اس فارغ اور فاضل جگہ میں مدرسہ بنانا جائز ہے۔ لیکن مدرسہ عارضی ہوگا اور اگر کبھی مسجد کو اس جگہ کی ضرورت ہوگی تو مدرسہ اٹھانا پڑے گا اور جگہ مسجد

---

(۱) على انهم صرحوا مراعاة غرض الواقفين واجبة.....وقدمر وجوب العمل بشرط الواقف (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، ج: ٤/ ٤٤٥، سعيد)
(۲) اذا ولى السلطان مدرسا ليس باهل لم تصح توليته، لان فعله مقيد بالمصلحة خصوصا ان كان المقرر عن مدرس اهلا فان الاهل لم ينعزل، وصرح البزازى فى الصلح، بان السلطان اذا اعطى غير المستحق فقد ظلم مرتين بمنع المستحق واعطاء غير المستحق اه (الشامية، كتاب الوقف مطلب لايصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة اوعدم اهلية، ص ٤/٣٨٢
(۳) مسجد لم يبق له قوم وخرب ماحوله واستغنى الناس عنه هل يجوز جعله مقبرة قال لا (العالمگيرية، كتاب الوقف الباب الثانى عشر ص ٢/٤٧٠ ط ماجدية)
(٤) قوله لالدرس او ذكر، لانه مابنى لذلك وان جازفيه ذلك (ردالمحتار كتاب الصلاة، ج: ١/ ٦٦٣، سعيد)

کے حوالے کرنی پڑے گی۔(۱) ایسے مدرسہ میں جو فارغ جگہ میں بنایا گیا ہو دینی و دنیوی جائز تعلیم جاری کرنا بھی جائز ہے اور اس میں مسلم و غیر مسلم لڑکے تعلیم کے لئے اور انسپکٹر تعلیم معائنہ کے لئے آسکتے ہیں۔ ڈسٹرکٹ بورڈ سے امداد لینا بھی جائز ہے(۲) فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) ارض لاهل قرية جعلوها مقبرة واقبر فيها ثم ان واحدا من اهل القرية بنى فيها بناء وضع اللبن وآلات القبر واجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا اهل القرية اورضا بعضهم بذلك، قالوا ان كان فى المقبرة سعة بحيث لايحتاج الى ذالك المكان فلا باس به، وبعد مابنى لو احتاجوا الى ذالك المكان رفع البناء حتى يقبر، كذافى فتاوى قاضيخان (عالمگيرية، كتاب الوقف، الباب الثانى عشر ص ۲۰٤٦۸،٤٦۷) ارادانسان ان يدرس الكتاب بسراج المسجد، ان كان سراج المسجد موضوعا فى المسجد للصلاة قيل لاباس به، وان كان سراج المسجد موضوعا فى المسجد لالصلاة، بان فرغ القوم من صلاتهم ذهبوا الى بيوتهم وبقى السراج فى المسجد قالو الاباس بان يدرس به الى ثلث الليل وفيما زاد على الثلث لايكون له حق التدريس كذافى فتاوى قاضيخان (العالمگيريه، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر ص ۲/٤٥۹)هذا يدل على جوازالتدريس فى المسجد ولو بسراج المسجد، فالتدريس خارج المسجد فى ارض وقف له يجوز بلاريب وكذا ينبغى ان يجوز فيه كل مايجوز فى المدرسة ايضا وان لم يجز ذالك فى داخل المسجد لحرمته كما قال فى الدرالمختار كره تحريما (الوطء، فوقه، والبول والتغوط) لانه مسجد الى عنان السماء .. ورفع صوت بذكرالاللمتفقة (كتاب الصلاة، ط سعيد ٦٥٦، ١/٦٦٠) وكذايدل على جواز التدريس مافى الشامية كتاب الصلاة ص ٦٥٦ (قوله ومن هنايعلم جهل بعض مدرسى زماننا من منعهم من يدرس فى المسجد)

(۲) قال فى العالمگيرية : اذا جعل فى المسجد ممرا فانه يجوز لتعارف اهل الا مصارفى الجوامع وجازلكل واحد ان مرفيه حتى الكافر (لاالجنب والحائض و النفساء، ولهم ان يدخلوا فيه الدواب كذافى التبيين (كتاب الوقف ص ۲/٤٥۷)

فصل دوم
مدرسے کے لئے غیر مسلم سے امداد لینا

ڈسٹرکٹ بورڈ سے نسوانی مدرسہ کے لئے امداد لینے کا حکم

(سوال) ایک خاتون جو کہ ایک بہت بڑی زمیندارن ہے انہوں نے اپنے ذاتی صرفہ سے ایک نسوانی مدرسہ قائم کیا ہے جس میں صرف مسلمانوں کی بچیاں مذہبی تعلیم پاتی ہیں۔ بانی مدرسہ کی آمدنی کا ایک کثیر حصہ کار خیر کے صرفہ میں آتا ہے۔ اگر بانی مدرسہ اپنے مدرسہ میں ڈسٹرکٹ بورڈ سے امداد لے لیں تو شرعی نقطہ نظر سے کچھ حرج تو نہیں ہے اور آیا یہ فعل ازروئے شرع شریف جائز ہوگا۔ جو جو صورتیں جواز کی ہوں وہ سب لکھ دی جائیں۔ یعنی اس قسم کا روپیہ تنخواہوں و تعمیرات و خرید کتب وغیرہ وغیرہ پر صرف ہو سکتا ہے یا کسی خاص جگہ؟

المستفتی نمبر ۲۰۱۳ بی بی سیدہ صغیرہ بانو (بلند شہر) ۹ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۸۹) ڈسٹرکٹ بورڈ سے نسوانی مدرسہ کی امداد کے سلسلہ میں کوئی رقم لینا جائز ہے اور اس رقم کو تنخواہوں اور دیگر ضروریات مدرسہ میں خرچ کرنا جائز ہے۔(۱)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

فصل سوم
مدرسے کی رقوم کو بینک میں رکھنا

سخت ضرورت کی بناء پر مدرسہ کی رقم بینک میں رکھنے کا حکم

(سوال) ہمارے قصبہ میں ایک مدرسہ اسلامیہ ہے اس کی رقوم خزانچی مدرسہ کے پاس جمع ہیں مگر آج کل مدرسہ میں چوری وغیرہ کی ایسی وارداتیں ہو رہی ہیں جن کے سبب خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ کہیں یہ رقومات مدرسہ ضائع نہ ہو جائیں اس لئے اگر بطور حفاظت اس روپے کو کسی بینک یا خزانہ سرکاری میں جمع کرادیا جائے تو کوئی شرعی نقصان تو نہیں جب کہ اس سے مقصد صرف حفاظت ہو اور نفع وغیرہ کچھ نہ ہو۔

المستفتی نمبر ۲۱۸۰ شیخ علی محمد صاحب ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۵ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۹۰) حفاظت کی معتمد صورت نہ ہو تو بینک میں جمع کرا دینا مباح ہے۔(۲)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) قال في الدرالمختار : (ومصرف الجزية والخراج ومال التغلبي وهديتهم ... مصالحنا كسد ثغور وبناء قنطرة وجسر وكفاية العلماء وفي ردالمحتار وكذا النفقة على المساجد كزكاة الخانية فيدخل فيه الصرف على اقامة شعائرها من وظائف الامامة والاذان ونحوهما (الدرالمختار، كتاب الجهاد، مطلب في مصارف بيت المال، ط سعيد ٢١٧ ٤)

(۲) فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا اثم عليه: سورة البقرة، رقم الآية، ۱۷۳

فصل چہارم
مدارس اسلامیہ کے سفراء اور متفرق مسائل

مبلغین اور سفراء کے لئے ہدایا و تحائف وصول کرنے کا حکم

(سوال) مدرسہ عربیہ جس میں علوم دینیہ کی تعلیم کے لئے مدرس اور عوام کی ہدایت کے لئے مبلغ اور فراہمی سرمایہ کے لئے سفیر مقررہ تنخواہوں پر کام کرتے ہیں۔ اس مدرسے کے مدرسوں، مبلغوں اور سفراء سے اطراف کے عوام کو کچھ ایسی دلچسپی ہے کہ اپنی انجمنوں اور اپنے مدرسوں کے سالانہ جلسوں پر بلاتے ہیں اور علاوہ اخراجات سفر کے کوئی کپڑا، کچھ مٹھائی، کوئی بکس یا کوئی ایسی استعمال کی چیز یا نقد روپیہ بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں تو یہ ہدایا کی چیزیں ان مدرسوں، مبلغوں اور سفراء کی ملکیت ہوں گی یا مدرسے کی ملکیت سمجھی جائیں گی اور بالخصوص نقد روپیہ کے متعلق جب کہ یہ تصریح بھی ہو گئی ہو کہ مدرسے کی خدمت ہم لوگ کسی اور موقع پر اور معقول طریقہ پر کریں گے۔ یہ تو حقیر ہدیہ محض آپ کی تکالیف فرمائی پر آپ کے اہل و عیال کے لئے ہے۔ قرآن و حدیث و فقہ حنفی سے بالخصوص اپنے اکابر کے دستور العمل کے حوالے سے فتویٰ عنایت ہو۔

المستفتی نمبر ۱۱۷۶ مظفر الدین، واچ مرچنٹ۔ مراد آباد ۲۱ شعبان ۱۳۵۵ھ م ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۱) مدرسے کے مدرسین اور مبلغ جو صرف تدریس اور تبلیغ کے کام پر مامور ہوں یعنی فراہمی چندہ ان کا فرض منصبی نہ ہو، مدرسہ سے رخصت حاصل کر کے کسی جگہ جا کر وعظ کریں اور ان کو شخصی طور پر کوئی چیز یا نقد ہدیہ ملے تو وہ ان کی اپنی ہے - ہاں سفراء جو فراہمی چندہ کے کام پر مامور ہوں اور مدرسے نے ان کو شخصی طور پر ہدیہ لینے سے روک دیا ہوا ان پر لازم ہے کہ یا تو وہ شخصی ہدایا قبول نہ کریں یا قبول کریں تو مدرسے کے فنڈ میں ڈال دیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

(۱) کیا چندہ وصول کرنے والوں کو اسی رقم سے اجرت دی جا سکتی ہے؟
(۲) مبلغ اور مدرس کو زکوٰۃ دینے کا حکم

(سوال)(۱) مدرسہ عربیہ میں بمد زکوٰۃ جو روپیہ پہنچتا ہے کیا اس میں سے مدرسہ کے سفیر کو جو چندہ کی فراہمی کے لئے مقرر ہوتا ہے - والعاملین علیھا کی مد میں داخل سمجھ کر اس کی تنخواہ میں وہ روپیہ دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟
(۲) مدرسہ کا کوئی ایسا مبلغ یا مدرس ہو جس کے پاس کسی رقم کا نصاب نہیں۔ صرف ماہواری تنخواہ پر جو مدرسہ سے حاصل کرتا ہے نہایت تنگی اور دشواری سے اگر اس پر گزارا کر سکتا ہے۔ کیا ایسے مبلغ اور مدرس کو بھی بمد

---

(۱) (قوله ويرد هدية)الاصل فى ذالك مافى البخارى: عن ابى حميد الساعدى قال استعمل النبى عليه السلام رجلا من الازد يقال له ابن اللتية على الصدقة فلما قدم قال : هذالكم، وهذالى، قال عليه السلام، هلا جلس فى بيت ابيه اوبيت امه فينظر ايهدى له ام لا؟ (الى قوله) واستعمل عمرا باهريرة بمال، فقال له من اين لك هذا؟ فقال تلاحقت الهدايافقال له عمر : اى عدو الله هلا قعدت فى بيتك، فتنظرا يهدى لك ام لا؟ فاخذذالك منه، وجعله فى بيت المال الخ وتعليل النبى صلى الله عليه وسلم دليل على تحريم الهدية التى سببها الولاية وكذا كل من عمل للمسلمين عملا، حكمه فى الهدية حكم القاضى؟

زکوۃ آمدہ رقم سے تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۴۱۵ مولانا محمد چراغ صاحب صدر مدرس مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ۔ ۲۱ رجب ۱۳۵۹ھ

(جواب ۹۲)(۱) زکوۃ کی رقم وصول کر کے لانے والوں کو اسی رقم میں سے اجرت عمل دینے کی گنجائش ہے خواہ وہ غنی ہوں مگر کسی حال میں ان کی وصول کی ہوئی رقم کے نصف سے زیادہ نہیں دی جائے گی۔(۱)

(۲) کسی مستحق زکوۃ کو زکوۃ کی رقم کسی عمل کے معاوضہ میں (سوائے تحصیل و جمع زکوۃ کے) نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک بلا عوض شرط ہے۔ ملازمین مد تبلیغ و تعلیم کو تنخواہ بطور عقد اجارہ دی جاتی ہے جو تملیک بلا عوض(۲) نہیں ہے۔ البتہ اگر ان کو بطور وظیفہ ماہواری رقم دی جائے اور مستاجر کی حیثیت سے ان کے عمل کی جانچ نہ کی جائے اور اجیر کی طرح ان سے مواخذات نہ ہوں تو پھر ان کی زکوۃ میں سے ماہواری وظیفہ دینا جائز ہوگا۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

الجواب صحیح۔ فقیر محمد یوسف دہلوی۔ مدرسہ امینیہ دہلی

مدرسہ کے لئے اصل قیمت سے کم پر بذریعہ سرکار زمین خریدنا

(سوال) ایک جگہ مدرسہ اسلامیہ جاری کیا گیا۔ مکان مدرسہ مختصر تھا۔ وہاں زیادہ عمارت کی اشد ضرورت تھی۔ مدرسہ کے مکان کے قریب مسلمانوں کی زمین تھی۔ اہل مدرسہ نے ان لوگوں کو ہر طرح سے سمجھایا اور دوگنی قیمت بھی دینے کے لئے تیار ہوئے لیکن ان لوگوں نے اہل مدرسہ کو وہ زمین نہیں دی۔ اس واقعہ سے پہلے سرکار کی بڑودہ کو سڑک کے لئے اس زمین میں سے تھوڑے سے قطعہ کی ضرورت پڑی تھی تو سرکار نے سرکار کے معمول کے مطابق عرف سے بہت ہی قلیل عشر عشیر قیمت دے کر ان لوگوں سے زمین لی تھی۔ اہل مدرسہ کو جب ان لوگوں سے زمین ملنے کی امید نہ رہی تو سرکار سے عرض کی گئی کہ اس زمین کی مدرسہ کو سخت ضرورت ہے۔ مدرسہ میں چونکہ گجراتی واردو بھی عربی کے ساتھ پڑھائی جاتی تھی جس کا قوم کے لئے خود سرکار بندوبست اپنے خرچہ سے کرتی ہے۔ اس لئے سرکار نے اس عرضی پر خوب غور کیا اور مدرسے والوں سے سرکار کے معمول کے مطابق اس زمین کی قیمت لی اور وہ قیمت عشر عشیر مالکان زمین کو دے کر اس زمین کا قبضہ اہل مدرسہ کو دے دیا۔ مالکان زمین اتنی کم قیمت پر کبھی یہ زمین مدرسہ والوں کو نہ دیتے لیکن سرکار کے سامنے مجبوراً سر تسلیم خم کرنا پڑا اور قبضہ سے دست بردار ہو گئے اور اس پر سخت ناراض ہوئے اور ہیں۔ ایسی زمین مدرسہ والوں کے لئے مدرسہ میں لینا اور اس پر مدرسہ کی عمارت بنانا جائز ہے یا نہیں؟ مدرسہ والوں نے سرکار سے

---

(۱) مصرف الزکاۃ والعشر　(هو فقير، وهو من له ادنى شئ، ومسكين من لاشئ له وعامل فيعطي بقدر عمله) ولو غنيا لاهاشميا لانه فرغ نفسه لهذا العمل، فيحتاج الى الكفاية، والغنى لايمنع من تناولها عندالحاجة كابن السبيل. بحر عن البدائع (الدر المختار مع رد المحتار) كتاب الزكوة، اول باب المصرف ط سعيد ص ۳۳۹، ۲/۳۴۰

(۲) (هي تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى) (تنوير الابصار اول كتاب الزكاة، ص ۲۵۶، ۲۵۸) القاموس الفقهي ص ۱۵۹ ط ادارة القرآن كراتشي)

(۳) قال في الشامية : واستدل على ذالك بمسئلة غيبة المتعلم، من انه لاتاخذ حجرته ووظيفته على حالها اذا كانت غيبته ثلاثة اشهر (كتاب الوقف مطلب لايصح عزل صاحب وظيفة ص ۳۸۲) وقد مر من كتاب الجهاد ان العلماء والمتعلمين يعطون الوظائف من الجزية والخراج والزكاة

بڑی بڑی شرطوں کے ساتھ یہ زمین لی ہے - کیا اس طرح سے زمین کا لینا مدرسہ والوں کے لئے جائز ہے ؟ اور اس زمین پر حسب معاہدہ و شرائط سرکار مدرسہ کا مکان بنایا جارہا ہے - آخرت میں اہل مدرسہ سے مواخذہ ہو گا یا نہیں اور در صورت عدم جواز اس وقت ان لوگوں کو...... اہل مدرسہ مدرسے کے روپے سے پوری قیمت ادا کر دیں تو یہ معاملہ کیسا ہے ؟ غرض اہل مدرسہ پر اب کیا لازم ہے ؟

(جواب ۹۳) صورت مسئولہ میں چونکہ منتظمان مدرسہ نے خود درخواست کر کے حاکم سے جبراً زمین خریدوائی ہے تو گویا حاکم کے جبر و تشدد کا سبب یہ ہے ہیں۔ اس لئے حاکمانہ جبر و تشدد کے گناہ میں یہ بھی شریک ہیں اور اخروی مواخذہ ان کے ذمہ بھی ہے -(۱) اب اس مواخذہ سے نجات کی سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ یا تو یہ زمین مالکوں کو واپس دیں یا بقیہ قیمت ادا کر کے مالکوں کو راضی کر لیں یا ان سے معافی حاصل کریں۔(۲) باقی مدرسہ والوں کا سرکار سے اس زمین کو شروط کے ساتھ خریدنا وہ معاملہ جدا رہا۔ اگر شروط فاسدہ عقد بیع میں داخل ہیں تو وہ بیع بھی فاسد اور حرام ہے - فقط(۳)

مسجد کی رقم پر بینک سے سود لینا اور اسے مسجد کے دوسرے رفاہی کاموں پر خرچ کرنا

(سوال) مسجد کا جو روپیہ بینک میں جمع رہتا ہے اس کا سود لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ اگر یہ روپیہ نہ لیا جائے تو وہ لوگ اس کو مشن اسکولوں وغیرہ میں صرف کرتے ہیں۔ اگر جائز ہے تو اس روپے سے امور کار خیر مثلاً تبلیغی مدرسے کی امداد، غرباء کی اعانت، مسافر خانہ، کنواں اور سڑک وغیرہ کی تعمیر، سڑکوں پر روشنی، مسلمان طلباء کے لئے انگریزی کتابوں کی خرید اور ان کی انگریزی تعلیم پر صرف کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ ان صورتوں میں سے جن میں صرف کرنا زیادہ افضل ہو اس سے بھی مطلع فرمایا جائے - بینوا توجروا۔

(جواب ۹۴) جو روپیہ بینک میں جمع کیا جائے اس کا سود بینک سے وصول کر لیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ سے مسیحی مذہب کی تبلیغ اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کی اعانت کا گناہ نہ ہو۔ وصول کرنے کے بعد اس روپے کو امور خیر میں جو رفاہ عام سے تعلق رکھتے ہوں۔ یا فقراء و مساکین کی رفع حاجات کے لئے مفید ہوں مثلاً یتامیٰ و مساکین اور طلباء مدارس اسلامیہ کے وظائف اور امداد کتب وغیرہ پر خرچ کرنا یا مسافر خانہ، کنواں، سڑک وغیرہ تعمیر کرنا۔ سڑکوں پر روشنی کرنا یہ سب صور تیں جائز ہیں۔ البتہ مسجد پر خرچ نہ کی جائے کہ یہ تقدس

(۱) الغصب (هو ازالة محقة) (وحكمه الاثم لمن علم انه مال الغير ورد العين قائمة والغرم هالكة ولغير من علمه الاخيران) الدر المختار، اول كتاب الغصب ص ۱۷۷ ۱۸۰ ط سعيد)
(۲) وحكمه الاثم ورد العين قائمة والغرم هالكة (ايضا ص ۶/۱۷۹) ويجب رد عين المغصوب) او مثله ان هلك وهو مثلي. وان انقطع المثل وقيمته يوم الخصومة) (ايضا، ص ۶/۱۸۳.۱۸۲) لقوله عليه الصلاة والسلام "لايحل لاحدكم ان ياخذ مال اخيه، لاعبا ولا جادا، وان اخذه فليرده عليه وظاهره ان رد العين هو الواجب الاصلي. وهو الصحيح الخ (رد المحتار، ص ۶/۱۸۲) فان غصب وغير فزال اسمه واعظم منافعه واختلط ضمنه وملكه بلا حل انتفاع قبل اداء ضمانه) او تضمين قاض. وكذا لو غصب ارضا او غرس يضمن صاحب الاكثر قيمة الاقل فان اصطلحا على شئ جاز (الدر المختار، كتاب الغصب ص ۱۹۰ ۱۹۳)
(۳) ثم الشرط على وجوه ان كان لايقتضيه العقد فعلى التفسير الذي ذكرنا ان كان الشرط لا يلائم العقد (و) لم يرد الشرع بجوازه ولا هو متعارف ولكن فيه منفعة البائع او المشتري او المعقود عليه لايجوز العقد (خلاصة الفتاوى، كتاب البيوع، الفصل الخامس، ص ۴۹. ۵۰ ۳ ط امجد اكيڈمي، لاهور)

مسجد کے منافی ہے۔(١)واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(جواب)از مولانا اشرف علی تھانوی۔ اول تو مسجد کا روپیہ بینک میں جمع کرنا جب دوسرا طریق حفاظت کا ہو خلاف احتیاط ہے۔ اور اگر غلطی سے یا غفلت سے یا مجبوری سے ایسا اتفاق ہو گیا تو اس وقت وصول کرنے میں تو وہی عمل کرے جو مجیب اول نے تحریر فرمایا ہے۔ البتہ جزو اخیر یعنی مصارف مذکورہ میں صرف کرنا اس میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ خاص اس کا مسجد میں صرف کرنا تو تقدس مسجد کے خلاف ہے(٢) اور دوسری جگہ صرف کرنا ملک مسجد کا غیر مسجد میں صرف کرنا ہے(٣) اس لئے دونوں محذوروں سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اس قدر روپیہ کسی سے قرض لے کر مسجد میں صرف کردے اور اس سود کی رقم سے وہ قرضہ ادا کردے اور یہ ثابت ہے کہ مسجد کی نیت سے جو قرضہ لیا جاوے اس کا مسجد کی آمدنی سے ادا کرنا جائز ہے۔(٤) واللہ اعلم۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ۔ ١١ ذیقعدہ ٤٥٣ھ

الجواب الثانی صحیح بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔ مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔ ٣ ذیقعدہ ٥٣ھ

(جواب مکرر)از حضرت مفتی اعظم۔ **الجواب واللہ الملهم للحق والصواب**۔ بینک کے سود کو وصول کرنے کا حکم یا تو اس بناء پر ہو کہ ہندوستان دار الحرب ہے۔ اور دار الحرب میں عقود ربویہ جائز ہیں۔ اس صورت میں بینک سے روپیہ جمع کرنا اور سود حاصل کرنا بھی جائز ہو گا۔ اور شخصی رقم یا وقفی رقم دونوں جمع کی جا سکیں گی اور رقم کا مالک خواہ کوئی شخص ہو یا مسجد، سود کی رقم کا بھی مالک ہو جائے گا اور یہ کہا جا سکے گا کہ سود کی وہ رقم جو مسجد کے جمع شدہ روپے پر ملی ہے مسجد کی رقم ہے۔ لیکن اپنی جماعت کے علماء نے ہندوستان میں عقود ربویہ کے جواز کا ابھی تک حکم نہیں دیا ہے اور اسی نظر سے بینکوں میں روپیہ جمع کرنے سے منع کرتے ہیں۔ میں بھی بینک میں تا حد امکان روپیہ جمع کرنے سے اب تک منع کرتا رہا ہوں۔ اول اس لئے کہ سود میں ابتلاء اور بینک کے تمام سودی کاروبار کی معاونت ہے۔ دوم اس لئے کہ ڈاکخانہ کا سیونگ بینک اور امپیریل بینک کلیۃً اور براہ راست دوسرے بینک اکثری طور پر اور بالواسطہ حکومت کے زیر حکم اور اس کے مؤید و معاون ہیں اور حکومت کافرہ متسلطہ کو مالی تقویت پہنچانا اور اس کی قوت کو مستحکم کرنا مفاد اسلامی کے منافی ہے۔ اس صورت میں سود حاصل کرنے کے جواز کا حکم محض اس بنا پر ہے کہ اگرچہ بنک کا سود سود ہی ہے اور اخذ ربا اور عقود ربویہ کی مباشرت کی اجازت نہیں مگر بنک سے سود اس لئے وصول کر لیا جائے کہ نہ لینے کی صورت میں وہ مسیحی مشنریوں کو دے دیا جاتا ہے اور وہ اس کے ذریعہ سے مسیحیت کی تبلیغ اور مسلمانوں وغیرہم کو مرتد بنانے کا کام لیتی ہیں۔ اس لئے بینکوں میں اول تو روپیہ جمع نہ کرنا چاہئے اور کسی مجبوری یا غفلت سے جمع کر دیا جائے تو اس کا سود بنک سے وصول کر لیا جانے نہ

(١) (٢) قال تاج الشريعة اما لو انفق في ذالك مالا خبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره، لان الله لا يقبل الا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله اه (الشامية، كتاب الصلاة، مطلب كلمة لا باس دليل على ان المستحب غيره، ص ٦٥٨ / ١ سعيد)

(٣) في فتاوى ابي الليث رجل جمع مالا من الناس لينفقه في بناء المسجد فانفق من تلك الدراهم في حاجته ثم رد بدلها في نفقة المسجد لا يسعه ان يفعل ذالك . فان فعل لكن هذا واستمار الحاكم يجب ان يكون في رفع الوبال، اما الضمان فواجب، (عالمگيرية، كتاب الوقف ط، ماجدية، الباب الثالث عشر، ص ٤٨٠ / ٢)

(٤) عن الفقيه ابي جعفر ان القياس هكذا لكن يترك القياس فيما فيه ضرورة نحو ان يكون في ارض الوقف زرع ياكله الجراد يحتاج القيم الى النفقة جازت له الاستدانة (الهندية، كتاب الوقف، الباب الخامس، ص ٤٢٤ / ٢، ط ماجديه)

اس بنا پر کہ وہ مالک رقم کا حق اور اس کی ملک ہے بلکہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے تبلیغ مسیحیت اور ارتداد مسلمین کا سلسلہ ممتد نہ ہو۔ اور روپیہ جمع کرنے والا کم از کم تبلیغ مسیحیت وارتداد مسلمین کا ذریعہ بننے کے گناہ عظیم سے محفوظ رہے۔(۱) اور ظاہر ہے کہ اس تقدیر پر سود کی حاصل شدہ رقم جمع شدہ روپے کے مالک کی خواہ وہ کوئی شخص ہو یا مسجد یا اور کوئی وقف ہو مملوک نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ رقم ایک ایسی رقم ہے جو کسی مسلمان کے قبضہ میں شخصی حیثیت سے یا متولی کی حیثیت سے آئی ہے اور جس کو اپنے قبضہ سے نکال دینا لازم ہے۔(۲) تو اس کی صورت یہ بتائی گئی تھی کہ رفاہ عام کے کاموں میں یا فقراء و مساکین پر خرچ کر دی جائے۔

اگر اس رقم کا مسجد کو مستحق اور مالک قرار دیا جائے تو لازم ہو گا کہ تمام چھوڑی ہوئی رقم کا متولیوں کو ضامن بنایا جائے جس کی مقدار لاکھوں کروڑوں روپے تک پہنچتی ہے۔ کیونکہ متولی کو کسی طرح یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مسجد کی مملوکہ مستحقہ رقم قصداً وصول نہ کرے اور چھوڑ دے۔(۳)　　محمد کفایت اللہ

تیسرا باب
عید گاہ

عید گاہ کے لئے مقرر کی ہوئی زمین پر مکان درویشوں کے حجرے وغیرہ بنانا

(سوال) ایک جگہ جو مدت سے عید گاہ مقرر تھی اور اب اس جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ عید گاہ مقرر ہوئی اور وہ پہلی جگہ عرصہ دس بارہ سال سے ویران پڑی ہوئی ہے تو اب اس جگہ مکان بن سکتا ہے یا درویشوں کے واسطے حجرے بن سکتے ہیں یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۹۵) پہلی عید گاہ کی زمین اگر وقف ہو تو وہاں کوئی ایسا کام کرنا جو جہت وقف کے خلاف ہو جائز نہیں ۔(۴) عید گاہ کی زمین پر مسجد بن سکتی ہے اگر وہاں مسجد کی ضرورت ہو اور آباد ہو سکے تو مسجد بنالیں ۔(۵) لیکن اگر کسی کی ملکیت ہو تو مالک کو اختیار ہے خواہ مکان بنائے خواہ درویشوں کے لئے حجرے بنائے ۔(۶) واللہ اعلم

---

(۱) قال تعالیٰ : تعاونوا علی البر و التقوی ولا تعاونوا علی الا ثم والعدوان (سورة المائدة)

(۲) (قوله كما لو كان الكل خبيثا) في القنية لو كان الخبيث نصابا لا يلزمه الزكاة ، لا ن الكل واجب التصدق عليه ...... لان المغصوب ... وجب التصدق به . (الشامية ، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم ، قبيل مطلب في التصدق من المال الحرام ، ۲/ ۲۹۱ ط. سعيد)

(۳) رجل جمع مالا من الناس لينفقه في بناء المسجد فانفق من تلك الدراهم في حاجته ، ..... لا يسعه ان يفعل ذالك ، فان فعل ... الضمان واجب (الهندية، كتاب الوقف ، الباب الثالث عشر ، ۲/ ۴۸۰ ط. ماجدية)

(۴) ارض وقف على مسجد صارت بحال لا تزرع فجعلها رجل حوضا للعامة، لايجوز للمسلمين انتفاع بماء ذالك الحوض . كذافي القنية . (الفتاوى العالمگيرية ، كتاب الوقف ، الباب الحادى عشر ، ۲/ ۴۶۴ ط . ماجدية)

(۵) ارض وقف على مسجد والارض بجنب ذالك المسجد وارادوا ان يزيدوا في المسجد شيئا من الارض جاز الخ (العالمگيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر ، في المسجد و ما يتعلق به ۲/ ۴۵۶)
كذافي الدرالمختار : اما (المتخذ لصلاة جنازة اوعيد) فهو (مسجد في حق جواز الا قتداء) وان انفصل الصفوف رفقا بالناس (الدر المختار ، كتاب الصلاة ، مطلب في احكام المسجد، ط . سعيد، ۱/ ۶۵۷)

(۶) لان الملك مامن شانه ان يتصرف فيه بوصف الا ختصاص (ردالمحتار ، كتاب البيوع، ۴/ ۵۰۲ ط .سعيد) ايضا : قال في جامع الفصولين : ان من تصرف في خالص ملكه (يمنع ولو اضر بغيره) لكن ترك القياس في محل يضر بغيره ضررا بينا ، (ردالمحتار، فصل في المتفرقات ، مطلب ديغ في داره وتاذى الجيران ۵/ ۲۳۷ ط. سعيد)

عیدگاہ کو ذاتی منافع کے لئے استعمال کرنا

(سوال) عیدگاہ آیا وقف چیز ہے؟ اور اس کا بیع دخرا جائز ہے یا نہیں اور آیا ہر مسلمان کو اس کی نسبت بطور عبادت گاہ استعمال کرنے کا حق ہے یا نہیں۔ اور کسی اور طریقہ سے عیدگاہ کا استعمال کرنا مثلاً بطور سرائے وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر قبضہ عرصہ سے ایسوں کا ہو جو اس کو بطور سرائے یا ذاتی کرایہ خوری کے جائداد سمجھ کر استعمال کر رہے ہوں ان سے مسلمانوں کا قبضہ حاصل کر کے واقف کی نیت کو پورا کرنا شرعی فرض ہے یا نہیں؟

(جواب ۹۶) عیدگاہ اوقاف عامہ میں سے ہے اور وقف ہونے میں اس پر مسجد کے احکام جاری ہیں۔ پس اس کو عبادت عامہ کے لئے استعمال تو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ذاتی منافع کے لئے کوئی اس پر قبضہ نہیں رکھ سکتا۔ اور اگر کسی غاصب نے اس پر جبراً قبضہ کر لیا ہو تو مسلمانوں کو حق ہے کہ اس کے قبضہ سے نکال لیں اور غرض صحیح میں استعمال کریں۔ غاصب اوقاف سے اوقاف کو واپس لینے کا حکم کتب فقہ میں مذکور ہے۔(۲) اور گزشتہ زمانے میں غاصب نے جس قدر روپیہ وقف کے ذریعہ سے حاصل کیا ہے وہ اس سے واپس لیا جائے گا اور وقف کے کام میں خرچ کیا جائے گا۔ فقط(۳) محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

(۱) کیا عیدگاہ کا مسجد کی طرح احترام ضروری ہے

(۲،۳) عیدگاہ کو عذر کی وجہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکتا ہے؟ (۳) پہلی عیدگاہ کا سامان دوسری کیلئے منتقل کرنا۔

(سوال) (۱) عیدگاہ کیا مسجد کی حیثیت میں ہے؟

(۲) عیدگاہ جو عرصہ سے ایک مقام پر تعمیر ہے وہ ہٹا کر کسی دوسرے مقام پر تعمیر ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) اگر موجودہ عیدگاہ بنا کر دوسرے مقام پر تعمیر کی جائے تو پھر موجودہ عیدگاہ کا سامان اینٹ، پتھر، چونا وغیرہ کسی دوسرے کام میں آ سکتا ہے یا نہیں؟

(۴) موجودہ عیدگاہ آبادی شہر سے بہت تھوڑے فاصلے پر ہے مگر اب بوجہ ترقی و زیادتی آبادی درمیان آبادی ہو گئی ہے۔ دوسرے اس طرف سے بغرض آسائش و رفاہ عام حکومت کو پختہ سڑک بھی بنانی ہے۔

المستفتی نمبر ۶۲۲ عبدالوہاب۔ نرسنگ گڑھ ۴ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۵ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۹۷) (۱) عیدگاہ وقف ہونے اور صحت اقتدا میں مسجد کا حکم رکھتی ہے۔ باقی اور احکام میں مسجد سے علیحدہ ہے۔(۴)

(۲) وقف ہونے میں چونکہ وہ مسجد کا حکم رکھتی ہے اس لئے اس کی پہلی تعمیر ہمیشہ کیلئے وقف ہے۔ اسے منتقل کرنا جائز نہیں۔(۵)

---

(۱) رجل له ساحة لا بناء فيها امر قوما ان يصلوا فيها ... ابدا ... صارت الساحة مسجدا لو مات لا يورث عنه (رد المحتار كتاب الوقف ۴ / ۳۵۵)

(۲) ولو غصبها من الوقف او من واليها غاصب فعليه ان يردها الى الواقف فان ابى غصبه عند القاضي حبسه حتى رد (عالمگيرية كتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف ط ماجدية ۲ / ۴۴۷)

(۳) الوقف (ان غصب عقاره) او سكنه انسان بغير امر الواقف او القيم (بحار) للفتوى (وجوب الضمان) فيه وفي اتلاف منافعه ولو غير معد للاستغلال وبه يفتى ... وقدمنا آنفا انه لو آجره الغاصب لزم المسمى لا اجر المثل فليحفظ (الدر المنتقى في شرح الملتقى كتاب الوقف، ط بيروت ص ۷۵۲، ۷۵۳ / ۱)

(۴) اما (المتخذ لصلاة جنازة او عيد) فهو (مسجد في حق جواز الاقتداء) ان انفصل الصفوف رفقا بالناس (لا في حق غيره) به يفتى نهاية (الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب في احكام المسجد، ص ۱ / ۶۵۷ سعيد)

(۵) رجل له ساحة ... امر قوما ان يصلوا فيها ... ابدا ... صارت الساحة مسجدا لو مات لا يورث عنه (الهندية، كتاب الوقف، ص ۲ / ۳۵۵)

(۳) اگر کسی سماوی سبب سے عیدگاہ ناقابل انتفاع ہو جائے تو اس کا سامان دوسری عیدگاہ میں لگایا جا سکتا ہے۔ (۱)
(۴) اس وجہ سے اس کو منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

پہلی عیدگاہ سے لوگوں کو ہٹانے کے لئے دوسری عیدگاہ بنانا

(سوال) زید اور بکر دو شخص ایک ہی محلہ کے آدمی ہیں۔ زید عالم ہے اور عیدگاہ قدیم جو ساٹھ ستر برس سے قائم ہے اس کا متولی اور امام ہے۔ اور بکر اس محلہ کا جاہ پرست اور خدا ناترس۔ اس بناء پر بکر نے عیدگاہ قدیم سے ۲۵۰ گز کے فاصلہ پر جدید عیدگاہ بنائی اور عیدگاہ قدیم کی تقلیل جماعت کے لئے اور اس کو ویران کرنے کے لئے بے انتہاء کوشش کی جاتی ہے اور لوگوں کو ورغلایا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۷۶۶ مولوی مستفیض الرحمٰن (ضلع نواکھالی) ۵ شعبان ۱۳۵۴ھ م ۳ نومبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۹۸) یہ بات تو صحیح ہے کہ جو مسجد یا عیدگاہ خدا کے لئے خالصاً مخلصانہ بنائی جائے بلکہ کسی دوسری مسجد یا عیدگاہ کو ویران کرنے کی نیت سے بنائی جائے وہ موجب وبال و گناہ ہے۔ اس میں کوئی ثواب نہیں۔ (۳) اور نہ حقیقتاً وقف کا حکم رکھتی ہے مگر جب بانی اس نیت کا اقرار نہ کرے اور صحیح نیت کا مدعی ہو تو ہمارے پاس نیت کے علم کا کوئی ذریعہ نہیں۔ زمانہ وحی میں تو بذریعہ وحی ایسے لوگوں کی نیت کی قلعی کھل جانی ممکن تھی اور مسجد ضرار جیسا معاملہ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اب کوئی ذریعہ نہیں ہے اس لئے اس دوسری عیدگاہ میں نماز ناجائز ہونے کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔

البتہ بکر پر یہ واضح رہے کہ اگر اس کی نیت تقلیل جماعت اور تفریق بین المسلمین اور توہین زید کی تھی تو وہ اخروی مواخذہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

قبرستان یا عیدگاہ سے گزرنے کے لئے راستہ بنانا

(سوال) (۱) کیا جانب غرب مسجد عیدگاہ میں دروازہ جائز درست ہے؟ (۲) ایسی مسجد میں جس میں جانب غرب دروازہ ہو نماز درست ہے یا نہیں؟ (۳) کیا راستہ چماران جواب چاہتے ہیں؟ عیدگاہ کی زمین سے دیوار شہید کر کے دینا درست ہے جب کہ ان کی آمدورفت کے لئے دو قدیم راستے موجود ہیں۔ (۴) کیا چاہ عیدگاہ سے پانی نکال کر دھوبیوں کا بحد احاطہ عیدگاہ میں کپڑے دھونا درست ہے۔ (۵) کیا گورستان اہل اسلام کے درمیان سے

....

(۱) سئل شمس الائمة الحلوانی عن مسجد اوحوض خرب ولا یحتاج الیه لتفرق الناس هل للقاضی ان یصرف اوقافه الی مسجد آخر اوحوض آخر؟ قال نعم، ولولم ینصرف الناس ... هل یجوز... قال لاکذافی المحیط (العالمگیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث عشر، ص ۲/۴۷۸، ط ماجدیة)

(۲) لوکان مسجد فی محلة ضاق علی اهله ولا یسعهم ان یزیدوا فیه فسئلهم بعض الجیران ان یجعلوا ذالك المسجد له لیدخله فی داره ویعطیهم مکانه عوضا ماهو خیرله فیسع فیه اهل المحلة قال محمد لایسعهم ذالك کذا فی الذخیرة (العالمگیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، ص ۲/۴۵۷)

(۳) انما الاعمال بالنیات وانما لامرأ مانوی فمن کانت هجرته الی دنیا یصیبها، اوالی امرأة ینکحها فهجرته الی ما هاجر الیه (بخاری، اول باب کیف کان بدء الوحی، قبل کتاب الایمان، الجزء الاول، ۱/۲ الناشر قدیمی)

کوئی راستہ دینا درست ہو سکتا ہے؟

المستفتی نمبر ۵۴۷ شیخ محمد عبدالغنی ریاست جیند۔ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۰ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۹) (۱) و (۲) جائز ہے۔ (۱) (۳) کوئی تصرف جدید مسجد کی حدود میں جائز نہیں جو دوسروں کو مسجد میں مداخلت کا موقع بہم پہنچاتا ہو۔ (۲) (۴) عیدگاہ کے احاطہ میں پڑے دھونا یہ بھی ایک قسم کی مداخلت ہے اور جائز نہیں۔ (۳) (۵) کوئی جدید راستہ قبرستان کی زمین میں سے دینا درست نہیں۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

عیدگاہ کو ہندوؤں کے استعمال میں نہ دیا جائے

(سوال) ایک مقام پر چند سال سے مسلمان عیدین کی نماز و قربانی ادا کرتے ہیں اور مسلمان زمیندار نے اس قطعہ زمین کو تین سال سے وقف بھی کر دیا ہے عیدگاہ و قربان گاہ کیلئے۔ یہ زمین سروے سٹلمنٹ میں پرتی قدیم سور با جنگل کے نام سے مشہور ہے۔ اس پیائش کی مدت تقریباً ستائیس سال ہوئی۔ اب ہندو اس جگہ کو دیومت استھان یعنی معبد کی جگہ کہتے ہیں اور دعوی کرتے ہیں۔ کوئی علامت پوجا پاٹ وغیرہ کی اس جگہ نہیں ہے۔ لہذا ایسی جگہ مسلمان شرعاً عیدین و قربانی ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۹۱۷ محمد لیاقت حسین (بھاگلپور) ۱۴ صفر ۱۳۵۵ھ م ۶ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰۰) ہاں کر سکتے ہیں اور ان کو اپنے حق پر قائم رہنا چاہئے۔ نماز و قربانی سب ادا کریں۔ (۵) فقط۔
محمد کفایت اللہ

ایک سے زیادہ جگہ میں عیدگاہ قائم کرنا

(سوال) ایک شہر میں اس وقت تک ایک ہی عیدگاہ ہے۔ دوسری عیدگاہ بنانی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۶۲۵ ملک محمد امین صاحب (جالندھر) ۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء

---

(۱) فی الکبری مسجد اراد اہلہ ان یجعلو الرحبۃ مسجدا والمسجد رحبۃ وارادوا ان یحدثوا لہ بابا، وارادوان یجعلو الباب عن موضعہ فلہم ذالک (العالمگیریۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر ص ۲/۴۵۶ ط ۱ ماجدیۃ)

(۲) اذا ارادانسان ان یتحذتحت المسجد حوانیت غلۃ مرمۃ المسجد، او فوقہ لیس لہ ذالک کذا فی الذخیرۃ. (العالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، ص ۲/۴۵۵

(۳) قیل لہ (لنجم الدین) فان تداعت حیطان المقبرۃ الی الخراب، یصرف الیہا، اوالی المسجد؟قال الی ماھی وقف علیہ ان عرف وان لم یکن للمسجد متول ولا للمقبرۃ فلیس للعامۃ التصرف فیہا (عالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، ص ۲/۴۷۷،۴۷۶)

(۴) سئل ہو (القاضی) ایضا عن المقبرۃ فی القری اذا اندرست، ولم یبق فیہا اثرالموتی، لاالعظم ولا غیرہ، ہل یجوز زرعہا واستغلالہا؟ قال : لاولہا حکم المقبرۃ، کذافی المحیط (الفتاوی العالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، ص ۲/۴۷۱،۴۷۰)

(۵) اذا قال ارضی ہذہ صدقۃ موقوفۃ علی الجہاد اوبالغزاۃ اوفی اکفان الموتی اوفی حفر القبور اوغیر ذلک فی شبہہا فذلک جائز (عالمگیریہ کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف ج ۲/۳۷۰) ولو غصب من الواقف اومن والیہا غاصب فعلیہ ان یردہا الی الواقف فان ابی وثبت غصبہ عندالقاضی حبسہ حتی رد (العالمگیریۃ، کتاب الوقف. الباب التاسع فی غصب الوقف ط ماجدیۃ، ص ۲/۴۴۷) وفیہا ایضا فی فتاوی الحجۃ لوصار احد المسجدین قدیما وتداعی الی الخراب، فاراداہل السکۃ بیع القدیم وصرفہ فی المسجد الجدید فانہ لایجوز (الفتاوی العالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر الفصل الاول، ص ۲/۴۵۸ ط ماجدیۃ)

(جواب ۱۰۱) اگر شہر بڑا ہو کہ اس کی تمام مسلم آبادی کے لئے ایک سمت میں ایک عیدگاہ میں جمع ہونا مشکل ہو تو دوسری سمت میں دوسری عیدگاہ بنانے میں مضائقہ نہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

(۱) عیدگاہ آبادی سے کس قدر دور ہونی چاہئے؟
(۲) عیدگاہ پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا
(۳) عیدگاہ پر غاصبانہ قبضہ کیا جائے تو مسلمانوں کی ذمہ داری
(۴) عیدگاہ سے سڑک نکالنے کا حکم

(سوال) (۱) عیدگاہ آبادی سے کس قدر فاصلہ پر ہونی چاہئے اور آبادی عیدگاہ سے کس قدر دور رہنی چاہئے۔ (۲) عیدگاہ سے کس قدر فاصلہ تک سکنی مکانات اور عمارات بنانا ممنوع و ناجائز ہے۔ (۳) اراضی متعلقہ عیدگاہ پر کوئی قبضہ کر سکتا ہے یا نہیں۔ (۴) اگر اراضی متعلقہ عیدگاہ پر کوئی غاصبانہ قبضہ کرلے تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔ (۵) عیدگاہ شاہی اور چاہ شاہی کے بیچ میں اراضی متعلقہ عیدگاہ پر سڑک نکالنے کا کس کو حق ہو سکتا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۷۷۹ الشیخ عبدالرحمٰن قریشی ۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۰۲) (۱) عیدگاہ کو آبادی سے باہر ہونا چاہئے۔ فاصلہ کی کوئی مقدار میری نظر سے نہیں گذری۔ صرف یہ بات کتابوں میں موجود ہے کہ عیدگاہ کو آبادی سے باہر ہونا چاہئے۔(۲)

(۲) یہ بات بھی میری نظر میں کہیں نہیں آئی کہ عیدگاہ کے قریب مملوکہ زمینیں ہوں تو ان کی عمارت سے روکا جائے۔

(۳) اراضی متعلقہ عیدگاہ سے اگر مراد عیدگاہ کی موقوفہ زمین ہے تو اس پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا اور کرے تو وہ قبضہ ناجائز و حرام ہوگا۔(۳)

(۴) اگر کوئی غاصبانہ قبضہ کرے تو مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ زمین وقف کو غاصب کے قبضہ سے نکالیں۔(۴)

---

(۱) فی الدرالمختار : (وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ) مطلقا علی المذہب، وعلیہ الفتوی، شرح المجمع للعینی وامامۃ فتح القدیر دفعاللحرج (وفی ردالمحتار) (قولہ مطلقا) ای سواء کان المصر کبیرا أولا، وسواء فصل بین جانبیہ فھو کبیر کبغداد اولا وسواء قطع الجسر او بقی متصلا وسواء کان العدد فی مسجدین او اکثر، ھکذایفا دمن الفتح، مقتضاہ انہ لا یلزم ان یکون التعدد بقدرالحاجۃ کما یدل علیہ کلام السرخسی الآتی (قولہ علی المذھب) فقد ذکر الامام السرخسی ان الصحیح من مذھب ابی حنیفۃ جواز اقامتھا فی مصرواحد فی مسجدین واکثروبہ ناخذ لاطلاق لاجمعۃ الا فی مصر، شرط المصر فقط وبما ذکرنا اندفع مافی البدائع من ان ظاھرالروایۃ جوازھا فی موضعین لافی اکثر وعلیہ الاعتماد اہ فان المذھب الجواز مطلقا بحر (الشامیۃ، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ ص ۱۴۵،۱۴۴ ط سعید) وفی جامع الفقہ ومنیۃ المفتی والذخیرۃ : یجوز اقامتھا فی المصر وفنائہ فی موضعین فاکثر، وبہ قال الشافعی واحمد (حلبی کبیر، کتاب الصلاۃ، فصل فی صلوۃ العید، ص ۵۷۲ ط لاھور)

(۲) الخروج الی المصلی وھی الجبانۃ سنۃ وان کان یسعھم الجامع وعلیہ عامۃ المشائخ، لماثبت انہ علیہ السلام کان یخرج یوم الفطر ویوم الاضحی الی المصلی...... روی ذالک عن علی (حلبی کبیر، کتاب الصلاۃ، فصل فی صلوۃ العید، ص ۵۷۲،۵۷ سہیل اکیڈمی)

(۳) متی صح الوقف لایملک بیعہ ولا یورث عنہ (الھندیہ کتاب الوقف، الباب الاول، ص ۲/۳۵۲ ط ماجدیۃ)

(۴) ولو غصبھا من الواقف اومن والیھا غاصب فعلیہ ان یردھا الی الواقف (العالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب التاسع فی غصب الوقف، ص ۲/۴۴۷)

(۵) جس زمین کو عیدگاہ کے وقف میں اس کا شمول ثابت ہو اس میں سے سڑک نکالنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

عیدگاہ کو فروخت کرنے کے بارے میں چند سوالات

(سوال) مسلمانوں کی عیدگاہ کی زمین جو کہ جنگل میں پہاڑوں کے درمیان ہو اور اس زمین کو خریدنے کی قیمت اور ہموار کرنے کا خرچ وغیرہ عام مسلمانوں کے چندہ کی رقم سے ادا کیا گیا ہو اور جہاں پر مسلمان تقریباً عرصہ تیس سال سے اپنی نماز عیدین ادا کرتے رہے ہوں اور جس نے مسلمانوں کو یا کسی غیر قوم، غیر مذہب یا سرکار کو کسی قسم کی تکلیف بھی نہیں دی ہو۔ ایسی زمین جو مسلمانوں کی مملوکہ و مقبوضہ ہو اس کو مسلمانوں سے چھین کر ہندوؤں کو ان کے مردے جلانے کی جگہ یعنی شمشان بھومی بنانے کے لئے محکمہ تعمیرات دینے کی تجویز کرتا ہو اور اس کام کو ایک مسلمان زید جو اس محکمہ کا ملازم ہو اپنے افسران کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے یا اپنی ذاتی ملکیت کی زمین جو عیدگاہ مذکور کے قرب وجوار میں واقع ہو اور جس کو ہندوؤں کے شمشان بھومی بنانے کے لئے تجویز کیا گیا ہو اور اس کو بچانے کے لئے عیدگاہ کو فروخت کر دینا منظور کرتا ہو اور اس مقصد کے لئے بکر، قمر، عمر، نصر وغیرہ اپنے چند دوستوں کو لالچ دے کر اپنا ہم خیال بنا کر کہ اس عیدگاہ کے عوض دوسری عیدگاہ اچھے موقع کی زمین پر یعنی بستی کے قریب عمارت پختہ ہوا کر دلوا دی جائے گی۔ ان سے بیان دلواتے ہیں کہ وہ قومی نمائندے ہیں۔ (حالانکہ وہ نہیں ہیں) اور عیدگاہ کو فروخت کرنا منظور کرتے ہیں۔ اس کارروائی مذکورہ پر محکمہ سرکاری گزٹ میں ایک نوٹس بایں مضمون (کہ عوام کی آگاہی کے لئے لکھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی عیدگاہ کو شمشان بھومی بنانے کے لئے لیا جانا تجویز کیا گیا ہے۔ اگر کسی شخص کو عذر ہو تو تاریخ فلاں تک اپنی عذرداری زید کے دفتر میں پیش کریں) شائع کرتا ہے اور اس پر مسلمانوں کو عموماً اور زید کی قوم کو خصوصاً ایک دلی صدمہ پہنچتا ہے اور وہ اپنی عذرداری پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کو زید، بکر، قمر، نصر، ہر ممکن طریق سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ جو بات انہوں نے در پردہ بغیر مشورہ قوم یہاں تک کہ بغیر مشورہ ممبران انجمن عیدگاہ کے انجام دینے کی کوشش کر چکے ہیں اس پر حرف نہ آئے۔ یہ بات بھی خاص طور پر توجہ کی مستحق ہے کہ دربار صاحب بہادر نے ایک قوم کے مذہبی جذبات کا احترام کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ایک دفعہ مسلمانوں کے قبرستان کو مفاد عامہ کے استعمال کے لئے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لئے عیدگاہ کو شمشان بھومی بنانے کے لئے دینے کی کوئی مجبوری بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں امور مذکورہ بالا کے بغور مطالعہ کر لینے کے بعد حسب ذیل سوالات کے جوابات مع دلائل ارسال فرمائیں۔

(۱) عیدگاہ کو شمشان بھومی بنانے کے لئے فروخت کیا جا سکتا ہے یا نہیں، جبکہ کسی قسم کی مجبوری نہ ہو اور جبکہ شمشان بھومی بنانے کے لئے دوسری جگہ بھی میسر آ سکتی ہو۔

---

(۱) ان ارادوا ان یجعلوا شیئاً من المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لهم ذالك، وانه صحیح (الهندیة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الاول ص ۲/۴۵۷ ط ماجدیة)

(۲) عیدگاہ بستی کے قریب ہو سکتی ہے یا نہیں اور اس پر پختہ عمارت بنائی جا سکتی ہے یا نہیں؟
(۳) عیدگاہ کو شمشان بھومی بنانے کے لئے زید، بکر، قمر، عمر، نصر با مشورہ یا بغیر مشورہ قوم کے یا ممبران انجمن عیدگاہ کے فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟
(۴) اگر نہیں کر سکتے تو فروخت کرنا منظور کر لینے اور فروخت کر دینے کے بعد ان پر شرعی حد کیا عائد ہوتی ہے۔
(۵) مسلمان عموماً اور زید کی قوم کو خصوصاً اس امر کو ناپسند کرتی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ عیدگاہ کو جو ایک وقف زمین ہے شمشان بھومی بنانے کے لئے دے دینا ایسا ہے کہ گویا آئندہ تمام اوقاف کے لئے ایک ناجائز نظیر قائم کرنا۔ اس لئے اگر وہ عیدگاہ کو قائم رکھنے کی کوشش کریں تو جائز ہے یا نہیں؟
(۶) اور اگر وہ ایسی کوشش نہ کریں تو ان پر کوئی شرعی حد عائد ہوتی ہے یا نہیں؟
(۷) اگر ان کی ایسی کوشش کرنے سے زید، بکر، قمر، عمر، نصر باز رکھنے کی سعی کرتے ہیں تو زید، بکر، قمر، عمر، نصر پر شرعی حد عائد ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر عائد ہوتی ہے تو وہ شرعی حد کیا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۱۷۷ جناب عبدالستار صاحب (جودھپور مارواڑ) ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۰۰۳) (۱) عیدگاہ وقف ہے اس کو فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ فروخت کرنے والے یا اس کی اجازت دینے والے اسلام کے دشمن ہیں۔(۱) (۲) عیدگاہ کو آبادی سے باہر ہونا چاہئے (۲) اور اس پر عمارت بھی نہ بنائی جائے۔(۳) (۳) نہیں کر سکتے۔(۴) (۴) تمام مسلمان ایسے لوگوں کا بائیکاٹ کر دیں۔(۵) (۵) عیدگاہ کو قائم رکھنے کی سعی کرنا فرض ہے۔(۶) (۶) وہ سخت گناہ گار اور شرعی مجرم ہوں گے۔(۷) (۷) نمبر ۵ دیکھو۔(۸) (۸) موجودہ حالات میں ان کا بائیکاٹ ہی ہو سکتا ہے۔(۹) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

عیدگاہ کو مسجد بنا کر اسے مسجد کہنا اور اس میں نماز پڑھنا صحیح ہے

(سوال) عیدگاہ قصبہ کا کا میں قدیم سے موجود ہے۔ جس کے لئے واقف کا فیصلہ ہے کہ بطور عیدگاہ کی گئی، ضروریات محلّہ کے پیش نظر ایک محلّہ کے چند افراد نے بغیر مشورہ مسلمانان شہر ایک مسجد کا ارادہ کیا۔ سوالات ذیل ہیں

(۱، ۴، ۸) فی فتاوی الحجۃ لو صار احد المسجدین قدیما وتداعی الی الخراب فاراد اهل السکۃ بیع القدیم وصرفه فی المسجد الجدید فانه لایجوز (عالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، ص ۲/۴۵۸)
(۲) والخروج الی المصلی وهی الجبانۃ سنۃ وان کان یسعهم الجامع، وعلیه عامۃ المشایخ، (حلبی کبیر، کتاب الصلاۃ، فصل فی صلاۃ العید، ص ۵۷۲،۵۷۱ ط سهیل اکیڈمی لاهور)
(۳) اذا اراد انسان ان یتخذ تحت المسجد حوانیت غلۃ لمرمۃ المسجد او فوقه لیس له ذالک (عالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر ص ۲/۴۵۵)
(۶) (۷) رجل وقف ارضا فجحد المدفوع الیه فهو غاصب یخرج الارض من یده والخصم فیه الواقف، فان کان الواقف میتا وجاء اهل الوقف یطالبون به نصب القاضی فیما یخاصم فیه (عالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب التاسع فی غصب الوقف ص ۲/۴۴۷) (قلت قوله اهل الوقف یطالبون به الخ هذا دال علی ان القوم علیهم ذمۃ المطالبۃ ومن ترك ذمته الواجبۃ فهو آثم)
(۵) (۹) لاینبغی للناس ان یاکلوا من اطعمۃ الظلمۃ لتقبیح الامر علیهم وزجرهم عما یرتکبون وان کان یحل (الهندیۃ، کتاب الکراهیۃ، الباب الثانی عشر، ص ۵/۳۴۲ ط ماجدیۃ)

(۱) کیا عیدگاہ میں واقف کی ہدایت کے خلاف مسجد بنانا جائز ہے؟
(۲) کیا عیدگاہ میں تعمیر مسجد کے بعد وہ عیدگاہ ہی کہی جائے گی یا اس کو مسجد کہنا ہی صحیح ہوگا؟
(۳) کیا ایسے اقدامات کو اگر وہ کسی حد تک عملی صورت بھی اختیار کر چکے ہوں روکنا جائز ہے؟
(۴) کیا اگر بغیر تعمیر مسجد عیدگاہ میں پنجگانہ نماز ادا کی جائے تو اس کی شکل بطور مسجد کے تو نہیں ہو جاتی؟

المستفتی نمبر ۲۲۴۱ اعجاز محمد صاحب (شملہ) ۲۵ رجب ۱۳۵۷ھ م ۲۱ ستمبر ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۰۳) عیدگاہ میں نماز پنجوقتہ باجماعت ادا کرنی جائز ہے۔ عیدگاہ کو واقف کی منشاء سے عیدگاہ کی صورت میں ہی رکھنا چاہئے اور بغیر کسی خاص مجبوری اور اشد ضرورت کے اس کو تبدیل نہ کرنا چاہئے۔(۱) محمد کفایت اللہ

عیدگاہ آبادی سے دور ہونی چاہئے

(سوال)(۱) عید کی نماز عیدگاہ میں جنگل میں جائز ہے؟
(۲) عیدگاہ سے مکانات و کوارٹروں کی کتنے دور پر آبادی رہنی چاہئے؟

المستفتی نمبر ۲۶۷۴ عبدالرحمٰن قریشی قصاب پورہ۔ ۲۱ جمادی الاول ۱۳۶۰ھ ۱۸ جون ۱۹۴۱ء

(جواب ۱۰۴)(۱) عیدگاہ کو آبادی سے باہر ہونا چاہئے۔(۲)(۲) اگر عیدگاہ باہر میدان میں ہو تو اس کے قریب آبادی بنانا نہیں چاہئے ورنہ عیدگاہ کی شرعی پوزیشن بگڑ جائے گی۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) عیدگاہ یا مسجد میں کارخانہ کھولنا
(۲) مساجد اور عیدگاہ کی زمین کو کرایہ پر دینے کا حکم

(سوال)(۱) کوئی شخص عیدگاہ یا مساجد کے اندر کارخانہ کھول سکتا ہے جس کے اندر عورت و مرد کام کرتے ہوں۔(۲) مساجد یا عیدگاہ کا متولی اراضی مذکورہ کو کرایہ پر دے سکتا ہے یا عیدگاہ وغیرہ کی ملکیت کی کوئی چیز فروخت کر سکتا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۶۷۴ عبدالرحمٰن صاحب قصاب پورہ۔ دہلی۔

(جواب ۱۰۶)(۱) عیدگاہ کے احاطہ کے اندر کارخانہ کھولنا جس میں ہر قسم کے آدمی کام کرتے ہوں جائز نہیں ہے۔(۴)(۲) عیدگاہ کو کرایہ پر نہیں دیا جا سکتا۔(۵) اور نہ عیدگاہ کی ملکیت جو وقف ہوتی ہے فروخت کی جا سکتی ہے۔(۶) اگر کوئی متولی عیدگاہ کی ملکیت فروخت کر دے یا انتظام صحیح نہ کرے تو اس کو تولیت سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) مسجد فی محلة ضاق علی اهله ولایسعهم ان یزید وافیه فسالهم بعض الجیران ان یجعلوا ذالك المسجد له لیدخله فی داره، ویعطیهم مکانه عوضا ماهو خیرله، قال محمد لایسعهم ذالك، کذافی الذخیرة (عالمگیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، ص ۲/۴۵۷)
(۲) (۳) (ایضاً بحواله سابق ۳/۱۱۳)
(۴) (۵) اذا ارادانسان ان یتخذ تحت المسجد حوانیت غلة لمرمة المسجد، اوفوقه لیس له ذالك (عالمگیریة، کتاب الوقف الباب الحادی عشر، ص ۲/۴۵۵)
(۶) لوصاراحدالمسجدین قدیما وتداعی الی الخراب فاراداهل السکة بیع القدیم وصرفه فی المسجد الجدید، فانه لایجوز (عالمگیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر ۲/۴۵۸)
(۷) اذا کان ناظر اعلی اوقاف متعددة وظهرت خیانته فی بعضها افتی المفتی ابوالسعود بانه یعزل من الکل (الشامیة، کتاب الوقف، مطلب فیما یعزل به الناظر، ص ۴/۳۸۰)

چوتھا باب
مقبرہ اور قبرستان

قبرستان کے درختوں کو گھر یا مسجد کے لئے استعمال کرنا

(سوال) قبر میں اگر خود بخود کوئی درخت یا بانس پیدا ہو تو اس کی بود وباش کے گھر میں یا مسجد میں استعمال جائز ہے یا نہیں ؟ اور مخفی نہ رہے کہ اس کو نہ کاٹنے سے باغ باغیچہ کا نقصان بھی ہوتا ہے - اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ اس حالت میں اس درخت کو بود وباش کے گھر میں یا مسجد میں استعمال کرنا جائز ہو گا یا نہیں ؟

(جواب ۱۰۷) قبرستان کی زمین اگر مملوکہ ہو تو اس کے درخت خواہ لگائے ہوئے ہوں یا خود اُگے ہوں مالک کے ہیں - اس کو ایسے درخت جن سے مقبرہ کو نقصان پہنچے ، کاٹنا بلاتردد جائز ہے اور اگر مملوک نہیں ہے وقف ہے اور درخت زمین کے وقف ہونے کی حالت میں خود اُگے ہوں تو اہل مقبرہ اس میں تصرف کرنے کے مجاز ہیں کیونکہ وہ درخت بھی وقف کے حکم میں ہیں اور ان کا اختیار قاضی یا متولی کو ہے - اور جس جگہ قاضی نہ ہو وہاں اہل مقبرہ اس میں تصرف کرنے کے مختار ہیں - مقبرة عليها اشجار عظيمة فهذا على وجهين اما ان كانت الاشجار نابتة قبل اتخاذالارض مقبرة اونبتت بعداتخاذالارض مقبرة ففي الوجه الاول المسألة على قسمين اما ان كانت الارض مملوكة لها مالك اوكانت مواتاً لامالك لها واتخذها اهل القرية مقبرة ففي القسم الاول الاشجارباصلها على ملك رب الارض يصنع بالاشجارواصلها ماشاء وفي القسم الثاني الا شجارباصلها على حالها القديم وفي الوجه الثاني المسألة على قسمين اما ان علم لها غارس او لم يعلم ففي القسم الاول كانت للغارس وفي القسم الثاني الحكم في ذلك الى القاضي ان راى بيعها وصرف ثمنها الى مقبرة فله ذلك كذافي الواقعات الحسامیه (ہندیہ) ج ۲ ص ۴۵۵(۱)

قبرستان سے سرسبز درخت کاٹنے کا حکم

(سوال) قبرستان میں سے سبز درخت کاٹنا خاص کر وہ درخت کہ قبروں پر ہوں جائز ہے یا نہیں - اگر کسی نے کاٹ لئے ہوں تو اس کا کیا حکم ہے ؟

(جواب ۱۰۸) قبرستان کے درخت اگر زمین کو قبرستان بنانے سے پہلے کے ہیں تو اگر وہ زمین پہلے کسی شخص کی مملوکہ تھی اور اس نے اسے قبرستان کے لئے وقف کیا ہے تو درخت اس کی ملک ہے جو چاہے کرے - مقبرة فيها اشجار عظيمة وكانت الاشجار فيها قبل اتخاذ الارض مقبرة فان كانت الارض يعرف مالكها فالا شجار باصلها للمالك يصنع بالاشجار واصلها ماشاء (قاضی خان علی ہامش الہندیہ مصری) ج ۳ ص ۳۴۳(۲) اور اگر زمین کسی کی ملک نہ تھی تو درخت اب بھی اسی حالت میں رہیں گے - جیسے قبرستان بننے سے پہلے تھے - یعنی مباح الاصل وان كانت الارض مواتا ليس لها مالك فاتخذها اهل القرية مقبرة

---

(۱) (الهندیه، کتاب الوقف، الباب الثاني عشر، مطلب الكلام على الاشجار التي في المقبرة واراضي الوقف وغير ذالك، ص ۴۷۳، ۴۷۴/۲ ط ماجدیه)

(۲) قاضي خان، کتاب الوقف، فصل في الاشجار، ص ۳۱۱/۳ ط ماجدية)

فالا شجار باصلها تكون على ما كانت قبل جعل الارض مقبرة(۱)(قاضی خان ص ۳۴۳ ج ۳)

اور اگر درخت زمین کے قبرستان بننے کے بعد اگے ہیں تو اگر کسی شخص نے اگائے ہیں تو اس کی ملک ہیں اور خود اُگے ہیں تو وقف سمجھے جائیں گے اور قاضی کی رائے اور اس کے اختیار میں رہیں کے وہ چاہے تو انہیں بیچ کر مقبرہ کے خرچ میں دے سکتا ہے - وان نبت الاشجار فیها بعده اتخاذ الارض مقبرة فان علم غارسها كانت للغارس وان لم يعلم الغارس فالرأى فيها يكون للقاضي ان رأى ان يبيع الاشجار ويصرف ثمنها الى عمارة المقبرة فله ذلك ويكون في الحكم كانها وقف. انتهى(۲)(قاضی خان ص ۳۴۳ ج ۳) یہ تو بڑے درختوں کا حکم ہے - ہاں خودرو گھاس اگر سبز ہو تو اس کا کاٹنا مکروہ تنزیہی ہے - يكره ايضا قطع النبات الرطب والحشيش من المقبرة دون اليابس (شامی)(۳)

متولی عداوت کی وجہ سے قبرستان میں مردے دفن کرنے سے نہیں روک سکتا

(سوال) ایک قدیم وقف قبرستان ہے جس کے متولی یکے بعد دیگرے ایک ہی خاندان کے ہوتے چلے آتے ہیں - اس قبرستان میں عام اموات دفن نہیں ہوتیں مگر چند قبیلوں کے لئے مخصوص ہے منجملہ ان قبیلوں کے جو وہاں مدفون ہیں عمرو کے قبیلہ کے اموات بھی قریب دو سو سال ہوئے اس میں دفن ہوتے چلے آتے ہیں - مذکورہ قبرستان وقف ہے اور زید اس کا متولی ہے - زید اور عمرو دونوں شافعی المذہب ہیں فی الحال اس کے قبل عمرو کے اموات کو دفن کرنے میں فی الحال کے متولی کے آباؤ اجداد جو مذکورہ قبرستان کے متولی گزرے انہوں نے کبھی ممانعت نہ کی - نہ کوئی ایسے انکار کرنے کا حق مشتہر کیا - لہذا متولی زید کا صورت مسئولۃ الصدر میں عمرو کے اموات کو مذکورہ قبرستان میں دفن کرنے میں مانع ہونا شرعاً جائز ہے اور اس طرح انکار کرنے کا حق اس کو حاصل ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۰۹) اگر قبرستان وقف ہے تو جن قبیلوں کے لئے وقف ہے وہ اپنے اموات کو اس میں دفن کر سکتے ہیں اور متولی کو انہیں منع کرنے کا حق حاصل نہیں - متولی اہل استحقاق کے حق کو باطل نہیں کر سکتا - (۱)

مملوکہ قبرستان میں مالک کی اجازت کے بغیر دفن کرنا

(سوال) شاہان اسلامیہ سلف نے ایک بزرگ کو حسن عقیدت سے ایک جگہ عنایت کر کے مالک بنایا - بعد ازاں بزرگ موصوف نے اس جگہ میں سے ایک قطعہ کو اپنے مرقد کے لئے اور اپنی اولاد کے دفن کے لئے مقرر کیا اور اس قطعہ معینہ کا نام بھی اب تک اسی بزرگ کے خاندان سے نسبت رکھتا ہے اور بزرگ موصوف کی اولاد میں سے آج تک سلسلہ بہ سلسلہ سجادہ نشین اور مالک ہوتے چلے آئے ہیں اور اسی طرح تا حال جاری ہے اور وہ

(۱) (قاضیخان، کتاب الوقف، فصل في الاشجار، قبل فصل في وقف المنقول، ص ۳:۳۱۱ ط ماجدية

(۲) ایضا

(۳) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطب في وضع الجريد ونحو الآس على القبور، ۲: ۲٤٥ ط سعيد)

(۱) ثم لا فرق بين الانتفاع في مثل هذه الاشياء و بين الغني و الفقير، حتى جاز للكل النزول في الخان والرباط والشرب عن السقاية والدفن في المقبرة. (عالمگيريه، كتاب الوقف الباب الثاني عشر في الرباطات و المقابر ۲/ ٤٦٦، ماجديه)

بزرگ اپنی اولاد میں سے ایک شخص کو مستقل سجادہ نشین اور مالک مقرر کرتے آئے ہیں اور اسی طرح بادشاہان اسلام اور غیر اسلام بھی ان کو قبول کرتے آئے ہیں۔ بزرگ موصوف کی اولاد میں سے بعد کے سجادہ نشینوں نے چند اشخاص کو جو بزرگ موصوف یا سجادہ نشینوں سے نیک عقیدت رکھتے تھے یا سجادہ نشین کے ملازم تھے ان کی درخواست کرنے سے قطعہ مذکورۃ الصدر معینہ میں دفن کرنے کی اجازت دے دی اور اسی طرح ان اشخاص کی اولاد کو جو بزرگ موصوف سے یا ان کے سجادہ نشینوں سے حسن عقیدت رکھتے تھے یا ملازم تھے درخواست کرنے سے ایک مدت تک سجادہ نشین اور مالک وقتاً فوقتاً جس کو چاہتے اپنی خوشی سے قطعہ مذکورہ میں دفن کرنے دیتے اور جس کو نہ چاہتے نہ دفن کرنے دیتے کیونکہ قطعہ مذکورہ کوئی عام قبرستان نہیں ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر موجودہ سجادہ نشین جگہ کے بھر جانے کے خوف سے یا قواعد جاریہ کے خوف سے ان اشخاص کی اولاد کو دفن کرنے سے روکے تو جائز ہے یا نہیں ؟ اور ان لوگوں کو سجادہ نشین کی بغیر اجازت اس میں اپنی اموات کو دفن کرنا کیسا ہے ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۱۱۰) جو زمین کہ بادشاہ نے کسی کو بطور تملیک دے دی ہو وہ اس کی ملک ہو گئی پھر اگر اس نے کس قطعہ زمین کو صرف اپنی اولاد کے دفن کے لئے وقف کر دیا ہو تو یہ وقف بھی خاص ہوا۔ جب تک موقوف علیہم میں سے کوئی باقی ہو گا دوسروں کو دفن کا اختیار نہ ہو گا(۱) اور اگر وقف نہیں کیا بلکہ اپنی مملوکہ زمین میں دفن کرتے رہے تو کسی حالت میں دوسروں کو دفن کا اختیار نہیں۔(۲) لیکن ان تمام حالات میں ملک کا ثبوت دینا مدعی کے ذمہ ہے۔(۳)

قبروں کے اوپر مسجد کے صحن کے نیچے گودام بنانا

(سوال) ایک قدیمی مسجد کو از سر نو کرسی دے کر بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن صحن مسجد میں چند قبریں ہیں اور اگرچہ وہ موجودہ صورت میں صحن مسجد سے علیحدہ ہیں لیکن کرسی دے کر مسجد کو از سر نو تعمیر کرنے میں بغرض کشادہ کرنے مسجد و صحن مسجد قبور صحن مسجد کے نیچے آجاتی ہیں تو کیا ایسی صورت میں بالائے قبور بحر سے قریباً ۴ فٹ یا ۴ افٹ تہ خانہ یا گودام بنا سکتے ہیں ؟ نیز یہ کہ قبروں کے بالائی حصہ میں گودام برائے افادہ مسجد بنا سکتے ہیں ؟ اگر صحن مسجد کے نیچے خلا نہ رکھیں اور قبروں پر بغرض صحن مسجد مٹی ڈال کر ٹھوس کر لیں تو کیا ایسی صورت میں کوئی ممانعت ہے ؟

(جواب ۱۱۱) قبروں کی زمین اگر قبروں کیلئے وقف نہ ہو بلکہ کسی کی ملک ہو یا دوسرے کام کے لئے وقف کر دی گئی ہو تو جب کہ میت کے اجزاء باقی نہ رہنے کا ظن غالب ہو جائے تو قبروں پر تعمیر یا زراعت یا وہ کام کرنا

---

(۱) قال الخصاف فی وقفہ اذا جعل الرجل دارہ سکنی للغزاۃ فسکن بعض الغزاۃ بعض الدار، والبعض فارغ لا یسکنھا احد (عالمگیریہ ، کتاب الوقف ، الباب الجانی عشر فی الرباطات والمقابر ، ج : ۲/ ۴۶۶ ،ماجدیہ)

(۲) میت دفن فی ارض انسان بغیر اذن مالکھا کان المالک بالخیار ، ان شاء رضی بذالک وان شاء امر باخراج المیت، وان شاء سوی الارض وزرع فوقھا، (عالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشرفی الرباطات والمقابر الخ، ۲/ ۴۷۶ ط . ماجدیۃ)

(۳) وفی الشامیۃ: ان الاوقاف التی تقادم امرھا ومات شھودھا فما کان لھا رسوم فی دواوین القضاۃ . وفی ایدھم اجریت علی رسومھا الموجودۃ فی دواوینھم استحسانا اذاتنازع اھلھا فیھا وما لم یکن لھا رسوم فی دواوین القضاۃ القیاس فیھا عند التنازع ان من اثبت حقاحکم لہ بہ اہ (شامیۃ ، کتاب الوقف، مطلب فی الوقف اذا انقطع ثبوتہ ۴/ ۴۰۷ سعید)

جس کے لئے وہ زمین وقف کی گئی ہے جائز ہے۔ اذا بلی المیت وصار ترابا جاز الزرع و البناء علیه (درمختار)(۱) مسجد تعمیر شدہ یعنی مسجد قدیم کے نیچے تہ خانہ یا گودام اگر مسجد کا اسباب وغیرہ رکھنے کے لئے بنالیا جائے تو مضائقہ نہیں۔(۲) لیکن کرایہ پر دینے کے لئے بنانا جائز نہیں۔ خواہ وہ کرایہ مسجد ہی کے فائدہ کے لئے ہو۔(۳) اگر تمام خلا کو مٹی ڈال کر ٹھوس کرلیں جس میں قبریں بھی دب جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ جب کہ قبروں کے اندر اجزائے میت باقی نہ ہونے کا ظن غالب ہو۔(۴) فقط

مملوکہ قبرستان میں قبریں بوسیدہ ہو جائیں تو استعمال میں لانا جائز ہے

(سوال) موجب قاعدہ و رواج قدیم ہمارے بزرگوں نے اپنے بعض بزرگوں کو بعد انتقال اپنی مملوکہ اراضی میں جو آبادی میں ہے دفن کیا۔ مرور زمانہ سے ان قبروں پر گزرگاہیں قائم ہو گئیں اور مالکان زمین اپنی اراضی مثل دیگر اراضی کے استعمال میں لانے لگے یعنی مویشی وغیرہ باندھنا اور مکانات کا بن جانا وغیرہ اور یہ استعمال تقریبا عرصہ ساٹھ سال سے ہو رہا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان زمینوں کا استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۱۲) قبر کی زمین اگر مملوک ہو اور مردے کو دفن کئے ہوئے اتنا عرصہ گزر گیا ہو کہ اس کے اجزائے بدن مٹی ہو گئے ہوں تو اس زمین کو اپنے استعمال میں لانا درست ہے۔ اذا بلی المیت فصار ترابا جاز الزرع والبناء علیه (کذافی الدر المختار)(۵)

قبرستان کی جگہ شفاخانہ تعمیر کرنا

(سوال) کیا شریعت پاک اجازت دیتی ہے کہ احاطہ قبرستان اہل اسلام کو حکومت کا مفصلہ ذیل خیال پورا کرنے کی غرض سے دے دیا جائے جب کہ اس میں میت کا دفن کرنا قریباً بیس اکیس سال سے بند ہو۔ احاطہ مذکور رفتہ رفتہ آبادی کے بڑھتے بڑھتے آبادی میں آگیا ہو یا آبادی کے متصل ہو یا آبادی کے باہر ہو نیز قبور کے نشانات بھی ہنوز باقی ہوں۔

(۱) جیسا کہ آپ کے وفد پر پہلے ہی سے صاف ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اس چٹھی کے ذریعہ سے اطلاع دی جاتی ہے کہ ہز ہائی نس دربار صاحب بہادر مسلم رعایا کے مفاد کے لئے ایک معقول اور مکمل عمدہ شفاخانہ تعمیر کرانا چاہتے ہیں۔ (۲) شفاخانہ کی تعمیر کے لئے جو نہایت ہی عمدہ اور موزوں جگہ سری مہارانی صاحبہ کے شہرے اور اندرون سوجتی دروازہ کے ملحق قطعہ زمین اور بیرون شہر مسلمانوں کا قبرستان نام کی زمین پر مشتمل ہے۔ (۳) لہذا ہز ہائی نس دربار صاحب مسلمانوں کا قبرستان حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر صرف اس شرط پر کہ تمام مسلم رعایا نے جو تھوڑا سا

(۱، ۴، ۵) واذا بلی المیت و صار ترابا جاز زرعه والبناء علیه (ردالمحتار، کتاب الصلاة باب صلاة الجنائز، ج : ۲ صفحه ۲۳۳ ، سعید)

(۲) ومن جعل مسجدا تحته سرداب ولو کان السرداب لمصالح المسجد جاز ، کما فی مسجد بیت المقدس ، کذافی الهدایه ، عالمگیریه ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر ، ج : ۲ صفحه ۴۵۵ ، ماجدیه)

(۳) واذا اراد انسان ان یتخذ تحت المسجد حوانیت مرمة لغلة المسجد او فوقه لیس له ذلك . (بحواله بالا) وکذافی الدر المختار : ولا یجوز اخذ الاجرة منه، ولا ان یجعل مستغلا ولا سکنی (کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد ج : ۴ / ۳۵۸ ، سعید)

کے دینے پر رضامند ہو۔ (۴) یہ تجویز کیا گیا ہے کہ وہ قطعہ زمین جو قبرستان میں شامل ہے وہ صرف شفاخانہ کا انگوان (صحن) کے طور پر کام میں لائی جائے گی اور شفاخانہ کی عمارت موجودہ شہر پناہ کے اندر ہوگی ۔ قبروں کی بے حرمتی نہیں کی جائے گی۔ علاوہ بریں قبرستان کی زمین مٹی سے ڈھانپ دی جائے گی تاکہ ایک عمدہ باغ لگانے کے قابل ہو جائے۔ چھوٹی سی مسجد جو قبرستان میں واقع ہے وہ ایسی ہی قائم رہنے دی جائے گی۔ بلکہ اگر استدعا کی گئی تو خوبصورت بنادی جائے گی جو کہ شفاخانہ کے مسلمان انڈور پیشنٹس کے لئے نہایت سہولت بخش عبادت گاہ کا کام دے گی۔ (۵) سری دربار صاحب مجھ سے خواہش کرتے ہیں کہ مسلمان رعایا کو یقین دلایا جائے کہ اگر قبرستان کا حصول مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو صدمہ رساں ہو یا اور طرح سے اثر پذیر ہونا خیال کیا جائے تو سری دربار صاحب ہرگز اس کا حاصل کرنا منظور نہ فرمائیں گے۔ لیکن ساتھ ہی اگر رفاہ عام کے لئے کہ جس میں دوسروں کے ساتھ مسلمانوں کا فائدہ بھی شامل ہے زمین کو خوشی سے دربار صاحب کو پیش کر دیں گے تو سری دربار صاحب ان کے رویہ کو بہت ہی قدر کی نگاہ سے ملاحظہ فرمائیں گے۔ (۶) سری دربار صاحب اس نظر تحسین کو عملی جامہ بھی پہنانا پسند فرمائیں گے اور جب تک کہ مسلمانوں کے پاس اس سے بہتر تجویز پیش کرنے کو نہ ہوگی سری دربار صاحب مہربانی فرما کر مسلمانوں کے لئے ایک عمدہ عمارت مڈل اسکول کے لئے شہر کے اندر بنوا دیں گے۔ اور اس کے اخراجات کو فیاضانہ امداد فرماتے رہیں گے۔ (۷) پھر چاند شاہ کا معاوضہ دئے جانے کا جو سوال ہوگا وہ بالکل علیحدہ ہوگا۔ (۸) یہ امر ضروری ہے کہ مسلمانوں کی رائے ماہ رواں کے اختتام تک حاصل ہو جائے۔

(جواب ۱۱۳) قبرستان جو مسلمانوں کے اموات دفن کرنے کے لئے وقف ہو ہمیشہ قبرستان کے کام میں ہی لانا لازم ہے کسی دوسرے کام میں اس کی خالی زمین کو بھی لانا جائز نہیں ہے۔(۱) اور جو زمین کہ دفن اموات کے کام میں آچکی ہے اور اس میں قبریں موجود ہیں۔ ان قبروں کا احترام باقی رکھنا لازم ہے۔(۲) اس قبرستان میں دفن کی اجازت جس اکیس سال سے نہیں ہے تو وقف سے جو فائدہ مقصود اور متصور تھا وہ ثواب حاصل نہیں ہوتا یا نہیں ہو سکتا مگر مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ موجودہ قبور کو بے حرمتی سے بچائیں اور کسی ایسے کام کی اجازت نہ دیں جس سے قبروں کی بے حرمتی ہو۔(۳) سری دربار صاحب کی تحریر میں اس امر کا وعدہ موجود ہے کہ اگر قبرستان کا حصول مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو صدمہ رساں ہوگا تو سری دربار صاحب اس کا حاصل کرنا ہرگز منظور نہ فرمائیں گے۔ اس فقرے سے سری دربار صاحب کی مسلمان رعایا پر پدرانہ شفقت ظاہر ہوتی ہے۔ شفا خانہ کا صحن بنانے اور مٹی ڈال کر باغیچہ لگانے کی صورت میں قبروں کے اوپر لوگوں کا چلنا پھرنا تو لامحالہ ہوگا اور یہ بھی قبروں کی توہین کی صورت ہے اس لئے یہ صورت تو نہ صرف مسلمانوں کے مذہبی جذبات بلکہ مذہبی احکام کے خلاف ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی

---

(۱) سئل هو (شمس الائمة) ايضا عن المقبرة في القرى اذا اندرست ولم يبق فيها اثر الموتى لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال: لا ولها حكم المقبرة ، كذافي المحيط. (الفتاوى الهندية، كتاب الوقف ، الباب الثانى عشر فى الرباطات ۲/ ۴۷۰، ۴۷۱ ط. ماجدية)

(۲، ۳، ۴) عن ابى مرثد الغنوى قال: قال: النبى عليه السلام لا تجلسوا على القبور ولا تصلوا اليها ، وفى الباب عن ابى هريرة وعمرو بن حزم وبشير بن الخصاصة. رواه الترمذى ، ابواب الجنائز ، باب كراهة الوطى والجلوس عليها ، ۱/ ۲۰۳ ط. ايچ ايم سعيد)

مسلمانوں کا قبرستان مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص ہوگا

(سوال) ایک گاؤں میں ایک قبرستان ہے جس میں متعدد قبور شاہی زمانہ کی ہیں نیز ایک شاہی مسجد منہدم ہے اور ایک مقبرہ بھی منہدم حالت میں ہے۔ اس مسجد اور مقبرے کے اطراف میں قبرستان ہے جس میں کئی برسوں سے مسلمان لوگ مردے دفن کرتے ہیں۔ پہلے اس کا احاطہ نہ تھا۔ لیکن چندروز سے اس کے اطراف احاطہ کر لیا گیا ہے۔ اس گاؤں کے ہندوؤں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس قبرستان کا چند حصہ ہمارا ہے اور ہم لوگ اس میں مردے دفن کریں گے۔ یہ دعویٰ جناب کلکٹر صاحب کے روبرو پیش کیا گیا۔ صاحب مذکور نے یہ حکم نافذ کیا کہ آئندہ ہندو اور مسلم دونوں اس میں مردے دفن کریں۔ قبرستان کا احاطہ گرا دینے کا حکم بھی کلکٹر صاحب نے دیا ہے۔

المستفتی نمبر ۷۷۲ ابراہیم یوسف (مغربی خاندیس) ۲۲ محرم ۱۳۵۳ھ ۸ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۱۴) اگر مسلمانوں کا قبرستان ہمیشہ سے انہیں کی اموات کے دفن کے لئے مخصوص تھا اور یہ اس میں اپنے مردے دفن کرتے تھے تو ان کو اس امر کا ثبوت پیش کر کے اپنا حق ثابت کرنا چاہئے۔ اور اس حکم کو منسوخ کرانا چاہئے کہ ہندو بھی اپنے مردے اس میں دفن کریں۔ اور اگر ہندوؤں کی اجازت جو کلکٹر صاحب نے دی ہے بہر حال جبراً قائم رکھی جائے تو مسلمانوں کو ان کی جگہ احاطہ سے باہر کر دینا چاہئے اور اپنی جگہ کو احاطہ کے اندر محدود کر لیں تاکہ علیحدہ علیحدہ مردے دفن ہوں اور احاطے گرا دینے کا حکم کیوں دیا گیا ہے اس کو صاف کر کے اپنا حق ثابت کر کے انصاف حاصل کریں۔(۱) محمد کفایت اللہ

قبرستان میں درخت لگانا اور ان کے پھولوں کا حکم

(سوال) مسلمانوں کے قبرستان کی آمدنی میں اضافہ کرنے کے لئے قبرستان میں اگر ثمر آور درخت لگائے جائیں تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی۔ ان اثمار کی فروخت جائز ہے یا نہیں ؟ اسے قیمتاً خرید کر استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ثمر آور درختوں کے لگانے میں اول اول صرف کثیر بھی ہوگا اور ایک مدت بعد اس سے آمدنی کی صورت پیدا ہو سکے گی۔

المستفتی نمبر ۷۶ ۳ سکریٹری محفل اسلام (ضلع سورت) ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ م ۲۳ جولائی ۳۴ء

(جواب ۱۱۵) مقبرہ کی فارغ زمین میں ایسے طور پر درخت لگانا کہ اصل غرض یعنی دفن اموات میں نقصان نہ آئے جائز ہے۔(۲) ان درختوں کے پھلوں کی بیع جائز ہوگی اور پھلوں کی قیمت قبرستان کے کام میں لائی جائے گی۔(۳) جواز کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ درخت لگانے ان کی حفاظت کرنے پھلوں کے توڑنے اور اس کے

---

(۱) لا یشترط فی صحۃ الدعوی بیان السبب الا فی دعوی العین کما فی البزازیۃ : لا تثبت الید فی العقار الا بالبینۃ (الا شباہ و النظائر ، کتاب القضاء والشہادۃ، ۲ : ۳۷۸،۳۷۷ ط. ادارۃ القرآن ، کراتشی) وفی الشامیہ : ان الا وقاف التی تقادم امرھا ومات شہودھا اذا تنازع اھلھا فیھا ، ومالم یکن لھارسوم فی دواوین القضاۃ . القیاس فیھا عند التنازع ان من اثبت حقا حکم لہ بہ اھ (الشامیہ ، کتاب الوقف مطلب فی الوقف اذا انقطع ثبوتہ، ۴ /۴۴۷ ، ط. سعید)
(۲) یجوز للمستاجر غرس الا شجار والکروم فی الاراضی الموقوفۃ اذا لم یضر بالا رض (رد المحتار ، کتاب الوقف ج : ۴ ، ۴۵۴ ، سعید)
(۳) مقبرۃ علیھا اشجار عظیمۃ ، فھذا علی وجھین فھی القسم الثانی الحکم فی ذالک الی القاضی ان رای بیعھا وصرف ثمنھا الی عمارۃ المقبرۃ فلہ ذالک . کذافی الواقعات الحسامیۃ (العالمگیرۃ ، کتاب الوقف ، الباب الثانی عشر . مطلب الکلام علی الا شجار فی المقبرۃ ، ۲ /۴۷۳ . ۴۷۴ ط. ماجدیۃ)

متعلقہ کاموں میں قبروں کا روندا جانا یا پامال ہونا نہ پایا جائے۔(۱) اور کھیتوں کے لگانے میں قبرستان کا روپیہ خرچ کرنا جب کہ اس سے تجربہ کی بنا پر نفع کی امید ہے جائز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ

قبرستان میں اپنا مکان تعمیر کرنا

(سوال) اگر کوئی مسلمان قبرستان کی زمین سے جہاں پر قبروں کے نشانات موجود ہوں ان کو مٹا کر اس زمین پر اپنی رہائش کا مکان غسل خانے اور بیت الخلاء تعمیر کرے کیا ایسا شخص گنا ہگار گردانا جا سکتا ہے اور کیا ایسے مولوی کو جو بجائے ان حرکات کے سدباب کرنے کے ان کی حمایت کرتا ہو حق بجانب تصور کیا جا سکتا ہے اور ایسے مولوی کی نسبت شریعت کا کیا فیصلہ ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۴۴ غلام محمد صاحب (کراچی) ۲۵ شعبان ۱۳۵۳ھ م ۳ دسمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۱۶) قبرستان کی زمین اگر دفن کے لئے وقف ہو تو اس کو اپنے مکان کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور اسی طرح اس میں سے قبروں کے نشانات کو مٹانا بھی جائز نہیں۔(۳) البتہ اگر زمین وقف نہ ہو بلکہ کسی کی مملوکہ ہو اور اس کی اجازت کے بغیر کسی نے دفن کر دیا ہو، یا اجازت سے کیا ہو مگر مالک نے زمین وقف نہ کی ہو تو ان صورتوں میں جب کہ ظن غالب ہو جائے کہ میت کی لاش مٹی ہو گئی ہو گی۔ مالک کو زمین پر مکان بنانا جائز ہے۔(۴) اور پہلی صورت میں جب کہ بلا اجازت دفن کیا ہو اس انتظار کی بھی ضرورت نہیں ہے ۔(۵) بہر حال سوال مجمل ہے اور جواب بھی مختلف صورتوں کے لحاظ سے مختلف ہے۔ وقف قبرستان کے کسی حصہ پر ایسا تصرف جو سوال میں مذکور ہے کرنا حرام ہے اور متصرف ظالم غاصب فاسق ہے ۔(۶)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ،

---

(۱) عن ابی مرثد الغنوی قال قال النبی علیه السلام لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیها .(رواه الترمذی ، ابواب الجنائز صفحه ۲۰۳ ، ط: سعید)

(۲) وانما یحل للمتولی الاذن فیما یزید الوقف به خیرا (رد المحتار ، کتاب الوقف، مطلب انما یحل للمتولی الا ذن فیما یزید به الوقف خیرا ، ج : ٤/ ٤٥٤ ، سعید)

(۳) مقبرة قدیمة ... هل یباح لا هل المحلة الا نتفاع بها ؟ قال ابو نصر : لا قاضی خان بر ها مش هندیه ، کتاب الوقف ، فصل فی المقابر ، ج : ۳ صفحه ۳۱٤ ماجدیه

(۴) ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه کذافی التبین ..... اذا دفن المیت فی ارض غیره بغیر اذن مالکها، فالمالك بالخیار .ان شاء سوی الارض وزرع فیها کذافی التجنیس (الهندیه ، کتاب الصلاة الباب الحادی والعشرون فی الجنائز ، الفصل السادس فی القبر و الدفن والنقل من مکان الی آخر ۱/۱٦۷ ، ط. ماجدیة، کوئٹہ، پاکستان)

(۵) اذا دفن المیت فی ارض غیره بغیر اذن مالکها فالما لك بالخیار ، ان شاء امر باخراج المیت وان شاء سوی الارض وزرع فیها . (الهندیه، کتاب الصلاة ، الباب الحادی والعشرون الفصل السادس ، صفحه ۱ . ۱٦۷)

(۶) سئل هو (یعنی شمس الائمة) ایضا عن المقبرة فی القری اذا اندرست ولم یبق فیها اثر الموتی لا العظم ولا غیره ، هل یجوز زرعها واستغلالها؟ قال : لا ولها حکم المقبرة . کذا فی المحیط (الهندیه کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات الخ صفحه ۲ ، ٤۷۰ ، ٤۷۱ ط . ماجدیة ، کوئٹہ)

کسی کی مملوک زمین میں بلا اجازت مسجد بنانا

(سوال) میاں نور محمد عرف مدنی شاہ مسافرانہ حالت میں الور میں آئے تھے۔ ان کے دفن کے لئے مسماۃ نجیبا معافیدار نے اپنے قبرستان میں خالصاً للہ اجازت دے دی تھی۔ اس کے بعد مدنی شاہ کے مریدوں نے قبر پر گنبد بنانے کی اجازت چاہی۔ مسماۃ نجیبا معافیدار نے اس شرط پر اجازت دی کہ مشرق و مغرب میں لمبی تیس فٹ اور شمال و جنوب میں چوڑی تیس فٹ سے زیادہ زمین نہ دبائی جائے۔ قبر بنانے کا اور اس پر گنبد بنانے کا معاہدہ اعجاز حسین خلیفہ مدنی شاہ سے ہوا تھا جو مورخہ یکم جولائی ۱۸۹۹ء باضابطہ رجسٹری شدہ موجود ہے۔ معاہدہ کے خلاف جس قدر دعوے حسین شاہ خلیفہ اعجاز حسین نے کئے وہ سب مسترد ہو چکے ہیں جن کی نقل احکام اور اصل معاہدہ موجود ہے جن کی نقلیں برائے ملاحظہ منسلک ہیں مگر اب عبدالرحیم مرید مدنی شاہ کہتا ہے کہ یہ زمین پچاس سال سے میرے قبضہ میں ہے حالانکہ تیاری گنبد کی اجازت یکم جولائی ۱۸۹۹ء کو دی تھی جس کو ۳۶ سال بھی نہیں ہوئے۔ اور زائد زمین دبانے کے واسطے جھگڑا کر رہا ہے۔ لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ اصل فیصلہ و معاہدہ کی رو سے عبدالرحیم عرف ذاکرا شاہ کو علاوہ گنبد کے دوسری زمین میں دخل دینے کا حق ہے یا نہیں اور اس غصب کی ہوئی زمین پر نماز وغیرہ کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۴۳۸ سید عبدالقیوم معافیدار (الور) ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ م ۳ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۱۷) قبرستان جب کہ مسماۃ نجیب النساء کا مخصوص خاندانی قبرستان اور معافی کی زمین ہے اور مدنی شاہ کے دفن کی اجازت دینی اور گنبد بنانے کے وقت اقرار نامہ لکھانے کا ثبوت موجود ہے تو موجودہ تکیہ دار کا دعویٰ ناقابل سماعت ہے اور اس زمین میں بغیر اجازت ورثہ نجیب النساء کسی تصرف کا تکیہ دار کو اختیار نہیں ہے۔(۱) اور نہ اس میں مسجد بغیر اجازت ورثہ نجیب النساء بن سکتی ہے(۲) اور اگر زبردستی بنالی جائے تو وہ مسجد شرعی نہ ہوگی بلکہ مغصوب زمین کی طرح اس میں نماز مکروہ ہوگی۔ وہذا کلہ ظاہر۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

قبرستان کی زمین کسی دوسری ضرورت کے لئے استعمال کرنا

(سوال) ایک تالاب جس کے چاروں پشتوں پر لوگ قدیم الایام سے مردے دفن کرتے آئے ہیں اس تالاب کو عمیق کرانے کی غرض سے کھدوا کر نئی اور پرانی قبروں پر مٹی ڈال کر پشتوں سمیت برابر کر کے اونچا کر دیا گیا ہے۔ اب اس تالاب کے پشتوں کے اوپر تدفین موتی نہیں کیا جائے گا۔ دفن اموات کے لئے تالاب کے متصل دوسری وسیع جگہ لوگوں کو دی گئی ہے۔ اس تالاب کے چاروں پشتوں پر نئی اور پرانی قبروں پر کھیت یا باغ بنایا جا سکتا

(۱،۲) سئل (شمس الائمة) عن المقبرة في القرى اذا اندرست هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال لا. (الهندية، كتاب الوقف ۲/ ۴۷۰، ۴۷۱)
(۳) ومنها الملك وقت الوقف حتى لو غصب ارضا فوقفها ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن اليه او صالح... لا تكون وقفا. (عالمگيرية اول كتاب الوقف، الباب الاول ۲/ ۳۵۳) بنى مسجدا على سور المدينة لا ينبغي ان يصلى فيه لانه حق العامة فلم يخلص لله كالمبنى في ارض مغصوبة اهـ ثم قال فالصلاة فيها مكروهة (كتاب الصلاة في الارض المغصوبة ۱/ ۳۸۱ ط. سعيد)

ہے یا نہیں ؟ مالکان تالاب جو صاحب نصاب ہیں اس کے پھل کھا سکتے ہیں یا نہیں اور اس کی آمدنی کو اپنے صرف میں لا سکتے ہیں یا نہیں ؟ المستفتی شاہ عبدالمومن (ضلع بکھورہ)

(جواب ۱۱۸) اگر یہ قبرستان زمین موقوفہ میں تھا جو دفن اموات کے لئے وقف تھی اس کو کسی دوسرے کام میں لانا ناجائز نہیں۔(۱) ہاں اگر اس میں دفن اموات کی اجازت نہ رہی ہو یا دوسری وسیع زمین مل جانے کی وجہ سے حاجت نہ رہی ہو تو جب کہ مردوں کے جسم مٹی ہو جانے کا گمان غالب ہو جائے اس وقت اس زمین کو کھیت یا باغ بنا کر اس کی آمدنی کو کسی دوسرے قبرستان کے ضروری مصارف میں صرف کیا جائے۔(۲) اور اگر زمین وقف نہ ہو بلکہ مملوکہ ہو تو مالک آمدنی کو اپنے صرف میں لا سکتا ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ

مملوکہ قبرستان میں مالک کی اجازت کے بغیر دفن کرنا

(سوال) ایک شخص ایک قطعہ زمین پر جو تکیہ و قبرستان کے نام سے مشہور ہے نسلاً بعد نسل قابض ہے اور مالکانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اس زمین کو کسی نے قبرستان کے لئے نہ وقف خاص نہ وقف عام کیا بلکہ شخص مذکور موروثی جائداد کی طرح اس کا مالک ہے۔ وہ شخص مذکور جس کو اجازت دے خواہ باجرت یا بلا اجرت وہ مردہ وہاں دفن ہوتا ہے اور بغیر اس کی اجازت کے کوئی دفن نہیں کر سکتا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب وہ جگہ تکیہ اور قبرستان کے لئے وقف عام یا وقف خاص نہیں ہے تو جو شخص اس کا مالک ہے وہ اس خالی زمین کو جہاں قبر نہیں ہے اپنے صرف میں لا سکتا ہے یا نہیں ؟ اپنا مکان وغیرہ بنا سکتا ہے یا نہیں اور اس کو بیچ سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۴۲۷ دلاور علی (اٹاوہ) ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۰ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۱۹) اگر اس زمین کے وقف ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور ہمیشہ سے کوئی خاص شخص اس پر قابض و متصرف ہے اور اس کی بغیر اجازت عام مسلمانوں کو حق تدفین نہیں ہے تو وہ شخص اس زمین پر جو چاہے تصرف کر سکتا ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ

وقف عام میں قبر مخصوص کرنے کی صورت میں دوسرے مدفون کو نکالنے کا حکم

(سوال) زید حنفی المذہب قبرستان کے متولی کی یا ورثاء کی اجازت سے قبرستان میں دفن ہو گیا۔ زید مذکور کی

---

(۱) سئل ...... (شمس الائمة) عن المقبرة في القرى اذا اندرست ...... هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال لا : (الهندية ، كتاب الوقف ۲ / ۴۷۰ ، ۴۷۱)

(۲) عن شمس الائمة الحلواني انه سئل عن مسجد او حوض خرب ولا يحتاج اليه لتفرق الناس عنه ، هل للقاضي ان يصرف اوقافه الى مسجد او حوض آخر ؟ فقال : نعم ، ومثله في البحر ...... والذي ينبغي متابعة المشايخ المذكورين في جواز النقل بلا فرق بين مسجد او حوض كما افتى به الامام ابو شجاع والامام الحلواني وكفى بهما قدوة ولا سيما في زماننا فان المسجد او غيره من رباط او حوض اذا لم ينقل يا خذ انقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد وكذالك اوقافه يا كلها النظار او غيرهم الخ (ردالمحتار ، كتاب الوقف مطلب فيما لو خرب المسجد ، ومطلب في نقل انقاض المسجد ۳۵۹ ، ۳۶۰)

(۳) اذا دفن الميت في ارض غيره بغير اذن مالكه فالمالك بالخيار ان شاء امر باخراج الميت ، وان شاء سوى الارض وزرع فيها . كذافي التجنيس (الهندية ، كتاب الصلاة ، الباب الحادى و العشرون في الجنائز ، الفصل السادس في القبر و الدفن و النقل من مكان الى اخر ، ج ۱ صفحه ۱۶۷ ط . ماجدية)

(۴) ولو بلى الميت وصار ترابا جاز ...... البناء عليه ...... اذا دفن الميت في ارض غيره بغير اذن مالكها فالمالك بالخيار ان شاء امر باخراج الميت وان شاء سوى الارض وزرع فيها . (الهندية ، كتاب الصلاة ، الباب الحادى والعشرون في الجنائز ۱ / ۱۶۷) ارض لاهل قرية جعلوها مقبرة ثم ان واحدا من اهل القرية بنى فيها بناء او وضع اللبن وآلات القبر و اجلس فيها من يحفظ المتاع ...... فلا باس به . (الهندية ، كتاب الوقف الباب الثاني عشر ، ۴۶۷ ، ۴۶۸)

والدہ اور دیگرا قرباای قبرستان میں دفن ہیں۔ بکر معترض ہے کہ زید جس مقام پر دفن ہے وہ مقام میں نے اپنے لئے مخصوص کردیا ہے زید کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرو۔

المستفتی نمبر ۸۴۷ جناب محمد عبدالعزیز شریف (چام راج نگر بنگلور) ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲۶ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۲۰) قبرستان اگر وقف عام ہو اور اس میں کوئی شخص اپنے واسطے قبر کھدوا کر محفوظ چھوڑ دے اور کوئی دوسرا شخص اس میں اپنی میت کو دفن کردے تو اس صورت میں بھی دفن کرنے والے کو صرف قبر کھودنے کی اجرت ادا کرنی پڑتی ہے۔ صاحب القبر کو نعش نکلوانے کی اجازت نہیں ہے۔ اذا حفر الرجل قبرا فی المقبرۃ التی یباح لہ الحفر فدفن فیہ غیرہ میتالا ینبش القبر ولکن یضمن قیمۃ حفرہ لیکون جمعابین الحقین. انتہی. عالمگیری نقلا (۱) عن خزانۃ المفتین۔ اور اگر قبر نہیں کھودی صرف اپنے دل میں یہ خیال کرلیا کہ میں یہاں دفن ہوں گا تو اس صورت میں دوسرے دفن کرنے والے سے کچھ بھی لینے کا حق نہیں۔ نعش نکالنے کا صرف اس صورت میں حق ہوتا ہے کہ زمین مملوک ہو اور مالک کی اجازت کے بغیر دفن کیا جائے۔ (۲) کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

قبرستان میں جانوروں کو گھاس چرانے کے لئے چھوڑنا ناجائز ہے

(سوال) کسی قبرستان کی حفاظت کے واسطے بستی والوں نے چاروں طرف دیواریں بنوائی ہیں کوئی سردار یا دوسرا کوئی جبراً وہاں بیل چراتا ہے اور نرم زمین کے سبب سے بیلوں کے پاؤں گھس کر بہت سی قبروں پر سوراخ پڑ گئے۔ اور قبرستان پہلے سے وقف اور لا خراج ہے اب شخص ان کو روک سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۶۱ محمد اسمٰعیل صاحب اے۔ بی۔ ایم۔ اسکول (برما) ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۲۱) قبرستان میں جانوروں کو گھاس چرانے کے لئے چھوڑنا اور قبروں کو پامال کرانا جائز نہیں۔ اس فعل کو روکنے کا مسلمانوں کو پورا حق ہے حاصل ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) الفتاوی العالمگیریۃ، کتاب الوقف. الباب الثالث عشر فی الرباطات و المقابر، ۲/۴۷۲، ط. ماجدیۃ، کوئٹہ، پاکستان)

(۲) لا ینبغی اخراج المیت من القبر لا اذا کانت الا رض مغصوبۃ الخ کذا فی فتاوی قاضیخان (الفتاوی العالمگیریۃ کتاب الصلاۃ، الباب الحادی و العشرون فی الجنائز، الفصل السادس، ۱/۱۶۷ ط. ماجدیۃ)

(۳) ویکرہ ان یبنی علی القبر او یقعد او ینام علیہ او یوطأ علیہ ویکرہ قطع الحطب والحشیش من المقبرۃ فان کان یابسا لا باس بہ (الفتاوی الہندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون ۱، ۱۶۶، ۱۶۷ ط ماجدیۃ)

وفی الہندیۃ ایضا : فلو کان فیہا حشیش یحش ویرسل الی الدواب ولا ترسل الدواب فیہا. (العالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر، ۲، ۴۷۱ ط. ماجدیۃ)

قبرستان کے متصل مذبح بنانا

(سوال)(۱) مذبح جو منجانب یونین بورڈ بگھا بنایا گیا ہے بالکل قبرستان سے ملا ہوا ہے جس سے قبرستان کی توہین ہوگی۔ کیونکہ ہمیشہ ناپاکی اور گندگی موجود رہے گی۔ قبرستان کو مذہبی حیثیت سے جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ایسی حالت میں قبرستان کے نزدیک مذبح بنانا اور جاری کرنا ہمارے مذہب اور قبرستان کی سراسر توہین اور تذلیل ہے لہذا یونین بورڈ بگھا کو چاہئے کہ ہمارے جذبات مذہبی کا خیال اور احترام کرتے ہوئے مذبح کو وہاں سے ہٹادے۔ ورنہ اس کے متعلق کسی قسم کا خلفشار ہوگا تو اس کی ذمہ داری یونین بورڈ بگھا ہوگی۔ (۲) ان ریزولیشنز کی نقلیں جناب کمشنر صاحب بہادر مظفر پور وڈسٹرکٹ مجسٹریٹ چمپارن وائس ڈی اور بتیا وچیئرمین ڈسٹرکٹ بورڈ چمپارن و پریزیڈنٹ یونین بورڈ بگھا و اخبارات وانجمن اصلاح المسلمین بگھا میں بھیجی ہیں۔ (۳) ممبران انجمن اصلاح المسلمین پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کی نسبت ضروری اور قانونی کارروائی کریں۔

المستفتی نمبر ۱۱۵۸ محمد ہارون صاحب سکریٹری انجمن اصلاح المسلمین بگھا (ضلع چمپارن) ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۳۱ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۲۲) مسلمانوں کی قبریں اور قبرستان پاک صاف مقام پر ہونی چاہئیں۔ قبروں پر نجاست اور گندگی کا ڈالنا اور ان کو ناپاک کرنا حرام ہے۔ اس کے لئے صاف احکام شرعیہ موجود ہیں۔ قبرستان سے ملا ہوا مذبح ہوگا تو ضروری طور پر قبریں نجاست سے آلودہ ہوں گی اور جانور نجاست اٹھا اٹھا کر قبروں پر ڈالیں گے۔ نیز اموات کو دفن کرنے کے لئے جو لوگ قبرستان کو جائیں گے ان کے دماغ بدبو سے پریشان ہوں گے اور وہاں ٹھہرنا دشوار ہوگا۔ حالانکہ بعض اوقات قبر کی تیاری میں دیر ہونے کے باعث وہاں کچھ ٹھہرنا پڑتا ہے۔ اس لئے مذبح کو قبرستان سے کافی فاصلہ پر ہونا ضروری ہے۔ فقط۔(۱)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

زمین خرید کر میت دفنانے کی صورت میں اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی

(سوال) وہ زمین جو ایک ہندو والئی ریاست نے ایک مسلمان فقیر کو بطور خیرات زندگی بسر کرنے کو دی ہو مردہ دفن کرنے کے لئے زمین نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں نے اس فقیر سے درخواست کی کہ وہ زمین میں مردہ دفن کرنے کی اجازت دے اور اس کا حق اس فقیر کو برابر ملتا رہا۔ اب مسلمان حق دینے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ زمین مسلمانوں کے لئے وقف ہوگئی ہے۔ لہذا آنجناب سے دریافت ہے کہ آیا یہ زمین مسلمانوں کے لئے وقف ہوسکتی ہے یا نہیں؟　　المستفتی نمبر ۱۵۰۱ رمضان شاہ ولد انور شاہ (ناگپور) ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۳) اگر والئی ریاست نے زمین فقیر کو بطور تملیک کے اس کے گذر بسر کے لئے دی تھی اور اس کا

---

(۱) ویکرہ ان یبنی علی القبر او یوطأ علیہ او یقضی حاجۃ الانسان من بول او غائط۔ (الفتاوی الہندیۃ کتاب الصلاۃ الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر ۱ / ۱۶۶ ط. ماجدیۃ)

ثبوت موجود ہے۔ نیز اس امر کا ثبوت بھی موجود ہے کہ فنتیر کی اجازت سے اموات اس میں دفن ہوتی تھیں اور وہ زمین کی قیمت لیا کرتا تھا تو مسلمانوں کو اب بھی قیمت ادا کرنی ہوگی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

وقف کی آمدنی میں اضافہ کرنے کے لئے متولی کو وقف میں تصرف کرنے کا اختیار ہے

(سوال) ایک مخیر سیٹھ صاحب نے ۱۹۱۹ء میں تقریباً سترہ ۱۷ ایکڑ زمین خرید کر وقف فرمائی اور وقف نامہ میں لکھ دیا کہ منجملہ اس کے دو سو فٹ مربع یعنی (۲۰۰×۲۰۰ فٹ) پر مسجد، مدرسہ، نماز جنازہ پڑھنے کے لئے مکان وضو وطہارت کے لئے حوض، کنواں، امام وخدام مسجد وقبرستان کے لئے رہائشی مکانات بنائے جائیں گے اور ان کی مرمت وغیرہ ہوتی رہے گی اور بقیہ زمین قبروں کے لئے رہے گی۔ سارے ضروری اخراجات سے جو اگر کچھ بچے تو مناسب اور موقع دیکھ کر متولیان اپنی سمجھ کے مطابق فنڈ کی جمع رقم رنگون کے دوسرے قبرستان میں یا قبرستان کے لئے کسی دوسری جگہ زمین خریدنے میں خرچ کریں گے۔ اور مذکورہ وقف نامہ سے متولیان کو اس کا پورا اختیار حاصل ہے کہ منصلہ بالا سارے وقف کے متعلق عالم، پیش امام، مؤذن، خادم اور نوکر میں سے جس کو چاہیں ملازمت پر رکھیں اور جس کو چاہیں برطرف کردیں۔

چونکہ واقف نے مذکورہ بالا اراضی کے علاوہ آمدنی کے لئے کوئی دوسری جائداد وقف نہیں کی تھی جس سے مسجد و مدرسہ اور دیگر مکانات وغیرہ مصرحہ وقف نامہ تعمیر کئے جاتے اس لئے تیرہ متولیان وقف مذکور نے جن میں خود واقف بھی شامل ہے بطور ذیل عملدر آمد کیا۔ پرانے قبرستان (جو کہ مذکورہ ۱۹۱۹ء میں منہدم ہو گیا ہے)۔ اور یہاں کے دیگر قبرستانوں کی طرح کھدائی قبر وغیرہ کے لئے فی بڑی قبر پونے چار روپے ...... اور بچہ کے لئے فی قبر پونے دو روپے ... مقرر کئے۔ بعض دولت مند قبر میں لکڑی کی پیٹی رکھتے ہیں اور اوسط درجہ کے بعض لوگ چٹائی، تختے یا بانس وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ سب چیزیں متولیوں کے انتظام سے قبرستان میں مہیا رہتی ہیں اور قیمت دے دی جاتی ہے۔ یہ آمدنی اور فی قبر پونے چار روپے ... یا پونے دو روپے سب قبرستان کے فنڈ میں جمع رہتا ہے۔ اس کے علاوہ جناب سیٹھ محمد اسماعیل عارف صاحب نے ایک موٹر عطا فرمایا ہے جس پر دور دور سے جنازے آتے ہیں۔ اس موٹر کے کرایہ کی آمدنی مبلغ سات روپے (عمر) فی جنازہ بھی فنڈ مذکورہ میں شامل کی جاتی ہے۔ چونکہ مذکورہ فنڈ میں زیادہ گنجائش نہیں تھی اس لئے متولیوں کی اجازت اور مرضی کے مطابق اہل خیر میں سے کسی نے نماز جنازہ پڑھنے کے لئے مکان تیار کرادیا اور بعض نے مسجد تعمیر فرمادی اور کسی صاحب نے حوض اور کسی نے کنواں بنادیا۔ قبرستان کے مذکورہ فنڈ میں سے مدرسہ اور گورکنوں کے رہنے کے لئے مکان اور لاوارث مردوں کے نہلانے کے لئے غسل خانہ تعمیر کیا گیا ہے اور گورکنوں اور مدرسین مدرسہ کی تنخواہیں وغیرہ اسی فنڈ سے دی جاتی ہیں۔ نیز لاوارث مردوں کی تجہیز و تکفین

---

(۱) قال فی العالمگیریة : اذا دفن المیت فی ارض غیرہ بغیر اذن مالکها فالمالك بالخیار ان شاء امر باخراج المیت وان شاء سوی الارض وزرع فیها ، (کتاب الصلاة ، الباب الحادی والعشرون ۱ / ۱۶۷)
واما حکم البیع فثبوت الملك فی المبیع للمشتری ، وفی الثمن للبائع . (عالمگیریه ، کتاب البیوع ، ج : ۳ ۳، ط ماجدیه)

وغیرہ کا انتظام مفت اسی فنڈ سے پورا کیا جاتا ہے جن کی تعداد ماہینہ میں تقریباً تین ہوتی ہوئی اور مذکورہ بالا کرایہ والا موٹر بھی غریبوں کو مفت دیا جاتا ہے۔ پس ارشاد ہو کہ معروضہ بالا اخراجات یعنی مکانات اور مدرسہ اور غسل خانہ کی تعمیر اور تنخواہ مدرسین وغیرہ مذکورہ فنڈ سے دینا شرعاً جائز اور درست ہے یا نہیں۔

(۲) اصل واقف موصوف اراضی قبرستان مذکورہ بالا میں سے اب ایک قطعہ اراضی اپنے خاندان اور خاص لوگوں کے لئے الگ کر دینا چاہتے ہیں اس طرح کہ اس کا اختیار اور انتظام موجودہ متولیوں میں سے بعض کے سپرد کر دیا جائے اور ان بعض متولیوں میں اصل واقف خود بھی شامل رہے۔ پس ارشاد ہو کہ ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں۔ حالیہ قبرستان میں اس کی گنجائش تو ہے لیکن ابتداء وقف کے وقت جب کہ بعض معززین نے اصل واقف کو توجہ دلائی تھی کہ قبرستان کی پوری زمین میں سے ایک حصہ خاص لوگوں کے لئے علیحدہ کر دیں تو اس وقت واقف مذکور نے صاف صاف انکار فرمادیا تھا اور تصریح کر دی تھی کہ میں کسی کے لئے خاص کر دینا نہیں چاہتا ہوں۔ اسی وقت اس بات کا اعلان بھی کر دیا گیا تھا اور واقف صاحب موصوف اس اعلان کے جانے کو اب بھی تسلیم کرتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۱۵۸۰ جناب حاجی داؤد ہاشم یوسف صاحب (رنگون) ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۸ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲٤) (۱) واقف نے تو زمین کو عام اموات مسلمین کے لئے اور مسجد و مدرسہ و جنازہ گاہ و مکانات کارکنان و حوض و چاہ کے لئے وقف کر دیا اور نمبر ایک کے سوا باقی اغراض کے لئے زمین کی مقدار (۲۰۰×۲۰۰ فٹ) مقرر کر کے باقی تمام زمین نمبر ایک کے لئے مقرر کر دی اور ۲۰۰×۲۰۰ فٹ کی تعیین و تشخیص متولیوں کی صوابدید پر چھوڑ دی۔ بس یہ وقف اس حد تک صحیح اور جائز(۱) ہو گیا۔

اس کے بعد دیگر اہل خیر کا اپنے روپے سے مسجد، جنازہ گاہ، حوض، کنواں بنادینا یہ بھی جائز ہوا۔ پھر قبروں کی کھدائی کی اجرت اور اشیائے ضروریہ (چوبی تابوت یا بانس، تختے، بوریہ وغیرہ کی) قیمت وصول کرنا بھی جائز۔ موٹر کا کرایہ وصول کرنا بھی جائز اور اس تمام رقم کو قبرستان، مسجد، مدرسہ فنڈ میں جمع کرنا بھی جائز اور اس میں امام، مؤذن اور گورکنوں وغیرہم کی تنخواہیں دینا اور ضروری عمارت تعمیر کرنا یہ سب جائز اور غرض واقف کے ماتحت داخل ہے۔ مدرسہ، مسجد، مکانات اور غسل خانہ، حوض وغیرہ یہ سب چیزیں اصل وقف میں شامل ہیں اور ان کی ضروریات کا انصرام اس فنڈ سے کرنا غرض وقف کے خلاف نہیں ہے تو ان کے جواز میں شبہ نہیں۔

(۲) ابتداء وقف میں جب زمین کو عام مسلمین کے دفن اموات کے لئے وقف کر دیا گیا تو اب اس کے کسی

---

(۱) ان یجعل الرجل دارہ وارضہ مسجداً للہ تعالیٰ واشھد علی ذلک فاذا اذن واقیم فیہ الصلاۃ فی الجماعۃ فقد صار مسجداً وخرج من ملکہ فی قول الفقہاء ــــ وان یجعل ارضہ مقبرۃ للمسلمین ویشھد علی ذلک ویاذن بان یدفنوا فیھا الاموات، فاذا دفن واحد او اکثر صار بمنزلۃ القبض وخرجت من یدہ فی قول الفقہاء ــــ واذا جعل دارہ او بنی دارا وجعلھا لطلبۃ العلم والقرآن والمتفرغین لھما وللعبادۃ والخیر یسکنونھا فھو جائز۔ (النتف فی الفتاویٰ، کتاب الوقف، ۳۱۸، ۳۱۹، مکۃ مکرمہ)

(۲) البئر یحفرھا الرجل للاستقاء والوضوء وغیر ذلک فھو جائز۔ (حوالہ بالا)

حصہ کو واقف اپنے خاندان یا اور مخصوص لوگوں کے لئے معین نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اب تمام زمین کے ساتھ حق عامہ متعلق ہو گیا اور سب حق کا خود واقف کو بھی بعد تمامی وقف کے اختیار نہیں رہتا۔ **وفی فتاوی الشیخ قاسم وما کان من شرط معتبر فی الوقف فلیس للواقف تغییرہ ولا تخصیصہ بعد تقریرہ ولا سیما بعد الحکم اھ فقد ثبت ان الرجوع عن الشروط لا یصح الا التولیۃ ما لم یشرط ذلک لنفسہ**(رد المختار ج ۳ صفحہ ۴۷۱)(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد مدرسہ اور قبرستان کے لئے وقف زمین سے راستہ بنانا

(سوال) یہاں رنگون کے قبرستان کے لئے ایک اہل خیر نے تقریباً سترہ ایکڑ اراضی وقف فرمائی اور وقف نامہ میں تصریح کر دی کہ اس میں سے دو سو فٹ طویل اور اسی قدر عریض قطعہ میں مسجد و مدرسہ وغیرہ تعمیر کیا جائے اور بقیہ قبرستان کے بنے رکھا جائے اس کے مطابق قبرستان میں قطعہ مذکور میں مسجد مذکورہ وطہارت خانہ وغیرہ تعمیر کیا گیا ہے۔ مدرسہ میں کبھی جلسہ وغیرہ کے موقع پر حاضرین کی چائے وغیرہ سے مدارات کی جاتی ہے اور بعض اوقات دعوت دے کر کھانا بھی کھلایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مدامی طریقہ پر مدرسین و طلبہ وغیرہ ہمیشہ خود کھاتے پیتے پکاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے پلاتے رہتے ہیں۔ یہ قطعہ اراضی مجموعہ اراضی سترہ ایکڑ کے ایک جانب شرقی وجنوبی کونہ پر واقع ہے۔ اور بالکل گوشہ کے قریب ہی آمد و رفت کیلئے دروازہ ہے۔ اور جنوب میں جہاں پر دو سو فٹ مذکورہ قریب ختم ہیں۔ ایک بڑا دروازہ جنازہ لے جانے کے لئے مع پختہ راستہ بنایا گیا ہے۔ اس راستہ کے عرض کا نصف حصہ دو سو فٹ مذکورہ شامل ہے اور بقیہ نصف حصہ خاص قبرستان کی اراضی پر واقع ہے۔ پس ارشاد ہو کہ اس معروضہ بالا طریقہ پر مذکورہ بالا قطعہ اراضی میں شرعاً کھانا پینا پکانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۹۷ اداؤد ہاشم یوسف رنگون (برما) ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ ۵ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۵) وقف نامہ کے مطبوعہ ترجمہ میں واقف نے ۲۰۰ مربع فٹ قطعہ اراضی کا مصرف ان الفاظ میں بیان کیا ہے (مذکورہ بالا جو قطعہ دو سو فٹ مربع واقع ہے اس پر مسجد اور مدرسہ اور نماز جنازہ کے لئے جماعت خانہ و مکان و وضو وغیرہ کے لئے حوض تالاب یا کنواں مسجد کے امام یا عالم اور دوسرے ملازمین کے لئے قیام گاہیں بنائی جائیں اور ان کی مرمت ہوتی رہے اور ان کو جاری و قائم رکھا جائے اور یہ مقامات مثلاً مسجد و جماعت خانہ وحوض وغیرہ سنی المذہب کل اہالی رنگون و مضافات کے مفت استعمال کے لئے ہر وقت کھلے رہیں) اس عبارت میں مسجد اور مدرسہ بنانے اور امام و عالم اور دوسرے ملازمین کے لئے قیام گاہیں بنانے کی تصریح ہے اور ظاہر ہے کہ جب یہ لوگ اس زمین پر بنے ہوئے مکانات میں قیام رکھیں گے تو قیام کے لوازم کھانا پکانا دعوت وغیرہ بھی انہیں مکانات میں کریں گے اور ان سب باتوں کی حدود شرعیہ کے اندر ان کو اجازت

---

(۱) (رد المحتار ، کتاب الوقف، مطلب لا یجوز الرجوع عن الشروط ، ۴/۴۵۹، ۴۶۰ ، ط سعید)

ہوگی۔ مدرسہ کے لوازم میں جلسہ شوریٰ یا جلسہ سالانہ یا مدرسہ کی ترقی کیلئے اجتماعات منعقد کرنا بھی داخل ہے اور جب مدرسہ کی بناواقف کی اجازت کے ماتحت داخل ہے تو اس کے ضروری لوازم بھی اجازت میں داخل ہوں گے۔فان الشیء اذا ثبت ثبت بلوازمه۔ پس مدرسہ کی بہتری اور ترقی کی غرض سے جو اجتماع منعقد ہو اس کے شرکاء کو متعارف طریق پر چائے یا کھانے کی دعوت دی جائی یا رہنے والے ملازم اپنے لئے کھانا تیار کریں یا اپنے مکانوں میں اپنے دوستوں اور عزیزوں کو متعارف اور شرعی حدود کے اندر دعوت دیں یہ سب جائز ہے۔ ہاں ایسی دعوتیں جو مدرسہ کے فائدہ کے لئے نہ ہوں اور نہ اس قطعہ زمین کے رہنے والوں کی معاشرتی تقریب میں داخل ہوں بلکہ دوسرے لوگ محض تفریح کے طور پر منعقد کریں اس قطعہ زمین اور اس کی عمارتوں میں مکروہ ہوں گی۔(۱) راستہ میں چار فٹ زمین اس قطعہ کی اور چار فٹ قبرستان کی شامل کر کے راستہ بنانا جائز ہے کیونکہ دونوں حصوں کو راستہ کی ضرورت تھی البتہ اگر کسی ایک کو ضرورت نہ ہوتی اور صرف دوسرے حصہ کو ضرورت ہوتی تو خالص اسی حصہ کی زمین کو راستہ کے کام میں لانا چاہئے تھا مگر متولیوں کو اتنے تصرف کا حق بروئے وقف نامہ حاصل تھا۔اس لئے جو انہوں نے کیا وہ جائز ہوا۔(۲) محمد کفایت اللہ

وقف کی آمدنی میں نفع بخش تصرفات کا متولی کو مکمل اختیار ہوتا ہے

(سوال) ۱۵ اپریل ۱۹۱۹ء میں پرانے قبرستان کو گورنمنٹ کے بند کر دینے کے بعد جناب محمد ابراہیم ملا صاحب نے اراضی تقریباً ۱۷ ایکڑ خرید کیا اور اس میں سے ۲۰۰ فٹ مربع (۲۰۰ فٹ × ۲۰۰ فٹ) مسجد اور مدرسہ اور حوض وکنواں وغیرہ بنانے اور بقیہ اراضی قبرستان کے لئے رکھی گئی اور اس کا ایک وقف نامہ ملا صاحب موصوف نے اپنے والدین کو ایصال ثواب کی غرض سے لکھ دیا یہ وقف نامہ انگریزی زبان میں رجسٹرڈ کیا گیا جس کا ترجمہ بزبان اردو اس سوال کے ساتھ منسلک ہے۔اس وقف کے نظم و نسق کے لئے تیرہ متولیوں کا ایک بورڈ جن میں ایک ملا صاحب موصوف واقف بھی شامل ہیں مقرر کیا گیا اور مذکورہ جائداد واقف ۱۹۲۱ء میں تمام وکمال ان کے قبضہ میں دے دی گئی اور اب وہی متولی اس کا انتظام کر رہے ہیں چونکہ اراضی موقوفہ کے انتظام اور قیام و محافظت کے لئے کوئی نقد رقم نہیں تھی اور نہ واقف نے کوئی آمدنی کی جائداد عطا فرمائی، اس لئے متولیوں نے یہ طے کیا کہ اس سے قبرستان وغیرہ کا انتظام اسی طریق پر کریں جس طرح پرانے قبرستان کا کیا گیا تھا یعنی (الف) جوان میت کی قبر کھودنے کے لئے فی قبر ۲ روپے اور بچہ کے لئے فی قبر ۱ روپے تجویز فرما دیئے اور اس کے علاوہ متولیوں نے دوسری ضروریات یعنی قبروں کے لئے لکڑی کے صندوق اور لکڑی کے تختے اور بانس اور چٹائیاں وغیرہ قبرستان میں مہیا کر دیئے اور خواہش مندوں کے ہاتھ فروخت کرنے کے لئے

---

(۱) قال في الشامية : و انما يحل للمتولي الاذن فيما يزيد الوقف به خيرا (كتاب الوقف ، مطلب انما يحل للمتولي الاذن فيما يزيد به الوقف خيرا ٤ / ٤٥٤ ط. سعيد)

(۲) (جعل شيء) اي جعل الباني شيئا (من الطريق مسجدا) جاز كعكسه (اى كجواز عكسه وهو ما اذا جعل في المسجد ممر لتعارف اهل الامصار في الجوامع (الدر المختار ، كتاب الوقف ، ٤ / ٣٧٧ ، ٣٧٨ ط. سعيد)

(ايضا) وحكي عن المعروف بمهرويه انه قال : وجدت في النوادر عن ابي حنيفة رحمة الله تعالى : انه اجاز وقف المقبرة والطريق كما اجاز المسجد ، وكذا القنطرة يتخذها الاجل للمسلمين ، ويتطرقون فيها (عالمگيرية كتاب الوقف، الباب الثاني عشر ، ۲ / ٤٦٩ ط. ماجديه)

ان کی قیمتیں مقرر کردیں۔ (ب) چونکہ یہ نیا قبرستان شہر سے بہت دور تھا اس لئے جناب سیٹھ محمد اسمٰعیل عارف صاحب نے ایک موٹر باربرداری جنازہ لانے کے لئے عطا فرمایا جیسا کہ رنگون کی دوسری جماعتوں میں کیا جاتا ہے۔ اس موٹر کا کرایہ فی جنازہ مبلغ سات روپے لیا جاتا ہے۔ لیکن غریبوں اور لاوارثوں کے جنازے اس موٹر پر مفت لائے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا اصول سے حاصل کی ہوئی آمدنی بطور ذیل صرف کی جاتی ہے۔
(۱) گورکنوں کی اجرت (۲) موٹر ڈرائیور کی تنخواہ وغیرہ مثلاً مرمت (۳) پٹرول اور موٹر آئل (روغن برائے موٹر) کی خرید (۴) قبر کے لئے پٹیاں (صندوق) تیار کرانے کے مصارف (۵) قبر کے لئے لکڑی کے تختے اور بانس اور چٹائیاں خریدتے ہیں۔ ان مفصلہ بالا مصارف کے بعد بچی ہوئی رقم مصارف ذیل میں خاص طور پر خرچ کی جاتی ہے۔
(۱) غریب ولاوارث مسلم میت کو لانا اور باقاعدہ صحیح طریقہ پر اس کی تجہیز و تکفین۔ یہ لاوارث زیادہ تر ہسپتال کے ہوتے ہیں۔ (۲) قبرستان مذکور میں جہاں ضرورت ہو اراضی کی درستگی (۳) قبرستان کی دیکھ بھال رکھنے والے ملازمین اور ان لوگوں کی اجرت جو غریب و لاوارث میت کو غسل دیتے ہیں اور ملاؤں و مدرسین مدرسہ کی تنخواہیں (۴) مدرسہ کے ملازمین کے رہنے کے لئے مکان، غسل خانے، طہارت خانے، کنواں اور پانی کا پمپ تعمیر کرنے اور ان کی حفاظت رکھنے میں اور کنویں سے پانی نکالنے میں الیکٹرک کا خرچ (۵) متعلقہ قبرستان کھلے ہوئے مقام کا تاروں وغیرہ سے احاطہ (۶) اس اراضی ملحقہ کی قیمت جو کہ خرید کر کے قبرستان کے ساتھ شامل کی گئی اور بعض معتبر کمپنیوں کے شیئر میں حصص خریدے گئے۔ جملہ مصارف مذکورہ کے بعد جو کچھ فاضل رہتا ہے اس کو قبرستان فنڈ کے حساب میں جمع رکھا جاتا ہے۔ اس غرض سے کہ جس وقت اس قدر رقم ہو جائے جو کہ وقف نامہ کی دفعہ ۱۰ و ۱۱ کے مطابق وقف کے لئے کوئی دوسری جائداد خریدنے کے لئے کافی ہو جائے تو متولیان اس سے ایسی جائداد خرید سکیں۔

مذکورہ وقف منسلکہ صفحہ ۲ سطر ۱۲ دو سو فٹ طویل اور دو سو فٹ عریض قطعہ زمین پر بعض دیندار اہل خیر حضرات نے ایک مسجد اور نماز جنازہ کے لئے ایک جماعت خانہ اور کنواں اور وضو کے لئے حوض اور دیواریں تعمیر کی ہیں۔ اور مذکورہ بالا طریقہ پر آمدنی سے متولیوں نے مدرسہ اور ملازمین کے لئے مکانات اور غسل خانے اور طہارت خانے تعمیر کئے ہیں اور ان کی مرمت کرتے رہتے ہیں اور دیکھ بھال رکھتے ہیں۔ پس سوال یہ ہے کہ آیا وقف نامہ اور شریعت مقدسہ کے مطابق متولیوں کو مذکورہ بالا انتظامات کرنا آمدنی مذکورہ سے تعمیر مدرسہ میں روپیہ خرچ کرنا، ملازمین کے لئے مکانات بنانا، غسل خانے تعمیر کرنا، مدرسین کی تنخواہ اور پانی نکالنے کے لئے کنویں پر پمپ کی قیمت ادا کرنا اور مذکورہ بالا تمام چیزوں کی مرمت اور قائم رکھنے میں آمدنی مذکور خرچ کرنا جائز اور درست ہے؟ اصل مقصد کے لئے وقف نامہ منسلکہ کی تفصیل صفحہ ۲ سطر ۱۲ اور دفعہ ۱۰ و ۱۱ کی جانب اور بیان کئے ہوئے وقف کے تمام امور کے لئے دفعہ ۱۶ کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۱۳۱۷ داؤد ہاشم۔ رنگون ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۶ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۶) وقف نامہ کا مطبوعہ ترجمہ اول سے آخر تک میں نے دیکھا وقف نامہ سے ثابت ہے کہ واقف

نے صرف زمین وقف کی ہے کوئی رقم یا آمدنی کی کوئی خاص صورت اپنی طرف سے معین نہیں کی زمین موقوفہ کے لیک معینہ حصہ کو بنائے مسجد و مدرسہ و جنازہ گاہ اور مکانات امام و عالم (مدرس مدرسہ) و ملازمین اور بناء حوض و تالاب یا چاہ کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اور دفعہ ۷ میں جائداد موقوفہ کے متعلق کل آمدنی کو صرف عطیات اور چندوں کی آمدنی میں معین و محصور کر دیا ہے۔ اسی طرح دفع ۹ میں بھی آمدنی کی دو شکلوں یعنی عطیہ اور چندے کا ذکر ہے اور صفحہ ۲ میں تمہید کے ضمن میں یہ عبارت موجود ہے کہ اس زمین کے متعلق کل حقوق قبضہ و تصرف و حفاظت وغیرہ متولیان مذکورین بالا کی تحویل میں دے دیئے گئے اور دفعہ ۱۰ میں یہ تصریح ہے کہ وقف مذکورہ کا انتظام متولی صاحبان نہایت خوش اسلوبی سے کریں گے اور اگر تمام ضروری اخراجات کے بعد کچھ رقم بچ رہے گی تو اس کو جمع رکھیں گے۔ وقف نامہ میں ضروری اخراجات کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی۔

پیش امام اور عالم اور مؤذن اور جملہ ملازمین کے عزل و نصب کا پورا اختیار متولیوں کو دفعہ ۱۶ میں دیا گیا ہے پس وقف نامہ کے پیش نظر متولیوں کو جن میں واقف بھی شامل ہے یہ حق حاصل ہے کہ قبرستان کے انتظام کو خوش اسلوبی سے چلانے کے لئے علاوہ عطیات اور چندہ کی آمدنی کے دوسرے ذرائع تجویز کریں۔ اسی اختیار کے ماتحت متولیوں اور ان کے ضمن میں خود واقف نے قبروں کی کھدائی کی شرح اجرت معین کر کے اور لکڑی کے صندوق اور تختے بانس کے بورئیے مہیا کر کے اہل حاجت کے ہاتھوں قیمت پر فروخت کر کے اسی طرح موٹر کے معطی کی اجازت سے کرایہ پر چلا کر جو آمدنی پیدا کی ہے اس کے خرچ کرنے کا پورا اختیار متولیوں کو حاصل ہے کہ قبرستان اور مسجد اور مدرسہ اور مکانات و حوض و چاہ و جنازہ گاہ وغیرہ کے انتظام کو چلانے اور ان اوقاف کو قائم و جاری رکھنے میں اپنی صوابدید کے موافق خرچ کریں کہ یہ آمدنی ان کی اپنی تدابیر سے پیدا کی ہوئی ہے اور ان کی اپنی صوابدید کے موافق خرچ ہو سکتی ہے۔ (۱) رہی اشیاء ضروریہ کی خرید اور ان کی قیمت کی ادائیگی یا تیار کرانے کی اجرت مثلاً صندوق کے لئے لکڑی خریدنا اور کنوں کی اجرت ادا کرنا موٹر کے لئے تیل یا پیٹرول خریدنا موٹر ڈرائیور کی تنخواہ دینا یہ تو دراصل اخراجات میں داخل ہی نہیں۔ یہ تو مسجد کی آمدنی کے ذرائع اور تسہیل صعوبات بدتیہ ہیں۔ ہاں لاوارث میتوں کی تجہیز و تکفین کے مصارف ملازمین اور محافظین اور مالیوں کی تنخواہیں مدرسہ کے مدرسین اور مسجد کے امام کی تنخواہ بجلی کا معاوضہ، کنویں اور مکانات کی تعمیر کے مصارف یہ سب اخراجات میں داخل ہیں اور وقف نامہ کی رو سے یہ تمام اخراجات کرنے کا متولیوں کو حق ہے اور واقف کا متولیوں میں موجود ہونا اور ان مصارف کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ تمام امور اغراض وقف اور منشاء واقف کے موافق ہیں۔ غرض یہ کہ متولیوں کی اپنی پیدا کی ہوئی آمدنی کو قبرستان اور مسجد و مدرسہ وغیرہ نیز ان کے متعلقات پر خرچ کرنے کا پورا اختیار ہے۔ (۲) اور ان تمام مصارف کے بعد جو رقم بچے اس کو بھی وہ اپنی صوابدید کے موافق خرچ کر سکتے ہیں۔ صرف عطیات و چندہ کی پسماندہ رقم کو

(۱) ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ صفحہ ۱۲۱

(۲) ایضاً بحوالہ گذشتہ نمبر ۲ صفحہ ۱۲۱

بروئے وقف نامہ دو دفعہ ۱۰ اور دفعہ ۱۱ کے موافق خرچ کرنے کے پابند ہیں اور اس میں بھی تمام ضروری اخراجات کی تعیین و تشخیص واقف نے نہیں کی بلکہ متولیوں کی رائے پر چھوڑ دی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

قبرستان میں گندگی پھیلانے اور اس کی زمین کو بیچنے کا حکم

(سوال) (۱) اہل اسلام کے قبرستان (قبور) اور بزرگان دین کے مزارات پر گندگی غلاظت ڈالنا، میلا شہر کا ڈالنا، موریاں، نالیاں وغیرہ بنانا، تنجروں، چوڑھوں، بھنگیوں کو بسانا، خنزیر چرانا، پیشاب پاخانہ کرنا، قبور توڑنا مسمار کرنا، جھونپڑیاں مکانات بنانا جائز ہے یا ناجائز ہے۔ اور ایسی صورت میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔
(۲) قبروں کو مسمار و ہموار کر کے صاف زمین بنانا فروخت کرنا اور دھرم شالہ بنانا مکانات تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۹۷۷ الشیخ عبدالرحمن قریشی۔ ۱۴ رجب ۱۳۵۶ھ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۷) (۱) قبرستان میں اور قبور پر میلا ڈالنا موریاں نالیاں بنانا اور اس پر لوگوں کو آباد کرنا قبور کو مسمار کرنا یہ سب حرام ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ان امور کی روک تھام کریں۔(۱) (۲) قبروں کو مسمار کرنا اور صاف زمین بنا کر فروخت کرنا حرام ہے جب کہ یہ قبریں موقوفہ زمین اور مسلمانوں کے عام قبرستان میں ہوں اور قبرستان میں مندر و شوالہ تو کسی طرح بھی نہیں بن سکتا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

وقف شدہ قبرستان کو بیچنا یا رہن رکھنا ناجائز ہے

(سوال) موضع ستیا تحصیل باتھرس ایک ہندوؤں کا گاؤں ہے اور کل گاؤں میں ہندو صاحبان آباد ہیں۔ ایک گھر فقیروں کا قدیم الایام سے اس موضع میں آباد چلا آتا ہے۔ ہم فقیروں کے دادا پردادا کو سابق زمینداروں نے ایک بیگہ دس بسوہ زمین واسطے دفن کرنے مردوں کے معاف دے رکھی تھی۔ جس میں اب تک ہمارے خاندان کے مردے دفن ہوتے چلے آئے ہیں۔ ایک بیگہ دس بسوہ قبرستان کے نام سے کاغذات سرکاری میں قبرستان بنام ہم فقیروں کے درج چلا آتا ہے۔ ہم فقیروں کے خاندان کو جب ترقی ہوئی اور ایک پردادا کے کئی لڑکوں اور لڑکیوں کو اولاد ہوئی اور ایک خاندان آباد ہو گیا۔ ہندوؤں نے اس خاندان فقیروں میں سے ایک مرد ایک عورت کو بہکا کر ایک رہن نامہ اول تحریر کرایا اور اراضی قبرستان رہن کرائی اس کے بعد ایک بیع نامہ مرد اور عورت سے تحریر کرا کر خفیہ رجسٹری کرائی اور قبرستان میں قبضہ کر لیا اور قبروں کو مسمار کر کے جوت ڈالا اور کاشت کرنی شروع کر دی۔ ہم دیگر فقیروں کو جب یہ حال معلوم ہوا کہ ہمارے قبرستان میں ہندوؤں نے

---

(۱) ویکرہ ان یبنی علی القبر او یقعد او ینام علیہ او یوطأ علیہ او یقضی الانسان من بول او غائط ..... ولا ینبغی اخراج المیت من القبر (الفتاوی العالمگیریۃ، کتاب الصلاۃ ، الباب الحادی و العشرون فی الجنائز ، الفصل السادس فی القبر والدفن والنقل من مکان الی آخر ۱ / ۱۶۶ ، ۱۶۷ ط . ماجدیۃ)
(۲) اذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ (ھدایۃ ،کتاب الوقف ، ۲ / ۶۴۰ ط شرکۃ علمیۃ) سئل (شمس الائمۃ) عن المقبرۃ اذا اندرست ولم یبق فیھا اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ ھل یجوز زرعھا واستغلالھا؟ قال لا، ولھا حکم المقبرۃ (الھندیۃ کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات الخ ۲ / ۴۷۰ ، ۴۷۱ ط ماجدیۃ ، کوئٹہ)

کس طرح قبضہ کرلیا ہے۔ احد صحت جانچ کے اب ہم فقیروں نے ایک نالش عدالت دیوانی منصفی باتھرس میں بنام مشتری قبرستان دائر کرار کھی ہے۔ جو زیر تجویز عدالت ہے۔ ایسی صورت میں ایک مرد ایک عورت کا قبرستان کا بیع نامہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۸۱۶ سردار علی مستری (ضلع علی گڑھ) ۲۲ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۸) مشترکہ خاندانی قبرستان قدیم کو بیع یا رہن کرنے کا حق ساری قوم کو بھی نہیں کہ اس میں تمام قوم کو دفن اموات کا حق قدیم سے چلا آتا ہے۔ پس کسی ایک شخص کے رہن یا بیع کرنے سے قبرستان پر مرتہن یا مشتری کو قبضہ اور تصرف کا کوئی حق حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ رہن یا بیع بالکل ناجائز اور کالعدم ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

قبرستان اور اس پر چڑھاوے کی بیع اور مکان بنانے کا حکم

(سوال) درگاہ شاہ عبدالرزاق گدی نشین میر نور اللہ ان کے بڑے بیٹے میر جان گدی نشین ان کے بڑے بیٹے میر احمد بھی گدی نشین اور میر احمد علی سے بڑے میر امجد علی گدی نشین ہوئے نیز یہ کہ قبرستان کی اور قبرستان کے چڑھاوے کی بیع جائز ہے یا ناجائز۔ قبرستان میں مکان بنانا جائز ہے یا ناجائز۔

المستفتی نمبر ۱۸۶۸ محمد رفیع صاحب شہر بیکانیر ۳ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۹) قبرستان عام وقف کی بیع ناجائز ہے (۲) اور چڑھاوا چڑھانا اور اس کی بیع وشرا بھی ناجائز ہے۔(۳) قبرستان کی زمین پر مکان سکونتی بنانا بھی ناجائز ہے (۵) ہاں قبرستان کے محافظ کیلئے جھونپڑی یا کوٹھری ہو تو مباح ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مخصوص گھروں کے لئے وقف قبرستان پر مسجد بنانے کا حکم

(سوال) ایک زمین قبرستان کی مخصوص گھر والوں کے لئے مقرر تھی اور اب پانچ دس سال سے اس زمین میں کوئی میت دفن نہیں ہوتی ہے۔ اس زمین میں ایک مسجد تعمیر کی جارہی ہے۔ ایسے قبرستان کی زمین پر مسجد تیار کرنا جائز ہے یا نہیں اور بنائے مسجد کے لئے وارثوں کی اجازت کی ضرورت ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۹۱۹ سید ابراہیم صاحب (گوداوری) ۱۹ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۳۰) یہ زمین قبرستان کے لئے وقف تھی یا مملوکہ زمین ہے جس میں اموات دفن کئے جاتے

---

(۱) اذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه . (هداية ، كتاب الوقف ، ۲/ ٦٤٠ ، ط. شركة علمية) وفي الهندية : سئل شمس الائمة) ... عن المقبرة في القرى اذا اندرست ولم يبق فيها اثر الموتى .لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها واستغلالها ؟ قال: لا ، ولها حكم المقبرة . (الفتاوى الهندية، كتاب الوقف ، الباب الثاني عشر في الرباطات و المقابر و الخانات و الحياض و الطريق والسقايات الخ، ۲/ ٤٧٠ ، ٤٧١ ، ط. مكتبة ماجدية، كوئٹه)
وفي الدر المختار : فاذاتم ولزم لا يملك ولا يعار ولا يرهن فبطل شرط واقف الكتب الرهن شرط . (كتاب الوقف ج ٤ / ٣٥١ ، ٣٥٢، سعيد)
(۲) اذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه . (هداية ، كتاب الوقف ، ۲/ ٦٤٠ ، مكتبه شركة علميه)
(۳) انما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل به لغير الله . (پ ۱ سورة بقرة ،آيت ۱۷۳)
(۴) بطل بيع ماليس في ملكه .(التنوير الابصار على هامش ردالمحتار ، كتاب البيوع ، ٥/ ٥٨ ، ط. سعيد)
(۵) ارض لاهل قرية جعلوها مقبرة ثم ان واحدا من اهل القرية بنى فيها بناء ... واجلس فيها من يحفظ المتاع قالوا ان كان في المقبرة سعة بحيث لا يحتاج الى ذالك المكان فلا باس به (الفتاوى العالمگيرية، كتاب الوقف ، الباب الثاني عشر ، ۲/ ٤٦٧ ، ٤٦٨ ط. ماجدية)

ہیں۔ اگر وقف ہے تو اس کو جب تک دفن کے کام میں لانا ممکن ہے کسی دوسرے کام میں لانا جائز نہیں(۱) لیکن اگر دفن کے کام میں لانا اب ممکن نہیں رہا ہو تو پھر مسجد بنالینا جائز ہے(۲) اور مملوک ہے تو مالکوں کی اجازت سے مسجد بن سکتی ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسلمانوں کے قبرستان کی مشرکین سے حفاظت و صفائی کرانا اور مشرکین کی صحبت کا حکم

(سوال)(۱) مشرکین کی صحبت سے مسلمانوں کی ارواحوں کو اذیت پہنچتی ہے یا نہیں؟
(۲) کیا یہ جائز ہے کہ مشرکین مسلمانوں کی قبروں پر بیٹھ کر گھاس کاٹیں۔ صفائی، جاروب کشی اور آب پاشی کریں؟
(۳) مشرکین کو مسلمانوں کی قبروں پر سے گذرنے دینا یا بیٹھنے دینا جائز ہے یا نہیں؟
(۴) مشرکین باعث عذاب الٰہی ہیں یا نہیں؟
(۵) آداب قبرستان ضروری ہے یا نہیں؟
(۶) مشرکین شرعی نجس و غیر محتاط کو مسلمانوں کی قبروں کے کاموں کے لئے مسلمان ہوتے ہوئے مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۷۵ ایچ۔ محی الدین صاحب (کلکتہ) ۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۷ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۳۱) مسلمانوں کی قبروں کی حفاظت اور ان کا احترام لازم ہے۔ قبروں کی بے حرمتی کرنا اور ان پر بیٹھنا گناہ ہے۔(۴) مومنین کی ارواح کو مشرکین کی صحبت سے اذیت ہوتی ہے۔ قبرستان کی خدمت ایسے شخص سے لی جائے جو قبروں کے آداب واحترام سے واقف ہو۔ غیر مسلم ان احکام اسلامیہ سے واقف نہ ہو گا جو قبروں کے متعلق ہیں اور اس سے حفاظت قبور کی اسلامی خدمت کماحقہ، انجام پذیر نہیں ہو سکتی اس لئے جہاں تک ممکن ہو مسلمان ملازم رکھنا لازم ہے۔ جہاں مسلمان ملازم نہ مل سکے تو مجبوری ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

غیر مسلم ملازمین کو برطرف کرنے کا طریقہ

(سوال) مسلم قبرستان بورڈ نے فتوے پر غور کیا اور جناب کے فتوے کے اس جملہ سے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمان ملازم رکھنا لازم ہے۔ اس کے سرباب کی صورت نظر آئی۔ لہذا مسلم قبرستان بورڈ کی یہ رائے ہے کہ مذکورہ بالا حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس امر پر مشورہ دیں کہ بے قصور ۴۳ لوگوں کو فوری نکال دیا جائے یا

(۱) مقبرة قديمة هل يباح لا هل المحلة الا نتفاع بها؟ قال ابو نصر لا يباح . (قاضي خان على هامش الهندية ، كتاب الوقف، فصل في المقابر ۳/ ۳۱٤ ط . ماجدية
(۲) ولو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره والبناء عليه .(عالمگيرية كتاب الصلاة ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز . الفصل السادس في القبر ، ۱/۱٦۷ ط. ماجدية)
(۳) رجل وقف ارضالرجل آخر في برسماد ثم ملك الارض لم يجز ، وان اجاز المالك جاز عندنا كذافي فتاوى (قاضي خان عالمگيرية ، كتاب الوقف، الباب الاول . ۲/۳۵۳ ط. ماجديه)
(۴) ويكره : ان يبنى على القبور اويقعد او ينام او يوطا عليه . (عالمگيرية ، كتاب الصلاة ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز ، صفحه ۱. ۱٦٦ ط . ماجدية) وقال النبي صلى الله عليه وسلم : لا تجلسوا على القبور ولا تصلوا اليها . ترمذی ابواب الجنائز ج : ۱ ۲۰۳ ، سعيد

بتدریج ان کو علیحدہ کیا جائے تاکہ وہ اپنی ملازمت کا کہیں انتظام کرنے کے بعد علیحدہ ہوں۔ جناب جیسا فتویٰ دیں گے ویسی ہی کارروائی کی کوشش کی جائے گی۔

المستفتی نمبر ۲۳۹۴ محمد ہاشم (کلکتہ) ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۰ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۳۲) ۴۳ غیر مسلم ملازموں کو اسلامی مصلحت کی بنا پر علیحدہ کرنا اور بات ہے۔ اس میں ان کے ذمے کوئی الزام اور قصور ثابت کرنا لازم نہیں آتا۔ بہتر صورت یہ ہے کہ ان کو معاملہ کی نوعیت سمجھادی جائے اور ایک مہینہ کا نوٹس دے دیا جائے تاکہ بے انصافی کا شبہ بھی نہ ہو سکے اور اس ایک مہینہ میں ان کو قبروں سے دور رہنے کے کام بتلا دیئے جائیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) پرانے قبرستان پر مسجد تعمیر کرنا
(۲) مسجد کی حدود میں قبریں آنے کی صورت میں نماز کا حکم

(سوال) (۱) کیا ایسی زمین پر جس میں پرانا قبرستان ہو۔ آثار کچھ باقی نہ رہ گئے ہوں اور عرصہ سے اس کے اوپر کاشت کی جارہی ہو۔ اس زمین پر عیدگاہ یا مسجد کی تعمیر کرانا اور اس میں نماز پڑھنا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟
(۲) اور اگر مذکورہ بالا اوصاف کی زمین میں اس نوعیت کا اختلاف ہو کہ بعض مسلمان اس زمین کو قبرستان کے ہونے کی شہادت دے رہے ہوں اور کچھ مسلمان اس بات کی شہادت دے رہے ہوں کہ تمام حصہ زمین میں قبرستان نہیں ہے بلکہ اس زمین کے ایک گوشہ میں دو تین قبریں ہیں اب اگر عیدگاہ یا مسجد تعمیر کرائی جائے تو وہ دو ایک قبریں گوشہ صحن میں پڑ جائیں گی۔ اب ایسی صورت میں ازروئے شرع مسجد یا عیدگاہ تعمیر کرانا اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۴۴۸ حکیم مصطفیٰ احمد صاحب (اعظم گڑھ) ۸ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ م ۳۰ جولائی ۱۹۳۹ء

(جواب ۱۳۳) (۱) اگر یہ زمین مملوکہ ہے قبرستان کے لئے وقف نہیں اور قبروں کے آثار مٹ گئے تو اس پر مالکوں کی اجازت سے مسجد یا عیدگاہ بنائی جاسکتی ہے اور اس میں نماز جائز ہے۔(۲)
(۲) اس کا جواب بھی وہی ہے کہ مملوکہ زمین ہو اور قبروں کے نشانات باقی نہ ہوں تو اس میں مسجد بنانی جائز ہے (۳) اور اگر دو چار قبریں سالم بھی ہوں تو ان کو گوشہ مسجد میں علی حالہا چھوڑ دیا جائے اور ان کے سامنے اور پیچھے ایک دیوار سی بنادی جائے جو سترہ کا کام دے تاکہ قبریں نماز میں نمازیوں کے سامنے نہ ہوں۔(۴)

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) یہ کوئی فتویٰ نہیں بلکہ مستفتی کو ایک طرح کا مشورہ دیا گیا ہے۔
(۲، ۳) ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ والبناء علیہ (عالمگیرة، کتاب الصلاة، الباب الحادی و العشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر، ۱/ ۱۶۷ ط. ماجدیة)
(۴) کذا ذکر العلامة النووی فی شرحہ علی المسلم: قال العلماء انما نھی النبی علیہ السلام عن اتخاذ قبرہ وقبر غیرہ مسجدا خوفامن المبالغة فی تعظیمہ والا فتتان بہ، فربما أدی ذالک الی الکفر، کما جری لکثیر من الا مم الخالیة، ولما احتاجت الصحابة رضی اللہ عنھم والتابعون الی الزیادة فی مسجد النبی علیہ السلام حین کثر المسلمون وامتدت الزیادة الی دخلت بیوت امھات المومنین فیہ ومنھا حجرة عائشہ رضی اللہ عنھا مدفن النبی علیہ السلام وصاحبیہ ابی بکر و عمر رضی اللہ عنھما بنوا علی القبر حیطانا مرتفعة مستدیرة حولہ لئلا یظھر فی المسجد فیصلی الیہ العوام ویودی الی المحذور ثم بنوی جدارین من رکنی القبر الشمالین وحرفوا ھما حتی التقیا حتی لا یتمکن احد من استقبال القبر. (شرح النووی علی الصحیح لمسلم ۱/ ۲۰۱ ط. قدیمی)

مزار پر حرام کا پیسہ لگانا

(سوال) ہمارے ہاں ایک صاحب کرامت بزرگ کا مزار ہے اس پر ایک گنبد اور آس پاس کا احاطہ پتھر اور چونے کا بہت بلند شاہی وقت کا بنا ہوا ہے۔ ان بزرگ کا نام سید عبدالرزاق اولیاء کہا جاتا ہے۔ محرم کی پانچ تاریخ کو ان کا عرس ہوتا ہے۔ دو شخصوں نے حضرت مزار پر پیتل کا کٹہرہ اور آس پاس سنگ مرمر کا فرش بنایا ہے۔ ان دو شخصوں میں سے ایک کے پاس سود کا پیسہ ہے دوسرے کے پاس زنا کا پیسہ ہے تو یہ پیسہ حضرت کے مزار پر لگانا جائز تھا یا نہیں؟ المستفتی نظیر الدین امیر الدین (املیزہ ضلع مشرقی خاندیس)

(جواب ۱۳٤) حرام کا پیسہ ان کاموں میں لگانا جائز نہیں تھا۔(۱) ممکن ہو اور کسی اختلاف وفساد کا احتمال نہ ہو تو یہ کٹہرہ علیحدہ کر دیا جائے اور فرش بھی بدلوا کر سادہ فرش کرا دیا جائے۔

وقف شدہ قبرستان میں مسجد بنا کر نماز پڑھنے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ نومبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) ایک وقفی قبرستان ہے۔ اس میں قبرستان ہی کی زمین پر ایک مسجد بنائی گئی ہے۔ اس مسجد کو بنے ہوئے بھی عرصہ مدید گزر چکا ہے اور کثرت سے وہاں پر نماز بھی پڑھتے رہے اور اب بھی پڑھ رہے ہیں اور جس نے قبرستان کو وقف کیا تھا وہ مسجد کے بننے سے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا اور یہ مسجد دیگر مسلمانوں کی امداد سے تیار ہوئی ہے۔ اب کہا جاتا ہے کہ وقفی قبرستان میں مسجد بنانا جائز ہے اور وہاں نماز تو جائز ہے مگر اعلیٰ درجہ کا ثواب نہ ہوگا اور جمعہ کی نماز تو بالکل نہ ہوگی۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

(جواب ۱۳۵) جو زمین کہ قبرستان کے لئے واقف نے وقف کی ہے اس کو دفن کے کام میں ہی لانا چاہئے۔ اس پر نماز پڑھ لینی (خالی زمین میں) تو جائز ہے مگر مسجد بنانی جائز نہیں۔(۲) جو مسجد کہ بنائی گئی ہے اس میں نماز تو ہو جاتی ہے مگر مسجد کا ثواب نہیں ملتا کیونکہ وہ بقاعدہ شرعیہ مسجد نہیں ہوئی۔ فرائض پنجگانہ اور جمعہ کا حکم ایک ہے۔ ان میں کوئی تفریق نہیں۔(۳) اگر مسجد کی پختہ عمارت کو توڑنے میں بہت نقصان ہوتا ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ مسجد میں جس قدر زمین لگی ہے اس قدر زمین اسی قبرستان کے متصل حاصل کر کے مسجد والی زمین کے بدلے میں وقف کر دی جائے۔ جس وقت بدل کی زمین قبرستان کے لئے وقف ہو جائے گی اس وقت سے یہ مسجد صحیح مسجد کا حکم حاصل کرے گی۔ واللہ اعلم۔(۴) محمد کفایت اللہ غفرلہ،

---

(۱) رجل دفع الی فقیر من المال الحرام شیئا یرجو الثواب یکفر به (الی ان قال) ومثله لو بنی من الحرام بعینه مسجدا اوغیرہ مما یرجو به التقرب . (ردالمحتار ، کتاب الزکاۃ ، مطلب استحلال المعصیة القطعیة کفر ، قبل باب زکاۃ المال ، ۲۹۲/۲ ، ط. سعید)

(۲) سئل (شمس الائمة) عن المقبرۃ الدرسة هل یجوز زرعها واستغلالها؟ قال لا . ولها حکم المقبرۃ (ھندیة ، کتاب الوقف ، الباب الثانی عشر ، ۲/ ٤۷۰ ، ٤۷۱ ط. ماجدیة)

(۳) ومن شرائط صحة الوقف ان یکون الموقوف ملکا للواقف ، قال فی الھندیة ومنها الملك وقت الوقف (الھندیة ، کتاب الوقف ، الباب الاول ، ج ۲ صفحه ۳۵۳ ط. ماجدیة)

(۴) قال فی الدر المختار : لا یجوز استبدال الا فی اربع . (وفی الشامیة :) (قوله الا فی اربع) الاولی : لو شرطه الواقف الثانیة : اذا غصبه غاصب واجری علیه الماء حتی صار بحرا فیضمن القیمة ، یشتری المتولی بها ارضا بدلا والحاصل ان الاستبدال اما عن شرط الاستبدال اولا عن شرطه . فان کان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف علیهم ، فینبغی ان لا یختلف فیه ، وان کان لا لذالك فینبغی ان لا یجوز . (ردالمحتار ، کتاب الوقف ، مطلب لا یستبدل العامر الا فی اربع ، ٤/ ۳۸۸ ط. سعید)

نماز جنازہ کے لئے مخصوص چبوترے پر پنج وقتہ نماز پڑھنے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک چبوترہ قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ اب وہ چبوترہ قبروں کے بیچ میں آگیا ہے یعنی تین طرف قبریں ہو گئی ہیں اور سجدہ کی طرف جگہ نہیں ہے۔ اب اس پر نماز جنازہ نہیں ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس چبوترے پر پنج وقتہ نماز ہو سکتی ہے۔

(جواب ۱۳۶) چبوترہ جس زمین پر بنایا گیا ہے اگر وہ زمین قبرستان کی ہے اور دفن اموات کے لئے وقف ہے تو اس کو نماز کے لئے مخصوص کرنا جائز نہیں ہے۔ اس چبوترے کو توڑ دیا جائے اور زمین کو دفن اموات کے لئے خالی کر دیا جائے۔(۱) اور اگر چبوترے کی زمین دفن کے لئے وقف نہیں بلکہ واقف نے نماز جنازہ کے لئے وقف کی ہے تو اس پر نماز جنازہ جائز ہے اور اس کے آگے قبلہ کی جانب سترہ قائم کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ پنجگانہ نمازوں میں سے کوئی نماز اگر اتفاقاً پڑھ لی جائے تو مضائقہ نہیں۔ مگر پنجگانہ نمازوں کے لئے اس کو مخصوص کر دینا جائز نہیں ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

قبرستان کی جگہ پر مسجد کو وسیع کرنا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۳۶ء)

(سوال) میرے ملک میں صرف ایک مسجد ہے اور بہت چھوٹی ہے۔ مسجد کا بڑھانا ضروری ہے۔ تین جانب قبریں ہیں چوتھی جانب مسجد کا مدرسہ جو نمازیوں کے نماز پڑھنے کے بھی کام آتا ہے۔ جنوب اور مغرب کی طرف قبریں زیادہ ہیں۔ اب جنوب ہی کی طرف بڑھانے کا کام شروع ہوا ہے۔ کھدائی ہوئی تو ہڈیاں برآمد ہوئیں۔ قبرستان کے مالکوں نے وہ جگہ مسجد کے لئے بخش دی ہے۔ میں نے بخاری شریف میں دیکھا ہے۔ اس میں پرانی قبروں کے بارے میں لکھا ہے۔ پرانی کا مطلب یہاں پر کیا ہے کتنے سال کی ہو تو پرانی قبر کہہ سکتے ہیں۔ ہمارے ملک والے بمبئی سے پوچھ کر گئے کسی نے جائز بتایا کسی نے ناجائز۔ ایک فارسی کتاب میں مولوی عبدالحق نے اس مسئلہ کو درج کیا ہے کہ چاہے قبرستان نیا ہو یا پرانا مسجد بنانا جائز ہے۔ براہ کرم آپ مسئلہ کو واضح طور پر بیان فرمادیں۔

(جواب ۱۳۷) اگر قبرستان کی زمین دفن اموات کے لئے وقف ہے اور اس میں دفن اموات جاری ہے تو اس زمین کو دفن سے معطل کرنا اور مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ جس کام کے وہ وقف ہے اور وہ کام اس میں جاری یا ممکن ہے تو جہت موقوف علیہا سے اس وقف کو معطل کرنا ناجائز ہے۔(۳) اور اگر وہ زمین دفن

---

(۱) سئل (شمس الائمة) عن المقبرة اندرست ... هل يجوز زرعها واستغلالها؟ قال لا ، ولها حكم المقبرة (الهندية ، كتاب الوقف الباب الثاني عشر ۲/۴۷۰ ، ۴۷۱ ط . ماجدية)

(۲) شرط الواقف كنص الشارع . (الدر المختار كتاب الوقف ، مطلب شرط الواقف الخ ۴/۴۳۳ ، ط . سعيد)

(۳) امرأة جعلت قطعة ارض لها مقبرة (الى ان قال) واخرجتها من يدها . ودفنت ابنها وتلك الارض لا تصلح للمقبرة لغلبة الماء عندها فيصيبها فساد ، فارادت بيعها . ان كانت الارض بحال لا يرغب الناس عن دفن الموتى لقلة الفساد ليس لها البيع وان كانت يرغب الناس عن دفن الموتى فيها لكثرة الفساد فلها البيع فاذا باعتها فللمشتري ان يأمرها برفع ابنها كذا في المضمرات والاقلاع الكبرى (الفتاوى الهندية . كتاب الوقف ، الباب الثاني عشر ۲/۴۷۱ ط . ماجدية)

اموات کے لئے وقف تو ہے مگر اب اس میں دفن اموات ممکن نہیں مثلاً حکومت نے منع کر دیا اور وہاں دفن کرنے کو قانونی جرم قرار دے دیا تو اس صورت میں قبروں کو برابر کر کے اس کو مسجد میں شامل کر لینا مباح ہے مگر قبروں کو کھودنا جائز نہیں۔(۱) اور اگر قبرستان کی زمین وقف نہیں ہے بلکہ کسی کی مملوکہ ہے تو مالک کی اجازت سے اس کو مسجد میں شامل کر لینا جائز ہے (۲) اور جو قبریں اتنی پرانی ہوں کہ ان میں اموات کی لاشیں مٹی ہو گئی ہوں ان کو کھود کر برابر کر دینا بھی جائز ہے (۳) اور جو قبریں نئی ہوں یعنی ابھی ان کی لاشوں کا مٹی ہو جانا یقینی نہ ہو ان کو کھودنا جائز نہیں ویسے ہی مٹی ڈال کر برابر کر دیں اور اوپر مسجد بنا لیں تو مباح ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) امراۃ جعلت قطعۃ ارض لہا مقبرۃ (الی ان قال) واخرجتہا من یدہا، ودفنت ابنہا وتلک الارض لا تصلح للمقبرۃ لغلبۃ الماء عندہا فیصیبہا فساد، فارادت بیعہا، ان کانت الارض بحال لا یرغب الناس عن دفن الموتی لقلۃ الفساد لیس لہا البیع وان کانت یرغب الناس عن دفن الموتی فیہا لکثرۃ الفساد فلہا البیع فاذا باعتہا فللمشتری ان یا مرہا برفع ابنہا کذافی المضمرات ناقلاعن الکبری (الفتاوی الہندیۃ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، ۲ / ۴۷۱ ط، ماجدیۃ)
(۲،۳) ولو بلی المیت وصارترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ، وزرعہ والبناء علیہ (ہندیۃ، کتاب الصلاۃ الباب الحادی و العشرون فی الجنائز، الفصل السادس، ۱ / ۱۶۷ ط، ماجدیۃ)

پانچواں باب
تولیت وانتظام

متولی بنانے اور وقف کی اشیاء کو استعمال کرنے کا اختیار کس کو ہے؟

(سوال) کسی مسجد میں امام مقرر کرنے کا شرعاً کسے اختیار ہے؟

(جواب ۱۳۸) اگر مسجد کا بانی معلوم ہو اور موجود ہو تو امام و مؤذن اور متولی مقرر کرنے اور مرمت وغیرہ کرانے کا اختیار خود بانی کو ہے۔ رجل بنی مسجداً للہ تعالیٰ فھوا حق الناس بمر متہ وعمارتہ وبسط البواری والحصر والقنا دیل والا ذان والا قامۃ والا مامۃ ان کان اھلا لذلک فان لم یکن فالرای فی ذالک الیہ (قاضی ج ۱ صفحہ ۶۵ علی ہامش الہندیہ وکذا فی فتاوی الہندیہ ج ۱ صفحہ ۱۱۷)(۱) وکذلک لو نازعہ اھل السکۃ فی نصب الامام والمؤذن کان ذلک الیہ (فتاوی قاضی خان ج ۳ صفحہ ۳۲۸ علی ہامش الہندیہ) (۲) لیکن اگر بانی موجود یا معلوم نہ ہو تو اس نے اگر کسی کو متولی بنا کر اختیارات مذکورہ اسے دے دیئے ہوں تو اسے نصب امام وغیرہ کا اختیار ہوگا۔ اور اگر بانی نے کسی کو متولی مقرر نہ کیا ہو تو متولی مقرر کرنے کا اختیار قاضی یعنی حاکم اسلام کو ہے وہ جسے مناسب سمجھے متولی مقرر کرے۔ ومع ھذا لا یکون لا ھل المسجد نصب القیم والمتولی بدون استطلاع رای القاضی (قاضی خان علی ہامش الہندیۃ (۳) ج ۳ صفحہ ۳۲۸) لیکن جس جگہ حاکم اسلام نہ ہو تو پھر اہل مسجد قائم مقام قاضی کے ہیں وہ متولی مقرر کر سکتے ہیں۔ اسی طرح نصب امام ومؤذن کا اختیار رکھتے ہیں۔ اھل مسجد باعوا غلۃ المسجد اونقض المسجد ان فعلوا ذلک بامر القاضی جاز وان فعلوا بغیر امرہ لایجوز الا ان یکون فی موضع لم یکن ھنالک قاض انتھی مختصراً (قاضی خان ج ۳ صفحہ ۳۴۲ ہندیہ)(۴) لیکن بانی یا متولی یا اہل مسجد کا اختیار اسی وقت راجح ہوگا کہ لائق شخص مستحق امامت کو امام مقرر کریں ورنہ اگر بانی یا متولی کسی غیر مستحق کو امام بنانا چاہے اور اہل مسجد کسی لائق شخص کو تو اہل مسجد کا حق راجح ہوگا۔ الا ذا عین البانی لذلک رجلا وعیّن اھل السکۃ رجلا اخر اصلح ممن عینہ البانی فحینئذ لایکون البانی اولی (قاضی خان (۵) ج ۳ صفحہ ۳۲۸ ہندیہ) اما اذا کان البانی موجودا فنصب الا مام الیہ وھو مختار الا سکاف رحمہ اللہ قال ابواللیث وبہ ناخذ الا ان ینصب شخصا والقوم یریدون من ھوا صلح منہ (عنایہ (۶) علی ہامش فتح القدیر جلد نمبر ۸ صفحہ ۳۳۹ طبع مصر) اور

---

(۱) (الفتاوی الخانیۃ، اعنی فتاوی قاضی خان، کتاب الطہارۃ، باب التیمم، فصل فی المسجد، ۱/۶۷، ۶۸ ط. ماجدیۃ)

(۲) (فتاوی قاضی خان، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل دارہ مسجدا، ۳/۲۹۷ ط. ماجدیۃ)

(۳) (ایضاً)

(۴) (فتاوی قاضی خان. کتاب الوقف، باب الرجل یجعل دارہ مسجدا، فصل فی وقف المنقول، ۳/۳۱۲، علی ہامش الہندیہ: ۳/۳۱۲ ط. ماجدیۃ)

(۵) (الفتاوی الخانیۃ، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل دارہ مسجدا، ۳/۲۹۷ علی ہامش الہندیۃ ۳/۲۹۷ ط. ماجدیۃ)

(۶) (شرح العنایۃ علی ہامش تکملۃ فتح القدیر. کتاب الجنایات، باب مایحدث الرجل فی الطریق قبیل فصل فی الحائط المائل ۸/۳۳۹ ط. مصر)

اگر اہل مسجد کسی امام کے مقرر کرنے میں دو فریق ہو جائیں تو جس فریق کا تجویز کردہ امام زیادہ لائق ہو وہ راجح ہو گا اور دونوں فریق کے امام لائق ہوں تو بڑے فریق کا امام راجح ہو گا۔ رجلان فی الفقه و الصلاح سواء الا ان احدهما اقرء فقدم اهل المسجد غير الاقرأ فقد اساءوا وان اختار بعضهم الا قرء و اختار بعضهم غيره فالعبرة للاكثر. كذا فى السراج الوهاج (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ صفحہ ۸۸)(۱) والله تعالى اعلم تبہ الراجی محمد امید عوبکفایۃ اللہ عفا عنہ مولاہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

متولی کو بلاوجہ تولیت سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا

(سوال) حاجی خواجہ بخش نے ایک مسجد بنانی چاہی کچھ تو روپیہ اپنے پاس سے اور کچھ چندہ جمع کیا اور زمین علی بخش خاں راجپوت نے للہ وقف کر دی اور چندہ جمع کیا ہوا ڈاکٹر ظہور الدین کے پاس رکھا گیا اور انہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ باقی ماندہ روپیہ میں اپنے پاس سے چندہ دوں گا۔ مسجد بنانے کے بعد کنواں و غسل خانہ و حمام وغیرہ بنائے گئے جس میں ڈاکٹر صاحب کا چندہ شامل نہیں ہوا اور مسجد کا فرش بہت کم تھا جس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ دو تین سال کے بعد فرش بڑھایا گیا اور سائبان ڈالا گیا اور کچھ زمین بھی علی بخش خاں صاحب سے لے کر دکان بنائی گئی اور نئے غسل خانے بنائے گئے۔ اب ایک تمام ریت کا اور دوسرا پتھر کا بنا دیا گیا ہے۔ اس تعمیر میں کسی محلّہ قلعہ والے کا ایک پائی بھی شامل نہیں ہوا اور آج تک پیش امام کا انتظام اور بوریا اور سقا، تیل مٹی، تیل سرسوں، ڈول رسی، لوٹے، دری، صفوف اور سردی میں گرم پانی کا انتظام و پردہ غرض کہ جو کچھ ضروریات ہے یہ سب اشیاء حاجی خواجہ بخش چندہ سے کرتے ہیں اور ڈاکٹر صاحب نے اپنی حیات میں کبھی تولیت نہیں کی۔ ان کے انتقال کے بعد بعض عزیز اور وارث تولیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اب اس صورت میں حاجی خواجہ بخش متولی ہو سکتے ہیں یا کوئی اور؟

المستفتی مولوی عبدالوہاب صاحب مولوی فاضل از ہتک

(جواب ۱۳۹) سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجی خواجہ بخش ابتدا سے مسلم متولی ہیں اور اصل مالک زمین اور معطیان چندہ کسی کی طرف سے ان کے تصرفات پر کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ اور وہی مسجد کے تعمیر اور اس کی اصلاح و درستی کے نگران حال ہیں۔ پس وہی تولیت کے مستحق ہیں اور بلاوجہ ان کو تولیت سے علیحدہ کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔(۲) والله اعلم بالصواب. کتبہ کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ۔ ۷ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

متولی کے تصرف میں وقف کا مکان ہو تو اسے خالی کرانے کا حکم

(سوال) ایک شخص محمد حسین ساکن کے والد حاجی کریم بخش نے ایک مسجد اپنے ایک عزیز کے روپے سے

---

(۱) الفتاوى العالمگيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس، الفصل الثاني، ۱: ۸٤، ط. ماجدية، وكذا في قاضي خان، كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة، فصل فيمن يصلح الا قتداء به، ۱: ۹۲، ط. ماجدية

(۲) (ولاية نصب القيم الى الواقف ثم لوصيه ثم للقاضي) (تنوير، كتاب الوقف، مطلب ولاية نصب القيم الى الواقف، ٤: ۲۱، ٤۲٤، ط. سعيد) اذا كان للوقف متول من جهة الواقف او من جهة غيره من القضاة لايملك القاضي نصب متول آخر بلاسبب موجب لذالك وهو ظهور خيانة الاول اوشيئ آخراه

تیار کرائی اور اپنی زندگی میں اس مسجد کا وہ متولی رہا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا محمد حسین متولی ہے اور منتظم و متدین بھی ہے۔ مسجد کے نیچے ایک دکان واقع ہے کہ جس کی نسبت ہنوز یہ طے نہیں ہوا کہ وہ وقف ہے یا غیر وقف۔ لیکن اگر یہ وقف ہو تو متولی مسجد سے ایسے لوگوں کو دکان خالی کرانے کا جو برادری کے ہیں نہ ہم محلہ ہیں شرعاً منصب ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱٤۰) دکان زیر مسجد کے متعلق اگر یہ بات طے ہو جائے کہ وقف ہے اور ظاہر یہی ہے تاہم کسی ایسے متولی کو جو صوم و صلوٰۃ کا پابند ہو اور اس سے مال وقف میں کوئی خیانت ظاہر نہ ہوئی ہو کسی کو برطرف کرنے کا حق حاصل نہیں۔ فان طعن فی الوالی طاعن لم یخرجه القاضی من الولا یة الا بخیانة ظاهرة انتهی (هندیہ ج ۲ صفحہ ۴۲۰)(۱) اور متولی کے ہوتے ہوئے دوسروں کو انخلائے دکان کے دعوے کا استحقاق نہیں۔ مگر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ خود متولی نے اس دکان پر قبضہ کس طرح کر رکھا ہے اگر دکان پر قبضہ اس طرح ہے کہ اپنے بساط خانے کا سامان اس دکان میں رکھ چھوڑا ہے تو اس سے یہ دکان علیحدہ کی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر مقدار کرایہ سے زیادہ کرایہ لوا کرے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ وفی جامع الفصولین لو اجر دارالوقف من ابنه البالغ او ابيه لم يجز عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى الا بالكثر من اجر المثل وكذا متول اجر من نفسه لو خيرا صح و الا لا وبه يفتى كذا فى البحر الرائق (هندیہ ج ۲ صفحہ ۴۱۶)(۲)

متولی واقف کی بتلائی ہوئی ترتیب پر مقرر ہوں گے

(سوال) ایک شخص اسحاق کے چار فرزندوں (حاجی عبدالشکور، نور محمد، عثمان، عبدالحبیب) نے اپنے ذاتی مال میں سے روپیہ لے کر ایک مدرسہ عربی یعنی دینیات کا بنایا اور وقف کر دیا اور متولی اپنے برادر عبدالحبیب کو مقرر کیا مگر چند شروط۔ اول یہ کہ جب تک عبدالحبیب زندہ ہے تو یہ متولی ہے بعد اس کی وفات کے برادروں میں سے جو واقف ہیں جس پر اتفاق رائے ہو وہ متولی ہو گا۔ یہاں تک کہ جو بھائی بعد میں سب بھائیوں کے زندہ رہے وہ متولی قرار دیا جائے گا اور اگر چاروں برادروں میں سے کوئی زندہ نہ رہے تب چاروں بھائیوں کی اولاد جو موجود ہو گی وہ متولی ہوں گے۔ اب عبدالحبیب کا انتقال ہو گیا ہے، جو برادران کی طرف سے متولی تھا اور ایک بھائی اس متولی کا جو واقف بھی ہے زندہ ہے۔ عبدالحبیب اپنے لڑکوں کے نام تولیت نامہ لکھ کر مر گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تولیت مدرسہ کی حسب شرائط واقفین موجودہ برادر کو (جو واقف بھی ہے) ملے گی یا عبدالحبیب کے فرزندوں کو جو ان کے باپ نے تولیت نامہ لکھ دیا ہے حق تولیت مدرسہ پہنچے گا اور یہ سوال بھی ہے کہ جب ایک کو متولی ہر چار برادروں نے قرار دے دیا تو خیانت اس کی دیکھیں اور انتظام مدرسہ کا پورا نہ کر سکے تو اس کو تولیت سے

(۱) (الهندية، كتاب الوقف، الباب الخامس فى ولاية الوقف وتصرف القيم فى الاوقاف مطلب لايعزل المتولى بمجرد الطعن من غير ظهور خيانة، ۲/٤۲۵ ط. ماجدية)
(۲) (الهندية، كتاب الوقف، الباب الخامس، قبيل مطلب لايجوز البناء من غير زيادة الاجرة الا اذا كان لايرغب فيه الا بهذا الوجه ۲/٤۲۱ ط. ماجدية)

علیحدہ کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

(جواب ۱٤۱) صورت مسئولہ میں واقف چار شخص ہیں اور چاروں نے باتفاق تولیت کی ترتیب یہ مقرر کی تھی کہ فی الحال عبدالحبیب متولی ہو اور اس کے انتقال کے بعد بھائیوں میں سے جو زندہ ہو وہ متولی ہو اور یہ شرط صحیح اور جائز ہے۔ لہذا واجب العمل ہوگی اور چونکہ واقف چار شخص ہیں ان میں سے ایک شخص کو شروط وقف میں تغیر و تبدل کا اختیار نہ ہوگا اور عبدالحبیب کا وصیت نامہ دربارۂ تولیت حق اپنے بیٹے کے غیر معتبر ہوگا بلکہ موافق شرط واقفین جو بھائی زندہ ہے حق تولیت اسی کا ہے۔ اگر متولی کی خیانت ثابت ہو جائے تو اسے معزول کرنا واجب ہے۔ فی انفع الوسائل عن اوقاف هلال ونصه اذا شرط الواقف ولاية هذه الصدقة الى عبدالله ومن بعد عبدالله الى زيد فمات عبدالله واوصى الى رجل ايكون للوصى ولاية مع زيد قال لايجوز له ولاية مع زيد اه وقال بعد ذلك وفي فتاوى شيخ اسمعيل التفويض المخالف لشرط الواقف لايصح اه (ردالمحتار)(۱) وينزع وجوبا بزازيه لوالواقف (درر) فغيره بالاولى غير مامون اوعاجزا الخ (درمختار)(۲) محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

وقف کب صحیح ہوتا ہے، اور متولی کو کب برطرف کیا جا سکتا ہے؟

(سوال) وقف علی المساجد یا علی المقبرہ یا علی امدارس کب صحیح ہوتا ہے اور صحیح ہونے کے بعد واقف کی ملکیت اس سے زائل ہوتی ہے یا نہیں۔ درصورت زوال ملکیت واقف یا ورثائے واقف شئی موقوف کو کسی سے بیع یا ہبہ کرے تو جائز ہے یا باطل ؟ اور متولی یا کوئی والی ظلماً مساجد یا مدارس یا مقابر کو بند کر دے اور ذکر اللہ سے لوگوں کو اس میں بند کرے تو وہ غیر مشروع کام کا کرنے والا اور گناہ گار ہوگا یا نہیں ؟ متولی یا ناظر جب خائن ثابت ہو تو اس کو برطرف کرنا اور شئی موقوفہ اس کے قبضہ سے نکالنا جائز ہے یا نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مساجد وغیرہ اوقاف کے مالک ہونے کا دعویٰ کیا ہے یا کوئی مسجد ظلماً بند کرادی ہے یا نہیں ؟ اور جب حضرت علیؓ سے یہ کام سرزد نہیں ہوئے تو ان کے متبعین کو یہ کام کرنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

(جواب ۱٤۲) امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق صرف قول سے وقف صحیح ہو جاتا ہے اور بعد صحت وقف خود واقف کو یا اس کے ورثاء کو شئی موقوف کا ہبہ یا اس کی بیع کرنا جائز نہیں۔ اگر بیع یا ہبہ کرے گا تو باطل (۳) ہوگی۔ جو شخص مساجد وغیرہ کو ظلماً بند کرادے وہ شخص بہت بڑا گناہ گار ہوگا۔ ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعى فى خرابها۔(۴) متولی جب تک خیانت ظاہر نہ کرے ولایت وقف

(۱) (ردالمحتار، المعروف بفتاوی الشامی، کتاب الوقف، مطلب شرط الواقف النظر لعبدالله ثم لزيد الخ ٤/ ٤۲۷، ط. سعيد)
(۲) (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب يأثم بتولية الخائن، ٤/ ۳۸۰)
(۳) (سورة البقرة، الجزا الاول رقم الاية نمبر ۱۱٤)
(٤) (الفتاوى العالمگیرية المعروف بالفتاوى الهندية، کتاب الوقف، الباب الخامس فى ولايه الوقف، مطلب لايعزل المتولى بمجرد الطعن من غيرظهور خيانة، ۲/ ٤۲۵ ط. ماجدية)

سے اس کا علیحدہ کرنا جائز نہیں۔ لیکن بعد ظہور خیانت اس کو ولایت سے الگ کرنا ضروری ہے۔ فان طعن فی الوالی طاعن لم یخرجه القاضی من الولایة الابخیانة ظاهرة انتهی (هندیه)(۱) وینزع وجوبا لو غیرمامون (در مختار)(۲) قوله وینزع وجوباً مقتضاه اثم القاضی بترکه والاثم بتولیة الخائن ولا شك فیه. بحرانتهی (ردالمحتار)(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کسی وقف کی ملکیت کا دعویٰ کرنے یا کسی مسجد کو ظلماً بند کرا دینے کی نسبت محض غلط اور اتہام ہے۔ انہوں نے ہرگز ایسا نہیں کیا بلکہ جو ایسی نسبت کرے وہ در حقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دشمن اور ان کو بدنام کرنے والا اور ظالم ٹھہرانے والا ہے۔

(۱) چندہ سے بنائی گئی وقف شدہ مسجد میں قفل ڈالنے کا حکم
(۲) کیا محلّہ کے قبرستان میں محلّہ والے مردے دفن کر سکتے ہیں؟
(۳) نماز جنازہ کی اجرت لینے کا حکم
(۴) متولی کی تعریف اور اس کی ذمہ داریاں

(سوال)(۱) جو مسجد چندہ سے بنائی گئی ہو وہ وقف ہے یا نہیں۔ اگر وقف ہے تو اس کا کوئی مسلمان مالک ہے یا کسی کو یہ حق ہے کہ اس میں قفل ڈال دے۔ اگر قفل ڈال دیا جائے تو دوسرے کو کیا حق ہے؟ قفل ڈالنے والے کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔

(۲) وہ قبرستان جو مسجد محلّہ کے ساتھ وقف ہو اس میں اہل محلّہ یا دیگر مسلمانوں کا حق ہے یا نہیں؟ اور عام مسلمان بلا روک ٹوک اپنی میت کو دفن کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر دفن کر سکتے ہیں تو کیوں؟ زمین قبر کے دام لینا یا کچھ بھی مقررہ دام لینا مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس قبرستان وقف میں کسی نزاع کے سبب نگران یا متولی قفل ڈال سکتا ہے؟ اور دفن مسلمان سے روک سکتا ہے؟

(۳) نماز جنازہ کی اجرت لینا اور دینا مؤذن مسجد وقف جو جائیداد وقف سے تنخواہ پاتا ہو اگر وہ میت کے کام میں نہ لیا جائے اور دوسرے آدمی سے کام لیا جائے تو کیا اس مؤذن کو وہ حق دیا جا سکتا ہے جو نگران مسجد نے مقرر کر لیا ہو۔ اگر وہ حق نہ دیا جائے تو نگران مسجد و قبرستان، قبرستان میں میت دفن کرنے سے مانع ہوتا ہے۔ یہ مانع ممانعت کا حق شرعی رکھتا ہے؟

(۴) متولی کسے کہتے ہیں؟ متولی کو مسجد و قبرستان میں کیا حق حاصل ہے؟ کیا وہ مسلمانوں کو ان دونوں مسجد و قبرستان وقف کے نفع عامہ جبراً روک سکتا ہے اور مانع ہو سکتا ہے؟ اگر روک سکتا ہے تو کیوں؟ کیا مسلمانوں کو حق ہے کہ اس نگران یا متولی وقف کو خارج کر دیں جو جبراً حقوق قائم کر کے جائیداد وقف بڑھاتا ہو۔ یا اس رقم

---

(۱) (الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب یاثم بتولیة الخائن، ۴/ ۳۸۰

(۲) (ردالمحتار، المعروف بفتاوی الشامی للعلامة الشامی ابن عابدین علی الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب یاثم بتولیة الخائن، ۴/ ۳۸۰/ ط. سعید)

(۳) وجعله ابویوسف کالاعتاق، قوله: وجعله ابویوسف کالاعتاق فلذلك لم یشترط القبض والافراز، ای فیلزم عند بمجرد القول کالاعتاق بجامع اسقاط الملك (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الوقف، ج: ۴/ ۳۴۹، سعید) فاذا تم ولزم لایملك ولا یملك ولا یعار ولایرهن. (تنویر الابصار، کتاب الوقف، ج: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲)

سے جو حق مسجد یا حق مؤذن وامام کے نام سے موسوم کر کے مسلمانوں پر قائم کی ہے یا کرتا ہے۔ کیا مسلمانوں پر اس رقم کے ادا کرنے کا کوئی شرعی حق ہے۔ اگر مسلمانان محلّہ نہ ادا کریں تو قبرستان میں میت دفن نہ کریں یا حق مقررہ نہ دیں تو بھی نہ دفن کر سکیں۔ ایسا حکم شرعی لازم ہے؟

کیا شرعاً اجازت ہے اور جائز ہے کہ وقف قبرستان اسی مسلمان کے لئے ہے جو جماعت میں داخل ہو۔ جو داخل جماعت نہ ہو اس کے واسطے قبرستان بند ہے۔ وقف عامہ میں ہر مسلمان برابر ہے یا تخصیص ہے؟

(جواب ۱۴۳)(۱) مسجد چندہ سے بنائی جائے یا کوئی ایک شخص بنائے، دونوں وقف ہیں کسی کی ملکیت نہیں اور کسی کو اس میں مالکانہ تصرف کا حق نہیں۔(۱) اگر متولی مسجد کا اسباب چوری اور تلف ہونے سے محفوظ رہنے کے خیال سے نماز کے علاوہ فارغ وقتوں میں قفل ڈال دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔(۲) لیکن اگر قفل نماز کے اوقات میں پڑا رہتا ہو جس کی وجہ سے نمازیوں کو دقت ہوتی ہو یا چوری وغیرہ کا اندیشہ نہ ہو بے ضرورت قفل ڈالا جائے تو اس کا متولی کو کوئی حق نہیں۔ اس کے متعلق اس سے باز پرس کی جا سکتی ہے۔(۳)

(۲) جو قبرستان کہ عام مسلمانوں کے لئے وقف ہو خواہ وہ مسجد محلّہ کے ساتھ ہو یا علیحدہ اس میں دفن کرنے سے روکنے کا اختیار متولی کو حاصل نہیں۔ اگر وہ کسی میت کو اس میں دفن کرنے سے روکے تو ظالم ٹھہرے گا۔ نیز متولی کو ایسے قبرستان میں جو ہر مسلمان کے لئے وقف ہو کسی سے قبر کی زمین کی قیمت یا اور کوئی رقم لینا ناجائز ہے۔ اسی طرح اس میں قفل ڈال کر دفن سے روکنا ظلم ہے۔(۴)

لیکن اگر قبرستان عام مسلمانوں کے لئے وقف نہ ہو بلکہ کسی خاص جماعت یا خاندان یا کسی خاص محلّہ کے لوگوں کے لئے وقف ہو تو ان لوگوں کو جن کے لئے وقف ہے اس قبرستان میں وہی حقوق حاصل ہیں جو عام مسلمانوں کو وقف عام میں ہوتے ہیں لیکن ان موقوف علیہم کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اس میں دفن کرنے کا حق نہیں اور نہ متولی کسی سے کچھ رقم لے کر ایسے قبرستان میں دفن کی اجازت دے سکتا ہے کیونکہ قبرستان اس کی ملک نہیں ہے بلکہ وہ موقوف علیہم کا حق ہے اور اس حالت میں بھی وہ جماعت کے لئے قبرستان وقف ہے کسی دوسری میت کو دفن کرنے کی اجازت دے سکتی ہے۔ لیکن قیمت زمین کی اسے لینا جائز نہیں۔(۵)

(۳) نماز جنازہ کی اس طرح اجرت لینا دینا کہ نماز پڑھائی اور اجرت لے لی ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی کو نماز جنازہ پڑھانے کے لئے ملازم رکھ لیا جائے اور تنخواہ مقرر کر دی جائے تو مضائقہ نہیں۔(۶) مسجد کا امام یا مؤذن جو تنخواہ مسجد سے پاتا ہے اس میں نماز جنازہ پڑھانے کی شرط بھی داخل ہے یا نہیں۔ اگر ہے اور جس وقف سے اس کو تنخواہ دی جاتی ہے اس میں بھی ایسی شرط کرنے کی گنجائش ہو تو یہ ملازمت صحیح ہے۔(۷) پھر اگر یہ شخص اتفاقی طور سے

---

(۱) (۴)(۵) اذا صح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکه (الهدایة، کتاب الوقف، ۲/ ۶۴۰ ط شرکة علمیة)

(۲)(۳) کره (غلق باب المسجد) الالخوف علی متاعه، به یفتی (الدرالمختار) هذآ اولی من التقید بالزمان لان المدار علی خوف الضرر، فان ثبت فی زماننا فی جمیع الاوقات ثبت کذالك الا فی احکام المسجد (ردالمحتار ۱/ ۶۵۶ ط سعید)

(۶) ومشایخ بلخ جوز والاستئجار علی تعلیم القرآن اذا ضرب لذالك مدة..... وکذاجواز الاستئجار علی تعلیم الفقه ونحوه والمختار للفتوی فی زماننا قول هئولاء (الهندیة، کتاب الاجارة، الباب السادس عشر، مطلب الاستئجار علی الطاعات ۴/ ۴۴۸ ط ماجدیة)

(۷) اما شرائط الصحة : فمنها رضا المتعاقدین، ومنها ان یکون المعقود علیه وهوالمنفعة معلوما علما یمنع المنازعة (الهندیة کتاب الاجارة، الباب الاول، مطلب شروط الاجارة، ۴/ ۴۱۱ ماجدیة)

کسی جنازے کی نماز نہ پڑھانے تو اس کا اثر تنخواہ پر نہ پڑے گا۔ہاں اگر یہ عادت کرلے کہ نماز جنازہ نہ پڑھایا کرے تو تنخواہ کا مستحق نہ ہو گا۔(۱) اس تنخواہ کے علاوہ کوئی اور حق اولیائے میت سے لینے کا اسے اختیار نہیں کیونکہ ان سے کوئی خاص عقد اجارہ نہیں کیا گیا ہے اور تبرع کے طور پر دیا جائے تو اس میں جبر نہیں ہو سکتا۔ان کی خوشی ہے دیں یا نہ دیں۔اگر اولیائے میت مسجد کے امام یا مؤذن کو کچھ نہ دیں اور صرف اس وجہ سے متولی مسجد ان کو قبرستان میں میت دفن کرنے سے روکے تو یہ متولی کا صریح ظلم ہے۔(۱)

(۴) متولی وہ شخص جو وقف کی نگرانی اور انتظام کے لئے واقف یا قاضی یا جماعت مسلمین کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے۔وہ صرف حفاظت و انتظام آمدنی و خرچ کا استحقاق رکھتا ہے کوئی مالکانہ حیثیت اسے حاصل نہیں ہوتی۔نہ کسی ایسے تصرف کا حق ہوتا ہے جو غرض واقف کے خلاف ہو یا شریعت سے اس کی اجازت نہ ہو۔بلکہ ایسے متولی کو جو مالکانہ قبضہ کرلے یا غرض واقف کے خلاف کرے یا ناجائز تصرفات کرے علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔(۲) واللہ اعلم۔

مسجد کی رقم جو مقدمہ پر خرچ کی گئی ہے اس کے ذمہ دار متولی ہیں

(سوال) کسی مسجد کے متولیوں سے اہل محلہ نے کہا کہ مسجد کا موجودہ انتظام کافی نہیں لہذا مسجد کے لئے کوئی اسکیم (یعنی قوانین) تجویز ہونی چاہئے۔جس کے مطابق مسجد کی ضروری کارروائی عمل میں آتی رہے۔متولیوں نے اس قسم کی اسکیم سے انکار کیا جس پر اہل جماعت نے عدالت سے چارہ جوئی کی کہ مسجد کا موجودہ نظام عمل قابل اطمینان نہیں۔کوئی اسکیم ایسی ہونی چاہئے جس کی رو سے عام مسلمانوں کو اطمینان ہو۔اس چارہ جوئی میں اہل جماعت کامیاب ہوئے جس کی رو سے ہر جماعت کے مسلمانوں کو مسجد کے معاملے میں عمل دخل کا حق واجبی ثابت ہوا۔اس مقدمہ میں متولیوں کا تقریباً پچیس ہزار روپے سے بھی زائد صرف ہوا جو سب کا سب مسجد کے فنڈ سے خرچ کیا گیا۔اس کے بعد متولیوں نے اس مقدمہ کی اپیل لندن کی پریوی کونسل میں دائر کی جس کے اخراجات کے لئے متولیوں نے خاص اپنی جماعت میں چندہ کر کے کئی ہزار روپے جمع کیا جو ٹرسٹیوں کے قبضہ میں رہا۔جس میں سے اپیل کے جملہ ضروری اخراجات ادا ہوتے رہے۔فہرست چندہ کے عنوان پر یہ مضمون لکھا گیا:

رنگون کی سورتی جامع مسجد کی اپیل پریوی کونسل ولایت میں لے جانے کے خرچ کے لئے حسب ذیل اصحاب نے مندرجہ ذیل رقوم عطا فرمائیں۔

ایک عرصہ کے بعد مقدمہ فیصل ہوا۔اپیل کے جملہ اخراجات پورے ہو جانے کے بعد ایک معقول

---

(۱) الاجر لایملك بنفس العقد ولایجب تسلیمه به عندنا ..... ثم الاجرة تستحق باحدمعان ثلاثة ..... باستیفاء المعقود علیه ..... فان عرض فی المدة مایمنع الانتفاع ..... سقطت الاجرة بقدر ذالك (الفتاوى العالمگیریة، كتاب الاجارة الباب الثانى فى بیان انه متى تجب الاجرة ٤/ ٤١٢، ٤١٣ ط ماجدية)

(۲) (ینزع) وجوبا (لو) الواقف (غیر مامون) (الدرالمختار) مقتضاه اثم القاضی ..... بتولیة ..... الخائن (الى قوله) ان امتناعه ..... خیانة (الشامیة، كتاب الوقف مطلب یاثم بتولیة الخائن ٤/ ٣٨٠ سعید)

(۳) اذا كان ناظر اعلی اوقاف متعددة وظهرت خیانته فی بعضها افتی المفتی ابوالسعود بانه یعزل من الكل ..... فی الجواهر: القیم اذا لم یراع الواقف یعزله القاضی ..... لو سكن الناظر دار الواقف ولو باجر المثل له عزله لانه نص فی خزانة الاكمل انه لایجوز له السكنى ولا باجر المثل اه (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فیما یعزل به الناظر ٤/ ٣٨٠ ط. سعید)

رقم پس انداز ہو گئی جو متولیوں کے قبضہ میں بطور امانت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جو روپیہ مقدمہ میں تیس ہزار سے بھی زائد خرچ ہوا ہے اس کے ذمہ دار کون ہوں گے۔ آیا مسجد کے خزانہ سے دینا جائز ہے یا نہیں؟ دوم اگر بعض اہل چندہ پس انداز رقم میں سے اپنے چندہ کی رقم کے موافق حصہ رسد واپس لینا چاہیں تو شرعاً انہیں واپس لینے کا حق ہے یا نہیں؟ سوم جن متولیوں کے قبضہ میں یہ روپیہ موجود ہے وہ لوگ اپنے اختیار سے کسی کار خیر میں چندہ دہندگان کی رائے کے خلاف صرف کرنا چاہیں تو یہ تصرف ان کا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۱۴۴) مسجد کا جو روپیہ اس مقدمہ میں صرف ہوا ہے اس کے ذمہ دار متولی ہیں۔ مسجد کے فنڈ پر اس کا بار نہیں پڑے گا۔ یہ اس صورت میں کہ اہل جماعت کا مطالبہ واجبی ہو اور وہ اس مطالبہ میں حق بجانب ہوں۔

جو روپیہ اپیل کے لئے باہمی چندہ سے جمع کیا گیا تھا اس میں سے جو کچھ بچا ہوا ہے وہ ٹرسٹیوں کے ہاتھ میں امانت ہے اور چندہ دہندگان کی ملک ہے اور اس کو بقدر ان کے حصہ کے واپس کیا جائے۔ مثلاً دس ہزار روپیہ تھا اس میں سے پانچ ہزار خرچ ہو گیا اور پانچ ہزار باقی ہے تو جس شخص نے سو روپے چندہ میں دیئے تھے وہ پچاس روپے واپس لے سکتا ہے اور جس نے ہزار روپے دیئے تھے وہ پانچ سو واپس لے سکتا ہے۔ **ولو ان قوما بنوا مسجد اوفضل من خشبهم شئي قالوا يصرف الفاضل في بنائه ولا يصرف الى الدهن والحصير هذا اذا سلموه الى المتولي والايكون الفاضل لهم يصنعون به ماشاء واكذافي البحر الرائق ناقلاعن الاسعاف (عالمگيرى)**(۱) اور یہاں اگرچہ تسلیم الی المتولی ہے لیکن اخراجات مقدمہ کے لئے ہے نہ کہ صرف فی المسجد کے لئے۔ اس لئے بعد ادائے اخراجات اپیل دینے والوں کو بقیہ روپے کی واپسی کا حق ہے۔

متولیوں کو بغیر اجازت چندہ دہندگان اپنی رائے سے اس روپے کو کار خیر میں صرف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نہ وہ اس روپے کے مالک ہیں اور نہ سوائے اخراجات اپیل کے کسی دوسرے کام میں صرف کرنے کے لئے وکیل بنائے گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

تولیت میں وراثت کے متعلق متفرق سوالات

(سوال)(۱) تولیت وقف عام میں شرعاً وراثت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اگر واقف تولیت کو میراث قرار نہ دے بلکہ بجائے اس کے کوئی دوسرا متغلب قبضہ و تصرف پا کر کسی خاندان کو تولیت کے لئے مقرر کر دے تو اس وراثت کا شرعاً اعتبار ہے یا نہیں؟ اور اس وراثت سے اس خاندان کو بہ نسبت دوسروں کے محض اس وجہ سے ترجیح ہو گی یا ترجیح باعتبار تقویٰ و صلاح ہو گی؟

(۳) بادشاہ اسلام کی اراضی وقف پر اگر چند روزہ کسی غیر مسلم قوم کا عارضی تسلط ہو جائے اس طرح کہ قبل

(۱) (الفتاوى العالمگيرية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر، الفصل الثانى ۲/ ۴۶۴)

استحکام اس کے تسلط کا خاتمہ بھی ہو جائے ایسی حالت میں وہ غیر مسلم متغلب اگر اوقاف پر کسی خاندان کو تولیت کے لئے مخصوص کردے تو اس کے تسلط کے فنا ہونے کے بعد بھی اس کا یہ حکم ناطق قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

(۴) غیر مسلم کے تسلط کے اٹھ جانے کے بعد بھی اصلی واقف کے جانشینوں نے بذریعہ سرکار انگریزی اس کی ان اسناد کو منسوخ قرار دیا جو متولی نے دوبارہ تولیت اس سے حاصل کیں۔ یہ نسخ قابل نفاذ ہے یا نہیں ؟

(۵) واقف نے خود بہ نفس نفیس تولیت کے لئے کسی خاندان کو مخصوص نہیں کیا۔ اس کے بعد اس کے کسی قائم مقام نے محض اپنی رائے سے کسی شخص کو متولی قرار دے کر تولیت اس کی میراث کر دی۔ اس کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے ؟

(۶) قوم مرہٹہ جس کا کسی زمانے میں ہندوستان کے بعض اطراف پر آندھی کی طرح تسلط ہوا اور آندھی کی طرح رخصت ہو گیا اس کے احکام و اسناد بمقابلہ فرامین شاہان اسلام و احکام سرکار قابل نفاذ ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟

(۷) ایک شخص کی اولاد میں یکے بعد دیگرے اتفاقات زمانہ سے کچھ عرصہ تک تولیت رہی تو کیا محض اس وجہ سے یہ تولیت اس خاندان کے ساتھ خاص ہو جائے گی۔ در آنحالیکہ واقف نے نہ اس کو متولی کیا اور نہ اس کی اولاد کو بلکہ زمانہ دراز تک تولیت مختلف خاندانوں میں گردش کرتی رہی۔ اسی طرح وقف کے صحیح جانشینوں نے بھی کسی خاندان کو مخصوص نہیں کیا۔ صرف ایک شخص غیر مسلم نے اثنائے سفر میں چند روزہ عارضی تسلط کے زمانے میں اس شخص کو تولیت سپرد کر دی۔ ایسی بے بنیاد سند پر تولیت اس شخص کے خاندان کے ساتھ مخصوص ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

(۸) واقف نے متولی کے حق الخدمت کے لئے بجائے تنخواہ ایک گاؤں یا کسی زمین کی آمدنی مقرر کر دی تو کیا یہ جائیداد متولی کی موروثی ہو سکتی ہے ؟

(۹) تنخواہ دار ملازمین ایک زمانہ دراز کے بعد کیا اس تنخواہ کے وارث قرار دیئے جا سکتے ہیں کیا وہ تنخواہ اس کی میراث ہو جائے گی اور نسلاً بعد نسل ملتی رہے گی۔ بینوا توجروا۔

(جواب ۱٤٥) بادشاہان اسلام نے جو زمین کسی کام کے لئے وقف کی ہے وہ دو حال سے خالی نہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ ان کی خود خرید کردہ مملوکہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جس طرح تمام ملک کی زمین ان کے قبضہ میں ہے اسی زمین میں سے (یعنی بیت المال کی زمین کا) کچھ حصہ وقف کیا ہو۔ پہلی صورت کا جب کہ زمین بادشاہ کی مملوکہ ہو یہ حکم ہے کہ وہ وقف صحیح ہے اور اس میں کسی دوسرے کو تصرف کا حق نہیں اور نہ اس کا کوئی تصرف شرعاً نافذ ہوگا۔ **وان وصلت الارض الی الواقف بالشراء من بیت المال بوجه مسوغ فان وقفه صحیح لانه ملكها ویراعی فیها شروطه سواء كان سلطانا او امیرا اوغیرهما الخ** (ردالمحتار)(۱) لیکن اگر وہ زمین مملوکہ بادشاہ کی نہ ہو بلکہ بیت المال کی ہو تو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں۔ اول یہ کہ ان کاموں کے لئے وقف ہو جن کا بیت المال میں حق ہے۔ دوم یہ کہ کسی ایسے کام پر وقف ہو جس کا بیت المال میں کوئی حق نہیں۔ اول

(۱) (کتاب الوقف، مطلب مهم فی وقف الاقطعات ، ٤/ ۳۹۳ ط. ایچ ایم سعید)

صورت کا حکم یہ ہے کہ یہ وقف بھی تام ہے اور کسی کو اس میں تصرف کا حق نہیں اور نہ کسی کا ناجائز تصرف اس میں نافذ ہوگا۔ السلطان لو وقف ارضامن بیت مال المسلمین علی مصلحة عامة للمسلمین جاز قال ابن وهبان لانه اذا ابده علی مصرفه الشرعی فقد منع من یصرفه من امراء الجور فی غیر مصرفه (ردالمحتار)(۱) لیکن اگر بادشاہ نے کسی مصلحت عامہ پر وقف نہ کی ہو بلکہ کسی ایسے کام پر وقف کی ہو جس کا بیت المال میں کوئی حق نہیں تو یہ زمین وقف نہیں بلکہ ارصاد ہے- دوسرے بادشاہ کو اس میں تغیر و تبدل کا حق ہے- وہ چاہے تو قائم رکھے اور چاہے تو باطل کردے۔ اوقاف السلاطین من بیت المال ارصادات لااوقاف حقیقة وان ماکان منها علی مصارف بیت المال لاینتقض بخلاف ماوقفه السلطان علی اولاده اوعتقاء ه مثلا وانه حیث کانت ارصاد الا یلزم مراعاة شروطها لعدم کونها وقفا صحیحا فان شرط صحته ملك الواقف والسلطان بدون الشراء من بیت المال لایملکه الخ۔ (ردالمحتار)(۲)

صورت مسئلہ میں یہ زمین موقوفہ اگر بادشاہ کی خرید کردہ مملوکہ ہو یا بیت المال کی ہو لیکن مصلحت عامہ پر وقف ہو تو یہ وقف بدستور قائم ہے۔ لیکن اگر بیت المال کی ہو اور کسی ایسے کام پر وقف ہو جس کا بیت المال پر کوئی حق نہیں تو یہ وقف ہی صحیح نہیں ہوا اور وہ زمین بیت المال کی زمین ہے- کسی دوسرے بادشاہ کو اختیار ہے کہ وہ اس کو حقوق شرعیہ کی طرف واپس کردے۔

اصل واقف نے جب کہ کسی خاندان کو متولی نہیں بنایا تو جو شخص تولیت کی اہلیت رکھتا ہو وہی متولی ہو سکتا ہے- مسلمانوں کو جائز ہے کہ متولی کے مرنے کے بعد جائے اس کی اولاد کے کسی اور کو متولی بنائیں۔ ہاں اگر اولاد واقف میں کوئی شخص تولیت کے قابل ہو تو وہ غیروں سے افضل ہے اور اگر واقف نے تولیت اپنے خاندان کے لئے مخصوص کردیا ہو تو جب تک اس کے خاندان میں تولیت کی اہلیت رکھنے والا شخص ملے کسی غیر کو متولی بنانا جائز نہ ہوگا۔(۳)

متولی کے لئے جو رقم معاوضہ خدمت مقرر کی گئی ہو وہ خواہ کسی مخصوص حصہ کی آمدنی ہو خواہ تنخواہ ہو، اس کی ولایت تک ہے۔ جس وقت تولیت کسی اور کی طرف منتقل ہوگی وہ حق بھی منتقل ہو جائے گا۔(۴) واللہ اعلم۔

---

(۱) (کتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزیة، مطلب علی ماوقع للسلطان من ارادته نقض اوقاف بیت المال، ۱۸۴/۴ ط سعید)

(۲) (کتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزیة، مطلب علی ماوقع للسلطان بوقوف من ارادته نقض اوقاف بیت المال، ۱۸۴/۴ ط سعید)

(۳) قال فی الشامیة: لایجعل القیم فیه من الاجانب ماوجدفی ولدالواقف واهل بیته من یصلح لذالك　وفی الهندیة عن التهذیب والافضل ان ینصب من اولاد　الواقف　یفیدانه لو نصب اجنبیا مع وجود من یصلح من اولادالواقف یصح　انه لو شرط الواقف کون المتولی من اولاده واولادهم لیس للقاضی ان یولی غیرهم بلاخیانة ولو فعل لایصیر متولیا اه (الشامیة، کتاب الوقف، مطلب لایجعل الناظر من غیر اهل الوقف، ۴/ ۴۲۴، ۴۲۵ ط، سعید)

(۴) ثم الاجرة تستحق　باستیفاء المعقود علیه　فان عرض فی المدة مایمنع الانتفاع　سقط الاجرة بقدر ذالك (الفتاوی الهندیة، کتاب الاجارة، الباب الثانی فی بیان انه متی تجب الاجرة، ص ۴۱۲، ۴۱۳)

ہندہ کا بھتیجا زید کی تولیت کو ختم نہیں کر سکتا

(سوال) ہندہ نے ایک سکونتی مکان کو مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو زید جو اس کی برادری کا ایک شخص ہے اور پڑوس میں رہتا ہے اس کو مسجد کی تعمیر کا منتظم کر دیا۔ زید نے اپنے اہتمام سے مسجد کی تعمیر شروع کر دی۔ مسجد قریب نصف کے تعمیر ہوئی تھی کہ ہندہ کے پاس روپیہ ختم ہو گیا۔ ہندہ نے زید سے کہا کہ میرے پاس روپیہ نہیں رہا اب تم اپنے پاس سے روپیہ لگا کر مسجد کی تعمیر پوری کرا دو اور مسجد کی نگرانی و انتظام بھی باقاعدہ رکھو۔ زید نے ہندہ کا کہنا منظور کیا اور اپنے پاس سے معقول روپیہ صرف کر کے مسجد کی تعمیر مکمل کرا دی۔ اور زید مسجد کے تمام کام بخوبی انجام دیتا رہا۔ چونکہ مسجد کی کوئی آمدنی نہیں تھی اور زید اس مسجد کا متولی و منتظم تھا۔ بدیں وجہ زید نے اپنا ذاتی مکان اس مسجد کے لئے وقف کیا اور اس کی آمدنی سے امام و مؤذن کی تنخواہیں اور روشنی آبیانہ وغیرہ کے اخراجات ادا کرتا رہا۔ ہندہ و نیز تمام اہل محلہ زید کے انتظام و نگرانی و تولیت سے خوش رہے۔ ہندہ کے انتقال کے بعد بھی پانچ سال سے برابر بدستور سابق مسجد مذکور کی نگرانی و اخراجات و انتظام کر رہا ہے۔

اب چند روز سے مسائل مختلفہ میں جھگڑا شروع ہوا۔ زید انتظام مسجد کا ذمہ دار تھا اس لئے اس نے کہا کہ مسجد میں کسی قسم کا جھگڑا نہ ہونا چاہئے۔ مسجد مذکور میں صرف لوگ نماز ادا کریں، تلاوت قرآن شریف کریں۔ بجز اس کے اور کچھ نہ ہونا چاہئے۔ جس کے باعث ہندہ کا بھتیجا اپنی تولیت کا دعویٰ کرتا ہے اور زید کو تولیت سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے۔ پس جب کہ ہندہ نے اپنے سامنے زید کو متولی و منتظم کیا اور زید نے اپنی ذات سے تعمیر مسجد نصف کے قریب کی اور ایک مکان بھی اس کے لئے وقف کیا اور جب سے اب تک ہر طرح کا خرچ اور انتظام کرتا رہا ہے تو کیا شرعاً زید کو تولیت سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اور ہندہ کے بھتیجے کا دعوائے تولیت درست ہے یا نہیں؟ جو امر حق ہو اس کے متعلق جواب مرحمت فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

(جواب ۱٤٦) تولیت مسجد کا حق بانی اور واقف کو(۱) ہے۔ اگر بانی مسجد اپنے لئے یہ حق محفوظ رکھے تو کوئی دوسرا شخص اس کی مزاحمت نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ اپنی زندگی میں کسی کو متولی کر دے یا اپنے بعد کسی کو تولیت کے لئے نامزد کر جائے تو وہ شخص متولی ہو جاتا ہے۔ بانی کے مقرر کئے ہوئے متولی کو کوئی شخص بدون ثبوت خیانت موقوف نہیں کر سکتا۔ صورت مسئولہ میں اگر زید نے مسجد کی تعمیر میں بحیثیت منتظم تعمیر کے اپنی بھی ایک معقول رقم خرچ کی ہے تو وقف بنانے میں وہ بھی من وجہ شریک ہے اور پھر جب کہ ہندہ نے بھی اس کو تولیت کے اختیارات تفویض کر دیئے تو وہ ہندہ کی جانب سے بھی متولی ہو گیا اور جب کہ ایک مدت دراز سے وہ تولیت کے فرائض انجام دے رہا ہے اور اہل محلہ اور نمازیان مسجد اس کے انتظام اور متولیانہ استعمال اختیارات سے خوش رہے تو اب اس کو تولیت سے کوئی شخص معزول نہیں کر سکتا۔ فلو ماموناً لم تصح تولية غيره (اى غير الواقف) اشباه (ردالمحتار) لايجوز للقاضى عزل الناظر المشروط له النظر بلا خيانة ولو عزله لايصير الثانى متوليا ويصح عزل الناظر بلا خيانة لو منصوب القاضى اى لاالواقف(۲) (ردالمحتار) کتبہ محمد کفایت اللہ

---

(۱) قال فى التنوير : (ولايه نصب القيم الى الواقف ثم لوصيه ثم للقاضى) (كتاب الوقف، مطلب ولاية نصب القيم. ٤/٤٢١ ط سعيد)

(۲) درمختار مع ردالمحتار (كتاب الوقف، مطلب فى عزل الناظر، ٤/ ٣٨٢ط سعيد

(۱) تولیت کا حق واقف کی اولاد کا ہے نہ کہ متولی کے وارثوں کا
(۲) کیا متولی کی اولاد وصیت کے مطابق خرچ کر سکتی ہے ؟

(سوال) ایک شخص نے اپنی ملکیت کی آمدنی میں سے آٹھواں حصہ آمدنی کا وقف کیا اور وصیت نامہ لکھا جس میں واقف نے اس کے خرچ کرنے کی تفصیل بھی بتائی اور اس کے دو متولی مقرر کئے۔ خرچ کی تفصیل یہ ہے - مکہ معظمہ میں پچیس روپے سالانہ ، مدینہ منورہ میں پچیس روپے سالانہ بھیجے جائیں۔ اس کے علاوہ جو حصہ آمدنی کا زائد رہے اس کو طالب علم ، کنواں و دیگر کار خیر میں یعنی ثواب کے کاموں میں خرچ کیا جائے اور اس کا اختیار مقرر کردہ متولیان کو دیتا ہوں کہ مقرر کردہ آمدنی کو جمع خرچ مطابق کریں اور اگر ان میں سے ایک کی یا دونوں کی موت و حیات ہو تو ان کو اختیار ہے کہ یہ اپنی جانب سے کسی کو متولی مقرر کریں۔ شخص مذکور یعنی واقف کے انتقال کے بعد دونوں متولیوں نے موقوفہ آمدنی کو اپنے قبضہ میں لے کر وصیت نامہ کے مطابق جمع خرچ اور اس کی دیکھ بھال کی۔ متولیان میں ایک تو واقف کا لڑکا تھا اور ایک بھتیجا۔ ان میں سے ہر دو متولیان نے یکے بعد دیگرے انتقال کیا۔ دونوں میں سے کسی ایک نے بھی اپنی جانب سے کسی کو متولی مقرر نہیں کیا بلکہ وہ موقوفہ آمدنی کا حصہ بعد انتقال متولی ثانی کے جو واقف کا بھتیجا ہوتا تھا اس کی اولاد نے اپنے قبضہ میں لے کر اس کی آمدنی کو وصول کر کے اپنے اختیار سے وصیت نامہ کے خلاف کہ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے آمدنی کو خرچ کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ متولی قابل تسلیم ہیں یا نہیں ؟ اور یہ ان کا خرچ کرنا خلاف وصیت نامہ کے جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز نہیں ہے تو انہوں نے جو آمدنی وصول کر کے وصیت نامہ کے خلاف خرچ کر دی ہے اس کا بار ان کے ذمہ ہے یا نہیں ؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس وقت واقف کے وارث یعنی اولادیں موجود ہیں۔ ان کو یہ اختیار ہے یا نہیں کہ موجودہ متولی جو خود بخود بنے ہوئے ہیں اور خلاف وصیت نامہ اپنے اختیار سے خرچ کرتے ہیں ان سے قبضہ لے کر کسی دوسرے کو متولی بنائیں یا خود متولی بنیں۔ دیگر یہ کہ موجودہ متولیوں نے اپنے اختیار سے واقف کے رشتہ داروں کو خلاف شرط وصیت نامہ سب جگہ سے بند کر کے ان کو اپنے اختیار سے رقم بخش دی۔ کیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟ دیگر یہ کہ دیگر مذکورہ کام کے لفظ سے ثواب کے کام مراد ہیں یا نہیں اس کی تفصیل سے بھی مطلع فرمائیں۔ نیاز محمد محمد یوسف مچالا (رانڈیر)

(جواب ۱۴۷) جب کہ واقف کے مقرر کئے ہوئے متولی وفات پاگئے اور انہوں نے اپنی جانب سے کسی کو متولی نہیں بنایا تو اب تولیت کا استحقاق واقف کی اولاد کو ہے۔ واقف کی اولاد میں سے جو شخص امین اور معتمد علیہ ہو اور وقف کی شرائط کو پوری طرح انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو وہ متولی بنائے جانے کے لائق اور تولیت کا مستحق ہے۔[۱][۲]

(۱) (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فی عزل الناظر، ص ۳۸۲، ج ۴، سعید)
(۲) اذا مات المشروط له بعد موت الواقف ولم يوص لاحد فولاية النصب للقاضي وما دام احد يصلح للتولية من اقارب لايجعل المتولي من الاجانب (الدر المختار) وفي الشامية : لايجعل القيم فيه من الاجانب ما وجد في ولد الواقف، واهل بيته من يصلح لذالك (الشامية، كتاب الوقف مطلب لايجعل الناظر من غير اهل الوقف، ٤ / ٤٢٤ ط، سعيد)

پچیس پچیس روپے سالانہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں فقراء کو تقسیم کیلئے بھیجنے کی اگر شرط ہے تو اسے پورا کرنا لازم ہے۔ اس کے بعد متولیوں کو اختیار ہے کہ وہ اپنی صوابدید سے امور خیر مثلاً کنواں اور مسجد ومدرسہ کی تعمیر یا طالب علموں کی امداد وغیرہ میں خرچ کریں۔ واقف کے غریب ونادار رشتہ داروں کو بھی بقدر حاجت دیا جاسکتا ہے(۱)۔ اور اس متولی پر جو کسی کی جانب سے باقاعدہ بنایا ہوا متولی نہیں ہے خود بخود وقف اور اس کی آمدنی میں تصرف کرنے لگا ہے۔ خلاف وصیت واقف خرچ کرنے کا ضمان لازم ہوگا۔(۲) ہاں جو مصارف کو شرط کے موافق کئے ہوں ان کا ضمان استحساناً(۳) لازم نہ ہوگا۔

دھرمادہ کا لفظ ہمارے اطراف میں تو امور مذہبی کے معنی میں مستعمل ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ لفظ آپ کے یہاں کس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی۔

قانون وراثت کا انکار کرنے کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس جماعت کے بارے میں جو کچھ عرصے سے مسلمان ہوئے ہیں اور تمام احکام شریعت کو تسلیم کرتے ہیں مگر قانون وراثت شرعی کو بالکل نہیں مانتے اور اپنے آبائے قدیم ہنود کے قانون کے صراحۃً اپنا قانون بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے آبائے ہنود کے اس قانون وراثت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ لہذا اس آیت شریفہ کا حکم ان پر عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ و من لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الکفرون۔(۴)

(جواب ۱٤۸) قانون وراثت کا اکثری حصہ صریح نص قرآن سے ثابت ہے۔ اس ثابت شدہ کے کسی جزو کو تسلیم نہ کرنا یا کسی دوسرے قانون کو اس پر ترجیح دینا قطعاً کفر ہے۔ پس جو لوگ کہ یہ کہتے ہیں کہ شریعت محمدی کے قانون وراثت کو ہم تسلیم نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ اور جب وہ کافر ہیں تو اوقاف شرعیہ کی تولیت کا انہیں کوئی استحقاق نہیں۔ فی البزازیة انکرایة من القران اوسخربایة منه یکفر. انتهی۔(۵) وفی اعلام بقواطع الاسلام ویکفر من کذب بشئی مما صرح به القران من حکم اوخبر اوجملة التوراة والانجیل وکتب الله المنزلة اوکفربها اولعنها اوسبها اواستخفها. انتهی۔(۶) وفی الفصول العمادیة اذآ انکرایة من القران اوسخربایة منه کفر۔ الخ(۷)

---

(۱) قال فی الهندیة : فان کان الوقف معینا علی شئی یصرف الیه بعد عمارة البناء کذافی الحاوی القدسی (الهندیة، کتاب الوقف، الباب الثالث فی المصارف ۲/ ۳٦۸ ط ماجدیة)

(۲) ولواشتری القیم بغلة المسجد ثوبا ودفع الی المساکین لایجوز وکان علیه ضمان مانقد من مال الوقف (الفتاوی الخانیة علی هامش الهندیة کتاب الوقف، باب الرجل یجعل دار مسجدا، ۳/ ۲۹۷ ط ماجدیة)

(۳) وقف صحیح علی مسجد ... فاجتمع اهل المسجد وجعلوا رجلا متولیا بغیر امر القاضی، فقام هذا المتولی بعمارة المسجد من غلات وقف المسجد ... لایکون هذا المتولی ضامنا لما انفق فی العمارة من غلات الوقف، (قاضیخان، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجدا ۳/ ۲۹٦ ط. ماجدیة)

(٤) سورة المائدہ، رقم الایه ٤٤

(۵) (البزازیة المجلد الثالث علی هامش الهندیة ص ۳٤۲ کتاب الفاظ تکون اسلاما او کفرا الفصل التاسع فیما یقال فی القران)

(٦) (جامع الفصولین، الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر ۲/ ۳۰٤ ط اسلامی کتب خانه علامه بنوری ٹاؤن)

(۷) (الاعلام بقواطع الاسلام، الفصل الثالث فیما یخشی علیه الکفر، ص ۱۵۱ بهامش الزواج ۲/ ۱۵۱ ط مصر)

منتظم مسجد کو محض ضد و عناد کی وجہ سے معزول نہیں کیا جا سکتا

(سوال) ایک شخص کسی مسجد کی خدمت وانتظام کو ذریعہ نجات سمجھ کر اپنی زندگی اور جان ومال کو وقف کر کے ہمہ وقت مسجد میں حاضر رہتا ہے اور نماز جماعت اور تمام ضروریات مسجد کا مدت دراز سے نہایت خوش اسلوبی سے انتظام کرتا ہے اور اہل محلہ نیز بیرونی عام چندوں سے اپنے انتظام و نگرانی میں مسجد کی متعلقہ عمارات خوشنماو عالی شان ہوا تا رہتا ہے اور امام، مؤذن اور خادمان مسجد کی تنخواہوں کا بھی متکفل ہے۔ اب چند سال سے امراض درد گردہ وغیرہ میں مبتلا ہو کر نیز زخم ناسور سے ہر وقت مواد نکلتے رہنے کی وجہ سے جماعت میں شامل ہونے سے معذور ہو گیا ہے۔ نماز پنجگانہ اور اپنے اور اد ووظائف کا پابند ہے۔ کیا ایسے شخص کو جواب تک سالہا سال سے خوش اسلوبی کے ساتھ انتظام کر رہا ہے چند وہ لوگ جو ناتجربہ کار وجاہت پسند ہیں اس پر ہر قسم کا افترا و بہتان لگا کر علیحدہ کرنے کا حق رکھتے ہیں اور حسن انتظام کو بد انتظامی اور دنگا فساد اور رات دن کے لڑائی جھگڑوں میں تبدیل کرنا شرعاً جائز اور پسندیدہ ہے یا شرعاً ممنوع و ناجائز ہے ؟

المستفتی محمد صدیق دہلی۔ ۹ شوال ۵۲ھ

(جواب ۱۴۹) غالباً اس میں تو کسی کو خلاف نہ ہو گا کہ اگر سوال میں بیان کئے ہوئے واقعات صحیح ہیں تو ایسے شخص کو کون علیحدہ کرنے پر تیار ہو گا۔ اور اگر کوئی شخص ذاتی اغراض کی بناء پر افترا و بہتان لگائے تو اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ مسجد کے نمازیوں کی مجمع میں معاملہ کو پیش کر دیا جائے کہ نمازی اور اہل محلہ حالات سے واقف ہوں گے اور فریقین کے بیانات کو جانچ سکیں گے کہ کون حق پر ہے اور کس کی زیادتی ہے۔ اور محلہ کے نمازیوں کی اکثریت کے فیصلہ کو فریقین تسلیم کر لیں۔ اس سوال میں بیان کردہ کیفیت کو سلجھانے کا صرف یہی طریقہ ہے اور ان حالات میں حکم شریعت یہی ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

اوقاف اسلامیہ کو حکومت کے قبضہ میں دینا شرعاً درست نہیں

(سوال) اسلامی اوقاف جو اس وقت ہندوستان میں متولیوں کے ہاتھ میں ہیں اظہار شکایات کے بعد گورنمنٹ کا اپنے ہاتھ میں لے لینا اور ایک ایک جزئیہ میں اجازت حکومت کا ضروری ہونا شرعاً کیسا ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۵۰ محمد سفیان صدر انجمن سرائیل۔ علی گڑھ۔ ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۲۰ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۵۰) اوقاف اسلامیہ کو حکومت کے قبضہ میں دے دینا اور متولیوں کے اختیارات حکومت کو تفویض کر دینا شرعاً درست نہیں ہے۔ متولیوں کی بے اعتدالی کو روکنے کے لئے حساب فہمی تو کی جا سکتی ہے (۱) لیکن ان کے شرعی اختیارات جو واقف نے دیئے ہیں سلب نہیں (۲) کئے جا سکتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) ولاتلزم المحاسبة فی کل عام، ویکتفی القاضی منه بالاجمال لو معروفا بالامانة، ولو متهما یجبره علی التعیین شیأ فشیأ ولا یحبسه بل یهدده، ولو اتهمه یحلفه (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی محاسبة المتولی، ٤ / ٤٤٨ ط سعید)

(۲) لایجوز للقاضی عزل الناظر المشروط له النظر بلاخیانة، ولو عزله لایصیر الثانی متولیا (الشامیه کتاب الوقف، مطلب لیس للقاضی عزل الناظر، ص ۴۳۸/ ۴، ط سعید)

ضامن اپنے باپ کی جگہ متولی نہیں بن سکتا؟

(سوال) مسمی موج حسین خاں نے ایک جائیداد وقف کی اور وقف نامہ میں یہ شرط لکھی کہ میرے مرنے کے بعد میرے بجائے ضامن حسین خاں متولی نہ ہو سکے گا۔ (ضامن حسین خان صلبی بیٹا موج حسین خاں کا ہے) کیا ضامن حسین خاں موج حسین خاں متولی کی جگہ متولی ہو سکتا ہے؟ زید کہتا ہے کہ ہو سکتا ہے کیونکہ جو شرط حکم شرع کے مخالف ہوتی ہے وہ باطل رہتی ہے اس پر قاضی و حاکم پابندی نہیں کر سکتا۔ چونکہ شرعاً بیٹے کو حق الولایت حاصل ہے اس لئے اس حق کے خلاف شرط قابل عمل نہیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۴۰۳ ضامن حسین خاں۔ سندیلہ ضلع ہردوئی ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ م یکم اکتوبر ۱۹۳۴ء

جواب ۱۵۱) بیٹے کو تولیت کا حق ہوتا ہے مگر جب کہ باپ واقف نے تصریح کر دی کہ میرے بعد ضامن حسین یوجوہات متولی نہ ہو سکے گا تو اب ضامن حسین کا وہ حق جو بحیثیت پسر وقف واقف ہونے کے تھا ساقط ہو گیا۔(۱) اب اگر آٹھ متولی اس امر پر متفق ہو جائیں کہ ضامن حسین کو ٹرسٹیوں میں شامل کرنا وقف کے مفاد کے لئے ضروری ہے یا وقف کے لئے مضر نہیں ہے تو اس کو ان آٹھ میں سے ایک کے طور پر شامل کر سکتے ہیں کہ وقف نامہ میں اس کی نفی نہیں ہے۔ صرف نفی اس حیثیت کی ہے جو موج حسین خاں کو حاصل تھی۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

مسجد کی منتظم کمیٹی کا امام کو معزول کرنا

(سوال) ایک مسجد میں زید امامت کے فرائض انجام دیتا تھا۔ منتظمہ کمیٹی کے چند افراد نے زید پر بے دخلی امامت کا دعویٰ دائر کر دیا اور بذریعہ حکم امتناعی منجانب سینئر جج صاحب زید کو تا فیصلہ عدالت فرائض امامت سے رکوا دیا۔ مسلمانان محلّہ اور دیگر مسلمانان مضافات ماسوائے چند افراد مذکور منتظمہ کمیٹی سب کی دلی تمنا ہے کہ زید امامت کے فرائض انجام دے۔ ایک مقامی عالم نے حاضر عدالت ہو کر بیان دیا ہے کہ متولیان یا منتظمہ کمیٹی کو شرعاً اختیار ہے کہ زید کو امامت سے علیحدہ کر دے - نمازیان و اہل محلہ کو تقرر و علیحدگی امام کا کوئی حق نہیں۔ مقامی عالم کا یہ بیان درست ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۴۹۸ حافظ ضیاء اللہ عثمانی (شملہ) ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ ۱۴ جون ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۵۲) اگر مسجد کی کوئی منتظمہ کمیٹی مقرر ہے اور اس کے اختیارات نصب و عزل ملازمین و امام و مؤذن پر حاوی ہیں تو اس کو امام کے معزول کرنے کا اختیار ہے - عوام مسلمین کمیٹی کے اختیارات میں مداخلت کرنے کا حق نہیں رکھتے۔(۳) البتہ اگر کمیٹی امام کے معزول کرنے میں ظلم کی مرتکب ہو تو کمیٹی کو عوام معزول کر سکتے ہیں اور ان کی جگہ جدید کمیٹی منتخب کی جا سکتی ہے۔ فقط(۴)

---

(۱) مفاده تقديم اولاد الواقف ثم لايخفى ان تقديمه من ذكر المشروط بقيام الاهلية فيه (الشاميه، كتاب الوقف مطلب يجعل الناظر من غير اهل الوقف ٤/ ٤٢٤، ٤٢٥ ط سعيد)

(۲) نعم له ان يدخل معه غيره بمجرد الشكاية والطعن كما حرره ، ان طعن عليه في الامانة لاينبغي اخراجه الا بخيانة ظاهرة ، واما اذا ادخل معه رجلا فاجرة باق الى (الشامية، كتاب الوقف ٤/ ٤٣٩، ط سعيد) اقول : وجه الاستدلال انه علم بهذا جواز الحاق من يصلح للتولية مع من لايصلح لها كذا جاز عكسه خاصة اذا كان فيه مفاد للوقف

(۳، ۴) عن الخانية اذا عرض للامام من المباشرة فللمتولي ان يعزله ويولي غيره (الشاميه، مطلب للواقف عزل الناظر ٤/ ٤٢٧ ط سعيد)

متولی کا قاضی کو معزول کرنے کا حکم

(سوال) متولی جامع مسجد اپنے ساتھیوں کی مدد سے بغیر کسی شرعی سبب کے قاضی کو معزول قرار دے اور نئے قاضی کا تقرر کرے تو اہل شہر کو کس قاضی کا ساتھ دینا چاہئے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ پہلا قاضی تمام اہل شہر سے منتخب کیا گیا ہے اور بیس سال سے قضاۃ کر رہا ہے۔

المستفتی نمبر ۵۱۲، ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۶ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۵۴) متولی جامع مسجد کے اختیار میں قاضی کو معزول کرنا داخل ہو تو عزل صحیح ہوا، لیکن اگر اس نے بلا سبب معزول کر دیا ہے تو وہ مؤاخذہ دار ہوگا اور اگر اس کے اختیارات میں یہ داخل ہی نہیں تھا تو قاضی معزول نہیں(۱) ہوا اور اس صورت میں لوگوں کو اس کا ساتھ دینا چاہئے۔　　محمد کفایت اللہ۔

مسجد میں دوسری جماعت کا حکم

(سوال) یہاں ایک مسجد میں تولیت کے فرائض انجام دینے کے لئے زیر فیصلہ عدالت ایک کمیٹی پانچ اراکین کی مقرر ہے جس میں تین ممبر عوام کثرت رائے سے منتخب کر لیتے ہیں۔ ایک ممبر یہاں کی ایک مقامی جماعت کا نامزد کردہ ہوتا ہے اور ایک تاحیات عدالت کی طرف سے مقرر ہے۔ (یہ شخص دراصل سابق متولی ہے) اس کمیٹی میں باہم اختلافات ہو جانے کی وجہ سے ایک منتخب ممبر نے استعفیٰ دے دیا ہے مگر کمیٹی نے اس شرط پر اس کا استعفیٰ قبول کیا ہے کہ تا انتخاب ممبر جدید وہ بدستور اپنی جگہ پر قائم رہے اور انتخاب جدید ممبر کا ابھی تک نہیں ہوا ہے۔ مستقل ممبر یعنی سابق متولی نے انہیں اختلافات کے باعث کمیٹی سے کنارہ کشی اختیار کی ہوئی ہے۔ بقیہ اراکین میں سے دو شخصوں نے بغیر باقاعدہ کمیٹی کا جلسہ منعقد کئے ہوئے امام مسجد کو علیحدہ کر دیا ہے۔ لیکن عام مسلمان ان (امام صاحب) سے عقیدت رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہی امامت کرتے رہیں۔ کمیٹی کے ان دو افراد نے عدالت سے حکم امتناعی لے کر ان کو امامت کے فرائض سے روک دیا ہے اور ایک دوسرا امام ان کی جگہ مقرر کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت کمیٹی کے اس فعل کو ناجائز تصور کرتے ہوئے امام جدید کے پیچھے نماز پڑھنا پسند نہیں کرتی۔ چنانچہ امام جدید کے پیچھے صرف وہی پانچ سات آدمی شریک جماعت ہوتے ہیں جو یا تو کمیٹی کے ممبر ہیں یا ان کے زیر اثر ہیں اور ایک دوسری جماعت مسجد کے بیرونی حصہ میں ایک اور صاحب کے پیچھے جماعت اول کے بعد ہوتی ہے جس میں کم از کم تیس چالیس آدمی شریک ہوتے ہیں۔ عدالت کے فیصلہ کے ماتحت عام مسلمانوں کو بد نظمی کی صورت میں کمیٹی کو معزول کرنے کا حق بھی حاصل ہے اور اس کی رو سے ایک عام جلسہ میں یہ کمیٹی معزول ہو چکی ہے اور نئی کمیٹی کے تقرر کی تاریخ مقرر کی جا چکی ہے۔ لیکن خیال یہ ہے کہ معزول شدہ کمیٹی عوام کے اس فیصلہ وغیرہ عدالتی چارہ جوئی کے تسلیم نہیں کرے گی۔ جس میں فیصلہ قدرے مدت کے بعد ہوگا۔ اس اثناء میں کیا ان مسلمانوں کو جو امام سابق کی برخاستگی کو ناجائز خیال کرتے ہوئے معزول

---

(۱) لایجوز للقاضی عزل الناظر المشروط له النظر بلا خیانة، ولو عزله لایصیر الثانی متولیا. (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب لیس للقاضی عزل الناظر، ج: ۴ ص ۴۳۸، سعید)

شدہ کمیٹی کے مقرر کردہ امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے جائز ہے کہ وہ بدستور مسجد کے بیرونی یا اندرونی حصہ میں کسی دوسرے شخص کے پیچھے علیحدہ جماعت کریں۔ اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمان کمیٹی کے مقرر کردہ نئے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے لگیں تو کمیٹی اس امر سے عدالت میں فائدہ اٹھا سکتی ہے اور یہ کہہ سکتی ہے کہ امام سابق کے ساتھ عام مسلمانوں کو کوئی خاص ہمدردی اور عقیدت نہیں۔ بینوا توجروا۔ المستفتی نمبر ۵۱۴ غلام نبی (شملہ) ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۷ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۵۴) بصورت موجودہ جماعت ثانیہ کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ دوسری جماعت بہر صورت مکروہ اور موجب فساد ہے۔ امام ثانی اگر مفضول بھی ہو جب بھی وہ مقرر کردہ امام ہے۔ اور اگر جماعت مسلمین اس سے ناخوش ہے تو ناخوشی کی وجہ شرعی نہیں ہیں بلکہ آپس کا اختلاف و خلاف ہے۔ امام اول کے طرفدار یا تو حکم امتناعی نکلوا کر اس کو بھی تا فیصلہ عدالت امامت سے باز رکھیں اور کسی تیسرے شخص کو امامت کے لئے مقرر کر کے تا فیصلہ اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا کسی دوسری مسجد میں جماعت میں شریک ہو جایا کریں۔ اسی مسجد میں دوبارہ جماعت قائم کرنا فتنہ عثمانؓ کے زمانے میں بھی صحابہ و تابعین نے نہیں کیا۔ حالانکہ یہاں کا امام ثانی امام فتنہ سے زیادہ قابل گرفت نہ ہوگا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

دو بہنوں کو نکاح میں رکھنے والے اور سود خور کو متولی بنانا

(سوال) ایک شہر کی جامع مسجد اور اس کی ملحقہ جائیداد وقف کے لئے ایک ایسا شخص تولیت کا امیدوار ہے جس نے اپنی زوجیت میں دو حقیقی بہنوں کو رکھا ہوا ہے اور سود خوار بھی ہے اور چند مسلمان اس کو متولی کمیٹی کا صدر بنانا چاہتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۵۳۲ محمد عظیم اللہ دہرہ دون ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۳ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۵۵) وقف کی تولیت کے لئے نیک اور معتمد علیہ شخص ہونا چاہئے۔ جو شخص کہ سود خواری اور دو بہنوں کو نکاح میں رکھنے کی حرمت میں خدا کا خوف نہیں کرتا حالانکہ دونوں حرمتیں کتاب اللہ میں صراحۃً موجود ہیں اس پر مال وقف میں دیانت داری کا کب بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) ویکرہ تکرار الجماعة　فی مسجد محلة (الدر المختار) (قوله: یکرہ) ای تحریما لقول الکافی لایجوز والمجمع لایباح، وشرح الجامع الصغیر انه بدعة (الشامیة کتاب الصلاة، مطلب فی تکرار الجماعة ۱ / ۵۵۲ ط سعید)

(۲) ثم لایخفی ان تقوم من ذکر مشروط بقیام الاهلیة فیه حتی لو کان خائنا یولی اجنبی حیث لم یوجد فیهم اهل، لانه اذا کان الواقف نفسه یعزل بالخیانة فغیرہ بالاولی (الشامیة، کتاب الوقف مطلب لایجعل الناظر من غیر اهل الوقف ۴ / ۴۲۴ ط سعید)

کیا مسجد کا متولی امام اور مؤذن رکھنے میں خود مختار ہے؟

(سوال) امام مسجد اور مؤذن یا خادم مسجد رکھنے میں کیا صرف متولی مسجد ہی کی رائے کافی ہے یا باقی نمازی مسجد اور محبان مسجد بھی رائے دہی کا حق رکھتے ہیں؟

المستفتی نمبر ۶۱۲ حکیم عطا حسین (جالندھر) ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۵۶) مسجد کا متولی تعیین امام و مؤذن کا اختیار رکھتا ہے۔ اگر اس کے اختیارات میں یہ بات داخل ہو یا وہ خود بانی مسجد ہو۔ ورنہ اس کو جماعت کی رائے سے رکھنا پڑے گا۔ اور پہلی صورت میں بھی مشورہ جماعت سے رکھے تو بہتر ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

(۱) مذہبی اور تعلیمی ادارہ میں ایک شخص کو متولی بنانے کا حکم
(۲) مہتمم کی خصوصیات
(۳) مدرسے کے معاملات کے بارے میں مجلس شوریٰ فیصلہ کر سکتی ہے

(سوال) (۱) کسی قومی اور مذہبی ادارہ میں اور خصوصاً دارالعلوم دیوبند جیسے مرکزی اور مذہبی ادارہ میں مطلق العنان سرپرستی (ڈاکٹیٹر شپ) کس حد تک درست ہے یا نہیں؟ ممبران دارالعلوم ڈکٹیٹر شپ کے حامی ہیں ان کے متعلق کیا رائے عالی ہے؟

(۲) دارالعلوم دیوبند جیسے قومی و مذہبی ادارہ میں مہتمم کی کیا خصوصیات ہونی چاہئیں؟ اور مولانا محمد حبیب صاحب اہتمام کے اہل ہیں یا نہیں؟

(۳) مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم جن کے رسالہ (مساوات اسلامی) کی وجہ سے ہندوستان کی بہت بڑی مسلم آبادی کے قلوب مجروح ہوئے ہیں اور دارالعلوم کو ہزارہا روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے، دارالعلوم میں رکھنے کے قابل ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۶۲۴ ناظم دفتر جمعیۃ الطلبہ دارالعلوم دیوبند ۲ شعبان ۱۳۵۴ھ ۱۳۱ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۵۷) (۱) اگر اہل شوریٰ اور معاونین دارالعلوم کی اکثریت کسی ایک شخص کو تمام اختیارات تفویض کردینے کے حق میں ہو تو مضائقہ نہیں۔ لیکن فی زماننا قومی اداروں کا نظم و نسق جماعت کے ہاتھ میں رہنا اوفق بالمصالح ہے۔(۲)

(۲) مہتمم ایک ذی رائے متدین تجربہ کار مستقل مزاج قادر علی النظم ہونا چاہئے۔ شخصیت کی تعیین اہل شوریٰ کے سپرد کرنی چاہئے۔(۳)

---

(۱) (الباني للمسجد (اولى) من القوم (نصب الامام والمؤذن في المختار الا اذا عين القوم (اصلح ممن عينه الباني (الدرالمختار، كتاب الوقف المنقطع، ٤/٤٣٠ ط. سعيد) اذا عرض للامام والمؤذن عذر منعه من المباشرة فللمتولي ان يعزله ويولي غيره (الشامية، مطلب للواقف عزل الناظر، ٤/٤٢٧ ط. سعيد)
قلت امر نصب الامام اسهل من العزل، فاذا جاز للمتولي عزل الامام فنصبه يجوز بالطريق الاولى والدليل على ذالك ما في الدر المختار: (اراد المتولي اقامة غيره مقامه صح ولا يملك عزله الا اذا كان الواقف جعل التفويض والعزل (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب للناظر ان يوكل غيره، ٤/٤٢٥ ط. سعيد)
(۲) (اراد المتولي اقامة غيره مقامه صح) (تنوير الابصار، كتاب الوقف، مطلب للناظر ان يوكل غيره، ٤/٤٢٥ ط. سعيد)
(۳) لا يولي الا امين قادر بنفسه او بنائبه، لان الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن لانه يخل بالمقصود وكذا تولية العاجز، لان المقصود لا يحصل به (الشامية كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي، ٤/٣٨٠ ط. سعيد)

(۳) دار العلوم کو ایسی باتوں سے محفوظ رکھنا جو اس کی حالت مالیہ وانتظامیہ اور وقار کے لئے مضر ہوں اہل شوریٰ کا فرض ہے۔ اور یہ فیصلہ کرنا کہ فلاں امر دار العلوم کے لئے مضر ہے یا نہیں یہ بھی اہل شوریٰ کا منصب ہے ،میں اشخاص کے متعلق اظہار رائے بھی مفتی کے منصب سے خارج سمجھتا ہوں۔ چہ جائے کہ حکم شرعی لگانا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ،

(۱) کیا متولی وقف شدہ چیز دوسری جگہ منتقل کر سکتا ہے؟
(۲) وقف کو باطل یا تبدیل کرنے کو شرائط کے ساتھ معلق کرنا
(۳) وقف کے بعد ابطال اور وصیت کا حکم

(سوال) ایک شخص نے اپنی جائیداد انجمن اسلامیہ انبالہ کیمپ کے نام وقف کی اور وقف نامہ کو عدالت میں رجسٹری کرادیا گیا۔ جس کی نقل مطابق اصل ارسال خدمت ہے۔ ایک عرصہ کے بعد واقف نے اس وقف نامہ کا ابطال کر کے مدرسہ دیوبند کے نام وصیت کر دی جس کو رجسٹری کرادیا گیا۔ ابطال نامہ وقف اور وصیت نامہ کی نقول بھی ارسال خدمت ہیں۔ لہٰذا عندالشرع تصدیق طلب امور مندرجہ ذیل ہیں۔
(۱) کیا واقف ایک مرتبہ وقف کرنے کے بعد اس کو کسی دوسری جگہ منتقل کر سکتا ہے جب کہ واقف نے اپنے وقف نامہ میں کوئی اس قسم کا اختیار اپنے لئے محفوظ نہ رکھا ہو۔
(۲) کیا واقف اپنے وقف نامہ میں اس قسم کی شرائط جو وقف نامہ مورخہ ۷ دسمبر ۱۹۱۸ء میں تحریر ہے لگا سکتا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کی شرائط و قیود قائم رہنے کی صورت میں اس کو وقف نامہ کے ابطال کا یا بذریعہ وصیت نامہ وقف نامہ کو تبدیل کرنے کا حق پہنچتا ہے یا نہیں؟
(۳) مسلکہ وقف نامہ میں مندرجہ ذیل امور کی شرائط و قیود قائم کی ہیں۔ اول مصرف آمدنی وقف تعلیم القرآن ہے جو انجمن اسلامیہ کی جانب سے آج تک اسی پیمانہ پر برابر جاری ہے۔ دوم انجمن کے نگرانی کنندگان واراکین فلاں شخص نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ ہوں جن میں سے نمبر ۱، نمبر ۲ وفات پاچکے اور نمبر ۱ کے فرزند انجمن کے نگراں ہیں۔ نمبر ۳ و نمبر ۴ و نمبر ۵ اور دیگر حضرات موجودہ انجمن ہذا کے اراکین و منتظمین میں تاایں دم شریک ہیں۔ سوم واقف کی بیوہ ہنوز اپنے خاوند کے نام پر بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے کوئی اولاد دختری و پسری بھی نہیں ہوئی ہے۔ نیز واقف نے ابطال نامہ سے پیشتر وقف نامہ کی تحریر کے مطابق عرصہ تک انجمن اسلامیہ کو دس روپے ماہوار تنخواہ مدرس قرآن برابر ادا کی ہے۔
اگر مندرجہ بالا اور نمبر ۱ و نمبر ۲ کا جواب نفی میں ہے تو نمبر ۳ کے تمام امور کی موجودگی میں واقف کا وقف نامہ عندالشرع صحیح ہو گا یا ابطال نامہ اور وصیت نامہ جو بعد میں تحریر کئے گئے۔
المستفتی نمبر ۳۵ے سکریٹری انجمن معین الاسلام انبالہ چھاؤنی ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۶ فروری ۱۹۳۶ء
(جواب ۱۵۸) وقف نامہ اور ابطال نامہ اور وصیت نامہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وقف لوجہ اللہ ہے۔ موقوف علیہ اول تو خود واقف کی ذات اور اس کی زوجہ اور بقدر نمبر ۱۰ روپے ماہوار کے قرآنی تعلیم ہے۔ زوجہ کا انتفاع نکاح

ثانی نہ کرنے کے ساتھ مشروط ہے اور اسی شرط کے ساتھ اس کو وقف نامہ میں حق تولیت بھی دیا تھا۔ ابطال نامہ کے ذریعہ سے واقف نے کارکنان انجمن اسلامیہ اور اپنی زوجہ اور اولاد نرینہ ہونے کی صورت میں اولاد کو جو حق تولیت دیا تھا اسے منسوخ کیا ہے۔ نیز زوجہ کو جائیداد موقوفہ کی آمدنی اپنے صرف میں لانے کا حق بھی منسوخ کر دیا ہے۔ مگر اصل وقف اور قرآن مجید کی تعلیم کے لئے دس روپے ماہوار دینا ان دونوں امور پر ابطال نامہ کا کچھ اثر نہیں۔ حق تولیت میں تبدیل و تغیر کرنا واقف کے اختیار میں ہے (۱) اس لئے ابطال نامہ کا یہ جزو بلا شبہ جائز ہے۔ زوجہ واقف اور کارکنان انجمن اسلامیہ کا حق تولیت باطل ہو چکا ہے اور تولیت کا حق واقف کی وفات کے بعد مہتمم مدرسہ دیوبند کو ہے۔ وصیت نامہ کے مطابق وہ عمل کریں گے۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(۱) عاق شدہ اولاد اور ان کی اولاد تولیت کا حق رکھتی ہے
(۲) حق تولیت میں اولاد کے لئے ترجیحی مقام ہوتا ہے

(سوال) زید نے دو شادیاں کیں۔ ایک مسماۃ رجن سے اور دوسری مسماۃ نجو سے۔ مسماۃ رجن سے ایک لڑکا پیرو اور مسماۃ نجو سے عبدالغفور، قمر الدین اور لڑکیاں۔ عبدالغفور اور پیرو کو ان کی بد چلنی سے زید نے عاق کر دیا۔ اب صرف قمر الدین رہا۔ زید نے اپنی کل جائیداد مورخہ ۴ مئی ۱۹۰۴ء بذریعہ رجسٹری وقف نامہ کے وقف فی سبیل اللہ کر دیا۔ بعد وقف کے حسب وقف نامہ عمل میں لاتا رہا۔ بعد انتقال اس کا چھوٹا لڑکا قمر الدین حسب دفعہ نمبر ۲، ۳ اہل مذکور سے متولی ہوا۔ مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۳۵ء قمر الدین لاولد فوت ہوا۔ اب صرف وہی دو اولاد عبدالغفور و پیرو کہ جن کو زید نے عاق کر دیا تھا باقی ہیں اور ان دونوں میں سے ایک ایک اولاد ہے۔ از بطن مسماۃ رجن۔ پیرو۔ اس کا لڑکا برکت اللہ۔ از بطن مسماۃ نجو۔ عبدالغفور۔ اس کا لڑکا عبدالشکور۔ اب دریافت طلب امور ذیل ہیں :

(۱) عاق کی اولاد سلسلہ مذکور میں متصور ہو کر متولی ہو سکتی ہے یا نہیں اور اس عاق کا اثر اس کی اولاد پر ہو گا یا نہیں۔ جب کہ سوائے اس کے سلسلہ مذکور ختم ہو چکا ہے اور عاق کے بعد ان کی اولاد کے متعلق وقف نامہ میں کوئی ذکر نہ ہو۔

(۲) اگر اولاد مذکورہ متولی ہو سکتی ہے تو دفعہ ۲ و ۳ کی رو سے مسماۃ نجو کی اولاد یعنی عبدالشکور کو ترجیح ہوگی یا مسماۃ رجن کی اولاد برکت اللہ کو؟ ان دونوں میں تولیت کا مستحق کون ہو گا؟

المستفتی نمبر ۷۳۲ عبدالشکور مدرسہ اسلامیہ کانپور۔ ۴ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۸ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۵۹) عاق شدہ لڑکوں کی اولاد محروم التولیت نہ ہو گی بلکہ وہ بشرط صلاحیت اولاد ذکور کے مفہوم میں

(۱) (ولایة نصب القیم الی الواقف) قال فی البحر قدمنا ان الولایة ثابتة مدة حیاته وان لم یشترطها وان له عزل المتولی (الشامیة، کتاب الوقف مطلب ولایة نصب القیم الی الواقف، ٤ / ٤٢١ ط سعید)

(۲) قال فی الدر المختار : (ولایة نصب القیم الی الواقف ثم لوصیه) لقیام مقامه (کتاب الوقف، مطلب الوصی یصیر متولیا بلا نص، ٤٢٢/٤ ط سعید)

داخل ہو کر متولی ہوگی۔ اگر برکت اللہ اور عبدالشکور دونوں ایک درجہ کی صلاحیت رکھتے ہوں تو عبدالشکور کو ترجیح ہوگی۔(۱) محمد کفایت اللہ

وقف میں ابطال وصیت یا تنسیخ کا حکم

(سوال) حاجی حسین بخش صاحب نے اپنی جائیداد واقعہ چھاؤنی انبالہ ۱۹۱۸ء میں وقف کی اور خود کو تاحیات متولی مقرر کیا اور بعد اپنی وفات کے اپنی زوجہ مسماۃ حفیظا کو بہ شرائط وقف نامہ ۱۹۱۸ء تاحیات اس کو متولی کیا۔ مسماۃ مذکور کی وفات کے بعد انجمن اسلامیہ کیمپ انبالہ و مدرسہ عربیہ دیوبند کو متولی گردانا۔ نقل وقف نامہ ۱۹۱۸ء برائے ملاحظہ ارسال خدمت ہے۔

مگر واقف مذکور نے وقف نامہ ۱۹۱۸ء کو ۱۹۲۳ء میں بروئے ابطال نامہ مسترد کر کے بذریعہ وصیت نامہ ۱۹۲۳ء کی رو سے جائیداد مذکورہ بحق مدرسہ عربیہ دیوبند وقف کی اور بموجب تحریر وصیت نامہ ۱۹۲۳ء مبلغ دس روپے ماہوار تنخواہ ایک حافظ کی عرصہ تک مدرسہ عربیہ دیوبند کو ارسال کی نقل ابطال نامہ و وصیت نامہ ۱۹۲۳ء برائے ملاحظہ ارسال خدمت ہے۔

واقف نے وقف نامہ ۱۹۱۸ء میں تحریر کیا ہے کہ انجمن اسلامیہ کیمپ انبالہ کے موجودہ کارکنان میں تبدیلی واقع ہو تو کارکن نمبر ایک کا فرض ہوگا کہ وہ مدرسہ عربیہ دیوبند کے کارکنان کو اطلاع دے کہ وہ جائیداد مذکورہ پر قابض و دخیل ہو جائیں اور آمدنی جائیداد موقوفہ کی کار خیر میں صرف کریں۔ انجمن اسلامیہ کیمپ انبالہ کے کارکنان نمبر ا و نمبر ۲ میں تبدیلی ہوگئی ہے۔ واقف مذکور وصیت نامہ ۱۹۲۳ء میں تحریر کرتا ہے کہ میں وقف ۱۹۱۸ء کی ترمیم و تنسیخ نہایت ضروری اور فائدہ مند خیال کرتا ہوں اور مجھ کو ازروئے شرع و قانون گورنمنٹ سلسلہ تولیت کو بدلنے اور اس کو از سر نو قائم کرنے کا حق و اختیار حاصل ہے۔ جب کہ کارکنان انجمن اسلامیہ کیمپ انبالہ میں تبدیلی ہو چکی ہے۔ بشرائط وقف مذکور تو ایسی صورت میں انجمن اسلامیہ کیمپ انبالہ کا کوئی حق باقی رہا یا نہیں؟ بموجب تحریر وصیت نامہ و ابطال نامہ ۱۹۲۳ء واقف کو ازروئے شرع وقف نامہ ۱۹۱۸ء کو مسترد کر کے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حق و اختیار باقی ہے یا نہیں؟ مکرر آنکہ وقف نامہ ۱۹۱۸ء میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے یہ مفہوم ہوتا ہو کہ جائیداد محض انجمن اسلامیہ کیمپ کے نام وقف ہے۔ کیا واقف کو یہ حق حاصل ہے کہ وقف اور اس کے مصرف کو بحالہ بر قرار رکھتے ہوئے پہلے مقام کو دوسرے مقام کے ساتھ مخصوص کر دے۔ یعنی یہ کہ پہلے مدرسہ انجمن اسلامیہ کیمپ انبالہ کو دس روپے ماہوار دینے تجویز کئے تھے۔ اس کو منسوخ کر کے مدرسہ عربیہ دیوبند میں مدرس قرآن کے لئے اس کو تعین کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۷۵۲ مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ۸ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۲ فروری ۱۹۳۶ء

---

(۱) لایجعل القیم فیه من الاجانب ماوجدفی ولدالواقف واهل بیته من یصلح لذالک (الشامیة، کتاب الوقف، مطلب لایجعل الناظر من غیر اهل الوقف، ۴/ ۴۲۴ ط سعید)

(جواب ١٦٠) وقف نامہ اور ابطال نامہ اور وصیت نامہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وقف اول ابتداء سے موقوف علیہ اول تو خود واقف کی ذات اور اس کی زوجہ اور بقدر دس روپے ماہوار کے قرآنی تعلیم ہے۔ زوجہ کا استحقاق نکاح ثانی نہ کرنے کے ساتھ مشروط ہے اور اسی شرط کے ساتھ اس کو وقف نامہ میں حق تولیت بھی دیا تھا۔ ابطال نامہ کے ذریعہ سے واقف نے کارکنان انجمن اسلامیہ اور اپنی زوجہ اور اولاد نرینہ ہونے کی صورت میں اولاد کو جو حق تولیت دیا تھا اسے منسوخ کر دیا تھا۔ مگر اصل وقف اور قرآن مجید کی تعلیم کے لئے دس روپے ماہوار دینا ان دونوں امور پر ابطال نامہ کا کچھ اثر نہیں۔ حق تولیت میں تغیر و تبدل کرنا واقف کے اختیار میں ہے۔(۱) اس لئے ابطال نامہ کا یہ جزو بلاشبہ جائز ہے۔ زوجہ واقف اور کارکنان انجمن اسلامیہ کا حق تولیت باطل ہو چکا ہے اور تولیت کا حق واقف کی وفات کے بعد مہتمم مدرسہ دیوبند کو ہے۔ وصیت نامہ کے مطابق وہ عمل کریں گے۔(۲) وقف نامہ میں انجمن اسلامیہ کے مدرسہ کا ذکر نہیں ہے۔ صرف یہ مذکور ہے کہ دس روپے ماہوار قرآن مجید کی تعلیم پر خرچ کرنے کے لئے انجمن اسلامیہ کو دیئے جائیں۔ اس میں انجمن کو حق تھا کہ وہ اپنے مدرسے کے مدرس قرآن پر خرچ کرے یا کسی اور مدرس قرآن پر صرف کرے۔ مصرف تعلیم قرآن ہے نہ انجمن نہ مدرسہ۔ اس لئے مصرف بدلنے یا مقام بدلنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔　　فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کو ذاتی فائدے کی خاطر برطرف نہیں کیا جا سکتا

(سوال) آٹھ دس سال کا عرصہ گزرا کہ ایک مسجد کے متولیان برضا و رغبت خود ایک جلسہ عام میں مجلس انتظامیہ مسجد مذکور کی تاسیس مسلم پبلک کے ایماء و مشورہ سے عمل میں لائے اور فوراً تمام انتظامات مسجد مجلس مذکور کو تفویض کر دیئے۔ مجلس مذکور یوم تاسیس سے اب تک تمام انتظامات مسجد کو سرانجام دے رہی ہے۔ لیکن اب ایک اس خاص جماعت کی شہ پر جس کے افراد کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے اور جو مساجد شملہ پر خلاف مرضی مسلمانان شملہ قابض و متصرف ہونا چاہتی ہے متولیان مذکور مجلس مذکورہ بالا کے خلاف ہو گئے۔ متولیان کی خفگی کی حقیقی وجہ یہی ہے کہ وہ خود اور ان کے رشتہ دار مسجد مذکور کے مقروض ہیں اور جب ان سے روپے کا مطالبہ ہوتا ہے تو وہ کبیدہ خاطر ہو کر نامناسب طرز عمل اختیار کر لیتے ہیں۔ تو کیا ایسی مجلس انتظامیہ جو کہ متولیان اور مسلم پبلک کے صلاح و مشورے سے پبلک جلسہ میں قائم ہوئی تھی کو ایسے متولی یا متولیان کو جو آٹھ دس سال سے مسجد کی خدمت سے عہدہ برآ ہے برطرف کرنے کا اختیار حاصل ہے؟ نیز کیا ایسی مجلس انتظامیہ کو جسے مسلم پبلک نے جلسہ عام میں متولیان کے مشورے سے منتخب کیا تھا اور جو اب تک امور مسجد کو انجام دیتی رہی آئندہ بھی معاملات مسجد میں متولیانہ حقوق استعمال کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے یا نہیں؟ متولیان مذکور کے مخالفانہ طرز عمل سے جو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے مسجد کو مالی و انتظامی نقصان پہنچ رہا ہے اور آئندہ

---

(۱) كذا في الشامية: (ولاية نصب القيم الى الواقف) قال في البحر قدمنا ان الولاية ثابتة مدة حياته وان لم يشترطها، وان له عزل المتولي (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب ولاية نصب القيم الى الواقف ٤ : ٤٢١، سعيد)
(۲) ولاية نصب القيم الى الواقف ثم لوصيه (تنوير الابصار، كتاب الوقف مطلب الوصي يصير متوليا ٤/ ٣٢٢ ط سعيد)

پہنچنے کا اندیشہ ہے - یہاں یہ بات کر دینا بھی ناگزیر ہے کہ متولیان مذکور میں سے ایک کے خلاف اس ایک جلسہ عام میں جو متولی مذکور کا اپنا بلایا ہوا تھا عدم اعتماد کی قرارداد پاس ہو چکی ہے اور دوسرا متولی ان پڑھ اور قطعاً ان پڑھ ہے اور اپنی تقرری کے زمانے سے اب تک مسجد کے کسی کام میں کوئی حصہ نہیں لیتا رہا ہے۔ بر عکس ازیں جلسہ متذکرہ میں مجلس انتظامیہ پر کلی اعتماد کی قرارداد منظور ہو چکی ہے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۷۵۵ شیخ ریاض الدین صاحب (شملہ) ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۳ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۶۱) جب کہ انتظامیہ کمیٹی کا تقرر متولیان کی رضامندی اور اشتراک عمل سے ہوا ہے تو اب متولیوں کو انتظامیہ کمیٹی کے تقرر کے خلاف کچھ کہنے کا حق نہیں ہے۔(۱) ارکان کمیٹی کی ذاتیات اور ذاتی اعمال کے خلاف کوئی واقعی شکایات ہوں تو ان کا فیصلہ پبلک جلسہ میں کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر یہ واقعہ ہو کہ متولیان مسجد نے ضوابط کے خلاف مسجد کی رقم خود قرض لے رکھی ہے یا رشتہ داروں کو دے رکھی ہے تو یہ فعل ان کا بجائے خود موجب اعتراض ہے اور اگر متولیوں کے طرز عمل سے مسجد کو نقصان پہنچ رہا ہو تو ان کو اپنے طرز عمل کی اصلاح کرنی یا استعفیٰ دے دینا لازم ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

مسجد کی تولیت کے لئے اہلیت ضروری ہے

(سوال) ایک مزار کے متصل ایک مسجد عرصہ دراز سے چلی آتی ہے جس کی ترمیم و تجدید اور عزل و نصب امام وغیرہ کا انتظام ہمیشہ نمازیان محلہ کرتے رہے ہیں۔ اب کچھ عرصہ سے بعض مجاورین مزار جو کہ تمام بدعات کے ارتکاب کے باوجود دائمی بے نمازی ہیں بہ دعوائے تولیت انتظام و اہتمام مسجد سے مانع ہیں۔

المستفتی نمبر ۸۲۵ اکبر حسین، انوار حسین (لدھیانہ) ۸ محرم ۱۳۵۵ھ یکم اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۶۲) اگر ان کو بقاعدہ شرعیہ پہلے سے اہتمام و تولیت کے حقوق حاصل نہیں ہیں تو اب ان کو تولیت کے دعوے کا کوئی حق نہیں ہے۔(۳) اور اگر پہلے سے یہ حقوق حاصل ہوں تو بوجہ تارک الصلوۃ ہونے کے ان کو علیحدہ کرنا لازم ہے - نمازیان اہل محلہ بھی اس صورت میں اہتمام و تولیت کے اختیارات مدت سکتے ہیں۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) (ارادالمتولی اقامة غیره مقامه فی حیاته ان کان التفویض له عاماصح) ولا یملك عزله (الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب للناظر ان یتوکل غیره، ٤/٤٢٥ ط سعید) لایملك القاضی التصرف فی الوقف مع وجودناظر ولومن قبله (ردالمحتار کتاب الوقف مطلب لایملك القاضی التصرف فی الوقف، ٤/ ٣٧٤ ط سعید)

(۲) (ینزع) وجوبا (لو) الواقف درر فغیره بالاولی (غیر مامون) اوعاجزا اوظهر به فسق (الدرالمختار، کتاب الوقف ٤/ ٣٨٠ اذا کان ناظرا علی اوقاف متعددة وظهرت خیانته فی بعضها افتی المفتی ابوالسعود بانه یعزل من الکل ...... وفی الجواهر القیم اذآ لم یراع الوقف یعزله القاضی ...... ومن الثانی لو سکن الناظردار الوقف ولو باجرالمثل له عزله (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما یعزل به الناظر ٤/ ٣٨٠ ط سعید)

(۳) (ینزع) وجوبا (لوغیر مامون) اوظهربه فسق کشرب خمر اونحوه فتح (الدرالمختار، کتاب الوقف مطلب سابق ٤/ ٣٨٠ ط سعید)

(٤) الصالح للنظر من لم یسال الولایة للوقف ولیس فیه فسق یعرف هکذا فی فتح القدیر، والاسعاف : لایولی الا امین قادر بنفسه اوبنائبه (عالمگیریه، کتاب الوقف، الباب الخامس ج : ٣/ ٤٠٨ ، ماجدیه)

سود کو جائز کہنے والے اور حج و زکوۃ کی فرضیت کے منکر کو مسجد کا متولی بنانا

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس شخص کے بارے میں جس کا عقیدہ اور عمل حسب ذیل ہیں :
(۱) سود لینا از روئے شریعت جائز قرار دیتا ہے۔ اور اس بناء پر دوسرے کاروبار کو بند کر کے صرف سود کا بیوپار علی الاعلان شروع کیا ہے۔ اسی پر موقوف نہیں بلکہ عوام کو چند احادیث سے استدلال کر کے اپنے اس فعل ناجائز کو جائز بتا کر بھکاتا ہے۔
(۲) اس کا عقیدہ ہے کہ چونکہ ہم لوگ برٹش گورنمنٹ کے ماتحت ہیں اور انکم ٹیکس ہم کو دینا پڑتا ہے اس لئے ہم پر زکوۃ دینا فرض نہیں ہے۔
(۳) نیز اس کا عقیدہ ہے کہ مسلمان عورت پر حج کرنا فرض نہیں ہے بلکہ صرف مالدار مرد پر حج فرض ہے؟ عقیدہ کا یہ حال اور عمل کا یہ پوچھنا ہی نہیں۔ کیا ایسے شخص کو مسجد یا جماعت کا ٹرسٹی مقرر کر سکتے ہیں؟

المستفتی نمبر ۱۰۳۳ خطیب محمد ابراہیم صاحب معدن العلوم۔ (دانم باڑی) ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۴ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۶۳) چاروں کام اور عقیدے غلط اور روایات اسلام کے خلاف ہیں۔ ایسا شخص رہبر یا مصلح قوم کہلانے کے قابل نہیں اور مسجد کا ٹرسٹی بننے یا بنائے جانے کا مستحق نہیں۔(۱)　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

کیا واقف کے لئے شرط کے مطابق کسی کو متولی بنایا جائے گا؟

(سوال) ایک شخص نے اپنی کچھ ملکیت وقف کی تھی جس کی تولیت کے لئے اس نے خود پانچ آدمی نامزد کئے تھے۔ وقف نامہ میں یہ تحریر کیا ہے کہ ان پانچ میں سے جو شخص مر جائے تو اس کی جگہ میرے کنبہ میں سے دوسرا آدمی مقرر ہوتا رہے۔ واقف تو گذر گیا اور اب ان پانچ مقرر متولیوں میں ایک شخص گذر گیا ہے۔ جس کی جگہ پر کرنے کے لئے واقف کی لڑکیوں کی اولاد میں سے ایک شخص استحقاق کا دعوی کرتا ہے۔ جس سے واقف کے لڑکوں کی اولاد انکار کرتی ہے کہ کنبہ سے اولاد ذکور مراد ہیں نہ اناث تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ واقف کے لڑکوں کا یہ انکار حق بجانب ہے یا نہیں۔ اور مذکورہ صورت میں لڑکیوں کی اولاد بھی تولیت کا استحقاق رکھتی ہے یا نہیں۔ دوم یہ کہ شامی کی کتاب الوقف کے آخر میں جو وقف اولاد میں اولاد اناث کے دخول کو راجح لکھا ہے تو کیا اس پر تولیت کا مسئلہ بھی قیاس کر کے اولاد اناث کو بھی داخل کر سکتے ہیں کہ نہیں۔ سوم کنبہ کے متعلق گجراتی جوڈنری کوش (لغت گجراتی) ایک باپ کی سلسلہ وار اولاد لکھتا ہے (لغات اربعہ) لکھتا ہے۔ کنم خاندان عشیرہ عائلہ۔ ہندوستانی لغات از آریا کنس کنم خاندان۔ کنبہ رشتہ داری لکھتا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۱۳۰ مولانا محمد ابراہیم صاحب۔ راندیر ضلع سورت ۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ، ۱۵ اگست ۱۹۳۶ء

---

(۱) لایولی الا امین قادر بنفسہ (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی، ۴/ ۳۸۵ ط سعید) (قولہ نزع وجوبا) مقتضاہ اثم القاضی بترکہ، والاثم بتولیۃ الخائن، ولاشک فیہ (ردالمحتار، کتاب الوقف مطلب یاثم بتولیۃ الخائن، ص ۳۸۵:۴ ط سعید)

(جواب ۱۶٤) کنبہ کے مفہوم میں لڑکیوں کی اولاد شامل ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اگر لڑکوں کی اولاد بھی صالح للتولیہ اشخاص موجود ہوں تو ان کو مقدم رکھنا مناسب ہے لیکن لازم و فرض نہیں۔ اور اگر لڑکوں کی اولاد میں صالح للتولیہ موجود نہ ہوں اور لڑکیوں کی اولاد میں موجود ہوں تو ان کو ٹرسٹی بنانا لازم ہوگا۔ فقط(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

متولی نہ ہونے کی صورت میں نمازیوں کو امام و موذن مقرر کرنے کا حق ہے

(سوال) کسی بستی میں امام کی تنخواہ اور مسجد کا نفقہ وغیرہ محلّہ والوں سے لیا جاتا ہے اور متولی بھی گذر گیا اور امام رکھنا ضروری ہے، اس حال میں تمام مصلیوں کی اجازت چاہئے یا نہیں یا آدھا راضی اور باقی ناراض یا اکثر ناراض اور چند آدمی راضی ہو کر جبراً امام رکھ دینا جس سے فساد و جنگ و جدال برپا ہو۔ اب شرعاً امام مقرر کرنے میں مقتدیوں کی طرف سے کیا مشورہ لینا چاہئے۔
المستفتی نمبر ۱۱۵۷ محمد اسماعیل صاحب اے ٹی ایم اسکول (برما) ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۶ء
(جواب ۱۶۵) جس مسجد کا کوئی متولی نہ ہو نہ کوئی منتظمہ کمیٹی ہو اس کے نمازیوں کو امام و موذن مقرر کرنے کا حق ہے۔ اگر ان میں باہم اختلاف ہو جائے تو اہل تقویٰ و صلاح کی رائے مقدم ہوگی۔ اگر اہل تقویٰ و صلاح بھی باہم متفق نہ ہوں تو ان کی اکثریت کی رائے راجح ہوگی۔ فقط(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

کیا متولی اپنی زندگی میں تولیت منتقل نہیں کر سکتا؟

(سوال) ایک مسجد ہے جس کی تولیت منجانب واقف ہمارے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلی آتی ہے۔ چنانچہ والد مرحوم نے بھی اپنی حیات میں میرے نام تولیت منتقل کر دی تھی۔ ان کی جانب سے ایک شخص مسمّی حسین علی جو کہ ہمارے خانگی جائداد کا بھی منتظم تھا وہی مسجد مذکور کی جائداد موقوفہ کا بھی انتظام کرتا تھا۔ عرصہ چھ سال تک یعنی والد صاحب مرحوم کی وفات کے بعد تک یہی انتظام قائم رہا۔ اس کے بعد منتظم مذکور کی بد انتظامی اور خیانت سے ہمیں نقصان پہنچا۔ بنا بریں میں نے اپنی جانب سے اپنے خالہ زاد بھائی حکیم علی حسین خاں کو متولی مقرر کر دیا جس کو اس وقت عرصہ سات یا آٹھ سال کا ہوا۔ حکیم صاحب اس شخص کے ذریعہ جس کو ہم نے اپنے یہاں سے علیحدہ کر دیا تھا کام انجام دیتے رہے۔ اب جب کہ انہوں نے بھی آٹھ نو ماہ سے شخص مذکور

---

(۱) لایجعل القیم فیه من الاجانب ماوجود فی ولدالوقف واهل بیته من یصلح لذالك ... لوشرط الواقف کون المتولی من اولاده و اولادهم لیس للقاضی ان یولی غیرهم بلاخیانة (ردالمختار کتاب الوقف، مطلب لایجعل الناظر من غیر اهل الوقف، ٤ / ٤٢٤، ٤٢٥ ط سعید)
(۲) الاولی بالامامة اعلمهم باحکام الصلاة هکذا فی المضمرات ... فان اجتمعت هذه الخصال فی رجلین یقرع بینهما اوالخیار الی القوم (الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الخامس فی الامامة، الفصل الثانی ص ۱ / ۸۳ ط ماجدیة) وان اختار بعض القوم لهذا وللبعض لهذا فالعبرة لاجتماع الاکثر ... رجل ام قوماوهم له کارهون ... ان کان هوا حق لایکره لان الجاهل والفاسق یکره العالم الصالح (الفتاوی الخانیة کتاب الصلاة، فصل فیمن یصح الاقتداء به ۱ / ۹۲ ط ماجدیة)

کو علیحدہ کر کے اپنا عمل دخل کرنا چاہا تو اہل محلّہ نے ایک درخواست صاحب کلکٹر بہادر کی خدمت میں اس مضمون کی گزاری ہے کہ یہ انتقال تولیت ازروئے شرع محمدی ناجائز ہے اور چونکہ متولی صاحب گوالیار رہتے ہیں وہ مسجد کی نگرانی وانتظام نہیں کر سکتے لہذا ان کو تولیت سے علیحدہ کر کے موجودہ کمیٹی جو بغیر تنخواہ کام کرنے کی انکی جگہ مقرر و منظور فرمایا جائے۔ اہل محلّہ نے پانچ چھ اشخاص جو بازار بلیماران کے باثر اور ذمہ دار آدمی ہیں نام پیش کئے ہیں کہ ان کی ایک کمیٹی نامزد و منظور کی جائے۔ اب سوال یہ ہے۔(۱) کہ کیا میری تولیت منتقل کرنا حالت اپنی صحت و تندرستی کے جائز ہے جب کہ والد صاحب مرحوم نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔(۲) یہ کہ میرے لئے کمیٹی مذکورہ بالا کے حق میں تولیت سے دستبردار ہونا بہتر ہوگا۔ جب کہ مجھ کو یہ خواہش ہرگز نہیں کہ مسجد وقف کا روپیہ برباد جائے یا کسی کی شخصی ملکیت بن جائے۔ مجھ کو اپنی عاقبت کی فکر ہے کہ وہاں باز پرس نہ ہو جس سے ہر مسلمان ڈرتا ہے جس کو خدا اور اس کے رسول اور قیامت کا ڈر ہے۔ چونکہ میں معذور ہوں۔ یعنی نابینا ہونے کی وجہ سے انتظام مسجد از خود انجام نہیں دے سکتا۔ ورنہ یہ ظاہر ہے کہ یہ نوبت نہ آتی۔

المستفتی نمبر ۱۴۰۷ حافظ سید محمد نذیر الدین صاحب (کھاری باؤلی۔ دہلی) ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۳ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۶) متولی کو اگر واقف کی طرف سے یہ اختیار دیا گیا ہو کہ وہ جسے چاہے متولی بنا دے تو اس کو تولیت منتقل کرنے کا حق ہوتا ہے۔(۱) اور اگر یہ اختیار نہ دیا گیا ہو تو وہ اپنی صحت کے زمانہ میں انتقال تولیت نہیں کر سکتا۔(۲) ہاں تولیت سے دستبردار ہو جانے کا اسے ہر وقت حق ہے اور اس کی دستبرداری کے بعد قاضی کسی فرد یا افراد کو متولی بنا سکتا ہے۔ جس صورت میں کہ مسجد کی جائداد اور آمد و خرچ کا انتظام درستی اور خوبی سے جاری رہ سکے۔ ایسا انتظام کر دینا قاضی کو لازم ہے۔(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جب متولی دیانت دار ہوں تو ان پر نگراں کی تنخواہ مسجد کی آمدنی سے نہیں دی جا سکتی

(سوال) ایک مسجد کے متعلق موقوفہ جائداد پر عدالت کی جانب سے چند مسلمان نگراں مقرر ہیں جو بلا کسی معاوضہ کے بہتر سے بہتر کام انجام دے رہے ہیں۔ اب عدالت ہائی کورٹ کی طرف سے اس پر ایک تنخواہ دار ریسیور مقرر کرنے کا حکم ہوا ہے تو کیا ایسی صورت میں اس وقف کی آمدنی سے ریسیور کی تنخواہ دی جا سکتی ہے؟

المستفتی نمبر ۱۴۹۴ محمد شریف منتظم مسجد فراشخانہ (دہلی) ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۵ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۷) اگر مسجد کے موجودہ نگراں صحیح طور پر مسجد کی خدمات اور اس کے متعلقہ اوقاف کی حفاظت و نگرانی کے فرائض انجام دیتے ہیں تو تنخواہ دار ملازم مقرر کرنا درست نہیں اور اس کی تنخواہ بار مسجد پر نہیں ڈالا جا سکتا۔ فقط(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) (وار دالمتولی اقامة غیره مقامه فی حیاته) وصحته (ان کان التفویض له عاما صح) (الدر المختار ، کتاب الوقف، مطلب للناظر ان یوکل غیره ۴ / ۴۲۵ ط سعید)

(۲) فی القنیة : للمتولی ان یتوص فیما فوض الیه ان عمم القاضی التعویض الیه والا فلا . (ردالمحتار ، کتاب الوقف مطلب للناظر ان یوکل غیره ۴ / ۴۲۵ ط. سعید)

(۳) ولایة نصب القیم الی الواقف ثم لوصیه ثم للقاضی (تنویر الابصار ، کتاب الوقف، مطلب ولایة نصب القیم الی الواقف ۴ / ۴۲۱، ۴۲۳۴ ط. سعید)

(۴) (لیس للقاضی ان یقرر وظیفة فی الوقف الخ) یعنی وظیفة حادثة لم یشترطها الواقف . (ردالمحتار ، کتاب الوقف، مطلب لیس للقاضی ان یقرر وظیفة . ۴ / ۴۳۵ ط سعید)

تولیت اور وقف میں ردوبدل اور ترمیم کی شرط لگانا

(سوال) نقل عبارت وقف نامہ متعلق تولیت شرائط متعلق تولیت جائیداد موقوفہ حسب ذیل قرار دیتی ہوں اور مجھ کو یہ حق حاصل رہے گا کہ شرائط متعلقہ وقف میں مناسب وقت پر ترمیم وردوبدل کر سکوں۔ اگر میں کوئی ترمیم یار دوبدل کروں تو وہ بذریعہ دستاویز رجسٹری شدہ عمل میں رہے گی۔ شرائط متعلق تولیت یہ ہیں میرے والد عبدالجمیل خاں و میرے شوہر کے دادا محمد عبدالجلیل خاں حقیقی بھائی تھے۔ میں تولیت کے متعلق یہ تجویز کرتی ہوں کہ تاحیات میں خود متولی جائیداد موقوفہ کی رہوں گی اور حسب شرائط وقف نامہ ہذا اہتمام وانتظام جائداد موقوفہ و مصارف و آمدنی جائداد موقوفہ کرتی رہوں گی۔ میرے بعد میرے شوہر خلیل احمد خاں متولی جائداد موقوفہ کے ہوں گے اور وہ تاحیات خود اہتمام وانتظام جائیداد موقوفہ و مصارف حسب شرائط وقف نامہ کرتے رہیں گے۔ ہم دونوں کے بعد میرے اولاد ذکور میں سے اگر کوئی ہو تو وہ متولی ہوگی اور اگر کوئی اولاد از جنس ذکور نہ ہو اناث ہو تو وہ متولی ہوگی اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو جو سب سے بڑا یا بڑی ہو متولی ہوگا یا ہوگی جیسی صورت ہو اسی طرح سلسلہ تولیت نسلاً بعد نسل جاری رہے گا، لیکن سلسلہ اناث میں تولیت در صورت انقطاع سلسلہ ذکور جائے گی۔ بحالت موجودگی سلسلہ اولاد ذکور میری کے سلسلہ اناث میں نہیں جائے گی۔ میرے شوہر کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ بحالت نہ موجود ہونے میری اولاد ذکور واناث کے اپنے بعد کے واسطے کسی مناسب شخص کو میرے دادا خوشوقت علی خاں مرحوم کے سلسلہ اولاد ذکور میں سے متولی نامزد کریں۔ کاش اگر میرے شوہر اپنی حیات میں کسی کو متولی نامزد نہ کریں بھی سلسلہ تولیت اولاد خوشوقت علی خاں میں آئے گا اور اس صورت میں جو سب سے بڑی اولاد تو ذکور میں سے ہوگا وہ متولی ہوگا اور سلسلہ تولیت اس کے اولاد سے لیا جائے گا اور اس کی انقطاع نسل کی حالت میں بروقت انتخا عہدہ تولیت جو سب سے بڑا اور لائق اولاد اناث خوشوقت علی خاں سے ہوگا وہ متولی ہوگا۔ غرض کہ اس طرح نسلاً بعد نسل تقرری و نامزدگی متولی وقف در صورت عدم نامزدگی بر طریق متذکرہ بالا سلسلہ اولاد ذکور واناث دادا مقررہ سے ہوتا رہے گا۔ اگر کوئی متولی اپنے بعد کے واسطے نامزد متولی نہ کرے یا نامزد کردہ متولی وقت خالی ہونے عہدہ تولیت کے بقید حیات نہ ہو یا اس میں متولی ہونے کے ہی اہلیت باقی نہ رہے اور سلسلہ اولاد ذکور واناث میرے دادا میں سے کوئی باقی نہ رہے اس وقت وہ شخص متولی ہوگا جس کو اہل خاندان شروانی ساکنان کناوہ ویرمرد پرگنہ بلرم ضلع ایٹہ منتخب کریں گے اور آئندہ متولی کا انتخاب اسی طریقہ پر ہوتا رہے گا۔ اگر کاش کسی وقت کوئی شخص میرے دادا کی اولاد باقی نہ رہے اور منتخب کنندگان اپنا حق انتخاب عمل میں نہ لائیں تو حاکم وقت جو منتظم اوقاف مسلمان ہوگا وہ کسی شخص کو جو خاندان شروانی میں اس عہدہ کے قابل حنفی المذہب ہو اس کو متولی مقرر کرے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ ہندہ اور عمر ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔ ہندہ نے اپنی جائیداد وقف کی اور سلسلہ تولیت اس جائیداد کا اس طرح ٹھہرا لیا گیا۔ (۱) جب تک میں زندہ ہوں میں متولی۔ (۲) میرے بعد عمر متولی۔ (۳) عمر کے بعد میری اولاد متولی (۴) جب میری اولاد میں سے کوئی بھی نہ رہے تو اس وقت وہ متولی ہوگا جس کو عمر اپنی حیات میں تولیت کے لئے نامزد کرے گا۔ اور اگر عمر اپنی حیات میں کسی کو نامزد نہ کرے تو پھر اس

صورت میں دوسرا انتظام تحریر ہے جس کا سوال ہذا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (۵) اس وقف نامہ میں تولیت کی ان شرائط کے متعلق یہ تحریر کیا گیا ہے کہ (الف) مجھ کو یہ حق رہے گا کہ شرائط متعلقہ وقف میں مناسب وقت پر ترمیم ورد وبدل کر سکوں (ب) اگر میں کوئی ترمیم یا ردوبدل کروں گی تو وہ بذریعہ دستاویز رجسٹری شدہ عمل میں رہے گی (۶) اس وقف نامہ کی رجسٹری کے ایک عرصہ کے بعد واقف نے ایک اور دستاویز کی رجسٹری کرائی جس میں تحریر تھا کہ مجھ کو اب کوئی حق نہیں کہ میں شرائط مندرجہ وقف نامہ میں کوئی ترمیم کر سکوں میں اس ترمیم کے حق کو باطل کرتی ہوں۔ (۷) اس کے ایک عرصہ کے بعد واقفہ نے سلسلہ تولیت کے متعلق ایک ترمیم ایک پرچہ پر لکھوا کر عمر کے پاس بغرض اطلاع بھیجی اور وہ ترمیم نمبر ۴ کے اندر تھی اور وہ یہ تھی کہ عمر اپنے بعد کے لئے اپنی اولاد میں سے اس شخص کو متولی نہیں کر سکتا کہ جو شخص عمر کی موجودہ بیوی سے پیدا ہو اس کے سوائے کسی دوسرے کو کر سکتا ہے۔ (۸) اس کے ایک عرصہ کے بعد واقفہ کا انتقال ہو گیا۔ مگر اس ترمیم کی رجسٹری واقف نے نہیں کرائی۔ (۹) واقف کے انتقال کے بعد اس وقف کا عمر متولی ہوا ہے تو اب دریافت طلب یہ ہے کہ ترمیم جو بلا رجسٹری شدہ ہے عمر کیلئے قابل عمل ہوگی یا نہیں اور اس ترمیم کے قابل عمل نہ ہونے کا شبہ یوں نہیں ہے کہ واقفہ نہیں ہندہ اپنے ترمیم کے اختیارات کو باطل کر چکی تھی (کیونکہ شرعاً یہ ابطال معتبر نہ تھا) اور نہ یوں شبہ ہے کہ کسی ترمیم کی رجسٹری کرانا شرعاً ضروری ہے۔ بلکہ اس ترمیم کی رجسٹری نہیں کرائی گئی تو اب عمر کے لئے یہ ترمیم واجب العمل ہوگی یا نہیں۔ اگر واجب العمل نہیں تو جائز العمل بھی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۹۱۸ خلیل احمد علی گڑھی۔ تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر) ۱۹ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۸) اول تو وقف نامہ کی عبارت منقولہ کے الفاظ یہ ہیں کہ "اور مجھ کو یہ حق حاصل رہے گا کہ شرائط متعلقہ وقف میں مناسب وقت پر ترمیم ورد وبدل کر سکوں۔" اس میں لفظ شرائط متعلقہ وقف ہے شرائط متعلقہ تولیت نہیں ہے اور اس فقرے سے پہلے اور اس کے بعد دو مرتبہ شرائط متعلقہ تولیت آیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ واقفہ نے لفظ شرائط متعلقہ وقف کو لفظ شرائط متعلقہ تولیت کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے اس لئے یہ مطلب صحیح ہو سکتا ہے کہ تولیت کے مستحقین تو بالترتیب یہی ہیں جو مذکور ہیں مگر ان متولیوں میں سے ایک واقفہ بھی ہے اور وہ اپنے کو اتنا امتیاز دینا چاہتی ہے کہ متولیوں کی جماعت میں سے میں اس امر میں ممتاز ہوں کہ وقف کے شرائط میں ترمیم و تنسیخ کر سکوں اس عبارت کا اثر ان شرائط پر پڑے گا جو تولیت کے علاوہ ہوں گے رہا تولیت میں تغیر و تبدل کا حق تو وہ اس میں شامل نہ ہوگا۔ وہ اصل وقف کی رو سے واقف کو حاصل ہے اور بلا شرط حاصل ہے(۱) اس لئے واقفہ کی ترتیب و شرائط تولیت میں ہر ترمیم قابل قبول اور واجب العمل ہوگی۔ رجسٹری شدہ دستاویز کی شرط اس سے متعلق نہ ہوگی بلکہ یہ شرط ایسے تغیرات کے حق میں معتبر ہوگی جو تولیت

(۱) (قوله للواقف عزل الناظر مطلقا) ای سواء کان بجنحة اولا، وسواء کان شرط له العزل اولا (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب للواقف عزل الناظر ۴ / ۴۲۷ ط سعید)

کے علاوہ ہیں۔ اگر واقفہ شرائط وقف (ماورائے تولیت) میں کوئی ترمیم کرتی تو وہ بدون رجسٹری شدہ دستاویز کے معتبر نہ ہوتی مگر تولیت کی ترتیب وشرائط کی ترمیم رجسٹری شدہ دستاویز کی محتاج نہیں ہے۔(۱) واللہ اعلم
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد کی آمدنی اپنی موروثی ملک کہہ کر کمانے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم

(سوال) اس شخص کی امامت کے متعلق کیا حکم ہے کہ جو مسجد کی سرکاری اور غیر سرکاری اوقاف کی ملک کو اپنی موروثی ملک کہہ کر اس کی آمدنی مسجد کے کاموں میں صرف کرنے کی جگہ خود کھاتا ہے جو نماز ایسے شخص کے پیچھے پڑھی جائے کیا وہ جائز ہے اور باوجود جاننے کے جو شخص ایسے شخص کی اقتدا کرے اس کے متعلق خدا اور رسول کا کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۹۵۸ عبدالرحیم صاحب میسوری ۲۴ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۹) جو شخص مسجد کی آمدنی خود خرد برد کرے اور مسجد پر خرچ نہ کرے وہ خائن فاسق ہے۔ نہ وہ تولیت وقف کی صلاحیت رکھتا ہے(۲) اور نہ امامت کے لائق ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔(۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

واقف اپنے شریک واقف کی اولاد سے تولیت کا زیادہ حق دار ہے

(سوال) تین بھائیوں نے اپنی تقسیم جائیداد کے وقت اپنی دیگری جائیداد تقسیم کرتے وقت ایک قطعہ اراضی اور مبلغ تیرہ ہزار روپے برائے وقف بہ نیت تعمیر جائیداد متعلقہ مسجد و تعمیر مسجد مشترکہ فنڈ سے علیحدہ رکھا تھا لیکن انہیں تین بھائیوں میں سے جو بڑا تھا وہ اس وقف پر قابض بن بیٹھا اور خود ساختہ متولی ہو گیا۔ اب وہ متولی خود ساختہ فوت ہو گیا ہے اور اس نے ۲۱ دسمبر ۳۴ء کو مرنے سے تقریباً دس ماہ پیشتر ایک رجسٹری کی رو سے اپنے لڑکے رحمت الٰہی کو متولی مقرر کر دیا حالانکہ باقی وقف کنندگان رحمت الٰہی کو پسند نہیں کرتے کیونکہ رحمت الٰہی غبن کے مقدمہ میں سزا یافتہ ہے اور اس کی دیانت وامانت مشتبہ ہے۔ کیا مہر الٰہی اپنے لڑکے کو کسی دستاویز کی رو سے متقرر کر سکتا ہے اور وہ جائز متولی سمجھا جا سکتا ہے۔ جو تحریری رجسٹری بابت تولیت نامہ لکھی گئی ہے اس پر سوائے مہر الٰہی خود ساختہ متولی کے اور کسی وقف کنندہ کے دستخط نہیں ہیں۔

المستفتی نمبر ۲۰۴۱ شیخ نصیب الٰہی صاحب (انبالہ) ۱۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۷۰) موقوفہ جائیداد کی تولیت کا حق پہلے تو خود واقف کو ہوتا ہے۔ اس کے بعد اسے جس کو واقف

---

(۱) جاز (شرط الاستبدال به ارضا اخرى او شرط (بيعه ويشترى بثمنه ارضا اخرى اذا شاء فاذا فعل صارت الثانية كالا ولى في شرائطها ان لم يذكرها ثم لا يستبدلها) بثالثه (الدر المختار، كتاب الوقف ، مطلب في استبدال الوقف ، ٤ / ٣٨٤ ط . سعيد)
(۲) الصالح للنظر من لم يسأل الولاية للوقف وليس فيه فسق يعرف هكذا في فتح القدير . وفي الا سعاف لا يولى الا امين قادر بنفسه او بنائبه . (الهندية، كتاب الوقف،الباب الخامس ، ٣/ ٤٠٨ ط. ماجدية)
(۳) قال في ملتقى الا بحر : وتكره امامة العبد و الا عرابي والا عمى والفاسق (ملتقى الا بحر مع شرحه مجمع الا نهر ، كتاب الصلاة ، فصل في الجماعة سنة مؤ كدة ، ١ / ١٠٨ ط . بيروت) في شرح المنية على ان كراهة تقديمه (اى الفاسق) كراهة تحريم لما ذكرنا . قال . ولذا لم تجز الصلاة خلفه اصلا عند مالك ورواية عن احمد . (ردالمحتار ، كتاب الصلاة ، قبيل مطلب البدعة خمسة اقسام ، ٤ / ٥٦٠ ط . سعيد)

متعین کرے۔(۱) صورت مسئولہ میں واقف تین شخص ہیں ان میں سے بڑے بھائی نے تولیت کا کام سنبھال لیا اور دوسرے بھائیوں نے تعرض نہیں کیا تو خیر وہ بھی درست تھا۔ لیکن اس کے انتقال کے بعد دوسرے بھائیوں کو جو واقف ہیں تولیت کا حق ہے۔ ان میں سے کسی کی موجودگی میں وہ دوسرے کو متولی بنانے کا حق نہیں رکھتا تھا۔ پھر جب کہ رحمت الٰہی کے افعال و اخلاق بھی معتمد نہیں ہیں اور اس کی دیانت داری پر اعتماد نہیں تو اس کو متولی بنانا درست ہی نہیں۔ لایولی الامین قادر بنفسه او بنائبه.(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسلمان کے لئے شراب اور خنزیر کی تجارت مطلقاً ناجائز ہے
شراب اور خنزیر کے تاجر کو مسجد کا متولی نہ بنایا جائے
شراب اور خنزیر کے تاجر کا طیب مال مسجد پر لگایا جا سکتا ہے

(سوال) (۱) زید اپنی دوکان میں علاوہ اور اشیاء کے شراب اور خنزیر کا گوشت فروخت کرتا ہے، تو شراب اور خنزیر کا گوشت فروخت کرنا شرعاً کیسا ہے۔ (۲) زید کے لئے شرعاً کیا حکم ہے باوجود اس کے کہ حج بھی ادا کیا ہوا ہے اور شرعی حکم بھی معلوم ہے اگر وہ کوئی مجبوری دکھائے کہ شراب اور خنزیر نہیں رکھوں گا تو بیوپار میں نقصان ہوتا ہے۔ (۳) ایسے شخص کو کسی مسجد کا متولی یا کسی مدرسہ کا پریذیڈنٹ یا کسی انجمن کا صدر بنانا کیا حکم رکھتا ہے۔ (۴) ایسے شخص سے امداد لے کر مسجد میں خرچ کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۲۰۴۲ احمد صدیقی صاحب (کراچی) ۱۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۷۱) (۱) مسلمان کے لئے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت حرام ہے۔ (۲) یہ عذر کافی نہیں ہے۔(۳) (۳) اگر کوئی دوسرا شخص متقی اور پرہیزگار مل جائے جو انتظام کی قابلیت بھی رکھتا ہو تو اس کو مقدم رکھنا چاہئے(۴) (۴) مسجد میں اس کا طیب مال لے کر خرچ کیا جائے تو مضائقہ نہیں مخلوط اور مشتبہ مال مسجد کو بچایا جائے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) (قوله ولاية نصب القيم الى الواقف) (ثم لوصيه ثم للقاضي) قال في البحر : قدمنا ان الولاية ثابتة للواقف مدة حياته وان لم يشترطها .(رد المحتار ، كتاب الوقف، مطلب ولاية نصب القيم الى الواقف، ٤/ ٤٢١ ط. سعيد)

(۲) ولا يولى الا امين قادر بنفسه اوبنائبه لان الولايه مقيدة بشرط النظر وليس من النظر توليه الخائن لا نه يخل بالمقصود .(رد المحتار ، كتاب الوقف ، مطلب في شروط المتولى، ٤/ ٣٨٠ ط. سعيد

(۳) وفي الشامية : ويجوز بيع سائر الحيوانات سوى الخنزير وهوا لمختار (ردالمحتار كتاب البيوع ٥/ ٦٩ سعيد والحاصل ان جواز البيع يدور مع حل الانتفاع.(الدر المختار ، كتاب البيوع ، باب البيع الفاسد، مطلب بيع دودة القرمز ٥/ ٦٩ ط. سعيد)

(۴) لايولى الا امين قادر بنفسه او بنا ئبه لان الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر توليه الخائن لا نه يخل بالمقصود وكذا تولية العاجز .(ردالمحتار كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولى ، ٤/ ٣٨٥ ط . سعيد) أي الافضل القبول اومات يكون لمن يليه على الترتيب (رد المحتار ، كتاب الوقف، مطلب في شرط التولية للا رشد فالا رشد. ص ٤/ ٤٥٧ ط. سعيد)

(۵) (قوله بما له الحلال) قال تاج الشريعة اما لو انفق في ذالك مالا خبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره (ردالمحتار، كتاب الصلاة ، مطلب كلمة لا بأس دليل على ان المستحب غيره ، ١/ ٦٥٨ ط . سعيد)

وقف کرنے والے فرخ کے انتقال کے بعد ان کی اولاد تولیت کی زیادہ حق دار ہے

(سوال)(۱)ایک مسجد ہے فرخ کے نام سے موسوم ہے جس کی وجہ یہ کہ کوئی بزرگ فرخ تھے ان کے انتقال ہو جانے کے بعد ان کی اولاد میں سے ڈپٹی نجف علی نے از سر نو پختہ اور بڑی مع دو کانوں کے تعمیر کرائی نجف علی تازندگی اس کے متولی رہے۔اس کے بعد ان کے بیٹے حافظ محمد حسین متولی رہے اب ان کے بعد چند آدمی متولی بنے ہوئے ہیں جن میں سے ایک حافظ محمد حسین کا بعد رشتہ دار بھی ہے جیسے زائد حسن، ناظر حسن۔ باقی غیر لہذا قابل دریافت یہ امر ہے کہ جب کہ محمد حسین کا لڑکا محمد حسن موجود ہے علاوہ لڑکے کے اقرب رشتہ دار بھی موجود ہیں تو متولی شرعاً کون بنے گا۔(۲)فرخ بزرگ کے پسری ودختری دونوں اولادیں ہیں۔ان میں سے حق تولیت شرعاً کس کو ہے۔(۳)اگر محمد حسن متولی بننے سے انکار کرے تو پھر کوئی خود ہی متولی بن جائے یا دوسروں کے مشورے سے متولی بنایا جائے یا محمد حسن کو اختیار ہے کہ وہ کسی کو متولی بنائے؟

المستفتی نمبر ۲۰۲۳ صوفی دوست محمد (سہارنپور) ۸ ار مضان ۱۳۵۶ھ م ۲۳ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۷۲)ڈپٹی نجف علی یا فرخ بزرگ کی اولاد پسری ودختری تولیت کی دوسرے لوگوں سے زیادہ مستحق ہے اور حافظ محمد حسین صاحب کا لڑکا محمد حسن اور لوگوں سے زیادہ مستحق ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

زید(واقف)کی بیان کی ہوئی شرط کے مطابق ان کا بیٹا عبداللہ تولیت کا حق دار ہے

(سوال)(۱)زید نے اپنی جائیداد فی سبیل اللہ وقف کر کے مجملہ ۱۶ حصوں کے ۱۴ حصے آمدنی اخراجات مدرسہ و مساجد خاص اور ۲ آمدنی غیر قرابت مند ان کی امداد کے لئے متعین کیا اور تقرر متولی کے لئے وقف نامہ میں یہ شرط مقرر کر دی کہ مسلمانان شہر واقف اور واقف کے بھائی اور بھتیجوں میں سے اس شخص کو متولی مقرر کریں جو متدین اور صوم وصلوٰۃ کا پابند خوش اطوار اور ذاتی وعلمی صلاحیت وقابلیت بھی رکھتا ہو اور جس میں سرکاری مال گذاری ادا کرنے کی استطاعت بھی ہو اور وقف نامہ میں یہ بھی لکھ دیا کہ اگر متولی مدات متعینہ وسرکاری مال گذاری ودیگر مطالبات ادا نہ کرے تو مسلمانان شہر کو ایسے متولی کو عہدہ تولیت سے برطرف کر دینے کا پورا حق حاصل ہوگا۔

(۲)عمرو زید کا بھتیجا صوم وصلوٰۃ کا پابند نہیں اور متدین بھی نہیں اور نہ اس میں کوئی ذاتی صلاحیت وعلمی قابلیت ہے اور وہ جائیداد موقوفہ پر سولہ سال تک غصباً قابض رہا اور منشاء واقف کو نظر انداز کرتا ہوا جائیداد موقوفہ کی آمدنی کو اپنی ذات میں صرف کرتا رہا اور عدالت سے عہدہ تولیت کے حاصل کرنے کی کوشش میں نادار اور مفلس ہو گیا اور پھر بھی ناکام رہا۔اور واقف کا ایک دوسرا بھتیجا رمضانی شہر کے انتخاب اور عدالت کے فیصلہ سے متولی مقرر ہو گیا اور تقریباً ۱۲ سال تک متولی رہ کر وفات کر گیا۔

(۳)جائز متولی مرحوم کی وفات کے بعد عمرو مذکور زید کا بھتیجا جو ازروئے فیصلہ عدالت، غاصب ونااہل وغیرہ

---

(۱)فی الدر المختار: (مادام احد یصلح للتولیة من اقارب الواقف لا یجعل المتولی من الا جانب، لا نه اشفق (کتاب الوقف، مطلب لا یجعل الناظر من غیر اهل الوقف ۴ / ۴۲۴ ط. سعید)

متدین ثابت ہو چکا ہے۔ پھر عہدہ تولیت کا مدعی ہے اور بعد ممات سابق متولی مرحوم اس نے دو سال تک نہ مال گذاری سرکاری آٹھ اقساط جائیداد موقوفہ کی ادا کی اور نہ اخراجات مساجد و مدرسہ کی طرف توجہ کی اور اب بھی مسلمانان شہر سے کھلم کھلا کہتا ہے کہ میرے افلاس اور عزت پر رحم و کرم کر کے آپ لوگ مجھے متولی منتخب کریں تاکہ میں اپنی مالی حالت درست کر سکوں۔

(۴) عبداللہ پسر متولی مرحوم نے دو سال تک سرکاری مطالبات و مال گذاری ادا کر کے جائیداد موقوفہ کو صدمہ نیلام سے بچایا اور وہ متدین و خوش اخلاق اور صوم و صلوٰۃ کا پابند بھی ہے اور کافی ذاتی صلاحیت و علمی قابلیت بھی رکھتا ہے اور مدات مدرسہ و مساجد تا امکان دو سال تک قائم رکھا تو ایسی حالت میں عمرو بمقابلہ عبداللہ کی طرح بھی عہدۂ تولیت کا حقدار ہو سکتا ہے؟ اور عمرو کے حق میں بمقابلہ عبداللہ رائے دہندگان کی بابت کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۲۰۹۱ حافظ سید عبدالرؤف صاحب (ضلع گیا) ۳ شوال ۱۳۵۶ھ م ۶ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۷۳) ان حالات کے صحیح ہونے کی صورت میں عبداللہ کو متولی مقرر کرنا لازم ہے اور عمرو عہدہ تولیت کا اہل نہیں ہے۔ اس کو متولی مقرر کرنا گناہ ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

اصلح اور اورع تولیت اور سجادگی کے لئے متعین کرنا چاہئے

(سوال) (۱) ایک شخص آبکاری کی ملازمت ایک مدت تک کر چکا ہے اور مسکر اشیاء شراب وغیرہ کی خرید و فروخت میں اس کی آمدنی میں کافی انتظام کر چکا ہے۔ ایسا شخص کسی بزرگ کی درگاہ شریف کا متولی اور سجادہ نشین ہو سکنے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں بالخصوص جب کہ درگاہ کے متولی ہونے کے لئے اورع اور اصلح ہونا شرط سجادگی میں ہو۔ ایسی صورت میں شخص مذکور اورع و اصلح اور متقی و پرہیزگار میں شمار ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) دوسرا شخص جس میں مذکورہ عیب نہ ہوں اور عام مسلمان ان کو عزت اور وقار کی نگاہ سے دیکھتے ہوں ایسے شخص کے دیکھتے ہوئے مذکورہ بالا سجادگی اور تولیت کا دعویٰ کرے تو دونوں شخصوں میں سجادگی اور تولیت کے لئے بہتر اور افضل کون ہو سکتا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۲۰۷ سید زین۔ سید علی (سورت) ۹ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۲۲ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۷۴) جب کہ اصلح اور اورع کی شرط بھی ہے تو اصلح اور اورع شخص ہی تولیت اور سجادگی کے لئے متعین کرنا چاہئے۔(۲) گزشتہ اعمال سے اگر توبہ صادقہ کر لی جائے تو وہ قابل مواخذہ نہیں رہتے مگر شرط یہ ہے کہ توبہ صحیح اور سچی ہونی ہو۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) ولایجعل القیم فیه من الاجانب ما وجد فی الواقف واهل بیته من یصلح لذالك ثم لایخفی ان تقدیمهم فی ذکر مشروط بقیام الاهلیة فیه حتی لو کان خائنا یولی اجنبی حیث لم یوجد فیهم اهل، لانه اذا کان الواقف نفسه یعزل بالخیانة فغیره اولی (ردالمحتار، کتاب الوقف مطلب لایجعل الناظر من غیر اهل الواقف، ۴/ ۴۲۴، ۴۲۵ ط سعید)

(۲) لایولی الا امین قادر بنفسه او بنائبه (الهندیه، کتاب الوقف، الباب الخامس، ۲/ ۴۰۸ ط ماجدیه) وفی الشامیه لو شرط الواقف کون المتولی من اولاده واولادهم لیس للقاضی ان یولی غیرهم، ولو فعل لا یصیر متولیا (کتاب الوقف، مطلب لایجعل الناظر من غیر اهل الواقف، ۴/ ۴۲۵ ط سعید)

(۳) لایجعل القیم فیه من الاجانب ما وجد فی ولد الواقف من یصلح لذالك، فان لم یجد فیهم من یصلح لذالك فجعله الی اجنبی ثم صار فیهم من یصلح له صرف الیه وافتی ابصابان من کان من اهل الوقف لایشترط کونه مستحقا بالفعل بل یکفی کونه مستحقا بعد زوال المانع وهو ظاهر (ردالمحتار، کتاب الوقف، لایجعل الناظر من غیر اهل الواقف ۴/ ۴۲۴ ط سعید)

مسجد کی رقم دبانے والا خائن اور فاسق ہے

(سوال) مسمی یوسف ولد بھولو قوم رائیں ساکنہ تنگا نہری تحصیل و ضلع لدھیانہ کے پاس چھ روپیہ مسجد کا بطور امانت عرصہ آٹھ یا نو سال سے ہے۔ اس سے کئی دفعہ دریافت کیا گیا کہ روپیہ دے دو تاکہ مسجد کا بقایا حصہ تعمیر کیا جاسکے مگر وہ ہمیشہ لیت و لعل کر کے ٹالتا رہا۔ بروز عید الفطر مجمع عام میں اس سے روپے طلب کئے گئے تو وہ گالیاں دینے لگا' دوسری دفعہ پھر چند روز کے بعد میں نے اس سے اسی طرح مجمع عام میں دریافت کیا۔ اس نے پھر بھی گالیاں دیں اور روپیہ دینے سے انکاری ہے۔ بموجب شرع شریف شخص مذکور کے حق میں کیا حکم ہے؟

(نوٹ) مندرجہ ذیل اشخاص موقع کے گواہ ہیں۔ عبداللہ ولد قادر بخش، محمد علی ولد علی بخش، رحمت ولد بسنا، یوسف ولد کالو، خیر الدین ولد اکبر علی، دین محمد ولد نتھو۔

المستفتی نمبر ۲۲۸۳ محمد بخش صاحب (لدھیانہ) ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۷۵) جس شخص کے پاس مسجد کی رقم ہو اور مسجد کی ضرورت کے وقت وہ رقم واپس نہ دے اور رقم مانگنے پر گالیاں دے وہ خائن اور فاسق ہے۔ مسلمان اس سے بذریعہ عدالت رقم واپس لے سکتے ہیں۔(۱) اور اس کی ناشائستہ حرکت پر اس کو برادری سے نکال سکتے ہیں۔ جب تک توبہ نہ کرے اس کو برادری میں نہ ملائیں۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

زید (متولی) مسجد کے ذمہ پر مسجد کی آمدنی کا حساب کتاب رکھنا ضروری ہے

(سوال) زید کے پاس آمدنی مسجد کی جمع ہے جس کا زید باقاعدہ حساب نہیں لکھتا نہ مردمان محلہ کو حساب سمجھاتا ہے اور بلا اجازت جملہ مردمان اس آمدنی کو دو تین آدمی اپنی میل جول کے کہنے سے خرچ کر دیتا ہے۔ یہ فعل زید کا کیسا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۲۹۵ عبدالحکیم۔ نارنول۔ ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۷۶) مسجد کی آمدنی حسب ضرورت مسجد میں خرچ کرنا لازم ہے۔(۳) اور اس کا باقاعدہ حساب رکھنا اور نمازیوں کو مطمئن کر دینا بھی زید کے ذمہ لازم ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) ولو ترك العمارة وفي يده من غلته مايسكنه ان يعمره فالقاضي يجبره على العمارة. فان فعل والا اخرجه من يده كذافي المحيط. (الفتاوى الهنديه، كتاب الوقف، الباب الخامس، ۲/ ۴۰۹ ط ماجدية)

(۲) وعلى الثلاثة الذين خلفوا حتى اذا ضاقت عليهم الارض بمارحبت وضاقت عليهم انفسهم (سورة التوبة. الجزء الحادى عشر. رقم الآيه نمبر ۱۱۸) قوله (حتى اذا ضاقت عليهم الارض بمارحبت) قال المفسرون معناه ان النبى عليه السلام صار معرضا عنهم ومنع المومنين من مكالمتهم وامر ازواجهم باعتزالهم وبقوا على هذه الحاله خمسين يوما وقيل اكثر (التفسير الكبير، سورة التوبة الجزء الحادى عشر، رقم الآيه نمبر ۱۱۸ الاعلام الاسلامى)

(۳) ويجب صرف جميع مايحصل من نماء وعوائد شرعية وعرفية لمصارف الوقف الشرعية (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب فيما ياخذه المتولى من العوائد العرفية. ۴/ ۴۵۰ ط سعيد)

(۴) لايلزم المحاسبة فى كل عام. ويكتفى القاضى منه بالاجمال لو معروفا بالامانة، لو متهما يجبره على التعيين شيئا فشيئا ولو اتهمه يحلفه. قنية (الدرالمختار، كتاب الوقف. مطلب فى محاسبة المتولى ۴/ ۴۴۸ ط سعيد)

(۱) کیا اولاد میں اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے انہیں متولی سے ہٹایا جا سکتا ہے؟
(۲) واقف اور اس کی اولاد واقف کے بھائیوں اور ان کی اولاد سے تولیت میں مقدم ہوں گی

(سوال) (۱) واقف کے گھر والوں میں سے مسجد کی تولیت و خدمت کے قابل کوئی ایک شخص بھی موجود رہنے کی صورت میں کسی اجنبی غیر شخص کو متولی مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر واقف کے اہل خاندان میں سے کوئی لائق و قابل شخص موجود نہ ہونے کے سبب سے کسی غیر شخص کو حاکم نے یا گھر والوں نے متولی مقرر کیا تھا۔ اس کے بعد واقف کے خاندان سے کوئی ایک شخص خدمت تولیت کے قابل عاقل و بالغ امانت دار پایا گیا تو اس اجنبی غیر شخص کو اس خدمت سے علیحدہ کر کے واقف کے خاندانی شخص کو متولی مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟
(۲) واقف کے بیٹے یا پوتے بہ نسبت بھائیوں اور بھتیجوں کے تولیت کا زیادہ استحقاق کون رکھتے ہیں؟

المستفتی نمبر ۲۲۱۵ مولوی غلام رسول صاحب (بلہاری) ۲۵ رجب ۱۳۵۷ھ م ۲۱ ستمبر ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۷۷) جب تک واقف کے خاندان میں تولیت کے لائق کوئی شخص مل سکے تو وہی متولی بنایا جائے اور اگر کوئی اجنبی متولی ہو اور واقف کے خاندان میں سے کوئی مستحق تولیت مل جائے تو اس کو متولی بنا دینا اور اجنبی کو علیحدہ کر دینا چاہئے۔

ولایجعل القیم فیہ من الاجانب ما وجد فی ولد الواقف واھل بیتہ من یصلح لذالک فان لم یجد فیھم من یصلح لذلک فجعلہ الی اجنبی ثم صار فیھم من یصلح لہ صرفہ الیہ اھ (۱) (رد المحتار عن کافی الحاکم)

واقف کا بیٹا، پوتا، پڑپوتا، بھائیوں اور بھائیوں کی اولاد پر مقدم ہے۔

ومفادہ تقدیم اولاد الواقف (۲) (رد المحتار) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

(۱) فقراء کیلئے وقف کی ہوئی آمدنی سے واقف کے حاجتمند، اولاد و اقارب کو دے سکتے ہیں
(۲) عورت متولی بن سکتی ہے
(۳) متولی کا اوقاف کی آمدنی سے معاوضہ لینا

(سوال) (۱) زید نے چند اراضیات و مکانات کی آمدنی مسجد کے اخراجات اور فقراء کی امداد کے لئے وقف کر دیا ہے۔ مذکورہ املاک کی آمدنی زید کے محتاج اقارب اور اولاد کو دینا جائز ہے یا نہیں؟
(۲) عورت کا متولی ہونا اور نیز خدمت تولیت انجام دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
(۳) متولی کا اوقاف کی آمدنی سے معاوضہ حق السعی لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۲۱۶ مولوی غلام رسول صاحب (بلہاری) ۲۵ رجب ۱۳۵۷ھ م ۲۱ ستمبر ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۷۸) (۱) ہاں فقراء کی امداد کی مد سے واقف کے حاجتمند اقارب و اولاد کو دینا جائز ہے۔ (۳)

---

(۱) (۲) (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب لایجعل الناظر من غیر اھل الوقف، ۴/ ۴۲۴ ط. سعید)
(۳) اذا جعل ارضہ صدقۃ موقوفۃ علی الفقراء والمساکین فاحتاج بعض قرابتہ او احتاج الواقف، ان احتاج الواقف لایعطی لہ من تلک الغلۃ شئی عندالکل ... فان احتاج بعض قرابتہ، او ولدہ الی ذالک الوقف ... ینظر الی الاقرب ... وھو ولد الصلب اولا ثم ولد الولد ... فان لم یکن ... او فضل اعطی فقراء القرابۃ (الھندیۃ، کتاب الوقف، الباب الثالث، الفصل الثانی فیما اذا وقف علی الفقراء ۲/ ۳۹۵ ط سعید)

(۲) عورت بھی متولی ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ اپنے نائب سے وقف کا انتظام کرا سکے۔(۱)
(۳) متولی اوقاف کی آمدنی سے حق السعی لے سکتا ہے جب کہ واقف نے مقرر کیا ہو یا حکم کی اجازت سے۔(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شراب خور اور محرمات شرعیہ کا مرتکب وقف کا متولی نہیں بن سکتا

(سوال) بعض حکومتوں نے قوانین وقف نافذ کئے ہیں جن کے لئے افسر اعلیٰ جو کمشنر اوقاف کے نام سے موسوم ہوتا ہے اور حکومت کی طرف سے اوقاف کے متعلق مکمل اختیارات ملتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا شرعاً ایسا شخص افسر اعلیٰ ہو سکتا ہے جو ہمیشہ شراب خوری اور محرمات شرعیہ میں مبتلا ہو۔

المستفتی نمبر ۲۶۱۷ ایچ ایچ محی الدین (کلکتہ) ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۹ھ م ۱۳ جون ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۷۹) فاسق و فاجر مرتکب کبائر ایسے عہدوں کا اہل نہیں ہے۔ جن میں شرعی ضوابط و قوانین کی پابندی سے کام کرنے کی اہمیت زیادہ ہو۔ ولایولی الامین قادر بنفسه اوبنائبه (۳)(ردالمختار) ان الناظر اذا فسق استحق العزل ولا ینعزل کالقاضی (ردالمحتار کتاب الوقف مطلب عزل الناظر)(۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔
الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

طویل رخصت کی ابتداء میں رخصت معروفہ کی تنخواہ کا حکم

(سوال) زید ایک مدرسہ کا سرپرست ہے۔ عمرو اس کا مہتمم ہے اور بکر اس مدرسہ میں تالیف و تصنیف کے کام پر ملازم ہے۔ اس مدرسہ کا قانون مطبوعہ نہیں اور جو غیر مطبوعہ ہے وہ صرف مہتمم کے پاس ہے۔ ملازمین کے پاس اس کی نقل نہیں ہے۔

اب صورت یہ پیش آئی کہ بکر کی ایک دوسری جگہ سے طلبی آگئی جس کو بکر نے زید کے مشورہ سے منظور کر لیا اور مدرسہ مذکورہ سے ایک سال کی رخصت زبانی لی۔ استعفیٰ نہیں دیا اور زمانہ رخصت کے لئے بکر نے مدرسہ کا کام سرپرست اور مہتمم کی رضامندی اور اجازت سے اپنے ساتھ لیا کہ اوقات فرصت میں یہ کام پورا کر دیا جائے گا۔ اگرچہ اس کا معاوضہ پہلے معاوضہ سے مختلف ہو گا اور تاریخ روانگی ۱۲ ذی الحجہ مقرر کی۔ مدرسہ مذکورہ میں ۹ ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ تک عید الاضحیٰ کی تعطیل ہوتی ہے۔ جب بکر نے اپنی روانگی ایام تعطیل ہی میں مقرر کی تو سرپرست مدرسہ نے بکر سے زبانی کہا کہ عمرو مہتمم مدرسہ کو ایام تعطیل کی تنخواہ دینے میں تردد ہے

(۱) فی الاسعاف لایولی الامین قادر بنفسه او بنائبه ویستوی فیه الذکر والانثی وکذاالاعمی والبصیر (الهندیة، کتاب الوقف، اوائل الباب الخامس، ۲/ ۴۰۸ ط ماجدیة)
(۲) فی الدرالمختار : ان للمتولی اجر مثل عمله (وفیه) لیس للمتولی اخذ زیادة علی ماقرر له الواقف اصلا، (قوله قلت لکن الخ) ...لیس للمتولی اخذ زیادة علی ماقرره له الواقف .. وماسیجی فی الوصایا... فیمن نصبه القاضی ولم یشترط له الواقف شیئاً... لو عین له الواقف اقل من اجر المثل فللقاضی ان یکمل له اجر المثل بطلبه (ردالمحتار کتاب الوقف، مطلب فیما یاخذه المتولی من العوائد العرفیه ۴/ ۴۵۰، ۴۵۱ ط سعید)
(۳) (۴) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی، ۴/ ۳۸۰ ط سعید)

کیونکہ اب تک ایسی نظیر نہیں پیش آئی کہ کسی ملازم مدرسہ نے ایام تعطیل میں رخصت لی ہو اور اس کو ایام تعطیل کی تنخواہ دی گئی ہو۔ اس لئے اس صورت کے متعلق مدرسہ میں کوئی قانون بھی نہیں ہے۔ بکر نے کہا کہ اگر عمرو کو تردد ہے تو اس تردد کی حاجت نہیں۔ میں ایام تعطیل کی تنخواہ نہیں لوں گا بلکہ ۸ ذی الحجہ تک کی تنخواہ لے لوں گا۔

اس کے بعد اتفاق سے بکر کی روانگی اپنی کسی ضرورت سے ۱۲ کو ملتوی ہو گئی اور ۱۷ کو قرار پائی اور اس التواء کی اطلاع زید و عمرو دونوں کو کر دی گئی۔ اس کے بعد بکر نے ایام تعطیل میں بھی (حسب عادت) اور ایام تعطیل کے بعد بھی مدرسہ کا کام کیا اور ۱۵ ذی الحجہ کو عمرو مہتمم کے نام اس مضمون کا خط لکھا۔ عمرو مہتمم مدرسہ کو اس خط کے الفاظ اور مضمون کی صحت کا اقرار ہے۔

"مہربان مولوی........ صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ

تم کو ایام تعطیل کی تنخواہ دینے میں اس لئے تردد تھا کہ میں تعطیل کے اندر جانے کا ارادہ کر چکا تھا مگر اب میں ۱۲ ذی الحجہ کو نہیں گیا بلکہ تعطیل کے بعد بھی ۱۵ ذی الحجہ تک کام کر چکا ہوں۔ اس صورت میں اگر تم کو ایام تعطیل کی تنخواہ دینے میں تردد نہ ہو اور قانون مدرسہ کے مطابق اب میں ۱۵ ذی الحجہ تک تنخواہ کا مستحق ہوں تو دی جائے ورنہ حق سے زیادہ ایک پیسہ لینا نہیں چاہتا۔"

اس پر عمرو نے ۱۵ ذی الحجہ تک کی تنخواہ بکر کو بھیج دی۔ جس کو بکر نے یہ سمجھ کر لے لیا کہ عمرو نے قانون کے موافق (اگر وہ تھا) عمل کیا ہے اور اس نے قانون سے مجھے مستحق سمجھا ہے۔ پھر ۱۶ ذی الحجہ کو جب بکر عمرو سے رخصتی ملاقات کرنے اس کے مکان پر گیا تو زبانی یہ بھی کہہ دیا کہ ایام تعطیل کی تنخواہ کے متعلق حضرت سرپرست سے بوجہ علالت (کیونکہ وہ بیمار ہو چکے تھے) استصواب نہیں ہو سکا۔ بعد میں استصواب کر لیا جائے۔ اگر ان کو اس رقم کے معاملے میں تردد ہو تو میں یہ رقم واپس کر دوں گا یا آئندہ اس کام کے حساب میں لگالی جائے گی جو میں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں، لہذا اس وقت تک کہ سرپرست سے استصواب کیا جائے اس کو قرض سمجھا جائے۔ جب زید سرپرست مدرسہ کو بعد صحت اس کا علم ہوا کہ بکر نے ایام تعطیل کی تنخواہ لے لی ہے تو انہوں نے بکر کے اس فعل کو (یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ زید نے اس معاملہ کی تحقیق صرف عمرو سے کی اور اس کے بیان پر بکر کو مورد الزام قرار دیا۔ بکر سے اس معاملہ کی تحقیق نہیں کی گئی۔ حالانکہ عمرو نے بکر کا وہ خط بھی بجنسہ زید کے سامنے پیش نہیں کیا تھا اور غالباً وہ زبانی گفتگو بھی پیش نہیں کی تھی جو عمرو کے مکان پر آخری ملاقات کے وقت بکر کہہ آیا تھا۔ عمرو کو اس کا اقرار ہے کہ اس نے وہ خط بجنسہ پیش نہیں کیا بلکہ اپنی یاد سے اس کا مضمون لکھ کر زید کو دے دیا تھا۔) (اکل مال بالباطل اور ارتکاب خیانت قرار دیا جس کی وجوہ حسب ذیل تحریر کیں۔

(۱) بکر نے پہلے یہ کہا تھا کہ ایام تعطیل کی تنخواہ نہ لوں گا۔ پھر اس کو ان ایام کی تنخواہ لینا جائز نہ تھا۔

(۲) مدرسہ کی ملازمت کا تعلق اسی وقت ختم ہو گیا تھا جب بکر نے ۱۲ ذی الحجہ کو روانگی طے کر دی تھی۔ اس کے بعد جو روانگی ملتوی ہوئی وہ مدرسہ کی مصلحت سے نہیں بلکہ اپنی ضرورت سے ہوئی اور ایام تعطیل میں یا اس کے

بعد جو کام کیا گیا وہ پہلی ملازمت کے تعلق سے نہیں ہوا بلکہ دوسرے تعلق سے ہوا۔ اگر پہلے تعلق سے کام کرنا تھا تو اس کیلئے مستقل اجازت کی ضرورت تھی۔ بکر نے اس کے جواب میں ایام تعطیل کی تنخواہ فوراً خوشی واپس کردی اور الزام خیانت اور اکل مال بالباطل کے جواب میں وہ یہ کہتا ہے :

(الف) زید نے ایام تعطیل کی تنخواہ کے متعلق مجھ سے تردد یا اپنی رائے کو بیان نہیں کیا تھا بلکہ عمر و مہتمم کا تردد نقل کیا تھا کہ اس کو ان ایام کی تنخواہ دینے میں تردد ہے تو صورت ثانیہ پیدا ہونے پر میں نے مہتمم ہی سے قانون کی تحقیق ضروری سمجھی اور اولاً جو یہ کہا تھا کہ ایام تعطیل کی تنخواہ نہ لوں گا اس کی وجہ بھی ساتھ ہی بتلادی تھی کہ اگر مہتمم کو تردد ہے تو میں ان ایام کی تنخواہ نہ لوں گا اور مہتمم کے تردد کا منشاء ایام تعطیل کے بعد عمل کا نہ ہوتا تھا۔ پھر ان ایام کی تنخواہ اس وقت لی گئی جب خود ایام تعطیل میں اور پھر ایام تعطیل کے بعد کام کر کے مہتمم کو صاف صاف لکھ دیا گیا تھا کہا گر اب تم کو تردد نہ ہو اور تم مجھے قانون مدرسہ سے ان ایام کی تنخواہ کا مستحق سمجھتے ہو اہذا میرے قول و فعل میں کوئی تعارض نہیں۔

(ب) مدارس کا عرف یہ ہے کہ زبانی رخصت لینے اور تاریخ روانگی مقرر کر دینے پر رخصت کے احکام مرتب نہیں ہوتے بلکہ رخصت عمل سے شروع ہوتی ہے یعنی جب رخصت لینے والا مدرسہ سے چلا جاوے۔ اپنے کام کو مہتمم کے حوالے کر دے۔ اپنے دفتر یا درسگاہ کی کنجی اس کو دے دے۔ البتہ استعفیٰ اور عزل کا اثر اس وقت سے شروع ہو جاتا ہے جب کہ استعفیٰ دے یا عزل کا تحقق ہو اور صورت واقعہ میں نہ استعفیٰ ہوا ہے نہ عزل بلکہ رخصت لی گئی ہے۔ اور میں نے ۱۵ ذی الحجہ سے پہلے دفتر کی کنجی مہتمم کے حوالے نہیں کی نہ اپنا گزشتہ کام ۱۵ سے پہلے اس کے سپرد کیا۔ چنانچہ باقاعدہ تحریری درخواست رخصت بھی اس سے پہلے نہیں دی گئی لہذا ۱۲ ذی الحجہ کو تاریخ روانگی مقرر کر دینے سے میں مدرسہ کے تعلق سابق سے بے تعلق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مدارس کا یہ عرف عام ہے۔ خواہ التواء مدرسہ کی ضرورت سے ہو یا اپنی کسی ضرورت سے ہو۔ ایک شخص رخصت لے کر ریل چھوٹ جانے یا کسی اور ناگہانی سبب پیش آنے سے روانہ نہ ہو سکے اور وقت پر کام پر حاضر ہو جائے اور مہتمم کو اپنی روانگی کے التواء سے مطلع کر دے تو وہ حاضر شمار ہوتا ہے اور تعلق سابق ہی پر حاضر شمار ہوتا ہے لہذا جب تک کسی مدرسہ میں اس عرف عام کے خلاف قانون نہ ہو اس وقت تک اس عرف ہی کے مطابق عمل ہو گا اور اس پر عمل کرنے والے کو خائن یا آکل مال بالباطل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایام بطالت شرعاً ایام ماضیہ سے ملحق ہوتے ہیں یا ایام مستقبلہ سے ؟

(ج) جب میں نے مہتمم کو صورت اول کے بدلنے پر صاف لکھ دیا تھا کہ اگر اب تم کو تردد نہ ہو اور قانون مدرسہ سے ایام تعطیل کی تنخواہ کا مجھے مستحق سمجھتے ہو تو دی جائے ورنہ نہیں۔ اور اس کے بعد زبانی بھی اس سے کہہ چکا تھا، حالانکہ یہ ضروری نہیں تھا کیونکہ خود سرپرست نے (موقع بیان میں) اپنے کسی تردد کا تو اظہار ہی نہیں کیا تھا۔ یہ صرف مزید احتیاط کے لئے کیا گیا کہ اگر سرپرست کو اس میں کسی وقت تردد ہو تو اس کو عمل مستقبل کی اجرت معجلہ قرار دے لی جائے یا مجھ سے واپس منگالی جائے تو اب مجھے خائن یا اکل مال بالباطل کیونکر کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس تحریر کے بعد مہتمم کا ۱۵ ذی الحجہ تک کی تنخواہ بھیج دینا بکر کے استحقاق کو قانون مدرسہ سے تسلیم کر لینا

ہے اور یہ کہ اب مہتمم کو وہ تردد نہیں رہا جو پہلے تھا۔ اس صورت میں بکر کو یہ سمجھ کر ان ایام کی تنخواہ لینا جائز تھا کہ رخصت کے احکام محض زبانی رخصت لینے اور تاریخ روانگی مقرر کر دینے سے شروع نہیں ہوتے بلکہ عمل سے شروع ہوتے ہیں۔

اگر اس مدرسہ میں یہ قانون نہ تھا تو عمرو کا فرض تھا کہ بکر کو قانون سے مطلع کرتا جب کہ وہ اپنی تحریر میں قانون مدرسہ کے موافق عمل کرنے کی تاکید کر چکا تھا۔ چنانچہ جب زید کی تحریر سے بکر کو علم ہوا کہ اس مدرسہ میں رخصت اور عزل و استعفیٰ میں فرق نہیں کیا جاتا تو فوراً وہ رقم واپس کر دی گئی - پس علمائے کرام فیصلہ فرمائیں کہ صورت مسئولہ میں ایام تعطیل کی تنخواہ لینے میں بکر شرعاً خائن و آکل مال بالباطل تھا یا نہیں ؟ اور اگر تھا تو آیا تنہا وہی مجرم تھا یا عمرو مہتمم مدرسہ بھی مجرم تھا جس نے اپنے عمل سے بکر کو یہ دھوکا دیا کہ وہ سوچ سمجھ کر قانون مدرسہ کے موافق ان ایام کی تنخواہ دے رہا ہے اور اب اس کو کچھ تردد نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۲۶۵۲ احقر عمر احمد عثمانی عفی عنہ مدرسہ اشرف العلوم (ڈھاکہ) ۲ شعبان ۱۳۵۹ھ م ۵ ستمبر ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۸۰) اس معاملہ میں کئی باتیں قابل غور و تصفیہ ہیں۔ اول یہ کہ بکر جو مدرسہ میں تصنیف و تالیف کے کام پر ملازم ہے وہ غالباً اجیر خاص یا اجیر وحد کی حیثیت سے ملازم ہوگا۔ اجیر مشترک کی حیثیت نہ رکھتا ہوگا۔ دوم یہ کہ اجیر وحد وقت و مدت کے لحاظ سے ملازم ہوتا ہے عمل کی نوعیت تو متعین ہوتی ہے مگر عمل کی مقدار معین نہیں ہوتی اور استحقاق اجرت کے لئے تسلیم نفس فی المدۃ المعینہ ضرورت ہے نہ تحقیق عمل۔(۱) سوم یہ کہ تعطیلات معروفہ یا مشروطہ میں بغیر تسلیم نفس اور بغیر عمل کے بھی وہ اجرت کا مستحق ہوتا ہے۔ اسی طرح فرائض و واجبات شرعیہ کی ادائیگی میں جس قدر وقت صرف ہو اس کی اجرت کا بھی مستحق ہوتا ہے۔(۲) چہارم یہ کہ رخصت دو طرح کی ہے۔ ایک بلا وضع تنخواہ۔ دوسری بوضع تنخواہ۔ اول الذکر یعنی رخصت بلا وضع تنخواہ بطالہ معروفہ یا مشروطہ کے حکم میں ہے۔ یعنی جس طرح بطالہ معروفہ یا مشروطہ (تعطیلات معروفہ یا مشروطہ) کا عقد اجارہ کے بقا پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اجارہ بحالہا قائم و ممتد باقی رہتا ہے۔ اسی طرح رخصت بلا وضع تنخواہ کا اجارے کے بقا و قیام و امتداد الی مابعد الرخصتہ پر اثر نہیں پڑتا۔(۳) اور ثانی الذکر یعنی رخصت بوضع تنخواہ کا حکم مختلف ہے۔ اس کا مطلب اجارۂ سابقہ کو ختم کر دینا ہوتا ہے اور رخصت کے بعد پھر ملازم کو کام پر آجانے کی اجازت دینا گویا اجارۂ متجددہ منعقد کرنا ہوتا ہے۔ یعنی رخصت بوضع تنخواہ دیتے وقت مستاجر عقد اجارۂ سابق کو ختم کرنے کے ساتھ آئندہ کے لئے اجیر سے وعدہ کرتا ہے کہ بعد انقضاء رخصت تم کام پر آؤ گے تو میں رکھ

(۱) كما يجب الاجر باستيفاء المنافع بالتمكن من استيفاء المنافع اذا كانت الاجارة صحيحة (الهندية، كتاب الاجارة، الباب الثاني في بيان انه متى تجب الاجرة، ٤/ ٤١٣ ط ماجديه) والاجير الخاص من يستحق الاجر بتسليم نفسه وبمضى المدة ولا يشترط العمل فى حقه لاستحقاق الاجر، (الهندية، كتاب الاجارة الباب الثاني فى بيان انه متى تجب الاجر، ٤/ ٤١٣ ط ماجدية)

(۲) اذااستاجر رجلا يوما ليعمل كذا فعليه ان يعمل ذالك العمل الى تمام المدة، ولا يشتغل بشئى آخر سوى المكتوبة وله ان يؤدى السنة ايضا (الفتاوى العالمگيرية، كتاب الاجارة، الباب الثالث فى الاوقاف التى يقع عليها عقد الاجارة، ٤/ ٤١٦، ٤١٧ ط ماجدية)

(۳) وهل ياخذايام البطالة كعيد و رمضان؟ لم اره وينبغى الحاقه ببطالة القاضى، واختلفوا فيها والاصح انه ياخذ . وفى الشامية فقال فى المحيط انه ياخذ لانه يستريح لليوم الثاني . وفى المنية : القاضى يستحق الكفاية من بيت المال فى يوم البطالة فى الاصح (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب فى استحقاق القاضى والمدرس الوظيفة فى يوم البطالة، ج : ٤/ ٣٧٢، سعيد)

لوں گا مگر اس رخصت کے زمانہ میں وہ مستاجر سابق کا اجیر نہیں ہے ورنہ وہ کسی دوسری جگہ اجیر وحد کی حیثیت سے کام نہیں کر سکتا۔

صورت مسئولہ میں بکر کا اجیر وحد ہونا تو اس وجہ سے کہ منازعت استحقاق اجرت ایام میں ہے نہ استحقاق اجرت عمل میں تقریباً متعین ہے اور میں قرائن سے یہ بھی متعین کر لیتا ہوں کہ رخصت جو لی گئی ہے وہ رخصت بوضع تنخواہ ہے۔ جس کا مطلب عقد اجارۂ سابق کو ختم کر دینا ہوتا ہے۔ پس بکر نے عمرو مہتمم سے رخصت لیتے وقت اگر ۱۲ ذی الحجہ سے رخصت لی یعنی ۱۲ ذی الحجہ رخصت میں شامل ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اجارۂ سابقہ ۱۱ ذی الحجہ پر ختم کر دیا گیا اور اگر مہتمم مدرسہ رخصت دینے میں مستقل ہے یعنی اس کا عمل سرپرست کی رضامندی اور تنفیذ کی اجازت پر مبنی یا موقوف نہیں تو یہ معاملہ ختم ہو گیا۔ اب ۱۱ ذی الحجہ تک بکر مدرسہ کا بدستور ملازم ہے۔ اگر مدرسہ میں کوئی قانون ایسا موجود ہو کہ رخصت بوضع تنخواہ اگر اثناء تعطیل سے یا تعطیل کے بعد متصل شروع ہو تو ایام تعطیل کی تنخواہ نہ ملے گی یعنی ایسی صورت میں عقد اجارہ ایام عمل کے آخری دن پر ہی ختم ہو جانا قرار دیا جائے گا۔ خواہ منظوری رخصت کے وقت اس کی تصریح کی جائے یا نہ کی جائے یا مہتمم نے بوقت منظوری رخصت تصریح کی ہو کہ آپ کی ملازمت ۸ ذی الحجہ پر ختم قرار دی جائے گی تو ان دونوں صورتوں میں بکر کو صرف آٹھ تاریخ تک کی تنخواہ کا حق ہوتا۔ لیکن سوال میں یہ تصریحات ہیں۔

(الف) زید سرپرست مدرسہ کا یہ قول "اس لئے اس صورت کے متعلق مدرسہ میں کوئی قانون بھی نہیں۔"

(ب) بکر کے خط میں جو عمرو مہتمم مدرسہ کے نام لکھا گیا یہ صراحت "اگر تم کو ایام تعطیل کی تنخواہ دینے میں تردد نہ ہو اور قانون مدرسہ کے مطابق اب میں ۱۵ ذی الحجہ تک تنخواہ کا مستحق ہوں تو دی جائے۔" ان تصریحات سے اگر ان کی واقعیت مسلم ہو۔ یہ ثابت ہے کہ نہ ایسا کوئی قانون موجود ہے نہ مہتمم نے منظوری رخصت کے وقت ۸ ذی الحجہ تک ملازمت کی تحدید اور ۹ سے ترک تعلق کی تصریح کی تھی لہذا ۱۱ ذی الحجہ تک کی تنخواہ کا بکر بوجہ عقد سابق اور ۹، ۱۰، ۱۱ ذی الحجہ تک تعلق ملازمت قائم ہونے اور ان ایام کا بطالہ معروفہ بلکہ مشروطہ میں داخل ہونے کی وجہ سے مستحق ہے اور اگر ۱۲ ذی الحجہ رخصت مستقبلہ میں داخل نہ ہو تو ۱۲ ذی الحجہ کی تنخواہ کا بھی مستحق ہے۔

لیکن اگر مہتمم مدرسہ رخصت دینے میں مستقل اور بااختیار نہ ہو بلکہ اس کا فعل سرپرست مدرسہ کی رضامندی اور اجازت پر موقوف ہوتا ہو تو مہتمم کی اور بکر کی زبانی گفتگو پر معاملہ ختم نہیں ہوا بلکہ سرپرست کی اجازت پر موقوف رہا اور جب بکر کی صدر سے یعنی سرپرست سے گفتگو ہوئی اور اس میں بکر نے یہ تسلیم کر لیا کہ "میں ۸ ذی الحجہ تک تنخواہ لے لوں گا تو آخری بات یہی ہوئی کہ ۸ ذی الحجہ پر عقد اجارۂ سابق ختم ہو گیا اور اب وہ ۸ ذی الحجہ تک کی تنخواہ کا مستحق رہا۔ اس صورت میں سرپرست مدرسہ کا تردد کو عمرو کی طرف منسوب کرنا یا عمرو کا بکر کو ۱۵ تک کی تنخواہ بھیج دینا موثر نہ ہو گا کیونکہ اس میں بنیادی چیز اختیار ہے۔ وہ اگر سرپرست کے ہاتھ میں مستقل طور پر ہے یا مہتمم اور سرپرست کی رائے کا اجتماع قطعی فیصلہ کے لئے ضروری ہے یا سرپرست کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے تو جو بات صدر یعنی سرپرست کے سامنے طے ہوئی وہی آخری بات ہو گی۔ اور وہ یہی ہے کہ ۸ ذی الحجہ پر ملازمت سابقہ ختم ہو گئی اور ۹ ذی الحجہ سے بکر عقد سابق کے ماتحت ملازم نہ رہا۔ اس بات کی تنقیح کہ

حقیقتاً مستاجر کون ہے آیا صرف مہتمم یا صرف سرپرست یا دونوں مدرسہ کے قانون سے یا متعاقدین کی باہمی قرار داد سے یا تعامل سے ہو سکتی ہے اور جو امر تنقیح سے ثابت اور منقح ہو گا وہی حکم کا مدار ہو گا۔

اس کے بعد اس رقم کا معاملہ سامنے آتا ہے جو بکر نے مہتمم سے ۱۵ ذی الحجہ تک کی تنخواہ کے نام سے لی ہے تو اس بات سے قطع نظر کر کے وہ ۸ ذی الحجہ تک کی تنخواہ کا مستحق تھا یا ۱۱ ذی الحجہ تک یا ۱۲ ذی الحجہ تک کا (کیونکہ اس کا فیصلہ تو حقیقی مستاجر کی تعیین ہو جانے اور رخصت کی ابتداء ۱۲ ذی الحجہ سے تھی یا ۱۳ ذی الحجہ سے تھی، معلوم ہونے پر ہو گا) یہ قطعی ہے کہ ۱۳، ۱۴، ۱۵ ذی الحجہ کی تنخواہ کا بکر عقد اجارۂ سابق کے ماتحت مستحق نہیں ہے کیونکہ وہ عقد تو لا محالہ زیادہ سے زیادہ ۱۲ ذی الحجہ پر ہی ختم ہو گیا۔ ۱۲ سے آگے تو اس کا وجود کسی طرح بھی نہیں۔ بکر کے ۱۴ کو روانہ نہ ہونے اور ایام مذکورہ میں کام کرنے بلکہ اپنی عدم روانگی کی زید اور عمرو کو اطلاع دے دینے سے بھی اجارۂ سابقہ ختم شدہ بحال نہیں ہو جاتا اور اس کام کی اجرت اجارۂ سابقہ ختم شدہ کے ماتحت پانے کا وہ حقدار نہیں ہو تا کیونکہ اس کا ختم ہو جانا تو رخصت کی منظوری سے متحقق ہو گیا اور از سر نو قائم ہونا فریقین کی رضامندی پر موقوف تھا جو مفقود ہے۔ بکر کی جو تحریر عمرو کے نام ہے اور جو زبانی گفتگو عمرو سے رخصتی ملاقات کے وقت کی ہے اس سے یہ تو ثابت نہیں ہو تا کہ عمرو ختم شدہ اجارہ کو از سر نو قائم کرنے پر راضی ہو گیا بلکہ اس کے بر خلاف اس امر پر دال ہے کہ خود بکر بھی اس تصور سے تہی دماغ تھا کہ اجارۂ سابقہ کو از سر نو قائم کیا جا رہا ہے۔ وہ تصریح کر رہا ہے کہ اگر سرپرست کی رائے میں میں اس مدت کی اجرت کا مستحق نہیں ٹھہرا تو واپس کر دوں گا یا اگلے کام کی اجرت معجلہ قرار دے دی جائے گی اور تا تصفیہ یہ قرض سمجھی جائے۔ یہ تقریر تجدید اجارۂ سابقہ کے تصور کے منافی ہے۔ اس سے زیادہ سے زیادہ بکر کا یہ خیال سمجھا جاتا ہے کہ وہ اجارہ سابقہ کے امکان امتداد کا تصور رکھتا تھا لیکن اجارۂ سابقہ جب منظوری رخصت کے وقت فسخ ہو چکا تو اب اس کے امتداد کا تصور بے معنی اور غیر موثر ہے۔ اب صرف یہ بات باقی رہی کہ بکر نے ۱۵ ذی الحجہ تک تنخواہ جو وصول کر لی اس کا یہ فعل اکل مال بالباطل یا خیانت میں داخل ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر واقعہ یہ ہے کہ بکر نے :

(الف) عمرو مہتمم کو خط میں یہ لکھا "مگر اب میں ۱۲ ذی الحجہ کو نہیں گیا بلکہ تعطیل کے بعد بھی ۱۵ ذی الحجہ تک کام کر چکا ہوں۔ اس صورت میں اگر تم کو ایام تعطیل کی تنخواہ دینے میں تردد نہ ہو اور قانون مدرسہ کے مطابق اب میں ۱۵ ذی الحجہ تک تنخواہ کا مستحق ہوں تو دی جائے ورنہ حق سے زیادہ ایک پیسہ لینا نہیں چاہتا۔"

(ب) اور رخصتی ملاقات کے وقت زبانی یہ کہا کہ ایام تعطیل کی تنخواہ کے متعلق حضرت سرپرست سے بوجہ علالت استصواب نہیں ہو سکا ہے۔ بعد میں استصواب کرا لیا جائے اگر ان کو اس رقم کے معاملہ میں تردد ہو تو میں یہ رقم واپس کر دوں گا یا آئندہ اس کام کے حساب میں لگالی جائے گی جو میں ساتھ لے جا رہا ہوں۔ لہذا اس وقت تک کہ سرپرست سے استصواب کیا جائے اس کو قرض سمجھا جائے۔ بکر کی تحریر اور زبانی گفتگو اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اس رقم کو قطعی اپنا حق قرار دے کر طلب نہیں کیا اور نہ اس حیثیت سے قبضہ کیا بلکہ خط میں تو قانون مدرسہ کے موافق ہونے اور عمرو کو دینے میں تردد نہ ہونے کی شرط لگائی اور زبانی گفتگو میں سرپرست کی رائے کو حکم قرار دیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ عمرو نے یہ رقم بکر کو اس کی تحریر پر بھیج دی اور رخصتی ملاقات کے وقت

بھی جب بکر نے سرپرست کی رائے استحقاق کے حق میں نہ ہونے پر رقم کی واپسی کا ارادہ ظاہر کیا اس سے رقم واپس نہ مانگی تو خلاصہ یہ ہوا کہ بکر نے یہ رقم خود کہیں سے نہیں اڑائی کہ قبض ناجائز ہو اس نے عمرو سے اس شرط پر طلب ضرور کی کہ اگر تم میرا حق سمجھو اور قانون مدرسہ کے خلاف نہ ہو تو دے دو اس پر مہتمم نے رقم بھیج دی تو اگر اس میں بکر نے قبضہ کر لیا تو عمرو کی تسلیط سے کیا اور اگر یہ رقم بکر کا حق نہ تھی تو ناحق دینے میں عمرو ملزم ہے۔ بکر تو اس شبہ میں معذور ہو سکتا ہے کہ عمرو کے نزدیک قانون مدرسہ کے موافق میں اس کا مستحق ہوں جبھی تو عمرو نے بھیج دی تو اس کا قبضہ قبض بشبہۃ الاستحقاق ہوگا جس کو خیانت یا اکل مال بالباطل نہیں کہا جا سکتا۔ اگر اس قبض کے صحیح ہونے میں اس کو شبہ تھا اور اس بناء پر اس کو قبض نہ کرنا چاہئے تھا یہ بات عمرو پر بدرجہ اولیٰ عائد ہوتی ہے کہ اسے سرپرست سے استصواب کئے بغیر دینا نہیں چاہئے تھا۔ اگر وہ جانتا تھا کہ میرا کوئی اس قسم کا تصرف سرپرست کی اجازت اور منظوری کے بغیر درست نہیں تو رقم دینے میں اس کو حد اختیار سے تجاوز کا مجرم قرار دیا جا سکتا ہے اور اگر اس تجاوز کو لاابالی پن یا بدنیتی کے ساتھ ملتبس قرار دیا جا سکے تو اس پر خیانت کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ بکر خیانت یا اکل مال بالباطل کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتا۔ اس نے اپنے قبض کو تین صورتوں میں دائر کیا تھا۔

(۱) اگر میں ان ایام کی تنخواہ کا مستحق ہوں تو یہ میرا حق ہے۔

(۲) اگر مستحق نہ ہوں تو واپس کر دوں گا۔

(۳) یا اس کو آئندہ کام کی اجرت معجلہ شمار کر لیا جائے گا اور سردست میرے ذمہ یہ رقم قرض سمجھی جائے۔ اور قرض تسلیم کر کے اپنے ذمہ ہر وجوب تسلیم کر لینا خیانت یا اکل مال بالباطل کی نیت کے صریحاً منافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ ۲ شعبان ۱۳۵۶ء

کیا مجلس شوریٰ ملازمین کی رخصت متعین کرنے میں خود مختار ہے؟

(سوال) (۱) دارالعلوم کی مجلس شوریٰ جو اس کے لئے قوانین و ضوابط انتظام بنانے کی مجاز ہے اس نے حضرات مدرسین و ملازمین دارالعلوم کے لئے ایک سال میں ۱۵ یوم و ایک ماہ علی الترتیب رعایتی رخصت اور ایک ماہ سالانہ بیماری کی رخصت بلاوضع تنخواہ مقرر کی ہے۔ یہ رخصتیں دوران سال میں یکدم اور باقساط مل سکتی ہیں اور اختتام سال کے ساتھ حق رخصت بھی ختم ہو جاتا ہے۔

مدرسین و ملازمین دارالعلوم کی خواہش پر اگر ان کو سفر حج کی رخصت بھی بلاوضع تنخواہ دی جائے تو کیا مجلس شوریٰ اس رخصت کو منظور کرنے کی مجاز ہے یا نہیں؟

(۲) ہر سال استحقاقی رخصت (رعایتی و بیماری) مذکورہ جو حالیہ تعامل کے ماتحت عدم استفادہ کی صورت میں سال بسال سوخت ہوتی رہتی ہے۔ کیا مجلس شوریٰ اس کی مجاز ہے کہ اس حق کو سوخت نہ کرتے ہوئے قائم رکھے جس سے ملازم اگر چاہے تو دوران ملازمت یا ختم ملازمت پر جمع شدہ حق کو استعمال کر سکتے۔

المستفتی نمبر ۲۷۱۰ جناب مولانا مولوی محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ۲۷ صفر ۱۳۶۱ھ م ۱۶ مارچ ۱۹۴۲ء

(جواب ۱۸۱) ہاں مجلس شوریٰ مجاز ہے کہ سفر حج کے لئے بھی ایک معینہ مدت کی رخصت بلاوضع تنخواہ منظور کردے۔ یا مدرس یا ملازمین نے اگر رخصت رعایتی وذماری سے استفادہ نہ کیا ہو تو اس کو سفر حج کی رخصت کے متعلق کالعدم نہ کرے بلکہ سفر حج کی متعینہ مدت، اس رخصت میں شمار کرے۔ مجلس شوریٰ اس کی بھی مجاز ہے کہ صرف رعایتی رخصت کو عدم استفادہ کی صورت میں سال بہ سال کالعدم کرے اور ایک سال کی رخصت عدم استفادہ کی صورت میں دوسرے یا تیسرے سال تک دے دے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔(۱)

مسجد کی کمیٹی یا نمازی امام یا نائب امام مقرر کرسکتی ہے

(سوال)(۱) جس ملک میں سلطان یا نائب سلطان موجود نہ ہوں لیکن شرعی امور کی طرف ان کی بالکل توجہ نہ ہو تو امام یا نائب امام مقرر کرنے کا حق شرعاً کس کو حاصل ہے؟

(۲) اگر مصلیان و کمیٹی مسجد ایک ایسے متدین شخص کو نیابت کے لئے مقرر کریں جس پر جمہور مصلیان حسن اعتقاد رکھتے ہوں اور امام نیابت کے لئے کسی اور غیر معتبر شخص کو پیش کرے تو کیا مصلیان امام کا حکم ماننے پر مجبور ہیں۔

(۳) شامی جلد اول ص ۵٦١ (۲) میں ہے۔ **هو صريح في جواز استنابة الخطيب مطلقا او كالصريح**۔ اور ص ۵٦۲ ج ۱ (۳) میں ہے **لو صلى احد بغير اذن الخطيب لايجوز** اور ص **٥٦٤ ج ١** (۴) میں ہے۔ **ونصب العامة الخطيب** غیر معتبر۔ بعض ظاہر بین عالم مذکورہ بالا فقہی روایات سے استدلال کرتے ہیں کہ نائب امام مقرر کرنے کا حق شرعاً صرف امام کو ہے۔

المستفتی عبدالوہاب سکریٹری مسجد کمیٹی۔

(جواب ۱۸۲)(۱) اگر مسجد کی کوئی کمیٹی ہے تو وہ امام یا نائب امام مقرر کرنے کی مستحق ہے (۵) لیکن اگر کمیٹی نہیں ہے تو مسجد کے نمازیوں کی جماعت کا حق (٦) ہے۔

(۲) نائب امام وہی ہوگا جس کو مسجد کی کمیٹی یا نمازیوں کی کثرت رائے سے مقرر کیا گیا ہے۔ صرف امام کو تنہا اس کا اختیار نہیں ہے۔ خصوصاً جب کہ امام خود بھی امامت کا تنخواہ دار ملازم ہو۔(۷)

---

(۱) اومالوشرط شرطا تبع كحضور الدرس اياما معلومه ..... فلايستحق المعلوم الامن باشر خصوصا اذا قال قطع معلومه فيجب اتباعه وتمامه في البحر (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في الغيبة التي يستحق بها العزل عن الوظيفة. ٤/ ٤١٩ ط سعيد) واما شرائط الصحه (اى صحة الاجارة) فمنها رضا المتعاقدين ومنها بيان المدة (الفتاوى الهندية، كتاب الاجارة، اوائل الباب الاول ط ماجديه) فحيث كانت البطالة معروفة في يوم الثلاثاء والجمعة وفي رمضان والعيدين يحل الاخذ (ردالمحتار كتاب الوقف، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة ٤/ ٣٧٢ ط سعيد)

(٢) (ردالمختار : كتاب الصلاة، باب الجمعة مطلب في جواز استنابة الخطيب ٢/ ١٤٠ ط سعيد)

(٣) (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ٢/ ١٤٢)

(٤) (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ٢/ ١٤٣)

(٥) (الباني) للمسجد (اولى من القوم بنصب الامام والموذن) الدرالمختار، كتاب الوقف، قبيل مطلب في الوقف المنقطع، ٤/ ٤٣٠ ط سعيد)

(٦) (نصب العامة) الخطيب (غير معتبر مع وجود من ذكر) امامع عد مهم فيجوز للضرورة (الدرالمختار) (قوله فيجوز للضرورة) ومثله مالومنع السلطان اهل مصر فلهم ان يجمعوا على رجل يصلي بهم الجمعة (كتاب الصلاة، باب الجمعة، ٢/ ١٤٣ ط سعيد)

(٧) ان اختار بعض القوم لهذا والبعض لهذا فالعبرة لاجماع الاكثر (قاضيخان، كتاب الصلاة فصل فيمن يصح الاقتداء به. ١/ ٩٢ ط ماجديه، وفي الخلاصه ان الامام يجوز استخلافه بلا اذن بخلاف القاضي وعلى هذا لاتكون وظيفه شاغرة، وتصح النيابة (كتاب الوقف، مطلب في الغيبة يستحق بها العزل على الوظيفة ومالايستحق ٤/ ٤٢٠ ط سعيد)

(۳) خطیب سے تنخواہ دار خطیب مراد نہیں ہے کیونکہ تنخواہ دار خطیب تو ملازم مستاجر ہے۔ اس کے اوپر احکام استیجار کے نافذ ہوں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

واقف کی وصیت کے خلاف کرنے والا مسجد کا سکریٹری بننے کا اہل نہیں

(سوال) بعد وفات حضرت خطیب صاحب مسجد قاسم علی خاں ان کے فرزند کبیر حضرت مولانا مولوی صاحب کو تمیع مسلمانان پشاور و مضافات نے ہزار ہا کی تعداد میں حضرت مرحوم کا جانشین قرار دے کر دستار فضیلت ایک خلافت کمیٹی دوسری مسلم آزاد پارٹی کی جانب سے مولانا موصوف کے سر باندھی۔ کسی فرد بشر نے اس وقت اختلاف نہیں کیا۔ مگر مسجد مذکور کے عارضی اوقاف کمیٹی کی سکریٹری خان بہادر عبدالحکیم خان صاحب و بعض اراکین نے جمہور اہل اسلام خصوصاً مسلمانان پشاور کی رائے کے خلاف مولانا موصوف کو ایک نوٹس کے ذریعہ لکھا کہ آپ کسی سیاسی کام میں حصہ نہ لیں اور نہ کسی سیاسی جماعت سے تعلق رکھیں اور نہ کسی ایسی جماعت یا شخص کو ملیں جو حکومت کے مخالف ہو یا حکومت کو اپنا مخالف سمجھتی ہو۔ اس نوٹس نے مسلمانان پشاور میں سخت ہیجان پیدا کر دیا اور مسلم آزاد پارٹی کے زیر قیادت کئی ایک جلسوں میں سکریٹری صاحب موصوف اور ان کی عارضی کمیٹی کے خلاف اظہار نفرت و ملامت کے ریزولیشن پاس ہوئے۔ حتیٰ کے جمعیۃ العلماء صوبہ سرحد نے تحریری فتویٰ دیا کہ سکریٹری صاحب اور ان کی عارضی اوقاف کمیٹی کا مولوی صاحب موصوف کو اس قسم کا نوٹس دینا شرعاً ناجائز ہے۔ بلکہ اراکین اوقاف کمیٹی کو نااہل قرار دے کر کمیٹی سے برطرف کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ مگر چونکہ مسلمانوں کا سیاسی اقتدار نہیں ہے اور نہ اجزائے احکام شرعیہ کا ذریعہ اس لئے یہ تمام چیخ پکار صدا بصحرا یا آواز در گنبد ثابت ہوئی اور سکریٹری صاحب نے مولوی صاحب کا وظیفہ تقریباً ڈھائی سال سے اس بہانہ پر کہ وہ کانگریس اور بھارت سیوا وغیرہ جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں بند کر رکھا ہے۔ بایں ہمہ رنج والم مولانا موصوف اپنے والد امجد مرحوم و مغفور کی وفات کے بعد محض خدا اور رسول ﷺ کی رضا جوئی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور کلمۃ الرسول کے لئے دل و جان سے روز و شب مصروف اور اولاد اسلام کی خدمت و صحیح معنوں میں تربیت کا وظیفہ ہمہ وقت درس و تدریس و افتا سے ایفا فرما رہے ہیں۔

(۲) مسجد خوردہ فروشان کی امامت کے لئے اس بازار کے تمام مسلمان اپنے دستخطوں سے سکریٹری صاحب و اراکین اوقاف کمیٹی کو درخواست دیتے ہیں کہ مولانا حافظ عبدالقیوم صاحب کو امام مقرر کیا جائے مگر سکریٹری صاحب ایک اور شخص کو جو قرآن و حدیث و فقہ سے بے خبر ہے امام مقرر کر دیتے ہیں۔

(۳) بارہ وفات کی تقریب میں خلافت کمیٹی کے زیر اہتمام مولود شریف کی مجلس میں شیرینی وغیرہ کے مصارف پر مبلغ ۲۰ روپے مسجد کے اوقاف فنڈ سے صرف لئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد پر خرچ کرنے کی شرعاً ممانعت کہتے ہیں مگر یہ صرف اس لئے کہ خلافت کمیٹی کے مختار و نائب صدر مرزا محمد سلیم خاں، خان بہادر عبدالحکیم خاں سیکریٹری کے بھائی ہیں۔ سکریٹری صاحب و اراکین اوقاف کمیٹی کی اس قسم کی غلطیوں پر مسلمان اعتراض کرتے ہیں اور جواب کے لئے سکریٹری صاحب تحریری بیان پر پمفلٹ کے ذریعہ

۔ ۔ ۔ ۔ مسجد کے اوقاف فنڈ سے خرچ کر ڈالتے ہیں۔ کیا ایسا شخص جو جمہور اہل اسلام و اجماع امت محمدی اور وصیت متولی و واقف کے خلاف کرتا ہو اوقاف مسجد پر قابض و متصرف رہ سکتا ہے ؟

(جواب ۱۸۳) سکریٹری صاحب کے یہ افعال جو غرض واقف اور منشائے وقف اور رضامندی اہل اسلام کے خلاف ہیں۔ قابل مواخذہ و موجب ضمان ہیں۔ جمہور مسلمین کو حق ہے کہ وہ سکریٹری صاحب کی جگہ کسی دوسرے امین و معتمد شخص کو منتخب کرلیں۔(۱)　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

(منقول از اشتہار مطبوعہ شمیم پریس۔ پشاور)

مسجد کی کمیٹی کے حصص بیچنے والے پر ان کی قیمت لازم ہے متوقع منافع کا ضامن نہیں

(سوال) ایک متولی اول مسجد نے مسجد کے پاس ایک ہزار روپیہ نقد اور دیگر ماہانہ آمدنی مستقل ہونے کے باوجود مسجد کے کسی کمپنی کے تقریباً ایک ہزار روپے کے شیئر (حصص) نہ صرف بلا اجازت و بلا قرار داد مصلیان بلکہ مصلیان کی لاعلمی میں فروخت کر ڈالے مصلیان مسجد اور متولی ثانی کو اس بات کا علم اس وقت ہوتا ہے جب کہ پانچ سال کے بعد متولی اول کے عزل اور سبکدوش کرنے کا موقع آتا ہے۔ وہ بھی اس وقت جب کہ حساب کتاب کے رجسٹروں کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد متولی اول متولی ثانی کو مسجد کا چارج سپرد کر دیتا ہے اور متولیان وغیرہ فارغ ہو کر اپنے اپنے گھر چلے جاتے ہیں تو متولی ثانی کو ایک واقف کار شخص توجہ دلاتا ہے کہ فلاں کمپنی کے تین شیئر مسجد کے تھے۔ ان کے کاغذات بھی آپ نے سنبھال لئے یا نہیں ؟ تب یہ متولی ثانی اس واقف کار شخص کے ہمراہ متولی معزول کے مکان پر جاتے ہیں اور اس کمپنی کے حصص کے کاغذات طلب کرتے ہیں تو وہ بطور تجاہل عارفانہ کے کہتا ہے کہ "ایں" کیا ان حصوں کا روپیہ جمع نہیں ہے ؟ وہ تو میں نے پانچ سال ہوئے بیچ ڈالے۔ اور ان کا روپیہ جمع کرنا تو میں بالکل بھول گیا۔ خیر رجسٹر کھاتہ وغیرہ لائے ہیں ؟ اب جمع کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ متولی ثانی نے اس کے پاس کھاتہ کے رجسٹر وغیرہ تھے تب اس نے ان روپوں کو کھاتے میں یہ عبارت لکھ کر جمع کیا کہ ۱۹۳۲ء میں فلاں کمپنی کے حصے فروخت کئے اور ان کی رقم کو جمع کرنا بھول گیا تھا وہ آج جمع کرتا ہوں۔ اب چونکہ متولی معزول کے پاس ان فروخت شدہ حصص کی رقم موجود نہیں تھی اور نہ ایک ہزار روپیہ نقد جو کھاتہ کی رو سے اس کے ذمہ نکل رہا تھا لہذا اس نے بیرون ہند کسی سیٹھ کا حوالہ دلا کر جمع کیا۔ ان تمام باتوں سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ متولی معزول نے یقیناً خیانت کی ہے جس کو دوسرے الفاظ میں غصب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ خائن متولی ان حصص کو فروخت نہ کرتا اور اگر فروخت کئے تھے تو ان کی قیمت سے کسی اور کمپنی کے حصے خرید کرتا یا کسی دوسری صورت سے اس رقم کو آمدنی کا ذریعہ بناتا تو اس پانچ سال کے عرصہ میں صرف ان حصص کی رقم کی آمدنی اور منافع تخمیناً چار یا پانچ سو روپے ہوتا۔ اور آج کل فروخت شدہ حصص کی قیمت بھی دو گنی ہے۔

---

(۱) (وينزع وجوبا (لو) الواقف درر فغيره بالاولى (غير مامونا) او عاجزا او ظهر به فسق كشرب خمر ونحوه فتح، واو كان يصرف ماله في الكيمياء نهر (الدر المختار) (قوله فغيره بالاولى) استفيد منه ان للقاضي عزل المتولي الخائن غير الواقف بالاولى (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما يعزل به الناظر، ٤ / ٣٨٠ ط سعيد)

اب سوال یہ ہے کہ اس خائن متولی پر جس نے خیانت کر کے پانچ سال تک منافع وقف کا جو نقصان کیا اس کا ضمان واجب ہے یا نہیں ؟ چونکہ قضیہ عدالت میں در پیش ہے لہذا حوالہ کتب کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی محمد عبدالرحیم حوالدار کٹھور ضلع سورت

(جواب ۱۸٤) اس تمام روداد سے متولی اول کی بد انتظامی اور تصرف بے جا اور خیانت تو ثابت ہوتی ہے تاہم منافع مستہلکہ کا ضمان اس کے اوپر واجب نہیں۔ صرف حصص کی قیمت فروخت اس کے ذمہ واجب الادا ہے اور متولی حال کو حق ہے کہ وہ رقم اس سے مانگے اور حوالہ قبول نہ کرے۔　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

منافع کو ہلاک کرنے کی ضمان نہ آنا عدم غصب کی وجہ سے ہے

(سوال) کل حضور اقدس کا ایک فتویٰ اوقاف کے منافع مستہلکہ کے ضمان کے عدم وجوب کا نظر سے گزرا۔ فتوے کی صحت میں تو بھلا کسے کلام اور شبہ ہو سکتا ہے۔ لیکن در مختار اور شامی کی عبارت سے کچھ دل میں کھٹک سی ہے۔ لہذا اس عبارت کا صحیح محمل اور توجیہہ بیان فرمائیں تو ذرہ نوازی ہو گی۔ عبارت یہ ہے : فی الدر المختار (۱) (و) **بخلاف (منافع الغصب استوفاها او عطلها) فانهالاتضمن عندنا ووجد فی بعض المتون ومنافع الغصب غیر مضمونة الخ (الا) فی ثلاث فیجب اجرالمثل علی اختیار المتاخرین (ان یکون) المغصوب (وقفا) للسکنی اوللاستغلال فی الشامی اقول اولغیرهما کالمسجد الخ** (شامی (۲) مصری واستنبولی جلد خامس ص ۱۷۹) اس عبارت سے کچھ وہم سا ہو رہا ہے کہ اوقاف کے منافع مستہلکہ مضمون باجر المثل ہیں۔

(جواب ۱۸۵) فتویٰ مرسلہ میں عدم ضمان کا حکم اس امر پر مبنی ہے کہ متولی اول کا قبضہ قبض غصب نہیں تھا، قبض تولیت تھا۔ اگرچہ اس نے عمل ایسا کیا جو وقف کی بہبود کے خلاف تھا۔ تاہم حقیقی طور پر وہ غاصب نہیں تھا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا متولی کا وقف میں تصرف غصب شمار ہو گا؟

(سوال) چند یوم کا عرصہ ہوا کہ حضور اقدس نے فتویٰ دیا تھا کہ "مسجد کے منافع مستہلکہ کا ضمان متولی کے ذمہ نہیں ہے۔" اس استفتا کو حضور کی خدمت میں پیش کرنے سے پہلے جامعہ ڈابھیل کے مفتی صاحب مولانا اسماعیل محمد بسم اللہ کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا۔ سو انہوں نے پہلے تو وجوب ضمان کا فتویٰ دیا تھا۔ لیکن یہ حضور کا فتویٰ جب انہیں دکھایا گیا تو اپنے فتوے سے رجوع فرمالیا۔ لیکن یہ رجعت اس وقت تک سکوت کے درجہ میں ہے کیونکہ اسی سلسلہ میں احقر ان کی خدمت میں ڈابھیل گیا اور نئے سرے سے ان کی خدمت میں گجراتی زبان میں استفتا پیش کیا اور عرض کیا کہ جب حضور نے رجوع فرمالیا ہے تو پھر کیا حرج ہے کہ اب حضور عدم وجوب ضمان کا فتویٰ دیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ حرج تو کچھ بھی نہیں لیکن چونکہ معاملہ ہے عدالت کا اور باوجود از حد تلاش کے کوئی صریح جزئیہ کسی جگہ ملا نہیں۔ اور حضرت مفتی صاحب (استاذی مدظلہ) نے جو

---

(۱) الدر المختار، کتاب الغصب، مطلب فی ضمان منافع الغصب، ٦/ ٢٠٥، ٢٠٦ سعید)
(۲) (ردالمحتار، کتاب الغصب، مطلب فی ضمان منافع الغصب، ٦/ ٢٠٦ ط سعید)

دلیل تحریر فرمائی ہے کہ عدم وجوب ضمان کا حکم قبضہ تولیت کی وجہ سے ہے۔ قبضہ غصب کی وجہ سے نہیں۔ سو اس دلیل اجمالی کی وجہ سے کشمکش و پیچ میں ہوں کہ آخر قبضہ تولیت کی وجہ سے غصب ثابت کیوں نہیں ہوتا۔ اگر اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہو کہ چونکہ قبضہ تولیت دراصل قبضہ لبداغ ہے۔ اس وجہ سے قبضہ غصب موثر نہیں ہوتا تو یہ بھی فقہائی تصریحات کے خلاف ہے۔ کیونکہ کتب فقہیہ کا جزئیہ ہے کہ اگر کوئی شخص امانت کا انکار کر دے تو وہ غاصب کہلائے گا۔ اگر حضور والا اس اجمال کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان فرمائیں کہ قبضہ تولیت کے ہوتے ہوئے غصب کیوں نہیں ثابت ہوتا تو مفتی بسم اللہ صاحب کو بھی اطمینان ہو جائے اور ہم لوگ فریقین کو سہولت کے ساتھ راضی کر کے عدالت سے مقدمہ کو واپس کرالیں اور شریعت مطہرہ کے موافق فیصلہ کرا دیں۔ امید کہ حضور اقدس معتدبہ اطمینان بخش تفصیل فرما کر ہم سب کو ممنوع فرمائیں گے۔

خادم دیرینہ حوالدار مورخہ ۷ المحرم ۱۳۶۴ھ

(جواب ۱۸۶) فتویٰ مرسلہ کی نقل یہاں نہیں ہے اس لئے اس کے متعلق مزید استفسار کے ساتھ وہ فتویٰ یا اس کی پوری نقل مع سوال و جواب آنی چاہئے۔ یہ صحیح ہے کہ مودع ودیعت کا انکار کر دے تو انکار کے بعد اس کا قبضہ ودیعت بدل کر قبضہ غصب ہو جاتا ہے لیکن متولی کا قبضہ قبضہ ودیعت نہیں ہے۔ مودع ودیعت میں تصرف کا حق نہیں رکھتا۔ صرف محافظ ہوتا ہے اور متولی تصرف کرتا ہے اور تصرف کا حق رکھتا ہے تو جب تک وہ کسی شرط وقف کی صراحتاً مخالفت نہ کرے اس وقت تک اس کو غاصب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر کوئی تصرف اس کی رائے میں وقف کی شرائط کے خلاف نہ ہو اور وہ کر ڈالے اور دوسرے لوگ اس کو وقف کے لئے مضر سمجھیں تو زیادہ سے زیادہ اس کو آئندہ کے لئے تولیت سے معزول کرنے کا حق ہوگا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

فتویٰ مرسلہ کی نقل مع سوال و جواب ہمیں موصول ہو چکی ہے۔ اس لئے اس فتوے کا تفصیلی جواب حسب ذیل ہے۔

ہوالموفق۔ مسئلہ مسئول عنہا در حقیقت اصل وقف کے متعلق نہیں ہے بلکہ مال وقف سے خریدے ہوئے شیئرز کے متعلق ہے۔ یعنی مسجد کے جمع شدہ سرمایہ سے شیئرز خرید لئے گئے تھے تاکہ ان کی آمدنی ہو جائے۔ شیئرز میں متولی کو ہر وقت اختیار ہوتا ہے کہ ان میں فائدہ کم دیکھے تو فروخت کر دے۔ یعنی شیئرز کی بیع اس کے اختیارات تولیت میں داخل ہے بلکہ مسجد کی وقف کی آمدنی جو جائیداد خریدی جائے اس کو بیع کرنے کا متولی کو حق ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی دلیل یہ ہے :۔ متولی المسجد اذا اشتری بمال المسجد حانوتا او دارا ثم باعها جاز اذا کانت له ولایة الشراء هذه المسئلة بناء علی مسئلة اخری ان متولی المسجد اذا اشتری من غلة المسجد دارا او حانوتا فهذه الدار وهذه الحانوت هل تلحق بالحوانیت الموقوفة علی المسجد ومعناه هل تصیر وقفا. اختلف المشائخ رحمهم الله تعالی قال الصدر الشهید المختار انه لاتلتحق ولکن تصیر مستغلا للمسجد کذافی المضمرات۔ (عالمگیری(۲) جلد دوم ص ۴۱۳ مصری) یہ بھی واضح رہے کہ اگر یہ شیئرز مسجد کی رقم سے خریدے ہوئے نہ ہوں بلکہ کسی نے بر اد

---

(۱) (قوله لیس للقاضی عزل الناظر) قید بالقاضی لان الواقف له عزله ولو بلاجنحة... نعم له ان یدخل معه غیره بمجرد الشکایة والطعن (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب لیس للقاضی عزل الناظر ۴/ ۴۳۸، ۴۳۹ ط سعید)

(۲) (الفتاوی العالمگیریه کتاب الوقف، الباب الثالث، مطلب اذا اراد القیم بیع بعض الحزب، ۲/ ۴۱۷ ماجدیة)

راست مسجد کو دیئے ہوں تو ان کا حکم بھی یہی ہوگا کہ ان کی بیع ممنوع نہیں بلکہ متولی کے اختیار میں ہوگی۔ اس کا حکم اعیان موقوفہ کا نہ ہوگا۔ کیونکہ کسی کمپنی کے حصص اعیان موقوفہ نہیں ہیں۔ پس جب کہ متولی نے یہ حصص فروخت کئے تو اس نے اپنے حدود اختیار سے تجاوز نہیں کیا اور بیع جائز ہوگئی۔ نفس بیع اس کی خیانت کو مستلزم نہیں۔ اب اس کے پاس مسجد کی رقم ہوگئی۔ اس رقم کو اس نے کسی آمدنی کے کام میں نہیں لگایا تو یہ اس کی سود تدبیری تو کہی جاسکتی ہے مگر خیانت نہیں کہی جاسکتی۔ ہاں اس کا پانچ سال تک اس رقم کو مسجد کے حساب میں جمع نہ کرنا خیانت ہے جس کی بناء پر وہ عزل کا مستحق ہو سکتا ہے۔ (۱) اور قیمت حصص اس سے وصول کی جا سکتی ہے۔ اگر اس رقم جمع نہ کرنے کو غصب بھی قرار دیا جائے تو یہ غصب رقم کا ہے نہ کہ وقف کا۔ اور رقم کے غصب پر منافع مستہلکہ کا ضمان واجب نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ خالص رہا ہوگا۔ اگر کوئی شخص مسجد کا روپیہ غصب کرلے اور دو چار سال تک نہ دے تو اس کے ذمہ صرف غصب شدہ روپیہ ہی واجب الادا ہوگا۔ اس رقم کا مدت غصب کا منافع نہیں لیا جاسکتا۔

وقف کے منافع مستہلکہ یا معطلہ کا ضمان جو غاصب سے لیا جاتا ہے وہ منافع وہ ہیں جو عقد اجارہ میں معقود علیہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں جیسے دار موقوفہ کی سکونت یا ارض موقوفہ کی زراعت۔ (۲) لیکن رقم کے وہ منافع جو اس کو کسی کام میں لگانے سے بطور ربح حاصل ہوتے ہوں ان منافع میں داخل نہیں ہیں جن پر عقد اجارہ واقع ہو سکے۔ اس لئے رقم کے منافع مضمون نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، ۱۱ صفر ۱۳۶۲ھ

دونوں جوابوں کے درمیان فرق کے شبہ کا ازالہ

(سوال) حضور اقدس کے سابقہ فتوے اور آخری مفصل تحریر میں ہر دو کے عنوان میں کچھ تعارض سا معلوم ہوتا ہے۔ سابقہ فتوے کے جواب میں تحریر ہے کہ ان حصص کو بیچنا اگر متولی کا ذاتی فعل ہے (یعنی نمازیوں کے مشورے سے نہیں) تو یہ فعل ناجائز ہے اور متولی کا یہ فعل غلط ہے اور آخری فتوے میں علی الاطلاق بیع اور خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے۔ نیز یہاں کی جملہ مساجد کا قدیم سے یہ عرف اور دستور چلا آرہا ہے کہ متولی اگر کوئی جائیداد یا شیئرز بیچنا یا خریدنا چاہے تو جمعہ کے دن یا اور کسی مناسب موقع پر مصلیان مسجد کو جمع کر کے مشورہ لیتا ہے اور یہ کارروائی باقاعدہ مجلس شوریٰ کے رجسٹر میں درج کی جاتی ہے اور اس پر حاضرین کے دستخط بھی لئے جاتے ہیں۔ اگر مصلیان راضی ہوں اور متولی کو اجازت دیں تو متولی خرید و فروخت کر سکتا ہے۔ نمازیوں کے بلا مشورے کے متولی اس قسم کی خرید و فروخت کا مجاز نہیں۔ حضور اقدس کے دونوں فتوؤں کا مآل تو واحد ہے۔ یعنی دونوں صورتوں میں یعنی اگر بیع ناجائز ہو تو یا جائز رکھی جائے تو منافع مستہلکہ کا ضمان واجب نہیں۔ لیکن یہاں کا عرف قائم مقام شرط واقف کے ہے۔ سو یہاں کے ماحول کے مطابق ہر دو شق متعین ہو کر جواب منقح ہو جائے تو فیصلہ

(۱) (ینزع) وجوباً (لوغیر مامون) الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب یاثم بتولیہ الخائن، ۴/ ۳۸۰ ط سعید)
(۲) (ان غصب عقارہ) اوسکنہ انسان بغیر امر الواقف اوالقیم (یختار) للفتوی (وجوب الضمان) فیہ وفی اتلاف منافعہ ولو غیر معدللاستغلال وبہ یفتی (الدر المنتقی فی شرح الملتقی، کتاب الوقف، ۱/ ۷۵۳،۷۵۲ ط بیروت)

کے صدور میں بہت زیادہ سہولت ہو۔

(جواب ۱۸۷) دونوں جوابوں میں تعارض نہیں۔ پہلے جواب میں بیع کو ناجائز اور متولی کے فعل کو غلط اس معنی میں کہا ہے کہ اس نے اختیار تولیت کو ناجائز اور غلط طور پر استعمال کیا اور دوسرے جواب میں ایک اماکن وقف کی آمدنی سے خریدی گئی ہوں ان کی بیع جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں بیع کئے جانے کی صلاحیت ہے۔ اگر متولی اپنے حدود اختیار میں رہ کر بیع کرے تو بیع بالکل جائز اور صحیح ہو گی اور اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرے تو بیع ہو جائے گی۔ اور متولی کے حق میں اس کا یہ فعل ناجائز قابل مؤاخذہ ہوگا۔ اور اس کو معزول کئے جانے کا مستحق بنادے گا۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

(۱) واقف کی اولاد تولیت کی زیادہ حقدار ہے

(۲) کیا مسجد کی مرمت اور تقسیم وغیرہ متولی کی سرپرستی میں ہو گی؟

(۳) عقائد میں اختلاف کی صورت میں متولی کی ذمہ داری

(۴) کیا متولی دوسرے کو متولی بنا سکتا ہے؟

(سوال) (۱) ایک شخص نے اپنی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ وغیرہ سے کوئی مکان برائے مسجد وقف کر کے مسجد اپنے مصارف سے تعمیر کی بعد کو وہ فوت ہو گیا۔ ایسی صورت میں متولی مسجد کون ہو گا؟

(۲) اس مسجد کی مرمت و تعمیر و عزل و نصب خدام مسجد و ترمیم و تعمیر عمارت میں کس کی اجازت و سرپرستی سے ہونی چاہئے؟

(۳) بصورت اختلاف عقائد تقلید و غیر تقلید وغیرہ متولی کو کیا کیا حقوق انسدادی حاصل ہیں؟

(۴) انتقال تولیت حسب اجازت متولی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۸۸) (۱) جب تک واقف کی اولاد اور اقارب میں کوئی شخص تولیت کے قابل مل سکے تو اسی کو متولی بنانا چاہئے اور جب اس کی اولاد و اقارب میں کوئی اہل نہ ہو تو پھر اجانب میں سے کسی لائق و متدین شخص کو متولی بنایا جائے۔ (۲)

(۲) اگر واقف کوئی وصیت کر گیا ہو اور کسی شخص یا جماعت کے سپرد یہ کام کر گیا ہو تو اس کی وصیت و ہدایت کی تعمیل کرنی چاہئے اور کوئی وصیت نہ ہو تو پھر جو شخص حسب قاعدہ متولی قرار پائے گا مرمت و تعمیر و عزل و نصب خدام وغیرہ و تمام انتظامات اسی کی رائے کے موافق ہوں گے۔ (۳)

(۳) مسجد کا بانی جس فریق سے تعلق رکھتا تھا تولیت و اہتمام کے اختیارات تو اسی فریق کو حاصل ہوں گے (۱) اور

---

(۱) (ینزع) وجوبا (لو غیر مامون) (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب یاثم بتولیۃ الخائن، ۴/ ۳۸۰ ط سعید)

(۲) لایجعل القیم من الاجانب ما وجد فی ولد الواقف، واهل بیته من یصلح لذالک (کتاب الوقف، مطلب لایجعل الناظر من غیر اهل الوقف، ۴/ ۴۲۴ ط سعید)

(۳) (۴) (قوله ولایة نصب القیم الی الواقف) قال فی البحر قدمنا ان الولایة للواقف ثابتة مدة حیاته وان لم یشترطها وان له عزل المتولی (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب ولایة نصب القیم الی الواقف، ۴/ ۴۲۱ ط سعید)

مسجد میں نماز پڑھنے کا حق تمام مسلمانوں کو حاصل ہے۔ نماز پڑھنے سے متولی اور خود بانی بھی کسی کو نہیں روک سکتا۔ ہاں شر و فساد کرنے سے روکنے کا حق(۱) حاصل ہوتا ہے۔

(۴) اگر متولی کو یہ حق دیا گیا ہو کہ وہ اپنی جگہ دوسرے شخص کو بھی متولی بنا سکتا ہے تو اس صورت میں وہ دوسرے کو متولی بنا سکتا ہے۔ اور اگر اسے یہ حق نہیں دیا گیا ہو تو اسے اپنی زندگی اور صحت میں کسی کو متولی بنانے کا حق نہیں۔ ہاں مرض الموت میں کسی دوسرے کے لئے وصیت کر سکتا ہے اور اس وصیت کے موافق دوسرا شخص متولی کے انتقال کے بعد متولی ہو جائے گا۔(۲) باقی عارضی طور پر اپنے اختیارات کسی دوسرے کو اجرائے عمل کے لئے تفویض کر دینے کا متولی کو ہر وقت اختیار ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی۔

نمازی مسجد کی منتظم کمیٹی کے رویہ سے مطمئن نہ ہوں تو اسے معزول کر دیا جائے یا نہیں؟

(سوال) آج مجھے بالوگنج مسجد کے متعلق مسلکہ مجموعہ فتاویٰ ملا کیونکہ میرا بھی اس قضیہ سے تعلق ہے۔ مجھے افسوس ہوا کہ یہاں کے اصحاب نے واقعات کو بہت مسخ کر کے آپ حضرات سے استفتا طلب کیا جس سے بالوگنج کے مسلمانوں پر برا اثر پڑا ہے۔ جس مقصد کے لئے آپ کو تکلیف دی گئی تھی وہ ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوا۔ دونوں جماعتیں جاری ہیں۔ اب میں مجملاً آپ کی خدمت میں بالوگنج مسجد کے حالات عرض کرتا ہوں تاکہ آپ پر حقیقت آشکار ہو جائے۔ میں واقف راز ہوں۔ گزشتہ کمیٹی کا معتمد تھا۔

مسجد مذکورہ پہلے ایک متولی کے ہاتھ میں تھی۔ لوگ اس سے مطمئن نہ تھے۔ عدالتی چارہ جوئی متولی کے خلاف کی۔ ایک عرصہ کے بعد باہمی فیصلہ ہو گیا۔ متولی صاحب نے ایک کمیٹی منظور کر لی جس میں متولی صاحب ممبر تاحین حیات۔ ایک نمائندہ انجمن اسلامیہ شملہ اور تین دیگر ممبر جو بالوگنج اور مضافات کے مسلمانوں سے منتخب ہوں، یعنی کل پانچ حضرات کی کمیٹی مقرر ہوئی۔ عدالت نے ابتداء میں ایک عارضی کمیٹی کو خود نامزد کر دیا جو صرف چھ ماہ کے لئے تھی۔

اس عدالتی کمیٹی نے ایک امام کو مقرر کیا۔ اس امام کو آئے ہوئے چند دن ہی ہوئے تھے کہ ایک دو حضرات نے اس کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ وجہ اختلاف یہ بتائی گئی کہ امام بالوگنج کی ایک پارٹی کی حمایت کرتا ہے جس کی امام نے تردید کی۔ عارضی کمیٹی کی مدت ختم ہونے پر مستقل کمیٹی کا انتخاب ہوا۔ انتخاب میں دھڑے بندی زوروں پر تھی۔ تین آدمی منتخب ہوئے۔ انجمن اسلامیہ نے غلطی یہ کی کہ ایک پارٹی کے ہر غنہ کو اپنا نمائندہ مقرر کر دیا۔ اس سے دوسری پارٹی والے بہت بگڑ گئے۔ ابھی تک ایک پارٹی کا دوسری پارٹی سے معاملہ تھا مگر جب ایک پارٹی نے امام کو نشانہ بنایا تو لوگ متحدہ طور سے امام کی طرف ہو گئے۔ امام کے خلاف ایک گمنام

(۱) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "ومن اظلم ممن منع مساجدالله ان يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها" سورة البقرة

(۲) (ارادالمتولي اقامة غيره مقامه في حياته) وصحته (ان كان التفويض له) بالشرط (عاماصح) (والا) فان فوض في صحته (لا) يصلح وان في مرض موته صح (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب للناظر ان يوكل غيره، ٤/ ٤٢٥ ط سعيد)

(۳) (قوله ارادالمتولي اقامة غيره مقامه) اى بطريق الاستقلال لابطريق التوكيل فلايتقيد بمرض الموت (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب للناظر ان يوكل غيره ٤/ ٤٢٥ ط سعيد)

عرضی اہتمام حکام ضلع کے پاس بھیجی گئی جس میں لکھا تھا کہ امام کانگریسی خیالات کا ہے اور خلافت کی تحریک میں عملی حصہ لیتا رہا ہے۔ وغیرہ ۔ اس عرضی پر امام کا کچھ نہیں بگڑا بلکہ نمائندہ انجمن کی طرف لوگوں کا عام خیال تھا کہ یہ ان کی حرکت تھی۔ اس کے بعد مختلف منصوبے امام کو علیحدہ کرنے کے لئے کئے گئے جس کا اثر یہ ہوا کہ منتظمہ کمیٹی کی طرف سے لوگ بد دل ہوتے گئے اور امام کی حمایت میں ایک کثیر جماعت ہو گئی۔ آخر میں مقطع کا بند یہ ہوا کہ "زمیندار" کی ضمانت کی ضبطی جو قادیانی کی وجہ سے ہوئی تھی اس کے متعلق امام نے بھی لوگوں کے کہنے پر اپیل کی۔ اس پر صدر صاحب کو خوب بھڑکایا گیا۔ وہ بے چارے کانوں کے کچے بھرے میں آگئے اور امام سے الجھ پڑے۔ تو تو میں میں اور سخت کلامی تک نوبت آئی۔ غصہ میں صدر صاحب نے فوراً تھانے میں رپٹ لکھوادی اور دوسرے دن صبح سپرنڈنٹ پولیس اور ڈپٹی کمشنر صاحب سے امام کے خلاف سخت شکایت کی۔ جاڑے کا موسم تھا۔ دفاتر دہلی میں تھے۔ کمیٹی کے پانچ ممبران میں سے صرف دو وہاں موجود تھے۔ یعنی صدر اور ایک ممبر۔ صدر صاحب نے اپنی دو ممبروں کی کمیٹی میں امام کو علیحدگی کی قرارداد منظور کرالی۔ اور ایک وکیل کی معرفت امام کو ایک ماہ کی میعاد کے بعد علیحدگی کا نوٹس دے دیا۔ امام صاحب نے وہ نوٹس مجھے بحیثیت کریٹری کے بھیج دیا۔ میں نے اس کا جواب وکیل صاحب کو یہ دیا کہ جو نقائص امام میں بتائے جاتے ہیں وہ غلط ہیں۔ امام نے اپنے اقرار کے خلاف کچھ نہیں کیا بلکہ کمیٹی نے عہد شکنی کی ہے کہ مقررشدہ تنخواہ میں بھی تخفیف کی اور رہائشی مکان حسب اقرار نامہ جو ملنا چاہئے تھا وہ نہیں دیا۔ امام نے مسجد کی امامت کے وقار کو بڑھادیا ہے اور یہ کہ کمیٹی پبلک کا اعتماد کھو چکی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کمیٹی ایک عام جلسہ میں مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرے۔ وغیرہ۔ نوٹس کی میعاد گزر گئی۔ کمیٹی نے امام صاحب کی تنخواہ بند کردی مگر تین چار ماہ تک کسی امام کا تقرر نہیں کیا۔ وہی امام نماز پڑھاتا رہا۔ جب دفاتر شملہ واپس آئے اس وقت شر میں اضافہ ہوا۔ امام کی عدم موجودگی میں اس کا سامان نکال کر حجرۂ مسجد کے باہر رکھ دیا۔ لوگ سخت غصہ میں تھے۔ مگر کمیٹی نے پولیس کی آڑ لے رکھی تھی۔ پبلک کی مطلق پروانہ کی۔ اب امام کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی ہے اور عارضی حکم امتناعی حاصل کرلیا ہے کہ امام مسجد میں نماز نہ پڑھائیں۔ اس پر لوگ آگ بگولہ ہوگئے اور مسجد کے امام سے عدم تعاون اور بالکل مقاطعہ کردیا۔ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے بلکہ ایک الگ جماعت کرتے ہیں۔ اس عدالتی چارہ جوئی کا پبلک نے ایک یہ بھی جواب دیا کہ ایک جلسہ عام میں ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کی کہ کمیٹی مذکورہ کے خلاف جو شکایات ہیں ان کی پڑتال اور تفتیش کرے۔ ان کی رپورٹ منسلک ہے۔ کمیٹی نے کمیشن سے عدم تعاون کیا۔ پبلک نے ایک عام جلسہ میں کمیشن کی رپورٹ کو منظور کیا اور کمیٹی مذکور کو معزول کر کے دوسری کمیٹی مقرر کردی۔ اب سابق کمیٹی اڑی ہوئی ہے اور ان کی بدولت مسلمانوں کا روپیہ عدالت اور عدالتی چارہ جوئی کی نذر ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ حکم امتناعی کے علاوہ ایک اور دعویٰ امام پر دائر کردیا ہے کہ وہ مسجد میں بچوں کو قرآن کی تعلیم نہ دے۔ بالوگنج کے مسلمانوں کے کوئی تیس پچیس لڑکے حافظ صاحب سے قرآن پڑھتے ہیں اور تمام بچوں کے والدین بالکل مطمئن ہیں۔ خود صدر صاحب نے ایک چٹھی میں اعتراف کیا ہے کہ حافظ صاحب بہترین قرآن شریف پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ مگر ان کو وہاں سے بھی الگ کرنا چاہتے ہیں۔

مندرجہ بالا حالات میں کیا جزو کمیٹی جس میں خاص امام کے متعلق اختلاف ہو وہ متولی کی شرعی حیثیت رکھتی ہے یا نہیں ؟ اور وہ جزو کمیٹی امام کو بر طرف کرنے میں جب کہ ان پر یہ اچھی طرح سے آشکار اور واضح ہے کہ عام مسلمان اور خصوصاً نمازی مسجد امام کو رکھنا چاہتے ہیں کہاں تک حق بجانب ہے - مزید بر آں جب دنیاوی قانون یعنی عدالتی حکم امتناعی عارضی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ کمیٹی مذکور کو ابھی ثبوت دینا ہے کہ ان کی امام کی بر طرفی حق بجانب ہے۔ کیا شرعاً امام معزول اور بر طرف سمجھا جا سکتا ہے ؟ خصوصاً جب کہ صدر نے سکریٹری کی چٹھی کا کوئی جواب ابھی تک نہیں دیا۔ جس میں سکریٹری نے امام کی علیحدگی کو خلاف قاعدہ بتایا تھا۔

رہا ایک مسجد میں دو جماعتوں کا ہونا اس میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ واقعی ایسا نہیں ہونا چاہئے مگر عام لوگ مندرجہ بالا واقعات کے ہوتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام بر طرف ہوا ہی نہیں۔ کیونکہ اس میں کوئی شرعی نقص نہیں ہے - اور نہ بر طرفی مفاد مسجد میں کہی جا سکتی ہے بلکہ صدر اور ان کے رفقاء کی ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔ خصوصاً جب کہ امام صاحب اور صدر میں جو رنجش اور سخت کلامی ہو گئی تھی وہ آپس میں ملاپ ہونے کے بعد شرعی طور پر رفع دفع ہو جانی چاہئے۔ اور لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ کدورت صاف ہو گئی ہے مگر صدر کے احباب اور حمایتی ان کو اس عدالتی چارہ جوئی کے لئے اکساتے رہتے ہیں اور معاملات کی اصلاح نہیں ہونے دیتے۔

بدیں حالات کمیٹی اور ان کے رفقاء کا رویہ شرعی حیثیت سے کیسا ہے ؟ اور جب کہ کمیٹی کو عام مسلمانوں نے معزول کر دیا ان کا بھی اڑے رہنا اور مسلمانوں کی رائے کی پروانہ کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں ؟

(ونڈر میر ۔ سمر ہل شملہ) ۱۵ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۸۹) اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کمیٹی نے اخلاقی طور پر نامناسب رویہ اختیار کیا ہے اور زیادتی اس کی جانب سے ہے - تاہم اس کے جس جلسہ میں امام کو معزول کیا گیا تھا اگر وہ جلسہ قواعد و آئین کے موافق جائز تھا یعنی کورم پورا تھا اور جلسہ کے انعقاد کے اصول طے شدہ کی کوئی خلاف ورزی اس میں نہیں کی گئی تھی تو اس جلسہ کا فیصلہ قاعدہ کی رو سے نافذہ ہو گا۔ اگرچہ اخلاقاً وہ فیصلہ مذموم اور قابل اعتراض ہو۔ اور غالباً یہی وجہ ہو گی کہ عدالت سے بھی امام معزول کے خلاف حکم امتناعی جاری ہو گیا۔ عام پبلک اگر کمیٹی سابق کے فیصلے اور اس کے ارکان کے رویہ کے خلاف ہے تو اس کو چاہئے کہ اس کمیٹی کو معزول کر کے علیحدہ کر دے اور جدید کمیٹی جب قبضہ لے لے اس وقت اپنی رائے کے موافق بہتر انتظام کرے اور امام سابق کو مقرر کر دے لیکن تا فیصلہ یہ مزاحمت اور تکرار جماعت مستحسن نہیں ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی۔

(۱) کیا جائیداد کی تقسیم کئے بغیر ایک وارث کی اجازت سے وقف ہو سکتی ہے ؟
(۲) سجادگی اور تولیت کا حق اولاد کے بعد قریب ترین قرابت والے کو ہو گا

(سوال) مورث اعلیٰ خواجہ احمد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے دو صاحبزادے تھے۔ خواجہ خدا بخش صاحب،

(۱) ویکرہ تکرار الجماعة باذان واقامة فی مسجد محلة له فی مسجد طریق اومسجد لاامام له ولا مؤذن (الدرالمختار) (قوله ویکره) ای تحریما لقول الکافی لایجوز، والمجمع لایباح وشرح الجامع الصغیرانه بدعة (الشامیة، کتاب الصلوة باب الامامة، مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد، ۱/۵۵۲ ط سعید)

خواجہ تاج محمد صاحب، ان دونوں صاحبزادوں کے دو سلسلے علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ خواجہ خدا بخش صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے سلسلہ میں حق سجادگی ان کے صاحبزادے خواجہ فخر الدین پر منتقل ہوا۔ اس وقت کوئی جائیداد موقوفہ نہیں تھی بلکہ خواجہ خدا بخش صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی شخصی مملوکہ جائیداد تھی جس کے مستحق ان کے شرعی وارث ہوئے۔ خواجہ فخر الدین رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ان کے بھائی خواجہ غلام فرید صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ محمد بخش صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ قطب الدین سجادہ نشین ہوئے۔ یہاں تک یہ سلسلہ سجادگی خواجہ خدا بخش کے سلسلہ میں باقاعدہ جاری رہا۔ خواجہ فخر الدین کے زمانے کے بعد خواجہ غلام فرید کے عہد میں بعض جائیدادیں خانقاہ کے نام سے وقف کی گئیں اور خواجہ غلام فرید اور ان کے جانشین سجادے بھی رہے اور موقوفہ جائیدادوں کے متولی بھی قرار پائے۔ خواجہ قطب الدین کے بعد چونکہ خواجہ خدا بخش صاحب کے سلسلہ میں اولاد ذکور نہیں تھی اس لئے دوسرے سلسلے یعنی خواجہ تاج محمود کے سلسلہ میں دو شخصوں کو سجادگی و تولیت کے لئے تجویز کیا گیا۔ ایک خواجہ احمد علی پسر خواجہ شریف محمد صاحب دوسرے خواجہ فیض احمد صاحب پسر خواجہ امام بخش صاحب۔ یہ دونوں باعتبار عصوبت کے ایک ہی درجہ کے عصبہ تھے۔ مگر خواجہ احمد علی کو یہ ترجیح تھی کہ وہ خواجہ قطب الدین کی پھوپھی کے لڑکے تھے اور خواجہ فیض احمد خواجہ قطب الدین کے والد کی پھوپھی کے لڑکے تھے اور اس لحاظ سے بہ نسبت خواجہ احمد علی کے ابعد تھے۔

مگر خواجہ احمد علی کا استحقاق باعتبار قرابت کے راجح ہوتے ہوئے بھی خواجہ فیض احمد کو اس لئے مقدم کیا گیا کہ خواجہ احمد علی کمسن تھے اور زیر تعلیم تھے اور خواجہ فیض احمد عمر میں بڑے اور ہوشیار تھے۔ اب کہ خواجہ فیض احمد کا انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے اپنی ایک لڑکی اور ایک حمل اور دو علاتی بھائی چھوڑے ہیں۔ دوسری طرف خواجہ احمد علی صاحب موجود ہیں جو باعتبار علم و فضل اور بزرگی و تقدس کے ہر طرح اہل ہیں اور باعتبار قرابت عصوبت کے خواجہ فیض احمد کے مساوی اور قرابت من جہتہ الام میں ان سے اقرب اور راجح ہیں اور سلسلہ کے اہل الرائے اور معتقدین ان کو ہی ارشاد و تلقین اور تولیت و اہتمام کے لئے پسند کرتے ہیں۔

ان واقعات کے بعد حسب ذیل سوالات کا جواب مطلوب ہے :۔

(۱) خواجہ خدا بخش کی شخصی اور مملوکہ جائیداد جو وراثتہً منتقل ہوتی چلی آئی ہے وہ اسی طرح منتقل ہوتی رہے گی یا کسی حاکم کے اس لکھ دینے سے کہ تمام جائیداد وقف ہے اس کا حکم جائیداد موقوفہ کا ہو جائے گا؟ واقعہ یہ ہے کہ خواجہ قطب الدین کی وفات کے بعد ایک سرکاری عہدیدار نے تمام جائیداد کو وقف قرار دینے کی تجویز کی اور خواجہ قطب الدین کی والدہ نے لکھ دیا کہ تجویز سرکار منظور ہے تو اس سے تمام جائیداد وقف ہو جائے گی یا صرف بیوہ خواجہ معین الدین (یعنی والدہ خواجہ قطب الدین) کے حصہ پر اس کا اثر پڑے گا۔

(۲) خواجہ فیض احمد صاحب کے بعد سجادگی اور تولیت کا استحقاق خواجہ احمد علی پسر خواجہ شریف محمد کو ہے یا خواجہ فیض احمد کی لڑکی یا اس کے بچے کو جو حمل میں ہے یا ان کے علاتی بھائیوں کو؟ جب کہ خواجہ احمد علی صاحب ہر طرح لائق اور اہل اور مرجع خواص و عوام اور مرکز تلقین وارشاد ہیں اور قرابت کے لحاظ سے بھی من جہتہ الاب

مساوی درجہ کے اور من جہت الام خواجہ فیض احمد سے اقرب ہیں اور خواجہ فیض احمد کو صرف خواجہ احمد علی کی کم عمری کی بناء پر ترجیح دی گئی تھی۔ورنہ یہ ان سے بھی راجح اور مقدم تھے تو ان کے انتقال کے بعد خواجہ احمد علی کو ان کا حق دیا جائے گا۔بینوا توجروا۔

(جواب ۱۹۰) سوال کے جواب سے پہلے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ چند روز پیشتر ایک سوال جو غالباً اسی واقعہ سے متعلق تھا میرے پاس آیا تھا اور میں نے اس کا جواب تحریر کر دیا تھا۔اس سوال میں جو واقعات بیان کئے گئے تھے وہ سوال ہذا کے مندرجہ واقعات سے مختلف تھے۔ پس جواب سابق اور جواب ہذا میں جو اختلاف دیکھا جائے اس کو اختلاف سوال پر محمول کیا جائے اور دونوں سوالوں میں سے جس سوال کے مندرجہ واقعات صحیح ہوں۔اس کے جواب کو واقعہ کا صحیح جواب قرار دیا جائے اس کے بعد چند مقدمات سمجھ لینے ضروری ہیں۔

(الف) کسی جائیداد کے وقف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ واقف اس جائیداد موقوفہ کا مالک ہو۔ من شرائطه الملك وقت الوقف، انتهى(۱) كذافى الفتاوى اللكنوية نقلا عن البحر الرائق (۲) وفيها عن الخانية) لوقال اذا ملكت هذه الارض فهى صدقة موقوفة لايجوز لانه تعليق والوقف لايقبل التعليق انتهى (۳) وفى الفتاوىٰ العالمگيرية منها الملك وقت الوقف حتى لو غصب ارضاً فوقفها ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن اليه او صالح على مال دفعه اليه لاتكون وقفا كذافى البحر الرائق انتهى۔(۴)

(ب) حاکم کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے لوگوں کی مملوکہ جائیدادوں کو وقف قرار دے دے کیونکہ وقف مالک جائیداد ہی کر سکتا ہے اور حاکم دوسروں کی جائیداد کا مالک نہیں۔اس لئے اس کا کسی شخص مملوکہ جائیداد کو وقف قرار دینا باطل ہے۔اس کی دلیل کے سلسلہ میں عبارات مندرجہ الف ملاحظہ فرمائی جائیں۔ نیز مندرجہ ذیل عبارت اس کی صریح دلیل ہے :۔

لوان سلطانا اذن لقوم ان يجعلواارضاً من اراضى بلدة حوانيت موقوفة على المسجد اوامرهم ان يزيدوافى مسجد هم قالوا ان كانت البلدة فتحت عنوة ينفذ لانها تصير ملكاللغانمين فيجوز امر السلطان فيها واذا فتحت صلحاًتبقى على ملك ملاكها فلاينفذ امره فيها اه قلت(۶) ومفاد التعليل ان المراد بالمفتوحة عنوة التى لم تقسم بين الغانمين اذ لوقسمت صارت ملكالهم حقيقة فتامل (ردالمحتار ۳/ ۲۹ (۵) قلت مراده(۷) ان الارض اذا قسمت بين الغانمين وصارت ملكا لهم حقيقةً لم ينفذ امرا لسلطان فيها من جهة انه تصرف فى ملك الغانمين ولا يجوزله هذا۔

(۱) مجموعه فتاوى لكهنوى على هامش خلاصة الفتاوى ، كتاب الوقف، ٤/ ٤٢٦ امجد اكيڈمی لاهور
(۲) (البحر الرائق، كتاب الوقف، ۵/ ۲۰۳ ط بيروت)
(۳) (البحر الرائق، اوائل كتاب الوقف ۵/ ۲۰۲ ط بيروت لبنان)
(٤) (العالمگيريه، كتاب الوقف، الباب الاول، ۲/ ۳۵۳ ماجدية)
(۵) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى اوقاف الملوك، ٤/ ۳۹٤ ط سعيد)
(۶) هذا من كلام العلامة الشامى
(۷) هذا من كلام المفتى الاعظم مصنف هذا الكتاب

(ج) وقف کے لئے متولی مقرر کرنا واقف کا حق ہے دوسرے لوگوں کو بلکہ حاکم کو بھی یہ حق نہیں کہ واقف کی مرضی کے بغیر یا اس کی مرضی کے خلاف متولی مقرر کردے۔ **ولایۃ نصب القیم الی الواقف ثم لو صیہ ثم للقاضی (درمختار)** (۱)

(د) سجادہ نشینی در حقیقت خدمت ارشاد و تلقین میں شیخ کی قائم مقامی کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں نہ شرعاً وراثت جاری ہوتی ہے۔ نہ عقلاً ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس کے لئے اہلیت و صلاحیت ضروری ہے۔ اہلیت و صلاحیت کے لئے ضروری شرائط یہ ہیں :- **شرط من یاخذ البیعۃ امور (۱) احدھا علم الکتاب والسنۃ وانما شرطنا العلم لان الغرض من البیعۃ امرہ بالمعروف ونھیہ عن المنکر وارشادہ الی تحصیل السکینۃ الباطن وازالۃ الرذائل واکتساب الحمائد فمن لم یکن عالماً کیف یتصور منہ ھذا (۲) والشرط الثانی العدالۃ والتقوی فیجب ان یکون مجتنبا عن الکبائر غیر مصر علی الصغائر (۳) والشرط الثالث ان یکون زاھدا فی الدنیا راغبا فی الاخرۃ مواظبا علی الطاعات المؤکدۃ والاذکار الماثورۃ فی صحاح الاحادیث (٤) والشرط الرابع ان یکون امرا بالمعروف وناھیا عن المنکر مستبداً برایہ ذامروۃ وعقل تام لیعتمد علیہ (٥) والشرط الخامس ان یکون صحب المشائخ وتادب بھم دھراً طویلا واخذمنھم النور الباطن والسکینۃ (کذافی القول الجمیل للشیخ ولی اللہ المحدث الدھلوی طاب ثراہ باختصار)**۔ یعنی مرشد اور صاحب تلقین وارشاد کے لئے چند شرائط ہیں:- (۱) شرط اول یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور احادیث نبویہ کا عالم ہو۔ عالم ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ بیعت لینے کی اصل غرض یہ ہے کہ مرشد امر بامعروف و نہی عن المنکر کرے اور مریدین کو سکینت باطنیہ یعنی ایقان قلبی کا راستہ اور طریقہ بتائے اور ان کے ملکات رذیلہ دور کرے اور اوصاف حمیدہ حاصل کرنے کی راہیں تعلیم کرے اور ظاہر ہے کہ جو شخص عالم نہ ہو اس سے یہ کام متصور نہیں ہو سکتے۔ (۲) شرط دوم یہ کہ مرشد یعنی صاحب سجادہ متقی اور پرہیزگار ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو اور صغیرہ گناہوں پر بھی اصرار نہ کرتا ہو۔ (۳) شرط سوم یہ کہ حکام دنیا سے کنارہ کش اور آخرت کی طرف راغب ہو۔ جن عبادتوں کو شریعت نے ضروری قرار دیا ہے ان کو مواظبت کے ساتھ ادا کرتا ہو اور جو اذکار کہ آنحضرت ﷺ سے صحیح حدیثوں میں ماثور ہیں ان کو پابندی سے پڑھتا ہو۔ (۴) شرط چہارم یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے اور اپنی مستقل رائے رکھتا ہو۔ ضعیف الرائے اور کانوں کا کچا نہ ہو۔ مروت اور عقل کامل سے موصوف ہو کہ اس پر اعتماد اور بھروسہ کیا جا سکے۔ (۵) شرط پنجم یہ کہ زمانہ دراز تک مشائخ کرام کی خدمت میں رہ کر آداب طریقت سیکھے ہوں اور اطمینان و سکینت حاصل کی ہو اور نور باطن کا استفادہ کیا ہو۔

(ہ) متولی وہ شخص مقرر کیا جا سکتا ہے جو امین یعنی دیانتدار ہو اور انتظام و نگہداشت وقف کی صلاحیت رکھتا ہو۔ **لایولی الا امین قادر بنفسہ اوبنائبہ ویشترط للصحۃ بلوغہ وعقلہ کذا فی البحر الرائق** (فتاویٰ

(۱) (الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب ولایۃ نصب القیم الی الواقف ثم لوصیہ ثم للقاضی، ٤ / ٤٢١، ٤٢٤ ط ایچ ایم سعید)

عالمگیری)(۱) یعنی وقف کا صرف ایسا ہی شخص متولی بنایا جائے جو امانت دار اور انتظام کی بذات یا اپنے نائب کے ذریعہ سے قدرت رکھتا ہو اور صحت تولیت کے لئے متولی کا بالغ اور عاقل ہونا شرط ہے۔

(و) اگرچہ بعض فقہاء نے نابالغ بچہ کو متولی بنادینا جائز بتایا ہے مگر اس جواز کے لئے شرط یہ ہے کہ واقف نے یہ شرط کردی ہو کہ متولی میری اولاد میں سے ہی ہوا کرے گا اور اس کی اولاد میں کوئی بالغ موجود نہ ہو اور اس نابالغ کا حق ثابت ہو اور اس صورت میں اس کے بلوغ تک کسی امین معتمد علیہ کو متولی کی خدمات ادا کرنے کے لئے معین کرنا لازم ہوگا۔ اور نابالغ کے لئے واقف کی شرط یا وصیت نہ ہو یا شرط و وصیت کے موافق بالغ متدین اور منتظم متولی مل سکتے ہوں تو نابالغ کو محض وراثت کے طور پر متولی بنانا باطل ہے۔ کیونکہ تولیت میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ یہ بھی یاد رہے کہ واقف کے سوا کسی اور متولی کی وصیت کا نابالغ کے حق میں اعتبار نہ ہوگا۔ ولو اوصى الى صبى فى وقفه فهو باطل فى القياس ولكنى استحسن ان تكون الولاية اليه اذا كبر انتهى۔ (۲) وبهذا تعلم ان ما شاع فى زماننا من تفويض نظر الاوقاف لصغير لايعقل وحكم القاضى الحنفى بصحة ذلك خطاء محض انتهى (كله من ردالمحتار)(۳) ان مقدمات کو ذہن نشین کرنے کے بعد سوال کا جواب یہ ہے :-

(۱) خواجہ خدا بخش رحمتہ اللہ علیہ کی وہ مملوکہ جائیداد جو ان کے وارثوں پر باقاعدہ وراثت منتقل ہوتی چلی آتی ہے وارثوں کی مملوکہ ہی رہے گی اور جب تک اس کے حصہ داروں میں سے کوئی حصہ دار اپنے حصہ مملوکہ کو وقف نہ کرے وہ کسی حاکم کی تجویز سے یا کسی ایک یا چند حصہ داروں کی تحریر سے کہ ہمیں حاکم کی تجویز منظور ہے۔ شرعاً وقف نہیں ہو جائے گی۔ بلکہ وہ بقاعدہ وراثت حصص شرعیہ اور سہام مقررہ پر تقسیم ہو کر ہر مستحق کو ملتی رہے گی۔ حاکم کی تجویز کی وراثت یعنی جائیداد موروثہ کو وقف قرار دیا جائے۔ کسی حصہ دار کے حق پر اس لئے اثر انداز نہیں کہ حاکم جائیداد موروثہ کا مالک نہیں اور بغیر ملک وقف صحیح نہیں۔ دیکھو مقدمہ حرف الف و ب۔ ہاں بعض وارثوں کا یہ لکھ دینا کہ ہمیں حاکم کی تجویز وقف منظور ہے۔ صرف ان کے حصہ پر اثر انداز ہوگا کہ ان کا حصہ وقف ہو جائے گا۔ دیگر حصہ داروں کے حصوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ مقدمہ حرف الف و ب کی عبارتیں اس کی دلیل ہیں۔

(۲) واقعات مندرجہ سوال سے ظاہر ہے کہ خواجہ احمد علی صاحب خلف خواجہ عاقل محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے بعد ان کے دو صاحبزادوں یعنی خواجہ خدا بخش و خواجہ تاج محمود صاحب نے اپنے اپنے حلقہ ہائے ارشاد و تلقین جدا جدا قائم کر لئے۔ پہلے سلسلہ یعنی خواجہ خدا بخش کے سلسلہ میں حق سجادہ نشینی ان کی اولاد ذکور میں خواجہ قطب الدین مرحوم تک بلانزاع منتقل ہوتا رہا۔ خواجہ قطب الدین کی وفات کے بعد خواجہ احمد علی خلف خواجہ شریف محمد صاحب سجادہ نشین اور تولیت اوقاف ملحقہ کے اس لئے مستحق تھے کہ وہ اسی سلسلہ میں

---

(۱) (الفتاوى العالمگيريه، كتاب الوقف، الباب الخامس فى ولاية الوقف وتصرف القيم فى الاوقاف ۲ / ۴۰۸ ط ماجديه)
(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فى تولية الصبى، ۴ / ۳۸۱ ط سعيد)
(۳) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما شاع فى زماننا من تفويض نظر الاوقاف للصغير، ۴ / ۳۸۱ ط سعيد)

خواجہ محمد بخش رحمتہ اللہ علیہ کی صاحبزادی بی بی جیونوں کے لڑکے تھے۔ یعنی اولاد اناث میں داخل تھے اور آخری سجادہ نشین یعنی خواجہ قطب الدین مرحوم سے قرابت قریبہ رکھتے تھے مگر چونکہ وہ صغیر السن تھے اس لئے اصول وراثت (یعنی تقدیم اقرب) کو نظر انداز کرتے ہوئے خواجہ فیض احمد مرحوم کو جو آخری سجادہ نشین خواجہ قطب الدین سے قرابت بعیدہ من جہتہ الاناث رکھتے تھے سجادہ نشین بنادیا گیا۔ ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے سوال ثانی کا جواب یہ ہے کہ خواجہ فیض احمد مرحوم کے بعد خواجہ احمد علی خلف خواجہ شریف محمد صاحب بوجوہ متعددہ سجادہ نشینی اور تولیت کے مستحق ہیں۔

اول اس لئے کہ وہ حسب بیان سائل ہر طرح لائق اور اہل اور صاحب ارشاد و تلقین ہیں۔ دوم اس لئے کہ اس سلسلہ کے متوسلین بھی ان کو ہی ارشاد و تلقین کے لئے پسند کرتے ہیں۔ سوم اس لئے کہ وہ اس سلسلہ کے لولاد دختری ہونے کی جہت سے ایک رکن ہیں۔ چہارم اس لئے کہ وہ اس سلسلہ کے آخری سجادہ نشین خواجہ قطب الدین مرحوم سے قرابت قریبہ رکھتے ہیں کیونکہ عصوبت کی جہت سے وہ خواجہ فیض احمد مرحوم کے مساوی درجہ میں ہیں اور قرابت امومیت میں وہ خواجہ فیض احمد مرحوم سے اقرب و مقدم ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ خواجہ فیض احمد مرحوم کو اسی وقت ہٹا کر خواجہ احمد علی صاحب کو ان کا حق دے دیا جاتا۔ جس وقت خواجہ احمد علی بالغ اور صالح ہو گئے تھے لیکن اگر ایسا نہیں کیا گیا تو خواجہ فیض احمد مرحوم کی وفات کے بعد خواجہ احمد علی صاحب کی کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا۔ خواجہ فیض احمد مرحوم کا بچہ اگر حمل سے لڑکا پیدا ہو جائے تو قطعاً مستحق نہیں کہ اس میں وراثت تو جاری نہیں ہو سکتی اور ایک نو مولود بچہ فرائض سجادگی ادا کرنے اور ارشاد و تلقین کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا اور شرائط سجادہ نشینی جو مقدمہ (د) میں مذکور ہیں اس کے اندر پائے جائیں یہ مقصود نہیں۔

اسی طرح تولیت کا بھی مستحق نہیں کہ واقف کی اول تو کوئی شرط وصیت ثابت نہیں اور واقف کے سوا کسی متولی کی وصیت معتبر نہیں۔ دوسرے یہ کہ سلسلہ اولیٰ میں خواجہ احمد علی صاحب اس بچہ سے اولیٰ، اصلح، ارشد، اقرب اور اہل موجود ہیں اور اصول وراثت اس میں جاری نہیں ہو سکتے۔ خود خواجہ فیض احمد مرحوم زیادت استحقاق کی بناء پر سجادہ نشین نہیں بنے تھے بلکہ خواجہ احمد علی کی کم سنی کی بناء پر بنائے گئے تھے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ خواجہ فیض احمد صاحب کے بچہ کی کم سنی بلکہ لاتعلقی کی بناء پر خواجہ احمد علی صاحب کو سجادہ نشینی کے لئے منتخب نہ کیا جائے حالانکہ وہ وجوہ استحقاق میں اولی اور اقدم ہیں۔

خواجہ فیض احمد مرحوم کے علاتی بھائیوں کا استحقاق کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ عصوبت میں وہ خواجہ احمد علی صاحب سے اقوی نہیں اور قرابت امومیت ان کو حاصل نہیں۔ لہذا ان کو ترجیح دینے کی کوئی وجہ جواز نہیں۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ بحالات موجودہ و نظر بر واقعات مذکورہ خواجہ احمد علی صاحب سجادہ نشینی اور تولیت کے مستحق ہیں۔ خواجہ فیض احمد مرحوم کا نو مولود بچہ یا ان کے علاتی بھائی یا ان کی موجودہ لڑکی سجادہ نشینی و تولیت کی مستحق نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی ۴ جمادی الاخری ۱۳۵۴ھ

الجواب صحیح فقیر احمد سعید کان اللہ لہ، خدا بخش عفی عنہ مدرس امینیہ، فقیر عبدالماجد غفرلہ ناظم جمعیۃ علماء، محمد عبدالاول راسخ غفرلہ، دفتر جمعیۃ، بندہ ضیاء الحق غفرلہ مدرسہ امینیہ، خادم العلماء سلطان محمود عفی عنہ مدرسہ فتحپوری دہلی، محمد شریف اللہ غفرلہ، مدرسہ فتحپوری دہلی، اشفاق غفرلہ مدرس مدرسہ فتحپوری محمد سجادہ حسین بقلم خود مدرس فتحپوری، بندہ گناہ محمد حسن شاہ مدرس مدرسہ رحیمیہ، احقر ترین محمد سراج الدین خلف مولانا مفتی محمد اکرام صاحب ڈیرہ اسماعیل خانی، حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ سکندر دین عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔)

(۱) باہمی رضامندی سے طے کیا ہوا معاہدہ درست ہے
(۲) شرائط پر عمل کرنے کو معاہدہ کی خلاف ورزی قرار نہیں دیا جاسکتا

(سوال) رنگون میں دو فریقوں نے باہمی مصالحت کے لئے بطور ذیل ایک معاہدہ لکھ کر اپنے اپنے دستخط کر دیئے۔

نقل معاہدہ :۔ ہم دستخط کنندگان ذیل اس تحریر سے اظہار کرتے ہیں کہ ہم فریقین میں جو اختلاف چل رہا تھا اس کو جناب مولانا احمد اشرف صاحب نے بیچ میں پڑ کر فریقین میں حسب ذیل مصالحت کرادی۔ دارالعلوم تھمائنگ و دیگر مدارس و مکاتب متعلقہ جمعیۃ علمائے صوبہ برما و نیز جمعیۃ علماء کے جملہ اراکین و ذمہ داران اور سورتی محمڈن قبرستان تاموے کے دارالعلوم عربیہ کے جملہ منتظمین اور عہدیداران اس مصالحت کے بعد فریقین صلح و آشتی کے ساتھ اپنے اپنے زیر تحت مدارس کا انتظام جاری رکھیں گے اور ہر ایک مدرسہ میں تعلیم کی غرض سے جن مدرسین کا تقرر ہوا ان کو و نیز طلبہ کو و نیز جمعیۃ کے دیگر ملازموں کو کسی ایک مدرسہ سے کھینچ نہیں لیا جائیگا۔ ایسے ہی کسی ایک مدرسہ سے جن مدرسین و طلبہ و ملازمین کو خارج کیا ان سب کو فریقین آپس میں ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر اپنے اپنے مدارس میں داخل نہ کیا جائے اور نہ ملازمین خارج شدہ کو ملازم رکھا جائے۔ ختم شد۔

پس ارشاد ہوا کہ (۱) نفس معاہدہ مذکور شرعاً کیسا ہے ؟ (۲) تعلیمی سال تمام کے بعد شروع سال تعلیمی میں کسی فریق کے مدرسہ کا طالب علم دوسرے فریق کے مدرسہ میں داخل ہونا چاہئے تو اس دوسرے فریق کو اپنے مدرسہ میں اس کو داخل کرلینا معاہدہ مذکور کی رو سے اور شرعاً درست ہے یا نہیں ؟ اسی طرح دوران سال میں ایسا کرنے کا کیا حکم ہے ؟ (۳) کسی فریق کے مدرسہ کا طالب علم یا مدرس یا دیگر ملازم کسی وقت میں بغیر خارج کئے ہوئے خود بخود اس سے علیحدہ ہو جائے اور دوسرے فریق نے اس کو بھڑکایا بھی نہ ہو۔ پس آیا اس دوسرے فریق کو بروئے معاہدہ اور شرعاً یہ جائز ہے کہ اپنے مدرسہ میں اس کو رکھ لے۔ (۴) اگر کسی فریق کا کوئی طالب علم ایسا ہے کہ اس کا دل بوجہ عدم مناسبت یا خرابی تعلیم وغیرہ اس کے مدرسہ میں نہ لگتا ہو اور اس لئے وہ دوران سال یا شروع سال تعلیمی میں اس مدرسہ کو چھوڑ دے اور فریق ثانی کے مدرسہ میں منتظمین سے اپنے داخل ہونے کی خواہش ظاہر کرے لیکن یہ منتظمین اس بناء پر اس کو اپنے یہاں داخل نہ کریں کہ فریق مقابل

حضرات اس کو معاہدے کے خلاف قرار دیتے ہیں اور بلا تحقیق بمر کانے کا الزام لگاتے ہیں بلکہ بمر کانے سے قطع نظر مطلقاً کسی فریق کا کسی کو اپنے مدرسے میں رکھ لینا بالکل معاہدے کے خلاف سمجھتے ہیں اور اس طرح وہ طالب علم پڑھنا ترک کردے اور تحصیل علم دین سے محروم رہ جائے۔ پس اس صورت معروضہ میں فریق اول کا اس طالب علم کو فریق ثانی کے مدرسے میں داخل ہونے سے روکنا شرعاً درست ہے یا نہیں ؟ اور فریق ثانی کا اپنے مدرسے میں اس کو داخل کرلینا درست تھا یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۲۴۴۲ حاجی داؤد ہاشم یوسف صاحب رنگون۔ مورخہ ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ م ۲۲ جنوری ۱۹۳۹ء

(جواب ۱۹۱) یہ معاہدہ خود اباحت میں ہے مگر اس میں آخری فقرہ ذرا اصلاح طلب ہے۔ یعنی اگر کسی طالب علم یا مدرس کو ایک مدرسے سے کسی خطا یا قصور پر خارج کیا گیا ہو تو اس کے حق میں یہ معاہدہ صحیح ہے لیکن اگر وہی مدرسہ کسی طالب علم یا مدرس کو اپنی مالی کمزوری کی بناء پر یا کسی ذاتی مخاصمت کی بناء پر نکال دے تو اس کے حق میں یہ معاہدہ صحیح نہیں ہے۔ نیز جو طلبہ کہ کسی مدرسے سے اس بناء پر چلے آئیں کہ وہاں تعلیم کا انتظام حسب دلخواہ نہیں ہے۔ ان کو دوسرا مدرسہ اپنے یہاں داخل کرسکتا ہے۔ اس میں معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ کیونکہ معاہدہ یہ ہے کہ دوسرے مدرسہ کے طلبہ کو کھینچ نہ لیا جائے۔ خود آنے والے طلبہ اس میں شامل نہیں ہیں۔ واللہ یعلم المفسد من المصلح۔(۱)　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

متفرق احکام متعلقہ تولیت وانتظام

(۱۹۲) قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ ناظر وقف (متولی) کو صرف مستحقین وقف کی شکایت پر معزول کردے تاوقتیکہ مستحقین وقف متولی کی خیانت ثابت نہ کردیں وہ معزول نہیں ہوسکتا۔ لیس للقاضی عزل الناظر بمجرد شكاية المستحقين حتى يثبتوا عليه خيانة (درمختار برحاشية ردالمحتار ص ۴۵۷/ج ۳)(۲) قد صرح العلماء بانه لايجوز عزل الناظر ولا عزل صاحب وظيفة مابغير جنحة ولوعزله الحاكم لاينعزل بغير جنحة(۳) (خيريه ص ۱۵۳/ج ۱) ان طعن عليه فى الامانة لاينبغى اخراجه الا بخيانة ظاهرة(۴) (ردالمحتار ص ۴۵۷/ج ۳) قال فى اخراوقاف الخصاف ماتقول ان طعن عليه فى الامانة فراى الحاكم ان يدخل معه اخراويخرجه من يده ويصيره الى غيره قال اما اخراجه فليس ينبغي ان يكون الا بخيانة ظاهرة مبينة (۵)(البحرالرائق ص ۲۵۲/ج ۵)

متولی کے ہوتے ہوئے قاضی کو وقف میں کوئی تصرف کرنے کا اختیار اور حق نہیں۔ لايملك

(۱) (سورة البقرة، الجزء الثاني، رقم الآية نمبر ۲۲۰)
(۲) (الدرالمختار، كتاب الوقف، مطلب ليس للقاضي عزل الناظر، ص ۴: ۴۳۸ ط سعيد)
(۳) (الفتاوى الخيرية، على هامش الفتاوى الحامديه، كتاب الوقف، مطلب لايجوز عزل صاحب وظيفة لامن السلطان والامن وكيل ۱/ ۲۵۱ ط قندهار، افغانستان)
(۴) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب للقاضي ان يدخل مع الناظر غيره بمجرد الشكاية ص ۴: ۴۳۹ ط سعيد)
(۵) (البحر الرائق، كتاب الوقف ۵: ۲۵۲ ط بيروت)

القاضي التصرف في الوقف مع وجود ناظر ولو من قبله(۱)(ردالمحتار ص ٤١٥/ج ۳)
ولاية القاضي متاخرة عن المشروط له ووصيه (۲) (ردالمحتار ص ٤١٥/ج ۳)
متولی سے ہر سال حساب لینا ضروری نہیں ہے- یعنی متولی پر لازم نہیں کہ وہ ہر سال حساب پیش کرے-لاتلزم المحاسبة في كل عام (۳)(ردالمختار ص ٤٦٣/ ج ۳)
متولی سے (جب کہ اس کی خیانت ثابت نہ ہو یا متہم نہ ہو) اجمالی حساب لیا جا سکتا ہے- تفصیلی پیش کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا- ويكتفى القاضي منه بالاجمال لو معروفا بالامانة (در مختار (٤) ص ٤٦٣/ ج ۳)
جب وقف کے مصارف (معینہ من جہۃ الواقف) معلوم نہ ہوں (قبالہ وقف کے ضائع ہو جانے کی وجہ سے) تو متولین سابقین کے دستور العمل کے موافق عمل کرنا چاہئے- سئل شيخ الاسلام عن وقف مشهور اشتبهت مصارفه وقدرما يصرف الى مستحقيه قال ينظر الى المعهود من حاله فيما سبق من الزمان من ان قوامه كيف يعملون فيه والى من يصرفونه فيبنى على ذلك لان الظاهرانهم كانوا يفعلون ذلك على موافقة شرط الوقف وهو المظنون بحال المسلمين فيعمل على ذلك اه (ردالمحتار (٥) ص ٤٤٠/ج ۳ سئل في وقف اشتبهت مصارفه كيف يفعل عن غلته اجاب ان لم يوقف على شرط واقفه يعمل فيه بما كانت تفعله القوام سابقا(٦) (خيريه ص ١١٦/ج۱) صرح علماؤنابان الوقف اذا اشتبهت مصارفه بضياع كتابه ينظرالى المعهود من القوام فيما سبق فيبنى عليه (٧) (خيريه ص ١٦٧/ج۱) ويعتبر تصرف القوام السابقين(٨) (فتاوى حامديه ص ١١٠/ج ۱) فان لم يعرف له شرط يعمل ماعمل من قبله(٩) (فتح القدير ص ٦٨/ج ٥) وان لم يعرف شرط الواقف ذلك ينظر هذا القيم الى من كان قبله فان كانوايشترون من اوقاف المسجد الدهن والحصير والحشيش والآجروماذكرنا كان للقيم ان يفعل ذلك والافلا-(١٠) (قاضي خان كشورى ص ٣٠٠/ج ٤)
جب کسی وقف کا متولی موجود ہو خواہ واقف کا مقرر کیا ہوا یا کسی اور کا (مثلاً قاضی یا حکومت کا مقرر کیا

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب لايملك القاضي التصرف الخ ص ٤/ ٣٧٤ ط سعيد)
(۲) (وكذافي ٤/ ٤٢٣ مطلب ولاية القاضي الخ)
(۳) (كتاب الوقف، مطلب في محاسبة المتولي وتحليفه، ٤/ ٤٤٨ ط سعيد)
(٤) ايضا
(٥) ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في حكم وقف القديم المجهولة شرائطه و مصارفه، ٤/ ٤١٢ ط سعيد)
(٦) الفتاوى الخيرية، اول كتاب الوقف، مطلب ادعى رجل استحقا قافي وقف اشتبهت مصارفه، ص ١/ ١٩١ ط كمال پرنٹنگ پریس، دهلی)
(٧) (الفتاوى الخيرية، كتاب الوقف مطلب اذا اشتبهت مصارف الوقف ينظر الى المعهود من القوام فيما سبق. ١/ ٢٧٤ ط كمال پرنٹنگ پریس)
(٨) (الفتاوى الحامدية، اول كتاب الوقف، الباب الاول في وقف تقادم امره الخ ص ١/١١٠ ط كمال پرنٹنگ پریس
(٩) فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الاول في المتولي، ٦/ ٢٤٠، بيروت
(١٠) (قاضي خان على هامش الهندية، كتاب الوقف، اواخرباب الرجل يجعل داره مسجدا الخ ٣/ ٢٩٧ ط ماجدية)

ہوا) تو قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بلاوجہ دوسرا متولی مقرر کر دے۔ جب تک پہلے متولی کی خیانت ثابت نہ ہو یا اور کوئی ایسا ہی سبب نہ ہو۔ (مثلاً متولی سابق مجنون یا ناقابل انتظام یا فاسق ہو جائے) اذا کان للوقف متول من جهة الواقف اومن جهة غيره من القضاة لايملك القاضي نصب متول اخر بلاسبب موجب لذلك وهو ظهور خيانة الاول اوشئی اخر (ردالمختار ص ۴۲۰/ ج ۴)(۱)

ملازمین کو تنخواہ نہ دینا یا کم دینا شرعی اور قانونی جرم ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۲۸ء)

(سوال) جو شخص اپنے آپ کو مسلم کہتا ہو اگر وہ اس غرض سے کہ اسکول کی گرانٹ (امداد جو گورنمنٹ کی طرف سے ملتی ہے) میں اضافہ ہو جائے۔ (۱) اسکول کے ادنیٰ ملازمین کو بالکل تنخواہ نہ دے مگر ان کی تنخواہ اسکول کے رجسٹروں میں دکھائے اور ان کے جعلی دستخط یا انگوٹھے لگوالے (۲) بعض ملازمین کے دستخط تو زیادہ تنخواہ پر کرائے مگر دراصل تنخواہ کم دے۔ (۳) اسکول کے سائز اخراجات میں فرضی بل بنوا کر درج کرے۔ ایسا شخص مجرم ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو شریعت نے اس کے لئے کیا سزا مقرر کی ہے؟

(جواب ۱۹۳) یہ خلاف واقع فرضی کارروائیاں کرنا شرعاً قانوناً اخلاقاً ہر طرح جرم ہے۔ اور مرتکب مجرم ہے۔ اس کی تعزیر حاکم و قاضی کی رائے پر محول ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ

متولی کی موت کے بعد مسجد کا چوری کیا ہوا روپیہ اس کے وارثوں سے نہیں لیا جا سکتا

مرسلہ محمد صغیر خاں صاحب مقام اوسیا ضلع غازی پور

(سوال) مسجد کا روپیہ ایک شخص جو کہ متولی مسجد بھی تھے ان کے پاس امانۃً رکھا گیا۔ امین صاحب نے مسجد کا روپیہ اور اپنے گھر کا روپیہ اور مدرسے کے نام کا روپیہ علیحدہ علیحدہ ایک ہی بکس میں تالا لگا کر رکھ دیا۔ امین صاحب کے بھتیجے نے دو غیر آدمیوں کے ساتھ مل کر کنجی چرا کر تالا کھولا اور مسجد والا روپیہ چوری کر لیا۔ جب امین صاحب کو چوری کا حال معلوم ہوا تو تھانے میں جا کر رپورٹ لکھوائی اور دیہاتی دستور کے موافق پچھ نام نکلوائے تو معلوم ہوا کہ امین صاحب کا بھتیجا اور دو غیر شخص نے مل کر یہ کام کیا ہے۔ مگر گاؤں والوں نے اس وقت سکوت اختیار کیا۔ امین صاحب سے روپیہ کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ کوئی قسم کا ارادہ ظاہر کیا۔ امین صاحب بہت پرہیز گار و امانت دار شخص تھے۔ کچھ ہی دن بعد اچانک موت (ہارٹ فیل) ہو گیا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اس چوری ہی کے غم میں مرے۔

اب دو برس کے بعد گاؤں والوں نے ان کے وارثوں پر عدالت میں استغاثہ پیش کیا ہے اور مقدمہ چل

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في عزل الناظر، ۴/ ۳۸۲ ط سعيد)

(۲)(لا يحده سيده بغير اذن الامام) .... لقولهم لكنه (اى الحد) اقامة الا مام . نهر . (الدر المختار كتاب الحدود ، ۴ /۱۳ ط. سعيد) وثبت ذالك عند الا مام .... (فيقطع (الامام) ان اقربها مرة) الدرالمختار . (قوله ثبت ذالك الخ) هو شرط للقطع كما افاد بقوله فيقطع ان اقر مرة او شهد فلان (رد المحتار ، كتاب السرقة، ص ۸۵/۴ ط. سعيد)

باہے۔ کیا امین صاحب کے وارثوں سے گاؤں والے روپیہ وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں ؟

المستفتی محمد صغیر خاں میانجی۔ مقام اوسیا ضلع غازی پور اگست ۱۹۵۲ء

جواب ۱۹۴) امین صاحب کے وارثوں سے یہ روپیہ طلب کرنے کا گاؤں والوں کو حق نہیں ہے۔ نہ وہ یہ رقم ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بد کردار اور واقف کے دور کے رشتہ دار کی بجائے امین اور قریبی رشتہ داروں کو متولی بنایا جائے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۳۵ء)

سوال) زید مرحوم نے ایک حقیقت مجملہ ۳۰ کے ۱۹،اپنی ذاتی مشترکہ غیر منقسمہ اور دوسری ۳۳ وقف فی سبیل اللہ کرکے اپنی زوجہ کو تاحیات اس کے متولیہ مقرر کیا۔ اب متولیہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ وقف نامہ کی شرط ہے کہ بعد وفات متولیہ کے ایک ایسا شخص متدین سنی حنفی متولی کیا جاوے جس کو علمائے وقت منتخب کریں۔ اس امر دو شخص خالد اور بکر تولیت کے خواستگار ہیں جن کی صفات ذیل میں درج ہیں۔

خالد۔ واقف کا حقیقی بھتیجا ہے۔ واقف لاولد تھا۔ یہ اچھا زمیندار و مال گذار ہے۔ گورنمنٹ سے ایک معزز عہدہ و اعلیٰ خدمات و نیک چلنی کی بنا پر پنشن پا رہا ہے۔ سنی حنفی ہے۔ مسلم معززین اس کی دیانت قابلیت انتظام اور مذکورہ صفات کی وجہ سے اس کو متولی ہونے کا اہل سمجھتے ہیں۔

بکر۔ اس کا واقف سے قریبی رشتہ نہیں ہے۔ واقف اس کے پھوپھا تھے۔ ذریعہ معاش اس کا بہ ظاہر کچھ نہیں ہے۔ متولیہ مرحومہ کی حیات میں ان کا کارکن رہا ہے بہ دوران کارکنی اس نے قریب چار ہزار گز اراضی موقوفہ اعلیٰ درجہ کی لب سڑک پختہ بلا تقسیم کرائے فروخت کر دی۔ واقف نے لکھا ہے کہ اشخاص مستحقین مندرجہ وقف نامہ میں سے جو جو مرتا جاوے اس کا روپیہ مدرسہ دیوبند کو بھیجا جاوے۔ تین شخص فوت ہو گئے مگر ان کا بچا ہوا روپیہ دیوبند نہیں بھیجا گیا۔ ایک یتیم خانہ کو چار سال سے اور ایک مدرسہ کو دو سال سے کچھ نہیں دیا گیا غرباء کے لئے سالانہ کھانا روپے کا کبھی تیار نہیں کرایا۔ ایک سرائے موقوفہ مشترکہ بلا تقسیم کرائے فروخت کر دی اور مشتریان کو قابض کرا دیا۔

جواب ۱۹۵) خالد تولیت کا مستحق ہے اور اگر بکر وقف پر بصیغہ تولیت قابض ہو جیسا کہ اس کی صفات کے بیان سے مترشح ہوتا ہے تو اس کو معزول کرنا واجب ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) الحديث الدار قطني : " ليس على المستودع غير المغل ضمان" "المغل " هو الخائن. (سنن دارقطني ، ۳/ ۴۱ من حديث عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده)

(۲) لا يولى الا امين قادر بنفسه او بنائبه (الهندية ، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف ۲/ ۴۰۸ ، ط. ماجدية) (ونزع) وجوبا(لو غير مامون) ، (الدر المختار ، كتاب الوقف ، مطلب يأثم بتولية الخائن ، ۴/ ۳۸۰ ط. سعيد)

کیا بلا اختیار معزول کئے ہوئے قاضی کو برقرار رکھا جائے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۵ء)

(سوال) متولی جامع مسجد اپنے ساتھیوں کی مدد سے بغیر کسی شرعی سبب کے قاضی کو معزول قرار دے اور نئے قاضی کا تقرر کرے تو اہل شہر کو کس قاضی کا ساتھ دینا چاہئے؟ خصوصاً ایسی حالت میں کہ پہلا قاضی تمام اہل شہر نے منتخب کیا ہے اور بیس سال سے قضاۃ کر رہا ہے۔ اور نیا قاضی بالاتفاق منتخب نہیں کیا گیا ہے۔

(جواب ۱۹۶) متولی جامع مسجد کے اختیارات میں قاضی کو معزول کرنا داخل ہو تو عزل صحیح ہوا۔ لیکن اگر اس نے بلا سبب معزول کر دیا تو وہ مواخذہ دار ہوگا۔ اور اگر اس کے اختیارات میں یہ داخل ہی نہیں تھا تو قاضی معزول نہیں ہوا۔ اور اس صورت میں لوگوں کو اس کا ساتھ دینا چاہئے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(۱) اپنی اولاد کے لئے تولیت کی وصیت کرنے کی صورت میں میت کے بیٹوں کے بعد پوتے متولی نہیں ہوں گے

(۲) واقف کی شرط کے خلاف وقف کو استعمال کرنے والے متولی کا حکم

(۳) شراب خور نماز چھوڑنے والا تولیت کا مستحق نہیں

(۴) تولیت کی اہلیت نہ رکھنے والے کو متولی بنانے کی کوشش کرنے والا گنہگار ہوگا

(الجمعیۃ مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) (۱) ایک شخص نے اپنی کچھ جائیداد وقف علی اللہ کی۔ وقف نامہ کی ایک شرط یہ ہے کہ تاحیات اپنی واقف خود اس جائیداد کا متولی ہوگا اور اس کی وفات کے بعد اس کی اولاد ذکور میں جو شخص لئیق ہو متولی ثانی ہوگا اور اسی طرح نسلاً بعد نسل وبطناً بعد بطن متولی ہوتا رہے گا۔ چنانچہ واقف کے انتقال کے بعد اس کا پسر اکبر متولی قرار پایا۔ اس متولی ثانی کے بعد متولی واقف کی اولاد میں سے کوئی شخص ہونا چاہئے یا متولی ثانی (واقف کے پسر اکبر) کی اولاد میں سے؟ اور اگر متولی ثانی کی اولاد اس عہدہ سے مستعفی ہو تو عہدہ تولیت واقف کے پسر دوم کو ملنا چاہئے؟ اس پسر دوم کے بعد تولیت خود اس کی اولاد یعنی پسر دوم میں منتقل ہونی چاہئے یا واقف کے پسر ان میں جو کہ موجود ہیں۔

(۲) کیا کوئی ایسا شخص جو کہ اپنی اولاد کے انتقال کے بعد متوفی کی وصیت کے خلاف اس کے مال منقولہ کو بجائے مصرف خیر کے اپنے ذاتی تصرف میں لائے جائیداد مذکورہ بالا کا متولی ہونے کا مستحق ہے؟ کیا ایسی صورت کا پورا نہ کرنا امانت میں خیانت ہے یا نہیں؟

(۳) ایک شخص کہ شراب خور اور عیاش (یعنی بد اعمال ہو) اور سال بھر میں شاید ہی عیدین یا جمعۃ الوداع کی نماز پڑھ لیتا ہو اس جائیداد کا متولی ہو سکتا ہے؟

---

(۱) (اراد المتولی اقامة غيره مقامه فی حياته ان كان التفويض له عاما صح) ولا يملك عزله الا اذا كان الواقف جعل التفويض والعزل ، (الدر المختار ، كتاب الوقف ، مطلب للناظر ان يوكل غيره ، ٤/٤٢٥ ط. سعيد)

(۴) اگر آخر الذکر اشخاص میں سے ہر دو یا کوئی ایک متولی جائیداد مذکور نہ ہو سکتا ہو تو ایسے شخص کی امداد (اس غرض سے کہ وہ متولی ہو جائے) کرنے والا گنہگار ہو گا یا نہیں؟

(جواب ۱۹۷) (۱) اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ تولیت واقف کی اولاد میں نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن ہوتی رہے اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ جب تک واقف کی صلبی اولاد رہے متولی صلبی لڑکا ہی ہونا چاہئے۔ جب صلبی اولاد میں سے کوئی باقی نہ رہے تو دوسری نسل یعنی پوتوں کی باری آئے گی۔ جب پوتے نہ رہیں تو پڑپوتوں پر تولیت منتقل ہو گی اور ہر طبقہ میں واقف کی شرط کے موافق اکبر یعنی سب سے بڑا ترتیب وار متولی ہوتا رہے گا۔ اور اس کے ساتھ یہ قید بھی ملحوظ رہے گی کہ وہ متولی بننے کی اور وقف کا انتظام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ (۲) متولی اگر وقف کی آمدنی کو شرط واقف کے خلاف اپنے ذاتی مصرف میں خرچ کرے وہ خائن ہے اور اس کو تولیت سے معزول کرنا واجب ہے۔(۱) (۳) شراب خور، عیاش، تارک الصوم والصلوٰۃ فاسق ہے اور فاسق پر امانت و دیانت کے ساتھ کام کرنے کا بھروسہ نہیں اس لئے وہ تولیت کا مستحق نہیں ہے۔ (۴) جو شخص متولی ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اس کو متولی بنانا جائز نہیں ہے۔(۲) اس کی اس بارے میں امداد و اعانت کرنا بھی ناجائز ہے جو لوگ کہ امداد کریں گے وہ گنہگار اور ظالم ہوں گے۔ فقط (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(۱) چند چیزوں کی تعین کر کے وقف کرنا
(۲) درگاہ شریف کے متعلق کاموں کا متولی کون ہو گا؟
(۳) کیا وقف کا متولی واقف کی غرض کے خلاف وقف کا مال استعمال کر سکتا ہے؟
(۴) وقف کی آمدنی خرچ کرتے ہوئے شرائط متولی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے
(۵) تولیت موروثی حق نسبت ہے ایک کمیٹی کو بھی متولی بنایا جا سکتا ہے
(۶) کیا ایک آدمی کا متولی ہونا اور سارے کاموں کی نگرانی کرنا ضروری ہے؟

متعلقہ درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اجمیر شریف
(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء)

(سوال) (۱) شاہ جہاں بادشاہ نے بیت المال سے چند مواضعات ایک بزرگ کی درگاہ شریف کے نام وقف کئے اور وقف نامہ میں اغراض وقف حسب ذیل معین کیں۔ "صرف عرس و لنگر و روشنائی و فروش و کل ارباب مسجد و وظائف اصحاب استحقاق و حفاظ و صادر و وارد و سائر وجوہ خیرات و مبرات۔"
(۲) درگاہ شریف اور وقف مذکور کے عملہ انتظامی کے تقرر اور تمام امور متعلقہ کی سرانجامی کے متعلق خود

---

(۱) لو شرط الواقف کون المتولی من اولادہ او اولادھم لیس للقاضی ان یولی غیرھم بلا خیانۃ . ولو فعل لا یصیر متولیا ثم لا یخفی ان تقدیم من ذکر مشروط بقیام الاھلیۃ فیہ حتی لو کان خائنا یولی اجنبی حیث لم یوجد فیھم اھل لان اذا کان الواقف نفسہ یعزل بالخیانۃ فغیرہ بالاولی (الشامیہ ، کتاب الوقف ، مطلب لا یجعل الناظر من غیر الواقف ٤ : ٤٢٥ ط سعید)
(۲) قال فی الشامیۃ : ولا یولی الا امین قادر بنفسہ او بنائبہ ، لان الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر و لیس من النظر تولیۃ الخائن لانہ یخل بالمقصود (رد المحتار ، کتاب الوقف ، مطلب فی شروط المتولی ، ج : ٤ ص ٣٨٠)
(۳) ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان سورۃ المائدۃ ، رقم الآیۃ : ۲

واقف اور اس کے جانشین سلاطین کا تعامل یہ رہا ہے کہ کل امور اپنے ہاتھ میں رکھے چنانچہ واقف اور اس کے جانشین سلاطین کے فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف درگاہ شریف کے عملہ انتظامی خادم متولی شاگرد پیشہ وغیرہ کا تقرر بلکہ ان کے حقوق و معاش کا تعین بھی ان سلاطین ہی کے احکام و فرامین سے ہوا۔ نیز اس درگاہ شریف کے مراسم، محافل سماع، تقسیم نذورات وغیرہ جملہ امور کے متعلق ہدایات بھی دربار شاہی سے جاری ہوتی رہیں۔ چنانچہ اس درگاہ پاک کے عملہ سے یا خادم اور کیا شاگرد پیشہ، فراش، باورچی، رکابدار، سگ زن ہر شخص جو کسی مستقل خدمت پر مامور ہے اپنے تقرر و حقوق کی تائید میں سند شاہی سے استناد کرتا ہے اور یہی حال بادشاہ دہلی اکبر شاہ ثانی کے شقہ مورخہ کیم جون ۱۸۲۷ء سے معلوم ہوتا ہے جس میں لکھا ہے کہ "تمام امور انتظام درگاہ شریف و عزل و نصب مردمان متنظم آن و خبر گیری ہر گونہ امور از جانب حضور بودہ آمدہ۔

(۳) عملہ انتظامی کے عہدیداروں میں سے ایک عہدیدار کو داروغہ بلغور خانہ یعنی متولی درگاہ کے نام سے بھی مقرر کیا جاتا ہے اور اس عہدیدار کے تقرر کے متعلق واقف کے ایک فرمان میں یہ لکھا ہے :۔ داروغہ بلغور خانہ یعنی متولی درگاہ ہر کسے کہ از سرکار مقرر شود۔" منشائے واقف کی اس تصریح کے علاوہ خود واقف اور اس کے جانشین سلاطین ماضیہ کا تعامل بھی اسی عمل کا موئید ہے کہ عہدہ موسومہ بہ داروغہ بلغور خانہ یعنی متولی درگاہ کے تقرر کے لئے کبھی کوئی قوم و مذہب یا خاندان مخصوص نہیں کیا گیا۔ بلکہ والیٔ ملک نے بلا تخصیص خاندان، قوم و مذہب جسے چاہا اس عہدہ پر مامور کیا اور جسے چاہا اس عہدہ سے معزول کر دیا۔ چنانچہ خود واقف کے جانشین سلاطین اسلام نے مختلف مسلمانوں کے علاوہ اہل ہنود میں سے بھی چند افراد کو اپنے زمانہ میں اس عہدہ پر مامور کیا۔

(۴) اسلامی سلطنت میں ضعف آیا تو اس خطہ پر جس میں یہ درگاہ پاک او مواضعات موقوفہ واقع ہیں ہندو قوم مرہٹہ کا غلبہ و تسلط قائم ہو گیا۔ اور اس قوم کے حکمرانوں نے بھی سلطنت اسلامی کے تعامل کی پابندی کرتے ہوئے عہدیدار مذکور (داروغہ بلغور خانہ یعنی متولی درگاہ) کا عزل و نصب اپنے ہاتھ میں رکھا اور بلا تخصیص قوم، خاندان و مذہب جس میں ہندو یا مسلمان کو چاہا اس عہدہ پر مامور یا معزول کیا۔ ان لوگوں میں سے جنہیں مرہٹہ حکمرانوں نے اس عہدہ پر مامور اور اس سے معزول کیا چند وہ بھی ہیں جو اس درگاہ پاک کے موجودہ متولی "زید" کے اجداد کہے جا سکتے ہیں اور ان ہی چند میں سے صرف ایک "بکر" کو مرہٹہ حکمران دولت راؤ سندھیا نے سند تولیت نسلاً بعد نسل بھی عطا کر دی تھی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد مرہٹوں کی حکومت کا خاتمہ اور انگریزی تسلط کا آغاز ہوا تو واقف کے جانشین اکبر شاہ بادشاہ دہلی نے غبن و خیانت کی بنا پر "بکر" کو معزول کیا اور اس کے حق میں دولت راؤ سندھیا کی سند اس بنا پر منسوخ کر دی کہ یہ سند از راہ فریب زر خطیر صرف کر کے تعامل سلاطین و منشاء واقف کے خلاف حاصل کی گئی تھی جیسا کہ اکبر شاہ بادشاہ دہلی کے شقہ مورخہ کیم جون ۱۸۲۷ء کی حسب ذیل عبارات سے ظاہر ہے :۔ (الف) اگر کسے اسناد مرہٹہ متولی معزول یعنی "بکر" پیش نماید ساقط از اعتبار است کہ فرمان حضور والا دریں امر نیست و ہم متولی از راہ فریب از صرف کردن زر خطیر پیش مرہٹہ مختار شدہ بود۔" (ب) و تقرر متولی از طرف حضور معمول قدیم بودہ داشت۔" اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے اس حکم کا نفاذ حکومت انگریزی نے خاطر خواہ کیا اور بکر نے اس شاہی حکم کی تنسیخ اور خود کو درگاہ پاک کا موروثی متولی قرار دلانے کے سے

انگریزی عدالت دیوانی میں ایک دعویٰ کیا تو وہ بھی مع خرچہ خارج ہوا۔ اور پھر زندگی بھر "بکر" کو اس عہدہ پر بحال ہونا نصیب نہ ہوا۔ یہ بکر موجودہ متولی "زید" کا دادا تھا۔

(۵) مرہٹوں کے بعد انگریزوں نے اپنے دور حکومت کے اوائل ہی میں تعامل سلاطین ماضی کی تحقیقات سے یہ معلوم کیا کہ درگاہ پاک اور اس کے وقف مذکور کا جملہ انتظام و نیز عہدیدار موسوم متولی کا عزل و نصب بلا تخصیص قوم و خاندان و مذہب ہمیشہ سے والیٔ ملک کے اختیار میں رہا ہے چنانچہ اس باب میں کرنل تھیفیلی الوس نے جو اس ضلع کا کمشنر تھا جس میں یہ درگاہ پاک واقع ہے اپنی تحقیقات کے خلاصہ کا اظہار اپنے روبکار مورخہ ۲۹ مارچ ۱۸۳۸ء میں حسب ذیل الفاظ میں کیا۔ "از کیفیت ہائے قانون گویان و دیوانجی و خدمہ درگاہ کہ ہمراہ روبکاری سپرنٹنڈنٹی مرقومہ ۱۲ فروری سہ حال رسیدہ مزین گردید کہ ہمیشہ برائے بندوبست امور درگاہ متولی از طرف والیٔ ملک مقرر شدہ۔ عزل و نصب متولی باختیار والیٔ ملک ماندہ و درماموری برین عہدہ تخصیص کدام قوم و مذہب و خاندان ہم نبودہ۔" اس تحقیقات کی بناء پر درگاہ شریف مذکور اور کل وقف متعلقہ کے انتظام و جملہ امور کی سربراہی مثل واقف وقف اور واقف کے جانشین سلاطین کے قائم مقام کی حیثیت سے حکومت انگریزی نے براہ راست زیر بنگال ریگولیشن نمبر ۱۹ ۱۸۱۰ء اپنے ہاتھ میں لی اور اس درگاہ پاک اور اس کے وقف کا انتظام نیز عہدیدار موسوم بہ متولی درگاہ کا عزل و نصب محکمہ بورڈ آف ریونیو کے فرائض میں داخل ہوا۔ چنانچہ بورڈ آف ریونیو نے درگاہ پاک کی انتظامی خدمات انجام دیں اور چند مختلف اشخاص کو اپنے حکم سے عہدہ تولیت پر بھی مامور کیا۔ جن میں سے دو شخص موجودہ متولی "زید" کے اجداد بھی تھے۔ ایک پردادا اور ایک والد۔ لیکن بورڈ آف ریونیو کے کبھی کسی انگریزی حاکم نے بھی کبھی یہ عہدہ کسی قوم یا خاندان کے لئے مخصوص نہیں کیا۔

(۶) ۱۸۶۳ء میں حکومت انگریزی نے ایکٹ نمبر ۲۰ ۱۸۶۳ء پاس کر کے جملہ اوقاف مذہبی سے خود بے تعلقی اختیار کی اور درگاہ مذکورہ کے انتظام و اہتمام کے لئے اپنی جگہ مسلمانوں کی ایک کمیٹی قائم کر دی جس کو بورڈ آف ریونیو کا قائم مقام قرار دیا اور وہ کل اختیارات انتظام و نظارت امر و نہی و تصرف بشمول اختیار عزل و نصب عہدیدار موسوم بہ متولی جو بورڈ آف ریونیو کو بحیثیت قائم مقام واقف و جانشین سلاطین ماضی حاصل تھے اس کمیٹی کو تفویض کر دیئے۔ اس موقع پر "زید" کے باپ نے کوشش کی تھی کہ کمیٹی قائم نہ کی جائے بلکہ وقف درگاہ پاک کی تولیت اس کے خاندان میں ہمیشہ کے لئے موروثی قرار دے کر یہ وقف اس کے سپرد کر دیا جائے۔ لیکن گورنمنٹ نے یہ منظور نہ کیا۔ بلکہ عہدہ تولیت غیر موروثی قرار دے کر کمیٹی مقرر کی۔ یہ کمیٹی درگاہ کمیٹی کے نام سے موسوم اس وقت تک موجود ہے۔ اور اس نے بھی متعدد افراد کو کار تولیت مذکورہ بالا پر مینیجر یا نائب متولی کے لقب سے مقرر کیا ہے جن کی نظر میں خاندان تو خاندان مذہب کی بھی تخصیص نہیں برتی گئی ہے۔ اسی ذیل میں دو مرتبہ کمیٹی نے موجودہ متولی "زید" کو بھی مینجر یا نائب متولی مقرر کیا تھا۔ لیکن پہلی مرتبہ کمیٹی کے مقابلہ میں تمرد و سرکشی کی بناء پر اور دوسری مرتبہ خیانت مجرمانہ کے جرم میں سزا پانے کے باعث زید کو اس عہدے سے معزول کر دیا گیا۔ پھر بھی ۱۹۱۵ء میں ۹ دسمبر کو درگاہ کمیٹی نے تیسری مرتبہ "زید" کو عہدہ تولیت پر مامور کر کے ۱۹۲۱ء میں کاروبار متعلق درگاہ شریف سپرد کیا۔ کمیٹی نے زید کے تقرر سے ۷ ۳ برس پہلے زید کے بھائی "خالد" کو بھی

امتحاناً ۶ سال کے لئے اس عہدہ پر مامور کیا تھا لیکن وہ نااہل ثابت ہوئے اس لئے برطرف کر دیئے گئے تھے۔ اور ان کی جگہ متعدد ہندو اور مسلمان منتظم و تجویز کمیٹی کار تولیت پر یکے بعد دیگرے مامور ہوئے۔

(۷) ایکٹ (۲۰) ۱۸۶۳ء جس کے ماتحت درگاہ پاک کا موجودہ انتظام قائم ہے اس کی رو سے وقف درگاہ پاک کی قابض، منتظم و متصرف درگاہ کمیٹی مذکور ہے۔ اور اس کمیٹی کا مقرر کردہ عہدیدار جو عرف میں متولی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کمیٹی کے ماتحت ملازم و منیجر کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا فرض یہ ہے کہ صحیح طور پر حساب کتاب مرتب رکھے۔ اور کمیٹی مذکور کے روبرو حسابات پیش کر کے جانچ کراتا رہے۔ نیز جملہ امور انتظامی کے متعلق جو احکام منجانب درگاہ کمیٹی صادر ہوں ان کی پابندی و اجرا کرے اور بلا حکم و منظوری کمیٹی نہ کسی کام کا اجرا کرے نہ وقف کی کوئی رقم صرف کرے۔ ایکٹ نمبر ۲۰ ۱۸۶۳ء سے قبل بنگال ریگولیشن نمبر ۱۹ سن ۱۸۱۰ء کے ماتحت جب کہ انتظام درگاہ شریف بورڈ آف ریونیو کے سپرد تھا اس وقت و نیز سلاطین ماضیہ کے دور میں بھی یہ عہدیدار ملازم سرکار شمار ہوتا تھا۔ اور سرکاری کاغذات و عدالتی فیصلہ جات و ریکارڈ میں اس عہدیدار کو ملازم سرکاری لکھا ہے۔ نیز خدمات مفوضہ کے عوض پہلے نقد یومیہ یا یکمشت ڈیڑھ سو روپے ماہوار ملتا تھا۔ پھر عرصہ سے مواضعات موقوفہ میں سے ایک گاؤں کی آمدنی اس عہدیدار کے مشاہرے کیلئے مخصوص کر دی گئی ہے۔

(۸) درگاہ پاک اور وقف مذکور کے انتظام کے لئے جو کمیٹی اس وقت موجود ہے وہ پانچ ممبروں میں سے تین ممبر قوم خدام درگاہ سے اور ایک خاندان سجادہ نشین صاحب کی طرف سے مقرر ہوتا ہے اور شہر کی غالب اور بے لوث مسلمان آبادی کا صرف ایک نمائندہ اس کمیٹی میں بطور پریسیڈنٹ شریک ہوتا ہے۔ ہر ممبر کی مدت ممبری تازیست ہے۔ اور جب تک کوئی ممبر مر نہ جائے اس کی بجائے دوسرا ممبر منتخب نہیں ہو سکتا۔ تجربہ اور متعدد عدالتی فیصلے شاہد ہیں کہ چونکہ اس کمیٹی میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جن کے ذاتی مالی مفاد وقف درگاہ پاک سے وابستہ ہیں۔ اور جنہیں مختلف خدمات کے عوض حقوق و مشاہرات اس وقف کی آمدنی سے ملتے ہیں اس لئے یہ لوگ مفاد درگاہ پاک پر اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں جس کے باعث وقف و درگاہ پاک ان کے ہاتھوں ظلم و تباہی بربادی و بددیانتی کا تختہ مشق بنی ہوئی ہے۔ اور تمام نظم و نسق درہم برہم ہے۔ عہدہ تولیت پر بھی محض جذبہ عصبیت اور ہم قوم و قرابتدار ہونے کی پاسداری کر کے ان لوگوں نے اکثر نااہل شخص کو مقرر کیا ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی جو شخص (زید) اس عہدے پر ان کا مقرر کردہ موجود ہے وہ وہ ہے جو عہدے پر تقرر سے پہلے اسی درگاہ پاک کے مال میں خیانت کے جرم میں عدالت سے ایک مقدمہ میں سزا پا چکا تھا۔ اور دوسرے مقدمہ میں "حد درجہ کاہل و غفلت شعار کاروباری معاملات میں بے اصول اور دیانت داری کے لحاظ سے ہرگز شبہ سے بالاتر نہیں۔" قرار دیا جا چکا تھا۔ پھر بھی ثبوت خیانت و بددیانتی کے باوجود اس کمیٹی کے خادم ممبروں نے اپنی اکثریت کی تائید سے اسی شخص "زید" کو عہدہ مذکور پر مقرر کیا۔

(۹) یہ محسوس کرتے ہوئے کہ درگاہ پاک مذکور اور اس کے وقف کی بد نظمی تباہی و بربادی کا باعث موجودہ درگاہ کمیٹی کی ناقص تشکیل ہے و نیز اس بد نظمی کو دور کرنے کے لئے کوئی دوسرا چارہ کار نہ دیکھ کر عالی جناب آنریبل راجہ غضنفر علی خان ممبر کونسل آف اسٹیٹ نے کونسل مذکور میں ایک مسودہ قانون پیش کیا ہے جس کا ترجمہ لف

بذا ہے۔اس قانون کے ذریعہ موجودہ قانون میں دواہم تبدیلیاں پیدا کرنا مقصود ہیں۔اول یہ کہ خدام یاان ممبروں کی بجائے جن کے ذاتی مال مفاد وقف درگاہ سے وابستہ ہیں درگاہ کمیٹی کے ممبران میں ان ممبروں کی اکثریت پیدا اور محفوظ کی جائے جو بے لوث و آزاد ہوں اور وقف سے کسی قسم کا ذاتی مال نفع نہ اٹھاتے ہوں۔دوئم یہ کہ موجودہ تازیست مدت ممبری منسوخ کر کے مسلمانوں کو حق دیا جائے کہ ہر پانچویں سال درگاہ کمیٹی کے ممبران کا انتخاب کیا کریں۔

(۱۰) یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ درگاہ کی موجودہ بد نظمی دور کرنے کی صرف یہی صورت ہے کہ کہ مسودہ قانون مذکور پاس کر لیا جائے اور اس قانون پاس کرنے میں مسلمانوں ہی کی رائے عامہ مؤثر ہو سکتی ہے۔ حکومت سے خط و کتابت کا جواب یہی ملا ہے کہ اصلاح وقف مسلمانوں کی رائے عامہ پر منحصر ہے وہ چاہیں تو کونسل سے اپنی مرضی کے مطابق مناسب مسودہ قانون پاس کرالیں حکومت اس قانون کا نفاذ کردے گی۔ جن مجالس میں یہ قانون پاس کیا جائے گا وہ بھی رائے عامہ سے منتخب ہوتی ہیں۔اور ان میں بھی مسلمانوں ہی کے منتخب کردہ مسلم ممبران کی رائے کا اس باب میں مؤثر ہونا متصور ہے۔

(۱۱) مندرجہ بالا واقعات و حالات کی موجودگی میں حسب ذیل سوالات کا جواب مطلوب ہے۔بینوا توجروا۔

(الف) وقف مندرجہ بالا شرعاً وقف خاص ہے یا وقف عام ؟ (ب) اب جب کہ اسلامی سلطنت موجود نہیں ہے وقف مذکور کے تحفظ و اغراض کی تکمیل و اصلاح نظم و نسق کے باب میں شرعاً مسلمانوں کا کیا حق اور فرض ہے (ج)۔ان حالات میں جب کہ تجربہ اور عدالتی فیصلوں کی رو سے وقف درگاہ مذکور کی تباہی و بربادی موجودہ انتظامی نقائص کے سبب پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور مسلمانوں کو اس بد نظمی اور بربادی کی اصلاح پر بھی قدرت حاصل ہے۔ مسلمانوں کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی اس قدرت سے اصلاح کے واحد مؤثر ذریعہ کو استعمال کریں یعنی مجالس قانون ساز سے مسودہ قانون پیش کردہ راجہ غضنفر علی خان کو حسب ضرورت و صوابدید خود مناسب ترمیم و ردوبدل کے ساتھ پاس کرائیں ؟ کیا شرعاً اس باب میں مجالس قانون ساز ملکی کو جس کے بغیر مسلمان اپنی قدرت اصلاح وقف مذکور پر استعمال نہیں کر سکتے ذریعہ اصلاح بنایا جا سکتا ہے ؟ و نیز اگر یہ ذریعہ اصلاح غیر مسلم حکومت سے استمداد بھی قرار پائے تو کیا غرض مذکور کے لئے یہ استمداد شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ اگر مسلمان وقف مذکور کی تباہی کے علم اور اس کی اصلاح پر قدرت کے باوجود ساکت رہیں اور کوئی اصلاحی اقدام نہ کریں یا اصلاحی اقدام میں مزاحم ہوں تو شرعاً ان کا یہ فعل کیا قرار دیا جائے گا ؟ (د)۔کیا درگاہ بل پیش کردہ راجہ غضنفر علی خان مسئلہ بذا میں کوئی ایسی بات موجود ہے جس کے باعث یہ بل مداخلت فی الدین قرار دیا جا سکے ؟

(ہ)۔شریعت اسلامی میں متولی وقف کا تصور کیا ہے ؟ اور وقف درگاہ مذکور کے حالات پیش نظر رکھتے ہوئے اس وقف کے شرعی متولی کا مصداق کون ہے ؟ درگاہ کمیٹی یا وہ عہدیدار جو عرفاً متولی کہلاتا ہے اور جس کو واقف نے داروغہ بلغور خانہ بھی لکھا ہے۔ نیز شرعاً درگاہ کمیٹی کے مقابلہ میں اس عہدیدار (زید) کی کیا حیثیت ہے جو عرف میں اس درگاہ پاک کا متولی کہلاتا ہے۔ (و)۔ کیا عہدیدار (زید) جو عرف میں متولی کہلاتا ہے اس درگاہ پاک کا

موروثی عہدیدار ہے اور کیا یہ عہدہ تولیت کسی خاندان کا موروثی عہدہ ہے ؟۔(ز)۔شرعاً خدمت تولیت میں تعد اد افراد منافی تولیت ہے یا چند افراد کی ایک کمیٹی بھی متولی ہو سکتی ہے ؟(ح)اصلاح وقف درگاہ پاک کے سلسلہ میں گزشتہ وحال کی ابتری وتباہی پیش نظر رکھتے ہوئے یہ مناسب ہے کہ شرعی حیثیت سے تولیت وقف مذکور بدستور کمیٹی ہی کے سپرد رہے اور صرف قانون کے ذریعہ موجودہ کمیٹی کی تشکیل اور مدت ممبری میں مناسب تبدیلی وترمیم پر اکتفا کیا جائے جیسا کہ مسودہ قانون پیش کردہ راجہ غضنفر علی میں کیا گیا ہے۔یا یہ مناسب ہے کہ کمیٹی کو ایک دم منسوخ اور مسلمانوں کو انتخاب ممبران کمیٹی مذکورہ کے ذریعہ قومی مداخلت سے قطعاً بے تعلق و محروم کر کے ہمیشہ کے لئے اس وقف کا انتظام صرف ایک شخص متولی کے سپرد کر کے عہدہ تولیت دائمی طور پر نسلاً بعد نسل اس شخص کے خاندان میں محصور کر دیا جائے اور اس تولیت کے لئے شخص یہی "زید" معین کیا جائے جو خود بھی خائن اور غاصب ثابت ہو چکا ہے اور جس کے بعض اجداد بھی غبن وخیانت ہی کے الزام میں معزول ہو چکے ہیں۔(ط)۔آپ کی رائے میں درگاہ بل پیش کردہ راجہ غضنفر علی میں کیا کیا ترمیم ور دوبدل مناسب ہے۔ جس کے باعث یہ بل بہتر اور مناسب صورت اختیار کر سکے۔ المستفتی مرزا عبدالقادر بیگ عفی عنہ

(جواب ۱۹۸)(۱)وقف خاص اور وقف عام شرعی اصطلاحیں نہیں ہیں۔اور اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ وقف کے لئے تابید شرط ہے اور اگر ابتداءً کسی خاص فرد یا مخصوص خاندان کے لئے اس کے فوائد و منافع محصور بھی کر دیئے جائیں تاہم ضروری ہے کہ آخر میں وہ جہت غیر منقطعہ کے واسطے وقف قرار دیا جائے اور عام فقراء ومساکین کے لئے کر دیا جائے اور اس بنا پر یہ کہنا کہ ہر وقف کے لئے مآلاً عام ہونا لازم ہے۔ **ویجعل آخره لجهة قربة لا تنقطع** (تنوير الا بصار)(۱) **والصحيح ان التابيد شرط اتفاقا لكن ذكره ليس بشرط عند ابي يوسف و عند محمد لا بدان ينص عليه** (رد المحتار)(۲) لیکن چونکہ قانونی طور پر موقوف علیہ کے مخصوص ہونے یا غیر معین ہونے کی جہت سے وقف خاص اور وقف عام کی اصطلاحیں مشہور ہو گئی ہیں تو اس جہت سے بھی اگر حسب بیان سائل واقف نے وقف نامہ میں یہ عبارت لکھی ہے۔"صرف عرس ولنگر وروشنائی وفروش وگل وارباب مسجد ووظائف اصحاب استحقاق وحفاظ وصادر ووارد وسائر وجوہ خیرات و مبرات" تو اس وقف کے وقف عام اور غیر منقطع جہات کے لئے ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہو سکتا۔

حاشیہ نمبر (۲) ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی الکلام علی اشتراط التابید ۴/ ۳۴۹ ط سعید

(۲)اوقاف کی نگرانی اور حفاظت اور ان کو خائنوں کی دستبرد سے بچانا اور مستحقین کو ان کے حقوق پہنچانا بے شبہ قضاۃ اسلام کا کام تھا۔اب اسلامی سلطنت قائم موجود نہ ہونے کی وجہ سے قضاۃ اسلام بھی موجود نہیں اور ان حالات میں مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ خود یا حکومت موجودہ کی معاونت سے اوقاف کی حفاظت کریں۔ کیونکہ جو اسلامی امور قضاۃ اسلام سے تعلق رکھتے تھے مثلاً صوم وافطار کا حکم کرنا جمعہ وعیدین کی نماز وجماعت قائم

(۱)(تنوير الا بصار، كتاب الوقف، مطلب في الكلام على اشتراط التابيد، ۴/ ۳۴۸ ط. سعيد)

کرنا وہ بصراحت فقہاء قضاۃ اسلام اور حکومت اسلامیہ کی غیر موجودگی میں مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئے ہیں۔ **یقیمها (الجمعة) امیر البلد ثم الشرطی ثم القاضی ثم من ولاه قاضی القضاة و نصب العامة الخطیب غیر معتبر (درمختار)** (۱) **فلو الولاة کفار یجوز للمسلمین اقامة الجمعة ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیهم ان یلتمسوا والیا مسلماً (ردالمحتار)** (۲)

(۳) اگر وقف کی آمدنی کے متعلق اس امر کا ظن غالب یا یقین ہو کہ وہ غیر مصارف میں خرچ کی جاتی ہے یا اس میں خیانت اور تغلب ہو رہا ہے یا بد انتظامی کی وجہ سے وقف تباہ اور برباد ہو رہا ہے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ وقف کو غیر مصرف میں خرچ ہونے اور خیانت تغلب اور تباہ و برباد ہونے سے بچانے کے لئے جو کچھ کر سکتے ہیں کریں۔ اگر اصلاح کا اور کوئی ذریعہ باقی نہ رہے یا موثر نہ ہو تو مسلمان مجالس قانون ساز میں ایسا مسودہ قانون پیش کر کے پاس کرا سکتے ہیں جو وقف کی محافظت اور اغراض وقف اور شرائط واقف کی رعایت و نگہداشت کا ضامن ہو۔ جس کا منشا صرف یہ ہو کہ وقف کے شرعی قانون کی تنفیذ کی قوت موجودہ گورنمنٹ سے حاصل کر لی جائے۔ مگر ایسے مسودہ قانون میں مفصلہ ذیل امور کی پابندی لازم اور واجب ہے :-

(الف) بل کی کوئی دفعہ اوقاف کے شرعی قانون سے متصادم نہ ہو۔ (ب) اس کی کوئی دفعہ غرض واقف اور شرائط واقف کے خلاف نہ ہو۔ (ج) وہ بل واقف اور موقوف علیہم اور دیگر متعلقہ اشخاص کے حقوق پر مخالفانہ اثر نہ ڈالے۔ (د) وہ بل حکومت کا اقتدار اور تسلط وقف پر قائم نہ کرے۔ (ہ) قانون کے ذریعہ سے حکومت کو کسی تصرف کا حق حاصل نہ ہوتا ہو۔ جو واقف کی شرط یا غرض یا تصریح یا تعامل قدیم کے خلاف ہو۔

(۴) کسی بل پر مداخلت فی الدین کا الزام اسی وقت قائم کیا جا سکتا ہے جب کہ اس کی دفعات میں سے کوئی دفعہ اوقاف کے شرعی قانون کے خلاف ہو۔ لیکن اگر اس کا مقصد اوقاف کے لئے غیر شرعی قانون وضع کرنا نہ ہو بلکہ شرعی قانون متعلقہ اوقاف کی تنفیذی قوت حاصل کرنا ہو تو اس کو مداخلت فی الدین قرار دینا صحیح نہیں۔ راجہ غضنفر علی خاں کا مجوزہ بل باوجود یہ کہ بہت سی جزوی ترمیمات کا محتاج ہے اور اس میں سے وہ حصہ جو حکومت کے لئے ایک طرح کا اقتدار اور تسلط ثابت کرتا ہے حذف کر دینا واجب ہے۔ تاہم اس اصول پر کہ وہ شرعی قانون وقف کی مخالفت کا التزام نہیں کرتا اور اس کو صرف تحصیل قوت تنفیذیہ تک محدود رکھا جا سکتا ہے اور معزز محرک ایسی ترمیمات کو قبول کرنے پر آمادہ ہیں مداخلت فی الدین کے الزام کے ماتحت نہیں آسکتا۔

(۵) ان حالات و واقعات کی صحت کی بنا پر جو سوال میں ذکر کئے گئے ہیں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عہدہ تولیت تو قدیم اور موروثی ہے اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ انتظام اوقاف کے لئے ایک متولی رہا ہے اور رہنا چاہئے۔ خواہ اس کو متولی کہا جائے یا داروغہ بلغور خانہ یا منیجر یا اور کسی لفظ سے موسوم یا ملقب کیا جائے اس شخص کو شرائط واقف کے ماتحت وقف کی آمدنی کو صحیح طور پر جائز مصارف میں خرچ کرنے کا حق ہوگا۔ اور اس کے عزل

---

(۱) الدر المختار ، كتاب الصلاة ، بعيد مطلب في جواز استنابة الخطيب ، ۲/ ۱۴۳ ط. سعيد

(۲) رد المحتار ، كتاب الصلاة ، بعيد مطلب في جواز استنابة الخطيب ۲/ ۱۴۴ ط . سعيد

نصب کا اختیار واقف کو تھا اور اس کے بعد اس کے مسلم جانشینوں کو اور مسلم جانشین نہ رہنے کی صورت میں عامہ مسلمین کو یا ان کی مقرر کردہ کمیٹی کو۔

(۶) روداد مندرجہ سوال سے ظاہر ہے کہ عہدہ تولیت کسی فرد یا خاندان کے ساتھ مخصوص اور موروثی نہیں رہا ہے اور جب کہ شاہان اسلام کے زمانہ میں مختلف خاندانوں کے افراد اس عہدہ پر مامور اور منفرد و معزول ہوتے رہے ہیں تو اب اس عہدے کو کسی خاندان کے لئے موروثی سمجھنا غیر معقول اور غیر موجہ اور غیر مشروع ہے۔ تولیت کا عہدہ صرف واقف کے خاندان کے لئے جس کے لئے واقف نے شرط کردی ہو موروثی ہوتا ہے اور یہ بھی مشروط بالصلاح والدیانت ہے۔ اگر واقف کے خاندان کا کوئی متولی بلکہ خود واقف بھی یا اس کی جانب سے شرط کیا ہوا متولی بھی خائن ہو تو وقف کا اس کے ہاتھ سے نکال لینا اور اسے تولیت سے معزول کردینا اور کسی غیر کو جو اصلح اور متدین ہو متولی مقرر کردینا واجب ہوتا ہے۔(۱)

(۷) متولی کا فرد واحد ہونا لازم نہیں۔ اختیارات تولیت متعدد افراد کے سپرد دئے جاسکتے ہیں۔(۲)

(۸) اکثر کی حالت کی بناپر فرد واحد کی جگہ کمیٹی کا انتظام اصلح للوقف ہوتا ہے۔ لیکن اس موقع محبوث عنہ میں تعامل قدیم سے عہدہ متولی کا ہمیشہ رہنا ثابت ہے اس لئے کمیٹی کی تشکیل بطور نگرانی اور مراقبہ وقف کے ہو اور متولی درگاہ کمیٹی کی ماتحتی میں کام انجام دے یہ صورت اصلح واوفق و انسب ہے۔

(۹) راجہ غضنفر علی خاں کا پیش کردہ بل ترمیم و اصلاح کا محتاج ہے جس کے لئے جمعیۃ علمائے ہند نے ایک سب کمیٹی بنادی ہے جو عنقریب اس بل پر تفصیلی بحث و تنقید کر کے ترمیم و اصلاح کردے گی اور راجہ صاحب کی اور دیگر ممبران کونسل آف اسٹیٹ کی خدمت میں بھیجدے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ

(۱) مسجد کی آمدنی پر بینک سے سود لینے کا حکم
(۲) کیا اوقاف مساجد کا بیمہ کرانا جائز ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء)

(سوال) (۱) جامع مسجد بمبئی کی آمدنی بنک میں رکھی جاتی ہے۔ اس کا سود لیا جانے یا نہیں؟ (۲) اوقاف مساجد کے حسابات چیک کرنے والے جو سرکار کی طرف سے آڈیٹر مقرر ہیں ان کی طرف سے متولیان مسجد پر زور دیا جا رہا ہے کہ بیمہ کراؤ ورنہ اس کے نقصان کا روپیہ تم کو دینا پڑے گا۔

(جواب ۱۹۹) (۱) مسجد کی رقم جو بنکوں میں جمع ہے اس کا سود بنک سے لے لینا چاہئے اور اس رقم کو فقراء کو

(۱) لو شرط الواقف کون المتولی من اولادہ واولادھم لوکان خائنا یولی اجنبی حیث لم یوجد فیھم اھل لانہ اذا کان الواقف نفسہ یعزل بالخیانۃ فغیرہ اولی. (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب لایجعل الناظر من غیر اھل الوقف ۴/۴۲۵ ط. سعید)

(۲) اذا وقف ارضین علی قوم وجعل ولایۃ کل ارض الی رجل ثم اوصی بعد ذلک الی زید فلزید ان یتولی مع الرجلین. (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب نصب متولیا ثم آخر اشترکا، ج: ۴ ص ۴۲۳، سعید)

مساکین کو دے دینا چاہئے۔(۱) (۲) مسجد کے متولی یا ٹرسٹی پر لازم نہیں کہ وہ خود نقصان برداشت کرے۔ بذمہ کرانا ناجائز ہے لیکن اگر سرکار کی طرف سے متولیان کو بذمہ کرانے پر مجبور کیا جائے تو وہ مجبوری میں کرا سکتے ہیں۔ ان کو نقصان کا ذمہ دار ٹھہرانا بھی مجبور کرنے میں داخل ہے۔(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

کسی نمازی کو مسجد کے انتظام میں بلااجازت دخل اندازی کا حق نہیں ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۲۷ء)

(سوال) خالد دوسرے محلّہ کا رہنے والا اپنے آباؤ اجداد سے ہے جہاں ہمیشہ سے مسجد بھی ہے۔ اب خالد دوسرے محلّہ میں آکر بسا اور یہاں بھی مسجد ہے اور اس مسجد اور اس کے متعلق کسی کام میں خالد نے اور اس کے باپ دادا نے مطلقاً مدد نہیں کی۔ اس بنا پر خالد کو اس مسجد میں نماز و عبادت کے علاوہ نظام و اہتمام مسجد وغیرہ امور میں جبراً دخل دینے کا حق ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۰۰) اب کہ خالد اس محلّہ میں آباد ہو گیا تو مثل دوسرے افراد اہل محلّہ کے اس کو بھی اسی قدر حق ہو گیا جس قدر کہ اس محلّہ کے کسی دوسرے شخص کو ہے اور جس چیز کو کہ متولی (۳) یا اکثر جماعت پسند کرے اس کی پابندی خالد کو بھی کرنی ہو گی۔ کیونکہ ہر شخص کی ضد تو پوری ہو نہیں سکتی۔ لا محالا اکثریت کی رائے کا اعتبار ہو گا۔(۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

کیا متولی مسجد خادم و امام کو مسجد کی آمدنی سے قرضہ دے سکتا ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ ستمبر ۳۳ء)

(سوال) خادمان مسجد مثلاً مؤذن و امام بوقت ضرورت متولیان مسجد، مسجد کے وقف مال سے قرض حسنہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(جواب ۲۰۱) متولی مسجد کو اختیار ہے کہ وہ مسجد کے خادموں کو ان کی ضرورت رفع کرنے کے لئے مسجد کے فنڈ سے روپیہ قرض دے دے لیکن یہ شرط ہے کہ قرض کی وصولیابی کی طرف سے اطمینان ہو۔ ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

مسجد کی آمدنی کے چوری ہو جانے کا ضمان محافظ کی غفلت کی وجہ سے اس پر آئے گا

(سوال) سخاوت خاں کو لوگوں نے امانت دار سمجھ کر کچھ رقم مسجد انجیر تر کے خرچ کے لئے جمع کیا۔ انہوں نے اس کو اپنے گھر میں نہیں رکھا بلکہ خارج مسجد میں ایک کمرہ وضو کرنے کیلئے بنا ہے اس میں ایک الماری بنی ہے

(۱) مذکورہ مسئلے کی تفصیل گذر گئی ہے دیکھئے، مسجد کی رقم اور بینک سے سود لینا ص ۱۰۶-۱۰۷ قال اللہ تعالیٰ: تعاونوا علی البر و التقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان. (سورۃ المائدۃ، الجزء السادس، رقم الآیہ ۲)

(۲) فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ. ان اللہ غفور رحیم. (سورۃ البقرۃ، رقم الآیہ ۱۷۳)

(۳) وقف لہ متول ومشرف لا یکون للمشرف ان یتصرف فی مال الوقف لا ن ذالک مفوض الی المتولی (الخانیۃ، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل دارہ مسجدا، ۳/ ۲۹۷ ط. ماجدیۃ)

(۴) وان اختار بعضهم الا قرأ واختار بعضهم غیرہ فالعبرۃ للاکثر. (الفتاوی العالمگیریۃ) کتاب الصلاۃ، الباب الخامس، الفصل الثانی، ص ۸۴ ج. ۱ ط. ماجدیۃ)

(۵) لیسع للمتولی اقراض مافضل من غلۃ الوقف لو احرز اہ ..... للمتولی اقراض مال المسجد بامر القاضی (ردالمحتار کتاب القضاء، مطلب للقاضی اقراض مال الیتیم وغیرہ ج: ۵، ۴۱۷، ط سعید)

جس میں روشنی کا سامان مانند لالٹین و تیل کڑوا و بتی بنانے کے لئے روئی وغیرہ رکھی جاتی ہے۔ اسی الماری میں وہ رقم رکھ کر تالا لگا کر اس کی کنجی کو مسجد کے دروازہ پر اندر کی جانب ایک طاق ہے جس پر تیمم کرنے کے لئے مٹی کا ایک گولہ رکھا تھا اس کے نیچے رکھ دی۔ کسی نے تالا کھول کر رقم مذکور کو نکال لیا۔ ایسی صورت میں سخاوت خاں پر ضمان آئے گا یا نہیں؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خان جگن پور ضلع فیض آباد

(جواب ۲۰۲) اس نے مسجد کی رقم اپنی تحویل اور اپنی حفاظت میں نہیں رکھی۔ لہذا رقم کا ضمان اس کے ذمہ واجب ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

کیا وقف کے دو متولیوں میں سے ایک دوسرے کو معزول کر سکتا ہے؟

(سوال) ہندہ نے اپنا مکان جو اس کو ورثہ میں ملا تھا تعمیر مسجد کے لئے وقف کیا۔ یہ تقسیم کے وقت ہندہ کے حصہ میں مکان مذکور پورا نہیں آتا تھا۔ لیکن بقیہ ورثا کو معلوم ہوا کہ ہندہ اس مکان میں مسجد بنائے گی تو انہوں نے تمام مکان ہندہ ہی کو دے دیا۔ ہندہ نے مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیا تو زید جو اس کی برادری کا ایک شخص ہے اس کو تعمیر کا منتظم کر دیا۔ اور تقریباً نصف مسجد زید کے اہتمام و نگرانی سے ہندہ کا روپیہ تعمیر مسجد میں خرچ ہوا۔ اس کے بعد ہندہ کے پاس روپیہ نہیں رہا۔ تو اس نے زید سے کہا کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہے اب تمہیں اختیار دیتی ہوں چاہے جس طرح تعمیر کرو۔ بقیہ تمام کام زید نے اپنی معقول رقم سے پورا کیا۔ جب ہندہ نے زید کو اس قدر مستعد اور اہل دیکھا تو اس نے زید سے کہا کہ میرے بھتیجے کے ساتھ مل کر تولیت کے فرائض بھی تمہیں انجام دو۔ چنانچہ زید مسجد کے تمام کام کو باحسن وجوہ انجام دینے لگا۔ بلکہ جب زید نے یہ دیکھا کہ ہندہ نے مجھ کو مسجد کا مستقل متولی کر دیا ہے تو اس نے ایک مکان ذاتی اس مسجد کے لئے وقف کر دیا جس کی آمدنی مسجد میں خرچ کرتا ہے۔ زید ہندہ کے سامنے برابر تولیت کے فرائض انجام دیتا رہا ہے۔ ہندہ کے انتقال کے بعد بھی پانچ سال سے برابر خدمت مفوضہ انجام دے رہا ہے۔ زید باوجود متولی ہونے کے اس قدر احتیاط سے کام کرتا ہے کہ ہر کام میں برابر ہندہ کے بھتیجے سے مشورہ کرتا ہے اور ان کے مشورے سے ہر ایک کام انجام دیتا ہے۔ اب چند روز سے مسائل مختلفہ پر جھگڑا شروع ہو گیا جس کی وجہ سے ہندہ کا بھتیجا اپنی تولیت کا دعویٰ کرتا ہے اور زید کو تولیت سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے۔

(جواب ۲۰۳) حق تولیت مسجد اصل بانی اور واقف کو ہوتا ہے۔ اگر وہ یہ حق اپنے لئے محفوظ رکھے تو اس سے کوئی مزاحم نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وہ اپنی زندگی میں یا بعد الموت کسی شخص کیلئے اس حق کو کر دے تو وہ متولی ہو جاتا ہے۔ اور بانی کے مقرر کئے ہوئے متولی کو کوئی شخص بدون ثبوت خیانت موقوف نہیں کر سکتا۔ صورت مسئولہ میں اگر زید نے تعمیر مسجد میں بحیثیت منتظم تعمیر کے اپنی بھی ایک معقول رقم خرچ کی ہے تو وقف بنا میں وہ بھی من وجہ شریک ہے۔ اور پھر جب کہ ہندہ نے اس کو تولیت کے اختیارات تفویض کر دیئے تو وہ ہندہ کی جانب

---

(۱) سلم المودع الدار التي في بيت منها الوديعة الى آخر لحفظها ان كانت الودائع في بيت مغلق حصين لا يمكن فتحه بغير مشقة لا يضمن و الا فيضمن . (عالمگيرية ، كتاب الوديعة ، الباب الرابع ، ۴/۳۴۳ ط . ماجدية)

سے متولی ہو گیا۔ مگر چونکہ ہندہ نے اپنے بھتیجے کو بھی تفویض اختیارات میں شریک کیا ہے اس لئے دونوں شخص حقوق تولیت میں شریک رہیں گے اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو معزول نہیں کر سکتا۔

فلوما مو نا لم تصح توليته غيره اشباه (درمختار) (۱) لا يجوز للقاضي عزل الناظر المشروط له النظر بلا خيانة ولو عزله يصير الثاني متوليا ويصح عزل الناظر بلا خيانة لو منصوب القاضي اى لا الواقف (ردالمحتار) (۲) ففي الواقف يشارك وفي القاضي يختص الثاني الخ (ردالمحتار) (۳)

محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح۔ احمد علی عفی عنہ مدرس فتحپوری دہلی۔ محمد اکرم عفی عنہ مدرس فتحپوری۔ بندہ احمد سعید واعظ دہلوی۔ محمد اسحق عفی عنہ مدرس مدرسہ حسینیہ، دہلی۔ محمد شفیع عفی عنہ مدرسہ عبدالرب دہلی۔ محمد میاں عفی عنہ مدرسہ حسین بخش دہلی۔ نورالحسن عفی عنہ مدرسہ حسین بخش۔ محمد عبداللہ عفی عنہ مدرسہ حسینیہ دہلی۔

چھٹا باب
جواز و صحت وقف

وقف کی آمدنی کو اپنے خرچ میں لانا

(سوال) اگر کوئی شخص وقف میں یہ شرط ٹھہرائے کہ جب تک میں زندہ ہوں اس وقف کی آمدنی خواہ سب کی سب یا آدھی تہائی اپنے خرچ میں لایا کروں گا۔ تو یہ شرط درست ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۰٤) اس قسم کی شرط جائز ہے اور واقف جب تک زندہ ہے خود صرف کرے گا اس کے بعد جو موقوف علیہ ہو اس پر صرف کیا جائے گا۔ **ولو قال وقفت على نفسي ثم من بعدى على فلان ثم للفقراء جاز عند ابى يوسف رحمه الله تعالىٰ كذافى الحاوى۔ (هنديه) (۱)**

(۱) کیا مسجد کا بصورت مسجد ہونا اور اس میں لوگوں کا نماز ادا کرنا وقف کے لئے کافی ہے؟
(۲) قبرستان کے وقف ہونے کے لئے صرف مردوں کا دفن ہونا کافی ہے
(۳) عوض لے کر مردہ دفن کی ہوئی زمین کھودنے کا حکم
(۴) قبرستان کی پرانی مسمار زمین پر اپنی ملک کا دعویٰ کرنا

(سوال) مسجد کا بصورت مسجد ہونا اور وہ بھی ایسے مقام پر جہاں عام لوگ نماز ادا کرتے ہوں یا کرتے رہے ہوں اس کے وقف ہونے کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ یا کسی اور تحریر کی ضرورت ہے۔ اگر وقف ہونے کے لئے صرف

---

(۱) (عالمگیرية، كتاب الوقف، الباب الثالث، الفصل الثاني، ۲/ ۳۷۱ ط ماجدية)

صورت مسجد کافی نہیں ہے تو ایسی مساجد کو کہ جو پرانی ہیں اور ان کے بانی بھی مدتہا مدت ہوئیں فوت ہو چکے ہیں اور اب نہ کوئی بانیان کا قائم مقام موجود ہے نہ کوئی اور تحریر وقف موجود ہے تو اس کو وقف کہا جائے گا یا مملوکہ ؟ مسجد کی طرح قبرستان کا بھی قبرستان ہونا اس کے وقف ہونے کے لئے کافی ہے ؟ اگر نہیں تو مقابر اولیائے کرام مثلاً حضرت خواجہ معین الدین چشتی و حضرت خواجہ علاء الدین صابر کلیری و حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جن کے جوار رحمت میں صدہا بندگان خدا دور دور کے مدفون ہیں وقف سمجھے جائیں یا نہیں ؟ اگر وقف سمجھے جائیں تو وقف کی کیا دلیل ہے ؟ کوئی مالک جس نے بزرگ اول کو دفن کرایا ہو موجود نہیں نہ کوئی تحریر ہے۔ ۱

(۳) ایک شخص اپنی مملوکہ اراضی میں بمعاوضہ یا بلا معاوضہ غیر مردوں کو دفن کرتا ہے لہذا یہ زمین کس کی مملوکہ سمجھی جائے گی۔ اصل مالک کی یا وارثان میت کی ؟ پھر اس زمین کو وارثان میت یا اصل مالک قبروں کے مسمار ہو جانے کے بعد بیع کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

(۴) ایک قبرستان جس کے اکثر حصہ میں قبریں ہیں کچھ جزوی حصہ خالی ہے جس میں قبریں بہ سبب پرانی ہونے کے مسمار ہو گئی ہیں اور اس میں عام مسلمین کے مردے دفن ہیں، ایک شخص اپنی مملوکہ بتاتا ہے اور کوئی دلیل سوائے دعوائے زبانی اس کے پاس موجود نہیں جس سے مملوکہ ہونا معلوم ہو۔ لہذا ایسی صورت میں اس حصہ قبرستان کو مدعی کا مملوکہ سمجھا جائے گا یا موقوفہ ؟ مورث اعلیٰ اس کو موقوفہ بیان کرتا ہے۔ بینوا توجروا۔

(جواب ۲۰۵) مسجد کا بصورت مسجد ہونا اور اس میں بلا روک ٹوک نماز ہونا ہی اس کے وقف ہونے کے لئے کافی ہے۔ کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں۔(۱) اور جو جگہ ایک مرتبہ مسجد ہو جائے پھر وہ کسی کی ملک میں نہیں آسکتی۔ وہ خداوند تعالیٰ کی ملک ہے۔(۲)

مسجد کی طرح قبرستان میں بھی عام اموات کا بلا روک ٹوک دفن ہونا اس کے وقف ہونے کے لئے کافی ہے۔ ہاں کسی خاص قبرستان کے لئے جس میں عام اموات کو دفن ہونے سے روکا جاتا ہو تاوقتیکہ یہ بات ثبوت کو نہ پہنچ جائے کہ یہ وقف ہے وقف نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے کہ کسی کی ملکیت ان زمینوں پر ہو اور مالکان زمین نے بمعاوضہ یا بلا معاوضہ دیگر اموات کو دفن کرنے کی اجازت دے دی ہو۔(۳)

اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ زمین میں معاوضہ لے کر اموات کو دفن کرتا ہے تو اگر وہ صرف دفن کرنے کا معاوضہ لیتا ہے، تو اس کو اس قسم کا کوئی معاوضہ لینا جائز نہیں۔(۴) لیکن اگر وہ قبر کے برابر زمین کو فروخت کر دیتا ہے اور ورثائے میت کو اس کا مالک بنا دیتا ہے تو اس کے مالک ورثائے میت ہیں۔ مالک زمین کو اب اس میں تصرف کا حق نہیں۔

(۳،۱) الوقوف التی تقادم امرها ومات وارثها ومات الشهود الذين يشهدون عليها ...... تجعل موقوفة فمن اثبت في ذالك حقا قضى له به . (عالمگیرية ، كتاب الوقف ، الباب السادس ، الفصل الثاني ۲/ ۴۳۹ ط. ماجدية)

(۲) اذا خرب المسجد واستغنى اهله ...... هو مسجد ابدا وهو الا صح لوصار احد المسجدين قديما و تداعى الى الخراب ..... والفتوى على قول ابي يوسف رحمة الله عليه انه لا يعود الى ملك مالك ابدا كذافي المضمرات (العالمگيرية كتاب الوقف الباب الحادى عشر ، الفصل الاول ، ۲/ ۴۵۸)

(۴) لا يجوز الا ستئجار على الطاعات . (عالمگيريه ، كتاب الاجارة ، الباب الخامس عشر ، الفصل الرابع ۴/ ۴۴۸ ط. ماجدية)

اس شخص کا صورت مسئولہ میں بعض حصہ قبرستان پر دعویٰ کرنا کہ یہ میری ملکیت ہے بغیر ثبوت بے سود ہے۔ صرف اس دعوے سے کہ یہ زمین میری ملکیت ہے کسی کی ملکیت ثابت نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ اپنے دعوے پر حجت پیش نہ کرے۔ واللہ اعلم(۱)

بحیثیت تولیت، اور وراثت اور اس کی آمدنی مسجد پر صرف ہوتی رہے کہنے سے زمین وقف ہو گئی۔

(سوال) منشی حسین خان کے نام سات مواضع جاگیر میں تھے۔ انہوں نے اپنی جائیداد مملوکہ جس میں سرائے باغ و تالاب و مسجد و چند مکانات تھے بحیات خود ۱۲۹۸ء میں وقف کر دیئے اور ان سات مواضعات کو وقف نہیں کیا۔ بعد انتقال منشی حسین خاں ۱۳۰۸ھ میں نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ خلد مکان نے منجملہ ان سات مواضعات جاگیر کے چھ موضع ضبط فرمائے اور ایک موضع (بیر کھیڑی) کو ضبطی سے مستثنیٰ رکھ کر نجیب خاں صاحب برادر حسین خاں صاحب کی سپردگی میں بدیں الفاظ دے دیا۔ ("ابتدائے ۱۲۹۸ف سے بحیثیت تولیت نہ توریث بنام نجیب خاں مہتمم میگزین برادر حسین خاں جاگیر دار مرحوم واسطے افادہ اعانت جائیداد منقولہ و غیر منقولہ وقفیہ مندرجہ نقل وصیت نامہ منشی حسین خاں صاحب مرحوم مشمولہ مثل مرحمت کیا گیا۔ چاہئے کہ موضع مذکور قبضہ خاں مذکور میں چھوڑیں اور طریقہ اس کا یہ ہو کہ رعایائے دیہہ کو حسن سلوک اپنے سے راضی و خوش رکھ کر وجہ محاصل اس ہی کو صرف اعانت جائیداد وقفیہ مسجد و تالاب و سرائے وغیرہ میں لا کر ہمیشہ اطاعت و خیر خواہی و فرماں برداری سرکار میں ساعی و مجتہد رہیں") اور آخر سند بذیل تفصیل اقلام اقرار نامہ مد قلم پنجم میں یہ عبارت تحریر ہے۔ "قلم پنجم یہ کہ محاصل دیہہ کو اعانت جائیداد وقفیہ مسجد سرائے و باغ و تالاب و مکانات و خیرات وغیرہ میں صرف کرتے رہیں کسی طرح کا عذر نہ کریں اور سوائے جائیداد مذکور کے اور کسی کام میں اس کو تلف نہ ہونے دیں فقط۔" علمائے دین سے سوال ہے کہ آیا یہ موضع بیر کھیڑی مجانب نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ خلد مکان بمقتضائے الفاظ و عبارت مذکورہ شرعاً وقف ہو گیا یا نہیں؟ منتظم اوقاف ریاست بھوپال کا خیال ہے کہ یہ موضع بیر کھیڑی بمقتضائے الفاظ مذکورہ مندرجہ سند شرعاً مجانب رئیسہ وقف ہو گیا بوجوہ ذیل :-

(۱) سرکار خلد مکان کے الفاظ (بحیثیت تولیت نہ توریث) دال ہیں کہ ہم نے یہ موضع نجیب خاں کے قبضہ میں اس حیثیت سے نہیں چھوڑا ہے کہ حسین خاں کی میراث نجیب خاں برادر کو منتقل کر دی ہے بلکہ ہم نے موضع مذکور کو گویا وقف کر کے نجیب خاں کو متولی قرار دے کر اس کے قبضہ میں چھوڑ دیا ہے۔

(۲) سرکار خلد مکان نے اس موضع کو برائے اعانت جائیداد موقوفہ مسجد وغیرہ دے کر نجیب خاں کی تولیت میں

---

(۱) ان الاوقاف التی تقادم امرها ومات شهودها فما كان لها رسوم فی دواوين القضاة وهی فی ايديهم اجريت على رسومها الموجودة فی دواوينهم استحسانا اذا تنازع اهلها فيها ، وما لم يكن لها رسوم فی دواوين القضاة القياس فيها عند التنازع ان من اثبت حقا حكم له به (رد المحتار ، كتاب الوقف مطلب . فی الوقف اذا انقطع ثبوته ، ٤/ ٣٩٦ ط . سعيد) لا تثبت اليد فی العقار الا بالبينة (الاشباه والنظائر كتاب القضاء والشهادات والدعاوى القاعدة التاسع والثلاثون ص ٢٠٩ ، ط. ادارة القرآن)

فرمادیا ہے۔ عالمگیری میں مرقوم ہے۔ ولو قال جعلت حجرتی ھذہ لدھن سراج المسجد ولم یزد علی ذلک قال الفقیہ ابو جعفر تصیر الحجرۃ وقفا علی المسجد اذا سلمھا الی المتولی وعلیہ الفتوی کذا فی فتوی قاضی خان جلد ثانی ص ۱۱۶ س ۱۲۔ یہ عبارت(۱) عالمگیری کی دال ہے کہ موضع مذکور منجانب سرکار خلد مکان وقف ہوگیا۔ (۳) ۱۳۰۸ھ سے برابر موضع مذکور نجیب خاں کی تولیت میں رہا۔ بعد انتقال نجیب خاں ان کے برادرزادہ عظیم اللہ خاں فرزند حسین خاں مرحوم کے قبضہ میں بطور تولیت رہا۔ پھر مئی ۱۹۱۵ء مطابق ۱۳۳۳ھ میں نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ رئیس وقت نے کل جائداد موقوفہ حسین مرحوم مع اس موضع کے عظیم اللہ خان کے قبضہ وتولیت سے نکال کر محکمہ اوقاف قائم فرماکر محکمہ اوقاف کے انتظام میں تمام جائیداد موقوفہ مع اس موضع کے فرمادی۔ ۱۹۲۶ء تک برابر یہ موضع موقوفہ حیثیت سے بانتظام محکمہ اوقاف رہا۔ اب صرف ایک عالم کے فتویٰ کی بناپر بحکم مشیر المھام صاحب فنانس موضع ضبط کرلیا گیا۔ چھتیس سال کا عمل درآمد موقوفہ صریح دلیل اس کی ہے کہ سرکار خلد مکان نے اپنی حیات تک اور بعد ان کے نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کے اپنے زمانہ ریاست میں ہمیشہ موضع کو موقوفہ ہی قرار فرمایا ہے۔ (۴) جب کہ سرکار خلد مکان نے اس موضع کو برائے اعانت جائیداد وقفیہ مسجد و تالاب مکان وغیرہ فرمادیا ہے یعنی آمدنی واضع مصارف مسجد و مرمت شکست وریخت جائیداد وقفیہ میں صرف ہوتی رہے دوسرے کام میں صرف نہ کی جائے تو یہ موضع بھی مثل جائیداد وقفیہ کے ہمیشہ کیلئے اور اس کی مرمت و مصارف کے لئے منجانب سرکار خلد مکان مقرر و معین ہوگیا تولامحالہ مثل جائیداد وقفیہ یہ موضع بھی موقوفہ ہوا۔

استفتاء ہذا پیش کرکے علمائے دین سے سوال ہے کہ موضع پیر کھیڑی مذکور موقوفہ ہے یا مال اور ضبطی اس کی خلاف احکام شریعت ہوئی یا نہیں؟ المستفتی محمد حسین خاں منتظم اوقاف اہل اسلام ریاست بھوپال؟

(جواب ۲۰۶) واقعہ مذکورہ بالا میں قابل غور یہ امر ہے کہ سرکار خلد مکان کی عبارت میں لفظ وقف صریح نہیں ہے لیکن وقف کا مفاد صراحۃ مذکور ہے۔ وہ یہ کہ موضع مذکور کے محاصل ایک موقوفہ مسجد کی اعانت و حفاظت میں صرف ہوں اور نجیب خاں کا قبضہ قبضہ تولیت ہوگا نہ قبضہ ملک۔ اس محل پر محاصل صرف کرنا ضروری قرار دیا اس میں تابید موجود ہے۔ پس جب کہ وقف کا مفاد اور اس کے آثار سب موجود ہیں اور شرائط لازمہ (تابید علی رائی ابی یوسف و محمد اور تسلیم علی التولی علی رائی محمد) متحقق ہیں تو لفظ وقف کی تصریح ضروری نہیں اور یہی عبارت صحت وقف کے لئے کافی ہے۔ یثبت الوقف بالضرورۃ وصورتہ ان یوصی بغلۃ ھذہ الدار للمساکین ابدا او لفلان و بعدہ للمساکین ابدا فان الدار تصیر وقفا بالضرورۃ والوجہ انھا کقولہ اذا مت فقد وقفت داری علی کذا اھ (رد المحتار(۲) نقلا عن الفتح) وذکر فی البحر منھا (ای من الفاظ الوقف) لو قال اشتروا من غلۃ داری ھذہ کل شھر بعشرۃ دارھم خبزا و فرقوہ علی المساکین صارت الدار وقفا. (۳) وقد سئلت عن نظیر ھذہ المسئلۃ فی رجل اوصی بان یوخذ من

---

(۱) (عالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب الاول، فصل فی الالفاظ التی یتم بھا الوقف ۲/ ۳۵۹ ط. ماجدیۃ)
(۳،۲) (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورۃ ۴/ ۳۴۰ ط. سعید)

غلة داره كل سنة كذا دراهم يشترى بها زيت لمسجد كذا ثم باع الورثة الدار و شرطوا على المشترى دفع ذلك المبلغ فى كل سنة للمسجد فافتيت بعدم صحة البيع وبانها صارت و قفا حيث تخرج من الثلث اھ (ردالمحتار) (۱) قلت و اشتراط خروج الدار من الثلث لفرض المسئلة فى الوصية ومسئلتنا هذه ليست فى الوصية فصارت القرية وقفا بمجرد امر الرئيسة بصرف غلتها على المسجد والمنازل الموقوفه .(۲) قال المحشى نعم تعيين المسجد لا يضر لا نه مؤبد وسياتى تمامه. (۳) والله اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ ، مدرسہ امینیہ دہلی

اجارہ یا عاریت پر لی ہوئی زمین وقف کرنے اور مسجد کے لئے خرید نے کا حکم

(سوال) ایک قطعہ سرکاری زمین جو کہ ایک مسجد کے بالکل متصل ہے سرکار سے عند الضرورت واپس لوٹا دینے کی شرط پر ایک شخص نے لے کر اس پر ایک مکان بنا کر ایک دوروالی مسجد پر جو اس مکان سے نصف میل دور ہے وقف کیا۔ آیا یہ وقف شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ یہ مکان آج کل بالکل ویران پڑا ہے۔ دن بدن خراب ہوتا جاتا ہے۔ جس مسجد میں وقف ہے اس مسجد کو بھی اسے کچھ فائدہ نہیں ہے اور مسجد متصل کو جس زمین پر یہ مکان ہے اس زمین کی سخت حاجت ہے کیونکہ اس کے جماعت خانہ کو بڑھوانا چاہتے ہیں اور اس کا متولی اور وقف کنندہ اس کے فروخت کرنے پر راضی ہے تو اس صورت میں اس کو مسجد متصل کے لئے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۲۰۷) جب کہ زمین واقف کی مملوک نہیں بلکہ سرکاری ہے اور بوقت ضرورت واپس لوٹا دینے کی شرط سے لی گئی ہے تو اگر سرکار نے بلا معاوضہ دی ہے تو عاریت ہے اور معاوضہ دی ہے تو اجارہ ہے اور عاریت یا اجارہ کی زمین پر عمارت کا وقف صحیح نہیں۔ لایجوز وقف البناء فی ارض ھی اعارة اواجارة كذا فى فتاوى قاضى خان (عالمگیری (۴) جلد ۳ ص ۳۷۱) اور اگرچہ بعض روایات سے ایسی زمین پر جو سلطان سے اجارہ کے طور پر لی گئی ہو دکانیں بنا کر وقف کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ سلطان نے زمین سے مستاجر کو بید خل نہ کرنے کا اقرار کر لیا ہو۔ اور صورت مسئولہ میں ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس مستاجر یا مستعیر نے واپسی کا اقرار کیا ہوا ہے۔ پس یہ وقف ناجائز ہے۔ ذكر الخصاف ان وقف حوانيت الا سواق يجوز ان كانت الارض باجارة فى ايدى الذين بنوها لا يخرجهم السلطان عنها (عالمگیری) (۵) اور اگر سلطان یعنی گورنمنٹ سے یہ زمین بشرط واپسی خریدی ہے یعنی معاملہ خرید و فروخت کے نام سے ہوا ہے تو بیع فاسد ہے اور اس صورت میں بھی وقف صحیح نہیں ہے کیونکہ وقف عمارت بغیر وقف اصلی (یعنی زمین) صحیح نہیں۔ وفى الواقعات ذكر هلال البصرى فى وقفه وقف البناء من غير وقف الا صل لم يجزو هو الصحيح (عالمگیری) (۶) اور جب کہ یہ وقف صحیح نہیں ہوا تو مکان مذکور واقف کی ملک ہے وہ اسے توڑ سکتے

(۳،۱) (رد المحتار ، كتاب الوقف ، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة ۴ / ۳۴۰ ط . سعيد)
(۲) هذا من كلام مصنف الكتاب ، المفتى الا عظم الشيخ العلام مولانا كفايت الله رحمه الله تعالى
(۴) كتاب الوقف ، الباب الثانى ، ۲ / ۳۶۲ ط. ماجدية.
(۵) ايضاً (۶) ايضاً

ہیں۔بہتر ہے کہ اس کو توڑ کر اسی مسجد موقوف علیہ میں اس کی قیمت خرچ کردیں۔کیونکہ ویران اور خراب پڑے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

رہی زمین تو اس کی مالک اگر گورنمنٹ ہے (جب کہ زمین واقف مکان نے عاریت یا اجرت پرلی ہو) تو گورنمنٹ سے مسجد متصل والی خرید کر وقف کر سکتے ہیں۔بشرطیکہ خرید میں واپسی کی شرط نہ ہو۔اور زمین کا مالک واقف اول ہے جس نے زمین کو بشرط واپسی گورنمنٹ سے خریدا تھا تو اگر اس نے زمین کو وقف نہیں کیا تھا صرف مکان وقف کیا تھا تو اس کا حکم مذکور ہو چکا کہ وقف صحیح نہیں ہوا۔اور زمین کے فروخت کرنے کا اسے اختیار ہے کیونکہ بیع فاسد میں مشتری قبض مبیع کے بعد مالک ہو جاتا ہے۔اور اگر زمین و مکان سب وقف کردیا تھا تو مجموعہ زمین و مکان وقف ہو گیا اور اب انھیں بیع کرنے کا اختیار نہیں۔رہی شرط واپسی وہ خود باطل ہو گئی۔پس دیکھ لیا جائے کہ صورت مذکورہ میں سے کون سی صورت ہے۔اسی صورت کے حکم کے موافق عمل کیا جائے۔
واللہ اعلم۔　　　کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ،مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔۲۳ محرم ۳۳۵ھ

مرض ذیابیطس میں کرایہ پر لی ہوئی زمین کی عمارت کو وقف کرنا

(سوال) زید نے عرصہ تخمیناً پانچ سال مرض ذیابطیس میں مبتلا رہ کر انتقال کیا۔مرنے سے ڈیڑھ سال قبل ڈاکٹروں کا خیال ہوا کہ مرض دق ہو گیا ہے۔وقت وفات زید نے تقریباً لاکھ سوالاکھ روپے کی جائیداد چھوڑی۔مرنے سے پانچ ماہ قبل زید نے ایک عملہ جائیداد قیمتی تخمیناً بارہ ہزار روپیہ جو لوپر اراضی سرکاری نصب ہے اور سرکار سے نوے سال کے لئے کرایہ پرلی ہوئی ہے بنام اللہ پاک برائے ثواب آخرت وقف کی۔وقف نامہ میں لکھ دیا کہ جائیداد مذکور کی جو آمدنی وصول ہو بعد اخراجات ہاؤس ٹیکس وغیرہ امور مذہبی میں صرف کردی جائے۔ وقف نامہ خود کچہری جاکر رجسٹری کرادیا۔زید کی اولاد دو قبیلے سے ہے۔قبیلہ اول کی اولاد کہتی ہے کہ یہ وقف بموجب شرع شریف جائز نہیں ہے۔کیونکہ ایک تو زید نے مرض الموت میں وقف کیا ہے۔دوسرے جائیداد کی زمین سرکاری ہے۔قبیلہ ثانی کہتا ہے کہ وقف شدہ جائیداد ایک ثلث سے بہت کم ہے۔دوسرے یہ کہ عملہ اور عملہ مذکور کی آمدنی وقف کی ہے۔تیسرے وقف کرتے وقت اس کی حالت مرض الموت کی نہ تھی کیونکہ وہ خود کچہری گیا۔

المستفتی نمبر ۲ حاجی محمد صدیق دہلی۔۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۲ جولائی ۳۳ء

(جواب ۲۰۸) مرض ذیابیطس امراض مزمنہ ممتدہ میں سے ہے اور ایسے امراض اس وقت تک مرض الموت کے حکم میں نہیں آتے جب تک کہ ان میں اتنی شدت پیدا نہ ہو جائے کہ مریض اپنی زندگی سے مایوس ہو جائے اور یہ سمجھ کر کہ اب میں بچنے والا نہیں ہوں تصرفات کرنے لگے۔پس اگر زید کے مرض قدیم میں کوئی تغیر نہیں آیا تھا اور اشتداد نہیں ہوا تھا اور وہ وقف کرنے کے وقت معمولی پرانی حالت میں تھا تو اس وقف کو مرض

موت کا تصرف قرار نہیں دیا جائے گا اور مثل تصرفات صحت کے سمجھا جائے گا۔(۱) اور اگر بالفرض مرض موت بھی قرار پائے تو اگر مقدار موقوفہ ثلث ترکہ کے اندر ہے تو وقف جائز اور نافذ ہوگا۔(۲)

رہا یہ عذر کہ جائیداد موقوفہ سرکاری زمین پر ہے صرف عملہ وقف کیا گیا ہے زمین وقف نہیں اس وجہ سے وقف جائز نہ ہونا چاہئے تو اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ اگر زمین کی طرف سے یہ اطمینان ہو کہ یہ ہمیشہ وقف کے متولی کے قبضہ میں رہے گی۔ گو کرایہ پر ہی رہے۔ ایسی زمین پر جو عملہ ہو اس کو وقف کرنا صحیح ہوتا ہے۔ اور وقف کی آمدنی میں سے اس کا کرایہ ادا کیا جاتا رہے گا۔ قوله او جارة. يستثنى منه ماذكره الخصاف من ان الا رض اذا كانت متقررة للا حتكلر فانه يجوز. بحر. قال في الا سعاف وذكر في اوقاف الخصاف ان وقف حوانيت الا سواق يجوز ان كانت الا رض باجارة في ايدى الذين بنوها لا يخرجهم السطان عنها من قبل انا رأينا ها في ايدى اصحاب البناء تو ارثوها الخ . قوله فكذلك الوقف فيها جائز . ا ٥ (رد المحتار)(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ مدرسہ امینیہ دہلی

اللہ کی نام پر دی ہوئی جائیداد واپس نہیں ہو سکتی

(سوال) اللہ کے نام پر دی ہوئی جائیداد واپس لی جا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۳ د شیخ بھائی جی فائد لیس۔ ۱۹ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۰۹) اللہ کے نام پر دی ہوئی جائیداد واپس نہیں ہو سکتی۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

(۱) مرض الموت میں محکمہ نزول کی زمین پر عملہ وقف کرنا
(۲) مرض الموت میں مشترکہ جائیداد اپنے نابالغ بیٹے کے نام ہبہ کرنا
(۳) مرض الموت میں حج وصیت کرانے کا حکم

(سوال) زید نے ایک جائیداد وقف نذر اللہ کی ہے بروقت مرض الموت۔ اس جائیداد کا عملہ زید کا تھا۔ اور زمین محکمہ نزول کی ہے۔ چنانچہ عملہ ہی وقف کیا ہے۔ آیا یہ وقف شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید مذکور نے ایک جائیداد بوقت مرض الموت پسر نابالغ کے نام کی ہے۔ یہ مشترکہ جائیداد ہے اس میں دوسرا شخص بھی شریک ہے۔ اور اس جائیداد پر قبضہ موہوب الیہ کا حین حیات مالک میں نہیں ہوا۔ واہب کے دیگر اولاد کثیر موجود ہے۔ لیکن پسر نابالغ کو ہبہ کے ساتھ مخصوص کیا اور دیگر اولاد کو فراموش کر دیا۔

(۳) زید کے پاس نقد روپیہ تھا۔ معلوم ہوا کہ زید نے بہ تفصیل ذیل بوقت وفات وصیت کی دو ہزار روپے حج بدل

---

(۱) والمقعد والمفلوج اوالمسلول اذا تطاول ولم يقعد في الفراش كالصحيح درمختار ، كتاب الوصايا باب العتق في المرض ج : ٦٧٩٦ سعيد.
(۲) فان كان في الصحة فمن كل ماله و الا فمن ثلثه (ايضاً بحواله بالا)
(۳) (رد المحتار ، كتاب الوقف ، مطلب في زيادة اجرة الارض المحتكرة ، ٤ / ٣٩١ ط . سعيد)
(۴) الفتوى على قول ابي يوسف رحمة الله عليه انه لا يعود الى ملك مالك ابداً . كذا في المضمرات . (العالمگيرية، كتاب الوقف ، الباب الحادى عشر ، الفصل الاول ، ٢ / ٤٥٨ ط . ماجدية)

میں اور دو ہزار روپے پسر نابالغ کی تعلیم پر خرچ کئے جائیں۔ اور یہ وہی پسر نابالغ ہے جس کے نام جائیداد ہبہ کی ہے اور دو ہزار روپے تجہیز و تکفین پر خرچ کئے جائیں اور دو ہزار روپے تعمیر مسجد پر خرچ کئے جائیں۔
یہ تمام امور مرض الموت کی حالت میں انجام دیتے ہیں۔ بقیہ اولاد ان سب امور کو تسلیم نہیں کرتی۔ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۸۲ شیخ یقین الدین صاحب دہلی ۴ رجب المرجب ۱۳۵۲ھ م ۲۵ اکتوبر سن ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۱۰)(۱) وقف اگر مرض الموت میں ہو تو بحکم وصیت ہوتا ہے اور ثلث ترکہ میں جاری ہوتا ہے(۱) ۔ زمین کی طرف سے اگر یہ اطمینان ہو کہ وہ کسی وقت واپس نہ لی جائے گی تو ایسی زمین پر عملہ و جائیداد کا وقف صحیح ہوتا ہے لیکن اگر یہ اطمینان نہ ہو اور زمین کی واپسی کا خیال بھی ہو تو جائیداد اور عملہ کا وقف صحیح نہیں ہوتا۔(۲)

(۲) مرض الموت میں ہبہ بھی وصیت کا حکم رکھتا ہے اور چونکہ وصیت وارث کے لئے جائز نہیں اس لئے یہ ہبہ بشر طیکہ مرض الموت میں ہونا ثابت ہو ناجائز ہوگا۔(۳)
(۳) تمام وصیتوں کا تعلق ایک ثلث مال میں سے ہوتا ہے اس لئے اگر حج بدل کے دو ہزار روپے اور تعمیر مسجد کے دو ہزار روپے کل چار ہزار روپے (اس لئے کہ تجہیز و تکفین کے لئے دو ہزار روپے کی وصیت غیر معقول ہے اور لڑکے کی تعلیم کے لئے دو ہزار کی وصیت وارث کے لئے وصیت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے) ثلث ترکہ میں سے نکل سکے اور بشر طیکہ وصیت کا ثبوت ہو تو یہ چار ہزار روپے حج بدل اور تعمیر مسجد کے لئے دیئے جائیں گے۔ اور اگر وصیت کو تمام وارث تسلیم نہ کریں اور ثبوت بھی نہ ہو تو وصیت غیر معتبر ہوگی۔(۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

موقوف چیز کی اکثر آمدنی اپنے استعمال میں لانے کی شرط سے بھی وقف صحیح ہوتا ہے

(سوال) مندرجہ ذیل وقف نامہ شرعاً جزائہا صحیح و جائز ہے یا ناجائز۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ منکہ عبدالوحید خان ابن گل محمد خاں مرحوم ابن دلدار علی خان مرحوم ساکن قدیم الہ آباد محلہ چک ساکن حال محلہ محل

---

(۱) مریض وقف دار افی مرض موته فهو جائز اذا كان يخرج من ثلث المال وان كان لم يخرج فاجازت الورثة فكذا لك ، وان لم يجز وابطل فيما زاد على الثلث . (عالمگيرية ، كتاب الوقف، الباب العاشر ، ۲ / ۴۵۱)
(۲) يجوز وقف العقار مثل الارض والدور والحوانيت كذافى الحاوى ، وكذا يجوز وقف كل ماكان تبعا من المنقول كمالووقف ارضا مع العبيدو الثيران والآلات للحرث . (الفتاوى العالمگيرية ، كتاب الوقف ، الباب الثانى ۲ / ۳۶۰ ط. ماجدية)
ذكر الخصاف ان وقف حوانيت الا سواق يجوز ان كانت الارض باجارة فى ايدى الذين بنو ها لا يخرجهم السلطان عنها وبه عرف جواز وقف البناء على الارض المحتكرة ، وكذا فى النهر الفائق . (الهندية ، كتاب الوقف)
(۳) لا تجوز الوصية للوارث عندنا الا ان يجيزها الورثة (عالمگيريه ، كتاب الوصايا، الباب الاول ، ج : ۶ / ۹ ، ماجديه)
(۴) لوعلق الوقف بموته بان قال اذا مت فقد وقفت دارى على كذا ثم مات صح ولزم اذا خرج من الثلث وان لم يخرج من الثلث يجوز بقدر الثلث او تجيز الورثة فان لم تجز الورثة تقسم الغلة بينها اثلاثا ثلثها للوقف والثلثان للورثة. (الهنديه ، كتاب الوقف ، الباب الاول ۲ / ۳۵۱ ط . ماجديه)

من محلات قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور کا ہوں من مقر نے ایک قطعہ حویلی پختہ موجودہ بہ تعمیر قدیم حال نمبری ۸۶۸ معروف بہ چھوٹی حویلی متصل مسجد محلہ محل مملوکہ و مقبوضہ اپنی باجمیع حقوق داخلی وخارجی پرنالہ بادبدررو وغیرہ کو برضا اور غبت خود مالیتی حال مبلغ...... جس کے نصف مبلغ......روپے سکہ انگریزی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ کی رضا و خوشنودی کے حصول کی غرض سے اور اپنی بخشش و ثواب عقبیٰ کی آرزو میں مصارف مندرجہ ذیل کے لئے شرائط مندرجہ ذیل کے ساتھ آج بتاریخ...... ۱۹۳۴ء مطابق ۱۳۵۳ھ بروز جمعہ وقف کر دیا اور اپنی تولیت میں بایں شرائط و تفصیل لیتا ہوں کہ مجھے اپنی حیات تک پورا اختیار رہے گا کہ جس طرح چاہوں گا صرف کروں گا اپنے مصارف میں یا دیگر مصارف خیر میں۔ مصارف ! مجھے اپنی حیات میں ہمیشہ اختیار رہے گا کہ خود اس مکان میں سکونت رکھوں یا کسی اور شخص کو بلا کرایہ فی سبیل اللہ رہنے کی اجازت دے دوں۔ (۲) اگر کسی وقت یہ مکان کرایہ پر دوں تو اس کی آمدنی کرایہ کو چھ حصے کر کے ایک حصہ مدرسہ عربی دارالعلوم دیوبند کے ان مصارف میں جن کا ذکر عنقریب آتا ہے داخل مدرسہ مذکورہ کر دوں گا اور بقیہ پانچ حصے اپنے صرف میں لاؤں گا۔ (۳) بعد وفات میری مدرسہ مذکورہ کا چھٹا حصہ بدستور قائم و جاری رہے گا اور بقیہ پانچ حصے میری زوجہ آمنہ بی بنت عبداللہ خاں مرحوم ساکنہ میرٹھ کو دیئے جائیں اور بعد وفات مسماۃ موصوفہ کے میرے چھوٹے پسر محمد عبدالحفیظ نامی کو دیئے جائیں۔ (۴) بعدہ میری زوجہ موسومہ یا پسر موسوم کو اختیار ہو گا کہ تاحیات خود اس حویلی میں بلا کرایہ رہیں اور اگر کرایہ پر دیں تو آمدنی کرایہ سے حصہ مذکورہ مدرسہ موصوفہ میں داخل کرنا ان کے ذمہ میں بھی لازم ہو گا اور بقیہ پانچ حصے اپنے صرف میں لائیں گے۔ زوجہ موسومہ یا پسر موسوم کے علاوہ کوئی اور دیگر اولاد میری پسری یا دختری یا اولاد در اولاد میں سے اگر اس میں رہنا چاہیں گے تو ان کو دو ثلث کرایہ کے ساتھ حق تقدیم دوسروں پر ہر زمانہ میں ہمیشہ حاصل رہے گا۔ (۵) پسر موسوم کو اپنے زمانہ استحقاق میں اختیار ہو گا کہ اپنے حصے مقررہ کل کو یا بعض کو اپنی بڑی بہن میمونہ خاتون یا چھوٹی بہن محمودہ خاتون کی طرف منتقل کر دیں یا اپنی زوجہ وغیرہ خاص رشتہ دار کو اپنے بجائے مستحق بنادیں۔ (۶) پسر موسوم اپنے بعد کے واسطے اگر کوئی جدید تجویز نہ کریں اور اسی طرح ان کی وفات ہو جائے یا لاپتہ ہو جائیں یا یہ اور ان کا قائم مقام تو ان کے حصص آمدنی کو بھی مدرسہ موصوفہ کے ان مصارف میں جن کا ذکر عنقریب آتا ہے صرف کیا جائے۔ (۷) حق تعالیٰ شانہ نے اگر مجھ پر وسعت فرمائی تو میں معتدبہ رقم جانب شمال پر بالائی کمرہ اور سائبان اور زینہ جانب شرق و شمال تیار کرانے کے لئے پیش کروں گا اور جانب غرب و جنوب بھی دکانیں درست و تیار کرائی جائیں بشرطیکہ ان سے آمدنی میں زیادتی متوقع ہو ورنہ یہ ضروری نہیں ہوں گی۔ اگر مدرسہ موصوفہ یا کوئی اور صاحب طالب خیرات و صدقات جاریہ بہ نیت توسیع وقف ہذا تعمیرات مجوزہ میں امداد فرمادیں تو بہت ہی بہتر ہو گا۔ مدرسہ اس کی سعی فرمائے تو اس توسیع کی آمدنی خاص مدرسہ کا حصہ ہو گا۔ اور اگر میں یا پسر موسوم تعمیر کریں تو اس توسیع کی آمدنی کو مثل سابق تقسیم کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہو گا۔ اور اگر کوئی صورت نہ ہو تو مدرسہ کا حصہ جمع کر کے حسب موقع تھوڑا تھوڑا میری ان آرزوؤں کو پورا کیا جائے۔ بعد تکمیل تعمیرات مجوزہ کے پھر آمدنی حصہ مدرسہ کو تعلیم قرآن شریف یا تجوید یا تعلیم علوم دینیہ مقصودہ میں یا کوئی نئی تعمیر مدرسہ میں خرچ کیا جائے۔ (۸) زمانہ کرایہ داری کی

آمدنی میں سے حصہ مقرر رہ مدرسہ کا بطور سرمایہ کے جمع ہو اور کلو خ اندازی و صفائی گھانس و شکست و ریخت وغیرہ کے درست کرانے میں اولاً خرچ کیا جائے اور بقیہ پس انداز کو خانہ نمبر ۷ کے تعمیرات مجوزہ میں صرف کیا جانا لازمی و مقدم ہوگا۔ بعد ازاں تعلیم وغیرہ کا درجہ ہوگا۔ (۹) اگر کسی وقت مدرسہ ہذا اس طریقہ اسلامی پر قائم نہ رہے یا نصیب دشمناں ٹوٹ جاوے تو اس کی آمدنی کو بعد مصارف خانہ نمبر ۷، ۸ کے حسب رائے متولی و منتظم کے غربائے دیوبند یا مسافرین غربا یا مساکین فقراء میں حسب مناسب صرف کیا جائے۔ (۱۰) پسر موسوم سلمہ کو ہدایت و وصیت کرتا ہوں کہ میں نے اپنے مولائے کریم کی خوشنودی کی آرزو میں اور اپنی بخشش کی امید میں اور تمہاری نابالغی کی رعایت سے ایسا کیا ہے۔ تمہاری دو بہنیں ہیں جن کا ذکر کر چکا ہوں۔ اگر خدانخواستہ ان کو کسی وقت کچھ غربت و حاجت ہو جائے تو تم پر فرض ہوگا کہ تم اس مکان و نیز بڑی حویلی موقوفہ کی آمدنی سے بھی ان دونوں کو بقدر حصہ شرعی کے بلکہ زائد زائد ہمیشہ ہمیشہ ضرور ضرور دیتے رہنا۔ میں انکو بھی نامزد کر دیتا مگر افسوس کہ ان کے شوہر ٹھیک نہیں ہیں جیسا کہ تمہارے بھائی عبدالرشید مناسب حال میں نہیں ہیں۔ انہیں وجوہ سے ایسا کیا گیا۔ ورنہ یہ سب مستحق تھے۔ صرف تم اور تمہاری مادری نہیں تھی۔

شرائط :۔ (۱) تاحیات خود میں اس کا متولی و منتظم رہوں گا اور مجھے مندرجہ ذیل اختیارات حاصل رہیں گے۔ الف۔ اگر چاہوں گا تو اس مکان کو کسی دوسرے مکان یا جائیداد سے جو اس کی قیمت میں برابر ہو بدل دوں گا۔ مگر قبل تعمیرات مذکورہ مجوزہ کے۔ جب تک کہ مدرسہ موصوفہ یا اور کوئی خیر طلب صدرقہ جاریہ لوگ اس میں حصہ نہ لیں گے۔ بعد شرکت غیر کے مجھے تنہا کو استبدال کا حق نہ رہے گا۔ ب۔ جو مصارف کہ میں نے اس کی آمدنی کے لئے اس وقت مقرر کئے ہیں اگر چاہوں گا تو ان سب کو بالکل بدل دوں گا یعنی کسی دوسرے مدرسہ اسلامی میں یا کسی اور مصرف خیرات میں منتقل و مقرر کر دوں گا۔ اسی طرح وارثین موسومین کے سوا کسی اور کو ان کے بجائے نامزد و مقرر کر دوں گا یا مصارف مذکورہ کے حصوں میں کچھ کمی یا زیادتی کر دوں گا مجھ کو کوئی مانع نہ ہوگا۔ (۲) بعد وفات میری یہ اختیارات مذکورہ کسی دوسرے متولی و منتظم یا وارث کو حاصل نہ ہوں گے یہ صرف مجھ واقف کے ساتھ مخصوص رہیں گے۔ البتہ حق الخدمت شرعی یا فیس ضابطہ سرکاری کو کل آمدنی وقفیہ میں سے حسب حاجت مناسب مقدار میں مقرر کرنا لازمی و مشروط قرار دیتا ہوں تاکہ وقف ہذا باقی و جاری رہے۔

تولیت :۔ (۱) بعد وفات میری یا عدم موجودگی میری دیوبند میں مدرسہ مذکورہ کے حضرت صدر مہتمم صاحب اس مکان موقوفہ کے بھی متولی و منتظم ہوں گے۔ اور درحالت عدم توجہی کے جس سے اس آمدنی یا تعمیر میں کچھ نقصان رسی ہو یا عمل خلاف مصارف و شرائط کرنے سے مہتمم صاحب موصوف کے بجائے کسی مسلمان لائق دار سنی المذہب کو تبیع اہل اسلام عموماً اور اہل دیوبند خصوصاً تجویز مقرر کر دیں یا گورنمنٹ وقت سے کرائیں بلا معاوضہ یا با معاوضہ حق الخدمت کے کل آمدنی سے اور اگر خدانخواستہ ممبران مدرسہ مذکور دیا اہل اسلام اس کی طرف توجہ نہ کریں تو گورنمنٹ وقت اپنے صیغہ اوقاف سے میرے اغراض مذکورہ کا باخذ فیس ضابطہ سرکاری کے کل آمدنی سے کسی مسلمان سنی المذہب شخص سے اپنی نگرانی میں انتظام کرائے تاکہ میرے اغراض مذکورہ تاقیامت قائم و جاری رہیں۔ مجھ کو ثواب ہوتا رہے۔ (۲) مجھ کو اپنی حیات میں اس کا بھی اختیار

ہوگا کہ تولیت کو بھی بدل دوں۔ کسی اور جماعت یا شخص کو متولی و منتظم قرار دے دوں۔ اور اگر میں اپنی حیات میں کوئی تغیر و تبدل نہ کروں تو تفصیلات مذکورہ بالا ہی لازم و بر قرار رہیں گی۔

چوحدی مکان موقوفہ ہذا معروف بہ چھوٹی حویلی۔ غرب۔ کلاں سڑک سرکاری ہے جس میں دو کانیں غرب رویہ اور بدررو اور متعدد پرنالہ ہائے قدیم جنگی حویلی ہذا کے جاری ہیں۔ شرق۔ کوچہ نافذہ سرکاری ہے جسمیں بدررو پاخانہ وغیرہ اور متعدد پرنالہ ہائے قدیم جنگی حویلی ہذا کے جاری ہیں۔ شمال۔ زمین افتادہ واقع ہے۔ جنوب۔ کوچہ نافذہ ہے جس میں پرنالہ ہائے جنگی مکان ہذا کے جاری ہیں۔ بعدہ مسجد محلّہ محل واقع ہے۔ اسی جانب گوشہ دیوار میں سنگ تاریخ وقف بھی نصب کرادوں گا۔ مجھ گنہگار نے یہ وقف نامہ لکھادیا تاکہ وقت حاجت کام آئے۔

المستفتی نمبر ۷۲۶ قاری مولوی عبدالوحید صاحب دارالعلوم دیوبند ۱۶ محرم ۱۳۵۳ھ یکم مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۱۱) (از مفتی محمد شفیع صاحب) یہ وقف نامہ شرعاً صحیح اور نافذ و لازم ہے۔ کما ہو ظاہر کتب المذہب قاطبۃ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ کتبہ احقر محمد شفیع غفرلہ، خادم دارالافتائے دارالعلوم دیوبند۔

جواب صحیح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح۔ سکندر دین عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی

ننانوے سال کے لئے ٹھیکہ اور پٹہ پر لی ہوئی زمین پر عمارت کو وقف کرنا

(سوال) زید نے ایک ایسی جائیداد وقف کی جس کا عملہ زید کا ہے اور زمین سرکاری محکمہ نزول کی نو دونہ سالہ ٹھیکہ پر اور پٹہ پر وقف کی۔ الفاظ اور ٹھیکہ کے شرائط ذیل میں لکھے جاتے ہیں تو آیا ایسی صورت میں وقف صحیح ہوا یا نہیں؟

جو کہ عملہ پانچ دکانیں مع زینہ دوبالا خانہ پختہ الی قولہ۔ اس واسطے من مقر نے بہ نظر ثواب و توشہ آخرت دروبست عملہ جائیداد مندرجہ بالا کو بجمیع حدود حقوق داخلی و خارجی بحالت صحت عقل و ثبات نفس و بدرستی ہوش و حواس خود بلا جبر و ترغیب دیگرے برضامندی تمام خود بنام اللہ پاک وقف کیا اور وقف ہذا کا نام وقف فیاض قائم کیا گیا۔

شرائط ٹھیکہ :۔ (۱) ابتدائی قیمت ٹھیکہ .... ہے پھر سالانہ .... دو قسطوں میں .... ہر ششماہی پر۔ (۲) معدنیات تیل وغیرہ کی قسم سے اگر زمین کے تحت میں کوئی چیز برآمد ہو اس کی سرکار مالک ہے۔ اور ہر وقت نکالنے کا حق ہے۔ عمارت کو اگر نقصان پہنچے تو واجبی معاوضہ دے گی۔ (۳) میعاد پٹہ کے ختم پر یا اس سے قبل اگر سرکار کو ضرورت ہو تو زمین واپس لے لے گی اور عمارت بنانے والا اپنے خرچ سے منتقل کرے گا یا سرکار قیمت مشخصہ اگر سرکار کو ضرورت ہو دے دی گی۔ (۴) میعاد کے ختم پر مزید توسیع بھی ہو سکتی ہے بتفاصیل مقدار خاص۔ (۵) بصورت وقت مقررہ کرایہ یا اور کسی شرط کے خلاف کرنے پر سرکار کو زمین پٹہ مع بقائے میعاد ٹھیکہ اور عملہ کے ضبط کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

المستفتی نمبر ۷۳۶ عبدالجلیل صاحب موتی والے۔ دہلی ۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۸ جولائی ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۱۲) وقف مذکور صحیح ہو گیا۔ زمین اگرچہ وقف نہیں ہے مگر نزول کی زمین کا اول تو پٹہ ننانوے سال کا ہی اس قدر طویل ہوتا ہے کہ وہ ارض محتکرہ میں شامل ہو جاتی ہے۔ پھر ختم مدت کے بعد بھی مزید توسیع ہو جاتی ہے اور شرائط انخلا جو پٹہ میں مذکور ہیں ان کا شاذ و نادر ہی وقوع ہوتا ہے اس لئے وہ قابل اعتنا نہیں ہے۔(۱)
محمد کفایت اللہ

(۱) مشتری کے قبضہ میں دینے سے مبیع کا نفع نقصان کے ذمہ بائع پر ہوتا ہے
(۲) چھ ماہ تک قربانی نہ کرنے کی شرط لگانا ناجائز ہے
(۳) تمام شرکاء کی رضامندی کے بغیر کسی شریک کا وقف کرنا صحیح نہیں ہے
(۴) مبیع جس کے ضمان میں ہو اس کی رضامندی سے نیلام درست ہوگا
(۵) گائے ہندوؤں کو دینا شعار اسلام کے خلاف ہے

(سوال) عرفہ کے روز شام کے وقت ایک شخص مسمی عبدالعزیز نے اپنی طرف سے اور اپنے شرکاء کی جانب سے ایک گائے قربانی کے واسطے خرید کی اور ایک روپیہ بیعانہ دے کر کہا کہ کل یہ گائے ہمارے مکان پر پہنچا دو۔ چنانچہ قصائی کل کو گائے ان کے مکان پر پہنچانے چلے۔ راستہ میں ان سے چھوٹ کر ایک متمول ہندو کے اصطبل میں گھس گئی۔ وہاں سے نکال کر لے چلے تو آگے جا کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ قصائیوں نے اس کو اٹھا کر لے جانا چاہا مگر ہندوؤں نے نہیں لے جانے دیا۔ بہت سے ہندو جمع ہو گئے۔ آخر اطلاع پانی پر اہل کار پولیس اس گائے کو تھانے لے گئے۔ بارھویں شب ذی الحجہ کو وہ گائے بہ سبب اندیشہ بلوہ بالحکم صاحب کلکٹر بہادر چند سر بر آوردہ مسلمانوں کو اس شرط سے دی گئی کہ چھ ماہ تک قربانی نہ کی جائے۔ بعد کئی روز کے ان چند مسلمانوں نے جن کے گائے سپرد تھی بایمائے حکام ایک جلسہ منعقد کر کے مسمی عبدالعزیز سے جو منجملہ شرکا کے ایک حصہ دار تھا یہ کہا کہ وہ گائے ہم نے تم کو دی جو ہماری سپردگی میں ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے مدرسے میں وقف کی۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ فوراً اس گائے کا نیلام انہیں چند سر بر آوردہ مسلمانوں نے شروع کر دیا۔ آخر مبلغ دو سو روپے میں وہ گائے ایک مسلمان نے خرید لی۔ اب دریافت طلب یہ امور ہیں کہ :۔

(۱) بیع اول جو قصائیوں سے ہوئی شرعاً منعقد ہوئی یا نہیں؟

(۲) ایام قربانی میں ان چند مسلمانوں کو ایسی شرط جائز تھی یا نہیں کہ چھ ماہ تک قربانی نہ کریں گے۔

(۳) وقف جانور اگر ایک مکان میں بند ہو اور ایک شخص یہ کہہ دے کہ میں نے وقف کر دیا اور مسلمانوں نے اس پر قبضہ نہ کیا ہو بلکہ اس کو دیکھا تک نہ ہو اس صورت میں وقف ثابت ہو گیا یا نہیں اور اس کا نیلام درست ہو گیا نہیں۔

(۴) در صورت عدم جواز نیلام گائے کے مستحق کون لوگ ہیں؟

---

(۱) وبه عرف جواز وقف البناء على الارض المحتكرة ، (الهندية، كتاب الوقف، الباب الثاني ۳/ ۳۶۲ ط . ماجدية)

(۵) اگر مشتری نیلام اس گائے کو ہندوؤں کو دے دے تو اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

(جواب ۲۱۳) صورت مسئولہ میں وہ بیع جو کہ قصائیوں سے ہوئی وہ منعقد ہو گئی لیکن چونکہ مشتریوں نے مبیع پر قبضہ نہ کیا تھا اس لئے مبیع ان کے ضمان میں داخل نہیں ہوئی۔ اور جب تک کہ قصائی مبیع کو مشتریوں کے قبضہ میں نہ دے دیں مبیع کے ہر نفع نقصان کے ذمہ دار ہیں۔(۱)

(۲) اس شرط میں چونکہ مسلمانوں کی مذہبی آزادی اور ایک شعار مذہبی پر صدمہ پہنچتا ہے اس لئے یہ شرط ناجائز تھی(۲)

(۳) یہ وقف صحیح نہیں ہوا کیونکہ واقف تمام گائے کا مالک نہیں اور وقف بدون ملک صحیح نہیں ہوتا۔(۳)

(۴) ابھی تک گائے کے مستحق قصائی ہیں کیونکہ وہ انہیں کی ضمان میں ہے اور نیلام صحیح نہیں ہوا کیونکہ مالکوں کی رضامندی سے نہیں ہوا ہے۔(۴)

(۵) مشتری نیلام کی خریداری ہی صحیح نہیں ہے۔(۵) اور ہندوؤں کو دے دینا تو خریداری صحیح ہونے کی صورت میں بھی ناجائز تھا۔ کیونکہ اس میں ایک اسلامی حکم کی ہتک اور بے عزتی ہے۔(۶)

رقم مع سود کے وقف کرنے کا حکم

(سوال) (۱) زید مرحوم نے بزمانہ حیات خود مسلمان طلباء کو فائدہ پہنچانے کی نیت سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے احاطہ میں یونیورسٹی کی منظوری اور اجازت حاصل کرنے کے بعد وہاں تقریباً مبلغ تیس ہزار روپے اپنے پاس سے صرف کر کے ایک عمارت بنام نگار خانہ جس کو انگریزی زبان میں پکچر گیلری کہتے ہیں یونیورسٹی مذکورہ بالا کے زیر اہتمام تیار کرائی اور اس میں کافی ذخیرہ قدرتی مناظر و دیگر قسم کی تصاویر فراہم کر دیا تاکہ خواہشمند مسلمان طلباء وہاں نقاشی کا فن سیکھیں اور نمونہ کی تصاویر سے مستفید ہوں۔ (۲) اس عمارت کے قائم و بر قرار رکھنے اور نیز طلباء کو وظائف امدادی دینے کی غرض سے زید مرحوم نے مبلغ پچیس ہزار روپیہ بھی وقف کیا اور بدین خیال کہ اصل سرمایہ محفوظ رہے زید نے مسلم یونیورسٹی کی پیروی کی اور پچیس ہزار روپے کے بالعوض جائیداد سکنی آڑھ رہن رکھ لی اور اس کا منافع (سود) اغراض بالا کے لئے چھوڑا۔

(۳) اندریں حالات امورات مندرجہ ذیل کا تصفیہ بروئے شریعت اسلامی ہونا ضروری ہوا۔

الف۔ وقف کرنا رقم مبلغ پچیس ہزار روپے مع اس کے منافع (یعنی سود) کے برائے تعلیم اور سکھانے فن نقاشی

---

(۱) اشترى وعاء هد بد (وهو اللبن الخاثر) في السوق فامر البائع بنقله الى منزله فسقط في الطريق فعلى البائع ان لم يقبضه المشتري... هلاك المبيع ...... في يد البائع...... يبطل البيع لانه مضمون بالثمن فيسقط الثمن (البزازية، كتاب البيوع، الفصل الثاني عشر ۱/۴۹۹، ۵۰۰، على هامش الهنديه، ۴/ ۴۹۹، ۵۰۰ ط. ماجدية)

(۲،۶) قربانی کرنا چونکہ شعائر اسلام میں سے ہے اور مسلمان پر اسلام کے شعائر کا احترام اور ان کو بر قرار رکھنا لازم ہے نہ کہ اس پر لگانے کا معاہدہ کرنا، قرآن مجید میں ہے۔ "ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب" ترجمہ: اور جو کوئی ادب رکھے اللہ تعالیٰ کے نام کی چیزوں کا سو وہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے۔

(۳) منها الملك وقت الوقف حتى لو غصب ارضا فوقفها ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن اليه اوصالح على مال دفعه اليه لا تكون وقفاً –عالمگيرية، كتاب الوقف، الباب الاول، ج: ۲/۳۵۳ ماجديه)

(۴،۵) البيع هو مبادلة المال بالمال بالتراضي. كنز الدقائق، كتاب البيوع، ص: ۲۲۷، امداديه ملتان

وغیرہ مسلمان طلباء کو حق مسلم یونیورسٹی جائز ہے؟ (ب) وقف مذکورہ بالا شرط یہ کہ مبلغ پچیس ہزار روپے بنک میں جمع رہیں اور اس کی ماہوار آمدنی منافع (سود) سے طلباء کو وظائف دیئے جائیں یا اس عمارت کی ترقی و مرمت پر صرف کیا جائے جائز ہے؟ اگر سوالات الف و ب کا جواب مشتبہ یا انکاری ہو تو صرف مبلغ پچیس ہزار روپے وقف کرنا پکچر گیلری یعنی نگار خانہ کے مصارف اور طلباء کے وظائف کے لئے جائز ہے؟

المستفتی نمبر ۱۲۲۷ قاضی نجم الدین احمد صاحب (شہر میرٹھ) ۲۴ رجب ۱۳۵۵ھ م ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۱۴) روپیہ کا وقف کرنا عام اصول وقف کے خلاف ہے اور رقم سود کی وقف کرنے کے تو کوئی معنی ہی نہیں کیونکہ وقف کے لئے شئے موقوف کا موجود ہونا ضروری ہے اور رقم سود موجود نہیں بلکہ متوقع الوجود ہے۔ دوسری بات یہ کہ شئے موقوف کا ابقا لازم ہے۔ اور سود کی رقم باقی نہیں رکھی جائے گی بلکہ خرچ کی جائے گی۔ پھر یہ کہ سود کی رقم غیر شرعی ہے اس لئے وقف جو ایک قسم کا صدقہ ہے مال حرام کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتا لہذا سود کی رقم کے وقف ہونے کا تو کوئی موقع ہی نہیں۔ رہی اصل رقم پچیس ہزار روپیہ تو اس کا وقف امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے اور بعض فقہاء نے اس پر فتویٰ بھی دیا ہے۔(۱) اور اگر اس رقم سے کوئی جائیداد خرید لی جائے اور اس کو جائیداد موقوفہ قرار دے کر اس کی آمدنی کو صرف معین کردہ واقف پر خرچ کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔(۲) یہ بات میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ سوائے جاندار کی تصاویر کے اور ہر قسم کی نقاشی تصویر کشی جائز ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ہندو عورت کی وقف کی ہوئی زمین مسجد میں شامل کرنا

(سوال) مسماۃ لاڈو نے پانچ بسوے زمین مسجد کے واسطے وقف کر دی ہے۔ مگر مسماۃ مذکور کا دیور اس کے خلاف مقدمہ چلا رہا ہے۔ ایسا کرنے والا بموجب شریعت کیسا ہے اور اس کے لئے کیا حکم ہے اور وہ زمین مسجد میں شامل کرنی جائز ہے یا نہیں۔ مسماۃ مذکور ہندو ہے اس لئے مسئلہ معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ فقط

المستفتی نمبر ۱۳۶۲ اللہ دیا صاحب (میرٹھ) ۵ اذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۲۷ فروری ۱۹۳۷ء

جواب (از مولوی محمد مظفر احمد نائب امام مسجد فتح پوری دہلی) ہو المصوب۔ جب کہ یہ مسماۃ اپنے حصہ سے مسجد کے نام دے رہی ہے تو وہ زمین شرعاً لے سکتے ہیں اور مسجد میں شامل کر سکتے ہیں۔ اس مسماۃ کے دیور کو حق نہیں کہ وہ مسجد کے لئے زمین دینے سے روکے کیونکہ وہ مسماۃ اپنی زمین کی مختار ہے خواہ بیع کرے یا ہبہ کرے یا وقف کرے۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم محمد مظفر احمد غفر لہ، دہلی۔ نائب امام مسجد فتح پوری دہلی

(جواب ۲۱۵) (از حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ) کافر کا وقف اس کام کے لئے صحیح ہوتا ہے جو کام اسلام

---

(۱) ولو وقف دراهم اومكيلا اوثيا بالم يجز وقيل في موضع تعارفوا ذالك يفتي بالجواز (الهندية) وفي حاشيتها : . لم يعلم القائل من عبارة ، وفي الا سعاف مالنصه وفي فتاوى الناطفي عن محمد بن عبدالله الا نصارى من اصحاب زفرانه يجوز وقف الدر اهم والطعام الخ (الهندية وحاشيتها كتاب الوقف اوائل الباب الثاني ۲/ ۳۶۲

(۲) وقف وقفاً مؤبداً واستثنى لنفسه ان ينفق من غلة الوقف على نفسه وعيا له وحشمه مادام حياً جاز الوقف . (عالمگیریه ، كتاب الوقف، ج : ۲ / ۳۹۹ ماجدیه)

(۳) قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: فان كنت لا بد فاعلاً فاصنع الشجر و مالا روح فيه متفق عليه . (مشكوة المصابيح ، باب التصاوير ، الفصل الاول ، ص ۳۸۵ ،سعيد)

(۴) لان الملك مامن شانه ان يتصرف فيه بوصف الا ختصاص . رد المحتار، كتاب البيوع ، ج ٤/ ۲ ۰ ۵ ، سعيد

اور واقف کے مذہب کے اصول سے قربت ہو۔ جیسے سرائے، کنواں، محتاجوں کی خوراک وامداد کے لئے وقف ہو تو درست ہے۔ لیکن کافر کی طرف سے مسجد کے لئے وقف اس لئے صحیح نہیں کہ مسجد اسلام کے نزدیک قربت ہے مگر ہندو مذہب کے اصول سے قربت نہیں۔ اگر کافر مسلمان کو زمین ہبہ کردے اور مسلمان مسجد کے لئے وقف کردے تو جائز ہے مگر کافر کی طرف سے براہ راست مسجد کے لئے وقف صحیح نہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

رفاہی اخراجات کی خاطر ملک میں دی ہوئی زمین وقف نہیں ہے

(سوال) سرکار کی طرف سے ایک زمانہ میں ایک قطعہ زمین مویشیوں کو پانی پلانے کی جگہ رکھنے کے لئے اور اس میں پانی مہیا رکھنے کے لئے ایک شخص کو دی گئی تھی تاکہ وہ اس کی آمدنی کے عوض سب کام کرے۔ اس زمین پر پہلے کوئی ٹیکس نہیں تھا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد سرکار نے قانون بدل دیا۔ اور اس زمین کا اس شخص مذکور کو مالک بنادیا اور زمین پر ٹیکس قائم کردیا اور پانی کے عوض میں نقد روپیہ دینا شروع کردیا۔ پھر اس شخص نے اس زمین پر قرضہ لے کر تمام زمین کو قرضہ میں مکفول کردیا۔ اور گاؤں والوں نے چندہ کر کے وہ زمین بار قرض سے چھڑائی اور اس کو خرید لیا۔ اس کے بعد سرکار کی نقد امداد مذکور اور اس زمین کی آمدنی سے پانی کا انتظام ہوتا رہا۔ اور پھر جب سرکار نے امداد بند کردی تو فقط اسی زمین کی آمدنی سے ایک عرصہ تک پانی کا انتظام قائم رہا۔ اور اس زمین کا ایک خاص حصہ بعد میں فروخت کردیا جس کو خریدنے والے یہی صاحب تھے جنہوں نے بعد کو واٹرورکس قائم کی۔ پھر سال گزشتہ ایک شخص نے اپنے اخراجات سے ہمارے گاؤں میں واٹرورکس قائم کرنا چاہا اور گاؤں والوں سے کہا کہ میں گاؤں کے بڑے کنویں پر واٹرورکس بناتا ہوں تمام گاؤں میں بغیر کسی ٹیکس کے نل لگادوں گا جس سے تم کو اور مویشیوں کو کسی طرح کی تکلیف نہ رہے گی۔ چنانچہ گاؤں والوں نے اس کو بڑے کنویں پر واٹرورکس قائم کرنے کی اجازت دے دی اور شخص مذکور نے اپنی تجویز کو عملی صورت دے دی لیکن اس کے بعد اس نے کہا کہ مویشیوں کے لئے پانی کا انتظام میں اس وقت کروں گا کہ زمین مذکور کی آمدنی مجھ کو دی جائے اس کا تمام اختیار مجھ کو حاصل ہو۔ گاؤں والوں نے کہا کہ ہم نے گاؤں کے کنویں کو استعمال کرنے کی اجازت اسی لئے دی تھی کہ ہمارے مویشیوں کو بھی بلا کسی خرچ کے پانی وغیرہ ملے گا۔ اور ہم اس زمین کو تمہارے سپرد نہیں کریں گے بلکہ اس کی آمدنی کو دوسرے رفاہ عام کے کاموں میں صرف کریں گے۔ گاؤں والوں نے واٹرورکس بننے سے قبل ایک مرتبہ متفقہ طور سے یہ طے کیا تھا کہ اس زمین کی آمدنی سے آگ بجھانے کے نبے اور تالاب پر جنگلہ لگائیں گے۔ لیکن پھر یہ کام جنگلہ کا سرکار کی طرف سے ہوگیا۔ غرض اس آمدنی کو پہلے بھی دوسرے کاموں میں لگانے کی تجویز ہوئی تھی اور اب بھی گاؤں والوں کا ارادہ ہے کہ اس سے تالاب کو پختہ بنادیں تاکہ اس کا برساتی پانی عرصہ

---

(۱) اما شرائط (فمنها العقل والبلوغ) ... ومنها قربة فی ذاته وعنده التصرف، فلا یصح وقف المسلم اوالذمی علی البیعة والكنیسة ... ولو جعل ذمی داره مسجدا للمسلمین، وبناه كما بنی المسلمون واذن لهم بالصلاة فیه فصلوا فیه ثم مات یصیر میراثا لورثته، وهذا قول الكل، كذافی جواهر الاخلاطی. (الهندية، كتاب الوقف، الباب الاول، ص ۳۵۳/۲ ط. ماجدیة)

تک کار آمد رہے اور گاؤں کے لوگوں کو مستقل فائدہ پہنچے۔ لہذا سوال یہ ہے کہ آیا یہ زمین جو گاؤں والوں نے خریدی تھی وہ شرعاً فقط پانی کے لئے وقف تصور ہوگی یا نہیں۔ نیز اگر وہ اس کی آمدنی کو تالاب کے پختہ کرنے میں صرف کریں تو یہ بھی درست ہے یا نہیں۔ یہ بھی بتلایا جائے کہ جس شخص نے واٹر ورکس قائم کیا ہے اس کی یہ ضد کرنا شرعاً کیسا ہے کہ میں مویشیوں کے لئے پانی کا انتظام اس وقت تک نہ کروں گا جب تک گاؤں والے اس زمین کی آمدنی میری سپرد نہ کریں گے۔ اگر گاؤں والے اس شخص کو یہ زمین حوالے نہ کریں تو اس میں شرعاً کچھ حرج تو نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۲۲۴۷ عبدالحی پٹیل ڈابھیل (ضلع سورت) ۵ رجب ۱۳۵۶ھ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

جواب (از مولانا حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ) صرف پانی کے لئے زمین خریدنے سے زمین وقف نہیں ہو سکتی۔ بلکہ چندہ دہندگان و مشتریان کو اختیار حاصل ہوگا کہ اس کی آمدنی کو جس کار خیر میں صرف کرنا چاہیں گے تو صرف کر سکیں گے اور مشتریان کو یہ شخص مجبور نہیں کر سکتا اس زمین کے حوالے کر دینے پر۔ فقط واللہ اعلم۔ اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(جواب ۲۱۶) (از حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ) سوال سے ثابت ہوتا ہے کہ سرکار نے زمین کی تملیک کر دی تھی اور وہ مملوکہ زمین ہوگئی۔ اور گو اس کی آمدنی مویشیوں کو پانی پلانے کے اخراجات میں صرف ہوتی رہی مگر مالک کی طرف سے اس کو وقف کرنے کا ذکر نہیں۔ پس جب تک وقف ہونا ثابت نہ ہو اس وقت تک اس کی آمدنی کا مصرف مالک کی مرضی پر رہے گا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ہندو کی بنوائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم

(سوال) دو بھائی ہندو مالدار ہیں۔ ان میں سے ایک بھائی نے ایک مندر بنوایا۔ دوسرے بھائی نے اپنی خوشی سے بغیر درخواست کسی مسلمان کے اسی مندر کے قریب اپنے ذاتی مال سے ایک مسجد بنوائی اور مسجد بناتے وقت کہا کہ میں مسلمانوں کے لئے بنواتا ہوں مسلمان اس میں نماز پڑھیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ مسجد بالکل تیار ہوگئی تو مسلمانوں سے کہا کہ تم اس میں نماز پڑھا کرو ہمیشہ کے لئے اور اس مسجد کی تعمیر سے مسلمانوں پر کسی قسم کا احسان نہیں جتایا۔ نہ کوئی اختیار اپنا مسجد پر رکھا۔ لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس مسجد میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۰۶۰ عبدالغفار (دہلی) ۲ ارجب ۱۳۵۶ھ م ۱۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

جواب (از مولانا حبیب المرسلین نائب مفتی) جب اس ہندو نے مسجد تعمیر کروا کر مسلمانوں کے سپرد کر دی نماز پڑھنے کے لئے ہمیشہ کے واسطے تو اس مسجد میں نماز پڑھنی جائز ہوگی اور یہ مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد ہی رہے گی۔ نمازیوں کو اس میں مسجد ہی کی فضیلت کا ثواب ملے گا۔(۲) فقط واللہ اعلم حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

---

(۱) ارض فی ید رجل یدعی انہا لہ ، اقام قوم البینۃ ان فلانا وقفہا علیہم لم یستحقوا شیئا لا نہ قد یقف مالا یملک

(۲) وقف کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ واقف کے نزدیک قربت ہو، اہل اسلام کے نزدیک تو تعمیر مساجد قربت کا کام ہے ہی، ہندوؤں کے ہاں بھی مسلمانوں کی مسجد تعمیر کرنا کار ثواب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیت اللہ شریف کی کافروں والی تعمیر کو بر قرار رکھا گیا۔ عزیز الفتاوی میں ہے: "اسی طرح ہنود و کفار ہندوستان کے نزدیک مساجد مسلمین میں صرف کرنا قربت ہے، جیسا کہ ان کے احوال و مقال و معاملات سے مشاہد ہے" (کتاب الوقف واحکام المساجد ج: ۱ : ۲۳۶)

(جواب ۲۱۷) (از حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ) اگر ہندو یہ مسجد مسلمانوں کو دے دے اور خود مسجد کے حق ملکیت، حق تولیت اور حق نگرانی اور ہر قسم کے حقوق سے دست بردار ی کر دے اور مسلمان اس پر ہر طرح قابض و مختار ہو جائیں تو اس میں نماز جائز ہے اور وہ مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد ہو جائے گی۔ محمد کفایت اللہ

پڑوس کے مکان کے لئے مسجد کی زمین لینا ضروری ہے

(سوال) ایک مسجد کی قدرے زمین مسجد کے پڑوس کے مکان میں مسجد کی بنا کے بعد دب گئی ہے۔ اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حصہ پر (جو پڑوس کے مکان میں دبا ہوا ہے) مسجد کا قبضہ نہیں ہوا اور اس وجہ سے غالباً یہ زمین دبائی گئی ہے اور اس مکان پر جو پڑوس میں ہے مختلف مالکان ہندو مسلم بدلتے چلے آئے ہیں۔ کافی عرصہ یعنی اب تک یہ علم نہیں ہوا یعنی واقعی جس قدر زمین موقوفہ مسجد کی تھی وہ فی الحال پوری مقبوضہ مسجد نہیں بلکہ کچھ حصہ مسجد کی زمین کا پڑوس میں دبا ہوا ہے آیا اب اس صاحب مکان سے جو فی الحال ہے اس مسجد کی زمین کے ٹکڑے کی قیمت جو اس کے مکان میں دبا ہوا ہے لینی جائز ہے یا نہیں۔ بنا بر شق ثانی حکم ہدم مکان ہے یا کوئی اور صورت :۔

(نوٹ) یہ زمین مسجد کی جس میں مسجد کی تعمیر ہے شہر کی بنیاد کے وقت والیٔ ریاست مسلم کی جانب سے دی ہوئی ہے۔ المستفتی نمبر ۱۸۰۵ نظام الدین (بھاولپور) ۷ رجب ۱۳۵۶ھ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۱۸) وہ زمین غالباً مسجد کی ملحقہ موقوفہ زمین ہے یعنی موضع مبنی للصلوۃ میں داخل نہیں ہے اور اس پر عرصہ دراز سے دوسروں کا قبضہ ہے اور مالک بدلتے چلے آتے ہیں۔ ان حالات میں ہدم مکان اور واپسی زمین کا مطالبہ مشکل ہے بلکہ اس کی قیمت موجودہ مالک سے لی جاسکتی ہے اور یہ مالک سابق بائع سے لے سکتا ہے و علی ہذا اصل غاصب تک یہ سلسلہ جاسکتا ہے۔ اس حاصل شدہ رقم سے دوسری زمین خرید کر وقف کر دی جائے۔(۱)

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ہندوؤں اور مسلمانوں کے مشترکہ روپوں سے قبرستان کی زمین خریدنے کا حکم

(سوال) ملک برار ضلع امراوتی میں مقام چاندور بازار میں نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی ہے مسلمانوں کی تعداد اس قصبہ میں تقریباً ایک ہزار ہے اور دیگر اقوام کی مردم شماری تقریباً پانچ ہزار ہوگی۔ مسلمانوں کی حالت ہر اعتبار سے ناگفتہ بہ ہے بد قسمتی سے تمام مسلمانوں کے قبرستان کے لئے ایک جگہ حاصل کی گئی تھی جواب قریب پر ہو چکی ہے۔ قبرستان کے اطراف میں کوئی سرکاری جگہ نہیں ہے اور نہ بستی کے باہر کسی گوشہ میں کوئی سرکاری بنجر زمین ہے جو حاصل کی جائے۔ البتہ قبرستان سے ملحق کاشتکاروں کے کھیت ہیں۔ اگر ان کی قیمتہ ادا کی گئی تو وہ

(۱) ان غصب الارض الموقوفة رجل قيمتها الف درهم ثم غصبها من الغاصب رجل آخر بعد ماصارت قيمتها الفي درهم ، فالقيم لا يتبع الغاصب الثاني اذا كان الثاني مليا يريد به اذا غصبها رجل آخر من الغاصب الثاني و تعذر استردادها من يدالثالث و ان كان الاول املى من الثاني يتبع الاول ، واذا اتبع القيم احدهما الضمان برى الآخر واذا اخذ القيمة من احدهما يشترى بها أرضا اخرى فيقفها مكانها ، كذافي الذخيرة . (عالمگيريه ، كتاب الوقف، الباب التاسع، ۲/ ٤٤٨ ط. ماجدية)

قبرستان میں شامل کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن جگہ خرید نے کے لئے روپے کی فراہمی ناممکن ہے اس لئے کوشش کی جارہی ہے کہ نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی جس میں ہندوؤں مسلمانوں کی آمدنی کا روپیہ ہے فورا مسلمانوں کی درخواست کو قبولیت دے کر جگہ خرید کر دے تو بہتر ہوگا۔ مسلمانوں کو کمیٹی مذکورہ کی جانب سے امید ہے کوشش کے بعد جگہ خرید نے کے لئے رقم مل جائے گی۔ کیونکہ کمیٹی نے ہندوؤں کے مرگھٹ کے لئے بھی ایک اچھی منظور فرمائی ہے۔ لیکن سوال صرف یہ ہے کہ چند مسلمان حضرات کو شک ہے کہ آیا کمیٹی کا روپیہ قبرستان کے لئے زمین خرید کرنے کے واسطے جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۸۷۰ قاضی سید حسین حاجی ضلع امراؤتی برار، ۴ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۱۹) ہاں نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی سے قبرستان کے لئے روپیہ لینا اور اس سے زمین خریدنا اور مسلمانوں کے اموات کے دفن کے لئے استعمال کرنا جائز ہے اس میں شبہ کی کوئی وجہ نہیں ہے ان کمیٹیوں میں اس قسم کی پبلک ضروریات کے لئے روپیہ فراہم کیا جاتا ہے اور اس مصرف میں اس کو صرف کرنا جائز ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

وقف تام یا شہادت کے بغیر وقف کرنے اور وقف کی رقم تعزیہ داری پر خرچ کرنے کا حکم

(سوال) جائیداد غیر منقولہ کا کثیر حصہ وقف شدہ ٹھہرایا جاتا ہے لیکن کوئی مستندبات نہیں۔ نہ کوئی وقف نامہ لکھا گیا ہے اور نہ ان کے پاس کوئی اسناد موجود ہیں زبانی جمع خرچ ہے۔ کیا ایسی صورت میں جائیداد موقوفہ قرار دی جاسکتی ہے یا وقف کے لئے وقف نامہ یا شہادت کی ضرورت ہے اور جن کے سامنے وقف کی گئی۔ جائیداد موقوفہ کی آمدنی غیر محل مثلاً تعزیہ داری وغیرہ میں خرچ کی جاتی ہے۔ دریں صورت عنداللہ موتی کے لئے موجب عقاب ہے یا ثواب۔ ورثاء حیات سے ایسی صورت میں مواخذہ تو نہیں ہوگا۔ علاوہ ازیں جائیداد موقوفہ کو واپس لے کر ایسی جگہ جو موتی کے لئے باعث ثواب ہے مورث حیات کو وقف کرنے کا حق ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۰۸۸ مولانا عبدالرحیم صاحب ڈابھیلی (چھاؤنی تیمچہ) ۲۹ رمضان ۱۳۵۶ھ

۴ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۲۰) وقف کا ثبوت دستاویز یا شہادت سے ہو سکتا ہے خواہ وہ ثبوت وقف قدیم میں بالتسامع ہی ہو (۲)۔

تعزیہ (۱) داری ناجائز ہے اور اس میں رقم خرچ کرنا موجب ثواب نہیں بلکہ موجب عذاب ہے تعزیہ داری میں جو رقم خرچ کی جاتی ہے اسے کسی کار خیر میں صرف کرنا چاہئے۔　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) و الوقوف التی تقادم امرها ومات وارثها ومات الشهود ... فان كانت له رسوم فی دو اوین القضاة يعمل عليها (الهندية ، كتاب الوقف ۲/ ۴۳۹) وفيها : وتقبل الشهادة على الشهادة فی الوقف ، وكذا شهادة النساء مع الرجال كذا فی الظهيرة وكذا الشهادة بالتسامع .(الهندية كتاب الوقف ، الباب السادس ۲/ ۴۳۸ ط . ماجدية)

(۲) وذالك لما نهى عنه عليه السلام ذكر فی صحيح مسلم . عن ام عطية قالت اخذ علينا رسول عليه السلام مع البيعة ان لا ننوح (رواه مسلم كتاب الجنائز ۲ فصل فی نهی النساء عن النياحة ، ۱/ ۳۴۰ ط. قديمی كتاب خانه)

(۱) ماتم وغیرہ کا انتظام کرنا۔ فیروز اللغات

(۱) بھتیجوں کی موجودگی میں بھانجوں کا وقف صحیح نہیں ہے
(۲) کیا مکان کو خانقاہ کے نام پر دینے سے وقف ہو جائے گا؟
(۳) بطیب خاطر بشمول خانقاہ وقف کیا کہنے سے وقف ہو جائے گا

(سوال) زید ایک شیخ کامل مکمل تھے جنہوں نے ایک جگہ جہاں ان کا کوئی وارث نہ تھا دو ملحقہ مکانات خرید نے اور سکونت پذیر ہو کر اپنے مریدوں اور طالبان حق کو تعلیم طریقہ باطنی دی۔ بعد انتقال زید کے عمرو کی تحریک وایما سے جو خلیفہ سند یافتہ زید کے ہیں بکر منتہی مرید زید کے جانشین ہوئے مکان زید کو بہ وفور محبت و حسن عقیدت سب مریدین زید کی خانقاہ سے تعبیر کرنے لگے ہونے تک خانقاہ کے نام سے موسوم ہے اور جس میں پانچ سال تک بکر تعلیم و تلقین کرتے رہے ان کی جانشینی کے زمانہ میں زید کے انتقال کے بعد زید کے دو بھانجے وطن زید سے آئے اور اپنے مورث زید کا سامان اپنے قبضہ میں لے کر ہر دو مکانات مذکور عمرو بکر کے سپرد کر کے اور عمرو کو ان کی شکست و ریخت وکمی وبیشی کا اختیار دے کر واپس وطن چلے گئے۔ اسی اجازت کی بنا پر منجملہ ہر دو مکانات زید کا ایک قطعہ مکان عمرو کے مشورہ سے فروخت کیا گیا اور بقیہ میں اور اضافہ کر کے دوسری اراضی جو ملحق مکان زید تھی خرید کر کے اس میں ایک عمارت بکر نے بنوائی جس میں عمرو نے بھی کچھ رقم امداداً بکر کو دی۔ بکر کے انتقال کے بعد خود عمرو سال ڈیڑھ سال اس مکان میں مقیم ہوئے اور مریدوں کو تعلیم دی۔ عمرو نے بھی اس سال ڈیڑھ سال کے قیام میں ایک دوسری اراضی ملحقہ مکان زید موسومہ خانقاہ خرید کر مکان موسومہ مذکورہ خانقاہ میں شامل کر دی اور پھر خالد کو جو زید کے دوسرے منتہی مرید تھے جانشین کر کے اپنی خرید کردہ اراضی مذکورہ مشمولہ خانقاہ ہذا کے بیعنامہ رجسٹری شدہ کی پشت پر یہ عبارت اپنی قلم سے تحریر کر کے کہ مکان ہم نے بطیب خاطر بشمول خانقاہ وقف کیا خالد کے حوالے کر دیا۔ خالد نے بیس بائیس سال خدمت تعلیم و تلقین انجام دی۔ خالد کی جانشینی کے زمانہ میں ایک اہل ثروت صاحب دولت واقبال کی امداد سے کہنہ عمارت مکان زید جو خانقاہ کے لقب سے موسوم ہے منہدم کرا کر از سر نو تعمیر کرائی گئی۔ بعد انتقال خالد مکان مذکور موسومہ خانقاہ پر عمرو نے بدستور قبضہ کر کے مابقیہ حصہ عمارت کہنہ کو جو گر گیا تھا عمرو نے اپنے ذاتی مصارف سے از سر نو دوسرے وضع پر تعمیر کرا دیا۔ اور اس مکان مذکورہ موسومہ خانقاہ پر قبضہ رکھتے ہوئے زید مورث مکان کے حقیقی بھتیجے جو جائز وارث زید کے ہیں۔ عمرو نے باضابطہ مکان مذکورہ کو خرید کر کے بیعنامہ رجسٹری کرالیا تاکہ اپنی جائز تولیت میں مکان مذکورہ کو جو خانقاہ کے لقب سے موسوم ہے لے کر اس میں تعلیم و تلقین طریقہ باطنی کا سلسلہ قائم رکھیں۔ اب چند امور قابل استفسار ہیں :-

(۱) کیا زید کے دو بھانجوں ذوی الارحام کی زبانی سپرد کر دینے سے یہ مکان وقف سمجھا جا سکتا ہے۔ حالانکہ نہ کوئی وقف نامہ ہے۔ نہ محکمہ اوقاف میں اس کا اندراج ہے۔ بالفرض اگر وقف گن بھی لیا جائے تو بکر کی جانشینی کے زمانہ میں اس وقف سے تیس بتیس سال پہلے اس مکان کا ملحقہ دوسرا قطعہ مکان جو بھی حیثیت رکھتا تھا فروخت کیا جانا کیا اثر و حکم رکھتا ہے اور وقف کی تعریف شرعاً کیا ہے ؟

(۲) اس مکان کو جو مریدین نے بعد انتقال زید (مالک مکان) کے بہ وفور محبت و حسن عقیدت خانقاہ کے لقب سے

موسوم کردیا ہے اس لقب اور مسمی سے شرعاً وقف ہونے کا استدلال کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

(۳) عمرو نے تقریباً سال ڈیڑھ سال کے قیام میں اراضی خرید کر کے شامل مکان مذکور غیر موقوفہ موسومہ خانقاہ کی ہے اور پھر خالد کو جانشین کر کے بیعنامہ اراضی کی پشت پر بہ وفور محبت اور عقیدت مندی از جائے پیر یہ عبارت تحریر کی ہے کہ ہم نے یہ مکان بطیب خاطر بشمول خانقاہ وقف کیا۔ اس کا شرعاً کیا حکم واثر ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۱۸۲ جناب حکیم مولوی عبدالعلی صاحب (بھوپال) ۳ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۲۱) (۱) جب کہ زید مرحوم کا حقیقی بھتیجا موجود ہے تو بھانجے وارث نہیں اور ان کا کوئی تصرف جائز نہیں۔(۱) (۲) اس عمل سے مکان کا وقف ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔(۲)

(۳) عمرو کا اپنا زر خرید حصہ وقف ہوگیا خانقاہ وقف نہیں ہوئی۔ کیونکہ عمرو جائز وارث نہ تھا دزید کے بھتیجے کی ملک ہے (۳) اور اگر خانقاہ بھی بیع میں داخل تھی اور زید کے بھتیجے نے خانقاہ بھی بیچ دی تھی اور پھر عمرو نے سب کو وقف کیا تو وقف صحیح اور جائز ہے (۴) اور صرف عمرو کی یہ تحریر بشرطیکہ عمرو کی تحریر ہونا ثابت ہو صحت وقف کے لئے کافی ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سرکار سے عیدگاہ کے لئے عارضی زمین کی بجائے مستقل ہمیشہ کے لئے قبول کرنا چاہئے

(سوال) ہر مسلمانان رعایا کی درخواست پر سرکار نے بلا اخذ قیمت ایک قطعہ اراضی صرف سوا پانچ روپے شکرانہ کے لے کر قبالہ عطا کیا جس میں حسب قانون جدید یہ شرط ذیل درج ہے اور ہر فارم قبالہ میں یہ شرائط مطبوعہ موجود ہیں۔ اگر اس زمین کو رفاہ عام کے لئے ضرورت ہوگی تو سرکار دربار اس کو واپس لے لیویں گے اور پٹہ دار کو وہ زمین واپس چھوڑنا پڑے گی۔ اس کے عوض میں اس کا معاوضہ مندرجہ ذیل طریقہ پر ملے گا۔ جو آخر تک نقل قبالہ میں درج ہے۔ اس قطعہ اراضی کو مسلمانوں کے عام چندے کے خرچہ سے ہموار کر لیا گیا اور عرصہ تین چار سال سے نماز عیدین بفضلہ اس قطعہ زمین میں ادا کی جارہی ہے بوجہ قرب آبادی کے شمشان بھومی یامرگھٹ اسی صحرا میں لائے جانے کی تجاویز سرکاری قرار پاچکی ہے۔ چنانچہ گزٹ میں اطلاع سرکاری شائع ہوکر عام اطلاع دے دی گئی۔ اور اس میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اگر کسی کو کچھ عذر ہو تو ظاہر کرے اس لئے استفتاء خدمت حضرات علمائے دین مع نقل قبالہ ارسال خدمت ہے۔

(۱) تقسیم وراثت میں عصبات کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام محروم ہوتے ہیں، مذکورہ صورت میں بھتیجا عصبات میں سے ہے اور بھانجا ذوی الارحام میں سے، اس لئے تصرف کا اختیار بھتیجا کو ہے نہ کہ بھانجا کو۔ "واما العصبات فهم اربعة وعشرون صنفا فاولهم الابن ثم ابن الاخ لاب وام . وما ذووا الا رحام فهم اثنان و عشرون صنفا اولاد البنات .(النتف فی الفتاوی ، کتاب الفرائض ، ص ۵۱۴ ، ۵۱۵ . بیروت)

(۲) اس لئے کہ وقف کے لئے ضروری ہے کہ واقف وقف شدہ چیز کا مالک ہو ، صورت مسئولہ میں مالک مکان زید مرحوم کا بھتیجا ہے نہ کہ مریدین، اس لئے وقف درست نہیں ہوا۔

(۳) واما شرائطه فمنها العقل ... ومنها الملك . عالمگیریه ، کتاب الوقف ، الباب الاول ، ج : ۲ ص ۳۵۲ ، ۳۵۳

(۴) "لان الملك مامن شانه ان يتصرف فيه بوصف الاختصاص" رد المحتار ، کتاب البيوع ، ج : ۴ / ۵۰۲ سعید

(۵) الكتاب على ثلاث مراتب : مستبين مرسوم هو ان يكون معنونا ... وهو ان يكتب في صدره من فلان الى فلان على ماجرت به العادة فهذا كالنطق فلزم حجة (رد المحتار ، مسائل شتی ج : ۶ ص ۳۷ سعید)

صورت موجودہ مستفسرہ میں عید گاہ کے لئے دوسرا قطعہ اراضی ہم کو ملے تو شرعاً اس کا قبول جائز ہے یا نہیں
بموجب احکام شریعت مطہرہ مستفید فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۲۳۱ عبدالصمد (جودھپور) ۲۴ صفر ۱۳۵۷ھ ۲۵ اپریل ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۲۲) پٹہ کی نقل دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ زمین بطور تملیک دوامی کے نہیں دی گئی بلکہ شرط واپسی عندالضرورۃ موجود ہے۔ اس لئے مسلمان اگر اس کے معاوضہ میں دوسری زمین لے لیں تو مباح ہوگا۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

صحت کی حالت میں وقف کی ہوئی چیز کو واقف کے وارث واپس نہیں لے سکتے

(سوال) مسماۃ سکینہ بیگم بنت قاضی شمس الدین مرحوم اپنی جائیداد سکنی وزرعی کو ... مسجد و مدرسہ کے نام وقف کرنا چاہتی ہے تاکہ ثواب جاریہ رہے۔ جائیداد مذکورہ سکینہ بیگم کو اپنے والد و والدہ و ہمشیرہ حقیقی و دادی حقیقی سے ترکہ میں پہنچی ہے اور اس شرط پر وقف کرنا چاہتی ہے کہ تاحیات اس کی آمدنی اپنے اوپر اور جس پر میں چاہوں گی خرچ کروں گی۔ بعد میرے منتظم مدرسہ فلاں و مسجد فلاں اس کے متولی رہیں۔ سکینہ بیگم کی ایک لڑکی رئیسہ بیگم ہے جس کی عمر سات آٹھ سال کی ہے اور ایک شوہر جمیل الدین ہے۔ سکینہ بیگم کی والدہ نے بیوہ ہونے پر عقد ثانی کر لیا تھا اس سے ایک لڑکی محمودہ بیگم اور سکینہ بیگم کے والد مرحوم کے حقیقی چچازاد بھائی کے تین لڑکے و ایک لڑکی یعنی قاضی رفیع الدین و قاضی بشیر الدین و قاضی شرف الدین و مسماۃ بسم اللہ بیگم۔ تو اس صورت میں مندرجہ بالا حضرات وقف کے تمام ہونے کے بعد وقف کو توڑ سکتے ہیں یا نہیں اور سکینہ بیگم اپنی حیات میں کل جائیداد کو وقف کر سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۲۹۶ قاضی محمد رفیع الدین صاحب (میرٹھ) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۷ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۲۳) سکینہ بیگم اپنی حیات اور صحت میں اپنی کل جائیداد وقف کرنے کی مجاز ہے۔ اگر بحالت صحت کل جائیداد وقف کر دی تو جائیداد وقف ہو جائے گی اور پھر اس کی وفات کے بعد وارثوں کو وقف کے توڑنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

رضامندی سے وقف کی ہوئی چیز کو واپس لینے کا حکم جائز نہیں ہے

(سوال) ایک شخص مسمی احمد بخش ساکن تبتر محلہ ڈلہوزی چھاؤنی نے اپنا مکان اپنی خواہش اور رضامندی سے مسجد کے نام وقف کیا اور وقف نامہ تحریری رجسٹری شدہ موجود ہے اور کئی مہینہ تک زید اپنے اقرار پر قائم رہا۔ اب اس نے مسجد کے نام عدالت میں دعویٰ باقاعدہ دائر کیا ہوا ہے اور امام جامع مسجد کے نام بھی دعویٰ دائر کیا ہوا

---

(۱) قال فی العالمگیریۃ : رجل لہ ساحۃ لا بناء فیہا امر قوما ان یصلوا فیہا بجماعۃ ... اما ان وقت الامر بالیوم او الشہر او السنۃ ففی ہذا الوجہ لا تصیر الساحۃ مسجدا لو مات یورث عنہ. (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر ۲/ ۴۵۵ ط. ماجدیۃ)

(۲) ہو حبسہا علی حکم ملک اللہ تعالیٰ وصرف منفعتہا علی من احب ولو غنیا فیلزم فلا یجوز لہ ابطالہ، ولا یورث عنہ، وعلیہ الفتویٰ ابن الکمال وابن الشحنہ (تنویر الابصار مع الدرالمختار، کتاب الوقف، ج: ۴ ص ۳۳۹ سعید)

ہے اور دعویٰ یہ تحریر کیا ہوا ہے کہ مجھ کو دھوکہ دے کر یہ وقف نامہ تحریر کرایا گیا ہے۔ لہذا از روئے شرع کیا حکم ہے۔ علاوہ اس کے جو شخص مسجد اور علمائے دین کی توہین کرے اس کے حق میں کیا حکم ہے اور چند شخص اس کے موافق ہیں اور اس کو مدد دیتے ہیں۔ ان کے لئے کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۳۳۵ سید لطف اللہ صاحب ڈلہوزی چھاؤنی ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۳ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ٤ ۲ ۲) اگر اس شخص نے اپنی خوشی اور رضامندی سے مکان وقف کیا تھا کسی نے اس پر جبر نہیں کیا تھا اور دھوکہ نہیں دیا تھا تو وہ وقف جائز اور صحیح ہو گیا اور اس کو واپس لینے کا اسے حق نہیں ہے۔(۱) علمائے دین کی عالم ہونے کی جہت سے توہین کرنا کفر ہے اور اس کی امداد کرنے والے بھی سخت گنہگار اور ظالم ہوں گے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

وقف کے متعلق چند سوالات کی تصدیق

(سوال) نقل تحریر بنام پارلیمنٹری سکریٹری ریونیو منسٹر گورنمنٹ یوپی لکھنؤ

جناب عالی۔ یوپی اسمبلی کے گزشتہ اجلاس میں مزارعہ بل کو ایک مجلس منتخبہ کے سپرد کیا گیا ہے اور پبلک کو اس کا حق دیا گیا ہے کہ وہ اس بل کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرے اور ۳۱ مئی تک جناب والا کو اس کی اطلاع دے دے۔ لہذا جناب والا کی وساطت سے ممبران سلکٹ کمیٹی کی خدمت میں اوقاف اسلامی کے متعلق جمعیت تحفظ اوقاف نگرام ضلع لکھنؤ چند ضروری امور عرض کرنا چاہتی ہے۔ ہم کو امید ہے کہ مزارعہ بل پر ممبران مجلس منتخبہ غور کرتے وقت ان معروضات پر کافی غور کریں گے۔ معروضات حسب ذیل ہیں :۔

(۱) بموجب شریعت اسلام موقوفہ جائیدادیں انسانی ملکیت سے خارج ہو کر خاص خداوند تعالیٰ کی ملکیت کے حکم میں داخل ہو جاتی ہیں اور کسی کو اس پر مالکانہ دخل و تصرف رکھنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔

(۲) مالکانہ دخل و تصرف تو ایک طرف اگر کسی فعل سے ملکیت کا شائبہ بھی پیدا ہوتا ہو تو شریعت اسلام نے اس کو بھی روا نہیں رکھا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر مزارعہ اراضیات کو کسی طویل مدت کے لئے معاہدے کی رو سے کسی کو دے دینا جائز نہیں قرار دیا گیا ہے۔

(۳) موقوفہ جائیداد کے نظم و نسق کے لئے واقف نے جو شرائط وقف نامہ میں قرار دیئے ہوں انہیں کی پابندی ضروری ہے اور (بجز خاص حالات کے) اسلامی حکومت کے عمال کو جائیداد کے نظم و نسق کا کوئی حق نہیں دیا گیا ہے۔

(۴) بموجب شریعت اسلام وقف علی الاولاد کی بھی وہی حیثیت ہے جو عام اوقاف کی ہے اس کی حیثیت میں بلحاظ احکام کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔

---

(۱) اما حکمہ ... متی صح الوقف ... لا یملک بیعہ ولا یورث عنہ (عالمگیریہ کتاب الوقف ، الباب الاول ۲: ۳۵۲ ماجدیہ)

(۲) ویخاف علیہ الکفر اذا شتم عالماً اوفقیھاً من غیر سبب . (عالمگیریہ ، کتاب السیر الباب التاسع ، مطلب موجبات الکفر ، ج : ۲/ ۲۷۰ ماجدیہ)

اوقاف اسلامی کے متعلق مندرجہ بالا جو احکام و مسائل درج کئے گئے ہیں وہ اسلام کی مشہور مستند و مسلم کتب سے اخذ کر کے لکھے گئے ہیں۔ جمہور اہل اسلام انہیں احکام کے پابند ہیں اور انہیں پر ان کے لئے پابندی لازمی ہے اور ان کی عین خواہش یہی ہو سکتی ہے۔ کہ ہندوستانی اوقاف اسلامی پر انہیں احکام کا نفاذ کیا جائے۔ فی الحال سلکٹ کمیٹی سے ہماری خواہش یہ ہے کہ وہ اوقاف اسلامی کے لئے ہماری معروضات ذیل کو قبول کرے۔

(الف) موقوفہ اراضیات پر کسی کاشتکار کو حقوق مالکانہ کسی حال اور کسی وقت میں نہ دیئے جائیں۔
(ب) موقوفہ اراضیات کو کاشتکاروں کے حقوق موروثی یا جین حیاتی کے عام حق سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔
(ج) موقوفہ اراضیات کے نظم و نسق کے جملہ اختیارات متولیات وقف ہی کے سپرد رہیں پٹہ کی میعاد کا تقرر تشخیص و تخفیف والتواء و معافی لگان وغیرہ جملہ مراحل متولی وقف بموجب احکام شریعت اسلام انجام دے مسلمانوں کی ذمہ دار جماعتیں اس کی نگرانی کرتی رہیں۔
(د) اوقاف خواہ کسی قسم کے ہوں ان پر کوئی جدید ٹیکس حکومت کی جانب سے عائد نہ کیا جائے مجھے امید ہے کہ میری معروضات پر کافی توجہ کی جائے گی اور ان کو قبول فرما کر اسلامی جماعت کو شکریہ کا موقع دیا جائیگا۔
فقط المستفتی نمبر ۲۳۴۳ مولانا محمد انیس صاحب ناظم جمعیت تحفظ اوقاف و مہتمم مدرسہ معدن العلوم نگرام ضلع لکھنؤ۔ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۶ جون ۱۹۳۸ء
(جواب ۲۲۵) اوقاف اسلامیہ کے متعلق جو احکام شرعیہ تحریر بالا میں ذکر کئے گئے ہیں وہ صحیح ہیں اور ان احکام کی بنا پر جو مطالبات پیش کئے گئے ہیں وہ معقول اور واجب القبول ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شروط فاسدہ کے ساتھ وقف کرنا

(سوال) زید نے اپنا مکان بغرض تعمیر مسجد اس شرط پر وقف کیا کہ اس مکان پر خالد اپنے روپے سے مسجد تعمیر کر دے اور اس کے دو مختلف حصوں پر دو دکانیں تعمیر کرے جس میں سے ایک دوکان کرایہ پر دی جائے اور اس کا کرایہ مسجد میں صرف ہو اور دوسری دکان میں زید خود بلا کرایہ اپنی زندگی بھر آباد رہے اور اس کے بعد اس کے دو لڑکے کرم الٰہی اور احسان الٰہی کو چار روپے ماہوار پر دی جائے اور کرایہ مسجد میں صرف ہو۔ لیکن ان کو دکان سے علیحدہ کرنے کا اختیار کسی کو نہ ہوگا۔ اور اگر خالد اس مکان پر اپنے خرچ سے مسجد تعمیر نہ کرے تو وقف نامہ کالعدم ہو جائے گا اور میں خود اپنے مکان کا مالک ہوں گا۔ نیز یہ وقف نامہ سخت مریض ہونے کی حالت میں لکھا گیا ہے۔ اور اس مکان کے سوا اور کوئی مال بھی نہیں ہے۔
(جواب ۲۲۶) وقف اگر کسی نامناسب شرط پر معلق کیا جائے تو وقف صحیح نہیں ہوتا۔ وان یکون منجزا غیر معلق (عالمگیری)(۱) پس صورت مسئولہ میں اگر زید نے مکان اس شرط پر مسجد کے لئے وقف کیا ہے کہ خالد ...

(۱) کتاب الوقف، الباب الاول ۲ / ۳۵۵ ط ماجدیہ

اپنے روپے سے مسجد تعمیر کرائے ورنہ زید اپنا مکان واپس لے لے گا اور وقف نامہ کالعدم ہوگا۔ تو یہ وقف صحیح نہیں ہوا۔ اسی طرح مکان کا ایک حصہ یعنی جس پر دکان تعمیر کی جائے اپنے رہنے کے لئے بلا کرایہ مخصوص کرنا وقف مسجد کے منافی ہے۔ اور چونکہ وہ حصہ مشاع ہے اس لئے مکان کا وقف للمسجد صحیح نہ ہوا کیونکہ وقف مسجد کے لئے شیوع منافی ہے۔ **واتفقا على عدم جعل المشاع مسجدا او مقبرة مطلقا سواء كان ممالا يحتمل القسمة اويحتملها** (هكذا في فتح القدير. عالمگیری)(۱) تیسرے یہ کہ مریض کے تصرفات تبرع ثلث میں جاری ہوتے ہیں۔ پس جب کہ زید مریض تھا تو وقف علی المسجد ثلث میں جاری ہوتا اور ثلث میں جاری ہونے کے وقت مشاع ہونا لازم آتا ہے پس تمام کا وقف باطل ہوگیا۔ **مريض جعل داره مسجدا ومات ولم يخرج من الثلث ولم تجزالورثة صار كله ميراثا وبطل جعله مسجدا لا ن للورثة فيه حقاً فلم يكن مفرزا عن حقوق العباد فقد جعل المسجد جزءا شائعاً فيبطل الخ** (عالمگیری)(۲) بہر حال صورت مسئولہ میں وقف صحیح نہیں ہوا۔ اور مکان زید کی ملکیت میں باقی ہے۔ محمد کفایت اللہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

مسلمان ہندو سے زمین خرید کر مسجد بنا سکتا ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۳۷ء)

(سوال) ایک ہندو سے زمین خرید کر اس زمین پر مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

(جواب ۲۲۷) ہندو کی زمین مسلمان خرید لے تو پھر اسے اختیار ہے کہ اس پر مسجد بنا لے اس میں کچھ حرج نہیں۔(۳)　　　　محمد کفایت اللہ

ساتواں باب
مصارف وقف

مسجد کی آمدنی قبرستان پر خرچ کرنا اور تجارت کرنے کا حکم

(سوال) محلہ رانی تالاب (سورت) میں بز قصابوں کی مسجد ہے اور اس مسجد کے متولی اسی جماعت کے لوگ ہیں۔ یہ لوگ بکریوں کی تجارت کرتے ہیں۔ ان کے یہاں یہ دستور ہے کہ فی کوری یعنی بیس عدد بکری فروخت ہونے سے آٹھ آنے مسجد کے نام سے تاجروں سے وصول کرتے ہیں۔ اور مذبح میں جو جانور ذبح ہوتے ہیں ان کے رو

---

(۱) (عالمگیریہ، کتاب الوقف، الباب الثانی، فصل فی وقف المشاع ۲/ ۳۶۵ ط. ماجدیة)
(۲) (عالمگیریہ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الاول ۲/ ۴۵۶ ط. ماجدیة)
(۳) مسلمان نے جب زمین خرید لی تو اس کا مالک ہو گیا اور مالک کو اپنی ملکیت میں ہر طرح کے تصرف کرنے کا اختیار ہے۔ "لان الملك ماهن شانه ان يتصرف فيه بوصف الاختصاص" (ردالمحتار، کتاب البیوع ج ۴ ص ۵۰۲، سعید) اس لئے مذکورہ صورت میں مسلمان کا وقف صحیح اور درست ہوگیا۔

دے یعنی آنتیں جو فروخت ہوتی ہیں اس کی قیمت اور جماعت کے مکان جو کرایہ پر دیئے جاتے ہیں اس کا کرایہ اور جماعت میں جب کسی شخص پر کسی قصور کی وجہ سے جرمانہ کیا جاتا ہے اور جماعت کے برتن جو تانبے کے ہیں کرایہ پر دیئے جاتے ہیں ان کا کرایہ۔ یہ سب اخراجات اسی مد میں خرچ ہوتے ہیں۔ مسجد کے پیشوا و مؤذن اور رمضان شریف میں حافظ کو اجرت تراویح اور مسجد میں روشنی ووعظ و نصائح اور مسجد کی مرمت اور قبرستان کے حصار کی تعمیر اور جماعت کے املاک کی تعمیر و مرمت۔ اور یتیموں اور مساکین، بیواؤں اور لاوارث میت کے کفن دفن اور جماعت کا کوئی جھگڑا اگر سرکاری کورٹ میں ہو اس کا خرچ۔ اور جو منشی اس مسجد کا دفتر لکھتا ہے۔ اور کبھی کبھی مسجد کے چندوں میں وغیرہ۔ اب اس رقم سے تجارت کا ارادہ ہے تو کیا جماعت والے اس رقم سے تجارت کر سکتے ہیں؟ اور یہ تمام مصارف شرع شریف کے مطابق ہیں یا نہیں؟

(جواب ۲۲۸) فی کوڑی بکری فروخت ہونے پر آٹھ آنے مسجد کے لئے دینا۔ اور وہ یعنی آنتیں مسجد کے لئے دینا۔ دینے والوں کا تبرع ہے جب کہ وہ اپنی خوشی سے بغیر کسی جبر کے دیں تو جائز ہے مکانات اگر مسجد کے لئے وقف ہیں تو ان کا کرایہ بے شک مسجد کی ملک ہے اور اگر کسی شخص کی ملک ہیں تو اس کی خوشی اور اجازت سے مسجد میں صرف ہو سکتا ہے۔ اور اگر کسی دوسری چیز کے لئے وقف ہیں تو اسی چیز میں ان کا کرایہ صرف ہو سکتا ہے نہ کہ مسجد میں۔(۱) کسی شخص پر کسی قصور کی وجہ سے مالی جرمانہ کرنا جائز نہیں ہے۔(۲) مسجد کی وہ آمدنی جو کسی خاص جہت کے لئے مخصوص نہ ہو امام مؤذن بقدر ضرورت روشنی مرمت میں فرش لوٹے پانی وغیرہ میں خرچ ہو سکتی ہے۔(۳) اس میں تراویح کے حافظ امام کو دینا قبرستان کی مرمت اور حصار میں لگانا۔ یتیموں، بیواؤں، مسکینوں، لاوارث اموات کے کفن دفن میں لگانا جائز نہیں۔(۴) اگر مسجد کی ضروریات مقتضی ہوں تو دفتر کے لئے منشی رکھ سکتے ہیں اور اس کو مسجد کے مال سے تنخواہ دے سکتے ہیں۔(۵) مسجد کا جمع شدہ مال تجارت میں لگانا جائز نہیں۔ کیونکہ تجارت میں نفع ہونا لازم نہیں۔ نقصان بھی ہو جاتا ہے۔ اور ایسے تصرفات جن میں نقصان کا احتمال ہو ناجائز ہیں۔(۶) واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) فی الهندية : سئل نجم الدين فان تداعت حيطان المقبرة الى الخراب يصرف اليها او الى المسجد قال الى ماهي وقف عليه (۲/ ۴۷۶) سئل شمس الائمة الحلواني استغنى الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج الى العمارة هل يجوز للقاضي صرف وقف ما استغنى عن العمارة الى العمارة ماهو محتاج الى العمارة قال : لا ، كذافى المحيط (عالمگيريه ، كتاب الوقف ،الباب الثاني عشر الباب الثالث عشر ۲ ، ۴۷۶ ، ۴۷۸ ط ماجدية)

(۲)لا باخذ مال في المذهب ، بحر. قوله : لا باخذ مال في المذهب ، قال في الفتح : وعن ابى يوسف يجوز التعزير للسلطان باخذ المال، وعند هما و باقي الائمة لايجوز ، و مثله فى المعراج ، وظاهره ان ذلك رواية ضعيفة عن ابى يوسف قال في الشرنبلالية : ولا يفتى بهذا لمافيه من تسليط الظلمة على اخذ مال الناس فيا كلونه (الدر المختار مع رد المحتار ، مطلب فى التعزير باخذ المال، ج : ۴ ، ص : ۶۱ سعيد)

(۳) مسجد له مستغلات و اوقاف اراد المتولي ان يشترى من غلة الوقف للمسجد دهنا او حصيرا او حشيشا او جصا لفرش المسجد او حصى، قالوا ان وسع الواقف ذالك للقيم وقال تفعل ماترى من مصلحة المسجد كان له ان يشترى للمسجد ماشاء (الهندية) (وفيها :) وللمتولى ان يتاجر من يخدم المسجد (الهندية كتاب الوقف، الباب الحادى عشر، الفصل الثانى ، ۲/ ۴۶۱ ط ماجدية)

(۴)ليس لقيم المسجد ان يشترى جنازة و ان ذكر الواقف ان القيم يشترى جنازة ولو اشترى القيم بغلة المسجد ثوبا او دفع الى المساكين لا يجوز وعليه ضمان مانقدمن مال الوقف . كذافى فتاوى قاضيخان (الفتاوى الهندية، كتاب الوقف الباب الحادى عشر ، ۲/۴۶۲ ط . ماجدية)

(۵)فى الهندية: وللمتولي ان يستاجر من يخدم المسجد يكنسه ونحو ذالك باجر مثله او زياد لا يتغا بن فيها (كتاب الوقف ، الباب الحادى عشر ، الفصل الثانى ج : ۲ ۴۶۱ ، ماجديه)

(۶) سئل القاضى الامام شمس الاسلام محمود الا وزجندى رحمه الله تعالى عن المسجد تصرفوا فى اوقاف المسجد ، يعني اجروا المستغل وله متول قال: لا يصح تصرفهم، (عالمگيريه كتاب الوقف ، الباب الحادى عشر ۲ : ۴۶۳ ماجديه)

حالت صحت میں وقف کی ہوئی جائیداد سے محتاج وارثوں کو دینے کا حکم

(سوال) ہندہ نے اپنی حیات میں کل جائیداد اپنے تین وارثین (ماں آمنہ، بھائی عابد، بیٹا زاہد) پر تقسیم کر دی جس میں سے ایک مکان کو للہ وقف کر دیا اور اس کا متولی زاہد کو مقرر کیا۔ زاہد بڑا مالدار ہے۔ پھر بھی بعد وفات ہندہ اس وقف کی آمدنی کسی مد موقع پر خرچ نہیں کرتا۔ ہندہ کے بھائی ماں نہایت ہی غریب ہیں یعنی آمنہ و عابد اس لئے اس وقف کی آمدنی میں ان دونوں میں سے کسی کا شرعاً کچھ حق ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(جواب ۲۲۹) صورت مسئولہ میں آمنہ اور عابد بحیثیت محتاج ہونے کے اس وقف کی آمدنی سے حصہ پانے کے مستحق ہیں بشرطیکہ یہ وقف حالت صحت میں کیا ہو۔ **فان احتاج بعض قرابته اوولده الی ذلک والوقف فی الصحة فههنا احکام احدها ان صرف الغلة الی فقراء القرابة اولی فان فضل منها شئی یصرف الی الا جانب الخ** (ہندیہ)(۱) اور زاہد اگر آمدنی وقف کی کسی مد موقع پر خرچ نہیں کرتا تو بجائے اس کے کوئی دوسرا امانت دار متولی مقرر کیا جاسکتا ہے۔ **وینزع وجوبا لو الواقف فغیرہ اولی غیر مامون او عاجزا الخ** (در مختار)(۲)

مسجد کی رقم دوسرے مصارف میں خرچ کرنے کا حکم

(سوال) مدارس پریذیڈنسی میں مسجد کے اہل جماعت اپنی اپنی تجارت کا ہوں میں فی ہزار روپیہ چار آنے کر ذات سے مسجد کی خیرات کے نام سے ایک مد تخمیناً تیس سال سے جاری کئے اور بالاتفاق اس مد سے مسجد کے امام و مؤذن و چراغ و حصیر و پانی و مرمت وغیرہ کے خرچ بھی ادا کرتے رہے اور اسی سے مسافرین و غرباء کی امداد ہمیشہ سے دیتے اور خالص دینی مدرسہ اور اہل اسلام کے دینی اور دنیوی تعلیم کو انجمن کو ماہانہ چندہ دیتے ہوتے تھے۔ اور علاوہ بریں مجروحین بلقان کی امداد کیلئے بھی اور دیگر ضروریات ورفاہ اہل اسلام پر موقع بموقع کچھ عطایا بھی اسی سے دیتے ہوئے آئے۔ اب دو سال سے وہ جماعت اپنے قواعد و قوانین رجسٹری کرا کر مذکور کار وبار چلا رہی تھی۔ جس میں یہ امر صاف رجسٹری شدہ ہے کہ اہل اسلام کے مذہب کی ترقی اس مد سے کی جائے۔ اب چند روز سے مذکور اہل جماعت کے بعض عمائدین میں یہ خدشہ پیدا ہوا ہے کہ مذکورہ مد سوائے مسجد کے اخراجات کے دوسرے امور پر خرچ کرنا مسجد کے نام پر وقف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ اور بعض دیگر عمائدین جماعت کہتے ہیں کہ مد مذکور وقف کی کسی قسم میں داخل نہیں ہو سکتی۔ نام سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس مد کو وقف، نہیں کہہ سکتے۔ معطیوں کی نیت اگر سب امور متبرعہ حسنہ میں خرچ کرنے کی ہو تو اب بھی ہر جگہ صرف کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ مد اور اس کی آمد روز مرہ جدید ہے اور یہ مد شئی منقول و غیر مستقل و غیر مستقل کی بحث میں آکر انتقالی وقف بھی ہو نہیں سکتی۔ اور اس میں دہندگان کی نیت کا اعتبار ہے پس اس میں فریق اول صواب پر ہیں یا فریق ثانی ؟

(جواب ۲۳۰) یہ صورت وقف کی نہیں ہے۔ دینے والوں کا ایک تبرع ہے جو وقف سے جداگانہ حیثیت رکھتا

(۱) (الهندية، كتاب الوقف، الباب الثالث لفصل ثانی ۲ / ۳۹۵ ط ماجدية)
(۲) (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب ياثم بتولية الخائن ، ٤ / ۳۸۰ ط سعيد)

ہے اور دینے والوں کی نیت کا اعتبار ہے۔اور جب کہ ان کی نیت اسلام کو ترقی دینے والے کاموں میں خرچ کرنے کی ہے جیسا کہ انہوں نے قوانین و قواعد کی رجسٹری میں لکھایا ہے اور جیسے کہ پہلے سے اس پر عمل در آمد ہو رہا ہے تو اب بھی انہیں جائز ہے کہ وہ اسلام کی ترقی کے اسباب پر اس رقم کا کوئی حصہ خرچ کریں۔ صرف مسجد کے ساتھ اس رقم کا اختصاص نہیں ہے۔وہ مسجد پر وقف ہے۔ واللہ اعلم

مسجد کے لئے چندہ کرنے کی ایک صورت

(سوال) یہاں ایک قدیمی مسجد ہے جو کہ عام مسلمانوں کے چندے سے بنائی گئی ہے۔ مسجد کے تعمیر ہونے کے بعد ایک شخص بطور متولی مسجد کا کاروبار چلاتے اور ضروری انتظام کیا کرتے تھے۔ متولی مذکور نے اپنے ذاتی مال سے یا کسی دوسرے شخص کے مال سے جو ان کے پاس ہو مسجد کا انتظام بہت عرصہ تک کیا۔ اس کے بعد تقریباً ایک سال سے اہل جماعت نے مسجد کے ضروری خرچ کے کرنے کے لئے یہ کیا کہ اہل جماعت تجارت پیشہ جس قدر مال فروخت کریں اس پر فی صدی چار آنے مال لینے والوں سے مسجد کے لئے لئے جائیں۔ اور چار آنے فی صدی مال بیچنے والے اپنی طرف سے دیں۔اس طرح گویا آٹھ آنے فی صدی حق مسجد اہل جماعت ادا کریں۔اس قرار داد پر سب کا اتفاق ہوا۔اور سب لوگوں نے اس تحریری قرار داد پر دستخط کئے۔دو تین مہینے یہ انتظام برابر چلتا رہا۔ اور فیصدی آٹھ آنے ہر ایک سے وصول ہوتا رہا۔ چند روز کے بعد اہل جماعت کی رائیں آپس میں مختلف ہو گئیں کہ اس قسم کے انتظام سے ہر ایک شخص کی مالی حالت اور تجارت کے راز اور لین دین کی پوری کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے۔اس واسطے موجودہ قرار داد مناسب نہیں ہے۔ بجائے اس کے ایسا کرنا چاہئے کہ اہل جماعت آپس میں اتفاق کر کے ایک عام چندہ مسجد کے ضروری خرچ چلانے کے لئے اور دوسرے کاموں کے لئے کریں ۔اس رقم سے ضروری خرچ چلانے کے علاوہ ہمیشہ کی آمدنی کی بھی کوئی صورت کرلی جائے۔لہذا پہلی قرار داد کو بالکل باطل ٹھہرا کر اہل جماعت میں سے ہر ایک سے ایک غیر معین رقم ایک دفعہ بطور چندہ کے وصول کی جائے اور اس سے کوئی ہمیشہ کی آمدنی کی شکل کرلی جائے۔ اس دوسری تجویز پر اہل جماعت کا اتفاق نہیں ہوا اور پہلا انتظام بھی ٹوٹ گیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد دوسری تجویز بتانے والوں نے پہلی قرار داد کے موافق فیصدی آٹھ آنے کے حساب سے کچھ رقم جمع کر کے مسجد کے متولی کو دینا چاہا۔اس وقت متولی نے اس رقم کے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تمہارا روپیہ مسجد میں نہیں لیا جائے گا۔اب یہ روپیہ ان لوگوں کے پاس جمع ہے وہ کہتے ہیں کہ اس مسجد میں خرچ کرنے کی نیت سے یہ روپیہ ہم لوگوں نے الگ کر رکھا ہے۔ لیکن متولیوں کو مسجد میں لینے سے ہر طرح انکار ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ لوگوں نے جو پہلا انتظام کیا تھا وہ از روئے شرع ٹھیک ہے یا دوسرا انتظام ٹھیک ہے۔ پہلے انتظام کے بموجب کیا ہر تاجر اپنے خریدار سے فیصدی چار آنے لے سکتا ہے یا نہیں ؟اور قرار داد سے پھر جانے کا گناہ ہوا یا نہیں ؟اور اگر دوسرا انتظام ٹھیک ہے تو وہ لوگ جو اس دوسرے انتظام کو چاہتے ہیں انہوں نے پہلی قرار داد کے موافق جو روپیہ اسی مسجد کے خرچ کے لئے الگ کر رکھا ہے جس کو متولی لینے سے انکار کرتے ہیں۔یہ روپیہ کہاں خرچ کیا جائے جو متولی مسجد کے لئے یہ روپیہ نہیں لیتے ان کو اس نہ لینے سے کوئی گناہ ہو گا یا نہیں ؟اگر اس مسجد میں یہ روپیہ خرچ نہ کیا جائے بلکہ کسی اور مسجد یا کسی کار خیر مثل مدارس وغیرہ کے

خرچ کیا جائے تو از روئے شرع شریف جائز ہوگا یا نہیں؟

(جواب ۲۳۱) ان الحکم الا للہ۔اہل مسجد مسجد کے مصارف کے لئے جو چندہ جمع کریں ان کا تبرع ہے اور جس انداز سے جمع کرنے پر باہم قرارداد کریں انہیں اختیار ہے بشرطیکہ وہ قرارداد اصول شرعیہ سے مصادم نہ ہو۔اور کسی پر جبر نہ ہو۔ پہلی قرارداد مذکورہ سوال میں چار آنے فی صدی خریداروں سے مسجد کے لئے لینا خلاف شرع ہے اور شرط فاسد موجب فساد بیع ہے اور چار آنے فیصدی اپنے پاس سے دینا جائز ہے۔اور پہلی قرارداد سے انحراف کرنا اگر اس وجہ سے ہو کہ اس کی وجہ سے ایک محذور شرعی کا ارتکاب لازم آتا ہے تو اس انحراف کا کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر اس سے بچنے کی یہ صورت ہو سکتی تھی کہ آٹھ آنے فی صدی اپنے پاس سے ہی دیتے۔اور خریدار سے ہی اگر چار آنے وصول کرنے تھے تو ان چار آنے کو ثمن میں داخل کر کے بیع کیا کرتے۔ مثلاً سو روپے کی چیز بیع کرتے وقت بجائے اس طور پر عقد کرنے کے کہ سو روپے اس چیز کی قیمت دو اور چار آنے مسجد کے لئے علیحدہ دینے ہوں گے اس طرح بیع کرتے کہ ایک سو روپے چار آنے اس چیز کی قیمت ہے تو پھر کوئی خرابی نہیں رہتی۔ لیکن پہلی قرارداد کو اپنی تجارتی مصلحت سے توڑنا بھی کوئی گناہ نہیں سوائے اس کے کہ ایک عہد اور وعدہ کا خلاف ہے۔ تو جب کہ وہ مسجد کو اسی قدر یا اس سے زیادہ فائدہ مجموعی چندہ سے پہنچانا چاہتے ہیں تو اس میں چنداں خلاف وعدگی کا بھی مضائقہ نہیں دوسرا انتظام بے تردد جائز ہے۔ پہلے انتظام کے بموجب جو چندہ جمع کر رکھا ہے وہ ابھی تک مسجد کی ملک نہیں ہوا ہے۔مالکوں کو اختیار ہے کہ جس کار خیر میں چاہیں صرف کر دیں خواہ کسی دوسری مسجد میں یا کسی دینی مدرسہ میں یا کسی دوسرے نیک مقصد میں لگا دیں متولیوں کا مسجد کے لئے روپیہ نہ لینا موجب مواخذہ ہے ۔ **رجل اعطى درهما في عمارة المسجد او نفقة المسجد اومصالح المسجد صح لا نه وان كان لا يمكن تصحيحه تمليكا بالهبة للمسجد فاثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح فيتم بالقبض . كذافي الواقعات الحساميه . ولو قال وهبت داری للمسجد او اعطيتها له صح ويكون تمليكا . فيشترط التسليم كما لو قال وقفت هذه المائة للمسجد يصح بطريق التمليك اذا سلمه للقيم كذافي فتاوىٰ العتابيه ولو قال هذه الشجرة للمسجد لا تصير للمسجد حتى تسلم الى قيم المسجد كذافي المحيط (عالمگیری)** (۱) ان تمام روایات سے ظاہر ہے کہ وہ رقم اب تک مالکوں کی ملک میں داخل ہے مسجد کی ملک نہیں ہوئی۔ انہیں اختیار ہے جس کار خیر میں چاہیں صرف کریں۔

مدرسہ کے چندہ کو واپس لینے یا خاص مد پر خرچ کرنے کا حکم

(سوال) ایک انجمن اسلامیہ نے زنانہ مدرسہ کی تعمیر کے لئے چندہ جمع کیا اور اس سے کچھ سامان خرید اگیا۔ لیکن انجمن مدرسہ تعمیر نہیں کر سکی اور نہ آئندہ اس کی تعمیر کی کوئی امید ہے۔ایسے سامان کے متعلق دریافت ہے کہ

(۱) (الفتاوىٰ العالمگيرة ، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الثاني ۲/ ٤٦٠ ط. ماجدية ، كوئته)

اس کو انجمن فروخت کر کے کسی دوسرے اسلامی مدرسہ کی مد تعلیم میں خرچ کر سکتی ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں کر سکتی تو انجمن اس سامان کو کیا کرے۔ ایسی صورت میں کیا جائز ہے کہ اہل چندہ اپنا چندہ واپس لے کر اپنے ذاتی مصرف میں لائیں یا کسی دیگر نیک کام میں صرف کریں۔ یعنی بصورت عدم تعمیر مدرسہ کیا اہل چندہ کو حق واپسی چندہ ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۳۲) جو چندہ کہ لوگوں نے زنانہ مدرسہ کی تعمیر کے لئے دیا ہے وہ ابھی تک مالکوں کی ملک میں داخل ہے۔ انجمن کے کارکن ان کے وکیل ہیں۔ اگر زنانہ مدرسہ کی تعمیر کسی وجہ سے ملتوی ہو گئی تو چندہ اہل چندہ کو واپس دیا جائے یا ان کی اجازت سے کسی دوسرے کام میں صرف کیا جائے۔(۱)

صدقہ کے جانور کو فروخت کر کے اس کی رقم مدرسہ پر لگانے کا حکم

(سوال) مدرسہ اسلامیہ اور یتیم خانوں میں اکثر مسلمان لوگ بکرا یا بھیڑ بطور صدقہ طلبہ کے لئے دیتے ہیں۔ بعض وقت مدرسہ میں اس قدر گوشت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بجائے اس جانور کے ذبح کرنے کے مہتمم مدرسہ یہ چاہے کہ اس کو میں کسی قصاب سے فروخت کر دوں اور اس کی قیمت طلبہ کی روزانہ کی خوراک میں صرف کر دوں یہ اس مہتمم کے لئے جائز ہے یا نہیں ؟ اور صدقہ کا جانور جو مدرسہ میں آئے اس کا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۲۳۳) اگر دینے والوں کی طرف سے صراحتہ یا دلالتہ اس کی اجازت ہو تو جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن اگر ان کی طرف سے اس امر کی اجازت نہ ہو تو مہتمم مدرسہ جانور کو فروخت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ دینے والے کا وکیل ہے اور وکیل کو تصرف کا اختیار اسی صورت سے ہوتا ہے جس طرح مؤکل معین کر دے۔ اور ممکن ہے کہ دینے والے نے جو جانور بھیجا ہے وہ نذر کا ہو یا کسی اور وجہ سے اس کا مقصود تقرب بالاراقتہ ہو۔ محض گوشت تقسیم کرنا منظور نہ ہو۔ ورنہ ممکن تھا کہ بجائے جانور بھیجنے کے وہ گوشت خرید کر بھیج دیتا اور ایسی حالت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مہتمم کا یہ تصرف خلاف الی الخیر ہے۔ کیونکہ تقرب بالاراقتہ اور چیز ہے اور طلبہ کو ان کی حاجت کے اوقات میں کھلا دینا اور چیز ہے۔ الحاصل جب تک جانور دینے والوں کی صراحتہ یا دلالتہ اجازت نہ ہو مہتمم کو ایسا کرنا جائز نہیں۔(۲)

کیا مظلوموں کیلئے جمع کئے چندہ کو مدرسہ یا مسجد پر خرچ کر سکتے ہیں؟

(سوال) اہل اسلام نے چندہ اس غرض سے جمع کیا تھا کہ مظلومان آرہ پر تقسیم کیا جائے۔ اب ان لوگوں کی تقسیم کے بعد کچھ روپیہ باقی ہے اس کا کیا کیا جائے۔ آیا مسجد یا تعمیر مدرسہ یا تعلیم دینی میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں اب وہ روپیہ کس کام میں لائیں ؟

---

(۱) سئل عن وقف انهدم ولم يكن له شئى يعمر منه ، ولا امكن اجارته ولا تعميره ، هل تباع انقاضه من حجر وطوب وخشب ؟ اجاب . اذا كان الامر كذلك صح بيعه بامر الحاكم ، ويشترى بثمنه وقف مكانه ، فاذالم يمكن رده الى ورثة الواقف ان وجدوا ولا يصرف للفقراء . (رد المحتار، كتاب الوقف ، مطلب في الوقف اذا خرب ولم يمكن عمارته، ج : ٤ ص ٣٧٦، سعيد)
(۲) اذا شرط الواقف ان لا يواجر اكثر من سنة　فليس للقيم ان يواجرها اكثر من سنة ، (رد المحتار ، كتاب الوقف ٤ / ٤٠٠ سعيد)

(جواب ۲۳۴) یہ لوگ جن کے پاس چندہ جمع ہے چندہ دینے والوں کے وکیل ہیں اور دینے والوں نے انہیں یہ چندہ مظلومین آرہ پر خرچ کرنے کے لئے دیا ہے اس لئے انہیں لازم ہے کہ انہیں مظلوموں پر خرچ کریں ورنہ باوجود اس کے کہ مظلومین بہار کو اس روپے کی حاجت ہو دوسرے موقع پر خرچ کرنے سے یہ ضامن ہوں گے ۔(۱) البتہ اگر چندہ دینے والے دوسری جگہ خرچ کرنے کی اجازت دے دیں یا مظلومین بہار کو احتیاج اعانت نہ رہی ہو تو پھر یہ لوگ اس روپے کو دوسری جگہ کے مساکین یا طلبہ پر خرچ کر سکتے ہیں۔ لیکن تعمیر مسجد و مدرسہ پر خرچ کرنا کسی طرح جائز نہیں (۲) ۔(۳)

بدکاری کی اجرت سے زمین وقف کرنا

(سوال) ایک عورت بد افعال بازاری تھی اس نے کچھ زمین خرید کر مسجد کے اخراجات کے لئے وقف کر دی۔ عرصہ بارہ سال کا ہوا۔ اس عرصہ میں مسجد کا خرچ اسی کے ذریعہ سے پورا ہوتا رہا۔ اب اس کے وارث کہتے ہیں کہ یہ زمین چونکہ اسی پیسہ سے متوفیہ نے خریدی تھی جو کہ زنا کے پیشہ سے اس نے پیدا کیا تھا اور متوفیہ کی کوئی آمدنی سوائے اس کے نہ تھی۔ اب یہ زمین آیا مسجد کے صرف کے لئے جائز ہے ؟

(جواب ۲۳۵) جو زمین کہ متوفیہ نے خرید کر مسجد کے لئے وقف کی ہے ظاہر ہے کہ خود وہ زمین زنا کے بدلے میں اس نے حاصل نہیں کی ہے بلکہ خرید کر اس کی مالک بنی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ زمین کی خرید میں بوقت عقد کسی مخصوص مشار الیہ روپے کی طرف اشارہ نہیں ہوتا۔ نیز دراہم و دنانیر عقد بیع میں غیر متعین ہوتے ہیں پس بیع سے متوفیہ اس زمین کی مالک تو ہو گئی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر بوقت عقد خاص حرام روپے کی طرف اشارہ کیا ہو کہ ان روپوں سے خریدتی ہوں یا اس کی نیت میں یہ بات ہو کہ حرام روپے سے قیمت ادا کروں گی تو ملک میں خبث آگیا اور اگرچہ متوفیہ کی اور کوئی حلال کمائی ظاہر اور معلوم نہ ہو تاہم ممکن ہے کہ اس نے زمین کی قیمت ادا کرنے کے لئے کسی سے روپیہ قرض لے لیا ہو جیسا کہ اکثر حرام کمائی والے نیک کاموں میں خرچ کرنے کے وقت کرتے ہیں اور قرض سے حاصل کیا ہوا روپیہ زمین کی قیمت میں دے دیا ہو۔ پس ان صورتوں میں حکم یہ ہے کہ اس زمین کے وقف کی صحت کا قضاءً حکم دیا جائے گا اور حکماً کوئی اس وقف کو باطل نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ دیانۃً چونکہ ظاہر یہی ہے کہ حرام کمائی کے ذریعہ سے وہ زمین حاصل کی گئی ہے اور اس میں بھی ایک قسم کا خبث ہے اور خبیث چیز کو طاعات و عبادات کی جگہ صرف کرنا مذموم ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ وہ روپیہ مسجد میں نہ لگایا جائے۔ لیکن اگر مسجد کی کوئی اور آمدنی نہ ہو صرف اسی روپے سے اس کی ضروریات پوری

---

(۱) مسجد له مستغلات واوقاف ارادالمتولی ان یشتری من غلة الوقف للمسجد دهنا اوحصیرا او حشیشا ... ان وسع الواقف ذالك للقیم و ... ان لم یوسع ولكنه وقف لبناء المسجد وعمارة المسجد لیس للقیم ان یشتری ما ذكرنا . (الهندیة ، كتاب الوقف ، الباب الحادی عشر ، الفصل الثانی ۲/ ٤٦١ ط . ماجدیة) (قلت علم بهذا ان الوكیل لا یجوز له الخلاف فیما امره الموكل)

(۲) ولو ان قوما بنوا مسجدا وفضل من خشبهم شئی قالوا یصرف الفاضل فی بنائه ولا یصرف الی الدهن والحصیر ، هذا اذا سلموه الی المتولی لیبنی به المسجد ولا یكون الفاضل لهم یصنعون به ما شاؤا (الهندیه، كتاب الوقف، الباب الحادی عشر ، ۲/ ٤٦٤ ط . ماجدیة)

(۳) ولو استثنی فقال لا توجر اكثر من سنة الا اذا كان انفع للفقراء ، فللقیم ذلك اذا رآه خیرا بلا اذن القاضی . (رد المحتار ، كتاب الوقف ٤٠٠/٤ ط . سعید)

ہوتی ہوں تو اس کے خرچ کرنے کی گنجائش نکلتی ہے اگرچہ مکروہ ہے۔ قال تاج الشریعة اما لو انفق فی ذلك مالا خبیثا اومالا سببه الخبیث والطیب فیکره لان الله تعالیٰ لا یقبل الا الطیب فیکره تلویث بیته بما لا یقبله اھ شرنبلالیه (ردالمحتار)

مسجد کی ضرورت سے زائد آمدنی کو دوسری مساجد پر خرچ کرنا

(سوال) کسی مسجد میں آمدنی اس قدر زیادہ ہو کہ اس کی حاجت مسجد مذکور میں کبھی نہیں ہوگی بلکہ حاجت سے از حد زیادہ ہے اور دوسری مسجدیں بہت تنگ حالت میں ہوں اس قدر کہ اگر ان مسجدوں میں خرچ نہ کیا جائے اور مرمت نہ ہو تو یہ مسجدیں بالکل تلف ہو جائیں اور مسجد اول الذکر تونگر کا روپیہ ان مسجدوں میں نہ لیں تو وہ حادثے درپیش ہوتے ہوں کہ ظلماً وہ مال غیر عبادت اور غیر نیک کام میں ضائع ہو جائے۔ لہذا صورت مذکورہ میں تونگر مسجد کا روپیہ دوسری حاجت مند اور مفلس مسجدوں میں خرچ کرنا درست اور نیک ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۱۷ء

(جواب ۲۳۶) حنفیہ کا اصل مذہب تو یہی ہے کہ ایک وقف کا مال دوسرے میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور یہ حکم تمام متون و شروح و فتاویٰ میں موجود ہے۔ لیکن فقہاء کی بعض تصریحات اور فتاویٰ کی بعض جزئیات سے اتنی گنجائش نکلتی ہے کہ اگر کوئی وقف زمین یا مکان یا مسجد ویران ہو جائے اور اس کی حاجت بھی نہ رہے تو اس کے مال و اسباب کو کسی دوسری محتاج مسجد میں نقل کیا جا سکتا ہے۔قال فی رد المحتار بعد مانقل عن شمس الائمة الحلوانی وغیرہ جو از نقل اوقاف المسجد اذا خرب المسجد ووقع الاستغناء عنه الی مسجد اخر مانصه والذی ینبغی متا بعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلا فرق بین مسجد اوحوض کما افتی به الا مام ابو شجاع والا مام الحلوانی وکفی بهما قدوة ولا سیما فی زما ننا فان المسجد او غیره من رباط اوحوض اذا لم ینقل یا خذ انقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد وکذالك اوقافه ، یا کلها النظار او غیرهم ویلزم من عدم النقل خراب المسجد الأخر المحتاج الی النقل الخ .انتهیٰ (ردالمحتار)(۱) اور صورت مسئولہ میں اگرچہ یہ صورت نہیں ہے کہ مسجد موقوف علیہ ویران ہو گئی اور اس کی حاجت نہ رہی۔ لیکن اس کا غنی ہونا اور جمع شدہ مال کی طرف محتاج نہ ہونا اور جمع شدہ مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہونا۔ یہ سب امور ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے جواز نقل کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔قلت ومما یستانس به لجواز النقل فی هذه الصورة مافی الدر المختار لا باس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لو بما له لا من مال الوقف فانه حرام وضمن متولیه لو فعل النقش اوالبیاض الا اذا خیف طمع الظلمة فلا بأس به کافی انتهی مختصراً ۔ (۲) وفی رد المحتار قوله الا اذا خیف ای بان اجتمعت عنده، اموال المسجد وهو مستغن عن العمارة والا فیضمنها کما فی القهستانی عن النهایة انتهیٰ ۔(۳) پس جب کہ مسجد موقوف علیہ کا مال اس قدر جمع ہو جائے کہ مسجد کو نہ فی الحال اس کی

(۱) رد المحتار کتاب الوقف ، مطلب فی نقل انقاض المسجد، ٤/ ۳٦٠ ط . سعید
(۲) الدر المختار کتاب الصلاة ، مطلب کلمة لا باس دلیل علی ان المستحب غیره لان الباس الشدة ۱/ ٦٥٨ ط . سعید
(۳) رد المحتار ، کتاب الصلاة مطلب کلمة لا باس دلیل علی ان المستحب غیره ۱/ ٦٥٨ ط . سعید

ضرورت ہو اور نہ آئندہ ضرورت پڑنے کا اندیشہ ہو اور جمع رہنے میں مال کے تلف ہو جانے کا ظن غالب خوف ہو اور دوسری مسجد کو تعمیر کی حاجت ہو کہ بغیر تعمیر اس کی ویرانی کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں مسجد اول الذکر کا مال اقرب المساجد المحتاجة الی العمارة میں لگادینا جائز ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرس مدرسہ امینیہ شہری مسجد دہلی (مہر دارالافتاء مدرسہ امینیہ عربیہ اسلامیہ (دہلی) الجواب صواب۔ بندہ محمد امین عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ الجواب صحیح بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ محمد عبدالغفور دہلوی۔ محمد قاسم عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ۔ انظار حسین عفی عنہ مدرسہ امینیہ۔ احمد سعید عفا اللہ عنہ۔

مسجد کی زائد از ضرورت آمدنی کو دوسری مسجد یا مدرسہ پر خرچ کرنے کا حکم

(سوال) اس طرف بعض مساجد کے اوقاف کی آمدنی اس قدر زیادہ ہے کہ مسجد میں کبھی خرچ نہیں ہوتی۔ مثلاً مسجد کا خرچ سو ۱۰۰ روپے ماہوار ہے اور آمدنی ہزار روپے ماہوار ہے۔ اس بچت سے ہزاروں لاکھوں روپیہ جمع ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات اس جمع شدہ روپے سے اور جائیداد خرید لی جاتی ہے حالانکہ اس جمع شدہ روپے اور خرید کردہ جائیداد کی مسجد کو نہ فی الحال حاجت ہے اور نہ بظن غالب فی المآل۔ اور اکثر اوقات متولی یا اور اشخاص اس جمع شدہ مال کو کھا اڑا جاتے ہیں اور بجائے کسی دینی یا رفاہ عام کے کام میں خرچ ہونے کے ان کی ناجائز خواہشات میں یہ مال خرچ ہو جاتا ہے۔ پس ان اموال کے متعلق سوالات ذیل جواب طلب ہیں۔
(۱) کیا یہ اموال زائدہ از حاجت کسی دوسری مسجد محتاج میں خرچ ہو سکتے ہیں؟
(۲) کیا یہ اموال فاضلہ کسی ایسے دینی مدرسہ میں جس میں علوم مذہبیہ قرآن مجید، تفسیر، حدیث فقہ وغیرہ کا درس ہوتا ہے صرف کئے جا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۲۳۷) ان الحکم الا للہ . رعایة شرط الواقف ضروریة حتیٰ قال الفقهاء شرط الواقف کنص الشارع کما فی الا شباہ والدر المختار (۱) وغیرھما وفرعوا علی ھذا الا صل فروعاً کثیرة مھمة . ثم الشرط قدیثبت صراحة کما ان الواقف وقف شیئاً علی مسجد مثلا ونص علی انه لا یصرف فی غیرہ وقد یثبت دلالة بحکم العرف کما انه سمی فی الوقف المسجد المعین ولم ینص علی انه ھل یصرف فی غیرہ ام لا . وھذا حکم ظاھر علی من له نظر فی کتب الفقه.ثم رأینا ھم اختلفوا فی فاضل الوقف انه ھل یصرف الی موضع اخر

(جواب) ان الحکم الا للہ۔ شرط واقف کی رعایت ضروری ہے۔ یہاں تک کہ فقہا نے فرمایا ہے۔ "شرط واقف مثل نص شارع کے ہے۔" اسی طرح اشباہ اور در مختار وغیرہ میں مذکور ہے اور اسی قاعدہ پر فقہا نے بہت سے احکام جزئیہ مہمہ متفرع کئے ہیں۔ پھر شرط کبھی تو صراحۃً ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً واقف نے ایک شئی کسی مسجد معین پر وقف کر کے تصریح کر دی کہ دوسری چیز پر صرف نہ کی جائے۔ اور کبھی شرط کا ثبوت دلالۃً بحکم

(۱) (الدر المختار ، کتاب الوقف، مطلب فی قولھم شرط الواقف کنص الشارع ، ۴/ ۴۳۳ ط . سعید)

عرف ہوتا ہے جیسے واقف نے کسی مسجد معین پر جائیداد وقف کردی اور یہ تصریح نہ کی کہ کسی دوسری چیز میں صرف کی جائے یا نہ کی جائے۔ اور یہ حکم ماہرین فقہ پر ظاہر ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اوقاف کی زائد از حاجت آمدنی کے بارے میں کہ آیا وہ فاضل آمدنی کسی دوسرے مصرف میں خرچ ہو سکتی ہے یا نہیں فقہا کا اختلاف ہے۔

ام لا فمنهم من منع مطلقا ومنهم من اجاز لكن بشرط اتحاد الواقف والجهة ومنهم من قال بالجواز بحسب مايراه الا مام من المصلحة . فهؤلآء ثلث فرق اختلفوا على ثلثة اقوال۔

فالفرقة الاولى اخذت بالقاعدة المذكورة وعضت عليها بالنواجذ فلم تجوز خلافها والفرقة الثانية ارخت العنان لكن مراعية للجهتين اى رعاية القاعدة المارة وصيانة الفاضل عن الضياع . والفرقة الثالثة اطلقت الا مر فللامام وراعت غرض الواقفين اذلا شك ان غرض الواقفين انه تصرف اوقافهم في امور الخير وفي سبيل الله ولا تترك سدىً فتضيع ويا كلها المتغلبون۔

وما ذهبت اليه الفرقتان الاولى والثانية لا خفاء في انه امرجلي و مذهب قوى بحسب الروايات الفقهية ماحدهما اقوى من الأخر. فمن ادلة المانعين مطلقامافي الا شباه حيث قال صرح في البزازية وتبعه في الدرر وا لغرربانه لا يصرف فاضل ہے۔ بعض فقہاء تو مطلقاً منع کرتے ہیں اور بعض اس شرط سے اجازت دیتے ہیں کہ دونوں وقفوں کا واقف اور جہت وقف متحد ہو تو ایک کی فاضل آمدنی دوسرے پر خرچ ہو سکتی ہے۔ اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ امام جیسی مصلحت دیکھے اس کے موافق خرچ کر سکتا ہے تو فقہا کے یہ تین گروہ اور ان کے یہ تین قول ہو گئے۔ فرقہ اولیٰ نے تو قاعدہ مذکورہ بالا کو لیا اور اس پر نہایت سختی سے عمل کیا اور اس کے خلاف کی اجازت نہ دی اور فرقہ ثانیہ نے ذرا نرمی برتی لیکن دونوں جانب کی رعایت مد نظر رکھی یعنی قاعدہ مذکورہ کا بھی لحاظ کیا۔ اور محاصل اوقاف کو ضائع ہونے سے بھی محفوظ رکھنے کا خیال کیا اور فرقہ ثالثہ نے امام اور حاکم اسلام کو مختار بنا دیا کہ وہ غرض واقفین کو ملحوظ رکھتے ہوئے جہاں مناسب سمجھے خرچ کرے۔ کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وقف کرنے والوں کی غرض یہی ہوتی ہے کہ ان کے اوقاف امور خیر اور خدا کی راہ میں خرچ ہوں اور متغلبین کے کھانے کے لئے یا ضائع ہونے کے لئے نہ چھوڑ دیئے جائیں۔ فرقہ اولی اور فرقہ ثانیہ کے قول تو نہایت صاف اور ظاہر ہیں اور روایات فقہیہ کے لحاظ سے نہایت قوی و مستحکم۔ اور پھر ایک قول دوسرے سے اقویٰ ہے۔ مانعین کی دلیلوں میں سے اشباہ کی یہ عبارت ہے کہ "بزازیہ میں تصریح ہے اور درر و غرر میں بھی اس کا اتباع کیا ہے کہ ایک وقف کی فاضل۔ وقف لوقف اخر. اتحد واقفها او اختلف . انتهى(۱)

ومن ادلة المجوزين بشرط اتحاد الواقف والجهة مافي الدرالمختار حيث قالى اتحد الواقف والجهة. و قل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف احدهما جاز للحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الاٰخر عليه لا نهما حينئذ كشئى واحد انتهىٰ۔(۲)

(۱)(الدر المختار ، كتاب الوقف، مطلب في نقل انقاض المسجد و نحوه ٤/ ٣٦٠ط . سعيد)
(۲) تنوير الابصار مع الدر المختار كتاب الوقف ، ج : ٤ / ٣٦٠

ومن ادلة المجوزين مطلقا ای اتحد الواقف والجهة اوا ختلفا للامام بحسب مایراه من المصلحة مافی حاشیة الحموی علی الا شباه حیث قال ویعارضه مافی فتاوی الا مام قاضی خان من الناظر له صرف فائض الوقف الی جهات بربحسب مایراه انتهی.

وتبین بهذا ان المسئلة خلافیة اختلف فیها الفقهاء لکنا اذاامعنا النظر عنّ لنا وجه یجمع هذه الا قوال وهو ان المانعین لعلهم یمنعون اذا احتاج الموقوف علیه الی العمارة وغیرها کما یشیر الیه مافی الحاشیة الحمویة حیث قال

آمدنی دوسرے میں خرچ نہ کی جائے خواہ دونوں کا واقف ایک ہو یا مختلف۔ انتہی۔ اور جو لوگ کہ اتحاد واقف وجہت وقف کی صورت میں اجازت دیتے ہیں منجملہ ان کی دلیلوں کے در مختار کی یہ عبادت ہے۔ "واقف اور جہت وقف متحد ہو اور ایک وقف کی آمدنی کم ہو جانے سے اس کے موقوف علیهم کا وظیفہ کم ہو جائے تو حاکم کو جائز ہے کہ دوسرے وقف کی بچی ہوئی آمدنی سے خرچ کر دے۔ کیونکہ اس صورت میں دونوں وقف شئی واحد کا حکم رکھتے ہیں۔ انتھی۔

اور جو لوگ کہ امام کو مطلقاً اجازت دیتے ہیں ان کی دلیلوں میں سے حاشیہ حموی علی الا شباہ کی یہ عبارت ہے "اور اس حکم منع کا معارض وہ حکم ہے جو فتاویٰ قاضی خاں میں ہے وہ یہ کہ ناظر کو جائز ہے کہ وقف کی فاضل آمدنی کی جہات خیر میں جس طرح مناسب سمجھے خرچ کر دے۔" انتھیٰ

اس تمام بیان سے ظاہر ہو گیا کہ مسئلہ اختلافی ہے۔ لیکن جب ہم نے اس پر اچھی طرح غور کیا تو ان اقوال مختلفہ کو جمع کرنے کی ایک صورت ہماری سمجھ میں آگئی۔ وہ یہ کہ مانعین غالباً اس صورت میں منع کرتے ہیں کہ مسجد موقوف علیہ تعمیر کی محتاج ہو (خواہ فی الحال یا فی المآل) جیسا کہ حاشیہ حموی میں اس کی طرف اشارہ دیا یا جاتا ہے۔ حاشیہ مذکورہ کی عبارت یہ ہے کہ "اور بعضوں نے کہا کہ تاتارخانیہ میں یہ مذکور ہے کہ قاضی

وقال بعضهم الذی فیها (ای فی التاتارخانیة) لا یصرف القاضی الفاضل من وقف المسجد اه۔

ثم قال والظاهر ان ذلك لجواز احتیاج المسجد الی عمارة کثیرة فینبغی ان یعتدلها ما صرف الیها بشراء مستغل وینبغی ان یکون اوقاف المدارس والرباط فی حکمه بخلاف مالیس من هذا القبیل . انتهی

قلت. فانظر کیف علل حکم المنع باستظهار ان ذلك لجواز احتیاج المسجد ثم قوله ینبغی یشیر الی ان لا عداد امر مستحسن لا واجب . وذلك لا ن الحاجة وان کانت .ممکنة الوجودما لأ فانها معدومة حالا والا لم یکن المال فائضابل مشغولاً۔

وان المنجوزین یجوز ون اذا استغنی الموقوف علیه ثم اختلفوا فبعضهم (ای الفرقة الثانیة التی تعتبر اتحاد الواقف والجهة) اجاز لکن مع رعایة شرط الواقف بحسب ما امکن وذلك هو المراد بقولهم انحد الواقف والجهة (الی) لا نهما حینئذ کشئی واحد. وبعضهم

وقف مسجد کی فاضل آمدنی خرچ نہ کرے۔ پھر محشی نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ ممانعت کا حکم اس لئے ہے کہ مسجد

کے محتاج تعمیر ہونے کا امکان ہے اس لئے مناسب ہے کہ عمارت ممکنہ کے لئے اس قدر روپیہ رکھا جائے کہ بوقت ضرورت صرف کیا جاسکے اور مناسب ہے کہ مدارس اور رباط کے وقف بھی اسی حکم میں ہوں۔ بخلاف ان اوقاف کے جو اس قسم کے نہیں۔ انتھی

خاکسار کہتا ہے کہ دیکھئے اس عبارت میں ممانعت کے حکم کو معلل باحتیاج مسجد ہونا بیان کیا ہے۔ پھر محشی کا یہ قول "مناسب ہے" اس امر کی جانب مشیر ہے کہ عمارت ممکنہ کے لئے روپیہ جمع رکھنا امر مستحسن ہے واجب نہیں۔ کیونکہ حاجت اگرچہ مآلاً ممکن الوجود ہے لیکن فی الحال تو معدوم ہے ورنہ وہ مال فاضل نہیں بلکہ مشغول ہوگا۔ اور مجوزین جو اجازت دیتے ہیں وہ اس صورت میں کہ وقف مستغنی ہو۔ پھر ان میں دو فریق ہوگئے۔ ایک فریق نے بصورت استغنا اجازت تو دی لیکن اتحاد واقف و جہت وقف کا لحاظ مد نظر رکھا۔ تاکہ حتی الامکان شرط واقف کی رعایت ہوسکے اور دوسرے فریق نے حفاظت مال وقف کے خیال کو مقدم سمجھا اور غرض واقف کی رعایت کی کہ اس کا مال خدا کی راہ میں خرچ ہو اور فضول برباد نہ ہوجائے۔ اور اس صورت میں بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دینے کی حاجت نہیں کیونکہ ہر فریق کی نظر ایک خاص شرعی امر پر ہے۔

قدمه جهة الصيانة وراعى غرضه الذى هوا لا نفاق فى سبيل الله . وعلى هذالا حاجة الى ترجيح بعض هذه الا قوال على بعض فكل يعمل على شاكلته ولكل وجهة هو موليها فاستبقواالخيرات.

فللمفتى ان يفتى بالجواز فى واقعة السئوال صيانة لا موال الله عن الضياع وانقاذا لها عن ايدى الظلمة المتغلبة الذين يا كلون اموال الله ولا يبالون.

ومع ذلك ان اشتهيت معرفة مايستانس به للقول الثالث فعليك بهذه الروايات الحديثية والفقهية۔

قال السيد الحموى فى حاشية الاشباه بعد مانقل قول المانعين و يعارضه مافى فتاوى الامام قاضى خان من ان الناظر له صرف فائض الوقف الى جهات بحسب مايراه . انتهى

وفى الهندية اصابه البردالشديد فى الطريق فد خل مسجداً فيه خشب الغيرو لولم يوقدنار ايهلك فخشب المسجد فى الا يقاد اولى من غيره . انتهى

قلت . لما جاز صرف مال المسجد لضرورة احياء نفس واحدة فلان

اور ہر ایک کا قبلہ توجہ ایک امر مستحسن ہے تو بھلائی اور خیر کی طرف سبقت کرو۔ پس مفتی کو گنجائش ہے کہ وہ واقعہ سوال میں جواز نقل کا فتویٰ دے تاکہ خدا کے مال ضائع ہونے سے بچیں اور ظالمین متغلبین کے ہاتھ سے محفوظ رہیں جو کہ اوقاف کے مال بیباکی سے ہضم کرجاتے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لیتے۔ پھر اگر تم چاہتے ہو کہ فریق ثالث کے قول کے مؤیدات معلوم کرو تو ان روایات حدیثیہ اور فقہیہ کو بغور ملاحظہ کرو۔

روایات فقہیہ

سید حموی نے حاشیہ اشباہ میں مانعین کا قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس حکم ممانعت کے معارض

وہ حکم ہے جو فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ ناظر وقف کو اختیار ہے کہ وقف کی فاضل آمدنی کو جہات خیر میں جیسے مناسب سمجھے خرچ کرے انتہی اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ کسی کو راستہ میں سخت سردی لگی وہ کسی مسجد میں داخل ہوا۔ مسجد میں کسی شخص کی لکڑیاں رکھی تھیں اس کی حالت یہ تھی کہ اگر آگ نہ سلگائے تو ہلاک ہو جائے تو مسجد کی لکڑیاں سلگانا اولیٰ ہے اس سے کہ کسی غیر شخص کی لکڑیاں جلائے۔ انتہی۔ خاکسار کہتا ہے کہ جب ایک شخص کی جان بچانے کے لئے مسجد کی لکڑیاں سلگانے کی اجازت دے دی گئی تو اگر ایک جماعت مسلمین کی جان بچانے کے لئے اموال مسجد خرچ کئے جائیں تو بدرجہ اولیٰ

يجوز لضرورة احياء نفوس جماعة من المسلمين اولىٰ.

وفى الهندية يجوز ادخال الحبوب واثاث البيت فى المسجد للخوف فى الفتنه العامة كذافى القنيه . انتهىٰ (۱)

قلت . فانظر كيف جاز استعمال المسجد عند الضرورة لغرض لم يبن له .

وفى الدر المختار لا باس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لوبماله لا من مال الوقف فانه حرام وضمن متوليه لو فعل النقش او البياض الا اذا خيف طمع الظلمة فلا باس به كافى انتهى مختصراً.(۲)

وفى رد المحتار قوله الا اذا خيف اى بان اجتمعت عنده اموال المسجد وهو مستغن عن العمارة والا فيضمنها كما فى القهستانى عن النهاية انتهى!

قلت . فانظر كيف اباح صرف الاموال المجتمعة فى وجه محذورحين الا ستغناء عنها وطمع الظلمة فيها.

وفى رد المحتار بعد مانقل عن شمس الائمة الحلوانى وغيره جوا ز نقل اوقاف المسجد اذا خرب المسجد ووقع الا ستغناء عنه الى مسجد اخرو نصه والذى ينبغى

جائز ہوگا۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ عام فتنہ کے وقت جائز ہے کہ مسلمان اپنے گھروں کے سامان لے کر مسجد میں گھس جائیں كذافى القنيه۔ انتهى

خاکسار کہتا ہے کہ دیکھو ضرورت شدیدہ کے وقت مسجد کو ایک ایسے کام کے لئے استعمال کرنا جائز ہو گیا جو غرض مسجد کے خلاف ہے۔ اور درمختار میں ہے کہ ..... ''مسجد میں نقش و نگار سوائے محراب کے اور جانبوں میں بنانے کا مضائقہ نہیں ہے۔ چونے سے یا سونے کے پانی سے۔ بشرطیکہ بنانے والا اپنے مال سے بنائے نہ مال وقف سے کہ یہ حرام ہے ۔ اور اگر متولی مال وقف سے نقش و نگار بنوائے یا سفیدی کرائے تو ضامن

(۱) الدرالمختار ، كتاب الصلاة ، مطلب كلمة لا باس دليل على ان المستحب غيره لان الباس الشدة ، ۶۵۸/۱ ط سعيد)
(۲) ايضاً بحواله بالا

ہو گا ہاں اگر ظالموں کی طمع کا خوف ہو تو مضائقہ نہیں (کافی) انتہی۔ اور رد المحتار شامی میں ہے کہ مصنف کا یہ قول کہ طمع کا خوف ہو الخ یعنی جب کہ متولی کے پاس مسجد کا مال جمع ہو جائے اور مسجد کو تعمیر کی حاجت نہ ہو ورنہ متولی ضامن ہو گا جیسا کہ قہستانی میں نہایہ سے منقول ہے۔ انتہی۔ خاکسار کہتا ہے کہ دیکھو مسجد کے استغنا عن العمارۃ اور مال کے ضائع ہونے کے خوف کی صورت میں ایک ایسے کام میں خرچ کرنے کی اجازت دے دی بصورت عدم خوف بلکہ اس میں خرچ کرنے سے متولی ضامن ہو تا تھا۔ اور رد المحتار شامی میں پہلے شمس الائمہ حلوانی وغیرہ سے نقل کیا کہ جب کوئی مسجد ویران ہو جائے اور اس کی حاجت نہ رہے تو اس کے او قاف دوسری مس

متابعة المشائخ المذكورين في جواز النقل بلا فرق بين مسجد اوحوض كما افتى به الامام ابو شجاع و الامام الحلواني و كفى بهما قدوة و لا سيما في زماننا فان المسجد او غيره من رباط او حوض اذا لم ينقل يا خذ انقاضه اللصوص و المتغلبون كما هو مشاهد و كذالك اوقافه يا كلها النظارا وغير هم ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الأخر المحتاج الى النقل الخ انتهى۔(۱)

وفي الهندية مال موقوف على سبيل الخير وعلى الفقراء بغير اعيانهم . ومال موقوف على المسجد الجامع و اجتمعت من غلتهما ثم نابت الا سلام نائبة مثل حادثة الروم واحتيج الى النفقة في تلك الحادثة اما المال الموقوف على المسجد الجامع ان لم يكن للمسجدحاجة للحال فللقاضي ان يصرف في ذلك لكن على وجه القرض فيكون دينا في مال الفئ . واما المال الموقوف على الفقراء فهذا على ثلثة اوجه . اما ان يصرف الى المحتاجين اوالى الا غنياء من ابناء السبيل اوالى الاغنياء من غير ابناء السبيل۔

مسجد کی جانب منتقل کرنا جائز ہے۔ پھر فرمایا کہ مناسب یہی ہے کہ جواز نقل میں مشائخ مذکورین کا اتباع کیا جائے اور مسجد اور حوض کا فرق نہ کیا جائے جیسا کہ امام حلوانی اور امام ابو شجاع نے فتویٰ دیا ہے اور ان دونوں کی اقتدا کافی ہے بالخصوص اس ہمارے زمانہ میں۔ کیونکہ مسجد یا رباط یا حوض خراب شدہ کا اسباب اگر نقل نہ کیا جائے تو چور اور متغلبین اسے اٹھائے جاتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے اور اس کے او قاف کو خود متولی یا اور اشخاص کھا جاتے ہیں اور اس کا اسباب نقل نہ کرنے سے دوسری محتاج مسجدیں بھی ویران رہ جاتی ہیں الخ انتہی۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ کچھ مال ہے جو سبیل خیر کے لئے اور غیر معین فقراء کے لئے وقف ہے۔ اور کچھ مال مسجد جامع کے لئے وقف ہے اور ان دونوں کی آمدنی جمع ہے۔ پھر اسلام کو کوئی حادثہ پیش آیا جیسے کہ روم کا حادثہ اور اس حادثہ میں خرچ کی حاجت ہوئی تو مسجد جامع کا جو مال ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مسجد کو فی الحال اس کی حاجت نہ ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ اس مال کو اس اسلامی حادثہ میں بہ طور قرض خرچ کرلے اور پھر مال غنیمت میں سے ادا کر دے اور مال موقوف علی الفقراء کی تین صورتیں ہیں کہ یا تو وہ محتاجین میں صرف کیا جائے یا اغنیائے مسافرین میں یا اغنیائے غیر مسافرین میں۔ پہلی اور دوسری صورت میں بغیر لحاظ قرض خرچ کرنا جائز

(۱) رد المحتار ، كتاب الوقف، مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه ٤ / ٣٦٠ ط . سعيد

ہے اور تیسری کی صورت

ففی الوجه الا ول والثانی جازلا علی وجه القرض وفی الوجه الثالث المسئلة علی قسمین اما ان رأی قاض من قضاة المسلمین جوا ز ذلك او لم یر ففی القسم الا ول جاز الصرف لا بطریق القرض وفی القسم الثانی یصرف علی وجه القرض فیکون دینا فی مال الفئی کذا فی الو اقعات الحسامیه انتهی۔(۱)

قلت یستانس بقوله ان لم تکن للمسجد حاجة للحال انه ان لم تکن له حاجة للحال ولا فی المآل جاز الصرف لا علی وجه القرض ایضا وکذا جواز صرف وقف الفقراء الی الا غنیاء یدل علی ماقلنا . وکذا جوازه برؤیةقاض یدل علی ان المسئله مجتهد فیها وکل ذلك عند الضرورة الشدیدة والنوائب العظیمة والله اعلم.

اما الروایات الحدیثیة فمنها ما اخرجه الامام مسلم فی صحیحه عن عائشه رضی الله عنها قالت سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم ویقول لولا ان قومك حدیث عهد بجا هلیة اوقال بکفر لا نفقت کنز الکعبة فی سبیل الله (۲)

میں پھر دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ کوئی قاضی اغنیاء غیر مسافرین میں خرچ کرنا جائز سمجھتا ہو تو اسے بلا لحاظ قرض خرچ کرنا جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ قاضی اسے ناجائز سمجھتا ہو تو بطور قرض خرچ کرے اور مال غنیمت پر دین رہے (واقعات حسامیہ) انتہی۔

خاکسار کہتا ہے کہ اس قول سے کہ مسجد کو فی الحال حاجت نہ ہو یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ اگر مسجد کو فی المآل بھی حاجت نہ ہو تو بلا لحاظ قرض بھی خرچ کرنا جائز ہوگا۔ اسی طرح وقف فقراء کا اغنیاء پر خرچ کر دینا بھی اسی کا مؤید ہے۔ نیز کسی قاضی کے جائز سمجھنے سے خرچ کرنے کی اجازت دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے مگر یہ سب باتیں ضرورت شدیدہ اور نائبہ عظیمہ پیش آنے کی حالت میں ہیں۔

روایات حدیثیہ

منجملہ روایات حدیثیہ کے یہ روایات ہے جو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ فرماتے تھے کہ اگر تمہاری قوم ابھی قریب العہد بکفر نہ ہوتی تو میں کعبہ کا خزانہ سبیل خدا میں خرچ کر دیتا۔

اور منجملہ ان کے وہ روایت ہے جو امام بخاریؒ نے سے

و منها ما اخرجه البخاری فی صحیحه عن ابی وائل قال جلست مع شیبة علی الکرسی فی الکعبة فقال لقد جلس هذا المجلس عمر فقال لقد هممت ان لا ادع فیها صفراء ولا بیضاء الا قسمته الحدیث(۳)

(۱)(الفتاوی الهندیة کتاب الوقف، الباب الحادی عشر ، الفصل الثانی ۲/ ٤٦٤ ط. ماجدیة)
(۲)(رواه مسلم فی کتاب الحج، باب نقض الکعبة وبنائها ، ۱/ ٤۲۹ ط قدیمی کتب خانه)
(۳) صحیح البخاری ، کتاب المناسك، باب کسوة الکعبة ۱/ ۲۱۷ ط . قدیمی)

قلت ارادة التقسيم من عمر رضي الله عنه يد ل على تعيين معنى قوله عليه السلام في حديث مسلم لا نفقت كنز الكعبة في سبيل الله.

وبه يزاح ما يعرض لبعض الاوهام ان محض الهم من عمر لا يقوم حجة فانه نفسه رضي الله تعالىٰ عنه ترك هذا الهم لما قال له شيبة رضي الله تعالى عنه صاحباك لم يفعلا فقال عمر رضي الله تعالى عنه هما المران يقتدى بهما فدل ذلك على ان ترك التقسيم هو المرضي المتلقي عن الشارع عليه السلام والتقسيم كان محظورا و لذا تركوه.

وجه الا زاحة ان هذاا لترك من النبي صلى الله عليه وسلم كان لعلة خاصة هي حداثة عهد القريش بكفر كما نص عليه في حديث مسلم فهم عمر يحذو همه عليه السلام و تركه.

اپنی صحیح میں ابو وائلؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں شیبہؓ کے ساتھ کعبہ میں کرسی پر بیٹھا تھا تو انہوں نے کہا کہ اسی مقام پر حضرت عمرؓ بیٹھے تھے اور فرمایا تھا کہ میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اس میں نہ چاندی چھوڑوں نہ سونا، سب تقسیم کردوں الخ۔

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا تقسیم مال کعبہ کا ارادہ کرنا پہلی حدیث کے ان الفاظ کی تفسیر کرتا ہے جو آنحضرت ﷺ نے فرمائے تھے کہ کعبہ کا خزانہ راہ خدا میں خرچ کردیتا۔ اور اس تقریر سے یہ وہم بھی دور ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر کا ارادہ محض حجت نہیں کیونکہ انہوں نے خود اس ارادے کو چھوڑ دیا جب کہ شیبہؓ نے کہا کہ تمہارے دونوں ساتھیوں نے ایسا نہیں کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ دونوں شخص ایسے ہیں کہ ان کی اقتدا کی جاتی ہے تو حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا اس پر دال ہے کہ تقسیم نہ کرنا ہی فعل پسندیدہ اور شارع علیہ السلام کی مرضی کے موافق تھا اور تقسیم کرنا ممنوع تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے بھی تقسیم نہ کیا۔ وجہ اس وہم کے دور ہونے کی یہ ہے کہ ترک انفاق آنحضرت ﷺ نے ایک خاص علت سے کیا تھا اور وہ قریش کا قریب العہد بکفر ہونا ہے جیسا کہ مسلم کی روایت میں اس کی تصریح ہے تو حضرت عمرؓ کا ارادہ آنحضرت ﷺ کے ارادہ کے مطابق اور ان کا ترک آنحضرت صلعم کے ترک کے موافق واقع ہوا ۔

تركه . فتطا بقا هما وتركا .وان كان ترك النبي صلى الله عليه وسلم لمصلحة لم تكن موجودة في زمان عمر رضي الله تعالىٰ عنه فترك عمر لم يكن الا شدة حرصه على اقتفاء اثاره صلى الله عليه وسلم۔

قال العلامة العيني قال ابن الصلاح الا مرفيها الى الا مام يصرف في مصارف بيت المال بيعاً وعطاء واحتج بماذكره، الا زرقي ان عمر رضي الله تعالىٰ عنه كان ينزع كسوة الكعبة كل سنة فيقسمها على الحاج انتهى.

قلت انما كان يقسمها عمر رضي الله تعالىٰ عنه لا ن الكعبة كانت مستغنية عنها فانها كانت تكسى كل سنة كسوة جديدة ولو لم تقسم كسوتها المنزوعة لضاعت او باعتها الحجبة

فی حوائجهم. والمراد بالصفراء والبيضاء فی قول عمر رضی الله تعالى عنه هو الكنز الذی كان مدفونا فی الكعبة من الا موال التی كانت تهدی اليها فتصرف عليها وما زاد على الحاجة دفنوا فيها كمانص عليه العينی نقلاً عن القرطبی رحمة الله عليه

وهذا فی او قاف المساجد وما فی حكمها. اما فی اوقاف غير ها فالا مر فيها واسع للامام كما هو ظاهر على المتتبع.

فهذ ا ما يستانس به للقول الثالث من الا حاديث والروايات الفقهية. وبه يسوغ للمفتی ان يفتی بهذا القول اذا راٰه اصلح للوقف وانفع للعامة.

كما قال العلامة الشامی بجواز نقل انقاض المسجد اتباعاً للحلوانی وابی شجاع رحمهما الله مع تصريحه بحظره على الراجح من المذهب وما هذا الا لضرورة دعت اليه والله اعلم.(۱)

اگرچہ آنحضرت ﷺ نے ترک کی وجہ اور تھی اور وہ وجہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں موجود نہ تھی۔ لیکن انہوں نے بوجہ شدت شوق اقتفائے آثار پیغمبر ﷺ آپ کا اتباع کیا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ابن صلاح نے فرمایا کہ امام کو اختیار ہے کہ (غلاف کعبہ کو) بیچ یا وہ کسی مسلمانوں کو عطا کردے اور انہوں نے استدلال کیا اس واقعہ سے جو ازرقی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ ہر سال غلاف کعبہ اتارتے اور حجاج کو تقسیم کردیتے تھے۔ انتہی۔

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ غلاف کعبہ کو اس لئے تقسیم کردیتے تھے کہ کعبہ کو اس کی حاجت نہ تھی کیونکہ اس پر تو ہر سال نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے تو اترا ہوا غلاف اگر تقسیم نہ کیا جاتا تو ضائع ہو جاتا یا دربان بیچ کر اپنی حاجتوں میں خرچ کرلیتے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول میں چاندی سونے سے مراد وہ خزانہ ہے جو خانہ کعبہ میں مدفون تھا۔ کعبہ کو جو مال دیئے جاتے تھے وہ اس پر خرچ ہوتے تھے اور جو بچتا تھا وہ اس میں دفن کردیا جاتا تھا جیسا کہ علامہ عینی نے قرطبی سے نقل کیا ہے۔ یہ تو اوقاف مساجد اور اس کے مثل کا حکم تھا۔ رہے اور اوقاف تو اس میں حاکم اسلام کو ذرا اختیار وسیع ہے جیسا کہ متتبع پر ظاہر ہے۔

یہ تھیں وہ روایات حدیثیہ وفقہیہ جن سے قول ثالث کے لئے استناد واستیناس کیا جاسکتا ہے اور اسی وجہ سے مفتی کو گنجائش ہے کہ وہ اس قول پر فتویٰ دے دے۔

بشرطیکہ اس وقت کے لئے اصلح اور عامہ مسلمین کے لئے انفع سمجھے۔ جیسے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے سامان شکستہ مسجد کے نقل کرنے کے بارے میں امام حلوانی اور امام ابو شجاع کے قول کو قابل اتباع بتایا ہے باوجود یہ کہ اصل مذہب عدم جواز نقل ہے۔

اور یہ کیوں؟ صرف ضرورت شدیدہ کی وجہ سے! واللہ اعلم

(نوٹ) مذکورہ بالا ترجمہ اصل فتویٰ میں موجود ہے۔　　　　واصف عفی عنہ

---

(۱)(رد المحتار ، كتاب الوقف ، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه ، ٤ / ٣٦٠ ط سعيد)

مذکورہ بالا تحقیق کی بنا پر ایسی حالت میں کہ مسجد کے اموال کثیرہ جمع ہوں اور مسجد کو نہ فی الحال ان کی حاجت ہو اور نہ بظن غالب فی المآل۔ اور ان اموال کے اسی طرح جمع رہنے میں ضائع ہو جانے اور متغلبین کے کھا اڑا جانے کا اندیشہ ہو تو یہ زائد از حاجت اموال جمع شدہ کسی دوسری محتاج مسجد میں خرچ ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح کسی ایسے دینی مدرسہ میں جو علوم شریعت تفسیر حدیث فقہ وغیرہ کی تعلیم دیتا ہو خرچ کرنا جائز ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ کتبہ الراجی عفو مولاہ محمد کفایت اللہ اوصلہ ربہ الی مایر ضاہ۔** ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ۔ الجواب حق صحیح عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند ۸ محرم ۱۳۳۱ھ بندہ محمود عفی عنہ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ از دارالعلوم دیوبند۔ بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ خادم طلبہ دارالعلوم دیوبند۔ عبدالسمیع مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔ سراج احمد عفی عنہ خادم طلبہ دیوبند خادم الطلبہ محمد اعزاز علی غفر لہ۔ محمد رسول غفر لہ، مدرس مدرسہ دیوبند۔ محمد عبدالغفور عارف دہلوی کان اللہ لہ۔ انظار حسین مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ شبیر احمد عفا اللہ عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند۔ محمد یونس عفا اللہ عنہ مہتمم انجمن ہدایۃ الاسلام دہلی۔ محمد عبدالحق (دہلی) محمد عالم مدرس فتحپوری دہلی۔ محمد عبدالمنان مدرس مدرسہ فتحپوری۔ قطب الدین عفی عنہ مدرس دوم فتح پوری۔ مشتاق احمد حنفی عفی عنہ۔ محمد شفیع عفی عنہ مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی۔ عبدالرحمٰن عفی عنہ دہلی مدرسہ عبدالرب رحمۃ اللہ علیہ۔

مسجد کی ضرورت سے زائد آمدنی کو دوسری مساجد پر خرچ کرنا

(سوال) رائے سینا (نئی دہلی) میں بہت سی مسجدیں قدیمی لاوارث ہیں۔ بعض مسجدوں کو گورنمنٹ نے شہید کر دیا ہے۔ اس وقت تک تخمیناً بیس مسجدوں کی اہل شہر نے مرمت کرا کے ان میں امام مقرر کر دیئے ہیں۔ مسجد فتح پوری کی طرف سے پچاس روپے ماہوار برائے تنخواہ محافظان مساجد مقرر ہو گئے ہیں۔ ایک درخواست جامع مسجد میں بھی دی گئی ہے کہ پچاس روپے ماہوار جامع مسجد سے بھی مقرر ہو جائیں تاکہ یہ مسجدیں ہمیشہ آباد اور محفوظ رہیں۔ جامع مسجد کی آمدنی تقریباً اٹھارہ سو روپے ماہوار ہو گی۔ خرچ نصف آمدنی سے پورا ہو جاتا ہے۔ نیز دہلی میں جامع مسجد اور مسجد فتح پوری کے علاوہ اور کوئی وقف ایسا نہیں ہے جو اس خرچ کا کفیل ہو سکے۔ اگر اہل شہر سے کہا جائے کہ یہ بار تم اپنے ذمہ لے لو تو شاید برس چھ ماہ تک دے کر وہ انکار کر دیں گے۔ مگر یہ دونوں اوقاف اس بار کے ہمیشہ کفیل ہو سکتے ہیں۔ جامع مسجد کے ایک ممبر نے ان مسجدوں کے بارے میں کہا کہ یہ مسجدیں ایرا غیر انتھو خیرا کی ہیں۔ ہم اس کو منظور نہیں کرتے۔ اگرچہ بالفعل جامع مسجد کو خود مرمت کی ضرورت ہے چنانچہ پانسو روپے ماہوار منتظمہ کمیٹی نے ایک سال کے واسطے مرمت کے لئے منظور کئے ہیں۔ یہ رقم مرمت کے منہا کرنے کے بعد بھی چار پانسو روپے ماہوار کی بچت ہو سکتی ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کمیٹی جامع مسجد کو ان مسجدوں کی حفاظت اور سرپرستی لازم ہے یا نہیں۔ اگر جامع مسجد کے ممبران مسجدوں کی حفاظت کا ذمہ نہیں تو ان سے شرعاً کوئی مواخذہ تو نہ ہو گا۔

(جواب ۲۳۸) اس صورت میں کہ مسجد جامع کی آمدنی اس کی ضروریات موجودہ اور متوقعہ سے زیادہ ہے اور

کسی وقت اس کو یہ خطرہ نہیں کہ روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ضروریات کو پورا کرنا مشکل ہوگا جائز ہے کہ اس کی فاضل مقدار آمدنی سے ان محتاج مسجدوں کی معاونت کی جائے جو بوجہ ناداری کے قریب بانہدام ہیں یا متغلبین ان کو منہدم کرنے کی تاک میں ہیں۔ وقف کا اسباب اور مساجد مستغنی عنہ کا مال دوسری مساجد محتاجہ قریبہ میں سخت حاجت و ضرورت کے وقت خرچ کرنا جائز ہے۔ **كما صرح الفقهاء باجازة نقش المسجد من مال المسجد اذا خيف ضياعه للتغلب اولغيره فاذا جاز صرفه لصيانة المال فجواز صرفه لصيانة المسجد اولىٰ۔**(۱) محمد کفایت اللہ غفرلہ،

مسجد کی ضرورت سے زائد آمدنی دوسری مساجد کی تعمیر میں لگانے کا حکم

(سوال) انجمن اسلامیہ واوقاف کے پاس جامع مسجد کوہ چکروتہ کی آمدنی حسب ذیل طریقہ پر ہے۔ چھ روپیہ جامع مسجد کی جائیداد کی آمدنی سے۔ اور کچھ روپیہ ماہواری چندہ سے وصول ہوتا ہے اور انجمن کے تعلق میں تین چار مسجدیں اور بھی ہیں۔ لیکن ان مسجدوں میں کسی قسم کی آمدنی نہیں ہے اور وہ مسجدیں پہاڑی علاقہ میں ویران پڑی ہوئی ہیں۔ وہاں پر پیش امام کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے۔ وہاں کے لوگ بہت غریب ہیں۔ اس لئے انجمن مذکور چاہتی ہے کہ جامع مسجد کوہ چکروتہ کو جو کچھ سالانہ آمدنی ہوتی ہے اس آمدنی میں سے جامع مسجد کا خرچ نکال کر کافی روپیہ بچتا ہے اگر اس روپے کو ان ویران مسجدوں پر صرف کر دیا جائے یا اس روپے سے ان مسجدوں میں پیش امام رکھا جائے تو اس کے لئے شرع کیا حکم دیتی ہے؟

(جواب ۲۳۹) انجمن اسلامیہ واوقاف جو روپیہ ماہواری چندہ سے وصول کرتی ہے اگر وہ خاص جامع مسجد کے نام سے وصول نہیں کرتی بلکہ مصارف خیر یا مساجد زیر نگرانی انجمن کے نام سے وصول کرتی ہے تو اس آمدنی کو ان غیر آباد مساجد کے آباد کرنے پر بلا تکلف خرچ کر سکتی ہے۔ لیکن اگر خاص جامع مسجد کے نام سے وصول کرتی ہے تو آئندہ اعلان کردے کہ وصول شدہ رقم مساجد زیر نگرانی پر بھی خرچ کی جائے گی۔ اور دونوں صورتیں نہ ہوں اور نہ ہوسکیں تو بشرطیکہ جامع مسجد کو بچے ہوئے روپے کی فی الحال بھی حاجت نہ ہو اور مستقبل میں حاجت ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو فاضل رقم ان غیر آباد مساجد پر بقدر ضرورت خرچ ہوسکتی ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی

مسجد کی ضرورت سے زائد آمدنی کو یتامیٰ اور بیواؤں پر خرچ کرنے کا حکم

(سوال) اگر کسی مسجد پر کوئی جائیداد وقف ہو اور اس کی آمدنی مسجد کے اخراجات سے بہت زیادہ ہو کہ ہزاروں لاکھوں روپیہ کا بیکار جمع رہتا ہو مسجد کو اس روپے کی نہ فی الحال حاجت ہو اور آئندہ بھی احتیاج کا اندیشہ نہ ہو تو یہ

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب كلمة لا باس دليل على ان المستحب غيره لا ن الباس الشدة ۱: ۶۵۷ ط. سعيد

(۲) سئل شمس الائمة الحلواني عن مسجد او حوض خرب ولا يحتاج اليه لتفرق الناس هل للقاضي ان يصرف اوقافه الى مسجد آخر او حوض آخر؟ قال نعم. (الفتاوىٰ العالمگيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر ۲: ۴۷۸ ط. ماجدية)

کسی دینی ضرورت اور اسلامی مصیبت میں مثلاً آج کل ترکوں کے مجروحین و یتامیٰ و بیوگان کی امداد میں اسے خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

دوم یہ کہ مسجد کے اصل وقف کی آمدنی سے متولیان وقف نے کچھ جائیداد اور خرید لی تھی جو اصلی واقف کے وقف سے زیادہ اسی وقف کی آمدنی سے خرید ہوئی ہے تو مذکورہ بالا ضرورت میں اس زائد از اصل جائیداد کو فروخت کر کے اس کا روپیہ دے دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۲۴۰) اگر مسجد کا مال اس قدر جمع ہو کہ مسجد اس کی نہ فی الحال محتاج ہو اور نہ بظن غالب فی المآل۔ اور اس رقم کے اسی طرح جمع رہنے کی حالت میں طمع طامعین اور تصرف متغلبین کا اندیشہ ہو تو بے شک یہ رقم موجودہ ضرورت میں جو اسلام اور مسلمین کے لئے ایک حادثہ عظمیٰ اور نائبہ کبریٰ ہے خرچ ہو سکتی ہے۔ یعنی ترک مجروحین و یتامیٰ و بیوگان کی امداد کے لئے بھیجی جا سکتی ہے۔ حکم مذکور کے لئے ان روایات فقہیہ سے استیناس کیا جا سکتا ہے۔ اصابه البرد الشديد في الطريق فد خل مسجد افيه خشب الغير و لو لم يوقدنارا يهلك فخشب المسجدا ولى في الا يقادمن غيره . انتهى (عالمگیری)(۱) قلت لما جاز صرف مال المسجد لضرورة احياء نفس واحدة فلان يجوز لا حياء نفوس جماعة من المسلمين اولى. وفي الهندية ايضا يجوز ادخال الحبوب واثاث البيت في المسجد للخوف في الفتنة العامة كذا في القنية . (۲) انتهى وفي الدرالمختار لاباس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب بماله لا من مال الوقف وضمن متوليه لو فعل النقش او البياض الا اذا خيف طمع الظلمة فلا باس به كافي انتهى مختصراً (۳) وفي رد المحتار قوله الا اذا خيف الخ بان اجتمعت عنده اموال المسجد وهو مستغن عن العمارة والا فيضمنها كما في القهستاني عن النهاية . انتهى. (۴) قلت الحكم بجواز الصرف عند خوف طمع الظلمة وضياع المال في وجه محذور دليل على ما قلنا والله اعلم . وفي رد المحتار والذي ينبغي متابعة المشائخ المذكورين في جواز النقل بلا فرق بين مسجد او حوض كما افتى به الا مام ابو شجاع والا مام الحلواني و كفى بهما قدوة ولا سيما في زماننا فان المسجد او غيره من رباط او حوض اذا لم ينقل يا خذا نقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهدو كذالك اوقافه يأكلها النظار او غيرهم ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الاخر المحتاج الى النقل اليه الخ انتهى۔(۵) وفي الهندية مال موقوف على سبيل الخير و على الفقراء بغير اعيانهم ومال موقوف على المسجد الجامع و اجتمعت من غلتهما ثم نابت الا سلام نائبة مثل حادثة الروم واحتيج الى النفقة في تلك الحادثة . اما المال الموقوف على المسجد الجامع ان لم يكن للمسجد حاجة

(۳) (الدر المختار، كتاب الصلاة ، مطلب كلمة لا باس دليل على ان المستحب غيره لان الباس الشدة ۱/ ۶۵۸ ط. سعيد)
(۴) ايضاً
(۵) (رد المحتار ، كتاب الوقف ، مطلب في نقل انقاض المسجد و نحوه ۴/ ۳۶۰ ط. سعيد)

للحال فللقاضي ان يصرف في ذلك لكن على وجه القرض فيكون دينا في مال الفني واما المال الموقوف على الفقراء فهذا على ثلثة اوجه اما ان يصرف الى المحتاجين اوالى الاغنياء من ابناء السبيل اوالى الاغنياء من غير ابناء السبيل ففي الوجه الاول و الثاني جاز لاعلى وجه القرض وفي الوجه الثالث المسئلة على قسمين اما ان راى قاض من قضاة المسلمين جواز ذلك اولم ير. ففي القسم الاول جاز الصرف لا بطريق القرض وفي القسم الثاني يصرف على وجه القرض فيصير دينا في مال الفني . كذافي الواقعات الحسامية انتهى (۱)والله اعلم۔

(۲)مسجد کے اصل وقف کی آمدنی سے جو جائیداد خریدی گئی ہے اسے بوقت ضرورت فروخت کر دینا جائز ہے۔(القيم اذا اشترى من غلة المسجد حانوتا او دارا ان يستعمل ويباع عند الحاجة جاز ان كان له ولاية الشراء واذا جاز . له ان يبيعه كذا في السراجية انتهى —عالمگیری)(۲)واللہ اعلم بالصواب

کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ۔اصاب المجیب محمد ناظر حسن مدرس چھتاری ضلع بلند شہر۔بندہ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ۔ محمد انور عفااللہ عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند۔ شبیر احمد عفااللہ عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند۔بندہ محمود عفی عنہ مدرس اعلیٰ دارالعلوم دیوبند۔بندہ محمد امین عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔مہر مولانا محمد ضیاء الحق صاحب مدرس مدرسہ امینیہ۔مہر مولوی محمد قاسم مدرس مدرسہ امینیہ۔مہر مولوی سید انظار حسین مدرس مدرسہ امینیہ۔

ویران غیر آباد مسجد کو دوسری مسجد پر لگانے کا حکم

(سوال)ویران اور غیر آباد مسجد کے سامان مثلاً اینٹ پتھر وغیرہ کو کسی آباد مسجد کی تعمیر میں لگانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۶ محمد عبدالمجید خاں۔سرونج مالوہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ م یکم اگست ۱۹۳۳ء

(جواب ۲٤۱)اگر اس مسجد میں کام نہ آسکیں جس کی اینٹیں ہیں تو کسی دوسری حاجت مند مسجد میں لگانی درست ہیں۔(۳) محمد کفایت اللہ

مسجد کے فنڈ سے قادیانی جماعت کو دینا جائز نہیں

(سوال) آگرہ کی جامع مسجد شہنشاہ ہند شاہ جہاں صاحب قرآن ثانی کی صاحبزادی کی تعمیر کردہ ہے۔ شہزادی مرحومہ سنی المذہب عقائد کی پابند تھیں۔ مسجد مذکور کی زیرین دکانات کی آمدنی قیام وبقائے مسجد ودیگر اخراجات مسجد کے کام آتی ہے۔اس آمدنی سے مبلغ پانچ سو روپے متولیان مسجد نے قادیانی مشن کو دیئے جو یورپ میں تبلیغ اسلام کا مدعی ہے۔یہ فعل متولیان کا کس حد تک جائز ہو سکتا ہے؟

---

(۱)فتاوى عالمگيريه ، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر ، الفصل الثانى ۲/ ٤٦٤ ط . ماجدية
(۲)فتاوى عالمگيرية ، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر، الفصل الثانى ، ۲/ ٤٦۲ ط . ماجدية
(۳) سئل شمس الائمة الحلواني عن مسجد او حوض خرب ولا يحتاج اليه لتفرق الناس هل للقاضي ان يصرف اوقافه الى مسجد آخر او حوض آخر ؟ قال نعم . (فتاوى عالمگيرية ، كتاب الوقف الباب الثالث عشر ۲/ ٤٧٨ ط . ماجدية)

المستفتی نمبر ۷۰ محمد نواب مرزا آگرہ۔ ۲۵ جمادی الآخر ۱۳۵۲ھ م ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۲۴۲) قادیانی فرقہ جمہور علمائے اسلام کے نزدیک کافر ہے۔ اور تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ اپنے عقائد باطلہ کی ترویج واشاعت سے کسی حالت میں نہیں چوکتے۔ اس لئے مسجد کے فنڈ سے کسی قادیانی احمدی مرزائی جماعت کو روپیہ دینا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ کتنا ہی اطمینان دلائیں کہ وہ اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اسلام کے مفہوم میں مرزا غلام احمد کو نبی یا کم از کم مجدد اور مسیح ومہدی ماننا بھی داخل ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کفر وضلال کی تبلیغ ہے۔ اس صورت میں کمیٹی خود اس رقم کی ضامن ہوگی۔ فقط(۱) محمد کفایت اللہ

مسجد کی بے کار چیزوں کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد میں لگانا

(سوال) مسجد کی کوئی چیز مثلاً پتھر، لکڑی وغیرہ بالکل نکمی پڑی ہوئی ہو اور کام میں نہ آسکتی ہو تو اس کو بیچ کردہ پیسے مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۸۸ محمد عبدالعزیز کاٹھیاواڑ۔ جوناگڑھ، ۱۱ شوال ۱۳۵۲ھ، ۲۷ جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب) مسجد سے نکلی ہوئی اشیاء اور اسباب جو مسجد کے کام میں نہ آسکے فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد میں انہیں اشیاء کے مثل کام میں خرچ کر دی جائے تو جائز ہے۔ **ونقضه يصرف الى عمارته والا بيع وصرف ثمنه۔**(۲) محمد کفایت اللہ۔

مدرسہ کی آمدنی سے ہندوؤں کی تعلیم وتربیت پر خرچ کرنا

(سوال) قصبہ مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ میں ایک مدرسہ دارالعلوم نامی صرف قرآن پاک اور دینی تعلیم کی غرض سے صدقات اور قربات چرم اضحیہ و مفلس وبے کس غریب نادار مسلمانوں کی پاک کمائی سے جاری ہے۔ اگرچہ چند روز سے بطور امداد منجانب سرکاری انگلشیہ بھی مبلغ پچاس روپے ماہوار اور وہ بھی خاص عربی تعلیم کے لئے ملتے ہیں۔ اب اس کے اندر تھوڑے روز سے چند ناعاقبت اندیش مسلمانوں کے مشورے سے ایک ہندو آریہ ملازم رکھا گیا ہے اور کفار اشرار کے بیسیوں لڑکے ہندی حساب کتاب کی تعلیم پاتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۴۴) چندہ کا روپیہ اسی کام میں صرف ہو سکتا ہے جس کے لئے دینے والوں نے دیا ہے۔ اس کے علاوہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ جو خرچ کرے گا وہ ضامن ہوگا۔ حساب کتاب وغیرہ کی تعلیم مسلمانوں اور کافروں کے بچوں کو دینا ناجائز نہیں مگر اس کام کے لئے وہ روپیہ خرچ نہیں کیا جاسکتا جو خاص دینی تعلیم یا خاص مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم کے لئے دیا گیا ہو۔ مدرسہ کے کارکن چندہ دینے والوں کے وکیل ہیں اور وکیل اگر اپنے مؤکل

---

(۱) ولو اشترى القيم بغلة المسجد ثوبا ودفع الى المساكين لايجوز وعليه ضمان مانقد من مال الوقف، كذافى فتاوى قاضيخان (الفتاوى الهندية، الباب الحادى عشر، الفصل الثانى، ص ۲/۴۶۲ ط، ماجدية)

(۲) یہ عبارت مفتی صاحب کی اپنی عبارت ہے جو کہ فقہی عبارات سے مقتبس ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: وصرف نقضه الى عمارته ان احتاج والا حفظه ليحتاج الا اذا خاف ضياعه فيبعه ويمسك ثمنه ليحتاج (تنوير الابصار مع الدرالمختار، ج: ۴/ ۳۶۷، ۳۷۷، سعيد)

کے حکم اور اجازت کے خلاف خرچ کرے تو خود ضامن ہوتا ہے۔ الوكيل اذا خالف ان خلافا الى خير فى الجنس كبيع بالف درهم فباعه بالف ومائة بفذ ولو بمائة دينار لاولو خيرا خلاصه و درر (در مختار)(۱)

جمعیت علماء ہند کے مسودہ میں دفعہ ۳۲ حرف ''د'' کا مطلب

(سوال) جمعیت علمائے ہند کا ترمیم کیا ہوا مسودہ قانون او قاف اخبار مدینہ بجنور میں شائع ہوا۔ دفعہ ۳۲ حرف د میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن او قاف کا روپیہ تحویل میں موجود ہے وہ کسی منفعت میں لگایا جا سکتا ہے۔ براہ کرم آپ اس دفعہ میں مناسب ترمیم کی کوشش فرمایئے کہ ہم لوگ جو واقف جائیداد ہیں اور متولی بھی ہیں اور جن کی غرض اور اعتقاد مسئلہ سود کی آمیزش سے بچنا چاہئے۔ دفعہ ۳۲ حرف د کا مطلب آپ حضرات نے ذہن میں کیا ہے اور آیا اس دفعہ کے موجود رہنے سے آئندہ اس کا احتمال ہے کہ رقم محفوظ جو اخراجات وقف کے بعد باقی رہتی ہے وہ بینک میں جمع کرنے سے ناظر او قاف متولیان کو سود لینے پر مجبور نہیں کریں گے ؟

المستفتی نمبر ۳۰۹ سید امیر احمد و انیس احمد۔ لاہرپور ضلع سیتاپور ۲۱ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۵ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۴۵) دفعہ ۳۲ حرف د کا مطلب ہمارے پیش نظر یہ تھا کہ اگر کسی وقت سرمایہ وقف کافی ہو جائے اور متولی مناسب سمجھے کہ اس میں وقف اور مستحقین وقف کے لئے کوئی تجارت کرے تو ناظر یا مرکزی بورڈ کی اجازت سے کر سکے۔ ربا سودی معاملہ تو وہ مسلمان کیسے کر سکتا ہے۔ اور کوئی تصرف جو احکام شرعیہ کے خلاف ہو وہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مسجد کی آمدنی مدرسے کے لئے خرچ کرنے کا حکم

(سوال) مسجد کا روپیہ یا ایسے مکانات کا کرایہ جن کو مسجد کے روپے سے تعمیر کیا گیا ہے دینی تعلیم کے مدارس میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۳۲۰ محمد حسین سلیمانی بیکا نیر ۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۸ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۴۶) اگر دینی تعلیم اسی مسجد میں ہوتی ہو جس کا روپیہ ہے تو دینی تعلیم میں خرچ کرنا جائز ہے اور اگر دینی تعلیم کا مدرسہ اس مسجد سے علیحدہ جگہ میں ہے تو اگر مسجد کے وقف میں اس کی اجازت واقف نے دی ہو یا یہ مسجد مستغنی ہو کہ اس روپے کی اسے فی الحال یا فی المآل حاجت نہ ہو تو خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔ فقط(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) الدر المختار ، كتاب الوكالة، آخر باب الوكالة بالبيع والشراء ۵ / ۵۲۱ ط. ايچ ايم سعيد)

(۲) فى الدر المختار (بقرض القاضى مال الوقف والغائب) واللقطة ..... حيث لاوصى ولا من يقبله مضاربة وفى رد المحتار : ان للمتولى اقراض مال المسجد بامر القاضى الخ (ردالمحتار ، كتاب الوقف، مطلب للقاضى اقراض مال اليتيم ونحوه ، ۴/۴۱۷ ط. سعيد)

(قلت مر الدليل التفصيلى فى مامر)

(۳) فى الدر المختار : لا باس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لو بماله لا من مال الوقف فانه حرام ، وضمن متوليه لو فعل النقش او البياض الا اذا خيف طمع الظلمة فلا باس به اه مختصر اوفى ردالمحتار : (قوله الا اذا خيف) اى بان اجتمعت عنده اموال المسجد وهو مستغن عن العمارة والا فيضمنها كما فى القهستانى عن النهاية ا ه (كتاب الصلاة ، مطلب كلمة لا باس دليل على ان المستحب غيره ص ۱/۶۵۸ ط. سعيد)

مسجد میں ضرورت سے زائد قرآن پاک دوسری مسجد یا مدرسہ میں منتقل کرنا

(سوال) ہمارے یہاں کاٹھیاواڑ میں ایک مسجد میں محلّہ کی ضرورت سے زائد قرآن مجید موجود ہیں۔ رمضان مبارک کے مہینہ میں بھی قرآن مجیدوں کے پڑھنے کا نمبر نہیں آتا ہے۔ ہم یہ دیکھ کر حیران ہیں کہ جب قرآن مجید پڑھنے میں نہیں آتے تو ثواب کیا کریں۔ اس لئے دریافت طلب یہ ہے کہ زائد قرآن مجید کو دوسری مسجد یا مدرسہ میں دے سکتے ہیں یا ان کو ہدیہ کرکے اس رقم کو مسجد کے خزانہ میں جمع کر سکتے ہیں یا نہیں؟

اگر مسجد میں اس قدر روپیہ ہو جس سے تمام ضرورت رفع ہو جائے اور پھر بھی کافی روپیہ بچتا رہے تو ایسی صورت میں دوسری ان مسجدوں میں جن میں پیسے کی بہت کمی ہے اور خرچ نہ ہونے کی وجہ سے مسجد غیر آباد ہے مثلاً امام بغیر پیسے کے نہیں رہتا یا پانی کی تکلیف ہے تو اب دولت مند مسجد کا روپیہ برضامندی متولیان کسی دوسری مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۳۳۸ حاجی عبدالغنی سوداگر رام گنج اٹاوہ ۷ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۴۷) زائد قرآن مجیدوں کو دوسری مساجد یا مدرسوں میں پڑھنے کے لئے دے دیا جائے کیونکہ ان کے وقف کرنے والوں کی غرض یہی ہے کہ ان قرآن مجیدوں میں تلاوت کی جائے۔(۱) ایسی حالت میں کہ مسجد کلیۃً مستغنی ہو متولی دوسری مساجد میں زائد روپیہ خرچ کر سکتے ہیں۔(۲)

عیدگاہ کی آمدنی سے لاؤڈ اسپیکر لگانے جائز ہے

(سوال) عیدگاہ واقع رنگون کے وسیع رقبہ میں بوجہ ہجوم و کثرت نمازیان عید دور والے خطبہ عید سننے سے محروم رہتے ہیں اور بجز معدودہ چند اکثر حاضرین چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا ٹرسٹیان عیدگاہ مذکور کا ارادہ ہوا ہے کہ اگر شرعاً گنجائش ہو تو کلکتہ، بمبئی کی طرح لاؤڈ اسپیکر لگا دیں تو عیدگاہ مذکور کی آمدنی سے لاؤڈ اسپیکر لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر دوسرے اصحاب ہمت اپنے پاس سے خرچ کر کے لگا دیں تو درست ہو گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۴۲۹ مولوی عبدالخالق رنگون۔ ۳ رمضان ۱۳۵۳ھ م ۱۱ دسمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۴۸) خطبہ عید کے لئے لاؤڈ اسپیکر لگا کر خطبہ پڑھنے میں کوئی وجہ مانع جواز نہیں ہے اس کے ذریعہ سے دور و قریب کے تمام حاضرین خطبہ سن سکیں گے لیکن شرعی طور پر یہ کوئی لازمی بات نہیں ہے کہ تمام حاضرین کو خطبہ سنانے کا انتظام ضرور کیا جائے۔ اگر کوئی شخص اپنے صرف سے لگوا دے تو اس میں تو کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔ مسجد کے مال میں سے ایک غیر ضروری چیز پر صرف کرنے میں شبہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس میں یہ

---

(۱) وقف مصحفا على اهل مسجد للقراءة ان يحصون جاز ،وان وقف على المسجد جاز ويقرأ فيه ولا يكون محصورا على هذا المسجد وبه عرف حكم نقل كتب الاوقاف من محالها للانتفاع بها .(الدر المختار ، كتاب الوقف، مطلب متى ذكر للوقف مصرفا، ٤ ٣٦٥ ط. سعيد)

(۲) في الدر المختار : لا باس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لو بما له لا من مال الوقف فانه حرام ، وضمن متوليه لو فعل النقش او البياض الا اذا خيف طمع الظلمة فلا باس به اه مختصر اوفي ردالمحتار : (قوله الا اذا خيف) اى بان اجتمعت عنده اموال المسجد وهو مستغن عن العمارة والا فيضمنها كما في القهستاني عن النهاية ا ه (كتاب الصلاة ، مطلب كلمة لا باس دليل على ان المستحب غيره ص ١/٦٥٨ ط. سعيد)

تفصیل ہے کہ اگر وہ مسجد یعنی عید گاہ مالدار ہو اور اس کی رقم اس کے ضروری مصارف سے فاضل بچی رہتی ہو اور اس خرچ سے اس کے کسی ضروری انصرام میں نقصان نہ پہنچے تو یہ خرچ اس میں سے بھی کیا جا سکتا ہے جس طرح برقی پنکھے اور فرش وغیرہ کے مصارف کئے جاتے ہیں۔ اور اگر عید گاہ کی رقم ضروری مصارف سے زائد نہ ہو تو یہ خرچ اس کی رقم میں سے نہیں کیا جا سکتا۔ (۱) واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ

سلور جوبلی منانے کے لئے مساجد کو ان کی آمدنی سے مزین کرنے کا حکم

(سوال) ملک معظم کی سلور جوبلی کے سلسلہ میں مساجد کو بقعہ نور بنانا جس کا صرفہ خواہ مسجد کی رقوم موقوفہ سے ہو یا عامۃ المسلمین کے چندہ سے یا کسی شخص کی جیب خاص سے ہو جائز ہے یا نہیں ؟ اگر ناجائز ہے تو مسجد کے جن متولیوں نے مسجد میں روشنی کا انتظام کیا اور خوب چراغاں منایا وہ شرعاً مجرم ہوئے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۸۷ احمد محمد اچھا (رنگون) ۲۸ صفر ۱۳۵۴ھ م یکم جون ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۴۹) سلور جوبلی یا گولڈن جوبلی یا اور کسی ایسی تقریب میں جس کا منشا اعلائے کلمۂ توحید یا اظہار شوکت اسلام نہیں بلکہ کسی خاص شخص کے بقائے اقتدار و امتداد حکومت کی خوشی میں مظاہرہ کرنا ہو۔ ایسی تقریبات میں مساجد کا روپیہ صرف کرنا جائز نہیں۔ اور نہ مساجد اس قسم کے مظاہرات کے لئے موزوں ہیں۔ متولیوں نے مساجد کو اس مظاہرے کے لئے استعمال کرنے میں غلطی کی اور روشنی کے مصارف کے بھی وہ خود ضامن ہوں گے۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

کیا مسجد کے پودوں کے گملے متولی اپنی مرضی سے استعمال کر سکتا ہے ؟

(سوال) مسجد کا سامان زینت مثلاً پودوں کے گملے وغیرہ (دراں حالیکہ ان کی آب پاشی اور کھاد وغیرہ وقف مسجد سے ہو) یا اور کوئی ایسا سامان کیا متولی اپنی رائے سے لانے لے جانے یا کسی کو غائبانہ دینے کا مجاز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۶۱۲ حکیم عطا حسین (جالندھر) ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۵۰) گملے اگر مسجد کی ملک ہیں تو ان کو متولی اپنی مرضی سے استعمال نہیں کر سکتا۔ بلکہ مسجد کی زینت کیلئے ہی استعمال ہو سکتے ہیں۔ (۳) اور اگر متولی کی ملک ہیں تو ان کا مسجد میں رکھنا اور مسجد کے پانی سے سیراب کرنا جائز نہیں۔ (۴) محمد کفایت اللہ

---

(۱) في الدر المختار : لا باس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لوبماله لا من مال الوقف فانه حرام وضمن متوليه لو فعل النقش او البياض اذا خيف طمع الظلمة فلا باس به مختصرا وفي رد المحتار : (قوله الا اذا خيف) اى بان اجتمعت عنده اموال المسجد هو مستغن عن العمارة والا فيضمنها (رد المحتار ، كتاب الصلاة ، مطلب كلمة لا باس يدل على ان المستحب غيره ۱ / ۶۵۸ ط . سعيد)

(۲) لا باس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لوبماله لا من مال الوقف فانه حرام ، وضمن متوليه لو فعل النقش او البياض . (الدر المختار ، كتاب الوقف ، مطلب كلمة لا باس دليل على ان المستحب غيره ۱ /۶۵۸ ط. سعيد)

(۳) متولي المسجد ليس له ان يحمل سراج المسجد الى بيته . (عالمگيريه ، كتاب الوقف الباب الحادى عشر ، الفصل الثانى ، ۲ / ۴۶۲ ط . ماجدية

(۴) واذا وقف للوضوء لا يجوز الشرب منه وكل ما اعد للشرب حتى الحياض لا يجوز منها التوضؤ كذا في خزانة المفتين . (الفتاوىٰ عالمگيريه ، كتاب الوقف، الباب الثانى عشر ۲ / ۴۶۵ ط. ماجدية)

کیا وقف کی آمدنی سے دیئے ہوئے دیوان واپس لئے جائیں گے؟

(سوال) زید نے اسلامی وقف کو (جس پر واقف کے اہل خاندان قابض ہو کر تنسیخ وقف کی کوشش کر رہے تھے) مسلسل سولہ سال مقدمہ بازی کے بعد وقف ثابت کرایا۔ اور اگرچہ مصارف مقدمہ کے لئے اپنے بعض احباب سے چندہ بھی لیا تاہم خود زید کے بھی ہزار ہا روپے پیروی مقدمہ میں صرف ہوئے اس کے علاوہ مقدمہ کی مصروفیت وانہماک کے باعث زید کے کاروبار کو بہت نقصان پہنچا۔ بعد فراغت مقدمہ زید جائیداد موقوفہ پر حیثیت متولی قابض ہو کر اس کی آمدنی وصول کرتا رہا۔ چونکہ سولہ سال مقدمہ چلتا رہا اس دوران میں جائیداد وقف کی حالت نہایت خراب ہو گئی تھی۔ زید نے آمدنی وقف سے اس کی مرمت ودرستی کرائی اور دو بنگلے پختہ از سر نو تعمیر کرائے اور ایک مکان بھی تعمیر کرایا۔ جس وقت جائیداد وقف پر زید کو قبضہ ملا ایک سو تئیس روپے ماہوار آمدنی تھی لیکن زید کی سعی وتدبیر سے پانسو تیس روپے ماہوار آمدنی ہونے لگی۔ زید نے آمدنی وقف سے نہ مصارف مقدمہ وصول لئے نہ اپنے کاروبار کے نقصان کا کوئی معاوضہ لیا۔ بلکہ باوجود ہدایت وقف نامہ وقف سے اپنی تنخواہ لینا بھی گوارا نہ کی، اور چونکہ زید نہایت رقیق القلب اور نیک نفس واقع ہوا ہے اس لئے واقعی اور مصنوعی اہل حاجات اس کے پاس آ کر اپنے دردناک حالات بیان کر کر کے اس کی ذاتی چھ سات سو روپے ماہوار آمدنی کا ایک بڑا حصہ اور آمدنی وقف اس سے وصول کرتے رہے لیکن اس نے ان مصارف کو حساب وقف میں شامل ودرج نہیں کیا، جس کے باعث وقف کی ایک بڑی رقم زید کے ذمہ واجب الادا ہو گئی، بالآخر زید عہدہ تولیت سے مستعفی ہو گیا، اور مسلمانوں نے زید کی جگہ عمرو کو متولی مقرر کر دیا، اب زید کی اولاد عمرو سے یہ چاہتی ہے کہ وقف کی جو رقم زید کے ذمہ واجب الادا ہے اس میں سے تخمیناً پانچواں حصہ کم کر کے وصول کرے اگر کمی نہ کی تو زید کے حالات نازک ہو جانے کا اندیشہ ہے عام طور پر قرض خواہ مدیوں کے تعلقات وخصوصیات کو ملحوظ رکھ کر کمی پر معاملہ کر لیتے ہیں، عدالتوں میں اس قسم کے فیصلے ہوتے رہتے ہیں، اگر متولی راضی ہو کر حاکم سے رضا ظاہر کر دے تو وہ بھی مان لے گا، ان حالات میں عمرو کو زید سے کسی کمی پر مصالحت کر لینی چاہئے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۷۶۹ محمد خلیل الرحمان مطبع نظامی کانپور۔ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ۱۸ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵۱) ذاتی دیون میں دائن کا مدیون سے کمی پر فیصلہ کر لینا بلاشبہ جائز اور مستحسن ہے۔ مگر وقف کا معاملہ اور متولی کے اختیارات جداگانہ نوعیت رکھتے ہیں۔ اس کو حق نہیں کہ متولی سابق کے ذمہ وقف کی جو رقم ہے اس میں سے کچھ چھوڑ دے۔(۱) ہاں صورت مذکورہ میں اگر بیان سائل صحیح ہے تو متولی سابق نے جو رقوم خرچ کی ہیں وہ خرچ تو مصارف وقف میں کیں مگر ان کو اپنی نیک نفسی کی وجہ سے وقف کے حساب میں نہیں لکھا۔ متولی حال ایسی رقوم کو وقف کے حساب میں شامل کر کے مطالبہ میں سے منہا کر سکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) قرآن مجید میں ہے: وان كان ذو عسرة فنظرة الى ميسرة ، وان تصدقوا خير لكم ان كنتم تعلمون. (سورة البقره ، الايه : ۲۸۰)

(۱) امام کا مشاہرہ بھی مصالح مسجد میں داخل ہے
(۲) خیانت ظاہر نہ ہونے کی صورت میں متولی کو معزول کرنا
(۳) کیا متولی مسجد متولیان اوقاف کی مرضی کے مطابق ہی خرچ کر سکتا ہے
(۴) خطیب کی تنخواہ اجرت یا وظیفہ
(۵) کیا خطیب کے پاس مسجد کی آمدنی کا حساب دینا ضروری ہے؟
(۶) کیا خطیب کی تنخواہ متولی روک سکتا ہے؟
(۷) امام اور خطیب کی حیثیت
(۸) امام اور خطیب کو بقدر کفایت دینے کا مطلب
(۹) ماھواقرب للعمارۃ واھم للمصلحۃ کی بنا پر مقدم کون ہوگا؟
(۱۰) ماھواقرب للعمارۃ کی تفصیل
(۱۱) امام اعم للمصلحۃ میں داخل ہے یا اقرب للعمارۃ میں؟

(سوال) شہر میں ایک مسجد جو زمانہ شاہی کی تعمیر شدہ ہے اور بڑی مسجد ہے اور کنارہ شہر پر پر فضا مقام پر واقع ہے بانی نے اگرچہ اس کو بہ نیت جامع مسجد نہ بنایا تھا لیکن جب شہر کی آبادی زیادہ ہوگئی تو بعد میں باشندگان شہر نے اس کو جامع مسجد قرار دے دیا اور اس میں وقتاً فوقتاً بہت سی توسیعات بھی کی گئیں۔ اس مسجد کو جامع مسجد کے لقب سے ملقب کرنے والے اس شہر کے ایک بزرگ معتبر عالم تھے۔ وہ اپنے زمانہ حیات میں مسلمانوں کی توجہ اس مسجد کی طرف منعطف کرانے کی کوشش فرماتے رہے اور وہی لوجہ اللہ امامت بھی فرماتے تھے۔ ان کے وصال کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے رحمۃ اللہ علیہ جو ان کے صحیح جانشین تھے اپنے والد بزرگوار کی جگہ امامت وہ منظ انتظام فرماتے رہے ۱۸۹۶ء کے کاغذات سے جن میں بعض رجسٹری شدہ بھی ہیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس مسجد کا کام بحیثیت متولی مولانا ممدوح کے ہمراہ زید بھی کرتا رہا ہے جو اس وقت تک زندہ ہے۔ یہ ہر دو صاحب لوجہ اللہ جملہ خدمات مسجد مثل فراہمی ضروریات تعمیر و آبادی برابر فرماتے رہے۔ اس مسجد کے متعلق چند اوقاف ہیں جن کے متولی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ بعض اوقاف کسی جداگانہ متولی کے قبضہ میں نہیں بلکہ مولانا مذکور الصدر ان کی آمدنی تحصیل وصول فرماتے تھے۔ اور چند اوقاف کا متولی واقفین کی طرف سے زید ہے۔ بقیہ اوقاف کے متعلق زید اور مولانا کے علاوہ یہ لوگ ہیں جن کو ان کے واقفین نے کیا۔ دستور العمل یہ ہے کہ دیگر اوقاف کی آمدنی جن کا جزو مسجد مذکور کے لئے ہے ان کے متولی کبھی بطور خود صرف کر دیتے تھے اور ہیں اور کبھی زید متولی کو دے دیا کرتے تھے اور ہیں۔ اور اس میں دو طریقے تھے اور ہیں کہ جزو آمدنی متعلقہ مسجد مذکور زید کو دیتے وقت کوئی ہدایت منجانب متولیان نہیں ہوتی تھی۔ اور کبھی اس کے مصارف خاص کر دیئے جاتے تھے کہ یہ رقم فلاں چیز میں صرف کی جاوے۔ چنانچہ حسب ہدایت متولیان مذکور زید اس کو صرف کیا کرتا تھا اور ہے۔ پس اوقاف مذکور دو چار قسم پر ہوئے۔

(۱) جن کی تحصیل وصول حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ (۲) وہ جن کا باقاعدہ متولی زید ہے۔ (۳) وہ

جن کے متولی دیگر اصحاب ہیں۔ (۴) وہ جن کے متولی باضابطہ زید اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ بعد وصال مولانا ممدوح کوئی شخص باضابطہ حیثیت متولیانہ ان کا قائم مقام نہیں ہوا۔ البتہ ان کی وفات کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک ان کے خلف اکبر مرحوم امامت اور وقف نمبر ایک کا کام لوجہ اللہ فرماتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے عم بزرگوار مدظلہ، وہ بھی اپنے فضل و کمال میں مرجع خلائق ہیں۔ مثل خلف اکبر مذکور مولانا ممدوح خدمت مسجد لوجہ اللہ فرماتے رہے۔ لیکن بوجہ پیرانہ سالی اور ضعف کے انہوں نے اس خدمت کی انجام دہی اپنے برادر زادہ کے سپرد کر دی۔ اب عرصہ بیس سال سے یہ اس کو انجام دے رہے ہیں اور امامت نماز جمعہ بھی ان کے متعلق ہے اور وہی وقف نمبر ایک کی تحصیل وصول فرما کر زید متولی کے حوالے کبھی کبھی کرتے تھے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ امام صاحب ممدوح نے اپنی ضروریات دنیوی سے مجبور ہو کر تلاش معاش کے لئے باہر جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو زید متولی نے بوجہ احترام خاندان امام ممدوح کی خدمات کو ضروری جانتے ہوئے مبلغ بیس روپے ماہوار تنخواہ از منافع وقف مقرر کر دی اور مبلغ دس روپے دوسری جگہ سے مقرر کرا دیئے اور باہر جانے سے ان کو روک لیا۔ اور یہ بھی اس کے ساتھ عرض کر دیا کہ جس طرح آپ کے والد ماجد کا یہ معمول تھا کہ بعد نماز جمعہ تا عصر وعظ اور رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن پاک سنانا ان دونوں امور کا التزام بھی آپ کے ذمہ رہے گا کہ آپ بذات خود اس کو انجام دیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جس جائیداد کا متولی زید ہے اس کی ماہوار آمدنی کل ۵۰ روپے ہے۔ مسجد میں علاوہ دیگر مصارف مثل چٹائی لوٹا اور پانی کا انتظام و مرمت مسجد و دیگر ترمیمات ضروری چند ملازمین کی تنخواہ بھی ہے جو حسب ذیل ہیں۔ ایک امام جمعہ ایک امام پنجگانہ۔ جاروب کش و فراش و سقہ و خاکروب و سوختہ وغیرہ۔ پس علاوہ تنخواہ خطیب و دیگر ملازمین و نیز دیگر ضروریات مفصلہ بالا میں ۳۰ روپے مقررہ طور سے صرف میں آتے ہیں۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے خطیب صاحب ممدوح نے تیس روپے ماہوار کے علاوہ آمدنی وقف نمبر ایک جو ان کے قبضہ میں ہے وصول کی اور زید متولی کو عرصہ سے نہیں دی اور نہ اس کا کوئی حساب معلوم ہو سکا۔ اب کچھ عرصہ سے خطیب صاحب ممدوح نے جامع مسجد فنڈ کے نام سے ہر جمعہ کو جامع مسجد میں ایک دوسرا تھیلا فراہمی چندہ کی غرض سے رکھوا دیا ہے ان کی آمدنی بھی خطیب صاحب نے اپنے ہی پاس رکھی اور اس کا بھی کوئی حساب معلوم نہ ہو سکا۔ زید متولی نے خطیب صاحب کی خدمت میں یہ خواہش پیش کی کہ مجمع عام میں اپنے حسابات کو پیش کر کے اپنے اس تقدس کو جو خطیب اور امام کے لئے ضروری ہے صاف فرمالیں تاکہ کوئی بدگمانی کا موقع نہ ہے لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ کچھ عرصہ انتظار کے بعد زید متولی مذکور نے ان کا ماہانہ ۲۰ روپے ماہوار مذکورہ بالا بند کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ جب تک مذکورہ بالا آمدنی جو آپ کے قبضہ میں رہتی ہے اس کا حساب لوگوں پر پیش نہ کریں گے اس وقت تک مواخذہ شرعی سے بچنے کی غرض سے میں وہ مقررہ تنخواہ آپ کو نہ دوں گا۔ ان اجمالی حالات کو پیش کرنے کے بعد مفصلہ ذیل امور قابل دریافت ہیں۔

(۱) زید متولی آمدنی وقف متذکرہ بالا تعدادی روپے کو جب کہ واقفین نے مصارف متعین نہ کئے ہوں تو

بحالات مذکورہ کس تفصیل سے خرچ کرنے کا ذمہ دار ہے۔ خصوصاً اس صورت میں کہ اگر وضو و فرش و صفائی وغیرہ کا بندوبست نہ ہو تو مسجد کی موجودہ رونق اور نمازیوں کی کثرت نہ رہتی ہو تو اس صورت میں یہ مصارف مقدم ہوں گے یا امام کو مشاہرہ دینا؟

(۲) زید متولی موجودہ امام کے والد کے زمانہ سے نیز ان کے ابا کے حکم سے اس وقت تک زید نے موقوفہ متذکرہ بالا کو ہر ایک مصرف میں صرف کر کے اس کا حساب باضابطہ رکھا ہے اور کسی قسم کی اس میں خیانت اس وقت تک ظہور میں نہ آئی تو کیا ایسی صورت میں اس کو خیانت کے ساتھ متہم کر کے اس نظم کو دوسرے کے سپرد کرنا حق بجانب ہوگا؟ یا نفسانیت پر محمول ہوگا اور اس تفویض کا اختیار بھی ہوگا یا نہیں؟

(۳) دیگر متولیان اوقاف جن ہدایات سے اپنی اپنی آمدنی زید متولی کو دیں آیا زید انہیں ہدایات کی پابندی کے ساتھ خرچ کرنے کا ذمہ دار ہے یا ان کو بطور خود خرچ کرنے کا مختار ہے؟

(۴) زید نے جو تنخواہ مبلغ ۲۰ روپے وقف سے خطیب کی مقرر کی تھی وہ اجارہ ہے یا وظیفہ؟ اگر اجارہ ہے تو زید کو اختیارات زیادتی و کمی و منسوخ حسب پابندی یا خلاف ورزی شرائط مذکورہ حاصل ہیں یا نہیں؟

(۵) زید کا مطالبہ دربارہ صفائی خطیب صاحب سے مطالبہ شرعی ہے یا نہیں؟ اور خطیب صاحب کو اس کا پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ خطیب صاحب کے مدد و معاون ہیں کہ خطیب صاحب حساب نہ دیں اور جس طرح سے وہ خرچ کرتے ہیں خرچ کرتے رہیں۔ یہ لوگ حق بجانب ہیں یا نہیں۔ تو ان کا شریعت میں کیا حکم ہے اور ایسے لوگوں کا امام موجودہ یا دوسرے کسی امام کے متعلق رائے دینا شرعاً معتبر ہوگا یا نہیں؟

(۶) اگر خطیب صاحب واقعات بالا کو پورا نہ فرمادیں تو زید پر ان کی تنخواہ کا دینا ضروری یا جائز ہے یا نہیں؟

(۷) امام پنج وقتی اور خطیب صاحب یعنی امام جمعہ میں مصارف وقف کے لحاظ سے کون مقدم ہے یا دونوں مساوی ہیں؟

(۸) کتب فقہ میں جو یہ مذکور ہے کہ امام و خطیب کا مشاہرہ بقدر کفایہ ہونا چاہئے اور فی زمانہ عامہ بلاد میں امام و خطیب کی تنخواہ حسب رضامندی امام و خطیب مقرر کی جاتی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ بقدر کفایت ہو تو نہ ہو تو۔ یہ تعامل عبارات فقہیہ کے موافق ہے یا مخالف؟ اور اس صورت میں امام و خطیب اجیر و ملازم ہوگا اور شرائط کا پابند ہوگا؟ یا ملازم نہ سمجھا جائے گا چاہے وہ پابندی کرے یا نہ کرے جیسا کہ امام مذکور پابندی نہیں کرتے تو پھر مشاہرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۹) ثم ماهو اقرب للعمارة واهم للمصلحة میں حسب المصارف کون مقدم ہوگا؟

(۱۰) ماهو اقرب للعمارة کی تفصیل کیا ہے؟

(۱۱) اعم للمصلحة کالامام میں امام اعم للمصلحة میں داخل ہے یا اقرب للعمارة میں؟

المستفتی نمبر ۸۴۹ حافظ محمد یحییٰ محمد حامد (مراد آباد) ۱۹ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۵۲) (۱) امام و خطیب بھی مسجد کے مصالح و ضروریات میں سے ہے۔ کمی آمدنی کی صورت میں تمام

مصالح کالحاظ رکھنااور حصہ رسدی سب کو مہیا کرنا مناسب ہوگا۔(۱)

(۲) بغیر ظہور خیانت و نااہلیت معزول کرنا درست نہیں۔ مگر یہ جب کہ متولی کا تقرر واقف کی شرط یا وصیت کے ماتحت ہو۔ اور اگر یہ بات نہیں ہے اور عام مسلمانوں نے کسی کو متولی بنایا ہے یا کوئی شخص خود مسجد کی خدمت تبرعاً کر رہا ہے تو اس کو قائم رکھنا ضروری نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ خواہ مخواہ اس کو علیحدہ کرنا بھی زیبا نہیں۔(۲)

(۳) دیگر اوقاف کے متولیان جو روپیہ کہ زید کو دے کر پابند کریں فلاں مصرف میں صرف کرو اگر وہ پابندی شرائط وقف کے ماتحت ہو یا واقف نے متولیوں کو پابند کرنے کا حق دیا ہو تو ان کی عائد کی ہوئی پابندی لازم ہوگی ورنہ لازم نہ ہوگی۔(۳)

(۴) اگر تنخواہ مذکورہ کسی خاص وقف سے شرط واقف کے بموجب دی جاتی ہو تو وظیفہ ہے ورنہ اجارہ قرار پائے گی۔ اور اس میں اجارہ کے احکام جاری ہوں گے۔ بشرطیکہ امام نے بھی اس حیثیت کو منظور کیا ہو۔(۴)

(۵) اگر خطیب صاحب کے طرز عمل اور ان کی صلاحیت پر مسلمانوں کو بھروسہ ہو اور خیانت کا شبہ نہ ہو تو خطیب صاحب سے تفصیل حساب طلب کرنا نہیں چاہئے۔(۵)

(۶) اگر عقد اجارہ تھا تو ظاہر ہے کہ کام نہ کرنے کی صورت میں تنخواہ کا استحقاق نہیں۔ اور اگر وظیفہ تھا تو اس کو روکنے کا متولی کو حق نہیں۔(۶)

(۷) یہ دونوں ضروری ہونے میں مساوی ہیں۔ **ویدخل تحت الامام الخطیب لانہ امام الجامع**۔(۷)

(۸) بقدر کفایت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا مقرر کیا جائے جو اس کی معاشی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے اوسط درجے کے لحاظ سے کافی ہو۔ اور معاشی ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ کسی کی پچاس روپے میں پوری ہو سکتی ہیں اور کسی کی اسّی روپے میں۔ اس لئے کسی رقم سے اس کی تعیین ہونی مشکل ہے۔ اور اگر

---

(۱) والذی یبدأبه من ارتفاع الوقف ای من غلته عمارته شرط الواقف اولاثم ما هو اقرب الی العمارة، واعم للمصلحة کالامام للمسجد، والمدرس للمدرسة یصرف الیهم الی قدر کفایتهم (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب یبدأ العمارة بما هو اقرب الیها ٤/ ٣٦٧ ط. سعید)

(۲) لا یجوز للقاضی عزل الناظر المشروط له النظر بلا خیانة ولو عزله لا یصیر الثانی متولیا ، ویصح عزله لو منصوب القاضی فی البحر اخذ منه عدم العزل لصاحب وظیفة الا بجنحة او عدم اهلیة . (رد المحتار ، کتاب الوقف، مطلب لیس للقاضی عزل الناظر ، ٤/ ٤٣٨ ط. سعید.

(۳) شرط الواقف کنص الشارع فی المفهوم والدلالة ووجوب العمل . (الدر المختار کتاب الوقف .مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص ٤/ ٤٣٣، ٤٣٤ ط . سعید

(۴) لیس للقاضی ان یقرر وظیفة فی الوقف بغیر شرط الواقف . ولا یحل للمقرر الاخذ الا النظر علی الواقف باجرة مثله فیة ، (الدر المختار، کتاب الوقف مطلب لیس للقاضی ان یقرر وظیفة فی الوقف ٤/ ٤٣٥، ٤٣٦/ ٤ ط. سعید)

(۵) لا تلزم المحاسبة فی کل عام، ویکتفی القاضی منه بالا جمال لو معروفا بالا مانة (الدر المختار کتاب الوقف، مطلب فی محاسبة المتولی وتحلیفه ، ٤/ ٤٤٨ ط. سعید)

(۶) لا یصح عزل صاحب وظیفه بلا جنحة او عدم اهلیة (ردالمحتار ، مطلب لا یصح عزل صاحب وظیفه ٤/ ٣٨٢ ط. سعید)

(۷) (رد المحتار ، کتاب الوقف، مطلب یبدأ العمارة بما هو اقرب الیها، ٤/ ٣٦٧ ط .سعید)

موقوفہ مدرسہ کی آمدنی سے عمل کے مقابلہ میں تعیین رقم کی جائے تو وہ اجارہ کی شکل ہے اور اس میں عمل کرنا استحقاق اجرت کے لئے شرط ہے الا ایسی صورت جو متعارف معہود ہو کہ ترک عمل ہوتا ہے اور تنخواہ دی جاتی ہے وہ استحقاق سے مانع نہ ہوگی۔(۱)

(۹) ماھوا قرب للعمارۃ۔ عمارت میں وہ تمام مصارف داخل ہوں گے جن سے جائیداد موقوفہ سے تاوا ستحکام کا فائدہ حاصل کیا جائے۔ یعنی وقف کی ظاہری حیثیت باقی رہے اور مستحکم ہو۔ اس کا مطلب جدید عمارت بنانا یا توڑ کر از سر نو تعمیر کرنا نہیں ہے۔ پھر معنوی عمارت اصل غرض کا وجود ہے۔ اس لئے جو مصارف اصل غرض کے لئے مفید ہوں (۲) ماھو اقرب للعمارۃ و اعم للمصلحۃ میں ایسے تمام مصارف داخل ہوں گے۔ امام مسجد اور مدرس مدرسہ کو تو صراحۃ ماھوا قرب لعمارتہ میں داخل کیا ہے کہ ان کے وجود سے مسجد اور مدرسہ کی اصل آبادی ہوتی ہے۔(۳)

(۱۰) اقرب للعمارۃ میں امام اور خطیب داخل ہیں۔(۴)

(۱۱) اعم للمصلحۃ کالا مام۔ یہ کالامام ہمثال اقرب للعمارۃ کی ہے جیسے کہ در مختار میں اس کی تصریح ہے۔ ثم ماھوا قرب لعمارۃ کا مام مسجد و مدرس مدرسۃ۔(۵) اور اعم للمصلحۃ میں چراغ بتی صفیں سوختہ وغیرہ داخل ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

مساجد کے اوقاف مکاتب پر خرچ کرنے کا حکم

(سوال) مساجد شملہ کے اوقاف کا بچت حصہ ان دینی مدارس پر (جو تعمیر یا انصار المسلمین سے متعلق ہیں) صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس امر کی بھی وضاحت فرمائیں کہ اس آمدنی میں صرف ضلع شملہ کے دیہاتی مکاتب ہی کا حق پہنچتا ہے یا دیگر اضلاع کے مکاتب کو بھی؟ مساجد شملہ کے موقوفہ کی آمدنی بفضل خدا اتنی ہے کہ مساجد کی جملہ ضروریات پوری کر چکنے کے بعد بھی کافی روپیہ بچ رہتا ہے۔

المستفتی نمبر ۹۹۸ محمد یسین معتمد تعمیر یا انصار المسلمین شملہ۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۶ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۵۳) اگر مساجد کی آمدنی مسجد کے مصارف کو پورا کرنے کے بعد اس قدر فاضل رہے کہ مسجد کو اس کی فی الحال حاجت نہ ہو اور نہ آئندہ اس کا خوف ہو کہ مسجد اس کی حاجت مند ہو گی تو ایسی فاضل جمع شدہ رقم کو تعلیم میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔(۱) دینی تعلیم کا مدرسہ مسجد میں ہی قائم ہو تو اس کی فاضل آمدنی وہاں

---

(۱) فینبغی ان یعطی لیوم البطالۃ المتعارفۃ بقرینۃ ماذکرہ فی مقدمۃ من البناء علی العرف ، فحیث کانت البطالۃ معروفۃ فی یوم الثلاثاء و الجمعۃ وفی رمضان والعیدین یحل الاخذ (رد المحتار ، کتاب الوقف، مطلب فی استحقاق القاضی والمدرس الوظیفہ فی یوم البطالۃ ، ۴ / ۳۷۲ ط سعید)

(۵،۳،۲) ثم ماھوا قرب الی العمارۃ واعم للمصلحۃ کا مام مسجد ولمدرس للمدرسۃ (الدر المختار ، کتاب الوقف ، مطلب یبدا بعد العمارۃ ماھو اقرب الیھا ، ۴ / ۳۶۷ ط سعید)

(۴) وفی الشامیۃ : ویدخل تحت الامام الخطیب لانہ امام الجمع اہ (ص ۳۶۷ / ۴)

(۲) ان کان الواقف قدرالمدرس لکل یوم مبلغا فلم یدرس یوم الجمعۃ او الثلاثاء لا یحل لہ ان یاخذ (رد المحتار کتاب الوقف، مطلب فی استحقاق القاضی و المدرس الوظیفہ فی یوم البطالۃ ۴ / ۳۷۲ ط سعید)

مدرسہ میں خرچ کرنا ایک طرح مسجد کی تعمیر معنوی میں داخل ہے۔ اور اگر مسجد سے خارج مدرسہ قائم ہو تو متولیان مسجد کی اس متفقہ رائے سے خرچ ہو سکتی ہے کہ مسجد اس سے مستغنی ہے فقط۔(۱)　**محمد کفایت اللہ**

کیا مسجد کی آمدنی سے بھی ضرورت مسجد کو شہید کر کے دوبارہ تعمیر کیا جا سکتا ہے؟

(سوال)(۱) قصبہ تنندوہ کے محلہ الی پورہ میں ایک مسجد ہے جو محلہ الی پورہ مسجد کے نام سے موسوم ہے جس کی ڈیڑھ منزلہ عمارت پر چھپر سے چھائے ہوئے ہیں۔ دیواریں اینٹ گارے کی چوڑائی کی اور دیواروں پر چونے کا پلاسٹر ہے۔ فرش پتھر کا ہے۔ عمارت مذکور کی حالت کسی طرح مخدوش نہیں ہے جس سے اس کے منہدم ہونے کا اندیشہ ہو۔ مسجد کا نقشہ جس میں اس کی لمبائی اور چوڑائی وغیرہ دیگر ضروری کیفیت مفصل طور پر درج ہے منسلکہ تحریر ہذا ہے۔

(۲) سرکاری کاغذات یعنی نزول بندوبست ۱۸۶۸ء کے نقشے و دفتروں کے معائنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک بہت بڑا وسیع رقبہ آبادی کی زمین کا بحق مسجد مذکور وقف ہے، مگر جو ۱۹۲۲ء ۱۹۲۳ء میں جدید بندوبست ہوا اس میں رقبہ کم ہو کر صرف ۸۷ ۳۱۷ مربع فٹ رقبہ قائم رہا کاغذات سرکاری سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ یہ زمین کب اور کس نے اور کن شرائط پر وقف کی تھی۔

(۳) ۱۹۱۸ء کے قبل نہ مسجد کا کچھ سرمایہ تھا نہ کوئی آمدنی کے ذرائع تھے۔ صرف ساٹھ ستر روپے سالانہ کی آمدنی تھی اور اس کا ختم رمضان شریف میں صرف ہو جانا بیان کیا جاتا تھا۔ مگر ۱۹۱۹ء سے رقبہ مذکورالصدر سے حصول آمدنی کے لئے باقاعدہ انتظام قائم کیا گیا جس کا باقاعدہ ریکارڈ ہے اور آمد و صرف کا حساب بھی قاعدہ کے مطابق ترتیب دیا جاتا ہے اور وقف ایکٹ نمبر ۴۲ کے مطابق ڈسٹرکٹ جج صاحب کے اجلاس میں سالانہ حساب پیش ہوتا ہے۔ ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۵ء تک کا حساب پیش ہو چکا ہے۔

چند پلاٹ ایسے تھے جن پر اشخاص کے مکانات سابق سے بنے ہوئے تھے ان پر سالانہ واجب کرایہ تشخیص کر کے قائم کیا گیا۔ چند پلاٹ جو موقع موقع کے تھے وہ روک لیے گئے اور قرض حسنہ حاصل کر کے وقتاً فوقتاً ان پر بحق مسجد عمارتیں تیار [illegible] جس کی وجہ سے [illegible] آمدنی [illegible] پہنچ سکیں کہ ضروری مصارف مثلاً [illegible] تنخواہ موذن، بجلی کی روشنی ضروری مرمت مسجد و مکانات متعلقہ مسجد وغیرہ [illegible] قرض [illegible] جدید مکانات [illegible] ۱۹۳۵ء تک تعمیر ہوتے رہے۔

(۴) ۱۹۳۵ء میں [illegible] بااتفاق [illegible] مسجد [illegible] عمارت [illegible] منہدم [illegible]
[illegible] تعمیر [illegible] روپے زیادہ رقم [illegible]

(۱) [illegible] متولی المسجد [illegible] فی جواز النقل [illegible] مسجد [illegible]
[illegible] المسجد [illegible] کما هو مشاهد [illegible]
[illegible] المسجد [illegible] الی النقل الیه [illegible]
[illegible] اهل الصلاح من المسجد اهل المحلة ان کان الوقف [illegible]
[illegible] (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد و نحوه، ج: ۴، ص: ۳۶۰، سعید)

فہرست چندہ بھی مرتب ہو گئی۔ لیکن ۱۹۲۰ء تک مالہ ۱۳۱ روپے وصول آسکے جو سرمایہ مسجد کے ساتھ اس وقت تک کار امانت جمع ہیں۔ ۱۹۳۴ء میں اہل محلہ نے مسجد کمیٹی سے بذریعہ تحریری درخواست استدعا کی کہ پیش امام صاحب کا ۱۰ روپے ماہوار پر حال میں تقرر عمل میں آیا ہے وہ تا تعمیر مسجد ملتوی کر دیا جائے۔ ہم لوگ محلہ کی پنچایت کر کے چندہ وصول کرنے کی جلد کوشش کریں گے تاکہ تعمیر مسجد کا کام جلد جاری ہو سکے۔ اس درخواست کی ایک معزز ہستی نے بھی تائید کی اور پیش امام صاحب علیحدہ کر دیئے گئے اور فہرست چندہ مرتب ہوئی اور یہ طے ہو گیا کہ موجودہ مسجد کے رقبہ کے ساتھ دس فٹ چوڑی زمین اور شامل کر کے یہ کل رقبہ صحن مسجد قرار دیا جائے اور مسجد کی مغربی سمت کی زمین جس پر ہیر نجان کا قبضہ مستاجر کرایہ دار کی حیثیت سے ہے حاصل کر کے اس پر مسجد تعمیر کی جائے۔ ان تمام مصارف کا اندازہ کسی حالت میں چھ ہزار روپے سے کم نہیں ہو سکتا۔ مگر جن صاحب کے پاس ۱۹۳۴ء کے وعدوں کا چندہ جمع ہو رہا ہے انہوں نے ۳ اپریل ۱۹۳۶ء کو بعد جمعہ مسجد میں بطور اعلان یہ فرمایا کہ ان کے پاس تقریباً ۵۰۲ روپے جمع ہوئے ہیں۔ چند اراکین مسجد کمیٹی کا یہ گھیراؤ ہے کہ سرمایہ مسجد کی رقم ان صاحب کو جن کے پاس ۱۹۳۴ء کے وعدوں کا روپیہ جمع ہو رہا ہے ایک ہفتہ کے اندر دے دیا جائے کہ وہ جلد از جلد تعمیر مسجد کا کام شروع کر دیں۔ حالانکہ نہ ابھی تک تعمیر مسجد کے لئے کوئی خاص جگہ مخصوص کی گئی ہے نہ اتنے بڑے کام کا کوئی نقشہ اسٹمٹ مرتب ہو کر مسجد کمیٹی میں پیش ہوا ہے نہ ظاہراً کوئی سرمایہ کی تکمیل ہے۔ یکم مئی ۱۹۳۶ء کو مسجد کے سرمایہ کی رقم ۔۔۔ ۴۶ اور چندہ وصول شدہ ۱۹۲۰ء کس ۱۳۱ روپے ہے۔

(۵) نقشہ منسلکہ نیز کیفیت مندرجہ نقشہ کے ملاحظہ سے مسجد کی موجودہ وسعت اور نمازیوں کی تعداد نیز نمازیوں کے آرام و تکالیف کا اندازہ ہو گا۔ ان تکالیف اور دقتوں کو محسوس کرتے ہوئے جو خصوصاً نماز جمعہ و رمضان شریف میں نماز تراویح کی جماعت میں بعض اوقات دھوپ و بارش کی وجہ سے نمازیوں کو ہوا کرتی ہے جس کی کہ جماعت بھی شاہد ہے مسجد کمیٹی میں یہ تجویز پیش ہوئی کہ مسجد کے جنوب کی طرف جو ۱۶ فٹ زمین شمالی جنوب افتادہ پڑی ہے اس کو مکان مسجد سے ملحق کر کے دو چھتے مسجد کی توسیع کر لی جائے۔ اس کام میں جو مصارف ہوں وہ مسجد کی جائیداد کے محاصل سے نہ ہوں بلکہ اس رقم سے ہوں جو ۱۹۲۰ء میں چندہ واسطے جدید تعمیر مسجد کے فراہم ہوا تھا۔ اور قلیل رقم ہونے کے سبب اب تک سرمایہ مسجد کے ساتھ امانۃً جمع ہے۔ جن لوگوں نے وہ چندہ کی رقم دی تب ان میں سے چار نے اس کام میں صرف کر دینے کی بخوشی تحریری اجازت دے دی ہے۔ اس لئے یہ توسیع کا کام کر لیا جائے اور اس کام میں زیادہ سے زیادہ سو سوا سو روپے خرچ ہوں گے۔ جدید تعمیر مسجد کا کام جاری ہونے کی تجویز ہے تو پھر کس لئے اس توسیع کے کام میں یہ روپیہ صرف کیا جائے اور چندہ دہندگان کے اصرار کے ساتھ یہ خواہش کہ ایک موہوم یادو بانیاں ہوئیں اور جدید چندہ کی فہرستیں بھی مرتب ہوئیں لیکن آج تک ایک بھی تحریک حد تکمیل کو نہیں پہنچی ہرگز توسیع کا کام نہ روکا جائے اور ہمارا دیا ہوا چندہ اس توسیع کے کام میں صرف کر دیا جائے۔

واقعات مندرجہ بالا پیش کرنے کے بعد التماس ہے کہ حسب ذیل سوالات کے جوابات شرع کے

مطابق تحریر فرمائے جائیں۔

(الف) وقف جائیداد کی ترقی آمدنی کے لئے جو ذرائع اختیار کئے گئے تھے جن کا ذکر فقرہ نمبر ۳ میں ہے آیا وہ شرعاً جائز تھے یا نا جائز؟ اور آئندہ وہ طریقہ جاری رکھا جائے یا بند کر دیا جائے یعنی ترقی آمدنی کے لئے جدید تعمیر مکانات کی بغرض فراہمی کرایہ جاری رکھی جائے یا نہیں؟

(ب) مسجد مذکور جو کسی طرح مخدوش حالت میں نہیں ہے جس سے اس کے منہدم ہونے کا اندیشہ ہو۔ اگر اس کو شہید کر کے اس کی عمارت کو وسیع اور شاندار بنانا چاہیں اور اس میں وہ رقم صرف کریں جو جائیداد متعلقہ مسجد مذکور سے وصول ہوتی ہے جس کا ذکر فقرہ نمبر ۱، ۲، ۳ میں ہے کیا جدید تعمیر میں محاصل مسجد کی رقم صرف میں لانے کی شرعاً اجازت ہے؟ غایۃ الاوطار جلد دوم ص ۵۷۲ میں ہے کہ مسجد کے متعلق جو وقف کی جائیداد ہو اس کے ذریعہ سے جو آمدنی ہو اس کو پہلے وقف کی مرمت میں خرچ کیا جائے۔ اس کے بعد جو عمارت سے نزدیک تر ہو جیسے مسجد کا امام وغیرہ اور ابتدائی عمارت لازم نہیں مگر جب خوف ہو وقف کی ویرانی کا۔ اور تعمیر اسی قدر مستحق ہے جس صفت پر واقف نے وقف کیا تھا اور اس سے زیادہ تعمیر کرنا مستحق نہیں۔ اس عبارت کی تائید اردو ترجمہ فتاوی عالمگیری جلد چہارم ص ۱۷۱ میں بدین الفاظ ہے۔ "اس مسئلہ کی تاویل یہ ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب وہ بنانے والا اس محلہ کا نہ ہو اور اگر محلہ کا ہو تو محلہ والوں کو اختیار ہے کہ گرا کر جدید تعمیر سے اس کو بنوا دیں ن میں بوریا کا فرش بچھائیں اور قندیلیں لگائیں۔ لیکن اپنے ذاتی مال سے ایسا کریں گے اور اگر مسجد کے مال سے ایسا کرنا چاہیں تو ان کو یہ اختیار نہیں ہے یعنی جو مسجد پر وقف ہے اس کے محاصل سے صرف نہیں کر سکتے۔

(ج) اراکین مسجد کمیٹی یا اہل محلہ یہ چاہیں کہ وقف جائیداد متعلقہ مسجد مذکور کو بیع یا رہن کر کے رقم حاصل کرنے کے بعد موجودہ مسجد کو شہید کر کے مسجد کی عمارت کو حسب دلخواہ بنائیں تو کیا شرعاً وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے تعمیر جدید کے لئے ۱۹۲۰ء میں چندہ دیا ہے اور اب تک امانت جمع ہے وہی لوگ اپنی عطا کردہ رقم توسیع مسجد کے کام میں صرف کرنے کی بخوشی اجازت دیتے ہیں اس میں سو سوا سو سے زائد صرف نہ ہوگا۔ تفصیل فقرہ نمبر ۵ میں درج ہے۔ کیا وہ رقم توسیع مسجد کے کام میں شرعاً صرف ہو سکتی ہے؟

المستفتی نمبر ۱۰۰۰ عبدالعزیز خان ٹھیکیدار (کھنڈوہ ضلع نمساڑ) ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۷ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۵۴) (الف) ان ذرائع کو اختیار کرنا جائز تھا اور جاری رکھنا بھی جائز ہے۔(۱) (ب) اگر کوئی شخص اپنے روپے سے جدید تعمیر مسجد بنانا چاہے یا جو چندہ جدید تعمیر بنانے کی غرض سے ہی دیا جائے اس روپے سے جدید تعمیر بنانی جائز ہے لیکن جب تک جدید تعمیر کے لائق رقم نہ ہو جائے موجودہ عمارت منہدم نہ کی جائے۔ جائیداد مسجد سے جو رقم وصول ہوتی ہے اس کو ضروریات مسجد میں خرچ کرنا چاہئے۔(۲) (ج) اگر تجدید تعمیر ضروری نہیں ہے تو جائیداد موقوفہ مسجد کو بیع یا رہن کرنا جائز نہیں۔(۳) اور اگر تعمیر ضروری ہو جائے مثلاً مسجد منہدم

(۱) ولا تجوز اجارة الوقف الا باجرة المثل كذافي محيط السرخسي . (عالمگيريه ، كتاب الوقف، ج : ۲ ، ۴۱۹ ، ماجديه) روى عن محمد رحمه الله تعالى انه يؤذن الناس بالنزول سنة ويواجر سنة اخرى ويرم من اجرته. عالمگيريه، كتاب الوقف ، الباب الثاني ، ج ۲ / ۴۶۶ ، ماجديه)

(۲) اما اهل تلك المحلة فلهم ان يهدموا ويجددوا بنائه ... لكن من مال انفسهم اما من مال المسجد فليس لهم ذالك (الفتاوى الهندية، كتاب الوقف الباب الحادى عشر ، الفصل الاول ۲ / ۴۵۷ ط . ماجدية)

(۳) المتولي اذا رهن الوقف بدين لا يصح . (الهندية ، كتاب الوقف ، الباب الخامس ۲ / ۴۲۰ / ۲ ط. ماجدية)

ہو چکے تو اس وقت بھی کرایہ پر دینا جائز ہوتا ہے بیع جائز نہیں ہوتی۔ ہاں ان کی رقم توسیع میں صرف کرنا بلاشبہ جائز ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

مسجد کے تمام مال کی قیمت دوسری مسجد پر لگائے

(سوال) خام مسجد توڑ کر پختہ مسجد بنائی جارہی ہے تو اس کا کھپریل کوئی سامان فروخت کرنا اس غرض سے کہ اس کی قیمت مسجد ہی میں لگائی جائے کیا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۰۱۹ ایم۔ عمر صاحب انصاری مقام بھاگا۔ ڈاک خانہ تھاوی ضلع سارن ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۴ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۵۵) مسجد کا پرانا سامان جو مسجد میں کام نہ آسکے فروخت کر دینا اور اس کی قیمت مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

صرف خیر کے لئے وقف مکان کی آمدنی کو واقف کے پڑپوتوں پر خرچ کرنے کا حکم

(سوال) مسماۃ مغل جان عرف ننھی صاحبہ نے انتقال کیا اور کچھ جائیداد ترکہ میں چھوڑی۔ مسماۃ مذکورہ نے اپنی زندگی میں یہ وصیت کی تھی کہ منجملہ جائیداد کے ایک مکان واسطے صرف خیر کے رکھا جائے۔ چنانچہ حسب وصیت مرحومہ مذکور ایک مکان صرف خیر کے لئے علیحدہ کر دیا گیا اور ان کے ورثاء اس مکان کو صرف خیر کے کام میں لاتے رہے۔ اب جب کہ ان ورثاء کا انتقال ہو گیا جو اس کام کو انجام دیتے رہے اور مکان مذکور کو صرف خیر میں لاتے رہے تو اب کوئی ایسا نہ رہا جو اس مکان کو صرف خیر میں لاتا بلکہ مرحومہ کے پڑپوتے کی اولاد جو تنگدستی اور غربت کی اس حالت میں موجود ہے کہ اگر شریعت اجازت دے تو اس مکان کی آمدنی (جو صرف خیر کے لئے علیحدہ کر دیا گیا تھا) ان کی امداد اور اعانت کی جائے۔ پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا مکان مذکور کی آمدنی کا کوئی حصہ کل یا جزء مرحومہ کے پڑپوتے کی اولاد پر صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۱۵۵ محمد عثمان صاحب خیاط (دہلی) ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۵۶) صرف خیر میں لانے کے ماتحت واقف یا وصیت کرنے والے کی اولاد در اولاد جو سلسلہ ہو محتاج ہو زیادہ مستحق ہے کہ ان کی حاجت روائی کی جائے۔ پس اس مکان کی آمدنی میں سے مرحومہ کے پڑپوتے کی محتاج اولاد کی امداد کرنا جائز ہے۔(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) اذا بنی مسجدا و خرج عن ملکه ... روی عن محمد (رحمه الله تعالی) انه یعود ... (عالمگیریه، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر ۲/۴۶۶ ط ماجدیه)

(۲) سئل شیخ الاسلام عن اهل قریة رحلوا وتداعی مسجدها الی الخراب وبعض المتغلبة یستولون علی خشب المسجد وینقلونه الی دورهم هل لواحد من اهل القریة ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسک الثمن لیصرفه الی بعض المساجد او الی هذا المسجد قال نعم (الهندیة، کتاب الوقف الباب الثالث عشر ۲/۴۷۸، ۴۷۹ ط ماجدیه) حشیش الکعبة اذا صار خلقا یجوز بیعه ولکن بامر السلطان ویستعین به علی امر الکعبة (الهندیة، الباب الحادی عشر ۲/۴۵۹ ط ماجدیه)

(۳) اذا جعل ارضه صدقة موقوفة علی الفقراء والمساکین ... فاحتاج بعض قرابته او بعض ولده الی ذلک والوقف فی الصحة ففیها احکام احدها ان صرف الغلة الی فقراء القرابة اولی (الهندیة، کتاب الوقف، الباب الثالث، اوائل الفصل الثانی ۲/۳۵۵ ط ماجدیه)

مسجد کے سقہ کو مسجد کی آمدنی سے تنخواہ دینا اور صدقہ جاریہ میں مصرف کیا ہے

(سوال)(۱)جو سقہ مسجد میں پانی بھرتا ہے نمازیوں کے وضو وغیرہ کے لئے اس کو آمدنی وقف میں سے متولی معاوضہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ (۲) کسی مرحومہ کی امانت صدقہ جاریہ میں کسی مدرسہ میں کس مد میں دینی چاہئے۔(۳) کچھ وقف علی الاولاد میں اور کچھ صدقہ جاریہ میں اور کچھ تیل بتی وغیرہ میں اپنی طرف سے اور والدین اور ہمشیرگان کی طرف سے کسی مدرسہ میں دینا چاہتا ہوں تو اس کی نیت کرلینا کافی ہے یا تحریر میں لانا بھی ضروری ہے اور اس مذکورہ وقف میں سے کس مد میں دینی چاہئے؟

المستفتی نمبر ۱۲۶۱ حاجی مسند علی صاحب۔ موضع جڑودہ (ضلع میرٹھ) ۹ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۴ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۵۷)(۱) پانی بھرنے کی اجرت آمدنی وقف میں سے دینی جائز ہے۔(۱) (۲) صدقہ جاریہ کی رقم مدرسہ کے لئے دینیات کی کتابیں دینے کی صورت میں خرچ ہو سکتی ہیں۔(۳) صدقہ جاریہ تو وہ مدات کہلاتی ہیں جن میں وہ چیز باقی رہے اور اس سے نفع اٹھایا جاتا ہے مسجد کے لئے فرش، مدرسہ کے لئے کتابیں اور فرش، کنواں، حوض سرائے۔ یہ چیزیں صدقہ جاریہ میں داخل ہیں۔ وقف علی الاولاد میں اس کی تصریح کردینی لازم ہے۔(۲) کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

یتیموں پر وقف کی ہوئی آمدنی سے واقف کے محتاج بھانجوں کو دی جاسکتی ہے

(سوال) مسماۃ حافظہ بی بی بنت اسمٰعیل داؤجی پٹیل نے اپنی حیاتی میں اپنی جائیداد کو حسب ذیل امور پر صرف کرنے کے لئے وقف کیا۔

(۱) مکان موقوفہ کی آمدنی کا ایک چوتھائی حصہ جمع رکھا جائے۔ باقی آمدنی جو رہے اس کو حسب ذیل امور پر صرف کریں۔ (۲) کچھ رقم ایک مسجد خاص میں دی جائے۔ (۳) کچھ رقم ایک مخصوص مدرسہ میں دی جائے۔ (۴) کچھ رقم لاوارثوں کی تجہیز و تکفین میں صرف کی جائے۔ (۵) کچھ رقم بیواؤں کی امداد میں صرف کریں۔ (۶) کچھ رقم یتیم و مساکین کو دی جائے۔ (۷) ماہ رمضان المبارک میں غربا کو پانچ سو ۵۰۰ روپیہ تقسیم کیا جائے۔ (۸) مذکور الصدر امور پر مخصوص رقم دیتے ہوئے جائیداد کی آمدنی میں بچت ہو تو مذکور الصدر امور پر حسب حصص بچی ہوئی رقم کو تقسیم کیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ مسماۃ کی حیات میں ان کے عزیزوں میں کوئی غریب نہ تھا۔ مگر ان کی وفات کے بعد ان کے بھانجے غریب ہو گئے۔ انہوں نے جائیداد کے ٹرسٹیوں سے درخواست کی کہ مسماۃ کے اوقاف میں سے

---

(۱)یدخل فی وقف المصالح قیم وامام خطیب والمؤذن یعبر الشعائر التی تقدم شرط ام لم یشرط. بعد العمارة هی امام وخطیب و مدرس وثمن زیت وقنا دیل وحصر وماء، وضوء کلفة نقله للمیضأة. (الدرالمختار کتاب الوقف، بعید مطلب یبدا بعد العمارة بما هو اقرب الیها، ٤ / ٣٧١ ط. سعید)

(۲) قال الشارح فی شرحه علی الملتقی : قد نظم شیخنا الشیخ عبدالباقی الحنبلی المحدث ثلاثة عشر ممن یجری علیه الاجر بعد الموت علی ماجاء فی الا حادیث فقال: -

اذا مات ابن ادم جاء یجری ، علیه الا جر اعد ثلاث عشر علوم بثها ودعاء نجل ،
وغرس النخل والصدقات تجری وراثة مصحف ورباط ثغر ، وحفر البئر واجراء نهر ،

(رد المحتار ، کتاب الجهاد ، مطلب فی بیان من یجری علیهم الاجر بعد الموت ، ج ٤ ص ١٢٢ ، سعید)

ہمیں حصہ ملنا چاہئے مگر ٹرسٹیان اوقاف کہتے ہیں کہ جائیداد موقوفہ میں سے آپ لوگوں کو دینے کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیا مذکور الصدر امور میں جو مخصوص رقم ہے اس میں تخفیف کر کے بھانجوں کو دینا یا جو پانچ ۵۰۰ صد روپیہ غربا کو دینے کے ہیں وہ رقم خاص بھانجوں کو دے دی جائے تو شرائط اوقاف میں کوئی شرعاً نقص آتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۴۷ محمد سلیمان پٹیل ناخدا صاحب (دریاؤ ضلع سورت) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۶ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۵۸) مرحومہ واقفہ کے محتاج بھانجے اس وقف میں سے امداد پانے کے مستحق ہیں اور وہ نمبر ۶ اور نمبر ۷ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ نمبر ۶ میں یہ لفظ ہیں۔ کچھ رقم یتیم و مساکین کو دی جائے۔ مساکین میں وہ بھی شامل ہو سکتے ہیں اور اس مد میں سے ان کو رقم دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح نمبر ۷ میں رمضان کے مہینہ میں ان کو بھی شامل کر کے امداد دی جاسکتی ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد کے فاضل روپیہ کو دوسری مسجد پر خرچ کرنا

(سوال) ایک مسجد مالدار ہے اس کی آمدنی خرچ سے بہت زیادہ ہے اور خرچ سے باقی ماندہ روپیہ لاکھوں کی تعداد تک پہنچ گیا ہے اور اب کوئی کام مسجد میں ایسا باقی نہیں جس میں روپیہ صرف کیا جاسکے۔ کیا اس مسجد کا فاضل روپیہ کسی دوسری مسجد کی مرمت یا دیگر ضروریات کے لئے صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اگر صرف کیا جاسکتا ہے تو کس حد تک؟

المستفتی نمبر ۱۷۸۶ راغب حسن (کولمبو) ۵ ارجب ۱۳۵۶ھ م ۲۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۵۹) جب کہ مسجد کی جمع شدہ رقم مسجد کی حاجت سے زیادہ ہو اور آئندہ بھی مسجد کو بظن غالب اس رقم کی حاجت پڑنے کا احتمال نہ ہو تو دوسری محتاج مسجد پر یہ رقم صرف کی جاسکتی ہے۔ اس اجازت میں وہ مقدار شامل ہوگی جس سے مسجد حالاً ومآلاً مستغنی ہو۔(۲) واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد میں کم آمدنی پر رکھے ہوئے ملازم کی جگہ زیادہ آمدنی والا ملازم رکھنا

(سوال) یہاں ایک شاہی مسجد ہے جو بہت ہی عالیشان بعہد بادشاہ غازی عالمگیر راجہ کی ساختت شدہ ہے۔ مسجد ہذا کے نیچے باون ۵۲ دکانیں ہیں۔ ان میں سے پانچ اہل ہنود کے قبضہ میں ہیں۔ بقیہ سینتالیس ۴۷ دوکانیں مسجد ہذا کے تحت میں ہیں۔ مسجد کی کمیٹی چودہ ممبران پر مشتمل ہے۔ پریذیڈنٹ شہر ہذا کے مجسٹریٹ ہیں خواہ اہل ہنود ہو یا اہل اسلام۔ اب سوال یہ ہے کہ کمیٹی نے ایک نویسندہ مقرر پانچ روپے ماہوار میں کیا ہے۔ مسجد کا حساب آمد کرایہ

(۱) اذا جعل ارضاً صدقة موقوفة على الفقراء والمساكين... فاحتاج بعض قرابته او بعض ولده الى ذالك والوقف في الصحة (فيها احكام ، احدها ان صرف الغلة الى فقراء القرابة اولى (الهندية ، كتاب الوقف، الباب الثالث، اوائل الفصل الثامن ، ۲/ ۳۹۵ ط. ماجدية)

(۲) وضمن متوليه لو فعل النقش اوالبياض الا اذا خيف طمع الظلمة فلا بأس به . قوله : الا اذا خيف بان اجتمعت عنده اموال المسجدوهو مستغن عن العمارةوالا فيضمنها . (الدر المختار مع ردا لمحتار ، مطلب كلمة لاباس دليل على ان المستحب غيره ج : ۱/ ۶۵۸ ، سعيد)

نامہ وغیرہ لکھتا رہے۔ اب نویسندہ نمبر ۱۰ روپے ماہوار طلب کرتا ہے۔ حالانکہ قابل معتبر نویسندہ پانچ روپے ماہوار میں کام کرنے کو تیار ہے۔ کچھ ممبران نویسندہ مقررہ کو ۱۰ روپے ماہوار دینے پر تیار ہیں اور کچھ ممبران خلاف ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ جب پانچ روپے ماہوار میں قابل نویسندہ رہنے اور کام کرنے کو تیار ہے تو ۱۰ روپے کا نویسندہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

المستفتی نمبر ۱۸۸۷ سید عبدالغفور صاحب ممبر کمیٹی (مارواڑ) ۱۵ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۶۰) مسلمانوں کو لازم ہے کہ پانچ دکانیں جو غیر مسلم افراد کے قبضہ میں ہیں ان کو مسجد کے لئے حاصل کرنے کی سعی کریں خواہ ان کی قیمت ادا کرنی پڑے اور یہ بھی سعی کریں کہ کمیٹی کا صدر (پریذیڈنٹ) بھی مسلمان ہوا کرے غیر مسلم نہ ہو۔(۱) اور جب کہ پانچ روپے ماہوار پر حساب لکھنے والا مل سکتا ہے تو ۱۰ روپے دینا جائز نہیں ہے۔(۲) ہاں اگر پانچ روپے والا کام ٹھیک نہ کرتا ہو اور ضرورت ہو کہ دوسرا ملازم رکھا جائے اور دوسرا ملازم ۱۰ روپے سے کم میں نہ ملے تو اس وقت دس روپے دینا جائز ہوگا فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد کے لئے دس آنے پر مزدور مہیا ہوتے ہوئے ایک روپیہ پر مزدور مقرر کرنا

(سوال) ایک مسجد اور اس سے ملحقہ جائیداد کے ٹرسٹی مسجد یا مسجد کی جائیداد کی مرمت کے کام کے لئے اپنی قوم کے غریب مزدور مقرر کرتے ہیں مگر ان کو دیگر قوم کے مزدوروں کی نسبت زیادہ مزدوری دیتے ہیں۔ مثلاً اگر دیگر اقوام کے مزدور دس آنے بارہ آنے روزانہ لے کر کام کرتے ہیں۔ تو وہ ٹرسٹی اپنی قوم کے مزدوروں کو ایک روپیہ یا ایک روپیہ دو آنے روزانہ دیتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ وقف کی ملکیت کا اسراف ہے تو وہ ایک جواب دیتے ہیں کہ یہ قوم پروری ہے تو کیا ازروئے شرع شریف وقف کے مال سے اس طرح ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا جائز ہے۔ اگر جائز ہے تو فبہا اور اگر ناجائز ہے تو ایسے خرچ کرنے والوں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۱۹۲۸ محمد حسین صاحب بمبئی ۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۶۱) قوم پروری اپنے مال سے کی جا سکتی ہے۔ مسجد کا مال قوم پروری کے لئے نہیں ہے۔ جتنی مزدوری پر مزدور مل سکتے ہیں اس سے زیادہ دینا جائز نہیں ہے۔ دینے والے خود اس رقم کے ضامن ہوں گے جو زیادہ دی جائے گی۔ فقط۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

چھوٹی مسجدوں کو ختم کر کے ایک بڑی مسجد بنانے کا حکم

(سوال) چند مسجدوں کو توڑ کر ایک جگہ ایک بڑی مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں اور فائدہ عام بھی ہے اور صورت جامع بھی ہے اور جائے مساجد کلکواہ میں اگر پنجگانہ بھی نہ ہو تو فقط حفاظت کافی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۹۶۱ محمد انصار الدین صاحب۔ آسام۔ ۲۵ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء

---

(۱) قرآن مجید میں ہے: ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاہدین علی انفسہم بالکفر. سورۃ التوبہ رقم الآیۃ: ۱۷

(۲) وللمتولی ان یستاجر من یخدم المسجد ...... باجر مثلہ او زیادۃ یتغابن فیہا ؛ ...... ویضمن لو دفع من مال الوقف. (عالمگیریہ، کتاب الوقف، ج: ۲/ ۴۶۱، ماجدیہ)

(۳) وللمتولی ان یستاجر من یخدم المسجد ...... باجر مثلہ او زیادۃ یتغابن فیہا ...... ویضمن لو دفع من مال الوقف. (عالمگیریۃ، کتاب الوقف ج: ۲/ ۴۶۱، ماجدیہ)

(جواب ۲۶۲) مساجد اگر ایسی حالت میں ہو جائیں کہ ان میں پنجگانہ جماعت نہیں ہوتی اور ان کی حاجت نہیں رہی تو ان کو محفوظ مقفل کر کے چھوڑ دیا جائے اور یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اس کا سامان چرا کر لے جائیں گے تو ایسی چیزوں کو جو چرائی جاسکتی ہوں دوسری قریب ترین مسجد میں منتقل کر دینا چاہئے۔ اور جب تک کوئی مسجد رفاہ عام کے کاموں میں لائی جاسکے اس کو منہدم کرنا درست نہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد کی آمدنی یا یتیموں کے جمع کی ہوئی مدرسہ پر خرچ کرنا

(سوال)(۱) مسجد کی موقوفہ جائیداد کا روپیہ کسی مکتب یا مدرسہ پر خرچ کرنا جائز ہے ؟ (۲) زید نے ایک مکتب قائم کر رکھا ہے اور روپیہ وغلہ یتیموں اور مسکینوں کے نام سے وصول کرتا ہے۔ حالانکہ مکتب میں کوئی یتیم و مسکین طالب علم نہیں ہے بلکہ اپنے ذاتی احباب اور دوست پر خرچ کرتا ہے۔ ایسے شخص کو چندہ وغلہ وصول کرنا اور چندہ وغلہ دینا جائز ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۰۹ شیخ حاجی بھنگو محمد مصطفیٰ سلطان پور (اودھ) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۶۳) مسجد کا روپیہ کسی شخص کی ملکیت پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ مدرسہ اگر اسی مسجد میں ہو اور روپیہ وافر ہو تو اس پر خرچ ہو سکتا ہے (۲)۔ ایسے شخص کو چندہ اور غلہ دینا ہرگز جائز نہیں جو یتیموں کے نام سے وصول کرے اور خود کھائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بوسیدہ مسجد کی لکڑیاں دوسری مسجد کے لئے وقف شدہ مکانات پر لگائی جاسکتی ہیں

(سوال) ایک مسجد جو کہ گر گئی ہو اور اس کی لکڑیاں بیکار پڑی ہوں تو وہ لکڑیاں ایک دوسری مسجد کے وقف شدہ مکانات میں (جن میں کرایہ دار غیر مسلم بھی رہتے ہیں) استعمال کی جاسکتی ہیں یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۰۷۷ فرزند علی صاحب (برما) ۲۴ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۹ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۶۴) مسجد منہدم شدہ میں اگر وہ لکڑیاں کام میں نہ آسکیں تو دوسری مسجد میں مسجد کے موقوفہ مکانات میں استعمال کی جاسکتی ہیں خواہ مکانات میں کرایہ دار مسلمان ہوں یا غیر مسلم (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) مساجد کی ضرورت سے زائد آمدنی کو کہاں صرف کیا جائے؟

(سوال) یہاں پر بعض مساجد کی آمد اس قدر زائد ہے کہ ضروری اور غیر ضروری مصارف کے باوجود سالانہ کافی رقم کی بچت ہوتی ہے اور سال بہ سال اس آمد میں اضافہ ہو رہا ہے تو کیا اس باقی ماندہ رقم سے کچھ رقم کو کسی اور

---

(۱) في رد المحتار : اذا خرب المسجد و وقع الاستغناء عنه الى مسجد آخر مانصه والذى ينبغي متابعة المشايخ المذكورين في جواز النقل فان المسجد اذا لم ينقل ياخذ انقاضه اللصوص (ردالمحتار كتاب الوقف، مطلب في نقل انقاض المسجد ٤ / ٣٦٠ ط . سعيد)

(۲) دیکھئے سابق نمبر ص ۲۶۳

(۳) سئل شيخ الاسلام عن اهل قرية افترقوا و تداعى مسجد القرية الى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشب المسجد وينقلونه الى ديارهم هل لواحد من اهل القرية ان يبيع الخشب بامر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه الى بعض المساجد او الى هذا المسجد ؟ قال نعم . (الهندية ، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر، ٢ / ٤٧٨، ٤٧٩ ط . ماجدية)

اسلامی کاموں پر صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اگر کیا جا سکتا ہے تو وہ کون سے امور ہیں ؟
المستفتی نمبر ۲۳۲۸ چناروالا مسجد۔ راندیر (سورت) ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۱ جون ۱۹۳۸ء
(جواب ۲٦٥) جب مسجد کی آمدنی اس قدر کثیر ہو کہ مسجد کو اس کی نہ فی الحال حاجت ہو اور نہ فی المآل تو ایسی حالت میں جمع شدہ زائد رقم کو کسی دوسری محتاج مسجد میں یا دینی تعلیم میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد کی ضرورت سے زائد آمدنی کو مساجد پر ہی خرچ کیا جائے

(سوال) ہندوستان کی اکثر مساجد جن کے مصارف کی کفایت اسلامی حکومت کرتی تھی لیکن اسلامی حکومت کے زوال کے بعد مسجدوں کے مصارف غیر اسلامی حکومت کے خزانہ سے بند کر دیئے گئے ہیں اور مسجد کے قریب رہنے والے مسلمانوں نے مسجد کی آبادی کو فریضہ اسلامی سمجھ کر مصارف کا انتظام اپنے ذمہ لے لیا اور مصارف مسجد کے لئے ذرائع آمدنی پیدا کرنے کی یہ ترکیب نکالی کہ مسجد کے آس پاس کی زمین پر جو بنائے مسجد کے بعد برسہا برس سے خالی پڑی تھی اور جس کا کوئی مالک نہ تھا یا مسجد کے قریب بعض مسلمانوں کی افتادہ زمین پر دوکانیں تعمیر کی گئیں اور غیر اسلامی حکومت نے ان دونوں قسموں کی زمینوں سے اس لئے کوئی واسطہ نہیں رکھا اور اعتنانہ کیا کہ وہ غیر قوموں کے معابد اور مذہبی امور کے انتظام و انصرام سے گریز کی روش اختیار لئے ہوئے تھے۔ رفتہ رفتہ تعمیر شدہ دوکانوں کے کرایہ سے اس قدر آمدنی ہونے لگی کہ امام و مؤذن کی تنخواہ، جائے نمازیں، روشنی، پانی مٹکے، بدھنے، رمضان شریف میں ختم قرآن پر حافظ کے وقت کی اجرت، تقسیم شیرینی، مسجد کی قلعی اور مرمت مسجد کی جائیداد کی مرمت کے بعد روپیہ پس انداز ہونے لگا۔ حتیٰ کہ بعض مساجد میں اس روپیہ کی تعداد کئی ہزار تک نوبت پہنچی ہے۔

مذکورہ بالا قسم کی آمدنی سے ضروریات مسجد کی تکمیل، جائیداد کی نگرانی، نئی جائیداد کی خریداری اور مداخل کی حفاظت و تحویل اہل محلہ کی ایک مجلس انتظامیہ کے سپرد ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا قسم کی آمدنی سے جو ضرورت مسجد کی تکمیل اور تکفیل کے بعد بچ رہتی ہے بہ نیت تبلیغ و توسیع علم دین (۱) تفسیر (۲) حدیث (۳) فقہ (۴) کلام (۵) سیر۔ (٦) تاریخ (۷) اخلاق (۸) تصوف کی کتابیں خرید کر عامۃ المسلمین کے لئے ایک دار المطالعہ اور کتب خانہ کا قیام جائز ہے یا نہیں قرآن شریف اور مسائل ضروریہ کی تعلیم کے لئے اہل محلہ کے بچوں کے واسطے کسی معلم کو مقرر کر کے مذکورہ بالا آمدنی سے تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں ؟

اور اگر مذکورہ بالا مدات پر یہ رقم صرف کرنا ازروئے شرع جائز نہیں ہے تو بتلایا جائے کہ مسجد کی ضروریات سے بچی ہوئی رقم و دولت کا مصرف خیر فی زمانہ کیا ہو سکتا ہے۔ کیا ہر سال ربیع الاول کے مہینہ میں دو تین سو روپے خرچ کر کے مولود شریف پڑھوادیا کریں یا محرم الحرام کے مہینہ میں تعزیہ بنواکر مرثیہ خوانی کی

(۱) رد المحتار، ۴/ ۳٦۴

مجالس میں پانچ چھ سو روپے خرچ کر دیا کریں یا یہ رقم انجمن تبلیغ اسلام مسلم لیگ اور جماعت احرار کے چندہ میں دے دیا کریں یا یتیموں اور بیوگان کو تقسیم کر دی جائے یا مظلومین فلسطین کے لئے ہندوستان سے باہر بھیج دی جائے۔ برطانوی ہند میں مسلمانوں کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے استفتا کا مدلل جواب مرحمت فرمایا جاوے واجرہ علی اللہ

المستفتی نمبر ۲۴۵۲ محمد عبدالرشید خاں صاحب ایم۔اے (اجمیر شریف) ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ م ۱۲ فروری ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۶۶) ہو الموفق۔ مذکورہ سوال رقوم جو اوقاف متعلقہ مساجد کی آمدنی میں سے ضروریات مساجد پوری ہونے کے بعد فاضل بچی ہوئی ہیں اور بظاہر مساجد کو ان رقوم کی نہ فی الحال حاجت ہے اور نہ آئندہ احتیاج کا خطرہ ہے۔ ایسی رقوم سے مساجد میں مدارس دینیہ کا اجرا یا دینی ضرورتوں کے ماتحت دارالمطالعہ کا قیام جائز ہے۔ مسجد یا اس کی متعلقہ وقف عمارت میں تعلیم کا اجراء مسجد کی تعمیر معنوی میں داخل ہے اور تعمیر مسجد شعائر اللہ میں شمار کی گئی ہے اور مصرف وقف مسجد میں شامل ہے ایسی رقوم کو مولود شریف یا تعزیہ یا مرثیہ خوانی پر خرچ کرنا جائز نہیں۔ اور کسی انجمن کی دینی ضروریات میں دینا اگر جائز بھی ہو۔ تاہم تعلیم پر خرچ کرنا بہتر اور افضل ہے۔(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد کی ضرورت سے زائد آمدنی سے علوم معاشیہ کے طلبہ پر خرچ کرنے کا حکم

(سوال) شہر بمبئی میں بعض ایسی مساجد ہیں جن کے تمام لازمی و غیر لازمی فرض واجب مسنون مستحب اور شرعی مصارف کے بعد بھی ان کی آمدنی سے ایک فاضل رقم بچ جایا کرتی ہے جو بیکار و معطل پڑی رہتی ہے اور مسلمانوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، اور مساجد کو نہ تو فی الحال اس کی ضرورت ہے نہ مستقبل میں ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ کیا ایسی فاضل رقم سے غریب مسلمان طلبہ علوم معاشیہ کیلئے جیسے ہائی اسکول، کالج، یونیورسٹی، صنعتی اداروں اور دینی درس گاہوں میں تعلیم کے لئے وظائف دیئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی ۲۴۸۲ حاجی غلام حسین صاحب بمبئی ۳ ۲۵ صفر ۱۳۵۹ھ م ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ء

(الجواب ۲۶۷) مساجد کے اوقاف کی آمدنی دراصل تو مساجد کے مصارف کیلئے ہوتی ہے۔ مگر جب آمدنی تمام مصارف پورے کرنے کے بعد بھی فاضل بچ جائے اور مساجد کو اس کی فی الحال بھی حاجت نہ ہو اور آئندہ حاجت پڑنے کا خوف بھی نہ تو ایسی فاضل آمدنی نادار اور غیر مستطیع دینی طلبہ کو امداد ی وظائف میں دی جا سکتی ہے۔ نیز جائز اور مباح علوم معاشیہ کے نادار اور غیر مستطیع طلبہ کو بھی دینا جائز ہے۔ دینی علوم کے نادار طلبہ زیادہ مستحق ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) یصرف الی عمارة المسجد ودهنه وحصيره وما فيه مصلحة المسجد على ان للقيم ان يتصرف في ذلك على مايرى. (عالمگیریه، کتاب الوقف، ج ۲/ ٤٦٠، ماجدیه) والاصح ماقال الامام ظهير الدين ان الوقف على عمارة المسجد وعلى مصالح المسجد سواء. (عالمگیریه، کتاب الوقف، ج ۲/ ٤٦٢، ماجدیه)
(۲) واذا استغنى هذا المسجد يصرف الى فقراء المسلمين فيجوز ذلك. كذا في الظهيرية. (عالمگیریه، کتاب الوقف، ج ۲/ ٤٦٠ ماجدیه)

ایک مزید گزارش

مجھے معلوم ہوا ہے کہ بمبئی کی مساجد کی رقوم بینکوں میں یا سرکاری تمسکوں کی صورت میں رکھی جاتی ہیں اور ان کا سود نہیں لیا جاتا۔ یہ بات بڑی خطرناک ہے یا تو رقوم بینکوں میں رکھی نہ جائیں اور نہ سرکاری تمسک خریدے جائیں یا پھر ان کا سود ضرور وصول کر لیا جائے تاکہ وہ مسیحی مشنریوں کے ہاتھ نہ لگے اور عیسائیت کی تبلیغ میں کام نہ آئے۔ اس سود کی تمام رقوم کو آپ تعلیمی وظائف میں خرچ کر دیا کریں اس رقم میں سے مسجد میں ایک پیسہ بھی خرچ نہ کریں۔ سب خیراتی اور تعلیمی امور پر خرچ کر دیں مگر بینک کے پاس یا سرکار کے پاس ہرگز نہ چھوڑیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد کی فاضل آمدنی سے علوم مغربی و مشرقی سیکھنے والے طلباء کو وظیفہ دینا

(سوال) شہر بمبئی و مضافات میں متعدد ایسی مساجد ہیں جن کے ساتھ عرصہ مدید سے ایسے مدارس قائم و وابستہ ہیں جن میں دینیات کے علاوہ علوم تاریخ جغرافیہ، حساب، منطق، گجراتی، اردو، انگریزی اور بعض میں صنعت و حرفت جیسے خیاطی و نجاری کی تعلیم مفت غریب مسلمان بچوں کو دی جاتی ہے اور اس تعلیم کے تمام یا بعض مصارف مساجد کی ان فاضل رقوم سے برداشت کئے جاتے ہیں جو مساجد کے تمام لازمی و غیر لازمی، فرض، واجب، مسنون، مستحسن اور شرعی اخراجات کے بعد باقی رہ جاتی ہیں لیکن اس کے بعد بھی ان مساجد کے اوقاف کی آمدنی کی ایک بہت بڑی رقم ہر سال بچ جاتی ہے جو بیکار اور معطل رہتی ہے اور مسلمانوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ مہربانی فرما کر یہ بتائیے کہ

(۱) اس فاضل رقم سے غریب مسلمان طلباء کو لسانیات، صنعت، علوم مغربی و مشرقی کی تعلیم کیلئے وظائف دیئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) یہ فاضل رقم اگر تعلیمی وظائف کیلئے نہ دی جائی تو پھر کسی اور شکل سے غریب مسلمانوں کے تعلیمی امور میں صرف کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۴۸۲ حاجی غلام حسین بمبئی ۲۵ صفر ۱۳۵۸ھ ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۶۸) یہ فاضل رقم جس کی مسجد کو نہ فی الحال حاجت ہے نہ فی المآل اندیشہ احتیاج ہے تعلیمی وظائف میں دی جا سکتی ہے۔ علوم شرعیہ کے طلباء اس کے مستحق ہیں اور علوم معاشیہ جو شرعی نہ ہوں ان کے طلباء کو بھی وظائف دیئے جا سکتے ہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

آل اولاد پر وقف کی صورت میں کون سی اولاد زیادہ مستحق ہے؟

(سوال) ایک شخص سنی المذہب مسلمان نے اپنے ایک وقف نامہ میں مندرجہ ذیل عبارت تحریر کی ہے اگر خدا

(۱) یصرف الی عمارۃ المسجد ودھنہ وحصیرہ ...... واذا ستغنی ھذا المسجد یصرف الی فقراء المسلمین فیجوز ذلک کذافی الظھیریۃ (عالمگیریہ، کتاب الوقف، ج: ۲/ ۴۶۰، ماجدیہ)

نخواستہ ہماری آل اولاد میں سے کوئی غربت وتنگ حالت میں آجائے تو ان کو حصہ موافق دیا کرے کہ محتاج نہ ہو اس موافق دیا کرنا۔ مندرجہ بالا عبارت کا لحاظ کرتے ہوئے کس کو مستحق سمجھا جائے؟

المستفتی نمبر ۲۴۸۷ محمد علی صاحب (برما) ۳ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ م ۲۳ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۶۹) اس عبارت کا مطلب تو یہ ہے کہ واقف کے خاندان میں سے جو لوگ حاجت مند ہو جائیں ان کو وقف کی آمدنی میں سے اس قدر دیا جائے کہ وہ حاجت مند نہ رہیں خاندان سے مراد یہ ہے کہ واقف اور اس کے باپ دادا، پردادا کی اولاد میں سے جو لوگ ہوں وہ واقف کے خاندان کے ہیں عورتوں کی وہ اولاد جس کے باپ غیر خاندان کے ہوں اس میں شامل نہ ہوگی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مساجد کی آمدنی قبرستان پر لگانے کا حکم

(سوال) کس مپرسی وغیرہ ذی استطاعت قبرستان مسلمانان شملہ میں چند اوقاف یعنی مسجد و جنازہ گاہ کا وجود بعض بہی خواہ اسلام اور حضور نظام خلد اللہ ملکہ کی مساعی جمیلہ واعانت کا نتیجہ ہیں۔ لیکن مسجد کے بعض دیگر لوازمات مثلاً غسل خانہ گورکن کے مکان کی توسیع وترمیم وغیرہ اس امر کے متقاضی ہیں کہ ان کی طرف جلد از جلد توجہ مبذول کی جائے۔ لیکن اوقاف مذکور کا کوئی ذریعہ آمد نہیں اور نہ مسلمانوں کی اس جانب کوئی توجہ منعطف ہوتی ہے۔ بایں ہمہ دیگر مساجد شملہ کے خزانہ میں ہزار ہا روپیہ پس انداز اور اخراجات سے کئی کئی گنا زائد سالانہ آمدنی ہے حتیٰ کہ بعض مساجد نے بونڈ بھی خرید کئے ہوئے ہیں۔

منتظم قبرستان مذکور متمول مساجد سے یا مسجد قطب سے قبرستان مذکور کی ضروریات کی تکمیل کے لئے متمنی استمداد ہیں۔ کیا حالات مذکورہ بالا کے پیش نظر مساجد شملہ جن کے کوئی وقف نامہ موجود نہیں اور جن کا روپیہ بنک میں جمع ہے اور آمدنی خرچ سے المضاعف ہے بروئے شریعت اسلام قبرستان مذکور کی ضروریات کی تکمیل کے لئے کوئی رقم بطور امداد دے سکتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۲۶۲۳ محمد عمر نعمانی (شملہ) ۲۳ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ م ۳۰ جون ۱۹۴۰ء

(جواب ۲۷۰) مسجد کے اوقاف کی آمدنی کا اصل حکم یہ ہے کہ اسی مسجد پر صرف کی جائے جس کے لئے وقف ہے البتہ اگر آمدنی اتنی زیادہ اور رقم اتنی جمع ہو گئی ہو کہ مسجد کو نہ فی الحال اس رقم کی حاجت ہے اور نہ اس کا اندیشہ ہے کہ آئندہ مسجد کو اس رقم کی حاجت پڑے گی تو اس زائد از حاجت رقم میں سے کسی دوسری محتاج مسجد کو امداد دی جاسکتی ہے۔(۲) قبرستان کی مسجد یا جنازہ گاہ یا ان کی متعلقہ ضروریات میں کسی مالدار مسجد کی رقم

(۱) قوم الرجل اقرباء والذين يجتمعون معه في جد واحد (المنجد عربي ، ص ۶۶۴ ط بيروت) وفي الهندية اذا وقف ارضه على اهل بيته دخل تحت الوقف كل من يتصل به من قبل آبائه الى اقصى اب له في الاسلام يستوى فيه المسلم والكافر والذكر والانثى والمحرم وغير المحرم والقريب والبعيد ويدخل فيه ولد الواقف ووالده ولا يدخل اولاد البنات واولاد الاخوات و كذالك اولاد من سواهن من الاناث الا اذا كان ازواجهن من بني اعمام الواقف (الهندية ، كتاب الوقف ، الباب الثالث ، الفصل السادس ، ۲ / ۳۹۱ ط ماجدية)

(۲) المسجد اذا خرب واستغنى عنه اهل القرية فرفع ذلك الى القاضي فباع الخشب وصرف الثمن الى مسجد آخر جاز. (رد المحتار كتاب الوقف ، ج : ۴ / ۳۵۹ ، سعيد)

ازحاجت رقم سے امداد کرنا متولیان مسجد کے لئے سخت ضرورت کے وقت جائز ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ

کسی مسجد کو کوئی چیز کم قیمت پر یا مفت میں دوسری مساجد کو دینے کا حکم

(سوال) ایک چیز تقریباً چار سال سے ایک مسجد میں بیکار ہے اور ہے بھی اسی مسجد کی۔ کیا متولیان مسجد اس چیز کو وہاں سے منتقل کر سکتے ہیں۔ ایک چیز سو روپے کی ہے اس کو کم قیمت پر دوسری مسجد میں یا مدرسہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں ؟ اور اب چیز کی اس مسجد میں ضرورت بھی نہیں۔ اگر روپیہ ہو کسی مسجد کا تو اس کو بھی کسی دوسری مسجد یا مدرسہ میں دینا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔ المستفتی نمبر ۲۸۱۵

(جواب ۲۷۱) جس مسجد کی وہ چیز ہے اگر اس مسجد میں کام نہیں آسکتی اور نہ اس کی قیمت کی اس مسجد کو ضرورت ہے کہ مسجد مالدار ہے تو اس چیز کو کسی دوسری مسجد میں دے دینا جائز ہے۔(۲) اگر جس مسجد کی ہے اس کو قیمت کی حاجت ہے تو پھر وہ چیز پوری قیمت سے فروخت کر کے اسی مسجد میں قیمت خرچ کی جائے۔(۳) اگر کسی مسجد کا روپیہ ہے اور اس کو اس روپے کی بالکل حاجت نہیں نہ فی الحال، آئندہ حاجت پڑنے کا اندیشہ تو روپیہ کسی غریب مسجد کے کام میں لگایا جا سکتا ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(سوال) متعلقہ استعمال مال مسجد۔

(جواب ۲۷۲) عمرو کو بڑی بتی جلانا نماز کے بعد درست نہیں۔ اگر وہ قرآن شریف مسجد ہی میں پڑھنا چاہے تو چھوٹی بتی میں پڑھے ورنہ اپنے گھر جا کر تلاوت کرے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

امام مقرر کرنے میں نمازیوں کی رائے کب معتبر ہوگی ؟

(سوال) (۱) مصلیوں کی رائے امام کے مقرر کرنے میں کس وقت کی جائے گی۔ (۲) مسجد کے مال وقف سے پیش امام کے وارثوں کو وظیفہ دینا پرورش یا تعلیم کے واسطے (باوجودیکہ واقف نے وقف نامے میں اس کا کچھ تذکرہ نہ کیا ہو) جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۰۷۵ عبدالحامد خاں (آگرہ) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۶ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۷۳) اگر متولیوں کا اختلاف ہو تو پھر نمازیوں کی رائے سے امام مقرر کرنا مناسب ہے۔(۶) اگر واقف نے تصریح نہ کی ہو اور متولیان سابق کا طرز عمل بھی ثابت نہ ہو تو پرورش یا تعلیم کے لئے وظیفہ وقف کی

---

(۱) وضمن متوليه لو فعل النقش او البياض الا اذا خيف طمع الظلمة فلا باس به قوله الا اذا خيف : اى بان اجتمعت عنده اموال المسجد وهو المستغنى عن العمارة (الدر المختار مع رد المحتار كتاب الصلاة . مطلب كلمة "لاباس" دليل على المستحب وغيره، ج ۱/ ۶۵۸ ، سعيد)

(۲،۴) بحواله سابق ج ۲ ص ۳۷۶

(۳) اتحد الواقف والجهة جاز للحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الاخر عليه، لا نهما حينئذ كشئ واحد . (تنوير الابصار مع الدرالمختار ، كتاب الوقف ، ج : ۴ ، ۳۶۰ ، سعيد)

(۵) ولو وقف على دهن السراج للمسجد لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين (عالمگيريه، كتاب الوقف ، ج : ۲ ، ۴۵۹ ، ماجديه)

(۶) فان اجتمعت هذه الخصال في رجلين يقرع بينهما او الخيار الى القوم . كذافي الخلاصة (عالمگيريه، كتاب الصلاة . الباب الخامس ج ۱ ، ۸۳ ، ماجديه)

آمدنی میں سے نہ دیا جائے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

وقف کی آمدنی سے خریدی ہوئی جائیداد کو فروخت کرنے کا حکم

(سوال) مسجد کے اوقاف کی آمدنی سے خریدی ہوئی جائیداد کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
(جواب ۲۷٤) مسجد کے اوقاف کی آمدنی سے خریدی ہوئی جائیداد بوقت ضرورت فروخت ہو سکتی ہے۔ وہ اصل وقف میں داخل نہیں ہوتی۔ في الهندية . متولي المسجد اذا اشترى بمال المسجد حانوتا او داراثم باعها جا ز اذا كانت له ولا ية الشراء . هذه المسئلة بناء على مسئلة اخرى ان متولي المسجد اذا اشترى من غلة المسجد دارا اوحانوتا فهده الدار وهذه الحانوت هل تلتحق بالحوانيت الموقوفة على المسجد ؟ ومعناه هل تصير و قفا؟ اختلف المشائخ رحمهم الله قال الصدر الشهيد المختار انه لا يلتحق ولكن يصير مستغلا (للمسجد كذا في المضمرات انتهى وكذافي الاشباه والنظائر . والفتاوى السراجية والتاتارخانية (كما نقل عنها العلامة الشامي) والدر المختار والله اعلم وعلمه اتم واحكم۔(۲)

محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ

مسجد کی آمدنی سے اظہار شوکت اسلام کی خاطر مسجد میں چراغاں کرنا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۲۷ء)

(سوال) کیا ایسی ضرورت کے وقت عامۃ المسلمین ایک اسلامی یادگار کے قیام واظہار کی خوشی بہ نیت اظہار شوکت اسلام اپنے گھروں میں چراغاں کریں تو آمدنی وقف جو آرائش وروشنی مساجد میں روزانہ خرچ کی جاتی ہے مذکورہ بالا موقع پر بھی روشنی کرنے میں صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ مثلاً ایک تقریب پیش کی گئی کہ حضرت محمد بن قاسم کی یادگار یوم آمد ہند کی خوشی میں وقف کی آمدنی سے چراغاں کیا جائے۔
(جواب ۲۷۵) کسی اسلامی قومی خوشی کی عام تقریب میں حد اعتدال کے اندر روشنی کرنا تو مباح ہے لیکن روشنی کرنے والے اپنے روپے سے کر سکتے ہیں۔ وقف کا روپیہ ایسے کاموں میں خرچ نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں اگر واقف نے صراحۃً متولی کو اس کی اجازت دی ہو تو جائز ہوگا۔ اور یہ تقریب جس کا سوال میں ذکر ہے یہ تو کوئی صحیح محل بھی روشنی کرنے کا نہیں ہے۔(۳) واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱)ومن اختلاف الجهة اذا كان الواقف منزلين احدهما للسكنى والآخر للاستغلال ، فلايصرف احدهما للآخر . وهي واقعة الفتوى . (رد المحتار ، كتاب الوقف، ج : ٤ / ٣٦٠، سعيد)
(۲)(الفتاوى الهندية ، كتاب الوقف، الباب الخامس ، ۲ / ٤١٧ ، ٤١٨ / ٢ ط . ماجدية)
(۳)لا باس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لو بماله لا من مال الوقف فانه حرام وضمن متوليه لو فعل (الشامية كتاب الصلاة ، مطلب كلمة لا باس دليل على ان المستحب غيره ١ / ٦٥٨ ط. سعيد)

آٹھواں باب
تصرف فی الوقف

مدرسہ کے لئے وقف شدہ زمین کو فروخت کر کے کسی دوسرے کار خیر میں بدلنا

(سوال) زید نے ایک قطعہ زمین واسطے تعمیر مدرسہ تحت عمرو و بکر منتظمان وقف کی آیا عمرو بکر اس قطعہ زمین کو بلا علم یا بلا رضامندی زید فروخت کر کے زر قیمت کسی دوسرے کار خیر میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(جواب ۲۷۶) جب کہ زید نے وہ زمین مدرسہ کے لئے وقف کر دی اور متولیوں کے سپرد کر دی تو اس زمین کا وقف صحیح ہو گیا اور زید کو کوئی حق تصرف مالکانہ کا اس پر نہیں رہا۔(۱) اب متولیوں کو لازم ہے کہ اس زمین پر مدرسہ تعمیر کریں۔ لیکن اگر مدرسہ تعمیر کرنے کے لئے روپیہ نہ ہو یا اور کسی وجہ سے تعمیر مدرسہ غیر ممکن یا غیر مفید ہو تو ایسی حالت میں جائز ہے کہ اس زمین پر کوئی عمارت بنا کر کرایہ پر دی جائے اور اس کا کرایہ کسی دوسرے اسلامی مدرسہ پر صرف کیا جائے تاکہ حتی الامکان جہت وقف کی رعایت رہے۔(۲) اور جب تک کہ کسی صورت سے نفس موقوف علیہ کے کام میں آسکے یا اس کے مثل میں منتفع بہ ہو۔ بیچ کے اس کو فروخت کرنا ناجائز ہے۔(۳)

کیا مکان موقوفہ کو بعد دکانوں سے بدلا جا سکتا ہے؟

(سوال) زید نے اپنی جائیداد کو اپنی اولاد کے اوپر وقف کیا۔ خلاصہ وقف نامہ یہ ہے :-

میں چونکہ عمر طبعی کو پہنچ چکا ہوں اس لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی جائیداد جو کہ میری مملوکہ ہے اور جملہ دیون شرعی و قانونی سے پاک و صاف ہے۔ اس کا ایسا انتظام کر دوں جس سے اللہ و رسول کی رضامندی حاصل ہو۔ اس لئے جائیداد محدودہ مفصلہ ذیل کو وقف دوام گرفتہ اللہ تعالیٰ کرتا ہوں جس سے اجرا امور خیر کا اور پرورش اولاد کی ہمیشہ ہمیشہ ہوتی رہے تاکہ میرے لئے اجر ہو اور بعد میرے نزاع وارثان میں نہ ہو اس لئے میں نے برضا و رغبت قلبی و حواس خمسہ بلا جبر و اکراہ فلاں جائیداد کو وقف کر کے ملکیت میں قادر حقیقی حی القیوم کے کر دیا۔ اور میں بذات خود تاحیات اس کا متولی رہوں گا اور باختیار خود جس طرح مناسب خیال کروں گا اس جائیداد کی آمدنی صرف کروں گا اور مجھ کو یہ بھی اختیار رہے گا کہ اگر اور کوئی جائیداد اس سے زیادہ آمدنی کی کہیں فروخت ہوتی ہو گی تو اس جائیداد کے جزو یا کل کو فروخت کر کے خرید لوں تاکہ آمدنی وقف میں اضافہ ہو جائے۔ مگر جائیداد جدید خرید کردہ بھی وقف ہی رہے گی اور جملہ اختیار شکست و ریخت، میرے اختیار سے بحیثیت متولیانہ ہوں گے اور بعد میرے میرے بیٹے عمرو بکر کو ہوں گے۔ الا مکان مسکونہ واقع محلہ چاہ نرگس پر اختیار محض بکر کو جملہ اقسام کا رہے گا۔ وہ اس مکان میں موجودہ نسل سے جس کو چاہیں رکھیں یا نہ رکھیں۔ اور بعد میرے اپنی حیات تک

(۱، ۳) عندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته الى العباد ، فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث كذا في الهداية وفي العيون واليتيمة ان الفتوى على قولهما . كذا في شرح الشيخ ابى المكارم للنقاية . (عالمگيريه ، كتاب الوقف اوائل الباب الاول ۲ / ۳۵۰ ط . ماجدية)

(۲) حوالہ سابق نمبر ا ص ۲۷۸

یہ دونوں متولی رہیں گے ان کے بعد وہ شخص جو ان کی اولاد میں ہو متولی ہوگا۔ جس کو بہ شرط دین متولی بنائیں مگر کسی کو رہن و بیع کا اختیار نہ ہوگا اور ہمیشہ جائیداد وقف علی الاولاد دوامارہے گی اور اس وقف نامہ کو رجسٹری بھی کرا دیا گیا۔ اس کی چند مدت بعد زید نے مکان مسکونہ کا جس کو خاص بکر کے اختیار میں بذریعہ وقف نامہ رجسٹری شدہ مذکورہ بالا دے دیا تھا اس کو بکر کی ذاتی دکانات سے تبادلہ کرلیا اور تبادلہ نامہ کا حاصل یہ ہے :۔

مجھ کو وقف نامہ مذکور میں حق حاصل ہے کہ مکان مذکورہ کو بیع کردوں اور کوئی دوسری حقیقت خریدلوں۔ لہذا میں نے صاحب جج بہادر سے اجازت حاصل کرلی ہے کہ جائیداد موقوفہ کو بیع کر کے اور کوئی دوسری حقیقت خرید لی جاوے جو اسی حیثیت کی ہوگی۔ مکان کا کرایہ مبلغ پچیس (۲۵) روپے ہے اور دکانات کا مبلغ پینتالیس روپے آٹھ آنے ہے اور مکان دوکانات آپس میں ہم حیثیت ہیں۔ اس لئے بحالت ثبات عقل و حواس خمسہ اپنا نفع خیال کر کے میں نے مکان کا دکانات سے تبادلہ کرلیا جو موقوفہ متصور ہوں گی۔ پھر نیچے حدود اربعہ تبادلہ نامہ میں تحریر ہے کہ دکانات جس کو میں نے اپنے قبضہ میں لیا ہے جو بمنزلہ مکان موقوفہ ہیں۔ اب چونکہ یہ دکانات قائم مقام مکان کے ہیں اور مکان فقط بکر کے واسطے ہی وقف تھا لہذا دکانات بھی بکر ہی کے واسطے وقف ہونی چاہئیں اب سوال یہ ہے :۔

(۱) یہ دکانات حسب تصریح تبادلہ نامہ رجسٹری شدہ بمنزلہ مکان موقوفہ کے قائم مقام بحق بکر ہی وقف رہیں گی جیسا کہ تبادلہ نامہ سے بحق بکر ہی صاف ظاہر ہے یا وہ مثل دیگر اوقاف زید کے متصور ہوں گی۔

(۲) زید نے بکر کی اجازت اور رضامندی سے بکر کے مکان مسکونہ کو جس کو زید نے بکر کی ملکیت اور انتظام میں دے دیا تھا بذریعہ وقف نامہ اپنی رائے سے فروخت کردیا۔ اس لئے زید نے مرض الموت میں بحق پدرانہ اپنے حق میں قرضہ تصور کرتے ہوئے بکر کو بارہ ہزار روپے واسطے خرید مکان کے دینے چاہے جس میں آٹھ ہزار نقد ادا کیا اور چار ہزار روپے کا بشرط حیات اپنی وعدہ کیا مگر بعد وفات زید ورثاء نے اس رقم کو تنہا بکر کے حق میں ناجائز قرار دیا۔ ایسی صورت میں از روئے شرع کیا حکم ہے؟

المستفتی نمبر ۱۲۶ حاجی عبدالاحد عبدالرحمن (مراد آباد) ۱۸ محرم ۱۳۵۵ھ م ۴ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۷۷) تمام کاغذات نقل وقف نامہ مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۲۷ء اور نقل تبادلہ نامہ مورخہ ۹ نومبر ۱۹۳۳ء اور نقل رسید مبلغ آٹھ ہزار روپے مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۴ء اور نقل یادداشت مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۴ء میں نے دیکھے۔ ان کے مطالعہ سے امور ذیل معلوم ہوئے۔

(۱) وقف نامہ میں جو جائیداد وقف کی تھی اس میں مکان مسکونہ محلہ چاہ نرگس بھی شامل اس لئے وہ بھی وقف ہوا۔

(۲) بحیثیت وقف ہونے کے وہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوسکتا۔(۱)

(۳) وقف نامہ میں حاجی عبدالاحد کو مکان مسکونہ کے انتظام اور سکونت کا حق دیا گیا تھا۔

(۴) اس بنا پر یادداشت مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۴ء میں یہ لکھنا کہ "بالکل تمہاری ملکیت اور انتظام

(۱) دیکھئے سابق نمبر ا ص ۲۷۹

میں دے دیا تھا۔" غلط ہے۔ کیونکہ ملکیت میں دینے کا نہ وقف نامہ میں ذکر ہے اور نہ وقف ہونے کے بعد کسی کی ملکیت میں دینا متصور ہے۔

(۵) تبادلہ نامہ میں جب مکان کو بعوض دکانات مملوکہ حاجی عبدالاحد فروخت کیا گیا تو اس سے ثابت ہوا کہ مکان عبدالاحد کی ملکیت نہ تھا۔ ورنہ عبدالاحد کی ملکیت کو عبدالاحد کی دوسری ملکیت سے بدلنے کے کیا معنی؟

(۶) نیز تبادلہ نامہ میں یہ ظاہر کیا گیا کہ اس تبادلہ میں واقف یا وقف کا فائدہ ہے کہ مکان کا کرایہ کم ہے اور دکانوں کا زیادہ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دکانیں وقف میں شامل ہو گئیں اور ان کا فائدہ موقوف علیہم کو پہنچے گا۔ اگر تنہا عبدالاحد کو یہ فائدہ پہنچتا تو تبادلہ بیکار اور لایعنی ہوتا۔

(۷) یہ تبادلہ وقف کی شرط تبادلہ کے ماتحت صحیح ہو گیا۔(۱) اس لئے مکان مسکونہ عبدالاحد کی ملکیت ہو گیا اور دکانات وقف میں شامل ہو گئیں۔

(۸) انتظام کا جو حق کہ وقف نامہ میں مکان مسکونہ پر عبدالاحد کو دیا گیا تھا وہ ختم ہو گیا۔ کیونکہ اب مکان مسکونہ وقف میں داخل نہیں رہا۔

(۹) دکانات وقف میں شامل ہو گئیں اور ان کا فائدہ عام موقوف علیہم کو پہنچے گا اور تبادلہ نامہ میں اس کی تصریح نہیں کی گئی کہ اس کا انتظام بھی عبدالاحد کی ہاتھ میں رہے گا اس لئے وہ متولیان وقف کے زیر انتظام آجائیں گی۔

(۱۰) آٹھ ہزار روپے کا ہبہ جو عبدالاحد کو کیا گیا وہ اگر مرض الموت میں ہوا ہے تو بدون رضامندی دیگر ورثہ کے درست نہیں ہوا۔ نیز اس ہبہ کی یادداشت اس امر کی بھی دلیل ہے کہ عبدالاحد سے مکان مسکونہ کا انتفاع جو ان کی رضامندی سے واپس لیا گیا اس انتفاع کے قائم مقام دکانوں کا انتظام در انتفاع نہیں ہوا۔ ورنہ واقف اس کی تلافی کرنے اور اس کو اپنے ذمہ قرض سمجھنے کی تصریح نہ کرتا۔

بہر حال اس تمام روداد پر سوالات مذکورہ کا جواب یہ ہے کہ دکانات واقف کی موقوفہ جائیداد میں شامل ہو گئیں اور متولیان وقف کے زیر انتظام آ گئیں۔ حاجی عبدالاحد کا وہ خصوصی اختیار جو مکان پر ان کو دیا گیا تھا ان دکانوں کے ساتھ متعلق نہیں رہا۔ آٹھ ہزار روپے کا ہبہ مرض الموت میں ہوا ہے تو صحیح نہیں ہوا۔ کیونکہ مرض الموت کا ہبہ وصیت کے حکم میں ہوتا ہے اور وارث کے لئے وصیت بدون رضامندی دیگر ورثاء کے درست نہیں۔(۲) محمد کفایت اللہ

مسجد کے لئے وقف کھیت کو دوسرے کھیت سے تبدیل کرنے کا حکم

(سوال) کسی شخص نے ایک کھیت مسجد میں وقف کر دیا اور اس کو کسی نے ناجائز دبا و دیا۔ دوسرے وال کے کہنے سے وہ

(۱) واما الاستبدال ولو للمساكين آل بدون الشرط فلا يمكنه الا القاضي (الدر المختار كتاب الوقف. ج: ۴، ۳۸۶، سعيد)

(۲) ولو اوصى لوارثه او لاجنبي صح حصة الاجنبي ، ويتوقف في حصة الوارث على اجازة الورثة ان اجازوا جاز و ان لم يجيزوا بطل (عالمگيريه، كتاب الوصايا، ج: ۶، ۹۱، ماجديه)

شخص کہتا ہے کہ کھیت کے بدلے مسجد میں دوسرا کھیت دوں۔ اس دینے والے کو کچھ گناہ تو نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۱۷۷ عبدالرحیم صاحب۔ ضلع احمد آباد (گجرات) ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۹ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۷۸) جو کھیت مسجد میں وقف کردیا وہ وقف ہو گیا۔ اس کے بدلے میں دوسرا کھیت نہیں بلکہ وہی کھیت دینا چاہئے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

امام کو خیانت ظاہر ہوئے بغیر امامت سے معزول کرنے کا حکم

(سوال) ایک شخص آزادی کا حامی ایک مسجد میں متعین ہے اور اس کے متعلق کچھ تعلیم دین بھی ہے جمعہ میں وہ خطبہ بھی دیتا ہے۔ فلسطین میں عربوں پر انسانیت سوز مظالم سے متاثر ہو کر وہ حکومت کے خلاف مظاہرہ کرتا ہے اور شرکاء جمعہ کو ظلم سے آگاہ کر کے فلسطین کے مظلوم عربوں کے ساتھ ہمدردی پر ابھارتا ہے وزیرستان پر مظالم کا بے پناہ سلسلہ ہے اس کے صدمے میں وہ ظلم کی فریاد کرتا ہے۔ اور مسلم خون کی ارزانی کی داستان سے پر اشک ہے اور ظالموں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے پبلک کو اس صدمہ میں شریک غم بناتا ہے۔ غریب کی ہمدردی میں سرمایہ دار کی چیرہ دستیوں کی شکایت کرتا ہے۔ اور غریب کو اس کے حقوق سے آگاہ کرتا ہے اور حکومت کے رویہ پر نرم نکتہ چینی کرتا ہے اور مسلمانوں کو ابھارتا ہے کہ وہ ہر انسانی غلامی سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی غلامی کریں اور جہاں انسان اور خدا کے احکام میں ٹکر ہو جائے اللہ تعالیٰ کا ہو جائے۔ کانگریس کا ممبر بن چکا ہے۔ جمعیۃ العلماء مجلس احرار اسلام کے مقاصد اور لائحہ عمل سے اس کو ہمدردی ہے اور ان میں کامیابی کا ساعی ہے۔ جس مدرسہ سے اس کا تعلق ملازمت ہے اس کا بانی زندہ ہے۔ اس نے کچھ جائیداد اخراجات مدرسہ کے لئے وقف کی ہوئی ہے اور وقف نامہ میں یہ حق اپنا سمجھتا ہے کہ اس وقف کو روک لے یا دوسرے کسی ادارے میں وقف منتقل کردے اور امام کو مذکورہ بالا جذبات واقدامات کے سبب مدرسہ و مسجد کی ملازمت سے علیحدہ کردے اور چاہتا ہے کہ لوگ اس واقف اور بانی مسجد کے ہمنوا ہوں جس میں وہ زور زر سے کامیاب ہو سکتا ہے۔ کیا ایسے امام و مدرس کو مذکورہ وجوہات کے باعث مسجد کی امامت و خطابت سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے اور شرعاً اس کا بانی مسجد کو کوئی حق حاصل ہے۔ نیز کیا وہ بانی اپنی وقف کی آمدنی کو محض اس وجہ سے صرف سے روک سکتا ہے اور کیا اس وقف کو کسی دوسرے ادارے میں منتقل کر سکتا ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۰۳۱ سکریٹری انجمن رحمانیہ (ملتان) ۷ انومبر ۱۹۳۷ء ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ

(جواب ۲۷۹) امام کے ان افعال کی بنا پر اس کو امامت یا خطابت سے علیحدہ کرنا ظلم ہے۔ اور اس بنا پر وقف کو کسی دیگر ادارے میں منتقل کرنا اس کے اختیار سے باہر ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) ولو کان مسجد فی محلۃ ضاق علی اھلہ ولا یسعھم ان یزیدوا فیہ فسالھم بعض الجیران ان یجعلوا ذالک المسجد لہ لیدخلہ فی دارہ ویعطیھم مکانہ عوضا ما ھو خیر لہ فیسع فیہ اھل المحلۃ قال محمد رحمۃ اللہ علیہ لا یسعھم ذالک. کذا فی الذخیرۃ (عالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر ۲/ ۴۵۷ ط. ماجدیۃ)

(۲) استفید من عدم صحۃ عزل الناظر بلا جنحۃ عدمھا لصاحب وظیفۃ فی وقف بغیر جنحۃ و عدم اھلیۃ من الاشباہ اذا السلطان مدرسالیس باھل لم تصح تولیہ فان الا ھل لم یعزل وصرح البزازی فی الصلح بان السلطان اذا اعطی غیر المستحق فقد ظلم مرتین بمنع المستحق واعطائہ غیر المستحق (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب لا یصح عزل صاحب وظیفۃ بلا جنحۃ و عدم اھلیۃ ۴/ ۳۸۲ ط. سعید) سئل شمس الائمۃ الحلوانی عن مسجد او حوض وھناک مسجد محتاج الی العمارۃ او علی العکس ھل یجوز للقاضی صرف وقف ما استغنی عن العمارۃ الی عمارۃ ما ھو محتاج الی العمارۃ؟ قال لا کذا فی المحیط (الھندیہ، کتاب الوقف، الباب الثالث عشر ۲/ ۴۷۸ ط. ماجدیہ)

قبرستان کی خرید و فروخت کا حکم

(سوال) قبرستان کا خرید و فروخت ممنوع ہے چنانچہ ہدایہ وغیرہ میں مسطور ہے کہ اگر کسی نے قبریں فروخت کیں تو شریعت محمدی نے اس کے لئے کیا تعزیر مقرر فرمائی اور بھٹہ خشت ہائے پختہ کے لئے کس قدر فاصلہ محدود کر کے بنایا جائے قبرستان سے۔

المستفتی نمبر ۲۴۴۲۶ غلام مصطفیٰ صاحب (سرحد) ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ م ۱۲ جنوری ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۸۰) قبرستان اور ہر موقوفہ شے کی بیع و شرا ناجائز ہے۔ بائع اور مشتری دونوں قابل تعزیر ہیں۔(۱) بھٹہ قبرستان سے اتنے فاصلہ پر ہو کہ اس کی گرمی اور بدبو قبرستان تک نہ پہنچے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

تولیت کی ترتیب، وقف میں ردوبدل اور وقف کے ایک سے زیادہ مصارف کا حکم

(سوال) (۱) ایک شخص نے اپنی جائیداد کو وقف کیا اور وقف نامہ میں اغراض وقف یہ تحریر کیں کہ ایک مدرسہ جاری کیا جاوے جس میں مسلمان بچوں کو تعلیم دین کے ساتھ علم معاش کی بھی تعلیم دی جایا کرے جو ضرورت وقف کے لحاظ سے ضروری ہو آمدنی جائیداد موقوفہ سے مدرسہ کی مرمت، مدرسین کی تنخواہ طالب علموں کے وظائف، کتابوں کی فراہمی کی جایا کرے۔ ان اغراض کے بعد وہ وقف نامہ میں تحریر کرتا ہے (الفاظ واقف) اگر کسی وقت اس کی یا اس میں سے بعض کی ضرورت نہ ہو تو کل آمدنی موقوفہ یا اس کا جزو جیسی کہ صورت ہو عام فقراء مساکین، مریضوں اور مسافروں کے لئے صدقہ ہے جو ان کی امداد و حاجت روائی میں صرف کی جائے گی۔ وقف ہونے کے بعد واقف نے مدرسہ جاری کر دیا جو کہ چلتا رہا پھر واقف نے اپنے مرنے سے قبل یہ انتظام جدید کیا کہ مدرسہ بھی چلتا رہے اور بقیہ آمدنی موقوفہ سے فقراء مساکین، مریضوں اور مسافروں کے لئے بھی انتظام امداد کر دیا لہذا سوال یہ ہے کہ واقف نے جو اپنی وفات سے قبل یہ انتظام کہ مدرسہ بھی چلے اور بقیہ آمدنی فقراء مساکین، مریضوں، مسافروں کی امداد میں صرف کی جائے گی لہذا یہ فعل اور انتظام واقف کا کرنا شرعاً جائز اور درست ہے یا نہیں؟

(۲) واقف نے ایک وقف کیا اور موقوفہ کا متولی اپنی بیوی کو مقرر کیا اور بیوی کے بعد ایک نابالغ لڑکے کو متولی مقرر کیا یعنی یہ کہ اپنی زندگی تک بیوی متولی رہے گی اور بیوی کی وفات کے بعد یہ لڑکا متولی موقوفہ کا ہو گا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک واقف یکے بعد دیگرے اپنی حیات تک متولی موقوفہ کے مقرر کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) ایک واقف نے ایک وقف کیا اور وقف نامہ میں تولیت کے متعلق یہ تحریر کیا۔ (الفاظ واقف) "تولیت اس وقف کی میری حیات تک مجھ سے متعلق رہے گی اور میرے بعد جس کو میں بذریعہ تحریر متولی مقرر کر جاؤں اور پھر اس سے جس کو وہ مقرر کرے۔" چھ ماہ بعد واقف نے ایک شخص زید کو اپنی زندگی میں متولی موقوفہ کا

---

(۱) وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته الى العباد فيلزم و لا يباع ولا يوهب ولا يورث ان الفتوى على قولهما (عالمگيرية، كتاب الوقف، الباب الاول ۲ / ۳۵۰ ط. ماجدية)

(۲) یونکہ حدیث شریف میں ہے اذى المؤمن فى موته كاذاه فى حياته. مرقاة ج ۱ / ۵۸۲

مقرر کر دیا اور پھر چھ ماہ بعد ایک شخص عمر کو زید کی وفات کے بعد متولی ہونا تحریر کر دیا یعنی یہ کہ (زید) اپنی حیات تک متولی رہے گا اور زید کی وفات پر عمر متولی ہو گا۔ اب واقف تو مر گیا ہے۔ اب زید یہ کہتا ہے کہ میں موجودہ متولی ہوں اور حسب شرائط وقف نامہ جیسا کہ الفاظ وقف نامہ میں تحریر ہیں۔ (الفاظ واقف) جس کو میں بذریعہ تحریر متولی مقرر کر دوں اور پھر وہ جس کو متولی مقرر کرے (عمر) یہ کہتا ہے (زید) سے کہ تمہارے بعد واقف نے مجھ کو متولی مقرر کیا ہے اب سوال یہ ہے کہ زید موجودہ متولی کا مقرر کردہ شخص زید کی وفات پر متولی ہو گا یا واقف کا۔ زید کی وفات پر عمر مقرر کردہ متولی ہو گا۔

(۴) ایک واقف نے جو شرائط یا انتظام تولیت کے بارے میں وقف نامہ میں مقرر کیا ہے کیا واقف اپنی زندگی میں اس کو تبدیل یا ردوبدل کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۴۶۲ محمد حسین صاحب انصاری (آگرہ) ۷ محرم ۱۳۵۸ھ م ۱۹ مارچ ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۸۱) (۱) جب کہ مدرسہ بھی جاری ہے یعنی اغراض متقدمہ بھی پورے ہو رہے ہیں اور ان کے ساتھ امداد یتامیٰ و مساکین بھی جاری کر دی تو یہ تصرف جائز ہوا۔(۱)

(۲) تولیت کی ترتیب واقف معین کر سکتا ہے اور اگر کوئی بات صریح طور پر مفاد وقف کے خلاف نہ ہو تو اس کی معین کردہ ترتیب قائم رکھی جائے گی۔(۲)

(۳) واقف کی آخری تحریر یا آخری تجویز پر عمل ہو گا۔ پہلی تحریر آخری تحریر سے منسوخ ہو گئی۔(۳)

(۴) شرائط وقف میں سے جو شرائط کہ تولیت اور متولی کے متعلق ہوں ان کو واقف بدل سکتا ہے۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

الجواب صحیح فقیر محمد یوسف دہلوی۔ مدرسہ امینیہ دہلی

کیا منشاء واقف وقف میں ردوبدل ہو سکتا ہے؟

(سوال) حسب منشائے واقف جائیداد موقوفہ کے اندر انتظام وانصرام ضروری ہے یا وقتاً فوقتاً مصلحت و ضرورت وقت کا لحاظ کر کے ردوبدل کی گنجائش منتظم و کارکنان کو حاصل ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۴۸۴ حافظ محمد رفیق الدین صاحب۔ بہار شریف (پٹنہ) ۲۵ صفر ۱۳۵۸ھ م ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ء

---

(۱) اذا جعل داره او بنی دارا وجعلها لطلبة العلم والقرآن والمتفرغين لهما وللعبادة والخير يسكنونها فهو جائز (النتف في الفتاوى كتاب الوقف ص ۳۱۹)

(۲) (ولاية نصب القيم الى الواقف ثم لوصيه) (تنوير الابصار، كتاب الوقف، ۴/۴۲۱ ط. سعيد) وفي الشامية: لو شرط الواقف كون المتولي من اولاده و اولادهم ليس للقاضي ان يولي غيرهم بلا خيانة، ولو فعل لا يصير متوليا (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب لا يجعل الناظر من غير اهل الوقف، ۴/۴۲۵ ط. سعيد)

(۳، ۴) (اراد المتولي اقامة غيره مقامه في حياته ان كان التفويض له عاما صح) ولا يملك عزله (الدر المختار) وفي الشامية (قوله ولا يملك عزله الخ) بخلاف الواقف، فان له عزل القيم وان لم يشترطه، والقيم لا يملكه كالوكيل (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب للناظر ان يوكل غيره، ۴/۴۲۵ ط. سعيد)

(جواب ۲۸۲) منشاء واقف کا لحاظ ضروری ہے۔ایسا تغیر و تبدل جو اصولاً منشاء واقف کے خلاف نہ ہو جائز ہو سکتا ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) مسجد اور مدرسہ کی آمدنی سے زمین خرید کر اپنی اور اپنے اولاد کے تولیت کا قبالہ لکھوانے سے وقف صحیح ہے
(۲) مسجد شرعی میں نماز پڑھنے سے روکنا درست نہیں

(سوال) ساؤتھ افریقہ میں ایک بزرگ نے مسلمانوں سے چندہ فراہم کر کے ساؤتھ افریقہ کے اکثر مقامات میں مساجد و مدارس بنوانے کے لئے زمین اپنے نام پر خریدی اور اس میں اسی پیسہ سے مساجد و مدارس بنوائے اور قبالہ اس طرح کا تحریر فرمایا کہ مذکورہ مسجدوں اور مدرسوں کے متولی خود ہیں۔بانی مسجد کے انتقال کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے پھر بڑے صاحبزادے کے بعد پوتے علیٰ ہذا القیاس اگر بڑے صاحبزادے کے کوئی اولاد نہ رہے تو اس وقت مسجد کے اطراف تین میل کے سنی مسلمانوں کو یہ حق ہو گا کہ وہ بانی مسجد کی دیگر اولاد کو مسجد کی تولیت کے لئے انتخاب کریں خواہ بیٹے پوتے نواسے ہوں۔بہر حال قبالہ کی رو سے تولیت کا حق موصوف اور نسل موصوف کو ہے تاہم اکثر مسجدیں اور مدارس قبالہ کی تبدیلی کے بغیر مسلمانوں کے سپرد ہیں۔متولی صاحب اس میں کچھ تعرض نہیں کرتے۔جس مسجد کے متعلق فساد برپا ہے وہ مور سبرگ (ناٹال) سے متعلق ہے۔مسلمانوں کا یہ اعتراض ہے کہ چونکہ قبالہ اس صورت کا ہے اس لئے مسجد وقف نہیں اور موصوف کی بنائی ہوئی مسجدوں میں نماز صحیح نہیں الخ مذکورہ مسجد کے علاوہ دوسری سب مسجدوں میں نماز ہوتی ہے۔اب اس کے متعلق چند سوالات مندرجہ ذیل ہیں :۔

(۱) اس صورت کا قبالہ ہونے سے مسجد وقف ہے یا نہیں ؟

(۲) اگر وقف نہیں تو وقف کی کون سی صورت ہے ؟

(۳) مذکورہ طریقہ کا قبالہ بنانا از روئے شرع درست ہے یا نہیں ؟

(۴) اس مسجد کی نسبت ایسی کارروائی کرنا جو مسجد کے شایان شان نہ ہو یعنی عام مسلمانوں سے مسجد کے خلاف دستخط کرانا اور ان کو مسجد میں آنے سے روکنا اور یہ کہنا کہ بانی مسجد نے قبالہ میں یعنی ٹرسٹ ڈیڈ میں خود اور اپنی اولاد کا حق تولیت رکھا ہے اس لئے یہ بانی مسجد کی ملکیت ہے جب تک دوسرے مسلمانوں کو تولیت میں شامل نہ کریں اس وقت تک اس مسجد میں نماز نہ پڑھیں اور مسجد کا بائیکاٹ کریں۔یہ ہے ان کا مطالبہ چنانچہ معدودے چند لوگ ہیں جو صرف جمعہ کو آتے ہیں۔مخالف بھی معدودے چند ہیں لیکن مخالفوں نے عام مسلمانوں کو بھکا کر دستخط کرا لیے ہیں تو ایسی حرکات کی نسبت شرعاً کیا حکم ہے ؟

(۵) مذکورہ بالا مطالبہ یعنی قبالہ کو مطلق بدل دیا جائے تو صحیح ہے یا نہیں ؟

---

(۱) شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفهوم والدلالة و وجوب العمل به (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب فی

(۶) مسجد ہی کے متصل مسجد کی زمین میں گھر بھی ہیں جس میں متولی صاحب رہتے ہیں تو متولی صاحب رہنے کے مستحق ہیں یا نہیں ؟

(۷) بانی مسجد کا انتقال ہوئے پچیس چھبیس سال کا عرصہ ہو گیا اب ان کے بڑے صاحبزادے متولی ہیں جو بمبئی میں مقیم ہیں۔ موصوف کے دوسرے بھائیوں کے زیر نگرانی بعض مسجدیں ہیں۔ اور بعض مسلمانوں کے سپرد ہیں۔ اوپر لکھ دیا ہے۔ اس طرح کی نگرانی کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

(۸) ان مسجدوں کے لئے تو کوئی مستقل آمدنی نہیں مانگ تانگ کر مسجد اور مدرسہ کی ضروریات کو بھی پورا کرنا اور متولی صاحب اپنے اہل و عیال پر بھی صرف کریں۔ چنانچہ قبالہ میں بھی یہی لکھا ہے کہ یہ مسجدیں اور مدرسہ مسلمانوں کے مذہبی امور کے لئے ہیں اور چندہ سے جو آمدنی ہو گی وہ مسجد اور مدرسہ کے کام میں صرف کریں اور اسی سے اپنا نفقہ بھی پورا کریں تو متولی صاحب اس آمدنی کو اپنے اہل و عیال کے لئے صرف کرنے کے مستحق ہیں یا نہیں ؟ اگر آپ قبالہ ملاحظہ کرنا چاہتے ہوں تو جواب ملتے ہی فوراً خدمت میں بھیج دوں گا۔

نوٹ :۔ ہم مسجد اور مدرسہ بلا کسی شرط پر مسجد کے تمام کاروبار مسلمانوں کو دینے کے لئے تیار ہیں، لیکن وہ ضد کر رہے ہیں کہ قبالہ کو بھی بدل دیا جائے جب لیں گے ورنہ نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۵۰۷ عبدالمجید صاحب (افریقہ) ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ ۱۲ جون ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۸۳) مسجد اور مدرسہ اور اس کے متعلقہ مکانات وغیرہ کے قبالوں میں اگر اس کی تصریح کر دی گئی ہو کہ یہ تمام وقف ہیں کوئی ذاتی ملکیت کا ذکر نہ ہو اور نہ یہ اندیشہ ہو کہ ذاتی ملکیت کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے تو اس صورت میں قبالہ بدلنا لازم نہ ہو گا صرف اتنی بات سے کہ تولیت کا حق واقف یا بانی کی اولاد کے لئے رکھا ہے وقف میں کوئی خرابی نہیں آتی۔(۱)

چندے کی رقم میں سے متولی اپنی تنخواہ یعنی عمل کی اجرت لے تو جائز ہے۔ مسجد کے متعلق وقف مکان میں متولی رہ سکتا ہے مگر یہ بھی اس طرح کہ گویا مکان کا کرایہ اس کی تنخواہ میں شامل ہے۔(۲)

لیکن اگر قبالہ اس قسم کا ہو کہ اس کی وجہ سے کسی وقت ذاتی ملکیت کا دعویٰ ہو سکتا ہو اور قبالہ کو بطور حجت کے پیش کیا جا سکتا ہو تو پھر قبالہ کو بدلوانا ضروری ہو گا اور جب کہ یہ تمام اشیاء مسجد، مدرسہ، مکانات فی الحقیقت وقف ہیں تو قبالہ کو بدلوانے میں کیا تامل ہے۔

متولی کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے اطمینان کے لئے قبالہ کو تبدیل کرا دے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

امامت سے معزول ہونے کے بعد مسجد کی زمین سے نفع اٹھانے کا حکم

(سوال) جامع مسجد محلہ قلعہ واقعہ قصبہ دیوبند جو کہ سلطان سکندر شاہ بن بہلول شاہ کے زمانہ کی تعمیر شدہ ہے

---

(۱) (لا يجعل القيم فيه من الاجانب ماوجد في ولد الواقف واهل بيته من يصلح لذالك (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب لا يجعل الناظر من غير اهل الواقف، ٤ / ٤٢٤ ط. سعيد)

(۲) اما الناظر بشرط الواقف فله ماعينه له الواقف ، ولو اكثرمن اجر المثل كما في البحرو لو عين له اقل فللقاضي ان يكمل له اجرالمثل بطلبه (ردالمحتار مطلب المراد من العشر للمتولي اجر المثل ٤ / ٤٣٦ ط. سعيد)

جیسا کہ اسکی پیشانی کے کندہ پتھر سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی زمانہ سے کچھ زمین کی مال گذاری سرکاری جس کی مقدار ۳۵ / ۸ سالانہ ہے اس مسجد کے اخراجات کے لئے وقف ہے۔ اس مسجد کا احاطہ بہت بڑا وسیع تھا۔ اسی احاطہ میں جنوبی جانب کو کسی زمانہ میں کسی اہل خیر یا اہل محلّہ نے کچھ حجرے امام و مؤذن کے لئے تعمیر کرو دیئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان حجروں کا پردہ کر کے بصورت مکان بنا کر کسی امام کو مقرر کر کے رکھ دیا گیا۔ وہی امامت کرتا اور مکان میں رہائش کرتا رہا اور اس زمین کی ۸ / سالانہ آمدنی اور کچھ اہل محلّہ کی خیر و خیرات سے گذر اوقات کرتا رہا۔ مسجد کا خرچ اہل محلّہ لوٹے، صف وغیرہ کا برداشت کرتے رہے۔ جب امام مقرر کردہ کا انتقال ہوا تو مسجد کی جنوبی جانب ہی میں اس کو دفن کر دیا گیا جو درگاہ کے نام سے موسوم ہے۔ امامت اسی خاندان میں نسلاً بعد نسل چلتی رہی۔ اور رہائش اسی مکان میں رہی۔ اس درمیان میں جو بھی بندوبست سرکاری ہوا اس زمین میں امام کا نام بسلسلہ تولیت واہتمام درج ہوتا رہا جس کی مالگذاری وقف ہے۔ مسجد کی جنوبی جانب متصل درگاہ دو عدد دکان بھی کسی صاحب خیر نے تعمیر کرادی جس کی آمدنی بھی امام بصرف خود لاتا رہا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ امام سابق کی اولاد میں سے کوئی امامت یا کار تولیت کے قابل نہ رہا بلکہ سرکاری ملازمت اختیار کر لی تو اہل محلّہ نے مدرسہ عربی کے طالب علم کو امامت کے لئے مقرر کر لیا اور طالب علم ہی یکے بعد دیگرے امام ہوتا رہا۔ باقی تمام انتظام اہل محلّہ کرتے رہے۔ لیکن اہل محلّہ کی غفلت و سستی سے اس مکان میں امام سابق کی اولاد ہی رہتی رہی اور زمین میں ان کا ہی نام درج ہوتا رہا۔ اگرچہ تمام انتظام اہل محلّہ کی سعی واہتمام سے مسجد کا ہوتا رہا۔ امام سابق کی اولاد میں سے ایک شخص نے جو مکان پر قابض تھا ان حجرات کو جو بشکل مکان بنائے گئے تھے توڑ پھوڑ کر اور کچھ زمین اور احاطہ مسجد سے شامل کر کے ایک بہت بڑا مکان از سر نو بنا لیا۔ تمام ملبہ سابق کو بھی اس میں لگا لیا۔ اگرچہ بعض اہل محلّہ نے کچھ تعرض بھی کیا لیکن بعض دوسروں نے اس کا ساتھ دیا اور مکان بنوا لیا۔ امام سابق کی اولاد برابر اسی مکان میں رہتی ہے زمین میں جس کی مال گذاری وقف ہے انہیں کا نام چلا آرہا ہے۔ ۸ / سالانہ میں سے آج تک ایک حبہ بھی مسجد کے کسی کام میں صرف نہیں ہوا۔

ادھر اہل محلّہ کی سعی واہتمام اور چندہ سے مسجد کی شمالی جانب چند دکانات تعمیر کرادی گئیں جن کی آمدنی سے مسجد کا انتظام اور جملہ اخراجات پورے ہوتے ہیں اور نیز اہل محلّہ نے تمام شہر دیوبند و بیرون شہر سے چندہ کر کے غربی جانب میں ایک بہت بڑا وسیع درجہ تعمیر کرا کر سابق دیوار میں تین در کھول دیئے جس سے مسجد بہت شاندار ہو گئی۔ صحن مسجد بڑھانے کی اگرچہ ضرورت ہے لیکن یہ مکان متنازعہ صحن کے وسیع کرنے میں حارج ہے۔

۲۵ء میں اس سابق امام کی اولاد نے اس مکان اور درگاہ اور دو عدد دکان متصل درگاہ اور زمین وغیرہ کی ملکیت کا اور اپنی تولیت کا دعویٰ کر دیا اور محلّہ کے بڑے بڑے سربرآوردہ لوگوں کو مدعا علیہ قرار دیا۔ اہل محلّہ کی سعی تمام سے وہ مقدمہ بعد ملاحظہ کرانے احاطہ مسجد کے سہارنپور کی ججی سے موافق مسجد کے فیصل ہو گیا۔ اور تولیت مسجد سے اس کا کوئی تعلق نہ رہا مکان مسجد کا قرار دیا گیا۔ اس کا اپیل مخالف نے الہ آباد دائر کیا۔ وہاں سے بھی خارج ہو گیا۔ اس کے باوجود اہل محلّہ کی غفلت اور سستی سے بدستور سابق وہی قابض و ساکن رہا اور اب تک ہے۔

نہ ہی زمین مسجد کی آمدنی مسجد میں صرف ہوتی ہے۔ اب دوبارہ اہل محلّہ کی طرف سے اس پر دعویٰ کیا گیا تو وہ بھی موافق مسجد کے فیصل ہو گیا لیکن اس نے پھر اپیل الہ آباد کر دیا اور یہ بھی چاہتا ہے کہ فیصلہ کر لیا جائے یعنی صلح۔ تو اب آنجناب سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ از روئے شرع کس طرح فیصلہ کیا جائے کہ جس سے کارکنان مسجد پر کوئی بار اخروی نہ رہے۔

ان امور کا خاص طور سے لحاظ فرمایا جائے۔

(۱) جب سے کہ امامت و تولیت سے کوئی تعلق نہیں مکان مسجد میں کہ جس کی زمین تو یقیناً وقف ہی ہے بلا کرایہ رہنا۔

(۲) زمین مسجد کی آمدنی اب تک مسجد میں صرف نہ ہونا جس کو تقریباً پچاس سال یا کچھ زائد ہوئے ہیں۔

(۳) مکان سابق کے ملبہ اینٹ، کڑی، کیواڑ وغیرہ کو شامل تعمیر مکان کر لینا۔

(۴) مسجد کے صحن کی توسیع بوجہ مکان متنازعہ نہ ہو سکنا۔ فقط والسلام

المستفتی نمبر ۲۲۳ ۲ سید اختر حسین عفا عنہ۔ دیوبند یکم جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ م ۱۵ جون ۱۹۴۲ء

(جواب ۲۸۴) مسجد کے ساتھ اس کے احاطہ میں جو زمین موضع مہیا للصلوٰۃ کے علاوہ ہوتی ہے وہ بھی مصالح مسجد پر وقف ہوتی ہے۔ امام جب تک امامت کے فرائض ادا کرتا رہا اس وقت تک اس مسجد سے نیز مسجد کے دوسرے وقف کی آمدنی ؎ سالانہ سے انتفاع اس کیلئے جواز کی حد میں آسکتا تھا۔(۱) لیکن جس وقت سے کہ امامت کے فرائض ادا کرنے چھوڑ دیئے اس وقت سے نہ وہ اس آمدنی کا مستحق تھا اور نہ مسجد کی زمین سے سکونت کا فائدہ حاصل کر سکتا تھا۔ اس وقت سے اس کے ذمہ کرایہ ادا بھی لازم ہے اور ؎ سالانہ بھی مسجد کو واپس کرنا لازم ہے۔(۲) نیز مسجد کی زمین کو خالی کرنا یا اپنے مکان کی قیمت (جو منہدماً و مقلوعاً سامان و ملبہ کی قیمت ہو) لے کر مکان مسجد کو دیدینا لازم ہے اس میں سے اس سامان و ملبہ کی قیمت وضع ہو جائے گی۔ جو خود مسجد کا تھا اور اس نے اپنے مکان میں لگا لیا تھا۔(۳) جب اس کا تعلق مکان سے منقطع ہو جائے تو اہل مسجد مکان کو منہدم کر کے صحن کو وسیع کر سکتے ہیں۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) (یبدأ من غلته بعمارته) ثم ماهو اقرب لعمارته کامام مسجد ومدرس مدرسة یعطون بقدر کفایتهم . (الدر المختار ، کتاب الوقف ، مطلب یبدأ بعد العمارة بما هو اقرب الیها، ٤/ ٣٦٧ ط. سعید)

(۲) اسکنه المتولی بلااجر کان علی الساکن اجر المثل ولو غیر معدللاً ستغلال به یفتی (الدر المختار) (قوله کان علی الساکن اجر المثل) . ودخل مالوکان الوقف مسجدا اومدرسةسکن فیه فتجب اجرة المثل، (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب سکن المشتری دار الوقف، ٤/ ٤٠٨ ط سعید)

(۳) فان کان الغاصب زاد فی الارض من عنده ... ان کانت الزیادة مالا متقوما کالبناء والشجر یؤمر الغاصب برفع البناء و قلع الاشجار و ردالارض ان لم یضر ذالك با لوقف وان کان اضر بالوقف .. لم یکن للغاصب ان یرفع البناء او یقلع الاشجار الا ان القیم یضمن ذالك بالوقف وقیمة البناء مرفوعا . (فتاوی عالمگیریة ، کتاب الوقف، الباب التاسع ، ۲/ ٤٤٧ ط ماجدیة)

(۴) فی الکبری مسجد اراد اهله ان یجعلوا الرحبة مسجدا والمسجد رحبة .. فلهم ذالك (عالمگیریه، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الاول ۲ ٤٥٦ ط ماجدیة)

وقف کردہ چیز کو اپنے قبضے اور تصرف میں لانے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) وقف کردہ چیز کو اپنے قبضہ میں لانا اور اپنے تصرف میں لانا، تصرف کرنے سے باز نہ آنا کیسا ہے۔ جو شخص تصرف بیجا کرتا ہے اس کا حقیقی بھائی سودی کاروبار بھی کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا کیسا ہے ؟

(جواب ۲۸۵) مال وقف میں خلاف شرط واقف تصرف کرنا حرام ہے۔ اور جو شخص کہ مال وقف کو اپنے تصرف میں ناحق لائے اس کے ذمہ ضمان واجب الادا ہوگا۔(۱) سود خوار شخص سے زجراً ترک تعلقات کرنا جائز ہے۔ جب تک وہ توبہ نہ کرے اس وقت تک مقاطعہ جاری رکھنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ، دہلی

کیا متولی مسجد مؤذن اور امام کو مسجد کی آمدنی سے قرض دے سکتا ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۳ء)

(سوال) خادمان مسجد (مثلاً مؤذن و امام) کو بوقت ضرورت متولیان مسجد مسجد کے وقف مال سے قرض حسنہ دے سکتے ہیں یا نہیں ؟

(جواب ۲۸۶) متولی مسجد کو اختیار ہے کہ وہ مسجد کے خادموں کو ان کی ضروریات کے وقت مسجد کے فنڈ سے روپیہ قرض دے دے۔ لیکن یہ شرط ہے کہ قرض کی وصولیابی کی طرف سے اطمینان ہو۔ ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

مسجد کے لئے وقف شدہ زمین پر سڑک بنانا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) یہاں گورنمنٹ ہائی اسکول (امراؤتی) کو گورنمنٹ نے ایک قطعہ زمین اس غرض سے عطا فرمایا تھا کہ اس میں مسلمان اپنے خرچ سے مسجد بنالیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے چندہ کر کے ایک عظیم الشان مسجد بنوالی ہے مگر مسجد کے اردگرد افتادہ زمین بھی ہے جو مسجد کی ملک اور قبضہ میں ہے۔ اور اس کا احاطہ بھی کر لیا گیا ہے۔ اب میونسپل کو نئی سڑک کے لئے کچھ زمین کی ضرورت ہے تو اس افتادہ مگر مملوکہ واحاطہ شدہ زمین سے کچھ حصہ دیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۸۷) اگر یہ افتادہ زمین مسجد کی ملک ہے اور مسجد کے کام آسکتی ہے تو اسے سڑک کے لئے معاوضہ یا بلا معاوضہ دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وقف مسجد کے ابدال یا بیع یا ہبہ کا حق متولی کو نہیں ہوتا۔(۳) محمد کفایت اللہ

---

(۱) متولی المسجد لیس له ان یحمل سراج المسجد الی بیته ..... لو اشتری القیم بغلة المسجد ثوبا و دفع الی المساکین لا یجوز (عالمگیریه ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر ، الفصل الثانی ۲/ ۴۶۲ ط . ماجدیة)

(۲) مال موقوف علی المسجد الجامع واجتمعت من غلاتها ثم نابت الا سلام نائبة ... واحتیج الی النفقة فی تلك الحادثة..... ان لم تکن للمسجد حاجة للحال فللقاضی ان یصرف فی ذالك لکن علی وجه القرض . (عالمگیریة، کتاب الوقف، الحادی عشر ، الفصل الثانی ۲/ ۴۶۴ ط. ماجدیة)

(۳) (واما) الا ستبدال ولو للمساکین آل (بدون الشرط فلا یملکه الا القاضی) دور و شرط فی البحر خروجه عن الا نتفاع بالکلیة و کون البدل عقار اوالمستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل .(الدر المختار کتاب الوقف، مطلب فی شروط الا ستبدال ۴/ ۳۸۶ ط. سعید)

نواں باب
وقف علی الاولاد

اپنی بعض اولاد پر وقف کرنے کا حکم

(سوال) جائیداد کو وقف علی الاولاد کرنا اور کسی وارث کو محروم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۳۴۱ محمد اسماعیل صاحب (آگرہ) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۸۸) جائیداد کو وقف علی الاولاد کرنا جائز ہے۔ مگر وقف میں بعض وارثوں کا حصہ مقرر کرنا اور بعض کو محروم کر دینا جائز نہیں ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا وقف شدہ جائیداد واقف کی موت کے بعد شرعی اعتبار سے ورثاء میں تقسیم ہو گی؟

(سوال) زید نے اپنی جائیداد میں سے کچھ حصہ وقف اولاد کیا۔ زید کے تین لڑکے چار لڑکیاں ایک زوجہ ہے۔ وقف اولاد میں ان کا حق دار بحصہ شرعی قرار دیا لیکن اپنی حیات میں حصہ مساوی دیتا رہا اور بہی کھاتہ میں اندراج بھی کرتا رہا۔ خود تقریباً چار سال تک متولی بھی رہا۔ اپنی حیات میں ہی اپنے متولی ہونے سے سبکدوش ہو کر لڑکے کو متولی بنا دیا۔ وہ بھی مساوی حصہ دیتا رہا اور اندراج بہی کھاتہ میں مساوی حصہ کا کرتا رہا۔ جائیداد وقف اولاد کرنے سے پیشتر زید کی تین لڑکیاں فوت ہو گئی تھیں۔ زید نے ان کی اولاد کے لئے اس جائیداد کی آمدنی میں آٹھ بچوں کے لئے جس میں دو لڑکے اور چھ لڑکیاں نابالغ ہیں فی کس پچیس روپے یعنی کل دو سو روپے ماہوار تینوں مرحوم لڑکیوں کی اولاد کے لئے تاحیات مرحومین کی اولاد کے لئے بھی لکھا اب زید کا انتقال ہو گیا۔

(۱) زید کی حیات میں حصہ شرعی جائز تھا یا نہیں یا مساوی جائز تھا؟ (۲) زید کے انتقال کے بعد حصہ شرعی رہے گا یا مساوی۔ (۳) مرحوم اولاد کے لئے جو ماہوار مقرر کیا ہے کہ مرحوم کی اولاد جب تک زندہ رہے فی کس روپے ماہوار اس وقف اولاد میں سے دیا جائے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۴۴۵ حاجی محمد یعقوب صاحب (دہلی) ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ م ۲۶ جنوری ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۸۹) زید اپنی زندگی میں جس طرح دیتا رہا اور زید کے بعد اس کا لڑکا زید کی حیات میں دیتا رہا یعنی برابر کا حصہ اور مرحومہ لڑکیوں کی اولاد کو فی کس پچیس روپے اسی طرح زید کی وفات کے بعد بھی دیا جائے گا۔ جب کہ جائیداد وقف ہو گئی تو اب اس میں بقاعدہ میراث حصہ جاری نہ ہو گا۔ بلکہ شرعی حصہ سے برابر حصہ ہی مراد ہو گا۔(۲) کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

وقف شدہ جائیداد میں تقسیم کرنے کا طریقہ

(سوال) زید نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ وقف الاولاد کیا۔ زید کے تین لڑکے چار لڑکیاں ایک بیوی ہے۔ وقف

(۱، ۲) رجل قال ارضی صدقة موقوفة علی ولدی ونسلی فالوقف صحیح یدخل فیه الذکور والاناث من ولده و ولد ولده ومن قربت ولا ته ومن بعدت ویستوی فیه ولد البنین و البنات (عالمگیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث الفصل الثانی، ص ۳۷۵/۲ ط. ماجدیة)

اولاد میں تحریر کیا ہے کہ سب کو شرعی حصہ دیا جائے اور خود متولی ہو کر لڑکی سے لڑکے کو دوچند دیتا رہا۔ کچھ حصہ حق دار لیتے رہے۔ کچھ حق داروں کا بہی کھاتے میں جمع کرتا رہا۔ تقریباً چار سال تک خود متولی رہا۔ اپنی حیات ہی میں اپنے لڑکے کو متولی کر دیا۔ حیات میں چونکہ شرعی حصہ مساوی ہوتا ہے اس لئے متولی کا لڑکا تقریباً تین سال تک مساوی دیتا رہا اور کھاتہ میں بھی مساوی اندراج کرتا رہا۔ جائیداد وقف کرنے سے پہلے زید کی تین لڑکیاں فوت ہو گئیں۔ تینوں فوت شدہ لڑکیوں نے آٹھ بچے چھوڑے جس میں دو لڑکے چھ لڑکیاں نابالغ۔ زید نے ان آٹھ بچوں کے لئے مندرجہ بالا وقف اولاد جائیداد کی آمدنی میں سے دو سو روپیہ ماہوار مساوی حصہ ان بچوں کو یعنی پچیس روپے فی کس تقسیم کر کے دینے کو بھی لکھا ہے۔ اب زید کا انتقال ہو گیا۔

(۱) زید اپنے متولی ہونے کے زمانہ میں لڑکوں کو لڑکیوں سے دوچند دیتا رہا۔ وہ رقم جو زائد لڑکوں کو پہنچی ہے لڑکیاں اب ان سے لینے کی حق دار ہیں (یعنی لڑکوں سے) یا نہیں۔

(۲) زید کا لڑکا متولی ہونے کی صورت میں زید کی حیات میں اپنے بھائی بہنوں کو حصہ مساوی دیتا رہا اب کیونکر دیا جائے۔

(۳) زید کی فوت شدہ لڑکیوں کے آٹھ نابالغ بچوں کو دو سو روپے ماہوار مندرجہ بالا وقف جائیداد میں سے مساوی یعنی فی کس پچیس ۲۵ پچیس ۲۵ روپے ماہوار دینے کو لکھا ہے وہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۴۴۴ جناب محمد یعقوب صاحب دہلی۔ ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ ۲۶ جنوری ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۹۰) زید نے وقف نامہ میں اگر یہ لکھا تھا کہ اولاد ذکور واناث کو شرعی حصہ دیا جائے تو موقوفہ جائیداد میں شرعی حصہ وہ ہونا چاہئے جو واقف اپنی شرط سے معین کرے۔ اگر واقف نے وقف نامہ میں کوئی شرط اور تصریح نہیں کی تو اس کے طرز عمل سے تعیین کی جائے گی۔ اس کا عمل اس سوال میں یہ بتایا گیا ہے کہ لڑکوں کو دوہرا اور لڑکیوں کو اکہرا دیتا تھا اور اسی واقعہ کے متعلق اس سے پہلے جو سوال کیا گیا تھا اس میں یہ بتایا تھا کہ لڑکوں لڑکیوں کو برابر دیتا رہا۔ یہ بات دونوں سوال یکساں ظاہر کرتے ہیں کہ اس نے اپنی زندگی میں اپنے لڑکے کو متولی بنا دیا اور لڑکا اپنے بھائیوں بہنوں کو برابر دیتا رہا اور ظاہر یہ ہے کہ زید کو اس معاملہ کی خبر ضرور ہو گی۔ پس اگر اسے خبر تھی اور اس نے اپنے لڑکے کو برابر برابر دینے سے روکا نہیں تو یہ دلیل اس بات کی ہو گی کہ اس نے لڑکوں لڑکیوں کو برابر برابر دینا آخر الامر قرار دیا۔ پس اس کے انتقال کے بعد بھی وہی عمل جاری رہے گا اور اس کے نواسوں اور نواسیوں کو بھی اسی طرح .... روپے برابر ملتا رہے گا۔ زید کے انتقال کے بعد اس کا ترکہ اولاد ذکور واناث میں دوہرا اکہرا تقسیم ہوتا مگر جائیداد موقوفہ کی آمدنی اب ترکہ زید نہیں ہے کہ اس میں میراث کے قاعدہ سے شرعی حصہ قائم کیا جائے وہ تو وقف ہے اور وقف میں شرعی حصہ وہ ہے جو واقف کی تعیین قولی یا فعلی یا تقریری سے ثابت ہو اور زید کی آخری حالت میں برابر حصہ دیا جاتا تھا لہذا وہی جاری رہنا چاہئے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) وفی الوقف علی القریب تقسم الغلة علی الروس الصغیر والکبیر والذکر والانثی والفقیر والغنی سواء لمساواة الکل فی الاسم. (عالمگیریة ، کتاب الوقف، الباب الثالث ۳۷۹/۲، ط ماجدیة)

دسواں باب
متفرقات

شہیدوں کی قبروں کو مسجد میں شامل کرنا

(سوال) ایک مسجد کے حوض کے کنارے پر دو قبریں شہیدوں کی ہیں۔ اس کا صحن کشادہ کرنے کے لئے زمین برابر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۵۰۷ محمد طاہر محمودی صاحب۔ قصبہ کڑی ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹۱) اگر قبریں بناء مسجد سے پہلے کی ہیں تو ان کو برابر کرنا جائز نہیں کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کی زمین وقف مسجد میں شامل نہیں اور اگر بناء مسجد کے بعد مسجد کی زمین میں شہیدوں کو دفن کر دیا تھا تو ان کو مسجد میں ملا لینا جائز ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

زمین کھودنے سے انسانی ہڈیاں نکلیں تو ان کا حکم

(سوال) (۱) زید ایک خریدی ہوئی زمین میں کنواں لگوانے کی خاطر کھدوائی شروع کرتا ہے اور چار پانچ فٹ کی گہرائی سے ایک سالم انسانی پنجر بر آمد ہوتا ہے۔ دوسرے پنجر کی کھوپری کی ہڈی۔ دو تین دانت اور بازو کی ہڈیاں بھی نکلتی ہیں۔ دوسرے پنجر کا بقایا حصہ تاحال نامکمل کنویں کی کچی دیوار میں موجود ہے اور دکھائی دیتا ہے۔ کیا ایسے ناتمام کنویں کو مکمل کیا جانا اسلامی شریعت کے نزدیک جائز ہے۔
(۲) جو انسانی ہڈیاں بر آمد ہوئیں ان کا کوئی احترام نہیں کیا گیا بلکہ کوڑا کرکٹ سمجھتے ہوئے باہر پھینک دی گئیں۔ کنواں لگوانے والے نے خود دیکھیں اور اس کو اس کا علم ہے۔ اس آدمی کے بارے میں شریعت کیا حکم رکھتی ہے۔ شخص مذکور اہل سنت والجماعۃ کے زمرے میں خود کو تسلیم کرتا ہے۔
(۳) اگر استفتا نمبر ۱، ۲ کا دیدہ ودانستہ مرتکب امام مسجد اور خطیب ہو تو اس کی امامت میں نماز ادا کرنے کے بارے میں شریعت کیا حکم رکھتی ہے۔ دراں حالیکہ وہ ایسے جرم سے دیدہ ودانستہ توبہ نہیں کرتا۔ بلکہ اسے جائز سمجھتے ہوئے اپنی ضد پر قائم ہے۔
(۴) کیا وہ لوگ جو اس بات کے عینی شاہد ہیں اور وہ جس کو اس کا علم بھی ہے کسی ذریعہ سے اس امام مسجد او خطیب کو کنواں لگوانے سے باز رکھ سکتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے دلوں میں اس بے حرمتی کا از حد رنج ہے۔ کیا کوئی قانونی صورت ایسی ہے جس کی رو سے کنواں لگوایا جانا بند ہو سکے فقط۔

المستفتی نمبر ۱۶۰۸ ابلاغ علی صاحب (ضلع گجرات) ۹ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۸ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹۲) یہ زمین اگر مملوکہ ہے تو اس میں یہ قبریں ایک مملوکہ زمین میں دفن واقع ہونے کے طور پر

---

(۱) اذا دفن المیت فی ارض غیرہ بغیر اذن مالکھا فالمالک بالخیار ان شاء باخراج المیت و ان شاء سوی الارض وزرع فیھا کذا فی التجنیس ۔(عالمگیریۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی و العشرون. الفصل السادس ، ۱ / ۱۶۷ ط. ماجدیۃ)

بنی ہوں گی۔ اس صورت میں مالک زمین کو یہ حق ہوتا ہے کہ جب لاشیں بالکل مٹی ہو جائیں تو اس زمین کو اپنے کام میں لے آئے۔(۱) لیکن اگر پہلے سے علم نہ ہو کہ یہاں پر قبریں تھیں اور لاعلمی میں زمین کھودی گئی اور لاشیں نکلیں تو لازم تھا کہ زمین کو برابر کر دیا جاتا یا ہڈیوں کو احترام کے ساتھ دوسری جگہ دفن کر دیا جاتا۔(۲)

ہاں اگر اس امر کا ثبوت موجود ہو کہ قبریں مسلمانوں کی نہ تھیں اور لاشیں کفار کی ہیں تو ان کا وہ احترام جو مسلمان کی لاش کا ہوتا ہے۔ واجب نہیں۔ ہندوستان کے کفار اپنے مردے دفن نہیں کرتے جلاتے ہیں۔ مگر عیسائی دفن کرتے ہیں۔ بہر حال اگر معاملہ مشتبہ ہے تو لازم ہے کہ اس جگہ کنواں نہ کھدوایا جائے(۳)۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

آندی میں لوگوں کی سہولت کے لئے سہ درہ بنانا کار خیر ہے

(سوال) زید نابینا اور معذور ہے اس کے پاس اراضی زرعی ہے۔ وہ لاولد بغیر زوجہ بھی ہے۔ زید اپنی تمام اراضی زرعی بکر کے حق میں جو زید کا حقیقی چچا ہے بعوض زربدل منتقل کر کے اس زربدل سے شارع عام پر بغرض حصول ثواب دارین ایک مکان سہ درہ نزد چاہ آبنوشی بنادیا۔ جس میں آئندگان وروندگان عام موسم گرما و سرما و باران میں آرام پاتے ہیں۔ آیا یہ عمارت عام وقف منجانب زید بہ فروختگی جائیداد خود شرعاً جائز داخل حسنات ہے؟

المستفتی نمبر ۲۱۸۳ امیر خاں صاحب (پٹیالہ) ۳ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ ۱۶ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۹۳) زید کو اختیار تھا کہ اپنی مملوکہ جائیداد کو اپنی زندگی اور صحت میں کسی نیک کام میں لگادے اور مسافروں کے آرام کے لئے سہ درہ بنانا بھی کار خیر ہے اس لئے زید کا یہ فعل جائز ہے اور سہ درہ وقف عام ہو گیا۔ اب اس کو واپس لینے کا زید کو بھی حق نہیں ہے۔ ارادان یجعل مالہ فی جہة القربة فبناء الرباط للمسلمین افضل (الی قولہ) ولو کان مکان الدار ضیعة فالوقف افضل (عالمگیری)(۴) محمد کفایت اللہ، دہلی

کیا آمدنی وقف کرنے کے لئے لفظ وقف بولنا ضروری ہے؟

(سوال) ایک شخص حیات اور صحت کی حالت میں اپنے دوست کو مبلغ ایک ہزار روپیہ نقد دیتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک تحریر دیتا ہے کہ مذکورہ روپیہ سے شیئرز (حصہ) خرید کر اس کی آمدنی میری حیات تک مجھے دے۔ میرے بعد میری بڑی لڑکی کو دے۔ اس کی وفات کے بعد آمدنی مذکورہ میرے چھوٹے بچوں کو دے۔ اس تحریر میں یہ ظاہر نہیں کرتا کہ روپیہ مذکورہ وقف ہے۔ وہی شخص ایک وصیت نامہ لکھتا ہے کہ میرے بعد میرا مال میرے ورثاء پر شرعی طریقہ سے تقسیم کیا جائے۔ اب استفسار طلب امر یہ ہے کہ وہ ایک ہزار روپیہ اور اس

(۱) ولا ینبغی اخراج المیت من القبر الا اذا کانت الارض مغصوبة ..... اذا دفن المیت فی ارض غیرہ بغیر اذن مالکہا فالمالک بالخیار ان شاء امر باخراج المیت ، وان شاء سوی الارض وزرع فیہا (عالمگیریة ، کتاب الصلاة، الباب الحادی و العشرون ، الفصل السادس ، ۱/ ۱۶۷ ط . ماجدیة)

(۲) مقبرة کانت للمشرکین ارادوا ان یجعلوہا مقبرة للمسلمین ، فان کانت آثارہم قد اندرست فلا بأس بذالک وان بقیت آثارہم بان بقی من عظمہم شئ ینبش ثم یجعل مقبرة للمسلمین الخ (الہندیة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر ۲/ ۴۶۹ ط ماجدیة)

(۳) حدیث شریف میں ہے : کسر العظم المیت ککسرہ حیا: قال العینی اشارة الی انہ لا یہان المیت کما لا یہان الحی عزیز ص ۵۸۲

(۴) کتاب الوقف، الباب الرابع عشر فی المتفرقات ، ۲/ ۴۸۱، ۴۸۲ ط. ماجدیة)

کی آمدنی مرحوم مذکور کے ترکہ میں شمار کر کے تمام ورثاء پر حصہ رسد تقسیم ہوگا یا اس کی تحریر کے موافق اس کا انتظام کیا جائے۔

المستفتی نمبر ۲۱۹۳ مولانا عبدالخالق صاحب (سورت) ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ ۱۸ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۹۴) اگر مرحوم نے اس تحریر میں یہ نہیں لکھا کہ چھوٹے بچوں کے نہ رہنے کی صورت میں فقراء کو دی جائے اور تحریر میں لفظ وقف بھی نہیں آیا تو اس کے انتقال کے بعد یہ رقم یا شیرز ترکہ میں شامل ہو کر ورثاء پر تقسیم ہوں گے یعنی وقف قرار نہ دیئے جائیں گے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد، مدرسہ، یا وقف جائیداد پر ٹیکس کا حکم

(سوال) میونسپل بورڈ بجنور نے جملہ عمارات و مکانات و اراضیات پر پانچ روپیہ ماہوار کی حیثیت کے مکان پر حسب ذیل ہاؤس ٹیکس تجویز کر کے بغرض رائے عامہ مشتہر کیا ہے۔
(۱) جملہ مکانات و عمارات و اراضیات پر جن کی کرایہ کی حیثیت پانچ روپے ماہوار ہے شرح تین روپے ساڑھے چودہ آنے فی صدی ٹیکس عائد کیا جائے گا۔
(۲) جملہ مکانات و عمارات و اراضیات جو صرف عبادت کے لئے استعمال ہوتے ہیں بشمول گرجا گھر، مندر، مسجد، امام باڑہ، ٹھاکر دوارہ مستثنیات میں سے ہیں لیکن ان کے متعلق ایسی اراضیات مکانات عمارات جن سے کوئی آمدنی بشکل کرایہ گھاس و بہار باغ و دیگر پیداوار کے ہوتی ہے ان پر بشرطیکہ وہ حیثیت مندرجہ بالا میں آتی ہوں ٹیکس عائد کیا جائے گا۔ چونکہ مسجد کے مکانات و اراضیات موقوفہ جن کی آمدنی سے مسجد کے پانی، چٹائی ولوٹے و روشنی و دیگر اخراجات پورے ہوتے ہیں ٹیکس سے بری نہیں ہوتے۔ کیا مذہبی نقطہ نظر سے جائیداد موقوفہ پر یہ ٹیکس جائز ہے یا ناجائز۔ اگر ناجائز ہے تو مسلمانوں کو اس کے خلاف کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔

المستفتی نمبر ۲۲۹۳ عبدالوحید ایڈیٹر اخبار الواحد بجنور۔ ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ ۱۰ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۹۵) تمام اوقاف کو ٹیکس سے مستثنیٰ کرانے کی سعی کرنا چاہئے۔ کسی وقف جائیداد پر بعد وقف ہونے کے کوئی جدید ٹیکس عائد نہ ہونا چاہئے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کفار کی بنی ہوئی مسجد کے عوض دوسری مسجد بنوانا

(سوال) یہاں جو جامع مسجد کے دروازہ کو وسیع کرنے پر فائرنگ ہوا اس کی بابت اسٹیٹ کے حکام بالا یتیم خان بہادر عبدالعزیز خاں یہ فرماتے ہیں کہ راجہ بہادر کی یہ مرضی ہے کہ مسلمانان جے پور کے لئے ایک لاکھ روپیہ لگا

---

(۱) رجل قال ارضي صدقة موقوفة على نفسي يجوز هذا الوقف على المختار كذافي الخزانة المفتين ولو قال وقفت على نفسي ثم من بعدي على فلان ثم على الفقراء جاز عند ابي يوسف رحمة الله عليه .(الهنديه، كتاب الوقف ، الباب الثالث ، الفصل الثاني ۲/ ۳۷۱ط . ماجديه قال في الشاميه: لو وقف على الا غنياء وحدهم لم يجز لا نه ليس بقربة ، امالو جعل آخره للفقراء فانه يكون قربة في الجملة .(الشاميه، كتاب الوقف، مطلب على الا غنياء وحدهم لم يجز ، ٤ ، ۳۳۸ ط سعيد)
(۲) اذا جعل الرجل ارضه الخراجية مقبرة او خانا للغلة او مسكناللفقراء سقط الخراج عالمگيرية ، كتاب السير ، الباب السابع ، ۲/ ۲٤۲ ط. ماجدية)

کر دوسری مسجد بنوا دی جائے۔ شریعت سے اس کی بابت کیا حکم ہے۔ کہ کفار راجہ کے پیسہ سے مسجد بنی ہوئی میں نماز جائز ہے یا نہیں۔ اور اس مسجد کے معاوضہ میں دوسری مسجد بھی جائز ہے یا نہیں۔ اس پر ۱۵ مارچ کو بہت جلد جواب طلب ہے۔

المستفتی نمبر ۲۴۶۵ امام صاحب مسجد لوہاراں (جے پور) ۲۲ محرم ۱۳۵۸ھ م ۱۴ مارچ ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۹۶) اس مسجد کے معاوضہ میں دوسری مسجد بنوانے کا اگر مطلب یہ ہے کہ موجودہ مسجد سے مسلمان دست بردار ہو جائیں اور یہ مسجد ریاست کو دیدیں اور دوسری مسجد بنوالیں تو یہ قطعاً ناجائز اور مسلمانوں کو ایسی تبدیلی منظور کرنا حرام ہے(۱) اور اگر یہ مسجد قدیم قائم رہے اس کی مسجدیت میں کوئی فرق نہ آئے اور ریاست دوسری مسجد کسی وسیع مقام پر بنادے اور مسلمانوں کو دے دے تو اس نئی مسجد میں نماز جائز ہوگی بشرطیکہ اس نئی مسجد کی عمارت یا زمین سے ریاست کے حقوق مالکانہ یا تبدیل و تغیر کے اختیارات متعلق نہ رہیں اور بالکلیہ مسلمانوں کو دے دی جائے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

خاص جگہ کے فقراء کے لئے وقف کی ہوئی آمدنی کا حکم

(سوال) ایک شخص نے اس طور پر وقف کیا ہے کہ اپنے وقف کی آمدنی کے ایک سو حصے کئے ہیں جس میں مکہ شریف کے لئے پچیس حصے، مدینہ شریف کے لئے پچیس حصے، بغداد شریف کے لئے دس حصے اور اپنے وطن اصلی کے لئے دس حصے اور جہاں وہ شخص اس وقت تجارت کرتا تھا اور وفات پائی وہاں کے لئے تیس حصے یعنی اللہ واسطے ان مقامات میں غرباء پر یہ رقم آمدنی کی خرچ کی جاوے اور وطن اور جہاں وفات پائی وہ حصے آمدنی کے اقرباو غربا پر خرچ کی جائے۔ جب جائیداد وقف کی تھی آمدنی کم تھی اور اب اس وقت آمدنی بہت بڑھ گئی ہے۔ مرحوم واقف کے اقارب بہت زیادہ غریب ہیں متولیوں کا ایسا خیال ہے کہ مکہ، مدینہ، بغداد کی رقوم سب جگہ کی یا بعض کی موقوف کر کے خویش و اقارب پر خرچ کریں کیونکہ وہ بہت حاجت مند ہیں۔ مرحوم واقف بعد وقف کرنے کے بہت مدت تک حیات تھا۔ اس نے بغداد کبھی رقم نہیں بھیجی۔ سوال یہ ہے کہ کیا بعض مقامات کی رقوم موقوف کر کے اقارب پر خرچ کرنے کا متولیوں کو اختیار ہے یا کل آمدنی کے لئے جیسا واقف نے لکھا ہے ویسا ہی کرنا لازم ہے۔

المستفتی نمبر ۲۵۴۷ جامعہ حسینیہ۔ راندیر (سورت) ۷ ۲ شعبان ۱۳۵۸ھ م ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۹۷) جیسا کہ واقف نے لکھا ہے ویسا ہی کرنا ہوگا بشرطیکہ حد جواز سے باہر نہ ہو۔ شرط الواقف کنص الشارع .(۱) نذر میں تو تخصیص مکان بسا اوقات لغو قرار دی جاتی ہے مگر وقف کا یہ حکم نہیں ہے البتہ اگر مرحوم نے اپنی زندگی میں مدت دراز تک بغداد رقم نہیں بھیجی تو یہ تخصیص اس کے اپنے عمل کی وجہ سے منسوخ

---

(۱) کیونکہ جس جگہ مسجد بنادی جائے وہ قیامت تک مسجد کے حکم ہوگی۔ اور اس کے آداب کی رعایت لازم ہے اور ریاست کو دینے سے مسجد کے آداب کو بجا نہیں لایا جائے گا بلکہ اپنی مرضی سے دوسری ضروریات کے لئے استعمال کی جائے گی۔
(۲) مسئلہ مذکورہ "تفصل دوازدہم غیر مسلم کا مال مسجد میں لگانا" میں تفصیل سے مذکور ہے لہذا وہاں مراجعت کی جائے۔
(۱) (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، ۴/ ۴۳۳ ط. سعید)

سمجھ لینے کی گنجائش ہے۔(۱) واللہ اعلم۔　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا موقوفہ زمین کا مال گذاری ادا نہ کرنے کی وجہ سے نیلام ہونا متولی کی خیانت ہے ؟

(سوال) حضرت مخدومی و مطاعی دامت فیوضکم . السلام علیکم ورحمة الله و بر کاته۔ مزاج گرامی موقوفہ زمین کی آمدنی کی کمی کی وجہ سے اگر زمین موقوفہ کی مال گذاری زمینداری ادا نہ ہو اور متولی نہ دے اور اس کی وجہ سے موقوفہ زمین نیلام ہو جائے تو یہ متولی کی خیانت کو مستلزم ہو گا یا نہیں ؟ اور کیا ایسی صورت میں متولی پر شرعاً واجب ہے کہ اپنی ذاتی جائیداد سے مال گذاری موقوفہ زمین کی ادا کرے۔ اس کے متعلق فتوے کی ضرورت ہے۔ جس میں فقہ کی عبارت کی نشان دہی بھی کی جائے میرے علم میں کوئی جزئی نہیں ہے اس لئے حضور کی طرف رجوع کر رہا ہوں۔ جواب سے مع عبارت فقہ کے نوازش فرمائی جائے۔

المستفتی نمبر ۲۶۷۸ مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی دفتر امارت شرعیہ۔ پھلواری شریف پٹنہ (بہار) ۲ رجب ۱۳۶۰ھ م ۲۸ جولائی ۱۹۴۱ء

(جواب ۲۹۸) متولی پر یہ بات تو کسی طرح لازم نہیں کہ مطالبات سرکاری اپنے پاس سے تبرعاً ادا کرے۔ ہاں یہ بات اس کے لئے بہتر تھی کہ وقف کو بچانے کے لئے قرض لے کر ادا کر دیتا۔ یہ قرض لینا باجازت حاکم اور بغیر اجازت حاکم دونوں طرح اس کے لئے دیانۃً جائز تھا مگر واجب نہ تھا۔ اس لئے اگر اس نے قرض نہ لیا اور وقف کو سرکار نے نیلام کر دیا تو اس میں متولی کی طرف سے کوئی خیانت نہیں پائی گئی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ وقف میں کچھ آمدنی نہیں ہوئی۔ لیکن اگر آمدنی ہوئی تھی اور وہ متولی نے دوسرے مصارف میں خرچ کر دی اور سرکاری مطالبہ ادا نہ کیا اور اس میں وقف نیلام ہو گیا تو یہ متولی کی خیانت ہو گی۔ اس پر لازم تھا کہ سرکاری مطالبے پہلے ادا کرتا۔ کیونکہ اس میں وقف کے ہلاک اور ضائع ہونے کا خوف تھا۔ دوسرے اخراجات ملتوی کرنے میں یہ خوف نہ تھا۔ قال هلال رحمه الله في وقفه اذا استر مت الصدقة وليس في يد القيم مايرمها فليس له ان يستدين عليها وعن الفقيه ابي جعفر رحمه الله تعالىٰ ان القياس هكذا لكن يترك القياس فيما فيه ضرورة نحوان يكون في ارض الوقف زرع يا كله الجراد و يحتاج القيم الى النفقة او طالبه السطان بالخراج جاز له الا ستدانة والاحوط في هذه الضرورات ان يستدين بامر الحالكم الا ان يكون بعيد امنه ولا يمكنه الحضور فحينئذ لا باس بان يستدين بنفسه كذا في الظهيرية هذااذا لم تكن في تلك السنة غلة فاما اذا كانت ففرق القيم الغلة على المساكين ولم يمسك للخراج شيئاً فانه يضمن حصة الخراج كذافي الذخيرة . قيم وقف طلب منه الخراج والجبايات وليس في يديه شئي من مال الوقف فاراذان يستدين قال ان امر الواقف بالاستدانة له

---

(۱) ليس له اعطاء الغلة لغير من عينه لخروج الوقف عن ملكه بالتسجيل اه فانه صريح في عدم صحة الرجوع عن الشروط ... في البحران التولية خارجة عن حكم سائر الشروط . لان له فيها التغيير كلما بداله . (رد المحتار ، كتاب الوقف ، مطلب لا يجوز الرجوع عن الشروط ، ٤/ ٤٥٩ ط سعيد)

ذلك وان لم یامره تکلموا فیه والا صح انه ان لم یکن له بدمنه یرفع الا مرالی القاضی حتی یا مر بالاستدانة کذا قال الفقیه رحمه الله تعالیٰ ثم یرجع فی الغلة کذا فی المضمرات (فتاوی ھندیه ص ۴۱۸ ج ۲)(۱)　کتبہ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

آبادی پر بمباری کی صورت میں چند متفرق مسائل

(سوال)(۱) کسی شہر پر اگر بمباری ہو چکی ہو اور ہر لمحہ ہوائی حملہ کا خطرہ رہتا ہو تو کیا ائمہ مساجد و مؤذنین پر مساجد کے آباد رکھنے اور پنجوقتہ نماز با جماعت ادا کرنے کا فرض بالکل اسی طرح جیسا کہ زمانہ امن میں عائد ہوتا ہے، عائد رہتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر غیر مستطیع افراد شہر سے باہر نسبتاً محفوظ مقامات پر جانے کی قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے شہر میں رہنے پر مجبور ہوں تو ایسی حالت میں کیا ائمہ مساجد اور مؤذنین کا شہر ہی میں رہنا ضروری ہے؟

(۳) کیا منتظمین او قاف و مساجد پر اس قسم کے خطرے کے زمانے میں ائمہ مساجد و مؤذنین و دیگر ملازمین کو محفوظ مقامات پر منتقل کرنے کا فرض عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اس معاملہ میں کسی قسم کا امتیاز روا رکھنا ان لوگوں کی جان و مال کے استخفاف کو مستلزم ہے یا نہیں؟

(۴) کیا او قاف کی آمدنی میں سے علاوہ تنخواہ کے ملازمین کو شہر سے باہر لانے لے جانے کے لئے اور او قات نماز میں پہنچنے کی غرض سے موٹروں اور سواریوں کا انتظام کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۵) ائمہ و مؤذنین و دیگر ملازمین مساجد کی جان و مال کی حفاظت کا فرض کس پر عائد ہوتا ہے منتظمین پر یا خود ملازمین پر؟ اگر منتظمین اس فرض کی ادائیگی سے قاصر ہوں یا قصداً اس کی ذمہ داری نہ لینا چاہتے ہوں تو کیا ائمہ و مؤذنین وغیرہم کا اپنے فرائض سابقہ کو اسی طرح انجام دیتے رہنا ضروری ہے یا فرائض کی انجام وہی کے لئے منتظمین کی ذمہ داری شرط ہے؟ ایسی حالت میں کیا ائمہ و مؤذنین کا بغیر پابندی کے بقدر طاقت و وسعت اپنی اپنی خدمات کو انجام دے دینا نہیں ان کی ذمہ داری سے سبکدوش کر سکتا ہے؟

(۶) ایسے لوگ جو مالی منفعت کے خیال سے اپنی جان کو خطرے میں ڈال دینے پر رضامند ہوں ان کا یہ فعل شرعی نقطہ نظر سے کیسا ہے؟

(۷) جب کہ خطرہ شخصی مدافعت کی حدود سے بالاتر ہو تو مساجد کو آباد رکھنے کی کیا صورت ہے؟ کسی خاص شخص یا چند افراد کو معاوضہ دے کر مسجد کے آباد رکھنے کا فرض ان پر عائد کرنا کیسا ہے۔ مسجد کے ساز و سامان کو دوسری جگہ منتقل کر کے مسجد کو بغیر کسی حفاظت کے کھلا چھوڑ دیا جائے یا اس کے لئے چند افراد کو مقرر کیا جائے؟ کیا مسجد کو بند کر دینا۔ یہاں تک کہ او قات نماز میں بھی بند رہے درست ہے کہ نہیں؟

(۸) جو لوگ خطرے کی حالت میں دور و دراز مقامات پر چلے جائیں ان کا یہ فعل شرعی حیثیت سے کیسا ہے؟ کیا

(۱)(عالمگیریه، کتاب الوقف، الباب الخامس، مطلب فی الاستدانة علی الوقف، ۲ : ۴۲۴ ط. ماجدیة)

وہ ضعیف الایمان سمجھے جائیں گے؟ اور کیا وہ لوگ جو خطرہ کی حالت میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ حقیقت میں متوکل اور قوی الایمان ہیں؟

(۹) متمدن ممالک میں جہاں بمباری یا مشین گن کی بارش ہوتی ہے لوگوں پر خوف وہراس طاری ہونے کی وجہ سے اموات کی تجہیز و تکفین نہیں ہو سکتی اور غیر معلوم تعداد ان کی ناگفتہ بہ صورتوں اور حالات میں پھینک دی جاتی ہے یا جلادی جاتی ہے۔ ان میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں شرعی حکم کیا ہے اور مسلم جماعتوں پر کیا فرض عائد ہوتا ہے؟

المستفتی نمبر ۲۶۹۴ رشید نواب کی۔ رنگون۔ برما ۴ محرم ۱۳۶۱ھ ۲۲ جنوری ۱۹۴۲ء

(جواب ۲۹۹) (۱) ان کو حق ہے کہ وہ بغرض احتیاط باہر چلے جائیں لیکن اس غیر حاضری کے زمانے کی تنخواہ مانگنے کے وہ بغیر مرضی متولیوں کے حق دار نہیں۔(۱)

(۲) ضروری نہیں۔

(۳) متولیوں پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا۔ البتہ مروت واخلاق کے طور پر وہ ایسا کریں تو بہتر ہے اور اس میں غیر مستطیع ملازم اس رعایت کے زیادہ مستحق ہیں۔(۲)

(۴) اگر مسجد کی آمدنی وافر ہو تو درست ہے۔(۳)

(۵) ان کی جان ومال کی حفاظت کا فرض خود ان پر عائد ہوتا ہے جیسے کہ تمام ملازمین جو لوگوں کے شخصی یا اداروں کے ملازم ہیں۔(۴)

(۶) ان کا یہ فعل جائز ہے کیونکہ بمباری بھی یقینی نہیں اور بمباری میں ہلاکت بھی یقینی نہیں۔

(۷) جائز ہے۔ اگر مسجد میں نماز پڑھنے والے رہیں تو بند نہ کی جائے اور نمازی نہ رہیں تو بند کرنا مباح ہے۔(۵)

(۸) بغرض احتیاط باہر جانا مباح ہے اور رہنا بھی مباح ہے۔ ایمان کا ضعف وقوت نیت پر موقوف ہے(۶)

(۹) مسلم جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ حتی الامکان مسلم اموات کی تجہیز و تکفین کا انتظام کریں البتہ

---

(۱) فی القنية ان كان الواقف قدر للدرس لكل يوم مبلغا فلم يدرس يوم الجمعة او الثلاثاء لايحل له ان ياخذ، ويصرف اجر هذين اليومين الى مصارف المدرسة .(رد المحتار ، كتاب الوقف، مطلب فى استحقاق القاضى والمدرس الوظيفة فى يوم البطالة ، ٤ / ٣٧٢ ط. سعيدم

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان (سورة المائده)

(۳) وضمن متوليه لوفعل النقش او البياض الا إذا خيف طمع الظلمة فلا بأس به قوله: الا اذا خيف :بان اجتمعت عنده اموال المسجد و هو مستغن عن العمارة والا فيضمنهما .(الدر المختار مع رد المحتار ، كتاب الصلاة، مطلب كلمة لاباس دليل على ان المستحب غيره ج : ١ / ٦٥٨ سعيد)

(۴) قرآن مجید میں ہے: "ولا تلقوا بأيديكم الى التهلكة" سورة البقره

(۵) وكما كره غلق باب المسجد الا لخوف على متاعه، به يفتى. قوله الا لخوف على متاعه هذا اولى من التقييد فى زماننا، لان المدار على خوف الضرر وفى العناية : والتدبير فى الغلق لا هل المحلة (الدر المختار مع رد المحتار كتاب الصلوة ، مطلب فى احكام المسجد ، ج : ١ / ٦٥٦ ، سعيد)

(۶) وان كان لا يرجو القوة والشركة للمسلمين فى القتال فانه لا يحل له القتال لما فيه من القاء نفسه فى التهلكة" الهندية ، كتاب السير ، الباب الاول ، ٢ / ١٨٨ ط . ماجدية.

اس صورت میں کہ ان کو موقع ہی میسر نہ ہو یا ان کی وسعت سے باہر ہو معذور ہوں گے۔(۱)

بازاری کی وقف کی ہوئی آمدنی کا حکم

(سوال) ایک زن بازاری اپنی کچھ ایسی جائیداد جو اس نے ناجائز طریق پر حاصل کی تھی بحق مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور وقف کرنا چاہتی تھی لیکن اہل مدرسہ نے اس کو قبول نہیں کیا۔ گو زن بازاری کی سب سے مختلف طریقوں سے مسلسل کوششیں وقف کے قبول کرنے کے لئے عمل میں لائی گئیں اہل مدرسہ نے اپنی ذمہ داریوں کے صحیح احساسات کے ماتحت قطعی انکار کر دیا۔ اس کے بعد اس اہل مدرسہ کی مرضی کے خلاف بطور خود وہ جائیداو بحق مدرسہ حکومت وقت کے قانون کے موافق دفتر رجسٹری میں جاکر وقف کر دی اور وقف نامہ میں اپنی زندگی میں اس کی متولی ہونے کی شرط درج کر دی لکھدیا کہ پانچ روپیہ ماہانہ بطور کرایہ مدرسہ کو دیتی رہوں گی ۔ چنانچہ اس نے ایک ماہ کے پانچ روپے حضرت ناظم صاحب مدرسہ کے نام بذریعہ منی آرڈر بھیجے۔ حضرت ناظم صاحب نے سہواً منی آرڈر وصول کر لیا۔ بعد میں تنبہ ہوا کہ یہ روپیہ تو اس جائیداد کے متعلق ہے جس کے وقف کو قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا تھا۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اب جب کہ وقف باقاعدہ ہو چکا ہے اس کی آمدنی قبول کرنے سے انکار کرنا اور وصول شدہ روپے کو واپس کرنا جائز نہیں ہے۔

المستفتی نمبر ۲۷۶۶ محمد اکرام الحسن مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۱ جمادی الثانی ۶۲ ۱۳ھ م ۱۷ جون ۱۹۴۳ء

(جواب ۳۰۰) وقف کرنا واقف کا فعل ہے۔ اس کی صحت کے لئے موقوف علیہ یا اس کے وکیل متولی کا قبول کرنا شرط نہیں ہے۔ اس بنا پر وقف قبول کرنے اور بعد الوقف اس کی آمدنی لینے میں حق کرنا تو درست نہیں معلوم ہوتا۔ موقوف کی خباثت کی بنا پر وقف کی صحت یا پائی میں تردد ہونے کی وجہ سے اگر وقف کو قبول نہ کرنا جائز تھا تو اسی بنا پر اس کی آمدنی کو قبول نہ کرنا بھی جائز ہے۔ اور یہی اسلم واحوط ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ،

مسجد کی زمین پر ذاتی کوٹھی بنانا ناجائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۳۶ء)

(سوال) ایک قدیم مسجد کے حجرے اور دکانوں کو ایک مسلمان نے گرا کر اپنی کوٹھی بنالی۔ حجرے کے لئے اس کوٹھی کے ایک کمرے کا دروازہ مسجد میں رکھ دیا مگر اس کمرے کا بالا خانہ کوٹھی کے بالا خانے میں شامل ہے۔ کوٹھی مذکورہ میں مسجد کی زمین کے علاوہ اس شخص کی اپنی زمین بھی شامل ہے۔

(جواب ۳۰۱) مسجد اور مسجد کے متعلق موقوفہ زمین پر ذاتی تعمیر بنانا غصب وقف ہے۔ اس لئے اس کو خالی کرنا

---

(۱) قال اللہ تعالی ."لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا ."(سورۃ البقرۃ ، الجزء الثالث رقم الآیۃ ۲۸۶)

(۲) واذا وقف علی قوم فلم یقبلوا .... فان رد کلھم کان الوقف جائز اوتکون الغلۃ للفقراء واذا رد البعض فان کان الاسم ینطلق علی الباقین فالغلۃ کلھا تکون للباقین. (عالمگیریہ، کتاب الوقف، الباب الخامس، ۲/ ۴۲۹ ط . ماجدیۃ)

اور وقف میں شامل کرنا لازم ہے۔ ذاتی مکان کا دروازہ زمین وقف پر کھولنا بھی جائز نہیں۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

وقف نامہ

الحمدلله رب العلمین والصلوٰة والسلام علیٰ رسوله محمد واله واصحابه اجمعین اما بعدمنکہ بن ساکن ضلع کا ہوں۔

(الف) چونکہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور انسان کے لئے اس سے زیادہ مفید کوئی چیز نہیں کہ اپنے لئے زاد آخرت خود مہیا کرے۔ نیز پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہترین صدقہ وہ صدقہ ہے جو صحت و تندرستی کے زمانے میں کیا جائے۔(۲)

(ب) شریعت اسلامیہ میں وقف کو ایک قسم کا صدقہ قرار دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنا فلاں مال خدا کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں تو آنحضرت ﷺ نے وقف کرنے کا مشورہ دیا اور اس کو لفظ صدقہ سے تعبیر فرمایا۔(۳)

(ج) شریعت اسلامیہ نے وقف علی الاولاد کو جائز رکھا ہے اور قانون مجریہ ایکٹ نمبر ۶ مصدرہ ۷ مارچ سن ۱۹۱۳ء نے بھی اسے صحیح اسلامی مسئلہ قرار دیا ہے۔(۴)

(د) میں حنفی ہوں اور مذہب حنفیہ میں وقف علی نفس الوقف جائز ہے۔ جیسا کہ ایکٹ مذکور کی دفعہ ۳۔ کے ضمن حرف (ب) میں اس کی تصریح ہے۔

(۱) ولو غصبها من الواقف او من واليها غاصب فعليه ان يردها الى الواقف .. فان كان الغاصب زاد في الارض كالبناء والشجر يؤمر الغاصب بدفع البناء وقلع الا شجار وردا لارض . (عالمگیریه ، کتاب الوقف الباب التاسع ، ۲ / ۴۴۷ ط. ماجدية)

(۲) عن ابي هريرة رضي الله تعالى عنه قال قال رجل يا رسول الله ، اى الصدقة افضل قال ان تصدق وانت صحيح شحيح تامل العيش وتخشى الفقر (رواه النسائي ، كتاب الزكاة ، باب اى صدقة افضل ۱ / ۲۷۳ ط . سعيد.

(۳) عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال اصاب عمر ارضا بخيبر .. فقال يا رسول الله ماتامرني به قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها الخ (رواه مسلم. كتاب الوصية ، باب الوقف، ۲/ ۴۱ ط . قديمي كتاب خانه)

(۴) لو قال ارضي هذه صدقة موقوفة على من يحدث لي من الولدوليس له ولد يصح هذا الوقف . (عالمگیریه، کتاب الوقف، الباب الثالث، الفصل الثاني ، ۲/ ۳۷۱ ط. ماجدية)

ان امور مذکورہ بالا کی بنا پر میں نے بحالت صحت و ثبات عقل و درستی ہوش و حواس اپنی جائیداد مفصلہ ذیل کو آج بتاریخ ماہ سن اپنی زندگی تک اپنے نفس(۱) پر اور اپنے بعد اپنی اولاد ذکور واناث کے سلسلوں پر جب تک وہ سلسلے چلتے رہیں اور پھر اپنے خاندان کے فقراء اور مساکین پر اور پھر عام فقراء اور مساکین و امور خیر پر ہمیشہ کے لئے شرائط مفصلہ ذیل پر وقف کیا۔ اور اپنے قبضہ مالکانہ سے نکال کر بحیثیت متولی جائیداد موقوفہ کو اپنے متولیانہ(۲) قبض میں لے لیا۔

شرائط متعلقہ تولیت و نظارت

(۱) جب تک میں زندہ ہوں اس وقت تک تمام جائیداد موقوفہ کا متولی(۳) میں خود رہوں گا۔

(۲) میرے انتقال کے بعد اس وقف کے چار ناظر (۴) (ٹرسٹیز) ہوں گے جن کو میں نامزد کرتا ہوں اور وہ حسب ذیل ۵ ہیں :۔

(۳) ہر ناظر (ٹرسٹی) کی وفات یا علیحدگی پر باقی نظار کو لازم ہو گا کہ وہ اتفاق رائے یا کثرت رائے سے تاریخ وفات یا علیحدگی ناظر سابق سے ایک ماہ کے اندر اس کا قائم مقام مقرر کرلیں۔ اگر انہوں نے مدت مذکورہ میں مقرر نہ کیا تو مستحقین وقف میں سے بالغین کو اختیار ہو گا کہ وہ نظار کو نوٹس میعادی ایک ماہ کا دے کر تقرر ناظر کا مطالبہ کریں اور نوٹس کی میعاد گزر جانے پر ان بالغین مستحقین وقف کو اختیار ہو گا کہ وہ اتفاق یا کثرت رائے سے ناظر متوفی یا علیحدگی شدہ کا قائم مقام مقرر کردیں۔

---

(۱) واقف کو اختیار ہے کہ موقوف علیہم کی ترتیب جس طرح چاہے قرار دے۔ لیکن بہر صورت اس کی تصریح ضروری ہے کہ آخر میں وقف عام فقراء و مساکین یا امور خیر مثلاً مساجد و مدارس کے لئے ہو گا۔(۱)

(۲) اگر ابتدا سے ہی واقف نے وقف کا متولی کسی دوسرے شخص کو قرار دیا ہو تو یہاں پر اس متولی کے قبضہ میں دیا جانا تحریر کیا جائے۔

(۳) واقف کو اختیار ہے کہ حق تولیت اپنی زندگی میں بھی کسی دوسرے شخص کو دے دے اور اس صورت میں یہاں پر اس کے نام کی تصریح ضروری ہے۔(۲)

(۴) واقف کو اختیار ہے کہ نظار وقف کی تعداد جتنی مناسب سمجھے مقرر کرے اور ناظر مقرر کرے۔ یا نہ کرے۔(۳)

(۵) یہاں پر نظار وقف جن کو واقف مقرر کرنا چاہے ان کے نام لکھ دے۔

---

(۱) قال فی الشامیہ: لو وقف علی الا غنیاء وحدھم لم یجز لانہ لیس بقربۃ، امالو جعل آخرہ للفقراء فانہ یکون قربۃ فی الجملۃ (رد المحتار ، کتاب الوقف، مطلب لو وقف علی الاغنیاء وحدھم لم یجز ، ۳۳۸/۴ ط . سعید)

(۲) ان شرط ان یلیہ فلا ن .. فالتولیۃ جائزۃ ... ولو جعل الیہ الو لایۃ فی حال حیاتہ وبعد وفاتہ کان جائزا (عالمگیریہ، کتاب الوقف، الباب الخامس ۴۱۹/۲ ط. ماجدیہ)

(۳) ولو اوصی الی رجلین فقبل احدھما وابی الآخر اقام القاضی بقیم مکانہ رجلا آخر حتی یجتمع رأی الرجلین کما قصدا لواقف ، (عالمگیریۃ ، کتاب الوقف ، الباب الخامس ۲/ ۴۱۰ ط. ماجدیۃ)

(۴) میری وفات کے بعد میری اولاد مذکور میں سے کسی ایسے شخص کو جو شریعت کا پابند تعلیم یافتہ اور ہوشیار ہو نظار وقف (۱) اپنے اتفاق یا کثرت رائے سے متولی مقرر کریں۔
(۵) اگر اولاد ذکور کے سلسلہ میں کوئی باقی نہ رہے یا لائق تولیت نہ ہو تو نظار کو اختیار ہوگا کہ سلسلہ اناث کی اولاد مذکور میں سے کسی ایسے ہی شخص کو جس کا دفعہ ۴ میں ذکر ہے متولی مقرر کریں۔
(۶) جب کہ اولاد ذکور و اناث کے دونوں سلسلوں میں کوئی مذکر باقی نہ رہے یا لائق تولیت نہ ہو تو نظار وقف کو اختیار ہوگا کہ کسی مسلمان کو جو صفات مذکورہ دفعہ ۴ سے موصوف ہو متولی مقرر کریں۔
(۷) متولی بہر صورت جماعت نظار سے جداگانہ شخص ہوگا۔ اور وہ ہر صورت میں آنریری یا تنخواہ دار ہو سکتا ہے۔ اس کی تنخواہ نظار وقف کی رائے سے مقرر ہوگی۔ لیکن کسی صورت میں ....(۲) روپیہ سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔
(۸) نظار وقف ہمیشہ آنریری ہوں گے اور ان کا مسلمان حنفی ہونا لازمی ہے۔
(۹) جائیداد موقوفہ کی خدمت اور تحریر حساب و کتاب کے لئے تنخواہ دار ملازم رکھے جا سکتے ہیں جن کی تعداد ....(۳) تک اور جن کی انتہائی تنخواہ............ روپیہ تک ہو سکتی ہے۔ ایسے ملازمین کا عزل و نصب نظار کے اختیار سے ہوگا۔
(۱۰) متولی (۴) کو لازم ہوگا کہ (الف) جائیداد موقوفہ کی تمام آمدنی و خرچ کا باقاعدہ رجسٹر رکھے اور تمام اندراجات باضابطہ کرتا رہے۔ (ب) تمام مستحقین کو ان کے حصوں کا روپیہ ہر (۵) سہ ماہی پر تقسیم کر کے رسید باضابطہ حاصل کرے۔ (ج) ملازمین کی پوری (۲) نگرانی کرے۔

---

(۱) واقف کو اختیار ہے کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو اپنی اولاد ذکور میں سے کسی خاص شخص کو تولیت کے لئے نامزد کر دے یا سب سے بڑے بیٹے اور اس کے بعد سب سے بڑے کو حق تولیت دے یا اور کسی شخص کو متولی بنائے یا کسی خاص جماعت کو متولی مقرر کرنے کا اختیار دے۔ (۱)
(۲) یہاں پر تنخواہ کی انتہائی مقدار لکھ دینی چاہئے۔ اس کی مقدار جائیداد موقوفہ کی حیثیت اور کار متعلقہ کی قلت یا کثرت کے لحاظ سے معین کی جائے۔
(۳) یہاں پر ملازمین کی وہ تعداد جو جائیداد موقوفہ کی قلت کثرت کے لحاظ سے ضروری یا مناسب ہو لکھنی چاہئے۔ اسی طرح ملازمین کی انتہائی تنخواہ بھی معین کر دینی چاہئے۔
(۴) اس دفعہ میں متولی سے ہر وہ متولی مراد ہے جو واقف کے علاوہ کوئی اور شخص ہو۔ خود واقف پر یہ دفعہ عائد نہیں ہوتی۔
(۵) واقف کو اختیار ہے کہ تقسیم ماہواری یا سہ ماہی یا ششماہی یا سالانہ جو مناسب سمجھے مقرر کرے۔

---

(۱) لو شرط الولایۃ لولدہ علی ان یلیھا الا فضل من ولدہ تکون الولایۃ افضل اولادہ (عالمگیریۃ، کتاب الوقف، الباب الخامس ۲/ ۴۱۱ ط. ماجدیہ)
(۲) فاذاتم ولزم لا یملک ولا یعار ولا یرھن. (تنویر الابصار، کتاب الوقف، ج: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

(۱۱) نظار کو ہر وقت اختیار ہو گا کہ متولی سے حساب طلب کریں یا رجسٹروں کا معائنہ کریں۔ اسی طرح مستحقین وقف بھی حساب دیکھنے کے ہر وقت مجاز ہیں۔

(۱۲) خود واقف یا کسی متولی یا کسی دوسرے شخص کو یہ اختیار نہیں کہ جائیداد موقوفہ کو کلاً یا جزءاً بیع یا ہبہ یا کسی طریقہ سے دائمی یا عارضی طور پر منتقل کرے یا کسی طرح کا بار کفالت اس پر عائد کرے۔ (۱)

(۱۳) ہر ناظر اور مستحق وقف کو اختیار ہے کہ وہ متولی کے خلاف غبن یا خیانت کا دعویٰ عدالت مجاز میں دائر کرے اور بعد ثبوت غبن یا خیانت عدالت مجاز متولی کو معزول کر سکتی ہے۔ اور اگر تمام نظار اور مستحقین وقف کسی متولی کی خیانت یا غبن پر متفق ہو جائیں تو ان کا اتفاقی جلسہ خود ایسے متولی کو معزول کر سکتا ہے اور جب کہ کوئی متولی عدالت مجاز یا اتفاقی جلسہ سے معزول ہو جائے تو دوسرا متولی دفعات ۴ تا ۷ کی پابندی سے مقرر کیا جائے۔

شرائط متعلقہ مصارف وقف

(۱۴) جب تک میں زندہ ہوں اس تمام جائیداد کی آمدنی اپنے خرچ میں لانے یا اپنی رائے سے امور خیر میں خرچ کرنے کا مجھے کامل اختیار ہے۔

(۱۵) میرے انتقال کے بعد جائیداد موقوفہ کی آمدنی سے اس کے متعلقہ ضروری مصارف مثل ہاؤس ٹیکس و تنخواہ متولی و ملازمین و خرچ رجسٹر ہائے حساب و لگان سرکاری وغیرہ ادا کرنے کے بعد باقی تمام آمدنی کا (۲) $\frac{1}{4}$ مدارس (۳) دینیہ و مساجد (۴) و فقراء و مساکین میں حسب رائے متولی (۵) خرچ کیا جائے۔

(۱۶) اور $\frac{1}{4}$ حصہ (۶) نکال کر کسی محفوظ (۷) طریقہ سے جمع رکھا جائے۔ جس سے جائیداد موقوفہ کی مرمت شکست ریخت بوقت حاجت کی جائے۔ لیکن اگر عرصہ تک یہ روپیہ خرچ نہ ہو اور اس قدر جمع ہو جائے کہ جائیداد وقف کی بظن غالب اس کی حاجت نہ ہو تو متولی باجازت تحریری نظار اسے امور خیر مندرجہ دفعہ ۱۵ میں خرچ کر دے۔

---

(۱) بہتر ہو کہ نگرانی ملازمین کی نوعیت بیان کر دی جائے۔ نیز یہ بھی بتا دیا جائے کہ متولی ان ملازمین کا افسر اور وہ اس کے ماتحت ہوں گے۔

(۲) اس حصہ کی مقدار معین کرنے میں واقف کو پورا اختیار ہے۔ جتنی مقدار مناسب سمجھے معین کرے۔

(۳) مدارس دینیہ کی تشخیص کر دینا مناسب ہے کہ فلاں خاص مدرسہ یا کم از کم اس قدر لکھ دے کہ فلاں فلاں شہروں کے اسلامی مدرسے جن میں قرآن مجید اور تفسیر و حدیث و فقہ کی عربی تعلیم دی جاتی ہو۔ یا جو اور قیود مناسب سمجھے وہ ذکر کرے۔

(۴) مساجد کی تعیین اور تشخیص ہو تو بہتر ہے، ورنہ یہ لکھ دے کہ فلاں شہر کی مسجدیں، یا جن مسجدوں کی کوئی آمدنی نہ ہو وغیرہ۔

(۵) واقف کو اختیار ہے کہ مناسب سمجھے تو نظار وقف کی منظوری ان مصارف کے لئے شرط کر دے

(۶) جائیداد موقوفہ کی حیثیت سے مصارف مرمت کے لئے جس قدر ضرورت سمجھے اتنا حصہ مقرر کرے

(۷) واقف کو اختیار ہے کہ محفوظ طریقہ کی تعیین یا تشریح کر دے۔ نیز یہ بھی بتا دے کہ اس روپیہ کے ذمہ دار ناظر ہوں گے یا متولی۔

(۱۷)اور ۵/۴۰ یعنی تمام آمدنی (بعد وضع مصارف ضروریہ) کا آٹھواں(۱) حصہ میری زوجہ یازوجات کو (اگر کوئی موجود ہو) اس کی زندگی تک دی جائے۔زوجہ یازوجات کے انتقال کے بعد متوفیہ کا حصہ اس کے والدین(۲) کو یااولاد کو (اگر کسی دوسرے خاوند سے ہو) ان کی زندگی تک دیا جائے اور اگر متوفیہ کے ماں باپ اور اولاد نہ ہو یا جب وہ انتقال کر جائیں تو متوفیہ کا حصہ بقیہ آمدنی میں شامل ہو کر دفعات آئندہ کے موافق تقسیم ہو گا۔

(۱۸)بقیہ کل ۳۳/۴۰ حصص اور بصورت حصہ زوجہ یازوجات شامل ہو جانے کے ۳۸/۴۰ حصے میری اولاد ذکور واناث میں اس طرح تقسیم کیا جائے کہ ذکر کو دوہرا(۳) اور مونث کو اکہرا دیا جائے۔اگر میرا کوئی پوتا پوتی۔ یتیم ہو یا نواسہ نواسی کی والدہ فوت ہو جائے تو ان پوتا پوتی کو ان کے والد کا حصہ اور ان نواسہ نواسی کو ان کی والدہ کا حصہ میری اولاد کے ساتھ دیا جائے انہیں محروم نہ سمجھا جائے۔

(۱۹)جب میری اولاد ذکور یا اناث یا ان کی اولاد در اولاد میں سے کوئی فوت ہو تو ہر فوت ہونے والے مذکر کی بیوی کو اور فوت ہونے والی مؤنث کے خاوند کو ان کی زندگی تک مثل حصہ فرائض دے کر باقی حصہ متوفی یا متوفیہ کو (۴) اس کی اولاد ذکور واناث میں بحصہ (۵) مساوی تقسیم کیا جائے اور متوفی کی بیوی اور متوفیہ کے خاوند کے فوت ہونے کے بعد وہ حصہ بھی متوفی کی اولاد پر تقسیم کیا جائے اور تقسیم کا یہ قاعدہ برابر اسی طرح جاری رہے جب تک کہ اولاد ذکور واناث کا سلسلہ بطنا بعد بطن جاری اور باقی رہے اور جب کہ کسی مذکر یا مؤنث کا سلسلہ اولاد ختم ہو جائے تو اس کا حصہ اولاد کے دوسرے سلسلوں پر تقسیم کر دیا جائے۔

(۲۰)جب میری اولاد ذکور واناث کے تمام سلسلے منقطع ہو جائیں تو میرے خاندان آباؤ اجداد (۶) کے لوگوں میں سے جو نادار حاجت مند ہوں ان کی امداد کی جائے۔

(۲۱)اگر خدانخواستہ میرے خاندان کا بھی کوئی شخص باقی نہ رہے۔یا سب مستغنی ہوں تو پھر وقف کی تمام آمدنی

---

(۱)واقف کو اختیار ہے کہ زوجہ یازوجات کا حصہ کچھ کم یازیادہ مقرر کرے۔(۱)

(۲)اگر زوجہ کے اور وارثوں مثلاً بھائی، بہن، دادا، دادی، نانی وغیرہ کو دلوانا چاہے توان کی تصریح کردے۔

(۳)واقف کو اختیار ہے کہ مذکر مؤنث کو دوہرا اکہرا دلوائے یا برابر دونوں طرح جائز ہے۔(۲)

(۴)اگر فوت ہونے والے کے بعد اس کا حصہ فرائض کے بموجب تمام اس کے وارثوں میں تقسیم کرانا چاہے تو اس کی تصریح کردے۔

(۵)اختیار ہے کہ حصہ دوہرا اکہرا رکھے یا برابر۔(۳)

(۶)خاندان کے لوگوں کے استحقاق کیلئے ان کی ترتیب قائم کردینی مناسب ہے۔مثلاً میرے بھائیوں، بہنوں کی اولاد ذکور واناث یا میرے چچا پھوپی کی اولاد ذکور واناث یا میرے والد کے چچا کی اولاد وغیرہ۔

(۱،۲،۳) وان قال للذكر كالنثيين فكما قال. (الدر المختار ، كتاب الوقف ، مطلب قال للذكر كالنثيين ولم يوجد الا ذكور فقط اواناث فقط ٤/٤٧١ ط ، سعيد)

(۱) سئل عمن شرط السكنى لزوجته فلانة بعد وفاته ما دامت عز بافمات و تزوجت وطلقت هل ينقطع حقها بالتزويج؟أجاب نعم!(الدر المختار)(قوله أجاب نعم أى ينقطع بالتزويج الا ان يشترط ان من مات زوجها او طلقها عاد حقها.(رد المحتار ،كتاب الوقف ، مطلب اذا قال مادامت عذبا. ٤/٤٥٢ ط سعيد)

مدارس اسلامیہ(۱)اور مساجد اور فقراء مسلمین اور مسلمان مقروضین کی امداد میں خرچ کی جائے۔ نیز مفلس اموات مسلمین کے تجہیز و تکفین کے مصارف دیئے جائیں۔

(۲۲)اگر مستحقین وقف میں سے کوئی شخص مرتد ہو جائے یا اہل سنت والجماعت کا طریقہ چھوڑ کر رافضی، خارجی، قادیانی وغیرہ ہو جائے تو ہمیشہ کے لئے اپنے حق اور حصہ سے محروم ہو جائے گا۔ اس کا حصہ دیگر مستحقین وقف میں تقسیم ہو گا۔

(۲۳)اگر کسی وقت جائداد موقوفہ کی تعمیر کی حاجت ہو اور دفعہ ۱۶ کے بموجب جمع شدہ رقم کافی نہ ہو تو جائداد موقوفہ کی کل آمدنی یا کوئی حصہ حسب ضرورت تعمیر میں خرچ کیا جائے۔ اس کے بعد آمدنی مستحقین میں تقسیم کی جائے۔ لیکن ایسی تعمیر کے لئے نظار وقف اور متولی کا اتفاق رائے ضروری ہے۔ تفصیل جدئداد موقوفہ۔

خاکسار محمد کفایت اللہ غفر لہ ۲ مئی ۱۹۱۷ء

(نوٹ) مندرجہ بالا وقف نامہ ایک قلمی مسودہ کی صورت میں حضرت مفتی اعظمؒ نے کسی کے لئے مرتب فرمایا ہو گا۔ یہاں اس لئے درج کیا گیا کہ واقف حضرات کے لئے رہنما ثابت ہو گا اور اس سے وقف نامہ جات کے طریقہ تحریر کا اندازہ ہو سکے گا۔ (حفیظ الرحمان واصف عفی عنہ)

---

(۱)اگر مدارس مساجد کی تعیین کر دی جائے تو بہتر ہے۔ یا تعیین کے لئے کوئی قیود و اوصاف ذکر کر دیئے جائیں یا تعیین کا اختیار نظار وقف یا متولی کو دے دیا جائے۔ یہ بھی مناسب ہے کہ مدارس اور مساجد اور فقراء وغیرہ متفرق مدات کے لئے حصص معین کر دے۔ مثلاً مدارس کے لئے............ فقراء اور مقروضین اور مفلس اموات کے گور و کفن کے لئے............ فلاں مد کے لئے............

کتاب المعاش

پہلا باب
ملازمت اور اجارہ (نوکری اور اجرت و کرایہ)

آدھو آدھ منافع پر مویشی رکھوالی کے لئے دینا

(سوال) اس ملک میں ایسا طریقہ رائج ہے کہ گائے یا بھینس یا بکری کا بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو اس کا مالک کسی کو پرورش کے واسطے دیتا ہے اور اجرت حق پرورش کی یہ قرار دی جاتی ہے کہ جب بچہ بڑا ہو جائے مالک اور پالنے والا اس کی قیمت لگا کر نصفا نصف بانٹ لیتے ہیں یا مالک جانور نصف قیمت پالنے والے کو دے کر جانور لے لیتا ہے یا پالنے والے نصف قیمت دے کر خود رکھ لیتے ہیں۔ اور بعض وقت مالک پالنے والے کو دو بچے شرط مذکورہ پر دیتا ہے۔ جب دونوں بڑے ہو جاتے ہیں تو باہم ایک ایک لے لیتے ہیں۔ صورت اولیٰ و ثانیہ میں ایک یا دونوں اگر مر جائیں تو پالنے والے کی محنت اکارت جاتی ہے۔ کیا شرعاً یہ عقد جائز ہے یا نہیں؟ اور مالک اور پالنے والے کی ملک طریقہ مذکورہ سے شرعاً صحیح ہوگی یا نہیں۔ اور ہر ایک کو طریقہ مذکورہ سے جس جانور پر ملک ثابت ہو جائے اس کو قربانی وغیرہ میں لینا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۰۲) یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔ کیونکہ اس میں پالنے والا جو در حقیقت اجرت پرورش کا مستحق ہے نفس شئی مستاجر علیہ میں شریک قرار دیا جاتا ہے جو معنی میں قفیز طحان اور عامل لنفسہ ہونے کی وجہ سے مردود اور ناجائز ہے۔ جانور زندہ رہے تو مالک کا ہے اور پالنے والا اجر کا مستحق ہے اور مر جائے تو مالک کا مرا اور پالنے والا بقدر خدمت اجرت کا مستحق ہے۔ مالک کی ملک صحیح ثابت ہے اسلئے قربانی کرنے میں اس کے حق میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور پالنے والے کی صحیح نہیں۔ اس لیے اسے اس جانور کی قربانی کرنا جائز نہیں۔(۱) **واللہ اعلم بالصواب۔**

علاج کی اجرت لینے اور دوا فروخت کرنے کا حکم

(سوال) طبیب کو مریض سے علاج کی فیس (اجرت) لینا اور دوا قیمۃً فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۳۰۳) طبیب کو مریضوں سے علاج کی فیس لینا جائز ہے۔ خواہ مریض کے مکان پر جا کر اس کو دیکھے اور تشخیص مرض کر کے نسخہ تجویز کرے اور خواہ مریض خود طبیب کے مطب میں آکر علاج کرائے ان صورتوں میں علاج کی اجرت لینا جائز ہے۔ اور دوا قیمۃً فروخت کرنے کے جواز میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ کیونکہ دوا اس کا مال ہے اسکی ملک ہے۔ اسے فروخت کرنے یا مفت دینے کا کامل اختیار اگر مفت دے اس کا احسان ہے۔ قیمت لے کر دے اس کا حق ہے۔ **ولو استاجر طبیباً او کحالا او جراحاً یدا ویه وذکر مدة جاز کذافی الغیاثیه**

---

(۱) دفع بقرة الی رجل علی ان یعلفها وما یکون من اللبن والسمن بینهما انصافا فالاجارة فاسدة وعلی صاحب البقرة للرجل اجر قیامه وقیمة علفه ان علفها من علف هو ملکه لا ما سرحها فی المرعی ویرد کل اللبن ان کان قائما وان اتلف فالمثل (عالمگیریه، کتاب الاجارة، الباب الخامس، الفصل الثالث، ۴/۴۴۵ ط. ماجدیة)

(عالمگیری) (۱) وکذاالطبیب لوباع الا دویة نفذ (ردالمحتار) (۲) قلت هذا فی الطبیب الجاهل الممنوع من العلاج وبیع ادویة فنفاذ البیع من الطبیب العالم المتقن الحاذق وجوازه اولی . ولا یجب الدواء للمرض ولا اجرةالطبیب ولا الفصد ولا الحجامة کذافی السراج الوهاج (عالمگیری باب النفقات) (۳)وکذا فی رد المحتار قلت ویوخذ منه جواز اجرة الطبیب وکونها علی الزوجة لاعلی الزوج . والله اعلم۔

بینک کی ملازمت کا حکم

(سوال) بینک کی وہ ملازمت جس میں سود کا حساب کتاب وعملدر آمد وصول باقی کرناپڑتا ہے جائز ہے یا نہیں ؟

محمد یوسف تھانوی اجمیری دروازہ۔دہلی

(جواب ٤ . ۳) سرکاری بینک کی ملازمت اس حیثیت سے کہ اس میں سودی کاروبار ہوتا ہے ناجائز نہیں ہے۔ کیونکہ بحالت موجودہ گورنمنٹ برطانیہ محارب اور ہندوستان دارالحرب ہے اور اس میں گورنمنٹ سے سود لینا ناجائز نہیں ہے۔ لیکن سرکاری بینکوں میں قصداً روپیہ جمع کرنا اور اس ذریعہ سے ایک قسم کی امداد پہنچانی درست نہیں۔ فقط(۴) مورخہ ۷ ارمضان ۱۳۴۲ھ

دکانیں کرایہ پر دیتے ہوئے سلامی کی صورت میں رقم لینے کا حکم

(سوال) یہاں پر لوگ دکانیں کرایہ پر دیتے ہیں مگر علاوہ کرایہ کے ایک اور رقم جسے سلامی کہتے ہیں مستاجر سے لیتے ہیں۔ مستاجر اس وجہ سے کہ وہ دکان موقع کی ہوتی ہے اس رقم زائد یعنی سلامی کا دینا بھی منظور کرتے ہیں۔ یہ سلامی ماہواری کرایہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔بلکہ ماہواری کرایہ ماہ بہ ماہ علیحدہ دینا ہوگا۔ آیا یہ سلامی کا روپیہ لینا اور دینا جائز ہے یا نہیں ؟بینوا توجروا۔

(جواب ٥ ۰ ۳) یہ سلامی اگرچہ بظاہر کرایہ ماہواری سے علیحدہ معلوم ہوتی ہے مگر جب کہ مالک جائیداد لیتا ہو تو منجملہ کرایہ ہی شمار ہوگی۔اور جتنے دنوں کے لئے دکان کرایہ پر لی گئی ہے اس کے کرایہ ماہواری کی مجموعی رقم کے ساتھ یہ بھی کرایہ میں داخل اور محسوب ہوگی ۔ مثلاً دس ۱۰ روپے ماہوار کرایہ پر سال بھر کیلئے دکان دی اور سو روپے سلامی کیلئے تو یوں سمجھا جائے گا کہ دو سو بیس روپے سال بھر کا کرایہ لیا گیا ہے۔اور اگر تمام مدت کرایہ پر رہنے کی معین نہ ہو تو اس صورت میں اگر صاحب جائیداد اس طرح پر کہے کہ میں یہ دکان دس روپے ماہوار کرایہ پر دیتا ہوں مگر پہلے مہینہ کا کرایہ ایک سو دس روپے مقرر کرتا ہوں اور اس کے بعد ہر مہینہ دس روپے ماہوار کرایہ لوں گا تو یہ صورت جائز ہے ۔ اور حسب قاعدہ فقہیہ ایک ماہ کا اجارہ لازم اور آئندہ ہر مہینہ میں مباشرت استعمال دکان سے صحیح ہوتا رہے گا۔(۵)وهذا کله ظاهر علی من له نظر فی الفقه والله اعلم۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ، سنہری مسجد، دہلی

(۱)(عالمگیریہ ، کتاب الا جارة ، الباب الخامس، الفصل الرابع ، ۳٤/۰۵٤ ط ماجدیہ)
(۲) (رد المحتار ، کتاب الحجر ، ص ۱٤۷/٦ ط. سعید)
(۳)(فتاویٰ عالمگیریہ ، کتاب الطلاق ، الباب السابع عشر ، الفصل الا ول ۵٤۹/۱ ط. ماجدیة)
(۴)وتعاونوا علی البرو التقوی ولا تعاونو اعلی الا ثم والعدوان ، سورة المائدة الجزء السادس رقم الآیة نمبر ۲.
(۵)والحیلة ان یعقد عقودا متفرقة کل عقد سنة بکذا ، فیلزم العقدا لاول لانه ناجز (درمختار ، کتاب الا جارة ، ج : ٦ ، ۷ ، سعید)

شراب لور خنزیر کا گوشت فروخت کرنے والوں لور فاحشہ عورتوں کو دکان اور مکان کرایہ پر دینے کا حکم

(سوال) کیا مسلمان کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ فاحشہ عورتوں کو اپنے مکانوں یا دکانوں میں کرایہ پر آباد کرے باوجود اس علم کے کہ یہ عورتیں زناکاری کا پیشہ کرتی ہیں انہیں اپنے مکانوں میں آباد کرنا اور کرایہ کھانا کیسا ہے۔ بعض لوگ اسی غرض سے مکان بنواتے ہیں اور رنڈیوں کو ان میں رکھتے ہیں لور کرایہ لیتے ہیں۔ اسی طرح شراب یا خنزیر کا گوشت بیچنے والے کو دکان کرایہ پر دینا کیسا ہے ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۳۰٦) زانیہ عورتوں کی زنا کی کمائی ان کی ملک میں داخل نہیں ہوتی اور اس لئے ان کو خود بھی اس کا استعمال کرنا حرام ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی وہ روپیہ ان سے لینا خواہ بطور کرایہ کے ہو یا ... قیمت یا ہبہ کے جائز نہیں۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے۔ مهر البغی خبيث۔(۱) یعنی زانیہ کی خرچی خبیث ہے۔ وفی المنتقى ابراهيم عن محمد رحمة الله تعالى في امرأة نائحة او صاحب طبل او مزمارا كتسب مالا بازاء النياحة اوبازاء الغناء قال ان كان على شرط رده على اصحابه ان عرفهم يريد بقوله على شرط ان شرطو الها في او له و هذا لا نه اذا كان الا خذ على الشرط كان الما ل بمقابلة المعصية فكان الا خذ معصية والسبيل في المعاصي ردها وذلك ههنا بردالما خوذ الخ (عالمگیری)(۲) پس رنڈیوں کو اپنے مکان میں رکھنا اور ان کا حرام مال کرایہ میں لینا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ زنا چونکہ ایک سخت کبیرہ گناہ ہے اس لئے رنڈیوں کو اپنے مکان میں آباد کرنا گویا ان کی ایک کبیرہ گناہ پر اعانت کرنا ہے جو حرام ہے۔ قال الله تعالىٰ تعاونو اعلى البر و التقوىٰ ولا تعاونوا على الاثم والعدوان۔(۳) اسی طرح شراب بیچنے والے کو دکان کرایہ پر دینا نہیں وجوہ سے ناجائز ہے۔ ہاں اگر شراب بیچنے والا مسلمان نہ ہو لور مسلمانوں کی آبادی بھی اس بستی میں زیادہ نہ ہو بلکہ زیادہ تر کفار ہی آباد ہوں تو شراب بیچنے والے کافر کو دکان کرایہ پر دینا جائز ہے لیکن زانیہ کو مکان کرایہ پر دینا کسی حال میں جائز نہیں۔ وجاز اجارة بيت بسوا دالكوفة لا بغير ها على الاصح ليتخذبيت نا راو كنيسة اوبيعة اويباع فيه الخمر (تنوير الا بصار)(۴) وقالا لا ينبغي ذلك لا نه اعانة على المعصية وبه قالت الثلاثة زيلعي (درمختار)(۵) اور یہی حکم خنزیر کا گوشت بیچنے والے کو دکان کرایہ پر دینے کا ہے۔ والله اعلم وعلمه اتم واحكم۔

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی مہر وار الا فتا

کیا بیٹا باپ کے نام جمع کرائی ہوئی اپنی اجرت لے سکتا ہے ؟

(سوال) زید اور بکر کی کمپنی میں زید کا بیٹا ملازم تھا۔ اس کی اجرت زید کے حساب میں جمع ہوتی تھی۔ اب لڑکا اپنی وہ

---

(۱) (رواه مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة، باب ... يم ثمن الكلب ۲ / ۱۹ ط. قديمى)

(۲) (فتاوى عالمگيريه، كتاب الكراهية ، الب ... س عشر، ۵/ ۳۴۹ ط. ماجديه ، ومثله في الشاميه، في كتاب الا جارة ، مطلب في الا ستجار على المعاصي، ٦ ... ط سعيد)

(۳) (سورة المائدة، الجزء السادس رقم الآية ...)

(۴) (تنوير الا بصار الا لفظ جاز ، كتاب الحظر ... فصل في البيع، ٦/ ۳۹۲ ط. سيعد)

(۵) (الدر المختار ، ايضا)

اجرت جو زید کے حساب میں جمع ہے چاہتا ہے۔

المستفتی نمبر ۵۸ ملیگار عبدالرحمٰن (نارتھ ارکاٹ) ۲۱ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۰۷) لڑکے کی اجرت (تنخواہ) جو باپ کے نام جمع ہوتی تھی لڑکا اس کا مستحق ہے۔ بشرطیکہ اس لڑکے کا کھانا پینا، رہنا سہنا باپ سے علیحدہ رہا ہو۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

گورنمنٹ برطانیہ کے لئے چھٹی رسانی کی نوکری کا حکم

(سوال) چھٹی رسانی کی نوکری گورنمنٹ برطانیہ کی کرنی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۷۶، ۷۷، ۲ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۰۸) چھٹی رسانی کی ملازمت بذاتہٖ مباح ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

(۱) کیا سود کا حساب کتاب لکھنے کی صورت میں بھی پٹوار کی ملازمت جائز ہے؟
(۲) کفار سے سود لینے کا حکم
(۳) کفار کا مال کھانے کا حکم

(سوال) (۱) موجودہ ملازمت پٹواری جائز ہے یا نہیں؟ پٹواری کو آڑ رہن کے متعلق اور رہن باقبضہ کے متعلق روزنامچہ اندراج کرنا پڑتا ہے اور انتقال بھی درج ہوتا ہے۔ آڑ رہن کا سود مرتہن لیتا ہے رہن باقبضہ میں بھی مرتہن فائدہ اٹھاتا ہے۔ سود اور رہن زمین کا منافع شریعت میں حرام ہے۔

(۲) لوگ انتقال وراثت لڑکوں کے نام درج کراتے ہیں۔ اس میں لڑکیوں کا حصہ غصب ہوتا ہے۔ سالم مسلمانوں کے مواضعات میں بھی اور سالم ہندوؤں کے مواضعات میں بھی۔ اور جو مواضعات مسلمانوں اور ہندوؤں کے مشترک ہیں ان سب میں ایسا ہی عمل ہوتا ہے۔ تینوں صورتوں میں کیا حکم ہے؟

(۳) اس زمانے میں کفار سے سود لینا اور رہن باقبضہ لراضی کفار سے لے کر نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں۔

(۴) کفار کا مال رضامندی سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۳۱۶ حاجی محمد پٹواری قلعہ رائپور ضلع لدھیانہ۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۷ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۰۹) پٹواری کا کام کاغذات میں اندراج کرنا ہے اور اگرچہ یہ بھی فی الجملہ معاونت ہے۔ لیکن یہ اس کے اپنے ضمیر کے تقاضے سے نہیں ہے اور نہ اس کا اندراج سود کی دستاویز کا حکم رکھتا ہے اس لئے موجودہ حالات وواقعات کے اندر یہ ملازمت مباح ہے۔ نمبر ۲ کا بھی وہی جواب ہے۔(۳)

(۳) کفار اہل حرب یعنی انگریزوں سے یا یورپ کی دوسری اقوام سے سود لینے کی گنجائش تو ہو سکتی ہے لیکن ہندوستانی کفار سے نہیں۔(۴)

(۴) کفار کی رضامندی سے ان کا مال کھانا اگر کسی ناجائز عقد کے ذریعہ سے نہ ہو تو جائز ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ

---

(۱) ولم یکن لهما شئی ، فالکسب کله للاب ان کان الا بن فی عیاله ، لکونه معیناً له (رد المحتار ، کتاب الشرکة ، ج : ٤/ ٣٢٥، سعید)

(۲) لو استاجر الذمی مسلما لیبنی له بیعة او کنیسة جاز (فتاوی عالمگیریه ، کتاب الاجارة ، ج: ٤/ ٤٥٠)

(۳) اذا استاجر الذمی من المسلم بیتالیبیع فیه الخمر جاز عند ابی حنیفة خلافالهما . (عالمگیریة ، کتاب الا جارة الباب الخامس الفصل الرابع ٤/ ٤٤٩ ط . ماجدیة)

(۴،۵) ولا) ربا (بین متفاوضین ولا بین حربی و مسلم ثمة) لان ماله ثمة مباح فیحل برضاه مطلقا بلا غدر خلا فا للثانی والثلاثة ، (رد المحتار . کتاب البیوع ، باب الربا، او اخر باب الربا ،٥/ ١٨٥، ١٨٦ط. سعید)

کھانے کی مقدار متعین کئے بغیر اسے اجرت بنانے کا حکم

(سوال) عام طور سے یہ رواج ہے کہ کچھ روپیہ اور کھانے پر آدمی کو گھر میں ملازم رکھ لیتے ہیں اور کھانے کی مقدار و کیفیت آدمی کو ملازم رکھتے وقت بیان نہیں کرتے تو اس طرح کی ملازمت جائز ہے یا نہیں

المستفتی نمبر ۵۲۰ محمد ابراہیم (احمد آباد) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۱۰) یہ ملازمت جائز ہے۔ کھانے کی مقدار بس اتنی معلوم ہونا کافی ہے کہ پیٹ بھر کھانا ملے گا(۱)

محمد کفایت اللہ

خریدنے کی غرض سے اپنے قبضہ میں لی ہوئی گھڑی اگر خراب ہو جائے تو ضمان کس پر ہوگا؟

(سوال) ایک گھڑی ساز کے پاس گھڑی آئی فروخت ہونے کے واسطے۔ دوسرا ایک شخص لے گیا اس کی چال دیکھنے کے واسطے۔ چار پانچ روز تک اس نے اپنے پاس رکھی۔ اسی دوران میں وہ گھڑی گر پڑی اور خراب ہو گئی۔ اس کی مرمت میں جو اجرت خرچ ہوگی اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟

المستفتی نمبر ۵۸۵ حافظ برکت علی دہلی۔ ۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ ۷ ۲ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۱۱) جو شخص خریدنے کے ارادے سے لے گیا تھا اور اس کے پاس یہ نقصان ہوا اس کی اجرت اسی کے ذمہ ہوگی۔ نہ اصلی مالک پر نہ دکاندار پر۔(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

بینک کی ملازمت کا حکم

(سوال) بینک کی ملازمت شرعاً کیا حکم رکھتی ہے جس میں سود لکھنے اور پڑھنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

المستفتی نمبر ۷۱۱ حکیم محمد قاسم ۷ اجمادی الثانی ۱۳۵۴ء ۱۶ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۱۲) بینک کی ملازمت مباح ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

خاوند کی اجازت کے بغیر شیعہ آدمی کی نوکری کرنا
شیعہ کی ملازمت پر رکھوانے والے کے پیچھے نماز کا حکم

(سوال)(۱) زید حنفی ہے۔ اس نے ایک حنفی عورت کو شیعہ کے یہاں دائی میں رکھوادیا تھا۔ اس کے بعد اس کا

---

(۱) وما جاز في استجار العبد للخدمة جاز في استجار الظئر وما بطل هناك بطل ههنا الاان ابا حنيفة استحسن جواز استنجار الظئر بطعامها وكسوتها وان لم يوصف شئ من ذالك ولها الوسط من ذالك وقالا لايجوز . (فتاوىٰ عالمگيرية كتاب الاجارة الباب العاشر ، ٤٣١/٤ ط. ماجدية)

(۲) (اگر خریدنے کیلئے لے گیا تو مفتی صاحب (قدس سرہ ورحمۃ اللہ علیہ) نے جیسا فرمایا ویسا ہی جواب ہے، لیکن اگر دیکھنے سے مقصد یہ تھا اور یہ بات کہ مجھے گھڑی کی ضرورت ہے تو دیکھنا ہے کہ اس کی چال دیکھنا ہے اور یہ نہیں پوچھا کہ کتنے کی ہے اور کتنے میں بیچتے ہو تو یہ دونوں اس صورت میں لے جانے والا صاحب امانت ہے اگر اس نے تعدی نہیں کیا تو اس پر ضمان لازم نہیں۔) قال في الهداية : وفي فروق الكرابيسي : هذا الثوب لك بعشرة فقال هاته حتى انظر اليه اوحتى اريه غيره فضاع قال ابو حنيفة رحمة الله عليه لا شئ عليه يعني يهلك امانة وان قال هاته فان رضية اخذته فضاع كان عليه الثمن ، «عالمگيرية، كتاب البيوع ، الباب الثاني . الفصل الثاني ۱۱/۳ ط. ماجدية)

(۳) واضح رہے کہ یہ حکم ہندوستان کے بنکوں کے بارے میں ہے، پاکستان کے بنکوں میں ملازمت جائز نہیں۔

(۳)(ولا) ربا (بين متفاوضين) (ولا بين حربي ومسلم ثمة) الدرالمختار، كتاب البيوع ، باب الربا، ۵ ۱۸۶،۱۸۵/۵ ط. سعيد.

شوہر جو کلکتہ میں تھا آیا اور اس نے اپنی بیوی کو شیعہ کے ہاں سے چھوڑوا دیا۔ اور کچھ روز رہ کر پھر کلکتہ چلا گیا۔ پھر زید نے کوشش کر کے اس عورت کو اسی شیعہ کے ہاں رکھوا دیا۔
(۲) اور عورت جو شیعہ کے ہاں ملازم ہے بظاہر اس کا فعل خراب ہے۔ وہ شیعہ اور عورت ایک ہی ڈیرے میں رہتے ہیں۔
(۳) زید محلہ کی مسجد کا امام بھی ہے۔ اس کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۶۴۵ عبدالاحد (ضلع دربھنگہ) ۴ ارجب ۱۳۵۴ھ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۱۳) (۱) اس میں زید نے یہ برا کیا کہ عورت کو اس کے خاوند کی مرضی کے خلاف ایسی جگہ نوکر رکھایا جس کو خاوند پسند نہیں کرتا تھا۔ اگر خاوند راضی ہوتا تو شیعہ کے ہاں نوکری ناجائز نہیں۔(۱)
(۲) یہ بات ہے تو پھر نوکری ناجائز ہے اور رکھانے والا بھی گنہگار ہے۔(۲)
(۳) عورت کو شیعہ کے پاس سے چھڑا یا جائے اور زید بھی توبہ کرلے تو اس کی امامت جائز ہوگی۔(۳)
محمد کفایت اللہ

امامت اور نکاح خوانی کی اجرت کا حکم

(سوال) عوام رسول اللہ ﷺ کے گھر سے کھانا کھایا کرتے تھے نہ کہ رسول اللہ صلعم کسی کے گھر سے کھاتے تھے اور نہ ہی کوئی اجرت یا مزدوری لیتے تھے اور قرآن اس حکم کو کئی جگہ فرماتا ہے۔ اس کے مخالف آج علماء مقتدیوں کے گھروں سے کھاتے ہیں اور اپنی نماز پڑھائی جنازہ یا نکاح پڑھائی کی اجرت لے لیتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۶۹۹ حکیم سید عبداللہ شاہ زنجانی دہلی ۹ شوال ۱۳۵۴ھ ۵ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۱۴) قرآن مجید میں کہیں پیغمبر ﷺ کو امت کے گھر کھانا کھانے سے منع نہیں فرمایا گیا۔ اس لئے امت کے افراد بھی حضور ﷺ کے دولت خانہ پر کھانا کھاتے تھے اور حضور ﷺ بھی کبھی کبھی اپنے مخلصین کے مکان پر کھانا تناول فرماتے تھے۔ لیکن حضور ﷺ کا تناول فرمانا معاذ اللہ اجرت کے طور پر نہیں ہوتا تھا بلکہ محبت و صداقت کی بنا پر ہوتا تھا جس کا قرآن پاک میں بھی ذکر ہے۔ رہا آج کل مساجد کے اماموں، مؤذنوں یا استادوں کا اجرت امامت یا اذان یا اجرت تعلیم لینا تو یہ مسئلہ مجتہدین امت میں مختلف فیہ تھا۔ امام ابو حنیفہ عبادات کی اجرت لینے دینے کو ناجائز فرماتے تھے اور دوسرے ائمہ جائز فرماتے تھے۔ متاخرین حنفیہ نے بھی دوسرے ائمہ کے قول کے موافق تعلیم و امامت و اذان کی اجرت کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے۔ کیونکہ بغیر اجرت ان چیزوں کا بقا اور نظام کا قیام مشکل ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) لو استاجر الذمی مسلما لیبنی له بیعة او کنیسة جازو یطیب له الا جر . (عالمگیریه ، کتاب الاجارة ، الباب الخامس عشر ، الفصل الرابع ۴ / ۴۵۰ ط ماجدیة) حرة آجرت نفسها اذا عیال لا بأس به و کره ان یخلوبها .(الهندیة کتاب الاجارة الباب الحادی عشر ، ۴ / ۴۳۴ ط. ماجدیة)
(۲) لا تجوز الا جارة علی شئ من الغناء والنوح والمزامیر والطبل .(عالمگیریة ، کتاب الاجارة ، الباب الخامس عشر ، الفصل الرابع ۴ / ۴۴۹ ط. ماجدیة)
(۳) ولو صلی خلف مبتدع اوفاسق فهو محرز ثواب الجماعة لکن لا ینال مثل ماینال خلف تقی (عالمگیریة ، کتاب الصلاة ،الباب الخامس عشر الفصل الثالث، ۱ / ۸۳ ط. ماجدیة)
(۴) فی الاصل لایجوز الاستئجار علی الطاعة کتعلیم القرآن والفقه والا ذان والتذکیر ...... مشائخ بلخ جوز والاستئجار علی تعلیم القرآن ، (عالمگیریه، کتاب الاجارة، الباب الخامس عشر ... الفصل الرابع ، ۴ / ۴۴۸ ط ماجدیه)

ہوٹل میں شراب پینے کی صورت میں کرائے کا حکم

(سوال) ایک شخص نے انگریز کو ہوٹل کرایہ پر دیا ہے۔ وہ اس میں ناجائز چیزیں لگاتا ہے اور اپنے مسافروں کو شراب بھی دیتا ہے تو اس کا کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۶۵ے حاجی محمد اسمٰعیل (دہلی) ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۸ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۱۵) مکان (یعنی ہوٹل) کا مالک کرایہ دار کے فعل کا ذمہ دار نہیں۔ اس کو اپنے مکان اور جائیداد کا کرایہ لینا جائز ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

قادیانی کی زمین کرائے پر لینا

(سوال) ایک شخص تقریباً تمیں سال سے قادیانی ہو گیا ہے اور شخص مذکور ضلع پشاور میں مالک زمین و میانہ جات ہے۔ اب اگر کوئی مسلمان اس قادیانی کی زمین اجارہ پر لیوے یا نصف حصہ پر کاشت کرے تو بروئے شرع شریف وہ اجارہ گیرندہ یا کاشت کنندہ شخص پر کوئی گناہ تو نہ ہوگا ؟

المستفتی نمبر ۷۷۰ے حکیم عبدالرؤف پشاور۔ ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ۱۹ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۱۶) قادیانی کی زمین اجارے پر یا تقسیم پیداوار پر لینے والا خارج از اسلام تو نہ ہوگا لیکن اگر قادیانی کی زمین نہ لے تو ایک مسلمان کے لئے یہ اچھا ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

معاہدہ پر عمل کرنے کے باوجود معطل کرنے کا حکم

(سوال) منجانب وقف ایک مدرسہ عربیہ قائم ہے جس کے منتظمین نے زید کے پاس ایک خط روانہ کیا کہ مبلغ ۴۰ روپے ماہوار اگر منظور ہوں تو مدرسہ میں تمہارا تقرر کیا جائے۔ زید نے جواب دیا کہ پر شیئن لکچر بوجہ عدم دلچسپی نہ دوں گا (نہ پڑھاؤں گا) چنانچہ بسلسلہ مدرسین عربیہ بعد تقرر زید کام انجام دیتا رہا تقریباً سات سال تک۔ پھر ایک مدرس خالد کا جدید تقرر کیا گیا اس جگہ پر جو فارسی کی تھی۔ خالد نے فارسی کی تعلیم سے لاعلمی ظاہر کی تو منتظمین مدرسہ نے زید سے کہا کہ تم فارسی پڑھاؤ۔ تو زید نے معاہدہ و تحریر بالا کی طرف حوالہ دیتے ہوئے تعلیم فارسی سے انکار کر دیا۔ اس پر منتظمین مدرسہ نے زید کو معطل کر دیا۔ اب مندرجہ ذیل امور کے جواب مطلوب ہیں

. لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق.

(۱) زید کا معاہدہ جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) زید جب کہ دوسری جگہ سے ملازمت ترک کر کے آیا اب اس پر زور ڈالنا کہ فارسی کی تعلیم دو ورنہ موقوف کر دیا جائے گا۔ جائز ہے یا نہیں ؟ (۳) خالد کا تقرر صحیح ہے یا نہیں ؟ (۴) تنخواہ م

(۲،۱) اذا استاجر الذمی من المسلم بیتا لیبیع فیه الخمر جاز عند ابی حنیفة رحمه الله علیه خلافا لهما (الهندیة کتاب الاجارة ، الباب الخامس عشر ، الفصل الرابع ٤٤٩/٤ ط. ماجدیة)

واضح رہے قادیانی زندیق ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، ان کے ساتھ کسی طرح کاروبار جائز نہیں۔ جیسا کہ احسن الفتاویٰ میں ہے: "جو شخص جو عقائد کفریہ کا برملا اعلان کرتا ہو اور انہی کو اسلام قرار دیتا ہو اس کو اصطلاح شرع میں "زندیق" کہا جاتا ہے جیسے: شیعہ، قادیانی، آغاخانی، ذکری، پرویزی اور انجمن دیندار ان وغیرہ، ان سب کا یہی حکم ہے کہ ان سے کسی قسم کا بھی لین اور کوئی تعلق رکھنا جائز نہیں۔" (کتاب البیوع باب البیع الفاسد والباطل ۶ / ۵۳۳، سعید)

ایام تعطل منتظمین کو دینا چاہئے یا نہیں ؟ اور زید کو لینا جب کہ وہ وطن چھوڑ کے موجود رہا ہو شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ (۵) علماء کو معطل کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ (٦) ایسا عالم جو کہ نائب مفتی رہا ہو اس کو پاگل کہنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۸۳۰ حمید اللہ (آگرہ) ۱۲ محرم ۱۳۵۵ھ م ۵ اپریل ۱۹۳٦ء

(جواب ۳۱۷) اگر زید نے ابتدائے ملازمت میں فارسی پڑھانے سے انکار کر دیا تھا تو اب منتظمین کا اس کو فارسی پڑھانے کا حکم دینا درست نہیں تھا۔ اور اس بنا پر معطل کرنا بھی غلط تھا۔(۱) اس زمانہ تعطل کی تنخواہ زید لے سکتا ہے اور منتظمین کو دینا ضروری ہے۔ اور اس کے وہ خود ضامن ہوں گے نہ کہ ادارہ۔(۲) محمد کفایت اللہ

داخلہ اور ماہواری فیس کا حکم

(سوال) ایک اسلامی مدرسہ کی حالت نہایت خراب ہے۔ یہاں کے مسلمان اس قدر بے حس ہیں کہ باوجود خدمات کے اعتراف کے مالی امداد کی طرف راغب نہیں ہوتے۔ اس مدرسہ میں نہ گورنمنٹ سے کوئی امداد ملی جاتی ہے۔ نہ کسی بورڈ وغیرہ سے۔ اندریں صورت (۱) اگر بچوں کے داخلہ کے وقت کوئی رقم داخلہ فیس کے طور پر لی جائے تو جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) درجہ قرآن حفظ یا ناظرہ، اردو فارسی یا عربی ان میں سے کسی درجہ کے لڑکوں پر ماہواری فیس شرعاً مقرر کرنا درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۰۸۱ مہتمم مدرسہ دینیہ اسلامیہ۔ (غازی پور) یوپی۔ ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۳۰ جولائی ۱۹۳٦ء

(جواب ۳۱۸) (۱) داخلہ کی فیس تو کوئی معقول نہیں۔ (۲) ماہوار فیس لی جا سکتی ہے۔(۳)

(۱) زانیہ کی رقم سے خریدے ہوئے مکان میں تجارت کا حکم
(۲) مال حرام سے حج کا جائز طریقہ

(سوال) (۱) کسی عورت کے خریدے ہوئے مکان میں بودوباش کرنا جائز ہے یا نہیں اور تجارت کر سکتے ہیں یا نہیں ؟۔ (۲) اور کسی عورت کے نقد مال سے کچھ تجارت کر کے اس مال کے نفع میں سے حصہ لینا جائز ہے یا نہیں۔ (۳) کسی عورت اپنے نقد مال کو زائل کر کے عین شے کسی اور شخص کو دے کہ اس کے بدلے میں اور مال اسی شخص سے لے کر حج کرے تو کیا یہ حج ادا ہو جائے گا ؟

المستفتی نمبر ۱۱۴۷ (بدست عبدالرزاق متعلم مدرسہ ہذا) ۵ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲٦ اگست ۱۹۳٦ء

(جواب ۳۱۹) کسی اور زانیہ عورت نے زنا سے جو مال کمایا ہے اور اس مال کے ذریعہ سے جائیداد حاصل کی وہ

---

(۱) لا يصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة . (رد المحتار ٤ / ۳۸۲ ط. سعيد)
(۲) الاجير الخاص عند الحنفية هو من يعمل لواحد عملا موقتا بالتخصيص ويستحق الاجرة بتسليم نفسه في المدة وان لم يعمل . (القاموس الفقهي ط ادارة القرآن ، ط . ص ۱٤ ، ۱۵)
(۳) مشايخ بلخ جوزوا الاستيجار على تعليم القرآن . (عالمگيرية ، كتاب الاجارة ، الباب الخامس عشر ، الفصل الرابع ٤ / ٤٤٨ ط. ماجدية)

سب خبیث ہے۔ اس سے نفع اٹھانا ناجائز ہے۔ اس مال سے تجارت کرنا بھی خباثت سے خالی نہیں۔(۱) ہاں اگر کسی شخص سے قرض لے اور اس قرض لئے ہوئے روپے کو کسی کو دے دے اور وہ شخص اس سے تجارت کرے تو یہ تجارت جائز ہو گی اور اسی طرح قرض لئے ہوئے مال سے حج کر سکتی ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

قرات پر اجرت لینے والے کے پیچھے نماز کا حکم
دم کرانے پر اجرت لینے والے کی امامت

(سوال)(۱) حافظ قرآن کو کسی میت کے واسطے پڑھنے کے لئے اجرت پیشتر سے طے کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ نماز اس حافظ کے پیچھے ہو سکتی ہے یا نہیں۔

(۲) حافظ قرآن کو شیطان یا جن یا بلیات کے واسطے دم کرنا اور اس سے اجرت طے کر لینا پیشتر سے کہ ہم اتنا لیں گے تب چلیں گے جائز ہے یا ناجائز؟ ایسے شخص کی امامت میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۷۴۳ عبدالرزاق صاحب (ضلع میدنی پور) ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۷ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۲۰)(۱) ایصال ثواب کے لئے قرآن مجید پڑھنے کی اجرت طے کر کے لینا ناجائز ہے(۳)۔

(۲) دم کرنے کی یعنی علاج کی اجرت میں طے کرنی جائز ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

کرائے پر زمین لے کر اس میں لگائے ہوئے باغ میں وراثت کا حکم

(سوال) کسی شخص نے کسی زمیندار کی زمین میں باجازت آم کا باغ کاشت کیا ہے اور اس جگہ کا رواج ہے کہ کاشت کرنے والے کو نصف ثمر درخت دیا کرتے ہیں۔ جب تک وہ درخت پھل دیتے رہیں گے نصف زمیندار کا اور نصف غارس کا حق سمجھا جاتا ہے۔ لیکن وہ زمیندار جو کہ اب موجود و زندہ ہے اس کا...... اور اس کے آباؤ اجداد کا طریقہ چلا آتا ہے کہ کاشت کرنے والے کو انتقال پٹواری و تحصیلدار صاحب نہیں کراتے یعنی اس کا حصہ سرکاری کرا کے پختہ نہیں کر دیتے زبانی وغیرہ پر وفا کرتے ہیں وہ وہاں تک کہ غارس کسی دوسرے شہر میں وطن بنا دے۔ اگر قلب مکانی کر جائے تو بس حصہ ختم ہے۔ اسی طرح اگر مر جائے اور اس کی اولاد سے کوئی نہ رہے تو دوسرے اقربا کو نہیں دیتے بلکہ واپس قبضہ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اب کے موجودہ زمیندار کے کسی جد نے ایک

---

(۱) ولاتجوز الاجارة على شئ من الغناء والنوح. (عالمگیریه کتاب الاجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع ٤/٤٤٩ ماجدیه)

(۲) رجل اكتسب مالا من حرام ثم اشترى فهذا على خمسة اوجه: اما ان دفع تلك الدراهم الى البائع اولا ثم اشترى منه بها. او اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها. او اشترى مطلقا ودفع تلك الدراهم. او اشترى بدراهم اخر ودفع تلك الدراهم قال الكرخي في الوجه الاول والثاني لايطيب، وفي الثلاث الاخيرة يطيب في الكل. قال ابوبكر لايطيب في الكل، لكن الفتاوى الآن على قول الكرخي دفعا للحرج عن الناس لكثرة الحرام (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب اذا اكتسب حراما ثم اشترى فهو على خمسة اوجه، ٥/٢٣٥ ط سعيد)

(۳) لايجوز الاستئجار على الطاعات. (عالمگیریه، كتاب الاجارة الباب الخامس عشر الفصل الرابع، ٤/٤٤٨ ط ماجدیه)

(٤) استاجره ليكتب له تعويذ السحر يصح ولو استاجر طبيبا جاز (الهندية، كتاب الاجارة الباب الخامس عشر، الفصل الرابع ٤/٤٥٠ ط ماجدیه) جازوا الرقية بالاجرة ولو بالقرآن كما ذكره الطحاوي لانها ليست عبادة محضة بل من التداوي (الشاميه، كتاب الاجارة مطلب تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة ٦/٥٧ ط سعيد)

شخص کو زمین بخشی تھی اس نے یا اس کی اولاد سے کسی نے درخت کھجور اور کچھ آم کاشت کئے تھے۔ اب جب کہ اس کی پشت سے کوئی نہیں رہا۔ دوسرے وارث قریبی زمیندار موجودہ نے سب کچھ چھین لیا ہے۔ دو دیگر شخصوں نے باغ تیار کیا ہے۔ اب کے سال ان کی موجودگی میں کچھ قبضہ کر دیا ہے کہ خود موسم آم میں محافظ رکھ دیا ہے اور فروخت کر دیا ہے۔ ان کو بھی کچھ دے دے گا۔ واللہ اعلم۔ شاید انتقال نہ کرا دینے کی وجہ یہ ہو کہ جب جاویں گے یا فتنہ فساد ہو گا یا قلب مکانی کرائی جائے گی تو باغ ہمارا رہے گا۔ واللہ اعلم۔ خلاصہ اینکہ غارس کو تحریر سرکاری نہیں کرا دیتے۔ اور اگر کسی صورت سے کرا دے تو پھر الامان اس کے بیٹھنے چلنے کی جگہ نہیں ہر وجہ سے خراب کرتے ہیں۔ باغ بھی بعد تحریر کے اگر چھین یویں تو چھین سکتے ہیں۔ قوی زبردست کیا کاشت کرنے والے کو حصہ کاشت مروجہ مثلاً نصف ثمر عامل سکتا ہے یا اس کو غرس کی محنت مزدوری ملے گی اور نصف ثمر لینا جب وفا بالعہد ہو گا جب تک یا اس حالت میں جو کہ غارس غرس کے وقت بھی جانتا ہے کہ تحریر کر دیں گے اور میں بھی نہیں کرا سکتا جب تک دیتے رہیں گے لے لیں گے۔ جب چھین لیں گے تو قیمت نصف شرعاً نہیں مل سکتی۔ پھر اگر شرعاً اس کا حصہ ہو جائے اور چھین تندرستی میں کہہ جائے کہ یہ آم میری بیٹی کا ہے اور باقی میرے بیٹے کے، تو کیا بعد وفات بیٹی وہی حصہ لے گی یا حسب شرع ورثہ پورا لے گی۔

المستفتی نمبر ۱۳۲۳ مولوی عبداللہ صاحب (ضلع ملتان) ۸ اذی قعدہ ۱۳۵۵ھ م یکم فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۲۱) زمین کسی کو باغ لگا دینے کے لئے دے دینا اور باغ کے درختوں اور پھلوں میں حصہ مقرر کر لینا جائز ہے۔ **ودفع الیه ارضا مدة معلومة علی ان یغرس فیها غراسا علی ان ماتحصل من الا غراس والثمار یکون بینهما جاز. (رد المحتار عن الخانیة)(۱)**

مگر اس معاملہ کے لئے یہ شرط ہے کہ مدت معین کر دی جائے اور حصہ ہر ایک کا بطور جزء شائع کے ہو۔ اگر مدت معین نہ کی گئی یا حصہ بطور جزء شائع کے نہ ہوا تو یہ معاملہ فاسد ہو جائے گا **و تصریحهم بضرب المدة صریح ففسادها بعد مه. (رد المحتار عن الخانیة)(۲) وهذه تسمی مناصبة ویفعلو نها فی زماننا بلا بیان مدة وقد علمت فسادها . (رد المحتار)(۳)**

اور جب یہ معاملہ فاسد ہو جائے تو درخت اور پھل درخت لگانے والے کے ہوں گے۔ اور مالک زمین کو زمین کی اجرت دلوائی جائے گی۔ **لکنه یفید انه حیث فسدت فالغراس للغارس لاللدافع (رد المحتار)(۴)**

اور جبکہ اصل معاملہ کرنے والے مر جائیں اور معاملہ صحیح طور پر واقع ہوا ہو تو مالک زمین اور غارس کی وارثوں میں سے غارس کے وارث کو اختیار ہے کہ خواہ وہ اپنا باغ کاٹ لے اور خواہ باقی رکھے اور مقررہ حصہ مالک زمین کو دیتا رہے۔ **وان ماتا فالخیار فی ذلك لو رثة العامل کما مر۔(۵)** مگر یہ حکم جب ہے کہ باغ کی آب پاشی اور خدمت اور حفاظت عامل کے وارث انجام دیتے رہیں۔(۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱، ۲، ۳، ۴)(رد المحتار ، کتاب المساقاۃ ، مطلب یشترط فی المناصبة بیان المدة، ۶ / ۲۸۹ ط ۔ سعید)

(۵)(الدر المختار ، کتاب المساقاۃ، مطلب یشترط فی المناصبة بیان المدہ ، ۶ / ۲۹۱ ط. سعید)

(۶)فان ابی ورثة العامل ان یقوموا علیه کان الخیار فی ذالك لو رثة رب الا رض علی وصفنا (رد المحتار کتاب المساقاۃ، مطلب یشترط فی المناصبة بیان المدة ، ۶ / ۲۹۱ ط سعید)

کیا کرایہ دار پگڑی لے کر آگے دکان دے سکتا ہے؟

(سوال) کرایہ دار جو کہ مکان یا دکان میں آباد ہے وہ کسی دوسرے شخص سے پگڑی کا روپیہ لے کر اپنی جگہ پر دوسرے شخص کو آباد کر دیتا ہے یا مالک جائیداد سے پگڑی کا روپیہ لے کر جگہ خالی کر دیتا ہے۔ پگڑی کا روپیہ لینے والا یہ کہتا ہے کہ اس جگہ میں آباد ہوں۔ یہاں آباد رہنا میرا حق ہے۔ میں اسے اپنا حق دے رہا ہوں اس کے بدلے پگڑی کا روپیہ لیتا ہوں۔ یہ پگڑی کا روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی حاجی محمد داؤد صاحب (بلیماران دہلی) ۷ اپریل ۱۹۴۹ء

(جواب ۴۲۲) پگڑی کا روپیہ لینا خواہ دوسرے کرایہ دار سے یا مالک جائیداد سے لیا جائے ناجائز ہے۔ مالک جائیداد کو تو اپنی جائیداد واپس لینے کا حق ہے اور کرایہ دار کو یہ جائز نہیں کہ وہ جائیداد دوسرے کرایہ دار کو دے اور اس پر پگڑی کی رقم بطور رشوت کے وصول کرے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(جواب دیگر ۴۲۳) یہ پگڑی کے نام سے جو رقم لی جاتی ہے ناجائز ہے۔ رشوت کے حکم میں ہے۔(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بچوں کو تعلیم دینے کے لئے مقرر کیے وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں دوسرے بچوں کو تعلیم دینا

(سوال) جس جگہ مسلمان بچوں کے لئے کوئی اور بھی انتظام تعلیم نہ ہو وہاں ایک مسلمان اپنے بچوں کے لئے ایک معلم کو اپنے صرفہ سے تدریس کیلئے بلاتا ہے۔ اس معلم کے پاس صرف اسی مسلم کے بچے پڑھتے ہیں۔ ایسی جگہ میں اس معلم کو اس جگہ کے دوسرے لوگ خارج از وقت بطور ٹیوشن اپنے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے بلاتے ہیں تو اس معلم کا سیٹھ ان کے یہاں جا کر تعلیم دینے سے روکتا ہے۔ اور نہ دوسرے لوگوں کے بچوں کو اپنے مکان پر خارج وقت میں تعلیم پر سیٹھ رضامند ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ صریح بے انصافی ہے۔ کیا شریعت سے یہ کوئی بے انصافی ہے۔ اس کو صاف الفاظ میں واضح کر دیں۔

المستفتی نمبر ۱۴۹۱ ابراہیم کارہ صاحب (ٹیلسپر وٹ۔ افریقہ) ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۱۳ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۴) اگر معلم سے سیٹھ نے ابتدائے ملازمت میں یہ وعدہ لے لیا تھا کہ وہ صرف سیٹھ کے بچوں کو تعلیم دے گا تو معلم کو اپنے وعدہ کا ایفا کرنا لازم ہے۔ اور اگر سیٹھ کے بچوں کی تعلیم سے فارغ وقت معلم کے پاس ہو اور وہ دوسرے کے بچوں کو تعلیم دے اور اس عمل سے سیٹھ کے بچوں کی تعلیم میں کوئی نقصان واقع نہ ہو تو سیٹھ کو لازم ہے کہ وہ معلم کو نہ روکے۔ لیکن اگر معلم اس کا خاص ملازم ہے تو روکنے میں سیٹھ حق بجانب ہوگا۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱،۲) ما يدفع لدفع الخوف من السد فوع اليه على نفسه او ماله حلال للدافع حرام على الآخذ لان دفع الضرر عن المسلم واجب ولا يجوز اخذ المال ليفعل الواجب .(رد المحتار ، كتاب القضاء مطلب في الكلام على الرشوة والهديه ۵ ۳۶۲ ط سعيد)
(۳) الاجير الخاص عند الحنفية هو من يعمل لواحد عملاً موقتا بالتخصيص .(القاموس الفقهي ، ط. ادارة القرآن ، ص ۱۴ ،

مقررمدت کے لئے زمین کرائے پر لیناشرعاً جائز ہے

(سوال) کیااجارے پر کسی وقت معین کے لئے زمین کالیناشرعادرست ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۵۲۲ خواجہ عبدالمجید شاہ صاحب (بنگال) ۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ۲۲ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۲۵) اجارے پر زمین مدت معینہ تک کے لئے لیناجائز ہے۔ اجارے کی شرائط کسی مقامی عالم سے دریافت کرلی جائیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

تعویذ کی اجرت جائز ہے

(سوال) جداجدامرض مخصوص کرکے عوض معین کردہ شدہ روپیہ لے کر تعویذ دیناجائز ہے یانہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۵۲۲ خواجہ عبدالمجید شاہ صاحب (بنگال)

(جواب ۳۲۶) تعویذ کی اجرت لینامباح ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نکاح اور قرآن خوانی کی اجرت کا حکم

(سوال) (۱) ایصال ثواب کے لئے قرآن کریم پڑھوانااوراس کامعاوضہ دیناجائز ہے یانہیں ؟

(۲) نکاح خوانی کی اجرت جائز ہے یانہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۵۲۸ قاری محمد عبداللطیف صاحب (بنگال) ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۱۳ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۲۷) (۱) ایصال ثواب کے لئے قرآن مجید پڑھوانااوراس کے معاوضہ میں پڑھنے والوں کو کچھ دینا جائز نہیں۔(۳) ہاں اگر بطور تبرع کے دے دیاجائے تو مباح ہے مگر شرط یہ ہے کہ نہ دینے پر پڑھنے والا دل تنگ نہ ہو اور شکایت نہ کرے۔(۴) (۲) نکاح پڑھانے والے کواجرت دیناجائز ہے۔ مگراجرت تراضی طرفین

---

(۱) ولو قال اجرتك منفعة هذه الدار شهرا بكذا يجوز على الا صح . (عالمگيرية كتاب الاجارة ، الباب الاول ٤/ ٤٠٩ ط . ماجدية)

(۲) استاجر ليكتب له تعويذالسحر يصح (عالمگيريه ، كتاب الاجارة ، الباب الخامس عشر ، الفصل الرابع ٤/ ٤٥٠ ، ماجدية)

(۳) ولا يصح الا ستئجار على القراء ة واهدائها الى الميت . (ردالمحتار ، كتاب الاجارة ، مطلب تحرير مهم فى عدم جواز الا ستئجار على التلاوة والتهليل ونحوه مما لا ضرورة اليه ، ٦/ ٥٧ ط. سعيد)

(۴) قال تاج الشريعه في شرح الهداية : ان القرآن بالا جرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارى وقال العينى فى شرح الهداية: ويمنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان ، فالحاصل ان ماشاع فى زما ننا من قراء ة الا جزاء بالا جرة لا يجوز . ولولا الا جرة ماقرء احد لاحد فى هذا الزمان بل جعلواالقرآن العظيم مكسبا ووسيلة الى جمع الدنيا انالله وانا اليه راجعون و .. لا معنى لهذه الوصية ولصلة القارى بقراء ته لا ن هذا بمنزلة الا جرة والا جارة فى ذالك باطلة وهى بدعة ولم يفعله احد من الخلفاء. (رد المحتار ، كتاب الا جارةمطلب تحرير مهم ٦/ ٥٦ط. سعيد) (قلت عرفت ان ماشرطه المفتى العلامه قدس سره للجواز وجوده كالعنقاء فى زمان الشامى فماظنك به فى زماننا هذا؟ فينبغى ان لا يجوز مطلقا خصوصا اذا كان الا عطاء ، معروفا، اما لولاالعرف ووجدالشرط فلا باس ، عبيد الحق)

سے طے کی جائے۔ زبردستی کوئی رقم معین نہ کرلی جائے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) طوائفوں سے کرایہ وصول کرنے پر کمیشن کا حکم
(۲) طوائف کی کمائی سے اجرت کا حکم
(۳) طوائف کو مکان کرایہ پر دینا

(سوال)(۱) زید بکر کی جائیداد کا کرایہ وصول کرتا ہے۔ جائیداد مذکور میں علاوہ دیگر اشخاص کے چند طوائفیں آباد ہیں جن میں پیشہ ور بھی ہیں۔ کرایہ وصول کرنے کے بعد جو کچھ کمیشن زید کو بکر سے ملتا ہے وہ جائز ہے یا نہیں ۔(۲) طوائف کے یہاں پانی بھرنا، اس کے کپڑے سینا یا دھونا اس کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ (۳) طوائف کو جائیداد کرایہ پر رہنے کے لئے دینا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب)(۱) زید کو جو کمیشن بکر سے ملتا ہے وہ زید کے لئے مباح ہے۔(۲)

(۲) طوائف کے یہاں پانی بھرنا، اس کے کپڑے سینا یا دھونا اس کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنا تو جائز ہے مگر ان چیزوں کے عوض میں طوائف جو پیسہ دیتی ہے وہ چونکہ حرام کی کمائی کا ہوتا ہے اس لئے وہ لینا مکروہ ہے۔(۳) اگر طوائف کسی سے قرض لے کر دے دے تو وہ رقم لینی مباح ہے۔(۴)

(۳) طوائف کو جائیداد رہنے کے لئے دینا مباح ہے مگر اس کا کرایہ بھی نمبر ۲ کے موافق اس کی حرام کمائی میں سے نہ لیا جائے(۵) بلکہ قرض کی رقم میں سے لیا جائے تو مباح ہے۔(۶) اور اگر وہ مکان میں حرام کاری کرے تو مکان کرایہ پر نہ دینا چاہئے۔(۷) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سودی معاملات کرنے والے بینک میں ملازمت کا حکم

(سوال) میں ایک سنٹرل کوآپریٹو بینک میں ملازم ہوں اور میرا ایک دوست اس امداد باہمی کے عملہ میں سب انسپکٹری کا امیدوار ہے۔ بعض اشخاص نے ہم کو یہ بات سمجھائی ہے کہ یہ محکمہ اور اس کی نوکری ناجائز ہے۔ کیونکہ اس میں سود کا حساب وغیرہ سب کچھ دیکھنا بھالنا اور رکھنا پڑتا ہے۔ اور تنخواہ بھی سود میں سے ادا کی جاتی ہے۔ اگر یہ جائز نہ ہو تو مطلع فرمائیے اور اس طرح ڈاکخانہ کی نوکری بھی ناجائز ہو گی۔ کیونکہ وہاں بھی سیونگ بینک وغیرہ کا حساب رکھا جاتا ہے اور سود دیا جاتا ہے۔ سنا گیا ہے کہ سود کا کاتب و شاہد و ضامن سب یکساں ہیں۔ اس بناء پر تو

(۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶) رجل اکتسب مالا من حرام ثم اشتری فهذا علی خمسة اوجه: اما ان دفع تلک الدراهم الی البائع اولا ثم اشتری منه بها او اشتری قبل الدفع بها و دفع غیرها او اشتری مطلقا و دفع تلک الدراهم او اشتری بدراهم اخر و دفع تلک الدراهم قال الکرخی فی الوجه الاول والثانی لا یطیب ، وفی الثلاث الا خیرة یطیب ، قال ابو بکر : لا یطیب فی الکل، لکن الفتوی الآن علی قول الکرخی دفعا للحرج عن الناس ... لکثرة الحرام . (الشامیه ، کتاب البیوع، باب المتفرقات، مطلب اذا اکتسب حراما ثم اشتری فهو علی خمسة اوجه ۵/۲۳۵ ط . سعید)

(۷) تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان الآیه سورة... الجزاء ... رقم الآیة

سارا عملہ امداد باہمی ناجائز قرار پاتا ہے سود کے حساب کتاب رکھنے والے یعنی کاتب ہم کلرک لوگ ہوتے ہیں اور شاہد وضامن وغیرہ افسران بالا۔

المستفتی نمبر ۱۸۷۱ دین محمد کلرک سنٹرل کوآپریٹو بینک۔ گوڑگاواں ۵ ار جب ۱۳۵۶ھ م ۲۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۲۹) یہ صحیح ہے کہ سود لینے والا اور دینے والا اور کاتب وشاہد سب گنہگار ہوتے ہیں۔(۱) مگر حکومت کے وہ محکمے جو سود کا معاملہ کرتے ہیں ان کی ذمہ داری حکومت پر ہوتی ہے اور وہ غیر مسلم ہے۔ اس لئے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بنا پر ایسے محکموں کی ملازمت مجبوری سے حد اباحت میں آسکتی ہے۔ تاہم اگر کوئی اور صورت ذریعہ معاش کی نکل سکے تو بہتر ہے کہ اس کو اختیار کیا جائے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ،

مستاجری کا مطلب

(سوال) مستاجری کی شرعی صورت اور حکم کیا ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۹۳۵ حافظ غلام حسین صاحب (ریاست جیند) ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۳۰) مستاجری کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی زمین یا مکان کسی مدت معینہ کے لئے اجرت معینہ پر لی جائے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

وعظ پر عطیہ کا حکم

(سوال) کسی مولانا صاحب کو وعظ کہنے کے لئے بلایا جائے اور کسی طرح کی مزدوری وغیرہ مقرر نہ کی جائے اور جناب مولانا صاحب کا بھی کچھ ارادہ لینے کا نہیں ہے کہ بعد وعظ کے کچھ نہ کچھ ضرور مل جائے گا۔ تو ایسی حالت میں اگر جناب مولانا صاحب کو کچھ عطیہ کے طور پر دیا جائے تو یہ عطیہ جناب مولانا صاحب کو لینا کیسا ہے اور کیا اگر لے لیں گے تو یہ عطیہ مذکورہ بعوض وعظ کے داخل ہو گا یا کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۷۶۷ جناب محمد خاں صاحب (افریقہ) ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ ۲۱ جولائی ۱۹۴۱ء

(جواب ۳۳۱) وعظ کی اجرت پہلے سے مقرر نہ کی جائے اور واعظ کی نیت میں بھی یہ بات نہ ہو کہ مجھے ضرور کچھ رقم ملے گی یا ملنی چاہئے وہ محض حسبۃً للہ وعظ کہہ دے اور کوئی شخص اس کو تبرعاً کوئی رقم دے دے تو یہ رقم دینا بھی جائز اور واعظ کو لے لینا بھی جائز ہے۔

لیکن اگر اجرت پہلے سے مقرر کر دی جائے یا واعظ اس کو ایک طریقہ بنالے کہ وہ وعظ پر اجرت لیا کرتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ کوئی قومی ادارہ مثلاً انجمن یا دینی مدرسہ یا تبلیغی جماعت کسی عالم کو تبلیغ دین کی غرض سے وعظ کہنے کے لئے ملازم رکھے اور اس کی اجرت ماہانہ تنخواہ کی صورت میں مقرر کر دے تو یہ

---

(۱) لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم اکل الربوا وموکله وکاتبه وشاهدیه ، وقال : هم سواء (مشکوٰة باب الربا الفصل الاول ۱ / ۲۴۴)

(۲) وان استاجره لیکتب له غنا...... فالمختار انه یحل لان المعصیة فی القراءة (لا فی الکتابة) (عالمگیریة کتاب الاجارة ، الباب الخامس عشر الفصل الرابع ، ۴ / ۴۵۰ ط. ماجدیة)

(۳) الاستئجار : طلب الشئی باجرة ،ثم یعبر به عن تناوله بالاجرة، (القاموس الفقهی ، ص ۱۰ ط . ادارة القرآن)

بھی جائز ہے۔ متاخرین فقہاء حنفیہ نے اس کی بھی اجازت دے دی ہے۔

وزاد فی مختصرا لوقایة ومتن الا صلاح تعلیم الففه وزاد فی متن المجمع الامامة ومثله فی متن الملتقی ودررالبحار وزاد بعضهم الا ذان والا قامة والوعظ الخ۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۷)(۱)

دوم یہ کہ ہر وعظ پر واعظ اجرت ٹھہرا کر وعظ کرے۔ زید کے مکان پر وعظ کرنے کے لئے پانچ روپے مانگے۔ عمرو سے پانچ یا کم وبیش رقم طلب کرے تو یہ صورت اگرچہ لفظ "الوعظ" کے عموم میں داخل ہے مگر اس سے واعظ اور وعظ کی بے توقیری ہوتی ہے اس لئے یہ صورت مکروہ ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(سوال)(۳)زید ایک مدرسہ کا سرپرست ہے۔ عمرو اس کا مہتمم ہے اور بکر اس مدرسہ میں تالیف وتصنیف کے کام پر ملازم ہے۔ اس مدرسہ کا قانون مطبوعہ نہیں ہے۔ اور جو غیر مطبوعہ ہے وہ صرف مہتمم کے پاس ہے۔ ملازمین کے پاس اس کی نقل نہیں ہے۔

اب صورت یہ پیش آئی کہ بکر کی ایک دوسری جگہ سے طلبی آگئی ہے جس کو بکر نے زید کے مشورہ سے منظور کر لیا اور مدرسہ مذکورہ سے ایک سال کی رخصت زبانی لی۔ استعفا نہیں دیا اور زمانہ رخصت کے لئے بکر نے مدرسہ کا کام سرپرست اور مہتمم کی رضامندی اور اجازت سے اپنے ساتھ لیا کہ اوقات فرصت میں یہ کام پورا کر دیا جائے گا۔ اگرچہ اس کا معاوضہ پہلے معاوضہ سے مختلف ہوگا۔ اور تاریخ روانگی ۱۲ ذی الحجہ مقرر کی۔ مدرسہ مذکورہ میں ۹ ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ تک عید الاضحیٰ کی تعطیل ہوتی ہے۔ جب بکر نے اپنی روانگی ایام تعطیل ہی میں مقرر کی تو سرپرست مدرسہ نے بکر سے زبانی کہا کہ عمرو مہتمم مدرسہ کو ایام تعطیل کی تنخواہ دینے میں تردد ہے ۔ کیونکہ اب تک ایسی نظیر نہیں پیش آئی کہ کسی ملازم مدرسہ نے ایام تعطیل میں رخصت لی ہو اور اس کو ایام تعطیل کی تنخواہ دی گئی ہو اس لئے اس صورت کے متعلق مدرسے میں کوئی قانون بھی نہیں ہے۔ بکر نے کہا کہ اگر عمرو کو تردد ہے تو میں ایام تعطیل کی تنخواہ نہیں لوں گا بلکہ ۸ ذی الحجہ تک کی تنخواہ لے لوں گا۔ اس کے بعد اتفاق سے بکر کی روانگی اپنی کسی ضرورت سے ۱۲ کو ملتوی ہو گئی اور ۱۷ کو قرار پائی اور اس التوا کی اطلاع زید و عمرو دونوں کو کر دی گئی۔ اسکے بعد بکر نے ایام تعطیل میں بھی (حسب عادت) اور ایام تعطیل کے بعد مدرسے کا کام کیا۔ اور ۱۵ ذی الحجہ کو عمرو مہتمم کے نام اس مضمون کا خط لکھا :۔

مہربان مولوی...... صاحب السلام علیکم۔ تم کو ایام تعطیل کی تنخواہ دینے میں اس لئے تردد تھا کہ میں تعطیل کے اندر جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ مگر اب میں ۱۲ ذی الحجہ کو نہیں گیا بلکہ تعطیل کے بعد بھی ۱۵ ذی الحجہ تک کام کر چکا ہوں۔ اس صورت میں اگر تم کو ایام تعطیل کی تنخواہ دینے میں تردد نہ ہو اور قانون مدرسہ کے مطابق اب میں ۱۵ ذی الحجہ تک تنخواہ کا مستحق ہوں تو دی جائے ورنہ حق سے زیادہ ایک پیسہ نہیں لینا چاہتا۔

---

(۱)(رد المحتار ، کتاب الاجارۃ ، مطلب تحریر مهم فی عدم جواز الا ستنجار علی التلاوة ۶/ ۵۵ ط . سعید)
(۲) ومثله فی البزازیة قال الامام الفضلی والمتاخرون علی جوازه ... والحیلة ان یستاجر المعلم مدة بتعلیم ولده (البزازیه ، کتاب الاجارۃ ، الفصل الثانی ، نوع ..... فی تعلیم القرآن ۲/ ۳۷ ، ۳۸ علی هامش الهندیة ۱/ ۳۷، ۳۸ ط. ماجدیة)
(۳) یہ سوال مع جواب کے ساتھ ص ۱۸۰ سوال نمبر ۱۸۰ گذر چکا ہے۔

اس پر عمرو نے ۱۵ ذی الحجہ تک کی تنخواہ بکر کو بھیج دی جس کو بکر نے یہ سمجھ کر لے لیا کہ عمرو نے قانون کے موافق (اگر وہ تھا) عمل کیا ہے اور اس نے قانون سے مجھے مستحق سمجھا ہے۔ پھر ۱۶ ذی الحجہ کو جب بکر عمرو سے رخصتی ملاقات کرنے اس کے مکان پر گیا تو زبانی یہ بھی کہہ دیا کہ ایام تعطیل کی تنخواہ کے متعلق حضرت سرپرست سے بوجہ علالت استصواب نہیں ہو سکا ہے۔ بعد میں استصواب کر لیا جائے۔ اگر ان کو اس رقم کے معاملہ میں تردد ہو تو میں یہ رقم واپس کر دوں گا۔ یا آئندہ اس کام کے حساب میں لگالی جائے گی جو میں اپنے ساتھ لے جارہا ہوں لہذا اس وقت تک کہ سرپرست سے استصواب کیا جائے اس کو قرض سمجھا جائے۔

جب زید سرپرست مدرسہ کو بعد صحت اس کا علم ہوا کہ بکر نے ایام تعطیل کی تنخواہ لے لی ہے تو انہوں نے بکر کو مورد الزام قرار دیا اور اس کے فعل کو اکل المال بالباطل اور ارتکاب خیانت قرار دیا جس کی وجوہ حسب ذیل تحریر کیں۔ (۱) بکر نے پہلے یہ کہا تھا کہ ایام تعطیل کی تنخواہ نہ لوں گا پھر اس کو ان ایام کی تنخواہ لینا جائز نہیں تھا۔ (۲) مدرسہ کی ملازمت کا تعلق تو اسی وقت ختم ہو گیا تھا جب بکر نے ۱۲ ذی الحجہ کو روانگی طے کر دی تھی اس کے بعد جو روانگی ملتوی ہوئی وہ مدرسہ کی مصلحت سے نہیں بلکہ اپنی ضرورت سے ہوئی اور ایام تعطیل میں یا اس کے بعد جو کام کیا گیا وہ پہلی ملازمت کے تعلق سے نہیں بلکہ دوسرے تعلق سے ہوا۔ اگر پہلے تعلق سے کام کرنا تھا تو اس کے لئے مستقل اجازت کی ضرورت تھی۔ بکر نے اس کے جواب میں ایام تعطیل کی تنخواہ فوراً خوشی واپس کر دی۔ لیکن الزام خیانت اور کل مال بالباطل کے جواب میں وہ یہ کہتا ہے :۔

الف۔ زید نے ایام تعطیل کی تنخواہ کے متعلق مجھ سے اپنے تردد یا اپنی رائے کو بیان نہیں کیا تھا بلکہ عمرو مہتمم کا تردد نقل کیا تھا کہ اس کو ان ایام کی تنخواہ دینے میں تردد ہے۔ تو صورت ثانیہ پیدا ہونے پر میں نے مہتمم ہی سے قانون کی تحقیق ضروری سمجھی۔ اور اولاً جو یہ کہا تھا کہ ایام تعطیل کی تنخواہ نہ لوں گا اس کی وجہ بھی ساتھ ہی بتلا دی تھی کہ اگر مہتمم کو تردد ہے تو میں ان ایام کی تنخواہ نہ لوں گا اور مہتمم کے تردد کا منشا ایام تعطیل کے بعد عمل کا نہ ہونا تھا۔ پھر ان ایام کی تنخواہ اس وقت لی گئی جب خود ایام تعطیل میں اور پھر ایام تعطیل کے بعد کام کر کے مہتمم کو صاف لکھ دیا گیا تھا کہ اگر اب تم کو تردد نہ ہو اور تم مجھے قانون مدرسہ سے ان ایام کی تنخواہ کا مستحق سمجھتے ہو لہذا میرے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں۔

(ب)۔ مدارس کا عرف یہ ہے کہ زبانی رخصت لینے اور تاریخ روانگی مقرر کر دینے پر رخصت کے احکام مرتب نہیں ہوتے۔ بلکہ رخصت عمل سے شروع ہوتی ہے۔ یعنی جب کہ رخصت لینے والا مدرسہ سے چلا جاوے۔ اپنے کام کو مہتمم کے حوالے کر دے۔ اپنے دفتر یا درس گاہ کی کنجی اس کو دے دے۔ البتہ استعفا اور عزل کا اثر اسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے جب کہ استعفا یا عزل کا تحقق ہو۔ اور صورت واقعہ میں نہ استعفا ہوا ہے نہ عزل بلکہ رخصت لی گئی ہے۔ اور میں نے ۱۵ ذی الحجہ سے پہلے دفتر کی کنجی مہتمم کے حوالہ نہیں کی۔ نہ اپنا گذشتہ کام ۱۵ سے پہلے اس کے حوالہ کیا۔ اور باقاعدہ تحریری درخواست رخصت بھی اس سے پہلے نہیں دی گئی۔ لہذا ۱۲ ذی الحجہ کو تاریخ روانگی مقرر کر دینے سے میں مدرسے کے تعلق سابق سے بے تعلق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مدارس کا

یہ عرف عام ہے خواہ التوا مدرسے کی ضرورت سے ہو یا اپنی ضرورت سے ہو۔ایک شخص رخصت لے کر ریل چھوٹ جانے یا اور کسی ناگہانی سبب کے پیش آجانے سے روانہ نہ ہو سکے اور وقت پر کام پر حاضر ہو جائے اور مہتمم کو اپنی روانگی کے التوا سے مطلع کر دے تو وہ حاضر شمار ہوتا ہے اور تعلق سابق پر ہی حاضر شمار ہوتا ہے۔لہذا جب تک کسی مدرسے میں اس عرف عام کے خلاف قانون نہ ہو اس وقت تک اس عرف ہی کے مطابق عمل ہو گا۔اور اس پر عمل کرنے والے کو خائن یا آکل مال بالباطل قرار نہیں دیا جائے گا۔یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایام بطالت شرعاً ماضیہ سے ملحق ہوتے ہیں یا ایام مستقبلہ سے ؟

ج۔جب میں نے مہتمم کو صورت اول کے بدلنے پر صاف لکھ دیا تھا کہ اگر تم کو تردد نہ ہو اور قانون مدرسہ سے ایام تعطیل کی تنخواہ کا مجھے مستحق سمجھتے ہو تو دی جائے ورنہ نہیں۔اور اس کے بعد زبانی بھی اس سے کہہ چکا تھا حالانکہ یہ ضروری نہیں تھا۔کیونکہ خود سرپرست نے موقع بیان میں اپنے کسی تردد کا اظہار ہی نہیں کیا تھا۔یہ صرف مزید احتیاط کے لئے کہا گیا کہ اگر سرپرست کو اس میں کسی وقت تردد ہو تو اس کو عمل مستقبل کی اجرت معجلہ قرار دے لی جائے یا مجھ سے واپس منگالی جائے تو اب مجھے خائن یا آکل مال بالباطل کیونکر کہا جا سکتا ہے۔کیونکہ اس تحریر کے بعد مہتمم کا ۱۵ ذی الحجہ تک کی تنخواہ بھیج دینا بکر کے استحقاق کو قانون مدرسہ سے تسلیم کر لینا ہے۔اور یہ کہ مہتمم کو اب وہ تردد نہیں رہا جو پہلے تھا۔اس صورت میں بکر کو یہ سمجھ کر ان ایام کی تنخواہ لینا جائز تھا کہ رخصت کے احکام محض زبانی رخصت لینے اور تاریخ روانگی مقرر کرنے دینے سے شروع نہیں ہوتے بلکہ عمل سے شروع ہوتے ہیں۔اگر اس مدرسہ میں یہ قانون نہ تھا تو عمرو کا فرض تھا کہ بکر کو قانون سے مطلع کرتا جب کہ وہ اپنی تحریر میں قانون مدرسہ پر عمل کرنے کی تاکید کر چکا تھا۔چنانچہ جب زید کی تحریر سے بکر کو معلوم ہوا کہ اس مدرسہ میں رخصت اور عزل واستعفا میں فرق نہیں کیا جاتا تو فوراً وہ رقم واپس کر دی گئی۔

پس علمائے کرام فیصلہ فرمائیں کہ صورت مسئولہ میں ایام تعطیل کی تنخواہ لینے میں بکر شرعاً خائن اور آکل مال بالباطل تھا یا نہیں ؟ اور اگر تھا تو آیا تنہا وہی مجرم تھا یا عمرو مہتمم مدرسہ بھی مجرم تھا جس نے اپنے عمل سے بکر کو یہ دھوکہ دیا کہ وہ سوچ سمجھ کر قانون مدرسہ کے موافق ان ایام کی تنخواہ دے رہا ہے اور اب اس کو کچھ تردد نہیں ہے۔بینوا توجروا۔

المستفتی نمبر ۲۶۵۲ عمر احمد عثمانی۔مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ۔۲ شعبان ۱۳۵۸ھ م ۵ ستمبر ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۳۲) اس معاملہ میں کئی باتیں قابل غور و تصفیہ ہیں۔اول یہ کہ بکر جو مدرسے میں تصنیف و تالیف کے کام پر ملازم ہے وہ غالباً اجیر خاص یا اجیر وحد کی حیثیت سے ملازم ہو گا اجیر مشترک کی حیثیت نہ رکھتا ہو گا۔دوم یہ کہ اجیر وحد وقت و مدت کے لحاظ سے ملازم ہوتا ہے۔عمل کی نوعیت تو متعین ہوتی ہے مگر عمل کی مقدار معین نہیں ہوتی۔اور استحقاق اجرت کے لئے تسلیم نفس فی المدۃ المتعینہ ضروری ہے نہ تحقق عمل۔(۱) سوم یہ کہ تعطیلات معروفہ یا مشروطہ میں بغیر تسلیم نفس اور بغیر عمل کے بھی وہ اجرت کا مستحق ہوتا ہے۔اسی طرح فرائض

(۱) الاجیر الخاص عند الحنفیة : هو من یعمل لواحد عملا موقتا بالتخصیص ، ویستحق الاجرة بتسلیم نفسه فی المدة وان لم یعمل ، (القاموس الفقهی ، ط. ادارة القرآن، ۱/ ۴، ۱۵۶)

وواجبات شرعیہ کی ادائیگی میں جس قدر وقت صرف ہو اس کی اجرت کا بھی مستحق ہوتا ہے۔(۱) چہارم یہ کہ رخصت دو طرح کی ہے۔ ایک بلاوضع تنخواہ دوسری بوضع تنخواہ۔ اول الذکر یعنی رخصت بلاوضع تنخواہ بطالہ معروفہ یا مشروط کے حکم میں ہے۔ یعنی جس طرح بطالہ معروفہ یا مشروط (تعطیلات معروفہ یا مشروط) کا عقد اجارہ کے بقا پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اجارہ بحالہا قائم وممتد باقی رہتا ہے۔ اسی طرح رخصت بلاوضع تنخواہ کا اجارہ کے بقا وقیام وامتداد الی مابعد الرخصة پر اثر نہیں پڑتا اور ثانی الذکر یعنی رخصت بوضع تنخواہ کا حکم مختلف ہے۔ اس کا مطلب اجارہ سابقہ کو ختم کر دینا ہوتا ہے اور رخصت کے بعد پھر ملازم کو کام پر آجانے کی اجازت دینا گویا اجارہ متجددہ منعقد کرنا ہوتا ہے۔ یعنی رخصت بوضع تنخواہ دیتے وقت مستاجر عقد اجارہ سابق کو ختم کرنے کے ساتھ آئندہ کے لئے اجیر سے وعدہ کرتا ہے کہ بعد انقضائے۔ رخصت تم کام پر آؤ گے تو میں رکھلوں گا۔ مگر اس رخصت کے زمانے میں وہ مستاجر سابق کا اجیر نہیں ہے ورنہ وہ کسی دوسری جگہ اجیر وحد کی حیثیت سے کام نہیں کر سکتا۔

صورت مسئولہ میں بکر کا اجیر وحد ہونا تو اس وجہ سے کہ منازعت استحقاق اجرت ایام میں ہے نہ استحقاق اجرت عمل میں تقریباً متعین ہے۔ اور اس قرآئن سے یہ بھی متعین کر لیتا ہوں کہ رخصت جو لی گئی وہ رخصت بوضع تنخواہ ہے۔ جس کا مطلب عقد اجارہ سابقہ کو ختم کر دینا ہوتا ہے۔ پس بکر نے عمرو مہتمم سے رخصت لیتے وقت اگر بارہ ذی الحجہ سے رخصت لی یعنی ۱۲ ذی الحجہ رخصت میں شامل ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اجارہ سابقہ ۱۱ ذی الحجہ پر ختم کر دیا گیا اور اگر مہتمم مدرسہ رخصت دینے میں مستقل ہے یعنی اس کا عمل سرپرست کی رضامندی اور تنفیذی اجازت پر مبنی یا موقوف نہیں تو یہ معاملہ ختم ہو گیا۔ اب ۱۱ ذی الحجہ تک بکر مدرسہ کا بدستور ملازم ہے۔ اگر مدرسہ میں کوئی قانون ایسا موجود ہو کہ رخصت بوضع تنخواہ اگر اثنائے تعطیل سے یا تعطیل کے بعد متصل شروع ہو تو ایام تعطیل کی تنخواہ نہ ملے گی۔(۱) یعنی ایسی صورت میں عقد اجارہ ایام عمل کے آخری دن پر ہی ختم ہو جانا قرار دیا جائے گا خواہ منظوری رخصت کے وقت اس کی تصریح کی جائے یا نہ کی جائے۔ یا مہتمم نے بوقت منظوری رخصت تصریح کی ہو کہ آپ کی ملازمت ۸ ذی الحجہ پر ختم قرار دی جائے گی تو ان دونوں صورتوں میں بکر کو صرف آٹھ تاریخ تک کی تنخواہ کا حق ہوتا۔ لیکن سوال میں یہ تصریحات ہیں :۔

(الف)۔ زید سرپرست مدرسہ کا یہ قول "اس لئے اس صورت کے متعلق مدرسہ میں کوئی قانون بھی نہیں۔"

(ب)۔ بکر کے خط میں جو عمرو مہتمم مدرسہ کے نام لکھا گیا یہ صراحت "اگر تم کو ایام تعطیل کی تنخواہ دینے میں تردد نہ ہو اور قانون مدرسہ کے مطابق اب میں پندرہ ذی الحجہ تک تنخواہ کا مستحق ہوں تو دی جائے۔" ان تصریحات سے اگر ان کی واقعیت مسلم ہو یہ ثابت ہے کہ نہ ایسا کوئی قانون موجود ہے نہ مہتمم نے منظوری رخصت کے وقت ۸ ذی الحجہ تک ملازمت کی تحدید اور ۹ سے ترک تعلق کی تصریح کی تھی۔ لہذا ۱۱ ذی الحجہ تک کی تنخواہ کا بکر بوجہ عقد سابق اور ۹، ۱۰، ۱۱ ذی الحجہ تک تعلق ملازمت قائم ہونے اور ان ایام کا بطالہ معروفہ بلکہ

(۱) اذا استاجر رجلا یوما لیعمل کذا فعلیه ان یعمل ذالك العمل الی تمام المدة ولا یشتغل بشئ اخر سوی المکتوبة وفی فتاوی اهل سمرقند قد قال بعض مشایخنا رحمة الله علیه ان له ان یؤدی السنة ایضا (الهندیة ، کتاب الاجارة، الباب الرابع ، ۴/۴۱۷ ط . ماجدیة)

مشروطہ میں داخل ہونے کی وجہ سے مستحق ہے۔اور اگر ۱۲ ذی الحجہ رخصت مستقبلہ میں داخل نہ ہو تو ۱۲ ذی الحجہ کی تنخواہ کا بھی مستحق ہے۔

لیکن اگر مہتمم مدرسہ رخصت دینے میں مستقل اور بااختیار نہ ہو بجہ اس کا فعل سرپرست مدرسہ کی رضامندی اور اجازت پر موقوف ہوتا ہے تو مہتمم کی اور بکر کی زبانی گفتگو پر معاملہ ختم نہیں ہوا۔بلکہ سرپرست کی اجازت پر موقوف رہا اور جب بکر کی صدر سے یعنی سرپرست سے گفتگو ہوئی اور اس میں بکر نے یہ تسلیم کر لیا کہ میں ۸ ذی الحجہ تک کی تنخواہ لے لوں گا تو آخری بات یہی ہوئی کہ ۸ ذی الحجہ پر عقد اجارہ سابق ختم ہو گیا۔اور اب وہ ۸ ذی الحجہ تک کی تنخواہ کا مستحق رہا۔اس صورت میں سرپرست مدرسہ کا تردد کو عمرو کی طرف منسوب کرنا یا عمرو کا بکر کو پندرہ تک کی تنخواہ بھیج دینا موثر نہ ہوگا۔کیونکہ اس میں بنیادی چیز اختیار ہے۔وہ اگر سرپرست کے ہاتھ میں مستقل طور پر ہے یا مہتمم اور سرپرست کی رائے کا اجتماع قطعی فیصلے کے لئے ضروری ہے یا سرپرست کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے تو جو بات صدر یعنی سرپرست کے سامنے طے ہوئی وہی آخری بات ہوگی۔اور وہ یہی ہے کہ ۸ ذی الحجہ پر ملازمت سابقہ ختم ہو گئی اور ۹ ذی الحجہ سے بکر عقد سابق کے ماتحت ملازم نہ رہا۔

اس بات کی تنقیح کہ حقیقۃ مستاجر کون ہے آیا صرف مہتمم یا صرف سرپرست یا دونوں ، مدرسہ کے قانون سے یا متعاقدین کی باہمی قرارداد یا تعامل سے ہو سکتی ہے۔اور جو امر تنقیح سے ثابت اور منقح ہوگا وہی حکم کا مدار ہوگا۔

اس کے بعد اس رقم کا معاملہ سامنے آتا ہے جو بکر نے مہتمم سے پندرہ ذی الحجہ تک کی تنخواہ کے نام سے لی ہے۔تو اس بات سے قطع نظر کر کے کہ وہ ۸ ذی الحجہ تک کی تنخواہ کا مستحق تھا یا گیارہ ذی الحجہ تک یا ۱۲ ذی الحجہ تک کا۔ کیونکہ اس کا فیصلہ تو حقیقی مستاجر کی تعیین ہو جانے اور رخصت کی ابتداء ۱۲ ذی الحجہ سے تھی یا ۱۳ سے تھی معلوم ہونے پر ہوگا) یہ قطعی ہے کہ ۱۳، ۱۴، ۱۵ ذی الحجہ کی تنخواہ کا بکر عقد اجارہ سابقہ کے ماتحت مستحق نہیں ہے۔کیونکہ وہ عقد تو لا محالہ زیادہ سے زیادہ ۱۲ ذی الحجہ ہی پر ختم ہوگا۔ ۱۲ سے آگے تو اس کا وجود کسی طرح بھی نہیں۔بکر کے ۱۲ کو روانہ نہ ہونے اور ایام مذکورہ میں کام کرنے بلکہ اپنی عدم روانگی کی زید اور عمرو کو اطلاع دے دینے سے بھی اجارہ سابقہ ختم شدہ بحال نہیں ہو جاتا اور اس کام کی اجرت اجارہ سابقہ ختم شدہ کے ماتحت پانے کا وہ حق دار نہیں ہوتا۔کیونکہ اس کا ختم ہو جانا تو رخصت کی منظوری سے متحقق ہو گیا۔اور از سر نو قائم ہونا فریقین کی رضامندی پر موقوف تھا جو مفقود ہے۔بکر کی جو تحریر عمرو کے نام ہے اور جو زبانی گفتگو عمرو سے رخصتی ملاقات کے وقت کی ہے اس سے تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عمرو ختم شدہ اجارہ کو از سر نو قائم کرنے پر راضی ہو گیا بلکہ اس کے برخلاف اس امر پر دال ہے کہ خود بکر بھی اس تصور سے تہی دماغ تھا کہ اجارہ سابقہ کو از سر نو قائم کیا جا رہا ہے۔وہ تصریح کر رہا ہے کہ اگر سرپرست کی رائے میں میں اس مدت کی اجرت کا مستحق نہ ٹھہرا تو واپس کر دوں گا۔یا اگلے کام کی اجرت معجلہ قرار دے دی جائے گی۔اور تا تصفیہ یہ قرض سمجھی جائے۔یہ تقریر تجدید اجارہ سابقہ کے تصور کے منافی ہے۔اس سے زیادہ سے زیادہ بکر کا یہ خیال سمجھا جاتا ہے کہ وہ اجارہ سابقہ کے امکان امتداد کا تصور رکھتا تھا۔لیکن اجارہ سابقہ جب منظوری رخصت کے وقت فسخ ہو چکا تو اب اس کے

امتداد کا تصور بے معنی اور غیر موثر ہے۔
اب صرف یہ بات باقی رہی کہ بکر نے پندرہ ذی الحجہ تک کی تنخواہ جو وصول کرلی اس کا یہ فعل اکل مال بالباطل یا خیانت میں داخل ہے یا نہیں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر واقعہ یہ ہے کہ بکر نے۔ الف عمرو مہتمم کو خط میں یہ لکھا۔ "مگر اب میں ۱۲ ذی الحجہ کو نہیں گیا بلکہ تعطیل کے بعد بھی پندرہ ذی الحجہ تک کام کر چکا ہوں۔ اس صورت میں اگر تم کو ایام تعطیل کی تنخواہ دینے میں تردد نہ ہو اور قانون مدرسہ کے مطابق اب میں ۱۵ ذی الحجہ تک تنخواہ کا مستحق ہوں تو دی جائے ورنہ حق سے زیادہ ایک پیسہ لینا نہیں چاہتا۔" (ب) اور رخصتی ملاقات کے وقت زبانی یہ کہا "ایام تعطیل کی تنخواہ کے متعلق حضرت سرپرست سے بوجہ عالالت استصواب نہیں ہو سکا ہے بعد میں استصواب کر لیا جائے۔ اگر ان کو اس رقم کے معاملے میں تردد ہو تو میں یہ رقم واپس کر دوں گا۔ یا آئندہ اس کام کے حساب میں لگائی جائے گی جو میں ساتھ لے جارہا ہوں۔ لہذا اس وقت تک کہ سرپرست سے استصواب کیا جائے اس کو قرض سمجھا جائے۔ بکر کی تحریر و زبانی گفتگو اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اس رقم کو قطعی اپنا حق قرار دے کر طلب نہیں کیا اور نہ اس حیثیت سے قبضہ کیا۔ بلکہ خط میں تو قانون مدرسہ کے موافق ہونے اور عمرو کو دینے میں تردد نہ ہونے کی شرط لگائی اور زبانی گفتگو میں سرپرست کی رائے کو حکم قرار دیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ عمرو نے یہ رقم بکر کو اس کی تحریر پر بھیج دی اور رخصتی ملاقات کے وقت بھی جب بکر نے سرپرست کی رائے استحقاق کے حق میں نہ ہونے پر رقم کی واپسی کا ارادہ ظاہر کیا اس سے رقم واپس نہ مانگی تو خلاصہ یہ ہوا کہ بکر نے یہ رقم خود کہیں سے نہیں اڑائی کہ قبض ناجائز ہو۔ اس نے عمرو سے اس شرط پر ضرور طلب کی کہ اگر تم میرا حق سمجھو اور قانون مدرسہ کے خلاف نہ ہو تو دے دو۔ اس پر مہتمم نے رقم بھیج دی تو اگر اس میں بکر نے قبضہ کر لیا تو عمرو کی تسلیط سے کیا۔ اور اگر یہ رقم بکر کا حق نہ تھی تو ناحق دینے میں عمرو ملزم ہے۔ بکر تو اس شبہ میں معذور ہو سکتا ہے کہ عمرو کے نزدیک قانون مدرسہ کے موافق میں اس کا مستحق ہوں۔ جبھی تو عمرو نے بھیج دی تو اس کا قبضہ قبض بشبہۃ الاستحقاق ہوگا۔ جس کو خیانت یا اکل مال بالباطل نہیں کہا جاسکتا۔ اگر اس قبض کے صحیح ہونے میں اس کو شبہ تھا اور اس بنا پر اس کو قبض نہ کرنا چاہئے تھا تو یہ بات عمرو پر بدرجہ اولیٰ عائد ہوتی ہے کہ اسے سرپرست سے استصواب کئے بغیر دینا نہیں چاہئے تھا۔ اگر وہ جانتا تھا کہ میرا اس قسم کا تصرف سرپرست کی اجازت اور منظوری کے بغیر درست نہیں تو رقم دینے میں اس کو حد اختیار سے تجاوز کا مجرم قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور اس تجاوز کو لاابالی پن یا بد نیتی کے ساتھ ملتبس قرار دیا جاسکے تو اس پر خیانت کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ بکر خیانت یا اکل مال بالباطل کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتا۔ اس نے اپنے قبض کو تین صورتوں میں دائر کر دیا تھا۔ (۱) اگر ان ایام کی تنخواہ کا مستحق ہوں تو یہ میرا حق ہے۔ (۲) اگر مستحق نہ ہوں تو واپس کر دوں گا۔ (۳) یا اس کو آئندہ کام کی اجرت معجلہ شمار کر لیا جائے گا۔ اور سر دست یہ رقم میرے ذمہ قرض سمجھی جائی ...... اور قرض قرار دے کر اپنے ذمہ وجوب تسلیم کر لینا خیانت یا اکل مال بالباطل کی نیت کے صریحاً منافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔ ۲ شعبان ۱۳۵۹ھ

(۱) ذاتی مکان بنوانے کے لئے مدرس اور طلباء سے کام لینے کا حکم
(۲) مدرسے کے اوقات میں تعویذ گنڈا کرنے کا حکم

(سوال) (۱) ایک مدرسے کے مہتمم صاحب نے اپنا ذاتی مکان بنوایا اور ایک مدرس کو معماروں سے کام لینے کے لئے وہاں مقرر کر دیا اور طلباء سے مزدوروں کا کام لیا گیا اور وہ مدرس مدرسے کے وقت میں معماروں سے کام لیتے رہے۔ مکان تقریباً دو مہینے میں تیار ہوا اور مہتمم صاحب نے مدرس مذکور کو دو مہینے کی تنخواہ مدرسے سے دی۔ یہ یہ عند الشرع جائز ہے؟
(۲) تعویذ گنڈا دینی کام ہے یا دنیوی؟ اگر کوئی مدرس مدرسے کے وقت میں تعویذ گنڈا کرے تو جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی نمبر ۲۱۲۳ محمد عبدالحلیم جگراؤں ضلع لدھیانہ ۱۴ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۸ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۳۳) مدرسے کے مدرس اور طلبہ سے مہتمم کو اپنا ذاتی کام مدرسے کے اوقات میں لینا جائز نہیں۔ یہ صریح خیانت ہے اور مدرسے کے اوقات کے علاوہ بھی اپنے عہدہ اہتمام کے دباؤ میں مدرس یا طالب سے کام لینا جائز نہیں۔(۱) مہتمم سے اس خطا کا اعتراف اور توبہ کرائی جائے تو آئندہ وہ مہتمم رہ سکتا ہے۔ ورنہ اس کو علیحدہ کر دینا لازم ہے۔(۲) تعویذ گنڈا مدرس مدرسے کے اوقات میں نہیں کر سکتا اور کرے تو لائق معزولی ہے۔

ملازمت کی حالت میں جمعہ کو ادا کرنے کا حکم

(سوال) متعلقہ ادائیگی جمعہ بحال ملازمت

(جواب ۳۳۴) کارخانے کے قریب کسی مسجد میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو تو اس شخص کو اس میں شریک ہونا چاہئے۔ اور اگر قریب نماز نہ ہوتی ہو اور یہ ملازمت کا حاجت مند نہ ہو تو ملازمت چھوڑ دے۔(۳)

تعلیم قرآن، اذان اور امامت کی اجرت کا حکم

(سوال) تعلیم قرآن مجید اور اذان و امامت کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۳۳۵) واضح ہو کہ یہ مسئلہ قدیم سے مختلف فیہ ہے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ایسی طاعات پر جو اجیر کے ذمہ متعین نہ ہوں عقد اجارہ منعقد کرنا اور اجرت لینا دینا جائز ہے۔ جیسے تعلیم قرآن، اذان امامت وغیرہ۔ اور امام ابو حنیفہ اور زہری اور قاضی شریح اور ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ طاعات پر اجارہ ناجائز ہے۔ ہمارے اصحاب متقدین حنفیہ کا یہی مسلک تھا کہ طاعات پر اجرت لینا دینا ناجائز ہے اور قدمائے حنفیہ اسی کے موافق فتوے دیتے اور عمل کرتے رہے۔(۴)

---

(۱) اذا استأجر رجلا یوما لیعمل کذا فعلیہ ان یعمل ذالک العمل الی تمام المدۃ ولا یشتغل بشئی آخر سوی المکتوبۃ السنۃ (عالمگیریۃ کتاب الاجارۃ، الباب الثالث ٤ : ٤١٧ ط. ماجدیۃ)
(۲) وافتی ایضا بان من کان من اھل الوقف لا یشترط کونہ مستحقا بالفعل بل یکفی کونہ مستحقا بعد زوال المانع. (رد المحتار، کتاب الوقف مطلب لا یجعل الناظر من غیر اھل الواقف، ٤ / ٤٢٥ ط. سعید)
(۳) لانہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق)
(۴) وبعض مشا یخنا رحمۃ اللہ علیہ استحسنوا الاستجار علی تعلیم القرآن لظھور التوانی فی الامر الدینیۃ فھذا ما افتی بہ المتاخرون مخالفین ماذھب الیہ الامام وصاحباہ بالضرورۃ، (رد المحتار کتاب الاجارۃ، مطلب تحریر مھم فی عدم جواز الاستجار علی التلاوۃ ٦ / ٥٥، ٥٦ ط. سعید)

علم دین پڑھانے والوں اور اذان کہنے والوں اور امامت کرنے والوں کے وظائف بیت المال سے مقرر ہوتے تھے اور یہ لوگ نہایت اطمینان اور فارغ البالی سے اپنا کام انجام دیتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد اسلامی سلطنت نہ رہنے یا بعض مسلمان بادشاہوں کے مصارف بیت المال میں شرعی حدود سے تجاوز کر جانے کی وجہ سے ان علماء اور مؤذنین اور ائمہ کے وظائف بند ہو گئے اور تعلیم علوم دینیہ یا اذان ولامامت کی انجام دہی میں جو فراغت قلبی انہیں حاصل تھی وہ جاتی رہی۔ چونکہ یہ لوگ بھی آخر انسان تھے اور انسانی ضروریات معاش ان کی زندگی کے لوازمات میں بھی داخل تھیں اس لئے ان کو مجبوراً مال حاصل کرنے کے ذرائع کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ جس کے وسیلہ سے اپنی اور اپنی اولاد و متعلقین کی اوقات بسری کر سکیں۔ ذرائع معاش چونکہ مختلف اقسام کے ہیں۔ کسی نے کوئی طریقہ اختیار کیا کسی نے کوئی۔ کسی نے تجارت، کسی نے زراعت، کسی نے ملازمت، کسی نے صنعت و دستکاری اختیار کی۔ اسی طرح ضرورتیں بھی کمی بیشی میں مختلف تھیں۔ اس لئے رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں ایک بڑا حصہ کسب معاش میں خرچ کر دینے کے باوجود بھی بعض افراد کی ضرورتیں پوری نہیں ہوئیں۔ ان حالات کی وجہ سے بہت سے علماء بہت سے مؤذن بہت سے امام مجبوراً ان مشاغل کی وجہ سے تعلیم یا اذان یا امامت کی خدمت کو باالتزام پورا نہ کر سکے۔ اور بالآخر انہیں اضطراری حالت سے ان خدمات کو چھوڑنا پڑا۔

لیکن تعلیم چھوڑنے سے یہ نقصان متصور تھا کہ علم دین کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ کیونکہ جب پڑھانے والوں کو اپنی ضروریات معاش میں مشغولی کی وجہ سے اتنی فرصت نہ ملتی کہ طالب علموں کو پڑھا سکیں تو پھر علم دین کی زندگی اور بقا کی کیا صورت تھی۔

اذان چھوڑ دینے سے یہ نقصان متصور تھا کہ نماز کے اوقات کا انضباط جو معین مؤذن ہونے کی صورت میں ہو سکتا ہے درہم برہم ہو جاتا۔ چونکہ اس زمانے میں بڑے بڑے شہروں بلکہ قصبوں میں بھی اکثر غریب مسلمان کارخانوں اور کمپنیوں اور ملوں میں مزدوری پر کام کرتے ہیں۔ اور اپنے افسروں کی خوشامد کر کے نماز اور جماعت کے لئے اجازت حاصل کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ اذان اور نماز کا وقت معین ہو کہ اس کے موافق وہ کارخانوں سے ٹھیک وقت پر آجایا کریں اور جماعت سے نماز پڑھ کر اپنے کام پر چلے جائیں۔ اگر اذان و جماعت کے اوقات معین نہ ہوں تو ان لوگوں کو یا تو جماعت چھوڑنی پڑے یا اپنے کام میں زیادہ دیر تک غیر حاضر رہنے کی وجہ سے افسروں سے ناچاقی پیش آئے اور اپنے ذرائع معاش کو کھو بیٹھیں۔

امام معین نہ ہونے کی صورت میں جماعت کا انتظام درست نہیں رہ سکتا۔ اور پورے انضباط کی نماز نہیں ہو سکتی۔ جن مساجد میں کوئی مؤذن اور امام مقرر نہیں ہے نماز کے وقت جو پہلے آگیا اس نے اذان دے دی اور جس کو مناسب سمجھا امام بنا دیا۔ ایسی مسجدوں میں جماعت کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہو سکتا۔ اور اس لئے ان لوگوں کو جو دوسروں کی تابعداری میں پھنسے ہوئے ہیں اکثر اوقات کی مسجدوں میں جماعت سے نماز نصیب نہیں ہوتی۔

پس متاخرین فقہائے حنفیہ نے اس ضرورت شرعیہ کی وجہ سے حضرت امام شافعی کے قول کے موافق یہ فتویٰ دے دیا کہ مواقع ضرورت میں طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔ اور قرآن مجید و حدیث و فقہ کی تعلیم

اور اذان و اقامت پر اجرت لینے کے جواز کی تصریح کر دی۔ کیونکہ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ بغیر ان کی بقاء کے اسلامی حقیقت کا باقی رہنا بھی مشکل ہے۔

ہم ذیل میں فقہاء کی وہ تصریحات نقل کرتے ہیں جن میں آج کل اذان اور امامت اور تعلیم پر اجرت لینے کا جواز مذکور ہے۔

وبعض مشائخنا رحمهم الله تعالى استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التوانی فی الا مور الدينية ففی الامتناع تضييع حفظ القرآن و عليه الفتوى اه كذافی الهدايه۔(۱)

ومشائخ بلخ جوزوا الاً ستئجار على تعليم القرآن اذا ضرب لذلك مدة وأفتوا بوجوب المسمّى كذا فى المحيط ... وكذا جوا ز الا ستئجار على تعليم الفقه و نحوه المختار للفتوى فی زماننا قول هو لاء كذا فی الفتاوی العتابية (فتاوى عالمگيری باختصار)(۲)

اور ہمارے بعض مشائخ رحمہم اللہ نے آج کل تعلیم قرآن پر اجرت لینے دینے کا جواز بہتر سمجھا کیونکہ امور دین میں لوگوں کے اندر سستی پیدا ہوگئی ہے تو ممانعت کے حکم میں اندیشہ ہے کہ حفظ قرآن ضائع ہو جائے گا اور اسی جواز اجرت پر فتوی ہے۔

اور مشائخ بلخ نے تعلیم قرآن کے اجرت لینے کو جائز فرمایا ہے جبکہ اس کی مدت معین کی جائے۔ اور معین شدہ اجرت کے واجب التسلیم ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ اسی طرح تعلیم فقہ اور اس کے امثال (اذان وامامت) پر اجرت لینے کا جواز بھی ہے۔ اور ہمارے زمانے میں فتوی کے لئے انہیں لوگوں کا قول مختار ہے۔

الا ستئجار على الطاعات لتعليم القرآن والفقه والتدريس والوعظ لايجوزای لا يجب الاجر واهل المدينة طيب الله سا كنها جوزوه وبه اخذ الا مام الشافعی قال فی المحيط وفتوى مشائخ بلخ على الجواز.

قال الامام الفضلی والمتاخرون على جوازه وكان الا مام الكرمانی يفتی "بدرنار يده معلم راخوشنود بکنید" وفتوى علمائنا على ان الاجارة ان صحت يجب المسمى وان لم تصح يجب اجر المثل الخ فتاوی بزازيه.(۳)

وقال محمد بن الفضل كره المتقدمون الا ستيجار لتعليم القرآن وكرهوا اخذ الا جرة عليه لوجود العطية من بيت المال مع الرغبة فى امور الدين وفى زماننا انقطعت فلو اشتغلوا بالتعليم بلا اجر مع الحاجة الى معاش لضا عوا وتعطلت المصالح فقلنا بما قالوا. فتاوى بزازيه ومثله فی الخانيه۔(۴)

(۱) ردالمحتار ، كتاب الا جارة مطلب تحرير مهم فی عدم جواز الا ستئجار على التلاوة ، ۶/ ۵۵ ط. سعيد)
(۲)فتاوی عالمگيرية كتاب الا جارة الباب الخامس عشر ، الفصل الرابع ۴/ ۴۴۸ ط. ماجدية)
(۳)(الفتاوى البزازية كتاب الاجارة الفصل الثانی ، نوع فی تعليم القرآن ۲/ ۳۷، ۳۸ ط. على هامش الهندية ۵ ۳۷، ۳۸ ط. ماجدية)
(۴)(البزازية ، كتاب الاجارة ، الفصل الثانی ، نوع فی تعليم القرآن ، ۲ ، ۳۷، ۳۸ على هامش الهندية، ص ۳۷، ۳۸، ۵ ط. ماجدية)

طاعات پر عقد اجارہ مثلاً تعلیم قرآن و فقہ اور تدریس و وعظ پر اجرت لینا جائز نہیں۔ یعنی اجرت واجب نہیں ہوتی۔ اور اہل مدینہ (طیب اللہ ساکنہا) طاعات پر اجرت لینے کو جائز کہتے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسی کے قائل ہیں۔ محیط میں فرمایا کہ مشائخ بلخ کا فتویٰ جواز پر ہے۔

امام فضلی نے فرمایا کہ متاخرین حنفیہ جواز کے قائل ہیں۔ اور امام کرمانی فتویٰ دیتے تھے کہ دروازے تک پہنچنے سے پہلے معلم کو خوش کردو۔ اور ہمارے علماء کا فتویٰ ہے کہ اگر عقد اجارہ صحیح طور پر کیا گیا تو اجرت معینہ واجب ہوگی ورنہ اجر مثل لازم ہوگا۔ الخ

امام محمد بن الفضل نے فرمایا کہ متقدمین حنفیہ نے قرآن مجید کی تعلیم پر اجرت لینے کو اس لئے مکروہ فرمایا تھا کہ بیت المال سے معلمین کے لئے عطیات مقرر تھے اور لوگوں کو امور دین کی رغبت بھی تھی۔ اور ہمارے زمانہ میں عطیات منقطع ہوگئے تو اب اگر تعلیم میں مشغول ہوں اور اسباب معیشت کی حاجت اسی طرح باقی رہنے کے باوجود اجرت نہ لیں تو مرنے لگیں گے اور مصالح زندگی درہم برہم ہوجائیں گے اس لئے ہم بھی اسی بات کے قائل ہوگئے جس کے وہ (یعنی امام شافعی و امام احمد اور اہل مدینہ وغیرہ) قائل تھے۔ یعنی جواز اجرت کا فتویٰ ہم نے بھی دے دیا۔

قال الشيخ الا مام شمس الائمة السرخسي رحمه الله تعالى. ان مشائخ بلخ جوزوا الاجارة على تعليم القرآن واخذوا في ذلك بقول اهل المدينة وانا افتي بجواز الا ستيجار و وجوب المسمّى . فتاوى قاضي خان۔(۱)

والفتوى اليوم على جواز الا ستيجار لتعليم القرآن وهو مذهب المتاخرين من مشائخ بلخ استحسنوا ذلك لظهور التواني في الا مورالدينيه وكسل الناس في الا حتساب و كذا يجوز على الامامة في هذا اليوم لا ن الائمة كانت لهم عطيات في بيت المال وانقطعت اليوم بسبب استيلاء الظلمة عليها. وفي روضة الزند ويستي كان شيخنا ابو محمد عبدالله الخيز اخيزي يقول في زماننا يجوز للا مام والمؤذن والمعلم اخذ الا جرة انتهى عيني شرح كنز الدقائق(۲)

ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والامامة والا ذان . انتهى (در مختار) (۳)

امام شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مشائخ بلخ نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے دینے کو جائز فرمایا ہے اور اس بارے میں انہوں نے اہل مدینہ کے قول پر عمل کیا ہے۔ اور میں بھی اجرت لینے دینے کے جواز اور اجرت معینہ کے واجب الادا ہونے کا فتویٰ دیتا ہوں۔

آج کل تعلیم قرآن کی اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ ہے۔ اور یہ متاخرین مشائخ بلخ کا مذہب ہے۔ انہوں نے اس

(۱)(الفتاوى الخانية ، كتاب الاجارة ، باب الاجارة الفاسدة ، ۲ / ۳۲۵ على هامش الهنديه، ۲ / ۳۲۵ ط ماجدية)
(۲) (شرح العيني على كنز الدقائق المسمى برمز الحقائق للشيخ المحدث الفقيه بدر الدين ابي محمد محمود بن احمد العيني رحمة الله عليه كتاب الا جارة ، باب الاجارة الفاسدة ، ۲ / ۱۵٤ ط . ادارة القرآن و العلوم الاسلامية ، كراتشي ، باكستان)
(۳)(الدر المختار ، كتاب الاجارة ، مطلب تحرير مهم في عدم جواز الا ستجار على التلاوة ، ٦ / ٥٥ ط . سعيد)

جواز اجرت کو اس لئے بہتر سمجھا کہ امور دینیہ میں لوگوں کی سستی ظاہر ہو رہی ہے۔ اور ثواب کی نیت سے کام کرنے میں لوگ تسل کرنے لگے ہیں۔ اور اسی طرح اس زمانے میں امامت کی اجرت بھی جائز ہے۔ کیونکہ پہلے اماموں کے لئے بیت المال سے وظائف مقرر ہوتے تھے وہ اب بند ہوگئے۔ کیونکہ بیت المال ظالموں کے قبضہ میں ہیں اور روضہ زندویستی میں ہے کہ شیخ ابو محمد عبداللہ الخیز اخیزی فرماتے تھے کہ ہمارے زمانے میں امام اور مؤذن اور معلم کو اجرت لینا جائز ہے۔

اور آج کل قرآن وفقہ کی تعلیم اور امامت واذان پر اجرت لینے دینے کے جواز پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

ان نصوص فقہیہ سے امور ذیل بوضاحت ثابت ہوگئے :۔

(۱) متقدین حنفیہ طاعات پر اجرت لینے دینے کو ناجائز فرماتے تھے۔ اور اہل مدینہ اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور ایک جماعت اس کے جواز کی قائل ہے۔

(۲) متاخرین حنفیہ نے یہ دیکھ کر کہ بیت المال کے عطیات موقوف ہوگئے اور ذرائع معیشت میں دشواریاں پیدا ہوگئیں اور امور دین میں سستی اور بے پروائی ظاہر ہوگئی۔ پس ایسی حالت میں عدم جواز اجرت کا حکم دینے سے دین اور شعائر مذہب کو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اس مسئلے میں امام شافعی اور اہل مدینہ کا قول اختیار کر لیا۔ جیسے کہ متاخرین حنفیہ نے اسی قسم کی ضرورتوں کی وجہ سے زوجہ مفقود کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

(۳) متاخرین کا متقدین کے قول سے اختلاف کرنا اس ضرورت شرعیہ پر مبنی تھا۔ پس جن صورتوں میں کہ یہ ضرورت متحقق ہوگی وہیں یہ حکم ہوگا۔ اور جہاں ضرورت نہ ہوگی وہاں یہ حکم جاری نہ ہوگا۔ چنانچہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں تصریح کر دی ہے کہ تلاوت قرآن اور تسبیح وتہلیل بغرض ایصال ثواب پر اجرت لینا دینا اب بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں کوئی ضرورت نہیں۔ اور ان کے چھوڑنے سے دین اور شعائر مذہب کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔(۱) اسی طرح وعظ کی اجرت اس صورت سے کہ وعظ کہنے کی نوکری کر لی جائے جائز ہے۔ لیکن متفرق طور پر واعظ جو وعظ کہتے ہیں ان کی اجرت لینا جائز نہیں اور عدم جواز کی وجہ ایک عارضی خارجی ہے جو اکثری طور پر ان متفرق وعظوں کو لاحق ہے وہ یہ کہ اجرت کے خیال سے واعظ کتمان حق کر جاتا ہے۔ یعنی اگر اجرت دینے والے کے اندر کوئی خلاف شرع امر پایا جاتا ہو تو واعظ اس کا رد نہیں کرتا کہ مبادا اجرت ملنے میں کوئی روک پیدا ہو جائے۔ کیونکہ ایسے متفرق وعظوں کی اجرت اکثری طور پر شخصیت سے متعلق ہوتی ہے۔ یا سامعین سے ہی وصول اجرت کی امید ہوتی ہے۔ اور نوکری کی صورت میں اکثری طور پر یہ عارض نہیں پایا جاتا۔ اور اگر کسی ملازمت میں بھی کتمان حق کی نوبت آئے تو وہ بھی ناجائز ہوگی۔

(۱) ولا یجوز الا ستئجار علی القراء ۃ واھد انہا الی المیت ، لا نہ لم ینقل عن احد من الائمۃ الا ذن فی ذالک صرح بذلک الامام البرکوی قدس اللہ سرہ فقال الفصل الثالث فی امور مبدعۃ باطلۃ ..... منہا الوصیۃ من المیت باتخاذ الطعام والضیافۃ یوم موتہ او بعدہ باعطاء دارھم لمن یتلو القراٰن لروحہ او یسبح اویہلل لہ وکلہا بدع منکرات باطلۃ والمأخوذ منہا حرام للاٰخذ وعاص بالتلاوۃ والذکر لا جل الدنیا .(رد المحتار ، کتاب الا جارۃ ، مطلب تحریرھم فی عدم جواز الا ستئجار علی التلاوۃ ۶/ ۵۷ ط. سعید)

(۴) تعلیم قرآن مجید۔ تدریس حدیث و فقہ۔ اذان و امامت کی مذکورہ بالا عبارتوں میں تصریح موجود ہے۔ پس ان چیزوں کی اجرت جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ ماجناہ المدرس فی المدرسۃ الامینیۃ الواقعۃ بدھلی۔ ۲۰ شعبان ۱۳۳۴ھ

الجواب صواب محمد انور عفا اللہ عنہ معلم دار العلوم دیوبند۔ الجواب صحیح۔ خلیل احمد عفی عنہ

(۱) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی رائے فتوے کے آخر میں ملاحظہ فرمائی جائے۔ واصف عفی عنہ۔

الجواب صحیح عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند۔ ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

احقر کے نزدیک "عارضی" لینے کی ضرورت نہیں۔ فقہا نے وعظ کو امامت و تعلیم و قرآن کی ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہ قرینہ ہے اس کا کہ اس کا حکم مثل ان دونوں کے ہے۔ اور ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ اگر التزام کے طور پر عمل ہو تو استیجار جائز ہے۔ اور اگر کسی نے ایک مسئلہ پوچھ لیا یا ایک وقت کی نماز پڑھانے کو کہہ دیا تو اجرت لینا جائز نہیں۔ پس یہی حکم وعظ کا ہوگا کہ اتفاقاً کسی نے وعظ کی درخواست کی اس پر اجرت لینا جائز نہ ہوگا۔ اور جب نوکری کر لی تو جائز ہوگا۔ هذا ما فهمت۔ البتہ حضرت مفتی صاحب سلمہ نے جو متن میں ذکر کیا ہے وہ ان دونوں صورتوں میں فرق ہونے کا ایک لطیف نکتہ ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اشرف علی۔

کرایہ پر لی ہوئی جائیداد کرایہ پر دینے کا حکم

(اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) زید نے جائیداد غیر منقولہ کا عمرو سے ٹھیکہ لیا اور ٹھیکہ کے وقت اس امر کی تصریح کر دی کہ میں اس جائیداد کو دوسرے کرایہ داروں کو کرایہ پر دوں گا۔ جملہ نفع نقصان کا میں ذمہ دار ہوں گا۔ اور عمرو کو ماہ بماہ مقررہ کرایہ ادا کرتا رہوں گا۔ کیا مستاجر اول کسی دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۳۶) کسی دکان، مکان، زمین کو اجارہ پر لے کر کرایہ پر دینا اگر باذن مالک ہو تو جائز ہے۔ اور اگر بلا اذن اور بغیر ممانعت صریحہ کے ہو تو اگر اول کرایہ دار اور دوسرے کرایہ دار کے طرز استعمال میں کوئی تفاوت نہ ہو تو بھی جائز ہے۔(۱) اور اگر دوسرا اجارہ اسی قدر کرایہ پر واقع ہو جس قدر پر پہلا ہوا تھا یا اس سے کم پر تو اجرت کے حلال طیب ہونے میں بھی تردد نہیں۔ اگر زیادہ پر واقع ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مستاجر اول نے اپنی طرف سے کوئی زیادتی مکان وغیرہ میں کر دی ہے۔ مثلاً مکان میں فرش کرا دیا ہے یا الماری لگا دی ہے یا اسی قسم کی اور کوئی چیز بڑھا دی ہے تو اجرت زیادتی بھی حلال ہے۔(۲) اور دوسری صورت یہ کہ کچھ زیادتی نہیں کی بلکہ اسی طرح مکان وغیرہ کو کرایہ پر دے دیا جس طرح اور جس حیثیت سے خود لیا تھا تو زیادتی اس کے لئے طیب نہیں۔(۳) واللہ اعلم۔　　　محمد کفایت اللہ غفرلہ،

---

(۱) الاصل عندنا ان المستاجر یملك الاجارة فیما لا یتفاوت الناس فی الانتفاع به.(عالمگیریة ، کتاب الاجارة ، الباب السابع ، ٤ / ٤٢٥ ط . ماجدیة)

(۲) اذا استاجر دارا قبضها ثم آجرها فانه یجوز ان آجرها بمثل ما استاجرها او اقل وان آجرها باکثر مما استاجرها فهی جائزة ایضا　ولو زاد فی الدار زیادة کما لو وتد فیها وتدا او حفر فیها بئرا او طینا او صلح ابوابها او شیئا من حوائطها طابت له الزیادة .(عالمگیریه ، کتاب الاجارة ، الباب السابع ٤ / ٤٢٥ ط . ماجدیة)

(۳) وان آجرها باکثر مما استاجرها　ان کانت الاجرة الثانیة من جنس الاجرة الاولی فان الزیادة لا تطیب له . (عالمگیریه ، کتاب الاجارة ، الباب السابع ، ٤ / ٤٢٥ ط . ماجدیة)

اجرت میں کمی کر کے پیشگی، یک مشت لینے کا حکم

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) زید مع اپنے بیوی بچے حج کو جانے کا قصد کرتا ہے۔ جانے کی یہ صورت نکالی ہے کہ زید کے دو مکان ہیں۔ ان میں سے ایک مکان کو کرایہ پر دے کر کرایہ اس صورت سے لے گا کہ ایک ہندو پانچ سال کا کرایہ پیشگی اس شرط سے دے گا کہ اگر ہر ماہ کرایہ لیا جائے تو تیس روپے ماہوار اور پانچ سال کا کرایہ یک مشت پیشگی پچیس روپے ماہوار یعنی پانچ روپے کم۔ اس طرح معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۳۷) اس قسم کا معاملہ کہ ماہوار کرایہ ادا کرنے کی صورت میں تیس روپے ماہوار اور پانچ سال کا کرایہ پیشگی ادا کرنے کی صورت میں پچیس روپے ماہوار دیتا ہے جب کہ پانچ سال کا معاملہ یکدم کیا جائے اور کرایہ پیشگی باہمی رضامندی سے وصول کر لیا جائے درست ہے۔ اور رقم کرایہ حلال ہے حج یا کسی مصرف خیر میں صرف کی جائے جائز ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ، دہلی۔

شراب کی تجارت کے لئے دکان کرایہ پر دینا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ جون ۱۹۲۷ء)

(سوال) (۱) ایک آدمی مسلمان ہونے کے باوجود ٹھیکہ شراب جو سرکار عالیہ کی طرف سے ہوتا ہے بذریعہ نیلام لے چکا ہے۔ اور شراب کا عادی بھی ہے۔ اور اب وہ چھوڑ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ کافی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ دو ہندوؤں کو بھی شریک کر چکا ہے۔

(۲) متذکرہ بالا آدمی کے شریک ہندو کو اگر کوئی مسلمان کرایہ پر دکان دے دے جو ہمیشہ کرایہ پر رہتی ہے تو مالک دکان گناہگار ہو گا یا نہیں؟

(جواب ۳۳۸) مسلمان کے لئے شراب کی تجارت حرام ہے۔ کسی حال میں بھی جائز نہیں ہو سکتی۔ ہندوؤں کو شریک کر لینے سے اس کا گناہ مرتفع نہیں ہو سکتا۔(۲) شراب فروشی کے لئے مسلمان یا مسلمان کے شریک کو دکان کرایہ پر دینا بھی مکروہ تحریمی ہے۔(۳)

ہاں غیر مسلم کو خاص اس کی تجارت کے لئے دکان کرایہ پر دی جائے اور وہ شراب فروخت کرے تو مضائقہ نہیں۔(۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ، دہلی۔

(۱) والاجرة على اربعة اوجه : اماتكون معجلة فان كانت معجلة فليس للمستاجران يؤجلها. (النتف فى الفتاوى ، كتاب الاجارة ، انواع الاجرة ، ص ۳۴۱ ، بيروت)

(۲) وبطل بيع مال غير متقوم اى غير مباح الا نتفاع به ابن كمال فليحفظ (كخمر و خنزير وميتة) (الدر المختار) (قوله وميتة لم تمت حتف انفها) هذا فى المسلم . اما الذمى ففى الخمر فصحيح (ردالمحتار ، كتاب البيوع باب البيع الفاسد ، ۵ ، ۵٦ ط سعيد)

(۳) ويكره ان يؤاجر نفسه منهم لعصر العنب ليتخذ منه خمرا . (عالمگيريه ، كتاب الاجارة . الباب الخامس عشر . الفصل الرابع . ۴ ، ۴۵۰ ط ماجدية)

(۴) اذا استاجر الذمى من المسلم بيتا ليبيع فيه الخمر جاز عند ابى حنيفه رحمة الله عليه خلافا لهما (عالمگيريه كتاب الاجارة الباب الخامس عشر الفصل الرابع ۴ ۴۴۹ ط ماجدية)

طوائفوں کو مکان کرایہ پر دینا

(الجمعیۃ مورخہ ۲ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) اگر کوئی مسلمان شخص اپنے مکانات طوائفوں کو کرایہ پر دیتا ہے اور اسی آمدنی سے اپنے اہل وعیال کی پرورش کرتا ہے تو کیا وہ گناہگار ہے ؟

(جواب ۳۳۹) طوائفوں کو حرام کاری کرنے کے لئے اپنے مکان کرایہ پر دینا نہیں چاہئے کیونکہ اس میں بھی اعانت معصیت کا تعلق ہے۔(۱) نیز کرایہ میں جو رقم آئے گی وہ ان کی حرامکاری سے حاصل شدہ ہوگی۔(۲) تاہم صاحب مکان اثم زنا میں حصہ دار نہیں ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ غفر لہ، دہلی۔

امامت، وعظ اور درس پر اجرت کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۵ اگست ۱۹۲۹ء)

(سوال) ایک مولوی صاحب نے زبانی لوگوں کے ساتھ معاہدہ کیا کہ میں تمہیں نماز پڑھادیا کروں گا اور جمعہ کے روز قرآن وحدیث سنایا کروں گا۔ اگر کوئی پڑھے تو اس کو درس دیا کروں گا۔ تم لوگ اس کے عوض مبلغ ۴۰ روپے ماہوار دیا کرو۔ کچھ عرصہ بعد مولوی صاحب مبلغ ۶۰ روپے کا مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ملازمت چھوڑ دوں گا۔ لوگ مجبوراً گداگری کر کے ان کا مطالبہ پورا کرتے ہیں۔ مولوی صاحب کا یہ فعل ایک دینی کام کے لئے جائز ہے یا ناجائز ؟ مولوی صاحب اسی مسجد کے احاطہ میں رہ کر لوگوں کی اجازت کے بغیر اپنا ذاتی کاروبار حکمت، موٹر لاریوں کا کام جو ان کی اپنی ملکیت ہیں کرتے ہیں اور مولوی صاحب کی ذاتی تنخواہ سے زائد تنخواہ والے ان کے کئی ملازم موجود ہیں۔ ایسی حالت میں ایک تنخواہ معقول کے ہوتے ہوئے دوسرے کاروبار سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ یا ناجائز ؟ بغیر اجازت احاطہ مسجد میں بیٹھ کر کاروبار کرنا جائز ہے یا ناجائز ؟

(جواب ۳۴۰) امامت اور وعظ کہنے درس دینے کی ملازمت کرنا اور اجرت لینا جائز ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ وعظ گوئی اور درس کا روزانہ وقت معین کر دیا جائے۔(۴) امامت اور وعظ درس کے روزانہ مقررہ وقت کے علاوہ مولوی صاحب کو حق ہے کہ وہ اپنا ذاتی کچھ بھی کام کریں۔ تجارت ہو یا اور کوئی کام۔ رہا تنخواہ کا معاملہ کہ للعہ مقرر

---

(۱) قرآن مجید میں ہے : وتعاونوا علی البر و التقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان . سورۃ المائدۃ ، الجزء السادس رقم الآیہ نمبر ۲

(۲) رجل اکتسب مالا من حرام ثم اشتری فهذا علی خمسة اوجه : اما ان دفع تلك الدراهم الی البائع اولاثم اشتری منه بها او اشتری قبل الدفع بها ودفعها ، او اشتری قبل الدفع بها ودفع غيرها او اشتری مطلقا ودفع تلك الدراهم ، او اشتری بدراهم اخر ودفع تلك الدراهم . قال ابو نصر : يطيب له ولا يجب عليه ان يتصدق الا في الوجه الاول . قال الكرخی : في الوجه الاول و الثانی لا يطيب وفي الثلاثة الاخيرة يطيب . وقال ابوبكر : لا يطيب في الكل ، لكن الفتوی الآن علی قول الكرخی ، دفعا للحرج عن الناس وفي الواجية : وقال بعضهم : لا يطيب في الوجوه كلها و هو المختار ، ولكن الفتوی اليوم علی قول الكرخی دفعا للحرج لكثرة الحرام . (الشاميه ، كتاب البيوع ، باب المتفرقات، مطلب، اذا اكتسب حراما ثم اشتری فهو علی خمسة اوجه ، ۵/ ۲۳۵ ط. سعيد) (قلت علم بهذا انه لا ينبغي ان يؤجر المكان للزانية للزنا)

(۳) وان استاجره ليكتب له غناء بالفارسية او بالعربية فالمختار انه يحل لان المعصيه في القراة . (الهنديه كتاب الاجارة ، الباب الخامس عشر ، الفصل الرابع ، ۴/ ۴۵۰ ط . ماجدية)

(۴) وزاد في مختصر الوقاية ومتن الاصلاح تعليم الفقه و زاد في متن المجمع الامامة ومثله في متن الملتقی ودرر البحار وزاد بعضهم الاذان والاقامة والوعظ (رد المحتار ، كتاب الاجارة، مطلب تحرير مهم في عدم جواز التلاوة، ۶/ ۵۵ ط. سعيد)

ہوئی تھے اب وہ طلب کرتے ہیں تو یہ فریقین کی رضامندی پر منحصر ہے۔اگر مولوی صاحب للعہ پر خدمات مفوضہ انجام دینے کو تیار نہ ہوں اور دوسرا کوئی لائق آدمی مل سکتا ہو تو متولی کو اختیار ہوگا کہ وہ دوسرا آدمی رکھ لے۔جو للعہ میں کام کرنے پر راضی ہو۔(۱) آمدنی کے کافی ذرائع کے ہوتے ہوئے مناسب تو نہیں ہے کہ امامت وو عظ و درس کی اجرت لی جائے مگر لینا ناجائز بھی نہیں ہے۔اور اس کی وجہ سے مولوی صاحب کو مورد الزام بنانا درست نہیں ہے۔مسجد یعنی اس حصہ میں جو نماز کے لئے مہیا کیا جاتا ہے بیع و شرا کرنا یا اور کوئی ایسا کام کرنا جس سے نمازیوں کو تکلیف ہو یا احترام مسجد کے منافی ہو جائز نہیں ہے۔(۱) باقی مسجد کے احاطے میں دوسرے حصص جو نماز کے لئے مہیا نہیں کئے جاتے ہیں ان میں بیع و شرا جائز ہے مگر متولی کی اجازت سے ہونی چاہئے۔(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

دھوکہ دے کر اصل گرانٹ سے زیادہ وصول کرنا

(الجمعیۃ مورخہ ۴ ۱۴پریل ۱۹۳۶ء)

(سوال) اگر کوئی مسلم ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ کی گرانٹ زیادہ حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل امور کا ارتکاب کرے تو شرعاً اس کی کیا سزا ہے؟(۱) اسکول کے ادنی ملازمین کو بالکل تنخواہ نہ دے مگر ان کی تنخواہ اسکول کے رجسٹروں میں دکھائے اور ان کے جعلی دستخط یا انگوٹھے لگوالے۔(۲) بعض ملازمین کے دستخط تو زیادہ تنخواہ پر کرائے مگر دور اصل کم دے۔(۳) اسکول کے سائر اخراجات میں فرضی بل بنواکر درج کرے۔

(جواب ۳٤۱) یہ خلاف واقعہ فرضی کارروائیاں کرنا شرعاً قانوناً اخلاقاً ہر طرح جرم ہے اور مرتکب مجرم ہے۔اس کی تعزیر حاکم و قاضی کی رائے پر محول ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

کرایہ دار سے وقت سے پہلے مکان خالی کروانا

(سوال) زید نے اپنا ایک مکان جو ۵ روپے ماہوار پر بکر کو دیا ہوا تھا ایک سو روپیہ بکر کو دے کر خالی کرالیا۔کیا زید کا یہ فعل شرعاً جائز ہے اور زید یا بکر گناہگار تو نہ ہوں گے؟ (شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار دہلی)

(جواب ۳٤۲) اگر زید نے کسی ذاتی ضرورت کے لئے خالی کرایا اور قانونی مجبوری کی وجہ سے کرایہ دار کو رقم دینی پڑی تو زید پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔(۴) کرایہ دار رقم لینے میں گناہگار ہے۔اور اگر زید نے کرایہ بڑھانے کی نیت سے خالی کرایا ہے تو دونوں گناہگار ہوں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) یجوز صرف شئی من وجوہ مصالح المسجد للامام اذا کان یتعطل لو لم یصرف الیہ یجوز صرف الفاضل ولو زاد القاضی فی مرسومہ من مصالح المسجد والا مام مستغن وغیرہ یوم بالمرسوم المعہود تطیب لہ الزیادۃ لو عالما تقیا ، ولو نصب امام آخر لہ اخذ الزیادۃ ان کانت لقلۃ وجود الا مام لا لو کانت لمعنی فی الا ول الخ (رد المحتار ، کتاب الوقف، مطلب فی زیادۃ القاضی فی معلوم الا مام، ٤/٤٢٦ ط. سعید)

(۲) متولی المسجد جعل منزلا موقوفا علی المسجد مسجدا وصلّی الناس فیہ سنین ثم ترک الناس الصلاۃ فیہ فاعید منزلا مستغلا جاز . (ھندیہ ص ٤٥٥. ٤٥٦/٢ ط. ماجدیہ)

(۳) واذا اراد انسان ان یتخذ تحت المسجد حوانیت غلۃ لمرمۃ المسجد او فوقہ لیس لہ ذالک (عالمگیریہ، کتاب الوقف الباب الحادی عشر ، ص ٤٥٥/٢ ط . ماجدیہ)

(۴) لایجوز اخذ المال لیفعل الواجب (ردالمختار) مایدفع لدفع الخوف... علی مالہ ونفسہ حلال للدافع حرام علی الآخذ (رد المختار ، کتاب القضاء ، مطلب فی الکلام علی الرشوۃ ، ص ٥/٣٦٢ ط . سعید)

دوسرا باب
زراعت وباغبانی

پیشہ زراعت اختیار کرنے کا حکم

(سوال) زید کہتا ہے کہ کھیتی کرنا یعنی پیشہ زراعت اختیار کرنا نحس ہے اور اپنے اس دعویٰ کے لئے بطور دلیل شرعی ایک حدیث پیش کرتا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک روز حضرت رسول خدا ﷺ ایک صحابی کے مکان پر تشریف لے گئے تو وہاں آپ نے کھیتی کے آلات واوزار رکھے ہوئے ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ یہ نحوست بھری چیزیں یہاں کیوں رکھی ہیں ان کو دور کرو۔ شرح سیر کبیر جلد اول صفحہ ۱۳۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی یہ حدیث صحیح ہے ؟ اگر صحیح ہے تو کیا اس سے پیشہ زراعت کی نحوست ثابت ہے ؟ پھر دوسری حدیثیں جو اس کے معارض ہیں اس کا کیا جواب ہے ؟ المستفتی نمبر ۵۰۹ حاجی قاسم احمد سورتی ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۶ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۴۳) زراعت نہ صرف مباح اور جائز ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ کے بعد وہ اشرف المکاسب ہے۔ بعض علماء جہاد کے بعد تجارت کو افضل کہتے ہیں اور بعض زراعت کو تجارت پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ **قال الماوردی اصول المکاسب الزراعة والتجارة والصنعة والا شبه بمذهب شافعی رحمة الله علیه ان اطیبها التجارة قال والراجح عندی ان اطیبها الزراعة لا نها اقرب الی التوکل**۔(۱) انتہیٰ۔ یعنی ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسب معاش کے اصول تین ہیں۔ زراعت، تجارت، صنعت، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے ساتھ ملتی جلتی یہ بات ہے کہ تجارت ان تینوں میں افضل ہے۔ لیکن میرے نزدیک زراعت، اطیب وافضل ہے کہ وہ توکل کے ساتھ زیادہ قریب ہے۔" احادیث میں زراعت کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البخاری میں ایک باب بھی اس کی فضیلت کے بیان میں منعقد کیا ہے۔ باب **فضل الزرع و الغرس اذا بل منه**۔ اور اس باب میں یہ حدیث بیان کی ہے :۔

قال النبی صلی الله علیه وسلم مامن مسلم یغرس غرسا اویزرع زرعاً فیاکل منه طیر اوانسان اوبهیمة الا کان له به صدقة۔(۲) "یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کھیتی بوتا ہے اور اس درخت یا کھیتی میں سے کوئی چڑیا یا آدمی یا جانور کھاتا ہے تو اس لگانے والے یا بونے والے کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔"

آپ نے سوال میں جو حدیث سیر کبیر سے نقل کی ہے وہ تو ہمارے سامنے نہیں کیونکہ سیر کبیر یہاں موجود نہیں مگر اس مضمون کی حدیث بخاری میں ہے :۔ **عن ابی امامة الباهلی قال ورأی سکة وشیئا من**

(۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعمله بیده، ۴/۳۰۴ ط المکتبه السلفیه
(۲) صحیح البخاری، الباب الحرث والمزارعة، باب فضل الزرع والغرس، ۱/ ۳۱۱، ۳۱۲ ط. قدیمی

الۃ الحرث سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یدخل ھذا بیت قوم الا ادخلہ اللہ الذل۔(۱)
یعنی حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہل اور پھالہ اور آلات زراعت کو دیکھ کر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ چیزیں جس گھر میں داخل ہوں گی اللہ اس گھر میں ذلت داخل کر دے گا۔ یہ حدیث بظاہر زراعت کی مذمت ظاہر کرتی ہے۔ مگر علمائے امت نے جن کے سامنے زراعت کی فضیلت کی احادیث تھیں انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس شخص کے حق میں ہے جو کھیتی اور اس سامان میں اس قدر مشغول ہو جائے کہ جہاد اور امور ضروریہ اسلامیہ سے غافل ہو جائے۔ یا یہ کہ لفظ ذلت سے مطالبات مالیہ مراد ہیں یعنی جو شخص کھیتی کرے گا اس پر خراج لگان وغیرہ کے مطالبات کا بار پڑ جائے گا۔ اس سے کھیتی کی مذمت مراد نہیں بلکہ اس کا لازمی یا اکثری نتیجہ بیان کرنا مقصود ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کو ان لوگوں کے حق میں بیان کیا ہے جو دشمن کے قرب وجوار میں رہنے والے ہیں اور ان کو بجائے زراعت کے سپاہ گری لازم ہے وہ اگر سپاہ گری چھوڑ کر زراعت میں مشغول ہو جائیں گے تو مقہوریت و مغلوبیت کی ذلت میں مبتلا ہو جائیں گے۔(۲)
بہر حال حدیث مذکور مطلقاً زراعت کی مذمت میں نہیں ہے اور اس سے زراعت کی نحوست پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ نحوست کا اعتقاد رکھنا خود ہی اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

مالک کی مرضی کے بغیر کاشت کار کا زمین پر قبضہ کا حکم

(سوال) زمیندار دائن کی اراضی پہ قبضہ کاشتکار بطور کاشت موروثی کئی پشت سے چلی آتی ہے کاشتکار نے موروثی مذکور پر قبضہ دائن زمیندار کو دے دیا اور شرط مابین دائن و مدیون یہ طے پائی ہے کہ جس وقت اصل روپیہ کاشتکار مدیون زمیندار دائن کو ادا کر دے تو اس وقت زمیندار کاشت کار موروثی مذکور کو یہ قبضہ واپس دے دے گا۔ آیا ازروئے شرع کاشت موروثی پر جو قبضہ کاشتکار اور اس کے مورث کا مطابق قانون مروجہ چلا آتا ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟ اور صورت مسئولہ میں زمیندار دائن کا اپنے کاشتکار کی کاشت مذکورہ بالا سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۵۸۱ عبد الغفور (الہ آباد) ۱۴ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ ۱۵ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۴۴) کاشتکار کا موروثی قانونی قبضہ مالک کی مرضی کے خلاف ناجائز اور حرام ہے زمیندار نے جو کچھ روپیہ دے کر حق کاشتکاری کا رہن لیا ہے یہ معاملہ بھی کاشتکار کے حق میں حرام ہے۔ مگر زمیندار کے حق میں اس زمین سے نفع اٹھانا جائز ہے۔ کیونکہ وہ حق مالکیت اس زمین سے نفع اٹھانے کا مستحق ہے۔(۳) (جس سے اس کو ایک قانون غیر مشروع نے روک رکھا ہے) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) صحیح البخاری، ابواب الحرث والزرع، باب ما یحذر من عواقب الاشتغال بآلۃ الزرع، ۱/ ۳۱۲
(۲) فتح الباری میں ہے:" ومحلہ ماذا اشتغل بہ فضیع بسببہ ما امر بحفظہ ، واما ان یحمل علی ما اذا لم یضع الا انہ جاوز الحدفیہ ، ویمکن الحمل علی عمومہ فان الذل شامل الکل من ادخل علی نفسہ ما یستلزم مطالبۃ اخرلہ ، ولا سیما اذا کان المطالب من الولاۃ وعن الداؤدی ھذا لمن یقرب عن العدو فانہ اذا شغل بالحرث لا یشغل بالفروسیۃ فیتا سد علیھم العدو فحقھم ان یشتغلوا بالفروسیۃ ، وعلی غیرھم ، امدادھم بما یحتا جون الیہ ."
(فتح الباری، کتاب المزارعۃ ، باب مایحذر من عواقب الاشتغال بآلۃ الزرع . ج : ۴/ ۴ ، بیروت)
(۳) "مسئلہ کاشتکار کا موروثی قانونی قبضہ "جواہر الفقہ میں "زمینداری وہل" کے عنوان سے تفصیل کے ساتھ موجود ہے، جس میں حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کے فتاویٰ مع تصدیقات درج کئے گئے ہیں۔ لہذا مراجعت کے لئے دیکھئے (جواہر الفقہ ، زمینداری وہل ج : ۲/ ۳۱۵ تا ۳۳۴)

(۱) غیر شرعی شرائط کے ساتھ زمین کاشکاری کے لئے دینا
(۲) کاشتکاری کے لئے لی ہوئی زمین کو رھن رکھنا جائز نہیں
(۳) حق کاشت میں وراثت جاری نہ ہوگی

(سوال)(۱) کاشتکاری جس کو عرف میں موروثی کہتے ہیں کہ غیر زمیندار کو قانوناً یہ حق حاصل ہے کہ خواہ اس زمین میں کاشت کرے یا کسی دوسرے سے کاشت کرائے اور پیداوار زمین کو اپنے تصرف میں لاوے اور جو لگان سرکاری طور سے اس کی مقرر ہو چکی ہو وہی لگان زمیندار کو ادا کرے۔ زمیندار کو اس میں سوائے لگان مقررہ کے کوئی حق نہیں۔ نہ وہ کھیت نکال سکتا ہے نہ لگان ہی زیادہ وصول کر سکتا ہے۔ آیا یہ کاشتکاری جائز ہے یا نہیں ؟
(۲) ان اطراف میں موروثی کو رہن رکھ دیتے ہیں اور اپنا کام اس سے چلاتے ہیں۔ آیا اس قسم کی موروثی کا رہن رکھنا یا لینا جائز ہے یا نہیں ؟
(۳) اگر کسی کاشتکار کا انتقال ہو جائے اور تین لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑے۔ پس اس کی کاشتکاری سے وراثت جاری ہوگی یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۸۳۷ محمد یسین مدرس مدرسہ احیاء العلوم۔ مبارک پور، اعظم گڑھ۔ ۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۴۵) نمبر اول کا جواب یہ ہے کہ یہ قانون غیر شرعی ہے اور زمیندار کا اس کو تسلیم کرنا خوشی اور رضامندی سے نہیں ہے بلکہ مجبوری سے ہے اس لئے کاشتکار پر فرض ہے کہ یا تو وہ زمیندار کی حقیقی رضامندی حاصل کرے یا زمین کو چھوڑ دے۔(۱) نمبر دوم۔ کاشتکار زمین کا مالک نہیں اس کو صرف حق کاشت حاصل ہے جو قانون رائج الوقت نے مثل ملک کے قرار دیا ہے اس لئے اس حق کاشت کا رہن تو نہیں مگر موجر کی اجازت حقیقی ہو تو کاشتکار اجارے پر دے سکتا ہے۔ نمبر سوم۔ اس حق کاشت میں وراثت جائز نہیں ہو سکتی اور قانون نے بھی کاشتکار کو زمین کے رقبے کا مالک نہیں بنایا ہے بلکہ اس کے قبضہ کو مستقل کیا ہے۔ اور وراثت حکم شرعی ہے۔ وہ کسی قانون خلاف شریعت کی اساس پر جاری نہیں ہو سکتا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کاشت کار حق موروثی کی وجہ سے مالک نہیں بنتا

(سوال) مسمی رحمان الدین وغیرہ آباؤ اجداد سے رقبہ موضع مندوری ضلع پشاور میں موروثی چند قطعہ اراضی پر چلے آتے ہیں۔ اب مالک مسمی مذکور کو اراضی سے بے دخل کرنا چاہتا ہے اور اراضی واپس لینا چاہتا ہے بلکہ ایک قطعہ اراضی غصب کر لیا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ موروثی کی شرعاً کیا حیثیت ہے ؟

---

(۱) لا يحل مال امرء مسلم الا بطيب نفسه (كنز العمال، الكتاب الا ول في الايمان والا سلام ، الفرع الثاني في احكام الا يمان المتفرقة ، ۱/ ۹۲ رقم الحديث ص ۳۹۷ .ط. مكتبة التراث الاسلامي)
(۲) (بل يجب على ورثة الميت ردذلك الارض الى صاحب الارض كسائر الديون والحقوق) قال في السراجي : يبدأ بتكفينه وتجهيزه ..... ثم تقضى ديونه (السراجي في الميراث ، ص ٦ ط. سعيد)

موروثی۔ مالک کو بطور مالکانہ پانچھ رقم دے کر اور دائمی لگان مقررہ کی ادائیگی کا وعدہ دے کر اراضی لی جاتی ہے۔ یا پچھ رقم دے کر اراضی کی آمدنی سے نصف نصف کرلی جاتی ہے۔ آئندہ مالک اراضی نہیں لے سکتا۔
مالک۔ اس کو سمجھا جاتا ہے کہ انگریزی حکومت کے ہوتے ہوئے زبردست اشخاص نے دعویٰ مالک ہونے کا کردیا یا سابقہ کی سند دکھا کر مالک قرار دیا گیا ہو۔

المستفتی نمبر ۲۴۴۵ رحمان الدین صاحب (پشاور) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۴۶) موروثی کا قانون غیر شرعی ہے۔ مالک جو فی الحقیقت کسی زمین کا مالک ہے اور اس کے پاس بطور وراثت یا بذریعہ خرید یا ہبہ کے کوئی زمین آئی ہے وہ اپنے اختیار اور رضامندی سے کسی کو کاشت کی غرض سے یا سکونت کے واسطے یہ زمین اجرت مقررہ پر دینے کا حق اور اختیار رکھتا ہے اور جب چاہے مدت میعاد اجارہ ختم ہونے کے بعد آگے کو نہ دے یہ بھی اسے اختیار ہے۔ انگریزی حکومت نے جو ایک خاص مدت کے بعد کاشتکار کو موروثی قرار دیا ہے یہ شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

تنقیح سوال۔
(سوال) حکومت موجودہ کاشتکار سے دس گنا لگان لے کر حق مالکانہ دے رہی ہے اور زمیندارہ ختم کررہی ہے۔ اب کیا حکم ہے۔ دس گنا دینا جائز ہے یا نہیں؟
(جواب ۳۴۷) یہ سوال زبانی دریافت کیجئے بعض صورتیں اس کی سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

تیسرا باب
حمالی و مزدوری

انسان کا خود سواری کھینچنے پر اجرت لینا

(سوال) رنگون وغیرہ برما کے شہروں میں ایک سواری لنچہ کا عام رواج ہے۔ اس لنچہ کو ایسا سمجھنا چاہئے جیسا کہ ہندوستان کے اکثر شہروں میں یکہ ہوتا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ یکہ ذرا بھاری اور وزنی ہوتا ہے اور لنچہ بالکل کرسی نما ہوتا ہے جس پر دو آدمی بسہولت بیٹھ سکتے ہیں اور اس کو بجائے گھوڑے کے ایک آدمی آگے سے کھینچتا ہے جو کہ بسہولت مثل گھوڑے کے تیزی کے ساتھ لنچہ کی خوشنما ہلکی ساخت کی وجہ سے رواں ہوتا ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ اس لنچہ کی سواری شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
(جواب ۳۴۸) اس میں شاید وجہ اشتباہ یہ پیش آئی ہے کہ اس کو بجائے گھوڑے کے آدمی کھینچتا ہے اور آدمی

(۱) (ھذا ظلم لا نہ اخذ مال امرء من غیر طیب نفسہ) قال فی کنز العمال لایحل مال امرء مسلم الا بطیب نفسہ (کنز العمال، الکتاب الاول فی الایمان والا سلام الفرع الثانی فی احکام الایمان ۱، ۹۲ ، رقم الحدیث نمبر ۳۹۷ ط مکتبہ التراث الا سلامی)

چونکہ شہ عاکرم ہے اس لئے اس سے ایسی خدمت لینا نا جائز ہونا چاہئے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی استیجار واجارہ کی ایک قسم ہے جیسے کہاروں کا ڈولی اٹھانا ایک قسم کی مزدوری ہے اور جائز ہے۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے۔ اس میں تو آدمی کی سواری کو صرف کھینچنا ہے۔ آدمی تو شراب اور میتہ اٹھانے کی مزدوری بھی کر سکتا ہے۔
اذا استا جررجلا یحمل الجیفۃ او یقتل مر تداویذبح شاۃ اوظبیا یجوز (عالمگیری)(۱) ولو استاجرالمشر کون مسلما لیحمل میتا منھم الی موضع ید فن فیہ ان استاجروہ لینقلہ الی مقبرۃ البلدۃ جاز عند الکل ۔(۲) (عالمگیری) واذا استا جرذمی مسلما لیحمل لہ خمرا ولم یقل لیشرب اوقال لیشرب جاز ت الا جارۃ فی قول ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ خلافالھما (۳) (عالمگیری) قلت ومما یدل علی جواز الا جارۃ المسئول عنھا مافی البخاری فی حدیث الا فک من قول عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فاقبل الذین یرحلون لی فاحتملوا ھود جی فرحلوہ علی بعیری الذی کنت ار کب وھم یحسبون انی فیہ (۴) الخ فھذا یدل علی جواز حمل الا نسان شیئا فیہ امرأۃ ولما جاز الحمل جاز القود بالا ولی ویستانس بہ علی جواز حمل الا جانب امرأۃ اجنبیۃ بحائل عندالا من من الفتنۃ. واللہ اعلم. کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

ہندو کو جلانے کے لئے مسلمان کا مزدوری پر لکڑی اٹھانا

(سوال) ہندو کے جنازہ جلانے کی لکڑی وغیرہ مزدوری پر مسلمان کو لے جانا کیسا ہے؟

المستفتی نمبر ۱۲۵۷ رمضان ۱۳۵۲ھ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۴۹) یہ مزدوری مسلمان کے لئے جائز تو ہے لیکن اس سے احتراز اولیٰ ہے۔(۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱)(عالمگیریۃ، کتاب الا جارۃ ، الباب الخامس عشر الفصل الرابع ، ۴ / ۴۵۰ ط. ماجدیۃ)
(۲)(عالمگیریۃ ، کتاب الا جارۃ ، الباب الخامس عشر ، الفصل الرابع ، ۴ / ۴۴۹ ط . ماجدیۃ)
(۳)(عالمگیریۃ ، کتاب الا جارۃ الباب الخامس ، الفصل الرابع ، ۴ / ۴۴۹ ط . ماجدیۃ)
(۴) (صحیح بخاری کتاب المغازی ، باب حدیث الا فک ، ۲ / ۵۹۳ ، ۵۹۴)
(۵)سئل ابراھیم رحمۃ اللہ علیہ بن یوسف عمن آجر نفسہ من النصاری لیضرب لھم الناقوس کل یوم بخمسۃ ویعطی کل یوم خمسۃ دراھم فی ذالک العمل وفی عمل آخر درھمان قال لا یواجر نفسہ منھم ویطلب الرزق من طریق آخر (فتاوی عالمگیریہ، کتاب الا جارۃ الباب الخامس عشر ، الفصل الرابع ، ۴ / ۴۵۰ ط. ماجدیۃ)

چوتھا باب
مختلف پیشے

قصائیوں کا پیشہ درست ہے

(سوال) کسب قصائیوں کا بے عیب اور درست ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۵۰) قصائیوں کا پیشہ بلا کراہت درست ہے۔ رسول خدا ﷺ کے زمانے میں مسلمان یہ پیشہ کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ سے کسی قسم کی ممانعت منقول نہیں۔ روی البخاری فی صحیحه عن ابن مسعود الا نصاری قال کان رجل من الا نصار یقال له . ابو شعیب و کان له غلام لحا م الحدیث (۱) وفی روایة له من کتاب البیو ع فقال لغلام له قصاب اجعل لی طعاما یکفی خمسة . الحدیث۔ (۲) قال الحافظ بن حجر فی فتح الباری وفی الحدیث من الفوائد جواز الاکتساب بصنعة الجزارة. الی قوله وفیه اجابة الا مام والشریف والکبیر دعوة من دونهم واکلهم طعام ذی الحرفة غیر الرفیعة کالجزار الخ. (۳) وفی الدرالمختار فی بیان اتخاذ الحرفة والا فالتحقیق عندی اباحة اتخاذه حرفة لا نه نو ع من الا کتساب و کل انوا ع الکسب فی الاباحة سواء علی المذهب الصحیح کما فی البزازیه وغیرها۔(درمختار کتاب الصید)(۴) وما قیل ان فیه از ها ق الروح وهویورث قسوة القلب لا یدل علی الکراهة بل غایة ان غیره کالتجارة والحراثة افضل منه (رد المختار) (۵) بلکہ یہ جو مشہور ہے کہ جانور ذبح کرنے کی اجرت لینا ناجائز ہے یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ ذبح کرنا ایک فعل جائز و مباح ہے۔ پھر اس کی اجرت کیوں ناجائز ہو۔ ویجوز الاستیجار علی الذکاة (ای الذبح) لان المقصود منها قطع الا وداج دون افاتة الروح وذالك یقدر علیه کذا فی السراج الوهاج انتهی مختصرا (عالمگیری)(۶) اذا استاجر رجلاً لیحمل الجیفة ویقتل مرتدا اویذبح شاة اوظبیا یجوز و لواستاجر طبیا او کحالا او جرا حاً یدا ویه وذکر مدة جاز. کذا فی الغیاثیة انتهی مختصراً (عالمگیری)(۷) والله تعالی اعلم وعلمه اتم واحکم۔

کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرس مدرسہ امینیہ و جلی مہر دارالافتامدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی

وثیقہ نویسی کا حکم

(سوال) وثیقہ نویسی کا کام کرنا جو کہ موجودہ زمانہ میں رائج ہے جائز ہے یا نہیں ؟

---

(۱) صحیح البخاری ، کتاب الا طعمة باب الرجل یتکلف الطعام لا خوانه، ۲/ ۸۱۷ ط. قدیمی)
(۲) صحیح البخاری ، کتاب البیو ع ، باب ماقیل فی اللحام والجزار ، ۱/ ۱۲۷۹ ط. قدیمی)
(۳) فتح الباری ، کتاب الاطعمة ، باب الرجل یتکلف الطعام لا خوانه مصر ط بیولاق ص ۴۸۵)
(۴) الدر المختار ، اوائل کتاب الصید ، ۶/ ۴۶۲ ط. سعید)
(۵) رد المختار ، کتاب الصید ، ۶/ ۴۶۲ ط. سعید)
(۶) عالمگیریة ، کتاب الا جارة ، الباب الخامس عشر ، الفصل الرابع ، ۴/ ۴۵۴ ط. ماجدیة)
(۷) عالمگیریه ، کتاب الا جارة ، الباب الخامس عشر ، الفصل الرابع ، ۴/ ۴۵۰ ط. ماجدیة)

المستفتی نمبر ۱۱۶۳ محمد ابراہیم ذیروی متعلم مدرسہ ہذا ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۳ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵۱) جائز ہے ہاں جو دستاویزیں کہ ناجائز ہوں وہ لکھنے سے انکار کردے اور جو جائز ہوں وہ لکھ دیا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔(۱)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سودی قرضہ کے اشامپ کی تحریر کا حکم

(سوال) رحیم یار خان کسی ساہوکار (ہندو دکاندار) سے بوجہ کسی لاچاری کے قرضہ سودی لینا چاہتا ہے۔ ہر دو اشخاص عنایت اللہ اشامپ فروش سے اشامپ خرید کر لکھواتے ہیں۔ اشامپ فروش دو آنے لکھائی کے لے لیتا ہے۔ کیا مندرجہ بالا اشامپ قرضہ سودی کا تحریر کرنا اور پیسے لینا جائز ہے یا ناجائز۔ اگر جائز ہے تو خود لے یا مساکین پر خیرات کرے۔ اگر عنایت اللہ نہ لکھے تو دوسرا ہندو مسمی کندورام لکھتا ہے اور پیسے لکھائی والے سے لیتا ہے۔

المستفتی نمبر ۱۱۷۵ اکرم خاں طالب علم مسجد چوری خیل (صوبہ سرحد) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵۲) سودی قرضہ کا اشامپ لکھنا ناجائز ہے۔ مسلمان کو اس کی پروانہ کرنا چاہئے کہ میں نہیں لکھوں گا تو ہندو لکھ دے گا اور پیسے لے لے گا۔ جو بات کہ مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ناجائز کردی ہے اس سے اسے بچنا چاہئے۔(۲)　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دلال کی دعوت کھانا مباح ہے؟

(سوال) دلال کے یہاں کا کھانا کیسا ہے؟ شریعت کی رو سے یہ پیشہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۶۳۳ مولوی عبدالحق امام جامع مسجد۔ دوحد ضلع پنچ محل ۱۳ جمادی الثانی سن ۱۳۵۹ھ

(جواب ۳۵۳) دلال کی دعوت کھانا مباح ہے اور دلال کا پیشہ کرنا مباح ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

تحقیق احادیث

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) مندرجہ ذیل احادیث جن کو مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب "مساوات اسلامی کی حقیقت" میں نقل فرمایا ہے صحیح ہیں یا ضعیف یا موضوع۔ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

---

(۱) اما بیان انواعها فنقول انها نوعان نوع یرد علی منافع الاعیان کاستئجار الدور　　نوع یرد علی العمل کاستئجار المحترفین للاعمال کالقصارة والخیاطة والکتابة. (الهندیه، کتاب الاجارة، الباب الاول، ۴۱۱/۴ ط. ماجدیة)

(۲) حدیث شریف میں ہے: "لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم آکل الربا وموکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: وهم سواء". (مشکوة شریف، باب الربا، الفصل الاول، ج: ۲ / ۲۴۴، سعید)

(۳) وفی الدلال والسمسار یجب اجر المثل　　دفع ثوبا الیه وقال بعه بعشرة فما زاد فهو بینی وبینک...... لو باعه باثنی عشر او اکثر فله اجر مثل عمله وعلیه الفتوی. (عالمگیریة، کتاب الاجارة، الباب الخامس عشر الفصل الرابع، ۴/ ۴۵۰، ۴۵۱ ط. ماجدیه)

(۱)اكذب الناس الصباغ . كنز العمال كتاب البيوع ج۲ ص ۲۰۱ (۱)بروايت ديلمى - (۲) اذا كان يوم القيامة نادى مناداين خونة الله في الارض فيؤتى بالنحاسين والصيارفة والحاكة . كنز العمال ص ۲۰۱ بروايت ديلمى .(۲)(۳) شرارامتي الصانعون الصائغون . كنز العمال ج ۲ ص ۲۰۱ (۳) (۴)قال كعب لا تستشروا الحاكة فان الله سلب عقو لهم ونزع البركة من كسبهم لا ن مريم عليها السلام مرت بجماعة من الحياكين فسالتهم عن الطريق فد لوها على غير الطريق فقالت نزع الله البركة من كسبكم . المستطرف جلد۲ ص ۵۴ .(۴) (۵) وهبت خالتي فاختة بنت عمرو غلاما فامرتها الا تجعله جازرا ولاصانغا ولا حجاما . كنزالعمال ج ۲ ص ۲۰۱ (۵)

(جواب ۳۵۴)حدیث اول۔ اكذب الناس الصباغ . كنزالعمال میں بروایت دیلمی نقل کی گئی ہے غالبا اس سے مسند فردوس دیلمی مراد ہے۔ مسند فردوس دیلمی میں ضعیف۔ منکربلکہ موضوع حدیثیں موجود ہیں۔ اس لئے مسند فردوس دیلمی کی کوئی روایت جب تک کہ اسکی صحت سند ثابت نہ کردی جائے قابل استناد نہیں۔ بستان المحدثین میں ہے۔" دیلمی درانقان معرفت وعلم او قصورے است۔در صحیح وسقیم احادیث تمیز نمی کندولہذا دریں کتاب او موضوعات و واہیات توده توده مندرج است۔" انتہی (اتحاف النبلاء ص ۱۲۹)(۱)

اور سند سے قطع نظر کرلی جائے تو حدیث کے لئے کوئی صحیح معنی متعین نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس کا ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ "رنگریز تمام آدمیوں میں سب سے زیادہ جھوٹا ہے۔" حالانکہ یہ بات واقعہ کے مطابق نہیں بلکہ جس قسم کا جھوٹ اس قسم کے اجیر مشترک بولتے ہیں وہ رنگریز کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ بعض دوسرے پیشے والے رنگریز سے زیادہ جھوٹ بولتے ہوں۔اور یہ بات ظاہر ہے کہ حدیث ایک جملہ خبر یہ ہے جو صرف بیان واقعہ پر ہی محمول ہو سکتی ہے۔انشاپر حمل کرنے کی کوئی صورت نہیں اور بیان واقعہ کا واقعہ کے مطابق ہونا صحت وصدق حدیث کے لئے ضروری ہے۔

اور حدیث کے یہ معنی بھی نہیں لئے جاسکتے کہ صباغ کے لئے کاذب ہونا لازم ہے۔ کیونکہ صباغ اور کاذب میں ملازمت کی نہ کوئی شرعی وجہ ہے نہ عقلی۔ ومن ادعى فعليه البيان ۔اور یہ معنی بھی نہیں ہو سکتے۔ کہ تمام صباغ عادی طور پر کاذب ہوتے ہیں۔ کیونکہ بہت سے صباغ خدا کے نیک بندے اور متقی و پرہیزگار گزرے ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے۔

پس اس حدیث کو صباغی کے پیشے کی تنقیص یا مذمت میں پیش کرنا تو کسی طرح بھی درست نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اس سے کذب کی مذمت نکلے گی جو پیشہ وروں کی طرف سے پایا جاتا ہے۔اور یہ حدیث بشرط ثبوت

---

(۱)كنز العمال ، كتاب البيوع ، الباب الاول ، الفصل الاول ۴/ ۳۹ رقم الحديث ۹۳۹۸ ط. مكتبة التراث الاسلامي
(۲) كنز العمال ، كتاب البيوع الباب الاول ، الفصل الاول ، ص ۳۹ رقم الحديث ۹۳۹۸)
(۳)كنز العمال ، كتاب البيوع، الباب الاول ، الفصل الرابع ، ۴/ ۴۲ رقم الحديث ۹۴۱۳)
(۴)المستطرف ، الباب الخامس والخمسون في العمل والكسب والصناعات و الحرف. ۲ /۶۵ ط . داراحياء التراث العربي ، بيروت ، لبنان)
(۵)كنز العمال ، كتاب البيوع ، الباب الاول ، الفصل الرابع ، ۴/ ۴۲، ۴۳ رقم الحديث ۹۴۱۷)
(۶)بستان المحدثين ، كتاب الزهد والرقائق، ص ۱۶۲ ط. سعيد)

وصحت پیشہ وروں کے لئے تحذیر کے طور پر فرمائی گئی ہوگی تاکہ وہ جھوٹ اور وعدہ خلافی سے بچیں۔ نہ اس لئے کہ دوسرے لوگ اس کو پیشہ وروں کی تنقیص و مذمت کے لئے استعمال کریں۔

حدیث دوم۔ اذاکان یوم القیامة نادیٰ منادأین خونة الله فی الارض فیؤتی بالنحاسین والصیارفة والحاکة۔(۱) یہ حدیث بھی مسند فردوس دیلمی کی ہے اور ناقابل استناد ہے۔ اور اپنے معنی اور مضمون کے لحاظ سے یہ حدیث موضوع معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ تین قسم کے پیشہ وروں کو خدا کا خائن قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ خیانت سے مراد یا تو یہ لی جائے کہ یہ کام اور یہ صنعتیں ہی خیانت ہیں اس بنا پر ان کے کرنے والے خدا کے خائن قرار دیئے گئے۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی ذی عقل یہ معنی مراد نہیں لے سکتا کہ اس کا نصوص صریحہ کے مخالف ہونا بدیہی ہے۔ اور اس تقدیر پر یہ بھی لازم ہوگا کہ یہ پیشے جو بذاتہا خیانت ہیں ان کا اختیار کرنا حرام ہو۔ وهل يلتزم ذلك الا من حرم العلم والعقل۔

یا دوسری صورت یہ ہے کہ خیانت سے دوسرے اعمال وافعال واعتقادات میں خیانت کرنا مراد ہو۔ اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ خائنین کسی خاص قوم خاص پیشے خاص جماعت خاص ملک کے ساتھ مخصوص نہیں۔ سب سے اول درجے کے خائن تو مشرک اور کافر ہیں۔ پھر خدائی کتاب اور وحی میں تحریف کرنے والے۔ پھر علمائے سوء جو اپنے ذاتی مفاد کے لئے غلط مسئلے بتاتے اور نصوص کو غلط محامل پر محمول کرتے ہیں۔ پھر مال غنیمت میں خیانت کرنے والے۔ اور ہزارہا قسم کی خیانتیں ہیں جن میں ہر طبقہ بنی آدم کے افراد شامل اور شریک ہیں۔

اور جب کہ قیامت میں پکارنے والا خدا کے خائنوں کو پکارے تو ان تمام خائنوں کی پیشی ہونی لازم تھی جن میں ہر طبقہ اور ہر نسب کے لوگ ہوتے۔ بالخصوص خائنین فی العقیدہ مشرکین کی پیشی سب سے زیادہ مقدم اور اہم تھی۔ لیکن اس حدیث نے ایک طرف تو تمام خائنین میں سے صرف تین جماعتوں کا ذکر کیا باقی تمام خائنوں کو چھوڑ دیا جس سے یہ شبہ بجا طور پر ہو سکتا ہے کہ ان کے سوا کوئی اور خائن ہی نہیں کہ وہ بھی حاضر کیا جاتا۔ دوسری طرف ان لوگوں کا جو جرم خیانت حاضر کئے جائیں گے۔ ذکر ان کے پیشے کے الفاظ سے کیا جس سے یہ خیال قائم کئے جانے کا موقع بہم پہنچ سکتا ہے کہ یہ پیشے خیانت پیدا کرنے کی علت ہیں گویا ہر ٹھٹھیرا ہر صراف ہر نوربافی ضرور خائن ہوگا۔ اور ان دونوں باتوں کا بطلان اظہر من الشمس ہے۔

یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ "ان تین پیشوں والے چونکہ اکثر خیانت کرتے ہیں اس لئے ان کا ذکر کرنا اور دوسروں کا ذکر نہ کرنا اور ان کے پیشوں کے نام سے ذکر کرنا کچھ نامناسب نہیں ہے۔" کیوں کہ قیامت کے دن جب خدا کے خائنوں کی پیشی کے لئے پکار ہوگی تو تمام خائن پیش لئے جائیں گے۔ جن میں مشرکین اور ان تینوں کے علاوہ دوسرے خائنوں کی یقینی اکثریت ہوگی۔ اور اس خیانت کا جو عقیدہ کے ساتھ اور نفوس کے قتل و غارت کے ساتھ متعلق ہے ذکر یقیناً زیادہ ضروری اور اہم تھا۔

اور اس سب کے بعد بھی اس کی غرض مذمت خیانت ہو سکتی ہے نہ کہ تنقیص پیشہ وراں۔ اگر کوئی ٹھٹھیرا کوئی صراف کوئی نورباف دیانت دار متقی پرہیز گار ہو تو باوجود ان پیشوں کے غیر متقی خائن سے یقیناً زیادہ

(۱) دیکھئے ص ۴۴۳ حاشیہ نمبر ۲

افضل زیادہ شریف ہے۔ اگرچہ متوخر الذکر کسی عرفی اونچی قوم سے تعلق رکھتا ہو۔

حدیث سوم۔ **شرار امتی الصانعون الصانغون وفی نسخة الصائغون الصباغون۔**(۱) یہ بھی کنزالعمال میں دیلمی سے ہی منقول ہے۔ کنزالعمال میں دونوں نسخے موجود ہیں۔ ایک میں دستکار اور سنار مذکور ہیں اور دوسرے میں سنار اور رنگریز۔ اس حدیث میں دستکار، سنار اور رنگریز کو شرالناس کہا گیا ہے۔ یعنی تمام آدمیوں میں بدترین۔ اور بدترین ہونے کی کوئی خاص جہت بیان نہیں کی گئی۔ جیسی حدیث اول میں کذب اور حدیث دوم میں خیانت ذکر کی گئی تھی۔ تو اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کا ظاہری مطلب یہ ہوگا کہ نفس صنعت یا صبغی یا سنار ہونا ہی آدمیوں کو بدترین بنا دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مضمون باطل ہے۔ اس لئے یہ حدیث موضوع ہے۔

اس کے قریب قریب یہ حدیثیں ہیں جن کے موضوع ہونے کی تصریح ہے۔ **ویل للصانع من غدو بعد غد** یعنی خرابی ہے دستکار کے لئے کل کو اور کل کے بعد۔ **تذکرۃ الموضوعات** میں اس کے متعلق فرمایا۔ **من نسخة بشربن الحسین الموضوعة**(۲) یعنی یہ حدیث بشر بن حسین کے نسخہ کی ہے جو تمام کا تمام موضوع ہے۔ ایک اور حدیث نقل کی جاتی ہے۔ **بخلاء امتی الخیاطون**(۳) یعنی میری امت کے بخیل درزی ہیں۔ **تذکرۃ المضوعات** میں اس کے متعلق لکھا ہے۔ **لم اقف علیه**(۴) **وفی الحاشیة لتلمیذہ قلت بل لااصل له۔**(۵) یعنی صاحب مختصر نے تو اس حدیث کو ذکر کر کے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اس کی سند یا صحت سے واقف نہیں مگر حاشیہ پر مؤلف کے شاگرد نے یہ لکھ دیا کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ ایک اور حدیث ہے۔ **یحشر الله الخیاط الخائن وعلیه قمیص ورداء مماخاط وخان فیه۔**(۶) یعنی اللہ تعالیٰ خیاط خائن کو مبعوث کرے گا اس کے بدن پر خیانت کئے ہوئے کپڑے کی قمیص اور چادر ہوگی۔ (اگرچہ اس کا مضمون اصول کے خلاف نہیں مگر) اس کی سند کے متعلق تذکرۃ الموضوعات میں لکھا ہے۔ **ھذا الاسناد ظلمات۔**(۷) یعنی یہ سند تاریک در تاریک ہے۔ ایک اور حدیث ہے۔ **شرار الناس التجار والزراع**(۸) یعنی تاجر اور کاشتکار بدترین لوگ ہیں تمام انسانوں میں۔ علامہ سیوطی نے **اللالی المصنوعه فی الاحادیث الموضوعة** میں اس کے متعلق لکھا ہے۔ **قلت اخرجه الجوز قانی فی موضوعاته۔**(۹) یعنی جوزقانی نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ ایک اور طویل حدیث ہے جو ابن عدی نے بروایت انس ذکر کی ہے۔ **قال کنت یوما مع رسول الله صلی الله علیه وسلم بعد ماتفرق اصحابه فقال یااباحمزة قم بنا ندخل السوق فنربح ویربح منا فقام**

(۲،۳) (اللالی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة، کتاب المعاملات ۲/۱۴۲ ط. مصر، ازھر)

---

(۱) (کنز العمال، کتاب البیوع، الباب الاول، الفصل الرابع ۴/۴۲ رقم الحدیث نمبر ۹۴۱۳ ط. مکتبة التراث الاسلامی)

(۲) (تذکرۃ الموضوعات کتاب العلم، باب اسبابه وعقودہ المحمودة، کالتجارۃ لمن اتقی والحسار فی البیع، ص ۱۳۵ ط. مصر)

(۳،۴،۵) (تذکرۃ الموضوعات کتاب العلم باب اسبابه وعقودہ المذمومة کالصید والخیاطة، والتعلیم والحیاکة ص ۱۳۷ ط. مصر)

(۶) (ایضا من ص ۱۳۷ الی ص ۱۳۸)

(۷،۸،۹) (تذکرۃ الموضوعات کتاب العلم، باب اسبابه وعقودہ المذمومة کالصیدو الخیاطة والتعلیم والحیاکة، ص ۱۴۸ ط. مصر)

وقمت معه حتى صرنا الى السوق فاذا نحن في اول السوق برجل جزار شيخ كبير قائم على بيعه يعالج من وراء ضعف فوقعت له في قلب النبي صلى الله عليه وسلم رقة فهم ان يقصده ويسلم عليه ويدعو له اذهبط عليه جبريل فقال يا محمد ان الله يقرأ عليك السلام ويقول لك لا تسلم على الجزار فاغتم من ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم لا ندرى اى سريرة بينه وبين الله اذ منعه منه فانصرف وانصرفت معه ولم يد خل فلما كان من غد تفرق اصحابه فقال قم بنا ند خل السوق فننظر اى شئى حدث الليلة على الجزار فقامه وقمت معه حتى جئنا الى السوق فاذا نحن بالجزار قائما على بيعه كما رأيناه بالامس فهم النبي صلى الله عليه وسلم ان يقصده ويسأله اى سريرة بينه وبين الله اذمنعه عنه فهبط عليه جبرئيل فقال يا محمد ان الله يقرأ عليك السلام ويقول لك سلم على الجزار فقال له حبيبي جبريل امس منعتني منه واليوم امرت به قال نعم يا محمد ان الجزار الليلة وعكته الحمي وعكا شديدا فسئال ربه وتضرع اليه فقبله على ماكان منه فاقصده يا محمد وسلم عليه وبشره فان الله تعالى قد قبله على ماكان منه فقصده وسلم عليه وبشره وانصرف وانصرفت معه انتهى. موضوع وأفته دينار (اللالى المصنوعه فى الا حاديث الموضوعة)(۱)

اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز صحابہ کرام کے متفرق ہو جانے کے بعد میں آنحضرت ﷺ کے پاس اکیلا رہ گیا تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ابو حمزہ ہمارے ساتھ چلو بازار چلیں تاکہ کچھ نفع حاصل کریں اور ہم سے دوسروں کو نفع پہنچے تو حضور ﷺ بھی کھڑے ہوئے اور میں بھی حضور ﷺ کے ساتھ کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ ہم بازار پہنچے۔ بازار کے ابتدائی حصہ میں ہم نے دیکھا کہ ایک بوڑھا قصاب اپنی بیع کا کاروبار کر رہا ہے اور ضعف کی وجہ سے بہت مشقت اور تکلیف سے کام کرتا ہے۔ تو حضور ﷺ کو اس کی حالت پر رحم آیا اور ارادہ فرمایا کہ اس کے پاس جا کر اس کو سلام کریں اور اس کے واسطے دعا فرمائیں۔ دفعۃً حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور کہا اے محمدؐ! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ قصاب کو سلام نہ کریں۔ حضور ﷺ کو اس بات سے بہت پریشانی اور فکر ہوئی کہ خبر نہیں اس قصاب کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا کون سا معاملہ ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کو سلام کرنے اور اس کے لئے دعا کرنے سے روک دیا۔ بہر حال حضور اس کے پاس نہیں گئے اور واپس چلے آئے۔ میں بھی واپس آگیا۔ پھر کل کو جب تمام صحابہ حضور کی خدمت سے علیحدہ ہو گئے تو حضور نے مجھ سے فرمایا اٹھو بازار چل کر دیکھیں کہ قصاب پر رات میں کیا گذری۔ چنانچہ ہم دونوں بازار پہنچے۔ دیکھا کہ قصاب کل کی طرح بدستور اپنے کاروبار میں مشغول ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارادہ کیا کہ اس کے پاس جا کر اس سے اس معاملے کا پتہ چلائیں جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضور کو اسے سلام کرنے اور اس کے لئے دعا کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا اے محمد، اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ قصاب کو جا کر سلام کرو تو حضور نے جبرئیل سے فرمایا کہ میرے دوست کل تو تم نے مجھے منع کیا تھا اور آج سلام کرنے کو کہتے ہو تو جبرئیل نے

(۱) ایضا ۲، ۱۵۴، ۱۰۰

عرض کیا۔ ہاں اے محمد ﷺ قصاب کو رات بہت سخت بخار چڑھا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور تضرع و زاری بجا لایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کر لی اور اس کے کرتوت سے درگزر فرمائی۔ اے محمد اب تم اس کے پاس جاؤ اور اس کو سلام کرو اور یہ خوش خبری بھی دے دو کہ تیرے کرتوت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تیری دعا قبول کر لی۔ چنانچہ حضور ﷺ اس کے پاس گئے اور اس کو سلام کیا اور خوش خبری دی۔

اللآلی المصنوعہ میں اس حدیث کو ذکر کر کے اسے موضوع بتایا ہے اور کہا کہ اس میں ایک راوی نائی ہے اس کی یہ آفت اٹھائی ہوئی ہے۔ یعنی اس نے یہ حدیث گھڑی ہے۔ گھڑنے والے نے غالباً یہ حدیث قصابوں کی مذمت کے لئے گھڑی ہے اور نہایت ہوشیاری سے بنائی ہے کہ بظاہر قصاب کی تعریف ہے اور اس کی دعا قبول ہونے کی بشارت ہے۔ لیکن پڑھنے والا غیر معلوم طریق پر قصابوں کی مذمت اور اس پیشہ کی منقصت کا خیال لے کر اٹھے گا کہ پہلے دن جو حضور کو سلام کرنے اور دعا دینے سے منع کیا گیا اس کی وجہ اس کا یہ پیشہ ہی ہوگا یہ نامہ جبرئیل کے یہ الفاظ بتائے گئے کہ لا تسلم علی الجزار۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ قصاب کو سلام نہ کریں۔ اور دوسرے دن جو سلام کرنے کی اجازت دی گئی وہ اس کی بیماری کی دعا وزاری کا کرشمہ قرار دیا گیا۔ اس میں بھی یہ کہہ دیا کہ باوجود ان اعمال کے جو اس سے سرزد ہو رہے ہیں۔ اور ان اعمال کا کوئی ذکر حدیث میں نہیں۔ حدیث میں صرف یہی کہ وہ قصاب تھا اور اپنا کاروبار (گوشت فروشی) کر رہا تھا تو ہر پڑھنے والے کا خیال اس طرف جائے گا کہ قصاب ایسے ذلیل یا خدا کے مبغوض ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ کو جبرئیل کے ذریعہ سے انہیں سلام کرنے اور ان کے لئے دعا کرنے سے روکا گیا۔

ایک اور حدیث ہے جو غلہ کی تجارت کی مذمت میں بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے۔ من تمنی الغلاء علی امتی لعلة احبط الله عمله اربعین سنة۔(۱) یعنی جو شخص کسی وجہ سے یہ تمنا کرے کہ امت محمدیہ پر نرخ کی گرانی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے چالیس برس کے اعمال حبط کر دے گا اللآلی المصنوعہ میں اس کو موضوع بتایا ہے۔(۲) ایک اور حدیث ہے۔ من ادرك منكم زمانا تطلب فيه الحاكة العلم فالهرب الهرب۔(۳) یعنی حضور نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص ایسا زمانہ پائے جس میں توربافـ علم طلب کریں یعنی علم پڑھیں تو بھاگنا بھاگنا۔ تذکرۃ الموضوعات میں اس کو موضوع کہا ہے۔(۴) ایک اور حدیث ہے۔ یخرج الدجال ومعه سبعون الف حائك۔(۵) یعنی دجال نکلے گا تو اس کے ساتھ ستر ہزار جلاہے ہوں گے۔ تذکرۃ الموضوعات میں اس کو موضوع کہا ہے۔(۶) ایک اور حدیث ہے۔ لاتشاوروا الحجامین والحاكة ولا تسلموا عليهم۔(۷) یعنی سینگی لگانے والوں اور جولاہوں سے نہ مشورہ کرو اور نہ ان کو سلام کرو تذکرۃ الموضوعات میں اس کے متعلق لکھا ہے۔ فيه احمد بن عبدالله من اکذبهم۔(۸) یعنی اس کی سند میں احمد بن عبداللہ راوی

(۱، ۲)(اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة ، کتاب المعاملات ۲/۱٤٥ ، ط. مصر ، کذا فی تذکرة الموضوعات، کتاب العلم، باب اسبابه وعقوده المذمومة کالصید و الخیاطة والتعلیم والحیاکة ، ص ۱۳۸ ط. مصر)
(۳، ٤)(تذکرة الموضوعات ، کتاب العلم ، باب اسبابه وعقوده المذمومة کالصید و الخیاطة والتعلیم والحیاکة، ص ۱۳۷ ط. مصر)
(۵، ٦)(ایضاً، ص ۱۳۷)
(۷، ۸)(ایضاً، ص ۱۳۷)

ہے جو سب سے زیادہ جھوٹا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ من اطلع فی طرز حائك خف دماغه و من كلمه حانكا بخرفمه ومن مشى مع حائك ارتفع رزقه. هم الذين بالوا فی الكعبة وسرقوا غزل مريم وعمامة يحيى بن زكريا وسمكة عائشة من التنور واستدلتهم مريم على الطريق فد لوها على غير الطريق. (۱) یعنی جو شخص جولاہے کے گھر میں نظر کرے گا اس کا دماغ مختل ہو جائے گا۔ اور جو جولاہے سے بات کرے گا وہ گندہ دہن ہو جائے گا اور جو جولاہے کے ہمراہ چلے گا اس کا رزق اٹھ جائے گا۔ جولاہے ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کعبہ میں پیشاب کیا تھا اور حضرت مریم کا سوت اور حضرت یحییٰ بن زکریا کا عمامہ چرایا تھا اور حضرت عائشہؓ کی مچھلی تنور میں سے چرائی تھی اور حضرت مریم نے ان سے راستہ دریافت کیا تو انہوں نے غلط راستہ بتادیا۔ "تذکرۃ الموضوعات" میں کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ (۲) اور اس کا ایک اور طریق بھی ہے جو دیلمی نے روایت کیا ہے۔ ایک اور حدیث ہے جو حضرت علیؓ کے طریق سے روایت کی جاتی ہے۔ لا تستشيروا الحاكة ولا المعلمين فان الله تعالى سلبهم عقولهم ونزع البركة من كسبهم۔ (۳) یعنی جولاہوں اور میانجیوں یا معلموں سے مشورہ نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عقلیں سلب کرلی ہیں اور ان کی کمائی سے برکت اٹھالی ہے۔ اس کو بھی تذکرۃ الموضوعات میں موضوع کہا ہے۔ (۴)

حدیث چہارم۔ قال كعب لا تستشير واالحاكة فان الله سلب عقولهم ونزع البركة من كسبهم لان مريم عليها السلام مرت بجماعة من الحياكين فسألتهم عن الطريق فدلوها على غير الطريق فقالت نزع الله البركة من كسبكم۔ (۵) یعنی کعب نے کہا کہ جولاہوں سے مشورہ نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عقلیں سلب کرلی ہیں اور ان کی کمائی میں سے برکت نکال لی ہے۔ اس لئے کہ حضرت مریم علیہا السلام جولاہوں کی ایک جماعت پر گزریں اور ان سے راستہ دریافت کیا تو انہوں نے غلط راستہ بتادیا تو حضرت مریم علیہا السلام نے ان کو بددعا دی کہ خدا تمہاری کمائی میں سے برکت نکال لے۔ "کتاب نہایات الارب فی غایات النسب" میں تو اس کو مستطرف سے نقل کیا ہے۔ (۶) لیکن میں نے حدیث نمبر ۳ کے بیان کے ذیل میں جو احادیث نقل کی ہیں ان میں سے حدیث نمبر ۹ اور نمبر ۱۰ اور نمبر ۱۱ میں یہ مضمون موجود ہے بلکہ نمبر ۱۱ میں جولاہوں کے ساتھ مکتبوں کے میانجی میں بھی شامل کر لیے گئے ہیں اور اگر لفظ معلمین کو اپنے عموم پر رکھا جائے کہ ہر علم سکھانے والا مراد ہے تو پھر تو حدیث کے مضمون کی قباحت کی کوئی انتہا ہی نہیں رہتی کیونکہ تمام حضرات انبیا علیہم السلام معلمین کی جماعت میں شامل بلکہ اصل معلم تو وہی ہیں۔ الغرض اس مضمون کی حدیثیں مرفوعاً بھی مروی ہیں جو موضوع ہیں۔ اور اگر کعب کا اپنا مقولہ ہو جیسا مستطرف سے نہایات الارب میں نقل کیا ہے تو نا قابل اعتبار ہے۔ کیونکہ اصول شرعیہ اور قوانین عقلیہ اور مشاہدات روزمرہ کے خلاف ہے۔

(۲،۱) تذكرة الموضوعات ،كتاب العلم ، باب اسبابه وعقوده المذمومة كا لصيدو الخياطة والتعليم والحياكة ، ص ۱۳۷ ط. مصر ، وجدت الكل كذالك الا لفظ "تالو فى الكعبة" ، مكان "بالوفى الكعبة"
(۴،۳) (ایضاً)
(۶،۵) المستطرف ، الباب الخامس والخمسون فى العمل والكسب و الصناعات والحرف ، ۶۵/۲ ط. احياء التراث العربى ، بيروت لبنان)

حدیث پنجم۔ وهبت خالتي فاختة بنت عمرو غلاما فامرتها الا تجعله جازرا ولا صائغا ولا حجاما۔ یہ حدیث نہایات الارب فی عایاب النسب میں کنز العمال سے بحوالہ طبرانی عن جابر نقل کی ہے ۔اور اسی کنز العمال میں بحوالہ مسند امام احمد وابوداؤد عن ابن عمر بھی ذکر کی گئی ہے۔ دیکھو کنز العمال ج ۲ ص ۲۰۱ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ انی وهبت لخالتي غلاما وانا ارجوان يبارك لها فيه فقلت لها لا تسلميه حجاما ولا صائغا ولا قصابا۔(۱) لیکن ابوداؤد میں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس میں ابن عمر سے نہیں بلکہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔قال (ای عمر رضی الله تعالى عنه) سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول انی وهبت لخالتي فاختة بنت عمرو غلاما (الحديث)(۲) اور طبرانی میں ہے ۔ لخالتي فاختة بنت عمرو الزاهرية خالة النبي صلى الله عليه وسلم۔(التعليق المحمود)(۳) تو اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت جابرؓ یا حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنی خالہ فاختہ بنت عمرو کو ایک غلام ہبہ کیا اور مجھے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے اس غلام میں برکت عطا فرمائے گا تو میں نے ان سے کہا کہ اس غلام کو کسی پچھنے لگانے والے یا سنار یا قصاب کے سپرد نہ کرنا۔ یعنی یہ تینوں کام تم اس کو سکھانا نہ کرانا۔

یہ حدیث حضرت عمرؓ کے ذریعہ سے ابوداؤد میں مروی ہے۔اس میں حضرت عمرؓ سے روایت کرنے والے ابو ماجد یا ابن ماجدہ راوی ہے۔اس کے متعلق التعلیق المحمود میں تقریب سے نقل کیا ہے۔ابو ماجدہ او ابن ماجدة قيل اسمه علي. مجهول من الثالثة و روايته عن عمر مرسلة۔(۴) یعنی ابوماجدیا ابن ماجدہ ان کا نام علی بتایا گیا ہے۔اور یہ تیسرے طبقہ کے ایک مجہول راوی ہیں اور حضرت عمرؓ سے ان کی روایت منقطع ہے۔ یعنی ان کا سماع یا ملاقات حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں۔اس لئے حضرت عمرؓ سے ان کی بلاواسطہ روایت منقطع ہے ۔قال ابن ابي حاتم عن ابيه علي ابن ماجدة السهمي عن عمر مرسل (بذل المجهود)(۵) یعنی ابن ابی حاتم نے اپنے والد ابو حاتم سے نقل کیا کہ علی بن ماجدہ کی روایتیں حضرت عمرؓ سے منقطع ہیں۔اس سے ثابت ہوا کہ ابوداؤد کی روایت جو حضرت عمرؓ کے طریق سے ہے وہ تو منقطع ہے استناد کے قابل نہیں۔رہی حضرت جابرؓ والی روایت جو محمد بن المنکدر کے طریق سے ہے اس کی پوری سند معلوم نہیں۔اس لئے جب تک پوری سند معلوم نہ ہو جائے معرض استدلال میں لانا درست نہیں۔

اس کے علاوہ اس حدیث سے صرف اسی قدر نکلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک خاص غلام کے لئے ان تین کاموں میں سے کسی کام کو مناسب نہ سمجھ کر خالہ کو منع فرمادیا کہ اس کو ان کاموں میں نہ لگانا۔بہت ممکن ہے کہ یہ اس غلام کی طبعی مناسبت کی بناء پر ہو کہ حضور نے اس کی طبیعت کو ان کاموں کے مناسب نہ سمجھا۔اور

(۱) (کنز العمال ، کتاب البیوع ، الباب الاول، الفصل الرابع ۴۳۰۴۲/۴ ، رقم الحدیث ۹۴۱۷)
(۲) (رواه ابو داؤد في كتاب البيوع ، باب في الصائغ ، ۱۳۰/۲ ، ط ایچ ایم سعید)
(۳) (التعليق المحمود على حاشية سنن ابي داؤد ، رقم الحاشية ٦، كتاب البيوع في الصائغ ، ۱۳۰/۲ ، ط ، سعید)
(۴) (ایضا ، ورقم الحاشیة نمبر ۵)
(۵) (بذل المجهود، كتاب البيوع ، باب الصائغ ، ۹۷/۱۵ ط، دار البيان ، القاهرة)

خیال فرمایا کہ اگر اس کو ان کاموں میں لگایا تو طبعی نامناسبت کی وجہ سے یہ ان کاموں سے کچھ زیادہ یا مطلقاً کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے گا۔ حالانکہ آپ کی خواہش یہ تھی کہ اس غلام کی کمائی خالہ کے لئے موجب رفاہیت اور موجب برکت ہو تو اس حدیث کو ان صنعتوں کی مذمت کی دلیل میں لانا بھی کوئی معقول بات نہیں۔

جن احادیث کو آپ نے لکھ کر دریافت کیا تھا میں نے سردست آپ کے استفسار کے جواب پر اکتفا کیا ہے۔ ورنہ اس کے متعلق بہت سے مباحث ہیں جو کبھی فرصت کے وقت لکھے جا سکتے ہیں۔

فقط کتبہ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

اہل صنعت و حرفت کے متعلق احادیث کی تنقید
حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کا اعلان

۱۳ اکتوبر ۱۹۳۴ء کے الجمعیۃ میں ایک سوال کے جواب میں میرا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ وہ سوال کتاب "نہایات الارب" میں شائع شدہ چند احادیث کی صحت و عدم صحت کے متعلق تھا۔ پہلے تو میں نے تقریباً مہینہ ڈیڑھ مہینے تک جواب دینے میں تامل کیا۔ لیکن جب مستفتی نے زیادہ تقاضا کیا اور متعدد مقامات سے اسی قسم کے سوالات آئے۔ مثلاً مالیگاؤں، بہار، منصوری، سہارنپور وغیرہ) تو میں نے وہ مضمون لکھ کر شائع کرا دیا۔ مگر میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب کا ایک مضمون انہیں سوالات کے جواب میں "الامان" میں شائع ہوا۔ اور مولانا خیر محمد صاحب کی ایک کھلی چٹھی اخبار "العدل" گوجرانوالہ میں میرے اور مولانا سید سلیمان صاحب کے نام شائع ہوئی۔ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب کے مضمون میں یہ اطلاع بھی درج ہے کہ میرے اور علامہ سید سلیمان صاحب کے مضامین کی مفصل تنقید بھی تیار کی گئی ہے جو شائع ہونے والی ہے۔ اور مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلوی مفتی تھانہ بھون کا ایک تنقیدی مضمون بھی شائع ہوا ہے۔ ان تمام مضامین کا میں نے مطالعہ کیا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ یہ معاملہ طول نہ پکڑے کہ اسلامی اور قومی مفاد کے لئے اس کا طول پکڑنا مضر ہے۔ لیکن شائع شدہ مضامین سے اور بھی غلط فہمی بڑھے گی اس لئے دیوبند سے تفصیلی تنقید شائع ہونے کے بعد (جس کا اعلان کیا گیا ہے) میں ایک مفصل مضمون شائع کر دوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

نوٹ از واصف

(۱) اخبار الجمعیۃ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۴ء میں مولانا مفتی عبدالکریم صاحب مفتی تھانہ بھون کا ایک طویل تنقیدی مضمون شائع ہوا اور اسی اشاعت میں حضرت مفتی اعظم کا مذکورہ بالا اعلان بھی شائع ہوا۔ اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کیا ہوا۔ دیوبند کا تنقیدی مضمون اور پھر حضرت مفتی اعظم کا جواب شائع ہوا یا نہیں ؟ مجھے اس کا علم نہیں۔

(۲) قوموں کی اجتماعی وانفرادی زندگی اور بقا جن معاشی واقتصادی وسائل پر منحصر ہے وہ اصولی طور پر تین ہی ہیں۔ تجارت، زراعت، صنعت و حرفت۔ احادیث مذکورہ کی رو سے یہ تینوں قابل نفرت اور لائق

اجتناب قرار پائے پھر اور کون سا جائز اور بے داغ ذریعہ معاش باقی رہ جاتا ہے جس کو اختیار کر کے کوئی قوم تنازع للبقا کے میدان میں قدم آگے بڑھا سکتی ہے؟ اور کیونکر اپنے اقتصادی نظام کو برقرار رکھ سکتی ہے؟ (حنیفؔ الرحمان واصف عفی عنہ)

قاطع الشجر کی بخشش نہ ہونے کا مقولہ بے اثر ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) ہمارے ہاں چند لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا ہے کہ وہ ہرے بھرے سرسبز باغات مول لے کر کٹوا کر سوختنی لکڑی فروخت کرتے ہیں۔ کاٹھ کے تختے کڑیاں بنوا کر فروخت کرتے ہیں۔ باغات میں آم و جامن، شیشم، املی وغیرہ سب قسم کے درخت ہوتے ہیں۔ اور میں نے سنا ہے کہ قاطع الشجر کی آخرت میں بخشش نہیں ہوگی۔ یہ پیشہ کیسا ہے؟

(جواب ۳۵۵) اس پیشہ میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ مثمر یعنی پھلدار درختوں کو بے فائدہ ضائع کرنا مکروہ ہے۔ لیکن بغرض تجارت کٹوانے میں مضائقہ نہیں۔ قاطع الشجر کی بخشش نہ ہونے کا مقولہ جو مشہور ہے بے اصل ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ، دہلی۔

حلال پیشہ اختیار کرنے والے مسجد کے متولی بن سکتے ہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) (۱) حلال جانوروں کا گوشت شرع کے مطابق ذبح کروا کر فروخت کرنا اور اس کو پیشہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) اس قسم کے پیشہ ور نیز حلال اور جائز طریقہ سے دوسرے پیشوں والے جو لوگوں کے نزدیک معتبر ذی عزت وامین سمجھے جائیں رائے عامہ سے کسی مسجد کے متولی منتخب کئے جائیں تو کچھ قباحت تو نہیں؟ (۳) جو لوگ حلال و جائز پیشے کو حرام و ناجائز سمجھیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(جواب ۳۵۶) (۱) یہ پیشہ اختیار کرنا جائز ہے اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ (۲) یہ لوگ مسجد اور دیگر اوقاف اسلامیہ کے متولی ہو سکتے ہیں (۳) حلال اور جائز پیشے کو حرام سمجھنے والے خطاکار ہیں اور ضد و تعصب کی وجہ سے حرام کہتے ہوں تو سخت گنہگار اور فاسق ہوں گے۔(۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

(نوٹ از واصف) اس چوتھے باب کے ساتھ کتاب العقائد گیارہواں باب بھی ملاحظہ فرمایا جائے۔

---

(۱) مذکورہ مسئلے کی تفصیل گذر چکی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: "مختلف پیشے" "قصائیوں کا پیشہ درست ہے" ص ۳۴۵

پانچواں باب
رشوت، چوربازاری اور پگڑی لینا

(۱) پٹواری کا تنخواہ کے علاوہ کاشتکاروں سے لینے والی رقم کا حکم
(۲) رشوت کی تعریف
(۳) رشوت کا استعمال ناجائز ہے
(۴) رشوت لینے والے کی توبہ کا طریقہ

(سوال)(۱) ایک شخص زمرہ پٹواریان میں ملازم ہے جس کو ریاست سے تنخواہ ملتی ہے۔ اس کے ماتحت کاشتکاروں نے سالانہ کچھ حقوق اس کے بطور خود مقرر کر رکھے ہیں جو وقت وصول لگان یعنی محصول سرکاری فرداً پٹواری کو دیتے ہیں۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نیت اس کی اس سے کیا ہوتی ہے۔ قرینہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ دینے والے زمیندار کی نیت یا تو یہ ہوتی ہے کہ میرے ذمہ یہ پٹواری کا حق لگا ہوا ہے اور میرے باپ دادا سب دیتے چلے آئے ہیں یا یہ نیت ہوتی ہے کہ اگر حق مقررہ پٹواری کو نہ دیا جائے گا تو ممکن ہے کہ پٹواری ہمیں ذاتی یا مالی نقصان پہنچائے یا ہم سے بد معاملہ ہو جائے۔ ہمارے ذمہ محصول زیادہ لگادے۔ ایسی صورت میں حق مقررہ دینا اور لینا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) ایک وہ شخص ہے جو زمرہ پٹواریان ملازم ہے اور اپنے ماتحت کاشتکاران سے کہہ دیتا ہے کہ نہ تو مجھے روپیہ کی ضرورت ہے اور نہ کسی قسم کی کوئی چیز چاہئے تم اطمینان رکھو میں ہرگز تم کو نقصان جانی و مالی نہ پہنچاؤں گا اور نہ بے انصافی کروں گا۔ باوجود اس کے وہ حق مقررہ کا ایک روپیہ دیتے ہیں اور وہ شخص لے لیتا ہے اور لیتے وقت یہ کہہ دیتا ہے کہ میں کسی قسم کی رعایت نہیں کروں گا اور نہ محصول سرکاری میں کمی ہوگی۔ ایسا حق لینا جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) ایک وہ شخص ہے کہ کاشتکار اس کو کچھ دے دیتا ہے اور یہ کہہ دیتا ہے کہ فلاں رعایت کرنا یا لگان جس قدر ہو اتنا ہی تحریر کرنا۔ اور وہ شخص وہ روپیہ لے لیتا ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟

(۴) ایک صورت یہ ہے کہ کاشتکار لگان سرکاری کے متعلق پٹواری سے خواہش کرتا ہے کہ مجھ کو حساب سمجھا دو اور پٹواری حساب فہمی پر اس سے کوئی معاوضہ وصول کرتا ہے۔ یہ معاوضہ وصول کرنا کیسا ہے ؟

(۵) ایک زمیندار درخت لینا چاہتا ہے۔ ریاست کا قانون ہے کہ اگر سرکاری زمین میں ہے تو قیمتاً دیا جاتا ہے اور اگر کھاتہ دار کی زمین میں ہے تو بلا قیمت دے دیا جاتا ہے۔ بہر حال اس صورت میں پٹواری کو معائنہ موقع کی ضرورت پڑتی ہے اس معائنہ کے صلہ میں زمیندار پٹواری کو ایک روپیہ فیس کا دیتا ہے۔ اس فیس کا لینا درست ہے یا نہیں ؟

(۶) پٹواری کے متعلق کام زیادہ ہے۔ زیادتی کام اور ذمہ داری کو دیکھتے ہوئے ...... ماہوار تنخواہ پانے کا مستحق ہے۔ لیکن اس کو تنخواہ میں ماہوار دس روپے ملتے ہیں۔ قلت تنخواہ کا سبب یہ معلوم ہوا ہے کہ مجوزین نے اس بات کو ملحوظ رکھ کر تنخواہ قلیل مقرر کی ہے کہ پٹواری اپنے حلقہ میں ایک معتبر کل کی حیثیت رکھے گا اور کاشتکار

ان سے اس کو مختلف طریقہ سے آمدنی ہوگی۔ چنانچہ ہوتی ہے اور حکام بالا کے بھی علم میں ہے مگر وہ چشم پوشی کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات کاشتکاران کو ترغیب دیتے ہیں کہ تم کو چاہئے کہ اپنے پٹواری کو پوچھ دو۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں کاشتکاران سے اگر کوئی آمدنی وصول ہو تو وہ جائز ہوگی یا نہیں ؟۔

(۷) رشوت کا اطلاق کونسی آمدنی پر ہوگا اور اس کے متعلق حکم شرعی کیا ہے ؟

(۸) اگر کوئی شخص سوالات مندرجہ بالا کی آمدنی اپنے تصرف میں لاتا ہو تو اس کے متعلق شریعت کیا حکم دیتی ہے ؟

(۹) ناجائز آمدنی اور رشوت لینے والا اگر توبہ کرلے تو اس کا گناہ معاف ہو جائے گا یا نہیں ؟ یا بندے سے معافی مانگنے کی ضرورت ہے۔

المستفتی نمبر ۱۶۱۷ احمد خاں صاحب (راجپوتانہ) ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ ۱۱ مئی ۱۹۴۲ء

(جواب ۳۵۷) (۱، ۲) پٹواری سرکاری ملازم ہے اس کو سرکار سے تنخواہ ملتی ہے۔ اس ملازمت کے جو فرائض اس کے ذمہ ہیں ان کو ادا کرنا اس پر لازم ہے۔ ان فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں اس کو کاشتکاروں سے کوئی رقم لینے کا حق نہیں۔(۱) اگر یہ ان سے مانگ کر یا جبر کرکے یا اپنا حق جتا کر ان سے کچھ لے گا تو یہ صریح رشوت اور حرام ہے اور نہ دینے کی وجہ سے کسی کو نقصان پہنچائے تو یہ ظلم اور حرام ہے۔(۲) لیکن اگر یہ خود نہ مانگے نہ جبر کرے نہ اپنا حق جتائے اور لوگ اس کو خود دے دیں تو اس صورت میں بھی اس کو لینا مکروہ ہے کیونکہ دینے والے اس خوف سے دیتے ہیں کہ نہ دیں گے تو پٹواری نقصان پہنچادے گا یا کم از کم ہمیں پریشان کرے گا یعنی ان کا دینا خلوص اور محبت پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ خوف ضرر سے ہوتا ہے۔(۳)

(۳) یہ بھی مکروہ ہے۔(۴)

(۴) اگر حساب سمجھانا پٹواری کے منصبی فرائض میں داخل ہے تو اس کی اجرت لینا یا رشوت ہے یا کم از کم مکروہ(۵) ہے البتہ اگر اس کے فرائض منصبی میں داخل نہ ہو تو اس کی اجرت لے سکتا ہے اس کی پہچان یہ ہے کہ اگر افسر اعلیٰ کو یہ معلوم ہو جائے تو وہ قانونی گرفت نہ کر سکیں۔(۶)

(۵) اگر پٹواری کو اس معائنہ کی فیس لینے کا قانونی حق ہے تو لے سکتا ہے اور اگر یہ معائنہ اس کے فرائض منصبی میں داخل ہے تو نہیں لے سکتا۔(۷)

(۶) یہ وجہ جواز نہیں ہو سکتی۔(۸)

(۷) ہر وہ عمل جو بغیر معاوضہ کرنا کسی کو فرائض منصبی میں داخل ہو اس پر معاوضہ لینا رشوت ہے۔(۹)

(۱، ۵، ۶، ۷، ۸) فی الشامیة: لایجوز اخذ المال لیفعل الواجب (کتاب القضاء مطلب فی الکلام علی الرشوة، ۵/ ۳۶۲ ط. سعید)

(۲، ۳، ۴) الرابع: مایدفع لدفع الخوف من المدفوع الیه علی نفسه اوماله حلال للدافع حرام علی الآخذ. (رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوة، ۵/ ۳۶۲ ط. سعید)

(۹) ولا یجوز اخذ المال لیفعل الواجب (رد المحتار، کتاب القضاء مطلب فی الکلام علی الرشوة، ج ۵/ ۳۶۲، سعید)

(۸) اس کی روزی حلال نہ ہوگی۔
(۹) توبہ کے لئے ضروری ہے کہ جن لوگوں سے ناجائز رقوم وصول کی ہیں وہ واپس کر دے اور وہ علم یا یاد میں نہ رہے ہوں تو اتنی رقم بہ نیت رفع وبال صدقہ کرے اور آئندہ کے لئے نہ لینے کا عہد کرے اور گزشتہ گناہ پر نادم ہو اور مغفرت مانگے جب یہ توبہ ہوگی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

رشوت اور بلیک کی وجہ سے روزی کمانے والے کی امامت

(سوال) زید رشوت دے کر اور بلیک کر کے اپنی روزی کماتا ہے اور زید کا لڑکا زید کی شرکت میں ہے اور زید دیگر تجارت بھی کرتا ہے وہ بلیک سے کہیں زیادہ ہے اور زید نے دوسروں کا روپیہ مار کر دیوالہ نکالا ہے۔ کیا زید کے لڑکے کی امامت درست ہے یا نہیں ؟
(جواب ۳۵۸) زید اور اس کے لڑکے کی امامت ناجائز ہے کیونکہ لڑکا بھی اس حرام کاروبار میں شریک ہے۔(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کنٹرول کا مال بلیک کر کے بیچنا

(سوال) زید کے پاس کنٹرول کا سامان ہے۔ کچھ تو وہ کنٹرول ریٹ پر فروخت کرتا ہے اور کچھ بلیک میں فروخت کرتا ہے۔ کیا یہ صورت جائز ہے ؟
المستفتی اللہ بخش۔ ۱۸ فروری ۱۹۵۰ء م ۳۰ جمادی الاول ۱۳۶۸ھ
(جواب ۳۵۹) کنٹرول کا مال بلیک میں زیادہ داموں سے بیچنا جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حکومت یا محکمہ کنٹرول کے مقررہ نرخ سے مہنگے داموں چیز بیچنا

(سوال) (۱) گورنمنٹ کپڑے کا جو ریٹ مقرر کرتی ہے اس سے زیادہ منافع لے کر کپڑا فروخت کرنا جس کو بلیک مارکیٹ کہتے ہیں۔ اس طرح حاصل کیا ہوا مال کیا ناجائز ہے ؟
(۲) محکمہ کنٹرول دکانداروں کو کچھ ہدایات دیتا ہے کہ تم اقرار کرو کہ ہم مقرر کی ہوئی قیمت پر مال فروخت کریں گے اور وہ جس بھاؤ چاہتے ہیں فروخت کرتے ہیں۔ اس کے وعدہ اور اقرار کے بعد مقررہ قیمت سے زیادہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں اور اس مال سے فریضہ حج ادا ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی مولوی محمد رفیق دہلوی
(جواب ۳۶۰) ہاں بلیک مارکیٹ کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ اس میں اول تو گورنمنٹ سے بد عہدی دوسرے جھوٹ بولنے کا موقع، تیسرے مخلوق سے بے رحمی اور سختی۔ غرض بہت سی ناجائز چیزیں ہیں۔ اس طرح کمائے ہوئے روپے سے حج کرنا ثواب کا کام نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) وفي القنيه : الرشوة يجب ردها ولا تملك ، وفيها دفع للقاضي اولغيره سحتا لا صلاح المهم فاصلح ثم ندم يرد مادفع اليه . (رد المحتار ، كتاب القضاء ، مطلب في الكلام على الرشوة ، ۵/ ۳۶۲ ط . سعيد)
(۲) ان كان صاحب هوى لا يكفر به صاحبه تجوز الصلاة خلفه مع الكراهة . (الهنديه ، كتاب الصلاة الباب الخامس الفصل الثالث ، ۱/ ۸۴ ط. ماجدية)

کیا ظالم حاکم کے ظلم سے بچنے کے لئے نذرانہ دینا رشوت ہے؟

(سوال) لفظ رشوت کی کیا تعریف ہے ؟ اگر کوئی شخص کسی ظالم حاکم کو اس کے شر سے بچنے کے لئے کچھ نقدی یا تحفہ وغیرہ دے تو وہ رشوت کے جرم میں ماخوذ ہوگا یا نہیں ؟ اگر کسی دوسرے مسلمان بھائی کی وجہ سے کوئی اس ظالم حاکم کو کچھ نذرانہ وغیرہ دے دے تو اس قسم کا دینا بھی دینے والے کے حق میں رشوت میں شمار ہوگا یا نہیں ؟

المستفتی رحمت اللہ عفا اللہ عنہ سوداگر چرم تواب گنج ضلع گونڈہ

(جواب ۳۶۱) حاکم کو کچھ نذرانہ دینا کہ وہ اس کے موافق فیصلہ کرے یا کسی اور شخص کو کوئی ناحق کام کرانے کے لئے کچھ دینا رشوت ہے۔ **في المصباح الرشوة بالكسر ما يعطيه الشخص الحاكم وغيره ليحكم له اويحمله على مايريد . انتهى** (ردالمحتار)(۱) کسی ظالم حاکم کے شر سے بچنے کے لئے کچھ رشوت دینا جائز ہے۔ لیکن اسی حد تک جائز ہے کہ کسی دوسرے کی حق تلفی نہ ہو۔ خواہ اس نے اپنے واسطے دیا ہو یا کسی بھائی کی خاطر سے۔ اس صورت میں رشوت کا وبال صرف آخذ پر ہوگا۔ دینے والے پر کچھ نہیں۔ **الرابع مايدفع لدفع الخوف من المدفوع اليه على نفسه اوماله حلال للدافع حرام على الأخذ .لان دفع الضرر عن المسلم واجب ولا يجوز اخذ المال ليفعل الواجب . انتهى** (ردالمحتار ج ۴ ص ۳۱۶)(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

(جواب ۳۶۲) جو کام کہ خود اس پر کرنا لازم ہے اس کے کرنے پر اجرت لینا(۳) یا حق کو رشوت سے ناحق کر دینا یہ رشوت ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

رشوت لینے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) یہاں پر دو شخص پولیس وغیرہ سے ملے ہوئے ہیں وہ یہ کارروائی کرتے ہیں کہ ملزم جو تھانہ میں آتا ہے ہندو ہو یا مسلمان اس سے ٹھہرا کر سو یا دو سو جو کچھ ٹھہر گئے ان کا اس میں سے حصہ ہوتا ہے۔ اس طرح لوگوں کا دل دکھا کر روپیہ لینا کیسا ہے ؟

(جواب ۳۶۳) یہ رشوت ہے۔ حرام ہے اور غریبوں کو ستانا اور ان سے روپیہ وصول کرنا سخت ترین ظلم ہے۔ ایسے ظالموں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ غفر لہ، دہلی۔

(۱،۲) (رد المحتار ، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة، ۵ /۳۶۲ سعيد)

(۳) ولا يجوز اخذ المال ليفعل الواجب . ۵ /۳۶۲ ط سعيد)

(۴) الرشوة ما يعطيه الشخص الحاكم وغيره ليحكم له اويحمله على ما يريه، (رد المحتار كتاب القضاء ، مطلب في الكلام على الرشوة ،۵ /۳۶۲ ط. سعيد)

(۵) مايدفع لدفع الخوف من المدفوع اليه على نفسه او ماله حلال للدافع حرام على الآخذ. (رد المحتار كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة ، ۵ /۳۶۲ ط سعيد)

(۱) حرام مال کے حلال ہونے کا طریقہ
(۲) حرام مال کا ورثاء کے لئے حکم
(۳) مخلوط مال سے تجارت کا حکم
(۴) حرام مال توبہ سے حلال نہیں ہوتا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۲۹ء)

(سوال) (۱) مال حرام کے جائز و حلال ہونے کی کوئی صورت کسی وقت ممکن ہے یا نہیں؟ (۲) مورث کا مال حرام ورثاء کے واسطے شرعاً حرام ہے یا حلال؟ (۳) اگر کسی کے پاس مال مخلوط بحلال و حرام ہو یعنی راس المال حرام تھا اس سے وہ تجارت یا زراعت کرتا ہے تو اب اس کے مال کا کیا حکم ہے؟ (۴) مال حرام بعد توبہ حلال ہو جاتا ہے یا نہیں؟

(جواب ٣٦٤) (۱) حرمت کی وجوہ مختلف ہیں اور ان سے حاصل شدہ مال کے احکام بھی مختلف ہیں۔ مال مغصوب یا مسروقہ مالک کی اجازت دینے اور بخش دینے سے حلال ہو جاتا ہے۔(۱)

(۲) مورث کا مال حرام جس کے متعلق وارث کو حرام ہونے کا علم ہو وراث کے لئے بھی حرام ہے اور اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اصل مالکوں کو واپس کرے۔ مثلاً اگر وارث کو یہ علم ہو کہ مورث نے زید سے سودیا رشوت میں یہ سو روپے یا گھوڑا وغیرہ حاصل کیا تھا تو وارث کو لازم ہو گا کہ وہ سو روپے اور وہ گھوڑا اس کے مالک کو واپس کرے۔ کیونکہ وارث اس چیز کا وارث ہوتا ہے جو اس کے مورث کی ملک ہو اور جو چیز کہ اس کے مورث کی ملک ہی نہیں تھی وارث اس کا بحیثیت وارث ہونے کے مستحق ہی نہیں ہوا۔(۲)

(۳) مال مخلوط میں اکثریت پر احکام جاری ہوتے ہیں۔ اگر اکثر حلال ہے تو حلال کا حکم دیا جائے گا۔ اور اکثر حرام ہے تو حرام کا۔(۳)

(۴) توبہ سے مال حلال نہیں ہوتا۔ زنا وغیرہ کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ غفرلہ،

کرایہ دار کا پگڑی لے کر دوسرے آدمی کو آباد کرنا

(سوال) کرایہ دار جو کہ مکان یا دکان میں آباد ہے وہ کسی دوسرے شخص سے پگڑی کا روپیہ لے کر اپنی جگہ پر دوسرے شخص کو آباد کر دیتا ہے یا مالک جائیداد سے پگڑی کا روپیہ لے کر جگہ خالی کرتا ہے یہ پگڑی لینا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی حاجی محمد داؤد (دہلی) ۷ اپریل ۱۹۴۹ء

---

(۱) غصب من آخر ساجة وادخلها في بنائه او غصب من آخر تالة وغرسها في ارضه وكبرت حتى انقطع حق المالك ثم ان المالك قال للغاصب وهبت لك الساجة والتالة صح وهذا ابراء عن الضمان. (الهندية، كتاب الغصب الباب السادس، ٥/ ١٣٧ ط. ماجدية)

(٢) اخذ مورثه رشوة او ظلما اذ علم ذلك بعينه لا يحل له اخذه. رد المحتار. كتاب البيوع باب البيع الفاسد، مطلب في من ورث مالا حراما، ج: ٥/ ٩٩، سعيد)

(٣،٤) في القنية الرشوة يجب ردها ولا تملك وفيها دفع للقاضي او لغيره سحتا لا صلاح المهم فاصلح ثم ندم يرد مادفع اليه. (ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة ٥/ ٣٦٢ ط. سعيد)

(جواب ۳۶۵) پگڑی کا روپیہ لینا خواہ دوسرے کرایہ دار سے خواہ مالک جائیداد سے لیا جائے ناجائز ہے۔ مالک جائیداد کو تو اپنی جائیداد واپس لینے کا حق ہے۔ اور کرایہ دار کو یہ جائز نہیں کہ وہ جائیداد دوسرے کرایہ دار کو دے اور اس پر پگڑی کی رقم بطور رشوت کے وصول کرے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

(۱) بلیک کر کے مال بیچنے کا حکم
(۲) عام ریٹ سے سستے داموں چیز بیچنا
(۳) زیادہ غلہ لینے کے لئے فرضی نام لکھوانا جائز نہیں
(۴) روپے کی ڈیڑھ روپے کے بدلہ میں بیع کرنا

(سوال) (۱) بلیک یعنی حکومت سے چھپ کر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) کنٹرول میں جو چیزیں مثلاً ایک روپے کا سیر بھر چاول ملتا ہے ہم پوری سے شہر والوں کو ایک روپیہ کے دو سیر چاول دیں تو جائز ہے یا نہیں؟ (۳) راشن کارڈ میں جتنے آدمی لکھے ہیں انہیں کو غلہ ملتا ہے وہ کافی نہیں ہوتا ہے اگر گھر کے آدمیوں سے زیادہ نام لکھا دیں تو جائز ہے یا نہیں؟ (۴) چاندی کا ایک روپیہ ڈیڑھ روپیہ میں بکتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی حافظ عبدالرحمن از ابراہیم پور

(جواب ۳۶۶) (۱) حکومت سے چھپ کر خرید و فروخت کرنا قانوناً جرم ہے شرعاً جرم نہیں لیکن اس کی وجہ سے جھوٹ بولنا پڑے تو وہ حرام ہے۔(۲) (۲) اپنے مال کو اپنے نرخ سے بیچنا مباح ہے مگر اس میں بھی جھوٹ بولنا پڑے تو حرام ہے۔(۳) (۳) فرضی نام لکھوانا جائز نہیں ہے۔(۴) (۴) یہ جائز ہے مگر مبادلہ غیر جنس ہونا ضروری ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

چھٹا باب
کاروبار کی تعطیل

یک شنبہ کو کاروبار بند کرنے کا حکم

(سوال) ہم تجارت پیشہ لوگ یکشنبہ کو اپنا کاروبار بند اس غرض سے کرتے ہیں کہ ہمارے بازار میں دوسری قوم کے لوگ بھی ہیں اور وہ لوگ یکشنبہ کے سوا کاروبار بند کرنے کو ناراض ہیں۔ یہ کاروبار کرنا محض اس غرض سے ہے کہ ہفتہ میں ایک روز آرام و تفریح ہو جائے یکشنبہ کو کاروبار بند کرنے میں سہولت یہ ہے کہ تمام سرکاری دفاتر ڈاک وغیرہ بند رہتے ہیں اور عوام بھی عام طور پر کاروبار میں دلچسپی نہیں لیتے۔

---

(۱) بحوالہ سابق نمبر ۴،۳ ص ۳۵۵

(۴،۳،۲) عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ علیہ السلام قال : آیة النفاق ثلث ، اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان . (رواہ النسائی ، کتاب الایمان ، علامة المنافق ، ۲ / ۲۳۲ ط. سعید)

(۵) (وعلته) ای علة تحریم الزیادة (القدرمع الجنس ، فان وجدا حرم الفضل والنساء) (الدر المختار ، باب الربا ، ۵ / ۱۶۹-۱۷۰ ط. سعید)

المستفتی نمبر ۱۱۱۳ عبداللہ سلیمان صاحب (بمبئی) ۱۷ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۶ اگست ۱۹۳۶ء
(جواب ۳۶۷) یکشنبہ کو عیسائی تو اس لئے کاروبار بند رکھتے ہیں کہ یکشنبہ ان کے مذہب کے لحاظ سے مقدس دن ہے۔ تو اگر کوئی مسلمان بھی یکشنبہ کی تقدیس کی نیت سے کاروبار بند کرے تو یہ مشابہت ہوگی اور اس کا یہ فعل ناجائز ہوگا۔(۱) لیکن اگر مسلمان کاروباری حیثیت سے کہ یکشنبہ کو بینک اور ڈاک خانہ کی مالیات کا شعبہ بند ہوتا ہے۔ ریلوے آفس میں بھی پارسل لینے دینے کا کام بند رہتا ہے اس روز دکان بند رکھے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ یہ ایک قسم کی مجبوری ہے دن کی تقدیس نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

ساتواں باب
فاحشہ کا کمایا ہوا مال

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذى خلق الانسان وشرفه وكرمه وعلمه مالم يكن يعلم وفتح عليه ابواب رحمته فخصص وعمّم وارسل رسله بالهداية التى هى اقوم فهدوا عباده واخرجوهم الى النور من الظلم وشاد واما كان اندرس من الدين وانهدم وحلوا عباده المتقين بالمعارف والحكم وانذروا العصاة من الويل والعذاب والنقم فسبحانه ما اجل شانه وما اعظم وما ادل برهانه و مااحكم والصلوة والسلام على رسوله الا كرم ونبيه المكرم الذى بلغ و علم وز كى بتلاوة اياته نفوس بنى ادم صلى الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه وسلم۔

اما بعد. فانه قد جرى الكلام بينى وبين الفاضل العلامة المولوى الحافظ عبدالله الغازيفورى فى مسئلة حلة الاموال المكتسبة بالزناء بعد التوبة وحرمتها وذلك بانه سئل عن الاموال التى كسبتها الزانية بالبغاء هل تحل لها ولغيرها من المسلمين بعد ماتا بت وتحصنت ام تبقى محرمة كما كانت قبل التوبة وما سبيل التخلص من تبعا تها لها فافتى الفاضل ...... الغازيفورى بانها تحل لها ولغيرها باذنها فانها اذا تابت وتحصنت زال خبث الا موال وصارت طيبة طاهرة فسبيلها سبيل الا موال الطيبة المكتسبة من الوجوه الشرعية فلما بلغنى فتواه ورايته مخالفا للشريعة الطاهرة ومضادا للنصوص الظاهرة رددت عليه فى جزء يسير من الكلام بالعربية صيانة عن غوغاء العوام وارسلت اليه لعله ينظرو يتفكر فيرجع الى الحق الذى سطع ونوّر ولما وصل اليه كتابى لم يقنع بما فيه من البراهين والشواهد فعاد راداً و كتب جوابه فى خمس و عشرين صفحة وارسل الى فلما رايته وقعت فى عجب واردت ان افصل له ماخفى عليه فكتبت جوابه مفصلاً و ارسلت اليه وعاش رحمه الله بعد و صول جوابى اليه عدة سنين ولم يرد جوابا فلا ادرى

---

(۱) عنه (ابن عمر) قال قال رسول الله عليه السلام من تشبه بقوم فهو منهم (مشكوة المصابيح، كتاب اللباس ، الفصل الثانى ، ص ۳۷۵ ط. سعيد)

ارجع عن قوله او لم يتيسر له جواب اوتيسر و لم يتيسر له الا رسال حتى توفى. وكان عالما فاضلا متعبدامن طائفة اهل الحديث رحمه الله تعالى

وانا العبد الراجي رحمة مولاه محمد كفايت الله غفرله ربه وكفاه

فعل بد سے توبہ کرنے کی صورت میں فاحشہ عورت کے پہلے مال کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک فاحشہ عورت نے اپنے فعل بد سے توبہ کی۔ اب جو اس کے پاس مال ہے فعل بد سے کمایا ہوا وہ اس کو اور تمام مومنین کو کھانا حلال ہے یا حرام ؟ بینوا توجروا۔

(جواب)(از مولانا عبداللہ غازی پوریؒ)حلال ہے۔ اس لئے کہ وہ فعل بد ، فعل نیک سے بدل گیا۔ پس اب وہ مال فعل نیک سے کمایا ہوا ہو گیا۔ قال الله تعالیٰ . الا من تاب وامن وعمل عملاً صالحا فاولئك يبدل الله سيأتهم حسنات وكان الله غفورا رحيماً .(الفرقان (۱) رکوع آخر)وقال الله تعالیٰ: فمن جاءه موعظة من ربه فانتهى فله سلف (البقره رکوع ۳۸) (۲) والله اعلم۔

کتبہ محمد عبداللہ غازی پوری ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۲۹ھ

(جواب ۳۶۸)(از حضرت مفتی اعظمؒ) فعل بد سے کمایا ہوا مال زانیہ کی ملک میں داخل نہیں ہوتا۔ پس توبہ کے بعد نہ خود اسے اس کا استعمال درست ہے نہ اور مسلمانوں کو۔ توبہ سے فعل کا گناہ معاف اور مواخذہ مرتفع ہو سکتا ہے۔ نہ یہ کہ اموال محرمہ جو ابھی تک اس کی ملک سے خارج ہیں وہ بھی حلال ہو جائیں۔ آیت کریمہ جو فاضل مجیب نے استدلال میں پیش کی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے اس سے صرف گناہ کی معافی پر استدلال ہو سکتا ہے یا گناہوں کے بدلے اور نیکیوں کے ملنے پر۔ مال مکتسب من الحرام کی حلت پر اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ سوال کا جواب اس قدر کافی ہے تاہم اہل علم کے اطمینان کے لئے مجیب کے جواب پر مالہ وما علیہ عربی عبارت میں (صيانة عن غوغاء العوام)لکھ دیتا ہوں۔

هو المصوب . اقول مافهمه المجيب العلامة الغازيفوري من قوله تعالى فاولئك يبدل الله سيئاتهم حسنات (۳) من ان السيئات باعيانها تتبدل و تصير حسنات باطل لا يساعده نقل و لا يعضده عقل . والكلام على ذلك بوجوه. اما اولا فنقول لو كان المراد بالتبديل المذكور في الاية تبديل اعيانها بمعنى ان السيئات تصير باعيانها حسنات لزم ان يمتنع اقامة الحد على الزاني والسارق والشارب والقاذف وقاتل النفس المحرم قتلها اذا تابوا قبل اقامة الحد. و ان تحل الاموال المسروقة والمغصوبة والرشى كلها للسارق والغاصب والمرتشي اذا تابوا قبل اقامة الحد على السارق وتضمين الغاصب . وان يكون كفر الكافروزنا الزاني وسرقة السارق سيئات

(۱)سورة الفرقان ، الجزء التاسع عشر ، رقم الآية نمبر ۷۰
(۲)سورة البقرة ، الجزء الثالث رقم الآية ۲۷۵
(۳)سورة الفرقان ، الجزء التاسع عشر ، رقم الآية ۷۰

في وقت وحسنات في وقت اخر . وان ينقلب التكذيب بعينه تصديقا. وان يثبت نسب ولدالزنا من الزاني اذا تاب. وان يتوارث الزاني وولده من الزنا بعد التوبة واللوازم كلها منتفية شرعا فالملزوم مثلها. اما وجه اللزوم في الاول فهوا ن العقوبات الشرعية انما تجب على الجنا يات والسيئات واذا لم تبق السيئات بعد التوبة جنايات بل صارت حسنات وجب ان ترتفع العقوبة والا لزم اثباتها على الحسنة وهو باطل، لقوله تعالى ماعلى المحسنين من سبيل .(۱) وامه في الثاني فهو ان الا موال الحاصلة بالسيئات اذا صار ت بعد التوبة حاصلة على الحسنات كما قلتم فلا سبيل للحكم بحرمتها عند كم . فان فرقتم بان المال المسروق والمغصوب باق على ملك المسروق والمغصوب منهما ولذالا يحل للسارق والغاصب، رد بان المال الما خوذ على الزنا ايضا لم يخرج عن ملك الزاني ولم يد خل في ملك الزانية (۲) فاين الفرق؟ و ان قلتم المال المكتسب بالزنا يد خل في ملك الزانية . قيل لكم ها توا برها نكم ان كنتم صادقين . واما في الثالث والرابع فهوان السيئات اذا صارت باعيانها حسنات فلزوم كو نها سيئات وحسنات بين لا سترة فيه فان العين واحد . واما في الخامس والسادس فهوان عدم ثبوت النسب فر ع كون الوطي حراما وزنا وعدم التوارث فر ع عدم ثبوت النسب ولما صار الوطي الذى كان حراما وزنا بعد التوبة حلالا وحسنا لزم ثبوت النسب والتوارث وهذابين. اما بطلان اللوازم فبا جماع من يعتد به من علماء الشريعة المقدسة فانه لم يقل احد من الائمة بحل الا موال المسروقة والمغصوبة والرشى بعد التوبة قبل اقامة الحد . وبكون شي ء واحد سيئة في وقت وحسنة في اخر. ويجوز انقلاب التكذيب تصديقا. وبثبوت النسب من الزاني بعد التوبة . وبالتوارث بين الزاني واولاده من الزنا. واما ثانيا فلان المفسرين قد اوردوا في تفسير هذه الاية اربعة اقوال . القول الاول ان المراد بقوله تعالى فاولئك يُبدّل اللّه ان الله تعالى يبدل قبائح اعمالهم في الشرك محاسن الا عمال في الا سلام

قال ابن عباس هم المؤمنون كا نو ا قبل ايمانهم على السيئات فرغب الله بهم عن ذلك فحو لهم الى الحسنات وابد لهم مكان السيئات حسنات (رواه ابن جرير في تفسيره تحت هذه الاية الكريمة) (۳) وقال سعيد بن المسيب رضى الله تعالىٰ عنه نزلت في وحشي واصحابه حين قالوا كيف لنا بالتوبة وقد عدلنا بالله (الى ان قال) فابد لهم الله تعالى بعبادة الا وثان عبادة الله وابدلهم بقتال مع المشر كين قتالا مع المسلمين للمشر كين وابدلهم بنكاح المشر كات نكاح

---

(۱) سورة التوبة، الجزء العاشر ، رقم الآية . ۹۱

(۲) اما شرائط الصحة فمنها رضا المتعا قدين . ومنها ان يكون مقدور الا ستيفاء حقيقة او شرعا فلا يجوز ... الا ستجار على المعاصي . (الهندية ، كتاب الا جارة الباب الاول ٤/ ٤١١ ط . ماجدية) وفي الهنديه ايضا : لا تجوز الا جارة على شي من الغناء والنوح ... ولا اجر في ذالك . وهذا كله قول ابى حنيفه رحمة الله عليه وابى يوسف رحمة الله عليه و محمد رحمة الله عليه (الهنديه . كتاب الا جارة الباب الخامس عشر الفصل الرابع ، ٤/ ٤٤٩ ماجديه)

(۳) التفسير الطبرى لا بن جرير . سورة الفرقان ، الجزا التاسع عشر ، رقم الآيه ، ۷۰ ، ص ۱۹ / ۲۹

المؤمنات (رواه ابن جرير) (١) فهذا صريح في ان المراد بالتبديل في الاية عند ابن عباس وسعيد بن المسيب رضي الله تعالى عنهما هو التحويل من حال الى حال. و صرح منه مارواه ابن جرير عن ابن عباس انه قال بالشرك ايمانا وبا لقتل امسا كا وبالزنا عفة واحصانا وعلى هذا التقدير انما يكون التبديل في الدنيا وهو التوفيق الذى صار سببا لا يمانه وطاعته.(٢) القول الثانى ان المراد انه تعالى يمحو السيئات الماضية ويثبت مكانها حسنات بالتوبة ـ قاله الزجاج وروى عن سعيد ابن المسيب ايضا (٣) والقول الثالث ان المراد تبديل ملكة السيئات بملكة الحسنات . والقول الرابع ان المراد تبديل العقاب بالثواب قاله القفال والقاضى (تفسير(٤)كبير والبيضاوى (٥)والمدارك)(٦)فان قيل قدروى ابن جريرفي تفسيره عن سعيد ابن المسيب انه قال تصيرسينا تهم حسنا تهم يوم القيامة(ـ)وهذا يدل على ان المرادتبديل اعيان السيئات بالحسنات. قلت ليس كما قلت فانه يمكن ان يكون مراد سعيد ان سيئاتهم تمحى ويعطون حسنات مكانها وهذاهو الراجح لانه يؤيده قول سعيد المار .ولما كان في كلام سعيد هذا مظنة الوهم الى ان السيئات تصير باعيانها حسنات دفعه المفسر بقوله قال ابو جعفر اولى التاويلين هوا لا ول (يعنى ان المراد تحويلهم الى الحسنات) فان فيه نقلهم عما يسخطه الله من الا عمال الى مايرضى وانماقلنا ذالك اولى بتاويل الاية لان الا عمال السيئة التى قد كانت مضت على ماكانت عليه من القبح وغيره جائز تحويل عين قد مضت بصفة الى خلاف ماكانت عليه الا بتغيير ها عما كانت عليه من صفتها في حال اخرى فيجب ان فعل ذالك كذالك ان يصير شرك الكافر الذى كان شركا في الكفر بعينه ايمانا يوم القيامة بالاسلام ومعاصيه كلها باعيانها طاعة وذالك مالا يقوله ذو حجى انتهى (ابن جرير)(٨)قلت انما قال ابو جعفر اولى التاويلين لان لكلام سعيد محملا صحيحا كما بينا ويؤيده حديث اخر اهل النار خروجا من النار ودخولا الجنة فان فيه انه تعالىٰ يقول له لك مكان كل سيئة حسنة (٩) واذا عرفت هذا فاعلم ان المجيب الغازيفورى اخطأ في فهم المراد بالتبديل وانزل الاية على تبديل السيئة بعينها حسنة كما صرح في جوابه وانت خبير ان احدا من المفسرين لم يذهب اليه بل رده ابو جعفر وحكم بانه قول لا يصدر عن عاقل . و نقل الرازى في تفسيره الكبير عن الزجاج انه قال السيئة بعينها لا تصير حسنة .(١٠) وقال في المدارك ولم يردبه ان السيئة بعينها

(١)(التفسير الطبرى لا بى جعفر محمد بن جرير الطبر ، المسمى بجا مع البيان تفسير القرآن سورة الفرقان ، الجزء التاسع عشر ، رقم ٧٠ ص ١٩/٢٩ ط بيروت)ط. الصحيح عندنا الاوثانى نعم فى رواية عن ابن عباس. عدلنا بالله ، ١٨ ، ٢٧
(٢، ٣)(تفسير ابن جرير سورة الفرقان ١ ، ٢٩ ط. بيروت)
(٤)(التفسير الكبير ، سورة الفرقان ، الجزء التاسع عشر ، ٢٤/ ١١٢ رقم الآيه ٧٠ ط . مكتبة الاعلام الا سلامى)
(٥)(تفسير بيضاوى ، سورة الفرقان ، ٣/ ١٠٣ ط. كتب خانه رحيميه يوپى)
(٦) (التفسير النسفى المسمى بتفسير المدارك ، سورة الفرقان ، ٢/ ١١٧٩ ، رقم الايه نمبر ٧٠ ط . قديمى)
(٧)(التفسير لا بن جرير ١٩/ ٣٠ سورة الفرقان ، الجزء التاسع عشر ، رقم الآية نمبر ٧٠)
(٨، ٩)(التفسير لا بن جرير ، سورة الفرقان ، ١٩ ، ٣٠ رقم الآية ٧٠)
(١٠)(التفسير الكبير ، سورة الفرقان جزء التاسع عشررقم الآية ٧٠ ص ٢٤/ ١١٢ ط. مكتب الا علام الا سلامى)

حسنة ولكن المراد ماذ كرنا انتهى ـ(۱) قلت سمعت ما يلزم على هذا القول من المفاسد التى بينا ها سابقا فكيف يظن بعاقل تفقه فى الدين ووعى الا صول الشرعية ان يقول بهـ اما المعانى الا ربعة المنقولة من السلف فلا يلزم عليها شئى من تلك المفاسد وليس فى شئى منها حجة للمجيب . فان مآلها الى حمل التبديل المذكورفى الآية اما على التوفيق اوعلى تبديل الملكة اوعلى اثبات الحسنات مكان السيئات او على تبديل العقاب بالثواب وفى كل ذلك لا يلزم ان تصير السيئة بعينها حسنة ولما لم تنقلب السيئات باعيانها عن وصف الحرمة فالا موال الماخوذة عليها ماخوذة على السيئات فتكون محرمة خبيثة بعد التوبة ايضا كما كانت قبلها . واما ثالثا فانه قد خطر ببالى وجه قوى يدل على حرمة الاموال المذكورة بعد تسليم انقلاب السيئة حسنة ايضا فنقول لئن سلمنا ذلك فغاية مايثبت به ان صاحب السيئة لا يؤاخذ باخذالمال عليها كما لا يؤاخذ على ارتكاب السيئة نفسها اما حل الا موال فهو بمراحل عن مفهوم الآية الكريمة فان الوطى الحرام مثلا وان انقلب وتبدل حلا لاوحسنا لا يمكن جعله سببا شرعيا لا خذ المال لاباثباته نكا حاولا بغيره من الطريق فبقى المال المأخوذ عليه ما خوذ ابلا سبب شرعى فيجب عليها ان ترد المال الى مالكه فانه فى يدها امانة وما لم ترد المال لا تصير تائبة لان ردالمال من تمام توبتها وكذالك السرقة اذا تاب صاحبها لا سبيل الى جعلها سببا لتملك الاموال المسروقه للسارق فبقى المال عنده بعد التوبة خاليا عن سبب الملك من بيع اوشراء او هبة او تضمين اوارث او غيرها فيجب عليه رده وذالك من تمام توبته ، وقس عليه غيرها واما رابعا فالتبديل المذكور فى الاية مترتب على ثلثة اشياء . التوبة والايمان والعمل الصالح . فما لم يتحقق الا شياء الثلثة لم يجز الحكم بالتبديل . وانت تعلم ان المذكور فى السوال هوا لتوبة وحدها واثبات الا يمان بان السوال وارد فى زانية مؤمنة او بان التوبة تتعقب الا يمان ايضا ممكن اما الا عمال الصالحة فليس لها ذكر فى السوال ولم يتعرض له المجيب فى جوابه فليت شعرى كيف جازله الحكم بالتبديل مع انتفاء شرطه ان لم تصر صالحة او مع انتفاء العلم بوجود الشرط واما خامسافان الاية الكريمة انما تدل على تبديل اعمال المكلفين من صفة الى صفة اما تبديل صفة الا موال اعنى الحرمة فلا دلالة للآية عليها بوجه من الوجوه ومن المعلوم ان الحرمة اللتى كان المال موصوفابها قبل التوبة هى من صفات المال لامن صفات اعمال المرتكبين فان قيل تبدل صفة المال فرع تبدل صفة العمل قلنا ممنوع وان سلم كان اقرارا من المجيب بان الحكم بحلة المال قياسى لا منصوص و القياس من وظيفة المجتهد . واما سادسا فبان الاية مخصوص بمن اسلم من الكفار كماينا دى به صدر الاية اعنى قوله تعالى والذين لا يد عون مع الله الها آخر . وعجز ها اعنى قوله تعالى الا من تاب وامن الا

---

(۱) تفسير النسفى المسمى تفسير المدارك . سورة الفرقان . ص ۲ ۱۱۷۹ رقم الآية ۷۰ ، ط قديمى نمبر ۱ لعل الاولى . . ان حيث انه لم يذهب احدمن المفسرين اليه الا ابو جعفر عبدالحق

یۃ (۱) وفی الحدیث ان الا سلام یہدم ماکان قبلہ (۲) وقال ابن جریر فی تفسیرہ الا من تاب من المشرکین فامن باللہ ورسولہ وعمل عملا صالحا یقول وعمل بما امرہ اللہ فاطاعہ فان اللہ فاعل بہ من ابدالہ سیئی اعمالہ فی الشرک بحسنہا فی الا سلام (۳) انتہی وعن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ قال یبدل اللہ اعمالہم السیئۃ التی کانت فی الشرک بالا عمال الصالحۃ حین دخلوا فی الا یمان (ابن جریر) (۴) فلا یصح الا ستدلال بہا علی تبدل الا ثام اللتی جعل الشرع لہا حدود ا او الزمہا علی المسلمین ونہی عن الشفاعۃ فیہا والعفو عنہا بعد محلہا الا ماشاء اللہ . اما استدلا لہ بکریمۃ فمن جاء ہ موعظۃ من ربہ فانتہی فلہ ما سلف . (۵) فلا یصح ایضا فان الا یۃ نزلت فیمن اخذ شیئا قبل التحریم ثم انزل اللّٰہ تحریمہ فاتبع فانتہی فلہ ما اخذ قبل التحریم اما الذین بلغہم التحریم ولم ینتہوا ولم تدعوا بل اکتسبوا السیئات واخذ وا الا موال من طرق منہیۃ فلا تدل الایۃ علی ان تلک الا موال تحل لہم بالتوبۃ . قال ابن جریر فی تفسیرہ تحت ہذہ الا یۃ الکریمۃ من جاء ہ موعظۃ فانتہی عن اکل الربوا وار تدع عن العمل بہ وانزجر عنہ فلہ ما سلف یعنی ما اخذ واکل فمضی قبل مجی الموعظۃ والتحریم من ربہ فی ذلک انتہی . ثم قال اما الموعظۃ فالقرآن انتہی (۶) وقال القاضی البیضاوی فی تفسیرہ فمن بلغہ وعظ من اللہ وزجر کالنہی عن الربوا فانتہی (۷) فاتعظ وتبع النہی فلہ ماسلف تقدم اخذہ التحریم والا یستردمنہ انتہی ومثلہ فی التفسیر الکبیر (۸) والخازن (۹) والمدارک (۱۰) وغیرہا ومن المعلوم ان الزانیۃ قد جاء تہا موعظۃ من ربہا (النہی عن الزنا فی القرآن المجید والحدیث) . فلم تنتہ ولم ترتدع عن الزنا واخذت ما اخذت بعد التحریم و مجی الموعظۃ فاین ہذا من ذاک فاستدلال المجیب بالایۃ الدالۃ علی حلۃ الماخوذ قبل التحریم علی حلۃ الا موال المکتسبۃ بالطریق المحرمۃ بعد التحریم لیس من الصحۃ فی شیئی . ہذا وا للہ تعالی اعلم وہو المسئول للہدایۃ والعصمۃ فی الروایۃ والدرایۃ . فقط

کتبہ العبد المسکین الا واہ محمد کفایت اللہ غفرلہ مولا ہ المدرس الا ول فی المدرسۃ الا مینیۃ الواقعۃ بدہلی

لسادس من جمادی الا ولی سن ۱۳۲۹ھ

للہ در المجیب المصیب حیث کفی وشفی جزاہ اللہ تعالی خیر الجزاء

کتبہ اشرف علی ۲ رجب سن ۱۳۲۹ھ

---

(۱) سورۃ الفرقان ، الجزء التاسع عشر ، رقم الآیۃ ۶۷ ، ۷۰
(۲) ھذا جزء من الحدیث الطویل ، رواہ مسلم ، فی کتاب الایمان ، باب کون الا سلام یہدم ما کان قبلہ وکذالحج والہجرۃ ، ص ۱ / ۷۶ ط . قدیمی .
(۳) تفسیر الطبری ، سورۃ الفرقان الجزء التاسع عشر ، رقم الایہ ۷۰ ص ۱۹ / ۳۰ ط . بیروت)
(۴) (وجدنا ھذا ولکن بروایۃ ابن زید) سورۃ الفرقان ، تفسیر الطبری ۱۹ / ۳۰ رقم الا یۃ ۷۰ ط . بیروت)
(۵) سورۃ البقرۃ ، الجزء الثالث ، رقم الآیۃ نمبر ۲۷۵
(۶) تفسیر الطبری ، سورۃ البقرۃ الجزء الثالث ، ص ۳ / ۶۹ رقم الا یۃ ۲۷۵ ط . بیروت
(۷) التفسیر البیضاوی ، سورۃ البقرۃ ، الجزء الثالث ص ۱۷۸ ، رقم الآیۃ ۲۷۵ ، ط . سعید
(۸) التفسیر الکبیر ، سورۃ البقرۃ ، لجزء الثالث ، ۷ / ۱۰۰ رقم الآیۃ ط . مکتب الا علام الا سلامی)
(۹) تفسیر الخازن ، سورۃ البقرۃ ، الجزء الثالث ، ۱ / ۳۰۰ ، رقم الآیہ نمبر ۲۷۵ ط . مصر)
(۱۰) تفسیر المدارک ، سورۃ البقرۃ ، الجزء الثالث ، ۱ / ۱۹۲ ، رقم الآیۃ ۲۷۵ ط . قدیمی)

(نوٹ) حضرت مفتی اعظمؒ کے مذکورہ بالا جواب کے بعد مولانا عبداللہ غازی پوری نے جواب الجواب تحریر فرمایا جو فلسکیپ سائز کے چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ پھر حضرت مفتی اعظمؒ نے اس کا رد تحریر فرمایا جو ساٹھ صفحات پر ہے۔ یہ تحریریں مناظرانہ ہیں اور عربی زبان میں ہیں اگر توفیق ایزدی شامل حال ہوئی تو انشاء اللہ ان کو ایک مستقل کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے گا۔ ناظرین کے لئے اوپر درج شدہ فتویٰ کافی ہے۔ (واصف عفی عنہ)

تم الجزء السابع من کفایت المفتی ویلیہ الجزء الثامن اولہ کتاب البیوع.

فرہنگ اصطلاحات

(الف)

احوط۔ قریب باحتیاط، جواز کی دو برابر کی صورتوں میں سے وہ صورت جو تقویٰ کے قریب تر ہو۔

استخفاف۔ حقیر سمجھنا۔

احتضار۔ نزع کا وقت، موت کے فرشتوں کا قبض روح کے لئے حاضر ہونا۔

اطراء۔ کسی کی تعریف میں حد سے زیادہ مبالغہ کرنا۔

اضطرار۔ ایسے حالات کا پیدا ہو جانا کہ جان کے ہلاک ہو جانے کا یا کسی عضو کے ٹوٹ جانے کا یقین ہو جائے۔

اجماعی مسئلہ۔ وہ عقیدہ یا حکم جس پر صحابہ و ائمہ مجتہدین متفق ہو گئے۔

الہام۔ خدا کے نیک بندوں کے دل میں خدا کی طرف سے جو کوئی بات ڈالی جاتی ہے اسے الہام کہتے ہیں۔ یہ وحی کے بعد کا درجہ ہے ملہم اسم فاعل ملہم اسم مفعول

ادلۂ اربعہ شرعیہ۔ چار شرعی دلیلیں، جن پر احکام شرعیہ کا مدار ہے۔ اول قرآن مجید، دوم حدیث شریف، سوم اجماع امت، چہارم قیاس (اجتہاد)

احناف۔ حنفی کی جمع۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین۔

اتفاقاً۔ متفقہ طور سے، بالاتفاق۔

استدلال۔ دلیل پکڑنا، یعنی کسی مسئلہ مطلوبہ کو ثابت کرنے کے لئے کوئی اصول پیش کرنا۔

احتجاج۔ حجت پکڑنا۔ یعنی کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے ایسی صاف اور واضح دلیل پیش کرنا جو مقابل کی دلیلوں کو کاٹ دے اور اس کو مغلوب کر دے۔

اسرائیلیات۔ زمانہ ما قبل اسلام کے پیغمبروں، امتوں، ملکوں اور سلطنتوں سے تعلق رکھنے والی وہ روایات وحکایات جو اہل کتاب کی مذہبی کتابوں سے منقول ہیں۔
الحاد۔ بے دینی ملحد اس کا اسم فاعل ہے۔
اجل۔ وقت مقرر دیا میعاد۔ واضح ہو کہ لغۃ اجل کے معنی موت کے نہیں ہیں۔ محاورہ میں بطور استعارہ کے موت کے معنی مراد لے لیتے ہیں۔

(ب)

برزخ۔ موت کے بعد قیامت تک کا زمانہ۔

(ت)

تعزیر۔ سزا دینا، کسی جرم کی وہ سزا جو حاکم اسلام اپنی صوابدید اور رائے سے تجویز کرے اور شرعا اس کی کوئی خاص سزا مقرر نہ کی گئی ہو۔
تکفیر۔ کفر کا حکم لگانا
تاویل۔ لفظ مشترک کے چند معانی محتملہ میں سے بقرائن ایک معنی کو ترجیح دینا۔ (اگر وہ ترجیح اصول شرعیہ کے خلاف نہ ہو تو تاویل مقبول ہے ورنہ تاویل باطل)
تاجیل۔ میعاد یا وقت یا مدت مقرر کرنا یا طے کرنا۔
تعبیر۔ کسی مفہوم و معنی کو بیان کرنے کے لئے چند اسالیب بیان میں سے ایک اسلوب بیان کو یا چند مرادف الفاظ میں سے ایک کو اختیار کرنا۔
تحریف۔ الفاظ یا مفہوم میں اصل مقصد کے خلاف اپنی مرضی کے مطابق ادل بدل کر دینا۔
تواتر۔ کسی بات کا اتنے کثیر راویوں کے ذریعہ سے تسلسل کے ساتھ ہم تک پہنچنا جن کے متعلق جھوٹ کا گمان نہ ہو سکے۔ جیسے قرآن مجید کہ ہم تک بطریق تواتر پہنچا ہے۔
تشریع۔ کسی بات کو دین قرار دینا، مذہب قائم کرنا۔
تحدی۔ قوت مضبوطی اور دعوے کے ساتھ کسی بات کو دوسروں کے سامنے پیش کرنا، چیلنج کرنا۔
تلبیس۔ جھوٹ سچ کو ملا دینا، صحیح بات کو مشتبہ کر دینا۔
توجیہ۔ کلام کے محمل کو بیان کرنا اور وجہ و علت کو ظاہر کرنا تاکہ اس کا اغلاق و ابہام دور ہو جائے اور دوسرے کلام سے اس کا تعارض رفع ہو جائے۔
تھیوری۔ (انگریزی) نظریہ۔
تثلیث۔ تین خدا ماننا (عیسائیوں کا عقیدہ)
جماہیر۔ (جمہور کی جمع) مراد اسلام کے علماء اور صائب الرائے لوگ
جاہلیت۔ (عہد جاہلیت) حضرت رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے کا زمانہ۔

(ح)

حربی۔دارالحرب کے غیر مسلم باشندے یارعایا۔
حنفیہ۔(حنفی کی جمع) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین۔
حنبلیہ (حنبلی کی جمع) حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مقلدین۔
حجت۔(برہان) ایسی صاف اور واضح دلیل جو مقابل کی دلیلوں کو کاٹ دے اور اس کو مغلوب کر دے۔
حمد۔اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنا۔
حد۔جرم کی وہ سزا جو دلیل قطعی کی رو سے شرعاً ثابت اور مقرر ہو۔

(خ)

خارق عادت۔کوئی ایسا کام یا واقعہ جو فطرت کے عام دستور و معمول کے خلاف کسی آدمی سے بغیر اسباب و آلات کے ظاہر ہو۔(پیغمبر سے ظاہر ہو تو اس کو معجزہ اور ولی سے ظاہر ہو تو اس کو کرامت اور غیر مسلم سے ظاہر ہو تو اس کو استدراج کہتے ہیں لیکن ان تینوں میں اور بھی بہت سے باریک فرق ہیں)

(د)

دارالاسلام۔وہ ملک جس میں مسلمانوں کی خود مختار حکومت ہو اور اسلامی احکام و قوانین جاری کرنے پر قادر ہو۔
دارالحرب۔وہ ملک جس میں اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو۔
دیانۃ۔وہ معاملہ جو بندے اور خدا کے درمیان ہو۔
دلیل۔کوئی اصول جس سے مسائل ثابت کئے جائیں۔
دلیل قطعی۔وہ دلیل جو صاف و صریح اور واضح طور پر کتاب و سنت میں موجود ہو اس میں توجیہ و تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

(ڈ)

ڈارون تھیوری۔ڈارون کا نظریہ (ڈارون یورپ کا ایک فلاسفر تھا۔اس نے اسلامی عقیدے کے خلاف یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ انسان کی آفرینش حضرت آدم علیہ السلام کی صورت میں نہیں ہوئی ہے بلکہ پہلے ایک کیڑا تھا۔پھر اس نے گرگٹ وغیرہ کی شکل اختیار کی پھر تدریجاً بہت سی مختلف صورتیں اختیار کرتا ہوا بندر کی صورت میں آیا اور بندر سے ترقی کر کے انسان بنا)

(ر)

ربوٰ۔ربا۔سود،بیاج۔
ردۃ۔ارتداد،مرتد ہونا،اسلام سے پھر جانا۔

(ز)

زجراً۔تنبیہاً،اظہار نفرت کے طور پر۔

زندیق۔ جو شخص آخرت کو نہ مانے اور خالق کے وجود کا قائل نہ ہو۔ زنادقہ جمع۔
زندقہ۔ آخرت کو نہ ماننا اور خالق کے وجود سے انکار کرنا۔
زمانہ جاہلیت۔ عہد جاہلیت۔ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا زمانہ۔
سیر۔ (سیرۃ کی جمع) سیرۃ کے معنی کسی شخص کی سوانح عمری مگر اصطلاحاً رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی مراد لیے جاتے ہیں۔ سیر کے دوسرے معنی مغازی۔
سنت۔ حدیث شریف یعنی رسول اللہ ﷺ نے دین کی حیثیت سے جو کام کئے یا کرنے کا حکم دیا۔ (آپ کا طریقہ اور نمونہ عمل)
سماع موتی۔ مردوں کا سننا۔ (یعنی یہ مسئلہ کہ آیا قبروں میں مردے باہر کی آواز سنتے ہیں یا نہیں؟)
سیاست۔ کسی جرم کی سزا جو حاکم انتظاماً اپنی رائے سے جاری کرے۔

(ش)

شہود۔ (شاہد کی جمع) گواہ۔
شہادتین۔ دو شہادتیں جو کلمہ شہادت میں ہیں۔ اللہ کی وحدانیت کی شہادت اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی شہادت۔
شان نزول۔ جن حالات کی وجہ سے یا جن اسباب کی بنا پر کوئی آیت نازل ہو۔ (سبب نزول یا موقع نزول)
شوافع۔ (شافعی کی جمع) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلدین۔

(ص)

صراحتہ۔ صاف، واضح، غیر مشتبہ طور پر۔

(ع)

عقود ربویہ۔ سودی معاملات۔

(غ)

غالی۔ کٹر، متشدد۔
غلو۔ کٹرپن، شدت۔
غیر موجہ۔ وہ کلام جس میں توجیہ نہ کی گئی ہو۔
غنی۔ وہ شخص جو قربانی کا نصاب رکھتا ہو۔

(ف)

فروعی مسائل۔ جزوی مسائل، ایسے مسائل جو بطریق اجتہاد اخذ کئے گئے ہوں۔
فقیر۔ وہ شخص جو قربانی کا نصاب بھی نہ رکھتا ہو۔

(ق)

قاضی۔ وہ با اختیار مسلم جج جو سلطان اسلام کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو اور شریعت کے مطابق فیصلے کرے۔

قضا۔ وہ حکم یا فیصلہ جو قاضی کی عدالت سے جاری ہو۔ واضح ہو کہ قضا کے معنی موت کے نہیں ہیں۔ اردو محاورہ میں بطور استعارہ کے مراد لیتے ہیں۔

قرون ثلٰثہ مشہود لہا بالخیر یا۔ قرون اولیٰ مشہود لہا بالخیر۔ وہ تین زمانے جس کے افضل و اعلیٰ اور باخیر ہونے کی شہادت مخبر صادق (ﷺ) نے دی۔ آپ نے فرمایا۔ **خیر القرون قرنی ثم الذین یلو نہم ثم الذین یلو نہم** ۔ یعنی بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا زمانہ جو میرے زمانے کے لوگوں کے بعد آئیں گے پھر ان کا زمانہ جو ان کے بعد آئیں گے۔

(م)

محارب۔ دار الحرب کے غیر مسلم باشندے جو برسر جنگ ہوں۔

معتوہ۔ ناقص العقل یعنی پاگل یا دیوانہ۔

مقاطعہ۔ قطع تعلق یا بائیکاٹ۔

مجز بکفر۔ کفر تک پہنچانے والا۔ یعنی کوئی ناجائز کام جو کفر کے قریب ہو۔

مجتہد فیہ۔ وہ مسئلہ جس کا حکم قرآن و حدیث میں صاف اور واضح طور پر موجود نہ ہو اور بطریق اجتہاد اخذ کیا گیا ہو۔

متفق علیہ۔ وہ مسئلہ جس میں ائمہ مجتہدین کا اتفاق رائے ہو۔

محتضر۔ وہ شخص جو نزع کی حالت میں ہو۔

مخبر صادق۔ سچی خبر دینے والا۔ یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ۔

معمول۔ ایسا کام جو اوپر سے ہوتا چلا آتا ہو۔

مندوب۔ مستحب۔

مختلف فیہ۔ وہ مسئلہ جس میں مختلف رائیں ہوں۔ ضد متفق علیہ۔

مُحدَثْ۔ نئی ایجاد کردہ چیز۔ اس کا مصدر احداث اور اسم فاعل محدث ہے۔

مُحدِّثْ۔ حدیث شریف کا جید عالم۔

مالکیہ۔ مالکی کی جمع۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے مقلدین۔

مُلْہَمْ۔ وہ شخص جس کو الہام ہو۔ اس کا مصدر الہام اور اسم فاعل ملہم ہے۔

ملائکہ سیاحین۔ وہ فرشتے جو اللہ کی طرف سے اس خدمت پر مقرر ہیں کہ دنیا میں چلتے پھرتے رہیں اور جہاں کہیں لوگ عبادت اور وعظ و تذکیر و تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں وہ فرشتے اللہ تعالیٰ

کی بارگاہ میں ان کی گواہی دیں۔ درود و سلام رسول اللہ ﷺ تک وہی ملائکہ سیاحین پہنچاتے ہیں۔
مَنْقَبَتْ۔ صحابہ واہل بیت رضوان اللہ علیہم کے اوصاف، اور کارنامے۔
مُلْحِدْ۔ بے دین وہ شخص جو کسی دین کا قائل نہ ہو۔
مُتَخَلِّفْ۔ وعدہ خلافی کرنے والا۔ اس کا مصدر تخلف ہے۔
مُنْکَرْ۔ وہ چیزیں یا وہ کام جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔
مُنْکِرْ۔ انکار کرنے والا۔ انکار کا اسم فاعل۔
مُضْطَرْ۔ وہ شخص جو حالت اضطرار میں ہو۔ (دیکھو اضطرار)
متواتر۔ بطریق تواتر پہنچنے والی چیز۔ (دیکھو تواتر)
مُباشرۃ۔ عملدرآمد کرنا، عمل میں لانا، بوس وکنار کرنا۔ اردو کے محاورہ میں مباشرت کے معنی جماع اور وطی کرنا ہیں، لیکن فقہ میں جماع اور وطی کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔
مُعْسِر۔ وہ شخص جو صاحب نصاب نہ ہو۔
مُوْسِرْ۔ وہ شخص جو صاحب نصاب ہو۔

(ن)

نص۔ حلت وحرمت کا وہ واضح اور صاف حکم جو کتاب وسنت سے ثابت ہو۔ اس میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔

نظم قرآن۔ مراد قرآن شریف کی عبارت۔
نعت۔ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان کرنا۔ (خاص کر اشعار میں)

(و)

واجب الہدم۔ ڈھادینے کے لائق۔ جس کا ختم کردینا ضروری ہو۔
وظیفہ۔ فرض۔ ڈیوٹی۔

کتاب البیوع

پہلا باب
بیع باطل اور بیع فاسد

چوری کے مال کو خریدنا اور اس پر حاصل شدہ نفع کا حکم

(سوال) ایک تاجر چرم سولہ ہزار بکری کے چمڑے کو ایک یورپین تاجر کے ہاتھ فروخت کر چکا تھا اثنائے تجارت میں اس کے لڑکے نے اس میں سے چرا کر چمڑا فروخت کر ڈالا اور مشتری کو بھی علم ہے کہ لڑکا باپ کے فروخت کردہ چمڑے کو چرا کر فروخت کر رہا ہے اس مشتری کا باوجود چوری کے علم کے یہ معاملہ شراء شرعاً درست ہوگا یا نہیں ؟ نیز لڑکے کا باپ کے مال کو چورا کر فروخت کر ڈالنا شرعاً درست ہے یا نہیں ؟ نیز اس چوری کے مال کو جس شخص نے خرید کیا ہے وہ حاجی نمازی مؤدی زکوٰۃ ہے اس چوری کے مال کو خرید کرنے سے اس کی دینداری اور نیکی میں کوئی نقصان لازم آنے کا یا نہیں ؟ اور اس معاملہ شراء سے وہ گناہ گار ہوگا یا نہیں ؟ نیز اس مال مسروقہ کے نفع اور اصل مشتری کے مال حلال میں اگر مخلوط ہو جائے تو اس کے حلال مال میں کوئی شرعی قباحت لازم ہوگی یا نہیں اگر لازم ہو تو اس سے مال حلال کو کس طرح پاک کیا جائے ؟

المستفتی نمبر ۸۶۱ حاجی مولا بخش ڈھاکہ ۲۲ محرم ۱۳۵۵ھ ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱) لڑکے کا یہ فعل حرام ہے اور اگر مشتری کو یہ علم تھا تو اس کو خریدنا بھی حرام تھا اور بیع و شراء دونوں ناجائز واقع ہوئیں[1] اور مشتری کی صلاحیت اس فعل سے خراب ہوگئی اور اس مال کا نفع بھی اس کے لئے حلال نہیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مبیع کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا

(سوال) سونا چاندی یا دیگر اشیاء کو اس طرح خریدیں کہ اس کا نرخ طے کر کے تھوڑا روپیہ بطور بیعانہ کے دیکر کچھ مدت مقرر کرلیں کہ اس مدت کے بعد ہم باقی کا روپیہ دیکر مال لے لیں گے لیکن مدت ختم ہونے سے پیشتر ہم نے اس مال کو دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا اس مال کے اندر جو کچھ نفع ہوا وہ مالک مذکور سے لے لیا یا جو کچھ نقصان ہوا وہ ہم نے مالک مذکور کو دیدیا اس طریقہ سے تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی حاجی محمد داؤد صاحب تاجر (بلیماران دہلی)

---

(۱) وبطل بیع مالیس فی ملکہ ... و حکمه عدم ملك المشتری (الدر المختار مع الرد' باب بیع الفاسد ۵/ ۵۸ ' ۵۹ ط سعید)

(۲) وفی الدر : الحرمة تتعدد مع العلم بها الا فی حق الوارث وفی الشامیة' وان لم یرده یکره للمسلمین شراءه لانه ملك حصل له بسبب حرام شرعا (ردالمحتار مع الدر باب بیع الفاسد ۵/ ۹۸ ط سعید

(جواب ۲) بیع و شراء کا یہ طریقہ ناجائز اور حرام ہے یہ سٹہ ہے جو قمار میں داخل ہے اور قمار حرام ہے۔[1]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

پھل ظاہر ہونے سے پہلے کی گئی بیع باطل اور پھل پورا ہونے سے پہلے فاسد ہے ٗ اور ان سے بچنے کیلئے متبادل صورت

(سوال) فصل انبہ کی بہار فروخت کرنے کی ملک ہندوستان میں چند صورتیں ہو سکتی ہیں اول صرف پھول کے نکلتے ہی بہار کی بیع کی جائے ثانی پھل نکل آئے ہیں لیکن بڑے نہیں ہوئے یعنی اس میں گٹھلی نہیں پڑی ان کی اس شرط پر بیع و شراء کی کہ بائع پھلوں کو درخت پر رہنے دے ثالث پھل بڑے ہو چکے ہیں لیکن پختگی نہیں آئی اس شرط پر عقد واقع ہوا کہ بائع پھلوں کو درخت پر رہنے دے رابع پھل بڑے ہونے کے بعد مطلق عقد واقع ہوا کوئی شرط صلب عقد میں نہیں کی نہ قطع کی نہ ترک کی بعدہ مشتری نے باجازت بائع پھلوں کو درخت پر رہنے دیا حالانکہ عرف اور عموم بلوی بھی ہے کہ پھلوں کو تااختتام فصل نہیں کاٹتے اور بائع بھی اصرار قطع پر نہیں کرتا۔

اگر کوئی شخص چاہے کہ ایسی صورت اختیار کرے جس میں کوئی شرعی نقص نہ ہو تو کس صورت پر عمل کرے تاکہ اس کے عقد میں کوئی حرمت یا فساد لازم نہ آئے اور فصل بھی اس کے لئے حلال ہو۔ المستفتی نمبر ۴۷۲۳ بابو فضل الرحمن صاحب بلند شہر ۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۷ اجولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۳) پہلی صورت تو بیع باطل کی ہے[2] اور دوسری صورت اور تیسری صورت بیع فاسد کی ہے[3] اور چوتھی صورت صورۃً جائز ہے اور معنیً بحکم عرف وہ بھی فاسد ہے لیکن یہی چوتھی صورت اقرب الی الجواز ہے[4] اور بالکل جائز ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس معاملہ کو زمین کے اجارہ کے طور پر کیا جائے یعنی مثلاً پھلوں کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے تو آٹھ سو روپے پھلوں کی قیمت قرار دیں اور دو سو روپے میں زمین کو اجارہ پر دیدیں مدت اجارہ وہ معین کی جائے جو پھلوں کی آخری مدت ہو تو اس صورت میں پھلوں کا درختوں پر

---

(۱) قال الله تبارك و تعالیٰ : يا ايها الذين أمنو انما الخمر والميسر والا نصاب والا زلام رجس من عمل الشيطان الخ(سورة مائدة' پ ۷ اية ۷)

(۲) فی الدر المختار' و بطل بيع مالیس فی ملكه لبطلان بيع المعدوم' و ماله خطر العدم' و فی الشامية (قوله خطر العدم) كالحمل واللبن فی الضرع (وفی حاشية ابن عابدين) ای وكذا التمر والزرع قبل الظهور الخ (الدر المختار مع الرد باب بيع الفاسد ۵/ ۵۹ ط سعيد)

(۳) فی الدر المختار' ومن باع ثمرة بارزة ظهر صلاحها اولا صح ولو برز بعضها دون بعض لا فی ظاهر المذهب و يقطعها المشتری فی الحال وان شرط تركها علی الاشجار فسد الخ (الدر المختار' مع الرد كتاب البيوع مطلب فی بيع الثمر والشجر ۴/ ۵۵۴ ط سعيد)

(۴) فی العالمگيرية' ولو اشتراها مطلقا وتركها باذن البائع طاب له الفضل (عالمگيرية ' كتاب البيوع ۳/ ۱۰۶ ط كوئٹه)

رہنا جائز ہو جائے گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

دوسرا باب
زمین و مکان کی خرید و فروخت

اپنی زمین پر تعمیر کی خاطر پڑوسی کو بلاوجہ رقم دینا صحیح نہیں

(سوال) ایک شخص نے ایک زمین خریدی 'پڑوس میں ایک مکان ہے جس کی دیوار میں کھڑکیاں ہیں کھڑکیاں کھلے رہتے ہوئے بیس سال کا عرصہ ہوا جس نے زمین خریدی ہے وہ مکان بنانا چاہتا ہے پڑوسی کہتا ہے کہ تم ہماری کھڑکیاں بند نہیں کر سکتے کیونکہ سرکاری قاعدہ کے موافق کوئی حق بند کرنے کا تمہیں نہیں ہے اگر بند کرنا چاہتے ہو تو ہم کو اس قدر روپیہ دو چنانچہ وہ شخص جس نے زمین خریدی ہے آپس میں طے شدہ روپیہ دیتا ہے اور کچھ لکھاپڑھی ہوتی ہے پھر صاحب زمین مکان بنا سکتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ روپیہ کس چیز کی قیمت یا بدلہ ہے اور پڑوسی کو لینا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ٤) یہ معاملہ ناجائز ہے جس نے زمین خریدی ہے اسے اپنی زمین اور ملک پر مکان بنانے کا حق حاصل ہے اور پڑوسی کا روکنا ظلم ہے اور اس کے عوض میں روپیہ لینا باطل ہے۔ رجل له باب او كوة فخاصمه جاره فصالحه على دراهم معلومة يدفعها الى الجار ليترك الكوة ولا يسدها كان ذلك باطلا وكذا لو كان الصلح بينهما على ان ياخذ صاحب الكوة دراهم معلومة ليسد الكوة والباب كان باطلا كذافي الظهيرية (فتاویٰ عالمگیری)[2] کوہ' روشندان' کھڑکی دریچہ کو کہتے ہیں۔
واللہ اعلم' محمد کفایت اللہ غفرلہ 'سنہری مسجد' دہلی

دوسرے کے لئے کوئی چیز خرید کر اسپر اپنا دعویٰ کرنا

(سوال) ایک جائیداد زید و عمر کے نام خالد خرید تا ہے بعد مدت کے خالد مدعی لنفسہ بنتا ہے ثبوت یہ پیش کرتا ہے کہ میرے بہی کھاتے میں اس کا اندراج میری ملکیت میں واقع ہے قبل اس کے جائیداد کا اکثر حصہ مملوکہ و مقبوضہ زید اور عمرو کا ہے جس کو خالد تسلیم کرتا ہے بقیہ حصہ جو متنازعہ فیہ ہے اس کا ممر اور طریق بھی حصہ مسلمہ میں واقع ہے عمرو بقید حیات ہے لیکن زید انتقال کر چکا ہے زید کی زندگی میں خالد نے کوئی نزاع نہیں

---

(١) فی الدرالمختار' و الحيلة ان ياخذ الشجرة معاملة على ان له جزءً من الف جزء و يستاجر الارض مدة معلومة يعلم فيها الادراك باقي الثمن و في الاشجار الموجود و يحل له البائع مايوجد (الدر المختار مع الرد مطلب فساد المتضمن يوجب فساد المتضمن ٤/ ٥٥٧ ط سعيد)
(٢) (عالمگیریة' كتاب الصلح' الباب العاشر فى الصلح وما يتعلق به ٤/ ٢٥٧' ط ماجديه كوئنه)

گیا اور نہ اپنی ملکیت کا اظہار کیا بعد انتقال اس کی اولاد صغار باقی ہے خالد بکر ایہ ان کے مکان میں سکونت رکھتی تھا اور اب اس پر قابض ہو گیا خالد کا یہ دعویٰ شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۳۴۷** شیخ عطاء الرحمن ادھوڑی صدر بازار دہلی ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۲۴ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۵) جب کہ جائیداد کا قبالہ[1] زید و عمر کے نام ہے اور خود ہی خالد نے ان کے نام جائیداد خریدی ہے اور وہی اس کارکن اور منتظم تھا اور زید کی زندگی میں کبھی خالد نے اس جائیداد کو اپنی ملک نہیں بتایا اور نہ اس طویل عرصہ میں اس نے اپنی ملکیت ثابت کرنے کی کوئی کارروائی کی تو اب اس کا یہ دعویٰ ناقابل سماعت ہے[2] اور بہی کھاتے کا اندراج اس بارے میں حجت نہیں کہ اس کے مقابلے میں صاف و صریح قبالہ زید و عمر کے نام کا موجود ہے جو خود خالد کا کرایا ہوا ہے[3] نیز بہی کھاتہ اپنے فائدہ کے لئے حجت نہیں۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیع میں دھوکہ کا ازالہ

(سوال) زید نے جو شرع محمدی کا پابند مسلمان ہے بکر مسلمان کے ہاتھ ایک قطعہ اراضی سکنی برائے تعمیر مکان فروخت کی اور بکر مذکور کو قبالہ بیع نامہ میں تحریر کر دیا کہ غرب پلاٹ ہذا کی طرف دیوار سراسر اٹھا کر لے جانے کا حق ہوگا اور خریدار قطعہ دیگر کو جو بالکل قطعہ مذکور کے متصل ہے اور جس کی دو عدد کھڑکیاں اور دو عدد روشن دان بطرف پلاٹ بکر کھلتی تھیں تیغہ[5] کرا دیں اور بند کرا دیں اور قبالہ میں بھی تحریر کر دی کہ خریدار کو دیوار سراسر اٹھا کر لے جانے کا حق ہے اور خریدار متصل مکان کو روکنے کا مجاز نہ ہوگا جس کا قبالہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء کو ہوا لیکن ۱۷ مارچ ۱۹۳۶ء کو متصل مکان کے خریدار کو جس کا بکر کو کچھ علم نہیں تھا قبالہ میں لکھ دیا کہ دو عدد روشن دان اور دو عدد کھڑکیاں ہیں جن کی پیمائش وغیرہ بھی لکھ دی اور بعد میں خریدار نے تیغہ بھی کھلوا دیا جس سے بکر کی تعمیر مکمل نہ ہو سکی اور بعض ضروریات مثل باورچی خانہ و غسل خانہ و حجرہ باوزینہ وغیرہ کی تکمیل نہ ہونے کی وجہ سے سخت نقصان بکر کو ہو رہا ہے اور حکم امتناعی دیوانی ہوا ہے اور دیوانی مقدمہ چل رہا ہے **المستفتی نمبر ۲۰۹۴** محمد عالمگیر خاں صاحب کشمیری گیٹ دہلی ۴ شوال ۱۳۵۶ھ ۸ دسمبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۶) زید کا یہ فعل کہ اس نے بکر کو یہ لکھ دیا کہ سراسر دیوار لے جانے کا حق ہے اور پاس والے خریدار کو یہ لکھ دیا کہ اس کی کھڑکیاں اور روشن دان قائم ہیں معاملہ کے خلاف اور ایک قسم کی تلبیس ہے اور اس سے

---

(۱) قبالہ: بیع نامہ، وہ کاغذ جس سے کسی چیز پر ملکیت ظاہر ہو۔ (فیروز اللغات ص ۹۴۷)

(۲) واما شروط صحة الدعوى عدم التناقض في الدعوى الا في النسب والحرية وهو ان لا يسبق منه ما يناقض دعواه (عالمگيرية كتاب الدعوى ٤ / ٢ ط ماجديه كوئٹه)

(۳) لان الصريح يفوق الدلالة اعني العرف (رد المحتار مع الدر كتاب النكاح باب المهر ۳ / ۱٤٢)

(٤) ذكر في الخانية والاسعاف ادعى على رجل في يده ضيعة انها وقف واحضر صكا فيه خطوط الدول والقاضيين وطلب القاضي القضاء بذلك الصك قالوا ليس للقاضي ذالك الى قوله لان الخط تشبه الخط (رد المحتار مع الدر كتاب الوقف مطلب احضر صكا فيه خطوط العدول ٤ / ٤١٣ ط سعيد)

(۵) تیغہ: ... (فیروز اللغات)

بکر کو جو نقصان پہنچا اس کی من وجہ ذمہ داری زید پر عائد ہوتی ہے اور اس کا فرض ہے کہ اپنے قول کے موافق بکر کی دیوار کو پوری اونچائی تک پہنچانے کی ذمہ داری خود قبول کرے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

تیسرا باب
حق شفعہ

(۱) مسجد کی زمین پر شفعہ کا دعویٰ
(۲) مسجد کے لئے خریدی گئی زمین پر شفعہ کے دعوے کا حکم

(سوال) (۱) ایک شخص نے سفید زمین متصل مسجد و حجرہ مسجد کو بیع کر کے دی تھی رقم بعض حضرات نے جو متولیان مسجد ہیں دیکر خرید کی ہے اب بعض شفعہ داران نے شفعہ کا تقاضا کیا ہے چونکہ تحریر اسٹامپ میں دونیم قطعی حق مسجد لکھ دی گئی ہے اور وہ سفید زمین مسجد کی بیع کے ماتحت وقف میں داخل کر دی گئی ہے کیا بصورت مذکورہ شفعہ دار شفعہ کر سکتا ہے؟
(۲) ایک مکان جس پر مسجد کا شفعہ تھا اور متولیان مسجد اس مکان کو مسجد کے لئے لینا چاہتے تھے مگر ایک شخص نے وہ مکان خرید کیا بعد خرید کرنے کے مسجد کا شفعہ کیا گیا جس پر اس شخص نے کہا کہ میں کچھ حصہ اس مکان کا مسجد کو دیدوں گا اس وعدہ پر متولیان مسجد خاموش ہو گئے اور بعض متولیان ناراض ہو گئے مگر بعد میں اس شخص وعدہ کنندہ نے مسجد کو کوئی حصہ نہ دیا اس حالت میں اس مکان پر مسجد کے متولیان دعوائے شفعہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ عرصہ قریباً پانچ سال گزر چکا ہے۔ المستفتی نمبر ۸۰۳ شیخ عبدالرشید (ملتان) ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ ۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء

(جواب ۷) (۱) اس صورت میں شفیع اس زمین کو حق شفعہ لے سکتا ہے۔[1]
(۲) مسجد کے لئے حق شفعہ نہیں ہوتا۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

حق شفعہ بیع مکمل ہونے کے بعد ثابت ہوتا ہے

(اخبار الجمعیۃ سہ روزہ مورخہ ۸ نومبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) زید نے اپنے مملوکہ مکان کو آٹھ سو روپے میں بکر مشتری کے ہاتھ فروخت کرنا طے کر کے خالد شفیع کو ایک تحریر مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۵ء کو دی کہ میں بکر مشتری کو بقیمت مذکورہ اپنا مکان فروخت کر رہا

---

(۱) في الدر : و سببها اتصال ملك الشفيع بالمشترى بشركة او جوار (الدر مع الرد ۶ / ۲۱۷ ط س)
(۲) في الدر : ولا شفعة في الوقف ولا بجواره في الشامية : مالا يجوز بيعه من العقار كالاوقاف لا شفعة في شيء من ذالك (الدر المختار مع الرد كتاب الشفعة ۶ / ۲۲۳)

ہوں۔ چونکہ آپ شفیع ہیں اس لئے آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ بوجہ حق شفعہ اگر آپ مکان مذکور بقیمت طے شدہ متذکرہ لینا چاہیں تو مجھے جلد اطلاع دیں ورنہ ۲۹ ستمبر سنہ مذکورہ کو میں بیع نامہ کی تکمیل عدالت سے کرادوں گا" اور یہ تحریر خود بائع نے شفیع کو دی تاریخ مقررہ یعنی ۲۹ ستمبر تک کوئی اطلاع شفیع نے تحریری دی نہ زبانی۔ ۲۹ ستمبر کو بیع یعنی ایجاب و قبول مکمل ہوچکا مگر رجسٹری کی تکمیل نہ ہوئی۔ پھر شفیع نے بائع سے ۵ اکتوبر کو مل کر کہا کہ میرے ساتھ بوجہ حق ملاقات و ہمسائیگی میرے اور میرے والد مرحوم کے کچھ قیمت میں کمی کردیجئے بائع نے کہا کہ خیر صحیح نقصان کو آپ کی خاطر برداشت کرتا ہوں معاملہ میں آپ سے نام نہاد مشتری کو راضی کر کے رجسٹری کرادوں گا لیکن آج چار بجے تک آپ اس کا جواب دیں ورنہ کل رجسٹری اس کے نام کرادوں گا ۶ اکتوبر کو تعطیل تھی ۷ اکتوبر کو عدالت سے رجسٹری کرادی گئی اور منجانب خالد کے کوئی تحریر جواب یا زبانی بائع یا مشتری کو نہ ملا اب سوال یہ ہے کہ شفیع کا حق شفعہ باطل ہوا یا نہیں اور اگر شفیع ۸ اکتوبر کو ۸ بجے صبح طلب مواثبت و اشہاد کرے تو وہ قابل اعتبار ہے یا نہیں؟ جو بقدر علم بیع کیا گیا ہو نہ باتحاد مجلس؟

(جواب ۸) حق شفعہ کا ثبوت و لزوم مدار مشفوعہ کی بیع سے ہوتا ہے[1] قبل بیع اگر شفیع خاموش رہے یا انکار بھی کردے تاہم وقوع بیع کے وقت اس کو مطالبہ حق شفعہ کا اختیار ہوتا ہے[2] اس لئے ۲۹ ستمبر سے پہلے کی تمام کارروائی یعنی بائع کا خالد شفیع کو تحریری اطلاع ارادہ بیع کی دینا اور خالد کا سکوت کرنا کالعدم ہے[3] ۲۹ ستمبر کو معاملہ بیع مکمل ہوچکا مگر خالد کو اس کی خبر ہونا سوال میں مذکور نہیں ۵ اکتوبر کو جو گفتگو زید بائع اور خالد شفیع کی مذکور ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خالد کو ابھی تک بیع ہوچکنے کا علم نہ تھا اس لئے وہ زید سے بواسطہ حق ہمسائیگی تخفیف ثمن کی درخواست کرتا ہے اور زید کے کلام میں بھی کوئی ایسے لفظ نہیں جن سے ثابت ہوتا ہو کہ اس نے بیع ہوچکنے کی اسکو خبر کی ہو بلکہ اس نے یہ کہا کہ ہاں میں پچاس روپے کم کر کے بکر کو راضی کر کے (چونکہ میں اس سے وعدہ کرچکا ہوں اس لئے اس کو راضی کرنے کی ضرورت ہے) تمہارے نام لکھ میں رجسٹری کرادوں گا۔ اس سے خالد یہ سمجھا ہوگا کہ بیع ابھی تک واقع نہیں ہوئی پھر ۸ اکتوبر تک جو اس نے جواب نہیں دیا اس سے حق شفعہ ثابت ہونے میں نقصان نہیں آتا ممکن ہے کہ اس کو ۸ اکتوبر کو ہی اطلاع ہوئی ہو کہ معاملہ بیع مکمل ہوگیا اور اس نے بفور علم طلب مواثبت کی ہو بہر حال اگر شفیع کو بیع واقع ہوچکنے کی اطلاع ہوئی ہو اور اس نے طلب مواثبت و طلب اشہاد نہ کی ہو تو حق شفعہ باطل ہوگیا[4] واقعات مذکورہ سوال سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا اور ارادہ بیع کی اطلاع ہونے اور شفعہ طلب نہ کرنے سے حق

---

(۱) تجب بعد البیع ولو فاسداً انقطع فیہ حق المالک کما یاتی (الدر المختار مع الرد کتاب الشفعۃ ۶ / ۲۱۹ ط س)

(۲ - ۳) اسقط الشفیع قبل الشفعۃ الشراء ولم یصح لفقد شرطہ وھو البیع وان وجد السبب وھو اتصال ملک الشفیع بالمشتری لانہ لا یکون سببا الا عند وجود الشرط (رد المحتار مع الدر کتاب الشفعۃ ۶ / ۲۴ ط سعید)

(۴) وھذا الطلب لا بد منہ حتی لو تمکن ولو بکتاب او رسول و لم یشھد بطلت شفعتہ (الدر المختار مع الرد کتاب الشفعۃ ۶ / ۲۲۶ ط سعید)

شفعہ ساقط نہیں ہوتا[۱] واللہ اعلم 'محمد کفایت اللہ غفرلہ 'مدرسہ امینیہ 'دہلی

(۱) مسجد کی زمین پر شفعہ کا دعویٰ
(۲) مسجد کے لئے شفعہ کے دعوے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ یکم اپریل ۱۹۳۶ء)

(سوال) (۱) متولیان مسجد نے مسجد سے متصل ایک زمین مسجد کے واسطے خریدی ہے۔اب ایک شفعہ دار نے شفعہ کا تقاضا کیا ہے۔چونکہ اسٹامپ کاغذ میں وہ بیع قطعی حق مسجد لکھ دی گئی ہے اور بعد خریداری وقف میں داخل ہو گئی ہے ایسی صورت میں کیا شفعہ دار اس زمین کو لے سکتا ہے ؟

(۲) ایک مکان مسجد کے متصل تھا مسجد والے اس کو خریدنا چاہتے تھے مگر ایک شخص نے اس کو خرید لیا اور وعدہ کیا کہ میں کچھ حصہ اس میں سے مسجد کو دیدوں گا پھر وہ وعدہ سے پھر گیا کیا اہل مسجد اس کو شفعہ میں لے سکتے ہیں ؟

(جواب ۹) (۱) اس صورت میں شفیع اس زمین کو حق شفعہ لے سکتا ہے[۲]

(۲) مسجد کے لئے حق شفعہ نہیں ہوتا۔[۳] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) وبتاخیرہ مطلقا بعذر او بغیرہ شہرا او اکثر لا تبطل الشفعة حتی یسقطھا بلسانہ (ایضاً ۶/ ۲۲۶)

(۲) وسببھا اتصال ملک الشفیع بالمشتری بشرکة او جوار (الدر المختار مع الرد کتاب الشفعة ۶/ ۲۱۷ ط س)

(۳) و لاشفعة فی الوقف ولا بجوارہ (الدر المختار مع الرد کتاب الشفعة ۶/ ۲۲۳) واضح رہے کہ یہی سوال وجواب بعینہ پہلے گزر چکے ہیں۔

چوتھا باب
نباتات کی خرید و فروخت

کلیاں نکلنے سے پہلے پھولوں کی خرید و فروخت

(سوال) باغ متعلقہ مسجد میں مختلف پھولوں کے پودے ہیں جن کو ہمیشہ پھولوں کی فصل میں مالی خرید لیا کرتے تھے جن سے مسجد میں سالانہ چھ سات روپے کی آمدنی ہو جاتی تھی لیکن جب سے یہ مسئلہ نظر سے گزرا کہ شئی معدوم کی بیع ناجائز ہے اس وقت سے یہ کیا جانے لگا کہ پھول آنے پر توڑ کر روزانہ فروخت ہونے لگے اس صورت میں فقط ایک دو روپے کی آمدنی ہوتی ہے اس میں مسجد کا نقصان ہے اگر ابتدائے فصل میں جب کہ پھولوں کی فصل شروع ہو تو پوری فصل کے لئے پھولوں کی بیع شرعاً ہو سکتی ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۶ محمد عبدالمجید خاں (میرٹھ) ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ مطابق یکم اگست ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۰) پھولوں کی بیع تو فصل شروع ہونے کے بعد بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ ایک دم کلیاں ظاہر نہیں ہوتیں بلکہ رفتہ رفتہ آتی ہیں تو بہر حال بیع معدوم لازم آئے گی[1] ہاں اس باغ کی زمین واجارہ پر دیا جا سکتا ہے اور اس سلسلے میں پودوں سے انتفاع کی اجازت ہو سکتی ہے اور مالی روزانہ پھول توڑ کر فروخت کر سکتا ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

کھڑے درختوں کی لکڑیاں بیچنا

(سوال) زید نے عمرو سے بوجہ بیوپاری چپ لکڑی سوختنی کے اپنے جنگل سے اس شرط پر فروخت کی کہ جو قدرتی لکڑی شیشم وغیرہ کی ہے اس کو [illegible] ڈھاک وغیرہ [illegible] صورت حال یہ ہے کہ جو ڈھاک کے دوسری لکڑی [illegible] کی روئی وغیرہ پختہ شمار کی جاتی ہے اور ڈھاک کی لکڑی کم درجہ کی شمار ہوتی ہے ڈھاک کی لکڑی شامل کرنے سے قیمت کم ہوتی ہے اور علاوہ ڈھاک کے دوسری قسم کی پختہ لکڑی کی قیمت اور ہوتی ہے اب عمرو نے زید سے خصوصی تعلقات کی بناء پر یہ چاہا کہ چونکہ میں کاروبار کروں گا ممکن ہے کہ ڈھاک کی قیمت اچھی نہ ملے اس لئے مجھ کو ڈھاک کی لکڑی سے مستثنیٰ کیا جائے اور مجھ کو اختیار دیا جائے کہ میں ڈھاک کی لکڑی چھوڑ دوں اور دوسری پختہ لکڑی کاٹ لوں۔ زید نے یہ سمجھ کر کہ اس [illegible]

(۱) و بیع ما لیس فی ملکہ لبطلان بیع المعدوم و ما لہ خطر العدم (الدر المختار مع الرد کتاب البیوع باب بیع الفاسد ۵/۵۸ ط۔ سعید)

(۲) فالمشتری اما ان یکون مما یوجد منہ شیئا فشیئا فقد و جد بعضہ او لم یوجد منہ شئی [illegible] یشتری الاصول [illegible] و یستاجر الارض مدۃ معلومۃ [illegible] فی النسی [illegible] البائع بالقطع فی خروج الباقی او فعل الادراک [illegible] (رد المحتار مع الدر باب بیع الفاسد ۴/۵۵۷ ط سعید)

(۳) [illegible] فیروز اللغات

نقصان رہا ہے اس شرط پر اجازت دیدی کہ وہ خود کاروبار کریں اب عمرو نے اپنی ضرورت سے کچھ منافع لے کر وہ پچاس پٹے فروخت کردیئے اور وہی رعایت جو زید نے عمرو کے ساتھ کردی تھی وہ ان کے ساتھ بھی کرانا چاہتے ہیں زید کہتا ہے کہ یہ رعایت مخصوص آپ کے ساتھ بشرط کاروبار تھی۔ جب آپ نے کاروبار نہیں کیا تو دوسرا شخص جس کے ہاتھ آپ نے فروخت کئے ہیں اس رعایت کا مستحق نہیں ہے۔ عمرو یہ کہتا ہے کہ جب آپ نے مجھ کو یہ اجازت دیدی تھی خواہ آپ کی نیت کچھ ہو اب آپ کو اس دوسرے خریدار سے یہ کہنے کا حق نہیں کہ تم لکڑی ڈھاک کی بھی ضرور دو رو کردیا قیمت میں اضافہ کردو۔ متعارف یہ ہے کہ شیشم بیت ڈھاک قیمت چند مثلاً بیس روپے ہوتی ہے اور ڈھاک کو چھوڑ کر تیس روپے ہوتی ہے اب اگر زید اس خریدار سے قیمت میں اضافہ کرے تو عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی سید ظفریاب حسین ضلع بجنور ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ

(جواب ۱۱) کھڑے درختوں کی لکڑی کی یہ بیع وشراہی شرعاً جائز نہیں کیوں کہ اس میں مبیع موجود نہیں یعنی صورت مبیعہ کے ساتھ اس کا وجود نہیں[1] پس زید کو حق ہے کہ وہ اس کے معاملہ کو فسخ کردے[2]

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

پانچواں باب
نیلام

نیلام میں ایسی شرط لگانا جس میں بائع کا فائدہ ہو

(سوال) زید نے بکر کے ہاتھ نیلام میں ایک قطعہ اراضی مبلغ آٹھ ہزار روپے کی فروخت کی اور اشتہار میں یہ شرط تھی کہ اگر ۱۵ یوم میں رجسٹری نہ کرائی تو بیعانہ ضبط اور اس کی ذمہ داری پر دوبارہ نیلام کردیا جائے گا چنانچہ بکر نے اس نیلام کی شرط پر عمل نہیں کیا۔ اور اس کی زندگی میں ہی زید نے بکر کو نوٹس دیدیا کہ تمہارا بیع نامہ اشتہار نیلام کی شرائط کے مطابق ضبط کرلیا گیا اور تمہاری ذمہ داری پر دوبارہ نیلام ہوگا اس نے تا زیست رجسٹری نہیں کرائی اور پھر وہ فوت ہوگیا اب اس کے ورثا طلب کرتے ہیں کہ بیعانہ ایک ہزار واپس دو از روئے شرع شریف وہ اس کے حق دار ہیں یا نہیں؟ جو نقصان ہوا اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ دوبارہ نیلام زید کے انتقال کے بعد ہوا ہے المستفتی نمبر ۸۸۵ حاجی محمد اسحٰق بازہندوراؤ دہلی محرم ۱۳۵۵ھ ۲۱ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۲) نیلام (بیع من یزید) بھی بیع کی ایک قسم ہے جو شرعاً جائز اور معتبر ہے[3] مگر جو شرط

---

(۱) البطلان بیع المعدوم وفی الشامیۃ ادمی شرط المعقود علیہ ان یکون موجودا مالا متقوما وان یکون ملک البائع فیما یبیع لنفسہ وان یکون مقدور التسلیم (الدر المختار مع الرد باب بیع الفاسد ۵ / ۵۸ ط. سعید) (۲) ویجب علی کل واحد منہما فسخہ قبل القبض (الدر المختار مع الرد باب بیع الفاسد ۵ / ۹۰ ط. س) (۳) وفی الدر لا یکرہ بیع من یزید لما مر و یسمی بیع الدلالۃ (الدر المختار مع الرد کتاب البیوع باب بیع الفاسد ۵ / ۱۰۳ ط. سعید)

فاسدہ بیع کو فاسد کرتے ہیں وہ اس بیع کو بھی فاسد کریں گے مثلاً یہ شرط کہ اگر میعاد معین پر ثمن ادا کر کے رجسٹری نہ کرائی گئی تو بیعانہ ضبط کر لیا جائے گا۔ ایک شرط فاسد مفسد عقد ہے اور اس کی وجہ سے بیع فاسد ہوگئی[۱] اور بیع فاسد کا فسخ کرنا متعاقدین کے ذمہ شرعاً واجب ہوتا ہے اور بیعانہ کی واپسی بائع کے ذمہ واجب ہے[۲] اسے ضبط کرنے کا حق نہیں[۳] دوبارہ نیلام میں کمی قیمت کا خسارہ بھی بائع کے ذمہ ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

گائے خرید کر قبضہ میں آنے سے پہلے آگے بیچنا یا وقف کرنا

(سوال) عرفہ کے روز شام کے وقت ایک شخص مسمی عبدالعزیز نے اپنی طرف سے اور اپنے شرکاء کی جانب سے ایک گائے قربانی کے واسطے خریدی اور ایک روپیہ بیعانہ دے کر کہا کہ کل یہ گائے ہمارے مکان پر پہنچا دو چنانچہ قصائی کل کو گائے ان کے مکان پر پہنچانے چلے راستے میں ان سے چھوٹ کر ایک متمول ہندو کے اصطبل میں گھس گئی۔ وہاں سے نکال کر لے چلے تو آگے جا کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی قصائیوں نے اس کو اٹھا کر لے جانا چاہا مگر ہندوؤں نے نہیں لے جانے دیا بہت سے ہندو جمع ہوگئے آخر اطلاع پالی پر اہل کار پولیس اس گائے کو تھانہ لے گئے۔ بارہویں شب ذی الحجہ کو وہ گائے بہ سبب اندیشہ فتنہ و فساد (بلوہ) یا بحکم صاحب کلکٹر بہادر چند سربر آوردہ مسلمانوں کو اس شرط سے دی گئی کہ چھ ماہ تک قربانی نہ کی جائے۔ بعد کئی روز کے ان چند مسلمانوں نے جن کے گائے سپرد تھی بایمائے حکام ایک جلسہ منعقد کر کے مسمی عبدالعزیز جو منجملہ شرکا کا ایک حصہ دار تھا یہ کہا کہ وہ گائے ہم نے تم کو دی جو ہماری سپردگی میں ہے اس نے کہا کہ میں نے مدرسے میں وقف کی اس کا یہ کہنا تھا کہ فوراً اس گائے کا نیلام انہیں چند سربر آوردہ مسلمانوں نے شروع کر دیا۔ آخر مبلغ دو سو روپے میں وہ گائے ایک مسلمان نے خرید لی اب دریافت طلب یہ امور ہیں کہ :

(۱) بیع اول جو قصائیوں سے ہوئی شرعاً منعقد ہوئی یا نہیں ؟

(۲) ایام قربانی میں ان چند مسلمانوں کو ایسی شرط جائز تھی یا نہیں کہ چھ ماہ تک قربانی نہ کریں گے۔

(۳) وقف کا جانور اگر ایک مکان میں بند ہو اور ایک شریک یہ کہہ دے کہ میں نے وقف کر دیا اور مدرسہ والوں نے اس پر قبضہ نہ کیا ہو بلکہ اس کو دیکھا تک نہ ہو اس صورت میں وقف ثابت ہوگا یا نہیں اور اس کا نیلام درست ہوگا یا نہیں ؟

(۴) در صورت عدم جواز نیلام گائے کے مستحق کون لوگ ہیں ؟

---

(۱) فی التنویر : و بیع بشرط لا یقتضیه العقد ولا یلائمه و فیه نفع لاحد هما الخ (الدر المختار کتاب البیوع باب بیع الفاسد ۵/۸۵ ط سعید)

(۲) ویجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض (الدر المختار باب بیع الفاسد ۵/۹۰ ط سعید)

(۳) نهی عن العربان ان یقدم الیه شی من الثمن فان اشتری حسب من الثمن والا فهو له مجانا و فیه المعنی المیسر (حجة الله البالغة مبحث البیوع المنهی عنها ۲/۳۲۲ ط آرام باغ)

(۵) اگر مشتری نیلام اس گائے کو ہندوؤں کو دیدے تو اس کی نسبت کیا حکم ہے ؟

(جواب ۱۳) (۱) صورت مسئولہ میں وہ بیع جو کہ قصائیوں سے ہوئی وہ منعقد ہو گئی لیکن چونکہ مشتریوں نے مبیع پر قبضہ نہ کیا تھا اس لئے مبیع ان کے ضمان میں داخل نہیں ہوئی اور جب تک کہ قصائی مبیع کو مشتریوں کے قبضے میں نہ دیدیں مبیع کے ہر نفع نقصان کے ذمہ دار ہیں[1]

(۲) اس شرط میں چونکہ مسلمانوں کی مذہبی آزادی اور ایک شعار مذہبی پر صدمہ پہنچتا ہے اس لئے یہ شرط ناجائز تھی۔[2]

(۳) یہ وقف صحیح نہیں ہوا کیونکہ واقف تمام گائے کا مالک نہیں اور وقف بدون ملک صحیح نہیں ہو گا۔[3]

(۴) ابھی تک گائے کے مستحق قصائی ہیں کیونکہ وہ انہیں کے ضمان میں ہے اور نیلام صحیح نہیں ہوا کیونکہ مالکوں کی رضامندی سے نہیں ہوا ہے۔[4]

(۵) مشتری نیلام کی خریداری ہی صحیح نہیں ہے[5] اور ہندوؤں کو دیدینا تو خریداری صحیح ہونے کی صورت میں بھی ناجائز تھا۔ کیونکہ اس میں ایک اسلامی حکم کی ہتک اور بے عزتی ہوتی ہے[6] واللہ اعلم۔

چھٹا باب
خیار شرط

بیع مکمل ہونے کے بعد بائع کو ایک سال تک واپس لینے کا اختیار دینا اور اس دوران مشتری کا مبیع سے فائدہ اٹھانا .

(سوال) زید مکانات کی شرا اس طور پر کرتا ہے کہ کسی ضرورت مند سے اس کا مکان بازاری قیمت سے کم قیمت پر خرید کرتا ہے اور تکمیل بیع کے بعد بائع سے زبانی یا تحریری وعدہ کرتا ہے کہ اگر مثلاً تاریخ بیع سے ایک سال کے اندر اندر تم اپنا مکان واپس لو گے تو بذریعہ بیع اسی قیمت پر میں تم کو واپس کر دوں گا۔ جس قیمت

---

(۱) ولا یصح اتفاقا بیع منقول قبل قبضہ (التنویر الابصار کتاب البیوع ۵ / ۱۴۷ ط . سعید)

(۲) یا ایہا الذین آمنو لا تحلو اشعائر اللہ (پ ۶' سورۃ مائدۃ ٦)

(۳) وفی شرح التنویر' لا یتم الوقف حتی یقبض و یفرز' فلا یجوز وقف مشاع یقسم خلافا للشافعی و یجعل آخرہ لجہۃ قربۃ لا تنقطع (الدر المختار' کتاب الوقف ۴ / ۳۴۸)

(۴) کل تصرف صدر منہ تملیکا ولہ مجیز ای لہذا التصرف من یقدر علیٰ اجازۃ حال وقوعہ انعقد موقوفا وفی رد المحتار' ای علیٰ اجازۃ من یملک ذالک العقد (الدر المختار' مع الرد باب بیع الفاسد فصل فی الفضولی ۵' ۱۰۷ ط . سعید)

(۵) لا یصح اتفاقا ککتابۃ واجارۃ و بیع منقول قبل قبضہ ولو من بائعہ کما سیجیئ (التنویر الابصار مع الدر المختار باب المرابحۃ والتولیۃ ۵ / ۱۴۷ ط سعید)

(٦) یا ایہا الذین آمنوا لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشہر الحرام (پ ٦' سورۃ مائدۃ ۲)

بیچتی نے تم سے خرید کیا ہے۔ البتہ اس مصارف کے بقدر زر ثمن میں اضافہ کروں گا جو مرمت مکان وغیرہ میں خرچ پڑا ہوگا اور بعد گزرنے ایک سال کے میں اس معاہدے کی پابندی کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ جانبین کی نیت یہ ہوتی ہے کہ ایک کو روپیہ حاصل ہو جائے اور دوسرے کو بالعوض روپیہ دینے کے میعاد معاہدہ کے اندر سے نفع اٹھانا حلال ہو جائے .... زید بموجب عبارت ذیل اس پر مطمئن ہے کہ یہ معاملہ جائز ہے وان ذکر االبیع من غیر شرط ثم ذکرالشرط علی وجہ المواعدۃ جاز البیع و یلزم الوفاء بالوعد کذافی فتاوی قاضی خاں (عالمگیری جلد ثالث الباب العشرون فی البیاعات المکروھۃ)" لہذا دریافت طلب بات یہ ہے کہ :

(۱) کیا یہ بیع جائز ہے (۲) زمانہ معاہدہ میں کرایہ مکان سے انتفاع زید کے لئے جائز اور حلال ہے یا نہیں (۳) بوقت واپسی مکان کیا زید پر شرعاً یہ بھی لازم ہے کہ زمانہ معاہدہ کا قبل از واپسی مکان وصول شدہ کرایہ بھی واپس کرے۔ (۴) عقد مذکورہ بالا مستوجب مواخذہ اخروی ہے یا نہیں المستفتی نمبر ۲۲۰۱ محمد زبیر (بھوپال) ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۰ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۱٤) بیع پہلے اگر قطعی بلا شرط کر دی جائے اس کے بعد فریقین باہمی رضامندی سے یہ معاہدہ کریں تو جائز ہے اور عبارت منقولہ میں یہی صورت مراد ہے اور اس صورت میں وفاء عہد لازم اور مدت معاہدہ کا کرایہ مشتری کے لئے حلال ہے واپسی بیع کے وقت کرایہ کی واپسی لازم نہیں۔ (۲)

لیکن جب کہ پہلے سے فریقین میں یہ بات طے ہو جائے کہ بیع نامہ کے بعد ایک اقرار نامہ واپسی کا لکھنا ہوگا تو یہ صورت پہلی صورت سے مختلف ہے اس میں اگرچہ قضاءً بیع جائز رکھی جائے گی کیونکہ بیع نامہ میں شرط مذکور نہ ہوگی مگر دیانۃً یہ بیع بشرط بیع فاسد ہی ہوگی اور دونوں آخرت کے مواخذہ دار ہوں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مقررہ مدت پر ثمن ادا نہ کرنے کی صورت میں مبیع کو ضبط کرنے کی شرط لگانا

(سوال) معروض آنکہ در دیار سندھ مردمان شریف و وضیع علی العموم باین امر مبتلی می باشند کہ از سرکار انگلیزیہ زمین خرید می کنند باین نوع مثلاً صد جریب فی جریب شش صد روپیہ کہ جملگی قیمتش شش ہزار شد ازاں دہم حصہ کہ مبلغ شش صد روپیہ شد در وقت خریدن زمین سرکاری دہند و زمین بقبضہ خود می کنند و مثل مالکاں دراں زراعت می کاشتند و آں چہ باقی بعد از ادائیگی شش صد ماندہ سرکار براں رباستہ در دہ اقساط از خریداراں وصول می کند اگر خریدار در اقساط مقررہ یا پیش ازاں مبلغ ادا کردہ فبہا و زمین او شاں شد الا زمین از کاتہ خریدار

---

(۱) (۳۰۹،۳ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۲) وفی النسفیۃ سئل عمن باع دارہ من آخر بثمن معلوم بیع الوفا و تقابضا ثم استاجر ھا من المشتری مع شرائط صحۃ الاجارۃ و قبضہا و مضت المدۃ ھل یلزمہ الاجر قال لا کذافی التتارخانیہ (عالمگیریۃ ۳ ۲۰۹ ط کوئٹہ)

ضبط کردہ سرکاری می کنند و آنچہ دادہ جملہ رائگاں می رود لہذا خریدار بذمہ خود ایں قرض واجب الاداء می شمرد چرا کہ در صورت عدم ادائیگی آنچہ از دہم حصہ و اقساط دادہ ہست جملہ تلف می رود زمین ہم باز سرکاری می شود۔

المستفتی نمبر ۲۲۷۳ مولوی محمد صدیق صاحب (کراچی) ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۹ مئی ۱۹۳۸ء

(ترجمہ) گزارش ہے کہ ملک سندھ میں عام طور پر خواص و عوام سرکار سے بایں طریقہ زمین خریدتے ہیں کہ مثلاً ایک سو جریب چھ سو روپے کے نرخ سے خریدی اس کی مجموعی قیمت چھ ہزار روپے ہوئی کل قیمت کا دسواں حصہ تو خرید کے وقت ادا کر دیتے ہیں اور زمین پر قبضہ کر کے کاشت شروع کر دیتے ہیں پھر پہلی قسط (چھ سو روپے) ادا کرنے کے بعد جو باقی رہتا ہے سرکار اس پر سود لگا کر دس قسطوں میں وصول کرتی ہے اگر خریدار دس قسطیں مع سود میعاد مقررہ میں یا اس سے پہلے ادا کر دیتا ہے تو زمین کا کلیتہ مالک ہو جاتا ہے ورنہ زمین کو سرکار ضبط کر لیتی ہے اور جس قدر رقم خریدار ادا کر چکا ہے وہ بھی رائیگاں جاتی ہے لہذا خریدار اس قرضے کو بہر صورت ادا کرتا ہے کیونکہ عدم ادائیگی کی صورت میں جتنی رقم وہ ادا کر چکا ہے وہ بھی ضائع ہو جاتی ہے اور زمین بھی ضبط بحق سرکار ہوتی ہے۔

(جواب ۱۵) ایں بیع کہ درمیان سرکار و خریدار منعقد می شود بریں منعقد می گردد کہ خریدار حصہ دہم از قیمت معینہ فی الفور ادا بکند و باقی $\frac{9}{10}$ بدہ اقساط ادا کند بریں دہ اقساط ربا ہم بر و الازم گردد ایں لزوم ربا از حیز معاملہ بیع خارج است ازیں جہت نفس معاملہ بیع صحیح است و ادائیگی ربا ناجائز و قرض سرکار ثمن مؤجل واجب الادا ہست و شرط ضبطی رقوم ادا شدہ بصورت تخلف از شروط فاسدہ ہست پس ایں معاملہ بہیئت مجموعی کذائی معاملہ بیع فاسد می شود کہ بعد از قبضہ و تصرف مشتری در ملک مشتری داخل می شود' محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

(ترجمہ) یہ بیع جو سرکار اور خریدار کے درمیان واقع ہوتی ہے اس طرح منعقد ہو جاتی ہے کہ خریدار قیمت معینہ کا دسواں حصہ فی الفور ادا کر دے اور باقی $\frac{9}{10}$ کو دس قسطوں میں ادا کرے ان باقی دس قسطوں پر اس کے ذمہ جو سود لگایا جاتا ہے یہ سود کا لگایا جانا معاملہ بیع کے حدود سے خارج ہے[1] اس بناء پر نفس معاملہ بیع صحیح ہے اور سود کا دینا ناجائز اور سرکار کا قرضہ جو خریدار کے ذمہ ہے وہ ثمن ہے مؤجل واجب الادا۔ اور نادہندگی کی صورت میں زمین کے ضبط کر لینے کی شرط شروط فاسدہ میں سے ہے[2] پس یہ معاملہ مذکورہ ہیئت مجموعی کے ساتھ بیع فاسد کا معاملہ ہے جس میں خریدی ہوئی چیز قبضہ و تصرف کے بعد مشتری کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) ولا یصح بیع بشرط لایقتضیہ العقد ولا یلائمہ و فیہ نفع لاحد ھما (تنویر الابصار مع الدر المختار' کتاب البیوع ۵ ۸٤ ط سعید)

(۲) فی الدر : لا یاخذ مال فی المذھب بحر' و فیہ عن البزازیۃ' و قیل یجوز و معناہ ان یمسکہ مدۃ لینزجر ثم یعیدہ لہ فان أیس من توبتہ صرفہ الیٰ ما یری وفی المجتبی انہ کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ (الدر المختار مطلب التعزیر بالمال ٤ ٦١ ط سعید)

(۳) فی ردالمحتار: وایضا حکم بیع الفاسد یفید الملک بالقبض (رد المحتار ' کتاب البیوع باب بیع الفاسد ۵ ٤٩، ط سعید)

ساتواں باب
خیار عیب

خود بنائے ہوئے زعفران کے ساتھ اصل زعفران ملاکر اعلیٰ قسم کا کہہ کر بیچنا

(سوال) زید زعفران بناتا ہے رنگ مزہ اور طبی فوائد کے لحاظ سے اس میں بھی وہی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے زبان پر گھلنے اور رنگ دینے کی وہی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو اصل زعفران کی کیفیت ہے غرضیکہ اصلی زعفران سے بھی بہتر ہو جاتا ہے مگر فروختگی کے وقت زید اس کی تصریح نہیں کرتا کہ یہ بنا ہوا ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ یہ اعلیٰ قسم کا بہترین زعفران ہے دکاندار اس کو اعلیٰ ہی قسم کے دام پر خریدتے ہیں استفسار طلب یہ امر ہے کہ آیا ایسی حالت میں کہ زید اصلی یا نقلی ہونے کی تصریح نہ کرے اور شئ معلوم اصلی سے کسی حالت میں کم بھی نہ ہو بلکہ صنعت کا ایک بہترین نمونہ ہے اور اصلی سے بھی بعض لحاظ سے بہتر ہے تو کیا اس طریقے پر اس کی بیع و شرا جائز ہے ؟ اور اس کا بنانے والا گناہ گار ہے یا نہیں ؟

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اس کو نقلی کر کے ہی بیچا جائے تو جائز ہے یا نہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر مذکورہ کے ساتھ اصلی مخلوط ہو تو جائز ہے یا نہیں ؟ اور ایسی صورت میں کیا اصلی کا زائد ہونا بھی ضروری ہوگا تاکہ یہ صورت اس صورت کی طرح ہو جائے جیسا کہ فضہ کے ساتھ غیر فضہ مخلوط ہو اور فضہ غالب ہو تو فقہا اس کو فضہ ہی کے حکم میں شمار کرتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۹۰۵ جامعہ حسینیہ (راندیر) ۸ صفر ۱۳۵۵ھ ۳۰ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۶) زعفران بنانا فی حد ذاتہ جائز ہے اور اس کو فروخت کرنا بھی جائز ہے لیکن یہ تصریح کر دینی لازم ہے کہ یہ زعفران مصنوعی یا نقلی ہے بغیر تصریح کے فروخت کرنا گناہ ہے اور دھوکا ہے کیونکہ اس صورت میں کہ مصنوعی زعفران میں اصلی زعفران بالکل نہ ہو زعفران کے نام سے فروخت کرنا کھلا ہوا دھوکا ہے اور جب کہ اصلی زعفران بھی ملا ہوا ہو تو اس صورت میں بھی غیر خالص کی تصریح کرنی ضروری ہے[1] الا اس صورت میں کہ غیر زعفران کی آمیزش اس درجہ کم ہو کہ عرفاً اس کو غیر معتبر قرار دیا جاتا ہو اور اتنی آمیزش سے اصلی زعفران غالب حالات میں خالی نہ ہوتا ہو۔

غالب الفضة فضة کا قاعدہ صحیح ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر مشتری خالص چاندی مانگے تو ایسی چاندی جس میں فی تولہ آٹھ ماشے چاندی اور چار ماشے کھوٹ ہوا سے دیدے اور یہ سمجھے کہ میں نے کوئی دھوکہ نہیں دیا اور غش نہیں کیا بیع میں بائع کا فرض یہ ہے کہ مبیع کی اصلی حالت اور معائب سے مشتری کو مطلع کر دے جب کہ عارضی اوصاف جو مبیع میں عیب پیدا کرتے ہیں ظاہر کرنا ضروری ہے تو ایسی

---

(۱) لا یحل کتمان العیب فی مبیع او ثمن لان الغش حرام و فی ردالمحتار اذا باع سلعة معیبة علیه البیان وان لم یبین قال بعض مشائخنا یفسق و ترد شهادته (الدر المختار مع الرد کتاب البیوع ۵ / ۴۷ ط سعید)

صورت کہ تولہ بھر زعفران میں جو مبیع ہے چار ماشے زعفران ہی ذاتاً معدوم ہے اس کی جگہ کوئی دوسری چیز ملی ہوئی ہے بغیر بیان کیسے جائز ہوسکتی ہے اور من غش فلیس منا کے دائرے سے کیسے یہ صورت مستثنیٰ ہوسکتی ہے لا یحل کتمان العیب فی مبیع او ثمن لان الغش حرام (درمختار)[1] وفی الحدیث وان کذبا و کتما محقت برکۃ بیعھما (بخاری)[2] ای کتم البائع عیب السلعۃ والمشتری عیب الثمن (عینی)[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

آٹھواں باب
اقالہ

خریدار کا بائع کو اقالہ پر راضی کرنے کے لئے معاوضہ دینا

(سوال) ایک شخص نے اپنا مملوک مکان ایک مشتری کے ہاتھ فروخت کیا اور مشتری نے وہ مکان ساڑھے بارہ ہزار روپے میں خرید کیا اور ایک ہزار روپیہ بیعانہ دیا اور طرفین سے اسٹامپ کاغذ پر لکھا پڑھی ہوئی اس میں یہ شرط تھی کہ باقی روپیہ میں جب دوں گا کہ جب بائع اس فروخت شدہ مکان کو کرایہ داروں سے خالی کرا کے مجھے قبضہ دیدے اور مجھے قبضہ مل جانے کے بعد باقی روپیہ دیگر کی لکھا پڑھی سرکاری قاعدہ کے موافق کرلوں گا یہ معاملہ ہر طرح طرفین کی رضامندی سے ہوا اس کے بعد بائع نے کرایہ داروں کو مکان خالی کرنے کے لئے نوٹس دینا شروع کئے کئی ایک نوٹسوں کے بعد اس مکان کا بالائی حصہ کرایہ داروں سے خالی ہوا تو مشتری کو بالائی حصہ مکان کی کنجیاں حوالہ کیں لیکن اس عرصے میں مشتری کا ذاتی کاروبار کچھ خراب سا ہوگیا اور مہاجنوں[4] نے اسے قرض دینا بھی موقوف کیا اب ایک طرف مشتری کی تو یہ حالت تھی اور بائع کی جانب سے چونکہ نوٹس کرایہ داروں کو عرصہ سے پہنچ چکے تھے اس واسطے ان لوگوں نے مکان خالی کردیا اب مشتری مابقی روپیہ کا انتظام نہ کرسکنے کی وجہ سے یہ چاہتا ہے کہ معاملہ توڑ دے اور کہتا ہے کہ یا تو یہ ہزار روپے بیعانہ کے اپنے کرایہ وغیرہ کے ہرجانہ میں لیلو اور مجھے اس معاملہ سے سبکدوش کردیا تمہارے مابقی ساڑھے گیارہ ہزار روپے مجھ پر قرض باقی رکھو اور اس کا سود لیا کرو بائع نے کہا کہ مجھے سود لینا منظور نہیں اور نہ بیعانہ ہضم کرنا چاہتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ مابقی روپیہ دیکر اپنے مکان کا قبضہ مجھ سے لے لو مشتری نے انکار کیا کہ میں نہیں لیتا میرا بیعانہ گیا اب بائع نے سرکاری قاعدہ کے مطابق اسے نیلام میں فروخت کرنے کے لئے مشتری

(۱) (الدر المختار مع الرد کتاب البیوع، باب خیار العیب ۵ / ۴۷ ط ، سعید)
(۲) (بخاری شریف باب اذا بین البیعان ۱ / ۲۷۹ ط سعید)
(۳) (عمدۃ القاری للعینی، باب ما یمحق الکذب والکتمان فی البیع ۱۱/ ۱۹۸ ط ، سعید)
(۴) مہاجن، دولت مند، غنی، سوداگر، بیوپار، فیروز اللغات

کی جانب سے مشتہر کرادیں۔ اب مشتری یہ کہتا ہے کہ تم مجھ سے کسی مقدار میں ایک رقم لے کر مجھے اس جھگڑے سے فارغ کرو اب بائع سوال کرتا ہے کہ مجھے مشتری سے اس قسم کی کوئی مقدار لینی شرعاً جائز ہے یا نہیں اور فروخت شدہ مکان کی یہ کیفیت ہے کہ اگر کوئی صاحب ضرورت اپنی سکونت کے لئے خرید کرے تو اس کے دام اس مقدار میں جتنے میں فروخت ہوا ہے آسکتے ہیں اور اگر بائع اپنے طور سے خود فروخت کرنا چاہے تو اتنے دام نہیں اٹھتے اب سرکاری قاعدہ کے موافق آئندہ چل کر یہ ہوگا کہ یہ مکان موافق مسطورہ بالا مشتری کے نام سے عام نیلام میں فروخت ہوگا اور جتنی رقم وصول ہوگی اگر وہ رقم ساڑھے گیارہ ہزار سے زیادہ ہوگی تو زائد مشتری کو دی جائے گی اور اگر کم ہے تو جتنی مقدار کم ہے اس مقدار کا دعویٰ مشتری پر کرنے سے اس پر اتنا روپیہ بائع کو دینے کے لئے ڈگری ہوگی اب ڈگری کے بعد یہ روپیہ جو مشتری کو دینا ہوگا یہ روپیہ شرعاً بائع کو لینا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کتنی مقدار میں لینا جائز ہے اصل ساڑھے گیارہ ہزار روپے کی مقدار پوری ہونے تک لینا جائز ہوگا یا اتنے عرصے میں مکان خالی رہنے کی وجہ سے جو نقصان کرایہ کا ہوا ہے اور اس مکان کے فروخت کرنے میں دلالی وغیرہ بائع کو دینا ہوئی وغیرہ خرچ جو اس لین دین میں بائع پر آئے ہیں اسی مقدار لینی جائز ہے۔ اب باقاعدہ عدالت میں دعویٰ کرنے سے قبل مشتری یہ کہتا ہے کہ مصالحت کے طور پر کوئی مقدار مجھ سے لے لو اور دعویٰ نہ کرو تو اب بائع کو مشتری سے اس بیعانہ کو رد کر کے مصالحت سے کسی مقدار میں کوئی عوض خواہ کرایہ وغیرہ اخراجات کا ہرجانہ سمجھ کر یا اس طرح فروخت ہونے میں زیادہ قیمت اٹھتی تھی اور اب اتنی قیمت نہیں اٹھتی یہ نقصان سمجھ کر اور آئندہ بھی واللہ اعلم یہ مکان کرایہ داروں سے کب تک خالی رہے یہ نقصان سمجھ کر غرض کوئی معاوضہ بائع کو مشتری سے لے کر اسے فارغ کرنا جائز ہے یا نہیں یا بے معاوضہ بیعانہ کا اقالہ کر لینا چاہئے لیکن اس شکل میں بائع کو بہت کچھ زیرباری ہوتا پڑتا ہے اور یہ ساری زیرباری مشتری کی وجہ سے عائد ہوتی ہے صورت مسئولہ کو ذہن نشین فرما کر موافق شرع شریف جواب باصواب سے مشکور فرمائیں صورت مسئولہ میں بائع مسلم اور مشتری کافر ہے بینوا توجروا

(جواب ۱۷) کرایہ پر دیئے ہوئے مکان وغیرہ کی بیع جب کہ مشتری کو اس کا علم ہو اور وہ راضی ہو جائے جائز ہے فی الشامی باع المستاجر و رضی المشتری ان لا یفسخ الشراء الی مضی مدة الاجارة ثم یقبضه من البائع فلیس له مطالبة البائع بالتسلم قبل مضیها ولا للبائع مطالبة المشتری بالثمن مالم یجعل المبیع بمحل التسلیم (ص ۱۴۵ ج ۴) [1] لیکن یہ ضروری ہے کہ بائع مکان کو کرایہ داروں سے خالی کرا کے مشتری کے حوالہ کر دینے کے لئے کوئی وقت معین کر دے یا مشتری کو اجارہ یا اگریمنٹ کی مدت معینہ کا علم ہو اور اس مدت تک ٹھہرے رہنے پر وہ راضی ہو جائے ورنہ جہالت اجل کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی فی الشامی وا فادان للبائع حبس المبیع حتی یستو فی کل الثمن فلو شرط دفع المبیع قبل نقد الثمن فسد البیع لانه لا یقتضیه العقد وقال محمد لجهالة الاجل فلو سمی وقت تسلیم

....

(۱) (ردالمحتار مع الدر کتاب البیوع فصل فی الفضولی ۵/ ۱۱۱ ط سعید)

المبیع جاز و له الحبس و ان بقی منه درهم (ص ٤٤ ج ٤)[1] پس صورت مذکورہ فی السوال میں اگر تسلیم مبیع کا وقت مقرر کر دیا ہو مثلاً تین مہینے میں خالی کرا کے حوالہ کر دوں گا تو بیع صحیح ہو گئی (پھر خواہ اس مدت مقررہ میں مکان خالی ہوا ہو یا نہ ہوا ہو) اور اگر وقت تسلیم معین نہیں کیا گیا نہ مشتری کو انتہائی مدت اجارہ یا ختم اگریمنٹ کا علم تھا تو بیع فاسد ہوئی فساد بیع کی صورت میں بائع کو لازم ہے کہ رفع فساد کے لئے بیع مذکور کا اقالہ کرے اور اس صورت میں متعاقدین میں سے ہر واحد کو اقالہ کا اختیار ہوتا ہے خواہ دوسرا راضی ہو یا نہ ہو اور اقالہ ثمن اول پر کرنا لازم ہے بیعانہ واپس کرنا ہو گا اور تمام نقصانات خود برداشت کرنا پڑیں گے وتجب فی عقد مکروہ و فاسد (درمختار) لوجوب رفع کل منهما علی المتعاقدین صونا لهما عن المحظور ولا یکون الا بالا قاله (رد المحتار ص ١٥٤ ج ٤)[2] و فیه ان الفاسد یجب فسخه علی کل منهما بدون رضا الاخر وکذا للقاضی فسخه بلا رضا هما[3] (ص ١٥٤) و تصح بمثل الثمن الاول و بالسکوت عنه وان شرط غیر جنسه او اکثر او لا قل الخ (درمختار)[4] اور صحت بیع کی تقدیر پر بائع کو اقالہ کرنا لازم نہیں اس کی خوشی ہے کہ کرے یا نہ کرے اور کرے گا تو مثل ثمن اول پر کر کے بیعانہ واپس کرنا ہو گا اور نہ کرے تو اسے حق ہے کہ مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرے خواہ بطور خود یا بذریعہ عدالت اور اگر عدالت مشتری کی جانب سے مکان کا قبضہ کر کے نیلام کر دے اور بائع کے دین سے کم میں نیلام ہو تو بائع کو بقیہ روپیہ بذریعہ ڈگری وصول کرنا جائز ہے اور اسی صحت بیع کی تقدیر پر اس وجہ سے کہ اقالہ کرنا بائع کے ذمہ لازم نہیں اگر مشتری کچھ رقم دے کر مکان لینے سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے تو اس طرح ممکن ہے کہ مثلاً ایک ہزار روپے کا نقصان بائع کو پہنچا ہے تو بائع اس مکان کا اقالہ کرنے سے قبل مشتری سے ایک ہزار روپیہ قرض لے اور مشتری اپنے اس قرض سے بائع کو بری کر دے پھر بائع مکان کا اقالہ ثمن اول پر کر کے بیعانہ مشتری کو واپس کر دے اس طرح اقالہ بھی صحیح ہو جائے گا اور بائع نقصان سے بھی بچ جائے گا اور مشتری کا مقصود بھی پورا ہو جائے گا مشتری کو ابرائے قرض سے رجوع کا حق بھی ہو گا اور طرفین پر کوئی الزام شرعی بھی نہ ہو گا۔

کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرس مدرسہ امینیہ' دہلی

---

(١) (رد المحتار' کتاب البیوع' فصل فیما یدخل فی البیع تبعا ٤ / ٥٦ ط ، سعید)
(٢-٣) (الدر المختار مع الرد کتاب البیوع' باب الاقالة ٥ / ١٢٤ ط ، سعید)
(٤)(الدر المختار مع الرد کتاب البیوع' باب الاقاله ٥/ ١٢٥ ط سعید)

نواں باب
مرابحہ و تولیت

اصل قیمت خرید سے زیادہ بتلا کر بیچنا

(سوال) زید کے پاس ایک ڈھیر مبیع (یعنی ہیزم سوختنی) کا تھا عمرو نے اس کو خرید نا چاہا اور کہا کہ اصل خرید تمہاری کتنے کی ہے ؟ زید نے کہا کہ میری اصل خرید تین سو روپے کی ہے اور پچاس روپے نفع لوں گا تو عمرو نے کہا کہ چونکہ آپ نمازی اور حاجی آدمی ہیں آپ کا کہنا راست و درست ہے اور ہم کو اعتبار ہے اس لئے تم اپنا نفع چھوڑو اور مول مول میں یعنی اصل اصل میں دے دو زید راضی ہو گیا اور عمرو نے کہا کہ مال جب تک فروخت نہ ہو گا تب تک تمہارے ہی زیر نگرانی اور حفاظت میں رہے گا یعنی اٹھا کر میں اپنی زمین میں نہ لاؤں گا بلکہ وہیں فروخت کروں گا پھر عمرو نے مبلغ دو سو روپے نقد دیئے اور ایک سو روپے کا وعدہ کیا کہ مال کی بکری میں سے دوں گا چنانچہ اسی زمین پر بازار کے نرخ سے مال فروخت کرنا شروع کیا اور اس میں سے زید کو بھی دیتا رہا اس وقت تک ساٹھ روپے ادا ہو گئے اور قریب ایک سو دس روپے کا مال فروخت ہوا تو مال قریب نصف کے رہا اور بکر زید کا ہمراز تھا کہ وقت بیع کے حاضر نہ تھا اس نے کہا کہ زید نے بڑا دھوکہ دیا چونکہ ان کا یہ مال ایک سو پچھتر روپے کا ہے اور خالد بھی اس کا ہمراز ہے وہ بھی کہتا ہے کہ ایک سو پچھتر روپے کا ہے چنانچہ اس امر پر بقیہ مال بھی شاہد ہے تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید نے عمرو سے دھوکا کیا تو یہ عقد جائز رہا یا نہیں ؟ اور عمرو کو اس کے رد کا حق ہے یا نہیں اور در صورت خالد و بکر کے گواہ نہ ہونے کے زید نے غبن فاحش کیا ہے یا نہیں ؟ اور غبن فاحش ہونے پر بھی عمرو کو بیع کے رد کا اختیار ہے یا نہیں بینوا توجروا !

(جواب ۱۸) یہ صورت بیع تولیہ کی ہے اور تولیہ میں اگر بائع نے خیانت کی ہو اور مشتری اس کی خیانت ثابت کردے تو مشتری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مقدار خیانت کو اصل ثمن یعنی اس قیمت میں سے جو بائع نے اس مشتری کو بتائی اور اس بیع میں مقرر کی ہے وضع کرلے اور بائع کی اصل خرید کی قیمت اسے دے[1] خیانت ثابت کرنے کے تین طریقے ہیں اول یہ کہ بائع خود اقرار کرلے۔ دوسرے یہ کہ مشتری بینہ یعنی گواہ پیش کرے۔ تیسرے یہ کہ گواہ نہ ہونے کی صورت میں بائع سے قسم لی جائے اور وہ قسم سے انکار کردے۔ ولہ الحط قدر الخیانۃ فی التولیۃ لتحقق التولیۃ (درمختار[2] و کذا فی العالمگیریہ[3] والھدایۃ)[4] واللہ اعلم

کم قیمت پر خرید کر زیادہ قیمت ظاہر کر کے بیچنا

(سوال) زید اپنے لئے تجارتی مال خریدنے کو باہر کسی شہر میں گیا وہاں جا کر اس نے چند مال خرید کئے ان میں سے تین مال اپنے والد کے لئے اور دو اپنے بھائی کے لئے (ان کو ان مالوں کا ضرورت مند سمجھ کر) خرید

---

(۱) وان ظهر خيانته باقراره او ببرهان على ذالك او بنكوله عن اليمين اخذه المشترى بكل ثمنه او رده لفوات الرضا وله الحط قدر الخيانة فى التولية لتحقق التولية (رد المحتار مع الدر' باب المرابحة والتولية ۵/ ۱۳۷ ط. سعيد)
(۲) (ايضا حواله بالا ۵ ۱۳۷)
(۳) (عالمگيرية' باب رابع عشر فى المرابحة والتولية ۶/ ۱۶۲ ط ماجديه كوئته)
(۴) (هداية اخيرين ۳ ۷۱ ط ، سعيد)

کئے جس میں سے ایک مال کو اس نے کل دو سو روپے کا خرید اور اس میں سے نصف خود لیا اور نصف اپنے باپ کو روانہ کیا لیکن جو مال اس نے اپنے باپ کو روانہ کیا اس میں اس نے بائع سے جس سے مال خرید تھا بجائے سو روپے کے ایک سو پانچ روپے کا مصنوعی بیجک بنوالیا اور سارے مال کی قیمت مبلغ دو سو روپے دکاندار کو ادا کر دیئے اور یہاں آ کر موجب اس بیجک کے مبلغ ایک سو پانچ روپے وصول کر لئے دوسرا مال اس نے اپنے والد اور بھائی کے لئے خرید کیا اور علیحدہ علیحدہ سب کے نام قرض درج کرایا لیکن قیمت مقررہ سے کچھ قیمت اضافہ کر کے سب کے نام لکھوا کر اضافہ رقم کو اپنے حساب میں مجرا کرالیا تیسرا مال اس نے کل اپنے نام قرض لکھایا اور اس میں سے ایک حصہ اپنے لئے مقرر کیا اور ایک حصہ والد کو اور ایک حصہ اپنے بھائی کو روانہ کرایا اور اس میں بھی وہی ترکیب کی یعنی مقررہ قیمت سے کچھ اضافہ کر کے علیحدہ علیحدہ ان کے نام کے بیجک اس دکاندار سے بنوا لئے اور رقم اضافہ اپنے حساب میں مجرا کرالی لہذا ان صورتوں میں جو رقم اضافہ زید نے حاصل کی ہے وہ اس کو جائز ہوگی یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(جواب ۱۹) زید نے جو مال اپنے بھائی اور والد کے لئے ان کی اجازت کے بغیر خرید کیا ہے اس مال کا مالک زید ہے اور یہ عقد بیع زید ہی کے حق میں نافذ ہوگا اس کے بعد اگر زید کے والد اور بھائی اس مال کو لے لیں اور قیمت ادا کر دیں تو یہ زید اور اس کے والد اور بھائی کے درمیان جداگانہ عقد بیع ہوگا۔ **اشتری لغیرہ نفذ علیہ(درمختار)**[1] **قولہ نفذ علیہ ای علی المشتری ولو اشھد انہ یشتریہ لفلان وقال فلان رضیت فالعقد للمشتری لانہ اذا لم یکن وکیلا بالشراء وقع الملک لہ فلا اعتبار بالاجازۃ بعد ذلک لانھا انما تلحق الموقوف لا النافذ فان دفع المشتری الیہ العبد و اخذ الثمن کان بیعا بالتعاطی بینھما الخ(رد المحتار)**[2] اور چونکہ پہلی بیع ہی زید کے حق میں نافذ ہوئی ہے اور دوسری بیع جداگانہ عقد ہے اس لئے زید کو اختیار ہے کہ اپنی اصل خرید پر نفع لگا کر دے لیکن وہ اس طرح کہ والد اور بھائی کو یہ دھوکا نہ دیا جائے کہ جس قیمت پر انہیں دیتا ہے اس قیمت پر خریدی ہے کیونکہ اگر اس طرح ان سے ظاہر کر کے انہیں دے گا تو یہ بیع تولیہ ہوگا اور بیع تولیہ میں مشتری ثانی کو جس کے ساتھ بیع تولیہ کی جاتی ہے اگر خیانت ثابت ہو جائے تو مقدار خیانت ثمن سے کم کر دینے کا حق حاصل ہوتا ہے لہذا زید کے بھائی اور والد (اس صورت میں کہ قیمت خرید پر دینا ان سے ظاہر کیا گیا ہو) جتنی مقدار کہ زید نے اصل ثمن پر زیادہ کر لی ہے ساقط کر سکتے ہیں **ولہ الحط قدر الخیانۃ فی التولیۃ (درمختار)**[3] اور انہیں علم نہ ہو جب بھی زید پر واجب ہے کہ انہیں اتنی مقدار واپس کر دے کیونکہ اس صورت میں زیادتی خیانت ہے اور اس کا رد واجب ہے۔ واللہ اعلم

---

(۱) (الدر المختار كتاب البيوع فصل في الفضولي ۵/ ۱۰۹ ط ، سعید)
(۲) (رد المحتار مع الدر كتاب البيوع فصل في الفضولي ۵/۱۰۹ ط، سعید)
(۳) (الدر المختار كتاب البيوع باب المرابحة والتولية ۵/ ۱۳۷ ط ، سعید)

خریدار مہیا کرنے والا صرف بائع سے اجرت لے سکتا ہے

(سوال) زید آڑھت[۱] کے طور پر دوسروں کا مال خریدار پیدا کر کے بکواتا ہے اور اس کا کمیشن بائع اور مشتری دونوں سے لے سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۸۱۳-۲۰ ذی الحجہ ا۱۳۷ھ

(جواب ۲۰) اس صورت میں اس کو اپنا کمیشن صرف بائع سے لینا چاہئے۔[۲] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

دسواں باب
نقد اور ادھار میں قیمت کی کمی بیشی

سستی چیز ادھار کی وجہ سے مہنگی خریدنا

(سوال) دھان یا گیہوں تین روپے من بکتے ہیں اور کسی شخص نے کہا کہ اگر مجھ سے دھان لینا ہوں تو پانچ روپے من دیتا ہوں کیونکہ روپے کی فی الحال ضرورت نہیں دو مہینے کے بعد دے دینا ایسا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۱) ادھار میں نقد سے زیادہ پر فروخت کرنا جائز ہے بشر طیکہ مجلس عقد میں ادھار ہو اور مدت ادائے قیمت وغیرہ کی تعین کر دی جائے فی الهداية انه يزاد في الثمن لاجل الأجل انتهى[۳]

ادائیگی کی مدت قریب یا بعید ہونے کے اعتبار سے قیمت میں کمی زیادتی کرنا

(سوال) زید ایک تجارت کرتا ہے مال فروخت کرتا ہے اس میں کچھ نقد لیتا ہے اور کچھ بلا تعیین میعاد وصول کرتا ہے عمرو مال خریدنے آیا زید نے کہا کہ میں آپ کو مال اس شرط پر دوں گا کہ ساڑھے چھ روپے فیصدی کے حساب سے نقد مال فروخت کروں گا اگر یہ روپیہ دو روز بعد پہنچا تو ۳؍ فیصدی لوں گا اور اگر ۳ یوم بعد دو گے تو ۴۵ یوم تک ۱۲؍ فیصدی لوں گا عمرو نے کہا کہ یہ تو سود ہوا زید نے کہا کہ یہ تجارت ہے اور سابق دستور میں نقصان رہتا ہے براہ کرم کتاب اللہ وحدیث رسول اللہ ﷺ سے جواب مرحمت ہو؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۲) نقد اور ادھار میں قیمت کی کمی زیادتی تو جائز ہے مثلاً کوئی تاجر ایک چیز نقد ایک روپیہ کو فروخت کرتا ہے اور وہی چیز ادھار لینے والے کو ۱۲؍ میں دے تو اس میں مضائقہ نہیں۔[۴] مگر اس کے جواز کے لئے یہ شرط ہے کہ مجلس عقد میں قیمت کی مقدار اور ادائے قیمت کی میعاد معین کر لی جائے مثلاً بائع

---

(۱) آڑھت۔ دلالی، کمیشن ایجنسی، دلالی پر فروخت، فیروز اللغات
(۲) واما الدلال فان العين بنفسه باذن ربها فاجرته على البائع' و في رد المحتار' ليس له اخذ شئ من المشترى لانه العاقد حقيقة(درمختار مع الرد كتاب البيوع ۴/ ۵۶۰ ط سعيد)
(۳) (هداية اخيرين باب المرابحة والتولية ۳/ ۷۴ ط شركة علميه)
(۴) (ايضا حواله گزشته بالا)

مشتری مجلس عقد میں ہی یہ کہہ دیں کہ مبیع کی قیمت ایک ماہ میں ادا کی جائے گی اور عـــہ ہو گی یہ احتمالی صورتیں اگر مہینے کے اندر ہو تو عـــہ اور مہینے کے بعد مگر ۴۵ دن کے اندر ہو تو عـــہ لوں گا۔ جائز نہیں بائع اور مشتری دونوں کو لازم ہے کہ قیمت اور ادائے قیمت کا زمانہ معین کر دیں۔[1] مثلاً مشتری خود اپنی حالت کا اندازہ کرے کہ میں مہینے کے اندر ادا کر سکتا ہوں تو مہینے بھر کا وعدہ کر لے اور بائع مبیع کی قیمت میں عـــہ فیصدی کا اضافہ لگا کر جو قیمت ہوتی ہو وہ معین کر دے مثلاً سو روپے کے مال کی قیمت ما عـــہ مقرر کر کے کہے کہ ما عـــہ کو فروخت کرتا ہوں تو یہ صورت جائز ہو جائے گی۔

سستا نرخ مقرر ہوتے ہوئے مہنگے نرخ پر ادھار یا نقد بیچنا

(سوال) ایک شہر میں نرخ مکئی وغیرہ فی روپیہ چار پیمانہ نقدی کا فروخت ہوتا ہے تو زید اس کے برخلاف نقدی کا تین پیمانہ فی روپیہ فروخت کرتا ہے اور شہر کے عام نرخ کے مطابق فروخت نہیں کرتا یا نقدی کا تو چار پیمانہ فی روپیہ ہی فروخت کرتا ہے مگر ادھار کی صورت میں تین پیمانہ فی روپیہ فروخت کرتا ہے اور قرض لینے والا تین پیمانہ ہی خرید کر جو کہ عام نرخ گاؤں کے خلاف ہے برائے ضرورت لے جاتا ہے تو کیا زید کو عام نرخ کے برخلاف نقدی کی کمی کر کے نرخ میں بیچنا جائز ہے کیا ادھار کی صورت میں نرخ میں کمی کرنا جائز ہے بعد قبول و ایجاب جانبین کے یہ بیع صحیح ہو گئی یا نہیں المستفتی نمبر ۱۹۹۸ محمد خواص صاحب (ہزارہ) ۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۳) زید اگر نقد کی صورت میں بھی بازار کے نرخ سے کم دیتا ہے تو اس کا اثر اس پر پڑے گا اور نقصان اٹھائے گا اور شریعت میں اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں[2] اور ادھار خریدنے والے کو کم نرخ پر دینا جائز ہے مگر زیادہ سختی کرنا جو غبن فاحش کی حد تک پہنچ جائے خلاف مروت و انسانیت ہے تاہم بیع صحیح ہو جاتی ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا سستی چیز ادھار پر مہنگی بیچنا سود ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) تجارتی سود کا لین دین کن صورتوں میں جائز یا ناجائز ہے مثلاً ایک شخص نے پانچ سو روپے کا مال ہندو تاجر سے خریدا لیکن خریدار کے پاس روپیہ کم ہے اس واسطے ہندو تاجر کے ساتھ ادھار کرنا پڑا اور ہندو تاجر

---

(۱) فان کان یترا ضیان بینھما فلم یتفرقا حتی قاطعۃ علی ثمن معلوم واتما العقد علیہ فھو جائز لانھما ما افترقا الا بعد تمام شرط صحۃ العقد (المبسوط للسرخسی، باب البیوع الفاسدہ ۱۳/۸ ط بیروت)

(۲) صح التصرف فی الثمن قبل قبضہ والزیادۃ فیہ والحط منہ (درالمختار ۶/ ۱۶۹) (۳) فی الھدایۃ : الا تری انہ یزاد فی الثمن لا جل الاجل وقال فی البحر لان للاجل شبھا بالمبیع الا تری انہ یزاد فی الثمن لا جل الاجل ثم قال الاجل فی نفسہ لیس بمال ولا یقابلہ شیٔ من الثمن حقیقۃ اذا لم یشترط زیادۃ الثمن بمقابلتہ قصداً (البحر الرائق کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ ۶/ ۱۲۵ ط بیروت و مثلہ فی رد المحتار مسائل شتی ۶/ ۷۵۷ ط، سعید)

سود حاصل کئے بغیر ادھار رکھنا منظور نہیں کرتا تو کیا سود ادا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اس کے برعکس مسلمان تاجر سے کوئی ہندو یا مسلمان سودا خرید تا ہے اور خریدار کے پاس روپیہ کم ہے تو اس صورت میں خریدار سے باقی روپے کے متعلق سود لینا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۴) نقد خریدنے کی صورت میں قیمت کی کمی اور ادھار خریدنے کی صورت میں قیمت کی زیادتی شرعاً جائز ہے[1] مثلاً ایک چاقو نقد خریدنے والے کو ایک روپے میں اور ادھار خریدنے والے کو ایک روپیہ ایک آنے میں دینا جائز ہے پس بیچنے والا اگر مسلمان ہے تو اپنے ہندو خریدار سے اس طرح معاملہ کرے کہ جس قدر روپیہ اس کے پاس نقد موجود ہے اتنے روپے کا مال علیحدہ کر کے معمولی قیمت پر اس کا معاملہ کرلے اور جتنا مال وہ ادھار لینا چاہتا ہے اتنا مال علیحدہ کر کے اس کا معاملہ علیحدہ کرے خریدار سے ادائیگی قیمت کی مدت مقرر کرا کے اشیاء کی قیمت میں ادھار دینے کی وجہ سے مناسب اضافہ کرلے تو یہ معاملہ جائز ہو جائے گا اور شرعاً سود قرار نہیں پائے گا اسی طرح اگر مسلمان کسی ہندو سے خریدے اور پورا روپیہ موجود نہ ہو تو نقد کا معاملہ علیحدہ کرے اور ادھار کا علیحدہ ادائیگی کی مدت معین کر کے ادھار کے معاملے میں مناسب اضافے پر راضی ہو جائے۔[2] محمد کفایت اللہ غفرلہ'

ایک چیز ایک کو سستی دوسرے کو مہنگی بیچنا
(الجمعیۃ مورخہ ۹ نومبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) (۱) ایک چیز گاہک کو پانچ پیسے کی دی اور دوسرے کو چھ پیسے کی یہ جائز ہے یا نہیں ؟(۲) نقد میں ایک چیز دس سیر دی اور ادھار میں نو سیر یہ کیسا ہے ؟

(جواب ۲۵) (۱) ایک خریدار کو ایک چیز پانچ پیسے کو اور دوسرے خریدار کو وہی چیز چھ پیسے کو دینے میں مضائقہ نہیں ہے۔[3] (۲) نقد قیمت ادا کرنے والے کو ایک چیز دس سیر دینا اور ادھار خریدنے والے کو وہی چیز آٹھ سیر دینا بھی جائز ہے بشرطیکہ مجلس عقد میں یہ صاف کر دیا جائے کہ بیع نقد ہو رہی ہے یا ادھار اور ادھار میں قیمت ادا کرنے کی مدت تاریخ کے ساتھ معین کر دی جائے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

گیارھواں باب

بیعانہ

شرط فاسد کی وجہ سے بیع ختم کرنے پر بیعانہ واپس کرنا

(سوال) زید نے بکر کے ہاتھ نیلام میں ایک قطعہ اراضی مبلغ آٹھ ہزار کی فروخت کی اور اشتہار میں

---

(۱) (حوالہ گزشتہ' البحر الرائق ۶ ۱۲۵ ط بیروت ومسائل شتی من ردالمحتار ۶/ ۷۵۷ ط ، سعید)

(۲-۳-۴) المبسوط للسرخسی' باب البیوع الفاسدہ ۱۳ ۸ ط' بیروت حوالہ گزشتہ ص۵۳)

یہ شرط تھی کہ اگر ۱۵یوم میں رجسٹری نہ کرائی تو بیعانہ ضبط اور اس کی ذمہ داری پر دوبارہ نیلام کر دیا جائے گا بکر نے اس شرط پر عمل نہیں کیا اور اس کی زندگی میں ہی زید نے بکر کو نوٹس دیدیا تھا کہ تمہارا بیعانہ اشتہار نیلام کی شرائط کے مطابق ضبط کرا لیا گیا اور تمہاری ذمہ داری پر دوبارہ نیلام ہوگا اس نے تازیست رجسٹری نہیں کرائی اور پھر وہ فوت ہو گیا اب اس کے ورثا طلب کرتے ہیں کہ بیعانہ ایک ہزار واپس دوازروئے شرع شریف وہ اس کے حقدار ہیں یا نہیں ؟ جو نقصان ہوا اس کا ذمہ دار کون ہوگا دوبارہ نیلام زید کے انتقال کے بعد ہوا ہے

المستفتی نمبر ۸۸۵ حاجی محمد اسحٰق صاحب صدر بازار دہلی ۲۸ محرم ۱۳۵۵ھ م ۲۱ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۶) نیلام (بیع من یزید) بھی بیع کی ایک قسم ہے جو شرعاً جائز اور معتبر ہے [۱] مگر جو شروط فاسدہ کہ بیع کو فاسد کرتے ہیں وہ اس بیع کو بھی فاسد کریں گے مثلاً یہ شرط کہ اگر میعاد معین پر ثمن ادا کر کے رجسٹری نہ کرائی گئی تو بیعانہ ضبط کر لیا جائے گا ایک شرط فاسد مفسد عقد ہے اور اس کی وجہ سے بیع فاسد ہو گئی [۲] اور بیع فاسد کا فسخ کرنا متعاقدین کے ذمہ شرعاً واجب ہوتا ہے [۳] اور بیعانہ کی واپسی بائع کے ذمہ واجب ہے اسے ضبط کرنے کا حق نہیں [۴] دوبارہ نیلام میں کمی قیمت کا خسارہ بھی بائع کے ذمہ ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی)

بارھواں باب
بیع سلم

عام بھاؤ سے کم قیمت کی شرط پر بیع سلم کرنا

(سوال) زید نے موسم گرما میں بکر سے ایک ہزار روپے کے گھی کا سودا کیا کہ سات ماہ بعد موسم سرما میں بازار کے نرخ سے دو روپے من کم مال لوں گا اور روپیہ بکر کو اسی وقت دیدیا جب گھی کی پیداوار کا وقت آیا تو نرخ گھی کا زید کو گراں معلوم ہوا زید نے بکر سے وہ گھی فروخت کرا دیا اب زید دو روپے فی من منافع لے لے تو جائز ہو گا یا کہ گھی ہی بکر سے دو روپے من کم لے۔ بینوا توجروا؟

(جواب ۲۷) یہ صورت بیع سلم کی ہے اور بیع سلم کے جواز کے لئے چند شرطیں ہیں منجملہ ان کے ایک

---

(۱) فی الدر لا یکرہ بیع من یزید لما مر و یسمی بیع الدلالۃ (الدر المختار باب بیع الفاسد ۵ : ۱۰۳ ط س)
(۲) و بیع بشرط لا یقتضیہ العقد ولا یلائمہ و فیہ نفع لاحدھما الخ (الدر المختار کتاب البیوع باب بیع الفاسد ۵ / ۸۴ ط سعید)
(۳) و یجب علی کل واحد منھما فسخہ قبل القبض الخ (الدر المختار کتاب البیوع باب بیع الفاسد ۵ / ۹۰ ط سعید)
(٤) نھی عن العربان ان یقدم الیہ شیئ من الثمن فان اشتری حسب من الثمن والا فھو لہ مجانا و فیہ معنی المیسر (حجۃ اللہ البالغہ مبحث البیوع المنھی عنھا ۲ / ۳۲۲ ط آرام باغ کراچی)

شرط یہ بھی ہے کہ نرخ مبیع کا متعین کرلیا جائے[1] اور یہ کہنا کہ نرخ بازار سے دو روپے فی من کم اوں گا تعیین نہیں ہے لہذا یہ معاملہ ناجائز اور فاسد ہے[2] اور اس حالت میں متعاقدین پر ضروری ہے کہ اس معاملے کو فسخ کریں[3] اور زید اپنا اصل روپیہ بکر سے لے لے زیادہ لینا جائز نہیں اور نہ گھی لینا جائز ہے۔[4] واللہ اعلم

(۱) بیع سلم کرتے وقت بھاؤ متعین کرنا
(۲) مقررہ نرخ میں کمی بیشی ہونیکی صورت میں بیع سلم کا حکم

(سوال) (۱) ایک شخص نے دوسرے سے روپیہ لیا ایک مقدار معلوم دینے والا اس شرط پر روپیہ دیتا ہے کہ فصل پر چاہے کچھ ہی بھاؤ ہو میں ایک روپیہ من کے حساب سے لوں گا اس وقت روپیہ لینے والے نے منظور کرلیا اس طرح جائز ہے یا نہیں۔

(۲) ایک شخص نے دس من غلہ تیس روپے کا یعنی فی من تین روپے کے حساب سے دوسرے شخص کو دیا اور کہا کہ اس کے عوض میں تیس روپے کا غلہ لوں گا کیا بھاؤ لوں گا یہ بھی نہیں کہا اور نہ یہ کہا کہ کس وقت لوں گا اب جب غلہ وہ شخص اس سے لیتا ہے اس وقت ایک من کی قیمت دو روپے ہے اس حساب سے تیس روپے کا پندرہ من ہوتا ہے اب جس نے پہلے تیس روپے کا دس من دیا تھا وہ شخص لیتے وقت پندرہ من لیتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۸) روپیہ اول دیدینا اور غلہ کا نرخ معین کرکے ٹھہرالینا اسے اصطلاح فقہ میں بیع سلم کہتے ہیں بیع سلم ان شروط کے ساتھ جائز ہے جس قدر غلہ لینا ہو اس کی پوری قیمت کا روپیہ جو ان کے باہمی طے شدہ نرخ سے ہوتا ہے۔ پہلے ہی یعنی بوقت عقد دیدیا جائے۔ جو غلہ لینا ہے اس کی جنس و نوع وصفت بیان کردی جائے مثلاً گیہوں فلاں قسم کے اعلیٰ درجے کے نرخ معین کرلیا جائے اجل یعنی مدت معین کردی جائے کہ کب غلہ لیا جائے گا مکان استیفا کہ غلہ کس جگہ پر حوالہ کیا جائے گا معین کردیا جائے اس کے بعد یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جس غلہ میں بیع سلم کی ہے وہ وقت عقد سے وقت استیفا تک بازار میں موجود ہے ورنہ سلم صحیح نہیں ہوگی۔ **من شرائط جواز السلم ان یکون معلوم الجنس و منھا ان یکون معلوم النوع و منھا ان یکون معلوم الصفة و منھا ان یکون معلوم القدر بالکیل اوالوزن اوالعدد اوالذراع و منھا ان یکون موجودا من وقت العقد الی وقت الاجل و منھا ان یکون مؤجلا باجل معلوم و منھا ان یکون راس المال مقبوضا فی مجلس السلم انتھی ملتقطا (بدائع)**[5]

---

(۱) و بیان قدر رس المال ان تعلق العقد بمقدارہ الخ (الدر المختار' باب السلم ۵/ ۲۱۵ ط. س)
(۲) ولا یصح السلم الا بسبع شرائط عند ابی حنیفة (ھدایة' باب السلم ۳/ ۹۵ ط شرکة علمیه)
(۳) و یجب علی کل واحد منھما فسخه قبل القبض الخ (الدر المختار' کتاب البیوع' باب بیع الفاسده ۵/ ۹۰ ط. س)
(٤) ولا یجوز لرب السلم شراء شئ من المسلم الیه براس المال بعد الاقاله قبل قبضه بحکم الاقاله لقوله علیه السلام لاتاخذ الا سلمك او رأس مالك (الدر المختار' کتاب البیوع' باب السلم ۵/ ۲۱۹ ط ، سعید)
(۵) (بدائع الصنائع ۵/ ۲۰۷ ط، سعید)

(۲) یہ عقد ناجائز ہے اور ربوا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ غلہ کسی اور شخص کے ہاتھ فروخت کردیا جائے اور پھر جس سے سلم کرنی ہوا ہے (غلہ نہیں بلکہ) نقد روپیہ دیکر بشرائط مذکورہ جواب اول سلم کی جائے۔ غلہ کم دے کر زیادہ لینا جائز نہیں ہے من شرائطه ان لا یجمعهما (ای البدلین) احد و صفی علة الربا ای ربوا الفضل و ذلك اما الکیل والوزن واما الجنس الخ (بدائع)[1] کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرس مدرسہ امینیہ' دہلی مہر دار الافتاء مدرسہ امینیہ' دہلی

رقم کی ادائیگی کے چھ ماہ بعد مبیع لینے کا کہنا بیع سلم ہے

(سوال) یہاں برہما میں تاجر لوگ چاول وغیرہ کی تجارت اس طرح کرتے ہیں کہ تین مہینے یا چھ مہینے پہلے بیوپاری سے مال خریدتے ہیں کہ فلاں مہینے میں فلاں قسم کا چاول اتنی قیمت پر ہم نے اتنی ہزار بوری خریدے چاول کا پتہ بھی نہیں کہ کہاں ہے پھر اس خریدار سے اور لوگ اسی طرح خریدتے ہیں۔ اسی طرح سلسلہ رہتا ہے۔ ایک دوسرے کے ہاتھ نفع سے بیچتا ہے آیا یہ بیع صحیح ہے یا نہیں اور یہ معاملہ کیسا ہے ؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۹) یہ بیع بیع سلم ہے اور چند شرائط کے ساتھ جائز ہے شروط یہ ہیں مبیع وقت عقد سے وقت ایفا تک بازار میں موجود ہو خواہ بائع کی ملک میں ہو یا نہ ہو مبیع کے بازار میں موجود رہنے سے یہ مراد ہے کہ اس قسم کا مال بازار میں مل سکتا ہو نہ یہ کہ مشخص طور پر وہی چیز جس کی بیع کی گئی ہے۔ مبیع کی تعیین اس کی جنس' نوع' صفت بیان کر کے عقد بیع میں کردی گئی ہو۔ مبیع کا نرخ متعین کردیا گیا ہو کہ اس نرخ سے مثلاً روپے کا دس سیر لیں گے جس قدر خریدا ہے اس کی تمام و کمال قیمت عقد بیع کے وقت بائع کو دیدی جائے ایفائے مبیع کی مدت معین کردی گئی ہو ان شروط کے ساتھ یہ بیع درست ہے اور اگر یہ شروط متحقق نہ ہوں تو ناجائز ہے۔[2] ہاں یہ بھی واضح رہے کہ اس بیع میں اگر بائع کسی وجہ سے مبیع دینے سے عاجز آ کر مشتری کا روپیہ واپس کرنا چاہے تو مشتری صرف اسی قدر روپیہ لینے کا مستحق ہے جس قدر اس نے دیا ہے۔[3] یہ نہ ہوگا کہ مال کی قیمت لگا کر اس وقت کے لحاظ سے زیادہ روپیہ وصول کرے۔ ہر خریدار کے لئے جو سلسلہ وار ایک دوسرے سے خریدے ان تمام شروط کی رعایت ضرور ہے نیز یہ بھی لازم ہے کہ بائع عقد ثانی میں یہ نہ کہے کہ جو چاول میں نے فلاں شخص سے خریدا ہے وہ اتنے نفع پر تیرے ہاتھ بیچتا ہوں ورنہ یہ معاملہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیوں کہ مسلم فیہ میں تصرف قبل قبضہ جائز نہیں ہے۔ ولا یجوز التصرف للمسلم الیه فی راس المال ولا لرب السلم فی المسلم فیه قبل قبضه بنحو بیع و شرکة و مرابحة و تولیة انتهی[4] وشرطه بیان جنس

---

(۱) (بدائع الصنائع ۵/ ۲۱٤ ط .سعید)

(۲) و شرطه ای شروط صحته التی تذکر فی العقد سبعة ، بیان جنس و نوع الخ (الدرالمختار کتاب البیوع' باب السلم ۵/ ۲۱٤ ط . سعید)

(۳) ولا یجوز لرب السلم شراء شئ من المسلم الیه براس المال بعد الاقالة قبل قبضه بحکم الاقالة لقوله علیه السلام لا تاخذ الا سلمك او رأس مالك ای الا سلمك حال قیام العقد او رأس مالك حال انفساخه فامتنع الاستبدال الخ (الدر المختار' کتاب البیوع' باب السلم ۵/ ۲۱۹ ط. سعید)

(٤) (الدر المختار' کتاب البیوع' باب السلم ۵/ ۲۱۸ ط . سعید)

کبر او تسر و بیان نوع و صفة وقدر واجل الخ (درمختار)[1] والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

فلوس میں بیع سلم کا حکم

(سوال) احقر نے سلم فی الفلوس کو ایک مرتبہ اس بنا پر عمل میں لایا کہ ہمارے (احناف کی) کتب فقہ میں جائز لکھا گیا ہے اور اس کے لئے شرائط سلم کے سوا کوئی قید نظر سے نہیں گزری اتنے میں ایک مولوی صاحب نے مجھے مولانا تھانوی مد فیوضہم کے ایک فتوے کی طرف جو کہ امداد الفتاویٰ کے تتمہ خامسہ میں مسطور ہے اس طرح متوجہ کیا کہ پہری کے ایک عامی ملازم کی زبان سے مشہور کرادیا کہ یہ شخص سود خور ہے اس کے پیچھے نماز درست نہیں اس فتوے کا اثر ایک مسلمان کے دل پر جس قدر ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے میں نے مجبوراً ایک مختصر مجلس میں اس مسئلے کی تحقیق کی۔ صاحب مذکور کے پاس تتمہ مذکورہ کے سوا کوئی دلیل نہیں تھی۔ چونکہ میں اس مسئلے کو مطلق سمجھتا تھا تتمہ کی عبارت کو بنظر استعجاب دیکھا وہ یہ ہے "اور فلوس کی سلم کی اجازت جب ہے کہ مقصود اس حیلے سے سود نہ ہو ورنہ اس کا حکم مثل بیع عینہ کے ہے" الخ۔ اب مجھے اس جگہ چند شکوک ہیں۔ اول یہ قیاس مولانا ممدوح کا اجتہاد ہے یا کسی مجتہد سے نقل ہے بنا بر ثانی منقول عنہ تعیین فرمایا جائے بنا بر اول فی ہذا العصر اجتہاد کرنا جائز ہے؟ بالخصوص اس طرح کہ ائمہ ثلاثہ کے مطلق کو مقید کر سکیں۔ ثانی سود سے کیا مراد ہے۔ اگر معنی شرعی حقیقی (ربوا) مراد ہو تو پہلے عدم مجانست اس کا مانع ہے یا مجازی (نسیہ) مراد ہے جیسا کہ بعض احادیث میں نسیہ سے لفظ ربوا تعبیر وارد ہے۔ فاجتماع شرائط صحۃ السلم یابی عنہ یا لغوی (ربح) مراد ہو فهو كما ترى اذ كثير من المعاملات مقرون بهذا القصد فما بال هذا السلم مع كون السلم نعم البدل من الربوا على مافي الاحاديث اور جب کہ بنائے صحۃ السلم کی شرائط میں سے وجود مسلم فیہ میں حین العقد الی المحل ہے پس عدم ربح کی صورت میں یہ مسئلہ ایک بدال با اثر سا معلوم ہوتا ہے۔ ثالث یہ قیاس مع الفارق سا معلوم ہوتا ہے۔ کہ عینہ میں مستقرض روپیوں کا طالب ہے نہ ثوب کا اور مقرض بھی روپیہ ہی دینا چاہتا ہے اور ثوب بطور واسطہ حیلہ محض کے ہے پس یہ عقد حرام قطعی نہیں ہوا رعایۃ للفظ اور مکروہ ہوا نظرا الی المآل اور یہاں تو جو چیز مقصود ہے وہی ایک جانب سے دیا گیا ہے بلکہ اس کا قیاس اس بیع پر اوفق ہے جس کو حضور ﷺ نے تبادلہ تمر میں تجویز فرمایا ہے وهو هذا ولكن اذا اردت ان تشتري فبع التمر ببيع آخر ثم اشتربه متفق عليه مشكوة ج ۱ ص ۲۴۵ باب الربوا كتاب البيوع و مسلم في باب الربوا ج ۲ ص ۲۶ اخرجه البخاري في باب اذا اراد بيع تمر بتمر خير منه ج۱ ص ۲۹۳ ولكن بالفاظ مختلفة فقال رسول الله ﷺ لا تفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا اس لئے کہ اگر جید کا بائع اور ردی کا مشتری

---

(۱) الدر المختار، کتاب البیوع، باب السلم ۵: ۲۱۴ ط. سعید

یک ہی شخص ہو تو قدر اور جنس کے ہوتے ہوئے بہ نیت تفاضل رقم کا ہیر پھیر ہی مبیح تفاضل ہوا پس اس جگہ جب کہ مجانست ہی نہیں تو بہ نیت ربح کس طرح حرام ہوا؟ پس نہی عن التعدید و تحلیل حلال و تحریم حرام کی تاکید مد نظر رکھتے ہوئے از راہ ذرہ نوازی یا تو ازالہ شکوک فرمائیے یا تصحیح سے شکریہ کا موقع دیجئے۔ بینوا توجروا المستفتی نمبر ۱۲۸ مولوی محمد سیف الرحمن (کنک) ۳ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۹۳۳ء۔

(جواب ۳۰) سلم فی الفلوس روایات فقہیہ کی رو سے جائز ہے فلوس کاسدہ میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ البتہ نافقہ میں بوجہ بقائے ثمنیت و قصد ثمنیت شبہ ہے۔ فقہا کی دلیل لان الثمنیة تثبت فی حقھما باصطلاحھما فتبطل بابطالھما[1] مخدوش ہے ممکن ہے کہ فقہائے کرام کے زمانے میں ایسا ہی ہو لیکن موجودہ زمانے میں مقدمہ اولیٰ کی صحت غیر مسلم ہے بلکہ الثمنیه تثبت بقانون الحکومة ولا ترتفع الا بقانون الحکومة اس لئے جواز سلم فی الفلوس النافقہ کا فتویٰ دینا مشکل ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بیع سلم میں وقت پر ادا نہ کرنے پر جرمانے کی شرط لگانا

(سوال) ایک شخص نے تجارت کے لئے پچاس روپے بایں طریق ایک دوسرے شخص سے لئے کہ لینے کے دن سے چار ماہ حد متعین تاریخ کو ان پچاس روپیوں کے بالعوض دو من گھی ادا کروں گا اگر گھی نہ ہو سکا تو جتنی رقم بدنی مروجہ کے طریق کے مطابق ہوئی اس کو تاریخ معین پر ادا کروں گا اور آج کل کی بدنی مروجہ کی صورت بنیوں کے یہاں یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی بدنی پر روپیہ لینے والا جنس مقررہ کو وقت پر ادا نہیں کرتا تو جو ایام جنس معہودہ کے ادا کرنے کے مقرر ہوتے ہیں ان میں سے جو ایسا ہو کہ اس میں جنس معہودہ نہایت گراں فروخت ہوئی ہو تو اس نرخ کے حساب سے دام کاٹتے ہیں مثلاً مقررہ مدت چار ماہ ہے اور جنس مقررہ ادا نہ ہو سکی اور جنس کے دام ادا کرنے ہیں تو ان چار ماہ میں اگر گھی آدھ سیر کا کسی روز فروخت ہو گیا تو دو من گھی کے ایک سو ساٹھ روپے کٹیں گے۔

اب اگر یہ رقم مذکور مقروض نے تاریخ مقررہ پر ادا نہ کی تو ایک سو ساٹھ روپیوں پر سود چالو ہو جائے گا۔ روپیوں کا مالک تین سال کے اندر اندر جب چاہے بذریعہ ڈگری اپنی رقم بمع سود وصول کر لے۔

اور اگر ایسا ہو جائے کہ گھی سیر کا فروخت ہونا تھا اس وقت ڈیڑھ سیر کے نرخ پر بدنی ہوئی تھی اور بدنی ہوتے ہی مثلاً گھی دو سیر کا ہو گیا تو بنیا دو من گھی کے دام چالیس روپے دو سیر کے نرخ کے حساب سے بالکل نہیں کاٹتے بلکہ سیر کے نرخ کے حساب سے دام کاٹتے ہیں غرضیکہ مطلب یہ ہے کہ پورے پچاس روپے یا پچاس سے کم کی صورت میں نہیں لیتے اس مسئلہ میں دریافت طلب یہ بات ہے کہ اگر روپیہ لینے والا شخص کسی سے بلا بدنی پچاس روپیہ لیتا تو سود ہی ملتے اور ملتے ہی سود چالو ہو جاتا تو اس سے بہتر تو یہی ہے کہ بایں

---

(۱) (ھدایة کتاب البیوع باب السلم ۳ / ۸۱ ط شرکة علمیه)
(۲) ھذا من کلام المفتی الاعظم مصنف ھذا الکتاب

طریق روپیہ لے لے اور اس بدنی کی صورت میں چونکہ مقروض کو اپنی حیثیت کو دیکھتے ہوئے یہ یقین ہے کہ میں بہر صورت اس دو من گھی کو وقت مقررہ پر ادا کر دوں گا تو اس صورت میں تاہم ایک بگڑی ہوئی صورت بیع سلم کی جب بھی ہے۔ لہذا فی یقین مذکور کی بنا پر ایسا معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں۔ نیز ایک پڑھا لکھا شخص کہتا بھی ہے کہ اگر وقت مقررہ پر جنس معہودہ کو مقروض ادا کر دے تو ایسا معاملہ کرنا جائز اور درست ہے یاں شرط یہ ہے کہ دو من گھی کو وقت مقررہ پر ادا کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پچاس روپے لینے والا شخص بدنی تو کرتا ہے گھی کے اوپر لیکن اس کی نیت روپیہ لیتے وقت یہ ہوتی ہے کہ میں وقت پر وہ دام ادا کروں گا جو دام دو من گھی کے بنیا کاٹے گا تو اس صورت کا حکم بھی بیان فرمایا جائے کہ شرعاً کیا حکم ہے؟ فقط المستفتی نمبر ۲۵۸۸ عبداللہ مالپوری ۹ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ م ۱۸ اپریل ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۱) اگر کوئی رقم اس طور پر لی جائے کہ اس کے بدلہ میں فلاں جنس اس نرخ سے فلاں تاریخ کو ادا کر دوں گا تو شرط تعیین قسم وصف و نرخ و وقت ادائیگی کے ساتھ یہ معاملہ جائز ہے۔ اس کو بیع سلم کہتے ہیں[1] اور وقت پر جنس ادا نہ ہو تو دی ہوئی رقم واپس دینی ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ دینا اور دائن کو لینا حرام ہے اور زیادہ دینے کی شرط سے معاملہ کیا جائے تو معاملہ ہی ناجائز ہوگا[2] اور معاملہ کرتے وقت قرض لینے والے کی نیت اداء جنس کی نہ ہو بلکہ بدنی قاعدہ مروجہ سے روپیہ ادا کرنے کی ہو تو اس کو یہ معاملہ کرنا ناجائز ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

مویشی رکھوالی کے لئے دینا کہ ان کے بچے آدھو آدھ تقسیم ہوں گے

(سوال) ہمارے یہاں چوپایوں کو بٹ پر اس شرط پر دیتے ہیں کہ ان سے جو بچے پیدا ہوں گے اس میں ہم آدھا تم کو دیدیا کریں گے یہ جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی میاں جی نور محمد موضع نئی ضلع گوڑگانوہ۔

(جواب ۳۲) اس طرح جانوروں کو دینا کہ ان کے بچوں میں سے آدھے بچے تم کو دیں گے ناجائز ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ابھی قرض لینا کہ غلہ کے موسم میں گندم دوں گا بیع سلم ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) اگر زید عمرو سے پچھتر روپیہ اس شرط پر لے کہ غلہ کی فصل پر غلہ ادا کر دے گا اور اس کا نرخ بھی

---

(۱) (وھو) بیع آجل وھو المسلم فیہ بعاجل) وھو راس المال ورکنہ رکن البیع وشرطہ ای شروط صحتہ التی تذکر فی العقد سبعۃ بیان جنس کبر و تمر و بیان نوع کمسقی او بعلی ووصفہ کجید وردی وقدر واجل و بیان قدر راس المال و مکان الایفاء (تنویر الابصار مع درمختار کتاب البیوع باب بیع السلم ۵ / ۲۰۹، ۲۱۴، ۲۱۵ ط. سعید)

(۲) ولا یجوز لرب السلم شراء شئ من المسلم الیہ الی قولہ بحکم الاقالۃ لقولہ علیہ السلام لا تاخذ الا سلمک او راس مالک (الدر المختار کتاب البیوع باب السلم ۵ / ۲۱۹ ط. سعید)

(۳) دفع بقرۃ الی رجل علی ان یعلفہا وما یکون من اللبن والسمن بینہما انصافا فالا جارۃ فاسدۃ (عالمگیریۃ کتاب الاجارۃ الفصل الثالث قفیز الطحان ۴ / ۴۴۵ ط کوئٹہ)

وہی ہو گا جو اس وقت طے ہو جائے خواہ غلہ ادا کرنے کے وقت نرخ کچھ ہی کیوں نہ ہو تو یہ بیع جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۳) ہاں یہ بیع سلم کی صورت ہے اور بیع سلم اپنے شرائط کے ساتھ جائز ہے شرائط کی **تفصیل** کسی مقامی عالم سے دریافت کرلی جائے۔ (۱) محمد کفایت اللہ غفرلہ'

بیع سلم میں ادائیگی کے وقت بھاؤ میں کمی بیشی یا جنس کی تبدیلی کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۷ء)

(سوال) ظہور علی نے پنڈت جی کو پانچ روپے قرضہ دیا ہے اور اقرار یہ ہے کہ فی روپیہ دس سیر مسور فصل آنے پر لی جاوے گی تو فصل پر پنڈت جی کے پاس مسور نہیں ہوئی پنڈت جی و ظہور علی کا فیصلہ ہونا مقرر ہوا ہے کہ مسور کی جگہ پر گندم لی جاوے۔ جس قدر قیمت کی کل مسور ہے اسی قیمت کی جس قدر گندم ہو پنڈت جی دینے کو راضی ہیں ظہور علی اس بارے میں شرعی حکم معلوم کرنا چاہتے ہیں ؟

دوسرے ظہور علی نے پنڈت جی کو دس روپیہ دیا ہے اور یہ اقرار ہے کہ ہم فی روپیہ دس سیر چنا لیں گے۔ فصل پر چنا نہ ہونے سے ظہور علی و پنڈت جی کا یہ اقرار ہوا ہے کہ فصل پر جس قدر قیمت کے چنے ہیں اسی قدر حساب لگاکر روپیہ لے لیا جائے۔ اگر اقرار مذکور پر شریعت اجازت نہ دے تو کس طریقے سے وصول کیا جاوے ؟

(جواب ۳۴) ظہور علی پنڈت جی کو مجبور کریں کہ وہ مسور اور چنا جس بھاؤ کو بھی ملے ظہور علی کو ادا کر دے۔ ظہور علی کوئی دوسری جنس نہیں لے سکتے۔ صرف مسور اور چنا ہی لے سکتے ہیں۔ اور پنڈت کو یہ دونوں چیزیں دینی چاہئیں خواہ بازار سے ادا کردے۔ البتہ ظہور علی اگر پنڈت کو مجبور کرنا نہیں چاہتے تو اپنا روپیہ واپس لے سکتے ہیں ظہور علی کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا موعودہ غلہ لیں یا جو روپیہ دیا تھا وہ واپس لے لیں۔ (۲)
محمد کفایت اللہ غفر لہ، دہلی۔

بیعانہ دینے کے بعد مقررہ نرخ میں کمی بیشی ہو جائے تو نفع و نقصان پورا کرنے کی ایک صورت

(سوال) ہم نے آج کے نرخ سے چاندی سونا یا اور کوئی چیز خریدی اور اس چیز کی مقدار مقرر کر کے اس سے یہ طے کیا کہ یہ مال ہے تجھ سے مثلاً ایک مہینہ یا کچھ کم و بیش دن مقرر رکھے کہ اس تاریخ کو لیں گے اس نے یہ بات منظور کر کے بیعانہ لے لیا اور مال آج کے نرخ سے جو نرخ ہم نے منظور کرلیا ہے ہمارے ذمہ صحیح ہو گیا۔ اب جب ہمارے مال لینے کی تاریخ آئی تو اس دن کا نرخ ہماری خرید سے کم ہے۔ ہمیں اس مال کے لینے میں جتنا نقصان ہوتا ہے اتنی رقم ہم اس کو دیدیں اور مال نہیں لیں یا ہمارے مال لینے کی تاریخ آئی تو اس دن کا نرخ

---

(۱) وشروط صحته التي تذكر في العقد سبعة (الدر المختار' كتاب البيوع' باب السلم ۵/ ۲۱۴ ط ، سعید) لیکن مذکورہ صورت میں جہالت نہ ہو کے درست نہیں' واللہ اعلم

(۲) ولا یجوز ...... شراء شيء من المسلم اليه الى قوله بحكم الا قالة لقوله عليه السلام لا تاخذ الا سلمك او رأس مالك الخ(الدر المختار' كتاب البيوع' باب السلم ۵/ ۲۱۹ ط س)

ہماری خرید سے زیادہ ہے۔ ہمیں اس مال کے لینے میں جتنا فائدہ ہوتا ہے اتنی رقم ہم اس دوکاندار سے لیں تو یہ نفع لینا اور نقصان دینا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی حاجی محمد داؤد صاحب (بلیماران دہلی)

(جواب ۳۵) یہ صورت نفع لینے یا نقصان دینے کی جائز نہیں ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

تیرھواں باب
پیمائش اور اوزان

شرعی گز اور تولہ کی مقدار

(سوال) شرعی گز اور انگریزی میں نیز تولہ اور انگریزی روپیہ میں کیا فرق ہے؟ المستفتی نمبر ۱۸۷ پروفیسر محمد طاہر صاحب ایم اے (ضلع میمن سنگھ) ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۶) شرعی ذراع نمبری گز کے ۸$\frac{1}{2}$ گرہ کے برابر ہے[2] اور انگریزی روپیہ کو تولہ قرار دینا حساب میں آسانی کے لئے بہتر ہے۔ ورنہ تولہ کے اوزان ہر زمانہ اور ہر ملک میں مختلف رہتے ہیں۔[3] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

چودھواں باب
خرید و فروخت کے لئے وکیل بنانا

دوسرے کے لئے خریدی گئی چیز پر نفع لینے کا حکم

(سوال) زید کو اپنی دکان کے واسطے باہر سے سامان خرید کرلانے کی اور اس کے لئے روپے کی ضرورت ہے۔ زید بکر سے کہتا ہے کہ مجھ کو مبلغ یکصد روپے دے دو سامان خرید کر لاؤں گا تو اس کی بلٹی جب تم کو دیدوں گا اور اس پر تم کو مبلغ پانچ روپے منافعہ کے دے دوں گا۔ اور ان روپیوں کی ادائیگی کی میعاد تین مہینے قائم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یا تو روزانہ لے لو یا یک مشت تین مہینے میں لے لینا بعض اوقات زید اپنے شہر سے بھی سامان خرید لیتا ہے اس کے متعلق کہتا ہے کہ مال بکر کے قبضے میں دیکر پھر خرید لیا کروں گا۔ اور اس پر کچھ منافع دے دیا کروں گا المستفتی نمبر ۹۰۳ کلن چھٹن مراد آباد مورخہ ۷ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۹ اپریل ۱۹۳۶ء

---

(۱) کیونکہ اس صورت میں نفع نقصان دینا اور لینا ربا ہے اور ربا حرام ہے جیسا کہ رد المحتار میں ہے لان الربا ھو الفضل الخالی عن العوض (رد المحتار کتاب البیوع باب السلم ۵/ ۲۴۱ ط. سعید)

(۲) شرعی گز ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ کا ہوتا ہے اور یہ انگریزی گز کا نصف ہے (جواہر الفقہ لمفتی محمد شفیع ۱/ ۴۳۸)

(۳) اور اس دور میں انگریزی روپیہ کی چلن ختم ہو چکی ہے مگر تولے کا وزن ماشہ سے کیا جاتا ہے اور ایک تولہ (۱۲) ماشے کا ہوتا ہے فیروز اللغات

(جواب ۳۷) اگر زید بکر سے روپیہ قرض نہیں لیتا بلکہ بکر کے روپے سے مال بکر کے لئے خرید تا ہے اور خود بحیثیت وکیل بکر کے کام کرتا ہے تو اس پر وکالت کے احکام جاری ہوں گے۔[1] اور مال کا مالک بکر ہو جائے گا اس کے بعد اگر زید اس مال کو بکر سے اپنے لئے خرید لے اور کچھ منافع دیدے تو یہ جائز ہوگا۔[2] اور اس رقم کی ادائیگی کے لئے جو مدت آپس میں طے کرلیں وہ جائز ہوگی۔ لیکن اگر زید مال نہ خریدے تو بکر کو اس پر جبر کرنے کا حق نہ ہوگا۔[3] محمد کفایت اللہ دہلی

پندرہواں باب
متفرقات

(۱) قرآن کریم کو بغرض تجارت بیچنے کا حکم
(۲) قرآن کریم کو پارہ پارہ کر کے چھپوانا
(۳) قرآن پاک کو رنگین کرنے کا حکم

(سوال) (۱) قرآن کریم کی طبع ونشر غیر مسلم اقوام کے ہاتھ میں نہیں ہونا چاہیئے اگر کوئی مسلم کمپنی یا کوئی بینک مسلم ایسا کام اپنے ہاتھ میں لے تو لوگوں کو اس ہستی کا مشکور ہونا چاہیئے۔ لیکن اس ہستی کو قرآن کریم کو ایک مال تجارت تصور نہ کرنا چاہیئے۔ ہاں اس کے متعلق جس قدر مصارف خواہ کثیر یا قلیل ہوں انکو وصول کرنے کا حق ہے مگر اس صرف سے زیادہ وصول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔ جو روپیہ بطور منافع اس طرح سے حاصل ہوگا۔ وہ ناجائز ہے۔ میرا یہ خیال صحیح ہے تو پھر ایسے منافع کے حصے داران بھی جائز روپیہ حاصل نہیں کرتے اور احتیاط اسی میں ہے کہ اس منافع سے پرہیز کیا جاوے۔ عوام کو عموماً اور امراء کو خصوصاً۔
(۲) قرآن کریم کو حصہ حصہ کر کے (مثلاً پنج سورہ، یازدہ سورہ، سیزدہ سورہ) چھپوانا درست ہے؟ کیا اس طرح قرآن کریم کا پارہ پارہ ہو جانے کا اندیشہ نہیں ہے؟ مجھے یقین ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ دار خود اللہ کریم ہے۔ (۳) قرآن کریم کا ہشت رنگ وغیرہ کرنا کہ نظر میں اس کی صورت مزین ہو اور موجودہ زمانہ کے بھی مطابق ہے تو یہ کہاں تک درست ہے؟ المستفتی نمبر ۱۳۵۱ محمد برکت علی صاحب سب جج پنشنر (جالندھر) ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۶ فروری ۱۹۳۷ء۔
(جواب ۳۸) (۱) مصاحف مطبوعہ یا قلمی مالک کی ملک ہیں اور وہ ان کو بیع کر سکتے ہیں اور ان کی تجارت

---

(۱) العبرة في العقود للمقاصد والمعاني لا للالفاظ والمباني (قواعد الفقه ص ۹۱ ط صدف پبلشرز)
(۲) لو وكله شراء شئ بغير عينه فالشراء للوكيل الا اذا نواه للموكل او الشراء بماله اى مال الموكل (رد المحتار كتاب الوكالة ۵/ ۵۱۶ ط. سعيد)
(۳) لما في الدر: فلو اكره بقتل او ضرب شديد او حبس حتى باع او اشترى او اقر او آجر فسخ ما عقد او امضى لان الاكراه الملجي وغير الملجي يعدمان الرضى و الرضى شرط لصحة هذه العقود وكذا الصحة الا قرار الخ (الدر المختار كتاب الاكراه ۶ / ۱۳۰ ط. سعيد)

ممنوع ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں اور قرآن مجید کی طبع اور نشر اور تجارت سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔
(۲) حصہ حصہ کر کے شائع کرنا مباح ہے اور بغرض تعلیم بچوں کے لئے پارہ پارہ کر کے چھاپنا بھی مفید ہے اور سلفاً اور خلفاً معمول بہ ہے۔(۱)(۳) یہ صورت خلاف اولیٰ ہے لیکن اگر غرض قرآن مجید کی عظمت واحترام ہو تو مباح ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

غلہ کی تجارت کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۳۷ء)

(سوال) غلہ کی تجارت جائز ہے یا ناجائز؟
(جواب ۳۹) غلہ کی تجارت جائز ہے۔ بلکہ انسان اور حیوانات کے لئے حصول غذا میں آسانی پیدا کرنے کی نیت سے ہو تو موجب اجر ہے۔(۳) ہاں احتکار مکروہ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جب کہ مخلوق کو غلہ کی حاجت ہو ایسے وقت کوئی غلہ روک رکھے یا وہ جو نفع ملنے کے زیادہ گراں قیمت پر غلہ فروخت کرنے کے ارادہ سے بند کر لے اور مخلوق کو اس سے مالی اور جسمانی تکلیف پہنچے تو یہ فعل ناجائز ہے۔(۴)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) وعن ابن عباس انہ سئل عن اجرۃ کتابۃ المصحف فقال لاباس انما ہم مصورون وانہم انما یاکلون من عمل ایدیہم رواہ رزین (مشکوۃ شریف' کتاب البیوع' باب الکسب مطلب الحلال' ج ۱' ۲۴۲)
(۲) و جاز تحلیۃ المصحف لما فیہ من تعظیمہ کما فی نقش المسجد و تعشیرہ و نقطہ ای اظہار اعرابہ و بہ یحصل الرفق جدا خصوصا للعجم (الدرالمختار ' کتاب الحظر والاباحۃ' ۶/۳۸۶ ط سعید)
(۳) موجب اجر ہونے کی علامت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء" (ترمذی' کتاب البیوع ۱/ ۲۲۹ ط سعید)
(۴) قال علیہ الصلاۃ والسلام " من احتکر طعاما اربعین یوما یرید بہ الغلاء فقد بریٔ من اللہ و بریٔ اللہ منہ رواہ رزین (مشکوۃ ۱/ ۲۵۱)

کتاب الربوا

پہلا باب
بینک کے معاملات

کفار کے بینکوں سے سود لینے کا حکم

(سوال) کفار و گورنمنٹ بینک میں روپیہ جمع کرانا اور سود لینا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو کیوں ؟ اور جواز کے کیا دلائل ہیں،اور جواز کی صورت میں آیات صریحہ واحادیث صحیحہ محرمات ربوا کے کیا معنی ہیں اور ان کا صحیح مفہوم کیا ہے ؟جب کہ ان میں صراحۃً امتناعی حکم موجود ہے۔کیا روایات فقہ جن سے جواز کا استدلال کیا جاتا ہے نص قرآنی کی معارض یا مخصص ہو سکتی ہیں۔اور کیا ہندوستان کے دار الاسلام ہونے میں شک ہے جب کہ اس میں حدود کے علاوہ جن کا رواج آج کل بلاد اسلامیہ میں بھی نہیں جملہ احکام شرعیہ بلا مزاحمت نافذ العمل ہیں ؟بینوا توجروا۔ المستفتی عبدالکریم از سونی پت

(جواب ۴۰) گورنمنٹ کے بینکوں میں روپیہ جمع کرنا ناجائز ہے۔کیونکہ اس سے فریق محارب کی امداد ہوتی ہے اور محاربین کو تقویت پہنچتی ہے۔جمع شدہ روپے کو واپس لینا چاہئیے اور اس کا سود بھی لے لینا چاہئیے کیونکہ سود ان کے پاس چھوڑ دینے سے اسلام کو یہ نقصان پہنچتا ہے کہ وہ سود کا روپیہ مسیحی مشنریوں کو تبلیغ مسیحیت کے لئے دیا جاتا ہے اور وہ اس سے اسلام کے خلاف جہاد کرتے ہیں۔[1] سود لینے کے بعد اگر سود کے روپے کو محتاج مسکین کو دیدیا جائے تو کسی قسم کا کھٹکا نہیں۔[2] اور خود خرچ کیا جائے تو جو علماء ہندوستان کو دار الحرب سمجھتے ہیں انکے نزدیک جائز ہے۔[3] ہندوستان دار الاسلام ہے یا دار الحرب ؟اس میں عرصے سے اختلاف چلا آتا

---

(۱) قال الله تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (سورۃ مائدۃ پ ۶ آیت ۲)

(۲) لو مات الرجل و کسبه من بیع البازق اوالظلم اواخذ الرشوة یتورع الورثة ولا یاخذون منه شیئا وهو اولی و یردونها علی اربابها ان عرفوهم والا تصدقوا بها لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبه (رد المحتار کتاب الحظر والاباحة ۶/ ۳۸۵ ط ، سعید)

(۳) ولا ربابین حربی و مسلم مستامن ولو بعقد فاسد او قمار ثمه لان ماله ثمة مباح فیحل برضاه (الدرالمختار کتا ب البیوع، باب الربا ۵/ ۱۸۶ ط ،سعید)

(نوٹ)صفحہ ھذا سے لیکر صفحہ ۸۲ تک ایک ہی مسئلہ (کہ بینک سے سودی رقم لی جائے اور اس رقم کو غرباء و مساکین پر خرچ کیا جائے تو بہتر ہے ورنہ یہ رقم مسیحی تبلیغ کے لئے استعمال ہوگی جو صحیح نہیں ہے)بار بار آرہا ہے جس کے لئے ہم نے تکرار عبارت کے بجائے ص ف ص ۶۵ حوالہ نمبر ۲ کا رمز اختیار کیا ہے بس اسی پر اکتفا کیا جائے۔

ہے اور اب "توا قرب الی الصواب یہی ہے کہ دار الحرب ہی ہے۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفر لہ' دہلی

مسجد کی رقم پر سود لینا

(سوال) چونکہ مسلمانوں میں معتمد علیہ امین کا ملنا دشوار تھا اس لئے سورتی جامع مسجد رنگون کا روپیہ سرکاری بینک میں (محفوظ رہنے کی غرض سے نہ کہ سود حاصل کرنے کی غرض سے) جمع کر دیا گیا۔ جس کی تعداد تقریباً ایک لاکھ روپیہ ہو گی جس کی وجہ سے بینک اپنے قاعدہ کے مطابق سود قرار دیکر اندازاً حساب تین چار سو روپیہ ماہوار ہر سال مسجد کو ادا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ٹرسٹیان مسجد نے سود سمجھ کر کبھی اس روپے کو لینا پسند نہیں کیا۔ بلکہ سرکاری بینک نے ہمیشہ اس کو اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل میں صرف کیا' پس دریافت طلب یہ ہے کہ جب یقیناً یہ غیر مسلمین ان رقوم متروکہ کو اصول اسلام کے متضاد مقاصد میں صرف کر دیتے ہیں تو اگرچہ یہ لوگ اس روپے کو سود کے نام سے نامزد کرتے ہیں لیکن ٹرسٹیان مسجد اس کو سود اعتقاد نہ کریں بلکہ عطیہ رضامندی خیال کر کے اس کو وصول کر لیں اور خدام و اعظین مسجد مذکور وغیرہ پر تمام اعمال و کمال صرف کر دیں تو شرعاً جائز ہو گا یا نہیں ؟ مکرر عرض یہ ہے کہ سوال معروضہ بالا میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ معتمد علیہ امین کا ملنا دشوار تھا در اصل یہ بات نہیں ہے بلکہ ایک سابقہ مقدمہ متعلقہ مسجد ہذا کے بعد گورنمنٹ کے فیصلے کے مطابق ٹرسٹیان مسجد مجبور ہیں کہ ایک ہزار روپے سے زائد رقم بینک میں جمع کر دیں۔ فقط المستفتی حاجی داؤد ہاشم صاحب نمبر ۴۸ مرچنٹ اسٹریٹ شہر رنگون (برما) ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ

(جواب ۴۱) سرکاری بینک کو امین سمجھنا اور اتنی بڑی بیش قدر رقم اس کو دینا جس سے وہ بڑے بڑے فائدے حاصل کرے ناجائز ہے۔ مسلمانوں کو واجب ہے کہ وہ اس قسم کے تعلقات سرکار کے ساتھ نہ رکھیں جن سے اس کو بیش قدر امداد اور فائدہ حاصل ہو لیکن اگر کوئی سخت مجبوری ہو (جیسی کہ سوال کے آخر میں ظاہر کی گئی ہے) تو اس مجبوری کو زائل کرنے کی پوری کوشش کریں اور زوال مجبوری تک جو رقم کہ سود کی بینک دیتا ہے اسے وصول کر لیں اور احتیاطاً اس رقم کو غریب اور نادار مسلمانوں کی ضروریات میں مسجد کی جانب سے خرچ کر دیں۔[1] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بینک میں سودی حساب کتاب کی ملازمت کا حکم

(سوال) بینک کی وہ ملازمت جس میں سود کا حساب کتاب و عملدر آمد وصول باقی کرنا پڑتا ہے یہ ملازمت اہل اسلام کے لئے جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی محمد یوسف تھانوی اجمیری دروازہ دہلی' مورخہ ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ۔

(جواب ۴۲) سرکاری بینک کی ملازمت اس حیثیت سے کہ اس میں سودی کاروبار ہوتا ہے ناجائز نہیں ہے۔

---

(۱) یہ فتویٰ تقریباً ۱۹۲۴ء کا ہے۔ (حفیظ الرحمن واصف)

(۱) لان سبيل الكسب الخبيث التصدق اذا تعذر الرد على صاحبه (رد المحتار' كتاب الحظر والاباحة ٦ / ٣٨٥ ط س)

کیونکہ بحالت موجودہ گورنمنٹ برطانیہ محارب اور ہندوستان دارالحرب ہے اور اس میں گورنمنٹ سے سود لینا ناجائز نہیں ہے۔[1] لیکن سرکاری بینکوں میں قصداً روپیہ جمع کرنا اور اس ذریعے سے ایک قسم کی امداد پہنچانی درست نہیں۔[2] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

عیسائی مبلغین پر خرچ ہونے کے خدشہ کی وجہ سے سود لینا

(سوال) ایک مسلمان اپنا روپیہ بینک میں اس غرض سے جمع کرتا ہے کہ روپیہ محفوظ رہے سود لینا اس کا مقصود نہیں مگر بینک کے قاعدہ کے مطابق بہر صورت اس روپے پر سود دیا جاتا ہے اگر روپیہ جمع کرنے والا وہ رقم نہیں لیتا ہے تو وہ عیسائی مبلغین اور دوسرے غیر مسلم اداروں کو دیدی جاتی ہے جس سے وہ اپنے مقاصد کی تبلیغ میں مدد لیتے ہیں ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے ؟ المستفتی نمبر ٥٠ حکیم ذکی احمد خان دہلی ١٩ جمادی الاخری ١٣٥٢ھ مطابق ١٠ اکتوبر ١٩٣٣ء

(جواب ٤٣) جب کہ بہ نیت حفاظت سرکاری بینک یا سیونگ بینک میں روپیہ جمع کیا گیا ہو تو اس کا سود بینک سے وصول کر لینا چاہئے کیونکہ وصول نہ کرنے کی صورت میں وہ سود کی رقم تبلیغ مسیحیت میں خرچ ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ سے اسلام کے فرزندوں کو مرتد بنایا جاتا ہے۔[3] بینک سے وصول کر کے اس رقم کو قومی اور رفاہ عامہ کے کاموں میں بہ نیت رفع وبال خرچ کر دینا چاہئے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سیونگ بینک 'ڈاکخانہ کیش سرٹیفکیٹ پر سود لینا

(سوال) جو سود ہندوستانی اور انگریزی بینک ان رقوم پر ادا کرتے ہیں جو ان کے پاس جمع کی جاتی ہیں ایسا سود حرام ہے یا جائز ؟ یا ایسا سود بینک میں چھوڑ دیا جائے اور ترک کر دیا جائے سود جو سیونگ ڈاکخانہ ادا کرتا ہے اس کی حلت اور حرمت کا کیا حکم ہے ؟ سود کیش سرٹیفکیٹ و دیگر قرضوں پر گورنمنٹ ادا کرتی ہے اس کا لینا حرام ہے یا جائز ؟ بینوا توجروا المستفتی نمبر ١٩١ مولوی عبداللہ ایڈووکیٹ پنڈی گھیپ ضلع اٹک ١٢ شوال ١٣٥٢ھ ٢٨ جنوری ١٩٣٤ء

(جواب ٤٤) سیونگ بینک 'ڈاکخانہ 'کیش 'سرٹیفکیٹ 'سرکاری بینک اور قرضوں سے گورنمنٹ جو سود

---

(١) ولا ربا بین حربی ومسلم ثمة لان ماله مباح فیحل برضاه مطلقاً بلاعذر (درمختار کتاب البیوع باب الربا ٥/ ١٨٦ ط، سعید)

(٢) واتفقوا علی انه لا یفاوی بنساء وصبیان و خیل و سلاح الا لضرورة ..... وفی الشامیة' قوله و خیل و سلاح ای اذا اخذنا منهم فطلبو المفاداة بمال لم یجز ان نفعل لان فیه تقویة یختص بالقتال الخ (الدر المختار' باب الغنیمة ٤/ ١٣٩ ط ، سعید)

(٣) لو مات الرجل و کسبه من بیع البازق او الظلم او اخذ الرشوة یتورع الورثة ولا یاخذون شیئاً وهو اولی و یردونها علی اربابها ان عرفوهم والا تصدقوا بها لان سبیل الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبه (رد المحتار' کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع ٦/ ٣٨٥)

(٤) (ایضاً بحواله سابق نمبر ٣ ص ٦٥)

دیتی ہے یہ سب وصول کرلیا جائے اور اس کو رفاہ عام کے کاموں پر خرچ کیا جائے۔[1] یا تو ان چیزوں میں روپیہ جمع نہ کیا جائے یا مجبوری ہو تو جمع کر کے اس کا سود وصول کرلیا جائے۔ مگر نہ تو جمع کرنے میں غرض تحصیل سود ہو اور نہ اس سود کو اپنے ذاتی مصرف میں لایا جائے۔ وصول کرنے کی اجازت اس بناء پر ہے کہ صاحب رقم اگر سود وصول نہ کرے تو وہ سود مسیحی مشنریوں کو دیدیا جاتا ہے اور تبلیغ مسیحیت میں اس سے کام لیا جاتا ہے۔[2]

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کیا سودی رقم، دینی تعلیم، رفاہ عام اور مسلمان فقراء پر خرچ کی جاسکتی ہے

(سوال) میں نے گورنمنٹ ڈاکخانہ سے کیش سرٹیفکیٹ پانچ سالہ خریدے ہیں کیش سرٹیفکیٹ کا مطلب یہ ہے کہ گورنمنٹ ہم سے ایک خاص میعاد (مثلاً پانچ سال) کے لئے روپیہ لیتی ہے اور یہ معاہدہ کرتی ہے کہ اس سے زائد مقررہ رقم پانچ سال بعد واپس کردے گی۔ سود کا ذکر اس معاہدہ میں نہیں ہے تو اس معاہدہ کی آمدنی جس میں سود کا ذکر نہ ہو اپنے صرف میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اپنے صرف میں نہیں لا سکتے تو اسلامی پرائمری مدرسے میں جس میں دینیات کی تعلیم ہوتی ہو خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں۔ نیز خاص دینی تعلیم پر یا غریبوں کی امداد پر یا مسلمانوں کے قرض کی ادائیگی پر خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۴۳۱ نظم الرحمن (دہلی) ۱۶ رمضان ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۵) ڈاکخانہ کے سیونگ بینک اور کیش سرٹیفکیٹ پر جو رقم اصل رقم سے زیادہ ملتی ہے وہ سود کی ہے۔ خواہ اس کا نام سود رکھا گیا ہو یا نہیں۔[3] مگر ڈاکخانہ سے اور حکومت کے کیش سرٹیفکیٹ سے سود کی رقم وصول کر کے مساکین وغیرہ پر قرضدار مسلمانوں کے قرضہ کی ادائیگی پر تعلیم (پرائمری یا دینیات) پر اور ہر رفاہ عام کے کام پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سودی کاروبار والے بینکوں میں تجارت کرنا

(سوال) بینکوں سے تجارتی کاروبار کرنا جن کا معاملہ سودی کاروبار پر ہے درست ہے یا نہیں؟ حالانکہ فی زمانہ غیر ملکی تجارت بغیر بینکوں کے غیر ممکن ہے۔ المستفتی نمبر ۶۷۴ ابو محمد عبدالجبار (رنگون) ۱۰ صفر ۱۳۵۴ھ ۱۴ مئی ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۶) غیر ملکی بینکوں سے کاروبار تجارت کرنا اس بنا پر جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اہل حرب کے بینک اور دارالحرب میں قائم ہیں۔ شریعت نے تجارتی اور غیر تجارتی سود کا کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ لیکن دارالاسلام اور دارالحرب کا فرق کیا گیا ہے بس مسلمان مجبوری کی حالت میں ان بینکوں سے کاروبار کریں جن میں سود لینا یا دینا

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)
(۲) (ایضاً) (۳) (ایضاً)
(۴) کیونکہ یہ زائد رقم بغیر کسی عوض کے مل رہی ہے وفی رد المحتار نربا ھو الفضل الخالی عن العوض (رد المحتار باب المتفرقات ۵/ ۲۴۱ ط، سعید)

پڑے تو یہ وجہ عذر ہو سکتا ہے۔[1]

سودی رقم استعمال کرنے کا حکم

(سوال) بینک کا سود کھانا خصوصاً کوآپریٹو بینک جو گورنمنٹ کی طرف سے پانچ سو یا ہزار روپے کا سرمایہ فی روپیہ ایک پیسہ سود ماہانہ مقرر کر کے چند اشخاص کو ممبر کر کے فی کس ایک روپیہ وصول کر کے ان کے ہاتھ سپرد کیا جاتا ہے وہ اس روپے کو کچھ زیادہ سود پر قرض دیتے ہیں۔المستفتی نمبر ۵۱۵ محمد مقدس (ضلع سلہٹ)۵ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۷ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۷) سرکاری بینکوں کا سود بینکوں سے وصول کر لینا اور اس کو فقراء و مساکین پر خرچ کر دینا جائز ہے۔[2] کوآپریٹو بینکوں کی شرکت اور ممبری اور اس کے سودی کاروبار سے مسلمانوں کو بچنا لازم ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

مسجد یا مدرسہ والی آمدنی پر ملنے والے سود کو طلبہ پر خرچ کرنا

(سوال) آمدنی موقوفہ مدرسہ یا مسجد بینک میں جمع کی جاتی ہے اور اس پر بینک سے سود ملتا ہے وہ سود وہاں سے لے لیا جاتا ہے اس کا مصرف کیا ہے آیا وصول کر کے وہیں اصل میں جمع کر دیا جائے یا طلبہ و مساکین پر خرچ کر دیا جائے ؟المستفتی نمبر ۶۲۹ مولانا شوکت نگینہ ضلع بجنور ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۱ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۸) اگر کوئی امانت دار اور معتمد مسلمان بہم نہ پہنچ سکے تو ایسی صورت میں مسجد یا مدرسے کا روپیہ بینک میں رکھنا جائز ہے۔[4] اور اس کا سود لیکر مسکین طلبہ پر خرچ کر دیا جائے تو جائز ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

بینک میں رقم اور بیمہ کے ذریعے منافع حاصل کرنے اور استعمال میں لانے کا حکم

(سوال) (۱) میرا روپیہ ڈاکخانہ کے سیونگ بینک میں جمع ہے اور اس کا سود لینا میں حرام سمجھتا ہوں۔اگر نہ لوں تو وہی سودی روپیہ اسلام کے خلاف تبلیغ مذاہب میں جاتا ہے اس سود کو میں کیا کروں ؟(۲) کیا ایسے سود کا روپیہ لیکر غریب و نادار مسکین مسلمانوں پر یا مسلمان قرض داروں کے قرضے کی ادائیگی میں خرچ کر سکتا ہوں اور غیر مسلم جو امداد کا مستحق ہو دے سکتا ہوں یا نہیں ؟(۳) میرا روپیہ امپیریل بینک میں جمع ہے جو

---

(۱) لاربا بین حربی و مسلم مستا من ولو بعقد فاسد او قمار ثمة لان ماله ثمة مباح فیحل برضاه (الدر المختار ۵/ ۱۸۶ ط ، سعید)

(۲) (ایضاً بحواله سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

(۳) لعن رسول الله ﷺ آكل الربا و مؤكله و شاهديه وكاتبه او كما قال (ابوداؤد شريف ۲/ ۱۱۷ ط مكتبه امداديه ملتان)

(۴) قال تعالى فمن اضطر فى مخمصة غير متجانف لاثم فان الله غفور رحيم(پ ۶ مائدة آيت ۳)

اب سرکاری بینک ہو گیا ہے کیا اس کے واسطے بھی وہی حکم شرعی ہے جو ڈاکخانہ کے سود کے واسطے ہے ؟ (۴) میرا روپیہ کسی ایسے بینک میں جمع ہے جس کے فیل ہو جانے سے روپیہ مارے جانے کا یا کم ملنے کا امکان ہے تو اس کے سود لینے کا کیا حکم ہے۔ یعنی میں اس بینک کے نفع نقصان میں شریک ہوں (۵) میں نے اپنا لائف انشورنس کمپنی میں اپنی زندگی ایک ہزار روپے میں انشورڈ کرائی ہے میرا یہ فعل اس لئے ہے کہ میرے مرنے کے بعد پسماندگان کو گداگری نہ کرنی پڑے اور کچھ دنوں سہولت رہے یہ کمپنی مجھ کو ایک ہزار روپیہ مع سود کے واپس کرے گی اس کا سود لینا کیسا ہے اگر یہ کمپنی بھی فیل ہو جائے تو اصل رقم کا خطرہ ہے۔ **المستفتی** نمبر ۷۷۲ عبدالعلیم خان' (میرٹھ) ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ '۱۹ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۹) جمع شدہ رقم کا سود لے لینا چاہئے۔[1] (۲) اور ڈاکخانہ سے وصول کر کے اس کو غرباو مساکین یتیموں بیواؤں پر خرچ کر دینا چاہئے۔[2] (۴'۳) مسلمان محتاج کو دینا اور مسلمان قرضدار کے قرضے میں دینا اور غیر مسلم محتاج کو دینا جائز ہے۔[3] امپیریل بینک اور ڈاکخانہ کے سود کا ایک ہی حکم ہے (۵) اس کا حکم بھی وہی ہے انشورنس سے ملی ہوئی رقم پسماندوں کو اپنے خرچ میں لانا بھی درست ہوگا۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(جواب ۵۰) (۸۳۳) ہندوستان دارالحرب ہے اس میں غیر مسلم سے سودی معاملات کرنے کی اباحت ہے[5] بینک اور ڈاکخانہ کے سیونگ بینک سے سود کی رقم وصول کر لی جائے اور غربا و فقراء طلباء کے مصارف میں خرچ کر دی جائے۔[6] محمد کفایت اللہ

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

(۲) کیونکہ نہ لینے کی صورت میں مسیحی مشنریوں پر خرچ کئے جائیں گے اور قرآن پاک میں برے کاموں کی معاونت سے روکا گیا ہے قال تعالیٰ: ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (سورة مائدة پاره ٦ آیت ٢)

(۳) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

(۴) کیونکہ اصل مالکوں تک پہنچانا ممکن ہے اور ایسی صورت میں ثواب کی نیت کئے بغیر انکو دیا جاسکتا ہے وفی رد المحتار: بردونها علی اربابها ان عرفوهم' والا تصدقوا بها لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذ تعذر الرد علی صاحبه (رد المحتار' کتاب الحظر والاباحة ٦/ ٣٨٥)

(۵) واضح ہو کہ دارالحرب میں کفار سے سود لینے کے بارے میں یہ حضرت مفتی عاظم کی سابقہ رائے ہے' ورنہ جمہور ائمہ و مجتہدین کے نزدیک دارالحرب میں کفار سے سود لینا بھی حرام ہے امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور ائمہ احناف میں امام ابو یوسف اسی حرمت کے قائل ہیں' البتہ امام اعظم اور امام محمدؒ سے دارالحرب میں اس کا جواز منقول ہے نیز حضرت مفتی صاحبؒ کے ایک فتویٰ سے عدم اخذ جواز معلوم ہوتا ہے وہ ایک جگہ فرماتے ہیں' جو لوگ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہیں وہ کفار سے حربیین سے سود لینے کو جائز سمجھتے ہیں اور سرکاری بینکوں کا سود ان کے نزدیک جائز ہے مگر میرا قلب اس خیال کے ساتھ متفق نہیں (کفایت المفتی ۸ /۷۵) پھر اس میں بعض مشائخؒ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ سود لینا جائز ہے دینا جائز نہیں' فی الدر' ولا بین حربی و مسلم ثمة لان ماله ثمة مباح فیحل برضاه مطلقا فی الشامیة قال فی فتح القدیر: لا یخفی ان هذا التعلیل انما یقتضی حل مباشرة العقد الخ(شامیه ٥/ ١٦٨) پھر امام صاحب کے قول کا بہت سے علمائے محققین نے یہ مطلب بیان کیا ہے جو جمہور کے خلاف نہیں رہتا نیز ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں بھی علماء کا اختلاف ہے نیز سود کے متعلق قرآن و حدیث میں جس قدر سخت اور قطعی وعیدیں آئی تھیں جو کہ ہر اعتبار سے قطعی ہیں ان کو دیکھ کر کوئی مسلمان جرات نہیں کر سکتا کہ جس معاملہ میں سود کا احتمال بھی ہو اس کے قریب جائے (کذافی امداد المفتین ٢ /٦٨٨ نظام الفتاوی ٢/ ٣٥٦ ' فتاویٰ محمودیة ٦/ ٢٩٣)

(٦) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ٢ ص ٦٥)

غیر مسلموں سے منافع لینا

(سوال) سیونگ بینک اور غیر مسلموں سے منافع لینا جائز ہے یا نہیں اور مسلمانوں سے سود لینا کیسا ہے ؟
المستفتی نمبر ۷۷ ۸ محمد رمضان (ضلع لائل پور) ۲۵ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۳۶ء
(جواب ۵۱) سیونگ بینک کا حاصل کردہ منافعہ اور غیر مسلم سے حاصل کردہ منافعہ اپنے مصارف میں لا سکتا ہے لیکن ثواب کے کاموں میں خرچ نہ کرنا بہتر ہے[1] ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی صورت میں بھی مسلمانوں سے سود لینا جائز نہیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سود کی رقم سود کی شکل میں واپس کرنا

(سوال) (۱) زید تاجر ہے یورپ سے مال منگواتا ہے مال کی ہنڈیاں بینک میں آتی ہیں اگر ہنڈی کا روپیہ قبل از میعاد بینک کو ادا کر دیا جائے تو بینک قبل از میعاد کی ادائیگی پر سود دیتا ہے' زید سودی رقم کو اپنے صرف میں نہیں لاتا ہے بلکہ علیحدہ رکھتا ہے' بعض ہنڈیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن پر بینک سود لیتا ہے زید جو بینک کو سود ادا کرتا ہے تو اپنے مال میں سے نہیں' بلکہ وہ مال سودی جو اس کو بینک سے ملا تھا اور وہ علیحدہ رکھ دیا تھا اس میں سے دیتا ہے کیا یہ طریقہ جائز ہے ؟ (۲) سودی مال کن لوگوں پر تقسیم کرنا جائز ہے ؟ المستفتی نمبر ۹۴۹ نور الٰہی صدر بازار دہلی' ۲ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۲۴ مئی ۱۹۳۶ء
(جواب ۵۲) زید اس رقم کو جو بینک سے حاصل کی ہے اس رقم میں دے سکتا ہے جو بینک کو دینی پڑے۔[3] اسی طرح سود کی رقم کو محتاجوں' یتیموں' بیواؤں' طالب علموں پر خرچ کر دینا جائز ہے۔[4]

سود کا حساب کتاب کرنا بھی گناہ کا کام ہے

(سوال) لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربوا و مؤکلہ و کاتبہ و شاھدیہ وقال ھم سواء[5] عالیجاہا مذکورہ بالا حدیث سے صریحاً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سود کا لکھنے والا بھی برابر گناہ گار ہے۔ بندہ بطور سب انسپکٹر اب تک ملازم ہے اور لازمی ڈیوٹی یہ ہے کہ قرضہ پر سود وغیرہ کا حساب کرنا کتب انجمن میں تحریر کرنا ان سے سود کی وصولی کرنا وغیرہ۔ سود کو محکمہ کی زبان میں منافع بھی کہہ دیتے ہیں۔ پس کیا مطابق حدیث مذکورہ بالا بندہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ مہربانی کر کے مطلع فرمائیں۔ اس محکمہ میں تو سب انسپکٹر پر ہی یہ گناہ عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ انسپکٹر اور رجسٹرار تک اس کے مرتکب ہوتے ہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۰۲۹ محمد اقبال صاحب سب انسپکٹر

---

(۱) (ایضا بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)
(۲) ولا ربو بین حربی و مسلم و فی رد المحتار احترز بالحربی عن المسلم الاصلی والذمی وکذا عن المسلم الحربی اذا ھاجر الینا ثم عاد الیھم فانہ لیس للمسلم ان یرابی منہ اتفاقا (در مختار باب الربا ۵/ ۱۸۶ ط، سعید)
(۳) تاکہ جس شکل سے حرام آمدنی حاصل ہوئی ہے اسی پر دوبارہ خرچ ہو جائے۔
(٤) (ایضاً حوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)
(۵) (صحیح مسلم شریف' باب الربا ۲ / ۲۷ ط، قدیمی)

بینک نوح یونین۔(نوح ضلع گڑگانوہ) ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م یکم جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۳) ہاں یہ حدیث صحیح ہے اور اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ سود لینے والا دینے والا گواہ اور کاتب سب گناہ میں شریک ہیں مگر ہندوستان میں دارالحرب ہونے کی بنا پر بعض علما بینکوں کے سود کو مباح قرار دیتے ہیں۔[1] آپ کوئی دوسری ملازمت تلاش کرلیں اور مل جانے پر اس کو ترک کردیں۔

سود کی رقم سے مدرسین کو تنخواہ دینا

(سوال) مدرسہ کا جو روپیہ زکوٰۃ وغیرہ کا بینک میں جمع ہے اس کا سود ڈاکخانہ سے لے کر مدرسہ کی تنخواہوں میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں' المستفتی نمبر ۱۰۸۱ مہتمم مدرسہ دینیہ اسلامیہ (غازی پور) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۳۰ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۴) ڈاکخانہ سے جمع شدہ رقم کا سود لینا جائز ہے اور اس کو مدرسہ کی ضرورت میں خرچ کیا جاسکتا ہے تنخواہ میں دینا بھی جائز ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سود کی رقم کا مصرف

(سوال) ڈاکخانہ میں جس کا روپیہ جمع رہتا ہے اس کا سود جو ملتا ہے لینا جائز ہے یا کہ ناجائز اگر لے تو کیا کرے المستفتی نمبر ۱۱۷۳ عبدالرزاق صاحب (ضلع میدنی پور) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۵) ڈاک خانہ سے سود کی رقم لے کر محتاجوں پر خرچ کردے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(جواب ۵۶) (۱۱۹۱) خاص سرکاری بینکوں سے سود لیکر خیرات کردیا جائے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم پر سود لینے کا حکم
(۲) ڈاکخانہ میں موجود رقم پر زکوٰۃ کب واجب ہوگی؟

(سوال) (۱) اگر کسی شخص نے ڈاکخانہ میں روپے جمع کئے تو ان روپیوں کا ڈاکخانہ سے اس آدمی کو سود ملے گا جس نے کہ جمع کئے ہوں تو ان سے وہ سود لینا جائز ہے یا ناجائز۔(۲) ڈاکخانہ میں کسی کا روپیہ جمع ہو تو کیا ان روپیوں کی زکوٰۃ اس وقت دینی ہوگی؟ جب کہ روپوں کو پورا ایک سال ہوجائے' المستفتی نمبر ۱۲۹۸ عظمت اللہ خاں صاحب (بجنور) ۴ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ ۱۸ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۷) (۱) ڈاکخانہ سے جو سود ملتا ہے اسے وصول کرکے فقراء کو تقسیم کردینا چاہئے۔[5] (۲) اس

---

(۱) لاربابین حربی و مسلم ثمة لان ماله ثمة مباح فیحل برضاه مطلقاً(درمختار' کتاب البیوع' باب الربا ۵ / ۱۸۶ ط. سعید)
(۲) (ایضا حواله سابق نمبر ۲ ص ۶۵)
(۳-۴-۵) (ایضا بحواله سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

روپیہ پر ملک میں آنے کی تاریخ سے ایک سال گزر جانے پر زکوۃ دینی ہوگی۔ مثلاً کسی کے پاس یکم جنوری کو ۱۰۰ روپے آئے اور چھ مہینے اس نے اپنے پاس رکھ کر ڈاکخانہ میں داخل کئے تو یکم جنوری سے سال قمری پورا ہونے پر زکوۃ دینی چاہئے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بینک 'ڈاکخانہ اور بجلی کمپنی میں جمع شدہ رقم پر سود کا حکم

(سوال) بینک 'ڈاک خانہ اور بجلی کمپنی میں جو روپیہ جمع ہے اس کا منافع لینا جائز ہے یا ناجائز ؟ **المستفتی** مولوی محمد رفیق دہلوی

(جواب ۵۸) بینک اور ڈاکخانہ اور بجلی کمپنی میں جمع شدہ روپیہ کا سود وصول کر کے خیرات کر دینا بہتر ہے۔(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

مسجد 'مدرسہ اور مد زکوۃ کی آمدنی پر سود کو کہاں خرچ کیا جائے !؟

(سوال) (۱) یہاں پر مسجد کے ممبران نے مسجد کا زائد روپیہ سیونگ بینک میں داخل کرنے کا حکم فرمایا اور یہ بھی طے فرمایا کہ اس پر جو رقم ڈاک خانہ سے سود کی ملے وہ طلباء مدرسہ پر صرف کر دی جائے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسجد کے مال موقوفہ سے اس طریقہ پر جو زیادتی حاصل ہو کیا وہ وقف میں شمار نہ ہوگی اور ممبران کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اس رقم کو مسجد کے علاوہ مدرسہ کے طلباء پر منتقل کر دیں اور اگر بالفرض یہ حق حاصل ہے تو کیا مہتمم مدرسہ کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ اس رقم کو بجائے صرف طلباء کے دوسرے مصرف میں صرف کر دے۔

(۲) مدرسہ کا روپیہ کچھ مد تعلیم کا اور کچھ مد زکوۃ کا پہلے سے سیونگ بینک میں داخل ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس پر جو سود ملتا ہے کیا وہ اسی حساب سے تقسیم کیا جائے یا کسی ایک مد میں علی التعیین داخل کر دیا جائے۔

(۳) مد زکوۃ کا روپیہ سیونگ بینک میں داخل کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۱۵۹۲ مولانا محمد سعید صاحب ناظم مدرسہ قاسمیہ نگینہ ضلع بجنور ۴ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۱۳ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۹) بینک میں روپیہ داخل کر کے سود لینا اگر اس نظریہ سے جائز قرار دیا جائے کہ ادخال رقم اور اخذ ربوا فی حد ذاتہ جائز ہے تو بطور سود لی ہوئی رقم اصل رقم کی طرح مسجد کی ملک ہے اور انہیں مصارف میں صرف کی جاسکتی ہے جن میں اصل رقم کا خرچ کرنا ضروری ہے۔ اس نظریہ کی لاربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب (۳) پر بنا ہوگی مگر ہم نے ابھی تک اس پر فتویٰ اور عام اجازت نہیں دی ہے اور اگر اس خیال سے جائز کہا جائے کہ ادخال رقم کی تو بضرورت حفاظت اجازت دی جاتی ہے اور سود لینے کی اجازت اس پر

---

(۱) وحولها ای الزکاۃ قمری لا شمسی (تنویر الابصار مع الدر المختار' کتاب الزکوۃ ۲ ' ۲۹۵ ط . سعید)
(۲) ایضا بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)
(۳) ایضا بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۶۹)

مبنی ہے کہ اگر سود نہ لیا جائے تو سود کی رقم مسیحی مشنریوں کو تبلیغ مسیحیت کے لئے دی جاتی ہے۔ اس لئے جمع کرنے والا خود وصول کر کے رفع وبال کی نیت سے صدقہ کردے۔ تو اس صورت میں سود کی رقم مسجد کی ملک نہ ہوگی اور اس کا مصرف بھی وہ نہ ہوگا جو اصل رقم کا مصرف ہے بلکہ اس کا مصرف فقراء و مساکین ہوں گے اور ان پر صرف بہ نیت رفع وبال ہوگا نہ کہ بہ نیت ثواب۔[1]

ہم نے سیونگ بینک کے سود کی رقم وصول کرنے کا فتویٰ اسی دوسرے نظریے کے ماتحت اب تک دیا ہے اور اس صورت میں رقم سود کا مصرف مسجد اور مدرسہ نہیں نہ رقم ماخوذ مسجد و مدرسہ کی ملک ہے ہاں طلبہ پر بحیثیت نادار اور مسکین ہونے کے خرچ کی جاسکتی ہے۔[2]

(۲) بغرض حفاظت داخل کردی جائے تو مباح ہے اور اس کے سود کا حکم بھی یہی ہے جو نمبر ا میں لکھا گیا ہے۔[3]

(۳) اگر فوری خرچ سامنے نہ ہو اور بغرض حفاظت (بجائے مدرسہ میں رکھنے کے) سیونگ بینک میں داخل کردی جائے تو مباح ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بینک میں موجود رقم پر زکوٰۃ کا حکم

(سوال) (۱) کوئی شخص اپنا نقد روپیہ کسی بینک صوبہ سرحد پنجاب پرائیویٹ یا سرکاری میں داخل کرے بینک والے اس روپے کا ضرور سود دیتے ہیں بموجب قواعد خود کے گاہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر بینک دیوالیہ ہو جائے یا سرمایہ گم ہو جائے تو لوگوں کا اصل راس المال روپیہ بھی برباد ہو جاتا ہے اس بارے میں بعض علماء کے قسم قسم کے اقوال و فتاوے ہیں صحیح اور راجح قول کون سا ہے آیا یہ سود جائز ہے یا نہیں؟ (۲) جو روپیہ کسی بینک پرائیویٹ یا سرکاری میں بہ امید منافع رکھا جاتا ہے اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا داخل کنندہ کے حق میں کون سا حکم ہے کیا بینک میں روپیہ داخل ہے اس کی زکوٰۃ دیوے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۱۶۵۴** حاجی صوفی سعد اللہ خاں صاحب (ڈیرہ اسماعیل خاں) ۲۵ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۳ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۶۰) (۱) سرکاری یا پرائیویٹ بینک جو داخل شدہ رقم پر ضروری طور پر سود دیتے ہیں اور صاحب رقم نہ لے تو وہ سود کی رقم مسیحی مشنریوں کو دیدی جاتی ہے ایسی رقم بینک سے لے لینی چاہئیے اور کسی رفاہ عام کے کام میں خرچ کردینی چاہئیے یا یتیموں اور مسکینوں کو دے دی جائے[5] کیونکہ نہ لینے کی صورت میں وہ مسیحی تبلیغ اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے کام میں خرچ ہوگی اور اس کا وبال صاحب رقم پر بھی آنے کا[6]

(۱-۲-۳) (ایضا بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)
(٤) قال الله تعالى : فمن اضطر في مخمصة غير متجانف لا ثم فان الله غفور رحيم (پارہ ٦ مائدۃ آیت نمبر ۳)
(۵) ایضا بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ٦۵)
(٦) کیونکہ سودی رقم نہ لینے کی صورت میں مسیحی تبلیغ میں معاونت سمجھی جائے گی جب کہ قرآن پاک میں گناہ کی معاونت سے روکا گیا ہے ولا تعاونوا على الاثم والعدوان (پ٦ سورۃ مائدۃ آیت ۲)

(۲) سرکاری یا پرائیویٹ بینک میں بامید نفع رقم جمع کرنی جائز نہیں اگر بخیال حفاظت مجبوراً جمع کی جائے تو مباح ہے[1] اور اس کی زکوٰۃ صاحب رقم پر واجب ہے[2] اور اس سے حاصل شدہ سود کا وہ حکم ہے جو نمبر اول کے جواب میں لکھا گیا ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سودی رقم کہاں خرچ کی جائے؟

(سوال) زید نے اپنی پونجی بغرض حفاظت بینک میں جمع کردی، ایک عرصہ کے بعد زید کو بینک سے اصل رقم کے علاوہ کچھ اور رقم ملی لہذا وہ رقم لینی جائز ہے یا نہیں اگر لی جاوے تو کس کام میں صرف کی جائے۔
المستفتی عبدالرحمٰن، فورٹ ولیم کلکتہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۳ء
(جواب ٦١) وہ رقم لے لینی چاہئے اور لے کر غریبوں کو دے دی جائے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالامن؟

(سوال) ایک شخص ڈاک خانہ کے جمع شدہ روپے کے سود کو اپنے اخراجات میں لگا دیتا ہے آیا وہ سود کا روپیہ اس کو لے لینا جائز ہے یا ناجائز؟ آپ کے خیال میں ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالامن؟ المستفتی نمبر ۱۸۰۰ حمایت اللہ غفرلہ، متعلم درجہ دہم (آگرہ) رجب ۱۳۵٦ھ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۷ء
(جواب ٦۲) ہندوستان اگرچہ قول راجح کی بنا پر دارالحرب ہے مگر پھر بھی بعض علما اسے دارالاسلام قرار دیتے ہیں اور اس وجہ سے ایک اشتباہ ضرور ہو گیا ہے پس بہتر یہی ہے کہ ڈاکخانہ سے سود کی رقم وصول کرکے فقراء و مساکین کو دیدی جائے۔[5] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سودی رقم کو کس استعمال میں لایا جائے؟

(سوال) مسلمانوں کی رقم بینک میں بلا سود جمع رہتی ہے وہ سود بینک والے کسی غیر مسلم تبلیغی مشن کو دے دیتے ہیں جس سے غیر مسلموں کو فائدہ پہنچتا ہے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہے اس لئے ایسے سود کی رقم غربا و محتاجین و یتامیٰ یتیم خانہ جات، و مدارس اسلامی وغیرہ پر صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۸٦۷ ڈاکٹر خواجہ معین صاحب (حیدرآباد دکن) ۳ شعبان ۱۳۵٦ھ م ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۷ء
(جواب ٦۳) مسلمان بینک میں رقم جمع کرکے یہ موقعہ بہم نہ پہنچائیں کہ اس رقم کے سود سے مسیحی تبلیغ ہو، مسلمان مرتد بنائے جائیں اس لئے یا تو مسلمان بینک میں رقم جمع نہ کریں اور یا اس کا سود بینک سے

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ٤ ص ۷٤)
(۲) فتجب زكاة الديون اذا تم نصاباً وحال الحول (درمختار كتاب الزكوة ۲/ ۳۰۵
(۳-٤-۵) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ٦۵)

وصول کر کے فقراء و یتامیٰ و مساکین کو دے دیں۔ یہ نہ نیت ثواب میں بلکہ بہ نیت رفع وبال دیا جائے۔[1]

سودی رقم سے رشوت دینا

(سوال) ایک زمیندار سنت جماعت کے روپے بینک میں جمع ہیں اور اس کے پاس زمینداری بھی ہے اور زمیندار کو بقایا لگان کا دعویٰ جو اسامیوں پر کیا جاتا ہے اور اس میں سود لگایا جاتا ہے مع سود کے ڈگری ہوتی ہے اس مقدمہ میں علاوہ اصلی خرچہ کے ناجائز خرچہ یعنی رشوت دیا جاتا ہے اگر رشوت نہ دی جائے تو مقدمہ میں خرابی پیدا کر دیتے ہیں اور وہ خرچ زمیندار کو نہیں ملتا۔ ایسی حالت میں وہ سود کا روپیہ جو بینک سے ملنا چاہئے اور جو بقایا لگان میں سود لگایا جاتا ہے تو وہ سود کا روپیہ رشوت میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۸۱۲ محمد عبدالشکور فیض آباد ۲۰ ذی الحجہ ا۱۳۵ھ

(جواب ٦٤) اگر مجبوری سے سود کا روپیہ لگانا ضروری ہو اور لگا کر نالش کی جائے اور وصول کرے تو وہ روپیہ اس کو اپنے طور پر واپس کر دیا جائے اس کو خرچہ میں محسوب کرنا درست نہیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بینک میں روپیہ جمع کرانے کا حکم

(سوال) بینک میں روپیہ جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۴۳۳ مولوی عبدالحق امام جامع مسجد دوحد ضلع پنچ محل ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ ۲۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ٦٥) بینک میں حفاظت کی غرض سے روپیہ جمع کرنا (جب کہ حفاظت کی کوئی اور صورت نہ ہو) مباح ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مجبوری کی وجہ سے بینک میں رقم جمع کرنا مباح ہے

(سوال) روپیہ بینک ڈاکخانہ میں بغرض حفاظت جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا سود لینا اور اپنے تصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ٦٦) مجبوری سے ڈاکخانہ یا بینک میں روپیہ جمع کرنا مباح ہے[4] اور سود لے لیا جائے اور لے کر خیرات کر دیا جائے۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ٦٥
(۲) تاکہ اس کل سے حرام آمدنی حاصل ہوتی ہے اس کی پر دوبارہ خرچ ہو جائے
(۳ - ٤) ایضاً بحوالہ سابق نمبر ٤ ص ٤٧
(۵) ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ٦٥

(۱) غیر مسلم سے سود لینے کا حکم اور ہندوستان دار الحرب ہو تو سود لینے دینے کا حکم۔
(۲) سود کی رقم کے استعمال کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) (۱) آجکل بعض علماء فتویٰ دیتے ہیں کہ غیر مسلم اشخاص سے قرضہ کا سود لینا جائز ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(۲) زراعتی یا تجارتی یا دیگر اقسام کے بینکوں میں جو روپیہ داخل کیا جاتا ہے اس کا سود ناجائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۶۷) (۱) سود کا لین دین مسلم اور غیر مسلم غیر محارب سے کرنا مسلمان کے لئے جائز نہیں[1] جو علماء ہندوستان کو دار الحرب اور انگریزوں کو حربی قرار دیتے ہیں وہ صرف انگریزوں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں اور ان کے اس خیال پر عمل کر لینے کی گنجائش بھی ہے لیکن سود دینا کسی حال میں جائز نہیں۔[2]

(۲) گورنمنٹ کے بینکوں سے سود لینا اس لئے مباح ہے کہ نہ لینے کی صورت میں وہ سود عیسائی مشنریوں کو دے دیا جاتا ہے اور تبلیغ مسیحیت کا کام اس سے چلایا جاتا ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

امانات پر سود لینے دینے کا حکم

(سوال) ہم نے بغرض حفاظت زیور بیچ کر ڈاکخانہ کے پانچ سالہ کیش سرٹیفکیٹ خرید لئے تھے اب پانچ سال بعد وہ کیش سرٹیفکیٹ دے کر رقم وصول کر کے ڈاکخانہ کے سیونگ بینک میں جمع کرادی ہے تاکہ رقم حفاظت سے رہے اس رقم میں ہماری زیور والی رقم اور ڈاکخانہ کا سود دونوں شامل ہیں جس کی **تفصیل** مندرجہ ذیل ہے۔ آج سے پانچ سال پہلے جو رقم ڈاک خانہ میں جمع کرائی گئی ۴۲۰ روپیہ تھی۔ اب پانچ سال بعد جو رقم ڈاکخانہ نے دی ۵۶۰ روپیہ سود ڈاکخانہ ۱۴۰ روپیہ۔

(۱) اس کیش سرٹیفکیٹ والے سود اور ڈاک خانہ کے سیونگ بینک والے سود کے استعمال کے متعلق شرعی حکم کیا ہے۔ (۲) کیا اگر ہم مندرجہ ذیل کاموں میں خرچ کریں تو شرعی مواخذہ تو نہ ہوگا؟

(الف) مکان بنانا ہے اس کام میں غیر مسلم (بھنگی عیسائی) مزدوروں کو مزدوری کے عوض دے دیں۔ (ب) ہندو دوکانداروں سے لوہا و سیمنٹ خریدیں یا ہندو بھٹے والے سے اینٹیں خریدیں۔ (ج) ریل گاڑی میں اپنا اور اپنے اسباب کا کرایہ دے دیا جائے۔ (د) خط و کتابت کے لئے ڈاک خانہ سے ٹکٹ لفافے اور خطوط وغیرہ لئے جائیں۔ (ر) گورنمنٹ اسکول میں بچوں کی فیس دے دی جائے۔ **المستفتی** نمبر ۱۹۲۵ صادق حسین صاحب (لودھیانہ، پنجاب) ۱۹ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۷۱)

(۲) والظاهر ان الاباحة بقيد نيل المسلم الزيادة' وقد التزم الاصحاب في الدرس ان مرادهم في حل الربا والقمار ما اذا حصلت الزيادة للمسلم نظرا الى العلة وان كان اطلاق الجواب خلافه (رد المحتار' فصل في الربا ۵/۱۸۶ ط، سعيد)

(۳) (ایضا بحواله سابق نمبر ۱ ص ۶۵)

(جواب ٦٨) کیش سر ٹیفکیٹ اور ڈاکخانہ کا سود آپ اپنے کام میں لا سکتے ہیں کیونکہ یہ دونوں صورتیں وہ ہیں۔ جن کی ذمہ دار گورنمنٹ ہے اور گورنمنٹ کافرہ حربیہ ہے۔[1] لیکن احتیاط اور تقویٰ یہ ہے کہ یہ رقم سود محتاجوں و یتیموں اور بیواؤں پر خرچ کی جائے۔[2] آپ نے جو مدات لکھیں ان میں سے (الف 'ب 'ج 'د) تک تو ذاتی مصارف ہیں۔ "ر" میں آپ محتاج بچوں کی فیس میں دے سکتے ہیں وہ صدقہ ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام ؟
(۲) ڈاکخانہ اور بینک سرکاری سے سود لے لینا چاہئے

(سوال) ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام ؟ اگر دارالحرب ہے تو کس طرح ہو سکتا ہے اگر دارالاسلام ہے تو پھر اس کی صورتیں تحریر کریں ان دونوں صورتوں میں سے کون سی طرف بڑے بڑے علما کی جماعت ہو گئی ہے۔ اس کو بھی تحریر فرمائیں اگر پہلی صورت ہو تو سود کا لین دین جو کہ سوسائٹی اور بینک میں ہوتا ہے وہ کہاں تک جائز ہے۔ اس میں دفتری کام بوجہ مجبوری کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۳۷۹ ماسٹر مرزا احمد حسین صاحب (گجرات) کاٹھیاواڑ ۲۷ شعبان ۱۳۵۹ھ م ۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٦٩) ہندوستان دارالحرب ہے مگر مسلمانوں کو سود دینا تو دارالحرب میں بھی جائز نہیں[4] ڈاک خانہ و بینک سرکاری سے سود لے لینا چاہئے[5] اور بنظر احتیاط اس کو رفاہ عام کے کام میں خرچ کر دینا چاہئے۔[6]

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بینکوں سے سود لینے کا حکم

(سوال) استخراج روپیہ کہ در بنکہا ودیعت و جمع شود مع منافعہ آں قبول کردن روا باشد یا نہ ؟ المستفتی نمبر ۲۰۳۶ م ۷ انومبر ۱۹۳۷ء، ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ۔

(ترجمہ) بینکوں میں جو روپیہ بطور امانت جمع کرایا جاتا ہے اس کو مع سود کے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۷۰) رقم منافعہ یا سود بنکہا گرفتن نہ صرف جائز بلکہ ضروری است۔ زیرا کہ اگر جمع کنندہ روپیہ رقم سود نگیرد بینک آں رقم را بمشن مسیحی بدہد و مشن بایں رقم ارتداد و الحاد را نشو و نماد ہد پس مسلمانان را لازم است کہ ایں رقوم منافع از بنکہا گرفتہ بہ یتامیٰ و مساکین و بیوگان دہند۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

(ترجمہ) بینکوں کا منافعہ یا سود وصول کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے کیونکہ کہ اگر روپیہ جمع کرانے والا سود کی رقم نہ لے تو بینک اس رقم کو عیسائی مشن کو دیدیتا ہے اور مشن اس رقم کو اپنے مقاصد ارتداد و الحاد

(۱-۲-۳) (ایضاً بمطابق حوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ٦٥)
(٤) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۷۱)
(۵) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۷۲)
(٦) (ایضاً بمطابق حوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ٦٥)

کی ترویج وترقی میں صرف کرتا ہے پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ بینکوں کے سود کی رقم کو بینکوں سے وصول کر کے یتیموں اور محتاجوں اور بیواؤں کو دے دیں۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بینک اور ڈاکخانہ سے سود کی رقم لے لینی چاہئیے

(سوال) ہندہ کا کچھ روپیہ ڈاک خانہ کے سیونگ بینک اور کچھ پنجاب نیشنل بینک میں جمع ہے ان ہر دو روپے کا منافعہ سود ڈاک خانہ وبینک سے لینے کے متعلق شرعاً جناب کا کیا فتویٰ ہے۔ المستفتی نمبر ۲۰۸۳ سردار عبدالجبار خاں (ڈیرہ اسماعیل خان) ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۵۶ ھ م ۱۶ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۷۱) بینک اور ڈاک خانہ سے سود کی رقم لے لیجئے اور خود مدارس اسلامیہ کو طلبہ کے لئے دے دیجئے یا یتیموں اور بیواؤں کو دید یجئے۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سودی رقم مساکین میں تقسیم کی جائے

(سوال) سود جو بینک یا اور کسی فنڈ میں سے ملے لینا درست ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۴۰۴ نبی یار خاں فیض آباد۔ ۳ رجب ۱۳۵۷ھ ۳۰ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۷۲) بینک سے سود لیکر مساکین ویتامی وبیوگان کو دے دینا چاہئیے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سخت مجبوری کی وجہ سے سود لینا

(سوال) ڈاکخانہ یا بینک سے سود لینا خواہ بصورت فاقہ یا اشد ضرورت کی بناء پر کہیں روپیہ یا جنس نہ ملنے پر کھیت یا زیور خواہ دیگر اشیاء کو گرو یا رہن کر کے اس پر روپیہ لینا سود دینا کیسا ہے اور وہ کونسی صورت ہے جس میں شرع نے جان بچانے کے لئے سود کھانے کی اجازت دی ہے۔ المستفتی نمبر ۲۴۸۴ حافظ محمد رفیق الدین صاحب' پٹنہ ۲۵ صفر ۱۳۵۸ھ ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۷۳) بینک یا ڈاکخانہ سے سود لے کر فقیر کو تقسیم کر دیا جائے۔ (۴) جب تین فاقہ ہو جائیں اور سوائے حرام کے کوئی حلال چیز میسر نہ ہو سکے تو حرام کا استعمال جائز ہوتا ہے۔ (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سود لینے کی غرض سے روپیہ جمع کرانا ناجائز ہے

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲ فروری ۱۹۲۶ء)

(سوال) ڈاکخانہ یا کسی دوسری ایسی کمپنیاں جو کہ سودی کاروبار کرتی ہیں ان میں سود لینے کی غرض سے روپیہ جمع کرواسکتے ہیں یا نہیں ؟ اور اگر جمع ہو تو اس پر سود لینا چاہئیے یا نہیں ؟

(۱ – ۲ – ۳ – ٤) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ٦٥)
(٥) قال تعالیٰ : فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیه (پ ١٤ سورة نحل' آیت ١١٥)

(جواب ۷۴) ڈاکخانہ یا کسی دوسری ایسی کمپنی میں جو سودی کاروبار کرتی ہے سود لینے کی غرض سے روپیہ جمع کرنا نہیں چاہئیے۔ لیکن جمع شدہ روپے کا سود ڈاک خانہ یا کسی سرکاری کمپنی میں چھوڑنا بھی نہیں چاہئیے۔ کیونکہ ان کے پاس چھوڑ دینے کی صورت میں وہ مسیحی مشنری کو دے دیا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ سے اسلام کے خلاف مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کی جاتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان سے لے کر کسی خیراتی فنڈ میں خرچ کر دیا جائے۔[۱] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

سودی رقم کو مصیبت زدہ مسلمانوں کے مقدمات پر خرچ کرنا

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک مسلمان کے پاس بینک کے سود کی رقم ہے وہ کیا اس رقم کو اندور کے مصیبت زدہ مسلمانوں کی اعانت اور پیروی میں صرف کر سکتا ہے؟

(جواب ۷۵) ہاں اس شخص کیلئے جائز ہے کہ وہ بینک سے سود کی رقم وصول کر کے مصیبت زدہ مسلمانوں کے مقدمات کی پیروی اور ان کے مظلوم پسماندگان کی امداد میں خرچ کر دے۔[۲] محمد کفایت اللہ غفر لہ، دہلی

ڈاکخانہ کیش سرٹیفکیٹ خرید کر اس پر سود لینے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ڈاکخانہ کے "کیش سرٹیفکیٹ" خریدنا درست ہے یا نہیں؟ یہ سرٹیفکیٹ نقد ادا کرنے پر ملتے ہیں اور پھر پانچ برس گزرنے پر یہ سرٹیفکیٹ ڈاکخانہ کو واپس کریں تو نقد خریدار کو مل جاتے ہیں۔ یہ زائد سود میں داخل ہے یا نہیں؟

(جواب ۷۶) سود لینے کی نیت سے ڈاکخانہ کے کیش سرٹیفکیٹ خریدنا جائز نہیں۔[۳] ہاں جو خرید لئے ہوں ان کی وعدہ شدہ پوری رقم وصول کر لی جائے اور اپنی اصل رقم خود رکھ کر زائد رقم کسی رفاہ عام کے قومی کام میں دیدی جائے۔[۴] محمد کفایت اللہ غفر لہ

بینک میں سودی رقم نہ چھوڑی جائے

(الجمعیۃ مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) میرا کچھ روپیہ بینک میں جمع تھا بینک کے سالانہ کاغذات حساب سے پتہ چلا کہ اس میں بینک نے سود بھی جوڑ دیا ہے میں نے قرب و جوار کے عالموں سے دریافت کیا تو انہوں نے اس کا لینا قطعاً حرام بتایا مگر حضور کا فتویٰ اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۲۷ء نظر سے گزرا کہ بینک کے جمع کردہ روپے کا سود لینا جائز

(۱-۲-۴) (ایضا بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

(۳) (قرآن پاک میں ہے احل اللّٰه البیع و حرم الربوا (پ ۳ سورۃ بقرۃ آیۃ ۲۷۵)

ہے اب ہم سخت تشویش میں ہیں ؟

(جواب ۷۷) سود لینا دینا بیشک حرام ہے۔ سود کی حرمت احکام اسلامیہ میں سے ان احکام میں داخل ہے جو یقینی اور منصوص ہیں اور ایسے بینکوں میں روپیہ جمع کرنا جو سودی کاروبار کرتے ہیں حرام ہے۔ (۱) جس شخص نے روپیہ داخل کیا ہے ایک حرمت کا ارتکاب تو وہ کر چکا ہے اب بینک سے سود لینے نہ لینے کا سوال اس حیثیت سے نہیں کہ سود حرام ہے بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ بینک نے تو اس کے روپے کا سود اپنے کاغذات میں اس کے حساب میں درج کیا اور نکالا ہے اگر یہ نہ لے تو وہ سود کا روپیہ مسیحی مشنریوں کو تبلیغ مسیحیت کے لئے دیدیا جاتا ہے اور اس شخص کے ذمہ دوہرا گناہ ہوتا ہے۔ ایک تو سودی کاروبار کو اپنے روپے سے امداد پہنچانا اور اس کے حساب میں سود کا لگایا جانا۔ دوسرے یہ کہ اس کے روپے کے سود سے مسیحیت کی تبلیغ ہو نا ان دونوں گناہوں سے بچنے کی سبیل یہ ہے کہ بینک میں روپیہ داخل نہ کیا جائے اور داخل شدہ روپیہ نکال لیا جائے اور دوسرے گناہ سے بچنے کی سبیل یہ ہے کہ جمع شدہ روپے کا سود بینک سے وصول کر کے کسی قومی رفاہ عام کے کام میں دے دیا جائے (۲) میں نے بینک کے سود کے متعلق جو فتویٰ دیا ہے وہ یہی ہے ہاں بعض جوابوں میں یہ لکھ دیا ہے کہ جو لوگ ہندوستان کو دار الحرب قرار دیتے ہیں وہ کفار حربین سے سود لینے کو جائز سمجھتے ہیں اور سرکاری بینکوں کا سود ان کے نزدیک جائز ہے مگر میرا قلب اس خیال کے ساتھ متفق نہیں اور اس پر مطمئن نہیں ہے میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ بینک میں اپنے روپے کا سود نہ چھوڑیئے بینک سے وصول کر کے کسی قومی رفاہ عام کے کام میں دے دیجئے تاکہ آپ کے روپے سے مسیحیت کی تبلیغ اور اسلام کی بیخ کنی کا کام نہ لیا جا سکے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا مسجد کی رقم پر ملنے والا سود مسجد کے ٹیکسوں میں دینا جائز ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ یکم فروری ۱۹۳۵ء)

(سوال) چھوٹا شملہ میں ایک مسجد ہے چند مکانات اور دکانیں اس کی ملکیت ہیں جن سے آج کل تقریباً ہزار روپے سال کی آمدنی ہوتی ہے اور اوسط خرچ سات روپے سالانہ ہے ۱۹۲۱ء میں اس مسجد کے انتظام اور حساب و کتاب کے متعلق مقدمہ بازی ہوئی جس پر عدالت نے فیصلہ کیا کہ مسجد کا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد ہو' فیصلہ عدالت کی رو سے لازم ہے کہ یہ کمیٹی مسجد کا روپیہ ایک بینک میں رکھے چنانچہ عرصے سے مسجد کا روپیہ لائیڈز بینک میں ہے۔ گزشتہ سالوں میں روپیہ بمد چلت حساب تھا جس میں ہزار روپے سے کم رقم پر سود نہیں آتا پچھلے سال یہ حساب سیونگز (بچت) بینک میں رکھا گیا ہے جس پر سال رواں میں مبلغ نو روپے تین آنے سود آیا ہے۔ اور آئندہ بھی آتا رہے گا یہ سود کا روپیہ مسجد کے ٹیکسوں میں دیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ مسجد مذکور کو مندرجہ ذیل ٹیکس میونسپل کمیٹی شملہ کو ادا کرنے پڑتے ہیں :

---

(۱) (قرآن پاک میں ہے احل اللہ البیع و حرّم الربوا (پ ۳ سورۃ بقرۃ آیت ۲۷۵)

(۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

تہ زمینی ٹیکس ۱۴ ۔ واٹر ٹیکس ۱۴ ہاؤس ٹیکس ۱۸ ۔

(جواب ۷۸) اس رقم کا سود بینک سے وصول کر کے ہاؤس ٹیکس اور تہ زمینی ٹیکس میں دیا جا سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دوسرا باب
بیمہ کرانا

زندگی کا بیمہ کرانا ناجائز ہے

(سوال) زندگی کا بیمہ کرانا کیسا ہے؟ المستفتی نمبر ۱۱۴ بابو محمد رشید خاں قرول باغ دہلی ۲۶ رجب ۱۳۵۲ھ ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۹) زندگی کا بیمہ کرانا جائز نہیں۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) واضح ہو کہ مروجہ بیمہ کی تین قسمیں ہیں (۱) بیمہ زندگی' اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی اپنے ڈاکٹر کے ذریعے بیمہ کے طالب کا معائنہ کراتی ہے اور ڈاکٹر اس کی جسمانی حالت دیکھ کر اندازہ کرتا ہے کہ اگر کوئی ناگہانی آفت پیش نہ آئے تو یہ شخص اتنے سال مثلاً ۲۰ سال زندہ رہ سکتا ہے ڈاکٹر کی رپورٹ پر کمپنی تیس سال کے لئے اس کی زندگی کا بیمہ کر لیتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیمہ کمپنی نے جو رقم مانگی طالب و کمپنی مقرر ہو جاتی ہے جو قسطوں کے ذریعے بیمہ دار کمپنی کو ادا کرتا رہتا ہے اور ایک معینہ مدت میں جب وہ رقم پوری ادا کر دیتا ہے تو بیمہ مکمل ہو جاتا ہے اب اس کے بعد اگر بیمہ دار اتنی مدت کے بعد انتقال کر جاتا ہے جس کا اندازہ کمپنی کے ڈاکٹر نے لگایا تھا تو کمپنی اس کے پسماندگان میں سے جس کو بھی نامزد کرے اس کو یا نامزد نہ کرنے کی صورت میں میت کے قانونی وارث کو وہ جمع شدہ رقم مع بونس یعنی مزید رقم کے جس کو بونس کہتے ہیں یکمشت ادا کر دیتی ہے اور اگر وہ مدت مذکورہ سے پہلے مر جائے خواہ طبعی موت یا کسی حادثہ وغیرہ سے تو بھی کمپنی اس کے پسماندگان کو حسب تفصیل بالا پوری رقم مع کچھ زائد رقم کے ادا کرتی ہے مگر اس صورت میں شرح منافع زائد ہوتی ہے اور اگر وہ شخص مدت مذکورہ کے بعد بھی زندہ رہے تو اس صورت میں بھی اسے رقم مع اضافہ ملتی ہے مگر شرح منافع کم ہوتی ہے۔

بیمہ کی دوسری قسم کا نام ہے اشیاء کا بیمہ ان دونوں میں یہ فرق ہوتا ہے کہ وہ خطرہ جس سے بیمہ کرایا جاتا ہے اگر وہ پیش نہ آئے تو زندگی کے بیمہ میں رقم واپس مل جاتی ہے اشیاء کے بیمہ میں وہ رقم واپس نہیں ملتی بلکہ وہ رقم ڈوب جاتی ہے (۳) تیسری قسم ذمہ داریوں کا بیمہ ہے اس میں ہر قسم کے ہر جانے بچہ کی تعلیم اور شادیوں وغیرہ کے خرچ کا بیمہ ہوتا ہے بیمہ کمپنی ان کاموں کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

بیمہ کا شرعی حکم بیمہ زندگی کے عدم جواز میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کیونکہ اس میں سود اور غرر ہے سود تو ظاہر ہے اور غرر (دھوکہ) اس سے ہے کہ اگر قسطیں ادا کرنی روک دے تو ادا شدہ قسطیں بھی ڈوب جاتی ہیں لہذا یہ فاسد در فاسد ہے (۲) اشیاء کا بیمہ اس لئے ناجائز ہے کہ اس پر قمار کی تعریف صادق آتی ہے کہ یا تو بیمہ دار نے جو رقم بھری ہے وہ بھی گئی یا پھر وہ رقم اپنے ساتھ اور رقم بھی لے آئے گی (۳) ذمہ داریوں کے بیمہ کے ناجائز ہونے کی بھی یہی وجہ ہے الحاصل یہ کہ بیمہ کا کاروبار سود اور قمار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے قال اللہ تعالی یا ایھا الذین آمنو اتقو اللہ و ذرو مابقی من الربو الخ وقال تعالی: انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان الخ وفی الحدیث' لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا و مؤکلہ و شاھدہ و کاتبہ' حضرت مفتی صاحب نے اس بحث میں ان علماء کا قول لیا ہے جو دار الحرب میں جواز ربا کے قائل ہیں لیکن دوسری طرف بہت سے اکابر علمائے ہند کا قول عدم جواز کا ہے خود حضرت مفتی صاحب بھی اسی قول سے رجوع کر چکے ہیں ص ۵ ج ۸ کفایت المفتی جس کی تفصیل پچھلے ابواب میں گزر چکی ہے۔

(نوٹ) بیمہ کے مسئلے میں یہی تفصیل آخر باب تک چلے گی ہم مزید حوالے نہیں دیں گے اسی تفصیل پر اکتفاء کیا جاتا ہے آگے ہر مسئلے میں آخر باب تک صرف اسی صفحے کا حوالہ دیا جائے گا آخر باب تک یہ رمز استعمال ہوگا (ایضاً مطابق حوالہ سابق ۱ ص ۸۳)

کیا جان ومال کا بیمہ کرانا جائز ہے؟

(سوال) جان ومال کا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۵۲ حاجی متین احمد بن حاجی رشید احمد کشمیری دروازہ دہلی ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ ۲۱ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۰) بیمہ ایک قسم کا قمار ہے اس لئے ناجائز ہے ہاں خالص حربی کافروں کی کمپنی ہو اور اس سے مسلمان فائدہ اٹھالیں تو دارالحرب ہونے کی بناپر مباح ہو سکتا ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شادی فنڈ اور بیمہ کا حکم

(سوال) شادی فنڈ جائز ہے یا نہیں جس میں چوتھا چھٹایا آٹھواں حصہ زیادہ دیا جاتا ہے زندگی کا بیمہ جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۴۵۸ مولانا فضل احمد (حیدر آباد سندھ) ۱۳ محرم ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۸۱) شادی فنڈ کی تفصیل ہمیں معلوم نہیں زندگی کا بیمہ کرانا دراصل تو ناجائز ہے لیکن دار الحرب کے اصول پر کفار حربیین سے کوئی نفع حاصل کرنا مباح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دکان اور کارخانہ کا بیمہ کرانا

(سوال) بیمہ کمپنی سے اپنی دکان یا کارخانہ کا بیمہ کرانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۴۷۶ محمد عبدالجبار (رنگون) ۱۰ صفر ۱۳۵۴ھ ۱۴ مئی ۱۹۳۵ء

(جواب ۸۲) بیمہ کمپنیوں سے دکانوں کارخانوں عمروں کا بیمہ کرانا دراصل تو ناجائز ہے کیونکہ بیمہ ربا اور قمار پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ دونوں ناجائز ہیں لیکن دار الحرب کے مسئلے کے لحاظ سے اس میں گنجائش ہے۔

(جواب ۸۳) احتیاط اور تقویٰ یہ ہے کہ بیمہ سے احتراز کیا جائے اور اگر کوئی شخص ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی بنا پر بیمہ کرالے تو اس پر کوئی سخت حکم نہیں دیا جاسکتا۔ محمد کفایت اللہ' ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ ۱۲ اگست ۱۹۳۵ء

ہندوستان میں بیمہ کرانا

(سوال) جان بیمہ بیس سال تک کے لئے مثلاً کیا جاتا ہے پس اگر چونتیس سال کی عمر میں زید نے بیس سال کے لئے بیمہ کرایا تو اس کو بحساب ۶۰/ ۔ فی ہزار سالانہ بیس سال تک دینا ہوگا جس کی مقدار بیس سال میں تئیس ہزار چار سو روپے ہو جائے گی اور بیمہ کمپنی بیس ہزار روپے مقدار بیمہ پر تئیس سال میں بیس روپے سے ۸/ ۲۰ تک فی ہزار سالانہ منافع کے حساب سے تقریباً مبلغ نو ہزار چار سو روپے اور بیس ہزار مقدار بیمہ جملہ انتیس

---

(۱) ایضاً بحوالہ آئندہ نمبر ۱ ص ۸۵)

ہزار چار سو روپے تقریباً ادا کرے گی۔ یعنی بیس سال میں [illegible] کی رقم لیکر [illegible] ادا کرے گی۔ پس اس حساب سے بیس سال کا بیمہ کرانے والے کو چھ ہزار روپے کی رقم مثلاً زائد وصول ہوگی اور اگر بیمہ کرانے والا بیس سال کے اندر فوت ہو گیا تو جتنے روپے کا بیمہ کرایا ہے مثلاً بیس ہزار کا کرایا تو بیس ہزار اور اس پر جتنے سال گزرے ہوں گے اتنے سال کا منافع جو اوپر لکھا ہے بیس روپے سے [illegible] فی ہزار سالانہ کے حساب سے جوڑ کر دے دے گی پس ارشاد ہو کہ اس طرح کا بیمہ کرانا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

زید نے کچھ ہرج نہ سمجھ کر بیمہ کرایا جس کو ایک سال کی مدت گزر چکی ہے اور ایک سال کا روپیہ مفصلہ بالا بیمہ کمپنی کو ادا کر چکا ہے۔ بیمہ کمپنی کا قانون ہے کہ اگر بیمہ کرانے والا تین سال کے اندر خود اپنی طرف سے معاہدہ توڑ دے اور سالانہ واجب الادا رقم ادا نہ کرے تو بیمہ کمپنی اس کو بالکل کچھ نہیں دے گی۔ حتی کہ اس کا دیا ہوا روپیہ بھی اس کو واپس نہ مل سکے گا پس اگر شرعاً بیمہ کرانا ناجائز ہو تو اب زید کیا کرے۔

واضح ہو کہ بیمہ کرانے والا بطور حصہ داری کے بیمہ کمپنی میں شریک نہیں ہوتا بلکہ سوال کے مطابق اپنا روپیہ کمپنی میں جمع کرتا رہتا ہے۔ جس کو بیمہ کمپنی اپنے یہاں قرض میں درج نہیں کرتی بلکہ اپنے قانون کے مطابق عمل کرتی ہے جیسا کہ سوال میں عرض کیا گیا ہے۔

بیمہ کرانے والوں کا جو روپیہ کمپنی میں جمع ہوتا ہے اس کو بیمہ کمپنی دوسرے کاموں میں لگاتی ہے اور اس سے نفع حاصل کرتی ہے لیکن بیمہ کرانے والوں کو ان دوسرے کاموں کے نقصان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بیمہ کمپنی اپنے قانون کے مطابق ہر سال بیمہ کرانے والوں سے مقررہ رقم لیتی رہتی ہے۔ اور بیمہ کرانے والا جب بھی مر جائے خواہ معاملہ ہونے کے ایک ہی دن بعد تو وہ کمپنی اپنے قانون کے مطابق بیس ہزار روپیہ مع منافع بیمہ کرانے والے کے ورثہ کو ادا کرے گی لیکن اس کے ساتھ بیمہ کرانے والوں کا جمع کیا ہوا روپیہ واپس نہیں ملتا خواہ ایک سال کا ہو یا زیادہ کا بیمہ کمپنی کے سب ارکان کافر ہیں مسلمان کوئی بھی نہیں ہندوستان میں بیمہ کمپنی دو ہیں ایک یوروپین دوسری ہندو۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ برما یا ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں شرعاً بیمہ کرانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ **المستفتی** نمبر ۶۵۲ داؤد ہاشم یوسف (رنگون) ۲۳ رجب ۱۳۵۴ھ ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۸٤) ہندوستان کے دار الحرب ہونے میں چونکہ اختلاف ہے اس لئے جو لوگ اسے دار الحرب نہیں کہتے وہ بیمہ کو حرام کہتے ہیں۔ مگر بیمہ کرانے کی ابتداءً و بقاءً ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی تقدیر پر گنجائش ہے۔ کیونکہ دار الحرب میں غیر مسلموں سے عذر کے بغیر باقی تمام طرق سے ان کی رضامندی کے ساتھ مال وصول کرنا جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

زندگی کا بیمہ کرانا اور شادی فنڈ کا حکم!

(سوال) (۱) زندگی کا بیمہ کرانا کیسا ہے؟ (۲) شادی فنڈ کے لئے ایجنٹ ترغیب دے رہے ہیں کہ بچوں کے ناموں سے ایک روپیہ ماہوار جمع کرتے رہو۔ دو سال میں جب شادی کرو گے تو کافی رقم مل جائے گی۔

المستفتی نمبر ۷۴۲ نور محمد صاحب ہیڈ ماسٹر جوندلہ ضلع کرنال ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۸۵) بیمہ کی اصل حقیقت تو قمار اور ربوا پر مشتمل ہے مگر ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی بنا پر اگر کوئی کر لے تو گنجائش ہے اگرچہ احتیاط ترک میں ہے۔[1] (۲) اس کا بھی وہی حکم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

انشورنس کے متعلق ایک فتویٰ کی وضاحت

(سوال) پراونشل یونین انشورنس لمیٹڈ ہیڈ آفس نیو دہلی کی طرف سے پوسٹر شائع کئے گئے ہیں جس میں زندگی کا بیمہ کرانے کے محاسن دکھلائے گئے ہیں اور ظاہر کیا گیا ہے کہ حال میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور خواجہ حسن نظامی نے ایک فتویٰ صادر فرمایا ہے جس کی رو سے علاوہ اسلامی حکومتوں کے بیمہ کرانا جائز قرار دیا ہے۔ کیا فی الحقیقت آنجناب کی طرف سے کوئی ایسا فتویٰ صادر فرمایا گیا ہے۔ اگر فرمایا گیا ہے تو اس جواز کے دلائل بیان فرمائیں تاکہ ہمیں اطمینان ہو۔ **المستفتی نمبر ۸۱۲** محمد آل نبی خان (ضلع آرہ) ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۳۶ء

(جواب ۸۶) انشورنس (بیمہ) کے متعلق جو فتویٰ میں نے لکھا ہے وہ یہ تھا کہ بیمہ اپنی اصل حقیقت کے لحاظ سے ناجائز اور حرام ہے کیونکہ وہ ربوا اور قمار پر مشتمل ہے۔[2] لیکن جو لوگ ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی بنا پر یہاں عقود ربویہ کو جائز سمجھتے ہیں اگر وہ اس وجہ سے بیمہ کمپنی کے ذریعہ کچھ منافع حاصل کرلیں تو ان کے لئے گنجائش ہے۔ یعنی دار الحرب میں فقہا نے عقود ربویہ و قماریہ کو مباح قرار دیا ہے[3] اور ہر قسم کا معاملہ جو غدر و خیانت نہ ہو اس کے ذریعے سے اکتساب مال کی اجازت دی ہے اس بنا پر جو لوگ بیمہ کرائیں ان کے عمل کو حرام کہنے سے ہم کو احتراز کرنا چاہئیے۔ میں نے بیمہ کرانے کی ترغیب یا تحسین نہیں کی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

پڑوسی کی طرف سے نقصان کا خطرہ ہو تو بیمہ کرانے کا حکم

(سوال) (۱) ایک شخص بیمہ کراتا ہے اس غرض سے کہ میں آگ لگا کر فائدہ اٹھاؤں یا برابر میں سے لگے تو فائدہ اٹھاؤں اس نیت سے بیمہ کرانا کیسا ہے۔ اب برابر والا دکاندار کیا کرے؟ (۲) دکاندار کا ذمہ ہے مال کا اور برابر والے کو اندیشہ ہے کہ وہ آگ لگائے گا تو اب وہ برابر والا بیمہ کرائے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۹۶۷**

---

(۱) قد یکون للتاجر شریک حربی فی بلاد الحرب فیعقد شریکہ ھذا العقد مع صاحب السوکرہ فی بلادھم و یاخذ منہ بدل المالک و یرسع الی التاجر فالظاھر ان ھذا یحل للتاجر اخذہ لان العقد الفاسد جری بینھم فی بلاد الحرب (رد المحتار' کتاب المستامن' مطلب مھم فیما تفعلہ التجارۃ من دفع ما یسمی سوکرہ ۴/۱۷۰ ط، سعید)

(نوٹ) اس مذکورہ مسئلے پر یہی ایک حوالہ آخر باب تک آنے کا ہے ہر صفحے پر مذکورہ مسئلہ کے لئے حوالہ کی عبارت درج نہیں کریں گے بلکہ صرف اسی صفحے کا حوالہ دیں گے (ص ۸۵ حوالہ نمبر ۱)

(۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)

(۳) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱) ص

حافظ عبداللطیف اینڈ سنز صدر بازار دہلی ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م یکم جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۸۷) بیمہ اصل حقیقت کے لحاظ سے تو ناجائز ہے[1] مگر جب اس کے ساتھ یہ بدنیتی شامل ہو کہ آگ لگا کر کمپنی سے روپیہ وصول کریں گے تو اور بھی سخت گناہ ہو جاتا ہے اور آگ قصداً لگانا اور دوسروں کو نقصان پہنچانا شدید گناہ ہے[2] ایسا روپیہ بھی حرام اور یہ فعل بھی حرام ہے۔ جو شخص اس امر کا خوف کرے کہ اس کا پڑوسی بدنیتی سے اپنی دکان میں آگ لگائے گا اور اس کا ظن غالب ہو اور یہ شخص اپنی دکان وہاں سے منتقل نہ کر سکے تو ایسی مجبوری کے عالم میں اس کو بیمہ کرا لینے کی گنجائش ہے[3] اور اگر پڑوسی کی بدنیتی کی بدولت یا اور کسی اتفاقی وجہ سے اس کی دکان جل جائے تو بیمہ کمپنی سے یہ بیمہ کی رقم وصول کر سکتا ہے[4]

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

دار الحرب اور دار الاسلام میں بیمہ کرانے کا حکم

(سوال) (۱) دار الحرب اور دار الاسلام میں بیمہ کرانے کا شرعی حکم کیا ہے؟ (۲) جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کو مال و جان کا بیمہ لینے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ یہاں پر دار الاسلام ہونے کا ادنیٰ شائبہ بھی نہیں پایا جاتا اکثر اوقات مال و دولت اور گاہ گاہ جان کا بھی خطرہ رہتا ہے جیسا کہ حال ہی میں ہماری دکانیں کہ جس میں تقریباً پانچ چھ ہزار پاؤنڈ کا مال تھا دونوں دکانوں کو کسی دشمن نے جذبہ حسد سے متاثر ہو کر رات کے وقت جلا کر خاک کر دیا تو ایسی حالت میں بیمہ لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ (۳) مسلمانوں کو بیمہ کمپنی قائم کر کے اس سے نفع حاصل کرنا شریعت کی رو سے کیسا ہے؟ (۴) بیمہ کمپنیوں کے ایجنٹ کے طور پر کام کر کے اس پر جو کمیشن ملے اس کا حاصل کرنا کیسا ہے؟ مثلاً بیمہ کمپنی کو اگر یکصد پاؤنڈ پیدا کر دیں تو وہ کمپنی اس پر تیس پاؤنڈ کمیشن کے دیتی ہے۔ یہ رقم لینا کیسا ہے اور بیمہ کمپنی کی ایجنسی کا کیا حکم ہے؟ (۵) حال ہی میں یہاں کی سرکار نے بیمہ کا جبری قانون نافذ کیا ہے کہ ہر ایک فرد ملازم کو اپنی جان کا بیمہ کرانا قانوناً ضروری ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جو لوگ ملازم پیشہ ہیں ان کا بیمہ ان کے سیٹھ کے ذمہ ہوتا ہے۔ اس طرح ہر ایک ملازم کو اپنی جان کا بیمہ لینا ضروری کر دیا گیا ہے۔ اس طرح کے بیمہ کا کیا حکم ہے؟ (۶) اس طرح مسلمانوں کے لاکھوں پونڈ سالانہ بیمہ کمپنیوں کے خزانہ میں داخل ہوتے ہیں اس حالت میں ان کمپنیوں سے بیمہ کی قیمت ادا کرنے پر جو کمیشن وصول ہوا ہو اس کا لینا کیسا ہے مثلاً کوئی بیمہ کمپنی کو دو صد پاؤنڈ بیمہ کے ادا کرتا ہے تو اس پر اس کو واپس سالانہ پاؤنڈ یا کم و بیش جو ملتے ہیں کمیشن کے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا المستفتی نمبر ۱۰۰۲ مولانا ادریس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ۷ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۸ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۸۸) دار الحرب میں معاملات ربویہ و قمار کے ذریعے سے مسلمانوں کو کفار سے فائدہ حاصل کر لینا جائز ہے بیمہ بھی ربوا اور قمار پر مشتمل ہوتا ہے اور اس میں کوئی جبر و عذر نہیں اس لئے اگر مسلمان بیمہ کے

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)
(۲) کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے "المؤمن من امنه الناس على دمائهم واموالهم (ترمذی ۲ / ۹۰ ط سعید)
(۳ - ۴) قال تعالیٰ فمن اضطر في مخمصة غير متجانف لاثم فان الله غفور رحيم (پ ۶ سورۃ مائدہ آیت ۳)

ذریعے سے کفار سے کچھ فائدہ حاصل کرلیں تو اس میں مضائقہ نہیں۔[1] اگر بیمہ کمپنی قائم کرنے میں مسلمانوں کو فائدہ ہوتا ہو یعنی کفار سے کچھ رقم مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہو تو یہ بھی جائز ہوگا اسی طرح کفار کی بیمہ کمپنی سے کمیشن لینے کا بھی حکم ہے دارالحرب کے مسلمانوں کو آپس میں سود و قمار کے معاملات کرنا مکروہ ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیمہ کمپنی سے نفع حاصل کرنے کا حکم

(سوال) لائف انشورنس یا کہ زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے یا کہ نہیں شرائط بیمہ کمپنی مثلاً بیس سال کے لئے مبلغ ایک ہزار روپے کا بیمہ کرایا تو ہم کو پچاس روپے سالانہ ادا کرنا پڑے گا مدت بیمہ ختم ہونے پر کمپنی ہم کو ایک ہزار روپے بیمہ کا اور اس کے ساتھ میں بیس برس کا نفع جو کہ کمپنی اس روپیہ میں تجارت کرتی ہے دے۔ گی (۲) آج بیمہ کرایا اور صرف ایک قسط پچاس روپیہ کی ادا کی اور دو تین ماہ کے بعد پیام موت آ گیا ایسی صورت میں کمپنی ہمارے ورثاؤں کو کل بیمہ کی رقم فوراً ادا کردے گی۔ المستفتی نمبر ۱۰۳۲ حاجی عبداللہ صاحب (بمبئی) ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۴ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۸۹) بیمہ کی حقیقت ربوا اور قمار پر مشتمل ہے اس لئے یہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے تو ناجائز ہے[3] لیکن ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے خیال سے اگر کوئی مسلمان کمپنی سے کچھ فائدہ حاصل کرلے تو گنجائش ہے تاہم احتیاط اس سے بچنے میں ہی ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(جواب دیگر) (المستفتی نمبر ۱۱۰۶) بیمہ ربوا اور قمار پر مشتمل ہے اور بیمہ کمپنیاں مسلم و غیر مسلم شرکاء سے مرکب ہوتی ہیں اس لئے مسلمانوں کو بیمہ کرانے کی اجازت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔[5]

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

تنگ دستی اور غربت سے بچنے کے لئے بیمہ کرانا

(سوال) ایک شخص مقروض اور صاحب جائیداد ہو اور پکا مسلمان ہو اور بیک وقت صاحب اولاد بھی ہو کیا وہ اپنی زندگی کا بیمہ تنگ دستی سے چھٹنے کے لئے اور اولاد کو غربت کی لعنت سے بچانے کے لئے کراسکتا ہے اور اگر وہ مقروض نہ بھی ہو کیا تب بھی بیمہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جس میں منافع ملتا ہے اور ایک بغیر منافع کا؟ المستفتی نمبر ۱۱۰۷ اسرار علی (نگینہ) ۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۵ اگست ۱۹۳۶ء

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۵)
(۲) ولا ربابين حربي و مسلم و في رد المحتار' احترز بالحربي عن المسلم الا صلي والذمي وكذا عن المسلم الحربي اذا ها جر الينا ثم عاد اليهم فانه ليس للمسلم ان يرابي معه اتفاقا (درمختار' باب الربا' ۵/ ۱۸۶ ط، سعيد)
(۳) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)
(٤) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۵)
(۵) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)

(جواب ۹۰) بیمہ بغیر منافع بھی ہو جب بھی قمار سے خالی نہیں یعنی یہ شرط تو لازمی ہوتی ہے کہ اگر بیمہ کرانے والا ایک دو قسطیں ادا کرنے کے بعد مر جائے تو بیمہ کی پوری رقم (مثلاً دو ہزار روپیہ) اس کے وارثوں کو کمپنی دے گی اگرچہ مرنے والے نے ابھی سو پچاس ہی ادا کئے تھے اس لئے اس عمل میں شرکت کی کوئی شرعی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

لائف انشورنس کا حکم

(سوال) مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۳۶ء ہفتہ وار منادی میں مسلم انڈیا بیمہ کمپنی کے متعلق جو مضمون شائع ہوا ہے اس میں لائف انشورنس کے جواز پر دلائل پیش کرتے ہوئے اخیر میں مضمون نگار نے حضرات علماء کرام کی جس میں حضور کا بھی نام شامل ہے کہتے ہیں کہ آپ حضرات نے بھی اس کے جواز کی رائے دی ہے۔ اب میرا سوال یہ ہے کہ اگر واقعی شریعت اسلامیہ کی رو سے جائز ہو تو از راہ کرم مسئلہ کے شرعی پہلو پر نظر فرما کر تشریح کا موقعہ عنایت فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۱۲۱۸ محمد علاؤالدین احمد صاحب (آسام) ۱۸ رجب ۱۳۵۵ھ ۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۱) انشورنس کمپنی کی شرکت کے جواز کی ہم نے رائے نہیں دی ہے صرف یہ لکھا ہے کہ جو علماء ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بناء پر اسے جائز بتاتے ہیں ان کے لئے بھی گنجائش ہے تشدد نہ کرنا چاہئے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سخت نقصان کے اندیشہ سے بیمہ کرانے کا حکم

(سوال) میری دوکان کے دائیں طرف بائیں طرف اور پیچھے اور اوپر یعنی سب طرف ہندو آباد ہیں اور سب نے اپنی دوکانوں کے بیمے کئے ہوئے ہیں اور جو دیگر مسلمان دوکان دار نزدیک آباد ہیں انہوں نے بھی اپنی دوکان کے بیمے کرا رکھے ہیں معلوم ہوا ہے کہ عنقریب آگ لگنے والی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر خدانخواستہ آگ لگ گئی تو بظاہر بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے اگر خداوند کریم اپنی رحمت سے بچالے تو اس کی شان بہت بڑی ہے وہ بڑی حکمت والا ہے ورنہ سخت اندیشے کا موقعہ ہے آیا ایسی حالت میں مجھے اپنی دوکان کا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں۔ المستفتی جناب حاجی محمد داؤد صاحب تاجر (بلیماران دہلی) ۴ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۲) بیمہ کرانا دراصل تو ناجائز ہے[1] مگر اس مجبوری کے عالم میں کہ آس پاس کے دوکانداروں نے بیمے کرا رکھے ہیں اور اندیشہ ہے کہ کوئی اپنی دوکان کو قصداً جلادے۔ بیمہ کرالیا جائے تو مضائقہ نہیں۔[2]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۳ ص ۸۵)

کیا انشورنس کمپنی میں زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے؟

(سوال) آج کل آدمی انشورڈ کمپنی میں اپنی زندگی کا بیمہ کرالیا کرتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سالانہ ہم اتنا بھریں گے اس کا کمپنی کچھ فیصلہ کرلیتی ہے کہ اتنے برس میں اتنا دیا جائے گا اگر وہ آدمی اتنے برس میں زندہ رہا تو جو فیصلہ ہوا ہے اس کے مطابق کمپنی دے دے گی اگر بیمہ کے بعد دو ایک برس میں وہ آدمی قضا کر گیا تو اس کے وارث کو ملے گا تو یہ بیمہ کرانا ازروئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۱۵۶ اعظم خاں نور خاں پوسٹ بکس نمبر ۲۱۲ بمبئی ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ یکم جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۹۳) بیمہ درحقیقت ربا اور قمار پر مشتمل ہے اور یہ دونوں شریعت مقدسہ اسلامیہ میں حرام ہیں(۱) یہ غیر اسلامی طریقے ہیں جن کے ذریعہ سے مال حاصل کیا جاتا ہے اور ان کو مفید سمجھا جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ تمدنی اور اقتصادی اصول کے ماتحت بھی دنیا کے لئے ایک لعنت اور مصیبت ثابت ہوئے ہیں۔ ہزاروں بے ایمان آدمیوں نے اس کو روزگار بنا کر اپنے ہاتھوں اپنی دکانوں کو جن کا بیمہ کرایا تھا آگ لگائی اور حرام پیسہ بیمہ کمپنی سے وصول کیا اور کر رہے ہیں اور یہ مرض روز افزوں ترقی پر ہے دکانوں کے بیمے اور زندگی کے بیمے کا اصول ایک ہی ہے اور سب کا حکم ایک ہی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

زندگی کے بیمہ کا حکم

(سوال) کیا زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے جب کہ حضرت امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی ہے۔ ہندوستان کوآپریٹو انشورنس سوسائٹی صدر کلکتہ کے ایجنٹ نے حضرت مولانا کی تحریر میرے سامنے پیش کی حضرت مولانا نے اپنے خیال میں مسلمانوں کو بیمہ کرانے کی اجازت دے دی ہے ازراہ کرم خادم کو مطلع فرمائیے کہ بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۷۳۶ (مولانا) محمد حفظ الرحمن سیوہاروی (ضلع بجنور) ۵ رجب ۱۳۵۶ھ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۹۴) میرے خیال میں بیمہ کی حقیقت ربا اور قمار سے مرکب ہے اور وہ اصل کے اعتبار سے ناجائز ہے۔ (۲) جو علماء جواز کا فتویٰ دیتے ہیں وہ غالباً ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر اخذ ربوا کو مباح قرار دیتے ہیں۔ مگر اس میں بھی شبہ یہ ہے کہ دارالحرب میں بھی کفار سے اخذ ربا مباح ہے اور انشورنس کمپنی میں مسلمانوں کا روپیہ بھی شامل ہو کر مسلمان کو مسلمان سے اخذ ربا پر مجبور کرتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

بیمہ کا شرعی حکم

(سوال) کیا آپ براہ کرم بیمہ کے متعلق اپنی جمعیۃ کی رائے سے ہمیں مطلع کریں گے کیونکہ بہت سے مسلمان اس کے متعلق ہم سے سوال کرتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے المستفتی

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)

نمبر ۷۸۷ سیکریٹری ٹرامیکل انشورنس کمپنی دہلی' ۵ ارجب ۱۳۵۶ھ ۲۱ ستمبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۹۵) بیمہ اسلامی اصول کی رو سے ناجائز ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیمہ کے ذریعے نفع حاصل کرنا

(سوال) کیا بیمہ جو لوگ کرتے ہیں اور منافعہ کے نام سے مقررہ میعاد کے بعد جمع کی ہوئی رقم سے زائد وصول کرتے ہیں جیسے کچھ اس کے قواعد ہیں آیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے اور زائد رقم لینا جائز ہے المستفتی نمبر ۱۹۸۱ شریف احمد' نئی چھاؤنی دہلی' ۲۸ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳ نومبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۹۶) بیمہ دراصل ربوا اور قمار سے مرکب ہے اور یہ دونوں شریعت مقدسہ میں حرام ہیں اس لئے بیمہ خواہ تجارتی ہو یا جائیداد کا یا زندگی کا جب کہ وہ ربوا اور قمار سے خالی نہیں ہے تو شرعاً حد جواز میں نہیں آسکتا۔[2]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیمہ کمپنی کے متعلق ایک فتویٰ کی وضاحت

(سوال) جناب کے ملاحظہ کے لئے ایک پمفلٹ بھیج رہا ہوں اس میں بیمہ کمپنیوں کے کاروبار کے جواز کے متعلق آپ کا فتویٰ بھی درج ہے بہت ممنون ہوں گا اگر جناب اس فتوے کو اپنے الفاظ میں تحریر فرما کر اس عاجز کو بھیج دیں اگرچہ مختصر ہی ہو لیکن بہر حال اس کے متعلق جناب کی رائے معلوم کرنے کا متمنی ہوں۔
المستفتی نمبر ۲۱۷۹ مولانا سید محمد داؤد غزنوی (لاہور) ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۵ جنوری ۱۹۳۸ء
(جواب ۹۷) میں نے کوئی فتویٰ اس مضمون کا نہیں لکھا کہ زندگی کا بیمہ کرانا اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں۔ میں ہمیشہ یہی لکھتا رہا ہوں کہ بیمہ کی حقیقت ربوا اور قمار سے مرکب ہے اور یہ دونوں شریعت اسلامیہ میں حرام ہیں[3] ہاں ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی بنا پر اگر کوئی شخص بیمہ کے ذریعے سے کچھ فائدہ اٹھالے تو ممکن ہے کہ بشروط معتبرہ اس کو حرمت ربوا کے مسئلے سے بچادے[4] ایک لازمی شرط یہ ہے کہ اخذ ربوا مسلمان سے لازم نہ آئے اور دفع ربوا کی صورت نہ ہو۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیمہ کی مختلف صورتوں کا حکم

(سوال) (۱) چند اشخاص نے مل کر ایک مجلس قائم کی جس کا اولین مقصد اس کے ممبروں میں امداد باہمی اور پس اندازی کی عادت ڈالنا ہے اس مقصد کے پیش نظر اس کے قواعد و ضوابط بھی مرتب کئے گئے اور انہیں

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)
(۳) (
(٤) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۵)

کے تحت ممبر بنایا جاتا ہے ممبری کی فیس ماہواری یا سہ ماہی یا سالانہ وصول کی جاتی ہے اور اس کے عوض معینہ مقدار رقم مقررہ میعاد پر یکمشت مجلس سے ممبر کو مل جاتی ہے۔

(۲) قابل ذکر قواعد یہ ہیں کہ ۵۵ سال سے زائد عمر والے یا کسی مہلک مرض میں مبتلا شخص کو ممبر نہیں بنایا جاتا ممبر ہونے سے پیشتر ہر شخص کے لئے ڈاکٹری سرٹیفکیٹ اور معائنہ لازمی قرار دیا گیا ہے تاکہ اس کی صحت کا پورا پورا اندازہ مجلس کو ہو جائے۔

فقرہ (۳) ممبری کی درخواست منظور ہونے کے بعد مجلس اور ممبر کے درمیان یہ تحریری اقرار ہوتا ہے کہ ممبر ۲۰ سال کی میعاد تک پچاس روپے سالانہ قسط ادا کرے گا اور کرتا رہے گا تو مجلس اس میعاد کے پورے ہوتے ہی ممبر کو یکمشت ایک ہزار روپے ادا کرے گی اگر اتفاق سے مقررہ مقدار پوری ہونے سے پیشتر ممبر مذکور کی موت ہو گئی خواہ ایک ہی یا دو سال بعد ہو تو ایسی صورت میں بھی مجلس سالانہ قسط کی رقم لینا موقوف کر کے پوری ایک ہزار کی رقم متوفی کے پس ماندگان ورثہ کو موت کے بعد فوراً ہی ادا کرے گی اور ایسی صورت میں بھی مجلس کو نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ ممبر بناتے وقت سالانہ جو فیس مقرر کی جاتی ہے۔ اس میں ایسے حادثات کی بھی گنجائش رکھی جاتی ہے اور فیصدی اس وقت کی اوسط کا اندازہ لگا کر ہی فیس مقرر کی جاتی ہے۔

فقرہ نمبر (۴) ممبری کی شرح فیس بھی عمر کے لحاظ سے کم وبیش مقرر کی جاتی ہے مثلاً ایک پچیس سال کی عمر والا تیس سال کی میعاد مقرر کر کے ایک ہزار کی رقم کا مستحق ممبر ہوتا ہے تو اس سے پچاس روپے سالانہ فیس لی جائے گی برخلاف اس کے اگر پچاس سال کی عمر والا شخص اتنی ہی میعاد اور اتنی ہی رقم کا مستحق ممبر ہونا چاہے تو اس سے پچھتر روپے سالانہ لی جائے گی۔

فقرہ (۵) ممبری بھی دو قسم کی ہوتی ہے اول بلا منافع والی ممبری۔ دوئم مع منافع والی ممبری اور فیس مقرر کرنے میں ان قسموں کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ فقرہ نمبر ۴ میں بیان کیا گیا ہے اگر پچیس سال کی عمر والا شخص مقررہ میعاد رقم کے لئے بلا منافع والا ممبر ہونا چاہے تو اس کی فیس پچاس روپے ہو گی لیکن یہی شخص اتنی ہی رقم اور اتنی ہی میعاد کے لئے منافع والا ممبر ہونا چاہے تو اس کی فیس پچاس روپے کے بجائے ۵۵ یا ۵۷ روپے سالانہ ہو گی۔

فقرہ نمبر (۶) بلا منافع والی ممبری میں مقررہ میعاد پوری ہو جانے پر یا موت آنے پر موعودہ رقم یعنی صرف ایک ہزار ہی روپیہ ملتا ہے مگر مع منافع والی ممبری میں علاوہ اس موعودہ رقم کے مجلس کے سالانہ نفع میں سے حصہ رسدی کے طور پر کچھ رقم اس کے حساب میں جتنے سال وہ زندہ رہا چڑھتی رہتی ہے اور موعودہ رقم کے ساتھ یہ منافع کی رقم بھی مل جاتی ہے۔

(نوٹ) مجلس کے منافع حاصل کرنے کے لئے گو دیگر ذرائع بھی ہیں مثلاً کرایہ مکانات وغیرہ مگر زیادہ تر حصہ سود کے کاروبار سے حاصل ہوتا ہے۔

فقرہ نمبر (۷) مجلس اپنے ممبروں کی سالانہ فیس حسب ذیل تین مدوں میں تقسیم کر دیتی ہے (۱) مد اخراجات (۲) مد متوفیان (۳) مد حیات

(مدانراجات) اس مد کی رقم تنخواہ ملازمین ڈاک و دیگر متفرق کاموں میں صرف کی جاتی ہے۔
(مد متوفیان) اس مد سے ان متوفی ممبران کے ورثہ کے مطالبات پورے کئے جاتے ہیں جو مقررہ میعاد پوری ہونے سے پیشتر مر جاتے ہیں۔
(مد حیات) یہ مد ان ممبران کے مطالبات پورے کرتی ہے جو مقررہ میعاد تک زندہ رہے اور موعودہ رقم کے مستحق ہوئے

(نوٹ) یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ مد متوفیان مجلس کو اس صورت میں بھی جب کہ اس کا کوئی ممبر مقررہ میعاد سے پیشتر مر جائے نقصان سے محفوظ رکھتی ہے کم وبیش متذکرہ بالا اصول و قواعد و ضوابط پر ہی زندگی کا بیمہ کرنے والی کمپنیوں کا کاروبار ہے لہذا مجلس سے مراد زندگی کا بیمہ کرنے والی کمپنی اور ممبر سے مراد زندگی کا بیمہ کرانے والا شخص ہے ان حالات و قواعد و ضوابط کے پیش نظر ذیل کے سوالات قابل استفسار ہیں۔
(۱) کیا کسی ایسی مجلس یا بیمہ کمپنی میں اپنی زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں ؟
(۲) اگر جائز ہے تو بلا منافع اور مع منافع دونوں قسم (جیسا کہ فقرہ نمبر ۶ میں بیان کیا گیا) کا بیمہ کرانا یا صرف بلا منافعہ والی قسم جائز ہے ؟
(۳) اگر مع منافع والی صورت ناجائز ہو تو کیا اس طور سے جائز ہو سکتی ہے کہ منافع کی رقم اپنے صرف میں نہ لائیں اور غربا و مساکین کو تقسیم کردی جائے اور اصل رقم خود رکھی جائے۔
(۴) جیسا کہ فقرہ نمبر (۳) میں بیان کیا گیا ہے کہ مقررہ میعاد پوری ہونے سے پیشتر بیمہ کرانے والے کی موت ہونے پر موعودہ رقم پس ماندگان ورثہ کو بیمہ کمپنی سے لینا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۲۲۳ غلام دستگیر صاحب (ناگپور) ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۵ جنوری ۱۹۳۸ء
(جواب ۹۸) بیمہ کی یہ صورتیں ربوا اور قمار پر مشتمل ہیں اور یہ دونوں صورتیں حرام ہیں لہذا بیمہ کرانا ناجائز ہے[1] بے منافع والی صورت میں بھی یہ منافع تو حاصل ہونے کا امکان ہے کہ ایک دو قسط کی رقم مثلاً سو یا پچاس روپے ادا کرکے مر جانے پر ایک ہزار روپیہ وارثوں کو مل جائے کمپنی کو نقصان سے محفوظ رکھے مگر اس کا سودی کاروبار اس کے عدم جواز کی مستقل وجہ ہے اور منافع کی صورت میں تو کھلا ہوا سود ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

انگریز کی مملوکہ کمپنی میں بیمہ کرانا

(سوال) زید ایک ہندوستانی مسلمان ہے اس کی خواہش ہے کہ اپنے اہل و عیال کی آئندہ بہبودی کے لئے اپنی جان کا بیمہ کرائے جس بیمہ کمپنی میں وہ بیمہ کرانا چاہتا ہے وہ انگلستان میں ہے کمپنی کے حصہ دار اس کے

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۳)

ڈائریکٹر وغیرہ بھی انگریز ہیں ہندوستان میں کاروبار کے لئے کمپنی کی ایک شاخ ہے از روئے شرع اسلامی کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۱۷۰۶ محمد حسین بی اے بی ٹی علیگ فراش خانہ دہلی ۱۱ شعبان ۱۳۵۴ھ م ۹ نومبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۹۹) ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بنا پر زید کو جائز ہے کہ وہ انگلستان کی کمپنی میں زندگی کا بیمہ کرالے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

زندگی کا بیمہ بھی ناجائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۲۷ء)

(سوال) شریعت اسلامی میں زندگی کا بیمہ (لائف انشورڈ) کرانا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۰۰) بیمہ خواہ زندگی کا ہو یا جائیداد و عمارت کا سب ناجائز ہے کیوں کہ یہ عقود شرعیہ میں سے کسی صحیح اور جائز عقد میں داخل نہیں ایک قسم کا قمار ہے اور قمار ناجائز ہے۔[2] محمد کفایت اللہ غفرلہ

عمر کا بیمہ کرانا ناجائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) آج کل بیمہ کمپنی میں لوگ اپنی عمریں بیمہ کراتے ہیں جس کی تفصیل سے آنجناب واقف ہوں گے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۰۱) عمر کا بیمہ کرانا ناجائز ہے کیونکہ یہ بھی قمار کی ایک قسم ہے جس میں یا تو بغیر عوض مال حاصل کیا جاتا ہے اور طریق حصول بھی خطر و تردد میں دائر ہے یا اپنے دیئے ہوئے روپے سے زائد روپیہ اس ادا شدہ روپیہ کے ذریعہ سے حاصل کیا جاتا ہے جو ربوا ہے[3] محمد کفایت اللہ غفرلہ

بیمہ کمپنی کا حصہ خریدنا

(الجمعیۃ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) جب کہ بینک کا سود آپ کے نزدیک جائز ہے تو ایسی صورت میں بیمہ کرانا یا کسی بیمہ کمپنی کا حصہ خرید ناجائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۰۲) بیمہ بھی زمانہ حال کی بیشمار جدتوں میں سے ایک جدت ہے جس کی مختلف شکلیں رواج پذیر

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۵)

(۲) (-----------------------)

(۳) لانہ تعلیق الملك علی الخطر والمال فی الجانبین او حقیقت کے اعتبار سے سود ہے لعدم اشتراط المساواۃ فی الجانبین فیما یجب فیہ المساواۃ (امداد الفتاوی ۳/ ۱۶۱)

ہو گئی ہیں اس کو اب ایک تجارت سمجھا جاتا ہے ورنہ اس کی حقیقت قمار سے شروع ہو کر تجارتی قالب میں ڈھل گئی ہے اگر اس کو تجارت ہی قرار دے لیا جائے تاہم لازم نہیں کہ وہ جائز ہی ہو کیونکہ بیسیوں تجارتی صورتیں آج مروج اور معمول ہیں اور وہ شرعاً ناجائز ہیں جو علماء کہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیکر انگریزی حکومت اور انگریزی کمپنیوں سے سود لینا جائز قرار دیتے ہیں وہ بیمہ کے جواز کا فتویٰ دے سکتے ہیں میں ان کے فتویٰ کو اس اصول پر جو انہوں نے قائم کیا ہے غلط نہیں کہتا لیکن مسلمانوں کو سود کے گرداب فنا میں ڈالنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا مسلم قوم اگر سود دے کر تباہ ہو رہی ہے تو سود لے کر بھی وہ پنپ نہیں سکتی مسلمانوں کو تو سودی معاملات سے کنارہ کشی ہی باعث نجات ہے بینک کے سود کے متعلق میں نے صرف یہ فتویٰ دیا ہے کہ بینک سے وصول کر لو تاکہ وہ مسیحی تبلیغ میں صرف نہ کیا جاسکے اور تم وصول کر کے خود کسی قومی رفاہ عام کے کام میں خرچ کر دو میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا ہے کہ بینک سے سود وصول کرنے کا طریقہ اختیار کرو اور سود خوری کو اپنے لئے ذریعہ معاش بنالو۔ واللہ اعلم ' محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ

کیا زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۳۴ء)

(سوال) میرے چند دوستوں نے مجھے بتایا ہے کہ جمعیت علمائے ہند نے زندگی کا بیمہ کرانے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے براہ کرم مطلع فرمائیں ؟

(جواب ۱۰۳) بیمہ کرانا خواہ زندگی کا ہو خواہ جائیداد کا جائز نہیں ہے[1] جمعیت نے اس کے جواز کا کوئی فتویٰ شائع نہیں کیا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بیمہ کرانے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۶ء)

(سوال) بیمہ کے متعلق اسلام کا کیا حکم ہے ؟

(جواب ۱۰۴) جو علماء کہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک بیمہ کرانے کی گنجائش ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بیمہ کمپنی کو ادا کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

(سوال) ایک شخص نے کسی بیمہ کمپنی میں ایک بیمہ ایک محدود عرصے کے لئے کرایا بیمہ کرانے والا زکوٰۃ ادا

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۵)

کرنا چاہتا ہے تو اس کو کس رقم پر زکوٰۃ دینا چاہئیے۔ آیا رقم ادا کردہ پر یا اس رقم پر جو کمپنی بموجب قواعد -Sur render بیمہ کرانے والے کو دے گی۔ کسی پالیسی کو Surrender کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ بیمہ کرانے والا ایک عرصے تک پریمیم ادا کرتا ہے اور جب ادا کرنے سے قاصر ہو اور پالیسی کو بحق کمپنی بیچ کر نقد روپیہ حاصل کرنا چاہے تو عرصہ ادائیگی کی مناسبت سے چالیس یا پچاس فیصدی رقم ادا کردہ کا ملے گا۔ یا اگر بیمہ کرانے والا پریمیم ادا کرنے سے قاصر ہو اور نقد روپیہ نہ لینا چاہے تو پالیسی Paid up اس عرصے کے لئے شمار کی جاتی ہے اور ادا کردہ رقم کی مناسبت سے بیمہ کی مدت گزرنے پر روپیہ مل جاتا ہے بیمہ کرانے والا زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے ہر سال Surrender اور Paid up پالیسی کی رقم دریافت کر لیتا ہے ان تینوں صورتوں میں کس رقم پر زکوٰۃ دینی ہوگی؟

(جواب ۱۰۵) انشورنس اور پالیسی کی پریمیم کی ادا کردہ رقم پر زکوٰۃ دینی چاہئیے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

تیسرا باب
پراویڈنٹ فنڈ اور بونس اور پنشن

پراویڈنٹ فنڈ اور بینک کے سود میں فرق

(سوال) میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بینکوں کے سود اور پراویڈنٹ کے سود کے متعلق دریافت کیا تھا آخر الذکر کو جناب نے جائز اور اول الذکر کو غربا میں تقسیم کرنے کا حکم دیا تھا۔ عرض یہ ہے کہ ایک ہی شخص دونوں رقموں کا مالک ہے پراویڈنٹ فنڈ کی صورت میں نصف عطیہ کمپنی اور نصف اس کا اپنا ہے اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک سود جائز اور دوسرا سود غربا کا حصہ؟ المستفتی نمبر ۹۸ محمد ایوب خاں (گوڑیانی) ۱۸ رجب ۱۳۵۲ھ م ۸ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۰۶) پراویڈنٹ فنڈ میں نصف رقم عطیہ ہوتی ہے اور نصف ملازم کی تنخواہ میں سے وضع کی ہوئی ہوتی ہے چونکہ وہ بھی ملازم کے قبضے میں آنے سے پہلے وضع کر لی جاتی ہے اس لئے اس کا سود اور نصف رقم عطیہ کا سود دونوں مل کر عطیہ کا حکم لے لیتی ہے اور نصف رقم وضع شدہ سے زائد جو رقم ملتی ہے وہ سب عطیہ ہی قرار پاتی ہے بینک کا سود اس سے مختلف ہے دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ بینک میں اپنے قبضے سے نکال کر رقم جمع کی جاتی ہے اس لئے اس کا سود حقیقۃً سود ہوتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) اس لئے کہ پریمیم کی ادا کردہ رقم اس شخص کی ملک سے خارج نہیں ہوتی بلکہ وہ رقم انشورنس کمپنی کی تحویل میں ہوتی ہے اور یہ کمپنی اس کی وکیل ہے وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ ہوتا ہے لہذا یہ رقم اس شخص کی ملک رہی اس لئے اس کی زکوٰۃ دینی چاہئیے و تجب الزکاۃ فی مالہ وان کانت یدہ فائتۃ لقیام ملکہ و تجب الزکاۃ فی الدین مع عدم القبض فثبت ان الزکاۃ و ظیفۃ الملک والملک موجود فتجب الزکاۃ فیہ (بدائع الصنائع کتاب الزکوۃ ۲/۹ ط ، سعید)

پراویڈنٹ فنڈ اور اس پر سود لینے کا حکم !

(سوال) سرمایہ پس اندازی جو کہ ملازموں کی تنخواہ سے گورنمنٹ کی ملازمتوں کی شرائط کا حق جاتا ہے اس کا سود لینا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو لینے والا خود کھا سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۰۷) پراویڈنٹ فنڈ اور اس پر جو سود لینا اور اپنے صرف میں لانا جائز ہے کیونکہ وہ حقیقتہ سود کے حکم میں نہیں ہے۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تنخواہ سے کاٹی ہوئی رقم پر سود لینے اور اس پر زکوٰۃ کا حکم

(سوال) سرکاری مستقل ملازموں کی ماہواری تنخواہ میں سے $\frac{1}{16}$ و $\frac{1}{12}$ حصہ لازمی طور پر گورنمنٹ وضع کر لیتی ہے پس بقیہ تنخواہ ملازموں کو ملتی ہے وضع شدہ رقم ملازم کے ذاتی حساب میں جمع ہوتی رہتی ہے ہر چھ ماہ یا سال کے بعد اس مجموعہ میں اتنی ہی اور رقم اضافہ کر دی جاتی ہے جو بونس (عطیہ) کہلاتی ہے ان دونوں رقموں میں علیحدہ علیحدہ ۵ فیصدی یا کم وبیش شرح سود پر لگا کر جمع کر دیا جاتا ہے ہر سال ان رقموں کی تفصیل کی اطلاع (یعنی وضع شدہ رقم بونس سود علیحدہ علیحدہ لکھ کر) ملازم کو بھیجی جاتی ہے۔ ملازمت ختم کر چکنے کے بعد یا وفات پر کل جمع شدہ رقم ملازم کو یا ورثا کو دیدی جاتی ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ بونس مع مذکورہ سود (جس کی شرح وغیرہ گورنمنٹ از خود مقرر کرتی ہے) از روئے شرع شریف ایک مسلم کو لینا جائز ہے یا نہیں یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اگر ۵ فیصدی شرح سود کے متعلق شروع سے ہی یا دوران ملازمت میں گورنمنٹ کو لکھ کر دے دیا جائے کہ سود نہ لگائیں تو اس کے حساب میں سود نہیں لگایا جاتا اور صرف بونس جمع کر دیا جاتا ہے المستفتی نمبر ۱۲۵۹ ناظر حسین کلرک ورک شوپ آفس این ڈبلو آر مغل پورہ ۱۰ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۳ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰۸) جو رقم تنخواہ میں سے لازمی طور پر کاٹ لی جاتی ہے اور جو رقم کہ بونس کے نام سے

---

(۱) پراویڈنٹ فنڈ میں ملازم کو تین طرح کی رقمیں ملتی ہیں (۱) ملازم کی تنخواہ سے کاٹی ہوئی رقم (۲) کاٹی ہوئی رقم کے بقدر (۳) ان دونوں پر منافع۔ پہلی دو قسم کی رقمیں لینا جائز ہیں کیونکہ ملازم کی تنخواہ سے کاٹی ہوئی رقم کے برابر محکمہ جو رقم ملاتا ہے وہ رقم تو شروع ملازمت سے ہی طے شدہ ضابطہ کے مطابق تنخواہ کا ایک حصہ قرار دیا جاتا ہے اس لئے یہ رقم لینا جائز ہے تیسری قسم کے بارے میں یہ تفصیل ہے اگر محکمہ ان دونوں رقموں سے جائز اور حلال کاروبار کرلے اور اس کا نفع ملازم کو دیتا ہے تو وہ بھی حلال ہے لیکن کوئی محکمہ یا کمپنی اگر ان دونوں رقموں سے ناجائز کاروبار کر کے اس کا نفع ملازم کو دیتا ہے تو اگر محکمہ یہ نفع جو حرام ہے بینک سے خود وصول کر کے کمپنی کے مرکزی اکاؤنٹ میں جمع کرے تو اس صورت میں ملازم کے لئے نفع لینا اس وقت جائز ہوگا جب مرکزی اکاؤنٹ کا اکثر سرمایہ حلال ہو ورنہ جائز نہیں اور محکمہ یہ نفع خود وصول نہ کرے بلکہ ملازم خود بینک یا انشورنس کمپنی سے وصول کرے تو اس صورت میں یہ نفع ملازم کے لئے حلال نہیں بلکہ حرام ہے ملازم پر لازم ہے کہ مال حرام سے بچنے کی نیت سے کسی محتاج آدمی کو دیدے اور آئندہ ہر گز وصول نہ کرے مذکورہ بالا تفصیل اس وقت ہے جب یہ رقم ملازم سے جبری طور پر کاٹی جاتی ہو اور اگر ملازم کی مرضی و اختیار سے یہ رقم کاٹی جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر محکمہ کی طرف سے بنام سود جو رقم ملتی ہے اس سے بچنا چاہئے کیونکہ یہ اگرچہ بعینہ سود نہیں ہے لیکن سود کے ساتھ تو مشابہت ضرور رکھتی ہے۔ اس لئے اس کو وصول نہ کیا جائے اگر وصول کیا تو اس کا بلا نیت ثواب صدقہ کرنا ضروری ہے خود استعمال نہیں کر سکتا۔

(نوٹ) پراویڈنٹ فنڈ کے متعلق اس مسئلے کے لئے آخر باب تک ہر مرتبہ مذکورہ بالا حوالہ کی عبارت درج نہیں کی جائے گی بلکہ صرف نمبر کا حوالہ دیا جائے گا حوالہ کی عبارت میں تکرار سے کام نہیں لیا جائے گا

بڑھائی جاتی ہے اور جو رقم کہ ان دونوں رقموں پر سود کے نام سے لگائی جاتی ہے ان تینوں رقموں کو لے لینا مسلم ملازمین یا ان کے ورثاء کے لئے جائز ہے [1] اور وصول ہونے سے پہلے اس مجموعی رقم پر زکوۃ ادا کرنا واجب نہیں [2] بونس تو عطیہ ہی ہے مگر وہ رقم جو سود کے نام سے لگائی جاتی ہے وہ شرعاً سود کی حد میں داخل نہیں وہ بھی عطیہ ہی کا حکم رکھتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

پنشن لینے کا حکم

(سوال) جو قدیمی طریقہ ختم میعاد ملازمت پر پنشن کا ہے یہ جائز ہے یا ناجائز؟ المستفتی نمبر ۱۳۶۲ سید شبیر حسن (دہلی) ۹ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۴ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب) (از نائب مفتی مدرسہ امینیہ) ملازمت کی میعاد ختم ہو جانے پر جو گورنمنٹ کی طرف سے بہ حساب نصف تنخواہ کے تاحیات ملازم کے پنشن ملتی ہے تو یہ جائز ہے اس کے عدم جواز کی وجہ شرعی نہیں پائی جاتی فقط واللہ اعلم اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ' دہلی۔

(جواب ۱۰۹) (از حضرت مفتی اعظمؒ) پنشن جو ملازم کو ملازمت سے سبکدوشی پر ملتی ہے جائز ہے۔ [3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔ الجواب صحیح بندہ محمد یوسف مدرسہ امینیہ' دہلی۔

تنخواہ سے کاٹی ہوئی رقم پر سود لینے کا حکم

(سوال) میں ڈسٹرکٹ بورڈ کا ملازم ہوں بورڈ کے آئین کے مطابق حقوق پنشن کی بجائے میری ماہواری تنخواہ سے ۲ر فی روپیہ اس غرض کے لئے وضع کیا جاتا ہے کہ اختتام ملازمت میرا جمع شدہ سرمایہ اور ایک آنہ فی روپیہ بورڈ کی طرف سے انعام معہ سود واپس کیا جائے۔ اس وقت کھاتے (پراویڈنٹ فنڈ) میں مبلغ ۳۰۰ روپیہ میرا موجود ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سرمایہ کی زکوۃ واجب الادا ہے یا نہیں۔ نیز پراویڈنٹ فنڈ کے سود کے متعلق علماء احناف کا کیا مذہب ہے۔ کیا یہ سود ہر سال صرف حساب سے مطلع ہونے پر ادا کیا جائے یا بعد وصولی۔ مجھے یہ بھی خطرہ درپیش ہے کہ اگر موت ناگہانی آجائے تو یہ واجب الوصول سود کس مصرف میں لایا جائے گا۔ المستفتی ۱۶۵۷ احمد بخش (ملتان) ۱۳ رجب ۱۳۵۶ھ ۱۹ ستمبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۱۱۰) : پراویڈنٹ فنڈ پر جو رقم محکمہ کی طرف سے دی جاتی ہے اور اسی طرح دونوں رقموں کے مجموعے پر جو رقم سود کے نام سے بڑھائی جاتی ہے یہ سب رقم لینی جائز ہے یہ شرعاً سود نہیں ہے۔ اگرچہ محکمہ

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ٦٤)

(۲) کیونکہ وہ رقم حکومت کے قبضہ میں ہے ملازم کا قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ملک میں نہیں آئی اور زکوۃ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مال ملازم کی ملک میں ہو جیسا کہ بدائع میں ہے' واما شرائط الفرضية ترجع الى المال فمنها الملك فلا تجب الزكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك وهذا لان في الزكاة تمليكا والتمليك في غير الملك لا يتصور (بدائع الصنائع' كتاب الزكاة ۲/ ۹ ط سعيد)

(۳) اس لئے کہ حکومت کی طرف سے ایک قسم کا عطیہ اور تعاون ہے اور عطیہ کے مال کا وصول کرنا درست ہے۔

اس کو سود کے نام سے موسوم کرتا ہے اور ان تمام رقوم کی زکوۃ ادا کرنے کا حکم یہ ہے کہ وصولی رقم کے بعد ان کی زکوۃ ادا کی جائے وصول ہونے سے پہلے ادائگی زکوۃ لازم نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(سوال) بعض منظور شدہ انگریزی مدارس میں مدرسین کی تنخواہ میں سے فی روپیہ ار کے حساب سے کچھ رقم بطور پس انداز جمع کی جاتی ہے اور ہر مہینہ میں جتنی رقم مدرس کی اپنی ہوتی ہے اتنی ہی رقم مدرسہ کے خزانے سے اور اضافہ کر کے مجموعی رقم ڈاک خانہ میں محفوظ کرالی جاتی ہے اور ڈاک خانہ اس رقم کو چونکہ اپنے تصرف میں لانے کا مجاز ہوتا ہے لہذا ڈاک خانہ کو ماہانہ یا سالانہ مدرس کی مجموعی رقم پر کچھ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ ڈاک خانہ سے ملنے والی رقم ربوا ہے یا نہیں پھر اگر ربوا ہے تو یہ فتویٰ فقہ کی عبارت لا ربو بین المسلم والحربی ثمہ کا مصداق بن کر جائز ہوگا یا نہیں پھر اگر ناجائز ہے تو مسلمان مدرسین ڈاک خانہ سے یہ رقم وصول کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر وصول کر سکتے ہیں تو اس رقم کا مصرف کیا ہے۔ المستفتی ۲۵۹۵ احمد علی مدرس عربی (گوجرانوالہ) ۵ اربیع الاول ۹ ۵ ۳ ۱ ھ م ۲۴ اپریل ۱۹۴۰ء۔

(جواب ۱۱۱) پراویڈنٹ فنڈ کی جو رقم ملازم کی تنخواہ سے وضع کرلی جاتی ہے وہ اور اس پر جو رقم اضافہ کی جاتی ہے وہ اور اسکول کی جانب سے ملازم کے نام سے وہ رقم ڈاک خانہ میں جمع کی جاتی ہے اور ڈاک خانہ اس پر انٹرسٹ کے نام سے کچھ دیتا ہے ان سب کا مجموعہ ملازم کو لینا اور اپنے کام میں لانا جائز ہے ان میں سے کوئی جزو شرعی ربوا نہیں ہے[1] البتہ جو لوگ سیونگ بینک میں اپنے قبضہ سے نکال کر رقوم جمع کراتے ہیں اور ان رقوم پر انٹرسٹ ملتا ہے وہ ربوا ہے مگر اس کو ڈاک خانہ سے وصول کر لینا چاہئیے اور فقراء کو دیدینا چاہئیے تاکہ تبلیغ مسیحیت کا ذریعہ نہ بن سکے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کمپنی میں جمع شدہ رقم پر سود لینے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید کسی کمپنی میں پانچ سو روپے نقد ضمانت کا جمع کرا کے ملازمت کرتا ہے اور وہ کمپنی زید کو ماہواری تنخواہ کے علاوہ پانچ فیصدی سود سالانہ اس رقم پر ملازمت ترک کرنے پر ادا کرتی ہے تو کیا زید کو وہ سود کی رقم لینا جائز ہے؟

(جواب ۱۱۲) کمپنی اگر غیر مسلم حصہ داران کی ہے تو سود کا روپیہ اس سے وصول کر کے کسی قومی رفاہ عام کے کاموں میں دیدینا چاہئیے۔[3] محمد کفایت اللہ غفر لہ،

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۹۲)

(۲) قال تعالیٰ: ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (سورۃ مائدۃ پ ۶ آیت ۲)

(۳) قال تعالیٰ: ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (سورۃ مائدۃ پ ۶ آیت ۲)

چوتھا باب
ہنڈی کی خرید و فروخت

(۱) ہنڈی کی بیع کا حکم
(۲) بیمہ کمپنی کے شرکاء کافر ہوں تو بیمہ کرانے کا حکم

(سوال) (۱) تین سو روپیہ کی ایک ہنڈی (کھاتہ) ہے اور اس کی میعاد تین ماہ ہے اس ہنڈی (کھاتہ) لینے والے کو میعاد سے پہلے پیسہ کی ضرورت ہوئی تو اس نے دوسرے آدمی کو اڑھائی سو روپیہ یعنی اس ہنڈی کی رقم سے پچاس روپیہ کم میں فروخت کی تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟
(۲) ایک بیمہ کمپنی کے جملہ شرکاء کافر ہیں تو اس کمپنی میں جان یا مال کا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں اور اگر شرکاء بعض یا اکثر مسلمان ہوں تو اس وقت کیا حکم ہے۔ المستفتی نمبر ۲۲۸۷ محمد باواڈیسائی ترکیسر ضلع سورت ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۵ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۱۳) (۱) یہ صورت ناجائز اور ربوا ہے۔ کیونکہ مبیع وہ ہنڈی کا کاغذ نہیں ہے بلکہ وہ رقم ہے جو ہنڈی میں لکھی ہے۔[1] (۲) بیمہ در اصل تو ناجائز ہے لیکن ہندوستان میں اگر دار الحرب ہونے کی بنا پر کسی ایسی کمپنی میں جس کے تمام شرکاء کافر ہیں بیمہ کرالیا جائے تو گنجائش ہے۔ افریقہ قطعاً دار الحرب ہے وہاں کفار سے معاملات ربویہ کرنا اور فائدہ اٹھانا مباح ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) وافتی المصنف ببطلان بیع الجامکیہ لما فی الاشباہ' بیع الدین انما یجوز من المدیون وفی الشامیۃ' سئل عن بیع الجامکیۃ' وھو ان یکون لرجل جامکیۃ فی بیت المال ویحتاج الی دراھم معجلۃ قبل ان تخرج الجامکیۃ فیقول لہ رجل بعتنی جامکیتك التی قدرھا کذا بکذا انقص من حقہ فی الجامکیۃ فیقول لہ' بعتك فھل البیع المذکور صحیح ام لا ؟ لکونہ بیع الدین بالنقد اجاب اذا باع الدین من غیر من ھو علیہ کما ذکر لا یصح (الدرالمختار' مع رد المحتار مطلب فی بیع الجامکیۃ ٤ / ٥١٧ ط، سعید)
(۲) قد یکون للتاجر شریك حربی فی بلاد الحرب فیعقد شریکہ ھذا العقد مع صاحب السوکرۃ فی بلادھم ویاخذمنہ بدل الھالك و یرسع الی التاجر فالظاھر ان ھذا یحل للتاجر اخذہ لان العقد الفاسد جری بینھم فی دار الحرب(رد المحتار ٤ / ١٧٠ ط، سعید)

پانچواں باب
متفرق مسائل

(۱) کیا سود لینا اور دینا گناہ میں برابر ہیں ؟
(۲) ہندوستان کو دار الحرب سمجھ کر سود لینا
(۳) ڈاکخانہ کے سود کا حکم

(سوال) سود کا لینا اور دینا دونوں یکساں ہے یا گناہ میں کمی بیشی ہے۔ (۲) ہندوستان میں ہندوؤں سے کوئی دار الحرب سمجھ کر سود لے تو جائز ہے یا نہیں ؟ (۳) ڈاک خانہ سے سود لینا کیسا ہے ؟ المستفتی نمبر ۳۴ نذیر احمد ضلع بلیا ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۱۴) (۱) حدیث شریف میں سود لینے والے اور دینے والے دونوں پر لعنت کی گئی ہے بلکہ گواہوں اور کاتب پر بھی لعنت ہے حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ لعن اللہ آکل الربوا وموکلہ وشاھدیہ وکاتبہ (ترمذی)[1] یہ حدیث صحیح ہے اور اس کا مفاد یہ ہے کہ سود لینے والے اور دینے والے اور گواہ اور کاتب قابل لعنت ہونے میں سب شامل ہیں تو اگر ان کی لعنت کے مدارج میں شدت اور خفت کا فرق بھی ہو تو وہ چنداں قابل اعتنا نہیں کیونکہ ملعون ہو جانا ہی انتہائی بدبختی اور گناہ گاری ہے۔ (۲) ہندوستان میں ہندوؤں سے بھی سود لینا جائز نہیں کیونکہ اس کے دار الحرب ہونے نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔[2] (۳) ڈاک خانہ سے بھی سود لینا نہیں چاہئے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ روپیہ جمع ہی نہ کرے لیکن اگر روپیہ جمع کر دیا ہے تو اس کا سود ڈاک خانہ سے وصول کر کے بہ نیت رفع گناہ غربا کو دیدے یا کسی رفاہ عام کے کام میں خرچ کر دے اپنے کام میں نہ لائے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) کافر اور مسلمان دونوں سے سود لینا اور دینا ناجائز ہے
(۲) عام رواج کی صورت میں سودی کاروبار کا حکم

. . . .

(۱) (ترمذی شریف کتاب البیوع ۱/ ۲۲۹ ط سعید)
(۲) اس لئے معاملہ مشتبہ ہونے کی وجہ سے عدم جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے قال النبی ﷺ من ترک الشبہات استبرا لدینہ و عرضہ فقد سلم ومن واقع شیئاً منہا یوشک ان یواقع الحرام (ترمذی شریف ۲/ ۲۲۹ ط سعید)
(۳) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

(۳) ڈاکخانہ سے سود لینا بھی ناجائز ہے

(سوال) (۱) کیا سود مسلمان سے ہی لینا منع ہے یا غیر مسلم سے بھی (۲) آج دنیا میں لاکھوں کام سود کی بدولت چل رہے ہیں روپے والے قرض سود ہی کی حرص میں دیتے ہیں اگر سود کو ناجائز قرار دیدیا جائے تو دنیا کے کام کیونکر چلیں اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں کیوں کر پوری ہوں آج کل سود کے لین دین سے بغیر مفر ہی نہیں کیا مسلمان ہر قسم کا لین دین تجارت وغیرہ بند کردیں۔ (۳) سود لینے کے خیال سے ڈاک خانہ میں روپیہ رکھنا اور گورنمنٹ کے تمسکات خریدنے جائز ہیں یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۱۴ بابو محمد رشید خاں دہلی ۲۶ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۶ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۱۵) (۱) سود مسلمان اور غیر مسلم دونوں سے لینا دینا ناجائز ہے[۱] البتہ دارالحرب میں غیر مسلم سے لینا جائز ہے۔[۲] (۲) بیشک آج کل سودی کاروبار کا عام رواج ہو گیا ہے مگر اس کی وجہ سے ایک حرام قطعی کو حلال نہیں کہا جا سکتا۔[۳] (۳) سود وصول کرنے کے خیال سے ڈاک خانہ میں روپیہ جمع کرنا ناجائز ہے[۴] ہاں اگر کسی مجبوری سے ڈاک خانہ میں روپیہ جمع کیا ہو تو اس کا سود ڈاک خانہ سے لیکر غرباء و مساکین و بیوگان پر خرچ کردیا جائے۔[۵] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ہندوؤں سے سود لینے کا حکم

(سوال) ہندوؤں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۰۰۷ عبدالستار (گیا) ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۱۶) ہندوؤں سے بھی سود لینا مسلمانوں کے لئے شایاں نہیں۔[۶] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سود ادا کر کے مرہون شئ چھڑوانے کا حکم!

(سوال) زید ایک زیور لے کر عمرو کے پاس آیا اور کہا کہ یہ زیور کسی ہندو بنیے کے نزدیک گروی رکھ کر اس کے عوض چالیس روپے قرض مجھے لا کے دو اور اس چالیس روپیہ کا سود جو کچھ وہ ہندو مقرر کرے گا میں دینے

---

(۱) ولا ربوا بین حربی و مسلم و فی رد المحتار' احترز بالحربی عن المسلم الاصلی والذمی و کذا عن المسلم الحربی اذا ھاجر الینا ثم عاد الیھم فانہ لیس للمسلم ان یرابی معہ اتفاقاً (درمختار باب الربا ۵/۱۸۶)
(۲) ولا ربوا بین حربی و مسلم مستامن ولو بعقد فاسد او قمار ثمۃ لان مالہ ثمۃ مباح فیحل برضاہ (الدر المختار' باب الربا ۵/۱۸۶ ط، سعید)
(۳) لان النص اقوی من العرف فلا یترك الاقوی بالادنی وفی الشامیۃ قال فی الفتح لان النص اقوی من العرف لان العرف جاز ان یکون علی الباطل کتعارف اھل زماننا باخراج الشموع والسراج الی المقابر لیالی العید' والنص بعد ثبوتہ لا یحتمل ان یکون علی باطل ولان حجیۃ العرف علی الدین تعارفوہ والتزموہ فقط والنص حجۃ علی الکل فھو اقوی ولان العرف انما صار حجۃ بالنص وھو قولہ علیہ السلام' مارآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن (الدر المختار' باب الربا ۴/ ۱۷۶ ط ، سعید)
(۴) کیونکہ سود حرام ہے جیسا قرآن پاک میں ہے' احل اللہ البیع و حرم الربوا (البقرۃ : ۲۷۵)
(۵) (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۶۵)
(۶) کیونکہ جب سود کی حرمت نازل ہوئی تو غیر مسلموں سے بھی پہلا والا سود لینے سے روک دیا گیا جب کہ قرآن میں ہے : یا ایھا الذین آمنو اتقو اللہ وذرو امابقی من الربوا ان کنتم مؤمنین (البقرۃ)

کے لئے تیار ہوں۔ عمرو نے زید کے حکم کے مطابق عمل کر کے ایک ہندو کے پاس جا کر وہ زیور گروی رکھا اور چالیس روپے قرض لا کر زید کو دیئے۔ زیور کی رہائی کے متعلق مدت متعین نہ کی گئی۔ یہاں تک کہ زیادہ مدت گزر جانے کی وجہ سے زید پر سود کا انبار ہو گیا اب زید عمرو کو لکھتا ہے کہ مجھ کو زیور آزاد کرا دو میں نے چالیس روپے جو قرض لیا ہے وہ دینے کے لئے تیار ہوں باقی سود نہ دوں گا کیونکہ سود کا معاملہ شریعت میں ناجائز ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ میں تو بذات خود سود نہیں لیتا مجھ کو تیرا بھلا منظور تھا اس لئے وکیل بن کر تیرا زیور میں نے گروی رکھا اور ہندو سے چالیس روپے قرض لے کر تجھ کو دیا اور ہندو کو سود کا دینا تم نے اول منظور کیا تھا اب اگر انکار کرتے ہو تو میرا اس میں کیا جاتا ہے زیور ضائع ہو گا تو نقصان تمہارا ہو گا میں چونکہ وکیل ہوں اس لئے زیور کی آزادی میرے سر سے میرے ذمہ پر نہیں وہ ہندو موجود ہے جاؤ اس سے اپنا زیور آزاد کراؤ اس صورت میں زید کا عمرو کو سود دینے سے انکار کرنا از روئے شرع کیا حکم رکھتا ہے آیا عمرو پر واجب ہے کہ زید سے سود لئے بغیر گروی شدہ زیور آزاد کرا دے اور ہندو کو سود اپنی طرف سے دے یا زید کو مرہون کی آزادی کے لئے سود دینا لازم ہو گا تاکہ اپنا زیور آزاد کرا دے اور عمرو کا زیور کی آزادی سے انکار کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر بالفرض زیور ہلاک ہو گیا ہو گا تو ضمان عمرو پر واجب ہے؟ **المستفتی** نمبر ۱۰۲۶ مولوی محمد صاحب فاضل دیوبند کراچی (سندھ) ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م یکم جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۱۷) عقد کا مباشر عمرو ہے اس لئے سود کا معاملہ کرنے کی ذمہ داری عمرو پر عائد ہوتی ہے۔ زید نے وعدہ ادائے سود کا کیا تھا مگر وعدہ معصیت واجب الایفا نہیں۔[1] عمرو کا فرض یہ تھا کہ اسی وقت زید کو کہہ دیتا کہ سودی قرضہ کا معاملہ میں نہیں کرتا تم خود کرو البتہ عمرو پر سود ادا کرنا لازم نہیں[2] باعتبار دیانت بھی زیور واپس لینے کی صورت پیدا کرنی لازم ہے اور زیور چھڑا کر دینا عمرو کے ذمہ ہے جب کہ ہندو سے معاملہ عمرو نے اصالتاً کیا ہو۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ہندوستان دارالحرب ہو تو سودی کاروبار کا حکم

(سوال) کیا ہندوستان اور بلوچستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام اور کیا دارالحرب سے مسلمانوں والی دار الاسلام ہجرت کرنا واجب اور لازمی ہے یا نہیں اور کیا ربوا یعنی سود کا معاملہ کرنا دارالحرب میں بعض مسلمانوں کا بعض مسلمانوں سے جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی** نمبر ۱۱۱۶ مولوی عطاء اللہ صاحب (بلوچستان) ۱۹ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۸ اگست ۱۹۳۶ء

---

(۱) بلکہ واجب النقض ہے لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق جیسا کہ یمین بالمعصیت قابل نقض ہے کما فی الحدیث: واذا حلف علی یمین فرای غیرها خیرا منها فکفر عن یمینک وات الذی هو خیر (مشکوة ۲ ۲۹۶ ط ، سعید ،

(۲) کیونکہ یہ عقد فاسد ہے اور اس کا نقض واجب تھا قال تعالی یا ایها الذین امنوا اتقوا الله وذروا مابقی من الربا (البقرة)

(۳) کیونکہ اس صورت میں اس معاملہ کی ذمہ داری عمرو پر عائد ہوتی ہے جیسے کہ در مختار میں ہے۔ وفی کل عقد لا بد من اضافته الی مؤکله یعنی لا یستغنی عن الاضافة الی مؤکله حتی لو اضافه الی نفسه لا یصح ای لا یصح علی المؤکل حتی لو اضاف النکاح لنفسه وقع النکاح له (تنویر الابصار کتاب الوکالة ۵ ۵۱۴ ط سعید)

(جواب ۱۱۸) ہاں ہندوستان اور بلوچستان جو حکومت انگریزی کے ماتحت محکوم ہیں دارالحرب ہیں اور دارالحرب میں عقود ربویہ حربی کافروں کے ساتھ جائز ہیں[1] مگر ہجرت اس لئے فرض نہیں کہ ادائیگی فرائض ممکن ہے لیکن مسلمانوں کو عقود ربویہ کی اجازت دو وجہ سے دینا مشکل ہے۔ اول یہ کہ دارالحرب ہونے میں بعض علماء کا اختلاف ہے اس لئے شبہ ربوا کا متحقق ہو سکتا ہے۔ دویم یہ کہ دارالحرب میں بھی مسلمانوں کو آپس میں سود لینا دینا بقول راجح جائز نہیں ہے[2] اور ربوا کی مروجہ صورتوں میں مسلمانوں کی شرکت اکثری طور پر لازمی ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سودی رقم کو کہاں خرچ کیا جائے ؟

(سوال) ایک شخص کے پاس سود کا پیسہ ہے اس سودی رقم کو کہاں خرچ کر سکتا ہے۔ آیا غریبوں کو یا قرض داروں کو دے سکتے ہیں یا نہیں۔ المستفتی حاجی محمد داؤد صاحب تاجر ۷ نومبر ۱۹۳۷ء (بلیماران دہلی)

(جواب ۱۱۹) غریبوں اور مقروضوں کو دیا جا سکتا ہے یتیموں اور بیواؤں کی امداد کی جا سکتی ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سودی کاروبار کے لئے انجمن بنانے کا حکم

(سوال) سرکار نے ایک بینک قائم کی ہوئی ہے اس بینک سے زمیندار اشخاص کو روپیہ دے کر انجمن قائم کرتے ہیں اس انجمن میں جو شخص شامل ہوتا ہے وہ شخص اس انجمن کا ممبر کہلاتا ہے اور انجمن بمصلاح موافق حسب ضرورت وحیثیت کے روپیہ ممبران میں تقسیم کرتا ہے اور اس روپیہ کا سود عہ سیکڑہ ۵ ممبران سے لیتا ہے اور اس میں سے آٹھ آنہ سرکاری بینک کو دیا جاتا ہے اور آٹھ آنہ بقایا اس انجمن میں جمع ہوتا ہے اس طرح کاروبار ہونے سے سودی روپیہ انجمن کا اپنا جمع ہو جاتا ہے مثلاً پانچ چھ ہزار اس جمع شدہ سودی روپیہ میں انجمن کی یہ شرط ہے کہ رفاہ عام کے فائدے پر خرچ کیا جائے۔ مثلاً سرائے 'کنواں' مدرسہ وغیرہ اس سودی روپیہ کا خاص مالک کوئی نہیں ہے کوئی ممبر اپنے ذاتی کام کے لئے استعمال نہیں کر سکتا اب سوال یہ ہے کہ اس انجمن کے بنانے میں کوئی شرعاً نقص ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو اس قسم کے سودی روپے کو کہاں خرچ کیا جائے اور مسلمان ایسی انجمن قائم کرنے میں آئندہ توجہ رکھیں یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۲۱۳۳ شاکر محمد صاحب (مظفر گڑھ) ۱۶ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۰) انجمن اس شرط کے ساتھ قائم کرنا اور اس میں شریک ہونا تو صحیح نہیں۔[4] مگر اس سودی

---

(۱) ایضا بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۱۰۲ و ۶۵) (۲) ولا ربوا بین حربی و مسلم و فی رد المحتار احترز بالحربی عن المسلم الا صلی والذمی وکذا عن المسلم الحربی ۔ اذا ھا جر الینا ثم عادا لیھم فانہ لیس للمسلم ان یرابی معہ اتفاقا (درمختار باب الربا ۵ : ۱۸۶ ط ۔ سعید)

(۳) ایضا بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

(٤) لعن اللہ آکل الربا و موکلہ و شاھدیہ و کاتبہ(ترمذی شریف ۱ : ۲۲۹ ط سعید)

روپے کو رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کرنا درست ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

قرض دے کر منافع حاصل کرنا جائز نہیں

(سوال) کسی گاؤں میں ایک انجمن قائم ہے اور وہ ضرورت مند مسلمانوں کو سودی قرضے سے بچانے کے لئے کچھ رقم بطور قرض دینا اپنے بحث میں منظور کرتی ہے مگر ایسے اصحاب سے علاوہ چندہ ممبری انجمن کے معمولی رقم مقررہ جو دوسری جگہوں کے سود سے حد درجہ کم ہے بطور منافع کے لیتی ہے اور پھر وہ رقم منجانب انجمن ایسے ہی رفاہ عام کے کاموں پر خرچ ہوتی ہے تو کیا ایسا منافع لینا انجمن کے لئے جائز ہے۔ اور اگر جائز نہیں تو کوئی ایسی مشرح اور آسان شرعی صورت بتائی جائے جس سے مسلمانوں کو جال سے بچایا جائے اور نیز انجمن کی مالی حالت بھی خطرہ میں نہ پڑے۔ المستفتی نمبر ۲۱۹۴ حکیم محمد رفیق صاحب (بلیا) ۵ ا ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۸ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۲۱) یہ منافعہ تو جائز نہیں ہے[2] یہ ممکن ہے کہ آپ مستقرض کو کاغذ بقیمت دیں یعنی یہ قرض لینے والا قرض کا فارم انجمن سے خرید کر اس پر اقرار نامہ لکھے کاغذ کی قیمت بہت معمولی ہو جس سے صرف وہ مصارف حاصل ہو جائیں جو انجمن کو اس صیغے میں کرنے پڑیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دار الحرب میں سودی معاملات کا حکم

(سوال) دار الحرب میں سودی معاملات کرنا جائز ہے یا نہیں اور مسلمان یا کافر کا ایک حکم ہے یا دونوں میں تفاوت ہے اور ایسے ملک میں جو ہمیشہ سے کفار کے ہاتھ میں ہے کبھی اسلامی سلطنت نہ ہوئی ہو اور اس میں مسلمان آباد نہیں اور فرائض وغیرہ واحکامات شرعیہ کی ادائیگی میں کسی قسم کی مزاحمت نہ ہو اور مذہبی امور میں خلل نہ دیتی ہو باقی دنیوی ترقی کی راہ میں قسم قسم کے قیود عائد ہوں مثلاً زمین نہ خرید سکے ان کی ہوسپٹل اور سرکاری ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت نہ کر سکے مخصوص مقاموں پر تجارت کر سکے وغیرہ قیودات ہوں تو ایسا ملک دار الحرب ہے یا نہیں؟ ایسا ملک جس کی کیفیت مذکور ہوئی اس میں تجارت اور موٹر کار اور مکان کا بیمہ لینا جائز ہے یا نہیں اور اپنی جان کا بیمہ لینا کہ جس میں مقررہ سال تک معین رقم کی ہر ماہ میں ادائیگی ضروری ہوتی ہے اور مقررہ سال کے اختتام پر یا بعض شے مرنے کے بعد جس قدر رقم کا بیمہ لیا ہو ملتی ہے تو یہ معاملہ دار الحرب میں جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۲۳۵ فخر الدین ڈابھیلی ۲۷ صفر ۱۳۵۷ھ م ۲۸ اپریل ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۲۲) یہ ملک جس کی حالت سوال میں مذکور ہے دار الحرب ہے ایسے ملک میں کفار سے سودی معاملات کر کے مسلمان کو فائدہ حاصل کرنا مباح ہے۔ لیکن مسلمانوں سے سود لینا یا کفار کو سود دینا جائز

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)
(۲) یہ نفع ربا ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ لان الربا هو الفضل الخالي عن العوض (رد المحتار باب المتفرقات ۵ / ۱۴۲ ط سعید)

بھی مباح نہیں۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

بلٹی جمع کرنے اور چھوڑنے پر کمیشن لینا

(سوال) زید نے دو سو روپے کا مال باہر روانہ کیا اس کی بلٹی بینک کو سو روپے لیکر دیدی باقی سو روپے بلٹی کے چھوٹنے پر لے گا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ سو روپے میں بارہ آنہ کمیشن کے نام بینک والا کاٹ لیتا ہے۔ بارہ آنہ کم سو روپے دیتا ہے اور رسید سو روپے کی لیتا ہے ایسا کرنا زید کے لئے جائز ہے یا نہیں سود میں داخل تو نہیں ہے۔ المستفتی نمبر ۲۳۴۱ حافظ محمد اسماعیل فیروز آباد (آگرہ) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۲۳) ہاں یہ بارہ آنہ اگر بینک بلٹی مکتوب الیہ کے پاس بھیجنے اور روپیہ منگانے کی اجرت کے طور پر لیتا ہو تو یہ سود نہیں ہے۔[2] ورنہ سود ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

قرض خواہوں سے فارم کے ٹکٹوں کی قیمت وصول کرنا

(سوال) موضع نواب گنج ضلع پرتاب گڑھ تحصیل کنڈہ میں تقریباً سو گھر مسلمانوں کے ہیں جس میں کہ ۱۹۳۶ء سے باسم بیت المال کمپنی قائم ہے جس کا مقصد صرف مسلمانوں کو سود کے ہر گناہ سے بچانا ہے اور مسلمانوں کو کافروں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے روک کر خود بلا سودی قرض دینا ہے علاوہ ازیں محتاجوں کی لاوارثوں کی میتوں کی تجہیز و تکفین (کفن و دفن) کا خرچ کمیٹی سے دیا جانا اور یتیموں اور بیواؤں کی امداد کرنا ہے مگر اب تک آمدنی کے ذرائع ایسے نہیں کہ جس سے آمد و رفت کا خرچہ پورا ہو سکے اور مسلمانوں کی پوری پوری امداد کی جا سکے یہ بھی واضح رہے کہ کسی مسلمان پر کسی قسم کا چندہ نہیں ہے ہاں صرف آمدنی فطرہ چرم قربانی و عقیقہ اور نکاح کی آمد پر اب تک چلایا گیا یہ وقت آیا کہ بیت المال بالکل خالی ہے اور مسلمان کاشتکاروں کو روپیہ تخم ریزی کو کہاں سے دیا جائے تاکہ مسلمان کاشتکار ڈیوڑھا سود دینے سے بچیں کارکنان بیت المال مجبور تھے روپیہ نہ تھا تو کمیٹی کے صدر سیکریٹری خازن نے اپنی اپنی ضمانتوں پر دو سو روپے بلا سودی قرض لے کر مسلمان کاشتکاروں کو آج ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو بلا سودی چھ ماہ کے لئے روپیہ تقسیم کیا آج کمیٹی یہ طے کرتی ہے کہ آمدنی بڑھانے کی صورت یہ کی جائے کہ ٹکٹ بنوائے جائیں یعنی ٹکٹ قرض دار لیکر فارم پر چسپاں کر کے

---

(۱) ولا ربو بين حربي و مسلم و في رد المحتار احترز بالحربي عن المسلم الا صلي والذمي (رد المحتار باب الربا ۵:۸۶ ط. سعيد)

(۲) کیونکہ اس صورت میں یہ اجارہ حمل و نقل شئی پر ہوگا اور امام صاحب کے ہاں تو حمل خمر کا اجارہ بھی جائز ہے لما في الدر وجاز تعمير كنيسة و حمل خمر ذمي بنفسه او دابته بأجر لا عصرها لقيام المعصية بعينه وفي الشامية قال الزيلعي وهذا عنده وقالا هو مكروه لانه عليه السلام لعن في الخمر عشرة و عد منها حاملها وله ان الاجارة على الحمل هو ليس بمعصية ولا سبب لها وانما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار (الدر المختار فصل في البيع ۶:۳۹۱، ۹۲ ط. سعيد)

(۳) کیونکہ پھر یہ اجرت بغیر کسی محنت کے ہوئی اور یہ ربا ہے (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۱۰۴)

درخواست دے تو قرضدار کو بلا سودی تین ماہ کے روپے دیئے جائیں تو عالیجاہا ایسے ٹکٹوں پر مسلمانوں کو بلا سودی قرضہ دیا جاسکے گا یا نہیں شرح ٹکٹ اور قواعد ٹکٹ ذیل میں لکھ دیئے گئے ہیں ٹکٹ ایک روپے سے پانچ روپے تک کے قرضدار کو صرف چار پیسہ کا ٹکٹ خرید کر فارم پر لگا کر درخواست دینا ہوگا اور چھ روپے سے دس روپے تک کے قرضدار کو ۲ کا ٹکٹ خرید کر فارم پر چسپاں کرنے سے روپیہ دیا جائے گا۔ المستفتی نمبر ۲۵۷۵ جناب سجاد حسین صاحب سیکریٹری بیت المال نواب گنج (پرتاب گڑھ) ۴ صفر ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۴ مارچ ۱۹۴۰ء

(جواب) (از نائب مفتی) فارم کے ٹکٹوں کی قیمت قرض خواہوں سے لے کر قرض دینا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ قیمت ٹکٹوں کی یعنی قرض خواہوں سے بعینہ سود ہی ہے واللہ اعلم اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

(جواب ۱۲۴) (از حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ) ہو الموفق اس ٹکٹ کی اباحت کی گنجائش ہے کیونکہ یہ رقم دفتری مصارف کے کام میں آئے گی کسی شخص کے ذاتی مفاد کے لئے قرض پر کوئی سود نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

مجبوراً سود پر قرض لینے کا حکم

(سوال) سود پر روپیہ قرض لینا حالت مجبوری میں جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۶۳۳ مولوی عبدالحق امام جامع مسجد دوحد ضلع پنچ محل ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ ۲۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۲۵) سود پر روپیہ قرض لینا جائز نہیں الا یہ کہ اضطراری حالت ہو جائے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

قرض پر سود لینا اور اس کا مصرف

(سوال) مبلغ تیس ہزار روپے کی رقم ایک ہندو کو ۱۹۲۵ء میں قرض دی گئی اس شخص کی نیت بدل گئی اور مقدمہ بازی تک نوبت پہنچی ۱۹۲۸ء میں پہلی بار ڈگری ہوئی۔ پھر مقروض ہائی کورٹ تک پہنچا اور متعدد مراحل طے کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے مقدمہ جیت لیا گیا اب معہ سود مبلغ بیاسی ہزار روپے اس شخص پر واجب الادا ہے براہ کرم تحریر فرمائیں کہ یہ سود لینا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو اس کے خرچ کرنے میں کوئی حرج تو نہیں اس رقم کی زکوٰۃ کس طرح اور کس حساب سے ادا کی جائے ؟ المستفتی شوکت علی از فاضل پور ضلع ڈیرہ غازی خاں

(جواب ۱۲۶) سود لینا تو جائز نہیں۔[2] آپ اپنی اصل رقم لے سکتے ہیں اور مقدمہ بازی کے مصارف

---

(۱) یجوز للمحتاج الاستقراض وذالک نحو ان یقترض عشرۃ دنانیر مثلاً و یجعل لربها شیئا معلوما فی کل یوم ربحا۔ الاشباہ والنظائر ۱ / ۲۹۴ ط ادارۃ القرآن) (۲) قال تعالیٰ یا ایها الذین آمنو لا تاکلو الربا اضعافا مضاعفۃ

واقعیہ لے سکتے ہیں۔[1] زکوٰۃ کی ادائیگی وصول ہونے کے بعد واجب ہوگی۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

حضرت مفتی صاحب مدظلہ۔ دوبارہ تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اخبار زمزم کی کسی گزشتہ اشاعت میں جناب کا فتویٰ اس مضمون کا نظر سے گزرا تھا کہ دارالحرب میں غیر مسلم سے سود لینا جائز ہے۔ غالباً میں نے سمجھنے میں غلطی کی ہوگی تاہم یہ فرمائیے کہ کیا سود کی رقم غیر مسلم مقروض کو چھوڑ دی جائے۔ آیا درجہ اقل یہ جائز نہیں کہ اس سے رقم وصول کر کے کسی کار خیر میں صرف کر دی جائے؟

(جواب ۱۲۶) دارالحرب میں سود لینے کے جواز کا مسئلہ تو ہے[3] زمزم میں کوئی فتویٰ میرا شائع ہوا تھا یہ تو مجھے یاد نہیں مگر اول تو ہندوستان کو بعض علماء دارالحرب قرار نہیں دیتے میں اگرچہ دارالحرب قرار دیتا ہوں مگر اختلاف علماء کی وجہ سے شبہ تو پیدا ہو گیا اور سود میں شبہ بھی محرم ہے۔[4] دوسرے یہ کہ یہ سود فریق آخر کی رضا سے نہیں بلکہ جبراً لیا جا رہا ہے اور اس کا حکم دارالحرب میں بھی مختلف ہے۔[5] ہاں اب اگر آپ مقروض سے کسی ایسی مقدار کی گنی لینے پر صلح کر لیں جو بیاسی ہزار سے کم مثلاً ستر ہزار کی ہوں اور وہ خوشی سے دینے پر راضی ہو جائے گا۔ تو ستر ہزار کی گنیاں آپ اس کی رضا سے لے سکتے ہیں وہ سود نہ ہوگا[6] بلکہ آپ کے قرضے کی رقم کا غیر جنس یعنی سونے سے مبادلہ ہوگا اور یہ جائز ہوگا۔[7] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

مجبوراً سود پر قرض لینے والے کے پیچھے نماز پڑھنا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۲۸ء)

(سوال) امام متشرع اور نیک ہے لیکن حوادث زمانہ سے مجبور ہو کر سودی قرضہ غیر مسلم سے لیا اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۲۷) سود لینا دینا دونوں حرام ہیں۔ لیکن اگر اضطراری حالت میں کسی نے سود دیا ہو تو یہ اس کے لئے موجب فسق نہ ہوگا۔[8] محمد کفایت اللہ غفرلہ

---

(۱) واجرۃ المحضر علی المدعی وھو الاصح و فی الخانیۃ علی المتمّ وفی الشامیۃ والحاصل ان الصحیح ان اجرۃ الشخص بمعنی الملازم علی المدعی و بمعنی الرسول المحضر علی المدعی علیہ لا تتقید بمعنی امتنع عن الحضور ولا فعلی المدعی ھذا خلاصۃ ما فی شرح الوھبانیۃ (الدر المختار ۵/ ۳۷۲)

(۲) ففی الدین القوی تجب الزکاۃ اذا حال الحول و یتراخی الاداء الی ان یقبض اربعین درھما ففیھا درھم، فتح القدیر کتاب الزکاۃ ۲/ ۱۶۷ ط بیروت)

(۳) ولا ربو بین حربی و مسلم ثمۃ لان مالہ ثمۃ مباح فیحل برضاہ مطلقا بلاعذر (درمختار باب الربا ۵/ ۱۸۶ ط سعید)

(۴) شبھۃ الربا فھی مانعۃ کالحقیقۃ الخ (ھدایۃ باب الربا ۳/ ۷۹ ط شرکۃ علمیہ ملتان)

(۵) (ایضا بحوالہ بالا درمختار باب الربا ۵/ ۱۸۶ ط سعید)

(۶) وان عدما حلا کھروی بمروی بین لعدم العلۃ فبقی علی الاصل الاباحۃ وان وجد احدھما ای القدر وحدہ او الجنس حل الفضل و حرم النساء (الدر المختار باب الربا ۵/ ۱۷۲)

(۷) قال تعالی احل اللہ البیع و حرم الربوا

(۸) قال تعالی : فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ

کیا مال منگوانے کے لئے سود دینا جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) ہم ولایت سے مال آرڈر دے کر منگاتے ہیں۔ یہ مال ایک نمبری مال ہے۔ جس کے بارے میں ہمیں علم ہوتا ہے کہ یہی مال آئے گا اور یہی آتا ہے' ولایت میں دو تین ماہ پہلے آرڈر دیا جاتا ہے جس وقت مال وہاں سے چالان ہوتا ہے ان کی اسی دن سے سود شروع ہو جاتی ہے۔ جب ہم مال کا روپیہ پے منٹ کرتے ہیں اس وقت سود کمیشن کر پوری لے لیتے ہیں بغیر سود کے اگر ہم مال منگوائیں تو اس صورت میں روپیہ ہم کو دو تین ماہ پہلے ولایت بھیجنا پڑے گا۔ ہماری اتنی طاقت نہیں ہے کہ روپیہ تین ماہ پہلے بھیج کر روپیہ پھنسائیں۔ ولایت کے اس مال کا روپیہ کلکتہ میں بھرنا ہوتا ہے مگر ہم پورا روپیہ بھرنے کے بجائے چوتھائی حصہ روپیہ بینک کو روانہ کرتے ہیں کہ ہمارا مال چھڑا کر باقی روپیہ کی بلٹی آگرہ کے بینک کو بھیج دیں بینک ہماری ہدایت کے مطابق چوتھائی روپیہ جمع کر کے مال چھڑا کر باقی کی ہنڈی آگرہ بینک پر کر دیتا ہے آگرہ میں ہنڈی آنے پر ہم روپیہ ادا کر کے بلٹی لے لیتے ہیں یہ تمام صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟ اگر یہ نہ کیا جائے تو ولایت سے تجارتی معاملہ نہیں ہو سکتا۔

(جواب ۱۲۸) یہ معاملہ جائز ہے کیونکہ ولایتی تاجروں سے ہے جو دارالحرب کے رہنے والے ہیں۔[1]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

ہندوؤں سے سود وصول کرنے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) جس طرح بینک سے سود وصول کر لینا ضروری ہے کیا اہل ہنود سے بھی وصول کر لینا چاہئے کیا بینک کے سود کو اور اہل ہنود سے وصول کئے ہوئے سود کو اپنی ضرورت میں خرچ کرنا جائز ہے؟

(جواب ۱۲۹) اہل ہنود سے لینا درست نہیں[2] اگر لے لیا ہے تو رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کر دینا چاہئے بینک کا سود بھی رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کر دیا جائے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) ولا ربوا بین حربی و مسلم ثمۃ لان مالہ ثمۃ مباح فیحل برضاہ مطلقا بلاعذر (الدر المختار باب الربا ۵/۱۸۶ ط سعید)

(۲) ولا ربوا بین حربی و مسلم وفی رد المحتار احترز بالحربی عن المسلم الاصلی والذمی وکذا عن المسلم الحربی اذا ہاجر الینا الخ (الدرالمختار باب الربا ۵/۱۸۶ ط س)

(۳) (ایضا بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

کتاب الصرف

پہلا باب
مبادلہ سکہ

مسجد کی آمدنی کو بولی کے ذریعہ بڑھانے کا حکم

(سوال) پھگوازہ میں جامع مسجد تعمیر ہو رہی ہے جس کے واسطے عید الفطر کے موقع پر ارکان مسجد کمیٹی نے چندہ فراہم کیا شمار کرنے کے بعد روپیوں کے علاوہ اڑھائی پیسے زائد بچے جن اصحاب نے اڑھائی پیسے کی بولی دینی شروع کی اور یہ شرط لگادی کہ بولی دہندہ کو بولی کے پیسے ادا کرنے ہوں گے۔ مثلاً ان ڈھائی پیسوں کی بولی ایک آدمی ایک روپیہ دیتا ہے دوسرا ایک روپیہ آٹھ آنے تیسرا دو روپے تو ان تینوں کو اپنی اپنی بولی کے پیسے دینے ہوں گے جس نے ایک روپیہ بولی دی ہے اس کو ایک روپیہ اور عہر والے کو عہر اور دو روپے والے کو دو روپے دینے ہوں گے لیکن اس معاملے میں ارکان مسجد کمیٹی بالکل خاموش رہے کوئی بولی نہ دی اس طرح بولی دے کر مسجد کے واسطے روپیہ پیسہ اکٹھا کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اور ارکان کمیٹی خاموش رہ کر گناہ گار تو نہیں ہوئے۔ المستفتی نمبر ۶۹۵ چراغ الدین پھگوازہ ۵ شوال ۱۳۵۴ھ یکم جنوری ۱۹۳۰ء۔

(جواب ۱۳۰) یہ نیلام اور بولی بیع ہے۔ پیسوں کی بیع پیسوں کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ ناجائز ہے۔[1] ہاں المونیم کے سکے یا چاندی کے سکے کے ساتھ جائز ہے۔ یعنی ڈھائی پیسے جو تانبے کے ہیں ان کے عوض کوئی اکنی دوانی یا روپیہ چاندی کا دے تو جائز ہے غرضکہ جنس بدل جانے کی صورت میں کمی بیشی جائز ہے[2] بولی خواہ نمازی دیں یا مسجد کمیٹی کے ارکان دیں اس میں کوئی فرق نہیں۔ اور اس طرح چندہ کرنے میں بھی مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں کوئی جبر نہیں ہے جو چاہے بولی دے جو چاہے نہ دے۔ ہر بولی دینے والا مسجد کے لئے چندہ دیتا ہے یعنی ڈھائی پیسوں کو ایک روپے میں اپنے قصد و اختیار سے اس لئے خریدتا ہے کہ مسجد کو فائدہ ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) فان وجدا حرم الفضل ای الزیادة والنساء (الدر المختار' باب الربا ۵/ ۱۷۲ ط سعید)

(۲) وان وجدا احدهما ای القدر وحده او الجنس حل الفضل و حرم النساء (ایضاً)

نوٹ، درہم، روپے کا چاندی اور پیسوں سے تبادلہ کا حکم

(سوال) ہمارے ملک میں جو باٹا کا رواج ہے مثلاً دس روپے کا نوٹ بازار میں چاندی کے روپے سے تبادلہ کرنے لے جاتے ہیں۔ روپیہ دینے والے ایک آنہ یا دو آنے باٹا لینے پر تبادلہ کرتے ہیں یا مثلاً ایک روپے کا دام پیسوں سے لئے جاتے ہیں اس میں بھی ایک یا دو پیسے باٹا لیا جاتا ہے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ نیز روپیہ، نوٹ، پیسوں میں فقط سکہ کا اعتبار ہے یا ثمنیت کا؟ اور ایک روپے سے دو تین تولہ غیر مسکوک چاندی خریدنا درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۷۱۷ مولانا نثار الدین (خانقاہ نثاریہ ضلع باریسال) ۲۵ شوال ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۳۱) نوٹ کا چاندی کے روپے سے تبادلہ کرنے میں کمی بیشی کرنا جائز ہے[1] روپے کا پیسوں سے تبادلہ کرنے میں کمی بیشی کرنا درست ہے[2] اور چاندی کے روپے سے غیر مسکوک چاندی روپے کے وزن سے زیادہ لینا ناجائز ہے۔[3] ہاں روپے کے پیسے یا المونیم کے سکے سے چاندی زیادہ وزن کی لینا جائز ہے۔[4]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

روپے کو پونے سولہ آنے پر بیچنے کا حکم

(سوال) روپے کے عوض میں پونے سولہ آنہ لینا اور دینا جائز ہے یا نہیں المستفتی نمبر ۲۳۴۱ حافظ محمد اسماعیل صاحب (آگرہ) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۳۱) روپے کے عوض پونے سولہ آنے اور سوا سولہ آنہ لینا جائز ہے[5] اگر صرف چاندی کا تبادلہ چاندی سے ہو تو کمی زیادتی مکروہ تحریمی یا حرام ہوتی ہے[6] اور جب غیر جنس (تانبہ یا المونیم) سے تبادلہ ہو تو کمی زیادتی جائز ہو جاتی ہے۔[7] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

ایک روپے کے پندرہ آنے لینے کا حکم

(سوال) (۱) زید نے بکر کو ایک روپیہ نقد دست بدست دیا ریزہ کے لئے۔ بکر نے زید کو پندرہ آنے یا ساڑھے پندرہ آنے کا ریزہ تانبہ یا سلور مروجہ سے دیا جو کہ خلاف جنس ہے تو یہ منافعہ ایک آنہ یا دو پیسہ کا بکر کو شرعاً لینا حلال ہے یا ربا میں داخل ہے۔

---

(۱) واضح ہو کہ یہ اس دور میں تھا جب نوٹ کی پشت پر سو فیصد سونا یا چاندی ہوتی تھی آج کل نوٹ کی پشت پر سونا چاندی بالکل نہیں ہوتی بلکہ یہ بذات خود ثمن عرفی بن چکا ہے اس لئے چاندی اور اس کی جنس الگ الگ ہے لہذا نوٹ اور چاندی کے تبادلے میں بھی تفاضل جائز ہوگا جیسا کہ شارول کے ہاں رائج ہے۔

(۲) روپیہ چاندی کا ہوتا ہے اور پیسہ تانبے وغیرہ کا ہوتا ہے لہذا جنس ایک نہ ہونے کی وجہ سے تفاضل جائز ہے۔

(۳) چونکہ جنس ایک ہے لہذا کمی بیشی درست نہیں۔

(۴) (بمطابق حوالہ نمبر ۲ ص۱۰۹)

(۵) وان وجدا احدهما اى القدر وحده او الجنس حل الفضل و حرم النساء (الدرالمختار' كتاب البيوع' باب الربا ۵/۱۷۲ ط سعيد)

(۶) فان وجدا حرم الفضل اى الزيادة والنساء (الدرالمختار' باب الربا ۵/۱۷۲ ط س)

(۷) وان وجدا احدهما اى القدر وحده او الجنس حل الفضل وحرم النساء (الدرالمختار' كتاب البيوع' باب الربا ۵/۱۷۲ ط سعيد)

(۲) زید نے بکر کو دس روپے کا کرنسی نوٹ دیا توڑنے کے لئے بکر نے نو روپے چودہ آنے مروجہ دیا ہے تو یہ دو آنہ شرعاً حلال ہیں یا حرام ؟

(۳) کرنسی نوٹ کی حقیقت عند الشرع نقد ہے یا نہ اس کی اصلیت شرع تحریر فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۲۶۲۴ شیر محمد عباسی ۲۵ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ ۲ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۳۳) (۱) حلال ہے یہ ربا نہیں ہے[1] (۲-۳) یہ ربا ہے نوٹ خود مال نہیں ہے بلکہ وہ دس روپے کی سند یا حوالہ ہے تو اس میں کمی بیشی گویا روپیہ کے اندر کمی بیشی ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

روپے کے عوض پونے سولہ آنے لینا جائز ہے

(سوال) متعلقہ مبادلہ المستفتی نمبر ۱۷۲۱ محمد جلیل کوچہ دکھنی رائے دہلی ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ یکم ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۳۴) روپے کے پونے سولہ آنے لینے جائز ہیں بشرطیکہ نوٹ کی طرف کچھ پیسے بھی شامل ہوں[3] چاندی کی چار چونیاں دیکر اگر کوئی شخص ایک سالم روپیہ اور ایک پیسہ لے تو یہ جائز نہیں۔[4]

روپیہ کو بارہ آنے میں بیچنے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۳۰ء)

(سوال) سکہ یا روپیہ کھرا ہو بوجہ چکنا ہو جانے یا گھس جانے کے اگر روپے کو بارہ آنے میں یا سکہ کو کم کر کے کسی نے خرید لیا اس ارادے سے کہ روپے کو روپیوں میں بدلی کریں گے تو روپے میں چار آنے نفع ہو جاوے گا یہ سود کے حکم میں ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۳۴) روپے کو جب تانبہ کے پیسوں یا المونیم کے سکوں سے بدلا جائے تو اس میں کمی بیشی جائز ہے خواہ سکہ صحیح سالم ہو یا گھسا ہوا اس کا کوئی فرق نہیں ہے۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

چاندی کا روپیہ ڈیڑھ روپیہ میں بیچنا!

(سوال) چاندی کا ایک روپیہ ڈیڑھ روپے میں بکتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی حافظ عبدالرحمن از ابراہیم پور۔

(جواب ۱۳۵) جائز ہے مگر مبادلہ غیر جنس میں ہونا ضروری ہے۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) وان وجد احد هما ای القدر وحده او الجنس حل الفضل و حرم النساء (الدرالمختار کتاب البیوع باب الربا ۵ / ۱۷۲ ط . سعید)

(۲) فان وجدا حرم الفضل ای الزیادة والنساء (الدرالمختار باب الربا ۵ / ۱۷۲ ط س)

(۳-۵) (بحوالہ سابق نمبر ۱ ص هذا)

(٤) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص هذا)

(۵) (بحوالہ سابق نمبر ۱ ص هذا)

کرنسی نوٹ کے ذریعے سونا چاندی خرید نا

(سوال) موجودہ کرنسی نوٹ (ہنڈی) کے ذریعے سونا چاندی خریدی جائے تو سود کا احتمال تو نہیں ؟ (شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار دہلی)

(جواب ۱۳۶) کرنسی نوٹ کے ذریعے سے چاندی سونا خریدنا مباح ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دوسرا باب
کرنسی نوٹ

نوٹ کی حقیقت

(سوال) نوٹ سرکاری کی کیا حقیقت ہے ؟ آیا دستاویز ہے یعنی سند قرض یا جنس نقد اور سکہ ہے۔ اگر دستاویز ہے تو مثل نقد اور روپے کے لین دین میں کیوں اس کا رواج ہے اور اگر جنس نقد اور سکہ سے ہے تو معاوضہ کا معاہدہ سرکار کی جانب سے کیوں ہے بشرط معلوم ہو جانے نمبروں کے ؟ بینوا توجروا

(جواب ۱۳۷) نوٹ ایک سند ہے جو گورنمنٹ کی طرف سے اس روپے کی مقدار کے موافق عطا کی جاتی ہے جو خزانہ شاہی میں داخل کیا جاتا ہے۔ اس کا رواج اس کے عموم رقم کی وجہ سے ہے یعنی اس میں کسی خاص شخص کا نام وغیرہ مرقوم نہیں ہوتا بلکہ گورنمنٹ ہر اس شخص کو اس کا روپیہ ادا کرنے کی ذمہ دار ہے جو اس سند کو اس کے پاس لے جائے جنس نقد یا سکہ سے نہیں ہے اسی لئے اس پر بٹہ لینا دینا جائز نہیں۔ واللہ اعلم

کیا نوٹ سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟

(سوال) اگر کسی شخص کے پاس روپیہ نہ ہو بلکہ دو چار روپے کے نوٹ ہوں اور سال بھر گزر چکا ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟ نیز نوٹ کی زکوٰۃ میں نوٹ دے دینا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۴۱۵ محمد سلیمان میواتی ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ م ۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۳۸) جس کے پاس نقد روپیہ کی جگہ کرنسی نوٹ ہیں اس پر زکوٰۃ فرض ہے زکوٰۃ میں نوٹ دینا جائز ہے مگر جس کو نوٹ دیا ہے جب وہ اس کو کام میں لے آئے اس وقت زکوٰۃ ادا ہو گی۔[2] اگر نقد روپیہ زکوٰۃ میں دیا جائے تو دیتے ہی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) اگر تفاضل بھی ہو تو حرج نہیں اس لئے کہ ایک ثمن عرفی ہے اور ایک ثمن خلقی۔

(۲) واضح ہو کہ یہ اس دور میں تھا جب نوٹ صرف رسید ہوتے تھے اب چونکہ نوٹ خود ثمن عرفی بن چکے ہیں لہذا نوٹ دیتے ہی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (مرتب)

کتاب الشرکۃ والمضاربۃ

پہلا باب
ایک شریک کی کارگزاری

ترکہ کی تقسیم سے پہلے حاصل ہونے والا نفع بھی ترکہ میں شمار ہوگا

(سوال) زید اور عمرو دو بھائیوں نے باپ کے مال سے ترکہ پایا اور دونوں کا مال تجارت میں مشترک تھا اور ان میں سے زید اپنے ورثہ ایک لڑکی ایک بھائی ایک زوجہ چھوڑ کر فوت ہو گیا اور عمرو نے اپنے بھائی فوت شدہ کی بیوی سے نکاح کر لیا کچھ عرصہ کے بعد وہ بھی انتقال کر گئی بعد ازاں فوت شدہ بھائی سے ایک لڑکی رہی اور عمرو اس مال مشترک میں بدستور سابق تجارت کرتا رہا اور اس کے تجارت کے نفع سے اپنے گھر اور اپنے بھائی کی لڑکی کا جملہ اخراجات چلاتا رہا اور بوقت انتقال زید مال و اسباب تقسیم نہ ہوا تھا اور عمرو پیشتر ہی کی طرح معاملہ کرتا رہا یہاں تک کہ پینتیس سال کا عرصہ گزر گیا اب عمرو بھی اپنے ورثہ دو لڑکیاں ایک عورت دو بھتیجے بھائی چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ بوقت انتقال زید دو لاکھ روپے تھے اور بوقت انتقال عمرو تخمیناً تیس لاکھ روپے ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ ورثہ مذکور پر مال کیوں کر تقسیم ہوگا حاصل شدہ منافع از مال زید تا وفات عمرو جمیع ورثہ زید ایک لڑکی اور اس کے بھائی پر تقسیم ہوگا یا صرف عمرو کے ترکہ میں شمار کیا جائے گا۔ بینوا توجروا

(جواب ۱۴۹) عمرو نے مال مشترک میں تجارت وغیرہ کر کے جو نفع حاصل کیا ہے اور مال بڑھایا ہے وہ سب ورثہ زید پر بھی تقسیم ہوگا۔ صرف عمرو کا ترکہ نہیں سمجھا جائے گا۔ **و عمله و تصرفه يكون تبرعا لوجهه انه شريك في بعضه و عامل بنت اخيه في بعضه وهي في عياله و ليس ههنا عقد ولا غصب**[1] **والله اعلم**

---

(۱) کیونکہ ترکہ میں ورثاء کا حصہ ہے اور ان کے حصوں پر حاصل کیا جانے والا نفع ان کو ملے گا

دوسرا باب
مضاربت
(ایک کا سرمایہ دوسرے کی محنت)

کیا عقد مضاربت میں شرکت کے لئے صرف نام درج کروانا کافی ہے

(سوال) زید نے ایک تجارتی دکان کی فرم میں اپنا اور اپنے لڑکے عمرو کا نام ڈالا لیکن عمرو کا کوئی پیسہ وغیرہ زید نے شریک اپنے مال میں نہیں کیا۔ پھر زید کا انتقال ہوا اب سوائے عمرو کے اور لڑکے لڑکیاں اور زوجہ بھی ہے کیا ایسی صورت میں زید کا مال کل ورثہ پر تقسیم ہوگا یا نصف مال عمرو کی شرکت میں دیا جائے گا؟

(جواب ۱٤۰) اس صورت میں دکان کا کل مال وارثوں پر تقسیم ہوگا کیونکہ فرم میں نام ڈالنے سے شرکت یا ملکیت ثابت نہیں ہوتی[1] کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ' سنہری مسجد' دہلی

عقد مضاربت کے اختتام پر مضارب کی غیر ضروری شرط معتبر نہیں

(سوال) زید نے ایک کارخانہ کھولا اور اس کو اپنے نام سے مشہور کیا چونکہ زید کے شرکاء بھی تھے اس لئے کارخانہ زید اینڈ کمپنی کے نام سے مشہور ہو گیا زید اور اس کے شرکاء انتقال کر چکے لیکن کارخانہ برابر ورثا چلاتے رہے اور وہی نام قائم رہا کارخانہ زید اینڈ کو نہایت معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اور بہت مشہور ہو گیا ہے چونکہ زیادہ تر تجارت بذریعہ خط و کتابت ہوتی ہے اس لئے کارخانوں اور دکانوں کا کام بہت کچھ نام ہی سے چلتا ہے زید اینڈ کو کا کارخانہ سو برس سے قائم ہے اس کی بڑی ساکھ اور عزت ہے اس کارخانہ کے مالکوں نے چند سال ہوئے اس کارخانہ کی ایک شاخ کا کام ایک شخص بکر کے سپرد کر دیا اور حق المحنت بطور مضاربت طے ہو گیا۔ لیکن اب رب المال بکر کے کام سے مطمئن نہیں ہے کیوں کہ مضارب نے معاہدہ کی پابندی نہیں کی اور اس کو علیحدہ کرنا چاہتے ہیں علیحدگی کے متعلق نزاع اور معاملہ ثالث کے پاس گیا ثالث نے علیحدگی طے کر دی اور حساب کتاب تیار کرنے کا مضارب کو حکم دیدیا اب مضارب سے کہا گیا کہ حساب تیار کردو اور کاروبار حوالہ کردو اس پر اس نے چند مطالبات ثالث کے پاس لکھ کر بھیج دیئے کہ یہ طے کر دیئے جائیں پھر حساب تیار کردوں گا اور مال وغیرہ حوالہ کردوں گا ثالث نے وہ مطالبات بموجودگی رب المال و مضارب طے کرا دیئے سوائے ایک مسئلے کے اور وہ یہ ہے۔

مضارب کہتا ہے کہ مجھے بھی زید اینڈ کو کے نام سے کاروبار کرنے کی اجازت دی جائے رب المال اس

---

(۱) کیونکہ یہ اسباب ملک میں سے نہیں ہے اور اسباب ملک تین ہیں اعلم ان اسباب الملك ثلاثة: ناقل كبيع و هبة و خلاف كارث واصالة وهو الا ستيلاء حقيقة بوضع اليد او حكمي بالتهيئة كنصب شبكة الصيد (الدر المختار ' كتاب الصيد ٤٦٣/٦)

نام سے کام کرنے کی اجازت دینے پر معترض ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر مضارب کو اس نام سے کام کرنے کی اجازت دی گئی تو ہم کو کثیر نقصان پہنچے گا۔ جس مقام پر زید اینڈ کو کی شاخ ہے اور بکر بطور مضارب کام کرتا ہے بکر کی اکثر خریداروں سے ذاتی واقفیت بھی حاصل ہو گئی ہے اب اگر وہ اسی شہر میں اسی نام سے کام کرتا ہے تو لوگوں کو یہ شبہ ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ کوئی نیا یا دوسرا کارخانہ ہے۔ بیرونجات کے خریدار محض کارخانہ کے نام سے واقف ہیں اس لئے ڈاک کی تقسیم میں اختلاط ہو گا وغیرہ اگر بکر اس نام سے کام کرنے کے بعد لوگوں کے ساتھ بد معاملگی کا سلوک رکھے تو زید اینڈ کو کا نام بد نام ہو جائے گا کیونکہ لوگ جانتے ہیں کہ قانوناً کئی غیر آدمی ایک ہی نام کو کاروبار کے لئے استعمال نہیں کر سکتے اور جب دو آدمی ایک ہی نام سے کام کریں گے تو دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ دونوں کا آپس میں تعلق ہے اس لئے برائی بھلائی اور قانونی ذمہ داریوں کا اثر ایک دوسرے پر مبنی ہے قانوناً نام جائیداد کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اگر مضارب کو اجازت مل گئی تو وہ اس اجازت نامہ میں جو گورنمنٹ کی طرف سے موجودہ مالکان کو حاصل ہے حصہ دار بن جاتا ہے اور وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ حاصل شدہ اجازت نامہ کے فوائد میں بھی حاصل کر سکتا ہوں کیوں کہ اجازت نامہ زید اینڈ کو کے نام سے ہے نہ کسی خاص شخص کے اور اگر اس میں کشمکش ہو کہ گورنمنٹ کے اجازت نامہ کا فائدہ کون حاصل کرے اور یہ معاملہ حکام متعلقہ تک جائے تو وہ اس چیز کو طے نہیں کریں گے بلکہ رب المال عدالت دیوانی میں جا کر یا تو نام کو جائیداد کی حیثیت قرار دے کر اپنی ملکیت ثابت کریں ورنہ اجازت نامہ بھی ہاتھ سے کھو بیٹھیں اگر مضارب اس نام سے کسی دوسری جگہ کام کر لے اور پھر کارخانہ زید اینڈ کو کے موجودہ مالکان وہاں شاخ کھولنا چاہیں تو اجازت نہیں ملے گی کیونکہ ایک نام سے ایک ہی جگہ گورنمنٹ دو اجازت نامہ نہیں دیتی اور بکر سے ثالث نے دریافت کیا کہ آخر تم اس نام کو اختیار کرنے کے لئے کیوں اس قدر مصر ہو اور اس میں تمہارا کیا فائدہ ہے وہ کہتا ہے کہ شرعاً ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ اپنی دکان کا جو نام چاہے رکھے اور جو فائدہ رب المال کو ہے وہی مجھے ہے میں اپنے حق شرعی کو کیوں چھوڑ دوں بینوا توجروا ۔المستفتی نمبر ۸۵۷ حافظ صبیح الدین (صدر بازار میرٹھ) ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۵ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۴۱) رب المال اور مضارب جب کہ مضاربت کو ترک کرنا چاہیں تو مضارب پر لازم ہے کہ وہ تمام حساب و کتاب رب المال کو سمجھا دے کیوں کہ مضاربت میں عامل مضارب ہوتا ہے اور یہ اس کے فرائض میں سے ہے کہ عمل کی تفصیلی یادداشت اور نفع نقصان کا حساب بتائے۔ مضاربت میں علیحدہ ہو جانے کے بعد مضارب نے کس قسم کے مطالبات کئے تھے سوال میں اس کی تشریح نہیں اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ مطالبات جائز تھے یا ناجائز۔ سوال میں صرف ایک مطالبہ کا ذکر ہے جو اس وقت محل نزاع ہے وہ یہ کہ مضارب یہ چاہتا ہے کہ بعد انقطاع مضاربت وہ اسی نام سے جو اس وقت فرم کا نام ہے کام جاری کرے اور اس کو اپنا حق شرعی سمجھتا ہے یہ مطالبہ اول تو مضاربت کا حساب صاف کرنے سے کوئی تعلق نہیں رکھتا حساب صاف کرنے کو اس پر معلق کرنا بے معنی ہے اور زیادتی ہے دوسرے یہ کہ اسکو حق شرعی سمجھنا بھی محل تامل ہے کیوں

کہ عرف تجار میں فرم کا نام ایک خاص حیثیت اور درجہ رکھتا ہے اور یہ حیثیت اور درجہ اسکو سوبرس سے قائم ہونے اور دیانت داری سے کام کرنے کی وجہ سے اس مضاربت کے وجود سے بہت پہلے حاصل تھا مضارب کے عمل کو اس میں معتدبہ دخل نہیں اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ مضاربت میں رب المال اصل اور مضارب تابع ہے کیونکہ سرمایہ رب المال کا، نقصان کا وہ ذمہ دار اور مضاربت فاسد ہو جانے تو مضارب کو صرف اجرت مثل ملے ان وجوہ سے کارخانہ کی قدیمی حیثیت اور شہرت اور اس کا دوسری شاخوں پر وسیع ہونا یہ تمام باتیں اس کی مقتضی ہیں کہ نام کا تعلق رب المال سے ہے نہ کہ مضارب سے[1] اور یہ خیال کہ ہر شخص کو حق ہے کہ وہ اپنے کارخانہ کا جو نام چاہے رکھ لے اس حد تک تو صحیح ہے کہ کسی دوسرے کو ضرر نہ پہنچے لیکن اگر اپنا ایک حق مباح استعمال کرنے سے دوسرے کو ضرر پہنچے تو وہ مباح مباح نہیں رہتا[2] جیسے ایک مسلمہ ہم کفو عورت سے نکاح اور پیام نکاح کا حق ہر مسلم ہم کفو کو حاصل ہے لیکن جب کہ پہلے کسی نے پیام دیا اور عورت اس کی جانب مائل ہو گئی تو اب کسی کو اپنا پیام استعمال کرنے کا حق نہیں رہا کیوں کہ اس سے خاطب اول کو ضرر پہنچے گا نہی رسول اللہ ﷺ ان یخطب الرجل علی خطبۃ اخیہ[3] اسی طرح دوسرے شخص کے بھاؤ کرنے اور بائع کے رضامند ہو جانے پر کسی کو دام لگانے کا حق نہیں رہتا اور جیسے ہر شخص کو اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر ہوا کھانے کا حق ہے لیکن جب دوسرے لوگوں کی بے پردگی ہو تو دیانۃً اس کے لئے چھت پر چڑھنا جائز نہیں اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن میں شریعت غرا نے حقوق مباحہ کے استعمال سے جب کہ ضرر غیر لازم آتا ہو روک دیا اور منع کر دیا ہے[4] اور صورت مسئولہ میں ضرر کی یہ تین صورتیں جو سوال میں مذکور ہیں پائی جاتی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو نہ روکا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا دکان کا کرایہ' ملازمین کی تنخواہ اور تشہیر کا خرچ مضارب پر ہوگا

(سوال) زید نے بکر کو دس ہزار روپے کا مال بہ تعین قیمت سپرد کیا کہ وہ اس کو بحیثیت شریک مضارب ہو کر فروخت کرے اور جو نفع اس مال کی فروختگی سے حاصل ہو اس میں سے بقدر چوتھائی خود رکھے اور باقی زید کو دیدے بکر نے حسب اجازت زید اس مال کو ایک دکان میں رکھ کر اور اس کے اشتہار دیکر نیز ایک دو ملازمین تنخواہ دار رکھ کر اس کا کچھ حصہ فروخت کیا اور اس درمیان میں اس روپے سے کچھ اور مال بھی منگایا اور پہلے مال میں شامل کر کے اس سے فروخت کیا اور اس جدید مال کا منگوانا وغیرہ بھی زید کے علم اور اجازت سے ہوا

---

(۱) فصارت للمضارب خمس مراتب' ہو فی الابتداء امین' فاذا تصرف فہو وکیل' فاذا ربح فہو شریک فاذا فسدت فہو اجیر فاذا خالف فہو غاصب (الجوہرۃ النیرۃ' کتاب المضاربۃ ۲/ ۳۷۶ ط میر محمد)

(۲) اخرج الی طریق العامۃ کنیفا او میزابا الی قولہ ... او دکانا جاز احداثہ ان لم یضر بالعامۃ ولم یمنع منہ فان ضر لم یحل الخ (الدر المختار' باب ما یحدثہ الرجل فی الطریق ۶/ ۵۹۲ ط ، سعید)

(۳) (مشکوۃ ۲/ ۲۷۱)

(۴) ان من تصرف فی خالص ملکہ لا یمنع ولو اضر بغیرہ لکن ترک القیاس فی محل یضر بغیرہ ضررا بینا (رد المحتار' باب المتفرقات ۵/ ۲۳۷ ط ، سعید)

نفع کی تقسیم کے وقت زید اور بکر میں یہ تنازعہ ہے کہ خرچ اشتہار تنخواہ ملازمین اور کرایہ دکان کہ جہاں مال رکھا گیا ہے وہ بکر کے حصہ نفع میں سے وضع نہیں ہو سکتا۔ وہ خام نفع میں چہارم کا مستحق ہے اس لئے کہ اس نے بحیثیت رب المال کے وکیل کے یہ سب کام انجام دیئے ہیں اور یہ سب اخراجات رب المال پر پڑنے چاہئیں۔ مگر زید یہ چاہتا ہے کہ اول اخراجات مذکورہ مشترک نفع میں سے مجرا کر دیئے جائیں اور پھر چہارم نفع بکر کو دیا جائے از روئے شرع شریف اخراجات مذکورہ مشترک نفع میں سے ایسی حالت میں جب کہ بکر نے بحیثیت وکیل زید مال فروخت کیا ہو وضع ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۷۵۸ حاجی رشید احمد کشمیری دروازہ دہلی

(جواب ۱۴۲) مضاربت میں جب کہ رب المال نے مضارب کو منع نہ کر دیا ہو تجارت کو فروغ دینے کے لئے اشتہار دینا ضرورت پر ملازمین رکھنا عرف تجارت کے اندر جائز ہے اور یہ مصارف نفع میں سے لئے جائیں گے[1] ان کو وضع کرنے کے بعد جو نفع بچے گا اس میں سے قرارداد کے موافق ۴/۱ مضارب کو ملے گا اور اگر رب المال نے کسی خاص کام مثلاً اشتہار دینے یا ملازم رکھنے سے صراحۃً منع کر دیا ہو یا مضارب نے عرف تجار کی حد سے تجاوز کیا ہو تو یہ مصارف مضارب کے حصہ نفع میں سے محسوب ہوں گے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا وصی موصی کی دکان کے منافع اور اجرت لے سکتا ہے؟

(سوال) زید نے مرتے وقت ایک دکان اور کچھ جائیداد جس میں مکانات وغیرہ شامل ہیں چھوڑی مرحوم نے اپنی دکان اور جائیداد کے لئے محمد صالح اور محی الدین کو وصی اور محافظ مقرر کیا مرحوم کی حیات میں یہ دونوں اشخاص مرحوم کے تنخواہ دار ملازم تھے محی الدین دکان کا تمام انتظام سنبھالتا تھا اور دکانداری میں کافی تجربہ کار تھا محمد صالح مکانات کا کرایہ وغیرہ وصول کرتا تھا اس کو دکان کا کوئی تجربہ نہ تھا اور نہ مرحوم کی حیات میں دکان سے کوئی تعلق تھا بدیں وجہ مرحوم نے محمد صالح کو صرف وصی اور محافظ بنایا اور دکان کا انتظام اس کے سپرد نہ کیا لیکن محی الدین کو ایک تیسرے شخص اسمٰعیل ابراہیم کے ساتھ (جو نہ وصی ہے نہ محافظ) دکان کا مہتمم اور منتظم بھی مقرر کیا اسی طرح محی الدین وصی اور محافظ جائیداد ہونے کے علاوہ دکان کا ناظم بھی ہوا اب یہ چیزیں غور طلب ہیں۔

(۱) محی الدین دکان میں سیلز مین (مال فروخت کرنے والے ملازم) کے فرائض کے علاوہ نظامت

---

(۱) فی الجوهرة: فاذا صحت المضاربة مطلقة ای غیر مقیدة بالزمان والمكان والسلعة جاز للمضارب ان یشتری و یبیع و یسافر و یبضع و یوکل لان المقصود منها الاسترباح الی قوله لان هذه الاشیاء لا بد منها (الجوهرة النیرة ۱ ۳۷۷ ط بیروت)

(۲) وان خص له رب المال فی التصرف فی بلد بعینه او فی سلعة بعینها لم یجز له ان یتجاوز ذالك ثم فان خرج الی غیر البلد و دفع المال الی من اخرجه صار مخالفاً ضامناً و یکون ذالك له لانه تصرف بغیر اذن صاحب المال فیکون له ربحه و علیه و ضیعته ولا یطلب له الربح عندهما (الجوهرة النیرة ۱/۳۷۷ ط بیروت)

بھی انجام دے رہا ہے۔

(۲) وصیت نامہ میں اس تنخواہ کا جو محی الدین کو مرحوم کی حیات میں ملتی تھی کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

(۳) وصیت نامہ میں مرحوم نے محی الدین کو دکان کے خاص منافع میں سے ایک چوتھائی کا حصہ دار مقرر کیا ہے اب محی الدین اپنی اس تنخواہ کے علاوہ جو مرحوم کی حیات میں ملتی تھی وہ منافع بھی لے رہا ہے جس کی مرحوم نے وصیت فرمائی تھی دریافت طلب یہ امر ہے کہ محی الدین کو شرعاً تنخواہ لینی جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۶۴۹ غلام محی الدین رنگون (برما) ۲ رجب ۱۳۵۹ھ م ۲۱ اگست ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۴۴) وصی کو تنخواہ اور منافع کا ۱/۴ دونوں چیزیں لینا حلال نہیں وہ صرف وصایت اور کاروبار کے عمل کی اجرت مثل لے سکتا ہے یعنی وہ دکان کا کام کرے اور وصایت کے سلسلے میں انتظام وغیرہ بھی کرے اور اس تمام عمل کے مقابلے میں اس کو تنخواہ دی جائے۔(خواہ تنخواہ کی مقدار وہی ہو جو پہلے ملتی تھی یا کسی قدر زیادہ) تو وہ اسے لینا حلال ہے۔[1] پھر نفع میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔

اور یہ جائز نہیں کہ وہ تنخواہ نہ لے اور صرف نفع کے ۱/۴ پر کفایت کرے کیونکہ یہ صورت مضاربت کی ہے اور وصی مال یتیم میں مضاربت نہیں کر سکتا[2] الا یہ کہ سب وارث بالغ ہوں اور سب رضامندی سے از سر نو یہ معاملہ کریں تو پھر انکی طرف سے یہ معاملہ ہوگا مرحوم کی وصیت کے ماتحت نہ ہوگا۔

یہ بھی جائز ہے کہ وہ وصی بننے سے دست بردار ہو جائے پھر بہ حیثیت مضارب اس کو کام کرنے کا حق ہوگا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

تیسرا باب
کمپنی کے حصص کی خرید و فروخت

کمپنی کے حصص کی خرید و فروخت کا حکم

(سوال) فی زمانہ ٹراموے وریلوے کمپنی ودیگر کارخانہ جات کے حصص جسے یہاں کی اصطلاح میں شیئر کہتے ہیں خریدے جاتے ہیں اور صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک کمپنی ٹراموے یا ریلوے یا کارخانہ پارچہ بافی یا آہن سازی یا کسی اور تجارت کیلئے قائم کی جاتی ہے اور اس کا سرمایہ مقرر کر کے اس کے حصص فروخت کئے جاتے ہیں اور اس کے کارکنان بھی تنخواہ دار مقرر کئے جاتے ہیں جو حسب منصب کام کرتے ہیں اور ششماہی یا سالانہ اس کے نفع نقصان کا حساب بھی شائع کرتے ہیں اور نفع بھی حصہ رسد تقسیم کرتے ہیں۔ اور کچھ

---

(۱) ان الوصی لا یاکل من مال الیتیم ولو محتاجاً الا اذا کان لہ اجرۃ فیا کل بقدرھا (رد المحتار باب الوصی ۶/ ۷۱۳ ط، سعید)

(۲) لیس للوصی فی ھذا الزمان اخذ مال الیتیم مضاربۃ فھذا یفید المنع مطلقاً (رد المحتار فصل فی المتفرقات ۵: ۶۶۱، ط، سعید)

روپیہ نفع کا جمع بھی رہتا ہے جو سود پر بھی دیا جاتا ہے اور اس کا سود بھی نفع میں شامل کر کے حصہ داروں کو تقسیم کیا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت سودی روپیہ لیا بھی جاتا ہے اور اس کا سود اصل رقم یا نفع میں سے دیا جاتا ہے اور ان حصص کی قیمت کمپنی کے نفع نقصان کے اعتبار سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے حصہ داران ان حصوں کو اسی بھاؤ سے فروخت کر دیتے ہیں لیکن فروخت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بائع دلال سے کہتا ہے کہ میں اپنا فلاں کمپنی کا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہوں تو دلال یہ کہتا ہے کہ آج یہ بھاؤ ہے پھر اگر بائع کو اس بھاؤ سے فروخت کرنا ہوتا ہے تو دلال کو کہتا ہے بیچ دو تو وہ بیچ دیتا ہے یہاں مشتری کسی چیز پر قبضہ نہیں کرتا بلکہ دلال کمپنی والوں سے بائع کے نام کی جگہ مشتری کا نام لکھوا کر دیدیتا ہے یہاں قابل غور یہ امر ہے کہ اگر مشتری کمپنی والوں سے اپنے حصص کے عوض کمپنی کے اسباب تجارت میں سے کوئی شے طلب کرے تو کمپنی والے وہ شے اسے نہیں دیتے اور نہ اس کے دام اسے واپس کرتے ہیں البتہ وہ جس وقت اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو بازاری بھاؤ سے اسی وقت مذکورہ بالا طریق سے فروخت ہو جاتا ہے اور اسے اسی وقت روپیہ بھی مل جاتا ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ حصص خریدنے عندالشرع جائز ہیں یا نہیں ؟ اگر جائز ہیں تو یہ بیع کس قسم کی بیع ہے اور اس میں زکوٰۃ حصص کی قیمت پر لازم آتی ہے یا منافع پر ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۱٤٤) معاملہ مذکورہ چند وجوہ ناجائز ہے (۱) یہ معاملہ عقود شرعیہ میں سے کسی عقد میں داخل نہیں ہو سکتا یہ بیع ہے نہ شرکت نہ اور کوئی عقد صحیح شرعی[1] (۲) سود پر روپیہ چلانا حرام ہے جو اس کمپنی میں لیا دیا جاتا ہے[2] (۳) حصص کو فروخت کرنا خریدنا اس لئے ناجائز ہے کہ مبیع متعین و معلوم نہیں ہے یہ تو ظاہر ہے کہ صرف وہ رسید جو کمپنی کی جانب سے حصہ دار کو اس کی رقم وصول ہو جانے کی بابت ملتی ہے مبیع نہیں ہے پس مبیع یا تو وہ روپیہ ہے جو حصہ دار کا کمپنی میں جمع ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں تفاضل ناجائز ہے[3] نیز چونکہ وہ روپیہ کمپنی سے یہ حصہ دار خود واپس نہیں لے سکتا اس لئے مبیع غیر مقدور التسلیم ہے[4]

---

(۱) واضح ہو کہ کمپنی کو عقود شرعیہ میں سے کسی عقد کے تحت داخل نہ کرنا حضرت مفتی علام کی رائے ہے ورنہ عام تحقیق یہ ہے کہ کمپنی عقود شرعیہ میں سے شرکت عنان کے تحت داخل ہے جیسا کہ حضرت تھانوی نے امداد الفتاوی ۳/ ۴۹۳ پر اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

(۲) دوسرا اعتراض کہ اس میں سودی کاروبار ہوتا ہے جس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کمپنی قرضہ لے اور اس پر سود ادا کرے اس صورت میں اشکال یہ ہے کہ کمپنی چونکہ شیئرز ہولڈر کی وکیل ہوتی ہے اس لئے سودی قرضے لینے کی نسبت اس کی طرف بھی ہوگی اور اسے بھی گناہ ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ شیئرز ہولڈر کسی طرح یہ آواز اٹھادے کہ میں سودی کاروبار پر راضی نہیں ہوں تو اس کی ذمہ داری ختم ہو جانے کی منع کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سالانہ میٹنگ (U-G-M) میں اس کے خلاف آواز اٹھادے دوسری صورت یہ ہے کہ کمپنی قرض دے کر سود لے اس پر دو اشکال ہیں ایک یہ کہ اس میں پھر شیئرز ہولڈر کی شرکت ہو جائے گی اس کا حل اوپر گزر چکا۔ دوسرا یہ کہ منافع میں سود شامل ہوگا تو اس کا حل یہ ہے کہ نفع کا جتنا حصہ سودی ہے وہ بلا نیت ثواب صدقہ کردے۔

(۳) ہاں یہ ضروری ہے کہ حصہ بیچنے والا خریدار سے زیادہ ثمن لے جو اس کی رقم اور اثاثوں کا عوض ہوگا۔ پھر یہ معاملہ جائز ہوگا" ولا یجوز بیع الزیتون بالزیت والسمسم بالشرح حتی یکون الزیت والشرح اکثر مما فی الزیتون والسمسم فیکون الدھن والزیادة بالتجیر (ھدایة ۳/۸۵ ط شرکة علمیة)

(۴) تیسرا اعتراض یہ کہ مبیع متعین و معلوم نہیں اس کے بارے میں حضرت تھانوی نے فرمایا ہے کہ یہ بیع حظوظ کے مشابہ ہے یعنی مشاع میں سے اپنے حصے کی فروخت کرنا اس لئے کہ شیئرز کی خرید و فروخت در حقیقت اس کی پشت پر موجود کمپنی کے اثاثوں کی خرید و فروخت ہے اور اس میں حصہ کے تناسب کی تعیین بھی کافی ہے :وحاصلہ جواز بیع الحقوق الموجودة قبل القبض دون المعدومة (امداد الفتاوی ۳/ ٤٩٥)

نیز اس روپیہ کے ساتھ کچھ اس کا نفع بھی اس حصہ دار کا حق ہے اور وہ بیع کے وقت بائع اور مشتری دونوں کو نامعلوم ہے اور یا مبیع کمپنی کا وہ سامان تجارت وغیرہ جو مشترکہ طور پر حصہ داروں کا مملوک ہے اگرچہ مشاع کی بیع ناجائز نہیں لیکن اس کا مجہول ہونا بیع کو ناجائز بناتا ہے[1] اور حصے کی تعیین مثلاً ۱۰۰۱ ۵ کا ثلث یک ہے۔ اس سامان کی تعیین کے لئے کافی نہیں کیوں کہ سرمایہ کا تمام روپیہ اسباب خریدنے میں صرف نہیں ہوتا پس یہ بات کہ اسباب کس قدر و قیمت کا موجود ہے بائع اور مشتری کو نامعلوم ہے۔ نیز سرمایہ میں سے بہت روپیہ لوگوں کے ذمہ دین ہوتا ہے اور بیع صرف دین میں ناجائز ہے[2] کیونکہ مدیون عاقدین سے جدا شخص ہے بہر حال یہ معاملہ ناجائز ہے اور شیئروں کا خرید نا بیچنا ممنوع۔ واللہ اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ سنہری مسجد مدرسہ امینیہ دہلی ۲۰ شوال ۱۳۳۴ھ مہر دارالافتاء مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی ' اصاب من اجاب بندہ محمد امین عفی عنہ بندہ ضیاء الحق عفی عنہ ' انظار حسین عفی عنہ بندہ محمد قاسم عفی عنہ

کیا ماں کے یہ کہنے سے "میں اپنے بیٹے کو اپنا شیئر دیتی ہوں" شیئر بیٹے کی ملک ہو جائے گا

(سوال) ہندہ نے سورتی بازار رنگون کا ایک شیئر (حصہ) اپنے بیٹے کو دیدیا۔ بیٹے نے بازار کمپنی کے دفتر میں اس حصے کو اپنے نام کرالیا اور پھر اسے فروخت بھی کر ڈالا اور مشتری نے اپنے نام لکھا لیا۔ اب ہندہ کے بیٹے کا انتقال ہوا ہندہ کہتی ہے کہ میں نے وہ شیئر بیٹے کو ہبہ نہیں کیا تھا اور وہ اس کی آمدنی ماہواری اگر مجھے دیتا تھا اور دیگر ورثا کہتے ہیں کہ بازار کمپنی کے دفتر میں بیٹے کے نام وہ شیئر لکھا ہے اور ہندہ کے یہ الفاظ درج ہیں۔ (میں اپنا شیئر پیار و محبت سے اپنے بیٹے کو دیتی ہوں) یہ الفاظ ہبہ کی دلیل ہیں اور آمدنی لاکر والدہ کو دینا عدم ہبہ کی دلیل نہیں۔ غرضکہ والدہ عاریتہً دینا بیان کرتی ہے اور ورثہ ہبہ کے مدعی ہیں اس میں شرعی حکم کیا ہے"

(جواب ۱۴۵) واضح ہو کہ صرف بازار کمپنی کے دفتر میں بیٹے کے نام شیئر کا لکھا ہوا ہونا یا والدہ کا بیان کہ " میں اپنے بیٹے کو اپنا شیئر دیتی ہوں" لکھا ہوا ہونا حجت نہیں ہے بلکہ والدہ کا اقرار یا ہبہ کے گواہوں کا موجود ہونا ثبوت ہبہ کے لئے ضروری ہے پس اگر والدہ اپنے ان الفاظ کا اقرار کرتی ہو جو دفتر میں لکھے ہیں کہ (میں اپنا شیئر پیار و محبت سے اپنے بیٹے کو دیتی ہوں) یا اس امر کے گواہ موجود ہوں کہ والدہ نے بیٹے کو شیئر ہبہ کیا تھا یا الفاظ مذکورہ کہے تھے تو بیشک شیئر مذکور ہبہ ہو گیا اور اگر بیٹے نے بھی قبضہ کر لیا ہو تو بیٹے کی ملک میں آ گیا

---

(۱) اس جہالت کی وجہ سے بھی اس عقد کو ناجائز نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہے بلکہ منافع تقسیم ہونے کے بعد حصوں کی مقدار معلوم ہو جائے گی

(۲) چوتھا اعتراض کہ کمپنی کے اثاثوں میں دیون بھی ہوتے ہیں لہذا حصص کے خرید و فروخت سے بیع دین لازم آنے کی وجہ سے ناجائز ہے جواب یہ ہے کہ حصص کی خرید و فروخت جامد اثاثوں کی حد تک تو بیع ہے۔ دیون میں وہ حوالہ ہے گویا حصص بیچنے والا اپنے واجب الوصول دین کی وصولی کو خریدنے والے کی طرف حوالہ کر رہا ہے ' فروخت کنندہ محیل اور خرید کنندہ محتال لہ ہے اور کمپنی محتال علیہ ہے اور اس کے جائز ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے جب کہ حوالہ کی تعریف میں یہ داخل ہے ' نقل الدین من ذمۃ المحیل الی ذمۃ المحتال علیہ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ۵ / ۳۴۰ ط سعید)

اور اس کی بیع بھی صحیح ہو گئی۔

اگرچہ یہ ہبہ مشاع ہے لیکن قول مفتی بہ ہبہ مشاع بعد قبضے کے مفید ملک ہو جاتا ہے اگرچہ ملک فاسد ہی ہو هبة المشاع فيما يحتمل القسمة لا تجوز سواء كانت من شريكه او من غير شريكه ولو قبضها اهل تفيد الملك ذكر حسام الدين في كتاب الواقعات ان المختار انه لا تفيد الملك وذكر في موضع آخر انه تفيد الملك ملكا فاسدا وبه يفتى كذافي السراجية انتهى (عالمگیریہ مطبوعہ مصر صفحہ ۳۸۲ جلد رابع)[1] اور اگر والدہ ان الفاظ کا اور ہبہ کا اقرار نہ کرے اور ہبہ کے کوئی گواہ نہ ہوں تو پھر والدہ کا یہ قول کہ میں نے عاریۃً دیا تھا والدہ سے قسم لے کر قبول کیا جائے گا اگر وہ قسم سے انکار کرے تو صرف انکار پر ورثہ کا دعوائے ہبہ ثابت ہو جائے گا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی سنہری مسجد۔

الجواب صواب	الجواب صواب	
بندہ محمد قاسم عفی عنہ	بندہ ضیاء الحق عفی عنہ	مہر دار الافتاء
مدرس مدرسہ امینیہ دہلی	مدرسہ امینیہ دہلی	مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی

چوتھا باب
متفرق مسائل

شرکت میں نفع اور نقصان کا حکم

(سوال) چند اشخاص بمبئی والوں نے متفاوت دراہم جمع کئے اور کلکتہ والے چند اشخاص عاملین نے بھی اس مبلغ میں اپنے متفاوت دراہم شامل کر کے اس طور سے عقد شرکت مقرر کیا کہ بمبئی والوں کو ربح کے دو ثلث سے حسب مبلغ حصہ رسد دیا جائے۔ اور کلکتہ والے عاملین کو بھی مال کا حصہ اسی طرح مثل بمبئی والوں کے دو ثلث ربح سے حصہ رسد دیا جائے باقی ایک ثلث ربح خاص کلکتہ والے عاملین اشخاص کا محنتانہ حق مقرر ہے دیا جائے۔ اور کل شرکاء کی رضامندی سے اس مبلغ معین سے مثلاً دس ہزار روپوں سے پانچ ہزار روپے علیحدہ کر کے کلکتہ والوں کی معرفت ایک رنگون کے تاجر سے مبلغ پانچ ہزار روپے شامل کر کے نیا عقد شراکت مابین کلکتہ و رنگون جاری کیا اور اس ثانی شرکت میں کل مبلغ دس ہزار روپے جمع ہوئے اس میں جو ربح حاصل ہوا تو نصف ربح رنگون والے تاجر کو دیا جائے اور نصف ربح کلکتہ والے تاجروں کو دیا جائے اس شرط پر کہ کلکتہ والوں کے اور بمبئی والوں کے شراکت میں جو ربح رنگون والے کی شراکت سے حاصل ہوا ہے اس ربح میں

---

(۱) (عالمگیریۃ' کتاب الھبۃ' الباب الثانی فی یجوز الھبۃ ومالا یجوز ۴/۳۷۸ ط ماجدیہ' کوئٹہ)

سے ایک ثلث حسب راس المال بمبئی والے اور کلکتہ والوں کے حسب مبلغ حصہ رسد دیا جائے اور دو ثلث اس ربح سے خاص کلکتہ والے تاجروں کا حق محنتانہ مقرر ہے وہ دو ثلث ربح اس ثانی شرکت کا کلکتہ والوں کو دیا جائے۔ ۱۹۱۵ء میں کلکتہ اور رنگون کی شرکت کا تصفیہ ہو گیا اور اس میں دو ہزار روپے ربح ظاہر ہوا اس سے ایک ہزار نصف ربح کا رنگون والے تاجر کو حسب شرط دیا گیا باقی ایک ہزار روپیہ کلکتہ والے تاجروں کی شراکت میں حسب سابق شرط کے ایک ثلث ہزار کا بمبئی والے اور کلکتہ والوں کے حسب مبلغ حصہ رسد دیا گیا باقی دو ثلث ہزار کا کلکتہ والوں کو دیا گیا جو عمل کا بدلہ تھا اور تصفیہ ہونے سے عقد شرکت فسخ ہو جانے کی وجہ سے دوبارہ ۱۹۱۵ء ہی میں مثل شرائط سابق مابین رنگون والوں و کلکتہ والوں بمبئی والوں کے عقد شرکت جاری ہوا شرائط مثل سابق کے ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں دو سال کے بعد اس عقد کا تصفیہ کیا گیا اس سال اوگھرانی باقی رہنے کی وجہ سے نقصان ہوا اب بمبئی والے اصحاب کہتے ہیں کہ اس اوگھرانی کا نقصان ہمارے ذمہ نہیں ہے بلکہ نصف کلکتہ والوں کے ذمہ ہے اور نصف رنگون والوں کے ذمہ ہے اور کلکتہ والے تاجر یہ کہتے ہیں کہ حسب قواعد فقہیہ ہمارے اور بمبئی والوں کے درمیان شرکت عنان ہے اور چونکہ ربح میں ہمارا زیادہ حق مقرر ہے اور ہم لوگ عامل بھی ہیں اس لئے ہمارے ہاتھ میں بمبئی والوں کا مال بطور مضاربت ہے دلیل یہ ہے کہ علامہ شامی نے در بحث شرکت عنان تصریح کی ہے۔ فان شرط الربح للعامل اکثر من رأس ماله جاز ایضا علی الشرط و یکون مال الدافع عند العامل مضاربة انتہی[1] اس لئے ہم کلکتہ والے فقط مقدار اس مال کے ذمہ دار ہیں اور عمل کے دو ثلث کے بدلے کا نقصان کچھ ہمارے ذمہ نہیں ہاں مضاربت کے حکم کے موافق ہم ذمہ دار ہیں یعنی جب ۱۹۱۵ء کے قبل کی شرکت کا تصفیہ ۱۹۱۵ء میں ہو گیا اور اس کا ربح بھی مقرر ہو گیا اور حسب شرائط وہ تقسیم بھی کیا گیا اور دوبارہ عقد شرکت ۱۹۱۵ء میں لاحق ہوا اب اگر یہ اوگھرانی ۱۹۱۵ء کے قبل اگلی شرکت کی باقی ہے تو ہم نے جو ربح لیا ہے واپس کریں گے حسب نقصان کے اور اگر بعد شرکت جدید اوگھرانی ہوئی ہے تو اگلی ربح کا جو ہمیں ملا ہے واپس نہ کریں گے بلکہ نئی شرکت والے رب المال حسب مبلغ حصہ رسد نقصان کے ذمہ دار ہیں اور دلیل میں درمختار کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں۔ وما هلكت من مال المضاربة يصرف الى الربح اولا لانه تبع فما زاد الهالك على الربح لم يضمن المضارب ثم عقد اها فهلك المال ثم يتراد الربح و بقيت المضاربة لانه عقد جديد انتهى[2] بناءً علیہ فقہا کی خدمت میں عرض ہے کہ اس مسئلے میں کیا حکم ہے؟

(جواب ۱۶۹) رنگون و کلکتہ والوں کے درمیان جو معاملہ ہوا ہے چونکہ تمام شرکا کلکتہ و بمبئی والوں کی رضامندی سے ہوا ہے اس لئے وہ شرکت صحیح ہے[3] اس میں جو کچھ نقصان ہوا وہ کلکتہ والوں کے مال یعنی کل

---

(۱) (رد المحتار کتاب الشرکة مطلب فی توقیت الشرکة روایتان ۴/۳۱۲ ط. سعید)
(۲) (درمختار' کتاب المضاربة ۵/۶۵۶ ط. سعید)
(۳) وان اشترى احدهما بماله و هلك بعده مال الآخر قبل ان يشترى به شيئا فالمشترى بالفتح بينهما شركة عقد على ما شرط و رجع على شريكه بحصة منه اى من الثمن لقيام الشركة وقت الشراء (درمختار' کتاب الشرکة ۴/۳۱۵ ط. سعید)

پانچ ہزار مال شرکت پر پڑے گا۔ اور یہ پانچ ہزار چوں کہ شرکت اولیٰ کا مال ہے اس لئے اس نقصان میں تمام شرکاء بقدر حصہ شریک ہوں گے اور پہلی شرکت جو ۱۹۱۵ء میں فسخ ہو چکی اس کا نفع اس میں محسوب نہ ہو گا۔[1]

واللہ اعلم بالصواب

نفع میں کمی بیشی اور برابری کی صورت میں مضاربت کا حکم

(سوال) (۱) چند شرکاء مل کر تجارت کے لئے ایک شخص کو روپیہ دیتے ہیں کام کرنیوالے کی طرف سے یہ شرط ہے کہ خدانخواستہ نقصان ہو گیا تو رقم والوں کا ہو گا میری محنت ضائع ہو گی اور اگر نفع ہوا تو نصف نصف تقسیم ہو گا اس شرط کو سب منظور کرتے ہیں۔ (۲) زید بغرض تجارت ایک شخص کو روپیہ دیتا ہے اور شرط یہ ہے کہ نفع و نقصان چوتھائی حصہ کا ہو گا یہ معاملہ بھی شرعاً درست ہے کہ نہیں ؟۔ المستفتی نمبر ۲۲۵۸ جناب فضل الرحمٰن صاحب (جنید) ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ ۲۴ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ۱٤۷) پہلا نمبر درست ہے[2] دوسرا نمبر ناجائز ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

---

(۱) وان قسم الربح و فسخت المضاربة فالمال في يد المضارب ثم عقداها فهلك المال لم يترادا و بقيت المضاربة (رد المحتار كتاب المضاربة ٥/ ٦٥٦، ط، سعيد)

(۲) یہ عقد مضاربت ہونے کی وجہ سے درست ہے' هي عبارة عن عقد بين اثنين يكون من احدهما المال ومن الآخر التجارة فيه ومن شرطها ان يكون الربح بينهما مشاعاً بحيث لا يستحق احدهما منه دراهم مسماة(الجوهرة النيرة ١ /٣٧٥' ٣٧٦ ط ، مير محمد)

(۳) واضح ہو کہ عقد مضاربت کے اندر یہ شرط ہے کہ نفع کل مال میں مشترک ہو نفع کی کوئی مقدار متعین نہ کی جائے اور یہاں نفع کی مقدار متعین ہے لہذا یہ ناجائز ہوا' وكون الربح بينهما مشاعاً بحيث لا يستحق احدهما دراهم مسماة (ايضاً بحواله بالا)

کتاب الودیعۃ

پہلا باب

امانت اور اس کے ضائع ہونے کا تاوان

محفوظ جگہ سے امانت چوری ہونے کی صورت میں امین پر ضمان کا حکم

(سوال) ہمارے یہاں قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ رقم مسجد امام مسجد یا مؤذن مسجد کے پاس حجرہ مسجد میں رہتی ہے چنانچہ حافظ محمد یٰسین صاحب امام مسجد جو تقریباً عرصہ دس بارہ سال سے امام مسجد ہیں ان کے پاس اسی مسجد کے حجرہ میں رقم مسجد بطور امانت رہتی چلی آئی ہے۔ حافظ صاحب مذکور کی جانب سے آج تک کسی قسم کی خیانت یا بد دیانتی ظاہر نہیں ہوئی عرصہ تقریباً تین سال کا ہوا کہ اس حجرہ کی چوکھٹ کا کنڈہ جس میں تالا لگتا ہے چور نے نکالا اور حجرہ میں داخل ہو گیا چونکہ رقم صندوق آہنی میں بند تھی اس وجہ سے رقم محفوظ رہی اگرچہ چور نے بہت کوشش کی یہاں تک کہ صندوق میں دو تالے پوشیدہ تھے وہ بھی خراب ہو گئے قریب دو بجے رات کے حافظ صاحب کے پاس ایک شخص نابینا جو کہ مسجد کے باہر حجرہ میں سوتا تھا جب وہ نماز تہجد کے لئے اٹھا تو مسجد کے کواڑ کھلے پائے جس کی وجہ سے اس کو شبہ ہو گیا اور مسجد کے حجرہ کا تالا جس میں رقم رکھی تھی ٹٹولا تو حجرہ کھلا ہوا اور کنڈہ ٹوٹا ہوا تھا۔ چونکہ حافظ صاحب موصوف کا مکان مسجد کے قریب ہی ہے اس لئے فوراً حافظ صاحب کو جگا کر بلایا۔ حافظ صاحب آئے اور دیکھا کہ واقعی کنڈا ٹوٹا پڑا ہے لیکن رقم محفوظ ہے صبح تمام اہل محلہ اور پنچ صاحبان کو معلوم ہو گیا مگر کسی نے یہ بات نہ کہی کہ رقم مسجد آئندہ کسی دوسری جگہ یا کسی دوسرے شخص کے پاس رکھنی چاہئے بعد ازاں حافظ صاحب نے اس کنڈہ کی جگہ آہنی چادر لگوا کر خوب مضبوط کرا دیا اور رقم مسجد بدستور سابق اسی حجرہ میں رہتی رہی اب تین سال کے بعد چور نے اسی حجرہ کے کواڑوں کے پشتیبان کو کاٹ کر مبلغ دو سو انسٹھ روپے کی رقم نکال لی اور چلتا بنا۔ اس رقم مذکور کے متعلق شریعت مطہرہ کا کیا فیصلہ ہے؟ آیا اس کا تاوان حافظ صاحب امین پر آئے گا یا نہیں؟ بعض اشخاص کا خیال ہے کہ حافظ صاحب سے رقم مذکورہ وصول کرنی چاہئے اور اکثر اشخاص کا خیال ہے کہ چونکہ حافظ امین

ہیں اور دیانتدار ہیں ان کا کوئی قصور نہیں ان سے لینا ظلم ہے۔ **المستفتی** نمبر ۳۲ مولوی حمید الدین نارنولی ۲ جمادی الاولی ۱۳۴۲ھ ۲۶ اگست ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۴۸) جب کہ مسجد کی رقم مسجد کے حجرہ میں رکھنے کا دستور چلا آتا تھا اور اس قدر حفاظت کو کافی سمجھا جاتا تھا اور اس کے خلاف اہل مسجد نے کبھی امام کو یہ ہدایت نہیں کی تھی کہ وہ رقم کو حجرہ میں نہ رکھے تو حفاظت کا یہ طریقہ صحیح ہوا اور ضائع ہو جانے میں امام کی طرف سے کوئی تعدی نہیں ہوئی اس لئے امام پر اس کا ضمان واجب نہیں۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب)(از مولوی حبیب المرسلین صاحب) اس رقم مسروقہ کا تاوان حافظ صاحب وغیرہ کسی پر بھی نہیں پڑے گا اگر حافظ صاحب سے تاوان لیا جائے تو بہت ہی بڑا ظلم ہونے کی وجہ سے کبیرہ گناہ ہوگا۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(جواب)(از مولانا اشرف علی تھانوی) یہ خیال کہ حافظ صاحب بے قصور ہیں' صحیح ہے البتہ جس شخص کو حافظ صاحب پر شبہ ہو وہ حلف لے لے اس سے زیادہ حافظ صاحب سے کوئی مطالبہ نہیں ہو سکتا۔ اشرف علی عفی عنہ (تھانہ بھون)

نوٹ دیمک کھا جائے یا چوری ہو جائے تو ضمان کا حکم

(سوال) جو نوٹ یا روپیہ مہتمم مدرسہ یا متولی مسجد کے پاس جمع ہے - اور وہ نوٹ دیمک نے کھا لئے یا روپیہ باوجود حفاظت کے چوری ہو گیا تو اس کا تاوان مہتمم یا متولی کے ذمہ ہوگا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۶۶۹ مولانا شوکت علی نگینہ ضلع بجنور ۵ شعبان ۱۳۵۴ھ ۳ نومبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۴۹) امین نے اگر معروف حفاظت میں کوتاہی اور غفلت نہ کی ہو تو نوٹ یا روپیہ ضائع ہو جانے کی صورت میں اس پر ضمان نہیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تحریری حساب سے کم آمدنی وصول ہونے کی صورت میں امین پر زکوۃ کا حکم

(سوال) مدرسہ عربیہ کے مہتمم اور امین ایک عرصے تک ایک ہی شخص رہے جو آنکھوں سے معذور تھے اور اب چھ سال کے عرصے سے مہتمم دوسرے صاحب تھے مگر خزانچی یہی معذور چشم صاحب رہے معذوریٔ چشم کے باوجود اراکین مدرسہ نے معتبر ہونے کی وجہ سے تحویل مدرسہ انہیں کے پاس رکھی۔ روپے کے آمد و خرچ کا حساب یہ خود بعذر چشم نہیں لکھ سکتے تھے بلکہ ملازمین یا دیگر اراکین مدرسہ لکھتے اور

---

(۱) وهي امانة مع وجوب الحفظ والاداء عند الطلب واستحباب قبولها فلا تضمن بالهلاك مطلقاً سواء امكن التحرز ام لا هلك معها شئ ام لا لحديث الدار قطني : ليس على المستودع غير المغل ضمان (الدرالمختار' كتاب الايداع ۵/۶۶۴ ط سعيد)

(۲) ایضاً

کرتے تھے اکثر اوقات مدرسے کی تھیلی سے اپنی اہلیہ اور اہلیہ کی بھتیجی وغیرہ سے جن پر ان کو اعتماد تھا روپیہ رکھواتے اور نکلواتے تھے روپیہ ایک تھیلی میں صندوق کے اندر محفوظ طریقے پر رکھا گیا اور مثل اپنے روپے کے اس کی حفاظت کی اور خود کوئی خیانت نہیں کی اور مدرسے کے روپے میں سے لوگوں کو روپے میں سے نوٹ اور نوٹ سے روپیہ بھی بدل دیا کرتے تھے تحویل مدرسہ میں ایک رقم بمد تعمیر اور ایک رقم بمد تعلیم تھی مد تعلیم میں ہر ماہ آمدو خرچ ہوتا رہتا تھا اور مد تعمیر میں چھ سات سال میں صرف ایک مرتبہ خرچ ہوا پھر خزانچی صاحب نے بوجہ معذوری کے سبکدوشی حاصل کی اور روپیہ مدرسے کا ایک جدید مہتمم صاحب کے سپرد کیا گیا۔ اس وقت تحویل مدرسہ میں سے بروئے حساب مندرجہ کاغذات مد تعمیر میں مبلغ ایک سو پندرہ روپے پانچ آنے ۹ پائی کم بر آمد ہوئے جس کا علم خزانچی صاحب کو کچھ نہیں کہ کب اور کیوں کمی واقع ہوئی لہذا یہ کمی خزانچی یعنی امین کے ذمہ آتی ہے یا نہیں ؟ **المستفتی نمبر ۱۴۱۷** اکرام الحق صاحب متولی (بیٹھ ضلع سہارنپور' ۵ اذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ۹ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۵۰) اگر خزانچی صاحب کے پاس روپیہ داخل کرنے اور واپس کرنے کا حساب علیحدہ رہتا ہو اور ان کے پاس روپیہ پہنچانے والے اور واپس لانے والے متعین ہوں اور اس بات کا قطعی ثبوت بہم پہنچایا جائے کہ مذکورہ رقم ان کے پاس تھی تو ان سے اس کی باز پرس ہو سکتی ہے اور اس رقم کی موجودگی کا قطعی ثبوت نہ ہو تو صرف کاغذات مدرسہ کے اندراجات سے جس پر خزانچی کے تصدیقی دستخط بوجہ نابینا ہونے کے نہ ہوں گے نہ ان کے کسی معتمد کے دستخط ہوں گے خزانچی سے باز پرس نہیں ہو سکے گی اور پہلی صورت جس میں باز پرس کا حق ہے اگر خزانچی صاحب ہمیشہ اپنے ہاتھ سے صندوقچہ کھولتے بند کرتے رہتے تو ان سے ضمان نہیں لیا جا سکتا تھا البتہ جب کہ انہوں نے دوسرے لوگوں سے رقم رکھوائی اور نکلوائی تو اس صورت میں وہ ضامن ہوں گے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

امانت کی مجموعی مقدار ادا کرنے کے بعد امین بری الذمہ ہوگا

(سوال) ۱۹۲۵ء میں بکر نے مبلغ ۳۰۰ روپے زید کے پاس بطور امانت بوقت ضرورت حاصل کرنے کے وعدہ سے رکھا۔ اور ایک پرامیسری نوٹ بھی تحریر ہوا اس وقت سے بکر اپنی زندگی تک برابر پانچ روپیہ زید سے

---

(۱) وللمودع حفظها بنفسه و عياله كما له' وهم من يسكن معه حقيقة او حكماً لا من يمونه و شرط كونه اى من فى عياله امينا فلو علم خيانته ضمن وجاز لمن فى عياله الدفع لمن فى عياله ولو نهاه عن الدفع الىٰ بعض من فى عياله ان وجد بدا فيه ضمن والا لا' وان حفظها بغير هم ضمن' و عن محمد ان حفظها بمن يحفظ ماله كو كيله وماذونه وشريكه مفاوضة و عنانا جاز و عليه الفتوىٰ (الدر المختار' كتاب الوديعة ٥ / ٦٦٤ ط سعيد)

حاصل کرتا رہا ۱۹۳۱ء میں اس نوٹ پر آخر وصول ڈالا گیا اس کے بعد سے بکر کے فوت ہونے تک کوئی وصول نہیں ڈالا گیا۔ بکر بیمار تھا زید ایک روز مزاج پرسی کو گیا، بکر نے زید سے اپنی زمین کے متعلق اور بچوں کی دیکھ بھال کے لئے کہاان روپوں کا کوئی ذکر نہیں کیا حالانکہ اس وقت بکر کی عورت اور دوسرے اقارب بار بار بکر سے کہہ رہے تھے کہ جو کچھ کہنا ہے وہ کہو بالآخر بکر نے کہا اب کچھ کہنا نہیں ہے اس کے چار روز بعد بکر کا انتقال ہو گیا زید نے ہی کفن دفن کا انتظام کیا۔ ماہانہ پانچ روپیہ تو برابر اس وقت تک پہنچا رہا جو زید ازراہ تصدق دیتا ہے بکر کے وارثین میں چار لڑکیاں نابالغہ اور ایک عورت ہے زید سے تقاضا کیا جارہا ہے کہ ۳۰۰ روپے ہم کو ادا کرو اور تم جو اب تک پانچ روپے ہم کو ادا کرتے رہے ہو وہ سود ہے حالانکہ پرامیسری نوٹ میں پانچ روپے ماہانہ سود دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے زید کہتا ہے کہ تمہارے ۳۰۰ روپے ادا ہو کر اور ۳۰۰ روپے سے زائد تم کو دیا گیا ہے اس لحاظ سے میں تم کو کچھ باقی دار نہیں ہوں ۱۹۳۴ء میں زید فوت ہو گیا ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا ۳۰۰ روپے زید کے ذمہ باقی ہے اور اس میں یتیموں اور دیگر وارثوں کا حق ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۹۱۹ سید ابراہیم صاحب (گوداوری) ۱۹ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۵۱) زید پانچ روپیہ ماہوار جو ادا کرتا رہا ہے اگر اس کی مجموعی مقدار تین سو روپیہ ہو گئی تو زید کے ذمے اب کوئی رقم واجب الادا نہیں رہی اگر پرامیسری نوٹ میں سود لکھا بھی ہو جب بھی سود کی رقم واجب الادا نہیں ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

امانت کے ضائع ہونے کا دعویٰ جب ظاہر حال کے خلاف ہو تو ضمان کا حکم

(سوال) ایک عورت نے ایک مسجد پر اپنے کچھ زیورات وقف کئے اور اس کو مصلیوں نے ایک شخص کے پاس امانت رکھ دیا۔ اب جب کہ اس شخص سے زیورات طلب کئے گئے تو اس نے جواب دیا کہ مسجد کے زیورات میرے پاس سے چوری ہو گئے اور میرے پاس نہیں ہیں۔ حالانکہ نہ کوئی نقب پڑی اور نہ کوئی چوری کی علامت نظر آئی نیز مسجد کے زیور کے ساتھ اس شخص کے زیور بھی ایک برتن میں رکھ کر ایک ہی صندوق میں رکھے ہوئے تھے اور اس کے تمام زیور محفوظ ہیں اور مسجد کے تمام زیورات اس کے چوری ہو گئے ہیں پس اس صورت میں اس پر ضمان عائد ہو گا یا نہیں ؟ زید کہتا ہے کہ اس کو ضمان نہیں دینا پڑے گا اور دلیل میں در مختار کی یہ عبارت پیش کرتا ہے۔ وھی امانۃ فلا تضمن بالھلاك مطلقا سواء امکن التحرز ام لا ھلك معھا شی ام لا لحدیث الدار قطنی لیس علی المستودع غیر المغل ضمان درمختار مختصراً ج ٤[2] ص ٤٩٤ کتاب الودیعۃ ۔ اور عمرو کہتا ہے کہ اس سے حلف لیا جائے گا اگر حلف سے اعراض کرے تو اس کو ضمان ادا کرنا ہو گا اور اگر حلف لے لے تو اس پر ضمان نہیں عائد ہو گا اور یہ بھی اپنی دلیل میں در مختار کا یہ شعر پیش کرتا ہے اور پہلی عبارت کو تیقن ہلاکت ذریعہ پر محمول کرتا ہے۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰ ان کنتم مؤمنین (البقرۃ: ۲۷۸)
(۲) (درمختار کتاب الودیعۃ ٥/٦٦٤ ط سعید)

وان قال قد ضاعت من البیت وحدها یصح ویستحلف وقد یتصور [۱]
ان میں کس کا قول صحیح ہے۔ المستفتی نمبر ۲۰۵۷ محمد یسین مدرس مدرسہ احیاء العلوم اعظم گڑھ ۱۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۵۲) ہلاک ودیعت کی صورت میں ضمان نہیں پہلی عبارت جو زید نے پیش کی ہے اس کا مطلب یہی ہے۔ اور دوسری عبارت جو عمرو نے پیش کی ہے اس کی غرض یہ ہے کہ دعویٰ ہلاک ودیعت جب ظاہر کے خلاف ہو تو اس سے حلف لے لیا جائے اگر وہ حلف کر لے کہ ہلاک ہو گئی تو ضمان نہیں اور اگر وہ حلف نہ کرے تو اس سے یہ معلوم ہو گا کہ دعویٰ ہلاک صحیح نہیں ہے لہذا اس صورت میں کہ مودع کے اپنے زیورات محفوظ رہے اور اس ظرف میں سے صرف ودیعت کے زیورات چوری ہو گئے دعوائے ہلاک ظاہر کے خلاف ہے اس لئے حلف لیا جانا اور حلف کر لینے پر ضمان عائد نہ ہونے کا حکم کرنا صحیح ہے اور حلف سے انکار کرنے پر ضمان کا حکم کرنا صحیح ہے۔ [۲] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تالہ لگے ہوئے بکس سے چوری کی ہوئی امانت کے ضمان کا حکم

مرسلہ محمد صغیر خاں صاحب مقام اوسیا ضلع غازی پور

(سوال) مسجد کا روپیہ ایک شخص جو کہ متولی مسجد بھی تھے ان کے پاس امانۃ رکھا گیا امین صاحب نے مسجد کا روپیہ اور اپنے گھر کا روپیہ اور مدرسے کے نام کا روپیہ علیحدہ علیحدہ ایک ہی بکس میں تالا لگا کر رکھ دیا۔ امین صاحب کے بھتیجے نے دو غیر آدمیوں کے ساتھ مل کر کنجی چرا کر تالا کھولا اور مسجد والا روپیہ چوری کر لیا۔ جب امین صاحب کو چوری کا حال معلوم ہوا تو تھانے میں جا کر رپٹ لکھوایا اور دیہاتی دستور کے موافق کچھ نام نکلوائے تو معلوم ہوا کہ امین صاحب کا بھتیجا اور دو غیر شخص نے مل کر یہ کام کیا ہے مگر گاؤں والوں نے اس وقت سکوت اختیار کیا۔ امین صاحب سے اس روپیہ کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ کسی قسم کا ارادہ ظاہر کیا امین صاحب بہت پرہیزگار و امانتدار شخص تھے کچھ ہی دن بعد اچانک موت (ہارٹ فیل) ہو گیا لوگوں کا خیال ہے کہ اس چوری ہی کے غم میں مرے۔

اب دو برس کے بعد گاؤں والوں نے ان کے وارثوں پر عدالت میں استغاثہ پیش کیا ہے اور مقدمہ چل رہا ہے۔ کیا امین صاحب کے وارثوں سے گاؤں والے روپیہ وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں؟ المستفتی محمد صغیر خاں میانجی مقام اوسیا ضلع غازی پور اگست ۱۹۵۲ء

(جواب ۱۵۳) امین صاحب کے وارثوں سے یہ روپیہ طلب کرنے کا گاؤں والوں کو حق نہیں ہے نہ وہ یہ رقم ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ [۳] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

(۱) درمختار کتاب الودیعۃ ص ۵۰۱ ج ٤
(۲) وان قال قد ضاعت من البیت وحدها یصح ویستحلف وقد یتصور (الدرالمختار کتاب الودیعۃ ۵/ ٦٧٥ ط سعید)
(۳) وھی امانۃ فلا تضمن بالہلاک مطلقا سواء امکن التحرز ام لا ہلک معہا شئ ام لا لحدیث الدار قطنی لیس علی المستودع غیر المغل ضمان (الدرالمختار کتاب الودیعۃ ۵/ ٦٦٤ ط سعید)

کتاب الدیون

پہلا باب

قرض کی تشریحات و تفریعات واحکام

استثناء کے ساتھ قرض کا اقرار کرنے کی صورت

(سوال) زید نے اقرار کیا کہ ہمارے اوپر عمرو کے دس روپے ہیں مگر نو مگر آٹھ مگر سات مگر چھ مگر پانچ مگر چار مگر تین مگر دو مگر ایک۔ علی لعمرو عشرة درهم الاتسعا الاثمان الا سبع الا ست الاخمس الا اربع الا ثلاث الا اثنین الا واحداً زید کے اوپر عمرو کا کتنا قرضہ رہا ترکیب کے ساتھ تحریر فرمائیں؟

(جواب ۱۵٤) اس صورت میں اقرار کرنے والے پر پانچ روپے لازم ہوں گے کیونکہ جب استثنا متعدد ہوں اور بغیر عطف کے ذکر کئے جائیں تو آخری استثناء کو اس کے مقابل میں سے کم کر کے باقی کو اس کے ماقبل میں سے کم کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ اصل عدد میں سے کم ہو کر جو باقی رہے وہ لازم ہو جاتا ہے اور اس صورت میں پانچ باقی رہتے ہیں وہی لازم ہوں گے مگر یہ حکم جب ہے کہ یہ تمام کلام متصل بغیر فصل ہو فی الهندیه لو قال عشرة الا سبعة الا خمسة الا ثلاثة الا درهماً فانك تجعل المستثنی الا خیر وهو درهم مستثنی مما یلیه وهو ثلاثة یبقی درهمان ثم تستثنیهما مما یلیهما وهو خمسة یبقی ثلاثة ثم تستثنی الثلاثة مما یلیها وهو سبعة یبقی اربعة ثم تستثنی الاربعة مما یلیها وهو عشرة یبقی ستة وهو ثابت باقراره انتهی (۱)

---

(۱) (عالمگیریة' کتاب الاقرار' باب العاشر فی الخیار والا ستثناء ٤/۱۹٤ ط ماجدیه کوئٹه)

قرض دینے کو کاغذ خریدنے کے ساتھ معلق کرنے کا حکم

(سوال) اگر ایسی کمیٹی قائم ہو جس کا مقصد یہ ہو کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو درست رکھے اور مہاجنوں کے ظلم سے محفوظ رکھے اور اس مقصد سے مسلمانوں کو بلا سودی قرضہ دے اور اس کے حسب ذیل اصول مقرر کرے۔

(۱) یہ کمیٹی اپنا کاغذ تیار کرتی ہے جس کی قیمت مقدار قرض کے اعتبار سے مختلف ہوگی مثلاً دس روپے کے لئے ۴ اور پچیس روپے کے لئے ۸ پچاس روپے کے لئے ۱۲ علی ہذاالقیاس۔ جس طرح سرکاری اسٹامپ کاغذ پر وثیقہ لکھا جاتا ہے اگرچہ بلا سود ہی کیوں نہ ہو۔ (۲) جو شخص اس کمیٹی سے یہ کاغذ خرید لے گا اس کو یہ کمیٹی اس کے طلب پر قرض دے گی۔ (۳) یہ کمیٹی اپنا ایک مسجل (رجسٹرار) مقرر کرتی ہے جس کے ہاں اس وثیقہ کی رجسٹری ہوگی اور رجسٹری کرانے کی ایک قلیل رقم مقروض کو رجسٹرار کے ہاں داخل کرنی ہوگی تاکہ رجسٹرار کے دفتر کا خرچ اس سے چل سکے۔ (۴) یہ کمیٹی اپنا ضابطہ یہ بھی مقرر کرتی ہے کہ سال بھر سے زیادہ مدت قرض نہیں ہے اس کے بعد اگر کوئی مدیون قرض کو اپنے ذمہ رکھنا چاہتا ہو تو یہ جدید قرض سمجھا جائے گا اور اس کو نمبر ا و نمبر ۲ کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ اس کمیٹی کا ان ضوابط کے ساتھ قائم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا المستفتی (مولانا) عبدالصمد رحمانی (مونگیری)

(جواب) (از مولوی محمد سہول عثمانی) کمیٹی مذکورہ بالا مسلمانوں کے لئے بہت مفید ہے اور اس میں شرعاً کوئی خرابی نہیں اور یہ معاملہ بھی شرعاً جائز ہے اور کمیٹی کا کاغذ مذکورہ بالا کو بیع کر کے قرض دینا" بیع جر منفعة " ہے "قرض جرمنفعة " نہیں ہے جیسا کہ شامی جلد ۴ ص ۱۹۴ میں ہے۔ فان تقدم البیع بان باع المطلوب معه المعاملة من الطالب ثوبا قیمته عشرون دینار اباربعین دینارا ثم اقرضه ستین دینا را اخری حتی صارله علی المستقرض مائة دینار و حصل للمستقرض ثمانون دینا را ذکر الخصاف انه جائز - وهذا مذهب محمد بن سلمة امام بلخ (الی ان قال) و کان شمس الائمة الحلوانی یفتی بقول الخصاف و ابن سلمة و یقول هذا لیس بقرض جر منفعة بل هذا بیع جرمنفعة وهی القرض انتهی مختصراً[1] محمد سہول عثمانی پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ ۴ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ المجیب مصیب محمد عثمان غنی غفرلہ ناظم امارت شرعیہ صوبہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ ۲۶-۳-۴۵ھ اصاب من اجاب سید محمد قاسم رحمانی

یہ کمیٹی اس طرح پر جائز ہے اور جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں اس میں کوئی محظور شرعی نہیں ہے اس لئے اس طرح مسلمانوں کی خبر گیری کرنے میں بہت زیادہ ثواب کی امید ہے واللہ اعلم۔ حسین احمد غفرلہ (جانشین شیخ الہند)

---

(۱) (رد المحتار فصل فی القرض مطلب کل قرض جر نفعا حرام ۵/ ۱۶۷ ط سعید)

صورت مسئولہ میں مسلمانوں کی بہبودی کے خیال سے کمیٹی بنانا جس کو دوسرے لفظوں میں مجلس بھی کہہ سکتے ہیں۔ فعل محمود ہے۔ اس میں عدم جواز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کمیٹی کا کوئی کاغذ قیمت سے فروخت کرنا اس میں بھی کوئی حرج نہیں تجارۃ کاغذ ایک لاکھ میں فروخت کیا جا سکتا ہے۔ فتح القدیر میں ہے ولو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ [1] قرآن میں ہے ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض بینکم [2] کاغذ پر مال کی تعریف صادق آتی ہے۔ بحر الرائق میں ہے ما یمیل الیہ الطبع و یمکن ادخارہ [3] کاغذ پر یہ تعریف صادق آتی ہے کمیٹی اگر کچھ ضوابط اپنی بقاء مضبوطی کے لئے بنائے تو جو قواعد شریعت کے خلاف نہ ہوں سب جائز ہیں۔ واللہ اعلم نثار احمد عفا اللہ عنہ مفتی آگرہ جامع مسجد ۶ نومبر ۱۹۲۵ء جمعہ بحکم انما الاعمال بالنیات نیک نیتی ہے لہذا جائز ہے۔ المفتی ابو الوفا ثناء اللہ کفاہ اللہ امرتسر۔

(۱۵۵) ھو الموفق : اس کمیٹی کا سرمایہ غالباً چندہ سے حاصل کیا جائے گا پس اس کے کاغذوں کی قیمت کا منافعہ اور رجسٹرار کی فیس کا بچا ہوا اور روپیہ اگر محض دفتری کاروبار کو چلانے کے لئے رکھا جائے اور مالکان سرمایہ کو حصہ رسدی تقسیم نہ کیا جائے نہ ازروئے قواعد ان کو طلب کرنے کا حق دیا جائے اور فاضل منافع کو کسی وقت بھی مالکان سرمایہ کا حق قرار نہ دیا جائے بلکہ بصورت کمیٹی کا کاروبار ختم کرنے کے بقیہ منافع کو غرباء پر تقسیم کر دینے کا قاعدہ مقرر کر دیا جائے اور کوئی صورت اس میں شخصی انتفاع بالقرض کی نہ ہوتی ہو تو اس میں مضائقہ نہیں معلوم ہوتا۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ، دہلی

ڈگری ہونے کی صورت میں اصل حق کے ساتھ مقدمہ کے اخراجات لینے کا حکم

(سوال) ایک شخص کے ساتھ کسی معاملے میں مقدمہ ہو تو اس کی ڈگری ہونے کی صورت میں سرکار خرچہ بھی دلاتی ہے یہ خرچہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۵۶) مطالبات مالیہ میں جب کہ مدیون باوجود قدرت کے ادائے حق میں اس قدر دیر اور تساہل کرے کہ دائن کو بغیر نالش کئے وصول حق کی امید نہ رہے اور مجبوری وہ نالش کرے تو اس صورت میں اسے جائز ہے کہ اپنا واقعی اور جائز خرچ بھی مدیون سے لے لے فقہاء نے تمرد خصم کی صورت میں اجرت احضار وغیرہ اس کے ذمہ ڈالی ہے۔ [4] مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی نے مجموعۃ الفتاویٰ میں مطلقاً ناجائز لکھا ہے۔

---

۱)
۲) النساء ۲۹)۔
۳) (البحر الرائق' کتاب البیوع ۵/۲۷۷)
٤) واجرۃ المحضر علی المدعی ھو الاصح' وفی الخانیۃ علی المتمرد وھو الصحیح وفی الشامیۃ : والحاصل ان اجرۃ لشخص بمعنی الملازم علی المدعی و بمعنی الرسول المحضر علی المدعی علیہ لو تمرد بمعنی امتنع عن الحضور والا علی المدعی ھذا خلاصۃ ما فی شرح الوھبانیۃ (الدر المختار مع رد المحتار' کتاب القضاء ۵/۳۷۲ ط سعید)

لیکن وہ متامل فیہ ہے۔پوری تفصیل مطلوب ہو تو اخبار المشیر مراد آباد سے وہ پرچے طلب کرلیں جن میں یہ بحث مندرج ہے۔واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ' سنہری مسجد دہلی۔

میت کا کرایہ پر دیا ہوا مکان ترکہ میں شمار ہوگا

(سوال) زید اور بکر بھائی تھے دونوں کے حصے میں بعد وفات والدہ ایک مکان آیا۔ بکر نے اپنی کاروباری پریشانی کی وجہ سے اپنا نصف حصہ اپنے بھائی زید کے نام کردیا مگر دراصل کچھ لیا نہیں یہ محض اس لئے کیا تھا کہ کوئی لین دار اس کو قرق نہ کراسکے۔ بکر کا کاروبار بالکل خراب ہو گیا اور بہت عرصے تک بکر اپنے بھائی کی دکان پر رہا اور زید ہی اس کے اخراجات برداشت کرتا رہا یہاں تک کہ شادی غمی میں بھی سب خرچ زید ہی کرتے رہے بکر کا کاروبار خراب ہو گیا تھا دوسرے فالج کی وجہ سے ہاتھ پیر کام نہیں دیتے تھے، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ زید لاولد تھے اب زید کی پریشانی کا وقت آیا اور اس کا کاروبار خراب ہو گیا زید نے یہ والدہ والا مکان کسی غیر کے ہاتھ قطعی بیع کرنا چاہا خریدار نے اصرار کیا کہ اس پر اپنے بھائی بکر کے بھی دستخط کرادو تاکہ کوئی اعتراض بعد میں بکر کا باقی نہ رہے چنانچہ زید نے اپنے بھائی بکر کو بلایا اور کہا کہ اس پر بطور گواہی کے دستخط کردو بکر نے انکار کیا اور کہا کہ یہ میں نے تمہارے نام اپنی پریشانی کی وجہ سے فرضی طور پر کردیا تھا تم میرے اس مکان کی نسبت قرض دار ہو اور میں ہرگز دستخط نہیں کروں گا، زید نے اپنے ایک عزیز رشتہ دار کو بلایا اور کہا کہ بکر کو سمجھادو کہ وہ دستخط کردیوے، نیز زید نے اسی وقت محمود کو بلایا اور کہا کہ ایک مکان جو فرضی طور پر میں تمہارے نام کرتا ہوں اس کا کرایہ تم مجھے تازندگی میری مجھے دیدیا کرنا اور بعد وفات میری یہ مکان تم بکر کے نام کردینا بکر کے اور زید کے قریب کے رشتہ دار وہاں موجود تھے بکر نے ان سے کہا کہ بھائی تم اپنا اطمینان کرلو اگر تم کہہ دو تو میں دستخط کردوں رشتہ دار نے محمود سے دریافت کیا کہ تم کو یہ منظور ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے منظور ہے۔ چنانچہ اس مکان کے بیع نامہ پر جو والدہ والا تھا بکر نے دستخط کردیئے زید نے اپنا دوسرا مکان محمود کے نام کردیا اور کرایہ اس کا لیتے رہے کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ زید کو اپنی کاروباری حالت کا زیادہ فکر ہوا اور بعض لین داروں کی زید پر ڈگری بھی ہوگئی تو زید نے محمود سے کہا کہ میاں محمود تم اس مکان کو فروخت کردو اور اس کا روپیہ لین داروں کو دیدو کہیں لیندار بے آبرو نہ کریں چنانچہ محمود نے کہا کہ میاں تم نے جس وقت میرے نام یہ مکان کیا تھا تو یہ اقرار کیا تھا کہ صرف میں تازندگی کرایہ لیتا رہوں گا اور میری وفات کے بعد میرے بھائی بکر کے نام یہ مکان تم کردینا اور تمہارے رشتہ داروں نے مجھ سے اقرار کراکر بکر سے گواہی کردینے کو کہا تھا اور اسی وجہ سے اس نے دستخط کردیئے تھے کہ بعد میں یہ مکان مجھ کو مل جائے گا یہ سن کر زید نے کہا کہ میں نے اس کے ساتھ جس قدر احسانات کئے ہیں سب کو معلوم ہے میاں وہ دستخط کرتا نہیں تھا میں نے اس وجہ سے کہہ دیا تھا اس کے بعد انہوں نے اس مکان کے فروخت کرنے کے لئے کوشش بھی کی لیکن سودا نہ ہوا اور اب تک وہ مکان محمود ہی کے نام پر ہے اور اب زید کا انتقال ہو گیا ہے زید کی دو

بہنیں اور ایک بھائی بکر ہے اور کوئی وارث نہیں البتہ زید دیگر لوگوں کا جس میں اہل ہنود اور بمبئی کے مسلمان بورے شامل ہیں قرضدار فوت ہوا ہے۔ دوسرے زید اپنے بھائی بکر اپنی والدہ والے مکان کی نسبت قرضدار تھا محمود کے پاس کچھ کرایہ بھی اس مکان کا وصول شدہ موجود ہے اور وہ اس مکان کو اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتا بکر کہتا ہے کہ حسب وعدہ یہ مکان اب مجھے دو اور اپنی یہ بھی درخواست کرتا ہے کہ اول قرضہ ادا کرنا چاہئیے بھائی زید میرے اس والدہ والے مکان کی بابت قرضدار تھے اگر یہ سارا مکان مجھے دے دیا جائے گا تب بھی وہ اس کے برابر نہیں جتنا کہ میں نے اپنا والدہ والے مکان کا نصف حصہ ان کے نام کیا تھا بہنیں کہتی ہیں کہ حصہ شرعی ہمارا بھی ہے ہم کو بھی حصہ رسد ملنا چاہئیے اب سوالات حسب ذیل ہیں (۱) بکر نے اپنا حصہ بغیر کچھ لئے والدہ والے مکان کا زید کے نام کر دیا تھا اس کی شرعی طور پر کیا حیثیت تھی اور بعد میں جو دستخط بطور گواہی کر دیئے اس کا کیا اثر ہے ؟

(۲) کیا بکر کا قرضہ اس مکان کی نسبت زید کے ذمہ واجب الادا ہے ؟

(۳) کیا یہ مکان ان وجوہات کی بنا پر جو بیان کی گئی ہیں صرف بکر کو ہی دیدینا چاہئیے ؟

(۴) کیا اس مکان میں دونوں بہنیں اور بکر سب شامل ہیں ؟

(۵) محمود کا کیا یہ فرض ہے کہ وہ صرف دیگر لیندار وں کو اس مکان کو فروخت کر کے ادا کر دے بکر اور بہنوں کو کچھ نہ دے یا انکو شرعی حصہ کر کے دیدے اور کہہ دے کہ تمہارا یہ فرض ہے کہ پہلے قرضہ ادا کرو۔

(۶) کیا اہل ہنود اور بمبئی کے مسلمان بوروں کا حق ایسا ہی مساوی ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت حق رکھتے ہیں اور بکر کو قرض خواہ تسلیم کر لیا گیا تو اس کا حق ان قرض خواہوں کی نسبت اول ہے یا مساوی ؟

(۷) خلاصہ یہ کہ مکان اور کرایہ وصول شدہ محمود کس کو ادا کرے جس میں کرایہ وصول شدہ زید کی حیات اور بعد وفات کا بھی شامل ہے المستفتی نمبر ۴۵ ۱ حاجی عبدالحمید عبدالمجید موتی والے صدر بازار دہلی ۱۶ شعبان ۱۳۵۲ھ ۵ دسمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۵۷) زید کا یہ مکان زید کا ترکہ ہے۔ اس کے تمام قرض خواہ ہندو مسلمان بورے وغیرہ شریک ہیں۔ ظاہر ہے کہ بکر نے اپنا حصہ مکان جو زید کے نام کر دیا تھا اس کے عوض میں اس مکان کی بیع بکر کے ہاتھ نہیں کی گئی ہے ورنہ زندگی تک کرایہ خود لینے کے کوئی معنی نہیں تھے سوال میں اس کی تصریح نہیں کہ بکر نے اپنا حصہ زید کے نام بطور بیع کیا تھا یا بطور ہبہ اور بطور ہبہ کیا تھا تو بکر کا کوئی قرض زید کے ذمہ نہیں اور اگر بطور بیع کیا تھا تو اس کی قیمت زید کے ذمہ دین ہے اور بکر بھی دیگر قرض خواہوں کے ساتھ اپنے حصہ دین کا مستحق ہے خلاصہ یہ کہ زید کے مکان کا کرایہ اور مکان اول قرض خواہوں کے قرضے میں دیا جائے گا اس کے بعد جو بچے گا وہ اس کے وارثوں بھائی بہنوں کو بطور میراث ملے گا۔[1] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) ثم تقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العبد ثم وصیته من ثلث ما بقی ثم یقسم الباقی بین ورثته (الدر المختار کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۰ ، ط. سعید)

عاریت پر لی ہوئی چیز اصل مالک کو لوٹائی جائے گی

(سوال) راجہ نامی ایک شخص نے ایک بھینس عبدالصمد کو بطور امانت دودھ پینے کو دی لیکن راجہ کے پاس امانت کا ثبوت تحریری نہیں بلکہ زبانی آدمیوں کی شہادتیں ہیں اور عبدالصمد پر ایک شخص کا قرضہ تھا اس قرض خواہ نے اپنے قرضہ کا تقاضا کیا عبدالصمد نے قرض خواہ سے کہا کہ میرے پاس دام توفی الحال موجود نہیں تم اپنے قرضے میں میری بھینس لے لو۔ اور قرض خواہ کو خیال تھا کہ یہ بھینس اسی عبدالصمد کی ہے کیونکہ اس کے پاس مدت سے دیکھتا چلا آرہا تھا لہذا قرض خواہ نے بھینس اپنے قرضے میں لے لی اور عبدالصمد سے کاغذ لکھوا لیا۔ پھر عبدالصمد کہیں بھاگ گیا راجہ نے اس شخص پر دعویٰ کیا کہ یہ بھینس میری ہے عبدالصمد کا کچھ پتہ نہیں کہاں ہے لہذا یہ بھینس ازروئے شرع کس کو ملے گی؟ المستفتی نمبر ۲۲۳ مولوی محمد عمر صاحب خطیب جامع مسجد سرگودھا ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ ۶ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۵۸) قرض خواہ اس امر کا اقراری ہے کہ بھینس اس نے عبدالصمد سے لی ہے اگرچہ اپنے قرض میں لینے کا مدعی ہے پس اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ بھینس راجہ کی تھی اور اس نے عبدالصمد کو بطور عاریت دی تھی تو بھینس راجہ کو دلوائی جائے گی۔[1] اور اگر اس کا ثبوت نہ ہو تو بھینس صاحب الید کے پاس اس وقت تک چھوڑی رکھی جائے گی جس وقت تک اس کے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہ ہو[2] یہ واضح رہے کہ عبدالصمد کے غائب رہنے تک اس کے خلاف کوئی شہادت مسموع نہ ہوگی۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) مہر میں دیا ہوا مکان زوج کے قرض خواہ نہیں لے سکتے
(۲) مہر کی مقدار سے مہنگی چیز مہر میں دی جا سکتی ہے

(سوال) (۱) زید نے اپنا مکان ساڑھے چار سو میں بعوض دین مہر اپنی اہلیہ کو دے دیا اور اس وقت تک وہ قطعی قرضدار نہ تھا اداۂگی مہر کے چار سال بعد مقروض ہو گیا اور قرض خواہوں نے نو سال بعد عدالت میں چارہ جوئی کر کے ڈگری کرائی اور مکان قرق کرا کر نیلام کرانا چاہتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے اپنی غیر منقولہ جائیداد اپنی زوجہ کو ساڑھے چار سو روپے میں بعوض مہر دیدی مگر دراصل قیمت خرید جائیداد پانچ سو تیس روپے تھی کیا زید ایسا کر سکتا ہے؟ المستفتی نمبر ۳۰۶ حافظ احمد جنگل پور ۲۲

---

(۱) ولوا عار ارضا للبناء والغرس صح للعلم بالمنفعة وله ان يرجع متى شاء لما تقرر انها غير لازمة (التنوير مع الدرالمختار كتاب العارية ۵ : ۶۸۱ ، ط. سعيد)

(۲) قال ذواليد اشتريته او اتهبته من الغائب او لم يدع الملك المطلق بل ادعى عليه الفعل وفي الشامية (قوله وقال ذواليد) حاصل هذه ان المدعى ادعى في العين ملكا مطلقا فانكره المدعى عليه فبرهن المدعى على الملك فدفعه ذواليد بانه اشتراها من فلان الغائب و برهن عليه لم تندفع عنه الخصومة يعني فيقضى القاضي ببرهان المدعى لانه لما زعم ان يده يدملك اعترف بكونه خصما (الدر المختار كتاب الدعوى ۵ : ۵۶۸ ، ط. سعيد)

(۳) ولا يقضى على غائب ولا له اى بالبينة سواء كان غائبا وقت الشهادة او بعدها او بعد التزكية و سواء كان غائبا عن المجلس او عن البلد (الدر المختار كتاب القضاء ۵ : ۴۰۹ ، سعيد)

جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۵۹) (۱) جب کہ اس قرض کے وجود سے پہلے وہ مکان اپنی بیوی کو مہر میں دے چکا تو بعد کے قرض خواہ اس مکان کو اپنے قرضے میں نہیں لے سکتے۔[1] (۲) اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

کاشت کے لئے دی ہوئی زمین پر کاشتکار کے وارثوں کے قبضہ کا حکم

(سوال) زمین دار دائن کی اراضی پہ قبضہ کاشتکار بطور کاشت موروثی کئی پشت سے چلی آتی ہے۔ کاشتکار نے موروثی مذکور پر قبضہ دائن زمیندار کو دیدیا اور شرط مابین دائن و مدیون یہ طے پائی ہے کہ جس وقت اصل روپیہ کاشتکار مدیون زمیندار دائن کو ادا کردے تو اس وقت زمیندار کاشت موروثی مذکور کو یہ قبضہ واپس دیدے گا۔ آیا ازروئے شرع شریف کاشت موروثی پر جو قبضہ کاشتکار یا اس کے مورث کا مطابق قانون مروجہ چلا آتا ہے وہ جائز ہے یا نہیں اور صورت مسئولہ میں زمیندار دائن کا اپنے کاشتکار کی کاشت مذکورہ بالا سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

فقط بینوا توجروا المستفتی نمبر ۵۸۱ عبدالغفور الہ آباد ۱۴ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۵ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۶۰) کاشتکار کا موروثی قانونی قبضہ مالک کی مرضی کے خلاف ناجائز اور حرام ہے[3] زمیندار نے جو کچھ روپیہ دیکر حق کاشتکاری کا رہن لیا ہے یہ معاملہ بھی کاشتکار کے حق میں حرام ہے مگر زمیندار کے حق میں اس زمین سے نفع اٹھانا جائز ہے کیونکہ وہ بحق مالکیت اس زمین سے نفع اٹھانے کا مستحق ہے[4] (جس سے اس کو ایک قانون غیر مشروع نے روک رکھا ہے) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

پہلے متولی کے ذمے وقف کے دیون میں کمی کرنے کا حکم

(سوال) زید نے ایک اسلامی وقف کو (جس پر واقف کے اہل خاندان قابض ہو کر تنسیخ وقف کی کوشش کررہے تھے) مسلسل سولہ سال مقدمہ بازی کے بعد وقف ثابت کرایا اور اگرچہ مصارف مقدمہ کے لئے اپنے بعض احباب سے چندہ بھی لیا تاہم خود زید کے بھی ہزار ہا روپے پیروی مقدمہ میں صرف ہوئے اس کے علاوہ مقدمہ کی مصروفیت وانہماک کے باعث زید کے کاروبار کا بہت نقصان ہوا بعد فراغت مقدمہ زید

---

(۱) اس لئے کہ وہ زوجہ کی ملکیت ہو گیا ہے اور قرض خواہ مقروض کی مملوک چیز لے سکتا ہے نہ کہ اس کی بیوی کی۔

(۲) کیونکہ یہ زیادۃ فی المہر ہے وفی الدر "او زید علی ما سمی فانها تلزمه شرط قبولها فی المجلس او قبول ولی الصغیر و معرفة قدرها و بقاء الزوجیة علی الظاهر (الدرالمختار باب المهر ۳/ ۱۱۱ ط، سعید)

(۳) اصل ضابطہ شرعیہ اس بارے میں یہ ہے کہ ہر ایک اجارہ مدت اجارہ ختم ہونے پر یا احد المتعاقدین (کرایہ دار یا زمیندار) کی موت سے ختم ہو جاتا ہے پھر کرایہ دار کو قبضہ باقی رکھنے کا کوئی حق نہیں رہتا کما هو مصرح فی عامة المتون والشروح والفتاوی " و تنفسخ بلا حاجة الی الفسخ بموت احد عاقدین عندنا لابجنونه مطبقا عقدها لنفسه (الدرالمختار کتاب الاجارة ۶/ ۸۳، ۸۴ ط سعید)

(۴) اس لئے کہ اس صورت میں مدیون نے دین لے کر خود دائن کی مملوک زمین اس کے پاس رہن رکھوائی ہے جب کہ مدیون رہن میں اپنی ملک رکھ سکتا ہے، نہ کہ خود دائن کی ملکیت۔

جائیداد موقوفہ پر بحیثیت متولی قابض ہو کر اس کی آمدنی وصول کرتا رہا۔ چونکہ سولہ سال مقدمہ چلتا رہا اس دوران میں جائیداد وقف کی حالت نہایت خراب ہو گئی تھی زید نے آمدنی وقف سے اس کی مرمت و درستی کرائی اور دو بنگلے پختہ از سر نو تعمیر کرائے اور ایک مکان بھی تعمیر کرایا۔ جس وقت جائیداد وقف پر زید کو قبضہ ملا مبلغ ایک سو تئیس روپے ماہوار آمدنی تھی لیکن زید کے مساعی سے مبلغ پانچ سو تیس روپے ماہوار آمدنی ہونے لگی زید نے آمدنی وقف سے نہ مصارف مقدمہ وصول کئے نہ اپنے کاروبار کے عظیم الشان نقصان کا کوئی معاوضہ لیا بلکہ باوجود ہدایت وقف نامہ وقف سے اپنی تنخواہ لینا بھی گوارا نہ کیا۔ اور چونکہ زید نہایت رقیق القلب اور نیک نفس واقع ہوا ہے اس لئے واقعی اور مصنوعی اہل حاجات اس کے پاس آ آ کر اپنے دردناک حالات بیان کر کر کے اس کی ذاتی چھ سات سو روپے ماہوار کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ اور آمدنی وقف اس سے وصول کرتے رہے لیکن زید نے ان مصارف کو حساب وقف میں شامل و درج نہیں کیا جس کے باعث وقف کی ایک بڑی رقم زید کے ذمہ واجب الادا ہو گئی۔ بالآخر زید عہدہ تولیت سے مستعفی ہو گیا اور مسلمانوں نے زید کی جگہ عمرو کو متولی مقرر کر لیا اب زید کی اولاد عمرو سے یہ چاہتی ہے کہ وقف کی جو رقم زید کے ذمہ واجب الادا ہے اس میں سے تخمیناً پانچواں حصہ کم کر دے اگر کمی نہ کی تو زید کے حالات نازک ہو جانے کا غالب گمان ہے عام طور پر قرض خواہ مدیون کے تعلقات وخصوصیات کو ملحوظ رکھ کر کمی پر معاملہ طے کر لیتے ہیں عدالتوں میں اس قسم کے فیصلے روزانہ ہوتے رہتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی** نمبر ۹۷۹ محمد خلیل الرحمن صاحب نظامی پٹکاپور کانپور ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ۱۸ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۹۹) ذاتی دیون میں دائن کا مدیون سے کمی پر فیصلہ کر لینا بلاشبہ جائز اور مستحسن ہے [1] مگر وقف کا معاملہ اور متولی کے اختیارات جداگانہ نوعیت رکھتے ہیں۔ اس کو حق نہیں کہ متولی سابق کے ذمہ وقف کی جو رقم ہے اس میں سے کچھ چھوڑ دے [2] ہاں صورت مذکورہ میں اگر بیان سائل صحیح ہے تو متولی سابق نے جو رقوم کہ خرچ کی ہیں وہ خرچ تو مصارف وقف میں کیں مگر ان کو اپنی نیک نفسی کی وجہ سے وقف کے حساب میں نہیں لکھا متولی حال ایسی رقوم کو وقف کے حساب میں شامل کر کے مطالبہ میں سے منہا کر سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

قرض ادا نہ کرنے کی آخرت میں سزا

(سوال) اگر کسی شخص نے کسی شخص سے روپیہ بطور ادھار لیا اور اس نے جس سے روپیہ لیا نہ دیا تو کیا ہوگا۔

---

(۱) ندب الی ان یتصدقوا برؤس اموالھم علی من اعسر من غرمائھم او بعضھا لقولہ تعالی وان تعفوا اقرب للتقوی و قیل ارید بالتصدیق الا نظار لقولہ علیہ السلام لا یحل دین رجل مسلم فیؤخرہ الا کان لہ بکل یوم صدقۃ (تفسیر کشاف للزمخشری سورۃ البقرۃ ۱/۳۲۳ ط بیروت)

(۲) کیونکہ متولی کے لئے ہر حال میں انفع للوقف پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ کما فی الدر : متولی ارض الوقف آجرھا بغیر اجر المثل یلزم مستاجرھا ای مستاجر ارض الوقف لا المتولی تمام اجر المثل یفتی بالضمان فی غصب عقار الوقف و غصب منافعہ و کذا یفتی بکل ماھو انفع للوقف (الدر المختار کتاب الاجارۃ ۶/۲۱ ط سعید)

المستفتی نمبر ۱۲۹۸ منشی عظمت اللہ خاں صاحب (ضلع بجنور) ۴ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۱۸ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۲) اگر روپیہ لینے والے نے روپیہ دائن کو نہ دیا تو قیامت میں اس کی نیکیاں دائن کو ملیں گی اور اگر مدیون کے نامہ اعمال میں نیکیاں نہ ہوئیں تو دائن کی برائیاں بقدر حق کے مدیون پر ڈال دی جائیں گی۔[1]

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مدعی کے ذمہ گواہ اور مدعی علیہ کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا

(سوال) زید کے کچھ روپے عمر کے ذمہ واجب ہیں جب زید نے عمر سے تقاضا کیا تو عمر نے کچھ سامان تجارت زید کو دیا کہ تم اس کو فروخت کر کے اپنا روپیہ لے لو۔ زید نے صرف یاد ذہنی پر اعتماد کرتے ہوئے وہ سامان لے لیا۔ بعد ازاں زید نے وہ سامان محمود کو دیا کہ تم اس کو فروخت کر دو تو کچھ کمیشن تم کو بھی دیدی جائے گی جب وہ سامان فروخت نہ ہوا تو محمود نے زید کو واپس کیا اور زید نے مالک سامان عمر کو واپس کیا اب عمر کہتا ہے کہ میرا سامان کم ہے تم اس کو پورا کرو زید اپنے وکیل محمود سے کہتا ہے کہ یہ حقیقۃً نقصان ہے یا اتہام و سہو ہے بہر حال تم اس تاوان کے متحمل ہو گے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا اس تاوان کا متحمل زید ہوگا کہ جس سے اصل معاملہ ہے یا محمود متحمل ہوگا کہ جو زید کا وکیل ہے اگر محمود اپنی یاد کر کے کچھ اس تاوان کو ادا نہ کرے یا زید اپنی یاد صحیح کی بنا پر عمر کو تاوان نہ ادا کرے تو عند اللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۳۵۸ھ قاری عزیز یزدان صاحب دیوبندی ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ ۱۲ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۳) زید اور عمر کے اختلاف میں عمر کا قول معتبر نہ ہوگا بلکہ زید کا قول مع حلف کے معتبر ہوگا اگر زید اس بات پر حلف کرلے کہ سامان اتنا ہی تھا تو زید کے ذمے مزید سامان لازم نہ ہوگا ہاں عمر اگر شہادت سے ثابت کردے تو پھر زید کا بیان اور حلف معتبر نہ ہوگا اسی طرح زید اور محمود کے اختلاف میں اگر زید شہادت سے ثابت نہ کر سکے تو محمود کا قول مع قسم کے معتبر ہوگا۔[2] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قرض واپس کرنے سے پہلے نفع پہنچانے کی شرط سے قرض لینا

(سوال) ایک شخص پچاس روپیہ مانگتا ہے اور یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں ان روپوں سے بکرے وغیرہ خرید کر

---

(۱) وعنه ان رسول الله ﷺ قال اتدرون ما المفلس قالوا المفلس فينا من لا درهم له ولا متاع فقال ان المفلس من امتي من ياتي يوم القيامة بصلوة و صيام و زكوة و ياتي قد شتم هذا وقذف هذا واكل مال هذا و سفك دم هذا و ضرب هذا فيعطى هذا من حسناته و هذا من حسناته فان فنيت حسناته قبل ان يقضي ما عليه اخذ من خطاياهم فطرحت عليه ثم طرح في النار (رواه مسلم كذافي المشكوة ۲ / ۴۳۵ ، ط . سعيد)

(۲) عن ابن عباس عن النبي ﷺ قال لو يعطى الناس بدعواهم لادعى ناس دماء رجال واموالهم ولكن اليمين على المدعى عليه و في شرحه للنووي انه قال و جاء في رواية البيهقي باسناد حسن او صحيح زيادة عن ابن عباس مرفوعا لكن البينة على المدعي و اليمين على من انكر (مشكوة ۳۲۶ ط سعيد)

بکر عید پر فروخت کروں گا تب تمہارے روپے دوں گا، اور تم کو ایک بکرا ان بکروں میں سے جو میں خرید کر لاؤں گا فوراً ہی دیدوں گا باقی بکرا　　　کے حساب تم کو دیدوں گا کیا یہ درست ہے؟ فقط المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی۔

(جواب ۱۶٤) یہ صورت تو جائز نہیں[1] ہاں یہ صورت جائز ہو گی کہ پچاس روپیہ لے کر وہ بکرے لائے اور فروخت کرے اور منافع میں سے ایک معین حصہ روپیہ والے کو دے۔ مثلاً ۸/ فی روپیہ یا ۶/ فی روپیہ یا ۴/ فی روپیہ غرض جو آپس میں طے ہو جائیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

مقروض اور قرض خواہ کی وفات کے بعد قرض کا کیا کریں گے؟

(سوال) زید سے عمر نے بیس روپے قرض لئے تھے۔ زید کا انتقال ہو گیا ہے تو اب زید کے ورثاء میں سے کس کس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ عمر سے قرض کا روپیہ وصول کریں اور اگر عمر مر جائے تو پھر زید کس سے تقاضا کرے۔ المستفتی نمبر ۱۹۳۵ حافظ غلام حسین صاحب (ریاست جیند) ۲۰ شعبان ۱۳۵٦ھ ۲٦ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱٦۵) زید دائن کے انتقال کے بعد اس کے وارث اپنے اپنے حصے کے لائق دین کا مطالبہ مدیون سے کر سکتے ہیں[3] اور مدیون کا انتقال ہو جائے تو اس کے ترکہ میں سے دائن اپنے دین کا مطالبہ کر سکتا ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مرض الوفات میں وارث کے لئے قرض کے اقرار کا حکم

(سوال) زید کے چند وارث ہیں زوجہ مسماۃ ہندہ' اور دو برادر حقیقی خالد و بکر ہیں۔ زید نے بحالت مرض الموت ہندہ اور خالد کی غیر موجودگی میں یہ اقرار کیا کہ میرے ذمے برادر خورد بکر کا پانچ ہزار روپے کا قرضہ ہے ایک فہرست اپنی اشیائے منقولہ کی مرتب کی جس کی قیمت پانچ ہزار روپے ہوں۔ اور زید نے ان تمام اشیاء کو اس قرضے میں دیگر ہر دو ورثہ کی عدم موجودگی میں صیغہ رجسٹری میں رجسٹری کرا دی۔ زید کے انتقال کے چند ماہ بعد خالد کو اس رجسٹری کا علم ہوا تو اس کی تصدیق نہیں کی بلکہ ان اشیاء میں اپنی حقیت کا دعویٰ عدالت شرعیہ میں دائر کر دیا۔

---

(۱) کل قرض جر نفعا حرام' فی رد المحتار' ای اذا کان مشروطا کما علم مما نقله عن البحر وعن الخلاصة و فی الذخیرة ان لم یکن النفع مشروطا فعلی قول الکرخی لا باس به (الدرالمختار' فصل فی القرض ۵/ ۱٦٦ ط سعید)
(۲) لیونکہ اس صورت میں یہ عقد مضاربت ہونے کی وجہ سے جائز ہو جائے گا' وفی الدر: هی عقد شرکة فی الربح بمال من جانب و عمل من جانب' و فیه ایضا و شرطها کون راس المال من الاثمان　　الی قوله　　وکون الربح بینهما شائعا فلو عین قدرا فسدت (الدرالمختار' کتاب المضاربة ۵/ ٦٤۵ ط سعید)
(۳) کیونکہ اب دین کے مالک ورثہ ہیں۔
(٤) ثم تقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العباد (الدرالمختار' کتاب الفرائض ٦/ ۷٦۰ ط سعید)

اب دریافت طلب یہ امور ہیں :

(۱) زید کا مرض الموت کی حالت میں اپنے وارث کے قرضہ کا اقرار کرنا شرعاً معتبر ہے یا نہیں ؟

(۲) بکر کا تردید دعوی میں رجسٹری عدالت مجاز کا پیش کرنا شرعاً مستند ہے یا نہیں ؟

(۳) جو اقرار نامہ قانون شرعی کے خلاف مرتب ہو اس کے باطل کرنے کا شریعت کو حق ہے یا نہیں ؟

المستفتی نذیر احمد خاں ۱۱ صفر ۱۳۶۴ھ

(جواب ۱۶۶) وارث کے لئے اقرار بالدین مرض الموت میں معتبر نہیں الا یہ کہ دوسرے وارث اسے تسلیم کرلیں۔ لو اقرالمریض لوارثہ لا یصح الا ان یصدقہ فیہ بقیة ورثة (ھدایة)[1]

رجسٹری کا پیش کرنا مفید نہیں کیونکہ رجسٹری کا زیادہ سے زیادہ فائدہ یہ ہے کہ اقرار کا ثبوت ہو جائے تو اقرار ثابت ہونے پر بھی وہ ناقابل اعتبار اور ناقابل عمل ہوگا۔[2]

یقیناً یہ اقرار نامہ باطل ہو جانے اور باطل کئے جانے کا مستحق ہے جب کہ مرض الموت میں اس کا لکھا جانا ثابت ہو جائے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا قرض ادا نہ کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی ؟

(الجمعیة مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) (۱) ایک شخص نے چار سو روپیہ قرض حسنہ دیکر ایک شخص کو ملازم کرایا اس نے بیس سال تک رسالہ کی ملازمت کی اور وعدہ کیا کہ پنشن ملنے پر یہ روپیہ اسامی کا ادا کر دوں گا اور پھر بدنیتی سے چار سو روپیہ ادا نہ کیا اس کا نماز روزہ مقبول ہے یا نہیں ؟ اور اس کا جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟

(۲) اگر بدنیتی سے قرضہ ادا نہ کرے اور فوت ہو جائے روز جزا میں کس قدر نیکیاں قرض خواہ کو ملیں گی ؟

(جواب ۱۶۷) (۱) ایسا شخص جس نے باوجود قدرت اور موقع میسر ہونے کے قرض ادا نہیں کیا سخت ظالم اور فاسق ہے مگر اس کا جنازہ پڑھنا چاہئے[4] بغیر جنازہ پڑھے اس کو دفن نہیں کرنا چاہئے رہا یہ کہ اس کا نماز روزہ مقبول ہے یا نہیں تو اس کا معاملہ حضرت حق تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ بعض گناہ (جن میں لوگوں کا مال ناحق ہضم کر لینا بھی ہے) نماز اور دوسری عبادات کے فائدہ کو باطل کر دیتے ہیں۔

(۲) کس قدر نیکیاں ملیں گی اس کا اندازہ حضرت حق تعالیٰ ہی فرمائیں گے۔ ہاں قرض خواہ کو قرضدار کی نیکیاں ملیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوں تو قرض خواہ کے گناہ قرضدار پر ڈالے جائیں گے۔[5]

---

(۱) ھدایة کتاب الاقرار باب اقرار المریض ۳/۲۴۲ ط سعید

(۲) اقرار بالدین للوارث فی حالة مرض الموت باطل ہے لما فی الدر : وان اقرّ المریض لوارثہ بفردہ او مع اجنبی بعین او دین بطل خلافا للشافعی ولنا حدیث لا وصیة لوارث ولا اقرار لہ بدین (الدرالمختار کتاب الاقرار ۵/۶۱۳ ط سعید)

(۳) (ایضاً بحوالہ بالا) (۴) وھی فرض علی کل مسلم مات خلا اربعة : بغاة و قطاع طریق (الدرالمختار باب صلاة الجنائز ۲/۲۱۰ ط سعید) (۵) کما فی حدیث: فیعطی ھذا من حسناتہ وھذا من حسناتہ فنیت حسناتہ قبل ان یقضی ما علیہ اخذ من خطایاھم فطرحت علیہ ثم فی النار (رواہ مسلم مشکوة ۱/۴۳۶)

کیامدیون کے کپڑوں کو قرض کے عوض استعمال کیا جاسکتا ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک شخص کسی کا مقروض ہے اور وہ کسی وجہ سے فرار ہو گیا اور اس کے کپڑے وغیرہ رہ گئے تو قرض خواہ اس کے کپڑوں کو استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۶۸) مدیون کے کپڑوں کو استعمال کرنا تو جائز نہیں[1] ہاں اپنے روپے کے وصول کرنے کے لئے اس کے اسباب اور کپڑوں کو اپنے قبضہ میں رکھنا جائز ہے۔[2] محمد کفایت اللہ غفر لہ'۔

دوسرا باب
دخلی رہن

زمین یا باغ کو رہن رکھنا اور اس سے نفع اٹھانا

(سوال) زمین یا باغ رہن رکھنا اور اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں اور اس قسم کا رہن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۱۶۹) زمین یا باغ کا رہن رکھنا اور اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں شرط کر کے یا بلا اجازت راہن فائدہ اٹھانے کی حرمت تو ظاہر ہے اور غیر مشروط ہونے کی حالت میں اجازت راہن کے بعد فائدہ اٹھانے کی اس لئے ممانعت ہے کہ یہ اجازت حقیقی اجازت نہیں ہوتی بلکہ دباؤ یا ضرورت کی وجہ سے راہن مجبوری کو اجازت دیدیتا ہے[3] اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر مرتہن پھر راہن سے یہ کہہ دے کہ بھئی کوئی زبردستی نہیں ہے چاہو تم اجازت دو اور چاہو تو یہ منافع خود حاصل کرتے رہو تو اس حالت میں راہن منافع مرہون مرتہن کو دینا اکثری طور پر گوارا نہ کرے گا اگر کرے تو سمجھ لو کہ اس کی اجازت واقعی اجازت ہے ورنہ نہیں۔ **قلت والغالب من احوال الناس انهم انما يريدون عند الدفع الا نتفاع ولو لا ہ لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع والله تعالى اعلم** (رد المحتار ص ۳۳۸ ج ۵)[4]

---

(۱) كل قرض جر نفعاً فهو ربا (الدر المختار' فصل في القرض ۵ / ۱۶۶ ، ط، سعيد)
(۲) یعنی بطور رہن کے اور اگر چاہے تو اسے اپنے دین کے بدلے میں شمار کر کے اپنی ملک میں بھی لے سکتا ہے وفي الشامية . قال الحموى في شرح الكنز' نقلاً عن المقدسي عن جده الاشعر عن شرح القدورى للا خطب' ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم والفتوى اليوم على جواز الا خذ القدرة من اى مال كان(رد المحتار' كتاب الحجر ۶ / ۱۵۱ ط سعيد) (۳) لا يحل له ان ينتفع بشئ منه بوجه من الوجوه وان اذن له الراهن لانه اذن له في الربا لانه يستو في دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلاً فيكون رباً فهذا امر عظيم (الدرالمختار' كتاب الرهن ۶ / ۴۸۲ ط سعيد)
(۴) (ردالمحتار' كتاب الرهن ۶ / ۴۸۲ ط سعيد)

مرتھن کا رہن رکھی ہوئی چیز سے نفع اٹھانا

(سوال) (۱) ایک شخص نے دوسرے شخص کے پاس اپنی زمین سوروپے کے عوض گرور کھی۔ اس شرط پر کہ تیس برس کے بعد ہم روپیہ دیکر زمین واپس کرلیں گے اور اس درمیانی مدت میں جو کچھ پیداوار کا منافع ہو وہ اپنے تصرف میں لائے اور مالگذاری ادا کرے۔

(۲) اسی طرح کوئی شخص اپنی گائے بکری دودھ والی دس روپے کے عوض کسی کے پاس رہن رکھے اور یہ کہے کہ جب ہم روپیہ دیں گے اس وقت گائے بکری واپس لیں گے اور دودھ اس مدت میں جو ہو مرتھن کھائے اور وہی اس جانور کو خوراک دے اس طرح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۱۷۰) رہن کی یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں کیونکہ رہن میں مرتھن کو فقط حق حبس ہوتا ہے اور شرط انتفاع مفضی الی الربا ہے مرہون کے منافع اور زوائد راہن کی ملک ہیں اسی طرح اس کا نفقہ بھی راہن کے ذمے پس مرتھن زمین مرہونہ کی آمدنی یا جانور مرہون کے دودھ میں سے صرف اس قدر لے سکتا ہے جس قدر زمین کا سرکاری لگان ادا کرنا پڑے۔ یا جانور کی خوراک میں صرف ہو۔ لا (یحل للمرتھن) الانتفاع به مطلقا لا باستخدام ولا سکنیٰ ولا لبس ولا اجارة ولا اعارة الخ(درمختار) قلت والغالب من احوال الناس انهم انما یریدون عند الدفع الا نتفاع ولو لاه لما اعطاه الدراهم وهذا مما یعین المنع والله تعالیٰ اعلم انتهیٰ مختصرا (ردالمحتار)[1] و نفقة الرهن والخراج والعشر علی الراهن (درمختار) قوله و نفقة الرهن کمأکله و مشربه وکسوة الرقیق واجرة ظئر ولد الرهن الخ(ردالمحتار)[2] محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرس مدرسہ امینیہ سنہری مسجد، دہلی۔

کیا ہندو کی رہن رکھی ہوئی چیز سے مسلمان مرتھن نفع اٹھا سکتا ہے؟

(سوال) ایک ہندو اپنی زمین جس میں وہ کاشت کرتا ہے ایک مسلمان حنفی کے یہاں رہن رکھنا چاہتا ہے آیا وہ مسلمان اس زمین کو رہن رکھ کر اس زمین سے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۴۳ عمر الدین خاں بچھمن گڈھ، ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ م ۱۲ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۷۱) اصل میں تو دخلی رہن ناجائز ہے بعض علماء ہندوستان کو دارالحرب قرار دیکر کفار کے ساتھ ایسے معاملہ کو جائز کہتے ہیں جس میں غیر مسلم سے اس کی رضامندی کے ساتھ کوئی نفع حاصل ہو جائے۔ میں تو احتیاط اس کے ترک میں ہی سمجھتا ہوں۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الرهن ۶/ ۴۸۲، ط سعید)
(۲) (الدر المختار، کتاب الرهن ۶/ ۴۸۷ ط سعید)
(۳) (دارالحرب کے متعلق تفصیلی بحث ص ۰۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

مرہون شئی سے نفع کی شرط کے لکھنے کی اجرت کا حکم

(سوال) کاتب الرہن کو رہن نامے کے لکھنے پر اجرت لینی جائز ہے یا نہیں جب کہ یہ معلوم ہو کہ رہن رکھنے والا شئی مرہون سے یقیناً فائدہ اٹھائے گا۔ المستفتی نمبر ۲۵۲ مولوی عبدالوہاب خرکی ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ ۲۱ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۷۲) اگر رہن نامہ میں بھی نفع اٹھانے کی شرط لکھی جائے تو اس کی کتابت اور کتابت کی اجرت ناجائز ہے[1] اور یہ شرط تحریر نہ ہو تو پھر کاتب کے لئے رہن نامہ کی کتابت اور اس کی اجرت لینی جائز ہے۔[2]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

مکان کو نفع اٹھانے کی غرض سے رہن رکھنا

(سوال) اگر کوئی شخص اپنے روپے سے کوئی مکان رہن اس شرط سے رکھے کہ اس کی آمدنی خود کمائے گا اس طرح رہن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۶۵ ماسٹر یونس خاں لاہور ۸ محرم ۱۳۵۳ھ م ۲۳ اپریل ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۷۳) شے مرہون سے مرتہن کو نفع اٹھانا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ بھی سود کا حکم رکھتا ہے۔[3]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

زرعی زمین پر رہن رکھنے کا حکم

(سوال) زمین زرعی (زرخیز) رہن لینی دینی جائز ہے یا نہیں؟ اگر مرتہن اپنے ذمہ خرچ چاہ کی مرمت و خرچ سرکاری معاملہ وغیرہ لے لے تو کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۲۶۶ محمد طاہر صاحب (ضلع گورداسپور) ۱۴ محرم ۱۳۵۳ھ م ۲۹ اپریل ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۷۴) زرعی زمین رہن رکھنی جائز ہے مگر مرتہن کو اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں[4] زمین مرہونہ پر جو مصارف مرتہن کرے اسی قدر مصارف راہن سے لے سکتا ہے بشرطیکہ وہ مصارف راہن کی اجازت سے لئے ہوں[5] اس سے زیادہ نفع حاصل کرنا سود کے حکم میں ہے۔[6] محمد کفایت اللہ

---

(۱) کیونکہ رہن سے نفع اٹھانا ناجائز ہے لہذا نفع اٹھانے کی شرط سے رہن رکھنا جائز نہیں اس لئے اس ناجائز شرط کو لکھنا اور اس کی اجرت لینا بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ ایک ناجائز کام کی معاونت ہے ناجائز کام کی اجرت کی طرح اس کی اجرت بھی حلال نہیں۔

(۲) جیسا کہ مفتی کو کتابت فتوی پر اجرت لینا جائز ہے فی الدر و یستحق القاضی الاجر علی کتب الوثائق قدر ما یجوز لغیرہ کالمفتی فانہ یستحق الاجر المثل علی کتابۃ الفتوی (الدر المختار کتاب الاجارۃ ۶/ ۹۲ ط سعید)

(۳-۴) لا الانتفاع بہ مطلقا الا باذن کل للآخر و قیل لا یحل للمرتہن لانہ ربا و قیل ان شرطہ کان ربا و الا لا (الدر المختار کتاب الرہن ۶/ ۴۸۲ ط سعید)

(۵) و کل ما وجب علی احدھما فافادہ الآخر کان متبرعا الا ان یامرہ القاضی و یجعلہ دیناً علی الآخر (درمختار کتاب الرہن ۶/ ۴۸۷ ط سعید)

(۶) کیونکہ یہ قرض پر نفع ہے جو ربا کی قسم سے ہے۔

مرہون مکان کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے

(سوال) اگر ایک مکان ایک شخص کے پاس رہن یا قبضہ ہو اور مرتہن وہ مکان راہن کو کرایہ پر دیدے اور بوقت بیع کرایہ مکان راہن سے زر بیع میں مجرا کرلیوے آیا ایسی بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں اور ایسا کرایہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسا کرایہ شرعاً بیاج یار بوا شمار ہوگا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۸۰۳ شیخ محمد عبدالرشید (ملتان) ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲ امارچ ۱۹۳۶ء۔

(جواب ۱۷۵) یہ کرایہ بیاج ہے۔ کیونکہ مرتہن کو مرہون سے نفع حاصل کرنا درست نہیں۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مرہون زمین کا نفع حاصل کرنا ناجائز ہے

(سوال) زمین رہن ہے اور اس کا منافع یا سود کھانا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۴۲۹ حکیم تجمل حسین صاحب (ضلع گوجرانوالہ) ۲۸ صفر ۱۳۵۶ھ ۱۰ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۷۶) زمین رہن رکھ کر اس کا منافعہ کھانا جائز نہیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مرتہن کا مرہون زمین یا مکان سے نفع اٹھانا

(سوال) زمین و مکان رہن رکھنے کی شرعی صورت کیا ہے رہن سے فائدہ کون اٹھائے گا اور کس تعیین و تفصیل کے ساتھ؟ المستفتی نمبر ۱۹۳۵ حافظ غلام حسین صاحب ریاست جیند' ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۷۷) مکان' زمین وغیرہ رہن رکھنا جائز ہے مگر مرتہن کو مرہون سے نفع اٹھانا جائز نہیں۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا مرتہن مرہون مکان کا کرایہ ادا کر سکتا ہے؟

(سوال) (۱) زید نے بکر سے کچھ زمین رہن لی اور لیتے وقت یہ آپس میں معاملہ طے کرلیا کہ سرکاری مالگذاری کے وقت میں تمہاری زمین کا ۲ بیگھہ کے حساب سے کرایہ ادا کرتا رہوں گا۔ تمہاری زمین میرے پاس بمنزلہ کرایہ پر رہے گی اب جواب طلب یہ بات ہے کہ زید کے لئے اس زمین کی آمدنی جائز ہوگی یا نہیں اور اس زمین کی پیداوار میں زید پر عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

(۲) دوسری صورت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ زید نے بکر سے یہ بات طے کرلی کہ جو میرے روپے تمہارے ذمہ ہیں فی روپیہ تمہاری زمین کو ایک سال استعمال کروں گا مثلاً پچاس روپے میں ایک بیگھہ زمین لی

(۱-۲-۳) فی الدر : لا الانتفاع به مطلقاً الا باذن (الدر المختار ٦/ ٤٨٢)

تو پچاس سال اس زمین کو زید استعمال کرے گا بعد میں بلا روپیہ بکر کی زمین چھوڑ دے گا۔ المستفتی نمبر ۲۱۷۲ مولوی ہدایت خاں صاحب (گوڑگانوہ) ۸ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ ۲۶ مارچ ۱۹۴۲ء

(جواب ۱۷۸) زید مرتہن ہے اس نے بکر کی زمین رہن لی ہے تو زید کا زمین پر قبضہ رہن کا قبضہ ہے اس کو قبضہ اجارہ نہیں کہہ سکتے اب اگر وہ بکر کو زمین کا کرایہ (۲ فی بیگہ یا کم و بیش) دے کر زمین کو کرایہ پر اپنے پاس سمجھتا ہے تو اس کا قبضہ قبضہ رہن نہیں قبضہ اجارہ ہوگا اور زمین رہن سے خارج ہو جائے گی بہر صورت یہ صورت جائز نہیں [1] کیونکہ رہن سے نفع اٹھانے کا یہ حیلہ تراشا گیا ہے جو حقیقت سے بہت دور ہے۔

(۲) اگر رقم کو زمین کے کرایہ کی رقم قرار دی جائے یعنی راہن کے ذمہ رقم باقی اور قائم نہ رہے تو یہ کرایہ کا معاملہ ہوگا [2] اور اس میں صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ زمین کا کرایہ کس قدر رواجی ہے مثلاً ۸ یا ۱۰ فی بیگہ کی زمین ہے تو اس کو ۲ یا ۱ کے حساب سے چالیس پچاس سال کے لئے کرایہ پر لے لینا درست ہے کہ اتنی کی بیشی اس قدر طویل اجارے میں جب کہ اجرت پیشگی ادا کر دی جائے کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے لیکن اگر زمین کا معمولی کرایہ بیگہ ہو اور لی صرف ایک روپیہ یا بیگہ تو یہ صورت قضاءً تو نافذ ہو جائے گی مگر دیانۃ مروت و ہمدردی کے خلاف ہونے کی وجہ سے کراہت سے خالی نہ ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دین کے بدلے زمین کرایہ پر لینا

(سوال) زید سے عمرو زمین اس شرط پر رہن لے رہا ہے کہ سالانہ پانچ یا دس روپے اپنی اس رقم سے جو کہ زمین پر دی ہے میں تجھے چھوڑ دیا کروں گا جب میری رقم اس طرح سے پوری ہو جائے گی تو زید اپنی زمین پر بلا پیسے قابض ہو جائے گا اور رقم پوری ہونے سے پہلے جو کہ باہم طے ہوا ہے زید زمین لے تو طے شدہ سالانہ رقم زید کو چھوڑ کر بقایا رقم عمرو زید سے لے لے تو شرعاً یہ رقم لینی اور اس شرط پر زمین رہن کرنی جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۷۹) زمین پر مرتہن کو صرف قبضہ کرنا جائز ہے اس کو کاشت کرنا یا کاشت کے لئے کسی کو دینا جائز نہیں [3] اور اگر خود کاشت کرے تو اس کا پورا کرایہ راہن کو ادا کرے یا اس کی رقم میں سے وضع کرے اور اگر کسی دوسرے کو کاشت کے لئے دی ہے تو اس کا پورا معاوضہ راہن کو دے یا رقم رہن میں سے وضع کرے۔ [4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) لا الانتفاع به مطلقاً الا باذن الخ (الدرالمختار' كتاب الرهن ٦/ ٤٨٢ ط سعيد)

(۲) وتصح اجارة ارض للزراعة مع بيان ما يزرع عنها او قال على ان ازرع فيها ما اشاء (الدالمختار' كتاب الاجارة ٦/ ٢٩ ط سعيد)

(۳) لا الانتفاع به مطلقاً الا باذن (الدرالمختار' ٦/ ٤٨٢ ط سعيد)

(۴) اس لئے کہ اس رقم کا اصل مستحق راہن ہی ہے جو کہ اس صورت میں مؤجر ہے اور جس رقم پر زمین اجارے پر لی جائے مؤجر کو دینا ضروری ہوتا ہے۔

مرتہن مرہونہ زمین کی مالگذاری راہن سے لے سکتا ہے .

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) اگر کوئی قرض دار اپنی زرعی اراضی مجبوری کے واسطے رہن کرے اور قرض خواہ مجبوراً اس کی مالگذاری ادا کرتا رہے اور رہن بالقبض تاادائے زر قرضہ کرے تو درست ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۸۰) مرتہن کو شئی مرہون سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔[1] ہاں جس قدر روپیہ مالگذاری میں مرتہن ادا کرے اس قدر روپیہ راہن سے وصول کر سکتا ہے۔[2] محمد کفایت اللہ غفرلہ'

رہن رکھی ہوئی زمین سے مرتہن کا نفع حاصل کرنا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) (۱) جائیداد غیر منقولہ کو مالک سے بعوض کسی رقم کے مرتہن اس خواہش اور نیت سے رہن لیکر رہن نامہ تحریر کردے کہ مرہونہ کے منافع اور پیداوار سے فائدہ اٹھائے اور اس کی تین صورتیں ہوں :-

الف۔ کاشت وخرچ کاشت وادائیگی مالیہ سرکاری مرتہن کے ذمہ ہو۔

ب۔ کاشت وخرچ کاشت بذمہ راہن ہو اور مالیہ سرکاری بذمہ مرتہن ہو۔

ج۔ کاشت وخرچ کاشت ومالیہ سرکاری بذمہ راہن ہو اور مرتہن حصہ پیداوار اور حصہ منافعہ جائیداد مرہونہ لے۔

کیا یہ منافعہ شرعاً مرتہن پر حلال ہے ؟ کیا ایسا وثیقہ رہن نامہ تحریر کرنا اور گواہی حاشیے پر ڈالنی شرعاً جائز ہے' کیا سوال نمبر ایک کے موجب کسی صورت میں منافعہ جو مرتہن لیتا ہے اس کے واپانے کا دعویٰ بعد صدور ڈگری ودرخواست اجرائے ڈگری۔ ڈگری کے عوض گرفتار شدہ مدیون کا ضمانت نامہ حاضری تحریر کرنا محرر یا عرضی نویس پر جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۸۱) رہن کے متعلق تینوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ رہن کی یہ تمام صورتیں بقول راجح ناجائز ہیں اور مرتہن کو شے مرہون سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔[3] راہن کی گرفتاری کے بعد اس کا ضمانت نامہ تحریر کرنا کاتب کے لئے جائز ہے کیونکہ وہ اس صورت میں مظلوم ہے اگرچہ ایسا معاملہ کرنے کا گناہ گار وہ بھی ہے تاہم گرفتاری میں وہ مظلوم ہے۔[4] محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرسہ امینیہ دہلی۔

---

(۱) (ایضاً بحوالہ بالا صفحہ گزشتہ)

(۲) و نفقۃ الرھن علی الراھن والاصل ان مایحتاج الیہ لمصلحۃ الرھن وتبقیتہ فھو علی الراھن الخ (ھدایۃ' کتاب الرھن ۵۲۳/٤ ط سعید)

(۳) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۱۴۴)

(۴) سود ادانہ کرنے پر گرفتار کرلینا ظلم ہے قال تعالیٰ لا تظلمون ولا تظلمون (الآیۃ)

رہن رکھی گئی زمین سے مرتہن نفع نہیں اٹھا سکتا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ہمارے علاقہ میں اکثر مسلمان زرعیہ رہن لیتے ہیں اور بعض ان میں سے بجائے نصف یا ثلث حصے کے جو اکثر مزارعین مالکان اراضی کو دیا کرتے ہیں یہ ساتواں آٹھواں حصہ راہن کو دیکر یا سرکاری لگان صرف ادا کر کے باقی آمدنی زمین مرہونہ کی کھاجاتے ہیں کیا یہ شرعاً جائز ہے ؟ اور منافع زمین مرہونہ کا مرتہن پر کسی طرح جائز ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ خصوصاً جب کہ خالی رہنے سے زمین خراب ہوتی ہو۔

(جواب ۱۸۲) زمین مرہون سے مرتہن کو نفع اٹھانا حرام ہے۔[1] زمین کو راہن اجارہ پر باجازت مرتہن دے سکتا ہے اسی طرح مرتہن باجازت راہن دے سکتا ہے[2] مگر منافع کا حق دار اور مالک راہن ہو گا نہ کہ مرتہن۔[3] محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

رہن رکھی ہوئی جائیداد سے نفع اٹھانے اور اسے بیچنے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) ایک جائیداد زید کی جو بکر کے پاس اس شرط پر ایک وقت معینہ کے لئے گروی ہے کہ وہ جائیداد کی آمدنی اس وقت تک اس کے روپے کے معاوضہ یعنی بطور سود حاصل کرتا رہے زید اور بکر کے ایگریمنٹ کی میعاد ابھی ختم نہیں ہوئی ہے ایسی صورت میں زید کے حق ملکیت کو کسی جمعیۃ کے لئے خریج کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۸۳) یہ رہن اگرچہ ناجائز ہے کیونکہ اس میں مرتہن شئی مرہون سے فائدہ حاصل کر رہا ہے جو ربوا ہے[4] لیکن اس جرم کے مرتکب راہن اور مرتہن ہیں راہن سے جس نے جائیداد مرہونہ خریدی ہے وہ اس جرم میں شریک نہیں اس کے بعد یہ مسئلہ سامنے آتا ہے کہ شئی مرہون کی بیع صحیح ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرہون کی بیع حالت رہن میں صحیح موقوف ہوتی ہے اگر مرتہن بیع کی اجازت دیدے تو صحیح و نافذ ہو جائے گی اور اگر وہ اجازت نہ دے تو بذریعہ حاکم فسخ کرائی جائے گی بہر حال مشتری پر کوئی الزام و گناہ عائد نہیں ہو گا۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۱۳۴)
(۲) ولا یبیعہ المرتہن او الراہن الا برضاء الآخر' فی الحاشیۃ یعنی لا یملک احدھما ابطال حق صاحبہ بغیر اذنہ (کنز الدقائق' کتاب الرھن ص ۴۴۲ ' ط امدادیہ)
(۳) اس لئے کہ زمین کا مالک وہی ہے۔ لانہ نماء ملکہ
(۴) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۱۳۴)
(۵) ووقف بیع المرھون و المستاجر والارض فی مزارعۃ الغیر علیٰ اجازۃ مرتہن و مستاجر و مزارع' وفی الشامیۃ: ای فان اجازہ المرتہن والمستاجر نفذ وھل لملکان الفسخ قیل لا وھو الصحیح (الدرالمختار' فصل فی الفضولی ۵ ۱۱۳ ط. سعید)

قرض کے عوض زمین کرایہ پر دینا

(سوال) زید نے بکر کو مبلغ چار سو روپے چار بیگھہ اراضی پر مدت مقررہ چالیس سال کے لئے دے دیئے اور کہہ دیا کہ بعد چالیس سال کے تیری اراضی واپس کر دی جاوے گی اور میری رقم مذکورہ ادا ہو جاوے گی نہ میرا کوئی حق باقی نہ تیرا اور اگر اس چالیس سال مدت مذکورہ سے پہلے اپنی اراضی مذکور کو بکر لینا چاہے گا تو دس روپیہ فی سال کے حساب سے چار سو روپیہ کی رقم میں سے دس روپیہ فی سال کم کر دی جائے گی اور باقی رقم بکر سے ادا کر لی جاوے گی کسی قسم کی چون وچرا نہ ہوگی اس صورت مذکور کو عام بول چال میں میعادی رہن بولتے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ المستفتی حاجی سردار امام نگر عرف کھینچا تان ڈاکخانہ نگینہ ضلع گوڑگانوہ ۲۳ مئی ۱۹۵۲ء

(جواب ۱۸۴) یہ صورت کہ چار سو روپیہ میں زمین چالیس سال کے لئے رہن رکھی اور زمین سے رہن پر لینے والا نفع اٹھاتا رہے ناجائز ہے [1] ہاں یہ دونوں اس بات پر راضی ہوں کہ چالیس سال کے لئے دس روپے فی سال کے حساب سے کرایہ پر دی تو یہ جائز ہوگا اور اگر چالیس سال سے پہلے زمین واپس لے تو اتنی مدت کا کرایہ واپس کر دے جتنی مدت پہلے زمین واپس لی ہے۔ [2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

تیسرا باب
تصرف فی المرہون

رہن رکھی ہوئی زمین کو زراعت پر دینا

(سوال) زید نے زمین عمرو کے پاس رہن رکھی اور بعد میں اسی زید نے اپنی مرہونہ زمین کو آدھے حصہ پر زراعت کرنے کو عمرو مرتہن کو دی اور خرچہ زراعت زید و عمرو دونوں نے پورا کیا اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ صورت شرعاً کیسی ہے؟

(جواب ۱۸۵) صورت مسئولہ میں زید راہن کا زمین مرہونہ عمرو مرتہن کو مزارعۃ دینا صحیح ہے اور اگر بیج راہن کا ہو تو رہن بھی باطل نہ ہوگا ہاں اگر بیج مرتہن کا ہو تو رہن باطل ہو جائے گا۔ وان اخذ المرتھن الارض مزارعۃ بطل الرھن لو البذر منہ ولو من الراھن لا انتھی (ردالمحتار) [3] واللہ اعلم

---

(۱) (ایضا بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۱۴۴)
(۲) اس صورت میں یہ عقد اجارہ ہوگا۔
(۳) (رد المحتار' کتاب الرھن ۶/ ۵۱۱ ط سعید)

کیا مرتہن مرہونہ زمین کاشت کے لئے لے سکتا ہے؟

(سوال) اگر کوئی شخص کوئی زمین اپنے پاس رہن رکھے پھر راہن سے اس زمین کو اس کے لگان سے زیادہ روپیہ دیکر خود کاشت کے لئے لے لے تو یہ جائز ہے یا ناجائز؟ بیان فرمائیں جزاکم اللہ خیراً

(جواب ۱۸۵) اس صورت میں اگرچہ مرتہن کو نفع اٹھانا جائز ہو جائے گا۔ مگر وہ عقد رہن کہ مابین مرتہن وراہن ہوا تھا باطل ہو جائے گا اسے عقد رہن بنانے کے لئے عقد جدید کی ضرورت ہو گی۔ بخلاف الاجارة والبیع والهبة والرهن من المرتهن او من اجنبی باشرها احدهما باذن الآخر حیث یخرج عن الرهن ثم لا یعود الا بعقد مبتد ألانها عقود لازمة الخ[1] (در مختار)

چوتھا باب
بیع بالوفا

بیع بالوفاء کی صورت میں خریدار کا مبیع سے نفع حاصل کرنا

(سوال) ایک عورت بیوہ ہے اور اس کی لڑکی کی شادی عنقریب ہے بوجہ پردہ وہ عورت خود کچھ نہیں کر سکتی اور اس کو روپے کی ضرورت ہے۔ اور ہم اس کو قرض حسنہ دینا چاہتے ہیں لیکن وہ کوئی چیز رہن رکھ دے یا بیع وفا کر لے آیا یہ بیع وفا جائز ہے یا نہیں؟ فقط

(جواب ۱۸۶) بیع بالوفا یعنی اس طرح سے بیع کرنا کہ بائع مشتری سے یوں کہے کہ اگر تم روپیہ واپس کر دو گے تو میں تمہاری چیز واپس کر دوں گا۔ یا بائع کہے کہ میں یہ چیز تمہارے ہاتھ فروخت کر دوں کا بیع نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت یہ رہن کی صورت ہے اور رہن میں مرتہن کو شئ مرہون سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ وفی حاشية الفصولين عن جواهر الفتاوی هو ان يقول بعت منك على ان تبيعه مني متى جئت بالثمن فهذا بيع باطل وهورهن و حكمه حكم الرهن وهو الصحيح اه قال السيد الامام قلت للامام الحسن الماتريدى قد فشا هذاالبيع و فيه مفسدة عظيمة و فتواك انه رهن وانا ايضا على ذلك فالصواب انا نجمع الائمة و نتفق على هذا و نظهره بين الناس فقال المعتبر اليوم فتوانا وقد ظهر ذلك بين الناس فمن خالفنا فليبرز نفسه و ليقم دليله اه البيع الذى تعارفه اهل زماننا احتيالا للربا و سموه بيع الوفا هو رهن فى الحقيقة لا يملكه ولا ينتفع به الا باذن مالكه الخ جامع الفصولين (ردالمحتار) ملتقطا[2]

---

(۱) (ردالمحتار کتاب الرهن ٦ / ٥١١ ، ط. سعید)
(۲) (ردالمحتار باب الصرف مطلب فی بیع الوفاء ٥ / ٢٧٦ ط. سعید)

بیع بالوفاء کا حکم

سوال) ایک شخص نے زمین زراعتی وسکنی دوسرے شخص کی اس شرط پر خریدی کہ اگر میرا کل روپیہ جسٹری شدہ پانچ سال کے اندر واپس کر دو گے تو میں تمہاری خرید شدہ زمین واپس کر دوں گا یہ بیع جائز ہے یا ہیں اور اس زمین کی پیداوار اور کرایہ وغیرہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟ **المستفتی نمبر ۱۶۵** مورخہ ۷ رمضان مبارک ۱۳۵۲ھ م ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء۔

جواب ۱۸۷) یہ صورت وہی ہے جس کو عام طور پر بیع الوفا کہا جاتا ہے اور بیع الوفا اس شرط سے جو وال میں مذکور ہے بیع فاسد اور حرام ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

پانچواں باب
قرض کو اوٹ لینا (حوالہ)

۱) کیا قرض کی سندات کو خریدنا بیع ہے ؟
۲) ضمانت کی اجرت کا حکم

سوال) (۱) زید نے ایک دوکان ہزار روپے میں خرید کیا اور یہ شرط قرار پائی کہ دو سو پونڈ نقد دیا جائے اور ما رقم کے پی نوٹ پچاس پچاس پونڈ کے لکھ دیں کہ ہر ماہ میں زید ایک نوٹ پچاس پونڈ کی ادا کرتا رہے گا نانچہ زید نے ۲۰۰ پونڈ نقد دیئے اور ۱۶ نوٹ لکھ دیئے اور بیع کرلی اور بائع عمر نے نقد رقم اور نوٹ اور بل پر ضہ کرلیا اب عمر کو اس بل کے نقد رقم ادا کرانے کی ضرورت در پیش ہوئی اور بکر کے پاس گیا کہ وہ اس خرید لے بکر نے اس نوٹ اور بل کو جس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک رقم پرامیسری خط ہے جس میں محررہ قم کی ادائیگی کا معینہ تاریخ پر وعدہ ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں مقدمہ کر کے وصول کر سکتا ہے اور اس ں ایک قسم کا خطرہ ہے کہ زید اس کو وقت پر ادا کرے گا یا نہیں تو بکر نے ۸۰۰ پونڈ کے بل پی نوٹ کو ۵۰۷ ند نقد میں خرید کرلیا تو یہ بیع جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) زید کو بینک سے روپیہ نکالنا ہے یا پرامیسری نوٹ کے نقد روپے بینک سے لینا ہو لیکن بینک بلا ضمانت ں کو نہ دیتا ہو اس لئے وہ عمر کو جو کہ معتبر آدمی ہے ہمراہ بینک میں لے گیا اور اس نے اپنی ضمانت اور سعی سے زید کو روپیہ دلوادیا اور اس ضمانت اور سعی کے عوض پانچ دس پونڈ بطور اجرت زید سے لیا تو اس رقم کی سعی ر ضمانت کے عوض کوئی رقم زید سے لینا جائز ہے یا نہیں ؟ **المستفتی نمبر ۲۲۳۴** فخر الدین ڈاجیلی جوہانسبرگ) ۲۷ صفر ۱۳۵۷ھ ۲۸ اپریل ۱۹۳۸ء

---

(۱) (بحوالہ بالا صفحہ گزشتہ)

(جواب ۱۸۸) (۱) یہ معاملہ درحقیقت بیع نہیں ہے کیونکہ وہ پی نوٹ مبیع نہیں ہیں بلکہ وہ اس قرضہ کی سندات ہیں جو زید کے ذمے عمر کا واجب الادا ہے عمر نے بکر سے جو رقم لی ہے وہ بکر کا ایک قرض ہے جو عمر کے ذمے واجب ہوا۔ عمر نے بکر کو زید پر حوالہ کیا ہے پس یہ عقد بطور حوالہ[1] کے حوالہ کی شرائط[2] کے ساتھ صحیح ہوگا اور اس میں ۵۰ پونڈ کی کمی زیادتی باطل ہوگی[3] (۲) نہیں یہ اجرت جائز نہیں۔ اگر یہ اجرت عمل کی ہو تو اجر مثل ہونی چاہئے اور پھر بینک تک جانا اور زید کی شناخت کر دینا صرف یہی عمل ہے اگر اس پر بھی بینک روپیہ نہ دے تاہم عمر کو اجر مثل دینا زید پر واجب ہوگا۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

چھٹا باب

دین کی خرید و فروخت

دین کی بیع غیر مدیون سے کرنا

(سوال) عمر زید سے ہمیشہ مال ادھار لے کر فروخت کیا کرتا تھا اس سلسلے سے زید کی ایک معقول رقم عمر و کے ذمہ باقی تھی جب زید نے تقاضا کیا تو عمر و اس مقام سے بھاگ کر اپنے وطن چلا گیا اور بہت زمانے تک واپس نہیں لوٹا زید نے خیال کیا کہ اگر تین سال کامل گزر گئے تو قانون سرکاری کی رو سے میرا دعویٰ عمر و پر نہ چل سکے گا اس نے اپنا بقایا روپیہ نصف قیمت پر فروخت کرنے کا ارادہ لوگوں میں ظاہر کیا کہ اگر کوئی شخص میرا بقایا روپیہ جو عمر و کے ذمہ باقی ہے خرید کرے تو نصف معاوضہ پر فروخت کرتا ہوں چنانچہ خالد نے زید سے بقایا روپیہ نصف قیمت پر اس شرط سے خریدا کہ زید باقاعدہ عمر و پر عدالتی چارہ جوئی کر کے بقایا کی ڈگری وصول کر کے میرے حوالہ کرے تو میں اصل بقایا اور عدالتی خرچ ان سب کے مجموعے کو نصف قیمت پر خریدتا ہوں اور اگر اتفاق سے ڈگری وصول نہ ہوئی اور ناکامیابی ہوئی تو یہ معاملہ فسخ سمجھا جائے زید اس طرح معاملہ کرنے پر راضی ہوا تو خالد نے بطور بیعانہ کچھ روپیہ زید کو دیا کہ اگر ڈگری وصول ہوئی تو نصف قیمت پر معاملہ صحیح ورنہ بیعانہ خالد کو واپس دیا جائے۔ اس کے بعد زید نے عدالتی چارہ جوئی کر کے عمر و پر ڈگری وصول کی اور

---

(۱) العبرۃ فی العقود للمقاصد والمعانی لا للالفاظ والمبانی (قواعد الفقہ ص ۹۱)

(۲) حوالہ کے صحیح ہونے کے لئے محیل اور محتال کی رضامندی شرط ہے فی الہدایۃ وتصح الحوالۃ برضاء المحیل والمحتال والمحتال علیہ اما المحتال فلان الدین حقہ وھو الذی ینتقل بہا والذمم متفاوتۃ فلا بد من رضاہ واما المحتال فلا بد منہ ... (ہدایۃ کتاب الحوالۃ ۳: ۲۹ ط سعید)

(۳) یہ جو یہاں پچاس پونڈ کا ذکر ہے یہ عوض ہے اس اندیشہ کا جو عمر و زید سے قرض ملنے پانے میں تھا اس طرح ... اجرت ناجائز ہے کیونکہ ایسی صورت میں اجرت کی شرط لگانا یا اجرت کا متعارف ہونا جائز ہے تاہم ... ہے وقالوا الدلال تکن بالمنفعۃ مشروطۃ ولا متعارفۃ فلا باس فیہ (کتاب الحوالہ ۵: ۳۵۰ ط سعید)

(۴) وتفسد بجہالۃ المسمی کلہ او بعضہ ... وتفسد بعدم التسمیۃ اصلا او بتسمیۃ خمر او خنزیر فان فسدت بالا خیرین بجہالۃ المسمی وعدم التسمیۃ وجب اجر المثل یعنی الوسط منہ (الدر المختار کتاب الاجارۃ ۶: ۴۸ ط سعید)

خالد کے حوالہ کی اور اس ڈگری کا روپیہ عمرو سے وصول کرنے کے لئے زید نے خالد کو اپنا مختار بنایا اور زید نے حسب شرط مذکورہ بالا اصل بقایا اور عدالتی اخراجات کے مجموعہ کی نصف رقم بیعانہ وضع کر کے خالد سے وصول کی اور خالد نے اپنے اصیل کی جانب سے بحیثیت مختار زید عدالتی چارہ جوئی کر کے عمرو سے کل عدالتی اخراجات اور کل بقایا وصول کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قسم کی شرطیہ ڈگری کے حوالہ کی خریداری کہ اگر ڈگری ہو تو عقد صحیح ورنہ فسخ شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ دائن سے قرض خریدنا خواہ کسی قیمت پر ہو جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کم معاوضہ سے خرید کر مدیون سے پوری رقم وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور خالد نے اس طرح عمرو سے جو رقم وصول کی یہ خالد کے لئے حلال ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۱۸۹) زید کا جو دین کہ عمرو کے ذمہ ہے اس کی بیع خالد کے ہاتھ بہر حال ناجائز ہے خواہ ڈگری حاصل کرنے کی شرط ہوتی یا نہ ہوتی۔ کیونکہ دین کی بیع غیر مدیون سے جائز نہیں۔ **في الدر المختار وافتى المصنف ببطلان بيع الجامكية لما في الاشباه بيع الدين انما يجوز من المديون' انتهى' وفي رد المحتار اذا باع الدين من غير من هو عليه لا يصح انتهى مختصراً** [1] اس کے علاوہ اس بیع میں عدم جواز کی ایک وجہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ کل مطالبہ مع خرچہ کو نصف پر فروخت کیا ہے تو گویا ہزار روپے کو پانچ سو کے بدلے میں فروخت کیا اور یہ ربوا ہے [2] پس چونکہ یہ معاملہ ناجائز ہے اس لئے خالد نے عمرو سے جو رقم وصول کی وہ اس کے لئے حلال نہیں واجب الرد ہے اور اپنی رقم زید سے واپس لے جو اس نے زید کو دی ہے اور زید اپنا مطالبہ عمرو سے وصول کرے۔

لیکن اگر خالد کو زید نے اپنے دین کے وصول کرنے کا وکیل بنایا تھا اور خالد نے عمرو سے بحیثیت وکالت رقم دین وصول کی ہے تو زید کو حق ہے کہ خالد سے پوری وہ رقم جو اس نے عمرو مدیون سے بحیثیت وکالت وصول کی ہے وصول کر لے۔ [3] اور چونکہ زید اور خالد کا معاملہ بیع صحیح نہیں ہوا ہے اس لئے خالد کو اس کا وہ نصف قرض کے برابر روپیہ واپس دیدے جو اس نے بحیثیت قیمت نصف کے برابر اس سے لیا تھا۔ [4] واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) الدرالمختار' مطلب في بيع الجامكية ٤/ ٥١٧ ط سعيد)

(۲) فان وجدا حرم الفضل اى الزيادة والنساء (الدرالمختار' باب الربا ٥/ ١٧٢ ط س)

(۳) کیونکہ وہ تمام رقم زید کی مملوک ہے۔

(٤) واذا بطل البيع يجب رد المبيع ان كان قائماً و قيمته ان كان هالكا كما في البيع الفاسد (فتح القدير' باب الصرف ٥/ ١٥٥ ط)

ساتواں باب
ضامن بننا

کیا دائن نیا دین ضامن سے لے سکتا ہے ؟

(سوال) زید نے بکر کو محمود کی دکان سے اپنی ضمانت پر کچھ مال دلوایا اور کھاتہ کھلوایا اور زید اور بکر دونوں نے نشان انگوٹھا لگا دیا بعد ازاں بکر محمود کی دوکان سے برابر مال لیتا رہا زید نے کوئی اطلاع زبانی یا تحریری محمود کو نہیں دی کہ بکر کو اب آئندہ مال نہ دیا گروایک عرصہ تک لین دین جاری رہا بعد ازاں بکر کا انتقال ہو گیا تو محمود کا روپیہ بروئے کھاتہ بذمہ زید و بکر باقی رہ گیا زید و بکر دونوں غیر مسلم ہیں بکر متوفی کی صرف ایک بیوہ موجود ہے ایسی صورت میں محمود کس سے اپنا روپیہ وصول کرے۔المستفتی نمبر ۱۰۲۱ شیخ حافظ احسان اللہ و محمد الیاس (صدر بازار دہلی) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۲۷ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۹۲) زید نے اگر بکر کی ہمیشہ کے لئے اور تمام لین دین کے متعلق ضمانت کی تھی تو محمود اپنا تمام قرضہ زید ضامن سے وصول کر سکتا ہے لیکن اگر زید نے ہمیشہ کے لئے تمام لین دین کی ضمانت نہیں کی تھی بلکہ پہلی مرتبہ مال دلواتے وقت ضامن ہو گیا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ آئندہ بھی جو مال بکر لیا کرے گا اس کا بھی میں ضامن ہوں اور محمود کو بطور خود بکر کا اعتبار ہو گیا اور اس نے لین دین جاری کر دیا تو زید صرف پہلی مرتبہ کے دین کا ضامن ہو گا اس کے بعد کا تمام قرضہ دیگر ترکہ سے وصول کرنے کا محمود حق دار ہو گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مقروض کو مفلس قرار دیا جائے تو ضامن سے قرض وصول کیا جائے گا یا نہیں ؟
(الجمعیۃ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) ایک شخص پر بہت سا قرض ہو گیا ہے قرض خواہوں میں سے ایک شخص جو مقروض کا چچازاد بھائی ہے اس نے اپنے قرض کی وصولی کے لئے عدالت میں مقدمہ دائر کیا تو بعض مسلمانوں نے اسے سمجھایا کہ فی الحال اپنا مقدمہ واپس لے لو ورنہ مقروض کو دوسرے قرض خواہوں کی طرف سے سخت نقصان برداشت کرنا پڑے گا تو وہ اس شرط پر رضامند ہیں کہ اگر مقروض نے مدت معینہ میں میرا دین ادا نہیں کیا تو میں آپ لوگوں سے وصول کروں گا اور اس کے لئے تین شخص ضامن بنیں تین مسلمانوں نے شرط مذکورہ کو قبول کیا

---

(۱) فی العالمگیریۃ : اذا قال الرجل لغیرہ بایع فلانا فما بایعت من شئ فہو علی فہذا جائز استحساناً فاذا باعہ مبیعا بای جنس باعہ و بای قدر باعہ لزم الکفیل ذالک وایضا فیہ ولو قال ان بعتہ متاعا واذا بعتہ متاعا فانا ضامن بثمنہ فباعہ متاعا صفقین کل نصف بخمس مائۃ احدہما قبل الآخر لزم الکفیل الاول دون الثانی (عالمگیریۃ' کتاب الحوالۃ' الفصل الخامس فی التعلیق والتعجیل ۲۷۱/۳ ط ماجدیۃ' کوئٹہ)

اور مقروض کی طرف سے ضامن ہوئے اور یہ لوگ ضامن محض اس وجہ سے ہوئے کہ ایک مسلمان کو اس مصیبت سے چھڑائیں۔ اثنائے مدت متعینہ میں حکومت وقت نے مقروض کو مفلس ظاہر کر دیا حکومت خود بھی یتیموں کی طرف سے بطور والی قرض خواہ تھی۔ جب حکومت نے اس کو مفلس ظاہر کر دیا تو اس نے یتیموں کا قرض جو اس کے ذمہ تھا ادا کر دیا اور اول الذکر قرض خواہ کو ادا نہیں کیا اب اس قرض خواہ نے ضامنین کو پکڑا کہ میرا قرض دلوائیے یاد تیجئے اب سوال یہ ہے کہ اول الذکر قرض خواہ اپنے قرض کا مطالبہ ضامنین سے کر سکتا ہے یا نہیں اگر کر سکتا ہے تو ضامنین قرضدار کی طرف رجوع کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ شریعت اسلامی میں مفلس کا کیا حکم ہے ؟

(جواب ۱۹۹) ہاں اول الذکر قرض خواہ اپنے قرض کا مطالبہ ان اشخاص سے کر سکتا ہے جو ادائیگی کے ضامن ہوئے تھے۔ ضامن قرضدار کی طرف رجوع کر سکتے ہیں[1] اور جو رقم اس کے قرض میں ادا کریں وہ قرضدار سے وصول کرنے کے مستحق ہیں مفلس یعنی دیوالیہ قرار دیئے جانے سے قرضدار ان مطالبات سے جو اس کے ذمہ واجب ہیں شرعاً بری نہیں ہوتا۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

آٹھواں باب
غیر جنس میں قرض وصول کرنا

مشترکہ مکان سے شریک کے حصے کو بیچ کر قرض وصول کرنا

(سوال) ماقولکم دام فضلکم شرکاء فی دار کائن بمکۃ المعظمۃ استدان احد الشرکاء من شریکہ والحال ان الشریک الدائن ذوالید فی الھند و یتصرف فی الدار المذکور وکیل الدائن المقیم فی مکۃ المعظمۃ ثم ان الشریک المدیون قال انی بعت حصتی مایخصنی من الدار من ابنی بغیر اطلاع شرکائہ وادعی ان ابنی باع سھم المشتراۃ علی ذی الید الدائن فقال ذوالید الدائن انی قد استوفیت السھم بقیمتہ واسقطہ من الدین الذی لی قبل تصرف المدیون بزمان متمسکا بعبارۃ الشامی فی جواز اخذ الدائن من مال مدیونہ من خلاف جنسہ (جلدثالث ص ۲۷۷) وارخ تصرف اسقاطہ و ثبت تصرف الدائن قبل تصرف المدیون فھل لہ ذلک

(۱) ولو کفل بامرہ ای بامر المطلوب بشرط قولہ عنی او علی انہ علی وھو غیر صبی و عبد رجع علیہ بما ادی بما ضمن وان بغیرہ لا یرجع لتبرعہ (الدرالمختار' کتاب الکفالۃ ۵/ ۳۱٤ ط سعید)

(۲) مدیون کی طرف سے ادائیگی یادائن کی طرف سے معافی ان دو چیزوں یعنی ادا یا ابراء کے بغیر مدیون بری نہیں ہوتا" والدین الصحیح ھو ما لا یسقط الا بالاداء اوالا براء" (الدرالمختار' کتاب الکفالۃ ۵/ ۳۰۲ ط سعید)

الاسقاط و یسقط بھذا الجواب مطالبۃ المشتری الا جنبی علی ذی الید ام لا؟ بینوا توجروا

(ترجمہ) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک مکان جو مکہ معظمہ میں واقع ہے اس کے مالک چند شرکاء ہیں ایک شریک نے دوسرے شریک سے قرض لیا تھا قرض دینے والا شریک ہندوستان میں تھا اور اس کی طرف سے اس کا وکیل مقیم مکہ اس مکان مذکور کے اس حصے پر متصرف تھا جو اس کے موکل کی ملکیت تھا پھر قرض دار شریک نے کہا کہ میں نے مکان مشترکہ میں سے اپنا حصہ اپنے بیٹے کے ہاتھ فروخت کردیا ہے اور شرکاء کو اس کی کوئی اطلاع نہ تھی اور پھر یہ بھی بتایا کہ میرے بیٹے نے میرا حصہ خریدنے کے بعد دوسرے شریک قرض خواہ کے ہاتھ فروخت کردیا ہے پس شریک قرض خواہ نے کہا کہ میں نے وہ حصہ بلا ادائیگی قیمت لے لیا ہے اور اپنے شریک قرض دار کو اس قرضے سے سبکدوش کرتا ہوں جو اس کے تصرف سے پہلے سے اس کے ذمہ چلا آرہا تھا اس معاملے میں قرض خواہ نے شامی کی اس عبارت کا سہارا لیا جو مال مدیون میں سے خلاف جنس قرض وصول کرنے کے جواز میں ہے (جلد ثالث ص ۲۷۷)

اور تصرف اسقاط کی پرانی تاریخ قرار دی جس سے تصرف مدیون سے قبل تصرف دائن ثابت ہو رہے تو کیا یہ اسقاط جائز ہے اور مشتری اجنبی یعنی ابن مدیون جو قرض کے معاملے سے بے تعلق ہے کیا اپنی قیمت کا مطالبہ نہیں کرسکتا؟

(جواب ۱۹۲) اصل مذھبنا معشر الحنفیۃ عدم جوازا لاخذ من مال مدیونہ خلاف جنس دینہ لکن قال الحموی فی شرح الکنز نقلا عن المقدسی عن جدہ الاشفر عن شرح القدوری للا خصب ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانھم والفتویٰ الیوم علی جواز الاخذ عند القدرۃ من ای مال کان الخ (ردالمحتار ص ۱۰۳ ج ۵)[1] فعلی ھذہ الروایۃ یجوز للدائن ان یاخذ نصیب شریکہ لکن یشترط ان یکون اخذہ و قبضہ قبل بیع المدیون[2] حصتہ والا لا یصح الاخذ ولما اخذ و قبض الدائن قبل بیع المدیون لم یصح بیع المدیون من ابنہ ولا بیع ابنہ من اجنبی[3] ھذا واللہ اعلم

(ترجمہ) ہم احناف کا اصل مذہب یہ ہے کہ مدیون کے مال سے دین کے علاوہ کسی دوسری جنس میں دین وصول کرلینا جائز نہیں ہے لیکن علامہ حموی نے شرح کنز میں مقدسی عن جدہ الاشفر عن شرح القدوری للاخصب کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ خلاف جنس قرض وصول کرلینے کا عدم جواز متقدمین کے زمانے میں تھا لیکن آج کل قول مفتی بہ یہ ہے کہ مدیون کا جس قسم کا مال قابو میں آجائے اس میں سے قرضہ وصول کرلینا

---

(۱) (رد المحتار کتاب الحجر ۶/ ۱۵۱، ط، سعید)

(۲) کیونکہ فروخت کرنے کے بعد یہ ملک ہی نہیں رہے گا اس کے بیٹے کی ملکیت ہوجائے گا اور دائن اپنے دین کے بدلے مدیون کی ملک تو لے سکتا ہے اس کے بیٹے کی ملک نہیں

(۳) اس لئے کہ جب دائن نے اپنے دین کے بدلے یہ حصہ قبضہ کرلیا تو یہ اس کی ملک ہو گیا اب مدیون کا اسے فروخت یہ ملک غیر کا فروخت کرنا ہے کا جو غیر کی اجازت پر موقوف ہے لما فی الدر : وقف بیع مال الغیر لو الغیر بالغا عاقلا فلو صغیرا او مجنونا لم ینعقد اصلا وھذا ان باعہ علی انہ لمالکہ (الدر المختار فصل فی الفضولی ۵/ ۱۰۷، ط، سعید)

جائز ہے۔ (رد المحتار ص ۳۰۱ ج ۵) پس اس روایت کی بنا پر قرض خواہ کو جائز ہے کہ وہ اپنے قرضہ میں اپنے شریک دار کا حصہ لے لے مگر شرط یہ ہے کہ مدیون کے اپنے حصے کو فروخت کرنے سے پہلے قبضہ کرے ورنہ جائز نہیں۔ اور بیع مدیون سے قبل اگر دائن نے قبضہ کر لیا اور لے لیا تھا مدیون کا اپنے حصہ کو اپنے بیٹے کے ہاتھ فروخت کرنا اور اس کے بیٹے کا کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا صحیح و جائز نہیں تھا۔ واللہ اعلم۔

١

كتاب الهبة والعارية

پہلا باب

صحت وجواز ہبہ

کیا بیوی زوج کی کوئی چیز بلا اجازت ہبہ کر سکتی ہے ؟

(سوال) ہندہ نے اپنے شوہر کی کچھ چیزیں بغیر اجازت زید کو دیدیں اب شوہر زید سے وہ چیزیں طلب کرتا ہے تو زید نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ میں نے تم سے نہیں لیں میری ایک چیز ہندہ پر آتی ہے جب وہ میری چیز مجھ کو دے گی تب میں دوں گا اب ہندہ کا شوہر زید سے وہ اپنی چیز شرعاً لے سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۹۳) ہندہ کو یہ اختیار نہیں کہ شوہر کی کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دیدے ہبہ کے واسطے موہوب کا واہب کی ملک ہونا شرط ہے۔ ومنها ان يكون ملكا للواهب فلا تجوز هبة مال الغير بغير اذنه لا ستحالة تمليك ما ليس بمملوك للواهب كذافي البدائع (هندية ص ۳۷۸ ج ٤)[1] اور جب کہ ہندہ خود مالک نہیں اور شوہر کی اجازت نہیں تو ہندہ کا یہ تصرف غصب کے حکم میں ہوا اور غصب میں غاصب اگر شئی مغصوب کو کسی کو عاریت دیدے یا امانت رکھ دے یا ہبہ کردے یا کوئی دوسرا شخص غاصب سے غصب کرلے ان سب صورتوں میں مالک کو اختیار ہے کہ خود غاصب سے تقاضا کرے یا جس کو اس نے بطور عاریت یا ہبہ یا ودیعت شئی مغصوب دی ہے یا اس نے غصب کرلی ہے اس لئے صورت مذکورہ میں شوہر ہندہ کو زید سے مطالبہ کرنے کا اختیار حاصل ہے ولو غصب رجل المغصوب من الغاصب فللما لك ان يضمن الا ول والثاني و يخير المالك بين تضمين الغاصب و بين تضمين مودعه ولوا عاره الغاصب خير المالك ولو وهب الغاصب المغصوب من انسان فهلك في يده فضمنه المالك لم يرجع على الغاصب كذافي محيط السرخسي (هنديه ص ۱٦۳ ج ۵)[2]

---

(۱) (عالمگیریة کتاب الهبة الباب الاول ٤ / ۳۷٤ ط ماجدية كوئٹه)

(۲) (عالمگیریة کتاب الغصب ۵ / ۱٤۷ ط ماجدیه)

مرض الموت میں وصیت کرنے کا حکم

(سوال) ایک عورت منکوحہ نے بمرض تپ دق اپنی تمام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ سب وارثوں کو خاوند وغیرہ کو محروم کر کے اپنی والدہ حقیقی کو بخش کر دی ہے اور بخشش نامہ سرکاری اسٹامپ پر لکھ دیا ہے بعد لکھنے کے مریضہ مذکورہ پندرہ روز کے بعد انتقال کر گئی آیا ایسی بخشش شریعت محمد ﷺ کی رو سے جائز ہے یا نہیں ؟بینوا توجروا

(جواب ۱۹۴) صورت مذکورہ میں جو ہبہ کیا گیا ہے وہ ناجائز ہے اور اس کے عدم جواز کی چند وجہیں ہیں۔ اول تو یہ کہ یہ ہبہ مرض الموت میں کیا گیا ہے اور مرض الموت میں ہبہ وصیت کے حکم میں ہے اور وارث کے لئے وصیت تاوقتیکہ دوسرے ورثہ راضی نہ ہوں جائز نہیں۔ ولا تجوز الوصية للوارث عندنا الا ان يجيزها الورثة انتهى (هندية ص ۹۹ ج ٦)[1] دوسرے یہ کہ مریض کو مرض الموت میں صرف ثلث تک وصیت کا حق ہے تو اگر یہ وصیت اجنبی کے لئے بھی ہوتی تاہم ثلث مال میں جاری ہوتی۔ ولا تجوز الوصية بما زاد على الثلث الا ان يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار (هنديه ص ۹۹ ج ٦)[2]

کیا ایک مکان کئی افراد کو ہبہ کیا جا سکتا ہے ؟

(سوال) میری والدہ ماجدہ نے انتقال سے چند روز قبل ایک تحریر اپنے برادر کلاں سے اس مضمون کی لکھائی مکان پختہ عزیز الرحمٰن اور حبیب الرحمٰن کو دیا گیا ان کی ملک کیا گیا اور مکان خام لطف الرحمٰن اور اہلیہ الطاف الرحمٰن کو دیا گیا اور عبدالرحمٰن اور فضل الرحمٰن رعایا میں مکان بنالیں میں اور میرے بھائی حبیب الرحمٰن کے والدین شریک تھے نصف مکان سے زائد میرے قبضہ میں رہا اور نصف سے کم میں میرے بھائی حکیم فضل الرحمٰن صاحب مقیم تھے اور دراصل والدہ صاحبہ مکانات کی مالک نہ تھیں والد صاحب مالک تھے بعد چند ماہ والد صاحب ملازمت پر سے تشریف لائے تحریر والدہ ماجدہ پیش ہوئی اس پر تحریر فرمایا میں اس تحریر کو منظور کرتا ہوں اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور نصف مکان سے کم میں جو میرے بھائی حکیم فضل الرحمٰن صاحب مقیم تھے ان کو علیحدہ کر کے کل مکان ہمارے سپرد کر دیا تحریر والدین سیدی مولوی رشید احمد صاحب کے سامنے پیش ہوئی انہوں نے فرمایا مکان تمہارا ہے مگر میں نے کچھ اس پر لکھایا نہیں اب یہ مکان ہماری ملک ہے یا نہیں مدلل تحریر فرمائیں ؟

(جواب ۱۹۵) ہبہ مشاع قابل قسمت اشیاء میں ناجائز ہے پس اگر مکان موہوب بڑا ہو اور بعد تقسیم قابل انتفاع یعنی رہنے سہنے کے قابل رہتا ہو تو اس کا ہبہ ناجائز ہوا کیونکہ سوال میں تقسیم کر کے ہبہ کرنے کا ذکر نہیں ہے ہبہ غیر مقسوم کا انہیں اشیاء میں جائز ہوتا ہے جو بعد تقسیم اس انتفاع کے قابل نہ رہیں جو قبل تقسیم ان سے حاصل تھا اور مشاع قابل قسمت میں معتبر قبضہ وہی ہے جو تقسیم کر کے کرلیا جائے۔ ويصح

(۲-۳) (عالمگيرية' كتاب الوصايا ٦/ ٩٠ ط ماجديه' كوئته)

(ای الهبة) فی مشاع لا یقسم و لا یبقی منتفعا به بعد القسمة من جنس الانتفاع الذی کان قبل القسمة کالبیت الصغیر والحمام ولا یصح فی مشاع یقسم و یبقی منتفعا قبل القسمة و بعد ها هکذا فی الکافی و یشترط ان یکون الموهوب مقسوما مفرز اوقت القبض الخ (عالمگیری)[1]"

کیا ہندہ کے قول ''میں اپنا شیئر بیٹے کو دیتی ہوں'' سے ہبہ ہو جائے گا؟

(سوال) ہندہ نے سورتی بازار رنگون کا ایک شیئر (حصہ)اپنے بیٹے کو دیدیا تھا بیٹے نے بازار کمپنی کے دفتر میں اس حصے کو اپنے نام کرالیا اور پھر اسے فروخت بھی کر ڈالا اور مشتری نے اپنے نام لکھا لیا اب ہندہ کے بیٹے کا انتقال ہوا ہندہ کہتی ہے کہ میں نے وہ شیئر بیٹے کو ہبہ نہیں کیا تھا اور وہ اس کی آمدنی ماہواری لاکر مجھے دیتا تھا اور دیگر ورثا کہتے ہیں کہ بازار کمپنی کے دفتر میں بیٹے کے نام وہ شیئر لکھا ہے اور ہندہ کے یہ الفاظ درج ہیں ''میں اپنا شیئر پیار و محبت سے اپنے بیٹے کو دیتی ہوں'' یہ الفاظ ہبہ کی دلیل ہیں اور آمدنی لاکر والدہ کو دینا عدم ہبہ کی دلیل نہیں غرضیکہ والدہ عاریتہ دینا بیان کرتی ہے اور ورثہ ہبہ کے مدعی ہیں اس میں شرعی حکم کیا ہے؟

(جواب ۱۹۶) واضح ہو کہ صرف بازار کمپنی کے دفتر میں بیٹے کے نام شیئر کا لکھا ہوا ہونا یا والدہ کا بیان کہ میں اپنے بیٹے کو اپنا شیئر دیتی ہوں لکھا ہوا ہونا حجت نہیں ہے بلکہ والدہ کا اقرار یا ہبہ کے گواہوں کا موجود ہونا ثبوت ہبہ کے لئے ضروری ہے پس اگر والدہ اپنے ان الفاظ کا اقرار کرتی ہو جو دفتر میں لکھے ہیں کہ '' میں اپنا شیئر پیار و محبت سے اپنے بیٹے کو دیتی ہوں'' یا اس امر کے گواہ موجود ہوں کہ والدہ نے بیٹے کو شیئر ہبہ کیا تھا یا الفاظ مذکورہ کہے تھے تو بیشک شیئر مذکورہ ہبہ ہو گیا اور اگر بیٹے نے قبضہ بھی کر لیا ہو تو بیٹے کی ملک میں آ گیا اور اس کی بیع بھی صحیح ہو گئی اگرچہ یہ ہبہ مشاع ہے لیکن بقول مفتی بہ ہبہ مشاع بعد قبضے کے مفید ملک ہو جاتا ہے اگرچہ ملک فاسد ہی ہو هبة المشاع فیما یحتمل القسمه لا تجوز سواء کانت من شریکه او من غیر شریکه ولو قبضها هل تفید الملك ذکر حسام الدین فی کتاب الواقعات ان المختار انه لا تفید الملك و ذکر فی موضع آخرانه تفید الملك ملکا فاسدا و به یفتی کذافی السراجیة انتهی(عالمگیرية مطبوعه مصر ص ۳۸۲ جلد رابع)[2]" اور اگر والدہ ان الفاظ کا اور ہبہ کا اقرار نہ کرے اور ہبہ کے کوئی گواہ نہ ہوں تو پھر والدہ کا یہ قول کہ میں نے عاریتہً دیا تھا والدہ سے قسم لے کر قبول کیا جائے گا اگر وہ قسم سے انکار کرے تو صرف انکار پر ورثہ کا

---

(۱) (عالمگیرية' کتاب الهبة ٤ /۳۷٦ ط ماجدية)
(۲) (عالمگیرية' کتاب الهبة ٤ /۳۷۸ ط ماجدیه کوئٹه)

دعوئے ہبہ ثابت ہو جائے گا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔
کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرس مدرسہ امینیہ سنہری مسجد دہلی' الجواب صواب بندہ محمد قاسم مدرس مدرسہ امینیہ' دہلی' الجواب صواب بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرسہ امینیہ' دہلی (مہر دارالافتاء مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی)۔

متبنیٰ کو جائیداد وقف کرنے کا حکم

(سوال) زید نے اپنے ایک بھائی عمرو کو بچپن سے اپنا بیٹا بنایا کیونکہ زید کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہے ہاں زید کے بھائی بہن موجود ہیں۔ زید چاہتا ہے کہ عمرو کو جو کہ اس کا متبنیٰ بیٹا ہے اپنی جائیداد کا کل حصہ یا جزو حصہ وقف کرے تو وہ ایسا کرنے میں عند اللہ گناہ گار تو نہ ہو گا۔ المستفتی نمبر ۵۴ ڈاکٹر حسین صاحب مراد آباد' ۲۰ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۹۷) زید کو چاہئے کہ اپنی جائیداد کا ۳/۱ حصہ عمرو کے لئے وقف کرے باقی ۳/۲ دوسرے شرعی وارثوں کے لئے رہنے دے یہی اس کے لئے بہتر ہے۔[۱] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تمام جائیداد ایک بیٹے کو ہبہ کرنا

(سوال) زید نے اپنی حیات میں کل جائیداد اپنے پانچوں بیٹوں میں بحصہ مساوی تقسیم کر کے دیدی اب زید حیات ہے اور زوجہ ثانی سے مسمی عزیز فوت ہوا جس کی عورت یا اولاد نہیں اور بروئے شرع محمدی زید کل جائیداد کا وارث ہوا اب باپ (زید) کل مال موروثہ حبیب کے نام ہبہ کرتا ہے اور تین بیٹے جو زوجہ اول سے ہیں ان کو محروم کرتا ہے کیا یہ ہبہ بروئے شرع محمدی جائز ہے یا سب بھائیوں میں تقسیم ہو گا۔ المستفتی نمبر ۲۸۰ سید محمد شفیق (ہوتی ضلع پشاور) ۲۷ محرم ۱۳۵۳ھ م ۱۲ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۹۸) اگر زید یہ مال جو عزیز سے اسے ترکہ میں ملا ہے کل کا کل حبیب کو ہبہ کر دے گا تو ہبہ تو قضاءً صحیح ہو جائے گا مگر زید گناہ گار ہو گا۔ وکذا فی العطایا ان لم یقصد به الا ضرار وان قصده یسوی بینهم یعطی البنت کالا بن عند الثانی و علیه الفتوی' ولو وهب کل المال للولد جاز واثم.[۲] محمد کفایت اللہ۔

---

(۱) و عن سعد بن ابی وقاص قال مرضت عام الفتح مرضا اشفیت علی الموت فاتانی رسول اللہ ﷺ یعودنی فقلت یا رسول اللہ ان لی مالا کثیرا و لیس یرثنی الا ابنتی افا وصی بما لی کله قال لا قلت فثلثی مالی قال لا قلت فالشطر قال لا قلت فالثلث قال الثلث والثلث کثیر انك ان تذر و رثتك اغنیاء خیر من ان تذرهم عالة یتکففون الناس وانك لن تنفق نفقة تبتغی بها وجه اللہ الا اجرت بها حتی اللقمة ترفع الیٰ فی امرائك (متفق علیه کذافی المشکوۃ ۱/۲۶۵ ط سعید)
(۲) (الدر المختار' باب الھبة ۵/۶۹۶ ، ط، سعید)

ہبہ کی ہوئی جائیداد سے رجوع کا حکم

(سوال) زید کی دو زوجگان تھیں ان میں سے ایک فوت ہو چکی اس کی اولاد دو لڑکے اور دو لڑکیاں موجود ہیں دوسری زوجہ موجود ہے اس کے بطن سے تین لڑکیاں اور دو لڑکے موجود ہیں زید نے اپنی تمام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ دوسری زوجہ اور دو لڑکوں کو ہبہ کردی جو اس کے بطن سے ہیں یہاں تک کہ مکان سکونت میں بھی اپنا حق سکونت ان کی مرضی پر منحصر کردیا۔ اب موہوب لہم نے واہب سے اتنی بد سلوکی اختیار کی ہے کہ اس مکان میں قدم رکھنا بھی گوارا نہیں کرتے اور زید کو اس کے پارچہ جات پوشیدنی تک اٹھانے میں معترض ہوتے ہیں۔ زید نے ان کی بد سلوکی دیکھ کر ہبہ منسوخ کردیا ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا ہبہ جائز تھا اور منسوخی خلاف شریعت ہے یا ہبہ جائز تھا اور منسوخی درست ہے ؟ **المستفتی** نمبر ۴۲۱ محمد سراج الدین صاحب بھاول پور ۲۰ رجب ۱۳۵۳ھ م ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۹۹) ہبہ نامہ کی نقل ساتھ آتی تو پورا حکم بتایا جاسکتا تاہم اس قدر اس سوال سے بھی واضح ہوتا ہے کہ زید نے پہلی بیوی کی اولاد کو محروم کرکے دوسری بیوی اور اس کی اولاد کے نام ہبہ کیا تھا اور دوسری بیوی کی اولاد میں سے لڑکیوں کو محروم کیا صرف لڑکوں کو جائیداد ہبہ کی تو یہ ہبہ ناجائز اور حکم شرع کے خلاف تھا اور اس کی واپسی ضروری تھی شریعت میں ایسے ہبہ کو جور اور ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے جو اولاد میں سے بعض کے لئے ہو اور بعض کے لئے نہ ہو اور آنحضرت ﷺ نے ایسے ایک ہبہ کی واپسی کا حکم فرمایا تھا لہذا زید کا واپس لینا درست اور صحیح ہوا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مشترکہ مال بغیر تقسیم کئے بیٹوں کو ہبہ کرنے کا حکم

(سوال) شیخ محمد اسحق مرحوم نے اپنی ہی حیات میں مشترکہ مال تجارت میں سے جس کے اندر شریک غیر شخص بھی تھا اپنے حصہ مملوکہ کو ہر دو بالغہ دختران کو ہبہ کردیا بغیر تقسیم کئے اور قبل از تقسیم و قبضہ دینے کے واہب کا انتقال ہو گیا یہ ہبہ صحیح ہوا یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۷۱۲ شیخ محمد صدیق دہلی ۲۳ شوال ۱۳۵۴ھ ۱۹ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۰۰) صورت مرقومہ میں بوجہ موجود ہونے شیوع (یعنی شرکت) کے جانبین سے ہبہ ہی نہیں ہوا لہذا یہ ہبہ قابل اعتبار نہیں بلکہ کالعدم ہو گیا اور اگر مانع جواز کا موجود نہ ہوتا تو بھی بوجہ موت واہب کے قبل از تقسیم و قبضہ دینے کے یہ ہبہ کالعدم و باطل ہوجاتا **والشیوع من الطرفین فیما یحتمل القسمۃ مانع من جواز الھبۃ بالا جماع الخ عالمگیری ج ۳**[2] **ص ۳۸۲ واذا مات الواھب**

---

(۱) عن النعمان بن بشیر ان اباه اتی به الی رسول الله ﷺ فقال انی فحلت ابنی هذا غلاماً فقال اکل ولدك غلت مثله قال لا قال فارجعه الخ (متفق علیه کذافی المشکوة الفصل الاول ۱/ ۲۶۱ ط سعید)

(۲) (عالمگیریة' کتاب الهبة' الباب الثانی فیما یجوز من الهبة وما لا یجوز ٤/ ۳۷۸ ط مصری)

قبل التسلیم بطلت الخ ص ۴۰۷[1] فقط واللہ اعلم حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی' الجواب صحیح محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

میں نے یہ مکان صرف رہنے کے لئے دیا ہے' عاریت ہے

(سوال) زید کا یہ قول کہ مسماۃ رابعہ جو کہ میری بیٹی تھی اس کو میں نے اس کی حیات تک "اس کو صرف" رہنے کو مکان دیا تھا هذه لك عمری سکنیٰ کے ذیل میں آتا ہے یا "هذه لك عمری تسکنها" کے تحت میں ؟ اور یہ کہ قول مذکور مکان کے دینے کو بتلاتا ہے یا صرف منفعت یعنی بود وباش کے دینے کو ؟ اور یہ کہ میں نے تم کو تاحیات اس مکان کی بود وباش دی اور یہ کہ میں نے تم کو "تاحیات" رہنے کو مکان دیا کیا فرق ہے۔ المستفتی نمبر ۲۲۷۳ حاجی حامد شبیر خاں صاحب (ٹونک) ۱۵ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۴ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۰۱) اردو میں دینے کا لفظ تملیک عین کے لئے مخصوص نہیں بلکہ تملیک عین اور تملیک منفعت دونوں کے لئے مستعمل ہے اور اس قول میں کہ اس کو صرف رہنے کو مکان دیا دینے کی جہت کا بیان صراحۃً موجود ہے کہ تملیک منفعت کے لئے اور عربی کے جملہ داری هبة تسکنها کو اگر اردو زبان میں ادا کیا جائے تو یوں کہا جائے گا میرا گھر تمہارے لئے ہبہ ہے تم اس میں رہائش کرنا یا میں نے گھر تم کو ہبہ کیا تم اس میں رہنا یا میں نے تم کو گھر دیا تم اس میں سکونت کرنا ان صورتوں میں کہا جا سکتا ہے کہ رہائش کا ذکر بطور مشورہ کے ہے دینے کی جہت معین کرنے کے لئے نہیں لیکن اردو کی ان مثالوں میں 'میں نے تم کو صرف پڑھنے کے لئے قرآن دیا میں نے تم کو صرف پڑھنے کے لئے کتاب دی میں نے تم کو صرف لکھنے کے لئے فونٹن پین دیا میں نے تم کو صرف پانی پینے کے لئے گلاس دیا میں نے تم کو صرف سونے کے لئے پلنگ دیا' وغیرہ وغیرہ تملیک عین ہرگز نہیں سمجھی جاتی صرف تملیک منفعت مقصود ہوتی ہے یعنی یہ تمام قیود دینے کی جہت معین کرنے کے لئے ذکر کی جاتی ہیں کہ دینا اصل چیز کا مراد نہیں ہے کہ موہوب لہ اس کی ذات کا مالک ہو جائے اور بیچنا اور اپنی ملک سے منتقل کرنا بھی اسے جائز ہو بلکہ صرف نفع اٹھانے کے لئے دینا مراد ہے۔

پس صورت مسئولہ میں صرف سکونت مکان کا دینا تاحیات مراد ہے اور یہ عاریت ہے ہبہ نہیں ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبله بطل' فی الشامیة قوله بطل ای عقد الهبة والاولی بطلت الخ (الدرالمختار' کتاب الهبة' باب الرجوع فی الهبة ۵/۷۰۱ ط سعید)

(۲) و تصح ما اعمرتك واطعمتك ارضی ... الی قوله ... وداری لك سکنی ای بطریق السکنی وداری لك عمری مفعول مطلق ای اعمر تها لك عمری سکنی تمییزه یعنی جعلت سکناها لك مدة عمرك الخ (الدرالمختار' کتاب العاریة ۵/ ۶۷۷، ط، سعید)

وراثت سے محروم کی ہوئی بیٹی کو شرعی طریقہ سے جائز حق دلوانا ثواب کا کام ہے!

(سوال) میرے والد مرحوم کی اولاد یا ورثا میں اس وقت چار بیٹے ہیں اور ایک بیٹی اب سے آٹھ برس پہلے مرحوم نے اپنی کل جائیداد سوائے جزوی حصص کے اپنے چاروں بیٹوں کے نام ہبہ کر دی تھی مگر اپنی بیٹی کو کچھ نہیں دیا تھا حالانکہ بیٹی ان کی حیات میں بیوہ ہو چکی تھی جسکے دو بیٹے اور دو بیٹیاں اب بھی جوان اور غیر شادی شدہ ہیں اور وسائل آمدنی بہت کم اور محدود ہیں۔

ترکہ کے متعلق شرعی احکام اور خاص کر قرآن پاک کی ہدایتوں کو دیکھتے ہوئے مجھ ایسے گناہ گار کی اول روز سے یہ رائے تھی کہ والد صاحب سے یہ غلطی ہوئی اور اخلاقی و دینی اعتبار سے اس کی تلافی کرنا ہمارا فرض ہے اور اب تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ مرحوم کی اس بھول سے شرعی احکام کی روشنی میں مرحوم پر ایک بار ہے اور اس بار کو ہلکا کرنا ان کی اولاد کا خوشگوار فرض ہونا چاہئیے اور جب سے میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق روایت پڑھی ہے میں پورا تہیہ اور عزم راسخ کر چکا ہوں کہ چاہے اور تین بھائی مرحوم کے اس بار کو ہلکا کریں یا نہ کریں میں جلد سے جلد اس کام کو کر ڈالوں کیونکہ مرحوم کے لئے خیر خیرات کرنا اور وہ بھی نمائشی انداز میں اس سے کہیں افضل اس کام کو سمجھتا ہوں۔

حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے واقعات علماء اسلام پر پوشیدہ نہیں ہیں تاہم مسئلہ غور طلب میں اس واقعہ کی روشنی غالباً رہنمائی میں مدد دے گی جس کا اثر میرے دل پر بہت ہے اس لئے اسے یہاں نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی عزیز ترین اولاد حضرت بی بی عائشہؓ کو نواح مدینہ میں اپنی ایک جاگیر مخصوص طور پر ہبہ کر دی تھی لیکن وفات کے وقت خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہو گی اس لئے ان کو بلا کر فرمایا : جان پدر افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے زیادہ محبوب رہی ہو۔ (ابن سعد بحالہ خلفائے راشدین" حاجی معین الدین ندوی)

جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے اب چاہتا ہوں کہ اسے واپس لے لوں تاکہ میری تمام اولاد پر کتاب اللہ کے احکام کے مطابق تقسیم ہو جائے میں اس حال میں خدا سے ملنا چاہتا ہوں کہ اپنی اولاد میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی ہے۔ (ابن سعد بحوالہ "رحلت خلفائے راشدین" عبدالرزاق ملیح آبادی)

میں شریعت اسلامیہ اور احکام دینیہ کی صحیح روح کی رو سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ایسا اقدام کرنا کیا مرحوم کی اولاد کا خوشگوار فرض نہیں ہے اور کیا یہ ان کی روح کو سکون و راحت پہنچانے کا بہترین ذریعہ نہ ہو گا؟

میں یہ بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مرحوم کی اس فروگذاشت سے میری طرف جو جائیداد زائد پہنچی ہے اس کا تناسب کیا ہے تاکہ اتنے کے بقدر جائیداد اپنی بہن کو منتقل یعنی ہبہ کر دوں۔

ایک اور بات اس سلسلہ میں اطلاعاً عرض ہے کہ والد مرحوم کے ہبہ کرنے کے بعد جائیدادوں کا داخل خارج

بھی ہو گیا تھا اور پٹواری کے کاغذات وغیرہ میں چاروں بیٹوں کے نام ملکیت میں درج ہو گئے تھے مگر عملاً قبضہ نہیں ہوا تھا یعنی جائیدادوں کا منافع وغیرہ کبھی کچھ نہیں ملا البتہ بڑے صاحبزادے کرتا دھرتا رہے ہیں
المستفتی نمبر ۲۶۵۷ خان الیاس احمد صاحب مجیبی (دہلی) ۸ ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ ۸ دسمبر ۱۹۴۰ء۔

(جواب ۲۰۲) صحت ہبہ کے لئے شرط یہ ہے کہ موہوب مشترک مشاع نہ ہو[1] بلکہ مقسوم مفرز ہو یعنی جو چیز جس کو ہبہ کی جائے اس کو تقسیم کر کے علیحدہ کر دیا جائے اگر موہوب لہم متعدد ہوں تو ہر ایک کا حصہ جدا جدا کر کے ہبہ کیا جائے اگر متعدد اشخاص کو کوئی جائیداد مشترک (بغیر اس کے کہ تقسیم کر کے ہر ایک کا حصہ جدا کر دیا جائے) ہبہ کر دی جائے تو ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ اور اس شرط کی رعایت کر کے ہبہ کیا گیا ہو تو اس کی تمامی اور تکمیل اس پر موقوف رہے گی کہ موہوب لہ کو موہوب پر قبضہ دے دیا جائے اگر قبضہ نہ دیا گیا اور واہب کا انتقال ہو گیا تو موہوب لہ مالک نہ ہوگا بلکہ جائیداد موہوبہ واہب کا ترکہ قرار پائے گی[2] اور فرائض شرعیہ کے موافق تقسیم ہوگی۔

پس صورت مسئولہ میں اگر جائیداد مشترک بغیر تقسیم ہبہ کی گئی اور ہر بیٹے کو اس کے حصے کی جائیداد مقسومہ مفرزہ پر قبضہ نہیں دیا گیا تو یہ ہبہ ہی جائز نہیں ہوا۔[3] اور بصورت عدم جواز ہبہ لڑکوں کو اس جائیداد پر قبضہ کر لینا اور بہن کو اس کا حصہ نہ دینا حرام اور ظلم ہے[4] اگر مرحوم کے ورثا صرف چار لڑکے اور ایک لڑکی ہے اور کوئی وارث نہیں ہے تو لڑکی کا حصہ ۱/۹ ہے یہ اس کو دینا واجب اور فرض ہے۔[5]

اگر صحت ہبہ و تکمیل ہبہ کی تمام شرائط پوری ہو جاتیں اور ہبہ صحیح ہو جاتا تاہم چونکہ مرحوم سے اس ہبہ میں ناانصافی سرزد ہوئی تھی[6] اس لئے سعادت مند لڑکوں کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ والد مرحوم کی غلطی یا ناانصافی کی تلافی کر دیں اور ان کو آخرت کے مؤاخذہ سے نجات دلائیں اگر دوسرے بھائی اس پر آمادہ نہ ہوں تو آپ اپنے حصہ میں سے بہن کو ۱/۹ دیدیں یہ بھی واضح رہے کہ بڑے بھائی کا کرتا دھرتا رہنا موہوب لہم کے قبضے کے لئے کافی نہیں ہے اور اس سے تکمیل ہبہ نہیں ہوتی۔[7] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) وشرائط صحتها في الموهوب ان يكون مقبوضا غير مشاع مميزاً غير مشغول (التنوير الابصار مع الدرالمختار' كتاب الهبة ٥/٦٨٨ ط سعيد)

(۲) و تتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلاً لملك الواهب لا مشغولاً به في محوز مقسوم و مشاع لا يبقىٰ منتفعاً به بعد ان يقسم' وفي الشامية' وكما يكون للواهب الرجوع فيهما يكون لوارثه بعد موته لكونها مستحقة الرد(التنوير الابصار' كتاب الهبة ٥/ ٦٩٢ ط سعيد)

(۳) لا تتم بالقبض فيما يقسم ولو وهبه لشريكه اولا جنبى لعدم تصور القبض الكا مل فان قسمه و سلمه صح لزوال المانع' ولو سلمه شائعاً لا يملكه فلا ينفذ تصرفه فيه(الدرالمختار' كتاب الهبة ٥/ ٦٩٢ط سعيد)

(٤) قال تعالىٰ : يا ايهاالذين امنو لا تاكلواامو الكم بينكم بالباطل (النسآء' ٢٩)

(٥) ومع الابن للذكر مثل حظ الانثيين وهو يعصبهن (سراجي ص ٥ ط سعيد) (٦) وكذافي العطايا ان لم يقصد به الاضرار وان قصده فسوى بينهم يعطي البنت كالا بن عند الثاني و عليه الفتوىٰ (الدرالمختار ' كتاب الهبة ٥/٦٩٦ ط سعيد)(۷) ہبہ کی تکمیل کے لئے قبضہ شرط ہے اور قبضہ کے مفید ہونے کے لئے موہوب لہ کا مکمل تخلیہ اور مشغول بقبض الغیر نہ ہونا ضروری ہے لما في الدر؛ وتتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلاً لملك الواهب لا مشغولاً به في محوز مفرغ مقسوم و مشاع لا يبقىٰ منتفعاً به بعد ان يقسم (الدرالمختار' كتاب الهبة ٥/٦٩٢ ط سعيد)

طویل بیماری میں وفات سے پہلے بعض وارثوں کو ہبہ کرنا

(سوال) محمودہ نے کافی عرصہ بیمار رہنے کے بعد انتقال کیا اور اپنی بیماری ہی کے دوران میں کچھ جائیداد اولاد نرینہ کے نام میں جس میں بالغ اور نابالغ ہیں ہبہ کی جس میں دوسری اولاد یعنی لڑکیاں جو حقدار تھیں ان کو محروم کیا مرحومہ نے مرض الموت ہی میں یہ ہبہ کیا یعنی اسی بیماری میں فوت ہوئیں کیا شرع شریف کے نزدیک یہ فعل جائز ہے اور آیا یہ ہبہ موہوب سے واپس ہو سکتا ہے خواہ نابالغ ہی کیوں نہ ہو۔
المستفتی نمبر ۲۰۴۷ عبدالعزیز (کرنال) ۵ صفر ۱۳۶۱ھ م ۲۲ فروری ۱۹۴۲ء

(جواب ۲۰۳) کافی عرصہ بیمار رہنے کی وضاحت سوال میں نہیں ہے اگر کسی بیمار کی بیماری ممتد اور طویل ہو جائے مثلاً ایک سال یا اس سے زیادہ گزر جائے اور مرض کی ایک حالت قائم ہو جائے تو پھر وہ مریض کے حکم میں نہیں رہتا تندرست کے حکم میں ہو جاتا ہے اور اس حالت کے تصرفات مریض کے تصرفات قرار نہیں دیئے جاتے۔[1]

پس اگر محمودہ نے ایسی حالت میں ہبہ کیا کہ اس کی بیماری کو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا اور کوئی خاص تغیر اور مرض کی شدت کا وقت نہ تھا تو وہ ہبہ تندرست شخص کے ہبہ کی طرح ہوگا[2] اور اگر وہ باقاعدہ ہوا اور قبضہ کرا دیا گیا ہو تو موہوب لہم اس کے مالک ہو گئے اور اگر اس نے اپنی ساری ملکیت سے بعض اولاد کو محروم نہ کیا ہو بلکہ کمی زیادتی کا فرق رہا ہو تو اب وہ ہبہ واپس نہیں لیا جا سکتا۔ نہ بالغ سے نہ نابالغ سے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا اپنی زندگی میں ہبہ کی ہوئی جائیداد پر ورثاء ترکہ کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟

(سوال) ہندہ بیوہ زید نے اپنی زندگی میں بہ ثبات ہوش و حواس اپنی جائیداد کے ایک قلیل حصے کا قبضہ عمرو کے نام جس سے اس نے بعد فوت ہو جانے زید کے عقد کیا تھا منتقل کر دیا اور اس انتقال قبضہ کے تخمیناً بائیس سال بعد وہ فوت ہو گئی مگر اپنے ایام زندگی میں ہمیشہ ہر موقع پر اس نے اپنے منتقلہ حصہ قبضہ جائیداد بوقت انتقال قبضہ حصہ جائیداد کو عمرو کی ملک تسلیم کیا ہندہ کے انتقال کے بعد اس کے دیگر ورثاء اس قلیل حصے منتقلہ اسمی عمرو کے دعویدار ہوئے چونکہ ہندہ اپنی تمام جائیداد کی جائز مالک اور اس پر بلا شرکت غیرے قابض تھی

---

(۱) و یبطل اقرارہ و وصیته الی قوله وهبة مقعدو مفلوج و اشل و مسلول من كل ماله ان طالت مدته سنة ولم يخف موته منه و فى الشامية (قوله ولم يخف منه) ثم المراد من الخوف الغالب منه لا نفس الخوف كفاية و فسر القهستانى عدم الخوف بان لا يزداد ما به وقتاً فوقتاً لانه اذا تقادم العهد صار طبعاً من طباعه كالعمى والعرج وهذا لان المانع من التصرف مرض الموت الخ (الدرالمختار' كتاب الوصايا ۶/ ۶۶۰ ط سعيد)

(۲) اس لئے کہ یہ مرض الموت نہیں تھا۔

(۳) اس لئے کہ وہ قبض کی وجہ سے مکمل ہو گیا ہاں یہ فرق اگر بغیر معقول وجہ کے تھا تو مرحومہ گناہ گار ہوئی لما فى الدر: وكذا فى العطايا ان لم يقصد به الاضرار وان قصده فسوى بينهم يعطى البنت كالا بن عند الثانى و عليه الفتوى ولو وهب فى صحته كل المال للولد جاز واثم (الدرالمختار' كتاب الهبة ۵/ ۶۹۶ ط سعيد)

لہذا ایسی صورت میں بکر وخالد وغیرہ کا دعویٰ جو ہندہ کے دیگر ورثہ ہیں جائز ہے یا نہیں ؟ مع حوالہ عبارت صحیح جواب سے مطلع کیا جائے۔ بینوا توجروا ؟

(جواب ۲۰٤) اگر ہندہ نے وہ حصہ جائیداد عمرو کو ہبہ کر کے قبضہ دیدیا تھا تو بیشک وہ عمرو کی ملک میں داخل ہوگا مگر قبضہ سے مراد یہ ہے کہ حصہ موہوبہ کو اپنی جائیداد سے علیحدہ متمیز کر دیا ہو کیونکہ مشاع کا ہبہ صحیح نہیں ہے اور اپنا قبضہ اس پر سے اٹھالیا ہو بعد ملک وہبہ صحیحہ کے ثبوت کے پھر کسی وارث کو حق دعویٰ نہ ہوگا۔ وتتم الھبۃ بالقبض الکامل (درمختار) فی محوز مفرغ و مشاع لا یقسم ولا فیما یقسم الخ (درمختار)[1] کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

مرض الموت میں مکان اور روپیہ غیر وارث کو ہبہ کرنا

(سوال) ایک شخص کی دو حقیقی بیٹیاں ہیں اور دو حقیقی بھانجے ہیں اور جب اس شخص کی بیٹیوں کی والدہ کا انتقال ہوا تو ان دونوں لڑکیوں نے اپنے حقیقی پھوپھی زاد بھائیوں کے پاس پرورش پائی اور بروقت انتقال اس کے یہ دونوں لڑکیاں نابالغ تھیں۔ ایک لڑکی جب کہ بالغ ہوئی تو اس کی شادی پھوپھی زاد بھائیوں نے کی اور والد نے ان لڑکیوں کی پرورش میں نیز شادی وغیرہ میں کوئی کوڑی پیسہ صرف نہ کیا لیکن پیش از مرگ چند روز پہلے ایک غیر شخص کو اپنا بھائی بنا کر اس کے نام ایک مکان اور کچھ روپیہ نقد اور مکان بھی قیمتی واقع بازار کا رجسٹری کرا کر قبالہ ہوا دیا اور اپنی بیٹیوں اور بھانجوں کو بالکل اطلاع نہ دی اور مرنے سے چھ روز پہلے مکان اور روپیہ اس کے نام ہبہ کر گیا اور انتقال بھی اسکا اسی مکان میں ہوا اب ایک لڑکی نابالغ ہے شرع شریف میں مسئلہ ہذا کے متعلق کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۰۵) اگر یہ شخص ہبہ کے وقت بیمار ہو جس میں اس کو اپنی موت کا خیال ہو تو یہ ہبہ مرض الموت کا ہبہ ہوگا اگر اس شخص واہب نے ہبہ کے بعد موہوب لہ کو مکان پر قبضہ دیدیا ہو اور اپنا قبضہ اٹھالیا ہو تو اس صورت میں بھی چونکہ مرض الموت کا ہبہ ہے ثلث مال میں جاری ہوگا[2] اور دو تہائی اس کی بیٹیوں کو ملے گا بھانجے محروم ہیں اور اگر شخص واہب نے موہوب لہ کو قبضہ بھی نہ دیا ہو تو ہبہ صحیح نہیں [3] اور کل مکان لڑکیوں کو آدھا آدھا ملے گا قبضہ دیدینے سے مراد یہ ہے کہ اپنا قبضہ اور رہنا سہنا اس مکان سے علیحدہ کر لیا ہو۔[4] واللہ اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ

کیا نابالغ لڑکوں کے لئے جائیداد خریدنا ہبہ ہے ؟

(سوال) بکر نے اپنی حیات میں جو جائیداد غیر منقولہ خرید کی وہ کچھ اپنے نام سے اور کچھ اپنے دو پسران نابالغ

---

(۱) (الدر المختار' کتاب الھبۃ ۵/ ۶۹۲ ط سعید)

(۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۱۶۴) (۳-٤) وتتم الھبۃ بالقبض الکامل ولو الموھوب شاغلاً لملک الواھب لا مشغولاً بہ فی محوز مفرغ مشاع (الدر المختار' کتاب الھبۃ ۵/ ۶۹۲ ط سعید)

کے نام سے خرید کی اور ہمیشہ ہر دو جائیداد پر بکر قابض رہااور اس کی آمدنی کرایہ بھی بکر اپنے تصرف میں لایا۔ بکر نے جو جائیداد نابالغ لڑکوں کے نام سے بیعنامہ کر دیئے تھے اس کی از سر نو مرمت و تعمیر بکر نے اپنے روپیہ سے کی جیسے اپنی جائیداد کی کرتا تھا کوئی حساب علیحدہ نابالغان کے نام کی جائیداد کا نہیں رکھا بکر تجارت پیشہ تھا اور اس کی تجارت کا مقام کلکتے میں تھا اور جائیداد دوسرے مقام میں تھی بکر نے انتظام جائیداد غیر منقولہ کل کی وصولیت کرایہ و مرمت و از سر نو تعمیر جن لوگوں کے سپرد کیا تھا ان کو بھی بکر کی کوئی ہدایت ایسی نہ تھی کہ ہر دو جائیداد کی مرمت و کرایہ وغیرہ کا حساب علیحدہ رکھا جائے کچھ کرایہ دار از نام نابالغان والی جائیداد کے ایسے ہیں جن سے اور بکر سے تجارتی کاروبار تھا ہمیشہ ان لوگوں نے کرایہ و آمد مال بکر ایک ہی ساتھ میں بکر کے نام سے جمع کیا یعنی اپنے بہی کھاتے میں لکھا اور اس کا روپیہ بھی بکر ہی کو دیا اور بکر نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا بکر نے ۱۹۰۹ء و ۱۹۱۰ء میں دو یادداشتیں بطور چھپے کے بنائیں اور اس میں کل جائیداد اپنی اور جو دو لڑکوں کے نام ہے اس کی قیمت لکھی اور جو روپیہ نقد از قسم نوٹ وغیرہ تھے وہ لکھے اور لینا اپنا جو لوگوں کے ذمہ تھا وہ لکھا۔ بکر ۱۹۱۱ء میں بیمار ہو کر شروع ۱۹۱۲ء میں قضائے الٰہی سے فوت ہو گیا اور اپنے وارثان میں چند لڑکے اور دو لڑکیاں اور زوجہ کو چھوڑا۔ اب بحکم شرع شریف وہ جائیداد جو ان دو پسران کے نام ہے وہ کل وارثان پر تقسیم ہو گی یا اس کے وہی دو پسران مالک رہے۔ بینوا توجروا؟ المستفتی رشید احمد صاحب تاجر میرٹھ۔

(جواب ۲۰۹) صرف لڑکوں کے نام سے جائیداد خریدنا ثبوت ہبہ کے لئے ناکافی ہے[1] اگرچہ نابالغ اولاد کو اگر باپ کوئی چیز ہبہ کر دے تو نابالغوں کا قبضہ کرنا ضروری نہیں ہوتا۔[2] اور باپ کا قبضہ نابالغ موہوب لہ' کے قبضے کے قائم مقام ہو جاتا ہے[3] لیکن ہبہ کرنے کا ثبوت بہر حال ضروری ہے پس اگر اس امر کے گواہ موجود ہوں کہ بکر نے وہ جائیداد ان لڑکوں کو ہبہ کر دی تھی تو وہ ان لڑکوں کی خاص ملکیت ہو گی ورنہ بکر کے ترکہ میں شامل ہو کر تمام وارثوں پر تقسیم ہو گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

کیا دادا کی اجازت سے آباد کی ہوئی زمین پوتا واپس لے سکتا ہے؟

(سوال) زید نے باجازت عمرو مالک ایک بنجر زمین پتھریلی دامن پہاڑ میں پتھر توڑ کر آباد کی۔ جسکے مرنے کے بعد اس کے دو بیٹے اس زمین کے قابض رہے مجموعہ قبضہ باپ بیٹوں کا تخمیناً عرصہ ساٹھ سال سے قائم ہے اب عمرو کا پوتا وہ زمین مقبوضہ قابضوں سے لے سکتا ہے یا نہیں؟ خلاصۃ المرام یہ کہ اس قدر مدت کے قبضے کا اور اس مشقت کا شرعاً کوئی حق ہے یا نہیں؟ اور کیا پہاڑوں اور چراگاہوں کا شرعاً کوئی مالک ہو سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۹۴۰ کرم الٰہی ٹھیکہ دار (ایبٹ آباد) ۲۸ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۰ مئی ۱۹۳۶ء

---

(۱) کسی کے نام پر لینا عرف میں تملیک کے لئے متعین نہیں ہے بلکہ اور کئی اغراض کے لئے بھی ایسا کیا جاتا ہے۔
(۲) وهبة من له ولاية على الطفل في الجملة تتم بالعقد اى الايجاب فقط (الدرالمختار ' كتاب الهبة ۵/ ۶۹۴ ط سعيد ،
(۳) وان وهب له اجنبي يتم بقبض وليه وهو احدار بعة الاب ثم وصيه ثم الجد ثم وصيه (الدرالمختار' كتاب الميراث ۵/۶۹۵ ط سعيد)

(جواب ۲۰۷) قبضہ کے امتداد سے تو کوئی حق ملکیت حاصل نہیں ہوتا[1] اور جب کہ سوال میں اعتراف کیا گیا ہے کہ زید نے عمرو سے جو مالک تھا اجازت حاصل کر کے زمین کو آباد کیا تو اب مالک کی ملکیت سے انکار کرنا کیسے درست ہوگا اور مشقت کے عوض میں ساٹھ برس کی رہائش کا فائدہ مالک کی اجازت سے حاصل کیا گیا اس کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ربیبہ کے نابالغ لڑکوں کو ہبہ کرنے کا حکم

(سوال) (۱) مسمی زید جس کے کوئی پسری یا دختری اولاد نہیں تھی بقضائے الٰہی فوت ہو گیا ہے۔ لیکن متوفی نے اپنی حیات میں ایک لاوارث لڑکی بوجہ نہ ہونے اولاد صلبی کے لیکر پرورش کرلی متوفی نے اس کی شادی بھی کردی تھی لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ ربیبہ لڑکی دو پسران نابالغ کو چھوڑ کر متوفی کی حیات میں ہی فوت ہوگئی متوفی نے کچھ جائیداد کا ہبہ نامہ ربیبہ کے ہر دو پسران نابالغ کے نام بولایت وسرپرستی ان کے والد کے کردیا ہے زید کے مرنے پر زید کی جائیداد کی تقسیم میں نزاع پیدا ہوا متوفی کی ایک بیوہ اور ایک حقیقی بھائی موجود ہے اس صورت میں زید کی جائیداد کے سہام کس قدر اور کس کس کو مل سکتے ہیں (۲) زید نے جو ہبہ نامہ ربیبہ کے ہر دو پسران نابالغ کے نام کیا ہے آیا وہ بروئے شرع محمدی جائز قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۳۱۲ محمد ابرار علی صاحب (انبالہ) ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ ۲۵ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۰۸) ربیبہ کے نابالغ لڑکوں کے نام جو ہبہ نامہ لکھا ہے اس کی صحت ونفاذ کے لئے یہ لازم تھا کہ نابالغوں کے ولی کو شئی موہوب کا قبضہ دیدیا جاتا اور وہ نابالغوں کی طرف سے نابالغوں کے لئے موہوب کا قبضہ کرلیتا اگر صورت مسئولہ میں ولی نابالغان کو قبضہ کرادیا گیا تھا تو ہبہ صحیح اور نافذ ہے[2] اور اگر قبضہ نہیں دیا گیا تھا تو ہبہ ناجائز ہے۔[3] ہبہ ناجائز ہونے کی صورت میں اگر نابالغوں کے لئے کوئی وصیت بھی نہ ہو تو ترکہ کے مستحق صرف دو وارث ہوں گے یعنی بیوہ اور بھائی بیوہ کو ۱/۴ ملے گا اور بھائی کو ۳/۴[4] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) کیونکہ یہ اسباب ملک میں سے نہیں اور اسباب ملک تین ہیں' اعلم ان اسباب الملك ثلاثة : ناقل كبيع وهبة و خلاف كارث واصالة (الدرالمختار' كتاب الصيد ٦/٤٦٣ ط سعيد)

(۲) وان وهب له اجنبي يتم بقبض وليه وهو احد اربعة الاب ثم وصيه ثم الجد ثم وصيه (الدرالمختار' كتاب الهبة ٥/٦٩٥ ط سعيد)

(۳) و تتم الهبة بالقبض الكامل (الدرالمختار' كتاب الهبة ٥/٦٩٢ ط سعيد)

(٤) والربع لها عند عدمها وايضا فيه و عند الانفراد يحوز جميع المال و يقدم الاقرب فالا قرب الى قوله ثم الاخ لاب وام الخ (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦/٧٧٠ ط س)

دوسرا باب
ہبہ اولاد کے لئے

زندگی میں بیٹی کے لئے وصیت کرنے کا حکم

(سوال) مسمٰی زین العابدین جو شیعی مذہب رکھتا تھا اس کی سات اولادیں تھیں پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے۔ دونوں لڑکے اور ایک لڑکی تو بچپن میں ہی مر گئے تھے اور تین لڑکیوں کا نکاح ہوا اور تینوں کی اولاد بھی ہوئی لیکن یہ تینوں لڑکیاں بھی زین العابدین کی زندگی میں فوت ہو گئیں۔ اب صرف ایک لڑکی موجود ہے اور زین العابدین کی بیوی بھی موجود ہے چونکہ زین العابدین کا کوئی لڑکا نہیں اس نے سوچا کہ آئندہ اس موجودہ لڑکی میں اور فوت شدہ لڑکیوں کی اولاد میں ضرور نزاع ہوگا اس لئے اس نے اپنی حیات میں قبل وفات کے پانچ سال پہلے بحالت صحت ذات و ثبات عقل ایک ہبہ نامہ باقاعدہ لکھا اور عدالت ماتحت میں رجسٹری بھی کرا دی اس ہبہ نامہ میں جائیداد کی تقسیم اس طرح کی کہ موجودہ لڑکی کو ایک مکان اور بقیہ جائیداد کا نصف حصہ دیا جائے اور بقیہ نصف جائیداد کو فوت شدہ لڑکیوں کی اولاد پر مساوی حصے سے تقسیم کیا جائے اور اپنی بیوی کے نام پر کوئی جائیداد نہیں کی۔ ہاں عورت کو یہ اختیار دیا کہ کل بچوں کی سرپرستی بلوغ تک کرتی رہے۔ یہ ہبہ نامہ لکھ کر زین العابدین پانچ سال تک زندہ رہا پھر انتقال کیا اس کی بیوی نے حسب شرائط ہبہ نامہ سب بچوں کی جائیداد کی نگرانی کی۔ بلوغ کے بعد لڑکی کا نکاح ہو گیا اب اس نے اپنے حق کا تقاضا کیا مگر اس کی ماں یعنی زین العابدین کی بیوی نے جو صرف محافظ تھی ڈیڑھ ہزار روپے کی جائیداد منتقل کر دی اور بلا ضرورت ایسا فریب کیا لڑکی نے نوٹس دیا جواب نہیں دیا پھر نوٹس دیا باضابطہ عدالت اب عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا ہے زین العابدین کی بیوی یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ ہبہ صحیح نہیں ہے ہبہ ناجائز قرار دیا جائے لڑکی ہبہ کو ثابت رکھنا چاہتی ہے اور کہتی ہے کہ ہبہ صحیح ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیا یہ ہبہ نامہ صحیح ہوا یا نہیں اگر ہبہ صحیح ہے تو مال کس طرح تقسیم کیا جائے اور ہبہ صحیح نہ ہو تو زین العابدین کی بیوی کو کچھ پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ شرعی حکم دیا جائے؟

(جواب ۲۰۹) یہ ہبہ نامہ اگر ان الفاظ سے لکھا گیا ہے کہ میرے بعد فلاں فلاں کو اس قدر دیا جائے تو یہ ہبہ نہیں ہے بلکہ وصیت ہے [1] اور لڑکی چونکہ وارث ہے اس لئے اس کے لئے وصیت بدون رضامندی دوسرے وارثوں کے ناجائز ہے۔ **ولا تجوز لوارثه الا ان يجيزها الورثة انتهى مختصرا (كذا في الهداية)** [2] فوت شدہ لڑکیوں کی اولاد چونکہ وارث نہیں ہے اس لئے ان کے حق میں یہ وصیت معتبر ہے۔

---

(۱) وركنها قوله او صيت بكذا لفلان و ما يجرى مجراها من الفاظ المستعملة فيها' وفي الشامية' في الخانية: قال او صيت لفلان بكذا الى قوله ' قال محمد اجيز هذا على الوصية (الدر المختار' كتاب الوصايا ٦/ ٦٥٠ ط سعيد)

(۲) (هداية' كتاب الوصايا ٤/ ٦٥٧ ط امداديه ملتان)

لیکن ان کو بجائے نصف کے ثلث ملے گا کیونکہ غیر وارث کے لئے بھی ثلث سے زیادہ کی وصیت بدون رضا مندی ورثہ کے جائز نہیں ۔ **ولا تجوز بما زاد علی الثلث الا ان یجیز ھا الورثۃ بعد موتہ وھم کبار ولا معتبر باجازتھم فی حال حیوتہ (ھدایہ)**[1] پس ثلث مال فوت شدہ لڑکیوں کی اولاد کو حصہ مساوی تقسیم کیا جائے گا اور باقی دو ثلث میں سے آٹھواں حصہ زوجہ زین العابدین کو دے کر باقی موجودہ لڑکی کو ملے گا۔

اور اگر ہبہ نامہ میں یہ بھی لکھا ہو کہ میں نے ہبہ کر دیا تاہم بوجہ مشاع ہونے کے ہبہ ناجائز ہے۔ **ولا تجوز الھبۃ فیما یقسم الا محوزۃ مقسومۃ (ھدایہ)**[2] واللہ اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ ٗ مدرس مدرسہ امینیہ ٗ دہلی

بعض اولاد کو ہبہ کرنا اور بعض کو محروم کرنے کا اخروی عذاب

(سوال) زید کے متعدد نرینہ اولاد کے سوا لڑکیاں بھی ہیں مگر زید اپنے بڑے لڑکے کو جائیداد کا اکثر حصہ ہبہ کرتا ہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد اس کی لڑکیاں حقدار وارث نہ ہوں اور اس کے سارے لڑکے باپ کی وراثت کو بحصص مساوی تقسیم نہ کریں اور زید بڑے لڑکے کے لئے جائیداد کا اکثر حصہ جن وجوہات پر محفوظ کرنا چاہتا ہے وہ شرعی یا اخلاقی وجوہ اور مصالح نہیں ہیں۔ زید کی باقی اولاد علم و اخلاق اور ماں باپ کے حقوق میں اپنے بڑے بھائی جیسے ہیں حدیث میں ایسے ہبہ کو ظلم فرمایا گیا ہے اور حضور ﷺ نے اس کے واپس کرنے کا حکم دیا تھا۔[3] اور فقہانے تفاضل کے ساتھ اولاد کے باہمی ہبہ کو ناجائز فرمایا ہے۔[4] **المستفتی** نمبر ۸۶۰ مولوی سید امین الحق شیخوپورہ ۲۲ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء۔

(جواب ۲۱۰) بعض اولاد کو ہبہ کرنا اور بعض کو نہ دینا ناجائز ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے جور فرمایا ہے اور واپس لینے کا حکم دیا تھا عورتوں یا چھوٹی اولاد کو محروم رکھنے کی غرض سے بڑے لڑکے کو ہبہ کر دینا حرام اور ظلم ہے[5] اور اگر باپ نے ایسا ہبہ کر دیا ہو تو واپس لینا واجب ہے اگر واپس نہ لے تو قیامت کے روز ماخوذ ہو گا اور سخت عذاب کا مستحق ہو گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی۔

---

(۱) (ھدایہ کتاب الوصایا، ۴ : ۵۶۵)

(۲) (ھدایۃ کتاب الھبۃ ۳ : ۲۸۵ ط امدادیہ ملتان)

(۳) وعن النعمان بن بشیر ان اباہ اتی بہ الی رسول اللہ ﷺ فقال انی نحلت ابنی ھذا غلاما فقال أکل ولدک نحلت مثلہ قال لا قال فارجعہ وفی روایۃ قال فاتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم قال فرجع فرد عطیتہ الحدیث (متفق علیہ کذافی المشکوۃ ۱ : ۲۶۱ ط سعید)

(۴) والعطاء ان لم یقصد بہ الاضرار وان قصدہ لیسوی بینھم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیہ الفتوی ولو وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم (الدرالمختار' کتاب الھبۃ ۵ : ۶۹۶ ط سعید)

زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کا طریقہ

(سوال) زید اپنی زندگی میں اپنی جائیداد کے حصے بانٹنا چاہتا ہے چار لڑکے چار لڑکیوں میں کس طرح حصے تقسیم کرے۔ المستفتی نمبر ۹۲۱ شجاع الدین (دہلی) ۲۰ صفر ۱۳۵۵ھ ۱۲ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۱۱) بہتر یہ ہے کہ زید اپنی جائیداد کے آٹھ حصے کر کے ہر ایک لڑکے اور لڑکی کو ایک ایک حصہ تقسیم کر کے ہر ایک کو قبضہ بھی دیدے (قوله و عليه الفتوى) اى على قول ابى يوسفؒ من ان التنصيف بين الذكر والا نثى افضل من التثليث الذى هو قول محمدؒ رملى (ردالمحتار جلد رابع ص ٥٦٤)[1] واللہ اعلم 'حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ 'دہلی۔
اگر اور وارث نہ ہو تو یہی صورت افضل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

قرض ادا کروانے کی خاطر دکان کی فرم بیٹے کے نام کروانا

(سوال) میری سات اولادیں ہیں ۴ بیٹے اور تین بیٹیاں پیشہ دوکانداری ہے ان میں سے چھ اولاد کی شادی بھی دوکان کی آمدنی سے ہو چکی ہے اور سب علیحدہ علیحدہ ہیں تینوں لڑکے اپنا اپنا کاروبار کرتے ہیں تینوں بیٹیاں اپنے اپنے گھر کی ہیں چھوٹا لڑکا محمد اسماعیل دوکان پر بیٹھتا ہے وہی دوکان کا کاروبار کرتا ہے اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے اور نہ اس کی شادی کے لئے کچھ سرمایہ ہے دوکان کی آمدنی میں بمشکل گزر ہوتا ہے اور مبلغ آٹھ سو روپے کا دوکان میں سرمایہ ہے اور مبلغ ۲۶ سو روپے بازار کا دینا ہے چونکہ میں بیمار رہتا ہوں اور کوئی سرمایہ بھی نہیں ہے اس لئے قرضہ کی ادائیگی کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ دوکان چلتی رہے اور آہستہ آہستہ اس میں سے قرضہ ادا کیا جائے اور اس کے لئے یہی صورت ہو سکتی ہے کہ چھوٹا لڑکا محمد اسماعیل اس کی ذمہ داری لے تو میں چاہتا ہوں کہ دوکان کی فرم کا نام اس کے نام رجسٹری کرادوں تاکہ وہ دوکان کو جاری رکھے اور قرضہ ادا کرتا رہے اور میری اور اپنی والدہ کی کفالت بھی کرے تو ایسی صورت میں صرف فرم کی رجسٹری کرنا اس کے نام جائز ہوگا یا نہیں۔ جب کہ دوکان کے اندر موجودہ سرمایہ سے سہ گنا قرضہ بھی دینا ہو یعنی میں اس کو کوئی مالیت ہبہ نہیں کر رہا صرف فرم کا نام دے رہا ہوں تو یہ شرعاً میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۱۸۴۱ عبدالستار چتلی قبر دہلی' ۷ رجب ۱۳۵۶ھ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۲۱۲) اگر دوکان پر فی الحقیقت سرمایہ سے سہ گناہ قرضہ ہے تو کوئی مالیت لڑکے کو ہبہ نہیں کی جارہی ہے[2] کہ اس میں دیگر اولاد کی مساوات کا حکم ہو بلکہ اس صورت میں کہ لڑکا قرضہ کی ادائیگی کا ذمہ لے لے گویا اس سے مزید سولہ یا اٹھارہ سو روپیہ لیا جارہا ہے اور فرم کی رجسٹری جس مصلحت سے کی جارہی

---

(۱) (ردالمحتار' کتاب الھبة ٥/٦٩٦ ط سعید)
(۲) کیونکہ یہ ہبہ بالعوض ہے اور جب لڑکا وہ قرضہ ادا کرے گا تو یہ انتہاءً بیع ہو جائے گی کما فی ردالمحتار تحت قوله (فخرج الشرع من الجانبين) والهبة بشرط العوض فانه ليس ببيع ابتداء وان كان فى حكمه بقاء (رد المحتار كتاب البيوع ٤/٥٠٣ ط سعید)

ہے وہ نیک ہے کہ قرض خواہوں کا قرضہ بھی ادا ہو جائے اور والدین کی کفالت بھی ہوتی رہے۔ پس صورت مسئولہ میں فرم کی رجسٹری چھوٹے لڑکے کے نام کرا دینے میں کوئی محظور شرعی نہیں ہے بلاشبہ جائز ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا چار بیٹوں کا باپ اپنی جائیداد دو کو ہبہ کر سکتا ہے ؟

(سوال) (۱) زید کی آبائی ملکیت ایک مکان ہے اور اس کے چار لڑکے ہیں ان چاروں لڑکوں میں سے دو لڑکے زید کے ہمراہ رہتے ہیں اور دو لڑکے علیحدہ ۔ زید اگر چاہے تو اپنی آبائی ملکیت ان دونوں لڑکوں کو فروخت کر سکتا ہے یا نہیں جو اس کے ہمراہ رہتے ہیں اور شرعاً اسے فروخت کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں چاروں لڑکے حقیقی بھائی ہیں

(۲) زید کے چار لڑکے ہیں جس میں دو لڑکے زید کے ہمراہ رہتے ہیں اور اس کی خدمت کرتے ہیں اور دو لڑکے زید سے علیحدہ ہیں اب اگر زید اپنی آبائی ملکیت ان دونوں لڑکوں کے نام جو اس کی خدمت کرتے ہیں ہبہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں چاروں لڑکے حقیقی بھائی ہیں۔ **المستفتی نمبر ۲۴۳۹** سید نظام علی صاحب (اندور) ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ م ۱۸ جنوری ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۱۳) زید کو ایسا کرنا کہ دو لڑکوں کو دے اور دو کو نہ دے جائز نہیں ہے۔ چاروں لڑکے برابر کے حقدار ہیں دو کو ہبہ کر دینا درست نہیں[1] ہاں اگر دو لڑکوں کے ہاتھ اپنی جائیداد واجبی قیمت سے فروخت کر کے ان سے قیمت وصول کر لے اور وصول شدہ قیمت میں سے سب لڑکوں کو برابر رقم دیدے تو یہ جائز ہے اور اس صورت میں اپنے لئے بھی جتنی رقم چاہے بچا لے۔[2] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی
الجواب حق صحیح فقیر محمد یوسف دہلوی مدرسہ امینیہ' دہلی۔

اولاد کو وراثت سے محروم کرنے کا حکم

(سوال) اگر کسی شخص نے اپنا مال کسی غیر کے نام ہبہ کر دیا حالانکہ اس کی اولاد موجود ہو یا اولاد میں سے اگر کوئی اولاد خرچ نان نفقہ اٹھائے وہ شخص خرچ اٹھانے والی اولاد کو تمام مال دیدے جیتے جی دیگر اولاد کو نہ دے یا خرچ اٹھانے والا خود جبراً خرچ کے عوض مال لیوے جائز ہے یا نہیں اور حق تلفی کنندہ کی کیا سزا جزا ہو گی۔

(جواب ۲۱۴) اگر کوئی شخص اپنی اولاد کے ہوتے ہوئے اولاد کو محروم کرنے کی نیت سے کسی شخص کو ہبہ کر دے تو یہ شخص گناہ گار ہے اسی طرح اپنی کسی ایک اولاد کے نام ہبہ کر دیا تو جب بھی گناہ گار ہو گا۔ ہبہ نافذ ہو جائے گا۔ **رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء و يكون إثما فيما صنع**

---

(۱) وكذا في العطايا ان لم يقصد به الاضرار وان قصده فسوى بينهم فيعطي البنت كالا بن عند الثاني و عليه الفتوى (الدر المختار' كتاب الهبة ٥/٦٩٦ ط سعيد)
(۲) کیونکہ یہ اس کی اپنی ملک ہے مرض الموت سے پہلے جیسا چاہے تصرف کر سکتا ہے۔

کذافی فتاویٰ قاضی خان (ہندیہ ص ۳۹۷ ج ٤)[1]

تیسرا باب
ہدیہ وعطیہ

کیا مبلغین' مدرسین اور سفراء سالانہ جلسوں میں شریک ہو کر ہدیہ وغیرہ لے سکتے ہیں؟

(سوال) مدرسہ عربیہ جس میں علوم دینیہ کی تعلیم کے لئے مدرس اور عوام کی ہدایت کے لئے مبلغ اور فراہمی سرمایہ کے لئے سفیر مقررہ تنخواہوں پر کام کرتے ہیں اس مدرسہ کے مدرسوں اور مبلغوں سے اطراف کے عوام کو کچھ ایسی دلچسپی ہے کہ اپنی انجمنوں اور اپنے مدرسوں کے سالانہ جلسوں پر بلاتے ہیں اور علاوہ اخراجات سفر کے کوئی کپڑا یا کچھ مٹھائی کوئی بکس یا کوئی ایسی ہی استعمال کی چیز یا نقد روپیہ بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں تو یہ ہدایا کی چیزیں ان مبلغوں' اساتذہ اور سفراء کی ملکیت ہوں گی یا مدرسہ کی ملکیت سمجھی جائیں گی اور بالخصوص نقد روپیہ کے متعلق جب کہ یہ بھی تصریح ہو گئی ہو کہ مدرسہ کی خدمت ہم لوگ کسی اور موقعہ پر اور معقول طریقہ پر کریں گے تو یہ حقیر ہدیہ محض آپ کی تکلیف فرمائی پر آپ کے اہل وعیال کے لئے ہے قرآن وحدیث وفقہ حنفی سے بالخصوص اپنے اکابر کے دستور العمل کے حوالہ سے فتویٰ عنایت فرمایا جاوے؟

المستفتی نمبر ۱۱۷۲ مظفر الدین واچ مرچنٹ (مراد آباد) ۲۱ شعبان ۱۳۵۵ھ ۹ نومبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۱۵) مدرسہ کے مدرس اور مبلغ جو صرف تدریس اور تبلیغ کے کام پر مامور ہوں یعنی فراہمی چندہ ان کا فرض منصبی نہ ہو مدرسہ سے رخصت حاصل کر کے کسی جگہ جاکر وعظ کریں اور ان کو شخصی طور پر کوئی چیز یا نقد ہدیۃً ملے تو وہ ان کی اپنی ہے[2] ہاں سفراء جو فراہمی چندہ کے کام پر مامور ہوں اور مدرسہ نے انکو شخصی طور پر ہدیہ لینے سے روک دیا ہو ان پر لازم ہے کہ یا تو وہ شخصی ہدایا قبول نہ کریں یا قبول کریں تو مدرسہ کے فنڈ میں ڈال دیں۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) عالمگیریۃ' کتاب الھبۃ ٤ ۳۹۱ ط ماجدیہ)

(۲) یجوز للامام والمفتی والواعظ قبول الھدیۃ' لانہ انما یھدی الی العالم لعلمہ (الدر المختار' کتاب القضاء ٥ ۳۷۲ ط سعید)

(۳) وعن ابی حمید الساعدی' قال استعمل النبی ﷺ رجلا من الازد یقال لہ ابن اللتبیۃ علی الصدقۃ فلما قدم قال ھذا لکم وھذا اھدی لی فخطب النبی ﷺ و حمد اللہ واثنی علیہ ثم قال اما بعد فانی استعمل رجالا منکم علی امور مما ولانی اللہ فیاتی احدھم فیقول ھذا لکم وھذہ ھدیۃ اھدیت لی فھلا جلس فی بیت ابیہ او بیت امہ فینظر ایھدی لہ ام لا' والذی نفسی بیدہ لا یاخذ احد منہ شیئا الا جاء بہ یوم القیامۃ یحملہ علی رقبتہ الی آخر الحدیث (مشکوۃ' کتاب الزکاۃ' الفصل الاول ۱ ۱۵٦ ط سعید)

کتاب الغصب

پہلا باب

قبضۂ مخالفانہ

کاشت کے لئے دی ہوئی ہندو کی زمین پر ملکیت ثابت کر کے اسے بیچنااور خرید نا

(سوال) (۱) ایک مسلمان نے عرصہ تیس سال سے ایک ہندو کی اراضی کو اپنی کاشت و کرایہ کے طور پر تصرف و قبضہ میں رکھا اور چونکہ قانون رائج الوقت قبضہ مخالفانہ کی رو سے جو اتنی زیادہ مدت تک رہے ایسے شخص کو ملکیت مطلقہ کا حق حاصل ہو جاتا ہے اس مسلمان شخص نے اپنی ملکیت کا دعویٰ دائر کیا اور بجنور مراد آباد اور ہائی کورٹ الہ آباد سب جگہ اس مسلمان شخص کے قبضہ مخالفانہ کی وجہ سے ملکیت تسلیم کر لی گئی اور ہندو (اصل مالک) کی ملکیت باطل قرار دی گئی ہائی کورٹ کے اس فیصلے کو بھی دو ڈھائی سال گزر گئے ہیں اور اصل مالک قانون وقت کی وجہ سے مجبور ہو گیا ہے صورت مذکورہ میں یہ مسلمان شخص اس اراضی کو دوسرے مسلمان شخص کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا ہے ایسی زمین کا خرید کرنا کیسا ہے ؟
(۲) اگر شرعاً ایسی زمین کا کسی مسلمان کو خرید نا ناجائز یا غیر مستحسن ہے تو کیا ملک اول کا خبث اس طرح رفع ہو سکتا ہے کہ مسلمان کسی ہندو کو یہ زمین فروخت کردے اور پھر اس ہندو سے دوسرا مسلمان اس کو خرید لے ؟
(۳) اگر شرعاً ایسی زمین کو خرید نا ناجائز ہے تو اگر اس اراضی کے اصل مالکان کو کسی طرح رضامند کر لیا جائے تو پھر تو خریدنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ؟ المستفتی نمبر ۷۰۳ مولوی سید احمد رضا صاحب بجنور (ناظم مجلس علمی ڈابھیل) ۱۱ شوال ۱۳۵۴ھ ۷ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۱۶) (۱) جس کو واقعہ معلوم ہے اسے خرید نا ناجائز ہے کیونکہ قابض در حقیقت مالک نہیں

ہو گیا۔[1]

(۲) جہاں تک علم قائم رہے گا وہاں تک حکم عدم جواز ہی ہو گا۔[2]

(۳) ہاں اگر اصل مالک کو راضی کر لیا جائے اور وہ بعوض یا بلا عوض قابض کو مالک بنا دے تو پھر قابض اس کی فروخت کر سکتا ہے اور خریدنے والے کو خریدنا بھی جائز ہو گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دوسرا باب
حق تلفی

یتیم بھتیجوں کا حق کھانے والے کی امامت کا حکم

(سوال) زید و بکر دو بھائی ہوتے ہیں زید انتقال کر جاتا ہے اور بکر حیات ہے زید کے دو بچے یتیم ہیں جن کی بکر پرورش کر رہا ہے اور زید و بکر کی جو جدی جائیداد تھی اس کو بکر نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے اور زید کے بچوں کو حصہ دینا نہیں چاہتا جب کہ ان بچوں کے حصہ میں آدھی جائیداد آتی ہے حالانکہ بچے یتیم ہیں اور بکر امام جامع مسجد اور شہر قاضی و نکاح خواں کلیانہ علاقہ دادری ہے اور زید امام جامع مسجد اور شہر قاضی و نکاح خواں شہر دادری تھا کیا اس صورت میں بکر کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں نکاح خوانی درست ہے یا نہیں اس کے یہاں کا کھانا پینا درست ہے یا نہیں جب کہ وہ یتیموں کا مال ہڑپ کر گیا ہو۔ المستفتی نمبر ۱۷۶۷ سید محمد اسحاق (چرخی دادری) ۱۳ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۹ ستمبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۲۱۷) اگر بکر یتیم بھتیجوں کا حق ادا نہ کرے اور اپنی اس ناجائز حرکت سے توبہ نہ کرے تو اس کی امامت مکروہ ہے اس کو امامت سے معزول کر دینا چاہئیے اور نکاح بھی اس سے نہ پڑھوایا جائے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

یتیم بھتیجوں کا حق کھائے جانے پر خاموش رہنے والے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) چند بھائی جائیداد و زمین میں حصہ دار ہیں ایک بھائی انتقال کر گئے ان کے معصوم بچے موجود ہیں ایک بھائی جو صاحب ثروت ہیں وہ جائیداد سے روپیہ وصول کراتے ہیں اپنے چھوٹے بھائی کے ذریعے سے اور وہ روپیہ وصول کر کے کھا جاتا ہے۔ معصوموں کو کچھ نہیں دیتا اور وہ صاحب ثروت بھائی کچھ نہیں کہتے

---

(۱) اور غیر مملوک کی بیع صحیح نہیں ہوتی و بطل بیع ما لیس فی ملکہ (الدر المختار' کتاب البیوع ۵/۵۸ ط سعید)
(۲) وفی الاشباہ' الحرمۃ تنتقل مع العلم بھا الخ (الدر المختار' کتاب الحظر والاباحۃ ۶/۳۸۵ ط سعید)
(۳) فھو ای الفاسق کالمبتدع تکرہ امامتہ بکل حال الخ (الدر المختار' باب الامامۃ ۱/۵۶۰ ط سعید)

خاموش ہیں۔ ایسے حالات میں وہ گناہ گار ہیں یا نہیں ؟

(جواب ۲۱۸) چھوٹا بھائی جو اپنے بھتیجوں کا روپیہ کھا جاتا ہے سخت ظالم ہے یتیموں کا مال کھانا گناہ کبیرہ اور بڑا ظلم ہے اور بڑا بھائی جو بچوں کا چچا ہے اگر بچوں کے حق کی حفاظت کر سکنے کے باوجود کوتاہی کرتا ہے تو اس کوتاہی کا وہ بھی مواخذہ دار ہے کیونکہ اس نے ایسے ظالم کو مسلط کر رکھا ہے جو یتیموں کا مال کھا جاتا ہے چھوٹے بھائی پر لازم ہے کہ تمام روپیہ جو بچوں کے حق کا اس نے کھایا ہے ادا کرے ورنہ وہ دوزخ کے انگارے ہیں جو اس نے اپنے پیٹ میں بھرے ہیں۔[1] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

تیسرا باب
تصرف بغیر اجازت

سرکاری زمین بلا اجازت قبضہ میں لیکر تصرف کرنا

(سوال) اگر کوئی شخص سینکڑوں سال کی سرکاری قبضہ و تصرف کی زمین بغیر کسی تحریر سند قبالہ یا یقینی ثبوت مثلاً آثار عمارت ظاہر یا پوشیدہ موجودہ حکومت کی اجازت لئے بغیر کسی جھوٹے فریب سے قبضہ کر کے شارع عام اور بعض مکانوں کے راستے روکے تو جائز ہے یا ناجائز ؟ بیان فرما کر اجر عظیم حاصل کریں۔

المستفتی نمبر ۲۲۶ حسن مختیار (راندیر) ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ ۳ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۱۹) عام زمینیں جو آج کل میونسپلٹی یا نزول کی زمینیں کہلاتی ہیں یا شارع عام جس کے ساتھ عوام کا استفادہ متعلق ہوتا ہے بغیر اجازت کے اپنے تصرف خاص میں لے آنا[2] اور عوام کو تکلیف اور مضرت پہنچانا جائز نہیں ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مالک کی رضامندی کے بغیر جائیداد کا دوسرے کو مالک بنانا

(سوال) گورنمنٹ آف انڈیا نے کاشتکاران زائد از بارہ سال کو از روئے قانون جاریہ حق دخیلانی یا موروثی مانا ہوا ہے جس کو علمائے اسلام بالاتفاق غصب قرار دے چکے ہیں اور یہ حق دخیلانی مانع و منافی حقوق مالکانہ زمیندار کا ہے حق ملکیت زمیندار کے فرامین و دیگر دستاویزات انتقال جائیداد عہد اکبر اعظم سے تا ایندم زمیندار کے پاس موجود ہیں اس حق دخیلکارانہ غاصبانہ و دیگر قسم کے کاشتکاران کو کانگریس وزارت جو اس وقت صوبہ متحدہ کی قابض و متصرف جماعت ہے حق مالکانہ اراضیات زیر کاشت کا بغیر رضامندی مالک باختیار خود

---

(۱) قال تعالى : ان الذين يأكلون اموال اليتامى ظلماً انما ياكلون في بطونهم ناراً وسيصلون سعيراً (النسآء: ۱۰)
(۲-۳) اخرج الى طريق العامة كنيفاً او ميزاباً الى قوله لو كانا جاز احداثه ان لم يضرب بالعامة فان ضرلم يحل (تنوير الابصار مع الدرالمختار كتاب الجنايات ۶/ ۵۹۲ ط سعيد)

دینا چاہتی ہے۔ جس کے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو و دیگر ارباب حل و عقد ممبران کانگریس کمیٹی مسلسل و متواتر اعلان کر چکے ہیں تو کانگریس وزارت کا یہ حکم کہ کاشتکار کو خواہ وہ دخیلکار ہو یا کسی دوسری قسم کا کاشتکار بلا مرضی ورضامندی زمیندار بنادیا جائے شرعاً جائز ہوگا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۳۵۶ھ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۲۰) مالک کی مرضی کے بغیر اس کی زمین و جائیداد مملوکہ کا حق ملکیت کسی غیر مالک کو دیدینا جائز نہیں۔[1] ایسا کوئی قانون واجب التعمیل نہیں ہے نہ کوئی ایسے قانون کی حمایت کر سکتا ہے نہ ایسی حمایت قابل پذیرائی ہو سکتی ہے پنڈت جواہر لال نہرو کا کوئی ذاتی بیان اور ان کا اپنا رجحان یوپی گورنمنٹ کا قانون نہیں قرار دیا جا سکتا اور بالفرض یوپی گورنمنٹ کوئی خلاف شرع قانون بھی بنادے تو اس کی حیثیت بھی وہی ہو گی جو انگریزی حکومت کے خلاف شرع بنائے ہوئے قوانین کی ہے حق دخیلکاری و حق موروثی جو اس وقت بھی انگریزی قانون کے ماتحت کاشتکاروں کو حاصل ہے خلاف شرع اور غصب ہے[2] اسی طرح قانون شہادت قانون شفعہ اور قانون ربا وغیرہ بہت سے قوانین خلاف شرع جاری ہیں ان کی مخالفت یا مزاحمت کے احکام شرعیہ اور مفروضہ قانون کی مخالفت و مزاحمت کے احکام ایک ہیں کہ تاحد استطاعت ان کو بند یا منسوخ کرانے کی سعی ہر مسلمان پر لازم ہے۔[3] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

چوتھا باب
اتلاف و اہلاک مال غیر

کیا مال کا تاوان قیمت خرید کے حساب سے لیا جا سکتا ہے ؟

(سوال) کسی موضع میں ایک انجمن کی زیر نگرانی ایک اردو رجسٹرڈ مدرسہ ہے۔ اس مدرسے میں دو مدرسین اردو پڑھانے کے لئے مقرر ہیں ایک کا نام زید جو کہ ہیڈ ماسٹر ہے اور دوسرا عمرو جو کہ اسسٹنٹ ماسٹر کی حیثیت سے ہے مذکورہ انجمن نے خالد کو دینیات پڑھانے کے لئے عارضی طور پر مقرر کر رکھا ہے ایک روز زید اور خالد کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوا اور ہاتھا پائی تک نوبت پہنچی زید کے منہ پر طمانچہ لگ گیا اور زید چند آدمیوں

---

(۱) لا یجوز التصرف فی ملك الغیر بغیر اذنه (قواعد الفقه ۱/ ۱۱۰ ط 'صدف' پبلشرز)

(۲) اس کی تفصیل پیچھے ص ۱۲۵ جواب ۱۲۲ کے ضمن میں بھی گزر چکی ہے ۔ اس بارے میں اصل ضابطہ شرعیہ یہ ہے کہ ہر ایک اجارہ مدت اجارہ ختم ہونے پر یا احد المتعاقدین (کرایہ دار یا زمیندار) کی موت سے ختم ہو جاتا ہے پھر کرایہ دار کو قبضہ باقی رکھنے کا کوئی حق نہیں کما ھو مصرح فی عامة المتون والشروح والفتاوی ' و تنفسخ بلا حاجة الی الفسخ بموت احد المتعاقدین عندنا لا بمجنونه مطبقاً عقدها لنفسه (الدر المختار' کتاب الاجارة ٦/ ٨٣ ط سعید)

(۳) عن طارق بن شهاب وهذا حدیث ابی بکر قال: قال : اول من بدء بالخطبة یوم العید قبل الصلوٰة مروان فقام الیه رجل فقال الصلاة قبل الخطبة فقال قد ترك ما هنا لك فقال ابو سعید اما هذا فقد قضیٰ ما علیه سمعت رسول الله ﷺ یقول من رای منکم منکراً فلیغیرة بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذالك اضعف الایمان (صحیح مسلم' کتاب الایمان' ۱/ ۵۱ ط قدیمی)

کے ساتھ ڈنڈا ہاتھ میں لیکر خالد کو مارنے دوڑا موضع والوں نے ان دونوں کے درمیان پڑ کر معاملہ کو رفع دفع کرادیا اب خالد اس معاملہ کو انجمن کے صدر کے سامنے پیش کرنے چلا گیا تو زید نے خالد کی غیر موجودگی میں خالد کے تمام سامان کو توڑ پھوڑ دیا اب خالد زید سے اپنے سامان کا تاوان چاہتا ہے اور نقصان کی فہرست خریدی ہوئی قیمت لگا کر پیش کرتا ہے زید انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نقصان کی مالیت بیس پچیس روپے کی ہے آیا یہ تاوان لینا جائز ہے یا نہیں ؟ اور قیمت کونسی معتبر ہوگی ؟ **المستفتی** نمبر ۴۸۱ مولانا رحمت اللہ (رنگون) ۱۴ صفر ۱۳۵۴ھ م ۱۸ مئی ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۲۹) اگر زید نے خالد کی مملوکہ اشیاء پر بلاوجہ معقول تعدی کی ہے اور توڑ پھوڑ دیا ہے تو زید پر تاوان لازم ہے اور خالد اس تاوان کو وصول کرنے میں حق بجانب ہے۔ رہا قیمت کا اختلاف تو ان اشیاء کی موجودہ حیثیت میں ان کی بازاری قیمت دلوائی جائے گی یعنی توڑتے وقت جو موجودہ حیثیت تھی اس کے لحاظ سے بازار میں ان کی جو قیمت لگ سکتی ہے وہ دلوائی جائے گی۔[1] قیمت کا اندازہ کرنے کے لئے دو مبصر مقرر کردیے جائیں ان کے اندازہ کے مطابق ضمان کی مقدار معین کی جائے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(۱) و یجب رد عین المغصوب فی مکان غصبہ و یبرأ بردها ولو بغیر علم المالک...... او یجب رد عین مثلہ ان هلک وهو مثلی وان انقطع المثل بان لا یوجد فی السوق الذی یباع فیه وان کان یوجد فی البیوت فقیمته یوم الخصومة ای وقت القضاء و عند ابی یوسفؒ یوم الغصب و عند محمدؒ یوم الانقطاع و رجحا قهستانی و تجب القیمة فی القیمی یوم غصبه اجماعاً وفی الشامیة : هذا فی الهلاک کما هو فرض المسئلة ' قال القهستانی اما اذا استهلک فکذالک عنده و عند هما یوم الاستهلاک (الدرالمختار ' کتاب الغصب ۶/۱۸۲ ط سعید)

(۲) قال تعالیٰ : یحکم به ذوا عدل منکم الخ (المائدة : ۵)

کتاب الاضحیۃ والذبیحۃ

پہلا باب

قربانی کا بیان

فصل اول وجوب قربانی اور نصاب

(سوال) زید عمرو بکر خالد چار حقیقی بھائی ہیں جن کا جملہ حساب آمد و خرچ یکجا ہے۔ ان میں سے تین بالغ ہیں اور ایک خورد سال ہے مجملہ تین بالغ کے ایک ملازم اور دو زمینداری کرتے ہیں۔ ان کے پاس بلیں بیگھہ خام اراضی زرعی موروثی دو بیل ایک گائے اور ایک ہلکی قیمت کی بھینس ہے۔ اور قریباً ڈھائی سو روپیہ ان کے ذمہ قرض ہے۔ کیا وہ صاحب نصاب ہو سکتے ہیں۔ اگر صاحب نصاب ہوں تو صرف ایک بکرا قربانی کرنے سے سب کی طرف سے یہ فریضہ ادا ہو جائے گا یا ان کو جدا جدا فی کس ایک بکرا قربانی کرنی پڑے گی۔ بصورت دیگر اگر صاحب نصاب نہ بھی ٹھیریں تاہم اگر وہ ایک بکرا قربانی کرنا چاہیں تو کیا وہ ثواب قربانی کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟ اور اگر ہوں گے تو سب مستحق ثواب ہوں گے یا صرف کرنے والا۔ صاحب نصاب کی بیوی اور اولاد کے لئے کیا حکم ہے جو شامل ہوں؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۲۲۴) جب چاروں بھائیوں کا مال مشترک ہے تو وہ چاروں برابر کے حصہ دار ہیں اور قربانی اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس حاجات ضروریہ سے فارغ بقدر نصاب مال موجود ہو[1] پس اگر ان چاروں کا مال مشترک اس قدر قیمت رکھتا ہو کہ ادائے قرض کے بعد ہر ایک کا حصہ بقدر نصاب ہو جائے تو تینوں بالغوں پر فرض ہو گی نابالغ پر نہیں[2] اور جن پر فرض ہو گی ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک بکرا یا گائے کا ساتواں حصہ کرنا ضروری ہو گا۔[3] مال مشترک میں سے ایک بکرا کر دینا کافی نہیں[4] بکرا اگر بہ نیت قربانی دو

---

(۱) وشرائطها الاسلام والا قامة واليسار (واليسار بان ملك مائتي درهم او عرضا يساويها غير مسكنه و ثياب اللبس او متاع نحتاجه) الذى يتعلق به وجوب صدقة الفطر (الدرالمختار' كتاب الاضحية ۶/۳۱۲ ط سعيد)
(۲) تجب على حر مسلم مقيم موسر يسار الفطرة عن نفسه لا عن طفله (الدرالمختار' كتاب الاضحية ۶/۳۱۵)
(۳) تجب شاة او سبع بدنة هي الابل والبقر سميت به لضخامتها (الدر المختار ۶/۳۱۵ ط سعيد)
(٤) وفي اضاحي الزعفراني اشترى ثلاثة بقرة على ان يدفع احدهم ثلاثة دنانير والاخر اربعة والاخر دينارا على ان تكون البقرة بينهم على قدر راس مالهم فضحوا بها مالم تجز (البحر الرائق' كتاب الاضحية ۸/۲۰۲ ط بيروت)

شخصوں کی طرف سے کیا جائے تو خواہ فرض قربانی ادا کرنا مقصود ہو یا نفلی' ناجائز ہے اور وہ قربانی نہ ہو گی۔[۱]
بیوی اور اولاد اگر خود صاحب نصاب ہوں تو خود ان پر قربانی واجب ہو گی اور اگر وہ صاحب نصاب نہ ہوں تو زوج ووالد پر ان کی طرف سے قربانی کرنا ضروری نہیں۔[۲] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

نابالغ پر زکوۃ اور قربانی واجب نہیں

(سوال) ایک شخص متوفی نے اس قدر مال چھوڑا کہ تمام اولاد کو ترکہ میں مال بقدر نصاب پہنچا ان ورثا میں تین نابالغ لڑکے بھی ہیں کہ جو اپنے دو بھائی بالغ اور اپنی والدہ کی سرپرستی میں ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان ہرسہ نابالغ اور صاحب نصاب لڑکوں کی طرف سے قربانی کا کیا حکم ہے آیا انکے ذمے قربانی واجب ہے یا نہیں ؟ نیز ان کے حصہ مال میں زکوۃ بھی واجب ہے یا نہیں ؟ ان لڑکوں کا مال ان کے بھائی تجارت میں بھی لگاتے ہیں ؟

(جواب ۲۲۳) نابالغ کے مال پر نہ زکوۃ واجب ہے نہ قربانی بالغ بھائیوں کو اپنی طرف سے قربانی کرنی چاہئے۔ اور نابالغ کی طرف سے نہیں کرنی چاہئے۔ ویضحی عن ولدہ الصغیر من مالہ صححہ فی الھدایہ و قیل لا وصححہ فی الکافی قال ولیس للاب ان یفعلہ من مال طفلہ و رجحہ ابن الشحنہ قلت وھو المعتمد لما فی متن مواھب الرحمن من انہ اصح ما یفتی بہ الخ(درمختار) قولہ قلت وھو المعتمد واختارہ فی الملتقی حیث قدمہ و عبر عن الاول بقیل و رجحہ الطر سوسی بان القواعد تشھد لہ ولا نھا عبادۃ و لیس القبول بوجوبھا اولی من القول بوجوب الزکاۃ فی مالہ انتھیٰ (ردالمحتار)[۳]

جائیداد مشترک ہونے کی صورت میں قربانی اور زکوۃ کا حکم !

(سوال) (۱) ایک شخص کے چار لڑکے ہیں باپ کے ہمراہ کماتے ہیں اور خوب کماتے ہیں گھر میں بھی بفضل خدا سب کچھ ہے حویلیاں' جائیداد زمین زرومال بیویاں بچے وغیرہ اور سب مشترک رہتے ہیں ایک جگہ کھانا پینا اور دیگر اخراجات ہیں باپ نے بیٹوں کو حسب مرضی خرچ کرنے کا اختیار دے رکھا ہے کیا اس شخص پر قربانی ایک واجب ہے یا زیادہ ؟ اگر ایک کرے تو باپ ہی کی طرف سے ہو گی یا سال بسال نام بنام نمبر بنمبر چلے گا ؟ زکوۃ مشترک ادا ہو گی یا اور کسی طرز پر ؟

(۲) اسی طرح چار بھائی مالک نصاب مشترک ہیں کہ باپ کے مرنے پر ترکہ تقسیم کر کے الگ الگ نہیں

---

(۱) فلا تجوز الشاۃ والمعز الا عن واحد وان کانت سمینۃ عظیمۃ (عالمگیریۃ ۵/ ۲۹۷ ط ماجدیہ)
(۲) تجب علیٰ حر مسلم مقیم موسر عن نفسہ (ایضاً بحوالہ نمبر ۲ صفحہ سابقہ)
(۳) (تنویرالابصار مع ردالمحتار' کتاب الاضحیۃ ۶/۳۱٦' ۳۱۷ ط سعید)

ہوئے مشترک ہی کماتے اور خرچ کرتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۷۴۶ نور محمد صاحب جونڈلہ ضلع کرنال
۷ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۲۴) اس صورت میں اگر سب مالک نصاب ہیں تو ہر ایک پر قربانی واجب ہے (۱) ایک باپ کی طرف سے اور چار لڑکوں کی طرف سے یعنی پانچ قربانیاں تو یہ ہوئیں اور اگر بیویاں بھی مالک نصاب ہوں تو ان کی قربانیاں الگ الگ ہوں گی زکوۃ بھی ہر ایک کی ملک کے حساب سے دی جائے گی۔ (۲) زکوۃ چاندی سونے پر یا مال تجارت پر ہے جائیداد پر نہیں ہے۔ (۳) نمبر ۲ کا جواب بھی وہی ہے کہ اگر ہر ایک کا حصہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہے تو ہر ایک کی قربانی اور زکوۃ علیحدہ علیحدہ ہوگی۔ محمد کفایت اللہ

(۱) کیا قیدی اور ملازم پر قربانی واجب ہے ؟
(۲) ایک شخص پر ایک قربانی واجب ہے خواہ کتنا ہی مالدار ہو

(سوال) آزاد مسلمان بالغ پر قربانی واجب ہے اس کی تشریح فرمائیں کہ مندرجہ ذیل قسم کے لوگ بھی اس میں شامل ہیں یا نہیں ؟ قیدی جو رمیں زمینداروں نے کچھ نوکری پر سرکار سے منگار کھے ہیں بیوی خاوند کے ہوتے ہوئے بیٹے باپ کی موجودگی میں ملازم وماتحت سرکار یا غیر سرکار۔

(۲) میں مدرس ہوں اس وقت میری بیوی بچے جونڈلے میں میرے ساتھ ہیں اکثر جہاں تبادلہ ہو تا ہے ساتھ رہتے ہیں کیتھل کا رہنے والا ہوں وہاں پر والد صاحب بٹائی پر کھیتی کرتے ہیں میں قرضدار نہیں ہوں میں ایک قربانی کروں یا دو ؟ کیتھل میں باپ کے پاس کرنا واجب ہے ؟ اگر کسی وقت خدا کرے جمع ہو جائے میرے پاس یا گھر پر والد صاحب کے پاس یا ہر دو جگہ بمقدار نصاب تب بھی ایک قربانی ہوگی یا دو ؟ المستفتی نمبر ۷۴۶ نور محمد صاحب ہیڈ ماسٹر جونڈلہ ضلع کرنال۔

(جواب ۲۲۵) (۱) آزاد سے مراد یہ ہے کہ وہ غلام یا باندی نہ ہو عورت خاوند کے ہوتے ہوئے بھی آزاد ہے بیٹے اور نوکر سب آزاد ہیں ہندوستان میں غلامی کا وجود نہیں ہے قیدی بھی آزاد ہیں اور ملازم سرکار وغیر سرکار بھی آزاد ہیں اگر یہ لوگ مالک نصاب ہوں تو ان سب پر زکوۃ اور قربانی واجب ہوگی۔ (۴)

(۲) ایک شخص پر ایک ہی قربانی واجب ہوتی ہے دو نہیں ہو تیں خواہ وہ کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو یہ ضروری نہیں کہ باپ کے پاس کیتھل میں قربانی کی جائے آپ کو اختیار ہے خواہ جونڈلے میں کریں خواہ

---

(۱) (ایضاً بحوالہ نمبر ۱ ص ۱۷۸)
(۲) وشرط افتراضها عقل و بلوغ و اسلام و حرية و سببه ملك نصاب حولي فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد و فارغ عن حاجته الاصلية (الدر المختار' كتاب الزكوة ۲/ ۲۵۹ ط سعيد)
(۳) و ثمنية المال كالدراهم والدنانير لتعينهما للتجارة باصل الخلقة فتلزم الزكوة كيفما امسكهما ولو للنفقة او السوم او نية التجارة في العروض (الدر المختار' كتاب الزكوة ۲/ ۲٦۷ ' ط سعيد)
(٤) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۱۷۸)

کیتھل میں ایک شخص کی ملک میں کتنے ہی نصاب جمع ہو جائیں اس پر ایک ہی قربانی واجب ہو گی۔ [1]

نابالغ لڑکے کے مال سے قربانی جائز نہیں

(سوال) نابالغ ذی نصاب لڑکے کی طرف سے والد قربانی کرے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۸۳۳ محمد ہاشم (ضلع لائل پور) ۱۳ محرم ۱۳۵۵ھ ۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۲۶) نابالغ لڑکے کے مال میں سے اگرچہ وہ صاحب نصاب ہو قربانی کرنا جائز نہیں۔ [2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

گھر کے صاحب نصاب افراد پر قربانی واجب ہے

(سوال) بکرا مینڈھا دنبہ میں سے کسی ایک کی قربانی صرف ایک جانور بھی گھر بھر کی طرف سے کافی ہے چنانچہ صحیح مسلم' مسند امام احمد' ابو داؤد میں حضور اکرم ﷺ کا عمل موجود ہے کہ آپ نے ایک بھیڑ کی قربانی کرتے وقت فرمایا بسم الله اللهم تقبل من محمد وال محمد ومن امة محمد ثم ضحى به [3] و نیز ابن ماجہ میں ہے کہ آپ کی عادت مبارک تھی کہ دو مینڈھا قربانی میں دیتے فذبح احدهما عن امة لمن شهد بالتوحيد و شهد له بالبلاغ وذبح الأخر عن محمد وآل محمد رواه ابن ماجه [4] یعنی ایک امت کی طرف سے دوسرا اپنی طرف سے اور اہل بیت کی طرف سے (نیل الاوطار جلد ۴ ص ۲۵۲) یہی عمل صحابہ کرام کا زمانہ رسالت مآب میں تھا ابن ماجہ ترمذی کی حدیث ہے عن عطاء بن يسار قال سألت ابا ايوب الانصاري کیف كانت الضحايا فيكم على عهد رسول الله ﷺ قال كان الرجل في عهد النبي ﷺ يضحي بالشاة عنه و عن اهل بيته فيا كلون و يطعمون حتى تباهى الناس فصار كما ترى رواه ابن ماجه والترمذی و صححه (نیل الاوطار جلد ٤ ص ۳۵۳) [5] ان احادیث کے پیش نظر ایک دنبہ یا ایک بھیڑ یا ایک بکرا گھر بھر کی طرف سے کافی ہے اگرچہ گھر بھر میں سو یا اس سے بھی زائد افراد کیوں نہ ہوں ایک گائے یا ایک اونٹ میں سات اشخاص مختلف گھروں کے شریک ہو سکتے ہیں۔

وعن جابر ان النبي ﷺ قال البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة' رواه مسلم و ابوداؤد و اللفظ له و عن ابن عباس قال كنا مع رسول الله ﷺ في سفر فحضر الا ضحى

---

۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۱۷۸)
۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۳ ص ۱۷۹)
۳) (صحیح مسلم' کتاب الاضاحی' باب استحباب استحسان الاضحیة ۲/ ۱۵۷ ط قدیمی)
٤) (ابن ماجة' ابواب الاضاحی ۱/ ۲۲٦ ' ط قدیمی)
٥) (ترمذی ابواب الاضاحی ۲/ ۲۷٦ ط سعید)

فاشتر كنا في البقرة سبعة وفي البعير عشرة رواه الترمذی والنسائی وابن ماجه وقال الترمذی هذا حدیث حسن غریب (مشکوۃ شریف ص ۱۲۰) گائے اونٹ میں سات سات اشخاص شریک ہو سکتے ہیں اونٹ میں دس اشخاص بھی جائز ہیں۔ ہذا ماعندی واللہ تعالیٰ اعلم۔ مومن پورہ بمبئی۔

(جواب ۲۲۷) قربانی صاحب نصاب پر واجب ہے دلیل وجوب یہ حدیث ہے جو ابن ماجہ میں مروی ہے۔ عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا [۲] یعنی جس کو وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو ہمارے مصلے کے قریب نہ آئے اور ظاہر ہے کہ صاحب نصاب ذی وسعت ہے پس اگر ایک گھر میں دو شخص صاحب نصاب ہوں تو دونوں پر قربانی واجب ہوگی اور چار ہوں تو چاروں پر اور ایک ہو تو ایک پر۔ ہاں ہر فرض عبادت کی طرح اس کا بھی حال ہے چار رکعت فرض ظہر ادا کرنا ہر شخص پر فرض ہے پھر اسے اختیار ہے کہ چار رکعتیں مزید نفل پڑھ کر اس کے ثواب میں اپنے گھر والوں کو خاندان والوں کو شریک کرلے۔ [۳] زکوۃ فرض ادا کر کے بطور نفل مزید صدقہ کرے اور اس میں گھر والوں خاندان والوں کو شریک کرلے اسی طرح قربانی واجب ادا کر کے اسے حق ہے کہ مزید ایک نفلی قربانی کرے اس کے ثواب میں سب گھر والوں کو بلکہ تمام امت کو شریک کرلے آنحضرت ﷺ کی قربانی تمام اہل بیت یا آل محمد ﷺ یا امت محمد ﷺ کی طرف سے اسی پر محمول ہے کہ یہ قربانی نفلی ہوتی تھی اور اس میں خاندان یا امت کو ثواب کا شریک کرلیتے تھے۔ [۴] ورنہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر ایک بکرا یا مینڈھا تمام امت کی طرف سے ادائے واجب کے لئے کافی ہوتا تو جن حدیثوں میں گائے کو سات کی طرف اور اونٹ کو سات کی طرف سے معین کیا گیا اس کے کیا معنی ہوں گے گائے میں اگر آٹھ شریک ہو جائیں تو مقتضائے تحدید البقرة عن سبعة [۵] قربانی جائز نہ ہوگی۔ ورنہ تحدید بیکار ہو جائے گی اور ظاہر ہے کہ ایک بھیڑ کا تمام امت کی طرف سے ہو جانا اور گائے کا آٹھ نو کی طرف سے نہ ہونا غیر معقول ہے پس صحیح یہ ہے کہ قربانی ہر صاحب نصاب پر واجب ہے اور نفلی قربانی کا ثواب تمام گھر والوں کو یا تمام امت کو بخشا جا سکتا ہے مگر قربانی ایک ہی کی ہوگی اور گائے میں فرض قربانی والے یا نفل قربانی کرنے والے سات ہی شریک ہوں گے جو فرض والے تھے ان کا فرض ادا ہوگا اور جس کا حصہ نفلی قربانی تھا وہ اپنی قربانی کے ثواب میں دس بیس آدمیوں بلکہ تمام امت کو شریک کر سکتا ہے۔ [۶] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

---

(۱) (ترمذی ابواب الاضاحی ۲ / ۲۷۶ ط سعید)

(۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ٤ ص ۱۸۱)

(۳) الافضل لمن يتصدق ان ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات لانها تصل اليهم ولا ينقص من اجره شئ (الدر المختار كتاب الزكاة ۲ / ۳۵۱ ط سعید)

(٤) عن جابر بن عبدالله قال شهدت مع رسول الله ﷺ الاضحى فلما قضى خطبته نزل من منبره واتى بكبش فذبحه رسول الله ﷺ بيده وقال بسم الله والله اكبر هذا عنى و عمن لم يضح من امتى (ابو داؤد شریف ۲ / ۳۲ ط امدادیه)

(۵) ایضاً حوالہ نمبر ۳)

(٦) (ایضاً حوالہ نمبر ۳)

کیا قربانی کرنے والے ہی پر ذبح کرنا لازم ہے ؟

(سوال) کیا قربانی میں ایک آدمی کا قربانی کی نیت آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنا اور دوسرے آدمی کا قربانی کے جانور کو ذبح کرنا درست ہے۔ یا جس کے نام سے قربانی ہو اس کو نیت پڑھنا چاہیے یا اسی کو ذبح کرنا چاہیے۔ المستفتی نمبر ۱۰۱۹ ایم عمر صاحب انصاری (سارن) ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۴ جنوری ۱۹۳۶ء۔

(جواب ۲۲۸) قربانی کرنے والے کو بسم اللہ اللہ اکبر کہنا لازم ہے۔[1] نیت کی عبارت پڑھے یا نہ پڑھے صرف دل سے یہ ارادہ کرلینا کہ قربانی کرتا ہوں کافی ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

کیا نابالغ مالدار اولاد کی طرف سے باپ پر قربانی واجب ہے ؟

(سوال) والد کو اپنی اولاد صغار کی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے یا نہیں اور اولاد صغار کے غنی اور عدم غنی ہونے کی صورت میں والد پر کیا حکم ہوگا کہ آیا اس پر قربانی واجب ہوگی یا نہیں اولاد صغار غنی ہو تو کیا والد اپنے مال سے قربانی کرے گا یا اولاد صغار کے مال سے۔ المستفتی نمبر ۱۳۵۵ عبدالخالق صاحب طالب علم مدرسہ عبدالرب دہلی' ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۵ فروری ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۲۲۹) مفتی بہ یہ قول ہے کہ باپ پر نابالغ بچوں کی طرف سے قربانی واجب نہیں ہے نہ اپنے مال سے نہ بچوں کے مال سے بچے خواہ غنی ہوں یا نہ ہوں ہاں اگر باپ اپنے مال سے نابالغ بچوں کی طرف سے تطوعاً قربانی کردے تو اسے اختیار ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

صدقہ فطر اور قربانی صاحب نصاب پر واجب ہے

(سوال) صدقہ فطر و قربانی صاحب نصاب پر واجب ہے یا اس کے علاوہ بھی ؟ المستفتی مولوی محمد رفیق دہلوی۔

(جواب ۲۳۰) صدقہ فطر اور قربانی صاحب نصاب پر واجب ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) قال تعالیٰ : ولكل امة جعلنا منسكاً ليذكروا اسم الله على ما رزقهم من بهيمة الانعام (الحج ۳٤) وفي الحديث ومن كان لم يذبح فليذبح باسم الله و في رواية على اسم الله وقال النووي على اسم الله هو بمعنى رواية فليذبح باسم الله اى قائلة باسم الله هذا هو الصحيح في معناه (مسلم شريف ' كتاب الاضاحي ۱۵۳/۲ ط قديمي)

(۲) فلا تتعين الا ضحية الا بالنية وقال النبي ﷺ انما الاعمال بالنيات وانما لكل امرى مانوى و يكفيه ان ينوى بقلبه ولا يشترط ان يقول بلسانه ما نوى بقلبه لان النية عمل القلب والذكر باللسان دليل عليها (بدائع الصنائع' كتاب التضحية ۷۱/۵ ط سعيد)

(۳) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۳ ص ۱۷۹)

(٤)(۱) وشرائطها الاسلام والاقامة واليسار الذى يتعلق به وجوب صدقة الفطر (الدرالمختار' كتاب الاضاحي ۳۱۲/٦ ط سعيد)

(۱) صحیح تلفظ "عید اضحیٰ" ہے

(۲) کیا مسافر پر قربانی واجب ہے ؟

(سوال) (۱) عید الاضحیٰ تلفظ صحیح یا عید اضحیٰ (۲) مسافر اگر صاحب زکوٰۃ ہو تو اس پر قربانی واجب ہے کہ نہیں ؟ (۳) مسافر اگر ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ کو اپنے مقام پر واپس آجائے تو وہ قربانی کر سکتا ہے یا نہیں

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ۲۳۱) (۱) عید اضحیٰ صحیح ہے[۱] (۲) جس پر زکوٰۃ واجب ہو اس پر قربانی بھی واجب ہوگی[۲]

(۳) قربانی بارہ تاریخ تک ہوتی ہے تیرھویں تاریخ کو قربانی نہیں ۔[۳] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

۹ ذی الحجہ کو عید اضحیٰ کی قربانی کرنا جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۳۶ء)

(سوال) بتاریخ ۹ عید الاضحیٰ قربانی کرنا اور نماز پڑھنا کیسا ہے ؟

(جواب ۲۳۲) قربانی ۱۰ ذی الحجہ کو ہوتی ہے اور دس ہی کو نماز پڑھی جاتی ہے ۔ ۹ کو نہ نماز ہوتی ہے نہ قربانی ۔[۴] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی ۔

فصل دوم ۔ بڑے جانور

قربانی کے لئے خریدی گئی گائے کے متعلق چند سوالات

(سوال) عرفے کے روز شام کے وقت ایک شخص مسمی عبدالعزیز نے اپنی طرف سے اور اپنے شرکاء کی جانب سے ایک گائے قربانی کے واسطے خریدی اور ایک روپیہ بیعانہ دیکر یہ کہا کہ کل یہ گائے ہمارے مکان پر پہنچا دو چنانچہ کل کو قصائی گائے ان کے مکان پر پہنچانے چلے راستے میں ان سے چھوٹ کر ایک متمول ہندو کے اصطبل میں گھس گئی وہاں سے نکال کر چلے تو آگے چل کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی قصائیوں نے اس کو اٹھا کر لے جانا چاہا مگر ہندوؤں نے نہ لے جانے دیا اور بہت ہندو جمع ہو گئے آخر اطلاع پانی پر اہل کار

---

(۱) کما فی اللباب للمیدانی والرابعۃ اضحاۃ بفتح الھمزۃ والجمع اضحی وبہ عید الاضحی کذافی المصباح (اللباب علی ہامش الجوہرۃ ۲ / ۲٤۱ ط میر محمد

(۲) وشرائطہا الاسلام والاقامۃ والیسار الذی یتعلق بہ وجوب صدقۃ الفطر (درمختار ٤ / ۱۹۷)

(۳) مالک عن نافع ان عبداللہ بن عمرو قال الاضحی یومان بعد یوم الاضحی وقال مالک انہ بلغہ عن علی بن ابی طالب مثل ذالک (موطا امام مالک ۲ / ٤۹۷ ط میر محمد) وفی شرح التنویر [illegible] بحر یوم النحر الی اخر ایامہ وھی ثلاثۃ افضلہا اولہا (الدرالمختار کتاب الاضاحی ٦ / ۳۱۵ ط سعید)

(٤) (ایضاً بحوالہ نمبر۳)

پولیس اس گائے کو تھانہ لے گئے بارھویں شب ذی الحجہ کو وہ گائے بہ سبب اندیشہ فتنہ و فساد (بلوہ) یا بحکم صاحب کلکٹر بہادر چند سربرآوردہ مسلمانوں کو اس شرط سے دی گئی کہ چھ ماہ تک قربانی نہ کی جائے بعد کئی روز کے ان چند مسلمانوں نے جن کے گائے سپرد تھی بایمائے حکام ایک جلسہ منعقد کرکے مسمی عبدالعزیز سے جو منجملہ شرکاء ایک حصہ دار تھا یہ کہا کہ وہ گائے ہم نے تم کو دی جو ہماری سپردگی میں ہے اس نے کہا کہ میں نے مدرسے میں وقف کی اس کا یہ کہنا تھا کہ فوراً اس گائے کا نیلام انہیں چند سربرآوردہ مسلمانوں نے شروع کردیا آخر مبلغ دو سو روپے میں وہ گائے ایک مسلمان نے خرید لی اب مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں:

(۱) بیع اول جو قصائیوں سے ہوئی شرعاً منعقد ہوئی یا نہیں؟

(۲) ایام قربانی میں ان چند مسلمانوں کو ایسی شرط جائز تھی یا نہیں کہ چھ ماہ تک قربانی نہ کریں گے۔

(۳) وقف کا جانور اگر ایک مکان میں بند ہو اور ایک شریک یہ کہہ دے کہ میں نے وقف کردیا اور مدرسہ والوں نے اس پر قبضہ نہ کیا ہو بلکہ اس کو دیکھا تک نہ ہو اس صورت میں وقف تام ہوگا یا نہیں اور اس کا نیلام درست ہوگا یا نہیں؟

(۴) درصورت عدم جواز نیلام گائے کے مستحق کون لوگ ہیں؟

(۵) اگر مشتری نیلام اس گائے کو ہندوؤں کو دیدے تو اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

(جواب ۲۳۳) صورت مسئولہ میں جو بیع قصائیوں سے ہوئی ہے وہ منعقد تو ہوئی لیکن چونکہ مشتریوں نے مبیع پر قبضہ نہ کیا تھا اس لئے مبیع ان کے ضمان میں داخل نہیں ہوئی اور جب تک کہ قصائی مبیع کو مشتریوں کے قبضے میں نہ دیدیں مبیع کے ہر نفع نقصان کے ذمہ دار ہیں۔[1]

(۲) اس شرط میں چونکہ مسلمانوں کی مذہبی آزادی اور ایک شعار مذہبی پر صدمہ پہنچتا ہے اس لئے یہ شرط ناجائز تھی۔[2]

(۳) یہ وقف صحیح نہیں ہوا کیونکہ واقف تمام گائے کا مالک نہیں اور وقف بدوں ملک صحیح نہیں ہوتا۔[3]

(۴) ابھی تک گائے کے مستحق قصائی ہیں کیونکہ وہ انہیں کے ضمان میں ہے اور نیلام صحیح نہیں ہوا کیونکہ مالکوں کی رضامندی سے نہیں ہوا ہے۔[4]

(۵) مشتری نیلام کی خریداری ہی صحیح نہیں ہے[5] اور ہندوؤں کو دیدینا تو خریداری صحیح ہونے

---

(۱) لا یصح اتفاقا ککتابۃ واجارۃ وبیع منقول قبل قبضہ ولو من بائعہ کما سیجی (رد المحتار ۴ ص ۱۸۱ ط کوئٹہ)

(۲) قال تعالی یا ایہا الذین آمنوا لا تحلوا شعائر اللہ (المائدۃ)

(۳) ولا یتم الوقف حتی یقبض ویفرز فلا یجوز وقف مشاع یقسم خلافا للثانی ویجعل آخرہ لجہۃ قربۃ لا تنقطع (رد المحتار ۳ / ۳۶۴ ط بیروت)

(۴) لا یصح بیع منقول قبل قبضہ ولو من بائعہ (رد المحتار ۴ / ۱۸۱ ط کوئٹہ)

(۵) لا یصح اتفاقا ککتابۃ واجارۃ وبیع منقول قبل قبضہ ولو من بائعہ کما سیجی (رد المحتار ۴ / ۱۸۱)

کی صورت میں بھی ناجائز تھا کیونکہ اس میں ایک اسلامی حکم کی ہتک اور بے عزتی ہوتی ہے۔[1] واللہ اعلم

گائے کی قربانی قرآن اور حدیث سے ثابت ہے

(سوال) بقر قربانی کردن از قرآن مجید ثابت است یا از حدیث شریف ؟

(ترجمہ) گائے کی قربانی کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے یا حدیث شریف سے ؟

(جواب ۲۳۴) حلت بقر از قرآن مجیدو قربانی بقر از حدیث صحیح کہ بخاری روایت کردہ ثابت است۔ کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ۔

(ترجمہ) گائے کی حلت قرآن مجید سے[2] اور اس کی قربانی کرنا بخاریؒ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔[3]

گائے کی قربانی میں ہر شریک کا کم از کم ساتواں حصہ ہونا ضروری ہے

(سوال) سات شخصوں نے مل کر ایک گائے قربانی کے لئے للعہ روپے کی خریدی شرکاء میں سے کسی نے دو روپے دیئے اور کسی نے تین اور کسی نے ساڑھے تین ادا کئے اور ہر ایک شریک نے مطابق اپنے اپنے روپیوں کے گوشت تقسیم کر لیا لہذا شرعاً یہ قربانی جائز ہوگی یا نہیں ؟

(جواب ۲۲۵) گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ان میں سے کسی کا حصہ سبع سے کم نہ ہو پس صورت مسئولہ میں جب کہ شرکاء سات ہیں اور بعض نے دو روپے اور بعض نے تین ادا کئے تو یقیناً بعض شرکاء نے دو روپے سے کم بھی ادا کئے ہوں گے اور جب کہ بقدر روپے کے ہر شریک حصہ دار ہے تو بعض شرکاء کا حصہ سبع یعنی ۷ سے کم ہو گیا تو اس صورت میں کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوئی۔ ولو لا حدھم اقل من سبع لم یجز عن احد انتھی (درمختار)[4] کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ سنہری مسجد دہلی۔

قربانی ذبح کرتے وقت تمام شرکاء کے نام لینا ضروری نہیں

(سوال) ہماری طرف بقر عید میں جو قربانیاں ہوتی ہیں اس میں سات آدمی شریک ہو کر ایک گائے یا بیل قربانی کرتے ہیں اور ذبح کے وقت شرکاء کے نام پکارے جاتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ شرکاء کے نام پکارنا

---

(۱) قال تعالیٰ . یا ایھا الذین آمنوا لا تحلوا شعائر اللہ (المائدۃ)

(۲) قال تعالیٰ ومن الابل اثنین ومن البقر اثنین (الانعام : ۱۴۴)

(۳) عن عائشۃ ان النبی ﷺ دخل علیھا و حاضت بسرف قبل ان تدخل مکۃ وھی تبکی فقال مالک انفست قالت نعم قال ان ھذا امر قد کتبہ اللہ علی بنات آدم فاقضی ما یقضی الحاج غیر ان لا تطو فی بالبیت فلما کنا بمنی اتیت بلحم بقر فقلت ماھذا قالوا ضحی رسول اللہ ﷺ عن ازواجہ بالبقر (بخاری شریف ۲/۸۳۲ ط قدیمی)

(۴) (الدرالمختار کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۱۵ ط سعید)

شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟
(جواب ۲۳۶) شرکاء کے نام قربانی کو ذبح کرتے وقت پکارنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہاں ذبح کرنے والا نیت میں ان سب کی جانب سے ذبح کرنے کا خیال رکھے[۱] اور اتفاقاً پکار دیئے جائیں اور مقصود اعلام ہو تو مضائقہ نہیں لیکن پکارنے کو ضروری یا اضحیہ میں لازم سمجھنا بے اصل ہے۔ واللہ اعلم

بڑے جانوروں میں سات حصوں سے کم بھی رکھ سکتے ہیں

(سوال) جس جانور سے سات تک حصے کرنا جائز ہو کیا اس کے دو تین چار پانچ چھ حصے کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
(جواب ۲۳۷) گائے اونٹ میں دو تین چار پانچ چھ حصے کرنا بھی جائز ہے ایک اور سات ہی میں منحصر نہیں سات سے زیادہ نہیں ہو سکتے اس سے کم میں یہ شرط ہے کہ کسی شریک کا حصہ ساتویں سے کم نہ ہو۔ والتقدیر بالسبع یمنع الزیادۃ ولا یمنع النقصان کذافی الخلاصۃ[۲] (ہندیہ)

شرکاء میں سے کسی ایک کا نکلنا قربانی کے لئے مضر نہیں

(سوال) ایک گائے میں سات آدمی شریک ہوئے بعد میں ایک شخص نکل گیا اور وہ گائے قربانی کی گئی آیا وہ قربانی جائز ہوئی یا نہیں ؟ بینوا توجروا
(جواب ۲۳۸) قربانی جائز ہو گئی ساتویں شریک کا نکل جانا کچھ مضر نہیں۔[۳]

گائے کی قربانی میں ہر شریک کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو

(سوال) ہمارے ملک میں یہ رواج ہے کہ اگر کوئی شخص مرا اور اس نے دو یا تین لڑکے چھوڑے تو ان میں سے بڑے لڑکے کو اس کے برادران خورد بالغین اپنے کل کاروبار کا مختار بنا دیتے ہیں۔ پس اگر یہ مختار مشترک مال میں سے اور چھ اشخاص دیگر ایک گائے کی قربانی کریں تو یہ اضحیہ بالبقرہ جائز ہے یا نہیں ؟
(جواب ۲۳۹) جب کہ چھ حصہ دار اجنبی ہو گئے اور ساتویں حصے میں یہ شخص شریک ہوا تو اگر اس نے اپنے حصہ میں قربانی کی نیت صرف اپنی جانب سے کی ہے تو قربانی صحیح ہو گئی۔[۴] اگرچہ مال مشترک میں سے قیمت ادا کی ہو مگر وہ اس کے حصہ میں اور اس کے ذمہ حساب میں محسوب ہو جائے گی لیکن اگر اس نے

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۱۷۸)
(۲) (عالمگیریۃ' کتاب الاضحیۃ' الباب الثامن فیما یتعلق بالشرکۃ ۵ / ۳۰۴ ط کوئٹہ)
(۳) (ایضاً بحوالہ بالا)
(۴) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۵ ص ۱۸۱)

اپنے تمام شرکاء کی جانب سے گائے کا صرف ساتواں حصہ لیا ہے تو کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوئی نہ اس کی نہ باقی چھ حصہ داروں کی کیونکہ اگر شرکا میں سے کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم ہو تو کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوتی۔[1]

مسلمانوں کا ہندوؤں کے ساتھ ملکر گائے کی قربانی رکوانا صحیح نہیں

(سوال) مسلمانوں کا ہندوؤں کے ساتھ اس قسم کا اتفاق کرنا جس کی وجہ سے وہ گائے کی قربانی کو بند کر دیں جائز ہے یا نہیں ؟ اور کیا کسی کو ایسا حق ہے کہ وہ ہندوؤں سے اتفاق کے لئے گائے کی قربانی کو بند کر دے اگر کسی کو ایسا حق نہیں تو کیا ایسا شخص شرعاً کچھ مجرم ہے یا نہیں ؟ اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں مکہ معظمہ وغیرہ میں کیا اس قسم کے قوانین نافذ ہوتے ہیں جس سے گائے کی قربانی نہ کی جائے۔ بینوا توجروا

(جواب ۲۴۰) مسلمانوں کا کفار کے ساتھ کسی ایسی بات میں متفق الرائے ہونا جس میں شعار اسلام کی ہتک اور بے حرمتی ہوتی ہو ناجائز اور حرام ہے۔ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ ہندوؤں کے ساتھ اس قسم کا اتفاق کرے جس کی وجہ سے گائے کی قربانی کا شرعی اختیار مسلمانوں سے سلب ہو جائے کیونکہ اس میں اسلام کی ہتک ہوتی ہے۔[2] کیا وہ شخص مسلمان رہ سکتا ہے جو اسلام کی ہتک میں کفار کے ساتھ خود بھی شریک ہو قربانی ایک بڑا اسلامی عمل ہے اگر آج گائے کی قربانی بند کر دیجائے تو بہت سے غریب مسلمان ایسے بھی ہیں جو بالکل قربانی ہی نہ کر سکیں گے کیونکہ گائے کا ساتواں حصہ دو ڈیڑھ روپے میں حاصل ہو سکتا ہے بخلاف بکرے بھیڑ کے کہ اس میں چار پانچ روپے صرف کرنے پڑتے ہیں پھر ان کے اس امر شرعی کو ادا نہ کر سکنے کا عذاب کس کی گردن پر ہوگا اس میں شک نہیں کہ بالخصوص گائے کی قربانی کرنا کوئی فرض واجب نہیں ہے لیکن اس موقع پر جب کہ ہندو تعصباً گائے کی قربانی سے مانع ہوں ان کے اس کہنے کو نہ ماننا اور گائے کی قربانی کرتے رہنا واجب ہے نہ اس وجہ سے کہ گائے کی قربانی واجب ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ہندوؤں کے کہنے سے کسی مباح شرعی کو چھوڑ دینا ناجائز ہے جب کہ اس کے ترک میں ہتک اسلام بھی ہوتی ہو جو لوگ کہ ہندوؤں کے ساتھ ان کے اس قسم کے مشورے میں شریک ہوں وہ گناہ گار ہوں گے ان لوگوں کو توبہ کرنا چاہئے اور اپنے اس خیال سے باز آنا چاہئے ان لوگوں کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی[3] کسی جگہ اور خصوصاً مکہ معظمہ میں اس قسم کے قانون جاری ہونے کا ہمیں علم نہیں ہوا اور اگر جاری بھی ہوا ہے تاہم خلاف شرع

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۴ ص ۱۸۶)

(۲) ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (المائدۃ ۲)

(۳) فی الجوہرۃ: وان اشتری شاۃ للاضحیۃ فضلت فاشتری غیرھا ثم وجد الاولی فالا فضل ان یذبح الکل وان ذبح الاولی لا غیر اجزاءہ سواء کانت قیمۃ الاولی اکثر من قیمتہ الثانیۃ او اقل وان ذبح الثانیۃ لا غیر ان کانت مثل الاولی او افضل جاز وان کانت دونہا یضمن الزیادۃ ویتصدق بہا ولا یلزمہ ان یجمعہما جمیعاً سواء کان معسرا او موسرا (الجوہرۃ النیرۃ کتاب الاضحیۃ ۲ ۲۴۳ ط میر محمد)

ہونے کی وجہ سے ناقابل حجت ہے۔[1] واللہ اعلم

قربانی کے لئے گائے خریدی لیکن وہ گابھن نکلی تو کیا کیا جائے ؟

(سوال) گزشتہ بقر عید کے موقع پر بقر عید سے کچھ دنوں پہلے بارادہ قربانی میرے یہاں ایک گائے خریدی گئی خریدنے والوں نے اپنے نزدیک فربہ 'جوان اور عمدہ گائے سمجھ کر خرید لی مگر دسویں ذی الحجہ کو عین قربانی کے وقت بعض دوسرے لوگوں نے کہا کہ یہ گائے گیابھن معلوم ہوتی ہے۔ اسے قربانی نہیں کرنا چاہئے بدیں وجہ اس کی قربانی نہیں کی گئی کچھ دنوں کے بعد اس نے بچہ دیا اب اس وقت گائے اور بچہ دونوں موجود ہیں دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا صرف گائے کو قربان کیا جائے یا دونوں کو ؟ المستفتی نمبر ۲۲۹ محمد ابراہیم تکمیل الطب کالج لکھنؤ ۷ ازی قعدہ ۱۳۵۲ھ ۴ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۴۲) گائے جس شخص یا جن اشخاص نے قربانی کے لئے خریدی تھی اگر وہ صاحب نصاب تھے اور انہوں نے قربانی دوسرے جانور پر ادا کرلی تو اب گائے اور اس کا بچہ ان کی ملک ہے وہ ان دونوں کو خواہ رکھیں خواہ فروخت کریں جو چاہیں کریں۔ اور قربانی کے ایام میں دوسرا جانور خرید کر اس کو کام میں لائیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی۔

دو یا تین تھن خشک ہونے کی صورت میں قربانی جائز نہیں

(سوال) ایک بھینس قربانی کے واسطے خریدی گئی اس کے تھنوں میں سے دو تین بالکل خشک ہیں اور دو تھنوں میں سے باقاعدہ دودھ آتا ہے اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں ؟ غایۃ الاوطار کتاب الاضحیہ کے اندر تھنوں کی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ المستفتی نمبر ۴۳۵ مولوی عبدالرحمن (سیکر) ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ ۳ اپریل ۱۹۳۵ء۔

(جواب ۲۴۳) اونٹ گائے بھینس کے اندر ایک تھن خشک ہو جانے پر تو قربانی جائز ہوتی ہے لیکن دو تھن خشک ہو جائیں یا کٹ جائیں تو قربانی جائز نہیں ۔ **والشطور لا تجزئ وھی من الشاۃ ما انقطع اللبن عن احدی ضرعیھا ومن الابل والبقر ما انقطع اللبن من ضرعیھا لان لکل واحد منھما اربع اضرع کذافی التتارخانیہ (عالمگیری) قلت والجاموس**[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

کیا قربانی کا جانور خریدنے سے پہلے شرکاء کی تعیین ضروری ہے ؟

(سوال) قربانی گاؤ وغیرہ میں جو حصہ دار شریک ہوتے ہیں یہ اشتراک بعد البیع ہونا چاہئے یا قبل البیع۔ اور اگر

---

(۱) یہ فتویٰ انقلاب ۱۹۴۷ء سے پہلے کا تحریر کیا ہوا ہے (واصف)
(۲) و یکرہ امامۃ فاسق رفی الشامیۃ' و لعل المراد بہ من یرتکب الکبائر (الدرالمختار' مع ردالمحتار' کتاب الامامۃ ۱/۵۶۰ ط سعید)
(۳) (عالمگیریۃ' کتاب الاضحیۃ ۵/۲۹۹ ط ماجدیہ کوئٹہ)

بعد بیع شریک ہوں تو قربانی جائز ہو گی یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۴۵۳ مولوی بہاؤالدین (ضلع ملتان) ۵ محرم ۱۳۵۴ھ م ۱۰ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۴۳) گائے میں شریک ہونے والے خریدنے سے پہلے شریک ہو جائیں اور پھر گائے خریدیں تو یہ احوط اور افضل ہے اور اسی حکم میں یہ صورت بھی ہے کہ خریدنے والا اس نیت سے خریدے کہ ایک حصہ یا دو حصے میں اپنی قربانی کے لئے رکھوں گا اور باقی حصص میں دوسروں کو شریک کرلوں گا کہ یہ بھی جائز ہے لیکن اگر اس نے بغیر کسی نیت کے خرید لی اور بعد میں دوسروں کو شریک کر لیا تو اس کے جواز میں اختلاف ہے۔ لیکن راجح جواز ہے۔ والا شتراك قبل الشراء احب (درمختار) لو لم ينو عند الشراء ثم اشركهم فقد كرهه ابو حنيفة (ردالمحتار) وان نوى ان يشرك فيها ستة اجزاته (ردالمحتار)[1]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سود خور کے ساتھ قربانی میں شرکت کا حکم !

(سوال) سود خوار کے ساتھ شریک ہو کر قربانی کرنا جائز ہو گا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۲۶۴ محمد عبدالوہاب صاحب (جسور) ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۵ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۴۴) سود خوار کے ساتھ قربانی میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیل بکری اور بھینسہ کی قربانی جائز ہے !

(سوال) قربانی کے لئے بیل بکری اور بھینسہ جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۲۷۹ اے سی منصوری اسلام پورہ بمبئی ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۴۵) بیل بکری اور بھینسہ کی قربانی جائز ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

اونٹ کی قربانی میں احناف کے نزدیک صرف سات حصے ہی ہو سکتے ہیں !

(سوال) زید نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ اونٹ، بیل، گائے، بھینس کی قربانی میں سات آدمی شریک ہوتے ہیں بلکہ ایک اونٹ میں دس آدمی بھی شریک ہو سکتے ہیں تو دریافت طلب یہ ہے کہ اونٹ میں دس آدمیوں کی شرکت امام شافعی صاحب کے مذہب میں ہے یا حنفی صاحب کے مذہب میں یا دیگر ائمہ کے نزدیک'

---

(۱) (الدرالمختار' کتاب الاضحية ۶/ ۳۷۱ ط سعيد)

(۲) او كان شريك السبع من يريد اللحم او كان نصرانياً و نحوذالك لا يجوز للآخرين كذافي السراجية (عالمگيرية' كتاب الاضحية ۵/ ۳۰۴ ط ماجديه كوئته)

(۳) اما جنسه فهو ان يكون من الاجناس الثلاثة الغنم اوالا بل اوالبقر في كل جنس نوعه والذكر والانثىٰ منه و قيل ايضاً والمعز نوع من الغنم والجاموس نوع من البقر (عالمگيرية' كتاب الاضحية ۵/ ۲۹۷ ط ماجديه)

آخر کتاب والے نے کس امام کی پیروی کرتے ہوئے لکھا ہے ؟ المستفتی دستی بلا نمبر۔ عبدالعزیز ٹونک
(جواب ۲۴۶) اونٹ میں بھی حنفیہ کے نزدیک سات ہی آدمی شریک ہو کر قربانی کر سکتے ہیں۔[۱] دس کی شرکت کی روایت کا وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ روایت میں تصریح نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے اونٹ میں دس آدمیوں کی شرکت کی اجازت دی تھی نیز سات کی شرکت میں قربانی کا ہونا متفق علیہ ہے اور دس کی شرکت مختلف فیہ ہے تو متفق علیہ پر عمل احوط ہے۔[۲] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

گھوڑے اور مرغی کی قربانی نہیں ہو سکتی

(سوال) عیدالضحیٰ کے موقع پر گھوڑے کی قربانی جائز ہے یا نہیں ؟ اور مرغ بھی قربانی میں قربانی کا جانور سمجھا جاتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۸۰۴ عبدالواحد رنگساز (دہلی) ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء
(جواب ۲۴۷) قربانی کے جانور اونٹ' گائے' دنبہ' بھیڑ' بکرا (مذکر و مؤنث) ہیں بھینس گائے کے حکم میں ہے گھوڑے اور مرغ کی قربانی نہیں ہو سکتی اور نہ آں حضرت ﷺ سے قولاً یا فعلاً گھوڑے کی قربانی کا کوئی ثبوت ہے۔[۳] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ہرن اور نیل گائے کی قربانی درست نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) کیا ہرن اور نیل گائے کی قربانی جائز ہو سکتی ہے ؟ اگر نہیں تو کیا وجہ ہے ؟
(جواب ۲۴۸) ہرن اور نیل گائے کی قربانی درست نہیں قربانی کے جانوروں کی تعیین شرعی سماعی ہے قیاس کو اس میں دخل نہیں ہے اور شریعت مقدسہ سے صرف تین نوع کے جانور ثابت ہوتے ہیں نوع اول اونٹ نر و مادہ' نوع دوم بکرا' بکری' مینڈھا' بھیڑ' دنبہ نر و مادہ' نوع سوم گائے بھینس نر و مادہ۔ بس انکے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی جائز نہیں اور ان کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ وحشی نہ ہوں بلکہ اہلی' (پالتو) اور آدمیوں سے مانوس ہوں۔[۴] واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

جانور ذبح کرنے سے پہلے کسی شریک کے علیحدہ ہونے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۹ء)

(سوال) قربانی میں شریک ہو کر پھر قربانی سے ایک روز پہلے حصہ چھوڑنے پر قربانی واجب سنت کچھ

(۱) فتجب علیٰ حر مسلم مقیم شاۃ او سبع بدنۃ ھی الابل والبقر (درمختار' ۶/ ۳۱۵ ط س)
(۲) وفی البدائع : ان الاخبار اذا اختلف بالظاھر یجب الاخذ بالاحتیاط' وذالک فیما قلنا: لان جوازہ عن سبعۃ ثابت الاتفاق وفی الزیادۃ اختلاف فکان الاخذ بالمتفق علیہ اخذاً بالتیقن (بدائع' کتاب التضحیۃ ۵/ ۷۱ ط سعید)
(۳-۴) (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۳ ص ۱۹۳)

اس کے ذمے باقی ہے یا نہیں؟
(جواب ۲۴۹) قربانی کی گائے میں اگر کوئی ایسا شخص شریک تھا جس پر قربانی واجب تھی اور پھر ذبح سے پہلے وہ شرکت سے علیحدہ ہو گیا اور دوسرا آدمی اس کی جگہ شریک ہو گیا تو قربانی ہو جائے گی۔ اور جس پر قربانی واجب نہ تھی وہ اگر ذبح کرنے سے پہلے علیحدہ ہو جائے تو اس پر قربانی واجب رہے گی۔[1] اور اس جانور کے دوسرے شرکاء کی قربانی بھی درست نہ ہو گی جب تک وہ اسی کو شریک کر کے قربانی نہ کریں۔[2]

فصل سوم' چھوٹے جانور

کیا چھ مہینے کے مینڈھے یا بھیڑ کی قربانی جائز ہے؟

(سوال) چھ مہینے کا جانور بکری یا مینڈھا بھیڑ یا دنبہ چکتی والا قربانی میں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب) (از مولوی محمد ابراہیم صاحب واعظ دہلوی) چھ ماہ کا بکرا یا بکری بھیڑ یا بھیڑ یا مینڈھا قربانی کرنا جائز نہیں ہے یہ جانور پورے ایک سال کے ہونے لازم ہیں۔ ہاں صرف دنبہ یا دنبی نر ہو یا مادہ چکتی والا جانور چھ ماہ کا بشرطیکہ سال بھر والے جانور کے قد و قامت میں ملتا جلتا ہو تو جائز ہے جیسے کہ در مختار اور اس کے حاشیے ردالمحتار میں صاف ثابت ہے۔ وصح الجذع ذوستة اشهر من الضان ان کان بحیث لو خلط بالثنایا لا یمکن التمیز من بعد (درمختار) قوله من الضأن هو ماله الیة (منح) قید به لا نه لایجوز من المعز وغیره بلا خلاف کما فی المبسوط (ردالمحتار)[3] سید احمد طحطاوی) قوله من الضأن والضأن ما تکون له الیة والله اعلم بالصواب' حرره محمد ابراهیم

(جواب ۲۵۰) (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہوالمصوب۔ سال بھر سے کم کا جانور قربانی میں بوجہ اس صحیح حدیث کے فقہاء نے جائز کہا ہے جو کسی قدر اختلاف الفاظ کے ساتھ اس طرح وارد ہوئی ہے۔ لا تذبحوا الا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذ بحوا جذعة من الضأن[4] یعنی مسنہ کے سوا قربانی نہ کرو ہاں اگر مسنہ ملنا مشکل ہو تو ضان کا جذعہ ذبح کر دو اب یہ بات تحقیق طلب ہے کہ ضان کیا ہے؟ جہاں تک دیکھا اور غور کیا گیا یہی معلوم ہوا کہ عربی زبان میں لفظ غنم ایک عام لفظ ہے جو بکری بھیڑ دنبے تینوں کو شامل ہے اور پھر اس کو باعتبار صوف ہونے نہ ہونے کے فقط دو قسم پر منقسم کیا گیا ہے جس پر صوف نہ ہو اس کو معز کہتے ہیں اور جس پر صوف ہو جیسے بھیڑ دنبہ اس کو ضان کہتے ہیں پس ضان میں دنبہ اور بھیڑ دونوں شامل ہیں۔ اور یہ

---

(۱) و فقیر شراها لها لو جوبها علیه بذالك حتی یمتنع علیه بیعها (التنویر الابصار مع الدرالمختار' کتا ب الاضحیة ۶/ ۳۲۱ ط سعید)
(۲) لان بعضها لم یقع قربة (الدرالمختار' کتاب الاضحیة ۶/ ۳۲۶ ط سعید)
(۳) (الدرالمختار' مع الرد' کتاب الاضحیة ۶/ ۳۲۱ ط سعید)
(۴) (مسلم شریف' کتاب الاضاحی ۲/ ۱۵۵ ط قدیمی)

عبارتیں اس کی دلیل ہیں۔ قوله غنما یشمل الضان والمعز (عینی شرح بخاری جلد عاشر ص ۹۷) والغنم صنفان المعز والضان (کذافی حاشیة ابی داؤد نقلا عن الشیخ المحدث الدهلوی) ان عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ غنم عام ہے جس میں معز اور ضان دونوں شامل ہیں اب یہ کہ معز اور ضان کسے کہتے ہیں۔ المعز بالفتح و یحرك خلاف الضان من الغنم انتهی مختصرا قاموس ، اس عبارت سے جیسے کہ غنم کا عموم ثابت ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غنم میں معز کے علاوہ جو ہے وہ سب ضان ہے کیونکہ غنم کی صرف دو قسمیں ہیں فالمعز ذوات الشعور منها والضان ذوات الصوف. انتهی تاج العروس[1] جلد رابع ص ۸۲ معز الماعز ذوالشعر من الغنم خلاف الضان انتهی لسان العرب[2] جلد سابع ضان من الغنم ذو الصوف والضائن خلاف الماعز انتهی مختصرا لسان العرب[3] جلد سابع عشر والضان ذوات الصوف من الغنم والمعز ذوات الشعر من الغنم تفسیر کبیر[4] جلدرابع ، والضان ذوات الصوف من الغنم والمعز ذوات الشعر من الغنم' خازن[5] جلد ثانی ص ۹۰ قوله ﷺ فتذبحوا جذعة من الضان بالهمز و یبدل و یحرك خلاف الماعز من الغنم (مرقات شرح مشکوة[6] جلد ثانی ص ۲۶۱) ان تمام عبارتوں سے واضح ہے کہ معز تو اسے کہتے ہیں جس پر بال ہوں۔ اور ضان وہ ہے جس پر صوف یعنی اون ہو اور لسان العرب اور مرقاة کی عبارتیں اس بارے میں نص صریح ہیں کہ معز کے خلاف غنم میں جو جانور ہیں وہ سب ضان ہیں اور ظاہر ہے کہ غنم میں بکری ، بھیڑ ، دنبہ تینوں داخل ہیں۔ تو جب کہ فقط بکری ان میں سے معز ہے تو بھیڑ اور دنبہ دونوں ضان ہیں اور ضان کا جذعہ جائز ہے تو بھیڑ اور دنبہ دونوں چھ ماہ سے زائد کے جائز ہوں گے صرف دنبہ کے جواز اور بھیڑ کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں اور اس کی پوری تشریح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اشعة اللمعات شرح مشکوة میں بذیل حدیث لاتذبحوا الا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان[7] کردی ہے۔ فرماتے ہیں "پس ذبح کنید جذعہ را از میش" اور پھر تحقیق کرتے ہیں "و غنم دو صنف است معز کہ آں را بز گویند و ضان کہ آنرا میش خوانند"[8] اور ظاہر ہے کہ میش میں دنبہ اور بھیڑ دونوں شامل ہیں اور بز فقط بکری کو کہتے ہیں نواب قطب الدین خاں مظاہر حق میں اسی حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں "پس ذبح کرو جذعہ دنبہ یا بھیڑ سے"[9] پس اب اس میں

---

(۱) (تاج العروس للزبیدی' فصل المیم من باب الزا ٤/ ۸۲ ط بیروت)
(۲) (لسان العرب ٥/ ٤١٠ ط بیروت)
(۳) (ء ء ء ۱۳/ ۲۵۱ ء)
(٤) (تفسیر کبیر ۱۳/ ۲۱٦ ط تہران)
(٥) (تفسیر خازن ۲/ ۱۹۲ ط)
(٦) (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح ۳/ ۳۰٤ ط امدادیه ملتان)
(۷) (مسلم شریف' کتاب الاضاحی ۲/ ۱۵۵ ط قدیمی)
(۸) (اشعة اللمعات' باب الاضحیة ۱/ ٦۰۸ ط نو لکشوریه سکھر)
(۹) (مظاهر حق ۱/ ٥۰٥ ط ادارہ اشاعت دینیات)

کوئی شبہ نہیں کہ بھیڑ اور دنبہ دونوں کا ایک ہی حکم ہے اور یہ دونوں غنم کی ایک قسم میں داخل ہیں اور دوسری قسم بکری ہے اور ممیز ان دونوں میں صوف کا وجود اور عدم ہے۔ الیہ یعنی چکتی کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔
رہی یہ بات کہ منح الغفار شرح درمختار میں ضان کی تفسیر مالہ الیۃ کی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول درحقیقت تفسیر لغت کی طرف راجع ہے نہ حکم فقہی پس اس میں ارباب لغت کے اقوال سے مطابقت ضروری ہے اور چونکہ قاموس صراح لسان العرب تاج العروس مجمع البحار (کتب لغت) اور تفسیر کبیر خازن کشاف (کتب تفسیر) اور عینی شرح بخاری اشعۃ اللمعات مظاہر حق (شروح حدیث) اور فتاوی بزازیہ وغیرہ کتب فقہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ضان بھیڑ اور دنبہ دونوں کو کہتے ہیں تو منح الغفار کا یہ قول اور تقیید کیسے قابل تسلیم ہو سکتی ہے۔ لامحالہ مسامحت یا زلۃ قلم پر محمول ہوگا کہ بجائے مالہ صوف اوالیۃ مانعۃ الخلو کے صرف مالہ الیۃ لکھا گیا ہے۔ هذا والله اعلم بالصواب کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایت اللہ رضی عنہ ربہ وارضاہ۔

خصی جانور کی قربانی جائز ہے

(سوال) قربانی خصی بکرے یا مینڈھے یا بیل کی جائز ہے کوئی نقص شرعی تو نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۶۵ ماسٹر یونس خاں لاہور ۸ محرم ۱۳۵۳ھ ۲۳ اپریل ۱۹۳۴ء۔
(جواب ۲۵۱) خصی بکرے، مینڈھے بیل کی قربانی جائز ہے اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں۔[1]

خصی جانور کی قربانی کا حکم

(سوال) قربانی خصی دنبہ یا خصی بکرے کی جائز ہے یا نہیں؟ خصی دو طریقے سے کیا جاتا ہے خصیتین کو کاٹ کر یا دبا کر خصیتین نکال دیئے جاتے ہیں طریقہ ثانیہ میں اعضاء میں ہی ہو جاتی ہے کیا یہ دونوں قسم کے خصی جائز ہیں۔ المستفتی نمبر ۴۷۰ منشی مشتاق حسین (پٹیالہ) ۲۰ محرم ۱۳۵۴ھ م ۲۵ اپریل ۱۹۳۵ء
(جواب ۲۵۲) دونوں قسم کے خصی کی قربانی جائز ہے عضو کا کم ہو جانا اور کچل کر بیکار کر دینا یکساں ہے مگر یہ عیب گوشت کی عمدگی کے لئے قصداً کیا جاتا ہے۔ یجوز المجبوب العاجز عن الجماع (عالمگیری ص ۳۳۰ ج ۵)[2] و یضحی بالجماء والخصی والثولاء (درمختار علی هامش رد المحتار ص ۲۲۴ ج ۵)[3] و یجزئ الخصی لانه اطیب کما قال الشعبی مازاد الخصی فی طیبة لحمه خیر للمساکین مما فات من الخصیتین (البرهان شرح مواهب الرحمن قلمی ص ۳۳۷)[4]

---

(۱) فی التنویر ویضحی بالجماء والخصی والثولاء (درمختار علی هامش رد المحتار کتاب الاضحیة ٦ / ۳۲۳ ط سعید)
(۲) (عالمگیریة کتاب الاضحیة ٥ / ۲۹۷ ط ماجدیه کوئٹه)
(۳) (ایضاً بحواله سابق نمبر ۱ ص هذا) (۴) یہ کتاب مجھے تلاش کے نہیں ملی

ویجزی الخصی (سراجیہ)[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا خصی جانور کی قربانی زیادہ بہتر ہے ؟

(سوال) حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک قربانی کے لئے خصی کی فضیلت زیادہ ہے یا غیر خصی کی ؟
المستفتی نمبر ۷۸۱ حکیم محمد ابراہیم صاحب (جودھپور) ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲۹ فروری ۱۹۳۶ء
(جواب ۲۵۳) خصی جب کہ گوشت کے لحاظ سے بہتر ہو تو وہ افضل ہے یعنی اگر فقرا و نادار لوگ زیادہ ہوں تو زیادہ گوشت والا جانور افضل ہے اور حاجت مند کم ہوں تو پھر جس کی قیمت زیادہ اور گوشت عمدہ ہو وہ افضل ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔

جانور کو خصی کرنے کا حکم

(سوال) جانور کو بدھیا کرنا یعنی اس کے خصیوں کو نکال دینا جائز ہے یا نہیں ؟ اور بدھیا جانور کی قربانی ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ بدھیا جانور خواہ بکرا ہو یا بیل اس کو بدھیا کرنے کا ثبوت کونسی کتاب میں ہے ؟ عیب دار جانور کی قربانی تو جائز نہیں پھر بدھیا خصی کی قربانی کیوں جائز ہے ؟ کیونکہ خصیتین کا نکال دینا تو بڑا عیب اور صریح ظلم ہے ؟ المستفتی نمبر ۷۹۷ شیخ غلام قادر صاحب (ضلع پورنیہ) ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۹ مارچ ۱۹۳۶ء
(جواب ۲۵۴) آنحضرت ﷺ نے کبشین موجوئین یعنی ایسے دو مینڈھوں کی قربانی کی ہے جن کے خصیے کچل کر بیکار کردیئے گئے تھے۔ بدھیا کرنے کے دو طریقے تھے ایک تو خصیے نکال کر بدھیا کرتے تھے اسے خصی کہتے تھے۔ دوسرے خصیے کچل کر بیکار کردیتے تھے اسے موجوء کہتے تھے۔ یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد نے روایت کی ہے۔[3] (کذا فی جمع الفوائد) بدھیا کرنے سے گوشت اچھا اور چکنا اور زیادہ ہو جاتا ہے ان فوائد کے لئے بدھیا کرنا جائز ہے۔[4] کیونکہ انسان کے انتفاع کے لئے جب ذبح کرنا اور کھانا جائز ہے تو بدھیا کرنا تو ذبح کرنے سے اہون ہے اگر ذبح کرنا ظلم نہیں تو بدھیا کرنا کس طرح ظلم قرار دیا جا سکتا ہے۔ رہا عیب تو یہ عیب اس لئے نہیں شمار کیا گیا کہ اس سے جانور موٹا عمدہ بیش قیمت ہو جاتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) (فتاوی سراجیہ ص ۹۸ ط سعید)
(۲) فی الشامیۃ تحت قولہ . اذا استویا فان کان سبع البقرۃ اکثر لحما فھو افضل والا صل فی ھذا اذا استویا فی اللحم والقیمۃ فاطیبھما لحماً افضل واذا اختلفا فیھما فالفا ضل اولی (رد المحتار' کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۲۲ ط سعید)
(۳) عن جابر بن عبداللہؓ قال ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجزین' وفی التعلیق علیٰ ھامش ابی داؤد قال الخطابی الموجو مفزوع الانثیین والو جاء الخصاء وجواز الخصی فی الاضحیۃ قد کرھہ بعض اھل العلم لنقص العضو' لکن لیس ھذا عیب لان الخصاء یغیر اللحم طیباً و ینفی عنہ الزھومۃ و سؤ الرائحۃ (ابو داؤد شریف ۲ / ۳۰ س)
(٤) وجاز خصاء البھائم حتی الھرۃ (الی ان قال) و قیدوہ بالمنفعۃ والا فحرام وفی الشامیۃ : ای جواز خصاء البھائم بالمنفعۃ وھی ارادۃ سمنھا او منعھا عن العض (درمختا ر مع رد المحتار' کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع ۶/ ۳۸۸ ط سعید)

خصی بکرے اور دنبہ کی قربانی جائز ہے

(سوال) کیا خصی بکرے اور دنبے کی قربانی جائز ہے اور آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے؟ المستفتی نمبر ۱۳۳۱ عبدالحمید جی صاحب (مارواڑ) ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م یکم فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۵۵) خصی بکرے اور دنبے وغیرہ کی قربانی جائز ہے حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خصی جانور کی قربانی کی ہے۔ ابوداؤد شریف میں یہ حدیث موجود ہے۔ اس میں موجوئین کا لفظ ہے موجوء ان جانوروں کو کہتے ہیں جن کے انثیین نکال کر ان کو بیکار کر دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ عیب قربانی کے جواز کے لئے مانع نہیں ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

خصی بکرے کی قربانی کا حکم

(سوال) خصی بکرے کی قربانی جائز ہے کہ نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۱۸-اے، سی منصوری (بمبئی) ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۱۵ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۵۶) خصی بکرے کی قربانی جائز ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دس ماہ کے بکرے کی قربانی نہیں ہو سکتی

(سوال) بکرا دس مہینے کا جب کہ فربہ ہو قربانی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۷۸۳ مولوی عبدالحمید مہتمم مدرسہ رشیدیہ عربیہ لدھیانہ ۱۵ نومبر ۱۹۴۴ء

(جواب ۲۵۷) بکرا سال بھر سے کم کا قربانی میں جائز نہیں۔[3] بھیڑ اور دنبہ جائز ہے جب کہ چھ ماہ سے زیادہ کا ہو اور فربہ ہو۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل چہارم' قربانی کے جانور کی تعیین یا نذر

کیا قربانی کا جانور متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے؟

(سوال) قربانی کا جانور ایام قربانی میں ہی خرید کر متعین کرنا جائز ہے یا یہ بھی جائز ہے کہ دو چار روز یا مہینہ

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق ص ۱۹۶ حاشیہ ۳)

(۲) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۱ ص ۱۹۴)

(۳) وصح الثنی فصاعدا من الثلاثة والثنی ہو ابن خمس من الابل وہو حولین من البقر والجاموس وحول من الشاة والمعز (درمختار' کتاب الاضحیة ۶/ ۳۲۲ ط سعید)

(٤) وصح الجذع ذو ستة اشہر من الضان ان کان بحیث لو خلط بالثنایا لا یمکن التمیز من بعد (درمختار مع رد المحتار' کتاب الاضحیة ۶/ ۳۲۱ ط سعید)

پھر پہلے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید کیا یا اپنے گھر میں کوئی جانور تھا اس کے متعلق یہ نیت کرلی کہ امسال اس کو قربانی کروں گا تو اس صورت میں قربانی صحیح ہوگی یا نہیں ؟

(جواب ۲۵۸) قربانی کا جانور خواہ پہلے سے متعین کرلیا جائے خواہ ایام قربانی میں خرید کیا جائے دونوں صورتیں برابر ہیں لیکن اگر متعین کرنے والا یا بہ نیت قربانی خریدنے والا صاحب نصاب نہیں تو اس پر اسی جانور کی قربانی کرنا واجب ہو جاتا ہے۔[1] اور اگر صاحب نصاب ہے اور ایام قربانی سے پہلے اس نے جانور خریدا اور اسے بطور نذر قربانی کے لئے متعین کرلیا تو اس پر بھی اسی جانور کی قربانی واجب ہوگئی اور نصاب کی وجہ سے دوسری قربانی واجب ہوگی [2] اور اگر بطور نذر تعیین نہ کی تو اس کے ذمہ صرف ایک قربانی واجب رہے گی اور تعیین بھی لازم نہ ہوگی۔[3]

اگر بیماری کی وجہ سے قربانی کے جانور کو ایام قربانی سے پہلے ذبح کیا جائے تو گوشت کا کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک شخص نے قربانی کے واسطے دنبہ خرید کر متعین کیا پھر وہ دنبہ بیمار ہو گیا پس اس شخص نے اس کو قبل ایام نحر ذبح کرلیا بایں ارادہ کہ اس کی جگہ دوسرا دنبہ خرید کر ذبح کرلوں گا کیا اس دنبہ مذبوحہ قبل ایام نحر کا گوشت وہ مالک کھا سکتا ہے یا نہ ؟ **المستفتی** نمبر ۱۴۱۶ فیض اللہ متعلم مدرسہ امینیہ دہلی ۱۵ صفر ۱۳۵۶ھ م ۲۷ اپریل ۱۹۳۷ء۔

(جواب) (از مولوی محمد اسماعیل) واللہ الموفق للصواب۔ اگر دنبہ کو ایسی بیماری لگ گئی کہ معیوب ہوکر قابل قربانی نہیں رہا تو مالک اگر غنی ہے تو اس کو ذبح کرلے اور اس کا گوشت خود کھائے یا بیچے جائز ہے کیونکہ یہ دنبہ قابل قربانی نہیں رہا اس کے قائم مقام اس پر دوسرا واجب ہے۔ اور اگر مالک فقیر ہے تو اس کو گوشت کھانا جائز نہیں جب کہ قبل ایام نحر ذبح کرے اور دوسرا اس پر واجب نہیں کیونکہ مسکین پر بعینہ وہی متعین ہے اگر قابل قربانی نہ ہو اور اگر ایسی بیماری ہے کہ قربانی کو مانع نہیں اور مالک نے قبل ایام نحر ذبح کرلیا تو چاہے غنی ہو یا فقیر اس کو گوشت کھانا جائز نہیں۔ کما فی **الھندیۃ و لو اشتریٰ شاۃ للاضحیۃ فیکرہ ان یحلبھا او یجز صوفھا فینتفع بہ لانہ عینھا لاقربۃ فلا یحل لہ الانتفاع بجزء من اجزائھا قبل اقامۃ القربۃ فیھا کما لا یحل الا نتفاع بلحمھا اذا ذبحھا قبل وقتھا و من المشائخ من قال ھذا فی الشاۃ المنذوربھا بعینھا من المعسر والموسر وفی الشاۃ المشتراۃ للاضحیۃ من المعسر فاما**

---

(۱) فی شرح التنویر : و فقیر شراھا لھا لو جوبھا علیہ حتی یمتنع علیہ بیعھا (التنویر الابصار مع الدرالمختار' کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۲۱ ط سعید)

(۲) واعلم انہ قال فی البدائع ولو نذر ان یضحی شاۃ وذالک فی ایام النحر وھو موسر فعلیہ ان یضحی بشاتین عندنا شاۃ بالنذر وشاۃ بایجاب الشرع ابتداء (ردالمحتار' کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۲۰ ط سعید)

(۳) وفی الشامیۃ ایضا الا عنی بہ الا خبار عن الواجب فلا یلزمہ الا واحدۃ رد المحتار' کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۲۰ ط سعید)

المشتراة من الموسر للاضحية فلا باس ان يحلبها ويجز صوفها كذافي البدائع والصحيح ان الموسر والمعسر في حلبها و جزصوفها سواء هكذا في الغياثية اه [1] وقال ابن عابدين عند قول صاحب الدرالمختار و منهم من اجاز هما للغني والجواب ان المشتراة للاضحية متعينة للقربة الى ان تقام غير ها مقامها فلا يحل له الا نتفاع بها ما دامت متعينة ولهذا لا يحل له لحمها اذا ذبحها قبل وقتها بدائع و ياتي قريبا انه يكره ان يبدل بها غير ها فيفيد التعين ايضا اه [2] عنده محمد اسماعيل عفى عنه۔

(جواب ۲۵۹) (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہوالموفق اگر غنی نے دنبہ اس نیت سے خرید اکہ میں اس کو ایام نحر میں قربانی واجب میں ذبح کروں گا تو یہ دنبہ اس حق میں ایسا متعین نہیں ہو جاتا کہ اسی کو ذبح کرنا واجب ہو اور دوسرا جانور ذبح کرنا کافی نہ ہو ہاں اتنی تعیین ہو جاتی ہے کہ بلاضرورت اس کو بدلنا مکروہ ہے اور اگر کسی ضرورت سے تبدیلی کی جائے مثلاً دنبہ ایسا عیب دار ہو جائے کہ اس کی قربانی جائز نہ ہو یا ہلاک ہی ہو جائے تو یہ تبدیلی واجب ہے یعنی غنی پر واجب ہوتا ہے کہ اس دنبہ کی جگہ دوسرا صحیح جانور قربان کرے اور اس معیب کو جو چاہے کرے یعنی رکھے یا فروخت کردے ذبح کر کے کھالے یا گوشت فروخت کردے۔ اور اگر معیب تو نہیں ہوا نہ ہلاک ہوا لیکن مفرور ہو گیا اور اس کے تلف ہو جانے کا خوف ہو گیا اور مالک غنی نے یہ نیت بدل لی کہ اس کی جگہ دوسرا جانور قربانی کروں گا تو یہ دنبہ جو ایام قربانی سے پہلے ذبح کر دیا گیا اس کا مالک جو چاہے کرے خود کھائے یا فروخت کرے ہندیہ کی عبارت کما لا یحل الا نتفاع بلحمها اذا ذبحها قبل وقتها [3] اور شامی کی عبارت فلا یحل له الا نتفاع بها ما دامت متعینة ولهذا لایحل له لحمها اذا ذبحها قبل وقتها [4] سے ان صورتوں کا حکم مراد ہے جو جانور قربانی کے لئے متعین رہے یعنی معیب نہ ہو جائے ہلاک نہ ہو جائے قریب نہ ہو جائے اور تبدیلی کی کوئی معقول وجہ پیدا نہ ہو یا اس کی جگہ دوسرا جانور متعین نہ کر دیا جائے فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی۔

قربانی کے لئے خریدے ہوئے جانور کو بیچنے کا حکم

(سوال) (۱) زید نے قربانی کے لئے بکرا خریدا جتنے کا خرید اتھا اس سے زیادہ قیمت پر فروخت کر دیا جو اور خریدا وہ بھی زیادہ قیمت ملی تو پھر فروخت کر دیا کیا قربانی کے جانور کو فروخت کیا جا سکتا ہے؟
(۲) قربانی کے لئے جانور خرید ا کچھ دن کے بعد پتہ چلا کہ یہ جانور چوری کا ہے اس کی قربانی جائز ہے کہ نہیں یا اور جانور خرید کر قربانی کی جائے؟ (۳) قربانی کرنا واجب نہیں مگر اس کا دل چاہتا ہے کہ دل تو قربانی سے

(۱) (عالمگیریة كتاب الاضحية ٥ / ٣٠٠ ط ماجدية كوئته)
(۲) (رد المحتار كتاب الاضحية ٦ / ٣٢٩ ط سعيد)
(۳) (عالمگیریة كتاب الاضحية ٥ / ٣٠٠ ط كوئته)
(٤) (ردالمحتار كتاب الاضحية ٦ / ٣٢٩ ط سعيد)

کر قربانی کر سکتا ہے کہ نہیں؟ المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی۔

(جواب ۲٦۸) (۱) قربانی کے جانور کو فروخت نہ کرنا چاہئے تھا اگر فروخت کرکے دوسرا کم قیمت کا خریدا تو جو نفع حاصل ہوا ہے اسے بھی خیرات کردے۔[1]

(۲) اگر چوری کرنے والے سے وہ جانور خریدا ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے۔[2]

(۳) قرض لے کر قربانی کرنا ضروری نہیں جب کہ واجب نہیں ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

عید اضحیٰ سے پہلے بکرے کی ٹانگ ٹوٹ جائے تو قربانی کا حکم!

(سوال) ایک شخص جس پر قربانی واجب ہوتی ہے وہ قربانی کرنے کی نیت سے ایک بکری یا بھیڑ یا اور کوئی جانور خرید کرتا ہے جب قربانی کا وقت قریب آتا ہے تو اس کی ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے تو اب وہ شخص وہی جانور قربانی کرے یا دوسرا خرید کر قربانی کرے اور اس جانور کا کیا کرے اس کو بیچ کر اس کی قیمت اپنے کام میں لا سکتا ہے کہ نہیں؟ المستفتی نمبر ۱٦۲٦ محمد نذیر صاحب ریاست (بیکانیر) ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵٦ھ م ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۲٦۹) اگر خریدنے والا مالدار اور غنی ہے اور اس نے اسی واجب قربانی کی ادائیگی کی نیت سے یہ جانور خریدا تھا اور وہ قربانی کے ایام سے پہلے عیب دار ہو گیا تو اسے لازم ہے کہ دوسرا صحیح جانور خرید کر قربانی کرے اور اس عیب دار کو خواہ بیچ ڈالے خواہ ذبح کرکے کھالے اسے اختیار ہے **ولو اشتراھا سلیمة ثم تعیبت بعیب مانع کما مر فعلیه اقامة غیرھا مقامھا ان کان غنیا (درمختار)**[4] **و یقیم بدل ھدی واجب عطب او تعیب بما یمنع الاضحیة و صنع بالمعیب ماشاء (درمختار) قوله ماشاء من بیع و نحوه فتح (رد المحتار ج ۲)**[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) ولو باع الاولی بعشرین فزادت الاولی عند المشتری فصارت تساوی ثلاثین علی قول ابی حنیفة یبیع الاولی جاز فکان علیه ان یتصدق بحصة زیادة حدثت عند المشتری (عالمگیریة' کتاب الاضحیة ۵ : ۲۹٤ ط ماجدیه کوئٹه)

(۲) یعنی چوری [illegible] قربانی [illegible] واجب التصدق [illegible]

(۳) ویسئلونك ماذا ینفقون قل العفو بالنصب ای ینفقون العفو او انفقوا العفو و قری بالرفع علی ان ما استفھامیة وذا موصولة صلتھا ینفقون ای الذی ینفقون العفو قال الواحدی اصل العفو فی اللغة الزیادة وقال القفال العفو ما سھل و تیسر مما فضل من الکفایة وھو قول قتادة و عطاء والسدی' وکانت الصحابة رضوان الله علیھم یکسبون المال ویمسکون قدر النفقه و یتصدقون بالفضل (کذافی تفسیر ابی سعود ۱ : ٤۱۳ ط مکتبه الریاض الحدیثیه)

(٤) (الدر المختار علی ھامش رد المحتار' کتاب الاضحیة ٦ : ۳۲۵ ط سعید)

(۵) (الدر المختار' باب الھدی' ۳ : ٦۱۷ ط سعید)

کیا بکری خریدتے وقت "اس بکری کو ایام نحر میں ذبح کروں گا" کہنا نذر ہے؟

(سوال) ماقولکم فی هذه المسئلة رجل موسر اشتری شاة قبل ایام النحر قال عند شرائها اذبح هذه الشاة فی ایام النحر للاضحیة التی اوجبها الله تعالیٰ علی عباده الموسرین ولم یقل لله علی ان اضحی بها ای لا اوجبها علی نفسه بل قال اضحی ما اوجب الله تعالیٰ فی هذه الصورة ان ضحی بها فی ایام النحر تؤدی عنه الاضحیة ام تصیر نذرا فیذبح للاضحیة شاة اخری بینوا توجروا

(ترجمہ) آپ کیا فرماتے ہیں اس مسئلے میں کہ ایک مالدار آدمی نے ایام نحر سے قبل ایک بکری خریدی اور خریدتے وقت یہ کہا کہ اس بکری کو میں ایام نحر میں ذبح کروں گا۔ بطور اس قربانی کے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مالدار بندوں پر واجب کی ہے۔ اور یہ نہیں کہا کہ اس کا قربانی کرنا مجھ پر واجب ہے۔ یعنی اس کو اپنے اوپر واجب نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ قربانی جو اللہ نے واجب کی ہے وہ کروں گا۔ کیا اس صورت میں اگر اس نے بکری کو ایام نحر میں ذبح کر دیا تو اس کی واجب قربانی ادا ہو جائے گی یا وہ بکری نذر ہو جائے گی اور قربانی کی ادائیگی کے لئے اس کو دوسری بکری خریدنی پڑے گی۔

(جواب) (از مولوی مشتاق احمد چشتی) جب غنی اور دولت مند نے قربانی کا ارادہ کر کے ایک شاة کو خریدا اور اس خرید سے قربانی ہی سے فارغ الذمہ ہونے کی نیت کی تھی تو وقت پر یعنی ایام نحر میں قربانی کرنے سے فارغ الذمہ ہوگی۔ اور علیحدہ اس کے سوا بہ نیت نذر کے ادا کریں گے اس کو قربانی کرنے کی ضرورت نہیں رہی اول تو یہ نذر نہیں اور اگر نذر ہی ہو تو واجب کی نذر صحیح ہے لیکن قبل ایام نحر کے نذر کرنے سے موافق تحقیق محققین دوسری بکری بھی ذبح کرنی پڑے گی۔ رد المحتار ص ۲۱۰ جلد ۵ میں ہے۔ واعلم انه قال فی البدائع ولو نذر ان یضحی شاة و ذلک فی ایام النحر وهو موسر فعلیه ان یضحی شاتین عندنا شاة بالنذر وشاة بایجاب الشرع ابتداء الا اذا عنی به الاخبار عن الواجب فلا یلزما الا واحدة ولو قبل ایام النحر لزمه شاتان بلاخلاف [1] احتیاطاً مسئلہ نذر کا بھی لکھ دیا گیا مگر صورت مسئولہ میں نذر نہیں۔ واللہ اعلم۔ کتبہ العاصی مشتاق احمد چشتی۔

(جواب ۲۶۲) (از حضرت مفتی اعظمؒ) لو ضحی بهذه الشاة المشتراة بنیة التضحیة الواجبة علیه تتادی بها فریضة الله تعالیٰ ویصیر فارغ الذمة ولا یجب علیه التضحیة بشاة اخری وذلک لانه لم ینو ولم یوجب علی نفسه شاة مبتداًة لتصیر نذرا وانما عین الشاة المشتراة لاقامة الواجب الشرعی الذی کان علیه قبل الشراء و بمثل هذا الکلام لا ینعقد النذر کرجل قال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة فبریٔ لا یلزمه شیٔ الا ان یقول ان برئت فلله علی ان اذبح شاة (کذافی الهندیه ص ۷۱ ج ۲) [2] وعلم منه ان النذر لا یصح حتی یاتی الناذر بصیغة

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الاضحیة ۶ / ۳۲۰ ط سعید)
(۲) (عالمگیریة، کتاب الایمان ۲ / ۶۶ ط سعید)

الالتزام والا یجاب علیه لله وهی غیر موجودة فی صورة السؤال کتبه محمد کفایت الله عفی عنه مدرسه امینیه سنہری مسجد دهلی ۹ محرم ۱۳٦۵ھ

(ترجمہ) اگر اس شخص نے اپنی واجب قربانی ادا کرنے کی نیت سے اس خریدی ہوئی بکری کو قربان کر دیا تو اللہ تعالیٰ کا فریضہ اس سے ادا ہو گیا اور وہ شخص فارغ الذمہ ہو گیا اور دوسری بکری کی قربانی اس پر واجب نہ ہو گی کیونکہ اس نے پہلی بکری خریدتے وقت اپنے اوپر خود واجب کرنے یا بطور خود اپنی طرف سے قربانی کرنے کی نیت نہیں کی تھی اگر ایسا ہوتا تو وہ نذر بن جاتی اور اس خریدی ہوئی بکری کو اس نے اپنے واجب شرعی کی ادائیگی کے لئے متعین کیا جو خریدنے سے پہلے سے اس کے ذمہ تھا اور اس قسم کے کلام سے نذر منعقد نہیں ہوتی۔ جیسے کسی شخص نے کہا کہ اگر میں اپنے اس مرض سے شفایاب ہو جاؤں تو ایک بکری ذبح کروں گا پھر وہ اچھا ہو گیا تو اس پر کچھ واجب نہیں ہاں اگر یوں کہے کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو اللہ کے لئے ایک بکری قربان کروں گا۔ (وہ نذر ہو جائے گی اور اس کی ادائیگی ضروری ہو گی) اور اس سے معلوم ہو گیا کہ نذر صحیح نہیں ہوتی جب تک کہ نذر کرنے والا صیغہ التزام وایجاب کے ساتھ اپنے اوپر اللہ کے واسطے واجب نہ کرے اور صورت مسئولہ میں یہ بات موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(جواب) (از مولوی عبدالرحمٰن صاحب) در صورت مسئولہ بر غنی مذکور دو شاۃ لازم خواہد شد یکے بہ نذر و دیگر بایجاب شرع۔ چراکہ نذر مختص بہ لفظ لله علی یا علی نیست بلکہ اگر گوید ایں شاۃ را اضحی خواہم نمود یا ایں ما ضحی کردم تاہم نذر خواہد شد قال فی الکفایة تحت قول الماتن ان کان او جب علی نفسه الخ ای شاة بعینها بان فی ملکه شاة فیقول اضحی بهذه الخ وقال فی ردالمحتار تحت قول الماتن ناذر لمعینة الخ فالمنذ وربه بان قال لله علی ان ضحی شاة او بدنة او هذه الشاة او البدنة او قال جعلت هذه اضحیة انتهی[1] باقی ماند اگر در ایام نحر ایں صیغہا بوقت شراء گوید و در قصد ش اخبار عن الواجب الشرعی نیست تاہم دو شاۃ واجب خواہد دید و اگر در قصد ش اخبار عن الواجب و پس یک شاۃ لازم خواہد شد و اگر قبل از دم نحر ایں صیغہا گوید بہر حال بر او دو شاۃ واجب خواہد گردید برابر است کہ در قصد ش واخبار عن الجواب بود یا نہ۔

قال فی رد المحتار باب الاضحیة اعلم انه قال فی البدائع ولو نذر ان یضحی شاة وذلك فی ایام النحر هو موسر فعلیه ان یضحی شاتین عندنا شاة بالنذر و شاة بایجاب الشرع ابتداء الا اذا اعنی به الاخبار الواجب علیه فلا یلزمه الا واحدة و لو قبل ایام النحر لزمه شاتان بلا خلاف لان الصیغة لا تحتمل الاخبار عن الجواب قبل الوقت (انتهی)[2]

قال فی موضع آخر وقد منا ان الغنی اذا قصد بالنذر الاخبار عن الواجب علیه کان فی ایام النحر لزمه واحدة و الا فشاتان انتهی[3]

---

(۱) (رد المحتار' کتاب الاضحیة ٦ / ۳۲۰ ط سعید)
(۲) (رد المحتار' کتاب الاضحیة ٦ / ۳۲۰ ط سعید)
(۳) (ردالمحتار' کتاب الاضحیة ٦ / ۳۳۲ ط سعید)

پس ازیں عبارت واضح گردید کہ صیغہ نذر مختص بہ للہ علی یا علی نیست در صورت مسئولہ بر غنی مذکور دو شاۃ لازم خواہد شد وانچہ قبل النحر اخبار عن الواجب نمود قطعاً معتبر نیست پس انچہ مولانا مشتاق احمد صاحب و مولانا کفایت اللہ صاحب قلمی نمودہ اند کہ قول مذکور نذر نیست ونہ بر غنی مذکور سوائے یک شاۃ مشتراۃ لازم خواہد گردید در نظر فقیر از روایات فقہا معلوم نمی شود کما عرفت واللہ اعلم

حررہ الفقیر عبدالرحمن شکارپوری۔

(ترجمہ) صورت مسئولہ میں غنی مذکور پر دو بکریاں لازم ہو جائیں گی۔ ایک نذر کی وجہ سے اور دوسری واجب شرعی کی وجہ سے۔ کیونکہ نذر میں اللہ کے لئے اپنے اوپر واجب و لازم کرنے کے الفاظ ضروری نہیں ہیں بلکہ اگر اس نے کہا کہ اس بکری کی قربانی کروں گا یا اس کی قربانی کروں گا تو نذر منعقد ہو جائے گی۔ کفایہ میں ہے کہ اگر اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا۔ یعنی ایک جانور کو بعینہ واجب کر لیا مثلاً ایک جانور پہلے سے اس کی ملک میں تھا اس نے اس کے متعلق کہا کہ میں اس کی قربانی کروں گا (تو وہ نذر ہو جائے گی) اور رد المحتار میں قول ماتن ناذر لعینہ کی تشریح میں کہا ہے کہ منذور بہ اس طرح ہو گا کہ اس نے کہا کہ اللہ کے لئے مجھ کو ایک بکری یا اونٹ کرنا ہے یا یہ خاص بکری یا اونٹ کہا یا یہ کہا کہ میں نے اس کو قربانی کے لئے قرار دیا تھی رہی یہ بات کہ اگر ایام نحر میں بوقت خرید الفاظ مذکورہ کہے اور اس کی نیت اخبار عن الواجب الشرعی کی نہ تھی تو بھی دو بکریاں واجب ہوں گی اور اگر بقصد اخبار عن الواجب کہے تو ایک بکری لازم ہو گی اور اگر ایام نحر سے قبل الفاظ مذکورہ کہے تو اس پر دونوں صورتوں میں دو بکریاں واجب ہوں گی خواہ اس نے اخبار عن الواجب نیت کی ہو یا نہ کی ہو رد المحتار باب الاضحیہ میں بحوالہ بدائع منقول ہے کہ اگر اس نے ایام نحر میں منت مانی کہ ایک بکری کی قربانی کروں گا تو اگر وہ مالدار ہے تو اس پر دو بکریوں کی قربانی واجب ہو گی ایک منت کی اور ایک ایجاب شرعی کی لیکن اگر اس کی مراد اخبار عن الواجب تھی تو ایک ہی قربانی واجب ہو گی اور اگر ایام نحر سے قبل نذر مانی تو بالاتفاق اس پر دو ہی قربانیاں واجب ہوں گی کیونکہ الفاظ میں قبل از وقت اخبار عن الواجب کا احتمال نہیں ہے انتھی۔

دوسری جگہ لکھا ہے کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اگر نذر سے مراد اخبار عن الواجب ہو اور زمانہ قربانی کا ہو تو اس پر ایک بکری لازم ہو گی ورنہ دو بکریاں انتھی۔

پس اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ نذر کا صیغہ للہ علی یا علی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور صورت مسئولہ میں غنی مذکور پر دو بکریاں لازم ہوں گی اور ایام نحر سے قبل اخبار عن الواجب قطعاً غیر معتبر ہے پس جو کچھ مولانا مشتاق احمد صاحب و مولانا کفایت اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ قول مذکور نذر نہیں ہے اور غنی مذکور پر ایک ہی جانور کی قربانی واجب ہو گی فقیر کے خیال میں روایات فقہیہ کے مطابق نہیں ہے۔

(نوٹ) معلوم نہیں کہ حضرت مفتی اعظم نے جواب الجواب تحریر فرمایا یا نہیں (واصف)

اللہ کے واسطے چھوڑے ہوئے بکرے کو عقیقہ میں ذبح کرنا کیسا ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۳۶ء)

(سوال) زید نے ایک بکرا اللہ واسطے کا چھوڑ رکھا ہے بعد ازاں زید کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اب زید اس بکرے کو عقیقہ میں ذبح کر سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۶۳) یہ بکرا تو مستقل طور پر نذر کا ہو گیا۔ اس کو عقیقے میں یا اپنی واجب قربانی میں ذبح کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو اپنی نیت کے موافق قربان کرنا چاہیے۔[1] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل پنجم۔ قربانی کا اپنے اوپر واجب کر لینا

گم ہونے والا جانور مل جانے کی صورت میں کیا کیا جائے؟

(سوال) قربانی کا جانور گم ہو گیا اس لئے دوسرا خریدا پھر وہ بھی مل گیا تو غریب آدمی پر دونوں جانوروں کی قربانی واجب ہوتی اور امیر پر ایک کی یہ بہشتی زیور کے تیسرے حصے ص ۴۴ میں درج ہے آیا فی الواقع فقہ حنفیہ میں یوں ہی موجود ہے یا بالعکس ؟ مولانا محترم کا ارشاد تھا کاتب سے غلطی ہوئی ہے۔

(جواب ۲۶۴) یہ مسئلہ اسی طریقے پر جیسا کہ سوال میں مذکور ہے صحیح ہے دیکھو شامی جلد خامس ص ۲۲۲ مطبوعہ مصر۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ غریب آدمی پر اصل سے قربانی واجب نہیں تھی لیکن جب وہ کوئی جانور قربانی کے لئے خرید لے تو اسی جانور کی قربانی اس کے ذمہ واجب ہو جاتی ہے پھر جب وہ جانور گم ہو گیا تو اس کا واجب بھی ساقط ہو گیا مگر اس نے دوسرا جانور پھر خریدا وہ بھی واجب ہو گیا اب پہلا بھی مل گیا تو دونوں اس کے ذمہ واجب ہو چکے ہیں لہذا دونوں کی قربانی کرنی لازم ہے اور مالدار پر شرعاً اول ہی سے ایک قربانی واجب ہے اس نے جب جانور خریدا تو واجب شرعی کی ادائیگی کے لئے خریدا خود یہ جانور خریدنے سے اس کے ذمہ واجب نہیں ہوا اور جب یہ گم ہو گیا اور دوسرا خریدا جب بھی اسی واجب شرعی کے ادا کے لئے خریدا اور جب پہلا بھی مل گیا تو اس کے ذمہ وہی ایک واجب شرعی ہے ان دونوں میں سے جس کی چاہے قربانی کردے پہلے کو ذبح کردے یا دوسرے کو جب کہ اس کی قیمت پہلے کے برابر ہو یا اس سے زائد ہو ولو ضلت او سرقت فشری اخری فظهرت فعلی الغنی احداهما و علی الفقیر کلاهما .شمنی (درمختار)[2]

---

(۱) فی الهندیة: یجب فوله ... نذر لسعته ... قال فی البدائع ... الذی یجب علی الغنی والفقیر ... فالسدرویه ... قال لله علی ان اضحی ... هذه الشاة او هذه البدنة او قال جعلت هذه الشاة اضحیة لانها قربة من جنسها ایجاب ... (رد المحتار، کتاب الاضحیة ۶ / ۳۲۰ ط سعید)

(۲) (الدر المختار، کتاب الاضحیة ۶ / ۳۲۶ ط سعید)

فصل ششم گیابھن کی قربانی

بچے والی گائے کی قربانی کا حکم

(سوال) ایک گائے بچے والی قربانی کرنی جائز ہے یا نہیں ؟ بچہ ابھی دودھ پیتا ہے چار پانچ ماہ کا ہے اس بارے میں علماء کا کیا قول ہے ؟

(جواب ۲۶۵) اس قسم کی گائے کی قربانی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اگر بچہ اس قدر چھوٹا ہو کہ وہ ابھی کچھ کھاتا نہیں تو زائد سے زائد یہ کہ بچہ کو بھی ذبح کرڈالو لیکن بچہ کی قربانی نہ ہوگی بلکہ ویسے ہی اس کے گوشت کا کھانا جائز ہوگا اور اتنا چھوٹا نہ ہو تو اس کے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں اور چھوٹا ہونے کی صورت میں بھی اگر گائے کو ذبح کردیا اور بچے کو ذبح نہ کیا تاہم قربانی ہو جائے گی مگر ایسا کرنا مناسب نہیں۔ [1]

فصل ہفتم میت کی طرف سے قربانی کرنا

(۱) مردے کے نام پر قربانی کرنا
(۲) زندوں اور مردوں کے نام پر مشترک جانور ذبح کرنے کا حکم
(۳) غنی مردے کے نام پر قربانی کرے تو اس سے واجب ساقط نہیں ہوتا

(سوال) (۱) کسی شخص نے مردے کے نام سے قربانی کی یہ قربانی جائز ہوگی یا نہیں ؟ اور اس مردے کو قربانی کا ثواب ملے گا یا نہیں ؟ (۲) سات شخصوں نے شرکت میں قربانی کے لئے ایک گائے خریدی ان سات شخصوں میں سے بعض اشخاص زندوں کے نام سے اور بعض اشخاص مردوں کے نام سے قربانی کرنا چاہتے ہیں یہ قربانی جائز ہوگی یا نہیں ؟ (۳) زید صاحب نصاب ہے قربانی کے لئے اس نے ایک بکری خریدی اور اس بکری کی قربانی اس نے مردے کے نام سے کی تو اس کی واجب قربانی ساقط ہو جائے گی یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۹۲ سراج الدین۔ ایولہ ضلع ناسک ۱۱ رجب ۱۳۵۲ھ یکم نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب) (از مولوی حبیب المرسلین صاحب نائب مفتی) (۱) مردے کی طرف سے قربانی کرنی جائز ہوگی اور مردے کو ثواب ملے گا۔ قال في البدائع لان الموت لا يمنع التقرب عن الميت بدليل انه يجوز ان يتصدق عنه و يحج عنه وقد صح ان رسول الله ﷺ ضحى بكبشين احدهما عن نفسه والاخر عمن لم يذبح من امته وان كان منهم من قد مات قبل ان يذبح اه (رد المحتار جلد خامس ص ۲۲۶) [2]

---

(۱) (ولدت الاضحية ولدا قبل الذبح يذبح الولد معها، و عند بعضهم يتصدق به بلاذبح وفي الشامية الا انه لا ياكل منه بل يتصدق به (الدرالمختار ' كتاب الاضحية ٦ ، ٣٢٢ ط سعيد)

(۲) (الدر المختار مع الرد' كتاب الاضحية ٦ ، ٣٢٦ ط سعيد)

(۲) اس قسم کی قربانی بھی جائز ہوگی تنویر الابصار ودر مختار میں ہے وان مات احد السبعۃ المشترکین فی البدنۃ (وقال الورثۃ اذ بحوا عنہ و عنکم) صح عن الکل استحسانا لقصد القربۃ من الکل الخ علی ہامش (رد المحتار فی الضحۃ المرقومۃ)[1]

(۳) جب خریدے ہوئے جانور کو غنی شخص مردے کی طرف سے قربانی کردے گا۔ تو اس سے اس کی قربانی ساقط نہ ہوگی بلکہ اس پر لازم ہوگا کہ دوسرا جانور خرید کر قربانی کردے۔[2] فقط واللہ اعلم۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ' دہلی۔

(جواب ۲۶۹) (از حضرت مفتی اعظم) جواب نمبر ایک اور دو صحیح ہیں اور نمبر تین میں یہ تفصیل ہے کہ جس شخص نے اپنے مال سے میت کی جانب سے قربانی کی ہے اگر اس پر بھی قربانی واجب تھی تو یہ قربانی اس کی اپنی طرف سے ہو جائے گی اور میت کو قربانی کا ثواب نہ ملے گا اور اس پر قربانی واجب نہ تھی یا اپنی قربانی جدا کر چکا تھا تو میت کی طرف سے قربانی درست ہو جائے گی یعنی میت کو قربانی کا ثواب مل جائے گا۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

میت کی طرف سے کی ہوئی قربانی کے گوشت کا حکم

(سوال) جو قربانی کا جانور میت کی طرف سے کیا جائے اس کے گوشت کی تقسیم کا صحیح مصرف کیا ہے اور ایسے گوشت کا کھانا امراء وعلماء کے لئے کیسا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۴۸۴ حافظ محمد رفیق الدین صاحب بہار شریف (پٹنہ) ۲۵ صفر ۱۳۵۸ھ م ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ء۔

(جواب ۲۶۷) میت کی طرف سے قربانی کئے ہوئے جانور کا حکم زندہ کی طرف سے قربانی کئے ہوئے جانور کے حکم کے مساوی ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

قربانی کرنے سے پہلے بچے کے فوت ہونے کی صورت میں عقیقہ کے حصوں کا حکم

(سوال) ایک شخص نے بقر عید کے موقع پر اس نیت سے ایک گائے خریدی کہ عید کے روز دو حصے پر اپنے بچے کا عقیقہ کردوں گا اور ایک حصہ پر اپنی جانب سے اور ایک حصہ اپنی بی بی کی جانب سے اور دو حصے پر اپنے مرحوم والدین کی جانب سے اور ایک حصے پر حضور ﷺ کی جانب سے قربانی کروں گا اتفاقاً عید ہی کے روز اس

---

(۱) (الدر المختار مع الرد' کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۲۶ ط سعید)

(۲-۳) لو ضحی عن میت وارثہ بامرہ الزمہ' بالتصدق بہا و عدم الاکل منہا' وان تبرع بہا عنہ لہ الاکل لانہ یقع علی ملک الذابح والثواب للمیت' ولہذا لو کان علی الذابح واحدۃ سقطت عنہ اضحیۃ کما فی الاجناس' قال الشرنبلالی' لکن فی سقوط الاضحیۃ عنہ تامل اقول' صرح فی القدیر فی الحج عن الغیر بلا امر یقع عن الفاعل فلیسقط بہ الفرض عنہ وللآخر الثواب (رد المحتار' کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۳۵ ط سعید)

(۴) فی الشامیۃ : من ضحی عن المیت یصنع کما یصنع فی اضحیۃ نفسہ من التصدق والاکل والاجر للمیت والملک للذابح (رد المحتار' کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۲۶ ط سعید)

بچے کا انتقال ہو گیا اب شرعاً اس گائے کے لئے کیا حکم ہے؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خان جگن پور

(جواب ۲۶۸) اگر گائے ذبح کرنے سے پہلے بچے کا انتقال ہو گیا تو اس کے حصے میں نیت بدل دینا اور کسی قربانی کرنے والے کو شریک کر لینا چاہئے تھا تاہم قربانی ہو گئی اور عقیقہ کا حصہ بھی قربت کا ذبیحہ ہو گیا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

مشترک قربانی سے سات آدمیوں کو ہی ثواب پہنچانا ضروری نہیں

(سوال) (۱) اگر مردوں کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے ایک گائے قربانی کی جائے تو سات ہی آدمی کو ثواب پہنچ سکتے ہیں یا زیادہ کو؟ کیونکہ گائے کے سات ہی حصے ہوتے ہیں (۲) ایک شخص نے گائے خریدی اس میں اپنی طرف سے اور تین مردوں کی طرف سے یعنی ان کو ثواب پہنچانے کی غرض سے قربانی کی تو یہ قربانی جائز ہوئی یا نہیں؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور ضلع فیض آباد

(جواب ۲۶۹) (۱) ایصال ثواب کے لئے ضروری نہیں کہ گائے میں سات آدمی کو ایصال ثواب کیا جائے جتنے آدمیوں کو ثواب پہنچانا منظور ہو ثواب بخش سکتے ہیں۔[2] سات آدمی قربانی کے جواز کے لئے شرط ہیں[3] (۲) مردوں کی طرف سے بھی قربانی میں نیت کرے تو درست ہے زندہ آدمی مردے کی طرف سے قربانی کر سکتا ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

فصل ہشتم نفلی قربانی

(۱) کیا ہندوستان میں موجود بچے کے عقیقہ کا جانور منیٰ میں ذبح کر سکتے ہیں؟
(۲) نفلی قربانی کرنے کے بجائے نقد رقم اہل حاجت کو دے دینا بہتر ہے

(سوال) حضرت مخدوم ومنا المحترم مدامت معالیہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ میں سفر حجاز مقدس سے بمبئی میں مقیم ہوں ۴ فروری ۱۹۳۷ء کو اکبر (جہاز) روانہ ہونے والا ہے اس میں روانگی کا ارادہ ہے کیونکہ وہ براہ راست جدہ جائے گا۔

(۱) میرا چھوٹا بچہ جو چھ ماہ کا ہے اس کا عقیقہ نہیں ہوا ہے میرا ارادہ ہے کہ یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ)

---

(۱) وفی الشامیۃ تحت قولہ وان کان شریک الستۃ نصرانیا' وکذا لو اراد بعضہم العقیقۃ عن ولد قدولدلہ من قبل لان ذالک من جہۃ التقرب بالشکر علی نعمۃ الولد (رد المحتار' کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۲۶ ط سعید)

(۲) فی الشامیۃ: قال فی البدائع لان الموت لا یمنع التقرب عن المیت بدلیل انہ یجوز ان یتصدق عنہ و یحج عنہ و قد صح ان رسول اللہ ﷺ ضحی بکبشین احدہما عن نفسہ والا خرعمن لم یذبح من امتہ' وان کان منہم من قدمات قبل ان یذبح (بحوالہ بالا)

(۳) والبقر والبعیر یجزی عن سبعۃ اذا کانوا یریدون بہ وجہ اللہ تعالی (عالمگیریۃ' کتاب الاضحیۃ ۵/ ۳۰۴)

(۴) (بحوالہ بالا نمبر ۲)

کو منی میں اس کے عقیقہ کی نیت سے قربانی کروں اور اسی تاریخ کو یہاں ہندوستان میں اس کے بال اتروا دیئے جائیں کیا ایسا کرنا جائز ہوگا (۲) دوئم یہ کہ اہل حجاز کے افلاس و احتیاج کے پیش نظر اگر نفلی قربانیاں کرنے والے بجائے قربانی کرنے کے نقد قیمت محتاجوں کو دیدیں تو یہ بہتر ہوگا یا قربانی کرنا ہی بہتر ہے۔؟
حق تعالیٰ اسلام کی خدمت اور اسلامیان ہند کی سیاسی و مذہبی رہنمائی کے لئے آپ کا وجود گرامی صحت عافیت کے ساتھ باقی رکھے آمین والسلام مشفوعاً باالاحترام۔ المستفتی نمبر ۱۳۲۶ مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی ناظم جمعیۃ علمائے ہند ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۲ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۷۰) مولانا المحترم مدام فیضہم السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ سفر حجاز مقدس کی خبر فرحت اثر سے مسرت ہوئی حق تعالیٰ صحت و عافیت کے ساتھ اس مبارک سفر کو پورا فرمائے اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف فرماکر اس عمل خیر کو قبول فرمائے آمین امید ہے کہ مقامات مقدسہ کی دعاء مستجاب میں اپنے دور افتادہ مخلص خادم کو بھی یاد رکھیں گے۔

(۱) بچے کے عقیقہ کا جانور منیٰ میں ذبح کرنا اور بال ہندوستان میں اتارنا اس مسئلہ کی تصریح کہیں نظر میں نہیں آئی اگرچہ اصولاً کوئی مانع معلوم نہیں ہوتا مگر میرے خیال میں عقیقے کے تمام اعمال اس جگہ ادا کرنا جہاں بچہ موجود ہو بہتر اور احوط ہے (۲) نفلی قربانیوں میں بجائے جانور ذبح کرنے کے ان کی قیمتیں اہل حاجت کو دیدینا بہتر ہے[1] واجب قربانیاں جانور ذبح کر کے ادا کی جائیں اور نفلی قربانیوں کی قیمت صدقہ کردی جائے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قرض دار کی قربانی کا حکم

(سوال) بعض لوگ قرضدار ہیں لیکن ثواب حاصل کرنے کی غرض سے قربانی کرنا چاہتے ہیں انکی قربانی جائز ہے یا نہیں ؟ ان کو ثواب ملے گا یا نہیں ؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور ضلع فیض آباد۔
(جواب ۲۷۱) قرضدار لوگ اگر قرض ان کے مال کو محیط ہو قربانی نہ کریں۔[2] لیکن اگر کرلیں تو قربانی ہو جائے گی۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

قربانی نہ کر سکنے کی صورت میں اس کے لئے متعین رقم کا حکم

(سوال) زید جو امسال حج بیت اللہ کے لئے جارہا تھا عمرو نے اس کو ایک سو روپے دیئے اور کہا کہ مکہ معظمہ میں سات نفلی قربانیاں ان روپیوں سے خرید کر میری طرف سے کردینا اگر دس پندرہ روپے اور زیادہ لگانے

---

(۱) اس لئے کہ قیمت انفع للفقراء ہے
(۲) ولو كان عليه دين بحيث لو صرف فيه نقص نصابه لا تجب (عالمگیریة' كتاب الاضحية ۵ / ۲۹۲ ط ماجدیه کوئٹه)
(۳) وفقير شراها لها لو جوبها عليه حتى يمتنع عليه بيعها (در مختار' كتاب الاضحية ۶ / ۳۲۱ ط سعيد)

پڑیں تو واپس میں مجھ سے لے لینا۔ زید جو حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر آیا ہے عمرو کو ایک سو روپے واپس دیکر کہتا ہے کہ ایک سو پندرہ تک میں سات قربانیاں نہیں ہو سکتی تھیں البتہ ایک سو چالیس میں ہو سکتی تھیں لیکن یہاں تک آپ کی اجازت نہیں تھی اس لئے میں نے نہیں کیں اب چونکہ عمرو قربانیوں کی نیت کر چکا ہے یہ روپے کس مصرف میں خرچ کرے ؟ (شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار 'دہلی)

(جواب ۲۷۲) یہ روپے اگر سات قربانیوں کی قیمت کے لئے کافی ہیں تو روپیہ صدقہ کردے کیونکہ قربانی کا وقت گزر گیا یا سات قربانی کے جانور خرید کر زندہ صدقہ کردے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

فصل نہم قیمت کا صدقہ کر دینا

قربانی کے دنوں میں جانور کی جگہ کیا اس کی قیمت صدقہ کر سکتے ہیں

(سوال) ایام نحر میں تضحیہ کی جگہ اس کی قیمت صدقہ کرنا موسر و فقیر ہر دو کے لئے جائز ہے یا صرف فقیر کے حق میں تصدق بالثمن جائز ہے اگر تصدق بالثمن کسی کے حق میں جائز نہیں ہے تو ہدایہ اور بحر الرائق مبسوط کی عبارت مندرجہ ذیل کا منشا کیا ہے۔

ہدایہ اخیرین کتاب الاضحیہ ص ۴۳۰ التضحية فيها افضل من التصدق بثمن الاضحية لانها تقع واجبة او سنة والتصدق تطوع محض متنفل عليه تطوع محض پر محشی ہدایہ کا بین السطور قابل حافظ ہے وهو هذا وان كان يسقط عند الوجوب[2]

بحر الرائق الجزء الثانی کتاب الاضحية مصری ص ۱۷۶ التضحية فيها افضل من التصدق بثمنها لا نها تقع واجبة ان كان غنيا و سنة ان كان فقير اوالتصدق بالثمن تطوع محض وانت هى افضل لانها تفوت بفوات ايامها[3] کتاب المبسوط باب الاضحية مصری ص ۱۳۰ والاضحية احب الى من التصدق بمثل ثمنها والمراد فى ايام النحر[4] الخ مسئلہ مندرجہ کے جواز اور عدم جواز کی بحث کا تعلق اہل علم اصحاب سے ہے۔ المستفتی نمبر ۱۵۵۹ مولانا حافظ سید عبد الرؤف صاحب فاضل امام جامع مسجد اورنگ آباد ضلع گیا۔ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۳ جولائی ۱۹۳۷ء

---

(۱) ولو تركت التضحية و مضت ايا مها تصدق بها حية' و في الشامية : قوله تصدق بها حية لو قوع اليأس عن التقرب بالارادة وان تصدق بقيمته اجزاه' لان الواجب هنا التصدق بها وهذا مثله فيما هو المقصود (الدرالمختار مع رد المحتار' كتاب الاضحية ٦/ ٣٢٠ ط سعيد)
(۲) (هداية اخيرين' كتاب الاضحية ٤/ ٤٤٦ ط شركة علمية)
(۳) (البحر الرائق كتاب الاضحية ٨/ ٢٠٠ ط بيروت)
(٤) (المبسوط كتاب الاضحية ١٢/ ١٢ ط بيروت)

(جواب ۲۷۳) پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ موسر پر قربانی کرنا امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اور ایک روایت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی واجب ہے۔ اور قربانی میں قربت اراقۂ دم بھی ہے نہ صرف تصدق باللحم لہذا وجوب کا تعلق اراقۂ دم سے ہے یعنی جانور کے ذبح کرنے سے ہی یہ وجوب ادا ہوگا اس مقدمہ کے دلائل یہ ہیں۔

اما الذی یجب علی الغنی دون الفقیر فما یجب من غیر نذر ولا شراء للاضحیۃ بل شکراً لنعمتہ الحیات واحیاء لمیراث الخلیل علیہ الصلوۃ والسلام

وعطیۃ علی الصراط و مغفرۃً للذنوب و تکفیراً للخطایا

علی ما نطقت بذلک الاحادیث وھذا قول ابی حنیفۃ ومحمدؒ و زفرؒ و الحسنؒ بن زیاد و واحدی الروایتین عن ابی یوسفؒ (بدائع)[1] وانما الواجب علیہ اراقۃ دم شاۃ (بدائع)[2] ولنا ان القربۃ فی اراقۃ الدم (بدائع)[3] و یجتمع فی الاضحیۃ معنیان فانہ تقرب بالاراقۃ الدم وھو اتلاف ثم بالتصدق باللحم وھو تملیک قال وھی واجبۃ علی المیاسیر والمقیمین عندنا (مبسوط)[4]

امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت کے بموجب قربانی سنت ہے اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے وذکر فی الجامع عن ابی یوسفؒ انھا سنۃ وھو قول الشافعی (مبسوط)[5] اور امام طحاوی کی روایت کے بموجب امام ابو یوسفؒ اور امام محمد دونوں کے نزدیک سنت ہے وذکر الطحاوی انھا سنۃ علی قول ابی یوسف و محمدؒ وھو قول الشافعی (بحرالرائق)[6] وسنتاھا فی روایۃ کالشافعیؒ (البرھان)[7] ای قال ابو یوسف و محمد انھا سنۃ کما قال الشافعی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ سے تو وجوب اضحیہ کی ہی روایت ہے مگر امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے وجوب اور سنیت کی دونوں روایتیں ہیں۔

مصنفین نے ان دونوں روایتوں کے دلائل علیحدہ علیحدہ بیان کر کے امام صاحب کی طرف سے قائلین بالسنیت کے دلائل کے جواب دیئے مگر جب وہ یہ مسئلہ بیان کرنے لگے کہ آیا ایام نحر میں بجائے قربانی کرنے کی قیمت ادا کر دی جائے تو یہ کافی ہوگا یا نہیں تو انہوں نے اختصار کے لئے ایک ہی عبارت میں بیان کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے لئے یہ عبارت اختیار کی۔ التضحیۃ فیھا افضل من التصدق بثمن الاضحیۃ[8] کیونکہ یہ عبارت قول بالوجوب اور قول بالسنیت دونوں کے لحاظ سے درست ہو سکتی ہے۔ یعنی غنی

---

(۱) (بدائع الصنائع' کتاب الاضحیۃ ۵/۶۲ ط سعید)
(۲) (۵/۶۸)
(۳) (۵/۷۱ ...)
(٤) (المبسوط للسرخسی' کتاب الاضحیۃ ۱۲/۸ ط بیروت)
(٥) (المبسوط للسرخسی' کتاب الاضحیۃ' ۱۲/۸ ط بیروت)
(٦) (البحر الرائق' کتاب الاضحیۃ' ۸/۱۹۷ ط بیروت)
(۷) (کتاب نہیں مل سکی)
(۸) (البحر الرائق' کتاب الاضحیۃ ۸/ ۲۰۰ ط سعید)

جس پر قربانی واجب ہے اس کے لئے بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایام نحر میں اس کو قربانی کرنا افضل ہے کیونکہ یہ اداء واجب ہے اور قیمت کا صدقہ کرنا تطوع محض ہے اور اداء واجب بہر حال تطوع سے افضل ہے اور یہ شبہ کہ افضل کہنے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اداء قیمت بھی جائز ہے اگرچہ خلاف افضل ہے اور ہدایہ میں بین السطور کی عبارت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ نہ تو افضل کہنے سے اداء قیمت کا جواز نکلتا ہے اور نہ بین السطور کی عبارت **وان كان يسقط عندالوجوب**[1] کی کوئی سند ہے بلکہ فقہاء کی صریح عبارتیں اس کے خلاف موجود ہیں یعنی ایام نحر میں اداء قیمت تو درکنار اگر جانور بھی صدقہ کردے جب بھی واجب ادا نہ ہوگا۔

ومنها ان لايقوم غيرها مقامها حتى لو تصدق بعين الشاة او قيمتها في الوقت لا يجزيه عن الاضحية لان الوجوب تعلق بالاراقة (بدائع)[2] **والاضحية احب الى من التصدق بمثل ثمنها والمراد في ايام النحر لان الواجب التقرب باراقة الدم ولا يحصل ذلك بالتصدق بالقيمة ففي حق الموسر الذى يلزمه ذلك لا اشكال انه لا يلزم التصدق بقيمة وهذا لانه لا قيمة لاراقة الدم واقامة المتقوم مقام ماليس بمتقوم لا تجوز (مبسوط)**[3]

مبسوط کی یہ عبارت بھی اس مطلب کے ظاہر کرنے میں صاف ہے کہ جس شخص میں وسعت اور غنا ہو اور اس وجہ سے اس پر قربانی واجب ہو تو یہ وجوب اداء قیمت سے ایام نحر میں ساقط نہ ہوگا کیونکہ اس پر اراقۃ دم واجب ہے اور اراقۃ دم متقوم نہیں تو جانور کی قیمت جو متقوم ہے غیر متقوم کے قائم مقام نہیں ہو سکتی اور اراقۃ دم کے ساتھ قربت کا متعلق ہونا محض تعبدی اور غیر معقول المعنی ہے اس لئے اس کو زکوۃ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا بدائع اور مبسوط اور ہدایہ سب نے ایام نحر میں قربانی کے افضل ہونے کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ قربانی کرنا اس لئے افضل ہے کہ قربانی کرنے والا یا غنی ہے تو وہ اپنا واجب ادا کر رہا ہے اور یا فقیر ہے تو اس کی قربانی قربت اراقت اور قربت تصدق کی جامع ہوگی اس کا مطلب یہ ہوا کہ غنی اگر قربانی نہ کرے اور قیمت صدقہ کردے تو اس نے اپنا واجب ترک کیا اور محض تطوع بالتصدق واجب کے قائم مقام نہیں ہو سکتا اور فقیر اگر صدقہ کردے تو چونکہ اس پر قربانی واجب نہ تھی اس لئے وہ ترک واجب کا مرتکب تو نہیں ہوا مگر فضیلت اراقۃ سے وہ بھی محروم رہا پس ایام نحر میں قربانی کرنا غنی کے لئے اس واسطے افضل ہے کہ وہ اپنا واجب ادا کر رہا ہے اور فقیر کے واسطے اس لئے افضل ہے کہ وہ فضیلت اراقۃ حاصل کر رہا ہے پس اس جگہ لفظ افضل یا احب اختیار کرنا اس لئے ہے کہ غنی اور فقیر دونوں کو شامل کر کے حکم بتانا تھا اور اس کے لئے لفظ افضل ہی اختیار کیا جا سکتا تھا بہت سے مواقع پر فرض کو لفظ افضل یا خیر سے تعبیر کر دیا جاتا ہے اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کی جانب مخالف بھی جائز ہے اس کی مثال یہ ہے۔

---

(۱) (هداية اخيرين' كتاب الاضحية ٤ / ٤٤٦ ط شركة علمية)
(۲) (بدائع الصنائع' كتاب التضحية ٥ / ٦٦ ط سعيد)
(۳) (المبسوط للسرخسي كتاب الاضحية ١٢ / ١٣ ط بيروت)

الصعید وضوء المسلم وان لم یجد الماء عشر سنین فاذا وجد الماء فلیتق الله و لیمسه بشره فان ذلک خیر (رواہ البزاز کذافی مجمع الزوائد)[1] روی مثله الترمذی فی جامعه عن ابی ذر)[2] قال علی القاری قوله فان ذلک خیر ای خیر من الخیور و لیس معناه ان کلیهما جائز عند وجود الماء لکن الوضوء خیر انتهی[3] اسی طرح اذان فجر کا جملہ الصلوٰۃ خیر من النوم بھی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ نماز نیند سے اچھی ہے کہ اس میں عبادت اور ادائے فرض ہے۔ اور نیند سے غفلت اور ترک فرض ہے۔ یہ معنی نہیں کہ نماز اور نیند دونوں جائز ہیں لیکن نماز بہتر ہے۔ الصلوٰۃ خیر من النوم اور الاضحیة افضل من التصدق بالثمن کا مفاد ایک ہی ہے۔ کہ قربانی افضل ہے کیونکہ وہ قربت بالاراقتہ بھی ہے اور اس میں ادائے فرض بھی ہے اور نماز افضل ہے کہ اس میں عبادت اور ادائے فرض ہے۔ اور ادائے قیمت ایام نحر میں بجائے قربانی واجب کے جائز نہیں ایسے ہی سونا وقت فجر میں بجائے نماز فرض کے جائز نہیں ہاں ادائے اضحیہ بھی ہو اور تصدق بالقیمتہ بھی ہو تو وہ جائز اور تطوع ہے ایسی ہی نماز فرض ادا کر لی جائے اور پھر وقت کے اندر کوئی سورہے تو یہ مباح ہے۔ فرق اتنا ہے کہ تصدق بالقیمتہ فی نفسہ مستحب ہے اور سونا فی نفسہ مستحب نہیں مباح ہے۔

ہاں ایام نحر کے بعد چونکہ اراقتہ کا وقت نہیں رہا اس لئے اب غنی اداء قیمت یا تصدق بالحیوان کر سکتا ہے اس کی وجہ یہ مجبوری ہے کہ قربت بالاراقتہ کے واسطے وقت معین ہے اور وہ گزر چکا ہے اور غنی پر دونوں میں سے ایک چیز واجب ہوگئی کہ اگر جانور خرید لیا تھا تو اسے صدقہ کردے یا ایسے جانور کی قیمت جو قربانی کے لائق ہو صدقہ کرے اور فقیر جس نے ایام نحر سے پہلے یا ایام نحر میں بہ نیت قربانی جانور خرید لیا تھا اور ایام نحر میں قربانی نہ کی اس پر متعین ہے کہ اس جانور کو زندہ صدقہ کردے اور اگر اس نے قربانی نہیں خریدی تھی اور نذر بھی نہیں کی تھی تو وہ بھی قیمت کا صدقہ کر سکتا ہے۔

مزید سہولت کے لئے آپ کے سوال کے پیش نظر تفصیل ذیل لکھی جاتی ہے۔

(۱) موسر جس پر قربانی واجب ہے اگر اس نے ایام نحر سے پہلے یا ایام نحر میں قربانی کرنے کے لئے جانور خرید لیا تو اس پر واجب ہے کہ ایام نحر میں اس کو قربانی کرے (یعنی ذبح کرے) اگر وہ یہ جانور یا اس کی قیمت ایام نحر میں صدقہ کردے تو قربانی کا حق واجب ادا نہ ہوگا۔[4] (۲) اگر اسی موسر نے جانور خریدنے پر بھی ایام نحر میں ذبح نہیں کیا تو اسے لازم ہے کہ بعد ایام نحر کے اس جانور کو زندہ صدقہ کردے۔[5] (۳) اگر موسر نے جانور خریدا ہی نہیں تھا یہاں تک کہ ایام نحر گزر گئے تو اس پر لازم ہے کہ قربانی کے لائق جانور کی

---

(۱) (مجمع الزوائد' باب فی التیمم ۱ / ۲۶۱ ط بیروت)

(۲) (ترمذی شریف' باب التیمم' ۱ / ۳۲ ط سعید)

(۳) (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ' باب التیمم ۲ / ۲۳۰ ط کوئٹہ)

(۴) فان تصدق بعینها فی ایامها فعلیه مثلها مکانها لان الواجب علیه الاراقة وانما ینتقل الی الصدقة اذا وقع الیاس عن التضحیة بمعنی ایامها (رد المحتار' کتاب الاضحیة ۶ / ۳۲۰ ط سعید)

(۵) ولو ترکت التضحیة و مضت ایامها تصدق حیة (درمختار' کتاب الاضحیة ۶ / ۳۲۰ ط س)

قیمت صدقہ کرے۔ اور اگر جانور خرید کر زندہ صدقہ کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔[1] (۴) اگر موسر نے ایام نحر میں قربانی نہیں کی بلکہ زندہ جانور صدقہ کر دیا یا اس کی قیمت صدقہ کر دی تو بعد ایام نحر کے اس کو مزید ایک جانور یا اس کی قیمت صدقہ کرنی ہوگی کیونکہ ایام نحر میں جانور یا اس کی قیمت کا صدقہ قائم مقام اراقۃ واجب کے نہ ہوگا۔ لہذا وہ محض تطوع رہا۔[2]

(۵) اگر معسر نے ایام نحر سے پہلے یا ایام نحر میں بقصد قربانی جانور خریدا تو اس خرید سے اس پر اس کی قربانی واجب ہو گئی اب اگر ایام نحر میں وہ اس جانور کو یا اس کی قیمت کو صدقہ کر دے تو واجب سے سبکدوش نہ ہوگا اور ایام نحر باقی ہیں تو اس جانور کو ذبح کرنا لازم ہوگا اور ایام نحر کے بعد اس جانور کو اگر اس کے پاس ہو یا اس کی قیمت کو صدقہ کرنا لازم ہوگا۔[3] (۶) اگر معسر نے کوئی جانور نہیں خریدا مگر ایام نحر کے اندر قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کر دی تو اس کو قربانی کا ثواب اور ادائے سنت قربانی کا اجر نہیں ملے گا صدقہ کا ثواب تو ملا مگر وہ ایام نحر اور غیر ایام نحر تمام دنوں میں مل سکتا ہے۔[4]

خلاصہ یہ کہ موسر اور معسر دونوں کے لئے ایام نحر میں قربانی کرنا ہی افضل ہے۔ موسر اور معسر مشتری اضحیہ کے حق میں تو بوجہ اس کے کہ ان کا واجب ادا ہوگا اور معسر غیر مشتری اضحیہ کے لئے بوجہ اس کے کہ سنت اضحیہ کا ثواب حاصل ہوگا جو محض تطوع بالتصدق سے افضل ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

قربانی کا جانور نہ ملنے کی صورت میں کتنی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے؟

(سوال) قربانی کے لئے جانور اب کے بہت کم آئے ہیں دہلی میں کچھ ہیں بھی تو وہ نہ ہونے کے برابر ہیں اس لئے وہ بہت زیادہ گراں ہیں ایسی صورت میں قربانی کے لئے اگر جانور نہ مل سکے تو قربانی کے دو یا تین دن کے بعد کم سے کم کتنے دام خیرات کرے جس سے کہ قربانی کا ثواب مل سکے۔ **المستفتی** بلا نمبر مولوی محمد رفیق دہلی۔

(جواب ۲۷٤) قربانی کے جانور یا گائے کے ساتویں حصے کی قیمت خیرات کرے۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

کیا قربانی کے دنوں میں غنی اور فقیر دونوں کے لئے صدقہ کرنا ضروری ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ کیم ستمبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) ایام نحر میں تضحیہ کی جگہ اس کی قیمت تصدق کرنا موسر و فقیر ہر دو کے لئے جائز ہے یا صرف فقیر

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق ص ۲۱۱ حاشیہ ۵)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابق ص ۲۱۱ حاشیہ ٤)
(۳) (ایضاً بحوالہ نمبر ٤ ص ۲۱۱)
(٤) التضحية فيها افضل من التصدق بثمن الاضحية لانها تقع واجبة او سنة والتصدق تطوع محض فتفضل عليه ولا نها تفوت بفواتها والصدقة تؤ لى بها في الاوقات كلها (هداية اخيرين كتاب الاضحية ٤/٤٤٦ ط شركة علميه)
(۵) (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۵ ص ۲۱۱)

کے حق میں تصدق بالثمن جائز ہے اگر تصدق بالثمن کسی کے حق میں جائز نہیں تو بحر الرائق اور ہدایہ کی عبارت ذیل کا منشاء و مطلب کیا ہو سکتا ہے۔ بحر الرائق کتاب الاضحیۃ میں ہے۔ التضحية فيها افضل من التصدق بثمنها لا تقع واجبةً ان كان غنياً و سنةً ان كان فقيراً او التصدق بالثمن تطوع محض فكانت هي افضل [1] ہدایہ اخیرین کتاب الاضحیہ میں ہے۔ التضحية فيها افضل من التصدق بثمن الاضحية لانها تقع واجبةاو سنةً والتصدق تطوع محض فتفضل عليه [2] علی تطوع محض پر محشی ہدایہ کا حاشیہ بین السطور قابل لحاظ ہے۔ وهو هذا وان كان لسقط عنه الوجوب وغير امن الحواشي ثابتة له'

(جواب ۲۷۵) ایام نحر میں قربانی کی جگہ تصدق بالقیمۃ فقیر کے لئے جائز ہے اور افضل اس کے لئے بھی یہی ہے کہ قربانی کرے اور موسر کے لئے تصدق بالقیمۃ جائز نہیں بحر الرائق کی عبارت کا مطلب یہ ہے :

التضحية فيها (اى فى ايام النحر) افضل من التصدق بثمنها لا نها تقع واجبة ان كان غنياً (و تفرغ ذمته) و سنةً ان كان فقيراً و التصدق بالثمن تطوع محض [3] (فى حقهما فلا يحصل للفقير ثواب اقامة السنة ولا يفرغ ذمة الغنى من الواجب وان فرغ ذمته بالتصدق ثانيا بعد مضى ايام النحر كان كفارة لماوقع منه من التقصير فى الاتيان بالواجب ولكن لا يحصل له' ثواب الطاعة) فكانت هى افضل (فى حقهما) وكلمة افضل ههنا ليست للتفضيل بل فى معنى الخير' فمعنى قوله فكانت هى افضل اى فكانت التضحية خيراً فى حق الغنى والفقير كليهما)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

ایک آدمی کا تمام شہر والوں کی طرف سے قربانی کرنا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۳۴ء)

(سوال) محمد عثمان صاحب نے کلکتہ سے اخبار ہند جدید کلکتہ مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۳۴ء کا ایک تراشہ میرے پاس بھیجا ہے جس میں اخبار مذکور کے مدیر نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ امسال وہ قربانی کے بجائے قربانی کے جانوروں کی قیمتیں مصیبت زدگان بہار کی امداد واعانت کے لئے دیدیں فاضل مدیر کا خیال ہے کہ قربانی کوئی فرض شرعی نہیں ہے اس لئے اگر وہ مطلقاً ترک کر دینے کا مشورہ بھی دیدیں تب بھی شرعاً قابل گرفت نہیں ہیں تاہم وہ بالکل ترک کرنے کا مشورہ دینے کے بجائے یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ ہر شہر میں ایک قربانی تمام شہر کے مسلمانوں کی طرف سے کر دی جائے باقی شہر کے تمام مسلمان اپنی اپنی قربانیاں ملتوی کر کے ان کی قیمتیں زلزلہ فنڈ میں بھیج دیں فاضل مدیر اس کو نہ صرف جائز کہتے ہیں بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس اس

---

(۱) (البحر الرائق)
(۲) (هداية اخيرين ٤ : ٤٤٦ ط شركة علميه)
(۳) (البحر الرائق)

کے شرعی دلائل بھی موجود ہیں محمد عثمان صاحب نے اس کے متعلق شرعی حکم دریافت فرمایا ہے۔ اس لئے چند تمہیدی مقدمات ذکر کرنے کے بعد حکم شرعی تحریر کرتا ہوں۔

(جواب ۲۷۹) (۱) ہندوستان میں مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت حنفی ہے۔ (۲) حنفیہ کے نزدیک صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے۔[1] (۳) واجب اور فرض کی ادائیگی عملاً یکساں طور پر لازم اور ضروری ہے تارک واجب کو بھی فاسق کہا جاتا ہے جس طرح تارک فرض کو۔ واجب اور فرض کا اصطلاحی وجوب عمل میں نہیں ہے بلکہ صرف علم واعتقاد کے درجہ میں ہے۔[2] (۴) جس شخص پر مالک نصاب ہونے کی بنا پر قربانی واجب ہے وہ قربانی کرکے ہی اس واجب سے سبکدوش ہو سکتا ہے قربانی کی قیمت ادا کرنے سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔[3] (۵) بکرا دنبہ بھیڑ زیا مادہ ایک ہی شخص کی قربانی کی ادائیگی کے لئے کافی ہو سکتے ہیں ہاں گائے سات اشخاص کی جانب سے ادائے واجب کے لئے کافی ہو سکتی ہے یعنی ایک بکرے دنبے بھیڑ یے میں ایسے دو شخص بھی شریک نہیں ہو سکتے جن پر قربانی واجب ہے چہ جائیکہ دو سے زیادہ۔[4] (۶) جن لوگوں پر قربانی واجب نہیں اگر کوئی شخص قربانی کرکے اس کے ثواب میں ایسے متعدد لوگوں کو شریک کرلے تو یہ جائز ہے آں حضرت ﷺ نے ایک قربانی کرکے تمام امت کو شریک ثواب کرلیا تھا۔[5] مگر جن پر قربانی واجب ہے ان کے لئے حضور ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے من وجد سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا[6] یعنی جو شخص فراخی رکھتا ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے (۷) اگر میت اپنی طرف سے قربانی کرنے کی وصیت کرجائے اور اس کے ترکہ کے ۱/۳ میں اس کی وصیت پوری کرنے کی گنجائش ہو تو وارث پر اس کی طرف سے قربانی کرنی واجب ہے۔[7] اس کے علاوہ اور کسی صورت میں میت کی طرف سے قربانی واجب نہیں۔

مذکورہ تمہیدی مقدمات سے ہر مقدمے کے دلائل و شواہد ہمارے پاس موجود ہیں مگر ہم اختصار کے خیال سے دلائل کو ترک کرکے صاف صاف حکم شرعی لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ :

---

(۱) تجب على حر مسلم مقيم موسر يسار الفطرة عن نفسه (درمختار' كتاب الاضحية ۳۱۵/۶ ط سعيد)

(۲) اعلم ان الفرض ما ثبت بدليل قطعي لا شبهة فيه كالا يمان والاركان الاربعة' و حكمه اللزوم علما اى حصول العلم القطعي بثبوته' و تصديقا بالقلب اى لزوم اعتقاد حقيقة و عملا بالبدن حتى يكفر جاحده و يفسق تاركه بلاعذر كما هو مبسوط في كتب الاصول (رد المحتار' كتاب الاضحية ۳۱۳/۶ ط سعيد)

(۳) فتجب التضحية اى اراقة الدم من النعم عملا لا اعتقاداً و في الشامية : قال في الجوهرة' والدليل على انها الاراقة لو تصدق بعين الحيوان لم يجز (درمختار' كتاب الاضحية ۳۱۳/۶ ط سعيد)

(۴) يجب ان يعلم ان الشاة لا تجزى الا عن واحد وان كانت عظيمة والبقر والبعير يجزى عن سبعة اذا كانوا يريدون وجه الله (عالمگيرية' كتاب الاضحية ۳۰۴/۵ ط ماجديه)

(۵) وان مات احدالسبعة وقال الورثة اذبحوا عنه صح عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل و في الشامية : قال في البدائع لان الموت لا يمنع التقرب عن الميت بدليل انه يجوز ان يتصدق عنه و يحج عنه وقد صح ان رسول الله ﷺ ضحى بكبشين احدهما عن نفسه والآخر عمن لم يضح من امته وان كا منهم من قبل ان يذبح (درمختار ۳۲۶/۶ ط سعيد)

(۶) ابن ماجه شريف' ص ۲۲۶ ط قديمى)

(۷) واما دين الله تعالى فان اوصى وجب تنفيذه من ثلث الباقي والالا (الدرالمختار' كتاب الفرائض ۷۶۰/۶ ط سعيد)

حنفی جو وجوب قربانی کے معتقد ہیں ان کے لئے لازم ہے کہ شرائط وجوب کے ہوتے ہوئے وہ قربانی ہی ذبح کریں اس کی قیمت بلکہ جانور زندہ بھی صدقہ نہیں کر سکتے[1] مصیبت زدگان بہار کی امداد و اعانت اعلیٰ درجہ کا کار خیر ہے لیکن اس کار خیر کے ادا کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ کسی فرض یا واجب کو ترک کر دیا جائے ہاں اہل حدیث یا اور حضرات جو قربانی کو فرض و واجب نہیں سمجھتے بلکہ محض سنت یا مستحب خیال کرتے ہیں وہ اگر قربانی نہ کریں اور اس کی قیمت زلزلہ فنڈ میں دیدیں تو ان سے ہم احناف کو کوئی تعرض نہیں۔

فاضل مدیر کی نیت تو خیر ہے اور اگر ان کی تجویز ہمارے اصول و معتقدات سے نہ ٹکراتی تو ہم بھی نہایت خوشی سے اس کی تائید کرتے تاہم ہندوستان کے کروڑوں حنفی اس تجویز پر دوسری صورت سے عمل کر سکتے ہیں اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اگر انہوں نے ہماری ذیل کی تجویزوں پر عمل کیا تو کروڑوں روپیہ کا زلزلہ فنڈ میں جمع ہو جانا ذرا بھی مشکل نہیں وہ تجاویز یہ ہیں

(۱) ہر وہ شخص جس پر قربانی واجب ہے اور وہ ادائے قربانی کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ جانور خریدنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کو لازم ہے کہ کم از کم قیمت کا جانور خریدے اور اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی قیمت میں سے جو رقم بچے وہ زلزلہ فنڈ میں دیدے مثلاً اس کا ارادہ تھا کہ پندرہ روپے کا بکرا خریدے تو وہ یہ کرے کہ تین چار روپے کا بکرا یا بھیڑ اخرید کر قربانی کر دے اور گیارہ بارہ روپے زلزلہ فنڈ میں دیدے یہ واضح رہے کہ جو جانور قربانی کی نیت سے خریدے جا چکے ہیں وہ بدلے نہیں جا سکتے خریدنے سے پہلے ہماری تجویز پر عمل کیا جا سکتا ہے خریدنے کے بعد خریدا ہوا جانور ذبح کرنا لازم ہے۔[2]

(۲) جو لوگ صاحب نصاب ہیں وہ ایک جانور کی جگہ دو تین جانور ذبح کرتے ہیں ان کو چاہئے کہ ایک پر اکتفا کریں اور زائد جانوروں کی قیمت زلزلہ فنڈ میں دیدیں یہ بھی خریدنے سے پہلے کیا جا سکتا ہے۔

(۳) جو لوگ کہ اپنے متوفی والدین یا دیگر اقربا کی طرف سے نفلی قربانیاں کرتے ہیں وہ ان تمام قربانیوں کو ملتوی کر کے ان کی قیمت زلزلہ فنڈ میں دیدیں۔

(۴) جو لوگ باوجود نصاب نہ ہونے کے نفلی قربانیاں کرتے ہیں انہوں نے اگر جانور خریدے نہیں ہیں تو قربانی ملتوی کر کے اس کی قیمت زلزلہ فنڈ میں دیدیں۔

(۵) جو شخص قربانی کے وجوب سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے ادائے واجب کے لئے اقسام قربانی میں سے کم سے کم والی قسم کو اختیار کرے اور زائد رقم زلزلہ فنڈ میں دیدے۔

(۶) تمام مسلمان قربانی کی کھالوں کو زلزلہ فنڈ میں دیدیں۔

(نوٹ) تمام رقوم ناظم بیت المال امارت شرعیہ بہار' پھلواری شریف کے پتہ پر ارسال کی جائیں۔ محمد کفایت اللہ (صدر جمعیۃ علمائے ہند)

---

(۱) ایضا بحواله سابقه نمبر ۳ ص ۳۱۴

(۲) وفقير شراها لها لو جوبها عليه بذلك حتى يمتنع عليه بيعها (الدر المختار' كتاب الاضحية ۶/ ۳۲۱)

فصل دہم قربانی کے جانوروں کی عمریں

قربانی کے لئے جانور کے دانت معتبر ہیں یا عمر ؟
(سوال) قربانی کے جانوروں کی عمر جن کا ادنی درجہ دو دانت والا ہے ان سے شمار ہوگی یا کہ سالوں سے۔ اگر سالوں سے شمار کی جائے تو سوالات مندرجہ ذیل کا کیا جواب ہوگا۔
(۱) کسی صحیح حدیث میں جانوروں کی عمر سنین سے بیان نہیں کی گئی ہے بلکہ احادیث میں لفظ ثنایا مسنہ وارد ہے ثنایا کے معنی بالاتفاق لغت دو دانت کے ہیں کیونکہ قربانی کے جانوروں کے نچلے دانت شمار کئے جاتے ہیں اور مسنہ ماخوذ از سن ہے اور کتب لغت میں اس کے دو معنی مذکور ہیں دانت اور سال لیکن حدیث لاتذبحوا الا مسنۃ [۱] دانت والا معنی متعین ہیں۔ کیونکہ حدیث مسلم شریف میں ضحوا بالثنایا [۲] موجود ہے جس کا معنی یہ ہے کہ تم دو دانت والے جانور کی قربانی کرو اور قربانی کے جانور کی یہ عمر کم از کم ہے اگر اس سے زائد ہو تو افضل ہے دوسری دلیل اشعۃ اللمعات باب الاضحیہ میں شاہ صاحبؒ تحت حدیث لاتذبحوا الا مسنۃ وجہ تسمیہ مسنہ آنست کہ وی می اندازد و دندان پیش را کہ آں را ثنایا گویند دریں عمر " عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ فقہائے کرام نے جو عمر قربانی کے جانوروں کی بیان کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جانور اس عمر میں دو دانت والے ہو جاتے ہیں مثلاً گائے کی عمر فقہائے کرام بیان فرماتے ہیں کہ تیسرے سال میں اس کا پاؤں ہو تو جب گائے کا پاؤں تیسرے سال میں ہوگا تو اس میں دو دانت والی ہو جاتی ہے کوئی چند دن پہلے اور کوئی چند دن پیچھے کیونکہ خلقت خدا کے اوپر کسی کو احاطہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں عبارت مذکورہ سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ مسنہ کے مصداق وہ جانور ہیں جنہوں نے دو دانت اگلے ڈال دیئے ہوں تو جس جانور نے دو دانت ڈال دیئے ہوں جب وہ ثنایا کا مصداق نہیں ہوتا تو اس کی قربانی بھی جائز نہیں کیونکہ قربانی کے لئے کم از کم ثنایا ضرور چاہئے کما قال النبی ﷺ ضحوا بالثنایا رواہ مسلم [۳]
(۲) قربانی کے جانور کا ثنایا ہونا یہ فقہائے کرام کے خلاف بھی نہیں کیونکہ مثلاً گائے تیسرے سال میں دو دانتی ہو جاتی ہے خواہ جس دن ہو اگر خلاف ہے تو کس دلیل سے ہے ؟
(۳) اگر دو گائیں ایک شخص کے پاس موجود ہیں قد و جسم کے لحاظ سے برابر ہیں ایک دو دانتی ہے اور دوسری کے بھی دو سال مکمل گزر گئے لیکن ابھی تک دو دانتی نہیں ہوئی اب خریدنے والے کو دونوں کی عمر کا صحیح علم نہیں ہے وہ کونسی گائے قربانی کے لئے خرید سکتا ہے اگر دونوں خرید سکتا ہے تو کس دلیل سے ؟
(۴) جب احادیث صحیحہ سے ثابت ہو گیا کہ قربانی کے لئے جانور کا دو دانت والا ہونا ضروری ہے تو

---

(۱) (صحیح مسلم شریف' کتاب الاضاحی' باب من الاضحیۃ ۲ / ۱۵۵ ط قدیمی)
(۲) (ایضاً)
(۳) (اشعۃ اللمعات' باب الاضحیۃ ۱ / ۶۰۸ ط وکٹوریہ سکھر)

اب اگر فقہائے کرام کی عبارت کا مصداق یہ لیا جائے کہ اگر مثلاً گائے پر دو سال گزر گئے ہیں خواہ وہ دانت نہ ڈالے اس کی قربانی جائز ہے تو یہ خلاف حدیث ہوگا اگر نہیں تو کس دلیل سے ؟

(۵) کیا ثنایا ثنی کی جمع ہے ؟ اگر جمع ہے تو اس کا معنی لغوی ثنایا کے معنی لغوی کے خلاف ہے۔

(۶) سن اپنے معنی دانت اور سال میں مشترک ہے یا حقیقت مجاز ؟

(۷) کسی حدیث صحیح یا قول فقیہ مفتی بہ سے ثابت کریں کہ قربانی کے لئے اگر جانور ثنایا نہ ہو تب بھی اس کی قربانی جائز ہے بغیر جذع من الضان کے ۔ **المستفتی** نمبر ۲۸۱۰ حکیم مولوی محمد شریف ضلع گوجرانوالہ ۸ ذیقعدہ ا۷۳اھ ۳۱ جولائی ۱۹۵۲ء

(جواب ۲۷۷) قربانی کے لئے جانوروں کی عمریں متعین ہیں بکری بکرا ایک سال کا ہو اور گائے دو سال کی چونکہ اکثری حالات میں جانوروں کی صحیح عمر معلوم نہیں ہوتی اس لئے ان کے دانتوں کو عمر معلوم کرنے کا اور اس پر عمل کرنے کا احتیاطاً حکم دیا گیا ہے دانتوں کی علامت ایسی ہے کہ اس میں کم عمر کا جانور نہیں آسکتا ہاں زیادہ عمر کا جانور آجائے تو ممکن ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1] پس اگر کسی شخص کے گھر بکرا ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو پیدا ہوا اور اس کے گھر پرورش پاتا رہا تو آئندہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو وہ ایک سال نو دن کا ہوگا اب اگر اس کے کھلے دانت نہ نکلے ہوں تب بھی وہ اس کی قربانی کر سکتا ہے کیونکہ اس کی عمر یقیناً ایک سال کی پوری ہو کر آٹھ نو روز زائد کی ہو چکی ہے لیکن وہ یہ حکم نہیں دے سکتا کہ بے دانت کا بکرا قربانی کیا جاسکتا ہے خواہ اس کی عمر کا یکسالہ ہونے کا یقین ہو یا نہ ہو میرے خیال میں یہ بات صحیح ہے سنہ کے معنی دانت والے اور سال بھر والے دونوں ہو سکتے ہیں۔[2] لیکن سال بھر کا ہونا کسی بکرے کا جس کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو یا مشتبہ ہو بغیر دو دانتوں کے معلوم نہیں ہو سکتا اس لئے عام حکم یہی دینا مناسب تھا اور وہی دیا گیا۔[3] واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٔ دہلی۔

---

(۱) ان الفقهاء قالوا الجذع من الغنم ابن سنة اشهر والثنى ابن سنة والجذع من البقر ابن سنة والثنى منه ابن سنتين والجذع من الابل ابن اربع سنين والثنى ابن خمس وتقدير هذه الاسنان ما قلت يمنع النقصان لا يمنع الزيادة حتى لو ضحى باقل من ذالك شيئا لا يجوز ولو ضحى باكثر من ذالك شيئا يجوز و يكون افضل (عالمگيرية كتاب الاضحية ۵ / ۲۹۷ ط ماجديه)

(۲) مصباح اللغات ص ۳۹۹ ط مير محمد)

(۳) اذا تعذرت الحقيقة تصار الى المجاز (قواعد الفقه ص ۵۶ صدف پبلشرز)

دوسرا باب
چرم قربانی کے مصارف

کیا قربانی کے بجائے اس کی قیمت دے سکتے ہیں؟

(سوال) اکثر مسلمان نفلی قربانیاں کرتے ہیں تو ان کو ایسی قربانی کی قیمت ترکی مجروحین بلقان کی اعانت میں دیدینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز فرض قربانی کی کھال یا قیمت اس مد میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۷۸) جن مسلمانوں پر قربانی واجب ہے ان کو تو قربانی ہی کرنا ضروری ہے قیمت دیدینا جائز نہیں۔[1] مگر قربانی کی کھالیں اور نفلی قربانیوں کی قیمت وہ اس مصیبت زدہ قوم کی اعانت میں دے سکتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی مذہبی عزت بچانے کے لئے اپنی جانیں دے رہے ہیں۔ بلکہ بہتر یہی ہے کہ نفلی قربانیاں اس سال ملتوی کریں اور اس کی مقدار نقد ترکی مجروحین و یتامیٰ کے لئے بھیج دیں۔ واضح ہو کہ مردہ عزیزوں کی طرف سے جس قدر قربانیاں بغیر وصیت کی جاتی ہیں وہ سب نفلی ہیں۔ واللہ اعلم

قربانی کی کھال عیدگاہ اور یتیم خانہ کی تعمیر پر خرچ کرنا کیسا ہے؟

(سوال) قربانی کی کھال کی قیمت مرمت عیدگاہ یا کسی یتیم خانہ و دینی مدرسہ یا غریب قرابت داروں کی امداد میں صرف ہو سکتی ہیں یا نہیں؟

(جواب ۲۷۹) کھال کی قیمت عیدگاہ کی مرمت میں صرف کرنا جائز نہیں کیونکہ کھال بیچ دینے کے بعد قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔[2] اور اب اسی جگہ صرف ہو سکتی ہے جو صدقہ کے مصرف ہیں[3] ہاں کسی یتیم خانہ یا مدرسہ کے طلبہ یا محتاج عزیزوں یا اور مساکین پر صرف کی جاسکتی ہیں مگر بطور تملیک دیدینا چاہئے۔[4]

قربانی کی کھال کو غیر مصرف میں خرچ کرنے والے گناہ گار ہوں گے

(سوال) قربانی کا جانور سات آدمیوں نے شریک ہو کر خرید کیا بعد قربانی کھال کو فروخت کردیا اور حصہ رسدہر ایک نے اپنی اپنی قیمت لے لی جن میں سے چار شخصوں نے ایسی جگہ پر قیمت صرف کی جہاں شرعا

---

(۱) ولو ترکت التضحیة و مضت ایا مها تصدق حیة (درمختار کتاب الاضحیة ۶/ ۳۲۰ ط س)
(۲) فان بیع اللحم او الجلد به ای بمستهلك او بدرهم تصدق بثمنه (درمختار ۶/ ۳۲۸ ط سعید)
(۳) وهو مصرف ایضا لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیر ذالك من الصدقات الواجبة (ردالمحتار باب المصرف ۲/ ۳۳۹ ط سعید)
(۴) و یتصدق بجلدها الخ (درمختار کتاب الاضحیة ۶/ ۳۲۸) وایضا فی شرح التنویر و یشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحة کمامر (درمختار باب المصرف ۲/ ۳۴۴ ط سعید)

صرف کرنا درست نہیں ہے۔ اور تین شخصوں نے ایسی جگہ صرف کی جہاں شرعاً دینا جائز تھا لہذا سوال یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں ان سب شخصوں کی قربانی مقبول و جائز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۸۰) صورت مسئولہ میں قربانی تو جائز ہو گئی لیکن کھال کو بیچنے کے بعد اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔[1] اور اس کے مصرف وہی لوگ ہیں جو زکوۃ کے مصرف ہیں[2] جن لوگوں نے کھال کی قیمت کا اپنا حصہ غیر مصرف میں صرف کیا ہے گناہ گار ہوں گے قربانی میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔[3]

قربانی کی کھال بطور اجرت امام کو دینا جائز نہیں

(سوال) اس بستی میں دستور ہے کہ قربانی کی کھالیں مسجد کے پیش امام صاحب کو دیدیتے ہیں اگر نہ دی جائے تو جھگڑا ہوتا ہے اور پیش امام صاحب فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھالوں کا میں حقدار ہوں ضرور مجھے دینا چاہئے اور اہل جماعت یوں کہتے ہیں کہ امام صاحب کو قربانی کی کھالیں تبرعاً دینا جائز ہے نہ کہ جبراً۔ جب تبرعاً دینا جائز ہے تو کچھ حصہ قیمت چرم قربانی کا امام صاحب کو دیں گے اور کچھ حصہ دیگر مساکین کو دیا جائے تو زیادہ افضل ہے اس اختلاف میں طرفین کی طرف سے ایک مولوی صاحب منصف قرار دیئے گئے منصف مولوی صاحب نے حکم دیا کہ قربانی کی کھال سب کی سب مسجد کے پیش امام کو دیدو اور کسی دیگر مساکین کو مت دو اس واسطے کہ وہ لوگ تمہاری حیات و ممات کے حق دار نہیں اور پیش امام صاحب پر جبراً لینے سے کچھ گناہ بھی نہیں اگر گناہ ہو تو میں حاضرین مجلس میں اقرار کرتا ہوں کہ حشر کے دن اس گناہ کی جزا و سزا میں نے لے لی تم لوگ بے خوف قربانی کے سب چمڑے امام صاحب کو دیدو حاضرین مجلس میں سے کسی نے ان منصف مولوی صاحب سے عرض کیا کہ میں نے ایک گائے قربانی کی اور دو مسکینوں نے ایک ساتھ چمڑا مانگا ان کو دیا جائے یا نہیں؟ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ ایک چمڑے کی قیمت یا چمڑا دو مسکینوں کو دینا مکروہ و منع ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ جناب من دوسرا مسکین بھی تو سائل ہے مولوی صاحب نے فرمایا کہ دوسرے سائل کا سوال اس کی دبر کی راہ میں جانے دو اب سوال یہ ہے کہ (۱) اس طرح جبراً قربانی کی کھال امام صاحب کو لینی جائز ہے یا نہیں؟ (۲) اگر جبراً لے لے تو ایسے پیش امام کے واسطے شرعی حکم کیا ہے؟ (۳) اور اسی طرح جو شخص جبراً لینے والے کی مدد کرے اس مددگار کے لئے کیا حکم ہے؟ (۴) اگر کوئی شخص اس خیال سے کہ امام صاحب کو تنخواہ ملتی ہے قربانی کی کھال نہ دے تو اس شخص کے لئے امام صاحب کا حاضرین مجلس کے ساتھ غضب خدا پڑنے کی بددعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۵) اور اس منصف مولوی صاحب کے حق میں جنہوں نے حشر کے دن مؤاخذہ خداوندی کی ضمانت لے لی ہے کیا حکم ہے؟ و نیز ان منصف صاحب کے پیچھے جو ایک

---

(۱) (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۲۱۸)
(۲) (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۳ ص ۲۱۸)
(۳) لیکن اگر غیر تحقیق کے غیر مصرف میں خرچ کیا تھا تو اتنی قیمت کا دوبارہ صدقہ واجب ہے کمافی الدر حتی لو دفع بلا تحر لم یجزء ان اخطا (الدر المختار علی هامش رد المحتار ۲ ۳۵۳ ط سعید)

مسجد کے امام ہیں نماز پڑھنا کیسا ہے ؟ (۶) جو شخص حق کو باطل کرے اس کا کیا حکم ہے ؟ (۷) اور ایک کھال کئی مسکینوں کو صدقہ دینا کیسا ہے ؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۸۱) قربانی کی کھال یا اس کی قیمت کو اجرت امامت یا اور کسی کام کی اجرت میں دینا جائز نہیں حتی کہ جزار یعنی قصاب کو بھی اجرت ذبح میں قربانی کے جانور کے اجزا میں سے کسی جزو کا دینا جائز نہیں۔ عن علی ان النبی ﷺ امرہ ان یقوم علی بدنہ وان یقسم بدنہ کلھا لحومھا و جلودھا و جلالھا ولا یعطی فی جزارتھا شیئا (بخاری ص ۲۳۲ ج ۱) یعنی "حضرت علی کو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ہمارے قربانی کے اونٹوں کا تم انتظار کرنا اور تمام اونٹ تقسیم کر دو گوشت چمڑے جھولیں سب بانٹ دو اور اجرت ذبح میں ان میں سے کچھ نہ دینا" اور نفس کھال کو قربانی کرنے والا خود اپنے کسی کام میں (مثلاً ڈول یا جانماز بنانے میں) لا سکتا ہے۔ اور تبرعاً جس کو چاہے دے سکتا ہے۔ اگر امام کو بھی محض تبرعاً دیدے تو مضائقہ نہیں[1] لیکن تبرعات میں جبر نہیں اور دینے والے پر لازم نہیں کہ وہ ضرور ہی دے اور نہ امام کو یہ حق ہے کہ وہ جبراً لے اگر وہ اپنا حق سمجھ کر یا اجرت امامت قرار دے کر زبردستی لینا چاہے تو وہ خاطی اور گناہ گار ہے اور اجرت سمجھ کر دینے والا بھی گناہ گار ہے اور اس کی قربانی میں بھی نقصان پیدا ہو جائے گا[2] اور جب کہ کھال کو مالک فروخت کر ڈالے تو پھر اس کی قیمت کو صدقہ کرنا لازم ہو جاتا ہے[3] اور اس حالت میں وہ قیمت اس شخص کو دی جا سکتی ہے جو مسکین اور مستحق ہو[4] امام بھی اگر مسکین ہو تو اسے تبرعاً دے سکتے ہیں لیکن اگر وہ مالدار ہو یا اپنا حق لازم سمجھے یا اجرت امامت قرار دے کر طلب کرے تو ان صورتوں میں اسے دینا جائز نہیں اور صورت مسئلہ میں حکم صاحب کا یہ فیصلہ کہ "قربانی کی تمام کھالیں امام کو دیدو اور امام کو جبراً لینے میں بھی گناہ نہیں" غلط ہے اور پھر اس پر اتنی یہ جرأت کہ "اگر اس میں گناہ بھی ہو تو حشر کے دن اس کی جزا سزا میں نے لے لی" نہایت خوفناک دلیری ہے اسے زوال ایمان کا اندیشہ ہے کیونکہ خدا کے مواخذے اور عذاب کو ہلکا سمجھنے کا اثر زوال ایمان ہے[5] بہر حال ان حکم صاحب کے ذمہ توبہ کرنی لازم ہے اور ان کا یہ مسئلہ کہ ایک کھال دو مسکینوں کو نہ دی جائے یہ بھی بے دلیل ہے اور دوسرے سائل کے متعلق انکے وہ الفاظ جو سوال

---

(۱) (بخاری شریف باب یتصدق بجلود الهدی ۱ / ۲۳۲ ط قدیمی)

(۲) و یتصدق بجلدها وایضا فی شرح التنویر ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مر (درمختار باب المصرف ۲ / ۳٤٤ ط سعید)

(۳) ولا یعطی اجرة الجزار منها لانه کبیع واستفیدت من قوله علیه السلام من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له (رد المحتار کتاب الاضحیة ٦ / ۳۲۸ ط سعید)

(٤) (ایضا بحواله سابقه نمبر ۲ ص ۲۱۸)

(۵) (ایضا بحواله سابقه نمبر ۳ ص ۲۱۸)

(٦) ولا عتبار التعظیم المنافی للاستخفاف کفر الحنفیة بالفاظ کثیرة وافعال تصدر من المتهتکین لدلالتها علی الاستخفاف بالدین کالصلاة بلا وضوء عمدا بل بالمواظبة علی ترك سنة استخفافا بها بسبب انه فعلها النبی ﷺ زیادة او استقبحها کمن استقبح من آخر جعل بعض العمامة تحت حلقه او احفاء شاربه قلت و یظهر من هذا ان ما کان دلیل الاستخفاف یکفر به وان لم یقصد الاستخفاف لانها لو توقف علی قصده لما احتاج الی زیادة عدم الاخلال بما مر فصد الاستخفاف مناف للتصدیق (رد المحتار باب المرتد ٤ / ۲۲۲ ط سعید)

میں مذکورہ ہیں ان کے فحاش ہونے کی دلیل ہیں ایسی صورت میں انکی امامت تاوقتیکہ وہ توبہ نہ کرلیں مکروہ ہے۔[1] واللہ اعلم

کیا ہر حصہ دار کھال میں سے اپنا حصہ کاٹ کر لے سکتا ہے؟

(سوال) کیا عین چرم قربانی مشترک فی السبع کو ہر ہر حصہ دار مقراض سے کاٹ کر لے سکتا ہے یا کہ بلا قطع و برید کل کو فروخت کرنا واجب ہے اور پھر اس کی قیمت کو فقراء پر تقسیم کریں؟

(جواب ۲۸۲) اصل حکم کے لحاظ سے حصہ دار چمڑے کو کاٹ کر بھی لے سکتے ہیں لیکن کاٹنے سے چمڑے کی قیمت کم ہو جاتی ہے اور خود چمڑے کو کام میں لانا مقصود نہ ہو تو اس صورت میں کاٹنے سے فقراء کا نقصان متصور ہے لہذا کاٹ کر تقسیم نہیں کرنا چاہئے۔[2] واللہ اعلم

کیا قربانی کی کھال مسجد کی تعمیر پر لگائی جاسکتی ہے؟

(سوال) قربانی کی کھال یا منذور جانور کی کھال کو بیچنے کے بعد فقہاء واجب التصدق لکھتے ہیں اس کی صورت تملیک کی صورتوں میں جو مصارف زکوٰۃ ہیں منحصر ہے یا اس کی قیمت کو مسجد اور کنواں وغیرہ پر صرف کر سکتے ہیں المستفتی (مولانا) عبدالصمد رحمانی مونگیر۔

(جواب ۲۸۳) واجب التصدق ہو جانے سے اتنا تو ضروری ہے کہ تملیک فقیر لازم ہو گئی لیکن تمام احکام صدقات واجبہ کے لازم ہو جائیں اس کی تصریح میری نظر میں نہیں ہے یعنی قربانی کی کھال کی قیمت اگر ہاشمی کو دیدی جائے تو میں اس کو ناجائز نہیں سمجھتا[3] مگر مسجد کنواں وغیرہ مصارف میں خرچ کرنا جن میں تملیک نہیں ہوتی وجوب تصدق کے منافی ہے کیونکہ ہمارے فقہا کے قاعدہ کے موافق ان مواضع میں صرف کر دینا تصدق نہیں ہے۔[4] واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ' دہلی۔

---

(۱) ويكره امامة عبد واعرابي و فاسق و في الشامية : واما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بانه لا يهتم لامر دينه و بان في تقديمه للامامة تعظيمه (الى ان قال) فهو كالمبتدع تكره امامته بكل حال الخ (الدر المختار 'باب الامامة ۱/ ۵۹۰ ط س)

(۲) ويتصدق بجلدها او يعمل منه نحو غربال او جراب لانه جزء منها وكان له التصدق والا نتفاع به الخ (البحر الرائق' كتاب الاضحية ۸/۲۰۳ ط بيروت)

(۳) واضح ہو کہ کھال کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے 'اور ہاشمی صدقات واجبہ کا مصرف نہیں لہذا حضرت مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ "میں اس کو ناجائز نہیں سمجھتا" یہ تفرد ہے في الشامية : وهو مصرف ايضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذالك من الصدقات الواجبة (رد المحتار' باب المصرف ۲/ ۳۳۹ ط سعيد)

(۴) لا يصرف الى بناء نحو مسجد ولا الى كفن ميت و قضاء دينه و في الشامية (قوله نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات واصلاح الطرقات و كرى الانهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه (رد المحتار' باب المصرف ۲/ ۳۴۴ ط سعيد)

سید کو قربانی کی کھال دینے کا حکم

(سوال) میں سید ہوں ۔ صاحب نصاب ہوں قربانی کا چمڑا گاؤں والوں نے مجھے دیا اس کو فروخت کر کے رد قادیانی کی کتابیں منگالیں ۔ کیا یہ جائز ہے اس میں غریب کو مالک بنانا شرط ہے یا نہیں ۔ المستفتی نمبر ۱۹۷ احمد النبی صاحب (ضلع پوری) ۲۵ شوال ۱۳۵۲ھ ۱۰ فروری ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۸٤) گاؤں والے قربانی کی کھالیں جو آپ کو دیتے ہیں وہ آپ کی ملک ہو جاتی ہیں ۔ آپ ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے کتابیں منگا سکتے ہیں ۔[1] محمد کفایت اللہ ۔

قربانی کی کھال سے خود نفع اٹھانا جائز ہے

(سوال) قربانی کی کھال سے خود فائدہ اٹھانا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اپنی لڑکی یا امام مسجد کا حق سمجھنا کیسا ہے ؟ المستفتی نمبر ۴۲۸ صوفی خدا بخش صاحب (شاہ پور سرگودھا) ۹ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ م ۲۴ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۸۵) قربانی کی کھال سے خود فائدہ اٹھانا یا کسی کو کھال دیدینا خواہ وہ غنی ہو یا فقیر ۔ ہاشمی ہو یا اور کوئی اپنے اصول و فروع ہوں یا اجنبی یہ سب جائز ہے ۔ اور اس میں تملیک بھی لازم نہیں کیونکہ خود اپنے لئے اس کا مصلی ڈول وغیرہ بنالینا اور کام میں لانا جائز ہے ۔ جس میں تملیک متصور نہیں ۔[2] لیکن اگر قربانی کرنے والا کھال سے نفع نہ اٹھائے اور نہ کسی کو کھال ہبہ کرے بلکہ اسے فروخت کر ڈالے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے ۔[3] اور اب اس میں زکوۃ کے احکام جاری ہو جاتے ہیں کہ تملیک بھی لازم اور اصول و فروع و ہاشمی و غنی کو دینا بھی درست نہیں ۔[4] اور اپنی لڑکی کا یا امام مسجد کا حق لازم سمجھنا یہ بات بہر صورت غلط ہے حق لازم کسی کا نہیں اور اگر امامت کی اجرت کے طور پر کھال یا اس کی قیمت دی جائے تو ناجائز ہے ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۔

قربانی کی کھال سید کو دینا

(سوال) بقر عید میں جو قربانی ہوتی ہے اس کی کھال سیدوں کو دینا جائز ہے یا نہیں کیا مثل زکوۃ کے اس کا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۱۸۰ سید جلال الدین صاحب (ضلع آرہ شاہ آباد) ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۰ ستمبر ۱۹۳۶ء ۔

(جواب ۲۸۶) قربانی کی کھال سید کو دے دینی جائز ہے ۔[5] یعنی خود کھال دی جائے نہ کہ اس کی

---

(۱) تبرعی طور پر دینے میں مضائقہ نہیں ۔

(۲) ویتصدق بجلدها الخ (رد المحتار کتاب الاضحیة ۶/ ۳۲۸ ط سعید) وایضا فیه و یشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحة کمامر (درمختار باب المصرف ۲/ ۳٤٤)

(۳) فان بیع اللحم او الجلد به ای بمستهلك او بدراهم یتصدق بثمنه (درمختار ۶/۳۲۸ ط سعید)

(٤) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحة کما مر و فیه ایضاً ولا الیٰ بنی هاشم ولا الیٰ موالیهم ای عتقاءهم فارفاهم اولی لحدیث مولی القوم منهم (درمختار باب المصرف ۲/ ۳۵۰ ط سعید) (۵) (بمطابق حواله نمبر ۲ ص ۲۲۱)

قیمت۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قربانی کی ہبہ کی ہوئی کھال کی قیمت صدقہ کرنا ضروری نہیں

(سوال) بگرامی خدمت محبی مکرمی جناب مفتی مولانا کفایت اللہ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
اگر کسی قربانی کرنے والے نے قربانی کی کھال کسی غنی کو ہبہ کردیا اور اس غنی نے اس کھال کو فروخت کرکے اس کی قیمت حاصل کرلی تو کیا اس قیمت کا تصدق اس غنی پر ضروری ہے مجھ کو آپ کی رائے معلوم کرنی ہے۔ اور اگر کوئی دلیل بھی ساتھ ہو تو غایت احسان ہوگا۔ والسلام المستفتی نمبر ۱۳۶۹ مولانا محمد سہول صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند ۸ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ ۲ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۸۷) مولانا المحترم دام فضلہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' قربانی کی کھال کو اپنے کام میں لے آنا قربانی کرنے والے کے لئے بتصریح فقہا جائز ہے اور کسی ایسی شئے کے عوض میں دیدینا جو بقاء عین کے ساتھ منتفع بہ ہو سکے یہ بھی جائز ہے۔[2] دراہم ودنانیر سے فروخت کرنا قربانی کرنے والے کے لئے مکروہ اور فروخت کردینے پر اس کی قیمت واجب التصدق ہے یہ صرف قربانی کرنے والے کے لئے حکم ہے تاکہ وہ اپنی قربانی کے کسی جزء سے تمول کی جہت پیدا نہ کرسکے۔[3]
جب قربانی کرنے والے نے کسی غنی یا فقیر کو تملیکاً کھال دیدی تو اس کا وظیفہ شرعیہ پورا ہوگیا اب وہ غنی یا فقیر اگر اس چمڑے کو فروخت کردے تو یہ اس کا اپنا فعل ہے اور اس کے حق میں وہ اس کی قربانی کا جزء نہیں ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اس پر صدقہ قیمت واجب کیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

چرم قربانی کی قیمت اسکول یا ہسپتال میں نہیں دی جاسکتی

(سوال) (۱) چرم قربانی اس کی قیمت 'خواہ چرم' کس مصرف میں خرچ کرنا چاہئیے؟ (۲) غریب ومساکین کو نصف یا پوری قیمت دینا چاہئیے اور جو ہمیشہ عوام غربا کو ملا کرتا تھا ان کو نہ دے کہ اگر ہسپتال یا انگریزی اسکول میں دیا جائے تو وہ جائز ہوگا یا نہیں؟ اور قربانی کرنے والے کی قربانی ہوگی یا نہیں اور اسکول میں عموماً اور ہسپتال میں خصوصاً امراء فیضیاب ہوتے ہیں؟ المستفتی نمبر ۱۴۵۸ محمد شاکر صاحب (ضلع پورنیہ) ۲۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ۲ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۸۸) چرم قربانی تو قربانی کرنے والا اپنے مصرف میں بھی لا سکتا ہے کہ اس کی جانماز بنالے'

---

(۱) کیونکہ قیمت کا تصدق واجب ہے' فا ن بیع اللحم او الجلد به ای بمستهلك او بدراهم تصدق بثمنه (ایضاً بحواله سابقه نمبر ۲ ص ۲۱۸) اور صدقہ واجبہ بنی ہاشم پر نہیں لگتا' فی شرح التنویر : ولا الی بنی هاشم ولا الی موالیهم (رد المحتار' باب المصرف ۲/ ۳۵۰)
(۲) (ایضاً بحواله سابقه نمبر ۲ ص ۳۲۳)
(۳) (ایضاً بحواله سابقه نمبر ۳ ص ۳۲۲)

ڈول بنالے یا چمڑے کو کسی اور کام میں لے آئے۔ یہ بھی جائز ہے کہ چمڑا کسی فقیر یا غنی یا سید کو دیدے لیکن اگر مالک بیچ ڈالے تو پھر قیمت کا صدقہ کر دینا واجب ہے یعنی فقیر یا مسکین کو قیمت دیدنی چاہئے۔ (۱)

قربانی کی کھال ' گوشت ہڈی وغیرہ سے نفع اٹھانے کا حکم

(سوال) اسلامی دنیا میں عید قربان کے موقع پر قربانی کا پس ماندہ گوشت پوست استخواں اور انتڑیاں وغیرہ اس خیال سے دفن کی جاتی ہیں کہ ان کی بیع و شراء جائز نہیں یا کسی انتظام کی عدم موجودگی میں بالخصوص حج کے موقع پر جہاں ہزارہا مسلمان جمع ہو کر لاکھوں جانوروں کو قربان کرتے ہیں اور گوشت کی اس قدر بہتات اور کثرت ہوتی ہے کہ اسے دفن کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا اگر اس گوشت اور پوست و استخواں وغیرہ کو دفن کرنے کے بجائے اس سے کوئی ایسا مفید ذریعہ استعمال پیدا کیا جا سکے جو مکینان حرم محترم کے لئے بالخصوص اور عام ملت اسلامیہ کے لئے بالعموم مفید اور کار آمد نتائج پیدا کر سکے تو شریعت کی روشنی میں ہدایات صادر کی جائیں استعمال کی حسب ذیل صورتیں مستفتی کے ذہن میں ہیں۔

(۱) اس زائد از حاجت گوشت کو خاص ادویہ کے ذریعہ محفوظ (پریزڈ) کر کے اسے کاروباری نقطہ نظر سے عالم اسلام میں قیمتاً فروخت کیا جائے اور اس کی آمد کا بیشتر حصہ حجاز اور حجاز کے رہنے والوں کے مفاد کے لئے خرچ کیا جائے۔ (۲) اس کی کھال کو مختلف صنعتی اور کاروباری صورت میں استعمال کیا جائے۔ (۳) انتڑیوں کو چھلنیوں اور دیگر سامان تفریح مثلاً اسپورٹ کا سامان وغیرہ کے تیار کرنے کے مصرف میں لایا جائے۔ (۴) استخواں اور سینگ کے ذریعہ بٹن اور کنگھی تسبیح چاقو چھری کے دستے اور دیگر اسی قسم کی مصنوعات کے تیار کرنے میں صرف ہو سکتے ہیں علاوہ ازیں ہڈی کا بہت بڑا خرچ شکر سازی کے کارخانوں میں ہو سکتا ہے۔ (۵) دیگر فضلات ردیہ کو کھاد کے طور پر کھیتوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے مندرجہ بالا صورتوں کے علاوہ اور بھی کچھ ایسی اشکال ہیں جن کے ذریعہ قربانی کے اس غیر مستعمل گوشت وغیرہ کو کام میں لایا جا سکتا ہے مستفتی کی نیت یہ ہے کہ اس کی آمد سے امور خیر اور خدمت خلق کے مصارف پورے کئے جائیں اور مسلمانوں کی اقتصادی اور مالی مشکلات کو اس پہلو سے کم از کم کیا جا سکے۔

علمائے کرام سے یہ بھی درخواست ہے کہ متذکرہ صدر صورتوں کے علاوہ کوئی اور شکل بھی اگر شرعی نقطہ نظر سے ان کے سامنے ہو تو اس کی وضاحت بھی کی جائے علاوہ ازیں اس کا بھی جواب مطلوب ہے کہ اس زائد گوشت پوست اور استخوان وغیرہ کا صحیح مصرف لکھا جائے جس پر عملدر آمد کرنے سے حجازی مسلمانوں کی مالی مشکلات ختم کی جا سکیں ایسی شرعی صورتیں بیان کی جائیں جن کی پابندی سے گوشت کی اس بہتات اور کثرت کو مسلمانوں کے لئے دنیوی نقطہ نظر سے مفید بنا سکیں۔ المستفتی نمبر ۵۴۰ الیس ایم قمر

---

(۱) قوله يتصدق بجلدها لانها جزءمنها او يعمل منه آلة تستعمل فى البيت كالنطع والجراب والغربال (الجوهرة النيرة كتاب الاضحية ۲/ ۲۴۵ ط مير محمد)

الدین (لاہور)

(جواب ۲۸۹) (۱) جائز ہے کیونکہ یہ بیع قربانی کرنے والے کی طرف سے اپنی ذاتی غرض کے لئے نہیں بلکہ فقراء مسلمین کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے ہوگی اور اس میں کوئی نقصان معلوم نہیں ہوتا[1] مال منتفع بہ کو ضائع ہونے سے بچانا بھی جواز کے لئے ایک مستقل وجہ ہو سکتی ہے۔[2]
(۲) یہ بھی جائز ہے کیونکہ کھال کو خود قربانی کرنے والا بھی اپنے کام میں لا سکتا ہے اور اگر کھال کو کام میں نہ لایا جائے بلکہ فروخت کر دیا جائے تو اس کی قیمت فقراء مسلمین کے صرف میں لائی جاسکتی ہے۔[3] اور نمبر ۳۔۴۔۵ کا بھی یہی جواب ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۷ جون ۱۹۳۷ء

کھالوں کی قیمت مکتبہ اسلامیہ کی تعمیر میں لگانا

(سوال) (۱) قربانی کی کھالوں کی قیمت کو قصبہ ہذا کے مکتب اسلامیہ کی عمارت کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں جب کہ عمارت بالکل منہدم ہو چکی ہے اور بچے درخت کے سایہ میں تعلیم پا رہے ہیں قریب ۲۰ بچے اور بچیاں امیر غریب سب کے بلا فیس تعلیم پاتے ہوں اور قصبہ کے لوگوں کی مالی حالت اچھی نہ ہو (۲) اس کے علاوہ اور کس جگہ اس رقم کا صحیح مصرف ہو سکتا ہے۔ المستفتی عزیز احمد مدرس مکتب اسلامیہ عبداللہ پور (ضلع میرٹھ)

(جواب ۲۹۰) قربانی کے چمڑے فروخت کئے جائیں تو ان کی قیمت صدقہ کر دی جائے۔[4] تعمیر میں لگانا درست نہیں۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قربانی کی کھالوں کا روپیہ کسی معلم کو دینا جائز نہیں

(سوال) (۱) قربانی کی کھالوں کے روپیہ سے قرآن شریف پڑھانے والے معلم کی تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں ؟ (۲) قربانی کی کھالوں کا روپیہ مسجد کی کسی تعمیر میں خرچ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی عبدالرحمن۔ نصیر آبادی۔

---

(۱) والصحيح كما في الهداية وشروحها انهما سواء في جواز بيعها بما ينفع بعينه دون ما يستهلك وايده في الكفاية بما روى ابن سماعة عن محمد لو اشترى باللحم ثوباً فلا باس بلبسه (درمختار' كتاب الاضحية ٦/ ٣٢٨ ط سعيد)
(۲) و كره تحريماً بعظم و طعام و دوث و آجر و صرف و زجاج و شئ محترم (درمختار ١/ ٣٤)
(۳) (ايضاً بحواله سابقه نمبر ۳ ص ۳۲۲)
(٤) (ايضاً بحواله بالا نمبر ۳)
(٥) لا يصرف الى بناء نحو مسجد ولا الى كفن ميت و قضاء دينه' وفي الشامية (قوله نحو مسجد) كبناء القناطير والسقايات واصلاح الطرقات و كرى الانهار والحج والجهاد و كل مالا تمليك فيه (رد المحتار ' باب المصرف ٢/ ٣٤٤ ط سعيد)

(جواب ۲۹۱) قربانی کی کھال اگر قربانی کرنے والا کسی کو دیدے اور وہ شخص جس کو کھال دی ہے اسے فروخت کر کے کسی معلم کو تنخواہ دے یا مسجد کی تعمیر میں خرچ کر دے تو جائز ہے۔[1] لیکن اگر قربانی کرنے والا خود فروخت کر دے تو پھر وہ اس روپیہ کو معلم کی تنخواہ یا مسجد میں خرچ نہیں کر سکتا۔ بلکہ صدقہ کر دینا لازم ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی۔

قربانی کی کھالوں کا صحیح مصرف

(سوال) قربانی کی کھالوں کا صحیح مصرف کیا ہے؟ کیا قربانی کی کھالیں یا ان کی قیمت غیر مسلم پر صرف کی جا سکتی ہے؟ زید بالجبر یا کوئی قانونی کارروائی کی دھونس دیکر کسی جماعت کے لئے محمود سے قربانی کی کھال لے سکتا ہے؟ کیا اس دور میں خالص اسلامی نقطہ نظر سے کوئی جماعت ہے؟ خویش پرور جماعتیں اور خود غرض یتیم خانوں میں نام و نمود کے لئے قربانی کی کھالیں دینا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۹۲) قربانی کی کھال قربانی کرنے والا اپنے کام میں لا سکتا ہے۔ مثلاً مصلیٰ بنالے یا ڈول بنالے اور اگر فروخت کر دے تو پھر اسکی قیمت صدقہ کرنی واجب ہے۔[3] مگر یہ صدقہ نافلہ ہے کافر غریب ہو تو اسے بھی دی جا سکتی ہے۔[4] جبراً یا ڈرا دھمکا کر چرم قربانی وصول کرنا جائز نہیں ہے جمعیۃ علماء اور مدرسہ دیوبند یا مظاہر علوم سہارنپور یا دیگر مدارس دینیہ اس کے مستحق ہیں ہاں جو جماعتیں قابل اعتماد نہ ہوں ان کو نہ دے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی۔

قربانی کی کھالوں کی قیمت سے کھانا کھلانا جائز نہیں

(سوال) (۱) قربانی کی کھالوں کو بیچ کر قبرستان میں کھانا پکا کر امیر و غریب کو اور مرد و عورت کو دعوت دیکر کھلانا کیسا ہے؟ (۲) قربانی کی کھالوں کو بیچ کر اس کے پیسے غریبوں اور مسکینوں کو دینا چاہئیے یا کھانا پکا کر کھلانا چاہئیے؟ المستفتی نمبر ۲۰۴۲ احمد صدیق (کراچی) ۱۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹۳) (۱) ناجائز ہے[5] (۲) غربا اور مساکین کو پیسے دیدئے جائیں۔[6] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

---

(۱) و قدمنا ان الحیلۃ ان یتصدق علی الفقیر ثم یا مرہ بفعل ھذہ الاشیاء (درمختار' باب المصرف ۲ : ۳۴۵ ط سعید)

(۲ ۳) و یتصدق بجلدھا لا نھا جزء منھا او یعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال (الجوھرۃ النیرۃ ۲/ ۲۴۵ ط میرمحمد) فان بیع اللحم اوالجلد بہ ای بمستھلک او بدراھم تصدق بثمنہ درمختار ۶/ ۳۲۸ ط سعید)

(۴) و جاز دفع غیرھا و غیر العشر والخراج الیہ ای الذمی ولو واجباً کنذر و کفارۃ و فطرۃ خلافاً للثانی و بقولہ یفتی جاوی القدسی الخ (درمختار' باب المصرف ۲/ ۳۵۱ ط سعید)

(۵) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۵ ص ۲۲۵)

(۶) فان بیع اللحم اوالجلد بہ ای بمستھلک او بدراھم یتصدق بثمنہ (درمختار ۶/ ۳۲۸ ط سعید)

قربانی کے چمڑے کی قیمت مسجد کی ضروریات کے لئے استعمال کرنا ناجائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) کھال قربانی اکثر مسجدوں میں آتی ہیں کیا ان کی قیمت سے ماہوار (پیش امام و مؤذن صاحب کی تنخواہ اور مسجد کی روشنی اور دیگر ضروریات مسجد اور مسجد کی تعمیر و مرمت میں خرچ کرنا جائز ہے ؟ نیز ان کھالوں کی قیمت سے کتب تفاسیر و حدیث و فقہ عام لوگوں کی معلومات کے لئے خرید کر مسجد میں رکھنا نادار طلبہ کو درسی کتابیں ان کھالوں کی قیمت سے خرید کر دینا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۹٤) قربانی کی کھالیں اگر دباغت کر کے خود قربانی کرنے والا فائدہ اٹھانا چاہے تو جائز ہے اور اگر کھال کسی فقیر یا غنی کو دیدے تو یہ بھی جائز ہے۔[1] لیکن اس کھال کو فروخت کرنے کے بعد قیمت کا صدقہ کرنا یعنی مسکین کو بلا معاوضہ دیدینا واجب ہو جاتا ہے پس کھال یا اس کی قیمت کو امام یا مؤذن کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں[2] اور کھال کی قیمت کو مسجد کی روشنی، فرش، تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنا بھی جائز نہیں[3] ہاں اگر کھال کے بدلے میں (بغیر اس کے کہ اس کو فروخت کیا جائے) کتب فقہ و تفسیر و حدیث حاصل کر لی جائیں اور ان کو عوام کی فائدہ رسانی کے لئے مسجد میں رکھ دیا جائے تو مضائقہ نہیں[4] لیکن کھال کو روپے پیسے کے عوض فروخت کرنے کے بعد قیمت کا صدقہ کر دینا متعین ہو جاتا ہے۔[5] یہی حکم طلبہ کے لئے کتابیں مہیا کرنے کا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

قربانی کی کھال فروخت کرنے کے بعد قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۲۷ء)

(جواب ۲۹۵) قربانی کی کھالیں جب فروخت کر دی جائیں یعنی قربانی کرنے والا خود فروخت کر دے تو اس کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے کہ اس کی قیمت کو صدقہ کر دے۔[6] پس کھالوں کی قیمت کا روپیہ مدرسین کی تنخواہوں میں نہیں دیا جا سکتا۔[7] ہاں نادار طلبہ کو وظائف کی صورت میں یا سامان تعلیم کی صورت میں دینا جائز ہے مگر جو دیا جائے وہ تملیک کی صورت میں دیا جائے۔[8] تعمیر مسجد میں خرچ کرنا درست نہیں۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۱ ص ۲۲۳)
(۲) ولو دفعها المعلم لخليفته ان كان بحيث يعمل له لو لم يعطه صح والا لا" وفي الشامية قوله (والا لا) لان المرفوع يكون بمنزلة العوض (درمختار' باب المصرف ۲/ ۷۰ ط بيروت)
(۳) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۵ ص ۲۲۵)
(٤) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۲۲۳)
(۵) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۳ ص ۲۲۳)
(٦) فان بيع اللحم او الجلد به اى بمستهلك او بدراهم تصدق بثمنه (درمختار' ٦/ ٣٢٨)
(۷) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ہذا)
(۸) و يشترط ان يكون الصرف تمليكا لا اباحة (درمختار' باب المصرف ۲/ ۳٤٤ ط سعيد)

قربانی کی کھال کی قیمت اپنے استعمال میں نہیں لا سکتے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) چرم قربانی کے دام اگر گھر میں کھا لئے جائیں تو قربانی درست ہوگی یا نہیں؟ چرم قربانی کی قیمت اگر صاحب نصاب کو نادار سمجھ کر دیدی جائے یا مسجد اور کنویں پر خرچ کی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۹۶) قربانی کی کھال فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں اگر اپنے استعمال میں لائی گئی تو اس کا بدل صدقہ کرنا واجب ہے۔[۱] ورنہ ثواب قربانی میں نقصان ہوگا صاحب نصاب کو دینا بھی جائز نہیں اگر اس کو نادار سمجھ کر دیدی جائے تو خیر مضائقہ نہیں۔[۲] مسجد اور کنویں پر خرچ کرنا ناجائز ہے۔[۳] محمد کفایت اللہ غفر لہ'

کیا قربانی کی کھالوں سے دیگ خرید کر اس کا کرایہ مستحقین کو دے سکتے ہیں؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۳۰ء)

(سوال) ہمارے گاؤں موضع دریاپور ضلع بلند شہر میں چرم قربانی کی قیمت جمع کر کے ایک دیگ خریدی گئی ہے اس کا کرایہ مستحق لوگوں کو دیا جائے گا اور یہ سلسلہ بطور صدقہ جاریہ قائم رہے گا یہ جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۹۷) اگر قربانی کرنے والے اپنے اپنے چرم قربانی کسی کو دیکر مالک بنا دیں اور وہ انہیں فروخت کر کے دیگ خرید کر رفاہ عام کے لئے دیدے تو جائز ہے۔[۴] اور اگر کسی کو مالک نہ بنائیں اور چمڑوں کو فروخت کر کے دیگ خرید لی جائے تو اس دیگ کو بغیر اجرت کے رفاہ عام کے لئے قرار دینا بھی جائز ہے۔[۵] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مردار کے چمڑے کو دباغت کے بعد فروخت کرنے کا حکم

(سوال) ماکول اللحم و غیر ماکول اللحم مردار کا چمڑا سوائے خنزیر و آدمی کے بعد الدباغت فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۶۱ محمد انصار الدین (آسام) ۲۵ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹۸) ماکول اللحم و غیر ماکول اللحم جانوروں کا مردار چمڑا دباغت کر کے فروخت کرنا جائز

---

(۱) بایضاً بحواله بالا نمبر ٦ ص گزشته)

(۲) دفع بنحر فبان انه عبده او مكاتبه او حربي ولو مستامنا اعادها وان بان غنائه او كونه ذمياً او انه ابوه او ابنه او امراته او هاشمي لا (تنوير الابصار' باب المصرف ۲/ ۳۵۲ ط سعيد)

(۳) لا يصرف الى بناء نحو مسجد الى اخره في الشامية : نحو مسجد كبناء القناطير و السقايات واصلاح الطرقات (درمختار' باب المصرف ۲/ ۳٤٤ ط سعيد)

(٤) وقدمنا ان الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يامره بفعل هذه الاشياء (درمختار' باب المصرف ۲/ ۳٤٥)

(۵) واضح ہو کہ بظاہر یہ تسامح معلوم ہوتا ہے کیونکہ پیچھے جواب نمبر ۲۸۳ میں مفتی اعظم فرما چکے ہیں کہ تملیک فقیر لازم ہوئی لہذا فروخت کرنے کے بعد قیمت کے تصدق میں تملیک لازم ہے جیسا کہ حوالہ نمبر ۸ صفحہ گزشتہ سے واضح ہو رہا ہے۔

ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

تیسرا باب
مااہل بہ لغیر اللہ

غیر اللہ کے لئے مقرر کئے ہوئے جانوروں کا حکم

(سوال) زید کا قول ہے کہ جو چیز تقرب لغیر اللہ کی وجہ سے مقرر کی جائے وہ حرام ہے مسلم کے لئے اس کا لین دین حرام ہے۔ جس جانور کو خدا کے سوا دوسرے کے نام پر تقرب کی غرض سے مقرر کر دیا جائے وہ حرام ہے اگر چہ بسم اللہ اللہ اکبر پچاس مرتبہ پڑھا جائے اور عمرو کہتا ہے کہ وہ جانور جو بتوں کے نام پر چھوڑے گئے اگر مسلمان بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے حلال ہے وہ خشک اشیا جو تقرباً لغیر اللہ ہو پجاری سے خریدی جائیں وہ حلال ہیں ؟ المستفتی حاجی حافظ سید محمد شفیع امام جامع مسجد سیکر مورخہ ۵ محرم ۱۳۲۱ھ

(جواب ۲۹۹) غیر اللہ کے لئے جانور کے نامزد کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے نام پر خدمت اور کام لینے سے آزاد کر دیا جائے اس کی جان قربان کرنا مقصود نہ ہو یہ سائبہ ہے جس کو ہم سانڈ کہتے ہیں[2] سانڈ کا مالک اس کو کسی بت یا دیوتا کے نام پر کام اور خدمت لینے سے آزاد کر کے چھوڑ دیتا ہے اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اس کی جان کسی غیر اللہ کے لئے قربان کرے اس قسم کے جانور کو خریدنا اگر مالک فروخت کرے تو جائز ہے اور وہ خریدنے کے بعد خریدار کی ملک ہو جاتے ہیں پھر ان کو ذبح کر کے کھانا بھی جائز ہے کیونکہ جب مالک ان کے بیچنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس نے بیچ ڈالا تو یہ دلیل اس امر کی ہے کہ اس نے جانور سے کام نہ لینے کی جو نیت کی تھی وہ بدل ڈالی ورنہ وہ ہر گز نہ بیچتا۔[3] مگر ایسے جانور یعنی سانڈ کو اگر کوئی شخص اس کے مالک سے خریدے بغیر پکڑ کے ذبح کر لے تو اس کا کھانا حرام ہے مگر اس کی حرمت مال غیر ہونے کی بنا پر ہے نہ کہ مااہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہونے کی بنا پر۔ سائبہ جانور اپنے مالک یعنی چھوڑنے والے کی ملک سے خارج نہیں ہوتا۔

---

(۱) وذبح مالا یوکل یطھر لحمہ و شحمہ وجلدہ الا الآدمی والخنزیر و فی الشامیۃ : وھل یجوز الانتفاع بہ فی غیر الاکل قیل لا یجوز اعتبارا بالاکل و قیل یجوز' فالزیت اذا خالطہ و دك المیتۃ' والزیت غالب لا یوکل و ینتفع بہ فی غیر الاکل (درمختار ' کتاب الذبائح ٦ / ٣٠٨ ط سعید)

(۲) ھی الناقۃ التی تسیب فلا تمنع من مرعی بسبب نذر علق بشفاء مریض لو قدوم غائب (قواعد الفقہ ص ٣١٧ ط صدف پبلشرز)

(۳) واما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام علی ما ھو مشاھد للانسان غائب او مریض اولہ حاجۃ ضروریۃ فھذاالنذر باطل بالاجماع لوجوہ منھا انہ نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز ولا نہ حرام بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجوہ واخذہ ایضا مکروہ مالم یقصد بہ الناذر التقرب الی اللہ تعالیٰ و صرفہ الی الفقراء و یقطع النذر عن النذر للشیخ (البحر الرائق ' کتاب الصوم ۲ / ۳۲۰ ط بیروت)

دوسری قسم نامزد کرنے کی یہ ہے کہ مالک اس جانور کی جان کسی غیر اللہ پر قربان کرنے کے لئے اس کے نام پر جانور کو نامزد کرتا ہے یہ جانور اگر مالک کی اسی نیت پر ذبح ہو جائے تو حرام اور مردار ہو جاتا ہے اگرچہ ذبح کرنے والا بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے جب بھی وہ حرام اور مردار رہے گا جیسے کہ اکثر ہندو دیبی یا کسی بت کے نام پر جانور کی جان قربان کرنے کے لئے لاتے ہیں۔ مگر اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کرتے کوئی مسلمان وہاں ہوتا ہے اس سے کہتے ہیں کہ اس کو ذبح کر دو وہ بسم اللہ کہہ کر ذبح کر دیتا ہے تو اس کی بسم اللہ سے وہ حلال نہیں ہوں گے یا وہی مالک اپنی نیت کے موافق اس جانور کو اپنے سامنے ذبح نہیں کراتا بلکہ پجاری کو دے جاتا ہے کہ اس کو دیبی کے اوپر قربان کر دینا پجاری ان جانوروں کو فروخت کر دیتا ہے اور مسلمان خرید کر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر لیتے ہیں یہ بھی حرام ہیں کیونکہ ان میں نیت ان کے اصل مالک کی ہی معتبر ہو گی اور اس کی نیت یہ تھی کہ ان کی جان غیر اللہ کے لئے قربان ہو پجاری کے فروخت کرنے اور مسلمان کے خریدنے سے وہ نیت کالعدم نہ ہو گی بلکہ پجاری کی بیع باطل ہو گی۔[1]

ایسے جانور جن کی جان کو کسی غیر اللہ کے لئے قربان کرنے کی نیت کی گئی ہو صرف ایک صورت میں جائز اور حلال ہو سکتے ہیں کہ ان کو ذبح کرنے سے پہلے ان کا مالک اپنی اس نیت کو بدل لے اور اس گناہ سے توبہ کر لے کہ اس نے ایک جانور کی جان غیر اللہ پر قربان کرنے کا ارادہ کیا تھا توبہ کر لینے کے بعد اس جانور کو خاص خدا کے لئے ذبح کرنے کی نیت کر کے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو یہ حلال ہو گا نیت کی تبدیلی ذبح سے پہلے معتبر ہو گی[2] اور ذبح تقرب غیر اللہ کی نیت پر ہو گیا تو پھر نیت کی تبدیلی معتبر نہیں بلکہ وہ میتہ اور مردار ہو گیا وہ پھر توبہ یا نیت کی تبدیلی سے پاک اور حلال نہیں ہو سکتا تقرب الی غیر اللہ باراقۃ الدم کی نیت پر ذبح ہونے والا جانور بسم اللہ اللہ اکبر سے بھی پاک اور حلال نہیں ہوتا۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ کا گوشت کھانا

(سوال) ایک سانڈ دلدار غیر اللہ کے نام پر چھوڑا گیا اب اس کا کوئی بھی حقیقۃ مالک نہیں۔ چونکہ مجرب تھا کسی مسلمان کی طبعیت آگئی لہذا گوشت کھانا چاہتا ہے ؟ المستفتی نمبر ۵۰۶ نذیر احمد پورنیہ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ م ۳۰ جون ۱۹۳۵ء۔

---

(۱) وقف بیع مال الغیر لو الغیر بالغا عاقلاً فی الشامیۃ ای علی الاجازۃ علی اما بینا (الدر المختار مع رد المحتار ۵ / ۱۰۷ ط سعید)

(۲) واما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام علی ما ھو مشاھد للانسان غائب او مریض اولہ حاجۃ ضروریۃ فھذا النذر باطل بالاجماع لوجوہ منھا انہ نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز ولا نہ حرام بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجوہ واخذہ ایضاً مکروہ مالم یقصد بہ الناذر التقرب الی اللہ لی' و صرفہ الی الفقراء و یقطع النذر عن النذر المشیخ (البحر الرائق ' کتاب الصوم ۲ / ۳۲۰ ط بیروت)

(۳) ذبح لقدوم الامیر و نحوہ کو احد من العظماء و یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ تعالیٰ (تنویر الابصار کتاب الذبائح ۶ / ۳۰۶)

(جواب ۳۰۰) سانڈ مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوتا اس لئے مال غیر ہونے کی بنا پر اس کو کھانا حرام ہے۔[1] محمد کفایت اللہ۔

غیر اللہ کی نذر ماننا حرام ہے

(سوال) (۱) نذر لغیر اللہ حلال ہے یا حرام ؟ (۲) جو جانور لغیر اللہ اور تقرب لغیر اللہ کی نیت پر ذبح کیا جائے اور ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر بھی کہا جائے مگر عند الذبح بھی نیت نذر لغیر اللہ اور تقرب لغیر اللہ کی ہو کیا وہ جانور حلال ہے یا حرام ؟ (۳) مندرجہ بالا وما اھل بہ لغیر اللہ میں درج ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا
المستفتی نمبر ۵۱۶ قاضی شمس الدین (پنڈی گھیپ) ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۷ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۰۱) (۱) نذر لغیر اللہ حرام ہے ۔ واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام (الی قولہ) تقربا الیھم فھو بالا جماع باطل و حرام درمختار (قولہ باطل و حرام) لوجوہ منھا انہ نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا یکون لمخلوق و منھا انہ ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ و اعتقادہ ذلک کفر[2] (۲) جو جانور کہ نذر لغیر اللہ اور تقرب الی غیر اللہ کی نیت سے ذبح کیا جائے اگرچہ ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے وہ حرام اور مردار ہے ذبح لقدوم الا میر و نحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ تعالیٰ (درمختار)[3] (۳) عبارت مندرجہ نمبر ۲ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ ذبیحہ ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا جانور مسنون طریقہ پر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو گا

(سوال) جو جانور غیر اللہ کے نام پر چھوڑا جائے مگر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لیا جائے بلکہ فقط اللہ کا نام لیا جائے یعنی بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا جائے اس جانور کا گوشت حرام ہے یا حلال ؟ المستفتی نمبر ۱۰۷۰ مستری مولا بخش صاحب (بھرت پور) ۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۶ جولائی ۱۹۳۶ء۔

(جواب ۳۰۲) جو جانور کہ کسی غیر اللہ کے نام پر چھوڑا یا پالا گیا ہو یعنی اس کے مالک کا قصد یہ ہو کہ اس کی جان کسی غیر اللہ کے لئے قربان کی جائیگی وہ حرام ہو جاتا ہے خواہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیکر ذبح کیا جائے درمختار میں ہے۔ ذبح لقدوم الا میر و نحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ تعالیٰ اھ[4] اور نذر لغیر اللہ حرام ہے۔ درمختار میں ہے النذر للمخلوق لا یجوز لانہ

---

(۱) ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ الخ (مائدۃ ۱۰۳)
(۲) (الدرالمختار، کتاب الصوم، ۶/۴۳۹ ط سعید)
(۳) (الدرالمختار، کتاب الذبائح فصل فی العوارض ۶/۳۰۹ ط سعید)
(٤) (الدرالمختار، کتاب الذبائح ۶/۳۰۹ ط سعید)

عبادۃ والعبادۃ لا یکون لمخلوق انتہی[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

غیر اللہ کے نام کا بکرا تکبیر پڑھ کر ذبح کیا جائے تو کیا حکم ہے؟

(سوال) تفسیر موضح القرآن مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی میں آیت شریف فاجتنبو الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور[2] کی بابت فرمایا ہے۔ جو کسی کے نام کا کر کر ذبح ہوا وہ بھی حرام ہے۔ سورۃ حج ع ۳ پ ۷ چونکہ ہم کو علم نہیں سمجھنے کے لائق اس لئے سوالات کئے گئے یعنی زید نے ایک بکر پالایا خریدا اس نیت سے کہ یہ بکرا "میراں" کا ہے یا کسی اور غیر خدا کے نام سے مقرر کر دیا جیسے کہ یہ نیت کی کہ یہ بکرا بڑے پیر کے نام کا ہے گیارھویں کے لئے مخصوص کر دیا اور جب گیارھویں آئی تو اس کو تکبیر اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر کے فقیروں محتاجوں کو پکا کر کھلا دیا تو فرمایئے کہ ایسی ہی صورتوں میں ایسا بکرا حرام ٹھیرا یا حلال اور اس کا گوشت کھانا جائز ہوا یا نہیں اور اس طرح سے مقرر کر دینا جائز ہے یا ناجائز؟ المستفتی نمبر ۲۰۵ منشی عبدالوحید صاحب (ضلع بلند شہر) ۷ صفر ۱۳۵۶ھ م ۱۸ اپریل ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۰۳) کسی غیر اللہ کے نام کر دینے سے اکثری طور پر یہ مقصد ہوتا ہے کہ اس جانور کی جان اس غیر اللہ کے لئے نذر کی جائے گی یعنی انکے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے گا تو ایسا جانور حرام ہو جاتا ہے اور بوقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرنے سے بھی حلال نہیں ہوتا۔[3] لیکن اگر مقصد اس جانور کی جان کو غیر اللہ کے لئے نذر کرنا نہ ہو بلکہ صرف گوشت کا صدقہ کرنا ہو تو یہ حرام نہیں ہوتا[4] مگر یہ جب ہے کہ مالک کو اس میں تردد اور تامل نہ ہو کہ اس جانور کو ذبح کرے یا اس کو چھوڑ کر دوسرا جانور ذبح کر دے یا اس قدر گوشت بازار سے خرید کر صدقہ کر دے اگر اس نے اس تبدیلی کو منظور نہ کیا اور اس جانور کو ذبح کرنا ضروری سمجھا تو یہ دلیل ہوگی اس بات کی کہ اس کا مقصد جانور کی جان کو ہی نذر کرنا ہے اور اس صورت میں حرمت کا حکم دیا جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کو تکبیر پڑھ کر ذبح کیا تو کیا حکم ہے؟

(سوال) ایک شخص نے دیوتاؤں کے نام پر یا کسی پیر اولیاءؒ کے نام پر کوئی جانور چھوڑا اب زید اس چھوڑے ہوئے جانور کو لفظ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرتا ہے تو اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ المستفتی نمبر ۲۲۸۴ حکیم سعید احمد خان صاحب اود ہے پور۔ ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۴ جون ۱۹۳۸ء۔

---

(۱) (الدر المختار' کتاب الصوم ۲/ ۴۳۹ ط سعید)
(۲) (الحج ۳۰)
(۳) (ایضا بحوالہ نمبر ٤ صفحہ ۲۳۱)
(٤) وان تبرع بہا عنہ لہ الاکل لانہ یقع علی ملک الذابح والثواب للمیت الخ (ردالمحتار' کتاب الاضحیۃ ٦/ ۳۳۵ ط سعید)

(جواب ۳۰٤) کسی غیر اللہ کے نام پر جانور کو نامزد کرنے اور چھوڑنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں اول یہ کہ اس جانور کو کام اور خدمت لینے سے آزاد کر دینا مقصود ہوتا ہے بس اس سے زیادہ کوئی اور مطلب نہیں ہوتا یعنی اس کی جان کو کسی کے لئے قربان کرنا مراد نہیں ہوتا یہ حیثیت تو سائبہ کی ہے اس سے جانور میں کوئی حرمت نہیں آتی اور جانور اسی مالک کی ملک میں رہتا ہے جس نے اسے چھوڑا ہے اگر وہ کسی کو اجازت دیدے کہ ذبح کر کے کھالو اور کوئی اسے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرلے تو وہ حلال ہے اور مالک کی اجازت کے بغیر کوئی ذبح کرلے تو بوجہ ملک غیر ہونے کے حرام ہوگا۔ ما اھل به لغیر الله میں داخل نہ ہوگا دوسری صورت یہ ہے کہ جانور کو کسی کے نام پر اس نیت سے نامزد کیا جاتا ہے کہ اس کی جان اس منذور لہ کے لئے قربان کی جائے گی خواہ اسی وقت ذبح کیا جائے یا سال دو سال کے بعد ذبح کرنے کا ارادہ ہو یہ جانور منذور لغیر اللہ اور ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے یہ اگر مالک کی اس نیت پر ذبح کیا گیا تو خواہ ذبح کرنے والے نے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا ہو جب بھی حرام ہے[1] ہاں اگر ذبح سے پہلے مالک اپنی نیت بدل لے اور نذر لغیر اللہ سے توبہ کرلے اور اس کی جان خاص خدا کے لئے قربان کرنے کی نیت کرے اور اس کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے تو حلال ہوگا۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

نیت کی تبدیلی کے بعد غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کا حکم

(سوال) ماقولکم رحمکم الله فی هذه المسئلة البقرة التی ترکت و ربیت تقربا لغیر الله ثم بدل المتقرب نیته و ذبح البقرة ببسم الله الله اکبر أ لحمها حلال ام حرام . اتسری فی البقرة حرمة تربیتها بنیة التقرب لغیر الله بعد تبدل نیة المتقرب و ذبحها ببسم الله الله اکبر ام لا
المستفتی نمبر ۲۶۹۶ سید محمد ہاشم بتوسط مولانا فضل الرحمن صاحب (راجپوتانہ) ۸ محرم ۱۳۶۱ھ م ۲۶ جنوری ۱۹۴۲ء۔

(ترجمہ) جناب کا کیا فرمان ہے اس مسئلے کے بارے میں کہ جو گائے غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دی گئی اور اس کی پرورش تقرب لغیر اللہ کے لئے کی جاتی رہی تھی پھر اس کے مالک نے اپنی نیت بدل دی اور گائے کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دیا کیا اس کا گوشت کھانا حلال ہے ؟ کیا اس کے مالک متقرب کے ارادہ بدل دینے اور اس کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دینے کے بعد بھی حرمت تقرب لغیر اللہ جو اس کی پرورش بہ نیت تقرب لغیر اللہ کی وجہ سے تھی اس گائے میں جاری و ساری رہے گی ؟

(جواب ۳۰۵) ان بدل المتقرب نیته قبل ذبح البقرة و قصد التقرب باراقة دمها الی الله تعالیٰ وتاب عن ما صدر منه من قصد التقرب الی غیره تعالی ثم ذبحها تقربا الی الله تعالی حلت البقرة وحل اکلها وان لم یبدل نیته قبل ذبحها ولم یتب عمّا صدر منه و ذبحها علی

---

(۱) الدر المختار ، کتاب الصوم ۲ ۴۳۹ سعید
(۲) ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۲۳۰

نيته السابقة لا يحلها التسمية اللسانية و حرمت البقرة و حرم اكلها مع كونها مذبوحة باسم الله تعالیٰ محمد كفايت الله كان الله له' دهلی

(ترجمہ) اگر گائے کو ذبح کرنے سے پہلے متقرب (یعنی گائے کے مالک) نے اپنا ارادہ بدل دیا اور اس کے اراقہ دم سے تقرب الی اللہ کا ارادہ کرلیا اور تقرب الی غیر اللہ کی نیت کا گناہ کبیرہ جو اس سے سرزد ہوا تھا اس سے اس نے توبہ کرلی اور پھر گائے کو محض اللہ تعالیٰ کے لئے ذبح کیا تو گائے حلال ہے اور اس کا گوشت کھانا بھی جائز ہے [1] اور اگر ذبح کرنے سے پہلے اس نے اپنی نیت نہیں بدلی اور توبہ نہیں کی اور اسی حال میں اس نے گائے کو ذبح کردیا تو محض زبانی تکبیر ذبح سے گائے حلال نہیں ہوگی اور اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہوگا باوجود اس کے کہ اس کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا گیا ہو۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

کیا غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا جانور خود خریدار کے لئے حلال ہوگا

(سوال) ایک صاحب تو یہ کہتے ہیں کہ جو جانور غیر اللہ کے لئے نامزد ہو جائے تو اس کے اندر حرمت آتی ہے لیکن خریدار کو جائز ہے کہ (وہ جانور جو ما اہل لغیر اللہ ہے) اس کو خرید لے کیونکہ خریدار کی نیت ٹھیک ہے اس کے واسطے حرام نہیں ہے دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جانور مانند سور کے ہوگیا ہے اس کی خرید و فروخت ہرگز جائز نہیں مثلاً سانڈ وغیرہ جو ہندو نے اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ رکھا ہے اس کی خرید و فروخت حرام ہے جو مدعی حرمت کا ہے وہ صاحب اپنے دلائل بدستور پیش کر رہا ہے۔ تفصیل سے لکھنا اس دفعہ مناسب نہیں فقط کتابوں کا (جن کتابوں نے حرام فرمایا ہے) نام تحریر کیا جائے گا۔ وما اهل لغير الله الاية تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے کہ علماء نے اجماع کیا ہے اس بات پر کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی جانور ذبح کیا اور اس کے ذبح کرنے سے تقرب غیر اللہ کا چاہا وہ مسلمان اس کرنے سے مرتد ہو جائے گا اور ذبیحہ اس کا مرتد کے ذبیحہ کی طرح مردار ہوگا اور درمختار میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے ذبح کیا امیر یا کسی اور رئیس کے آنے کے وقت تو وہ ذبیحہ حرام ہے اس واسطے کہ اس پر نام غیر اللہ کا پکارا گیا اور اسی طرح لکھا ہے جامع الرموز اور قرۃ الانظار اور ہدایۃ المبتدی اور اشباہ میں اور فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے اور وہ نذر جو عوام لوگ مانتے ہیں کہ کسی بزرگ کی قبر کے پاس آ کر اس کا غلاف اٹھا کر کہتا ہے اے فلانے سردار اگر تو نے میری فلاں حاجت روائی تو تیرے لئے میری طرف سے اتنا سونا نذر ہے تو یہ نذر اجماع کے ساتھ باطل ہے اور اسی طرح لکھا ہے بحر الرائق اور نہر الفائق اور درمختار کتب فقہ میں تیسیر الرحمن اور اسی طرح بیضاوی اور تفسیر حقانی واعظم التفاسیر اور اسی طرح بیان القرآن مولانا حکیم الامت شاہ اشرف علی صاحب مدظلہ 'اور علماء سہارنپور کا فتویٰ حرمت قطعی پر موجود ہے مولانا الحاج حافظ القاری الغازی فی سبیل اللہ حسین احمد طال اللہ عمرہ کا بھی یہی فتویٰ ہے باقی تحقیق لفظی اسی طرح ہے کہ یہ کلیہ ہے اپنے تمام افراد پر جاری رہے گا اور مفسرین نے جو قید عند الذبح لگائی ہے وہ

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ صفحہ ۲۳۰)

(۲) الدرالمختار ، کتاب الذبائح ۳۰۹/۶ سعید

قید علی عاد تہم ہے۔ تو اس کی دو فرد ہیں ایک یہ کہ وقت ذبح نام غیر اللہ کا لیا گیا ہو دوسری یہ کہ مطلقاً نامزد ہو تقرب غیر اللہ اور یہ دونوں کو شامل ہے چنانچہ اس پر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی تفسیر کی تقریر شاہد ہے وہ یہ قید مانتے تھے ؟المستفتی نمبر ۲۶۹۷ حافظ محمد شفیع صاحب جامع مسجد سیکر (جے پور) ۸ محرم ۱۳۶۱ھ م ۲۶ جنوری ۱۹۴۲ء

(جواب ۳۰٦)[1] غیر اللہ کے لئے جانور کے نامزد کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے نام پر خدمت اور کام لینے سے آزاد کر دیا جائے اس کی جان قربان کرنا مقصود نہ ہو یہ سائبہ ہے۔ جس کو ہم سانڈ کہتے ہیں سانڈ کا مالک اس کو کسی بت یا دیوتا کے نام پر کام و خدمت لینے سے آزاد کر کے چھوڑ دیتا ہے اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اس کی جان کسی غیر اللہ کے لئے قربان کرے اس قسم کے جانور کو خریدنا اگر مالک فروخت کرے تو جائز ہے اور وہ خریدنے کے بعد خریدار کی ملک ہو جاتے ہیں ان کو ذبح کر کے کھانا بھی جائز ہے کیونکہ جب مالک ان کے بیچنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس نے بیچ ڈالا تو یہ دلیل اس امر کی ہے کہ اس نے جانور سے کام نہ لینے کی جو نیت کی تھی وہ بدل ڈالی ورنہ وہ ہرگز نہ بیچتا مگر ایسے جانور (یعنی سانڈ) کو اگر کوئی شخص اس کے مالک سے خریدے بغیر اور اس کی اجازت کے بغیر پکڑ کے ذبح کر لے تو اس کا کھانا حرام ہے مگر اس کی حرمت مال غیر ہونے کی بنا پر ہے نہ مااہل لغیر اللہ میں داخل ہونے کی بنا پر یہ سائبہ جانور اپنے مالک یعنی چھوڑنے والے کی ملک سے خارج نہیں ہوتا۔

دوسری قسم نامزد کرنے کی یہ ہے کہ مالک اس جانور کی جان کسی غیر اللہ پر قربان کرنے کے لئے اس کے نام پر جانور کو نامزد کرتا ہے یہ جانور اگر مالک کی اسی نیت پر ذبح ہو جائے تو حرام اور مردار ہو جاتا ہے اگرچہ ذبح کرنے والا بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے جب بھی وہ حرام اور مردار ہی رہے گا جیسے کہ اکثر ہندو دیبی یا کسی بت کے نام پر جانور کی جان قربان کرنے کے لئے لاتے ہیں مگر اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کرتے کوئی مسلمان وہاں ہوتا ہے اس سے کہتے ہیں کہ اس کو ذبح کر دو وہ بسم اللہ کہہ کر اس کو ذبح کر دیتا ہے تو اس کی بسم اللہ سے وہ حلال نہیں ہوں گے یا وہی مالک اپنی نیت کے موافق اس جانور کو اپنے سامنے ذبح نہیں کراتا بلکہ پجاری کو دے جاتا ہے۔ کہ اس کو دیبی کے اوپر قربان کر دینا پجاری ان جانوروں کو فروخت کر دیتا ہے اور مسلمان خرید کر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرا لیتے ہیں یہ بھی حرام ہیں کیونکہ ان میں نیت ان کے اصل مالک کی ہی معتبر ہو گی اور اس کی نیت یہ تھی کہ ان کی جان غیر اللہ کے لئے قربان ہو پجاری کے فروخت کرنے اور مسلمان کے خریدنے سے وہ نیت کالعدم نہ ہو گی بلکہ پجاری کی بیع باطل ہو گی۔

ایسے جانور جن کی جان کسی غیر اللہ پر قربان کرنے کی نیت کی گئی ہو صرف ایک صورت میں جائز اور حلال ہو سکتے ہیں کہ انکے ذبح کرنے سے پہلے ان کا مالک اپنی اس نیت کو بدل لے اور اس گناہ سے توبہ کر لے کہ اس نے ایک جانور کی جان غیر اللہ پر قربان کرنے کا ارادہ کیا تھا توبہ کر لینے کے بعد اس جانور کو

---

(۱) (اس جواب کی تخریج چار صفحے پہلے گزر چکی ہے)

خاص خدا کے لئے ذبح کرنے کی نیت کر کے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو یہ حلال ہو گا نیت کی تبدیلی ذبح سے پہلے معتبر ہو گی اور ذبح تقرب غیر اللہ کی نیت پر ہو گیا تو پھر نیت کی تبدیلی معتبر نہیں بلکہ وہ میتہ اور مردار ہو گیا جو پھر توبہ یا نیت کی تبدیلی سے پاک اور حلال نہیں ہو سکتا تقرب الی غیر اللہ باراقۃ الدم کی نیت پر ذبح ہونے والا جانور بسم اللہ اللہ اکبر سے بھی پاک اور حلال نہیں ہوتا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

غیر اللہ کے لئے ذبح کئے جانے کا کیا مطلب ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) غیر اللہ کے نام پر جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہ غیر اللہ کون ہیں ؟

(جواب ۳۰۷) جو جانور کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کو خوش کرنے اور قربت حاصل کرنے کے لئے ذبح کئے جائیں وہ ما اھل لغیر اللہ میں داخل ہیں اور ان کا کھانا حرام ہے۔[2] محمد کفایت اللہ غفر لہ ۔

چوتھا باب
شکار

بندوق سے شکار کی ہوئی مچھلی اور جانوروں کا حکم

(سوال) مچھلی کا بندوق سے شکار کرنا اور اس کو کھانا حرام ہے ؟ بندوق کی گولی سے ماری ہوئی مچھلی ہر گز کوئی مسلمان نہ کھائے حرام ہے شکاری ہرن یا نیل گائے وغیرہ کو بندوق کی گولی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چلائے اور وہ شکار مر جائے مسلمانوں کو مردہ شکار دستیاب ہو اس کو فوراً اپنے خورد و نوش میں کام میں لائے ضائع نہ کرے اربعہ مذاہب میں حلال ہے آیا ان امور کا قرآن وحدیث وفقہ میں کوئی ثبوت ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۳۱ محمد رشید ترمذی مقام ایلول ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ م ۵ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۰۸) مچھلی کا بندوق سے شکار کرنا جائز ہے اور حلال ہے کوئی وجہ ممانعت کی نہیں ہے۔[3] مچھلی کے سوا باقی جانوروں کو اگر بندوق سے شکار کیا جائے اور وہ جانور مر جائیں ذبح کرنے کی نوبت نہ آئے تو وہ جانور حرام اور مردار ہو جاتے ہیں ان کا کھانا جائز نہیں۔[4] اگرچہ بندوق چلاتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چلائی

---

(۱) اس جزء کی وضاحت جواب نمبر ۳۰۵ کے ضمن میں گزر چکی ہے۔
(۲) الدرالمختار، کتاب الذبائح ۶/ ۳۰۹، ط ، سعید
(۳) کیونکہ مچھلی میں دم مسفوح نہیں لہذا اس کا ذبح ضروری نہیں' عن عبداللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال احلت لنا میتتان' الحوت و الجراد (سنن ابن ماجۃ باب صید الحیتان والجراد ص ۲۳۲ ط قدیمی)
(٤) فان ادرکہ الرامی او المرسل حیا زکاہ وجوباً فلو ترکھا حرم (الدرالمختار' کتاب الصید ٦/ ٤٦٩ ط سعید)

ہو اگر بندوق کا شکار زندہ ہاتھ آجائے اور ذبح کر لیا جائے تو حلال ہے ورنہ حرام۔[1] تیر جب بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چلایا جائے تو اس کا شکار مر بھی جائے تب بھی حلال ہے[2] مگر بندوق کا یہ حکم نہیں ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بندوق کے ذریعے مرے ہوئے جانوروں کا حکم

(سوال) (۱) بندوق کو تکبیر کہہ کر کسی پرند مرغابی وغیرہ کا شکار کیا اور بلا ذبح کئے پانی پر مر گئی اس شکار کا کھانا جائز ہے یا ناجائز (۲) ہرن وغیرہ کا شکار بذریعہ بندوق بعد ادائے تکبیر کیا گیا اور وہ ذبح سے پہلے مر گیا اس کے لئے کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۱۳۳۲ ارشاد علی صاحب (اجمیر شریف) ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۶ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۰۹) بندوق سے مارا ہوا جانور اگر ذبح سے پہلے مر جائے حرام ہے[4] اگرچہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر بندوق چلائی گئی ہو چرند اور پرند سب کا یہی حکم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا ذبح کرتے ہوئے منجمد خون نکلنے والا جانور حلال ہو گا؟
(الجمعیۃ مورخہ ۶ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) (۱) گولی سے ہرن مارا اور ذبح کرتے وقت جسم میں حرکت ہرن کے باقی نہیں رہی ذبح کرنے سے پہلے کچھ منجمد خون نکلا اور بعد میں رقیق لیکن حرکت بالکل معلوم نہیں ہوئی جسم ضرور گرم ہے اگر اسکو مسلمان نے کھا لیا تو مردار ہونے کی صورت میں کیا کفارہ ہے؟

(۲) شکار یعنی ہرن ذبح کرتے وقت منہ ہرن کا مشرک پکڑتا ہے اور مسلمان چاقو سے ذبح کرتا ہے یہ ذبیحہ کیسا ہے؟

(جواب ۳۱۰) جب کہ ذبح کرتے وقت جانور کے جسم میں حرکت نہ ہو اور خون بھی منجمد پایا جائے تو وہ حلال نہیں ہے۔[5] جن لوگوں نے غلطی سے کھا لیا وہ صرف توبہ کریں کوئی اور کفارہ ان کے ذمہ نہیں

---

(۱) ولا يؤكل ما اصابه البندقية فمات لانها تدق و تكسر ولا تجرح فصار كالمعراض اذا لم يخرق (هداية اخيرين' كتاب الصيد ٤/ ٥١٢ ط سعيد) (۲) واذا سمى الرجل عند الرمى اكل ما اصاب اذا جرح السهم فمات لانه ذابح بالرمى لكون السهم آلة فتشرط التسمية عنده الخ(هداية' آخرين' كتاب الصيد ٤/ ٥١٠ مكتبه شركة علميه)

(۳) والاصل ان الموت اذا حصل بالجرح بيقين حل وان بالثقل او شك فيه فلا يحل حتماً او احتياطاً (الى قوله) اذ يمس له حد فلا يحل الخ(ردالمحتار ' كتاب الصيد ٦/ ٤٧١ ط سعيد) (٤) ولا يحل ما اصابه البندقية فمات لانها تدق و تكسر ولا تجرح فصار كالمعراض (هداية اخيرين' كتاب الصيد ٤/ ٤٧٢،٥١٢ ط شركة علمية) (٥) واما خروج الدم بعد الذبح فيما لا يحل الا بالذبح فهل هو من شرائط الحل فلا رواية فيه عن اصحابنا و ذكر فى بعض الفتاوى انه لا بد من احد شيئين' اما التحرك واما خروج الدم فان لم يوجد لا تحل كذافى البدائع و فيه ايضاً وان ذبح شاة او بقرة فخرج منها دم ولم تتحرك وخروجه مثل ما يخرج من الحى اكلت عند ابى حنيفه (عالمگيرية' كتاب الذبائح ٥/ ٢٨٦ ط ماجدية) و فى شرح اى كما يخرج من الحى و فى شرح الطحاوى خروج الدم لا يدل على الحياه الا اذا يخرج منه كما يخرج من الحى عند الامام وهو ظاهر الرواية (درمختار ٦/ ٣٠٨ ط سعيد)

(۲) جانور کو پکڑنے والا اگرچہ غیر مسلم ہو لیکن ذبح کرنے والا مسلمان ہے تو ذبیحہ جائز ہے۔[1] محمد کفایت اللہ غفر لہ

تسمیہ و تکبیر پڑھ کر چھوڑے ہوئے کتے اور باز کے شکار کا حکم

(ضمیمہ الجمعیۃ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۳۰ء)

(سوال) اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر شکاری کتے کو ہرن کی طرف یا باز کو کبوتر کی طرف چھوڑا جائے اور وہ شکار کو پکڑ کر مار ڈالے تو اس کو کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۱۱) سکھائے ہوئے کتے یا باز کو جب بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر شکار پر چھوڑا جائے تو اگر یہ جانور شکار کو زخمی کر کے مار ڈالیں وہ شکار حلال ہے۔[2] محمد کفایت اللہ غفر لہ 'مدرسہ امینیہ دہلی۔

بندوق کے ذریعے کئے ہوئے شکار کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) اگر بندوق بسم اللہ کہہ کر چلائی جائے اور کوئی پرندیا چرند شکار ہو کر مر جائے تو اس کو کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۱۲) بندوق سے مارا ہوا جانور اگر ذبح کرنے سے پہلے مر جائے تو حرام ہو جاتا ہے۔ اگرچہ بسم اللہ کہہ کر بندوق چلائی ہو[3] اگر زندہ مل جائے اور بسم اللہ کہہ کر ذبح کر لیا جائے۔ تو حلال ہو گا۔[4] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

پانچواں باب
عقیقہ

عقیقہ کا گوشت پکا کر تقسیم کرنا بھی جائز ہے

(سوال) عقیقہ کا کچا گوشت تو لوگ لیتے نہیں ہیں سالن روٹی لے جاتے ہیں اور اگر کچا گوشت لیتے بھی ہیں تو نہایت ناگواری سے لیتے ہیں پلاؤ پکا کر کھلا دینا گناہ تو نہیں ؟ المستفتی نمبر ۶۵۸ مجیدی دواخانہ 'مئی ۲۷

---

(۱) اس لئے کہ اعتبار ذابح کا ہے معین کا نہیں

(۲) ویحل الصید بکل ذی ناب و مخلب من کلب و باز ونحوهما بشرط قابلیة التعلیم و بشرط کونه لیس بنجس العین و بشرط ارسال مسلم او کتابی و بشرط التسمیة عند الارسال (التنویر الابصار مع درمختار کتاب الصید ۴۶۳/۶ ط سعید)

(۳) ولایؤکل ما اصابه البندقیة فمات لا بها تدق و تکسر ولا تجرح فصار کالمعراض (هدایة کتاب الصید ۵۱۲/۴ شرکة علمیة)

(٤) واذا ادرك المرسل اوالرامی الصید حیا بحیاة فوق ما فی المذبوح ذکاه وجوباً (التنویر الابصار مع درمختار ۶/ ۴۶۸ ط سعید)

رجب ۱۳۵۴ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۱۲) عقیقہ کا کچا گوشت لوگ نہیں لیتے تو پکا کر روٹی کے ساتھ تقسیم کر دیا جائے یا پلاؤ پکا کر دیدیا جائے دونوں صورتیں جائز ہیں۔[۱] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

(۱) ذبح کئے ہوئے جانور کی ران دائی کو اور سیری نائی کو دینی ضروری نہیں
(۲) عقیقہ میں لڑکی اور لڑکے کے لئے کتنے بکرے ہونے چاہئیے ؟
(۳) کیا لڑکے اور لڑکی کے باپ 'دادا' نانا' نانی وغیرہ عقیقہ کا گوشت کھا سکتے ہیں ؟
(۴) گیابھن بکری ذبح کرنے کا حکم
(۵) مذبوحہ بکری کے زندہ پیدا ہونے والے بچے کو بھی ذبح کیا جائے

(سوال) (۱) سالم ران دائی کو اور سری نائی کو دی جانی ضروری ہے یا نہیں ؟
(۲) لڑکی کے واسطے ایک بکری اور لڑکے کے واسطے دو بکرے ذبح ہوتے ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں ؟
(۳) عقیقہ کا گوشت ماں 'باپ 'دادا' دادی 'نانانانی 'اور دائی وغیرہ کھا سکتے ہیں یا نہیں ؟
(۴) گیابھن بکری ذبح ہو سکتی ہے یا نہیں ؟
(۵) اگر بکری کے ذبح ہونے کے بعد اس کا بچہ زندہ نکلے تو اس کو کیا کیا جائے ؟
المستفتی نمبر ۶۸۱ سید شبیر حسن (دہلی) ۲۹ شعبان ۱۳۵۴ھ ۲۷ نومبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۱۳) (۱) یہ کوئی لازمی حق نہیں ہے۔[۲]
(۲) لڑکے اور لڑکی کے عقیقے میں جانور کے مذکر مؤنث ہونے کا فرق نہیں ہے لڑکے کے عقیقے میں بکری اور لڑکی کے عقیقے میں بکرا ذبح کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ فرق ہے کہ لڑکے کے لئے دو بکرے افضل ہیں اور لڑکی کے لئے ایک۔[۳]
(۳) سب رشتہ دار جو سوال میں مذکور ہیں اور دائی وغیرہ کھا سکتے ہیں۔[۴]
(۴) گیابھن بکری ذبح کرنا مکروہ ہے لیکن اگر کر دی گئی تو عقیقہ ادا ہو جائے گا۔[۵]

---

(۱) وهی شاة تصلح للاضحیه تذبح للذکر والانثی سواء فرق لحمهانیئا او طبخه بحموضه او بدونها مع کسر عظمها اولا واتخاذ دعوة اولا (رد المحتار' کتاب الاضحیة ٦/٣٣٦' ط سعید)
(۲) (ایضاً بحواله سابقه نمبر ۱ صفحه هذا)
(۳) عن ام کرزؓ قالت سمعت رسول الله ﷺ یقول اقرو الطیور علی مکنا تها وقالت سمعته یقول عن الغلام شاتان و عن الجاریة شاة لا یضر کم ذکرانا کن ام اناثاً (ابو داؤد شریف' باب فی العقیقه ٢/٣٦ ط امدادیه)
(٤) ویاکل من لحم الا ضحیة ویوکل غنیاً و یدخر و ندب ان لا ینقص التصدق عن الثلث' (فی الشامیة) قوله ندب قال فی البدائع والا فضل ان یتصدق بالثلث و یتخذ الثلث ضیافة' لاقر بانه واصد قائه و یدخر الثلث و یستحب ان یاکل منها(درمختار ٦/ ٣٢٨ ط سعید)
(٥) شاة او بقرة اشرفت علی الولادة قالوا یکره ذبحها لان فیه تضیع الولد (عالمگیریة'٥ /٢٨٧ ط ماجدیه)

(۵) اس بچہ کو بھی فوراً ذبح کرلیا جائے اور اسی مصرف میں صرف کرلیا جائے۔[1] فقط محمد کفایت کان اللہ لہ۔

بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن نام رکھنا مستحب ہے

(سوال) جب لڑکا پیدا ہو تو نام کس وقت پر رکھا جائے ؟ کیونکہ رسم ہمارے ملک کی یہ ہے کہ لوگ دوسرے یا تیسرے روز بعد نام رکھتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۱۲۲۰ پنشنر مہدی خان صاحب (ضلع کانپور) ۲۰ رجب ۱۳۵۵ھ م ۷ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۱۴) بچہ کی پیدائش کے ساتویں روز عقیقہ کرنا، نام رکھنا مستحب ہے، اس سے پہلے نام رکھ دیں تو یہ بھی جائز ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

عقیقہ کے لئے بھی سات آدمی ایک گائے میں شریک ہو سکتے ہیں

(سوال) جس طرح قربانی میں سات آدمی شریک ہو کر ایک گائے کی قربانی کرتے ہیں تو کیا عقیقہ میں بھی سات آدمی شریک ہو کر ایک گائے ذبح کر سکتے ہیں اکثر کتابوں میں قربانی اور عقیقہ کی ایک شرطیں لکھی ہیں۔ المستفتی نمبر ۱۲۴۰ انور محمد صاحب (لکھنؤ) ۳۰ شعبان ۱۳۵۵ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۱۵) ہاں گائے میں عقیقہ کی نیت سے کئی آدمی شریک ہو سکتے ہیں بشرطیکہ تمام شرکاء کی نیت قربانی یا عقیقہ کی ہو بعض شرکاء قربانی کی نیت سے اور بعض عقیقہ کی نیت سے گائے میں شریک ہو سکتے ہیں[3] دوسری شرط یہ بھی ہے کہ کسی شریک کا حصہ ۱/۷ سے کم نہ ہو۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ایک گائے میں عقیقہ کے سات حصے ہو سکتے ہیں

(سوال) گائے یا بیل میں تو سات آدمیوں کی قربانی چلتی ہے کیا ایک ہی گائے یا بیل میں سات لڑکوں یا لڑکیوں کا عقیقہ بھی چلتا ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۹۹۲ محمد علی حسن ضلع گوالپارہ آسام ۲ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۱۶) ایک گائے میں عقیقہ کے سات حصے ہو سکتے ہیں جس طرح قربانی کے سات حصے ہو سکتے ہیں۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) ولدت الاضحية ولداً قبل الذبح يذبح الولد معها و عند بعضهم يتصدق بلاذبح (درمختار ۶ / ۳۲۲ ط ماجديه)

(۲) يستحب لمن ولد له ولد ان يسميه يوم اسبوعه و يحلق راسه و يتصدق عند الائمة الثلاثة بزنة شعره فضة وذهبا ثم يعق عند الحلق عقيقة اباحة (رد المحتار ۶ / ۳۲۲ ط سعيد) (۳) و شمل مالو كانت القربة واجبة على الكل او البعض اتفقت جهاتها اولا كا ضحية واحصار (الى ان قال) وكذا لواراد بعضهم العقيقة عن ولد قدولدله من قبل لان ذالك جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد (رد المحتار كتاب الاضحية ۶ / ۳۲۶ ط سعيد) (۴) ولو لا حد هم اقل من سبع لم يجز عن احد و تجزى عما دون سبعة (ردالمحتار كتاب الاضحية ۶ / ۳۲۶ ط سعيد) (۵) و شمل مالو كانت القربة واجبة على الكل او البعض اتفقت جهاتها اولا كاضحية واحصار او جزاء صيد و حلق و متعة و قرآن خلافا لزفر لان المقصود من الكل القربة وكذا لواراد بعضهم العقيقه عن ولد الخ (ردالمحتار ۶ / ۳۲۶ ط سعيد)

(۱) عقیقہ کا گوشت بچہ کے ماں باپ کھا سکتے ہیں

(۲) عقیقہ کے گوشت کی ہڈیاں توڑنا جائز ہے نہ توڑنا وہم ہے

(سوال) (۱) عقیقہ کا گوشت بچہ کے ماں باپ' دادا دادی' نانا نانی' وغیرہ کو کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) عقیقہ کے گوشت کی ہڈیاں توڑنی جائز ہیں یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۴۵۷ منشی الطاف حسین صاحب وزیر گنج (گونڈہ) ۲ محرم ۱۳۵۸ھ م ۲۲ فروری ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۱۷) (۱) عقیقہ کے گوشت کے متعلق مشہور ہے کہ بچے کے ماں باپ دادا دادی نانا نانی نہ کھائیں مگر یہ بات غلط ہے۔ شریعت مقدسہ میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے یہ سب لوگ کھا سکتے ہیں۔[1] (۲) اس جانور کی جو عقیقہ میں ذبح کیا جائے ہڈیاں توڑنا جائز ہے بعض لوگوں نے ہڈیاں توڑنے کو منع کیا ہے مگر اس ممانعت کے لئے کوئی سند نہیں ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

عقیقہ وہاں کرنا چاہئے جہاں بچہ موجود ہو

(سوال) میرا چھوٹا بچہ جو چھ ماہ کا ہے اس کا عقیقہ نہیں ہوا ہے میرا ارادہ ہے کہ یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کو منیٰ میں اس کے عقیقے کی نیت سے قربانی کروں اور اسی تاریخ کو ہندوستان میں اس کے بال اتروا دیئے جائیں کیا ایسا کرنا جائز ہوگا ؟ المستفتی حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی ناظم جمعیت علمائے ہند ۲ فروری ۱۹۳۷ء ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ۔

(جواب ۳۱۸) بچے کے عقیقے کا جانور منیٰ میں ذبح کرنا اور بال ہندوستان میں اتارنا اس مسئلے کی تصریح نہیں نظر میں نہیں آئی اگرچہ اصولاً کوئی مانع معلوم نہیں ہوتا مگر میرے خیال میں عقیقے کے تمام اعمال اسی جگہ ادا کرنا جہاں بچہ موجود ہو بہتر اور احوط ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

عقیقہ کا گوشت بچہ کے والدین' بہن بھائی وغیرہ کھا سکتے ہیں

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۲۷ء)

(سوال) عقیقہ کا گوشت والدین اور بھائیوں بہنوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۱۹) عقیقہ کا گوشت والدین اور بھائی بہن سب کھا سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ٤ صفحہ ۲۳۹)

(۲) وهي شاة تصلح لاضحية تذبح للذكر والا نثى سواء فرق لحمها نيئا او طبخه لحموضة او بدونها مع كسر عظمها اولا ; رد المحتار' كتاب الاضحية ٦/٣٣٦)۔

کیا بیٹے کے عقیقہ میں دو بکرے ضروری ہیں

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۸ء)

(سوال) بیٹے کے عقیقہ میں عموماً دو خصی یا دو بکری یا دو بھیڑیں دی جاتی ہیں۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ بیٹے کے عقیقہ میں ایک بھی دینا جائز ہے لیکن ہماری تشفی نہیں ہوئی ہے۔

(جواب ۳۲۰) لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے یا دو بھیڑ سے یا دو بکریاں یا بھیڑیں ذبح کرنا مستحب ہے اگر دو کی وسعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

عقیقہ کا تمام گوشت مہمانوں کی دعوت میں خرچ کرنے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مئی ۱۹۲۸ء)

(سوال) زید اپنی لڑکی کا عقد اور لڑکے کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے اور تاریخ مقرر ہے زید کا ارادہ ہے کہ عقیقہ کا سارا گوشت مہمانوں کی دعوت میں خرچ کرے یہ جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۲۹) عقیقہ کا گوشت ایک تہائی مساکین کو تقسیم کر دینا افضل ہے باقی دو تہائی اقرباواحباب کی ضیافت میں خرچ کیا جاسکتا ہے اگر تمام گوشت بھی ضیافت میں خرچ کر دیا جائے تاہم عقیقہ ہو جائے گا (۲) اگرچہ یہ خلاف افضل ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ غفر لہ

عقیقہ سنت ہے یا واجب؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۹ء)

(سوال) عقیقہ سنت ہے یا واجب؟

(جواب ۳۲۴) عقیقہ واجب نہیں ہے سنت ہے اگر وسعت ہو تو عقیقہ کرنا اولیٰ و افضل ہے۔ (۴)

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ٤ ص ۲۳۹)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۳ ص ۲۳۹)
(۳) (ایضاً بحوالہ بالا نمبر ۱)
(٤) و یستحب لمن ولد له ولد ان یسمیه یوم اسبوعه ویحلق راسه و یتصدق عند الائمة الثلاثة بزنة شعره فضة او ذهبا ثم یعق عند الحلق عقیقة اباحة علی ما فی جامع المحبوبی او تطوعا علی ما فی شرح الطحاوی (الی ان قال) و سنها الشافعی و احمد سنة مؤکدة شاتان عن الغلام و شاة عن الجاریة (رد المحتار کتاب الاضحیة ٦ ۳۳٦ ط سعید)

چھٹا باب

ذبیحہ

فصل اول' اجرت ذبح

ذبح کی اجرت ذبح کرنے والے کا حق ہے

(سوال) ہمارے شہر ناگپور میں رواج ہے کہ قاضی صاحب یا ان کا کوئی نوکر بکرے ذبح کرتا ہے اور ایک پیسہ فی بکرا لیتے ہیں قصابوں کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی طرف سے ذابح مقرر کریں اور پیسہ مذکورہ مدرسہ اور مسجد میں خرچ کریں قاضی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ذبح کا پیسہ ہمارا حق ہے۔ یہ پیسہ قاضی صاحب کا شرعی طور پر حق ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۲۳) ذبح کرنے کی اجرت جائز ہے اور وہ ذبح کرنے والے کا حق ہے[1] قصابوں کو اختیار ہے کہ جسے چاہیں ذابح مقرر کردیں اور اجرت اس کو دیں لیکن ذابح کی اجرت کو مسجد اور مدرسے میں لگانا بغیر اس کی اجازت کے ناجائز ہے اور نہ بغیر ذبح قاضی کا کوئی حق ہے۔[2] محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ۔

اجرت پر ذبح کرنے والے شخص کی امامت درست ہے

(سوال) جو آدمی ذبیحہ کرتا ہو اور ذبیحہ کا پیسہ لیتا ہو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۹۷۷ محمد رفیق صاحب سوداگر ضلع میدنی پور یکم ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲۵ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۲۴) ذابح کی امامت جائز ہے یعنی محض اجرت پر ذبح کرنے کی وجہ سے کراہت پیدا نہیں ہوتی۔[3] محمد کفایت اللہ۔

ذبح کی اجرت لینا ہر وقت جائز ہے

(سوال) کسی شخص کو ذبیحہ کی اجرت ہمیشہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۰۱۵ ظفریار خاں صاحب

---

(۱) و يجوز الا ستيجار على الزكاة (اى الذبح) لان المقصود منها قطع الاوداج دون اماتة الروح وذالك يقدر عليه كذافى السراج الوهاج انتهى مختصراً (عالمگيرية' كتاب الاجارة ٤ / ٤٥٤ ط ماجديه كوئته)

(۲) لايجوز لاحد ان يتصرف فى ملك الغير بغير اذنه (قواعد الفقه ص ۱۱۰ صدف پبلشرز)

(۳) و يجوز الا ستيجار على الزكاة (اى الذبح) لان المقصود منها قطع الاوداج دون اماتة الروح وذالك يقدر عليه كذافى السراج الوهاج انتهى مختصراً (عالمگيرية' كتاب الاجارة ٤ / ٤٥٤ ط ماجديه كوئته)

(الجمعیۃ دہلی) ۱۰ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۵ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۲۵) جائز ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

فصل دوم غیر مسلم کا ذبیحہ

ذابح مسلمان اور معاون مشرک ہو تو ذبح درست ہے

(سوال) ذبح کرنے والا مسلمان ہے اور دوسرا شخص پاؤں پکڑ کر بیٹھنے والا مشرک ہے اور ذبح کرنے والے مسلمان نے ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور مشرک نے نہیں کہا تو یہ ذبیحہ جائز ہوا یا نہیں اور اگر ذبح کرنے والا مسلمان ہے اور اس نے ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر بھی کہا اور اس مشرک نے بھی جو جانور کو دبائے تھا بسم اللہ اللہ اکبر کہا تو یہ ذبیحہ جائز ہے یا نہیں ؟ اور اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اگر کوئی جانور مشرک نے خرید کر لایا اور اس کو حسب قاعدہ شرع شریف مسلمان سے ذبح کرایا اور مشرک بروقت ذبح اس کا مددگار رہا تو اس صورت میں اس ذبیحہ کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر ان تینوں صورتوں میں مشرک مالک ہے اور اپنے گھر لے جاکر یا دوکان پر رکھکر اسی روز یا دوسرے روز گوشت کو فروخت کرے تو اس گوشت کی نسبت کیا حکم ہے ؟ مسلمانوں کو خریدنا چاہیئے یا نہیں ؟

(جواب ۳۲۶) جب کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو تو جانور کا پکڑنے والا خواہ مشرک ہو خواہ مسلمان کچھ حرج نہیں اور نہ پکڑنے والے پر بسم اللہ اللہ اکبر کہنا واجب ہے اور پکڑنے والا مشرک اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہے تو کچھ مفید نہیں ہاں شریک فی الذبح پر بسم اللہ اللہ اکبر کہنا واجب ہے اور صرف جانور کو پکڑنے والا شریک فی الذبح نہیں ہے۔ اراد التضحیۃ فوضع یدہ مع ید القصاب فی الذبح واعانہ علی الذبح سمی کل وجوبا (درمختار)[2] یعنی جو شخص کہ ذابح کے ہاتھ کو زور دے اور چھری چلانے میں اپنے ہاتھ کا سہارا دے وہ شریک فی الذبح ہے۔ اور اس پر بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔

کافر گوشت بیچنے والے سے گوشت خریدنے کو بہت سے فقہاء نے منع کیا ہے اور وجہ یہ لکھی ہے کہ اس کا یہ قول کہ یہ گوشت مسلمان کے ہاتھ سے ذبح کئے ہوئے جانور کا ہے غیر معتبر ہے۔[3] لیکن تحقیق یہ ہے کہ جن مقامات میں سرکاری قانون کے موافق مذبح مقرر ہو اور سوائے مذبح معین کے دوسرے مقامات میں

---

(۱) ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۱ صفحہ گزشتہ)

(۲) (درمختار' کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۲۴ ط سعید)

(۳) فی الشامیۃ : تحت قولہ او قال اشتریتہ من مجوسی فیحرم فی التتارخانیۃ قبیل الاضحیۃ عن جامع الجوامع لابی یوسف من اشتری لحما فعلم انہ مجوسی واراد الرد فقال ذبحہ مسلم یکرہ اکلہ و مفادہ ان مجرد کون البائع مجوسیا یثبت الحرمۃ فانہ بعد اخبارہ بالحل بقولہ ذبحہ مسلم کرہ اکلہ فکیف بدونہ (درمختار' کتاب الحظر والاباحۃ ۶/ ۳۴۴ ط س)

ذبح کرنا ممنوع اور قانونی جرم ہو اور اس بات کا گمان غالب ہو جائے کہ شہر میں فروخت ہونے والا گوشت اسی مذبح معین سے لا کر فروخت کیا جاتا ہے اور اس مذبح میں مسلمان ذابح مقرر ہیں کہ ان کے سوا کوئی اور شخص ذبح نہیں کر سکتا یا ذبح نہیں کرتا تو ایسی صورت میں اس ظن غالب پر اعتماد کر کے کافر گوشت فروش سے ان مقامات میں گوشت خریدنا جائز ہے جیسے کہ گھی تیل وغیرہ عام طور پر کافروں سے خریدتے ہیں اور [illegible] جائز ہے حالانکہ گھی میں بھی یہی احتمال موجود ہے کہ اس میں کسی غیر مذبوح جانور کی چربی ملی ہوئی ہو لیکن چونکہ ایسی چربی ملانا قانونی جرم ہے اور اس بنا پر گمان غالب یہ ہے کہ بازار میں فروخت کرنے کے لئے کوئی شخص گھی میں ایسی چربی نہیں ملاتا جو قانونی جرم ہو اس لئے گھی کے خریدنے اور کھانے کے جواز کا فتویٰ اور اس پر عام مسلمانوں کا عمل ہے اور یہی حکم گوشت کا ہے۔[1] واللہ اعلم

فرقہ مہدویہ والوں کا ذبیحہ درست نہیں

(سوال) فرقہ مہدویہ یہ کہتے ہیں کہ توبہ کا دروازہ بند ہو گیا ان کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۲۷) فرقہ مہدویہ جو اطراف دکن میں پایا جاتا ہے کافر ہے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں۔[2] محمد کفایت اللہ۔

مرزائی کے ذبیحہ کا حکم

(سوال) جو شخص احمدی فرقہ (المعروف مرزائی فرقہ) سے تعلق رکھتا ہو خواہ مرزا آنجہانی کو نبی مانتا ہو یا ولی مجدد وغیرہ کیا اس کے ہاتھ کا مذبوحہ حلال ہے یا حرام؟ المستفتی نمبر ۴۶۹ عبداللہ (بھاولپور) ۲۰ محرم ۱۳۵۴ھ م ۲۵ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۲۸) اگر یہ شخص خود مرزائی عقیدہ اختیار کرنے والا ہو یعنی اس کے ماں باپ مرزائی نہ تھے تو یہ مرتد ہے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست نہیں۔[3] لیکن اگر اس کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک مرزائی تھا تو یہ اہل کتاب کے حکم میں ہے اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مرزائی کے بیٹے کے ذبیحہ کا حکم

(سوال) الجمعیۃ کے اندر آنجناب کا فتویٰ نکلا تھا کہ اگر باپ مرزائی ہے تو اس سے گوشت خریدنا جائز ہے اگر خود ہوا ہے تو جائز نہیں اس پر روشنی ڈالیں۔ المستفتی نمبر ۷۹۱ محمد انور (ضلع جالندھر) ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ

---

(۱) وهو غلبة الظن لانه العلم الموجب للعمل بمعنى اليقين نص عليه في المنافع وغاية البيان و مثله في البحر عن الفتح وكذا في المعراج (ردالمحتار' كتاب الصوم ۲ / ۳۸۸ ط س)

(۲) ایضاً بحوالہ آخر صفحہ گزشتہ۔

(۳) لاتحل ذبيحة غير كتابي من وثني و مجوسي و مرتد و تارك التسمية عمدا (درمختار' كتاب الذبائح ۶ : ۲۹۸ ط سعيد)

(۴) نمبر ۳ اور ۴ میں پچھ تفصیل ہے جو نمبر ۸ کے صفحے پر آ رہی ہے۔

(جواب ۳۲۹) ہاں مشہور یہی ہے اور نسلی مرزائی کو اہل کتاب کا حکم دیا جائے گا۔(۱) اور خود مرزائی بننے والا مرتد کے حکم میں ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

آج کل کے یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ کا حکم

(سوال) فی زمانہ جو یہود و نصاریٰ ہیں ان کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام ؟ المستفتی نمبر ۸۶۲ علی محمد (دندی اسکاٹ لینڈ) ۲۲ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۳۰) جو یہود و نصاریٰ کہ توراۃ اور انجیل کو آسمانی کتاب مانتے ہیں اور شریعت موسوی یا عیسوی کے قائل ہیں ان کا ذبیحہ حلال ہے لیکن ان کی دوسری بد عقیدگیاں حلت ذبیحہ کے لئے مانع نہیں ہیں۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

عیسائیوں کے ذبیحہ کا حکم

(سوال) اس زمانہ کے عیسائی کیا اہل کتاب ہیں جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے اور اس قبیلے کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۲۳۹ ابراہیم صاحب (ساؤتھ افریقہ) ۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۷ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۳۱) ہاں عیسائی جو انجیل کو آسمانی کتاب مانے اور دین مسیحی کی حقانیت کا قائل ہو اس کا ذبیحہ حلال ہے اور اس اعتقاد کی نصرانیہ سے نکاح جائز ہے کیونکہ نصوص میں نصرانیوں کے عقیدہ الوہیت مسیح کا ذکر موجود ہے اور پھر بھی ان کو اہل کتاب مانا گیا اور حل ذبیحہ یا نکاح نصرانیہ کو عام اہل کتاب کے ساتھ متعلق رکھا گیا ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا موجودہ یہودی اور نصرانی اہل کتاب ہیں ؟

(سوال) موجودہ وقت میں اہل کتاب کا اطلاق یہودی نصرانیوں پر ہو سکتا ہے یا نہیں اور ان کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں اور دیگر فقہی مسائل نکاح وغیرہ کے متعلق احکام موجودہ نصرانی یہودیوں پر منطبق ہو سکتے ہیں

---

(۱) دیکھئے حوالہ نمبر ۳ ص گزشتہ۔

(۲) وشرط كون الذابح مسلما حلالا خارج الحرم إن كان صيدا أو كتابيا ذميا أو حربيا (تنوير الابصار مع رد المحتار، كتاب الذبائح ۶/ ۲۹۷ ط سعيد) وفي العالمگيرية وتوكل ذبيحة أهل الكتاب ويستوي فيه أهل الحرب منهم ... وكذا نصارى بني تغلب وغيرهم لأنهم على دين النصارى (عالمگيرية كتاب الذبائح ۵/ ۲۸۵ ط ماجدية) [illegible]

(معارف القرآن ۳/ ۴۸ تفسير سورة مائدة)

(۳) (ايضا بحواله نمبر ۲)

(۴) ايضا بحواله نمبر ۲)

نہیں؟ المستفتی بلا نمبر احقر عبدالکریم فاضل الطب والجراحت بھروچ

(جواب ۳۳۲) ہاں جو یہودی اور نصرانی اپنے مذہب کے تابع ہوں یعنی مذہب کو مانتے ہوں وہ اہل کتاب میں شامل ہوں گے ان پر یہودیوں اور نصرانیوں کے احکام جاری ہوں گے۔[۱] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ذبیحہ کے حلت کے لئے ذابح کا مسلمان یا کتابی ہونا شرط ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۳۰ء)

(سوال) شریعت مقدسہ اسلامیہ میں سکھوں کے کئے ہوئے جھٹکے کا گوشت مسلمان کے لئے حلال ہے یا حرام؟ اور یہ دلیل قرآن مجید میں ذبیحہ کی حلت کے لئے صرف خدا کا نام لیا جانا مذکور ہے اور چونکہ سکھ بھی جھٹکا کرتے وقت واہگرو یعنی خدا کا نام پڑھتے جاتے ہیں اس لئے ان کا جھٹکا قرآن مجید کے حکم کی رو سے حلال ہے قرآن مجید میں اہل کتاب کی شرط نہیں ہے اسی طرح عربی میں خدا کا نام لینا ضروری قرار نہیں دیا گیا اسلامی اصول کے لحاظ سے درست ہے یا نہیں؟ (سید عزیز حسن بقائی مدیر پیشوا)

(جواب ۳۳۳) هو الموفق ذبیحہ کی حلت کے لئے ذابح کا مسلمان ہونا یا کتابی ہونا شرط ہے غیر کتابی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے پس جاٹوں یا سکھوں کا جھٹکا حلال نہیں، اس لئے یہ کتابی نہیں ہے۔ غیر کتابی کے ذبیحہ کی حرمت پر علمائے سلف کا اجماع ہے۔ تفسیر خازن میں ہے "واجمعوا علی تحریم ذبائح المجوس وسائر اهل الشرك من مشركي العرب وعبدة الاصنام ومن لا كتاب له" یعنی علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مجوسیوں اور عرب کے تمام مشرکوں اور تمام بت پرستوں اور غیر کتابی کافروں کا ذبیحہ حرام ہے۔

کتابی کافر کا ذبیحہ بھی حسب قاعدہ حرام ہوتا مگر قرآن پاک کی آیۃ کریمہ ہے۔ وطعام الذين اوتوا الكتاب حل لكم (مائدہ) یعنی اہل کتاب کے تیار کئے ہوئے کھانے تمہارے لئے حلال ہیں۔ طعام کی تفسیر میں صاحب مدارک وخازن ومعالم التنزیل ودیگر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس سے اہل کتاب کے ذبیحے مراد ہیں۔ خازن میں ہے واجمعوا على المراد بطعام الذين اوتوا الكتاب ذبائحهم خاصة۔ یعنی سلف کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیۃ کریمہ میں طعام سے ان کے ذبیحے مراد ہیں۔ اور معالم التنزیل میں ہے يريد ذبائح اليهود والنصارى (خازن) یعنی اہل کتاب کے کھانے سے یہود ونصاریٰ کے ذبیحے مراد ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرماتے ہیں کہ نزول قرآن کے بعد جو لوگ یہودیت ونصرانیت اختیار کرلیں ان کا ذبیحہ حرام ہے۔ ذبیحہ صرف ان یہود ونصاریٰ کا حلال ہے جو نزول قرآن سے پہلے یہودی یا نصرانی مذہب میں داخل تھے اور انہیں مذہبوں کو ابا عن جدٍ اختیار کئے ہوئے چلے آرہے ہیں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے البتہ پرانے یا نئے یہودیوں اور نصرانیوں میں فرق نہیں کیا اور دونوں قسم کے یہودیوں اور نصرانیوں کا ذبیحہ ان کے نزدیک حلال رہا۔ یہ مذہب حضرت حبر الامۃ عبداللہ بن عباس

---

(۱) ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ صفحہ گزشتہ

رضی اللہ عنہ اور حسن البصری و عطاء بن ابی رباح، شعبی، عکرمہ، قتادہ، زہری، حکم، حماد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے ماثور ہے روی عن علی بن ابی طالب قال لاتاکل من ذبائح نصاری العرب بنی تغلب فانھم لم یتمسکوا بشئ من النصرانیۃ الا بشرب الخمر بہ قال ابن مسعود ومذھب الشافعی ان من دخل فی دین اھل الکتاب بعد نزول القران فانہ لا تحل ذبیحتہ و سئل ابن عباس عن ذبائح نصاری العرب فقال لاباس بہ ثم قراو من یتولھم منکم فانہ منھم و ھذا قول الحسن و عطاء بن ابی رباح و الشعبی وعکرمۃ وقتادۃ والزھری والحکم و حماد وھو مذھب ابی حنیفۃ ومالک (خازن)[1]

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا عرب کے نصاریٰ یعنی بنی تغلب کے ذبیحے نہ کھاؤ کیونکہ یہ لوگ مذہب نصرانیت میں سے سوائے شراب پی لینے کے اور کسی چیز پر عامل نہیں ہیں اور یہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے اور امام شافعیؒ کا یہ مذہب ہے کہ جو لوگ نزول قرآن کے بعد اہل کتاب کا مذہب اختیار کریں ان کا ذبیحہ حلال نہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ عرب کے نصاریٰ کے ذبیحوں کا کیا حکم ہے تو انہوں نے فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں اور آیۃ ومن یتولھم بطور دلیل پڑھ کر سنادی اور یہی قول حضرت حسن وغیرہ کا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ غیر کتابی کا فر تو کیا بعض حضرات صحابہؓ تمام اہل کتاب کے ذبیحوں کی حلت کے بھی قائل نہیں تھے۔

حلت و حرمت کے احکام میں آنحضرت ﷺ کی احادیث اور صحابہ کرام و سلف صالحین کے اقوال کے دائرے سے باہر نہیں جاسکتے قرآن مجید میں تمام حرام اشیاء اور حرام صورتوں کی **تفصیل** مذکور نہیں ہے **تفصیل** کے لئے ہم کو حدیث شریف اور تفاسیر صحابہ وسلف کی طرف رجوع کرنا لازم ہوگا۔

ذبیحہ کی حلت کے لئے جب کہ سائل نے خدا کا نام لینا بطور ضروری رکن یا شرط کے تسلیم کرلیا تو سائل سے ہی یہ دریافت کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں یہ کہاں مذکور ہے کہ خدا کا نام ذبح کرتے وقت لینا ضروری ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ذرا زیادہ جرات کرے اور کہہ دے کہ آیۃ ولا تاکلوا ممالم یذکر اسم اللہ علیہ اور فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ[2] کی تعمیل کے لئے کھاتے وقت خدا کا نام لینا کافی ہے اور اسی طرح ذبح یا جھٹکے کے اندر محصور نہیں بلکہ خدا کا نام لیکر تلوار ماری جائے اور بکری کے دو ٹکڑے کردئیے جائیں تو وہ بھی حلال ہے کیونکہ خدا کا نام لینے کی شرط پوری ہوگئی تو سائل کیا جواب دے گا؟ نیز قرآن مجید میں ذبیحہ کے اجزاء میں سے سوائے دم مسفوح کے اور کسی چیز کی حرمت مذکور نہیں کیا سائل ذبیحہ

---

(۱) (تفسیر خازن سورۃ مائدۃ ۲ ٤ ط مصری)
(۲) (الانعام ۱۲۱)

کے تمام اجزاء کی حلت کا اس بنا پر قائل ہو جائے گا کہ فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ [1] میں ان اجزاء کو مستثنیٰ کئے بغیر کھانے کی اجازت دیدی اور ذکر انثیین مرارہ مثانہ وغیرہ کی حلت کا فتویٰ دیدے گا؟ اور کیا اس بنا پر کہ قرآن مجید میں صرف خدا کا نام لینا مذکور ہے اس امر کی اجازت بھی ہوگی کہ مسلمان بجائے حلق پر چھری پھیرنے کے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر جانور کی گردن اڑا دیا کریں یعنی جھٹکہ کر لیا کریں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ذبح کرنے کا حکم نہیں ہے اور کیا اگر کوئی ہندو بت پرست بھی کسی جانور کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دے تو سائل اس بنا پر کہ قرآن مجید کی شرط (یعنی خدا کا نام لینا) پوری ہوگئی اس کو بھی حلال کہہ دے گا؟

اگر ان تمام امور میں سائل حلت کا قائل ہو تو اسے تصریح کر دینی چاہئیے اور اس وقت اس کو جواب دینے کی نوعیت دوسری ہوگی لیکن اگر وہ حلت کا قائل نہ ہو اور یہ عذر کرے کہ اگرچہ قرآن پاک میں ذبح کے وقت نام لینے کی تصریح نہیں اور تسمیہ کے ساتھ دو ٹکڑے کر دینے کا حرام ہونا مذکور نہیں اور اجزائے محرمہ کو بھی مفصل بیان نہیں کیا گیا اور مسلمانوں کو جھٹکے سے منع نہیں کیا اور بت پرست کے تسمیہ کا غیر معتبر ہونا بالصراحة نہیں آیا مگر چونکہ احادیث نبی کریم وارشادات صحابہ کرام واجماع سلف صالحین سے یہ چیزیں حرام ہیں اس لئے ان کی حلت کا قائل نہیں تو اس زیر بحث مسئلہ میں بھی فیصلہ ہو جائے گا کہ اگرچہ قرآن پاک میں اہل کتاب کی تصریح نہیں مگر چونکہ غیر کتابی کے ذبیحہ کی حرمت پر سلف صالحین کا اجماع ہو چکا ہے جیسا کہ تفسیر خازن سے اوپر منقول ہے اس لئے غیر کتابی کا ذبیحہ یا جھٹکا درست نہیں واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

عیسائیوں اور یہودیوں کے تکبیر پڑھ کر ذبح کئے ہوئے جانور کا حکم

(الجمعیة مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۳۲ء)

(سوال) امریکہ میں بہت سے امریکن لوگ جو مذہب عیسائی رکھتے ہیں ہم سے سوال کرتے ہیں کہ مسلمان امریکہ میں ہمارے ہاتھ کا ذبیحہ کیا ہوا جانور کیوں نہیں کھاتے اس کے جواب میں ہم نے کہا کہ جب ہم کسی حلال جانور کو ذبح کرتے ہیں تو ہم تکبیر پڑھتے ہیں اس کے جواب میں انہوں نے دریافت کیا کہ تم کیا پڑھتے ہو تو ہم نے ان کو تکبیر (بسم اللہ اللہ اکبر) پڑھ کر سنائی انہوں نے کہا کہ ہم بھی اگر یہی تکبیر پڑھ کر کوئی جانور ذبح کریں تو تم کھا سکتے ہو یا نہیں؟ ہم نے ان سے کہا کہ ہم اپنے علماء سے دریافت کر کے بتلائیں گے؟

(جواب ۳۳٤) اگر عیسائی تکبیر پڑھ کر حلال جانور ذبح کرے تو مسلمان اس ذبیحہ کا گوشت کھا سکتا ہے یہی حکم یہودی کا بھی ہے کہ اس کا ذبیحہ بھی مسلمان کھا سکتا ہے [2] بت پرستوں کا ذبیحہ حلال نہیں ہے وہ تکبیر پڑھ کر بھی ذبح کریں جب بھی حرام ہے۔ [3] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

---

(۱) (الانعام ۱۱۸)

(۲) (وشرط کون الذابح مسلما حلالا او کتابیا ذمیا او حربیا (تنویر الابصار مع درمختار' کتاب الذبائح ٦ / ۲۹۷ ط سعید)

(۳) (لا تحل ذبیحة غیر کتابی من وثنی و مجوسی و مرتد و تارک التسمیة عمدا (درمختار' کتاب الذبائح ٦ / ۲۹۸ ط سعید)

فصل سوم مشتبہ ذبیحہ

مشتبہ ذبیحہ کے گوشت کا کیا حکم ہے؟

(سوال) ایک شخص کی گائے گھر سے چوری ہوگئی اور اس نے ایک جنگل میں دیکھا کہ ایک گائے جس کے گلے پر چھری پھری ہوئی ہے اور پھر اس کا کھال کر کوئی لے گیا ہے محض گوشت ہی گوشت ہے مگر اس کے کھر اور سینگ سے شناخت ہوتی ہے کہ یہ گائے وہی ہے جو گھر سے چوری کی گئی اور مالک نے خاص شناخت کر لی ہے تو اس کا گوشت مالک کھا سکتا ہے یا نہیں؟ ذبح کرنے والا معلوم نہیں کون ہے اور تسمیہ کا بھی علم نہیں ہے۔

(جواب ۳۳۵) اس گائے میں وجہ اشتباہ دو ہیں اول یہ کہ یہ گائے خود اس کی گائے ہے یا نہیں دوسرے یہ کہ ذابح کون ہے اور ذبح بالتسمیہ واقع ہوا یا نہیں؟ پہلے شبہ کا حکم یہ ہے کہ اگر مالک نے اس کے سینگ اور کھر وغیرہ سے اچھی طرح پہچان لیا ہے اور اسے یقین یا گمان غالب ہے کہ یہ گائے میری ہی ہے تو وہ اس کی ملک ہے اسے استعمال جائز ہے[1] دوسرے شبہ کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ گائے ایسے مقام پر پائی گئی جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے اور اس کے قرب وجوار میں غیر مسلم آباد نہیں تو ظن غالب ہے کہ کسی مسلمان نے ہی ذبح کیا ہوگا اس کا کھانا جائز ہے لیکن اگر اس جگہ غیر مسلم لوگوں کی آبادی ہے یا مختلط ہے یا غیر مسلم اس جگہ یہ کام کرتے ہوں یعنی جانوروں کے چمڑے اتار کر گوشت چھوڑ جایا کرتے ہوں تو ان حالات میں اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ۔ان رجلا وجد شاته مذبوحة ببستانه هل يحل له اكلها ام لا و مقتضى ما ذكرناه انه لا يحل لوقوع الشك في ان الذابح ممن تحل ذكاته ام لا وهل سمى الله تعالى عليها ام لا (درمختار) قال اولى ان يقال ان كان الموضع مما يسكنه او يسلك فيه مجوسي لا يوكل والا اكل ولا يعترض بشان ترك التسمية عمدا فان الظاهر من حال المسلم والكتابي التسمية الخ (ردالمحتار)[2] ۔

فصل چہارم مقصد ذبیحہ

بزرگان دین کو ثواب پہنچانے کے لئے قبرستان میں ذبح کئے ہوئے جانور کا حکم

(سوال) ایک جانور عند اللہ واسطے ایصال ثواب بزرگان دین کے ہے جس کو زید نے قبرستان میں ذبح کیا اس غرض سے کہ بزرگان کی قبر بھی اسی قبرستان میں ہے جس میں جانور ذبح کیا اور زید وہ ونیز ان قبرستان

---

(۱) ان المراد الظن الغالب لا مجرد الحظور انه لا يترتب عليه حكم (رد المحتار كتاب الصيد ٦/ ٤٧٦ ط سعيد)
(۲) (درمختار کتاب الصید ٦/ ٤٧٦ ط سعید)

میں مساکین کو کھلانا بھی مقصود ہے تو موجب شرع شریف ذابح وذبیحہ کے واسطے کیا حکم ہے ؟

(جواب ۳۳۶) جانور ذبح کرنے میں دو جہتیں ہیں ایک تو یہ کہ جانور کو ذبح کرنا یعنی اس کی جان قربان کرنا اور اراقۃ دم (کسی کام کی غرض سے ہو) دوسرے یہ کہ اس کے ذبح سے صرف گوشت حاصل کرنا مقصود ہو اور گوشت کا صدقہ کر کے ثواب حاصل کرنا یا اپنے خرچ میں لانا یا مہمان کو کھلانا یا دعوت میں خرچ کرنا مراد ہو ایصال ثواب کے لئے بھی جانور کو ذبح کرنے میں یہی دونوں جہتیں متحقق ہو سکتی ہیں دونوں کا حکم جدا جدا ہے۔ مفصل بیان کیا جاتا ہے۔

اول یہ کہ نفس ذبح یعنی جان قربان کرنے سے مقصود تقرب الی غیر اللہ ہو یعنی کسی بزرگ ولی وغیرہ کی طرف تقرب حاصل کرنے اور اس کی تعظیم کرنے اور اس کی خوشی چاہنے کے لئے ذبح کیا جائے تو یہ تو حرام ہے اور وہ ذبیحہ بھی ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہو کر حرام ہو جاتا ہے خواہ اپنے گھر ذبح کیا جائے یا قبرستان میں یا کسی اور جگہ ذبح لقدوم الا میر و نحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللہ (درمختار)[1]

دوسری صورت یہ کہ ذبح سے مراد تقرب الی اللہ ہو یعنی ذبح کرنے والا خالص خدا کی رضا مندی اور تعظیم و عبادت کے خیال سے ذبح کرے اور پھر اس فعل پر اس کو جو ثواب ملے وہ کسی دوسرے کو بخش دے اس صورت میں کوئی نقصان اور الزام ذابح اور ذبیحہ میں نہیں ہے یعنی ذابح کا یہ فعل حلال اور ذبیحہ جائز ہے[2] مگر اس کے لئے کسی مکان اور جگہ کی تخصیص نہیں اور نہ قبرستان میں لے جانے کی ضرورت ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ذبح سے تقرب مقصود نہ ہو بلکہ صرف گوشت حاصل کرنا مقصود ہے تو اس صورت میں ذبیحہ جب کہ بقاعدہ شرعیہ ذبح کیا جائے حلال ہے رہا ثواب تو وہ گوشت کے صدقہ کرنے سے حاصل ہوگا اور اس صورت میں بھی کسی جگہ کی تخصیص مثلاً قبرستان میں جا کر ذبح کرنا اور اس کو ضروری یا موجب ثواب یا باعث زیادتی ثواب سمجھنا جائز ہے[3] گوشت کا صدقہ کرنا یا پکا کر کھلانا ہر جگہ ہو سکتا ہے اور ثواب پہنچ سکتا ہے قبرستان میں ذبح کرنے اور کھانے یا تقسیم کرنے کی تخصیص شریعت سے ثابت نہیں۔[4]
واللہ اعلم

(۱) مرض سے نجات کی غرض سے جانور ذبح کر کے صدقہ کرنا
(۲) جانور اس نیت سے ذبح کرنا کہ جان کا بدلہ جان ہو جائے کیسا ہے ؟

(سوال) (۱) مریض کی صحت کی نیت سے کوئی جانور ذبح کر کے صدقہ کیا جاوے تاکہ رب العزت مریض

---

(۱) درمختار کتاب الاضحیۃ ۶ / ۳۰۹ ط سعید (۲) وانما جاز لان الداخل تحت النذر ما ھو قربۃ وھو اصل التصدق دون اتلاف العین فبطل التعیین ولزمتہ القربۃ (رد المحتار ۵ / ۱۲۶ لم اجدہ فی الشامیۃ ط سعید) (۳) قال الطیبی وفیہ ان من اصر علی امر مندوب و جعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعۃ او منکر (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ۳ / ۳۱ ط کوئٹہ) (۴) وانما جاز لان الداخل تحت النذر ما ھو قربۃ وھو اصل التصدق دون اتلاف العین فبطل التعیین ولزمتہ القربۃ (لم اجدہ فی الشامیۃ ۱۲۶ ط سعید)

کو شفا عطا فرمائے تو یہ جانور ذبح کرنا درست ہے یا نہیں ؟
(۲) جانور اس نیت سے ذبح کیا جائے کہ جان کا بدلہ جان ہو جائے جانور کی جان چلی جائے اور انسان کی جان بچ جائے یعنی خداوند تعالیٰ جانور کی جان قبول فرما کر بندہ کی جان نہ لیں درست ہے یا نہیں ؟
(۳) جانور اس نیت سے پالا جائے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس کو قربان کیا جائے گا اور اس کو مشہور کیا جائے کہ یہ جانور نبی کریم ﷺ کی قربانی کا ہے درست ہے یا نہیں ؟
(۴) جانور اس نیت سے پالا جائے کہ کسی بزرگ یا ولی کی نیاز دلائی جاوے گی یعنی اس جانور کو ذبح کر کے اس کا ثواب اس ولی یا بزرگ کو پہنچایا جائے گا درست ہے یا نہیں ؟ **المستفتی نمبر ۲۴۹۳** عبدالحق (گوڑگانوہ) ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ ۱۱ مئی ۱۹۳۹ء۔

(جواب ۳۳۷) (۱) زندہ جانور صدقہ کردینا زیادہ بہتر ہے[1] شفائے مریض کی غرض سے ذبح کرنا اگر محض لوجہ اللہ ہو تو مباح تو ہے لیکن اصل مقصد بالاراقۃ صدقہ ہونا چاہئے نہ کہ فدیہ جان بجان۔
(۲) یہ خیال تو بے اصل ہے اباحت صرف اس خیال سے ہے کہ اللہ کے واسطے جان کی قربانی دی جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ جیسے صدقہ مالیہ اللہ کی رحمت کو متوجہ کرتا ہے اسی طرح یہ قربانی جالب رحمت ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مریض کو شفا عطا فرمائے۔[2]
(۳) حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کرنے کی نیت سے جانور پالنا درست ہے[3] اور اس شہرت سے اس کے جواز میں کوئی نقصان نہیں آتا۔
(۴) یہ بھی درست ہے مگر نمبر ۳ و ۴ میں عوام کی نیت اکثری طور پر یہ ہوتی ہے کہ جانور کی جان اس بزرگ کے تقرب حاصل کرنے کی جہت سے قربان کی جائے گی اور یہ نیت اس جانور کو **مااھل به لغير الله** میں داخل کردیتی ہے اور وہ حرام ہو جاتا ہے۔ **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ** ' دہلی۔

---

(۱) ولو تركت التضحية و مضت ايامها تصدق بها حية وفي الشامية (قوله تصدق بها حية) لوقوع اليأس عن التقرب بالاراقة وان تصدق بقيمتها اجزاء لان الواجب هنا التصدق بعينها وهذا مثله فيما هو المقصود (الدر المختار مع الرد: كتاب الاضحية ٦ / ٣٢٠ ط س)

(۲) عن انس قال قال رسول الله ﷺ ان الصدقة لتطفئ غضب الرب و تدفع ميتة السوء رواه الترمذي (مشكوة ١ / ١٦٨)

(۳) ذكر ابن حجر في الفتاوى الفقهية ان الحافظ ابن تيمية زعم منع اهداء ثواب القراءة للنبي ﷺ (الى قوله) و بالغ السبكي وغيره في الرد عليه بان مثل ذالك لا يحتاج لاذن خاص الا ترى ان ابن عمر كان يعتمر عنه ﷺ بعد موته من غير وصية (الى قوله) قلت وقول علمائنا له ان يجعل ثواب عمله لغيره يدخل فيه النبي ﷺ فانه احق بذالك حيث انقذنا من الضلالة ففي ذالك نوع شكر حسن له الخ (رد المحتار ٢ / ٢٤٤ ط سعيد)

فصل پنجم ذبح کرنے کا طریقہ

جانوروں کو زخمی کر کے ذبح کرنے کا حکم

(سوال) اس ملک افریقہ میں حکام کے حکم سے بیل وغیرہ مذبح میں بوقت ذبح پہلے پستول سے دماغ میں نشانہ لگا کر پھر ذبح کرتے ہیں اس طور پر ذبح کرنا نزدیک اہل اسلام درست ہے یا نہیں ؟ المستفتی محمد حسین پراچہ (نیروبی)

(جواب ۳۳۸) یہ طریقہ خلاف سنت اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہے اس میں جانور کے حرام ہو جانے کا ظن غالب ہے اور وہ یہ کہ اگر اس ضرب سے جانور کی ہلاکت متیقن ہو جائے تو پھر اس کے گلے پر چھری پھیرنا بیکار ہو گا اور جانور حرام ہو جائے گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' ۱۳۵۸ھ۔

جانور کو ذبح کرنے کی دو حالتیں ہیں

(سوال) سوال منقول نہیں۔ المستفتی نمبر ۲۳۰۔ ۷ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۴ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۳۹) (۱) حلال جانوروں کا تذکیہ دو قسم کا ہے ایک اضطراری دوسرا اختیاری' اضطراری تزکیہ یہ ہے کہ کسی دھار دار یا باریک نوکدار چیز سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر جانور کی جسم میں جس جگہ بھی ممکن ہو ضرب لگا کر خون بہادیا جائے یہ تذکیہ اس وقت مؤثر ہوتا ہے جب کہ جانور پر قابو پانا اور ذبح یا نحر کرنا ممکن نہ ہو اختیاری تذکیہ یہ ہے کہ جانور کو دھار دار چیز سے ذبح کیا جائے یا اونٹ کو نحر کیا جائے[2] (۲) ذبح کرنے سے دم سائل نکل جاتا ہے لیکن دم سائل کو نکالنا مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں اضطرار یا اختیار کے فرق سے مختلف طریقوں سے لازم ہے (۳) نمبر ایک میں جو تفصیل ہے وہ اضطراری اور اختیاری حالتوں کے ساتھ وابستہ ہے (۴) مردہ (حلال جانور) میں حرمت کی وجہ قرآن کا حکم حرمت علیکم المیتة[3] ہے اور اس کی حکمت دم مسفوح کا خارج نہ ہونا ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

جان نکلنے کے بعد جانور کی پوری کھال اتارنا جائز ہے

(سوال) اگر کسی شخص نے کسی حلال جانور کو گوشت بیچنے کی غرض سے یا کھال حاصل کرنے کی غرض سے

---

(۱) ذبح شاة مريضة فتحركت او خرج الدم حلت والا لا ان لم تدر حياته عند الذبح وان علم حياته حلت مطلقا وان لم تتحرك ولم يخرج الدم (الدرالمختار' كتاب الذبائح ۶/۳۰۸ ط س)

(۲) والاصل في هذا ان الزكاة على ضربين اختيارية واضطرارية و متى قدر على الاختيارية لا يحل له الزكاة الاضطرارية و متى عجز عنها حلت له الاضطرارية فالاختيارية ما بين اللبة واللحيين والاضطرارية الطعن والجرح وانهار الدم فى الصيد (الجوهرة النيرة' كتاب الصيد و الذبائح ۲/۲۳۷ ط مير محمد)

(۳) (المائدة ۳) (۴) وزكاة الضرورة جرح و طعن وانهار دم فى اى موضع وقع من البدن الخ (الدر المختار' كتاب الذبائح ۶/۲۹۴ ط سعيد)

ذبح کیا اور اس کی کھال سینگ کے حصہ تک (جس کو عرف میں چوٹی کہتے ہیں) نکال لی تو یہ شرعاً کسی بے رحمی میں تو شامل نہیں۔ المستفتی نمبر ۱۳۳۱ مولوی جمال الدین صاحب ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۴ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۳٤۰) جب جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے اور اس کا دم نکل جائے تو اس کی کھال نکالنا جائز ہے خواہ پوری کھال اتاری جائے یا ٹکڑے ٹکڑے اتاری جائے یا سینگوں تک کی کھال جسم کی کھال کے ساتھ شامل کرلی جائے یہ سب صورتیں جائز ہیں اور شریعت اسلامیہ میں اس کی اجازت ہے اس کو بے رحمی قرار دینا غیر معقول اور شریعت کے خلاف ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا حلقوم سے اوپر ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے؟

(سوال) ذبیحہ فوق العقدہ آیا حلال ہے یا حرام ہے اگر حرام ہے تو دلیل حرمت کی کیا ہے اور حدیث الزکوۃ ما بین اللبة واللحیین[2] کا کیا مطلب ہے اور امام رستغفنی کا قول جو بزازیہ والے نے نقل کیا ہے اس کا کیا جواب ہے اور وہ قول یہ ہے ان الامام الرستغفنی سئل عن ذبح شاة فبقیت عقدة الحلقوم ما یلی الصدر کان یجب ان تبقی مما یلی الراس اتؤکل ام لا قال تؤکل وما قیل انها لا تؤکل فذلك قول العوام من الناس وهذا لیس بمعتبر لان المعتبر عندنا قطع الاوداج وقد وجد الاتری الی قول محمد بن الحسن فی الجامع لا باس بالذبح فی الحلق کله وسطه واعلاه واسفله فاذا ذبح فی الا علی لا بد ان تبقی العقدة من تحت و کیف یصح هذا علی رای الامام وقد قال یکتفی بقطع الثلاث من الاربع ایا کانت و یجوز علی هذا ترك الحلقوم اصلا فبا لا ولی ان یحل اذا قطع قطع الحلقوم من اعلاه انتهی کلام البزازیة[3] المستفتی نمبر ۷۰۹ محمد امیر خان (ضلع ہزارہ) ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۳٤۱) ہاں یہی صحیح ہے کہ قطع اوداج حلت ذبیحہ کے لئے کافی ہے لحدیث اما تکون الحلق واللبة الخ[4] امام محمد کا قول لا باس بالذبح فی الحلق کله اوسطه واعلاه واسفله[5] اس کے لئے صریح دلیل ہے اور ہدایہ کی عبارت وهی اختیاریة کالجرح فیما بین اللبة واللحیین[6] اصرح ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) وکره کل تعذیب بلا فائدة مثل قطع الراس والسلخ قبل ان تبرد ای تسکن عن الاضطراب (الدرالمختار' کتاب الذبائح ۶/ ۲۹۶ ط سعید)
(۲)
(۳) (بزازیه علی هامش هندیة کتاب الذبائح ۶/ ۳۰۶ ط ماجدیه)
(٤) (ابو داؤد شریف' باب الذبیحة بالمتردیة ۲/ ۳٤ ط امدادیه)
(۵) (الجامع الصغیر للامام محمد بن حسن الشیبانی' کتاب الذبائح ص ٤۷۱ ادارة القرآن)
(٦) (هدایة اخیرین' کتاب الذبائح ٤/ ٤۳٤ ط سعید)

ذبح فوق العقدہ سے جانور حلال ہو گا یا نہیں ؟

(سوال) ذبیحہ فوق العقدہ حلال ہے یا حرام ؟ جو حضرات حرام کہتے ہیں اپنی دلیل میں حلقوم اور مری کا ثبت اور حال ربنا بیان کرتے ہیں حلت کے قائل حضرات اس بارے میں کیا دلیل لاتے ہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۱۹۸ شیخ محمد عبداللہ صاحب (مظفر گڑھ) ۲ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۴۲) موضع ذبح ما بین لبہ و لحیین ہے ہدایہ میں اسی لفظ سے اس کو تعبیر کیا ہے [1] پس اس میں راجح یہی ہے کہ فوق العقدہ و تحت العقدہ کی بحث فضول ہے کیونکہ فوق العقدہ واقع ہونے کی صورت میں بھی ما بین لبہ و لحیین ہی ذبح واقع ہوتا ہے اور انہار دم علی وجہ الکمال واقع ہوتا ہے۔ [2] واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی۔

قبلہ رخ لٹا کر ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے

(سوال) شخصے گائے را بہ قبلہ رخ بر پہلوئے راست داشتہ ذبح کرد اکنوں مردماں می گویند کہ ایں فعل و مذبوحہ حرام شدہ است و چند گویند مکروہ و چند گویند ایں فعل جائز شدہ است و مذبوحہ حلال است۔ المستفتی نمبر ۲۴۱۲ محمد علی صاحب (بریپال) ۷ رجب ۱۳۵۷ھ م ۱۳ ستمبر ۱۹۳۸ء

(ترجمہ) ایک شخص نے گائے کو قبلہ رخ سیدھی کروٹ پر رکھ کر ذبح کیا اب لوگ کہتے ہیں کہ یہ فعل بھی حرام ہوا اور ذبیحہ بھی حرام ہو گیا چند آدمی مکروہ کہتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ فعل بھی جائز ہے اور ذبیحہ بھی حلال ہے۔

(جواب ۳۴۳) مذبوحہ حلال است وجہ حرمت دریں یافتہ نمی شود البتہ مستحب ایں است کہ جانور را بر زانوئے راست قبلہ رخ غلطانیدہ پائے خود بر پہلوئے او داشتہ ذبح کند۔

(ترجمہ) یہ ذبیحہ حلال ہے اس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی البتہ مستحب یہ ہے کہ جانور کو سیدھی کروٹ پر قبلہ رخ لٹا کر اس کے اوپر اپنا پاؤں رکھ کر ذبح کرے۔ [3] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

(۱) جانور کو حلقوم سے اوپر ذبح کرنا
(۲) ذبح کی جگہ معلوم کرنے کے لئے آدھے سر کی شکل بنانا

(سوال) (۱) ذبح فوق العقدہ میں آنجناب کا کیا فتویٰ ہے ؟ آیا حلال ہے یا نہیں ؟

---

(۱) وهي اختيارية كالجرح فيما بين اللبة واللحيين (هداية اخيرين كتاب الذبائح ٤ / ٤٣٤ ط شركة علمية)

(۲) وذكاة الاختيار ذبح بين الحلق واللبة و عروقه الحلقوم كله وسطه لو اعلاه لو اسفله وهو مجرى النفس وفي الشامية قال في الهداية وفي الجامع الصغير لا باس بالذبح في الحلق كله و سطه واعلاه واسفله والا صل فيه قوله عليه الصلاة والسلام الزكاة ما بين اللبة واللحيين ولانه مجمع العروق فيحصل بالفعل فيه انهار الدم على ابلغ الوجود فكان حكم الكل سواء (الدر المختار كتاب الذبائح ٦ / ٢٩٤ ط سعيد)

(۳) عن انس ان النبي ﷺ ضحى بكبشين اقرنين املحين يذبح و يكبر و يسمي و يضع رجله على صفحتهما (ابو داؤد شريف ۲ / ۳۰ ط امداديه ملتان)

(۲) رسالۃ الذبح فوق العقدہ کے اندر افہام و تفہیم کے لئے آدھے سر کی شکل بنانا جو طول درمیان سے کاٹا ہوا ہو جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۴٤) (۱) ذبح فوق العقدہ واقع ہو جائے تو مذبوح حرام نہیں کیونکہ محل ذبح مابین اللبہ واللحیین ہے اور اس میں ذبح واقع ہونے سے مقصود ذبح یعنی دم سائل کا خروج اور ازہاق روح حاصل ہو جاتا ہے بنا بریں قول راجح اور قوی ہے۔[1]

(۲) سر کی آدھی صورت بنانا اس غرض سے مباح ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

جانور کو ذبح کرتے وقت غیر ضروری تکلیف سے بچانا ضروری ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) قربانی کا جانور ایسی جگہ ذبح کرنا جہاں مویشی باندھے جاتے ہوں اور گوبر وغیرہ وہاں ہمیشہ پڑے رہنے کی وجہ سے پلیدی جمع ہوئی ہو اور جگہ بھی اونچی نیچی ایسی ہو کہ جانور کو تکلیف پہنچے کیسا ہے؟

(جواب ۳۴۵) قربانی کے جانور کو ایسی طرح ذبح کرنا چاہئیے کہ اسے غیر ضروری تکلیف اور ایذا نہ ہو حدیث میں ہے ولیحد احدکم شفرته ولیرح ذبیحته[3] کوئی ایسی حرکت جو جانور کو غیر ضروری ایذا پہنچائے مکروہ ہے۔[4] جگہ بھی پاک ہونی چاہئیے ناپاک اور پلید جگہ پر ذبح کرنا بہتر نہیں۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ،

بے ہوش کر کے ذبح کئے ہوئے جانور کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) ایک جانور کو کسی آلہ سے بے ہوش کیا جائے اور پھر ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت حلال ہے یا نہیں؟ بے ہوش کرنے کے لئے ایک زیور دال میں ایک گولا ہوتا ہے وہ جانور کے سر میں خاص جگہ لگتا ہے جس سے بے ہوش ہو جاتا ہے۔

(جواب ۳٤٦) اگر یہ آلہ جو سر پر مار کر بے ہوش کیا جاتا ہے صرف بے ہوشی پیدا کرتا ہے ازہاق روح یعنی جانور کی جان نکالنے میں اس کو کوئی دخل نہیں ہے تو اس آلہ سے بے ہوش کرنے کے بعد جو جانور ذبح کیا جائے وہ حلال ہے۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص گزشتہ)
(۲) مالا یبقی الحی بدونہ حیا فی صورت بنانا مباح ہے او کانت صغیرۃ او مقطوعۃ الراس او الوجہ او عضو لا تعیش بدونہ او لغیر ذی روح لا یکرہ لانہا لا تعبد (ردالمحتار ۱/ ٤٣٦ ب)
(۳) (ابو داؤد شریف ۲/ ۳۳ ط امدادیہ ملتان)
(٤) وکرہ کل تعذیب بلا فائدۃ مثل قطع الراس والسلخ قبل ان تبرد ای تسکن عن الاضطراب (درمختار کتاب الذبائح ٦/ ٢٩٦ ط سعید) (۵) ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت وخرج الدم حلت والا لا ان لم تدر حیاتہ عند الذبح وان علم حیاتہ حلت وان لم تتحرک ولم یخرج الدم (درمختار کتاب الذبائح ٦/ ٣٠٨ ط سعید)

فصل ششم غیر مسلم سے گوشت خریدنا

مسلمانوں کا ذبح کیا ہوا گوشت ہندوؤں سے خریدنا کیسا ہے ؟

(سوال) بعض مقامات میں ہندو کھٹیک گوشت فروخت کرتے ہیں اور مسلمان سے ذبح کراتے ہیں اس کا کیا حکم ہے ؟ ایک فتویٰ مطبوعہ نظر سے گزرا تھا اس میں حرام بتلایا تھا اور لکھا تھا کہ جب مسلمان کی نگاہ سے غائب ہو جائے تو اس کا کھانا حرام ہے ۔ اس وقت وہ فتویٰ دستیاب نہیں ہوا۔ المستفتی نمبر ۲۵۱ حاجی متین احمد ابن حاجی رشید احمد کشمیری دروازہ دہلی' ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۲۱ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۴۷) جن مقامات میں مذبح مقرر ہے اور اس میں مسلمان ذابح متعین ہیں اور مذبح کے علاوہ دوسری جگہ جانور ذبح کرنا جرم ہے ایسے مقامات میں اس امر کا ظن غالب موجود ہے کہ بازار میں فروخت ہونے والا گوشت مسلمان کا ہی ذبح کیا ہوا ہے اور اس ظن غالب کی بنا پر اسے خریدنا اور استعمال کرنا جائز ہے[1] وہ فتویٰ جس کا سوال میں ذکر ہے ان مقامات کے متعلق ہے جہاں مذبح مقرر نہیں اور ذبح اور ذابح پر کوئی پابندی نہیں ہے وہاں کے ذبح کرنے کے بعد مسلمان کی نظر سے غائب نہ ہونے تک ہندو سے خریدنا جائز ہو گا اور نظر سے غائب ہو جانے کے بعد اس کا اطمینان نہیں کہ یہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے یا نہیں اس لئے خریدنا ناجائز ہو گا۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ہندوؤں سے گوشت خریدنے کا حکم

(سوال) ہندو کھٹیک گوشت فروخت کرتے ہیں اور وہی لوگ مردار چمڑا بھی رنگتے ہیں پانی اور کپڑا بھی اپنا استعمال کرتے ہیں اور گھروں میں حلال کرتے ہیں اور اس چھری سے مردار کھال بھی کاٹتے ہیں مسلمانوں کو ان لوگوں کے ہاں سے گوشت خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۶۸۷ نور بخش (جھجر ضلع روہتک) ۲۰ رمضان ۱۳۵۴ھ م ۱۷ دسمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۴۸) جس مقام پر مسلخ یعنی مذبح نہیں ہے اور گھروں میں جانور ذبح کرنے پر کوئی پابندی قانونی نہیں ہے تو ایسے مقام پر غیر مسلم سے گوشت خریدنا جائز نہیں بلکہ مسلمان ذابح کا ذبح کیا ہوا گوشت بھی غیر مسلم سے اس وقت خریدنا جائز ہے کہ ذبح کے وقت سے خریدنے کے وقت تک مسلمان کی نظر سے غائب نہ

---

(۱) عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشةؓ انهم قالوا يا رسول الله ان قوماً حديثو عهد بجاهلية يا توننا بلحمان لا ندري اذكر او اسم الله ام لم يذكر وانانا كل منها فقال رسول الله ﷺ سموا الله وكلوا الحديث (ابو داؤد ۲/۳۵ ط امدادية)

(۲) من اشترى لحماً فعلم انه مجوسي واراد الرد فقال ذبحه مسلم يكره اكله و مفاده ان مجرد كون البائع مجوسياً يثبت الحرمة فانه بعد اخباره بالحل بقوله ذبحه مسلم كره اكله فكيف بدونه (درمختار' كتاب الحظر والا باحة ۶/۳۴۴ ط سعيد)

نہ ہو۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

غیر مسلم سے منگوائے ہوئے گوشت کا حکم

(سوال) اگر غیر مسلم سے گوشت منگایا جائے تو وہ گوشت قابل اعتبار سمجھا جائے گا یا نہیں یعنی اس کے کھانے میں کوئی حرج تو نہیں؟ المستفتی نمبر ۷۲۳ مولانا حکیم محمد عبدالوہاب انصاری ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۷ افروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۴۹) اس مسئلے میں غالب ظن کا اعتبار ہے اگر غالب ظن یہ ہو کہ غیر مسلم مسلمان سے ہی حلال گوشت لایا ہے تو کھانے میں مضائقہ نہیں مگر احتیاط یہی ہے کہ مسلم کے ذریعے سے منگایا جائے۔[1]
فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

ذابح مسلمان اور بیچنے والا ہندو ہو تو گوشت کا کیا حکم ہے؟

(اخبار الجمعیة مورخہ ۶ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) (۱) ہندو دکاندار بکری کا گوشت بیچتا ہے اور وہ گوشت گھنٹوں نگاہوں سے مسلمانوں کی او جھل رہتا ہے لیکن اس کا اطمینان ہے کہ یہ گوشت مسلمان کے ذبح کئے ہوئے بکرے کا ہے اس ہندو سے گوشت خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مچھلی مردہ ہندو دکاندار سے خرید کر کھانا کیسا ہے؟ جس کے متعلق یہ اطمینان ہے کہ یہ پکڑنے کے بعد ہی مری ہے یا لکڑی یا گولی سے ماری گئی ہے۔

(جواب ۳۵۰) (۱) جب کہ گمان غالب اس بات کا ہو کہ ذبیحہ مسلمان کا ہی ہے اور غیر مسلم کو ذبح کرنا قانوناً ناجائز ہو اور ذابح صرف مسلمان مقرر ہو تو ایسے گمان غالب کی صورت میں غیر مسلم بیچنے والے سے گوشت خرید لینا جائز ہے۔[۲]

(۲) مچھلی ہندو یا کسی اور غیر مسلم کے پاس سے بہر صورت خریدنی جائز ہے۔[۳] محمد کفایت اللہ غفر لہ

فصل ہفتم مسلمان کا ذبیحہ

(۱) مسلمان قصاب کے ذبیحہ کا حکم
(۲) بلا تحقیق مسلمان قصاب کے ذبیحہ کو حرام کہنا جائز نہیں

(سوال) (۱) ایک مسلمان قصاب نے ایک حلال جانور بکری یا گائے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا تو وہ ذبیحہ

(۱-۲) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ صفحہ گزشتہ)
(۳) کیونکہ مچھلی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ در مختار میں ہے: السمك والجراد فيحلان بلا ذكاة (كتاب الذبائح ۲۹۴/۶ ط سعید)

ذبیحہ حلال ہے یا حرام (۲) کوئی ملا آدمی قصاب کے ذبیحہ کو حرام قرار دے اور ذبح کرنے والے قصاب کو اس ذبیحہ کے باعث جماعت سے علیحدہ کرادے حتی کہ ان کے میل ملت والوں کی میت کو قبرستان میں جو وقف عام ہے دفن تک نہ ہونے دے اور قبرستان کا خادم قبرستان کو اپنی ملکیت جتاکر میت کو دفن نہ ہونے دے تو کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۳۶۸ مطیع فیض گنجور (پونا) ۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۸ جولائی ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۵۱) (۱) قوم قصاب کے کسی شخص کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام نہیں ہے کیونکہ قصاب بھی مسلمان ہیں اور مسلمان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے[1] (۲) کسی ملا کا اس ذبیحہ کو حرام قرار دینا غلط ہے جو اپنے ہاتھ سے قصاب نے بقاعدہ شرعیہ کیا ہے اور احکام شریعت سے لاعلمی یا ضد و نفسانیت پر مبنی ہے اور اس بنا پر قصاب کو جماعت سے علیحدہ کر دینا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دینا سخت گناہ اور ظلم ہے اور عام وقف قبرستان کو اپنی ملک بتانا جھوٹ اور فسق اور ظلم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بد مزاج وبد زبان قصاب کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

(سوال) قصاب مسلمان ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے تین دو کانوں پر گوشت کی خرید و فروخت اسی کی ہے اور بکرے بھی ذبح کرتا ہے بعض مسلمان دوستی کے باعث اس کی ذبح چاہتے ہیں اور نصف سے زائد نفرت کرتے ہیں اور قصاب بد مزاج اور بد زبان ہے کیا ایسی صورت میں اس کا ذبیحہ شرعاً درست ہے؟ المستفتی نمبر ۱۸۹۲ شیخ محمد حسین صاحب (راجپوتانہ) ۷ شعبان ۱۳۵۶ھ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۵۲) ذبیحہ ہر مسلمان کا حلال ہے بد مزاجی وبد زبانی سے ذبیحہ کی حلت میں کوئی فرق نہیں آتا۔[1]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ذابح مسلمان اور معین ہندو ہو تو ذبیحہ کا حکم

(سوال) جنگل میں مسلمان شکاری نے ہرن یا نیل گائے وغیرہ کا شکار کیا اکیلے شکاری کے قابو میں شکار نہیں آتا کہ ذبح کرے وہاں کسی ہندو سے امداد لی گئی جو کافر ہے المستفتی نمبر ۱۹۱۵ ملا عبدالغنی صاحب پراگپورہ (جے پور) ۱۸ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۵۳) ہندو نے جانور کے پکڑنے اور قابو کرنے میں امداد دی اور ذبح مسلمان نے کیا تو اس میں کوئی خرابی نہیں مذبوحہ شکار حلال ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) وشرط کون الذابح مسلما حلالا خارج الحرم ان کان صیدا او کتابیا ذمیا او حربیا (درمختار کتاب الذبائح ۲۹۷/۶ ط سعید)

(۲ - ۳) (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۱ صفحہ ہذا)

نشہ کرنے والے کے ذبیحہ کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۶ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) ذبیحہ کرنے والا پابند صوم و صلوٰۃ نہیں ہے اور نشہ بھی کرتا ہے اور طاہر بھی نہیں رہتا اور قصاب روزانہ اس سے ذبح کراتے ہیں اس کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۵۴) ذبیحہ کے جواز کے لئے ذابح کا مسلمان ہونا کافی ہے۔[1] بشرطیکہ ذبح کے وقت قصداً تسمیہ کو ترک نہ کرے۔[2] محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

نابینے کے ذبیحہ کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید نابینا ہے اور جانوروں کو ذبح کرنے کا پیشہ کرتا ہے اس کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۵۵) ذبح کی حلت کے لئے ذبح کرنے والے کا بینا ہونا شرط نہیں نابینا کا ذبیحہ بھی حلال ہے اگرچہ بہتر یہ ہے کہ آنکھوں والے سے ذبح کرایا جائے تاکہ وہ ذبح کے کمال و نقصان کو دیکھ کر معلوم کر سکے تاہم نابینا کا ذبیحہ حرام نہیں ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

زانیہ عورت کے خاوند کا ذبیحہ حلال ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۲۸ء)

(سوال) ایک شخص کی عورت غیر مرد سے کھلم کھلا زنا کراتی ہے اور خاوند کو اس کا خوب اچھی طرح علم ہے کیا ایسے شخص کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز ہے ؟

(جواب ۳۵۶) وہ شخص اپنی زوجہ کو اس فعل شنیع سے منع کرتا ہو یا نہ کرتا ہو دونوں صورتوں میں اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے۔[4] محمد کفایت اللہ غفرلہ'

فصل ہشتم تکبیر ذبح

ذبح کرتے وقت صرف بسم اللہ پڑھنے کی کیا وجہ ہے ؟

(سوال) ذبح کرتے وقت صرف بسم اللہ کیوں پڑھی جاتی ہے تمام بسم اللہ کیوں نہ پڑھی جائے۔ المستفتی

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر (۲-۳) صفحہ گزشتہ)
(۲) لا تحل ذبیحۃ غیر کتابی من وثنی و مجوسی و مرتد و تارك التسمیۃ عمدا الخ (ردالمحتار کتاب الذبائح ۶:۲۹۸ ط سعید)
(۳-۴) (ایضاً بحوالہ نمبر ۱ صفحہ گزشتہ)

نمبر ۸۳۱ محمد انور (ضلع جالندھر) ۱۳ محرم ۱۳۵۵ھ ۶ اپریل ۱۹۳۶ء
(جواب ۳۵۷) ذبح کرتے وقت صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہنا چاہئے[1] اور کھانا کھاتے وقت پوری بسم اللہ پڑھی جائے ۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل نہم گیابھن کا ذبیحہ

حاملہ بھیڑوں کو ذبح کرنے کا حکم

(سوال) میں نے اخبار مجاہد اور اخبار شمس ملتان میں حاملہ بھیڑوں اور ان کے چھوٹے بچوں کے متعلق مضمون شائع کرائے تھے کہ ہندوستان میں عموماً اور پنجاب میں خصوصاً روزانہ لاکھوں کی تعداد میں حاملہ بھیڑوں کو ذبح کر کے ان سے جو بچے پیدا ہوں ان کی کھالیں اتار لی جاتی ہیں اور ان کھالوں کو ہندوستان کے باہر فروخت کیا جاتا ہے یہ سب کچھ محض دنیاوی مفاد کی خاطر کیا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کھالوں کی تجارت سے بڑا فائدہ ہوتا ہے اتنی رقم بڑی بھیڑ یا بکری کی نہیں ملتی جتنی کہ ان کے بچوں کی کھالوں کی ملتی ہے جناب والا کی خدمت اقدس میں التماس ہے کہ آپ شرعی فتویٰ مع دلیل بلا کسی کے لحاظ کے ارشاد فرمادیں۔المستفتی نمبر ۸۶۵ غلام محمد خاں (ملتان) ۲۲ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء
(جواب ۳۵۸) میں پہلے فتوے کا جواب ارسال خدمت کر چکا ہوں تعجب ہے کہ آپ کو کیوں نہیں پہنچا اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حاملہ جانور کو ذبح کرنا مکروہ ہے کراہت کی تو فقہانے بھی تصریح کی ہے[3] لیکن جب کہ اس کو بطور کاروبار کے اختیار کر لیا جائے اور حاملہ جانوروں کو ذبح کرنے کی اس قدرت کثرت ہو جائے کہ انقطاع نسل کا خوف غالب ہو تو پھر یہ فعل حرام ہو جائے گا اور اس کے انسداد کے لئے موثر تدبیر اختیار کرنا لازم ہوگا ذبح کرنے والوں کے شخصی فائدہ سے عمومی نقصان کا لحاظ قطعاً مقدم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (شائع شدہ اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ یکم مئی ۱۹۳۶ء)۔

بچہ کا چمڑا حاصل کرنے کے لئے حاملہ بھیڑ کو ذبح کرنا

(سوال) قصابان میں عموماً یہ مسئلہ جائز کر لیا گیا ہے کہ بھیڑ حاملہ کو اس نیت سے خرید تے ہیں کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کا چمڑا قیمتی ہوتا ہے صرف بچہ کا چمڑا نکالنے کی غرض سے بھیڑ کو ذبح کرتے ہیں اگر چہ

---

(۱) (ایضا بحوالہ صفحہ گزشتہ حاشیہ نمبر ۳-٤)
(۲) والمستحب ان یقول بسم الله الله اکبر بلا واو وکرہ بها لانه یقطع فور التسمیة (درمختار' کتاب الحظر والاباحة ٣٤/٦ ط سعید)
(۳) شاة او بقرة اشرفت علی الولادة قالوا یکرہ ذبحها لان فیه تضییع الولد وهذا قول ابی حنیفة عند الجنین لا تزکی بذکاة الام کذافی فتاوی قاضی خان (عالمگیریة' کتاب الذبائح ٢٨٧/٥ ط ماجدیه)

زندہ ہوتا ہے تو اس کو بھی ذبح کر لیتے ہیں اور اگر بچہ مردہ نکلتا ہے تو بھی اس کا چمڑا نکال لیتے ہیں اور پھر ذبیحہ کا گوشت یا تو فروخت کر دیتے ہیں اگر فروخت نہیں ہوتا ہے تو اس گوشت کو پھینک دیتے ہیں مگر اکثر پھینکتے ہی ہیں بعض علماء ایسے ذبیحہ اور اس پیشہ کو جائز کہتے ہیں اور بعض علماء حرام بتلاتے ہیں بروئے شرع شریف جواب سے جلد مشکور فرمایا جائے۔ فقط المستفتی نمبر ۱۰۶۰ حاجی عبدالعظیم صاحب (ریاست جے پور) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۸ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵۹) یہ فعل اور پیشہ حرام تو نہیں مگر گوشت کو پھینک دینا مال کو ضائع کرنے کی وجہ سے ناجائز ہوتا ہے[1] دوسرے اس پیشہ سے انقطاع نسل کا اندیشہ ہے اس لئے اس کا انسداد واجب ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

فصل دہم کچا گوشت کھانا

حلق میں ذبح کی جگہ کونسی ہے؟

کچا گوشت کھانا کیسا ہے؟

(سوال) حلق میں مقام ذبح کون سا ہے؟ کچا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۶۰) ذبح فوق العقدہ واقع ہو جائے تو ذبیحہ حرام نہیں ہوتا الزکوۃ بین اللبۃ واللحیین[3] اور امام محمدؒ کا قول جامع صغیر میں کہ تمام حلق محل ذبح ہے[4] کافی ہے امام رستغفنی کا قول راجح ہے[5] اراقہ دم ہو جانا حلت کی علت ہے اور ذکوۃ اضطراری میں اسالہ دم کو حلت کے لئے کافی قرار دیا جانا مؤید ہے۔[6] گوشت کچا کھانا جائز ہے پکانا حلت کی شرط نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

خصیے، حرام مغز اور گردے کھانے کا حکم!

(سوال) بکرے کے خصیے، حرام مغز اور گردے کھانے جائز ہیں یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۱۴ ابو محمد رشید خاں دہلی ۲۶ رجب ۱۳۵۲ھ ۲ انومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۶۱) کپورے کھانا مکروہ ہے۔ گردے جائز ہیں۔ حرام مغز نہ حرام ہے نہ مکروہ۔ یونہی پچاروید نام

---

(۱) لما ورد في الحديث عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ ان الله حرم عليكم عقوق الامهات ووأد البنات ومنع وهات وكره لكم قيل وقال وكثرة السوال واضاعة المال (متفق عليه كذافي المشكوة ۲ / ۴۱۹ ط سعيد)

(۲) (ايضا بحواله سابقه جواب ۳۵۸)

(۳) (هدايه اخيرين كتاب الذبائح ۴ / ۴۳۴ ط شركة علميه)

(۴) قال الامام محمد : لا باس بالذبح في الحلق كله وسطه واعلاه واسفله (الجامع الصغير ص ۴۹۷ ادارة القرآن)

(۵) ان الامام الرستغفني سئل عن ذبح شاة فبقيت عقدة الحلقوم مما يلي الصدر كان يجب ان يبقى مما يلي الراس اتوكل ام لا قال توكل (عالمگيريه كتاب الذبائح ۶ / ۳۰۶ ط ماجديه)

(۶) ولا ضطرارية الطعن والجرح وانهار الدم في الصيد (جوهرة النيرة ۲ / ۲۳۷)

ہو گیا۔[1] محمد کفایت اللہ

عضو تناسل، اوجھڑی اور آنت کھانے کا حکم

(سوال) بکرے اور بیل بھینسے ذبح شدہ کے فوطے، عضو تناسل، آنت اور اوجھڑی کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۰۴۲ حافظ اکرام الدین ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۷ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۶۲) مذبوحہ جانور کے خصیے اور عضو تناسل کھانا مکروہ تحریمی ہے۔[2] اوجھڑی بلا کراہت حلال ہے۔[3] محمد کفایت اللہ

سری اور پائے کھانے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۶ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) گائے یا بھینس ذبیحہ کے پائے (جن کو پک جانے پر نہاری کہتے ہیں) ان کی کھال اور بکرے کے سر کی کھال (پک جانے پر جس کو سری کہتے ہیں) صرف بال جلا کر عام طور پر پکائے جاتے ہیں اور کھائے جاتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟

(جواب ۳۶۳) سری اور پایوں کا مع کھال کے پکانا اور کھانا جائز ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) امداد المفتین میں ہے [illegible] کما ثبت فی الطحطاوی تحت قول الدر (والدم المسفوح) و زید نخاع الصلب (حاشیة الطحطاوی علی الدر ٤ / ٣٦٠ ط بیروت)

(۲) (و کرہ تحریما و قیل تنزیہا و الاول اوجہ من الشاة سبع الحیاء والخصیة والغدة والمثانة والمرارة والدم المسفوح والذکر للاثر الوارد فی کراهة ذلك (درمختار ٦ / ٧٤٩ ط سعید)

(۳) ان تینوں کا بیان سات اشیاء میں سے نہیں ہے جن کا کھانا مکروہ ہے۔

(٤) الراس والا کارع لحم فی یمین الاکل و فی الشامیة : قلت و لعل وجهه ان الراس والا کارع مشتملة علی اللحم وغیرہ (الدر المختار کتاب الیمین ٣ / ٧٧٣ ط سعید)

کتاب الفرائض

پہلا باب
میراث کے احکام

فصل اول تشریحات و تفریعات

کیا خدمت کے عوض قاضی کو ملنے والی زمین میں وراثت جاری ہو گی ؟

(سوال) قاضی محمد صادق ' قاضی محمد مراد ' قاضی محمد اعظم ' قاضی غلام ' قاضی محمد اسلم ' قاضی محمد ہاشم ' قاضی محمد حسن ' قاضی محمد اسماعیل۔

پرگنہ کامرتج علاقہ سورت کی خدمت قضا شاہان اسلام کے زمانے میں قاضی محمد صادق کو سپرد کی گئی تھی ان کے بعد یکے بعد دیگرے مندرجہ بالا سلسلے کے موافق قاضی ہوتے رہے قاضی محمد صادق کو صلہ خدمت قضا میں کچھ زمینیں دی گئی تھیں اور وہ سلسلے وار ہر مابعد کے قاضی کو ملتی رہیں قاضی محمد محسن نمبر سات کے انتقال کے بعد ان کی نرینہ اولاد نہ تھی صرف تین لڑکیاں تھیں رسول بو' حفصہ بی بی' خدیجہ بی بی رسول بو کا لڑکا محمد اسماعیل تھا جو قاضی محمد محسن کا نواسہ ہوا گورنمنٹ گائیکواڑ نے بعد تحقیق قاضی محمد اسماعیل کے متعلق خدمت قضا جاری رکھی اور تمام زمینیں قاضی محمد اسماعیل کے نام بطور انعام حق مالکانہ عطا کردیں ہر قطعہ زمین کے متعلق ایسی سندیں دی گئی ہیں قاضی محمد اسمعیل خود بھی خدمت قضا ادا کرتے رہے اور ان کے بعد ان کی اولاد ادا کرتی ہے اب قاضی محمد اسمعیل کی اولاد نے ان زمینوں کو فروخت کرکے آپس میں روپیہ تقسیم کرلیا ہے یہ دیکھ کر قاضی محمد حسن نمبرے کی ایک لڑکی خدیجہ جو زندہ ہے دعویٰ کرتی ہے کہ اس زمین میں ایک تہائی میرا حق ہے نیز قاضی محمد ہاشم کی نواسیاں بھی دعویٰ کرنے والی ہیں کہ قاضی محمد محسن سے پہلے یہ زمین قاضی محمد ہاشم کے نام تھی اس لئے ہمارا بھی حق ہے سوال یہ ہے کہ کیا قاضی محمد ہاشم یا قاضی محمد محسن کے یا اور کسی قاضی سابق کے وارثوں کا ان زمینوں میں کوئی حق ہے ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۳۶٤) صورت مرقومہ میں اراضی مذکورہ کا قاضیوں کے نام منتقل ہوتے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عطیہ بشرط خدمت تھا اور جو عطیہ بشرط خدمت ہو وہ اسی شخص پر منتقل ہوتا ہے جو خدمت انجام دے اس میں میراث جاری نہیں ہوتی مثلاً قاضی محمد صادق کے بعد ان کے تمام وارثوں پر تقسیم نہ ہوگا بلکہ قاضی محمد مراد کے نام منتقل ہونا اس کی دلیل ہے کہ قاضی محمد صادق کو اس زمین کا مالک نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ خدمت قضا کا صلہ تھا اور جبکہ ان کے بعد قاضی محمد مراد نے خدمت قضا انجام دی تو زمین ان کے نام منتقل ہو گئی اسی طرح قاضی محمد محسن تک نقل ہوتی چلی آئی پس قاضی محمد ہاشم یا کسی قاضی سابق کے

وارثوں کا اس زمین میں کوئی حق نہیں قاضی محمد محسن کے بعد چونکہ قاضی محمد اسماعیل کے ذمہ خدمت قضا مقرر ہوئی لہذا وہ زمینیں قاضی محمد اسمٰعیل کی طرف بجاطور پر منتقل ہوئیں اور قاضی محمد محسن کے وارثوں کا ان میں کوئی حق نہیں اس کے بعد اگر گورنمنٹ گائیکواڑ نے قاضی محمد اسماعیل کے نام وہ زمینیں بحق مالکانہ بطور انعام کے کردیں جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو قاضی محمد اسماعیل کے وارثوں پر بقاعدہ میراث تقسیم ہوں گی اور ان کے وارث اگر بیع کردیں تو ان کی بیع جائز ہے دلائل یہ ہیں۔قال الشامی فی رد المحتار من کتاب الفرائض تحت قوله (والمستحقون للتركة عشرة اصناف) تنبيه قيل بالتركة لان الارث يجرى فى اعيان المالية اما الحقوق فمنها ما يورث كحق حبس المبيع و حبس الرهن و منها ما لا يورث كحق الشفعة و خيار الشرط (الى ان قال) والولايات والعوارى والو دائع اه ملخصا من الاشباه و شرحها لشيخنا العلامة العلى[1] احقر کہتا ہے کہ نسخہ میں ردالمحتار کے الولایات ہے اور ایسا ہی اتحاف الابصار والبصائر فی تبویب الاشباہ والنظائر مطبوعہ مصر کی کتاب الفرائض میں ہے لیکن نسخہ الاشباہ والنظائر مطبوعہ ہند میں اس کے بجائے الوکالات ہے لیکن راجح نسخہ مصری ہے وکیف کان جواب مسئلہ کا وہی ہے جو صدر میں مذکور ہے قال فى الفتاوى الا سعدية لمفتى المدينة المنورة من باب القراغات و التقريرات والمباشرات والو ظيفات قال علماؤنا الحظائف لا تورث وانما يقرر ها ولى التقرير ا ه واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

الجواب صحیح 'عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند۔الجواب صحیح محمد اعزاز علی غفرلہ' ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۳۴۳ھ۔محمد انور عفا اللہ عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند۔الجواب صواب سید محمد ادریس عفا اللہ عنہ' محمد شفیع عفا اللہ عنہ 'ادریس کاندھلوی غفرلہ۔

تحریری طلاق زوجہ تک پہنچنے سے قبل شوہر فوت ہو تو
عورت میراث میں شریک ہوگی یا نہیں؟

(سوال) زید نے اپنے مرض الموت (دق وسل) میں نکاح کیا اور تین ماہ بعد اس نے اپنی زوجہ منکوحہ کو تحریری طلاق اپنے مرنے کے ۲۴ گھنٹے قبل دی جو کہ زوجہ تک نہ پہنچی دریافت طلب یہ امر ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور مطلقہ ترکہ کی مستحق ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۶۲) اگر زوجین کے درمیان وطی یا خلوت کا اتفاق ہوچکا ہے تو بیوی کو حصہ میراث ملے گا کیونکہ خاوند کا انتقال عدت کے اندر ہوگیا[2] لیکن اگر وطی یا خلوت کی نوبت نہیں آئی تھی تو عورت کو میراث نہ ملے گی۔[3] یہ حکم اس وقت ہے کہ زوج نے تحریری طلاق اپنی خوشی سے بغیر جبر واکراہ بطور تنجیز

---

(۱) (درمختار' کتاب الفرائض ۶ /۷۷۲ ط سعید)

(۲) (وهو كذالك) بذالك الحال(و مات بذالك السبب) موته (او بغيره) كان يقتل المريض او يموت بجهة اخرى فى العدة للمدخوله ورثت هى منه (الدرالمختار على هامش رد المحتار ۳ / ۳۸۷ ط سعيد)

(۳)تحت قول الدر للمدخولة اى المدخول بها حقيقة اعنى الموطوئة لىخرج المختلى بها فانها وان وجب عليها العدة لكنها لا ترث كما مر فى باب المهر (رد المحتار' باب طلاق المريض ۳ /۳۸۷ ط سعيد)

کے وقوع کی ہو تو حکم طلاق عورت تک خبر طلاق یا تحریر طلاق پہنچنے پر معلق نہ ہو اور تحریر کے وقت اس کے ہوش و حواس بھی درست ہوں۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

وظیفہ میں ملنے والی زمین مالک ہی کی ہوگی وارثوں کو اس میں کوئی حق نہیں

(سوال) ایک شخص کو جاگیر زمین بطور وظیفہ شاہان مغلیہ ہندوستان ملا تھا اس وظیفہ کے دستاویز میں یہ شرط لگائی ہے کہ زمین مذکور کا نفع وہ شخص مذکور اور اس کے ورثاو توابعین کھائیں اور وظیفہ کا نفع شخص مذکور مطابق دستاویز کے کھاتا رہا بعد یہ شخص مذکور کا انتقال ہو گیا اور شخص مذکور نے اپنے پیچھے ورثا میں تین لڑکیاں اور ایک ہمشیرہ چھوٹی اور ایک بھائی لیکن گم ہو گیا ہے اس کا اب تک پتہ نہیں قریب چالیس پچاس سال ہوئے اب مرور زمانہ کے سبب مذکور زمین والا ملک ہندو راجہ کے قبضہ میں آ گیا اس نے ڈھونڈورا پٹوایا کہ جس جس شخص کی جائیداد زمین وغیرہ ہو وہ اپنی دستاویز رجوع کر کے مطابق قانون ریاست کے اپنے نام پر کرا لے اب شخص مذکور کی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کا ایک بڑا لڑکا تھا وہ مذکور ریاست کی عدالت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ میں مذکور شخص وظیفہ دار کا نواسہ ہوتا ہوں اور مذکور شخص وظیفہ دار نے مجھ کو ان کی اولاد میں کوئی وارث نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے لے پالک متبنیٰ (وتک) بنایا ہے۔ میرے سوا اور کوئی بھی وارث نہیں ہو سکتا اس واسطے مذکور شخص کی جائیداد زمین وظیفہ میرے نام پر ہونی چاہئے (مذکور ریاست نے جتنے شاہی اور اپنی ریاست کے وظیفے تھے ان کے لئے ایک دارالانعام مقرر کیا) ریاست مذکور نے بعد تصدیق کے مذکور شخص کی زمین مذکور لڑکے کے نام پر اپنی ریاست کے قانون کے مطابق لے پالک ہونے کی حیثیت سے کر دی اب یہ لڑکا بھی اپنے نانا شخص مذکور کے مطابق مذکور زمین کا نفع آپ بھی لیتا رہا اور اپنے نانا کے ورثاو توابعین پر بھی تقسیم کرتا رہا اپنی حین حیات تک اب یہ مذکور لڑکا بھی انتقال کر گیا اس کے بڑے لڑکے کے نام پر یہ مذکور زمین آئی یہ بھی اپنے باپ کے قدم بقدم چلتا رہا یہ لڑکا بھی انتقال کر گیا اب اس کے بعد اس کے بھائی بہن ماں اور لڑکا یہ لوگ رہے اس میں سے اخیر مرنے والے کے ایک بڑے بھائی نے مذکور زمین فروخت کر کے اپنے بھائی بہنوں ماں اور مرنے والے اخیر لڑکے پر تقسیم کر لیا یہ بھائی بہنوں نے اپنے باپ کے نانا کے ورثاو توابعین کو کچھ بھی نہیں دیا در اں حالیکہ ان کا باپ اور اس کے بعد اس کا بڑا لڑکا زمینوں کا نفع اپنے نانا کے ورثاو توابعین پر برابر تقسیم کرتا رہا ہے تو اب از روئے شرع محمدی مذکور زمین کا فروخت کرنا اور اپنے اپنے میں تقسیم کر لینا اور اپنے باپ کے نانا کے ورثاو توابعین کو زمین مذکور کی قیمت میں سے بطور وراثت کچھ بھی نہ دینا جائز ہے یا کیا؟ اور بصورت نہ دینے کے حق الناس کا غصب ہوتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۶۳) ملاحظہ سندات منسلکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین اس حیثیت سے عطا نہیں کی گئی تھی کہ

---

(۱) اکراہ کی صورت میں تحریری طلاق ہو جانے کا حکم نہیں ہوتی لما فی الشامیۃ وفی البحر ان المراد الاکراہ علی التلفظ بالطلاق فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأتہ فکتب لا تطلق لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ہنا (رد المحتار ۳/۲۳۶ ط سعید)

اس کی تقسیم قاعدہ میراث کے موافق کی جائے محمد شاہ غازی کی سند کی نقل میں لفظ فرزندان ہے اور محمد عالم شاہ غازی کی سند کی نقل میں فرزندان و توابعان کا لفظ ہے اور ان دونوں میں وارثان شرعی کا ذکر نہیں اس لئے ان الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ منافع زمین کی تقسیم نہ تو بقاعدہ شرعیہ منظور ہے ورنہ کوئی قاعدہ بتایا گیا ہے تو بہر حال صاحب جاگیر کی مرضی اور صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے وہ جسے چاہے اور جس قدر چاہے دے اور چاہے نہ دے اس لئے کسی کو حصہ میراث کے دعویٰ کرنے کا حق نہیں رہا فروخت کرنے کا اختیار تو اس کا فیصلہ حاکم متعلقہ کو کرنا چاہئے وارثین قاضی محسن کو یہ سوال اٹھانے کا بھی حق نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ دہلی ۱۶ صفر ۱۳۴۸ھ

کیا نابالغ لڑکی پر کئے گئے اخراجات اس کے ترکہ سے لئے جا سکتے ہیں؟

(سوال) ایک یتیم لڑکی نا کتخدا چودہ سالہ صاحب جائیداد کا انتقال ہو گیا جس کی پرورش اس کی والدہ نے کی تھی مرحومہ متوفیہ کے مال میں سے اس کی والدہ نے حسب ذیل خرچ کر دیا ہے جس پر اس کے تایا جو ۲؍۱ کے حصہ دار ہیں اعتراض کرتے ہیں بموجب شرع شریف آیا یہ خرچ جائز کیا گیا ہے؟ اور کون اس کا متحمل ہو جب کہ مرحومہ کا سرمایہ موجود ہے (۱) خرچ پرورش یتیمہ مرحومہ ایام طفولیت (۲) خرچ بیماری و تجہیز و تکفین متوفیہ (۳) خرچ ادائیگی قرضہ ذگی متوفیہ (۴) خرچ تقسیم گندم جو مرحومہ کی نمازوں کے بدلے میں دی (۵) خرچ تقسیم قرآن شریف بچوں کو پڑھنے کے لئے دیئے (۶) خرچ سویم اور جمعرات و چہلم وغیرہ مرحومہ کا کھانا کھلایا گیا (۷) خرچ حج مرحومہ کا کرایا گیا جو فرض تھا (۸) خرچ مرحومہ کی جانب سے تعمیر مسجد میں دیا گیا۔

(جواب ۳٦٤) نابالغہ لڑکی چاردہ سالہ مرحومہ کے ذمے نہ حج فرض تھا نہ نماز روزہ پس اس کی والدہ نے اس کی پرورش میں جو روپیہ اٹھایا ہے وہ موافق اس کی حیثیت اور عرف کے مرحومہ کی جائیداد و ترکہ میں سے والدہ کو ملے گا اور تجہیز و تکفین کا خرچ بھی اسے ملے گا اسی طرح دوا و علاج کا لیکن سب میں عرف اور واقعیت کا لحاظ ہوگا خرچ نمبر ۳ یعنی ادائیگی قرضہ میں یہ دیکھا جائے گا کہ قرضہ کیسا اور کیوں اس کے ذمہ ہوا تھا اگر کوئی واقعی اور شرعی قرضہ ہوگا تو وہ بھی دیا جائے گا ورنہ نہیں۔[1] خرچ نمبر ۴ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸ یہ تمام اخراجات کرنے والے کے ذمہ رہیں گے ترکہ میں سے ان کے لئے ایک حبہ نہیں دیا جائے گا۔[2] تایا کا ۲؍۱ حصہ جو

---

(۱) وفی المحیط عن محمد اذا نوی الاب الرجوع و نقد الثمن علی هذه النیة و سعه الرجوع فیما بینه و بین الله تعالی اما فی القضاء فلا یرجع مالم یشهد و مثله فی المنتقی و فیه ایضا ولو شری الاب لطفله شیئا یجبر هو علیه کالطعام والکسوة لصغیر فقیر لم یرجع اشهد اولم یشهد لانه واجب علیه وان شری لهما لا یجب علیه کالطعام لابنه الذی له مال والدار ونحوها رجع ان اشهد علیه ومثله الام الوصی علی اولادها (ردالمحتار ۶ / ۷۱۷ ط سعید)

(۲) [illegible] ... کہ مرحومہ کی جانب سے ... لما فی الشامیة اما الوصیة بذالك فلا معنی لها ولا معنی ایضا لصلة القاری لان ذالك یشبه استیجاره علی قراءة القرآن و ذالك باطل ولم یفعله احد من الخلفاء بحر و قد صرح بحسن القراءة علی القبر و بطلان الوصیة (رد المحتار کتاب الوصیة ۶ / ٦٩١ ط سعید)

سوال میں ذکر کیا گیا ہے اس کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے کہ صحیح ہے یا غلط کیونکہ مرحومہ کے وارث پورے طور پر سوال میں مذکور نہیں ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ ۷ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ

مالک اپنی مملوکہ جائیداد کے فروخت کا حق رکھتا ہے

(سوال) زید اہل اسلام قوم سادات سے ہے جس کی ایک بیوی اور تین اولاد دختر ہیں ایک دختر مع اپنے تین بچوں کے باپ کے پاس رہتی ہے اور زید نے بہت عرصے سے اپنی کل جائیداد زرعی بعوض سامعہ روپے پاس بکر جو چوتھی یا پانچویں پشت میں زید کا بھتیجا ہوتا ہے رہن یا قبضہ کردی تھی۔ اب تک بکر راہن جائیداد مرہونہ کی آمدنی لیتا رہا اور زید بوجہ چھوٹے آمدنی اور ضعیف العمری کے مقروض ہو گیا اور نان و نفقہ سے محتاج ہو گیا زید نے جائیداد مرہونہ بکر راہن کو بیع دینی چاہی لیکن بکر مذکور ایک زبردست اور جتھہ دار آدمی ہے اس زعم میں ہمارے خوف سے کوئی دیگر بیع نہ لے سکے گا زید راہن کو ایک حبہ نہ دینا چاہا مجبوراً زید نے دوسرے کے ہاتھ جائیداد مرہونہ بیع کردی اور زر رہن سامعہ روپے راہن کو ادا کر دیا اور اپنے قرض خواہوں کو زر قرضہ ادا کیا باقیماندہ زر بیع سے اپنا اور اپنی دختر کا اور اس کے بچوں کا گزارہ کرنا چاہا زید یہ بھی چاہتا تھا کہ اگر روپیہ بعد ادائیگی قرضہ و ضروریات میرے پاس زاد راہ کے لائق بچ جاوے تو میں حج بیت اللہ کو چلا جاؤں اب زید پر چوتھی پانچویں پشت کے رشتہ داروں نے دعویٰ کیا ہے کہ جائیداد جدی ہے زید کو حق بیع حاصل نہیں ہے بکر وغیرہ رشتہ داروں نے عدالت میں بیان دیا ہے کہ ہم لوگ شریعت کے پابند نہیں ہیں رواج اہل ہنود کو مانتے ہیں بعد وفات زید اس کی منکوحہ ضعیفہ اور دختروں کا کوئی حق نہیں ہے ہمارا حق ایک جدی ہونے سے ہے لہٰذا اس بارے میں شرع شریف کیا فرماتا ہے زید کو اپنی جائیداد کا حق بیع و شرا حاصل ہے یا نہیں ؟ اور بعد وفات زید اس کی بیوی اور دختروں کا ہے یا چوتھی پانچویں شاخ کے رشتہ داروں کا ہے اور جو اہل اسلام پابندی شرع شریف سے صریح انکار کرے اور ہندوؤں کے رواج کو قبول کرے اس کے واسطے کیا حکم ہے اور جو مسلمان بکر وغیرہ کی جو پابندی شریعت سے منکر ہیں پیروی کرے اور گواہی دلوے اور رفاقت کرے اس کے واسطے شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا المستفتی قطب الدین پنجابی پیر کوٹی

(جواب ۳۶۵) زید کی بیع صحیح ہے کیونکہ مالک کو اپنی ملک کو بیع کر دینے کا شرعی اختیار حاصل ہے اور کوئی مانع بیع مثل صغر مالک وغیرہ کے موجود نہیں ہے پس رشتہ داروں کا یہ کہنا کہ "جائیداد جدی ہے اور زید کو حق بیع نہیں" زید کے حصے اور اس کی ملک کے بارے میں باطل ہے اگر زید کی وفات کے بعد کسی رسم و رواج کے مطابق زید کی منکوحہ اور اس کی لڑکیوں کو حق نہ پہنچتا ہو تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اپنی زندگی میں بھی اپنی جائیداد کو منتقل نہ کر سکے نہ کسی رواج کا غالباً یہ منشا ہو گا۔

جو لوگ کہ شریعت کے کسی حکم قطعی کا انکار کریں اور اس کے مقابلے میں کسی خلاف شریعت رواج پر اعتقاد و عمل رکھیں وہ اسلام سے خارج ہیں قال اللہ تعالیٰ : فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما

شجر بینهم ثم لا یجد وافی انفسهم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما[۱] والله اعلم بالصواب
کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

تجارتی فرم میں صرف نام ڈالنے سے شرکت ثابت نہیں ہوتی

(سوال) زید نے ایک تجارتی فرم کے نام میں اپنا اور اپنے لڑکے عمرو کا نام ڈالا لیکن عمرو کا کوئی پیسہ وغیرہ زید نے اپنے مال میں شامل نہیں کیا پھر زید کا انتقال ہوا۔اب عمرو کے علاوہ اور لڑکے لڑکیاں اور زید کی زوجہ بھی ہے کیا ایسی صورت میں زید کا کل ترکہ ورثہ پر تقسیم ہوگا یا نصف مال عمرو کی شرکت میں دیا جائے گا۔بینوا توجروا۔
(جواب ۳۶۶) اس صورت میں دکان کا کل مال وارثوں پر تقسیم ہوگا کیونکہ فرم میں نام ڈالنے سے شرکت یا ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔[۲] کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ سنہری مسجد دہلی

مشترکہ مال میں کسی ایک شریک کی محنت سے ہونے والی زیادتی سب شرکاء کو ملے گی

(سوال) زید اور عمرو دو بھائیوں نے باپ کے مال سے ترکہ پایا اور دونوں کا مال تجارت میں مشترک تھا اور ان میں سے زید اپنے ورثہ ایک لڑکی ایک بھائی ایک زوجہ چھوڑ کر فوت ہو گیا اور عمرو نے اپنے بھائی فوت شدہ کی بیوی سے نکاح کر لیا کچھ عرصے کے بعد وہ بھی انتقال کر گئی بعد ازاں فوت شدہ بھائی سے ایک لڑکی رہی اور عمرو اس مال مشترک میں بدستور سابق تجارت کرتا رہا اور اس کے تجارت کے نفع سے اپنے گھر اور اپنے بھائی کی لڑکی کے جملہ اخراجات چلاتا رہا اور بوقت انتقال زید مال و اسباب تقسیم نہ ہوا تھا اور عمرو پیشتر ہی کی طرح معاملہ کرتا رہا یہاں تک کہ پینتیس سال کا عرصہ گزر گیا اب عمرو بھی اپنے ورثہ دو لڑکیاں ایک عورت اور دو چچیرے بھائی چھوڑ کر انتقال کر گیا بوقت انتقال زید دو لاکھ روپے تھے اور اب بوقت انتقال عمرو تخمیناً تیس لاکھ روپے ہیں پس سوال یہ ہے کہ ورثہ مذکور پر مال کس طرح تقسیم ہوگا ؟ حاصل شدہ منافع از مال زید تا وفات عمرو جمیع ورثہ زید ایک لڑکی اور اس کے بھائی پر تقسیم ہوگا یا صرف عمرو کے ترکہ میں شمار کیا جائے گا؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۳۶۷) عمرو نے مال مشترک میں تجارت وغیرہ کر کے جو نفع حاصل کیا ہے اور مال بڑھایا ہے وہ سب ورثہ زید پر بھی تقسیم ہوگا صرف عمرو کا ترکہ نہیں سمجھا جائے گا[۳] وعمله وتصرفه یکون تبرعا ووجهه انه شریك فی بعضه و عامل بنت اخیه فی بعضه وهی فی عیاله و لیس ههنا عقد ولا غصب واللہ اعلم

---

(۱) (النسآء : ۶۵)
(۲) اس لئے کہ اسباب ملک میں سے کوئی سبب نہیں پایا جاتا اور اسباب ملک تین ہیں : لمافی الدر. اعلم ان اسباب الملك ثلاثة: ناقل کبیع و هبة و خلافة کارث واصالة وهو الاستیلاء حقیقة بوضع الید او حکماً بالتهیئة کنصب شبکة الصید (الدرالمختار' کتاب الصید ۶/۴۶۲ سعید) (۳) هذا من کلام مفتی صاحب نور الله مرقده

قانون وراثت کے منکر کا حکم

(سوال) کچھ لوگ کچھ عرصے سے مسلمان ہوئے ہیں اور تمام احکام شریعت کو وہ تسلیم کرتے ہیں مگر قانون وراثت شرعی کو بالکل نہیں مانتے اور اپنے آبائی قدیم ہنود کے قانون کو صراحۃً اپنا قانون بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے آبائی ہنود کے اس قانون وراثت کو نہیں چھوڑ سکتے اور عدالت میں بھی یہی کہہ دیتے ہیں کیا اس آیت شریفہ کا حکم ان پر عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم الکفرون

(جواب ۳۶۸) قانون وراثت کا اکثری حصہ صریح نص قرآن سے ثابت ہے اس ثابت شدہ حصے کے کسی جزو کو تسلیم نہ کرنا یا کسی دوسرے قانون کو اس پر ترجیح دینا قطعاً کفر ہے پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شریعت محمدی کے قانون وراثت کو ہم تسلیم نہیں کرتے وہ کافر ہیں اور جب وہ کافر ہیں تو اوقاف شرعیہ کی تولیت کا انہیں کوئی استحقاق نہیں ۔ في البزازية انكر آية من القرآن اوسخر بآية منه يكفر انتهى و في اعلام بقواطع الاسلام و يكفر من كذب بشئ مما صرح به القرآن من حكم اوخبر اوجحد التوراة والانجيل و كتب الله المنزلة او كفر بها او لعنها او سبها اواستخفها انتهى وفي الفصول العمادية اذا انكر اية من القران و سخر باية منه كفر الخ

پرورش نہ کرنے کی صورت میں بھی باپ میراث کا حقدار ہوگا

(سوال) زید کے ہاں دو لڑکیاں پیدا ہوئیں زید نے ان کی پرورش نہیں کی اور ان کی اولاد کو بھی کسی طرح سے پرنہ سمجھا ان دونوں لڑکیوں میں سے بڑی لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ مرحومہ نے جائداد زیور اور جہیز چھوڑا تین بچے نابالغ چھوڑے دو لڑکے ایک لڑکی ایک خاوند یہ مرحومہ کی جائداد و زیور اور جہیز کے مالک ہیں مگر یہ باپ اپنی دختر کے زیور جائداد اور جہیز میں سے ۱/۶ حصہ طلب کرتا ہے ایسے باپ کو شرع شریف سے کچھ ملتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۶۹) ماں باپ کا حصہ بیٹی کے ترکہ میں ۱/۶ ہے اور وہ اس کو ملے گا خواہ اس نے بیٹی کے ساتھ کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو میراث کا حق کسی معاوضے کے ساتھ مقید نہیں ہوا کرتا۔[2] محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ دہلی

خاوند بیوی کے اخراجات برداشت نہ کرنے کی صورت میں بھی اس کی میراث سے حصہ لے گا

(سوال) زید نے شادی کی اور بوجہ بے روزگاری بیوی کے اخراجات برداشت نہ کر سکا زید کے بھائی نے زید کے اور زید کی بیوی کے اخراجات برداشت کرنے شروع کئے جب سے زید کی بیوی بالغ ہوئی تو اس کو

---

(۱) (عالمگیریة' کتاب الالفاظ تکون اسلاما او کفرااو خطاء ۶/ ۲۴۲ ط ماجدیة)

(۲) وفي الجوهرة. والسدس فرض سبعة لكل واحد من الابوين مع الولد او ولد الابن الخ (الجوهرة النيرة' كتاب الفرائض ۲ : ۳۸۹ ط میر محمد)

عدالت سے اس کے حصے کا جمع شدہ روپیہ اور جائیداد ملی بیوی نے اپنے اخراجات اپنے روپے اور جائیداد سے برداشت کیئے خاوند کے اخراجات برداشت کرنا نہیں چاہتی تھی مگر مجبور ہو کر خاوند کو بھی اس خیال سے دینا شروع کیا کہ جب ان کے پاس ہو گا لے لیا جائے گا دو لڑکیاں پیدا ہوئیں دونوں کی پرورش اور شادی بھی بیوی نے ہی کی اور کل رسومات پر زید کی بیوی کا ہی روپیہ صرف ہوا۔ نواسا نواسی کے ساتھ بھی زید نے کچھ نہیں کیا زید کی بیوی نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی کل جائیداد کو وقف علی الاولاد کر دے اس وجہ سے کہ کوئی لڑکا نہیں ہے ہمشیرہ کو اور خاوند کو اس جائیداد میں سے کچھ نہ ملے دونوں لڑکیاں ہی مالک جائیداد رہیں زید کی بیوی اپنے ارادہ کے موافق اپنی جائیداد وقف نہ کر سکی کہ اچانک مرض ہیضہ سے انتقال کیا یہ خاوند جس نے مہر بھی ادا نہیں کیا بیوی کے اخراجات ۲۸ برس تک برداشت نہیں کئے۔ دونوں لڑکیوں کی پرورش بھی نہیں کی ان کی شادی نہیں کی نواسا نواسی کو کچھ نہ سمجھا بیوی کی جائیداد زیور اور گھر کے کل سامان میں سے ورثہ طلب کرتا ہے۔ ایسے خاوند کو شرع سے کوئی ورثہ ملتا ہے یا نہیں؟ بیوی نے اس خاوند کو ۲۸ برس نان نفقہ دیا ہے اور کل اخراجات برداشت کئے ہیں اور اس روپے کے یہ بیوی کے مقروض ہیں؟

(جواب ۳۷۰) بیوی نے خاوند کو جو روپیہ دیا ہے اگر اس کے متعلق کوئی ثبوت ہو کہ وہ بطور قرض تھا تو وہ زید کے ذمہ ہو گا اور اس حصے میں محسوب ہو گا جو زید کو اپنی بیوی کے ترکہ میں سے پہنچتا ہے[1] زید کو اپنی بیوی کے ترکہ میں سے ۱/۴ ملتا ہے۔ اور زید کے ذمہ جو بیوی کا مہر ہے وہ بھی بیوی کے ترکہ میں شامل ہو گا اور اگر زید ادا نہ کرے تو اس کے حصے میں محسوب ہو گا۔[2] فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

باپ کی میراث بیٹیوں کی اولاد پر تقسیم کرنے کی ایک صورت

(سوال) زید اور عمر دونوں حقیقی بھائی ہیں انکے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور ان دونوں کے کوئی لڑکا نہیں ہے زید حیات ہیں اور عمرو تقریباً ایک سال ہوا فوت ہو گئے ان کا کل کام اور جائیداد وغیرہ کا کرایہ عمرو کی حیات تک مشترک رہا زید نے بعد وفات عمرو تنہا کام دکانداری وغیرہ کا انجام دیا ہے اور زوجہ عمرو کو خرچ خانہ داری ماہانہ جو تجویز ہوا تھا دیتے رہے ہیں و نیز عمرو کی ایک دختر کی شادی عمرو کے فوت ہونے کے بعد زید نے زوجہ عمرو کے کہنے پر مشترکہ روپے سے کی ہے اب مشترکہ سامان دوکانداری و جائیداد و دوکانات وغیرہ خرید کردہ زید و عمرو خود کی تقسیم زید و عمرو کے متعلقین میں ہونا قرار پایا ہے اور زوجہ عمرو نے اپنا مہر معاف نہیں کیا ہے زید کی دو دختروں کی شادی بھی زید و عمر کی حیات میں اسی مشترکہ آمدنی سے ہوئی تھی جن کا انتقال عرصہ پندرہ سال ہوئے ہو چکا۔

زید کی ایک لڑکی جس کی شادی زید و عمرو کی حیات میں مشترک آمدنی سے ہوئی عمرو کی ایک زوجہ اور

---

(۱) اس صورت میں وارث کے حصے اور میت کے اس پر دین کا مقاصہ ہو جائے گا

(۲) المسمی دین فی ذمته و قد تاكد بالموت فيقضى من تركته الا اذا علم انها ماتت اولا فيسقط نصيبه من ذالك (هداية باب المهر ۲/۳۳۷ ط شركة علمية)

ایک دختر کلاں جس کی شادی زید و عمر کی زندگی میں مشترک آمدنی سے ہوئی اور ایک دختر خورد۔ المستفتی نمبر ۴۵ مشتاق احمد صاحب آنولہ، ضلع بریلی ۷ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ مطابق ۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۷۱) سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زید اور عمرو دونوں باپ کے ترکہ میں شریک رہے اور خود بھی جو کماتے رہے وہ بھی مشترکہ طور پر خرچ کرتے رہے اس لئے زید اور عمرو دونوں تمام مشترکہ جائیداد میں بحصہ مساوی شریک ہیں دونوں میں تمام جائیداد اور اموال منقولہ و غیر منقولہ مشترکہ نصف نصف تقسیم ہو جائیں گے عمرو کے نصف میں سے پہلے اس کی زوجہ کا مہر ادا کیا جائے گا[1] شجرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو نے اپنی بیوی اور دو لڑکیاں چھوڑی تھیں تو بیوی کو مہر کے بعد ۱/۸ حصہ میراث کا ملے گا اور ۲/۳ دونوں لڑکیوں کو[2] اور باقی ۵/۲۴ زید کو ملے گا[3] اور زید کا نصف زید کو مل جائے گا چونکہ زید کی دو لڑکیوں کی اور بھی شادیاں مشترکہ جائیداد میں سے ہوئی تھیں اس لئے اگر زید عمرو کی بچی کی شادی کا خرچہ بھی نصف اپنی طرف لگالے تو اس کو ثواب ملے گا اور صلہ رحمی کے اجر کا مستحق ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

باپ کی میراث بیٹوں کے حصوں کے اعتبار سے ان کی اولاد پر تقسیم ہوگی

(سوال) (۱) مرزا نعمت اللہ بیگ حج بیت اللہ شریف کے لئے گئے اور اپنا کارندہ اپنے برادر مرزا بیگ کو مقرر کر گئے بقضائے الٰہی مرزا نعمت اللہ بیگ مکہ معظمہ میں فوت ہو گئے اور ان کی زوجہ مدینہ منورہ میں فوت ہو گئیں۔

(۲) مرزا بیگ بعد فوت ہونے اپنے بھائی اور بھاوج کے جائیداد پر قابض و متصرف رہے اور اولاد حسب ذیل شجرہ ہذا چھوڑی۔

(۳) کچھ عرصے کے بعد مرزا کریم بیگ کا بھی انتقال ہو گیا جنہوں نے بموجب شجرہ ہذا اولاد چھوڑی۔

(۴) اسی اثناء میں مرزا بیگ ہی جائیداد پر قابض و متصرف رہے اور کچھ عرصے کے بعد حج بیت اللہ شریف چلے گئے اور قضائے الٰہی سے وہ بھی فوت ہو گئے اور بروقت روانگی حج بیت اللہ شریف مرزا ابراہیم بیگ خلف مرزا کریم بیگ کی سپردگی میں جائیداد منقولہ و غیر منقولہ اور انتظام خانہ داری مقرر کر دیا اور کام بدستور ہوتا رہا اب ابراہیم بیگ و ایوب بیگ و داؤد بیگ نے آپس میں جائیداد منقولہ و غیر منقولہ تقسیم کر لی اور اسمٰعیل بیگ مفقود الخبر رہے۔

---

(۱) ثم یقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العباد (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۰ ط سعید)

(۲) فیفرض للزوجة فصا عدا الثمن مع ولد او ولد ابن وفیه ایضاً والثلثان لکل اثنین فصا عداً ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶/۷۷۳ ط سعید)

(۳) یحوز العصبة بنفسه وهو کل ذکر لم یدخل فی نسبته الی المیت انثی و عند الانفراد یحوز جمیع المال بجهة واحدة (التنویر الابصار مع درمختار' کتاب الفرائض ۶/۷۷۳ ط سعید)

(۵) مرزا ابراہیم بیگ فوت ہو گئے اب ان کی اولاد اور ان کے عم زاد بھائی مرزا ایوب بیگ و داؤد بیگ جائیداد پر قابض ہیں۔ المستفتی نمبر ۷۴ محمد اسمٰعیل خاں کوچہ رائسان دہلی۔ ۱۸ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ مطابق ۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۷۲) چونکہ نعمت اللہ بیگ اور امیر بیگ و کریم بیگ تینوں بھائی تھے اور بحصہ مساوی جائیداد مشترکہ کے مالک تھے اس لئے تمام جائیداد کی ایک تہائی نعمت اللہ بیگ کی اولاد و اولاد اولاد کے حصے میں آئے گی نیز امیر بیگ جو لاولد فوت ہوئے ہیں ان کی ایک تہائی میں سے ۵ / ۳ حاجی بیگ و نواب مرزا و قدرت اللہ بیگ کو پہنچے گا اس لئے ابراہیم بیگ و ایوب بیگ و داؤد بیگ کا ساری جائیداد کو باہم تقسیم کر لینا صحیح نہیں ہے نعمت اللہ بیگ کے وارث اپنا حق اس میں سے لے سکتے ہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مصلحتاً مکان کو کسی کے نام کر دیا تو اس کا کیا حکم ہے ؟

(سوال) زید اور بکر دو بھائی تھے ان کو اپنی والدہ کے ترکہ میں سے ایک مکان ملا تھا جس میں دونوں بحصہ مساوی شریک تھے بکر نے اپنی کاروباری خرابی کی بنا پر قرضخواہوں سے بچانے کے لئے اپنا نصف حصہ زید کے نام کر دیا اور کچھ معاوضہ نہیں لیا بکر کے تمام اخراجات زید ہی اٹھاتا رہا اس کے بعد زید کا کاروبار خراب ہوا تو زید نے والدہ والا مکان کسی غیر کے ہاتھ فروخت کرنا چاہا خریدار نے اصرار کیا کہ اس کے بیعنامہ پر اپنے بھائی کے دستخط بھی کرا دو بکر نے انکار کیا اور کہا کہ میں نے مصلحتاً اپنا حصہ تمہارے نام کیا تھا اس حصے کے بارے میں تم میرے قرض دار ہو زید نے دستخط کرانے کے لئے یہ ترکیب کی کہ اپنے ایک عزیز محمود کو بلا کر کہا کہ میں اپنا ایک مکان فرضی طور پر تمہارے نام کرتا ہوں اس کا کرایہ تازیست تم مجھے دیتے رہنا اور میری وفات کے بعد یہ مکان تم بکر کے نام کر دینا اس اطمینان دہانی کی وجہ سے والدہ والے مکان کے بیعنامے پر بکر نے بھی دستخط کر دیئے کچھ عرصے کے بعد زید نے اپنی مزید پریشانی کی وجہ سے محمود سے کہا کہ وہ مکان جو میں نے تمہارے نام کیا تھا وہ فروخت کر کے اس کا روپیہ قرض خواہوں کو ادا کر دو محمود نے کہا کہ تم نے یہ مکان میرے نام کرتے وقت یہ اقرار کیا تھا کہ اپنی زندگی میں تم اس کا کرایہ لو گے اور تمہاری وفات کے بعد مکان بکر کو دیا جائے گا زید نے کہا کہ وہ دستخط نہیں کرتا تھا اس لئے میں نے ایسا کہہ دیا تھا اور اس پر تو میرے بہت احسانات ہیں زید نے اس مکان کو فروخت کرنے کی کوشش بھی کی مگر سودا نہ ہوا اور زید کا انتقال ہو گیا اور وہ مکان اب تک محمود کے نام ہے زید کی دو بہنیں اور ایک بھائی بکر ہے اور زید کے اوپر اہل ہنود اور بمبئی کے بوہروں کا کافی قرضہ ہے اور زید اپنے بھائی بکر کا بھی والدہ والے مکان میں قرض دار تھا محمود کے پاس اس مکان کا کرایہ وصول شدہ بھی جمع ہے اور اب وہ اپنے پاس اس مکان کو نہیں رکھنا چاہتا اب محمود کیا کرے اور مکان کس کو دے۔ المستفتی نمبر ۱۴۵ حاجی عبدالحمید عبدالمجید موتی والے صدر بازار دہلی ۱۲ شعبان ۱۳۵۲ھ

---

(۱) للرجال نصیب مما ترك الوالدان والا قربون (النساء: ۷)

۵ دسمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۴۷۳) زید کا یہ مکان زید کا ترکہ ہے جس میں اس کے تمام قرض خواہ ہندو مسلمان بورے وغیرہ شریک ہیں ظاہر ہے کہ بکر نے اپنا حصہ مکان جو زید کے نام کر دیا تھا اس کے عوض میں اس مکان کی بیع بکر کے ہاتھ نہیں کی گئی ہے ورنہ زندگی تک کرایہ خود لینے کے کوئی معنی نہیں تھے سوال میں اس کی تصریح نہیں کہ بکر نے اپنا حصہ زید کے نام بطور بیع کیا تھا یا بطور ہبہ اگر بطور ہبہ کیا تھا تو بکر کا کوئی قرض زید کے ذمہ نہیں اور اگر بطور بیع کیا تھا تو اس کی قیمت زید کے ذمے دین ہے اور بکر بھی دیگر قرض خواہوں کے ساتھ اپنے حصہ دین کا مستحق ہے خلاصہ یہ کہ زید کے مکان کا کرایہ اور مکان اول قرض خواہوں کے قرضے میں دیا جائے گا اس کے بعد جو بچے گا وہ اس کے وارثوں بھائی بہنوں کو بطور میراث ملے گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا نصف مکان کے عوض اس کے مالک کا پورا نام قبالہ میں لکھوانا بیع ہے ؟

(سوال) زید اور بکر بھائی بھائی تھے ان کی والدہ ایک مکان چھوڑ کر مر گئی زید نے بوجہ چند وجوہات کے اپنا حصہ بطور امانت بکر کے نام فرضی بیع کر دیا اور اس وقت کوئی معاوضہ یا قیمت بکر سے وصول نہ کی کچھ عرصے بعد بکر مقروض ہو گیا اور اس نے اس تمام مکان کو فروخت کرنا چاہا زید نے اس پر سخت احتجاج کیا اور اپنا حصہ یا اس کی قیمت طلب کی اس پر بکر نے زید کے حصے کے بدلے میں ایک حصہ جائیداد اپنی ملکیت جو دوسری جگہ ہے اس کا قبالہ بطور امانت ایک دوسرے شخص کے نام کر دیا اور اس کو ہدایت کر دی کہ میرے بعد یہ جائیداد زید کے حوالہ کر دی جائے اس بات کے چند معزز گواہ ہیں اور اس کا کرایہ زندگی بھر خود لیتا رہا اور زید کو ساڑھے سولہ روپے دیتا رہا چند روز بعد بکر کا انتقال ہو گیا ایسی صورت میں جب کہ بکر کے ذمہ ابھی اور بھی قرضہ باقی ہے وہ امانت جو زید کے لئے چھوڑ گیا ہے وہ زید کو دیدی جائے جو اس وقت سخت ضرورت مند محتاج اور مفلوج ہے یا بکر کے قرض خواہوں میں بحصہ رسدی تقسیم کی جائے ؟ المستفتی نمبر ۱۵۷ عبدالکریم ولد عبدالرحیم محلہ کشن گنج دہلی ۲۵ شعبان ۱۳۵۲ھ م ۱۴ دسمبر ۱۹۳۳ء۔

(جواب)(از نائب مفتی صاحب) جب بکر نے زید کے حصے کے معاوضے میں (جو کہ زید کا اس کی ماں کے مکان متروک میں برابر بکر کے تھا) ایک حصہ اپنی جائیداد کا جو دوسری جگہ تھا اس کا قبالہ بطور امانت کے ایک تیسرے شخص کے نام کر دیا ہے اور اس کو یہ ہدایت بھی کر دی کہ میرے بعد یہ جائیداد میرے بھائی زید کے حوالہ کر دینا تو شرعاً یہ حصہ مرقومہ زید کا حق ہو گیا ہے لہذا یہ حصہ صرف زید کو ملے گا اور بکر کے کسی قرضدار کا اس میں کچھ حق نہ ہو گا واللہ اعلم۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ محمد عظمت اللہ کان اللہ لہ نائب مفتی جمعیۃ علمائے ہند۔ الجواب صحیح عبدالوہاب عفی عنہ مدرسہ مولوی عبدالرب مرحوم دہلی۔ الجواب صحیح مقبول عفی عنہ مقیم نظام الدین۔ الجواب صحیح احمد اللہ مدرس مدرسہ رحمانیہ دہلی۔ الجواب

(۱) ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد ثم تقدم وصيته ومن ثلث ما بقي ثم يقسم الباقي بعد ذالك بين ورثه.

صحیح محمد نسیم احمد عفا عنہ الصمد امام مسجد شہری دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جو قبالہ فرضی بیع کی صورت میں بطور امانت رکھوایا تھا جب کہ اس میں کوئی امر شرعی مانع و حارج نہیں تو وہ قبالہ حسب وصیت موصی واپس کرنا چاہئیے حدیث میں ہے علی الید ما اخذت [1] نیز ارشاد خداوندی ہے ادوا الامانات الی اھلھا الایۃ [2] فقط حررہ العاجز ابو محمد عبدالستار غفرہ ولوالدیہ الغفار آمین۔

(جواب ۳۷۴) از حضرت مفتی اعظمؒ۔ اگر بکر نے اپنی زمین زید کے حصہ مکان کے بدلے زید کو دیدی تھی تو یہ بیع تھی اور اگر اس معاملے کے گواہ شرعی موجود ہوں تو اس کے موافق وہ زمین زید کو خالصاً ملنی چاہئیے۔ [3]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شوہر کا یہ قول ”میں اپنی جائیداد سے بالفعل اس کو کچھ نہیں دینا چاہتا“ بیوی کو میراث سے محروم نہیں کرے گا

(سوال) منشی ارشاد الدین صاحب ساکن میرٹھ نے ۲۹ نومبر ۱۹۳۲ء کو ایک وقف نامہ لکھا ہے کہ منقر کی اولاد پسری و دختری نہیں ہے ایک زوجہ مسماۃ معصوم النساء دختر دوست محمد خان موجود ہے عرصہ قریب گیارہ سال کا ہوا کہ بوجہ نافرمانی میں نے اسکو طلاق دیدی تھی اور مبلغ چار سو روپے اس کا مہر ادا کر کے رسید رجسٹری کرادی تھی مگر بعد کو اس کے خواستگار معافی ہونے پر میں نے اس سے دوبارہ نکاح کر لیا اب اس کا دین مہر صرف مبلغ ؏ ہے میں اپنی جائیداد میں سے بالفعل اس کو کچھ نہیں دینا چاہتا ہوں منشی صاحب موصوف نے ۱۲ جنوری ۱۹۳۳ء کو انتقال کیا آیا تحریر وقف نامہ کے بعد مسماۃ معصوم النساء شرعی حصہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں اور عقد ثانی جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۶۰ سلیم الدین احمد چشتی میرٹھ ۳ رمضان ۱۳۵۲ھ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۳ء۔

(جواب ۳۷۵) اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ معصوم النساء بوقت تحریر وقف نامہ جائز طور سے ارشاد الدین کی زوجیت میں تھی اس لئے وہ حصہ میراث پانے کی مستحق ہے [4] دوبارہ نکاح کرنے کی کئی صورتیں جائز ہیں اور ممکن ہے کہ انہیں میں سے کوئی صورت ہوگی [5] پس صرف ارشاد الدین صاحب کے اس ارادہ سے کہ ”میں اپنی جائیداد میں سے بالفعل اس کو کچھ دینا نہیں چاہتا“ اس کا حصہ میراث باطل نہیں ہو سکتا۔ [6]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) (مشکوۃ باب الغصب والعاریۃ الفصل الثانی ص ۲۵۵ ط سعید)
(۲) (النسآء : ۵۸)
(۳) قال تعالی: یا ایھا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم (النساء: [illegible])
(٤) ویستحق الارث باحد ثلاث برحم و نکاح صحیح [illegible] (تنویر الابصار [illegible] کتاب الفرائض ٦/ ٧٦٢ ط سعید)
(۵) امور المسلمین علی السداد حتی یظھر غیرہ من مسائلہ ان من باع درھما و دینارا بدرھمین و دینارین جاز البیع و صرف الجنس الی خلاف جنسہ تحریاً للجواز حملا لحال المسلم علی الصلاح الا اذا نص ان الدراھم بالدراھم والدینار بالدینار فانہ یفسد البیع (قواعد الفقہ ص ٦٣ صدف پبلشرز) (٦) اس لئے کہ یہ الفاظ حرمان میراث کے نہیں ہیں ارادہ ہے۔

کیا تقسیم سے پہلے ترکہ سے ضروریات کے لئے لی ہوئی رقم کل مال سے وضع ہوگی؟

(سوال) آپ نے سوال نمبر ۴۵ کے جواب میں زید کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس سے زید بری الذمہ ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ شادی دختر عمر خورد کا خرچہ عمر کے کل مال میں سے مجرا کیا جائے اور اس کے بعد باقی تقسیم کیا جائے یا لڑکی کے حصے میں سے رقم شادی مجرا کی جائے اور خرچ خانہ داری جو مسماۃ کو اب تک دیا ہے وہ کس سے مجرا ہوگا کیونکہ دراصل شادی دختر خورد زوجہ عمر نے خود کی ہے اور خرچہ مشترکہ آمدنی میں سے کیا ہے۔ المستفتی نمبر ۸۳ اللہ دین نظام الدین ضلع مراد آباد ۸ شوال ۱۳۵۲ھ ۲۴ جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۷۶) مسماۃ کو جو خرچہ دیا ہے اگر اس کو یہ کہہ کر دیا ہے کہ یہ سب تمہارے حصے میں وضع کیا جائے گا تو بے شک اسے وضع کرنا چاہئے اسی طرح اگر لڑکی کی شادی میں جو کچھ خرچ کیا لڑکی سے پوچھ کر اور اجازت لیکر اور یہ کہہ کر کہ یہ تیرے حصے میں سے وضع کریں گے تو وضع کر سکتے ہیں۔[1] اور اگر ایسا نہیں ہوا ہے تو کل ترکہ میں سے وضع کیا جائے کیونکہ زید نے بھی تو اسی مشترکہ میں سے اپنے خانگی اخراجات لئے ہیں اگر وضع ہوں تو دونوں کے اخراجات وضع ہوں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) عاریت پر دی ہوئی چیز مالک کے ورثاء کو ملے گی

(۲) مفقود کی وراثت میں ملے ہوئے مال کا حکم؟

(۳) عاریت پر لی ہوئی چیز کو فروخت کرنا جائز نہیں

(۴) نفع اٹھانے کے لئے مفت دی ہوئی چیز کا عوض لینا

(۵) وصیت کرنے والے کی وصیت ثلث مال کی حد تک پوری کرنا ضروری ہے

(سوال) (۱) ایک جائیداد تین بہنوں میں مشترکہ تھی ان میں سے ایک بہن رقیہ نے اپنا حصہ اپنی بہن محمودن کے پاس اس لئے چھوڑ دیا کہ محمودن بیوہ تھی وہ اس کے حصے کا کرایہ لیکر اپنے صرف میں لاتی رہی تیسری بہن زمرد تھی اس کا حصہ اس کے خاوند کو اور لڑکے کو پہنچا مگر لڑکا عبدالحکیم مفقود الخبر ہے محمودن کی ایک لڑکی تھی محبوبن وہ اپنی والدہ محمودن کے بعد اس جائیداد کا کرایہ لیتی رہی اب محبوبن کا بھی انتقال ہو گیا محبوبن کے خاوند اور لڑکے کے ہاتھ میں جائیداد آگئی اب وہ اسے فروخت کرنا چاہتے ہیں اس لئے حسب ذیل سوالات ہیں۔

(۱) رقیہ کا حصہ اس کے دو بیٹے ایک بیٹی طلب کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۲) زمرد کا حصہ جو اس کے لڑکے عبدالحکیم مفقود کا حق ہے کس کے پاس محفوظ رکھا جائے (۳) کیا محبوبن کے خاوند اور لڑکے کو تمام

---

(۱) والنفقة لا تصير ديناً الا بالقضاء اوالرضاء (تنوير الابصار' باب النفقة ۳/۵۹۴ ط سعید)

(۲) یہ سوال مبہم ہے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ چند شرکاء نے مال مشترک میں اپنے اپنے اخراجات لئے اب ایک شریک مسمیٰ زید دوسرے شرکاء کے حصوں میں سے بطور اخراجات وضع کرنا چاہتا ہے یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ شرکاء میں تساوی ضروری ہے

جائیداد فروخت کردینے کا حق ہے؟ (۴) کیا رقیہ کے وارث گزشتہ زمانے کا کرایہ محبوبن کے وارثوں سے طلب کر سکتے ہیں؟ جب کہ رقیہ نے خود اپنی بہن محمودن کو اس کے استعمال کی اجازت دیدی تھی (۵) رقیہ نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ میرے حصے میں سے میرے والد کی طرف سے حج کرایا جائے یہ وصیت قابل نفاذ ہے یا نہیں؟ **المستفتی** نمبر ۲۹۵ محمد یوسف محمد اسحق دہلی ۱۴ صفر ۱۳۵۳ھ م ۲۹ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۷۷) (۱) رقیہ نے اپنا حصہ اپنی بہن محمودن کے پاس اسکی بیوگی کی وجہ سے کرایہ کھانے کے لئے چھوڑ دیا تھا اور محمودن کے انتقال کے بعد اس کی لڑکی محبوبن کے لئے چھوڑ دیا کہ وہ کرایہ کھاتی رہے تو اس سے رقیہ کی ملکیت زائل نہیں ہوئی[۱] اور جب کہ رقیہ نے اسی حصے کے متعلق یہ وصیت بھی کی تھی کہ اس میں سے رقیہ کے والد کی طرف سے حج کرایا جائے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس نے حق ملکیت سے دست برداری نہیں کی تھی اس لئے اس کا حصہ اس کے جائز وارث محبوبن کے ورثا سے طلب کر سکتے ہیں اور محبوبن کے ورثا پر لازم ہے کہ رقیہ کا حصہ اس کے ورثا کو واپس کریں یا اس امر کا ثبوت پیش کریں کہ رقیہ نے اپنے حصے کا ان کو مالک بنادیا تھا۔[۲]

(۲) زمرد کا حصہ جو اس کے بیٹے عبدالحکیم مفقود کا حق ہے وہ کسی معتمد علیہ شخص کے پاس امانت رکھا جائے گا اور وہ عبدالحکیم کے لئے محفوظ رکھا جائے گا۔[۳]

(۳) محبوبن کے خاوند اور لڑکے کو یہ حق نہیں کہ وہ رقیہ اور زمرد کے حصوں کو فروخت کریں کیونکہ اس میں ان کا تمام جائیداد پر حق ملکیت نہیں ہے وہ صرف محبوبن کے حصے کے حق دار ہیں۔[۴]

(۴) اگر یہ جائیداد کرایہ پر آباد تھی اور اس کا کرایہ محبوبن اور اس کے ورثا نے وصول کیا ہے اور رقیہ کے وارثوں نے اس کی اجازت نہ دی تھی کہ محبوبن کے ورثا یہ کرایہ خود کھالیا کریں تو محبوبن کے انتقال کے بعد سے جائیداد کے کرایہ میں سے رقیہ کے ورثا اپنا حصہ طلب کر سکتے ہیں بشرطیکہ انہوں نے محبوبن کے ورثا کو محبوبن کے انتقال کے بعد یہ کہہ دیا ہو کہ آئندہ وہ کرایہ کا حصہ لیا کریں گے۔[۵]

---

(۱) اس لئے رقیہ جب چاہے اس کو واپس لے سکتی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے: و لعدم لزومها يرجع المعير متى شاء ولو موقته و فيه ضرر (كتاب العارية ٥/٦٧٨ ط سعيد)

(۲) عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال لو يعطى الناس بدعواهم لا دعى ناس دماء رجال واموالهم ولكن اليمين على المدعى عليه وفي شرحه للنووى انه قال وجاء في رواية البيهقى باسناد حسن او صحيح زيادة عن ابن عباس مرفوعا لكن البينة على المدعى واليمين على من انكر (مشكوٰة باب الاقضية والشهادات ص ٣٢٦ ط سعيد)

(۳) هو الغائب الذى انقطع خبره ولا تدرى حياته ولا موته وحكمه ما اشار اليه بقوله المفقود حى فى ماله حتى لا يرث منه احد و ميت فى مال غيره حتى لا يرث من احد و يوقف ماله حتى تصح موته او تمضى عليه عدة (شريفية فصل فى المفقود ص ١٣٧ ط سعيد)

(٤) و بطل بيع ما ليس فى ملكه و فى الشامية : اذ من شرط المعقود عليه ان يكون مملوكاً فى نفسه (درمختار كتاب البيوع ٥/٥٨ ط سعيد)

(۵) کیونکہ یہ کہہ دینا اس بات کی علامت ہے کہ آئندہ ہم اپنی چیز کے منافع کی رقم لیں گے اب محبوبن کے ورثاء واپس نہ کرنے کی صورت میں غاصب سمجھے جائیں گے و بخلاف منافع الغصب استوفاها او عطلها الا فى ثلاث فيجب اجر المثل على اختيار المتاخرين ان يكون المغصوب وقفا او مال يتيم او معدا للاستغلال بان بناء لذالك او اشتراه لذالك (الدرالمختار كتاب الغصب ٦/٢٠٦ ط س)

(۵) ہاں مجنون کے ورثا رقیہ کے ورثا اپنا حصہ لینے کے بعد اس کے ثلث میں سے اپنی ماں رقیہ کی وصیت پوری کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔[1] فقط محمد کفایت اللہ

کیا پوتے کو دادا کی میراث سے حصہ مل سکتا ہے؟

(سوال) زید کی دو بیویاں تھیں پہلی بیوی سے ایک فرزند اور بیوی رحلت کر گئی فرزند کو ایک لڑکا اور بیوی انتقال کر گئی فرزند غائب ''لڑکا اپنے نانا نانی کے ہاں پرورش پایا زید کا حصہ اس کے فرزند کو مل سکتا ہے یا نہیں'' دادا رحلت کر چکا ہے اس کی ملکیت میں پوتے کو حصہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۵۵۴ عبدالرحیم (بنگلور سٹی) ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۲۵ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۷۸) جب کہ اس پوتے کا باپ یعنی متوفی کا بیٹا زندہ ہے تو لڑکا حق دار ہے پوتا حقدار نہیں[2] لڑکا اگر غائب ہے تو اس کا حصہ محفوظ رکھا جائے گا۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا باپ کے ساتھ شریک اور مددگار اولاد کی علیحدہ ملکیت ثابت ہو گی؟

(سوال) زید کے چار لڑکے بالغ ہیں اور سب لڑکے زید کے ساتھ کاروبار کرتے ہیں اور سب کے خورد و نوش کا انتظام یکجائی ہے اور ان لوگوں کے پاس علاوہ حاجات اصلیہ کے ہزاروں روپے کی مالیت ہے پس اس صورت میں صدقہ فطر ادا کرنا صرف زید پر واجب ہے یا سب پر؟ زید کی موجودگی میں اگر کسی لڑکے کا انتقال ہو جائے اور وہ بیوی بچے چھوڑ دے تو آیا اس صورت میں کل مال زید کا قرار پائے گا یا کچھ میت کا قرار پا کر اس حصہ میں وراثت جاری ہو کر بیوی بچے پا سکیں گے المستفتی نمبر ۲۰۵۸ محمد یٰسین مدرس مدرسہ احیاء العلوم (اعظم گڑھ) ۱۶ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۱ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۷۹) اگر زید کے ان لڑکوں کی ملکیت جدا نہیں ہے بلکہ باپ کے ساتھ سب شریک اور باپ کے مددگار ہیں تو ان میں سے کسی کی موت پر اس کی میراث ثابت نہ ہو گی کیونکہ اس کا اپنا ترکہ کچھ بھی نہیں ہے۔[4] ہاں صدقہ فطر ان سب کی طرف سے ادا کرنا پڑے گا۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) و حکمہا کون الموصی بہ ملکا جدیدا للموصی لہ و تجوز بالثلث للاجنبی عند عدم المانع وان لم یجوز الوارث ذالک لا الزیادۃ علیہ الا ان یجیز ہا الورثۃ (الدرالمختار' کتاب الوصیۃ ۶ / ۶۵۰ ط سعید)

(۲) وہم ای العصبات بانفسہم اربعۃ اصناف : الاول جزء المیت' والثانی اصلہ' والثالث جزء ابیہ' والرابع جزء جدہ فیقدم فی ہذہ الاصناف والمدرجین فیہا الاقرب فالاقرب ای یرجحون بقرب الدرجۃ اعنی بہ اولاہم بالمیراث الذی یستحق بالعصوبۃ جزء المیت ای البنون ثم بنوہم وان سفلوا (شریفیہ شرح سراجیہ ص ۳۸ ط سعید)

(۳) ویوقف مالہ حتی تصح موتہ او تمضی علیہ مدۃ الخ (شریفیہ ص ۱۳۷ ط سعید)

(۴) الاب وابنہ یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لہما شئ فالکسب کلہ للاب ان کان الابن فی عیالہ لکونہ معینا لہ الاتری لو غرس شجرۃ تکون للاب الخ (ردالمحتار ۴ / ۳۲۵ ط سعید)

(۵) لا عن زوجتہ وولدہ الکبیر العاقل ولو ادی عنہما بلا اذن اجزاء استحسانا للاذن عادۃ ای لو فی عیالہ والا فلا (درمختار' باب صدقۃ الفطر ۲ / ۳۶۳ ط سعید)

کیا زندگی ہی میں کل مال وقف کرنا زیادہ بہتر ہے ؟

(سوال) زید کے ورثہ میں ایک عینی بہن اور ایک چچازاد بھائی ہے بہن کی کفالت ان کے بیٹے کرتے ہیں اور چچا زاد بھائی اپنی محنت سے کھاتے ہیں زید کی خواہش ہے کہ میں اپنی زندگی میں ایسا کام کر جاؤں جس سے مجھے آخرت میں زیادہ سے زیادہ نفع ہو اس لئے زید یہ دریافت کرتا ہے کہ مجھ کو اپنا مال فی سبیل اللہ مسجد کی مرمت مدرسے میں یا کسی کار خیر میں وقف کر دینے میں یا غربا و مساکین پر خرچ کر دینے میں یا حج نفل کر لینے میں (حج فرض ادا کر لیا ہے) زیادہ ثواب ہے یا ورثہ کے لئے چھوڑ جانے میں جب کہ ورثا کا نفقہ زید کے ذمہ نہیں ہے۔
المستفتی نمبر ۲۸۱۴، ۲۰ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ۔

(جواب ۳۸۰) زید کے لئے بہتر یہ ہے کہ اپنے ترکہ کی ایک تہائی کی وصیت کرے اور دو تہائی وارثوں کے لئے چھوڑے [1] اگر وہ اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں کچھ مال مسجد یا مدرسے میں وقف کر دے تو وقف صحیح ہوگا [2] مگر وارثوں کو محروم کرنے کی نیت سے ایسا کرنا مکروہ ہے [3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

باپ کے ساتھ شریک اولاد کی آمدنی کا حکم

(سوال) میرے والد نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں محل اول سے ایک لڑکا محل ثانی سے ایک لڑکا محل ثالث سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ ان دونوں کی ماں محل ثالث موجود ہیں محل اول میں سے مستفتی ہوں۔

بچپن ہی سے مجھ سے بطور ملازم کاروبار میں کام لیا گیا اور تا وفات والد صاحب کام کرتا رہا میری کارکردگی کا منافع جو میرے بجائے اگر کسی ملازم سے کام لیا جاتا تو بصورت تنخواہ و اجرت اسے دینا پڑتا مجھے بجز خورد و نوش کے اور کوئی جداگانہ معاوضہ نہیں ملا اور وہ حصہ جو خورد و نوش سے بچ سکتا تھا وہ کاروبار و مکان کی خرید و تعمیر میں صرف ہوا ہوگا ایسی صورت میں موجودہ ترکہ پر اس کا کوئی اثر شرعاً ہوگا یا نہیں ؟ بالغ اولاد کی آمدنی باپ کی ملکیت شرعاً ہوگی یا نہیں ؟ جب کہ وہ باپ سے الگ نہ رہتا ہو اور وہ آمدنی باپ کو وصول ہوتی ہو المستفتی نمبر ۲۱۲۰ محمد احسان الحق صاحب بہرائچ ۱۲ شوال ۱۳۵۶ھ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۸۱) بالغ اور نابالغ بچے جب کہ باپ کے کاروبار میں باپ کے ساتھ شریک رہیں یعنی کام کاج کرتے رہیں لیکن ان کی محنت کا کوئی معاوضہ مقرر نہ کیا گیا ہو نہ کبھی انہوں نے اس کا مطالبہ کیا ہو تو تمام آمدنی

---

(۱) عن عامر بن سعد عن ابیه قال مرضت عام الفتح حتی اشفیت علی الموت فعادنی رسول اللہ ﷺ فقلت الی رسول اللہ ﷺ ان لی مالاً کثیرا و لیس یرثنی الا ابنة لی افاتصدق بثلثی مالی قال لا قلت فالشطر قال لا قلت فالثلث قال الثلث والثلث کثیر (ابن ماجة باب الوصیة بالثلث ص ۱۹۹ ط میر محمد)

(۲) وسببه ارادة محبوب النفس فی الدنیا ببر الاحباب و فی الآخرة بالثواب یعنی بالنیة من اهلها و محله المال المتقوم و رکنه الالفاظ الخاصة کارضی هذه صدقة موبدة علی المساکین و نحوه من الالفاظ کموقوفة للہ تعالی او علی وجه الخیر او البر و شرطه شرط سائر التبرعات کحریة و تکلیف (الدر المختار کتاب الوقف ۴/۳۳۹ ط سعید)

(۳) لقوله علیه السلام انک یا سعد ان تدع ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعهم عالة یتکففون الناس (ابن ماجة باب الوصیة بالثلث ص ۱۹۹ ط میر محمد)

باپ کی ملک تصور ہوتی ہے اور اولاد اس کی معین و متبرع قرار دی جاتی ہے[1] پس صورت مسئولہ میں سوائے اس کے کہ متوفی بیویوں کی اولاد اپنی ماں کے مہر میں سے اپنے حصے کا مطالبہ کرے اور تقسیم ترکہ سے پہلے یہ رقم ترکہ میں سے علیحدہ کرانے اور کوئی تفاوت نہیں ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیٹے کو نفع اٹھانے کے لئے دی ہوئی چیز کے منافع بیٹے ہی کے ہوں گے

(سوال) میری والدہ کا انتقال میرے بچپن میں ہو گیا تھا جس کی وجہ سے میری تعلیم و تربیت کا کوئی معقول انتظام نہ ہو سکا والد مرحوم نے ایک پریس قائم کیا اور اسی پریس میں ایک ملازم کی بجائے مستقلاً تقریباً کئی سال تک مجھ سے کام لیا گیا اور بعدہٗ بعض ہمدرد ملازمین کی سفارش سے مجھے کتابت کا کام سکھایا گیا اس کام کے سیکھنے کے بعد مجھ سے کتابت کا کام لیا جاتا رہا پریس کا قیام ایک خاص تفسیر کی کتابت کے لئے ہوا تھا تفسیر کی طباعت کے لئے ایک اور کاتب تھے علاوہ اس کے اور جس قدر کتابت کا کام ہوتا تھا مجھ سے لیا جاتا تھا تفسیر کی طباعت کے لئے ایک پریس مخصوص تھا اور اس کے علاوہ دو تین پریس تھے جو کبھی کبھی سب چلتے تھے اور کبھی کبھی کم ہو جاتی تھی ان پریسوں کی کل کتابت کا کام مجھ سے لیا جاتا تھا اور اس کتابت سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ والد مرحوم کو حاصل ہوتی تھی عرصہ دراز تک یہ سلسلہ رہا مجھے صرف خورد و نوش کا بصورت یکجائی فائدہ حاصل تھا جب تفسیر کی طباعت ختم ہو گئی تھی تو والد مرحوم نے ایک پریس کے علاوہ اور سب سامان فروخت کر ڈالا اور ایک پریس اور چند پتھر مجھے سپرد کئے جس پر میں نے کام شروع کر دیا اور بوجوہ ذیل میں نے یہ سمجھا کہ یہ سامان مجھ کو بطور ملکیت دیدیا گیا ہے۔

(۱) ایک صاحب سے دوران گفتگو والد صاحب نے فرمایا کہ اس کے لئے (میرے لئے) ایک پریس کھانے کمانے کو کافی ہے آئندہ جب ضرورت ہوگی وہ خود مہیا کرلے گا۔

(۲) ایک مرتبہ کسی انتظامی معاملہ کے متعلق میں نے عرض کیا تو جواب میں فرمایا کہ تم جس طرح مناسب سمجھو انتظام کرو مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں۔

(۳) ایک صاحب کتاب چھپوانا چاہتے تھے اس معاملے میں مجھے خط لکھا جس میں یہ الفاظ لکھے تھے وہ تمہارے پریس سے چھپتے ہیں۔

(۴) اپنا کوئی ذاتی کام کتاب وغیرہ چھپوائی تو حساب کر کے کل اجرت مجھے دی۔

(۵) تاحیات مجھ سے کبھی پریس کی آمد و خرچ نفع و نقصان کی بابت کوئی حساب کتاب نہیں لیا اور نہ پوچھا۔ میں نے بوقت ضرورت پریس کے سامان میں اضافہ کیا جو قرض سے ہوا اور پھر انہیں پریسوں کی آمدنی سے قرض ادا ہوا والد مرحوم کی وفات کے وقت علاوہ اس ایک پریس کے جو والد سے ملا تھا میرے

(۱) (بحوالہ سابقہ نمبر ۴ ص ۲۴۵)

پاس اور بھی دو پریس تھے بعد انتقال والد مرحوم میں بدستور کام کرتا رہا اور ایک مشین بھی خریدی جو موجود ہے
صورت مسئولہ میں مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں۔
(۱) مندرجہ بالا طریق پر پریس میری ملکیت ہو گیا یا نہیں؟
(۲) جو زائد سامان پریس و مشین وغیرہ میں نے مہیا کی ہے اگر اول پریس جو والد نے مجھے دیا تھا میری شرعاً ملکیت نہ ہو تو یہ زائد سامان اس کا جزو ہو گیا میری ملکیت؟
(۳) اگر زائد جزو ہو گا تو وہ بھی جو میں نے والد صاحب کی وفات کے بعد خریدا ہے یا صرف وہ جو ان کی حیات میں میں نے اضافہ کیا تھا۔
(۴) اگر وفات کے قبل و بعد کا کل اضافہ شدہ سامان والد صاحب کے ترکہ میں شمار کیا گیا تو میں نے جو کتابت کا کام وفات سے پہلے اور بعد کیا اور جو وقت انتظام میں صرف کیا اس کا شرعاً کوئی معاوضہ ہو گا یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۲۱۲۱ محمد احسان الحق صاحب اکلیل پریس (بہرائچ)

(جواب ۳۸۲) پہلا پریس جو والد صاحب نے دیا تھا اس کے متعلق تملیک کی کوئی تصریح نہیں قرائن تملیک کے پانچ نمبروں میں سے نمبر ۴ و ۵ تو قرینہ تملیک ہیں لیکن تملیک کی حجت اور دلیل وہ بھی نہیں بن سکتے۔

زائد سامان اور پریس و مشین وغیرہ جو آپ نے مہیا کی ہیں وہ سب آپ کی ملک ہیں خواہ والد صاحب کی حیات میں آپ نے مہیا کی ہوں یا ان کی وفات کے بعد۔

صورت حال یہ ہے کہ یا تو ورثاء پریس کو جو والد صاحب نے دیا تھا آپ کی ملکیت ہونے کا اقرار کریں جب تو وہ اور اضافہ شدہ سامان آپ کی ملک ہے[1] اس میں کوئی شبہ نہیں اور اگر وہ تملیک کو تسلیم نہ کریں تو صرف وہ سامان جو والد نے دیا تھا والد کا ترکہ ہو گا مگر چونکہ والد نے اس سے نفع اٹھانے (کمانے کھانے) کی اجازت آپ کو دی اس لئے اس کے تمام منافع آپ کی ملک ہوئے[2] اس میں کوئی دوسرا وارث شریک اور حقدار نہیں ہاں والد کی زندگی میں پریس میں کتابت کا جو کام آپ نے والد کے لئے کیا یا منیجری کا کام کیا اس کا معاوضہ آپ والد کے ترکہ میں سے طلب نہیں کر سکتے وہ سب کام والد کی اعانت اور تبرع قرار پائے گا۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) الا باجازة ورثته لقوله علیه السلام لا وصیة لوارث الا ان یجیز ها الورثة یعنی عند وجود وارث اخر کما یفیده اخر الحدیث و سنحققه وهم کبار عقلاء فلم تجز اجازة و مجنون و اجازة المریض کابتداء و صیة (الدرالمختار کتاب الوصایا ٦ ٦٥٦ ط سعید)
(۲) [illegible] و تتم الهبة بالقبض الکامل فی محوز مفرغ مقسوم و مشاع لا یبقی منتفعا به بعد ان یقسم الخ (الدرالمختار کتاب الهبة ٥ ٦٩٣ ط سعید)
(۳) الاب وابنه یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شی فالکسب کله للاب ان کان الابن فی عیاله لکونه معینا الا تری لو غرس شجرة تکون للاب (ردالمحتار ٤ ٣٨٥ ط سعید)

کیا خاوند کی وفات کے بعد عورت گزشتہ زمانے کا نفقہ لے سکتی ہے؟

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) جناب عمدة العلماء وزبدة الفصحاء المتکلمین مولانا و مقتدانا رئیس جمعیة علماء الهند دام ظلکم العالی

بعد اهد انکم وافر السلام والسوال عن صحة حالکم لا زلتم بتمام الصحة والسرور ثم المعروض لدى سیادتکم العالیة هو التکلیف فی مسئلة المعینة ادناه طبقا لحکم الشریعة الغراء علی صاحبها افضل الصلوة والتحیة

امرأة افترقت مع زوجها منذ عامین لعوارض شقاقیة حدث بینهم ولم تجد منه ما یقیم حیاتها من اللوازم البشریة و بعد انقضاء الحین المذکور اعلاه بلغها بوفاة زوجها السابق من ثقات الرجال الذین یقبل شهادتهم الشرع المحمدی یعنی بینة کاملة

فهل لها ان تطلب من مال زوجها السابق نفقة وهل لها ان تزوج ثانیا ام لا؟

افیدونا افادکم الله و دمتم والباری یحفظکم الداعی لکم سالم عبد علی

(ترجمہ) حضرت الفاضل صدر جمعیۃ علمائے ہند دام ظلکم العالی۔ ہماری طرف سے بہت بہت سلام قبول فرمائیے امید ہے کہ آپ خیر و عافیت ہوں گے اللہ تعالیٰ آپ کو باصحت و عافیت اور خوش و خرم رکھے! آپ سے ایک مسئلہ دریافت کیا جاتا ہے تاکہ شریعت کے حکم کے مطابق عمل کیا جاسکے ایک عورت اپنے شوہر سے تعلقات کی کشیدگی کے باعث دو سال سے جدا تھی اور ان دونوں کے درمیان کسی قسم کے تعلقات زناشوئی قائم نہیں رہے تھے۔ دو سال کے بعد اس کو چند معتبر اور عادل مقبول الشہادۃ لوگوں کے ذریعے شوہر کی وفات کی خبر پہنچی۔ کیا اس کو شوہر متوفی کے مال میں سے زمانہ سابق کا نان نفقہ طلب کرنے کا حق ہے؟ اور کیا وہ اپنا نکاح ثانی کر سکتی ہے؟

(جواب ۳۸۳) رحمکم الله نعم! لها ان تقبل قول الثقات و تتزوج بعد انقضاء عدة الوفاة[1] و لیس لها ان تطلب النفقة من مال زوجها لان النفقة لا تجب لما مضی الا بالقضاء او الرضاء[2] و کلا هما لا یتصور بعد وفاة الزوج ولا نفقة فی عدة الموت ولها المهر والمیراث والله اعلم
محمد کفایت الله کان الله لہ'

(ترجمہ) ہاں عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ ان معتبر گواہوں کے قول کا اعتبار کرے اور عدت وفات پوری کر کے اپنا نکاح ثانی کرلے[1] اور اس کو شوہر کے ترکہ میں سے نان نفقہ طلب کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ زمانہ سابق کا نفقہ بغیر حکم قاضی کے یا آپس کی رضامندی کے واجب نہیں ہوتا[2] اور شوہر کے مرنے کے بعد

(۱) لما فی الدر وفیه عن الجوهرة اخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات او طلقها ثلاثا او اتاها منه کتاب علی یدثقة بالطلاق ان کبر رأیها انه حق فلا باس ان تعتد وتتزوج الخ (الدر المختار' کتاب الطلاق ۳/ ۵۲۹ ط سعید) (۲) واذا مضت مدة لم ینفق علیها الزوج فیها و طالبته بذلك فلا شئ لها الا ان یکون القاضی فرض لها النفقة او صالحت علی مقدارها فیقضی لها بنفقة ما مضی لان النفقة صلة و لیست بعوض عندنا فلا یستحکم الوجوب فیها الا بالقضاء الخ (الجوهرة النیرة' کتاب النفقة ۲/ ۱۱۳ ط میر محمد)

ان دونوں باتوں کا امکان نہیں اور عدت موت میں نفقہ کا حق نہیں ہوتا[۱] البتہ مہر[۲] اور میراث کی حقدار ہے۔[۳] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بیوی اور اولاد کی موجودگی میں شوہر کے حقیقی بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) زید انتقال کر گیا اور ایک حقیقی بھائی ایک زوجہ پانچ لڑکے چھوڑے زید نے زوجہ کا دین مہر ادا نہیں کیا تھا اور نہ زوجہ نے معاف کیا تھا زید کو انتقال کئے ہوئے نو دس برس ہوئے زید کی زندگی سے کاروبار تجارت جاری تھا صرف دو تین لڑکے جو ہوشیار و بالغ تھے تجارت میں مشغول رہے اور بعد وفات اپنے والد کے انہیں تینوں نے اس کا انتظام چلایا اور نابالغوں کی نوشت و خواند کا انتظام کیا کبھی کبھی وہ نابالغ نوشت و خواند سے فرصت پا کر حسب الحکم اپنے بڑے بھائیوں کے جو کام ہوتا کرتے تھے اب بالغ و ہوشیار ہونے پر اپنے باپ کے ترکے میں حصہ کا مطالبہ کیا تو اب پہلے دین مہر ادا کیا جائے تو اصل مال متروکہ زید سے ادا ہو یا مال موجودہ ترقی شدہ سے اور اس کے بعد مال بچنے پر ورثا کو دلایا جائے تو اصل مال متروکہ زید کے انتقال کے وقت جو تھا اس میں سے سب کو برابر ملے گا یا جو مال ترقی شدہ ہے اس میں سے ملے گا؟

(جواب ۳۸٤) زید کے اقربائے مذکورین میں زید کے وارث صرف زوجہ اور لڑکے ہیں زید کے بھائیوں کا کوئی حق نہیں اور چونکہ لڑکوں نے متروکہ زید میں قبل تقسیم تجارت جاری رکھی تو متروکہ زید اسی طرح مشترک رہا اور کام کرنے والے دوسرے ورثا کے حق میں (چونکہ وہ ماں اور بھائی تھے) متطوع تھے[۴] اس لئے اب مال موجودہ میں سے زوجہ کو مہر دینے کے بعد باقی مال موجودہ کو حصص فرائض پر تقسیم کیا جائے ماں کو آٹھواں حصہ دیکر باقی مال سب لڑکے برابر تقسیم کر لیں۔[۵] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

پوتوں کی موجودگی میں بھتیجے وراثت کے حقدار نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) عبدالکریم و حاجی احمد یہ دونوں بھائی ہیں اور ہر ایک کے ایک ایک لڑکا ہے عبدالکریم کا علی محمد اور

---

(۱) لا تجب النفقه بانواعها لمعتدة موت مطلقاً لو حاملاً (الدرالمختار باب النفقة ۳ / ۶۱۱ ط س)
(۲) وآتوا النساء صدقاتهن نحلة (النساء: ۷)
(۳) وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والاقربون (النساء: ۷)
(٤) ايضاً بحواله سابقه نمبر ۳ صفحه ۲۸۱
(۵) ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد (الى قوله) ثم يقسم الباقي بين ورثته الذين ثبت ارثهم بالكتاب والسنة (الدر المختار كتاب الفرائض ۶ / ۷۶۰ ط سعيد) وفيه ايضاً فيفرض للزوجة فصاعداً الثمن مع ولد او ولد ابن ... وفيه ايضاً يحوز العصبة بنفسه وهو كل ذكر لم يدخل في نسبته الى الميت انثى ما ابقت الفرائض و عند الانفراد يحوز جميع المال (الدر المختار على هامش رد المحتار كتاب الفرائض ۶ / ۷۷۳ ط س)

حاجی احمد کا صالح احمد علی محمد کے والد کا انتقال ہو گیا اس کی پرورش اس کے چچا حاجی احمد کے پاس ہوئی اور صالح احمد غنی تھا اس نے اپنی زندگی میں اپنی اولاد اور اپنے باپ حاجی احمد کے درمیان جائیداد تقسیم کر دی تھی اب سوال یہ ہے کہ حاجی احمد کے پوتا پوتی و بھتیجا موجود ہیں اب وہ حصہ جو کہ لڑکے کی طرف سے پہنچا ہے اس میں سے ازروئے شریعت ورثا اس کے بھتیجے کو پہنچ سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۸۵) پوتوں کے موجود ہونے کی صورت میں بھتیجے حقدار نہیں ہیں۔[1] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

صرف مل جل کر رہنے سے جائیداد میں شرکت ثابت نہیں ہوتی

(الجمعیۃ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) ایک شخص کے وارثوں میں دو بیٹے اور ایک بی بی ہے تینوں مدت بیس سال تک ایک ساتھ ہم طعام رہے۔ دونوں لڑکوں نے جدا جدا کمائی کی اور روزی کے مال غیر مخلوط رکھ کر جدا جدا جائیداد و مکانات خرید کیا اس وقت وہ تینوں تفریق ہونے لگے اب وہ جائیداد و مکانات کس طرح تقسیم ہو گا ؟

(جواب ۳۸۶) جبکہ لڑکوں نے جدا جدا کمایا اور جدا جدا جائیداد بنائی تو ہر ایک اپنی کمائی اور جائیداد کا جداگانہ مالک ہو گا صرف ہم طعام ہونے سے جائیداد مشترک نہیں ہو جاتی ہاں باپ کا ترکہ سب وارثوں میں قاعدہ وراثت کے موافق تقسیم ہو گا۔ بی بی کو مہر[2] اور آٹھواں حصہ میراث دیکر[3] باقی مال دونوں لڑکوں کو بحصہ مساوی ملے گا۔[4] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

نابالغ اولاد کو ہبہ کی ہوئی جائیداد پر بقیہ وارثوں کا حق نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید ایک زوجہ ایک لڑکی چار سوتیلی بہنوں کو چھوڑ کر انتقال کر گیا زید اپنے حین حیات میں اپنی کمسن نابالغہ لڑکی کے نام ملک خرید کر ہبہ کر دے کر اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ مذکور املاک کی آمدنی اپنے حسب منشا خرچ کر رہا تھا اور اپنی لڑکی کے نام چند کمپنیوں میں برائے منافع سرمایہ جمع کر رکھا تھا وقت ضرورت اصل سرمایہ میں سے بھی لیکر صرف کر رہا تھا الحاصل آمد و خرچ لڑکی کے نام پر ہی رکھا تھا اب سوال یہ ہے کہ املاک اور نقد لڑکی کا حق ہے یا اس میں وارثوں کا بھی حق ہے زید ملک اور نقد اپنے حین حیات ہی میں لڑکی کو ہبہ کر دینے کے باوجود پہلے کچھ روپیہ لڑکی کی شادی کی غرض سے ہبہ کر دیکر اپنے نام میں خرچ لکھ کر لڑکی کے

---

(۱) الاقرب فالا قرب یرجحون بقرب الدرجة اعنی اولهم بالمیراث جزء المیت ای البنون ثم بنوهم (سراجی باب العصبات ص ۱۳ ط سعید)

(۲) والمهر یتأ کد باحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحیحة و موت احد الزوجین (عالمگیریة ۱ : ۳۰۳ ط مصری)

(۳) فیفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن (الدرالمختار کتاب الفرائض ۶ : ۷۷۰)

(۴) (ایضا بحوالہ بالا نمبر ۱)

نام مذکور روپیہ حساب میں جمع رکھا ہے۔ اس صورت میں مذکور رقم کو زید کے خاص املاک میں سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہئے یا نہیں؟ زید اپنی بیماری کے وقت بکر کے پاس بطور امانت پندرہ سو روپے دے رکھا تھا۔ بکر کے اصرار پر زید نے کہا کہ اس رقم کو لڑکی کے نام جمع رکھو پھر چند دنوں کے بعد بکر سے کہا کہ ان روپوں کو لڑکی کی شادی میں خرچ کرو اس صورت میں مذکور رقم کا حق کس کا ہے؟ زید اپنے ہمشیر زادہ کے نام ایک ملک خرید کر کے ہبہ کر دیکر مذکور ملک کی آمد و خرچ اپنے قبضہ ہی میں رکھا تھا مذکور ملک کی آمدنی سے خرچ جو زیادہ ہوا ہے اس کے نام پر خرچ لکھا ہوا ہے اس صورت میں خرچ افزود زید کے ہی ذمہ ہے یا ہمشیرہ زادہ ادا کرتا یا نہیں؟ زید پابند صوم و صلوٰۃ نہیں تھا کبھی پڑھا کبھی نہیں اور حج بھی ادا نہ کیا اور نہ حج بدل کے لئے وصیت کیا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

(جواب ۳۸۷) زید کا ترکہ اس کے وارثوں میں اس طرح تقسیم ہو گا کہ ترکہ کے بتیس سہام کر کے اس میں سے چار سہام زوجہ کو اور سولہ سہام لڑکی کو اور تین تین سہام چاروں بہنوں کو دیئے جائیں گے (جب کہ بہنیں علاتی یعنی باپ شریک ہوں)[1] نابالغہ لڑکی کو جو جائیداد اور املاک نقد روپیہ زید نے ہبہ کر دیا تھا وہ نابالغہ کی ملک ہو گیا اس میں دوسرے وارثوں کا حق نہیں ہے ہمشیر زادے کو جو جائیداد ہبہ کی ہے اگر ہبہ کے وقت وہ ہمشیر زادہ نابالغ ہو اور زید کی عیال داری میں ہو تو وہ ہبہ بھی صحیح ہو گیا اور جائیداد ہمشیر زادہ کی ملک ہو گئی[2] لیکن اگر ہبہ کے وقت ہمشیر زادہ بالغ ہو یا نابالغ ہو مگر اپنے باپ دادا چچا وغیرہ میں سے کسی کی عیالداری میں ہو تو اس صورت میں ہبہ کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ بصورت بلوغ خود ہمشیر زادے کو یا بصورت دیگر اس کے سرپرست ولی کو جائیداد موہوبہ کا قبضہ دیدیا گیا ہو[3] اگر ان صورتوں میں قبضہ نہ دیا گیا تو ہبہ صحیح نہیں ہوا اگر زید نے اپنے قضا شدہ فرائض نماز روزہ کا فدیہ ادا کرنے حج بدل کرانے کی وصیت نہیں کی ہے تو وارثوں پر لازم نہیں کہ وہ فدیہ ادا کریں یا حج بدل کرائیں ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے کرنا چاہیں تو بالغ ورثا اپنے اپنے حصے میں سے فدیہ اور حج بدل کے مصارف ادا کر سکتے ہیں۔[4] فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ

---

(۱) فیفرض للزوجة فصا عدا الثمن مع ولد او ولد ابن (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۰ ط سعید) وفی الشریفیه والا خوان لاب کالا خوات لاب وام ولهن احوال سبع : النصف للواحدة والثلثان للاثنین فصا عدة عند عدم الاخوات لاب وام(شریفیه شرح سراجیة ص ۲۷ ط سعید)

م۸تصـ۳۲

بیوی	لڑکی	سوتیلی بہن
۱/۴	۴/۱۶	۳ ۱۲

(۲) وشرائط صحتها فی الواهب العقل والبلوغ فلا تصح هبة صغیر و رقیق ولو مکاتباً وشرائط صحتها فی الموهوب ان یکون مقبوضاً غیر مشاع ممیزا غیر مشغول (الدرالمختار ۵/۶۸۷ ط س)

(۳) وان وهب له اجنبی یتم بقبض وهو احد اربعة : الاب ثم وصیه (الیٰ قوله) و یقبضه لو ممیزاً یعقل التحصیل ولو مع وجودا بیه لانه فی المنافع المحض کالبالغ (الدرالمختار' باب الهبة ۵/۶۶۵ ط سعید)

(۴) ولو مات و علیه صلوات فائتة واوصی بالکفارة و یعطی لکل صلاة نصف صاع من بر وکذا حکم الوتر والصوم وانما یعطی من ثلث ماله ای یعطی عنه ولیه (الیٰ قوله) واما اذا لم یوص فتطوع بها الوارث فقد قال محمد فی الزیادات انه یجزیه ان شاء الله تعالیٰ (الدرالمختار : باب قضاء الفوائت ۲/۷۲ ط سعید)

میراث تقسیم کرنے کی ایک صورت

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید کو یکے بعد دیگرے چار عورتیں پہلی عورت ایک لڑکی چھوڑ کر گزر گئی۔ دوسری عورت ایک لڑکی چھوڑ کر گزر گئی۔ اس دوسری عورت کو زید اس کی حیات ہی میں اپنی ملک مہر کے لئے اس کے نام رجسٹر و دیگر ملک اپنے ہی قبضے میں رکھا تھا۔ چند دنوں کے بعد عورت گزر گئی تیسری عورت دو لڑکے دو لڑکیاں چھوڑ کر گزر گئی۔ چوتھی عورت موجود ہے اس سے ایک لڑکی بھی ہے زید گزر گیا سب اولاد زندہ ہے ؟

(جواب ۳۸۸) زید نے جو جائیداد کہ دوسری عورت کے نام اس کے مہر میں لکھ دی ہے وہ اس عورت کی ملک ہو گئی[1] باقی تین عورتوں کا مہر زید کے باقی ترکہ میں سے ادا کیا جائے گا[2] اور بعد ادائے دین مہر و قرض وغیرہ اس کا باقی ترکہ اس کے وارثوں کو تقسیم کیا جائے گا اس طرح کہ آٹھواں حصہ[3] بیوی کو دیکر باقی ترکہ کے نو سہام کر کے چار سہام دونوں لڑکوں کو (فی نفر دو سہام) اور پانچ سہام پانچوں لڑکیوں کو (فی لڑکی ایک سہام) دیدیئے جائیں گے۔[4] یہ جب کہ ان مذکورہ وارثوں کے علاوہ اور کوئی وارث نہ ہو۔ فقط محمد کفایت اللہ غفرلہ

کیا بھتیجی اور چچا کی اولاد بیوی، بہنوں اور بھتیجے کے ساتھ وارث نہیں بن سکتے ؟

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۸ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید لاولد اور ضعیف العمر ہے بظاہر اولاد ہونے کی کوئی امید نہیں اس کے رشتہ داروں میں ایک بیوی، تین بہنیں، ایک مرحوم بھائی کی اولاد میں دو لڑکیاں، ایک لڑکا ایک مرحوم بہن کی اولاد میں ایک لڑکی اور تین مرحوم چچاؤں کی مختلف اولادیں موجود ہیں بعد انتقال زید کون وارث ہوگا ؟

(جواب ۳۸۹) اگر زید کے وارث اس کے انتقال کے وقت یہ لوگ ہوں تو اس کی بیوی اور بہنیں اور بھتیجا وارث ہوں گے۔ ان وارثوں کے سامنے بھتیجی اور چچا کی اولاد وارث نہ ہوگی اسی طرح بہن کی اولاد بھی وارث نہ ہوگی۔[5] محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

---

(۱) و تجب العشرة ان سماها او دونها و يجب الاكثر منها ان سمى الاكثر ويتا كد عند وطى او خلوة صحت من الزوج او موت احدهما الخ (الدرالمختار، باب المهر ۳/۱۰۲ ط سعيد)

(۲) والمهر يتا كدبا حد معان ثلثة: الدخول، والخلوة الصحيحة و موت احد الزوجين (عالمگيرية، الباب السابع فى المهر ۱/۳۰۳ ط ماجديه)

(۳) فيفرض للزوجة فصا عدا الثمن مع ولد وولد ابن (درمختار، كتاب الفرائض ۶/۷۷۰ ط سعيد)

(٤) وفى العالمگيرية: واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للابن مثل حظ الانثيين (عالمگيرية، ۶/٤٤٨ ط ماجديه)

(٥) ثم ذوى الارحام اى يبدأ عند عدم الرد لا نتضاء ذوى الفروض النسبية بذوى الارحام وهم الذين لهم قرابة وليسوا بعصبة ولا ذوى سهم وانما اخروا عن الرد لان اصحاب الفرائض النسبية اقرب الى الميت واعلى درجة منهم (شريفية ص ۹ ط سعيد)

باپ کی میراث میں تمام اولاد چاہے کئی بیویوں سے ہو برابر کے حقدار ہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۲۸ء)

(سوال) بڑا بھائی باپ کی جائیداد پر قابض ہے دوسرا بھائی بڑے کے شامل کام کرتا ہے بڑے بھائی نے سب کام اپنے نام سے کر رکھا ہے اور وہ اپنی ماں کا اکیلا ہے اور ہم دو جو ہیں چھوٹے دوسری ماں سے ہیں بڑا بھائی چھوٹے بھائیوں کو حصہ نہیں دینا چاہتا ہے ؟

(جواب ۳۹۰) باپ کی جائیداد متروکہ میں اس کی تمام اولاد ایک بیوی سے ہو یا کئی بیویوں سے حصہ پانے کی حق دار ہے صورت مسئولہ میں بڑا لڑکا اور چھوٹے لڑکے جو دوسری ماں سے ہیں سب حصہ پائیں گے[1] بڑے لڑکے کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ باپ کے ترکہ پر تنہا خود قبضہ کر لے اور چھوٹے سوتیلے بھائیوں کو محروم کر دے اگر ایسا کرے گا تو سخت ظالم اور گناہ گار ہوگا۔[2] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

بہن کے ہوتے ہوئے بھتیجی وراثت کی حقدار نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۲۸ء)

(سوال) مسماۃ ہندہ لاولد فوت ہوگئی مسماۃ حمیدہ اس کی ہمشیرہ حقیقی و زینب اس کی بھتیجی موجود ہیں اب زینب لاولد فوت ہوگئی ترکہ ہندہ متوفیہ مقبوضہ زینب مرحومہ کے خاوند عمرو خالد ماموں زینب نے باہم حصہ مساوی تقسیم کر کے سعید و سعیدہ اولاد حمیدہ کو محروم وراثت قرار دیا یا سعید و سعیدہ بھی خواہاں ترکہ کے ہیں

(جواب ۳۹۱) جب کہ ہندہ متوفیہ نے اپنی وفات کے وقت اپنی حقیقی ہمشیرہ اور بھتیجی زینب کو چھوڑا تھا تو ہندہ کے تمام ترکہ کی مستحق اس کی حقیقی ہمشیرہ تھی[3] بھتیجی کا کوئی حق نہ تھا[4] پس ہندہ کے ترکہ کے حق دار سعید و سعیدہ (بواسطہ حمیدہ) ہیں اور عمرو خالد کا کوئی حق نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

صرف خاوند اور ماموں وارث ہوں تو تقسیم میراث کی کیا صورت ہوگی ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۸ء)

(سوال) مسماۃ زینب لاولد فوت ہوگئی ہے اس کے مندرجہ ذیل وارث موجود ہیں عمرو (خاوند متوفیہ)

---

(۱) کیونکہ باپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے وہ ایک باپ کی اولاد ہے اس لئے میراث میں یکساں حصہ لیں گے۔
(۲) قال تعالیٰ: ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (النساء: ۲۹) وقال تعالیٰ: ان الذین یا کلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونہم نارا وسیصلون سعیرا (النساء: ۱۰)
(۳) نصف بطور فرض ہونے کے اور نصف بطور رد کے

مـ ۱ تصـ ۲

اخت ع	بنت الاخ
۱	۰

خالد (ماموں حقیقی) سعید (پھوپھی زاد بھائی) سعیدہ (پھوپھی زاد بہن) ترکہ جو کہ مسماۃ زینب چھوڑ گئی ہے دراصل جائیداد مسماۃ ہندہ پھوپھی زینب مرحومہ وخالہ مسمیان سعید و سعیدہ کا ہے چونکہ ہندہ کو فوت ہو گئے بارہ سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے اس لئے بموجب قانون انگریزی مسماۃ زینب مرحومہ قابض مخالف کی حیثیت سے مالک تصور کی جاوے گی ؟

(جواب ۳۹۲) اگر یہ ترکہ مسماۃ زینب کی جائز ملکیت نہیں ہے بلکہ صرف قبضہ مخالفانہ کی حیثیت سے وہ مالک سمجھی جاتی ہے اور دراصل جائیداد اس کی پھوپھی کی تھی اور اس کی پھوپھی کے وارثوں میں زینب بھتیجی اور سعید و سعیدہ بھانجا اور بھانجی تھے تو اس جائیداد میں زینب کا حصہ ۳/۲ اور سعید و سعیدہ کا ۳/۱ تھا اب زینب کے انتقال کے بعد اس کا ۳/۲ حصہ اس طرح تقسیم ہو گا کہ اس میں سے نصف اس کے خاوند کو ملے گا[1] اور نصف اس کے ماموں کو۔[2] فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ'

فوت شدہ اور موجودہ بیوی کا مہر خاوند کے ترکہ سے ادائیگی کا طریقہ

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۹ء)

(سوال) ایک شخص کی زوجہ کا انتقال ہوا اس نے اولاد چھوڑی اس شخص نے دوسری شادی کی اس سے بھی اولاد ہوئی پھر وہ شخص ایک بیوی اور اولاد جو دونوں بیویوں سے ہے چھوڑ کر انتقال کر گیا اس کی جائیداد میں سے دین مہر دونوں بیویوں کا ادا کیا جائے گا یا صرف موجودہ بیوی کا ؟

(جواب ۳۹۳) دونوں بیویوں کی اولاد اپنے باپ کے مال کی حقدار ہے اور دونوں بیویوں کا مہر خاوند کے مال میں سے ادا کیا جائے گا۔[3] مگر جو بیوی کہ خاوند کے سامنے مر گئی ہے اس کے مہر میں سے خاوند کا حصہ ۱/۴ وضع کر لیا جائے گا۔[4] محمد کفایت اللہ غفر لہ'

ولد الزنا کو "زانی باپ" کی وراثت سے حصہ نہیں ملے گا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) ایک معزز مسلمان شخص کا ایک ہندو عورت سے ناجائز تعلق ہو گیا اور اسی کے نطفے سے ایک لڑکا پیدا ہوا تو وہ لڑکا اس مسلمان کی جائیداد میں سے حصہ پائے گا یا نہیں ؟

---

(۱) والنصف له عند عدمهما الخ (تنویر الابصار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۰ ط سعید)

(۲) فیبدأ باصحاب الفرائض ثم یبدأ بالعصبات من جهة النسب الی قوله ثم ذوی الارحام (شریفیه شرح سراجیة ص ۸ ط سعید)

(۳) والمهر یتا کدبا حد معان ثلاثة : الدخول والخلوة الصحیحة و موت احد الزوجین (عالمگیریة' الباب السابع فی المهر ۱/ ۳۰۳ ط ماجدیه)

(٤) المسمی دین فی ذمته وقد تا کد بالموت فیقضی من ترکته الا اذا علم انها ماتت اولاً فیسقط نصیبه من ذالك (هدایة' باب المهر ۲/ ۳۳۷ ط شرکة علمیة)

(جواب ۳۹٤) اگرچہ یہ ثابت بھی ہو جائے کہ یہ بچہ مسلمان کے نطفے سے پیدا ہوا ہے لیکن شریعت کے احکام میں اس بچے کا نسب اس شخص سے ثابت نہ ہوگا کیونکہ اس مسلمان شخص کی وطی جو ہندو عورت کے ساتھ واقع ہوئی ہے زنا قرار پائے گی اور زنا میں نسب ثابت نہیں ہوتا بلکہ زنا کی سزا جاری ہوتی ہے۔[1] پس بچہ کو اس شخص کی جائیداد متروکہ میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ

(۱) حرام مال کے حلال ہونے کی کیا صورت ہے؟
(۲) کیا حرام مال وارثوں کے لئے بھی حرام ہوگا؟
(۳) حرام مال سے تجارت کے ذریعہ حاصل ہونے والے مال کا حکم
(۴) توبہ سے مال حلال نہیں ہوگا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) (۱) مال حرام کے جائز و حلال ہونے کی کوئی صورت کسی وقت ممکن ہے یا نہیں؟ (۲) مورث کا مال حرام ورثا کے واسطے شرعاً حرام ہے یا حلال؟ (۳) اگر کسی کے پاس مال مخلوط بحلال و حرام ہو یعنی راس المال حرام تھا اس سے وہ تجارت یا زراعت کرتا ہے تو اب اس کے مال کا کیا حکم ہوگا؟ (۴) کیا مال حرام بعد توبہ حلال ہو جاتا ہے؟

(جواب ۳۹۵) (۱) حرمت کی وجوہ مختلف ہیں اور ان سے حاصل شدہ مال کے احکام بھی مختلف ہیں مال مغصوب یا مسروقہ مالک کی اجازت دینے اور بخش دینے سے حلال ہو جاتا ہے۔[2] (۲) مورث کا مال حرام جس کے متعلق وارث کو حرام ہونے کا علم ہو وارث کے لئے بھی حرام ہے اور اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اصل مالکوں کو واپس کرے۔[3] مثلاً اگر وارث کو یہ علم ہو کہ مورث نے زید سے سود یا رشوت میں یہ سو روپے یا گھوڑا وغیرہ حاصل کیا تھا تو وارث کو لازم ہوگا کہ وہ سو روپے اور وہ گھوڑا اس کے مالک کو واپس کردے۔[4] کیونکہ وارث اس چیز کا وارث ہوتا ہے جو اس کے مورث کی ملک ہو اور جو چیز کہ اس کے مورث کی ملک ہی نہیں تھی وارث اس کا بحیثیت وارث ہونے کے مستحق ہی نہیں ہوا (۳) مال مخلوط میں اکثریت پر احکام جاری ہوتے ہیں اگر اکثر حلال ہے تو حلال کا حکم دیا جائے گا اور اکثر حرام ہے تو حرام کا۔[5] (۴) توبہ سے مال

---

(۱) فقال الولد للفراش و للعاهر الحجر (ابوداؤد شریف ۱/۳۱۰)
(۲) و كذا ينفذ با جازة المالك البيع لانه عتق ترتب على سبب ملك تام (ردالمحتار كتاب الغصب ۶/۲۰٤ ط سعيد)
(۳) والحاصل انه ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم (ردالمحتار كتاب البيوع ۵/۹۹ ط سعيد)
(٤) و في منية المفتي : مات رجل و يعلم الوارث ان اباه كان يكسب من حيث لا يحل ولكن لا يعلم الطالب بعينه ليرد عليه حل له الارث والا فضل ان يتورع و يتصدق بنية خصماء ابيه (رد المحتار كتاب البيوع ۵/۹۹ ط سعيد)
(۵) آكل الربا و كاسب الحرام اهدى اليه واضافه و غالب ماله حرام لايقبل ولا ياكل مالم يخبره ان ذالك المال اصله حلال ورثه او استقرضه وان كان غالب ماله حلالاً لا باس بقبول هديته والا كل منها (عالمگيرية الباب الثاني عشر ۵/۳٤۳ ط ماجديه)

حلال نہیں ہوتا۔[1] زنا وغیرہ کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔[2] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

کیا پوتے دادا کی وراثت سے حصہ لے سکتے ہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء)

(سوال) ایک بیوہ نے عقد ثانی کیا سابق شوہر سے ایک لڑکا بھی اس کے ساتھ نئے شوہر کے ہاں آیا نئے شوہر کے سابقہ زوجہ سے دو لڑکے ہیں اول شوہر کا انتقال ہوا پھر گیلڑ کا پھر مسماۃ فوت ہوئی شوہر کے مال پر اس کے دونوں لڑکے جو پہلی زوجہ سے ہیں قابض ہیں تو کیا گیلڑ لڑکے سے جو مسماۃ کے دو پوتے ہیں وہ دادی کے اس حصے میں سے جو دوسرے شوہر مرحوم کے مال میں سے اسے مل سکتا ہے کچھ طلب کرنے کے حقدار ہیں یا نہیں ؟ مسماۃ کا مہر بھی شوہر کے ذمہ باقی ہے۔

(جواب ۳۹۶) دوسرے شوہر کے مال میں سے مسماۃ کو جو حصہ ملا ہے وہ اس کے دونوں پوتوں کو ملے گا کیونکہ مسماۃ کے وارث وہی ہیں مسماۃ کے مہر کے بھی وہی دونوں پوتے حقدار ہیں۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

اولاد نہ ہونے کی صورت میں ماں کے حصہ کے علاوہ باقی تمام ترکہ باپ ہی کا ہو گا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۳۵ء)

(سوال) زید کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں زید نے اپنی زندگی میں ایک املاک خرید کر تینوں فرزندوں میں تقسیم کر دیا۔ سب سے چھوٹا فرزند رحلت کر گیا ہے اب سوال یہ ہے کہ اس کے ورثہ میں سے بہن بھائیوں کو کتنا ملے گا ؟ اور ماں باپ کو کتنا ؟

(جواب ۳۹۷) اس مرحوم لڑکے کی ملکیت صرف باپ اور ماں کو ملے گی یعنی ۱/۶ ماں کو اور ۵/۶ باپ کو ملے گا۔[4] بھائیوں اور بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بیٹے کی موجودگی میں پوتا حق دار نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ جون ۱۹۳۷ء)

(سوال) زید کی دو بیویاں تھیں پہلی بیوی سے ایک فرزند اور بیوی انتقال کر گئی فرزند کو ایک لڑکا اور بیوی انتقال

---

(۱) کیونکہ حرمت یا حق اللہ ہوگی یا حق العباد اگر حقوق العباد میں سے ہو تو اس کی توبہ یہ ہے کہ اصل مالک کو واپس کریں اور جو حقوق اللہ میں سے ہو اس کی توبہ یہ ہے کہ بلا نیت ثواب صدقہ کر دے

(۲) عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ کل بنی آدم خطاء و خیر الخطا ئین التوابون (ابن ماجہ شریف ۲/۳۱۳)

(۳) الاقرب فالا قرب یرجحون بقرب الدرجة اعنی اولٰهم بالمیراث جزء المیت ای البنون ثم بنوهم وان سفلوا (سراجی' باب العصبات' ص ۱۳ ط سعید)

(۴) وللاب والجد السدس مع ولد او ولد ابن والتعصیب المطلق عند عدمهما الخ وفیه ایضاً وللام السدس مع احدهما او مع اثنین مع الاخوة والاخوات (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/۷۷۰ ط س)

(۵) وبنوا لاعیان والعلات کلهم یسقطون بالا بن وابن الابن وان سفل و بالاب بالاتفاق (سراجی' فصل فی النساء ص ۱۰ ط سعید)

کر گئی فرزند غائب ہے اب زید رحلت کر گیا اس کے پوتے کو حصہ ملے گا یا نہیں؟
(جواب ۳۹۸) جب اس پوتے کا باپ یعنی متوفی کا بیٹا زندہ ہے تو بیٹا حق دار ہے پوتا حقدار نہیں [1] بیٹا اگر غائب ہے تو اس کا حصہ محفوظ رکھا جائے گا۔ [2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حمل کی حالت میں دی ہوئی طلاق کی صورت میں پیدا ہونے والا بچہ بھی باپ کا وارث ہوگا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) زید کی منکوحہ کو چھ ماہ کا حمل ہے زید نے منکوحہ کو تین طلاق دیدی ہے تو یہ طلاق حمل ہونے کی صورت میں ہوئی یا نہیں؟ اور یہ لڑکا یا لڑکی پیدا ہونے کے بعد زید کے مال میں وارث ہوگا یا نہیں؟
(جواب ۳۹۹) حالت حمل میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ [3] جو بچہ پیدا ہوگا وہ زید کا ہی بچہ ہوگا۔ [4] اور زید کے مال میں سے حصہ میراث کا مستحق ہوگا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

فصل دوم محجوب الارث

(۱) بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے کو میراث نہیں ملے گی
(۲) شرعی وارث نہ ہونے کی صورت میں بچہ کے دیکھ بھال کا حکم؟ و دیگر چند سوالات!

(سوال) (ا) زید کے دو لڑکے تھے بنام عمرو' بکر' عمرو زید کی زندگی میں فوت ہو گیا اور ایک شیر خوار بچہ بنام عبداللہ چھوڑا پانچ سال کے بعد خود زید فوت ہو گیا تو زید کی جائیداد میں عبداللہ کو حصہ وراثت ملے گا یا نہیں؟
(ب) اگر جواب نفی میں ہو اور اس کا چچا بکر حکم شریعت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے بھتیجے عبداللہ کو جائیداد میں سے کوئی حصہ نہ دے اور نہ کوئی معقول انتظام تعلیم و تربیت و معاش کا کرے تو اس کا یہ فعل جائز ہے یا ناجائز؟
(ج) کیا شریعت اسلام میں اور بروئے ہمدردی و ضرورت و انصاف جائز و درست ہے کہ ایک یتیم بچہ تعلیم و تربیت و معاش سے بھی محروم رہے اور ہر قسم کی تکلیف اٹھائے اور اس کا چچا عیش و عشرت اڑائے جب کہ اس بچہ کے دادا کے پاس کافی جائیداد ہو۔

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۳ صفحہ گزشتہ)
(۲) المفقود حي في ماله حتى لا يرث منه احد و ميت في مال غيره حتى لا يرث من احد و يوقف ماله حتى يصح موته او تمضى عليه عدة (شريفيه شرح سراجية فصل في المفقود ص ۱۳۷ ط سعيد)
(۳) و حل طلا قهن اى الآيسة والصغيرة والحامل عقب وطئ لان الكراهة فيمن تحيض لتوهم الحبل وهو مفقود هنا (الدر المختار' كتاب الطلاق ۳/۲۳۲ ط سعيد)
(٤) واذا اعترف المعتدة بانقضاء عدتها ثم جاء ت بالولد لا قل من ستة اشهر يثبت نسبه لانه ظهر كذبها بيقين فبطل الاقرار (هداية' باب ثبوت النسب ۲/٤۳۱ ط شركة علمية)

(د) اس کا کیا فلسفہ ہے کہ اسلام اس بچے کو وراثت سے محروم کرتا ہے اور اس کے چچا پر کرم و عنایت کرتے ہوئے ڈبل حصہ دلواتا ہے اس بچے نے کیا گناہ کیا؟

(ہ) اگر کوئی چچا قانون شریعت کی مخالفت کر کے اپنے بھتیجے کو برابر حصہ وراثت دیوے اور عدالت موجود میں عدالت کے سوال کے جواب میں یہ کہے کہ میں شریعت کو نہیں مانتا بلکہ رواج عام کا پابند ہوں تو وہ گناہ گار ہو گا یا نہیں؟

(و) اگر یہ بچہ بغیر تعلیم و تربیت کے آوارہ پھرے اور بری صحبت کی وجہ سے بد معاش یا ڈاکو بن جائے اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہو گی؟ المستفتی نمبر ۷۷۴ خان محمد (گوہانہ ضلع رہتک) ۱۰ صفر ۱۳۵۴ھ ۱۴ مئی ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۰۰) (ا) جبکہ کوئی متوفی اپنا لڑکا اور پوتا چھوڑے تو متوفی کی میراث لڑکے کو ملے گی اور پوتا محروم رہے گا کیونکہ وراثت میں قرابت قریبہ قرابت بعیدہ کو محروم کر دیتی ہے یہی اصول اس صورت میں بھی جاری ہے کہ بیٹوں کے سامنے پوتے محروم ہوں گے خواہ ان پوتوں کے باپ زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں۔[1]

(ب) چچا پر لازم نہیں کہ وہ پوتے کو میراث میں حصہ دار بنائے ہاں چونکہ وہ اس کا بھتیجا اور خاندان کا ایک فرد ہے اس لئے اس کی اعانت و خبر گیری اور اس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا اس کے لئے موجب اجر و ثواب اور سلوک قرابت اور صلہ رحمی ہے۔[2]

(ج) شریعت اسلام نے جو اصول کلیہ مقرر فرمادئے ہیں ان کی پابندی لازمی ہے یتیم بچہ اگر کفالت و تعلیم و تربیت کا محتاج ہے تو اس کی اعانت مامور بہا اور موجب اجر ہے۔[3] لیکن وراثت کے اصول شخصی مفاد کی خاطر بدلے نہیں جاسکتے۔

(د) نمبر میں لکھا گیا کہ وراثت کا مدار قرابت پر ہے نہ کہ افلاس و احتیاج پر اور قرابت میں واسطہ ذی واسطہ کے لئے حاجب ہوتا ہے اور قریب کے ہوتے ہوئے بعید محروم ہو جاتا ہے[4] اگرچہ بعید محتاج اور قریب مالدار ہو۔

(ہ) اگر چچا اپنے بھتیجے کو برابر کا حصہ دار بنالے یعنی اپنے حصے میں شریک کر لے تو اگرچہ بھتیجا براہ راست میراث پانے کا حقدار نہ تھا لیکن شریعت چچا کو اس سے منع نہیں کرتی کہ وہ اپنا حصہ کلاً یا جزءاً اپنے

---

(۱) الاقرب فالا قرب یرجحون بقرب الدرجۃ اعنی اولھم بالمیراث جزء المیت ای البنون ثم بنوھم وان سفلوا (سراجی باب العصبات ص ۱۳ ط سعید)

(۲-۳) و عن سھل ابن سعد قال قال رسول اللہ ﷺ انا و کافل الیتیم لہ و لغیرہ فی الجنۃ ھکذا واشار بالسبابۃ والوسطیٰ و فرج بینھما شیئاً (رواہ البخاری کذافی المشکوۃ ۲/۴۲۲ ط سعید)

(۴) وھذا مبنی علی اصلین : احدھماھو ان کل من یدلی الی المیت بشخص لا یرث مع وجود ذالک الشخص سوی اولاد الام فانھم یرثون معھا لا نعدام استحقاقھا جمیع الترکۃ والثانی الاقرب فالا قرب کما ذکر نا فی العصبات (سراجی باب الحجب ص ۱۷ ط سعید)

محجوب الارث بھتیجے کو دیدے۔[1] لہذا یہ کہنا چاہئے کہ میں اپنا حصہ بھتیجے کو دیدینے میں یا اس کو اپنے حصے میں شریک بنا لینے میں شرعی طور پر مختار ہوں تو اس پر کوئی الزام نہیں لیکن یہ کہنا کہ میں اس بارے میں شریعت کو نہیں مانتا سخت گناہ کی بات ہے جس سے ایمان کے زوال کا قوی خطرہ ہے۔

(و) ہر متنفس اپنے افعال کا خود ذمہ دار ہے اگر اس کو مال دیدیا جائے اور وہ اس کے ذریعہ سے فسق و فجور کرے تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی؟ کیا وارث کے گناہ مورث پر ڈالے جائیں کہ اس کی میراث کے مال سے وارث نے فسق و فجور کیا ہے؟[2] حاشا و کلا محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

پوتے کو ہبہ کئے ہوئے مکان میں اس کی ماں کا حصہ نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) شیخ نظام الدین جی مرحوم کے دو لڑکے ہوئے (۱) بڑے لڑکے وجیہ الدین مرحوم (۲) دوسرے لڑکے معین الدین جی مرحوم

(الف) بڑے لڑکے وجیہ الدین جی کی شادی ہونے کے بعد ایک لڑکا کریم الدین جی پیدا ہوا پندرہ یوم کا چھوڑ کر اس کی والدہ وفات پاگئی پھر وجیہ الدین جی نے دوسری شادی مجھور النساء سے کی جس سے دو لڑکیاں کریم النسا اور کبیر النسا پیدا ہوئیں۔

(ب) شیخ نظام الدین جی کے چھوٹے لڑکے معین الدین جی نے ایک شادی کی جس سے چھ لڑکے پیدا ہوئے اور دو لڑکیاں۔

وجیہ الدین جی کا انتقال اپنے والد کی زندگی میں ہوگیا ان کے والد شیخ نظام الدین جی نے اپنی حیات میں ایک مکان سہ منزلہ جو موروثی تھا دو حصے میں تقسیم کر کے ایک حصہ بڑے لڑکے وجیہ الدین مرحوم کے لڑکے کریم الدین کو جو وجیہ الدین کی پہلی بیوی سے تھا بصیغہ پرورش دیدیا اور دوسرا حصہ اپنے چھوٹے لڑکے معین الدین کو دیدیا مجھور النساء بیوہ وجیہ الدین اپنے لڑکے کریم الدین کے پاس رہنے لگی مگر حصہ ہونے کے کچھ دنوں بعد کریم الدین نے اس کو گھر سے نکال دیا اور کھانے کو بھی نہیں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارا میرے ذمہ کوئی حق نہیں؟

(جواب ۴۰۱) جب کہ وجیہ الدین کا انتقال اپنے والد کے سامنے ہوگیا تو ان کا لڑکا کریم الدین محجوب الارث ہوگیا[3] دادا نے جب مکان کا نصف حصہ اس کو دیا تو یہ ہبہ ہوا اور اس کا مالک صرف کریم الدین

---

(۱) و تتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلاً لملك الواهب لامشغولاً به (الدر المختار' كتاب الهبة ٦ .٦٩٠ ط سعيد)

(۲) قال تعالى . ولا تزر وازرة وزر اخرى (الفاطر :۱۸)

(۳) والا صل الثاني الا قرب فالا قرب كما ذكر نا في العصبات انهم يرجحون بقرب الدرجة فالا قرب يحجب الابعد حجب حرمان سواء اتحد في السبب اولا (شريفيه شرح سراجية باب الحجب ص ٤٨ ط سعيد)

ہوا[1] اس لئے محجور النسا کو اس مکان میں سے حصہ نہیں مل سکتا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

فصل سوم محروم الارث

کیا خاوند کو زہر پلانے کی وجہ سے بیوی میراث سے محروم ہو گی ؟

(سوال) عبداللہ اور اس کی زوجہ مسماۃ زبیدہ کے درمیان اکثر اختلاف رہا کرتا تھا جس سے اہل خانہ آگاہ تھے ناگہاں عبداللہ بہت بیمار ہو گیا بھائیوں نے عبداللہ کا علاج بہت کیا مگر بیماری بڑھتی گئی اس سے عبداللہ کے بھائیوں کو شک ہوا کہ ضرور اس کی زوجہ نے کوئی زہریلی چیز کھلا دی ہے چند مسلمانوں کے سامنے اس سے بلا سختی و دھمکی کے دریافت کیا گیا۔ زبیدہ نے اقرار کیا کہ ہم نے ایک جڑی اپنے شوہر کو کھلایا ہے آخر عبداللہ جانبر نہ ہوا فوت ہو گیا اور عبداللہ نے مندرجہ ذیل وارث چھوڑے دو بھائی عبدالرحیم و عبدالکریم' ایک ماں حمیدہ خاتون ایک لڑکا عبدالرحمن۔ ایک لڑکی جمیلہ خاتون بعدہ عبدالرحمن و جمیلہ خاتون بھی فوت ہو گئے کیا شرعاً مسماۃ زبیدہ مستحق پانے حق زوجیت کے ہے ؟ اور جائیداد عبداللہ کی کس طرح تقسیم ہو گی ؟
المستفتی نمبر ۹۱۶ محمد لیاقت حسین بھاگلپور ۱۴ صفر ۱۳۵۵ھ ۶ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۰۲) زہر اگر اتنی مقدار میں زبردستی پلایا جائے کہ وہ مقدار غالب حالات میں قاتل ہوتی ہے تو یہ قتل عمد ہو گا اور اگر اتنی مقدار نہ ہو مگر مفضی الی الہلاک ہو جائے تو شبہ عمد ہے اور ان دونوں صورتوں میں پلانے والا محروم عن المیراث ہو گا لیکن زبردستی نہ پلایا گیا ہو بلکہ کھانے میں ملا دیا گیا اور کسی نے اس کھانے کو کھالیا تو یہ قتل موجب حرمان میراث نہیں۔[2] اس تقسیم کے موافق صورت مسئولہ میں عورت کے محروم یا وارث ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا اور اس فیصلے کے بعد اس کی جائیداد کی صحیح تقسیم ہو سکے گی سوال میں کوئی تصریح نہیں کہ وہ جڑی زہر تھی یا نہیں اور کتنی مقدار کھلائی تھی اور کھلانے کی کیفیت کیا تھی ؟ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) و تتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلاً لملك الواهب لا مشغولاً به (درمختار' باب الهبة ۵ : ۶۹۰ ط سعيد)

(۲) المانع من الارث اربعة . الاول الرق ' والثاني القتل الذى يتعلق به وجوب القصاص او الكفارة' اما القتل الذى يتعلق به وجوب القصاص فهو ا لقتل عمداً وذالك بان يتعمد ضربه بسلاح او ما يجرى مجراه في تفريق الاجزاء كالمحدد من الخشب والحجر وموجبه الاثم والقصاص ولا كفارة فيه واما القتل الذى يتعلق به وجوب الكفارة فهو اما شبهه عمد كان يتعمد ضربه بما لا يقتل به غالباً الى قوله يحرم القاتل عن الميراث و فيه ايضاً واما اذا كان القتل بالتسبيب دون المباشرة كحافر البئر او واضع الحجر في غير ملكه ففيه الديه على العاقله لا قصاص فيه ولا كفارة وكذا القاتل اذا كان القاتل صبيا او مجنونا فلا حرمان عندنا بالقتل في هذه الصورة (شريفيه شرح سراجية ص ۱۱ ط سعيد)

فصل چہارم لاوارث کا ترکہ

وارث گم ہونے کی صورت میں اس کا حصہ امانت رکھا جائے

(سوال) ایک مسلمان بے وارث کا کچھ مال اور نقد رہ گیا ہے صاحب موصوف انتقال کر گئے ہیں اب کچھ نقد اور کچھ سامان چھوڑ گئے ہیں مرتے وقت کچھ نصیحت وغیرہ نہیں کی یہاں کے مسلمانوں میں تفرقہ پڑا ہوا ہے کچھ کہتے ہیں کہ مرحوم جو روپیہ نقد اور سامان چھوڑ گئے ہیں یہ سب مسجد کے کاروبار پر خرچ کیا جاوے اور بعض کہتے ہیں کہ مرحوم نے وقف تو نہیں کیا مسجد کے لئے مسجد پر خرچ کرنا جائز نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۱۲ قاضی محمد حسین صاحب (ضلع گنجام) ۲۶ رجب ۱۳۵۵ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۰۳) مرحوم کا کوئی قریب یا بعید کا وارث موجود ہو تو مرحوم کا مال اس کا حق ہے۔ اگر وہ کہیں باہر کے تھے تو ان کے وطن سے تحقیق کی جائے اور تکمیل تحقیق تک مال امانت رکھا جائے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

فصل پنجم ترکہ کی تولیت

کیا باپ کی عدم موجودگی میں تایا کو نابالغہ پر ولایت حاصل ہے ؟

(سوال) ایک دختر نابالغہ کا جس کا باپ زندہ نہیں ہے اس کے تایا نے بغرض اپنے ذاتی فائدے کے بلا رضا مندی والدہ نابالغہ و دیگر رشتہ داران کے نکاح کر دیا ہے اور مال نابالغہ اپنے قبضہ میں کر لیا ہے شرعاً یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں ؟

(جواب ۴۰۴) نابالغہ کے نکاح کی ولایت باپ نہ ہو تو چچا تایا کو ہے[2] صورت مسئولہ میں تایا کا کیا ہوا نکاح صحیح ہے تاوقتیکہ نکاح غبن فاحش یا غیر کفو کے ساتھ ہونا ثابت نہ ہو اس نکاح پر عدم جواز کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔[3]

نابالغہ کے مال کی ولایت چچا کو حاصل نہیں ہے[4] پس اگر خاندان کے بڑے اور معتبر لوگ چچا پر اعتماد رکھتے ہوں تو اسے امین بنا دیں اور نہیں تو نابالغہ کا مال کسی دوسرے امین کی تحویل میں دیدیں۔

---

(۱) اس کے بعد بیت المال میں دیدیا جائے لیکن چونکہ اب بیت المال نہیں ہے تو میت کی طرف سے کسی بھی کار خیر میں خرچ کر دیا جائے۔

(۲) صورت مسئولہ میں چچا تایا کی ولایت تب صحیح ہو گی جب بھائی نہ ہو اگر بھائی ہو تو وہ ولایت میں چچا تایا سے مقدم ہے لما فی الدر الوالی فی النکاح لا المال العصبة بنفسه وهو من یتصل بالمیت حتی المعتقة بلا توسط انثی علی ترتیب الارث والحجب (الدر المختار' کتاب النکاح باب الولی ۳/ ۷۶ ط سعید)

(۳) وللولی الاتی بیانه انکاح الصغیر والصغیرة جبراً ولو ثیباً (الی قوله) لا یصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش وما فی صدر الشریعة صح و لهما فسخه (الدرالمختار' کتاب النکاح ۳/ ۶۸ ط سعید)

(۴) والولایة فی مال الصغیر الی الاب ثم وصیه (تنویر الابصار' باب لا یعقد وکیل ۵/ ۵۲۸ ط سعید)

کیانابالغ لڑکی کے مال کو اس کا باپ کاروبار میں لگا سکتا ہے ؟

(سوال) ہندہ ایک نابالغ لڑکی بعمر چھ سال ہے وہ ایک ترکہ کی وارث ہے جو اس کو اس کی والدہ متوفیہ کی طرف سے ملا ہے یہ ترکہ تقریباً چھ سو روپے کی شکل میں محمود کی معرفت بینک میں جمع ہے جہاں سے صرف بارہ روپیہ سال سود ملتا ہے ہندہ کا والد زید حیات ہے ہندہ اپنے والد کے پاس پرورش پارہی ہے زید کا اپنا ذاتی کاروبار عرصہ دراز سے قائم ہے جس میں کبھی خدا کے فضل سے نقصان نہیں ہوا اب زید ہندہ کے سرمایہ کو اپنے کاروبار میں لگانا چاہتا ہے تاکہ کاروبار میں ترقی ہو اور جو کہ واقعات کی بنا پر ایک یقینی امر ہے محمود اور ہندہ کا آپس میں کوئی رشتہ بھی نہیں ہے محمود زید کے خلاف ہو گیا ہے وہ ہندہ کے سرمایہ کو بینک میں رکھنا اور سود لینا بہتر سمجھتا ہے۔(نمبر ۱) کیا مندرجہ بالا واقعات میں زید کو یہ شرعی حق حاصل ہے کہ وہ اپنی لڑکی ہندہ کا سرمایہ اپنے کاروبار میں لگادے جس میں ترقی یقینی امر ہے۔(۲) کیا محمود حق بجانب ہے کہ وہ زید کے خلاف ہو کر یہ اصرار کرے کہ ہندہ کے سرمایہ کو بینک میں ہی رکھ کر سود لیا جاوے۔ المستفتی نمبر ۱۲۱۵ محمد یوسف صاحب (دہلی) ۷ ارجب ۱۳۵۵ھ م ۷ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ٤٠٥) نابالغ لڑکی کے مال کی ولایت اس کے باپ کو حاصل ہے باپ کے سامنے کوئی اجنبی یا رشتہ دار ولایت کا مستحق نہیں ہے [1] باپ اپنی نابالغ بچی کا مال اپنی تحویل میں یا نگرانی میں رکھنے کا مجاز ہے تجارت میں لگانے کا اس صورت سے مجاز ہے کہ نفع تو لڑکی کو ملے گا مگر نقصان کا خود ضامن ہو۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا بھائی کو بھائی کے مال پر ولایت حاصل ہے ؟

(سوال) زید نے اپنی وفات کے بعد ایک زوجہ ایک لڑکی اور چار لڑکے چھوڑے ہیں جن میں ایک لڑکا عبدالغنی فاترالعقل ہے کیا اس کی ولایت سگے بڑے بھائی کی موجودگی میں کسی غیر کو پہنچتی ہے ایک غیر شخص عبدالغنی فاترالعقل کا ولی بننا چاہتا ہے جس سے اس کو کوئی بعید کا بھی تعلق نہیں ہے تقسیم جائیداد کے لئے جن صاحب کو پنچ مقرر کیا تھا انہوں نے بھی اپنے فیصلہ اور تقسیم نامہ میں بڑے بھائی کو ولی قرار دیا ہے۔ المستفتی نمبر ۲۰۶۴ محمد اسحاق گلی قاسم جان دہلی۔ ۱۸ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۳ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٠٦) مال کی ولایت تو بھائی کو بھی حاصل نہیں ہے بلکہ صرف باپ دادا یا ان کے مقرر کئے ہوئے وصی ہی ہو سکتے ہیں اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو پھر حاکم جس کی امانت دار اور خیر خواہ سمجھے اس کو ولی مقرر کر دے یا پھر فاترالعقل کا حصہ اپنی تحویل میں لے۔ کسی اجنبی شخص کو ولی بننے کا کوئی حق نہیں ہے۔[3]

---

(۱) وصی ابی الطفل احق بماله من جده و فی الشامیة : الولایة فی مال الصغیر للاب ثم وصیه (الدرالمختار' کتاب الوصایا ٦/٧١٤ ط سعید) (۲) ولا یتجر الوصی فی ماله ای الیتیم لنفسه فان فعل تصدق بالربح وجاز لو اتجر من مال الیتیم للیتیم فی الشامیة تحت قول الدر (فان فعل تصدق بالربح) ای عندهما و یضمن راس المال و عند ابی یوسف یسلم له الربح ولا یتصدق بشیٔ خانیه (الی قوله) والصحیح ان الاب کالوصی لا کالقاضی الخ (الدرالمختار' باب الوصی ٥/٥٥٥ ط بیروت) (۳) والولایة فی مال الصغیر الی الاب ثم وصیه ثم الی ابی الاب ثم الی وصیه ثم الی القاضی ثم الی من نسبه القاضی الخ (تنویر الابصار' کتاب الوکالة ٥/٥٢٨ ط سعید)

دوسرا باب
تقسیم ترکہ

باپ فوت ہونے کی صورت میں نابالغ کی اولاد کی پرورش کس کے ذمے ہے؟

(سوال) زید کا انتقال ہوگیا اور اپنے پیچھے ایک زوجہ اور ایک دختر یک سالہ چھوڑ گیا صورت موجودہ میں زوجہ زید کو اس کا مہر اور مال متروکہ میں حصہ ملے گا؟ نیز دختر مذکورہ کی پرورش کون کرے گا اور اس کا نفقہ کس پر اور کس عمر تک واجب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۴۰۷) زوجہ زید کو اس کا پورا مہر ملے گا[1] اور زید کے ترکہ میں سے اس کی زوجہ کو بحق ارث آٹھواں حصہ دیا جائے گا[2] اور باقی اس کی لڑکی کا حق ہے جب کہ زید کا سوائے ان دو کے اور کوئی وارث نہ ہو[3] لڑکی کی پرورش کا حق اس کی والدہ کو ہے[4] اور نفقہ خود لڑکی کے مال میں سے لیا جائے گا اور جب اس کا مال نہ رہے تب ماں کے ذمہ ہوگا۔[5] واللہ اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ۔

تقسیم میراث کی ایک صورت

(سوال) (۱) ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس نے ایک شیر خوار لڑکی اور ایک حقیقی بہن ایک دادی ایک زوجہ ایک علاتی بھائی ورثا چھوڑے عند الشرع ورثائے مذکور میں متوفی کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی؟

(۲) متوفی کی زوجہ کا مہر نو ہزار تھا اور متوفی کی کل جائیداد کی مالیت عند الوفات سات ہزار کی تھی اب بیوہ متوفی کی کل جائیداد پر قابض ہوگئی بالعوض اپنے مہر کے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا متوفی کی کل جائیداد پر زوجہ بالعوض مہر کے مالک ہو سکتی ہے یا نہیں؟ یا متوفی کی جائیداد اس آمدنی کو جو آٹھ دس برس کے عرصے میں اس جائیداد سے وصول ہوئی اور وہ نو ہزار سے زائد ہے بالعوض مہر کے وضع کیا جا سکتا ہے یا

---

(۱) والمهر يتاكد باحد معان ثلاثة : الدخول والخلوة الصحيحة و موت احد الزوجين (عالمگيرية' الباب السابع فى المهر ۱ / ۳۰۳ ط ماجديه)

(۲) فيفرض للزوجة فصا عدا الثمن مع ولد او ولد ابن (الدرالمختار' باب الفرائض ۶ / ۷۷ ط سعيد)

(۳) لڑکی نصف کی فرض ہونے کی وجہ سے ملے گا اور باقی اس پر رد ہوگا لما في الدر : والثلثان بكل اثنين فصا عدا ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت (الدرالمختار' كتاب الفرائض ۶ / ۷۷۳ ط سعيد) وفي الشريفيه وما فضل من المخرج عن فرض ذوى الفروض ولا مستحق له من العصبة يرد ذالك الفاضل على ذوى الفروض بقدر حقوقهم الخ (شريفيه ' باب الرد' ص ۷۴ ط سعيد)

(۴) تثبت للام النسبية ولو كتابية او مجوسية او بعد الفرقة الا ان تكون مرتدة (الدرالمختار باب الحضانة ۳ / ۵۵۵ ط سعيد)

(۵) وفي كتب الشافعية. مؤنة الحضانة في مال المحضون لو له والد فعلى من تلزمه نفقته قال شيخنا وقواعدنا تقتضيه فيفتى به ثم حرر ان الحضانة كالرضاع الخ (الدرالمختار' ۳ / ۵۶۲ ط سعيد)

نہیں؟بینوا توجروا

(جواب ۴۰۸) مسئلہ ۲۴ زوجہ ۔ جدہ ام الاب ۔ بنت ۔ اخت عینیہ ۔ اخ علاتی
۳ ۴ ۱۲ ۔ ۵ ۔ محروم

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث کل ترکہ کے چوبیس سہام ہوں گے ان میں سے تین سہام زوجہ کو اور چار سہام جدہ کو اور بارہ سہام لڑکی کو اور پانچ سہام حقیقی بہن کو ملیں گے علاتی بھائی محروم ہے۔[1]

زوجہ کا دین مہر تقسیم میراث پر مقدم ہے لیکن ظاہر ہے کہ مہر بصورت دین زوج کے ذمہ واجب الادا تھا۔ ترکہ یعنی جائیداد وغیرہ خود عین مہر نہیں اس لئے زوجہ کا اپنے حق مہر میں جائیداد پر قبضہ کر لینا خود بخود موجب ملک نہیں ہے بلکہ یا تو تراضی طرفین سے یا حکم قاضی سے جائیداد مہر میں محسوب ہو سکتی ہے۔[2] پس جائیداد جو زوجہ کے قبضے میں رہی اس کی حیثیت ترکہ مشترکہ ہی رہی اور اس کی آمدنی یقیناً زوجہ کے پاس بطور امانت رہی نہ کہ بصورت ملک پس یا تو زوجہ اس کو اپنے دین مہر میں محسوب کرے یا واپس کر دے اور جائیداد حصہ رسدی مع منافعہ کے (بعد ادائے حق مہر) تقسیم ہو گی۔ واللہ اعلم

میراث کی ایک صورت

(سوال) مسمی امام الدین ایک زوجہ دو بیٹی پانچ اخیافی بھائی اور پانچ ابن ابن العم اور زر جنس نقود و عقار و سائمہ چھوڑ کر قضاء کر گیا پس ترکہ میت ہذا اس کے وارثوں پر کیونکر تقسیم ہو گا اور اکثر علمائے زماں بیٹی کی موجودگی میں اخیافی بھائیوں کو مطلقاً محروم کر کے ایسے عصبہ جو میت کے اصول و فروع میں سے نہیں ہیں ولاتے ہیں آیا یہ حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب) ۱۳۵ (ق

مـ ۲٤ تصـ ۲۷

مـــــــــ امام الدین

زوجہ	بنت	بنت	اخ لام	اخ لام	اخ لام	اخ لام	اخ لام	ابناء ابن العم
فضل النساء ماجدہ		حلیمہ	مسلم میاں	عبداللہ	احمد اللہ	عبدالغنی	عبدالمجید	
۱۵ ۳	۴۰ ۸	۴۰ ۸	۸	۸	۸	۸	۸	محروم

بتقدیر صدق مرقومۃ الذکر و انحصار ورثہ فیما ذکر بعد نفاذ حکم ما تقدم علی الارث کے جملہ ترکہ امام الدین ایک سو پینتیس سے تصحیح ہو کر زوجہ کو ثمن کے پندرہ اور ثلثان کے اسی سے دونوں بیٹیوں میں ہر ایک کو

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق حاشیہ نمبر ۲ صفحہ گزشتہ)

(۲) اب تو ہر حقدار اپنے حق پر جیسے چاہے قبضہ کر سکتا ہے في الشامية : تحت قول الدر (يعني لا امره) لان للدائن ان ياخذ بيده اذا ظفر بجنس حقه بغير رضي المدين فكان للقاضي ان يعينه (ردالمحتار ٦/١٥ ط سعيد)

چالیس چالیس اور ثلث کے چالیس سے پانچوں اخیافی بھائیوں کو فی کس آٹھ آٹھ سہام پہنچتے ہیں اور ذوالفرائض سے نہ بچنے کے سبب پانچوں ابن ابن العم محروم ہوگئے ہیں۔

اس ملک کے بعض عالموں نے بنات کے مقابل توریث اولادام میں یوں حکم لگایا ہے کہ بنات کے مقابل اولادام کو کچھ نہ ملے گا اور بعضوں کا خیال ہے کہ سراجی وشریفی کی عبارت کے موافق ام کی موجودگی میں اس کی اولاد کو بسبب انعدام استحقاق جمیع ترکہ من جہت واحدہ کما فی العصبہ کے میراث ملتی ہے یہاں بھی بسبب انعدام اولاد ذکور واستحقاق جمیع ترکہ من جہت واحدہ کے میراث مل سکتی ہے اور فتاویٰ سراجیہ میں ذوی الارحام کے باب میں جو عبارت ہے **وان اجتمعت قرابة الاب وقرابة الام فالثلثان لقرابة الاب والثلث لقرابة الام**[1] اور فتاویٰ خیریہ میں بقول امام محمدؒ بنت الاخت لاب کی معیت میں اولاد الاخ لام کو میراث دلاتے ہیں اور علامہ شامی اپنی تنقیح میں فرماتے ہیں **قال فی الملتقی وبقول محمدؒ یفتی و فی التتار خانیة قول محمدؒ اشهر روایتین عن ابی حنیفةؒ فی جمیع ذوی الارحام و علیه الفتویٰ**[2] یہاں ان علاموں کی عبارت سے امام محمدؒ کے نزدیک اخیافی قرابت کی ترجیح مفہوم ہوتی ہے مگر اس اطراف میں امام محمدؒ کی مثل محیط وبسائط وغیرہ کے دستیاب نہیں لہذا اس کی تتبع کما حقہ دشوار ہے جناب مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی نے اپنے مجموعہ فتاویٰ کے جلد اول ص ۳۴۳ میں تحریر فرمایا ہے۔

استفتاء : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید نے وارث ذیل چھوڑ کر انتقال کیا پس ترکہ زید کس طرح تقسیم ہوگا زوجہ ایک 'دختر دو 'بھائی اخیافی ایک 'ماں ایک۔

ہوالمصوب : صورت مسئولہ میں بعد ادائے ماتقدم علی الارث ورفع موانع ارث کل ترکہ ستائیس سہم پر منقسم ہوگا منجملہ اس کے تین سہم زوجہ کو اور آٹھ آٹھ سہام ہر ایک دختر کو اور چار سہم ماں کو اور اسی قدر بھائی اخیافی کو ملے گا واللہ اعلم حررہ 'الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحیٔ تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والجلی۔

حضرت مولانا کے اس فتویٰ دینے سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک امام محمدؒ کا قول مرجح ہے بعض کوتاہ بین یہ تاویل کرتے ہیں کہ مولانا مرحوم نے اخ لام کو بمقابلہ بنات وارثی حیثیت سے ترکہ نہیں دیتے ہیں بلکہ دراصل وہ مسئلہ ردیہ ہے مولانا مرحوم مابقیہ ذوی الفروض پر رد نہ کرکے ترحماً اخ لام کو دلاتے ہیں سو ظاہر ہے کہ اگر ترکہ دلانا ایسے حیثیت سے ہوتی تو تیئیس زوجہ اور دو دختر و ماں کو دے کر باقی ایک اخ لام کو دیتے حاجت عول اصلاً نہ پڑتا عول کرنے سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اخ لام کو سدس کا وارث بنا کر عول کئے ہیں۔

فائدہ : شاید کہ بعض ظاہر بین اس فتویٰ کو اپنے جمہور کی مخالف پانے کی وجہ سے اس کے مفتی مولانا عبدالحیٔ مرحوم پر کہیں اعتراض نہ کر بیٹھیں کیونکہ بنات کے مقابلے میں اولاد ام کو کس رو سے دلایا استفتائے مذکور میں اس کی کوئی تصریح نہیں پائی جاتی اگرچہ یہ کم بضاعت اس تبحر کے ماخذ اور مستخرج عنہ کے

---

(۱) (فتاویٰ سراجیہ ص ۱۵۳ طبع جدید)

(۲) لکن قول محمد اشهر الروایتین عن ابی حنیفه فی جمیع ذوی الارحام و علیه الفتویٰ وفی الملتقی و بقول محمد یفتی تتارخانیة (الدر المختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام ۶/۷۹۲ ط سعید)

استقصاسے قاصر ہے تاہم اپنے فہم ناقص کے موافق اس مبہم کی توجیہ کے واسطے چند توجیہوں کو تحریر میں لاتا ہے۔

اولاً بیشک بنت کے ساتھ اولادام محجوب ہوتی ہے جیسا کہ کنز الدقائق میں ہے والبنت تحجب ولد الام انتھی [1] چونکہ بنات میں عصوبت بنفسہ معدوم ہے جس کے سبب تمام ترکہ کے احراز کی مستحق ہوویں پس ثلثان سے جو کچھ فاضل رہا ہو ازروئے استناد سبب آخر کے ان ذوی الفروضوں کا استحقاق ہو سکتا ہے جیساکہ سراجی میں بسبب نہ ہونے یک جہتی قرابت کے ام کے ساتھ اولادام کی میراث پانے کے بارے میں اس کی نظیر پائی جاتی ہے۔ وھو ھذا۔ ان کل من یدلی ای ینتھی الی المیت بشخص لایرث مع وجود ذلک الشخص کابن الابن فانہ لا یرث مع الابن سوی اولاد الام فانھم یرثون معھا مع انھم یدلون الی المیت بھا وذلک لانعدام استحقاقھا جمیع الترکہ [2] اور شریفی میں ہے۔ [3] وتحقیق ھذا الاصل ان شخص المدلی بہ ان استحق جمیع الترکۃ لم یرث المدلی مع وجودہ سواء اتحدا فی سبب الارث کما فی الاب والجد والا بن وابنہ او لم یتحدا کما فی الاب والا خوۃ والا خوات فان المدلی بہ لما احرز جمیع المال لم یبق للمدلی شئ اصلا وان لم یستحق المدلی بہ الجمیع فان اتحد ا فی السبب کان الا مر کذلک کما فی الام وام الام لان المدلی بہ لما اخذ نصیبہ بذلک السبب لم یبق للمدلیٰ من النصیب الذی یستحق بذلک السبب شئ ولیس لہ نصیب اخر فصار محروما وان لم یتحدا فی السبب کما فی الام واولاد ھا فان المدلی بہ حینئذ یا خذ نصیبہ المستند الی سببہ والمدلی یا خذ نصیبا اخرمستندا الی سبب اخر فلا حرمان ۔اور علامہ احمد نگری اس کے حاشیے میں فرماتے ہیں۔ فان السبب فی ارث الام الامومۃ و سبب ارث اولادھا الاخوۃ و الاختیۃ ایضاً شریفی میں ہے۔ قلنا لیس ذلک الاستحقاق من جھۃ واحدۃ فانھا تستحق بعض الترکۃ بالفرض و بعضھا بالرد الخ [4]

ثانیاً یہ کہ فتاویٰ سراجیہ میں ہے وان اجتمعت قرابۃ الاب وقرابۃ الام فالثلثان لقرابۃ الاب والثلث لقرابۃ الام [5] پس اگر بنوالاخیاف مرۃ بسبب انعدام قرابت اب کے محروم ہو گئے ہیں۔ پس تارۃ اخریٰ بہ سبب بقائے قرابت ام کے ردا بقدر حقوقہم مستحق ہو سکتے ہیں۔

ثالثاً۔جب کسی صورت میں بنات ثلثان سے زیادہ کے مستحق نہیں ہو سکتے ہیں۔ پس ایسے عصبہ کو جو میت کے اصول و فروع میں سے نہیں اور نہ ان چھ شخصوں میں سے ہیں جن کی موجودگی کی حالت میں یہ لوگ ساقط ہو سکتے ہیں در مختار اور شامی نے جن پر انحصار اور اقتصار کیا ہے۔

---

(۱) (کنز الدقائق کتاب الفرائض ۲ ۴۹۹ ط امدادیہ)
(۲) (سراجی باب الحجب ص ۱۷)
(۳) (سراجی باب الحجب ص ۴۸ ط سعید)
(۴) (شریفیہ شرح سراجیۃ باب الحجب ص ۴۸ ط سعید)
(۵) (فتاوی سراجیہ ص ۱۵۳ ط جدید)

و یسقط بنو الا خیاف وھم الاخوۃ والا خوات لام بالولد وولد الا بن وان سفل و بالا ب والجد بالا جماع لانھم من قبیل الکلالۃ کما بسطہ السید اور شامی میں ہے قولہ بالولد الخ ای ولو انثی فیسقطون بستۃ بالا بن و البنت وابن الا بن و بنت الابن و الاب و الجد و یجمعھم قولک الفروع الوارث والا صول الذکور و قد نظمت ذلک بقولی و یحجب ابن الام اصل ذکر کذلک فوع وارث قد ذکروا اور ابن ابن العم ان منحصرین میں ہرگز ہرگز داخل نہیں ہوسکتے پس ایسے عصبہ کو تقدیم ان ساتوں میں داخل ہونے والے ذوی الفروع پر جن پر رد کیا جاتا ہے کیسے ہوسکتی ہے جیساکہ عالمگیری میں ہے۔ واعلم ان جمیع من یرد علیہ سبعۃ الام والجدۃ والبنت و بنت الابن والاخوات من الابوین والا خوات لاب واولاد الام الخ [1] پس ابن ابن العم کی تقدیم ضرور ناحق اور باطل ہے شریفی میں ہے وایضا تقدیم العصبۃ یوجب حرمان اصحاب الفرائض وھو باطل قطعا بالقرٰن المجید اور علامہ احمد نگری اس کے حاشیے میں لکھتے ہیں ان تقدیم العصبۃ یوجب حرمان اصحاب الفرائض لان العصبۃ اذا کان مقدماً علی اصحاب الفروض کانت مفردۃ من غیرہ فی الورثۃ والعصبۃ عند الانفراد و یحرز جمیع المال فیکون تقدیمہ علی اصحاب الفرائض موجبا لا مر باطل بالاجماع والموجب للباطل باطل انتھی کلامہ ۔[2]

رابعاً اگرچہ ناظرین کو مولانا کے فتویٰ کے موافق ان وارثین محجوبین کو ترکہ دلانے پر تعجب آتا ہے آیا اس سے بڑھ کر تعجب خیز اور خلاف اجماع نہیں ہے جو شامی نے زوجات پر رد کرنے کو نقل کیا ہے اور اس سے بڑھ کر بھی حیرت انگیز نہیں ہے جو اشباہ میں بنت معتق اور رضاعی بیبٹی پر رد کرنے کو لکھا ہے وہو ہذا ذکرہ الزیلعی من آخر کتاب الولاء ان بنت المعتق ترث المعتق فی زماننا وکذا اما فضل بعد فرض احد الزوجین یرد علیہ وکذ المال یکون للبنت رضاعا و عزاہ الی النھایۃ بناء علی انہ لیس فی زماننا بیت مال لانھم لا یضعونہ موضعہ [3] تم کلامہ ۔

پس ایسے استاد زماں جنکی عمدۃ الرعایۃ شرح ہدایہ اور حواشی شریفی اور تمام علوم وفنون کی کتابوں کے حواشی اور شروح کے مؤلف ہوں اور زمانہ بھر کے طلبہ و علما اس سے استمداد و استفادہ لیتے ہیں حتی کہ علمائے مصر و استنبول کا اقتصار بھی ان کی تصانیف اور تالیفات کی طرف ظاہر ہے پس ایسے مؤلف بزرگ کی شان میں قدح کرنا اور ان کی معلومات کو سراجی کی عبارت ویسقطون بالولد وولد الابن الخ سے قاصر سمجھنا تنگ حوصلگی اور جوہر ناشناسی ہے، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین (مجیب کا نام نہیں ہے)

(جواب ۴۰۹) از مفتی اعظمؒ ان الحکم الا للہ صورت مسئولہ میں ابناء الام یعنی اخیافی بھائی قطعاً محروم

---

(۱) (عالمگیریۃ ' الباب الرابع عشر فی الرد ۶ / ۴۶۹ ط بیروت مصری)

(۲-۳ حاشیہ بمع حوالہ غائب ھیں)

ہیں اور اصحاب فروض سے بچے ہوئے ترکہ کے مستحق ابناء ابن العم ہیں اولاد ام کا ولد میت سے ساقط ہو جانا حنفیہ کے یہاں متفق علیہ ہے اور بصورت سقوط وہ اس صورت واقعہ میں صاحب فرض نہیں ہیں علامہ لکھنوی کا یہ فتوی بھی جو سائل نے ان کے مجموعۃ الفتاوی سے نقل کیا ہے صحیح نہیں ہے جو لغزش قلم یا ذہول علامہ لکھنوی پر محمول ہوگا مجیب نے اس کی تائید میں جو وجوہ اربعہ ذکر کی ہیں ان سے ہر گز اس کی تائید نہیں ہوتی پہلی وجہ اس لئے کہ اس مسئلے سے غیر متعلق ہے کیونکہ وہ ان واسطوں اور ذی الواسطہ کے متعلق ہے جن کی وراثت باہم ایک دوسرے کے وجود وعدم پر مبنی ہے[1] اولاد ام کی توریث میں بنات میت واسطہ نہیں ہے کہ ان کے عدم استحقاق جمیع ترکہ سے اولاد الام کو کچھ دیا جاسکے وجہ ثانی ذوی الارحام سے متعلق ہے اور یہاں ذوی الفروض حاجب موجود ہیں وجہ ثالث بالکل نا قابل التفات ہے کیونکہ سقوط اولاد ام کا بنات سے ہے جو خود عبارت[2] منقولہ مجیب سے بصراحت ثابت ہے نیز عصبات کی توریث ردت مقدم ہے پھر عصبہ کے ہوتے ہوئے رد کرنے کے کوئی معنی نہیں چوتھی وجہ نا قابل التفات ہے کیونکہ حکم رد علی الزوجین کا جب دیا جاتا ہے کہ کوئی مستحق رد ان کے علاوہ موجود نہ ہو[3] اور صورت مسئولہ میں تو وارث عصبہ موجود ہے پس اس کا حق چھین کر غیر وارث یعنی محجوب کو دینا صریح ظلم ہے واللہ اعلم۔ کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

میراث کی ایک صورت

(سوال) زید نے انتقال کیا اور حسب ذیل وارث چھوڑے پسران نابالغ دو' دختران نابالغ دو' والدہ حقیقی ایک' پھوپھی حقیقی رشتہ دار قریبی ایک' ماموں حقیقی رشتہ دار قریبی دو۔ مرحوم کا ترکہ کس کس کو کتنا کتنا بروئے شرع محمدی پہنچتا ہے اور نابالغان کا ولی بروئے شرع کون قرار دیا جاسکتا ہے واضح رہے کہ مرحوم کی والدہ نے نکاح ثانی کر رکھا ہے ایسی صورت میں نابالغان کی ولی ماں ہو سکتی ہے یا دوسرا کوئی قریبی رشتہ دار؟

(جواب ٤١٠) مـ٦ تصـ٣٦

والدہ	ابن	ابن	بنت	بنت
٦/١	١٠	١٠	٥	٥

مرحوم کا ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث چھتیس سہام پر تقسیم ہوگا اس میں سے چھ سہام

(١) ان الشخص المدلی به : حاصله ان المدلی به اما ان يستحق جميع التركة اولا ' و علی الاول لا يرث المدلی مع وجود المدلی به سواء اتحد اوافی السبب للارث و علی الثانی ان اتحدافی السبب كما فی الام و اولادها فالمدلی حينئذ يرث مع وجود المدلی به (حاشية الشريفيه' باب الحجب ص ٤٨ ط سعيد)

(٢) و يسقط بنو الاخياف وهم الاخوة والاخوات لام بالولدو ولد الابن (الی قوله) لانهم من قبيل الكلالة' وفی الشامية قوله بالولد ای ولد انثی فيسقطون بستة (الی قوله) ويحجب ابن الام اصل ذكر كذالك فرع وارث قد ذكروا(الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦/٧٨٢ ط سعيد) `

(٣) فی الشامية تحت قول الدر (وفی الاشباه) وفی المستصفی والفتوی اليوم علی الرد علی الزوجين عند عدم المستحق الخ(ردالمحتار' باب العول ٥/٥٠٢ ط سعيد)

والدہ کو اور دس دس سہام دونوں لڑکوں کو اور پانچ پانچ سہام دونوں لڑکیوں کو ملیں گے[1] بچوں کی پرورش کا حق ان کی دادی کو ہے وہ لڑکوں کو سات سال کی عمر تک اور لڑکیوں کو بالغ ہونے تک اپنی پرورش میں رکھ سکتی ہے[2] بشرطیکہ اس کا خاوند بچوں کا غیر محرم نہ ہو[3] بچوں کے مال کی نگرانی اور قبضے کا حق اسے نہیں ہے مال کی نگرانی خاندان کے اہل الرائے کے مشورے یا عدالت کے ذریعے سے کسی امین شخص کے سپرد کردینی ہوگی[4] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیوہ اپنے مہر کا مطالبہ مرحوم شوہر کی والدہ سے نہیں کر سکتی

(سوال) زید نے بوقت وفات مندرجہ ذیل وارث چھوڑے والدہ' ہمشیرہ' زوجہ' مرحوم کی والدہ صاحب جائیداد ہے جو اس نے اپنی والدہ کی وراثت سے پائی ہے اور اب بھی وہ اس پر مالک و قابض ہے مرحوم کے ذمہ اپنی بیوی کا دین مہر واجب تھا۔ پس کیا متوفی کی بیوہ اس کی والدہ کی جائیداد سے اپنا مہر پا سکتی ہے ؟

(جواب ٤١١) مرحوم کی بیوہ اپنے شوہر کے ترکہ سے مہر لینے کی مستحق ہے[5] شوہر کی والدہ سے مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی ہاں اگر مرحوم کی والدہ نے مہر کی ضمانت کی ہو تو ضمانت کی بنا پر اس سے مہر کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے اور ضمانت نہ ہو تو نہیں[6] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مطلقہ بیٹی کے ترکہ سے باپ کو حصہ ملنے کی صورت

(سوال) زید کی لڑکی کو طلاق ہوئی اور اس لڑکی کے تین بچے ہیں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا مطلقہ لڑکی کا زید کے گھر میں انتقال ہو گیا اور اس نے ایک مکان چھوڑا ہے جو اس کی ملکیت تھا اس مکان سے زید کو کتنا حق پہنچتا

---

(١) وللام السدس مع احدهما او مع اثنين من الاخوة اوالا خوات الخ(الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦/ ٧٧٢ ط سعيد) وفي العالمگيرية واذا ختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للابن مثل حظ الانثيين (عالمگيرية' كتاب الفرائض ٦/ ٤٤٨ ط ماجديه)

(٢) والحاضنة اما او غير ها احق به اى بالغلام حتى يستغنى عن النساء و قدر بسبع و به يفتى لانه الغالب (الىٰ قوله) والام والجدة لام اولاب احق بها بالصغيرة حتى تحيض اى تبلغ فى ظاهر الرواية (الدرالمختار' باب الحضانة ٣/ ٥٦٦ ط سعيد)

(٣) والحاضنة يسقط حقها بنكاح غير محرمه اى الصغير (الدرالمختار' باب الحضانة ٣/٥٦٥ ط س)

(٤) ووليه ابوه ثم وصيه ثم جده ثم وصيه ثم القاضى او وصيه دون الام او وصيها' وفي الشامية:تحت قول الدر(دون الام) قال الزيلعى واما ما عداالا صول من العصبة كالعم والاخ لو غير هم كالام ووصيها وصاحب الشرط لا يصح اذنهم له لانهم ليس لهم ان يتصر فوافى ماله تجارة فكذا لا يملكون الاذن له فيها (الدرالمختار' كتاب الماذون ٥/ ١١٠ط بيروت)

(٥) والمهر يتاكد باحد معان ثلث ' الدخول والخلوة الصحيحة وموت احد الزوجين لخ (عالمگيرية ١/ ٣٠٣ ط ماجديه)

(٦) و حكمها الزوم المطالبة على الكفيل بما هو على الا صيل نفسا اومالاً فى الشامية اى ثبوت حق المطالبة متى شاء الطالب(الدرالمختار ٤/ ٢٨٤ ط س)

ہے ؟

(جواب ۴۱۲) زید کی لڑکی جس کو طلاق ہوئی تھی اگر عدت طلاق گزر جانے کے بعد اس کا انتقال ہوا اور اس کے تین بچے بھی ہیں تو مرحومہ کے ترکہ میں سے اس کے باپ کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی کے چار حصے ہوں گے ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو اور دو حصے لڑکے کو ملیں گے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) کیا بیٹی کے علاج پر کیا ہوا خرچ اس کے ترکہ میں سے لیا جا سکتا ہے ؟
(۲) جہیز میں دیا ہوا سامان لڑکی کے ترکہ میں شمار ہوگا
(۳) داماد کو بیٹی کے ترکہ سے محروم کرنے کے لئے حیلہ جائز نہیں
(۴) نابالغ لڑکی کا حصہ نانی کے بجائے باپ کے پاس رکھا جائے

(سوال) (۱) زید نے اپنی دختر صاحب شوہر کی علالت کے زمانے میں غذاء یا دواء جو کچھ خرچ کیا وہ دختر کے انتقال کے بعد اس کے ترکہ سے یا اس کے شوہر سے وصول کرنے کا مجاز ہے یا نہیں ؟
(۲) زید نے اپنی دختر کو بوقت شادی زیورات اور کپڑے اور بطور جہیز اسباب وغیرہ دیئے ہوں وہ ترکہ میں داخل ہے یا نہیں ؟
(۳) زید محض اس خیال سے کہ داماد میری لڑکی کے ترکہ سے محروم رہے حیلہ بہانہ تلاش کرے تو وہ شرعاً گناہ گار ہے یا نہیں ؟
(۴) ہندہ ایک لڑکی صغیرہ اور والد اور خاوند چھوڑ کر مرگئی تو لڑکی صغیرہ کا حصہ رکھنے کا حقدار اس کا والد ہے یا نانا ؟ المستفتی نمبر ۱۴۰ مولوی سید عبدالرحیم راندیر ضلع سورت' ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ ۳۰ جولائی ۱۹۳۳ء

(جواب ۴۱۳) (۱) باپ نے اپنی شادی شدہ لڑکی کے علاج یا خوراک میں بزمانہ علالت دختر جو کچھ خرچ کیا ہے اگر خرچ کرنے کے وقت لڑکی سے یہ کہہ دیا ہو کہ میں بطور قرض خرچ کرتا ہوں جو تمہارے مال سے وصول کرلوں گا تو اب لڑکی کے ترکہ سے لے سکتا ہے اور اگر بغیر اطلاع اس امر کے خرچ کیا ہے تو اب نہیں لے سکتا نہ مرحومہ کے شوہر سے نہ اس کے ترکہ سے۔ اگر اس نے لڑکی کے شوہر سے کہہ دیا ہو کہ میں اپنا خرچ تم سے وصول کرلوں گا اور اس نے اقرار کرلیا ہو تو اس سے وصول کر سکتا ہے اور نہیں کہا تھا تو اب نہیں لے سکتا۔[2]

---

(۱) وللاب والجد السدس وذالك مع ولد او ولد ابن الخ (الدر ۶/ ۷۷۰) وفي العالمگيرية' واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للابن مثل حظ الانثيين (عالمگيرية ۶/ ۴۴۸ ط مصرى)
(۲) وفي المحيط عن محمد اذا نوى الاب الرجوع و نقد الثمن على هذه النية و سعه الرجوع فيما بينه و بين الله تعالى واما في القضاء فلا يرجع مالم يشهد مثله في المنتقى (الى قوله) ان اشهد عليه والا فلا (رد المحتار' كتاب الفرائض' باب الوصى ۶/ ۷۱۷ ط سعيد)

(۲) لڑکی کو شادی کے وقت جو مال و اسباب بطور جہیز دیا تھا وہ سب لڑکی کی ملک ہے اور اس کے ترکہ میں شامل ہے۔[1]

(۳) زید یعنی مرحومہ کے والد کا کوئی ایسا حیلہ بنانا کہ داماد مرحومہ کے ترکہ سے محروم ہو جائے سخت گناہ اور ظلم ہے۔[2]

(۴) جب کہ مرحومہ نے ایک شوہر اور ایک لڑکی اور ایک والد چھوڑا ہے تو شوہر کو ترکہ کا ایک چوتھائی اور والد کو ایک چوتھائی دیا جائے گا اور باقی آدھا لڑکی کو ملے گا۔[3]

مسئلہ ۴	زوج	اب	بنت
	۱	۱	۲

اور لڑکی کا حصہ لڑکی کے باپ یعنی مرحومہ کے شوہر کی تحویل میں رہے گا۔ نانا کو مال کی ولایت حاصل نہیں ہے۔[4] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ' دہلی الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

زندگی میں میراث تقسیم کرنے کا حکم

(سوال) ہندہ مورث اعلیٰ جو حی القائم ہے اپنی کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ اپنے ورثا میں حسب سہام شرعی تقسیم کرنا چاہتی ہے اس کے اس وقت پانچ وارث ہیں تین لڑکیاں ایک پوتا بڑے لڑکے کا بیٹا اور ایک پوتی چھوٹے لڑکے کی بیٹی براہ کرم ارقام فرمائیں کہ کس وارث کو کس قدر حصہ شرعاً ملنا چاہئے۔

مورث اعلیٰ ہندہ' ورثا' محمود بن عمرو' زبیدہ بنت بکر' سعیدہ' شریفہ' جمیلہ۔ المستفتی نمبر ۲۲۱ وجیہ احمد صاحب پنجورہ ضلع گیا۔ ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ م یکم مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ٤١٤) ہندہ کے موجودہ ورثا اس حساب سے حقدار ہیں۔[5]

مسئلہ ۳ تصحیح ۹	دختر	دختر	دختر	پسر پسر	دختر پسر
	۲	۲	۲	۲	۱

---

(۱) اگر عرف میں جہیز لڑکی کے ملک میں دیدیا جاتا ہے تو پھر یہ ترکہ میں شمار ہوگا ورنہ نہیں فی الشامیة : والمعتمد البناء علی العرف کما علمت (رد المحتار' باب الوصایا ۳ / ۱۵۷ ط سعید)

(۲) قال علیه الصلوة والسلام : من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة الحدیث (مشکوة شریف' باب الوصایا ۱ / ۲٦٦ ط سعید)

(۳) والربع للزوج مع احدهما للاب والجد السدس مع ولد او ولد ابن والفرض والتعصیب مع البنت او بنت الابن و فیه ایضاً والثلثان لکل اثنین فصاعدا ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت (الدرالمختار' کتاب الفرائض ٦ / ۷۷۰ ط سعید)

مسئلہ ۱۲	باپ	خاوند	بیٹی
	۲/۱/۳	۳	٦

(٤) والولایة فی مال الصغیر الی الاب ثم وصیه ثم وصی وصیه (تنویرالابصار' ۵ / ۵۲۸ ط سعید)

(۵) والثلثان للاثنین فصاعدة و فیه ایضاً الا ان یکون بحذائهن او اسفل منهن غلام فیعصبهن والباقی بینهم للذکر مثل حظ الانثیین (سراجی' باب معرفة الفروض و مستحقیها ص ۷ ط سعید)

یعنی ۹ سہام کر کے دو دو سہام ہر لڑکی کو اور دو سہام پوتے کو اور ایک سہام پوتی کو ملے گا یہ سہام اگرچہ میراث کے ہیں اور میراث کا اعتبار ہندہ کی وفات کے بعد ہوگا کہ کون وارث اس وقت موجود ہے اور کون نہیں تاہم اگر وہ اپنی زندگی میں تقسیم کردے تو اس حساب سے کر سکتی ہے اور اسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ چاہے تو پانچوں وارثوں میں برابر تقسیم کردے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

بھائی اور دو بہنوں میں تقسیم میراث

(سوال) ایک مکان کے حصے میں دو ہمشیرہ ہیں اور ایک بھائی ہے حصہ شرعی کیا ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۶۶ محمد طاہر صاحب (ضلع گورداسپور) ۱۴ محرم ۱۳۵۳ھ ۲۹ اپریل ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۱۵) اگر کسی مکان میں دو بہنیں اور ایک بھائی وارث ہونے کی جہت سے حقدار ہیں تو اس کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ نصف مکان بھائی اور نصف میں دونوں بہنیں بحصہ مساوی حقدار ہوں گی۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

میراث مشترکہ کی تقسیم

(سوال) ایک جائیداد زید و عمرو کی ملک ہے اول زید گزرتا ہے اور حسب ذیل ورثا چھوڑتا ہے ایک لڑکی بالغ پہلی بی بی متوفیہ سے ایک لڑکی بالغہ دوسری بی بی مطلقہ و متوفیہ سے ایک بی بی تیسری اور اس کے بطن سے ایک لڑکی بالغہ جو زید کے چھ مہینے کے بعد گزر چکی ہے اور ایک لڑکا نابالغ حیات ہے موجودہ بی بی نے زر مہر معاف نہیں کیا اور نکاح ثانی کرلیا ہے اور لڑکا اس کی پرورش میں ہے۔ تقسیم ترکہ اور لڑکے کی ولایت کا کیا حکم ہے نیز زید کی تیمارداری اور تجہیز و تکفین میں کچھ روپیہ عمرو کی اہلیہ نے خرچ کیا ہے جس کا کوئی حساب نہیں مگر اہلیہ عمرو علی الحساب کچھ رقم معین کر کے طلب کرتی ہے اس صورت میں اہلیہ عمرو کو شرعی حیثیت سے کیا مل سکتا ہے ؟

بعد ازاں عمرو گزرتا ہے اس کی بی بی جس نے مہر معاف کردیا ہے اور ایک لڑکا موجود ہے ان کی تقسیم کیا ہوگی ؟ المستفتی نمبر ۳۳۷ محمد حسین حامد حسین دہلی ۷ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۱۶) زید اور عمرو جس جائیداد میں شریک ہیں اس جائیداد کو ان کے حصہ شرکت کے موافق علیحدہ علیحدہ کرلیا جائے اگر برابر کے شریک تھے تو نصف جائیداد زید کی اور نصف عمرو کی ہوگی زید کی جائیداد زید کے وارثوں میں اور عمرو کی عمرو کے وارثوں میں تقسیم ہوگی، تقسیم اس طرح ہوگی کہ زید کی بیوی کو مہر دینے اور دوسرے قرضے ادا کرنے کے بعد زید کی جائیداد یوں تقسیم کی جائے۔

---

(۱) قال تعالیٰ وللذكر مثل حظ الانثيين (النساء ۱۱)

۴۰ / ۲۴۰

مسئلہ ۸

زید

زوجہ ثالثہ موجودہ	دختر	دختر	دختر	دختر	پسر
	۴۲ / ۷	۴۲ / ۷	۷	۷	۸۴/۱۴

مسئلہ ۲

ام	حقیقی بھائی	علاتی بہنیں
۷ / ۱	۳۵ / ۵	محروم

زوجہ موجودہ کو ۳۰ سہام اور لڑکے کو ۱۱۹۔ اور ایک لڑکی کو ۴۲ دوسری کو ۴۲ سہام دیئے جائیں گے۔[1] کل سہام ۲۴۰ ہوں گے عمرو کی بیوی نے زید کی تیمارداری اور تجہیز و تکفین میں جو روپیہ خرچ کیا ہے اس کا حساب اور ثبوت پیش کرنے پر دیا جائے گا ورنہ نہیں۔[2]

عمرو کی بیوی نے اگر مہر معاف کر دیا ہے تو عمرو کے ترکے میں سے بیوی کو آٹھواں حصہ میراث ملے گا اور باقی ۸ / ۷ عمرو کے لڑکے کو ملے گا۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فوت شدہ لڑکے کی میراث میں صرف ماں باپ ہی حق دار ہوں گے

(سوال) زید کے تین فرزند اور دو دختر زید نے اپنے حین حیات میں ایک جائیداد خرید کر تینوں فرزندوں میں تقسیم کر دی ان میں سے سب سے چھوٹا فرزند رحلت کر گیا اس مرحوم لڑکے کی ملکیت میں ماں باپ کا کتنا حصہ ہو سکتا ہے ؟ المستفتی نمبر ۵۵۵ عبدالرحیم (بنگلور) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۲۸ جولائی ۱۹۳۵ء۔

(جواب ۴۱۷) مرحوم لڑکے کی ملکیت صرف باپ اور ماں کو ملے گی یعنی ۶ / ۱ اماں کو اور ۶ / ۵ باپ کو[4] بھائیوں اور بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) فیفرض للزوجۃ فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن الخ (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۰ ط سعید) وفی العالمگیریۃ: واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریۃ' کتاب الفرائض ۶/ ۴۴۸ ط ماجدیہ)

(۲) عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال لو یعطی الناس بدعواهم لادعی اناس دماء رجال واموالهم لکن الیمین علی المدعی علیہ وفی شرحہ للنووی انہ قال وجاء فی روایۃ (الی قولہ) لکن البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر (مشکوۃ ص ۳۲۶ ط سعید)

(۳) (ایضاً بحوالہ بالا نمبر ۱)

(۴) وللام السدس مع احدهما او مع اثنین من الاخوۃ او من الاخوات (الدرالمختار کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۲ ط سعید)

(۵) وللاب والجد السدس مع ولد اوولد ابن والتعصیب المطلق عند عدمهما (الدر ۶/ ۷۷۰ ط س)

دو بیویوں کی تین لڑکیوں کو باپ کی میراث کس طرح ملے گی ؟

(سوال) زید کی دو عورتیں تھیں پہلی عورت سے ایک لڑکی دوسری عورت سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں اب یہ تینوں لڑکیاں عاقل بالغ ہیں ماں باپ فوت ہو چکے ہیں اب زید کی ملکیت ان لڑکیوں میں کس طرح تقسیم کی جائے مثلاً زید کی ملکیت تین ہزار روپے تھے تو ہر لڑکی کو کتنی رقم ملے گی المستفتی نمبر ۸۵۶ حکیم قاضی محمد نور الحق (چامراج نگر) ۲۱ محرم ۱۳۵۵ھ ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۱۸) زید کی تینوں لڑکیاں حق میراث میں برابر ہیں[1] اگر ان دونوں عورتوں (یعنی لڑکیوں کی ماؤں) کے مہر ادا یا معاف ہو چکے ہیں تو ہر لڑکی کو ایک ایک ہزار روپیہ دیدیا جائے یہ جب کہ اور کوئی وارث نہ ہو۔ محمد کفایت اللہ

کمپنی سے وصول شدہ اور ضائع ہونے والی میراث کا حساب کر کے تقسیم کیا جائے

(سوال) محمد صالح میاں کا انتقال ہوا انہوں نے حسب ذیل وارث چھوڑے زوجہ (فاطمہ) ابن (یوسف) ابن (غلام محمد) بنت (خدیجہ)۔ اس کے بعد یوسف کا انتقال ہوا اس نے حسب ذیل وارث چھوڑے ام فاطمہ، اخت لاب وام خدیجہ اخ لاب غلام محمد۔ ماسٹر آف سپریم کورٹ کے یہاں جو کاغذات داخل کئے گئے تھے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد صالح میاں کی وفات کے وقت حسب ذیل ترکہ موجود تھا۔

	پنس	شلنگ	پاؤنڈ
بقایا بذمہ اے ایم سلیمان میاں اینڈ کمپنی	۸	۵	۹۹۰۲
وصول شدہ رقم قرض	۱۰	۱	۳
حصص کمپنی میاں لمیٹڈ دو ہزار حصص قیمت فی حصہ ا پاؤنڈ	۵	۵	۲۰۰۰
	۱۱	۱۷	۱۱۹۰۵
ٹیکس حکومت واجرت تعمیل اس رقم سے منہا	۷	۶	۱۰۷۳
	۴	۱۱	۱۰۸۳۲

زاں بعد جو یوسف کا انتقال ہوا تو ماسٹر آف سپریم کورٹ نے حسب قانون منتظمین ترکہ محمود میاں سے یوسف کا حصہ طلب کیا تاکہ گارڈین فنڈ میں ان کے ورثا کے لئے محفوظ رکھا جائے تو اے ای سلیمان میاں اینڈ کمپنی نے (جن پر محمود میاں کی ایک بڑی رقم باقی تھی) یوسف کے حصہ کو گارڈین فنڈ میں داخل کرنے کو اپنے ذمہ لے لیا یوسف کا محمود میاں کے ترکہ میں حسب شرع یہ حصہ ہے۔

۱۴ / ۲۰ پنس	شلنگ	پاؤنڈ
۶	۷	۳۷۹۱

---

(۱) پہلے تینوں کو ثلثان ملے گا پھر رد ہوگا پھر تصحیح چھ سے ہوگی

مـ ۳ تصـ ۲ تصـ ۶
بنت ۳ ۲/۶/۲

اب مذکور کمپنی نے یوسف کے حصہ کی رقم میں سے پنس شلنگ پاؤنڈ

پنس	شلنگ	پاؤنڈ
۲	۱۶	۲۶۹۷

کی رقم گارڈین فنڈ میں داخل کردی اور بقیہ رقم ادا نہ کرسکے اور کمپنی دیوالیہ ہوگئی جب کمپنی دیوالیہ ہوگئی تو ماسٹر آف سپریم کورٹ نے دیوالیہ کمپنی میں حصہ یوسف کی بقایا رقم ۴-۱۱-۱۰۹۳ مع سود ۸-۱۳-۵۹ کا مطالبہ داخل کیا تو کمپنی کے دیگر قرض خواہوں کی طرح حصہ یوسف کو بھی بقدر حصہ رسد کچھ رقم وصول ہوئی اب یوسف کے حصہ کی کل رقم ماسٹر آف سپریم کورٹ نے ان ورثاء میں تقسیم کردی اے ایم سلیمان میاں اینڈ کمپنی کے دیوالیہ ہونے سے قبل ۲۰۰۰ دو ہزار حصص میاں لمیٹڈ جو احمد صالح میاں حصہ دار کمپنی کے پاس تھے وہ ترکہ محمود میاں کی طرف منتقل کردیئے جس سے اب میاں لمیٹڈ میں ۴۰۰۰ چار ہزار حصص آگئے بظاہر اب بھی ترکہ محمود میاں کا باقی ہے اس کے علاوہ دیوالیہ کمپنی میں سے ماسٹر آف سپریم کورٹ کے مطالبہ کے عوض میں بقدر حصہ رسد ایک چھوٹی سی رقم وصول ہوئی ہے وہ بھی شامل ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب یوسف کا حصہ ترکہ محمود میاں سے ماسٹر آف سپریم کورٹ نے وصول کرکے گارڈین فنڈ میں جمع کردیا تو اب یوسف ان موجودہ چار ہزار حصص کمپنی لمیٹڈ میں وراثت کا مستحق ہے کہ نہیں اگر ہے تو کتنے کا اور اگر نہیں تو پھر بقیہ ورثا میں ان حصص کو شرعاً کس طرح تقسیم کیا جائے فقط۔ المستفتی نمبر ۱۰۷۷ جناب مولوی اسماعیل کاچوی صاحب جنوبی افریقہ ۹ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ۲۹ جولائی ۱۹۳۶ء۔

(جواب ۴۱۹) سوال میں بعض امور تشریح طلب مبہم رہ گئے مثلاً یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یوسف کا حصہ جو محمود میاں کے ترکہ میں سے بقدر ۴۰/۴ ادا کیا گیا ہوگا اس میں ماسٹر آف سپریم کورٹ کو کتنی رقم وصول ہوئی اور کتنی دیوالیہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہوئی دوسری بات یہ کہ یوسف کے ورثاء کو جو رقم یوسف کے ترکہ میں سے ملی وہ کس کو کتنی ملی اور اس کی مقدار بہ نسبت اصل حق کے کیا ہے بہر حال اب حکم یہ ہے کہ فاطمہ اور غلام محمد اور خدیجہ ان میں سے جسکو ترکہ یوسف میں سے بذریعہ ماسٹر آف سپریم کورٹ جس قدر رقم ملی ہے اس کو علیحدہ علیحدہ حساب میں لیا جائے اور اس کے مجموعہ کو باقی رقم (چار ہزار حصص میاں لمیٹڈ اور دیوالیہ کمپنی سے جو مقدار وصول ہوئی ہو) کے ساتھ ملایا جائے اور جس قدر مجموعی رقم حاصل ہو اس کو ۱۲۰ سہام پر تقسیم کیا جائے اس میں سے ۲۲ سہام فاطمہ کو دیئے جائیں اور غلام محمد کو ۶۳ اور خدیجہ کو ۳۵ اس طرح ہر وارث کو اپنا حصہ مل جائے گا[1] اور جس قدر رقم کہ دیوالیہ کمپنی میں ضائع ہوئی اور جس قدر رقم کہ

---

(۱) مسئلہ اس طرح بنے گا

مسئلہ ۱۲۴

زوجہ فاطمہ	ابن یوسف	ابن غلام	بنت خدیجہ ۲۱
۳	۴۲	۴۲	۱۰۵ ۲۱

مسئلہ ٦

ام فاطمہ	اخت خدیجہ	اخ لاب غلام
۱/۷	۳/۲۱	۲/۱۴

سپریم کورٹ نے اپنی فیس وغیرہ میں وصول کرلی ہوگی یا غیر وارث کو دیدی ہوگی وہ حصہ رسدی سب کے حصوں میں سے کم ہو جائے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دو بھائیوں کا اتفاق رائے سے قرعہ اندازی کے ذریعے میراث تقسیم کرنا صحیح ہے

(سوال) (۱) مسمی حافظ محمد حسین برادر کلاں اور مسمی حافظ عبدالخالق برادر حقیقی خورد میں بوجہ تنازعات شدید تقسیم جائیداد میں جھگڑا واقع ہوا اور طرفین نے برضامندی ذریعہ اقرار نامہ اسٹامپ قیمتی ایک روپیہ پر پنچان کو مجاز فیصلہ ٹھیرایا چنانچہ سب سے پہلے فیصلہ مکان تجویز ہوا چونکہ دو بھائی ہیں اور جائیداد بھی دو ہیں ایک دوکان پختہ بازار میں ہے اور مکان بازار سے علیحدہ ہے اگر مکان اور دوکان دونوں کا نصف نصف حصہ کیا جاتا تو صرفہ بھی زیادہ ہوتا اور مکان کی حیثیت بھی خراب ہو جاتی اور رفع نزاع بھی نہ ہوتا دونوں کو بوجہ تنگ ہو جانے جگہ کے تکلیف ہوتی اس لئے پنچان نے حیثیت مکان پندرہ سو روپیہ کی اور دوکان پچیس سو روپیہ کی ٹھیرائی یعنی دوکان جس کے حصہ میں آئے وہ پانچ سو روپے نقد مکان والے حصہ میں شامل کرے یہ رائے بالاتفاق پاس ہوئی پنچوں نے دونوں سے دریافت کیا دونوں نے مکان ہی پر رضامندی ظاہر کی دوکان کو دونوں نے ناپسند کیا اس لئے پنچوں نے یہ تجویز کیا کہ چٹھی ڈالی جاوے جس کے نام سے وہ نکلے وہ لےلیوے دونوں نے یہ بات منظور کی اس منظوری کے بعد دو چٹھیاں دونوں کے نام سے پوشیدہ طور پر ایک چھوٹا لڑکا جس کی عمر تخمیناً دس سال کی ہوگی اس کے ہاتھوں یہ دونوں چٹھیاں ڈلوائی گئیں لہذا مکان حافظ محمد حسین کے نام سے نکلا اور دوکان حافظ عبدالخالق برادر حقیقی خورد کے نام سے نکلی اب اس فیصلہ سے حافظ عبدالخالق نے سخت مخالفت کی اور کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ ہم کو منظور نہیں یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے یعنی جوا ہے میں اس کو ہرگز منظور نہ کروں گا۔ اب امیدوار ہوں کہ آگاہ فرمایا جاؤں کہ کیا یہ طریقہ خلاف شریعت ہے اگر خلاف شریعت ہو تو یہ فیصلہ رد کر دیا جائے اور جو طریقہ تقسیم جائیداد کا مطابق شریعت محمدیہ ﷺ ہو مطلع فرمائیں اسی طریقہ پر عمل کیا جاوے۔

(۲) یہ کہ یہاں کا رواج ہے کہ بڑے بھائی کا حصہ چھوٹے بھائی کے حصے سے کچھ زیادہ لگاتے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز اس کی تصریح فرمائی جاوے۔ المستفتی نمبر ۱۲۶۷ حافظ محمد حسین صاحب (ضلع بہرائچ) ۱۳ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۸ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۲۰) (۱) یہ فیصلہ شریعت کے خلاف نہیں اور نہ جوا ہے بلکہ جائز ہے اور دونوں پر لازم ہے کہ اسے تسلیم کریں۔[1] (۲) میراث کے حصہ میں بڑے اور چھوٹے بھائیوں کا حصہ برابر ہوتا ہے کمی بیشی کرنا جائز نہیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) اذا قسم القاضی اونائبہ بالقرعۃ فلیس لبعضہم الاباء بعد خروج بعض السہام کما لا یلتفت الی ابائہ قبل خروج القرع (رد المحتار، کتاب القسمۃ ۶/ ۲۶۳ ط سعید)

(۲) للذکر مثل حظ الانثیین ذکر عام ہے صغیر ہو یا کبیر ہو

ہبہ تام ہونے کے لئے قبضہ ضروری ہے

(سوال) (۱) مسمی زید جسکے کوئی پسری یا دختری اولاد نہیں تھی بقضائے الٰہی فوت ہو گیا ہے۔ لیکن متوفی نے اپنی حیات میں ایک لاوارث لڑکی بوجہ نہ ہونے اولاد صلبی کے لیکر پرورش کر لی متوفی نے اس کی شادی بھی کر دی تھی لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ ربیبہ لڑکی دو پسران نابالغ کو چھوڑ کر متوفی کی حیات ہی میں فوت ہو گئی متوفی نے کچھ جائیداد کا ہبہ نام ربیبہ کے ہر دو پسران نابالغ کے نام بولایت وسرپرستی ان کے والد کے کر دیا ہے زید کے مرنے پر زید کی جائیداد کی تقسیم میں نزاع پیدا ہوا متوفی کی ایک بیوہ اور ایک حقیقی بھائی موجود ہے اس صورت میں زید کی جائیداد کے سہام کس قدر اور کس کس کو مل سکتے ہیں۔؟
(۲) زید نے جو ہبہ نامہ ربیبہ کے ہر دو پسران نابالغ کے نام کیا ہے آیا وہ بروئے شرع محمدی جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۳۱۲ محمد ابرار علی صاحب (انبالہ) ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۲۵ جنوری ۱۹۳۷ء
(جواب ۴۲۱) ربیبہ کے نابالغ لڑکوں کے نام جو ہبہ نامہ لکھا ہے اس کی صحت و نفاذ کے لئے یہ لازم تھا کہ نابالغوں کے ولی کو شئ موہوب کا قبضہ دیدیا جاتا اور وہ نابالغوں کی طرف سے نابالغوں کے لئے موہوب کا قبضہ کر لیتا اگر صورت مسئولہ میں ولی نابالغان کو قبضہ کرا دیا گیا تھا تو ہبہ صحیح و نافذ ہے اور اگر قبضہ نہیں دیا گیا تھا تو ہبہ ناجائز ہے[1] ہبہ ناجائز ہونے کی صورت میں اگر نابالغوں کے لئے کوئی وصیت بھی نہ ہو تو ترکہ کے مستحق صرف دو وارث ہوں گے یعنی بیوہ اور بھائی بیوہ کو ۱/۴ ملے گا اور بھائی کو ۳/۴ [2] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

صرف بیوہ اور بھائی وارث ہوں میراث کس طرح تقسیم ہو گی؟

(سوال) مسمی زید جو مذہب شیعہ رکھتا تھا بقضائے الٰہی فوت ہو گیا ہے متوفی نے اپنے بعد کوئی اولاد پسری دختری نہیں چھوڑی متوفی کے ورثاء میں سوائے ایک بیوہ کے اور ایک حقیقی بھائی کے اور کوئی نہیں ہے متوفی کی بیوہ اور بھائی ہر دو مذہب سنت والجماعت رکھتے ہیں متوفی کی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ ہر دو وارثان مذکور میں بروئے شرع محمدی کس طرح تقسیم کی جائے گی؟ المستفتی نمبر ۱۳۱۳ محمد ابرار علی صاحب (انبالہ)
(جواب ۴۲۲) اس صورت میں متوفی کا ترکہ اس کی بیوہ اور بھائی کو ملے گا (بشرطیکہ اور کوئی وارث ذوی الفروض اور عصبات میں سے موجود نہ ہو) کل ترکہ چار سہام پر منقسم ہو کر ایک سہام بیوہ کو اور تین سہام بھائی کو دیئے جائیں گے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) وان وھب له اجنبی یتم بقبض ولیه وھو احد اربعة الاب ثم وصیه الخ (الدرالمختار' باب الھبة ۵/ ۶۹۵ ط سعید)
(۲) والربع لھا عند عدمھما الخ وفیه ایضاً و عند الانفراد یحوز جمیع المال و یقدم الاقرب فالاقرب (الی قوله) ثم جزء ابیه ای الاخ لابوین (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۰' ۶/۷۷۳ ط سعید)
(۳) ایضاً بحواله بالا

مـ ۴	بیوہ	بھائی
	۱	۳

پوتے کی عدم موجودگی میں دادی اس کے مکان کو فروخت نہیں کر سکتی

(سوال) ایک شخص اپنی والدہ اور ایک لڑکا اور لڑکی چھوڑ کر مر جاتا ہے اور ایک مکان پختہ چھوڑتا ہے لڑکا اور لڑکی نابالغ تھے ماں بھی موجود تھی دو ماہ کے بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا کچھ عرصہ بعد لڑکے کی شادی ان کی دادی کر تی ہے مگر لڑکے کی عورت کچھ عرصہ بعد مر جاتی ہے اور لڑکا باہر کسی جگہ چلا جاتا ہے لڑکے کی عدم موجودگی میں اس کی دادی اپنی پوتی کا نکاح کر دیتی ہے کچھ عرصہ بعد لڑکا واپس آتا ہے اور اس کی دادی کا انتقال ہو جاتا ہے بعد انتقال دادی لڑکی اور اس کا خاوند کہتا ہے کہ تمہارا باپ جو ایک مکان چھوڑ گیا تھا وہ تمہاری دادی سے ہم نے خرید لیا ہے از روئے شرع کیا دادی کو لڑکے کی عدم موجودگی میں مکان فروخت کرنے کا حق حاصل ہے یا کہ نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۷۳۰ چھنگا علی گڑھ ۱۸ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ ۵ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۳) مکان اس شخص متوفی کی ملک تھا تو اس میں سے اس کی والدہ کا حصہ ۶ : ۱ تھا اور اسی چھٹے میں اس کو تصرف کرنے کا حق تھا[1] اگر دادی نے سارا مکان بیچ دیا تو یہ بیع صحیح نہیں ہوئی لڑکا اپنا حق مشتری سے واپس لے سکتا ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ذوی الارحام میں میراث تقسیم کرنے کی صورت

(سوال) زید کے وارثوں میں یہ لوگ زندہ اور موجود ہیں ایک زید کے حقیقی ماموں کا لڑکا' ایک حقیقی ماموں کی لڑکی' ایک حقیقی ماموں کے دوسرے لڑکے کی عورت جو اب دوسرے کے نکاح میں ہے بعدہ' لڑکے نے انتقال کیا اس کے تین لڑکیاں ہیں زید کے ۳۰۰ روپیہ نقد محلّہ مسلم جماعت کے قبضہ میں ہیں یہ روپیہ ان وارثوں میں کس طرح تقسیم کریں ؟ المستفتی نمبر ۱۷۴۱ ۵ رجب ۱۳۵۶ھ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۴) زید کا ترکہ تین حصے کر کے دو حصے ماموں کے لڑکے کو اور ایک حصہ ماموں کی لڑکی کو دیا جائے[3] پھر لڑکے کا حصہ اس کی موت کے بعد اس طرح تقسیم ہو گا کہ اس کے حصے کے نو حصے کر کے دو دو حصے تینوں لڑکیوں کو اور تین حصے اس کی بہن کو دیئے جائیں۔[4] مگر یہ تقسیم جب ہے کہ یہ بہن متوفی لڑکے کی حقیقی یا علاتی بہن ہو۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) و للام السدس مع احد هما او مع اثنین من الاخوۃ او من الاخوات الخ (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶ / ۷۷۲ ط سعید)

(۲) وقف بیع مال الغیر ای علی اجازتہ علی ما بیناہ (الدرالمختار ۵ / ۱۰۷ ط سعید)

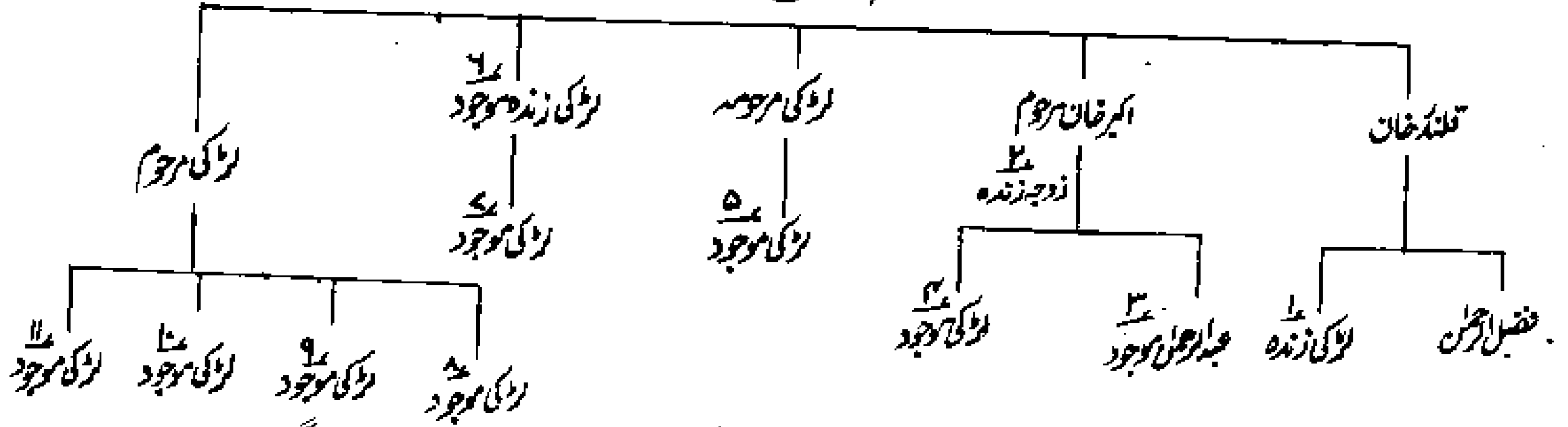
(۳) واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریۃ' کتاب الفرائض ۶/ ۴۴۸ ط مصری)

(۴) ولهن الباقی مع البنات او بنات الابن لقولہ علیہ السلام اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ(سراجی' فصل فی النساء ص ۱۰ ط سعید)

(۵) اگر اخیافی بہن ہوگی تو لڑکیوں کے وجود سے محروم ہوگی : و یسقطون بالولد وولدالابن وان سفل(سراجی' باب معرفۃ الفروض و مستحقیها ص ۶ ط سعید)

میراث کی ایک صورت

(سوال) ہمارے خاندان میں ایک لڑکا مسمی فضل الرحمٰن کنوارا لاولد فوت ہو گیا اس کی وراثت کو قانون شریعت کے بموجب تقسیم کرنے کا مسئلہ در پیش ہے۔



نیز یہ بھی تشریح فرمائیں کہ فضل الرحمٰن کی ہمشیرہ کو یا دیگر عورتوں جو کہ وارث ہوں گی بوقت شادی جہیز میں پارچہ جات زیورات اور برتن وغیرہ سامان دیا گیا ہے اس کی قیمت بھی شمار کر کے ہر ایک حصے سے وضع کی جائے گی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۷۵۷ محمد افضل خان (ضلع ہزارہ) ۸ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۴ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۵) فضل الرحمٰن کے وارث اس کی بہن اور چچازاد بھائی عبدالرحمٰن ہے نصف اس کی بہن[1] کو اور نصف عبدالرحمٰن[2] کو ملے گا فضل الرحمٰن کی پھوپھی اور پھوپھی زاد بہن اور چچازاد بہن سب محروم ہیں۔[3] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

خاوند کے ہوتے ہوئے صرف والدین تمام ترکہ کے مستحق نہیں

(سوال) ایک شخص نے بالعوض دین مہر مبلغ پانچ سو روپیہ اپنی زوجہ کو اپنا ایک مکان دیکر سبکدوشی حاصل کر لی کچھ عرصہ کے بعد مسماۃ مذکورہ کا انتقال ہو گیا اور جائیداد مذکورہ پر مسماۃ کے والدین نے قبضہ جما لیا تنقیح طلب یہ ہے کہ کیا واقعی بعد وفات مسماۃ اس کے مال و جائیداد مذکورہ کے وارث اس کے والدین ہی ہو سکتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۱۷۶۴ اسکریٹری اسلامی بورڈ (ریاست گوالیار) ۱۲ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۶) مسماۃ مرحومہ نے اگر اولاد نہ چھوڑی ہو تو اس کے ترکہ میں سے نصف ترکہ شوہر کو اور نصف والدین کو ملتا ہے اگر اولاد بھی چھوڑی ہو تو خاوند کو ۱/۴ ملتا ہے اور باقی اس کی اولاد اور والدین میں تقسیم

---

(۱) والثلثان لکل اثنین ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت و بنت الابن والا خت لا بوین الخ (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶ /۷۷۳ ط سعید)
(۲) یحوز العصبة بنفسه وهو کل ذکر لم یدخل فی نسبته الی المیت انثی و عند الانفراد یحوز جمیع المال (تنویر الابصار' کتاب الفرائض ۶/۷۷۳ ط سعید)
(۳) یہ سب ذوی الارحام ہیں

ہوتا ہے یعنی خاوند کو زوجہ کے ترکہ میں سے ترکہ کا حصہ ضرور ملتا ہے[1] صرف والدین ہی سارے ترکہ کے مستحق نہیں ہو جاتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

لڑکوں کو سوتیلی ماں کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا

(سوال) زید نے دو نکاح کئے ایک بیوی سے تین لڑکیاں اور ایک سے تین لڑکے تولد ہوئے زید کی وفات کے بعد اس کی جائیداد ورثاء میں تقسیم کر دی گئی اس کے بعد وہ عورت جس سے تین لڑکیاں ہیں انتقال کر گئی کیا کوئی حق ان لڑکوں کا اس سوتیلی ماں کے حصہ میں لگتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۷۶۸ اسلیمان بن عمر صاحب (مئی ۳) ۱۳ رجب ۱۳۵۶ھ ۱۹ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۷) سوتیلی ماں کے ترکہ میں ان لڑکوں کا کوئی حق نہیں ہے۔[2] محمد کفایت اللہ

تین عورتوں والے شوہر کی میراث کیسے تقسیم ہو گی؟

(سوال) ایک شخص فوت ہو گیا اس کی تین عورتیں تھیں جس میں سے ایک عورت بحال حیات فوت ہو گئی باقی دو عورتیں موجود ہیں اب صرف دو عورت چھ لڑکے اور دو لڑکیاں موجود ہیں۔ایک عورت موجودہ کو اولاد نہیں باقی متوفی عورت کو بھی اولاد ہے اور زندہ عورت کو بھی اب اس عورت کو جس کو اولاد نہیں ہے اس کو بھی اور عورتوں کے مانند میراث ملے گا یا زیادہ؟ المستفتی نمبر ۱۷۷۵ الٰہی بخش ضلع لاڑکانہ ۱۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۸) مسئلہ ۱۶

زوجہ	زوجہ	پسران	دختران
۱	۱	۱۲	۲

اس صورت میں متوفی کے ترکہ میں سے ایک ایک آنہ ہر ایک زوجہ کو اور دو دو آنے ہر ایک پسر کو اور ایک ایک آنہ ہر ایک دختر کو ملے گا۔[3] یعنی فی روپیہ اس حساب سے ترکہ میں تقسیم ہو گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) فریق لا یحجبون بحال البتة وهم ستة الابن والاب والزوج والبنت والام والزوجة (سراجی' باب الحجب ص ۱۶ ط سعید)

(۲) میت کے ساتھ ان کا رشتہ اولاد الزوج کا ہے اور اولاد الزوج نہ ذوی الفروض میں سے ہے اور نہ عصبات میں سے ہے اور نہ ہی ذوی الارحام میں داخل ہے۔

(۳) فیفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع الولد او ولدالابن الخ(درمختار ۶ /۷۷۰ ط سعید) وفی العالمگیریة واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین(عالمگیریة' کتاب الفرائض ۶ /۴۴۸ ط ماجدیه)

مسئلہ ۸ تصـ۱۱۲

زوجہ	۱۱۴	زوجہ	۶ لڑکے	۷٬۹۸	۲ لڑکیاں	
۷		۷	۱۴/۸۴		۷٬۱۴	۱۱۲ =

بیوی سے اولاد کا نہ ہونا اسے وراثت سے محروم نہیں کرتا اور نہ ہی ربع سے زیادہ کا مستحق بناتا ہے۔

بیوی کی ذاتی جائیداد اور مرحوم پر قرض کے علاوہ باقی میراث تقسیم ہوگی!

(سوال) میرا شوہر دریا میں ڈوب کر مر گیا اور اس کی تجہیز و تکفین میں نے قرض لے کر کی اور میرے شوہر کی والدہ اور بھائی جب اپنے وطن سے آئے میرا ذاتی سامان جو کہ میرے والدین نے جہیز میں دیا تھا وہ اور میرے شوہر کا ذاتی سامان موجود تھا وہ سب اپنے ہمراہ لیکر اپنے وطن چلے گئے مجھ کو میرے والدین کے پاس چھوڑ گئے صرف ان کپڑوں سے جو کہ میرے تن پر تھے اب میرے شوہر کا پیسہ ملنے والا ہے اور اس میں مندرجہ ذیل اشخاص ہیں ان کے کیا کیا حقوق ہیں (۱) بیوہ متوفی اور جو بچہ کہ عنقریب ہونے والا ہے اس کا کیا حق ہے۔ (۲) والدہ شوہر من جو کہ بیوہ ہے۔ (۳) بھائی شوہر من جس کی عمر ۲۵۔ ۲۶ سال ہے۔ (۴) ہمشیرہ شوہر من شادی شدہ۔ (۵) جو روپیہ قرض کے تجہیز و تکفین کی اس کو کس طرح ادا کروں۔ المستفتی نمبر ۲۷۷۱ لطیفاً بیوہ مسیح اللہ خاں دہلی۔ ۱۴ رجب ۱۳۵۶ھ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۹) شوہر کا جو روپیہ ملنے والا ہے اس میں سے اس کی زوجہ کا مہر مصارف تجہیز و تکفین اور عورت کے سامان جہیز کی قیمت جو مرحوم شوہر کے بھائی اور والدہ لے گئے ہیں۔ سب زوجہ کو ملے گی اس رقم کے بعد جو بچے اس میں حسب ذیل طریق پر حصہ ہوں گے۔

مسئلہ ۲۴

زوجہ	والدہ	اخ	اخت	حمل
۳	۴	محروم	محروم	۱۷

یعنی ۲۴ سہام میں سے تین سہام زوجہ کو ملیں گے اور چار سہام والدہ کو ملیں گے اور سترہ سہام حمل کے لئے محفوظ رہیں گے اگر لڑکا ہوا تو پورے سترہ سہام اس کو ملیں گے اگر لڑکی ہوئی تو بارہ سہام لڑکی کو اور پانچ سہام بھائی بہن کو ملیں گے۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا خاوند کی بیوی کے نام کی ہوئی جائیداد صرف بیوی کی سمجھی جائے گی؟

(سوال) زید کا انتقال ہو گیا اس نے سوائے اپنی بیوی' چچا' سوتیلی ماں' علاتی بھائی اور علاتی بہن کے کوئی اور وارث نہیں چھوڑا زید نے اپنی زندگی میں حالت صحت اپنے تمام فنڈ اور بیمہ حسب رواج و قانون اپنی بیوی کے نام کر دیئے ریفنڈوں اور بیمہ کا تمام روپیہ مرحوم کے مرنے پر مرحوم کی بیوی نے وصول کر لیا کیا شرعاً وہی حق دار ہے یا دوسرے رشتہ دار بھی حق دار ہیں دوسرے وہ مکان مرحوم کے باپ کا ہے کس طرح تقسیم ہوگا؟ المستفتی نمبر ۱۷۸۵ مظہر الدین (شملہ) ۱۵ رجب ۱۳۵۶ھ ۲۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۰) زید مرحوم کا تمام ترکہ اور مکان حسب ذیل طریقہ سے تقسیم ہوگا صرف بیوی مستحق نہیں ہے۔

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۳ صفحہ گزشتہ)

مسئلہ ۴

زوجہ	علاتی بھائی	علاتی بہن	چچا	سوتیلی ماں
۱	۲	۱	محروم	محروم

یعنی بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث ترکہ کی ایک چوتھائی بیوی کو اور نصف علاتی بھائی (باپ شریک) کو اور ایک چوتھائی علاتی بہن کو ملے گی۔[1] بیوی کا مہر تقسیم ترکہ سے پہلے ادا کیا جائے گا۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیٹوں کے نام کی ہوئی جائیداد سے بیٹی بھی حصہ لے سکتی ہے

(سوال) مسمی کریم صاحب کو فوت ہوئے عرصہ تقریباً بیس سال ہوتا ہے کریم کے دو لڑکے عثمان و علی اور ایک دختر خدیجہ تھے کریم نے اپنی حیات میں بڑے لڑکے عثمان کو آدھی ملک دیکر علیحدہ کیا باقی آدھی ملک چھوٹے بیٹے کو دے کر خود بھی چھوٹے بیٹے علی کے پاس رہتا رہا بعد چند روز کریم فوت ہوا چھوٹا لڑکا علی ایک زمانہ تک اپنی بہن خدیجہ کے یہاں رہ کر بعد شادی ہونے کے اپنی ملک کے ساتھ علیحدہ ہوا اس کی زوجہ مریم موجود اس کے بطن سے دو لڑکیاں حلیم اور کریم موجود ہیں علی کا تقریباً پندرہ سال ہوئے انتقال ہو گیا علی کی ملک میں اس کی بہن خاص خدیجہ کو کیا حق پہنچتا ہے باپ نے ہر دو بیٹوں کو جو دیا تھا خدیجہ اس میں حق دار ہے یا نہیں اب علی کی ملک سے کتنے حصہ کی مستحق ہے؟ المستفتی نمبر ۱۷۹۷ محبوب صاحب ضلع بلہاری ۱۶ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۳ ستمبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۴۳۱) خدیجہ اپنے باپ کے ترکہ میں بھی حقدار تھی مگر باپ نے اس کو حصہ نہیں دیا تو اس کا گناہ باپ کے اوپر رہا[3] اب اس کے بھائی علی کا انتقال ہوا تو علی کا ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا :

مسئلہ ۲۴

زوجہ (مریم)	دختر (حلیم)	دختر (کریم)	اخت (خدیجہ)
۳	۸	۸	۵

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث ترکہ کے چوبیس سہام کر کے تین سہام زوجہ کو اور آٹھ آٹھ سہام دونوں لڑکیوں کو اور پانچ سہام بہن خدیجہ کو ملیں گے۔[4] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) والربع لها عند عدمهما و فيه ايضا و يقدم الاقرب فالاقرب منهم كالابن ثم ابنه (الى قوله) ثم جزء ابيه الاخ لابوين ثم لاب (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦ / ٧٧٠ ' ٧٧٣ ط سعيد) (۲) ثم تقدم ديونه التى لها مطالب من جهة العباد (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦ / ٧٦٠ ط سعيد) (۳) قال عليه الصلوة والسلام: من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة (مشكوة كتاب الوصايا ١ / ٢٦٦ ط سعيد) (٤) فيفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن و فيه ايضا والثلثان لكل اثنين فصاعدا ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت و بنت الابن والاخت لابوين (الدرالمختار كتاب الفرائض ٦ / ٧٦٩ ' ٧٧٣ ط سعيد) وفى السراجية و لهن الباقى مع البنات او بنات الابن لقوله عليه السلام اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة (سراجى' فصل فى النساء ص ١٠ ط سعيد)

نکاح کے پانچ ماہ بعد بچہ پیدا ہونے کی صورت میں نکاح اور میراث کے احکام

(سوال) (۱) زید نے ایک بیوہ سے جس کے دو لڑکے پہلے شوہر سے موجود ہیں عدت گزر جانے کے بعد نکاح کیا اس وقت حمل کا کوئی اثر معلوم نہ ہوا مگر پانچ ماہ کے بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی وضع حمل کے بعد بھی طرفین ایک ہی مکان میں مع بچوں کے زن و شوہر کی طرح زندگی گزارتے رہے تقریباً دو برس کے بعد زید ایک کافی جائیداد چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوا زید نے اپنے پیچھے یہی بیوی بچہ اور بھانجہ چھوڑا بھانجہ کی والدہ یعنی زید کی بہن زید کی زندگی ہی میں فوت ہو چکی تھی لہذا زید کا نکاح باقی رہا یا نہیں ؟

(۲) زید کا تجدید نکاح لازمی ٹھہرا یا نہیں ؟ (۳) طرفین کا بلا تجدید نکاح ایک ساتھ زن و شوہر کی زندگی گزرنا کیسا ٹھہرا ؟ (۴) تقسیم جائیداد کا کیا حل ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۸۳۹ محمد ابراہیم صاحب مدرسہ فیض الغربا (آرہ) ۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۱) بیوہ کی عدت گزر جانے سے کیا مراد ہے یعنی خاوند کی موت پر چار ماہ دس روز گزرنے کے بعد نکاح کر لیا تھا تو گویا شوہر اول کی وفات کے نو سوا نو مہینے کے بعد بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ شوہر اول کا بچہ قرار پانے کا [1] اور نکاح کا عدت کے اندر منعقد ہونا قرار دیا جائے گا اور یہ نکاح ناجائز ہوگا [2] اور اگر شوہر اول کی موت پر زیادہ مدت گزر چکی تھی یعنی دو سال ہو چکے تھے تو یہ حمل زنا کا ہوگا [3] اور نکاح جائز قرار دیا جائیگا [4] مگر بچہ کا نسب شوہر دوم سے اس صورت میں بھی ثابت نہ ہوگا کیونکہ تاریخ نکاح سے چھ مہینے سے پہلے بچہ ہو گیا تو اس شوہر کا بچہ نہیں ہے [5] بہر حال پہلی صورت میں تو نہ تو عورت وارث ہوگی نہ بچہ اور دوسری صورت میں عورت کو میراث ملے گی بچے کو نہ ملے گی اور پہلی صورت میں تجدید نکاح لازم تھی دوسری صورت میں تجدید لازم نہ تھی پہلی صورت میں زید کی میراث بھانجے [6] کو ملے گی دوسری صورت میں جائیداد کا ربع بیوی کو [7] اور ۳/۴ بھانجے کو ملے گا۔ [8] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) و يثبت نسب ولد المتوفى عنها زوجها ما بين الوفاة و بين السنتين (هدايه اولين ۲/۴۳۱ ط شركة علميه)

(۲) لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره و كذالك المعتدة سواء كانت العدة من طلاق او وفاة الخ (عالمگيرية' باب ثالث في بيان المحرمات ۱/۲۸۰ ط ماجديه)

(۳) وان ولدته لا كثرمنهما من وقته لا يثبت بدائع ولو لهما فكا الا كثر (الدر المختار' باب ثبوت النسب ۳/۵٤٤ ط سعيد)

(٤) وصح نكاح حبلى من زنا (الدر المختار' فصل في المحرمات ۳/٤٨ ط سعيد)

(٥) واقله ستة اشهر لقوله تعالىٰ' و حمله و فصاله ثلثون شهراً ثم قال و فصاله عامين فبقى للحمل ستة اشهر (هداية' كتاب الطلاق ۲/٤۳۳ ط شركة علميه)

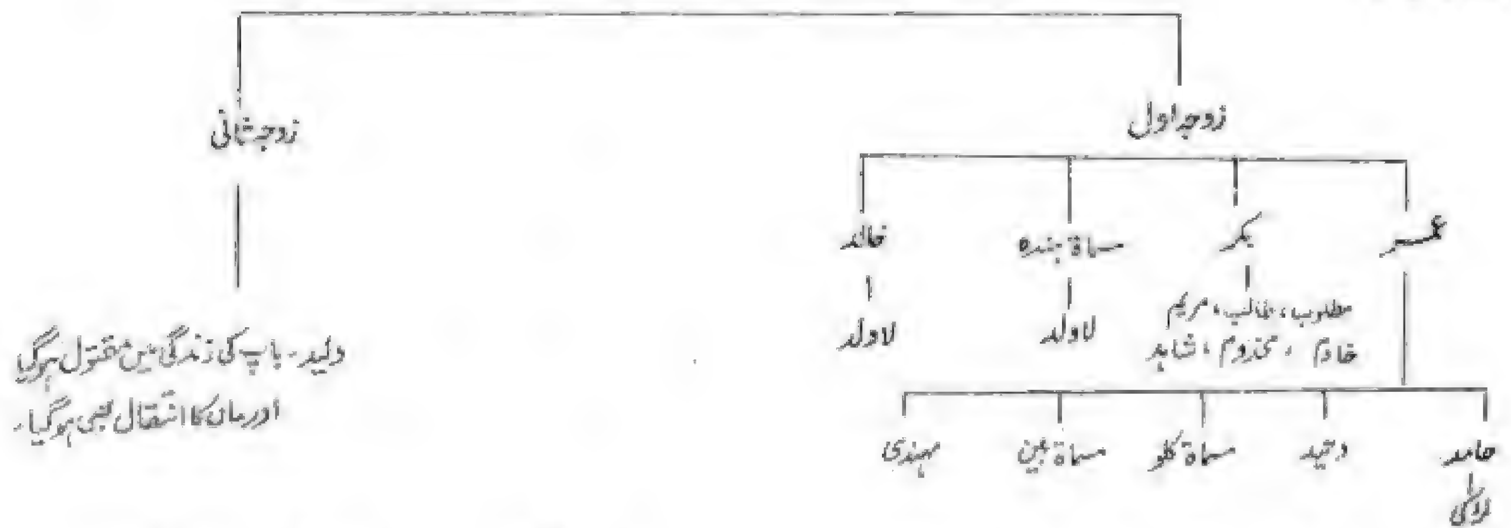
(٦) والنصف الثالث' ينتمى الىٰ ابوى الميت وهم اولاد الاخوات' و بنو الاخوة' و بنو الاخوة لام (سراجي' باب ذوى الارحام ص ۳٨ ط سعيد)

(۷) الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد (سراجي' فصل في النسآء ص ۷ ط سعيد)

(۸) (ايضاً بحواله بالا نمبر ٦)

میراث کی ایک صورت

(سوال)



(۱) زید کے انتقال کے وقت زوجہ اول سے چاروں اولادیں موجود تھیں اوران کی ماں بھی زندہ تھی۔
(۲) عمر باپ کے انتقال کے بعد کل جائیداد کا وارث ہوا اور بلا تقسیم جائیداد کو اپنے تصرف میں لاتا رہا اور فروخت کرتا رہا باپ کی سکنائی جائیداد میں سے ایک مکان فروخت کردیا اور دو مکان اپنی زوجہ کے مہر میں لکھ دیئے ایک مکان کو برباد کردیا اب کوئی جائیداد نہیں رہی صرف ایک مکان بازار میں ہے جس پر بھی قبضہ کر رکھا ہے البتہ برباد شدہ مکان کی زمین پڑی ہوئی ہے کیا عمر کا یہ فعل کہ بغیر تقسیم جائیداد اس کا خرد برد کرنا جائز تھا؟ کیا مکانات کو اپنی بیوی کے مہر میں لکھ دینا جائز تھا؟ (۳) اگر اس کے ہر دو فعل جائز نہ تھے تو تقسیم جائیداد کس طرح ہونا چاہئیے؟ (۴) موجودہ صورت میں جائیداد کو کس طرح تقسیم کریں؟ المستفتی نمبر ۱۸۴۸ مسٹر قربان بیگ صاحب پوسٹل ریٹل ہوشنگ آباد۔ ۲۸ رجب ۱۳۵۶ھ ۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۴۳۳) سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زوجہ ثانیہ اور اس کا لڑکا زید کی زندگی میں مر چکے تھے اور زید کے انتقال کے وقت زوجہ اولیٰ اور اس کی اولاد موجود تھی تو اس صورت میں تقسیم ترکہ کی صورت یہ ہے :

مسئلہ ۸

زوجہ	ابن	ابن	ابن	بنت
۱	۲	۲	۲	۱

یعنی ۲ زوجہ کو اور ۴ ہر ایک لڑکے کو اور ۲ لڑکی کو ملتے ہیں۔[۱] عمر نے بلا تقسیم تصرف کیا وہ سب ناجائز تھا[۲] اور ہر شخص اپنا حصہ اس سے طلب کرنے کا استحقاق رکھتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) فیفرض للزوجة فصاعداً الثمن مع ولد او ولد ابن الخ (درمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۹ ط سعید) وفی العالمگیریة : واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریة' کتاب الفرائض ۶/ ۴۴۸ ط ماجدیه)
(۲) لا یجوز لاحدان یتصرف فی ملك الغیر بغیر اذن (قواعد الفقه ص ۱۱۰ ط صدف پبلشرز)

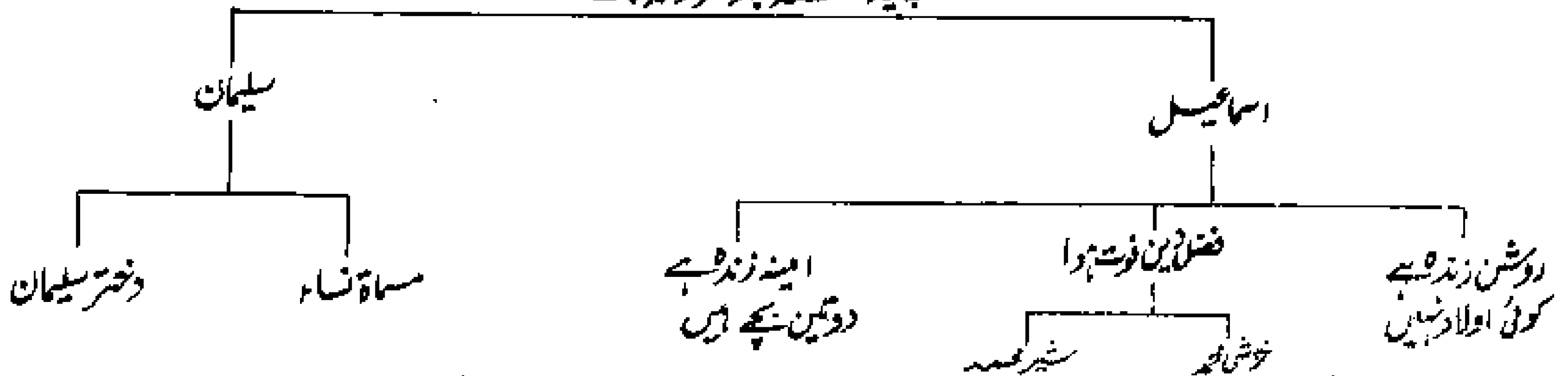
چچازاد بھائیوں کے ہوتے ہوئے نواسوں کو حصہ نہیں ملے گا

(سوال) زید کا ایسی حالت میں انتقال ہوا کہ اس کی بیوی لڑکی اور بہنیں جن کے سوا اس کا اور کوئی نہ تھا کئی سال پیشتر انتقال کر گئیں اس کے متعلقین میں سے لڑکی کی بطن سے ایک لڑکا اور لڑکی یعنی اس کا نواسہ اور نواسی موجود ہیں اور بہنوں کے بطن سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں موجود ہیں۔ اب اس کا ترکہ ان کے درمیان کیسے تقسیم ہوگا۔ اس کے چچا و تائے کے لڑکے بھی اس کے سامنے مر چکے ہیں اور ان کی اولاد ہو تو ان کو بھی حق پہنچتا ہے یا نہیں اگر پہنچتا ہے تو کتنا؟ المستفتی نمبر ۱۸۵۲ سید محمد علی آزاد صاحب (بجنور) ۲۹ رجب ۱۳۵۶ھ م ۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۴) اگر مرحوم کے چچا تایا کی اولاد ذکور ہو تو وہ عصبات ہیں اور ترکہ انکو ملے گا ہاں اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو مرحوم کے نواسے نواسی کو ترکہ ملے گا۔[1] چونکہ سوال میں عصبات یعنی چچا تایا کی اولاد کی تفصیل نہیں ہے اس لئے حصہ کشی نہیں کی جاسکتی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

تقسیم شرعی کے بغیر میراث پر قابض ہو کر مسجد میں دینا

(سوال) اس علاقہ میں مسلم راجپوت حق وراثت میں پابند شرع نہیں ہیں انکے ہاں رواج ہے کہ بیوی اور دختر کو کوئی حق نہیں پہنچتا اس صورت میں ایک شخص مسمی روشن جو اپنے والد اسماعیل کے نصف حصے کا مالک ہے اور ۱۲ بیگہ زمین کا مالک ہے اور زندہ ہے وہ اس میں سے سات بیگہ زمین رکھ کر اس کی قیمت خرچ کر چکا ہے اور چھڑانے کا مقدور نہیں ہے باقی ماندہ پانچ بیگہ زمین رہتی ہے وہ زمین اپنے چھوٹے بھائی کے لڑکوں مسمی خوشی محمد و شیر محمد کے ہاتھ مبلغ دو صد روپے کے عوض بیع کرتا ہے اور ایک رہائشی مکان بالعوض لعہ بھی ان کے ہاتھ بیع کرتا ہے اور عالعہ روپیہ وہ مسجد میں دینا چاہتا ہے کیا مسجد میں یہ روپیہ لگ سکتا ہے اس میں اس کی بہن اسمنہ کا حق تو بروئے شرع کہیں تلف نہیں ہوتا۔



المستفتی نمبر ۱۸۵۴ حافظ جلال الدین صاحب ۲۹ رجب ۱۳۵۶ھ م ۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۵) اول تو سلیمان مرحوم کا حصہ جو اسماعیل کو مل گیا یہ بھی خلاف شرع ہے اس میں سلیمان کی لڑکی نساء کا حق ہے[2] پھر اسماعیل کے ترکہ میں اس کی لڑکی اسمنہ کا حق ہے اس لئے اس مشترک زمین کی قیمت

---

(۱) ثم یقسم الباقی بعد ذالک بین ورثته ثم بالعصبات ثم ذوی الارحام (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۱ ط سعید)
(۲) وللنساء نصیب مما ترك الوالدان والاقربون (النساء)

بلا اجازت مستحقین کے مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بھتیجوں کی موجودگی میں بھانجے محروم ہوں گے

(سوال) (۱) زید لاولد تھا اور اس کی بہنیں تھیں اور وہ دونوں اس کی زندگی میں فوت ہو گئیں اب زید نے پانچ سو روپیہ اور کتابیں وغیرہ ترکہ چھوڑا ہے آیا اس میں اس کی بہنوں کی اولاد کا حق ہے یا نہیں ؟ (۲) زید کے حقیقی بھائی کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں موجود ہیں اور زید کے بھائی کا انتقال بھی زید کے روبرو ہو گیا تھا۔ المستفتی نمبر ۱۸۷۴ محمد قاسم دوکاندار کرتپور (بجنور) ۴ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٣٦) زید کے بھتیجے موجود ہیں تو زید کی بہنوں کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا صرف بھتیجوں کو بحصہ مساوی زید کا ترکہ مل جائے گا۔[2] بھتیجیاں بھی حق دار نہیں ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

بیٹے' بیٹی اور بیوی کے لئے تقسیم میراث کی مثال

(سوال) تین بھائی حاجی رحیم اللہ' محمد اسحاق' عظیم اللہ تھے جن میں سے دو بھائی عظیم اللہ و محمد اسحاق ایک ہی میں رہتے تھے اور حاجی رحیم اللہ صاحب الگ رہتے تھے اور کاروبار بھی جدا کرتے تھے عظیم اللہ و محمد اسحاق کی ایک ایک اولاد یعنی عبدالحمید و عبدالعظیم ہوئیں عظیم اللہ و محمد اسحاق کی وفات کے بعد دونوں کی پرورش اور شادی بیاہ حاجی رحیم اللہ صاحب نے کیا اور حاجی رحیم اللہ صاحب نے عبدالعظیم کے نام ایک مکان خرید ا اور ایک کپڑے کی دوکان اپنے لڑکے محمد شفیع اور بھتیجے عبدالعظیم کے نام سے جاری کی جو ابھی قائم ہے ازاں بعد حاجی رحیم اللہ صاحب نے ایک لڑکا ایک لڑکی اور بیوی نیز کافی جائیداد چھوڑ کر انتقال کیا براہ مہربانی از روئے شریعت تحریر فرمایئے کہ حاجی رحیم اللہ صاحب مرحوم کے پسماندہ یعنی لڑکے' لڑکی اور بیوی کا کیا حق نکلتا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۸۹۳ شیخ احمد صاحب (نواکھالی) ۷ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٣٧) حاجی رحیم اللہ کے اپنے ترکہ میں ان کے بھتیجوں کا کوئی حق میراث نہیں ہے رحیم اللہ کا ترکہ صرف اس کی بیوی لڑکی اور لڑکے کو ملے گا۔ بیوی کو ۸/۱ اور بقیہ باقی کے تین حصے کئے جائیں گے دو حصے لڑکے کو اور ایک حصہ لڑکی کو دیا جائے گا۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

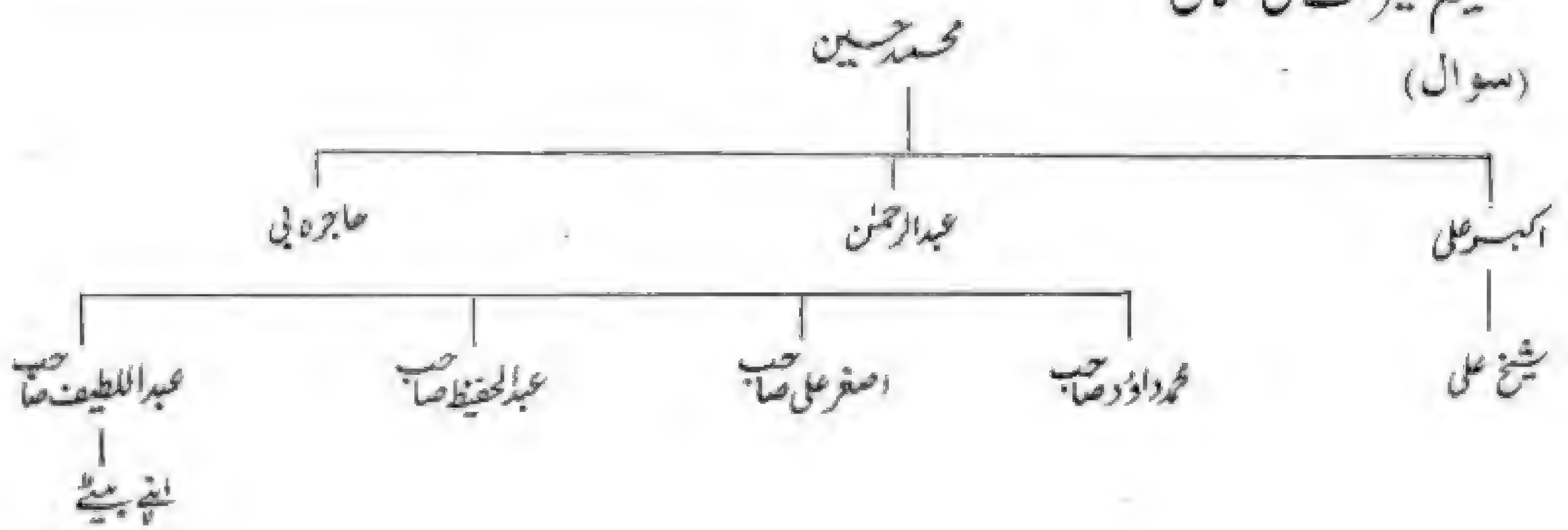
(۱) لا یجوز لاحدان یتصرف فی ملك الغیر بغیر اذنه (قواعد الفقه ص ۱۱۰ صدف پبلشرز)

(۲) ثم جزء جده العم لابوین ثم لاب ثم ابنه لا بوین (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦/ ٧٧٥ ط سعيد) فيبدأ باصحاب الفرائض وهم الذين لهم سهام مقدرة فی كتاب الله تعالیٰ ثم بالعصبات من جهة النسب الخ (سراجی ص ۳ ط سعید)

(۳) فیفرض للزوجة فصاعداً الثمن مع ولد او ولد ابن (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦/٧٦٩ ط سعيد) وفی العالمگیرية واذا احتلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للابن مثل حظ الانثيين (عالمگیرية ' كتاب الفرائض ٦/ ٤٤٨ ط ماجديه)

تقسیم میراث کی مثال

(سوال)



محمد حسین صاحب کے انتقال کے بعد ان کے دونوں بیٹے اکبر علی صاحب اور عبدالرحمٰن صاحب مل کر رہتے تھے اکبر علی اپنے بیٹے شیخ علی صاحب کی کمسنی ہی میں انتقال کر گئے اس کے بعد ان کے حقیقی چچا عبدالرحمٰن صاحب ان کے کفیل ہو کر شیخ علی صاحب کے جوان ہونے کے بعد ان کی شادی کر کے انکا حصہ شرع کے موجب دیکر انہیں الگ رکھے اب جب کہ شیخ علی صاحب کی شادی ہو کر تقریباً بیس سال کا عرصہ ہوا ہو گا انہوں نے انتقال فرمایا اور اپنے پیچھے اپنی بیوی اور چار لڑکیاں اور کچھ ملک چھوڑ گئے اب شیخ علی صاحب کی بیوی اور چار لڑکیاں اور انکے حقیقی چچا عبدالرحمٰن صاحب اور عبدالرحمٰن صاحب کے چاروں لڑکے زندہ ہیں لہذا التماس ہے کہ شیخ علی صاحب کی ملکیت کے حقدار کون کون ہیں اور کس قدر حصہ کس کس کو ملنا چاہئیے ؟

المستفتی نمبر ۱۹۲۹ حاجی عبداللطیف صاحب (میسور) ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٣٨) مسئلہ ۲۴ شیخ علی متوفی

زوجہ	بنات	چچا	پھوپھی	ابناء العم
۳	۱۶	۵	محروم	محروم

شیخ علی مرحوم کا ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث چوبیس سہام پر تقسیم ہو گا- تین سہام زوجہ کو اور چار چار سہام ہر لڑکی کو اور پانچ سہام چچا کو ملیں گے پھوپھی اور چچا کی اولاد محروم ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

وراثت میں شرعاً متبنی بیٹے کا حق نہیں

(سوال) زید کی کچھ جائیداد منقولہ وغیر منقولہ اپنی پیدا کی ہوئی موجود ہے۔ جس کے چار بھائی تھے جو علیحدہ علیحدہ رہتے تھے اور اب بھی علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں مگر دو بھائیوں کا انتقال زید کی موجودگی میں ہو چکا تھا اب صرف دو بھائی زندہ ہیں ان میں سے ایک بھائی کے لڑکے کو زید نے متبنی بنا رکھا تھا جو ہنوز زندہ ہے اب زید بھی دو لڑکیوں کو چھوڑ کر انتقال کر گیا ہے۔ پس ازروئے شرع شریف دریافت طلب یہ امر ہے کہ متبنی کا اسلام میں حق ہے یا نہیں اگر پہنچتا ہے تو تفصیں تحریر کی جائے شجرہ درج ذیل ہے :

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۱ صفحہ گزشتہ)

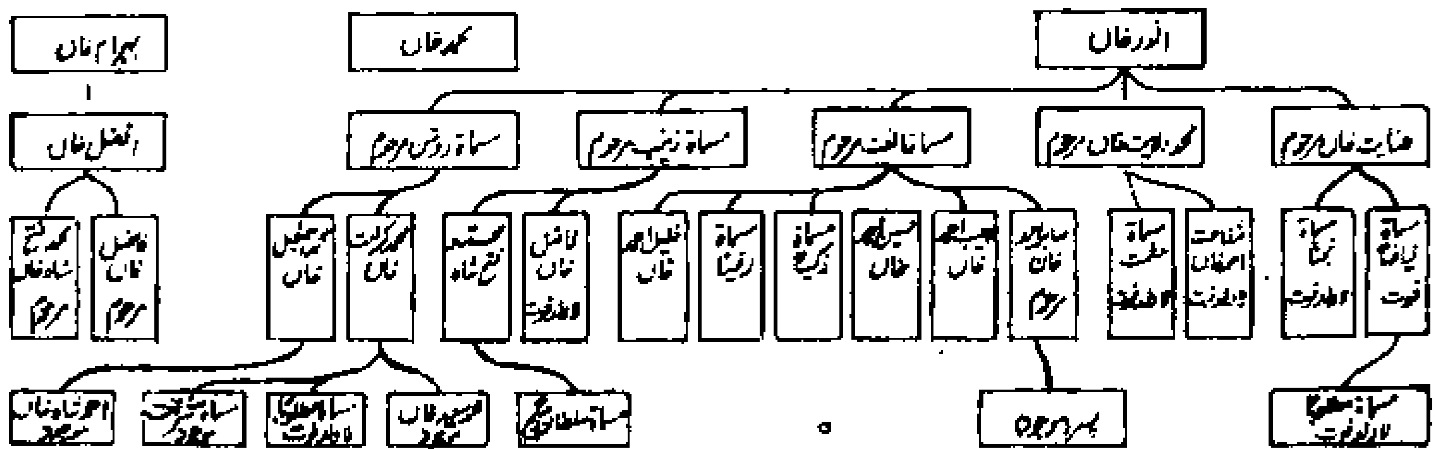
لڑکی محمودہ لڑکی مسعودہ بھائی عمر بھائی خالد بھائی کا لڑکا متبنیٰ حامد

المستفتی نمبر ۲۴۰ ۱۹ ایس کے دین آرٹسٹ (دہرہ دون) ۲۱ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۹) متبنی کا کوئی حق میراث نہیں ہے[1] زید کے ترکہ کے چھ حصے کئے جائیں دو حصے زید کی ہر لڑکی کو اور ایک ایک حصہ دو بھائیوں کو ملے گا۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

پھوپھی کے بیٹوں کے ہوتے ہوئے پوتوں کو وراثت نہیں ملے گی

(سوال) شفاعت احمد خاں متوفی نے اپنے وارث جو چھوڑے ہیں وہ یہ ہیں کہ اس کی تین پھوپھیوں کی اولاد کا سلسلہ موجود ہے اس طرح کہ ایک پھوپھی کی ایک پوتی موجود ہے جس کے نام مسماۃ سلطان بیگم ہے اور دوسری پھوپھی کے دو پوتے اور ایک پوتی موجود ہے ان کے نام یہ ہیں احمد شاہ خان محمد ٗ سعید خاں ٗ و مسماۃ شرافت اور تیسری پھوپھی کے تین لڑکے اور دو لڑکی موجود ہیں جن کے نام یہ ہیں حبیب احمد خاں و خلیل احمد



---

(۱) اس لئے کہ متبنیٰ نہ ذوی الفروض میں سے ہے نہ عصبات میں سے اور نہ ہی ذوی الارحام میں سے ہے

(۲) والثلثان لکل اثنین فصاعداً ممن فرضہ النصف وھو خمسۃ البنت الخ (الدرالمختار ٗ کتاب الفرائض ۶: ۷۷۳ ط سعید) وفیہ ایضا ثم جزء ابیہ الاخ لابوین (الدرالمختار ٗ کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۴ ط سعید)

خاں و حسین احمد و مسماۃ رضیاو مسماۃ ذکیا یہ کل وارث موجود ہیں اور کوئی وارث زندہ نہیں ہے اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ محمد شفاعت احمد خاں متوفی کے ترکہ کے کون کون مالک ہوتے ہیں ان ورثاء میں سے جن کے نام اوپر درج ہیں اور متوفی کی پھوپھی وغیرہ کا سب کا انتقال ہو چکا ہے نہ کوئی بھائی ہے نہ بھتیجا اور نہ کوئی اولاد ہے۔المستفتی نمبر ۱۹۴۴ خلیل احمد (آگرہ)۲۱ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٤٠) مسمی شفاعت احمد خاںؒ کے ترکے کے مستحق صرف حبیب احمد خاں و خلیل احمد خاں و حسین احمد خاں و ذکیہ و رضیہ ہیں کیونکہ ذوی الارحام میں یہی اقرب ہیں ترکہ کے آٹھ حصے کر کے دو دو حصے لڑکوں کو اور ایک ایک حصہ لڑکیوں کو ملے گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

پوتوں کی خاطر بیٹیوں کو وراثت سے محروم کرنا جائز نہیں

(سوال) زید نے انتقال کیا اور اپنے بعد تین بیٹے و یک دختر چھوڑی جو کہ چاروں نابالغ ہیں زید مرحوم کے والد حیات ہیں اور ان کی تین بیٹیاں حیات ہیں جو شادی شدہ ہیں بیٹا صرف زید تھا جو انتقال کر گیا زید کے والد کے پاس اپنے دو مکان اور کچھ نقد روپیہ موجود ہے جس کے وہ خود مالک ہیں بیٹیاں اپنے والد سے یہ دریافت کرتی ہیں کہ ہمارے بھائی نے بھی کچھ چھوڑا ہے یا نہیں تو وہ کچھ نہیں بتلاتے اب زید کے والد یہ چاہتے ہیں کہ اپنے مکان اور تمام نقد روپیہ اپنے پوتوں کو دیدیں اور اپنی بیٹیوں کو کچھ نہ دیں از روئے شرع شریف کیا یہ جائز ہے اگر بیٹیاں حقدار ہیں تو بموجب شرع کس قدر حصہ کے مالک ہیں۔المستفتی نمبر ۱۹۷۰ سلطان احمد لال کنواں دہلی' ۲۷ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲ نومبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ٤٤١) زید کے باپ کی بیٹیاں حقدار ہیں باپ کی جائیداد میں بیٹیوں کا حق ۲/۳ ہے[2] اور ۱/۳ میں پوتے اور پوتی حقدار ہیں۔[3] اور زید یعنی مرحوم بیٹے کا ترکہ باپ کو اور مرحوم کی اولاد کو پہنچتا ہے اس میں سے بہنوں کا کوئی حق نہیں ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

بیٹیوں کا حق پوتوں کو دینا جائز نہیں

(سوال) زید کی تین بیٹی اور ایک بیٹا تھا زید کے سامنے زید کا بیٹا مر گیا اپنی اولاد چھوڑ کر اب زید یہ چاہتا ہے

---

(۱) ثم جزء جدیه او جدتیه وهم الاخوال والخالات' والا عمام للام والعمات' وبنات الاعمام واولاد هو لاء (فی الشامیة) قوله وبنات الاعمام فان تفاوتوا درجة قدم اقربهم علی غیره ولو من غیر جهة فاولاد العمة اولی من اولاد اولاد العمة الخ (الدرالمختار' مع رد المحتار ' باب توریث ذوی الارحام ۶/ ۷۹۵ ط سعید)

(۲) والثلثان لکل اثنین فصاعداً ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت و بنت الابن (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۳ ط سعید)

(۳) اعنی اولهم بالمیراث جزء المیت ای البنون ثم بنوهم وان سفلوا (سراجی ص ۱۳ ط س)

(٤) ویسقط بنو الاعیان وهم الاخوة والا خوات لاب وام بثلاثة بالابن وابنه وان سفل الخ (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۷۸۱/۶ ط سعید)

کہ میں اپنا سارا مال پوتے پوتیوں کے نام لکھ دوں اور زید کی تینوں بیٹیاں اپنے باپ زید سے کہتی ہیں کہ ہم کو جو کچھ حصہ پہنچتا ہے ہم بھی اپنے بھائی مرحوم کی اولاد کے نام کرتے ہیں ہم نہیں لیتے خدا اور رسول کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) زید کے بھتیجے بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا بھی حصہ ہے ہم کو دو کیا زید کی اولاد ہوتے ہوئے زید کے بھتیجوں کو بھی حصہ پہنچتا ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۹۷۸ محمد نذیر لال کنواں دہلی ۲۸ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۴۲) پوتوں اور پوتیوں کی موجودگی میں بھتیجوں کو حصہ نہیں پہنچتا[۱] اور زید کو یہ مناسب نہیں ہے کہ بیٹیوں کا حق پوتوں کو دے دے[۲] بیٹیاں زید کے انتقال کے بعد اگر اپنا حصہ اپنے بھتیجے بھتیجیوں کو دینا پسند کریں تو دیدیں گی اس وقت ان کا یہ کہنا کہ ہمارا حصہ بھی دیدو معتبر نہیں ہے۔[۳] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

بہن اور بھتیجوں میں تقسیم میراث کی ایک صورت

(سوال) زید اور بکر نامی دو حقیقی بھائی ہیں اور مریم ان دونوں کی حقیقی بہن ہے زید بڑا بھائی ہے اور بکر چھوٹا ' مریم سب سے چھوٹی ہے 'زید زندہ تھا اور بکر اپنے پیچھے تین لڑکے چھوڑ کر مر گیا کچھ عرصہ کے بعد زید مر گیا اس کے کوئی اولاد یا بیوی نہیں تو اب زید کی ملکیت کی وارث اکیلی مریم ہو سکتی ہے یا نہیں یا بکر کے لڑکے بھی حصہ مانگ سکتے ہیں مریم کہتی ہے کہ زید کی حیات میں بکر مر گیا تو اب زید کی ملکیت میں بکر کی اولاد کا کوئی حصہ نہیں۔(۲) بکر کی ملکیت میں سے بھی مریم حصہ مانگ سکتی ہے تو کتنا ؟ المستفتی نمبر ۱۹۸۲ عبدالعزیز میاں (کاٹھیاواڑ) یکم رمضان ۱۳۵۶ھ م ۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۴۳) بکر کی ملکیت سے مریم کو کچھ حق نہیں پہنچتا[۴] ہاں زید کی ملکیت میں سے مریم کو نصف حصہ ملے گا اور نصف بکر کے لڑکوں یعنی زید کے بھتیجوں کو ملے گا۔[۵] بشرطیکہ زید نے سوائے اپنی بہن مریم اور اپنے بھتیجوں کے اور کوئی وارث مثل اپنی بیوی والدین یا اولاد کے نہ چھوڑا ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

ماں' شوہر اور سوتیلے بھائیوں میں تقسیم میراث

(سوال) ایک عورت فوت ہو گئی ہے جسکے پاس ایک جائیداد قیمتی چار ہزار روپیہ تھی اور اس نے حقیقی ماں اور سوتیلے والد اور دو سوتیلے بھائی جو ایک ہی ماں سے ہیں اور عورت متوفیہ بھی مگر دونوں بھائی دوسرے والد

---

(۱) عصبات کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام کو نہیں ملتا ثم بالعصبات ثم ذوی الارحام (الدرالمختار' ۶/ ۷۶۳ ط سعید)
(۲) ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز واثم (الدرالمختار' باب الهبة ۵/ ۶۹۶ ط س)
(۳) لا تتم بالقبض فيما يقسم ولو وهبه لشريكه او لا جنبي لعدم تصور القبض الكامل (الى قوله) فان قسمه و سلمه صح لزوال المانع (الدرالمختار' باب الهبة ۵/ ۶۹۲ ط سعيد)
(۴) (ایضاً بحوالہ نمبر ۱ صفحہ ۳۲۳)
(۵) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ صفحہ ۳۲۳)

سے ہیں یعنی عورت متوفیہ کے سوتیلے والد سے ہیں اور ایک شوہر چھوڑا عورت کے انتقال کے پونے دو سال بعد عورت متوفیہ کی حقیقی ماں کا بھی انتقال ہو گیا عورت کی متروکہ جائیداد میں سے اب ان ورثاء میں سے ہر ایک کو کیا ملنا چاہئیے ؟ المستفتی نمبر ۲۰۰۸ عبدالسمیع اجمل روڈ (دہلی) ۹ رمضان ۱۳۵۶ھ ۱۴ نومبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ٤٤٤) م-۶ تص-۴۸ شوہر ام اخ لام اخ لام زوج لام

شوہر	ام	اخ لام	اخ لام	زوج لام
۲۴/۳	۱	۸/۱	۸/۱	محروم

مسئلہ ۴ ام معـ

زوج	ابن	ابن
۲	۳	۳

متوفیہ کا ترکہ اڑتالیس سہام پر تقسیم ہو گا اس میں سے شوہر کو چوبیس سہام اور سوتیلے بھائیوں کو گیارہ گیارہ سہام اور سوتیلے باپ کو دو سہام دیئے جائیں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

چچا، بہن اور بیوی میں تقسیم میراث

(سوال) زید کو اپنے چچا سے جائیداد ملا تھا زید کے انتقال کے بعد اولاد وغیرہ کوئی نہیں ہے صرف زید کا چچا اور بہن بیوی ہے بیوی نے زید کے انتقال کے بعد دوسرا مذہب اختیار کر لیا ہے تو یہ بیوی اپنے مہر کی مستحق ہے یا نہیں۔ اور جائیداد کا حصہ بھی دینا چاہئیے یا نہیں۔ اگر دینا چاہئیے تو کس قدر اور زید کے چچا و بہن کا حق جائیداد میں کس قدر ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۰۲۵ محمد ابراہیم صاحب (برما) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٤٥) زید کے انتقال کے وقت اس کے وارث چچا بہن بیوی تھے ان وارثوں کو اس طرح ملے گا کہ نصف ترکہ بہن کو اور چوتھائی بیوی کو اور چوتھائی چچا کو ملے گا۔[1] بیوی نے اگر دین بدل لیا تو اس کا حصہ اس کے قبضے میں نہ دیا جائے۔ پھر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کا حصہ اسے دیدیا جائے مہر بھی اس کو ملے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی۔

بھتیجوں کے ہوتے ہوئے نواسے اور بھانجے محروم ہوں گے

(سوال) مجھ محمد یعقوب علی کے کوئی اولاد پسری نہیں ہے چار حقیقی برادر زادے اور دو حقیقی برادر زادیاں اور ایک نواسہ اور ایک ہمشیر زادہ ہیں ان میں سے کون کون میرے مکان کے حصے کا مستحق ہے اور جو جو ہیں تو بروئے شریعت کس قدر وہ اپنے اپنے حصہ کا مستحق ہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۰۶۱ یعقوب علی صاحب (گوڑ

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ صفحہ ۳۳۲)

گانوں) ۱۶ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۱ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٤٦) اگر رشتہ دار صرف یہی موجود ہوں گے تو ان میں سے میراث کے مستحق صرف برادرزادے ہوں گے۔[1] برادرزادیاں' نواسہ' بھانجہ سب محروم ہوں گے۔ آپ ان میں سے کسی کو کچھ دینا چاہیں تو بطور وصیت اپنے ترکہ کے ایک ثلث تک دے سکتے ہیں مثلاً نواسہ یا بھانجے کو بطور وصیت ایک ثلث تک دلوا سکتے ہیں۔[2] اور زندگی میں نہ دیا اور وصیت بھی نہ کی تو پھر بھتیجوں کے سامنے نواسہ اور بھانجہ محروم رہے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

تقسیم میراث کی ایک صورت

(سوال) مسماۃ محمودہ کا انتقال ہوا اور یہ ورثا چھوڑے والد' دادی' نانا' نانی' اور شوہر اس کا ترکہ ورثا میں کس کس کو ملے گا اور کس قدر؟ نیز ارشاد ہو کہ شوہر نے وداع کے دوسرے دن اپنے گھر پر آ کر محمودہ و جو زیور پہنایا تھا آیا اس میں بھی وراثت جاری ہو گی یا نہیں؟ محمودہ نے اسپتال میں انتقال کیا اس کی شادی نانا نانی نے کی اور پرورش بھی' مرنے والی کے پاس اقارب میں سے کوئی بھی نہ جا سکا انتقال کے بعد نانی نے اجر آخرت کے خیال سے مہر معاف کر دیا آیا یہ معاف کرنا درست ہو گا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۰۶۵ شہاب الدین صاحب دہلی ۱۹ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٤٧) مسئلہ ۶

شوہر	والد	دادی	نانا	نانی
۳	۲	محروم	محروم	۱

متوفیہ کا ترکہ چھ سہام پر تقسیم ہو گا ان میں سے تین سہام شوہر کو اور دو سہام والد کو اور ایک سہام نانی کو ملے گا۔[3] مہر نانی کے معاف کرنے سے صرف نانی کا حصہ معاف ہوا مرحومہ کے باپ کا حصہ معاف نہیں ہوا شادی کے بعد گھر لا کر جو زیور پہنایا گیا اس میں شوہر کا قول مع حلف معتبر ہو گا کہ ملک کر دیا تھا یا عاریۃً دیا تھا جب کہ مرحومہ کے ورثا کے پاس تملیک کے گواہ نہ ہوں۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ماں اور اس کی اولاد میں تقسیم ترکہ

(سوال) ایک شخص قاسم صاحب نے دو شادیاں کیں پہلی بیوی کا انتقال شوہر کی زندگی میں ہو گیا اس کے مہر ادا نہیں ہوئے اور دو لڑکیاں ایک لڑکا چھوڑے دوسری بیوی موجود ہے اس کا مہر بھی ادا کر دیا تھا اس کے دو

---

(۱) ثم جزء ابیه الاخ لا بوین ثم لاب ثم ابنه لابوین ثم لاب الخ (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶: ۷۷٤ ط سعید)
(۲) ولا تجوز الوصیة بمازاد علی الثلث
(۳) والنصف له عند عدمهما وابنها فیه . والتعصیب المطلق عندعدمهما وایضاً فیه والسدس للجدة مطلقا کاداد وام اب (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶ : ۷۷۰' ۷۷۲ ط سعید)
(٤) البینة علی المدعی والیمین علی من انکر (مشکوٰۃ شریف' کتاب الاقضیة ص ۳۲۶ ط سعید)

لڑکے اور ایک لڑکی نابالغ ہیں اب قاسم صاحب کا انتقال ہو گیا ہے اس نے کچھ جائیداد چھوڑی ہے اور بجز زوجہ ثانیہ اور ہر دو بیوی کی اولاد کے اور کوئی وارث نہیں ہے ایسی صورت میں متوفی کی جائیداد از روئے شریعت مطہرہ کس طرح تقسیم ہوگی اور اس جائیداد سے پہلی بیوی کا مہر ادا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۲۰۶۷** جناب غضنفر علی صاحب زیدی رائچور (حیدر آباد دکن) ۱۹ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(**جواب ٤٤٨**) زوجہ ثانیہ موجودہ کا مہر ادا ہو چکا ہے پہلی بیوی کا مہر ادا نہیں ہوا مگر چونکہ اس کا انتقال شوہر کی زندگی میں ہو گیا تھا اس لئے مہر کا ۴/۱ حصہ شوہر کے ذمے سے بحق میراث ساقط ہو گیا۔[1] باقی ۴/۳ مہر اس کی اولاد کو اور اگر اور کوئی اس کا وارث ہو تو اس کو ملے گا۔ اس کے بعد قاسم صاحب کا ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا۔ کہ ۸/۱ زوجہ موجودہ کو دیا جائے گا اور باقی ۸/۷ کے نو حصے کر کے دو دو حصے محمد صاحب و محمد عثمان صاحب و عبدالرحمن صاحب فرزندان کو اور ایک ایک حصہ حسین بی و رسول بی اور تیسری نابالغ لڑکی کو دیا جائے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

والدہ اور میت کے اخیافی بھائیوں کے درمیان تقسیم میراث

(**سوال**) مسمی باعقلی فوت ہو گیا اس نے والدہ علاتی بھائی کی بیٹی، اولاد الام چار مذکر تین مؤنث چھوڑے ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ **المستفتی نمبر ۲۰۸۰** ابوالحسن صاحب (ریاست بھاولپور) ۲۵ رمضان ۱۳۵۶ھ ۳۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(**جواب ٤٤٩**) مسئلہ ۳ (۲۱)

ام	اولادام	بنت الاخ لاب
۷	۱۴	محروم

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث ترکہ کے اکیس سہام کر کے سات سہام والدہ کو اور چودہ سہام اخیافی بھائی بہنوں کو فی نفر دو سہام کے حساب سے دیئے جائیں گے علاتی بھائی کی بیٹی محروم ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

تقسیم میراث کی ایک صورت!

(**سوال**) مال متروکہ پردادا چودھری غلام محمد صاحب کا ہے اس مال کی تقسیم درمیان آباء و اجداد نہیں

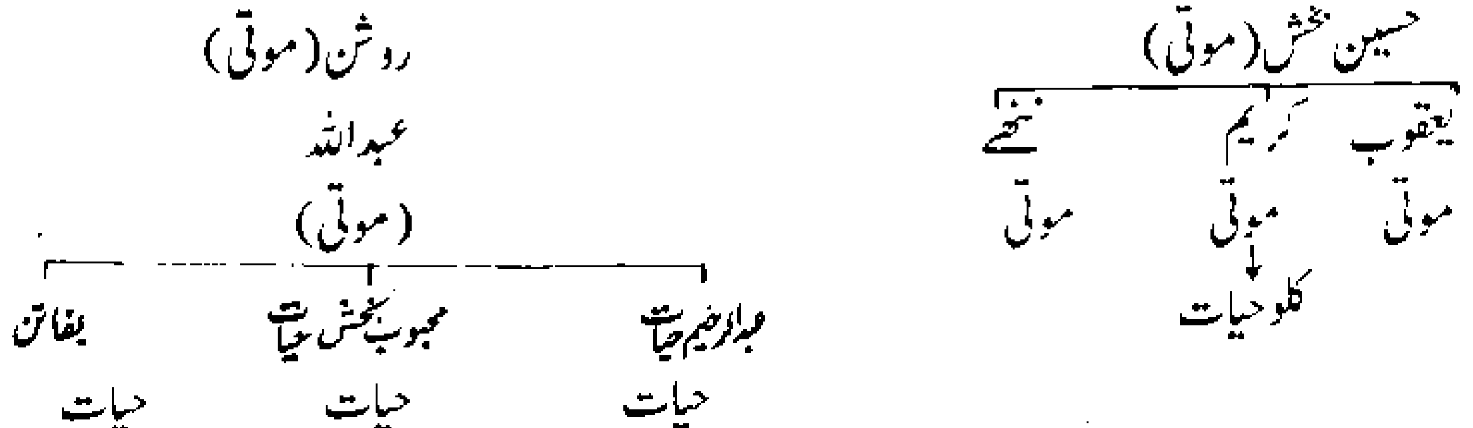
---

(۱) المسمی دین فی ذمتہ وقد تاکد بالموت فیقضی من ترکتہ الا اذا علم انها ماتت اولاً فیسقط نصیبه من ذالك (هداية' باب المهر ۲ / ۳۳۷ ط شرکة علمية)

(۲) فیفرض للزوجة فصاعداً الثمن مع ولد او ولد ابن (درمختار ٦ / ۷٦۹ ط سعید) وفی العالمگیریة واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات' فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریة ٦/٤٤٨ ط ماجدیه)

(۳) وللام ثلاثة احوال' السدس مع احدهما او مع اثنین من الاخوة او من الاخوات و فیه ایضاً والثلث لاثنین فصاعداً من ولد الام ذکورهم کاناثهم' (الدر المختار' کتاب الفرائض ٦ / ۷۷۲ ط سعید)

ہوئی بعد فوت ہو جانے تمام نسل درمیانی کے وہ تمام مال مجلسہ چودھری ننھے صاحب کے ہاتھ لگا چونکہ پرداداچودھری غلام محمد صاحب کے پوتے ہوتے ہیں کچھ عرصہ ہوا کہ چودھری ننھے صاحب بھی اس دار فانی سے کوچ کر گئے انہوں نے سوائے ایک حقیقی بھتیجے (کلو) اور دو سوتیلے بھتیجے ایک سوتیلی بھتیجی (عبدالرحیم' محبوب بخش بقاتن) کے کوئی وارث نہیں چھوڑا بریں بنا ملتجی ہوں کہ ازروئے شریعت درمیان ورثائے موجودہ تقسیم فرما کر شاکر و ممنون فرمائیں۔



المستفتی نمبر ۲۰۸۷ مولانا عبدالرحیم صاحب ڈانھیلی چھاؤنی نیچ ۲۶ رمضان ۱۳۵۶ھ م یکم دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۵۰) اگر یہ جائیداد ابتداء سے تقسیم نہیں ہوئی اور مورث اعلیٰ چودھری غلام محمد کا ترکہ ہے اور انہوں نے اپنے بعد دو بیٹے چھوڑے تھے تو نصف جائیداد کلو کو ملے گی اور نصف کے پانچ حصے کر کے دو دو حصے محبوب بخش اور عبدالرحیم کو اور ایک حصہ بقاتن کو ملے گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیوی' بہن اور بھتیجیاں وارث ہوں تو تقسیم کی کیا صورت ہو گی؟

(سوال) زید صرف ایک بیوی اور ایک بہن چھوڑ کر مرا متوفی کی دو بھتیجیاں ہیں اور ایک چچا غیر حقیقی جو دادا کی اولاد سے ہے موجود ہیں صورت مسئولہ میں تقسیم جائیداد کی کیا صورت ہو گی؟ المستفتی نمبر ۲۰۱ مولا بخش صاحب (گوجرانوالہ) ۷ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۱ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۵۱) مسئلہ ۴

زوجہ	اخت	عم
۱	۲	۱

صورت مرقومہ میں متوفی کا ترکہ چار سہام پر منقسم ہو گا ان میں سے ایک سہام زوجہ کو اور دو سہام بہن کو اور ایک سہام چچا کو ملے گا بشرطیکہ چچا صحیح عصبہ ہو[2] اور بیوی کا مہر تقسیم میراث سے پہلے دیا جائے گا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) ثم جزء جده العم لا بوين ثم لاب ثم ابنه للا بوين ثم للاب (الدر المختار' كتاب الفرائض ٦/ ٧٧٥ ط سعيد)
(۲) والربع لها عند عدمهما وايضا فيه : والثلثان لكل اثنين فصاعداً ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت الخ وايضا فيه: ثم جزء جده العم لا بوين (الدر المختار' كتاب الفرائض ٦/ ٧٧٠' ٧٧٣' ٧٧٥ ط سعيد)

اولاد نہ ہونے کی صورت میں مہر کے علاوہ بیوی کا چوتھا حصہ ہے

(سوال) زید کی جائیداد میں زید کی بیوی کا کیا حق ہوگا جب کہ زید کی بیوی کا دین مہر بھی باقی ہے اور کوئی اولاد بھی نہیں ہے صرف والدہ اور کئی ہمشیرہ ہیں زید کے ذمے دین مہر کے علاوہ قرض بھی ہے چونکہ زید کے ورثاء زید کی بیوی کو نکالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارا کوئی حق نہیں ہے اور زید کا قرض اور دین مہر بھی نہیں ادا کرنا چاہتے ہیں اس لئے ازروئے شرع شریف زید کی بیوی کا حق مفصل تحریر فرمائیں؟ **المستفتی** نمبر ۲۱۰۳ محمد جلال الدین صاحب (مونگیر) ۸ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء

(**جواب ۴۵۲**) زید کے ترکہ میں سے پہلے قرض اور دین مہر ادا کیا جائے گا اس کے بعد کچھ بچے تو وارثوں کو ملے گا میراث کے طور پر بیوی کو ۱۳ / ۳ ملے گا اور والدہ کو ۱۳ / ۲ اور بہنوں کو ۱۳ / ۸ [1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیوی اور اولاد میں تقسیم ترکہ

(سوال) ایک شخص نے ترکہ چھوڑا اور اس کی بیوہ اور تین لڑکیاں اور تین لڑکے ہیں ہر ایک کو ان میں سے کیا حصہ ملے گا؟ **المستفتی** نمبر ۲۱۱۶ جناب پریزیڈنٹ صاحب انجمن اسلامیہ (بیتا) ۱۱ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۵ دسمبر ۱۹۳۷ء

(**جواب ۴۵۳**) مسئلہ ۸ (۷۲)

بیوہ	پسران ۳	دختران ۳
۹	۴۲	۲۱

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث ترکہ کے بہتر سہام کئے جائیں گے ان میں سے ۹ سہام بیوہ کو اور چودہ چودہ سہام ہر پسر کو اور سات سات سہام لڑکیوں کو ملیں گے۔ [2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

بیوی، بیٹی اور بھائی کو کس طرح میراث ملے گی؟

(سوال) زید مورث اعلیٰ یعنی دادا ہے عمرو بکر زید کے دو بیٹے ہیں عمر کے دو لڑکے دو لڑکیاں ہیں اور اب عمر کا انتقال ہو گیا ہے بکر کی اولاد بقید حیات صرف ایک لڑکی اور ایک بیوہ ہے سوال طلب یہ بات ہے کہ آیا بکر کی کل میراث کے مالک اس کی بیوہ اور ایک لڑکی ہو گی یا کوئی اور بھی، عمر جو کہ بکر کا حقیقی بھائی ہے کیا وہ بھی بکر کے مال میں کچھ حق رکھتا ہے اور عمر کی لڑکیوں اور لڑکوں کو بھی کچھ حق پہنچتا ہے یا بکر کے مال میں صرف اس کی لڑکی اور بیوہ کا ہی حق ہے اگر ازروئے شرع شریف یہی دو مستحق وراثت ہیں تو لکھئے کہ لڑکی کو کتنا ملے گا اور بیوہ کو

---

(۱) ثم تقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العباد' وفی التنویر' والربع لها عند عدمهما وفی الدر' وللام السدس مع احدهما او مع اثنین من الاخوة او من الاخوات' و فیه ایضا : والثلثان لکل اثنین ممن فرضه النصف البنت (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۰' ۷۷۰' ۷۷۲ ط سعید)

(۲) فیفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولدابن (درمختار ۶/ ۷۶۹ ط سعید) وفی العالمگیریة : واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریة ' کتاب الفرائض ۶/ ۴۴۸ ط سعید)

کتنا؟ المستفتی نمبر ۲۱۱۸ بابو روح اللہ صاحب (جبل پور) ۱۲ شوال ۱۳۵۶ھ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۷ء
(جواب ٤٥٤) بکر کے ترکہ میں اس کی بیوہ ۸/ اکی مستحق ہے اور لڑکی ۲/ اکی (یعنی بیوہ کو فی روپیہ دو آنہ اور لڑکی کو فی روپیہ آٹھ آنہ ملیں گے اور باقی ۸/ ۳ یعنی چھ آنہ) عمر کو اگر وہ بکر کے انتقال کے وقت زندہ ہو اور اگر بکر سے پہلے وہ مر چکا تھا تو یہ ۶ (چھ آنے) عمر کے دونوں لڑکوں یعنی بکر کے بھتیجوں کو ملیں گے[1] بکر کی بیوی کا مہر تقسیم ترکہ سے پہلے ادا کیا جائے گا اسکے بعد ترکہ کی تقسیم مذکورہ بالا طریق سے ہو گی۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

چچا کی اولاد اور بھائی نہ ہو تو بھتیجوں کو حصہ مل سکتا ہے!

(سوال) کریم الدین خاں صاحب کے پانچ لڑکے تھے۔ محمد دین خاں سراج الدین خاں علام الدین خاں ضیاء الدین خاں صدر الدین خاں کریم الدین خاں کی حیات میں محمد دین خاں کا انتقال ہو گیا محمد دین خاں کی اولاد میں ایک لڑکا شبیر الدین خاں ہوئے کریم الدین خاں نے اپنی حیات میں اپنے لڑکوں کا حصہ اپنی جائیداد سے کیا مگر شبیر الدین خاں چونکہ پوتے تھے اس لئے دادا کی جائیداد سے اس کو حصہ ملنا شریعت سے ناجائز تھا اس لئے دادا نے وصیت کر کے اس کو حصہ دیا۔

شبیر الدین خاں کی اولاد میں سے دو لڑکیاں ہوئیں ان کی شادی کر دی گئی اور ان کی بھی اولادیں جو ان ہیں ان لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کا انتقال ہو گیا اس کی اولاد میں سے ایک لڑکی ہے دوسری لڑکی حیات ہے اور بیوہ ہو گئی اس کا ایک لڑکا جوان عمر ۲۰ سال ہے۔

شبیر الدین خاں کو انتقال کئے ہوئے دس بارہ سال ہو گئے ہیں اور ان کی بی بی کو انتقال کئے ہوئے تین ماہ ہوئے ہیں ان کی خدمات اور تیمارداری شبیر الدین خاں کے چچازاد بھائی اور بھتیجوں نے کی اور یہ ان دونوں میاں بیوی کی وصیت تھی کہ ہمارے بعد ہماری جائیداد کے وارث ہمارے بھتیجے ہیں مگر بوجہ نہ ہونے شہادت کے اب شبیر الدین خاں کی لڑکیوں کا حق کیا پہنچتا ہے اور شبیر الدین خاں کی نواسی کا حق بھی پہنچتا ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۲۱۴۷ نصیر الدین خاں (کوروائی اسٹیٹ) ۱۷ شوال ۱۳۵۶ھ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۷ء
(جواب ٤٥٥) چچا کے مال میں جب کہ اس کی اولاد ذکور نہ ہو بھتیجوں کو حصہ مل سکتا ہے بشرطیکہ متوفی کا بھائی بھی نہ ہو ورنہ بھتیجوں کا کوئی حق نہیں۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

کیا وصیت کیا ہوا مال بھی ترکہ میں شامل ہو گا؟

(سوال) زید کے صرف ایک لڑکی ہی تھی جس کا زید کے سامنے ہی انتقال ہو گیا تھا اور جس نے دو بچے ایک لڑکا اور لڑکی چھوڑے تھے جن کو زید اور اس کی بیوی نے روز پیدائش سے تادم آخر اولاد کی طرح پرورش کیا اور

---
(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ صفحہ گزشتہ)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۱ صفحہ گزشتہ)
(۳) ثم جزء جدہ العم لا بوین ثم لاب ثم ابنه لابوین ثم لاب (الدر المختار' کتاب الفرائض ٦/ ۷۷٥ ط سعید)

اپنے پاس ہی رکھا جب زید حج کو گیا تو اس کی دو بہنیں ایک نواسہ ایک نواسی اور بیوی موجود تھے چنانچہ اس نے اپنے ترکہ کی تقسیم بذریعہ وصیت نامہ اس طرح کی کہ دو حصے نواسی کو اور ایک حصہ نواسہ کو اور دونوں بہنوں کو سوا حصہ ملے۔

زید کی زندگی ہی میں اس کی دونوں بہنوں اور بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اب زید کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کے حصہ کا کون حق دار ہوگا اور بہنوں کے حصے کا کون ؟۔ نوٹ : بہنوں کی اولاد موجود ہے۔

المستفتی نمبر ۲۱۴۱ سید محمد علی صاحب (بجنور) ۲ شوال ۱۳۵۶ھ م ۲۵ دسمبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ٤٥٦) زید کی پہلی وصیت بطور تقسیم ہو گی وہ بہنوں اور بیوی کے انتقال سے خود بخود ختم ہو گئی [1] اب تو زید کے انتقال کے وقت جو رشتہ دار موجود ہوں گے ان کو بقاعدہ میراث زید کا ترکہ ملے گا تو زید کے رشتہ دار اگر صرف ذوی الارحام میں کوئی عصبہ نہیں ہے تو نواسہ نواسی حقدار ہیں بہنوں کی اولاد حق دار نہیں ہے۔ [2] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

چچازاد بھائیوں کی اولاد کی وجہ سے نواسے اور بھانجے محروم ہوں گے

(سوال) بکر کے صرف ایک لڑکی ہی تھی جس کا بکر کے سامنے ہی انتقال ہو گیا تھا اور جس کی اولاد سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی جس کو بکر اور اس کی بیوی نے روز پیدائش سے اپنے آخری سانس تک اولاد کی طرح پالا اور ہمہ وقت اپنی آنکھوں کے سامنے ہی رکھا بکر کے متعلقین میں سے اس کے چچازاد بھائی اور بہن بھی انتقال کر گئی اور بیوی بھی بکر کے مرنے کے بعد اس کے متعلقین میں سے صرف اس کے چچازاد بھائیوں کی اولاد بہنوں کی اولاد اور وہی نواسہ اور نواسی کہ جن کی انہوں نے پرورش کی تھی موجود ہیں اب بکر کے ترکہ کا کون حق دار ہوگا؟ فقط۔ المستفتی نمبر ۲۱۴۲ سید محمد علی صاحب آزاد (بجنور) ۲ شوال ۱۳۵۶ھ م ۲۵ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٥٧) چچازاد بھائیوں کی اولاد ذکور موجود ہے تو وہ وارث ہے اس کے سامنے بہنوں اور لڑکی کی اولاد حق دار نہیں ہے [3] اور اگر چچازاد بھائیوں کی اولاد ذکور نہ ہو تو نواسہ نواسی وارث ہوں گے۔ [4] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی۔

---

(۱) دبر عبده ثم ذهب عقله فالتدبير على حاله لما مر انه تعليق وهو لا يبطل بجنون ولا رجوع بخلاف الوصية برقبته لانسان ثم جن ثم مات بطلت (الدر المختار باب التدبير ۳ / ٦٨٣ ط سعيد)

(۲) و يحجب اقربهم الا بعد كترتيب العصبات رجحنا بقدم جزء الميت وهم اولاد البنات (الدر المختار كتاب الفرائض ٦ / ۷۹۲ ط سعيد)

(۳) ثم جزء جده العم لابوين ثم لاب ثم ابنه لابوين ثم لاب (الدر المختار كتاب الفرائض ٦ / ۷۷٥ ط سعيد)

(٤) ثم بالعصبات من جهة النسب (الى قوله) ثم ذوى الارحام الخ (سراجى ص ۳ ط سعيد)

میراث کی ایک مثال

(سوال) عبدالحفیظ خاں ولد عبدالعزیز خاں لاولد فوت ہو گئے وارثان حسب ذیل چھوڑے ایک ہمشیرہ حقیقی ایک بیوہ ' عبدالحلیم خاں ' عبدالمجید خاں ' عبدالرحیم خاں ' حقیقی تایا زاد بھائی ' عبدالمجید خاں تایا زاد بھائی عبدالحفیظ خاں متوفی سے دو ماہ پیشتر فوت ہو گیا اور حسب ذیل وارثان چھوڑے ہیں عبدالحمید خاں ' عبد الرشید خاں ' منظور فاطمہ ' سراج فاطمہ دختران 'مسماۃ رفیق فاطمہ منکوحہ بیوہ عبدالمجید خاں جملہ وارثان کو ترکہ عبدالحفیظ خاں متوفی سے کس طرح حصص پہنچیں گے ؟ **المستفتی نمبر ۲۱۶۰** افضل خاں (علی گڑھ) ۲۸ شوال ۱۳۵۶ھ یکم جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ٤٥٨) مسئلہ ۱۲

زوجہ	اخت حقیقی	ابن العم عبدالحلیم	ابن العم عبدالرحیم	ابن العم عبدالحکیم
۱/۳	۲/۶	۱	۱	۱

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث کے ترکہ عبدالحفیظ خاں کا بارہ سہام پر تقسیم کیا جائے گا بارہ سہام میں سے تین سہام بیوہ کو چھ سہام حقیقی ہمشیرہ کو ملیں گے اور ایک ایک سہام (حصہ) ہر ایک تایازاد بھائی کو ملے گا اور عبدالمجید خاں کی بیوہ اور اولاد ذکور واناث عبدالحفیظ خاں کے ترکہ سے محروم رہیں گے ۔[1] فقط الحرج حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ ' دہلی الجواب صحیح ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

میت کے بھائی اور بیوی میں تقسیم میراث

(سوال) محمد ابراہیم خاں فوت ہو گئے اور انہوں نے مندرجہ ذیل وارثان شرعی چھوڑے ان کے برادر حقیقی محمد اسمٰعیل خاں اور مسماۃ عائشہ بیگم بیوہ متوفی مذکورہ موجود ہیں عائشہ بیگم سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی متوفی کی لڑکی آمنہ بیگم کا لڑکا فضل احمد صاحب موجود ہے ۔ آمنہ بیگم متوفی کی زندگی میں مر چکی تھی متوفی نے اپنے محروم الارث نواسہ فضل احمد کے حق میں ایک تہائی ترکہ کی وصیت کی ہے متوفی کی ایک غیر منکوحہ پیشہ ور داشتہ عورت ہے جو اس کی زندگی میں اس کے گھر سے فرار ہو گئی تھی داشتہ عورت سے مسماۃ بشیر النساء موجود ہے وہ بھی ان کی زندگی میں اپنی والدہ کے ہمراہ فرار ہو گئی تھی مندرجہ بالا صورت میں متوفی کا ترکہ کس کس شخص کو کس قدر بموجب شریعت مطہرہ ملے گا ؟ **المستفتی نمبر ۲۱۷۵** شفیق احمد خاں (کرنال) ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء ۔

---

(۱) واضح ہو کہ صورت مسئولہ میں تایازاد بھائی عبدالمجید کا جب عبدالحفیظ کی زندگی میں انتقال ہو گیا تھا تو اسے عبدالحفیظ کی وراثت میں سے حصہ نہیں ملے گا لہذا صورت مسئولہ میں کل مال کے آٹھ حصے کئے جائیں گے دو حصے بیوہ کو ' چار حصے بہن کو اور ایک ایک دو تایازاد بھائیوں کو ملے گا مندرجہ ذیل نقشہ کے مطابق

مسلہ ٤ / ۸

بیوی	حقیقی بهن	۲ تایازاد بھائی
۱/۲	۲/٤	۱/۲

(جواب ۴۵۹) متوفی کے ترکہ میں سے ایک ثلث ان کے نواسہ کو اور باقی کا ¼ عائشہ بیگم کو اور باقی کی ۳/۴ تین چوتھائی اسماعیل خاں کو ملے گی[1] داشتہ عورت اور اس کی لڑکی وارث نہیں ہے۔ محمد کفایت کان اللہ لہ، دہلی۔

دوسرا خاوند کرنے والی والدہ پہلے خاوند سے ہونے والے بیٹے کی میراث سے حصہ لے گی

(سوال) ہم تین بھائی ہیں ہماری دو بہن بااولاد ہیں میری شادی ابھی نہیں ہوئی ہے پہلے میری والدہ قضا کر گئی۔ ۱۹۳۷ء میں میرے والد صاحب بھی انتقال کر گئے ہیں۔ عرصہ دس سال سے والدہ صاحبہ کے انتقال کے بعد ہمشیرہ کے یہاں رہتا ہوں مختصر یہ کہ میرے والد مرحوم کی والدہ یعنی میری دادی نے پہلے شوہر میرے دادا کے انتقال کے بعد جس کو تیس سال کے قریب ہوتا ہے نکاح کیا نکاح ثانی کے بعد میرے والد مرحوم ان سے علیحدہ ہو گئے کہ مکان تک چھوڑ کر دوسری جگہ مکان بنا کر رہنے لگے اور میری دادی سے کوئی تعلق نہیں رکھا میری دادی کے تین شوہروں سے تین اولادیں ہوئیں۔ مگر سب انتقال کر گئیں صرف ایک لڑکی زندہ ہے ہم کو اس سے کوئی تعلق نہیں میرے والد صاحب کچھ روپیہ چھوڑ گئے ہیں اب میری دادی حصہ مانگتی ہے بہت گڑبڑی ہو رہی ہے اس کے متعلق بہت جلد شرعی فتوے سے ممنون فرمایا جاوے میری دادی کا حصہ مانگنا جائز ہے یا نہیں اور میری اپنی بہنوں کا کس طرح حصہ ہوگا؟ **المستفتی** نمبر ۲۱۹۲ محمد انیس خاں (بریلی) ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۱۸ جنوری ۱۹۳۸ء۔

(جواب ۴۶۰) تمہارے والد کے ترکہ میں سے ان کی والدہ کا حصہ بھی ہے اور تم کو اور تمہاری بہنوں کو بھی ملے گا[2] تمہارے والد کے سوتیلے بھائیوں اور بہنوں کا تمہارے والد کے ترکہ میں کوئی حق نہیں ہے۔[3] محمد کفایت کان اللہ لہ، دہلی

ترکہ تقسیم کرنے سے پہلے دین ادا کیا جائے
کیا بیٹے کے نام جائیداد ہبہ کرنے سے بیٹیاں میراث سے محروم ہوں گی؟

(سوال) (۱) زید مر گیا اور اس کے ذمے مہاجن کا دین ہے مگر اس دین کے لئے کوئی کاغذی ثبوت مثلاً رقعہ یا تمسک وغیرہ موجود نہیں ہے۔ رقعہ موجود ہے مگر وہ تمادی ہو گیا زید کا لڑکا بکر کہتا ہے کہ میرے والد کے ذمے مہاجن کا دین ہے اور مہاجن بھی زید کے مقروض ہونے کا مقر ہے زید کے داماد کہتے ہیں کہ اگر قرض ہے تو کاغذی ثبوت پیش کرو ایسی صورت میں زید کا قرضہ اس کے مرنے کے بعد اس کی متروکہ جائیداد سے

---

(۱) ثم تقدم وصیتہ من ثلث ما بقی و فیہ ایضاً والربع لہا عند عدمہما ' وایضاً فیہ ثم جزء ابیہ الاخ لابوین (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶/۷۶۱، ۷۷۰'۷۷۳ ط سعید)

مسئلہ ۴

بیوی	بھائی
۱	۳

(۲) ثم یقسم الباقی بین ورثتہ (الی قولہ) فیبدأ بذوی الفروض ثم بالعصبات النسبیۃ الخ (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶/۷۶۱ ط سعید)
(۳) وبنو الاعیان والعلات کلہم یسقطون بالابن وابن الابن وان سفل الخ (سراجی' فصل فی النساء ص ۱۱۰ ط سعید)

ادا کیا جائے گایا نہیں یا کل متروکہ جائیداد اس کے ورثاء پر تقسیم کردی جائے گی۔
(۲) اگر زید نے اپنی حیات میں کوئی جائیداد اپنے لڑکے بکر کے نام سے خریدی اور اس جائیداد کو بکر کے نام سے پختہ کرنے کے لئے قبالہ لکھا اور رجسٹری بھی کرادیا تواب بعد مرنے زید کے بکر کی جائیداد سے زید کی لڑکیوں کو بھی حصہ مل سکتا ہے یا نہیں یا اس کا حق دار صرف بکر ہوگا اور شرعی حیثیت سے زید کا قرض بکر ہی اپنی جائیداد سے ادا کرے گا یا صرف اپنے والد کی جائیداد متروکہ سے ادا کرے گا؟ **المستفتی نمبر ۲۲۰۲ احمد** خاں ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۲۰ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۶۱) (۱) اگر قرضہ کا ہونا متعین ہے اور رقعہ موجود ہے تو اس کی ادائیگی کل ترکہ میں سے ضروری ہے۔[1] (شرعاً تمادی کا عذر قابل قبول نہیں)
(۲) اگر زید نے بکر کے نام جائیداد ہبہ کر کے قبضہ کرادیا تھا تو اس میں زید کی لڑکیوں کا حصہ نہیں رہا اور اگر قبضہ نہیں کرادیا تھا تو وہ جائیداد زید کے ترکہ میں شامل ہو کر محسوب ہوگی[2] اور بکر کے نام بیع نامہ ہے تو بکر اس کا مالک قرار پائے گا۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بھائی مشترکہ جائیداد سے حصہ بیچ دے تو بہن کو حق شفعہ حاصل ہے

(سوال) (۱) شفعہ میں حق کس کا فائق ہے جب حسب ذیل اندراج ہو؟
(۲) ان ہر دو مسماۃ محبتہ و عبدالرؤف میں حصہ وراثت کا کیا ہو سکتا ہے اگر حامد مر جائے؟
(۳) اگر حامد مر جائے اور حامد کا لڑکا باقی زندہ رہے اور عورت بھی باقی ہو تو پھر ان کو کیا حصہ ہوگا؟

محمد منیر

(۱) احمد	(۱) غلام محمد
(۲) عبدالصمد	(۲) عبدالقیوم
(۳) محمود	(۳) عبدالرؤف مشتری

(۴) حامد بائع و ہمشیرہ محبتہ شفعہ کنندہ
(۱) آپ نے پہلے سوال کے جواب میں حکم ارسال کیا تھا کہ عبدالرؤف کس طرح خلیط تھا؟ نہری اول اراضیات 'و بنجر جدید' و بنجر قدیم و جندرات و کلہ جات ورا ستہ شارع عام دیہہ و آبادی و یہہ کل سات عدد ۳۱ قطعہ ہوتے ہیں اور اس کا رقبہ عامہ ۱۱۸ کنال ہے اور اس میں اندراج کاغذات مال میں ۳/۱ حصہ حامد

---

(۱) ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد (الدرالمختار ' كتاب الفرائض ٦/ ٧٦٠ ط سعيد)
(۲) و تتم الهبة بالقبض الكامل و فيه ايضاً لا تتم بالقبض فيما يقسم ولو وهبه لشريكه اولاجنبي لعدم تصور القبض الكامل (الى قوله) فان قسمه و سلمه صح لزوال المانع (الدرالمختار' باب الهبة ٥/ ٦٩٠' ٦٩٢ ط سعيد)
(۳) و حكمه ثبوت الملك (درمختار' كتاب البيوع ٤/ ٥٠٦ ط سعيد)

بائع ہے اور ۳/ ا حصہ عبدالرؤف مشتری ہے اور یہ سارا ۳۷۵ کنال جو اراضی ہے یہ سب اس کے اندر مخلوط واقع ہیں مثلاً اعراب وکٹہ و جندرور استہ آبادی و بنجر قدیم وغیرہ یہ رگوں اور پٹھوں کے طور پر اس میں مخلوط ہیں۔

(۲) اب یہ معلوم کرانا ہے کہ بحکم شرع شریف حامد کی وراثت میں مسماۃ محبتہ کیا حصہ لے سکتی ہے اور عبدالرؤف کیا حصہ لے سکتا ہے اور بحکم شرع شفعہ میں کس کا حق فائق ہو سکتا ہے۔؟

مکرر التماس ہے کہ کل جائیداد مبیعہ ۳۷۵ کنال ہے اور اس میں ۳۳۵ کنال واحد حصہ حامد ہے اور ۴۰ کنال حصہ حامد میں ہے اور ۸۰ کنال اس میں عبدالرؤف کا ہے **المستفتی نمبر ۲۲۶۷** مولوی عبدالوہاب صاحب (صوبہ سرحد) ۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ ۲۶ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ٤٦٢) حامد کی جائیداد میں اسکی ہمشیرہ مسماۃ محبتہ کا کوئی حصہ نہیں کیونکہ حامد کا لڑکا شاجہاں موجود ہے[1] مگر محبت کا حصہ اپنے باپ محمود خاں کی جائیداد متروکہ میں تھا خواہ وہ تحریری نہ ہو مگر وہ شرعی وارث تھی اس لئے وہ حامد کے ساتھ خلیط تھی اور اس کو حق شفعہ حامد کی جائیداد مبیعہ میں حاصل تھا۔[2] محمد کفایت کان اللہ لہ، دہلی۔

زندگی میں تقسیم میراث کی ایک مثال!

(سوال) زید متبع کتاب و سنت ہے حیات و ممات میں سب کام مطابق شریعت مطہرہ چاہتا ہے کہ اپنے حین حیات میں فتویٰ شرعی حاصل کرے۔ مثلاً زید فوت ہو جائے اور حسب ذیل افراد کو چھوڑے تقسیم ترکہ کی کیا صورت ہوگی۔ زوجہ' ابن الابن' ابن الابن' پوتی' بنت' اخت' بھتیجا۔ **المستفتی نمبر ۲۲۹۰** عبدالحق صاحب (چودھپور) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۶ جون ۱۹۳۸ء۔

(جواب ٤٦٣) مسئلہ ۸ / ۴۰

زوجہ	بنت	پوتا	پوتا	پوتی	بہن	بھتیجا
۵/۱	۲۰/۴	۶	۶	۳	محروم	محروم

چالیس سہام ہوں گے پانچ سہام زوجہ کو (اور پورا مہر پہلے دیا جائے گا) اور بیس سہام لڑکی کو اور چھ چھ سہام پوتوں کو اور تین سہام پوتی کو ملیں گے۔[3] زندگی میں بہن اور بھتیجے کو بھی دینا چاہے تو ایک ثلث کے اندر اندر دے سکتا ہے۔[4] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) و یسقط بنو الاعیان وهم الاخوة والاخوات لاب وام بثلاثة بالابن و ابنه وان سفل الخ (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۸۱ ط سعید) (۲) و یملك بالاخذ بالتراضی' او بقضاء القاضی بقدر رؤس الشفعاء لا الملك للخلیط فی نفس المبیع الخ (الدرالمختار' باب الشفعة ۶/ ۲۱۹ ط سعید)

(۳) فیفرض للزوجة فصاعداً الثمن مع ولد او ولد ابن (درمختار ۶/ ۷۶۹) وایضاً والثلثان لکل اثنین فصاعداً ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت الخ (۶/ ۷۷۰) وفی السراجی ولد برثن مع الصلبیتین الا ان یکون لحدائهن او اسفل منهن غلام فیعصبهن والباقی بینهم للذکر مثل حظ الانثیین (سراجی' فصل فی النساء ص ۷ ط سعید)

(٤) فی اللباب: ولا تجوز الوصیة بما زاد علی الثلث الخ (اللباب للمیدانی ۲/۳۶۷)

(۱) بھائیوں کے ہوتے ہوئے نواسوں کو حصہ نہیں ملے گا
(۲) کیا نواسہ کو زندگی میں حصہ دیا جاسکتا ہے ؟

(سوال) (۱) مسمی زید کے کوئی اولاد فی الحال نہیں ہے ایک لڑکی تھی وہ بھی ایک لڑکا چھوڑ کر مر گئی اب زید شریعت حقہ سے دریافت کرتا ہے کہ میرے مال میں سے لڑکی کے لڑکے (نواسہ کو) میرے بعد کچھ ورثہ ملے گا یا نہیں زید کے چند بھائی بھتیجے بیوی بھی موجود ہیں نیز اگر نواسہ کو بھی ورثہ ملتا ہو تو کس قدر ملے گا نیز اپنی زندگی میں ہی ورثہ تقسیم کر سکتا ہے یا نہیں ؟

(۲) مذکورہ بالا سوال کے موافق اگر نواسہ کو حصہ نہ ملنے کی صورت میں یا حصہ ملنے کی صورت میں زید نابالغ نواسہ کو کچھ بخشش دے سکتا ہے یا نہیں ؟

(۳) اگر نواسہ کو بخشش دے سکتا ہو تو بوجہ ولی جائز باپ وغیرہ کے خرچ کرڈالنے کے بہ مد امانت بینک وغیرہ میں وہ مال لڑکے کے بالغ ہونے کے زمانہ تک کے لئے جمع کر سکتا ہے یا نہیں یا ولی جائز کے ہی سپرد کرنا لازم ہوگا ؟ المستفتی نمبر ۲۲۹۴ علی محمد طاہر محمد (کاٹھیاواڑ) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ٤٦٤) زید کے بھائی موجود ہوں گے یا بھتیجے موجود ہوں گے تو نواسہ کو میراث میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔[1] زید کو یہ حق ہے کہ اپنی زندگی میں نواسہ کو اپنی جائیداد میں سے کچھ دیدے اور بہتر یہ ہے کہ ثلث سے زیادہ نہ دے۔[2] نواسہ نابالغ ہے تو اس کے لئے اس کا ولی قبضہ کر سکتا ہے۔[3] اور یہ بھی جائز ہے کہ ولی سے کسی محفوظ جگہ وہ شے موہوب جمع کرادی جائے اور اگر خود کسی بینک میں نواسہ کے نام پر جمع کرادے تو یہ بطور وصیت کے جائز ہوگا یعنی اس پر وصیت کے احکام جاری ہوں گے اس میں یہ تصریح کردینی ہوگی کہ یہ رقم میرے بعد میرے نواسہ کو اس کے بلوغ کے وقت ادا کردی جائے اور ایک ثلث ترکہ کے اندر اس رقم کا ہونا لازم ہوگا۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

لڑکیوں اور تایازاد بھائیوں میں تقسیم ترکہ کی مثال

(سوال) (۱) والد کی ملکیت کی مالک ہر دونوں لڑکیاں ہیں یا تایازاد بھائی ؟

(۲) تایازاد بھائی ورثہ میں سے کتنا حصہ پاسکتا ہے اور حقیقی لڑکیوں کو کس قدر حق شرعاً مل سکتا ہے ؟

المستفتی نمبر ۲۲۹۸ عباس خاں صاحب (راجپوتانہ) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۷ جون ۱۹۳۸ء

---

(۱) فیبدأ بذوی الفروض ثم بالعصبات النسبیة ثم بالمعتق ثم عصبة الذکور ثم الرد ثم ذوی الارحام الخ (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/۷۶۳ ط سعید)

(۲) و یستحب ان یوصی الانسان بدون الثلث سواء کان الورثة اغنیاء او فقراء (الجوهرة النیرة ۲/۳۷۰ ط میر محمد)

(۳) وان وهب له اجنبی یتم بقبض ولیه وهو احد اربعة الاب ثم وصیه الخ (الدرالمختار' باب الهبة ۵/۶۹۵ ط سعید)

(٤) و تجوز بالثلث للاجنبی عند عدم المانع وان لم یجز للوارث ذالك لا الزیادة الا ان یجیز ورثته بعد موته (الدرالمختار' کتاب الوصایا ۶/۶۵۰ ط سعید)

(جواب ٤٦٥) متوفی کی دو لڑکیاں اور تایازاد بھائی ہے تو ترکہ کے تین حصے ہوں گے ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو اور ایک حصہ تایازاد بھائی کو ملے گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا سوتیلی ماں کو ترکہ میں سے حصہ دیا جا سکتا ہے ؟

(سوال) محمد اکبر خاں کے وارث انکی بیوہ روشنہ اور ان کے پسر پوردل خاں تھے اب چونکہ پوردل خاں کی وراثت کا تقسیم کرنا زیر تجویز ہے پوردل خاں کے وارث حسب ذیل ہیں۔
(۱) مسماۃ بی بی روشنہ' سوتیلی والدہ پوردل خاں' (۲) مسماۃ قریشیہ بیوہ پوردل خاں (۳) مسماۃ گلریشہ وماقوشہ وزرینہ دختران پوردل خاں (۴) مہردل خاں و خوش دل خاں' زوئیدل خاں' عمدہ دل خاں پسران پوردل خاں۔
المستفتی نمبر ۲۳۰۰ محمد افضل خاں صاحب (مردان) ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۸ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ٤٦٦) مـ۸ تصـ ۱۰٤

زوجہ	سوتیلی ماں	پسران ۵	دختران ۳
۱/۱۳	محروم	۷۰	۲۱

پوردل خاں مرحوم کا ترکہ ایک سو چار سہام پر منقسم ہوگا ان میں سے تیرہ سہام زوجہ مسماۃ قریشیہ کو اور چودہ چودہ سہام ہر پسر کو اور سات سات سہام ہر دختر کو ملیں گے۔ سوتیلی ماں کا پوردل خاں کے ترکہ میں کوئی حق نہیں ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) تقسیم ترکہ کی ایک صورت
(۲) ترکہ کی تقسیم سے پہلے بیوی کو مہر دیا جائے

(سوال) (۱) ایک شخص متوفی نے بعد انتقال چار وارث چھوڑے ہیں اور ایک مکان ملکیت اپنی سے چھوڑا ہے جس کی قیمت مبلغ دو سو پچاس روپے ہوتی ہے شرع شریف ہر وارث کو کتنا حصہ دلانا چاہتی ہے اور کتنا حصہ پانے کے مستحق ہیں (۱) بیوہ' دو لڑکے' ایک لڑکی نابالغہ شادی شدہ
(۲) متوفی کے انتقال کو عرصہ دس سال ہو گیا اور اس کی بیوی بیوہ کا مہر مبلغ پچاس روپے ہوتا ہے۔ مکان متوفی کا اب فروخت ہوتا ہے بیوہ مہر مذکور کے پانے کی مستحق ہے یا نہیں اور اس روپے میں مہر کے لینے کا اس کو حق ہے یا نہیں کیونکہ متوفی کی بیوہ اتنے عرصہ تک مکان متوفی میں سکونت پذیر تھی۔

---

(۱) والثلثان لکل اثنین فصاعداً ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت و فيه ايضاً ثم جزء جده العم لابوين ثم ابنه لا بوين (الدرالمختار' کتاب الفرائض ٦/ ۷۷۳' ۷۷۵ ط سعید)

(۲) فيفرض للزوجة فصاعداً الثمن مع ولد او ولد ابن (درمختار ٦/ ٦٦٩ ط سعید) فی السراجية: والثلثان للا ثنين فصاعدة و مع الابن للذكر مثل حظ الانثيين وهو يعصبهن(سراجی' فصل فی النساء ص ۷ ط سعید)

المستفتی نمبر ۲۳۲۶ سید آرام حسین آگرہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۱۹ جون ۱۹۳۸ء
(جواب ۴۶۷) مسئلہ ۸ تصحیح ۴۰

بنت	ابن	ابن	بیوہ
۷	۱۴	۱۴	۱/۵

مرحوم کا ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث چالیس سہام ہو کر پانچ سہام بیوہ کو اور چودہ چودہ سہام ہر لڑکے کو اور سات سہام لڑکی کو ملیں گے۔[۱]
(۲) ہاں بیوہ اپنا پورا مہر پانے کی حق دار ہے اول اس کا مہر ادا کیا جائے پھر جو بچے اس کو وارثوں میں تقسیم کیا جائے[۲] جس طرح کہ اس پرچے کے دوسرے صفحہ پر مرقوم ہے۔ فقط محمد کفایت کان اللہ لہ، دہلی

تقسیم میراث کی ایک صورت!

(سوال) زید نے آٹھ اولادیں چھوڑیں جس میں دو پہلی بیوی سے اور چھ دوسری بیوی سے اور اس میں چار شادی شدہ اور نابالغ ہیں گویا ایک لڑکا اور ایک لڑکی پہلی بیوی سے تھی جس کی شادی کی گئی اور دو لڑکیاں دوسری بیوی سے جن کی شادی ہوئی اب تین لڑکے اور ایک لڑکی جو نابالغ ہیں اب ان بچوں کی پرورش اور بیوہ کے گزارہ کا انتظام کیوں کر ہونا چاہئے کیونکہ زید نے ایک مکان رہنے کا چھوڑا ہے اور تخمیناً آٹھ سات سو روپے کا زیور طلائی اور نقرئی چھوڑا ہے اور کوئی پونے تین سو روپے کا زید مقروض تھا اس کی تقسیم کے لئے تحریر فرمایئے؟ المستفتی نمبر ۲۳۲۹ محمد صدیق صاحب (دہلی) ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۱ جون ۱۹۳۸ء۔
(جواب ۴۶۸) زید کے ترکہ میں سے اول اس کا قرض ادا کیا جائے پھر جو بچے اس کو (بشرطیکہ کوئی وصیت نہ ہو) وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔[۳] بیوی کو ۸/۱ حصہ ملے گا اور باقی ۸/۷ اولاد کو ملے گا ہر لڑکے کو دوہرا حصہ اور لڑکی کو اکہرا۔ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا حصہ برابر ہوگا۔[۴] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

مہر اور غیر وارث کے لئے وصیت کے علاوہ باقی مال تقسیم کیا جائے!

(سوال) زید کی سات اولادیں ہیں جن میں تین لڑکے اور چار لڑکیاں لیکن زید کے پاس کوئی جائیداد کسی قسم کی نہیں ہے اور زید کا انتقال ہو گیا بڑے لڑکے کا نام وفاتی مجھلے کا نام غلام نبی اور چھوٹے کا نام قربان علی ہے وفاتی کے کوئی اولاد نرینہ یاد ختری نہیں ہے۔ غلام نبی کے ایک پسر ہے جس کا نام محمد فاروق ہے یہ دو سال کا

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ صفحہ گزشتہ)
(۲) ثم تقدم دیونه التي لها مطالب من جهة العباد ثم يقسم الباقي بين ورثته (الدر المختار، كتاب الفرائض ٦/ ٧٦٠ ط سعيد)
(۳) (ایضاً بحوالہ بالا حاشیہ ۲)
(٤) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ صفحہ گزشتہ)

بچہ تھا تب اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور چار سال کی عمر میں غلام نبی اس کے والد کا انتقال ہو گیا بچہ کو وفاتی و قربان علی دونوں بھائیوں نے پالا اور پرورش کی اور ہنوز کر رہے ہیں اور اس وقت اس کی عمر تخمیناً ۱۵ سال ہے قربان علی کے چھ بچے ہیں وفاتی حج کرنے کو جا رہے تھے اس وقت انہوں نے ایک وصیت نامہ بحق قربان علی برادر خورد و بھتیجہ محمد فاروق مذکور کو تحریر کر کے ان کے حوالے کر دیا جو کہ ہمراہ استفتا ہے بعدہ وہ حج کرنے گئے اور وہاں سے خیریت واپس آئے اور چار سال حیات رہے لیکن وصیت نامہ مذکور نہ انہوں نے منسوخ کیا اور نہ کوئی ردوبدل کیا بلکہ وہ اب تک عملدرآمد ہے۔ اب وفاتی مذکورہ بالا نے بقضاء الٰہی وفات پائی اور کوئی اولاد نہیں چھوڑی اب ان کی بیوہ جو حیات ہیں وہ اپنا مہر و حقوق زوجیت ہم سے طلب کرتی ہیں کہ میرا مہر سا عـــہ روپے کا ہے لیکن نہ تحریری کوئی نکاح نامہ ہے اور نہ کوئی شہادت ہے صرف زبانی کہتی ہیں اور نہ کسی دیگر شخص کو معلوم ہے بلکہ وفاتی نے مہر وغیرہ کے متعلق وصیت نامہ میں صاف صاف تحریر کر دیا ہے جو کہ واضح رائے جناب والا ہو گا اور بیوہ صاحبہ یہ بھی کہتی ہیں کہ مجھ کو چار ماہ دس یوم کی کھلائی عدت بھی دو اور چار بہنیں جو ہنوز حیات ہیں وہ بھی اپنا حق طلب کرتی ہیں لہذا آپ کیا فرماتے ہیں کہ مجملہ جائداد مندرجہ وصیت نامہ ہر فریقین پانے کے مستحق ہیں اگر کسی وجہ سے ہوں بھی تو ان کا درجہ بدرجہ حصہ تحریر فرمایئے اور بموجب شرع محمدی کیا ہونا چاہیئے ؟ المستفتی نمبر ۲۳۳۶ قربان علی (لکھنؤ) ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۳ جون ۱۹۳۸ء۔

(جواب ۴۶۹) چونکہ یہ وصیت نامہ بحق قربان علی وزوجہ وفاتی و فاروق ہے اور اس میں سے قربان علی وزوجہ دونوں وارث ہیں اس لئے ان کے حق میں یہ وصیت ناجائز ہے۔[1] صرف فاروق کے حصہ میں وصیت معتبر ہو گی اور اس کو کل ترکہ وفاتی کے ۱/۳ ثلث میں سے نصف ملے گا۔ یعنی ۱/۶ حصہ اس کو بحق وصیت دیا جائے گا۔[2] اور باقی ۵/۶ کو وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا مہر کی مقدار شہادت سے ثابت کی جائے یا ثابت نہ ہو سکے تو عورت کی بہنوں' پھوپھیوں' چچازاد بہنوں کے مہروں سے ملا کر دیکھا جائے گا اور مہر مثل دلوایا جائے گا۔[3] اس کے بعد ترکہ کے آٹھ حصے کئے جائیں گے دو حصے بیوی کو اور دو حصے قربان علی کو اور ایک ایک حصہ چاروں بہنوں کو دیا جائے گا۔[4] عدت کا نفقہ بیوی کو نہیں ملے گا۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

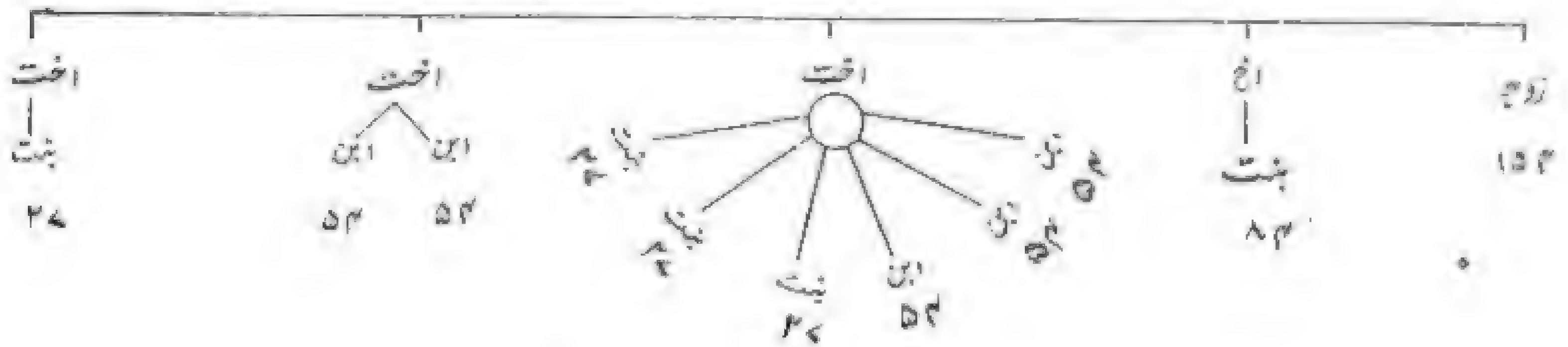
---

(۱) ولا لوارثه و قاتله مباشرة' الا باجازة ورثته لقوله عليه السلام: لا وصية لوارث الا ان يجيزها الورثة (الدرالمختار' كتاب الوصايا ٦/٦٥٥ ط سعيد)
(۲) ثم تقدم وصية من ثلث ما بقي (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦/٧٦١ ط سعيد)
(۳) و مهر مثلها الشرعي و مهر مثلها اللغوي اى مهر امراء ة تماثلها من قوم ابيها (الدرالمختار' مطلب في بيان مهر المثل ٣/١٣٧ ط سعيد)
(٤) والربع لها عند عدمهما (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦/٧٧٠ ط سعيد) وفي السراجية : والثلثان للاثنين فصاعدة و مع الابن للذكر مثل حظ الانثيين و هو يعصبهن (سراجي ص ٧ ط سعيد)
(٥) وفي العالمگيرية: لا نفقة للمتوفى عنها زوجها سواء كانت حاملاً او حائلاً الا اذا كانت ام ولد الخ (عالمگيرية' الفصل الثالث في نفقة المعتدة ١/٥٥٧ ط' ماجديه كوئٹه)

تقسیم ترکہ کی مثال

(سوال) مرحوم محمد کا انتقال ہو گیا حسب ذیل ورثا موجود ہیں ایک زوجہ اور ایک بھائی کی لڑکی ایک بہن کے تین لڑکے اور تین لڑکیاں دوسری بہن کے دو لڑکے تیسری بہن کی صرف ایک لڑکی از روئے شرع شریف تقسیم کس طرح ہو گی المستفتی جامعہ حسینیہ راندیر ضلع سورت ۱۳ رجب ۱۳۵۹ھ ۱۸ اگست ۱۹۴۰ء

(جواب ٤٧٠) ۶۱۶ / ۴۴ / ۴ / مسئلہ ۴



بعد تقدیم ما یتقدم علی الارث محمد مرحوم کا ترکہ چھ سو سولہ سہام پر منقسم ہو کر ایک سو چون سہام زوجہ کو اور چوراسی سہام بھتیجی کو اور چون چون سہام ہر بھانجے کو اور ستائیس ستائیس سہام ہر بھانجی کو دیئے جائیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حقیقی بھائیوں کے ہوتے ہوئے علاتی بہن بھائی محروم ہوں گے

(سوال) ہندہ کا انتقال ہوا اس کے کوئی اولاد نہیں ہے ہندہ کو کچھ جائیداد اپنے باپ کے ترکہ میں ملی تھی شوہر اس کا بقید حیات ہے۔ شوہر نے متوفیہ سے مہر معاف کرا لیا تھا اور خود اپنا حصہ اس جائیداد کا ترک کر دیا تھا اب متوفیہ کے دو بھائی اور تین ہمشیرگان ایک والدہ سے تھیں جن میں سے ایک بہن متوفیہ کی حیات میں فوت ہو چکی ہے اس کا ایک پسر و دختر موجود ہیں اور دو بھائی ایک بہن دوسری والدہ سے تھیں جن میں سے ایک بھائی متوفیہ کی حیات میں فوت ہو چکا ہے۔ اس کے دو لڑکیاں موجود ہیں۔ تیسری والدہ سے ایک بہن تھی وہ متوفیہ کی حیات میں فوت ہو چکی ہے اس کے چار پسر اور ایک دختر تھی ان میں سے ایک پسر کا انتقال ہو چکا ہے تین پسر اور ایک دختر موجود ہیں اس پسر کی اولاد میں دو لڑکے اور ایک لڑکی موجود ہیں ان تمام میں سے کس کس کو کتنا حصہ ملنا چاہئیے ؟

(جواب ٤٧١) سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندہ کے انتقال کے وقت اس کے دو بھائی اور دو بہنیں حقیقی موجود ہیں اور باقی اس کے علاتی بہن بھائی یا علاتیوں کی اولاد یا حقیقی بہن کی اولاد موجود ہے اس صورت میں ہندہ کا ترکہ (جب کہ اس کا شوہر حصہ نہ لے) صرف اس کے حقیقی بھائیوں اور بہنوں کو ملے گا چھ سہام کر کے دو دو سہام دونوں بھائیوں کو اور ایک ایک سہام دونوں بہنوں کو دیئے جائیں گے[1] اور باقی سب

(۱) واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریۃ' کتاب الفرائض ۶/۴۴۸ ط ماجدیۃ)

محروم ہیں۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیوی اور بھائی وارث ہوں تو میراث کیسے تقسیم ہوگی؟

(سوال) ہم چار بھائی اور ایک بہن حقیقی ایک ماں سے تھے اور سوتیلی ماں سے ایک بھائی اور ایک بہن۔ اب ہم میں سے دو بھائی اور ایک بہن تو پہلے ہی مر چکے اور ایک بھائی کا اب انتقال ہوا ہے اور متوفی کا کچھ روپیہ ڈاکخانہ میں جمع ہے بیوی متوفی مذکور کی زندہ ہے اولاد کوئی موجود نہیں ہے زر مہر بیوی متوفی مذکور نے معاف کر دیا ہے اب روپیہ ڈاکخانہ میں جو جمع شدہ ہے وہ کن کن حقداروں کو اور کس حصے سے پہنچتا ہے نیز سوتیلی ماں سے جو بھائی اور بہن ہے وہ زندہ ہیں آیا ان کو موجب شرع شریف حق پہنچتا ہے؟ المرقوم ۲۰ مئی ۱۹۳۰ء

(جواب ۴۷۲) صورت مذکورہ میں جب کہ متوفی کی اولاد نہیں ہے تو اس کے ترکہ میں سے ۱/۴ بیوی کو اور باقی ۳/۴ حقیقی بھائی کو ملے گا۔[2] سوتیلے بھائی اور بہن کا حق نہیں۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بھتیجوں کا حق بیٹیوں کے نام کروانے کا حکم

(سوال) ریاست پٹودی ضلع گوڑ گانوہ میں ایک سرائے زمینداران کی طرف سے بھٹیاروں کو دی گئی تھی جس کی زمین کا کرایہ معاف کر رکھا ہے ایک عرصہ دراز سے یہ سرائے اسی طرح بھٹیاروں کے پاس چلی آرہی ہے بھٹیاروں کے آخری وارث کا نام گدگد تھا اس کے دو لڑکے تھے ایک نور بخش دوسرا کلو۔ نور بخش کے دو لڑکے ہوئے ایک کا نام خاجو دوسرے کا نام چھوٹا۔ نور بخش اور کلو کے انتقال کے بعد دونوں کی بیویاں اور اولاد موجود ہے نور بخش کی ایک بیوی اور دو لڑکے ہیں اور کلو کی ایک بیوی اور دو لڑکیاں ہیں اب صورت حال یہ پیش آئی کہ کلو کی بیوی نے اپنی بیٹیوں کے نام سرائے کا وہ حصہ جو کلو کے حصے میں تھا کل کا کل کر دیا اور بھتیجوں کو چچا کے حق سے محروم کر دیا آیا یہ فعل کلو کی زوجہ کا شرعاً درست ہے؟

(جواب ۴۷۳) کلو کے ترکہ میں سے ۱/۸ اس کی بیوی کا حق ہے اور ۲/۳ لڑکیوں کا حق ہے اور باقی ۵/۲۴ دونوں بھتیجوں کا حق ہے۔[4] کلو کی بیوی نے لڑکیوں کے نام جو کل ملکیت کر دی ہے یہ صحیح نہیں ہوا وہ صرف اپنا حق دے سکتی ہے بھتیجوں کا حق نہیں دے سکتی۔[5] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) ویسقط بنو العلات ایضا بالاخ لاب وام اذا صارت عصبة (سراجی' فصل فی النساء ص ۱۱ ط س)
(۲) والربع لها عند عدمهما و فیه ایضا: ثم جزء ابیه الاخ لابوین (الدرالمختار' ۶/ ۷۷۰' ۷۷۳ ط سعید)
(۳) ویسقط بنو الاخیاف وهم الاخوة والاخوات لام بالولد وولد الابن (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۸۲ ط سعید)
(۴) فیفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۹ ط سعید) وفیه ایضا: والثلثان لکل اثنین فصاعدا ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت' وایضاً فیه ثم جزء جده العم لابوین ثم لاب ثم ابنه لابوین (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۱' ۶/ ۷۷۲ ط سعید)
(۵) لا یجوز لاحد ان یتصرف فی ملک الغیر بغیر اذن (قواعد الفقه ص ۱۱۰ ط صدف پبلشرز)

ترکہ کی شرعی تقسیم کی صورت

(سوال) شیخ مینڈو کے دولڑکے (چودھری بودی اور اللہ دیا) اور ایک لڑکی (مسماۃ قمراً)
چودھری بودی کے دولڑکے (عبدالکریم اور عبدالحمید) اللہ دیا کے دولڑکی (مسماۃ غفورن اور مسماۃ مجیدن) اور ایک بیوہ (مسماۃ بسم اللہ) چودھری مینڈو کے کوئی جائیداد نہ تھی اور چودھری بودی اور اللہ دیا علیحدہ علیحدہ رہتے تھے اللہ دیا نے جائیداد اپنی قوت بازو سے پیدا کی اللہ دیا نے وفات پائی اس متروکہ جائیداد کے کون کون حصہ دار ہیں۔

(جواب ٤٧٤) اللہ دیا کی وفات کے وقت اس کی دولڑکیاں ایک بیوہ اور ایک بھائی دو بھتیجے نابالغ اور ایک بہن وارث تھے سوال میں تصریح نہیں ہے لیکن اگر صورت یہی ہو جو میں نے لکھی تو اللہ دیا کا ترکہ اس طرح تقسیم ہو گا۔

ترکہ مسئلہ ۷۲

بسم اللہ	دختر غفورن	دختر مجیدن	برادر بودی	ہمشیرہ قمرن	برادرزادگان
٩	٢٤	٢٤	١٠	٥	محروم

یعنی اللہ دیا کے ترکے کے بہتر حصہ کر کے نو حصے بیوہ کو اور چوبیس چوبیس حصے غفورن و مجیدن کو اور دس حصے بودی کو اور پانچ حصے قمرن کو دیئے جائیں گے۔ اگر بودی اللہ دیا کی وفات کے وقت زندہ نہ تھا قمرن زندہ تھی تو بودی کا حصہ بھی قمرن کو ملے گا اور قمرن بھی اگر زندہ نہ تھی اللہ دیا کے بھتیجے زندہ تھے تو بودی و قمرن کا حصہ دونوں بھتیجوں کو حصہ مساوی ملے گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

مناسخہ کی ایک صورت!

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ٢٦ دسمبر ١٩٢٥ء)

(سوال) مسمی نصیر علی ولد امراؤ علی ساکن اٹارسی ضلع ہوشنگ آباد ریلوے میں ملازم تھا عرصہ تیرہ ماہ کا ہوا کہ ریل گاڑی میں کٹ کر انتقال ہو گیا مرحوم نے ایک بیوہ ایک یتیم بچہ اور والد ضعیف العمر کو اپنے وارثوں میں چھوڑا دو ماہ بعد لڑکے کا بھی انتقال ہو گیا ابھی عرصہ ایک ماہ کا ہوا کہ مسماۃ نے اپنا نکاح ثانی پڑھوا لیا نصیر علی مرحوم کے معاوضہ میں بمبئی ریلوے نے مبلغ چھ سو روپے وارثان کی پرورش کے واسطے بذریعہ عدالت روانہ کیا تب اب اس روپے میں کون حق دار ہے اور مسماۃ نے مہر معاف کر دیا تھا؟

---

(١) فيفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن و فيه ايضاً والثلثان لكل اثنين فصاعدا ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت و بنت الابن والاخت لابوين (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦/ ٧٧١ ط سعيد) وفي السراجية . والثلثان للاثنين فصاعدة مع الاخ لاب وام للذكر مثل حظ الانثيين يصرن به عصبة وايضا فيه ولهن الباقي مع البنات او بنات الابن لقوله عليه السلام اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة (سراجي' فصل في النساء ص ٩، ١٠ ط سعيد ، وفي الدر ثم جزء جده العم لابوين ثم لاب ثم ابنه لا بوين الخ (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦/ ٧٧٥ ط سعيد)

(جواب ٤٧٥) ۲۷ مسئلہ ۲۴ نصیر علی

زوجہ	والد	ابن
۳ / ۹	۴ / ۱۲	۱۷

مسئلہ ۳ ابن معۃ ۱۷

ام	جد
۱ / ۱۷	۲ / ۲۴

سرکار نے جو روپیہ دیا ہے اس میں مرحوم کے سب وارث علی قدر حصہ شریک ہیں اگر لڑکے کے انتقال سے پہلے روپیہ مل گیا ہو تو اس کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ اس کے ۳٦ حصے کر کے ۱۳ حصے مرحوم کی زوجہ کو اور ۲۳ حصے اس کے باپ کو دیئے جائیں اور اگر لڑکے کے انتقال کے بعد روپیہ ملا ہے تو اس میں عدالت کو اختیار ہے جتنا چاہے عورت کو دے اور جتنا چاہے باپ کو دے دوسرا نکاح کر لینے سے اس کا حق ساقط نہیں ہوا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

لڑکا اور دو لڑکیاں وارث ہوں تو ترکہ کیسے تقسیم ہو گا؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۲٦ء)

(سوال) سید عبداللہ مرحوم کی دو بیاں تھیں پہلی سے ایک لڑکا اور دوسری سے دو لڑکیاں علاوہ ان دونوں کے اور کوئی وارث نہیں چھوڑا ترکہ کس طرح تقسیم ہو گا؟

(جواب ٤٧٦) سید عبداللہ مرحوم کی وفات کے وقت اگر انکے والدین اور بیویاں زندہ نہ تھیں صرف اولاد وارث تھی تو ان کا ترکہ چار سہام پر تقسیم ہو کر دو سہام لڑکے کو اور ایک ایک سہام دونوں لڑکیوں کو دیدیا جائے[1] یہ واضح رہے کہ تقسیم ترکہ سے پہلے بیویوں کا مہر (اگر ادا نہ ہوا ہو تو) ادا کیا جائے اسی طرح اور کوئی قرضہ اگر مرحوم کے ذمہ ہو تو وہ بھی پہلے ادا کیا جائے گا۔[2] محمد کفایت اللہ غفر لہ

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(الجمعیۃ مورخہ ۲٦ ستمبر ۱۹۲٦ء)

(سوال) (۱) مسماۃ ہندہ اپنی ماں و بھائی حقیقی و شوہر و ایک لڑکی خورد سال شیر خوار کو چھوڑ کر انتقال کیا متوفیہ کے نام جو جائیداد اور زمینداری ہے اس کے پانے کا جائز شرعی حق دار کون ہے؟ جو جائیداد متوفیہ کے نام ہے وہ اس کو اپنے باپ کے ترکہ میں ملی تھی۔ (۲) مسماۃ متوفیہ کا بھائی مہر کا دعویدار ہے لہذا اس کے متعلق

---

(۱) واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للابن مثل حظ الانثيين (عالمگيرية' كتاب الفرائض ٤٤٨/٦ ط ماجديه)

(۲) ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦/ ٧٦٠ ط سعيد)

بھی فرمائیے۔ (۳) متوفیہ کے جو زیور وغیرہ ہیں کچھ زیور وغیرہ وہ ہے جو جہیز میں متوفیہ کو ملا تھا اور کچھ شوہر نے بنوایا۔ اس کا کون حق دار ہے۔

(جواب ٤٧٧) مسماۃ متوفیہ کا ترکہ اس کے وارثوں میں اس طرح تقسیم ہو گا۔

مسئلہ ۱۲

شوہر	والدہ	بنت	اخ
۳	۲	۶	۱

یعنی ترکہ کے بارہ حصے کر کے تین حصے خاوند کو دو حصے والدہ کو اور چھ حصے دختر شیر خوار کو اور ایک حصہ بھائی کو دیا جائے گا[1] (۲) مہر بھی مسماۃ متوفیہ کے ترکہ میں شامل ہو کر حسب تحریر بالا تقسیم ہو گا[2] (۳) متوفیہ کا جہیز اور چڑھاوا وغیرہ بھی ترکہ میں شامل ہو کر حسب تقسیم بالا تقسیم ہو گا۔[3] محمد کفایت اللہ غفر لہ'

خاوند' بیٹی اور والد وارث ہوں تو میراث کیسے تقسیم ہو گی ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جولائی ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک شخص کی لڑکی کی شادی ہوئی بوقت نکاح مبلغ ایک ہزار روپیہ مہر مؤجل مقرر ہوا تھا نوشہ کے والد نے مبلغ تین سو روپے کا زیور دلہن کے لئے جس کو یہاں چڑھاوا کہتے ہیں لا کر دیا۔ اور دلہن کے والد نے زیورات اور برتن وغیرہ جس کی قیمت مبلغ پانچ سو روپے تھی جہیز میں دیا تھا یہ مذکورہ بالا زیورات اور برتن وغیرہ لڑکی حسب دستور اپنے خسر کے یہاں لے کر چلی گئی تھی اس کا خاوند اپنے باپ کے ساتھ شامل میں رہتا ہے۔ لڑکی کے ہاں دو سال کے عرصے میں ایک بچی پیدا ہوئی بچی کی عمر نو ماہ تھی کہ ماں کا انتقال ہو گیا اور ایک ہفتے بعد بچی بھی گزر گئی لڑکی مرحومہ کا والد اور بھائی زندہ ہیں ماں انتقال کر چکی ہے خاوند اور خسر بھی زندہ ہیں مگر خاوند کی کوئی ملکیت نہیں ہے اب مرحومہ لڑکی کے والد کا مطالبہ ہے کہ مہر زیورات اور برتن وغیرہ جو کچھ بھی لڑکی کو دیا گیا تھا وہ واپس ملے اس وقت یہ سب چیزیں لڑکی کے خسر کے قبضے میں ہیں ؟

(جواب ٤٧٨) لڑکی کو جو زیور کہ نوشہ یا خسر کی طرف سے شادی کے وقت بطور چڑھاوے کے دیا جاتا ہے اور جو زیور اسباب پلنگ برتن وغیرہ لڑکی کے باپ کی جانب سے جہیز میں ملتا ہے یہ سب لڑکی کی ملک ہو جاتا

---

(۱) والربع للزوج مع احدهما و فيه ايضا وللام السدس مع احد هما او مع الاثنين من الاخوة او من الاخوات ... والثلثا لكل اثنين فصاعدة ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت ... و عند الانفراد يحوز جميع المال الى قوله ثم جزء ابيه الاخ لابوين (الدر المختار ٦/ ٧٧٠، ٧٧٢، ٧٧٣ ط سعيد)

(۲) والمهر يتاكد باحد معان ثلاثة : الدخول' والخلوة الصحيحة و موت احد الزوجين (عالمگيرية ١/ ٣٠٣ ط مصرى)

(۳) جهز ابنته بجهاز وسلمها ذالك ليس له الاسترداد منها و به يفتي' وفي الشامية : فان كل احد يعلم ان الجهاز ملك المرأة اذا طلقها تاخذه كله واذا ماتت يورث عنها (تنوير الابصار مع الرد ٣/١٥٥' ٥٨٥ ط سعيد)

ہے اور وہی اس کی مالک ہوتی ہے [1] اسی طرح مہر بھی اس کی ملک ہے [2] پس اس صورت میں لڑکی کے تمام ترکہ میں سے (جو مہر 'چڑھاوا' جہیز وغیرہ پر مشتمل ہے) اس کے والد کو ایک چوتھائی ملے گا اور باقی تین چوتھائی اس کے خاوند کو ملے گا [3] (۴/۱ خود اس کا حق اور ۲/۱ لڑکی پیدا شدہ کا حق جو اس کے مرنے پر اس کے باپ کو مل گیا) اور متوفیہ کے بھائی کا کوئی حق نہیں ہے۔ [4] محمد کفایت اللہ غفرلہ'

تقسیم میراث

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک نابالغ نے عمر گیارہ سال انتقال کیا اور مندرجہ ذیل وارث چھوڑے ایک والدہ 'ایک بھائی نابالغ' چار بہنیں نابالغ اور ایک نانا۔ ان کو کیا کیا حصہ ملے گا؟

(جواب ۴۷۹) مسئلہ ۳۶/۶

والدہ	بھائی	بہنیں
۶/۱	۱۰	۲۰

حقوق متقدمہ علی الارث ادا کر کے ترکہ متوفی کے چھتیس سہام کئے جائیں ان میں سے چھ سہام والدہ کو اور دس سہام بھائی کو اور پانچ پانچ سہام چاروں بہنوں کو دیئے جائیں۔ [5] نانا کا کوئی حق نہیں ہے۔
محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

خالہ اور ماموں کی اولاد میں تقسیم ترکہ کی مثال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ہندہ مری۔ اس نے ایک ماموں کے چار لڑکے اور ایک ماموں کی ایک لڑکی ایک خالہ کا ایک لڑکا ایک لڑکی وارث چھوڑے تو ان کو ہندہ کے ترکہ میں سے کیا ملے گا؟

(جواب ۴۸۰) مسئلہ ۱۸/۶

خالہ		خال	خال			
بنت	ابن	بنت	ابن	ابن	ابن	ابن
۱	۲	۳	۳	۳	۳	۳

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ حاشیہ آخر ی صفحہ گزشتہ)
(۲) وان حطت عنه من مهر ها صح الحط لان المهر حقها (هداية' كتاب النكاح ۲/۳۲۵ط شركة علمية)
(۳) والربع للزوج مع احد هما اى الولد او ولد الابن وايضاً فيه: والتعصيب المطلق عند عدمهما (الدرالمختار' كتاب الفرائض ۶/ ۷۷۰ ط سعيد) (۴) و يسقط بنو الاعيان وهم الاخوة والا خوات لا ب وام بثلاثة بالابن و ابنه وان سفل و بالاب اتفاقاً (الدرالمختار' فصل فى العصبات ۶/ ۶۸۱ ط سعيد) (۵) وللام السدس مع احدهما الخ (تنوير الابصار' كتاب الفرائض ۶/ ۷۷۰ ط شركة سعيد) وفى السراجية: والثلثان للاثنين فصاعدة و مع الابن للذكر مثل حظ الانثيين وهو يعصبهن (سراجى' فصل فى النساء ص ۷ ط سعيد)

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث حضرت امام محمدؒ کے قول مفتی بہ کے موافق ہندہ کا ترکہ اٹھارہ سہام پر منقسم ہو کر ان میں سے تین تین سہام ماموں کے لڑکوں اور ماموں کی لڑکی کو اور دو سہام خالہ کے لڑکے کو اور ایک سہام خالہ کی لڑکی کو ملے گا۔[1] محمد کفایت اللہ غفر لہ'

تقسیم میراث کی ایک صورت

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۲۸ء)

(سوال) عائشہ بائی نے انتقال کیا اور مندرجہ ذیل وارث چھوڑے ایک حقیقی نواسی مومن بائی' ایک حقیقی بھانجی حافظ بائی' دو حقیقی پھوپھی زاد بھائی' ایک حقیقی پھوپھی زاد بہن' مرحومہ کے والد کے حقیقی چچا کے دو لڑکے احمد اور غلام' مرحومہ کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

(جواب ۴۸۱) مسئلہ ۲

والد کے چچا کا لڑکا	والد کے چچا کا لڑکا	نواسی	بھانجی	پھوپھی کے لڑکے
احمد	غلام	محروم	محروم	محروم
۱	۱			

اس صورت میں مرحومہ کے ترکہ کے مستحق صرف احمد اور غلام ہیں۔[2] محمد کفایت اللہ غفر لہ'

علاتی بھائیوں کے ہوتے ہوئے بھتیجیاں محروم ہوں گی

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۲۹ء)

(سوال) ہندہ کا انتقال ہوا اس نے اپنا ایک علاتی (باپ شریک) بھائی اور دو بھتیجیاں جن کا باپ متوفیہ کا حقیقی بھائی تھا چھوڑیں اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

(جواب ۴۸۲) صورت مسئولہ میں اگر ہندہ متوفیہ کا سوائے ان لوگوں کے جن کا سوال میں ذکر ہے اور کوئی وارث نہیں تو ہندہ کا تمام ترکہ اس کے علاتی بھائی کو ملے گا۔[3] اور اس کی بھتیجیاں اگرچہ وہ حقیقی بھائی کی لڑکیاں ہیں محروم رہیں گی۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

---

(۱) وقول محمد اشہر الروایتین عن ابی حنیفۃ فی جمیع ذوی الارحام و علیہ الفتوی (سراجی' فصل فی الصنف الاول ص ٤٤ ط سعید)

(۲) وکذالک الحکم فی اعمام المیت ثم فی اعمام ابیہ ثم فی اعمام جدہ وفی الحاشیۃ :وکذا الحال فی ابناء ہؤلاء الاصناف (سراجی ص ١٤ ط سعید)

(۳) ثم جزء ابیہ الاخ لابوین ثم لاب ای ثم الاخ لاب (الدرالمختار' کتاب الفرائض ٦/ ٧٧٥ ط سعید)

بیوہ، پوتوں اور پوتیوں میں تقسیم میراث

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے ایک بیوہ ایک بھتیجا جو سوتیلے بھائی سے پیدا ہوا ہے اور دو پوتے اور تین پوتیاں چھوڑیں اس کے ترکے کی تقسیم کس طرح ہو گی؟

(جواب ۴۸۳) حقوق متقدمہ علی الارث ادا کر کے متوفی کے ترکہ کے آٹھ سہام ہوں گے ان میں سے ایک سہام بیوہ کو اور دو دو سہام پوتوں کو اور ایک ایک سہام تینوں پوتیوں کو ملے گا۔ بھتیجا محروم ہے۔[1]

محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۳۰ء)

(سوال) ایک مسماۃ مرحومہ کے مندرجہ ذیل ورثاء میں ہر ایک کا حصہ شرعی کس قدر ہے؟ اور تمام مال مرحومہ کے پاس والدین اور خاوند کا دیا ہوا تھا اور اب مہر خاوند کی طرف باقی ہے۔ باپ، ماں، خاوند، لڑکا نابالغ، لڑکی تین نابالغ، لڑکی بالغ جس کی شادی مرحومہ کی زندگی میں ہو چکی تھی؟

(جواب ۴۸۴) صورت مرقومہ میں متوفیہ کا ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث اس طرح تقسیم ہو گا: مسئلہ ۱۲ / ۷۲

زوج	اب	ام	ابن	بنت	بنت	بنت	بنت
۱۸ /	۱۲ ۳ / ۲	۱۲ / ۲	۱۰	۵	۵	۵	۵

بیوہ، ہمشیرہ اور بھتیجوں کا ترکہ میں کتنا حصہ بنتا ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۳۱ء)

(سوال) قادر بخش مورث اعلیٰ فوت ہو گئے اور انہوں نے مندرجہ ذیل وارث چھوڑے مسماۃ لاڈو زوجہ، مسماۃ امامن ہمشیرہ حقیقی، ظہور الدین، محمد صدیق، گلاب الدین، محمد حنیف، بھتیجے حقیقی، اور تین بھتیجیاں

(جواب ۴۸۵) مسئلہ ۴ / ۱۶ قادر بخش

زوجہ	ہمشیرہ	ابناء الاخ
۱ ۴	۲ ۸	۴

---

(۱) فیفرض للزوجۃ فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن (الدرالمختار، کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۹ ط سعید) وفی السراجیۃ الا ان یکون لحذائهن او اسفل منهن غلام فیعصبهن والباقی بینهم للذکر مثل حظ الانثیین (سراجی، فصل فی النساء ص ۷ ط سعید)

(۲) والربع للزوج مع احدهما، وفیہ ایضا، وللاب السدس مع ولد او ولد ابن، وللام السدس مع احدهما (الدرالمختار، کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۲ ط سعید) وفی العالمگیریۃ: واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریۃ، کتاب الفرائض ۶/ ۴۴۸ ط ماجدیہ کوئٹہ)

قادر بخش کے ترکہ کے سولہ سہام کر کے چار سہام زوجہ کو اور آٹھ سہام ہمشیرہ کو اور ایک ایک سہام چاروں بھتیجوں کو دیا جائے۔[1] محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

بیوی بیٹی اور علاتی بھائی وارث ہوں تو میراث کی تقسیم شرعی

(الجمعیۃ مورخہ ۵ اگست ۱۹۳۱ء)

(سوال) زید نے وقت انتقال ایک دختر زوجہ اولی سے جسکے انتقال کو چودہ سال گزر گئے اور ایک زوجہ ثانی اور بھائی سوتیلی ماں سے چھوڑا زید مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

(جواب ٤٨٦) مسئلہ ۸

زوجہ	دختر	برادر علاتی
۱	۴	۳

زید متوفی کا ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث آٹھ سہام پر تقسیم ہوگا ان میں سے ایک سہام زوجہ ثانیہ موجودہ کو اور چار سہام دختر کو اور تین سہام علاتی بھائی کو ملیں گے۔[2] محمد کفایت اللہ غفرلہ

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اد سمبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) زید نے انتقال کیا اور مندرجہ ذیل وارث چھوڑے ایک لڑکی نابالغہ ایک بیوہ ہمشیرہ حقیقی اور بڑے بھائی مرحوم کے دو لڑکے اور ایک لڑکی۔ زید نے اپنی حیات میں اپنی زوجہ کو طلاق شرعاً روبرو قاضی شہر کے دیکر مہر ادا کر دیا تھا اب زید کی کچھ موروثی اور کچھ اپنی پیدا کردہ اور بڑے بھائی مرحوم کی پیدا کردہ جائیداد موجود ہے؟

(جواب ٤٨٧) مسئلہ ۲

بنت	اخت
۱	۱

زید کا ترکہ نصف اس کی دختر کو اور نصف اسکی بہن کو ملے گا[3] بھتیجے اور بھتیجی محروم ہیں[4] اور زید

---

(۱) والربع لها عند عدمهما و فيه ايضا والثلثان لكل اثنين فصاعداً ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت و بنت الابن والاخت لابوين ثم جزء جده العم لابوين ثم ابنه لا بوين (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦ ٧٧٠' ٧٧٣ ط سعيد)

(٢) فيفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن' والثلثان لكل اثنين فصاعدا ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت ثم جزء ابيه الاخ لابوين ثم لاب ثم ابنه لا بوين ثم لاب الخ (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦/٧٦٩' ٧٧٣' ٧٧٥ ط سعيد)

(٣) ولهن الباقي مع البنات او بنات الابن لقوله عليه السلام : اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة (سراجي ص ١٠ ط سعيد)

(٤) فيبدأ باصحاب الفرائض ثم بالعصبات (الى قوله) ثم ذوى الارحام (سراجي ص ٣ ط سعيد)

کے بھائی مرحوم کا ترکہ ان کی اولاد کو ملے گا اس میں زید کی لڑکی اور بہن حق دار نہیں ہے۔ [1] فقط محمد کفایت اللہ عفاعنہ ربہ

تقسیم ترکہ کی ایک صورت!

(الجمعیۃ مورخہ یکم جون ۱۹۳۴ء)

(سوال) ایک شخص مسمی فلاں فوت ہو گیا ہے ماں باپ بیٹا بیٹی زوجہ نہیں ہے ایک ہمشیرہ زندہ ہے اور ایک وفات پا چکی ہے اس کے تین فرزند ہیں اور ایک بھائی فلاں سے پیشتر فوت ہو چکا ہے اس کی ایک دختر ہے اور ایک چچا کا بیٹا ہے دوسرے چچا کے دو پوتے ہیں ترکہ کس طرح تقسیم ہو گا؟

(جواب ٤٨٨) مسئلہ ۲

اخت	ابن العم	اولاد الاخت	ابن الاخ	ابن ابن العم
ا	ا	محروم	محروم	محروم

اس صورت میں نصف ترکہ بہن کو اور نصف چچا کے بیٹے کو ملے گا ۔[2] بہن متوفیہ کی اولاد اور متوفی بھائی کی اولاد اور چچا کے پوتے محروم ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٔ دہلی

تقسیم ترکہ کی ایک صورت!

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۳۴ء)

(سوال) بڑے صاحب کے انتقال کے بعد ان کے دو لڑکے سرست صاحب اور رمول صاحب اپنے باپ کے ترکہ سے مساوی حصہ پا کر قابض و متصرف رہے ابھی کچھ دن ہوئے سرست صاحب کا انتقال ہوا انہوں نے مندرجہ ذیل وارث چھوڑے۔ چار بیٹیاں ایک بھائی (رمول صاحب) اور دو بہنیں چار بیٹیوں میں سے دو نابالغ ہیں ان کو رمول صاحب جو بچیوں کے حقیقی چچا ہیں اپنی تربیت میں رکھنا چاہتے ہیں اور بچیوں کی نانی اپنے پاس رکھنا چاہتی ہیں یہ دونوں لڑکیاں دوسری بیوی سے ہیں اور پہلی بیوی کی دو لڑکیاں کتخدا ہیں۔ پہلی بیوی سرست صاحب کی زندگی میں فوت ہوئی اور دوسری کا سرست صاحب کے بعد انتقال ہو چکا ہے۔ ؟

(جواب ٤٨٩) اول دونوں بیویوں کے مہر (بصورت عدم ثبوت ادائیگی یا معافی) اور کوئی قرض اگر مرحوم کے ذمہ ہوں ادا کئے جائیں [3] اس کے بعد باقی ترکہ کو اس طرح تقسیم کیا جائے کہ بارہ حصے کر کے

---

(۱) وبنو الاعیان والعلات کلهم یعصبون بالابن و ابن الابن وان سفل الخ (سراجی' باب العصبات' فصل فی النساء ص ۱۰ ط سعید)

(۲) والثلثان لکل اثنین فصاعدة ممن فرضه النصف' وهو خمسة البنت و بنت الابن والاخت لابوین (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/۷۷۳ ط سعید) وفی العصبات و یقدم الاقرب فالاقرب (الی قوله) ثم جزء جده العم ثم ابنه (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶/۷۷۵ ط سعید)

(۳) ثم تقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العباد (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۰ ط سعید)

دو دو حصے چاروں لڑکیوں کو اور دو دو حصے بھائی کو اور ایک ایک حصہ ہر بہن کو دیا جائے [1] اور نابالغ لڑکیوں کی پرورش کا حق ان کی نانی کو ہے [2] اور نکاح کی ولایت چچا کو ہے [3] اور نابالغوں کے حصے کی نگرانی کا حق نہ نانی کو ہے نہ چچا کو بلکہ حاکم یا خاندان کے لوگ جس کو امین سمجھیں اسے نگرانی سپرد کریں۔ [4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

استدراک جواب مرقومہ بالا

(الجمعیۃ مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۴ء)

اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۳۴ء نمبر ۱۳ جلد ۲۰ کے صفحہ ۴ کالم ۳ و ۴ کے عنوان "حوادث و احکام" میں فرائض کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے جس میں میت کی چار لڑکیاں ایک بھائی اور دو بہنوں کا حصہ تقسیم کیا گیا ہے اس میں یہ فرو گذاشت ہو گئی ہے کہ متوفی سرست صاحب مرحوم کی دو بیویاں جنکا سوال میں ذکر ہے ان میں سے ایک بیوی سرست صاحب مرحوم کے انتقال کے وقت زندہ تھی تقسیم میں اس کا حصہ بھی لگنا چاہئے تھا۔ جو غلطی سے نہیں لگایا گیا مسئلے کی صحیح صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۲۴ / ۹۶

زوجہ	چار دختران	ایک برادر	دو ہمشیرگان
۳ / ۱۲	۱۶ / ۶۴	۱۰	۱۰

اس کے بعد جب زوجہ کا انتقال ہوا تو اگر دو بیٹیوں کے علاوہ اس کا کوئی اور وارث بھی ہو تو اس کا حصہ $\frac{۱۲}{۹۶}$ = ۱ / ۸ اس کے سب وارثوں پر تقسیم ہوگا اور اگر لڑکیوں کے سوا اور کوئی وارث نہ ہو تو اس کا حصہ اس کی دونوں لڑکیوں کو بحصہ مساوی ملے گا اس غلطی کے شائع ہونے کا مجھے افسوس ہے اور مستفتی سے گزارش ہے کہ وہ تقسیم میراث اس صحیح شدہ جواب کے موافق کر لیں نیز بنگلور اور برما سے جن مخلص دوستوں نے اس غلطی پر متنبہ کیا ہے خاکسار ان کا شکر گزار ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عاق کئے ہوئے لڑکے کے ترکہ میں باپ بیوی اور لڑکیوں کا حصہ

(الجمعیۃ مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) زید متوفی کو اس کے باپ نے زندگی میں چند وجوہ عاق کیا ہوا تھا اگرچہ تحریر میں نہ تھا زید کی وفات کے چند روز بعد اس کا باپ بھی فوت ہو گیا زید کی ایک بیوی اور تین نابالغ لڑکیاں ہیں دو سوتیلے بھائی اور ایک

---

(۱) (بحوالہ سابق نمبر ۲ صفحہ گزشتہ)

(۲) فام الام اولی من کل واحدۃ (عالمگیریۃ ۱/ ۵٤۱ ط مصری)

(۳) فی العالمگیریۃ فی بیان ترتیب الاولیاء ثم العم لاب وام الخ (عالمگیریۃ ۱/ ٤۵۱ ط مصری)

(٤) والولایۃ فی مال الصغیر الی الاب (الی قولہ) ثم الی القاضی ثم الی من نصبہ القاضی الخ (الدرالمختار ۵/ ۵۲۹ ط سعید)

سوتیلی ماں ہے۔ زید کے والد کے ذمہ بوقت وفات کچھ قرضہ نکلا جو کہ اس (یعنی زید کے والد) کی خود پیدا کردہ جائیداد سے بآسانی ادا ہو سکتا ہے زید نے اپنی پیدا کردہ جائیداد بصورت نقدی زیور اور مکان ترکہ چھوڑی ہے۔ زید کی بیوہ اس کے حق میں رہ کر گزار دینا چاہتی ہے اور نکاح ثانی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی اس بیوہ کے پاس گھر میں کوئی مرد نہیں ہے اور وہ اپنی نقدی اور زیور وغیرہ کسی کے پاس امانت رکھنا چاہتی ہے۔

(۱) کیا بیوہ مذکور متوفی کے حق نکاح میں رہتے ہوئے اس ترکہ کی واحد مالک متصور ہو گی ؟ جب کہ لڑکیوں کی پرورش تا سن بلوغ بھی اس کے ذمہ ہے۔ (۲) کیا بیوہ مذکورہ شرعاً اس امر کی مجاز ہے کہ جس شخص کے پاس جو چیز وہ مناسب سمجھے امانت رکھے ؟ (۳) کیا متوفی کے لواحقین مرد اسے مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ کل ترکہ کی تفصیل ان کو دے اور ان کی مرضی کے بغیر کسی کے پاس امانت نہ رکھے یا صرف انہیں کے پاس رکھے۔ (۴) بیوہ مذکورہ کو یہ شک ہے کہ متوفی کے لواحقین ترکہ نقدی میں سے لیکر متوفی کے والد کا قرضہ ادا کرنا چاہتے ہیں اس حالت میں کیا وہ اپنی نقدی کو پردہ اخفا میں رکھ سکتی ہے ؟ (۵) کیا متوفی کے لواحقین اس بات کے مجاز ہیں کہ وہ کچھ حصہ امانت جو ان کے پاس رکھا گیا ہے اس میں سے اپنے اختیار سے متوفی کے والد کا قرضہ ادا کرنے کے لئے خرچ کریں ؟

(جواب ۴۹۰) سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زید کا انتقال اپنے باپ کی حیات میں ہو گیا تھا اور اس کے وارث اس کی زوجہ اور تین لڑکیاں اور باپ اور بھائی تھے تو زید کے ترکہ میں سے بعد ادائے حقوق متقدمہ وارثوں کو ان کا حق ملے گا۔ زید کی زوجہ کا دین مہر پہلے بسلسلہ حقوق متقدمہ ادا کیا جائے اور بعد ادائیگی حقوق جو بچے اس میں سے زوجہ کو ۱/۸ حق میراث دیا جائے اور ۲/۳ تینوں لڑکیوں کو دیا جائے اور باقی ۵/۲۴ باپ کا حق ہے وہ باپ کو دیا جائے۔[1] زید کی زوجہ دوسرے نکاح کا ارادہ کرے یا نہ کرے اس کو اپنے مہر اور حصہ میراث سے زیادہ نہیں ملے گا اور نہ اس کو خاوند کے ترکہ میں سے کچھ چھپانے کا حق ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

بیوی بیٹا اور بیٹیوں میں تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) شیر علی خاں و اکبر علی خاں دونوں حقیقی بھائی تھے اور اجمال خاندان تھے اور جائیداد منقولہ و غیر منقولہ حاصل کردگی دونوں بھائی کی ہے بعد وفات ہر دو برادران کے دونوں بھائی کی اولادوں نے باخود

---

(۱) ثم تقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العباد ثم یقسم بین ورثته' وفی التنویر : فیفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن و فیه ایضا والثلثان لکل اثنین فصاعدا ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت وایضا فیه . وللاب السدس مع ولد او ولد ابن والتعصیب المطلق والفرض والتعصیب مع البنت او بنت الابن (الدرالمختار' کتاب الفرائض ٦ ۷٦۰' ۷۷۰ ط سعید)

(۲) ورنہ غاصب الناس ہو گا۔

تصفیہ کر کے نصفا نصف جائیداد پر نام اپنا اپنا درج کرا لیا اور اپنے اپنے حصے پر قابض و دخیل ہو گئے شیر علی خاں کی دو بیویاں تھیں۔ محل اولیٰ سے دو لڑکے اور تین لڑکی اور محل ثانی سے فقط دو لڑکی محل اولیٰ کا بڑا لڑکا بزمانہ فوت ہوا شیر علی کی حیات میں اور محل ثانی بعد وفات شیر علی خاں کے فوت کر گئیں کرسی نامہ یہ ہے۔

مہر علی خاں

شیر علی خاں — عبدالرحیم خاں، محمد ابراہیم خاں، بی بی حلیم النساء، بی بی ام النساء، بی بی لیاقتی، بی بی عزیزن، بی بی شہیدن

اکبر علی خاں — عبدالحق خاں، عبدالحفیظ خاں

(جواب ۴۹۱) جب کہ شیر علی خاں کے سامنے ان کا بڑا لڑکا فوت ہو گیا تو شیر علی خاں کا ترکہ اس طرح تقسیم ہو گا۔

مسئلہ ۸	زوجہ ثانیہ	ابن	دختران
	۱	۲	۵

یعنی ترکہ کے آٹھ سہام کر کے ایک سہام زوجہ ثانی کو اور دو سہام لڑکے کو اور پانچ سہام پانچوں لڑکیوں کو ملیں گے۔[1] اور جب ثانیہ کا انتقال ہوا تو اس کے حصے میں سے زوجہ اولیٰ کی اولاد کو کچھ نہ ملے گا[2] اس کی دونوں لڑکیاں اور اگر کوئی اور وارث ہو تو وہی حق دار ہوں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(الجمعیۃ مورخہ ۵ مئی ۱۹۳۶ء)

(سوال) مسماۃ زینب لاولد فوت ہو گئی ہے اس کے رشتہ داران میں حسب ذیل موجود ہیں نمبر ۱ خاوند متوفیہ' خالد ماموں حقیقی، سعید پھوپھی زاد بھائی' سعیدہ پھوپھی زاد بہن' ترکہ جو کہ مسماۃ زینب چھوڑ گئی ہے دراصل جائیداد مسماۃ ہندہ پھوپھی زینب مرحومہ و خالہ مسمیان سعید و سعیدہ کا ہے۔ چونکہ ہندہ کو فوت ہوئے بارہ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اس لئے بموجب قانون انگریزی مسماۃ زینب مرحومہ قابض مخالف کی حیثیت سے مالک تصور کی جاوے گی۔

(جواب ۴۹۲) اگر یہ ترکہ مسماۃ زینب کی جائز ملکیت نہیں ہے بلکہ صرف قبضہ مخالفانہ کی حیثیت سے وہ مالک سمجھی جاتی ہے اور اصل جائیداد اس کی پھوپھی کی تھی اور اس کی پھوپھی کے وارثوں میں زینب بھتیجی اور سعید و سعیدہ بھانجا اور بھانجی تھے تو اس جائیداد میں زینب کا حصہ ۳/۲ تھا اور سعید و سعیدہ کا حصہ ۳/۱ تھا اب زینب کے انتقال کے بعد اس کا ۳/۲ حصہ اس طرح تقسیم ہو گا کہ اس میں سے نصف اس کے خاوند کو ملے گا اور نصف اس کے ماموں کو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) فیفرض للزوجۃ فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن وایضا فیہ: قال والثلثان لکل اثنین فصاعدۃ ممن فرضہ النصف وھو خمسۃ البنت الخ (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۹ ط سعید)

(۲) کیونکہ تینوں قسموں (یعنی ذوی الفروض' عصبات اور ذوی الارحام) میں سے نہیں ہے۔

استدراک جواب مذکورہ

(الجمعیۃ مورخہ یکم جون ۱۹۳۶ء)

الجمعیۃ مورخہ ۵ مئی ۱۹۳۶ء میں میراث کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے اس میں زینب کا ۳ / ۲ حصہ لکھا گیا تھا مولانا نور الحق صاحب خطیب مسجد ناگو نے توجہ دلائی کہ یہ حصہ غلط ہے ان کے شکریہ کے ساتھ تصحیح کی جاتی ہے صحیح جواب مندرجہ ذیل ہے :

جب کہ ہندہ نے اپنے وارثوں میں صرف زینب بھتیجی اور سعید و سعیدہ بھانجا اور بھانجی چھوڑے تھے تو اس کے ترکہ میں سے زینب کو نصف ملے گا اور نصف میں سعید و سعیدہ دوہرے اور اکہرے حصے کے مستحق ہوں گے۔[1] زینب کے انتقال کے بعد اس کا ۲ / ۱ حصہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ اس میں سے نصف اس کے شوہر کو اور نصف اس کے ماموں کو ملے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

تقسیم ترکہ مناسخہ کی صورت

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مارچ ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید کی بی بی کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت اس بی بی سے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں تھیں اس کے بعد زید نے نکاح ثانی کیا اس بی بی سے بھی ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوئیں اس کے بعد زید کا انتقال ہوا زید کے انتقال کے وقت ایک بی بی دو لڑکے چار لڑکیاں۔ تھیں وزاں پس دوسری بی بی کی۔ ایک لڑکی اور اس کے بعد زید کی دوسری بی بی بھی انتقال کر گئی اب دوسری بی بی کی اولاد سے صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی باقی ہے از روئے شرع دوسری بی بی کی گزری ہوئی لڑکی اور موجودہ دونوں بقیہ اولاد کو ماں اور باپ کی متروکہ ملک سے کتنا کتنا حصہ پہنچتا ہے ؟

(جواب ۴۹۳) مسئلہ ۸ / ۶۴ / ۱۱۵۲

زوجہ	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت	بنت
۱ / ۸ / ۱۴۴	۱۴ / ۲۵۲	۱۴ / ۲۵۲	۱۲۶ / ۷	۱۲۶ / ۷	۱۲۶ / ۷	۷

مسئلہ ۶ / ۱۸ بنت صفر ۷

والدہ	حقیقی بھائی	حقیقی بہن	سوتیلے بھائی بہن
۲۱ / ۳ / ۱	۷۰ / ۱۰	۳۵ / ۵	محروم

---

(۱) قال تعالیٰ : و لکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والا قربون والذین عقدت ایمانکم فاتو ھم نصیبھم ان اللہ کان علی کل شئ شھیدا (النسا:۳۳) وقال تعالیٰ : وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم (الاحزاب:۳۶) و فی السراجیۃ: وان استووفی القرب و لیس فیھم ولد عصبۃ او کان کلھم اولاد العصبات او کان بعضھم اولاد العصبات و بعضھم اولاد اصحاب الفرائض فابو یوسف یعتبر الاقوی و محمد یقسم المال علی الاخوۃ والاخوات مع اعتبار عدد الفروع والجہات فی الاصول فاصاب کل فریق یقسم بین فروعھم(سراجی فصل فی الصنف الثالث ص ۴۸ ط سعید)

مسئلہ ۳ زوجہ ثانیہ مت ۱۶۵

ابن	بنت
۲/۱۱۰	۱/۵۵

الاحیاء المبلغ ۱۱۵۲ مجموعہا ۶۴

پسر زوجہ اولیٰ	دختر زوجہ اولیٰ	دختر زوجہ اولیٰ	پسر زوجہ ثانیہ	دختر زوجہ ثانیہ
۱۴	۷	۷	۲۴	۱۲

حقوق متقدمہ علی الارث ادا کر کے زید متوفی کا ترکہ چونسٹھ سہام پر تقسیم ہو کر اس میں سے چودہ سہام پسر زوجہ اولیٰ کو اور سات سات سہام دختران زوجہ اولیٰ کو اور چوبیس سہام پسر زوجہ ثانیہ کو اور بارہ سہام دختر زوجہ ثانیہ کو ملیں گے۔ (۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

شوہر بہنوں اور دادی میں تقسیم

(سوال) علیم النساء نے انتقال کے وقت اپنے مندرجہ ذیل وارث چھوڑے شوہر 'دو بہنیں' دادی 'چچا' اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

(جواب ٤٩٤) مسئلہ ۸

شوہر	دادی	بہن	بہن	عم
۳	۱	۲	۲	محروم

ترکہ کے آٹھ سہام کر کے تین حصے شوہر کو ایک حصہ دادی کو اور دو دو حصے دونوں بہنوں کو ملیں گے۔ (۲) چچا کا کوئی حق نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیٹی اور بیٹے کو ملنے والی جائیداد کے تین حصے ہوں گے

(سوال) حفیظ اللہ خاں کا انتقال ہوا مرحوم نے اپنی زوجہ مسماۃ مریم بی بی و ایک پسر بنام محمد عبدالرؤف خاں و ایک دختر مسماۃ بتول بی بی کو چھوڑا اس کے بعد مریم بی بی کا بھی انتقال ہو گیا اب موجودہ وارث صرف عبدالرؤف خان و بتول بی بی ہیں حفیظ اللہ خاں کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ **المستفتی** مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور ضلع فیض آباد

---

(۱) واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریۃ' کتاب الفرائض ٦ / ٤٤٨ ط ماجدیہ)

(۲) والنصف له عند عدمهما وابيضا: والسدس للجدة مطلقاً كام ام وام اب الخ وايضا فيه والثلثان لكل اثنين فصاعدا ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت وبنت الابن والاخت لابوين (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦ / ٧٧٠ ط سعيد)

(جواب ۴۹۵) مسئلہ ۳

زوجہ	ابن	بنت
کان لم تکن	عبدالرؤف خاں	بتول بی بی
	۲	۱

حفیظ اللہ خاں مرحوم کا کل ترکہ تین سہام پر تقسیم کر کے دو سہام عبدالرؤف خاں کو اور ایک سہام بتول بی بی کو دیا جائے گا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیٹے کے ہوتے ہوئے بھائی محروم ہوگا

(سوال) ہندہ کا انتقال ہوا اس نے اپنا شوہر اور ایک لڑکا اور دو حقیقی بھائی اور تین حقیقی بہنیں وارث چھوڑے اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور۔

(جواب ۴۹۶) مسئلہ ۱۲

شوہر	اب	ام	ابن	بھائی بہن
۳	۲	۲	۵	محروم

ہندہ مرحومہ کا ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث بارہ سہام پر منقسم ہوگا تین سہام شوہر کو اور دو دو سہام باپ اور ماں کو اور پانچ سہام لڑکے کو ملیں گے بھائی بہن محروم ہیں۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

صرف شوہر اور بھائی وارث ہوں تو میراث نصف نصف تقسیم ہوگی

(سوال) ایک عورت کا انتقال ہوا اس کا وارث اس کا شوہر اور ایک حقیقی بھائی موجود ہے اس کا ترکہ اور مہر کس طرح تقسیم ہوگا؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور

(جواب ۴۹۷) نصف ترکہ شوہر کو اور نصف بھائی کو ملے گا مہر بھی ترکہ میں شامل ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ

بہن کے معاف کردہ حصہ اس کا شوہر دوبارہ طلب نہیں کر سکتا

(سوال) ہمارے والد مرحوم کا انتقال ہو گیا تو مرحوم کی کل جائیداد کو جناب والدہ صاحبہ نے بلا لحاظ شرع رواج عام کے مطابق ہمارے نام کرادیا اور جب تک زندہ رہیں اپنے قبضے میں رکھا اور سرکاری مالگذاری ادا

---

(۱) (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۱ صفحہ گزشتہ)

(۲) واضح ہو کہ سوال میں ماں اور باپ کی وضاحت نہیں کی گئی ہے لہذا اگر فی الحقیقت بھی ماں اور باپ نہ ہوں تو صورت مسئولہ میں کل ترکہ میں سے چوتھائی خاوند کو اور باقی لڑکے کو مل جائے گا فی التنویر : والربع له عند احد هما وایضاً و یقدم الاقرب فالا قرب کالا بن ثم ابنه (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۰ ط سعید)

(۳) والنصف له عدمهما و فیه ایضاً : و یقدم الاقرب فالا قرب (الیٰ قوله) ثم جزء ابیه الاخ لابوین (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۳ ط سعید)

کرنے کے بعد جو کچھ نفع بچتار ہا اپنے صرف میں لاتی رہیں اور ہم اپنی کمائی سے بھی جناب والدہ صاحبہ مرحومہ کی مزید خدمت کرتے رہے اور جائیداد کی حفاظت میں جو موقعہ خرچ کا ہوتا خرچ کرتے رہے اور ہمشیرہ عزیزہ کو مفتی صاحب سے دریافت کر کے بعوض منافعہ ان کے حصے کے اپنی کمائی سے دس روپے سال دیتے رہے اگرچہ وہ لینے سے ہمیشہ انکار کرتی رہی اور یہ کہتی رہیں کہ ہم نے خوشی سے تمہیں معاف کیا مگر ہم مجبور کر کے دیتے رہے جناب والدہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا تو ہم نے بہن سے کہا کہ اب والدہ صاحبہ کا انتقال ہو چکا ہے اور ہم پر کسی کا دباؤ نہیں ہے ہم چاہتے ہیں کہ جائیداد میں جو تمہارا ایک تہائی حصہ ہے وہ تمہارے نام کرادیں انہوں نے کہا کہ میں نے بخوشی معاف کیا میں نے ہر چند چاہا کہ وہ کسی طرح آمادہ ہو جائیں مگر وہ یہی کہتی رہیں کہ میں جائیداد کس کے لئے لوں (واضح ہو کہ وہ لاولد تھیں) میں بخوشی معاف کرتی ہوں اب ہمشیرہ موصوفہ کا بھی انتقال ہو گیا اس کے شوہر صاحب مجھ سے اپنا حق طلب کرتے ہیں۔ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں' جگن پور۔

(جواب ۴۹۸) جب بہن نے اپنے حصے کو آپ کے حق میں معاف کر دیا تو اب ان کے کسی وارث کو اس کے مطالبے کا حق نہیں رہا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(سوال) کلثوم کا انتقال ہوا اس نے شوہر' باپ' ماں' ایک بھائی اور ایک بہن وارث چھوڑے اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہو گا؟

(جواب ۴۹۹) مسئلہ ٦

زوج	ام	اب	اخ	اخت
۳	۱	۲	محروم	محروم

متوفیہ کا ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث چھ سہام پر تقسیم ہو گا ان میں سے تین سہام زوج کو اور ایک سہام والدہ کو اور دو سہام باپ کو ملیں گے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تقسیم ترکہ کی ایک صورت؟

(سوال) زید متوفی نے دو بیویاں چھوڑیں ایک بیوی کے چار لڑکے بعدہ ایک لڑکا فوت ہو گیا اور دوسری بیوی سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اب زید کے تین لڑکے اور ایک لڑکی اور دو بیویاں موجود ہیں ترکہ کی تقسیم کس طرح ہو گی؟

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۳ صفحہ گزشتہ)

(جواب ۵۰۰) مسئلہ ۸ / ۱۴۴ / ۱۲۹۶ زید

زوجہ	زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
۹/۸۱	۹/۸۱	۲۸/۲۵۲	۲۸/۲۵۲	۲۸/۲۵۲	۲۸	۱۲۶ ۱۴

مسئلہ ۶ ۱۸ • ابن مف ۲۸

والدہ	اخ	اخ	اخ	اخت علاتیہ
۱/۳/۴۲	۵/۷۰	۵/۷۰	۵/۷۰	محروم

حقوق متقدمہ علی الارث ادا کر کے باقی ترکے بارہ سوچھیانوے سہام کئے جائیں ان میں سے اس زوجہ کو جس کی ایک لڑکی ہے اکیاسی سہام اور دوسری زوجہ کو جس کا ایک لڑکا فوت ہو گیا ہے ایک سو تئیس سہام اور لڑکوں میں سے ہر ایک کو تین سو بائیس سہام اور لڑکی کو ایک سو چھبیس سہام دیئے جائیں۔ فقط

محمد کفایت اللہ غفر لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(سوال) ہندہ کا انتقال ہوا جو لاولد تھی اس کے مندرجہ ذیل وارث موجود ہیں شوہر 'والدہ' دو بھائی 'ایک بہن 'ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ المستفتی شمس النساء بیگم معرفت حاجی محمد داؤد (دہلی)

(جواب ۵۰۱) مسئلہ ۶ ۳۰

شوہر	والدہ	اخ	اخ	اخت
۳ ۱۵	۱ ۵	۴	۴	۲

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث متوفیہ کا ترکہ تیس سہام پر تقسیم ہوگا ان میں سے پندرہ سہام شوہر کو اور پانچ سہام والدہ کو 'چار چار سہام دونوں بھائیوں کو اور دو سہام بہن کو ملیں گے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(سوال) ہندہ بحالت زچگی فوت ہوگئی اس کا مہر دیگر سامان جہیز زیورات پارچہ جات کے ساتھ ترکہ میں شامل کیا جائے گا یا نہیں؟ مندرجہ ذیل وارث موجود ہیں شوہر 'لڑکا' بعمر $1\frac{1}{2}$ (ڈیڑھ) سال لڑکی بعمر ۱۲ یوم 'والدین ہندہ نیز مرحومہ ہندہ کے بھائی بہنیں اور خالائیں بھی ہیں بچوں کی پرورش خدمت کس کے ذمہ ہے اور کفالت کس کے ذمہ؟ بچوں کے حصے کا ولی کون قرار دیا جائے گا؟ دیگر اخراجات بیماری 'تجہیز و تکفین' قل چالیسواں وغیرہ کے مصارف کس کے ذمہ ہیں؟

(۱) والنصف له عند عدمهما وايضا قال : وللام السدس مع احدهما او مع اثنين من الاخوة او من الاخوات (الدرالمختار' كتاب الفرائض ۶ / ۷۷۰' ۷۷۲ ط سعيد)

(جواب ۲ ۵۰) مسئلہ ۱۲ ۳۶

شوہر	اب	ام	ابن	بنت
۳ ۹	۲ ۶	۲/ ۶	۱۰	۵

مرحومہ کا ترکہ جس میں مہر بھی شامل ہے چھتیس سہام پر منقسم ہوگا اس میں سے نو سہام شوہر کو اور چھ چھ سہام والدین کو دس سہام لڑکے کو اور پانچ سہام لڑکی کو ملیں گے[1] بچوں کے حصے بچوں کے باپ کی تحویل میں رہیں گے لیکن اگر اندیشہ ہو کہ باپ ان کے حصے ضائع کر دے گا تو کسی معتمد امین کے سپرد کر دیئے جائیں۔[2] ترکہ میں سے صرف کفن دفن کے مصارف لئے جاسکتے ہیں[3] قل، چالیسواں وغیرہ کے مصارف اسی طرح رسوم فاتحہ وغیرہ کے مصارف نہیں لئے جاسکتے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی
الجواب صحیح محمد مظہر اللہ غفر لہ امام مسجد جامع فتح پوری دہلی۔ الجواب حق محمد شفیع عفی عنہ مدرسہ عبدالرب دہلی۔

تیسرا باب
متفرقات

خاوند کی میراث تقسیم سے پہلے نواسہ کو ہبہ کرنا

(سوال) ایک عورت نے اپنے چند خاوند جو یکے بعد دیگرے بغیر دوسرے ورثاء شرعی کو ترکہ دیئے کل ملکیت اپنے نواسہ کو رجسٹری ہبہ کر دی یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ ورثاء سے مراد اس کے خاوند کے وارث ان کو وہ خاوندوں کا ترکہ نہیں دیا اور پھر ان وارثوں کے بھی وارث ہیں یعنی جو وارث تھے وہ اب گزر چکے ہیں اب ورثاء نے ورثہ ہیں اب ترکہ کا سوال ہوا ہے تو وہ ملکیت مشترکہ اس عورت نے اپنے ایک نواسہ کو ہبہ کر دی ہے تو یہ ہبہ جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۵۰۸ مسٹر طاہر محمودی صاحب (قصبہ کنری) ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۷ء۔

---

(۱) وللربع للزوج مع احدهما وفيه ... وللاب السدس مع ولد او ولد ابن وايضا وللام السدس مع احدهما (درمختار ۶/ ۷۷۰ ط سعيد) وفي العالمگيرية واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للابن مثل حظ الانثيين (عالمگيرية ۶/ ۴۴۸ ط ماجديه)
(۲) ولو اوصى الى صبي و عبد غيره و كافر و فاسق بدل اى بدلهم القاضي بغير هم (في الشامية) اى مخوف منه على المال (الدر المختار ۵/ ۴۴۸ ط بيروت)
(۳) يبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بتجهيزه فيعم المكفن من غير تقتير ولا تبذير (الدر المختار كتاب الفرائض ۶/ ۷۵۹ ط سعيد)
(۴) اوصى بان يطين قبره او يضرب عليه قبة فهي باطلة كما في الخانية (الدر المختار ۶/ ۶۹۰ ط سعيد)

(جواب ۵۰۳) عورت کو صرف اپنے حصے کے ہبہ کرنے کا حق تھا لیکن اگر موہوب میں دوسروں کے غیر منقسم حصے بھی شامل ہیں تو یہ ہبہ مطلقاً ناجائز ہوا نہ عورت کے حصوں میں صحیح ہوا نہ تمام حصوں میں۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(سوال) ایک شخص کے پانچ لڑکے تھے ان میں سے بڑا لڑکا علیحدہ ہو گیا تھا ان کے مکان بنے نہیں تھے اور وہ ویسے ہی رہنے لگے تھے جس میں ایک رہتا تھا وہ ڈھیا نہیں اور سب کے گر گئے اور وہ پھر چنوائے گئے ان میں سے جس کا گرا نہیں ایک پیسہ نہیں دیا اور وہ چوتھائی بانٹنا چاہتا ہے کیونکہ اس میں سے ایک گزر گیا ہے اگر وہ چوتھائی بانٹنا چاہتا ہے تو وہ ان کی چنوائی میں جو لاگت لگی ہے وہ اس کو دینی واجب ہو گی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۲۰۵ ملا امام الدین تیوڑہ (مظفر نگر) ۹ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۲ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۰۴) ہاں اس کو مکانوں کی لاگت میں سے چوتھائی دینی ہو گی۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کیا زندگی میں علیحدہ حصہ وصول کرنے والا وفات کے بعد ترکہ میں سے حصہ لے سکتا ہے؟

(سوال) ایک شخص کے پانچ لڑکے تھے دو بالغ اور تین نابالغ اور جو سب میں بڑا تھا وہ علیحدہ ہو گیا تھا اس کا باپ اس کو منع کرتا تھا کیوں کہ اس کی ماں اندھی تھی۔ اور دوسرا جو بالغ تھا جب تک اس کی بیوی گھر نہیں آئی تھی جب اس نے اپنے باپ کا کہنا مانا تب اس نے تمام سامان میں سے اس کو چھٹا حصہ تقسیم کر کے دیدیا اور جو تین نابالغ تھے وہ جب تک بے ہوش تھے اور جو چار لڑکے تھے ان کے حصے کا مالک ان کا باپ ہے اگر ان کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو ان کا باپ ان کو لیکر دیتا ہے پھر ان میں سے جو چھوٹا لڑکا تھا وہ گزر گیا وہ تینوں اس وقت بالغ ہیں ان کے علیحدہ ہونے کے بعد ان کے باپ نے کچھ زمین بیع کرائی تھی اور اس میں کچھ روپیہ اس نے بھی دیا تھا جو بڑا لڑکا تھا اور علیحدہ ہو گیا تھا۔

بڑے لڑکے نے جو روپیہ زمین کی بیع میں دیا تھا کیا وہ اس روپیہ کا حقدار ہو گا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۲۰۶ ملا امام الدین صاحب تیوڑہ (مظفر نگر) ۹ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۲۳ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۰۵) باپ کی وفات کے بعد جو ترکہ باپ نے چھوڑا ہے اس میں چاروں لڑکوں کا حق برابر ہے وہ روپیہ جو بڑے لڑکے نے دیا تھا علیحدہ نہیں ملے گا۔ جس مکان میں وہ رہتا ہے وہ بھی ترکہ میں محسوب

---

(۱) لا تتم بالقبض فیما یقسم ولو وهبه لشریکه اولا جنبی لعدم تصور القبض الکامل (الی قوله) ولو سلمه شائعا لا یملکه فلا ینعقد تصرفه فیه (الدر المختار، کتاب الهبة ۵/ ۶۹۲ ط سعید)

(۲) وما حصله احدهما فله وما حصلاه معا فلهما فی تحت (قوله حصلاه معا) یوخذ من هذا ما افتی به فی الخیریة فی زوج وامراة وابنها اجتمعا فی دار واحدة واخذ کل منهما یکتسب علی حدة ویجمعان کسبهما (الی قوله) فاجاب بانه بینهما سویة (الدر المختار، فصل فی الشرکة الفاسدة ۴/ ۳۲۵ ط سعید)

ہو گا۔ [۱] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

نکاح کے ثبوت کے بغیر بیوی اور اس کی اولاد ترکہ کی مستحق نہیں

(سوال) (۱) زید نے چار شادیاں کیں دو بیبیاں اولد اس کی زندگی میں فوت ہو گئیں تیسری بیوی کے ایک لڑکا پیدا ہوا جو زندہ ہے اور چوتھی بیوی کے متعلق موضع کے معتبر گواہان کا بیان ہے کہ اس کا پہلا شوہر نکاح کے پہلے زندہ تھا اور اس نے طلاق بھی نہیں دی تھی اور نہ طلاق دینے کا کوئی ثبوت ہے پہلا شوہر کہیں باہر شہر میں چلا گیا تھا اب معلوم نہیں زندہ ہے یا نہیں ؟ اب ایسی صورت میں چوتھی عورت کا نکاح زید کے ساتھ جائز ہے یا ناجائز ؟(۲) زید کی چوتھی بیوی کے دو لڑکے پیدا ہوئے وہ عورت بھی زندہ ہے اور اس کے لڑکے بھی زندہ ہیں کیا زید جس کا اب انتقال ہو چکا ہے اس کے ترکہ میں چوتھی عورت اور دونوں لڑکوں کا کوئی حق ہے یا نہیں ؟

(۳) تیسری منکوحہ بیوی کا انتقال ہو چکا ہے لیکن زید سے اس بیوی کے ایک لڑکا ہے اور زندہ ہے اس کو باپ کے ترکہ سے شرعاً کیا ملنا چاہئے ؟ المستفتی نمبر ۲۲۷۴ حفاظت علی خاں صاحب کوٹ ضلع فتح پور ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ ۳۰ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۰۶) (۱) تیسری بیوی جس سے ایک لڑکا ہے اگر وہ زید کے انتقال کے بعد مری ہے تو اس بیوی کا حصہ زید کے ترکہ میں سے نکالا جائے گا اور اب اس کے لڑکے کو مل جائے گا اور اس کا لڑکا زید کے ترکہ میں سے اپنا حصہ پسری بھی لے گا اور اگر یہ تیسری بیوی زید سے پہلے مر چکی تھی تو صرف لڑکے کو اس کا اپنا حصہ ملے گا۔

رہی چوتھی بیوی اگر اس کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ وہ منکوحہ غیر تھی اور اس کے شوہر نے نہ طلاق دی تھی اور نہ کسی اور طریق سے اس کا نکاح فسخ ہوا تھا اور زید نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا تھا تو زید کا نکاح ناجائز قرار پائے گا اور اس کے بطن سے جو دو لڑکے ہیں.....وہ بھی زید کے ترکہ میں سے کوئی حصہ نہ لے سکیں گے۔ [۲] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

شرعی شہادت سے ثابت ہونے والی بیوی اور اس کی اولاد وراثت کی مستحق ہے

(سوال) خان بہادر ولی محمد صاحب مرحوم نے یکم دسمبر ۱۹۳۳ء کو اپنے انتقال کے وقت ایک بیوی ماسہ عرف مریم بی بی اس کے بطن سے ایک لڑکی عائشہ بی بی اور دو لڑکے محمد صدیق اور محمد شریف چھوڑے اس کے علاوہ پہلی بیوی جو کہ انکی حیات میں ہی انتقال فرما چکی تھیں اس کے بطن سے ایک لڑکا عبدالرحمن نیب

---

(۱) لان التركة في الاصطلاح ما تركه الميت من الاموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الاموال (ردالمحتار' كتاب الفرائض ٦/ ٧٥٩ ط سعيد)

(۲) الولد للفراش وللعاهر الحجر (ترمذي' باب ماجاء ان الولد للفراش ۱/ ۲۱۹ ط سعيد)

لڑکی فاطمہ بی بی کو چھوڑا جیسا کہ پہلے دارالافتا سورتی سنی جامع مسجد رنگون سے مورخہ ۱۵ فروری ۱۹۳۶ء
اور مورخہ ۳ مارچ ۱۹۳۸ء خان بہادر بابو ولی محمد مرحوم کی شرعی تقسیم جائیداد کے فتوے جاری ہو چکے ہیں کہ
کون کون وارث مرحوم نے چھوڑے ہیں اور کس کس کا کیا شرعی حصہ ہے؟

(۱) اس وقت خان بہادر ولی محمد صاحب مرحوم کا ایک چھوٹا لڑکا نامی محمد شریف نابالغ ہے ایک شخص
اس کا سرپرست کھڑا ہو کر عدالت میں دعویٰ داخل کرتا ہے کہ خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم کی جائیداد
کی تقسیم محمدی قانون کے مطابق ہونی چاہئیے اس کے علاوہ میں کسی دوسری تقسیم کا پابند نہیں ہوں اور نہ ہی
مجھے شرع محمدی کے علاوہ کوئی تقسیم منظور ہے۔ اس حالت میں شرعی حکم کیا ہے۔ کیا اس لڑکے کو شرعی
حصہ سے کم پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

(۲) خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم نے ماسو عرف مریم بی بی سے تقریباً ۲۶ سال گذر چکے ہیں
کہ ایک دیہات ہنیز داہ میں شادی کیا تھا جس کے بطن سے عائشہ بی بی عمر تیئیس سال محمد صدیق عمر اکیس سال
محمد شریف عمر اٹھارہ سال تولد ہوئے۔ جو کہ اس وقت خدا کے فضل سے بقید حیات ہیں۔ خان بہادر بابو ولی محمد
صاحب مرحوم۔ بابو شیر محمد صاحب مرحوم۔ خان بہادر بابو ابراہیم صاحب حاجی محمد حیات صاحب چار بھائی
تھے۔ بڑی لڑکی عائشہ بی بی کی شادی جو ماسو عرف مریم بی بی کے بطن سے ہے۔ حاجی محمد حیات صاحب کے
بڑے صاحبزادہ نامی بابو عبدالکریم صاحب کے ساتھ عرصہ آٹھ سال ہوا ہے کہ بمقام ہنیز داہ ہوئی تھی جس
میں خان بہادر بابو ابراہیم صاحب بابو شیر محمد صاحب مرحوم حاجی محمد حیات صاحب بابو عبدالعزیز صاحب ودیگر
تمام افراد خاندان شامل تھے اس وقت لڑکی عائشہ بی بی صاحب اقبال ہے اور اس کے بطن سے بابو عبدالکریم
صاحب کے چار بچے ہیں۔ خان بہادر بابو ولی محمد صاحب کے چھوٹے لڑکے نامی محمدل شریف نے اپنے باپ کی
تقسیم جائیداد کا مطالبہ شرعی کیا ہے۔ تو اس حالت میں پہلی بیوی کا لڑکا یا لڑکی جن کی عمر اپنی دوسری سوتیلی ماں
کی شادی کے وقت تقریباً آٹھ سال اور دوسرے کی پانچ تھی اس حالت میں وہ محض جائیداد کو ناجائز حاصل
کرنے کے لئے کیا اپنی سوتیلی ماں کو غیر منکوحہ عورت کہہ سکتے ہیں اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے جبکہ خود
خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم نے باضابطہ عدالت میں اپنے انتقال نامہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ماسو
عرف مریم بی بی میری دوسری شادہ شدہ بیوی ہے اور اس کے بطن سے فلاں فلاں میرے بچے ہیں اس حالت
میں کیا کسی خود غرض شخص کو مجاز ہے کہ وہ ماسو عرف مریم بی بی کو غیر منکوحہ عورت کہہ سکے اور پھر اس
عورت اور بچوں کو ڈرانے دھمکانے سے کہ وہ اپنا شرعی حصہ کا مطالبہ چھوڑ دیں اس کے لئے یہ حربہ بھی
استعمال کیا جاتا ہے کہ وہ آج سے چھبیس سال پہلے کی شہادتیں اور نکاح نامہ پیش کریں اس حالت میں کہ اگر وہ
کم حصہ لینے پر رضامند ہو جائیں تو پہلے لڑکے کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر ماسو عرف مریم بی بی اور اس کے بچے
عائشہ بی بی، محمد صدیق، محمد شریف شرعی حصہ طلب نہ کریں تو اس حالت میں وہ ان کی سوتیلی ماں سوتیلے
بھائی اور سوتیلی بہن ہو سکتے ہیں اگر پہلی بیوی کا لڑکا اپنی ہوشیاری اور چالاکی سے اپنی سوتیلی ماں کو کسی دام میں
پھنسا کر ایسا کرنے کی کوشش کرے تو کیا اس حالت میں ان بچوں کو جو ماسو عرف مریم بی بی کے بطن سے ہیں

اپنے والد مرحوم خان بہادر بابو ولی محمد صاحب کی جائیداد کے شرعی حقوق سے محروم کیا جاسکتا ہے اور کیا کم تقسیم پر ڈرا دھمکا کر ان کو راضی کرنا جائز ہے۔

(۳) خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم کا چھوٹا بھائی خان بہادر بابو ابراہیم جو کہ اس وقت حیات ہے باضابطہ عدالت میں حلف نامہ اٹھاتا ہے کہ ماسو عرف مریم بی بی میرے بھائی کی منکوحہ ہے اور عائشہ بی بی محمد صدیق' محمد شریف اس کے بچے ہیں اور یہ اپنے والد مرحوم کی جائیداد کے پورے حق دار ہیں اس طرح خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم کا داماد بابو عبدالکریم خاوند عائشہ بی بی جو کہ محمد حیات صاحب کا بڑا صاحبزادہ ہے وہ بھی خان بہادر بابو ابراہیم صاحب کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میری ساس خان بہادر بابو ولی محمد صاحب کی منکوحہ عورت ہے تب بھی تو میرے والد حاجی محمد حیات صاحب اور دونوں چچا بابو شیر محمد صاحب مرحوم اور خان بہادر بابو ابراہیم صاحب نے میرا نکاح خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم کی صاحبزادی عائشہ بی بی کے ساتھ کردیا تمام خاندان جو کہ برما میں ہے و دیگر تمام مسلمان جن سے اپنے تعلقات تھے میری شادی میں شریک تھے دنیا جانتی ہے یا جو لوگ اس خاندان کو جانتے ہیں کہ ماسو عرف مریم بی بی خان بہادر اور بابو ولی محمد صاحب کی دوسری عورت ہے اور عائشہ بی بی' محمد صدیق' محمد شریف اس کے بچے ہیں۔ اس حالت میں محمدی قانون اور شرعی حکم کیا ہے ؟

سوال نمبر ۱ و ۲ و ۳ کے مطابق علمائے دین اور مذہب اسلام ماسو عرف مریم بی بی اور اس کے بچے عائشہ بی بی' محمد صدیق محمد شریف کے متعلق کیا حکم رکھتے ہیں جب کہ خود خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم کے ایک تو انتقال نامہ کے سلسلہ میں رجسٹرڈ تحریر بھی موجود ہو کہ ماسو میری دوسری شادی شدہ عورت ہے اور فلاں فلاں اس کے بطن سے میرے بچے ہیں ماسو عرف مریم بی بی خود کو کہتی ہو کہ میں خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم کی شادی شدہ عورت ہوں کیا اس پر کوئی خود غرض انسان اس عورت اور بچوں کو شرعی حقوق سے محروم کر سکتا ہے کہ جس کو اسلام نے بخشا ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۳۶۳ چودھری رمضان علی صاحب رنگون برما ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۰ جولائی ۱۹۳۸ء۔

(جواب ۵۰۷) ان حالات میں کہ ماسو عرف مریم بی بی چھبیس سال سے خان بہادر بابو ولی محمد مرحوم کے گھر میں بطور بیوی کے رہتی تھی اور تمام خاندان کے افراد اس کو منکوحہ بی بی جانتے اور سمجھتے تھے اور اس کے بطن سے تولد شدہ لڑکی خان بہادر کے بھتیجے کے ساتھ منسوب تھی اور خود خان بہادر مرحوم کا تحریری رجسٹری شدہ بیان موجود ہے کہ ماسو ان کی دوسری شادی شدہ بیوی ہے اور عائشہ بی بی بیٹی اور محمد صدیق و محمد شریف ان کے بیٹے ہیں اور یہ کہ خان بہادر مرحوم کا بھائی بابو ابراہیم حلفیہ بیان کرتا ہے کہ ماسو عرف مریم بابو ولی محمد مرحوم کی منکوحہ بی بی ہے اور یہ کہ عبدالرحمن خود اس صورت میں کہ ماسو اور اس کے بچے اپنے شرعی حصوں سے کم لینے پر راضی ہو جائیں ان کو سوتیلی والدہ اور سوتیلے بھائی تسلیم کرنے کو تیار ہے ماسو عرف مریم بی بی بابو ولی محمد صاحب مرحوم کی منکوحہ بی بی اور عائشہ بی بی اور محمد صدیق و محمد شریف ان کی اولاد مستحق میراث شرعی قرار پائے گی اور عبدالرحمن کا یہ مطالبہ کہ چھبیس سال پہلے کے نکاح کے ثبوت میں

نکاح نامہ اور گواہ پیش کرو لغو اور مہمل ہو گا اور ماسوا اور عائشہ بی بی اور محمد صدیق اور محمد شریف میں سے ہر ایک کو شرعی حصہ دیا جائے گا۔ البتہ اگر ان میں سے کوئی شخص اپنی رضامندی اور خوشی سے اپنے شرعی حصہ سے کم پر رضامندی ظاہر کردے تو اپنے حق میں سے ایسا کرنے کا اختیار ہے۔ لیکن اس کا یہ فعل دوسرے وارث کے حق کو کم کرنے میں اثر انداز نہ ہوگا۔

فاذا سمع الرجل من الناس انه فلان بن فلان اور ای رجلا یدخل علی امراة و سمع من الناس ان فلانة زوجة فلان (الی قوله) و سعه ان یشهد وان لم یعاین الولادة علی فراشه او عقد النکاح هکذا فی الذخیرة (فتاوی عالمگیری جلد ۳ ص ۵۳۰ مطبوعه مصر)[۱]
و کذا اذا رای رجلا و امراة لیسکنان بیتا و ینبسط کل واحد الی الاخر انبساط الازواج و سعه ان یشهد انها زوجته هکذا فی الهدایة (عالمگیری)[۲] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

کیا وصیت کئے ہوئے مال کو موصی لہ کے وارث لے سکتے ہیں؟

(سوال) ایک شخص نے یہ وصیت کی ہے کہ میرے ترکہ کے جس وقت حصے کئے جائیں تب اتنا حصہ ہندہ کو دیا جائے اور اس قدر حصے سے کچھ آمدنی کی جائے اس آمدنی میں سے ہندہ کو اتنی رقم دی جائے اب وارث لوگ مرحوم کے ترکہ کے حصے کرتے ہیں اور مرحوم کی وصیت بموجب قدر بھی نکالتے ہیں اس وقت ہندہ موجود نہیں ہے ہندہ کا انتقال ہو گیا تو ایسے وقت میں مرحوم ہندہ کے وارث میں اس کا خاوند اس رقم کا دعویٰ کر سکتا ہے یا نہیں وصیت کرنے والے کے وارث اس قدر رقم سے اس کے خاوند کو دینے سے انکار کرتے ہیں تو ایسے وقت میں ہندہ کی غیر موجودگی میں کیا کیا جائے؟ المستفتی نمبر ۲۳۸۳ غلام حسین ابراہیم صاحب (سورت) ۷ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۶ جولائی ۱۹۳۸ء۔

(جواب ۵۰۸) اگر وصیت کرنے والے نے ہندہ کو دینے کی وصیت کی ہے اور ہندہ کے وارثوں کو دینے کی وصیت نہیں کی تو ہندہ کے وارثوں اور اس کے خاوند کا حق نہیں ہے اور وہ مطالبہ نہیں کر سکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

سوتیلی ماں اور اس کی اولاد کو ڈرا دھمکا کر وراثت سے محروم کرنا

(سوال) خان بہادر بابو ولی محمد مرحوم نے یکم دسمبر ۱۹۳۳ء کو اپنے انتقال کے وقت ایک بیوی مسماۃ مریم بی بی اور اس کے بطن سے ایک بیٹی عائشہ بی بی اور دو بیٹے محمد صدیق و محمد شریف چھوڑے اور ان کے علاوہ پہلی بیوی سے جس کا مرحوم کی حیات میں انتقال ہو چکا ہے ایک بیٹا عبدالرحمن اور ایک دختر فاطمہ بی بی کو چھوڑا اس وقت مذکورہ ورثہ میں سے محمد شریف نابالغ ہے اس کے سرپرست نے عدالت میں دعویٰ داخل کیا ہے کہ مرحوم کی جائیداد شرعی طریقہ پر تقسیم ہو نا ضروری ہے اس کے علاوہ کوئی تقسیم منظور نہیں ہے اس وقت مرحوم کے ساتھ مریم بی بی مذکورہ کے نکاح کو پچیس سال کا زمانہ گزر گیا ہے عائشہ بی بی بیٹی کی عمر

(۱ - ۲) عالمگیریہ کتاب الشہادات ۳ / ۴۵۷ ط ماجدیہ کوئٹہ)

۱۸ سال سے اور یہ نشہ بی بی کا نکاح خان بہادر بابو ولی محمد مرحوم کے بھتیجے بابو عبدالکریم کے ساتھ ہوا ہے جس میں خان بہادر بابو ولی محمد ان کے بھائی حاجی محمد حیات بابو پیر محمد مرحوم خان بہادر اور ابراہیم موجود تھے مذکورہ نکاح ایک ساتھ رہنے سہنے سے اس کے علاوہ خود مرحوم کی باضابطہ کورٹ کی تحریر سے ثابت ہے پس ارشاد ہو کہ ایسی حالت میں آیا پہلی بیوی کے بیٹے یا بیٹی کو یہ جائز ہے کہ اپنی سوتیلی ماں اور اس کی اولاد کو ورا ثت کا حصہ دینے سے انکار اور ناجائز و باؤ ڈال کر اس بات کی کوشش کرے کہ وہ اپنے شرعی حصہ کا مطالبہ چھوڑ دے یا شرعی حصہ کم دینے کی غرض سے سوتیلی ماں کو مغالطہ یا دھوکہ میں ڈالنے کی کوشش کرے ؟ المستفتی نمبر ۲۴۸۸ چودھری رمضان علی صاحب (برما) ۶ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۷ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۵۰۹) پہلی بیوی کے بیٹے یا بیٹی کو یہ بات ہرگز جائز نہیں کہ وہ دوسری بیوی کے پہلو دوسری بیوی کو ترکہ سے محروم کرنے کی غرض سے کوئی ناجائز کوشش کریں یا اس مدت کے بعد اور ان تمام شہادتوں کے بعد ان سے نکاح کے گواہ طلب کریں ایسا کوئی عمل جو جائز وارثوں کو ان کے حقوق میراث سے محروم کرنے کے لئے ہو حرام اور سخت گناہ ہے دوسری بی بی اور اس کی اولاد کو ان کا پورا پورا حصہ میراث کا دینا چاہئے انکو محروم کرنے یا ان کا حصہ کم کرنے کی کوشش عمل میں نہ لانی چاہئے جو لوگ ایسا کریں گے وہ سب فاسق اور ظالم ہوں گے۔[1] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

کیا مسلمان کے قادیانی وارث کو ترکہ میں سے حصہ ملے گا؟

(سوال) بی بی زینب حنفی المذہب نے انتقال کیا اور جائیداد منقولہ و غیر منقولہ و مندرجہ ذیل ورثاء کو چھوڑا (تین لڑکی و ایک شوہر قادیانی المذہب) اور تین بھائی جن میں سے ایک قادیانی اور دو حنفی المذہب کو چھوڑا واضح رہے مسماۃ بی بی زینب کے شوہر نے درمیان میں تبدیل مذہب کر لیا مگر بحیثیت زن و شوہر کے تادم آخر باوجود اختلاف مذہب کے رہے بیان کیا جائے کہ ان ورثا میں کس کو کتنا حصہ ملے گا کس کو نہیں ملے گا؟ المستفتی نمبر ۲۵۳۵ عبدالرحمن عرف ناکو میاں (مونگیر) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ م ۷ اگست ۱۹۳۹ء۔

(جواب ۵۱۰) چونکہ قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں اس لئے ایک حنفی مسلمہ عورت کی میراث قادیانیوں کو نہیں ملے گی۔[2] پس اس زینب بی بی کی میراث اس کے قادیانی شوہر اور قادیانی بھائی کو نہیں ملے گی اس کی لڑکیوں کو ۳/۲ حصہ دیکر باقی ۳/۱ دونوں سنی المذہب بھائیوں کو دیا جائے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) وفي الحديث : من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة (رواه ابن ماجة كذافي المشكوة ۱/ ۲٦٦ ط سعيد)
(۲) لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم (متفق عليه كذافي المشكوة ۱/ ۲٦۳ ط سعيد)
(۳) والثلثان لكل اثنين فصاعدا ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت و بنت الابن وايضا فيه' ثم جزء ابيه الاخ لابوين (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦/ ۷۷۲' ۷۷۵ ط سعيد)

بیٹے کو عاق کر کے میراث سے محروم کرنا ناجائز ہے

(سوال) میں اپنے لڑکے مسمی عیدو عمر ش چہل و پنج کو اپنی فرزندیت سے عاق کرنا چاہتا ہوں مجھے کس طرح سے عاق کرنا چاہئے؟ المستفتی نمبر ۲۴۷۵ ملا شیخ داؤد میاں 'رائے پور' سی پی ۴ صفر ۱۳۵۹ھ م ۱۴ مارچ ۱۹۴۰ء۔

(جواب ۵۱۱) جو لڑکا والدین کا نافرمان ہوا انہیں ایذا پہنچائے وہ تو خود ہی عاق ہے یعنی نافرمان رہا یہ کہ عاق کر دینا یعنی اس کو میراث سے محروم کر دینا تو یہ کوئی شرعی بات نہیں ہے اور نہ شرعاً اس کی اجازت ہے اگرچہ عوام میں یہ بات مشہور ہے مگر بے اصل ہے۔ [1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنے کے لئے پیش کئے ہوئے بل کی ضمانت ناجائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۳۱ء)

(سوال) عنقریب شیخ عبدالغنی وکیل سرگودھا و ممبر لیجسلیٹو کونسل پنجاب کونسل مذکور میں بغرض منظوری ایک بل پیش کرنا چاہتے ہیں۔ جس کا نام کالرہ بل ہے اس کی دفعات مندرجہ ذیل پر غور فرما کر شرعی رائے تحریر فرمائی جائے۔ (۱) اس ایکٹ کا نام قانون ناقابل تقسیم جائیداد کالرہ ہوگا۔ (۲) یہ ایکٹ اس تاریخ سے نافذ ہوگا جو کہ لوکل گورنمنٹ تجویز کرے۔ (۳) جائیداد ناقابل تقسیم سے مراد وہ جائیداد ہے جو واحد مرد وارث کو پہنچے اور تقسیم نہ ہو سکے۔ (۴) قاعدہ وراثت 'موجودہ مالک و قابض جائیداد کالرہ کی وفات کے بعد اس جائیداد کی وراثت اگر اس کے وارثان اسفل ہوں تو جائز مرد وارثان کو پہنچے گی یعنی الف' اگر اکلوتا بیٹا ہو یا اسکا اکلوتا بیٹا ہو تو ایسا بیٹا یا ایسے بیٹے کا بیٹا جیسی کہ صورت ہو اور اسی طرح حتی کہ تمام وارثان ختم ہو جائیں۔ (ب) اگر ایک سے زیادہ لڑکے ہوں تو سب سے بڑا لڑکا یا وہ اگر فوت ہو چکا ہو تو اس کا بڑا لڑکا اگر کوئی ہو جیسی کہ صورت ہو اور اسی طرح حتی کہ بڑے لڑکے کے تمام وارثان ختم ہو جائیں۔ ج۔ اگر سب سے بڑے لڑکے کی اولاد نرینہ نہ ہو تو دوسرا لڑکا یا اگر دوسرا لڑکا مر چکا ہو تو اس کا بڑا لڑکا جیسی کہ صورت ہو اور اسی طرح پر حتی کہ دوسرے لڑکے کے تمام وارثان ختم ہو جائیں۔ (۵) قابض کے وارثان اسفل کے گزارہ کی ادائیگی نواب سر عمر حیات خاں کے مرد وارثان اسفل اور ان کی بیوگان اگر کوئی ہوں اور پچھلے قابض کی بیوہ یا بیوگان یا کسی سابق قابض

---

(۱) واضح ہو کہ عاق کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ اپنی زندگی اور صحت میں اپنا تمام مال و جائیداد اس وارث کے علاوہ دوسرے وارثوں یا غیر وارثوں میں تقسیم کر کے مالک بنا دے اور اس کے لئے کچھ نہ چھوڑے اس صورت میں اس کا یہ تصرف اس کی ملک میں نافذ ہے پھر اگر اس نے بلا وجہ وارث کو محروم کیا ہے تو سخت گنہگار ہوگا حدیث میں ہے من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة (رواه ابن ماجة ۲۶۶/۱ ط سعید) اور اگر وارث کی ایذاؤں اور تکالیف سے یا فسق و فجور سے عاجز ہو کر ایسا کیا ہے تو توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں۔
دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی حیات میں کسی کو مالک نہیں بنایا بلکہ بطور وصیت زبانی یا تحریری یہ طے کر دیا کہ فلاں شخص کو میری میراث نہ ملے تو یہ کہنا اور لکھنا فضول ہے شرعاً اس کا کوئی اثر نہیں بعد وفات حسب حصص شرعیہ تمام ورثا حصہ دار ہوں گے (والتفصیل فی امداد المفتین ۷۹۱/۲)

جائیداد کی بیوگان اس رقم گزارہ کی مستحق ہوں گی جو قابض جائیداد مقرر کرے گا۔ اگر ایسا شخص قابض جائیداد سے عناد رکھتا ہو تو بوجہ بد چلنی کے گزارہ کا مستحق نہ ہوگا اور قابض جائیداد کو اختیار ہوگا کہ رقم گزارہ روک لے یا مقرر کردہ رقم ضبط کرلے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسا بل جس میں حسب ضابطہ (۴) لڑکیوں کو وراثت سے محروم کیا گیا ہے اس کی تائید و حمایت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۵۱۲) یہ بل قطعاً شریعت اسلام کے خلاف ہے کسی مسلمان کے لئے اسکو تسلیم کرنا یا پیش کرنا یا تائید کرنا حرام ہے بلکہ تسلیم کی صورت میں کفر کا اندیشہ غالب ہے۔[1] کونسل کے مسلمان ممبروں کا فرض ہے کہ وہ محرک کو اس کے پیش کرنے سے روکیں اور وہ نہ مانے تو متفقہ طور پر اس کی مخالفت کریں۔[2]

محمد کفایت اللہ غفر لہ

---

(۱) قال تعالیٰ : فلا و ربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیماً (النساء ۶۵)

(۲) من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذالك اضعف الایمان

كتاب الوصية

پہلا باب
صحت وجواز وصیت

وصیت کی نفاذ کی صورت اور اس پر اجرت کا حکم

(سوال) زید نے جو کہ جائیداد کثیرہ از قسم مکانات و نقدی وغیرہ کا مالک تھا اپنے مرنے کے قریب اس طرح وصیت نامہ لکھا کہ میرے مرنے کے بعد مسمی خالد میرا بیٹا میری جائیداد کا اس طرح انتظام کرے کہ میت سے ورثہ وغیرہ کی جانب جائیداد منتقل کرانے میں ازروئے قانون سرکاری طور پر جو کچھ صرفہ ہو وہ میرے کل ترکہ سے لیا جائے اس کے بعد مکانات و نقدی وغیرہ کل مجموعہ کا دسواں حصہ بطور حق المحنت خالد خود لے لے بعد ازاں بقیہ مجموعہ کے تین حصے کئے جائیں منجملہ ان کے دو حصے بیٹا بیٹی بیوی ورثہ کا حق ہے اور بقیہ تہائی کا اس طرح انتظام کیا جائے کہ نقد روپے سے فلاں مکان خریدا جائے اور متروکہ نیز خرید کردہ مکان سے جو کچھ آمدنی ہو اس سے ان بقیہ تہائی کے مکانات کی مرمت وغیرہ میں خرچ کیا جائے اور اصلاح و درستی مکانات سے جو کچھ بچے وہ میرے کنبے کے غربا فقرا اور دیگر امور خیر میں صرف ہو اور نیز اگر مناسب سمجھیں دیگر مکانات جدیدہ اس آمدنی سے خرید لیں جن کی آمدنی بھی نیک کاموں میں صرف ہو اور اس بقیہ تہائی کا منتظم و متولی میت نے اپنے بیٹے خالد اور اپنی بیوی دو شخصوں کو مقرر کیا ہے۔ پس اب سوال یہ ہے کہ اس طرح کی وصیت کا نفاذ شرعاً کس طرح ہوگا؟ اور متولی انتقال و تقسیم جائیداد شرعاً دسواں حصہ مقررہ پا سکتا ہے یا کم و بیش یا کیا؟ اور مذکورہ تہائی کی وصیت شرعاً وقف قرار دی جائے گی یا کیا؟ یہ لحاظ رہے کہ وصیت نامہ میں میت کی جانب سے لفظ وقف کی صراحت کہیں نہیں ہے اور اگر متولی انتقال و تقسیم جائیداد علاوہ بیٹے کے کوئی اجنبی شخص ہوتا تو ازروئے وصیت دسواں حصہ شرعاً بھی اس کو دینا چاہئے تھا یا کیا؟۔

(جواب ۵۱۳) یہ وصیت اس طرح نافذ ہوگی کہ اول ثلث مال علیحدہ کر لیا جائے اس کے بعد دو ثلث میں ورثہ کے حقوق شرعیہ کی تقسیم جاری کی جائے اور مصارف تقسیم ورثہ سے لئے جائیں میت کے بیٹے خالد کو دسواں حصہ نہیں ملے گا کیونکہ اس کو یہ دسواں حصہ دینے کی دو صورتیں ہیں۔ یا یہ کہ قطع نظر محنت انجام دہی کار تقسیم سے دسویں حصے کی وصیت اس کے لئے قرار دی جائے اور یہ صورت اس لئے ناجائز ہے کہ وہ وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت ناجائز ہے ہاں اگر دیگر ورثا رضامندی سے اسے دسواں حصہ دیدیں تو جائز ہے۔ ولا تجوز الوصیة للوارث عندنا الا ان یجیز ها الورثة[1] (عالمگیری) اور دوسری

---

(۱) (عالمگیریة، کتاب الوصایا ۶/ ۹۰ ط ماجدیہ)

صورت یہ ہے کہ اس کو اس کی محنت کی اجرت سمجھا جائے یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ میت کو یہ حق نہیں کہ وارثوں کے مال مشترک میں کسی کام کی انجام دہی کے لئے عقد اجارہ خود منعقد کرے اور کسی کو اجیر بنائے ولو قال لرجل لك اجر مائة درهم على ان تكون وصيي الشرط باطل والمائة وصية به وهو وصي على المختار' كذافي خزانة المفتين انتهى[1] ثلث مال کی وصیت جس طرح کی گئی ہے اسی طرح واجب العمل ہے کہ اس تہائی کی آمدنی کنبہ کے فقرا اور محتاجوں اور امور خیر پر صرف کئے جائیں۔ ولو اوصى بثلث ماله لا عمال البر ذكر في فتاوى ابي الليث ان كل ما ليس فيه تمليك فهو من اعمال البر حتى يجوز صرفه الى عمارة المسجد و سراجه (عالمگیری) وفي الفتاوى الخلاصه ولو اوصى بالثلث في وجوه الخير يصرف الى القنطرة او بناء المسجد او طلبة العلم كذافي التتارخانية[2] (عالمگیری) واذا اوصى بغلة داره او بغلة عبده في المساكين جاز ذلك من ثلث ماله[3] (عالمگیری) قلت يعلم من هذه الروايات ان الوصية بغلة داره او بستانه جائزة سواء سمى قوما معلوما او لم يسم وقال للمساكين وسواء نص على الابداولم ينص بعد ان يخرج الموصى به من ثلث ماله وههنا كذلك پس صورت مسئولہ میں ثلث مال کی وصیت مذکورہ طریقے پر جائز ہے اور حکم وقف ہے ورثہ کا اس میں کوئی حق نہیں ہے اگر متولی تقسیم جائیداد کوئی اجنبی ہو تو اسے تقسیم کی اجرت لینا جائز ہے۔ دسواں حصہ نہ ملے گا۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرس مدرسہ امینیہ سنہری مسجد دہلی۔

جائیداد کی ملکیت منتقل کرنے کی نسبت موت کے بعد کی طرف کرنا وصیت ہے

(سوال) مسمی زین العابدین جو شیعی مذہب رکھتا تھا اس کی سات اولادیں تھیں پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے دونوں لڑکے اور ایک لڑکی تو بچپن میں مر گئے تھے اور تین لڑکیوں کا نکاح ہوا اور تینوں کی اولاد بھی ہوئی لیکن یہ تینوں لڑکیاں بھی زین العابدین کی زندگی میں فوت ہو گئیں اب صرف ایک لڑکی موجود ہے اور زین العابدین کی بیوی بھی موجود ہے چونکہ زین العابدین کا کوئی لڑکا نہیں اس نے سوچا کہ آئندہ اس موجودہ لڑکی میں اور فوت شدہ لڑکیوں کی اولاد میں ضرور نزاع ہوگا اس لئے اس نے اپنی حیات میں قبل وفات کے پانچ سال پہلے بحالت صحت ذات و ثبات عقل ایک ہبہ نامہ باقاعدہ لکھا اور عدالت ماتحت میں رجسٹری بھی کرا دی اس ہبہ نامہ میں جائیداد کی تقسیم اس طرح کی کہ موجودہ لڑکی کو ایک مکان اور بقیہ جائیداد کا نصف حصہ دیا جائے اور بقیہ نصف جائیداد کو فوت شدہ لڑکیوں کی اولاد پر بحصہ مساوی تقسیم کیا جائے اور اپنی بیوی کے نام پر کوئی جائیداد نہیں کی ہاں عورت کو یہ اختیار دیا ہے کہ کل بچوں کی سرپرستی بلوغ تک کرتی رہے یہ ہبہ نامہ لکھ کر زین العابدین پانچ سال تک زندہ رہا اس کے انتقال کے بعد اس کی بیوی نے حسب شرائط ہبہ نامہ سب بچوں کی

---

(۱) (عالمگیریة' كتاب الوصايا ٦/ ٩٤ ط ماجدیه)
(۲) (عالمگیریة' كتاب الوصايا ٦/ ٩٧ ط ماجدیه)
(۳) (عالمگیریة' كتاب الوصايا ٦ ١٢٣ ط ماجدیه)

جائیداو کی نگرانی کی بلوغ کے بعد لڑکی کا نکاح ہو گیا اب اس نے اپنے حق کا تقاضا کیا مگر اس کی ماں نے یعنی زین العابدین کی بیوی نے جو صرف محافظہ تھی ڈیڑھ ہزار روپے کی جائیداد منتقل کر دی اور بلا ضرورت ایسا فریب کیا لڑکی نے نوٹس دیا جواب نہیں دیا پھر نوٹس دیا باضابطہ عدالت اب عدالت میں دعویٰ کر دیا ہے زین العابدین کی بیوی یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ یہ ہبہ صحیح نہیں۔ ہبہ ناجائز قرار دیا جائے لڑکی ہبہ کو ثابت رکھنا چاہتی ہے اور کہتی ہے کہ ہبہ صحیح ہے سوال یہ ہے کہ آیا یہ ہبہ نامہ صحیح ہوا ہے یا نہیں اگر ہبہ غیر صحیح ہے تو مال کس طرح تقسیم کیا جائے اور ہبہ صحیح ہو تو زین العابدین کی بیوی کو کچھ پہنچ سکتا ہے یا نہیں ؟ شرعی حکم دیا جائے ؟

(جواب ۵۱۴) یہ ہبہ نامہ اگر ان الفاظ سے لکھا گیا ہے کہ میرے بعد فلاں فلاں کو اس قدر دیا جائے تو یہ ہبہ نہیں ہے بلکہ وصیت ہے۔ اور لڑکی چونکہ وارث ہے اس لئے اس کے لئے وصیت بدون رضامندی دوسرے وارثوں کے ناجائز ہے **ولا تجوز لوارثه الا ان يجيزها الورثة انتهى مختصراً كذافي الهداية**[1] فوت شدہ لڑکیوں کی اولاد چونکہ وارث نہیں ہے اس لئے ان کے حق میں یہ وصیت معتبر ہے لیکن انکو بجائے نصف کے ثلث ملے گا۔ کیونکہ غیر وارث کے لئے بھی ثلث سے زیادہ کی وصیت بدون رضامندی ورثہ کے جائز نہیں **ولا تجوز بما زاد على الثلث الا ان يجيز ها الورثة بعد موته وهم كبار ولا معتبر باجازتهم في حال حيوته (هدايه)**[2] پس ثلث مال فوت شدہ لڑکیوں کی اولاد کو بحصہ مساوی تقسیم کیا جائے اور باقی دو ثلث میں سے آٹھواں حصہ زوجہ زین العابدین کو دیکر باقی موجودہ لڑکی کو ملے گا۔

اور اگر ہبہ نامہ میں یہ بھی لکھا ہو کہ میں نے ہبہ کر دیا تاہم بوجہ مشاع ہونے کے ہبہ ناجائز ہے۔ **ولا تجوز الهبة فيما يقسم الا محوزة مقسومة (هدايه)**[3] واللہ اعلم۔ کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔

فاحشہ عورت کے ترکہ سے خریدی ہوئی جنازہ گاہ میں نماز پڑھنے کا حکم

(سوال) منٹگمری شہر میں ایک طوائف فاحشہ عورت کے دو ملکیتی مکان ہیں۔ فوتید گی سے کچھ عرصہ پہلے اس نے ایک مکان کی اپنے مرشد پیر اصغر علی کے نام وصیت کی چنانچہ پیر صاحب نے قبضہ کر لیا ہے دوسرے کی نسبت وصیت لکھائی کہ انجمن اسلامیہ منٹگمری فروخت کر کے اس کی قیمت سے قبرستان میں جنازہ گاہ بنادے جہاں متوفی مسلمانوں کی نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے غرض یہ کہ اس جنازہ گاہ میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں اگر شرعاً وہاں نماز جنازہ نہ ہو تو مکان مذکور کی فروخت کا روپیہ اور کسی اسلامی کام میں آسکتا ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۹ غلام علی معرفت داروغہ جیل دھرم سالہ ضلع کانگڑہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ ۲۰ جولائی ۱۹۳۳ء۔

(جواب ۵۱۵) اگر فاحشہ مذکورہ کا یہ مکان اس کا موروثی ہو (بشرطیکہ مورث کی کمائی خالص حرام نہ ہو)

(۱-۲) (هدايه اخيرين' كتاب الوصايا ٤/٦٥٧ ط شركة علميه)
(۳) (هداية أخيرين' كتاب الهبة ٣/٢٨٥ ط شركة علميه)

یا خود فاحشہ نے کسی جائز ذریعہ اور حلال کمائی سے حاصل کیا ہو تو اس مکان کی قیمت سے جنازہ گاہ بنانا اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ لیکن اگر یہ مکان حرام کمائی سے حاصل کیا گیا ہے تو اس میں خبث قائم ہے اور اس کو کسی نیک کام میں بامید ثواب لگانا ناجائز ہے اس کو انجمن اسلامیہ فروخت کر کے یتیموں بیواؤں اور دوسرے محتاجوں کے کھانے کپڑے میں اس نیت سے خرچ کردے کہ ایک مال حرام اس کے قبضے میں آ گیا ہے جس کو وہ اصلی جائز مالک تک نہیں پہنچا سکتی اس لئے بہ نیت رفع وبال یا بہ نیت ایصال ثواب اصل مالک محتاجوں اور مسکینوں پر خرچ کر رہے ہیں۔

متبنی کے لئے اپنی جائیداد سے وقف کرنے کا حکم

(سوال) زید نے اپنے ایک بھائی عمرو کو بچپن سے اپنا بیٹا بنایا کیونکہ زید کے کوئی اولاد نہیں تھی ہاں زید کے بھائی بہن موجود ہیں زید چاہتا ہے کہ عمرو کو جو کہ اس کا متبنی ہے اپنی جائیداد کا کل یا جزو حصہ وقف کرے تو وہ ایسا کرنے میں عند اللہ گناہ گار تو نہ ہوگا؟ المستفتی نمبر ۵۴ ڈاکٹر حسین صاحب مراد آباد ۲۰ جمادی الآخر ۱۳۵۲ھ م ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۵۱۶) زید کو چاہئے کہ اپنی جائیداد کا ۱/۳ حصہ عمرو کے لئے وقف کرے باقی ۲/۳ حصہ شرعی وارثوں کے لئے رہنے دے یہی اس کے لئے بہتر ہے۔ [1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) مرض الموت میں مشترکہ جائیداد سے نابالغ بیٹے کے لئے وقف کرنے کا حکم
(۲) مرض الموت میں وقف کرنے کا حکم

(سوال) (۱) زید نے ایک جائیداد وقف نذر اللہ کی ہے بروقت مرض الموت اس جائیداد کا عملہ زید کا تھا اور زمین محکمہ نزول کی ہے۔ چنانچہ عملہ ہی وقف کیا ہے۔ یہ وقف شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے ایک جائیداد بوقت مرض الموت پسر نابالغ کے نام کی ہے یہ مشترکہ جائیداد ہے اس میں دوسرا شخص بھی شریک ہے اور اس جائیداد پر قبضہ موہوب الیہ کا حین حیات مالک میں نہیں ہوا واہب کے دیگر اولاد کثیرہ موجود ہے لیکن پسر نابالغ کو ہبہ کے ساتھ مخصوص کیا اور دیگر اولاد کو فراموش۔

(۳) زید کے پاس نقد روپیہ تھا زید نے بتفصیل ذیل بوقت وفات وصیت کی۔ دو ہزار روپے حج بدل میں اور دو ہزار روپے پسر نابالغ کی تعلیم پر خرچ کئے جائیں اور یہ وہی پسر نابالغ ہے جس کے نام پر جائیداد ہبہ کی ہے اور دو ہزار روپے تجہیز و تکفین پر خرچ کئے جائیں اور دو ہزار روپے تعمیر مسجد پر خرچ کئے جائیں۔

یہ تمام امور مرض الموت کی حالت میں انجام دیئے ہیں بقیہ اولاد ان سب امور کو تسلیم نہیں کرتی بینوا توجروا؟ المستفتی نمبر ۸۲ شیخ یقین الدین صاحب دہلی ۴ رجب ۱۳۵۲ھ م ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء۔

---

(۱) لقولہ علیہ السلام: الثلث والثلث کثیر (ابو داؤد شریف کتاب الوصایا ۲/۳۹ ط امدادیہ)

(جواب ۵۱۷) (۱) وقف اگر مرض الموت میں ہو تو حکم وصیت ہوتا ہے اور ثلث ترکہ میں جاری ہوتا ہے۔[1] زمین کی طرف سے اگر یہ اطمینان ہو کہ وہ کسی وقت واپس نہ لی جائے گی تو ایسی زمین پر عملہ و جائیداد کا وقف صحیح ہوتا ہے لیکن اگر یہ اطمینان نہ ہو اور زمین کی واپسی کا خیال بھی ہو تو جائیداد اور عملہ کا وقف صحیح نہیں ہوتا۔[2]

(۲) مرض الموت میں ہبہ بھی وصیت کا حکم رکھتا ہے اور چونکہ وصیت وارث کے لئے جائز نہیں اس لئے یہ ہبہ بشرطیکہ مرض الموت میں ہونا ثابت ہو ناجائز ہوگا۔[3]

(۳) تمام وصیتوں کا تعلق ایک ثلث مال میں سے ہوتا ہے اس لئے اگر حج بدل کے دو ہزار روپے اور تعمیر مسجد کے دو ہزار روپے (کل چار ہزار روپے اس لئے کہ تجہیز و تکفین کے لئے دو ہزار روپے کی وصیت غیر معقول ہے۔[4] اور لڑکے کی تعلیم کے لئے دو ہزار کی وصیت وارث کے لئے وصیت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے)۔[5] ثلث ترکہ میں سے نکل سکے اور بشرطیکہ وصیت کا ثبوت ہو تو یہ چار ہزار روپے حج بدل اور تعمیر مسجد کے لئے دیئے جائیں گے اور اگر وصیت کو تمام وارث تسلیم نہ کریں اور ثبوت بھی نہ ہو تو وصیت بھی غیر معتبر ہوگی۔[6] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بھائی' بھتیجی اور بھتیجے میں تقسیم میراث

(سوال) جس وقت محمد بخش کا انتقال ہوا تو ان کی جائیداد ہر سہ بھائیوں مخدوش بخش' بدر الدین' صدر الدین نے اپنے اپنے نام بحصہ مساوی عدالت سے کرالی اور بہنوں کو جائیداد سے کوئی حصہ نہیں دیا مخدوم بخش کے کوئی اولاد نہیں تھی چنانچہ اس نے صدر الدین کے لڑکے کمال الدین کو بطور لڑکے کے پالا اور بچپن سے مرتے وقت تک اس کے اخراجات کا کفیل رہا اس کی شادی کی، شادی کے لئے مخدوم بخش نے قرض تک لیا اور کمال الدین نے مخدوم بخش کی خدمت مثل بیٹے کے کی۔ مخدوم بخش نے مرتے وقت یہ وصیت کی اور اپنی زندگی میں بھی بڑے بڑے مجمعوں میں یہ کہہ چکا تھا کہ میری تمام اشیاء کمال الدین کے لئے ہیں اور میری ہر چیز کا مالک کمال الدین ہے مخدوم بخش کی وفات کے وقت بدر الدین اور اس کے ہر دو بالغ پسر کمال الدین بالغ انکی ہمشیر منظور النسا اور کوئی عورتیں موجود تھیں مگر غیر خاندان کا کوئی مرد موجود نہ تھا مرنے سے کچھ دنوں

---

(۱) وفی حاشیة ابن عابدین (قوله الثلث من الدار وقف الخ) ای لان الوقف فی المرض وصیة تنفذ من الثلث فقط (رد المحتار' مطلب فی وقف المریض ۳/۴۴۵ ط سعید)

(۲) فی الشامیة تحت (قوله و جزم فی الحاویة) لان الوقف لا یجوز الا مؤبدا فاذا کان التابید شرطا لا یجوز موقتا (ردالمحتار 'کتاب الوقف ۳/۴۰۲ ط سعید)

(۳) و تبطل هبة المریض ووصیته لمن نکحها بعد هما الخ (الدر المختار' کتاب الوصایا ۶/۶۵۹ ط س)

(۴) اوصی بان یصلی علیه فلان او حمل بعد موته الی بلد آخر او یکفن فی ثوب کذا الی قوله فهی باطلة (الدر المختار' کتاب الوصایا ۶/ ۶۶۶ ط سعید)

(۵) قال علیه الصلاة والسلام: لا وصیة لوارث (رواه الترمذی' ابواب الوصایا ۲/۳۲ ط سعید)

(۶) ولا تجوز الوصیة بما زاد علی الثلث الا ان یجیزه الورثة (اللباب للمیدانی ' کتاب الوصایا ۲/۳۶۷)

قبل صرف مکان اپنی ہمشیرہ کو دینے کو کہہ رکھا تھا چونکہ مخدوم بخش ابھی حال ہی میں فوت ہوئے ہیں نہ ان کی بیوی نہ کوئی اولاد۔ اور ان کا حقیقی بھائی بدر الدین موجود ہے اور بہن منظور النساء موجود ہے اس کے علاوہ ان کے بھائی صدر الدین جن کا مخدوم بخش سے پہلے انتقال ہو چکا اس کی اولاد میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی موجود ہے اور اس کی بہن جہانگیر (جس کا انتقال بھی مخدوم بخش سے پیشتر ہوا) اس کی اولاد میں بھی ایک لڑکا اور ایک لڑکی موجود ہے مخدوم بخش اپنی حیات میں اپنے موجودہ بھائی بدر الدین سے ہمیشہ سخت ناراض رہے لہذا مخدوم بخش کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے ؟ **المستفتی** نمبر ۱۰۴ شیخ کمال الدین ضلع متھرا ۲۱ رجب ۱۳۵۲ھ م ۱۱ نومبر ۱۹۳۳ء۔

(جواب ۵۱۸) چونکہ جائداد موروثی میں بہنوں کا بھی شرعی حق ہے[1] اس لئے مخدوم بخش کی متروکہ جائداد میں سے ان کی بہنوں کا نکال کر باقی جائداد میں سے اول مخدوم بخش کے ذمہ کا قرضہ ادا کیا جائے اس کے بعد جو بچے اس میں سے ایک تہائی کمال الدین کو بحق وصیت دی جائے[2] اور دو تہائی کے تین حصے کئے جائیں دو حصے بدر الدین کو اور ایک حصہ منظور النساء کو۔[3] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مسجد کے لئے وصیت کئے ہوئے مکان میں دو ثلث تک ورثاء کا حق ہے ؟

(سوال) گرامی صاحب مرحوم شاعر خاص اعلیٰ حضرت شہریار دکن خلد اللہ ملکہ اپنا زر خرید مکان اپنی اہلیہ کو بعوض مہر رجسٹری کر گئے بعد از وفات اہلیہ مرحوم اپنی موت سے کچھ دن قبل اپنا مملوکہ مکان بعوض مہر مسجد جامع ہوشیار پور کے نام وصیت کر کے رجسٹری کر گئیں اہلیہ مرحوم کی کوئی اولاد نہ کوئی برادر نہ بہن۔ اہلیہ گرامی مرحوم وصیت کے چند دن بعد انتقال کر گئیں اہلیہ مرحوم کے تین چچا جو وفات پا چکے ہیں انکی اولاد موجود ہے عند الشرع انکو حق پہنچتا ہے یا نہیں ؟ اور کتنا حق پہنچتا ہے ؟ وصیت زائد از ثلث جائز ہے یا نہ جائز ؟ مرحوم کا قرض و تجہیز و تکفین زر متروکہ سے کیا گیا ہے مرض الموت کے متعلق مسئلہ شریعت کیا ہے ؟ کتنے دن کی شرط ہے یا فقط بقائی ہوش و حواس ہونا ہی ضروری ہے ؟ **المستفتی** نمبر ۱۳۴ شیخ شریف احمد پانس فروش کشمیری بازار ہوشیار پور ۸ شعبان ۱۳۵۲ھ ۲۹ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۵۱۹) مرحومہ اہلیہ گرامی مرحوم نے اپنا مکان مملوکہ اگر بحق مسجد بطور وصیت لکھ دیا ہے تو وصیت ثلث ترکہ سے زائد میں جاری نہیں ہوتی۔ اور مرحومہ کے چچازاد بھائی انکے ترکہ کے دو ثلث کے حق دار ہیں۔[4] اگر اس دستاویز کی نقل بھیج دی جاتی جس کے ذریعہ سے مکان مسجد کو دیا گیا ہے تو یہ بتانا

---

(۱) قال تعالی : وللنساء نصیب مما ترك الوالدان والاقربون (النساء : ۷)

(۲) ثم تقدم دیونه التی لہا مطالب من جہة العباد الی قوله ثم یقسم الباقی بین ورثته (الدر المختار کتاب الفرائض ۶ / ۷۶۰ ط سعید)

(۳) و مع الاخ لاب وام للذکر مثل حظ الانثیین یصرن به عصبة (سراجی فصل فی النساء ص ۹ ط سعید)

(٤) ثم تقدم وصیته من ثلث ما بقی ثم یقسم الباقی بین ورثته الخ (الدر المختار کتاب الفرائض ۶ / ۷۶ ط سعید)

ممکن تھا کہ اس پر مرض موت میں ہونے یا نہ ہونے اور کل یا ثلث میں مؤثر ہونے یا نہ ہونے کا حکم کیا ہے ؟
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

زندگی میں وراثت نہ دینے کا اظہار کرنے سے وارث محروم نہ ہوگا

(سوال) منشی ارشاد الدین صاحب ساکن میرٹھ نے ۲۹ نومبر ۱۹۳۲ء کو ایک وقف نامہ لکھا ہے کہ "من مقر کی اولاد پسری و دختری نہیں ہے ایک زوجہ مسماۃ معصوم النساء دختر دوست محمد خاں موجود ہے عرصہ قریب گیارہ سال کا ہوا کہ بوجہ نافرمانی میں نے اس کو طلاق دیدی تھی اور مبلغ چار سو روپے اس کا مہر ادا کر کے رسید رجسٹری کرادی تھی مگر بعد کو اس کے خواستگار معافی ہونے پر میں نے اس سے دوبارہ نکاح کر لیا اب اس کا دین مہر صرف مبلغ عہ۸ ہے میں اپنی جائیداد میں سے بالفعل اس کو کچھ نہیں دینا چاہتا ہوں" منشی صاحب موصوف نے ۱۲ جنوری ۱۹۳۳ء کو انتقال کیا آیا تحریر وقف نامہ کے بعد مسماۃ معصوم النساء شرعی حصہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں ؟ اور عقد ثانی جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۶۰ سلیم الدین احمد چشتی میرٹھ ۳۰ رمضان ۱۳۵۲ھ م ۲۱ دسمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۵۲۰) اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ معصوم النساء بوقت تحریر وقف نامہ جائز طور سے ارشاد الدین کی زوجیت میں تھی اس لئے وہ حصہ میراث پانے کی مستحق ہے۔[۱] دوبارہ نکاح کرنے کی کئی صورتیں جائز ہیں اور ممکن ہے کہ انہیں میں سے کوئی صورت ہوگی[۲] پس صرف ارشاد الدین صاحب کے اس ارادے سے کہ "میں اپنی جائیداد میں سے بالفعل اس کو کچھ دینا نہیں چاہتا" اس کا حصہ میراث باطل نہیں ہو سکتا۔[۳] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

وارث کے لئے کی ہوئی وصیت کب نافذ ہوگی ؟

(سوال) زید نے اپنے مرنے کے وقت مندرجہ ذیل وارث چھوڑے چار لڑکیاں اور دو بھائی جن میں سے تین لڑکیوں کا نکاح زید نے اپنی زندگی میں کر دیا صرف ایک لڑکی ناکتخدا چھوڑی ہے جس کے نکاح کے لئے کچھ زیورات بھی ہوا چکا تھا جو اس ناکتخدا لڑکی کے استعمال میں ہیں زید نے انتقال کے وقت یہ وصیت کردی ہے کہ اس ناکتخدا لڑکی کی شادی کے لئے اتنی ہی رقم دیدی جائے جتنی کہ کتخدا لڑکیوں میں سے ایک کی شادی کے لئے صرف کی گئی ہے اور زید نے اس لڑکی کا ولی اپنے بڑے بھائی کو قرار دیا ہے پس اس صورت میں میراث کی تقسیم کس طرح ہوگی ؟ المستفتی نمبر ۳۰۷ مسٹر عبد القدوس ٹھیکہ دار بنگلور ۲۱ صفر ۱۳۵۳ھ

---

(۱) ثم یقسم الباقی بعد ذلک بین ورثته ای الذین ثبت ارثهم بالکتاب والسنة (الدرالمختار کتاب الفرائض ۶ / ۷۶۱، ۷۶۲ ط سعید)
(۲) امور المسلمین علی السداد حتی یظهر غیرہ (قواعد الفقہ ص ۶۳ صدف پبلشرز)
(۳) شریعت میں وارث کو عاق کرنا غیر معتبر ہے اور عاق کے بارے میں تفصیل پہلے گزر چکی ہے

(جواب ۵۲۱) زید نے جو زیور اور کپڑے وغیرہ نا کتخدا لڑکی کو دیدیئے تھے وہ تو لڑکی کی ملک ہو گئی۔ [1] اور ترکہ زید میں شامل نہ ہوں گے باقی اس قدر رقم کی وصیت کہ جتنی دوسری لڑکیوں کی شادی میں صرف ہوئی ہے تو اگر اس وصیت کو زید کی دوسری لڑکیاں اور زید کے بھائی جائز رکھیں تو جائز ہو گی یعنی اتنی رقم ترکہ سے علیحدہ کر کے اس لڑکی کو دیدی جائے گی اور اگر دیگر ورثا جائز نہ رکھیں تو ناجائز ہو گی اور بعض وارث جائز رکھیں اور بعض ناجائز تو جائز رکھنے والوں کے حصے میں جاری ہو گی اور ناجائز رکھنے والوں کے حصے میں جاری نہ ہو گی۔ [2] اور اگر زید کے وارث صرف یہی ہیں تو اس کا ترکہ بعد منہائی اس رقم کے جو نا کتخدا لڑکی کو دی جائے گی بصورت اجازت جمیع ورثاء یا بعد منہائی اس حصہ رقم کے جو بعض ورثا کے حصے کی وضع کی جائے گی جو اجازت دیدیں حسب ذیل طریقے سے تقسیم ہو گی کہ برابر کے چھ حصے کر کے چاروں لڑکیوں اور دونوں بھائیوں کو ایک ایک حصہ دیدیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

"میری وفات کے بعد میری متبنی لڑکی میری جائیداد کی وارث ہو گی" کہنا وصیت ہے

(سوال) ایک شخص نے اپنی وفات سے نو سال قبل ایک لڑکی بعمر یکسالہ کو زبانی اپنا متبنی بنایا اور اپنی وفات سے پیشتر چند معززین کو بلا کر وصیت کی کہ "میری وفات کے بعد مذکورہ بالا لڑکی میری جائیداد کی جائز وارث ہو گی" ارشاد فرمائیں کہ مذکورہ لڑکی کو از روئے شرع شریف کیا حصہ پہنچتا ہے؟ المستفتی نمبر ۵۱۲ حاجی محمد تقی (پانی پت) ۱۲ صفر ۱۳۵۵ھ ۴ مئی ۱۹۳۶ء۔

(جواب) (از مولوی حمد اللہ پانی پتی) شریعت میں متبنی بنانے سے مال پر کچھ اثر نہیں پڑتا لہذا لڑکی کا وراثت سے کچھ تعلق نہیں مال کے وارث اس کے وارث قریبی بعیدی جو ہوں گے ان کو حق پہنچے گا البتہ چونکہ مرنے والا وصیت کر گیا ہے کہ میرے مال کو میرے مرنے کے بعد لڑکی متبنی کو دیدینا لہذا وصیت کی رو سے لڑکی کو تہائی مال ملے گا جیسا کہ کسی غیر کو وصیت کر جاتا ہو تو تہائی اس کو ملتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب حمد اللہ عفی عنہ۔

(جواب ۵۲۲) (از حضرت مفتی اعظم) اگر الفاظ یہ تھے جو سوال میں مذکور ہیں کہ "میری وفات کے بعد لڑکی جائز وارث ہو گی" تو یہ لغو ہیں وصیت نہیں۔ [3] ہاں اگر یہ کہا ہو کہ سب ترکہ اس کو دیدینا تو وصیت

---

(۱) جهزا بنته بجهاز سلمها ذالك ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده ان سلمها ذالك في صحته بل تختص به و به يفتي وكذا لو استرد لها في صغرها (الدرالمختار' كتاب النكاح' باب المهر ۳/ ۱۵۵ ط سعيد)

(۲) ولو اوصى لوارثه ولا جنبي صح حصة الاجنبي و يتوقف في حصة الوارث على اجازة الورثة ان اجازوا جاز وان لم يجيزوا بطل و فيه ايضاً ولو اجاز البعض ورد البعض يجوز على المجيز بقدر حصته و بطل في حق غيره (عالمگيريه' كتاب الوصايا ۶/ ۹۱ ط ماجديه)

(۳) کیونکہ متبنی جائز وارث ہرگز نہیں بن سکتا وارث صرف ذوی الفروض' عصبات اور ذوی الارحام ہیں

ہو گی اور ثلث میں جاری ہو گی۔[1] محمد کفایت اللہ

جواب الجواب (از مولوی حمد اللہ پانی پتی) مولانا المکرم زاد الطافکم۔بعد سلام مئودبانہ عرض ہے۔ مشکور ہوں کہ گرامی نامہ جلد موصول ہو گیا اور جناب نے اصلاح فرمادی اور مجھ سے بار ہلکا ہو گیا ایک سند حاصل ہو گئی۔ لیکن ابھی تک پوری تسکین و انشراح صدر حاصل نہیں ہوا جس کی مجھ کو خاص اپنے لئے ضرورت ہے جناب نے کوئی حوالہ یا دلیل تحریر نہیں فرمائی کہ کیوں الفاظ مذکورہ سوال لغو ہیں۔ وصیت میں تملیک مضاف الی مابعد الموت ہے۔ لفظ وصیت کوئی ضروری نہیں۔ بلکہ اور الفاظ سے بھی ہو سکتی ہے۔ وصیت وراثت میں مشابہت بھی لکھتے ہیں کہ یا دونوں میں قائم مقام ہے۔ عاقل بالغ کے کلام کو حتی الامکان صحت پر محمول کرنا چاہئے۔ حقیقت نہ ہو تو مجازی۔ وصیت بعض موقع پر غلط الفاظ سے بھی مان لی جاتی ہے۔ جیسے کوئی وارث کو وصیت کرے تو لغو نہ ہو گی بلکہ موقوف اجازت پر ہو گی تمام مال کی وصیت ہو گی تو ثلث میں رکھی جائے گی تو اگر یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد فلاں میرا جائز وارث ہے یا ہو گا اور میں یہ وصیت کرتا ہوں تو کیوں اس کو وصیت نہ رکھا جائے اور لفظ جائز کو لغو کر دیا جائے اور وارث کے لفظ کو موصی کے طور پر محمول کر کے وصیت کیطور پر ثلث دیا جائے۔ فقط

مکرر یہ بھی عرض ہے کہ مرنے والے کی غرض تو یہ ہے کہ اس کو تمام مال دیا جائے پھر بعض بھی نہ ملے تو غرض کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ بعض حضرات دیوبندی اپنا خیال وصیت کا ظاہر کرتے ہیں مگر دلیل اور حوالہ نہیں اور نہ دستخط ہیں۔ میں جناب کو تکلیف دوبارہ دیتا ہوں امید ہے کہ اس طرح تحریر فرمائیں کہ طبعیت یکسو ہو جائے۔ والسلام

(جواب ۵۲۳) (از حضرت مفتی اعظمؒ) سوال میں جو الفاظ مذکور ہیں وہ صرف یہ ہیں "میری وفات کے بعد مذکورہ لڑکی میری جائیداد کی جائز وارث ہو گی" یہ ایک جملہ خبریہ ہے۔[2] انشاء پر اسے محمول کرنا اور اس سے انشائے وصیت نکالنا متصور نہیں۔ متوفی کے الفاظ میں وصیت کا لفظ بھی نہیں۔ سائل اپنے بیان میں یہ کہتا ہے "چند معززین کو بلا کر وصیت کی" تو لفظ وصیت اس نے استعمال کیا ہے متوفی کے الفاظ میں نہیں ہے متوفی کے الفاظ کا جملہ خبریہ چونکہ غلط اور شریعت کے خلاف ہے کہ ایک غیر وارث کو وہ جائز وارث بتا رہا ہے اس لئے وہ غلط اور لغو ہی ہو گا۔ اس کے سوا اور کوئی اس کا محل نہیں اگر مرحوم کے الفاظ میں یہ ہوتا کہ "میں تمام جائیداد کی اس کے لئے وصیت کرتا ہوں یا اپنی تمام جائیداد اس کو دیتا ہوں یا میری تمام جائیداد اس کو دیدینا یا میری تمام جائیداد کا مستحق اس کو سمجھنا یا میں اپنی جائیداد کا مستحق اس کو قرار دیتا ہوں یا اپنی جائیداد کا وارث اس کو قرار دیتا ہوں" تو ان تمام صورتوں میں ہم اس کو وصیت قرار دیتے اور ایک ثلث اس کو

---

(۱) ولا تجوز الوصية بما زاد على الثلث الا ان يجيزه الورثة (جوهرة النيرة كتاب الوصايا ۳۶۷/۲ ط مير محمد)
(۲) والاسناد نسبة احدى الكلمتين الى الاخرى بحيث تفيد المخاطب فائدة تامة يصح السكوت عليها نحو زيد قائم و قام زيد و يسمى جملة (هداية النحو ص ۷)

دلوا دیتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(جواب) (از مولوی حمد اللہ پانی پتی) گرامی نامہ بعد انتظار باعث فرحت ہوا لیکن جناب والا ابھی الجھن باقی ہے اللہ تعالیٰ رفع فرمائے اب حضور کی یہ تحریر آئی ہے "سوال میں جو الفاظ مذکور ہیں صرف یہ ہیں کہ میری وفات کے بعد مذکورہ بالا لڑکی میری جائیداد کی جائز وارث ہوگی یہ ایک جملہ خبریہ ہے انشاء پر اس کو محمول کرنا اور اس سے انشائے وصیت نکالنا متصور نہیں"

جناب والا میری اس پر یہ عرض ہے کہ مجھے اسی میں کلام ہے کہ یہ یقیناً انشاء ہے بلکہ اس کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں یہ کہ وہ خبر دے رہا ہو اور یہ بھی کہ وہ یہ کہہ رہا ہو کہ میرے بعد ایسا کرنا معززین کو آس ہوتے وقت کرنا اور ایسا کہنا پھر اس کا سائل کا وصیت سمجھنا بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ سائل نے لفظ وصیت اس وجہ سے تحریر کیا ہو کہ مرنے والے نے یہ لفظ کہا ہو کہ میں وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد الخ اور سائل نے اسی کے موافق تعبیر کر دیا ہو پھر سائل بالغ کا کلام حتی الامکان صحیح ہوتا یہ سب قرائن مرجح انشاء ہیں بعت اشتریت باوجود ماضی ہونے کے انشا قرار دیئے جاتے ہیں لہذا عبارت مذکورہ کو خبر ہی میں حصر کر لینا صحیح کیسے ہو سکتا ہے اور وجدان بھی یہی قبول کرتی ہے کہ ایسے وقت یا کوئی کام کر چکنے کی اطلاع دی جاتی ہے یا آئندہ کے عمل کو کہا جاتا ہے اور یہ کہ ایک خبر جھوٹی اپنے مرتے وقت دینا اور پھر لوگوں کو اس پر گواہ کرنا وجدان قبول نہیں کرتی میری طبیعت میں اس کے انشا ہونے میں تامل نہ تھا کہ یہ انشا نہیں بلکہ خلجان تھا تو یہ کہ یہ الفاظ انشاء کہ "جائز وارث ہوگی" باوجود انشا ہونے کے ہم اس پر عمل کیسے کر سکتے ہیں اور غیر وارث کو وارث کیسے بنا سکتے ہیں اب یا تو اس کو لغو قرار دیں یا وصیت پر محمول کریں کوئی خاص جزئی یا نظیر نہ ملنے پر جناب کو تکلیف دی گئی۔ حمد اللہ غفر لہ

(جواب ٥٢٤) (از حضرت مفتی اعظمؒ) صورت مسئولہ میں جملہ خبریہ کے خبر ہونے کا قرینہ بینہ تو لڑکی کو متبنی بنانا ہے۔ چونکہ مرنے والے نے اس کو متبنی بنایا ہوا تھا تو اس نے یہ سمجھ کر کہ وہ میری لڑکی ہو گئی اور اس لئے وہ جائز وارث بن گئی ہے۔ اسی خیال کے موافق لوگوں کو جمع کر کے یہ کہہ دیا کہ میرے مرنے کے بعد یہ لڑکی جو میری متبنی ہے میری جائز وارث ہوگی اس سے مقصد تبنیت کا استحکام اور اس کے مزعومہ نتیجے یعنی جائز وارث ہونے کی تصدیق تھی۔ اور چونکہ یہ سب غلط اور خلاف شریعت ہے۔[1] اس لئے مردود ہے اگر وصیت مراد ہوتی تو لفظ جائز وارث کا استعمال نہ کرتا بلکہ کہتا کہ میری تمام جائیداد کی یہ لڑکی تنہا مستحق یا تنہا مالک ہوگی میری رائے تو یہی ہے اور غور کے بعد بھی اس کے خلاف سمجھ میں نہیں آیا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) متبنی تین اقسام ذوی الفروض عصبات اور ذوی الارحام میں سے نہیں ہے لہذا وراثت کا حقدار بھی نہیں ہے

کیا وصیت کا نفاذ حقوق لازمہ ادا کرنے کے بعد ثلث مال تک ہو گا؟

(سوال) ایک مرحومہ جس نے بعد انتقال اپنا ترکہ قسم زیور اور نقد روپیہ جس کی مالیت تین سو روپے لگائی جا سکتی ہے چھوڑا ہے مرحومہ ایک ہفتہ بیمار رہی بیماری کی حالت میں حسب ذیل وصیت کی (۱) میرا علاج کافی غور کے ساتھ کیا جاوے۔ (۲) بعد انتقال کافی پیمانہ کے ساتھ بہترین کھانا فقرا اور مساکین کو کھلوایا جاوے فاتحہ سوئم سے لیکر فاتحہ چہلم اور آئندہ فاتحہ برسی تک اسی اہتمام کے ساتھ میری وصیت پر عمل ہو۔ (۳) فاتحہ کے خرچ کے بعد جو باقی رہے وہ تم کو خوشی دیتی ہوں وصیت کے موقع پر میں اور میری والدہ صاحبہ موجود تھیں جو دونوں کے حق میں وصیت مرحومہ نے کی۔ (۴) ہمیشہ خدمات مرحومہ کی والدہ صاحبہ نے کی نیز بیماری کی حالت میں جو کچھ خدمت مجھ سے ہو سکی اس کو انجام دیا خدمت کا صلہ کہا جاتا ہے یا مرحومہ کی خوشی۔ (۵) والدہ صاحبہ کا رشتہ مرحومہ سے یہ ہے کہ مرحومہ کے شوہر اور والدہ صاحبہ کے والد بزرگوار حقیقی تایا چچا زاد بھائی ہوتے تھے۔ (۶) مرحومہ کا ایک حقیقی بھتیجا اور دو حقیقی بھتیجیاں ہیں جن سے مرحومہ ہمیشہ ناراض رہی اور ہمیشہ نقصان کے درپے رہے اور نقصان پہنچاتے رہے باوجودیکہ مرحومہ ضعیف العمر تھی مرحومہ کا بھتیجا اور دونوں بھتیجیاں باہر رہتے ہیں سالہا سال گزر گئے کبھی زندگی و موت کی بھی خبر نہیں لی۔ (۷) طمع یا نفسانیت کو چھوڑ کر جس قدر مال جو قبضہ میں تھا سب پر ظاہر کر دیا گیا اور دکھا دیا گیا۔

المستفتی نمبر ۱۰۰۳ عزیز محمد سکندر آباد ۷ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۸ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۲۵) مرحومہ کے انتقال پر جو ترکہ مرحومہ کا رہا ہو اور اس کی تجہیز و تکفین مشروع میں خرچ ہو کر بچا ہو اور مرحومہ کے ذمہ کوئی قرض نہ ہو تو اس باقی ترکہ کے ایک تہائی میں اس کی وصیت اس طرح جاری ہو گی کہ نصف تو ایصال ثواب میں شرعی طریق پر خرچ کیا جائے گا اور نصف ان دونوں کو ملے گا جن کو کل مال دینے کی وصیت کی ہے اور دو تہائی مرحومہ کے بھتیجے کو ملے گا۔ [۱] بھتیجیاں محروم ہیں ان کا مرحومہ کے ترکہ میں کوئی حق اور حصہ نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب) (از نائب مفتی صاحب) اگر مرحومہ کا حقیقی بھتیجا نہیں ہے تو اس کے دادھیال میں سے قریب یا بعید کا کوئی مرد ایک یا زائد ہوں گے تو یہ مال ان کو ملے گا۔ اور اگر مرحومہ کے دادھیال میں سے کوئی بھی نہ ہو گا تو مرحومہ کے ننہیال میں سے کوئی شخص یا زائد ہوں گے تو یہ ۳ / ۲ ان کو ملے گا لیکن جب تک کہ مرحومہ کے قرابت نسبی والوں کا حال نہیں لکھا جائے گا تو اس ۳ / ۲ کو تقسیم نہیں کیا جائے گا سائل کو چاہئے کہ مرحومہ کے دادھیال کے قرابت داروں کو یا ننہیال کے قرابت داروں کو تحریر کرے تاکہ یہ دو ثلث ان پر تقسیم کر دیئے جائیں موافق حقوق شرعیہ کے۔ فقط واللہ اعلم حبیب المرسلین عفی عنہ۔

---

(۱) یبدأ من ترکۃ المیت الخالیۃ عن تعلق حق الغیر ثم تقدم دیونہ التی لہا مطالب من جہۃ العباد ثم وصیتہ من ثلث ما بقی ثم یقسم الباقی بین ورثتہ و فیہ ایضا ثم عصبۃ الذکور ثم ذوی الارحام (الدر المختار کتاب الفرائض ۶ / ۷۶۱ - ۷۷۲ ط سعید)

وصیت کے بعد بے ہوشی کی حالت میں انتقال ہو تو وصیت کا کیا حکم ہے؟

(سوال) ایک شخص نے وصیت کی پھر کچھ دنوں کے بعد بے ہوش اور غافل ہو گیا اور یہ غفلت اور بے ہوشی تین دن تک رہ کر اسی غفلت و بے ہوشی میں انتقال ہو گیا اب یہ وصیت باطل ہوئی یا نہ؟ غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار جلد ۴ باب الوصیۃ کی اس عبارت (اگر وصیت کی پھر موصی کو وسواس نے لیا یہاں تک کہ بے ہوش اور غافل ہو کر مر گیا تو وصیت باطل ہے) کا کیا مطلب ہے؟ المستفتی نمبر ۱۵۸۶ حافظ سید محمد حسین صاحب (مانڈلے برما) ۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۸ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۲۶) اس صورت میں وصیت باطل نہیں غایۃ الاوطار سے جو عبارت نقل کی ہے یہ در مختار میں خانیہ سے منقول ہے اور شامی نے اس پر لکھا ہے کہ مخبوط الحواس بھی چھ ماہ تک رہے تو وصیت باطل ہو گی تو تین دن تک غفلت میں رہنے سے بطلان وصیت اس قول کے ماتحت نہیں ہو سکتا۔ [1] فقط (شامی جلد پنجم ص ۴۳۹) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دوسرے ورثاء کے ہوتے ہوئے داماد اور بیٹی کو کل مال کا وارث بنانا

(سوال) ایک مسلمان بیوہ اولاد ذکور نہ ہونے کی حالت میں دیگر نزدیکی خاندان' رشتہ داران کے مقابلہ میں (جو بصورت دیگر بیوہ مذکورہ کے وارث مابعد ہوتے ہیں) حسب وصیت شوہر متوفی اپنی دختر اور داماد کو شرعاً اپنا وارث ہر قسم قرار دے سکتی ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۷۷۴ بھونراشاہ (ریاست کوٹہ) ۱۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۲۷) اگر دیگر وارث ایسے موجود ہیں جو اولاد اناث کے ساتھ مستحق ترکہ ہوتے ہیں تو بیوہ مذکور اپنی لڑکی اور داماد کو کل ترکہ کا وارث قرار نہیں دے سکتی۔ [2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بیوی کے حق میں وصیت کا حکم

(سوال) سلیمان بیگ لاولد فوت ہو گیا اس کی بیوہ کہتی ہے کہ میرا خاوند مجھ کو وصیت نامہ تحریر کر گیا ہے کہ تم کو میری کل جائیداد کا اختیار حاصل ہے کیا یہ وصیت بیوہ کے حق میں درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۰۶۲ یعقوب خاں (کلیانہ) ۷ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۲۸) اول تو یہ تحقیق طلب ہے کہ آیا کوئی وصیت نامہ لکھا بھی گیا ہے یا نہیں پھر اگر وصیت نامہ ثابت ہو جائے تو وہ بھی چونکہ بیوی وارث ہے اس کے حق میں وصیت نامہ غیر معتبر ہے۔ [3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) فی الشامیۃ تحت قولہ الدر "فصار معتوھا" وانظر ھل نعتبر فیہ المدۃ المعتبرۃ فی الجنون الطاھر نعم اولا فرق بینھما لان الزمان مکرا ستۃ اشھر (الدر المختار' کتاب الوصایا ۶ / ۶۶۳ ط سعید)

(۲) بیوی کو تو بالکل نہیں کیونکہ وہ وارث ہے "لا وصیۃ لوارث" اور داماد کو صرف ثلث کی حد تک کیونکہ غیر وارث ہے اجنبی ہے۔

(۳) لقولہ علیہ السلام "لا وصیۃ لوارث" (رواہ الترمذی' باب ماجاء لا وصیۃ لوارث ۲ / ۳۲ ط سعید)

عمرو کو ہبہ کی ہوئی جائیداد ان کی وفات کے بعد واپس نہیں لی جا سکتی

(سوال) خالد کی تین بیبیاں زینب' آمنہ' فاطمہ تھیں جن سے حسب ذیل اولاد نرینہ تولد ہوئی۔(۱) بی بی زینب سے ایک لڑکا عمرو پیدا ہوا۔(۲) بی بی آمنہ سے دو لڑکے بکر اور زید پیدا ہوئے۔(۳) بی بی فاطمہ سے دو لڑکے یزید و خطاب پیدا ہوئے۔ خالد نے قانون وقت کے مطابق جو شرعی نہ تھا بلکہ رسم و رواج وقت تھا اپنی جائیداد کے تین حصے کئے اور اپنی حین حیات میں ہر ایک حصہ دار کو حصہ با قبضہ دیدیا اور برائے رفع فساد خالد نے مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۲۰ء کو ایک وصیت نامہ تحریر کر کے حاکم وقت ڈپٹی کمشنر ضلع پشاور کے دفتر میں محفوظ رکھا اور چند معتبر ذی اقتدار اشخاص کے نام بطور گواہ دستخط درج فرمائے اور یہ خاص کر تحریر کر دیا کہ میری تمام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ میں نے خود تقسیم کر دی ہے اگر میری اولاد میری حیات یا بعد وفات کوئی جھگڑا کرے تو اس وصیت نامہ کی تحریر کے پابند ہوں گے اور نیز عمرو پسرم کو جو سب سے بڑا ہے میں نے سال ۱۸۹۶ء سے سوئم حصے کا قبضہ دیدیا ہے۔ ۱۹۲۹ء میں عمرو نے خالد کی حیات میں انتقال کیا اور اس کے دو بیٹے پیچھے رہے جو کہ عمرو کے حصے پر قابض ہو گئے اب عمرو کے مرنے کے ۹ سال بعد ۱۹۳۸ء میں خالد نے انتقال کیا اور خالد نے مرنے سے پہلے چند یوم پھر اپنے چالیس سالہ وصیت نامہ کو دہرایا اور اپنے قبائل کے بزرگان کو طلب کر کے حرف بحرف پھر کہہ دیا اور وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد کوئی فساد و تنازعہ نہ ہو اب خالد نے انتقال کیا اور اس کی اولاد متذکرہ بالا میں اس امر کا جھگڑا ہے کہ وہ عمرو کے بیٹوں کو تصرف مالکانہ سے محروم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عمرو کے بیٹے اس کی وراثت کے مستحق نہیں ہیں اور خالد کے وصیت نامہ کو کالعدم تصور کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ از سر نو تقسیم اس طرح ہو کہ عمرو کا حصہ خالد کے ترکہ میں ملا کر عمرو کے بیٹوں کو حصے سے محروم کیا جائے اس لئے کہ عمرو نے خالد کی حیات میں انتقال کیا تھا کیا خالد کے عمرو سے بعد میں وفات ہونے پر عمرو کے بیٹے عمرو کے حصے کے حق دار ہیں یا کہ عمرو کا حصہ بھی خالد کے ترکہ کے ساتھ ملا کر عمرو کے باقی بھائی آپس میں تقسیم کریں گے کیا شریعت میں اس وصیت نامہ کا اعتبار ہے یا نہیں اور کیا شریعت قبضے واپس لیتی ہے؟ المستفتی نمبر ۲۲۱۶ مرزا عبدالمجید صاحب (مردان) ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جنوری ۱۹۳۸ء۔

(جواب ۵۲۹) خالد کا وصیت نامہ وارثوں کے حق میں غیر معتبر ہے۔[۲] عمرو کے بیٹے جس جائیداد پر قابض ہیں وہ ان کے باپ عمرو کو ہبہ کر دی گئی تھی اور قبضہ دیدیا گیا تھا اور تیس سال وہ قابض رہا اس کے بعد اس کے بیٹے نو سال تک قابض رہے اس لئے وہ جائیداد اب خالد کے ترکہ میں شامل نہیں ہو سکتی بلکہ وہ عمرو کے بیٹوں کی ملکیت ہے۔[۳] وصیت نامہ میں خالد نے پوتوں کے لئے کیا وصیت کی ہے اس کی تفصیل سوال

---

(۱) لقولہ علیہ السلام : لا وصیۃ لوارث (رواہ الترمذی' باب ماجاء لا وصیۃ لوارث ۲ ۳۲ ط سعید)
(۲) لقولہ علیہ السلام : لا وصیۃ لوارث (رواہ الترمذی ۲ ۳۲ ط سعید)
(۳) و تتم الھبۃ بالقبض الکامل ولو الموھوب شاغلا لملک الواھب لا مشغولا بہ (الدر المختار' کتاب الھبۃ ۵ ۶۹۰ ط سعید)

میں مندرج نہیں ہیں اس کی تفصیل معلوم ہوتی تو بقیہ جائیداد میں سے بھی ممکن ہے کہ پوتوں کو کچھ ملتا ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیٹی کے لئے کل ترکہ کی وصیت بیٹوں کی رضامندی کے بغیر کرنا

(سوال) مرض الموت میں انتقال سے چار یوم قبل متوفیہ نے ایک وارث کے حق میں وصیت نامہ مکمل تحریر کرادیا کہ بعد وفات میرے کل ترکہ کی مالک میری دختر ہوگی کیا بلا رضامندی دیگر ورثا کے یہ وصیت نامہ جائز ہوگا یا ناجائز؟ اگر وصیت نامہ جائز ہے تو موصی لہ ایک ثلث پانے کا مستحق ہوگا یا نہیں۔ متوفیہ کے وارث ایک دختر اور تین بھائی حقیقی ہیں اور ہر ایک وارث کو کس قدر سہام پہنچتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۲۲۱۰ محمد عبدالغفور صاحب (بلند شہر) ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۲۰) وارث کے حق میں وصیت بلا رضامندی دیگر ورثا کے غیر معتبر ہے لہذا یہ وصیت جب کہ متوفیہ کے بھائی اس کو منظور نہ کریں نافذ نہ ہوگی۔[1] اور متوفیہ کی لڑکی نصف ترکہ کی مستحق ہے اور نصف میں تینوں حقیقی بھائی حصہ مساوی شریک ہیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا خاص مدرسہ کے لئے وصیت کی صورت میں دوسرے مدرسہ میں کتابیں دی جا سکتی ہیں؟

(سوال) زید کی وصیت تھی کہ میری کتابیں فلاں مدرسہ میں (جہاں عرصہ دراز تک مدرس و مہتمم کی حیثیت سے کام کیا تھا) دیدینا تو کیا اسی مدرسہ میں دینا لازم ہے یا کل یا بعض کتابیں مدرسہ میں یا کسی عالم دین جو اس کا اہل اور ضرورت مند ہو دے سکتے ہیں اور بعض کتابیں جو مدرسہ میں زید نے اپنے مطالعہ کے لئے رکھی تھیں مہتمم مدرسہ سے واپس لے سکتے ہیں یا نہیں زید کے گھر والوں نے تین سال بعد مذکورہ کتابیں اپنی مسجد کے امام کو جو دور کا رشتہ دار ہونے کے علاوہ اہل و ضرورت مند ہے دے چکے ہیں اب وصیت کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے واپس طلب کرنا ضروری ہے یا اسی کے پاس رہنے دی جائیں؟ المستفتی نمبر ۲۶۲۱ سید عبدالرحیم راندیر (سورت) ۱۹ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ ۲۶ جون ۱۹۴۰ء

(جواب ۵۲۱) اگر زید نے یہ وصیت کی تھی تو درحقیقت یہ وصیت بالوقف تھی کیونکہ کسی مدرسہ میں کتابیں دینے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ اس مدرسہ کے طلبہ کو تقسیم کردینے کے لئے دوسری یہ کہ مدرسہ کے کتب خانہ وقفیہ میں داخل کرنے اور طلبہ کی تعلیم میں کام آنے کے لئے ظاہر یہ ہے کہ وصیت دوسری قسم کی ہوگی پس ورثا پر لازم تھا کہ وصیت کو اس کی اصل شکل میں پورا کریں اور اسی مدرسہ میں کتابیں

---

(۱) ولا لوارثه وقاتله مباشرة الا باجازة ورثته لقوله علیه السلام لا وصیة لوارث الا ان یجیزها الورثة وهم کبار عقلاء الخ (الدر المختار کتاب الوصایا ۶ / ۶۵۶ ط سعید)

(۲) ومع الابن للذکر مثل حظ الانثیین وهو یعصبهن (سراجی فصل فی النساء ص ۷ ط سعید)

داخل کریں[1] الا یہ کہ کتابوں کی قیمت ثلث ترکہ سے زائد ہو اور زائد ثلث میں ورثا نے وصیت جائز نہ رکھی ہو تو اتنی مقدار زائد ثلث کو وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہیں دے سکتے ہیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مختلف وصیتوں کا حکم

(سوال) زید مرحوم نے یکے بعد دیگرے تین عورتوں سے شادی کی پہلی عورت متوفیہ کے بطن سے دو لڑکے ہیں جو زید کے فرماں بردار اور اطاعت گزار ہیں دوسری عورت متوفیہ کے بطن سے تین لڑکیاں ہیں تیسری عورت حیات کے بطن سے چار لڑکے دو لڑکیاں ہیں یہ عورت اور سب اولاد حیات ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں زید نے ایک وصیت نامہ لکھا ہے جس میں ذیل کے امور درج ذیل ہیں زید نے اپنی زندگی میں ایک مکان کا فی قیمت والا جس میں خود تا موت رہتا رہا اپنی تیسری عورت حیات کے چاروں لڑکوں کو بخشش اور ہبہ کر دیا جس کو چار پانچ سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن قبضہ میں زید ہی کے رہا اور عورت اور اس کی اولاد سب زید کے ساتھ اسی مکان میں رہتے ہیں اس مکان میں پہلی دوسری عورت کی اولاد کو اور تیسری عورت کی لڑکیوں کو کچھ حق نہیں دیا ان دونوں عورتوں کی اولاد کی شادی ہو چکی ہے اور شادی میں دونوں لڑکوں کا خرچ ہوا ہے زید نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا ہے کہ اس مکان میں ایک ہزار روپیہ کا سامان حیات عورت کا ہے اس سامان کی کوئی تفصیل نہیں کہ کیا کیا چیز عورت نے اپنے روپے سے خریدی ہے عورت کے پاس کسی اور طریق سے کوئی آمدنی کی صورت نہیں ہے جس سے ایک ہزار کا اسباب خریدے جس کی کوئی تعیین نہیں ہے کیا شرعاً اس وصیت نامہ کے اقرار پر عمل ہو گا جب کہ دوسرے وارث راضی نہ ہوں۔

زید نے اسی وصیت نامہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حیات عورت کے پاس جو زیور ہے وہ میں نے اس عورت کو بخشش کر دیا ہے اس میں کسی کا حق نہیں ہے کیا یہ ہبہ صحیح ہے۔

زید نے اسی وصیت نامہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حیات عورت کے لڑکوں کی عورتوں کو جو زیور کپڑے وغیرہ میں نے چڑھائے ہیں وہ میں نے ان کے خاوندوں کو بخشش کر دیا ہے اس میں کسی کا حق نہیں ہے کیا زیور ہے کتنی قیمت کا ہے کوئی تفصیل نہیں کیسے کپڑے ہیں کس قیمت کے ہیں کچھ بیان نہیں ہے۔

زید نے اپنے مرض موت میں جب اس سے اٹھا بیٹھا بھی نہیں جاتا تھا اور رات دن مرض بڑھتا جاتا تھا اس وقت اپنی حیات عورت کو دوسرا مکان بخشش کر دیا اور اس بخشش کے چار ماہ بعد زید فوت ہو گیا بخشش کے وقت اپنے دستخط کرنے میں بھی دشواری اور دقت ہو گئی تھی زبردستی دستخط ہوئے یہ مرض موت میں جو ہبہ عورت مذکورہ کو کیا ہے شرعاً صحیح ہوا ہے یا نہیں اسی عورت کے چاروں لڑکوں کو ایک مکان بخشش کیا اور موت کے وقت اس عورت کو دوسرا مکان بخشش کیا اور اسی عورت کو اور اس کی اولاد کو زیور اور کپڑے چڑھاوے

---

(۱) فی الشامیۃ تحت (قولہ علی المذہب) فان شرائط الواقف معتبرۃ اذا لم تخالف الشرع وھو مالک فلہ ان یجعل مالہ حیث شاء مالم یکن معصیۃ (الدر المختار کتاب الوقف ۴/۳۴۳ ط سعید)

(۲) کیونکہ زائد از ثلث وصیت کے وہ پابند نہیں ان کی ملک ہے جہاں چاہیں دیں۔

وغیرہ کے سب بخشش کردیئے۔

زید نے اسی وصیت نامہ میں یہ لکھا ہے کہ میری موت کے بعد میری حیثیت کے مطابق کفن دفن کیا جائے اور چار سو روپے زیارت تیجا چوتھا میں خرچ کیا جائے اور دو ہزار روپے مجھ کو سال بھر تک ثواب پہنچانے کے لئے خرچ کیا جائے لیکن خرچ کرنے والے سے دوسرے وارث کوئی حساب کتاب نہ لیں اس کے بعد میں اپنی ملک میں سے ایک تہائی مال وقف کرتا ہوں اور دو تہائی مال وارث آپس میں شریعت کے مطابق تقسیم کرلیں جو تہائی وقف کیا ہے اس کی آمدنی سے ہر برس مولود کا کھانا کرنا جس میں چار سو سے پانچ سو روپے خرچ کئے جائیں اور ہر برس رمضان میں افطاری کے لئے ایک سو روپے خرچ کئے جائیں اور ہر ماہ پیران پیر کی گیارہویں کی نیاز میں سوا روپیہ صرف کیا جاوے اور میری ہر برسی پر ثواب کے لئے قرآن شریف پڑھوایا جائے اور پڑھنے والوں کو پندرہ سے بیس روپے کا کھانا پکا کر کھلانا چاہئیے۔

میری زندگی کے بعد میری اولاد میں جو بچے شادی سے رہ گئے ہیں ان کی شادی کے وقت ہر ایک بچے کو تین ہزار روپے اس میں سے دیئے جائیں اگر وقف کی آمدنی کم ہو تو اوپر سے خرچ موقوف کر کے شادی کرنے والوں کے لئے ہر ماہ روپیہ تھوڑا تھوڑا جمع کر کے شادی کے وقت تین ہزار روپیہ دینا چاہئیے اسی طرح اور کسی کام کاج میں میرے بچوں کو روپیہ کی ضرورت ہو تو اس میں سے مدد کی جائے نیز ٹرسٹی وغیرہ کو ضرورت ہو تو انہیں بھی امداد دینی چاہئیے۔

اسی وصیت نامہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے جو بڑا مکان چاروں لڑکوں کو بخشش کردیا ہے اس کا تمام خرچ ٹیکس، روشنی، پانی کے نل، رنگ و روغن، مرمت وغیرہ میں جو کچھ خرچ ہوتا رہے اسی تہائی میں سے صرف کیا جائے یہ وصیت نامہ ۱۹۳۵ء اگست میں لکھا گیا ہے اور زید کا انتقال جنوری ۱۹۴۲ء میں ہوا اس وصیت نامہ کی رو سے پہلی اور دوسری عورت کی اولاد کے حقوق میں بہت کمی ہو گئی ہے تیسری عورت زندہ کو ایک مکان اور زیور ایک ہزار روپیہ کا سامان بخشش کیا ہے اور اسی عورت کے چاروں لڑکوں کو بڑا مکان بھی بخشش کر چکا ہے اور اسی عورت کے لڑکوں اور لڑکیوں کو چڑھاوے کے زیور اور کپڑے بخشش کردینا لکھا ہے اور اسی عورت کے بچے جو شادی شدہ نہیں ہیں ان کو تین تین ہزار روپے بھی شادی کے لئے وقف سے دینے کے لئے لکھا ہے اور اسی عورت کے چاروں لڑکوں کو جو بڑا مکان بخشش کیا ہے اس کا تمام خرچ مرمت وغیرہ اسی وقف سے دینے کو لکھا ہے کہ ان تمام باتوں اور شرطوں پر میرے مرنے کے بعد عمل ہو۔

شریعت مطہرہ اس کے لئے کیا حکم فرماتی ہے کیا یہ شریعت کے مطابق ہے اگر دوسرے وارث راضی نہ ہوں تو بھی اس پر عمل ہوگا وصیت نامہ کو دیکھتے ہوئے حیات عورت اور اس کی اولاد کو میراث کے حق کے علاوہ بہت کچھ دیدیا گیا ہے اور دوسروں کے حقوق کم کردیئے گئے ہیں؟ **المستفتی نمبر ۲۶۹۵** غلام حسین محمد یوسف (راندیر، سورت) ۷ محرم ۱۳۶۱ھ م ۲۵ جنوری ۱۹۴۲ء۔

(جواب ۵۳۲) موت سے چار پانچ سال پہلے جو مکان اپنے چار لڑکوں کو ہبہ کیا گیا تھا اگر وہ ہبہ مشاع

اور مکان قابل تقسیم تھا تو یہ ہبہ نافذ نہ ہوگا اول تو بوجہ مشاع[1] ہونے کے دوم بوجہ قبضہ نہ دینے کے۔[2]

وصیت نامہ میں اس نے عورت کے لئے ایک ہزار روپے کے سامان کا اقرار کیا ہے لیکن مقربہ مجہول ہے کہ کیا کیا چیزیں عورت کی ملک ہیں لہذا یہ اقرار بھی غیر معتبر ہے[3] چونکہ درحقیقت یہ اقرار نہیں ہے بلکہ عورت کے لئے اس کی ملک کی شہادت ہے اور شہادت مجہولہ معتبر نہیں۔[4]

زیور کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ میں نے اسے بخش دیا ہے یہ اقرار ہبہ ہے مگر یہ معلوم نہیں ہوا کہ کب بخش دیا ہے آیا صحت میں یا مرض میں پس ہبہ بھی غیر معتبر ہے۔[5] ان دونوں صورتوں میں عورت اگر ایک ہزار کے سامان اور زیور کی ملک کا دعویٰ کرے تو اس کو سامان کی ملکیت اور زیور کی ہبہ صحت ہونے کی شہادت پیش کرنی ہوگی۔

لڑکوں کی عورتوں کو زیور اور کپڑے جو دیئے ہیں دونوں کے خاوندوں (یعنی اپنے لڑکوں) کو بخش دیئے ہیں اس میں بھی زمانہ ہبہ معلوم نہیں ہوا کہ دیتے وقت بخش دیئے تھے یا اب مرض میں۔ اگر صحت میں بخشے تھے تو لڑکوں کے قبضہ میں دیئے تھے یا نہیں اگر دیئے زوجۃ الابن کو اور بخشے لڑکے کو تو ہبہ صحیح نہیں اور مرض میں بخشے تو وارث کے لئے ہبہ مرض صحیح نہیں غرضیکہ یہ بھی ناقابل اعتبار ہے اس میں بھی اگر لڑکے مدعی ہبہ ہوں تو ہبہ مقبوضہ فی الصحۃ کی شہادت ان کے ذمے ہوگی۔[6]

مرض میں جو مکان اپنی عورت کو ہبہ کیا وہ ہبہ بھی صحیح نہیں ہے۔[7]

کفن دفن کے معمولی مصارف تو ترکہ میں سے لئے جائیں گے اور وہ وصیت پر مقدم ہیں۔[8] لیکن چار سو روپے خیرات کے اور دو ہزار روپے سال بھر ایصال ثواب کے اسی ثلث میں شامل ہوں گے جو وصیت کے لحاظ سے وقف ہوگا اور وجہ مسنون مشروع کے موافق صدقہ کرنا ہوگا زیارت اور گیارھویں اور مولود کے کھانے میں خرچ نہ ہوں گے۔[9] ادائے دیون کے بعد ایک ثلث ترکہ کو وقف کرنے کی وصیت ہے یہ نافذ ہوگی اور اس کی آمدنی میں سے مصارف مشروعہ کئے جائیں گے غیر شادی شدہ لڑکوں کو اس وقف کی آمدنی

---

(۱) والمانع من تمام القبض شیوع مقارن للعقد (الدرالمختار' کتاب الھبة ۵/ ۶۹۳)

(۲) لا تتم بالقبض فیما یقسم ولو وھبه لشریکه اولا جنبی لعدم تصور القبض الکامل ' الی قوله' فان قسمه و سلمه شائعا لا ینفذ تصرفه فیه (الدرالمختار' کتاب الھبة ۵/۶۹۲ ط سعید) .

(۳) اقر حر مکلف بحق معلوم او مجھول صح لان جہالة المقربه لا تضر - الی قوله ولزمه بیان ما جھل الخ (الدرالمختار' کتاب الاقرار ۵/ ۵۹۰ ط سعید) واضح ہو کہ یہاں چونکہ مقر فوت ہو چکا ہے لہذا بیان متعذر ہے۔

(۴) عدم ہبہ تو یقینی ہے اور وجود ہبہ مشکوک ہے کیونکہ اگر صحت میں ہو تو ٹھیک اور اگر مرض میں ہو تو غلط وفی الدر: بخلاف الھبة لھا فی مرضه (الدرالمختار' باب اقرار المرض ۵/ ۶۱۵ ط س)

(۵) والھبة وان کانت منجزة صورة فھی کالمضاف الیٰ ما بعد الموت حکماً لان حکمھا یتقرر عند الموت (الدرالمختار' کتاب الوصایا ۶/۶۵۹ ط سعید)

(۶) وجاء فی روایة البیھقی باسناد حسن او صحیح زیادة عن ابن عباسؓ مرفوعاً لکن البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر (مشکوٰة ص ۳۲۶ ط سعید)

(۷) وبخلاف الھبة لھا مرضه الخ(الدرالمختار ٤/ ٤٩٤ ط سعید)

(۸) ثم تقضی دیونه من جمیع ما بقی من ماله (سراجی ص ۳ ط سعید)

(۹) اوصی بان یطین قبره او یضرب علیه قبة فھی باطلة کما فی الخانیة وغیرھا (الدرالمختار' ۶/ ۶۶۶ ط سعید)

میں سے وہ رقم جو بتائی ہے بشرطا تنی رقم ہونے کے دی جائے گی اسی طرح اس وقف کی آمدنی میں سے جس بچے کو حاجت ہو اس کی امداد کی جاسکے گی۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی۔

وصی صرف اجرت مثل لے سکتا ہے۔

(سوال) زید نے مرتے وقت ایک دکان اور کچھ جائیداد جس میں مکانات وغیرہ شامل ہیں چھوڑی مرحوم نے اپنی دکان اور جائیداد کے لئے محمد صالح اور غلام محی الدین کو وصی اور محافظ مقرر کیا مرحوم کی حیات میں یہ دونوں اشخاص مرحوم کے تنخواہ دار ملازم تھے غلام محی الدین دکان کا تمام انتظام اور کاروبار سنبھالتا تھا اور دکانداری میں کافی تجربہ کار تھا محمد صالح مکانات کا کرایہ وغیرہ وصول کرتا تھا اس کو دکان کا کوئی تجربہ نہ تھا اور نہ مرحوم کی حیات میں دکان سے کوئی تعلق تھا بدیں وجہ مرحوم نے محمد صالح کو صرف وصی اور محافظ بنایا اور دکان کا انتظام اسکے سپرد نہ کیا لیکن غلام محی الدین کو ایک تیسرے شخص اسماعیل ابراہیم کے ساتھ (جو نہ وصی ہے نہ محافظ) دکان کا مہتمم اور منتظم بھی مقرر کیا اس طرح غلام محی الدین وصی اور محافظ جائیداد ہونے کے علاوہ دکان کا ناظم بھی ہوا اب یہ چیزیں غور طلب ہیں :

(۱) غلام محی الدین دکان میں سیلز مین (مال فروخت کرنے والے ملازم) کے فرائض کے علاوہ نظامت بھی انجام دے رہا ہے۔

(۲) وصیت نامہ میں اس تنخواہ کا جو غلام محی الدین کو مرحوم کی حیات میں ملتی تھی کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

(۳) وصیت نامہ میں مرحوم نے غلام محی الدین کو دکان کے خالص منافع میں سے ایک چوتھائی کا حصہ دار مقرر کیا ہے۔

اب غلام محی الدین اپنی اس تنخواہ کے علاوہ (جو مرحوم کی حیات میں ملتی تھی) وہ منافع بھی لے رہا ہے جس کی مرحوم نے وصیت فرمائی ہے دریافت طلب یہ ہے کہ محی الدین کو شرعاً تنخواہ لینی جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۶۴۹ غلام محی الدین رنگون (برما) ۱۶ رجب ۱۳۵۹ھ م ۲۱ اگست ۱۹۴۰ء

(جواب ۵۳۳) وصی کو تنخواہ اور منافع کا ۱/۴ دونوں چیزیں لینا حلال نہیں وہ صرف وصایت اور کاروبار کے عمل کی اجرت مثل لے سکتا ہے یعنی وہ دکان کا کام کرے اور وصایت کے سلسلے میں انتظام وغیرہ بھی کرے اور اس تمام عمل کے مقابلے میں اس کو تنخواہ دی جائے (خواہ تنخواہ کی مقدار وہی ہو جو پہلے ملتی تھی یا کسی قدر زیادہ) تو وہ اسے لینا حلال ہے۔ پھر نفع میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور یہ جائز نہیں کہ وہ تنخواہ نہ لے

---

(۱) قولهم شرط الواقف كنص الشارع اى فى المفهوم والدلالة و وجوب العمل به فى الشامية تحت (قوله شرط الواقف الخ) نحن لا نقول بالمفهوم في الوقف (الى قوله) فاذا قال وقفت على اولادى الذكور يصرف الى الذكور منهم بحكم المنطوق واما الاناث فلا يعطى لهن لعدم ما يدل على الاعطاء الخ (الدرالمختار' كتاب الوقف ٤/٤٣٣ ط سعيد)

اور صرف نفع کے ۴/۱ پر کفایت کرے کیونکہ یہ صورت مضاربت کی ہے اور وصی مال یتیم میں مضاربت نہیں کر سکتا الا یہ کہ سب وارث بالغ ہوں اور سب رضامندی سے از سر نو یہ معاملہ کریں تو پھر ان کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا مرحوم کی وصیت کے ماتحت نہ ہوگا یہ بھی جائز ہے کہ وہ وصی بننے سے دستبردار ہو جائے پھر بحیثیت مضارب اس کو کام کرنے کا حق ہوگا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مختلف چیزوں کے بارے میں وصیت کا حکم

(سوال) مسمی غلام محمد نے عارضہ ہیضہ صرف ایک روز مبتلا رہ کر ۲۹ جون ۱۹۱۹ء کو انتقال کیا مرض موت سے دو روز پیشتر انہوں نے گجراتی زبان میں ایک وصیت نامہ لکھا جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے :

میں غلام محمد احمد بھائی میاں نگدا قوم سنی بوہرہ راندیر کی جماعت کا عمر اندازاً ۲۴ سال ساکن راندیر محلّہ تائی واڑہ ٹیکہ نمبر $\frac{245}{362}$ /4 ہوں میں بدرستی ہوش وحواس وثبات عقل یہ آخری وصیت نامہ لکھتا ہوں۔ اس وصیت نامہ کے ٹرسٹی میری ماں عائشہ بی بی بنت محمد قاسم اور مولانا محمد ابراہیم حافظ اسمٰعیل اور ابراہیم ہاشم اسمعیل ہیں میں ان تینوں کو مقرر کرتا ہوں اور اختیار دیتا ہوں کہ میرے نیچے لکھے ہوئے کے مطابق یہ لوگ بذات خود یا بذریعہ اپنے قائم مقام کے میری وصیت کا کام بجالائیں میرے اصلی حق دار دو وارث موجود ہیں جن کے نام یہ ہیں میری ماں عائشہ بی بی بنت محمد قاسم عمر ۴۴ سال میری بیوی خدیجہ بی بی بنت یوسف بو عمر اندازاً اٹھارہ سال میری جائیداد یہ ہے تائی واڑہ میں گھر ٹیکا نمبر $\frac{245}{362}$ /4 اور میرے باپ کی جائیداد میں جو مجھ کو وراثتہ پہنچا ہو اور جو زیورات میرے باپ کے تھے ان میں سے جو کچھ میں نے بیچا ان کا حساب میں نے نہیں رکھا لہذا اس کے متعلق جو کچھ میری ماں بتلائے اس کو درست سمجھا جائے میری ماں عائشہ بی بی کے پانچ ہزار روپے مجھ پر قرض ہیں ان کے عوض میں میرا مکان راندیر والا میری ماں کو دیدیا جائے اس میں ان کو ان کی زندگانی تک رہنے دیا جائے اگر ورثہ نہ رہنے دیں اور ایذا پہنچائیں تو میری والدہ کو اختیار ہے کہ پانچ ہزار روپے ورثہ سے وصول کرلے میرے مرنے کے بعد دو ہزار روپے میری ماں کو دیئے جائیں کہ اس میں کفن دفن اور سال بھر تک ایصال ثواب کرتی رہیں لیکن ان سے اس روپے کا حساب کتاب نہ لیا جائے میرا جو کچھ کپڑا لتا ہے اس کی بابت میری ماں کو اختیار ہے جس کو چاہیں دیں۔ کسی دوسرے کو اختیار نہیں ہے میری جائیداد کا ثلث حصہ چار جگہوں میں برابر برابر دلایا جائے وہ چار جگہیں یہ ہیں مدرسہ امینیہ دہلی' مدرسہ مولانا اشرف علی صاحب تھانہ بھون' مدرسہ سہارنپور مولانا خلیل احمد صاحب' مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند' یہ جملہ وصیت بحضور شاہدین ۲۷ جون ۱۹۱۹ء دن جمعہ راندیر میں ہوش کے ساتھ کرتا ہوں جو کچھ باتیں میں نے لکھی ہیں سب کو قبول کرتا ہوں گواہ شد اعظم ہاشم ٹیلی' گواہ شد محمد اسمعیل مودن۔

---

(۱) یہ سوال وجواب ص ۱۱۷، ۱۱۸ پر گزر چکے ہیں حوالہ جات وہیں ملاحظہ فرمائیں

پھر اس کے بعد متوفی نے بحالت مرض موت زبانی چار مدارس مذکورہ وصیت نامہ کے ساتھ پانچویں مدرسہ ”بالا پیر“ کو بھی شامل کیا نیز اسی حالت میں زبانی یہ بھی وصیت کی کہ میری طرف سے تین ہزار روپے خرچ کرکے حج کرایا جائے پس ارشاد ہو کہ :

(۱) تحریری وصیت نامہ میں متوفی نے دو ہزار روپے ایصال ثواب وغیرہ کے لئے اور جائیداد کا تہائی حصہ چار یا پانچ مدارس کے لئے اور کپڑا التادید ینے کے لئے اور زبانی وصیت میں تین ہزار روپے حج کے لئے بتائے ہیں پس جب کہ وصیت کا نفاذ کل مال کی تہائی میں ہوتا ہے توان جملہ وصایا کا نفاذ اس موجودہ صورت میں کس طرح ہوگا ؟

(۲) آیا متوفی کا اپنی ماں کے لئے پانچ ہزار روپے کا اقرار کرنا صحیح ہے ؟

(۳) اگر ورثہ مکان میں عمر بھر ماں کو رہنے دیں تو کیا یہ پانچ ہزار روپے جو کہ موصی کے ذمہ تھے عمر بھر سکونت کا معاوضہ قرار پائیں گے ؟

(۴) وصیت نامہ میں متوفی نے ایصال ثواب وغیرہ کے لئے دو ہزار روپے کی رقم متعین کردی تھی لیکن اس کی ماں نے دو ہزار سے زائد خرچ کردیئے ہیں پس بحالت موجودہ دو ہزار روپے شرعاً بھی متعین ہو جانے کی صورت میں یہ زائد روپیہ میت کے مال سے لیا جائے گا یا ماں کے ذمہ عائد ہوگا ؟

(۵) زبانی وصیت میں پانچویں مدرسے کو بھی شامل کیا ہے تو آیا اس پانچویں مدرسے کو بھی دیا جائے گا یا نہیں ؟

(۶) وصیت نامہ میں تین ہزار روپے سے حج کرانے کا ذکر نہیں ہے پس یہ زبانی وصیت جاری کی جائے گی یا نہیں ؟ اگر جاری کی جائے گی تو پورے تین ہزار میں یا کم میں پھر اس مقدار معینہ عنداللہ میں بحالت گنجائش کئی حج کرائے جائیں یا صرف ایک حج کرا دینا جس قدر روپے میں بھی ہو جائے کافی ہوگا کئی حج کرانے کی صورت میں اگر مقدار معینہ میں سے صرف کرکے اس قدر تھوڑی رقم باقی رہ جائے جس سے ایک حج کے مصارف پورے نہ ہوں تو اس بقیہ تھوڑی رقم کو کیا کیا جائے نیز یہ ایک حج یا کئی حج کس جگہ سے کرائے جائیں۔

(۷) وصیت نامے میں پانچ ہزار روپے کا صراحۃً اقرار ہے کہ میری ماں کی اس قدر رقم میرے ذمہ ہے اور باپ کے زیورات بیچنے کا ذکر ہے لیکن متوفی کی ماں کل چودہ ہزار چار سو پچیس روپیہ اپنا باقی بتاتی ہیں جس کی تفصیل یہ ہے راندیر کے مکان کی تعمیر دو ہزار روپے ۱۹۱۶ء میں رنگون آنے کے وقت ایک ہزار روپے متوفی کی بیوی کا زیور تین ہزار روپے متوفی کی بیوی کے کپڑے دو ہزار روپے متوفی کے نکاح ثانی کا خرچ آٹھ سو روپے متوفی کی زوجہ اولیٰ مطلقہ کے مہر و عدت کا خرچ چھ سو پچیس روپے مطابق وصیت نامہ پانچ ہزار روپے پس ارشاد ہو کہ آیا ماں کا یہ بیان شرعاً معتبر سمجھا جائے گا یا نہیں ؟ بلحاظ مزید توضیح یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ متوفی کے بتلائے ہوئے وارثوں کے علاوہ ایک اس کی بہن بھی ہے نیز بیوی حاملہ ہے فقط بینوا توجروا؟

(جواب ۵۳٤) زیورات کے متعلق یہ بیان کہ جو کچھ میری ماں بتلائے اس کو درست سمجھا جائے اور ماں کے لئے پانچ ہزار روپے کا اقرار یہ دونوں باتیں غیر معتبر ہیں۔[1] بلکہ بینہ شرعیہ سے جو چیز میت کے ذمہ ثابت کردی جائے گی وہ ثابت ہوگی ورنہ محض اس اقرار سے کچھ ثبوت نہ ہوگا پس مکان کے متعلق والدہ کو رہنے دینے کی وصیت جو اقرار قرض پر متفرع تھی وہ خود بخود غیر معتبر ہوگئی اسی طرح کپڑے لتے کے متعلق یہ وصیت کہ میری والدہ کو اختیار ہے جسے چاہیں دیں یہ بھی غیر معتبر ہے کیونکہ موصی لہم معین اور معلوم نہیں۔[2]

اب رہی یہ وصیت کہ ایصال ثواب کے لئے دو ہزار روپے والدہ کو دیئے جائیں اور وہ اپنے اختیار سے خرچ کریں یہ وصیت اگرچہ امام محمدؒ کے قول کے موافق صحیح ہے کہ وجوہ خیر میں یہ روپے صرف ہو سکتے تھے لیکن چونکہ آگے ثلث مال میں دوسری وصیت اور تیسری وصیت موجود ہے[3] اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ ثلث مال میں تین وصیتیں جمع ہوگئیں اول دو ہزار روپے مصارف تجہیز و تکفین و ایصال ثواب کے لئے دوسرے ثلث مال میں پانچ مدرسے برابر کے شریک رہیں۔ تیسرے حج بدل کرالیا جائے چونکہ میت کی وصیت صرف ثلث مال میں جاری ہوتی ہے اس لئے اگر کئی وصیتیں جمع ہوجائیں تو ثلث مال کو ان سب پر تقسیم کیا جاتا ہے لیکن اگر ان میں سے کوئی وصیت ایسی ہو کہ اس کا کوئی مستحق متعین نہ ہو تو اس کو خارج کردیا جاتا ہے یعنی اس کا حصہ نہیں لگتا۔[4] پس صورت مسئولہ میں ایصال ثواب والی وصیت بوجہ اس کے کہ اس کا کوئی خاص مستحق نہیں ساقط ہوجائے گی اب صرف دو وصیتیں رہ گئیں ایک حج بدل کی اور دوسری پانچ مدرسوں کی اور ان دونوں میں سے ایک فرض کی وصیت ہے یعنی حج بدل کی اور دوسری تطوع کی یعنی مدارس میں دینے کی اور فرض مقدم ہے اس لئے ثلث مال میں سے اول حج بدل کرالیا جائے۔[5] اگر تمام ثلث اس میں خرچ ہوجائے تو مدارس کو کچھ نہ ملے گا اور اگر ثلث میں سے کچھ بچے تو پانچوں مدرسے بحصہ مساوی مستحق ہیں پانچواں مدرسہ اگرچہ بعد میں بڑھایا گیا ہے مگر وہ بھی پہلے چاروں کے ساتھ مل کر ان کے برابر حصے کا مستحق ہے۔[6] حج کے لئے جو مقدار مقرر کی ہے یعنی تین ہزار روپے وہ معتبر نہیں حج ہونا چاہئے خواہ کم میں

---

(۱) اقر حر مکلف اوغیر ماذون بحق معلوم او مجهول صح ولزمه بیان ما جهل (الدر المختار' کتاب الاقرار ٥/ ٥٩٠ ط سعید) لیکن واضح ہو کہ یہاں اقرار کرنے والا فوت ہو چکا ہے اس لئے بیان ممکن نہیں لہذا اقرار بھی معتبر نہ ہوگا۔

(۲) قال اوصیتُ بثلثی لفلان او فلان بطلت عند ابی حنیفة لجهالة الموصی له (الدر المختار' کتاب الوصایا ٦/ ٦٩٦ ط سعید)

(۳) اوصی بثلث ماله لله تعالیٰ فهی باطلة قال محمد تصرف لوجوه البر (الدر المختار' کتاب الوصایا ٦/ ٦٦٦ ط سعید)

(٤) اذا اجتمع الوصایا الخ وما جمع فیه بین حقه تعالیٰ وحق العباد فانه یقسم الثلث علیٰ جمیعها الیٰ قوله وان کان الادمی غیر معین بان اوصی بالصدقة علیٰ الفقراء فلا یقسم (رد المحتار' کتاب الوصایا ٦/ ٦٦١ ط سعید)

(٥) فی الشامیة : تحت قول الدر قدمُ الفرض کالحج والزکاة والکفارات لان الفرض اهم من النفل والظاهر منه البداءة بالاهم (ردالمحتار' کتاب الوصایا ٦/ ٦٦١ ط سعید)

(٦) وبثلث ماله لرجل ثم قال لآخر اشر کتك اواد خلتك معه فالثلث بینهما (تنویر الابصار' کتاب الوصایا ٦/ ٦٧٥ ط سعید)

ہو یا زیادہ میں حج مرحوم کے وطن سے ہونا چاہئیے۔[1] ماں کا دعویٰ چودہ ہزار کا بغیر ثبوت شرعی کے معتبر نہ ہو گا جو مقدار بینہ سے ثابت ہو جائے گی وہ معتبر ہو گی۔باقی غیر معتبر[2] والدہ نے اگر دو ہزار سے زیادہ روپیہ ایصال ثواب میں خرچ کردیا ہو تو وہ خود ضامن ہو گی۔[3] اور دو ہزار کے اندر خرچ کیا ہو اور یہ مقدار ثلث سے زائد نہ ہو تو ضمان نہیں آئے گا۔

متوفی کے ورثا جو حسب بیان سائل مندرجہ ذیل ہیں زوجہ 'والدہ' بیٹا 'بہن ان میں متوفی کا ترکہ حسب ذیل طریقے سے تقسیم ہو گا کہ کل مال کا (یعنی بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث) آٹھواں حصہ بیوی کو اور چھٹا حصہ والدہ کو اور باقی بیٹے کو دیا جائے گا بہن محروم ہے۔[4] فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔جواب صحیح ہے 'اشرف علی۔ ۲۴ ربیع الثانی ۱۹۳۸ء

وصیت کے لئے دوسری تحریر سے پہلی وصیت باطل ہو جائے گی

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۳۰ء)

(سوال) مسماۃ عائشہ بائی نے بعقل و ہوش روبرو گواہوں کے تندرستی کی حالت میں سادے کاغذ پر یہ مضمون تحریر کیا کہ میرے مرنے کے بعد میری تمام ملکیت روپیہ پیسہ مکان زمین گھر تمام سامان وغیرہ میں سے ایک روپے میں سے چار آنے مسجد مدات پھلیاو مسجد الٰہی و مدرسہ انجمن اسلام میں دے دیا جائے باقی بارہ آنے میرے وارثوں پر تقسیم کیا جاوے اور وہی دونوں گواہ وکیل ہیں ان میں سے ایک وکیل کے قبضے میں مرحومہ عائشہ نے اپنا مال و متاع سپرد کیا ہے جو کہ مرحومہ کے خاوند کی پھوپھی کا لڑکا ہے اور دوسرا گواہ مرحومہ کے باپ کی پھوپھی کا لڑکا ہے پھر پونے دو برس کے بعد عائشہ بائی مذکورہ نے بیماری کی حالت میں از سر نو دوسری تحریر سرکاری کاغذ پر بہ ہوش و حواس پلنگ پر بیٹھے بیٹھے روبرو تین گواہوں کے یہ لکھی کہ میں جو پیشتر تحریر کر چکی ہوں اس کو میں باطل کرتی ہوں اور اب یہ دوسری نئی تحریر کرتی ہوں جس کا مضمون یہ ہے کہ میں تمام ملکیت اور مال و اسباب روپیہ پیسہ مکان زمین وغیرہ تمام اشیاء اپنی نواسی مؤمن بائی کو دیتی ہوں اور اسی ایک کو وارث مقرر کرتی ہوں دوسری تحریر میں تین گواہ یہی تینوں کو وکیل بنایا اور اس نواسی کا

---

(۱) اوصى بحج احج عنه راكبا من بلده في الشامية لأن الواجب عليه ان يحج من بلده والوصية لاداء ماهو الواجب عليه زيلعي (رد المحتار' كتاب الوصايا ٦:٦٦٣ ط س)

(۲) وجاء في رواية البيهقي باسناد حسن او صحيح زيادة عن ابن عباس مرفوعا لكن البينة على المدعي واليمين على من انكر (مشكوٰة ص ٣٢٦ ط سعيد)

(۳) لا يجوز التصرف في مال الغير بلا اذنه ولا ولايته الا في مسائل مذكورة في الاشباه (وفي الشامية) ذبح شاة القصاب ان بعد ما شد القصاب رجلها لا يضمن والا ضمن والا صل في جنس هذه المسائل كل عمل لايتفاوت فيه الناس يثبت الاستعانة من كل احد دلالة والا فلا' فلو علقها بعد الذبح للسلخ فسلخها آخر بلا اذنه ضمن الخ (الدر ٤:١٢٧ ط بيروت

(٤) فيفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن' والسدس للام مع احدهما' و عند الانفراد يحوز جميع المال و يقدم الاقرب فالا قرب كالابن (الدر المختار' ٦/ ٧٧٥ ط سعيد)

قبضہ مال وغیرہ پر جس کے نام اس نے تمام ملکیت کو لکھا ہے نہ اس وقت ہوا نہ اس وقت ہے بلکہ سامان اور روپیہ وغیرہ دوسروں کے قبضے میں ہے یعنی عائشہ بائی مرحومہ کے چچا کے بیٹے کا بیٹا اور دوسرے چچا کی بیٹی کا بیٹا اور تیسرا اجنبی شخص ہے ان تینوں کا قبضہ اس وقت سے اب تک ہے اب دریافت کرنا یہ ہے کہ عند الشرع وہ پہلی تحریر باطل ہے یا نہیں؟

(جواب ۵۳۵) پہلی وصیت تو باطل ہو گئی[1] اب دوسری وصیت کے موجب اس کی نواسی مومن بائی کو اس کے ترکہ کی ایک تہائی ملے گی اور باقی دو تہائی اس کے باپ کے چچا کے لڑکوں کا حق ہے۔[2] اگر ان دونوں سے اقرب کوئی اور عصبہ نہ ہو ورنہ جو عصبہ قریب ہوگا وہ مستحق ہوگا۔[3] محمد کفایت اللہ غفر لہ

کھانا کھلانے کنواں بنوانے اور مسجد کی تعمیر کے لئے کی ہوئی وصیت کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۹ فروری ۱۹۳۵ء)

(سوال) ایک فاحشہ عورت نے مرتے وقت چند آدمیوں کو وصیت کی ہے کہ میرے کچھ مال سے کھانا وغیرہ پکاکر کھلا دیا جائے اور باقی مال سے کنواں یا مسجد یا نیک کام پر صرف کر دیا جائے کنواں اور کھانا بعض آدمیوں نے اس کے مال متروکہ میں سے کر دیا باقی مال ایک نیک آدمی کے پاس امانت ہے وہ دریافت کرتا ہے کہ اب اس مال کو کہاں صرف کیا جائے؟

(جواب ۵۳۶) اس مال کو محتاج مسلمانوں پر اس نیت سے خرچ کر دیا جائے کہ جو شخص اس مال کا اصل مستحق ہے اس کو ثواب پہنچے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

مرض الوفات میں ورثاء اور غیر ورثاء کے لئے کی ہوئی وصیت کا حکم

(سوال) (۱) شخص بلا اولاد نرینہ ایک بیوہ ایک لڑکی اور ایک ہمشیرہ چھوڑ کر مر جاتا ہے اس کی تقسیم جائیداد کس طرح ہوگی؟ جائیداد اسکی خود پیدا کردہ نہیں بلکہ جدی ہے۔ (۲) کیا متوفی کو اختیار ہے کہ اس جائیداد جدی کے لئے کوئی متبنیٰ قرار دے؟ (۳) کیا متوفی کسی نابالغ بچے عمر آٹھ سال کو جو اس کی خدمت گزاری کے لائق ابھی نہ تھا بعوض خدمت گزاری بلا رضامندی وارثان مذکورہ بالا کل جائیداد یا اس کا جزو دینے کا مجاز ہے یا نہیں؟ (۴) کیا متوفی کو بلا رضامندی وارثان متذکرہ بالا وصیت کی رو سے بیوہ اور نام نہاد خدمت گزار نابالغ

---

(۱) وبخلاف قوله كل وصية اوصيتها فهي باطلة او الذي اوصيت به لزيد فهو لعمرو او لفلان وارثي فكل ذلك رجوع عن الاول الخ (الدرالمختار' كتاب الوصايا ٦ / ٦٥٩ ط سعيد)

(۲) ثم تقدم وصيته من ثلث ما بقي ثم يقسم الباقي بين ورثته الذين ثبت ارثهم بالكتاب والسنة (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦ / ٧٦١ ط سعيد)

(۳) ويقدم الاقرب فالاقرب الخ (الدر' كتاب الفرائض ٦ / ٧٧٤ ط سعيد)

(٤) وفي القنية لو رجي وجود المالك وجب الايصاء فان جاء مالكها بعد التصدق خير بين اجازة فعله ولو بعد هلاكها وله ثوابها او تضمينه (الدرالمختار' كتاب اللقطة ٤ / ٢٨٠ ط سعيد)

بچہ کو بحصہ مساوی سالم جائیداد کے دیدینے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں ؟ (۵) وہ نابالغ بچہ جس کو متبنی بنایا گیا متوفی مسمی محمد کے چچا کا پڑپوتا ہے نام اس کا امام بخش ولد اللہ دوسایا اور محمد متوفی کی بیوہ کا نام حیات بی بی ہے بہن کا نام خان بی بی اور لڑکی کا نام مسماۃ ست بھرائی ہے۔(۶) کیا مرض الموت میں وصیت جائز ہو سکتی ہے ؟ (۷) بیوہ حیات بی بی اور امام بخش کو ثلث ثلث جائیداد ملے گی یا ہر ایک کو سدس ؟ یا نصف نصف ؟
المستفتی غلام سرور (ریاست بہاولپور) ۱۳ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۵۳۷) مرض الموت میں وصیت جائز ہے۔[1] جائیداد جدی ہو یا اپنی پیدا کردہ ۔ وصیت سب میں ہو سکتی ہے ایک ثلث میں وصیت جاری ہوتی ہے اس کے جواز و نفاذ کے لئے وارثوں کی اجازت و رضامندی ضروری نہیں۔[2] وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہوتی۔[3] متبنی کا کوئی حصہ نہیں۔[4] صورت مسئولہ میں بیوی کے لئے تو وصیت ناجائز ہے کیونکہ وہ وارث ہے امام بخش متبنی کے لئے وصیت جائز ہے کہ وہ غیر وارث ہے۔[5] نصف ثلث۔[6] اس کو ملے گا اس کے بعد ۶/۵ وارثوں کا حق ہے وارثوں کے حصے مندرجہ ذیل ہیں۔

مسئلہ ۸

بیوہ	بنت	اخت
١	۴	۳

یعنی بعد تنفیذ وصیت (۶/۱ متبنی کو دیکر باقی کے) آٹھ سہام کر کے ایک سہام بیوی کو اور چار سہام بیٹی کو اور تین سہام بہن کو ملیں گے۔[7] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

استفسار متعلقہ فتویٰ مذکورہ مرسلہ بنام حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدی
(از طرف حضرت مولانا مولوی فاروق احمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ عباسیہ بہاولپور)

مکرمی محترمی زید مجد ہم ۔السلام علیکم۔امید ہے کہ جناب مع الخیر دہلی پہنچ گئے ہوں گے ۔ نقل فتویٰ ڈابھیل و دہلی و مولوی سراج احمد بہاولپوری بھیجتا ہوں۔ حضرت مفتی (کفایت اللہ) صاحب کو بھی دکھا دیجئے ان کا جواب اور ڈابھیل سے بھی علیحدہ کاغذ پر بھجوا دیجئے۔ بندہ فاروق احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مسمی محمد نے فوت ہونے کے وقت وصیت کی کہ میری سالم جائیداد

---

(۱) والمضاف الی موته من النائب وان كان فی الصحة و مرض صح منه كالصحة الخ (الدرالمختار' باب العتق فی المرض ۶/ ۶۷۹ ط سعید)

(۲) وتجوز بالثلث للاجنبی عند عدم المانع وان لم يجز الوارث ذالك الخ (الدرالمختار' كتاب الوصايا ۶/ ۶۵۰ ط سعید

(۳) لقوله عليه الصلوة والسلام لا وصية لوارث (رواه الترمذی ۲/ ۳۲ ط سعید)

(۴) کیونکہ وہ نہ ذوی الفروض میں سے ہے نہ ذوی الارحام میں سے اور نہ ہی عصبات میں سے ہے

(۵) ثم تصح الوصية لاجنبی من غير اجازة الورثة (عالمگیریة' كتاب الوصايا ۶/ ۹۰ ط ماجدیه)

(۶) نصف ثلث کا مطلب سدس ہے یعنی سدس ملے گا

(۷) فيفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن وفيه ايضا. والثلثان لكل اثنين فصاعدة ممن فرضه النصف (الدرالمختار' كتاب الفرائض ۶/ ۷۷۳ ط سعید)

نصفانصف کر کے میری زوجہ حیات بی بی اور متبنی امام بخش نابالغ پر تقسیم کر دی جائے اس کی ایک لڑکی ست بھر ائی اور ایک ہمشیرہ خان بی بی ہے مسئلہ میراث میں سب علما متفق ہیں ہکذا۔ مسئلہ ۸

زوجہ	بنت	اخت
۱	۴	۳

مسئلہ میں اختلاف بصورت عدم اجازت وارثان ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے متبنی کو ثلث دینا لکھا ہے بسند بدائع جلد ص ۳۳۲ ولو اوصی بالثلث لرجلین ومات الموصی الاخر الخ وجلد ۸ ص ۳۳۸ قلت ولا یخفی ان رد الشارع الوصیة الاخر الخ دوسرے علماء نے بھی ثلث لکھا مگر بسند عالمگیریہ جلد ۴ ص ۳۲۵ ولو ان امراة ماتت واوصت لزوجها وللاجنبی بجمیع مالها یاخذ الا جنبی اولا ثلث المال بلا منازعة و یبقی ثلثا المال نصفه للزوج والثلث الباقی بینهما اثلاثا کذافی قاضی خان اھ- اس بعض علما کی تردید۔

مولوی شبیر احمد ذاکجیل نے یوں لکھی مسئلہ مانحن فیہ میں زوجہ کے سوااور وارث رد کرنے والے وصیت کے ہیں۔ مسئلہ مشہود بہا قاضی خاں میں زوج موصی لہ کی سواکوئی اور وارث نہیں لہذا قیاس مع الفارق ہے اور خود سدس للمتبنی کا فتویٰ دیا۔ بحوالہ سند خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۴ ص ۲۲۸ رجل اوصی لوارثه و لاجنبی فللاجنبی نصف الوصية وبطلت الوصية للوارث الخ و بسند شامی ج۵ ص ۴۷۲ وان اوصی لاحدهما بجميع ماله ولاخر بثلث ماله ولم تجز الورثة فثلثه بينهما نصفا ن لان الوصية باكثر من الثلث بطلت بعدم الاجازة فيجعل كانه اوصى لكل بالثلث فينصف الخ و بسند بدائع ج ۷ ص ۳۳۸ ولو اوصى بثلث ماله قال وان ردوا جازت في حصة الاجنبي وبطلت في حصة الوارث الخ یہی تردید سند فتوائے مولوی کفایت اللہ میں ہے اور...

مولوی عبد اللطیف مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور بھی اسی سند بدائع کو ترجیح دے کر سدس کا قائل ہے۔ بدیں بیان کہ گویا مسئلہ بدائع ثلث میں مفروض ہے لیکن ثلث اور زائد از ثلث میں جو فرق ہے سمجھ نہیں آتا بحوالہ بدائع ۷ ص ۳۵ صورت واقع میں بھی اضافت صحیح ہے اس لئے کہ گو نصف کی وصیت اجنبی کے لئے ہے اور نصف زوجہ کے لئے مگر حسب قاعدہ وصیت اول اضافت ثلث کی طرف ہوگی اور اس میں بصورت صحت اضافت دونوں شریک ہوں گے۔ لیکن بصورت عدم اجازت ورثا اجنبی صرف نصف ثلث یعنی سدس کا مستحق ہوگا۔

مولوی محمد شفیع دیوبندی نے بھی فتویٰ سدس للمتبنی کا دیا۔ بسند عالمگیریہ ص ۵ ج ۴ ناقلا عن التبیین واذا اوصى لا جنبي ووارث كان للاجنبي نصف الوصية و بطلت وصية الوارث الخ

الجواب وهو اعلم بالصواب (از مولوی سراج احمد بہاولپور) امام بخش متبنی مستحق ثلث کا ہے نہ سدس کا تردید ورثہ سے سالم وصیت نصف مال متعلقہ زوجہ باطل ہوئی۔ اور حصہ اجنبی والے نصف مال سے وصیت ثلث بحال رہ کر صرف زائد عن الثلث الی النصف کی وصیت باطل ہوئی ہاں ثلث کی وصیت بجوارث

سے مقدم ہے اگر صرف ہر دو اجنبیوں کے لئے ہو (بالانفراد او بالاشتراک) یا اجنبی اور وارث کے لئے
بالاشتراک ہو تو اس میں ہر دو شریک ہو کر نصفا نصف مستحق ہوں گے کیونکہ ہر دو اجنبیوں کی وصیت قوی
ہے اگرچہ ہر ایک کے لئے ثلث کی وصیت علیحدہ علیحدہ کی ہو تو بصورت عدم اجازت ایک ہی ثلث میں
بالمنازعت ہر دو شریک ہو جاویں گے اور دوسری صورت اجنبی والوارث میں جب کہ ایک ہی ثلث سے
وصیت بالاشتراک ہے تو گویا ابتداہی سے اجنبی کے لئے سدس کی وصیت ہے نہ ثلث بالمنازعت اگر علیحدہ
علیحدہ ثلث کی وصیت ان کو ہوتی تو بوجہ عدم جواز مزاحمت ضعیف للقوی کے اجنبی مستحق ثلث ہوتا ہے
نہ سدس۔ مانحن فیہ میں تو ہر دونوں کے لئے زائد عن الثلث کی وصیت ہے پس حسب روایت خلاصہ تبیین
بدائع کے جو سب متون و شروح میں مصرح ہے اور مستند مدعیان سدس ہے نصف حصہ زوجہ والا باطل ہوگا
نہ حصہ اجنبی والا نصف۔ اگر زائد عن الثلث الی النصف اس کا باطل ہوا ہے تو بروایۃ اخری عدم اجازۃ ورثہ
کے نہ حسب روایۃ بدائع بالا جو مفروض بھی ثلث میں ہے نہ سالم مال میں جو واقعہ مسئولہ ہے پس مولوی
شبیر احمد و مولوی عبداللطیف کا وصیت زائد عن الثلث کی وصیۃ ثلث والے مسئلہ پر قیاس کرنا ایا مع
الفارق ہے جیسا مد عیان ثلث نے کہا بال متون نے اس مسئلے کو اگر مطلق ذکر کیا تو فہم قضیہ پر اعتماد کرکے
حسب عادۃ مستمرہ خود ترک قضیہ ثلث کیا مگر باب ثلث مال میں لکھ کر بعض شروح کا وہو نصف الثلث لکھنا
اس قید کی تذکیر ہے کہ یہ مسئلہ ثلث میں مفروض ہے وقایہ اور ملتقی نے قید عین بڑھا کر وان اوصی بعین
لوارثہ ولا جنبی فلہ نصفھا ولا شئی للوارث لکھا جس میں وصیت بالثلث سے بھی کمال اشتراک زائد
ہے اگر مسئلہ بالا متون کو مخصوص بالثلث المشترک او العین المشترک کیا جاوے تو علاوہ مخالفۃ اس قاعدہ عامہ
فقہا کے (لا یزاحم وصیة الوارث الضعیف الوصب الاجنبی القوی فی الثلث) اس مسئلہ متون و
تخریجات مبسوط ذیل میں تطبیق نا ممکن ہے کما لا یخفی علی الماہر المفتی وہ روایات مثبت دعویٰ ثلث للاجنبی
یہ ہیں مبسوط جزء۲۹ صفحہ ۳ ولو ترك ابنين فاوصى لا جنبي بنصف ماله ولا حد ابنيه بكمال النصف
معه نصيبه فلو اجاز الابن الذى لم يوصى له الاجنبى ولم يجز لاخيه ولم يجزا خوه للاجنبى اخذ
الا جنبى ثلث المال بغير اجازة منه واخذمن الذى اجازله سهما واحدا لان المستحق له بالا جازة
من نصيبه هذا المقدار ولا ياخذ بالنصيب الأخر شيئا لانه لم يجز له الوصية فيصير في يده
خمسة و فى يد الابن المجيز ثلاثة وفى يد الابن الموصى له اربعة نصيبه من الميراث دیکھو یہ
مسئلہ مسئولہ کی نص صریح ہے کہ وصیت اجنبی اور غیر زوجین والے وارث کے لئے سالم مال کی ہے دوسرا
ابن اخی موصی لہ وارث کو اجازت نہیں دی جس سے وارث کا حصہ وصیت باطل ہوا اور اجنبی اپنا ثلث
سالم بلا مزاحمت وارث یعنی کل مال ۱۲ سے چار لیا اور ایک سہم ابن مجیز سے بھی لے لی ابن موصی لہ صرف
میراث والی چار سہم لے گیا۔ اور مجیز تین سہم لے گیا۔ شاید یہ خیال گزرے کہ بوجہ اجازت دینے بعض
ورثہ للاجنبی کے وارث موصی لہ مزاحمت فی الثلث نہ کر سکا ہو اگرچہ یہ خیال مجنون ہی کر سکتا ہے کیونکہ
منازعت وارث ہوتی بھی بوقت اجازت ہے لیکن مسئلہ ذیل اس سے بھی اصرح ہے کہ جب ثلث ثابت کی

وصیت ہر ایک اجنبی و وارث کے لئے علیحدہ علیحدہ ہو تو بوقت عدم اجازت دوسرے ورثہ کے وارث کی وصیت باطل ہو کر ثلث سالم اجنبی کو ملے گا جن میں وارث کی مزاحمت غیر معتبر ہے جب ثلث ثلث کی وصیت میں مزاحمت وارث نہیں ہوتی تو واقعہ مسئولہ والے نصف نصف کی وصیت میں کس طرح وارث مزاحم فی الثلث الا جنبی ہو جاتا ہے یہی تو وجہ ہے کہ مسئلہ متون مستند مدعیان سدس میں للاجنبی نصف الوصیة لکھتے ہیں نہ نصف الثلث گو ایسی وصیت وارث و اجنبی ثلث میں کرنے سے وہ نصف الوصیۃ نصف الثلث ہو جایا کرتی ہے مگر نہ بالمنازعۃ بل بالا شتراك من الابتداء فی الثلث كانه او صی له بنصف الثلث فقط كما اذااوصی له بثلث باقی الثلث فله التسع اذا لم يوص قبله لاحد ذكر فی المبسوط جزء ۹ ولو اوصی لاحد ورثته بثلث ماله ولا جنبی بما بقی من ثلثه فاجازت الورثة اولم یجز واخذ الا جنبی ثلث جميع المال لان الوصية للوارث غير معتبرة في مزاحمة الاجنبی فكانه اوصی لاجنبی بما بقی من ثلثه وهو لهذا اللفظ تستحق جميع الثلث كما يستحق العصبة جميع المال اذا لم يكن هناك صاحب فرض ثم الباقی بينهم علی الميراث ان لم يجز وا فان اجازواخذ الوارث الموصی له ثلث جميع المال من الباقی باعتبار اجازتهم والباقی منهم علی الميراث اه دیکھو کہ بوقت اجازت بھی وارث موصی لہ ثلث اول اجنبی میں مزاحم نہیں ہوا بلکہ دو ثلث باقی میں سے وہ ایک ثلث بالا جازۃ لیا ہے اس عبارت سے پہلے وہ مسئلہ ہے کہ جب وصیت للا جنبی ثلث باقی من الثلث ہو اور دوسرا کوئی موصی لہ نہ ہو تو یہ وصیت ثلث الثلث ای التسع من الابتداء ہے اور عبارت اولیٰ سے پہلے مسئلہ اجازت میں یہ لکھا کہ اگر اجنبی کے لئے وصیت نصف المال ہو اور ابن کے لئے بھی نصف مال کی وصیت ہو ابن غیر موصی لہ جمیع وصیت جائز رکھے اور ابن موصی لہ اجنبی کی وصیت جائز نہ رکھے تو اجنبی ثلث مال بلا اجازت و مزاحمت اولیٰ لے گا۔ لان الثلث محل الوصية ووصية الاجنبی اقوی من الوصية للوارث والضعيف لا يزاحم القوی اه پس مولوی شبیر احمد صاحب کا اس کو وصیت اجنبی والے مسئلہ درمختار جلد ۵ ص ۴۷۲ ولو اوصی لاحدهما بجميع ماله ولأخر بثلث ماله ولم يجز الورثة فيجعل كانه اوصی لكل واحد بالثلث النصف اه پر قیاس کرنا کیسا ظلم ہے هذا ما عندی والله اعلم بالصواب فقط حرره خادم الشرع سراج احمد نوره الاحد ۱۱ رمضان شریف ۱۳۵۵ھ

(جواب) (از مولانا حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ) جواب حضرت مفتی اعظمؒ (مولانا کفایت اللہ) کا صحیح ہے کہ متبنی کو ۱/۶ ہی ملے گا کیونکہ بوجہ رد کرنے دیگر ورثہ کے بیوہ کے لئے وصیت نصف میں باطل ہو گئی۔[1] اور اسی نصف میں ۱/۶ داخل ہونے کی وجہ سے باطل الوصیۃ ہو گیا ہے اور ۱/۶ ہی باقی رہتا ثلث میں سے لہذا اسی میں وصیت نافذ ہو گی اور یہی ۱/۶ متبنی کو ملے گا اور مخالفین کے جزئیات منقولہ

---

(۱) لا لوارثه و قاتله مباشرة الا باجازة ورثته لقوله عليه السلام : لا وصية لوارث الا ان يجيز ها الورثة الخ (الدر المختار كتاب الوصايا ٦ : ٦٥٦ ط سعيد)

اس صورت مرقومہ کے لئے سند نہیں ہوسکتے کیونکہ یہ جزئیات ان صورتوں کے بارے میں ہیں کہ جن میں موصی لہ وارث اور اجنبی کے ماسوا دیگر ورثہ کے رد کرنے والے نہیں ہوتے اور اس صورت میں دیگر ورثہ رد کرنے والے وصیت کو موجود ہیں اور ہماری سند بدائع میں موجود ہے۔ وان ردوا جازت فی حصۃ الاجنبی و بطلت فی حصۃ الوارث ص ۳۳۸ ج ۷ [1] فقط واللہ اعلم حبیب المرسلین عفی عنہ

دوسرا باب
امانت میں وصیت

امانت رکھے ہوئے مال سے وصیت اور اقرار کرنا

(سوال) زید نے بحالت مرض مرنے سے پندرہ روز قبل امانتدار نے کہا کہ میرے پاس جو کچھ تمہاری امانت ہے اس کو لے لو زید نے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس امانت ہے اگر میں فوت ہو جاؤں تو میرے مرنے کے بعد اگر بعد منہائی اخراجات جو وقتاً فوقتاً میں لے رہا ہوں یا میری تیمارداری کے خرچ سے بچ جائے وہ میری بیوی کو وقتاً فوقتاً دیتے رہنا تاکہ اس کی قوت بسری ہو زید حالت بیخودی میں نہ تھا نہ نزع کی حالت تھی اور زید نے یہ بھی کہا کہ مبلغ پانچ سو روپے اس رقم میں میری بہن کے ہیں جو اس کے میرے پاس امانت ہیں وہ اس کا مال ہے بقیہ جو کچھ ہے وہ میری بیوی کو مذکورہ بالا ہدایت کے مطابق دینا زید نے یہ ہدایت اپنی بہن کے سامنے کی۔ زید کا ایک بھائی ہے وہ چاہتا ہے کہ اس رقم کو میں وصول کرلوں سو اس حالت میں امانت دار کو خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟ کہ وہ رقم کس کو ادا کرے اور زید قرض دار بھی ہے اور رقم قرض رقم موجودہ سے بدرجہا زیادہ ہے زید کی قرضداروں کو دینے کی ہدایت بھی نہیں ہے؟

(جواب ۵۳۸) صورت مسئولہ میں سارے مال سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا اس کے بعد جو کچھ بچے گا وہ ورثہ پر تقسیم ہوگا۔ [2] اور اگر قرض کے ادا کرنے میں سارا مال صرف ہو جائے تو ورثہ کو کچھ نہیں ملے گا بیوی کے لئے وصیت [3] اور بہن کے لئے اقرار امانت جب کہ معروفہ نہ ہو غیر معتبر ہے۔ واللہ اعلم

حج بدل کے لئے اپنے پاس رکھے ہوئے بہن کے مال کا حکم

(سوال) زید اپنی ہمشیرہ کا کچھ نقد بو حسب وصیت ہمشیرہ حسنات جاریہ اور حج بدل کی غرض سے اس کے

---

(۱) (بدائع الصنائع کتاب الوصایا ۷ / ۳۳۸ ط سعید)

(۲) ثم تقدم دیونہ التی لہا مطالب من جہۃ العباد ثم وصیتہ من ثلث ما بقی ثم یقسم الباقی بین ورثتہ (الدر المختار کتاب الفرائض ۶ / ۷۶۰ ط سعید)

(۳) لقولہ علیہ السلام: لا وصیۃ لوارث الخ (رواہ الترمذی ابواب الوصایا ۲ / ۳۲ ط سعید)

پاس امانت تھا چھوڑ مرا بعد وفات زید اس کو کیا کیا جائے؟ **المستفتی نمبر ۵۸** مینگار عبدالرحمٰن (ضلع نار تھ ارکاٹ) ۲۱ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۵۳۹) ہمشیرہ کا جو روپیہ مصارف خیر میں خرچ کرنے کے لئے زید کے پاس تھا وہ مصارف خیر میں ہی صرف کیا جائے۔ (1) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔**

نابالغہ لڑکی بالغ ہونے کے بعد امانت رکھے ہوئے زیور واپس لے سکتی ہے

(سوال) ہندہ کی کچھ چیزیں زیور کپڑا وغیرہ ہندہ کی نانی نے اپنی بھتیجی کے پاس رکھ دی تھیں کیونکہ نانی بھی ہندہ کے گھر میں رہتی تھی اور اس گھر میں چوری ہونے کا خوف تھا یہ چیزیں نانی کی ملکیت نہیں تھی بلکہ ہندہ ہی کی ملکیت تھیں اب ہندہ بالغہ ہو گئی ہے وہ اپنی چیزیں نانی کی بھتیجی سے مانگتی ہے بھتیجی یہ کہتی ہے کہ پھوپھی صاحبہ وصیت کر گئی ہیں کہ زیور وغیرہ ہندہ کی شادی پر دینا حالانکہ اس وصیت کا بھی کوئی ثبوت نہیں کیا بھتیجی کا یہ عذر صحیح ہے؟ **المستفتی نمبر ۶۴۳** محمد احمد سادہ کار دہلی ۱۱ رجب ۱۳۵۴ھ م ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۵ء۔

(جواب ۵۴۰) جب کہ وہ چیزیں نانی کی ملکیت نہیں تھیں تو نانی کی وصیت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوگا اور ہندہ اگر اس قابل ہو گئی کہ اپنی چیزوں کی نگہداشت اور حفاظت کر سکے تو بھتیجی کو لازم ہے کہ اس کی امانت اس کے حوالے کر دے اور اگر ہندہ ابھی اس قابل نہیں ہے تو ہندہ کے باپ کے حوالہ کر دے باپ کو لازم ہوگا کہ وہ بچی کے زیور وغیرہ کو محفوظ رکھے اور جب وہ شادی کے قابل ہو تو اس کے حوالہ کر دے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

تیسرا باب
ثلث میں وصیت

مختلف وصیتیں جمع ہونے کی صورت میں ان کے نفاذ کی عملی صورت کیا ہو گی؟

(سوال) میں مسماۃ حفصہ بی بی دختر مرحوم حاجی موسیٰ جی احمد صالح جی صاحب وصیت کرتی ہوں کہ انسان کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں میں اس وقت بیمار ہوں لیکن میرے ہوش و حواس بجا و درست ہیں میں بحالت مرض بہ ثبات عقل و درستی ہوش و حواس وصیت کرتی ہوں کہ میرے والد مرحوم کے ترکہ سے جو مال

---

(1) ولو اوصى بثلث ماله لا عمال البر لا يصرف ثلثه لبناء السجن. و كل ماليس فيه تمليك فهو من اعمال البر حتى يجوز صرفه الى عمارة الوقف و سراج المسجد دون تزيينه لانه اسراف (درمختار كتاب الوصايا ٦/ ٦٦٥ ط سعيد)

کہ مجھے میرے حصے کے موافق ملے گا اس مال کی بابت میں اپنے بہنوئی جناب حاجی اسماعیل احمد محمدی صاحب اور میرے بھانجے محمد اسمعیل محمدی کو ٹرسٹی اور ایگزیکیوٹر مقرر کرتی ہوں یہ ہر دو صاحبان حسب دفعات مندرجہ ذیل عملدر آمد کریں۔

(۱) والد مرحوم کے ترکہ سے جو حصہ مجھے ملے اس میں سے تیسرا حصہ للہ وقف کریں۔ (۲) میری جانب سے حج بدل ادا کرایا جائے جس میں ایک ہزار روپیہ دیا جائے ۔(۳) میرے دو بیٹے مسمی قاسم، یوسف کی شادی کرائی جائے اس وقت فی دس دس ہزار روپیہ بابت زیورات و کپڑے وغیرہ میں دیئے جائیں۔ (۴) میری بھانجی مسماۃ خدیجہ بی بی کی شادی میں تین ہزار روپے کا زیور اسے بنادیا جائے۔(۵) مجھے مرحوم والد مرحوم کے ترکہ سے دو سو روپے ماہوار اور چار سو روپے ہر دو عید کو ملا کرتا ہے اس میں سے جس (والد مرحوم کا ترکہ جملہ وارثوں میں تقسیم ہونے تک) ایک تہائی للہ نکال کر جو بچے وہ موافق شرع حصہ داروں کو تقسیم کیا جائے۔(۶) میرے زیورات کپڑے وغیرہ میری ہمشیرہ عائشہ بی بی کے پاس رکھے ہیں یہ سب میرے دونوں بیٹوں کو برابر حصہ مساوی دیئے جائیں۔(۷) موافق مسطورہ بالا عمل درآمد کرنے کے بعد جو کچھ بچے وہ میرے ورثہ میں موافق قانون شرع حصہ رسد دیا جائے۔

اس تحریر کے چند روز بعد حفصہ بی بی کا انتقال ہو گیا اب متوفیہ کا شوہر یہ چاہتا ہے کہ میرے بیٹوں کے لئے چوبیس ہزار روپیہ بابت اخراجات شادی دینے کی ہے یہ وصیت ثلث موقوفہ میں سے نافذ کی جائے اور حج بدل اور تین ہزار روپیہ جو متوفیہ کی بھانجی کے لئے وصیت کئے ہیں وہ بھی اسی ثلث موقوفہ میں سے دیا جائے تو اس صورت میں جب ورثہ وصیت مازاد علی الثلث کو منظور نہیں کرتے یہ ساری وصیتیں اسی موقوفہ ثلث میں سے شرعاً نافذ ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ مازاد علی الثلث میں وصیت علی الوارث بھی ہے جس کو دیگر ورثہ مازاد علی الثلث میں تو منظور نہیں رکھا تو گویا یہ وصیت علی الوارث باطل ہوئی مگر ورثہ اس موقوفہ ثلث میں سے نافذ ہونے پر رضامند ہیں تو اس میں سے شرعاً نافذ کرنا صحیح ہوگا؟ یا راضی ہوں تو باقی ثلثین سے دلایا جائے گا اور اگر ثلث موقوفہ میں سے جملہ وصیتیں نافذ ہوں تو پوری پوری نافذ ہوں گی یا کس انداز سے؟ ثلث چالیس ہزار روپیہ ہے بینوا توجروا؟

(جواب ۵۴۱) وصیت نمبر ا و ۲ و ۴ صحیح ہے نمبر ایک اس لئے کہ وہ وصیت امور خیر کے لئے ہے اور ایسی وصیت امام محمدؒ کے نزدیک صحیح ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔ **وفي الظهيرية قال اوصيت بثلث مالي لله تعالى فالوصية باطلة في قول ابي حنيفةؒ وقال محمدؒ جائزة و يصرف الى وجوه البر وبه يفتى اه** (ردالمحتار)[1] **اوصى بثلث ماله لله تعالىٰ فهي باطلة وقال محمد تصرف لوجوه البر** (درمختار)[2] **قدمنا عن الظهيرية انه المفتي به اى لانه وان كان كل شئ لله تعالى لكن المراد التصدق لوجه الله تعالى تصحيحا لكلامه بقرينة الحال انتهى** (ردالمحتار)[3] نمبر دوم و چہارم

(۱-۲-۳) الدر المختار، کتاب الوصایا ۶/ ۶۶۶ ط سعید)

اس لئے کہ نمبر دوم حقوق واجبہ میں سے ہے۔ اور چہارم اجنبی یعنی غیر وارث کے لئے لیکن ان دونوں کا نفاذ جب کہ ورثہ نے مازاد علی الثلث کی اجازت نہ دی اسی ثلث موقوف میں سے ہوگا[1] اور متوفیہ کی بھانجی کو تین ہزار اور حج کے لئے ایک ہزار دیکر باقی مال یعنی ثلث موقوفہ کا بقیہ امور خیر مثلاً بنائے مسجد و مدارس دینیہ و طلبہ علوم دینیہ وغیرہ میں صرف کیا جائے[2] اور اگر ثلث مال چار ہزار یا اس سے کم ہو تو ثلث کے چار حصے کر کے ان میں سے تین حصے متوفیہ کی بھانجی کو اور ایک حصہ حج بدل کے لئے دیں گے پھر اگر وہ حصہ حج بدل کے لئے کافی ہو تو فبہا ورنہ وصیت باطل ہو جائے گی وما للہ تعالیٰ فان کان کله فرائض کالزکاة والحج او واجبات کالکفارات والنذور و صدقة الفطر او تطوعات کالحج والصدقة للفقراء یبدا بما بدا به المیت وان اختلطت یبدا بالفرائض قدمها الموصی اواخرها ثم بالواجبات وما جمع فیه بین حقه تعالیٰ و حق العباد فانه یقسم الثلث علی جمیعها و یجعل کل جهة من جهات القرب مفردة بالقرب الخ (ردالمحتار)[3] لیکن یہ واضح رہے کہ چونکہ نمبر اول میں تصدق یا وقف ہے اور موقوف علیہ متعین نہیں ہے اس لئے اس نمبر اول کے لئے کوئی حصہ جداگانہ مقرر نہ ہوگا۔ ولا یقدم الفرض علی حق الادمی لحاجة وان کان الادمی غیر معین بان اوصی بالصدقة علی الفقراء فلا یقسم بل یقدم الا قویٰ فالا قوی لان الکل یبقی حقاً للہ تعالیٰ اذا لم یکن ثم مستحق معین الخ[4] اور نمبر سوم چونکہ وصیت للوارث ہے اور اسی وجہ سے نمبر ششم دونوں باطل ہیں[5] اور لڑکوں کو وصیت نمبر ایک میں سے دینے کا کسی کو حق نہیں کیونکہ وہ وقف ہو یا وصیت بالوقف بہر صورت فقراء اور امور خیر کے لئے مختص ہے رہا نمبر ۵ وہ صحیح ہے اور اس پر عمل جائز ہے۔ واللہ اعلم

خاص مدرسہ کے لئے کی گئی وصیت شدہ کتابیں دوسرے مدرسہ میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(سوال) زید نے قبل از انتقال اپنے اقرباء کو وصیت کی کہ میرے بعد میرا کتب خانہ دینیہ اگر کوئی شخص اہل خاندان سے اس قابل ہو کہ اس کو استعمال کر سکے تو اس کے پاس رہے ورنہ فلاں شہر کے اسلامیہ مدرسہ میں بھیج دیا جائے چونکہ متوفی کی وفات کے وقت کوئی اسلامیہ مدرسہ متوفی کے سکونتی شہر میں موجود نہ تھا جس میں وہ کتب خانہ دیدیا جاتا اور متوفی نے باعث عدم موجودگی مدرسہ واہل علم اپنے شہر کے دوسرے شہر کے مدرسہ

---

(۱) ولا تجوز بما زاد علی الثلث الا ان یجیزها الورثة یعنی بعد موته (الجوهرة النیرة' کتاب الوصایا ۶ / ۳۶۷ ط میر محمد)

(۲) فی الشامیة (قوله لاعمال البر) قال فی الظهیریة: و کل ما لیس فیه تملیك فهو اعمال البر الخ (ردالمحتار' کتاب الوصایا ۶ / ۶۶۵ ط سعید)

(۳-۴) (رد المحتار' کتاب الوصایا ۶ / ۶۶۱ ط سعید)

(۵) عن ابی امامة الباهلی' قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول فی خطبة عام حجة الوداع ان اللہ تبارك و تعالیٰ اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث (رواہ الترمذی' ابواب الوصایا ۲ / ۳۲ ط سعید)

میں دینا مناسب سمجھا تھا اور اتفاقات زمانہ سے متوفی کے خاندان میں بھی اب تک کوئی اہل و مستحق کتب خانہ مذکورہ کا نہیں ہے البتہ اب متوفی کے شہر میں مدرسہ اسلامیہ (جس میں تعلیم علوم عربیہ و نصاب نظامیہ جاری ہے) قائم ہوا ہے اور اس میں کتب دینیہ کی سخت ضرورت ہے اور مدرسہ بوجہ کم مائیگی کے خریداری کتب سے معذور ہے اور بوجہ عدم موجودگی کتب طلبہ کی تعلیم میں حرج ہو رہا ہے اس صورت میں متوفی مذکور کے ورثاء کو مدرسہ متذکرہ میں شرعاً کتب خانہ مرقوم الصدر دینے کا حق ہے یا نہیں ؟

(جواب ۵۴۲) وصیت ثلث مال میں جاری ہوتی ہے پس اگر کتب خانہ مذکورہ ثلث مال سے کم یا برابر ہے تو وصیت صحیح ہو گئی اور اس حالت میں بھی چونکہ مریض کا مقصود دوسرے شہر کے مدرسے کے لئے وصیت کرنے سے اس مدرسے کی خصوصیت سے متعلق نہ تھا بلکہ اپنے خاندان میں کوئی لائق شخص موجود نہ ہونے کی صورت میں بوجہ اپنے شہر میں مدرسہ نہ ہونے کے دوسرے شہر کے مدرسے کے لئے وصیت کی تھی اس لئے وصی کو جائز ہے کہ وہ اسی شہر کے مدرسے کو کتب خانہ مذکورہ دیدے اتنی مخالفت جو مقصود موصی سے منافی نہ ہو مخالفت کے حکم میں نہیں ہے۔ اوصی الفقراء بلخ فاعطی غیر هم جاز عند ابی یوسف و علیه الفتویٰ (درمختار)[1] مگر بہتر یہی ہے کہ اسی مدرسے میں دیا جائے جس کا موصی نے نام بتایا ہے اور اگر کتب خانہ ثلث مال سے زائد ہے تو قدر زائد میں وصیت صحیح نہیں ہوئی[2] اگر وارث اپنی خوشی سے دیں تو ہر وارث بقدر اپنے حصے کے مختار ہے جہاں چاہے دے۔ واللہ اعلم

خیراتی فنڈ اور نواسے اور نواسیوں کے لئے کی گئی وصیت کا حکم

(سوال) ایک عورت مسماۃ فاطمہ بی نے بحالت صحت کامل و درستی ہوش و حواس و ثبات عقل بلا جبر و اکراہ کسی کے ایک وصیت نامہ لکھوا کر اسے حسب قانون رجسٹر ڈ کرا لیا جس کی دفعہ چار کا خلاصہ یہ ہے کہ "حسب مرقومہ بالا میرے جملہ مال و متاع میں سے میری موت کے بعد تجہیز و تکفین و دیگر ضروری اخراجات کے بعد جو کچھ مال باقی رہے اس میں سے سورتی بازار کمپنی رنگون کے میرے دو حصے (تقریباً ہزار مالیت کے) فلاں خیراتی فنڈ میں دیئے جائیں اس کے بعد جو بچے اس میں بموجب شرع محمدی ثلث کا حق مجھے پہنچتا ہے اس ثلث کے ورثہ میں اپنے نواسوں نواسیوں کو جو ہوں ٹھہراتی ہوں اس ثلث سے مالک یہ جملہ نواسے نواسیاں ہیں اس میں کسی دوسرے کو میں حقدار نہیں ٹھہراتی اگر کوئی حق دار دعویٰ کرنے لگے یا اسے منظور نہ رکھنا چاہے تو ہر طرح باطل اور رد ہے۔ انتہی بلفظہ

اس وصیت کے بعد تقریباً پانچ برس مسماۃ فاطمہ بی زندہ رہیں اس کے بعد انتقال ہو گیا بر وقت انتقال فاطمہ بی کے نواسوں میں ایک دختر کے تین بچے دوسری دختر کے چار بچے اور ایک حمل موجود تھا جو فاطمہ بی

---

(۱) الدر المختار 'باب الوصیۃ بثلث المال ۶/ ۶۷۵ ط سعید)
(۲) ولا تجوز الوصیۃ بما زاد علی الثلث الا ان یجیز ها الورثۃ یعنی بعد موته وهم اصحاء بالغون (الجوهرة النیرة' کتاب الوصایا ۲/ ۳۶۷ ط میر محمد)

کے مرنے کے بعد پیدا ہوا لہذا سوال یہ ہے کہ ثلث سے زائد دو حصے دیئے جانے کے بعد موافق شرع شریف موصیہ کو پورے ثلث کی وصیت کا حق نہیں رہا اور موصیہ کے الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ وہ نواسوں کو اپنا حق ثلث دینا چاہتی ہے اور ثلث میں سے دو حصے کم ہو گئے ہیں اگرچہ ورثہ کو اس وصیت کے جاری اور نافذ کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے جملہ ورثہ رضامند ہیں لیکن اس کے الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ وصیت کرنے والے کا جتنا حق مال میں بعد موت شرعاً باقی رہتا ہے وہ دینا چاہتی ہے گو اس نے دو حصے نکل جانے کے بعد بقیہ میں سے ناواقفیت کی بنا پر اپنا حق ثلث ہی سمجھا تو اب دو حصے ثلث مال میں سے نکالے جائیں یا ثلث سے زائد سے ؟ وصیت لکھنے کے وقت ہر دو لڑکیوں کی جس قدر اولاد تھی وہ اس کے وارث سمجھے جائیں گے یا مرتے دم تک جس قدر نواسے موجود ہوں وہ سب وارث ہوں گے اور موصیہ کے مرنے کے بعد اگر قبل از تقسیم وصیت دوسرے نواسے بھی پیدا ہوں خواہ موصیہ کی موت کے وقت یہ نواسے پیٹ میں ہوں یا موت کے بعد حمل قرار پایا ہو حصے تقسیم کرنے سے قبل قبل جس قدر نواسے نواسیاں پیدا ہوں وہ سب وارث ہوں گے یا وصیت کے وقت جس قدر موجود ہوں یا موت کے وقت جس قدر موجود ہوں وہ وارث ہوں گے موصیہ کے بعد کتنے عرصے میں اگر حمل پیدا ہو تو وارث ہو گا اگر حمل وارث ہو تو وصیت لکھنے کے وقت کا حمل مراد ہے یا موصیہ کی موت کے وقت کا حمل مراد ہے اور حمل کتنے مہینے کا ہو تو وارث ہوتا ہے ورنہ نہیں ؟ بینوا تو جروا۔

(جواب ۵۴۳) متوفیہ کی عبارت مذکورہ سوال کے تین مطلب ہو سکتے ہیں اول یہ کہ خیراتی فنڈ کو دو حصے دیئے جائیں اور جمیع مال کا ثلث نواسے نواسیوں کو دیا جائے دوم یہ کہ خیراتی فنڈ کو دو شیئر دیئے جائیں اور دو شیئر نکلنے کے بعد بقیہ مال کا ثلث نواسوں نواسیوں کو دیا جائے سوم یہ کہ خیراتی فنڈ کو دو شیئر دیئے جائیں اور نواسوں نواسیوں کو اس قدر مال دیا جائے کہ شیئروں کی قیمت کے ساتھ اسے ملایا جائے تو مجموعہ کل مال کا ثلث ہو جائے۔

خیراتی فنڈ کو دو حصے دیئے جانا تو متوفیہ کے کلام میں صراحۃً موجود ہے اس لئے یہ تو تینوں احتمالوں میں یکساں رہے گا اور نواسوں نواسیوں کو جمیع مال کا ثلث دیا جائے جو احتمال اول میں مذکور ہے وہ اس تقریر سے ثابت ہو سکتا ہے جو مستفتی نے خود ذکر کی ہے یعنی متوفیہ کے یہ الفاظ کہ ”بموجب شرع محمدی ثلث کا حق مجھے پہنچتا ہے اس ثلث کے ورثہ میں اپنے نواسوں نواسیوں کو ٹھہراتی ہوں“ اس امر کی دلیل ہیں کہ متوفیہ کو بموجب شرع محمدی جس قدر وصیت کرنے کا حق ہے وہ نواسوں اور نواسیوں کو دلوانا چاہتی ہے اور وہ مقدار ثلث جمیع المال ہے لہذا ثلث جمیع المال کی وصیت نواسوں اور نواسیوں کے لئے ہو گئی لیکن یہ تقریر خاکسار کے نزدیک چند وجہ مخدوش ہے اول یہ کہ یہ معنی اس کے الفاظ (اس کے بعد جو بچے) کے صراحۃً مخالف ہیں دوم یہ کہ اس کے الفاظ (بموجب شرع محمدی ثلث کا حق مجھے پہنچتا ہے) اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ اسے یہ مسئلہ معلوم تھا کہ شرع محمدی نے مالک کو صرف ایک ثلث کی وصیت کرنے کا اختیار دیا ہے اور یہ بھی اس کے اندر کلام سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ حکم شرعی کی خلاف ورزی کی نیت بھی نہیں رکھتی پس اگر اس کے کلام کے یہ معنی لئے جائیں جو احتمال اول میں مذکور ہیں کہ اس نے ثلث جمیع المال کی وصیت نواسوں اور نواسیوں

کے لئے کی اور دو شیئروں کی خیراتی فنڈ کے لئے تو صریح طور پر اس کی طرف یہ بات منسوب ہوگی کہ اس نے ثلث سے زیادہ کی وصیت کی جو اس کے علم اور نیت کے خلاف ہے۔ سوم یہ کہ متوفیہ کا دو شیئروں کی وصیت کرنے کے بعد یہ لکھنا کہ (بموجب شرع محمدی ثلث کا حق مجھے پہنچتا ہے) اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اب بھی پورے ثلث کو اپنا حق قرار دیکر نواسوں نواسیوں کو دلوانا چاہتی ہے جیسا کہ مستفتی نے سمجھا ہے بلکہ شیئروں کی وصیت کے بعد یہ الفاظ لکھنے سے صرف دو ہی باتیں سمجھی جا سکتی ہیں کہ یا تو مابقی بعد الوصیۃ الاولیٰ کا ثلث مراد ہے یا شیئروں کی قیمت وضع کرنے کے بعد ثلث مال تک پہنچنے میں جو مقدار باقی ہے وہ مراد ہے کیونکہ ثلث مال کی وصیت کا اختیار ہونے کا علم تو اس کے اس جملہ سے ہی ثابت ہو گیا اور اگر شیئروں کی وصیت کے بعد کل مال کا ثلث مراد لیا جائے تو ثلث سے زیادہ کی وصیت یقیناً لازم آتی ہے جو اس کے علم اور اقرار کے صریح منافی ہے اور ایسی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی کہ اس نے اپنے علم کے موافق ثلث ہی کی وصیت کی ہے پس یہ احتمال تو صراحۃً غلط ہے۔

اب احتمال دو کو لیجئے کہ خیراتی فنڈ کے لئے دو شیئروں کی وصیت کرنے کے بعد مابقی کا ثلث نواسوں نواسیوں کو دلوانا چاہتی ہو تو بے شک ممکن ہے کہ اس کا یہ ارادہ اور نیت ہو اور اس کے الفاظ (اس کے بعد جو بچے) اس پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں اور اس کے الفاظ (اس کے بعد جو بچے اس میں بموجب شرع محمدی ثلث کا حق مجھے پہنچتا ہے) یہ بتاتے ہیں کہ ثلث کی وصیت کے اختیار ہونے کا جو علم اسے تھا اس میں اس کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ بجائے ثلث جمیع المال کے اختیار ہونے کے وہ ثلث مابقی کا اختیار سمجھ گئی لیکن ثلث کی وصیت کے اختیار ہونے کا علم اور وصیت بثلث مابقی میں تو جمع ہو جانے کی گنجائش ہے جس کا مبنیٰ اس کی غلط فہمی ہو لیکن پہلے معنی لینے کی صورت میں یہ گنجائش بھی نہیں نکل سکتی۔

یہ احتمال بھی مرجوح ہے جیسا کہ آئندہ ظاہر ہو گا لیکن اگر اسے معتبر سمجھا جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ورثہ اجازت دیدیں تو دونوں شیئر خیراتی فنڈ کو اور مابقی کا ثلث نواسوں نواسیوں کو دیا جائے اوصی لرجل بربع ماله والآخر بنصف ماله ان اجازت الورثة فنصف المال للذی اوصی له بالنصف والربع للموصی له بالربع الخ (عالمگیری)[1] اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو دونوں وصیتیں ثلث کل مال میں جاری کی جائیں گی اور اس کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ دونوں شیئروں کی قیمت ثلث کل مال سے کم یا برابر ہو تو شیئروں کی قیمت علیحدہ علیحدہ دیکھ لی جائے کہ کتنی ہے اور مابقی کا ثلث علیحدہ دیکھ لیا جائے کہ کس قدر ہے اور پھر ان دونوں میں جو نسبت ہو اسی نسبت کے موافق ثلث جمیع المال کو خیراتی فنڈ اور نواسوں نواسیوں پر تقسیم کر دیا جائے مثلاً شیئروں کی قیمت سات ہزار ہو تو گویا سات ہزار کی وصیت خیراتی فنڈ کے لئے ہوئی اور کل مال اٹھائیس ہزار ہو تو شیئروں کی قیمت نکلنے کے بعد مابقی مال اکیس ہزار ہے اس کا ثلث بھی سات ہزار ہوا لہذا نواسوں نواسیوں کے لئے بھی اسی قدر مال کی وصیت ہوئی تو دونوں وصیتوں کی مقدار برابر ہو گئی اس

(۱) (عالمگیریۃ کتاب الوصایا ۶/ ۹۷ ط ماجدیۃ)

صورت میں ثلث مال کو نصف نصف تقسیم کردیا جائے نصف خیراتی فنڈ کو دیا جائے اور نصف نواسوں نواسیوں کو۔ دوسری مثال یہ ہے کہ شیئروں کی قیمت بارہ ہزار اور کل مال چھتیس ہزار اور مابقی کا ثلث آٹھ ہزار تو گویا بیس ہزار کی وصیت ہوئی بارہ ہزار کی خیراتی فنڈ کے لئے اور آٹھ ہزار نواسوں نواسیوں کے لئے تو اس صورت میں ثلث مال کو پانچ حصوں پر تقسیم کیا جائے تین حصے خیراتی فنڈ کو اور دو حصے نواسوں نواسیوں کو دیئے جائیں کیونکہ بارہ کو آٹھ سے وہی نسبت ہے جو تین کو دو کے ساتھ ہے۔ تیسری مثال کل مال چھتیس ہزار دو شیئروں کی قیمت چھ ہزار اور مابقی کا ثلث دس ہزار ہو تو گویا سولہ ہزار کی وصیت ہوئی جس میں سے دس ہزار کی نواسوں نواسیوں کے لئے اور چھ ہزار کی خیراتی فنڈ کے لئے تو اس صورت میں ثلث کو آٹھ حصوں پر تقسیم کیا جائے پانچ حصے نواسوں نواسیوں کو اور تین حصے خیراتی فنڈ کو دیئے جائیں کیونکہ پانچ کو تین سے وہی نسبت ہے جو دس کو چھ سے ہے۔ وقس علی ہذا۔ **ولو لم تجز الورثة تصح من الثلث فيكون بينهما على سبعة اسهم اربعة للموصىٰ له بالنصف وثلثة للموصى له بالربع كذافي خزانةالمفتيين (عالمگيری)** [1] **اجمعوا على ان الوصايا اذا كانت لا يزيد كل واحدة منها على الثلث بان يوصى لرجل بثلث ماله ولأخربربع ماله ولم تجزالورثة ذلك كله ان كل واحد منهم يضرب في الثلث بجميع وصيته بالغا ما بلغ ولا يقسم الثلث بينهم بالسوية كذافي المحيط (هندية)** [2]

دوئم یہ کہ شیئروں کی قیمت ثلث کل مال سے زائد ہو تو اس صورت میں خیراتی فنڈ کے لئے صرف ثلث کی وصیت سمجھی جائے گی اور نواسوں نواسیوں کے لئے ثلث مابقی کی اور ثلث جمیع المال کو پانچ حصوں پر تقسیم کر کے تین حصے خیراتی فنڈ کو اور دو حصے نواسوں نواسیوں کو دیئے جائیں گے۔ شق اول کی دوسری مثال دیکھو اور اس شق کی وہی مثال سمجھو۔ **ولو ان رجلا اوصى بجميع ماله لرجل ولرجل اٰخر بثلث ماله ولم تجز الورثة جازت الوصية من الثلث فثلث المال يكون بينهما نصفين وانما يقسم عند ابي حنيفةؒ بينهما نصفين لا ن الموصى له باكثر من الثلث لايضرب الا بالثلث الخ(عالمگيری)** [3]

اب احتمال سوم کو لیجئے وہ یہ کہ خیراتی فنڈ کے لئے دو شیئروں کی وصیت ہو اس کے بعد ثلث جمیع مال تک پہنچنے میں جو مقدار باقی ہو اس کی وصیت نواسوں نواسیوں کے لئے سمجھی جائے خاکسار کے نزدیک یہ احتمال قوی اور راجح ہے کیونکہ موصیہ کے الفاظ اور اس کے علم و ارادہ کے ساتھ جس قدر اس کو مطابقت ہے اس قدر پہلے دونوں احتمالوں کو نہیں ہے اور اس تقدیر پر اس کی عبارت کے یہ معنی سمجھو "میرے جملہ مال و متاع میں سے میری موت کے بعد تجہیز و تکفین و دیگر ضروری اخراجات کے بعد جو کچھ مال باقی رہے اس میں سے سورتی بازار رنگون کے میرے دو حصے فلاں خیراتی فنڈ میں دیئے جائیں۔

---

(۱) (عالمگيرية' كتاب الوصايا' ۶/ ۹۷ ط ماجدية)
(۲) (عالمگيرية' كتاب الوصايا' ۶/ ۹۸ ط سعيد)
(۳) (عالمگيرية' كتاب الوصايا ۶/ ۹۸ ط ماجديه)

اس کے بعد جو بچے اس میں یعنی دو حصے نکلنے کے بعد بقیہ مال میں بموجب شرع محمدی ثلث تک پہنچنے کی مقدار کا حق مجھے پہنچتا ہے اس مابقی من ثلث کے ورثہ میں اپنے نواسوں نواسیوں کو جو ہوں ان کو ٹھہراتی ہوں اس مابقی من ثلث کے مالک یہ جملہ نواسے نواسیاں ہیں۔ خط کشیدہ الفاظ موصیہ کے ہیں اور درمیانی الفاظ ان کی توضیح کے لئے بڑھائے گئے ہیں۔

متوفیہ کے الفاظ (اس کے بعد جو بچے اس میں الخ) ثلث جمیع مال کے توصریحی منافی ہیں اور اس کا یہ علم کہ بموجب شرع محمدی ثلث کی وصیت کا اختیار ہوتا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ دو شیئروں کے بعد ثلث مابقی کی وصیت مقصود نہیں بلکہ مابقی من الثلث یعنی ثلث تک پہنچنے میں جو مقدار باقی ہو اس کی وصیت کرنی مقصود ہے تاکہ اس کا علم و عمل مطابق رہے اور اس صورت میں کسی غلط فہمی کی نسبت بھی متوفیہ کی طرف کرنی نہیں پڑتی۔

لیکن یہ احتمال اس صورت میں جاری ہو سکتا ہے کہ دونوں شیئروں کی قیمت ثلث جمیع المال سے کم ہو اور اگر دونوں شیئروں کی قیمت ثلث جمیع المال کے برابر یا زائد ہو تو عمل کے لئے احتمال ثانی متعین ہے پس اگر دونوں شیئروں کی قیمت ثلث جمیع المال سے کم ہو تو خاکسار کے نزدیک یہی احتمال راجح ہے اور اس صورت میں اجازت ورثہ کی ضرورت نہیں وصیت اپنی اسی بیان کردہ صورت سے جاری کردی جائے۔ **ولو قال ثلث مالی لفلان و فلان لفلان مائة و لفلان مائة و خمسون والثلث ثلثمائة فلکل واحدما سمی والباقی بینهما نصفا ن کذافی محیط السرخسی (عالمگیری)**[1]

موصیہ کی موت کے وقت دونوں بیٹیوں کی جس قدر اولاد موجود ہوگی اور جو حمل ہوگا بشرطیکہ بعد موت موصیہ چھ ماہ کے اندر پیدا ہو جائے وہ سب وارث ہوں گے کیونکہ موصیہ کے الفاظ یہ ہیں کہ (میرے نواسوں نواسیوں کو جو ہوں) اور یہ الفاظ موصی لہم کو معین نہیں کرتے پس وصیت غیر معین کے لئے ہوئی اور ایسی حالت میں صحت ایجاب کے لئے یوم موت موصی معتبر ہے۔ **وکذا اذا اوصی لبنی فلان و لیس له ابن یوم الوصیة ثم حدث له بنون و مات الموصی فالثلث لهم وان کان له بنون یوم الوصیة ولم یسمهم ولم یشر الیهم فالثلث للموجودین عند موته ولو کانواغیر الموجودین وقت الوصیة وان سماهم واشار الیهم فالوصیة لهم حتی لو ماتوا بطلت لان الموصی له معین فتعتبر صحة الایجاب یوم الوصیة اه ملخصا و به ظهران ما فی الدر لمن اعتبار یوم الموت لصحة الایجاب انما هو لکون الموصی له غیر معین لان قوله ولد بکراوفقراء ولده او من افتقر غیر معین اذ لا تسمیة ولا اشارة الخ (ردالمحتار)**[2] موصیہ کی موت کے وقت سے جو بچہ چھ مہینے سے زائد میں پیدا ہوا ہو یا موصیہ کی موت کے بعد حمل قرار پایا ہو وہ وارث نہ ہوگا نواسے نواسیوں کو

---

(۱) (عالمگیریة کتاب الوصایا ۶/ ۹۸ ط ماجدیه)
(۲) (رد المحتار باب الوصیة بثلث المال ۶/ ۶۷۳ ط سعید)

برابر سے حصہ دیا جائے گا مذکر و مؤنث کا کوئی فرق نہ ہوگا۔ **ولولد فلان فهي للذكر والانثى سواء كان اسم الولد يعم الكل حتى الحمل (درمختار)**[1]

(۱) واقف کے مقرر کردہ متولیوں کی وفات کے بعد کون متولی ہو سکتا ہے؟
(۲) وقف کے متولی اپنی مرضی کے مطابق وصیت کی رعایت کرتے ہوئے خرچ کر سکتے ہیں!
(۳) متولیوں کی خیانت سے وصیت باطل نہیں ہوتی!
(۴) کیا وصیت کرنے والے کے کہنے کے خلاف وصیت کا نفاذ ہو سکتا ہے؟
(۵) ثلث کی مقدار تک غیر منقولہ جائیداد میں وصیت نافذ ہو گی!
(۶) وصیت کے لئے مکان کی تقسیم پر وصیت شدہ مال سے خرچ کرنا!

(سوال) ایک شخص بعد از وصیت (جو وصیت نامہ ملحقہ کاغذ ہذا میں بالتصریح بیان کی گئی ہے) اور بعد از تقرر دو متولیان نقد روپیہ کی ایک معقول رقم چھوڑ کر مر گیا ہے متولیان مقرر شدہ از روئے وصیت نامہ نے حسب منشائے وصیت رقم متروکہ میں سے ایک ثلث الگ کر کے باقی دو ثلث اس کے ورثہ موجودین میں حسب قواعد شرعیہ تقسیم کر دیئے اور رقم ثلث علیحدہ کردہ سے ایک مکان خرید لیا جس کا کرایہ دس برس تک ایک متولی کے پاس جمع ہوتا رہا لیکن موجب وصیت جن دو صیغوں میں وہ روپیہ آمدنی دینا چاہئے تھا ان میں سے ایک کو بھی نہیں دیا گیا بلکہ یہ عذر پیش کر کے کہ مکان خرید شدہ کہنہ اور محتاج تعمیر و مرمت ہے اور اسی میں وہ رقم آمدنی صرف کرنا ضروری ہے وہ کل آمدنی دہ سالہ اس متولی نے اپنے ہی پاس رکھ لی پھر بعد از انتقال اس متولی کے چار سال تک متولی دوم اس مکان کا کرایہ وصول کرتے رہے اور انہوں نے بھی اپنے مصاحب پیش روکے مطابق عمل پر دو صیغہ ہائے مذکورہ کو کچھ نہیں دیا۔ بلکہ بعد ازاں مسموع ہوا کہ یہاں سے قریباً دو سو میل دور ایک مقام بنام شہر شمیو میں اس رقم جمع شدہ اور کسی دوسرے وقف کی رقم سے متولی دوم نے اپنی قوم کے مسافرین کی فرودگاہ کے لئے ایک مسافر خانہ خرید کر لیا ہے اور اس کے متعلق ایک وقف نامہ بھی مشعر مطالب ذیل تحریر کر دیا ہے۔

"مسافر خانہ چونکہ خرید کنندہ نے بذاتہ خرید کیا ہے اس لئے اس کی اولاد میں نسلاً بعد نسل مسافر خانہ مذکور کے متولی ہو سکتے ہیں۔"

آخر الامر دو متولیان متذکرہ صدر کے انتقال کے بعد بغرض حساب فہمی روپیہ آمدنی مذکورہ بالا اور نیز بارادہ حصول تولیت موصی مرحوم کے تین وارثوں نے یہاں عدالت میں درخواست پیش کی جس کے برخلاف ہر دو صیغہ محولہ بوصیت نامہ یعنی راندیری انجمن حمایت اسلام اور رنگون کے سورتی مدرسے کی جانب سے ایک شخص نے یہ اعتراض اسی عدالت میں پیش کر دیا ہے کہ اس آمدنی ثلث کے مصرف حسب منشائے

---

(۱) الدر المختار، باب الوصية للاقارب ٦ / ٦٨٧ ط سعيد)

وصیت نامہ یہ دو صیغے ہیں اس لئے اس وقف شدہ مکان کی آمدنی کا انتظام مذکورہ بالا ہر دو صیغے کے ٹرسٹی کے ہاتھ میں رہنا چاہیئے زائد براں تولیت مکان مذکور کا استحقاق بھی انہیں دو صیغوں کو حاصل ہونا چاہیئے۔
چونکہ موصی مرحوم نے اپنی زندگی میں اپنے ورثہ کو متولیان وقف نہیں بنایا ہے اور نیز بعد از انتقال ہر دو متولیان مقرر کردہ پھر کس کو متولی قرار دینا اس امر میں بھی اپنے ورثہ کے متعلق کچھ اشارہ تک نہیں کیا ہے بلکہ ابتداء سے ہی اغیار کو متولی بنایا ہے اس سے پایا . ہے کہ تولیت کے حصول کا کچھ حق ورثہ کو نہیں ہے وغیرہ بچوں اعتراضات شخص مذکور کی طرف سے عدالت میں داخل کردیئے گئے ہیں جس پر حاکم مجاز نے یہ فیصلہ سنایا کہ وارثوں کی درخواست میں چونکہ پہلا مطالبہ حساب ، کے متعلق ہے اور پھر حصول تولیت کا اس لئے بعد از انفصال معاملہ اولیٰ بروقت سماعت حقوق تولیت شخص مذ ور کے پیش کردہ اعتراضات پر بھی غور کیا جائے گا فقط۔ موصی مرحوم کے دو وارث اور بھی ہیں جو مقدمہ بالا میں شریک نہیں ہیں اب ایک مقدمہ اپنی طرف سے قائم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں چنانچہ اس وقف ثلث کے متعلق ان کے اعتراضات حسب ذیل ہیں :

(۱) موصی مرحوم نے ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ نقد چھوڑا ہے اس لئے نقد مذکور میں سے بطور وقف ایک ثلث علیحدہ کیا ہوا خلاف قاعدہ یا خلاف دستور گنا جاتا ہے۔

(۲) تا ایندم حسب ہدایات مصرحہ وصیت نامہ کوئی فیض ثلث مذکور کی آمدنی سے جاری نہیں ہوا ہے۔

(۳) بنابر ہر دو بواعث رقم جمع شدہ متنازعہ فیہا وارثوں میں ہی تقسیم کردی جائے اور مسبوق الذکر تین وارثوں نے جو درخواست داخل عدالت کی ہے اس میں حسب ذیل چار باتیں پائی جاتی ہیں۔

(۱) ہر دو متولیان وفات یافتہ کے ورثہ کے پاس سے فنڈ مذکورہ بالا کا حساب طلب کیا جائے۔

(۲) متولی اول کے ورثہ حساب بتانا قبول کرتے ہیں پس ان کے پاس فنڈ کی جمع شدہ رقم بعد از حساب فہمی وصول کر کے مکان کہنہ محولہ بالا کی تعمیر میں صرف کردی جائے۔

(۳) اب اس آمدنی وقف بالا کا انتظام عمدہ طور پر چلانے کے لئے ایک باقاعدہ اسکیم تیار کرنا چاہیئے

(۴) انتظام فنڈ وقف مذکورہ بالا کے لئے موصی مرحوم کے قبیلہ میں سے دو لائق اشخاص کے ساتھ راندیری سنی بوہرہ قوم میں سے ایک تیسرا اوہ شخص بھی منتخب ہو جس کے حق میں داخلی خاندان یعنی قبیلہ مذکور سفارش کرے اور پھر اسی طور پر بروقت ضرورت ہمیشہ انتخاب ہوتا رہے۔

الحاصل ہر دو فریق نے اپنے اپنے مطالبہ اور خواہشات کے ساتھ دلائل ظاہر کردیئے ہیں پس نظر بہ امور بیان شدہ بالا اب ہمارے خیال کے مطابق جو سوالات پیدا ہوئے ہیں وہ بھی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) چونکہ منجانب موصی مرحوم مقرر شدہ ہر دو متولیوں کا انتقال ہو چکا ہے اس لئے اب وقف مذکورہ کی تولیت کا حق کس کو پہنچتا ہے آیا افراد قبیلہ موصی اس کے مستحق ہیں یا ان ہر دو صیغوں کے منتظمین جن پر آمدنی وقف مذکورہ صرف کرنا موصی مرحوم نے اپنے وصیت نامہ میں لازم کردیا ہے۔

(۲) جب کہ موصی مرحوم نے اپنے وقف کردہ ثلث کی آمدنی کا مصرف انہیں دو صیغوں کو قرار دیا ہے

توکیا ان کے منتظمین استحقاق حصول آمدنی مذکورہ بالا کے علاوہ اس وقف کی تولیت وانتظام میں شریک ہونے کے مجاز ہو سکتے ہیں ؟

(۳) موصی مرحوم کی وصیت ہے کہ آمدنی وقف ہر دو صیغوں میں علی التساوی تقسیم کردی جائے یا حسب ضرورت واحتیاج ایک کو اگر متولیان کچھ زیادہ دینا بہتر سمجھیں تو دوسرے کو اسی قدر کم کر دیں اور اب ہر دو صیغوں کے منتظمین اس آمدنی کو علی التساوی تقسیم کرانا چاہتے ہیں توکیا ان کے حسب منشا نصیفا تقسیم ہونا چاہئیے ؟

(۴) موصی مرحوم نے چونکہ نقد روپیہ چھوڑا تھا اس لئے اس میں سے ایک ثلث نکال کر متولیوں نے اس رقم وقف سے ایک مکان خرید لیا' لیکن بارہ سال گزر گئے تاہم ابھی تک اس وقف کی آمدنی میں سے حسب منشائے موصی مرحوم ان ہر دو صیغوں میں سے ایک کو بھی کچھ فیض نہیں پہنچایا گیا توکیا ایسے تساہل سے اس ملکیت پر اب وقف کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور اگر واقع نہ ہو سکتا ہو تو پھر شرع شریف آیا یہ حکم بھی دے سکتی ہے کہ اس وصیت نامہ کو توڑ دیں اور ثلث مذکورہ بالا سے بر آمد شدہ ملکیت اور اس کی آمدنی کو ورثہ موصی مرحوم آپس میں تقسیم کرلیں اور وصیت کو کالعدم سمجھیں۔

(۵) متولی اول کے ورثہ کے پاس حساب رقم آمدنی وقف مذکورہ موجود ہے اور وہ حساب بتانے اور رقم مذکورہ حوالہ کردینے پر رضا مند بھی ہیں۔ لیکن دوسرے متولی کے ورثہ اپنے پاس جمع شدہ رقم کا حساب دکھانا اور رقم حوالہ کردینا قبول نہیں کرتے اور یہ امر قبل ازیں ذہن نشین ناظرین کردیا گیا ہے کہ اس دوسرے متولی نے اپنی زندگی میں رقم آمدنی مذکورہ میں کچھ رقم دوسرے اوقاف کی ملاکر اس سے شہر بمبئی میں اپنی قوم کے مسافروں کی فرودگاہ کے لئے ایک مکان خرید لیا ہے اور اس کو وقف قرار دیکر اس کی تولیت کا حق نسلاً بعد نسل اپنی ہی اولاد کے لئے محفوظ کردیا ہے توکیا وہ مسافر خانہ وقف گنا جا سکتا ہے اور اگر گنا جائے توکیا ہر دو صیغہ ہائے مسبوق الذکر کے منتظمین یا داخلی قبیلے میں سے وہ شخص جو ثلث والے متنازعہ فیہا کی تولیت میں شریک ہو گیا ہو اس مسافر خانہ کی تولیت میں شریک ہونے کا حق رکھتے ہیں ؟

(۶) موصی مرحوم نے علاوہ تجویز تقسیم آمدنی ثلث مذکورہ کے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ اس کی ملکیت کے فلاں فلاں مکان انجمن حمایت اسلام راندیر فنڈ کو دیئے جائیں یہ تحریر یعنی وصیت نامہ باقاعدہ قابل پذیرائی و تعمیل ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

(۷) متوفی متولی اول کے ورثہ کے پاس جس قدر رقم آمدنی وقف مذکورہ بالا جمع ہے اس کو بعد از وصول اس وقف کہنہ مکان کی تعمیر میں خرچ کر دینا چاہئیے یا کہ ہر دو صیغہ محولہ بالا میں تقسیم کر دینا چاہئیے ان دو امور میں سے کون عند الشرع افضل والزم ہے ؟

وصیت نامہ مترجمہ از عبارت گجراتی بزبان اردو۔

اوصیکم بتقوی اللہ – میں المسمی بہ محمد ابراہیم جی داخلی بحالت ثبات عقل ودرستی حواس اپنی جانب سے بذریعہ تحریر ہذا وصیت مشرحہ ذیل پیش کرتا ہوں جس پر بعد انقطاع رشتہ میری حیات کے آپ دو

حضرات مسمیان میاں ابراہیم علی ملا اور جناب حاجی محمد یوسف اسمٰعیل صاحبان عمل پیرا ہوں۔ میرا سرمایہ ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ ہے۔ بدیں تفصیل مقیمان رنگون سی ٹی ایل سول لیا چیٹی کے پاس جمع ہے۔ اسی ہزار روپیہ ایم، آر، اے، آر، کرپن چیٹی کے پاس پچاس ہزار روپے۔ یہ دونوں رقمیں جڑ کر کل مبالغ ایک لاکھ تیس ہزار ہوتے ہیں اس رقم مجموعی میں سے ایک ثلث کا حق وصیت مجھ کو ازروئے شریعت محمدی حاصل ہے آپ ہر دو حضرات اپنے پاس رکھ لیں (اس کا مصرف ذیل میں بیان کیا جائے گا) اور باقی ماندہ دو ثلث ازروئے قانون وراثت شرع میرے ورثہ میں تقسیم فرمادیں دیگر آنکہ میری ملکیت کا ایک مکان ہے واقعہ ذومری محلہ قصبہ راندیر اور ایک دوسرا مکان میرے نانا صاحب صالح بھائی دودھا کا ہے واقع محلہ پارسی بازہ قصبہ راندیر اس میں سے وہ حق جو میری والدہ کے حصے سے مجھ کو حاصل ہو سکتا ہے یہ دونوں راندیری حمایت اسلام کو عطا فرمائیں اور ثلث مذکورہ بالا کے متعلق حسب ہدایت ذیل عمل فرمائیں یعنی ایک جائیداد ثلث متذکرہ صدر سے خرید کرلی جائے اور اس جائیداد سے جو آمدنی سالانہ ہو اس کو صرف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ رنگون میں راندیری سنی بوہرہ جماعت کا جو سورتی مدرسہ مشہور ہے اور قصبہ راندیر میں اسی قوم کی جو انجمن حمایت اسلام ہے ان ہر دو قومی صیغوں میں سے جس جگہ آپ ہر دو صاحبان بہتر سمجھیں وہاں رقم آمدنی محولہ بالا دیں یا دونوں میں علی التساوی تقسیم فرمائیں (میری اس وصیت پر عمل فرماتے رہنے سے) آپ ہر دو صاحبوں کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا بالآخر یہ بھی ظاہر کئے دیتا ہوں کہ قصبہ راندیر میں مسماۃ رسول بی بنت ہاشم قاضی کو میں نے بتاریخ ۲۸ مارچ ۱۸۸۹ء فارغ خطی دی ہوئی ہے اس لئے اس کا کچھ بھی حق اب باقی نہیں رہا۔ فقط محررہ بمقام کلکتہ سی ام ماہ اگست ۱۹۰۳ء العبد محمد ابراہیم بی داخلی گواہ شد موسیٰ بی احمد صالح جی گواہ شد قاسم اسمٰعیل جی مودن گواہ شد غلام اسمٰعیل یعقوب جی۔

(جواب ۵۴۱) (او ۲) جب کہ واقف کے مقرر کردہ متولی انتقال کر چکے تو اب واقف کے خاندان کے لوگوں میں سے جو تولیت کی صلاحیت رکھتا ہو وہ متولی بنائے جانے کا مستحق ہے اور اجانب سے اقارب کا حق مقدم ہے ہاں اگر اقارب میں سے کوئی شخص تولیت کی صلاحیت رکھنے والا ہی نہ ملے تو اجنبی لوگوں میں سے کسی لائق شخص کو متولی بنایا جا سکتا ہے وہ دونوں صیغے جن پر واقف نے خرچ کرنے کی شرط کی ہے ان صیغوں کے منتظمین کا تولیت میں جب تک کہ واقف کی اولاد وا اقارب میں سے کوئی شخص لائق تولیت پایا جائے کوئی خاص استحقاق نہیں وفی الاصل الحاکم لا یجعل القیم من الاجانب مادام من اھل بیت الواقف من یصلح لذلک وان لم یجد منھم من یصلح و نصب غیر ھم ثم وجد منھم من یصلح صرفہ عنہ الی اھل بیت الواقف کذافی الوجیز (عالمگیری)[1] وما دام احد یصلح للتولیۃ من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب لانہ اشفق (درمختار)[2]

---

(۱) (عالمگیریۃ کتاب الوقف ۲ / ۴۱۲ ط ماجدیہ)

(۲) (الدر المختار باب الوقف ۴ / ۴۲۴ ط سعید)

(۳) وصیت نامہ کے یہ الفاظ ہیں (ان ہر دو قومی صیغوں میں سے جس جگہ آپ ہر دو صاحبان بہتر سمجھیں وہاں رقم آمدنی محولہ بالا دیں یا دونوں میں علی التساوی تقسیم فرمادیں) اس عبارت میں متولیوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ دونوں میں سے جہاں بہتر سمجھیں دیں یا دونوں میں برابر تقسیم کردیں پس اسی طرح متولیوں کو اختیار رہے گا دونوں صیغوں کے منتظمین کو برابر تقسیم کرنے کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور چونکہ مصرف معین کردیا گیا ہے اس لئے وصیوں کی موت مبطل وصیت نہیں ہو سکتی ان کی جگہ دوسرے متولی قائم مقام ہو سکتے ہیں **مات احدهما اقام القاضي الاخر مقامه اوضم اليه اخر ولا تبطل الوصية (درمختار)** [1] **لو قال جعلت ثلث مالي للمساكين يضعه الوصيان حيث شاء امن المساكين فمات احدهما يجعل القاضي وصيا اخراه (ردالمحتار)** [2] **يجب اتباع شرط الواقف (درمختار)** [3] **اذا مات المتولي المشروط له بعد الواقف فالقاضي ينصب غيره (ردالمحتار)** [4]

(۴) موصی مرحوم کی یہ وصیت واجب النفاذ لازم العمل ہے اور اس کے ایک حصے پر متولیوں نے عمل بھی کرلیا ہے کہ ثلث کی مقدار روپے سے جائیداد (مکان) خرید لی ہے اس کے بعد اگر متولیوں نے موافق وصیت اس کی آمدنی کو خرچ نہ کیا تو اس سے صحت وصیت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا بلکہ خود متولی واجب العزل تھے کیونکہ ان کی خیانت یا تساہل یا عجز ظاہر ہو گیا تھا وصیت و وقف دونوں بحال خود صحیح ہیں وقف کی جو وصیت کہ مضاف الی مابعد الموت ہو وہ اگرچہ بحیثیت وقف نہ سہی لیکن بحیثیت وصیت لازم و نافذ ہو جاتی ہے پس یہ وصیت لازم و نافذ ہے **او بالموت اذا علق به كاذا مت فقد وقفت داری علی كذا فالصحيح انه كوصية تلزمه من الثلث بالموت لا قبله قلت ولو لوارثه وان رده (درمختار)** [5] یعنی یہ وصیت لازم ہو جاتی ہے اور ثلث مال سے صحیح ہوتی ہے اگرچہ وارث رد کردیں۔

(۵) دوسرے متولی کا اس جمع شدہ رقم سے مکان خریدنا اس وقف کے لئے صحیح نہیں ہوا کیوں کہ اسے اختیار نہیں دیا گیا پس اس مکان کی بیع خود اس کے حق میں لازم ہوئی اور اس مکان موقوف کی آمدنی کا روپیہ اس کے ذمہ واجب الاداء رہا جو اس کے اپنے مال سے وصول کیا جا سکتا ہے اور نیز دونوں متولیوں کے وفات پانے کے بعد ان کے وارثوں کو تولیت کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ اولاد واقف یا اس کے اقارب مستحق تولیت ہیں دوسرے متولی نے اگرچہ خریدے ہوئے مسافر خانہ کی تولیت کا حق نسلاً بعد نسلٍ اپنی اولاد کے لئے محفوظ

---

(۱) الدرالمختار' باب الوصی ۶/ ۷۰۶ ط سعید)
(۲) (ایضاً بحواله بالا)
(۳)(ردالمحتار' باب الوقف ٤/ ٤٢٣ ط سعید)
(٤) (ایضاً)
(٥) (الدرالمختار' باب الوقف ٤/ ٣٤٤ ط سعید)

کیا ہے لیکن اول تو اس مسافر خانہ کا تعلق اس وقف اول سے نہیں ہے بلکہ خود متولی دوم کے ذمے اس کی قیمت ہے اور وقف اول کے روپے کا وہ خود ضامن ہے۔ دوم یہ کہ چونکہ متولی دوم کی خیانت صاف طور پر ظاہر ہو گئی اس لئے وہ خود بھی واجب العزل ہو گیا تھا اور اس کا اپنی اولاد کا متولی بنانا وقف اول کے حق میں صحیح نہیں ہوا سوم یہ کہ وہ خود وصی تھا اور اس نے اپنی اولاد کو بھی وصی بنایا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ حالت صحت میں بنایا ہے اور یہ غیر معتبر ہے وصی اپنے مرض موت میں دوسرے کو وصی بنا سکتا ہے حالت صحت میں نہیں ۔اما عزل الخائن فواجب (درمختار)[1] والا ای وان لم یکن التفویض له عاما لا یصح وانما یصح اذا فوض فی مرض موته لا نه بمنزلة الوصی وللوصی ان یوصی الی غیره (ردالمحتار ملتقطا)[2]

(۶) اگر وہ دونوں مکان ثلث کی مقدار میں داخل ہوں تو وصیت صحیح ہو گی ورنہ مقدار زائد عن الثلث میں باطل ہو جائے گی۔[3]

(۷) اگر مکان موقوف بالوصیت میں تعمیر کی حاجت ہے تو جمع شدہ روپے کو اول اس کی تعمیر میں خرچ کرنا چاہئے اور اگر تعمیر کی حاجت نہیں تو موقوف علیہم کو دیدینا چاہئے ۔ **ویبدامن غلته بعمارته وان لم یشترط الواقف لثبوته اقتضاءً و تقطع الجهات للعمارة ان لم یخف ضرر بین الخ(درمختار)**[4]

حج بدل اور ماں کے لئے کی ہوئی وصیت کا حکم

(سوال) عابدہ اپنی زندگی میں اپنے کل مال (پانچ یا چھ ہزار) میں تیسرے حصہ کی اپنی ماں اور اپنے حج بدل کے لئے وصیت کر گئی کیا وہ وصیت جائز ہے یا نہیں ؟ **المستفتی نمبر ۵۸** عبدالرحمن (نارتھ ارکاٹ) ۲۱ جمادی الاخر ۱۳۵۲ھ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء۔

(**جواب ۵۴۵**) ماں کے لئے وصیت اس لئے جائز نہ ہو گی کہ ماں وارث ہے[5] ہاں حج بدل کی وصیت ثلث میں سے کرا دینے کی صحیح ہے ثلث ترکہ میں سے حج بدل کرا دیا جائے گا۔[6] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(۱) کیا وصیت کرنے والے کا مال اس کی بتائی ہوئی ترتیب سے خرچ ہو گا؟
(۲) نمازوں کا فدیہ کے طور پر دین معاف کرنا

(سوال) (۱) ہندہ نے اپنے مرض الموت میں وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری فلانی زمین

---

(۱) (الدر المختار' باب الوصی ۶/ ۷۰۲ ط سعید)
(۲) (ردالمحتار' باب الوقف ۴/ ۴۲۵ ط سعید)
(۳) لا تجوز الوصیة بما زاد علی الثلث (اللباب للمیدانی ۲/ ۳۶۷)
(۴) (الدر المختار' باب الوقف ۴/ ۳۶۸ ط سعید)
(۵) لقوله علیه السلام : لا وصیة لوارث (رواه الترمذی' ابواب الوصایا ۲/ ۳۲ ط سعید)
(۶) لقوله علیه السلام : الثلث والثلث کثیر (ابن ماجة' باب فی وصیة الثلث ص ۱۹۹ ط میر محمد)

فروخت کر کے جس کی قیمت تخمیناً ایک ہزار روپے کی ہے میری جانب سے حج کرانا اور میری فلانی زمین جس کی قیمت تخمیناً پانچ سو روپیہ کی ہے فروخت کر کے ایک عربی مدرس کو قرآن پاک کی تعلیم کے واسطے رکھنا اور میری فلانی زمین جس کی قیمت پانچ سو روپیہ ہے میرے ذوی الارحام میں سے فلاں فلاں اشخاص کو دینا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ کی کل زمین کا اندازہ دو ہزار روپیہ تک کا ہے اور ہندہ کے ورثا بھی موجود ہیں ماں حقیقی' بھائی' بہن' ہندہ نے اپنی کل زمین کی وصیت تین نوع پر کر کے انتقال کر چکی۔ اب ایسی صورت میں ثلث مال سے فقط حج ہی کرایا جائے اور باقی نوع کو ایسا ہی چھوڑ دیا جائے یا تینوں نوع پر حصہ وار تقسیم کیا جائے اگر تینوں نوع پر حصہ وار تقسیم کیا جائے تو حج کے لئے وہ روپیہ کفایت نہیں کر سکتا تو ایسے وقت ازروئے شرع شریف کیا صورت اختیار کی جائے آیا وہ روپیہ جو حج کے لئے ہے اس کو جہاں سے وہ روپیہ کفایت کر سکتا ہے وہاں سے آدمی روانہ کیا جائے یا مکہ معظمہ جو جانے والا ہو اس کے ہمراہ روپیہ بھیج کر کسی مکی سے حج کرایا جائے۔

(۲) ہندہ کا زید پر قرض آتا ہے مگر زید نادار ہونے کی وجہ سے قرض ادا کرنے سے مجبور ہے اس پر ہندہ نے کہا کہ میرے ذمہ جتنی نمازیں قضا ہو چکی ہیں ان کے فدیہ میں یہ مقروضہ روپیہ تم کو میں نے دیدیا زید نے تسلیم کر لیا تو کیا یہ ہندہ کی نماز کا فدیہ ہو جائے گا یا نہیں اور زید قرض سے سبکدوش ہو جائے گا یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۴۱۷ شمس الدین صاحب (مانڈلے برما) ۱۵ صفر ۱۳۵۶ھ م ۲۷ اپریل ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۴۶) اس صورت میں مرحومہ کی وصیت چار چیزوں پر مشتمل ہے حج' عربی مدرس برائے تعلیم قرآن' خاص خاص ذوی الارحام کو دینے کی وصیت کفارات نماز و روزہ میں زید کو ہبہ دین لہذا اس کا ثلث ترکہ ان چاروں پر اس نسبت سے تقسیم ہو گا جو اس نے خود قائم کی ہے مثلاً حج کے لئے ایک ہزار روپیہ یعنی دو سہم' تعلیم قرآن کے لئے پانچ سو روپیہ یعنی ایک سہم اور ذوی الارحام کے لئے پانچ سو روپیہ یعنی ایک سہم اور کفارہ یعنی فدیہ نماز و روزہ کے لئے (اگر رقم قرض پانچ سو روپیہ ہو) ایک سہم پھر ذوی الارحام کا سہم تو ان کو دیدیا جائے گا اور تعلیم قرآن و حج اور فدیہ کے سہام جمع کر کے اول حج کے مصارف لئے جائیں اگر کچھ بچے تو فدیہ نماز و روزہ میں دیدیا جائے اس سے بچے تو تعلیم قرآن کے لئے مدرس مقرر کیا جائے۔

(۲) اس کا جواب نمبر ۱ میں آ گیا زید قرض سے اسی مقدار میں سبکدوش ہو گا جو فدیہ نماز و روزہ کے حصہ میں آئے گی۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) (اذا اجتمع الوصایا) اعلم ان الوصایا ... الی قوله ... وما لله تعالی فان کان کله فرائض کالزکاۃ والحج او واجبات کالکفارات والنذور و صدقة الفطر او تطوعات کالحج التطوع والصدقة للفقراء یبدا بما یبدأ به المیت وان اختلطت یبدا بالفرائض قدمها الموصی او اخرها ثم بالواجبات و ما جمع فیه بین حقه تعالی وحق العباد فانه یقسم الثلث علی جمیعها و یجعل کل جهة من جهات القرب مفردة بالضرب (الدر المختار' کتاب الوصایا ۶/ ۶۶۱ ط سعید)

پوتی کے لئے باپ والا حصہ وصیت کرنا جائز ہے

(سوال) زید فوت ہوگیا ہے اور اس کے ورثا میں سے تین لڑکے ایک لڑکی اور ایک زوجہ حقدار ہیں اور ایک لڑکا باپ کی زندگی میں فوت ہو چکا ہے لیکن اس کی ایک لڑکی جس کی عمر دو سال ہے زندہ ہے اب زید چونکہ پڑھا لکھا مسائل سے واقف تھا لہذا اس نے اپنی پوتی کے حق میں جس کا باپ زید کی زندگی میں فوت ہو چکا تھا وصیت کی ہے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔ زید کے فوت شدہ لڑکے کا نام خلیل تھا لہذا زید نے بوقت فوتیدگی یہ الفاظ کہے کہ اس لڑکی کو خلیل کا حصہ دینا اور اس کو خلیل کی جگہ سمجھنا کیونکہ موجودہ اولاد زید کی پہلی بیوی سے تھی لہذا زید کو اس کی موجودہ زوجہ نے کہا کہ میرے حق میں کچھ کر جاؤ تو زید نے جواب میں کہا کہ تیرے حق میں کیا وصیت کروں تو خود حق دار ہے یعنی شرعاً توارث ہے لیکن لڑکی کے حق میں جو یتیمہ تھی مندرجہ بالا وصیت کی اب دریافت طلب یہ چیز ہے کہ کیا زید کا یہ کہنا کہ لڑکی کو خلیل کا حصہ دینا اور اس کو خلیل کی جگہ سمجھنا ایں الفاظ یہ وصیت صحیح ہے یا نہیں ؟ عمرو کہتا ہے کہ خلیل چونکہ اب خود وارث نہیں رہا اور یہ الفاظ لڑکی کو وارث قرار دیتے ہیں اور شرعاً پوتی وارث نہیں ہوتی لہذا یہ وصیت ناجائز ہے لیکن بکر یہ کہتا ہے کہ زید پڑھا لکھا مسائل سے واقف عامل شخص تھا اس نے اسی بنا پر پوتی کے حق میں خصوصیت سے یہ الفاظ کہے ہیں وہ جانتا تھا کہ اس کو ورثہ نہیں پہنچتا وصیت کے طور پر اس کو کچھ مل سکتا ہے اس لئے علی وجہ البصیرۃ پوتی کے حق میں وصیت کی ہے اور جسکو شرعاً ورثہ ملنا تھا یعنی زوجہ کو تو اس کے حق میں باوجود اس کے اصرار کے بجز اس کے کچھ نہیں کہا کہ تو تو حقدار ہے تیرے لئے کیا کہوں اب آپ فرمائیں کہ عمر بکر ہر دو میں سے کس کی دلیل قوی اور راجح ہے اور لڑکی یعنی پوتی کو زید کے قول پر عمل کر کے اس کے باپ کے حصہ کے مطابق دادا کی جائیداد سے بقدر وصیت دینا چاہئے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۹۵۳ عبید اللہ صراف (فیروز پورٹی) ۱۴ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۴۷) بکر کا قول صحیح ہے کہ یہ وصیت صحیح اور معتبر ہے۔[1] اور پوتی کو اس کے باپ کے حصہ کے برابر ترکہ میں سے بحق وصیت دیا جائے گا چونکہ یہ وصیت ثلث ترکہ سے یقیناً کم ہے اس لئے پوری مقدار معتبر ہے۔[2] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

تم الجزء الثامن من كفاية المفتي ويليه الجزء التاسع اوله كتاب الحظر والاباحة

---

(۱) ويستحب ان يوصي الانسان بدون الثلث سواء كانت الورثة اغنياء اوفقراء كذافي الهداية (عالمگيرية كتاب الوصايا ۶/ ۹۰ ط ماجديه)

(۲) لقوله عليه السلام : الثلث والثلث كثير (ابو داؤد شريف' ۲/ ۳۹ ط امداديه ملتان)

کتاب الحظر والاباحۃ

پہلا باب

مذہبیات و عبادات

شب قدر کی راتوں میں جلسہ اور دعوت وغیرہ کا اہتمام بدعت ہے

(سوال) دیہات میں بعض جگہ جہاں مسلمانوں کی تعداد قریب ساٹھ ستر گھر کے ہے وہاں عرصہ سولہ سترہ سال سے ماہ رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ ویں رات ہر شب قدر میں اس طور پر جلسہ ہوتا ہے کہ بارہ بجے رات کے اذان ہوتی ہے بعد اس کے پانچ سات لڑکے سیانے مل کر ہر شخص کے دروازہ پر پکار پکار کر اسے اٹھالاتے ہیں اور ایک شخص مہتمم جلسہ یعنی صدر انجمن اور چند طلبہ اور واعظین کو اوقات وعظ تقسیم کئے جاتے ہیں زینت محفل کے لئے شامیانہ اور پوری روشنی کی جاتی ہے اور چائے بھی خوب چلتی ہے چائے کی خبر سے نہ صرف پنج وقتی نمازی بلکہ ہفتہ کے اور سال کے نمازی جن کو پنج وقتی سے کوئی سروکار نہیں وہ بھی مع بڑے چھوٹوں کے شریک جلسہ ہوتے ہیں اگر یہ سب سامان نہ ہوں تو جلسہ نہیں ہوتا بایں صورت یہ جلسہ آیا سنت ہے یا بدعت ؟ اگر کوئی شخص اس کو نادرست کہے تو لڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں امید ہے کہ حق باتوں سے مطلع کیا جائے گا ؟ بینوا توجروا

(جواب ۱) رمضان المبارک کی راتیں اور بالخصوص عشرہ اخیرہ کی راتیں اور ان میں سے بھی طاق راتیں بے شک افضل ہیں(۱) ان میں جاگنا، عبادت کرنا، نماز پڑھنا بہت ثواب ہے احادیث کثیرہ صحیحہ میں ان کی فضیلت اور ان میں عبادت کی تحریص و ترغیب پائی جاتی ہے(۲) بایں ہمہ شریعت مقدسہ کسی ایسے امر کی اجازت نہیں دیتی جو حد اجازت شرعیہ سے متجاوز ہو پس کسی ایسے جلسے کا اہتمام کرنا جو قرون اولیٰ میں نہ پایا جاتا ہو اور اس میں ان امور کا التزام کرنا جو شرعاً ضروری نہیں ہیں نیز جن کی وجہ سے بقرائن تو یہ بات متصور ہو کہ آنے والوں کی نیت عبادت کی نہیں بلکہ اکل و شرب یا لہو و لعب کی ہے یہ تمام امور خلاف سنت ہیں ان کا کوئی ثبوت شرعی نہیں ہے(۳) اور ان پر لڑنا یا ان امور کے تارک کو یا منکر کو برا سمجھنا خطا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے لوگوں کے مسجد میں صلوۃ ضحیٰ کے لئے جمع ہونے کو بدعت کہا تھا کیوں ؟ اسی لئے کہ اگرچہ یہ نماز رسول اللہ ﷺ نے پڑھی ہے اور صحابہؓ سے بھی پڑھنا منقول ہے لیکن اس کے لئے یہ اہتمام و اجتماع زمانہ

---

(۱) حدثنا قتیبة بن سعید ثنا ... عن عائشةؓ ان رسول الله ﷺ قال : تحرّوا لیلة القدر فی الوتر من العشر الاواخر من رمضان- (باب تحری لیلة القدر الخ الصحیح البخاری ۱/ ۲۷۰ ط سعید)

(۲) و فی روایة عن عائشة قالت کان رسول الله ﷺ یجتهد فی العشر الاواخر مالا یجتهد فی غیره (الصحیح لمسلم ۱/ ۳۷۲)

(۳) ان البدعة المذمومة هو الحدث فی الدین من ان لا یکون فی عهد الصحابة والتابعین ولا دل علیه دلیل شرعی

جائز نہیں نہ تھی اور رات کے بارہ بجے اذان کہنا بھی بدعت ہے کیونکہ اول تو نوافل کے لئے اذان ثابت نہیں دوسرے یہ کہ جلسہ وعظ کے لئے اذان کہنا اور پھر اس پر اکتفا نہ کر کے جگانے کے لئے مکانوں پر جانا یہ سب امور مخترعہ ہیں(۲) واللہ اعلم ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

تلاوت کے دوران لفظ "یٰسین" کے بعد درود پڑھنا صحیح نہیں

(سوال) زید کہتا ہے کہ سورہ یٰسین میں لفظ یٰسین پڑھ کر درود خوانی ضروری ہے اگر ان سے دلیل طلب کی جاتی ہے تو جواب کہتے ہیں کہ پرانے جتنے علماء سے ہم نے قرآن شریف کی تعلیم حاصل کی ہے اور جن لوگوں سے سنا کہ پڑھتے ہوئے سنا کہ بعد یٰسین کے درود پھر والقرآن الحکیم۔ اور بکر خلاف زید کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اول تو یٰسین کے حضور اکرم ﷺ کا نام پاک ہونے میں شبہ ہے اگر بقول ان کے جو کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا نام ہے تو اور جگہ بھی ہے وہاں بھی درود پڑھا کرو علاوہ اس کے تلاوت قرآن میں درود خوانی کیسی ؟ تب تو تلاوت میں شامل ہو جائے گا اگر فرضا سب کچھ چھوڑ دیا جائے تب بھی تمہاری دلیل کوئی نقلی دلیل نہیں ہے صرف تمہارا قول کس طرح مانا جا سکتا ہے اب فیصلہ طلب قول کی ضرورت ہے آیا زید حق پر ہے یا بکر ؟

(جواب ۲) زید کا قول صحیح نہیں ہے بکر کا قول درست ہے قرائے عظام کی قراءت میں لفظ یٰسین کے بعد درود نہیں ہے اور نہ کسی حدیث سے ثابت ہے پس زید کا قول بے دلیل ہے تلاوت میں نظم قرآنی کے درمیان غیر قرآن کو داخل نہ کرنا چاہئے (۳) کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ

مسجد میں شرکیہ نعروں کا حکم

(سوال) (۱) ایک مسجد میں چند قبریں ہیں جو بعض بزرگوں کی بتائی جاتی ہیں زید ان قبروں پر چند اگر بتی جلاتا ہے یہ چند اگر جلانا جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) زید ہر وقت مسجد میں (او مد شاہ لطیف) کا نعرہ مارتا ہے اس قسم کا نعرہ لگانا جائز ہے یا نہیں ؟ (۳) زید کے ساتھ اس کے چند چیلے بھی شریک ہیں جب ان کو مسجد میں ایسی باتیں کرنے سے منع کیا تو جھگڑا کرنے کو تیار ہوگئے اور کہا مسجد میں ہم جو چاہیں کریں یہ جواب ان کا صحیح ہے ؟ (۴) زید اس مسجد میں غیب دانی کا بھی دعوی کرتا ہے اور مستقبل کی خبریں بتاتا ہے کیا یہ باتیں مسجد میں جائز ہیں ؟ اور ایسا دعوی شرک ہے یا نہیں ؟ (۵) زید کو ایسے اعمال کے باعث مسجد میں آنے سے روکنا جائز ہے

---

(۱) واما ما صح عن ابن عمر انه قال في الضحى هي بدعة فمحمول على ان صلوتها في المسجد والتظاهر بها كما كانوا يفعلونه بدعة (شرح النووي مع صحيح مسلم ۱ : ۲۴۹ ط سعيد)

(۲) قوله كعيد اي وتر وجنازة وكسوف واستسقاء وتراويح وسنن رواتب لانها اتباع للفرائض ... لكن في تعليل الشمني لا تتعلق سنة الا ذان للمنفي تابع للفرائض كالعيد و نحوه فالمناسب التعليل بعدم وروده في السنة ... (رد المحتار ۱ : ۳۸۵ ط سعيد)

(۳) ولو قرا القرآن فمر على اسم النبي ﷺ واصحابه فقراءة القرآن على تاليفه و نظمه افضل من الصلاة على النبي ﷺ واصحابه في ذلك الوقت فان فرغ ففعل فهو افضل وان لم يفعل فلا شئ عليه (الفتاوى الهندية ۵ : ۳۱۶ ط كوئٹه)

نہیں ؟ (۶) جو شخص زید کے ایسے معاملات میں ساتھ دے اس کے ساتھ مسلمانوں کو کیا برتاؤ کرنا چاہئے ؟ (۷) جس مسجد میں اس قسم کے افعال ہوتے ہوں اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳) سوالات مذکورہ بالا کا شرعی جواب یہ ہے کہ زید کے یہ افعال شرعاً ناجائز اور حرام ہیں نعرے لگانا (۱) غیب دانی کا دعوی کرنا بدعت و شرک ہے مسجد کے اندر ایسے ان افعال کے ارتکاب کا کوئی اختیار نہیں ہے اہل محلہ اسے منع کر سکتے ہیں اور جو لوگ ان افعال میں اس کی اعانت و حمایت کریں وہ بھی گناہ گار ہوں گے (۲) اس کے مسجد میں رہنے اور افعال ناجائز کرنے سے مسجد میں کوئی خرابی نہیں آئی اور اس میں نماز جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔ سنہری مسجد دہلی

قبروں کو چومنا جائز نہیں

(سوال) جو لوگ آج کل قبروں کو بوسہ دیتے ہیں اور کمال ادب کی نیت کرتے ہیں یہ نیت اس صورت میں کیسی ہے اور بعض لوگ جا کر دعائیں درخواست کرتے ہیں یعنی آپ لوگ مقبول ہیں خدا سے دعا کیجئے ہماری مشکل آسان ہو یا خدا تعالیٰ جنت نصیب کرے وغیرہ۔ اس قسم کی دعائیں مزارات پر جائز ہیں یا نہیں ؟

(جواب ۴) قبروں کو بوسہ دینا عوام کے لئے ناجائز ہے کیونکہ بوسہ دینا ان کے خیال میں سجدہ کا مقدمہ ہے دونوں میں وہ کوئی فرق نہیں کرتے اور اس لئے ان کو بوسہ کی اجازت دینا گویا سجدہ کی اجازت دینا ہے (۳) اور اس طرح دعا مانگنا کہ دعا خدا سے ہو اور خطاب بزرگ سے ہو قائلین سماع موتی کے نزدیک جائز ہے اور جو لوگ سماع موتی کے قائل نہیں ہیں جیسے جمہور حنفیہ وہ اسے بھی عبث کہتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ

مسجد کی مٹی دیوار وغیرہ سے تیمم نہیں کرنا چاہئے

(سوال) اگر کوئی شخص مسجد کے اندر تیمم کرکے نماز پڑھتے تو درست ہے یا نہیں ؟

(جواب ۵) مسجد کے اندر مسجد کے اجزاء سے تیمم کرنا غیر مستحسن ہے۔ فی الاشباہ والنظائر منہ اخذ شئی من اجزائہ قالوا فی ترابہ ان کان مجتمعا جاز الاخذ منہ و مسح الرجل منہ والالا انتہی (۴)

---

(۱) ویحرم فیہ السؤال ... و رفع صوت بذکر الا للمتفقہ ... الخ (الدر المختار ۱ / ۶۶۲)
(۲) وعن ابراہیم بن میسرة قال قال رسول اللہ ﷺ من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام (مشکوٰة المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنة ۱ / ۳۷)
(۳) ولا یمسح القبر ولا یقبلہ فان ذلک من عادة النصاری ولا بأس بتقبیل قبر والدیہ کذا فی الغرائب (عالمگیریہ ۵ / ۳۵۱ ط ماجدیہ)
(۴) الاشباہ والنظائر ص ۳۷۰ ط قدیمی کتب خانہ کراچی

مسلمان کا کسی غیر مسلم کو گرجا کی تعمیر کے لئے چندہ دینا جائز نہیں

(سوال) زید ایک مسلمان اور بڑا نمازی پرہیز گار ہے اور بکر ایک ہندو مذہب کا آدمی ہے زید نے بکر کو خوش کرنے کے لئے ہندوؤں کے اسکول بنانے میں شرکت چندہ حاصل کی جہاں پر بتخانہ بھی ہوگا یہ شرکت موجب گناہ ہے یا نہیں ؟

(جواب ٦) اگر زید نے ہندوؤں کے اس کام سے خوش ہو کر پسندیدگی کی راہ سے چندہ دیا ہے تو اس کے اسلام میں شبہ ہو گیا اس کو احتیاطاً تجدید اسلام واجب ہے لیکن اگر پسندیدگی کی راہ سے شریک نہیں ہوا ہے بلکہ کسی مجبوری کی وجہ سے چندہ دیا ہے تو وہ کافر نہیں ہوا لیکن شرکت پھر بھی گناہ سے خالی نہیں اور اب سبیل اس سے خلاصی کی توبہ اور انابت الی اللہ ہے(۱)

فلا شك انهم ان اراد و تعظيم اليوم فذالك كفر وان ارادوا به غيره فالاصوب تركه و كذا اجتماع المسلمين يوم فتح النصارى (فتاوى بزازيه) (۲)

نماز عید اور اسی طرح دیگر نمازوں کے بعد مصافحہ و معانقہ کا اہتمام والتزام بدعت ہے

(سوال) بعد نماز عیدین مذہب حنفی میں مصافحہ و معانقہ کرنا جائز ہے یا نہیں

(جواب ۷) عیدین کی **تخصیص** سے بعد نماز عید مصافحہ و معانقہ کرنا بدعت ہے شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں فقہاء نے عصر و فجر کی **تخصیص** سے مصافحہ کرنے کو بدعت فرمایا ہے فکذا هذا ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط انه تكره المصافحة بعد اداء الصلوة بكل حال لان الصحابة ماصافحوا بعد اداء الصلوة ولا نها من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية انها بدعة مكروهة لا اصل لها في الشرع وانه ينبه فاعلها اولا ويعزر ثانيا (رد المحتار ص ٢٢٦ ج ٥)(۳)

قبروں کو سجدہ کرنا شرک اور حرام ہے

(سوال) زید اس امر کا قائل ہے کہ قبر کو سجدہ تعظیمی کرنا حرام اور سجدہ عبادت کرنا کفر ہے مگر سجدہ تعظیمی سے کفر لازم نہیں یعنی سجدہ تعظیمی کرنے والے کو کافر نہیں کہنا چاہئیے البتہ مرتکب فعل حرام کا ہے۔ آیا شرعاً سجدہ تعظیمی کرنے والے کو کافر کہتے ہے یا نہیں ؟

(جواب ۸) زید کا یہ کہنا کہ قبر کو سجدہ تعظیمی کرنا حرام اور سجدہ عبادت کرنا کفر ہے صحیح نہیں کیونکہ

---

(۱) والا عطاء باسم النيروز والمهرجان لا يجوز اى الهدايا باسم هذين اليومين حرام وان قصد تعظيمه كما يعظمه المشركون يكفر قال ابو حفص الكبير لو ان رجلا عبدالله خمسين سنة ثم اهدى المشرك يوم النيروز بيضة يريد تعظيم اليوم فقد كفر وحبط عمله (الدر المختار مع رد المحتار ٦ / ٧٥٤ ط سعيد)

(۲) (فتاوى بزازيه على هامش هنديه ٤ / ٣٣٤ ط كوئٹه)

(۳) (رد المحتار مع الدر المختار ٦ / ٣٨١ ط سعيد)

تعظیم کے ارادہ سے سجدہ کرنا اور عبادت کی نیت سے سجدہ کرنا ایک ہی معنی رکھتا ہے اور عوام ان دونوں باتوں میں کوئی صحیح فرق نہیں کر سکتے اور نہ سمجھ سکتے ہیں اس قائل کو بھی دھوکا لگا ہے شاید سجدہ تحیت کو سجدہ تعظیمی کے لفظ سے تعبیر کر رہا ہے سجدہ تحیۃ البتہ باعتبار اپنے مفہوم کے سجدہ عبادت سے جداگانہ شے ہے لیکن عوام کے مناسب حال یہی ہے کہ ان کو مطلقاً سجدہ لغیر اللہ کا شرک ہونا سمجھایا جائے تاکہ احتراز کامل کی ان سے امید ہو باقی رہا کسی سجدہ تحیۃ کے کرنے والے پر مشرک کا حکم لگانا تو اس میں احتیاط کرنا مفتی کا کام ہے والتواضع لغیر اللہ حرام کذافی الملتقط (ھندیہ ص ٤٠٤ ج ٥) (١) وان سجد للسلطان بنیۃ العبادۃ اولم تحضرہ النیۃ فقد کفر کذا فی جواھر الا خلاطی (ھندیہ ص ٤٠٤ ج ٥) (٢) وکذا ما یفعلونہ من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضی بہ ثمان لانہ یشبہ عبادۃ الوثن وھل یکفر ان علی وجہ العبادۃ والتعظیم کفروان علی وجہ التحیۃ لا وصار اثما مرتکباً لکبیرۃ وفی الملتقط التواضع لغیر اللہ حرام انتھی (درمختار ص٢٦٨ جلد٥) (٣)

جمعہ اور عیدین کے بعد مصافحہ و معانقہ کا اہتمام والتزام بدعت ہے

(سوال) بعد نماز جمعہ و عیدین مصافحہ و معانقہ کرنا جائز ہے یا نہیں اور اگر ناجائز ہے تو پھر ان احادیث کا کیا مطلب ہے؟ عن البراء بن عازب قال قال رسول اللہ ﷺ مامن مسلمین یلتقیان فیتصا فحان الاغفر لھما قبل ان یتفر قارواہ احمد والترمذی وابن ماجہ – و فی روایۃ ابی داؤد قال اذا التقی المسلمان فتصافحا وحمدا اللہ واستغفراہ غفرلھما و عن ایوب بن بشیر عن رجل عن عنزۃ انہ قال قلت لا بی ذرھل کان رسول اللہ ﷺ یصافحکم اذا لقیتموہ قال ما لقیتہ قط الا صافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اھلی فلما جئت اخبرت فاتیتہ وھو علی سریر فالتزمنی فکانت تلک اجود واجود رواہ ابوداؤد – و عن براء بن عازب قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی اربعا قبل الھاجرۃ فکانما صلاھن فی لیلۃ القدر و المسلمان اذا تصافحالم یبق بینھما ذنب الاسقط رواہ البیھقی فی شعب الایمان– یہ احادیث علی العموم بلا کسی قسم کی تعیین کے مصافحہ اور معانقہ کو ثابت کر رہی ہیں–

وقال النووی اعلم ان المصافحۃ سنۃ مستحبۃ عند کل لقاء وما اعتادہ الناس بعد صلوۃ الصبح والعصر لا اصل لہ فی الشرع علی ھذا الوجہ ولکن لا باس فان اصل المصافحۃ سنۃ وکونھم محافظین فی بعض الاحوال مفرطین فیھا فی کثیر من الاحوال لا یخرج ذلک عن کونہ سنۃ وھی من البدعۃ المباحۃ–

---

(١) (ھندیہ : ٣٦٨/٥ ط کوئٹہ)
(٢) (ھندیہ : باب الثامن والعشرون فی ملاقات الملوک الخ : ٣٢٩/٥ ط کوئٹہ)
(٣) (الدر المختار مع الرد : ٣٨٣/٦، ٣٨٤ ط سعید)

اس کلام سے بھی اگر مصافحہ کی عدم اصلیت ثابت ہوتی ہے تو فقط صلوۃ صبح وعصر کے وقت مگر پھر بھی لفظ لا باس کہا گیا ہے۔ بینوا توجروا

(جواب ۹) عیدین یا جمعہ کی تخصیص سے مصافحہ و معانقہ کرنا کئی وجہ سے مکروہ اور بدعت ہے اول یہ کہ اس اوقات یہ تخصیص جہلا کے فساد اعتقاد کا باعث ہو جاتی ہے دوم یہ کہ یہ طریقہ روافض کا تھا کہ بعد نماز مصافحہ کرتے تھے اور آج ہمارے زمانے میں علاوہ مشابہت بالروافض کے مشابہت بالہنود بھی ہے کہ وہ اپنی ہولی کے روز ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں سوم یہ کہ مصافحہ کا مسنون وقت وقت ملاقات ہے۔ لکن قد قال ان المواظبة عليها بعد الصلوة خاصة قد يؤدی الجهلة الى اعتقاد سنيتها فی خصوص هذه المواضع وان لها خصوصية زائدة علی غيرها مع ان ظاهر كلامهم انه لم يفعلها احد من السلف فی هذه المواضع وكذا قالوا بسنية السور الثلاث فی الوتر مع الترك احيانا لئلا يعتقد وجوبها و نقل فی تبيين المحارم عن الملتقط انه تكره المصافحة بعد اداء الصلوة بكل حال لان الصحابة (رضی الله عنهم) ما صافحوا بعد اداء الصلوة ولانها من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية انها بدعة مكروهة لا اصل لها فی الشرع وانه ينبه فاعلها اولا و يعزر ثانيا ثم قال وقال ابن الحاج من المالكية فی المدخل انها من البدع و موضع المصافحة فی الشرع انما هو عند لقاء المسلم لاخيه لا فی ادبار الصلوات فحيث وضعها الشرع يضعها فينهى عن ذلك و يزجر فاعله لما اتى به من خلاف السنة (رد المحتار ص ۲۶۶ ج ۵) (۱)

احادیث سے بوقت ملاقات مصافحہ ثابت ہوتا ہے امام نووی نے بھی زیادہ سے زیادہ لفظ لاباس استعمال کیا ہے اور بدعت مباحہ ہونا بتایا ہے ان کے قول سے بھی مسنون یا مستحب ہونا ثابت نہیں ہوتا پھر یہ قول باباحۃ ان کا خیال ہے ورنہ محققین شوافع کا یہی مذہب ہے کہ یہ تخصیص بدعت ہے بلکہ ابن حجر جیسا کہ عبارت منقولہ بالا سے واضح ہوتا ہے پہلی مرتبہ تنبیہ کرنے اور دوسری مرتبہ تعزیر کا حکم دیتے ہیں اور یہی مذہب مالکیہ اور محققین حنفیہ کا ہے۔ واللہ اعلم

قراءت قرآن (قرآن خوانی) پر اجرت لینا دینا حرام ہے

(سوال) زید نے اپنے والد کے ایصال ثواب کے واسطے عمرو بکر خالد سے قرآن شریف پڑھوایا بعد مناجات کے زید ان کو پانچ روپے دیدے تو عمرو بکر خالد کو یہ روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر زید یہ روپیہ نہ دے تو وہ دعوی کر کے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

(جواب ۱۰) قراۃ قرآن پر کسی قسم کی اجرت لینا یا دینا قطعی ناجائز اور بدعت ہے اور جو کوئی شخص ایسا کرے گا وہ گناہ گار ہوگا۔ ومنها الوصية من الميت باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته او بعده و باعطاء دراهم

---

(۱) (رد المحتار مع الدر المختار ۶/ ۳۸۱ ط سعید)

من يتلو القرآن لروحه او يسبح و يهلل له و كلها بدع منكرات باطلة والماخوذ منها حرام للاخذ وهو عاص بالتلاوة والذكر (رد المحتار)(۱)

مذکورہ الفاظ"السلام علی من اتبع الهدی" کے ذریعے کسی مسلمان کو سلام کر سکتے ہیں.

(سوال) لفظ السلام علی من اتبع الهدی کسی قوم مسلمین یا کسی خاص مسلمان پر لکھنا یا منہ سے کہنا حدیث صحیحہ کے موافق ہے یا مخالف ؟اور موافق احادیث صحیحہ کے لفظ مذکور کس قسم پر یا کس جماعت پر بولا جائے اس بارے میں جو قول رسول مقبول روحی فداہ کا ہو اس کے موافق جواب تحریر فرمائیں ؟

(جواب ۱۱) رسول خدا ﷺ نے جو نامہائے مبارک کفار بادشاہوں کو تحریر فرمائے ہیں ان میں یہ الفاظ (السلام علی من اتبع الهدی) تحریر فرمائے ہیں بخاری شریف(۲) میں یہ روایت ہے کہ قیصر روم کو جو فرمان آنحضرت ﷺ نے تحریر فرمایا ہے اس میں الفاظ مذکورہ بالا تحریر فرمائے تھے اور قرآن کریم میں حضرت موسیٰ کے قصے میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے کلام کرتے وقت بھی یہی الفاظ فرمائے تھے سورہ طہ میں ہے قد جئناك باية من ربك والسلام علی من اتبع الهدی- تفسیر مدارک و خازن میں ہے (واللفظ للخازن)(۳) لیس المراد منه سلام التحیة انما معناه سلمه من العذاب من اسلم- یعنی ان الفاظ میں سلام کے لفظ سے سلام تحیۃ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جو مسلمان ہو جائے گا عذاب سے بچ جائے گا پس مسلمانوں کو آپس میں یہ الفاظ استعمال کرنا نہیں چاہئے کیونکہ اول تو یہ الفاظ سلام تحیۃ کے لئے شریعت میں معہود نہیں ہیں جیسا کہ خازن و مدارک سے معلوم ہوتا ہے نیز مشکوۃ شریف(۴) میں بخاری و مسلم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو حکم دیا کہ جاؤ فرشتوں کو سلام کرو اور سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں اور وہی تمہارے لئے اور تمہاری ذریت کے لئے سلام تحیۃ ہو گا فذهب فقال السلام علیکم فقالوا السلام علیك و رحمة الله-اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم سے فرمایا کہ تم السلام علیکم کہو پس ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ الفاظ سلام تحیۃ جو آدم اور ان کی ذریت کیلئے مقرر کئے گئے تھے وہ السلام علیکم اور وعلیکم السلام یا وعلیک السلام ہیں (برعایت افراد و جمع مخاطب و زیادت لفظ رحمۃ اللہ استحبابا) پس الفاظ مذکورہ سوال سلام تحیۃ کے الفاظ نہیں ہیں دوسرے یہ کہ چونکہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ سے ثابت ہے کہ وہ ان الفاظ کو کفار کے لئے استعمال فرماتے تھے اس لئے کسی مسلمان کے لئے انہیں استعمال کرنا ایک قسم کا ایہام ہے جو ناجائز ہے اور اس کی برائی استعمال

---

(۱) ومنها الوصیة من المیت الخ (رد المحتار مع الدر المختار: ۶/ ۳۳ ط سعید' کراچی)
(۲) (الصحیح البخاری باب کیف یکتب الی اهل الکتاب: ۲/ ۹۲۶)
(۳) (تفسیر خازن)
(٤) (عن ابی هریرةؓ باب السلام' مشکوٰة المصابیح ۲/ ۳۹۷)

کنندہ کی نیت کے موافق مختلف درجات میں ثابت ہوگی - واللہ تعالیٰ اعلم

ماہ محرم میں مروجہ طریقہ پر شہادت حسینؓ کا تذکرہ کرنا بدعت ہے

(سوال) آج کل محرم کا چاند ہے جنگ نامہ جو مسجد میں پڑھا جاتا ہے جائز ہے یا نہیں اور مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ پڑھنا کیسا ہے اور اگر مسجد میں پڑھا جائے تو کیسا ہے ؟

(جواب ۱۲) اتفاقیہ طور پر ذکر شہادت حسینؓ اور اس پر اظہار افسوس ایک امر مستحسن ہے لیکن ذکر شہادت کے لئے خاص مجلسیں منعقد کرنا اور یہ تخصیص کہ محرم کے دس دن کے اندر ہو اور اس ہیئت کے ساتھ ہو اور شیرینی تقسیم کرنا یہ سب باتیں بدعت ہیں(۱) نیز یہ کہ عموماً ایسی مجالس میں جو کتابیں پڑھی جاتی ہیں اس کی اکثر روایتیں موضوع اور محض گھڑی ہوئی ہوتی ہیں نیز ان کے اکثر بیانات سے اہل بیت کی توہین لازم آتی ہے لہذا مسلمانوں کو اس سے پرہیز کرنا چاہئے - مسجد میں ہو یا کسی اور جگہ اس قسم کی مجالس کا انعقاد بہر حال ممنوع ہے -(۲)

غیر اللہ سے مدد مانگنے کے جواز کے لئے چند غلط استدلالات کے جوابات

(سوال) زید عوام الناس کو علی الاعلان استمداد از غیر اللہ کی تعلیم بالفاظ ذیل دے رہا ہے -

سوال - غیر اللہ سے مدد مانگنا کیسا ہے ؟ جواب بلا شبہ درست ہے - سوال - ایاک نستعین میں جو مفعول مقدم ہے جس سے بقاعدہ نحوی حصر کے معنی پیدا ہوتے ہیں اس کے کیا معنی ہوں گے ؟ جواب - اس کے یہ معنی ہیں کہ کارساز حقیقی تو ہی ہے اور حقیقی مدد تجھ ہی سے طلب کرتے ہیں کیونکہ مدد حقیقی تیرے ساتھ مختص ہے باقی دوسروں سے استعانت مجازی ہے جو محض مظاہر عون سے ہیں پس استعانت غیر اللہ سے اس طرح پر کہ اعتقاد مستقل اس غیر پر ہو اور اس کو مظہر عون الٰہی نہ جانے بے شبہ حرام بلکہ شرک ہے اور اگر التفات محض بجانب حق ہے اور اس کو ایک مظہر مظاہر عون سے جان کر استمداد و استعانت کرے تو ایسی استعانت مشروع و جائز ہے تمام انبیاء و اولیاء اس قسم کی استعانت طلب کرتے رہے ہیں یہ استمداد واستعانت حقیقۃ غیر سے نہیں بلکہ اسی سے ہے **هكذا في تفسير فتح العزيز** اب تو معنی حصری بھی درست ہوئے اور سب اعتراض بھی اٹھ گئے خلاصہ یہ ہے کہ مستقل حاجت روا کسی کو سمجھ کر مدد طلب کی جائے تو ناجائز اور حرام ہے مگر مسلمان کے ساتھ ایسا گمان کسی طرح درست نہیں ورنہ جائز اور درست ہونے میں کسی طرح کا کلام نہیں (انتہی بلفظہ) زید نے اپنے عقیدہ مذکورۃ الصدور کے لئے حسب ذیل ثبوت پیش کیا ہے (۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **استعينوا بالصبر والصلوٰة** اور یہ ظاہر ہے کہ صبر وصلوٰۃ غیر اللہ ہیں (۲) اس کی تائید

---

(۱) وایاہ ثم ایاہ ان یشتغل فی یوم عاشوراء ببدع الرافضۃ من الشرب والنیاحۃ والحزن اذ لیس ذالک من اخلاق المؤمنین والا لکان یوم وفاتہ ﷺ اولی بذالک واحری (الصواعق المحرقہ فی الرد علی اہل البدع والزندقۃ :۱۸۳)

(۲) اور اس عمل میں اہل باطل روافض کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جو شرعاً مذموم اور ممنوع ہے اذا اراد ذکر مقتل حسین ینبغی ان یذکر اولا مقتل سائر الصحابۃ لئلا یتشابہ الروافض کما فی العون (جامع الرموز بحوالہ فتاوی عبدالحئی ۱/۱۵۰ ط سعید)

حضرت عیسیٰ کے قول من انصاری الی اللہ سے ہوتی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے (۳) حکیم وڈاکٹر سے دفع مرض کے لئے مدد مانگنا اور مظلوم کا بروقت حق طلبی وایذادہی ظالم حکام سے چارہ جوئی کرنا وغیرہ کے جائز و مسنون ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا (۴) خود رسول اللہ ﷺ نے غیر اللہ سے مدد مانگنے کی تعلیم فرمائی چنانچہ طبرانی میں عتبہ بن غزوانؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اذا ضل احدکم شیئاً واراد عونا وھو بارض لیس لھا انیس فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی فان للہ عباداً لا یراھم (۵) تفسیر فتح العزیز میں جیسا کہ مذکور ہوا یہی تعلیم ہے۔

اس کے متعلق عمرو کہتا ہے کہ لفظ غیر اللہ کا عام ہے اور مدد کی بھی علما نے دو قسمیں قرار دی ہیں ایک وہ کہ نظر بر کارخانہ اسباب و حکمت باری تعالیٰ بعض امور میں ایک مخلوق دوسری مخلوق سے مدد لینے کی مجاز ہے مثلاً کسی بیمار کا حکیم یا ڈاکٹر سے مشورہ علاج میں اور مظلوم کا بروقت حق طلبی وایذادہی ظالم حکام سے چارہ جوئی میں مدد لینا نوکروں اور فقیروں کا اپنے معاملات میں امیروں اور بادشاہوں سے مدد طلب کرنا یا زندہ اولیائے کرام سے دعا کے لئے اسطرح عرض و معروض کرنا کہ ہمارے فلاں مطلب کے لئے بارگاہ خداوندی میں دعا فرمایئے وغیرہ وغیرہ ایسی استمداد شرعاً جائز ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے مگر جو اولیائے کرامؒ وفات پا چکے ہیں ان سے دعا کے لئے عرض معروض کرنے میں اختلاف ہے اکثر علمائے حنفیہ جو سماع موتی کے قائل نہیں ہیں اس کو نادرست بتاتے ہیں اور جو قائل سماع موتی ہیں نیز حضرات صوفیا جائز بتلاتے ہیں صاحب تفسیر فتح العزیز بھی انہیں علمائے جامع شریعت و تصوف میں سے ہیں جو سماع موتی کے قائل اور اولیائے کاملین سے خواہ وہ مردہ ہوں خواہ زندہ دعا کے لئے عرض و معروض کے مجوز ہیں مگر ایسی استمداد کو اول تو اقسام استمداد میں ہی شمار نہیں کرتے بلکہ طلب مشورہ کے نام سے موسوم فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ استمداد اگر ہے بھی تو خداوند تعالیٰ سے ہے گویا ان کے نزدیک بھی استمداد اسی مسبب الاسباب اور حکیم مطلق سے ہے جس نے اپنی حکمت بالغہ سے بعض مخلوق کو بعض امور کے لئے سبب بنادیا ہے لہذا اس مخلوق کو مظہر عون الٰہی سمجھ کر اس سے مدد لینا اسی تعالیٰ شانہ سے مدد لینا ہے دوسری قسم مدد مانگنے کی یہ ہے کہ جو امور بالا ستقلال جناب باری تعالیٰ سے خصوصیت رکھتے ہیں جیسے اولاد کا دینا بارش کا برسانا مرض کا دور کرنا عمر کا بڑھانا وغیرہ۔ان میں کسی مخلوق سے مدد مانگی جائے اور جناب باری عزاسمہ سے دعا کرنا مد نظر نہ ہو تو یہ استمداد حرام مطلق بلکہ کفر ہے ایسی استمداد اگر کوئی مسلمان اپنے مذہب کے اولیائے کرام سے بھی کرے گا دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ محتاط علمائے دین نے قسم اول کو نظر انداز کر کے قسم دوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے استمداد از غیر اللہ کو مطلقاً ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ فرماتے ہیں "عبادت مر غیر خدا را جائز نیست و نہ مدد خواستن از غیر حق (ارشاد الطالبین ص ۱۸) لہذا زید کا علی العموم غیر اللہ سے مدد مانگنے کی اجازت و تعلیم دینا ہرگز مناسب نہیں اس کو تفصیل و

تشریح کے ساتھ مسئلہ بتانا چاہیے تھا۔

عمرو نے زید کی پیش کردہ دلیلوں کا حسب ذیل جواب دیا ہے (۱) آیہ استعینوا بالصبر والصلوٰۃ میں کسی مخلوق سے مدد مانگنے کی تعلیم نہیں ہے بلکہ مدد تو جناب باری تعالیٰ سے مانگنے کا حکم ہے اور صبر وصلوٰۃ کو جو فعل عبد ہے ایک ذریعہ مدد مانگنے کا قرار دیا ہے یعنی صبر کرنے اور صلوٰۃ کی بجا آوری کو ذریعہ بتایا ہے حصول امداد الٰہی کا۔ اس سے استمداد از غیر اللہ پر استدلال کرنا محض مغالطہ ہے (۲) آیہ شریفہ یا یھا الذین آمنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسی بن مریم للحواریین من انصاری الیٰ اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ (سورہ الصف رکوع دوم پارہ ۲۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے اسی امر میں مدد مانگی ہوگی جس میں نظر بکارخانہ اسباب و حکمت باری تعالیٰ ایک مخلوق کو دوسری مخلوق سے مدد مانگنا جائز ہے اس لئے اس سے بھی غیر اللہ سے کل امور میں عام طور سے مدد مانگنے کی اجازت ہرگز نہیں نکلتی اس لئے کہ جس مسبب الاسباب نے اپنی بعض مخلوق کو سبب عون بنایا ہے یہ دراصل اسی سے مدد مانگنا ہے (۳) حکیم ڈاکٹر اور حکام کو بھی اسی قادر مطلق نے سبب بنایا ہے اور اس کی بھی وہی کیفیت ہے جو نمبر ۲ کے جواب میں گزر چکی ہے (۴) حضور سرور عالم ﷺ نے بھی اسی قسم کی استعانت کی تعلیم فرمائی جو مدد کی قسم اول میں داخل ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ ہی سے مدد مانگنا ہے عام اجازت کا اس سے وہم بھی نہیں ہو سکتا (۵) تفسیر فتح العزیز میں ہرگز عام اجازت نہیں دی گئی ہے اور فتاویٰ عزیزی جو صاحب تفسیر فتح العزیز کی طرف منسوب ہے اس میں مدد کی قسم دوم کو حرام کفر اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا سبب قرار دیا ہے ملاحظہ ہوں ان کے ارشادات۔ وایں جا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد بر آں غیر باشد او را مظہر عون الٰہی نداند حرام است۔ واگر التفات محض بجانب حق است واو را یکے از مظاہر عون دانستہ و نظر بکارخانہ اسباب و حکمت او تعالیٰ دراں نمودہ بغیر استعانت ظاہر نماید دور از عرفان نخواہد بود۔ ودر شرع نیز جائز و رواست وانبیاء واولیاء ایں نوع استعانت از غیر کردہ اند در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ بحضرت حق است لاغیر (تفسیر فتح العزیز سورہ فاتحہ ص ۸) صاحب تفسیر علیہ الرحمۃ نے اس موقع پر نظر بکارخانہ اسباب وحکمت باری تعالیٰ رکھنے کی قید لگا کر استمداد کو خاص فرمادیا ہے ان چیزوں کے ساتھ اور ان امور کے متعلق جو اس عالم اسباب میں سبب و مظہر عون بنادیئے گئے ہیں اور بعض امور ان سے متعلق کردیئے گئے ہیں پس جو چیز کہ نظر بکارخانہ اسباب وحکمت باری تعالیٰ سبب و مظہر عون نہیں اس سے ان امور میں جو اس چیز سے متعلق نہیں کئے گئے مدد مانگنے کی اجازت صاحب تفسیر علیہ الرحمۃ کے ارشاد سے مستنبط نہیں ہو سکتی۔ مگر جس رسالہ سے زید نے ان کے ارشاد کا ترجمہ نقل کیا ہے اس میں نظر بکارخانہ اسباب وحکمت او تعالیٰ کا ترجمہ غالباً سہواً کسی اور وجہ سے نقل کرنا رہ گیا ہوگا اور اسی کی وجہ سے زید کو غلط فہمی ہوئی ورنہ اصل عبارت کے دیکھنے سے ایسا خیال ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا تھا (۶) باقی ماندہ عبادت واستعانت از غیر (بعد بیان تفصیل عبادت) واستعانت با چیزے ست کہ توہم استقلال آں

چیز در وہم و فہم ہیچ کس از مشرکین و مؤمنین نمی گزرد - مثلاً استعانت محبوب و غلات ودر دفع گرسنگی واستعانت بآب و شربتہا در دفع تشنگی واستعانت برائے راحت بسایہ درخت و مانند آں ودر دفع مرض بادویہ و عقاقیر و در تعیین وجہ معاش بامیر و بادشاہ کہ در حقیقت معاوضہ خدمت بمال است و موجب تذلل است یا باطبا و معالجان کہ بہ نسبت تجربہ و علم زائد ازاں باطلب مشورہ است - واستقلالے متوہم نمی شود پس ایں قسم استعانت بلا کراہت جائز است زیرا کہ در حقیقت استعانت نیست واگر استعانت ست استعانت بخداست (تفسیر فتح العزیز سورہ فاتحہ ص ۷ ۳) یہ عبارت پہلی عبارت کی تفصیل ہے اور دونوں عبارتوں کے ملانے سے اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ جو چیزیں اس عالم اسباب میں اس مسبب الاسباب نے اپنی حکمت کاملہ سے سبب و مظہر عون بنادی ہیں صرف ان سے مدد لینے کی اجازت ہے اور چونکہ نظر بکارخانہ اسباب و حکمت باری تعالیٰ ان سے مدد لینا عین اس قادر مطلق سے مدد لینا ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام نے بھی اس قسم کی مدد مخلوق سے لی ہے نہ یہ کہ ہر چیز سے ہر قسم کی مدد عیاذاً باللہ لی ہو جیسا کہ زید کے مقولہ کا مفہوم ہے (۳) مدد خواستن دو طور می باشد - مدد خواستن مخلوقے از مخلوقے - مثل آنکہ از امیر و بادشاہ نوکرو گدا در مہمات مرجوعہ مدد می جویند و عوام الناس از اولیا و عامی خواہند کہ از جناب الہی فلاں مطلب ما را درخواست نمائند ایں نوع مدد خواستن در شرع از زندہ و مردہ جائز است - دوم آنکہ بالاستقلال چیزیکہ خصوصیت بجناب الہی دارد مثل دادن فرزند یا بارش باران یا دفع امراض یا طول عمر و مانند ایں چیز ہا بے آنکہ دعا و سوال از جناب الہی در نیت منظور باشد از مخلوقے درخواست نمایند - ایں نوع حرام مطلق بلکہ کفر است واگر از مسلمان کسے از اولیائے مذہب خود خواہ زندہ باشد یا مردہ ایں نوع مدد خواہد از دائرہ مسلماناں خارج می شود (فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۴ ۴ ۳) اس سے ثابت ہے کہ صرف انہیں امور میں مخلوق سے مدد مانگنے کی اجازت ہے جو مختص بذات باری تعالیٰ نہیں ہیں اور وفات یافتہ حضرات اولیاء اللہ سے بھی صرف دعا کے لئے عرض کرنے کی مثل زندوں کے اجازت دی گئی ہے (۴) اما استمداد باہل قبور غیر از نبی ﷺ یا غیر از انبیاء علیہم السلام منکر شدہ اند آں را بسیارے از فقہا - میگویند کہ نیست زیارت مگر برائے رسانیدن نفع باموات بدعا و استغفار - و قائل گشتہ اند بآں بعضے از ایشاں و ظاہر است کہ از فقہاء آنانکہ قائل سماع و ادراک میت اند قائل بجواز اند و آنانکہ منکر اند آں را نیز انکار کنند - وایں امر یست ثابت و مقرر نزد مشائخ صوفیہ از اہل کشف و کمال (فتاویٰ عزیزی جلد دوم ص ۱۰۷) اس سے مسئلہ استمداد از اولیاء اللہ کا اختلافی ہونا ظاہر ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب یعنی صاحب تفسیر فتح العزیز اگرچہ انہیں علماء میں شامل ہیں جنہوں نے جواز کا فتویٰ دیا ہے مگر صورت استمداد حسب ذیل بتائی ہے (الف) ونیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند حاجت خود را از جناب الہی بتوسل روحانیت بندہ کہ مقرب و مکرم درگاہ والا است و گوید کہ خداوندا بہ برکت ایں بندہ کہ تو رحمت و اکرام کردہ اورا بر آوردہ گرداں حاجت مرا (ب) یا ندا کند آں بندہ مقرب و مکرم را کہ اے بندہ خدا وولی وے شفاعت کن مرا و بخواہ از خدا تعالیٰ مطلوب مرا تا قضا کند حاجت مرا (فتاویٰ عزیزی جلد دوم ص ۱۰۸)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرات اولیاء اللہ سے جس قسم کی استعانت انہوں نے جائز بتائی ہے ان میں سے قسم اول تو سرے سے استعانت ہی نہیں ہے بلکہ توسل ہے جس سے کسی کو انکار نہیں قسم دوم اگرچہ مسئلہ سماع موتی کی وجہ سے مختلف فیہا ہے لیکن اس میں بھی کسی ایسی چیز کا سوال حضرات اولیاء اللہ سے نہیں ہوگا جو مختص بذات باری تعالیٰ ہے لہذا اس میں بھی بجز اس کے اور کچھ خرابی نہیں کہ جو عوام کالانعام دوسرے اشخاص کے افعال سے اپنے افعال ناجائز پر استدلال کیا کرتے ہیں ان کے عقائد پر برا اثر پڑے گا۔

لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان میں سے قول کس کا صحیح ہے اور کون حق بجانب ہے اگر عمرو کا قول سچ ہے تو کیا زید کو اپنی غلطی تسلیم کر کے اس کا اعلان کر دینے کی بھی ضرورت ہے یا ویسے ہی خاموش ہو جانا کافی ہے؟

(**جواب ۱۳**) عمرو کا بیان صحیح اور آیات واحادیث اور اقوال فقہائے حنفیہ کے موافق ہے(۱) اور زید کے قول میں تخلیط و تلبیس ہے حق یہی ہے کہ جن چیزوں میں سلسلہ اسباب پر نظر ڈالتے ہوئے ظاہری مدد کسی غیر اللہ سے حاصل ہونی متصور ہے ان میں استمداد اسی قید یعنی رعایت سلسلہ اسباب کے ساتھ جائز ہے مثلاً کسی شخص سے جو پانی دینے پر قادر ہے پیاس کے وقت پانی مانگنا۔ کسی شخص سے جو کھانا دینے پر قادر ہے بھوک کے وقت کھانا مانگنا۔ بادشاہ یا امیر سے کوئی عہدہ یا خدمت یا عطاء یا انصاف کا سوال کرنا کہ یہ لوگ ان چیزوں پر ظاہر اسباب کے لحاظ سے قادر ہیں واضح طور پر یوں سمجھے کہ خدا تعالیٰ و تقدس نے اس عالم میں اسباب و علل کا ایک سلسلہ قائم کر دیا ہے اگرچہ وہ اسباب صرف ظاہر کے اعتبار سے اسباب ہیں ورنہ مؤثر حقیقی خدا تعالیٰ ہی ہے لیکن اس ظاہری نظام کے لحاظ سے ایک شے کو دوسری کا سبب کہہ سکتے ہیں مثلاً آگ کو جلانے اور پکانے کا سبب بنادیا ہے پانی کو ٹھنڈا کرنے پیاس بجھانے کا سبب مقرر فرمایا۔ اسی طرح اور بے شمار اسباب ہیں جو اس عالم میں موجود و مشاہد ہیں ان میں سے کسی کے ساتھ فائدہ حاصل کرنا اور اپنے کاموں میں مدد لینا ناجائز نہیں آگ سے کھانا پکانے کا کام لینا۔ پانی سے پیاس بجھانا بھی استعانت ہے۔ لیکن اس استعانت کا مبنی وہی ظاہری سبب ہونا اور نظام عالم میں اس سببیت کا داخل ہونا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی استعانت کو کوئی اعانت اور استعانت سے تعبیر نہیں کرتا اور نہ آگ سے کھانا پکاتے وقت پکانے والے کو یہ خیال ہوتا ہے کہ میں آگ سے استعانت کر رہا ہوں۔

اسباب طبعیہ میں تو یہ بات نہایت واضح ہے رہے اسباب اختیاریہ جیسے بادشاہ سے دفع ظلم میں استعانت طلب کرنا۔ اس پر اگرچہ استعانت کا اطلاق معروف ہے اور ان سے سوال کرتے وقت استعانت کا خیال بھی ہوتا ہے لیکن اس کا مبنیٰ بھی وہی سببیت ہے بادشاہ بوجہ اپنی قوت و شوکت کے اور اپنے حشم و خدم اعوان و انصار کی وجہ سے انتقام لینے پر اور ظلم دفع کرنے پر قدرت رکھتا ہے اور اس کے اسباب اسے

---

(۱) ومن أضل ممن يدعو من دون الله من لا يستجيب له الى يوم القيامة وهم عن دعائهم غافلون اى لا أضل ممن يدعو من دون الله اصناماً و يطلب منها مالا تستطيعه الى يوم القيامة (تفسير ابن كثير سورة الاحقاف : ۱۵۴/۴ ط سهيل اكيدمي' لاهور)

میسر ہوتے ہیں اس لئے اس سے مدد مانگی جاتی ہے اگرچہ اس کی یہ قدرت ظاہری ہے ورنہ ان تمام امور کی حقیقی باگ خدا اجبار کے ہاتھ میں ہے۔

پس ثابت ہو گیا کہ جو امور مختصہ بالباری تعالیٰ ہیں اور اس عالم اسباب میں ان کا کوئی سبب نہیں ان میں یا وہ امور کہ اگرچہ وہ باری تعالیٰ کے ساتھ مختص نہیں ہیں مگر ان کے اسباب خاصہ کے سوا کسی دوسرے سے ان کے وجود میں استعانت کرنا یقیناً حرام اور کفر ہے۔ مثلاً کسی مردہ بزرگ، پیر یا ولی سے اولاد مانگنا یا نوکری مانگنا حرام ہے اس لئے کہ اولاد دینا ان امور میں سے ہے جو خاص باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اور نوکری دینا اگرچہ نظر بظاہر خدا کے ساتھ خاص نہیں لیکن وہ وفات یافتہ پیر یا بزرگ اس کے واسطے ظاہری سبب بھی نہیں کہ اس سلسلہ اسباب ظاہرہ کے لحاظ سے ان سے نوکری مانگی جائے اسی طرح کسی زندہ بزرگ سے کوئی ایسی چیز مانگنا جو خدا کے ساتھ مختص ہو یا جو نظر بر اسباب ان کے قبضے میں نہ ہو ناجائز ہے۔

اور عوام کے عقائد کی اصلاح علما کے ذمہ واجب ہے انہیں کوئی ایسا فتویٰ دینا جس سے ان کے عقائد فاسد ہوں ناجائز ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں اذا سألت فاسأل الله و اذا استعنت فاستعن بالله (۱) ابن عباسؓ کو آپ نے فرمایا کہ جب تو کچھ مانگے تو خدا سے مانگ اور جب استعانت کرے تو خدا سے کر (ترمذی ص ۳۴ ج ۲) اور فرمایا لیسأل احدکم ربہ حاجته کلها حتی یسأل شسع نعله اذا انقطع (ترمذی ص ۲۰۰ ج ۲) (۲) یعنی ہر شخص کو چاہئے کہ اپنی تمام حاجتیں خدا سے مانگے یہاں تک کہ جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا سے مانگے یہ تعمیم اصلاح عقائد عوام کی لئے ہی حضور ﷺ نے فرمائی ہے پس زید کو لازم ہے کہ وہ اپنے اس طرز سے جس سے عقائد عوام بگڑیں احتراز کرے اور انہیں صاف اور مفصل مسئلہ بتائے۔ واللہ اعلم

مرثیہ کی مجلس قائم کرنا اور اس میں شرکت و تعاون کرنا حرام ہے

(سوال) اگر کوئی شخص کتب بانٹے دینی یا وعظ کو بند کر کے مجلس محرم کہ جس میں مرثیہ خوانی ہو قائم کرے ایسے اشخاص کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ نیز جس مجلس میں مرثیہ خوانی ہو اس میں شریک ہونا اور اس کے اخراجات میں شامل ہونا کیسا ہے بینوا توجروا

(جواب ۱٤) مجالس تعزیت و مرثیہ خوانی کا منعقد کرنا اور ان میں شرکت کرنا ممنوع و مکروہ ہے کسی میت کے لئے دروازہ پر بیٹھنے اور مجلس تعزیت منعقد کرنے سے فقہا منع کرتے ہیں چہ جائیکہ وہ واقعہ جس کو مدت

---

(۱) عن ابن عباسؓ قال کنت خلف النبی ﷺ یوما فقال یا غلام: انی اعلمك کلمات احفظ الله یحفظك احفظ الله تجده تجاهك اذا سألت فاسأل الله واذا استعنت فاستعن بالله واعلم ان الامة ان اجتمعت علی أن ینفعوك بشئ لم ینفعوك الا بشئ قد کتبه الله لك ـ و ان اجتمعو علی ان یضروك بشئ لم یضروك الا بشئ قد کتبه الله علیك، رفعت الا قلام و جفت الصحف ـ هذا حدیث حسن صحیح (الجامع للترمذی ۷۸/۲ ط سعید)
(۲) (الجامع للترمذی: ۲۰۱/۲ ط سعید)

گزر گئی ہو - قال كثير من متاخرى ائمتنا يكره الاجتماع عند صاحب البيت و يكره له الجلوس في بيته حتى ياتي اليه من يعزى بل اذا فرغ و رجع الناس من الدفن فليتفرقوا و يشتغل الناس بامورهم وصاحب البيت بامره (رد المحتار) (۱) و تكره التعزية ثانيا و عند القبر و عند باب الدار (الدر المختار) (۲) قوله عند باب الدار فى الظهيرية و يكره الجلوس على باب الدار للتعزية لانه عمل اهل الجاهلية وقد نهى عنه وما يصنع في بلاد العجم من فرش البسط و القيام على قوارع الطريق من اقبح القبائح اه بحر - انتهى (رد المحتار) (۳) مجلس مرثیہ میں شرکت حرام ہے اور علی ہذاالقیاس اس کے اخراجات میں شرکت -واللہ تعالیٰ اعلم

ایصال ثواب کے لئے اجتماعی قرآن خوانی کااہتمام بدعت ہے

(سوال) تلاوت قرآن مجید کے لئے محفل کرنابلا تعیین وقت وروزوماہ اس طور سے کہ ایک آدمی باری باری سے تلاوت کرے اور باقی حاضرین سنیں اور اختتام درود شریف اور ادعیہ پر ہو اس طرح محفل کرنا مطابق شرع مبین جائز ہے یا بدعت ؟بینوا توجروا

(جواب ۱۵) قرآن مجید افضل الاذکار اور اس کی تلاوت افضل الاشغال ہے اور تلاوت قرآن مجید فرداً فرداً یا اتفاقیہ اجتماع کے ساتھ کرنا جائز ہے اور اگر تعلیم قرآن مجید مقصود ہو خواہ الفاظ سکھانا مقصود ہو یا تجوید یا معانی و مطالب قرآنیہ تو اجتماع کا اہتمام کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ روزانہ یا دوسرے روز یا ہفتہ میں ایک بار مثلاً سکھانے والا لوگوں کو جمع کر کے سکھا دیا کرے جیسا کہ سلفاً و خلفاً تعلیم قرآن کی مجالس قائم کرنا مسلمانوں کا معمول ہے لیکن اگر تعلیم مقصود نہ ہو بلکہ محض تلاوت بقصد قربت و بہ نیت مثوبت مقصود ہے تو اس کے لئے یہ اہتمام کرنا اور مجلس منعقد کرنا شریعت سے ثابت نہیں پھر اس کے اندر اور شرائط و قیود کا اضافہ بھی ہو تو بدعت ہو جائے گا (۴) جب کہ مقصود محض تلاوت قرآن مجید کا ثواب حاصل کرنا ہو تو اس کے لئے بہترین صورت یہ ہے کہ تنہا اپنے حضور قلب کے اوقات میں جس قدر خشوع و دل بستگی کر سکے کر لیا کرے کہ یہی طریقہ سلف صالحین یعنی صحابہ کرام اور حضرات تابعین وائمہ مجتہدین کا طریقہ تھا والخیر کلہ فی اتباعھم یعنی بھلائی تمام کی تمام انہیں حضرات کے اتباع میں ہے مجالس الابرار میں ہے اخبر عبداللہ بن مسعود بالجماعة الذين كانوا يجلسون بعد المغرب و فيهم رجل يقول كبروا الله كذا و كذا وسبحوا الله كذاو كذا واحمدوا الله كذا و كذا فيفعلون فحضرهم فلما سمع ما يقولون قام فقال انا عبدالله بن مسعود فوالذى لا اله غيره لقد جئتم ببدعة ظلماء اولقد فقتم اصحاب محمد عليه اسلام علما یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خبر دی گئی کہ ایک

---

(۱) (رد المحتار مع الدر المختار : ۲ / ۲۴۱ ط سعيد) (۲) (رد المحتار مع الدر المختار : ۲ / ۲۴۱ ط سعيد)
(۳) (رد المحتار مع الدر المختار : ۲ / ۲۴۱ ط سعيد) (٤) بدعة وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة (الدر المختار مع رد المحتار ۱ / ۵٦٠ ط سعيد)

جماعت ہے جو مغرب کے بعد بیٹھتی ہے اور ان میں ایک شخص ہے جو ان کو تعلیم دیتا ہے کہ اتنی مرتبہ تکبیر کہو اتنی مرتبہ الحمد للہ کہو اتنی مرتبہ سبحان اللہ کہو تو سب ایسا ہی کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ خبر پاکر وہاں تشریف لے گئے اور جب ان لوگوں کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا تو کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن مسعود ہوں اور اس خدا کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ تم لوگوں نے ایک تاریک بدعت اختیار کی ہے یا آنحضرت ﷺ کے اصحاب سے علم میں بڑھ گئے ہو اتنی- اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ کوئی کام بظاہر کیسا ہی نیک کام ہو جب تک کہ منہاج سنت پر نہ ہو محبوب و مستحسن و معتبر نہیں- ھذا واللہ اعلم

طاعون کے وقت اذان دینے کا حکم

(سوال) طاعون کے زمانے میں اذان کا دینا کیا حکم رکھتا ہے؟ آیا جائز ہے یا ناجائز یا مکروہ تنزیہی یا تحریمی؟ اور اسکی اصل شرع میں پائی جاتی ہے یا نہیں اگر نہیں پائی جاتی تو موافق اس عبارت کے بدعت ہوگی یا نہیں مالا یعرف فی الشریعة اصله اور قرون ثلثہ میں پائی گئی ہے یا نہیں اور نہ پایا جانا کسی چیز کا قرون ثلثہ میں مستلزم بدعت ہے یا نہیں اور موجب کراہت یا حرمت کا ہے یا نہیں اور اگر اس کا زمانہ رواج معلوم ہو تو وہ بھی تحریر فرمائیے گا؟ بینوا توجروا

(جواب ۱۶) بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جس کی شریعت مقدسہ میں اصل نہ پائی جائے اور اسے ثواب یا عذاب کا کام سمجھ کر کیا یا چھوڑا جائے یعنی دین کی بات سمجھی جائے رفع طاعون کے لئے اذان دینا شریعت میں معہود نہیں پس اسے امر شرعی سمجھ کر اختیار کرنا تو بیشک بدعت ہے (۱) لیکن امر شرعی نہ سمجھا جائے اور جیسے کہ بعض امراض کے لئے بعض تعویذ یا عمل تجربہ سے مفید ثابت ہوئے ہیں اذان کا طاعون کے لئے مفید ہونا تجربہ سے ثابت ہو اور محض عمل کے طور پر کیا جائے تو مضائقہ نہیں- واللہ اعلم

کفار کے مذہبی میلوں میں شرکت و تعاون حرام ہے

(سوال) مسلمانوں کو اہل ہنود کے مذہبی میلوں مثلاً رام لیلا کرشن لیلا وغیرہ میں شامل ہونا انتظام کرنا رونق بڑھانا یا اتحاد کا خیال کر کے شریک کار ہونا یا بغرض سیر و تفریح یہ جان کر کہ یہ ہندوؤں کا مذہبی میلا ہے جانا یا ایسے میلوں کے اہتمام میں چندہ دینا یا کسی اور طرح سے معاون ہونا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو مکروہ تحریمہ ہے یا حرام؟ اور ان امور کے مرتکب پر کون کون سے احکام شرعی عائد ہوتے ہیں اور ان کی کیا جزا ہے مفصل بحوالہ نص (قرآن مجید) و حدیث فتوی تحریر فرما کر اجر عظیم حاصل فرمائیں- المستفتی محمد فاروق خاں چشتی

---

(۱) بدعة: وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة – قال المحقق: تعريف الشمني لها بانها ما احدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله ﷺ من علم او عمل او حال بنوع شبهة واستحسان و جعل دينا قويما و صراطا مستقيما اه فافهم (رد المحتار مع الدر المختار ۱ / ۵۶۰ ، ۵۶۱) ط سعید

(جواب ۱۷) کفار و مشرکین کے مذہبی میلے جن میں شعائر شرک و کفر کا اظہار اور اصنام و اوثان کی پرستش اور تعظیم ہوتی ہے ایسے میلوں میں بغرض تفریح و سیر و تماشا یا بہ نیت قیام اتحاد شریک ہونا اور رونق بڑھانا یا ایسے امور کے لئے جو شعائر کفر میں داخل ہیں چندہ دینا یا معاونت کرنا حرام ہے(۱) رہا انتظام و قیام امن کا خیال تو وہ اگر اس طور پر ہو کہ شعائر کفر سے پوری علیحدگی اور دوری رہے اور کسی طرح تفریح و تماشا مقصود نہ ہو اور کسی معتمد نظام کے ماتحت انتظام کے لئے شرکت پر مجبوری بھی ہو تو مباح ہے لیکن بحالات موجودہ ہندو سنگھٹن اور مہابیر دل کی تحریکوں اور ان کے نتائج نے میرے خیال میں کوئی مجبوری باقی نہیں رکھی اس لئے مسلمانوں کی شرکت انتظام کے لئے بھی اب کوئی وجہ جواز نہیں - فقط واللہ اعلم - محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ۶ اکتوبر ۱۹۲۳ء

غیر مسلم کی درازی عمر کے لئے دعا مانگنا شرعاً کیسا ہے ؟

(سوال) مسٹر گاندھی ۲۱ روز کا برت رکھتے ہیں تاکہ ہندو مسلم اتحاد ہو ان کے برت کے بخیر و خوبی اختتام ہونے پر ہندو تمام ہندوستان میں اظہار مسرت کے جلسے منعقد کرتے ہیں جس میں مسٹر گاندھی کی صحت و سلامتی و درازی عمر کی دعائیں مانگی جاتی ہیں مسلمان شرکت سے محترز رہتے ہیں مگر کسولی کی واحد مسجد کے پیش امام صاحب اس جلسے میں شریک ہوتے ہیں اس کی صدارت فرماتے ہیں اور جلسے کے مقاصد کی تکمیل فرماتے ہیں کیا امام صاحب کا یہ فعل کفر و شرک کی حمایت نہیں ہے ؟

(جواب ۱۸) کسی غیر مسلم کی درازی عمر کے لئے دعا مانگنا اس نیت سے کہ شاید خدا تعالیٰ اس کو ہدایت فرمادے اور وہ آئندہ عمر میں نور اسلام سے منور و مستنیر ہو جائے(۲) جائز ہے پس جلسہ مذکورہ کی شرکت و صدارت کے لئے ایک جائز محمل ہو سکتا ہے اور لوگوں کو زیبا نہیں کہ وہ اس بنا پر امام صاحب کو محل طعن و تشنیع بنائیں - واللہ اعلم - محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ دہلی

ایک گمنام خط جس کی ترویج و اشاعت جائز نہیں

(سوال) عرصہ چار سال سے گمنام خط جس کی نقل ذیل میں ہے آتے ہیں آیا ان خطوط کی تعمیل جائز ہے یا نہیں ؟

نقل خط گمنام - ایاك نعبد و ایاك نستعین اهدنا الصراط الذین انعمت - پس جس وقت یہ خط ملے فوراً گیارہ جگہ لکھ کر تقسیم کر دو انشاء اللہ چالیس روز میں فائدہ ہوگا اگر ایسا نہ کرو گے تو البتہ نقصان ہوگا اپنا نام

---

(۱) عن عبداللہ بن مسعودؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من کثر سواد قوم فھو منھم و من رضی عمل قوم کان شریکا لعملہ (المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ : ۲/۴۲ رقم الحدیث ۱۶۰۵ مطبع عباس احمد الباز مکۃ المکرمۃ کذافی فتح الباری ۳/۴۷ رقم الباب ۱۱)

(۲) اذا قال للذمی اطال اللہ بقاء ك ان کان نیتہ ان اللہ تعالی یطیل بقاء ہ لیسلم او یودی الجزیۃ عن ذل و صغار فلا باس بہ وان لم ینو شیئاً یکرہ کذا فی المحیط (ھندیہ ۵/۳۴۸ ط کوئٹہ)

و پتہ نہ لکھنا یہ ایک بزرگ کی ہدایت ہے۔

(جواب ۱۹) ان خطوط کے مضمون کو صحیح سمجھنا اور ان کی تعمیل کرنا سخت گناہ ہے اول تو یہی معلوم نہیں کہ ان کا کاتب کون ہے اکثر گمنام آتے ہیں بلکہ ان میں یہ فہمائش بھی ہوتی ہے کہ لکھنے والا نام ظاہر نہ کرے ممکن ہے اور اقرب الی القیاس یہی ہے کہ اس کارروائی کی ابتدا کسی دشمن اسلام نے کی ہے جس سے اس کا مقصود کم از کم یہ تھا کہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے سینکڑوں پیسے روزانہ ضائع کرادیئے جائیں دوسرے یہ کہ اس کے مضمون کو صحیح سمجھنے کی صورت میں عقائد خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہے مثلاً جس کے پاس یہ خط پہنچا اور اس نے اس پر عمل نہ کیا اور تقدیری طور پر چالیس روز کے اندر اسے کوئی تکلیف یا نقصان پہنچا تو اسے یقین ہو جائے گا کہ خط کی تعمیل نہ کرنے سے یہ نقصان پہنچا اور پھر وہ اس ناجائز وبیہودہ بات کو اپنے ذمہ لازم کرلے گا اور اگر اس نے تعمیل بھی کردی اور اسے چالیس روز میں کوئی فائدہ نہ ہوا یا الٹا کوئی نقصان پہنچ گیا تو اس کو قرآن پاک کی ان آیتوں کی جانب سے بدگمانی اور بداعتقادی پیدا ہو جائے گی جن کے ساتھ خوش اعتقادی ہونے کی وجہ سے خط کی تعمیل کی تھی تیسرے یہ کہ اگر بالفرض آیت مذکورہ میں فائدے کے خیال سے لکھنا اور بھیجنا مباح بھی مان لیا جائے تاہم اس کی تعمیل نہ کرنے کی صورت میں دھمکی دینا اور نقصان سے ڈرانا کیا معنی رکھتا ہے مباح کے ترک پر کوئی وعید نہیں ہوتی چوتھے یہ کہ گیارہ کی تخصیص کہ گیارہ جگہ ہی لکھ کر بھیجو بے معنی ہے ان کے علاوہ اور بھی اس میں نقصانات ہیں ہمارا غالب خیال یہی ہے کہ اس کارروائی کی ابتدا کسی دشمن اسلام نے کی اور مسلمان سادہ لوح خوش اعتقاد اس میں اپنی نادانی کی وجہ سے مبتلا ہو گئے اب ممکن ہے کہ بعض نیک خیال مسلمان یہ خط بھیجتے ہوں مگر یہ ان کی نادانی ہے انہیں علمائے شریعت سے اس کا حکم دریافت کرنا چاہئے تھا بہر حال اس میں اسراف، خوف فساد عقیدہ، خوف توہین آیات، اخبار عن الغیب، تحسین مبتدع اور بہت سے فسادات ہیں کسی مسلمان کو اس کی تعمیل کرنا اور اس کے مضمون کو صحیح سمجھنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم

دفع طاعون کے لئے استغفار و صدقہ کرنا تو صحیح ہے لیکن اس کے لئے خاص اہتمام جائز نہیں

(سوال) بوقت مرض طاعون و وباسب مسلمان جمع ہو کر دعا و درود پڑھتے ہیں اور کوچہ بکوچہ پڑھتے ہوئے گھومتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۰) نزول بلیات و حوادث کے وقت توبہ و استغفار کرنا اور صدقات دینا جائز اور مستحسن ہے(۱) لیکن کوئی خاص اہتمام و اجتماع کرنا ٹھیک نہیں اسی طرح کوچہ بکوچہ پھرنا بھی ناجائز ہے یہ حکم تو شرعی ہے لیکن اگر

---

(۱) چونکہ یہ عذاب خداوندی ہے اور عذاب خداوندی کے دفعیہ کے لئے اولاً تو حرام کاموں سے اجتناب اور ثانیاً توبہ و استغفار ضروری ہے طاعون کا عذاب ایک خاص حرام فعل کی وجہ سے آتا ہے: عن عبداللہ بن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ لم یظهر الفاحشة فی قوم قط حتی یعلنوا بها الا فشی فیهم الطاعون والا وجماع التی لم تکن مضت فی اسلا فهم الذین مضوا (سنن ابن ماجة: ۲۹۰ ط سعید)

عمل کے طور پر کوئی بزرگ کسی بات کو دفع بلا کے لئے تجربہ کے طور پر مفید بتائے تو بشرطیکہ وہ فعل مباح ہو اور شرعی حکم سمجھ کر نہ کیا جائے جائز ہوگا اور مثل تعویذوں اور دیگر عملیات مباحہ کے اس کا بھی حکم ہوگا۔ واللہ اعلم ۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

پیر و مرشد کے لئے تابع شریعت ہونا ضروری ہے

(سوال) کوئی شخص اپنے لئے سجدہ تعظیمی درست سمجھتا ہے اور مزامیر پر گانا سننے اور حال کھیلنے کو جائز رکھتا ہے تارک جماعت بھی ہے ایسا شخص نائب رسول یا پیر یا شیخ یا ولی اللہ کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۲۲۵ محمد دین نصیر آبادی - ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۳ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۱) سجدہ تعظیمی غیر اللہ کے لئے بہ نیت عبادت ہو تو کفر ہے اور بہ نیت تحیۃ ہو تو حرام ہے (۱) مزامیر بھی ناجائز ہے اور ترک جماعت بغیر عذر موجب فسق ہے ان امور کا مرتکب نیابت رسول کے لقب کا مستحق نہیں اور نہ قابل بیعت ہے بیعت کرنے کے لئے ایسے شخص کی ضرورت ہے جو متبع شریعت ہو اور پابند سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام ہو (۲) فقط ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سورہ یٰسین اور سورۃ تغابن پڑھ کر بکرے کے کان میں پھونکنا اور شرکیہ الفاظ پر مشتمل تعویذ کا حکم

(سوال) (۱) مرض پلیگ کے انسداد کے لئے سورہ یٰسین اور سورہ تغابن پڑھ کر بکرے کے کان میں پھونک مار کر اور شوربا بنا کر پلانا قرآن کریم کی رو سے اور حدیث کی رو سے سنت ہے یا بدعت -(۲) اگر سنت ہے تو آنحضرت ﷺ نے کس موقعہ پر یہ عمل کیا ؟ (۳) کیا خلفائے راشدین سے لیکر تبع تابعین کے زمانے تک یہ عمل کیا گیا ہے یا نہیں ؟ (۴) اگر یہ عمل مذکور تبع تابعین کے زمانے تک نہیں ہوا تو کس شخص نے کس زمانے میں ایجاد کیا ؟ (۵) **لی خمسة اطفی بها حر الوباء الحاطمه – المصطفی و المرتضی و ابناهما و الفاطمة** تعویذ لکھ کر لگانا شرک ہے یا بدعت ؟ (۶) اگر شرک نہیں تو کیوں ؟ (۷) اگر بدعت نہیں سنت ہے تو آپ نے کس موقعہ پر اس دعا کے تعویذ لگانے کا حکم صادر فرمایا ؟ (۸) آنحضرت ﷺ کے زمانے سے تبع تابعین کے زمانے تک یہ عمل تعویذ لگانے کا جاری رہا یا نہیں ؟ (۹) کیا حدیث شریف کی صحیح کتابوں میں بھی یہ دعا مرقوم ہے ؟ (۱۰) اگر صحیحین میں اس کا وجود نہیں تو کون شخص اس

---

(۱) من سجد للسلطان علیٰ وجه التحية او قبل الارض بين يديه لا يكفر و لكن يأثم لا رتكابه الكبيرة قال الفقيه ابو جعفر رحمة الله وان سجد للسلطان بنية العبادة او لم تحضره النية فقد كفر كذافي جواهر الاخلاطي (فتاوى هنديه ۵/ ۳۶۸ كوئته)

(۲) بیعت کسی ولی ہی سے کی جاتی ہے ہر کس و ناکس سے نہیں ۔ والولی فعيل بمعنى الفاعل وهو من توالت طاعته من غير ان يتخللها عصيان و بمعنى المفعول فهو من يتولى عليه احسان الله تعالى وافضاله – تعريفات السيد – ولا بد من تحقيق الوصفين حتى يكون وليا في نفس الامر فيشترط فيه كونه محفوظاً كما يشترط في النبي كونه معصوما كما في رسالة الامام القشيري (مقدمه رد المحتار: ۱/ ۵۸ ط سعيد)

کا بنانے والا ہے ؟المستفتی نمبر ۷ ۳۰ میاں ولایت محمد ضلع ہوشیار پور ۲۱ صفر ۱۳۵۳ھ م ۵ جون ۱۹۳۴ء
(جواب ۲۲) (۱) یہ بات نہ قرآن مجید میں ہے نہ حدیث شریف میں اور نہ اسے سنت کہہ سکتے ہیں بلکہ بدعت ہے(۱) (۲) حضور ﷺ نے کبھی ایسا نہیں کیا (۳) خلفائے راشدین اور تابعین اور تبع تابعین سے یہ عمل ثابت نہیں (۴) اللہ جانے کس نے کب ایجاد کیا بدعتوں کی تاریخ کا پتہ لگانا ضروری نہیں بہر حال یہ بدعت ہے (۵) یہ کلمات غالباً شیعوں نے بنائے ہیں سنیوں کو ان سے اجتناب کرنا چاہئیے کہ یہ موہم شرک ہیں (۶) موہم شرک ضرور ہیں اس لئے واجب الاحتراز ہیں (۷) حضور ﷺ نے کسی موقع پر بھی ان کے پڑھنے یا لگانے کا حکم نہیں فرمایا۔ (۸) نہیں۔ (۹) نہیں۔ (۱۰) اللہ جانے کس نے بنائے غالب ظن یہ ہے کہ کسی شیعہ نے بنائے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تیجا' چالیسواں عرس وغیرہ بدعت ہے

(سوال) (۱) آنحضرت ﷺ نے امیر حمزہؓ کے نام سے سویم کے روز سہ ماہی و ششماہی و برسی کے روز فاتحہ دلائی ہے اور صحابہ کرامؓ نے بھی یہ عمل کیا ہے صفحہ ۵۹ ہدایت الحرمین۔ یہ مضمون جامع الفقہ ملا صدیق زبیری و فتاویٰ نوادر و مجمع الروایات سے حوالہ ہے ہم کو سویم دہم چہلم وغیرہا مقررہ دنوں میں یا غیر از تیسرے یا دسویں دن کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
(۲) مجمع الروایات اور سراج الہدیٰ مولانا جلال الدین بخاری اور حاشیہ مظہری نے عرس کا تقرر جائز بتلایا ہے کیونکہ اس گھڑی کو یاد رکھے کہ جس گھڑی انسان فوت ہوا ہے ایک روز مقرر کر کے عرس کرے تو جائز ہے جس روز مردے کی جان نکلی ہے اس روز مردوں کی ارواح اسی گھڑی اس گھر میں آتی ہیں (زیور ایمان جلد دوم ص ۳۱۷) مندرجہ بالا سوال نمبر دو کی بابت تحفۃ المؤمنین صفحہ ۱۶ میں لکھا ہے کہ فاتحہ رسمی شرائط و قیود کے ساتھ دلانا جیسا کہ ہندوستان میں رائج ہے نہ آنحضرت سے منقول ہے نہ صحابہؓ و تابعین وائمہ مجتہدین سے اور نہ کتب معتبرہ فقہ سے۔
(۳) قبور والدین پر بوسہ دینا جب ہرج نہیں تو مشائخ طریقت اور بزرگان دین کی قبور کو بوسہ دینا جائز ہے یہ فتویٰ مسائل ضرور یہ خلاصہ مسائل حنفیہ میں ہے سوال نمبر تین کی بابت منہاج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۸۷ میں ہے کہ حضور ﷺ نے وفات سے پانچ روز پہلے فرمایا کہ جانو اور آگاہ رہو کہ تم سے آگے ایسے گروہ تھے کہ اپنے انبیاء اور صلحا کی قبروں کو سجدہ کیا کرتے تھے ویسا تم مت کرنا اور ماں باپ کی قبروں کو بوسہ دینا جائز نہیں ہے۔ المستفتی نمبر ۲۲ ۳ ڈاکٹر محمد عبدالصمد صاحب (ضلع اکولہ) ۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۱۸ جون ۱۹۳۴ء
(جواب ۲۳) (۱) یہ روایت صحیح اور ثابت نہیں نہ صحابہ کرامؓ سے نہ آنحضرت ﷺ سے تیجہ دسویں

---

(۱) بدعت ہیں اور بدعت کا مذموم ہونا کون نہیں جانتا۔

چاہئیں، غیر ہا کی تعیین بدعت ہے(۱)(۲) تعیین تاریخ عرس کا بھی شرعی ثبوت نہیں(۲) تحفۃ المومنین کا مضمون صحیح و درست ہے(۳) قبروں پر بوسہ دینا خواہ والدین کی ہوں یا بزرگوں کی نہیں دینا چاہئیے کہ اس سے عوام الناس کے عقیدے فاسد ہوتے ہیں اور وہ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قرآن کریم کی طرف پشت کر کے بیٹھنا بے ادبی ہے

(سوال) کسی شہر کی جامع مسجد میں واسطے نماز جمعہ کے تقریباً دو سو آدمی جمع ہوتے ہیں اور صف بہ صف قبلہ رو ہو کر ہر ایک آدمی اپنے ہاتھ میں سورہ کہف لے کر پڑھتے ہیں صف اول والوں کی پیٹھ دوسری صف کی طرف رہتی ہے اور دوسری صف والوں کے ہاتھ میں کلام پاک سورہ کہف ہوتا ہے اسی طرح ہر صف کا حال ہے تو اس طرح بیٹھ کر کلام پاک پڑھنا کیسا ہے؟ کلام پاک کے ادب کی خاطر کیا کرنا چاہئیے ان آدمیوں میں سے ایک شخص قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے لوگوں کی طرف پیٹھ کر کے لوگوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ کر سورہ کہف پڑھتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۴۰۹ ملا داؤد (سوتترہ) ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ م ۴ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۴) اس صورت میں کلام مجید کی بے ادبی کی صورت ضرور ہے اس لئے ہاتھ میں کلام مجید لے کر نہ پڑھیں اور اگر لوگ ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے بیٹھیں تو صفوں کا انتظام خراب ہوتا ہے اس لئے جن لوگوں کو سورہ کہف حفظ یاد ہو وہ پڑھیں اور یاد نہ ہو تو قرآن پاک کی جو سورتیں یاد ہوں وہی پڑھ لیا کریں ایک شخص جو قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھ جاتا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں سوائے اس کے کہ صف کے انتظام سے اس میں بھی علیحدگی ہے قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنے میں کچھ گناہ نہیں ہے۔

دس محرم کو شربت پلانا' کھانا کھلانا بدعت اور روافض کا شعار ہے
دس محرم کو حضرت حسینؓ کی شہادت کا تذکرہ کرنا

(سوال)(۱) ۱۰ محرم کو شربت پلانا یا پانی پلانا کھانا کھلانا غربا اور احبا و اعزہ کو درست ہے یا نہیں؟(۲) ۱۰ محرم کو حضرت امام حسن و امام حسینؓ کا ذکر کرنا درست ہے یا نہیں اکثر لوگ ذکر کرنے کو بدعت کہتے ہیں۔

المستفتی نمبر ۴۵۹ الیس مولا بخش دہلی ۱۳ محرم ۱۳۵۳ھ م ۸ اپریل ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۵) ایصال ثواب کے لئے ۱۰ محرم کی کوئی تخصیص نہیں شہداء رضوان اللہ علیہم اجمعین کی

---

(۱) لا تجعلو زيارة قبری عيداً اقول هذا اشارة الى سد مدخل التحريف كما فعل اليهود و النصارى بقبور انبيا ئهم وجعلوها عيداً و موسما بمنزلة الحج (حجة الله البالغه : ۷۷/۲ ط بولاق مصر)
(۲) لا يجوز ما يفعله الجهال بقبور الاولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السروج والمساجد اليها ومن الاجتماع بعد الحول كالا عياد و يسمونه عرسا (تفسير مظهري : ۶۵/۲ حافظ كتب خانه' كوئنه)

ارواح طیبہ کو سال بھر کے تمام ایام میں ثواب بخشنا جائز ہے محرم میں کوئی خصوصیت نہیں نہ شربت وفیرنی وغیرہا کی تخصیص ہے(۱) وعظ کی مجلس منعقد کی جائے اس میں شہادت کی حکمت اور اس کے نتائج بھی بیان کر دیئے جائیں تو اس میں مضائقہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تعزیہ بنانا جائز نہیں خواہ کسی بھی نیت سے ہو

(سوال) (۱) تعزیہ بنانا ماہ محرم میں شرک وبدعت ہے یا نہیں ؟ (۲) جس جگہ ہندو مسلمان کا ہمیشہ تنازعہ ہوتا ہو بر موقعہ عیدین محرم وعرس وغیرہا ایسی جگہ اس خیال سے کہ ہندوؤں پر کچھ اثر پیدا ہو تعزیہ بنانا یا نکالنا درست ہے یا نہیں ؟ (۳) ہر چار طرف اہل ہنود کی آبادی ہو اور صرف درمیان میں ایک گھر مسلمان کا ہو ایسی صورت میں تعزیہ نکالنا درست ہے یا نہیں ؟ جس کے متعلق پہلے مقدمات ہو کر اجازت ہوئی ہو۔ (۴) اگر کوئی شخص بلا عقیدہ تعزیہ بنائے محض اس خیال سے کہ آپ کی یاد تازہ ہو اور اس کو شارع عام میں رکھ دے درست ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۴۶۰ شیخ محمد شفیع (انبالہ) ۱۳ محرم ۱۳۵۴ھ م ۸ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۶) (۱) تعزیہ بنانا شریعت سے ثابت نہیں وہ اسراف اور بدعت ہے اور اسکے ساتھ عوام شرکیہ افعال بھی کرتے ہیں (۲) ہندوؤں کے اوپر ناجائز چیز کے ذریعے دباؤ ڈالنا جائز نہیں ہو سکتا۔ (۳) نہیں بلکہ شریعت اسلامیہ کا ہر حال میں اتباع کرنا چاہئے۔ (۴) نہیں جو چیز ناجائز ہے وہ اس خیال سے جائز نہیں ہو سکتی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

یارسول اللہ اور یا علی کہنا درست نہیں

(سوال) اگر کوئی شخص اٹھتے بیٹھتے حضور اکرم ﷺ کو یا حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے یارسول اللہ یا علی کہہ کر پکارے تو جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۴۶۱ محمد اسحٰق (برما) ۱۳ محرم ۱۳۵۴ھ م ۲۰ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۷) مسلمان کو لازم ہے کہ وہ ہر وقت حضرت حق جل شانہ کو پکارے اور اسی سے استعانت کرے اٹھتے بیٹھتے یارسول اللہ یا یا علی کہنا درست نہیں کیونکہ ہر جگہ حاضر وناظر ہونا اور ہر پکارنے والے کی پکار کو سننا اور اس کی مدد کرنا خاص خداتعالیٰ کی صفت ہے۔ وہی علام الغیوب ہے اس کے سوا کوئی اور عالم الغیب نہیں ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) ایصال ثواب کے لئے کسی دن کی تخصیص شریعت سے ثابت نہیں اور اب جب کہ یہ روافض اور مبتدعین کا شعار بن چکا ہے تو اسے قطعاً ترک کرنا چاہئے۔ والمتابعة کما یکون فی الفعل یکون فی الترک ایضاً فمن واظب علیٰ فعل لم یفعله الشارع فهو مبتدع (مرقات شرح مشکوة : ۱/ ۴۱ ط کوئٹہ)

(۲) ومنها (ای من الشرك) انهم کانوا یستعینون بغیر الله فی حوائجهم من شفاء المریض و غناء الفقیر و ینذرون لهم یتوقعون انجاح مقاصدهم بتلك النذور' و یتلون اسماء هم رجاء برکتها' فاوجب الله تعالیٰ علیهم ان یقولوا فی صلاتهم — ایاك نعبد و ایاك نستعین' قال الله تعالیٰ فلا تدعو مع الله احداً و لیس المراد من الدعاء العبادة کما قاله بعض المفسرین بل هو الاستعاذة' لقوله تعالیٰ: بل ایاه تدعون فیکشف ما تدعون (حجة الله البالغة : ۱/ ۶۱ بولاق) (جاری ہے)

موہم شرک لفظ کا ورد کرنا جائز نہیں

(سوال) ایک شخص اپنے کو حاجی وارث علی کا مرید ہونا بتاتا ہے اور ذکر اللہ کی جگہ ذکر اپنے پیر کا کرتا ہے یعنی یاوارث یاوارث کرتا ہے ایسے آدمی کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ **المستفتی نمبر ۴۶۲ محمد حسین صاحب** پیش امام جامع مسجد (سابر متی) ۱۵ محرم ۱۳۵۴ھ م ۲۰ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۸) وارث خدا تعالیٰ کا نام بھی ہے اگر ذکر کرنے والا وارث کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کا نام مراد لے تو یہ ذکر جائز ہے لیکن شاہ وارث علی صاحب کے مریدوں کو احتیاط کرنی چاہئے باری تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے وارث کے سوا کسی اور نام کو منتخب کرلیں تاکہ ان کی طرف غیر اللہ کا ذکر کرنے کی تہمت عائد نہ ہو سکے اور اگر ذکر کرنے والا لفظ وارث سے اپنے مرشد کا نام ہی مراد لیتا ہے اور ان ہی کو یاوارث سے ندا کرتا ہے تو یہ ناجائز ہے اور اگر اس کا یہ خیال ہو کہ وہ اس کی بات کو سنتے ہیں تو یہ شرک ہے(۱)

دف بجانے کے ساتھ درود پڑھنا جائز نہیں

(سوال) دف بجاتے وقت دف بجانے والے کو درود پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۵۱۱**

(جواب ۲۹) نہیں(۲) محمد کفایت اللہ

اللھم یا واجب الوجود دعاء میں کہنا جائز ہے

(سوال) اللھم یا واجب الوجود سے خدا کو مخاطب کر کے دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۵۱۲**

(جواب ۳۰) اللھم یا واجب الوجود دعا میں کہنا جائز ہے(۳) محمد کفایت اللہ

یا محی الدین شیئاً للہ کہنا واضح شرک ہے

(سوال) یا محی الدین شیئا للہ کا ذکر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۵۱۲** ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۶ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۱) ناجائز ہے۔(۴) محمد کفایت اللہ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)(۳) ووجه الاندفاع ان مجرد ایهام المعنی المحال کاف فی المنع عن التلفظ بهذا الکلام وان احتمل معنی صحیحا (رد المحتار مع الدر المختار : ۶/۳۹۵ ط سعید)

(۱) عن النبی ﷺ انه کره رفع الصوت عند قراءة القرآن و الجنازة والزحف والتذکیر فماظنك عند الغناء الذی یسمونه وجدا و محبة فانه مکروه لا اصل له فی الشرع (رد المحتار مع الدر: ۶/ ۳۹۸ ط سعید)

(۲) قال اللہ تعالیٰ : قل ادعو اللہ اوادعو الرحمن ایاما تدعو فله الاسماء الحسنی (سورہ بنی اسرائیل: ۱۱۰)

(۳) قال اللہ تعالیٰ ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب له الی یوم القیامة وهم عن دعا نهم غافلون (سورۃ الاحقاف: ۵)

(٤) قال اللہ تعالیٰ : ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب له الی یوم القیامة وهم عن دعا نهم غافلون (سورۃ الاحقاف: ۵)

وبائی امراض کے دفعیہ کیلئے مخصوص شرکیہ جملوں کے ورد کے بجائے استغفار و صدقہ کرنا چاہئے

(سوال) وبائی امراض کے پھیلنے پر بعض لوگ کچھ دعائیہ جملے پڑھتے ہوئے شہر میں گشت کرتے ہیں مذکورہ جملوں میں سے یہ شعر ہے۔ **لی خمسة اطفی بها حرالوباء الحاطمة - المصطفى و المرتضى و ابناهما و الفاطمة** یہ بیت پڑھنا کیسا ہے؟ اہل سنت والجماعۃ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ **المستفتی** شمس الدین (مرگوئی۔برما)

(جواب ۳۲) یہ رسم اور طریقہ کو دفع وباء کے لئے پڑھتے ہوئے شہر میں گشت کریں غیر شرعی ہے شریعت نے ایسے مواقع کے لئے یہ تعلیم کی ہے کہ لوگ اپنی جگہ توبہ واستغفار کریں معصیتوں سے اجتناب کریں اور صدقہ و خیرات اور نماز کی کثرت کریں نہ کہ شہر میں گاتے بجاتے پھریں، یہ کام تو یقیناً شیعہ فرقے کا ہے اور اس کا مضمون اہل سنت کے عقائد کے موافق نہیں ہے اس لئے سنیوں کو اسے پڑھنا نہیں چاہئے(۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

خنزیر کے بالوں سے بنے ہوئے برش کا استعمال جائز نہیں

(سوال) انگریزی برش جو دانتوں پر استعمال ہوتا ہے اس میں اگر سور کے بال ہوں تو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی** نمبر ۶۱۱ حکیم محمد قاسم (ضلع میانوالی) ۷ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۳) اگر خنزیر کے بالوں کا برش ہو تو اس کا استعمال قطعاً ناجائز ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) ۲۷ رجب کو روزہ رکھنے اور کھانا کھلانے کا کوئی خاص ثبوت نہیں
(۲) شادی کے موقع پر برادری کو کھانا کھلانے کے لئے قرضہ لینا جائز نہیں
(۳) لفظ حرام اور ناجائز میں کیا فرق ہے؟

(سوال) (۱) ماہ رجب میں ستائیس تاریخ کو لوگ خصوصیت کے ساتھ روزے رکھتے ہیں اور بعض لوگوں سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ حضور ﷺ واصحاب کرامؓ نے شکریہ کے طور پر روزہ رکھا ہے کیا یہ صحیح ہے؟
(۲) اسی ماہ رجب میں چالیس مرتبہ سورہ ملک پڑھ کر کھانے پر فاتحہ دیتے ہیں اور اس کا نام تبارک کا کھانا رکھا ہے کیا اس کا ثبوت ہے؟
(۳) ایک شخص قرضدار ہے اور بیٹی کی رخصتی کا زمانہ آیا تو برادری کے لوگوں نے دباؤ ڈالا کہ ہمیں کھلاؤ بیٹی والے نے قرض کر کے کھانا کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) یہ تو مشہور شرکیہ جملے ہیں ان سے قطعی احتراز ضروری ہے کیونکہ ایک تو اس میں شرک ہے اور دوسرا اس میں شبہ ہے (حدیث کا حوالہ اسی باب کے صفحہ نمبر ۵۷ پر درج ہے دیکھئے حاشیہ نمبر ۱ صفحہ نمبر ۵۷)
(۲) قال ابو حنيفة رحمه الله تعالى ولا ينتفع من الخنزير بجلده ولا غيره الا الشعر للا ساكفة وقال ابو يوسف يكره الانتفاع ايضا بالشعر وقول ابي حنيفة رحمه الله اظهر كذافي المحيط (هنديه : ۵/ ۳۵۴ ط كوئته)

(۴) لفظ ناجائز اور حرام میں کیا فرق ہے؟ المستفتی نمبر ۷۶۵ عبدالکبیر (دہلی) ۲۴ رجب ۱۳۵۴ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۴) رجب کی ستائیس تاریخ کے روزے کے بارے میں کوئی صحیح اور پختہ ثبوت نہیں ہے وہ مثل اور ایام کے نفلی روزہ کا ایک دن ہے کوئی خاص اہتمام کرنا اور اس کو ہزاری روزہ سمجھ کر رکھنا بے اصل ہے(۱)
(۲) اس عمل کا بھی کوئی پختہ ثبوت نہیں ہے۔
(۳) قرض لیکر جب کہ قرضہ کی ادائیگی کی بھی کوئی صورت نہ ہو کھانا کھلانا ناجائز ہے(۲)
(۴) ناجائز کا لفظ مکروہ اور حرام دونوں کو شامل ہے اور حرام (۳) کے مفہوم میں اتنا عموم نہیں ہے(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فرض' واجب' سنت' نفل' مستحب کسے کہتے ہیں؟

(سوال) واجب' فرض' سنت مؤکدہ' مستحب' نفل وغیرہا میں کیا فرق ہے۔ المستفتی نمبر ۱۰۰۷ عبدالستار (گیا) ۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵) واجب اس تاکیدی حکم کو کہتے ہیں جو عمل میں فرض کے برابر ہوتا ہے صرف اعتقاد کے درجے میں فرض سے دوسرے نمبر پر ہوتا ہے (۵) سنت مؤکدہ وہ کام ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے مداومت کے ساتھ کیا یا مداومت کا امر فرمایا اور سنت غیر مؤکدہ وہ ہے کہ حضور ﷺ سے کرنا تو ثابت ہے مگر مداومت ثابت نہیں(۶) اور نفل وہ ہے کہ ایک نیک کام ہے اس کا عمل فی الجملہ ثابت ہے یا ترغیب ثابت ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نوحہ اور مرثیہ پڑھنا جائز نہیں

(سوال) کیا ماہ محرم میں نوحہ پڑھنا اور واقعہ کربلا ذکر الشہادتین وغیرہ کتابوں سے پڑھنا جائز ہے؟ المستفتی نمبر ۱۰۱۹ ایم عمر صاحب انصاری (ضلع سارن) ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۴ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۶) نوحہ اور مرثیہ پڑھنا اور اس کیلئے مجالس منعقد کرنا جائز نہیں(۷) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) عن زید بن اسلمؓ: قال سئل رسول اللہ ﷺ عن صوم رجب فقال أین أنتم من شعبان– وکان ابن عمرؓ اذا رأی الناس وما یعدون لو جہ کرہ ذالك (مصنف ابن شیبہ: ۳۴۶/۲ ط بیروت)
(۲) عن عائشةؓ قالت کان النبی ﷺ ان اعظم النکاح برکة أیسرہ مؤنة (مشکوة ۲۶۸/۲)
(۳) ناجائز جائز کی ضد ہے: والا شیاء تتبین بأضدادها' الجائز عند الحنفیة مالا یمتنع شرعا (القاموس الفقهی: ۷۳)
(۴) الحرام عند الحنفیة ما تثبت حرمته بدلیل قطعی (القاموس الفقهی ۸۶ ط ادارة القرآن)
(۵) والواجب ما ثبت بدلیل فیه شبهة کصدقة الفطر والاضحیة و حکمه اللزوم عملاً کالفرض لا علماً علی الیقین الخ (رد المحتار: ۳۱۲/۶ ط سعید)
(۶) اعلم ان المشروعات اربعة اقسام: فرض' وواجب' و سنة' و نفل فما کان فعله اولیٰ من ترکه مع منع الترك ان ثبت بدلیل قطعی ففرض او بظنی فواجب و بلا منع الترك کان مما واظب علیه الرسول صلی اللہ علیه وسلم او الخلفاء الراشدون من بعده فسنة والا فمندوب و نفل (رد المحتار' مع الدر: ۱۰۲/۱ ط سعید)
(۷) عن ابی هریرةؓ قال رسول اللہ ﷺ اربع فی امتی من امر الجاهلیة لن یدعهن الناس: النیاحة والطعن فی الأنساب (ترمذی: ۱۹۵/۱ ط س)

جلسہ کی صدارت بہترین صفات کے حامل شخص کے سپرد کرنی چاہئیے

(سوال) نصیر آباد میں چند افراد نے سیرۃ النبی کے جلسے کی صدارت متواتر تین روز کافر دمشرک کے حوالہ کی آیا اس جماعت کا یہ فعل شریعت اسلام کے موافق ہے یا مخالف ؟ تقریر کرنے والے علماء اہل سنت والجماعت تھے - المستفتی نمبر ۱۰۲۳ عبدالرحمن نصیر آبادی ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۳۰ جون ۱۹۳۶ء
(جواب ۳۷) صدر کو بسااوقات مقررین کی تقریروں پر محاکمہ یا بعض مقررین کے بیانات پر تنقید کرنی ہوتی ہے اس لئے کسی خاص جلسہ کی صدارت کے لئے مقصد جلسہ اور متعلقات مقصد کا ماہر شخص ہی موزوں ہوتا ہے نیز مذہبی اجتماعات میں مذہبی حیثیت سے ممتاز شخصیت کو صدر بنانا مناسب ہے بنابریں ان لوگوں کا انتخاب ناموزوں اور نامناسب واقع ہوا - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

موئے مبارک اگر اصلی ہو تو اس کو عزت سے رکھنا چاہئیے ' مگر اس میں خرافات نہ کئے جائیں

(سوال) شہر احمد آباد میں یہ رواج کثرت سے ہے کہ ماہ رواں کی ۱۴ تاریخ کو مبارک بال نکالے جاتے ہیں اور وہ موئے مبارک آقائے نامدار تاجدار مدینہ کے کہے جاتے ہیں اور بہت ہی عزت کے ساتھ عطر خوشبو کی دوسری چیزیں نیارومال اور گلاب پھول وغیرہ یہ سب چیزیں اس میں رکھی جاتی ہیں ' اور پرانے سال کے پھول وغیرہ بطور تبرک کے تقسیم کئے جاتے ہیں تو یہ کیسا ہے اور یہ مبارک بال کہاں سے آئے ہیں اس کا حوالہ عنایت فرمادیں دوسری بات ان بالوں کی یہ ہے کہ قدرتاً اس ڈبیہ میں کہ جس میں بال رکھے ہوئے ہوتے ہیں اس بال کے اردگرد شاخیں پھوٹی ہوئی نظر آتی ہیں - المستفتی نمبر ۱۰۳۶ عبدالرحمن فاضل بھائی (احمد آباد - شاہ پور) ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۵ جولائی ۱۹۳۶ء
(جواب ۳۸) اگر آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک اصلی ہوں اور اس کا ثبوت ہو کہ حضور ﷺ کے بال ہیں تو ان کو حفاظت اور عزت سے رکھنا ایمان کی بات ہے (۱) مگر اس کا بھی میلہ کرنا یا خوشبو وغیرہ چڑھانا یا اس سے مرادیں مانگنا یہ سب ناجائز ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

قرآن کریم کا صرف ترجمہ شائع کرنا صحیح نہیں

(سوال) کیا قرآن شریف کا اردو میں ایسا ترجمہ جس میں عربی عبارت بالکل نہ ہو اور بامحاورہ عبارت ہو شائع کرنا درست ہے - المستفتی نمبر ۱۱۹۸ نیاز احمد صاحب (لاہور) ٦ رجب ۱۳۵۵ھ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۶ء
(جواب ۳۹) قرآن مجید کی اصل نظم عربی اور اس کی خصوصیات کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ اس

---

(۱) فرع: لو اخذ شعر النبی ﷺ ممن عندہ وأعطاء هدية عظيمة لا على وجه البيع فلا بأس به (رد المحتار مع الدر : ۵/۵۸ ط س)

کی عبارت ترجمہ کے ساتھ ضرور رہے خالص ترجمہ کی اشاعت میں تغییر و تبدیل کے امکانات زیادہ ہیں اس لئے اس پر اقدام کرنا مسلمانوں کے لئے قرین صواب نہیں(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ہندوؤں کے مذہبی جلوس میں شرکت اور قشقہ لگانا حرام ہے

(سوال) ہندوؤں کا ایک جلوس کشتی بت لئے ہوئے مسجدوں کے سامنے سے باجہ بجاتا ہوا گزرتا ہے اور مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرتا ہے زید اس میں شرکت کرتا ہے اور اس طرح کہ پیشانی پر قشقہ لگا ہوا ہے کیا اس حالت میں اس کا ایمان سلامت رہا اور کیا وہ مسلمانوں کا رہنما بن سکتا ہے- **المستفتی نمبر ۱۲۱۶** قاضی میر عثمان علی صاحب (صوبہ برار) ۱۶ رجب ۱۳۵۵ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۰) ہندوؤں کے مذہبی جلوس میں شرکت کرنی اور جلوس بھی ایسا جس میں شرک اور بت پرستی کا مظاہرہ ہو مسلمانوں کے لئے حرام ہے(۲) اور پھر قشقہ لگانا مستقل طور پر حرام ہے بلکہ اس میں اندیشہ کفر بھی ہے(۳) ان افعال کے ارتکاب سے زید فاسق ہو گیا اور اس پر توبہ لازم ہے-

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مصافحہ و معانقہ ابتدائے ملاقات کے وقت سنت ہے' جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے بعد بدعت ہے

(سوال) بعد نماز عیدین و جمعہ و پنجگانہ کے مصافحہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۱۲۸۳** محمد گھوڑو خاں صاحب (ضلع دھارواڑ) ۱۹ شوال ۱۳۵۵ھ م ۳ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۱) نماز عیدین کے بعد مصافحہ یا معانقہ کرنا کوئی شرعی حکم نہیں ہے مصافحہ ابتدائے ملاقات کے وقت سنت ہے اور اس کا بڑا ثواب ہے مگر عیدین کی نماز کے بعد اس کو ثواب سمجھ کر کرنا بے اصل ہے(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شرعی مسئلہ اپنی طرف سے بیان کرنا گناہ کبیرہ ہے

(سوال) جو شخص بغیر کتاب دیکھے دل سے کوئی مسئلہ بیان کرے اور اس کا کسی کتاب میں ثبوت نہیں ہے تو

---

(۱) وتجوز كتابة آية أو آيتين بالفارسية لا اكثر (قال المحقق) قوله (و تجوز) عن الكافي ان اعتاد القراء ة بالفارسية أو أراد ان يكتب مصحفا بها يمنع' وان فعل في اية اوايتين لا والظاهر ان الفارسية غير قيد (رد المحتار مع الدر: ۱/۴۸۶ ط س)

(۲) عن عبدالله بن مسعود قال . سمعت رسول الله ﷺ يقول من كثر سواد قوم فهو منهم ومن رضى عمل قوم كان شريكا لمن عمله - (المطالب العاليه بزوائد المسانيد الثمانية: ۲/۴۲)

(۳) "قشقہ" تلک کو کہتے ہیں صندل وغیرہ کا نشان جس کو ہندو لوگ ماتھے پر لگاتے ہیں قولہ "اندیشہ کفر ہے" كما لو فرضنا ان احدا صدق بجميع ماجاء به النبي ﷺ وأقربه و عمل به اى صارجا معا لاركان الايمان باجماع اهل القبلة و مع ذلك شد الزنا بالاختيار نجعله كافراً اى نحكم بكفره ظاهرا او باطنا وهو مختار الشارع ... الخ (النبراس شرح شرح العقائد ۲۴۸ امداديه ملتان)

(۴) و موضع المصافحة في الشرع انما هو عند لقاء المسلم لاخيه لا في أدبار الصلوة فحيث وضعها الشرع يضعها فينهى عن ذالك و يزجر فاعله لما اتى به من خلاف السنة (رد المحتار مع الدر : ۶/۳۸۱)

اس شخص پر کفر کا فتویٰ لازم ہوتا ہے یا کیا ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۳۷۸ شیخ اعظم شیخ معظم ملاجی صاحب (مغربی خاندیس) ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۱ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲) کفر کا فتویٰ تو صرف اتنی بات پر نہیں دیا جا سکتا البتہ یہ بات بڑے گناہ کی ہے(۱) محمد کفایت اللہ

بزرگان دین کی قدم بوسی کا حکم

(سوال) زید کہتا ہے کہ بزرگان دین کو تبرکاو تعظیماً قدم بوسی کرنا درست ہے عمرو کہتا ہے کہ درست نہیں اور زید نے درست ہونے کی دلیل در مختار - شامی - عینی شرح صحیح بخاری - زیلعی - عالمگیری - قاضی خاں - فتاوی حاوی - عینی شرح ہدایہ - حاشیہ شرح وقایہ مولانا عبدالحی لکھنوی - طحطاوی - فتح القدیر وغیرہ چوبیس کتب فقہ کا حوالہ دیا اور نو حدیث بھی اس کی تائید میں بیان کیں ان کتب فقہ و حدیثوں میں بعض میں تو قبل راسه و رجلیه اور بعض میں قبل یده و رجلیه اور بعض میں کشححه وغیرہ ہے اور مشائخ کرام واصحاب عظام کے حالات بھی بیان کئے چنانچہ حضرت غوث الاعظم اور حضرت معین الدین چشتی اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی اور حضرت بابا فرید الدین اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم اور حضرت عبید اللہ احرار اور حضرت مرزا جان جاناں شہید اور حضرت شاہ غلام علی وغیرہم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کو ان کے خلفاء اور مریدوں نے قدم بوسی کی تھی حالات مشائخ نقشبندیہ مقامات سعیدیہ مدارج النبوۃ کے حوالے دیئے بعدہ عمرو قدم بوسی درست ہونے کا تو قائل ہوا پھر جھک کر قدم بوسی کرنے کا قائل نہیں تو پھر جھک کر قدم بوسی درست ہونے کے بارے میں دو حدیث زید نے بیان کیں منهما عن عائشةؓ مرفوعاً دخل النبی ﷺ علی عثمان بن مظعون وهو میت فاکب علیه و قبله حتی رایت دموعه تسیل علی وجنتیه اخرجه الاربعة النسائی و صححه الترمذی و ایضاً عنها ان الصدیقؓ قبل النبی وهو میت وصح اسناده اور اکب بمعنی بررو افتادن وبر روافگندن لازمی و متعدی ہر دو آمدہ منتخب اللغات - بایں ہمہ عمرو نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ وہ تو مردہ کے لئے ہے زندہ کے لئے کہاں اور عمرو کی دلیل سلام کے وقت سر جھکانے کو جو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے پیش کیا زید کہتا ہے کہ وہ ایک فرد خاص ہے اس سے تمام افراد کی کراہیت ثابت نہیں ہوگی چنانچہ بہت افراد ایسے ہیں کہ اس میں سر جھکانا عبادت اور مستحسن اور جائز ہے جیسے حجر اسود اور اپنی اولاد اور قدم بوسی بزرگان دین کے لئے جھکنا پس جواب طلب یہ ہے کہ حسب ادلہ زید و عمرو جھک کر قدم بوسی کرنا درست ہے یا نہیں بر تقدیر ثانی کتب فقہ و حدیث میں جو قبل راسه و رجلیه یا یده و رجلیه ہے وہ قدم بوسی کیسے یعنی کس ہیئت پر تھی اور مشائخ مذکور کی قدم بوسی کیسے - المستفتی نمبر ۱۵۷۸ ماسٹر حبیب اللہ (اکیاب - برما) ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۷ جولائی ۱۹۳۷ء

---

(۱) عن عبداللہ بن عمرؓ بن العاص قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعه من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤوساً جهالاً فسئلو فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا (صحیح بخاری : ۱/ ۲۰)

(جواب ۴۳) قدم بوسی فی حد ذاتہ جائز ہے اور قدم کو بوسہ دینے کے لئے جھکنا بھی فی حد ذاتہ جائز ہے یہ جھکنا بضرورت قدم بوسی ہوتا ہے نہ بغرض تعظیم - اس کا حکم یہ ہے کہ جیسے کوئی زمین پر گرے ہوئے پیسے یا سوئی کو اٹھانے کے لئے جھکے تو یہ اس کے لئے جائز ہے کیونکہ جھکنا فی ذاتہ مقصود نہیں بلکہ سوئی یا پیسے اٹھانا مقصود ہے ایسے ہی قدم چومنے کے لئے جھکنے میں جھکنا فی حد ذاتہ مقصود نہیں بلکہ قدم چومنا مقصود ہے لہذا یہ جھکنا جائز ہے فقہاء نے اس جھکنے کو منع کیا ہے جہاں خود جھکنا ہی مقصود ہو اور تعظیم کی نیت سے جھکا جائے پس پیسہ اٹھانا سوئی اٹھانا قدم چومنا جائز افعال ہیں تو ان کے لئے جھکنا بھی جائز ہے -

لیکن عوام کو قدم بوسی سے روکنا چاہئے کہ وہ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اس کو سجدہ کی حد تک پہنچا دیں گے یا بجائے قدم بوسی کو اصل مقصد قرار دینے کے وہ جھکنے اور قدموں پر سر رکھنے یا پیشانی ٹیکنے کو ہی اصل مقصد قرار دے لیں گے اور حرام کے مرتکب ہو جائیں گے یہی ممانعت ان کے لئے اولیٰ اور احوط ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کفار کی جاسوسی کے لئے ان جیسا لباس اور شکل و صورت اختیار کرنا کیسا ہے ؟

(سوال) جس طرح انگریز ممالک اسلامیہ کے تباہ و برباد کرنے کے لئے اسلامی لباس اور شعار اختیار کرتے ہیں اور اس لباس میں مسلمانوں کی امامت اور ان کی بزرگی تک کی نوبت بھی ان کو حاصل ہو جاتی ہے مسلمان ان کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے مطیع اور مرید ہو جاتے ہیں اس کے بعد مسلمان تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اگر کوئی شخص ممالک اسلامیہ سے منتخب کر دیا جائے اور وہ اس کافر کے لباس و شعار اختیار کر کے اس کافر حکومت کو تباہ و برباد کرتا ہے جس طرح اس کافر نے حکومت اسلامی برباد کیا ہے کیا اس غرض کے لئے شعار و لباس اسلامی بدلنا جائز ہے یا نہیں اور قائل جواز کا کیا حکم ہے اتنا پہنچانا مشکل ہو کہ مسلمان اور عیسائی ہونے میں فرق کوئی نہ کر سکے - فقط

المستفتی نمبر ۱۶۴۹ امیر نواب (ضلع مردان) ۲۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م یکم اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۴) یہ قصد اور ارادہ اگرچہ مذموم نہیں ہے مگر یہ کام کوئی جلدی اور فوری طور پر کرنے کا نہیں ہے (۲) بلکہ اس کی تکمیل کے لئے معتدبہ زمانہ درکار ہے اور اس طویل زمانہ میں بہت سے فرائض کا ترک اور بہت سے مکروہات اور محرمات کا ارتکاب بھی ضروری طور پر کرنا ہوگا ان وجوہات سے کوئی مفتی اس کے ارتکاب کے جواز کا فتویٰ نہیں دے سکتا (۳) فقط - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی
الجواب صحیح حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

---

(۱) طلب من عالم اوزاهد ان يرفع اليه قدمه ليقبله لا يرخص فيه ولا يجيبه الى ذالك وكذا اذا استاذن ان يقبل راسه أو يديه كذافي الغرائب (هنديه: ۵/۳۶۹ ط كوئته)
(۲) عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول الله ﷺ يقول انما الاعمال بالنيات وانما لامرئ مانوى (بخارى: ۱/۲)
(۳) قال رسول الله ﷺ: ليس منامن تشبه بغيرنا لا تشبهو باليهود ولا بالنصارى (ترمذى: ۲/۹۹ ط س)

(۱) صبح اور عصر کی نمازوں کے بعد مصافحہ کا اہتمام
(۲) جمعہ کے خطبہ کا ترجمہ نہیں کرنا چاہیئے
(۳) انگوٹھوں کا چومنا اور رسم صندل شریعت میں ثابت نہیں

(سوال) (۱) ایک حنفی مذہب صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ جو بعض مساجد میں رواج ہے نہیں کرتا ہے (۲) ایک حنفی مذہب "رسول اللہ" اذان یا غیر اذان میں سن کر تقبیل ابہام نہیں کرتا ہے (۳) ایک حنفی مذہب پیش امام اور خطیب جمعہ کے خطبے کو بطریق مسنونہ پڑھ کر اخیر میں خطبہ سے ایک آیت یا حدیث کا بتقاضائے ضرورت ترجمہ کرتا ہے (۴) ایک حنفی مذہب پیش امام عالم عورت کے جنازے پر اپنے رومال کو اپنی نظر کی جگہ ڈالتا ہے تاکہ وہ ریشمی اور خوبصورت کپڑا جو کہ میت کے اوپر ڈال دیا گیا ہے حضور قلب میں مخل نہ ہو (۵) ایک حنفی عالم عبدالقادر ناگوریؒ کی صندل میں جو یہاں رواج ہے گھوڑے کی ہیکل مجسم اور باجہ وغیرہ دیکھ کر حکم کرے کہ یہ خلاف شرع ہے (۶) کیا یہ حنفی محض ان چیزوں سے وہابی ہو گئے یا نہیں ان چیزوں کا کیا فتویٰ ہے۔

المستفتی نمبر ۱۹۵۲ پی ایس محمد فتح صاحب (مدراس) ۲۲ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٥) (۱) صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور اس کا التزام کرنا شریعت سے ثابت نہیں ہے اور حنفی مذہب میں بھی اس مصافحے کے لئے کوئی حکم نہیں ہے مصافحہ ملاقات کے وقت مسنون ہے(۱) (۲) تقبیل ابہامین کا بھی شریعت اسلامیہ مقدسہ میں کوئی ثبوت نہیں ہے(۲) (۳) خطبہ کا ترجمہ کرنا جائز مگر خلاف اولیٰ ہے(۳) (۴) یہ فعل سمجھ میں نہیں آیا (۵) رسم صندل بے شک خلاف شرع ہے (۶) ان باتوں سے کوئی حنفی وہابی نہیں بنتا وہابی کہنے والے خود ناواقف ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) قبروں پر چڑھاوا چڑھانا حرام اور شرک ہے
(۲) مشرکانہ پیر پرستی
(۳) ہر مسلمان دعاء کا محتاج ہے
(۴) اللہ کے سوا کسی کو حاجت روا سمجھنا شرک ہے
(۵) مزاروں پر پھول چڑھانا چراغ جلانا سوئم، دھم، چہلم، گیارہویں وغیرہ
(۶) کیا نکاح کوئی ضروری نہیں ہے؟
(۷) مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کی تصنیفات کے بارے میں حضرت مفتی صاحب کی رائے

---

(۱) و نقل في تبيين المحارم عن الملتقط: انه تكره المصافحة بعد اداء الصلوة ولانهامن سنن الروافض (رد المحتار مع الدر: ٦/٣٨١ ط س)
(۲) قال النبي ﷺ من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد (صحيح بخاري: ١/٣٧١ ق)
(۳) ويكره للخطيب ان يتكلم في حال الخطبة الا ان يكون امرا معروفا (فتاوى هنديه: ١/١٤٧ ط كوئته)

(سوال) (۱) کیا خانقاہ پر جانا اور چڑھاوا چڑھانا جائز نہیں ؟ (۲) کیا بزرگوں کو ماننے والے پیر پرست مشرک ہیں ؟ (۳) کیا اولیاء اللہ اور بزرگ کچھ نہیں کر سکتے بلکہ یہ ہماری دعاؤں کے محتاج ہیں یا ان سے مانگنا جائز ہے ؟ (۴) کیا خدا کے سوا کسی اور سے مانگنے والا مشرک ہے ؟ (۵) کیا مزار پر پھول چڑھانا یا چراغ جلانا دن مقرر کرنا یہ بدعت ہے اور جو کرے وہ مشرک ہے ؟ (۶) کیا گیارھویں ناجائز اور بدعت ہے کیا آرائش و زیبائش ضروری ہے ؟ (۷) کیا نکاح کوئی ضروری چیز نہیں ہے ؟ (۸) مولوی اشرف علی تھانوی کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے کیا ان کی کتاب حفظ الایمان مسلمانوں کو پڑھنی چاہئے ؟ المستفتی نمبر ۲۵۶۴ محمد صادق صاحب قریشی (امرت سر) ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ م یکم فروری ۱۹۴۰ء

(جواب ۴۶) (۱) اگر خانقاہ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں کسی بزرگ کا مزار ہو تو وہاں بغرض زیارت جانا جائز ہے کیونکہ زیارت قبور مسنون اور مستحب ہے مگر قبر پر چڑھاوا چڑھانا ناجائز بدعت اور حرام ہے کیونکہ نذر اللہ تو جائز اور نذر لغیر اللہ حرام ہے واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یوخذ من الدراھم و الشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالا جماع باطل و حرام (درمختار) (۱) یعنی جان لے کہ اکثر عوام کسی میت کے لئے جو نذریں اور چڑھاوے چڑھایا کرتے ہیں اور اولیاء کرام کی قبروں پر جو نقدی یا موم بتیاں یا روغن زیتون یا اور چیزیں (مثلاً شیرینی چادریں بکرے مرغ وغیرہ) لے جائی یا چڑھائی جاتی ہیں بہ نیت تقرب یہ سب باطل اور حرام ہیں اور علامہ شامی نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے انہ نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا تکون لمخلوق (ردالمحتار) (۲) کہ یہ مخلوق کے لئے نذر ہوتی ہے اور مخلوق کے لئے نذر جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت کسی مخلوق کے لئے نہیں ہو سکتی۔ اور اگر نیت تقرب نہ ہو بلکہ ایصال ثواب کی نیت ہو تو وہ جائز ہے مگر اس کی صورت یہ ہے کہ قبروں پر لے جا کر نہ چڑھائی جائے بلکہ اپنے گھر پر یا کسی جگہ مسکینوں محتاجوں کو بطور صدقہ کے دیدی جائے اور اس کا ثواب بخش دیا جائے۔

(۲) بزرگوں کو ماننے سے مراد یہ ہو کہ کسی بزرگ کو خدا کا نیک صالح اور مقبول بندہ سمجھنا اور اس سے محبت رکھنا اور اس کی پیروی کرنا تو یہ جائز بلکہ مستحسن ہے اور اگر ماننے سے یہ مراد ہے کہ بزرگوں کو حاجت روا سمجھنا ان کی ایسی کرامتیں بیان کرنا جو ثابت نہ ہوں بلکہ دور از عقل اور مخالف شرع ہوں ان سے مرادیں مانگنا ان کی منتیں ماننا ان کی قبروں پر چڑھاوے چڑھانا ان کے لئے خدائی طاقتیں ثابت کرنا تو یہ باتیں حرام اور پیر پرستی ہیں اور مشرکانہ عقائد و اعمال میں داخل ہیں۔

(۳) دعا کی ہر بزرگ کو حاجت ہے کوئی بزرگ دعا سے مستغنی نہیں تمام امت آنحضرت ﷺ کے لئے جو خدا تعالیٰ کے بعد تمام عالم سے افضل ہیں ہمیشہ اللھم صل علی محمد ﷺ کہہ کر اور آت محمدا ال

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار : ۲/ ۴۳۹ ط سعید)

(۲) (رد المحتار مع الدر المختار : ۲/ ۴۳۹ ط سعید)

الوسیلة والفضیلة پڑھ کر دعا مانگتی ہے اور اس سے حضور اقدس ﷺ کی کوئی کسر شان نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اذن کے بغیر کوئی بزرگ کچھ نہیں کر سکتا۔

(۴) اگر خدا تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو حاجت روا سمجھ کر مانگا جائے تو یہ شرک ہے البتہ اگر کسی زندہ بزرگ سے ایسی چیز جو اس کے پاس موجود ہے یا جس کا وہ بظاہر سبب بن سکتا ہے مانگی جائے تو یہ شرک نہیں یہ تو رات دن بیٹے باپ سے بیوی شوہر سے نادار مالدار سے مانگتے ہیں کیونکہ یہ لوگ اسباب ظاہر میں داخل ہیں کوئی ان کو حقیقۃً حاجت روا نہیں سمجھتا اور ہمارے آقا اور مولا سید المرسلین رحمۃ للعالمین کی تعلیم ہمارے لئے یہ ہے حدیث اذا سألت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ یعنی جب تو مانگے تو خدا سے مانگ اور جب مدد چاہے تو خدا سے چاہ۔

(۵) پھول چڑھانا ناجائز ہے چراغ جلانا اگر بہ نیت تقرب ہو تو یہ بھی جائز ہے دن مقرر کرنے سے یہ مراد ہو کہ سوئم' دہم' چہلم وغیرہ جو ایصال ثواب کے لئے مروج ہیں ان کا کیا حکم ہے تو جواب یہ ہے کہ اس تعین کو شرعی سمجھنا اور اس پر التزام اور اصرار کرنا ناجائز اور بدعت ہے(۱)

(۶) گیارھویں کا حکم بھی یہی ہے کہ نام اور تعین تاریخ بدعت ہے شریعت مقدسہ نے ایصال ثواب کے لئے کسی دن اور تاریخ کو معین یا لازم نہیں کیا حاجت سے زائد آرائش اور زیبائش ناجائز ہے۔

(۷) نکاح عام طور پر سنت اور خاص حالات میں واجب بھی ہو جاتا ہے بہر حال نکاح کرنا انبیاء کرام کی سنت ہے اور متبع سنت کے لئے ضروری ہے کہ وہ تاہل کی زندگی اختیار کرے(۲)

(۸) مولانا اشرف علی تھانوی جو بڑے بزرگ متبحر عالم ہیں ان کی بہت سی دینی تصنیفات ہیں اور سب مفید ہیں رسالہ حفظ الایمان بھی معتبر اور مفید رسالہ ہے اسے پڑھنا بہت اچھا ثواب کا کام ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسجد میں وعظ و تقریر کے لئے منبر اور کرسی وغیرہ سجانا جائز ہے بشرطیکہ نیت میں اور کوئی فساد نہ ہو

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۲۹ء)

(سوال) ایک مولوی صاحب مسجد میں میز کرسی سجا کر وعظ فرماتے ہیں اور اعتراض کرنے والوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ عمل بالاتفاق جائز ہے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ جس طرح رحل پر قرآن مجید

---

(۱) لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الأولیاء والشهداء فی السجود والطواف حولها واتخاذ السراج والمساجد الیها ومن الاجتماع بعد الحول كالا عیاد و یسمونه عرسا (تفسیر مظهری . ۲/۶۵ حافظ كتب كوئٹه)

(۲) و یكون واجبا عند التوقان' فان تیقن الزنا الا به فرض' نهایة وهذا ان ملك المهر والنفقة والا فلا اثم بتركه' بدائع' و یكون سنة موكدة فی الاصح فیاثم بتركه و یثاب ان نوی تحصینا و ولدا حال الاعتدال (قال المحقق) قال فی البحر: ودلیل السنیة حالة الاعتدال الاقتداء بحاله ﷺ فی نفسه و رده علی من اراد من امته التخلی للعباد كما فی الصحیحین ردا بلیغا بقوله : فمن رغب عن سنتی فلیس منی كما او ضحه فی الفتح وهو افضل من الاشتغال بتعلیم و تعلم كما فی درر البحار و قدمنا انه افضل من التخلی للنوافل' (رد المحتار مع الدر المختار ۳/۶ ط سعید)

رکھا جاتا ہے اسی طرح ہم بھی بغرض تعظیم و توقیر بوقت وعظ اس میز پر قرآن شریف اور دیگر کتب فقہ رکھ لیتے ہیں۔

(جواب ۴۷) کرسی پر بیٹھ کر وعظ کہنا فی نفسہ جائز ہے اور اگر قرآن مجید یا کتابوں کے رکھنے کے لئے سامنے میز بھی ہو تو مضائقہ نہیں ہے اگر عذر کی وجہ سے ایسا کیا جائے جب تو کوئی شبہ ہی نہیں اور بلا عذر بھی ہو تو بھی بشرطیکہ واعظ کی نیت تشبہ بالنصاریٰ نہ ہو حرج نہیں ہے(۱) ہاں اگر نیت تشبہ ہو تو مکروہ ہوگا مسجد اور غیر مسجد کا فرق نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ

(۱) طاعون سے کون سا طاعون مراد ہے ؟ طاعون والے مقام پر ٹھہرنے اور وہاں سے بھاگنے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۳۰ء)

(سوال) مقام متاثرہ طاعون سے کوئی مسلمان نہ بھاگے تو بعد میں جب کبھی کسی مرض سے بھی مرے اس کو شہادت کا درجہ ملے گا یا نہیں ؟ اور اگر کئی دفعہ مقام متاثرہ پر استقلال سے رہ کر ایک دفعہ بھاگے تو اس کو جہاد سے بھاگنے والے کے مانند گناہ گار ہوگا یا نہیں اور اگر اس کے بعد کسی دوسری بیماری سے مرے تو شہادت کا درجہ پائے گا یا نہیں ؟ اور احادیث میں جس طاعون کا ذکر ہے یہی موجودہ زمانے کا طاعون ہے یا یہ مصنوعی طاعون ہے کیونکہ اس میں وہ علامات اور اثرات نہیں پائے جاتے جو احادیث میں مذکور ہیں ؟

(جواب ۴۸) طاعون موجودہ بھی طاعون ہے اور ہر وہ بیماری جو وبائی کیفیت رکھتی ہو اس کا حکم بھی طاعون کا ہے(۲) اور وبا کے مقام پر صابراً محتسباً خدا تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرتے ہوئے مقیم رہنا ثواب شہادت کا موجب ہے طاعون کے خوف سے بھاگنا اور یہ سمجھنا کہ بھاگ کر طاعون سے محفوظ رہیں گے یہ ناجائز ہے اور اسی کو جہاد سے بھاگنے والے کے مشابہ فرمایا گیا ہے ایک مرتبہ بھاگے تو ایک ہی مرتبہ کا گناہ ہوگا پہلے کے قیام کا ثواب باطل نہ ہوگا۔(۳) محمد کفایت اللہ غفر لہ

---

(۱) التذکیر علی المنابر للوعظ والا تعاظ سنة الانبياء والمرسلين ولرياسة ومال و قبول عامة من ضلالة اليهود والنصارى (الدر المختار مع الرد : ۶/ ۴۲۱ ط سعید)

(۲) و كل طاعون وباء، لان الوبا اسم لكل مرض عام' نهر' والطاعون والمرض العام بسبب وخز الجن ' وهذا بيان لدخول الطاعون في عموم الامراض المنصوص عليه عند نا وان لم ينصوا عليه اى على الطاعون لخصوصه (رد المحتار مع الدر ۲/ ۱۸۳ ط س)

(۳) واذا كانت الا جال موقتة محصورة لا يقع فيها تقديم ولا تاخير عما قدرها الله عليه' فالفرار من الطاعون عدول عن مقتضى ذالك' وكذا لك الطيرة والزجر والا يمان بالنجوم كل ذالك فرار من قدر الله عزو جل الذى لا محيص لا حد عنه (احكام القرآن للجصاص ۱/ ۴۵۰ ط بيروت)

(۱) رافضیوں کے جلوس میں شرکت حرام ہے
(۲) رافضیوں کو سنیوں کی آبادی سے جلوس گزارنے سے منع کرنا درست ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۵ فروری ۱۹۳۴ء)

(سوال) (۱) تربت جو بانس کی مثل مردہ بنا کر شیعہ صاحبان نکالتے ہیں اس کا دیکھنا مذہباً اہل سنت والجماعت کو جائز ہے یا ناجائز ؟ (۲) ایک معاہدہ مابین اہل سنت والجماعت و شیعہ صاحبان یہ ہوا کہ کسی سنی کے مکان کے آگے تربت کو کھڑا نہ کریں گے نہ ماتم و مرثیہ کریں گے اب برخلاف اس معاہدے کے وہ لوگ تربت کو کھڑا کرنے اور ماتم وغیرہ کرنے پر مصر ہیں جب کہ مذہباً ایک چیز ناجائز ہے تو اس کو روکنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۴۹) (۱) سنیوں کو اس تقریب میں شریک ہونا اور اس کا تماشا دیکھنے کے لئے جانا جائز نہیں (۱) (۲) اس معاہدہ کی پابندی کرنا اور کرانا درست ہے شیعوں کو خواہ مخواہ سنیوں کو چھیڑنا اور ان کے مکانوں کے سامنے ٹھہر کر مرثیہ پڑھنا اور ماتم کرنا نہیں چاہئے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) تعزیہ بنانا ناجائز اور حرام ہے
(۲) ایصال ثواب ثابت ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) (۱) کسی امام یا بزرگ کے روضہ کی نقل بانس و کاغذ وغیرہ سے تیار کر کے اور سامنے کھڑے ہو کر ایصال ثواب کرنا درست ہے یا نہیں ؟ (۲) شیرینی یا طعام سامنے رکھ کر موتی کو ایصال ثواب کرنا درست ہے یا نہیں اور اس طرح ثواب پہنچتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۵۰) (۱) یہ فعل ناجائز ہے (۲) ایصال ثواب تو جائز ہے (۳) مگر شیرینی یا کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ مروجہ پڑھنا بے اصل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مروجہ طریقہ پر قل پڑھوانا اور اس پر فیس لینا بدعت ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) مسمی شیخ سبحان کے یہاں چہارم ہوا اس نے مولانا عبدالکریم کے ہاں جا کر قل پڑھنے کے لئے

---

(۱) عن عبداللہ بن مسعودؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من کثر سواد قوم فھو منھم ومن رضی عمل قوم کان شریکا لمن عملہ (المطالب العالیہ ص ۲/ ۴۲)
(۲) عن ابی سعید الخدری عن رسول اللہ ﷺ قال من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ' فان لم یستطع فبلسانہ' فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان (صحیح مسلم ۱/ ۵۰ ط س کراچی)
(۳) ایصال ثواب ثابت ہے : صرح علماء نافی باب الحج عن الغیر بان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃ او صوما او صدقۃ او غیرھا کذافی الھدایۃ (رد المحتار : ۲/ ۲۴۳ ط س)

لڑکوں کو طلب لیااور یہ بھی کہا کہ رات کو میلاد شریف آپ کو خود چل کر پڑھنا ہوگا اور ہم بہت غریب اور مصیبت زدہ لوگ ہیں آپ کی فیس جو پانچ روپے مقرر ہے اس میں کچھ کمی آجاوے گی لیکن گاڑی حاضر کریں گے مولوی صاحب نے کہا کہ میں مدرسے کے لڑکوں کو نہیں بھیج سکتا اور کیا مٹھی بھر چنوں پر لڑکے قل پڑھنے جائیں گے ؟ شیخ سبحان روتا ہوا دوسرے مکتب میں گیا وہاں کے مولوی سید صاحب نے بھی لڑکوں کو بھیجنے سے انکار کر دیا پھر شیخ سبحان کے اصرار پر کہا کہ دو روپیہ کرایہ گاڑی اور ایک روپیہ فیس مولوی صاحب کی دینی پڑے گی شیخ سبحان کے پاس اس وقت صرف دو روپے تھے سید صاحب نے منظور نہیں کئے شیخ سبحان مایوس ہو کر روتا ہوا اور افسوس کرتا ہوا اپنے گھر واپس ہوا اور کہنے لگا آہ !افسوس اسلام کے رکھوالے غداری کرنے لگے اور علم کو بیچ کر اپنا پیٹ بھرنے لگے۔

دوسرے دن عباس بابو کے یہاں چہارم اور میلاد شریف ہوا اس کی دعوت مولانا عبدالکریم صاحب کو ملی امراء پرست مولانا ایک مٹھی بھر سے کم چنے پر بھی پڑھنے کو تیار ہو گئے جس میں مولوی سید صاحب بھی تھے اور دونوں مدرسے کے طلباء اور مدرس صاحبان نے جاکر پڑھا اور پڑھوایا جتنے طلبا آئے تھے سب پیدل آئے اور پیدل گئے طلبا کی تعداد ستر پچھتر کے قریب تھی یہ ہے حال ان مولاناؤں کا۔الخ

(جواب ۵۱) چنوں پر مروجہ قل پڑھوانا کوئی لازمی اور ضروری فعل نہیں ہے اور نہ کوئی مسلمان کسی معلم کو اس پر مجبور کر سکتا ہے کہ وہ لڑکوں کو قل پڑھنے کے لئے کسی کے گھر بھیجے اور نہ بھیجنے کی صورت میں معلم کو طعن کرنا اور برا کہنا بھی جائز نہیں ہے(۱) معلم کو یہ تو جائز ہے کہ لڑکوں کو کسی کے ہاں نہ بھیجے اور ان کو تعلیم میں مشغول رکھے مگر معلم کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ لڑکے بھیجنے پر کوئی فیس وصول کرے اور یہ تفریق بھی جائز نہیں ہے کہ امیروں کے گھر بھیجے اور غریبوں کے گھر نہ بھیجے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کفار کے مذہبی میلوں میں شرکت جائز نہیں

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۵ جون ۱۹۳۷ء)

(سوال) غیر مسلموں کے تہواروں میں قندیل وغیرہ بنا کر بیچنا یا ان کے میلوں میں دکان لگانا کیسا ہے ؟

(جواب ۵۲) کفار کے مذہبی اجتماعات میں جہاں رسوم کفر و شرک کی نمائش ہوتی ہو شریک ہونا ان کے اجتماعات کو رونق دینے اور ان کی تکثیر سواد کرنے کے مرادف ہے اس لئے بحکم من کثر سواد قوم فھو منھم(۲) ایسے مواقع کی شرکت مکروہ ہے تجارت کی غرض سے ہو تو کراہت تنزیہی ہے اور تماشا کی نیت سے ہو تو کراہت تحریمی ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) ومنها الوصية من الميت باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته او بعده وباعطاء دراهم من يتلو القرآن لروحه او يسبح او يهلل له و كلها بدع منكرات باطلة والمأخوذ منها حرام الآخذ وهو عاص بالتلاوة والذكر لا جل الدنيا (رد المحتار مع الدر : ٦/٥٥ ط س)

(۲) (المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانيه : ٢/٤٢ ط مكة المكرمة)

ماہ صفر کو منحوس سمجھنا جائز نہیں

(اخبار سہ روزہ انصاری مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۰ء)

(سوال) عوام سے سنا جاتا ہے کہ ماہ صفر کے کم از کم تیرہ دن کے اندر سفر کرنا یا کوئی نیا معاملہ بیوپار کرنا اچھا نہیں ہے ضرور کسی آفت میں انسان مبتلا ہو جاتا ہے ؟

(جواب ۵۳) یہ خیال کہ ماہ صفر میں بالخصوص تیرہ دن کے اندر کوئی جدید کاروبار کھولنا منع ہے یا موجب مضرت ہے بالکل بے اصل اور غلط ہے شریعت مقدسہ میں اس کی دلیل نہیں ہے(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دوسرا باب
عملیات و تعویذ

ناجائز تعویذ گنڈے اور فال نکالنے والے کی امامت مکروہ ہے

(سوال) ایک امام صاحب تعویذ گنڈے کا کام کرتے ہیں فال کھولتے ہیں بیمار کے عزیزوں سے کہتے ہیں کہ پیسہ کی پھٹکری لاؤ اس پر قرآن شریف کی کوئی آیت پڑھ کر واپس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سات دفعہ بیمار کے اوپر سے اتار کر آگ میں ڈال دو پھر آگ سے نکال کر ہمارے پاس لاؤ ہم پھٹکری دیکھ کر علاج کردیں گے ایک سیاہ رنگ بکرا منگاتے ہیں اس کے کان میں سورہ مزمل پڑھ کر خود ذبح کرتے ہیں یا اپنے سامنے دوسرے سے ذبح کراتے ہیں اور گوشت کھال بیچ کر اپنے خرچ میں لاتے ہیں اگر مالک موجود ہو تو گوشت فی سبیل اللہ کہہ کر تقسیم کردیا اور کھال کی قیمت اپنے صرف میں آوے گی۔ ایسے پیش امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۳۲۳ سید حاکم علی شاہ (میرٹھ) ۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۱۸ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۵۴) یہ کام جو سوال میں مذکور ہیں شرعاً درست نہیں ہیں(۲) اس لئے ایسے امام کے پیچھے جو ان افعال کا مرتکب ہو نماز مکروہ ہوتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

آیۃ الکرسی اللہ لا الہ الا ھو سے وھو العلی العظیم تک ایک ہی آیت ہے

(سوال) آیۃ الکرسی جو کہ سورہ بقرہ کے چونتیسویں رکوع میں اللہ لا الہ الا ھو سے وھو العلی العظیم

---

(۱) قال رسول اللہ ﷺ لا عدوی ولا صفر خلق اللہ کل نفس فکتب حیاتھا ورزقھا و مصائبھا (ترمذی شریف ۲ : ۳۶ ط سعید)

(۲) واما الفاسق فقد عللوا کراھة تقدیمه بانه لا یھتم لامر دینه و بان فی تقدیمه للامامة تعظیمه و قدوجب علیھم اھانته شرعا ولا یخفی انه اذا کان اعلم من غیرہ لا تزول العلة فانه لا یؤمن ان یصلی بھم بغیر طھارة فھو کالمبتدع تکرہ امامته بکل حال - (رد المحتار مع الدر ۱ : ۵۶۰ ط سعید)

تک ہے یہ ایک آیت مانی جائے گی یا درمیان میں جو علامات وقف ہیں یہ بھی پوری آیت کا حکم رکھتی ہیں ؟
بعض لوگ کہتے ہیں کہ آیۃ الکرسی میں دس آیات ہیں۔

المستفتی نمبر ۴۸۶ حافظ محمد شفیع محلہ قاضیان (ضلع بجنور) ۲۸ صفر ۱۳۵۴ھ م یکم جون ۱۹۳۵ء

(جواب ۵۵) آیۃ الکرسی الله لا اله الا هو سے شروع ہوکر وهو العلی العظیم پر ختم ہوتی ہے یہ ایک آیت ہے درمیان میں جو رموز اوقاف ہیں وہ آیات نہیں ہیں لفظ آیۃ الکرسی میں بھی اس کو واحد کے صیغے سے تعبیر کیا گیا ہے آیات الکرسی نہیں کہا گیا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

خون کے ساتھ کتابت قرآن کے بارے میں فقہاء کی عبارت کا مطلب

(سوال) فقہ میں کتابت القرآن بالبول والدم جائز ہے - وكذا اختاره صاحب الهداية في التجنيس فقال لو رعف فكتب الفاتحة بالدم على جبهته وانفه جاز للاستشفاء وبالبول ايضا - الخ (ردالمحتار جلد اول ص ۱۵۴) اگر جائز ہو تو خیر ورنہ مذکورہ عبارت کے جواب سے مستفید فرمائیں -

المستفتی نمبر ۷۴۷ مولوی سراج الدین (ضلع ملتان) ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۲ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۶) یہ حکم جواز مرجوح ہے اور اس حکم کا مبنیٰ ضرورت علاج ہے جیسے کہ دوسری دوا میسر نہ ہوسکے اور علاج سے مایوسی ہو جائے اور شفا شراب میں بقول طبیب حاذق منحصر ہو جانے کی صورت میں شرب شراب جائز ہے(۱) مگر یہ واضح رہے کہ حکم جواز کتابت مرجوح اور ضعیف ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بسم الله الذی الخ والی دعاء پڑھنا مستحب ہے

(سوال) بعد نماز فرض بعض لوگ پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہیں کیا یہ فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب ؟

المستفتی نمبر ۱۰۰۴ اسمعیل یعقوب خاں (ضلع سورت) ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۷) پیشانی یا سر کے اگلے حصے پر ہاتھ رکھنا اور یہ الفاظ بسم الله الذی لااله الاهو الرحمن الرحیم اللهم اذهب عنی الهم والحزن پڑھنا مستحب ہے(۱) فرض یا واجب یا سنت مؤکدہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ

(۱) قرآنی آیات تعویذ میں لکھنا جائز ہے
(۲) تعویذ کے ساتھ بیت الخلاء میں جانے کا حکم

(سوال) (۱) قرآن شریف کی آیت کے اندر تعویذ لکھنا جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) اگر قرآن شریف کی آیت کا تعویذ لکھا ہوا چاندی کا گھر بنا کر اس میں اس تعویذ کو بند کرنے کے بعد ہاتھ یا گلے میں ڈالا ہو اس حالت میں وہ

---

(۱) قال ابوبكر وقد اختلف في المضطر الى شرب الخمر فقال سعيد ابن جبير المطيع المضطر الى شرب الخمر يشربها' وهو قول اصحابنا جميعا وانما يشرب منها مقدار ما يمسكها به رمقه' (احكام القرآن للجصاص ۱/۱۲۹)

(۱) وكان ﷺ اذا صلى و فرغ من صلاته مسح بيمينه على رأسه وقال : بسم الله الذى لا اله الا هو الرحمن الرحيم' اللهم اذهب عنى الهم والحزن (حصن حصين ۲۳۲)

ایسے ہی بیت الخلاء وغیرہ جا سکتا ہے یا نہیں ؟ (۳) تعویذ لکھنے کے یا دوسرے کام شروع کرنے کے وقت سعد یا نحس ستارہ شمس، قمر، زحل، مشتری دیکھا کرتے ہیں یہ دیکھنا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۱۴۴ عبدالغفور صاحب (ضلع ننگر ہی) ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۵ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۸) (۱) قرآن شریف کی آیت تعویذ میں لکھنا جائز ہے(۱) (۲) تعویذ کے ساتھ جب کہ وہ غلاف میں چھپا ہوا ہو بیت الخلاء میں جانا جائز تو ہے مگر بہتر یہ ہے کہ تعویذ باہر رکھ کر جائے(۲) (۳) سعد یا نحس ساعات کا شریعت میں اعتبار نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دفع وبا کے لئے اذان اور مخصوص عمل کرنے کا حکم

(سوال) یہاں پر حالاًمرض ہیضہ شروع ہے یہاں کے لوگ نماز کے بعد امام کو یا کسی اور کو محراب میں کھڑا کرتے ہیں وہ آدمی سورہ یٰسین پڑھتا ہے جب لفظ مبین آجاتا ہے تو سب لوگ مل کر زور سے اذان شروع کرتے ہیں اکثر اوقات میں کوئی نماز پڑھتا ہے اس کو سخت تکلیف ہوتی ہے کیا اس طریقہ پر اس کا شریعت میں کچھ ثبوت ہے یا نہیں اور ایسے امراض میں شریعت نے کچھ پڑھنے کا اور طریقہ رکھا ہے یا نہیں جیسا کہ خسوف و کسوف کے واسطے حکم ہے یہاں اس میں سخت اختلاف و تنازع ہے۔ المستفتی نمبر ۱۷۰۷ عثمان غنی (سیدو شریف ریاست سوات) ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۹) دفع وباء کے لئے یہ طریقہ اذانیں کہنے کا آنحضرت ﷺ یا صحابہؓ یا ائمہ مجتہدین کا تعلیم کیا ہوا نہیں ہے اگر اس کو شرعی کام سمجھا جائے یا اس پر اصرار کیا جائے شریک نہ ہونے والے پر طعن یا ملامت کی جائے تو ناجائز و بدعت ہے(۳) اور اگر شرعی حکم قرار نہ دیا جائے بلکہ مثل عملیات کے ایک عمل سمجھ کر کیا جائے تو مباح ہو سکتا ہے مگر اس شرط سے کہ نہ تو کسی نماز پڑھنے والے کی نماز میں خلل انداز ہو اور نہ ہر شخص کو مجبور کیا جائے کہ وہ ضرور شریک ہو۔ جب دیکھیں کہ کوئی شخص نماز نہیں پڑھ رہا ہے اور اذانوں کی مجموعی آواز سے قرب و جوار میں بھی کسی بیمار کو تکلیف نہ ہوگی تو وہ خود یہ عمل کریں اور جو شخص اپنی مرضی سے شریک ہو اور جو نہ ہو اس کو مجبور نہ کریں طعن و ملامت نہ کریں اگر یہ شرطیں پوری نہ ہوں تو اس عمل کی اجازت نہ ہوگی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) نجومی کاہن اور جادوگر کے پاس علاج کے لئے جانا جائز نہیں
(۲) سحر وغیرہ سفلی عملیات کرنے والے کا حکم

(سوال) (۱) ایک مسلمان کے اوپر کسی او جھانے بھوت سوار کر دیا اور وہ مسلمان بیماری میں مبتلا ہوا جب وہ

---

(۱) ولا بأس بالمعاذاة اذا كتب فيها القرآن أو أسماء الله تعالىٰ وانما تكره العوذة اذا كانت بغير لسان العرب ولا يدرى ماهو (رد المحتار مع الدر : ۶/۳۶۳ ط س) (۲) رقية في غلاف مجاف لم يكره دخول الخلاء به والا حتراز افضل (الدر المختار: ۱/۱۷۸ ط س) (۳) كل مباح يؤدى الى زعم الجهال سنية امر او وجوبه فهو مكروه كتعيين السورة للصلوٰة و تعيين القراء ة لوقت : فتاوى تنقيح الحامدية : ۲/۳۶۷' طبع حاجى عبدالغفار' قندهار افغانستان

مسلمان بیمار ہوا تو حکیم و ڈاکٹر کے علاج کیے آخر علاج سے فائدہ نہ ہوا تو جھاڑ پھونک والوں سے دعا و تعویذ لیا اور بڑے بزرگوں کے مزار پر بھی گئے کہیں سے اس کو فائدہ نہ ہوا تو مجبور ہو گیا اور کلامی جھاڑ پھونک والوں نے بھی جواب دے دیا تو بیمار مجبور ہو کر سفلی عمل والے یعنی اوجھا کے پاس گیا ہندو اوجھا کے پاس یا مسلمان اوجھا کے پاس دونوں کے پاس گیا اور ان سے جھاڑ پھونک کرائی اور جو کچھ اوجھا نے طلب کیا وہ بیمار مسلمان نے اس کو دیا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ مسلمان بھی گنہگار ہوا کہ نہیں اگر گناہ گار ہوا تو اس کو کیا کرنا چاہئیے۔

(۲) ایک مسلمان سفلی عمل کرتا ہے جسکو وجھائی بھی کہتے ہیں پس سفلی عمل کرنے والوں کو یا وجھائی والے کو یہاں پر اوجھا کہتے ہیں اوجھائی کی صورت یہ ہے کہ جو شخص اوجھائی سیکھتا ہے وہ ہندوؤں کے دیوتاؤں میں سے کسی دیوتا کو بھی پوجتا ہے دیوتاؤں کی مثال جیسے پہلوان بیر بابا پاپھولمتی بھوانی وغیرہ وغیرہ ان دیوتاؤں کے نام پر سور یا بکرا بھی کٹاتا ہے جس کو یہاں پر بھینٹ کہتے ہیں اور جب کوئی شخص متعلق عمل کرنے والے یعنی اوجھا کے پاس جھاڑ پھونک کرانے کو آتا ہے تو مریض کو سامنے بٹھلا کر اپنے ہاتھ میں لونگ یا پھول یا مٹی لیتا ہے اور سفلی عمل یعنی منتر پڑھ کر مریض کو جھاڑتا جاتا ہے اور مریض سے کہتا ہے کہ تمہارے اوپر اٹھارہ بھوت سوار ہیں کبھی ان بھوتوں کو اتار کر اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے اور کبھی اور ان بھوتوں کو اس مریض کے اوپر سے اتار کر دوسرے شخص کے اوپر کر دیتا ہے یعنی دوسرے شخص کو بیمار کر دیتا ہے اسی طرح سے جتنے شخص اس مرض میں مبتلا ہو کر اس اوجھا کے پاس آتے ہیں تو وہ اوجھا سب مریضوں سے یہی کہتا ہے کہ تمہارے پاس اٹھارہ بھوت ہیں کسی کو کہتا ہے تمہارے اوپر گیارہ بھوت ہیں کسی کو کہتا ہے کہ تمہارے اوپر نو بھوت سوار ہیں دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مسلمان کو کیا کرنا چاہئیے۔ **المستفتی نمبر ۲۳۰۸** عبدالشکور صاحب (الہ آباد) ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۲ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۶۰) (۱) اس مسلمان بیمار کو اگر معلوم ہے کہ اوجھا اپنے عمل میں کوئی ناجائز کام کرتا ہے اور جو منتر پڑھتا ہے وہ بھی شرک و کفر کے مضمون کا ہوتا ہے تو یہ بھی گناہ گار ہوا اس کو بھی توبہ کرنی چاہئیے(۱) (۲) اس عمل کرنے والے کو لازم ہے کہ وہ اس عمل سے توبہ کرے اور تجدید اسلام اور تجدید نکاح کرے اور آئندہ ایسے کام کے قریب نہ جائے(۲) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی**

جفر، طلسمات اور حاضرات وغیرہ کا حکم

(سوال) متعلقہ جفر وغیرہ۔

(جواب ۶۱) حرام چیز سے علاج بدرجہ مجبوری مباح ہوتا ہے مگر یہ تو علاج نہیں ہے محض دل بہلانا ہے

---

(۱) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من اتیٰ کاھناً فصدقہ بما یقول او اتی امرأتہ حائضاً فقد بری مما انزل علی محمد۔ رواہ احمد و ابو داؤد (مشکوۃ: ۲/۳۹۳)

(۲) حوالہ گزشتہ' مقدمہ رد المحتار ۱/۴۵' ط س)

ورنہ جفر اور عملیات اکثری طور پر وہمی ہوتے ہیں عمل کی پوری حقیقت معلوم نہ ہو تو اس کا استعمال جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے کوئی ناجائز چیز اس میں شامل ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

(جواب ۶۲) طلسمی انگشتری اور فلیتے اور گنڈے طلسمات حاضرات وغیرہ یہ سب چیزیں اگر محض ظاہری اسباب کے طور پر استعمال کی جائیں اور حقیقۃً وہ صحیح بھی ہوں یعنی دینے والے نے محض بناوٹی اور دھوکے کے طور پر نہ دی ہوں تو مباح ہیں مگر جہاں تک تجربہ ہے یہ تمام چیزیں محض بناوٹی ہوتی ہیں الا ماشاء اللہ ہزاروں میں کوئی ایک شخص ایسا ہوتا ہے جو صحیح طور پر ان چیزوں سے واقف ہو اور دھوکہ دیئے بغیر عمل میں لاتا ہو تو ممکن ہے کہ اس کی دی ہوئی چیزیں کچھ مفید ہوں ورنہ عام طور پر دھوکہ بازی اور جعلسازی ہو رہی ہے۔(۱) اس لئے ان سے بچنا اور پرہیز کرنا ہی بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

(۱) عملیات اگر جائز طریقہ پر کئے جائیں تو جائز ہیں
(۲) بعض عملیات احادیث سے ثابت ہیں
(۳) بھوت پریت کا وجود ہے یا نہیں ؟

(اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۲۷ء)

(سوال) (۱) عملیات خواہ وہ علوی ہوں یا سفلی جائز ہیں یا ناجائز ؟ اور قرآن پاک واحادیث میں عملیات کا تذکرہ ہے یا نہیں ؟ (۲) بھوت پریت کا وجود ہے یا نہیں ؟ (۳) شیخ سدو زین خاں 'شاہ دریا' ننھے میاں خبائث کی اصلیت کیا ہے ؟ (۴) تاثیرات جو موثر حقیقی نے اعمال میں ودیعت فرمائی ہیں وہ حق ہیں یا ناحق ؟ جو شخص منکر تاثیرات کا ہو اس کے لئے کیا حکم ہے ؟

(جواب ۶۳) عملیات جب کہ جائز طریقے سے کئے جائیں ان کا کرنا جائز ہے ضروری ہے کہ ان میں غیر اللہ سے استمداد اور غیر معلوم المعنی الفاظ اور غیر اللہ کے لئے نذر و بھینٹ نہ ہو احادیث میں بعض اعمال کا تذکرہ ہے جیسے سورہ فاتحہ کا بچھو کے کاٹے ہوئے پر پڑھ کر دم کرنا' اور لعاب دہن لگانا وغیرہ (۲)

(۲) بھوت پریت کا اس طرح کا کوئی وجود نہیں جس طرح عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ارواح خبیثہ آکر لپٹ جاتی ہیں یا دکھائی دیتی ہیں ہاں جنات کا وجود ہے اور ان میں سے شریر اور برے جن انسان کو تکلیف بھی پہنچاتے ہیں اگرچہ یہ شاذو نادر ہی کبھی واقع ہوتا ہے ورنہ اکثری طور پر تو بناوٹ یا وہم ہی ہوتا ہے (۳)

---

(۱) وانما تکرہ العوذۃ اذا کانت بغیر لسان العرب' ولا یدری ما ھو و لعلہ یدخلہ سحر اوکفر او غیر ذالک (رد المحتار' ۶/۳۶۳ ط سعید)

(۲) وانما تکرہ العوذۃ .... (الی ان قال) واما ما کان القرآن اوشئ من الدعوات فلا بأس بہ (رد المحتار مع الدر ۶/۳۶۳ ط س)

(۳) وذکر ابوالحسن الأشعری فی مقالات اہل السنۃ والجماعۃ انہم یقولون ان الجن تدخل فی بدن المصروع کما قال اللہ تعالی: الذین یاکلون الربا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس الخ (آکام المرجان فی غرائب الاخبار واحکام الجان: ۱۰۷ ط خیر کثیر کراچی)

(۳) شیخ سدو وغیرہ کی کوئی اصلیت نہیں یہ سب بناوٹی باتیں ہیں اگر ہو سکتا ہے تو صرف اس قدر کہ کوئی جن تکلیف دے اور وہ اپنا نام شیخ سدو وغیرہ بتا دے۔
(۴) اعمال میں تاثیر ہے خواہ عمل اچھے ہوں یا برے 'اچھے عمل مباح ہیں برے ممنوع ہیں اگر کوئی شخص کسی غیر ثابت شدہ خاص عمل کی تاثیر کا منکر ہو تو اس پر ناواقفیت کے سوا کوئی الزام نہیں اور اگر مطلقاً تاثیر اعمال کا منکر ہو تو موجب فسق ہوگا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

(۱) آدمی کا مر جانے کے بعد آسیب بن جانے کا عقیدہ غلط ہے
(۲) آسیب دور کرنے والے تعویذ اور شعبدہ باز عامل .
(الجمعیۃ مورخہ ۵ اکتوبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) (۱) اکثر مسلمان جو دیہات میں بود و باش رکھتے ہیں ان کا عقیدہ ہوتا ہے کہ آدمی مر جانے کے بعد آسیب بن جاتا ہے اور خاندان میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اس کے کپڑے وغیرہ غربا کو دے دیتے ہیں کہ مرے ہوئے کی روح اگر آسیب بن گئی ہے تو استعمال کرنے والے کو لپٹ نہ جائے (۲) جب کوئی مر جاتا ہے تو دو روز کے بعد یہ مشہور ہو جاتا ہے کہ متوفی آسیب بن گیا ہے اور بعضے علی الاعلان بیان کرتے ہیں کہ ہم نے مرے ہوئے کی آسیب سے ملاقات کی ہے بات چیت کیا ڈرایا وغیرہ (۳) اور بعضے واقعات میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک جگہ جب دو چار شخص بیٹھے بات چیت کرتے ہیں کسی ایک شخص پر حالت بیخبری طاری ہو جاتی ہے اور وہ دیدے پھیلائے حاضرین کو ڈراتا ہے کسی مرے ہوئے کا نام لیکر کہتا ہے کہ میں وہ ہوں میں یہ ہوں میں یہ کروں گا وہ کروں گا۔ مجھ کو یہ چاہئے وہ چاہئے بیجا خواہشات ظاہر کرتا ہے اور لغویات بکتا ہے اور بعض وقت ایسی مجلس میں کسی کے گھر پکنے والی اشیاء موجود پائی جاتی ہیں اور آسیب زدہ کسی مرے ہوئے کا نام لیکر کہتا ہے کہ میں فلاں ہوں اور یہ اشیاء فلاں گھر سے لایا ہوں جب اس گھر میں دریافت کیا جاتا ہے تو اس گھر میں مذکورہ اشیاء کا پکایا جانا ثابت ہو جاتا ہے(۱) (۴) بعض لوگ عامل بن کر آتے ہیں اور عملیات نقش تعویذ فلیتے باندھتے ہیں آسیب دور ہو جاتا ہے۔

(جواب ٦٤) (۱) یہ خیال غلط ہے ہندوؤں کے خیالات کا عکس ہے اور اسلام میں اس قسم کے خیالات کا وجود نہیں (۲) اکثری طور پر یہ باتیں غلبہ وہم سے پیش آتی ہیں قوت واہمہ اس قسم کی صورتیں پیدا کر دیتی ہے (۳) یہ صورت یا تو مصنوعی ہوتی ہے یا کسی مرض کا اثر ہوتا ہے اس کے ساتھ وہ خیالات جو دماغ میں بھرے ہوتے ہیں کام کرتے ہیں اور اس قسم کی حرکات اس سے سرزد ہوتی ہیں (۴) اس کے متعلق بھی ہمارا تجربہ بہت تلخ ہے اکثری طور پر تو عامل بھی شعبدہ باز ہوتے ہیں اور شعبدہ بازی سے کام لیتے ہیں بہر صورت

---

(۱) عن ابی ہریرۃؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا طیرۃ وخیرھا الفال قالوا: وما الفال قال : الکلمۃ الصالحۃ یسمعھا احدکم متفق علیہ (مشکوۃ : ۲/۳۹۱)

شرعی طریقے سے آسیب کے متعلق اسی قدر ثابت ہے کہ بعض حالات میں کوئی شریر جن انسان کو تکلیف دیتا ہے بس اس سے زیادہ آسیب کا کوئی ثبوت نہیں تعویذ وغیرہ ایسی صورت میں کہ اس میں کوئی خلاف شرع بات نہ ہو اور غیر اللہ سے استمداد نہ ہو جائز ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

تیسرا باب

رسوم مروجہ

استفتاء

(عطیہ حافظ محمد لقمان محمد شفیع پر فیومرز بازار ترکمان دروازہ دہلی)

تمہید از حضرت مفتی اعظم - واضح ہو کہ اللہ جل شانہ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اس نے ہم کو سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت میں پیدا کیا جو تمام پیغمبروں کے سردار اور خدا تعالیٰ کے بعد سب سے افضل ہیں اور ایسی شریعت کاملہ ہم کو عطا فرمائی کہ اس کے بعد قیامت تک نوع انسان کے لئے کسی دوسرے مذہبی قانون کی حاجت نہ ہوگی اور نہ کوئی نئی شریعت خدا کی طرف سے آئے گی ہم اس نعمت عظمیٰ پر جس قدر شکر کرتے کم تھا اور شریعت مطہرہ پر جس قدر فخر کرتے بجا ہوتا اور جس قدر اس کا اتباع کرتے اسی قدر بہبود و فلاح کے سزاوار ہوتے -

مگر افسوس کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے عقیدۃً و عملاً ایسے افعال و رسوم اختیار کر لئے جس سے شریعت محمدیہ کی تنقیص لازم آتی ہے بہت سی رسمیں خالص ہندوؤں کی ہیں جو اس ملک کے رہنے والے مسلمانوں میں ہنود کے میل جول سے آگئیں اور ایک زمانہ گزر جانے کی وجہ سے مسلمانوں میں اس کا احساس بھی نہیں رہا کہ یہ رسمیں کہاں سے آئیں اور کب آئیں اور کیوں آئیں - واقف کار مسلمان اور علما تو جانتے ہیں لیکن عام مسلمان یہی سمجھ رہے ہیں کہ یہ رسمیں بھی اسلام کی باتیں ہیں اور شریعت نے تعلیم کی ہیں اور بہت سی رسمیں ایسی ہیں کہ گو وہ ہندوؤں سے نہیں لی گئیں مگر ابتداء میں وہ محض ایک معمولی سی باتیں سمجھی جاتی تھیں پھر رفتہ رفتہ وہ ایسی پختہ ہو گئیں کہ فرائض و واجبات سے زیادہ ضروری سمجھی جانے لگیں۔

یہ دونوں قسم کی رسمیں واجب الترک ہیں پہلی قسم تو اس وجہ سے کہ وہ دراصل کفار کی رسمیں ہیں اور ان سے مسلمانوں کو بچنا لازم ہے تاکہ ایمان سلامت رہے اور دوسری قسم کی رسمیں اس لئے واجب الترک ہیں کہ اکثری طور پر ان میں اسراف فضول خرچی ریاکاری اور شہرت و نمود ہوتی ہے جو سب کی سب حرام ہیں اور بعض باتیں اگر فی نفسہ مباح بھی ہوں تاہم ان کا فرائض و واجبات کی طرح التزام کر لینا شرعاً ممنوع ہے پھر علی العموم ان رسوم کی پابندی ہی مسلمانوں کی مالی تباہی کا سبب ہو رہی ہے جو بالآخر عزت اور انجام کار ایمان کو بھی نقصان پہنچاتی ہے لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان رسوم سے بچاؤ کی تدبیر کریں اور اپنے معاشرہ کی اصلاح کریں تاکہ ان کا مال عزت دین و ایمان محفوظ رہے اور اپنے اعمال و عقیدہ کے لحاظ سے

(۱) ولا بأس بالمعاذاة اذا کتب فیہا القرآن أو اسماء اللہ تعالیٰ (رد المحتار مع الدر : ۳۶۳/۶)

تنقیص شریعت کاالزام اپنے اوپر عائد نہ کریں اور دنیاو آخرت میں سرخرو ہوں-

اب میں تمام رسوم مندرجہ سوال کے متعلق مختصر طور پر جواب دیتا ہوں-امید ہے کہ اہل ایمان اس پر عمل کریں گے-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ خوشی اور غمی کی تقریبوں کے مواقع پر مسلمانوں میں جو حسب ذیل رسوم کارواج ہے ازروئے شرع شریف ان میں سے کون کونسی جائزاور ناجائز ہیں ؟

(۱) استقرار حمل

استقرار حمل کے موقع پر بعض غلط رسومات

الف-ست ماسہ کی گود بھرنا-ب نوماسہ کی گود بھرنا-ج چھاج یا چھلنی میں اناج اور سواپیسہ مشکل کشا کے نام کا رکھنا-د' تقسیم پنجیری-ہ' گلگلے پکانا اور رتجگا کرنا-و' ڈومنیوں کا ناچ گانا کرنا-ف' حاملہ کے لئے پونڑے مٹھائی ترکاری کپڑا اور روپیہ بھیجنا-

(جواب) الف ہندوانی رسم ہے-مسلمانوں نے انہیں سے سیکھی ہے ورنہ سلف میں اس کا وجود نہ تھا-ب' ہندوانی رسم ہے-ج' یہ بھی ہندوانی رسم ہے(۱) مگر اسلامی خیال کے ساتھ مرکب کرلی گئی ہے-چھاج یا چھلنی میں اناج اور پیسہ ڈالنا تو ہندوانی فعل ہے اور اس کو مشکل کشا کے ساتھ نامزد کرلینا بعض مسلمانوں کی ایجاد ہے (۲)-د' خالص ہندوانی رسم ہے-ہ' یہ بھی ہندوؤں سے لی گئی ہے اور اس میں تصرف کرلیا گیا ہے رتجگا مسلمانوں کی ایجاد ہے-و' ناچ گانا قطعاً ناجائز ہے-ز' یہ رسم بھی التزام مالا یلزم میں داخل ہے حاملہ کے نام سے بھیجنے کا عنوان بھی غیر معقول ہے-

(۲) پیدائش

پیدائش کے موقع پر بعض غلط رسمیں

ہیجڑے بھانڈ کا ناچ

(جواب) ناچ گانا ہیجڑوں کا ہو یا بھانڈوں کا ناجائز ہے(۳)

(۳) چھٹی

ایک ہندوانی رسم ہے

الف' مہمانداری کرنا-ب' کپڑے، برتن اور بہت سی چھوٹی موٹی چیزیں زچہ وبچہ کے لئے بھیجنا-ج' نمود

---

(۱) ہندوانی رسمیں ہیں لہذا تشبیہ لازم آتی ہے: قال رسول اللہ ﷺ ليس منا من تشبه بغيرنا لا تشبهو باليهود ولا بالنصارى (ترمذی : ۹۹/۲ ط سعید)

(۲) بعض مسلمانوں کی ایجاد ہے لہذا بدعت میں شامل ہوگا: قال النبی ﷺ من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد (صحیح بخاری : ۳۷۱/۱)

(۳) وقد نقل في البزازية اجماع الامة على حرمة هذا الغناء و ضرب القضيب والرقص ...... (رد المحتار : ۲۵۹/٤ سعید)

کے لئے مصنوعی نقرئی وطلائی کھچڑی بھیجنا۔

(جواب) الف' چھٹی کی رسم ہندوؤں کی رسم ہے' مسلمانوں کو شریعت مقدسہ نے ساتویں روز عقیقہ کرنے کا حکم دیا ہے (۱)۔ ب' بطور احسان اور صلہ رحمی کے بھیجنے کا مضائقہ نہ تھا مگر اب تو ایک لازمی رسم قرار دے لی گئی ہے اس لئے قابل ترک ہے۔ ج' ریاو نمود کی غرض سے کوئی کام کرنا اچھا نہیں اور جس فعل کا منشاہی ریا ہو وہ بہر حال واجب الترک ہے۔

(۴) عقیقہ سنت ہے

مہمانداری۔ ڈومنیوں کا ناچ گانا

(جواب) عقیقہ مسنون ہے (سنن زوائد میں سے) لیکن اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ پیدائش کے ساتویں روز اگر میسر ہو تو لڑکے کی طرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا ذبح کیا جائے اور گوشت تقسیم کر دیا جائے (۲) اور اگر مقدرت ہو تو بقدر وسعت مہمانداری کی جائے قرض وام ہرگز نہ لیا جائے۔ ناچ گانا کرانا تو بہر صورت ناجائز ہے۔

(۵) دودھ چھٹائی

دودھ چھٹائی کے موقع پر بعض غلط رسومات

الف' کھجوریں مٹھائی کی دو تین من تقسیم کرنا۔ ب' مہمانداری کرنا۔

(جواب) نظام (یعنی دودھ چھڑانے) کی تقریب اگرچہ مباح ہے مگر مسنون یا مستحب نہیں ہے اور قرض وام لیکر ریاو نمود کی غرض سے رسم کی پابندی لازم جان کر کرنا جائز نہیں ہے مہمانداری کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔(۳)

(۶) بسم اللہ پڑھانا

بچے کو سبق شروع کراتے وقت کی بعض غلط رسومات

الف' مہمانداری کرنا۔ ب' نقرئی دوات قلم سے نقرئی تختی پر لکھوا کر استاد کو دینا۔ ج' شیرینی مع رکابی نام کندہ شدہ تقسیم کرنا۔ د' ڈومنیوں کا ناچ گانا کرانا۔

(جواب) الف' بسم اللہ کی رسم بھی مباح ہے۔ مگر مسنون یا مستحب نہیں اور حیثیت سے زیادہ کرنا یا ریاو نمود

---

(۱) يستحب لمن ولد له ولد أن يسميه يوم اسبوعه و يحلق رأسه و يتصدق عند الائمة الثلاثة بزنة شعره فضة او ذهبا ثم يعق عند الحلق عقيقة اباحة على ما في الجامع المحبوبي او تطوعاً على ما في شرح الطحاوي (رد المحتار : ٦)

(۲) ان رسول الله ﷺ أمرهم عن الغلام شاتان مكافئتان و عن الجارية شاة ..... ترمذى : ۱/ ۲۷۸ ط سعيد)

(۳) عن محمود بن لبيد ان النبي ﷺ ان اخوف ما اخاف عليكم الشرك الاصغر قالوا يا رسول الله ما الشرك الأصغر قال الرياء (مشكوة ۲/ ٤٥٦)

کی غرض سے کرنا یا لازمی رسم قرار دینا جائز نہیں - ب استاد کو نقد بقدر وسعت دیدینا بہتر ہے نقرئی دوات قلم تختی کی رسم ایجاد بندہ ہے اور ناجائز ہے - ج بقدر وسعت کچھ تقسیم کرنا مباح ہے لیکن اگر سد باب کے لئے ان رسموں کو موقوف کردیا جائے تو بہر صورت بہتر ہے -(۱) د ناجائز ہے -

(۷) ختنہ

مسنون ہے، مگر دیگر خرافات سے بچایا جائے

مہمانداری کرنا، ڈومنیوں کا ناچ گانا کرانا - تقسیم شیرینی مع رکابی نام کندہ شدہ

(جواب) ختنہ کرنا تو مسنون اور شعائر اسلام میں داخل ہے لیکن اس کے تمام رسمی لوازم کا حکم وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا (۲)

(۸) گھوڑے چڑھانا

گھوڑی چڑھانے کی رسم بھی خرافات میں داخل ہے

جامع مسجد کو سلام کرانا، گشت کرانا، باجا اور روشنی لے جانا، مہمانداری کرنا، ڈومنیوں کا ناچ گانا کرانا -

(جواب) گھوڑے پر چڑھانے کی رسم ہی غیر شرعی ہے جامع مسجد کو سلام کرانا لایعنی فعل ہے اور گشت کرانا باجا اور روشنی لے جانا ڈومنیوں کا ناچ کرانا، اور اس سلسلے میں مہمانداری کرنا سب ناجائز ہیں -

(۹) روزہ رکھنا

بچوں کو روزہ رکھوانا درست ہے مگر اس میں کسی قسم کا اہتمام نہ ہو

مہمانداری کرنا - روزہ کشائی کرنا - سحری کو گانا بجانا -

(جواب) بچوں کو جب وہ روزہ کے متحمل ہو جائیں روزہ رکھانے کا مضائقہ نہیں (۳) لیکن بہت کم عمر اور ناطاقت بچوں کو محض رسم کی پابندی کر کے روزہ رکھانا ناجائز ہے اور اس سلسلے میں تمام لوازم التزام ما لا یلزم میں داخل ہیں -

(۱۰) سالگرہ

سالگرہ منانے کی رسم

یادگار سال (عمر) کیلئے ڈورے میں گرہ باندھنا - بکرے ذبح کرنا - مہمانداری کرنا

(جواب) سالگرہ منانا کوئی شرعی تقریب نہیں ہے ایک حساب اور تاریخ کی یادگار ہے اس کے لئے یہ تمام

(۱) سد باب کے لئے ان رسموں کو ختم کرنا ہی بہتر ہے (حوالہ گزشتہ رد المحتار : ۶/۴۲۵ ط س)

(۲) والأصل أن الختان سنة كما جاء في الخبر وهو من شعائر الاسلام و خصائصه　الخ (رد المحتار مع الدر : ۶/۷۵۱ ط س)

(۳) وان وجب حزب ابن عشر عليها ببدلا بخشبة لحديث مرو اولادكم بالصلوة وهم ابناء سبع واصربوهم عليها وهم ابناء عشر، قلت والصوم كالصلوة على الصحيح كما في صوم القهستاني معزيا للزاهدي و في حضر الاختيار انه يؤمر بالصوم والصلوة و ينهى عن شرب الخمر ليألف الخير و يترك الشر (الدر المختار مع رد المحتار ۱/۳۵۳ ط سعيد)

فضولیات محض عبث اور التزام ما لا یلزم میں داخل ہیں (۱)

(۱۱) منگنی

منگنی کے بعد کی بعض غلط رسومات

مہمانداری کرنا۔ تقسیم شیرینی کرنا۔ بعد ازاں شادی تک لین دین کرنا۔ عید بقر عید محرم وغیرہ پر ترکاری مٹھائی وغیرہ بھیجنا اور دیگر تحائف بھیجنا۔ مٹھائی کے کونڈے بھیجنا شب برات پر آتش بازی بھیجنا۔ غرض ایسا لین دین کرنا کہ شادی کے موافق خرچ ہو جائے۔

(جواب) منگنی (خطبہ) رشتہ قائم کرنے کا نام ہے (۲) اس میں بھی بڑی حد تک اسراف اور رسم کی پابندی کی وجہ سے زیر باری ہو جاتی ہے اس لئے اصلاحاً اس لین دین کا ترک بھی مناسب ہے جو منگنی اور شادی کے درمیانی زمانہ میں محض رسم کی بناء پر مروج ہے۔ آتش بازی بھیجنا تو کسی طرح جائز نہیں۔

(۱۲) مائیوں (۳) بٹھانا

شادی کے موقع پر مائیوں بٹھانے کی رسم

الف کھیل بتاشے یا دیگر اشیاء سے گود بھرنا۔ ب سمدھیانے پینڈیاں بھیجنا۔ ج تیل برتن آئینہ بھیجنا۔ د اوبٹنا ایک دوسرے پر ملنا۔ ہ سات سہاگن کا اوبٹنا دولہن کے ہاتھ پر رکھنا۔ و مستورات کا جمع ہونا۔ ز ڈومنیوں کا ناچ گانا کرانا

(جواب) لڑکی کو شادی کے قابل بنانے کے لئے کچھ دنوں علیحدہ بٹھانے کی ضرورت ہو تو مضائقہ نہیں مگر یہ کوئی تقریب نہیں ہے اس لئے تمام رسوم مذکورہ میں سے کوئی لازم نہیں۔ اصلاحاً ترک کئے جائیں اور پابندی رسم یا ریاؤ نمود یا حیثیت سے زیادہ بھیجنے کی حالت میں ناجائز ہو جاتے ہیں اوبٹنا ملنے کی رسم نہایت فضول اور بد تہذیبی اور گناہ ہے کیونکہ اس میں محرم اور غیر محرم کی تمیز نہیں کی جا سکتی دلہن کے ہاتھ پر اوبٹنا رکھنا ہندوانی رسم ہے۔

---

(۱) قال ابن المنیر فیہ ان المندوبات قد تنقلب مکروھات اذا رفعت عن رتبتھا لأن التیامن مستحب فی کل شئ ای من امور العبادۃ لکن لما خشی ابن مسعود ان یعتقد وجوبہ اشار الی کراھتہ واللہ اعلم (فتح الباری ۲/۲۸۱ ط مصر)

(۲) خطبہ کے معنی دراصل رشتہ طلب کرنا ہیں۔ اردو محاورے میں اس کو پیغام بھیجنا یا بات ڈالنا یا بات بھیجنا کہتے ہیں جب رشتہ لڑکی والے منظور کر لیتے ہیں تو اعزہ و احباب کا ایک اجتماع کیا جاتا ہے اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ چند آدمیوں کی موجودگی میں بات پکی ہو جائے مہر وغیرہ ضروری اور اہم معاملات سب کے سامنے اور سب کے مشورے سے طے ہو جائیں اس کو منگنی کی رسم کہتے ہیں۔ (واصف)

(۳) مائیوں بٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ شادی سے چند روز پہلے دلہن کو ایک جگہ میں بٹھاتے ہیں جہاں اس کے ہم جنسوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوتا اور دلہن نہ باہر نکل سکتی ہے نہ کسی سے بات کر سکتی ہے یہ رسم ناجائز ہونے کے علاوہ خلاف عقل بھی ہے کسی انسان کو اٹھنے بیٹھنے اور باتوں وغیرہ سے منع کرنا اس کو حیوان بلکہ جماد بنا دینا ہے اور شرعی طور پر اس میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ جب مائیوں بٹھا دی جاتی ہے تو نماز کا کوئی اہتمام نہیں کرتی اس لئے یہ رسم ناجائز ہے (ملخص از فیروز اللغات و اشرف الجواب)

(۱۳) ساچق
ساچق (۱) کی رسم ہندوانی ہے اور دیگر خرافات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے واجب الترک ہے
الف' مٹی کی ٹھلیاں رنگوا کر بھیجنا اور اس کی مزدوری کا زیربار کرنا- ب' چڑھاوے جوڑے اور زیور حیثیت سے زیادہ بھیجنا- ج' سہاگ پوڑا اور چنگیر میں پھول بھیجنا- د' پینڈیاں تین چار سو تک بھیجنا- ہ' جوڑے اور مہندی دولہن کے لئے بھیجنا- و' عورتوں کا جمع ہونا- ز' برادری کو کھانا کھلانا- ح' نائی کو نقد دینا-
(جواب) الف' یہ بھی شرعی طریقہ نہیں ہندوؤں کی رسم سے ماخوذ ہے- ب' حیثیت سے زیادہ بھیجنا بہر حال قابل انسداد ہے- ج' یہ سب غیر شرعی رسوم ہیں- د' یہ بھی التزام مالایلزم ہے اور قابل ترک ہے- ہ' التزام مالایلزم ہے- و' موجب مفاسد کثیرہ ہے- ز' حیثیت سے زیادہ یا لازم سمجھ کر کرنا مذموم ہے- ح' بقدر اجرت عمل دینا جائز اور ریاؤ نمود یا پابندی رسم کی بناء پر دینا ناجائز ہے-

(۱۴) بری
بری کی رسم بھی بری ہے
نقل اور میوہ چار پانچ من تک سب کود کھا کر سمدھیانے بھیجنا-
(جواب) یہ بری کی رسم بھی مثل ساچق کے غیر شرعی ہے- ریاؤ نمود مقصود ہوتا ہے اس لئے ناجائز ہے-

(۱۵) برات
شادی کے دن بارات کی رسم
باجا اور روشنی آرائش کے ساتھ لے جانا- آتش بازی چھوڑنا- زیادہ تعداد میں براتیوں کو نام کے لئے لے جانا اور ریل گاڑیوں موٹروں رتھوں کے کرایہ کا زیربار ہونا- مستورات کا سمدھیانے ڈولیوں بگھیوں میں جانا اور کرایہ کا زیربار ہونا- اترتے چڑھتے جہاں پردے کا انتظام نہ ہو وہاں بے پردگی کا ہونا- بھانڈوں اور رنڈیوں کا ناچ گانا-

(جواب) (۲) باجا اور حاجت سے زیادہ روشنی' آتش بازی- ریاؤ سمعہ کے لئے زیادہ مجمع کی کوشش کرنا' یہ سب ناجائز ہے' رشتہ داروں اور مخصوص دوستوں کا مجمع ہو اور سنت کے طریقے پر چلے جائیں اور آرائش و نمائش کو ترک کردیں- ناچ گانا بہر حال ناجائز و حرام ہے (۳)

(۱) ساچق کی رسم برات سے ایک روز پہلے کی رسم ہے جس میں دولہا کے ہاں سے دلہن کے لئے مٹھائی نقل' مصری' میوہ کی ٹھلیاں سہاگ پڑا مہندی تیل اور جوڑے وغیرہ بھیجے جاتے ہیں یہ سب جاہلانہ رسمیں ہیں (فیروز للغات : ۷۶۲)
(۲) بارات کی رسم دراصل ہندوؤں کی ایجاد ہے چونکہ پہلے زمانے میں امن نہ تھا دلہن کی حفاظت کے لئے ایک جماعت کی ضرورت تھی اور اس وجہ سے ہر گھر سے ایک آدمی لیا جاتا تھا کہ اگر اتفاق سے کوئی بات پیش آجائے تو ایک گھر میں ایک ہی بیوہ ہو اور اب تو امن کا زمانہ ہے اب اس جماعت کی کیا ضرورت ہے اور اب تو اس میں دیگر خرابیاں بھی آگئیں ہیں جن کی وجہ سے برات کو منع کیا جاتا ہے اور میں (مولانا اشرف علی تھانوی) جو پہلے ان براتوں میں جایا کرتا تھا جب تک میری سمجھ میں یہ خرابیاں نہ آئی تھیں اب میں ان رسومات کو بالکل حرام سمجھتا ہوں (اشرف الجواب: ۱۰۳'۱۰۵' ط ملتان)
(۳) (حوالہ گزشتہ رد المحتار مع الدر : ۴۲۵/۶ ط سعید)

(۱۶) تقرر تاریخ نکاح

تقرر تاریخ نکاح کے موقع پر بعض غلط رسومات

الف' نائی کے ہاتھ خط تاریخ شادی سرخ گوٹہ دار بھیجنا-ب' مشورہ تاریخ کے لئے مرد عورت کنبہ والوں کا جمع ہونا-ج' دوخوان شکرانے کے تیار کر کے نائی اور ڈومنی کو کھلانا-د' نائی کو جوڑا اور نقد روپیہ دیکر رخصت کرنا-ہ' نائی کا جوڑا دلہن کے گھر میں مستورات کو دکھانا-

(جواب) الف' سرخ خط کا التزام درست نہیں- تاریخ کی اطلاع ضروری ہے - ب' کنبہ کا اجتماع بلا ضرورت بطور رسم کے درست نہیں-ج' یہ بھی التزام مالا یلزم ہونے کی بناء پر قابل ترک ہے-د' اسی طرح یہ بھی-ہاں اس کے کام کی اجرت کے بقدر دینا جائز ہے-ہ' ریاؤ سمعہ کے طور پر ہوتا ہے اس لئے دکھانا ناجائز ہے(۱)

(۱۷) تیاری نکاح

تیاری نکاح کے وقت کی بعض رسومات

الف' کنبہ والوں کا جمع ہونا-ب' کھانا کھلانا-ج' مستورات کی ڈولیوں کا کرایہ دینا-

(جواب) الف-بقدر حاجت وضرورت اجتماع کا مضائقہ نہیں-ب' ضروری مہمانوں کو کھانا کھلانے میں حرج نہیں(۲)-ج' مستورات کا زیادہ اجتماع اچھا نہیں- قریبی رشتہ دار آئیں تو کرایہ کا مضائقہ نہیں-

(۱۸) بعد نکاح

نکاح کے بعد کی رسمیں

الف' چھواروں کا تقسیم کرنا-ب' مٹھائی مع رومال وتشتری تقسیم کر کے زیربار ہونا-ج' نائی کو باربار کثیر رقم دینا-د' کمینوں کا حق لینا دینا-ہ' شربت کا نیگ دینا-و' شربت پلانا-ز' دولہا پر سے نچھاور کرنا-ح' بہنوئیوں کو سہرے کا نیگ دینا-ط' سہرا بھیجنا-ی' نائی کو چوٹی سہرے کا حق دینا-

(جواب) الف' جائز ہے(۳)-ب' اگر وسعت ہو اور ریا مقصود نہ ہو تو خیر مباح ہے مگر حیثیت سے زیادہ کر کے زیربار ہونا ناجائز ہے-ج' بس وہی بقدر عمل اجرت دینا جائز ہے اور بطور پابندی رسم کے دینا ناجائز ہے-

---

(۱) (حواله گزشته رد المحتار مع الدر : ۶/۴۲۵ ط سعید)

(۲) لا ینبغی التخلف عن اجابة الدعوة العامة کدعوة العرس والختان ونحوهما ... (هندیه: ۵/۳۴۳ ط کوئٹه)

(۳) چھوارے تقسیم کرنا اگرچہ جائز اور مباح ہے لیکن آج کل خاص طور پر چھواروں کو ضروری سمجھنا اور خاص اسی کا اہتمام کرنا اور بعض دوسری غلط رسومات کی وجہ سے ان کو تقسیم نہیں کرنا چاہئے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ایسے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں ایسے جزئی پر عمل کرنا کچھ ضروری نہیں اگرچہ ایسا لوٹنا درست ہو مگر یہ روایت چنداں معتبر نہیں اور اس کے فعل سے اکثر چوٹ آجاتی ہے اگر مسجد میں نکاح ہو تو بے تعظیمی بھی ہوتی ہے اور اس روایت کو لوگوں نے ضعیف لکھا ہے-(فتاوی رشیدیہ :۲۶۶ط سعید)اور مولانا اشرف علی تھانوی نے اسلامی شادی نامی کتاب میں چھواروں کی تقسیم کے منع کو ترجیح دی ہے اور اس روایت کو ضعیف کہا ہے-

د:بقدر اجرت عمل کے دینا جائز ہے- ہ سے ی تک بطور پابندی رسم کے سب ناجائز ہیں اور واجب الترک ہیں - سہرا ہندوانی رسم ہے انہیں سے لی گئی ہے وہ تاروں کا بناتے ہیں مسلمانوں نے پھولوں کا بنانا شروع کر دیا ہے مگر رسم انہیں کی ہے اور قابل ترک ہے(۱)

(۱۹) سلامی دینا

دولہے کو سلامی دینے کی رسم صحیح نہیں

الف: دولہا کو بروقت سلام کرنے کے سو پچاس روپے سے لیکر ہزار روپے تک یا اس سے زیادہ نقد دینا- ب: خلعت پارچہ دینا-

(جواب) دونوں کام التزام مالا یلزم اور پابندی رسم کی وجہ سے ناجائز ہیں(۲)

(۲۰) منہ دکھائی

منہ دکھائی کی رسم بھی درست نہیں

الف: دولہن کا منہ دیکھ کر کچھ نقدی دینا- ب: ایسے کنبہ کے مردوں کا بھی منہ دیکھ لینا جن سے شرعاً پردہ جائز ہے-

(جواب) الف- اس کا بھی وہی حکم ہے- ب: یہ قطعاً ناجائز ہے-

(۲۱) آرسی مصحف

آرسی مصحف کی رسم غلط ہے

الف: آئینہ میں دولہن کا منہ دولہا کو دکھانا- ب: نچھاور کرنا ج: ڈومنیوں کا ناچ گانا- د: مستورات کا بے حجاب دولہا کے سامنے آنا-

(جواب) الف: ب: نہایت فضول رسمیں ہیں- ج: د: دونوں ناجائز اور واجب الترک ہیں-

(۲۲) جہیز

جہیز بقدر حیثیت دینا چاہئے

الف: حیثیت سے زیادہ نام کے لئے دینا- ب: جہیز کا بازار میں گشت کرانا- ج: بلا ضرورت بہت سے مزدوروں کی مزدوری دینا-

---

(۱) اس میں ہندوؤں کے ساتھ مکمل مشابہت ہوتی ہے لہذا ترک ضروری ہے قال النبی ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم (مشکوۃ ۱/ ۲۷)

(۲) قال النبی ﷺ من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد (مشکوۃ: ۱/ ۲۷)

(جواب) الف بقدر حیثیت جہیز دینا چاہئیے(۱) حیثیت سے زیادہ دینا ناجائز ہے - ب شہرت و نمود کے لئے کیا جاتا ہے اس لئے ناجائز ہے - ج یہ بھی فضول ہے ایک روپیہ کی جگہ پانچ روپے خرچ کرنا اسراف ہے -

(۲۳) ولیمہ
ولیمہ کی دعوت اپنی حیثیت کے مطابق ہونی چاہئیے

الف برادری کا کھانا حیثیت سے زیادہ دینا - ب قرض لیکر دعوت کرنا - ج نام و نمود کے لئے اسراف کرنا -

(جواب) حیثیت سے زیادہ اور نام و نمود کے لئے کرنا اور زیربار ہونا ناجائز ہے(۲)

(۲۴) چوتھی
چوتھی کی رسم ناجائز ہے

الف مہمانداری - ب مستورات کے سدھیانے لے جانے کا خرچ - ج دعوت - د ترکاری سدھیانے بھیجنا - ہ ترکاری ایک دوسرے کے مارنا - و ترکاری مارتے وقت دولہا سے کچھ لحاظ نہ رکھنا -

(جواب) چوتھی کی رسم مع اپنے تمام لوازم کے ناجائز ہے - (۳)

(۲۵) چالا(۴) کرنا
چالے کی رسم بھی صحیح نہیں

الف دولہا دلہن کو بلا کر دعوت کرنا - ب کنبہ کے اور لوگوں کو بھی شریک کرنا - ج روپیہ زیور پارچہ دیکر رخصت کرنا -

(جواب) مروجہ چالے بطور رسم کے کرنے ناجائز ہیں -

(۲۶) بعد شادی
شادی کے بعد کی رسمیں

رسما ایسا لین دین رکھنا جس سے ہمیشہ زیرباری ہوتی رہے -

(جواب) یہ بھی حیثیت کے موافق ہو تو مضائقہ نہیں - حیثیت سے زیادہ کرنا اور زیربار ہونا ناجائز ہے -

---

(۱) عن عمر بن الخطاب قال الا لا تغالوا فی صدقة النساء (مشکوۃ : ۱/ ۲۷۷)

(۲) اعلم ان اخلاص العبادة لله تعالی واجب والریا فیها حرام بالا جماع للنصوص القطعیة وقد سمی علیه الصلوۃ والسلام الشرك الا صغر (رد المحتار مع الدر: ۶/ ۴۲۵ ط س)

(۳) یہ رسم ریا و نمود بے پردگی اور التزام ما لا یلزم کی وجہ سے ناجائز ہے -

(۴) چالا یہ رسم ہے کہ نئی دلہن کا سسرال سے شادی کے بعد اول چار بار میکے جانا

(۲۷) مروّلی

آدمی کے مرجانے کے موقع پر بعض غلط رسومات

الف' تجہیز و تکفین - ب' مہمانداری کرنی جس میں مستورات لباس فاخرہ پہن کر آتی ہیں - ج' پھول (سوئم) کرنا اور اس میں عزیزو اقارب کا جمع ہو نا کھانا کھلانا د' زیور مکان فروخت کر کے یا قرض لیکر رسم ادا کرنا اور اس کا لحاظ نہ رکھنا کہ ورثہ میں نابالغ بھی حقدار ہیں - ہ' سوئم' چہلم' برسی وغیرہ پر مہمانداری کرنا اور کھانا کھلانا -

خاکسار عاصی مرزا محمد ایوب' دہلی

(جواب) الف' تجہیز و تکفین اوسط درجے کی مردہ کے ترکہ میں سے ہونی چاہئیے -(۱) ب' غمی کی مہمانداری جیسی کہ مروج ہے واجب الترک ہے(۲)- ج' یہ بھی پابندی رسم کی خاطر کرنا ناجائز ہے - د' ناجائز - ہ' ایصال ثواب جائز بلکہ مستحسن ہے(۳)- جس کی شرعی حیثیت صرف اس قدر ہے کہ جو کچھ میسر ہو خدا کے واسطے صدقہ کردو اور اس کا ثواب میت کو بخش دو - اس میں شریعت نے نہ کوئی خاص تاریخ مقرر کی ہے نہ کوئی خاص شے - مقررہ تاریخوں کو ایصال ثواب کے لئے ضروری یا موثر یا زیادہ مفید سمجھنا درست نہیں ہے -

محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ' دہلی

گزشتہ غلط رسومات کے فتویٰ پر علماء کی تصدیقات :

(۱) اصاب من اجاب - محمد عبداللہ صدر مدرس مدرسہ اشرفیہ دہلی -(۲) نورالحسن عفی عنہ صدر مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی (۳) سب جوابات صحیح ہیں اور ان کی پابندی کرنا دین و دنیا کے لئے نہایت مفید ہے - بندہ محمد میاں عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی (۴) شفاعت اللہ عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی (۵) وحید حسین عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (۶) ایصال ثواب مستحسن اور اولیٰ ہے قیود غیر مشروعہ سے پرہیز لازم ہے - محمد عبدالغفور دہلوی مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (۷) بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (۸) خدا بخش عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (۹) جواب سب صحیح ہیں - محمد شفیع عفی عنہ صدر مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی (۱۰) محبوب الٰہی غفر لہ مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی (۱۱) میں نے سوالات و جوابات کو نہایت غور سے دیکھا ہے جناب مفتی صاحب نے جو جوابات دیئے ہیں وہ تمام صحیح ہیں خادم العلماء سلطان محمود صدر مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی (۱۲) ذلك الكتاب لا ريب فيه - حررہ محمد صدیق دیوبندی مدرس دوم مدرسہ فتح پوری دہلی (۱۳) جس قدر جوابات مولانا محمد کفایت اللہ صاحب نے تحریر فرمائے ہیں وہ سب درست قابل قبول ہیں کوئی اگر تسلیم نہیں کرے گا تو وہ دارین میں رسوا و ذلیل

---

(۱) يبدؤ من تركة الميت . بتجهيز د يعم التكفين من غير تفتير ولا تبذير (التنوير و شرحه: ۶/۷۵۹ ط س)

(۲) يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور (رد المحتار مع الدر : ۲/۲۴۰ ط سعيد)

(۳) حرج علمائنا في باب الحج عن الغير بأن للانسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة او صوماً أو صدقة أو غيرها كذافي الهداية (رد المحتار مع الدر : ۲/۲۴۳)

ہونے کے لئے تیار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ محمد اکمل عفی عنہ مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی (۱۴) محمد عبد القادر عفی عنہ مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی (۱۵) عبد الرزاق مدرسہ فتح پوری (۱۶) اس احقر نے بھی تمامی سوالات وجوابات کو بنظر تعمق پڑھا جملہ جوابات صحیح ہیں یہ رسومات ناروا قابل تغییر ہیں حتی المقدور ہر مسلمان پر ان کی تغییر حسب ارشاد نبی کریم ﷺ من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلك اضعف الایمان واجب ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ ولادت نکاح موت کے موقعوں پر خود رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طرز عمل نہایت صاف اور سیدھا بلا تکلف تھا حبیب خدا ﷺ سے زیادہ خدا تعالیٰ کے بعد کون صحابہ کرام کے لئے پیارا تھا۔ مگر حال یہ کہ بعضے نکاح کرتے ہیں مگر رسول خدا ﷺ کو خبر تک نہیں کرتے اور حضور بعد میں مطلع ہوتے ہیں آج مسلمانوں نے بیاہ وغیرہ کی رسومات کو جو کہ معصیات پر مبنی ہیں فرائض وواجبات پر ترجیح دے رکھی ہے چنانچہ ان کے اہتمام میں نمازوں کا جانا اور آنکھوں اور کانوں کا زنا میں مبتلا ہونا وقوع میں آتا رہتا ہے خدا تعالیٰ مصلحین کو اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط۔ ولایت احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری دہلی۔ (۱۷) بیشک رسومات مذکورہ میں سے اکثر تو ایسی رسمیں ہیں جو ممنوعات شرعیہ میں داخل ہیں اور جن کا ترک لازم ہے اور بعض رسوم مثلاً اہل برادری کو ہدیۃً خوشی کے مواقع میں مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا یا ان کا اجتماع اپنے مکان پر کرنا فقط اس لئے کہ ازدیاد محبت کا باعث یا بطریق صلہ رحمی وہدیۃً زوجین یا ان کے متعلقین میں سے کسی کو کچھ دینا یا اپنے خدام سے کسی کو بطریق انعام واحسان کچھ دینا یا اہل برادری کی دعوت کرنا یا دولہا کو پھول پہنانا یا کسی جائز کام کے لئے بلا سود کے قرض لینا۔ یا سوم وچہلم وغیرہ کرنا۔ یہ سب امور اگرچہ فی نفسہ مباح ہیں۔ آدمی اظہار شکر کی غرض سے یا اپنے متعلقین کے ساتھ احسان کرنے کے اپنی حیثیت کے موافق اگر ان افعال کو کرنا چاہے تو کر سکتا ہے لیکن اگر ان افعال سے محض تفاخر مقصود ہو یا اہل برادری کے طعن کا خوف ہو جیسا کہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ باوجودیکہ مقدرت نہیں رکھتے لیکن صرف نام کی خاطر اس قدر نقصان برداشت کرتے ہیں جس کی تلافی برسوں نہیں کر سکتے یہاں تک کہ بہت سے خاندان انہیں بے اعتدالیوں کی بدولت تباہ وبرباد ہو چکے ہیں پس ایسی صورت میں چونکہ تفاخر مذموم کا ارادہ ان افعال کے ساتھ لاحق ہو گیا اس لئے ان افعال سے بھی ممانعت کی جائے گی میرے نزدیک مقدرت والے اصحاب کو بھی چاہئے کہ وہ اگر اپنے متعلقین کے ساتھ کچھ احسان وسلوک کرنا چاہیں تو اس طرح کریں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور ان کے نکاح وغیرہ کی تقریبیں اس طرح سادگی کے ساتھ انجام پائیں کہ اکثر غربا انہیں تقریبوں کے ساتھ اپنی تقاریب کا موازنہ کریں تو بہت زیادہ فرق نہ پائیں۔ محمد مظہر اللہ غفرلہ امام مسجد فتح پوری دہلی (۱۸) الجواب صحیح محمد کرامت اللہ غفرلہ بازہ ہندو راؤ دہلی (۱۹) مولانا مظہر اللہ کی تحریر سے مجھے بھی اتفاق ہے محمد عبد الصمد عفی عنہ (پیر جی) کوچہ پنڈت دہلی (۲۰) محمد شرف الحق محلہ چوڑیوالان دہلی (۲۱) محمد حبیب الرحمن محلہ چوڑیوالان دہلی (۲۲) اس اولعزم وذی شان تحریک سے انتادل

ضروری ہوا کہ اگر اس پر مسلمانوں نے توجہ مبذول فرمائی تو پھر ان کی دنیا اور ان کا دین دونوں درست ہو جائیں گے اس لحاظ سے رسومات کفار سے بچ کر **من تشبہ بقوم فھو منھم** سے یکسو ہو جائیں گے اور اپنے ہادی اور اپنے پیشوا کے قاعدہ اربن کر جہاں بھر کے لئے صحابہ کرام کا نمونہ بن جائیں گے تیز دین اور دنیاوی بہبودی کی مرکز اعظم پر آجائیں گے جو مسلمانوں کی انتہائے معراج ہے انشاء اللہ وہ میسر ہو گی فقط محمد اسحاق عفی عنہ بازار مٹیا محل دہلی (۲۳) صورت مسئولہ میں جس قدر رسوم ہندوانہ ہیں سب ناجائز ہیں مسلمانوں کو ان سے پرہیز کرنا لازم ہے اور جو آپس کے سلوک اور دعوتیں اور لین دین مطابق شرع کے ہوں اس کے کرنے میں حرج نہیں دعوۃ الختان جائز ہے مثل دعوۃ عقیقہ کے - لیکن اور لوازمات جو شرع کے خلاف ہیں گھوڑے کی سواری - مساجد کا سلام - ناچ - باجہ اور مہمالات جو کچھ ہیں وہ ناجائز ہیں قبل شادی کے جانبین سے تحفہ تحائف اور دولہا کی طرف سے زیور و کپڑا دولہن کو دیا جانے درست ہے لیکن ایسے رسومات منگنی میں جو ہندوؤں کے مشابہ ہیں یا اس کے لزوم سے زیرباری مسلمانوں کو ہے یا اس پر عمل نہ کرنے سے منگنی چھوٹ جاتی ہے نکاح میں نقصان ہوتا ہے یہ سب ناجائز ہیں الحاصل جو رسومات کفار مشرکین کی ہیں یا ان کا لزوم شریعت سے ثابت نہیں کل ناجائز ہیں - **قال النبی ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم وقال النبی ﷺ من احدث فی امرنا ما لیس منہ فھورد - متفق علیہ** - حررہ احمد اللہ صدر مدرس دارالحدیث رحمانیہ دہلی ۱۹ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ (۲۴) عبدالرحمن عفی عنہ مدرس مدرسہ رحمانیہ دہلی (۲۵) عبداللطیف مدرس مدرسہ رحمانیہ دہلی (۲۶) عبدالغفور مدرس مدرسہ رحمانیہ دہلی (۲۷) جمال الدین صدر مدرس مدرسہ نصرۃ الاسلام باڑہ ہندوراؤ دہلی (۲۸) حمدہ و نصلی سوال مذکور کے جوابات **تفصیلی اور غیر تفصیلی** سے خاکسار کو اتفاق ہے اس نازک دور میں جوابات پر عمل کرنا موجب حصول فلاح دارین ہے اور اس کی مخالفت باعث خسران دارین ہے - حررہ محمد عبدالغنی سابق مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی (۲۹) بندہ عبدالعلی غفرلہ امام کالاں مسجد دہلی (۳۰) جو رسوم جاہلیت اور کفار کی ہیں اور جو چھٹنے میں یا نکاح میں یا مرنے میں ان سب کو مٹانا فرض ہے جس طرح شریعت بتلائے اسی طرح کرنا چاہئے عبدالرحمن عفی عنہ مدرس مدرسہ حاجی علی جان دہلی (۳۱) محمد عثمان علی عفی عنہ مقیم مسجد رمضان شاہ پھاٹک حبش خاں دہلی (۳۲) صورت مرقومہ میں واضح ہو کہ جوابات نہایت صحیح و مدلل ہیں - ہر ایک انسان کو ان کے اوپر عمل در آمد کرنا واجب اور باعث فلاح ہے اور اس سے خلاف کرنا باعث بربادی و ناراضگی خدا اور رسول ﷺ ہے واللہ اعلم سید ابوالحسن عفی عنہ (۳۳) **ھو الموفق** میں نے جوابات مذکورہ پڑھے جناب مفتی صاحب نے خلاصہ لکھ دیا ہے جن امور کو ناجائز لکھا ہے واقعی ناجائز ہیں صاحب موصوف نے تفصیل نہیں کی کہ بعض امور ان میں سے بہت ہی سخت ناجائز حرام ہیں جیسے اسراف بے پردگی وغیرہ - جناب مستفتی صاحب کو جلدی ہے ورنہ میں تفصیل لکھ دیتا - فقط ابو سعید محمد شرف الدین صدر مدرس مدرسہ میاں صاحب مرحوم دہلوی (۳۴) سوال میں جن امور کا ذکر کیا گیا ہے جز چند باتوں کے اکثر خرافات و رسوم ہندوانی ہیں جن کا ترک مسلمانوں پر واجب ہے نبی ﷺ نے تنبیہ

الوداع میں فرمایا تھا کہ کل رسوم جاہلیت اسلام میں ناجائز ہیں لہذا مسلمانوں کو ان امور کی اصلاح کر کے کتاب وسنت کے مطابق عمل درآمد کرنا چاہئیے ورنہ دین ودنیا دونوں برباد ہو جائیں گے واللہ اعلم - محمد یوسف قریشی عفی عنہ مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب مرحوم دہلی (۳۵) عبدالرشید عفی عنہ مدرس مدرسہ سبل السلام دہلی (۳۶) ابوالحسنات محمد احمد میر عفی عنہ مدرسہ دارالعلوم والتصوف زیر جامع مسجد دہلی (۳۷) رسومات غیر مشروعہ اور برباد کن کو ضرور ترک کرنا چاہئیے فقط سید احمد امام جامع مسجد دہلی ۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء (۳۸) محمد اسحاق عفی عنہ مدرس مدرسہ حسینیہ دہلی (۳۹) جوابات سب بالکل قرآن وحدیث کے موافق اور اس قسم کے منکرات کے ازالہ کی سعی ہاتھ سے ہو یا قلم وقدم سے موجب اجر اخروی ہے خدا تعالیٰ سب کو عمل کی توفیق دے اشفاق الرحمن کاتب دہلوی مقیم چتلی قبر دہلی (۴۰) کوئی شبہ نہیں کہ رسوم مروجہ مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی تباہی کا باعث ہو رہی ہیں افسوس کہ مسلمان اصول شرع سے واقف ہوتے ہوئے بھی اپنی جاہلانہ رسوم کو ترک نہیں کرتے اور باپ دادا کی رسموں کو شرعی زد سے خارج سمجھ کر خود بھی برباد ہوتے اور آئندہ نسلوں کے لئے بربادی کا نمونہ چھوڑتے چلے جاتے ہیں ان رسوم کے خلاف قلمے قدمے دامے درمے کوشش کرنا بہت بڑا جہاد ہے علمائے کرام نے جو کچھ تحریر فرمایا عین حق وصواب ہے حررہ مشتاق احمد عفی عنہ مقیم دہلی (۴۱) نبی ﷺ کی بعثت کے اغراض میں سے ایک اہم غرض لوگوں کی آبائی رسوم اور ملکی وقومی بدترین پابندیوں سے چھڑانا بھی تھا قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا زمانہ جاہلیت کی تمام رسوم میں نے منہدم کر دیں حمل، وضع حمل، منگنی، شادی، موت، میت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی ہوتے تھے مگر ان تمام رسومات کا نام ونشان بھی نہ تھا- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے- یا یھا الذین امنو الا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ- ایماندارو! خدا و رسول سے آگے نہ بڑھو- پس ان تمام ہندوانی رسوم اور آبائی طریقوں سے جو قطعاً خلاف شرع اور موجب ناراضگی رب ہیں احتراز کرنا چاہئیے ان میں سے اکثر امور حرام محض ہیں بعض ناجائز اور سخت گناہ ہیں سوالات میں بعد از نکاح تقسیم چھواروں کے علاوہ باقی کل رسمیں ناجائز ہیں سچا مسلمان وہ ہے جو ان خلاف شرع رسوم کو چھوڑ کر اپنے کل مرنے جینے بیٹھنے اٹھنے شادی بیاہ موت میت وغیرہ میں سنت رسول اللہ ﷺ کا تابعدار رہے اور تمام بدعتوں سے دور رہے بدعتی شخص کی تو کوئی عبادت قبول نہیں اللہ مسلمانوں کو سمجھ دے اور وہ ان رسومات کو ترک کر کے خدا کے پیارے اور دنیا میں عزت والے بن جائیں- الراقم محمد بن ابراہیم مدرس مدرسہ محمدیہ وایڈیٹر اخبار محمدی- اجمیری دروازہ دہلی (۴۲) جو علمائے کرام ذوی الاحترام نے تحریر فرمایا ہے بجا اور درست ہے یقال لہ ابراہیم دہلوی (۴۳) مجھ کو علماء کی رائے سے اتفاق ہے فقیر محمد شفیع واعظ اسلام اناوی مقیم دہلی (۴۴) بلاشک وشبہ رسوم خلاف شرع اور باعث نقصان دین ودنیا ہیں ان کو ترک کرنا چاہئیے محمد سورتی حسینیہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ صدر مدرس جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی (۴۵) قد اصاب المجیب- عبدالغنی مدرس جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی (۴۶) ان

تمام رسوم کو اسلام اور شریعت، سنت تو کسی طرح جائز کہہ ہی نہیں سکتی یہ مراتب تو بہت بالاتر ہیں عقل انسان کو بھی ان سے سخت نفرت ہے اور یہ تمام بلائیں اسلام کی تعلیم کو چھوڑ کر سلف صالحین کے طریقے سے منہ موڑ کر سراسر کفار سے لی گئی ہیں اور نوے فیصد رسوم تو بالکل ہنود کی ہیں جو گناہ کبیرہ کی حد سے گزر کر کفر تک نوبت پہنچانے اور دین و دنیا دونوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہوتی ہیں۔ اس پر بھی مسلمانوں نے ان کو نہ چھوڑا تو خدانخواستہ یہ سمجھا جائے گا کہ ان کے دلوں پر مہر ہوگئی خدا عمل کی توفیق دے مجیب مصیب نے سب جواب صحیح لکھے ہیں۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء محمد شرف الدین ٹونکی (۴۷) مراسم کو داخل اسلام سمجھنا اور جزو دین قرار دینا سب سے زیادہ مکروہ فعل ہے صحابہ اور اہل بیت کا اتباع کافی ہے اسلام کی کمزوری کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ مراسم کو جزو اسلام قرار دیکر عام مسلمان تباہی میں ایسے مبتلا ہوئے کہ نکلنا دشوار ہوگیا اگر آج عام مسلمان اتباع صحابہ اختیار کریں اور سادہ زندگی بسر کرنا شروع کردیں تو کل اسلام کو ہندوستان میں وہی تفوق حاصل ہوجائے گی جو آج سے ہزار سال پہلے تھا فقط حررہ محمد ابوالحسن حقانی عفی عنہ (۴۸) مولانا کفایت اللہ صاحب نے جس تفصیل سے جوابات لکھے ہیں تمام صحیح ہیں خدا مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ ان تمام تباہ کن رسوم سے بچیں اور صحیح معنوں میں مسلمان ہوں۔ محمد عرفان (۴۹) بندہ احمد سعید واعظ دہلوی ناظم جمعیۃ علمائے ہند (۵۰) احمد علی واعظ عفی عنہ جھجروی ثم الدہلوی (۵۱) مولوی کفایت اللہ صاحب نے جو جوابات لکھے ہیں درست ہیں۔ احقر ضمیر الدین احمد عفی عنہ (نواب مرزا آف لوہارو) دہلوی (۵۲) مسیح الزمان کیرانوی (۵۳) عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی دار العلوم دیوبند ۱۵ جمادی الآخر ۱۳۴۵ھ (۵۴) محمد شفیع عفا اللہ عنہ (۵۵) محمد انور عفا اللہ عنہ (۵۶) عتیق الرحمٰن عثمانی معین مفتی دار العلوم دیوبند۔ محمد اعزاز علی غفر لہ

دس محرم کو شربت پلانا، کھچڑا پکانا، نیا کپڑا پہننا اور سرمہ لگانا بدعت اور بے اصل ہیں

(سوال) زید کہتا ہے کہ شربت پلانا، کھچڑہ پکانا، نیا کپڑا پہننا، آنکھوں میں سرمہ لگانا یہ سب سنت ہے کھچڑا اس وجہ سے سنت ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کوہ جودی پر جاکر لگی تو کشتی سے اتر کر کھچڑا پکایا یہی دن عشرہ محرم کا تھا۔ المستفتی نمبر ۳۴۹ سید حاکم علی شاہ (میرٹھ) ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ

(جواب) کھچڑا پکانے کی کوئی سند نہیں یہ بالکل بے اصل ہے البتہ عاشورا کے دن روزہ رکھنا اور اپنے اہل و عیال پر رزق یعنی کھانے پینے کی اس روز فراخی کرنا مسنون ہے سرمہ لگانے کی روایت ضعیف ہے بعض نے اسے موضوع بھی کہا ہے نیا کپڑا پہننے کی کوئی روایت نہیں (۱) اور جو کام روافض کرتے ہیں ان میں ان کی مشابہت اہل سنت کو نہیں کرنی چاہئے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) وحديث التوسعة على العيال يوم عاشوراء صحيح (وفي الشامية) وهو من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه سنة كلها قال جابر جربته اربعين عاما فلم يخلف وحديث الاكتحال هو مارواه البيهقي وضعفه من اكتحل بالاثمد يوم عاشوراء لم يرمد ابدا و رواه ابن الجوزي في الموضوعات من اكتحل يوم عاشوراء لم ترمد عينه تلك السنة (رد المحتار مع الدر ۲ : ۴۸۱ ط سعيد)

(۲) قال رسول الله ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم (مشكوة : ۲۷/۱)

شادی کے موقع پر دلہے کو سہرا ڈالنے کی رسم

(سوال) بوقت شادی نوشہ کے سر پر جو سہرہ ڈالتے ہیں جائز ہے یا ناجائز؟ اور گلے میں سہرہ ڈالا جاسکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی محمد صغیر خاں میانجی - مقام اوسیا ضلع غازی پور -

(جواب) سہرا سر پر ڈالا جاتا ہے اگر اس کو گلے میں ڈال دیا جائے تو وہ سہرے کے حکم میں نہیں رہتا سر پر سہرا ڈالنا ناجائز ہے کہ وہ ہندوؤں کی رسم ہے (۱) گلے میں ہار ڈالنا جائز ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اگر سہرا باندھ کر نکاح کیا تو کیا بعد میں تجدید نکاح ضروری ہے؟

(سوال) اگر نوشہ کے سہرا بندھا ہوا اور بدھی طرہ پہنے ہو تو نکاح طرہ بدھی سہرے کے ساتھ جائز ہوگا یا تجدید نکاح لازم ہے؟ اور نکاح نہ ہونے کی حالت میں اگر نوشہ تجدید نہ کرے تو اس عورت کو جس نے طرہ بدھی سہرے کے ساتھ نکاح ہوا کسی دوسرے سے نکاح کر لینے کا حق حاصل ہے یا نہیں اور بعض لوگ نکاح کے وقت سہرا کھول دیتے ہیں یہ فعل بھی نکاح کے واسطے احسن ہے یا بے فائدہ؟ اور بعض لوگ سہرے کو سر سے لپیٹ دیتے ہیں اور اسی کو کافی سمجھتے ہیں اس کی بابت کیا حکم ہے؟ فقط

(جواب ۶۵) اصل یہ ہے کہ سہرا بدھی طرہ یہ کفار کی ہنود کی رسمیں ہیں جو آج تک ان میں بعض مقامات پر پائی جاتی ہیں وہ لوگ سنہرے روپیلے تاروں کا سہرا بدھی بناتے ہیں مسلمانوں نے پھولوں کا سہرا بنانا اختیار کیا بہر حال اصل رسم انہیں سے ماخوذ ہے پس اگر کوئی شخص باوجود اس علم کے کہ سہرا بدھی کفار کی رسم ہے اسے اچھا اور بہتر بلکہ ضروری سمجھے جیسا کہ اکثر جہلا کا خیال اور عمل ہے اور اس پر اصرار کرے تو اس پر بوجہ رسوم کفریہ کے پسند کرنے کے علماء نے کفر کا فتویٰ دیا ہے کہ یہ شخص خواہ بوجہ رضا بالکفر یا رضا بالرسوم الکفر یہ کافر ہو گیا اور تجدید اسلام کے بعد تجدید نکاح بھی ضروری ہے لیکن اگر کسی شخص کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ چیزیں کفار کی رسوم ہیں یا معلوم بھی ہو لیکن وہ ان پر اس حیثیت سے عامل نہ ہو کہ بحیثیت رسوم کفار ہونے کے پسند کرے یا اصرار کرے بلکہ صرف اس وجہ سے کہ بہت سے مسلمان کرتے ہیں وہ کرے تو ایسی صورت میں ان اشیاء کا مرتکب اگرچہ بوجہ ارتکاب بدعت گناہ گار یا کم از کم التزام مالا یلزم کر کے گناہ گار تو ہو گا لیکن کافر نہیں ہو سکتا اور جب کافر نہیں ہوا تو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں تکفیر مسلم میں چونکہ فقہاء نے سخت احتیاط کا حکم دیا ہے (۲) اس لئے کسی ایسے نوشہ کو جس نے سہرا بدھی طرہ باندھے ہونے کی حالت میں نکاح کیا ہے کافر نہ کہنا چاہئے اگرچہ اس فعل سے منع کرنا ضروری ہے لیکن جب تک وجہ کفر مصرح نہ ہو حکم کفر نہ دینا احوط ہے نکاح کے وقت سہرا کھول ڈالنا ہی بہتر ہے تا کہ اگر بالکل سدباب ارتکاب بدعت کا نہ ہو تو جتنی مقدار ممکن ہو اتنا ہی ہو جائے مالا یدرك كله لایترك كله - واللہ اعلم

---

(۱) قال رسول الله ﷺ ليس منا من تشبه بغير نا لا تشبهو باليهود ولا بالنصارى (ترمذى : ۲/ ۹۹)

(۲) وفى الخلاصة: وغيرها اذا كان فى المسئلة وجوه توجب التكفير ووجه واحد منعه فعلى المفتى ان يميل الى الوجه الذى يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم (رد المحتار مع الدر المختار : ۴/ ۲۲۴ س)

۲۲ رجب کے کونڈوں کی شریعت میں کوئی اصل نہیں

(سوال) رجب کی بائیس تاریخ کو کونڈے کرنے جائز ہیں یا نہیں جو کونڈوں کو ناجائز اور کرنے والے کو بدعتی اور برا جانتا ہو تو اس کو بدعتی کے مکان پر کونڈے کھانے چاہئیں یا نہیں رشتہ داری یا دوستانہ کی وجہ سے اس کے گھر پر جا کے کھانا درست ہے یا نہیں؟

(جواب ٦٦) یہ کونڈوں کی رسم ایک ایسی ایجاد ہے جس کے لئے شریعت مقدسہ میں کوئی دلیل نہیں ہے لہذا اسے ترک کر دینا ضروری ہے (۱) مگر اس کی حقیقت یہ نہیں کہ وہ کھانا حرام ہو جاتا ہے کھانا تو فی حد ذاتہ مباح ہے ہاں منع کرنے والے کو ان کونڈوں کا کھانا جا کر کھانا مناسب نہیں کہ اس کے اس اقدام سے فی الجملہ رسم کی بھی تائید ہوتی ہے رشتہ داری اور دوستانہ کی وجہ سے بھی جا کر کھانا مناسب نہیں کہ یہ بھی ایک طرح کی مداہنت ہے فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بچہ پیدا ہونے کی خوشی میں کھانا کھلانا جائز تو ہے مگر اس میں دن کی تعیین صحیح نہیں

(سوال) بچہ پیدا ہونے کی خوشی میں بطور شکرانہ کھانا کھلانا کیسا ہے؟ اور وہ بھی اس وقت میں جب کہ عورت نفاس سے پاک ہو جائے اس سے پہلے نہیں کھلاتے۔

(جواب ٦٧) بچہ پیدا ہونے کی خوشی میں کھانا کھلانا یا صدقہ خیرات کرنا جائز ہے لیکن یہ تخصیص کہ وہ کھانا شکرانہ ہی ہو یا نفاس ختم ہونے پر کھلایا جائے بے اصل اور بدعت ہے (۲)

رخصتی سے پہلے دلہا کی طرف سے دلہن کی دعوت صحیح تو ہے مگر اس کو ضروری نہ گردانا جائے

(سوال) ہمارے یہاں رخصتی سے پہلے عورت کو خاوند کے گھر دس دن بطور خوشی کھانا کھلانے کی رسم ہے یہ کیسی ہے؟

(جواب ٦٨) دولہن کی دعوت دولہا کی طرف سے رخصت سے پہلے کرنے میں مضائقہ نہیں لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ قیود غیر شرعیہ اور التزام مالا یلزم نہ ہونا چاہئیے ورنہ وہ قیود اور التزام بدعت اور ناجائز ہو گا (۳)۔

حیلہ اسقاط کا مروجہ طریقہ بدعت اور واجب الترک ہے' اور حیلہ اسقاط کے صحیح طریقہ کی تفصیل

(سوال) افغانستان و گجرات میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی مرتا ہے تو اس کے ورثا بعد نماز جنازہ غربا کے

---

(۱) قال النبی ﷺ: من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد (مشکوۃ: ۱/۲۷)

(۲) والمتابعة كما يكون فى الفعل يكون فى الترك ايضا فمن واظب على فعل لم يفعله الشارع فهو مبتدع (مرقات شرح مشكوة : ۱/٤۱ ط كوئٹه)

(۳) فی نفسہ اس دعوت میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس میں دیگر شروط اور جاہلیت کی رسمیں ہیں لہذا یہ عمل ان کی وجہ سے بدعت شمار ہو گا (حوالہ گزشتہ مرقات شرح مشکوۃ ۱ ۔ ۵۰ تالیفات اشرفیہ ملتان)

ایک مجمع میں ایک چادر میں کچھ غلہ پیسہ اور قرآن شریف رکھ کر یہ کہتے ہوئے پھراتے ہیں کہ یہ سب اس کے فرائض وواجبات کے معاوضہ میں بطور فدیہ و کفارہ دیا جاتا ہے بعد ازاں ان اشیائے مذکورہ کو انہیں غربا کو نیز دیگر مستحقین کو تقسیم کرتے ہیں اور اس رواج کو شرع شریف سے مستخرج جانتے ہیں اس کے متعلق واقعی شرع شریف میں کیا احکام وارد ہیں ؟

(جواب ٦٩) نفس صدقہ بطور ایصال ثواب کرنا مستحسن ہے بشرطیکہ صدقہ کرنے والا اپنے مال سے محض ابتغاء وجہ اللہ کے ارادہ سے کرے پابندی رسم ورواج یاریاوسمعہ مقصود نہ ہو سوال میں جو صورت مذکور ہے یہ اسقاط کے نام سے مشہور ہے اور کتب شریعت میں اس کی صرف اس قدر اصل ہے کہ اگر میت نے کوئی مال نہیں چھوڑا اور اس کے ذمہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ واجب تھا تو فقہا نے اس کے ادا کرنے کی یہ صورت بتائی ہے کہ فدیہ ہائے صوم وصلوٰۃ کی مجموعی مقدار مثلاً سو من غلہ ہوتی ہے اور ولی میت کے پاس ایک من غلہ ہے جو وہ تبرعاً اپنے مال سے ادا کرتا ہے یا اس کے پاس کچھ نہیں مگر اس نے ایک من غلہ قرض لے لیا اور اس کو میت کے قضا شدہ نماز روزوں کے فدیہ میں دینا چاہتا ہے تو یوں کرے کہ حساب لگا کر دیکھے کہ ایک من غلہ کتنی نمازوں کا فدیہ ہوتا ہے جس قدر نمازوں کا فدیہ ہوتا ہو اتنی نمازوں کے فدیہ میں یہ غلہ کسی فقیر کو دیدے اور پھر وہ فقیر اپنی جانب سے اسی ولی میت کو ہبہ کردے اور ولی میت بھی قبضہ کرلے اس کے بعد پھر ولی میت اسی قدر نمازوں کے بدلے میں وہ غلہ فقیر کو دیدے اور فقیر پھر ولی میت کو ہبہ کر کے قبضہ کرادے وہکذا یہاں تک کہ میت کے ذمہ جس قدر نمازیں تھیں ان سب کا فدیہ ادا ہو جائے پھر اسی غلہ کو اسی طرح روزوں کے بدلے میں دیتا رہے اور فقیر اسے واپس کرتا جائے جب روزے پورے ہو جائیں تو قسم کے کفاروں اور قربانی کے بدلے میں اسی طرح ادل بدل کریں اور جب تمام حقوق واجبہ سے فراغت ہو تو آخر میں وہ فقیر اس غلہ کو لے جائے یا اگر ولی میت کو آخری دفعہ بھی ہبہ کر دیا ہے تو ولی میت کو مناسب ہے کہ یہ کل غلہ یا اس میں کوئی حصہ فقیر کو بھی دیدے یہ ایک حیلہ ہے جو میت کے مال نہ چھوڑنے اور اولیائے میت کے محتاج ہونے کی صورت میں میت کے اوپر سے حقوق واجبہ کا بوجھ اتارنے کے لئے فقہاء نے تجویز فرمایا ہے (۱) لیکن فی زماننا جو اسقاط ہے وہ چند صورتوں سے رائج ہے اور اس کی اکثر صورتیں مذکورہ صورت مجوزہ فقہا کے خلاف ہیں بعض مقامات میں یوں کرتے ہیں کہ ایک قرآن مجید اور اس کے ساتھ دو چار سیر غلہ اور ایک روپیہ یا سوا روپیہ نقد سامنے رکھ کر ایک یا چند محتاجوں کو بٹھا کر ان سے کہتے ہیں کہ یہ سوا روپیہ اور یہ غلہ اور یہ قرآن مجید جو تمام دنیا سے بیش قیمت ہے اس شخص کے نماز روزے وغیرہ کے فدیہ میں ہم تم کو دیتے ہیں تم نے قبول کیا وہ محتاج کہتے ہیں قبول کیا اور یہ چیزیں وہ لے کر چلے جاتے ہیں یہ صورت اس لئے صحیح نہیں کہ اس میں نمازوں اور روزوں کے فدیہ کی مقدار صحیح پوری نہیں ہوتی اور قرآن مجید کو محض بناوٹی طور پر تمام

---

(۱) لومات و علیه صلوات فائتة واوصیٰ بالکفارة یعطی لکل صلوة نصف صاع من بر کالفطرة وکذا حکم الوتر والصوم' وانما یعطی من ثلث ماله' ولو لم یترك مالا یستقرض وارثه نصف صاع مثلاً و یدفعه' الفقیر ثم یدفعه الفقیر للوارث ثم و ثم حتی یتم (قال فی الشامیه) ثم ینبغی بعد تمام ذالك كله ان یتصدق علی الفقراء بشئ من ذالك المال او بما اوصی به المیت ان كان اوصی (رد المحتار مع الدر المختار: ۲/ ۷٤ ط سعید)

دنیا سے بیش قیمت کہہ دیتے ہیں اور خود ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ چھ سات آنے والا قرآن اس کام کے لئے مل جائے اگر ان کو ان کی کسی رقم کے معاوضے میں قرآن مجید یہ کہہ کر دیا جائے کہ یہ تمام دنیا سے بیش قیمت ہے اپنی رقم کے بدلے میں لے لو تو پھر دیکھو یہ قبول کرنے میں کیسے کیسے رنگ بدلتے ہیں اور ہرگز بھی قبول نہ کریں گے نیز اس فقیر کو بھی محض اس وجہ سے مجبوراً قبول کرنا پڑتا ہے کہ قبول نہ کرے تو یہ چھ سات آنے کا قرآن مجید اور وہ غلہ اور ایک روپیہ بھی ہاتھ سے جاتا ہے ورنہ حقیقی قبول اور لور دلی قبول ہرگز نہیں ہوتا - دوسری صورت یہ ہے کہ انہیں اشیاء کو اولیائے میت یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ میت کے ذمہ جس قدر شرعی مواخذے اور گناہ تھے ان سب کے بدلے میں ہم دیتے ہیں اور میت کے اوپر کا تمام عذاب تم نے اپنے ذمہ لیا؟ اور وہ جاہل بیباک فقیر کہہ دیتے ہیں کہ ہاں ہم نے تمام مواخذے اور عذاب اپنے اوپر لے لئے یہ صورت نہایت بری اور شرعاً و اخلاقاً قبیح ہے دینے والے بجائے اس کے کہ صرف اپنی میت کو عذاب خداوندی سے بچانے کی تدبیر کریں ایک یا چند دوسرے مسلمان بھائیوں (فقیروں) کو عذاب الٰہی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں جو صریح شریعت واخلاق کے خلاف اور صاف طور پر لا تزر وازرة وزر اخرى کے منافی ہے اور جاہل وبیباک فقیر چند پیسوں یا روپیوں کے لالچ میں خدائے قہار کا مواخذہ اور عذاب اپنے اوپر لینے کو تیار ہو جاتے ہیں جو استخفاف عذاب یا امن عن العذاب کی دلیل ہے یعنی یا تو وہ خدا کے عذاب سے بےخوف ہو گئے ہیں یا عذاب کو ہلکا اور بے قدر سمجھتے ہیں اور یہ دونوں صورتیں کفر ہیں تیسری صورت یہ ہے کہ دینے والے اکثری حالت میں میت کے مال اور ترکہ میں سے دیتے ہیں اور میت نے وصیت بھی نہیں کی ہوتی ہے اور ورثہ میں بعض نابالغ یا غائب ہوتے ہیں اور ان حالات میں دینے والوں کو شرعاً دینے کا کوئی حق نہیں ہوتا مگر یا تو انہیں اس کی خبر نہیں ہوتی یا وہ اس کی پروا نہیں کرتے - چوتھی صورت یہ کہ یہ تمام کارروائی محض پابندی رسم یا ریا و نمود کی غرض سے کی جاتی ہے اصل غرض سے نہ دینے والے باخبر ہوتے ہیں نہ لینے والے اور ظاہر ہے کہ محض پابندی رسم یا ریا و نمود کی غرض سے دینے پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہو سکتا پانچویں صورت یہ ہے کہ اس اسقاط کو لازمی اور ضروری سمجھتے ہیں حالانکہ شریعت میں اس کے لزوم کی کوئی وجہ نہیں جب کہ میت نے وصیت نہ کی ہو یا کوئی مال نہ چھوڑا ہو تو وارث کے ذمہ یہ لازم نہیں کہ میت کے نماز روزہ وغیرہ کا فدیہ دے اگر دے تو محض تبرع ہے اور تبرع میں جبر یا لزوم نہیں ہوتا تو اسے ضروری یا لازم سمجھنا حدود شرعیہ سے تجاوز کرنا ہے (۱) اور ان کے علاوہ اور مفاسد بھی کبھی عارض ہو جاتے ہیں ان پانچوں صورتوں میں سے کبھی کئی کئی آپس میں متداخل بھی ہو جاتی ہیں بہر حال اکثر مروجہ صورتیں اسقاط کی غیر مشروع اور ناجائز ہوتی ہیں اور فقہا کی مجوزہ صورت عملی طور پر نادر الوقوع ہے اگر مفاسد شرعیہ میں سے کوئی مفسدہ لاحق نہ ہو اور صورت مجوزہ فقہا کے موافق عمل کیا جائے تو مباح یا زیادہ سے زیادہ مستحب ہے

---

(۱) و نص علیه فی تبیین المحارم فقال لا یجب علی الولی فعل الدور وان اوصی به المیت لانها وصیت بالتبرع والواجب علی المیت ان یوصی بما یفی بما علیه (الی ان قال) و به ظهر حال وصایا اهل زماننا فان الواحد منهم یکون فی ذمته صلوات کثیرة وغیرها من زکاة واضاح و ایمان ویوصی لذلک بدراهم یسیرة (رد المحتار علی الدر المختار : ۲: ۷۳ ط س)

ان تمام امور کے لئے یہ نصوص فقہیہ دلائل ہیں فی الدر المختار و لولم یترك مالاً یستقرض وارثه نصف صاع مثلا ویدفعه لفقیر ثم یدفعه الفقیر للوارث ثم وثم حتی یتم انتهی - وفی رد المحتار قوله ولو لم یترك مالا ای اصلا او کان ما اوصی به لا یفی' زاد فی الامداد' او لم یوص بشئ واراد الولی التبرع الخ' واشار بالتبرع الی ان ذلك لیس بواجب علی الولی' و نص علیه فی تبیین المحارم فقال لا یجب علی الولی فعل الدوران اوصی به المیت لانها وصیة بالتبرع والواجب علی المیت ان یوصی بما یفی بما علیه ان لم یضق الثلث عنه فان اوصی باقل وامر بالدور و ترك بقیة الثلث للورثة او تبرع به لغیرهم فقد اثم بترك ما وجب علیه اه و به ظهر حال وصایا اهل زماننا فان الواحد منهم یکون فی ذمته صلوات کثیرة وغیرها من زکاة واضاح و ایمان و یوصی لذلك بدراهم یسیرة الخ انتهی و فیه والا قرب ان یحسب ما علی المیت و یستقرض بقدره بان یقدر عن کل شهر او سنة او یحسب مدة عمره بعد اسقاط اثنتی عشر سنة للذکر وتسع سنین للانثی لا نها اقل مدة بلوغهما' الی قوله' و لکل سنة شمسیة ست عزائر فیستقرض قیمتها و یدفعها للفقیر ثم یستوهبها منه و یتسلمها منه لتتم الهبة ثم یدفعها لذلك الفقیر او لفقیر اخروهکذا الی قوله وینبغی بعد تمام ذلك کله ان یتصدق علی الفقراء بشئ من ذلك المال او بما اوصی به المیت ان کان اوصی - انتهی' و فیه واطال فی المعراج وقال هذه الافعال کلها للسمعة والریاء فیحترز عنها لا نهم لا یریدون بهاوجه الله تعالیٰ انتهی" - علی انه بحث فی المنقول فی مذهبنا و مذهب غیرنا کالشافعیة والحنابلة استدلا لا بحدیث جریر المذکور علی الکراهة ولا سیما اذا کان فی الورثة صغار او غائب(۱) انتهی - والله اعلم

ایصال ثواب کا مسنون طریقہ جو تمام رسومات اور خرافات سے پاک ہو' کون سا ہے ؟

(سوال) مردے کی شب سوم کو چنے پڑھنا دہم و چہلم کرنا اور چالیس روز تک ایک یادو روٹی مسجد میں لا کر منبر پر رکھنا اور ہر ایک نمازی کا بآواز بلند کہنا کہ چار قل یا پانچ قل اللہ واسطے اور سب کو امام مسجد کے سپرد کر دینا امام مسجد کا ایصال ثواب کرنا اور حضرت غوث الاعظم کی گیارھویں کرنا اور جمعہ کے دن برائے اعلان نماز نقارہ بجانا - آیا یہ رسوم اور طریقے درزمانہ سلف صالحین تھے یا نہ تھے اور عندالشرع جائز ہیں یا بدعت ؟

(جواب ۷۰) اموات کو صدقات و خیرات اور عبادات بدنیہ کا ثواب پہنچتا ہے اور ثواب پہنچانا مستحسن فعل ہے(۲) لیکن ایصال ثواب کے لئے ایسی رسوم اور شرائط مقرر کرنا جو شریعت سے ثابت نہیں ہیں ناجائز ہے شریعت مقدسہ نے سوم کو چنے پڑھنا اور دسویں یا چالیسویں تاریخ کو ایصال ثواب کے لئے متعین نہیں کیا اسی طرح چالیس روز تک روزانہ ایک روٹی منبر پر رکھنا اور چار یا پانچ قل پڑھنا یا پڑھوانا اور اس کو ایک

---

(۱) (حوالہ گزشتہ رد المحتار : ۲/ ۷۳ ط س)

(۲) صرح علماء نا فی باب الحج عن الغیر بان للا نسان .... الخ (حوالہ گزشتہ رد المحتار ۲/۲۴۳)

رسم بنالینا اور وصول ثواب کی شرط قرار دینا یا خاص اس طریقہ کو مفید سمجھنا یہ سب غیر شرعی امور ہیں اور ناجائز ہیں(۱) ایصال ثواب کی شرعی صورت اس قدر ہے کہ جو شخص ایصال ثواب کرنا چاہتا ہے وہ اگر عبادت مالیہ کا ثواب پہنچانا چاہتا ہے تو جو کچھ اس کو میسر ہو بغیر کسی خاص دن کی تعیین اور کسی خاص چیز کی تخصیص یا کسی خاص ہیئت کی تشکیل کے صدقہ کردے یعنی فقراو مساکین کو دیدے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ میں نے جو کچھ صدقہ تیری راہ میں تیری رضامندی حاصل کرنے کی غرض سے کیا ہے اس کا ثواب اپنی رحمت سے فلاں میت کو پہنچادے اسی طرح کوئی عبادت بدنیہ اگر کرنی چاہتا ہے تو بغیر تعیین و تخصیص و تشکیل امور مذکورہ کوئی عبادت بدنیہ ادا کرے مثلاً نفل نماز پڑھے یا روزہ رکھے یا قرآن مجید کی تلاوت کرے یا درود شریف پڑھے اور بقاعدہ مذکورہ اللہ تعالیٰ سے ثواب پہنچانے کی دعا کرے پس یہ طریقہ ایصال ثواب کا شرعی طریقہ ہے(۲) اسکے علاوہ تمام رسوم و شرائط جو رسماً مقرر کی گئی ہیں غیر شرعی ہیں۔

غوث اعظمؒ کی گیارھویں اگر بقصد ایصال ثواب ہو تو بغیر تعیین کسی تاریخ کے مصرحہ بالا طریقہ شرعیہ کے موافق کرنے میں مضائقہ نہیں لیکن اگر غوث اعظمؒ کی جناب میں تقرب حاصل کرنے یا اس کو براہ راست اپنی حاجات کے لئے مفید سمجھنے اور نہ کرنے میں نقصان اور آفتوں کا خوف ہونے کی وجہ سے کرتا ہے تو قطعاً ناجائز اور موصل الی الشرک ہے۔

جمعہ کے روز اعلان نماز کے لئے نقارہ بجانا بھی ناجائز ہے ہاں اگر نقارہ اعلان نماز کے لئے نہ ہو اور اس کو اذان کا قائم مقام نہ بنایا جائے بلکہ اگر مسجد بڑی ہے اور کئی مؤذن اذان کہتے ہیں اور ان کے کھڑے ہو کر اذان کہنے کی جگہ میں اتنی دوری ہے کہ ان کو اذان کے وقت کی اطلاع دینے کے لئے نقارہ کی ضرورت ہے تو ایک یا دو یا تین ضرب نقارہ لگادینا اس نیت سے جائز ہوگا کہ سب مؤذن ایک ساتھ اذان شروع کردیں اور سب کو وقت اذان کا علم ایک ہی دفعہ ہو جائے اور ایسی صورت میں بھی نقارہ مسجد میں نہ ہو تو یہی مناسب ہے۔ (۳) واللہ اعلم

برادری اور قومی پنچائیت اچھی چیز ہے لیکن اس میں دین و شریعت کا خیال ضروری ہے

(سوال) زید و بکر کی برادری ہے اور سب کام شادی غمی وغیرہ کے برادرانہ طریق پر انجام ہوتے ہیں قومی پنچائیت بھی بنی ہوئی ہے اور شادی غمی زیر تحت رسومات مروجہ قبیحہ انجام پاتے ہیں مثلاً برادری میں کسی بچہ کی ختنہ ہو تو اس میں علاوہ اور رسومات وغیرہ کے پاؤ پاؤ بھر گڑ فی گھر تقسیم ہوتا ہے اور اس کی یہاں تک

(۱) بدعات میں شامل ہیں اور واجب الترک ہیں : لقوله عليه السلام : من احدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد (مشكوة : ۱/۲۷)

(۲) ثم يقول اللهم اوصل ثواب ماقرأ ناه الى فلان او اليهم الخ و في البحر من صام أو صلى أو تصدق أو جعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز و يصل ثوابها اليهم عند اهل السنه والجماعة كذافي البدائع (رد المحتار مع الدر : ۲/۲۴۳ س)

(۳) و يثوب بين الاذان والاقامة في الكل للكل بما تعارفوه (قال في الشامية) بما تعارفوه كتنحنح او قامت قامت الصلاة الصلاة ولو احدثوا اعلاماً مخالفاً لذالك جاز نهر عن المجتبى (رد المحتار مع الدر : ۱/۳۸۹ ط س) ملاحظہ : یہ عبارت تثویب للصلوۃ کے متعلق ہے اور حضرت مفتی صاحبؒ نقارہ للاذان کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں نہ کہ تثویب کا۔

پابندی ہے کہ اگر وہ نہ تقسیم کرے تو اس کو اس جرم میں برادری سے باہر کردیا جاتا ہے اور اگر اہل برادری میں سے کوئی شخص یہ حصہ نہ لے تو اس کو بھی برادری سے باہر کردیا جاتا ہے اور اگر وہ اپنے اس قصور کے یعنی گڑ تقسیم نہ کرنے یا حصہ نہ لینے کی معافی چاہے تو برادری اس پر جرمانہ کرتی ہے اور زر جرمانہ وصول کر کے پھر ان کو برادری میں شامل کر لیا جاتا ہے زید کہتا ہے کہ رسومات مروجہ کو ترک کردو وہ بری ہیں بکر کہتا ہے کہ اگر ان رسومات کو ترک کرتے ہیں تو برادری کا نظام بگڑتا ہے - زید کہتا ہے کہ اگر نظام بگڑتا ہے تو بگڑنے دو بدعات سے تو بچیں گے بکر کہتا ہے کہ یہ حرام تو نہیں ہیں زید کہتا ہے کہ اس میں بوجہ بدعات قوم کی تباہی ہے بکر کہتا ہے کہ ان کو ہم دین میں تھوڑا ہی داخل کر رہے ہیں -المستفتی نمبر ۴۲۴ منشی محمد اختر خاں (دہلی) ۲۸ رجب ۱۳۵۳ھ م ۷ نومبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۷۱) زید کا خیال صحیح ہے اور جس قوم کی پنچایت قائم اور بنی ہوئی ہے وہ بڑی خوش نصیب ہے یہ اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت ہے کہ کسی جماعت کا شیرازہ بندھا ہوا ہو مگر یہ خوش نصیبی اور رحمت اسی صورت میں ہے کہ پنچایت قوم کی دینی اور دنیوی فلاح وبہبود پر نظر رکھے اور فیصلے شریعت کے مطابق کرے(۱) بیشک فضول اور تباہ کن رسمیں اگرچہ فی حد ذاتہ مباح بھی ہوں مگر ان کے التزام کی وجہ سے قوم اور بالخصوص قوم کے بے مایہ افراد تباہ اور زیربار ہوتے ہوں واجب الترک ہیں قومی بہبود کے نقطہ نظر سے ان کو ترک کرانا ضروری ہے اور نظام کیوں بگڑنے لگا؟ جب پنچایت کا فیصلہ ہو کہ فلاں رسم نہ کی جائے اور قوم اس فیصلے کے ماتحت اس رسم کو ترک کردے تو یہ تو نظام کی زبردستی اور خوبی ہوگی اس کو نظام کا بگاڑنا کون کہہ سکتا ہے

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

برادری اور پنچائیت کے جاہلانہ رسومات سے احتراز ضروری ہے

(سوال) ہماری برادری خیاطان میں خلاف شرع رسومات دنیوی شادی بیاہ میں نہایت پابندی کے ساتھ مروج ہیں اور جو شخص ان رسومات کی مخالفت کرتا ہے اس کو وہ برادری سے علیحدہ کردیتے ہیں اور مثل چمار بھنگی کے اسے سمجھتے ہیں چند رسوم درج ذیل ہیں-

(۱) سودی روپیہ قرض لیکر شادی میں برادری کے مقرر کردہ بھاجی بابتہ یعنی کھانے وغیرہ برادری کو کھلانے ضروری ہیں جو شخص برادری کو اپنے فرزند یا دختر کی شادی میں مقررہ کھانے نہ کھلائے اس کو اہل برادری اپنی جماعت سے علیحدہ کردیتے ہیں-

(۲) ایک رسم نیوتہ دینے کی قائم ہے اگر کسی کے ذمہ نیوتہ کا ایک روپیہ واجب الادا ہو وہ دو روپے ادا کرے اگر بجائے ایک روپے کے دو روپے ادا نہ کرے تو اس کا بابتہ یعنی جو حصہ شیرینی کھانے وغیرہ کا برادری کا مقرر کردہ ہے وہ بند کردیا جاتا ہے کسی تقریب میں اس کو شریک نہیں کرتے تاوقتیکہ وہ نیوتہ ادا نہ کرے-

---

(۱) قال الله تبارك تعالىٰ والصلح خير (سورة النساء : ۱۲۸) وقال عليه الصلاة والسلام : كل صلح جائز فيما بين المسلمين الا صلحاً احل حراماً أو حرم حلالاً (هداية كتاب الصلح: ۲٤٥/۳ مطبع شركة علميه ملتان)

(۳) قبل از نکاح عین وقت پر بیٹے والے سے نان و گوشت پختہ کی بھاجی جس کا نام میزبانی رکھا ہے طلب کی جاتی ہے۔ اس وقت نوشہ کے باپ کا یا سرپرست کا فرض منصبی ہوگا کہ میزبانی کی تمام اشیا مہیا کی ہوئی برادری کو دکھائے تاکہ برادری میزبانی کے ملنے کا یقین کامل حاصل کرے اور مطمئن ہو جائے تب نکاح ہونے دیتے ہیں اور اگر یہ اطمینان حاصل نہ ہو تو دوسری صورت یہ ہے کہ کسی صاحب حیثیت شخص کو ضامن لاوے اور مبلغ پچیس روپے یا اس سے کچھ کم و بیش رقم نقد اسی وقت چودھری صاحب کے پاس بطور ضمانت جمع کر دے تب اہل برادری نکاح پڑھانے کی اجازت دیتے ہیں۔

(۴) اہل برادری یا چودھری صاحب ہرگز اس کی غریبی پر توجہ نہیں کرتے خواہ وہ کتنا ہی غریب و نادار کیوں نہ ہو۔

(۵) برادری سے جو لوگ ان رسومات کی وجہ سے علیحدہ ہو جاتے ہیں تو اہل برادری ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں بلکہ سخت سے سخت الفاظ ان کے متعلق استعمال کرتے ہیں بھنگی چمار سے بدتر سمجھتے ہیں اور اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ متفقہ طور پر ایک پنچایت بلاتے ہیں اور اسٹامپ کاغذ پر دستخط کرا کر یہ عہد و پیمان لئے جاتے ہیں کہ ہماری برادری سے جو لوگ دست بردار ہو گئے ہیں ان سے کوئی شخص نہ ملنے پائے اور نہ ان سے کوئی رشتہ قرابت کرے اپنی لڑکی نہ ان کو دو اور نہ ان کی لڑکی برادری میں لو نہ ان کی موت و حیات میں شریک ہو اگر کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کرے گا تو مبلغ پچیس روپے بطور جرمانہ برادری اس سے جبراً وصول کرے گی۔

(۶) جو رشتے اس معاہدے سے پہلے ہو چکے ہیں ان کا ہرگز لحاظ نہ کیا جائے وہ یک لخت اس طرح مسدود کر دیئے جائیں کہ اگر ان کی بیبی برادری میں شریک ہے تو اسے اس کے والدین سے ہرگز نہ ملنے دو اگر والدین میں سے کوئی فوت بھی ہو جائے تو جنازہ پر بھی نہ جانے دو کیونکہ وہ برادری سے مجتنب ہونے کی بنا پر برادری کے مجرم ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ ان کی اولاد کو تادم مرگ نہ ملنے دو۔

(۷) بیٹی والا شادی کے موقع پر برادری کو مقررہ کھانے نہ کھلائے تو اہل برادری اسے طعنہ زنی کرتے ہیں کہ میاں تم نے اپنی دختر کو اتنا جہیز سیکڑوں روپے کا دیدیا مگر برادری کے واسطے ایک پیسہ خرچ نہیں کیا جہاں سے دختر کے جہیز وغیرہ کا بندوبست کیا تھا وہیں سے سو دو سو روپے برادری کے کھلانے کے واسطے بھی فراہم کئے ہوتے اسی طرح بیٹے والا اگر اپنی مجبوری کی وجہ سے برادری کو میزبانی اور دیگر بانتہ نہ دے سکے تو اس پر بھی کئی آوازے کسے جاتے ہیں بہر کیف وہ غریب بیچارے اس طعن و تشنیع کی بھرمار سے تنگ آکر سودی روپیہ لے کر اور اپنی جائداد گروی رکھ کر اہل برادری کو کھانے کھلا کر سرخرو ہوتے ہیں تب برادری والے خوش ہوتے ہیں۔

باوجود ان رسومات کو جاری رکھنے کے اہل برادری کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ہم متبع شریعت ہیں ہماری شادی بیاہ شرع کے موافق ہوتے ہیں ایسی برادری میں رہنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۴۰۶ محمد حسین چاندپوری ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ

(جواب ۷۲) سوال میں جتنی باتیں مذکور ہیں یہ سب خدا اور رسول ﷺ کے احکام کے خلاف ہیں ان باتوں کے کرنے والے شریعت کے مجرم اور خدا اور رسول ﷺ کے نافرمان ہیں(۱) فرزند یا دختر کی شادی میں برادری کو دعوت یا بھاجی بانٹنے کو لازم قرار دینا اور اس کے لئے سودی قرض لینا قطعاً ناجائز ہے ایسا کھانا دینا بھی گناہ اور کھانا بھی گناہ اور جو غریب کھانا نہ دے اس کو مجبور کرنا اور بغیر بھاجی کا سامان دیکھنے کے یا ضمانت جمع کرانے کے نکاح کو روک دینا ظلم ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ مصداق الا لعنة الله على الظالمين خدا کی لعنت اور پھٹکار کے مستحق ہوتے ہیں اور جو غریب کہ ان ظلم کی باتوں سے بچنے کے لئے برادری سے علیحدہ ہو جائے اس کا کلی طور پر مقاطعہ کرنا اور اس کی شادی غمی کی شرکت روک دینا حتی کہ اس کی اولاد سے بھی اس کو چھڑا دینا خدا تعالیٰ کا غضب مول لینے اور اس کی رحمت سے محروم رہنے کا سامان ہے یہ قطع رحمی ہے(۲) جس کی سزا بہت سخت اور مغفرت ربانی سے حرمان ہے یہ شرعی حکم کا بیان تھا اور اقتصادی حیثیت سے بھی یہ بات آج کل مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سبب ہے قوم کے سمجھدار آدمیوں کا حق ہے کہ وہ ان جاہلانہ رسوم اور حماقت آویز رواجات کو چھڑانے کی جان توڑ کوشش کریں(۳) خدا اور رسول ﷺ کی رحمت و رضامندی بھی حاصل کریں اور قوم کو تباہی و بربادی سے بچائیں - فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جس دعوت میں منکرات ہوں وہاں جانے میں احتیاط کی جائے

(سوال) کیا جس بارات میں باجہ ہو تو وہاں کھانا درست نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۰۱۹ ایم عمر صاحب انصاری (ساران) ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۴ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۷۳) کھانے کے لئے وہاں جانا جب کہ دعوت کے مقام پر یہ منکرات نہ ہوں مباح ہے(۴) لیکن مقتدا اور پیشواؤں کے لئے نہ جانا ہی بہتر ہے(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) قال الله تعالىٰ الا لعنة الله على الظالمين (سورة الاعراف : ٤٤)
وقال رسول الله ﷺ لا يحل لرجل ان يهجر اخاه فوق ثلاث ليال (مشكوة ٢/٤٢٧)
(۲) عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ الرحم معلقة بالعرش تقول من وصلني وصله الله' ومن قطعني قطعه الله و عن جبير بن مطعمؓ قال : قال رسول الله ﷺ لا يدخل الجنة قاطع (مشكوة ٢/٤١٩)
(۳) عن ابى سعيد الخدرى عن رسول الله ﷺ قال : من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه' فان لم يستطع فبقلبه و ذالك اضعف الايمان (صحيح مسلم : ١/٥٠)
(٤) دعى الى وليمة و ثمه لعب او غناء قعد واكل لو المنكر فى المنزل فلو على المائدة لا ينبغى ان يقعد (اى يجب عليه) بل يخرج معرضاً لقوله تعالى فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين' فان قدر على المنع فعل والا يقدر صبر ان لم يكن ممن يقتدى به فان كان مقتدى ولم يقدر على المنع خرج ولم يقعد لان فيه شين الدين ... وان علم اولا باللعب لا يحضر اصلاً (الدر المختار مع الرد : ٦/٣٤٨)
(٥) وهذا اذا لم يكن مقتدى فان كان ولم يقدر على منعهم يخرج ولا يقعد لان فى ذالك شين الدين' و فتح باب المعصية على المسلمين (هداية كتاب الكراهية : ٤/٤٥٥ ط شركة عليميه ملتان))

(۱) بڑے پیر صاحب کے نشانات گھر گھر پھرنا اور ان کی نذر ماننا بدعت ہے
(۲) چہل ابدال کی فاتحہ کی رسم بدعت ہے

(سوال) (۱) حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز صاحب کے نشان آئندہ ماہ کی گیارہویں تاریخ کو اکثر نکالے جاتے ہیں تو یہ نشان گھر گھر لے کر جانا اور رفاعی کھیلنا' نیاز بڑے پیر صاحبؒ کی کرنی یہ سب کیسا ہے۔
(۲) ایک بات تو بالکل نئی ہے یہاں پر چہل ابدال کی فاتحہ ہوتی ہے اس میں بہت سا کھانا پکایا جاتا ہے کم سے کم سات یا دس شخصوں کو حال یعنی وجد آتا ہے اور وہ لوگ کود پھاند کر سواسیر کو کلہ بجھا دیتے ہیں بعد میں وہی لوگ نیاز بھی قبول کرتے ہیں اگر نیاز قبول نہ کریں تو دوسری مرتبہ نیاز لی جاتی ہے اور ان سے مراد مانگی جاتی ہے تو یہ کیسا ہے ؟ **المستفتی نمبر ۱۰۳۶** عبدالرحمٰن فاضل بھائی (احمد آباد شاہ پور) ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۵ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۷٤) بڑے پیر صاحبؒ کے نشانات کیا ہیں اور ان کی اصل کیا ہے اس کا بھی ثبوت درکار ہے تاہم ان لوگوں کو گھر گھر پھرنا اور میلہ بنانا اور بڑے پیر صاحب کے نام کی نذریں ماننا یہ سب ناجائز ہے(۱)
(۲) یہ چہل ابدال کا فاتحہ اور کھانا پکانا اور کھانا کھلانا اور حال کھیلنا اور اسی قسم کے تماشے کرنا یہ سب ناجائز اور بدعات قبیحہ ہیں مسلمانوں کو ان کاموں سے بچنا اور توبہ کرنا لازم ہے(۲)

(۱) میت کا تابوت اٹھا کر گھمانا اور اس کے لئے نذر ماننا بدعت ہے
(۲) شیرینی یا کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینا بدعت ہے

(سوال) (الف) شدے تابوت اٹھا کر اس کے سامنے جو اشیاء رکھ کر فاتحہ دلائی جاتی ہے ان کا کھانا اور استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز (ب) شیرینی وغیرہ سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھتے ہیں کیا یہ جائز ہے اگر ناجائز ہے تو ایسا کرنے والا مشرک ہوگا یا گناہ گار اور وہ چیز کھا سکتے ہیں یا نہیں - **المستفتی نمبر ۱۴۴۹** محمد فضل اللہ خاں صاحب ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۳ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۷۵) (الف) شدے اٹھانا' تابوت قائم کرنا اور ان کے سامنے نذر نیاز فاتحہ دلانا یہ سب ناجائز ہے اور اس شیرینی وغیرہ کا کھانا بھی ناجائز ہے(۳) (ب) شیرینی یا کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینا دلانا بھی ناجائز ہے اگرچہ اس کھانے کا کھانا حرام نہیں مگر یہ فعل بدعت ہے(۴) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی**

---

(۱) واعلم ان النذر الذي يقع للاموات من اكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع ونحوهما الى ضرائع الاولياء الكرام تقربيا فهو بالاجماع باطل و حرام الخ (رد المحتار مع الدر: ۲/۴۳۹)
(۲) قال النبي ﷺ من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد' (مشكوة ۱/۲۷)
(۳) (حواله گزشته رد المحتار مع الدر : ۲/۴۳۹)
(٤) (حواله گزشته مشكوة ۱/۲۷)

گناہ میں پڑنے کا قوی اندیشہ ہو تو رشوت دیکر نکاح کر سکتے ہیں

(سوال) ایک شخص کی زوجہ فوت ہوگئی اور اس شخص کا عین شباب کا زمانہ ہے بلا عقد ثانی عمر کا کٹنا نہایت دشوار ہے بلکہ سخت خطرہ ہے کہ شدت جوش شباب کی مقتضا کی وجہ سے زنا کا عادی ہو جائے اور علاوہ گناہ کبیرہ کے خاندانی اعزاز بھی برباد کرے اور عبادات ضرور یہ بھی ترک ہو جائیں۔

دوسرے پہلو میں صورت حال یہ ہے کہ شخص مذکور کی قوم میں ایک نہایت قبیح رواج کے مطابق دو سویا تین سو روپے کی رقم نہ دی جائے تو شادی ہو ہی نہیں سکتی اور دوج بر کی شادی تو بلا رقم کثیرہ ہوتی ہی نہیں اور فقہی مسائل پر نظر ڈالنے سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ وارثان لڑکی اس زر کثیر کو بلا کسی استحقاق شرعی لیتے ہیں اور یہ معصیت ہے اور رقم دینے والا معین فی المعصیت ہے۔

اس صورت میں جواب طلب یہ امر ہے کہ شخص مذکور کے بلا عورت رہنے سے متعدد گناہ کبیرہ کے ارتکاب کا ظن غالب ہی نہیں بلکہ تجربہ سے یقین حاصل ہوتا ہے اور رقم دے کے شادی کر لینا یہ اعانت فی المعصیت ایک گناہ ہے تو کیا شریعت ایسے مجبور کو رقم خرچ کر کے شادی کر لینے کی اجازت دے سکتی ہے جیسا کہ امر ناحق سے رشوت دیکر بعض احوال میں نقصان سے بچ رہنے کی اجازت پائی جاتی ہے۔ فقط

المستفتی نمبر ۲۴۴۶ مولوی عبداللہ صاحب (گوڑ گانوہ) ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ م ۲۹ جنوری ۱۹۳۹ء

(جواب) (از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی) شریعت میں علاج غلبہ شہوت کا روزوں کے رکھنے کا ہے عدم استطاعت کی صورت میں شرعاً اس کی اجازت ہم کو نہیں معلوم کہ نکاح کی وجہ سے حرام و ناجائز کے ارتکاب کی رخصت ہوتی ہے فقط واللہ اعلم اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(جواب ۷۶) (از حضرت مفتی اعظمؒ) اگر نکاح نہ کرنے کی صورت میں ظن غالب ہو کہ گناہ سرزد ہو جائے گا تو عورت کے ولی کو یہ رقم (جس کو فقہا نے رشوت قرار دیا ہے) (۱) دے کر نکاح کر لینا مباح ہے البتہ اگر روزے سے غلبہ شہوت کی تسکین ہو جائے یا صبر کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اس اعانت علی المعصیت اور رشوت دینے سے بچے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

چوتھا باب
سلام مصافحہ اور معانقہ

(۱) آداب عرض کہنے سے سنت سلام ادا نہیں ہوتی البتہ ہندو کو کہہ سکتے ہیں
(۲) غیر مسلم کو آداب عرض یا سلام سلام کہنا۔

(سوال) مسلمان کا مسلمان کو السلام علیکم کے بجائے آداب عرض وغیرہ کہنا کیسا ہے؟ ہندو کو آداب

---

(۱) لا باس بالرشوۃ اذا خاف علی دینہ والنبی ﷺ کان یعطی الشعراء ولمن یخاف لسانہ و کفی بھم المؤلفۃ من الصدقات دلیلاً علی امثالہ (الدر المختار مع الرد ۶/۴۲۳، ۴۲۴)

عرض وغیرہ کہنا مسلمان کے لئے جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۳۵ عین اللہ طرفدار (ضلع میمن سنگھ) ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ م ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۷) آداب عرض یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ شرعی اسلامی تحیۃ کے قائم مقام نہیں ہوں گے اور سنت اسلام ادا نہ ہوگی (۱) غیر مسلم کو ایسے حالات میں سلام کرنا یا آداب عرض کہنا جائز ہے کہ اس کی حیثیت ہندو ہونے کے تکریم مقصود نہ ہو (۲)

(۱) فاسق کے سلام کا جواب واجب نہیں جائز ہے
(۲) واڑھی منڈھا فاسق ہے
(۳) فاسق معلن کون ؟
(۴) غیر مقلدین کے سلام کا جواب دینا واجب ہے

(سوال) (۱) فاسق کے سلام کا جواب شرعاً کس درجے میں ہے ؟ کیونکہ شامی ص ۵۸۷ میں جو بیت (۲) کہ علامہ جلال الدین سیوطی کی نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جواب واجب نہیں ہے سوال یہ ہے کہ غیر واجب ہوتے ہوئے بھی جواب اولیٰ ہوگا یا کہ مکروہ اور پھر مکروہ بھی تحریمی یا کہ تنزیہی ؟
(۲) جو لوگ ڈاڑھی منڈاتے ہیں یا ایک قبضے سے کم رکھتے ہیں یہ بھی فاسق ہیں یا نہیں ؟
(۳) نیز شامی ص ۵۷۷ میں ہے کہ فاسق معلن کو سلام کرنا مکروہ ہے معلن اور غیر معلن میں فرق کیا ہے ؟
(۴) غیر مقلدین اگر سلام کریں تو جواب کا کیا حکم ہے ؟ اور حنفی غیر مقلد کو سلام کر سکتا ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۱۷۲ حاجی حسین احمد متالا (مانڈلے) ۲۰ محرم ۱۳۵۳ھ م ۵ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۷۸) (۱) فاسق کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں لیکن جواب دینا جائز ہے مکروہ نہیں (۳) (۲) جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں یا منڈی ہوئی مثل کترواتے ہیں وہ فاسق کی تعریف میں شامل ہیں (۴) لیکن جو لوگ ڈاڑھی رکھے ہوئے ہیں لیکن ایک قبضے سے کچھ کم ہے انکو فاسق کہنے میں احتیاط کرنی چاہئیے کیونکہ ایک قبضہ کی حد قطعی نہیں ہے اول الذکر لوگ چونکہ فاسق کے حکم میں ہیں ان کے سلام کا جواب بھی وہی حکم رکھتا ہے جو نمبر ایک میں مذکور ہوا۔

---

(۱) ولفظ السلام فی المواضع کلها السلام علیکم او سلام علیکم بالتنوین و بدون هذین کما یقول الجهال لا یکون سلاما (رد المحتار مع الدر ۶/ ۴۱۶)
(۲) و یسلم المسلم علی اهل الذمة لو له حاجة الیه والا کره هو الصحیح (قال فی الشامیه) المفهوم من المقام قال فی التاتارخانیه لان النهی عن السلام لتوقیره ولا توقیر اذا کان السلام لحاجة اذا سلم علی اهل الذمة فلیقل السلام علی من تبع الهدیٰ و کذالك یکتب فی الکتاب الیهم (رد المحتار مع الدر ۶/ ۴۱۲ ط سعید)
(۳) والسلام واجب الاعلی من فی الصلوة او باکل شغلا ... او سلم الطفل او السکران او شابه یخشی بها افتتان افاسق او ناعس او نائم ... الخ (ردالمحتار مع الدر : ۱/ ۶۱۸)
(۴) واما الا خذمنها وهی دوذالك کما یفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم یبحه احد واخذ کلها فعل الیهود و مجوس الاعاجم (الدر المختار مع الرد : ۲/ ۴۱۸)

(۳) فاسق معلن وہ ہے جو گناہ کبیرہ علی الاعلان کرے(۱)
(۴) غیر مقلدین کے سلام کا جواب دینا واجب اور ان کو سلام کرنا جائز ہے محض غیر مقلد ہونے کی وجہ سے ان کا کوئی جداگانہ حکم نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

غیر مسلم کو کن الفاظ کے ذریعہ سلام کیا جائے اور جواب میں کیا کہا جائے؟

(سوال) غیر مسلم کو السلام علیکم کہنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۴۹۶ محمد انور (ضلع جالندھر) ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۵ء
(جواب ۷۹) غیر مسلم کو السلام علی من اتبع الھدی کہے یا ان کے سلام کے جواب میں صرف وعلیکم کہہ دے(۲)

نماز فجر کے بعد مصافحہ کا التزام بدعت ہے

(سوال) بعد فراغت نماز صبح تمام مصلیان مسجد امام صاحب سے مصافحہ کرتے ہیں اور پھر آپس میں ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں روزانہ بعد ختم دعا کے یہ دستور کر رکھا ہے بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۵۴۰ حافظ بشیر حسین (مالوہ) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۸ جولائی ۱۹۳۵ء
(جواب ۸۰) ہاں نماز فجر کے بعد مصافحہ کرنے کا طریقہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں نہیں تھا اور اس کا رواج دینا اور التزام کرنا بدعت ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اذان یا اقامت کے دوران مسجد میں داخل ہونے والا شخص سلام نہ کرے

(سوال) اذان یا تکبیر یا جماعت ہو رہی ہو تو سلام جائز ہے یا نہیں اور اس سلام کا جواب غیر مؤذن پر یا غیر مکبر پر یا جو لوگ جماعت میں نہیں ابھی وضو کر رہے ہیں واجب ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۳۴۹ محمد یونس صاحب (متھرا) ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء
(جواب ۸۱) اذان یا تکبیر یا جماعت ہو رہی ہو تو اس وقت مسجد میں داخل ہونے والے کو چاہئے کہ سلام نہ کرے لیکن اگر وہ سلام کرے تو جو شخص فارغ ہو یعنی اذان یا تکبیر نہیں کہہ رہا ہے اور جماعت یا نماز نہیں

---

(۱) ویکرہ السلام علی الفاسق لو معلنا (قال المحقق) قولہ معلنا تخصیص لما قدمہ عن العینی و فی فصول العلامی ولا یسلم علی الشیخ المازح الکذاب واللاغی ولا علی من یسب الناس او ینظر وجوہ الاجنبیات و لا علی الفاسق المعلن ولا علی من یغنی او یطیر الحمام مالم تعرف توبتھم (رد المحتار مع الدر: ۶/۴۱۵)
(۲) اذا سلم علی اھل الذمۃ فلیقل السلام علی من اتبع الھدی وکذالک یکتب الیھم ولو سلم یھودی او نصرانی او مجوسی فلا باس بالرد ولکن لا یزید علی قولہ و علیک کما فی الخانیۃ (الدر المختار مع الرد: ۶/۴۱۲)
(۳) وموضع المصافحۃ فی الشرع انما ھو عند لقاء المسلم لاخیہ لا فی ادبار الصلاۃ فحیث وضعھا الشرع یضعھا فینھی عن ذالک و یزجر فاعلہ لما اتی بہ من خلاف السنۃ (رد المحتار مع الدر: ۶/۳۸۱)

پڑھ رہا ہے وہ جواب دیدے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

غیر مسلم کے سلام کے جواب میں کیا کہا جائے ؟

(سوال) اہل ہنود یا غیر مسلم کوئی بھی سلام کرے تو اس کو جواب کس طرح دینا چاہئیے - المستفتی نمبر ۲۳۲۵ حافظ محمد صدیق صاحب (سہارنپور) ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۹ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۸۲) غیر مسلم سلام کرے تو جواب میں صرف وعلیکم کہہ دیا جائے یا السلام علی من اتبع الہدیٰ یا یہدیکم اللہ کہہ دیا جائے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا مصافحہ کرتے وقت انگوٹھے پکڑنا سنت ہے ؟

(سوال) (۱) جب دو شخص مصافحہ کریں تو کیا ہر ایک پر دوسرے کے دونوں انگوٹھے پکڑنا سنت ہے یا صرف ایک ہاتھ کا انگوٹھا پکڑنا ہر ایک کو سنت ہے -

(۲) زید کا قول ہے کہ ہر ایک دوسرے کے دونوں انگوٹھے کو پکڑے ورنہ سنت کے خلاف ہوگا اور دلیل لاتا ہے کہ درمختار کی اس عبارت یعنی وفی القنیة السنة فی المصافحة بکلتا یدیه و تمامه فیما علقته علی الملتقی کی شرح میں علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں ونصه وھی الصاق صفحة الکف بالکف واقبال الوجه بالوجه فاخذ الا صابع لیس بمصافحة خلافا للروافض والسنة ان تکون بکلتا یدیه و بغیر حائل من ثوب وغیره عند اللقاء بعد السلام وان یاخذ الا بهام فان فیه عرقا ینبت المحبة کذا جاء فی الحدیث ذکره القھستانی وغیره - اھ جلد خامس کتاب الحظر والا باحه ص ۲۵۲ مطبوعه معربة الکبریٰ- تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس عبارت سے دونوں انگوٹھوں کا پکڑنا ثابت ہوتا ہے کہ سنت ہے یا صرف ایک انگوٹھے کا پکڑنا سنت ثابت ہوتا ہے -

(۳) ایک شخص کہتا ہے کہ انگوٹھا پکڑنا نہیں چاہئیے خواہ ایک ہو یا دو اور علامہ شامی کی عبارت خود متناقض ہے اس لئے کہ پہلے یہ فرماتے ہیں کہ فاخذ الا صابع لیس بمصافحة اور پھر فرماتے ہیں وان یاخذ الابهام تو اس کا کیا جواب ہے - المستفتی نمبر ۲۵۲۲ ظہور بیگ صاحب (بریلی) ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ م مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۳۹ء

(جواب ۸۳) (۱) انگوٹھوں کا پکڑنا مصافحہ کے مفہوم میں داخل نہیں ہے اس کے معنی ہاتھ ملانے کے ہیں نہ ایک انگوٹھا پکڑنا مسنون ہے نہ دونوں -

(۲) شامی نے یہ عبارت قہستانی سے نقل کی ہے قہستانی نے مصافحہ کے ذکر میں یہ عبارت لکھی

---

(۱) وصرح فی الضیاء وحاصلها انه اثم بالسلام علی المشغولین بالخطبة والصلاة او قراء ة القرآن او مذاکرة التعلیم او الاذان اوالا قامة وانه لا یجب الرد فی الاولین لانه یبطل الصلاة والخطبة کالصلوة و یردون فی الباقی لا مکان الجمع بین فضیلتی الرد وما هم فیه من غیر ان یؤدی الی قطع شئی تجب به اعادته
(ردالمحتار مع الدر: ۶/۶۱۶)

(۲) (حواله گزشته رد المحتار مع الدر : ۶/۴۱۲)

ہےهی سنة قديمة متواترة وقال ﷺ من صافح اخاه المسلم و حرك يده تنا ثرت ذنوبه و هی الصادق صفحة الكف بالكف واقبال الوجه بالوجه كما قال ابن الاثير فاخذ الا صابع ليس بمصافحة خلافاً للروافض كما فی الصلوة المسعوديه والسنة فيها ان يكون بكلتا يديه كما فی المنية وبغير حائل من ثوبه و غيره كما فی الخزانة و عند اللقاء بعد السلام كما فی الشرحة وان ياخذالا بهام قال ﷺ اذا صافحتم فخذوا الابهام فان فيه عرقا ينشعب منه المحبة- انتهی-
اس سے ثابت ہے کہ آخری یعنی ابہام کو پکڑنے کی انہوں نے نسبت کسی کتاب کی طرف نہیں کی اور جو حدیث ذکر کی ہے اس کی بھی کوئی سند نہیں بتائی اور خود صلوۃ مسعودیہ سے پہلے یہ نقل کر چکے ہیں کہ اخذ الا صابع ليس بمصافحة (۱)
(۳) یہی قول راجح ہے کہ انگوٹھے پکڑنا درست نہیں ہے- فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سلام کے بجائے رام رام کہنا گناہ اور کفار کا شعار ہے

(سوال) ایک شخص باہر سے آیا اور بجائے سلام مسنون کے رام رام کہا- اس کا کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۷۱۱ ا- ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۳۱ اگست ۱۹۳۷ء
(جواب ۸٤) رام رام کہنا سلام شرعی کی جگہ گناہ ہے کہ یہ کفار کا شعار ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سلام کن کن مواقع پر ممنوع ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۴ء)
(سوال) (۱) سلام کن کن مواقع پر نہیں کرنا چاہئے ؟
(جواب ۸۵) بول و براز کرنے کی حالت میں- ذکر کرنے والے کو- نماز پڑھنے والے کو- تلاوت کرنے والے کو- لہو ولعب میں مشغول شخص کو- کھانا کھانے والے کو- اذان کہنے والے کو سلام نہ کرنا چاہئے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مصافحہ کب سنت ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۳۷ء)
(سوال) مصافحہ اپنے مسلمان بھائی سے ہر حالت میں ملانا سنت ہے یا نہیں ؟
(جواب ۸٦) مصافحہ ابتدائے ملاقات کے وقت کرنا سنت ہے (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) (ردالمحتار مع الدر : ٦/٣٨١'٣٨٢)
(۲) ولفظ السلام فی المواضع كلها السلام عليكم أو سلام عليكم بالتنوين وبدون هذين كما يقول الجهال لايكون سلاما (ردالمحتار مع الدر: ٦/٤١٦)
(۳) سلامك مكروه على مصل وتال وذاكر ومحدث خطيب جالس لقضاته 'موذن لعاب شطرنج الخ (ردالمحتار مع الدر: ١/٦١٦)
(٤) وموضع المصافحة فی الشرع انما هو عند لقاء المسلم لأخيه لا فی أدبار الصلوة فحيث وضعها الشرع يضعها (رد المحتار مع الدر : ٦/٣٨١)

پانچواں باب
اجتماعیات و معاشرہ

جماعت سے خارج کرنا کن گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے؟

(سوال) جماعت سے خارج کرنا کن گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے؟
المستفتی نمبر ۵۳۳ شیخ بھائی جی (خاندیس) ۱۹ جمادی الاخری ۱۳۵۳ھ م ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء۔
(جواب ۸۷) جماعت سے خارج کرنا ان گناہوں کے ارتکاب سے ہوتا ہے جو قطعی حرام ہیں اور جن سے مسلمانوں کی سوسائٹی پر برا اثر پڑتا ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) مسجد کمیٹی کے اراکین نیک ہونے چاہئیں
(۲) سیرت النبی ﷺ کے نام پر مروجہ مشاعروں میں مسجد کی رقم خرچ کرنا اور شرکت جائز نہیں
(۳) ایسی مجلس اور مشاعرہ کو روکنا فرض ہے جس میں شریعت کی تضحیک کی جاتی ہو

(سوال) کچھ مسلمانوں نے تبلیغی واتحادی مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک انجمن قائم کی جو چندہ جمع کر کے اپنے پڑوس کی مسجد کی خدمت اور تبلیغی کاموں نیز مسلمانان علاقہ میں اتحاد و تنظیم قائم کرنے کے لئے خرچ کرتی ہے اتفاق سے گزشتہ انتخاب میں چند ممبران ایسے منتخب ہو گئے بلکہ عہدہ دار بھی بنادیئے گئے جو جمعہ کی نماز کے علاوہ کبھی مسجد میں یا کسی دوسری جگہ نماز پڑھتے نہیں دیکھے گئے نماز اور داڑھی اور دیگر شعائر اسلامی کا مذاق اڑاتے ہیں کہتے ہیں نماز پڑھنا اور داڑھی رکھنا تو چور ڈاکوؤں کا کام ہے جو نماز داڑھی سے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں ان لوگوں سے تنگ آکر حق پرست حضرات نے انجمن کے اجلاسوں میں شرکت چھوڑ دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغیر دوسرے ممبران کی رضامندی حاصل کئے یہ لوگ خلاف شریعت باتوں میں قوم کا روپیہ برباد کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اب انہوں نے مورخہ ۱۸ مارچ ۴۵ء کو سیرت النبی منانے کے لئے مشاعرہ کا اعلان کیا ہے دریافت طلب امور یہ ہیں کہ (۱) ان لوگوں کو انجمن مذکورہ میں ممبر و عہدے دار رکھا جائے یا نہیں ؟ (۲) ان کے اعلان کردہ مشاعرے میں مسلمانوں کو شریک ہونا چاہئے یا نہیں ؟ (۳) اگر آئندہ کسی اجلاس میں کوئی شخص اسی طرح شعائر اسلامی کی تضحیک یا توہین کرے تو حق پرست حضرات کو کیا کرنا چاہئے ؟ بینوا توجروا
(جواب ۸۸) (۱) نماز تو فرائض قطعیہ میں سے ہے اور داڑھی رکھنا بقدر ایک قبضے کے واجب ہے تارک

---

(۱) سوال وجواب میں کچھ ابہام ہے جماعت سے مراد جمعیۃ العلماء ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مطلق مسلمانوں کی جماعت مراد ہو جیسا کہ مسجد میں مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے اس لئے تخریج میں دشواری ہو رہی ہے اور بندہ کے خیال میں تخریج ضروری بھی نہیں ہے۔

نماز اور ڈاڑھی منڈانے والے فاسق ہیں اور جو لوگ نماز کو فرض نہ سمجھیں یا ڈاڑھی کا مذاق اڑائیں یا نماز پڑھنے والوں کو چور یا ڈاکو بتائیں وہ مسلمان ہی نہیں ایسے لوگ کسی اسلامی انجمن کے رکن یا عہدے دار بنانے کے لائق نہیں ہیں(۱)

(۲) اگرچہ آنحضرت ﷺ کی مدح و ثناء نظم میں کرنا جائز ہے لیکن مروجہ مشاعرے اور ان کا نظم و نسق غیر شرعی امور پر مشتمل ہوتا ہے نیز اکثر شعراء بوجہ علم شریعت نہ ہونے کے مدح میں ایسے مضامین لکھ جاتے ہیں جو حد شریعت سے متجاوز ہوتے ہیں لہذا ایسے عام مشاعروں کی شرکت بسا اوقات مضر اور موجب وبال ہو جاتی ہے نیز مسجد کی رقم اس مشاعرے پر خرچ نہیں کی جاسکتی۔

(۳) اگر کسی جلسے میں شریعت کی تضحیک و استہزاء کیا جاتا ہو اور اہل مجلس اسے روک سکتے ہوں تو روکنا فرض ہے اور نہ روک سکتے ہوں تو اس مجلس سے کنارہ کشی لازم ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

گناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا

(سوال) طوائفیں جو زنا کا پیشہ کرتی ہیں یا رقص کا، تمام عمر ان کی ایسے پیشے میں گزرتی ہے اور اپنی اولاد کو بھی یہی تعلیم دلواتی ہیں اور بظاہر ان کا خاتمہ بھی اسی حالت میں ہوتا ہے اور پھر دعویٰ مسلمان ہونے کا کرتی ہیں تو اہل اسلام کو ان سے میل ملاپ رکھنا درست ہے یا نہیں ؟ ان کی تقریبات میں اور طعام میں اہل اسلام شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟

(جواب ۸۹) جو انسان کہ توحید و رسالت کا یقین رکھے اور اقرار کرے اور ضروریات دین میں سے کسی کا منکر نہ ہو وہ مسلمان ہے اعمال سیئہ کے ارتکاب سے وہ کافر نہیں ہوتا اگرچہ زنا اور رقص حرام ہیں اور فواحش میں داخل ہیں اور ان کا مرتکب فاسق اور سخت گناہ گار ہے تاہم اس کے کفر کا حکم نہیں دیا جاسکتا(۳) ان لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھنا اور ان کی تقریبوں میں شامل ہونا اور ان کے یہاں کھانا پینا تو اختیار کرنا نہیں چاہئے لیکن ان کو داخل اسلام سمجھنا چاہئے اور ہمیشہ کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اس برے کام سے باز آکر درست راہ اختیار کریں اور اگر ان میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین مسلمانوں کے طریق سے کرنی چاہئے۔ محمد کفایت غفرلہ'

---

(۱) قال اللہ تبارک و تعالیٰ انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الاخر واقام الصلاۃ واٰتی الزکوۃ ولم یخش الا اللہ فعسی اولئک ان یکونوا من المھتدین (سورۃ التوبۃ ۱۸)

(۲)عن ابی سعید الخدری عن رسول اللہ ﷺ قال من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان (صحیح مسلم : ۱/ ۵۰)

(۳) والکبیرۃ لا تخرج العبد المؤمن من الایمان لبقاء التصدیق الذی ھو حقیقۃ الایمان ولا تدخل العبد المؤمن فی الکفر (شرح العقائد ۱۴۸ لکھنؤ)

قادیانیوں کے ساتھ کھانے پینے کا کیا حکم ہے؟

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۲۷ء)

(سوال) قادیانیوں کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۹۰) کھانا پینا تو جب کہ کوئی ناجائز اشیا اور ناجائز طریقے سے نہ ہو غیر مسلم کے ساتھ بھی جائز ہے ہاں میل جول رکھنا اور ایسی معاشرت جس سے عقائد و اعمال مذہبیہ پر اثر پڑے ناجائز ہے جمہور علمائے ہندوستان کے فتویٰ کے بموجب قادیانی کافر ہیں انکے ساتھ کھانا پینا اگر احیاناً اتفاقاً ہو تو مضائقہ نہیں لیکن ان کے ساتھ میل جول اور اسلامی تعلقات رکھنا ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان سے قطع تعلق پر مجبور کرنا جائز نہیں

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۸ / اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک حنفی مولوی صاحب اپنے مقتدیوں کو حلف اٹھانے پر مجبور کرتے ہیں کہ میرے مخالفوں سے بائیکاٹ کرو جو لوگ حلف اٹھانے سے انکار کرتے ہیں ان سے کہتے ہیں کہ تم ہماری جماعت سے خارج ہو ہمارا تم سے بائیکاٹ ہے وجہ صرف یہ ہے کہ وہ مولوی صاحب کو کچھ دیتے نہیں ہیں۔

(جواب ۹۱) مولوی صاحب کا یہ فعل اگر محض اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ مولوی صاحب کو کچھ دیتے نہیں ہیں تو بالکل غلط اور نامناسب بلکہ ناجائز ہے(۱) ہاں اگر کوئی اور دینی وجہ مقاطعہ کی ہو تو اسے بیان کیا جائے تاکہ اس کا حکم بتایا جاسکے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

سفر سے واپسی پر محرم عورتوں سے گلہ ملانے کا حکم

(سوال) سفر سے آکر جس طرح کوئی مردوں سے گلے لگتا اور معانقہ کرتا ہے اسی طرح محرمات عورتوں ماں بہن وغیرہ سے گلے لگنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۹۲) محرمات عورتوں ماں بہن پھوپھی خالہ سے اگر گمان غالب ہو کہ دونوں میں سے کسی کے دل میں بد خیالات پیدا نہ ہوں گے یا معانقہ کرنے والے بوڑھے ہوں تو معانقہ کرنا جائز ہے لیکن اجتناب بہتر ہے(۲)

(۱) دست بوسی اور قدم بوسی کا تفصیلی حکم
(۲) والدین کی قبر کو بوسہ دینے کا حکم

(سوال) نفس قدم بوسی میں علماء کا اختلاف معلوم ہوتا ہے ایک جماعت اس کے جواز کی قائل ہے

---

(۱) ان رسول اللہ ﷺ قال لا یحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاث لیال (صحیح مسلم : ۳۱۶/۲)

(۲) وما حل نظرہ مما مر من ذکر او انثی حل لمسہ اذا امن الشھوۃ علی نفسہ و علیھا لا نہ علیہ الصلاۃ والسلام کان یقبل راس فاطمۃ وقال علیہ الصلاۃ والسلام من قبل رجل امہ فکانما قبل عتبۃ الجنۃ وان لم یأمن ذالک اوشک فلا یحل لہ النظر والمس کشف الحقائق (رد المحتار مع الدر : ۳۶۷/۶)

دوسری جماعت اس کو منع کرتی ہے عالمگیری اور اشعۃ اللمعات میں عدم جواز کے قول کو مقدم ذکر کیا گیا ہے - عالمگیری ص ۲۰۴ ج ۵ میں ہے طلب من عالم او زاهد ان يدفع اليه قدمه ليقبله لا يرخص فيه ولا يجيبه الى ذالك عند البعض وذكر بعضهم يجيبه الى ذلك - اشعة اللمعات ص ۲۳ ج ٤ میں ہے اگر یکے از عالم یا زاہد التماس پا بوسی او کند باید کہ اجابت نکند و تمکین ندہد کذا فی القنیہ گفتہ الا باس بہ است اور در مختار میں جواز کے قول کو مقدم ذکر کیا ہے - طلب من عالم اوزاهد ان يدفع اليه قدمه و يمكنه من قدمه ليقبله اجابه و قيل لا يرخص كما في القنية مقدما للفصل - انتهى - علامہ شامی نے اس کے جواز کے بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے - اخرج الحاكم ان رجلا اتى النبي ﷺ فقال يا رسول الله ارني شيئا ازدا دبه يقينا فقال اذهب الى تلك الشجرة فادعها فذهب اليها فقال ان رسول الله ﷺ يدعوك فجاء ت حتى سلمت على النبي ﷺ فقال لها ارجعي فرجعت قال ثم اذن له فقبل راسه و رجليه وقال صحيح الاسناد - قال العيني في شرح الهداية و تعقبه الذهبي فقال عم بن حبان متروك - بعضے ترمذی کی اس حدیث کو پیش کرتے ہیں جو ترمذی کی جلد دوم ص ۹۸ میں ہے - ان قوماً من اليهود قبلوا يد النبي ﷺ وراسا و رجليه وقال الترمذي انه حسن صحيح قال العيني في شرح الهداية قال النسائي حديث منكر و قال المنذري وكان انكاره له من جهة عبدالله بن سلمة فان فيه مقالاً قال العيني فعلم من مجموع ما ذكرنا اباحة تقبيل اليد والرجل (شرح هدايه ص ٤٠٠ ج ٤) اور بعض اس حدیث سے دلیل لاتے ہیں جو مشکوٰۃ کے باب المصافحہ والمعانقہ میں ہے - عن زراع وكان في وفد عبدالقيس قال لما قدمنا المدينة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل يدرسول الله ﷺ ورجله رواه ابوداؤد اس کی شرح میں صاحب مظاہر حق ص ۶۳ ج ۴ میں تحریر فرماتے ہیں ظاہر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چومنا پاؤں کا جائز ہے لیکن فقہا اس کو منع کرتے ہیں پس اس حدیث کی توجیہ وہ یہ کریں گے کہ یہ خصائص آنحضرت سے ہو یا ابتدا میں یہ امر ہوا ہو یا وہ لوگ ناواقف تھے یا اضطرابی حالت میں ان سے یہ فعل صادر ہوا ہو فقہا کے اس اختلاف کی بنا کس امر پر ہے ؟ اور اس بارے میں قول صحیح کیا ہے ؟ بالتفصیل مع الدلائل تحریر فرمایا جائے -

(۲) اگر قدم بوسی بلا کراہت جائز ہو تو سر جھکا کر اگرچہ بحد رکوع یا سجود ہو جائز ہے یا نہیں ؟ اس بارے میں ہمارے اس دیار کے علماء میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ جب قدم بوسی جائز ہے تو اگرچہ بصورت رکوع و سجود انحنائے راس سے ہو تب بھی جائز ہے اور ایک جم غفیر علماء کہتے ہیں کہ قدم بوسی اس صورت میں جائز ہے جب کہ انحنائے راس بہیئت رکوع و سجود نہ ہو اور یہ لوگ اس بارے میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں جو مشکوٰۃ کے باب المصافحہ والمعانقہ میں ہے - عن انس قال قال رجل يا رسول الله الرجل منا يلقى اخاه او صديقه اينحني له قال لا رواه الترمذي - مرقاة شرح مشكوٰة جلد چهارم ص ٥٧٦ میں مرقوم ہے (اينحني له) الانحناء هو امالة الرأس والظهر تواضعاً و خدمة (قال لا) اى فانه في

معنی الركوع وهو كالسجود من عبادة الله تعالیٰ - و في شرح المسلم للنووی حتی الظهر مکروه للحديث الصحيح في النهي عنه ولا تعتبر كثرة من يفعله ممن ينسب الى علم و صلاح اشعة اللمعات ص ٢٤ ج ٤ وانحناء مائل گردانیدن سر وپشت است وطیبی از محی السنة نقل کرده که انحناء ظهر مکروه است از جهت ورود حدیث صحیح در نہی ازاں اگرچہ بسیارے از آنہا کہ منسوب بعلم وصلاح اند آں رامی کنند اما اعتبار واعتماد بداں نتواں کرد ودر مطالب المؤمنین از شیخ ابو منصور نقل کرده که گفت اگر بوسه دہد یکے پیش یکے زمین را یا پشت دو تا کند یا سر نگوں کرداند کافر نہ گردد بلکہ آثم است زیرا کہ مقصود تعظیم است نہ عبادت و بعض مشائخ در منع ازاں تغلیظ و تشدید بسیار کرده وگفتہ كاد الا نحناء ان يكون كفرا اسی طرح مظاہر حق کی جلد چہارم ص ٦١ میں مذکورہ ہے اور مجمع الانہر ص ۵۴۲ ج ۲ میں ہے - وفي القهستاني الايماء في السلام الى قريب الركوع كالسجود و في العمادية و يكره الانحناء لانه يشبه فعل المجوس و في ملتقى الابحر في المجتبى الايماء بالسلام الى قريب الركوع كالسجود والا نحناء مكروه اور رد المحتار کتاب الکراہیۃ میں ہے - في الزاهدى الايماء بالسلام الى قريب الركوع كالسجود و في المحيط انه يكره الانحناء للسلطان وغيره - اور جامع الرموز میں ہے - في الزاهدى الانحناء في السلام الى قريب الركوع كالسجود و في المحيط انه يكره للسلطان وغيره انتهى - ان عبارتوں سے ظاہر وہویدا ہے کہ انحناء کے طور پر قدم بوسی ناجائز ہے اور عالمگیری کے اندر تقبیل رجل میں جو یہ روایت ہے کہ طلب من عالم او زاهد ان يدفع اليه قدمه ليقبله اور در مختار میں جو یہ روایت ہے کہ طلب من عالم او زاهدان يدفع اليه قدمه و يمكنه من قدمه ليقبله اور غایۃ الاوطار جلد چہارم ص ۲۱۹ میں جو اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ "ایک شخص نے عالم یا زاہد سے اس کی درخواست کی کہ اپنا قدم اس کی طرف بڑھادے اور اس کو چومنے دے" یہ بآواز بلند بتاتی ہے کہ یہ قدم بوسی بطریق انحناء وامالہ نہیں اب کس فریق کا قول حق اور احق بالا تباع ہے -

(۳) تقبیل قدم کے کیا معنی ہیں ؟ آیا قدم کو بوسہ دینا یا حجر اسود کی طرح ہاتھ سے قدم کو مس کر کے اس ہاتھ کو بوسہ دینا یا عام معنی لئے جائیں ؟

(۴) حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے سجدہ کیا تھا اس پر قیاس کر کے جواز سجدہ تعظیمی بادشاہ وغیرہ پر دلیل پکڑنا کیسا ہے ؟

(۵) والدین کی قبر کی تقبیل میں یہاں کے علماء دو فریق ہو گئے ہیں بعض اس کے جواز میں اس عبارت کو پیش کرتے ہیں ولا يمسح القبر ولا يقبله فان ذلك من عادة النصارىٰ ولا باس بتقبيل قبر والديه كذا في الغرائب اور علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ تقبیل قبر والدین جائز نہیں ہے مأتہ مسائل ص ۷۷ میں ہے سوال - بوسہ گرفتن قبر والدین چہ حکم دارد - جواب - بوسہ دادن قبر والدین ناجائز است علی الصحیح - فی مدارج النبوۃ وبوسہ دادن قبر را و سجدہ کردن آں را و کلہ نہادن حرام و ممنوع است ودر بوسہ دادن قبر

والدین روایت فقہی نقل می کنند و صحیح آنست کہ لا یجوز انتہی اور مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی ص ۶۷ ج ۳ میں ہے سوال - بوسہ دادن قبر والدین جائز است یا نہ ؟ جواب - حرام است کذا صرح علی القاری وغیرہ اور غریب کتاب سے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے در مختار ص ۵۲ ج ۱ میں ہے فلا یجوز الا فتاء مما فی کتب الغریب اب کس فریق کا قول قابل تسلیم ہے اور کس کا نہیں ؟

(۶) بعض کہتے ہیں کہ در مختار میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ من قبل رجل امه فکانما قبل عتبة الجنة انتهی اور فتاویٰ حاوی میں آیا ہے کہ ان رجلاً جاء الی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ افی حلفت ان اقبل عتبة باب الجنة والحور العین فامره النبی علیه السلام ان یقبل رجل الام وجبهة الاب انتهی یہ دونوں روایتیں حدیث کی کسی معتبر کتاب میں آئی ہیں یا نہیں ؟ اور سنداً و متناً صحیح ہیں یا نہیں اور اس پر عمل کرنا جائز و درست ہوگا یا نہیں - بینوا توجروا

(جواب ۹۳) قدم بوسی فی حد ذاتہ جائز ہے تقبیل ید و قدم میں بحیثیت نفس تقبیل کے کوئی فرق نہیں اور دست بوسی اور قدم بوسی کا جواز متعدد احادیث سے ثابت ہے ادعائے تخصیص غیر موجہ ہے مجوزین نے اسی حکم اصلی کی بناء پر جواز کا فتویٰ دیا مانعین نے قدم بوسی کو سجدہ کا ذریعہ اور دواعی قرار دیکر سد اللباب ممانعت کا حکم لگا دیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عوام ایسے معاملات میں اکثری طور پر حد سے تجاوز کر جاتے ہیں پس واقف اور خاص آدمی کے لئے قدم بوسی میں مضائقہ نہیں اور عوام کو اجازت نہ دینا ہی احوط ہے(۱) واللہ اعلم

(۲) قدم بوسی کے لئے جھکنا اور قدم موضوع علی الارض تک منہ لے جا کر چومنا جائز ہے اور یہ انحناء یا خرور چونکہ خود مقصود نہیں بلکہ قدم بوسی کا ذریعہ ہے اس لئے انحناء ورکوع کی ممانعت اس طرف متوجہ نہیں کیونکہ ممنوع وہ انحناء یا رکوع ہے جو قصداً تعظیم کی نیت سے کیا جائے ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کے پاؤں میں دوا لگانے کے لئے جھکے تو یہ انحنا تو ضرور ہے مگر اس کو کوئی بھی ناجائز کہنے کی جرأت نہیں کرے گا کیونکہ بضرورت اور غیر مقصود ہے در مختار کی عبارت ان یدفع الیه قدمه و یمکنه من قدمه لیقبله اور غایۃ الاوطار کی عبارت "اپنا قدم اس کی طرف بڑھا دے" سے یہ سمجھنا کہ قدم چومنے کی اجازت بغیر انحناء و امالہ کے ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ دفع قدم اور قدم بڑھا دینے سے یہ مراد نہیں کہ اگر قدم بوسی کا ارادہ کرنے والا کھڑا ہو تو جس بزرگ کا قدم چومنا ہے وہ اپنا قدم اس کے منہ تک اٹھا کر چومنے کا موقع دے دفع قدم اور قدم بڑھا دینے سے چومنے والے کی طرف پاؤں پھیلا دینا مراد ہے اور اس صورت میں لا محالہ چومنے والا کھڑے یا بیٹھے ہونے کی حالت میں قدم تک جھک کر ہی چومے گا -

(۳) چومنے سے خود قدم کا چومنا مراد ہے قدم کو ہاتھ لگا کر ہاتھ کو بوسہ دینا ایک غیر ثابت اور غیر معقول فعل ہے حجر اسود کی تقبیل پر قیاس صحیح نہیں -

---

(۱) طلب من عالم اوزاهد یدفع الیه قدمه لیقبله لا یرخص فیه ولا یجیبه الیٰ ذالك وكذا اذا استاذن ان یقبل راسه او یدیه کذافی الغرائب (هندیة : ۵/۳۶۹)

(۴) شریعت مقدسہ میں سجدہ تحیت کی نہی صراحۃً موجود ہے اور امم سابقہ اور شرائع قدیمہ میں سجدہ کا جواز شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام نے باقی نہیں رکھا پس منسوخ اور منہی عنہ پر قیاس نہیں ہو سکتا۔

(۵-۶) تقبیل قبر والدین بقول راجح ناجائز ہے روایات منقولہ محتاج تصحیح ہیں۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ، دہلی

تالیاں بجانا لہو و لعب اور کفار کی مشابہت ہے

(سوال) فتویٰ متعلق تالیاں بجانے کے پہنچا خوب جواب ہے مگر آیت وما کان صلوتهم عند البيت الامكاءً و تصديه سے اگر کچھ استدلال ہو سکتا اور وہاں سے کچھ تالیوں کی قباحت اور برائی ثابت ہو سکتی ہو اور آپ کے خیال میں صحیح ہو تو اس کو لے کر تقریر فرمایئے تفسیروں میں ملاحظہ فرما کر تکلیف فرمایئے اور کچھ لکھئے اور آیت سے کچھ ثابت نہ ہوتا ہو تو جانے دیجئے اس لئے اس خط میں فتویٰ واپس بھیجتا ہوں تاکہ مکمل فرما کر روانہ فرمائیں اور کہیں کوئی عبارت ملے تو وہ بھی اور تشبہ کی کچھ تفصیل اور تالی کے لہو و لعب میں داخل ہونے کی دلیل (مولانا مولوی حکیم محمد ابراہیم صاحب راندیری از رنگون) ۲۴ دسمبر ۱۹۱۹ء۔

(جواب ۹۷) تالیاں بجانا لہو و لعب میں داخل ہے(۱) شریعت مقدسہ نے عورتوں کو جب کہ وہ نماز پڑھ رہی ہوں اور کوئی ضرورت پیش آئے اجازت دی ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ پر مار کر اپنا نماز میں مشغول ہونا ظاہر کر دیں لیکن ہاتھ کو ہاتھ پر مارنے کی صورت یہ تعلیم فرمائی کہ ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے ہاتھ کی پشت پر ماریں کیونکہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر مار کر بجانا لہو و لعب کی صورت اور رقاصوں کا فعل ہے نیز اظہار مسرت کے لئے مجامع میں تالیاں بجانا کفار یورپ کا خاص طریقہ ہے لہذا اہل اسلام کو اول اس وجہ سے کہ لہو و لعب کی صورت ہے دوم اس وجہ سے کہ کفار یورپ کی مشابہت ہے تالیاں بجانے سے باز رہنا چاہئیے یہ کہنا کہ شریعت میں اس کی ممانعت نہیں آئی لاعلمی پر مبنی ہے حضور سرور عالم ﷺ کا صاف ارشاد موجود ہے کہ "جو شخص کسی قوم کی مشابہت پیدا کرے گا وہ اسی قوم میں سے ہوگا" اور اچکن وغیرہ پر اس کو قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ اچکن اس لئے جائز ہے کہ اس میں صورت لہو نہیں اور نہ اب وہ کسی قوم کا فرکا خاص لباس ہے۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

عوامی پارک میں مسلمانوں کو تراویح اور دیگر مذہبی رسومات کی ادائیگی سے روکنا صحیح نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک پارک میں مسلمان عرصہ دراز سے نماز تراویح اور میلاد شریف سالانہ پڑھتے آئے ہیں

---

(۱) وكره كل لهو اى كل لعب و عبث ..... والا طلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق و ضرب الاوتار فانها كلها مكروهة لانها زى الكفار (رد المحتار مع الدر : ۶/۳۹۵)

موجودہ صورت میں ہندو ممبران بورڈ نے اپنی اکثریت سے پارک میں نماز تراویح اور میلاد شریف کو بند کر دیا ہے کیا اس مقام پر مسلمانوں کو بحیثیت پبلک کے افراد ہونے کے مذکورہ بالا مذہبی مراسم کو ادا کرنا چاہئیے یا نہیں ؟

(جواب ۹۵) جب کہ پارک میں پبلک کے مشترک حقوق ہیں اور مسلمان عرصہ دراز سے اس میں نماز اور مذہبی تقریب ادا کرتے آتے ہیں تو اب ان چیزوں سے روکنے کی کوئی وجہ نہیں مسلمانوں کو اپنے قائم شدہ حق کے بقاکی سعی کرنی چاہئیے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

شرابی قمار باز اور بے نمازی لوگوں سے تنبیھاً علیحدگی اختیار کرنی چاہئیے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۲۸ء)

(سوال) شراب پینے والے قمار بازی کرنے والے اور بے نماز مسلمان کے ساتھ میل جول رکھنا کیسا ہے ؟

(جواب ۹۶) شراب خور قمار باز اور بے نمازیوں سے میل جول رکھنا اچھا نہیں ایسے لوگوں سے تنبیہ اور زجر کی نیت سے علیحدہ رہنا چاہئیے(۱)　　محمد کفایت اللہ غفر لہ'

کسی کا شکریہ ادا کرنے کے لئے آداب عرض کے بجائے جزاک اللہ کہنا چاہئیے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۲۹ء)

(سوال) زید نے بکر سے پینے کے لئے پانی مانگا اور پانی پی کر " آداب عرض " کہا یہ جائز ہے یا نہیں ؟ اور یہی جواب کھانا کھانے یا پان کھانے کے بعد کہنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۹۷) پانی پلانے والے یا کھانا کھلانے والے یا کوئی اور بھلائی کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا اور اس کے لئے دعائے خیر کرنا مکافات کا کم از کم درجہ ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ کوئی احسان اور بھلائی کرے تو اول درجہ مکافات کا یہ ہے کہ تم اس سے بہتر اور اس سے زیادہ احسان اور بھلائی کرو اور نہیں تو اتنا بدلہ تو کر ہی دو اور اگر تمہاری مالی حالت اس کی متحمل نہ ہو تو کم از کم اس کے لئے دعائے خیر ہی کر دو اور جو اپنے محسن کا شکریہ ادا نہ کرے وہ خدا کا شکر گزار بھی نہیں(۲) شکریہ ادا کرنے یا دعا دینے مثلاً جزاک اللہ یا اللہ تمہیں خوش رکھے یا اسی قسم کا کوئی دعائیہ جملہ کہنے سے احسان و خدمت کرنے والے کا ثواب باطل نہیں ہوتا بلکہ جس کو پانی پلایا گیا ہے اس کی انسانیت (و اخلاق و احسان شناسی)

---

(۱) قال الخطابی رخص للمسلم ان یغضب علیٰ اخیہ ثلاث لیال لقلتہ ولا یجوز فوقھا الا اذا کان الھجران فی حق من حقوق اللہ تعالی فجوز فوق ذالک (مرقاۃ شرح مشکوۃ ۹/ ۲٦۲)

(۲) قال رسول اللہ ﷺ من لا یشکر الناس لا یشکر اللہ ھذا حدیث صحیح ترمذی ۲/ ۱٦) عن اسامۃ بن زید قال قال رسول اللہ ﷺ من صنع الیہ معروف فقال لفاعلہ جزاک اللہ خیرا فقد ابلغ فی الثناء ھذا حدیث حسن جید غریب (الجامع للترمذی ۲/ ۲۳)

ظاہر ہوتی ہے اور خود بھی شکر گزاری کے ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے ہاں یہ دوسری بات ہے کہ ادائے شکریہ میں یہ الفاظ یعنی "آداب عرض" کہنا کیسا ہے ؟ تو اگرچہ آج کل کا عرف یہ ہو گیا ہے کہ ان الفاظ کو ادائے شکریہ کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے مگر یہ اپنے مفہوم کے لحاظ سے نہ ادائے شکریہ کے لئے کافی ہیں نہ دعائے خیر کے لئے اگر بجائے ان کے جزاک اللہ یا شکریہ یا دلی شکریہ قبول فرمائیے کہا جائے تو زیادہ مناسب اور بہتر ہو گا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

ہیجڑے اور فاسق لوگوں سے خرید و فروخت نہ کرنا ہی بہتر ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۲۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) شہر ریواڑی ۱۹۲۶ء میں ہندو مسلم فساد ہوا اور ہندو دکانداروں نے مسلمان ملازموں کو اپنے یہاں سے بر طرف کر دیا مسلمانوں نے حلوائی کی دکانیں کھولیں مگر اب چند مسلمان حلوائی مسلمان طوائف اور مسلمان ہیجڑے کو سودا سلف نہیں دیتے وہ کہتے ہیں کہ ان کا پیسہ حرام کا ہے مسلمانان ریواڑی اور مسلم ایسوسی ایشن اور دیگر اسلامی انجمنیں اس بات پر مصر ہیں کہ مسلمان طوائف اور مسلمان ہیجڑے مسلمان دکانداروں سے ہی سودا خریدیں جب کہ وہ مردم شماری میں اور رائے شماری میں اپنے آپ کو مسلمان لکھواتے ہیں۔

(جواب ۹۸) جو دکاندار کہ رنڈیوں اور ہیجڑوں کے ہاتھ سودا فروخت نہیں کرتے ان کا یہ فعل صحیح ہے(۱) انجمن کو چاہئے کہ وہ اس معاملے میں حد اعتدال سے تجاوز نہ کرے اور رنڈیوں اور ہیجڑوں سے بھی تعرض نہ کرے کہ وہ ضرور مسلمان سے ہی سودا خریدیں انہیں اپنے حال پر چھوڑ دے جہاں سے وہ چاہیں خریدیں یہ سعی کریں کہ مسلمان عورت رنڈی نہ بنے اور کوئی مسلمان ہیجڑا نہ بنے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) سسر کو باپ کہہ کر پکار سکتے ہیں
(۲) مجذوم کے ساتھ کھانے پینے میں کوئی مضائقہ نہیں
(۳) مذاق کیسا ! اور کن لوگوں کے ساتھ جائز ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) (۱) کیا سسر کو باپ کہہ کر پکار سکتے ہیں ؟ (۲) مجذوم کے ساتھ بیٹھ کر کھاپی سکتے ہیں یا

---

(۱) قال ابن عبدالبر اجمعوا علی انہ لا یجوز الهجران فوق ثلاث الا لمن خاف من مکالمته ما یفسد علیه دینه او یدخل منه علی نفسه او دنیاه مضرة فان کان کذالك جاز و رب هجر جمیل خیر من مخالطة مؤذیة (فتح الباری ۱۰ : ٤١٤ ط مصر)

نہیں ؟ (۳) مذاق کن لوگوں سے جائز ہے ؟

(جواب ۹۹) (۱) جائز ہے (۲) جائز ہے (۱) (۳) دوستوں اور بے تکلف لوگوں سے - لیکن مذاق فحش اور غیر مہذب اور جھوٹ پر مشتمل نہ ہو - (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حج سے آنے والے کو مبارکباد دیتے ہوئے آیت پڑھنے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۵ مئی ۱۹۳۴ء)

(سوال) کچھ لوگ حج کر کے آئے ان کو مبارکباد پیش کرنے کے لئے جلسہ ہوا ایک صاحب نے مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا کہ " خدا تعالیٰ نے داخلہ حرم کی بابت اپنے رسول ﷺ کو **لقد صدق الله رسوله الرؤيا الخ** کہہ کر مبارکباد دی ہے اس لئے میں بھی زائرین بیت الحرام کو ان کی اس خوش قسمتی پر مبارکباد دیتا ہوں" قرآن کی آیت اس طرح بطور دلیل پیش کر کے مبارکباد دینا کوئی گناہ تو نہیں ؟

(جواب ۱۰۰) کوئی گناہ نہیں　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) نئے گھر کی تیاری کی خوشی میں دعوت جائز ہے مگر اس کو ضروری نہ سمجھا جائے
(۲) ایصال ثواب جائز مگر گیارہویں شریف کی تخصیص بدعت ہے
(۳) قصص الانبیاء اور تذکرۃ الاولیاء نامی کتابوں میں صحیح اور ضعیف قسم کی روایتیں ہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) (۱) نیا گھر تیار کرنے کے بعد اس میں رہنے سے پہلے مولود خوانی کرانا اور بکرا ذبح کر کے لوگوں کو کھانا کھلانا اور اس کام کو گھر کی ٹھنڈک کہا جاتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں (۲) اگر کوئی مطلق گیارہویں کے نام سے کھانا کھلاوے اور اس کا ثواب پیران پیر کے نام سے ایصال کرے اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ (۳) کتاب تذکرۃ الاولیا اردو مصنفہ حضرت شیخ فرید الدین اور قصص الانبیاء کا اس مستند اور صحیح ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۰۱) (۱) نئے گھر کی تیاری کی خوشی میں کھانا کھلانا یا مجلس وعظ منعقد کرنا جائز ہے لیکن اس کو نہ تو ضروری سمجھا جائے اور نہ بطور پابندی رسم کے کیا جائے بلکہ محض بہ نیت اوائے شکریہ نعمت خداوندی کیا جائے (۲) (۲) ایصال ثواب کے لئے صدقہ خیرات کرنا جائز ہے لیکن گیارہویں شریف کی تخصیص اور اس نام سے نہ کرنا چاہئے (۲) (۳) قصص الانبیاء اور تذکرۃ الاولیا میں صحیح اور ضعیف ہر قسم کی باتیں ہیں - محمد کفایت اللہ

---

(۱) عن جابرؓ ان رسول الله ﷺ اخذ بيد مجذوم فادخله معه في القصعة ثم قال كل بسم الله ثقة بالله وتوكلاً عليه (ترمذی ۲ / ۳) (۲) وفي هذا الحديث فوائد كثيرة منها جواز تكنيه من لم يولد له ..... وجواز المزاح الخ (شرح نووی لمسلم : ۲ / ۲۱۰) (۳) قال الله واما بنعمة ربك فحدث ' آیت مذکورہ میں کوئی قید نہیں ہے لہذا تمام شرائط و قیود سے پاک الرویٰ ومحبت و توضیح قید نہیں -

(۱) صرح علماء نا في باب الحج عن الغير الخ (حوالہ گزشتہ رد المحتار مع الدر : ۲ / ۲۴۳)

سود خوروں کے ہاں کھانا کھانے کا حکم ...... اور ان کی رقم مسجد میں لگا سکتے ہیں.

(الجمعیۃ مورخہ ۵ جون ۱۹۳۷ء)

(سوال) سود خوار کے ہاں کھانا پینا اور سود خوار کا پیسہ مسجد میں لگانا کیسا ہے؟

(جواب ۱۰۲) سود خوار کی اگر جائز آمدنی بھی ہو تو اس کے ہاں کھانا کھانا جائز ہے اور اس کی جائز آمدنی کا روپیہ مسجد میں لگانا بھی جائز ہے(۱) اور آمدنی خالص حرام ہو تو اس کے ہاں کھانا بھی ناجائز اور اس کا روپیہ مسجد میں لگانا بھی ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

چھٹا باب
ماکولات و مشروبات

(۱) قبروں پر چڑھاوا حرام ہے

(۲) عرس چالیسواں وغیرہ دھوم دھام بدعت ہے

(سوال) جو قبروں پر کھانا وغیرہ کا چڑھاوا آتا ہے خادم لوگ وہ کھانا طلبا کو دیدیتے ہیں یہ کھانا طلبہ کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) جو شخص گیارہویں 'عرس' چالیسواں وغیرہ کرے اور قبروں پر جو دھوم دھام ہوتی ہے اس کو اچھا سمجھ کر شریک ہو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

(جواب ۱۰۳) قبروں کا چڑھاوا حرام ہے(۲) گیارہویں 'عرس' چالیسواں اور قبروں پر دھوم دھام کرنا یہ سب بدعت ہے(۳) محمد کفایت اللہ غفرلہ' سنہری مسجد دہلی

فرقہ مہدویہ کافر ہے ان کا ذبیحہ حلال نہیں

(سوال) جو کہتے ہیں کہ توبہ کا دروازہ بند ہو گیا انکے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۰۴) فرقہ مہدویہ جو اطراف دکن میں پایا جاتا ہے کافر ہے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں(۴)

اہل کتاب کا ذبیحہ اور ان کی لڑکیوں سے نکاح کا کیا حکم ہے؟

(سوال) عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ کا ذبیحہ اور قربانی کیسی ہے ان لوگوں سے رشتہ کرنا اور ان کے

---

(۱) اکل الربا و کاسب الحرام اهدی الیه او ضافه و غالب ماله حرام لا یقبل ولا یؤکل مالم یخبره ان ذالك المال اصله حلال' ورثه او استقرضه وان کان غالب ماله حلالا لا باس بقبول هدیته والا کل منها کذافی الملتقط (فتاوی هندیه : ۵/۳۴۳ ط کوئٹه)

(۲) واعلم ان النذور الذی یقع للا موات من اکثر العوام وما یوخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیهم فهو بالا جماع باطل و حرام (رد المحتار مع الدر ۲/۴۳۹)

(۳) ولا یجوز ما یفعل الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السراج والمساجد الیها ومن الاجتماع بعد الحول کالا عیاد و یسمونه عرسا (تفسیر مظهری ۲/۵۲ ط کوئٹه)

(۴) و شرط کون الذابح مسلما (الدر المختار مع الرد : ۶/۲۹۶)

ساتھ بیٹھ کر کھانا کیسا ہے؟

(جواب ۱۰۵) عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے(۱) لیکن قربانی ان کے ہاتھ سے کرانا مکروہ ہے ان کی لڑکیوں سے شادی کر لینا ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بشرطیکہ ارتکاب ممنوعات نہ ہو جائز ہے(۲)

پانی میں مری ہوئی مچھلی کا کھانا جائز نہیں......!

(سوال) جو مچھلی مر کر پانی میں تیرنے لگے اس کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۰۶) جو مچھلی مر کر پانی پر تیرنے لگے اور اس کے مرنے کا سبب معلوم نہ ہو اس کا کھانا جائز نہیں ولا یحل حیوان مائی الا السمك غیر الطافی علی وجه الماء الذی مات حتف انفه وهو ما بطنه من فوق فلو ظهره من فوق فلیس بطاف فیوکل کما یوکل ما فی بطن الطافی الخ (درمختار مختصراً) قال العلامة عبدالبر الاصل فی اباحة السمك ان مامات بافة یؤکل ومامات بغیر آفة لا یؤکل (رد المحتار) (۳)

(۱) کیا فاسق و فاجر مسلمان سے قطع تعلق جائز ہے؟
(۲) بازاروں اور میلوں میں رکھے ہوئے گھڑوں سے پانی پینا
(۳) کسی پر دباؤ ڈال کر چندہ وصول کرنا جائز نہیں

(سوال) زید کا عقیدہ ہے کہ مسلمان سود خوار شرابی زانی قمار نشہ باز رشوتی حقہ نوش وغیرہ کیسے ہی افعال منکرات کا مرتکب ہو جو شخص نمازی یا صاحب تقویٰ اس کے ساتھ کھانا کھانے یا اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرتے ہیں سخت غلطی پر ہیں حدیث صحیح سے اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے اور ساتھ ہی اس کے کل مؤمن اخوۃ ثبوت میں پیش کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ ایسے شخص سب مومن ہیں اور مومن کا پس خوردہ کھانے اور ساتھ کھانے میں شفا ہے اور جو لوگ اہل ہنود کی اشیاء خوردنی قیمتاً مول لینا اور ان کے یہاں دعوت کھانا مسلمانوں کو ناجائز قرار دیتے ہیں یہ بھی صحیح نہیں ہے اگر کوئی اس کے عدم جواز کا ثبوت رکھتا ہو تو بتلا دے اور عمرو زید کے قول کا مخالف ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان دونوں میں کون حق پر ہے؟

(۲) جو لوگ بازاروں میں یا میلوں میں پانی پینے کے گھڑے رکھتے ہیں اور ہر قسم کے لوگ مسافر و مقیم اور شرابی سود خوار وغیرہ بلا احتیاط برتن میں ڈال کر پانی پیتے ہیں اور اس برتن میں ان کا پس خوردہ پانی بھی ضرور رہ جاتا ہے تو نمازی صاحب تقویٰ کو ایسے برتنوں سے پانی پینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) وکره ذبح الکتابی الخ بالاجر لا بها قربة و لا ینبغی ان یستعان بالکافر فی امور الدین ولو ذبح جاز لانه من اهل الذبح بخلاف المجوسی (رد المحتار مع الدر ۶/۳۲۸)

(۲) وصح نکاح کتابیة وان کره تنزیها مؤمنة نبی مرسل مقرة بکتاب منزل .. وکذا حل ذبیحتهم (الدر المختار مع الرد ۳/۴۵)

(۳) (رد المحتار مع الدر : ۶/۳۰۷)

(۳) اس قصبے میں عرصہ ۹ سال سے ایک مدرسہ قائم ہے مدرسے کے اخراجات اہل قصبہ کے چندہ پر منحصر ہیں چونکہ یہاں کے لوگ عام طور پر جاہل اور بے قدر ہیں اسلام سے دلچسپی نہیں اس وجہ سے مدت سے چندہ دینا بھی بند کر دیا ہے اس لئے جن اشخاص کو اس معاملے سے ہمدردی تھی انہوں نے کام بند ہوتا دیکھ کر اعلان کر دیا کہ جو کوئی چندہ نہیں دے گا اس کے یہاں طالب علم بوقت سوئم جب تک مقررہ رقم چندہ ادا نہ کرے گا نہیں جائیں گے اس اعلان سے بعض نا سمجھ سوئم میں دینے لگے ہیں آیا یہ بندوبست جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۰۷) (۱) مسلمان آدمی خواہ کتنا ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہو مسلمان مؤمن تو ہے پھر اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہ کھانے اور برادرانہ تعلقات نہ رکھنے سے اگر اس کی امید ہو کہ یہ اپنے افعال سے باز رہے گا تو ترک تعلقات بہتر ہے اور باوجود اس کے اگر کوئی اس کے ساتھ تعلقات رکھے تو ایسا گناہ نہ ہوگا جیسا کافر کے ساتھ رکھنے کا ہوتا ہے اصل حکم اسلام کا یہی ہے کہ انسان کا بدن ہاتھ منہ وغیرہ پاک ہے یہاں تک کہ کافر کا جھوٹا پانی بھی پاک ہے اس بنا پر کفار کے ہاتھ کی بنائی ہوئی پکائی ہوئی چیزیں خریدنا اور استعمال کرنا جائز ہے ہاں اگر یہ گمان غالب ہو کہ وہ ناجائز اور ناپاک چیزیں ملا دیتے ہیں تو اس وجہ سے ان سے خرید و فروخت ناجائز ہوگی۔(۱)

(۲) جب تک یقینی طور پر یا گمان غالب کے ساتھ متحقق نہ ہو جائے کہ اس پانی میں کوئی ناپاکی پہنچ گئی ہے اس کا استعمال جائز ہے۔(۲) ہاں اگر کوئی احتیاط اور تقویٰ کی بناء پر نہ پئے اس کو اختیار ہے پس خوردہ مسلمان کا تو کیا کافر کا بھی پاک ہے متقی پرہیز گار آدمی کو مسلمان کا پس خوردہ خواہ وہ کیسا ہی ہو استعمال کرنا جائز ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ناجائز سمجھنا احکام شرعیہ کی خلاف ورزی ہے۔(۳) رد المحتار میں ہے والآدمی مکرم وان کان کافرا۔

(۳) صورت مسئولہ میں ان سے اس صورت سے چندہ وصول کرنا جائز نہیں خواہ وہ دیں یا نہ دیں(۴) والله اعلم

کفار کے ہاتھوں سے بنی ہوئی اشیاء کے استعمال کا حکم

(سوال) (۱) جہاں مسلمانوں کو کوئی چیز بجز گھی اور دودھ کے مسلمانوں کی بنائی ہوئی نہیں ملتی تو مسلمانوں کو ہندوؤں کی بنی ہوئی چیز مثلاً مٹھائی وغیرہ لینی یا کھانی جائز ہے یا نہیں؟

(۲) قنددانہ والی کھانی جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۰۸) غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی یا اس کی چھوئی ہوئی تر چیزیں مسلمانوں کو لینا اور کھانا فی

---

(۱) قال الطبری : قصة کعب بن مالک اصل فی هجران اهل المعاصی انما لم یشرع هجرانه (ای الکافر) بالکلام لعدم ارتداعه بذالک عن کفره بخلاف العاصی المسلم فانه ینزجر بذالک غالبا (فتح الباری لابن حجر ۱۰/۴۱۵ ط مصر)

(۲) الیقین لا یزول بالشک (الاشباه والنظائر ۵٦ ط بیروت)

(۳) فسؤر الآدمی مطلقا ولو جنبا او کافرا الخ (الدر المختار مع الرد : ۱/۲۲۲)

(۴) عن ابی حرة الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله ﷺ الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرء الا بطیب نفس منه رواه البیهقی (مشکوة ۲/۲۵۵ ط قرآن محل کراچی)

حد ذاتہ جائز ہے کیونکہ اسلام نے انسان کے بدن کو پاک قرار دیا ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر(۱) ۔ دوسری بات ہے کہ مسلمانوں کو اپنی اقتصادی حالت درست کرنے کی غرض سے نیز اسلامی غیرت کی بناء پر ایسے کافروں کے ہاتھ کی چیزیں لینی اور کھانی نہیں چاہئیے جو ان کے ساتھ نہایت بے عزتی کا برتاؤ کرتے ہیں اگر کوئی مسلمان مجبوری کی حالت میں ایسا کرے تو بقدر مجبوری معذور ہوگا ورنہ بے شرم اور قوم کا بد خواہ متصور ہوگا۔
(۲) دانہ والی قند جب کہ اس کی نجاست کا یقین یا ظن غالب نہ ہو فی حد ذاتہ جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ

(۱) انگریزی دواؤں کا استعمال جائز ہے
(۲) ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنا جائز ہے
(۳) کپورے، گردے اور حرام مغز کا حکم

(سوال) (۱) کیا وہ دوا جس میں شراب پڑی ہو لیکن نشہ آور نہ ہو پینی جائز ہے یا نہیں جب کہ حرمت شراب کی وجہ محض نشہ آور ہونا ہی ہے (۲) ڈاکٹری دواؤں میں اکثر تھوڑی بہت شراب ہوتی ہے ان کا استعمال کیسا ہے ؟ اسی خیال کو مد نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹری کی تعلیم پڑھنا اور پڑھوانا کیسا ہے (۳) بکرے کے خصیے حرام مغز اور گردے کھانا جائز ہیں یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۴۱ ابو محمد رشید خان قرول باغ دہلی ۲۶ رجب ۱۳۵۳ھ م ۶ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۰۹) انگریزی دوا کا استعمال جائز ہے (۲) بشرطیکہ اس میں نشہ لانے کی صلاحیت نہ ہو (۲) تھوڑی بہت آمیزش شراب اس وجہ سے موجب ممانعت نہیں کہ وہ شراب جو ناپاک ہے ان دواؤں میں نہیں ہوتی ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنا جائز ہے (۳) (۳) کپورے کھانا مکروہ ہے گردے جائز ہیں حرام مغز نہ حرام ہے نہ مکروہ یونہی بیچارہ بدنام ہو گیا۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

آب زمزم کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے

(سوال) آب زمزم کھڑے ہو کر لوگ پیتے ہیں اگر کوئی بیٹھ کر پیے تو کوئی گناہ ہے نیز کون سا پانی کھڑے ہو کر پینا چاہئیے ؟

(جواب ۱۱۰) آب زمزم کو کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے بیٹھ کر پینے میں کوئی گناہ نہیں ہے (۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) لا باس بطعام اليهود والنصارى كله من الذبائح وغيرها ولا باس بطعام المجوس كله الا الذبيحة فان ذبيحتهم حرام (هنديه ۵ / ۳۴۷ ط كوئته)
(۲) اليقين لا يزول بالشك (الاشباه والنظائر ۵۶ ط بيروت)
(۳) قال في تبيين المحارم : واما فرض الكفاية من العلم فهو كل علم لا يستغنى عنه في قوام امور الدنيا كالطب والحساب الخ (مقدمه رد المحتار مع الدر ۱ / ۴۲)
(۴) كره تحريما وقيل تنزيها والاول اوجه من الشاة سبع الحياء والخصية والغدة والمثانة والمرارة الخ (الدر المختار مع الرد ۶ / ۷۴۹)
(۵) ومن اراد به ان يشرب بعده من فضل وضوئه كماء زمزم مستقبل القبلة قائماً او قاعداً وفيما عداهما يكره قائما تنزيها (الدر المختار مع الرد ۱ / ۱۲۹)

افیون کی خرید و فروخت جائز ہے

(سوال) افیون کی خرید و فروخت کا کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۱۷۱۲ حاجی حسین احمد مٹالا (مانڈلے) ۲۰ محرم ۱۳۵۳ھ م ۵ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۱۱) افیون کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے گو قانون وقت اس کو لائسنس کے ساتھ جائز رکھتا ہے مگر شرع میں یہ قید نہیں ہے اس کی قیمت کے پیسے جائز اور حلال ہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ

کیا جھینگا حلال ہے؟

(سوال) (۱) جھینگا مچھلی تازی یا سوکھی یا اور کوئی مچھلی سوکھی ہوئی جس میں کچھ بدبو ہو کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ (۲) کھاری مچھلی یعنی مچھلی پکڑ کر اور شکم چاک کر کے آلائش نکال کر نمک بھر کر اور نمک میں مل کر سکھاتے ہیں جس میں حد سے زیادہ بدبو ہوتی ہے وہ مچھلی مدراس سے آتی ہے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۴۰۵ حافظ احمد نگرل پور ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ م یکم اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۱۲) جھینگا مچھلی مختلف فیہ ہے(۲) جو علماء اسے مچھلی کی قسم سمجھتے ہیں وہ حلال کہتے ہیں سوکھی مچھلی کھانی جائز ہے (۲) کھا سکتے ہیں جو کھا سکے اور بدبو سے متاثر نہ ہو اس کے لئے حلال ہے (۳) محمد کفایت اللہ

تاڑی میں اگر نشہ ہو تو اس کا پینا حرام ہے

(سوال) تاڑی قبل طلوع آفتاب اتاری جائے تو اس کا پینا کیسا ہے؟ المستفتی نمبر ۴۳۲ غلام ربانی ۱۶ رمضان ۱۳۵۳ھ م ۲۴ دسمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۱۳) طلوع آفتاب سے پہلے اتارنے کی صورت میں غالباً اس میں سکر یعنی نشہ اور جھاگ وغیرہ نہیں ہوتے تو اس حالت میں اس کا پینا جائز ہے لیکن جب اس میں سکر اور اشتداد ہو تو پینا حرام ہے خواہ طلوع آفتاب سے پہلے ہی اتاری گئی ہو کیونکہ تاڑی کے مستعمل برتن میں بہت جلد نشہ پیدا ہو جاتا ہے البتہ برتن کورا ہو اور آفتاب نکلنے سے پہلے اتار لیا جائے تو غالب یہی ہے کہ نشہ نہیں ہوتا غرض حلت و حرمت کا مدار نشہ نہ ہونے یا ہونے پر ہے(۱) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مدت رضاعت کے بعد عورت کا دودھ پینا حرام ہے

(سوال) زید اپنی بیوی کا دودھ پینا جائز سمجھتا ہے۔ المستفتی نمبر ۶۱۱ حکیم محمد قاسم (ضلع میانوالی)

---

(۱) وصح بیع غیر الخمر مما مر و مفادہ صحۃ بیع الحشیش والافیون (قال فی الشامیۃ) ای عندہ خلافا لھما فی البیع والضمان لکن الفتوی علی قولہ فی البیع و علی قولھما فی الضمان الخ (الدر المختار مع الرد : ۶/۴۵۴)

(۲) ولا یحل حیوان مائی الا السمک (الدر المختار مع الرد ۶/۳۰۶)

(۳) واللحم اذا انتن یحرم اکلہ والسمن واللبن والزیت والدھن اذا انتن لا یحرم (ھندیۃ ۵/۳۳۹ کوئٹہ)

(۴) الشراب ما یسکر والمحرم منھا اربعۃ انواع الاول الخمر وھی النئی من ماء العنب والثالث السکر وھو النئی من ماء الرطب اذا اشتد و قذف بالزبد والکل حرام اذا غلی واشتد والا لا یحرم اتفاقا الخ (التنویر و شرحہ ۶/۴۴۸ تا ۴۵۲)

(جواب ۱۱٤) بیوی کا دودھ پینا حرام ہے سوائے مدت رضاعت کے عورت کا دودھ استعمال کرنا خواہ شوہر کرے یا کوئی اور حرام ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حالت جنابت میں کھانے پینے کا حکم

(سوال) حالت جنابت میں کھانا پینا درست ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۶۱۱ حکیم محمد قاسم (ضلع میانوالی) ۷ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۶ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۱۵) جنابت میں کھانا پینا درست ہے بہتر یہ ہے کہ وضو کر کے کھائے پئے اور بغیر وضو کئے صرف ہاتھ اور منہ دھو کر کھا پی لے تو یہ بھی ناجائز نہیں خلاف اولیٰ ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

شراب کی حرمت قرآن وحدیث اور اجماع سے ثابت ہے

(سوال) بعض صاحبان کہتے ہیں کہ کلام پاک میں شراب کو حرام کہیں نہیں لکھا ہے صرف ممانعت آئی ہے آیا یہ صحیح ہے اور حدیث شریف میں اسکے لئے کیا حکم ہے۔ المستفتی نمبر ۷۹۴ منشی شفیق احمد (بمبئی) ۲ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۴ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۱۶) خمر یعنی شراب کو قرآن مجید میں رجس فرمایا ہے اور رجس کے معنی پلید اور ناپاک کے ہیں اور پلید اور ناپاک حرام ہے اور احادیث صحیحہ میں صراحۃً خمر کو حرام فرمایا گیا ہے اور اس قدر کثرت سے حدیثیں مروی ہیں کہ شراب کی حرمت متواتر کے درجے تک پہنچ گئی ہے اور امت محمدیہ مرحومہ کا حرمت خمر پر اجماع ہو چکا ہے اس لئے شراب کی حرمت کا انکار کرنا کفر ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

ذبح شدہ جانور کے فوطے، عضو تناسل، آنت اور اوجھڑی کا حکم

(سوال) بکرے وبیل وبھینسے ذبح شدہ کے فوطے وعضو تناسل وآنت واوجھڑی بلا کراہت کے مذہب حنفی میں کھانا جائز ہے یا نہیں - المستفتی نمبر ۱۰۴۲ حافظ اکرام الدین صاحب (بی این آر) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۷ جولائی ۱۹۳۶ء

---

(۱) ولم یبح الارضاع بعد مدتہ لانہ جزء الادمی والا نتفاع لغیر ضرورۃ حرام علی الصحیح (الدر المختار مع الرد ۲۱۱/۳)

(۲) ویکرہ لہ قراء ۃ توراۃ وانجیل و زبور ...... لا قراء ۃ قنوت ولا اکلہ و شربہ بعد غسل ید و فم ... الخ (رد المحتار مع الدر ۱۷۵/۱)

(۳) والثالث ان عینھا حرام غیر معلول بالسکر ولا موقوف علیہ ومن الناس من انکر حرمۃ عینھا ... وھذا کفر لا نہ جحود الکتاب فانہ سماہ رجسا والرجس ماھو محرم العین وقد جاءت السنۃ متواترۃ ان النبی علیہ السلام حرم الخمر و علیہ انعقد الاجماع الخ (الھدایۃ ٤/٤۹۳ شرکت علمیہ ملتان)

(جواب ۱۱۷) مذبوحہ جانور کے خصیے اور عضو تناسل کھانا مکروہ تحریمی ہے(۱) اوجھڑی بلا کراہت حلال ہے
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٔ دہلی

تاڑی میں اگر نشہ آ گیا ہو تو پینا درست نہیں

(سوال) تاڑی کا پینا مطلقاً جائز ہے یا آفتاب نکلنے سے قبل جو اتاری جاتی ہے اس کا پینا جائز ہے کیونکہ اس میں نشہ نہیں ہوتا - المستفتی نمبر ۱۲۲۹ فصاحت حسین (شہر گیا) ۲۵ رجب ۱۳۵۵ھ م ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۱۸) آفتاب نکلنے سے پہلے اس میں نشہ اور سکر نہیں ہوتا اس لئے جو پانی کہ آفتاب کے نکلنے سے پہلے درخت پر سے اتار لیا جائے اس کا پینا حلال ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

طوائف کے گھر کا کھانا پینا استعمال نہیں کرنا چاہئے

(سوال) طوائف کے گھر کا کھانا یا کوئی چیز مسجد میں آئے رمضان شریف میں تو اس سے روزہ افطار کرنا جائز ہے یا نہیں - المستفتی نمبر ۱۳۷۸ شیخ اعظم شیخ معظم (مغربی خاندیس) ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۱ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۱۹) طوائف کے گھر کی کوئی چیز لینی اور کھانی پینی نہیں چاہئے -(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کا استعمال......

(سوال) شراب اور دیگر مسکرات بغرض سکر حرام ہیں یا کوئی اور وجہ سے اگر بغرض سکر حرام ہیں تو بغرض دوا استعمال کی کیوں اجازت دی گئی حالانکہ حدیث میں ممانعت موجود ہے نیز لا شفاء فی الحرام - المستفتی نمبر ۱۴۴۴ ڈاکٹر ایس ایم عبدالحکیم صاحب (ضلع مونگیر) ۹ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۰ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۰) شراب اور دیگر مسکرات حرام ہیں ان کو بغرض سکر استعمال کرنا بھی حرام ہے اور بغرض دوا بھی استعمال کرنا حرام ہے لیکن ایسی حالت میں کہ کسی کو مرض مہلک لاحق ہو اور وہ تمام صورتیں دوا علاج کی ختم کر چکا ہو اور کسی طبیب مسلم حاذق نے یہ بتایا ہو کہ اب تیرا علاج شراب یا تاڑی کے سوا اور کچھ نہیں تو اس کو

---

(۱) کرہ تحریما و قیل تنزیہا والاول اوجہ من الشاۃ سبع : الحیاء والخصیۃ والغداۃ والمثانۃ والمرارۃ والدم المسفوح والذکر الخ (الدرالمختار مع الرد ۶/۷۴۹)
(۲) والثالث السکر وھو النیئ من ماء الرطب اذا اشتد وقذف بالزبد... والکل حرام اذا غلی واشتد والا لا یحرم اتفاقا (رد المحتار مع الدر ۶/۴۴۹)
(۳) عن رافع بن خدیج ان رسول اللہ ﷺ قال کسب الحجام خبیث و مہر البغی خبیث و ثمن الکلب خبیث (ترمذی ۱/۲۴۰ ط سعید)

شراب یا تاڑی کا استعمال کرنا مباح ہو جاتا ہے جیسے کہ مضطر کو خنزیر کھالینا یا شراب کے ذریعہ سے حلق میں پھنسا ہو القمہ جب کہ جان کا خوف ہو اتار لینا مباح ہو جاتا ہے(۱) حدیث جو سوال میں مذکور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر ایسی ضرورت کے شراب کو دواء استعمال کرنا حرام ہے اور جب کہ شفا کا انحصار شراب میں ہو جائے تو وہ حرام نہیں رہتی بلکہ مباح ہو جاتی ہے لہذا **لا شفاء فی الحرام** اس پر عائد نہیں ہوتا اور بعض منافع کا شراب میں ہونا قرآن سے ثابت ہے **قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس** مگر غالب مضرت کی وجہ سے اس کو عام حالات میں حرام فرمادیا ہے اضطرار اور انحصار شفا کی حالت مستثنیٰ ہے جیسے خنزیر عام حالات میں حرام مگر اضطرار میں مباح ہو جاتا ہے پس میرا جواب ان تمام قیود کے ساتھ جو میں نے لکھی تھیں صحیح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیڑی اور سگریٹ پینے کا حکم.

(سوال) کیا بیڑی سگریٹ پینا حرام ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۵۲۲ خواجہ عبدالمجید شاہ صاحب ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ۲۲ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۱) بیڑی سگریٹ پینا فی حد ذاتہ مباح ہے بدبو منہ میں رہ جانے تو بدبو کی وجہ سے کراہت پیدا ہوتی ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بطور علاج افیون کھانے والے کی امامت کا حکم.

(سوال) ایک شخص کی عمر اٹھتر سال کی ہے اور وہ اب سے سولہ سال پیشتر مرض پیچش میں مبتلا ہوا آٹھ ماہ تک علاج کرایا مگر صحت نہ ہوئی اس وجہ سے حکیم صاحب نے فرمایا کہ تجھ کو افیون کھانی چاہئے اس کے استعمال سے انشاء اللہ ضرور صحت ہو جائے گی چنانچہ اس وقت سے اب تک وہ شخص افیون کھاتا رہا ہے اب عرض ہے کہ ایسا شخص مسجد کی پیش امامی کر سکتا ہے یا نہیں یہاں پر ایک مولوی صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا انہوں نے فرمایا تھا کہ پیش امامی کر سکتا ہے انکے فرمانے کو یہاں کے باشندوں نے نہیں مانا اس پر مولانا صاحب نے فرمایا میں سفر میں ہوں میرے پاس کتابیں نہیں ہیں یہ مسئلہ کتاب شامی میں ہے اب براہ کرم اس بارے میں فتویٰ دیا جائے کہ افیون کھانے والا پیش امام رہ سکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۹۸۷ نذیر الدین بلیاپور (چاندہ) یکم رمضان ۱۳۵۶ھ م ۶ نومبر ۱۹۳۷ء ۔

---

(۱) وجوزہ فی النہایۃ بمحرم اذا اخبرہ طبیب مسلم ان فیہ شفاء ولم یجد مباحا یقوم مقامہ (الدر المختار مع الرد : ۳۸۹/۶)

(۲) ومن اکل مایتاذی ای برائحتہ کثوم و بصل ویو خذمنہ انہ لو تاذی من رائحۃ الدخان المشہور لہ منعہا من شربہ (رد المحتار مع الدر ۳ ۲۰۸)

(جواب ۱۲۲) اگر افیون کھانے کی وجہ سے حرکات و سکنات اور شعور واحساسات میں تفاوت آتا ہو تو امامت ناجائز ہے اور اگر یہ بات نہ ہو اور کھانا بھی برینائے عارج ہو تو امامت جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(۱) افیون کی تجارت جائز ہے
(۲) جس مسجد میں افیون کی کمائی خرچ ہوئی ہو۔
(۳) جو امام افیون کی تجارت کو جائز کہتا ہو اس کی امامت درست ہے

(سوال) (۱) افیون کی تجارت ٹھیکہ وغیرہ شرعاً درست ہے یا نہیں (۲) ایک مسجد میں اکیس سو روپے صرف ہوئے ہیں تین سو روپے افیون کے خرچ ہوئے کیا اس مسجد میں نماز درست ہے (۳) جو امام افیون کی تجارت کو درست کہتا ہے اس کی امامت شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۲۱۹۷ محمد سلیمان صاحب (ضلع لودھیانہ) ۶ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۲۳) (۱) افیون کی تجارت جائز ہے (۱) (۲) اس مسجد میں نماز درست ہے (۳) وہ ٹھیک کہتا ہے اس کی امامت درست ہے تجارت شراب کی حرام ہے افیون ناپاک نہیں ہے اس کا کھانا بطور عادت کے بیشک حرام ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) گانجا، افیون، چرس وغیرہ کی تجارت مباح ہے
(۲) تمباکو میں اگر حرام شیرہ استعمال ہوا ہو تو حرام ورنہ مکروہ ہے

(سوال) (۱) گانجا، افیون، چرس، بھنگ ان چاروں کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے حرام یا مکروہ جب کہ یہ چیزیں بذاتہ نجس و ناپاک نہیں لوگوں کی جیبوں میں یہ چیزیں ہوتی ہیں اور لوگ نماز ادا کرتے ہیں (۲) تمباکو نوشیدنی کے متعلق کیا حکم ہے جس میں گڑ کا شیرہ ملا کر حقہ پیا جاتا ہے اور شیرہ جہاں تیار ہوتا ہے باہر حوض میں بھرا رہتا ہے اس میں کتنے بلی گر کر اٹھ نہیں سکتے ہیں سڑ جاتے ہیں وہی شیرہ تمباکو پینے کے کام میں آتا ہے۔ (۳) سوال نمبر ۱ کے محکمہ میں ملازمت کرنا ان کے پیسوں کے ذریعہ جو آمدنی ہو اس سے صدقات زکوۃ تعمیر مساجد، خیرات کفن وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہوگا اور ثواب ہوگا یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۲۴۷۸ حافظ یار محمد صاحب ۲۰ صفر ۱۳۵۸ھ م ۱۱ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۱۲۴) گانجا، چرس، افیون، بھنگ یہ سب چیزیں ناپاک نہیں ان کا کھانا تو حرام ہے اس لئے کہ نشہ لانے والی ہیں یا نشہ جیسے آثار و نتائج پیدا کرتی ہیں ناپاک نہ ہونے کی وجہ سے نماز کی حالت میں اگر یہ

---

(۱) وصح بيع الخمر و مفاده صحة بيع الحشيش والا فيون (الدر المختار مع الرد ۶/۴۵۴)

جیب میں رکھی ہوں تو نماز ہو جائے گی (۱)

(۲) اگر کسی خاص تمباکو کے متعلق یہ یقین ہو کہ اس میں پڑا ہوا شیرہ ناپاک تھا تو اس کا استعمال حرام ہو گا اور محض اس احتمال سے کہ شیرہ ناپاک ہو جاتا ہے تمام بازار کے تمباکو کو ناپاک قرار نہیں دیا جا سکتا اور ناپاک نہ ہونے کی صورت میں تمباکو کا پینا بدبودار ہونے کی بناء پر مکروہ ہوتا ہے۔(۲)

(۳) ان چیزوں کی تجارت مباح ہے اور اسکی آمدنی کا استعمال حلال ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

افیون' چرس کوکین وغیرہ کی تجارت جائز ہے

(سوال) مسلمان کو افیون' چرس' کوکین کی تجارت کرنا اور اس سے منافع حاصل کر کے اپنی ضروریات زندگی میں صرف کرنا شریعت محمدی سے جائز ہے یا نہیں اور اگر کوئی ایسی تجارت میں سے کسی دوسرے مسلمان کی دعوت کرے اس شخص کو باوجود علم ہونے کے دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۵۵۲ عبدالحمید صاحب متعلم مدرسہ امینیہ ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۹ء

(جواب ۱۲۵) افیون' چرس' بھنگ' کوکین یہ تمام چیزیں پاک ہیں اور ان کا دوا میں خارجی استعمال جائز ہے نشہ کی غرض سے ان کو استعمال کرنا ناجائز ہے۔ مگر ان سب کی تجارت بوجہ فی الجملہ مباح الاستعمال ہونے کے مباح ہے تجارت تو شراب اور خنزیر کی حرام ہے کہ ان کا استعمال خارجی بھی ناجائز ہے(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مشرکین' چمار' کنجر' خاکروب وغیرہ کے گھر کے کھانے کا حکم......

(سوال) مسلمانوں کو مشرکوں کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا جائز ہے اور مشرکوں میں خاکروب' کنجر اور چمار اہل ہنود اور یہودی نصرانی وغیرہ سب شامل ہیں۔ المستفتی نمبر ۲۵۵۶ اعجاز الدین ولد اسلام الدین قصبہ لونی (میرٹھ) ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ م ۴ جنوری ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۲۶) مشرکین کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جب کہ پکانے والوں کے ہاتھ کسی حقیقی پلیدی اور نجاست سے ملوث نہ ہوں مسلمانوں کے لئے حلال ہے دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں نصاریٰ اور یہود کو مشرک فرمایا ہے اور پھر بھی اہل کتاب کے کھانے کو مسلمانوں کے لئے حلال فرمایا ہے۔(۵) اور رسول

---

(۱) ویحرم اکل البنج والحشیشة والافیون لانه مفسد للعقل و یصد عن ذکر الله و عن الصلوٰة (الدر المختار مع الرد ۴۵۷/۶)

(۲) ومن اکلٌ ما یتاذی ای برائحته کثوم و بصل ویؤ خذ منه انه لو تاذی من رائحة الدخان المشهور له منعها من شربه (رد المحتار مع الدر : ۲۰۸/۳)

(۳) وصح بیع غیر الخمر و مفاده صحة بیع الحشیش والافیون الخ (الدر المختار مع الرد : ۴۵۴/۶)

(۴) وصح بیع غیر الخمر مما مر و مفاده صحة بیع الحشیشة والافیون الخ (حواله گزشته ۴۵۴/۶)

(۵) قال الله عز و جل الیوم احل لکم الطیبٰت و طعام الذین او تو الکتاب حل لکم و طعامکم حل لهم (سورہ المائدة ۵)

ﷺ نے مشرک کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیا تھا اور اسلام نے انسان کے جسم کو پاک قرار دیا ہے جب کہ اس پر باہر کی ناپاکی لگی ہوئی نہ ہو اس حکم میں سب انسان برابر ہیں خواہ خاکروب ہو یا کنجر یا چمار سو اگر ان کے ہاتھ دھلوا کر اپنے روبرو ان سے کھانا پکوالیا جائے تو وہ پاک اور حلال ہو گا محض اس بناء پر کہ خاکروب یا کنجر یا چمار کے ہاتھ کا پکایا ہوا ہے اسے ناپاک اور حرام نہیں کہا جائے گا (۱) البتہ مشرکین اور بھنگیوں چماروں کے گھروں کے کھانے اس وجہ سے واجب الاحتراز ہیں کہ یہ لوگ ناپاکی اور پاکی کے قاعدہ نہ جاننے یا بہت سی حرام چیزوں کو استعمال کرنے کی وجہ سے اس لائق نہیں کہ ان کے گھروں کے پکے ہوئے کھانوں کو ہم پاک اور حلال یقین کر لیں اور یہ بات کچھ ان کے ساتھ مخصوص نہیں دیہات کے مسلمان گھوسی جو گوبر کو ہندوؤں کی طرح استعمال کرتے ہیں ان کے گھروں کے پکے ہوئے کھانوں میں بھی نجاست کا احتمال رہتا ہے لہذا ان کا بھی یہی حکم ہے غرض کہ مشرک کے یہاں کا کھانا اس وجہ سے ناجائز نہیں ہے کہ مشرک کے ہاتھ لگے ہیں بلکہ اگر اس کے ناپاک ہونے کا ظن غالب ہو تو ناپاکی کی وجہ سے اس کا استعمال ناجائز ہو گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

کچا لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں نہیں آنا چاہئیے

(سوال) کیا کچا لہسن کھانا منع ہے اور کچا لہسن کھا کر مسجد میں آنے کی کسی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔
المستفتی مولوی محمد رفیق دہلوی

(جواب ۱۲۷) کچا لہسن پیاز کھانا گناہ نہیں مگر جب تک اس کی بدبو منہ میں رہے مسجد میں آنا منع ہے یہ حدیث صحیح ہے کہ کچا لہسن پیاز کھا کر مسجد میں داخل نہ ہو (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ

گانا بجانے والی عورتوں کے ہاں کھانے پینے کا حکم

(سوال) یہ جو عورتیں گانے بجانے کا پیشہ کرتی ہیں ان کے یہاں کھانا پینا پیسہ وغیرہ لینا کیسا ہے؟

(جواب ۱۲۸) گانے بجانے کا پیشہ کرنے والی عورتوں کے یہاں کھانا پینا ناجائز ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) فسور الادمی مطلقاً ولو جنبا او کافراً وما کول اللحم طاهر الفم قید للکل طاهر طهور بلا کراهة (الدر المختار مع الرد ۱/۲۲۲)

(۲) قیل لانس ما سمعت النبی ﷺ فی الثوم فقال من اکل فلا یقربن مسجدنا - وایضاً ان النبی ﷺ قال من اکل ثوما او بصلا فلیعتزلنا او لیعتزل مسجدنا (صحیح البخاری ۲/۸۱۹ ط سعید)

(۳) اکل الربا وکاسب الحرام اهدی الیه او اضافه و غالب ماله حرام لا یقبل ولا یاکل مالم یخبره ان ذالک المال اصله حلال ورثه استقرضه (هندیة ۵/۳۴۳)

جس کی کمائی کا ذریعہ حرام ہو اس کا ہبہ قبول نہیں کرنا چاہئیے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) ایک ہندو ٹھیکیدار نے جسکا واحد ذریعہ معاش خنزیر کا گوشت بیچنا ہے ایک خوشی کی تقریب میں لڈو ہوا کر بازار کے عام ہندو مسلمان کو تقسیم کئے ہیں کیا ایسی حرام کمائی کی مٹھائی کھانا مسلمانوں کو جائز ہے ؟

(جواب ۱۲۹) جس شخص کی کمائی حرام ہو وہ اگر کسی دوسرے شخص سے قرض لے کر مسلمانوں کو کوئی چیز تقسیم کرے تو اس قرض لی ہوئی چیز کو لے لینا اور استعمال کرنا جائز ہے لیکن ایسے شخص سے جو خنزیر کی بیع وشراء کرتا ہے مسلمانوں کو علیحدگی کرنی چاہئیے اور اس کی چیزیں مسلمانوں کو استعمال کرنی بہتر نہیں یہ حکم مسلمانوں کا ہے مگر سوال میں مذکور ہے کہ وہ شخص ہندو ہے تو ہندوؤں کے مذہب میں اگر بیع خنزیر جائز ہے تو مسلمانوں کو ان کی تحصیل معاش بذریعہ بیع خنزیر پر لحاظ کرنا ضروری نہیں (۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

غیر مسلم اگر خوشی سے کوئی چیز دیں تو اس کا کھانا اور دوسروں کو کھلانا جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک غیر مسلم نے ایک مسلم کو سوکھا دانہ آٹا دیدیا اور چاول میٹھا سوکھے دیدئے کہ تم اپنے ہاتھ سے پکا کر مسلمانوں کو کھلا دو اور اس کا ثواب پیر صاحب سید عبدالقادر جیلانی کو پہنچانا مقصود ہے مسلم نے کفیل ہو کر کھانا پکوایا اور مسلمانوں کو کھلایا اور خود بھی کھایا کچھ حصہ غیر مسلم پنچوں نے بھی لیا آیا کوئی گناہ تو نہیں ؟ کیونکہ غیر مسلم کی کمائی ہے ایک شخص کا خیال ہے کہ ایسا کھانا کھاتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھنی چاہئیے۔

(جواب ۱۳۰) غیر مسلم سے سوکھا دانہ غلہ آٹا وغیرہ لے کر کھانا پکانا اور کھانا جائز ہے جب کہ غیر مسلم نے اپنی خوشی سے دیا ہے تو اس کو لینے اور کھانے میں کوئی قباحت نہیں (۲) اور جب کہ کھانا جائز ہے تو بسم اللہ پڑھ کر کھانے میں کیا نقصان ہے بسم اللہ پڑھنی اس صورت میں ناجائز ہوتی ہے جب کہ وہ فعل جس پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے شرعاً ناجائز ہو مثلاً شراب بسم اللہ کہہ کر پینی حرام ہے کیونکہ شراب پینا خود حرام ہے اس پر بسم اللہ پڑھنا بھی حرام ہے (۳) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفر لہ'

کھجور اور تاڑی کا عرق جب تک نشہ آور نہ ہو تو اس کا استعمال جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۸ء)

(سوال) کھجور کے شیرہ کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ کوری بینی رات کو لگائی جائے اور علی الصباح

---

(۱) (حوالہ گزشتہ هندية ٥/٣٤٣ كوئٹہ)
(۲) قال الله عزوجل اليوم احل لكم الطيبات و طعام الذين اوتو الكتاب حل لكم و طعامكم حل لهم (سورة المائدة ٥)
(۳) شرب الخمر وقال بسم الله او قال ذالك عند الزنا او عنداكل الحرام المقطوع بحرمته او عند احد كمعين لفرد كفر لانه استخف باسم الله (فتاوى بزازيه على هامش هندية ٦/٣٣٩)

استعمال کی جائے تو جائز ہے اور تاڑ کی تاڑی کے بارے میں بھی یہی کہتے ہیں۔

(جواب ۱۳۱) کھجور یا تاڑ کے درخت میں سے نکلنے والا عرق اگر پاک برتن میں لیا جائے اور صبح کو آفتاب نکلنے سے پہلے اتار لیا جائے تو اس میں نشہ نہیں ہوتا اس کا پینا جائز اور حلال ہے ہاں جب رکھنے سے اس میں جھاگ پیدا ہونے لگیں اور نشہ پیدا ہو جائے تو پھر پینا حرام ہے(۱) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفرلہ

کھجور اور تاڑی کا عرق جب تک نشہ آور نہ ہو تو اس کا استعمال جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۸ء)

(سوال) ایضاً

(جواب ۱۳۲) جواز اور عدم جواز کا مدار نشہ لانے اور نہ لانے پر ہے اگر تاڑ کا عرق مٹی کے کورے برتن میں لیا جائے اور آفتاب نکلنے سے پہلے اتار لیا جائے اور اسی وقت پی لینے سے نشہ پیدا نہ کرے تو اس کا پینا جائز ہے کھجور کے درخت سے شرائط مذکورہ کے ساتھ حاصل کیا ہوا عرق تو نشہ نہیں لاتا مگر تاڑ کے درخت سے نکلے ہوئے عرق کے متعلق بعض صاحبوں کا بیان ہے کہ اس میں نشہ ہوتا ہے اگر یہ بیان درست ہو تو اس کا استعمال جائز ہو گا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ'

ہڈی چوسنا اور دانتوں سے نوچنا جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۹ء)

(سوال) ہڈی جس پر گوشت بھی نہ ہو یا ہو منہ سے چوسنا یا دانتوں سے گوشت چھڑانا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۳۳) ہڈی منہ سے چوسنا اور دانتوں سے گوشت چھڑا کر کھانا جائز ہے(۲) محمد کفایت اللہ غفرلہ

جس کے گھر کے خورد و نوش کا سامان حرام ہو اس کی دعوت کھانا جائز نہیں.

(الجمعیۃ مورخہ ۵ اگست ۱۹۳۵ء)

(سوال) ایک مسلمان شخص نے کسی مسلمان کو کھانے کی دعوت دی مگر اس مسلمان کے گھر میں جو خورد و نوش ہے سب حرام طریقے سے کمایا ہوا ہے دھوکہ بازی سے پیسہ حرام کا جمع کیا ہوا ہے اور بیاج سود پر ہندوؤں سے روپیہ لیا ہوا ہے از حد مقروض ہے۔

(جواب ۱۳۴) جس شخص کے گھر میں خورد و نوش کا سامان حرام طریقے سے حاصل کیا ہوا ہے اس کے

---

(۱) والثالث السکر وھو النيء من ماء العنب اذا اشتد وقذف بالزبد ... والکل حرام اذا غلیٰ واشتد والا لا یحرم اتفاقاً (الدر المختار مع الرد ۶/۴۴۹، ۴۵۰)

(۲) عن ابن عباس قال تعرق رسول اللہ ﷺ کتفاً ثم قام فصلی ولم یتوضا (صحیح البخاری، ۲/۸۱۳ ط سعید)

گھر دعوت کھانا جائز نہیں ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تاڑی کی خمیرہ کی روٹی کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء)

(سوال) تاڑی کی روٹی کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر ناجائز ہے تو اس کا پیسہ حرام ہے یا حلال ؟

(جواب ۱۳۵) تاڑی کے تمیر کی روٹی مختلف فیہ ہے احتیاط یہ ہے کہ نہ کھائی جائے مگر اس کے پیسے کو حرام کہنا مناسب نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) کیا چینی کو صاف کرنے میں حیوانات کی ہڈیاں استعمال کی جاتی ہیں ؟
(۲) بناسپتی گھی میں خنزیر کی چربی کا استعمال ثابت نہیں۔

(سوال) (۱) چینی کے متعلق بعض احباب وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ اس کو صاف کرنے کے لئے مردار حیوانات کی ہڈیاں استعمال کی جاتی ہیں اس لئے مسلمانوں کو اس کا استعمال کرنا ناجائز ہے آپ کے نزدیک اس کی کیا حقیقت ہے ؟

(۲) بناسپتی گھی کے متعلق یہ سنا ہے کہ اس کے بنانے میں خنزیر کی چربی شامل کی جاتی ہے سگریٹ کے تمباکو میں شراب کی آمیزش ہوتی ہے چائے کی پتیوں میں افیون کی آمیزش ہوتی ہے۔ شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار دہلی

(جواب ۱۳۶) (۱) ہمیں تو اس کے متعلق معلوم نہیں پھر ہڈیاں اگر جلا کر ان کی راکھ یا جلی ہوئی ہڈیاں صاف کرنے کے لئے ڈالی جاتی ہیں تو وہ ناجائز نہیں ہیں(۲) (۲) یہ تو یوں ہی مشہور ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ساتواں باب
حلال و حرام جانور اور ان کے اجزاء

گدھی کا دودھ اور گوشت حرام ہے

(سوال) چند جہلاء نے گدھی کی بیوی (کھیس) کھائی اس خیال سے کہ اس کے کھانے سے آنکھ نہیں دکھتی ہے۔ آیا اس کا کھانا حلال ہے یا حرام ؟ بینوا توجروا

(جواب ۱۳۷) گدھی کا گوشت اور دودھ ناجائز اور حرام ہے رہا یہ خیال کہ اس سے آنکھ نہیں دکھتی اول تو

---

(۱) اکل الربا و کاسب الحرام الخ (حوالہ گزشتہ ہندیۃ ۵/۳۴۳)
(۲) ولا یکون نجسا رماد قذر والا یلزم نجاسۃ الخبز فی سائر الامصار ولا ملح کان حمارا او خنزیرا ولا قذر وقع فی بئر فصار حماۃ لا نقلاب العین بہ یفتی (الدر المختار مع الرد ۱/۲۲۷)

ایک افواہی بات ہے دوم یہ کہ اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تاہم حرام چیز کا استعمال اس وقت جائز ہے جب کہ حرام کے سوا حلال دوا نہ ملے صورت مسئولہ میں تو مرض سے پہلے ہی استعمال کیا گیا ہے جس کے جواز کی کوئی وجہ نہیں واما الحمار الا هلی فلحمه حرام و كذلك لبنه(هنديه) (۱)

کتیا کے دودھ سے پلے ہوئے بکری کے بچے کے گوشت کا حکم

(سوال) ایک بکری کا بچہ ہے اس کو ایک کتیا دودھ پلاتی ہے آیا اس بچہ کا کھانا جائز ہے یا حرام ؟ بینوا توجروا
(جواب ۱۳۸) یہ بچہ حلال ہے اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں الجدی اذا غذی بلبن الخنزير حل اكله لصير ورته مستهلكا لا يبقى له اثر (درمختار مختصراً) (۲)

وہیل مچھلی عنبری ہے حلت میں کوئی شبہ نہیں

(سوال) وہیل سمندر کا ایک بہت بڑا جانور ہے جو ستر فٹ تک لمبا اور ایک ہزار سات سو چونسٹھ من تک وزنی پایا گیا ہے بہت طاقتور ہوتا ہے اور چھوٹے جہازوں کو ٹکر مار کر توڑ دیتا ہے اردو میں بھی اس کو وہیل مچھلی کہتے ہیں کیا یہ جانور مسلمانوں کے لئے حلال ہے ؟
(جواب ۱۳۹) جس جانور کو موجودہ زمانے کی انگریزی میں وھیل (whale) کہا جاتا ہے قدیم انگریزی میں اس کو وھال (whal) کہتے تھے اور جرمنی زبان میں اس کا نام وال (wal) ہے انٹر نیشنل ڈکشنری کے فاضل مصنف ویبسٹر نے اپنی ڈکشنری کے ص ۱۶۴۲ میں لکھا ہے۔

WHALE OLDENGLISH WHAL GERMAN WAL WAL FISCH

(WEBSTER.S INTER NATIONAL DICTIONARY-1642)

اس جرمنی لفظ وال کو معرب کر کے عربی زبان میں بال کر لیا گیا ہے اس کی سند یہ ہے۔

البال حوت عظيم من حيتان البحر و ليس بعربي كما في الصحاح يدعى جمل البحر وهو معرب وال كما في العباب قال شيخنا وهي سمكة طولها خمسون ذراعا (تاج العروس شرح قاموس جلد هفتم ص ۲۳۷) یعنی "بال سمندر کی مچھلیوں میں سے ایک بڑی مچھلی ہے یہ لفظ عربی نہیں ہے جیسے کہ صحاح جوہری میں اس کی تصریح ہے اس کو جمل البحر بھی کہا جاتا ہے یہ لفظ وال کا معرب ہے ہمارے شیخ نے کہا کہ بال ایک مچھلی ہے جو پچاس ذراع (۷۵ فٹ) لمبی ہوتی ہے" اسی بناء پر متعدد کتابوں اور ڈکشنریوں میں بال کا ترجمہ وہیل اور وہیل کا ترجمہ بال کیا گیا ہے۔حوالجات یہ ہیں۔

(۱) القاموس العصری مجموعہ قدیم ۱۹۲۲ء بال-حوت (1) whale

---

(۱) (فتاوی هنديه الباب الثاني في بيان مايؤكل من الحيوان ومالا يؤكل ۵/ ۲۹۰)
(۲) (الدر المختار كتاب الحظر والاباحة ۶/ ۳۴۹)

(۲) انگلش عربک ڈکشنری مؤلفہ جرجیس پرسی باجر ص ۱۲۱۵ سمک یونس - جمل البحر بال جوت

(2)WHALE 3ENGLISH ARABIC LEXICON. GEORGE PERCY BADGERISSI

(۳) قاموس انگلیزی ص ۶۸۵ بال - حوت (3) whale

(۴) الفرائد الدریہ مؤلفہ جے جی ہوا مطبوعہ بیروت ۱۹۱۵ء بال (4) whale J.G HAVA

(۵) القاموس العصری مؤلفہ الیاس انطون الیاس ص ۶۸۹ مطبوعہ قاہرہ حوت - بال - نون (5)Whale

(۶) ایف سٹنگس ڈکشنری ص ۱۰۴ مطبوعہ ۱۸۸۴ء F STEINGASS DICTIONARY (6)WHALE

ان تمام حوالجات سے ثابت ہوا کہ وہیل وہی جانور ہے جس کو عربی میں بال کہا جاتا ہے اور بال سے متعلق صحاح جوہری لسان العرب تاج العروس دائرۃ المعارف فرید وجدی - المنجد حیوۃ الحیوان میں تصریح ہے کہ یہ لفظ اصل میں عربی نہیں ہے کسی غیر عربی لفظ سے معرب کیا ہوا ہے اور تاج العروس کی عبارت منقولہ بالا سے یہ ثابت ہو گیا کہ بال لفظ وال کا معرب ہے اور وال جرمنی زبان کا لفظ ہے جسکو جدید انگریزی میں وہیل Whale کہا جاتا ہے ان تمام کتابوں میں بال کو سمندر کی بڑی مچھلی (**حوت عظیم - سمکۃ غلیظۃ**) کہا گیا ہے اس کا طول پچاس ذراع (۷۵ فٹ) یا بقول فاضل مؤلف انٹرنیشنل ڈکشنری سو فٹ یا بقول قزوینی پانچ سو ذراع (۷۵۰ فٹ) تک بتایا گیا ہے -

حیوۃ الحیوان اور فتح الباری شرح صحیح بخاری اور فرائد الدریہ میں بال کا دوسرا نام عنبر بھی بتایا ہے اور لسان العرب اور تاج العروس اور انگلش عربک لیکسکن (ڈکشنری) میں اسکا تیسرا نام جمل البحر بھی ذکر کیا ہے

ان امور کی اسانید یہ ہیں -

(۱) البال - حوت عظیم من حیتان البحر قد یبلغ طولہ ۵۰ و ۶۰ قد ماوا لکلمۃ غیر عربیۃ (المنجد ص ۵۲ مطبوعہ بیروت ۱۹۱۵ء)

(۲) البال سمکۃ غلیظۃ تدعی جمل البحرو فی التھذیب سمکۃ عظیمۃ فی البحر قال ولیست بعربیۃ - قال الجوھری البال الحوت العظیم من حیتان البحر ولیس بعربی (لسان العرب جلد ۱۳ ص ۷۸)

(۳) البال - الحوت العظیم من حیتان البحر ولیس بعربی (صحاح جوھری جلد ۲ ص ۹۵)

(۴) البال سمکۃ یبلغ طولھا امتارا عدیدۃ ولیس اسمھا بعربی قال الجوالیقی کانھا عربت (دائرۃ المعارف فرید و جدی جلد ۲ ص ۳۲ مطبوعہ ۱۳۴۱ھ)

(۵) البال - الحوت الغظیم من حیتان البحر و لیس بعربی کما فی الصحاح یدعی جمل البحر (تاج العروس جلد ۷ ص ۲۳۷)

(۶) البال سمکۃ فی البحر یبلغ طولھا خمسین ذراعا یقال لھا العنبر (حیوۃ الحیوان للدمیری جلد اول ص ۹۸)

(۷) جمل البحر سمکۃ یقال لہا البال عظیمۃ جداً (تاج العروس جلد ھفتم ص ۲۶۳)
(۸) العنبر SPERMACETI WHALE یعنی عنبر سپر میسٹی وہیل ہے (فرائد الدریہ ص ۶۹۰ مطبوعہ ۱۹۱۵ء)
سپر میسٹی وہیل کا مطلب یہ ہے کہ عنبر وہیل کی ایک خاص قسم ہے جس کا سر بہت بڑا اور موٹا ہوتا ہے اور اس میں ایک سفید روغنی بھربھرا مادہ بھرا ہوتا ہے۔
(۹) العنبر – قال الازھری العنبر سمکۃ تکون بالبحر الا عظم یبلغ طولہا خمسین ذراعا یقال لہا بالہ (فتح الباری شرح صحیح بخاری)
واضح ہو کہ وہیل کی تھوڑے تھوڑے فرق سے بہت سی قسمیں ہیں جن سے بارہ تیرہ قسمیں انٹر نیشنل ڈکشنری کے فاضل مصنف ویبسٹر نے اپنی کتاب میں ذکر کی ہیں اور ان کی تصویریں دی ہیں۔
اس تمام تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ بال اور عنبر اور جمل البحر ایک بڑی مچھلی ہے جس کو انگریزی میں وھیل Whale اور جرمنی میں وال Wal کہا جاتا ہے پس مچھلی ثابت ہو جانے کے بعد حنفی مذہب میں بھی اس کو حلال سمجھنے میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک مچھلی (باوجود ہزارہا صورتوں اور شکلوں پر مشتمل ہونے کے) حلال ہے جریث اور مارماہی کا استثنا اس بنا پر ہے کہ ان کا مچھلی ہونا مشتبہ ہے اگر مچھلی تسلیم کیا جائے تو وہ بھی مستثنیٰ نہیں۔
اس کے علاوہ بال اور عنبر یعنی وھیل کی حلت کی مخصوص اور صریح دلیل بھی موجود ہے اور وہ ایک صریح اور صحیح حدیث ہے جو حدیث کی مستند کتابوں اور خصوصاً صحیح بخاری میں روایت کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت جو تین سو آدمیوں پر مشتمل تھی حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کی سرکردگی میں ایک مہم پر گئی تھی وہ ایسا مقام تھا کہ وہاں خورد و نوش کا سامان میسر نہیں ہوتا تھا زاد راہ جو اپنے ساتھ لے گئے تھے قریب الختم ہوا تو امیر العسکر حضرت ابو عبیدہؓ نے حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ باقی ہو لا کر ایک جگہ جمع کر دو تو جمع شدہ ذخیرہ کھجوروں کا صرف دو تھیلے بھرا ہوا ابو عبیدہ اس میں سے ایک ایک کھجور فی کس روزانہ تقسیم کرتے تھے یہاں تک کہ یہ توشہ بھی ختم ہو گیا اور درختوں کے پتے کھا کر گزارا کرنا پڑا ایک روز دیکھا کہ سمندر کے کنارے پر ایک بہت بڑا جانور مرا ہوا پڑا ہے دور سے وہ ایک چھوٹی سی پہاڑی معلوم ہوتی تھی قریب جا کر دیکھا تو وہ ایک مچھلی تھی جسے عنبر کہتے ہیں تو ہم (تین سو آدمیوں) نے اٹھارہ دن تک خوب کھائی پھر جب ہم مدینے پہنچے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ رزق (سمندر سے) نکالا تھا کھاؤ اور ہمیں بھی کھلاؤ تو بعض صحابہ نے کچھ (خشک کیا ہوا) گوشت حضور ﷺ کی خدمت میں بھی پیش کیا اور حضور ﷺ نے تناول فرمایا اسی روایت میں ہے کہ یہ عنبر مچھلی اتنی بڑی تھی کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا کہ اسکی دو پسلیاں (کانٹے) لے کر قینچی بنا کر کھڑی کر دی پھر سب سے طویل القامت شخص کو اونٹ پر سوار کر کے اس کے نیچے سے گزارا تو سوار کا سر

قینچی سے نہیں لگا۔

امام بخاری نے یہ روایت صحیح بخاری کی کتاب الشرکۃ ص ۳۳۷ اور کتاب الجہاد کے باب حمل الزاد علی الرقاب ص ۴۱۹ اور کتاب الغزوات کے باب غزوۃ سیف البحر ص ۶۲۶ اور کتاب الذبائح والصید کے باب قول اللہ احل لکم صید البحر ص ۸۲۶ میں جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے(۱)

اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرامؓ نے اس عظیم الجثہ سمندری جانور کو حوت اور عنبر یعنی عنبر نام کی مچھلی بتایا اور اس کا گوشت کھایا اور آنحضرت ﷺ نے ان کے اس فعل کی تصویب فرمائی اور اس کو رزق اخرجه الله لکم فرمایا اور خود بھی تناول فرمایا پس عنبر کے مچھلی ہونے اور اس کے حلال ہونے کی یہ مخصوص صریح دلیل ہے اور اوپر ہم ثابت کر چکے ہیں کہ عنبر اور بال ہم معنی یا عنبر بال کی ایک قسم ہے اور بال اور وہیل ہم معنی اور ایک ہی جانور کے نام ہیں لہذا وہیل کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔

کتبه الفقیر الی مولاہ محمد کفایت الله کان الله له و جعل اخراہ خیرا من اولاہ
۱۹ ذی قعدہ ۱۳۶۳ھ م ۶ نومبر ۱۹۴۴ء الجواب صحیح محمد شعیب عفا اللہ عنہ رکن مجلس علماء بھوپال۔ الجواب صحیح ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ جواب صحیح ہے عبدالحئی ناظم دینیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔ جواب صحیح ہے سعید الدین ۴۴۔۱۲۔۱

خنزیر کی حرمت کا اصل سبب کیا ہے ؟

(سوال) خنزیر کی حرمت کا سبب سوائے اس کی پلیدی اور نجاست کے اور کچھ ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۴۰) خنزیر کی حرمت بسبب اس کی نجاست خوری اور سبعیت اور دناءت وبے حیائی کے ہے وہ خود نجس العین ہے اور اس کی عادات ذمیمہ کی وجہ سے کھانے والوں میں انہیں عادات ذمیمہ کے پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا اور اس کی اسی طبعی خباثت کی وجہ سے اس کی صورت خبیثہ پر مسخ بھی واقع ہوا ہے (۲) واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ'

جھینگے کا حکم .

(سوال) جھینگا مچھلی حلال ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۰۵ عبدالرزاق صاحب (جھانسی) ۲۱ رجب ۱۳۵۲ھ م ۱۱ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۴۱) جھینگا اگر مچھلی کے اقسام میں داخل ہو تو حلال ہے اور مچھلی کی اقسام میں داخل نہ مانا جائے

---

(۱) عن جابر بن عبدالله قال خرجنا و نحن ثلاثمائة نحمل زادنا حتی اتینا البحر فاذا حوت قد قذفه البحر فاکلنا منها ثمانیة عشر یوما ما اجبنا (صحیح البخاری کتاب الجهاد ۱/۴۱۹)
(۲) والسرفیه ان طبعیة هذه الاشیاء مذمومة شرعا فیخشی ان یتولد من لحمها شئی من طباعها فیحرم اکراما لبنی آدم کما انه یحل ما احل اکراما له (رد المحتار مع الدر ۶:۳۰۴)

تو حنفیہ کے نزدیک حرام ہے اس سے متعلق علماء میں بھی اختلاف ہے کہ وہ مچھلی کے اقسام میں داخل ہے یا نہیں جو لوگ کہ اسے مچھلی کہتے ہیں وہ حلال سمجھتے ہیں اور جو مچھلی نہیں سمجھتے وہ حرام کہتے ہیں میرے خیال میں وہ مچھلی کے اقسام میں داخل نہیں ہے(۱) تاہم علماء کے اختلاف کی وجہ سے اس میں سختی کرنے کو میں پسند نہیں کرتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا غراب ہندی حلال ہے؟

(سوال) غراب یعنی جو کوا بلاد ہندو پنجاب وغیرہ میں کثرت سے پایا جاتا ہے جو گھروں میں اکثر اترتا ہے اور خوراک اس کی مردار بھی ہے دانہ روٹی بھی غرض حرام بھی کھاتا حلال بھی کھاتا ہے حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں مطلق کوے کو حرام چیزوں میں شمار کیا ہے حضرت عائشہؓ سے بخاری شریف میں حدیث مروی ہے کہ پانچ جانور موذی ہیں ان کو حرم شریف میں مارنا جائز ہے جس سے معلوم ہوا کہ کوا مطلقاً حرام ہے لیکن جب فقہ کی کتابوں کو دیکھا جاتا ہے اس میں کوے کی تین قسمیں تحریر کرتے ہیں زرع کو مطلق حلال اور بخاری کو مطلق حرام اور جو دانہ مردار دونوں کھائے وہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال اور امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ جس کو لفظ عقعق سے بیان کیا۔ **لا باس باکل العقعق** (ھدایۃ ج ٤ ص ٤٢٥) اور پنجی ہیں اسطور میں لکھا ہے وقد اکلھا رسول اللہ ﷺ کذافی النہایہ جوھرہ جلد ۲ ص ۲٤۹ لیکن آگے جوہرہ لکھتا ہے **کل غراب یخلط الجیف والحب لا یوکل** لیکن مرقی اور جامع الرموز جلد ۳ ص ۴۵۱ میں لکھا ہے کہ جو جیف اور حب کھاوے حلال ہے اور ترجمہ فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۱۸ میں لکھا ہے کہ جو کوا دانہ جیف کھاوے امام اعظم سے مروی ہے کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں غرض آپ حضرات کتب حنفیہ کو دیکھ سکتے ہیں اور لفظ عقعق کے ترجمے میں اختلاف کرتے ہیں کتب حنفیہ عقعق سے حلال جانور مراد لیا اور کتاب لغت عقعق کو حرام لکھتے ہیں اور حدیث میں مطلق کوا حرام اور کتب حنفیہ میں تین قسمیں کردیں اور جو دانہ و مردار کھاتا ہے وہ صفت میرے نزدیک اس دیسی کوے یعنی جو بلاد ہند میں موجود ہے اس میں پائی جاتی ہے مہربانی فرما کر اس مسئلے کو وضاحت کے ساتھ تحریر کریں۔

المستفتی نمبر ۲۳۴۲ مولوی محمد عمر صاحب خطیب جامع مسجد سرگودھا ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ ۶ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۱٤۲) کسی حدیث میں کوے کی حرمت کی تصریح نظر سے نہیں گزری حرم میں پانچ جانوروں کے قتل کرنے کی حدیث حرمت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس میں زیادہ سے زیادہ فاسق کا اطلاق ان جانوروں پر ہے اور ان کی حرمت کے حکم کے لئے یہ کافی نہیں ورنہ تو کبوتر پر شیطان کا اطلاق بھی حدیث میں آیا ہے اور قتل کئے جانے کی وجہ ان کا حرام ہونا نہیں ہے بلکہ ان کا اضرار اور ایذا ہے اور ایذا تمام قسم کے کووں میں نہیں ہے کیونکہ غراب زرع تو آبادی میں آتا ہی نہیں وہ تو کھیتوں میں رہتا ہے اور کوے کی یہ

---

(۱) ولا یحل حیوان مائی الا السمک الخ (الدر المختار مع الرد ۶/ ۳۰۶)

قسمیں جو فقہاء نے کی ہیں ایک امر واقع اور مشاہد ہے اس کے ثبوت کے لئے کسی دلیل کی سوائے مشاہدہ کے ضرورت نہیں اور ان کے احکام کا مختلف ہونا اصول شرعیہ کے ماتحت ہے غراب زرع جو صرف دانہ کھاتا ہے نجاست بالکل نہیں کھاتا اس کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی وہ بالاتفاق حلال ہے(۱) رہا العقع وہ چونکہ دانہ اور نجاست دونوں کھاتا ہے اس لئے اس میں اختلاف ہو گیا یہ کوا جو عام طور پر آبادیوں میں پایا جاتا ہے یہی وہ ہے جس میں اختلاف ہے امام صاحب کے قاعدہ کے بموجب اور مرغی پر قیاس کر کے یہ حلال ثابت ہوتا ہے کیونکہ نجاست خوری میں نہ صرف مرغی بلکہ بھیڑ اور گائے بھی نجاست خور ہے اور یہ سب حلال ہیں تاہم حضرت عائشہ وابن عباسؓ سے اس کی بھی کراہت یا ممانعت منقول ہے(۲) اور اس لئے احتیاطاً میں اس کے جواز کا عام فتویٰ دینا پسند نہیں کرتا کیونکہ اثارت فتنہ ایک ایسے امر میں جس میں دوسرا قول بھی موجود ہے مناسب نہیں۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مینا حلال ہے

(سوال) ایک شخص کہتا ہے کہ مینا حلال ہے دوسرا کہتا ہے کہ حرام ہے یہاں ہم نے عالموں سے پوچھا تو کوئی حلال کہتا ہے کوئی حرام۔ آپ انصاف کیجئے المستفتی نمبر ۶۰۲ حافظ گل محمد (پشاور) ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۹ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۴۳) مینا حلال ہے اس کے حرام یا مکروہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسلمان کے لئے خنزیر کی خرید و فروخت حرام ہے

(سوال) ایک شخص مسلمان خنزیر کی خرید و فروخت کرتا ہے یہ پیشہ جائز ہے یا ناجائز اگر ناجائز ہے تو اس پر کیا عائد ہوتا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۱۱۴ شاہ واجد علی صاحب (ضلع پورنیہ) ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ م ۲۶ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۴۴) مسلمان کے لئے خنزیر کی بیع و شرا کا پیشہ حرام ہے(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فقہ حنفی میں کچھوا حرام ہے

(سوال) زید نے کچھوا کھایا ہے اور کچھوا کھانے پر تمام ہمسائے نے زید کو مطعون کیا کہ تو حرام چیز کھاتا ہے لہذا ہم تجھ کو کافر سمجھتے ہیں زید اس پر یہ دلائل دیتا ہے کہ اللہ پاک قرآن مجید میں فرماتا ہے احل لکم

---

(۱) وحل غراب الزرع الذی یاکل الحب (قال فی الشامی) وھو غراب اسود لم یاکل الا الحب الخ (رد المحتار مع الدر ۶/۳۰۷ ط سعید) (وھندیۃ ۵/۲۹۸)

(۲) والعقعق وھو غراب یجمع بین اکل جیف و حب والا صح حلہ (قال فی الشامیۃ) والا صح حلہ اولی ان یقول علی الاصح وھو قول الامام وقال ابو یوسف یکرہ (۶/۳۰۸ ط سعید) (وھندیۃ ۵/۲۹۸)

(۳) وفسدان کانہ علی خمر وخنزیر لعدم مالیتہ فی حق المسلم (الدر المختار مع رد المحتار ۶/۱۰۰ ط سعید)

صید البحر یعنی تحقیق دلیل بیان ہے ساتھ اس آیۃ کریمہ کے وہ شخص کہ گیا فقہا میں سے طرف اس کے کہ کھایا جائے گا جو پایا دریا سے اور نہیں استثنا کیا اس سے کچھ اور تحقیق کہ استثنا کیا بعض ان کے نے مینڈک اور جائز ہے ماسوا اس کے (تفسیر ابن کثیر) قال البخاری ولم یر الحسن بالسلحفاۃ باسا وقال العینی فی شرح البخاری وروی من حدیث یزید ابن ابی زیاد عن جعفر انہ اتی بسلحفاۃ فاکلھا ومن حدیث حجاج عن عطاء لا باس باکلھا یعنی السلحفاۃ زعم ابن حزم ان اکلھا لا یحل الا بذکاۃ واکلھا حلال بریھا و بحریھا واکل بیضھا - اور حیوۃ الحیوان مطبع مصر ص ۴۱ کہا ابن حزم نے کچھوا خشکی اور دریائی حلال ہے اور اسی طرح انڈا اس کا بوجہ قول اللہ تعالیٰ کے کھاؤ تم بیچ زمین کے حلال طیب ساتھ قول اس کے کے اور تحقیق تفصیل وار بیان کیا واسطے تمہارے اس چیز کو کہ حرام کیا اوپر تمہارے اور نہیں تفصیل وار بیان کیا واسطے تمہارے حرام ہونا کچھوے کا - پس وہ حلال ہے قال فلدوینا عن عطاء انہ قال بإباحۃ اکل السلحفاۃ (حیوۃ الحیوان) کہا کہ تحقیق روایت کیا ہم نے عطاء سے تحقیق اس نے کہا ساتھ جائز ہونے کھانے کچھوے کے ان دلیلوں سے صاف معلوم ہو گیا کہ کچھوا حلال ہے اب سوال خدمت میں یہ ہے کہ زید ان دلائل سے کچھوا کھاتا ہے اور جو زید کو خارج اسلام اور حقہ پانی بند کرتے ہیں سو وہ عند اللہ کیسے ہیں اور حرمت کچھوے میں کوئی آیت قرآن یا حدیث ہے یا نہیں جواب قرآن و حدیث سے دیں - المستفتی نمبر ۱۱۸۹ شیخ محمد سلیمان صاحب (ریاست نابھہ) ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۴۵) آیت کریمہ میں صید البحر سے صرف مچھلی مراد ہے حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ دریائی جانوروں میں سے صرف مچھلی حلال ہے اگر صید البحر سے تمام دریائی جانور مراد لئے جائیں تو پھر تو دریائی خنزیر اور دریائی کتا اور دریائی ہاتھی اور گھڑیال سب حلال ہو جائیں گے کچھوے کو قرآن و حدیث نے حلال نہیں بتایا (۱) ہاں بعض لوگوں نے اسے حلال سمجھا ہے مگر انکے قول و فعل کو دلیل حلت قرار دینا حنفیوں پر لازم نہیں اگر کھانے والا حنفی نہیں ہے اور حسنؒ یا عطاءؒ کے قول پر عمل کرنے کا مدعی ہے تو ہمیں اس سے بحث نہیں - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا کوا حلال ہے؟

(سوال) کوا یعنی زاغ کتی قسم کا ہوتا ہے اور ان میں سے کون حلال ہے اور کون حرام اور کون مکروہ ہے بستی میں جو کوا رہتا ہے وہ حلال ہے یا نہیں - المستفتی نمبر ۱۱۹۴ محمد ادریس صاحب (ضلع مونگیر) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۷ ستمبر ۱۹۳۶ء

---

(۱) ولا یحل ذوناب　ولا الحشرات　والضبع والثعلب　والسلحفاۃ بریۃ او بحریۃ الخ (الدر المختار مع الرد ۶ ۳۰۴، ۳۰۵ ط سعید)

(جواب ۱۴۶) غراب زرع حلال ہے اور بستی کے کوے بھی بقاعدہ فقہیہ حرام نہیں (۱) محمد کفایت اللہ

کوے کی کئی اقسام ہیں

(سوال) کوے کا گوشت حلال ہے یا حرام -المستفتی نمبر ۲۴۷۱ محمد صدیق چتلی قبر (دہلی) ۷ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۳ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۴۷) کوے کی کئی قسمیں ہیں غراب الزرع کھیتی کا ایک کوا ہے جو صرف دانہ کھاتا ہے وہ اتفاقاً حلال ہے دوسرا شکاری کوا جو پنجہ سے شکار کرتا ہے وہ اتفاقاً حرام ہے تیسرا کوا پانی پر رہتا ہے وہ بھی نجاست خور نہیں ہے وہ حلال ہے چوتھا یہ کوا جو بستی میں آتا ہے یہ نجاست بھی کھاتا ہے اور دانہ روٹی بھی کھاتا ہے یہ امام ابو حنیفہ کے قاعدہ کے ماتحت مرغی کی طرح حلال ہے کہ وہ باوجود نجاست خوری کے پاک چیزیں کھانے کی وجہ سے خالص نجاست خور نہیں اور حلال ہے اور بعض علماء اس کو نجاست خوری کی بناء پر حرام کہتے ہیں (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قنفذ (سیلہ) حرام ہے

(سوال) سی کا گوشت کہ عربی میں اس کو قنفذ اور فارسی میں خارپشت کہتے ہیں حلال ہے یا حرام لیکن واضح ہو کہ قنفذ کی دو قسمیں ہیں ایک چھوٹا ہے اور اس کا حکم قاضی خان نے لکھا ہے کہ حرام میں داخل ہے بلکہ دریافت طلب وہ بڑا قسم ہے - المستفتی نمبر ۲۵۱۷ عبدالمنان طالب علم مدرسہ فتح پوری دہلی ۲۰ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ م ۹ جولائی ۱۹۳۹ء

(جواب ۱۴۸) قنفذ کی دو قسمیں ہیں چھوٹی اور بڑی اور دونوں حرام ہیں کیونکہ دونوں خبائث میں داخل ہیں قاضی خان' ردالمحتار وغیرہ میں قنفذ کو حرام جانوروں میں شمار کیا ہے اور چھوٹی بڑی قسم کی تفصیل نہیں کی جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ دونوں قسمیں حرام ہیں اگر ایک قسم حلال اور دوسری حرام ہوتی تو ضرور تفصیل کردی جاتی (۳) اور حیوۃ الحیوان دمیری ص ۲۱۹ ج ۲ میں ہے -

القنفذ وهو صنفان قنفذ يكون بارض مصر قدر الفار ودلدل يكون بارض الشام والعراق فى قدر الكلب القلطى والفرق بينهما كالفرق بين الجراد و الفار قالوا ان القنفذ اذا جاع يصعد الكرم منكسا فيقطع العنا قيد و يرمى بها ثم ينزل فيأكل منها ما اطاق فان كان له فراخ تمرغ فى الباقى ليشتبك فى شركه ويذهب به الى اولاده وهو لا يظهر الا ليلاً- انتهى ثم قال وقال ابو حنيفة والا مام احمد لا يحل الى قوله فقال شيخ عنده سمعت ابا هريرةؓ يقول ذكر القنفذ عند رسول الله ﷺ فقال خبيث من الخبائث- محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۲) وحل غراب الزرع وهو غراب أسود صغير يقال له الزاغ لم ياكل الا الحب (رد المحتار مع الدر ۶/ ۳۰۷ ط سعید)
(۳) فهو انواع ..... الخ (حواله بالا)
(۳) ولا الحشرات واحدها حشرة بالتحريك فيهما كالفارة والوزغة وسام ابرص والقنفذ الخ (ردالمحتار مع الدر : ۶/ ۳۰۵)

حلال جانور کا چمڑا بھی حلال ہے

(سوال) حلال جانوروں میں مثلاً گائے اور بکری کا چمڑا کھانا حرام ہے تو پھر گائے اور بکری کے پائے عام لوگ استعمال کرتے ہیں ان پایوں کے کھروں کے قریب چمڑا ہوتا ہے جو کھایا جاتا ہے حلال ہے یا لوگ غلطی سے استعمال کرتے ہیں - المستفتی نمبر ۲۷۸۱ محمد حنیف قریشی معرفت حافظ حبیب الرحمن امام جامع مسجد کالکا ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ م ۸ جولائی ۱۹۴۲ء

(جواب ۱۴۹) حلال جانوروں مثلاً گائے بکری وغیرہ کا چمڑا بھی حلال ہے چمڑے کو حرام بتانا غلطی ہے اگر کوئی شخص صرف کھال ہی کو پکا کر کھانا چاہے تو کچھ ممانعت نہیں ہے -(۱)

جھینگے میں احتیاط یہ ہے کہ نہ کھایا جائے

(سوال) جھینگا جسے بعض مچھی اور بعض کیڑا کہتے ہیں اس کے متعلق آپ کا ذاتی مسلک کیا ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۸۰۴ - ۴ شوال ۱۳۶۵ھ

(جواب ۱۵۰) جھینگا اکثر علماء کے نزدیک مچھلی کے حکم میں ہے مچھلی کی ایک قسم قرار دے کر اسے کھانے والے کھاتے ہیں اور بعض علماء اسے مچھلی کی قسم قرار نہیں دیتے وہ اسے ناجائز کہتے ہیں بہر حال اس میں اختلاف ہے احتیاط یہ ہے کہ نہ کھایا جائے -(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

خنزیر کے گوشت سے تیل نکالا جائے تو اس کی خرید و فروخت ناجائز ہے

(سوال) خنزیر کے گوشت کو کیمیاوی طریقے سے بصورت تیل تحلیل کر کے پھر اس تیل کو ایک دھات میں شامل کیا جاتا ہے اور اس دھات سے زیور وغیرہ بنایا جاتا ہے تو کیا اس آخری مرحلے میں تیار شدہ اشیا جن میں خنزیر کے اجزا کو محلول کر کے مخلوط کیا گیا ہے یا درمیانی مرحلے میں جب کہ خود خنزیر محلول شدہ ہے جیسے اس کا تیل وغیرہ تو ان کی خرید و فروخت یا ایسی چیزوں کا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو تبدیلی جنس سے (جیسے گدھا نمک کی کان میں جا کر نمک بن جائے) تو حلت و حرمت کے احکام بدلتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۸۱۱ عبدالعزیز - کوئٹہ بلوچستان - ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ

(جواب ۱۵۱) اگر خنزیر کے گوشت کو کیمیاوی طریق سے تیل بنالیا جائے تو وہ تیل بھی ناپاک ہوگا (۳) مگر اس تیل کو اگر دھاتوں کا زیور بنانے میں استعمال کیا جائے تو تیل باقی نہ رہے گا اڑ جائے گا یا فنا ہو جائے گا اور آگ اس دھات کو پاک کردے گی اس تیل کی خرید و فروخت ناجائز ہوگی اور اسی طرح ان چیزوں کی خرید و فروخت ناجائز ہوگی جن میں وہ تیل موجود ہے گدھے کا تیل بنانا اور اس کا نمک کی کان میں گر کر نمک بن

---

(۱) اذا ما زکیت شاة فکلها سوی سبع فیهن الوبال فحاء ثم خاء ثم غین ودال ثم میماً وذال الخ (الدر المختار مع الرد : ۶/۷۴۹)
(۲) ولا یحل حیوان مائی الا السمك (الدر المختار مع الرد : ۶/۳۰۶)
(۳) قال فی القنیة الکمیت المدبوغ بدهن الخنزیر اذا غسل یطهر ولا یضر بقاء الاثر وفی الخلاصة واذا دبغ الجلد بالدهن النجس یغسل بالماء ویطهر والتشرب عفو (رد المحتار مع الدر : ۱/۳۳۰)

جانا علیحدہ علیحدہ صورتیں ہیں اور ان کے احکام جدا جدا ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تمام حلال جانوروں کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۲۸ء)

(سوال) مسلمانوں کے لئے جانوروں کی کھال کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۵۲) سوائے آدمی اور خنزیر کی کھال کے باقی تمام جانوروں کی کھالوں کا دباغت کے بعد استعمال جائز ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

خنزیر کے بالوں کی تجارت کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۷ جولائی ۱۹۲۸ء)

(سوال) ایک مسلمان شخص خنزیر کے بالوں کی تجارت کرتا ہے ان کو مشرک ملازمین چھوتے ہیں خود ہاتھ نہیں لگاتا لیکن نفع کا روپیہ حاصل کرتا ہے اور اس کے لئے خط و کتابت کرتا ہے تو اس تجارت کا نفع حاصل کرنا اس کو جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۵۳) خنزیر کے بال ظاہر روایت اور مذہب مفتی بہ کے موافق نجس اور ناقابل انتفاع ہیں اس لئے ان کی تجارت بھی ناجائز ہے ہاں امام محمدؒ کی ایک روایت کے بموجب اس میں اتنا شبہ پیدا ہو گیا کہ امام محمدؒ نے ضرورت کے وقت اس سے انتفاع کو جائز فرمایا ہے اس لئے حرمت تجارت میں خفت آگئی ہے تاہم حکم حرمت ہی راجح اور احوط ہے (۲) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفر لہ'

سوسمار کے چمڑے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) تجارت چرم سوسمار جس کو عربی میں ضب کہتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۵۴) اگر سوسمار (ضب) کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر کے اس کا چمڑا نکالا جائے تو بغیر دباغت کے بھی اس کی بیع و شرا جائز ہے اور اس کے خلاف ہو تو پھر اس کو دباغت کے بعد بیچ اور خرید سکتے ہیں قبل دباغت ناجائز ہے (۳) دباغت کے لئے اس کو ہاتھ سے چھونا اور نمک لگانا سب جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ

---

(۱) کل اھاب دبغ وھو یحتملھا طھر حلا جلد الخنزیر فلا یطھر (قال المحقق) ای لانہ نجس العین بمعنی ان ذاتہ بجمیع اجزائہ نجسۃ (الدر المختار مع الرد ۱ / ۲۰۳، ۲۰۴)

(۲) وشعر الخنزیر لنجاسۃ عینہ فیبطل بیعہ ابن کمال وان جاز الانتفاع بہ لضرورۃ الخرز حتی لو لم یوجد بلا ثمن جاز الشراء للضرورۃ وکرہ البیع فلا یطیب ثمنہ وعن ابی یوسف یکرہ الخرز بہ لانہ نجس ... ولعل ھذا فی زمانھم واما فی زماننا فلا حاجۃ الیہ الخ (رد المحتار مع الدر : ۵/ ۷۱، ۷۲)

(۳) ولا بیع جلود المیتۃ قبل ان تدبغ ... ولا باس ببیعھا والانتفاع بھا بعد الدباغ لانھا طھرت بالدباغ ... الخ (الھدایۃ باب بیع الفاسد ۳ / ۵۵ شرکت علمیہ ملتان)

(۱) کپورے حرام اور اوجھڑی حلال ہے
(۲) مکروہ تنزیہی اور طبعی میں فرق

(سوال) (۱) کپورے کھانے کی ممانعت تحریمی ہے یا تنزیہی (۲) اوجھڑی کا کیا حکم ہے (۳) مکروہ تنزیہی یا طبعی ہونے کی صورۃ میں کھانا گناہ ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۵۵) (۱) بظاہر کپورے کھانے کی کراہت تحریمی ہے(۱) (۲) اوجھڑی کھانا بلا کراہت جائز ہے (۳) مکروہ تنزیہی کا ارتکاب بھی گناہ ہے(۲) مکروہ طبعی کوئی فقہی اصطلاح نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

آٹھواں باب
تمباکو کا استعمال

تمباکو' زردہ 'گانجہ 'حقہ اور افیون وغیرہ کا حکم

(سوال) تمباکو اور کہرشان اور زردہ اوگانجہ او رافیون اور چرس اور سگریٹ اور بھنگ وحقہ وغیرہ یہ سب چیزیں ازروئے شرع محمدی حلال ہیں یا حرام ؟ واضح رہے کہ حدیث نبوی ﷺ اشیاء مذکورہ کی حرمت پر شہادت دیتی ہے وہ حدیث یہ ہے **نھی رسول اللہ ﷺ عن کل مسکر و مفتر** وغیرہ اور اگر اس حدیث سے حرام ثابت نہیں تو حرام کا تقابل جو لفظ حلال سے ہے وہ ثابت ہونا چاہئیے تو اس حالت میں حدیث مشرح دلیل ہونی چاہئیے باقی اور دو شقیں ہیں مکروہ اور مباح کیا یہ کوئی خاص اصطلاح ہے یا حلال اور حرام میں داخل ہے اگر خارج ہے تو کس حدیث سے ہیں جانتا ہوں جو مکروہ ہے وہی حرام ہے اور جو مباح ہے وہی حلال ہے۔ بینوا توجروا

(جواب ۱۵۶) سوال مذکور کی بعض چیزیں حرام اور نا قابل استعمال ہیں اور بعض حلال اور جائز اور بعض مکروہ مناسب ترک مثلاً گانجہ افیون چرس بھنگ ان چیزوں کا استعمال حرام ہے کیونکہ ان سے نشہ ہوتا ہے(۳) اور بھی چیزیں حدیث مذکورہ **نھی رسول اللہ ﷺ عن کل مسکر و مفتر** میں داخل ہیں کیونکہ ان میں سے بعض مسکر ہیں اور بعض مفتر تمباکو اور زردہ کھانا مباح ہے حقہ پینا بدبو کی وجہ سے مکروہ ہے اور جس قدر بدبو زیادہ ہوگی کراہت بڑھتی جائے گی۔

---

(۱) کرہ تحریماً ، قیل تنزیھاً والاول اوجہ من الشاۃ سبع الحیاء والخصیۃ (رد المحتار مع الدر : ۶/۷۴۹)
(۲) قال فی البحر : والمکروہ فی ھذا الباب نوعان احدھما ما یکرہ تحریماً و ثانیھما المکروہ تنزیھاً و مرجعہ الی ما ترکہ اولی - (رد المحتار مع الدر ۱/۶۳۹)
(۳) ویحرم اکل البنج والحشیشۃ والافیون لانہ مفسد للعقل و یصد عن ذکر اللہ و عن الصلوۃ (الدر المختار مع الرد ۶/۴۵۳'۴۵۴)

حقہ اور بیڑی کا حکم

(سوال) حقہ اور بیڑی وغیرہ کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے آیا کوئی صریح حدیث بھی اس کے عدم جواز و حرمت پر صادر ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۳۴۴ سیٹھ یعقوب (کامٹی) ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ

م ۲۳ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۵۷) حقہ اور بیڑی پینا بدبو کی وجہ سے مکروہ ہے اور بدبو کی کمی بیشی کی بنا پر کراہت میں خفت اور شدت ہوتی ہے اس کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' (جواب دیگر ۱۵۸) حقہ پینا اگر اس قدر احتیاط کے ساتھ ہو کہ منہ میں بدبو نہ رہے تو بلا کراہت مباح ہے اور بدبو رہے تو مکروہ ہے اور بدبو کی کمی زیادتی پر کراہت میں خفت اور شدت ہوتی رہے گی کل مسکر حرام میں داخل نہیں ہے لیکن اگر بدبو اتنی ہو کہ دوسرے لوگ محسوس کریں اور تکلیف پائیں تو مسجد میں آنا بھی مکروہ ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حقہ اور پان کا حکم..................

(سوال) (۱) حقہ کا کیا مسئلہ ہے یہ پینا شرع کی رو سے کیسا ہے (۲) پان میں زردہ کھانا یا پان کھانا کیسا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۷۴۷ محمد صدیق (چتلی قبر دہلی) ۷ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۳ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۵۹) (۱'۲) حقہ پینا اور پان میں زردہ کھانا مباح ہے ان دونوں کو لمبی بے احتیاطی سے استعمال کرنا کہ منہ میں بدبو ہو جائے مکروہ ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حقہ پینے والے کی امامت کا حکم.

(سوال) زید نامی ایک شخص پچاس باون برس کا معمر آدمی ہے متدین سنت نبوی کا دلدادہ نیکی پر امر کرنے والا برائی سے روکنے والا امام مسجد ہے لیکن حقہ نوشی کرتا ہے البتہ بروقت امامت صفائی دہن کی ہر ممکن تدبیر عمل میں لاتا ہے اعتراض کرنے پر بیان کرتا ہے کہ چند حکما کے مشورے سے چند خاص وجوہات کے باعث مجبوری قاصر ہوں اور ایسا کرنے میں طبیعت میں استراحت پاتا ہوں اور چند بلیات سے محفوظ رہتا ہوں اور لا یکلف اللہ نفساً آیت قرآنی پیش کرتا ہے نیز حسب ذیل دلائل پیش کرتا ہے۔

(۱) اس بارے میں ائمہ اربعہ کے علماء کرام کے اقوال مختلف ہیں کوئی حرمت کا قائل ہے کوئی مکروہ تحریمی بیان کرتا ہے اور کوئی مکروہ تنزیہی کا قائل ہے کوئی اباحت پر فتویٰ دیتا ہے گویا یہ متفق علیہ مسئلہ نہیں ہے اور

---

(۱) قیل لأنس ما سمعت النبی ﷺ فی الثوم فقال من اکل فلا یقربن مسجدنا (صحیح البخاری ۲/۸۱۹)
وقال الامام العینی فی شرحہ علی صحیح البخاری قلت علۃ النھی اذی الملائکۃ واذی المسلمین...... و یلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل مالہ رائحۃ کریھۃ ماکولا او غیرہ ...... وانما خص الثوم ھنا بالذکر و فی غیرہ کالبصل والکراث لکثرۃ اکلھم لھا (رد المحتار مع الدر ۱/۶۶۱)
(۲) (حوالہ گزشتہ: صحیح البخاری ۲/۸۱۹- رد المحتار مع الدر ۱/۶۶۱)

علماء کرام الگ الگ مسلک اختیار فرماگئے ہیں۔
(۲) تمباکو کا پودا حضرت ﷺ سے بہت بعد وجود میں آیا تقریباً گیارہویں صدی میں یہ بغداد پہنچا ہے اور یہ زمانہ شہنشاہ اکبر اس کا دور ہندوستان میں ہوا ہے۔
(۳) کل دخان حرام کی نسبت جسے عام طور پر حدیث شریف مانا جاتا ہے زید نہیں مانتا کہ حدیث ہے بلکہ کسی صوفی کا قول اور حوالہ میں فتاویٰ عبدالعزیز صاحب و مولوی عبدالحئی صاحب کے فتاویٰ کی تحریر پیش کرتا ہے اور یہ حدیث بھی پیش کرتا ہے، مجامیر کم الوة یعنی عود وطیب بہشتیوں کے لئے ہے بہشت میں انگیٹھیوں میں آوے گی تو گویا ہر آلہ عذاب کا استعمال منع نہیں حضرت نوح کی قوم پر پانی کے طوفان کا عذاب نازل ہوا تھا لیکن باوجود اس کے پانی کا استعمال ممنوع نہیں اور یہ مفہوم فتاویٰ عزیزیہ کا ہے اور اگر کل دخان حرام ہوتا تو جاڑے میں چلتے کنویں سے دھواں نکلتا ہے تو وہ بھی حرام ہوتا مگر ایسا نہیں ہے اور اپنے استدلال سے آیت یوم تاتی السماء بدخان مبین یغشی الناس ھذا عذاب الیم کی بھی تردید کرتا ہے۔
(۴) اگر آیات ان اللہ لایحب المسرفین - وان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین پیش کی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ مسرفین و مبذرین کی شرح یہ ہے کہ جن اشیاء کے استعمال کے بغیر زندہ رہنا ممکن ہو وہ تو مسرفین و مبذرین میں داخل نہیں ہیں اور جن اشیاء کے نہ ملنے سے زندگی مخدوش نہ ہو وہ ان دونوں شقوں میں شامل ہیں مثلاً اول الذکر کی تمثیل پانی یا روٹی کی کہ ان کے بغیر زندگی ناممکن ہے اور مؤخر الذکر کی تمثیل گرمیوں میں شربت پینا کہ یہ جزو زندگی نہیں ہے صرف انحفاظ و استراحت طبع کے لئے ہے تو یہ بھی اگر اسراف میں داخل ہو سکتا ہے تو حقہ کشی بھی داخل اسراف ہے ورنہ نہیں۔
(۵) بحوالہ عبارت ہر دو فتاویٰ متذکرہ روئیدگی کی وجہ سے حرام ہوتی ہے ورنہ حرام کسی صورت میں نہیں ہو سکتی اگرچہ مکروہ کا جواز اس پر ثابت ہو سکتا ہو تو ہو، یا تو وہ روئیدگی مغشی ہو یعنی نشہ آور ہو جیسے بھنگ یا از قسم سمیات جیسا کہ دھتورہ تو تمباکو نہ تو سمیات سے ہے اور نہ ہی مغشی اور نہ ہی بذات خود تمباکو میں جواز حرمت کا ثابت ہوتا ہے البتہ حقہ کشی سے بدبو کے دہن کا قائل ہے مگر وہ بھی بد احتیاطی سے پیدا ہوتی ہے اگر محتاط رہا جائے تو بدبوئے دہن بھی نہیں رہ سکتی جس کی امام صاحب ہر طرح کی احتیاط مد نظر رکھتا ہے مثلاً منہ صاف رکھنا یا منہ میں الائچی رکھنا۔
(۶) اور یہ بھی کہتا ہے کہ حرمت بھی اس چیز کی شارع علیہ السلام سے ثابت ہوتی ہے جس کا امتناعی حکم صادر ہو چکا ہو مثلاً پیاز و لہسن وغیرہ کھانے کی قطعی ممانعت نہیں ہے البتہ یہ باعث کراہت طبعی کے مکروہ ہے ایسے ہی تمباکو نوشی کا حکم ہے کچا لہسن وغیرہ کھاکر تو مسجد میں جانے کی مناہی وارد ہے وہ عام لوگوں کی کراہت طبعی کا باعث ہے ورنہ کوئی حرام نہیں ہے بلکہ ہر امیر غریب کا من بھاتا کھانا ہے۔
(۷) علاوہ ازیں اندریں باب اور بہت سی کتب کے حوالجات اباحت پر پیش کرتا ہے اور ایک خاص رسالہ الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان مصنفہ علامہ عبدالغنی نابلسی حنفیؒ پیش کرتا ہے جس میں

بہت زیادہ واضح دلائل سے استباحت حقہ پر بحث کی گئی ہے لیکن ایک مسلمان جس کا نام عبد الحلیم ملتانی ہے نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ حقہ نوشی کرنے والے کی امامت بالکل ناجائز ہے لیکن اس پر کوئی قطعی دلیل یا نص تحریر نہیں فرمائی پس مؤدبانہ عرض ہے کہ حقہ نوش کی امامت کے متعلق فتویٰ صادر فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۰۴۹ مولوی محمد بخش صاحب (ضلع ملتان) ۱۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۰) ہاں حقہ پینا فی حد ذاتہ مباح ہے مگر بدبو کی وجہ سے کراہت آتی ہے حرمت کی کوئی دلیل نہیں ہے کل دخان حرام حدیث نہیں ہے اگر منہ میں بدبو باقی ہو تو بے شک مسجد میں آنا اور امامت کرنا مکروہ ہے ورنہ نہیں (۱) واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تمباکو' حقہ' ہلاس کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۶ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) تمباکو پان میں کھانا یا حقہ میں پینا یا ہلاس سونگھنا جائز ہے یا نہیں تینوں کی حیثیت ایک ہے یا فرق ہے؟

(جواب ۱۶۱) تمباکو کے استعمال کی کراہت اس کی بدبو کی وجہ سے ہے جس صورت میں بدبو باقی نہ رہے یا بہت کم رہے اس میں کراہت نہیں ہوگی یا کم ہوگی ہلاس کی صورت سب سے ہلکی ہے اور حقہ کی سب سے زیادہ۔ (۲) محمد کفایت اللہ غفرلہ'

تمباکو پینے اور کھانے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ یکم اگست ۱۹۲۸ء)

(سوال) ما تقولون ایها العلماء السادات الکرام فی ما یقول رجل بان الدخان حرام کیف ما کان من اکله و شربه لانه نبت من قذورات ابلیس اللعین ولا یشفع النبی ﷺ لمن استعمله — و یدعی بالحرام شربة لبن بقرة التی اکلت من تبن قبر من استعمله

(ترجمہ) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ایک شخص تمباکو کے استعمال کو حرام کہتا ہے کھانے کی صورت میں یا پینے کی صورت میں ہو کیونکہ تمباکو کا پودا ابلیس کے فضلے سے اگا ہے اور کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ تمباکو استعمال کرنے والے کی شفاعت نہیں فرمائیں گے اور کہتا ہے کہ جس گائے نے تمباکو پینے یا کھانے والے کی قبر پر سے گھاس کھائی اس گائے کا دودھ پینا بھی حرام ہے۔

---

(۱) (حوالہ گزشتہ رد المحتار مع الدر ۶۶۱/۱ – صحیح البخاری ۸۱۹/۲)

(۲) (حوالہ گزشتہ بالا)

(جواب ۱۶۳) القول بحرمة الدخان قول لا دليل عليه من الكتاب والسنة وكذا القول بحرمة لبن بقرة اكلت من تبن قبر شارب الدخان قول باطل مردود - نعم يكره شرب الدخان لرائحة الكريهة- محمد کفایت اللہ غفر لہ'

(ترجمہ) تمباکو کے استعمال کی حرمت کا قول بے دلیل ہے جس پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل موجود نہیں اسی طرح یہ کہنا کہ جس گائے نے تمباکو استعمال کرنے والے کی قبر پر سے گھاس کھائی ہو اس کا دودھ پینا حرام ہے یہ قول بھی باطل اور مردود ہے البتہ تمباکو پینا بدبو کی وجہ سے مکروہ ہے(۱)

محمد کفایت اللہ غفر لہ'

سگریٹ اور تمباکو کی تجارت جائز ہے .

(سوال) میں نے ایک دکان فی الحال کھولی ہے جس میں متفرق اشیاء ہیں ارادہ ہے کہ سگریٹ اور پینے کا تمباکو بھی رکھ لوں یہ ناجائز تو نہیں ہوگا ؟

(جواب ۱۶۳) سگریٹ اور تمباکو کی تجارت جائز ہے اور اس کا نفع استعمال میں لانا حلال ہے(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

نواں باب طب اور ڈاکٹری

فصل اول

دوا و علاج

جن دواؤں میں اسپرٹ ہو ان کا استعمال مباح ہے

(سوال) جن دواؤں میں اسپرٹ ہو ان کا استعمال کیسا ہے ؟ اور شراب کس حالت میں دواءً استعمال کی جاسکتی ہے- المستفتی نمبر ۲۰۶ حافظ نور جمال امام مسجد سہرالہ ضلع لودھیانہ ۲۷ شوال ۱۳۵۲ھ م ۱۲ فروری ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۶۴) اسپرٹ(۳) کی دوائیں علاج کیلئے مباح ہیں شراب بوقت ضرورت جب کہ

---

(۱) (حوالہ گزشتہ رد المحتار مع الدر ۱/۶۶۱ - صحیح البخاری ۲/۸۱۹)

(۲) وصح بيع غير الخمر و مفاده صحة بيع الحشيشة والافيون الخ (رد المحتار مع الدر : ۶/۴۵۴)

(۳) اسپرٹ کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ یہ جوہر شراب ہے البتہ اس میں زہر کے اجزاء بھی پائے جاتے ہیں چونکہ اس کا استعمال کثرت سے ہو رہا ہے مثلاً کپڑوں کے رنگنے میں دوائی روشنائی خوشبو وغیرہ میں' اس لئے اس کے استعمال سے بچنا مشکل ہے لابتلاء عام کی وجہ سے اس کے حکم میں تخفیف آتی ہے اور دوسرا یہ کہ اسپرٹ دوائی وغیرہ میں پڑنے کے بعد اپنی حقیقت کھو دیتا ہے اور اس کی اصل بدل جاتی ہے اور ناپاک چیز جب اس حد تک بدل جائے کہ اس کی پہلی حقیقت ہی باقی نہ رہے اس کے بعد وہ ناپاک نہیں رہتی (ملخص از جدید فقہی مسائل)

طبیب حاذق کہہ دے کہ اب علاج یہی ہے جائز ہوتی ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

انگریزی دواؤں کی خرید و فروخت اور ان کا استعمال جائز ہے

(سوال) انگریزی دوا کا استعمال کرنا اور اس کی قیمت لینا جائز ہے یا نہیں ؟ سنا گیا ہے کہ اکثر انگریزی دواؤں میں اسپرٹ کی آمیزش رہتی ہے اس پر جناب نے لکھا ہے "انگریزی دواؤں کا استعمال اور ان کی خرید و فروخت جائز ہے مگر اس حکم میں خالص مسکرات داخل نہیں ہیں" اور اسی استفتا کا جواب دار الافتا پھلواری شریف سے جناب مفتی محمد عباس صاحب نے لکھا ہے کہ " جن دواؤں میں شراب کا جزو ہے (چاہے انگریزی دوا ہو یا غیر انگریزی) اس کا استعمال اور اس کی بیع و شرا شرعا ناجائز ہے قیمت واپس کر دینی چاہئے "تو ان دونوں فتوؤں میں فرق ہے ہم کس کو راجح اور کس کو مرجوح سمجھیں - المستفتی نمبر ۱۰۶۰ - ۸ ستمبر ۱۹۳۵ء م ۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ

(جواب ۱٦٥) انگریزی دواؤں میں اسپرٹ میتھی لیٹڈ کی آمیزش ہوتی ہے جو روغنوں اور رنگوں میں ڈال کر استعمال کی جاتی ہے اور وہ شراب نہیں ہے اس لئے اس کی آمیزش سے دواؤں کی بیع و شراء ناجائز نہیں ہوتی (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مویشیوں کو انجکشن لگانے کا حکم

(سوال) حفظ ماتقدم کے طور پر وبا کے زمانے میں تندرست مویشیوں کے ٹیکا لگوا لیا جائے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۷۴٦ نور محمد صاحب ہیڈ ماسٹر (ضلع کرنال) ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۱ فروری ۱۹۳٦ء

(جواب ۱٦٦) ٹیکا لگانا تجربے سے مفید ثابت ہوا ہو تو جائز ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حرام چیز بطور دوا استعمال کرنا .

(سوال) حرام جانور مثلاً گرگٹ ،کیکڑا ، مینڈک ، کچھوا وغیرہ اور حرام اشیاء مثلا شراب وغیرہ دوا کے طور پر کھانا کیسا ہے - المستفتی نمبر ۹۴۴ محمد مقصود احمد خاں (تانبوے) ۲۹ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۱ مئی ۱۹۳٦ء

(جواب ۱٦۷) حرام جانور اور حرام اشیاء دواءً استعمال کرنا اس وقت جائز ہوتا ہے جب کوئی مسلمان طبیب حاذق یہ کہہ دے کہ اب اور کوئی دوا نافع نہیں رہی (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) وجوزہ فی النہایة بمحرم اذا اخبرہ طبیب مسلم ان فیہ شفاء و لم یجد مباحاً یقوم مقامہ (رد المحتار مع الدر : ٦: ۳۸۹)

(۲) (حوالہ گزشتہ رد المحتار مع الدر : ٦/ ۳۸۹)

(۳) وجوزہ فی النہایة بمحرم اذا اخبرہ طبیب مسلم ان فیہ شفاء ولم یجدمباحاً یقوم مقامہ (الدر المختار مع الرد ٦/ ۳۸۹)

کیا بطور علاج شراب استعمال کر سکتے ہیں؟

(سوال) مریض کو حالت نازک ہونے کی صورت میں شراب دواءً دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۴۷۶ سید اکبر علی صاحب صادق (گجرات) ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۸ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۶۸) جب کہ کسی طبیب مسلم حاذق کی یہ رائے ہو کہ سوائے شراب کے اور کوئی دوا مریض کے لئے نافع نہیں اور مریض کی حالت نازک ہو کہ ہلاکت کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں اس کو شراب دیدینا جائز ہے۔ **یجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتة للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفائہ فیہ ولم یجد من المباح ما یقوم مقامہ وان قال الطبیب یتعجل شفاءك فیہ وجھان ھل یجوز شرب القلیل من الخمر للتداوی اذا لم یجد شیئاً یقوم مقامہ فیہ وجھان کذافی التمرتاشی (فتاوی عالمگیری)**(۱) **ج ۵ باب فی التداوی والمعالجات)**

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

علاج کی غرض سے شراب جسم پر لگانے کا حکم

(سوال) دوا کے طور پر شراب کا استعمال پینا اور جسم پر لگانا جائز ہے کہ نہیں المستفتی مولوی محمد رفیق دہلوی

(جواب ۱۶۹) شراب کا بطور دوا کے استعمال کرنا اس وقت جائز ہے جب تمام دوسری دوائیں استعمال میں آچکی ہوں اور نفع نہ ہوا ہو اور شراب سے نفع کی امید ہو(۲) مگر بدن پر لگانے کے بعد اس کو دھوڈالنا چاہئے(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ڈاکٹری سیکھنے اور بے ہوش کرنے والی دواؤں کے استعمال کا حکم

(سوال) علم ڈاکٹری سیکھنا شرعاً جائز ہے کہ نہیں اور علاج ڈاکٹری کرانا ولایتی دوا پینا جائز ہے یا نہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ ولایتی دواؤں میں ملاوٹ شراب کی ہوتی ہے لہذا احتراز ضروری ہے بلکہ یونانی کرانا چاہئے حالانکہ طبیب یونانی بھی اکثر ولایتی دوائیاں استعمال کرانے لگے ہیں کیونکہ دوا ولایتی زود اثر ہونے میں مشہور ہو چکی ہے اور رواج ڈاکٹری کا بکثرت ہو گیا ہے خیراتی ہسپتال عام کھلے ہوئے ہیں اکثر لوگ علاج ڈاکٹری کراتے ہیں احتیاط ناممکن ہے کم از کم کونین کا استعمال تو ہر خاص و عام کرتا ہے اور ایک ماہر ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا گیا کہ آیا ہر دوائی ولایتی میں ملاوٹ شراب کی ہوتی ہے یا نہیں جواب دیا یہ غلط شہرت ہے ملاوٹ نہیں ہوتی بلکہ علیحدہ طور پر برانڈی کو علاجاً بحالت اضطراری استعمال کراتے ہیں الغرض دوائیاں ولایتی

---

(۱) (فتاوی هندیة ۵/ ۳۵۵ کوئٹہ)
(۲) (حوالہ گزشتہ بالا الدر المختار مع الرد ۶/ ۳۸۹)
(۳) اس لئے کہ قرآن میں شراب کو "رجس" کہا گیا ہے کہ یہ حرام ہونے کے ساتھ ساتھ ناپاک بھی ہے۔ وحرم الانتفاع بها (قال المحقق) کامتشاط المرأة بها لیزید بریق شعرها اوالاکتحال بها (رد المحتار مع الدر ۶/ ۴۴۹)

حقیقت میں یہی یونانی دوائیں ہیں البتہ ترکیب دوسری ہے جیسا کہ ٹنکچر کارڈیم کو عرق الائچی کلاں اور ٹنکچر فرانی پر کلورائیڈ عرق فولاد - ٹنکچر باوسا ئمس عرق اجوائن خراسانی ہے نیز بعض دوائیاں ڈاکٹری منوم ہیں جیسے کہ پوٹاسی برومائیڈ وغیرہ ایسی منوم استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں اور کلوروفارم کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں کلوروم فارم کے متعلق جناب ڈاکٹر صاحب سے پوچھا گیا کہ کیا چیز ہے فرمایا کہ مرکب چونا ہے اس میں غشی کوئی چیز نہیں فقط اعضاء کو بے حس کرتا ہے - المستفتی نمبر ۲۱۶۲ غلام رسول معلم مدرسہ احسن المدارس (ملتان) ۲۸ شوال ۱۳۵۶ھ م یکم جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۷۰) فن ڈاکٹری سیکھنا اور انگریزی ادویہ استعمال کرنا مباح ہے (۱) ہاں خالص شراب جیسے برانڈی وغیرہ یا وہ دوائیں جن میں شراب کی آمیزش معلوم ہو جائے استعمال کرنا منع ہے منوم دوا کا استعمال منوم ہونے کی وجہ سے ناجائز نہیں ہے کلوروفارم بے ہوشی کے لئے استعمال کرنا ضرورۃً مباح ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

آپریشن کے ذریعے ماں کے پیٹ سے بچہ نکالنے کا حکم

(سوال) زچہ کے شکم میں زندہ بچہ ہے لیکن باوجود کوشش کے صحیح وسالم پیدا ہونے کا امکان نہیں تاوقتیکہ اس بچے کو ڈاکٹری آلات کے ذریعہ کاٹ کر نہ نکالا جائے اگر اس کو زندہ پیٹ میں چھوڑ دیا جاتا ہے اور تاخیر کی جاتی ہے تو اب دو صورتیں ہیں یا تو زچہ شدت تکلیف سے مر جاتی ہے پھر چونکہ اس مقام پر اس قسم کے آلات موجود نہیں ہیں کہ فوری شکم مادر کو چاک کر کے اس بچہ کو زندہ اس مری ہوئی ماں کے پیٹ سے نکال لیا جائے تو اس صورت میں زچہ اور بچہ دونوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں آیا ایسی صورت میں زچہ کی جان بچانے کی غرض سے بچہ کو کاٹ کر نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ اول بچہ شکم مادر میں مر جائے اور اس مردے کی سمیت کی وجہ سے ماں اس بچہ کے بعد مر جائے سو اس صورت میں بھی بچہ کو کاٹ کر نکال لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ان دونوں صورتوں میں اگر بچہ کو کاٹ کر نکال لیا جائے تو زچہ زندہ اور صحیح سالم رہ سکتی ہے؟

(جواب ۱۷۱) زندہ بچے کو نکالنے کے لئے پیٹ ماں کا چیر کر نکالنا جائز ہے کیونکہ ایسے آپریشن کامیابی سے ہو جاتے ہیں اور ماں اور بچہ دونوں زندہ رہتے ہیں مگر زندہ بچے کا کاٹ کر نکالنا جائز نہیں بچہ پیٹ میں مر گیا ہو تو اس کو کاٹ کر نکالنا جائز ہے - واذا اعترض الولد فی بطن الحامل ولم یجدوا سبیلا لاستخراج الولد الا بقطع الولد اربا اربا ولو لم یفعلوا ذلک یخاف علی الام قالوا ان کان الولد

---

(۱) قال فی تبیین المحارم واما فرض الکفایة من العلم فهو کل علم لا یستغنی عنه فی قوام امور الدنیا کالطب والحساب (مقدمه رد المحتار مع الدر ۱/۴۲)

(۲) الضرورات تبیح المحظورات (الاشباه والنظائر قاعدة خامسة ۸۵ بیروت)

میتا فی البطن لا بأس به وان کان حیا لم تر جواز قطع الولدار باار با– کذافی فتاویٰ قاضی خان (عالمگیری) (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

چولہے میں اسپرٹ کا استعمال..........

(الجمعیۃ مورخہ یکم اگست ۱۹۳۲ء)

(سوال) آج پرائمس چولہا بہت رائج ہے اس میں اسپرٹ بھی استعمال کی جاتی ہے اور اسپرٹ شراب کا ست ہے کیا اس کا استعمال جائز ہے؟

(جواب) (از مولانا حبیب المرسلین صاحب) اگر اسپرٹ شراب کی حقیقت سے نکل جاتا ہے تو اس کا استعمال کرنا جائز ہوگا اور اگر اسپرٹ میں وہی نشہ وغیرہ اثر شراب کا باقی رہتا ہے تو استعمال اسپرٹ کا ناجائز ہوگا فقط واللہ اعلم- حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی

(جواب ۱۷۲) (از حضرت مفتی اعظمؒ) میتھیلیٹڈ اسپرٹ جو چولھے میں جلائی جاتی ہے اس جزء مسکر الکحل نے اس طرح ترکیب پائی ہے کہ میتھیلیٹڈ مسکر نہیں ہے اس لئے اس کا جلانے میں استعمال جائز ہے- (۲)

شراب کے خارجی استعمال سے بھی پرہیز بہتر ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) آج کل شفاخانوں میں عام طور پر بچہ ہونے کے فوراً بعد زچہ کو یا تو لال برانڈی یا کسی اور قسم کی تیز شراب میں بٹھایا جاتا ہے یا اس کے پھایے اندام نہانی میں رکھوائے جاتے ہیں مقصد اس سے یہ ہوتا ہے کہ رحم کا منہ سکڑ کر اپنی اصلی حالت پر آجائے کیا مسلمان عورتوں کے لئے یہ علاج جائز ہے؟

(جواب ۱۷۳) یہ فعل شراب کا خارجی استعمال ہے اگر اس فعل سے زچہ کو نمایاں فائدہ ہوتا ہو تو یہ حرام نہیں ہے البتہ اس سے احتراز اولیٰ اور افضل ہے (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

مسیحیت کی تبلیغ کرنے والے ڈاکٹر سے بائیکاٹ فرض ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۳۸ء)

(سوال) ضلع چاٹگام کے مشرقی گوشہ "رانگونیہ" نامی ایک قصبے میں دامن کوہ پر ایک انگریز نے عرصہ سے ایک ڈاکٹر خانہ قائم کر رکھا ہے اس نے اول اول قیمتی اور مفید دوائیں لوگوں کو مفت تقسیم کر کے خوب شہرت حاصل کرلی اور ڈاکٹر خانہ کو بھی عام مقبولیت حاصل ہوگئی چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگ بنگال کے دور

---

(۱) (هندية كتاب الكراهية الباب الحادى والعشرون ۵/۳۶۰)

(۲) اسپرٹ ابتلائے عام اور تبدیل حقیقت کی وجہ سے ناپاک نہیں (حوالہ گزشتہ جدید فقہی مسائل)

(۳) وحرم الانتفاع بها ولو لسقى دواب اولطين او نظر للتلهى او فى دواء اودهن او طعام وغيرذلك (قال المحقق) كامتشاط المرأة بها ليز يدبر يق شعرها اولا كتحال بها وجعلها فى سعوط تا تار خانيه (رد المحتار مع الدر ۶/۴۴۹)

دور کے علاقوں اور بیرون بنگال سے بھی جوق جوق پہنچنے لگے قرب وجوار کے لوگوں کا تو کیا کہنا ہر وقت حد سے زیادہ ہجوم اور بڑا ازدحام گویا ایک بازار لگا رہتا ہے اور اب ان سے خوب روپے پیسے لوٹے جاتے ہیں اب وہ بہ موقع پر خاص وعام مریض کو بھکاتا رہتا ہے اور اپنے عیسائی مذہب کی تبلیغ کرتا رہتا ہے علاوہ ازیں اور کئی ایک مرد وعورت مبلغ رکھے گئے ہیں جو لوگوں کے گھروں اور بازار میں جاکر عیسائی مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں کہا جاتا ہے کہ وہ ڈاکٹر محض ایک ملازم تنخواہ دار کی حیثیت رکھتا ہے اس کی کل آمدنی مشن میں جاتی ہے

المستفتی سید احمد سندیپی نائب سیکریٹری جمعیۃ علمائے چاٹگام

(جواب ۱۷۴) اگر اس ڈاکٹر کا شفا خانہ بظاہر شفا خانہ ہے اور در حقیقت تبلیغ مسیحیت کا ذریعہ ہے تو مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس کا بائیکاٹ کریں اور عوام مسلمین کو وہاں جانے اور علاج کرانے سے باز رکھیں اور اس کے مبلغوں کو اپنے گھر میں نہ آنے دیں (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ہومیو پیتھک دواء کا استعمال جائز ہے.

(سوال) اکثر لوگ مشورہ دیتے ہیں کہ ناسور کے لئے ہومیو پیتھک کے ڈاکٹر تین چار ماہ کے لئے کھانے کی دوا دیتے ہیں جس سے مریض کو بالکل شفا ہو جاتی ہے لیکن ان دواؤں میں اکثر کوئی نہ کوئی نشے کی آمیزش ہوتی ہے آیا شرعاً ان دواؤں کے استعمال کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور ضلع فیض آباد

(جواب ۱۷۵) ہومیو پیتھک دواؤں میں اگر اسپرٹ یا اور کوئی نشہ آور دوائی شامل ہو تاہم علاج کے لئے ان کا استعمال جائز ہے کیونکہ سوائے انگور کی شراب کے جو خمر ہے اور شرابیں ناپاک نہیں ہیں نشہ آور ہونے کی وجہ سے حرام تو ہیں مگر ناپاک نہیں تو ان کی اتنی مقدار جو نشہ آور نہ ہو علاج کے لئے استعمال کرنے کی گنجائش ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل دوم
مریض کو خون دینا

بوقت ضرورت بیمار کو تندرست کا خون لگانا جائز ہے.

(سوال) آج کل ڈاکٹروں نے ایک علاج بلڈ ٹرانسفیوژن کی تحقیق کی ہے اور یہ علاج بہت ہی کامیاب ثابت ہوا ہے اور اس علاج کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مریض کو کسی عارضہ کی وجہ سے بحد نقاہت لاحق ہو جاتی ہے

---

(۱) قال ابو سعید اما هذا فقد مضی ما علیه سمعت رسول الله ﷺ یقول من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذلک اضعف الایمان (صحیح مسلم ۱/ ۵۰)

(۲) اذا قصد متعلق بیحل منصوبا (و فی القهستانی فان قصد به استمراء الطعام والتقوی فی اللیالی علی القیام او فی الایام علی الصیام او القتال لاعداء الاسلام او التداوی لدفع الآلام فهو محل للخلاف بین العلماء الاعلام (ردالمحتار مع الدر ۶/ ۴۵۴)

اور اگر فوری تدارک نہ کیا گیا تو مریض کی زندگی کی امید نہیں مثلاً بندوق کی گولی لگی اور بہت خون نکل گیا یا اور کوئی زخم لگا اور کثرت سے خون خارج ہو گیا یا اور کسی بیماری کی وجہ سے بہت ہی کمزوری بدن میں آگئی تو اس صورت میں ڈاکٹر کسی صحیح المزاج آدمی کا خون خارج کر کے اس مریض کے بدن میں بذریعہ انجکشن اس کی رگوں میں داخل کرتا ہے جس کی وجہ سے مریض کی حالت سنبھل جاتی ہے اور ایک مجلس بھی قائم ہے جو صحیح المزاج اشخاص کا خون خارج کر کے بوتل وغیرہ میں اس طرح بند کر کے کہ خراب نہ ہو جمع رکھتی ہے اور حسب ضرورت اپنے مریضوں کے لئے ڈاکٹروں کو دیتی ہے اور ہر ایک کا خون کام نہیں آتا بلکہ جس آدمی کا خون مریض کے خون کے ساتھ باعتبار اجزا ملتا جلتا ہو وہی کام میں آسکتا ہے اور خاص کر اس جنگ میں کہ جاری کی جاتی ہے (العیاذ باللہ) اس میں اس علاج کی بہت ہی ضرورت واقع ہوتی ہے اور ہسپتالوں میں ہا لہ مریض کی بے اجازت وبے خبری میں خون داخل بدن کرتا ہے اور یہ علاج انتفاع بجزء الآدمی میں داخل ہے اس لئے حرام ہے تو اشد ضرورت کے وقت یہ علاج جائز ہے یا نہیں ؟ اور اگر خدانخواستہ کسی آدمی کے بدن میں اس کی زوجہ کا خون داخل کیا گیا تو کیا اس کی زوجہ اس پر حرام ہو گی یا نہیں ؟ یا اگر ساس کا خون داماد میں یا شوہر کا خون زوجہ کے بدن میں داخل کیا گیا تو حرمت نکاح ثابت ہو گی یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۲۷۰۲ سلیمان حاجی اسماعیل صاحب جوہانسبرگ ٹرانسوال ۱۹ جمادی الاول ۱۳۶۱ھ م ۴ جون ۱۹۴۲ء

(جواب ۱۷۶) کسی انسان کا خون علاج کی غرض سے دوسرے انسان کے جسم میں داخل کرنا جب کہ اس کی شفایابی اس پر بقول طبیب حاذق مسلم منحصر ہو گئی ہو مباح ہے(۱) یہ شبہ کہ انسان کے اجزاء کا استعمال ناجائز ہے اس لئے وارد نہ ہونا چاہئے کہ استعمال کی جو صورت کہ مستلزم اہانت ہو وہ ناجائز ہے اور جس میں اہانت نہ ہو تو بضرورت وہ استعمال ناجائز نہیں جیسے رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک کو پانی میں دھو کر وہ پانی مریض پر چھڑ کا یا پلایا جاتا تھا **حرمة الانتفاع باجزاء الادمی لکرامته** (ہدایہ)(۲) **لم یبح الا رضاع بعد مدته لانه جزء ادمی والا نتفاع به لغیر ضرورة حرام** (درمختار)(۳) **قال فی الفتح واهل الطب یثبتون للبن البنت ای الذی نزل بسبب بنت مرضعة نفعاً لوجع العین واختلف المشائخ فیه قیل لا یجوز وقیل یجوز اذا علمه انه یزول به الرمد الخ** (رد المحتار)(۴) درمختار کی عبارت سے معلوم ہوا کہ انسان کے اجزاء سے بغیر ضرورت کے انتفاع حرام ہے یعنی اگر ضرورت ہو تو مباح ہو سکتا ہے اور فتح القدیر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ لڑکی والی عورت کا دودھ کسی آنکھوں کی بیماری والے کو دیا جانا اور دوا کے لئے اس کا استعمال کرنا جب کہ ظن غالب یہ معلوم ہو کہ اس سے آنکھ کی بیماری جاتی رہے گی بعض مشائخ کے نزدیک جائز ہے حالانکہ دودھ بھی انسان کا جزو ہے اس سے بغیر ضرورت انتفاع حرام ہے جیسا کہ

---

(۱) وجوزہ فی النهایة بمحرم اذا اخبرہ طبیب مسلم ان فیه شفاء ولم یجد مباحا یقوم مقامه (رد المحتار مع الدر ۶ : ۳۸۹)
(۲) (الهدایة کتاب الطهارة ۱ : ۴۱ شرکت علمیه ملتان)
(۳) (الدر المختار مع الرد ۳ : ۲۱۱)
(۴) (الدر المختار مع الرد ۳ : ۲۱۰)

درمختار کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ خون انسان کا جزء ہے اور اس سے بغیر ضرورت کے نفع اٹھانا تو حرام ہے مگر علاج کے طور پر کسی مریض کی جان بچانے کے لئے ہو اور کوئی مسلمان ڈاکٹر جو حاذق بھی ہو یہ بتائے کہ اس مریض کی شفایابی اب اس علاج میں منحصر ہے تو اس کے بدن میں انسان کا خون داخل کرنا مباح ہے۔ **وهذا لان الحرمة ساقطة عند الاستشفاء كحل الخمر والميتة لعطشان والجائع (ردالمحتار) ففي النهاية عن الذخيرة يجوز ان علم ان فيه شفاء ولم يعلم دواء اخر (رد المحتار)** (۱)

اگر زوج کے بدن میں بیوی کا خون یا ساس کا خون داخل کر دیا جائے تو اس سے حرمت زوجہ کا شبہ کرنا درست نہیں کیونکہ حرمت رضاعی بھی دودھ کے مدت معینہ میں پینے سے پیدا ہوتی ہے اگر زوج بڑی عمر میں اپنی بیوی یا ساس کا دودھ بھی پی لے تو یہ فعل تو اس کا حرام ہوگا لیکن بیوی اس پر حرام نہیں ہو جائے گی پس اس علاج کا اثر نکاح پر کسی صورت میں نہیں پڑے گا۔

یہ واضح رہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ کسی انسان کے بدن سے نکلا ہوا خون دستیاب ہو جائے اور وہ اس کام میں لایا جا سکتا ہو لیکن کسی مریض کے لئے کسی انسان کے بدن سے خون نکالنا بغیر اس کے کہ خود اس کے بدن کی اصلاح کے لئے نکالا جائے درست نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بوقت ضرورت دوسرے کا خون لگوا سکتے ہیں' اس سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی

(سوال) ایک مسلمہ کو آپریشن کی ضرورت ہوئی چونکہ اس کے جسم میں خون کی بہت کمی تھی اس وجہ سے ایک ڈاکٹر کے مشورے سے ایک مسلمان نوجوان تندرست کا خون بذریعہ آلات جدید مسلمہ مذکورہ کے جسم میں داخل کیا گیا اور ایک جسم سے دوسرے جسم میں خون لینے کا طریقہ تو غالباً حضور کو معلوم ہی ہوگا کہ جسم کے جس مقام سے خون لینا ہو اور جس مقام کے ذریعے دوسرے کے جسم میں داخل کرنا ہو ان دونوں مقام پر آلہ جدید رکھ کر ایک نالی کے ذریعہ براہ راست دوسرے جسم میں پہنچایا جاتا ہے (جیسے کسی عرق کو کشید کرتے وقت دونوں ظرف میں ایک ہی نالی کا رابط اور کنکشن ہوتا ہے اور ایک ظرف سے دوسرے ظرف میں یہ عرق ٹپکتا رہتا ہے۔)

اب یہاں عدم جواز کی دو وجہ معلوم ہوتی ہے ایک یہ کہ عمل تداوی بالنجس ہے اور دوسری وجہ انتفاع بجزء الانسان ہے آیا یہ صحیح ہے یا نہیں ؟ اگر کوئی ڈاکٹر ضرورۃً یہ علاج تجویز کرے تو اس قسم کا انتفاع شرعاً درست ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ اور جہاں جہاں ڈاکٹر اور طبیب حاذق کے مشورے کو شرع شریف نے معتبر مانا ہے وہاں اس مشیر ڈاکٹر یا طبیب کے لئے اسلام اور عدالت یا مجہول الحال ہونا بھی ضروری ہے ؟

نیز کوئی عورت اگر کسی مرد کا خون اپنے جسم میں داخل کرے تو اس صورت میں ایک شبہ حرمت

---

(۱) (الدرالمختار مع الرد ٦ / ٣٨٩)

مصاہرت کا پیدا ہوتا ہے کیونکہ مصاہرت کا مدار علاقہ جزئیت پر ہے اور ایک قوی اور تنومند تندرست نوجوان کا خون جیسا کچھ اس عورت کا جزوبدن بن سکتا ہے اظہر من الشمس ہے سوایسی صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں؟

(جواب ۱۷۷) ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں داخل کرنا ناجائز ہے چونکہ اس میں انتفاع جزء الانسان اور انتفاع بالنجس دونوں علتیں ہیں اور یہ دونوں ناجائز ہیں الانتفاع باجزاء الادمی لم یجز قیل للنجاسة و قیل للکرامة هو الصحیح (عالمگیری) (۱) لیکن اگر کسی مریض کی جان کا خوف ہو اور کوئی طبیب مسلم حاذق کہہ دے کہ اس کے بدن میں خون پہنچانا اس کی جان بچانے کا ذریعہ ہو سکتا ہے تو اس وقت یہ مباح ہوگا۔ یجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتة للتداوی اذا اخبره طبیب مسلم ان شفاء ه فیه ولم یجد من المباح ما یقوم مقامه (عالمگیری) (۲) اس خون کے پہنچانے سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی جیسے کوئی شخص کسی عورت کا دودھ پی لے تو باوجود اس کے فعل حرام ہونے کے ان کے درمیان حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی حالانکہ وہ دودھ جزوبدن بنے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دسواں باب
لباس و متعلقات لباس

پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا۔

(سوال) پاجامہ اگر ٹخنوں سے نیچا ہو تو وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ بعض آدمی کہتے ہیں کہ مسلم شریف و مشکوۃ شریف میں یہ حدیث موجود ہے کہ پاجامہ ٹخنوں کے نیچے پہننے سے وضو باطل ہو جاتا ہے لہذا یہ حدیث شریف ہو تو اس سے مطلع فرمائیں؟

(جواب ۱۷۸) اس امر کی کوئی معتبر دلیل نہیں کہ ٹخنے سے نیچا پاجامہ پہننے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس میں شک نہیں کہ ٹخنے سے نیچا پاجامہ رکھنا سخت گناہ ہے (۳) لیکن ایسا کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور جو حدیث کہ ابو داؤد شریف (۴) میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو جو ٹخنے سے نیچا کپڑا پہنے ہوئے تھا وضو کرنے کا حکم دیا اول تو اس میں ایک راوی ابو جعفر ہے جو مجہول ہے دوسرے اس سے یہ بھی ثابت نہیں کہ وضو ٹوٹ جانے کی وجہ سے حکم دیا تھا ممکن ہے کہ اس کے گناہ کے کفارہ کے لحاظ سے یہ حکم دیا ہو کیونکہ وضو سے اعضا کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

---

(۱) (هندیه کتاب الکراهیة الباب الثامن والعشرون ٥ /٣٥٤)
(۲) (هندیة کتاب الکراهیة ٥ /٣٥٤)
(۳) عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال : ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار (صحیح البخاری ٢ /٨٦١)
(٤) عن ابی هریرة قال بینما رجل یصلی مسبلا ازاره فقال رسول الله ﷺ اذهب فتوضأ فذهب وتوضأ (سنن ابی داؤد ٢ /٢٠٩)

مردوں کے لئے سونے اور چاندی کے بٹن کا استعمال کیسا ہے ؟

(سوال) مردوں کو سونے چاندی کے بٹن استعمال کرنا کیسا ہے ؟

(جواب ۱۷۹) چاندی کے بٹن تو بلاتردد جائز ہیں اور سونے کے بٹن بھی در مختار کی اس روایت سے جائز معلوم ہوتے ہیں لا باس باز را ر الدیباج والذهب (۱) لیکن مردوں کے لئے سونے کے بٹنوں کے جواز میں خاکسار کو تردد ہے۔

(جواب دیگر ۱۸۰) مرد کے واسطے سونے کی انگوٹھی اور ریشمین کپڑا پہننا حرام ہے احادیث میں صراحۃً اس کی حرمت مذکور ہے ریشمین کپڑے سے وہ کپڑا مراد ہے جو خالص ریشمین ہو یا اس کا بانا ریشم ہو اور جس کپڑے میں تانا ریشم اور بانا سوت ہو وہ جائز ہے سونے کی انگوٹھی یا اور کوئی حرام لباس پہن کر نماز پڑھنے سے نماز تو ہو جاتی ہے مگر اشتمال حرام کی وجہ سے مکروہ ہوتی ہے۔(۲) واللہ اعلم

مرد سرخ لباس استعمال کر سکتے ہیں .

(سوال) مردوں کو سرخ لباس استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو بلا قید یا مع قید -بینوا توجروا

(جواب ۱۸۱) مردوں کے لئے سرخ کپڑا استعمال کرنے میں فقہا مختلف ہیں مگر راجح قول یہ ہے کہ اس کا استعمال مردوں کے لئے بغیر کسی قید کے جائز ہے ہاں زعفران اور کسم کا رنگا ہوا نہ ہو-و عن ابی حنیفةؒ لا باس بالصبغ الا حمر والا سود کذافی فتاویٰ قاضی خان (هندیه) (۳)

خوبصورتی کے لئے دانتوں پر سونے کا خول چڑھانا مکروہ ہے مگر وضوو غسل کے لئے مانع نہیں

(سوال) اگر کوئی شخص بصحت و سلامتی اپنے دانتوں پر بغرض زینت سونے کا پترہ اس طرح چڑھوائے کہ دو یا تین دانتوں اور مسوڑھوں کو ڈھانک دے تو وضو اور غسل ہو جائے گا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۵۳۹ مولوی ظہور احمد (کاٹھیاواڑ) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۸ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۸۲) دانتوں کی کسی خرابی کی وجہ سے سونے کا خول چڑھوانا جائز ہے اور محض زینت کے لئے چڑھوانا مکروہ ہے اور ضرورۃً چڑھایا ہوا ہو یا بلا ضرورت بہر صورت غسل و وضو کے لئے مانع نہیں کیونکہ وہ ایک جزء لازم کی حیثیت رکھتا ہے- بخلاف آٹے اور چکنے میل کے کہ وہ جزء لازم نہیں ہے- محمد کفایت اللہ

ولا یشد سنه المتحرك بذهب بل بفضة وجوزهما محمدؒ- تنویر الابصار و در مختار جلد۵-(۴) الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنه نائب مفتی .

---

(۱) (الدر المختار مع الرد : ۳۵۵/۶)
(۲) حدثنا ادم قال ..... نهانا النبی ﷺ عن خاتم الذهب او قال حلقة الذهب و عن الحریر والا ستبراق والدیباج والمثیرة الحمراء والقسی و نیة الفضة الخ (صحیح بخاری ۸۷۱/۲)
(۳) (هندیة کتاب الکراهیة باب اللبس ۳۳۲/۵)
(۴) (التنویر و شرحه مع رد المحتار فصل فی اللبس ۳۶۲/۶)

سیاہ لباس پہن کر ماتم یا اظہار افسوس کرنا جائز ہے۔

(سوال) یوم مسجد شہید گنج کے سلسلے میں مندرجہ ذیل اشتہار شائع ہوا ہے۔

"۲۰ ستمبر ۱۹۳۵ء یوم جمعہ کو مسلمان اپنے گھر دکان تانگہ موٹر وغیرہ پر سیاہ جھنڈے لگائے نیز سیاہ لباس پہنے یا سینے پر سیاہ نشان لگائے اور جملہ مسلمان نماز جمعہ صرف جامع مسجد میں ادا کریں اور کسی مسجد میں نماز جمعہ ادا نہ کی جائے۔ بعد نماز جمعہ جلوس میں شامل ہوں اور نصف دن چھٹی منائی جائے"

مذکورہ بالا اشتہار پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو محرم کے دنوں میں اہل شیعہ جو سیاہ لباس پہنتے ہیں اور سیاہ جھنڈا اٹھاتے ہیں جائز ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۶۱۲ شیخ ظہور الدین (ہوشیار پور) ۷ا جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۶ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۸۳) ماتم یا اظہار افسوس دونوں کا ایک ہی مطلب ہے شریعت مقدسہ اسلامیہ نے سیاہ لباس یا سیاہ نشان کے ساتھ ماتم کرنا یا اظہار افسوس کرنا جائز نہیں کیا اسی طرح تین دن سے آگے ماتم شرعی (یعنی ترک زینت) کی کسی قرابت دار کی موت پر بھی عورت کو اجازت نہیں دی صرف خاوند کے لئے چار مہینے دس روز یعنی مدت عدت تک ماتم شرعی کی عورت مامور ہے اس میں بھی سیاہ پوشی بہ نیت ماتم منع ہے۔ وظاهره منعها من السواد تا سفا على موت زوجها فوق الثلاثة (درمختار) و في التتارخانيه سئل ابو الفضل عن المرأة يموت زوجها وابوها او غيرهما من الا قارب فتصبغ ثوبها اسود فتلبسه شهرين او ثلاثة اواربعة تاسفا على الميت اتعذر فى ذلك فقال لا – وسئل عنها علي بن احمد فقال لا تعذر وهي ثمة الا الزوجة في حق زوجها فانها تعذر الى ثلاثة ايام – اه (رد المحتار) اسی بناء پر اہلسنت والجماعت قدیما وحدیثا شیعوں کی ماتمی کارروائیوں کا انکار کرتے چلے آئے ہیں۔

ہاں اس سیاہ پوشی کو ماتم یا اظہار تاسف کے لئے نہ قرار دیا جائے نہ اس کو شرعی حکم سمجھا جائے بلکہ مسلمانوں کے اتحاد کے اظہار کے لئے ایک نشان کے طور پر کام میں لایا جائے تو اباحت کے درجے میں آجائے گا مگر اس کے لئے لازم تھا کہ سیاہ رنگ چھوڑ کر کوئی اور رنگ اختیار کیا جاتا تاکہ التباس اور غلط فہمی کا موقع پیدا نہ ہوتا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اگر ستر چھپ جائے تو نماز ہو جاتی ہے......

(سوال) اگر کوئی شخص دھوتی اس طرح باندھے کہ ستر عورت چھپ جائے یعنی بطور شلوار کے اور اسی حالت سے نماز بھی پڑھا کرے تو کوئی حرج ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۸۲۴ حبیب اللہ ضلع غازی پور ۸ محرم ۱۳۵۵ھ م یکم اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۸۴) اگر ستر چھپ جائے اور اثنائے نماز میں ستر کھلنے کا احتمال نہ رہے تو نماز ہو جائے گی لیکن

یہ ہیئت مشابہت ہنود کی وجہ سے مکروہ ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عمامہ سنت ہے.....

(سوال) صافہ باندھنا سنت ہے یا عادت نبوی؟ المستفتی نمبر ۹۵۵ مولوی عبدالحلیم (ضلع پشاور) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۶ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۸۵) عمامہ سنت ہے(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سیاہ لباس سے مشابہت مقصود نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں.

(سوال) بغیر تعزیت کے صرف بطور علامت غرض صحیح کے لئے سیاہ یا نیلا لباس پہننا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۱۲۴ شیخ مولا بخش عبدالرحمن (ملتان) ۲۳ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۲ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب) (از نائب امام مسجد فتح پوری دہلی) صورت مذکورہ میں جب کہ ایسے کپڑے سے تعزیت مقصود نہیں تو بلا کراہت ایسے لباس کا استعمال جائز ہے فقط واللہ تعالی اعلم و علمه اتم و احکم مظفر احمد غفر لہ نائب امام مسجد فتح پوری دہلی

(جواب ۱۸۶)(از حضرت مفتی اعظمؒ) ہوالموفق۔ سیاہ لباس کا استعمال تعزیت کے طور پر ہونے کے کوئی معنی نہیں یہ لباس بطور ماتمی نشان کے استعمال کیا جاتا ہے خواہ کوئی کپڑا سیاہ پہنا جائے مثلاً سیاہ شیروانی یا سیاہ عمامہ وغیرہ یا ایک سیاہ کپڑا عمامہ پر یا بازو یا کسی دوسرے موقعہ پر لگالیا جائے تو یہ صورت بہر حال ناجائز اور شعار روافض میں سے ہے اور ماتمی علامت اور نشان مقصود نہ ہو تو سیاہ رنگ مثل دوسرے رنگوں کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔(۳) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کوٹ پتلون کا استعمال اور اس میں نماز کا حکم.

(سوال) موجودہ تہذیب و تمدن کا لحاظ کرتے ہوئے کوٹ پتلون کا پہننا درست ہے اور اس لباس سے نماز پڑھی جائے تو جائز ہوگی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۴۴۹ محمد فضل اللہ خاں صاحب (بنگلور گیٹ) ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۳ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۸۷) کوٹ پتلون ابھی تک عام قومی لباس نہیں ہوا بلکہ عیسائیوں اور ان کے نقل اتارنے والوں کا لباس ہے اس لئے ابھی تک اس میں تشبہ کی کراہت باقی ہے(۴) باقی اس لباس میں نماز پڑھی جائے تو نماز ہو جائے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) قال رسول اللہ ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم (سنن ابی داؤد ۲/۵۵۹)
(۲) عن جابر قال دخل النبی ﷺ مكة يوم الفتح و عليه عمامة سوداء و عن ابن عمر قال كان النبی ﷺ اذا اعتم سدل عمامته من كتفيه قال نافع و كان ابن عمر يسدل عمامته بين كتفيه (ترمذی ۱/۳۰۴)
(۳) وكره لبس المعصفر والمزعفر الأحمر والأصفر للرجال ولا باس بسائر الألوان (تنوير الأبصار ۶/۳۵۸)
(۴) قال رسول اللہ ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم (سنن ابی داؤد : ۲/۵۵۹)

سونے چاندی کی سلائی کا استعمال بوقت ضرورت جائز ہے.

(سوال) اطباء آنکھوں کے لئے یوں بھی اور بسلسلہ معالجات بھی سب سے زیادہ سونے کی سلائی اور پھر چاندی کی اور پھر جست اور تانبہ کی استعمال کرنا مفید لکھتے ہیں شرعاً بھی یہ استعمال جائز ہے یا نہیں؟ نیز تانبہ یا جست کی سلائی پر اگر نقرہ یا طلا کا پترہ چڑھالیا جائے تو اس کا استعمال بھی جائز ہوگا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۴۶۵ مولوی حکیم محمد اسماعیل صاحب پل بنگش دہلی ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۳ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۸۸) سونے چاندی کی سلائی اگر آنکھ کے لئے مفید ہے تو اس کا استعمال جائز ہے خالص سونے کی سلائی سے بہتر یہ ہے کہ پترہ چڑھوالیا جائے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مردوں کے لئے سلک (کپڑے) کا استعمال کیسا ہے؟

(سوال) چینا سلک جو کن یا کیڑوں سے پیدا ہوتا ہے اس کا شملہ استعمال کرنے کے لئے احکام شرع شریف کیا ہیں؟ المستفتی نمبر ۲۰۸۵ شیخ عبداللہ مولا بخش چکی والے (بمبئی نمبر ۸) ۲۶ رمضان ۱۳۵۶ھ م یکم دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۸۹) سلک جو کن یا نباتاتی اجزاء سے بنا ہو اس کا پہننا بلاشبہ جائز ہے البتہ جو سلک کیڑے کا بنایا ہوا ہو وہ ریشم ہے اور مردوں کے لئے بشرائط معتبرہ فی الحریر جائز یا ناجائز ہوگا(۲) یعنی خالص یا جس کا بانا ریشم ہو ناجائز اور جس کا تانا ریشم ہو وہ جائز۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مرد کے لئے سونے کے دانت، بٹن اور انگوٹھی کا حکم

(سوال) مرد کو سونے کے بٹن یا انگوٹھی اور سونے کا دانت جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۱۸ اے سی منصوری صاحب بمبئی ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۵ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۹۰) کوئی ضرورت ہو تو سونے کے دانت لگوانے جائز ہیں انگوٹھی سونے کی مرد کے لئے حرام ہے سونے کے بٹن مرد کے لئے ناجائز ہیں۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کشتی نما ٹوپی کا استعمال جائز ہے.

(سوال) (۱) کھدر کی دیسی ٹوپی جو عام طور پر کانگریسی خیال کے لوگوں میں رائج ہے ازروئے شرع شریف اس کا پہننا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ٹوپی عام طور پر گاندھی ٹوپی کے نام سے موسوم ہے اس لئے اس کا پہننا

---

(۱) قال فی الجامع الصغیر یکرہ مرادہ التحریم و یستوی فیہ الرجال والنساء العموم النہی وکذالک الاکل بملعقۃ الذھب والفضۃ والاکتحال بمیل الذھب والفضۃ (الھدایۃ ۴/۴۵۲)الضرورات تبیح المحظورات (الاشباہ والنظائر : ۸۵)

(۲) حدثنا ادم قال' نہانا النبی ﷺ عن سبع عن خاتم الذھب او قال حلقۃ الذھب و عن الحریر والاستبراق والدیباج (صحیح البخاری ۲/۸۷۱)

(۳) ولا یشد سنہ المتحرک بذھب بل بفضۃ و جوزھما محمد (تنویر الابصار مع الدر : ۶/۳۶۲)

جائز نہیں کیا یہ صحیح ہے ؟
(۳) چونکہ اس کا رواج خاص کر یہاں کے ہندوؤں میں پایا جاتا ہے اس لئے بعض احباب اس کے پہننے والے کو ہندوؤں کا مشابہ قرار دیتے ہوئے حرام بتاتے ہیں آیا ان کا یہ خیال درست ہے یا غلط ؟
(۴) ایک پردیسی ٹوپی جو خاص کر اٹلی وغیرہ سے تیار ہو کر آتی ہے اور جسے عوام الناس ترکی ٹوپی کہتے ہیں اس کے مقابلے میں (گاندھی ٹوپی) متذکرہ بالا دیسی ٹوپی پہننا اسلام کے لئے یا مسلمان کے لئے مفید ہو سکتا ہے یا مضر یعنی دونوں میں کون سی ٹوپی پہننا مستحسن ہے۔
(۵) فرنگی ٹوپی جسے عوام ہیٹ کہتے ہیں اور انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں میں جو مقبولیت کے ساتھ رائج ہے اس کا پہننا اسلام میں کیسا ہے اور اس میں غیر قوم کی مشابہت آتی ہے یا نہیں ؟
(۶) مسلمانوں کے پہننے کے لئے ہیٹ اچھی ہے یا دیسی گاندھی ٹوپی یا دونوں ممنوع - المستفتی نمبر ۲۳۸۶ خلیفہ عبدالرزاق صاحب (مالابار) ۴ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۹۱) یہ ٹوپی جسے آج کل عام طور پر گاندھی کیپ کہا جاتا ہے ہندوستان کی پرانی وضع کی ٹوپی ہے جسے لوگ پہلے کشتی نما ٹوپی کہتے تھے اور یوپی میں اس کا عام رواج تھا بلکہ مسلمانوں میں زیادہ مروج اور پسندیدہ تھی ریاست رامپور اور امروہہ ضلع مراد آباد میں بکثرت تیار کی جاتی تھی اور امروہہ تو اس کی منڈی تھی ریشم سے اس کے پلوں پر کام بنایا جاتا تھا اور کم از کم ۱۲ روپے اس کی قیمت ہوتی تھی ۱۲ اور ۵۰ تک بلکہ اس سے زیادہ قیمت کی بھی تیار ہوتی تھیں اسی وضع کو سادہ اور کم قیمت میں تبدیل کر کے کھدر کی ٹوپی بنائی گئی اور اس کو گاندھی کیپ کہنے لگے پس اس میں کوئی وجہ کراہت یا حرمت استعمال نہیں ہو سکتی نہ یہ کسی قوم کی وضع تھی نہ کفر کا شعار گاندھی کی طرف نسبت محض سادگی اور کفایت شعاری اور کم قیمتی کی وجہ سے کی گئی ہے نہ کہ کسی مذہبی حیثیت سے یہ ٹوپی استعمال کرنا بلا شبہ جائز ہے اس کے استعمال کرنے والے کو کافر مردود کہنے والے سخت گناہ گار ہیں۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

مرد کو عورتوں جیسا لباس استعمال کرنا مکروہ ہے

(سوال) اگر جھوٹے گوٹے کناری کا بتوں سے ٹوپی جوتا یا کپڑا مغرق (تمام بھرا ہوا) ہو تو کیا مرد کو اس کا استعمال جائز ہے - المستفتی نمبر ۲۴۲۹ مولوی محمد ابراہیم صاحب گڑگاؤں ۲۲ شوال ۱۳۵۷ھ م ۱۵ دسمبر ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۹۲) حرام تو نہیں ہے مگر مرد کو ایسی چیزیں استعمال کرنا جو عورتوں سے تشبہ پیدا کریں مکروہ ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

---

(۱) عن ابن عباس قال لعن النبی ﷺ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النسآء بالرجال (صحیح بخاری ۲/۸۷۴)

شیروانی اور کوٹ پر زائد بٹن لگانے کا حکم

(سوال) فی زمانہ جو زائد بٹن شیروانی و اچکن و کوٹ وغیرہ کے آستین کے سرے پر جانب اسفل و کوٹ وغیرہ کی کمر پر اور ٹوپی کے اطراف میں بلا کاج کے محض نمائش و فیشن کے طور پر لگائے جاتے ہیں آیا ان کا اس طرح بلا کاج کے استعمال جائز ہے یا ناجائز زید ان کو اسراف و فضول قرار دیکر ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین کا مصداق عاملین بتاتا ہے اور والذین ھم عن اللغو معرضون اور من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه آیات و حدیث سے دلیل پیش کرتا ہے اور اکبر الہ آبادی کا یہ شعر پڑھتا ہے - جس نے رکھا نہ فضولی سے سروکار اکبر - مرد عاقل ہے وہی دہر کے مہمانوں میں - ایسے بٹن لگانے والے کو بے عقل بیوقوف بیباک بلکہ فاسق سفیہ غبی احمق وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتا ہے اگر کوئی مولوی صاحب اس کا جواز بہ دلیل کرتا ہے تو اس کو چودھویں صدی کا مفتی و مولوی بتاتا ہے اور دلیل جواز کی قرآن و حدیث و فقہ سے معہ حوالہ مانگتا ہے اس کا سبب بے نیاز و راس امر پر ہے کہ یہ بلا کاج بٹن محض نمائشی بے ضرورت داخل اسراف ہیں آیا شریعت میں ائمہ مذاہب کے اقوال سے اسراف کی کوئی تقسیم و اقسام بیان ہوئی ہیں یعنی اسراف حرام - اسراف مکروہ وغیرہ زید کہتا ہے کہ اسراف کی کوئی تقسیم نہیں صرف خرچ اشیاء بے ضرورت معتبر شرعیہ ہو اسراف میں داخل ہے اور حرام ہے - المستفتی نمبر ۲۴۳۲ عبدالعزیز صاحب (انقیم پور) ۸ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ م ۳۱ دسمبر ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۹۳) آستین کے سرے پر جو بٹن لگائے جاتے ہیں وہ ایسے ضروری بٹن نہیں ہیں جیسے سامنے سینہ کے ہوتے ہیں یہ بٹن محض زینت کے لئے لگائے جاتے ہیں کپڑے کے ایک حصہ کو دوسرے سے ملانے کے لئے نہیں یہ بٹن نہ لگانا بہتر ہے لیکن بقصد زینت لگانا مباح ہے جیسے کامدار جوتوں پر سنہری رو پہلی کلابتوں کا کام جس سے صرف زینت مقصود ہوتی ہے یا جیسے سادہ کپڑوں کے بجائے چھینٹ کا استعمال صرف زینت کے قصد سے کیا جاتا ہے اور یہ سب قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده والطیبات من الرزق (۱) کے ماتحت مباح کی حد میں داخل ہے اسی طرح سامنے سینہ پر شیروانی کے دونوں پلوں کو ملانے کے لئے چار بٹن کافی ہو سکتے ہیں مگر بقصد زینت چھ سات بٹن لگانا مباح ہے فقہاء نے مکان کی تزئین بالظروف کو مباح فرمایا ہے یعنی مکان کے طاقوں میں برتن قلعی دار یا چینی کے چن دینا جس کی غرض صرف زینت ہوتی ہے اسے مباح فرمایا گیا ہے پس اسی زینت مباح میں یہ بٹن بھی داخل ہو سکتے ہیں (۲) اس کو اسراف قرار دینا اور لگانے والے کو فاسق سفیہ بتانا تعدی ہے - محمد کفایت اللہ

ترکی ٹوپی ، فالدار ٹوپی اور کوٹ پتلون کا حکم !

(سوال) (۱) آج کل بہت سے مسلمان تعلیم یافتہ ترکی ٹوپی یا فالدار ٹوپی کے ساتھ سوٹ (یعنی کالر ٹائی

---

(۱) (سورۃ الاعراف : ۳۲)
(۲) و کرہ الاکل والشرب ... من إناء ذھب و فضة ... ھذا فیما یرجع للبدن واما لغیرہ تجملا باوان متخذة من ذھب او فضة و سریر ... فلا باس به بل فعله السلف (الدر المختار مع الرد : فصل فی اللبس ۶/۳۴۲)

ویسٹ کوٹ کوٹ اور پتلون) پہنتے ہیں ان کا خیال ہے کہ چونکہ ہم ترکی یا یالدار ٹوپی سے اپنے کو دوسری اقوام سے متمیز کر لیتے ہیں اس لئے اس دور ترقی میں اس طرح سوٹ (یعنی ترکی یا یالدار ٹوپی کے ساتھ) پہننا جائز ہے شرعی نقطہ نگاہ سے ان حضرات کا یہ قول کس حد تک درست ہے اور کیا ایسے حضرات کے پیچھے جن کے چہرے پر داڑھی تو ہو لیکن ترکی ٹوپی کے ساتھ سوٹ میں ہوں نماز جائز ہے (۲) انگریزی بالوں کے متعلق کیا ارشاد ہے - المستفتی نمبر ۲۴۸۶ عزیز اللہ صاحب عربک کالج (دہلی) ۲ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ م ۲۳ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۱۹٤) شریعت مقدسہ میں لباس کی کوئی خاص وضع اور ہیئت متعین نہیں ہے صرف چند چیزیں (مرد کے لئے ریشمین لباس زریں لباس کسی کافر قوم کے مشابہ لباس اسبال ازار) منع ہیں اس کے بعد ہر لباس اور ہر وضع مباح ہے آپ نے جو چیزیں تحریر فرمائی ہیں ان میں وجہ کراہت یا تو ریشمین ہونا ہوتی ہے یا مشابہت بالنصاریٰ ترکی ٹوپی میں یہ دونوں باتیں نہیں اسی طرح بالوں کی ٹوپی بھی غالباً کسی کافر قوم کی ٹوپی نہیں ہے لہذا یہ دونوں مباح ہیں اور ان دونوں میں نماز جائز ہے رہا سوٹ تو اس میں ابھی تک ہندوستان میں کراہت ہے انگریزی وضع کے بال رکھنا بھی مشابہت کی وجہ سے مکروہ ہے (۱) ایسے شخص کی امامت جو سوٹ پہنے ہوئے ہو اور انگریزی بال رکھتا ہو مکروہ ہو گی یعنی نماز تو اس کے پیچھے ہو جائے گی مگر ثواب کم ہو جائے گا-
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

مرد سرخ رنگ کا کپڑا استعمال کر سکتا ہے .

(سوال) سرخ رنگ کے کپڑے کا استعمال یعنی لباس مرد کے لئے کیا حکم رکھتا ہے جائز ہے یا ناجائز ازروئے حنفی مذہب باستدلال اقوال فقہا وائمہ حنفیہ بحوالہ جات کتب فقہ جواب مرحمت فرمائیے المستفتی نمبر ۲۵۰۸ سید رحمٰن علی صاحب ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ م ۱۴ جون ۱۹۳۹ء

(جواب ۱۹۵) سرخ رنگ کا کپڑا (جب کہ وہ زعفران اور کسم کا رنگ نہ ہو) پہننا مباح ہے و عن ابی حنیفۃ لا باس بالصبغ الا حمر والا سود کذافی الملتقط (فتاویٰ عالمگیری) (۲) و کرہ لبس المعصفر والمزعفر للرجل ولا باس بسائر الا لوان (تنویر الابصار) (۳) یعنی کسم اور زعفران کا رنگا ہوا کپڑا مردوں کے لئے مکروہ ہے باقی تمام رنگ مباح ہیں قال صاحب الروضۃ یجوز للرجال و النساء لبس الثوب الاحمر والاخضر بلاکراھۃ (ردالمحتار) (٤) یعنی مردوں اور عورتوں کو سرخ اور سبز رنگ کے کپڑے پہننا بلا کراہت جائز ہے اور شمائل ترمذی شریف میں ہے عن ابی جحیفۃ قال رأیت

(۱) قال رسول اللہ ﷺ : لیس منا من تشبہ بغیرنا لا تشبھوا بالیھود ولابالنصاریٰ (ترمذی شریف ۲/ ۹۹)
(۲) (ھندیہ باب الکراھیۃ باب فی اللبس ۵/ ۳۳۲)
(۳) (تنویر الابصار و شرحہ الدر المختار ٦/ ۳۵۸)
(٤) (رد المحتار مع الدر ٦/ ۳۵۸)

النبی ﷺ و علیه حلة حمراء الخ (شمائل ترمذی) (۱) یعنی ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا آپ سرخ حلہ زیب بدن فرمائے ہوئے تھے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

کوٹ پتلون اور انگریزی بالوں میں یہود و نصاریٰ سے مشابہت نہیں ہے

(سوال) انگریزی بال 'ہیٹ' کوٹ پتلون یہ چیزیں تشبہ بالقوم میں داخل ہیں یا نہیں ؟ نیز تشبہ صرف ہیئت مجموعی میں ہوگا یا جزء سے بھی ہو جائے گا۔ المستفتی نمبر ۲۷۶۲ نجم الحسن صاحب رضوی (سیتاپور) ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ م ۹ جولائی ۱۹۴۱ء

(جواب ۱۹۶) ان میں سے ہر چیز تشبہ کے لئے کافی ہے مگر تشبہ کا حکم اسی صورت میں ہوتا ہے کہ دیکھنے والا اسے دیکھ کر اس شبہ میں پڑ جائے کہ یہ شخص اس قوم کا فرد ہے مثلاً ہیٹ لگانے والے کو انگریز سمجھا جائے۔

تو جو چیزیں کہ غیر لوگوں میں بھی عام طور پر استعمال ہونے لگی ہوں مثلاً بوٹ' پتلون کوٹ تو ان میں تشبہ کی جہت کمزور اور کراہت خفیف رہ جاتی ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

قراءت و تجوید کے لئے دانتوں کے خلا کو سونے سے پر کر سکتے ہیں.

(سوال) زید نے علم قرأت و تجوید کی تعلیم کی بناء پر مخارج حروف کو پوری صحت سے ادا کرنے کے لئے اپنے رباعیات والے دانتوں کے درمیانی خلا کو پر کرنے والے دانت بنوائے اور سونے کا خول چڑھوایا خول مذکور دانتوں میں ایسا چسپاں ہے کہ بآسانی اتر نہیں سکتا غسل کے وقت اصلی دانتوں تک پانی نہیں پہنچ سکتا آیا غسل جنابت اس طرح غسل مکمل ہو جائے گا ؟ اور مرد کو اس طریقے پر سونے کا استعمال جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۷۹۰ وزیر معارف ریاست قلات (بلوچستان) ۲۲ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ

(جواب ۱۹۷) دانتوں پر سونے کا خول چڑھانا اگر دانتوں کے کسی مرض لاحق کی وجہ سے ضروری ہو یا دانتوں میں مرض پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اس سے محفوظ رہنے کے لئے خول چڑھانا ضروری ہو تو سونے کا خول چڑھانا مباح ہے (۳) اور اگر ضروری نہ ہو محض زینت کے لئے چڑھایا جائے تو مکروہ ہے اور بہر صورت جب خول کا اتارنا چڑھانا متعذر ہو تو وہ دانتوں کے حکم میں ہو جاتا ہے اور وضو و غسل میں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ للحرج المدفوع شرعاً۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) (شمائل ترمذی شریف باب ماجاء فی لباس رسول اللہ ﷺ ص ۵)
(۲) تشبہ بہر حال بری ہے قال النبی ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم (سنن ابی داؤد ۲/۵۵۹)
(۳) الضرورات تبیح المحظورات : الاشباہ والنظائر : ۸۵ (بیروت)

قربانی کے خون سے رنگے ہوئے کپڑے کو بطور تبرک استعمال نہیں کر سکتے۔

(سوال) زید نے بوقت قربانی ذبح کے وقت نکلتے ہوئے دم مسفوح سے کپڑا رنگا ہے اس کو بطور تبرک بچے کے گلے میں تعویذ کے طریقے سے ڈالنا چاہتا ہے کیا یہ نجس کپڑا پہنانا اس طرح جائز ہے۔ المستفتی نمبر ۲۸۱۳ - ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ

(جواب ۱۹۸) اس ناپاک کپڑے کو پہننا یا پہنانا درست نہیں ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

سونے اور چاندی کے بٹن استعمال کرنے کا حکم۔

(سوال) سونے چاندی کے بٹن کے متعلق حضرت تھانوی نے امداد الفتاویٰ کتاب الحظر والاباحۃ ص ۱۳۵ ج ۴ میں مردوں کے لئے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور لکھا ہے کما فی الدر المختار فی الجلد الخامس فی کتاب الکراھۃ فی فصل اللبس و فی التتار خانیۃ عن السیر الکبیر لا باس بازرار الدیباج والذھب آگے تحریر فرماتے ہیں گھنڈی اور بٹن اول تو صورۃ متقارب ہیں دوسرے اس قسم کی اشیا کے جواز کی دلیل تابعیت لکھی ہے یہ علت دونوں میں مشترک ہے غرض گھنڈی اور بٹن صورۃ و معنی ای علۃ مساوی ہیں جب ایک جائز ہے تو دوسرا بھی جائز ہے اور جب سونے کی تصریح موجود ہے تو چاندی بدرجہ اولیٰ جائز ہے لانہا اکثر منہ رخصۃ انتہی اس پر ایک دیندار نے پھر حضرت تھانوی سے استفسار کیا تھا تو اس پر حضرت تھانوی نے تحریر فرمایا تھا کہ "میں نے تو عموم ہی کے ارادے سے لکھا تھا بعد کو دلائل فقہیہ سے اپنی غلطی ظاہر ہوگئی لہذا رجوع کر کے ترجیح الراجح میں شائع کر دیا تو حاصل یہ ہوا کہ مردوں کو ناجائز ہیں زید عنایت کر میں علماء کے فرمانے پر اب تک سونے چاندی کے بٹنوں کو جائز سمجھتا تھا غالباً مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے بھی کسی جگہ رسالہ المفتی میں جواز کا فتویٰ دیا ہے لیکن حضرت تھانوی کے رجوع سے پھر شبہ پیدا ہو گیا۔

(جواب ۱۹۹) سونے کے بٹنوں کو تو میں پہلے سے ناجائز سمجھتا ہوں اور ناجائز ہونے کا فتویٰ دیتا ہوں (۲) چاندی کے بٹنوں کو مباح سمجھتا ہوں اور اس کی زنجیر بقدر ضرورت لگائی جائے تو وہ اس کے تابع ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مرد خالص سرخ رنگ کے کپڑے استعمال کر سکتا ہے۔

(سوال) یک رنگ لباس پہننے کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ اور رسول اللہ ﷺ نے استعمال فرمایا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۵۳۳ محمد ضیاء الحق متعلم مدرسہ امینیہ دہلی مورخہ ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ م

---

(۱) قال الزیلعی نہ الرقیۃ قد یشاہد بالسبیہ علی بعض الناس و ہی خیط کان یربط فی العنق او فی الید فی الجاہلیۃ لدفع الضرر عن انفسہم علی زعمہم وہو منہی عنہ و ذکر فی حدود الایمان انہ کفر (رد المحتار مع الدر ۶ / ۳۶۳)

(۲) قال فی الجامع الصغیر یکرہ مرادہ التحریم و یستوی فیہ الرجال والنساء و لعموم النہی و کذالک الاکل بملعقۃ الذہب والفضۃ والا کتحال بمیل الذہب والفضۃ (الہدایۃ ۴ / ۴۵۵)

۲ ااگست ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۰۰) سرخ رنگ کا لباس مردوں کو استعمال کرنا اگرچہ مختلف فیہ ہے تاہم بہت سے فقہا جواز کے قائل ہیں آنحضرت ﷺ سے سرخ حلہ کا استعمال کرنا ثابت ہے حدیث میں حلة حمراء کا لفظ ہے بعض علما نے اس میں یہ احتمال پیدا کیا ہے کہ یہ حلہ دوریہ کا تھا خالص سرخ نہیں ہوگا مگر حدیث کے اندر یہ تصریح نہیں ہے بہر حال سرخ رنگ کا استعمال جائز ہے(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سونے اور چاندی کے دانت بنوانے کا حکم.

(سوال) رجل تحركت ثنيته العليا وخاف سقوطها فله ان يشد ها بغلاف الذهب بلا كراهة اولا؟ او سقط سنه فله ان يتخذه بالذهب بلا كراهة ام لا ؟ وما الفرق بين شد الا سنان واتخاذ ها وما الاختلاف في هذه المسئلة بين الطرفين

(ترجمہ) کسی آدمی کے اگلے اوپر کے دانت اگر ہل جائیں تو کیا سونے کا خول چڑھا کر ان کو باندھنا بلا کراہت جائز ہے ؟ یا دانت گر جائیں تو سونے کے دانت بنوانا جائز ہے یا نہیں اور باندھنے اور بنوانے میں کیا فرق ہے ؟ اور اس مسئلہ میں امام اعظمؒ اور دوسرے ائمہ میں کیا اختلاف ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۰۳۱ مولوی محمد خلیل الرحمن امام جامع مسجد تجاؤں (برما) ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۰۱) شد السن المتحرك بالذهب واتخاد السن من الذهب كلا هما جائز عند الامام محمدؒ ولا يشد سنه المتحرك بذهب بل بفضة وجوزهما محمدؒ (درمختار) (۲) او سقط سنه فاراد ان يتخذ سنا اخر فعند الامام يتخذ ذلك من الفضة فقط و عند محمد من الذهب ايضا اه (ردالمحتار)

(ترجمہ) ہلتے ہوئے دانت کو سونے کے ساتھ باندھنا یا سونے کا دانت بنوانا امام محمدؒ کے نزدیک دونوں جائز ہیں درمختار میں ہے کہ ہلتے ہوئے دانت کو سونے اور چاندی سے باندھنا درست نہیں لیکن امام محمد کے نزدیک دونوں سے جائز ہے - ردالمحتار میں ہے کہ دانت گر جائے تو امام اعظمؒ کے نزدیک صرف چاندی کا دانت بنوانا جائز ہے اور امام محمد کے نزدیک سونے کا بنوانا بھی جائز ہے اور چاندی کا بھی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کیا عورت صرف لمبا کرتا پہن سکتی ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) زید کی عورت پائجامہ نہیں پہنتی بلکہ ایک لمبا کرتا پہنتی ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟

---

(۱) قال صاحب الروضة يجوز للرجال والنساء لبس ثوب الاحمر والا سود والا خضر بلا كراهة (رد المحتار مع الدر ۶: ۳۵۸)

(۲) (رد المحتار مع الدر ۶: ۳۶۲)

(جواب ۲۰۲) اگر عورت کے اس طرح رہنے میں کوئی بے پردگی نہیں ہوتی اور ستر عورت کی احتیاط رکھتی ہے تو اس میں کوئی گناہ اور سزا نہیں ہے اگرچہ عورتوں کو اس طرح ایک کپڑے میں رہنا مناسب نہیں ہے (۱) محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

دھوتی باندھنے کا حکم.

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ ادسمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) دھوتی باندھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۰۳) دھوتی باندھنے کی وہ صورت جس میں غیر مسلموں کی مشابہت ہو یا ستر کھلا رہے یا کھلنے کا احتمال ہو ناجائز ہے (۲) محمد کفایت اللہ غفر لہٗ

گاندھی ٹوپی پہننا جائز ہے مگر نماز عمامہ میں ہی افضل ہے.

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ترک موالات کے زمانے سے اکثر مسلمانوں نے گاندھی ٹوپی کو عمامہ پر ترجیح دے کر قومی نشان قرار دے لیا ہے اور ہمیشہ اس کے پہننے کا خود کو عادی بنا لیا ہے خصوصاً نمازوں میں بھی کیا ایسا کرنا شرعاً درست ہے؟

(جواب ۲۰۴) جس ٹوپی کا نام گاندھی ٹوپی یا گاندھی کیپ رکھ لیا گیا ہے وہ ہندوستان کی ٹوپیوں میں سے ایک خاص وضع کی ٹوپی ہے جو مدت دراز سے ہندوستانیوں میں مستعمل تھی وہ کوئی کفر کی علامت یا خاص کفار کی وضع نہیں تھی اور نہ ہے اب بھی زیادہ سے زیادہ اس میں قومیت کا نشان ہونے کا وصف آ گیا ہے تو اس کا استعمال نماز اور غیر نماز ہر حال میں جائز ہے باقی یہ کہ نماز میں عمامہ افضل ہے یہ مسئلہ بحال خود قائم ہے اس میں کوئی فرق نہیں یعنی عمامہ باندھ کر نماز پڑھنا ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے سے افضل ہے خواہ ٹوپی گاندھی کیپ ہو یا ترکی یا اور کوئی وضع کی۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفر لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

لباس کے بارے میں اسلام کی کیا ہدایات ہیں؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) کیا مذہب اسلام میں لباس کی قید ہے؟

(جواب ۲۰۵) لباس کی صرف اتنی قید ہے کہ مرد کے لئے ریشم کا لباس اور کفار و فساق کے مشابہ لباس

---

(۱) لبس السراویل سنۃ وھو من استر الثیاب للرجال والنساء کذافی الغرائب (ھندیۃ ۵/۳۳۳)

(۲) قال رسول اللہ ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم (ابوداؤد ۲/۲۵۹)

اور ٹخنوں سے نیچا اور عورتوں کے مشابہ لباس منع ہے(۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

کوٹ، پتلون ہیٹ وغیرہ کا استعمال مکروہ ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) انگریزی لباس مثلاً کوٹ پتلون اور ہیٹ وغیرہ کا پہننا کیسا ہے؟ مستورات کو نصف آستین کی قمیص پہننا کیسا ہے؟

(جواب ۲۰۶) انگریزی لباس کوٹ پتلون پہننا بوجہ مشابہت کفار کے مکروہ ہے(۲) مستورات کو نصف آستین کی قمیص پہن کر اجنبیوں کے سامنے آنا حرام ہے(۳) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

(۱) مرد کے لئے سونے کا استعمال جائز نہیں.
(۲) سونے کی زنجیر اور گھڑی مرد کے لئے جائز نہیں.

(الجمعیۃ مورخہ ۹ امارچ ۱۹۳۲ء)

(سوال) (۱) سونا اور ریشم مردوں پر حرام ہے تو کیا مطلقاً یا خالص واکثر؟ اگر مطلقاً حرام ہے تو کیا فقط انگوٹھی کی ممانعت ہے یا ہر ایک چیز منع ہے؟ اگر ہر ایک چیز کی ممانعت ہے تو سونے کے دانت یا دانتوں کے غلاف یا سونے کے تاروں سے دانتوں کا استحکام کیسے جائز ہو گیا؟ (۲) اور یہ جو بعض لوگ سونے کی گھڑی یا زنجیر رکھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

(جواب ۲۰۷) (۱) سونے کی انگوٹھی اور کسی قسم کا زیور مرد کے لئے حلال نہیں ہے سونے کے دانت یا دانتوں پر سونے کا غلاف چڑھوانا یا سونے کے تار سے دانت بند ھوانا جائز ہے (۲) سونے کی گھڑی یا زنجیر ناجائز ہے(۴) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ لباس میں اسلامی وضع قطع کا خیال رکھیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) کیا ایک مسلمان جو بوٹ سوٹ اور ہیٹ پہن لے (جیسا کہ بالعموم تعلیم یافتہ مسلمان پہننے لگے ہیں) تو اسے اسلام سے خارج سمجھا جائے گا؟ کیا مذہب کے راستے میں لباس حائل ہو سکتا ہے؟ اگر کریں

(۱) قال رسول اللہ ﷺ من تشبہ بقوم فہو منہم (ابو داود ۲: ۲۵۹)
عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار (صحیح بخاری ۲: ۸۶۱)
(۲) (حوالہ گزشتہ مشکوۃ ۲: ۳۷۵ - ابو داود ۲: ۵۵۹)
(۳) والرابع ستر عورتہ ووجوبہ عام ولو فی خلوۃ علی الصحیح ... وللحرۃ ولو خنثی جمیع بدنہا حتی الشعر النازل فی الاصح (الدر المختار مع الرد ۱: ۴۰۵)
(۴) حدثنا آدم قال ... نہانا النبی ﷺ عن سبع نہانا عن خاتم الذہب او قال حلقۃ الذہب وعن الحریر (صحیح بخاری ۲: ۸۷۱) شدسن المتحرک بالذہب واتخاذ السن من الذہب کلا ہما جائز عند الامام محمد ولا یشد سنہ المتحرک بذہب بل بفضۃ وجوزہا محمد الخ (الدر المختار مع الرد ۶: ۳۶۲)

لینڈ (بحر منجمد شمالی) کا رہنے والا اسلام قبول کرے تو کیا لازمی ہے کہ سمور کا لباس ترک کر کے اسے عمامہ وجبہ پہننا لازمی ہوگا؟ اگر ضرورۃً ان کو اجازت دی جا سکتی ہے تو کیا حصول ملازمت جیسی اہم ضرورت کے لئے یہ لباس ہم اختیار کر سکتے ہیں؟

(جواب ۲۰۸) اسلام کا مدار عقائد واعمال پر ہے لباس کو حقیقت وماہیت اسلام میں دخل نہیں لیکن اسلامی وضع اور ہیئت مسلمانوں کے لئے ضروری ہے ہر قوم اور ہر جماعت کے لئے کچھ امتیازی خصوصیات ہوتی ہیں جن سے وہ قوم پہچانی جاتی ہے اسی طرح مسلمانوں کے ڈاڑھی اور لباس اسلامی شعار ہے جو شخص اس شعار کو مٹاتا ہے وہ اسلام کو تو نہیں مٹاتا لیکن اسلامی امتیاز کو مٹاتا ہے کوئی خاص کپڑا مثلاً سمور پشمینہ وغیرہ اسلام میں ممنوع نہیں ان کی وضع اسلامی ہو تو کوئی حرج نہیں کوٹ سوٹ بوٹ یوروپین اقوام کی وضع ہے - یوروپین مسلمان اسے استعمال کریں تو ان کے لئے اس قدر مذموم نہیں جس قدر غیر یوروپین مسلمانوں کے لئے کہ ان کی اپنی قومی وضع کے بھی خلاف ہے آخر ملازمت کے لئے ان چیزوں کو کیوں ضروری قرار دیا گیا؟ اگر ان محکموں کے افسروں کا یہ فعل کہ وہ ملازم کے لئے ایک خاص لباس اور مخصوص وضع لازم کر دیں جائز ہے تو اسلام کے لئے کیوں جائز نہیں کہ وہ اپنے حلقہ بگوشوں کے لئے اسلامی لباس اور اسلامی وضع ضروری قرار دے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کشتی نما ٹوپی کا استعمال جائز ہے.

(الجمعیۃ مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۷ء)

(سوال) کیا کھادی کی کشتی نما ٹوپی جو گاندھی کیپ کے نام سے مشہور ہو گئی ہے مسلمانوں کے لئے ناجائز ہے؟ **من تشبہ بقوم فھو منھم** (۱) سے کیا مراد ہے؟

(جواب ۲۰۹) کشتی نما ٹوپی ہندوستان میں زمانہ دراز سے مستعمل تھی اس کا نام تحریک کے زمانے میں گاندھی کیپ رکھ لیا گیا امروہہ کشتی نما ٹوپی کی منڈی تھی اور بیشمار ٹوپیاں وہاں بنتی تھیں اس کے لئے کھدر کا لزوم ایسا ہی ہے جیسا کہ کرتہ او رپائجامہ بھی کوئی اپنے لئے کھدر کا متعین کرلے اس لئے کشتی نما ٹوپی پہننا جائز ہے اور صرف اس کا نام گاندھی کیپ ہو جانے سے وہ ناجائز نہیں ہوگی - **من تشبہ بقوم فھو منھم** سے مراد یہ ہے کہ کسی قوم کی وہ ایسی چیز میں مشابہت اختیار کی جائے جو اس قوم کے ساتھ مخصوص ہو یا اس کا خاص شعار ہو تو ایسی مشابہت ناجائز ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

طلائی گھڑی کا استعمال مردوں کے لئے جائز نہیں.

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۳۳ء)

(سوال) ایک علم دین کے مدعی اور حافظ قرآن کو طلائی گھڑی کا دائمی پابند ہونا اور اس کے ساتھ جمعہ وغیرہ

---

(۱) (حوالہ گزشتہ مشکوۃ ۲ / ۳۷۵ ابوداؤد - ۲ / ۵۵۹)

کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
(جواب ۲۱۰) طلائی گھڑی جس کا کیس سونے کا ہو خواہ خالص سونا ہو یا سونا غالب ہو اس کا استعمال مردوں کے لئے ناجائز ہے(۱) اور اس کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ'

مسلمان عورتوں کے لئے ساڑھی کا استعمال

(سوال) مسلمان عورتوں کو ساڑھی پہننا یا مسلمان مردوں کو دھوتی باندھنا کیسا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۶۸۵ قاری محمد مر غازی پور ۲۹ رجب ۱۳۶۰ھ م ۲۴ اگست ۱۹۴۱ء
(جواب ۲۱۱) جہاں مسلمان عورتوں کے اپنے لباس میں ساڑھی داخل ہو وہاں جائز ہے اور جہاں مسلمانوں میں ساڑھی مروج نہ ہو صرف غیر مسلم عورتوں کے لباس میں داخل ہو وہاں مکروہ ہے(۲)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عورتوں کے لئے تہبند اور کلی دار پاجامہ پہننا جائز ہے

(سوال) عورتوں کو تہبند یعنی لونگی پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اور کلی دار پاجامہ یعنی پائنچے والا پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان کپڑوں سے ان کی نماز جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ المستفتی مولوی عبدالروف خاں جگن پور ضلع فیض آباد
(جواب ۲۱۲) عورتوں کو تہہ بند باندھنا جائز ہے کلی دار پاجامہ بھی جائز ہے دونوں سے نماز پڑھ سکتی ہیں(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

گیارہواں باب
بالوں کے اور داڑھی کے احکام

(۱) داڑھی شعار اسلام ہے
(۲) داڑھی منڈانے اور کتروانے والا گناہ گار ہے
(۳) داڑھی منڈے کی امامت مکروہ ہے
(۴) داڑھی منڈے کی اذان مکروہ ہے
(۵) فاسق کو مؤذن یا امام مقرر کرنے سے متولی کو گناہ ہوگا

(سوال) (۱) داڑھی مسلمان کے لئے شعار اسلام ہے یا نہیں؟ (۲) تارک اس کا عندالشرع کیسا ہے (۳)

---

(۱) (حوالہ گزشتہ صحیح البخاری ۲: ۸۷۱)
(۲) قال رسول اللہ ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم (مشکوۃ ۲: ۳۷۵)
(۳) لبس السراویل سنۃ وھو من استر الثیاب للرجال والنساء کذافی الغرائب (ھندیہ ۵: ۳۳۳)

داڑھی منڈانے والا یا کتروانے والا اگر مستقل طور پر امام بنادیا جائے تو اس کی اقتدا کیسی ہے ؟ اعادہ واجب ہے یا نہیں ؟ (۴) مؤذن مستقل طور پر اگر داڑھی منڈائے تو اس کا کیا حکم ہے ؟ داڑھی منڈانے کی صورت میں امام اور مؤذن میں کچھ فرق ہے یا نہیں ؟ اور اس کی اذان کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں ؟ (۵) اور جو صفت مؤذن کی ہے شرع کے نزدیک بیان فرمائیے (۶) اور اگر متصرف مسجد ایسے شخص کو جو داڑھی منڈا ہو مؤذن یا امام بنائے تو اس پر کوئی مواخذہ ہے یا نہیں ؟ **المستفتی نمبر ۱۰ شیخ حبیب الحق صاحب آگرہ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ ۲۴ جولائی ۱۹۳۳ء**

(جواب ۲۱۳) (۱) احادیث صحیحہ میں داڑھی بڑھانے کا حکم ہے اور آنحضرت ﷺ نے ریش مبارک رکھی اور تمام صحابہ کرام اور تابعین اور ائمہ دین اور تمام سلف صالحین نے داڑھی رکھی ہے خیر القرون اور اس کے بعد بھی قرناً بعد قرن ڈاڑھی رکھنا مسلمانوں کا خاص شعار رہا ہے اگر داڑھی کو شعار اسلام (اس معنی سے کہ داڑھی نہ ہونے پر اسلام نہ ہونے کا حکم کردیا جائے) کہنا محل تامل ہو تو ہو مگر سلف صالحین اور متدین مسلمانوں کا شعار ہونے میں تو کوئی تامل نہیں ہے اور قومی شعار کی حفاظت بھی ہر قوم کے لئے واجب الحفظ ہے (۱) (۲) ڈاڑھی منڈانے والے یا اتنی کتروانے والا کہ جس پر ڈاڑھی بڑھانے کا عرف اطلاق نہ ہو سکے گناہ گار ہے کیونکہ وہ امر اعفوا کی خلاف ورزی کرنے والا ہے جو اتفاقاً وجوب کے لئے ہے (۲) (۳) مستقل طور پر اس کو جماعت مسلمین کا امام بنادینا مکروہ ہے نماز اس کے پیچھے ہو تو جائے گی مگر اعادہ واجب ہوگا (۳) (۴) ایسے شخص کو مؤذن مقرر کرنا بھی مکروہ ہے مگر اذان کا اعادہ واجب نہیں ہے (۴) (۵) مؤذن بھی نیک شخص اور اوقات نماز کا واقف ہونا چاہئے (۶) ہاں متولی اگر دوسرے صالح شخص کے میسر ہوتے ہوئے داڑھی منڈانے والے کو امام یا مؤذن مقرر کرے گا تو مواخذہ دار ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

داڑھی منڈانے اور کتروانے والا گناہ گار ہے

(سوال) جو شخص داڑھی کترواتا ہو اور ایک مشت سے کم رکھتا ہو اور اس فعل پر مداومت و اصرار کرتا ہو ایسے شخص کو امام راتب مقرر کرنا اور ہمیشہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں جناب مولوی مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی نے حسب ذیل فتویٰ دیا ہے۔

ایسے شخص کے پیچھے جو داڑھی منڈاتا یا اتنی کترواتا ہے کہ دیکھنے میں داڑھی والا نہیں معلوم ہوتا نماز مکروہ ہے یکمشت سے اگر قدرے کم ہو تو مکروہ نہیں یکمشت ناپنے میں تھوڑا بہت فرق ہو جاتا ہے"
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ انہکو الشوارب واعفو اللحی (صحیح بخاری ۸۷۵/۲)
(۲) واما الاخذ منہا و ہی دون ذالک کما یفعلہ بعض المغاربۃ و مخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد واخذ کلہا فعل یہود الہند و مجوس الاعاجم (الدر المختار مع الرد ۴۱۸/۲)
(۳) یحرم علی الرجل قطع لحیتہ و یکرہ امامۃ عبد واعرابی و فاسق واعمی واما الفاسق فقد عللوا کراہۃ تقدیمہ بانہ لا یہتم لامر دینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعا (رد المحتار مع الدر ۵۶۰/۱)
(۴) ویکرہ اذان جنب و فاسق ولو عالما الخ (الدر المختار مع الرد ۳۹۲/۱)

کیا جواب مذکور صحیح ہے؟ المستفتی نمبر ۲۹۷ قاضی حاجی محمد زمان (بنگلور) ۱۵ صفر ۱۳۵۳ھ م ۳۰ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۱٤) اشتہار واجب الاظہار میں جو فتویٰ میرے نام سے چھپا ہے چونکہ اس کی نقل میرے پاس موجود نہیں اس لئے میں یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ آیا وہ میرا لکھا ہوا ہے یا نہیں بہر حال اس مسئلے میں میرا خیال یہ ہے کہ داڑھی منڈانا یا منڈی ہوئی کے قریب قریب کترانا مکروہ تحریمی یا حرام ہے کیونکہ یہ امر اعفوا اللحی کے خلاف ہے اور ایک مشت رکھنا مسنون ہے اس مقدار سے زائد کو کتروا دینا جائز ہے ایک مشت کی مقدار احادیث سے ثابت ہے اور وہ احادیث فعلی ہیں اس لئے اس مقدار کو فرض یا واجب قرار دینا مشکل ہے کہ اس کے خلاف کو فسق کہہ دیا جائے ایک مشت کی مقدار کو میں مسنون کہتا ہوں اور اس کے خلاف کو مکروہ بھی کہتا ہوں مگر ایک مشت سے اتنی کمی کہ وہ دور سے متمیز نہ ہو سکے میرے خیال میں مکروہ اور ناجائز ہونے کے باوجود اس قابل نہیں کہ اس کو موجب فسق اور مکروہ تحریمی قرار دیا جائے ہاں مکروہ تنزیہی اور خلاف سنت کہہ سکتے ہیں۔

اور اشتہار واجب الاظہار میں اس صورت میں جو یہ لفظ میری تحریر میں شائع ہوئے ہیں کہ "مکروہ نہیں" اگر میری تحریر کے موافق ہو تو ان سے مراد یہ ہے کہ "مکروہ تحریمی نہیں" بالکل کراہت کی نفی نہیں اور اگر میری اصل تحریر میں "مکروہ تحریمی نہیں" موجود ہو تو پھر کوئی شبہ نہیں۔

البتہ اتنی کمی کہ واضح طور سے یکمشت سے کم ہو یا منڈی ہوئی کے مشابہ ہو جائے وہ مکروہ تحریمی کی حد میں پہنچ جاتی ہے جو عبارتیں کہ فقہا کی نقل کی جاتی ہیں ان میں یکمشت سے کمی کی ان صورتوں کا حکم بیان کیا جاتا ہے جو مخنث اور متشبہ بالنساء کی ہیں اور جن کو مشابہت بالنساء کے تحت میں داخل کیا جا سکتا ہے وہ لعنت کے ماتحت میں آتی ہیں یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ جس شخص کے چہرے پر داڑھی ہے اور یکمشت سے بقدر ۸/۱ انچ کی کم ہے اس کو کوئی شخص متشبہ بالنساء قرار دے کر ملعون قرار دے سکے۔

یہ ظاہر ہے کہ حدیث اعفوا اللحی سے اعفائے لحیٰ یعنی داڑھی بڑھانے کا حکم ثابت ہوتا ہے لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ اعفاء سے غیر محدود بڑھانا مراد نہیں ہے کیونکہ یکمشت سے زیادہ کو کتروانا بالاتفاق جائز ہے بلکہ طول فاحش کو بعض فقہا نے مکروہ اور خفت عقل کی دلیل بھی قرار دیا ہے تو جب غیر محدود بڑھانا مراد نہیں ہے تو کس قدر بڑھانا لازم ہے اس کے لئے تحدید صرف ایک قبضے والی روایت سے ہو سکتی ہے لیکن وہ فعلی ہے یعنی اس مرتبے میں نہیں ہے کہ اس کو تحدید اعفاء کے لئے دلیل بنایا جا سکے کیونکہ فعلی روایتیں زیادہ سے زیادہ اس کا افادہ ہو سکتا ہے کہ ایک قبضے تک رکھ کر زیادہ کو کٹوانا ثابت ہے لیکن ایک قبضہ فرض ہے یا مسنون یا

(۱) واما الاخذ منها وهي دون ذالك كما يفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم يبحه احد واخذ كلها فعل اليهود و مجوس الاعاجم (الدر المختار مع الرد ۲ / ٤۱۸)

(۲) روى الطبراني عن ابن عباس رفعه من سعادة المرء خفة لحيته واشتهر ان طول اللحية دليل على خفة العقل (رد المحتار مع الدر ٦ / ٤۰۷)

مستحب اس کا فیصلہ ان حدیثوں سے نہیں ہو سکتا اس لئے سوائے اس کے چارہ نہیں کہ ایک قبضہ کی حد کو مسنون قرار دیا جائے اور حلق یا قطع فاحش کو بوجہ مشابہت بالنسا یا مشابہت بالمجوس کے مکروہ تحریمی کہا جائے اور قطع یسیر غیر متمیز کو خلاف سنت یا مکروہ تنزیہی کہا جائے رہا استخفاف اور اصرار تو وہ علیحدہ چیز ہے اور ظاہر ہے کہ اصرار علی الصغیرہ کبیرہ تک پہنچا دیتا ہے(۱) اور استخفاف سنت موجب فسق و کفر ہے(۲) فقط
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

داڑھی کے احکام.........

(سوال) قدمت بفضیلتکم مکتوبا استفہمت فیہ عن حکم اللحیة فی المذاھب الاربعة و حتی الاٰن لم یرد الی من جنابکم جواب والاٰن اکرر الا ستفہام فاقول التمس من فضیلتکم الا فادة الشافیة عن حکم اللحیة فی المذاھب الاربعة ھل یجوز حلقھا ام یحرم ام یکرہ . وھل یجوز التخفیف منھا او یحرم او یکرہ اوالی ای حد یحرم اوالی ای حد یکرہ و کذالک العارضین –

التمس فضلاً لا امراً ان تزودونا بالافادة باسرع وقت مع التفصیل الواضح التام

(ترجمہ) میں نے قبل ازیں ایک عریضہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا جس میں دریافت کیا تھا کہ مذاہب اربعہ میں داڑھی کے بارے میں کیا حکم ہے ؟ اب تک آپ کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا اب مکرر استفتاء پیش کر کے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں کہ مذاہب اربعہ میں داڑھی کے متعلق کیا احکام ہیں ؟ آیا داڑھی کا منڈانا جائز ہے یا حرام ؟ یا مکروہ اور داڑھی کا ہلکا کرنا جائز ہے یا نہیں یا حرام ہے یا مکروہ ؟ اسی طرح دونوں رخساروں کا کیا حکم ہے –

براہ کرم توجہ فرما کر جلد سے جلد تفصیل کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں اور مستفید ہونے کا موقع بخشیں –

المستفتی نمبر ۳۷۵ حامد اے باسم نمبر ۱۹۵ چکلہ اسٹریٹ بمبئی ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ م ۱۹ جولائی ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۱۵) اعلم رحمک اللہ ان النبی ﷺ قال اعفوا اللحی واحفوا الشوارب و فی روایة و فروا اللحی و فی روایة ارخو روایة او فوا و کلھا متقاربة المعنی وھو انہ ﷺ امر بترک اللحیة مرخاة موفرة و نھی عن قطعھا وقصھا واتفق جمھور العلماء علی ان الاخذ منھا بحیث یشبہ فعل المجوس والا عاجم مکروہ کراھة تحریم–

اما الا خذ من طولھا و عرضھا فجوزہ الا کثرون وقالوا لا باس بقطع ما زاد علی

---

(۱) قال ابن الکمال : ان الصغیرة تاخذ حکم الکبیرة بالا صرار (رد المحتار مع الدر ۵/۴۷۳)
(۲) (قال المحقق) لو مستخفا کفر لما فی البزازیة لولم یر السنة حقا کفر لأ نہ استخفاف (رد المحتار مع الدر ۱/۴۷٤)

القبضة و منعه البعض وقالوا ترك اللحية على حالها ولا يتعرض لها بتقصير شئى اصلا و اختاره النووى في شرح صحيح الا مام مسلم والاول اختاره اكثر الحنفية وقالوا يكره تطويل اللحية الى حد الشهرة و قطعها اى قطع مازاد على القبضة احسن من تركها على حالها۔

(ترجمہ) جان لو خدا تمہیں سلامت رکھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ڈاڑھی بڑھاؤ اور لبیں کترواؤ ایک روایت میں اعفوا دوسری روایت میں وفروا اور ایک میں ارخوا اور ایک میں اوفوا ہے ان سب کے معنی قریب قریب یکساں ہی ہیں وہ یہ کہ آپ ﷺ نے ڈاڑھی کو بڑھا کر چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے اور اس کو کتروانے اور چھوٹا کرنے سے منع فرمایا ہے اور تمام علمائے مذاہب اس پر متفق ہیں کہ اتنا چھوٹا کرنا جو مجوسیوں اور آتش پرستوں کے مشابہ ہو جائے مکروہ تحریمی ہے۔

لیکن لمبائی چوڑائی میں تھوڑا تھوڑا چھانٹنے کو اکثر علماء نے جائز قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یکمشت سے زائد کو کتروانے میں کوئی حرج نہیں اور بعض منع کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ڈاڑھی کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اس میں کوئی کاٹ چھانٹ نہ کی جائے اور اسی مسلک کو امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح میں پسند کیا ہے اور پہلے والے مسلک کو حنفی ائمہ میں سے اکثر نے پسند کیا ہے اور ترجیح دی ہے فرمایا ہے کہ ڈاڑھی کو اتنا بڑھانا کہ لمبی ڈاڑھی مشہور ہو جائے مکروہ ہے یکمشت سے زائد کو چھانٹ دینا غیر محدود بڑھانے سے بہتر ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

یکمشت سے کم ڈاڑھی کتروانا گناہ ہے

(سوال) ڈاڑھی منڈانے اور کتروانے میں کچھ فرق ہے یا نہیں ؟ یا دونوں صورتوں میں ایک جیسا گناہ ہے ؟ المستفتی نمبر ۶۱۱ حکیم محمد قاسم (ضلع میانوالی) ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۶ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۱۶) جب ایک مشت سے کم کر دی جائے تو شرعی الزام تو قائم ہو گیا اس کے کتروانے اور منڈانے میں جو فرق ہے یہی حکم میں بھی ہو گا کہ منڈانا سخت گناہ ہو گا اور کتروانا اس سے کم۔(۱) محمد کفایت اللہ

(۱) ڈاڑھی منڈانا اور کتروانا مکروہ ہے۔
(۲) ڈاڑھی منڈھے اور کتروانے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

(سوال) (۱) ڈاڑھی منڈانا یا کتروانا شرعاً کون سا گناہ ہے (۲) ڈاڑھی منڈے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے اور جو ڈاڑھی منڈوانے کو منع کرنے سے کہتا ہے کہ کوئی حرج نہیں جائز ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۲۶۲ غلام ربانی عباسی صاحب (ضلع غازی پور) ۹ رجب ۱۳۵۵ھ م ۲۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

---

(۱) واما الأخذ منها وهي دون ذلك كمايفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الأعاجم (الدر المختار مع الدر : ۲/۴۱۸)

(جواب ۲۱۷) (۱) داڑھی منڈانا اور اتنی کتروانا کہ ایک مشت سے کم رہ جائے مکروہ تحریمی ہے (۱) (۲) داڑھی منڈانے والے اور اتنی کتروانے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے کہ ایک مشت کی مقدار سے کم رہ جائے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

داڑھی منڈانے سے فاسق ہوگا کافر نہیں

(سوال) کیا مسلمان صرف داڑھی منڈانے سے خارج از اسلام ہو جاتا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۴۶۴ خواجہ مصلح الدین (مغربی خاندیس) ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ۳ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۱۸) داڑھی منڈانے سے خارج از اسلام تو نہیں ہوتا مگر فاسق ضرور ہو جاتا ہے (۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

داڑھی منڈانا اور یکمشت سے کم کرنا گناہ ہے

(سوال) کیا داڑھی کا چھوٹانا یا منڈوانا گناہ کبیرہ ہے اور قرآن و حدیث کے اندر ایک مٹھی (مقدار معین) داڑھی رکھنے کی کوئی دلیل ہے۔ المستفتی نمبر ۱۵۲ خواجہ عبدالمجید شاہ صاحب (بنگال) ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۲ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۱۹) داڑھی کتروانا یا منڈوانا حرام ہے (۴) کتروانے سے یہ مراد ہے کہ اتنی کتروانے کہ ایک مشت سے کم رہ جائے ایک مشت کی مقدار حدیث سے ثابت ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

داڑھی رکھنا واجب ہے

(سوال) داڑھی رکھنا کیسا ہے سنت یا واجب اور داڑھی منڈوانے والا کون سے گناہ کا مرتکب ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے۔ المستفتی نمبر ۲۰۲۱ محمد مقبول الرحمن (سلہٹ)

(جواب ۲۲۰) داڑھی رکھنا واجب ہے (۵) داڑھی منڈوانے والا فاسق ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ (۶) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

---

(۱) الدر المختار مع الدر: ۲/۴۱۸
(۲) ویکرہ امامة عبد واعرابی وفاسق واعمی　الخ رد المحتار مع الدر ۱/۵۶۰)
(۳) والکبیرة لاتخرج العبد المومن من الایمان لبقاء التصدیق الذی هو حقیقة الایمان ولاتدخله العبد المومن فی الکفر (شرح عقائد: ۱۴۸ لکھنؤ)
(۴) (حوالہ گزشتہ الدر المختار مع الرد: ۲/۴۱۸)
(۵) (حوالہ گزشتہ الدر المختار مع الرد ۲/۴۱۸)
(۶) (حوالہ گزشتہ رد المحتار مع الدر ۱/۵۶۰)

یکمشت داڑھی رکھنا واجب ہے

(سوال) حضرت نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق داڑھی مسنونہ کی مقدار کتنی ہے اور جو شخص کہ خلاف سنت داڑھی منڈائے یا کترواتے اور اس کا عقیدہ بھی یہ ہو کہ حضرت نبی کریم ﷺ سے داڑھی کی کوئی مقدار معین نہیں ہے تو عنداللہ ایسا شخص کس حکم کا مستحق ہے۔ المستفتی نمبر ۲۰۴۳ مظفر خان (لاہور) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۲۱) حدیث میں تو داڑھی بڑھانے کا حکم اور تاکید آئی ہے اور اس کی مقدار بتانے کے لئے کوئی قولی روایت آنحضرت ﷺ سے مروی نہیں ہے ہاں فعلی روایت صحابہ کرام کا یہ طرز عمل مروی ہے کہ ایک مشت سے زیادہ داڑھی کو کتروا دیتے تھے اور ایک مشت کے اندر کتروانے کی کوئی سند نہیں

ہے اس لئے فقہائے کرام نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو واجب قرار دیا ہے اور اس سے کم رکھنے والے کو تارک واجب ہونے کی بناء پر فاسق کہا ہے۔ (۱) واللہ اعلم بالصواب محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

داڑھی کی توہین کفر ہے

(سوال) آج کل بعض لوگ داڑھی رکھنے والے مسلمانوں کو داڑھی مچھر یا سائن بورڈ رکھا ہوا یا بکرے کی داڑھی رکھی ہوئی یا سب داڑھی والے بے ایمان ہوتے ہیں کہہ ڈالتے ہیں اور بعض کہتے ہیں قرآن میں داڑھی کا ذکر تک نہیں اور نہ کسی صحیح حدیث میں اور نہ ہی اس کی لمبائی چوڑائی کی کوئی صحیح مقدار و اندازہ مقرر ہے بعض تو کہتے ہیں کہ خدا قرآن میں کہتا ہے کلا سوف تعلمون (آیت سورۃ تکاثر) ترجمہ کا صاف رکھو علی ہذا القیاس اس قسم کی باتیں کہنے والا سنت نبی کریم ﷺ کی توہین کرنے والا ہوا یا نہیں اور توہین سنت نبوی ﷺ کفر ہے یا نہیں اور داڑھی رکھنی فرض ہے یا واجب یا سنت مؤکدہ اور کتنی لمبی اور کون سی حد تک داڑھی رکھنی شریعت کا مقتضا ہے اور شرعی معیار سے کم کرنا اور منڈوانا دونوں کا ایک ہی حکم ہے یا فرق ہے۔ المستفتی نمبر ۲۳۰۳ جناب حاجی سلیمان کریم محمد ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۹ جون ۱۹۳۸ء

(جواب) (از نائب مفتی) داڑھی والوں کے بارے میں یہ اقوال بیان کرنے والے اشد درجہ کے سخت گناہگار ہوتے ہیں کیونکہ داڑھی کا رکھنا اور ضروری ہونا قرآن شریف اور احادیث نبویہ ﷺ سے ثابت ہے کلا سوف تعلمون سے داڑھی کا منڈانا ثابت کرنا بہت بڑی گمراہی ہے ایسے لوگوں کے لئے زوال ایمان کا بھی خطرہ ہے لہذا ایسے لوگوں پر لازم ہے کہ بہت جلدی توبہ کرلیں اور آئندہ کلام پاک کی آیات و کلمات کے معنی کو اپنی رائے سے ہرگز بیان نہ کیا کریں۔ فقط واللہ اعلم اجابہ و کتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

---

(۱) حوالہ گزشتہ الدر المختار مع الرد ۲ / ۴۱۸

(جواب ۲۲۲) (از حضرت مفتی اعظمؒ) داڑھی رکھنا واجب اور منڈانا حرام ہے' رکھنے کی مقدار ایک مشت تک ہے ایکمشت سے زیادہ ہو جائے تو اس بڑھی ہوئی مقدار کو کتروادینا جائز ہے داڑھی کی توہین کرنا اور کلا سوف تعلمون کے یہ معنی بیان کرنا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کلا صاف رکھو کھلی ہوئی گمراہی اور جہالت ہے ایسی باتوں سے ایمان بھی جاتا رہتا ہے کیونکہ سنت نبوی کی توہین کفر ہے (۱) اور آیت کریمہ کے یہ معنی بیان کرنا قرآن مجید کی تحریف ہے اور یہ بھی کفر ہے۔ (۲) اعاذنا اللہ منہ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

داڑھی رکھنا واجب اور منڈانا حرام ہے

(سوال) داڑھی رکھنا سنت ہے یا فرض ؟ اور داڑھی والے کا استہزا کرنے والا کیسا ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۶۳۳ مولوی عبدالحق امام جامع مسجد دوحد ضلع پنچ محل مورخہ ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ م ۲۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۲۲۳) داڑھی رکھنا واجب ہے اور منڈانا مکروہ تحریمی ہے جس کو حرام بھی کہہ سکتے ہیں۔ (۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

داڑھی منڈانے والا ناقص مسلمان ہے

(سوال) اگر داڑھی نہ رکھی جائے تو کیا مسلمان کا اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہے یا نہیں ؟ اور اسلام کے دائرے سے نکل جاتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۲۴) یہ سوال اس نوعیت کا ہے جیسے کوئی پوچھے کہ اگر انسان کی ناک کٹوادی جائے تو کیا انسانیت خطرے میں پڑ جاتی ہے' اور وہ انسانیت کے دائرے سے باہر ہو جاتا ہے یا آدمی کا ہاتھ پاؤں کاٹنے سے کیا اس کی جان جاتی رہتی ہے اور وہ مردہ ہو جاتا ہے تو جواب یہ ہوگا کہ نہیں ناک کٹوانے یا ہاتھ پاؤں کٹوانے سے انسانیت کے دائرے سے تو نہیں نکلتا یا مردہ ہو جانا ضروری نہیں بے ناک اور بے ہاتھ پاؤں کے بھی زندہ تو رہ سکتا ہے مگر ناقص اور عیبی اسی طرح داڑھی منڈانے والا اسلام کے دائرے سے تو نہیں نکلتا مگر وہ اسلام کے لحاظ سے ایسا مسلمان ہے جیسا انسانیت کے لحاظ سے ناک یا ہاتھ پاؤں کٹا ہوا انسان یعنی نافرمان اور فاسق مسلمان' رسول کریم ﷺ کا حکم ہے خالفوا المشرکین او فروا اللحیٰ واحفوا الشوارب (مشکوٰۃ) (۴) اس حکم کے ماتحت داڑھی رکھنا واجب ہے جس کو فرض عملی کہا جاتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'
مدرسہ امینیہ دہلی

---

(۱) لو لم یر السنۃ حقاً یکفر لانہ استخفاف (رد المحتار مع الدر ۱/ ۴۷۴)
(۲) قال رسول اللہ ﷺ من قال فی القرآن برائہ فلیتبوأ مقعدہ من النار ..... مشکوۃ ۱/ ۳۵)
(۳) (حوالہ گزشتہ حدیث ابن عمر الدر المختار مع الرد ۶/ ۴۰۷)
(۴) (مشکوٰۃ باب الترجل ۲/ ۳۸۰ ایضاً صحیح مسلم ۱/ ۱۲۹)

مونچھیں قینچی سے کتروانا بہتر ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) مونچھوں کو استرے سے بالکل صاف کرا دینا کیسا ہے ؟

(جواب ۲۲۵) مونچھوں کا استرے سے مونڈنا بھی جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ قینچی سے کتروائے۔(۱)
محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرسہ امینیہ دہلی

یکمشت داڑھی رکھنا کس حدیث سے ثابت ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) یہ معلوم ہوا اور تحقیق ہوا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ریش مبارک کو کبھی کسی طرح قطع نہیں کرایا پھر یہ یکمشت دوانگشت کی مقدار کہاں سے مقرر ہوئی اور اس سے زائد قطع کرانا کیسے جواز میں آیا دوسرے وہ لوگ جو یکمشت دوانگشت سے کم داڑھی رکھتے ہیں اس کے رکھنے اور منڈانے میں کیا فرق ہے ؟

(جواب ۲۲۶) ترمذی شریف میں ایک روایت ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کو طول وعرض میں سے کسی قدر کتروا دیتے تھے اگرچہ اس روایت کی سند میں کلام ہے تاہم بالکل بے اصل یا موضوع نہیں ہے(۲) اور صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ یہ ایک مٹھی بھر رکھ کر زیادہ لٹکتے ہوئے بالوں کو کتروا دیتے تھے اس لئے حنفیہ اور بہت سے تابعین نے اسے پسند کیا کہ ایک مشت سے زیادہ داڑھی کتروا دی جائے ہاں ایک مشت سے کم رکھنے کو کوئی جائز نہیں کہتا تاہم منڈانے اور ایک مشت سے کم رکھنے میں حکم متفاوت ہوگا یعنی منڈانے والا زیادہ مواخذہ دار ہے اور کتروانے والا اس سے کم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

ایک قبضہ داڑھی رکھنا ضروری ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) داڑھی رکھنے کے لئے کیا آں حضرت ﷺ نے حکم فرمایا ہے' اور کس قدر لمبی رکھنے کا حکم ہے ؟

(جواب ۲۲۷) ہاں حضور انور ﷺ نے داڑھی رکھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے(۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ ایک قبضہ سے زیادہ داڑھی کتروا دیتے تھے۔(۴) محمد کفایت اللہ غفرلہ

---

(۱) والمختار فی الشارب ترك الاستيصال والاقتصار على ما يبدوبه طرف الشفة (نووی شرح مسلم ۱/۱۲۹)
(۲) عن عمران بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبي ﷺ كان ياخذ من لحيته من عرضها و طولها (ترمذی: ۲/۱۰۵)
(۳) عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ انهكو الشوارب واعفوااللحى صحیح بخاری ۲/۸۷۵)
(۴) قال لانه صح عن ابن عمر انه كان يا خذ الفاضل عن القبضة (رد المحتار مع الدر ۲/۴۱۸)

انگریزی بال رکھنا مکروہ ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) کیا انگریزی بال رکھنا جائز نہیں ہے ؟

(جواب ۲۲۸) انگریزی بال رکھنا مکروہ ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ غفر لہ'

داڑھی کی توہین کفر ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) موجودہ زمانے میں داڑھی منڈانے کا عام رواج ہو گیا ہے خود مسلمان اپنی داڑھی والے بھائیوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور توہین کرتے ہیں اب اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے ؟

(جواب ۲۲۹) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے مولیٰ اور آقا جناب محمد ﷺ کی داڑھی تھی حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی' حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین اور تمام صحابہ کرام تابعین عظام ائمہ وعلمائے دین داڑھیاں رکھتے تھے حضور انور ﷺ نے داڑھی رکھنے کے تاکیدی احکام ارشاد فرمائے ہیں اور اسی بناء پر تمام مسلمان داڑھی رکھنے کو ایک اسلامی شعار سمجھتے اور اس پر عمل کرتے رہے اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ داڑھی منڈانے والے اسلام سے خارج ہیں کیونکہ اسلام صرف داڑھی رکھنے کا نام نہیں ہے لیکن یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ داڑھی منڈانے والوں کی صورت اور وضع اپنے مولیٰ اور آقا رحمۃ للعالمین ﷺ اور سلف صالحین اور ہادیان دین متین کی صورت اور وضع کے خلاف ہے اور جو لوگ کہ اس سنت نبویہ کی ہنسی اڑائیں تمسخر کریں آوازیں کسیں ان کے ایمان کی خیر نہیں کیونکہ داڑھی رکھنا تو ایک مؤکد سنت ہے لونی سی سنت کے ساتھ تمسخر کرنا کفر ہے (۲) آپ ہی انصاف کریں کہ جو شخص داڑھی رکھنے والے کو برا کہے اور ہنسی اڑائے اس کے دل میں آنحضرت ﷺ کی توقیر اور تکریم کیسے ہو سکتی ہے اور جس کے دل میں حضور اکرم ﷺ کی توقیر و تکریم نہ ہو وہ مومن کیسے ہو سکتا ہے ؟ ایک ایماندار محب سنت کو چاہئے کہ لوگوں کے تمسخر اور افسروں کی توبیخ کی پروا کئے بغیر اس یقینی متوارث سنت پر عمل کرے اور رحمت الٰہیہ کا استحقاق حاصل کرے۔ (۳) محمد کفایت اللہ

سیاہ خضاب لگانے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۳۴ء)

(سوال) سیاہ خضاب کرنا شرعاً کیسا ہے ؟

(جواب ۲۳۰) سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے ایسا خضاب لگانے والے مکروہ کے مرتکب ہیں۔(۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) قال رسول اللہ ﷺ: لیس منا من تشبہ بغیر نالا تشبھوا بالیھود ولا بالنصاری ...ترمذی ۲/۹۹)

(۲) لولم یر السنۃ حقاً یکفر لانہ استخفاف (رد المحتار مع الدر : ۱/ ۴۷۴)

(۳) قال اللہ تعالیٰ : النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ الخ (سورۃ الاحزاب : ۶)

(۴) واما الخضاب بالسواد فمن فعل ذالک من الغزاۃ لیکون اھیب فی عین العدو فھو محمود منہ اتفق علیہ المشائخ ومن فعل ذالک لیزید نفسہ للنساء او لحبب نفسہ الیھن فذالک مکروہ و علیہ عامۃ المشائخ و بعضھم جوز ذالک من غیر کراھۃ (ھندیۃ ۵/۳۵۹)

سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے

(الجمعیۃ مورخہ یکم فروری ۱۹۳۵ء)

(سوال) چالیس سال کی عمر میں سیاہ خضاب لگانا کیسا ہے ؟

(جواب ۲۳۱) سیاہ خضاب کسی شرعی مصلحت سے لگانا مثلاً جہاد میں شرکت کے لئے یا بوڑھے شوہر کو جوان بیوی کی خوشنودی کے لئے جائز ہے اور اگر کوئی شرعی ضرورت نہ ہو تو خالص سیاہ خضاب مکروہ ہے۔(۱) البتہ اول مہندی لگا کر بعد میں بال بھورے کر لئے جائیں یا مہندی اور وسمہ ملا کر لگایا جائے جس سے خالص سیاہی نہیں آتی تو یہ جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مینڈھی اور نیل ملا کر بالوں کو رنگ دے سکتے ہیں

(سوال) نزلہ کی وجہ سے داڑھی سفید ہو جائے تو مینڈھی و نیل وغیرہ لگا سکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۶۵ ۔ ۷ رمضان ۱۳۵۲ھ م ۲۵ دسمبر ۱۹۳۲ء

(جواب ۲۳۲) مہندی اور نیل ملا کر سفید بالوں میں لگانا جائز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ایسا خضاب جس سے بال بالکل کالے ہو جائیں ...... مکروہ ہے :

(سوال) مہندی کا ایسا خضاب جس سے بال بالکل کالے ہو جاتے ہیں اور دس بارہ روز کے بعد سرخی ظاہر ہو جاتی ہے لگانا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۲۱۴ کریم اللہ خان (ضلع بلاسپور) ۷ ارجب ۱۳۵۵ھ م ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۳۳) مینڈھی کا خضاب جس سے بال بالکل سیاہ ہو جائیں مکروہ ہے(۳) مینڈھی اور وسمہ ملا کر لگانے سے خالص سیاہی نہیں آتی وہ جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے

(سوال) سر اور داڑھی کے سفید بالوں کو خضاب سے سیاہ کرنا کیسا ہے ؟ اور کیا حدیث و فقہ میں خضاب کی سرخ و سیاہ قسمیں اور ان کا جواز و عدم جواز مذکور ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۶۸۵ قاری محمد عمر (غازی پور) ۲۹ رجب ۱۳۶۰ھ م ۲۴ اگست ۱۹۴۱ء

(جواب ۲۳۴) فتاویٰ عالمگیری میں ہے(۴) اتفق المشائخ رحمهم الله تعالیٰ ان الخضاب فی حق الرجال بالحمرة سنة وانه من سیماء المسلمین و علاماتهم۔ یعنی مشائخ اس امر پر متفق ہیں کہ

---

(۱) (حوالہ گزشتہ بالا)
(۲) و عن الامام ان الخضاب حسن لکن بالحناء والکتم والوسمة (هندیه : ۳۵۹/۵)
(۳) (حوالہ گزشتہ هندیة کتاب الکراهیة ۳۵۹/۵)
(۴) (حوالہ گزشتہ بالا)

مردوں کے لئے سرخ خضاب (مینڈھی لگانا) سنت ہے اور مسلمانوں کی پہچان اور علامت ہے سیاہ رنگ کے خضاب کو مجاہدین کے لئے محمود اور مستحسن فرمایا ہے مگر زینت کے قصد سے خالص سیاہ رنگ کے خضاب کو مکروہ بتایا ہے ومن فعل ذالک (ای الخضاب بالسواد) لیزین نفسه للنساء و لیحبب نفسه الیهن فذلک مکروہ و علیه عامة المشائخ و بعضهم جوز ذلک من غیر کراهة (عالمگیری) (۱) البتہ مینڈھی اور وسمہ ملا کر لگانا جس میں خالص سیاہ رنگ نہیں ہوتا جائز ہے بلکہ حدیث شریف میں اس کو حضور ﷺ نے بہترین خضاب فرمایا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بارھواں باب
زیورات

نو سال سے کم عمر لڑکی کو زیور پہنا سکتے ہیں۔

(سوال) نو سال کی عمر سے کم عمر والی لڑکی کو زیور پہنانا مکروہ ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۲۶۶ مولوی محمد ابراہیم صاحب تیو سلیم (مدراس) ۱۱ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۷ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۳۵) نو سال کی عمر سے کم عمر والی لڑکی کو زیور پہنانا مکروہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

انگوٹھی کی مقدار کیا ہونی چاہیئے ؟

(سوال) متعلقہ انگوٹھی

(جواب ۲۳۶) ڈیڑھ ماشہ سونے اور ۹ ماشہ چاندی کی انگوٹھی مرد کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عورت زینت کے لئے زیور اور مسی ہلدی استعمال کر سکتی ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۳۷ء)

(سوال) عورت کو اپنی زینت کے لئے لچھا جنگوی پہننا مسی ہلدی لگانا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۳۷) مسی ہلدی لگانا عورتوں کو جائز ہے اور زیور پہننا بھی جائز ہے (۱) لچھا اور جنگوی کے معنی ہم نہیں سمجھتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) (حوالہ بالا گزشتہ)

(۲) و یکرہ للرجال التختم بما سوی الفضة کذافی الینابیع والتختم بالذهب حرام فی الصحیح و ینبغی ان تکون فضة الخاتم المثقال ولا یزاد علیه و قیل لا یبلغ به المثقال و به ورد الأثر کذافی المحیط (ہندیۃ ۵/۲۳۵)

(۱) ولا باس للنساء بتعلیق الخرز فی شعور هن من صفر و نحاس او شبه او حدید و نحوها للزینة والسوار منها (ہندیۃ : ۵/۳۵۹)

زیور

زیور کے متعلق ایک تفصیلی مضمون

(منقول از رسالہ القر ماہنامہ دہلی مارچ ۱۳۳۳ھ ۱۹۱۵ء)

از رشحات قلم حضرت مفتی اعظمؒ

آج کل زیور کے متعلق رسالوں اور اخباروں میں مضامین شائع ہو رہے ہیں اگرچہ مضمون نگاروں کی نیت اور غرض صحیح ہے وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان عورتوں میں زیور پوشی کی وجہ سے جو باطنی امراض تکبر تفاخر حسد بخل وغیرہ پیدا ہو گئے ہیں ان کی اصلاح ہو جائے لیکن خواہ بوجہ قصور نظر یا بوجہ تشدد و توغل بعض مضمون نگار زیور کو بالکل خلاف شرع و خلاف عقل بتاتے ہیں اصلاح کسی چیز کو حد اعتدال پر لانے کا نام ہے اور جب کہ اصلاح سے اعتدال قائم نہ رہتا ہو تو اس کو اصلاح نہیں کہا جا سکتا۔

زیور کی حقیقت کیا ہے؟ صرف یہ کہ بدن کی زینت کے لئے کسی حصہ بدن پر کوئی عمدہ اور خوبصورت چیز استعمال کی جائے خواہ وہ چیز سونے چاندی کی ہو یا جواہرات کی یا پھولوں کی یا کسی اور دھات کی بہر حال اس کے پہننے سے تزئین بدن مقصود ہو شرعی نقطہ نظر سے زیور پوشی نہ قطعاً مذموم ہے اور نہ بالعموم مستحسن۔ قرآن مجید اور احادیث نبویہ ﷺ زیور پہننے کی اجازت دیتی ہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں عورتیں زیور پہنتی تھیں اور ان کو اسلام نے اس سے منع نہیں کیا۔

باری تعالیٰ جل شانہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ **قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده** (**اعراف**) یعنی اے پیغمبر ان جاہلوں سے کہو کہ خدا کی پیدا کی ہوئی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے کس نے حرام کی؟ اور تفسیر خازن میں ہے **والقول الثانی ذکره الامام فخر الدین الرازی انه یتناول جمیع انواع الزینة فیدخل تحته جمیع انواع الملبوس والحلی الخ** یعنی اس آیت کی تفسیر میں قول ثانی وہ ہے جو امام فخر الدین رازیؒ نے ذکر کیا ہے کہ آیت میں زینت سے مراد زینت کے تمام اقسام ہیں پس اس میں ہر قسم کا لباس اور زیور داخل ہے اور دوسری جگہ باری تعالیٰ عورتوں کو ارشاد فرماتا ہے **لا یبدین زینتهن** یعنی وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں تفسیر خازن میں ہے **واراد بالزینة الخفیة مثل الخلخال والخضاب فی الرجل والسوار فی المعصم والقرط فی الاذن والقلائد فی العنق فلا یجوز للمراة اظهارها الخ** یعنی زینت سے زینت دینے والی پوشیدہ چیزیں مراد ہیں جیسے پاؤں میں خلخال (پازیب) اور مہندی کا رنگ اور ہاتھ میں کنگن اور کان میں بالیاں اور گلے میں ہار کہ عورت کو ان چیزوں کا نامحرموں پر ظاہر کرنا جائز نہیں۔

اور صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ کے زمانے میں عورتوں کا کان میں بالیاں اور انگلیوں میں انگوٹھیاں پہننا ثابت ہے دیکھو صحیح بخاری جلد اول ص ۲۰ **فجعلت المراة تلقی القرط والخاتم** ترمذی

اور ابو داؤد میں عہد نبوی میں عورتوں کا خلخال اور کنگن پہننا مذکور ہے گلے میں ہار پہننا اکثر کتب حدیث سے ثابت ہے دیکھو صحیح بخاری جلد اول ص ۳۶۳ حدیث افک۔

حاصل یہ کہ کان میں ہاتھوں میں پاؤں میں گلے میں زیور پہننا شرعاً جائز ہے اور عورتوں کو چونکہ قدرتی اور فطری طور پر زینت کی ضرورت ہے اس لئے شریعت نے ان کے لئے چاندی سونے کے زیور کی بھی اجازت دی ہے حالانکہ مردوں کو چاندی سونا پہننے کی اجازت نہیں کانوں میں بالیاں جب کہ عہد نبوی میں پہنی گئیں اور شرعاً اس کو جائز رکھا گیا تو کانوں کو چھیدنے کو مثلہ یا مثلہ کے مشابہ خیال کرنا بھی غلطی ہے (اس سے آگے رسالہ دستیاب نہیں ہوا)

تیرھواں باب
ظروف

لوہے کے برتنوں کا استعمال جائز ہے

(سوال) خالص لوہے کا برتن بلا قلعی جس میں پانی زنگ آلود ہونے سے متغیر اللون ہو جاتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۵۳۳ (دہلی) ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۳ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب)(از نائب مفتی صاحب) تانبے اور پیتل کے برتنوں کا جو کہ قلعی شدہ نہ ہوں استعمال کرنا خورد و نوش میں اگرچہ مکروہ ہے بوجہ مضر ہونے ان کے زنگ کے لیکن لوہے کے برتنوں کا استعمال کرنا عموماً جائز ہے۔**وفی الجوهرة واما الانیه من غیر الفضة والذهب فلا باس بالا كل والشرب والا نتفاع بها كالحديد والصفر والنحاس والرصاص والخشب والطين اه رد المحتار جلد خامس ص ۲۳۸** (۱) فقط واللہ اعلم حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

(جواب ۲۳۹) (از مفتی اعظم) برتنوں کا استعمال مکروہ اس وقت ہوتا ہے کہ شریعت میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہو یا وہ مضر اثرات رکھتے ہوں یا کسی کافر قوم کی مشابہت پائی جاتی ہو لوہے کے برتنوں میں کوئی وجہ ممانعت یا کراہت کی نہیں ہے۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

چودھواں باب
قدرتی پیداواریں

خودرو گھاس کا حکم

(سوال) زید نے اپنی زمین محض گھاس کے لئے مقرر کر رکھی ہے اور سرکاری محصول بھی ادا کرتا ہے اور

---

(۱) رد المحتار مع الدر ۶ / ۳۴۳ ط سعید
(۲) ولا باس استعمال آنية الرصاص والزجاج والبلور والعقيق ط کراچی (الهداية : ۴/ ۳۸۴)

اس زمین کا احاطہ بھی لکڑی یا خار سے کررکھا ہے اس زمین پر جو گھاس بارش سے اگ آئی ہے زید اس کا مالک ہے یا نہیں ؟ اور اس گھاس کی بیع و شرا اور اجارہ کر سکتا ہے یا نہیں ؟ ترمذی شریف کی حدیث جو باب فی بیع فضل الماء میں مذکور ہے اس پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں و کذلك حکم الكلاء الا ان يحميه الوالی پس یہ احاطہ افراد حمایت سے ہے یا نہیں ؟ چنانچہ افراد حمایت ہونے پر ابن الہمام کا یہ قول دلالت کرتا ہے و كذا لو حدق حول ارضه وهيأها للانبات حتى نبت القصب صار ملكاله پس کلام محدث اور فتح القدیر سے زید کا مالک ہونا صراحۃً ثابت ہوتا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔ محمد اسمعیل حسن مدرسہ انجمن اسلام اکھورہ ضلع سورت

(جواب ۲۴۰) کلاء یعنی خودرو گھاس مباح الاصل ہے خواہ مملوک زمین میں ہو یا غیر مملوک میں لقوله عليه السلام الناس شركاء في الثلث الماء والكلأ والنار (كفايه) وفي رواية الطبراني المسلمون شركاء في الثلث الخ (شامی)(۱) ہاں اگر مملوک زمین میں کوئی پانی دے کر گھاس اگائے اور اس کی پرورش کرے تو اکثر فقہاء کے نزدیک مالک ہو جاتا ہے اور اس کی بیع و شرا جائز ہو جاتی ہے اور بعض فقہا کے نزدیک پانی دینے اور تربیت کرنے سے بھی مالک نہیں ہوتا وهو مختار القدوری کیونکہ حصول ملک کے لئے حیازۃ یعنی اپنے قبضے میں کر لینا شرط ہے اور پانی دینا ان کے نزدیک حیازۃ نہیں پس ان لوگوں کے قول پر گھاس کاٹ لینے سے مملوک ہوگی لماذا احرز الماء بالاستقاء في نية والكلأ بقطعه جاز حينئذ بيعه لانه بذلك ملكه انتهى (فتح القدير)(۲) پس صرف باڑہ بندی اور وہ بھی گھاس کے خود بخود اگ آنے کے بعد جیسا کہ متعارف ہے کسی کے نزدیک بھی حصول ملک کے لئے کافی نہیں رہی فتح القدیر کی منقولہ سوال عبارت تو اس میں بھی جملہ وهيا للانبات اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انبات میں اس کے فعل کو کچھ دخل ہو اور ظاہر ہے کہ صرف باڑھ بندی کا انبات میں کچھ دخل نہیں ہے اور والی یعنی سلطان کا حمی مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ بیت المال کے لئے ہے جس میں عامہ مسلمین کا فائدہ مد نظر ہے۔ واللہ اعلم

خودرو گھاس کی بیع و شراء کا حکم

(سوال) حشیش غیر مقطوع زمین سے انکل یا اندازہ کر کے فروخت کرنا درست ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۴۱) گھاس زمین میں اگر خود اگی ہو تو اس کی بیع زمین میں لگے ہوئے جائز نہیں ولا يجوز بيع الكلاء واجارته وان كان في ارض مملوكة الخ (هنديه ص ۱۵۱ ج ۳)(۳)

---

(۱) (رد المحتار مع الدر المختار كتاب احياء الاموات فصل في الشرب ۶/ ۴۴۰)
(۲) (فتح القدير مع الهداية ۶/ ۵۶ ط كوئٹه)
(۳) (هندية)

تالاب کا پانی اور مچھلی زمیندار کی مملوک نہیں

(سوال) ایک شخص جو ایک گاؤں کا زمیندار ہے اس کی زمین میں تالاب ہے اس کی مچھلیاں اس کی مملوک ہیں یا نہیں یعنی دوسرے کو مچھلیاں پکڑنے سے روک سکتا ہے یا نہیں خانگی مصارف کے لئے ان تالابوں کا پانی مشترک ہے لیکن اگر وہ رعایا کے لوگ ان تالابوں کے پانی کو اپنے کھیتوں میں پہنچانا چاہتے ہیں تو ان سے اس کا معاوضہ لیا جاتا ہے کیا یہ صحیح ہے اگر زمیندار معاوضہ نہ لے تو گورنمنٹ رعایا پر محصول لگا دیتی ہے جس میں وہ زمیندار بھی شریک ہوتا ہے کیا یہ صحیح ہے بعض اوقات ان تالابوں میں سنگھاڑے کی بیل بھی ڈالتے ہیں آیا وہ اس کی مملوک ہے یا نہیں اور وہ اسے بیچنے کا مجاز ہے یا نہیں۔ **المستفتی** نمبر ۱۲۱۴ کریم اللہ خان صاحب (ضلع بلاسپور) ۷ رجب ۱۳۵۵ھ م ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۴۲) تالاب کا پانی اور مچھلیاں زمیندار کی مملوک نہیں ہاں پانی تالاب میں سے لے لینے اور مچھلیاں پکڑ لینے کے بعد ملک ہو جاتی ہیں اور سنگھاڑے کی بیل جو ڈالی جائے وہ ڈالنے والے کی ملک ہے اور وہ اسے فروخت کر سکتا ہے(۱)۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

پندرھواں باب
لہو و لعب (گانا بجانا وغیرہ)

شطرنج کھیلنا اور خنزیر کے خون سے ہاتھ رنگنے کا حکم

(سوال) ایک شخص میرا دوست تھا وہ شطرنج کھیلا کرتا تھا چند مرتبہ اسے منع کیا کہ تم اس کھیل کو ختم کرو سخت گناہ ہے ایک روز یکایک اس سے کہا کہ جس وقت تم کھیلتے ہو تو تمہارے ہاتھ خون خنزیر میں ڈوب جاتے ہیں اس لفظ پر وہ مجھ سے ناراں ہو کر مجھ سے دشمنی کرلی اور یہ کہا کہ وہ مسئلہ کون سا ہے جس سے تم نے یہ الفاظ نکالے یا تو علمائے دین اس مسئلے کو تحریر کریں ورنہ تم پر دعویٰ کروں گا آپ مسئلہ تحریر فرمایئے کہ میں سچا ہوں یا جھوٹا؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۴۳) شطرنج کے مشابہ ایک کھیل ہے جسے نرد کہتے ہیں اس کے بارے میں حدیث شریف میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ جس نے نرد کے ساتھ کھیل کیا گویا اس نے خنزیر کے گوشت و خون میں اپنے ہاتھ رنگ لئے مسلم شریف میں روایت ہے۔ **من لعب بالنرد شیر فکانما صبغ یدہ بدم خنزیر**(۲) اور دیلمی نے روایت کیا ہے **اذا مررتم بھؤلاء الذین یلعبون بھذہ الازلام والشطرنج والنرد وما کان من ھذہ**

---

(۱) لا یجوز بیع الماء فی بئرہ و نہرہ ہکذا فی الحاوی فاذا اخذہ و جعلہ فی جرۃ او ما اشبہہا من الاوعیۃ فقد احرزہ فصار احق بہ فیجوز بیعہ والتصرف فیہ کالصید الذی یاخذہ کذافی الذخیرۃ واما بیع ما جمعہ الانسان فی حوضہ ذکر شیخ الاسلام المعروف بخواہر زادہ ان الحوض اذا کان مجصصا او کان الحوض من نحاس او صفر جاز البیع علی کل حال وکانہ جعل صاحب الحوض محرز الماء بجعلہ فی حوضہ (ہندیۃ ۳/ ۱۲۱)

(۲) (صحیح مسلم باب تحریم اللعب بالنرد ۲/ ۲۴۰)

فلا تسلموا عليهم وان سلموا عليكم فلا تردوا یعنی جب تم ازلام اور شطرنج اور نرد کھیلنے والوں پر گزرو تو انہیں سلام نہ کرو اگر وہ سلام کریں تو جواب نہ دو (کذا فی البصائر) اور حنفیہ کے نزدیک شطرنج کھیلنا حرام ہے درمختار میں ہے وکرہ تحریما اللعب بالنرد و كذا الشطرنج انتهى اور ردالمحتار میں ہے لان من اشتغل به ذهب عناءه الدنيوى وجاءه العناء الاخروى فهو حرام كذا الشطرنج عناء الخ (۱)
(واللہ تعالیٰ اعلم) کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ (شائع شدہ اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۳۳ء)

یہ کہنا کہ ہم قرآن و حدیث کو نہیں مانتے کفر ہے.

(سوال) ایک مقام پر تقریب شادی منجملہ دیگر اہل اسلام کے چند علما بھی جمع تھے جب دلہن کے مکان پر مولوی صاحبان تشریف لے گئے اور راگ وباجے سے منع فرمانے لگے تو مالک مکان نے کہا کہ ہم برابر راگ و باجا ہوا میں گے علما نے کہا کہ قرآن و حدیث میں راگ باجہ کی سخت ممانعت آئی ہے یہ فعل نہ کرنا کرو اس کے جواب میں ان مسلمانوں نے کہا کہ ہم قرآن و حدیث کو نہیں مانتے ہم راگ وباجا برابر ہوائیں گے بعدہ وہی شخص دوسرے گاؤں شادی کرنے گیا اور باجا ہمراہ لے کر دولہن کے مکان پر پہنچ کر باجا بجانے لگا دلہن کے والد نے کہا کہ باجا مت بجاؤ یہ رسم کفار کی ہے تو اس کے جواب میں کہنے لگا کہ ہم کافر ہیں کافر ہیں کافر ہیں تین بار اور جو کوئی ہم سے رشتہ داری اور میل رکھے گا وہ بھی کافر ہے لہذا شریعت میں ایسے اشخاص کے واسطے کیا حکم ہے؟

(جواب ۲٤٤) کسی شخص کا یہ کہنا کہ ہم قرآن و حدیث کو بالکل نہیں مانتے یا کسی ایسی بات کا زبان سے نکالنا جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسل و کتب کی حقارت ہوتی ہو صریح کفر ہے ایسے الفاظ استعمال کرنے سے مسلمان مرتد ہو جاتا ہے ایسے لوگوں سے اہل اسلام جیسا برتاؤ رکھنا درست نہیں فتاویٰ بزازیہ میں ہے اذا وصف الله بما لا يليق به او سخر باسم من اسمائه او بامر من اوامره اوانكر وعدا ووعيدا كفر ولو قال من خدايم يكفر انتهى (۲) واللہ اعلم۔

ولیمہ نکاح یا کسی اور خوشی کے موقع پر دف بجانے کا حکم.

(سوال) شادی یا ولیمہ کے کھانے میں اور خوشی کی مجلس میں گانا بجانا راگ سے عورتوں کا مثل ڈھول وہارمونیم و شریوق و شاید رباب وسہ دوا و طنبورہ وغیرہ ان پر گانا بجانا جائز ہے یا نہیں اور جو لوگ جائز کہتے ہیں ان کے لئے شرع شریف سے کیا سزا ہے؟

(جواب ۲٤٥) ولیمہ یا نکاح یا کسی اور خوشی میں اگر دف بجا کر ایسے لوگ گائیں جو محل شہوت نہیں ہیں تو یہ جائز ہے لیکن دف کے علاوہ کوئی باجہ جائز ہے اور نہ عورتوں کا گانا واما غير هما من الطنبور والبربط

---

(۱) رد المحتار مع الدر ٦ / ٣٩٤
(۲) فتاوى بزازية على هامش هندية ٦ / ٣٢٣

والرباب والقانون والمزمار والصنج و سائر المعازف والا و تارفهو حرام (مجموعه فتاوی مولانا لکھنوی ص ۲۵٦ ج ۲)اسی طرح خوش الحان یا خوبصورت لڑکوں کا گانا یا ان لوگوں کا غنا جو قواعد غنا اور اصول موسیقی کے موافق گاتے ہیں سننا حرام ہے ۔وفی السراج و دلت المسئلة ان الملاھی کلھا حرام و یدخل علیھم بلا اذنھم لا نکارا لمنکر' قال ابن مسعود صوت اللھو والغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات (درمختار ۳) (۱)قلت و فی التاتار خانیة عن العیون ان کان السماع سماع القرآن والموعظة یجوز وان کان سماع غناء فھو حرام با جماع العلماء (رد المحتار(۲) ج۳) و قیل ان تغنی وحدہ لنفسه لدفع الوحشة لا باس به و به اخذ السرخسی وذکر شیخ الاسلام ان کل ذلک مکروہ عند علماء نا (رد المحتار ج ۳) قال فی الملتقط الغلام اذا بلغ مبلغ الرجال ولم یکن صبیحا فحکمه حکم الرجال وان کان صبیحا فحکمه حکم النساء الخ (رد المحتار ص ۲۹۸ ج ۱) ۔

کبوتر بازی حرام ہے۔

(سوال) ایک امام صاحب نے اپنے وعظ میں کبوتر بازی کے بارے میں بہت سخت سست کہا اور زید کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہا کہ وہ مسجد کے نزدیک کبوتر بازی کرتا ہے اس کو توبہ کرنی چاہئیے اور اس فعل قبیح کی وجہ سے پہلی قومیں غارت کی گئی ہیں اور دیکھو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما کان صلاتھم عند البیت الامکاء و تصدیه فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون (ترجمہ) اور ان کی نماز نہ تھی اللہ کے گھر کے قریب مگر صرف سیٹیاں بجانی اور تالیاں پیٹنی ہو ہم ان کو اس کفر کا عذاب دیں گے۔ سوائے مسلمانو! کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے کہ جس قوم پر اللہ کا غضب ہوا ہے وہ یہی فعل کرتی تھیں۔ کیا تم کبوتر بازی میں تالیاں نہیں پیٹتے سیٹیاں نہیں بجاتے ؟اے کبوتر بازو! یہ جو تم کلیجے پھاڑ پھاڑ کر چیختے ہو تمہاری اس آواز کو اللہ پاک کیا فرمارہا ہے خدا کے لئے تم اپنے اس فعل سے باز آجاؤ ورنہ خدا کا عذاب تیار ہے خدا کی قسم پہلی قومیں اسی فعل سے عذاب میں ڈالی گئی ہیں۔

کبوتر بازوں نے کہا کہ امام نے یہ جھوٹ بولا ہے کہ کبوتر بازی سے پہلی قوموں پر عذاب آیا ہے سو کبوتر بازوں نے اس امام کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی ہے اور فساد کرنے پر آمادہ ہیں لہذا جو کچھ قرآن و حدیث کا حکم ہے اس سے ہم کو آگاہ کیا جائے۔المستفتی نمبر ۱۸۰ محمد نذیر مؤذن (بازار لال کنواں دہلی)۱۱ شوال ۱۳۵۲ھ م ۲۷ جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب)(از نائب مفتی صاحب) کبوتروں کا اڑانا اور کھیلنا ایسا ناجائز ہے کہ جس کی وجہ سے کبوتر باز کی گواہی مقبول نہیں ہوتی اور مسجد کے قریب نماز کے وقت اڑانا بہت ہی سخت گناہ ہے نمازیوں کو چاہئیے کہ کبوتر بازوں

---

(۱) (رد المحتار مع الدر ۳۴۸/٦) (۲) (حوالہ بالا)

کو منع کردیں کہ مسجد کے قریب ہرگز کبوتر نہ اڑائیں۔ فقط واللہ اعلم۔ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(جواب ۲٤٦) (از مفتی اعظمؒ) کبوتر بازی جس طرح کہ آج کل کی جاتی ہے یہ سخت ناجائز اور حرام ہے کہ اس میں کتنی ہی باتیں شریعت کے خلاف ہیں(۱) اول کوٹھوں پر چڑھنا اور پڑوس کی بے پردگی کی پروانہ کرنا دوسرے تالیاں بجانا سیٹیاں بجانا اور شور مچانا کہ یہ سب باتیں لہو و لعب کی غرض سے کرنا سخت گناہ ہے تیسرے دوسروں کے کبوتر پکڑ لینا اور پھر ان کو واپس نہ کرنا بلکہ بیچ کر اپنے کام میں لانا یہ بھی حرام ہے چوتھے اپنے شور و شغب سے جماعت اور نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالنا اور ان کے خیالات کو پریشان کرنا یہ بھی سخت معصیت اور گناہ ہے اور ان سب باتوں کا مجموعہ خدا کا عذاب نازل کرنے کے لئے سبب بن سکتا ہے دنیا میں نہ آئے تو آخرت میں مواخذہ ہونا شرعی قاعدہ سے ثابت ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) گراموفون میں قرآنی آیت اور اشعار سننا جائز نہیں
(۲) گراموفون میں قرآنی آیات بھرنا قرآن کی توہین ہے۔

(سوال) (۱) "وردولی" کے نام سے لیلی مجنوں کے عشق کے متعلق گراموفون کے ریکارڈوں میں کچھ ایسے ریکارڈ تیار کئے گئے ہیں جن میں مندرجہ ذیل اشعار گائے گئے ہیں ان اشعار سے تمام انبیائے کرام کی شان میں عموماً حضور اکرم ﷺ کی شان میں خصوصاً گستاخی ہے یا نہیں ؟

قبر میں مجنوں سے جب پوچھا گیا
یار قل من ربک ما دینک
سنتے ہی گویا لگا اک دل پہ تیر
بولا کچھ آکر کہ اے منکر نکیر
پاس میرے آپ جو تشریف لائے
میری لیلی کو کہاں پر چھوڑ آئے
آراستہ جب ہوگا والا عرصہ محشر
لائیں گے جو تشریف وہاں سارے پیمبر
عشاق سے فرمائے گا یوں خالق اکبر
دنیا میں جو کس کے لئے رہتے تھے مضطر
میں عرض کروں گا مرے مالک مرے داور
میں نے دنیا میں بہت کی جستجو

---

(۱) ولا شهادة من يلعب بالحمام يطيرهن (هندية ۳/٤٦۳)

کوئی لیلیٰ سا نہ پایا ماہ رو
پھر فرشتوں نے شبیہ مصطفےٰ
سامنے لاکر کے مجنوں سے کہا
دیکھ ان کو غور سے اے نیک ذات
واسطے ان کے بنی کل کائنات
بولا مجنوں اور کچھ سمجھا نہ میں
ہاں مگر آنکھیں تو لیلیٰ کی سی ہیں

(۲) گراموفون کے ریکارڈوں میں قرآن پاک کی آیتوں اور سورتوں کو بھرنا اور قرأت کرنے والوں کا قرأت کر کے اس کی فیس لینا اور ان ریکارڈوں کا سننا رکھنا خریدنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) کسی واقعہ کو خواہ وہ فرضی ہو یا کچھ اصلیت ہو ڈرامہ بنانا اور سینماؤں اور تھیٹروں میں تماشا کرنا یا گراموفون کے ریکارڈوں میں بھرنا پھر اس قسم کے ڈراموں کا نام "شان اسلام" یا نور وحدت یا اور اسی قسم کے مقدس الفاظ میں ان کا نام رکھنا جن سے مذہبیت کا اظہار ہوتا ہو جائز ہے یا نہیں ؟

(۴) گراموفون کی حیثیت ان باجوں کی ہے یا نہیں جن کا شمار آلات غنا و سرور میں ہے ؟
المستفتی نمبر ۲۸۲ محمد احسان الحق (بہرائچ) ۲۸ محرم ۱۳۵۳ھ م ۱۳ مئی ۱۹۳۴ء (شائع شدہ اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۳ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۴۷) گراموفون میں قرآن مجید کی آیات اور سورتوں کو بھرنا نا جائز ہے کہ اس میں اللہ کی مقدس کتاب کی توہین ہے اور قاری کو اس غرض سے قرأت کر کے اس کی اجرت لینا حرام ہے ان ریکارڈوں کو خریدنا اور استعمال کرنا بھی جائز نہیں گو بظاہر یہ قرآن پاک کی قرأت کو سننا سنانا ہے لیکن یہ طریقہ استماع قرآن کے احترام کے منافی ہے اور چونکہ عام طور پر گراموفون کا استعمال لہو و لعب اور تفریح کے لئے کیا جاتا ہے اور اس کی مجالس غنا عام تماشائیوں اور ہر قسم کے بے باک آدمیوں کی مجالس ہوتی ہیں اس لئے اس باجے کا حکم بھی عام آلات غنا کا حکم ہے اس بنا پر واقعہ مذکورہ جو ایک فرضی ڈرامہ کی صورت میں ترتیب دیا گیا ہے توہین مذہب اور توہین انبیاء کا ایک مرقع ہے، اگر واقعی ہوتا تو مجنوں کے جنون کے ماتحت قابل درگزر ہوتا لیکن اب تو بنانے والے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ وہ مجنوں کے عشق کی آڑ لے کر منکر نکیر 'سوال قبر حضرت حق کے محاسبہ محشر وغیرہ معتقدات اسلامی کا مذاق اڑائے اس لئے مسلمانوں کو ایسے ریکارڈوں کے خلاف قوی احتجاج کرنا چاہیئے۔ محمد کفایت اللہ

(۱) وفي السراج و دلت المسألة ان الملاهي كلها حرام (الدر المختار مع الرد ۶/۳۴۸) قلت و يظهر من هذا ما كان دليل الاستخفاف يكفر به (رد المحتار مع الدر ۶/۲۲۲) والا سعيها سعي من الشرائع كفر (الدر المختار مع الرد ۵/۴۷۴)

ڈھول باجے کے ساتھ قوالی سننا جائز ہے۔

(سوال) جولوگ قوالی گویوں سے مع باجہ ڈھولک وغیرہ سنتے ہیں اور اس کام کے لئے چندہ بھی مانگتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۵۴۴ حاجی عبدالغفور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۴۸) ڈھول باجے کے ساتھ قوالی جیسی کہ مروج ہے ناجائز ہے اس میں شریک ہونا اور چندہ دینا اور کسی قسم کی امداد دینا سب ناجائز ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

گراموفون میں قرآنی آیات سننا قرآن کی توہین ہے۔

(سوال) گراموفون باجے میں جو ریکارڈ بھرے جاتے ہیں جس میں قرآن شریف کی آیات اور نعتیہ کلام اور عاشقانہ غزلیں ہوتی ہیں ان کا سننا سنانا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۵۸۲ حافظ مظفر الدین (میرٹھ) ۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۹ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۴۹) (از حضرت مفتی اعظمؒ) گراموفون میں قرآن مجید کی آیات اور سورتوں کا بھرنا ناجائز ہے کہ اس میں کتاب مقدس کی توہین ہے اور قاری کو اس غرض سے قرأت کر کے اس کی اجرت لینا حرام ہے ان ریکارڈوں کو خریدنا اور استعمال کرنا بھی جائز نہیں گو بظاہر یہ قرآن پاک کی قرأت کو سننا سنانا ہے لیکن یہ طریقہ "استماع" قرآن کے احترام کے منافی ہے اور چونکہ عام طور پر گراموفون کا استعمال لہو ولعب اور تفریح کے لئے کیا جاتا ہے اور اس کی مجالس غنا عام تماشائیوں اور ہر قسم کے بے باک آدمیوں کی مجالس ہوتی ہیں اس لئے اس باجے کا حکم بھی عام آلات غنا کا حکم ہے (۲) مسلمانوں کو ایسے ریکارڈوں کے خلاف قوی احتجاج کرنا چاہئیے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب)(از نائب مفتی صاحب) گراموفون کا سننا سنانا لہو ولعب میں داخل ہے اور لہو ولعب کو فقہا مطلقاً حرام لکھتے ہیں ان الملاهي كلها حرام (شامی) نیز مستورات اور بچوں کے اخلاق پر بھی شرعی حیثیت سے اس کا برا اثر پڑتا ہے اس لئے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم بندہ محمد یوسف عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی' الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ' المجیب مصیب نور الدین بہاری عفی عنہ' الجواب صحیح محمد عظمت اللہ کان اللہ لہ' الجواب صواب احقر محمد اسحٰق عفی عنہ بقلم خود میرٹھی ثم الدھلوی

تھیٹر اور سینما دیکھنا کسی حال میں بھی جائز نہیں

(سوال) تھیٹر یا سینما ہر حالت میں دیکھنا جب کہ اس سے خود کو نصیحت حاصل ہو اور وہ کھیل نصیحت آمیز ہو اس کی نصیحت کا اثر قلب پر پڑنے سے وہ شخص راہ راست پر آجائے جائز ہے یا ناجائز؟ اور کس حالت میں

---

(۱) وما يفعله متصرفة زماننا حرام لا يجوز القصد والجلوس اليه ومن قبلهم لم يفعل كذلك والحاصل انه لا رخصة في السماع في زماننا لا ن الجنيد تاب عن السماع في زمانه (رد المحتار مع الدر ۳۴۹/۶)

(۲) وفي السراج : و دلت المسالة ان الملاهي كلها حرام الخ (الدر المختار مع الرد ۳۴۸/۶)

جائز ہے ؟المستفتی نمبر ٦١٩ خدا بخش (ضلع جالون) ١٩ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ١٨ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ٢٥٠) ممکن ہے کہ تھیٹر کے بعض قصے اور ڈرامے مفید ہوں اور ان سے کسی کو عبرت اور فائدہ حاصل ہو جائے لیکن عام طور پر تھیٹروں اور تماشوں کے اندر منکرات اور نقصانات زیادہ ہیں اخلاقی حالت زیادہ تر خراب ہو جاتی ہے اور نامعلوم اور غیر محسوس طریق پر انسان کے مکارم نسبی اور مآثر خاندانی اور فضائل مذہبی اور محاسن معاشرتی زائل اور مضمحل ہو جاتے ہیں بعض حالات میں بعض فوائد کا ترتب تسلیم کرتے ہوئے بھی بموجب اصول واثمهما اكبر من نفعهما کے اس کے عدم جواز کا حکم دیا جائے گا (١) اور مفاسد کبیرہ اکثریہ غالبہ کی بنا پر بعض حالات میں بعض معمولی فوائد کے حصول کو نظر انداز کرنا لازم ہو گا اور توفیق حق وہدایت شامل حال ہو تو اجتناب میں کوئی دشواری اور کوئی مضرت نہیں۔ محمد کفایت اللہ

قماربازی کے لئے کسی کو گھوڑا دینا جائز نہیں.

(سوال) آج کل ایک کھیل ریس کا نکلا ہے اس میں گھوڑوں پر بازی لگائی جاتی ہے گھوڑے کسی دوسرے شخص کے ہوتے ہیں اور بازی لگانے والے دیگر اشخاص ہوتے ہیں اس پر انعام مقرر ہوتا ہے اور بازی لگانے والا شخص پہلے پانچ دس روپے کا ٹکٹ خریدتا ہے اگر اس کا گھوڑا آگے نکل گیا تو اس کو کئی ہزار روپے کی رقم ملتی ہے اور یہ کھیل سرکاری طور سے کھلایا جاتا ہے اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کھیل کے لئے اپنے گھوڑے رکھے اور اپنے ہی سوار تو وہ شخص آیا گنہگار ہو گا ؟ اور یہ گھوڑے والا شخص بازی نہیں لگاتا صرف اپنے گھوڑے اور سوار اس کام کے لئے دیتا ہے اس کو بھی سرکار انعام دیتی ہے بعض لوگ اس کھیل کو قمار کہتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ مسابقت خیل ہے حضرت رسول اللہ ﷺ بھی مسابقت خیل پر انعام وغیرہ دیا کرتے تھے گھوڑے والے شخص پر کوئی مواخذہ نہیں ہے جو لوگ بازی کھیلتے ہیں وہ گناہ گار ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے ولی مسمی کو کرایہ پر مکان دیدے پھر کرایہ دار شخص چاہے اس میں خدا کی عبادت کرے یا اور کوئی کام کرے مکاندار گناہ گار نہیں ہے المستفتی نمبر ٦٥٠ ابو محمد عبد الجبار (رنگون) ٢٣ رجب ۱۳۵۴ھ م ٢٢ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ٢٥١) ہاں گھوڑے کا مالک جو خود بازی نہیں لگاتا وہ قماربازی کا گناہ گار نہیں ہے مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ریس محض قماربازی کے لئے کرائی جاتی ہے اور وہ بھی اس کے اندر ایک قسم کی شرکت کرتا ہے پس بحیثیت ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (٢) وہ اس فعل میں شرکت کی وجہ سے کراہت کا مرتکب ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(١) (حوالہ گزشتہ رد المحتار مع الدر المختار ٣٤٨/٦)

(٢) (سورۃ المائدۃ : ٢)

بینڈ باجہ ہار مونیم وغیرہ باجے ہی کے حکم میں ہیں.

(سوال) بینڈ یا مشک کا باجہ یا دیگر ترقی یافتہ باجہ بجانے والے منہ لگا کر جو باجہ بجاتے ہیں تو اندر ہی اندر کچھ راگ بھی گاتے ہیں اس قسم کا گانا جو باجے کے اندر گایا جاتا ہے گانا تصور ہوگا یا محض ناچ گانا جیسا کہ طوائف وغیرہ ناچ گانا کرتے ہیں یہ ناچ گانا تصور ہوگا بعض باجے مثلاً ہار مونیم' ستار سارنگی وغیرہ انگلیوں سے بجاتے ہیں اس میں بھی کچھ گانا بجانے والے اشارات انگلیوں سے بجاتے ہیں گو ایسے گانے کو عوام بغیر منہ سے گائے نہیں سمجھ سکتے ممکن ہے ماہر موسیقی سمجھتے ہوں ایسے گانے جو باجے کے اندر ہی اندر گائے جاتے ہیں ناچ گانے کے حکم میں سمجھے جائیں گے یا نہیں اور خوش الحانی گلو سے مرد بغیر باجہ یا جو باجے کے ساتھ نعت مناجات قوالی وغیرہ گائے تو جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۷۸۷ حاجی علیم الدین (نارنول) ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ ۲۹ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۵۲) باجے کے اندر جو گانا گایا جاتا ہے وہ دو قسم کا ہے ایک تو گراموفون کے ریکارڈوں کا گانا ہے یا ریڈیو کا یہ تو گانے کا حکم رکھتے ہیں اگرچہ اصل گانے سے ان کی حقیقت مختلف ہے مگر حکم ایک ہے دوسرے وہ گانے جو کسی آواز کے حامل اور ناقل نہیں ہیں بلکہ باجے کی آواز سے الفاظ پیدا کئے جاتے ہیں وہ عام طور پر سمجھے نہیں جاتے موسیقی سے مناسبت رکھنے والے لوگ ہی انہیں سمجھ سکتے ہیں وہ گانے کا حکم نہیں رکھتے بلکہ باجے کا حکم رکھتے ہیں۔ (۱) ہار مونیم ستار سارنگی اس دوسری قسم میں داخل ہیں بڑی عمر کے مرد اگر خوش الحانی سے بغیر رعایت قواعد موسیقی کے جائز و صحیح مضمون کے اشعار پڑھ لیں اور مجلس بھی مجلس لہو لعب نہ ہو سننے والے بھی اہل دل ہوں تو یہ مباح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

گراموفون باجہ ہی ہے' اس میں قرآن بھرنا جائز نہیں.

(سوال) مونوگراف جو مشہور عام باجہ ہے جس میں ریکارڈ بجائے جاتے ہیں اسکا بجانا اور سننا جائز ہے یا نہیں؟ ریکارڈوں میں نعتیہ نظمیں اور کلام ربانی کے رکوع جو بجائے اور سنائے جاتے ہیں ان کا سننا کہاں تک جائز ہے المستفتی نمبر ۷۹۱ سلامت احمد (علی گڈھ) ۸ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۳ مارچ ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۵۳) گراموفون باجا ہی ہے اور اس کو بطور لہو ولعب کے ہی استعمال کیا جاتا ہے اور اس میں قرآن مجید کا بھرنا اور سننا ناجائز ہے (۲) بھرنا اس لئے ناجائز ہے کہ ریکارڈ جس پر قرآن مجید بھرا جائے اس پر کوئی کنٹرول نہیں ہو سکتا کہ وہ کہاں اور کس کے قبضے میں جائے گا اور مشین کے بگڑ جانے سے آواز اور قرأت کے بگڑنے کا ہر وقت خطرہ ہے اور بسا اوقات وہ مضحکہ خیز حد تک پہنچ جاتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) (حوالہ گزشتہ رد المحتار مع الدر ۳۴۸/۶)
(۲) (حوالہ گزشتہ الدر المختار مع الرد ۳۴۸/۶)

جس شادی میں منکرات ہوں اس میں شرکت نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

(سوال) جس شادی میں باجاوغیرہ بجتا ہے اس میں شریک ہونا اور کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۸۳۱ مولوی محمد انور (ضلع جالندھر) ۱۳ محرم ۱۳۵۵ھ م ۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۵۴) ایسی شادی میں شریک ہونا نہیں چاہئے جس میں باجا اور ناجائز چیزیں ہوں (۱) محمد کفایت اللہ

گانا بجانا حرام ہے۔

(سوال) گانا بجانا حرام ہے یا حلال اگر حرام ہے تو کیا قطعی حرام ہے؟ اور کسی علمائے دین و بزرگان دین نے جو اس فعل کو کیا تو کیا ان کے کرنے کی وجہ سے جواز کا ثبوت ہو سکتا ہے؟ اور بعض حدیثوں سے جو ثبوت ملتا ہے جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان چند لڑکیوں کو منع کیا جو عید کے دن گا رہی تھیں اور بجا رہی تھیں جس پر حضرتؐ نے فرمایا کہ چھوڑ دو اور اسی طرح سے اور حدیثیں ہیں۔ مثلاً ایک ضعیفہ نے باجا بجانے کی منت مانی تھی کہ حضور جب فتح مند ہوں گے تو دف بجاؤں گی جس پر حکم ہوا کہ اوفی نذرك تو کیا ان حدیثوں سے جواز کا ثبوت ہو سکتا ہے؟ المستفتی نمبر ۱۰۰۷ عبدالستار (گیا) ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۵۵) گانا اور باجہ بجانا ناجائز اور حرام ہے (۲) البتہ نکاح کے موقع پر یا عید کے روز دف بجانا مباح ہے اور جنگ کے لئے نقارہ یا افطار و سحری کے لئے نقارہ بجانا جائز ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سینما دیکھنا ناجائز اور حرام ہے

(سوال) سینما دیکھنا گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ اور اس کے تماشوں میں دلچسپی لینے والا اور اس کی وجہ سے احکام ربانیہ میں تساہل کرنے والا گناہ کے ایسے درجہ میں تو نہیں پہنچ جاتا جس سے اس کا نکاح تک باطل و فاسد ہو جائے۔ المستفتی نمبر ۱۱۹۹ مستری محمد شمس الدین صاحب کریم گنج (گیا) ۶ رجب ۱۳۵۵ھ م ۲۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۵۶) سینما میں بہت سی باتیں غیر مشروع شامل ہوتی ہیں مثلاً گانا بجانا غیر محرم صورتیں رقص عریاں مناظر اور ان باتوں کے علاوہ اس کی مجموعی کیفیت کہ لہو ولعب اور تہیج جذبات شہوانیہ اس کا ادنیٰ نتیجہ ہے ان وجوہ سے سینما دیکھنا ناجائز ہے (۴) بعض صورتوں میں حرام اور بعض صورتوں میں مکروہ ہے دیکھنے والے کا نکاح تو اس صورت میں باطل ہوگا جب کہ کفر تک نوبت پہنچ جائے اور یہ بات شاذ و نادر ہے۔ محمد کفایت اللہ

---

(۱) ومن دعی الی ولیمة فوجد ثمه لعباً او غنا فلا باس ان یقعد و یاکل فان قدر علی المنع یمنعهم وان لم یقدر یصبر هذا اذا لم یکن مقتدی به اما اذا کان ولم یقدر علی منعهم فانه یخرج ولا یقعد ولو کان ذالك علی المائدة لا ینبغی ان یقعد وان لم یکن مقتدی به وهذا کله بعد الحضور واما اذا علم قبل الحضور فلایحضر (هندية الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات ۳۴۳/۵)

(۲) (حواله گزشته رد المحتار مع الدر ۳۴۸/۶)

(۳) ولا باس بضرب الدف یوم العید ... الخ (هندية کتاب الکراهية ۳۵۲/۵) ولا باس ان یکون لیلة العرس دف یضرب به لیعلن به النکاح وفی الولوالجیة وان کان للغمز والقافلة یجوز (رد المحتار مع الدر ۵۵/۶)

(۴) (حواله گزشته بالا ... /۳۴۸)

جہاں باجہ بجتا ہو وہاں قرآن پڑھنا جائز نہیں

(سوال) جہاں پر باجہ بجایا جائے وہاں ختم جائز ہے یا نہیں فونوگراف سننا یا کوئی آیت فونوگراف میں پڑھی جائے غزل وغیرہ علمائے ربانی اس کو جائز فرماتے ہیں اگر عالم سنے اور جائز کرے تو کیا حکم ہے ؟

المستفتی نمبر ۱۴۲۹ حکیم تجمل حسین صاحب ضلع گوجرانوالہ ۲۸ صفر ۱۳۵۶ھ م ۱۰ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۵۷) باجے کی جگہ قرآن مجید پڑھنا بھی درست نہیں فونوگراف میں کوئی جائز غزل ہو عورت کی آواز نہ ہو تو اس کا سن لینا مباح ہے۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) سماع اور غنا میں فرق

(۲) مزاروں پر جو گانا اور ساز ہوتا ہے یہ ناجائز اور حرام ہے!

(سوال) (۱) سماع اور گانے میں کیا فرق ہے اور کون سا جائز ہے ؟ اگر جائز نہیں تو کس لئے (۲) اکثر چلّوں اور اولیاء اللہ کے مزاروں پر گانا ہوتا ہے اور پیروں کے گھروں میں پورے سازوں کے ساتھ گانا کرایا جاتا ہے کیا یہ جائز ہے اگر ہے تو کس لئے ؟ المستفتی نمبر ۱۴۴۹ محمد فضل اللہ خان صاحب (بنگلور کینٹ) ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۳ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۵۸) (۱) سماع کے معنی سننے کے ہیں عرف میں اس سے مراد گانا سننا ہوتا ہے اور غنا کے معنی گانے کے ہیں پس سماع گانا سننے کو اور غنا گانے کو کہتے ہیں (۲) مزاروں پر اور مشائخ کے گھروں پر جو گانا سازوں کے ساتھ ہوتا ہے یہ ناجائز ہے آلات غنا کی حرمت میں علماء محققین کے اندر اختلاف نہیں ہاں بلا مزامیر بعض علماء مباح قرار دیتے ہیں مگر اباحت کی بہت سے شرائط ہیں جو عام طور پر مجالس غنا میں پائے نہیں جاتے اس لئے عموماً مجالس غنا و محافل سماع ناجائز ہوتی ہیں۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سینما دیکھنا جائز نہیں

(سوال) سینما فلم آج کل معلومات بہم پہنچانے کا ایک بہترین ذریعہ ہے اس کے ذریعہ آسانی سے تاریخی واقعات دیکھنے میں آتے ہیں جغرافیائی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے دور دراز ممالک کی سیر جن تک ہم پہنچ بھی نہیں سکتے کر سکتے ہیں تو کیا ہم اس کو بحیثیت مسلمان ہونے کے دیکھ سکتے ہیں ہماری مراد فحش سینما اور بے تکے واخلاق سوز قصوں سے نہیں ہے۔ المستفتی نمبر ۱۴۴۹ محمد فضل اللہ خاں صاحب (بنگلور کینٹ)

(جواب ۲۵۹) سینما اگر اخلاق سوز اور بے حیائی کے مناظر سے خالی ہو اور اس کے ساتھ گانا باجا اور ناجائز

---

(۱) قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر لا ستخفافه وادب القرآن ان لا يقرأ في مثل هذه المجالس والمجلس الذي اجتمعوا فيه للغناء والرقص لا يقرأ فيه القرآن كما لا يقرأ في البيع والكنائس لانه مجمع الشيطان (فتاوى بزازية على هامش هندية ٦ :٣٣٨)

(۲) وما يفعله متصوفة زماننا حرام لا يجوز القصد والجلوس اليه ومن قبلهم لم يفعل كذالك والحاصل انه لا رخصة في زماننا (رد المحتار مع الدر ٦/ ٣٤٩)

امر نہ ہو تو فی حد ذاتہ مباح ہو گا لیکن ہمارے علم میں کوئی فلم کسی نہ کسی ناجائز امر سے خالی نہیں ہوتی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

معاہدہ کی پاسداری ضروری ہے

(سوال) زید ایک سر کردہ قوم ہے اور وہ سب برادروں کے روبرو سب سے عہد لیتا ہے کہ شادی کے موقعہ پر سب خرافات کو منہدم کر دو اور خود بھی سب کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے اقرار کرتا ہے کہ میں اس ناجائز کام کو ایسے موقع پر نہیں کروں گا یا بعد بھی۔ بعض علماء سے فتویٰ طلب کرتا ہے کہ اگر شادی کے موقع پر ڈھول بجالیا جائے تو کوئی گناہ لازم آتا ہے یا نہیں مفتیان بلاد نے فرمایا کہ کیا اور گناہ بھی کرتے ہو کہ نہیں بعد ہی اس نے اپنی شادی پر ڈھول بجایا باوجودیکہ پہلے اقرار کر چکا ہے کہ میں بھی بدعات سے دور رہوں گا آیا ایسے شخص پر کوئی شرعی جرم عائد ہوتا ہے یا نہیں اور اس نے دعا خیر بھی کرلی تھی۔ المستفتی نمبر ۱۵۱۹ سراج الدین متعلم مدرسہ نعمانیہ (ملتان) ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۲ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۶۰) اگر معاہدہ میں ڈھول نہ بجانے کا صراحۃً ذکر کیا تھا کہ ڈھول نہیں بجاؤں گا تو بیشک ڈھول بجانے سے معاہدہ کی خلاف ورزی ہوئی اور وہ گناہ گار ہوا اور اگر صراحۃً ڈھول نہ بجانے کا ذکر نہیں تھا اور پھر ڈھول اس طور پر بجایا کہ اس کو ناجائز نہیں سمجھا تو معاہدہ شکنی کا الزام عائد نہ ہو گا مثلاً اعلان کے لئے نکاح میں دف بجانے کا ثبوت ہے اور اس نے دف نہ ہونے کی صورت میں ڈھول کو دف کے قائم مقام سمجھ کر بجالیا تو اس کی گنجائش تھی اس صورت میں معاہدہ شکنی کا الزام نہ ہو گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

فریقین میں سے صرف ایک فریق کو انعام دے سکتے ہیں۔

(سوال) فٹ بال کھیلنے والے دو فریقوں میں سے فقط فتح پانے والی جماعت کو بطور انعام کے کوئی چیز کوئی شخص دے تو ایسی صورت میں یہ کھیل کیا شرعاً ممنوع ہے۔ المستفتی نمبر ۱۵۲۲ خواجہ عبدالمجید شاہ صاحب (بنگال) ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ ۲۲ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۶۱) صرف ایک فریق کو انعام دینا جائز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

گانا بجانے سے گھر میں خیر و برکت اٹھ جاتی ہے۔

(سوال) سنا گیا ہے کہ جس گھر میں کثرت سے گانا بجانا بذریعہ انسان اور بذریعہ گراموفون باجہ اور ریڈیو ہو اس گھر کی خیر و برکت جاتی رہتی ہے۔ المستفتی نمبر ۱۵۴۶ محمد یوسف بارہ دری (دہلی) ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۸ جون ۱۹۳۷ء

---

(۱) وفي السراج ودلت المسألة ان الملاهي كلها حرام (الدر المختار : ۶/۳۴۸)
(۲) وانما يجوز ذالك اذا كان البدل معلوما في جانب واحد (هندية : ۵/۳۲۴)

(جواب ۲۶۲) ہاں یہ صحیح ہے کہ گانا بجانا اور خصوصاً ایسے گانے جو شریعت اور اخلاق شریفہ کے خلاف ہوں خیر وبرکت کو زائل کر دیتے ہیں۔ فی رد المحتار قال ابن مسعود رواہ فی السنن مرفوعاً الی النبی ﷺ بلفظ ان الغناء ینبت النفاق فی القلب یعنی گانا دلوں میں نفاق پیدا کرتا ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) جلوس میں ڈھول باجے وغیرہ جائز نہیں
(۲) رنڈیوں کا ناچ کرانا اور ایسی مجلس میں شرکت حرام ہے۔
(۳) جو امام رنڈیوں کا ناچ دیکھے وہ فاسق ہے اور اس کی امامت مکروہ ہے۔

(سوال) (۱) برات کا وہ جلوس جس میں ڈھول دماکے کے علاوہ ہندوؤں کی طرح جھنڈیاں پر لکھے ہوں شریک ہونا کیسا ہے (۲) جس شادی بیاہ میں ایک مسلمان ڈھول دماکے کے علاوہ رنڈیوں کا ناچ بھی کرائے اس شادی میں شریک ہو کر کھانا شرعاً کیسا ہے (۳) ایک حافظ جس کو ہمہ دانی کا بھی دعویٰ ہے لیکن مذکورہ بالا قسم کی شادیوں میں شریک ہوتا ہے اس کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے (۴) ایک شخص جو مسلمانوں کا امام ہے پنجگانہ نماز کے علاوہ جمعہ و عیدین بھی پڑھاتا ہے اور مذکورہ بالا قسم کی برائیوں میں بے باکانہ شریک ہوتا ہے رنڈیوں کا ناچ دیکھتا ہے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنی شرعاً کیسا ہے (۵) ایک معلم جو مذکورہ بالا صفات رکھتا ہے ایسے معلم سے مسلمانوں کو تعلیم دلوانا اخلاقاً و شرعاً کیسا ہے (۶) کیا ایک معلم کے لئے محض دس بارہ روپے ماہوار نوکری کے دباؤ میں آکر مذکورہ بالا قسم کی رنگ رلیوں میں خود اور اپنے طلبہ کو شریک کرنے کی شرعاً گنجائش ہے (۷) کیا اسلامی مدارس کا کوئی ناظم مذکورہ بالا جلوس میں شرکت کے لئے طلبہ اور اساتذہ کو مجبور کر سکتا ہے اگر کرے تو شرعاً اس کا یہ فعل کیسا ہے (۸) مذکورہ بالا جلوس میں شریک نہ ہونے والے مسلمان کو برا بھلا کہنا اور کسی نہ کسی طرح پریشان کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۶۲۷ مولوی عبدالغنی صاحب ندوی (ضلع چمپارن) ۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۶۳) (۱) برات کے جلوس میں ڈھول باجے بجانا اور ہندوؤں کے مشابہ جلوس نکالنا ناجائز ہے اور ایسے جلوس کی شرکت بھی ناجائز ہے (۲) رنڈیوں کا ناچ کرانا بھی حرام اور اس میں شریک ہونا بھی حرام (۳) ہر مسلمان کے لئے ایسے جلوس اور مجمع کی شرکت ناجائز ہے اور مولوی اور حافظ کے لئے اور زیادہ برا ہے(۲) (۴) جو امام اتنا بے باک اور بد عمل ہو کہ رنڈیوں کا ناچ دیکھے اور ایسے مجامع میں شریک ہو وہ فاسق ہے اور اس کی امامت مکروہ ہے (۵) دیکھو نمبر ۳ (۶) محض ملازمت اور روپے کی خاطر خدا کی معصیت

---

(۱) (رد المحتار مع الدر ۶/۳۴۹)
(۲) قال ابن مسعود صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات، والبزازية استماع صوت الملاهي كضرب قضيب ونحوه حرام لقوله عليه الصلاة والسلام استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر (الدر المختار مع الرد ۶/۵۵)

کا ارتکاب جائز نہیں نہ معلم کو نہ طلبہ کو (۷) نمبر ۶ کا جواب اس کا بھی جواب ہے (۸) ایسے ناجائز جلوسوں اور جلسوں سے بچنے والے مسلمان پابند شریعت ہیں انکو پریشان کرنا اور تکلیف پہنچانا حرام اور گناہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سماع اور مزامیر کو حلال سمجھنے والا فاسق ہے

(سوال) جو شخص سماع مع المزامیر کو حلال و جائز سمجھتا ہو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔ المستفتی نمبر ۱۶۳۹ ابراہیم صاحب (جنوبی افریقہ) ۱۸ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ ۲۷ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۶۴) مزامیر سننا ناجائز اور حرام ہے اس کو حلال سمجھنے والا فاسق ہے۔(۱) استماع الملاهي معصية محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

باجہ' مونوگراف وغیرہ جو لہو و لعب کے لئے استعمال کئے جاتے ہوں حرام ہیں.

(سوال) باجہ بجانا یا سننا کیسا ہے اور کون سی قسم کا باجا سن سکتے ہیں اور کون سی قسم کا حرام اور منع ہے ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ مونوگراف باجہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہ تھا لہذا ہم اس کو حرام نہیں کہہ سکتے۔ المستفتی نمبر ۱۹۲۲ حاجی غلام احمد صاحب (مارواڑ) ۱۹ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۶۵) تمام باجے جو لہو و لعب کے طور پر استعمال کئے جائیں ناجائز اور حرام ہیں اور کسی صحیح غرض کے لئے دف اور طبل کا استعمال کیا جائے تو وہ جائز ہے مونوگراف بھی کسی قدر صحیح غرض کے لئے استعمال کیا جائے اور اس کے ریکارڈ میں کوئی ناجائز چیز نہ بھری گئی ہو تو جائز ہے مگر اکثری طور پر اس کا استعمال لہو و لعب کے طور پر ہی کیا جاتا ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ڈھول بجانا کب جائز ہے.

(سوال) مٹاری ضلع حیدر آباد میں عید میں رمضان کے دن جانے کا اتفاق ہوا وہاں عید کے دن صبح کو اس طریقے سے جلوس نکلتا ہے سب سے پہلے ڈھول باجہ وغیرہ بجایا جاتا ہے اس کے پیچھے مولود خواں مولود پڑھتے ہیں اس کے پیچھے ایک گھوڑے پر ایک مولوی صاحب کو سوار کر کے شہر کے گلی کوچہ اور بازاروں میں سے پھرتا پھراتا عید گاہ میں پہنچتا ہے عید کی نماز سے پہلے جناب پیر غلام مجدد صاحب سرہندی نے مجھے دو تجویزیں پیش کرنے کو فرمایا ایک فلسطین کے متعلق اور دوسری تجویز فتنہ مرزائی کے متعلق دونوں تجویزیں سنا کر بندہ نے کہا کہ اس شہر کے لوگوں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے حرام و حلال کی تمیز نہیں سب سے پہلے ڈھول

---

(۱) (الدر المختار مع الرد ۶/ ۳۴۹)
(۲) (حوالہ گزشتہ الدر المختار مع الرد ۶/ ۳۴۹-۶/ ۳۴۸)

اس کے بعد مولود خواں اس کے بعد مولوی گھوڑے پر سوار ہے حالانکہ ڈھول بجانا شرعاً ناجائز ہے اور کسی صورت میں بھی اس کا جانا جائز نہیں ہے جس کو خدا کے رسول نے حرام کیا ہو جلوس کے آگے آگے بجایا جائے اس پر ایک مولوی اس شعر کا اٹھا اول تو اس نے حضرت آدم علیہ السلام پر حملہ کیا ہے دوسرا یہ مطلب ہے کہ ہمارا دادا حضرت آدم علیہ السلام نہیں بلکہ اور کوئی ہے لہذا اپنے الفاظ واپس لے بعد اس کے کہنے لگے کہ ڈھول بجانا شرعاً جائز ہے احادیث سے ڈھول کے بجانے کا ثبوت ملتا ہے اور شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے ڈھول وغیرہ بجانے سے کفار پر رعب چھا جاتا ہے اور اس کے بجانے سے اسلام کی شان و شوکت بڑھتی ہے اور یہاں یہ بھی دستور ہے کہ کوئی غیر مسلم مسلمان ہوتا ہے تو اس کا بھی اسی طرح جلوس نکلتا ہے حتی کہ اس دن مسجد کے صحن اور مناروں پر چڑھ کر ڈھول وغیرہ بجایا جاتا ہے اور یہاں بغیر ڈھول باجہ شہنائی کے نکاح ہی نہیں کرتے کیونکہ مولویوں نے اس کا بجانا جائز کیا ہے اب سوال یہ ہے کہ ڈھول وغیرہ بجانا احادیث سے ثابت ہے ؟ کیا ڈھول بجانے سے کفار پر رعب چھا جاتا ہے اور اسلام کی شان و شوکت بڑھتی ہے اگر ناجائز ہے تو ایسے فتوے دینے والے پر شرعاً کیا حکم ہے بعض اخباروں اور رسالوں میں دیکھا گیا ہے کہ قادیانیوں یا بریلویوں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے یہ گالی ہے یا نہیں اور ہے ایک اور مولوی نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ چند صحابہ کے ساتھ جا رہے تھے تو ڈھول بجنے کی آواز سنی حضرت عمر نے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال دیں تھوڑی دور آگے چل کر صحابہؓ سے پوچھا کہ اب بھی آواز آتی ہے انہوں نے جواب دیا کہ نہیں اس سے معلوم ہوا کہ ڈھول باجہ اگر ناجائز ہوتا تو حضرت عمرؓ ان صحابہؓ کو بھی کہتے کہ تم بھی کانوں میں انگلیاں ڈال دو مگر اور صحابہ برابر ڈھول بجنے کی آواز سنتے رہے اس لئے ڈھول بجانا جائز ہے اور حضرت عمرؓ نے صحابہ کو منع نہیں کیا اور احادیث میں آیا ہے کہ خود حضور اکرم ﷺ کے سامنے بھی ڈھول باجا بجایا جاتا تھا مگر آپ نے کبھی ان کو منع نہیں کیا اور افغانستان جہاں اسلامی حکومت ہے وہاں شادی اور خوشی کے موقع پر جب ڈھول بجایا جاتا ہے تو مولوی اور عالم ڈھول پر ناچتے ہیں اور جب نماز کا وقت آتا ہے تو پھر مسجد میں چلے جاتے ہیں اگر یہ فعل ناجائز اور حرام ہوتا تو وہ مولوی ایسا ناجائز فعل ہرگز نہ کرتے۔ **المستفتی نمبر ۲۱۱۱** جناب احمد صدیق صاحب (کراچی) ۹ شوال **۱۳۵۶**ھ م ۱۳ دسمبر **۱۹۳۰**ء

(جواب ۲۶۶) نکاح کے موقعہ پر دف بجانے کی اجازت ہے یا غزوہ میں یا سحری وافطار کے وقت کے اعلان کے لئے طبل کی اجازت ہے (۱) اگر دف نہ ہو تو ڈھول اس کی جگہ استعمال کر لینے کی گنجائش ہے لیکن عید کے لئے جلوس کی شکل بنا کر لے جانا سلف صالحین کے طرز عمل کے خلاف ہے اسی طرح غیر مسلم کے مسلمان ہونے پر اس طرح جلوس نکالنا بھی درست نہیں۔ **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی**

---

(۱) ولا باس ان یکون لیلۃ العرس دف یضرب بہ لیعلن بہ النکاح وفی الوالوالجیہ وان کان للغزو والقافلۃ یجوز (رد المحتار مع الدر ۶/۵۰۵)

گانا باجہ ڈھول وغیرہ ہر وقت ناجائز ہے

(سوال) آلات لہو ولعب ریڈیو باجے وغیرہ سننا وبجانا مطلقاً حرام ہے یا گھر میں بیوی بچوں اور اپنی طبیعت بہلانے کے خیال سے لگانا یا ہوٹل اور دوکان میں کثرت گاہک کے لئے لگانا و بجانا جب کہ گرد و پیش کے ہوٹلوں اور دوکانوں میں آلات مذکورہ ہونے کی وجہ سے لوگ بکثرت ہوٹل میں آئیں جائیں اور ہمارے یہاں نہ ہونے کی وجہ سے لوگ کم ہونے سے تجارت پر بد اثر پڑتا ہو جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۳۰۲ جناب حاجی سلیمان کریم صاحب (ممبئی) ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۹ جون ۱۹۳۸ء

(جواب) (از نائب مفتی) آلات لہو و لعب کا بجانا مطلقاً ناجائز ہے اور ناجائز چیز کے ذریعہ کسی طرح کا مفاد دنیاوی حاصل کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔(۱) فقط اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ

(جواب ۲۶۷) (از مفتی اعظم) آلات لہو و لعب کا استعمال تجارتی فروغ کے لئے مباح نہیں ہو سکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دف بجانے کی منت والی حدیث شریف کی صحیح تشریح

(سوال) ایک مولوی صاحب نے ایک دن کہا کہ آنحضرت ﷺ نے بھی ناچ دیکھا ہے کہنے لگے ایک عورت آنحضرت ﷺ کے حضور میں آئی اور کہنے لگی میں نے منت مانی تھی کہ آپ صحت یاب ہوں گے تو میں آپ کے سر پر دف بجاؤں گی اور ناچوں گی آپ نے فرمایا تو اپنی منت پوری کر اس نے ویسا کیا یعنی آپ کے سر پر دف بجایا اور ناچی' مولوی صاحب ایک سن رسیدہ آدمی ہیں ۷۰۔ ۸۰ کے درمیان عمر ہے علم بھی کافی رکھتے ہیں حیدر آباد میں مدرسہ دینیہ میں سال یا دو سال مدرس یا صدر مدرس رہ چکے ہیں ملازمت چھوڑے بھی ایک زمانہ ہو گیا ہے دوسرے دن میں نے مولوی صاحب سے تنہائی میں پوچھا کہ کیا گانے کو آپ شرعاً مباح سمجھتے ہیں کہنے لگے نہیں لیکن اولیاء اللہ کے معاملے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے (شاید یہ مطلب بھی ہو گا کہ پیغمبروں کے معاملہ میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے) میں نے پوچھا کہ کون سے اولیاء اللہ گانا سنا کرتے تھے کیا حضرت عبدالقادر جیلانی گانا سنا کرتے تھے کہنے لگے حافظ شیرازی سنتے تھے کیا مولوی صاحب کے ذکر کئے ہوئے اس مضمون کی کوئی حدیث ہے مولوی صاحب کا کلام آنحضرت ﷺ کی شان میں بے ادبانہ ہے یا نہیں مولوی صاحب نے جو کچھ کہا اس سے ان پر کفر عائد ہوتا ہے یا نہیں اور ان کو توبہ اور تجدید ایمان کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

المستفتی نمبر ۲۴۸۵ قاضی سید مظہر علی صاحب (ممبئی) ۲۹ صفر ۱۳۵۸ھ م ۲۰ اپریل ۱۹۳۹ء۔

(جواب ۲۶۸) جس واقعہ کا مولوی صاحب نے ذکر فرمایا ہے وہ حدیث مسند امام احمد ص ۳۵۳ ج ۵ میں اور ترمذی ص ۲۱۰ ج ۲ میں اور ابو داؤد میں مروی ہے مگر ان سب روایات میں صرف یہ ذکر ہے کہ اس نے

---

(۱) ودلت المسألۃ ان الملاھی کلھا حرام (الدر المختار مع الرد ۳۴۸/۶)

صرف دف بجانے کی منت ماننے کا ذکر کر کے دف بجانے کی اجازت مانگی ناچنے کا ذکر کسی روایت میں نہیں تب مولوی صاحب سے ناچنے کے ذکر کا حوالہ دریافت کرنا چاہئے۔

بہر حال اس واقعہ کے بیان کرنے میں طرز بیان غیر محتاط ہو جائے تو ہو جائے مگر اس قدر واقعہ صحیح ہے کہ دف بجانے کی اجازت مانگی اور حضور ﷺ نے اجازت دی اور اس نے دف بجایا اور جب حضرت عمرؓ تشریف لائے تو انہیں دیکھ کر اس نے دف سرین کے نیچے رکھ لیا اور اس پر بیٹھ گئی اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمرؓ تم سے شیطان ڈرتا ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

شادی کے موقع پر عورتوں کا گیت گانا

(سوال) عورتیں عورتوں میں گیت گا سکتی ہیں یا نہیں ہمارے یہاں ایک مولوی کہتا ہے کہ عورتوں کا شادی کے موقعہ پر عورتوں میں گیت گانا جائز ہے اب آپ سے عرض ہے کہ شادی میں گیت گانا اور دف بجانا جائز ہے یا ناجائز؟ المستفتی نمبر ۲۷۰۲ عبداللطیف صاحب مدرس (سورت) ۱۸ صفر ۱۳۶۱ھ م ۷ مارچ ۱۹۴۲ء

(جواب ۲۶۹) شادی یعنی نکاح کے موقع پر دف بجانا جائز ہے(۲) اور عورتوں کو عورتوں میں گیت گانا دو شرطوں سے جائز ہے ایک شرط یہ ہے کہ غیر محرم مردوں کے کان میں ان کی آواز نہ پہنچے دوسری شرط یہ کہ گیت میں فحش مضمون اور ناجائز کلام نہ ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سماع مزامیر کے بغیر بھی ناجائز ہے۔

(اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) سماع بلا مزامیر کے یا مزامیر کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۷۰) فقہائے حنفیہ کے نزدیک سماع اگرچہ بغیر مزامیر ہو سننا جائز نہیں اور آلات کے ساتھ تو جمہور کے نزدیک ناجائز ہے در مختار میں ہے۔ قال ابن مسعودؓ صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات قلت وفي البزازية استماع صوت الملاهي كضرب قصب و نحوه حرام لقوله عليه الصلوة والسلام استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر اى بالنعمة (الى قوله) فالواجب كل الواجب ان يجتنب كيلا يسمع انتهى (۳) (كتاب

---

(۱) عن بريدةؓ يقول خرج رسول الله ﷺ في مغازيه فلما انصرف جاءت جارية سوداء فقالت يا رسول الله ﷺ انى كنت نذرت ان ردك الله سالما ان اضرب بين يديك بالدف واتغنى فقال لها رسول الله ﷺ ان كنت نذرت فاضربي والا فلا فجعلت تضرب ... ثم دخل عمر فالقت الدف تحت استها ثم قعدت عليه فقال رسول الله ﷺ ان الشيطان يخاف منك (ترمذی ۲ : ۲۱۰)

(۲) واذا كان الطبل بغير اللهو فلا باس به كطبل الغزاة والعرس (رد المحتار مع الدر ۶ : ۵۵)

(۳) (الدر المختار مع الرد ۶ : ۳۴۹)

الحظر والاباحة) یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ گانے باجے کی آواز دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتی ہے جیسے پانی سے گھاس پیدا ہوتی ہے اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ باجوں کی آواز مثلاً ڈھول تاشے سننا حرام ہے اور اس کی دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے "باجوں کا سننا گناہ ہے اور ایسی جگہ بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لذت لینا خدا کی ناشکری ہے" پس لازم ہے کہ پورا پورا اجتناب کرے تاکہ گانا بجانا سنے ہی نہیں۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے اختلفوا فی التغنی المجرد قال بعضهم انه حرام مطلقا والا ستماع الیه معصية وهو اختيار شيخ الاسلام ولو سمع بغتة فلا اثم عليه (۱) یعنی فقہا کا اس میں اختلاف ہے کہ صرف گانا "یعنی بغیر سازو آلات کے" سننا بھی جائز ہے یا نہیں تو بعض فقہا تو فرماتے ہیں کہ غنا مطلقاً حرام ہے اور قصداً اس کی طرف کان لگانا گناہ ہے اور شیخ الاسلام نے یہی قول اختیار کیا ہے ہاں اگر اچانک گانے کی آواز سن لے تو گناہ گار نہ ہوگا اور اسی فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ السماع والقول والرقص الذی یفعله المتصوفة فی زماننا حرام لا یجوز القصد الیه والجلوس علیه وهو والغناء والمزامیر سواء (۲) یعنی سماع اور قوالی اور حال کھیلنا جو ہمارے زمانے کے نام نہاد صوفی کرتے ہیں حرام ہے۔ اس میں جانا اور بیٹھنا جائز نہیں اور یہ قوالی اور غناء اور مزامیر حکم میں ایک سے ہیں۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

مسلمان میراثی ہندوؤں کی تقریب میں شرکت نہیں کر سکتے۔

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) مشرکوں کی شادیوں تیوہاروں پر اگر مسلمان میراثی پڑھائیں ڈھول باجے بجائیں اور ان کو رسومات شرکیہ ادا کرائیں تو ان کا ایمان کیسا ہے ؟

(جواب ۲۷۱) مسلمان میراثیوں کو ہندوؤں کے یہاں ان کی مشرکانہ تقریبات میں جانا ناجائز اور حرام ہے اور گانا بجانا تو مطلقاً خواہ شادی بیاہ کی تقریب میں ہو یا مذہبی تقریب میں ناجائز ہے (۳) تاہم یہ لوگ چونکہ مزدوری کی نیت سے جاتے اور گاتے بجاتے ہیں اس لئے ان کی تکفیر نہیں کی جا سکتی۔ محمد کفایت اللہ

سینما (بائیسکوپ) دیکھنا حرام ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) سینما (بائسکوپ) اور سرکس وغیرہ دیکھنا کیسا ہے ؟

(جواب ۲۷۲) بائسکوپ محض لہو ولعب ہے سرکس میں آدمیوں اور جانوروں کے ورزش کرتب دکھائے جاتے ہیں بائسکوپ ناجائز اور سرکس اگر باجے وغیرہ منہیات سے خالی ہو تو مباح ہے۔ محمد کفایت اللہ

---

(۱) (فتاوی هندية ۵ / ۳۵۱)

(۲) (فتاوی هندية ۵ / ۳۵۱)

(۳) (ومن السحت ما يؤخذ على كل مباح كملح وكلأوماء و معادن و ما ياخذه غاز لغزو وشاعر لشعره و مسخرة و حكواتي قال الله تعالى . ومن الناس من يشترى لهو الحديث الخ واصحاب معازف و قوال و كاهن ... (قال فى الشامية) لكن فى المواهب و يحرم على المغنى و النائحة والقوال اخذ المال المشروط دون غيره و كذا اصحاب الطبل والمزمار كما قدمناه عن الهندية (ردالمحتار مع الدر ٦ / ٤٢٤ ط سعيد)

قیام مولود اور اس میں دف بجانا جائز نہیں۔

(الجمعیۃ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۳۲ء)

(سوال) مولود شریف میں قصائد وغیرہ پڑھتے وقت دف بجانا اور قیام وغیرہ کرنا کیسا ہے ؟

(جواب ۲۷۳) دف بجانا نکاح جہاد عید میں جائز ہے وہ بھی جبکہ دف میں جھانجھ نہ ہو(۱) قیام مولود بے اصل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بائیسکوپ دیکھنا ہر حال میں ناجائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

(سوال) (۱) بائسکوپ میں جو تصاویر دکھائی جاتی ہیں جنکا اکثر حصہ برہنہ یا نیم برہنہ ہوتا ہے نیز عورتوں اور مردوں کے فحش مذاق اور اختلاط دکھائے جاتے ہیں ایسے تماشوں کو دیکھنا کیسا ہے ؟(۲) بائسکوپ کو اس خیال سے دیکھنا کہ اس میں سابقہ قوموں کے تاریخی واقعات ہوتے ہیں کیسا ہے ؟(۳) گراموفون کا بجانا اس میں نعتیہ غزلیں بجاکر سننا یا کلام مجید کے رکوع کا بجانا ان کو سننا کیسا ہے ؟

(جواب ۲۷۴) (۱) بائسکوپ کا تماشا محض لہو ولعب ہے اور برہنہ یا نیم برہنہ تصاویر کا دیکھنا دکھانا حرام ہے یہ منظر اخلاق کو تباہ کرتے اور جذبات شہوانیہ کو برانگیختہ کر کے طرح طرح کے جرائم کے سبب بن جاتے ہیں اور ان کی عادت اور کثرت مالی تباہی پیدا کرتی ہے اس لئے ان تمام وجوہ سے بائسکوپ میں جانا حرام ہے(۲) (۲) اس خیال کی کوئی اہمیت شرعاً نہیں ہوسکتی جب کہ کھلے کھلے وجوہ حرمت کے موجود ہیں تو یہ حیلہ وجہ جواز نہیں ہو سکتا اس کے علاوہ اگر فائدہ بھی ہو تاہم مضرتیں غالب ہونے کی وجہ سے **واثمهما اكبر من نفعهما** کے ماتحت ناجائز ہے تاریخی واقعات اگر معلوم ہوتے ہوں تو اس کے ساتھ چوری کی گھاتیں ڈکیتی کے طریقے عشق بازی اور آوارگی کی راہیں بھی لوگ سیکھ کر آتے ہیں اور اپنی قومی 'مذہبی 'اخلاقی 'اقتصادی بربادی اپنے ہاتھوں مول لیتے ہیں اور اس کی حرمت میں کسی متدین مسلمان کو شبہ نہیں ہو سکتا (۳) گراموفون بجانا اور سننا عام طور پر لہو ولعب اور تفریح کے طور پر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت سے بجانا سننا اور اس پر روپیہ صرف کرنا ناجائز ہے قرآن مجید کے رکوع ریکارڈوں میں بھرنا اور پھر ان کو سننا سنانا دوسری وجہ سے بھی ناجائز ہے کہ اس میں قرآن مجید کی ہتک بھی لازم آتی ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' الجواب صحیح خادم العلماء سلطان محمود (صدر مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی)(حضرت مولانا)اشرف علی تھانوی بندہ محمد الیاس (مدرسہ کاشف العلوم بستی حضرت نظام الدین دہلی) محمد زکریا عفی عنہ (شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور) محمد شفیع عفی عنہ (صدر مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی) فقیر احمد سعید (ناظم جمعیۃ علمائے ہند) سید حمید (امام جامع مسجد دہلی) محمد مظہر اللہ غفرلہ (امام مسجد فتح پوری دہلی) وغیرہم۔

---

(۱) حوالہ گزشتہ رد المحتار مع الدر ۶/۵۵)
(۲) و دلت المسألة ان الملاهي كلها حرام (الدر المختار مع الدر ۶/۳۴۸ ط سعید)

لہو ولعب کو امداد کا ذریعہ بنانا موجب شرم ہے
(الجمعیۃ مورخہ ۵ مئی ۱۹۳۴ء)

(سوال) آج کل امداد بہار کے لئے بعض اسکولوں میں گیدھیرنگ کئے جاتے ہیں اور لڑکے تماشا بتلاتے ہیں اس میں مسلمانوں کے لڑکے بھی ہوتے ہیں اس طرح کے تماشے میں بطور ایکٹر مسلمان لڑکوں کو کام کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۷۵) یہ طریقہ امداد کا درست نہیں ہے لہو ولعب اور کھیل تماشوں کو امداد کا ذریعہ بنانا موجب شرم ہونا چاہئیے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

گراموفون میں قرآن وحدیث بھرنا جائز نہیں
(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۳۴ء)

(سوال) گراموفون کے ریکارڈ میں قرآن شریف وحدیث شریف اور وعظ و تقریر میلاد وغیرہ بھر کر تبلیغ کا کام کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۷۶) گراموفون ان آلات غنا میں سے ہے جو اکثری طور پر اور عام حالات میں لہو ولعب اور تفریح کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں اگر چہ نفس آلہ بعض مفید کاموں میں استعمال ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کا عام رواج اور اکثری استعمال محض لہو ولعب کے طور پر کیا جاتا ہے اور اس کی مجالس میں ہر قسم کے لوگ حظ سماع اٹھانے کے لئے شریک ہوتے ہیں لہذا اس کے ریکارڈوں میں کوئی متبرک چیزیں بھرنا اور ان کو بیع وشرا کے ذریعے سے عام کر دینا اور ہر قسم کی مجالس میں ریکارڈوں پر قرآن مجید یا حدیث شریف یا وعظ و تقریر کو گانے میں شامل کر دینا اس مقدس چیز کی توہین کرنا ہے (۲) ریکارڈ پر جو چیز سنی جاتی ہے اس کی وقعت سننے والے کے قلب میں ایک راگ اور گانے سے زیادہ نہیں ہوتی اگر مان لیا جائے کہ اس میں تبلیغ کا فائدہ ہوتا ہے تو اس فائدہ کی وجہ سے ان دینی مضرتوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو ایمان کو سلب کرنے والی ہیں فائدے تو شراب اور قمار میں بھی تھے لیکن حضرت حق نے ان فائدوں کو و اثمهما اكبر من نفعهما فرما کر کالعدم کر دیا تبلیغ بیشک اسلام میں ایک اہم فریضہ ہے لیکن اہم سے اہم فرائض کی ادائیگی کے لئے ناجائز ذرائع استعمال نہیں کئے جا سکتے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ روز قبل طوائفوں کے ذریعے سے اسلامی تبلیغ کرانے کے مسئلے میں پیش آچکی ہے آنحضرت ﷺ کی پاک اور مقدس سیرت مبارک کی شان اس سے بہت ارفع واعلی ہے کہ وہ ریکارڈوں میں بھری جائے اور وہ ریکارڈ ایک مشین میں لگا کر ایسے مقامات اور ایسے مجامع میں استعمال کئے جائیں جو اس مقدس ذکر کے لائق نہ

---

(۱) حوالہ گزشتہ رد المحتار مع الدر ٦ / ٤٢٤ و من السحت الخ)
(۲) حوالہ گزشتہ الدر المختار مع الرد ٦ / ٣٤٨)

ہوں بلکہ وہاں اس ذکر کی توہین ہوتی ہو اس لئے مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ قرآن پاک اور احادیث مقدسہ اور متبرک مواعظ واذکار کے ریکارڈ ہرگز نہ خریدیں اور نہ سنیں اور عموما گراموفون کو ہی خریدنے اور سننے سے احتراز کریں کہ اس میں لہو ولعب کے سوا اور کوئی مقصد نہیں اور اس کے ذریعے سے سنی ہوئی بات کی دل میں کوئی عزت اور وقعت نہیں ہوتی ۔ وقتی طور پر ایک حظ سماع حاصل ہو جاتا ہے وہ بھی جب کہ مشین اور ریکارڈ درست رہیں اور جو چلتے چلتے درمیان میں مشین بگڑ گئی یا ریکارڈ خراب ہو گیا تو سامعین کے دل متنفر اور دماغ پریشان ہو جاتے ہیں اور اس پر استہزاء اور ہنسی مذاق سب کچھ پیش آجاتا ہے ۔ (۱) معاذ الله منها ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تاش 'چوسر اور شطرنج کھیلنا جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۶ انومبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) تاش چوسر شطرنج کی بازی کھیلنا جائز ہے یا نہیں ؟ ایک مولوی صاحب شطرنج کو جائز کہتے ہیں ؟

(جواب ۲۷۷) تاش چوسر شطرنج لہو ولعب کے طور پر کھیلنا مکروہ تحریمی ہے اور عام طور پر کھیلنے والوں کی غرض یہی ہوتی ہے نیز ان کھیلوں میں مشغول اکثری طور پر فرائض وواجبات کی تفویت کا سبب بن جاتی ہے اور اس صورت میں اس کی کراہت حد حرمت تک پہنچ جاتی ہے ۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

کیرم بورڈ کے بارے میں ایک خاص فتویٰ

(الجمعیۃ مورخہ ۵ فروری ۱۹۳۵ء)

(سوال) خاکسار کی عمر اس وقت اٹھارہ سال کی ہے اور الحمد للہ کسی کھیل کا شوق نہیں ہے تاش شطرنج سینما تھیٹر وغیرہ نئے نئے کھیل جو رائج ہیں ان سب سے محفوظ ہوں پڑھنے لکھنے اور گھر کے کام کاج میں مصروف رہتا ہوں میرے استاد صاحبان کہتے ہیں کہ جاؤ دماغ کی تفریح کرو لہذا دو چار روز سے محلہ میں کیرم کھیلنے چلا جاتا ہوں اور کچھ ورزش کر لیتا ہوں کیرم کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تاش شطرنج سے بہتر ہے تاش شطرنج سے مجھے خود نفرت ہے۔

(جواب ۲۷۸) اگر کیرم میں بازی (یعنی ہار جیت کی کوئی قیمت) نہ لگائی جائے محض تفریح کی غرض سے تھوڑی دیر کھیل لیا جائے اور اس کی وجہ سے کسی ضروری اور مذہبی کام میں خلل نہ آئے تو آپ کے حالات کے لحاظ سے مباح ہو گا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) والا ستهزاء بشئ من الشرائع كفر (الدر المختار مع الرد ٥ : ٤٧٤)

(۲) و كره تحريما اللعب بالنرد و كذا الشطرنج (قال في الشامية) وانما كره لان من اشتغل به ذهب عناؤه الدنيوى وجاءه العناء الاخروى فهو حرام و كبيرة عندنا الخ (رد المحتار مع الدر ٦ : ٣٩٤ ط سعيد)

دف بجاتے وقت درود پڑھنا جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۵ء)

(سوال) دف بجاتے وقت دف بجانے والے کو درود پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۷۹) نہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بینڈ سننا جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ یکم اپریل ۱۹۳۶ء)

(سوال) ایک باغ ہے اس میں موسم گرما میں ہر جمعہ کو سرکاری بینڈ شام کو بجتا ہے اور اکثر لوگ تقریباً وہاں جاکر سنتے ہیں تو نماز عصر پڑھ کر وہاں جاکر بینڈ سننا کیسا ہے؟

(جواب ۲۸۰) مکروہ ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فلم دیکھنا خواہ حج کا منظر کا ہو جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۳۹ء)

(سوال) ایک فلم "حج فلم" کے نام سے تیار کی گئی ہے جس میں خانہ کعبہ کے گرد حاجیوں کو طواف کرتے دکھایا گیا ہے یہ فلم دیکھنا دکھانا کیسا ہے؟ المستفتی شبیر حسن' عبدالوہاب' محمد رفیق

(جواب ۲۸۱) چلتی پھرتی تصویریں فلم پر دیکھنا محض لہو و لعب کے طور پر ہوتا ہے تصویر سازی حرام ہے اور تصویر بینی اور تصویر نمائی اعانت علی الحرام ہے اس لئے فلم خواہ حج کے منظر کی ہو بنانی دیکھنی دکھانی سب ناجائز ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بچوں کا باجہ سیٹی وغیرہ بیچنے کا حکم۔

(سوال) بچوں کا باجہ' سیٹی' سیفٹی ریزر' بلیڈ یا کاغذ پر چھپی ہوئی تصویریں جو بچے پانی میں بھگو کر اپنے ہاتھوں یا کتابوں پر اتار لیتے ہیں اور شیشے کی گولیاں وغیرہ ان چیزوں کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ (شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار دہلی)

(جواب ۲۸۲) بچوں کا باجہ' سیٹی' سیفٹی ریزر' بلیڈ' گولیاں' یہ چیزیں بیچنی جائز ہیں تصویریں بیچنی جائز نہیں ہیں۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) قرأ القرآن على ضرب الدف والقضيب يكفر لاستخفافه وادب القرآن ان لا يقرأ في مثل هذه المجالس الخ فتاوى بزازيه على هامش هندية ۶.۳۳۸ ط كوئته)

(۲) ودلت المسالة ان الملاهي كلها حرام (الدر المختار مع الرد ۶.۳۴۸ ط سعيد)

(۱) وهذه الكراهة تحريمية وظاهر كلام النووي في شرح مسلم الاجماع على تحريم تصوير الحيوان وقال وسواء صنعه لما يمتهن او لغيره فصنعته حرام بكل حال لان فيه مضاهاة لخلق الله تعالى وسواء كان في ثوب او بساط او دراهم واناء وحائط وغيرها (رد المحتار مع الدر ۱/۶۴۷ ب سعيد)

(۲) عن جابر انه سمع رسول الله ﷺ يقول عام الفتح بمكة ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والخنزير والاصنام (صحيح بخاري ۱.۲۹۸)

سولھواں باب
ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر

نماز عید میں لاؤڈ اسپیکر کا حکم.

(سوال) عید کی نماز میں مقتدیوں کو امام کی آواز پہنچانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر (یعنی وہ آلہ جس کے ذریعہ سے آواز دور تک پہنچ جاتی ہے) لگانا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۹۵ حاجی یوسف حاجی مکی کیمپ کراچی ۱۵ شوال ۱۳۵۲ھ م ۳۱ جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۸۳) امام کے پیچھے دوسری تیسری صف میں جو مبلغ کھڑے کئے جاتے ہیں کہ وہ زور سے تکبیرات کہتے رہیں تاکہ لوگوں کو تکبیرات زوائد اور تکبیرات رکوع و سجود پہنچانے میں آسانی ہو ان کے سامنے لاؤڈ اسپیکر لگادیا جائے تو جائز ہے جس سے صرف تکبیرات لوگوں کو پہنچ جائیں اور نماز صحیح طور پر ادا ہو جائے امام کی قرأت لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے نہ پہنچائی جائے نماز کے بعد امام لاؤڈ اسپیکر کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھ دے تو جائز ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عید گاہ کی آمدنی سے لاؤڈ اسپیکر خریدنا.

(سوال) عیدگاہ واقع رنگون کے وسیع رقبہ میں بوجہ ہجوم و کثرت نمازیان عید دور والے خطبہ عید سننے سے محروم رہتے ہیں اور بجز معدودے چند اکثر حاضرین چلے جاتے ہیں لہذا ٹرسٹیان عیدگاہ مذکور کا ارادہ ہوا ہے کہ اگر شرعاً گنجائش ہو تو کلکتہ بمبئی کی طرح لاؤڈ اسپیکر لگادیں تو عیدگاہ مذکور کی آمدنی سے لاؤڈ اسپیکر لگانا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اگر دوسرے اصحاب ہمت اپنے پاس سے خرچ کر کے لگادیں تو درست ہوگا یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔ المستفتی نمبر ۴۲۹ مولوی عبدالخالق رنگون ۳ رمضان ۱۳۵۳ھ م ۱۱ دسمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۸۴) خطبہ عید کے لئے لاؤڈ اسپیکر لگا کر خطبہ پڑھنے میں کوئی وجہ مانع جواز نہیں ہے اس کے ذریعے سے دور و قریب کے تمام حاضرین خطبہ سن سکیں گے لیکن شرعی طور پر کوئی لازمی بات نہیں ہے کہ تمام حاضرین کو خطبہ سنانے کا انتظام ضرور کیا جائے اگر کوئی شخص اپنی طرف سے لگوادے تو اس میں تو کوئی سوال باقی نہیں رہتا مسجد کے مال میں سے ایک غیر ضروری چیز پر صرف کرنے میں شبہ ہو سکتا ہے لیکن

---

(۱) چونکہ اس آلہ کے ذریعے ابلاغ صوت کا مقصد بہت پر سکون طریقے سے حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ مجالس وعظ اذان وغیرہ میں اس کا مشاہدہ ہے اور حضرت مفتی اعظم نے جو تحقیق فرمائی ہے اس وقت اس آلہ کا اتنا عموم نہیں تھا بہت سے ماہرین کو اس وقت تک اس آلے کے متعلق شاید مکمل تحقیق نہیں تھی اور اب جدید تحقیق یہ ہے کہ یہ آلہ صرف مرتفع الصوت ہے اور اس کی آواز امام ہی کی آواز ہے صدا نہیں اور اس کے علاوہ چونکہ آج کل اس آلے کا استعمال بہت عام ہو گیا ہے خصوصا حرمین شریفین اور دیگر بڑے اجتماعات میں اس کا استعمال ضروری تصور کیا جاتا ہے اور اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں لہذا اگر لاؤڈ اسپیکر کو نماز سے قبل ٹھیک کیا جائے اور اس بات کا اطمینان پیدا کر لیا جائے کہ اب نماز میں آواز کو بگاڑ کر بدنما نہیں بنائے گا اور اس کی وجہ سے نمازیوں کے خشوع و خضوع میں فرق نہیں آئے گا اور پھر اس قسم کا انتظام بھی کیا جائے کہ بجلی فیل ہونے یا مشین خراب ہونے کی صورت میں لوگوں کی نماز خراب نہ ہو تو بلا کراہت نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز ہے۔ آلات جدیدہ میں مفتی شفیع صاحبؒ نے مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی علامہ زاہد الکوثری المصری کی رائے بھی یہی لکھی ہے۔

اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ مسجد یعنی عید گاہ مالدار ہو اور اس کی رقم اس کے ضروری مصارف سے فاضل بچی رہتی ہو اور اس خرچ سے اس کے کسی ضروری انصرام میں نقصان نہ پہنچے تو یہ خرچ اس میں سے بھی کیا جاسکتا ہے جس طرح برقی پنکھے اور فرش وغیرہ کے مصارف کئے جاتے ہیں اور اگر عید گاہ کی رقم ضروری مصارف سے زائد نہ ہو تو یہ خرچ اس کی رقم میں سے نہیں کیا جاسکتا۔ (۱) واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ریڈیو اور ٹیلی فون وغیرہ میں قرآن کی تلاوت جائز ہے

(سوال) قاری کو اس مشین کے سامنے جس کے ذریعہ سے آواز غیر ممالک تک بلا کسی تار وغیرہ کے ہوائی موجوں کے ذریعہ پہنچ جاتی ہے تلاوت قرآن مجید یا اس کا ترجمہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۸۲ مولوی محمد یوسف صاحب ناظم جمعیۃ القراء والحفاظ دہلی ۲۹ شعبان ۱۳۵۴ھ م ۷ ۲ نومبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۸۵) اگر مشین کے سامنے بیٹھ کر پڑھتا ہو اور اس کے ساتھ اور کوئی لہو ولعب نہ ہو اور قرآن پاک کی کوئی بے حرمتی نہ ہو تو جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ریڈیو پر معاوضہ لیکر تلاوت کرنا۔

(سوال) ریڈیو پر کلام الٰہی کی تلاوت کرنا معاوضہ لیکر یا بلا معاوضہ جائز ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۷۸۲ حافظ اظہار الحق دیوبندی ۲ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲۶ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۸۶) فی حد ذاتہ تو جائز ہے لیکن اگر اس کے کسی مرحلے میں قرآن پاک کی توہین کا شائبہ ہو تو پھر ناجائز ہوگی۔ معاوضہ کے جواز میں تأمل ہے۔ محمد کفایت اللہ

(۱) لاؤڈ اسپیکر میں نماز و خطبہ کا حکم
(۲) لاؤڈ اسپیکر ریڈیو وغیرہ سے آیت سجدہ سننے پر سجدہ تلاوت لازم ہو جاتا ہے
(۳) گراموفون سے آیت سجدہ سننے پر سجدہ تلاوت لازم نہیں ہوگا

(سوال) (۱) لاؤڈ اسپیکر یا ریڈیو آلہ جدید ہے اس میں خطبہ جمعہ و عیدین کی نماز پڑھائی جائے تو کیسی ہوگی؟ اس کے ذریعے سے امام کی آواز کو مقتدیوں تک پہنچایا جاتا قرأت وغیرہ اور اس آواز کی سماعت پر نماز کا ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بذریعہ ریڈیو آیت سجدہ تلاوت کی جائے تو سامعین پر سجدہ فرض ہوگا یا نہیں؟

(۳) گراموفون میں قرآن مجید و دیگر کلام مشروع بہ نیت ثواب سننا جائز ہے یا نہیں؟ گراموفون میں آیت

---

(۲) ولا باس بنقشہ خلا محرابہ بجص وماء ذهب لو بماله الحلال لامن مال الوقف فانه حرام وضمن متولیه لو فعل النقش او البیاض الا اذا خیف طمع الظلمة فلا باس به (قال فی الشامیة ، ای بان اجتمعت عنده اموال المسجد وهو مستغن عن العمارة والا فیضمنها کما فی القهستانی عن النهایة) (رد المحتار مع الدر ۱ /۶۵۸ ط سعید) آج کل عموماً مساجد اور عید گاہ اس کی آمدنی ضروری انصرام سے زائد ہوتی ہے نیز آج کل لاؤڈ اسپیکر بھی ضروریات مساجد میں شمار ہوتا ہے اس لئے اگر مسجد اور عید گاہ کی آمدنی سے لاؤڈ اسپیکر خریدا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

سجدہ پڑھنے سے سامعین پر سجدہ تلاوت فرض ہوتا ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۸۵۵ محبت حسین شاہ (ضلع راولپنڈی) ۲۰ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۸۷) (۱) لاؤڈ اسپیکر (آلہ مکبر الصوت) کا استعمال تکبیرات اور خطبہ کی آواز بلند کرنے کے لئے جائز ہے قرأت قرآن مجید کو اس سے محفوظ رکھنا چاہئے۔

(۲) لاؤڈ اسپیکر اور ریڈیو کے ذریعہ سے آیت سجدہ سننے سے تلاوت کا سجدہ لازم ہوگا فونوگراف کے ریکارڈ کے ذریعہ سے آیت سجدہ سنی جائے تو سجدہ تلاوت لازم نہ ہوگا۔

(۳) گراموفون میں قرآن مجید بھرنا اور سننا جائز نہیں اور اس میں آیت سجدہ سننے سے سجدہ تلاوت بھی لازم نہیں ہوتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

لاؤڈ اسپیکر ریڈیو وغیرہ پر سجدہ تلاوت سننے کا حکم

(سوال) جناب مفتی صاحب کا فتوی نمبر ۸۵۵ نظر سے گزرا اس میں مفتی صاحب نے مطلب واضح بیان نہیں فرمایا چند وجوہ۔

(۱) دلیل عقلی و نقلی تحریر نہیں فرمائی کوئی جزئی رقم نہیں فرمائی نہ حوالہ کتب تحریر فرمایا۔

(۲) آلہ مکبر الصوت کی حقیقت تحریر نہیں فرمائی اس سے کیا مراد ہے اگر در حقیقت یہ قرأت ہے اور عبارت ہے تلفظ سے دونوں کا حکم ایک ہونا چاہئے اگر لاؤڈ اسپیکر میں خطبہ اور تکبیر جائز ہے تو قرأت بھی جائز ہونی چاہئے ایک ہی صورت کا آواز ہے جیسے تلفظ قرأت کے ویسے تلفظ خطبہ اور تکبیر کے۔

(۳) ریڈیو کے ذریعے سے آیت سجدہ سننے سے تلاوت کا سجدہ کیوں لازم ہوگا اگر سجدہ معتبر اور لازم ہو تو ریڈیو کو آلہ قرأت بنانا صحیح ہوا اگر ہم اس کو صحیح مان لیں تو کئی قباحتیں لازم آتی ہیں مثلاً یہ کہ آلہ استعمال کرنا شرعاً مذموم ہے جیسا کہ مدینہ منورہ میں واقعہ پیش آیا۔ وذالک انه ﷺ لما قدم المدینة وکان یؤخر الصلوٰۃ تارۃ و یعجلها تارۃ اخری فتشاوروا فی انه ینصبوا علامة یعرفون بها وقت الصلوات فقال بعضهم نقرۃ الناقوس فقال ﷺ هو للنصاری وقال بعضهم التبور وهوالبوق فقال ﷺ هو للیهود انتهی

(۴) صوت کی تعریف فرمائیں شرعاً کون سا صوت معتبر ہے آیا مطلق صوت یا وہ صوت جس سے تلفظ ادا ہو الحاصل ان المراتب ثلثة حرف و صوت ونفس لا یتحقق الکلام الا بالحرف ولا یتحقق الحروف الا بالصوت والنفس والمخارج ۔ پھر فرماتے ہیں مصنف علام الحروف کیفیة تعرض للصوت المعتمد علی المخارج فالکیفیة هی اعتماد الصوت علی المخارج ۔ پس قرأت مطلق صوت سے حاصل نہیں ہوتی اور نہ مطلق نفس سے اس لئے کہ نفس ہوائے مطلق چنانچہ فرماتے ہیں فان النفس المعروض بالقرع ای هو الهواء الذی عرض علیه القرع یعنی ان القرع

بالعضلات یعرض علی النفس اور صوت اور مخارج میں فرق ہے محض صوت سے مخارج ادا نہیں ہوتے بدون تلفظ کے کیونکہ صوت کا محل ریہ ہے نہ مخارج چنانچہ فرماتے ہیں والصوت عرض یقوم بمحل یخرج عن داخل الریة الی خارجھا مع النفس مستطیلا ممتدا مستقلا غرض کہ ریڈیو کی آواز کو کلام سے تعبیر نہیں کر سکتے اس لئے کہ ریڈیو کی آواز صدیٰ (گونج) ہے اور گونج کا آواز درباره قرأت غیر معتبر ہے چنانچہ مصنف تحریر فرماتے ہیں ولا تجب سجدة التلاوة بسماعھا عن الغیر علی الصحیح ولا تجب بسماعھا من الصدیٰ وھو ما یجیبك مثل صوتك فی الجبال والصحاری و نحوھا اس کی شرح میں فرماتے ہیں الصوت الذی یسمعه المصوت عقیب صیاحه راجعا الیه من جبل او بناء مرتفع فانه لا اجابة فی الصدیٰ وانما ھو محاکاة پھر مصنف علام فرماتے ہیں ومن المعلوم ان المعروض قد یتحقق بدون عارضه کتحقق الانسان بدون صفة الکتابة والعارض اخص من المعروض حاصل کلام یہ ہے کہ ریڈیو کا آواز کلام نہیں اس لئے کہ تلفظ میں تین چیز کا ہونا لازمی ہے صوت' نفس' مخارج اگر یہ نہ پائے جائیں تو کلام حقیقی نہ پائی جائے گی مصنف علام فرماتے ہیں لاحروف شارح فرماتے ہیں عطف علی ایماء بای لا حروف حقیقة فلا کلام اذا ستت الحروف

(۵) دوسرا فتویٰ گراموفون کے عدم جواز کا ہے یہ بھی قابل غور ہے قاعدہ ہے جو اصلا کلام کا حکم ہوتا ہے وہی نقل کا چونکہ قرآن کریم دراصل جائز ہے تو نقل گراموفون میں اسی کی آواز ہے اس عدم جواز کی کیا وجہ ہے؟ المستفتی نمبر ۸۸۹ مولوی شیر محمد نئی دہلی ۵ صفر المظفر ۱۳۵۵ھ م ۲۷ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۸۸) اگر فاضل مستفسر میرے جواب کی عبارت کو بنظر امعان ملاحظہ فرماتے تو ان کے اکثر استفسارات کا جواب اسی عبارت سے حاصل ہو جاتا' میں نے اپنے جواب میں لاؤڈ اسپیکر (آلہ مکبر الصوت) کو متکلم کی آواز کو بڑھانے والا قرار دیا ہے اور میرے خیال میں اس آلہ کے عمل کی حقیقت یہی ہے کہ وہ آواز یعنی کیفیت تموج ہوا کو وسیع کر دیتا ہے یعنی جو آواز کہ متکلم کے منہ سے نکلتی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ہوا میں مخصوص تموج یعنی لہریں پیدا کرتی ہے اور قریب میں وہ لہریں قوی ہوتی ہیں اس لئے آواز سنی جاتی ہے اور جتنا بعد ہوتا جاتا ہے وہ لہریں ضعیف اور کمزور ہوتی جاتی ہیں اور ضعف کی وجہ سے مسموع ہونے کی صلاحیت مفقود ہوتی جاتی ہے اس آلہ کا کام یہ ہے کہ جب اس کے سامنے کلام کیا جائے تو وہ تموج اس کے اندر بھی جاتا ہے اور اس کے اندر کی برقی قوت کے ذریعے سے وہ تموج دور دور تک اپنی پوری قوت کے ساتھ پہنچتا ہے اور اس لئے وہی آواز جو قریب میں مسموع ہوتی رہتی دور دور تک مسموع ہوتی ہے پس لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے سے جو آواز سنی جاتی ہے وہ درحقیقت اسی کلام کرنے والے کی آواز ہے جو آلہ کے سامنے کلام کر رہا ہے نہ کوئی دوسری آواز' خطبہ اور تکبیر کا جواز اور قراۃ قرآن کے عدم جواز کا مبنیٰ صرف یہ ہے کہ قرآن پاک کی قراءۃ کو اس آلہ کے ذریعے سے بڑھانا مستحسن نہیں کیونکہ بسا اوقات مشین خراب ہو جانے کی وجہ سے آواز خراب ہو جاتی ہے اور اس میں قرآن پاک کی توہین کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اگرچہ وہ توہین

قصدی نہیں ہوتی تاہم قرآن پاک کو اس احتمال سے بھی بچنا چاہئیے اگر یہ لحاظ مد نظر نہ ہو تو لاؤڈ اسپیکر کے اندر خطبہ اور قرأۃ کا حکم جدا نہیں۔

صدیٰ اور فونوگراف کا حکم بالکل جدا ہے وہ آواز بڑھانے کی چیز نہیں بلکہ صدیٰ تو جبل کی مصادمت اور فونوگراف میں ریکارڈ میں سے ایک جدید آواز نکلتی ہے جس وقت قاری یا متکلم کا کہیں پتہ نہیں ہوتا صدیٰ میں بھی اصل آواز اور پلٹی ہوئی آواز سے زمانی فاصلہ ہوتا ہے بخلاف لاؤڈ اسپیکر کے کہ اس میں کوئی زمانی تفاوت نہیں ہوتا۔

گراموفون میں قرآن مجید بھرنا اور سننا اس لئے ناجائز نہیں کہ وہ قرآن مجید کی نقل نہیں بلکہ اور کوئی شے ہے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ گراموفون آلہ لہو ولعب کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور بسا اوقات مشین کی خرابی سے ریکارڈوں کی آواز نہایت خراب اور مضحکہ خیز ہو جاتی ہے اس لئے قرآن مجید کا احترام اس کا مقتضی ہے کہ قرآن پاک کو لہو ولعب اور شائبہ توہین سے محفوظ رکھا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نماز اور خطبہ کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا حکم

(سوال) مسجد جامع وعید گاہ وغیرہ میں نماز و خطبہ و وعظ کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا لگانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب مسکت عطا فرمایا جاوے کیونکہ بعض بزرگ یہ خیال فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ المستفتی نمبر ۱۲۴۴ حکیم محمد حیات خان دہلوی (حیات منزل کوچہ حکیماں آگرہ) ۷ رمضان ۱۳۵۵ھ م ۲۳ نومبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۸۹) خطبہ اور وعظ کے لئے اس کا استعمال جائز ہے لیکن نماز کی قرأت کے لئے استعمال نہ کیا جائے تو یہی احوط ہے ہاں مکبرین جو صفوف میں کھڑے ہوتے ہیں ان کی آواز بلند کرنے کے لئے اس سے کام لیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

لاؤڈ اسپیکر مسجد کے مینارے پر لگانا.

(سوال) اذان کی آواز دور تک پہنچانے کے لئے مینارے پر آلہ مکبر الصوت یعنی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۴۴۶ امام عبدالصمد صاحب (جنوبی افریقہ) ۹ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۰ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹۰) اذان کی آواز دور تک پہنچانے کے لئے مینارے پر لاؤڈ اسپیکر لگانا مباح ہے فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ریڈیو سننا.

(سوال) یہ تو آج کل بچے بچے کو معلوم ہے کہ ریڈیو کی ترقی دن دونی رات چوگنی ہو رہی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس میں قریب قریب ہر طرح کے کام ہوتے ہیں مثلاً گانے بجانے ڈھول ڈھپکے ناچ تقریریں ڈرامے' قرآن مجید مع ترجمہ کے وغیرہ وغیرہ مختصر یہ کہ مجھ کو اس میں آپ سے صرف یہ دریافت کرنا ہے کہ اس میں کیا چیز سننی جائز ہے اور کیا چیز ناجائز ہے؟ المستفتی نمبر ۲۱۰۴ ایم تقی اللہ والا' دہلی ۸ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹۱) ریڈیو میں گانا بجانا' قوالی' فحش ڈرامے وغیرہ سننا جائز نہیں کوئی مفید تقریر ہو تو اس کے سننے کا مضائقہ نہیں قرآن مجید سننا بھی مباح ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

عید کی نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

(سوال) نماز عیدین یا جمعہ کے موقعہ پر امام کی آواز دور تک کے تمام مقتدیوں تک پہنچانے کے لئے آلہ مکبر الصوت امام کے سامنے رکھنا کیا شرعاً حرام اور ناجائز ہے' المستفتی نمبر ۲۵۶۰ غلام دستگیر خان (بنگلور جنوبی ہند) ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ م ۷ اجنوری ۱۹۴۰ء

(جواب ۲۹۲) میں کئی مرتبہ اس آلہ کے نماز میں استعمال کا حکم لکھ چکا ہوں اور اخبارات میں شائع کرا چکا ہوں وہ یہ کہ فی حد ذاتہ اس آلہ کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں اس لئے خطبہ جمعہ و عیدین اور وعظ و تقریر کی مجالس میں اس کا استعمال مباح ہے نماز کے بڑے مجمعوں میں جو لوگ تبلیغ تکبیر کرتے ہیں ان کی آواز کو بلند کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جائے تو چنداں مضائقہ نہیں مگر قرأۃ قرآن کی آواز کو بلند کرنے کے لئے استعمال نہ کیا جائے کیونکہ اس آلہ کا رفع صوت بجلی کی رو کے ذریعے انجام پاتا ہے اور بعض اوقات کنکشن کی بے قاعدگی اور بجلی کے مرکز کی خرابی سے بجلی کی رو کا نظام بگڑ جاتا ہے اور اس صورت میں آواز بگڑ کر ایسی کریہہ ہو جاتی ہے کہ سننے والے کو نفرت پیدا ہوتی ہے یا ایسی عجیب ہو جاتی ہے کہ سننے والے بے اختیار ہنس پڑتے ہیں تو اگر خدانخواستہ اثناء قرأت میں الفاظ قرآنی ادا کرتے وقت یہ بات پیش آجائے تو اس سے توہین قرآن لازم آجائے گی اس سے احتیاط لازم ہے بس یہ وجہ اثنائے قرأت میں استعمال سے ممانعت کرنے کی ہے اثناء خطبہ و وعظ میں بھی یہ امکان موجود ہے مگر اس میں اور نماز میں فرق ظاہر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جواب بالا پر مستفتی کا شبہ۔ اولاً یہ کہ آپ نے فرمایا ہے "کہ ممکن ہے کہ کنکشن میں بے قاعدگی یا بجلی کے مرکز میں خرابی پیدا ہو اس سے آواز بگڑ کر کریہہ ہو جائے اور سننے والے کو نفرت پیدا ہو' اس لئے نماز کے موقعہ پر احتیاط لازمی ہے ورنہ توہین قرآن کا اندیشہ ہے" جناب عالی یہاں گزشتہ سال عید الفطر و عید الاضحیٰ کے موقع پر آلہ مکبر الصوت لگایا گیا تھا نہ تو کنکشن میں بے قاعدگی آئی تھی اور نہ ہی بجلی کا مرکز خراب ہوا

تھا بلکہ تمام مقتدیوں نے انتہائی تنظیم اور ترتیب سے اور بے حد سکون و وقار کے ساتھ نماز ادا کی تھی اب صرف کنکشن کی بے قاعدگی یا مرکز کی خرابی کے امکانی یا وہمی خوف سے ایسی عمدہ چیز کو روکنا طبع سلیم گوارا نہیں کرتی جب کہ آپ فرماتے ہیں کہ فی حد ذاتہ اس آلہ میں عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں نیز جب کہ واضح طور پر معلوم ہے اور بار بار مشاہدہ کیا گیا ہے کہ اس آلہ کے عدم استعمال کے وقت ہزاروں بندگان خدا عید جیسے بڑے بڑے مجمعوں میں اپنی نمازوں کو ٹھیک طریقہ سے ادا نہیں کر سکتے یعنی امام و مقتدی کے افعال و حرکات میں سخت تضاد واقع ہو جاتا ہے اور عام طور پر مقتدی ادھر ادھر منہ پھیر کر یا ترچھی نظروں سے دوسرے مقتدیوں کے افعال و حرکات معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو سب سے بڑھ کر یہ کہ کھانسی و نزلہ وغیرہ سے خود امام کی آواز بگڑ کر موجب نفرت ہو سکتی ہے کیا کھانسی نزلہ کے وہمی یا امکانی خوف سے احتیاط کی کوئی صورت ہو سکتی ہے کہ آئندہ سے انسان امامت نہ کیا کریں۔

البتہ جب فی حد ذاتہ اس آلہ میں عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے تو آپ یہ فتویٰ دے سکتے ہیں کہ کنکشن و مرکز کی خرابی کی طرف سے اطمینان حاصل کر لینا چاہئیے اور نماز کے دس پندرہ منٹ کے لئے اس قسم کی احتیاط کچھ مشکل نہیں۔

ثانیاً یہ کہ خطبہ عیدین میں اس کا استعمال مباح ہے باوجودیکہ خطبہ و وعظ میں بھی قرآن مجید کی آیتیں لائی جاتی ہیں کیا قرأت کلام اللہ کی آواز خطبہ و وعظ وغیرہ میں بگڑ کر موجب نفرت بنے تو مضائقہ نہیں اور اس سے توہین قرآن لازم نہیں آتی مگر نماز ہی میں قرأۃ کلام اللہ کی آواز بگڑنے سے توہین قرآن لازم آتی ہے ؟ یہ تضاد کیوں جب کہ ایک ہی کلام اللہ کی آیتیں دونوں مواقع پر پڑھی جاتی ہیں اور جب کہ نماز کی تکبیروں کی تبلیغ کے لئے نماز ہی میں آلہ مکبر الصوت استعمال کرنا مباح ہے تو ان حیثیتوں سے نماز و خطبہ میں کیا فرق ہے۔ المستفتی نمبر ۲۵۶۰ غلام دستگیر خان (معسکر بنگلور) ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ م ۱۷ جنوری ۱۹۴۰ء

(جواب ۲۹۳) **ھو الموفق** میں نے جناب کی دوسری تحریر پڑھی جس میں جناب نے میرے جواب مذکور الصدور پر شبہات وارد فرمائے ہیں پہلا شبہ یہ ہے کہ کنکشن یا برقی لہر سے خراب ہو جانے کا شبہ ایک وہم ہے اس وہم کی بناء پر قرأۃ کی آواز کو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اونچا کرنے کے عمل کو چھوڑا نہیں جا سکتا اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ بات محض وہمی اور فرضی نہیں ہے بسا اوقات پیش آجاتی ہے اور پیش آچکی ہے اس لئے قرآن اور نماز جیسی اہم عبادت میں اس سے اجتناب کرنا ہی اقرب الی الصواب ہے اور قرأۃ کی آواز تمام جماعت کو نہ پہنچے تو نماز میں کوئی نقصان نہیں آتا دوسرا شبہ یہ ہے کہ خطبات میں بھی تو قرآن پڑھا جاتا ہے تو اگر خوف توہین قرآن موجب ممانعت ہے تو یہ خوف خطبات میں بھی موجود ہے اس کا جواب میں نے جواب سابق میں اشارۃً دیدیا تھا کہ نماز اور خطبہ کا فرق ظاہر ہے مگر جناب نے اس پر غور نہیں فرمایا اس کے متعلق توضیحاً گزارش ہے کہ خطبہ میں قرأۃ قرآن اس معنی کے لحاظ سے اختیاری ہے کہ خطیب چاہے تو

لاؤڈ اسپیکر سے ہٹ کر قرأۃ کرلے اور اگر لاؤڈ اسپیکر کی آواز بگڑتی دیکھے تو فوراً قرأۃ بند کردے جب آواز درست ہو جائے تو پھر پڑھ لے اور اگر لاؤڈ اسپیکر خراب ہونے سے بے اختیار لوگوں کو ہنسی آجائے تو نماز تو فاسد ہو جاتی ہے مگر خطبہ کے فاسد ہونے کا خطرہ نہیں اس کے علاوہ بعض علماء کا یہ بھی نظریہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے جو آواز دور دور سنائی دیتی ہے وہ امام کی اصل آواز نہیں ہے بلکہ اس کی حکایت ہوتی ہے اور بعض ماہرین علم البرق وعلم الصوت کی رائے بھی اسی کے قریب قریب ہے تو اگرچہ میرے نزدیک یہ نظریہ راجح نہیں ہے مگر قرأۃ قرآن اور صحت نماز کے بارے میں اس کا بلحاظ رکھنا بہر حال راجح ہے خلاصہ یہ کہ قرأۃ نماز کے لئے اس کے استعمال کی اجازت ابھی میرے ذہن میں نہیں آئی دوسرے علماء کی طرف رجوع فرمائیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے سے آیت سجدہ سنی تو سجدہ لازم ہو گا

(۲) وعظ خطبہ اور نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

(سوال) (۱) نماز کے علاوہ اگر کوئی شخص لاؤڈ اسپیکر میں آیت سجدہ تلاوت کرے تو سامعین پر سجدہ تلاوت واجب ہے یا نہیں ؟

(۲) لاؤڈ اسپیکر کا خطبہ اور نماز عیدین میں لگانا جائز ہے یا نہیں ؟

ضروری نوٹ : (۱) مجالس اسلامیہ' محافل دینیہ میں علماء کرام کا لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ تقاریر کرنا اور تقریر میں قرآن کریم احادیث نبویہ کی تلاوت کرنا مسائل دین کی تعلیم دینا اس امر کی دلیل صریح ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کوئی آلہ لہو ولعب نہیں بلکہ ایک شئی مباح ہے۔

(۲) ماہرین فن برقیات سے تحقیق کی گئی کہ یہ آلہ خالق الصوت ہے یا رافع الصوت امام کی پست آواز کو بلند کرتا ہے جس طرح بولنے والا خود ہی ہلکی اور باریک آواز سے گفتگو کرتے ہوئے گلے کی زیادہ طاقت صرف کرتے ہوئے بلند آواز سے بولے اس کی نظیر غالباً ضعیف البصر کے لئے چشمہ' بہرے کے لئے آلہ مسامع الصوت ہو سکتے ہیں۔

(۳) لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام ہی کی آواز ہے امام کی آواز کے مد' وادغام' غنہ' سرعت' بطو' مخارج حروف وصفات کسی میں کوئی فرق نہیں آتا صرف پستی وبلندی میں اعتبار ہوتا ہے اور یہ بلندی و پستی خود امام کی آواز میں موجود ہے۔

(۴) جماعت کثیرہ میں اواخر صفوف تک امام صاحب کی آواز نہ پہنچنے کی شکل میں مکبرین کا انتظام کیا جاتا ہے لیکن اگر امام خود جہیر الصوت ہے اور آواز آخری صف تک پہنچتی ہے تو مکبرین کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تو پھر لاؤڈ اسپیکر سے جب امام کی آواز بلند ہو جاتی ہے تو مکبرین کی ضرورت پیش ہی نہ آوے گی اس صورت میں سنت کے خلاف بھی نہ ہو گا سنت کے خلاف اس وقت ہو سکتا ہے کہ مکبرین بھی

قائم نہ کئے جائیں اور امام کی آواز کے علاوہ کسی اور چیز سے آواز پہنچائی جائے اور وہ آواز امام کی آواز کے بالکل تابع نہ ہو۔

(۵) آلہ کے استعمال کے واسطے نماز میں امام کو اپنے ہاتھ پاؤں میں حرکت دینا نہیں وضع قطع میں تغیر و تبدل نہیں جس طرح بجلی کے پنکھوں سے ہوا لینے میں نمازی کو کوئی دخل نہیں اگرچہ اپنے ہاتھ سے پنکھا ہلانا جائز نہیں۔

(۶) جب نماز میں مریض لاٹھی ٹیک کے کھڑا ہو سکتا ہے اس کے بھروسہ رفع خفض ہو سکتا ہے اور یہ محض اس کے ضعف معذوری سے تو آلہ کے ذریعہ سے آواز کا پہنچانا کیونکر منع ہو سکتا ہے حالانکہ لاٹھی نمازی کے ہاتھ میں رہتی ہے اور یہ آلہ نمازی سے دور امید کہ امور مذکورہ پر غور فرماتے ہوئے لاؤڈ اسپیکر کے متعلق تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں گے اگر جواب جواز میں ہے تو اختصار کافی ہے دلائل کی ضرورت نہیں اور اگر عدم جواز ہے تو مدلل و محقق درکار ہے المستفتی نمبر ۲۶۳۹ محمد خان صاحب (آگرہ) ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ م ۳۰ جولائی ۱۹۴۰ء)

(جواب ۲۹۴) (۱) لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے آیت سجدہ سننے والے پر سجدہ تلاوت لازم ہے (۲) لاؤڈ اسپیکر کا خطبہ جمعہ و عیدین اور ہر قسم کے وعظ و تذکیر کے جلسہ میں استعمال جائز ہے صرف نماز میں امام کی قرأت کو او نچا کرنے کے لئے لاؤڈ اسپیکر کی اجازت نہیں دی جا سکتی اس کی یہ وجہ نہیں کہ لاؤڈ اسپیکر کوئی نئی آواز پیدا کرتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات کرنٹ کے غائب ہو جانے سے یا آواز پھینکنے والے آلہ کی خرابی سے آواز غائب یا بد نما ہو جاتی ہے اور ان صورتوں میں قاری اور سامع دونوں کو کراہت و تنفر پیدا ہو جاتا ہے اس لئے احتراما للقرآن وصیانۃ للصلوۃ قرأت امام کو اس خطرہ سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ریڈیو اور ہار مونیم اور گراموفون میں فرق۔

(سوال) زید و بکر کے درمیان ریڈیو کے جواز و عدم جواز کے بارے میں اختلاف ہے زید کہتا ہے کہ ریڈیو سننا رکھنا مطلقاً حرام و ناجائز ہے ہار مونیم و گراموفون کے مانند اس کا بھی حال ہے بکر یہ کہتا ہے کہ ریڈیو کوئی باجہ نہیں ہے بلکہ آلہ نشر الصوت ہے اگر اس سے تقریریں خبریں قرآن سنا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں البتہ گانا وغیرہ نہ سننا چاہئے پس اس صورت میں زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا آیا ریڈیو کا سننا اور رکھنا مطلقاً ناجائز ہے یا صحیح اور جائز طریقہ استعمال سے شرعاً اجازت ہے المستفتی نمبر ۲۶۷۲ نجم الحسن رضوی (سیتاپور) ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ م ۹ جولائی ۱۹۴۱ء

(جواب ۲۹۵) ریڈیو کا حکم گراموفون اور ہار مونیم سے مختلف ہے ریڈیو پر خبریں اور مضامین مباح سننا جائز ہے البتہ گانا بجانا اور ایسی چیزیں سننا جو شرع کے خلاف ہوں ناجائز ہے۔ خلاصہ یہ کہ بکر کا قول صحیح

ہے محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نماز میں لاؤڈا سپیکر کا استعمال

(سوال) یہاں بنگالی مسجد میں لاؤڈ اسپیکر (آلہ مکبر الصوت) کا استعمال بہت دنوں سے تھا اس کے بعد دو تین سال سے عید گاہ میں بھی جاری ہو گیا گزشتہ سال غالباً سہوا بحالت نماز عید بھی لگا رہ گیا بند نہیں کیا گیا اس لئے بعض لوگوں نے اعتراضات بھی کئے جناب حاجی داؤد ہاشم صاحب مرحوم نے اپنی زندگی میں بہت سے فتوے اس کے عدم جواز کے متعلق جمع کئے تھے لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی اب مولوی محمود حاجی داؤد سلمہ نے اس سال ان پر کچھ زور دیا اور سورتی جامع مسجد میں بسلسلہ وعظ اس کے متعلق تقریر بھی کی جس کی بنا پر عوام میں باہم موافق و مخالف بہت کچھ چہ میگوئیاں ہونے لگیں موافقین نے خطبہ و نماز میں آلہ مذکور کے عدم جواز پر جناب مولانا تھانوی و جناب مولانا حسین احمد صاحب وغیرہ کے فتووں سے استفادہ کیا اور مخالفین میں سے بعض نے بیان کیا کہ جناب مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب جواز کا فتویٰ دیتے ہیں یہ خیال ہوا کہ شاید جناب کو اس کی پوری تحقیق ہو چکی ہو کہ آلہ مذکورہ سے جو آواز سنائی دیتی ہے وہ بعینہ امام کی آواز ہے صدائے بازگشت نہیں ہے بہر حال جناب تکلیف فرما کر اس کا جواب ارسال فرمادیں تاکہ اصل حال معلوم ہو جائے کہ خطبہ جمعہ و عیدین اور نماز میں آلہ مذکورہ کا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۲۶۸۹ مولانا عبد الخالق صاحب رنگون (برما) ۲۴ شوال ۱۳۶۰ھ م ۱۵ نومبر ۱۹۴۱ء

(جواب ۳۹۶) لاؤڈ اسپیکر کا خطبہ جمعہ و عیدین میں استعمال کرنا جائز ہے مگر امام کی قرأت کو بلند کرنے کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں یہ عدم جواز کا حکم دو وجہ سے ہے اول تو اس احتیاط کی بنا پر کہ اس کی آواز بعینہ امام کی آواز ہے یا صدا ہے اس کی پوری تحقیق اب تک نہیں ہو سکی دوم اس احتیاط کی بنا پر کہ اگر اثناء قرأت میں کرنٹ کا تسلسل جاتا رہے یا مشین بگڑ جائے تو آواز نہایت کریہ اور بھیانک ہو جاتی ہے اور وہ قرأۃ کی توہین و استہزاء کی موجب ہو جاتی ہے مگر خطبہ میں یہ بات اختیار میں ہوتی ہے کہ خطیب اس کی طرف سے منہ پھیرے اور نماز میں یہ بات مشکل ہے اس لئے اس میں نے اب تک صرف خطبہ میں یا زیادہ سے زیادہ مبلغین تکبیرات انتقال کے لئے استعمال کی اجازت دی ہے امام کی قرأۃ کے لئے نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

گراموفون سننے اور اس کے ذریعے آیت سجدہ اور سلام کے جواب کا حکم!

(سوال) ماقولکم دام فضلکم فی جراموفون هل یجوز سماع الاصوات الخارجة منها ام لا فان قلتم نعم فهل الحکم فی رد السلام و سجود التلاوة و نحو هما کما هو عند السماع من القاری ام لا ؟

(ترجمہ) گراموفون سننا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اس میں آیت سجدہ پڑھی جائے تو سجدہ تلاوت اور سلام ہو تو اس کا جواب دینے کا کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۵۶۲ حاجی گل محمد منگلوری الیس کے ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ م ۲۸ جنوری ۱۹۴۰ء

(جواب ۲۹۷) لا يجوز سماع الاصوات الخارجة من جراموفون ولا يجب على السامع رد السلام و سجود التلاوة (قوله من الصدى) هو ما يجيب مثل صوتك في الجبال والصحارى ونحو هما كما في الصحاح (رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۸) فقط والله اعلم

(ترجمہ) گراموفون سننا جائز نہیں ہے اور اس میں آیت سجدہ پر سجدہ تلاوت اور سلام پر جواب سلام واجب نہیں ہوتا رد المحتار میں ہے کہ صدیٰ پر سجدہ تلاوت واجب نہیں اور صدیٰ وہ آواز ہے جو بولنے والے کی آواز پہاڑوں اور جنگلوں سے ٹکرا کر واپس آتی ہے اور گراموفون بھی اسی کے حکم میں ہے۔

اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی الجواب صحیح محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

(سوال) بموقعہ جمعۃ الوداع و عیدین ازدحام کثیر کی وجہ سے تمام نمازیوں کو امام و مکبرین کی آواز نہ پہنچنے کی وجہ سے نماز میں خلل واقع ہو رہا ہے اس کی اصلاح کے لئے اگر آلہ مکبر الصوت استعمال کیا جائے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں المستفتی مرزا غلام محمد بی اے کوچہ رائمان چاندی چوک دہلی

(جواب ۲۹۸) لاؤڈ اسپیکر کے متعلق جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے وہ آواز کو دور تک پہنچانے کا آلہ ہے خود اپنی آواز نہیں رکھتا اس لئے جو آواز کہ اس کے ذریعہ سے بلند ہو کر دور کے مقتدیوں کو پہنچے گی وہ امام یا مکبر ہی کی آواز ہوگی اور اس پر انتقالات نماز کی بنا صحیح ہوگی لیکن چونکہ مشین میں نقصان پیدا ہو جانے سے بعض اوقات آواز نہایت خراب بھدی غیر مفہوم مضحک آفریں ہو جاتی ہے نیز آواز کی اپنی اصلی مقدار سے بلندی اس میں ایک جدید کیفیت پیدا کر دیتی ہے جو سننے والے کو اپنی طرف متوجہ رکھتی ہے اور خشوع و توجہ الی اللہ میں نقصان واقع ہوتا ہے اس لئے امام کی قرأت بلند کرنے کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا ٹھیک نہیں ہے کہ اول تو وہ روح نماز (خشوع) کے منافی ہے دوم احتمال ہے کہ دفعتہً آواز ایسی خراب ہو جائے کہ لوگ بے اختیار ہنس پڑیں یا اس کے سننے سے نفرت کرنے لگیں یا گھبرا جائیں ہاں امام کے پیچھے لوگ کہ تکبیرات انتقالات زور سے کہتے ہیں کہ جماعت کو انتقالات معلوم ہوتے رہیں اور رکوع و سجدہ وغیرہ ٹھیک طریقے سے ادا ہوتے رہیں ان کے سامنے لاؤڈ اسپیکر لگا دیا جائے تو مضائقہ نہیں ہے اسی طرح خطیب کے سامنے خطبہ کے وقت لگا ہو تو اس میں بھی مضائقہ نہیں ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ نیو سینٹرل جیل ملتان ۲۱ صفر ۱۳۵۱ھ ۷ ۲ جون ۱۹۳۲ء

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے نماز اور خطبے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۵ فروری ۱۹۳۴ء)

(سوال) و بعد فان مسلمی بلدتنا کلمبو یرون ان قراء ۃ خطبة الجمعة بالراد یو من متممات اشاعة الدین لا سیما فی هذا الزمان الذی یشتاق فیه طالبوا الحق من غیر المسلمین ان یتعلموا حقیقة الاسلام و تعلیماته الصادقة

(ترجمہ) ہمارے شہر کولمبو کے مسلمانوں کا خیال ہے کہ ریڈیو میں خطبہ جمعہ کا پڑھنا دینی تبلیغ کی غرض سے ضروری ہے اور خاص کر اس زمانے میں جب کہ غیر مسلم لوگوں کو حق کی تلاش اور اسلامی تعلیمات حاصل کرنے اور اسلام کی حقیقت معلوم کرنے کا اشتیاق ہے۔ المستفتی حبیب محمد سکریٹری شعبہ کولمبو

(جواب ۲۹۹) نعم یجوز سماع الخطبة للجمعة و العیدین بالة تسمی لاؤد اسپیکر لکنه لا یجوز سماع قراء ۃ الامام فی الصلوٰۃ بهذه الالة فان امر القراء ۃ الصلوٰتیة مما یحتاط فیها غایةالاحتیاط

(ترجمہ) ہاں جمعہ و عیدین کا خطبہ لاؤڈ اسپیکر میں سننا جائز ہے لیکن نماز میں امام کی قراۃ سننے کے لئے لاؤڈ اسپیکر لگانا جائز نہیں ہے کیونکہ نماز کی قراۃ ان امور میں سے ہے جن میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

خطبہ عجمی زبان میں پڑھنے اور خطبے میں لاؤڈ اسپیکر کا حکم

(سوال) جمعہ و عیدین کے خطبے صرف اردو یا عربی خطبہ کا مل ترجمہ یا بعض عربی و بعض اردو پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو بکراہت یا بلا کراہت نیز کیا شرعی مصالح پر نظر رکھتے ہوئے ان خطب میں آلہ مکبر الصوت استعمال کیا جا سکتا ہے؟ المستفتی حافظ مستری انعام الٰہی صاحب محلہ فراشخانہ دہلی

(جواب ۳۰۰) خطبہ جمعہ و عیدین میں سنت قدیمہ متوارثہ یہی ہے کہ عربی زبان میں ہو صحابہ کرام کے زمانے میں عجمی ملک فتح ہو گئے تھے اور اسلام کے حدیث العہد ہونے کی بناء پر اسوقت زیادہ ضرورت تھی کہ ان کی زبانوں میں احکام اسلام کی تبلیغ کی جائے تمام صحابہ کرام اور تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین نے جمعہ اور عیدین کے خطبات کو خالص عربی زبان میں رکھا اور کسی غیر عربی زبان میں خطبہ نہیں پڑھا گیا لاؤڈ اسپیکر کا خطبہ جمعہ و عیدین میں استعمال کرنا فی نفسہ مباح ہے کیونکہ یہ صرف ترفیع الصوت یعنی آواز کو بلند کرنے کا آلہ ہے لیکن اگر اس آلہ کے استعمال کو اس امر کا ذریعہ بنالیا جائے کہ خطبہ کی بھی زبان بدل کر عجمی زبان میں خطبہ پڑھا جائے تو پھر اس آلہ کا استعمال بھی اس تسبیب کی وجہ سے خلاف سنت کی مد میں داخل ہو جائے گا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

لہو و لعب کی مجلس کی ابتدا تلاوت قرآن سے کرنا جائز نہیں

(سوال) جس آلہ میں قرآن شریف سے تلاوت ہو اور اسی اسٹیج پر اس کے چند منٹ بعد لہو و لعب شروع ہو جاتا ہے یہ فعل سنت کے خلاف ہے یا نہیں ؟ کیا اسی صورت سے لوگ ناچ گانے کی ابتدا میں تلاوت کرکے شروع کر سکتے ہیں یا نہیں کیونکہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ریڈیو کی ابتدا قرآن شریف سے ہوتی ہے تو ناچ گانے میں شروع میں تلاوت قرآن ہو جائے تو کیا حرج ہے وہ آلہ کے ذریعہ محفل ہوتی ہے یہ بغیر آلہ کے ہے۔ المستفتی مستری حافظ انعام الٰہی محلہ فراش خانہ دہلی

(جواب ۳۰۱) ناچ گانے کی محفل کو ریڈیو اسٹیشن سے قیاس کرنا صحیح نہیں محفل میں جو کچھ گایا جاتا ہے اس کا تعلق ایک جماعت اور ایک مجلس سے ہوتا ہے اس لئے ناچ گانے کی مجلس کی ابتدا قرآن مجید سے کرنا اس کا مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ ایک حرام مجلس کی ابتدا قرآن مجید سے کی جائے جو حرام ہے ریڈیو ایک تبلیغ صوت کا آلہ ہے اس کی کوئی خاص مجلس نہیں ہے سننے والے اپنے اپنے مکانوں میں سنتے ہیں کوئی مجلس اور کوئی ہیئت اجتماعیہ نہیں بنتی اور جس کا جی چاہے وہ مشین کھولے اور جس کا جی نہ چاہے وہ نہ کھولے اور نہ سنے اس لئے مجلس رقص و سرور اور ریڈیو اسٹیشن کے احکام جدا جدا ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(۱) ریڈیو کا استعمال کب جائز ہے؟
(۲) ریڈیو پر تلاوت قرآن کرنا اور سننا اور ثواب وغیرہ
(۳) عورتوں کا تقریبات میں گانا
(۴) گانے کے کسب کا حکم
(۵) عرس کی مروجہ رسم بدعت ہے

(سوال) (۱) ریڈیو کا گھر میں لگانا جائز ہے یا نہیں ؟ کیونکہ اس میں گانا بجانا بہت کثرت سے ہوتا ہے (۲) ریڈیو میں قرآن شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ کیونکہ اسی اسٹیج پر گانا بجانا بھی ہوتا ہے (۳) ریڈیو میں قرآن پڑھنے والا سننے والا ثواب کا مستحق ہے یا نہیں (۴) عورتیں اکثر تقریب کے موقع پر جو گاتی ہیں شریعت اس فعل کے متعلق کیا کہتی ہے (۵) جو لوگ گانے کا کسب کرتے ہیں یا کرتی ہیں یا سنتے ہیں شریعت اس فعل کے کرنے والوں کے بارے میں کیا کہتی ہے (۶) مزاروں پر عرس کرنا اور ختم کرانا مناجاتوں کا پڑھنا اور کھانے کی چیزوں پر ہاتھ اٹھا کر ایصال ثواب کرنا اور قوالی کرنا کیسا ہے ؟ المستفتی مستری حافظ انعام الٰہی دہلی

(جواب ۳۰۲) (۱) ریڈیو کی مشین گھر میں لگانا اس شرط سے جائز ہے کہ اس میں صرف خبریں اور مباح تقریریں سنی جائیں گانا بجانا اور ناجائز تقریریں نہ سنی جائیں (۲) ریڈیو پر قرآن مجید پڑھنا اور ریڈیو کے ذریعہ سے قرآن کریم سننا مباح ہے (۳) اگر پڑھنے والا مفت بقصد تبلیغ پڑھے تو ثواب کا مستحق ہوگا اور اگر

اجرت لے کر پڑھے تو کوئی اجر و ثواب نہیں ہے (۴) اگر اجنبی مردوں کو آواز پہنچتی ہے تب تو ممنوع ہے ورنہ مضائقہ نہیں اور آلات لہو کے ساتھ بہر حال ممنوع ہے (۵) گانے کا کسب تو بہر صورت ممنوع ہے اور اگر اشعار کے مضامین خلاف شرع ہوں یا آلات لہو کا بھی اس کے ساتھ استعمال ہو تو سننا بھی جائز نہیں (۶) عرس کی رسم جس طرح مروج ہے یہ مکروہ و بدعت ہے بلا قصد تعین کوئی عبادت مثلاً تلاوت قرآن مجید صدقات و خیرات کر کے ایصال ثواب کرنا جائز ہے فاتحہ مروجہ یعنی شیرینی کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بے اصل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ مدرسہ امینیہ دہلی

نمازیوں کو لاؤڈ اسپیکر پر بولنے سے تشویش ہو تو......

(سوال) بعد اذان جمعہ جب کہ نمازی مسجد جامع میں جمع ہو کر سنتیں وغیرہ ادا کر رہے ہوں اس وقت لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے کوئی تقریر کرنا جس کا اثر نمازیوں پر پڑتا ہو اور باعث پریشانی ہو جائز ہے یا نہیں اور کسی مسلمان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ ایسی تقریر کرنے والے کو منع کر سکے سنا جاتا ہے کہ جہاں نمازی نماز پڑھ رہے ہوں قرآن شریف بھی با آواز بلند پڑھنا جائز نہیں ہے۔ المستفتی محمد ظہیر الدین طبیب میرٹھ ۲ شعبان ۱۳۷۰ھ

(جواب ۳۰۳) جب کہ مسجد میں لوگ نماز پڑھ رہے ہوں لاؤڈ اسپیکر پر بولنا درست نہیں کیونکہ نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوگا ہاں اگر کوئی ضروری بات بتانی ہو تو پہلے سے اعلان کر دیا جائے مثلاً "ایک بجنے سے سوا بجے تک اعلان کیا جائے گا اس کے بعد لوگ سنتیں شروع کریں" تو اس میں مضائقہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ

سترھواں باب
جادو، رمل، فال، قرعہ، نجوم وغیرہ

رمل سیکھنا بہر صورت حرام ہے

(سوال) مجھ کو علم رمل کا شوق ہے مگر اعتقاد اس آیت پر ہے **وعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها الا هو** اور یہ میرا پیشہ نہیں ہے اور نہ میں اس کے ذریعہ سے پتہ حکم احکام لگاتا ہوں اور نہ مجھ میں اتنی قدرت ہے مگر شوق ضرور ہے لیکن مطابق اس حدیث کے کیا یہ حدیث صحیح ہے یا غلط (نعوذ باللہ من ذلک) اور میں نماز پڑھاتا ہوں کیا میرے پیچھے نماز جائز ہے یا ناجائز؟ **عن معاوية بن حكم قال قلت يا رسول الله** امور اكنا نصنعهما في الجاهلية كنا ناتي الكها ن قال فلا تا توا الكهان **قال قلت كنا نتطير قال** ذلك شي يجده احد كم في نفسه فلا يصدنكم **قال قلت ومنا رجال يخطون قال كان نبي من**

الانبیاء یخط فمن وافق خطه فذالک رواه مسلم - حضرت معاویہؓ اس کے راوی ہیں اور صحیح مسلم میں یہ حدیث شریف ہے اور وہ یہ خط ہیں جن پر میں صرف اپنا شوق رکھتا ہوں۔

اس کو دائرہ دانیال جو حضرت دانیال کا وضع کیا ہوا ہے اور دوائر بدرج بھی کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں ارشاد فرماتا ہے واذکر فی الکتاب ادریس

(جواب ۳۰۴) حدیث مذکور فی السوال تو صحیح ہے لیکن اس سے علم رمل کے جواز تعلیم و تعلم پر استدلال نہیں ہو سکتا علامہ نووی نے فرمایا اختلف العلماء فی معناه والصحیح ان معناه من وافق خطه فهو مباح والطریق لنا الی معرفة ذلك والعلم الیقینی بالموافقة فلا یباح' وقال عیاض معناه من وافق خطه فذاك الذی تجدونه اصابة مما یقول لا انه اباح ذلك لفاعله قال و یحتمل ان هذا نسخ من شرعنا وقال الخطابی هذا الحدیث یحتمل النهی عن هذا الخط وان كان علما لنبوة ذالك النبی وقد انقطعت فنهی عن تعاطی ذلك قال النووی فحصل من مجموع كلام العلماء الاتفاق علی النهی عنه الان (۱) انتهی (كذافی مجموعة الفتاوی نقلا عن مرقاة الصعود) فقہائے حنفیہ نے بھی اس کی تعلیم و تعلم سے منع فرمایا ہے - هو علم بضروب اشكال من الخطوط والنقطة بقواعد معلومة تخرج حروفا تجمع و تستخرج جملة دالة علی عواقب الامور وقد علمت انه حرام قطعا واصله لادریس علیه السلام انتهی (۲) (كذافی رد المحتار نقلا عن الطحطاوی) وفی الدر المختار و حراما وهو علم الفلسفة و الشعبدة والتنجیم والرمل و علوم الطبائعین والسحر والكهانة الخ انتهی وفی ردالمحتار فهو شریعة منسوخة وفی فتاوی ابن حجران تعلیمه و تعلمه حرام اشد التحریم لما فیه من ایهام العوام ان فاعله یشارك الله تعالی فی غیبه - (۳) انتهی پس جو شخص کہ اسے حق سمجھے اور اس کے ذریعہ سے غیب دانی کا دعویٰ کرے اور واقعات ماضیہ یا آئندہ کی خبر دے اس کے لئے حرام بلکہ موجب کفر ہونے میں شبہ نہیں اور جو ایسا نہ سمجھے اس کے حق میں بھی فقہاء نے سدا للباب اسے ناجائز قرار دیا ہے۔

(۱) قرآن مجید سے فال نکالنا جائز نہیں
(۲) قرآن مجید اور مولوی کی گستاخی کرنے والا کافر ہے

(سوال) ایک لڑکے کے کچھ زیورات کسی نے اتار لئے لوگوں کا خیال ایک شخص کی طرف گیا اور فال کلام مجید سے نکالی گئی اور اسی شخص کا نام نکلا جس کی طرف خیال تھا اس کو جب معلوم ہوا تو اس نے مسجد میں جاکر قرآن مجید کے چند ورق پھاڑ لئے اور ان پر پیشاب کر دیا (نعوذ باللہ) اور کہنے لگا کہ قرآن مجید بھی جھوٹا اور

---

(۱) (نووی شرح مسلم ۱/۲۰۳)
(۲) (مقدمه رد المحتار مع الدر ۱/۴۴)
(۳) (مقدمه رد المحتار مع الدر ۱/۴۳، ۴۴، ۴۵)

مولوی سالا بھی جھوٹا آیا یہ شخص اسلام میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ اور ہو سکتا ہے تو کیسے ؟
(جواب ۳۰۵) شریعت میں فال نکالنا منع ہے اور اس کے منع ہونے کی دو وجہیں ہیں اول تو یہ کہ علم غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ممکن ہے کہ نام غلط نکلے اور پھر جس کا نام نکلے خدانخواستہ کہیں وہ ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جیسی کہ اس شخص نے کی شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کا یہی نتیجہ ہوتا ہے جو آپ نے دیکھا جس شخص نے کلام مجید اور مولویوں کے ساتھ ایسی گستاخیاں کی ہیں وہ کافر ہے لیکن نہ ایسا کافر کہ کبھی اسلام میں داخل نہ ہو سکے بلکہ جدید توبہ سے وہ اسلام میں داخل ہو سکتا ہے آئندہ فال نکالنے سے احتراز کرنا چاہئے (۱) تاکہ فال نکال کر نام نکالنے والے اس شخص کی طرح خود بھی اور جس کا نام نکلا تھا اسے بھی گناہ گار نہ کریں اس شخص سے توبہ کرانے کے بعد اس کی بیوی سے تجدید نکاح لازم ہے۔

(۱) جادو کیا ہے۔
(۲) حضور ﷺ پر جادو کا اثر کتنا ہوا تھا۔
(سوال) (۱) جادو کیا چیز ہے اور اس کا قرآن و حدیث سے ثبوت ملتا ہے یا نہیں ؟ (۲) حضرت نبی کریم ﷺ پر جادو کرایا گیا تھا یا نہیں (۳) زید کہتا ہے کہ جادو کی حقیقت سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ فریق مخالف کو وہم کے اندر مبتلا کیا جائے جیسے مریض سے کوئی کہہ دے کہ تمہاری زندگی کی کوئی امید باقی نہیں رہی امید کہ جواب سے مستفید فرمائیں گے المستفتی نمبر ۳۸۰ محمد سعید (دہلی) ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق ۶ اگست ۱۹۳۴ء
(جواب ۳۰۶) (۱) اگرچہ سحر کے معنی میں اختلاف ہے اور اس کی تحدید و تعین میں کئی قول ہیں لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس سے عام طور پر جو معنی مراد لئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں کہ جو کام شیاطین کی مدد سے ہوتے ہیں ان میں شیاطین کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ان کی بھینٹ چڑھائی جاتی ہے اور ان کاموں کے آثار بھی ظاہر ہوتے ہیں وہ کام جادو کہلاتے ہیں (۲) (۲) حضور اکرم ﷺ پر جادو کیا گیا تھا اور اس کا اس قدر اثر بھی ہوا تھا کہ حضور ﷺ کے خیالات میں ایک قسم کی پریشانی لاحق ہو گئی تھی اور جو کام نہیں کئے تھے ان کے متعلق ایسا خیال ہوتا تھا کہ کئے ہیں (۳) (۳) جادو کی مختلف قسمیں ہیں ان میں شعبدہ بازی اور نظر بندی بھی داخل ہے بلکہ نجوم کا ایک شعبہ بھی سحر کہلاتا ہے معوذتین کا نزول جادو کے علاج کی غرض سے ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے سے حضور ﷺ کو شفا عطا فرمائی تھی وہم کا پیدا ہونا اور دماغ کا مشوش

---

(۱) وفی فتاوی ابن حجران تعلمه و تعليمه حرام شديد التحريم لما فيه من ايهام العوام ان فاعله يشارك الله تعالى في غيبه (مقدمه رد المحتار مع الدر ۱/ ۴۳، ۴۴)
(۲) و حاصله ان السحر اسم جنس لثلاثة انواع (مقدمه رد المحتار مع الدر ۱/ ۴۳) فان السحر حق عندنا وجوده و تصوره و تكون اثره كما في المحيط (ردالمحتار مع الدر ۳/ ۴۹۴)
(۳) وفي رواية ان الذى تولى السحر لبيد بن الاعصم و بناته فمرض النبي ﷺ فنزل جبرئيل بالمعوذ تين واخبره بموضع السحر و بمن سحره و بم سحره وكل ماجاء في الروايات من انه عليه الصلاة والسلام يخيل اليه فعل شي ولم يفعله و نحوه محمول على التخيل بالبصر لا لخلل تطرق الى العقل (روح المعانى ۱۵/ ۳۲۶، ۳۲۷ مكتبه امداديه ملتان)

ہوجانا بھی اس کے آثار میں سے ہے بس اس قدر اس کی حقیقت ہے قلب ماہیت اسکے ذریعہ سے نہیں ہوتا حضرت موسیٰ کے مقابلے میں ساحروں نے اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپ کی شکل میں کرکے دکھایا تھا وہ حقیقۃً جاندار سانپ نہیں بن گئے تھے بلکہ ایک قسم کی نظر بندی تھی اور ان کے جادو کا اتنا ہی اثر تھا۔ قرآن مجید کی آیت سحرو ااعین الناس اس کی دلیل ہے۔ محمد کفایت اللہ

(۱) ابجد حساب کے ذریعے نام نکال کر ستارہ دیکھنا
(۲) فال نکالنا جائز نہیں ہے

(سوال)(۱) اپنے نام کا ابجد حساب کا عدد نکال کر ستارہ دیکھا کرتے ہیں اور ابجد کا حساب وغیرہ کرنا یا دیکھنا یہ جائز ہے یا نہیں (۲) دیگر کتابوں کے لکھے ہوئے کے موافق انگلیاں رکھ کر فال دیکھا کرتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۱۱۴۴ عبدالغفور صاحب (ضلع رتناگری) ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۵ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۰۷) (۱) ابجد کے موافق اعداد کا شمار اور اعتبار کرنا بعض چیزوں میں جائز ہے مگر اس سے کوئی ایسا کام لینا جیسا کہ نجوم کے علم میں لیا جاتا ہے جائز نہیں ہے(۱) (۲) فال دیکھنا اور اس کے موافق عمل کرنا جائز نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قرآن مجید سے فال نکالنا سخت گناہ ہے

(سوال) قرآن مجید میں سے کسی قسم کی بھی فال نکالنا کیا جائز ہے المستفتی نمبر ۱۱۹۱ محمد دانیال (...) ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۶ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۰۸) قرآن مجید سے فال نکالنا ناجائز ہے فال نکالنا اور اس پر عقیدہ کرنا کسی اور کتاب (مثلاً دیوان حافظ یا گلستان وغیرہ) سے بھی ناجائز ہے مگر قرآن مجید سے نکالنا تو سخت گناہ ہے کہ اس سے بسا اوقات قرآن مجید کی توہین یا اس کی جانب سے بد عقیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

پتلا بنانا اور بارش نہ ہونے کے لئے اس کو درخت پر لٹکانا جائز نہیں

(سوال) زید کی زوجہ ہندہ نے ایک پتلا بنا کر اس کا منہ کالا کر کے اپنے صحن کے کسی درخت میں لٹکایا اور اس

---

(۱) ان علم النجوم فی نفسہ حسن غیر مذموم' اذ ھو قسمان حسابی وانہ حق' واستدلالی بسیر النجوم و حرکۃ الافلاک علی الحوادث بقضاء اللہ تعالی و قدرہ وھو جائز کاستدلال الطبیب بالنبض من الصحۃ والمرض ولو لم یعتقد بقضاء اللہ تعالی وادعی الغیب بنفسہ یکفر (مقدمہ رد المحتار مع الدر ۱/ ۴۴)

(۲) والحاصل ان الکاھن من یدعی معرفۃ الغیب باسباب وھی مختلفۃ والکل مذموم شرعا محکوم علیہم و علی مصدقھم بالکفر (رد المحتار مع الدر ۴/ ۲۴۲)

سے اس کا مقصد یہ تھا کہ بارش ہو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کے متعلق کیا حکم ہے نیز یہ کہ اس کا نکاح باقی رہا یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۱۲۱۴ کریم اللہ خان صاحب (ضلع بلاسپور) ۷ ارجب ۱۳۵۵ھ م ۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۰۹) پتلا بنانا اور بارش نہ ہونے کے لئے درخت میں لٹکانا دونوں فعل ناجائز اور حرام ہیں لیکن ان کی وجہ سے زوجہ نکاح سے باہر نہیں ہوئی اور تجدید نکاح لازم نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

قرعہ اندازی کے ذریعے تقسیم جائیداد جائز ہے.

(سوال) مسمی حافظ محمد حسین برادر کلاں اور مسمی حافظ عبدالخالق برادر حقیقی خورد میں بوجہ تنازعات شدید تقسیم جائیداد میں جھگڑا واقع ہوا اور طرفین نے برضامندی بذریعہ اقرار نامہ اسٹامپ قیمتی ایک روپیہ پنچایت کو مجاز فیصلہ ٹھہرایا چنانچہ سب سے پہلے فیصلہ مکان تجویز ہوا چونکہ دو بھائی ہیں اور مکان بھی دو ہیں ایک دوکان پختہ بازار میں ہے اور مکان بازار سے علیحدہ ہے اگر مکان ودکان دونوں کا نصف نصف حصہ کیا جاتا تو صرفہ بھی زیادہ ہوتا اور مکان کی حیثیت بھی خراب ہو جاتی اور رفع نزاع بھی نہ ہوتا دونوں کو بوجہ تنگ ہو جانے کے تکلیف ہوتی اس لئے پنچایت نے حیثیت مکان پندرہ سو روپے کی اور دوکان پچیس سو روپے کی ٹھہرائی یعنی دوکان جس کے حصے میں آئے وہ پانچ سو روپے نقد مکان والے حصہ میں شامل کرے یہ رائے بالاتفاق پاس ہوئی پنچوں نے دونوں سے دریافت کیا دونوں نے مکان ہی پر رضامندی کی دوکان کو دونوں نے ناپسند کیا اس لئے پنچوں نے یہ تجویز کیا کہ چٹھی ڈالی جائے جس کے نام وہ نکلے وہ لے لیوے دونوں نے یہ بات منظور کیا اس منظوری کے بعد دو چٹھیاں دونوں کے نام سے پوشیدہ طور پر ایک چھوٹا لڑکا جس کی عمر تخمیناً دس سال کی ہوگی اسی کے ہاتھوں سے یہ چٹھیاں ڈلوائی گئیں لہذا مکان حافظ محمد حسین کے نام سے نکلا اور دوکان حافظ عبدالخالق برادر حقیقی خورد کے نام سے نکلی اب اس فیصلہ کی حافظ عبدالخالق نے سخت مخالفت کی اور کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ ہم کو منظور نہیں ہے یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے یعنی جوا ہے میں اس کو ہرگز منظور نہ کروں گا اب امیدوار ہوں کہ آگاہ فرمایا جائے کہ کیا یہ طریقہ خلاف شریعت ہے اگر خلاف شریعت ہے تو یہ فیصلہ رد کر دیا جائے اور جو طریقہ تقسیم جائیداد کا مطابق شریعت محمدیہ ﷺ ہو مطلع فرمائیں تاکہ اسی طریقہ پر عمل کیا جاوے **المستفتی** نمبر ۱۲۶۷ حافظ محمد حسین صاحب (ضلع بہرائچ) ۱۴ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۸ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۱۰) یہ فیصلہ شریعت کے خلاف نہیں اور نہ جوا ہے بلکہ جائز ہے اور دونوں پر لازم ہے کہ اسے تسلیم کریں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) و یکتب اسامیھم و یقرع لتطیب القلوب فمن خرج اسمه فله السھم الاول ومن خرج ثانیا فله السھم الثانی الی ان ینتھی الی الاخیر (قال المحقق) اذا قسم القاضی او نائبه بالقرعة فلیس لبعضھم الاباء بعد خروج بعض السھام (رد المحتار مع الدر ۶/۲۶۳)

غیب کی باتیں بتانے والا فاسق اور اس کی امامت مکروہ ہے

(سوال) زید امام مسجد ہوتے ہوئے لوگوں کو خبریں غائبہ آتیہ بتاتا ہے اور کاہن بنا ہوا ہے ایسے شخص کے متعلق شریعت مصطفویہ کیا حکم فرماتی ہے براہ کرم دلائل نقلیہ سے اس مسئلہ کی توضیح فرمادیں۔ المستفتی نمبر ۱۵۲۰ سراج الدین ملتانی ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۲ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۱۱) آئندہ کی خبریں لوگوں کو بتانا کہانت میں داخل ہے اور کہانت حرام ہے(۱) اور اس کا مرتکب فاسق(۲) اس کی امامت مکروہ ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فال نکالنے کے متعلق ایک سوال

(سوال) متعلقہ فال وغیرہ المستفتی نمبر ۱۶۷۴ مولوی امین الدین (ضلع چھپارن) ۷ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۵ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۱۲) چور کا نام نکالنے کے لئے قرآن مجید سے فال لینا ناجائز ہے(۲) اور اس کو یہ سمجھنا کہ یہ قرآن مجید کو ماننا یا نہ ماننا ہے غلط ہے اس لئے حافظ صاحب کا یہ کہنا کہ تم قرآن مجید کو مانتے ہو تو زید کے دس روپے دیدو کیونکہ قرآن مجید نے تمہیں چور بتایا ہے یہ بھی صحیح نہیں تھا اور بکر اور اس کے باپ کا یہ کہنا کہ ہم قرآن وران کو نہیں مانتے اگرچہ ایک بیباکی کے لہجے میں کہنے کی وجہ سے موجب الزام ہے مگر کفر کا حکم نہیں دیا جا سکتا اور ان سے توبہ کرا کے ان کو کھانے پینے میں شریک کیا جا سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ماہ صفر کو منحوس سمجھنا غلط ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) مشہور ہے کہ ماہ صفر کے کم از کم تیرہ دن کے اندر سفر کرنا یا کوئی نیا معاملہ بیوپار وغیرہ کرنا اچھا نہیں ہے ضرور کسی نہ کسی آفت میں انسان مبتلا ہوتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟

(جواب ۳۱۳) یہ خیال کہ ماہ صفر میں اور بالخصوص تیرہ دن کے اندر سفر کرنا یا کوئی جدید کاروبار کھولنا منع ہے یا موجب مضرت ہے بالکل بے اصل اور غلط ہے شریعت مقدسہ میں اس کی کوئی دلیل نہیں اور اصل نہیں ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) الحاصل ان الکاهن من یدعی معرفة الغیب بالا سباب وهی مختلفة فلذا انقسم الی انواع والکل مذموم شرعا محکوم علیهم و علی مصدقهم بالکفر (رد المحتار مع الدر ۴: ۲۴۲)

(۲) والکاهن کما فی مختصر النهایة للسیوطی من یتعاطی الخبر عن الکائنات فی المستقبل ویدعی معرفة الاسرار وقال الخطابی هو الذی یتعاطی معرفة مکان المسروق والضالة ونحو هما والکل مذموم شرعا (رد المحتار مع الدر ۴: ۲۴۲)

(۳) عن ابی هریرة قال رسول اللہ ﷺ لا عدوی ولا صفر ولا هامة (صحیح مسلم: ۲/ ۲۳۰)

اٹھارھواں باب
قمار' لاٹری' معما

انعامی ٹکٹ خریدنا قمار ہے

(سوال) اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں نائب مفتی صاحب کا فتویٰ بابت عدم جواز خرید و فروخت انعامی ٹکٹ شائع ہوا ہے براہ کرم تحقیق سے تحریر فرمائیں کہ آپ کی رائے میں یہ قمار ہے یا بیع یا اجارہ اور بیع و اجارہ فاسد ہے یا باطل ؟ اور بعض حضرات کی رائے میں یہ بیع فاسد ہے اور نائب مفتی صاحب کے فتویٰ سے اس کا قمار ہونا مترشح ہوتا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۱۶ سعد اللہ خاں ضلع جہور ۲۸ رجب ۱۳۵۲ھ م ۱۸ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۱۴) یہ معاملہ نہ بیع ہے نہ اجارہ بلکہ حقیقۃً قمار ہے(۱) اگرچہ اس میں بیچنے خریدنے کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں مگر حقیقۃً وہ ٹکٹ جو پہلا شخص خریدتا ہے بحیثیت بیع اور مال ہونے کے نہیں خریدتا بلکہ وہ قمار کے پانسے کے طور پر خریدتے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے وہ اور چار آدمیوں کو اس دام میں پھانس کر ان سے دام وصول کر سکیں و علی ہذا پس یہ معاملہ بیع فاسد کا نہیں بلکہ قمار کا ہے اور جواب جو الجمعیۃ میں شائع ہوا وہ صحیح ہے بیچنے خریدنے کا لفظ آج کل عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے جیسے ریل کا ٹکٹ ڈاک کا ٹکٹ خریدا جاتا ہے حالانکہ ریل وڈاک کے ٹکٹ نہ خود بیع ہیں نہ مال مقصود بالبیع بلکہ وہ کرایہ ریل اور کرایہ ڈاک کی سندیں ہیں خریدنے والے نے ریل کا کرایہ ادا کیا ہے اور خط بھیجنے کا محصول ادا کیا ہے نہ یہ کہ کاغذ کے پرزے خریدے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

قمار کی ایک صورت اور اس کا شرعی حکم.

(سوال) چند شخصوں نے اللہ واسطے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس (مرسلہ) فارم کے قانون کے موافق فارم خریدنا اور کوشش کر کے لوگوں کو فروخت کرنا جو رقم بڑھے یا کمپنی سے ملے اس رقم کو مسجد یا مسجد کے مکانوں میں خرچ کرنا تو یہ درست اور جائز ہے یا نہیں براہ کرم یہ فارم بھی واپس کر دیں۔ المستفتی نمبر ۱۰۵۷ حافظ رفیع الدین صاحب (مشرقی خاندیس) ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۶ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۱۵) یہ فعل اور عمل بھی لاٹری اور قمار میں داخل ہے اور ناجائز ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) القمار كله الميسر وهو السهام التي يجيلونها فمن خرج سهمه استحق منه ما توجبه علامة السهم وهو فى الاصل تمليك المال على المخاطرة وهو اصل فى بطلان عقودالتمليكات الواقعة على الاخطاء(احكام القرآن للجصاص ۲/۴۶۵ ط ب)

(۲) (حوالہ گزشتہ احکام القرآن للجصاص تفسیر سورۃ المائدۃ ۲/۴۶۵)

معمہ حل کر کے انعام لینا قمار ہے

(سوال) معمہ حل کر کے انعام لینا کیسا ہے آج کل اشتہارات میں عموماً معمات شائع ہوتے رہتے ہیں جن میں ایک کثیر رقم بطور انعام صحیح حل کرنے والوں کو دئیے جانے کا وعدہ ہوتا ہے لیکن عملاً تقسیم انعام کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کل حل کرنے والوں کا جو روپیہ بطور فیس داخلہ آتا ہے وہی صحیح حل کرنے والوں میں بعد وضع اخراجات و مصارف مشتہری وغیرہ کمپنی تقسیم کردیتی ہے ایسی حالت میں شرعاً اس انعام کا لینا اور معمہ حل کرنا جائز ہے یا ناجائز اور اگر کسی کو ایسا روپیہ مل چکا ہو تو کیا کرے اور فیس داخلہ بھی مقرر کی جاتی ہے۔ المستفتی نمبر ۱۰۸۹ سید محمود حسن (بہار) ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م یکم اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۱۶) قمار اور لاٹری کا یہ بھی ایک طریقہ ہے(۱) اور اس حیثیت سے کہ یہ بھی جوا ہے ناجائز ہے جو روپیہ وصول ہو چکا ہے وہ اصلی مالکوں کو پہنچانا ممکن ہو تو پہنچا دیا جائے اور یہ بات ممکن نہ ہو تو بہ نیت رفع وبال صدقہ کردیا جائے۔(۲) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

لاٹری ٹکٹ خریدنا قمار اور حرام ہے

(سوال) گوالیا کلکتہ وغیرہ کا لاٹری کا ٹکٹ لیا کرتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۱۴۴ عبدالغفور صاحب (ضلع رتناگری) ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۵ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۱۷) لاٹری ٹکٹ خریدنا جائز نہیں ہے وہ قمار ہے اور قمار حرام ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کمپنی کی انعامی لاٹری قمار ہے

(سوال) کلکتہ میں ایک کمپنی بنام انڈین نیشنل پولیسی کمپنی قریب چھ ماہ سے شروع ہوئی ہے جس کا دستور یہ ہے کہ جو آدمی مثلاً عبدالحیٰ اس کا ممبر ہونا چاہتا ہے تو اس کو اس کمپنی کا ایک فارم مفت لینا پڑتا ہے جس میں سلسلہ وار پانچ آدمی کا نام مثلاً زید عمر بکر خالد اصغر لکھا ہوتا ہے عبدالحیٰ کو فارم لینے کے بعد ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر اس آدمی کے نام بھیجنا پڑتا ہے جس کا نام اس فارم میں درجہ اولیٰ میں ہوگا یعنی زید کے نام بھیجنا پڑے گا اب اس منی آرڈر کی رسید اور اس فارم کو بذریعہ رجسٹری کلکتہ کمپنی میں بھیجنا پڑتا ہے اس کے بعد کمپنی والا چار عدد نیا فارم عبدالحیٰ کے نام بقیمت چار آنہ علاوہ محصول ڈاک وغیرہ وی پی کر کے بھیج دیتا ہے ان چاروں فارموں میں اب زید کا نام نہیں رہتا بلکہ درجہ اول میں عمر کا نام درجہ دوم میں بکر کا درجہ سوئم میں خالد کا درجہ چہارم میں اصغر کا اور درجہ پنجم میں عبدالحیٰ کا نام رہتا ہے اب عبدالحیٰ ان چاروں فارموں کو چار احباب کو

---

(۱) (حوالہ صفحہ گزشتہ)

(۲) (والحاصل انہ ان علم ارباب الاموال و جب ردہ علیھم والا فان علم عین الحرام لا یحل لہ و یتصدق بہ بنیۃ صاحبہ (ردالمحتار مع الدر ۵/۹۹)

(۳) (حوالہ گزشتہ بالا احکام القرآن للجصاص ۲/۴٦۵)

مفت تقسیم کردیتا ہے اب یہ چاروں صاحب ایک ایک روپیہ کا منی آرڈر اس آدمی کے نام روانہ کرتے ہیں جس کا نام درجہ اولیٰ میں ہے یعنی عمر کے نام اور رسید کو مع اس فارم کے پھر کمپنی میں بھیج دیتے ہیں اب کمپنی چار چار فارم ہر ایک کے نام بذریعہ وی پی چار چار آنے کے علاوہ محصول ڈاک وغیرہ ان چاروں کے پاس روانہ کرتی ہے اب ان فارموں میں درجہ اولیٰ میں عمر کا نام نہیں رہتا بلکہ درجہ اولیٰ میں بکر کا نام درجہ دوئم میں خالد کا نام درجہ سوئم میں اصغر کا نام درجہ چہارم میں عبدالحی کا نام اور درجہ پنجم میں ان نئے خریداروں کا نام ہوگا یعنی جس کے پاس جو فارم آئے گا اس میں درجہ پنجم میں اس کا نام ہوگا غرض یہ کہ جتنا سلسلہ فارم کا چلے گا اسی قدر درجہ پنجم والا آدمی ترقی کرتا رہے گا یعنی پنجم سے چہارم میں پھر سوئم میں پھر دوئم میں پھر درجہ اولیٰ میں اس کا نام آجائے گا اب جس کا نام درجہ اولیٰ میں آگیا اس کو بذریعہ منی آرڈر روپیہ ملنا شروع ہو جاتا ہے انتہا اس کی یہ ہے کہ ۱۰۲۴ روپیہ ملے گا ہاں اگر کوئی فارم درمیان میں نہیں چلایا گیا یعنی اس کے چلانے کی کوشش نہیں کی گئی تو اس فارم کا روپیہ نہیں ملے گا باقی فارموں کا روپیہ ملے گا غرض یہ کہ ہر شخص کو جو اس کا ممبر ہوگا ضرور روپیہ ملے گا بشرطیکہ فارم چلانے کی کوشش کی جائے کسی صورت سے دھوکا نہیں ہو سکتا ہے جس کی خاص وجہ یہ ہے کہ جو آدمی ایک بار ممبر ہو گیا ہے وہ دوبارہ سہ بارہ بھی ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے اور یہ دور آپس میں ہی چلتا رہتا ہے منقطع نہیں ہو سکتا ہے اس میں کسی صورت سے بے ایمانی بھی نہیں ہو سکتی ہے کمپنی کی غرض اپنے فائدہ کے علاوہ ضمناً یہ بھی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کی امداد اس صورت سے کیا کریں اس میں ایک ہی آدمی چند بار جب چاہے ممبر ہو سکتا ہے یہاں تک کہ مثلاً عمر نے زید سے فارم لیا ہے اب کمپنی سے چار عدد فارم عمر کے نام آیا اب اگر زید چاہے تو عمر سے فارم لے کر دوبارہ ممبر ہو سکتا ہے اس میں کوئی قباحت تو معلوم نہیں ہوتی اگر کوئی بات عدم جواز کی نظر آئے تو مدلل بیان فرمایا جائے۔

(۲) شرعاً قمار کس کو کہتے ہیں اس میں قمار ہونے کی وجہ کیا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۱۷۲ مولوی محمد ابراہیم صاحب (ضلع ہزاری باغ) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۱۸) ہاں یہ صورت قمار میں داخل ہے یورپ نے لاٹری کے ہزاروں طریقے ایجاد کئے ہیں جو اصولاً قمار ہی کے ماتحت داخل ہو سکتے ہیں کیونکہ عقود شرعیہ میں سے وہ کسی عقد میں نہیں آتے (۱) جو شخص ایک روپیہ کا منی آرڈر پہلے شخص کے پاس بھیجتا ہے اور پھر اس کی رسید اور فارموں کی قیمت کمپنی کو بھیج کر فارم منگاتا ہے اس کا قصد ایک روپیہ سے بہت روپیہ حاصل کرنا ہوتا ہے یہ تو ہوا ہے پھر ان روپوں کا حصول فارم جاری ہونے پر موقوف ہے خدا جانے وہ جاری ہوں یا نہ ہوں جاری ہو گئے تو روپیہ ملا ورنہ نہیں

---

(۱) لان القمار من القمر الذی یزداد تارۃ و ینقص اخری و سمی القمار قماراً لان کل واحد من المقامرین ممن یجوز ان یذهب ماله الی صاحبه و یجوز ان یستفید مال صاحبه وهو حرام بالنص (رد المحتار مع الدر ۶/۴۰۲ وایضا حواله گزشته احکام القرآن ۲/۴۶۵)

یہ قمار ہے اس لئے یہ معاملہ اور اس کی شرکت ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

معمہ جات کے حل پر انعام لینا ناجائز ہے

(سوال) معمہ جات کا حل جائز ہے یا نہیں اس پر جو انعام ملے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں اگر یہ سب کچھ ناجائز ہے تو اخبار الجمعیۃ کیوں چھاپتا ہے المستفتی عزیز احمد مدرس مکتب عبداللہ پور (ضلع میرٹھ)

(جواب ۳۱۹) معموں کا حل کرنا تو جائز ہے مگر اس کا انعام حاصل کرنا ناجائز ہے(۱) اخبار الجمعیۃ کیوں چھاپتا ہے یہ بات اخبار کی کمیٹی سے دریافت کی جاسکتی ہے میں اس کمیٹی کا رکن نہیں ہوں۔ محمد کفایت اللہ

(۱) کمپنی کی انعامی لاٹری قمار ہے
(۲) لاٹری میں کاغذ کا ٹکٹ مقصود نہیں ہوتا
(۳) حربی کافر کے ساتھ قمار کا معاملہ جائز ہے
(۴) کیا ہندوستان کا غیر مسلم حربی ہے؟

(سوال) ناچیز نے لاٹری کے ٹکٹ کے بارے میں جناب سے دریافت کیا جناب نے تحریر فرمایا یہ معاملہ قمار میں داخل ہے اور مسلمانوں کے درمیان ناجائز ہے کافی حربی کے ساتھ ہو تو گنجائش ہے؟

عرض خدمت یہ ہے کہ ناچیز کو اس کے بارے میں چند شبہات ہیں۔

(۱) جانبین سے اگر شرط ہو تو وہ قمار ہے اور اگر ایک جانب سے ہو تو قمار نہیں یہاں صرف کمپنی والا انعام دینے کی شرط کرتا ہے جس کے نام قرعہ نکلے گا اس کو انعام دے گا۔ اور جانبین میں بھی اگر ثالث محلل داخل ہو جائے تو وہ قمار نہیں رہتا لہذا یہ لاٹری کا معاملہ قمار میں کس طرح شمار ہوا۔

(۲) کاغذ کا ٹکٹ مال متقوم ہے یا نہیں ایک روپیہ اس کی قیمت گنی جاسکتی ہے یا نہیں یہ ٹکٹ اس کی مدت مقررہ میں بک سکتا ہے پھر اس کے بعد نہیں بک سکتا اگر یہ ٹکٹ مال متقوم ہے تو اس کو ایک روپیہ میں خرید لیا گیا پھر کمپنی جس کو چاہے بذریعہ قرعہ انعام دے اس کو اختیار ہے لہذا اس معاملہ کو قمار کس طرح کہہ سکتے ہیں۔

(۳) اگر اس معاملہ کو قمار سمجھا جائے تو پھر کافر حربی کے ساتھ کیونکر اس کا جواز ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس ٹکٹ کے خریدنے میں یہ احتمال رہتا ہے کہ خریدنے والے کو انعام ملے یا نہ ملے شامی جلد ۴ باب الربا میں ہے (لان ماله ثمه مباح)قال في فتح القدير لا يخفى ان هذا التعليل انما يقتضي حل مباشرة العقد اذا كانت الزيادة يناله المسلم قد الزم الاصحاب في الدرس ان مرادهم من حل الربا و القمار مااذا حصلت الزيادة للمسلم نظراً الى العلة وان كان اطلاق الجواب خلافه

---

(۱) ومن السحت مايؤخذ على كل مباح واصحاب معازف وقوال وكاهن و مقامر (الدرالمختار مع الرد ٦ ٤٢٤)

(۴) یہاں کے ہنود و نصاریٰ وغیرہ کفار حربی ہیں یا نہیں چاہے ہندوستان دارالاسلام ہو یا دارالحرب کیا یہاں کے کفار نے مسلمانوں سے امن کیا ہے یا جزیہ دیتے ہیں پھر انہیں کفار حربی کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔
المستفتی نمبر ۱۶۱۴ مولوی محمد ابراہیم صاحب (احمد آباد گجرات) ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۲۰ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۲۰) (۱) یہاں بھی جانبین سے شرط ہے ہر شریک ہونے والے کو ایک روپیہ دینا لازم ہے بغیر روپیہ دیئے کوئی انعام کا مستحق نہیں ہو سکتا۔(۱)

(۲) یہ ٹکٹ مال متقوم (فی حد ذاتہ اگرچہ ہو) اس معاملہ میں نہیں۔ نہ اس کی بیع و شرا مقصود ہوتی ہے نہ یہ کسی کام میں سوائے اشتراک فی استحقاق الانعام کے کار آمد ہے۔ **والعبرة للمقاصد**

(۳) کافر حربی کے ساتھ جواز قمار کی تصریح ہے **حتی لو باعهم درهماً بدر همين اوباعهم ميتة بدارهم او اخذ ما لا منهم بطريق القمار فذلك كله طيب له** اھ (شامی)(۲) اور ظاہر ہے کہ قمار میں کچھ رقم مقامر کو لگانی پڑتی ہے تو یہ ایک روپیہ اس نے بازی کے طور پر لگایا ہے اس کی طرف سے یہ بذل بامید نفع ہے اگر اس کا نام نکل آیا تو اخذ رقم جائز اور نہ نکلا تو یہ بذل ہی رہا اور اگر ٹکٹ کو مال متقوم قرار دیا جائے تو قمار کا تحقق اور جواز اور زیادہ مؤکد ہو گیا۔

(۴) ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوستانی غیر مسلموں کی حیثیت ایک ہے ہاں مستولی طاقت یعنی انگریز حربی ہو سکتے ہیں اور دوسری غیر ملکی غیر مسلم قومیں (جرمنی، اٹالین وغیرہ) بھی حربی قرار دی جا سکتی ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

اخباری معمہ جات پر انعام مہذب زمانے کا مہذب قمار ہے۔

(سوال) بمبئی سے ایک جگہ انگریزی پندرھویں روز معمہ و سوالات کا ایک پرچہ شائع ہوتا ہے ان میں سے ہر ایک سوال کے دو جواب بھی درج ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک جواب منتخب کرنا ہوتا ہے اس کی مثال آخر میں لکھوں گا داخلہ بذریعہ فیس ہوتا ہے جس کی مقدار چار آنہ ہے کل انعامات کی مقدار تقریباً آٹھ ہزار روپیہ ہوتی ہے اور پہلا انعام صحیح جواب کے لئے چار ہزار روپیہ ہوتا ہے اگر متعدد آدمیوں کے جوابات صحیح ہوں تو یہ رقم ان میں برابر تقسیم کی جاتی ہے بقیہ چار ہزار روپیہ ان لوگوں میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں جن کی ایک سے چار تک غلطیاں ہوتی ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسے معموں کی فیس داخل کر کے انعام پانے کے لئے جوابات بھیجنا اور اگر کچھ رقم مل جائے تو خود لے لینا جائز ہے یا حرام ہے صورت مسئولہ میں یا تو اپنی ذاتی رقم جاتی رہتی ہے یا کم و بیش رقم مل جاتی ہے اگر سوال کا کوئی حصہ تفصیل طلب ہو تو حامل ہذا سے

---
(۱) (حوالہ گزشتہ احکام القرآن للجصاص ۲: ۴۶۵)
(۲) (ردالمحتار مع الدر ۵: ۱۸۶)

زبانی دریافت فرمالیں سوالات انگریزی زبان میں ہوتے ہیں نمونہ اردو زبان میں پیش کرتا ہوں۔

(۱) اس چیز کو حفاظت سے رکھنا چاہئے .... بندوق یا صندوق

(۲) بغیر اس کے سیر کا لطف نہیں .... یار یا کار (غالباً موٹر کار مراد ہے)

(۳) ہندوستان آزادی کے لئے بے چین ہے........ تمام یا غلام

(۴) اکثر جھگڑے اسکی وجہ سے ہوتے ہیں................ زن یا زر

(۵) جسم کے ایک حصہ کا نام ہے .... ناک یا ناف ..... وغیرہ وغیرہ

المستفتی نمبر ۲۵۵۸ سعید صاحب دہلی ۳۰ ذی قعدہ ۱۳۵۸ھ م ۱۱ جنوری ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۲۱) مہذب زمانے کے قمار کے مہذب طریقوں میں سے یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ چار چار آنے کی فیس کے ذریعہ سے بیس ہزار روپیہ حاصل کر لیا اور اس میں سے آٹھ ہزار انعاموں کی شکل میں تقسیم کر دیا۔

کروڑوں کی آبادی میں سے اسی ہزار ایسے آدمی نکل آنے دشوار نہیں جو چار آنے دے کر یہ توقع قائم کرلیں کہ کوئی بیش قدر انعامی رقم ہاتھ آجائیگی اور اگر بالفرض قسمت نے مدد نہ کی تو صرف چار آنے ہی کا تو نقصان ہوگا بہر حال یہ قمار ہے اور قمار بنص قرآنی حرام ہے(۱) اگر کسی کو انعامی رقم حاصل ہو جائے تو اس بنا پر کہ وہ اصل مالکوں کو واپس نہیں کر سکتا (کیونکہ اس کی کوئی سبیل نہیں) اس رقم کو محتاجوں پر تقسیم کردے(۲) اگر کوئی ادارہ ایسے انعامی مقابلہ میں شریک ہونے والوں پر کوئی فیس داخلہ مقرر نہ کرے اور پھر بھی انعام تقسیم کرلے تو یہ قمار نہ ہوگا اور اس میں شرکت جائز ہوگی اور حاصل شدہ رقم کو اپنے صرف میں لانا جائز ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب دیگر ۳۲۲) معموں کے حل کا یہ طریقہ ایک قسم کا قمار ہے اور اس میں شرکت ناجائز ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

انیسواں باب

تعمیرات

مسجد میں محض نقش و نگاری کرنے کا کوئی ثواب نہیں

(سوال) ایک شخص نے زید کے انتقال کی خبر سن کر پچاس اشرفیاں مرحوم کے ثواب کے لئے مسجد میں

---

(۱) قال اللہ تعالی انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون وحوالہ گزشتہ احکام القرآن للجصاص ۲: ۴۶۵ (۲) والحاصل انہ ان علم ارباب الاموال وجب ردہ علیہم والا فان علم عین الحرام لا یحل لہ و یتصدق بہ بنیۃ صاحبہ (رد المحتار مع الدر ۵: ۹۹)

(۳) (حوالہ گزشتہ احکام القرآن للجصاص ۲: ۴۶۵)

زینت کے لئے بھیجیں تو کیا اس پیسہ سے مسجد کی زینت کرنا جائز ہے یا نہیں اور اس کے کرنے سے ثواب ہوگا یا نہیں ؟

(جواب ۳۲۳) صورت مسئولہ میں اگر تزئین سے مراد اس کے نقش و نگار اور اس کی وہ آرائشیں ہوں جن کی کوئی ضرورت نہیں تو یہ خود خلاف اولیٰ ہے اس میں کسی ثواب کی امید نہیں بلکہ اس روپے کا فقراء پر صرف کرنا افضل ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ولاباس بنقشه حلا محرابه (درمختار)(۱) **قوله لا باس الخ في هذا التعبير كما قال شمس الائمه اشارة الى انه لايوجر و يكفيه ان يوجر رأسا برأس ولهذا قال في الهندية عن المضمرات والصرف الى الفقراء فضل وعليه الفتوىٰ اه(ردالمحتار ملخصا)** (۲)ہاں اگر تزئین سے مراد ایسی تزئین ہو جس سے استحکام یعنی تعمیر کی پختگی بھی ہوتی ہو تو وہ جائز ہے اور اس روپے کو ایسی چیزوں میں خرچ کرنا جو باعث زینت ہونے کے ساتھ موجب پختگی تعمیر بھی ہو جائز ہے۔واللہ اعلم۔

کتبہ ایسی جگہ لگانا جہاں حروف کی بے حرمتی ہو جائز نہیں

(سوال) ایک تاریخ کا پتھر جماعت خانہ کے پتھر کے نیچے کھڑا کیا گیا ہے اور اس پر دوسرا پتھر بچھایا گیا ہے اور یہ پتھر اس سے دو انچ باہر کو نکلا ہوا ہے جس کی وجہ سے اس نیچے والے پتھر پر قدم نہیں پڑتے کھڑے پتھر پر ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ کندہ ہے آیا اس میں کوئی حرج ہے لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ رمضان المبارک قرآن کا لفظ ہے اس لئے اس کی بے ادبی ہوتی ہے لہذا سوال ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے کہ نہیں ؟

(جواب ۳۲۴) اس موقع پر یہ پتھر لگانا جس میں مذکورہ سوال حروف کندہ ہیں بیشک نامناسب ہے کیونکہ اس میں حروف والفاظ کی توہین ہے اگرچہ ان حروف پر پاؤں نہیں پڑتا لیکن ان کی وضع ایسی واقع ہوئی ہے کہ اس سے ان کی اہانت ہوتی ہے اور حروف و الفاظ محترمہ کی اہانت ممنوع ہے پاؤں اس کے اوپر والے پتھر پر تو پڑتے ہیں اور پاؤں رکھنے والا پاؤں اٹھاتے وقت اور رکھتے وقت ان حروف کو دیکھتا ہے اور ان کے اوپر پاؤں لے جاتا ہے اس لئے اس حالت میں ضرور ایک قسم کی اہانت ہوتی ہے(۳)اس سے بہتر جگہ جماعت خانہ کی دیوار پیش کی پیشانی ہے وہاں لگانے سے صورۃً تو تعظیم سمجھی جاتی ہے۔واللہ اعلم

پڑوسی سے اپنی کھڑکی بند کرانے کی قیمت لینا جائز نہیں

(سوال)ایک شخص نے ایک زمین خریدی پڑوس میں ایک مکان ہے جسکی دیوار میں کھڑکیاں ہیں کھڑکیاں

---

(۱) (رد المحتار مع الدر ۱ / ۶۵۸)

(۲) (رد المحتار مع الدر ۱ / ۶۵۸)

(۳) کتابة القرآن علي ما يفترش و يبسط مكروهة كذافي الغرائب بساط او مصلى كتب عليه الملك لله يكره بسطه والقعود عليه واستعماله (هندية ۵ / ۳۲۳)

چلے رہتے ہوئے بیس سال کا عرصہ ہوا جس نے زمین خریدی ہے وہ مکان بنانا چاہتا ہے پڑوسی کہتا ہے کہ تم ہماری گھر کی کھڑکیاں بند نہیں کر سکتے کیونکہ سرکاری قاعدہ کے موافق کوئی حق بند کرنے کا تمہیں نہیں ہے اگر بند کرنا چاہتے ہو تو ہم کو اس قدر روپیہ دو چنانچہ وہ شخص جس نے زمین خریدی ہے آپس میں طے شدہ روپیہ دیتا ہے اور کچھ لکھا پڑھی ہوتی ہے پھر صاحب زمین مکان بنا سکتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ روپیہ کس چیز کی قیمت پیدا ہے اور پڑوسی کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۲۵) یہ معاملہ ناجائز ہے جس نے زمین خریدی ہے اسے اپنی زمین اور ملک پر مکان بنانے کا حق حاصل ہے اور پڑوسی کا روکنا ظلم ہے اور اس کے عوض میں روپیہ لینا باطل ہے۔ رجل له باب او كوة فخاصمه جاره فصالحه على دراهم معلومة يدفعها الى الجار ليترك الكوة ولا يسدها كان ذلك باطلا وكذا لو كان الصلح بينهما على ان يأخذ صاحب الكوة دراهم معلومة ليسد الكوة والباب كان باطلا كذا في الظهيرية (فتاوى عالمگیری)(۱) کوہ روشندان کھڑکی دریچہ کو کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

[illegible] بنوانے میں کوئی حرج نہیں

(سوال) آج کل ہندوستان میں عام رواج ہو رہا ہے کہ پاخانہ نئی طرز کا بنایا جاتا ہے جو پانی میں بہا دیا جاتا ہے اور وہ سرکاری نلی میں جا گرتا ہے انسان کے فارغ ہونے کے بعد فوراً ہی بذریعہ پانی پاخانہ صاف ہو جاتا ہے سوال دریافت طلب یہ ہے کہ اس قسم کے پاخانے گھر میں بنوانا کیسا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۵۲۵ محمد یوسف ابن محمد فاروق (دہلی) ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۱۸ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۲۶) اس قسم کا پاخانہ بنوانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

قبر پر تعمیر بنانے کا خواب قابل عمل نہیں

(سوال) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جو اکابر اولیائے کرام میں سے دہلی میں گزرے ہیں ان کا مزار آج تک خام چلا آرہا ہے ایک شخص کہتے ہیں کہ مجھ کو بشارت ہوئی ہے کہ میرا مزار ننگا پڑا ہے اس پر گنبد پختہ بنا دو چنانچہ ایک شخص مستعد ہو گیا ہے کہ ان کے مزار پر گنبد بنا دے لہذا علمائے کرام سے سوال ہے کہ کیا شرعاً اس بشارت پر عمل کرنا چاہئے کہ قبر پر عمارت و گنبد وغیرہ پختہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ مطابق کتاب و سنت و مذہب حنفی کے جواب مرحمت فرمایا جائے۔ بینوا توجروا المستفتی نمبر ۲۳۷۵ حاجی محمد صدیق ولد حاجی احمد قوم شیخ ساکن پھاٹک حبش خاں دہلی

(جواب ۳۲۷) قبر پر عمارت گنبد بنانا یا قبر کو پختہ بنانا ناجائز ہے صریح طور پر حدیث شریف میں اس کی

(۱) (فتاوی ہندیہ ۴ / ۳۵۷)

ممانعت آئی ہے ایسی بشارت (یعنی خواب) جو کسی نامشروع فعل کے ارتکاب کی ترغیب دے قابل التفات و قابل عمل نہیں ہے(۱) اس کا جب خیال آئے تو **لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** پڑھنا چاہئے حتی کہ یہ خیال جاتا رہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بیسواں باب
فوٹو' مصوری اور تصویر

تصویر سازی اور تصویر کے استعمال کا حکم الگ الگ ہے۔

(سوال) ایک شخص نے اپنی تصویر کھنچوائی اور وہ تصویر اعضائے باطنہ سے خالی ہے اور اس قدر اعضائے ظاہری پر شامل ہے جس سے حیات متصور ہے اور اتنی چھوٹی ہے کہ ناظر کو بلا غور و خوض تفصیل اعضا کی تبیین نہیں ہوتی اور وہ اسکو جائز جانتا ہے لہذا یہ استفسار کیا جاتا ہے کہ شرعاً یہ جائز ہے یا حرام اس کو جائز کہنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

(جواب ۳۲۸) تصویر بنانے کا حکم جداگانہ ہے اور تصویر رکھنے اور استعمال کرنے کا حکم جداگانہ ہے تصویر بنانے اور بنوانے کا حکم تو یہ ہے کہ وہ مطلقاً حرام ہے خواہ تصویر چھوٹی بنائی جائے یا بڑی کیونکہ علت ممانعت دونوں حالتوں میں یکساں پائی جاتی ہے اور علت ممانعت مضاہات لخلق اللہ ہے اور تصویر رکھنے اور استعمال کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر تصویر چھوٹی ہو اور غیر مستبین الاعضاء ہو تو اس کو ایسے طور پر رکھنا کہ تعظیم کا شبہ نہ ہو جائز ہے یا ضرورت کی وجہ سے استعمال کی جائے جیسے سکہ کی تصویر تو جائز ہے باقی بڑی تصویریں بلا ضرورت استعمال کرنا یا ایسی صورت سے رکھنا کہ تعظیم کا شبہ ہو ناجائز ہے۔ **اما فعل التصویر فھو غیر جائز مطلقا لانه مضاهاة لخلق الله تعالی** (رد المحتار) **فصنعته حرام بکل حال لانه فیه مضاهاة لخلق الله تعالی و سواء کان فی ثوب او بساط او درهم اواناء اوحائط او غیر ها** (رد المحتار) **وقدصرح فی الفتح بان الصورة الصغیرة لاتکره فی البیت** (رد المحتار)(۲) واللہ اعلم

جاندار کی تصویر کھینچنا اور کھنچوانا حرام ہے

(سوال) کسی تصویر کھنچوانا کیا حکم رکھتا ہے اور انسان اور جانور کی تصویر میں کیا فرق ہے انکشافات جدیدہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ درخت بھی جاندار ہیں تو کیا ان کا حکم بھی انسان اور جانوروں کے حکم کے مساوی ہے؟

---

(۱) عن جابر نهی رسول الله ﷺ ان یجصص القبر وان یقعد علیه وان یبنی علیه (صحیح مسلم ۱: ۳۱۲) عن ابی قتادة عن النبی ﷺ قال الرویا الصالحة من الله والحلم من الشیطان فاذا حلم فلیتعوذ منه ولیبصق عن شماله فانها لا تضره (صحیح بخاری ۲: ۱۰۳۴)
(۲) (رد المحتار مع الدر ۱: ۶۵۰-۶۴۷)

(جواب ۳۲۹) تصویر کھینچنا اور کھنچوانا ناجائز ہے خواہ دستی ہو یا عکسی دونوں تصویریں ہیں اور تصویر کا حکم رکھتی ہیں تصویر سے مراد جاندار کی تصویر ہے خواہ انسان(۱) ہو یا حیوان مکانات کے نقشے درختوں کی تصویریں ناجائز نہیں ہیں تحقیقات جدیدہ سے درختوں میں جس قسم کی حیات دریافت ہوئی ہے وہ انسان و حیوان کی حیات سے مختلف ہے دونوں زندگیوں کا تفاوت بدیہی اور مشاہد ہے پس حکم کا اختلاف کچھ مستبعد نہیں ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ دہلی

(۱) تصویروں پر پھول چڑھانا جائز نہیں
(۲) غیر مذہبی ترانہ مسلمان سے کہلوانا جائز نہیں

(سوال) اگر کسی مذہبی مدرسے میں جہاں مسائل دینیہ اسلامیہ کی مکمل تعلیم ہوتی ہو تصویروں یا مجسموں کی نقاب کشائی کی جائے اور ان پر پھول چڑھایا جائے یا تصویر کو اس مدرسے کے کسی حصے میں لٹکایا جائے تو یہ ازروئے شریعت اسلامیہ جائز ہوگا یا نہیں؟
(۲) اگر کسی مذہبی مدرسے میں جہاں مسائل دینیہ اسلامیہ کی مکمل تعلیم ہوتی ہو مدرس اعلیٰ طلبہ اور اساتذہ کو جمع کرکے "جن من گن" قومی ترانہ پڑھوائے اور اساتذہ و طلبہ کو مجبور کرے کہ اس قومی ترانہ کے احترام میں کھڑے ہوں تو ازروئے شریعت اسلامیہ یہ مجبور کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

(جواب ۳۳۰) اسلام نے تصویر بنانا تصویر گھر میں لانا اور رکھنا ہی ناجائز قرار دیا ہے پھر اس کی تعظیم کرنا پھول چڑھانا مکان یا مدرسے کے کسی حصے میں لٹکانا کیسے جائز ہو سکتا ہے یہ سب ممنوع اور خلاف احکام اسلام ہے(۳) (۲) کوئی غیر مذہبی ترانہ مسلمانوں سے نہ گوایا جائے نہ اس میں شرکت کو کہا جائے اگر کوئی مسلمان شریک نہ ہو تو وہ ماخوذ نہ ہوگا فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (منقول از اخبار نقیب پھلواری ضلع پٹنہ مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۵۰ء)

بچوں کے کھلونوں کی تجارت کا حکم

(سوال) بچوں کے کھلونے تصویر والے چھوٹا ہو یا بڑا خواہ کسی شئی کا بنا ہوا ہو اس کی خرید و فروخت کا کیا حکم ہے؟ بچوں کا باجہ یا بانسری بچوں کی جس میں دو سر یعنی باریک اور موٹے ان کی خرید و فروخت کا کیا حکم ہے

---

(۱) وظاهر كلام النووى فى شرح مسلم الاجماع على تحريم تصوير الحيوان وقال رسول الله ﷺ صنعه لما يمتهن او غيره فصنعته حرام بكل حال لان فيه مضاهاة لخلق الله تعالى (رد المحتار مع الدر ۱/۶٤۷)
(۲) لغير ذى روح القول ابن عباس للسائل فان كنت لا بد فاعلا فاصنع الشجر وما لا نفس له رواه الشيخان ولا فرق فى الشجر بين المثمر وغيره (رد المحتار مع الدر ۱/۶٤۹)
(۳) ان التصوير يحرم ولو كانت الصورة الصغيرة لان علة حرمة التصوير المضاهاة لخلق الله وقد ظهر من هذا ان علة الكراهة فى المسائل كلها اما التعظيم او التشبيه (رد المحتار مع الدر ۱/۶٤۷)

؟المستفتی نمبر ۲۶۳ شیخ شمس الحق صاحب سوداگر کلکتہ ۷ محرم ۱۳۵۳ھ م ۲۲ اپریل ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۳۱) تصویروں کا خرید نا بیچنا ناجائز ہے خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی اور بچوں کے کھیلنے کی ہوں یا اور کسی غرض کے لئے(۱) البتہ ایسی اشیاء جن میں تصویر کا بیچنا خرید نا مقصود نہ ہو جیسے دیا سلائی کے بکس کہ ان پر تصویر بنی ہوتی ہے مگر تصویر کی بیع و شرا مقصود نہیں ہوتی توایسی چیزوں کا خرید نا بیچنا مباح ہو سکتا ہے باجے وغیرہ جن میں تصویر نہ ہو بچوں کے کھیلنے کے لئے خرید نا اور ان کا بیچنا مباح ہے۔ محمد کفایت اللہ۔

تصویر کے متعلق ایک سوال کا جواب

(سوال) بسم الله الرحمن الرحيم حضرت مولانا الجليل وقدوة العلماء النبيل مولوی محمد كفاية الله دام فيوضه السلام عليكم ورحمة الله و بركاته' انى رأيت فى الاخبار الشائع من بلد مدراس المسمى بدر الاسلام الصورتين النصفين مرقومة فيه من الفوتو غراف و جدت سمين تحت هذين التصويرين احد هما اسمكم الشريف و ثانيهما اسم مولانا احمدسعيد دام مجده و مع ذلك قد حرر جامع الاخبار فوق هذين التصويرين على سبيل الاستفتاء اماقصد الجامع و ايراد هما فيه فظاهر ومذهبه عندالناس باهر فالامل منكم بهذا التسطير طلب الجواب متعلقا عن هذا التصوير ان هذا الفوتو غراف هل يوخذ منكم مع ان تكون راضيا عليه ام لا و هل يجوز نصف الصورة الا على من الفوتوغراف ام لا؟ بينواتوجروا المستفتی نمبر ۱۴۱۷ مولوی عبدالعلی لاہور ۱۰ رجب ۱۳۵۳ھ م ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(ترجمہ) حضرت مولانا کفایت اللہ دام فیضہ السلام علیکم ایک اخبار بدر الاسلام نام جو مدراس سے شائع ہوتا ہے اس میں میں نے دو نصف تصویریں فوٹو کی دیکھیں ایک تصویر کے نیچے آپ کا اسم مبارک لکھا ہوا تھا اور دوسری کے نیچے مولانا احمد سعید صاحب کا اور ساتھ ہی اس کے ایک نوٹ بھی لکھا ہوا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ایڈیٹر نے ان دونوں تصویروں کی اشاعت سے جواز تصویر پر استدلال کیا ہے۔

ایڈیٹر کا ریمارک اور ان تصویروں کے شائع کرنے سے اس کا مقصد اور پھر لوگوں تک ان تصویروں کا پہنچنا تو ظاہر ہے مگر آپ سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا یہ فوٹو آپ کے علم اور رضامندی کے ساتھ لیا گیا ہے؟ اور کیا اوپر کے نصف حصے کا فوٹو لینا جائز ہے؟

(جواب ۳۳۲) التصوير (بمعنى المفعول لا المعنى المصدرى) والصورة والمثال والتمثال

---

(۱) عن جابر انه سمع رسول الله ﷺ يقول عام الفتح وهو بمكة ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والاصنام (صحيح بخارى ۱/ ۲۹۸)

كلها بمعنىً واحد و المراد ما يقع به المعرفة وهو الوجه والراس ففعل الصورة هو رسم الوجه والراس و يتعلق به حكم المنع و التحريم و تجويز بعض العلماء نصف الصورة لا يساعده دليل يعتمد عليه وانا لم نحكم بجواز اتخاذ الصورة مطلقا لا تامة ولا منصفة اما اشاعة بعض الجرائد تمثال فوتو غراف بصورنا فنحن لاندرى من اخذها واين اخذها و متى اخذها ولايخفى ان اخذ رسم الفوتو غراف لا يحتاج الى علم صاحب الصورة فان الاخذ يتمكن من اخذها مع غفلة صاحب الصورة وكذلك اخذ مثالنا من اخذها –

(ترجمہ) تصویر بمعنی مصور اور صورت اور شبیہ اور مجسمہ سب ایک معنی رکھتے ہیں اور اس سے مراد اس قدر حصہ ہے جس سے پہچان اور تعارف حاصل ہو جائے وہ چہرہ اور سر ہے اور تصویر کشی سے مراد چہرے اور سر کا منقوش کرنا ہے ممانعت و حرمت کا حکم اسی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور بعض علماء نے جو نصف تصویر بنانے کو جائز قرار دیا ہے اس کے لئے کوئی مضبوط اور قابل اعتماد دلیل نہیں ہے مطلقاً تصویر کشی خواہ نصف تصویر ہو یا پوری ہمارے نزدیک حرام ہے(۱) بعض رسائل نے جو ہمارا فوٹو شائع کیا ہے ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارا فوٹو کس نے لیا اور کہاں لیا اور کب لیا اور ظاہر ہے کہ فوٹو لینے کے لئے صاحب تصویر کا علم ضروری نہیں ہے کسی آدمی کا فوٹو اس کی بے خبری میں لیا جا سکتا ہے اور ہمارا فوٹو بھی جس نے لیا ہے ہماری بے خبری میں ہی لیا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بت بنانا اور نذر و نیاز چڑھانا احکام شرع کے خلاف ورزی اور بت پرستی ہے

(سوال) ضلع مظفر گڑھ پنجاب قصبہ خان گڑھ کے قریب ایک مشہور بزرگ جناب میراں حیات کی خانقاہ شریف کے احاطہ میں مزار شریف سے ۵۔۶ فٹ کے فاصلے پر ایک مجسمہ اونٹنی کا بنا رکھا تھا اس بت کی کرامات بیان کرتے تھے ہار سنگھار تیل پھلیل نذر نیاز چومنا اور کئی قسم کے چڑھاوے چڑھانا جائز سمجھتے تھے وہ بت میاں میلو کے نام سے متبرک مشہور ہو گیا تھا ایک غیرت مند مسلمان نے جا کر دیکھا کہ بہت سے لوگ گمراہ ہو رہے تھے اس نے اللہ اکبر کہہ کر اسکو مسمار کر دیا اور زمین صاف کر دی اس کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۳۳۹ محمد حبیب خان گڑھ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ م ۳ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۳۳) یہ بت بنانا اور اس کی پوجا کرنا نذر نیاز چڑھانا شریعت اسلامیہ کے احکام کی صریح خلاف ورزی اور شرک و بت پرستی کی ترویج ہے ایک بزرگ کے مزار کے پاس یہ مشرکانہ افعال کرنا اور اس بزرگ کے نام کے ساتھ اس کو منسوب کرنا اس مزار اور صاحب مزار کی بھی اسلامی عقیدے کے موجب توہین ہے اسلامی احکام کے ماتحت وہ بت واجب الہدم (۲) اور اس کو بنانے والے مستحق ملامت و تعزیر تھے اگر اسلامی

---

(۱) حوالہ گزشتہ رد المحتار مع الدر ۱/ ۶۴۷ (۲) عن ابی هياج الاسدى قال بعثنى على قال لى ابعثك على ما بعثنى عليه رسول الله ﷺ ان لا ادع قبرا مشرفا الا سويته ولا تمثالا الا طمسته (سنن ابى داؤد ۲/ ۱۰۳) عن عبدالله قال دخل النبى ﷺ مكة وحول الكعبة ثلثمائة و ستون نصبا فجعل يطعنها بعود كان بيده و يقول جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا (صحيح مسلم ۲/ ۱۰۴)

حکومت ہوتی تو ڈھانے والے کو انعام اور بنانے والے کو سزا دی جاتی محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ

نماز کی تعلیم کے لئے کتاب میں تصویریں شائع کرنا جائز نہیں

(سوال) ہمارے ملک کا نام کرناٹک ہے احاطہ بمبئی کا جنوبی حصہ ہے ملکی زبان کنٹری ہے بڑے شہروں کی قلت ہے میں نے قریوں کے غریب مسلمانوں کو دینی تعلیم سے سرفرازی حاصل کرنے کے لئے کنٹری زبان ہی میں ترتیب الصلوۃ معہ ترکیب الصلوۃ لکھی ہے اس میں قیام رکوع سجود جماعت وغیرہ کی تصویریں لے کر شائع کرنا چاہتا ہوں تاکہ نماز کی ترکیب اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ المستفتی نمبر ۲۲ے چمن صاحب ہیڈ ماسٹر اردو مدرسہ (ضلع دھارواڑ) ۲۹ شوال ۱۳۵۴ھ م ۲۵ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۳٤) تصویریں اور وہ بھی مذہبی تعلیم کی کتاب میں ہرگز نہ ہونی چاہئیں اول تو قیام و رکوع وغیرہ سمجھانے کے لئے تصویروں کی ضرورت نہیں دوسرے یہ کہ اگر اس کو لازمی سمجھا جائے تو تصویر بغیر سر کی صرف گردن تک بنائی جائیں سر نہ ہو تو وہ تصویر کے حکم میں نہ ہوگی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

بلا ضرورت تصویر کھنچوانا حرام ہے

(سوال) مسلمان خواہ عالم ہو یا جاہل امیر ہو یا غریب اپنی تصویر کھنچوا سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۹ ۳ ۷ وجاہت حسین صاحب (ضلع پورنیہ) ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۸ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۳۵) تصویر کھینچنا اور کھنچوانا منع ہے(۲) کھنچوانا اگر کسی ضرورت پر مبنی ہو مثلاً پاسپورٹ کے لئے تو مباح ہے نیز فوٹو کی تصویر تو صاحب تصویر کے علم و ارادہ کے بغیر بھی کھنچ جاتی ہے اس میں صاحب تصویر پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

مسلمان کو تصویر رکھنا اور اسکا احترام ہرگز جائز نہیں ہے۔

(سوال) زید میونسپلٹی کے ایک اسکول میں بحیثیت مدرس ملازم ہے میونسپلٹی کے آفیسران گاندھی کے مجسمہ یا تصویر پر پھولوں کا ہار پہنانے کیلئے زید کو حکم دیتے ہیں مسلمانوں کے لئے مجسمہ یا تصویر پر ہار ڈالنا یا پہنانا جائز ہے یا نہیں اگر ملازم حکم عدولی کرتا ہے تو ملازمت سے برطرف کر دیئے جانے کا خطرہ ہے۔

---

(۱) لا یکرہ لو کانت تحت قدمیہ او کانت صغیرۃ او مقطوعۃ الراس (قال المحقق) ای سواء کان من الاصل او کان لھا راس و محی لا نھا لا تعبد بدون الراس عادۃ (رد المحتار مع الدر ۱/ ٦٥٠)
(۲) واما فعل التصویر فھو غیر جائز مطلقا لانہ مضاھاۃ لخلق اللہ (ردالمحتار مع الدر ۱/ ٦٥٠)

(جواب ۳۳٦) مسلمان کے لئے تصویر رکھنا اس کا احترام کرنا اس پر پھول ڈالنا جائز نہیں (۱) زید کو عذر کردینا چاہئے کہ مجھے اپنے مذہب کے لحاظ سے یہ فعل جائز نہیں ہے اگر اس پر اس کے آفیسر ناراض ہو کر اسے ملازمت سے نکال کر علیحدہ کردیں تو صبر کرے خدا مسبب الاسباب ہے وہ رزق رسانی کی کوئی اور صورت کردے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تصویر کو مسجد یا مسجد کے متعلقہ عمارت میں رکھنے کا حکم

(سوال) شہر بمبئی کی چند مسجدوں میں میونسپلٹی کی طرف سے مدارس قائم ہیں میونسپلٹی مسجد کے متولیوں یا ٹرسٹیوں کو کمروں کا کرایہ ادا کرتی ہے ایسی حالت میں جب کہ مسجد کی عمارت حرم مسجد میں داخل ہے ایک منزلہ عمارت کے اوپر کی منزل میں مدرسہ اور نیچے کے چند کمروں میں امام مسجد اور متعلقین مسجد رہتے ہیں اور چند کمرے خالی ہیں مسجد کے دالان اور مدرسے کے نیچے کے خالی کمروں میں لوگ نماز ادا کرتے ہیں ایسی حالت میں مدرسے میں کسی مجسمہ کا رکھنا اور اس پر پھولوں کا ہار ڈالنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۳۷) مجسمہ یعنی انسان یا کسی جاندار کی تصویر تو شرع اسلامی میں جائز نہیں اور اس کو مسجد یا مسجد کی متعلقہ عمارت میں رکھنا اور بھی برا ہے۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اخبار کی تصاویر کا حکم.

(سوال) اخباروں کے اندر جو فوٹو ہوتے ہیں اور مکان میں وہ اخبار رکھے رہتے ہیں ایسے فوٹو کا مکان کے اندر رہنا کیسا ہے ؟ المستفتی نمبر ۹۵۱ عبدالرزاق پیش امام (اوجین) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۶ مئی ۱۹۳٦ء

(جواب ۳۳۸) فوٹو اور تصویریں قصداً مکان میں رکھنا حرام ہے اور بلا قصد کسی اخبار یا کتاب میں رہ جائے تو یہ حرام نہیں مگر مکروہ یہ بھی ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

اوپر کے آدھے جسم کی تصویر بالکل جائز نہیں

(سوال) تصویر جاندار چیزوں کی بنانی جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۰۰۷ عبدالستار (گیا) ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۰ جون ۱۹۳٦ء

---

(۱) عن ابی هياج الاسدی قال بعثنی علی قال لی ابعثك علی ما بعثنی علیه رسول الله ﷺ ان لا ادع قبرا مشرفا الا سويته ولا تمثالا الا طمسته (سنن ابی داود ۲ / ۱۰۳)

(۲) وظاهر كلام النووی فی شرح مسلم الاجماع علی تحريم تصوير الحيوان وفی البحر قالوا واشدها كراهة ما يكون علی القبلة امام المصلی ثم ما يكون فوق راسه (رد المحتار مع الدر: ۱ / ٦٤٨)

(۳) عن عائشة ان النبی ﷺ لم يكن يترك فی بيته شيئا فيه تصاوير الا نقضه (صحيح بخاری ۲ / ۸۸۰)

(جواب ۳۳۹) اوپر کے نصف جسم کی جس میں چہرہ اور سر ہو تصویر جائز نہیں۔ (۱) محمد کفایت اللہ

تصویر کے متعلق چند سوالوں کے جوابات.

(سوال) ایک رسالہ میں حضرت والا کا اور حضرت مولانا احمد سعید صاحب کا فوٹو دیکھا بعض حضرات معترض ہیں جواب شافی عنایت فرمائیں المستفتی نمبر ۱۰۱۴ جعفر حسین امروہی (کوئٹہ بلوچستان) ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۳ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۴۰) فوٹو اور تصویر کا حکم ایک ہے تصویر کھنچوانی اور فوٹو کھنچوانا ناجائز ہے میرا یا مولانا احمد سعید کا فوٹو ہمارے علم و رضامندی کے بغیر کسی نے کھینچ لیا ہوگا اور شائع کر دیا ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(جواب دیگر ۳۴۱) (۱۰۴۵) جاندار کی تصویر کے متعلق آنحضرت ﷺ نے بہت سختی سے ممانعت فرمائی ہے صحیح حدیثیں موجود ہیں (۲) اس میں کوئی شبہ نہیں فوٹو بھی تصویر ہی ہے (۲) یہ قول غلط ہے کہ احادیث متعلقہ حرمت تصویر موضوع یا ضعیف ہیں (۳) کربلائے معلیٰ نجف اشرف بغداد شام وغیرہ کے سفر کے لئے فوٹو کھنچوانا لازم ہے تو ان مقامات کا سفر بھی لازم و فرض نہیں ان زیارات کو ترک کر دینا لازم ہے (۴) جاندار کی تصویر بنانا اور بنوانا ناجائز اور حرام ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

جاندار کے علاوہ دوسری چیزوں کی پرنٹنگ کو ذریعہ معاش بنا سکتے ہیں

(سوال) آیا شرعاً پینٹنگ یعنی ہاتھ سے کاغذ یا تختہ یا کسی اور مسطح شئے یا جگہ پر نقش و نگار بنانا مثلاً طلوع آفتاب غروب آفتاب یا قدرتی نظاروں درختوں پہاڑوں آبشاروں جانوروں کے نقشے بنانے جائز ہیں اور آیا کوئی شخص جو اس فن کا ماہر ہو اس کو ذریعہ اپنی معاش کا بنا سکتا ہے یا کوئی شخص اپنی لاگت سے اس کام کے لئے کوئی مخصوص درسگاہ قائم کر سکتا ہے اور اس کے مصارف کے واسطے زر نقد یا جائیداد وقف کر سکتا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۲۲۶، ۲۳ رجب ۱۳۵۵ھ م ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۴۲) طلوع آفتاب، غروب آفتاب، قدرتی نظاروں، درختوں، پہاڑوں، آبشاروں کی پینٹنگ جائز ہے صرف جانداروں کی تصویر بنانی ناجائز ہے ماہر فن صرف جانداروں کو چھوڑ کر ہر چیز کی پینٹنگ کو ذریعہ معاش بنا سکتا ہے درسگاہ قائم کر سکتا ہے اس کے لئے وقف کر سکتا ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

---

(۱) واما فعل التصویر فهو غیر جائز مطلقا لانه مضاهاة لخلق الله تعالى (رد المحتار مع الدر ۱/ ۶۵۰)
(۲) (حوالہ گزشتہ رد المحتار مع الدر ۱/ ۶۴۷)
(۳) عن سعید بن ابی الحسن قال کنت عند ابن عباس اذا اتاه رجل فقال یا ابن عباس انی انسان انما معیشتی من صنعة یدی و انی اصنع هذه التصاویر فقال ابن عباس لا احدثك الا ما سمعت رسول الله ﷺ یقول من صور صورة فان الله معذبه حتی ینفخ فیها الروح و لیس بنافخ ابدا فربا الرجل ربوة شدیدة واصفر وجهه فقال ویحك ان ابیت الا ان تصنع فعلیك بهذا الشجر وكل شی لیس فیه روح (صحیح بخاری ۱/ ۲۹۶)

تصویر خواہ کسی نے بھی کھنچوائی ہو جائز نہیں

(سوال) مذہب اسلام میں تصویر اتارنا جائز ہے یا نہیں اگر ناجائز ہے تو مشہور علماء دین مثلاً مولانا شبلیؒ مولانا حالیؒ نے کیوں اپنی تصویریں اتاریں اور آپ کی تصویر بھی موجود ہے۔ المستفتی نمبر ۱۴۴۹ محمد فضل اللہ خاں صاحب (بنگلور کینٹ) ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۳ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۴۳) تصویر اتارنی اور اتروانی ناجائز ہے (۱) جن علماء نے تصویر خود قصداً اتروائی ہو ان کے نزدیک اتروانا مباح ہوگا مگر میں تو مباح نہیں سمجھتا اور نہ میں نے کبھی اپنی تصویر اتروائی میں نے بعض اخبارات میں اپنی تصویر دیکھی ہے مگر مجھے خبر نہیں کہ میری تصویر کب اور کہاں اور کس نے بے خبری میں اتارلی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

تصویر خواہ کسی بھی ذریعہ سے بنائی جائے ناجائز ہے۔

(سوال) جدید طریقہ فوٹو گرافی سے جو تصویریں کھینچی جاتی ہیں ان میں آئینہ کی طرح عکس آتا ہے البتہ مستقل اور غیر مستقل طور پر صورت قائم ہو جانے کا فرق ہے پس ارشاد ہو کہ بلا ضرورت شدیدہ مثلاً لازمی پاسپورٹ وغیرہ میں جدید طریقہ فوٹو گرافی سے جاندار کے پورے قد کی تصویر کھینچنا اور کھنچوانا شرعاً جائز ہے یا نہیں پس اگر جائز ہے تو کیوں اور اس میں کیا مصلحت ہے اور اگر ناجائز ہے تو اس طرح سے تصویر کھینچنے اور کھنچوانے والوں کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے آیا ایسے اشخاص کے پیچھے نماز میں اقتداء درست ہے اور کیا یہ لوگ فاسق کے حکم میں داخل ہیں اور اس قسم کی تصویریں اپنے پاس رکھنا درست ہے یا نہیں المستفتی نمبر ۱۸۶۰ حاجی دلاور ہاشم یوسف صاحب رنگون ۷ ۲ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۴۴) تصویر بنانے اور بنوانے کی جو ممانعت ہے وہ ہاتھ سے تصویر بنانے اور بنوانے یا فوٹو کے ذریعہ سے تصویر اتارنے اور اتروانے کو شامل ہے جاندار کی تصویر خواہ کسی طریقہ سے بنائی جائے تصویر کا حکم رکھتی ہے اس کو گھر میں رکھنا ممنوع ہے تصویر سے مراد چہرہ یعنی سر کی تصویر ہے خواہ باقی (نصف بدن کی ہو یا پورے قد کی ہاں سر اور چہرہ نہ ہو تو باقی بدن کی تصویر مباح ہے۔ بعض علماء مصر فوٹو کی تصویر کو مباح قرار دیتے ہیں بعض نصف بدن کی تصویر کو مباح بتاتے ہیں مگر ہمارے خیال میں یہ دونوں قول مرجوح اور بے دلیل ہیں لازمی سفر کے لئے پاسپورٹ کے واسطے فوٹو مباح قرار دیا جاسکتا ہے (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

---

(۱) عن عبداللہ قال سمعت النبی ﷺ یقول ان اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون (صحیح بخاری ۲ / ۸۸۵ ، رد المحتار مع الدر ۱ / ۶۴۷)

(۲) وان تحققت الحاجة الی استعمال الصلاح الذی فیہ تمثال فلا باس باستعمالہ لان موضع الضرورة مستثناة من الحرمة کما فی تناول المیتة (آلات تصویر کے شرعی احکام مفتی محمد شفیع)

بسم اللہ کی کتابت تصویر کی شکل میں گناہ ہے

(سوال) بعض حضرات کتابت میں بسم اللہ کو مرغ وشیر کی تصویر میں لکھتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو کاتب کے لئے کیا حکم ہے المستفتی نمبر ۲۱۳۰ امیر علی چترالی متعلم مدرسہ امینیہ دہلی ۱۵ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۹ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۴۵) کتابت میں تصویروں کی شکل بنانا ناجائز ہے اور خصوصاً بسم اللہ شریف جو قرآن پاک کی آیت ہے اس کی تصویر کی شکل بنانا بہت زیادہ مذموم ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تصویر حرام ہے

(سوال) اپنی تصویر کھنچوانا شریعت میں جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو کھنچوانے والے کے لئے کیا سزا ہے المستفتی نمبر ۲۲۰۳ فرزند علی جنرل مرچنٹ (برما) ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۰ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۴۶) تصویر کھینچنا کھنچوانا حرام ہے(۲) اس کی تعزیر قاضی شرع کی رائے پر ہے کوئی حد شرعی مقرر نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مسلمانوں کے لئے تصویروں کی تجارت جائز نہیں
(۲) کپڑے کے تھان میں لیبل پر تصویر کا حکم
(۳) اخبار وغیرہ کی تصویر کا حکم.

(سوال) (۱) کارخانے کے بنے ہوئے کھلونے جو جاندار کی شکل کے تصویر دار ہوں جیسے گڑیا تو اس کی تجارت جائز ہے یا نہیں اور دار الحرب میں کفار کے ساتھ تجارت اور مسلمانوں کے ساتھ تجارت کا ایک حکم ہے یا جدا حکم ہے اور پاسپورٹ کے لئے نصف فوٹو لازمی اس کا کرانا جائز ہے یا نہیں۔
(۲) کپڑے کے تھان کہ جس پر کارخانہ کے رجسٹرڈ چھاپ کا لیبل چسپاں ہوتا ہے جو جاندار کی تصویر ہو یا بکس کہ جس پر تصویر جاندار ہو اور اس میں اشیائے فروخت بند ہوتی ہیں اس کا دوکان میں رکھنا تصویر رکھنے کے حکم میں ہوگا یا نہیں عام طور پر لوگ اس میں مبتلا ہیں چونکہ یورپ کی بنی ہوئی اشیاء پر اکثر تصویر دار لیبل چسپاں ہوتے ہیں اس سے احتراز دشوار امر ہے تو اس کے لئے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟
(۳) انگریزی اخبار کی جن میں جابجا تصویریں ہوتی ہیں اور اس دیار میں عام طور پر تاجروں کو اخبار بینی لازم ہوتی ہے کہ اس سے نرخ اشیاء معلوم ہوتی ہے اسی طرح کیلنڈر تاریخ دیکھنے کے جو یورپین تاجروں کے یہاں سے جدید سال کی تقریب میں اپنے گاہکوں کو تقسیم ہوتے ہیں اور اس پر جاندار کی تصویر نصف یا

---

(۱) واما فعل التصوير فهو غير جائز مطلقاً لأنه مضاهاة لخلق الله (ردالمحتار مع الدر : ۱/ ۶۵۰)
(۲) (حواله گزشته : رد المحتار مع الدر : ۱/ ۶۴۷)

پڑی ہو تو اس کو مکان میں رکھنے کا کیا حکم ہے۔ المستفتی نمبر ۲۲۳۶ فخر الدین و اکھیلی (جوہانسبرگ) ۲ صفر ۱۳۵۷ھ م ۲۸ اپریل ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۴۷) (۱) مسلمان کو تصاویر کی بیع و شرا جائز نہیں اس میں دار الحرب اور دار الاسلام کا بھی کوئی فرق نہیں (۱) اور ضرورت کے موقع پر فوٹو کھنچوانا تاکہ پاسپورٹ مل سکے مباح ہے (۲) (۲) اس میں چونکہ تصویر کی بیع و شرا مقصود نہیں ہوتی اس لئے ضرورۃ گنجائش ہے (۳) اس کا حکم بھی نمبر ۲ کا ہے کہ ضرورۃ ان اخبارات کا خریدنا جائز ہے کیونکہ تصاویر کی بیع و شرا مقصود نہیں ہوتی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ضرورت اور مجبوری کے وقت تصویر بنوانا مباح ہے

(سوال) واسطے لائسنس موٹر ڈرائیوری کے تصویر کھنچوانا جائز ہے یا نہیں اور سکہ بھی جس پر تصویر ہو پاس رکھنا جائز ہے یا نہیں حدیث نبوی اور قرآن کی رو سے فتویٰ عطا فرمائیں المستفتی نمبر ۲۳۸۰ شیخ محمد قاسم صاحب (بلند شہر) ۲۵ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۴ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۴۸) کسب معاش کی ضرورت اور مجبوری سے فوٹو کھنچوانا مباح ہے جیسے کہ سکہ کی تصویر سے کام لے لینا مباح ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تجارتی نشان میں بھی تصویر بنانا حرام ہے۔

(سوال) ایک مسلمان نے بیڑی جاری کی اور اس کے لیبل پر ایک عرب کی تصویر بنائی جس کو دیکھ کر مسلمان اپنی دل آزاری سمجھتے ہیں چنانچہ اس مسلمان بیڑی بنانے والے سے کہا گیا کہ ہمارے مذہب میں تصویر منع ہے اگر تیرا مقصد بیڑی کی تجارت ہی ہے تو اس دل آزار لیبل کو بند کر کے اور کوئی دوسرا لیبل نکال لے اور لیبل کے بند کرنے پر جو بقیہ لیبل کی لاگت کا نقصان ہے وہ ہم ادا کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن باوجود اس کے وہ لیبل بند نہیں کرتا اور بدستور جاری رکھتا ہے ایسی صورت میں اس لیبل کے بنانے والے بیچنے والے اور خریدنے والوں کے متعلق شریعت مقدسہ کیا حکم رکھتی ہے المستفتی نمبر ۲۵۲۳ محمد ضیاء الحق صاحب خلف شیخ امان الحق (دہلی) ۸ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ م ۲۷ جولائی ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۴۹) تصویر بنانا حرام ہے مگر افسوس کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ ہزاروں مسلمانوں نے اپنے تجارتی نشانات میں تصویریں بنائی ہیں اور ان تصویروں کو ٹریڈ مارک کے طور پر استعمال کرتے ہیں اگر کوئی مسلمان ان ٹریڈ مارکوں کی تصویروں کو موقوف کرانے کے لئے کوئی اقدام خلوص کے ساتھ کرے تو

---

(۱) لا یحل عمل شئ من ھذہ الصور ولا یجوز بیعھا ولا التجارۃ لھا والواجب ان یمنعوا من ذالک (بلوغ القصد والمرام ص ۲۰ کوالہ تصویر کے شرعی احکام)

(۲) الضرورات تبیح المحظورات (الاشباہ والنظائر ۸۵ ط بیروت)

(۳) (حوالہ گذشتہ بالا)

اس کے لئے موجب اجر ہوگا (۱) مگر اس میں کسی ایک مارکہ کو اعتراض کے لئے خاص کر لینا خلوص کی دلیل نہیں ہے ایسے مارکے جن پر تصویریں بنی ہوئی ہوتی ہیں سینکڑوں روزمرہ کی استعمالی اشیاء پر موجود ہیں یا جیسی مارکہ کاغذ دیا سلائی کی ڈبیاں اور کپڑے کے تھان چینی کے برتن اخبارات و رسائل اور بہت سی چیزیں ہیں ان کی خریداری کا حکم یہ ہے کہ اگر تصویر کی خریداری مقصود نہ ہو اور تصویر اس چیز کی قیمت میں داخل نہ ہو یعنی خود تصویر کی کوئی قیمت اس میں شامل نہ ہو تو ایسی چیزوں کا خریدنا مباح ہے۔ محمد کفایت اللہ

ضرورت کے موقع پر تصویر مباح ہے

(سوال) ما تقولون في تصوير فوتو غرافي ؟ هل هو جائز ام لا؟ ان قلتم بالمنع فماتقولون عندضرورة التصوير على قاعدة الحكومة الانجليزية لنحو سفر البلا دو نحوه

(ترجمہ) فوٹوگرافی تصویر کے متعلق کیا فرماتے ہیں جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو انگریزی قوانین کے لحاظ سے پاسپورٹ وغیرہ میں فوٹو ضروری ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ المستفتی حاجی گل محمد منگوری مورخہ ۸ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ م ۲۸ جنوری ۱۹۳۹ء

جواب ۳۵۰) التصوير لا يجوز مطلقا بالقلم وغيره ولكن عند شدة الضرورة جائز لان الضرورات تبيح المحظورات قاعدة الشريعة مسلمة عند الفقهاء العظام (۲)

(ترجمہ) قلم سے یا کسی دوسرے طریقے سے تصویر بنانا یا بنوانا ہرگز جائز نہیں لیکن سخت ضرورت یا قانونی مجبوری کے وقت جائز ہوگا کیونکہ شریعت کا ایک مسلمہ قاعدہ ہے۔ الضرورات تبیح المحظورات حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ الجواب صحیح محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فوٹوگرافی کا پیشہ حرام ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۲۷ء)

(سوال) فی زمانہ بذریعہ مشین فوٹو لینا یا فوٹو اتروانا فوٹوگرافی پیشہ اختیار کرنا اور اس کو ذریعہ معاش بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۵۱) فوٹوگراف کے ذریعہ سے جانداروں کی تصویریں بنانا بنوانا اس کا پیشہ کرنا ناجائز ہے کیونکہ فوٹوگراف کی تصویر بھی تصویر ہی ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی کامل تصویر ہے (۳) اس لئے تصویر کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ

---

(۱) واما فعل التصوير فهو غير جائز مطلقا الخ (رد المحتار مع الدر ۱/ ۶۵۰)
(۲) (الاشباہ والنظائر ۸۵ ط بیروت)
(۳) (حوالہ گزشتہ صحیح بخاری شریف : ۲۹۶/۱)

(۱) ضروری سفر کے لئے تصویر بنانا مباح ہے
(۲) تجارت اور حصول علم کے لئے سمندر پار جانا جائز ہے
(الجمعیۃ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) (۱) تجارت کرنے کی غرض سے یا کوئی علم حاصل کرنے کے لئے سمندر پار کسی غیر ملک مثلاً جرمنی، مصر یا ولایت میں جانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۲) اگر غیر ممالک میں جانا درست ہو تو وہاں جانے کے لئے پاسپورٹ بھی لینا پڑتا ہے جس کے لئے اپنی تصویر کھنچوانی پڑتی ہے کیا وہ تصویر کھنچوانی جائز ہے؟
(جواب ۳۵۲) (۱) جائز ہے (۲) اگر سفر ضروری ہو تو تصویر کھنچوانی بھی مباح ہوگی ورنہ نہیں(۱)
محمد کفایت اللہ غفر لہ

تصویر کے متعلق ایک ذاتی سوال
(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) ۱۶ اگست ۱۹۳۱ء کے بمبئی کرانیکل میں آپ کی اور مولانا احمد سعید صاحب وغیرہ کی جو کانگریس ورکنگ کمیٹی میں شرکت کے لئے بمبئی گئے تھے تصویر شائع ہوئی ہے کیا یہ آپکے علم میں شائع ہوئی ہے؟ کیا آپ اس کو جائز سمجھتے ہیں؟
(جواب ۳۵۳) میں فوٹو لینے اور فوٹو بنوانے کو ناجائز سمجھتا ہوں میں نے خود اپنا فوٹو کسی کو بنانے دیا ہو تو یہ ممکن ہی نہیں مجھے اس کا علم بھی نہیں کہ میرا فوٹو کس نے اور کس وقت لے لیا ہے کسی کا فوٹو شائع ہو جانے سے یہ خیال کر لینا کہ جس کا فوٹو ہے اس نے اپنے علم واختیار سے دیا ہوگا یا اس کے نزدیک فوٹو کی تصویر جائز ہے ناواقفیت یا تعصب کا نتیجہ ہے آج کل فوٹو کے دستی کیمروں سے ہر شخص کا فوٹو اس طرح لیا جا سکتا ہے کہ اس کو خبر بھی نہ ہو میرا فوٹو بھی اسی طرح لے لیا گیا ہوگا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ

تصویر اور فوٹو کیوں حرام ہے

(سوال) فوٹو کھینچنا اور کھنچوانا شرعی نقطہ نظر سے کیوں حرام ہے؟ زید کہتا ہے کہ متحرک کو ہم مستقل کر دیتے ہیں یعنی شیشے میں دیکھنے سے جو ہماری صورت نظر آتی ہے اسے ہم مستقل کر دیتے ہیں تو وہ فوٹو کہلاتا ہے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ حرام کیوں ہے؟ اور اس سے ایک یادگار بھی قائم رہتی ہے۔ المستفتی حکیم جمیل الدین دہلوی
(جواب ۳۵۴) تصویر بنانا اور اس کو استعمال کرنا شریعت مقدسہ نے ناجائز قرار دیا ہے فوٹو لینا بھی تصویر بنانے کا ایک طریقہ ہے پس وہ ناجائز ہے جب کہ اس سے جاندار کی تصویر بنائی جائے ہاں مکانات اور غیر

---

(۱) (حوالہ گزشتہ : الاشباہ والنظائر ۸۵)

ذی روح مناظر کا فوٹو لینا جائز ہے جیسے کہ ان کی ہاتھ سے تصویریں بنانی جائز ہیں شریعت مقدسہ نے جانداروں کی تصویریں بنانا اور فوٹو لینا اس مصلحت سے حرام فرمایا ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم اور توقیر کا شائبہ بھی مسلمانوں میں نہ رہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

اکیسواں باب
متفرقات

کرایہ دار سے کرایہ کی رقم کے علاوہ زائد رقم لینا جائز نہیں

(سوال) ملک بنگال میں یہ صورت مروج ہے کہ مثلاً عمر زمیندار نے اپنی رعیت زید کو پچاس بیگہ زمین بندوبست کر دیا اور ہر سال فی بیگہ زمین کا خراج مبلغ پانچ روپے مقرر کیا اور یہ بھی شرط لگا دی کہ تم کو بتقریب شادی اپنی بیٹی کے مبلغ چار یا پانچ روپے رسمی طور پر دینے ہوں گے اور بعض جگہ یہ شرط نہیں کرتے بلکہ جبراً یا رضاء ایسا کرتے ہیں زید بوقت شادی اپنی بیٹی کے وہ رقم اس کی سسرال سے وصول کرے اور زمیندار کو ادا کرے صورت مذکورہ موافق شریعت کے جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۵۵) یہ صورت دونوں کے لئے ناجائز ہے یعنی زید کے لئے تو یہ ناجائز ہے کہ وہ بیٹی کے سسرال والوں سے یہ رقم وصول کرے کیونکہ یہ صورت رشوت کی ہے اور زمیندار کے لئے یہ ناجائز ہے کہ زید سے علاوہ زر کرایہ زمین کے پانچ روپے فی شادی لینا مقرر کرے کیونکہ اس صورت میں زمین کی اجرت مجہول ہو جائے گی کیا خبر ہے کہ زید جب تک زمیندار مذکور کی زمین کی کاشت کرے گا اس کی کسی بیٹی کی شادی ہو گی بھی یا نہیں۔ پس یہ صورت ناجائز ہے۔(۲) واللہ اعلم

سراج الدولہ نام رکھنا مناسب نہیں

(سوال) سراج الدولہ نام رکھنا درست ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(جواب ۳۵۶) اس قسم کے نام رکھنا مناسب نہیں۔ في الفتاوى والتسمية باسم لم يذكره الله تعالى في عباده ولا ذكره رسول الله ﷺ ولا استعمله المسلمون تكلموا فيه والا ولى ان لا يفعل (كذافي المحيط) انتهى (هنديه)(۳)

---

(۱) حوالہ گزشتہ رد المحتار مع الدر ۱ / ۶۵۰ ،

(۲) ومن السحت ماياخذه الصهر من الختن بسبب بنته بطيب نفسه حتى لو كان بطلبه يرجع الختن به (رد المحتار مع الدر ۳ / ۳۶۲) اخذ اهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج ان يسترده لانه رشوة (الدر المختار مع الرد ۳ / ۳۶۲) (۳) فتاوى هنديه ۵ / ۳۶۲ ،

”مجھ پر وحی آتی ہے“ کہنے والے کا حکم

(سوال) اگر کسی آدمی سے نماز یا ہوا کام کرنے میں یہ الفاظ زبان سے نکل گیا کہ میرے اوپر وحی آتی ہے تو ایسے شخص کو شریعت کیا حکم دیتی ہے اور اگر یہ کہا تو گناہ کس طرح معاف کرائے ؟

(جواب ۳۵۷) اگر کسی شخص کی زبان سے یہ الفاظ سہواً نکل گئے ہیں تو کچھ گناہ نہیں اور اگر قصداً ان الفاظ کو ادا کیا ہے اور مراد وحی نبوۃ ہے تو وہ کافر ہے اور اگر مراد وحی الہام ہے تو کافر نہ ہوگا تاہم ایسے الفاظ سے احتراز کرنا واجب ہے۔

(۱) کسی مسلمان کو کافر کہنے والا سخت فاسق ہے
(۲) عبدالنبی، نبی بخش، حسین بخش کسی کا نام رکھنا جائز نہیں

(سوال) ایک شخص مسمی نور محمد مولانا جامی و رومی و شیخ فرید الدین عطار و مولانا عبدالعزیز دہلوی و خواجہ سلیمان صاحب تونسوی ان سب کو کافر کہتا ہے چنانچہ اس کی کتب تصنیف شدہ میں یہ شعر موجود ہے۔

عطار تے جامی رومی سمیں با ہو بلہا سارے
فرق نہ جانن ندے کافر مسلم سن پیارے

یعنی عطار و رومی و جامی و محمد رمضان ملتان والے اور حضرت بلھے شاہ قصوری نصاریٰ اور یہودیوں سے بدتر کافر ہیں معاذ اللہ ! اور ایک جگہ جامی و رومی کی نسبت کہا جامی کتا بھونکیا اندر تحفہ کفر اں والے۔ جامی رومی دے پچھے لگ جو دوزخ در ان مکالے یعنی جامی کتے کی طرح اپنے تحفۃ الاحرار میں بھونکتا ہے اور جو ان کے معتقد ہیں سب دوزخ میں جائیں گے علی ہذا القیاس اکثر مشائخ کو کافر کہا آیا وہ شخص کافر ہے یا فاسق اور اس کی کتب تصنیف شدہ قابل اعتماد ہیں یا نہیں ؟
(۲) عبدالنبی، عبدالرسول، محمد بخش، نبی بخش، حسین بخش نام رکھنا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(جواب ۳۵۸) ان مسلم بزرگان عظام کو کافر کہنے والا سخت ترین فاسق ہے یہ جتنے کے جتنے بزرگ ہیں سب کے سب مسلم بزرگ ہیں ان کی بزرگی میں کلام نہیں ان کو جو کافر کہے وہ پرلے درجے کا فاسق ہے۔ اس کی کتابیں پڑھنا اور ایک ایسا کام جس سے اس کی عظمت ظاہر ہو کرنا جائز نہیں ایسے لوگوں سے مسلمانوں کو اجتناب واجب ہے ان کی محفلوں میں شرکت ان کے ساتھ اتحاد کسی مسلمان کو جائز نہیں

(۱) ومن السحت مایاخذہ الصہر من الختن بسبب بنتہ بطیب نفسہ حتی لو کان بطلبہ یرجع الختن بہ (رد المحتار مع الدر ۳ / ۳۶۲) اخذاھل المرأۃ شیئا عند التسلیم فللزوج ان یستردہ لانہ رشوۃ (الدر المختار مع الرد ۳ / ۳۶۲)
(۲) (فتاوی ھندیۃ ۵ / ۳۶۲)
(۳) وعزر الشاتم بیا کافر وھل یکفر ان اعتقد المسلم کافرا نعم والا لا بہ یفتی قال فی النھر وفی الذخیرۃ المختار للفتوی انہ ان اراد الشتم ولایعتقدہ کفرا لا یکفر وان اعتقدہ کفرا فخاطبہ بھذا بناء علی اعتقادہ انہ کافر یکفر لانہ لما اعتقد المسلم کافرا فقد اعتقد دین الاسلام کفرا (رد المحتار مع الدر ۴ / ۶۹)

(۲) اس قسم کے ناموں کی شریعت میں ممانعت ہے کیونکہ اگر عبدالنبی سے مراد بندہ اور مخلوق ہو جب تو صریح شرک ہے اور اگر اس کے مجازی معنی یعنی تابعدار اور غلام وغیرہ مراد ہوں تو اگرچہ شرک نہیں لیکن شرک کا وہم پیدا کرتے ہیں اور جو چیز شرک کا وہم پیدا کرے وہ بھی ناجائز ہے اس لئے ایسے ناموں سے احتراز کرنا چاہئے۔(۱) فقط

کسی مسلمان کو فرعون کہنا گناہ ہے

(سوال) کسی مسلمان کو فرعون کہنا کیسا ہے ؟ نیاز مند محمد سلیمان داوڑا
(جواب ۳۵۹) مسلمان کو فرعون جیسے الفاظ کہنا سخت گناہ اور موجب فسق ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ

طاعون کی جگہ سے بھاگنا جائز نہیں

(سوال) ایک جگہ طاعون ہے اگر اس جگہ کے باشندے اس جگہ کو چھوڑ کر اس کے گردونواح میں سکونت اختیار کریں اور کسی جگہ چلے جائیں تو اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا
(جواب ۳۶۰) جس جگہ طاعون ہو وہاں سے نکلنا اور وہاں جانا دونوں ممنوع ہیں۔ وہاں جانے کی ممانعت تو اس وجہ سے ہے کہ خدانخواستہ وہاں جاکر اگر بتقدیر الٰہی مبتلائے مرض ہو گیا تو اندیشہ ہے کہ اس کا عقیدہ بگڑ جائے اور خیال کرے کہ یہاں آنے سے یہ مرض لاحق ہو گیا اگر نہ آتا تو بچ جاتا حالانکہ مرض اس کے لئے بہر حال مقدر تھا خواہ یہاں آتا خواہ نہ آتا نیز چونکہ اس مقام کی آب و ہوا خراب ہے اور اسباب مرض منتشر ہو رہے ہیں تو وہاں جانا گویا آگ لگے ہوئے مکان میں گھسنے اور جل جانے کے مشابہ ہے اگرچہ حقیقتہً دونوں میں فرق ہے اور وہاں سے نکلنا اس لئے ممنوع ہے کہ اول تو تقدیر الٰہی سے بھاگنا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے فلا تخرجوا فراراً منه یعنی طاعون سے بھاگنے کے ارادے سے وہاں نہ نکلو (۳) دوسرے یہ کہ اجازت دینے میں دوسرے مسلمانوں اور مریضوں کو جو انکی امداد و اعانت کے محتاج ہیں نقصان پہنچنے کا اور انہیں تکلیف ہونے کا ان کی دوا علاج اور خدمت میں فتور آنے گا (۴) لیکن اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں یعنی نکلنے میں طاعون سے بھاگنے کا خیال نہ ہو بلکہ محض اسباب مرض سے بچنے اور آب و ہوا بدلنے کا

---

(۱) ولا يسميه حكما وابا الحكم ولا ابا عيسى ولا عبد فلان ... اقول ويوخذ من قوله ولا عبد فلان منع التسمية بعبد النبي ونقل الدميري انه قيل بالجواز بقصد التشريف بالنسبة والا كثر على المنع خشية اعتقاد حقيقة العبودية كما لا يجوز عبدالدار (رد المحتار مع الدر ٦ / ٤١٨)
(۲) (حوالہ گزشتہ رد المحتار مع الدر ٤ / ٦٩)
(۳) یعنی یہ سمجھ کر بھاگے کہ موت سے بچ جائے گا اگر موت مقدر ہے تو یہ جلد آئے گی اور اگر سلامتی مقدر ہے تو یہ بھی کیونکر ... ۱۲ منہ
(٤) عن سعد عن النبي ﷺ انه قال اذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تدخلوها واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا منها (صحيح بخاري ٢ / ٨٥٣)

خیال ہو اور اس کے نکلنے سے ساکنان قریہ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور وہ اس طرح کہ نکلنے والے اس بستی سے باہر رہ کر ان سے قریب رہیں اور اہل قریہ کی خبر رکھیں تو ایسے نکلنے میں مضائقہ نہیں کیونکہ اس صورت میں علت ممانعت پائی نہیں جاتی لیکن اس قریہ میں صبر واستقامت کے ساتھ رہنے میں بہر حال زیادہ ثواب ہے۔ واللہ اعلم

تفخید بلا ضرورت حرام ہے

(سوال) تفخید یعنی عضو مخصوص کو رانوں میں دینا بشہوۃ اور انزال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۵۳ شیخ بھائی جی خاندیس ۱۹ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۶۱) تفخید بلا ضرورت حرام ہے اور اضطرار میں ہو تو مباح ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

رشوت خور، سود خور کے ہاں کچھ نہ کھانا ہی بہتر ہے

(سوال) رشوت خور، سود خور، چوری پیشہ اور جس کے گھر میں بے نکاحی عورت ہو اس کے گھر کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ المستفتی نمبر ۲۴۹ شہباز خاں سب انسپکٹر ضلع کرنال ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۲۰ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۶۲) اگر ان لوگوں کے گھر اور بھی کوئی حلال آمدنی ہے تو کھانا جائز ہے اور اگر حرام ہی حرام کمائی ہے تو کھانا ناجائز ہے اور بہر صورت نہ کھانا بہتر ہے۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

ضرورت کے وقت سونے کا دانت لگوا سکتے ہیں

(سوال) کیا مرد کے لئے سونے کا ایک دانت یا ایک سے زیادہ لگوانا جائز ہے؟ اور اگر سونے کا دانت لگوالیا ہو تو کیونکہ اس کے اندرونی حصے اور دراڑوں میں غسل جنابت کے وقت پانی پہنچایا جاسکتا ہے اور نہ پہنچنے کی صورت میں غسل ہو جاتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۹۲ ۱۵ صفر ۱۳۵۳ھ م ۳۰ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۶۳) جائز ہے کہ وہ در حقیقت دانت پر سونا چڑھانا ہوتا ہے اور ضرورت کے وقت یہ جائز ہے جیسے کہ سونے کی ناک لگانا یا سونے کا پورہ انگلی میں لگوانا جب کہ ناک یا پورہ کٹ جائے اندرونی حصے

---

(۱) وفی السراج ان اراد بذالک (ای الاستمناء بالکف) تسکین الشهوة المفرطة الشاغلة للقلب وکان عزبا لازوجة له ولا امة او کان الا انه لایقدر الوصول الیها لعذر قال ابو اللیث ارجو ان لاوبال علیه واما اذا فعله لا ستجلاب الشهوة فهو آثم ویلحق به مالو ادخل ذکره بین فخذیه (رد المحتار مع الدر ۲/۹۹)

(۲) اکل الربا وکاسب الحرام اهدی الیه او اضافه وغالب ماله حرام لا یقبل ولا یاکل مالم یخبره ان ذالک المال اصله حلال ورثه او استقرضه وان کان غالب ماله حلالا لا باس بقبول هدیته والا کل منها (فتاوی هندیة کتاب الکراهیة ۵/۴۳)

میں پانی پہنچنا اس لئے ضروری نہیں کہ اب وہ دانت بوجہ لازم و ثابت ہونے کے اصل دانت کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ قال محمدو یشدھا بالذھب ایضاً قطعت انملته یجوزا ن یتخذھا من ذھب او فضة ذکر الحاکم فی المنتقی لو تحرکت سن رجل و خاف سقوطھا فشدھا بالذھب او بالفضة لم یکن به باس عند ابی حنیفة و ابی یوسف (ھذا کله فی الھندیه) (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مخلوط آمدنی سے بنی ہوئی مسجد کا حکم

(سوال) ہمارے ملک میں جو مسجدیں بنائی جاتی ہیں ان میں مندرجہ ذیل اشخاص بالعموم حصہ دار ہوتے ہیں دھوکہ سے پیسے کمانے والے' چوری کرنے والے' زکوۃ نہ دینے والے حج فرض ادا نہ کرنے والے' عرائض نویس جو جھوٹ لکھ کر پیسہ کماتے ہیں سپاہی جو دشمنان اسلام کی طرف سے اہل اسلام کے ساتھ جنگ کرتے ہیں زمین گروی لینے والے' لڑکیوں کا حصہ نہ دینے والے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں پاک چیز قبول کرتا ہوں جب خدا قبول نہیں کرتا تو علمائے دین کیوں قبول کرتے ہیں اور ان مسجدوں میں نمازیں ادا کرتے ہیں جواب دیں کہ آیا ان مسجدوں میں نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں یہ شہری علما کا طریقہ ہے دیہاتی علماء کا طریقہ یہ ہے کہ وہ روٹیاں لے کر امامت کا کام کرتے ہیں اور مندرجہ بالا اشخاص کے گھر سے فاتحہ پر کھانا بھی کھاتے ہیں کیا ان کے پیچھے نماز جائز ہے ؟ المستفتی نمبر ۵۶۹ مستری محمد عالم (ضلع جہلم) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۱ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۳٦٤) جس شخص کی تمام کمائی حرام کی ہو وہ اس حرام مال سے مسجد بنائے تو وہ مسجد صحیح مسجد نہیں ہوتی نماز اس میں بھی ہو جاتی ہے مگر مسجد کا ثواب نہیں ملتا اور جس شخص کی کمائی حلال بھی ہو اور حرام بھی اور وہ مخلوط کمائی سے مسجد بنائے تو اگرچہ حرام مال خرچ کرنے کا اسے کچھ ثواب نہیں ملے گا لیکن احکام اور فتویٰ کی رو سے یہ مسجد مسجد ہو جائے گی اور وقف صحیح ہونے کا حکم دیا جائے گا اور مسلمانوں کو حق ہو گا کہ وہ اس کو بحیثیت مسجد کے استعمال کریں اور اس کی حفاظت کریں۔ (۲)

یہی حکم دعوت قبول کرنے کا ہے کہ جس کی کمائی خالص حرام ہو اس کے یہاں دعوت قبول کرنا جائز نہیں اور جس کی کمائی مخلوط ہو اس کے یہاں دعوت قبول کرنا مباح ہے مگر مقتدا کیلئے بہتر اور تقویٰ کی بات یہ ہے کہ قبول نہ کرے (۳) امامت کی تنخواہ لینا جائز ہے یعنی اگر تنخواہ مقرر کر کے کسی کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کیا جائے تو یہ بات جائز ہے اور تنخواہ دار امام کی امامت مکروہ نہیں ہے۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) (فتاوی ھندیة الباب العاشر فی استعمال الذھب والفضة ۵/۳۳٦)

(۲) کل الربا و کاسب الحرام اھدی الیه (حوالہ گزشتہ فتاوی ھندیة ۵/ ۳٤۳)

(۳) (حوالہ گزشتہ بالا فتاوی ھندیة ۵/۳٤۳)

(٤) (انما اجاز رہ فی محل الضرورۃ کالا ستیجار لتعلیم القرآن او الفقه او الاذان او الامامة ان الذی افتی به المتاخرون انما ھو التعلیم والاذان والامامة الخ (رد المحتار مع الدر ٦/ ٦۹۱)

گھوڑے اور گدھی کی جفتی مکروہ ہے

(سوال) گھوڑے کو گدھی سے ملانا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۷۹۱ محمد نور (ضلع جالندھر) ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲ مارچ ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۶۵) مکروہ ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مشتبہ لفظ کا ٹریڈ مارک اختیار نہ کیا جائے

(سوال) زید اپنا بیوپاری نشان (ٹریڈ مارک) مکھی اور ہرن رکھے ہوئے ہے زبان تامل میں مکھی کو "ای" اور ہرن کو "مان" کہتے ہیں اور یہ زبان اس علاقہ میں بکثرت رائج ہے اسی زبان کے حرفوں میں نام مذکور شدہ ہے بکر کہتا ہے کہ اس نام سے اسلام کی توہین ہوتی ہے اس کی بیڑی ایمان بیڑی کے نام سے مشہور ہو رہی ہے۔ المستفتی نمبر ۸۴۱ این اے اسمعیل شریف بیڑی فیکٹری دھرنام پیٹ ۱۶ محرم ۱۳۵۵ھ م ۹ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۶۶) ہاں اگر بیڑی بنانے والے کی نیت یہی تھی جو اس نے سوال میں ذکر کی ہے تو اس نیت کے لحاظ سے اس نے کوئی گناہ نہیں کیا لیکن لوگوں کی سمجھ کے لحاظ سے اس میں ایک اشتباہ ضرور ہے اس لئے اگر یہ شخص اس مارکہ کو بدل نہیں سکتا تو کم از کم اس لفظ کی ترکیب بدل دے یعنی نام کو بجائے ای مان کے مان ای بیڑی کردے یعنی وہی مارکہ وہی دونوں نام رہیں گے ترکیب اور ترتیب بدل دینے سے وہ اشتباہ جاتا رہے گا اور یہ حکم شرعی کہ تصویر کو مارکہ نہ بنانا چاہئے جانے خود ان پر عائد ہے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

جس کپڑے پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہو اس کو کمرے میں لٹکانا

(سوال) اگر کلمہ طیبہ کسی کپڑے پر یا کاغذ پر لکھا ہو یا مثلاً غلاف کعبہ کے پارچہ جات جن پر کلمہ طیبہ لکھا ہوتا ہے کانچ کے چوکھٹے میں لگا کر مکان میں یا مسجد میں لٹکا دیا جائے جس طرح کہ دیگر آیات قرآنی کے طغرے مساجد میں لٹکائے جاتے ہیں شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۳۹ حکیم عبدالغفور صاحب (دہلی) ۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۵ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۶۷) آویزاں کرنے سے اگر مراد یہ ہے کہ جس طرح اور کتبے مکان میں لگائے جاتے ہیں اسی طرح غلاف کعبہ کا کوئی ٹکڑا بھی چوکھٹے میں لگا کر آویزاں کر لیا جائے تو مضائقہ نہیں لیکن آویزاں کرنے سے اگر غرض یہ ہو کہ کسی ایسے طریق پر آویزاں کیا جائے کہ لوگ اس کی تعظیم و تکریم کرتے رہیں اور اس کو

---

(۱) عن ابن عباس قال كان رسول الله ﷺ عبدا مامورا ما خصنا دون الناس بشئ الا بثلاث امرنا ان نسبغ الوضوء وان لا ناكل الصدقة وان لا ننزي حمارا على فرس (ترمذی شریف ۱ : ۲۹۹)

(۲) واما فعل التصوير فهو غير جائز مطلقا لانه مضاهاة لخلق الله (ردالمحتار ۱ : ۶۵۰)

نام کی اہانت ہوتی ہے تو یہ اچھی بات نہیں ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حضور اکرم ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چومنا

(سوال) جناب محمد رسول ﷺ کے نام مبارک پر اکثر و بیشتر عوام الناس اپنے ہاتھوں کی انگلیاں چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ بجائے انگلیاں چومنے کے درود شریف پڑھنا افضل ہے آیا ان دونوں صورتوں میں کون سی صورت افضل ہے اور انگلیاں چومنا کیسا ہے بدعت ہے یا کسی کتاب سے صحیح سند سے یا یوں ہی رسم نکال لی ہے۔ المستفتی نمبر ۱۲۶۸ حافظ محمد حسین ضلع بہار ۱۳ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۸ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۶۸) انگوٹھے چومنے اور آنکھوں سے لگانے کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے اس لئے اس کو شرعی حکم سمجھ کر کرنا نہیں چاہئے بعض لوگ اس کو بطور عمل کے کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس عمل سے آنکھیں دکھنے سے محفوظ رہتی ہیں تو اس نیت سے کرنا مباح ہے مگر نہ کرنے والے پر کوئی مواخذہ نہیں اور الزام بھی نہیں۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'، دہلی

خنزیر کے بالوں والے برش کا استعمال جائز نہیں

(سوال) انگلستان کا بنا ہوا دانت صاف کرنے کا برش جس پر انگریزی لفظ برسل (Bristles) لکھا ہوا ہوتا ہے اور جس کے معنی خنزیر کے بال بھی ہو سکتے ہیں اس سے دانت صاف کرنا کیا جائز ہے قرآن شریف میں صرف لحم الخنزیر کی حرمت کا ذکر ہے کیا اس کے بالوں کا استعمال جائز ہو سکتا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۳۲۸ ملک منظور احمد صاحب اے ڈی آئی (ضلع لائل پور) ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۲ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۶۹) خنزیر کے بالوں کا برش استعمال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ خنزیر نجس العین ہے اور اس کے تمام اجزا ناپاک ہیں لحم خنزیر کا قرآن پاک میں کھانے کے سلسلہ میں آیا ہے اور بال کا ذکر نہیں تھا اس لئے اس موقعہ میں بالوں کا ذکر نہ ہونا بالوں کا استعمال جائز ہونے کی دلیل نہیں۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'، دہلی

نام بدل کر اچھا نام رکھنا جائز ہے

(سوال) میرا نام والدین نے محمد خان رکھا تھا میرا خیال ہے کہ اس نام کی بجائے کرامت حسین نام رکھوں

---

(۱) ترك كتب القرآن على الحيطان والجدران بعضهم قالوا نرجو أن يجوز وبعضهم كرهوا ذلك مخافة السقوط تحت أقدام الناس (هندية ۵/ ۳۲۳)

(۲) وفي كتاب الفردوس من قبل ظفري إبهاميه عند سماع أشهد أن محمدا رسول الله في الأذان أنا قائده ومدخله في صفوف الجنة، وذكر ذلك الجراحي وأطال ثم قال ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء (رد المحتار مع الدر ۱/ ۳۹۸)

(۳) شعر الخنزير لنجاسة عينه فيبطل بيعه (الدر المختار مع الرد ۵/ ۷۱)

تبدیل ہو جائے تو بہتر ہے اس تبدیل نام میں کوئی شرعی حرج تو نہیں ہے نیز احمد حسن نام نامناسب تو نہیں ہے۔ المستفتی نمبر ۱۳۲۹ احمد حسن عرف جمعہ خان ماسٹر اسکول موید الاسلام (دہلی) ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۴ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۷۰) اپنا نام بدل کر کوئی اچھا نام رکھ لینا جائز ہے آنحضرت ﷺ نے بھی کئی صحابیوں کے نام بدل کر دوسرے اچھے نام رکھ دیئے تھے۔ (۱) جمعہ خان کی جگہ احمد حسن خاں نام رکھ لینا مناسب ہے
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) سود کی رقم بینک سے نکال کر خیرات کر سکتے ہیں
(۲) شادی فنڈ اور ختنہ فنڈ میں شرکت جائز نہیں

(سوال) (۱) بینک یا ڈاکخانہ سے سود لے کر خیرات کرنا جائز ہے یا نہیں (۲) شادی فنڈ یا ختنہ فنڈ میں شرکت درست ہے یا نہیں المستفتی نمبر ۱۴۷۲ حکیم سید اکبر علی صاحب صادق (ضلع گجرات) ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۸ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۷۱) (۱) بینک یا ڈاکخانہ سے سود لے کر خیرات کر دینا جائز ہے (۲) (۲) شادی فنڈ یا ختنہ فنڈ میں شرکت درست نہیں محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کفار سے رشوت لینا جائز نہیں

(سوال) کفار کا مال کھانا جائز نہیں خواہ بطور رشوت ہو یا وہ اپنی مرضی سے دیں۔ المستفتی نمبر ۱۶۸۲ محمد مظہر الدین صاحب (امبا) ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۳ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۷۲) کفار کا مال بطور رشوت لینا جائز نہیں وہ اپنی خوشی سے بطور ہدیہ دیں تو لینا جائز ہے۔ (۳)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

"۷۸۶" عدد کے بارے میں ایک مبہم سوال

(سوال) قلم متکلم ہو یا غیر متکلم حیثیت اس کے کہ وہ شریعت وسنت اسلام کے قوانین کے ماتحت

---

(۱) وکان رسول اللہ ﷺ یغیر الاسم القبیح الی الحسن جاءہ رجل یسمی اصرم فسماہ زرعة وجاءہ آخر اسمہ المضطجع فسماہ المنبعث وکانت لعمر بنت تسمی عاصیة فسماھا جمیلة (ردالمحتار مع الدر ۶: ۴۱۸)

(۲) یہ صرف دارالحرب میں جائز ہے اس لئے کہ اگر وہاں سود کی رقم بینک سے نہ نکالی گئی تو غیر اسلامی اشاعت اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں صرف ہوگی ورنہ دارالاسلام میں تو سود کی رقم لینا جائز ہے اور نہ اس کو خیرات کرنا جائز ہے۔

(۳) اقول وعلی ھذا فلا یحل اخذ مالہ بعقد فاسد بخلاف المسلم المستامن فی دارالحرب فان لہ اخذ مالھم برضا ھم ولو بربوا او قمار لان مالھم مباح لنا الا ان الغدر حرام وما آخذ برضاھم لیس غدرا من المستامن بخلاف المستامن منھم فی دارنا لان دارنا محل اجراء الاحکام الشرعیة فلا یحل لمسلم فی دارنا ان یعقد مع المستامن الاما یحل من العقود مع المسلمین ولا یجوز ان یاخذ منہ شئ لا یلزمہ شرعا وان جرت بہ العادة (ردالمحتار مع الدر ۴: ۱۶۹)

لہو ولعب قرار دی گئی ہے جس میں موسیقی کا ہونا بھی لازمی ہے اس کو اعداد بسم اللہ شریف ۷۸۶ سے موسوم ومشتہر کیا جاسکتا ہے آیا ایسا کرنے سے کلام الہی اور شریعت وسنت اسلام کی توہین اور بے حرمتی نہیں ہوتی براہ کرم جواب باصواب سے مطلع فرمایئے المستفتی نمبر ۱۸۳۵ آغا محشر صاحب چشتی پرنٹنگ پریس وزیر بلڈنگ (بمبئی) ۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۷۳) فلم کو ۷۸۶ سے موسوم کرنے کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا اگر اس کا نمبر ۷۸۶ ہے مثلاً فلم نمبر ۷۸۶ تو اس سے بسم اللہ کے اعداد کا توافق ہے مگر اس نمبر کو آخر کس طرح ظاہر کیا جائے مثلاً ۹۲ آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کے عدد ہیں تو اگر کوئی چیز نمبر ۹۲ کی ظاہر کرنا ہو تو اسکو کس طرح ظاہر کیا جائے بہر حال سوال کی پوری تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

دباغت کے بعد تمام جانوروں کا چمڑا فروخت کیا جاسکتا ہے

(سوال) ماکول اللحم وغیر ماکول اللحم مردار کا چمڑا سوائے خنزیر و آدمی کے بعد الدباغت فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۶۱ محمد انصار الدین صاحب (آسام) ۲۵ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۷۴) ماکول اللحم وغیر ماکول اللحم جانوروں کا مردار چمڑا دباغت کر کے فروخت کرنا جائز ہے (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

نامحرم عورتوں کو لڑائی کے وقت زبان سے منع کر سکتے ہیں

(سوال) (۱) دو عورتوں میں آپس میں لڑائی ہو گئی اور کوئی لڑنے والوں میں تفریق کرنے والا نہیں تو اجنبی انسان دونوں میں کس طرح تفریق کرے کیونکہ اگر وہ تفریق کرے تو شریعت اسلام کا قانون ٹوٹتا ہے (۲) دو عورتیں پردے والی ہوں مرد دو چار روز کے لئے گیا ہو اور اس دوران دونوں آپس میں لڑنے لگیں اور کوئی محرم آدمی جدائی کرنے والا موجود نہیں تو اجنبی آدمی کس طرح ان دونوں میں جدائی کرے۔ المستفتی نمبر ۱۹۷۳ ماسٹر مرزا احمد حسین صاحب گجرات کاٹھیاواڑ ۷ ۲ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۷۵) (۱) زبان سے منع کرے ہاتھ نہ لگائے (ب) یہاں بھی زبانی افہام و تفہیم کر سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) ولا باس ببیعها والانتفاع بها بعد الدباغة لانها طهرت بالدباغة (هداية ۳/۵۵ ملتان)

مخلوط آمدنی سے خریدی گئی مشین کو خریدنا مکروہ ہے

(سوال) ایک آٹے کی مشین ہے وہ حلال و حرام مال سے خریدی ہوئی ہے یعنی اس مشین والے کی لڑکی طوائف کا کام کرتی ہے اور مشین والا زمینداری کا بھی کام کرتا تھا مشترکہ مال سے وہ مشین خریدی گئی اب اس مشین کو ایک دوسرا شخص خریدنا چاہتا ہے آیا اس کی بیع درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۹۸۸ مولوی محمد سعید صاحب (رہتک) یکم رمضان ۱۳۵۶ھ م ۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۷۶) اس مشین کو خرید نا حرام تو نہیں مگر مکروہ ہے بیع تو ہو جائے گی مگر کراہت ہوگی۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مردار ہڈیوں کو اٹھا کر گاڑی میں بھرنا جائز ہے

(سوال) مسلمانوں کے لئے مردار ہڈی کو اٹھا کر گاڑیوں میں بھرنا اور چاہے خشک ہوں یا تر ریشہ دار ہاتھوں میں اٹھانا جائز ہے یا ناجائز؟ المستفتی نمبر ۲۰۴۵ شیخ قمر الدین صاحب (راجستان) ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۷۷) مردار خشک ہڈیاں اٹھانا اور ان کی بیع شرعاً جائز ہے۔(۲) جب تک تر ہوں اس وقت تک ناپاک ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ظالم اور کسی کا حق مارنے والا قوم کے سرداری کے لائق نہیں

(سوال) رسومات کافرہ کی پابندی کرنا مثلاً لڑکے کے کان کسی بزرگ کے نام پر چھدوانا حقوق العباد کو تلف کرنا اور کھا جانا بطلب حقوق شدت اور سختی سے پیش آکر خلف انکار کرنا یہ تمام فاسد عادتیں ایک سردار قوم کے اندر پائی جائیں تو ایسے شخص کو سردار از روئے شریعت تصور کرنا چاہئیے یا نہیں اور ایسے شخص سے مسلمانوں کو کیسا برتاؤ کرنا چاہئیے۔ المستفتی نمبر ۲۰۸۸ مولانا عبدالرحیم صاحب (چھاؤنی نیمچ) ۲۶ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۳۰ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۷۸) کسی بزرگ کے نام پر بچوں کے کان چھیدنا حرام ہے کسی کا حق مارنا اور کھا جانا بھی حرام ہے ایسا شخص سرداری کے لائق نہیں جو لوگوں پر ظلم کرے اور ان کے مال مارے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مہتمم کا مدرس اور طلبہ سے مدرسہ کے اوقات میں ذاتی کام لینا جائز نہیں
(۲) اہتمام کے دباؤ پر طلبہ سے کام لینا ظلم ہے

(۱) عن رافع بن خديج ان رسول الله ﷺ قال كسب الحجام خبيث ومهر البغى خبيث وثمن الكلب خبيث (ترمذى ۲٤۰/۱)
(۲) ويجوز بيع عظم الفيل والانتفاع به فى الحمل والركوب والمقاتلة (ردالمحتار مع الدر ۷۳/۵)

(۳) مدرسہ کے اوقات میں تعویذ لکھنا جائز نہیں

(سوال) (۱) مہتمم مدرسہ عربیہ نے ایک اپنا مکان ذاتی بنوایا اور ایک مدرس کو معماروں سے کام لینے کے لئے وہاں مقرر کردیا اور طلباء سے مزدوروں کا کام لیا گیا اور وہ مدرس مدرسہ کے وقت میں معماروں سے کام لیتے رہے مکان دو مہینہ یا کچھ زائد میں تیار ہوا اور مہتمم صاحب نے مدرس مذکور کو دو مہینوں کی تنخواہ مدرسہ سے دی کیا یہ عندالشرع جائز ہے یا ناجائز اور اس صورت میں مہتمم صاحب خائن ہوں گے یا نہیں (۲) اگر مہتمم صاحب کی خیانت ثابت ہو جائے تو معزول کرنے کے قابل ہیں یا نہیں اور ایسے خائن مہتمم صاحب کے ہاتھ میں صدقات و زکوٰۃ کا روپیہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ (۳) اگر خائن مہتمم اہتمام سے علیحدہ نہ ہو تو عامتہ المسلمین کو ان کے معزول کرنے کا حق ہے یا نہیں ؟ (۴) اگر خائن مہتمم کو ان کے رعب کی وجہ سے عامتہ المسلمین علیحدہ نہ کرسکیں تو کیا صورت اختیار کی جائے (۵) طلباء کو مجبور کر کے اور اپنا رعب ڈال کر اپنا ذاتی کام لینا جائز ہے یا نہیں ؟ (۶) تعویذ گنڈا دینی کام ہے یا دنیوی اگر کوئی مدرس مدرسہ کے وقت میں تعویذ گنڈا کرے تو جائز ہے یا ناجائز اور مدرسہ کی تنخواہ اس کے لئے حلال ہے یا حرام ؟ المستفتی نمبر ۲۱۲۳ محمد عبدالحکیم لدھیانوی ۱۴ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۸ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۷۹) مدرسہ کے مدرس اور طلبہ سے مہتمم کو اپنا ذاتی کام مدرسہ کے اوقات میں لینا جائز نہیں اور یہ صریح خیانت ہے اور مدرسہ کے اوقات کے علاوہ اپنے عہدہ اہتمام کے دباؤ میں مدرس یا طلبہ سے کام لینا جائز نہیں۔

مہتمم سے اس خطا کا اعتراف اور توبہ کرائی جائے تو آئندہ وہ مہتمم رہ سکتا ہے ورنہ اس کو علیحدہ کردینا لازم ہے تعویذ گنڈا مدرس مدرسہ کے اوقات میں نہیں کرسکتا اور کرے تو لائق معزولی ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

شرعی اصولوں کے خلاف انجمن میں شرکت سخت گناہ ہے

(سوال) اگر نوجوان ہندو مسلمان کی سوسائٹی یا انجمن حسب ذیل قوانین سے مرتب ہووے تو ایسی سوسائٹی اور انجمن میں مسلمانوں کو داخل ہو کر ممبر بننا چاہیئے یا نہیں ؟

(۱) سر ڈھانکنے کے لئے مشرقی ٹوپی یا عمامہ وغیرہ نہ پہننا چاہیئے مگر مسجد وغیرہ میں جاتے وقت مشرقی ٹوپی یا عمامہ کے لئے اجازت ہوگی۔

(۲) موڈرن لباس جس میں کوٹ پتلون ٹائی کولر وغیرہ ہوتا ہے وہ پہننا چاہیئے

(۳) اپنے گھر میں سے شرعی پردہ نکال دینے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

(۴) بچوں کی شادی کے لئے لڑکے کی عمر اکیس برس کی اور لڑکی سولہ برس کی ہو تو شادی کرے ورنہ

---

(۱) فان اشتغل بکتابۃ علم شرعی فہو عفو والا جاز عزلہ ایضا

کوشش کر کے شادی روک دینی چاہئیے۔
(۵) قومی اور مذہبی جھگڑوں میں کسی طرح کا حصہ نہ لینا چاہئیے۔
سو سوال یہ ہے کہ ایسی قوانین والی سوسائٹی میں داخل ہونے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۲۱۷۸ موسیٰ یعقوب جی (جوہانسبرگ) ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵٦ھ م ۱۵ جنوری ۱۹۳۸ء
(جواب ۳۸۰) اس سوسائٹی کے اصول شریعت کے خلاف ہیں اس لئے ایسی مجلس اور سوسائٹی میں شریک ہونا سخت گناہ ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

(۱) خاکسار تحریک بہت خطرناک ہے
(۲) ایلو پیتھک اور ہومیو پیتھک ادویہ کا استعمال مباح ہے
(۳) افیون بھنگ وغیرہ کی دوائیں جب تک نشہ نہ ہو تو مباح ہے

(سوال) (۱) فیروزپور چھاؤنی میں خاکسار تحریک جاری ہے بعض اس کے مؤید اور بعض مخالف ہیں کیا یہ تحریک ناقص شریعت ہے؟ (۲) جہاں تک میں نے تحقیق کیا ہے ایلو پیتھک اور ہومیو پیتھک ادویات شراب کی آمیزش سے تیار کی جاتی ہیں کیا اس کا استعمال شرعاً جائز ہے؟ (۳) یونانی ادویات میں بعض مسکرات مثلاً افیون' پوست' بھنگ وغیرہم مستعمل ہیں ان کے استعمال کی کیا شرعاً اجازت ہے؟ المستفتی نمبر ۲۲۱۲ ڈاکٹر بارک اللہ ایل، او، ایچ (فیروزپور) ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۵٦ھ م ۲۲ جنوری ۱۹۳۸ء
(جواب ۳۸۱) (۱) خاکسار تحریک بہت خطرناک اور مضر ہے (۲) ایلو پیتھک اور ہومیو پیتھک ادویہ کا استعمال مباح ہے جب کہ مسکر نہ ہوں (۳) جس حد تک مسکر نہ ہوں ادویہ مباح ہیں۔(۲) محمد کفایت اللہ

نوزائیدہ بچے کا نام رکھنے کے موقع پر خرافات ترک کرنے چاہئیں

(سوال) ایک شخص اپنے بچے کا نام رکھتے وقت بہت سے لوگوں کو دعوت طعام دیتا ہے معزز حاضرین جلسہ کے روبرو اپنے بچے کو اٹھا کر لاتا ہے اور امام مسجد اس بچے کا نام لے کر پکارتے ہیں بچے کا باپ لبیک کہتا ہے پھر سب لوگ اس بچے کے لئے دعا مانگتے ہیں کیا یہ عمل ناروا یا بدعت ہے یا نہیں اگر بدعت ہے تو حسنہ یا سیئہ المستفتی نمبر ۲۲۰۳ فرزند علی جنرل مرچنٹ (برما) ۷ ذیقعدہ ۱۳۵٦ھ م ۲۰ جنوری ۱۹۳۸ء
(جواب ۳۸۲) یہ طریقہ تو شریعت میں وارد نہیں بے اصل ہے کسی بزرگ سے بچے کا نام رکھوانا تو اچھا

---

(۱) عن عبداللہ بن مسعودؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من کثر سواد قوم فھو منھم ومن رضی عمل قوم کان شریکاً لمن عملہ (المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیۃ ۲/۴۲)
(۲) والثالث السکر وھو النیء من ماء الرطب اذا اشتد وقذف بالزبد ولکل حرام اذا غلیٰ واشتد والا لا یحرم اتفاقاً (رد المحتار مع الدر ٦/۴۴۹)

ہے مگر یہ تمام کارروائی جو سوال میں مذکور ہے ترک کر دینی چاہئیے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) جھوٹا' خائن' دھوکہ باز بے شک فاسق ہے
(۲) مرتد ہو جانے کے بعد تمام اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں
(۳) غاصب کے حکم کے متعلق ایک حدیث
(۴) حدیث لیس منی کا مطلب
(۵) جماعت سے الگ کھڑا ہونا مکروہ ہے
(۶) فرائض کو ضروری نہ سمجھنے والے کا حکم
(۷) ہندو جلد ساز سے قرآن مجید کی جلد سازی کرانا
(۸) تجدید نکاح کے وقت تجدید مہر بھی ضروری ہے
(۹) خشوع اور یکسوئی کی خاطر نماز میں آنکھیں بند کرنا جائز ہے

(سوال) جب کوئی مسلمان جھوٹ' وعدہ خلافی' خیانت' بیہودہ گوئی' فریب دہی کا عادۃً عامل ہو اور جناب رسول اللہ ﷺ نے ان علامات کو علامات منافقت فرمایا ہے مگر فقہ نے اسے فاسق کہنے کی اجازت دی ہے اور جب ایسا شخص ایسے کلمات بھی کہے جو باعث خارج اسلام ہوں اور نماز روزہ کا بھی پابند ہو لیکن طریقہ تجدید ایمان مجوزہ فقہ کو غیر ضروری سمجھے اور اعمال متذکرہ میں بھی مبتلا رہے تحقیق طلب یہ امر ہے کہ بموجب ارشاد اللہ تعالیٰ سورہ زخرف رکوع ۴ آیت اول **ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض له شیطانا فهو له قرین** کا یہ شخص مذکور مستوجب ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو کیسا شخص مصداق ہو سکتا ہے ؟

(۲) بموجب ارشاد اللہ تعالیٰ سورہ الزمر رکوع ۷۔ **لقد اوحی الیك والی الذین من قبلك لئن اشرکت لیحبطن عملك ولتکونن من الخاسرین** جس سے فقہ نے تمام عملیات صالح ضائع اور قتل تک کی صراحت فرمائی ہے اب مزید صراحت کی یہ ضرورت ہے کہ از زمانہ وجوب تا توبہ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' نکاح جو ثواب آخرت ضائع ہوا اب حصول ثواب آخرت ان تمام کو دہرانا چاہئیے اور بیعت کی بھی تجدید ضروری ہے یا نہیں جب کہ وہ کسی کا پیرو اب بھی ہے۔

(۳) سورہ آل عمران میں ارشاد ہے **ومن یغلل یات بما غل یوم القیمة** اور کتب اردو میں بحوالہ قول جناب رسول اللہ ﷺ تحریر ہے کہ آنحضرت ﷺ حشر میں غاصب کی امداد سے صاف انکار فرما کر فرمائیں گے کہ میں اب کچھ نہیں کر سکتا حکم پہنچا چکا اس فرمان حضور کی صحت فرمائی جائے۔

(۴) سنا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دھوکہ دینے والا مجھ سے نہیں اس ارشاد کا منشا اخراج امت ہے یا کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے کنعان کے متعلق فرمایا ہے کہ تم میں سے نہیں ہے۔

---

(۱) بدعة وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول ﷺ لا بمعاندة بل بنوع شبهة الخ (رد المحتار مع الدر ۱ / ۵۶۰)

(۵) جو شخص باعث تنفر نفسی نماز جماعت میں مل کرنہ کھڑا ہو اور رکوع و قیام و قعود میں تساہل کرے اور سجدہ میں بدیر جاوے اور باوجود علم کرانے کے باز نہ آوے ایسے آدمی کے متعلق کیا حکم ہے۔

(۶) جو شخص زبان سے توحید اور رسول اللہ ﷺ کا اقرار کرے مگر فرائض و سنن وغیرہ کو ضروری نہ سمجھ کر مطلق ادا نہ کرے اور بلکہ مشیت کے انتظام پر نفسی خواہشات کے موافق نامناسب ہونے کا اعتراض کرے ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے ؟

(۷) جلد ساز مسلمان نہ ہو وہاں ہندو جلد ساز سے کلام مجید مترجم کی جلد بنوانا چاہئے یا نہیں ؟

(۸) جس عورت کا بوجہ اقوال کفر نکاح ساقط ہو جائے تو اب اسے شوہر سے تجدید نکاح کے لئے تعین مہر کی ضرورت ہے یا نہیں اور یہ کہ جب عورت کے قصور سے نکاح ساقط ہوا ہے تو مہر مقررہ بصورت علیحدگی عورت کو واجب الادا ہے یا نہیں ؟

(۹) بعض لوگ بخیال یکسوئی منہ اور آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور فرائض نماز ادا کرتے ہیں یہ عمل درست ہے کہ نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۲۲۵۱ شجاعت حسین (آگرہ) ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۶ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۸۳) (۱) جھوٹ بولنے والا' فریب دینے والا' وعدہ خلافی کرنے والا' خیانت کرنے والا' لعان و سباب بے شک فاسق ہے اور اگر کوئی کام ایسے کرے اور ایسی بات کہے جو موجب کفر ہو اور تجدید ایمان سے بھی انکار کرے تو بے شک وہ آیت کریمہ **ومن یعش الخ** کا مصداق ہے۔(۱)

(۲) مرتد ہو جانے کے بعد اعمال صالحہ سابقہ ضائع ہو جاتے ہیں لیکن توبہ و تجدید کے بعد پہلے کے عمل یعنی فرائض جن کے اسباب وجوب ختم ہو چکے ہیں واجب الادا نہیں ہیں ہاں حج (۲) اگر ارتداد کے بعد غنی ہو تو دوبارہ کرنا پڑے گا نکاح کی تجدید بھی ضروری ہے۔(۳)

(۳) زکوٰۃ نہ دینے والوں کے متعلق یہ حدیث شریف تو دیکھی ہے **ولا یاتی احد کم یوم القیامۃ بشاۃ یحملھا علی رقبۃ لھا یعار فیقول یا محمد فاقول لا املک لک شیئاً قد بلغت الخ** (بخاری ص ۱۸۸ ج ۱) خیانت اور غلول کے متعلق بھی اسی طرح کے مضمون کی حدیث آئی ہے اس میں بھی یہ الفاظ ہیں **فیقول یا رسول اللہ اغثنی فاقول لا املک لک من اللہ شیئاً قد بلغتک** اور غصب اور خیانت کا حکم قریب ہے۔

---

(۱) عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال آیۃ المنافق ثلث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا ائتمن خان (صحیح مسلم ۱/ ۵۶)

(۲) وفی شرح الوہبانیۃ للشرنبلالی ما یکون کفراً اتفاقاً یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد الزنا وما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ و تجدید النکاح

(۳) وما ادی فیہ یبطل ولا یقضی من العبادات الا الحج لانہ بالردۃ صار کالکافر الاصلی فاذا اسلم وھو غنی فعلیہ الحج (رد المحتار مع الدر ۴/ ۲۵۲)

(۴) یہ ارشاد لیس منی جہاں بھی فرمایا گیا ہے اس سے غرض اس بات کا اظہار ہے کہ وہ کام اسلام کا نہیں اور کرنے والا مسلمان نہیں اب اگر فی الحقیقت وہ کام کفر کا ہے تو یہ کلام حقیقت پر محمول ہے اور اگر کفر کے درجے کا نہیں تو پھر یہ کلام زجر و تغلیظ کے لئے ہے۔(۱)

(۵) اس کی نماز مکروہ ہو گی اور نماز کی روح سے خالی رہے گی۔(۲)

(۶) ایسا شخص فاسق ہے اور اگر فرائض کی فرضیت کا یقین نہ ہو تو ایمان بھی نہیں۔

(۷) ہندو جلد ساز سے حتی الامکان قرآن مجید کی جلد نہ بنوائی جائے۔

(۸) ہاں تجدید نکاح کی صورت میں مہر بھی جدید مقرر کرنا ہو گا خواہ تھوڑا ہی ہو مثلاً تین چار روپے اور پہلا مہر بھی واجب الادا ہو گا۔(۳)

(۹) آنکھیں بخیال خشوع بند کرنا جائز ہے(۴) مگر بند کرنے سے قرأت کا تلفظ زبان سے نہ ہو سکے گا اس لئے یہ نہیں کرنا چاہئے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) عالم دین کی توہین کرنے والے کا حکم

(۲) مسجد میں قرآن پڑھنے والوں کو گالی دینا اور مار پیٹ کر اٹھا دینا فسق ہے

(سوال) (۱) کسی عالم صحیح العقائد اور با عمل کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنا کیسا ہے اور کسی شخص کو عالم کی بے ادبی و گستاخی کرنے کے لئے بھیجنا کیسا ہے اور گستاخی کرنے والے اور کروانے والے کے لئے شرعی حکم کیا ہے ؟(۲) جو بچے کہ مسجد میں بیٹھ کر قرآن کریم پڑھتے ہوں اور با آواز بلند قرأت کی مشق کرتے ہوں جیسا کہ بہت سے مدارس میں ہوتا ہے اور وہ کوئی نماز کا بھی وقت نہ ہو اور نہ کوئی مکان قریب ہو ایسے قرآن کریم پڑھتے ہوئے بچوں کو مار پیٹ کر اٹھا دینا اور گالی دینا کیسا ہے ؟(۳) قرآن کریم کی مشق کرنے والے بچوں کو یہ کہنا کہ کتوں کی طرح بھونکتے ہیں یہ کیسا ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۲۸۸ احمد میاں صاحب امام مسجد (کاٹھیا واڑ) ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۵ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۸۴) ایک مسلمان کی توہین کرنا اور اس کو سب و شتم کرنا بھی موجب فسق ہے پھر ایک صحیح العقیدہ اور با عمل عالم کی توہین تو بہت بڑا گناہ ہے اور اگر توہین عالم ہونے کی جہت سے ہو تو توہین کرنے

---

(۱) واما تاویل الحدیث فقیل هو محمول علی المستحیل علیه بغیر تاویل فیکفر و یخرج عن الملة و قیل معناه لیس علی سیرتنا الکاملة وهدینا و کان سفیان بن عیینة رحمة الله یکره قول من یفسر بلیس علی هدینا و یقول بئس هذا القول یعنی بل یمسك عن تاویله لیکون او قع فی النفوس وابلغ فی الزجر شرح النووی ۱/ ۶۹)

(۲) ولو صلی علی رفوف المسجد ان وجد فی صحنه مکانا کره کقیامه فی صف خلف صف فیه فرجة (قال المحقق) هل الکراهة فیه تنزیهة او تحریمیة ویر شدالی الثانی قوله علیه السلام ومن قطعه قطع الله (رد المحتار مع الدر ۱/ ۵۷۰)

(۳) وفی الخانیة المهر بتکرر بالعقد مرة و بالوطی اخری (فتاوی هندیة ۱/ ۳۹۲)

(۴) قال فی الدر المختار فی مکروهات الصلاة و تغمیض عینه للنهی الا لکمال الخشوع (رد المحتار مع الدر ۱/ ۶۴۵)

والے کا ایمان بھی سلامت نہیں رہتا۔(۱)

(۲) مسجد میں خالی وقتوں میں قرآن پاک کی مشق کرنا جائز ہے اور بچوں کو مار پیٹ کر اٹھا دینا گناہ ہے اور اس کا مرتکب فاسق ہے۔

(۳) یہ الفاظ بہت سخت اور بڑے گناہ کا موجب ہیں ایسے الفاظ کہنے والا فاسق ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

عورت کو اپنے پالے ہوئے ملازم سے پردہ کرنا ضروری ہے

(سوال) (۱) کیا ایک عورت بالغہ کا ایک بالغ ملازم ہے جو اس کا اپنے بچوں کی طرح پالا ہوا ہے اپنے جسم کے سوائے پستان اور شرمگاہ کے تمام جسم کے حصے پر بالغ ملازم کا ہاتھ لگوا سکتی ہے یعنی بالغ ملازم اپنی بالغہ مالکہ کی ٹانگیں رانیں بازو اور سر کو دبا سکتا ہے اور ایسی عورت کی عبادت عبادت ہو سکتی ہے اور اس میں خدا کی ناراضگی تو نہیں ہے ؟

(۲) کیا ایک بالغ ملازم اپنی بالغہ مالکہ کے پاس تنہائی میں اس کے تمام جسم پر سوائے چھاتیوں اور شرمگاہ کے ہاتھ لگا سکتا ہے اور اس کے پاس نزدیک والی چارپائی پر سو سکتا ہے ؟

(۳) کیا ایک بالغہ مالکہ اپنے بالغ ملازم کو اپنے سینہ سے لگا سکتی ہے اور اس کا یہ فعل احکام خداوندی کے خلاف تو نہیں اور ایسی عورت کی عبادت عبادت کہی جا سکتی ہے اس کا سینہ سے لگانا شہوت کی صورت میں ہے یا اس کی غیر موجودگی میں ہے یہ اللہ کو معلوم ہے المستفتی نمبر ۲۳۹۸ گل محمد خاں صاحب (لدھیانہ) ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۰ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۸۵) یہ سب صورتیں ناجائز اور حرام ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کاشتکار سے زمین کا لگان وصول کرنا جائز ہے

(سوال) (۱) جو شخص گورنمنٹ کو ۴؍فی بیگہ مالگذاری دیتا ہے اور للعہ روپیہ مالگذاری کاشتکار سے وصول کرتا ہے تو جس قدر زائد وصول کرتا ہے وہ سود میں داخل ہے یا نہیں ؟

(۲) دریاؤں میں گھاٹ کا ٹھیکہ لینا درست ہے یا نادرست ؟ المستفتی نمبر ۲۴۰۴ نبی یار خاں صاحب (فیض آباد) ۳ رجب ۱۳۵۷ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۸۶) (۱) یہ سود نہیں ہے کیونکہ زمین کے مالک کو کاشتکار سے لگان معین کر کے وصول کرنا جائز ہے ہاں کاشتکار کے ساتھ ہمدردی اور رحم کا برتاؤ کرنا چاہئے۔

(۲) اگر پل کی لاگت وصول کرنے کے لئے گھاٹ کا ٹھیکہ لیا جائے تو مباح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

---

(۱) و يخاف عليه الكفر اذا شتم عالما او فقيها من غير سبب (البحر الرائق ۱۳۲/۵ بيروت)

حرام رقم کو ثواب کے کام میں خرچ کرنے کا حیلہ

(سوال) کیا شریعت کا کوئی ایسا مسئلہ ہے کہ ناجائز اور حرام رقم کسی حیلہ شرعی سے طاہر اور جواز کی صورت میں آسکے مجھے کتاب کا نام یاد نہیں ہے کسی کتاب میں غالباً فتاویٰ عزیزیہ میں دیکھا ہے کہ حرام رقم کسی غیر مسلم سے بدل لینے سے وہ روپیہ پاک ہو جاتا ہے اور اس کو کار خیر میں استعمال کر سکتے ہیں کیا یہ صحیح ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۴۷۸ حافظ یار محمد صاحب (بنگال) ۲۰ صفر ۱۳۵۸ھ م ۱۱ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۸۷) حرام رقم تو پاک نہیں ہوتی یعنی حلال نہیں ہو جاتی وہ حیلہ یہ ہے کہ کسی نیک کام میں خرچ کرنے کے لئے کسی غیر مسلم سے قرض کے طور پر رقم حاصل کر کے خرچ کر دی جائے یہ قرض لی ہوئی رقم نیک کام میں لگانا جائز ہے پھر اس غیر مسلم کو قرضہ ادا کرنے کے لئے حرام رقم دیدی جائے تو اس کا اثر اس نیک کام میں خرچ کی ہوئی رقم پر نہ پڑے گا۔(۱)

مگر یہ واضح رہے کہ حرام رقم کا یہ استعمال جو اس نے اپنے قرضہ ادا کرنے میں کیا ہے اس شخص کو استعمال حرام کے مواخذہ سے نہیں بچا سکے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) شوقیہ کتا پالنا ناجائز اور حرام ہے
(۲) کتے کا خشک جسم اور پاک پانی سے بھیگا ہوا جسم پاک ہے

(سوال) کتے کو علاوہ شکار یا حفاظتی اغراض کے شوقیہ پالنے کے بارے میں جب کہ (۱) کتے سے بالکل اسی طرح کھیلا جائے جیسے بیلوں سے یا دوسرے پاک پرندوں مثل مرغی کبوتر سے (۲) کتے کا خشک جسم پالنے والے کے کپڑوں اور جسم سے مس ہو (۳) کتے کا گیلا جسم پالنے والے کے کپڑوں ور جسم سے مس ہو (۴) کتے کا لعاب دہن پالنے والے کے جسم یا کپڑوں پر لگے (۵) کتا فرش اور بستر اور کرسی وغیرہ پر بیٹھے (۶) کتے کے ساتھ کھیلنے کے بعد خواہ اس کا جسم گیلا ہو یا خشک نماز پڑھی جائے یا قرآن مجید کو ہاتھ لگایا جائے مذکورہ بالا چھ صورتوں کو ذہن میں رکھ کر کتے کے شوقیہ پالنے کے بارے میں فتویٰ اس صورت سے تحریر فرمایئے کہ نمبروار ان صورتوں کے جواز و عدم جواز یا طاہر و غیر طاہر ہونے کا ذکر ہو اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کا حوالہ ضرور تحریر فرمایئے المستفتی نمبر ۲۵۲۵ احمد حسنی صاحب کاٹھیاواڑ ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ م ۳۱ جولائی ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۸۸) کتا پالنا ناجائز ہے اور اس کے لئے یہ صاف وصریح حدیث صحیح دلیل ہے من اتخذ کلبًا

---

(۱) واذا اراد الرجل ان يحج بمال ولم يكن معه الا المال الحرام او فيه شبهة فيستدين للحج و يحج به ثم يقض دينه من ماله (ارشادی الساری ص ۳ مصر)

الا كلب ما شية او صيد اوزراع انتقص من اجره كل يوم قيراط (ترمذی) (۱)
البتہ شکار اور حفاظت گلہ وکاشت کے لئے کتا پالنے کی اجازت ہے کتے کا خشک جسم پاک ہے اس کے بدن پر اور کوئی خارجی نجاست نہ ہو اور پاک پانی سے بھیگ جائے جب بھی پاک ہے مگر اس کا لعاب دہن ناپاک ہے (۲) ہوم اگر انسان کے بدن یا کپڑے پر لگ جائے تو بدن اور کپڑا ناپاک ہو جائے گا کتا اگر فرش بستر کرسی پر بیٹھے تو ممکن ہے کہ اس کا لعاب دہن ان چیزوں کو لگ جائے اور یہ ناپاک ہو جائیں پھر ان پر آدمی بیٹھے تو اس کا بدن اور کپڑے ناپاک ہو جائیں ان حالات میں قرآن مجید چھونا یا نماز پڑھنا ناجائز ہوگا کتوں سے کھیلنے والے اس کے لعاب دہن سے اپنے جسم یا کپڑوں کو محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عبدالنبی' عبدالرسول نام نہیں رکھنا چاہئے

(سوال) عبدالنبی' عبدالرسول' عبدالمصطفیٰ نام رکھنا یہ سمجھ کر کہ ہم ان کے غلام ہیں یا مملوک ہیں شرعاً جائز ہے یا نہیں کیونکہ قرآن مجید و فرقان حمید میں قل یعبادی الذین اسرفوا الآیہ وارد ہے المستفتی نمبر ۲۵۲۹ سید ابراہیم صاحب قادری رتناگری بمبئی ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ م ۱۲ اگست ۱۹۳۹ء
(جواب ۳۸۹) یہ نام رکھنا احتیاط اور تورع کے خلاف ہے کیونکہ عبد کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونی چاہئے یعبادی میں یائے متکلم سے ذات حق مراد ہے نہ کہ آنحضرت ﷺ کہ غلام بمعنی خادم و مطیع تو بیشک ہیں لیکن غلام بمعنی مملوک نہیں ہیں۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حرام افعال کے مرتکب لوگ رسول شاہی نہیں ہو سکتے

(سوال) (۱) کیا اسلام میں یا قانون الٰہی میں کوئی ایسا ذکر ہے جس میں شراب پینا' چار ابرو کی صفائی کرانا یعنی تمام چہرے کے بالوں کو چٹ کرانا اور تمام بدن پر بھبھوت یعنی خاک ملنا یعنی خاک آلودہ ہو کر مانند سادھوؤں کے رہنا' قوالی' باجہ' طبلہ' سارنگی وغیرہ' چرس بھنگ وغیرہ پینا اور شادی نہ کرنا' داڑھی مونچھ وغیرہ منڈوانا اور رواج کو شریعت پر ترجیح دینا اور ان افعال مذکورہ کو ثواب سمجھ کر عمداً کرنا درست یعنی جائز قرار دیا گیا ہو۔
(۲) شرع محمدی ایسے فعل عمداً کرنے والوں کی نسبت کیا حکم دیتی ہے اور ایسے فعل کرنے والا جیسا کہ سوال نمبر ۱ میں بیان کئے گئے ہیں دائرہ اسلام سے خارج عاصی اور فاسق وفاجر ہے یا نہیں ؟
(۳) اگر کوئی اہل اسلام یا کوئی مولوی ایسے فعل کرنے والے کا ساتھ دیوے یعنی جو شخص ایسے گناہوں میں مددومعاون ہو گا وہ بھی شرعاً عاصی و فاسق ہے اور تبع شیطان ہے اور ایسے مولوی کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے ؟

---
(۱) (ترمذی شریف ۱/ ۲۷۰)
(۲) فسؤر خنزیر و کلب و سباع بهائم نجس مغلظ الخ (رد المحتار مع الدر ۱/ ۲۲۲-۲۲۳)
(۳) (حوالہ گزشتہ رد المحتار مع الدر ۶/ ۴۱۸)

(۴) ایسے فعل کرنے والا رسول شاہی کہلا سکتا ہے جیسا کہ سوال نمبر ۱ میں بیان کئے گئے ہیں المستفتی نمبر ۲۵۸۱ سید عبدالقدیر شاہ رسول شاہی (لاہور) ۱۴ صفر ۱۳۵۹ھ م ۲۴ مارچ ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۹۰) شراب کی حرمت قرآن مجید میں موجود ہے اور امت محمدیہ کا اس پر اتفاق ہے بغیر بیوی کے رہنا یعنی تجرد کی زندگی بسر کرنا بھی اسلام کے اندر مستحسن نہیں ہے' ڈاڑھی منڈانا بھی حرام ہے بھبوت مل کر جوگیوں کی صورت بنانا بھی اسلام کے خلاف ہے سارنگی ستار اور دیگر آلات لہو استعمال کرنا بھی ناجائز ہے چرس بھنگ وغیرہ سے نشہ کرنا بھی حرام ہے اور رواج کو شریعت پر مقدم کرنا اور ترجیح دینا کفر ہے اسلام میں رہ کر ان محرمات کی اجازت کوئی مسلمان نہیں دے سکتا نہ ان کا ارتکاب کسی کے لئے جائز اور مباح قرار دیا جا سکتا ہے۔

ان حرام افعال کا ارتکاب فسق تو یقیناً ہے اور بعض حالات میں مفضی الی الکفر ہے یہ لوگ رسول شاہی نہیں ہیں بلکہ اپنے مذموم افعال اور فسق و فجور کو طریقہ رسول شاہی کے پردے میں چھپانا چاہتے ہیں۔(۱)

جو لوگ کہ ان افعال کو جائز قرار دیں یا ان اعمال شنیعہ کے مرتکبین کی حمایت کریں وہ بھی فاسق و فاجر ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) ریڈیو خرید کر گھر میں رکھنا
(۲) ریڈیو میں قرآن مجید پڑھنا اور اس میں تلاوت سننا
(۳) عورتوں کا گانا اور گانے کا کسب اختیار کرنا
(۴) مروجہ عرس بدعت ہے

(سوال) (۱) ریڈیو کا گھر میں لگانا جائز ہے یا نہیں کیونکہ اس میں گانا بجانا کثرت سے ہوتا ہے
(۲) ریڈیو میں قرآن شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں کیونکہ اسی اسٹیج پر گانا بجانا بھی ہوتا ہے۔
(۳) ریڈیو میں قرآن پڑھنے والا' سننے والا ثواب کا مستحق ہے یا نہیں ریکارڈ میں قرآن سننا جائز ہے یا نہیں ؟
(۴) عورتیں اکثر تقریب کے موقعہ پر جو گاتی ہیں شریعت ان کے لئے کیا حکم دیتی ہے ؟
(۵) جو لوگ گانے کا کسب کرتے ہیں یا سنتے ہیں شریعت اس فعل کے کرنے والوں کو کیا حکم دیتی ہے ؟
(۶) مزاروں پر عرس کا کرنا اور ختم قرآن کرنا' مناجات پڑھنا اور کھانے کی چیزوں پر ہاتھ اٹھانا ایصال ثواب کے لئے جائز ہے یا نہیں اور قوالی کرنا کیسا ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۵۸۲ محمد عثمان روہتکی طالب علم مدرسہ

---

(۱) قال الله تعالى يا ايها الذين آمنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان (سورة المائدة : ۹۰) والفسق في اللغة الخروج والمراد به في الشرع الخروج عن الطاعة (شرح نووی لمسلم : ۵۸/۱)

امینیہ دہلی ۱۴ صفر ۱۳۵۹ھ م ۲۴ مارچ ۱۹۴۱ء

(جواب) (از مفتی مظہر اللہ صاحب) (۴) اگر اجنبی مردوں کو آواز پہنچتی ہے تب تو ممنوع ہے ورنہ مضائقہ نہیں اور آلات لہو کے ساتھ بہر حال ممنوع ہے۔

(۵) گانے کا کسب تو بہر صورت ممنوع ہے اور اگر اشعار کے مضامین خلاف شرع ہوں یا آلات لہو کا بھی اس کے ساتھ استعمال ہو تو سننا بھی جائز نہیں حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہ امام مسجد فتح پوری دہلی

(جواب ۳۹۱) (از حضرت مفتی اعظمؒ) (۱) ریڈیو کی مشین گھر میں لگانا اس شرط سے جائز ہے کہ اس میں صرف خبریں اور مباح تقریریں سنی جائیں گانا بجانا اور ناجائز تقریریں نہ سنی جائیں۔

(۲) ریڈیو میں قرآن مجید پڑھنا اور ریڈیو کے ذریعہ سے قرآن کریم سننا مباح ہے۔

(۳) اگر پڑھنے والا مفت بقصد تبلیغ پڑھے تو ثواب کا مستحق ہوگا اور اگر اجرت لے کر پڑھے تو کوئی اجر و ثواب نہیں ہے۔ نمبر ۴ و ۵ کے جواب صحیح ہیں۔

(۶) عرس کی رسم جس طرح مروج ہے یہ مکروہ و بدعت ہے بلا قصد تعیین کوئی عبادت (مثلاً تلاوت قرآن مجید صدقات و خیرات) کر کے ایصال ثواب کرنا جائز ہے فاتحہ مروجہ یعنی شیرینی کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا نا فاتحہ پڑھنا بے اصل ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

(۱) رنڈی کا حرام ذریعہ سے کمایا ہوا مال حرام ہے

(۲) رنڈی سے مکان خریدنا

(سوال) (۱) رنڈی کا مال خریدنا اور تصرف میں لانا عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟

(۲) رنڈی کا مکان خرید کر کے مکان بنانا اور اس مکان میں نماز و تلاوت قرآن مجید وغیرہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۵۸۶ عبدالغفور صاحب مدرسہ نعمانیہ دہلی ۴ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ م ۱۳ اپریل ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۹۲) (۱) جو مال کہ رنڈی نے حرام کرا کے کمایا ہے وہ مغضوب واجب الرد کا حکم رکھتا ہے اس کا لینا کسی کو جائز نہیں۔(۲)

(۲) رنڈی کا مکان اگر موروثی ہو یا اس کا خریدا ہوا ہو تو اس کو خریدنا اور تصرف میں لانا مباح ہو سکتا ہے موروثی ہونے میں شرط یہ ہے کہ اس کے مورث نے حرام کے ذریعہ سے حاصل نہ کیا ہو اور خریدنے کی

---

(۱) لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء و الشهداء من السجود و الطواف حولها و اتخاذ السراج و المساجد الیها و من الاجتماع بعد الحول کالعید و یسمونه عرسا (تفسیر مظهری ۲ / ۶۵ کوئٹه)

(۲) عن رافع بن خدیج ان رسول الله ﷺ قال کسب الحجام خبیث و مهر البغی خبیث و ثمن الکلب خبیث (ترمذی ۱ / ۲۴۰)

صورت میں شرط یہ ہے کہ ثمن معین معلوم حرام کی رقم نہ ہو چونکہ بیع میں ثمن معین ہونا شرط نہیں اس لئے بیع صحیح ہو جاتی ہے اگرچہ اس کے بعد مشتری حرام رقم سے ثمن ادا کردے البتہ ایسا مکان جو رنڈی نے زنا کے مقابلہ میں حاصل کیا ہو اس کو رنڈی سے خریدنا جائز نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

لفظ محمد پر " ؐ " لکھنا صرف آپ ﷺ ہی کے ساتھ خاص ہے

(سوال) میرے ایک بزرگ نے مجھے ہدایت کی کہ جہاں تم اپنا نام (سردار محمد) تحریر کیا کرو وہاں لفظ محمد پر " ؐ " لکھ دیا کرو میں نے عرض کیا کہ لفظ محمد پر " ؐ " کا استعمال اسی حالت میں درست ہے جب کہ ہمارا اشارہ رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف ہو کیونکہ (ؐ) ﷺ کا مخفف ہے لیکن وہ فرماتے ہیں کہ یہ نام مثلاً سردار محمد، غلام محمد وغیرہ تو غیر شخصیت کے لئے رکھے گئے ہیں اور ان کے ساتھ لفظ محمد کا اضافہ صرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ محمد کی امت سے تعلق رکھتے ہیں ورنہ نام تو صرف سردار، غلام وغیرہ ہی کافی تھے سوالتماس ہے کہ برائے مہربانی جلد از جلد اس مسئلہ پر روشنی ڈال کر حقیقت سے آگاہ فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۲۵۹۱ چودھری محمد رمضان (لدھیانہ) ۹ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ م ۱۸ اپریل ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۹۳) جس مقام پر لفظ محمد سے آنحضرت ﷺ مراد ہوں وہاں " ؐ " لکھنا درست ہے اور جہاں اس لفظ سے حضور مراد نہ ہوں جیسے سردار محمد میں یا حضور مراد نہ ہو سکیں جیسے اس وقت کہ صرف محمد کسی شخص کا نام رکھا جائے اور اس کے لئے استعمال کیا جائے وہاں " ؐ " لکھنا درست نہیں ہے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

ڈاکٹر کو اعضائے مستورہ کا معائنہ کرانا

(سوال) مسلمانوں کو ملازمت کے لئے ملاحظہ ڈاکٹری کرانا جب کہ وہ شخص مریض بھی نہیں ہے خصوصاً جب کہ وہ شخص عالم دین بھی ہے اور تجوید قرآن شریف و ضروریات دین کی تعلیم کے لئے ملازم ہے ملاحظہ ڈاکٹری کی صورت یہ ہے کہ ڈاکٹر تمام بدن کو ننگا کر کے دیکھتا ہے اور ہاتھ سے جس جگہ چاہے ٹٹولتا بھی ہے کیا شرعاً ڈاکٹری مذکورہ مسلمان کے لئے جائز ہے۔ المستفتی نمبر ۲۵۹۶ انجمن خیر امة (ممبئی ۴) ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ م ۲ مئی ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۹۴) ستر کھولنا بلا ضرورت شدیدہ کے حرام ہے پس ڈاکٹری معائنہ جس میں ستر کھول کر دکھانا پڑے بلکہ ڈاکٹر ہاتھ لگا کر دیکھے اس وقت تک جائز نہیں جب تک قرائن سے ملازم کا کسی شدید مرض میں

---

(۱) وکذا لا یصلی احد علی احد الا علی النبی ﷺ (قال المحقق) و فی شرح البیری فمن صلی علی غیرھم اثم و یکرہ وھو الصحیح (الدر المختار مع الرد ۶ ۳۹۶)

مبتلا ہونا ثابت نہ ہو جائے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

شادی شدہ عورت کے ساتھ محبت حرام کاری ہے

(سوال) زید کو فاطمہ سے محبت ہو گئی فاطمہ شادی شدہ ہے زید سے ناجائز تعلقات پیدا ہو گئے ہیں زید نا کتخدا ہے زید رنجیدگی یا غصہ کی حالت میں فاطمہ کو ماں سے خطاب کر کے قسم کھائی اور چند دن بعد پھر وہی تعلقات پیدا ہو گئے طرفین میں گہری محبت پیدا ہو گئی جدائی ناممکن ہے اب دریافت طلب یہ ہے کہ ازروئے شرع شریف ایسے وقت میں کیا کرنا چاہئے المستفتی نمبر ۲۶۳۹ ایم عبداللطیف صاحب ویلوری (بنگلور کینٹ) ۱۸ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ م ۲۵ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۹۵) سوال سے ظاہر ہے کہ زید نا کتخدا ایک شادی شدہ عورت کے ساتھ حرام کاری میں مبتلا ہے اور محبت کا بہانہ کر کے جدائی کو ناممکن ظاہر کرتا ہے اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو زید کو زنا کی سزا دی جاتی اور عورت کو بھی اگر وہ اقرار کرتی یا شہادت سے زنا کا ثبوت ہو جاتا اور محصنہ ہو تو سنگسار کیا جاتا لیکن انگریزی حکومت میں شرعی سزا جاری کرنی ناممکن ہے اس لئے زید کو کہا جائے کہ وہ اس عورت سے قطعی علیحدگی اختیار کرے اور گزشتہ گناہ کے لئے اخلاص و تضرع کے ساتھ توبہ کرے اور آئندہ اس عورت کا تصور بھی دل میں نہ لائے فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

(۱) گاڑھے کی کشتی نماز ٹوپی کانگریسی نہیں
(۲) نماز میں اللہ کے سوا کسی کا تصور دل میں لانا جائز نہیں
(۳) مرد کے لئے رنگین اور ریشمی لباس کا استعمال
(۴) حضور ﷺ کی شان میں شبہ پیدا کرنے والے لفظ کا استعمال حرام ہے
(۵) علمائے دیوبند کو کافر کہنے والا فاسق ہے

(سوال) (۱) زید ہمیشہ کانگریسی ٹوپی اوڑھتا ہے اور اسی ٹوپی کو اوڑھ کر امامت بھی کرتا ہے تو کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا ناجائز اگر جائز ہے تو مع الکراہت یا بلا کراہت۔

(۲) نماز میں یا کسی دوسری عبادت میں اپنے پیر یا استاد کا تصور کرنا ان کو حاضر و ناظر سمجھنا جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) اگر کوئی مسلمان نبی اکرم ﷺ کو (نعوذ باللہ من ذالک) رنگیلا رسول کہے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے

(۴) مرد کو رنگین لباس پہننا جائز ہے یا ناجائز کیا نبی کریم ﷺ نے رنگین یا ریشمی لباس کبھی زیب تن کیا ہے

---

(۱) و مثلہ نظر القابلۃ و الخافضۃ والختان والطبیب وزاد فی الخلاصۃ من مواضع حل النظر للعورۃ عند الحاجۃ الاحتقان والبکارۃ فی العنۃ والرد بالعیب (رد المختار مع الدر ۴/ ۳۶)

(۵) اگر کوئی پیر علمائے دیوبند کو کافر کہے تو کیا ایسے پیر سے مرید ہونا جائز ہے یا نا جائز؟
(٦) مسجد کے آگے یعنی قبلہ کی جانب پاخانہ بنانا کیسا ہے المستفتی نمبر ۲٦۴۸ محمد آدم پٹیل صاحب (گجرات) ١٦ رجب ۱۳۵۹ھ ۲۱ اگست ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۹۷) (۱) ٹوپی کوئی کانگریسی نہیں ہے گاڑھے کی کشتی نما ٹوپی ہندوستان کی متعدد وضع کی ٹوپیوں میں سے ایک پرانی وضع کی ٹوپی ہے جو سادگی اور کم قیمت ہونے کی وجہ سے اختیار کی گئی ہے اسے پہننا جائز ہے اور اسے پہن کر امامت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔
(۲) نماز میں تو صرف حضرت حق جل شانہ کے سامنے حضوری کا تصور چاہئیے کسی دوسرے کا تصور اس طرح سے کہ وہ سامنے موجود ہے ادا درست نہیں ہے۔(۱)
(۳) یہ لفظ عرف میں ایک قسم کا چھچھوراپن اپنے مفہوم میں رکھتا ہے اس لئے اس کو آنحضرت ﷺ کی شان میں استعمال کرنا موہم توہین ہے اور توہین کا اشتباہ پیدا کرنے والے لفظ حضور ﷺ کی شان میں استعمال کرنا حرام ہے۔ (۲)
(۴) رنگین لباس جو عورتوں یا ہیجڑوں یا فساق فجار کے لباس کے مشابہ ہو پہننا ناجائز ہے اس کے علاوہ سیاہ بادامی سبز وغیرہ رنگ کے کپڑے مرد کے لئے مباح ہیں خالص یا غالب ریشم کے کپڑے مرد کے لئے حرام ہیں جس کپڑے کا تانا ریشم اور بانا سوت ہو وہ مرد کے لئے بھی حلال ہے ۔(۳)
(۵) علماء دیوبند کو کافر کہنے والا فاسق ہے اس کی بیعت جائز نہیں۔(۴)
(٦) مسجد کے قبلہ کی جانب مسجد کی زمین نہ ہو کسی دوسرے شخص کی ہو اور وہ اپنی زمین میں پاخانہ بنائے اور مسجد اور اس کے پاخانہ کے درمیان پردہ ہو اور اس کی بدبو مسجد میں نہ آتی ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔(۵) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیل کو بچار بنا کر چھوڑ دینا جائز نہیں

(سوال) زید کے پاس ایک بیل ہے جو کہ اب بوڑھا ہو گیا ہے اس بیل سے زید نے آٹھ نو سال خوب کمایا مگر اب مزدوری کے قابل نہیں رہا زید کا خیال ہے کہ جس طرح اس بیل نے مجھ کو آرام پہنچایا ہے میں بھی اس کو آخری وقت میں آرام پہنچاؤں اور اچھا کھلاؤں لوگوں کا خیال ہے کہ اس بیل کو مسجد میں ملا کو دیدو وہ اس کو بیچ

---

(۱) حديث جبريل قال ما الاحسان قال ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك (صحيح البخاري ١ ١٢)
(۲) قال الله تعالى يا ايها الذين امنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللكافرين عذاب اليم (سورة البقرة ١٠٤)
(۳) عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم (سنن ابي داؤد ٢ ٥٤٩)
(٤) (حواله گزشته رد المحتار مع الدر ٤/٦٩)
(۵) قال محمد كره ان تكون قبلة المسجد الى المخرج والى الحمام وابقرته تعلم المشائخ فاما ان استقبل حائط الحمام فلم يستقبل الانجاس وانما استقبل الحجر والمدر فلا يكره (هندية ٥/٣١٩)

کر اپنی ضرورت پوری کرے گا اب بتایا جائے کہ اس کا تھان پر کھڑا رہنا بہتر ہے یا ملا کو دیدیا جائے کہ وہ اس کو بیچ کر فائدہ اٹھائے یا بجار بنا کر چھوڑ دیا جائے المستفتی نمبر ۲۶۶۰ شہاب الدین صاحب (دریا گنج دہلی) ۴ صفر ۱۳۶۰ھ م ۳ مارچ ۱۹۴۱ء

(جواب ۳۹۷) بجار (۱) بنا کر چھوڑ دینا تو ناجائز ہے (۲) باقی اس کو باندھ کر کھلانا یا فروخت کر دینا یا ذبح کر کے کھالینا یا کسی کو بطور صدقہ کے دیدینا یہ سب جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مولانا انور شاہ کشمیری کیا یورپ گئے تھے؟
(۲) تعلیمی تاش بچوں کی تعلیم کے لئے استعمال کرنا

(سوال) (۱) حضرت انور شاہ صاحبؒ صرف ممالک اسلامیہ حرمین شریفین اور قسطنطنیہ و مصر وغیرہ ہی تشریف لے گئے تھے یا یورپ بھی؟
(۲) تعلیمی تاش کا عام رواج ہے اہل علم اس کو اس وجہ سے حلال بتاتے ہیں کہ اس سے ذہنی ارتقا اور علم کی تحریص ہوتی ہے لغت معلوم ہوتا ہے کیا یہ متعارف ناجائز تاش نہیں ہے المستفتی نمبر ۲۶۸۵ قاری محمد عمر صاحب غازی پور ۲۹ رجب ۱۳۶۰ھ م ۲۴ اگست ۱۹۴۱ء

(جواب ۳۹۸) (۱) مولانا انور شاہؒ کا یورپ تشریف لے جانا مجھے معلوم نہیں ہے۔ (۲) تعلیمی تاش بچوں کی تعلیم کے لئے استعمال کرنا مباح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تعزیہ بنانا جائز نہیں

(سوال) تعزیہ داری اور تعزیہ بنانا جائز ہے یا نہیں شیخ اعظم شیخ معظم (دھولیہ ضلع مغربی خاندیس) ۸ صفر ۱۳۵۸ھ م ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۹۹) تعزیہ بنانا تعزیہ داری کرنا ناجائز ہے۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فٹ بال اور کرکٹ وغیرہ کھیلنے کا حکم

(سوال) ہم لوگ اکثر اوقات تفریحاً اور صرف ورزش کے خیال سے بغرض صحت جسمانی کرکٹ فٹبال وغیرہ میں مشغول ہو جاتے ہیں اور وقت نماز پر برابر حاضر ہو کر نماز میں شریک ہوتے ہیں چونکہ ہم کو یہاں کچھ کام مطلق نہیں ہے محنت و کام کر کے سفروں سے آتے ہیں سال دو سال گھر پر قیام کر کے

---

(۱) وہ بیل جس کو ہندو لوگ داغ دے کر کسی مردے کے نام پر چھوڑتے ہیں
(۲) ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام الخ (سورۃ المائدۃ ۱۰۳)
(۳) وتکرہ التعزیۃ ثانیا و عند القبر وما یصنع فی بلاد العجم من فرش البسط والقیام علی قوارع الطریق من اقبح القبائح (رد المحتار مع الدر ۲/۲۴۱)

واپس سفر پر جانا ہوتا ہے اگر اس شغل میں نہ رہیں تو سوائے واہیات خرافات جھوٹ غیبت کے بیٹھے اور کیا کر سکتے ہیں ہمارا مقصد صرف ورزش اور تفریح ہے اور پابندی سے نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔

(جواب ۴۰۰) جسمانی ورزش جس میں کوئی بات خلاف شریعت نہ ہو جائز ہے ورزش کے بہت سے طریقے ہیں جن میں سے بعض طریقے ایسے ہیں کہ وہ کسی خاص قوم کفار کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً کرکٹ فٹ بال ہاکی وغیرہ کہ ان میں یورپین کفار کی مشابہت کی وجہ سے کراہت ہے تاہم اگر ان چیزوں میں مشغولی کی وجہ سے نماز یا اور کسی امر شرعی میں نقصان نہ آئے تو صرف تشبہ کی وجہ سے کراہت ہو گی حرمت کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے اور یہ بات کہ ان چیزوں کو ہاتھ لگانا مثل خنزیر کے گوشت کے ہاتھ لگانے کے ہے افراط واعتداء فی الحکم ہے جس سے احتراز واجب ہے۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

حرام چیز حرام ہی رہے گی کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہو گی

(سوال) جو امام عالم ہونے کا مدعی ہو اور ایک چیز کو بار بار حرام کہہ چکا ہو پھر وہ چیز بلا عذر شرعی اس کے واسطے حلال ہو سکتی ہے یا نہیں المستفتی نمبر ۱۲۸۸ محمد اسمٰعیل امرتسر ۲۳ شوال ۱۳۵۵ھ م ۷ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۰۱) جس چیز کو امام نے بار بار حرام کہا ہے اس کو پھر خود استعمال کرنا اس کے لغو گو ہونے کی دلیل ہے اگر وہ چیز فی الواقع حرام ہے تو استعمال کرنے سے وہ حرام کا مرتکب ہوا اور اگر فی الواقع حرام نہیں ہے تو اس کی لغو گوئی ثابت ہو گئی محمد کفایت اللہ

چولھے میں اسپرٹ جلانا جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ولایتی چولھے میں اسپرٹ جلا کر وضو کے لئے پانی گرم کرنا یا چائے پکانا جائز ہے یا نہیں

(جواب ۴۰۲) اسپرٹ چولھے میں جلا کر اس سے پانی گرم کرنا یا کچھ پکا لینا جائز ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ

فری میسن ادارے کا ممبر بننا کیسا ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ جون ۱۹۳۵ء)

(سوال) (۱) کوئی مسلم میسونک لاج (فری میسن) کا ممبر ہو تو وہ مسلم رہ سکتا ہے یا نہیں ایک (۲) مسلم فری میسن مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ (۳) ایک مسلم فری میسن کے ہاں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ (۴) ایک مسلم فری میسن اسلامی اوقاف کا ٹرسٹی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ (۵) ایک مسلم فری میسن

---

(۱) اس کے بارے میں تحقیق پہلے گزر چکی ہے وہاں مراجعت کی جائے

کولڑکی دینا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ٤٠٣) فرتیمسن کی اصل حقیقت تو معلوم نہیں لیکن جہاں تک اس کے متعلق ہمیں معلوم ہے اس میں بعض مشرکانہ اعمال کرائے جاتے ہیں اور کرنے پڑتے ہیں پس اگر یہ صحیح ہو تو فرتیمسن میں داخل ہونا حرام ہوگا۔ اور اگر وہ واقعی حد شرک و کفر تک پہنچتا ہو تو اس کے ممبروں کے ساتھ اسلامی تعلقات رکھنا جائز نہ ہوگا ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

حکومت اگر ظلماً کسی کے جائیداد کو نیلام کردے تو اس میں بولی دینا حرام ہے
(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۲۸ء)

(سوال) باردولی کے علاقہ میں گورنمنٹ اضافہ کردہ لگان کی وصولی کے لئے غریب کاشتکاروں کے ساتھ بہت تشدد کررہی ہے ان کے مویشی اور سامان قرق کر کے کوڑیوں کے مول نیلام کررہی ہے کیا ایسے اموال جو مالکوں کی مرضی کے خلاف جبراً اور کوڑیوں کے مول نیلام کردیئے جائیں مسلمانوں کو خریدنا جائز ہے (المستفتی سید اکبر علی قادری)

(جواب ٤٠٤) اسلام تعاون علی الخیر کا حکم دیتا ہے اور تعاون علی الاثم والعدوان سے منع کرتا ہے(۱) اگر گورنمنٹ کا یہ متشددانہ رویہ ظلم اور عدوان ہے تو نیلام میں بولی دیکر اس کی اعانت کرنا یقیناً تعاون علی الاثم والعدوان ہے جو بنص قرآنی ممنوع اور حرام ہے مسلمانوں کو باہمی اتحاد و اتفاق کے مظاہرہ میں دوسری اقوام سے پیچھے رہنا اسلامی قومیت کے لئے موجب ننگ و عار ہے محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرسہ امینیہ دہلی۔

کتاب السیاسیات
پہلا باب
حقوق مذہبی
فصل اول : شریعت بل

شریعت بل کمیٹی میں ایک تقریر کا خاکہ

(سوال) افضل العلماحضرت صدر جمعیۃ علمائے ہند دام فیضکم - السلام علیکم
حسب فیصلہ سلیکٹ کمیٹی دربارہ شریعت بل خاکسار را دعوت دادہ- مضمون دعوت نامہ حسب ذیل نوشتہ شدہ-

"سلیکٹ کمیٹی صوبہ سرحد کا ایک جلسہ جو کہ شریعت بل پر زیر صدارت آنریبل سر جارج کنگھم ممبر ایگزیکٹو کونسل ہوا اس میں طے پایا کہ لجسلیٹو کونسل کے آرڈر سے جو اختیارات کمیٹی کو تفویض ہوئے ہیں اس کی رُو سے چند ماہرین نمایندگان سے جن کو اس بل میں خاص مہارت ہو کمیٹی کے آئندہ اجلاس میں افادہ حاصل کیا جائے اس لئے آپ ان چند ماہرین میں سے ہیں الخ"

· از آں صاحب مشورہ طلب کردہ شود چراکہ آں صاحب راید طولانی است دریں میدان در آں جاروبروئے اجلاس چہ قسم بیان دادن خوب است چراکہ پیش ایں قسم کمیٹی گاہے بیان نہ دادم - لہذا آں صاحب راعرض کردہ شود کہ از خیالات مفیدہ خود بندہ راطلاع بخشید - المستفتی نمبر ۵۰۷ مولانا شاکر اللہ صدر جمعیۃ علمائے صوبہ سرحد ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ م یکم جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ٤٠٥) مولانا المحترم اس کمیٹی کے سامنے آپ شہادت میں یہ بیان دیں کہ قرآن مجید کی رو سے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ خدا کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرے ورنہ وہ مسلمان نہیں اس کے لئے آیت فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك - الأيه اور آیت الم تر الی الذین امنوا - الی قوله - ثم يريدون ان يتحاكموا الى الطاغوت الخ اور دیگر آیات پیش کریں پھر یہ بتائیں کہ جو رواج شریعت اسلامیہ کے صریح خلاف ہو اس کو بمقابلہ شریعت کے اختیار کرنا مسلمان کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے اس لئے مسلمانوں کا یہ مطالبہ بالکل صحیح ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اسلامی احکام کے موافق وراثت نکاح طلاق وغیرہ معاملات میں مقدمات فیصل کئے جائیں اور چونکہ حکومت برطانیہ کا وعدہ اور اس کی حکومت کا اصول بھی یہی ہے کہ وہ کسی مذہب میں دست اندازی نہ کرے گی بلکہ رعایا کے ہر طبقہ کو اس کے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد رکھے گی اس لئے حکومت ہند کو اس میں ایک منٹ کیلئے تامل نہ ہونا چاہیئے کہ وہ مجوزہ بل پاس کردے پس خلاصہ یہ ہے کہ اس کو بسط دے کر آپ بیان کریں امید کہ مزاج گرامی بخیر ہو گا مولوی عبد القیوم

صاحب اور دیگر واقفین سے سلام فرمادیں - محمد کفایت اللہ -

شریعت بل کے ذریعے بعض اسلامی احکامات بھی غنیمت ہیں

(سوال) ہمارے شہر کے بعض خواتین نے شریعت بل مجوزہ کے بارے میں یہ درخواست تحریر کر کے کونسل کی طرف بھیج دی ہے -

(۱) اگر گورنمنٹ عالیہ کی منشاہم مسلمانان سرحد کو شریعت دینے کی ہے تو ہم استدعا کرتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی روحانی و دنیاوی زندگی کا جہاں تک تعلق ہے وہ تمام قرآن پاک واحادیث نبوی کے عین مطابق ہو یعنی اقامت دین تجدید و اصلاح و تعزیر و حدود و صیغہ محاصل و صیغہ عدالت غرضیکہ کیا عبادات کیا عقائد کیا اخلاق کیا عشر و زکوۃ کیا دیوان کیا دفتر بیت المال ہر ایک چیز اسلامی صورت پر ہو قتل کے بدلے قتل آنکھ کے بدلے آنکھ زنا میں سنگساری مرتد کے لئے قتل مرتدہ کے لئے عمر قید و جائیداد سے محرومی اگر یہ تمام باتیں منظور جاویں تو ہم لوگ گورنمنٹ عالیہ کے شکر گزار ہوں گے -

(۲) اگر شریعت بل کے نام سے بعض مسلمان اراکین مجلس واضع قوانین و آئین بعض سیاسی مصلحتوں کو ملحوظ رکھ کر اس کا نفاذ چاہتے ہیں تو ہم کو معاف رکھیں کیونکہ ہمارے مذہب پاک کی تذلیل ہوگی موجودہ قانون رواج کے ماتحت اس وقت بھی اگر کوئی مسلمان شرع محمدی پر اناث کو حصہ دے تو کوئی قانونی ممانعت نہیں اگر تمام شرع شریف جیسا کہ اوپر عرض کر چکے ہیں گورنمنٹ عالیہ عطا نہیں کرتی تو پھر ہمارا قانون رواج بے مسلم شخصی قانون ہرگز نہیں بالفرض اگر مجوزہ شریعت بل کونسل میں کثرت رائے سے بھی منظور ہو جائے تو ہم کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے - فقط

اور زبانی شریعت بل کے یہ نقائص بیان کرتے ہیں -

چونکہ موجودہ شریعت بل ذکور کے جائیداد دینے کا پابند کرتا ہے اور اناث کو اسی حالت میں چھوڑتا ہے اور ان کے لئے تعزیرات بند ہے اس لئے اس کے بد نتائج سے ہم تمام خائف ہیں بالفرض اگر کسی کی اپنی بیوہ یا بالغہ نا کتخدا کسی سے ملوث ہو جائے اور پھر اس کے ساتھ اغوا کر کے شادی کرلے تو شریعت بل اس کو حصہ دے گا حالانکہ فطرت انسانی و افغانی اس سے بغاوت کرتی ہے اور یہ چاہتی ہے کہ زناکار کے لئے سنگساری ہو کیا مرد کیا عورت ہو دونوں پر یہ حکم جاری ہو - تمت کلامہم

گزارش ہے کہ ایسے لوگوں کے حق میں جو حکم شرعا وارد ہوتا ہو تحریر فرما کر اطمینان بخشیں زیادہ حد ادب - المستفتی نمبر ۶۹۶ قاضی محمد جان (ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م یکم جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۰۶) مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت کرے اور شریعت کے سامنے گردن جھکادے اور اپنے اختیار اور ارادہ سے کسی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ حکم میں سر تابی نہ کرے

تنفیذ احکام شریعت اسلامی سلطنت کے فرائض میں سے ہے اور سلطنت ہی اس پر قادر ہو سکتی ہے اگرچہ مسلم مخلص کے لئے کسی منفذ کی حاجت نہ ہونا چاہئے اس کی سعادت اسی میں ہے کہ بغیر کسی جبر و قوت کے خود ہی تسلیم و انقیاد کا راستہ اختیار کرے ظاہر ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی بد قسمتی سے ان پر ایک حکومت غیر مسلمہ مسلط ہے اور اسے تنفیذ احکام شریعت سے مطلقاً کوئی غرض نہیں لیکن اس کا وعدہ یہ ہے کہ وہ رعایا کے کسی فرقہ کے مذہب میں مداخلت نہیں کرے گی اور افراد رعایا میں سے ہر فرد کو اپنے اپنے مذہب کے موافق عمل کرنے سے نہیں روکے گی اس لئے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے مذہب کے موافق عمل کرنے کی کوشش کریں جن مسائل میں کہ حکومت مانع نہ ہو ان میں تو کوئی عذر باقی نہیں رہتا اور جن احکام میں حکومت مانع آئے ان میں اسوقت تک وہ مجبور و معذور ہوں گے جب تک کہ حکومت کو رفع ممانعت پر آمادہ نہ کریں اور اس کی سعی ان پر لازم ہوگی پس بحالت موجودہ اگر حکومت مسلط سیاسیات اور فوجداری مقدمات میں مسلمانوں کو یہ آزادی نہیں دیتی کہ وہ اسلامی احکام کے مطابق عمل کریں تو اس میں تو ایک درجہ تک مسلمان معذور ہو سکتے ہیں لیکن جن مقدمات میں وہ مسلمانوں کو مذہب کے موافق عمل کرنے میں آزادی دیتی ہے یا دے سکتی ہے ان میں مسلمانوں کے لئے کوئی عذر نہیں کہ وہ اسلامی احکام سے سرتابی کر کے منکرانہ اور کفریہ رسوم و رواج کے پابند رہیں اگر ایسا کریں گے تو گویا اپنے ارادہ و اختیار سے وہ آسمانی اور الٰہی شریعت کو چھوڑ کر طاغوت و شیطان کے متبع ہوں گے اور اس صورت میں ان پر کفر کے احکام جاری ہوں گے یہ درخواست یقیناً اسلامی احکام کے ماتحت موجب کفر ہے اور اگر ایک مسئلے میں بھی حکومت مسلط مسلمانوں کو اسلامی شریعت کے مطابق عمل کرنے کا موقع بہم پہنچاتی ہو یا پہنچانے کو تیار ہو اور مسلمان اپنے ارادہ و اختیار سے اس سے سرتابی کریں تو وہ یقیناً دائرہ اسلام سے خارج ہو کر حزب الشیطان میں داخل ہو جائیں گے اور یہ کفر بھی کفر عناد و جحود ہوگا **اعاذنا اللہ منہ** یہ عذر کہ تمام احکام میں شریعت ملے تو لیں گے ورنہ نہیں مہمل ہے اور ناقابل اعتبار - اس کے معنی یہ ہیں کہ جن احکام میں مسلمان مجبوری کی وجہ سے شریعت پر عمل نہیں کر سکتے ان کی وجہ سے وہ ان احکام کو بھی چھوڑ بیٹھیں جن پر عمل کرنے میں وہ قانوناً آزاد ہیں اور یہ صریح جہالت ہے کیا اس وجہ سے کہ ہندوستانی مسلمان سیاسی اور فوجداری معاملات میں مجبور ہیں نماز روزہ حج زکوٰۃ کو چھوڑ سکتے ہیں؟ اور یہ عذر کر سکتے ہیں؟ کہ جب ہم کو ساری شریعت نہیں ملی تو ہم جزوی شریعت بھی اختیار نہیں کرتے -

الحاصل یہ درخواست شریعت سے بھاگنے اور رواج پر قائم رہنے کا ایک حیلہ ہے اور حیلہ بھی ایسا جس کا بطلان آفتاب سے زیادہ روشن ہے اس کے مرتکب فاسق تو یقیناً ہیں اور ان کے اسلام میں بھی خطرہ شدید لاحق ہے ان کو فوراً اس سے توبہ کرنی چاہئے اور خدا اور رسول کے دین کے سامنے سر اطاعت جھکا دینا چاہئے - **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ**

مکتوب متعلقہ جواب مذکورہ - از قاضی محمد جان صاحب ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

جناب عالی ! کی خدمت میں بصد عجز و نیاز کے عرض پرداز ہوں کہ جناب کے فتویٰ مذکور الصدر کے مضمون میں ہم کو قصور فہمی و کم علمی سے کچھ شبہ ہے وہ یہ کہ ابتدائے کلام میں درخواست کو موجب کفر تحریر کیا ہے اور نتائج میں فسق و خطرہ شدید یعنی عدم کفر اب بصورت مذکورہ ایک حکم کفر یا فسق کو معین کرنا محال ہوا لہذا بار ثانی تکلیف دیکر تشفی چاہتے ہیں یہاں کے علماء درخواست بالا پر مختلف ہیں -

فریق اول علما بھی شریعت بل کو باعث تذلیل مذہب کہتے ہیں اس لئے مضمون درخواست کو جو کہ مبنی رد شریعت بل پر ہے صحیح جانتے ہیں اور اہل درخواست کو مصیب و مثاب کہتے ہیں اور فریق دوم علما مضمون درخواست کو رد شریعت جزوی کہتے ہیں اور درخواست کنندگان کو جو قصداً اس فعل کے مرتکب ہیں اور اب تک مضمون بالا پر مصر ہیں کافر کہتے ہیں -

(۱) اہل درخواست پر شرعاً حکم کفر یا فسق عائد ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(۲) علما فریق اول جو کہ منکرین شریعت بل کو صحیح و مثاب کہتے ہیں شرعاً کس درجہ کے مجرم ہیں

(۳) علمائے معاون شریعت بل جو کہ فریق دوم ہیں حکم لگاتے ہیں کہ علما فریق اول کے پیچھے اقتدائے نماز خمسہ و نماز جنازہ ہر گز جائز نہیں - یہ حکم شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۴۰۷) (۱) درخواست کا مضمون اور درخواست دہندوں کا یہ فعل تو بے شک کافرانہ ہے لیکن افراد اور اشخاص کی شخصی تکفیر کرنے میں احتیاط لازم ہے کیونکہ شخصی طور پر کوئی ایسی تاویل جو کفر سے بچالے ممکن ہے

(۲) یہ ان کی غلطی ہے اور ان کی رائے ناقابل قبول ہے -

(۳) یہ حکم لگانا کہ درخواست دہندگان اور علمائے فریق اول سب مرتد ہو گئے اور ان کی امامت ناجائز ہے تشدد ہے اور خلاف احتیاط ہے -

کسی عمل کو عموماً کفر کا عمل بتانا اور بات ہے اور اس کے مرتکب کو شخصی طور پر کافر قرار دینا اور بات ہے شخصی طور پر احتمال تاویل قائم ہو کر کفر سے بچا سکتا ہے اور احوط یہی ہے کہ تکفیر نہ کی جائے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شریعت بل کی حمایت کرنی چاہئیے .

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۳۵ء)

(سوال) شریعت بل جو صوبہ سرحد کے کونسل میں بہت سے مشکلات کے مدارج طے کرتا ہوا اب برائے رائے عامہ مشتہر ہو چکا ہے ایک گروہ مسلمانوں کا اس شریعت بل سے انکار کرتا ہے دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ یہ مکمل شریعت نہیں دوسرے یہ کہ غیر مذہب سے شریعت کو مانگا ہے آپ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں ؟

(جواب ۴۰۸) شریعت بل کا مسودہ اگرچہ ضرورت سے بہت کم ہے لیکن اس کو بطور توطیہ و تمہید کے پیش کر کے منظور کرانے کی سعی کرنا ناجائز نہیں ہے اس کی منظوری کے بعد بقیہ ضروریات کی تحصیل کے لئے کوشش کرنے کا راستہ نکل آئے گا - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل دوم
مسجد شہید گنج

سیاہ لباس پہن کر احتجاج کرنا جائز نہیں

(سوال) (۱) مندرجہ ذیل اشتہار یوم مسجد شہید گنج کیلئے شائع ہوا ہے اس پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

"یوم مسجد شہید گنج شہدائے لاہور کا ماتم"

۲۰ ستمبر ۱۹۳۵ء بروز جمعہ کو ہر مسلمان اپنے گھر دکان تانگہ موٹر وغیرہ پر سیاہ جھنڈے لگادے نیز سیاہ لباس پہنے یا سینے پر سیاہ نشان لگاوے اور جملہ مسلمان نماز جمعہ صرف جامع مسجد میں ادا کریں اور کسی مسجد میں نماز جمعہ ادا نہ کی جائے بعد نماز جمعہ جلوس میں شامل ہوں اور نصف دن کی چھٹی منائی جائے"

(۲) اگر جائز ہے تو محرم کے دنوں میں اہل شیعہ جو سیاہ لباس پہن کر سیاہ جھنڈا لہراتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں

(۳) اگر شیعہ لوگ پیٹنا چھوڑ دیں اور باقی کام کریں مثلاً سیاہ لباس پہنیں یا سیاہ جھنڈے لہرائیں یا سینے پر سیاہ نشان لگائیں اور جلوس نکالیں تو جائز ہے یا ناجائز ؟

(۴) اگر مسلمان ماتم کا لفظ چھوڑ کر مسجد شہید گنج کے افسوس میں سیاہ لباس پہنیں یا سیاہ جھنڈے لہرائیں یا سینوں پر سیاہ داغ لگا کر بازاروں میں جلوس نکالیں تو جائز ہے یا نہیں ؟

(۵) آج کل جیسا کہ بعض مسلمان لیڈر یوم مسجد شہید گنج منانے پر زور دے رہے ہیں یہ منانا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۶۱۲ شیخ ظہور الدین (ہوشیار پور)

(جواب ۴۰۹) ماتم یا اظہار افسوس دونوں کا ایک ہی مطلب ہے شریعت مقدسہ اسلامیہ نے سیاہ لباس یا سیاہ نشان کے ساتھ ماتم کرنا یا اظہار افسوس کرنا جائز نہیں کیا اسی طرح تین دن سے آگے ماتم شرعی (یعنی ترک زینت) کی کسی قرابت دار کی موت پر بھی عورت کو اجازت نہیں دی صرف خاوند کے لئے چار مہینے دس روز یعنی مدت عدت تک ماتم شرعی کی عورت مامور ہے اس میں بھی سیاہ پوشی بنیت ماتم منع ہے - وظاهره منعها من السواد تا سفا على موت زوجها فوق الثلاثة (درمختار) و فى التتارخانيه سئل ابو الفضل عن المرأة يموت زوجها وابوها او غيرهما من الا قارب فتصبغ ثوبها اسود فتلبسه شهرين او ثلاثة اواربعة تاسفا على الميت اتعذر فى ذلك فقال لا - وسئل عنها على بن احمد فقال لا تعذر وهى ثمة الا الزوجة فى حق

زوجها فانها تعذر الی ثلاثة ایام اھ (رد المحتار) اسی بناء پر اہلسنت والجماعت قدیماو حدیثا شیعوں کی ماتمی کارروائیوں کا انکار کرتے چلے آئے ہیں۔

ہاں اس سیاہ پوشی کو ماتم یا اظہار تاسف کے لئے نہ قرار دیا جائے نہ اس کو شرعی حکم سمجھا جائے بلکہ مسلمانوں کے اتحاد کے اظہار کے لئے ایک نشان کے طور پر کام میں لایا جائے تو اباحت کے درجہ میں آجائے گا مگر اس کے لئے لازم تھا کہ سیاہ رنگ چھوڑ کر کوئی اور رنگ اختیار کیا جاتا تاکہ التباس اور غلط فہمی کا موقع پیدا نہ ہوتا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد شہید گنج کی تحریک میں آئینی طریقے سے حصہ لیناہر مسلمان پر لازم ہے۔

(سوال) مسجد شہید گنج لاہور کی تحریک میں حصہ لینا کیسا ہے رضاکاروں کو لیڈران قوم کا یہ تعلیم دینا کہ مقابل پر دست اندازی نہ کرو لاٹھیاں کوڑے گولیاں وغیرہ کھا کر شہید ہو جاؤ کیا اس طور کی شہادت کا ثبوت شرعاً ادلہ اربعہ سے پایا جاتا ہے؟ المستفتی نمبر ۷۱۶ حکیم عطا حسین جالندھر - ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ م ۱۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۱۰) مسجد شہید گنج کی واپسی کے سلسلے میں آئینی طریق پر حصہ لیناہر مسلمان کے لئے لازم ہے یہ صورت بھی بسااوقات اختیار کرنی ہوتی ہے اس کے لئے رہبر و رہنما موقعہ شناسی سے حکم دیتا ہے اور اس کا اتباع کرنا ہی اصلح وانفع ہوتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسجد شہید گنج کے واپس لینے کا واحد طریقہ مسلمانوں کا متحد ہو کر کوشش کرنا ہے۔

(سوال) تحریک مسجد شہید گنج کے حالات حاضرہ سے آپ بخوبی واقف ہیں مولانا ظفر علی خاں مدظلہ کے پروگرام یعنی تمام اسلامیان ہند کے نیلی پوش ہو جانے کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں چونکہ ہمیں آپ کے اوپر مکمل اعتماد ہے امید ہے کہ آپ کے اظہار خیال سے اہل اسلام کافی سے زیادہ متاثر ہو سکتے ہیں مسجد شہید گنج خانہ خدا ہے جس کے گر جانے سے ہمیں از حد صدمہ ہے اور آپ کے فتوے کے مطابق مسجد کو سکھوں کے حوالہ کر دینا جبری مداخلت فی الدین ہے کیا مسجد شہید گنج کو حاصل کرنے کے لئے نیلی پوش ہونا موزوں نہیں ہے؟ المستفتی نمبر ۹۹۳ صدر انجمن اشاعت اسلام سیالکوٹ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۵ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۱۱) مسجد شہید گنج کی شرعی حیثیت کے متعلق میں نے اخبارات کو جو بیان دیا ہے وہ بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہے مسجد کی واپسی کے ذرائع اور جدوجہد کے متعلق میں صرف اسی قدر عرض کر سکتا ہوں کہ جو افراد اور جماعتیں خلوص کے ساتھ مسجد کی واگزاری کے لئے سعی کریں گی وہ عنداللہ ماجور ہوں گی بظاہر اسباب کامیابی کی سبیل ایک ہی ہے کہ مسلمان متحد ہو کر کام کریں جب تک آپس میں نفاق و شقاق اور ایک

دوسرے پر سب وشتم کا سلسلہ جاری ہے کامیابی مشکل ہے میں کسی خاص جماعت اور خاص پروگرام کے متعلق اظہار رائے میں کوئی فائدہ نہیں دیکھتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) مسجد کی واپسی کے لئے قانون شکنی میں شریک ہونا
(۲) مسجد شہید گنج کی تحریک میں شریک ہونے والے پر اہل وعیال کا نفقہ فرض ہے
(۳) مسجد شہید گنج کی تحریک میں شرکت کے لئے والدین کی اجازت ضروری ہے

(سوال) (۱) اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر بے خرچ باوجود تنگدستی کے مسجد شہید گنج کے لئے نماز پڑھنے جانا اور ان کے خرچ کا انتظام نہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟
(۲) والدین کو ناراض کر کے مسجد شہید گنج کو جانا جائز ہے یا نہیں ؟
(۳) موجودہ حالت میں جو مسجد شہید گنج کے لئے سرکاری دفعات لگے ہوئے ہیں نماز پڑھنے کے لئے مسجد شہید گنج کو جانا جائز ہے یا نہیں اور ثواب ہے یا نہیں یا یہ کہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ میں داخل ہوتا ہے۔ المستفتی نمبر ۲۲۱۰ قاضی محمد یٰسین صاحب (ملتان) ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۲ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۱۲) مسجد شہید گنج کی واگزاری کی غرض سے قانون شکنی میں شریک ہونا لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ میں داخل نہیں کیونکہ جائز شرعی حق کے مطالبے کے سلسلہ میں جو تکلیف پہنچنے والی ہو اسے اختیار کرنا جائز ہے ہاں لوگوں کو اپنے اہل و عیال کا انتظام کر کے جانا ضروری ہے اور اگر والدین ناراض ہوں اور وہ اجازت نہ دیں تو ایسی صورت میں بھی نہ جانا چاہئے ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مسجد کی واپسی کے لئے مسلمانوں پر اپنی استطاعت کے مطابق کوشش فرض ہے
(۲) مسجد شہید گنج میں ثواب ہر ایک کو اپنی نیت کے مطابق ملے گا
(۳) سول نافرمانی کب کی جائے ؟
(۴) مسجد شہید گنج کے حصول کا کیا طریق مفید ہے ؟
(۵) مسجد کے حصول کے لئے قید وبند کی تحریک
(۶) کس مسئلے میں خاموشی اختیار کرنی چاہئے؟
(۷) مسجد کے تنازع کا شرعی طریقہ سے حل مسلمانوں کو منظور ہے

(سوال) (۱) مسجد شہید گنج لاہور جو اب سکھوں کے قبضے میں ہے اور عدالتیں (سیشن جج و ہائی کورٹ) بھی مسلمانوں کو مسجد واپس دینے سے انکار کر چکی ہیں انگریزی قانون بھی حصول مسجد کے راستہ میں حائل ہے اور جس جگہ سے صدائے اللہ اکبر بلند ہوتی تھی اب وہاں سکھ باجے طبلے بجا کرتے ہیں اور جس کی واپسی کے لئے تمام مسلمان عرصہ سے مضطرو بیقرار ہیں نیز کثیر تعداد مسلمانوں کی اس کے حصول کے لئے شہید

زخمی ہو چکے ہیں اس کے علاوہ مالی نقصان بھی بے اندازہ برداشت کر چکے ہیں مسلمانوں کو حاصل کرنی چاہئیے یہ تینوں شرع محمدی اس بارے میں کیا حکم دیتی ہے ؟
(۲) گزشتہ تین سال کے عرصہ سے مسلمان حصول مسجد شہید گنج کے لئے تو قربانیاں دے رہے ہیں وہ قربانیاں شرع کے نزدیک کیا درجہ رکھتی ہیں نیز جو مسلمان گولی چلنے سے شہید ہوئے تھے ان کی موت کیسی ہے اور اسی سلسلہ میں مجروح مسلمان کس درجہ میں ہیں۔
(۳) مجلس احرار و مجلس اتحاد ملت حصول مسجد شہید گنج کے لئے کچھ عرصہ سے سول نافرمانی کئے ہوئے ہیں نائبین رسول (علماء کرام) کی جماعت (جمعیۃ العلماء) اس مسئلے میں خاموش ہے مسلم لیگ کا اجلاس اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ۱۷ اپریل کو کلکتہ میں منعقد ہو رہا ہے اب سوال یہ درپیش ہے کہ مسلمان اس مسئلہ کے متعلق کس جماعت کا ساتھ دیں اول الذکر والوں کا یا ثانی الذکر کا نیز مجلس احرار و مجلس اتحاد ملت کی سول نافرمانی کے متعلق شرع محمدی کا کیا حکم ہے آیا تینوں کی نافرمانی جائز ہے یا ناجائز ؟
(۴) اور اگر سول نافرمانی ناجائز ہے تو مسلمانوں کو حصول مسجد شہید گنج کے لئے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہئیے یہ علماء اسلام بتائیں گے کہ وہ کون سا راستہ ہے اور کیا وہ خود (علماء) میدان عمل میں آکر مسلمانوں کی اس مسئلہ میں صحیح رہنمائی کریں گے اور اگر نہیں تو کیوں اس کے متعلق شریعت غرا کا کیا حکم ہے آیا علماء کو چہ ایسے نازک دور میں مسلمانوں کی رہنمائی کرنی چاہئیے یا نہیں ؟
(۵) اگر مسلم لیگ حصول مسجد شہید گنج کے لئے کوئی ایسا راستہ اختیار کرے جس میں سول نافرمانی پکٹنگ یا اسی قسم کا کوئی اقدام شامل ہو اور جو تشدد پر بھی مبنی ہو نیز اس اقدام میں مسلمانوں کی موت کا خطرہ بھی قوی طور پر لاحق ہو تو کیا علماء اسلام اس فیصلہ کی تائید کریں گے اور اس کے ساتھ ہی خود اس پر عمل پیرا ہونے کی سعی کریں گے اور ساتھ ہی عامۃ المسلمین کو بھی ہدایت یا تلقین کریں گے کہ وہ بھی اس پر عمل کریں اور یہ کہ کیا ایسا اقدام احکام شرع کے موافق ہے یا خلاف (شریعت اسے جائز قرار دیتی ہے یا ناجائز) اور اگر اس اقدام پر عمل کرنے سے مسلمان مر جائیں تو ان کی موت ازروئے شریعت کیسی ہے ؟
(۶) کیا اس مسئلہ کے متعلق مسلمانوں کا خاموش رہنا بہتر ہے اور اگر نہیں تو علماء اسلام کیوں خاموش ہیں ان کی خاموشی کے متعلق شرع کے کیا احکام ہیں ؟
(۷) حکومت پنجاب اس کوشش میں ہے کہ مسئلہ شہید گنج کو حل کر دیا جائے کیا مسلمانوں کو حکومت کا ساتھ دینا چاہئیے یا نہیں اور اگر حکومت یہ فیصلہ کرے کہ جائے متنازعہ (مسجد شہید گنج) سکھوں سے لے کر آثار قدیمہ میں شامل کر لی جائے اور کسی فرد بشر کو وہاں جانے کی اجازت نہ دی جائے تو یہ فیصلہ شرع کے مطابق ہے یا خلاف اور اگر خلاف ہے تو مسلمانوں کو اس کے متعلق کیا کرنا چاہئیے ؟ المستفتی نمبر ۲۲۲۲ محمد اشرف خان رضا سرحدی (مقیم دہلی) ۲۱ شعبان ۱۳۵۷ھ م ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۱۳) (۱) اس سوال کا تو ایک ہی جواب ہے کہ مسجد قیامت تک مسجد ہے اور مسلمانوں ... پنے

استطاعت کے موافق اس کی تحصیل کے لئے کوشش کرنی چاہیئے اور استطاعت کے مدارج مختلف ہیں قانونی استطاعت تو تقریباً ختم ہو چکی ہے اگر پریوی کونسل میں مقدمہ جا سکتا ہو یا فیڈرل کورٹ میں سماعت ہو سکتی ہو اسے بھی ختم کر لینا چاہیئے۔

(۲) مسلمانوں نے مسجد شہید گنج کے لئے گزشتہ زمانہ میں جو قربانیاں دی ہیں وہ بقدر اپنی نیت و خلوص کے اجر و ثواب کے مستحق ہیں جو مر گئے وہ شہید ہوئے اور جو زخمی ہوئے وہ بھی ماجور ہوں گے اور ہر ایک کو اپنے خلوص کے موافق ثواب ملے گا۔

(۳) مجلس احرار۔ اتحاد ملت اگر اپنے غالب ظن یا یقین کی بنا پر کہ اس ذریعہ سے مسجد حاصل ہو سکتی ہے سول نافرمانی کر رہی ہیں تو وہ مستحق اجر ہوں گی اور جمعیۃ علماء ہر اس شخص کو جو اس یقین کا حامل ہو سول نافرمانی کرنے میں حق جانب سمجھتی ہے مگر یہ لازم نہیں کہ مسلمانوں کی تمام جماعتیں اس بات کا یقین کرنے میں بھی شریک ہوں جو جماعت کہ اس ذریعہ سے حصول مسجد کا یقین نہیں رکھتی وہ اگر عمل میں شریک نہ ہو تو اسے نہ مجبور کیا جا سکتا ہے اور نہ اسے ملامت کی جا سکتی ہے

(۴) مسجد کے حصول کا قانونی راستہ تو بظاہر بند ہے اور سول نافرمانی کا راستہ موجب تیقن نہیں باہمی افہام و تفہیم کا راستہ مفید ہو سکتا ہے اگر اس کے لئے کوئی معقول جدو جہد کی جائے اور جب ہر طرح استطاعت سے باہر ہو جائے تو اس وقت شریعت مقدسہ کا فرمان "کہ وسعت سے باہر کا مرتبہ تکلیف کے دائرہ سے باہر ہے" صاف و صریح موجود ہے۔

(۵) ہاں اگر مسلم لیگ کوئی ایسا ذریعہ تجویز کرے کہ اس میں قید و بند یا جان جاتے رہنے کا بھی خطرہ ہو اور وہ اسے حصول مسجد کے لئے بظن غالب یا بدرجہ یقین مفید سمجھے تو مسلم لیگ کی اس رائے سے اتفاق رکھنے والوں کے لئے اس پر عمل کرنا جائز اور ان کے لئے موجب اجر ہوگا اور اگر اس سلسلہ میں وہ مر جائیں گے تو شہید ہوں گے لیکن انہیں یہ حق نہ ہوگا کہ جو مسلمان اس ذریعہ کو حصول مسجد کے لئے مفید نہیں سمجھتے ان کو بھی شرکت پر مجبور کریں یا عدم شرکت کی بنا پر لعن طعن کریں

(۶) عدم استطاعت کی حد تک پہنچ جانے کے بعد خاموش رہنے کی رخصت ہے اور عدم استطاعت کی حد تک مسئلہ پہنچا یا نہیں اس میں اختلاف رائے ممکن ہے اور اختلاف رائے پر طرق عمل کا اختلاف بھی لازم ہے

(۷) حکومت پنجاب اگر کوئی قابل قبول حل نکال سکے تو چشم ما روشن دل ما شاد اور اگر کوئی ایسا حل نکالے جو مسجد کے احکام شرعیہ کے موافق نہ ہو تو مسلمان اسے بطوع خاطر منظور نہیں کر سکتے پھر اگر اس کی مخالفت سے کسی بہتر حل کا حصول ممکن ہو تو اس کی مخالفت کرنے میں حق جانب ہوں گے اور اگر کسی بہتر حل سے مایوسی ہو تو عدم استطاعت کے مرتبہ میں پہنچ کر سکوت کی رخصت ہو گی۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

مسجد شہید گنج کے متعلق حضرت مفتی صاحب کی رائے

(سوال) متعلقہ مسجد شہید گنج

(جواب ٤١٤) (١) جناب مکرم دام مجدہم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ - عنایت نامہ نے ممنون فرمایا جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ "بعض اخبارات (اکثر غیر مسلم) اور بعض افراد یہ پرچار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جناب اعلیٰ حضرت امیر ملت سے مسئلہ شہید گنج کے بارے میں اختلاف رائے رکھتے ہیں چونکہ اس کے متعلق کوئی مصدق اطلاع نہیں اس لئے ازراہ کرم بذریعہ خط ارشاد فرمائیں کہ ان بیانات میں کہاں تک صداقت ہے"

جواباً گزارش ہے کہ مسجد شہید گنج کے متعلق میرا واضح اور غیر مشتبہ بیان اخبارات میں شائع ہو چکا ہے اور اس کا خلاصہ جناب کی مزید توجہ کے لئے درج ذیل ہے -

(١) جو مسجد کہ ایک مرتبہ باقاعدہ شرعی طور پر مسجد ہو جائے وہ قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے کسی غاصب کے غاصبانہ قبضے اور کسی جابر کی جابرانہ دستبرد سے اس کی مسجدیت باطل نہیں ہو سکتی

(٢) سکھوں کو باوجود اس کے کہ عدالتی فیصلے ان کے قبضے کے حق میں تھے مسجد کو منہدم کرنے کا حق ہرگز حاصل نہیں تھا انہوں نے مسجد کو شہید کر کے ایک شدید اخلاقی جرم کا اور قانونی حیثیت سے نقض امن عامہ کی جنایت کا ارتکاب کیا ہے

(٣) حکومت نے بندوقوں اور سنگینوں کی حمایت میں سکھوں کو مسجد منہدم کرنے کا موقع بہم پہنچا کر عدالتی فیصلوں کی منزلوں کی حدود سے تجاوز کیا اور حفظ امن عامہ کے فرائض ادا کرنے سے تغافل اور تساہل کی ذمہ داری سے وہ سبکدوش نہیں ہو سکتی -

(٤) مسجد شہید گنج کا انہدام یقیناً مسلمانوں کے لئے دل آزار اشتعال انگیز اور ناقابل برداشت تھا

(٥) مسجد کی واگزاری کے لئے جدوجہد کرنا اور قابل عمل متحدہ نتیجہ بخش ذرائع سے اسے واگزار کرانا مسلمانوں کا مذہبی اور شرعی وظیفہ ہے -

جہاں تک مسجد شہید گنج کے معاملے کا تعلق ہے اس کے بارے میں اس بیان سے میری رائے ظاہر ہے رہا اس کی واگزاری کے سلسلے میں پیر سید جماعت علی شاہ صاحب کے طریقہ کار سے میرا اتفاق یا اختلاف کرنا تو جہاں تک واقعات کا تعلق ہے وہ یہ ہیں کہ راولپنڈی کانفرنس نے مسجد کی واگزاری کے لئے پروگرام تجویز کرنے کی غرض سے ایک مجلس شوریٰ مقرر کر دی تھی اور مجلس کے پروگرام پر عمل کرنے اور مسلمانوں سے عمل کرانے کے لئے پیر سید جماعت علی شاہ صاحب کو پہلا ڈکٹیٹر مقرر کر دیا تھا اگرچہ یہ بات میرے علم میں نہیں آئی کہ اس مجلس شوریٰ کا کوئی جلسہ منعقد ہوا اور اس نے کوئی پروگرام تجویز کیا یا نہیں ؟ مگر یہ واقعہ ہے کہ راولپنڈی کانفرنس کے انعقاد پر دو ماہ سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود پیر صاحب نے مسجد کی واگزاری کے سلسلے میں کوئی عملی اقدام اس وقت تک نہیں کیا اور نہ کوئی پروگرام شائع فرمایا-

رجب سے پہلے لاہور میں پیر صاحب نے اپنی تقریروں میں کہا تھا کہ "چونکہ مسجد شہید گنج کا معاملہ تمام مسلمانوں کا معاملہ ہے اس کے لئے کوئی اقدام تمام مسلمانوں کے مشورے سے ہونا چاہئے اس لئے میں نے اس کو اجمیر شریف کے عرس تک ملتوی کر دیا ہے کیونکہ عرس کے موقع پر صوفیاو سجادہ نشینان ہندوستان اور ہر طبقے کے مسلمانوں کا اجتماع عظیم اجمیر شریف میں ہوتا ہے اس لئے سب کے مشورے سے کوئی پروگرام تجویز کیا جائے گا اجمیر شریف کے عرس میں پیر صاحب تشریف بھی لے گئے اور عرس کو کامل ایک مہینے کا عرصہ بھی گزر گیا مگر کوئی پروگرام شائع نہیں ہوا۔

اس کے بعد بدایوں میں جمعیۃ علماء کانپور رجسٹرڈ کے جلسے پر محول کیا گیا تھا وہ جلسہ بھی پیر صاحب کی صدارت میں ہو چکا اس کے بعد بھی مجلس شوریٰ یا مجلس اتحاد ملت کا کوئی موثر پروگرام شائع نہیں ہوا۔

الحاصل مسجد کی واگزاری کے لئے اس وقت تک پیر صاحب کی کوئی عملی سرگرمی بروئے کار نہیں آئی جس سے اتفاق یا اختلاف کرنے کا سوال بھی پیدا ہو سکے۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ مسجد شہید گنج کا معاملہ ایسا معاملہ نہیں ہے کہ اس میں مسلمانوں کی دو رائیں ہو سکیں مسجد کی واگذاری کا مسئلہ متفق علیہ اور مسلمانوں کا شرعی وظیفہ ہے اس میں تو اختلاف کی گنجائش ہی نہیں یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص یا استبدادی طرز عمل یا غیر متعلق سرگرمیاں موجب اختلاف ہو جائیں اگر ایسا ہوا تو یہ مسلمانوں کی انتہائی بد قسمتی ہوگی

مجلس اتحاد ملت کی کانفرنس منعقدہ راولپنڈی نے بجا طور پر مجلس شوریٰ کے ہاتھ میں یہ کام دیدیا تھا کہ وہ اہل الرائے کے مشورے سے کوئی متحدہ اور قابل عمل اور نتیجہ خیز پروگرام تجویز کرے اور مجلس شوریٰ کے تجویز کردہ پروگرام کو عمل میں لانے اور مسلمانوں سے عمل کرانے کے لئے ڈکٹیٹر مقرر کرنا بھی ضروری تھا مگر اس مسئلے کو امارت شرعیہ کے مسئلے کے ساتھ (جو فی حد ذاتہ نہایت اہم اور غور طلب مسئلہ ہے) خلط کر دینا موقع شناسی اور اصابت رائے کی حد سے متجاوز ہے

ڈکٹیٹر کو بھی اپنی تمام تر توجہ مسجد کی واگزاری کے معاملہ پر مرکوز کر دینی چاہئے اور ایسی تمام باتوں سے قطعاً مجتنب رہنا چاہئے جو اتحاد بین المسلمین کے منافی ہوں یا جن کا نتیجہ یہ ہو کہ مسجد کی واگزاری جیسا اہم اور متفق علیہ مسئلہ بھی خدانخواستہ اختلاف کا آماجگاہ بن جائے مجلس اتحاد ملت کو اس نازک ترین موقع پر ان امور کی نگہداشت لازم ہے۔

جناب کے عنایت نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اخبارات کچھ غلط فہمی پھیلا رہے ہیں تو اگر آپ اجازت دیں تو میں اس خط کی نقل اخبارات میں بغرض اشاعت بھیج دوں میں نے اس کی نقل رکھ لی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی ۲ نومبر ۱۹۳۵ء

(۱) مسجد شہید گنج کی تحریک میں جاتے ہوئے اہل و عیال کا نفقہ چھوڑنا فرض ہے
(۲) مسجد کے حصول کے لئے قانون شکنی جائز ہے
(۳) اس تحریک میں شرکت کے لئے والدین کی اجازت ضروری ہے۔

(سوال) (۱) اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر باوجود تنگ دستی کے مسجد شہید گنج کے لئے نماز پڑھنے جانا اور اہل و عیال کے خرچ کا انتظام نہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۲) والدین کو ناراض کر کے مسجد شہید گنج کو جانا جائز ہے یا نہیں؟ (۳) مسجد شہید گنج میں نماز پڑھنے پر پابندی لگی ہوئی ہے ایسی صورت میں قانون شکنی کے لئے جانا لا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ میں داخل ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۲۱۰ قاضی محمد متین صاحب شجاع آباد (ضلع ملتان) ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۲ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۱۵) مسجد شہید گنج کی واگذاری کی غرض سے قانون شکنی میں شریک ہونا جانا لا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ میں داخل نہیں کیونکہ جائز شرعی حق کے مطالبہ کے سلسلے میں جو تکلیف پہنچنے والی ہو اسے اختیار کرنا جائز ہے ہاں لوگوں کو اپنے اہل و عیال کا انتظام کر کے جانا ضروری ہے اور اگر والدین ناراض ہوں اور اجازت نہ دیں تو ایسی صورت میں بھی جانا نہیں چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل سوم

مدح صحابہ

مدح صحابہ میں طلبہ دار العلوم کو حصہ نہ لینے اور تعلیم میں مشغول رہنے کا حکم......

(سوال) حکومت ہند نے مدح صحابہؓ کی ممانعت اور انسداد کا ایک دل آزار قانون بنایا ہے جس کا نفاذ لکھنؤ میں بالکل جابرانہ طور پر ہو رہا ہے اہل سنت والجماعۃ کے بعض علماء کی نہ صرف رائے بلکہ فتویٰ ہے کہ مدح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ممانعت درحقیقت مداخلت فی الدین ہے اس موقعہ پر نطق پر سکوت کو ترجیح دینا حمایت دین پر اہانت دین کو ترجیح دینا ہے جو قطعاً حرام ہے لہذا ہر مسلمان اہل سنت والجماعت کا فرض اولین ہے کہ اس کار خیر میں اقدام کرے اور ایثار سے کام لے کر کبھی نہ فنا ہونے والا توشہ عقبیٰ تیار کرے تو اب چند امور مذکورہ ذیل دریافت طلب ہیں

(۱) علمائے کرام کی مذکورہ بالا رائے یعنی ممانعت مدح صحابہ مداخلت فی الدین ہے یا نہیں؟

(۲) ہر مسلمان اہل سنت والجماعت کو بلا امتیاز تذکیر و تانیث و بلا تفاوت سن و سال اس میں حصہ لینا چاہئے یا نہیں؟

(۳) ہم طلبہ دار العلوم دیوبند وغیرہ کا اس موقعہ پر کیا فرض ہے ایثار کریں یا سکوت؟ بالخصوص ایسی حالت میں کہ ادھر تعلیم کا خیال اور ادھر قانون شکنی کا عزم۔ ہاں اتنا خیال رہے کہ اگر اہل علم طبقہ خصوصاً علماء، طلبہ نوجوان متفقہ طور پر کھڑے ہو گئے تو بتوفیق الٰہی وہ دن کچھ دور نہیں کہ حکومت ہی اپنے ہاتھوں اس قانون ،

پارہ پارہ کر دے گی۔ **المستفتی** نمبر ۱۱۹۲ خواجہ محمد احمد غازی پور متعلم دارالعلوم دیوبند ۲ رجب ۱۳۵۵ھ م ۲۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۱۶) مداخلت فی الدین کا مفہوم بہت عام ہے اور عموم کے لحاظ سے ہر آن میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں مداخلتیں ہندوستان میں ہو رہی ہیں امتناع مدح صحابہ کا قانون جہاں تک مجھے معلوم ہے نہ حکومت ہند کا ہے نہ حکومت صوبہ کا وہ صرف ایک مقامی کمیٹی کا جو اس کام کے لئے مقرر کی گئی تھی فیصلہ تھا جسے مقامی حکومت نے انتظاماً نافذ کر دیا ہے میرے خیال میں دارالعلوم کے طلبہ مذہباً ابھی تک شرکت پر مجبور نہیں ہیں مسلمان تحریک کو چلا رہے ہیں طلبہ کو تعلیمی ضروریات میں مشغول رہنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

شرعی حق کے حصول کے لئے جیل جانا اور لڑنا.

(سوال) شیعہ سے مدح صحابہ پڑھنے کے لئے لڑنا یا اسی سلسلہ میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کرنا خواہ جان دینا یا جیل چلا جانا تحصیل علم دین کے زمانہ میں جہاد کے مترادف ہو گا یا نہیں اور پڑھنے والے پر اولین فرض کون ہو گا اور باجا مسجد کے سامنے جانے پر ہندو سے لڑنا خوشنودی خدا کا باعث ہو گا یا نہیں۔
المستفتی نمبر ۲۴۸۴ حافظ محمد رفیق الدین صاحب بہار شریف (پٹنہ) ۲۵ صفر ۱۳۵۸ھ م ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۴۱۷) اپنے شرعی حق کے لئے جیل جانا مباح ہے اس میں اگر مارا جائے تو شہید ہوتا ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مدح صحابہ پڑھنے کا قانونی حق حاصل کرنے کے لئے قانون شکنی جائز ہے
(۲) شیعوں کی تبرا گوئی کے ذمہ دار شیعہ خود ہیں.
(۳) اپنا حق حاصل کرتے ہوئے گولی سے مار دیا جائے تو شہید ہوں گے
(۴) مدح صحابہ کا قانونی حق حاصل کر کے امن کی خاطر اس کے استعمال کو ترک کرنا.

(سوال) حکومت صوبہ متحدہ نے ۳۱ مارچ ۱۹۳۹ء کو حسب ذیل بیان قضیہ مدح صحابہ لکھنؤ کے متعلق شائع کیا ہے حکومت نے اپنے گزشتہ نومبر کے بیان میں بتایا تھا کہ سنی اپنے مکانوں میں مسجدوں میں اور مولود شریف کے موقعہ پر بغیر کسی مداخلت کے مدح صحابہ پڑھ سکتے ہیں اس کے بعد جو کچھ فیصلہ رہ گیا تھا وہ یہ تھا کہ حکومت سنیوں کو پبلک جلسہ میں یا جلوس میں مدح صحابہ پڑھنے کا موقع کب دے گی۔
پبلک جلسہ یا جلوس میں مدح صحابہ پڑھنے کا موقع دینے کا مسئلہ حکومت کے زیر غور ہی تھا کہ مجلس تحفظ ناموس صحابہ لکھنؤ نے قیادت مولانا عبدالشکور صاحب اور جماعت احرار نے بسیادت مولانا حسین احمد

صاحب عام جلوس میں بطور سول نافرمانی مدح صحابہ نظم میں یک آواز ہو کر پڑھنا شروع کیا مولانا حسین احمد صاحب کی ہدایت پر احراری و کانگریسی مسلمانوں نے بیرون لکھنؤ سے مدح صحابہ پڑھنے کے لئے جتھے روانہ کئے اس حالت کو دیکھ کر حکومت نے اپنے مذکورہ بالا بیان کے سلسلہ میں پھر حسب ذیل بیان شائع کیا۔

گزشتہ نومبر کے پریس میں دیئے ہوئے بیان کے سلسلہ میں حکومت یہاں یہ اعلان کرتی ہے کہ سنیوں کو ہر حالت میں ہر سال بارہ وفات کے دن ایک پبلک جلسہ اور ایک جلوس میں مدح صحابہ پڑھنے کا موقع دیا جائے گا اس شرط سے کہ اس کا وقت اور راستہ حکام مقرر کریں گے حکومت کے اس اعلان یا تصفیہ پر سنیوں نے قانون شکنی بند کردی۔

(۱) جب کہ سنیوں کو یہ علم ہوا کہ شیعہ صاحبان کے جذبات اس طور سے مدح صحابہ پڑھنے سے مجروح ہوتے ہیں (اگرچہ سنیوں کے نقطہ نظر سے شیعہ صاحبان غلطی پر ہیں) تو کیوں نظم میں عام رہگزروں پر پانچ یا سات آدمیوں کا ایک آواز ہو کر مدح صحابہ پڑھنا اعمال حسنہ میں سے قرار دیتے ہو تو کیا مدح صحابہ اس حالت سے پڑھنا بدعت نہیں ہے؟

(۲) اب جو بالاور ضد میں شیعہ صاحبان علانیہ تبرا گوئی کر رہے ہیں صحابہ کی توہین کی ذمہ داری آیا حکومت پر ہے یا ان سنی مسلمانوں پر ہے جنھوں نے یہ جانتے ہوئے کہ شیعہ صاحبان کی جانب سے صحابہ کی توہین کا اندیشہ ہے مدح صحابہ مذکورہ بالا طریقہ پر پڑھتے ہیں۔

(۳) اگر کوئی سنی مسلمان اس طور پر مدح صحابہ پڑھتے ہوئے پولیس کی گولی سے ہلاک ہو جاتا تو کیا وہ درجہ شہادت پانے کا مستحق ہوتا یا اس کی موت حرام موت ہوتی (۳۱ مارچ ۱۹۳۹ء کو شیعہ سنی تصادم کی بنا پر پولیس کو گولی چلانی پڑی تھی)

(۴) ایسی شکل میں سنی مسلمانوں کا تبرا گوئی کو روکنے کے لئے جس سے شیعہ سنی میں تصادم کا بھی احتمال ہو اجتماعی یا انفرادی جدوجہد کرنا فرض ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے اور سنی مسلمان کی موت اس جدوجہد میں ہوگئی تو کیا وہ شہادت کا مستحق ہو گا یا حرام موت مرے گا۔

المستفتی نمبر ۲۴۹۰ محی الدین احمد صاحب (مظفر نگر) ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ م ۲ مئی ۱۹۳۹ء

(جواب ۴۱۸) سنیوں کے لئے حکومت نے یہ قید عائد کر رکھی تھی کہ سنی رہگزر عام پر صحابہ کرام کا ذکر اور مدح نہیں کر سکتے یعنی کسی سنی کا صرف حضرت عمرؓ کہنا بھی ممنوع اور جرم تھا اور یہ بات یقیناً ایک ضد سے مذہبی مداخلت تھی سنیوں نے اس قانونی بندش کو رفع کرنے کے لئے جدوجہد کی اور مدح صحابہ پڑھنے کا حق حاصل کر لیا۔

اب شیعوں نے ضد اور ہٹ کے طور پر سربازار تبرا گوئی اختیار کی ہے جو قانوناً اخلاقاً اور شرعاً ہر طرح ناجائز ہے اور اس کی ذمہ داری خود شیعہ حضرات پر ہے۔

سنی اپنے حق کے حصول کی خاطر یا استعمال حق کی خاطر گولی کا نشانہ بنائے جائیں تو یقیناً مظلوم

ہوں گے اور شہید قرار پائیں گے۔

ہاں انہیں یہ حق ہے۔کہ وہ قانونی حق حاصل کرنے کے بعد اپنی خوشی سے امن کی خاطر استعمال حق کو ترک کردیں اگر وہ ایسا کریں تو ان پر کوئی شرعی مواخذہ نہ ہوگا بشرطیکہ ان کے ترک سے قانونی حق زائل نہ ہوتا ہو۔فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

مدح صحابہ پڑھنا ہر مسلمان کا قانونی اور شہری حق ہے.

(سوال)اگر مدح صحابہ کہنے سے ملک میں یا شہر میں بد امنی پھیلنے کا اندیشہ ہو اور مسلمانوں کو جانی اور مالی نقصان پہنچنے کا ڈر ہو اور مدح صحابہ صرف بحث و تکرار کے لئے کی جائے تو کیا حکم ہے۔

المستفتی نمبر ۲۵۲۷ محمد عاقل صاحب ۱۸ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ م ۶ اگست ۱۹۳۹ء

(جواب ۴۱۹) مدح صحابہ کہنے سے بد امنی پھیلنے کی کوئی صحیح اور معقول وجہ نہیں ہر شخص کو اپنے بزرگوں کی مدح و ثنا کرنے کا شرعی اور قانونی اور شہری حق ہے اگر کوئی شخص اپنا شرعی اور قانونی اور شہری حق استعمال کرے تو اس پر کوئی مواخذہ اور گرفت نہیں ہے اس کی مثال گائے کی قربانی کا حق استعمال کرنے کی ہے کہ مسلمان اپنا ایک شرعی اور قانونی حق استعمال کرنے میں حق بجانب ہوتے ہیں اور اس میں مزاحمت کرنے والے مجرم قرار دیئے جاتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

فصل چہارم
قومی ترانہ اور قومی نعرہ

مسلمان بچوں سے ہندوؤں کا گیت گانے پر احتجاج کیا جائے.

(سوال) یہاں پر ڈسٹرکٹ بورڈ کا اردو اسکول ہے جس میں تمام مسلم بچے تعلیم پاتے ہیں اور مدرسین بھی مسلم ہیں گزشتہ ماہ ڈسٹرکٹ کمیٹی نے ایک سرکلر اس مضمون کا تمام اسکولوں کے نام جاری کیا کہ اسکول کا کام شروع کرنے سے پہلے روزانہ بندے ماترم کا گیت گایا جائے اردو اسکول ہیڈ ماسٹر نے اس سرکلر کو سکول کمیٹی کے روبرو رکھا کمیٹی نے یہ رائے دی کہ کورس کی کتابوں میں خدا کی بندگی کے گیت ہیں وہی بہتر ہیں اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے کمیٹی نے یہ نرم جواب اس لئے دیا کہ کمیٹی مذکورہ میں تمام ہندو ممبران ہیں وہ کانگریسی حکومت کے زعم میں فرعون بے سامان ہو رہے ہیں اس کی اطلاع دفتر کو کردی گئی ہے اس کے جواب میں لوکل بورڈ سے حکم آیا ہے کہ ۔

ہیڈ ماسٹر اردو سکول۔آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ڈسٹرکٹ کونسل کے حکم کے انوسار (مطابق) ہی اسکول میں بندے ماترم کا گاین شروع میں گایا جائے۔خدا کی بندگی کے گیت کورس بک سے نہ گائے جائیں۔یہ راشٹریہ گاین پاٹھ شالاؤں کیلئے انی واری (لازمی) ہے کیا خط کشیدہ جملہ سے خدا کی توہین ہوتی ہے

اگر ہوتی ہے تو اس کے لئے کیا کارروائی کی جائے - المستفتی نمبر ۲۱۵۳ حاجی ابراہیم جی صاحب (بر سود)
۳۰ دسمبر ۱۹۳۷ء م ۲۶ شوال ۱۳۵۶ھ

(جواب ۴۲۰) اگرچہ اس فقرہ میں "خدا کی بندگی کے گیت اس بک سے نہ گائے جائیں" خدا کی توہین کا الزام قائم کرنے کے لئے حجت نہیں ہے تاہم ڈسٹرکٹ کمیٹی کا سرکلر کہ بندے ماترم کا گیت ضرور گایا جائے اور یہ حکم کہ کورس بک سے خدا کی بندگی کی نظم نہ گائی جائے دونوں قابل احتجاج ہیں ان احکام کے خلاف قوی احتجاج کیا جائے اور آئینی کارروائی کو آخر تک یعنی وزیر تعلیم تک معاملہ پہنچے اور اس کے فیصلے کے صادر ہونے تک جاری رکھا جائے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

قومی نعرہ ہندوستان زندہ باد اور آزاد ہونا چاہئیے .

(سوال) مسلمان بچوں کی ایک جماعت کانگریسی وردی پہن کر سہ رنگی جھنڈی لئے ہوئے شاہراہ اور گلی کوچہ میں ایک تعلیم یافتہ نوجوان کی زیر قیادت یہ صدا لگاتی ہے - قومی نعرہ! بندے ماترم ! یہ نعرہ لگانا کیسا ہے
المستفتی نمبر ۱۷۵۲ حکیم عبدالغفور صاحب (ضلع بھاگلپور) ۸ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۴ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۱) قومی نعرہ 'ہندوستان زندہ باد - ہندوستان آزاد ہونا چاہئیے - بندے ماترم کے معنی ہمیں معلوم نہیں ہیں - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ '

فصل پنجم
زمینداری وکاشتکاری

ایسے قوانین جن سے مالکان زمین کے حقوق تلف ہو جائیں ناجائز اور ان کی حمایت بھی ناجائز ہے

(سوال) (۱) ایسے قوانین جن کی رو سے مالک زمین یعنی زمیندار کو اپنی زمین کاشتکار سے چھڑانے یا دوسرے کاشتکار کے پاس تبدیل کرنے اور لگان کو اپنی مرضی سے طے کرنے کا اختیار نہ رہے شرعاً ماننے جائز ہیں یا نہیں ؟

(۲) اگر جائز نہیں تو ایسے قوانین بنانے میں مسلم ممبروں کو تائید کرنی جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) اور ایسی جماعت جو ان قوانین کی مؤید ہو اس میں مسلمان علماء صلحا اور عام مسلمانوں نیز اسلامی جماعتوں کو شریک ہونا جائز ہے یا نہیں ؟

(۴) اگر ایسے ناجائز قوانین جبراً نافذ کئے جائیں تو ان کے خلاف احتجاج کرنا یا اور کوئی عملی قدم اٹھانا جس کا نتیجہ جنگ و جدل اور قتل و غارت ہو جائز ہے یا نہیں ؟

(۵) ایسے قوانین کی مخالفت میں علماء پر عوام کی نسبت کچھ زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے یا ان پر کوئی خاص

ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ؟ المستفتی نمبر ۲۴۴۷ چودھری محمد شریف خاں صاحب (سہارنپور) ۸ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ م ۳۰ جنوری ۱۹۳۹ء

(جواب ۴۲۲) ایسے قوانین جن سے مالکان زمین کے مالکانہ حقوق تلف ہوتے ہوں ناجائز ہیں ایسے قوانین وضع کرنا بھی ناجائز اور ان کی تائید کرنا بھی ناجائز اور اس عمل میں اس جماعت کی حمایت بھی ناجائز۔ اور جبراً نافذ کرنے کی صورت میں مسلمانوں پر بقدر استطاعت مدافعت بھی لازم ہے موجودہ قوانین میں بھی سینکڑوں دفعات اسلام کے خلاف موجود ہیں جو انگریزی حکومت نے نافذ کر رکھے ہیں شاردا ایکٹ بھی بعض مسلمانوں کی تائید سے نافذ ہو چکا ہے اور آج بھی نافذ ہے قانون شہادت کا بیشتر حصہ شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے خود زمین کے موروثی ہو جانے کا قانون بھی انگریزی حکومت کا موجود اور نافذ ہے انگریزی حکومت نے سینکڑوں مرتبہ مداخلت فی الدین کا ارتکاب کیا ہے اور کر رہی ہے آج بھی اس کی حرکتیں مرکز اسلام کو تباہ کرنے کے لئے مصروف عمل ہیں یہ تمام باتیں پیش نظر رکھ کر کوئی اقدام کیا جائے تو صحیح ہوگا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

فصل ششم
تبلیغ

(۱) قرآن مجید کو ہندی رسم الخط میں لکھنا جائز نہیں
(۲) تبلیغ اور اشاعت اسلام ہر دور میں ضروری ہے
(۳) تبلیغ کی مخالفت اسلام کی مخالفت ہے
(۴) تبلیغ اور سیاست الگ الگ محاذ اور دونوں ضروری ہیں
(۵) تبلیغ کو سیاست کے لئے چھوڑنا جائز نہیں

(سوال) (۱) غیر مسلموں میں خصوصاً ہندوؤں میں قرآنی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور انکی ہدایت کے لئے ہندی ترجمہ کے ساتھ اگر ہندی رسم الخط میں متن بھی درج کیا جائے تو کیسا ہے ؟

(۲) ملک کے ان حالات میں جب کہ ہر چہار جانب سے اسلام کی توقیر اس کی عظمت اور اس کی برائی کو گھٹانے کے لئے طرح طرح کی کوششیں ہو رہی ہیں اور اسلامی عقائد و اصول اور اس کی تعلیمات کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں تو جو لاان کی مدافعت اور اسلام کی اشاعت کس درجہ ضروری ہے اور شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے ؟

(۳) اس کام کی مخالفت کرنے والوں یا اس کو غیر ضروری سمجھنے والوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے اور اس کام میں امداد و اعانت کرنے والوں کو کس درجہ کا ثواب حاصل ہوگا ؟

(۴) کیا ملک کی موجودہ سیاسی جدوجہد کو اس کام پر مقدم کیا جا سکتا ہے اور اس کام کو کچھ عرصہ کے لئے

حیثیت جماعت مؤخر کیا جا سکتا ہے؟
(۵) مسلمانوں کی عام بے حسی اور بے توجہی کی وجہ سے اگر تبلیغی جماعت کے ذمہ دار کارکن اس کام سے دست کش ہو جائیں خاموش اور علیحدہ ہو کر سیاسی جدوجہد میں یا کسی دوسرے کام میں مصروف ہو جائیں تو ان کا یہ عمل شرعاً کیسا ہو گا۔المستفتی نمبر ۲۵۶۸ محمد عبدالحی صاحب (کانپور) ۲۰ محرم ۱۳۵۹ھ م ۲۹ فروری ۱۹۴۰ء

(جواب ۴۲۳) (۱) چونکہ ہندی رسم الخط میں عربی کے کئی حرف نہیں ہیں اور نہ ان کو ظاہر کرنے کے لئے کوئی قطعی علامات ہیں اس لئے متن قرآن اور نظم فرقان کو ہندی رسم الخط میں شائع کرنا جائز نہیں۔ہندی ترجمہ ہندی رسم الخط میں شائع کر دیا جائے مگر نظم قرآنی کو عربی رسم الخط میں ہی لکھا جائے
(۲) تبلیغ اور اشاعت اسلام اور مدافعت اہم مقاصد اسلامیہ میں سے ہیں ان کی ہمیشہ اور ہر وقت ضرورت ہے خصوصاً جب کہ مخالفانہ مساعی بروئے کار ہوں تو اشاعت حق اور مدافعت کی ضرورت بہت شدید ہو جاتی ہے۔
(۳) اس کی مخالفت کرنے والے در حقیقت اسلام کے مخالف اور معاند ہیں اور اس کی معاونت اور امداد کرنے والے مجاہدین اسلام ہیں
(۴) سیاسی جدوجہد کا محاذ دوسرا ہے اور تبلیغی مساعی کا میدان علیحدہ ہے دونوں ضروری ہیں اور اپنی اپنی حدود میں بیک وقت کام کر سکتی ہیں۔
(۵) یہ صحیح نہ ہو گا بلکہ ان کو اس کی اہمیت کے لحاظ سے جاری رکھنا لازم ہو گا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

فصل
اسمبلیوں میں نمائندگی

مسلمانوں کا نمائندہ مسلمان اور اسلامی احکام پر عمل کرنے والا ہی ہو سکتا ہے.
(سوال) ایک شخص جو نماز روزہ کے علاوہ تمام احکام شرعیہ کا عملاً مخالف ہے غیر مسلمین کے ساتھ مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ کر میل جول رکھتا ہو شکل و صورت انداز رفتار گفتار کسی چیز سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ شخص مسلمان ہے بلکہ اس پر غیر مسلم ہونے کا شبہ ہوتا ہو علاوہ ان باتوں کے اس نے علم کھلا اپنے گھر میں ایک غیر مسلم (ہندو) عورت بغیر مسلمان کئے اور بغیر نکاح کئے ہوئے ایک مدت سے ڈال رکھی ہو اور اس سے ازدواجی تعلق قائم ہوا ایسے شخص کو مسلمانوں کا جماعتی نمائندہ بنانا چاہئے یا نہیں نیز یہ کہ اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کے مقابلے میں کسی مندرجہ بالا صفات کے آدمی کا ساتھ دیتا ہے اس کے لئے امامت و نیابت کی کوشش کرتا ہے یا اس کی تائید کرتا ہے تو یہ تائید کرنے والا اور ساتھ دینے والا از روئے

شریعت گناہ گار ہوگا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۷۲۵ نذر علی (دہلی) ۳۰ محرم ۱۳۵۹ھ م ۱۰ مارچ ۱۹۴۰ء
(جواب ۴۲۴) سوال میں اس قدر ابہام اور اجمال ہے کہ سائل کا مطلب واضح نہیں ہوتا۔ بہر حال یہ بات ظاہر ہے کہ دینی اور اسلامی معاملات میں مسلمانوں کا جماعتی نمائندہ یا ایک بڑی اسلامی آبادی کا قائم مقام یا زعیم وہی ہو سکتا ہے جو اسلام سے واقف اور اسلامی احکام پر عامل ہو ہندو پارسی مجوسی یعنی غیر اہل کتاب عورتوں سے مسلمان کا نکاح درست نہیں اگر ان میں سے کوئی عورت مسلمان ہو جائے تو اسلامی احکام کے ماتحت اس سے نکاح ہو سکتا ہے اور اگر کسی مسلمان نے غیر مسلم عورت کو گھر میں ڈال لیا ہو تو یہ موجب فسق ہے اور اس کی حیثیت ان فاسقوں کی طرح ہے جو شراب نوشی قماربازی۔ سود خواری۔ رنڈی بازی۔ ترک نماز و روزہ کی بناء پر فاسق ہوں بہر حال سائل کو یہ بتانا چاہیے تھا کہ نمائندگی کس امر میں ہے اور اس کا دینی معاملات سے کچھ تعلق ہے یا خالص سیاسی یا اقتصادی معاملہ ہے اور پھر یہ بھی کہ مسلم اور غیر مسلم کا معاملہ ہے یا مسلم صالح یا مسلم فاسق کا اور دونوں میں سے غرض نیابت کے لئے کون زیادہ مفید ہے اور مسلمانوں کے لئے کس کا وجود انفع ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘ دہلی

فصل
فرقہ وارانہ معاملات

کیا نماز مغرب کے لئے ۲۰ منٹ کا وقت کافی ہے؟

(سوال) ایک حکم کے ماتحت نماز پر حسب ذیل پابندی عائد کی گئی ہے
مسلمانوں کی نماز مغرب کے لئے جن میں اذان بھی شامل ہے بیس منٹ کا وقت دیا جائے گا۔ کیا یہ حکم عبادت کی شرعی آزادی پر پابندی کے مترادف نہیں؟ کیا اس حکم کو مداخلت فی الدین قرار نہیں دیا جا سکتا؟ کیا مسلمانوں کو اس غیر شرعی حکم کے خلاف احتجاج کرنا چاہیے؟۔ شرعی جواب سے مطلع فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۲۶۱۸ و ی۔ کے صدیقی صاحب (مالیر کوٹلہ اسٹیٹ) ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ م ۱۸ جون ۱۹۴۰ء
(جواب ۴۲۵) یہ شاید کسی جھگڑے فساد کے موقع پر رفع فساد کی صورت تجویز کی گئی ہوگی اس کی مفصل کیفیت تحریر کرنی چاہیے تھی۔ مغرب کی اذان اور ادائے فرض و سنت کے لئے ۲۰ منٹ کافی ہو سکتے ہیں۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘ دہلی

ہندوؤں کی ارتی اور مسلمانوں کی نماز مغرب کے لئے وقت مقرر و متعین کرنا

(سوال) ریاست ہذا پر پولیٹکل ڈپارٹمنٹ نے اپنا تسلط حاصل کرنے اور حضور نواب صاحب بہادر کو بے اختیار کرنے کی غرض سے کچھ عرصہ ہوا یہاں کی پر امن فضا کو مکدر کیا اور اپنے خاص ایجنٹوں کے ذریعہ اول

ایک مقام پر آرتی اور نماز کا جھگڑا پیدا کیا اور پھر ایک انگریز کے ذریعہ یہ فیصلہ کرا دیا جس کو بہ نظر تعمق ملاحظہ فرما کر آپ اندازہ لگائیں گے کہ اس میں کس قدر شرارت موجود ہے کہ ہر وقت اس کی بنا پر دو قوموں کو لڑایا جا سکتا ہے پیشتر ازیں ہر دو اقوام کو لڑا کر تباہ کر دیا گیا اور نواب صاحب بے دخل کر دیئے گئے اب جب بھی یہ دو اقوام کے افراد ملنا چاہتے ہیں یہ شوشہ چھوڑ دیا جاتا ہے فی الحقیقت اس فیصلے نے فساد کی ایک مستقل بنیاد رکھ دی ہے اور رائے ناقص میں وقت کی یہ پابندی بلاشبہ مذہبی عبادت کی آزادی میں ایک ناجائز دخل اندازی ہے اب ایک طبقہ باہمی مفاہمت سے اس فیصلے کو منسوخ کرانا چاہتا ہے اور اس فیصلہ کی تنسیخ ہندو مسلم اتحاد کا سنگ بنیاد ثابت ہوگا بلاشبہ تیس منٹ اس نماز کے لئے کافی ہیں لیکن اگر کوئی شخص سوئے اتفاق سے جماعت حاصل نہ کر سکے اور محدود وقت صرف پانچ منٹ باقی ہوں تو اس کے لئے مشکلات در پیش ہوں گی کیونکہ اس حکم کے مطابق اسے وقت مقررہ کے بعد نماز پڑھنے کا حق باقی نہیں رہتا (۱) اگر وہ نماز جاری رکھتا ہے تو ایک طرف تو وہ قانون شکنی کا مرتکب ہو رہا ہے اور دوسری طرف آرتی شروع ہو جانے سے پھر فساد کا اندیشہ ہو سکتا ہے مختصر یہ کہ رفع شر کے پردہ میں شر کی تخم ریزی کی گئی ہے یہ وقت کافی ہے یا نہیں سوال صرف اسی قدر ہے کہ آیا عبادت کی آزادی اس حکم سے خطرہ میں پڑتی ہے یا نہیں سارا ایجی ٹیشن اسی کے خلاف تھا ہم نے اسی لئے احتجاج کیا تھا کہ ایک شرعی حق پر ناجائز دست اندازی کی گئی تھی ورنہ منشا تو اس قانون کا بھی مداخلت فی الدین نہ تھا۔ ان تشریحات کے پیش نظر آنجناب اپنے فتویٰ پر نظر ثانی فرما کر مطلع فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۶۱۸ وی۔ کے صدیقی (مالیر کوٹلہ اسٹیٹ) ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ م ۱۸ جون ۱۹۴۰ء

(جواب ۴۲۶) مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اگر یہ فیصلہ باہمی رضامندی سے منسوخ کرانا ممکن ہو تو بہت مبارک ہے اور کوئی طاقت پھر اس کو قائم نہیں رکھ سکتی لیکن اگر بد قسمتی سے باہمی رضامندی نہ ہو سکے تو پھر تعیین وقت کو مذہبی مداخلت قرار دے کر ہندو اس کو منسوخ کرانے کی کوئی سبیل میری سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ آپ کے یہاں حالات کچھ بھی ہوں یہ جھگڑا تو ہندوستان کے طول و عرض میں ہزاروں جگہ ہو چکا ہے اور آئندہ بھی ہوگا کہ آرتی اور نماز مغرب کا ایک وقت ہے اور ایسی صورت میں رفع تنازع کی صورت تقسیم وقت سے کر دینا بھی ایک صورت ہے غروب آفتاب کے بعد ۲۰ منٹ کم ہیں اس کو ۳۰ یا ۴۰ منٹ تک بڑھانے کے لئے آپ جدوجہد کریں تو مناسب ہے لیکن مغرب کا پورا وقت یعنی تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک آرتی موقوف کرنے پر اصرار کرنا اس لئے قابل پذیرائی نہیں کہ مغرب کے بعد فوراً عشا کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور اس میں بھی آپ کی آزادی قائم رکھی جائے تو گویا صبح تک آپ کے لئے عبادت کا وقت ہے اور اسے آزاد رہنا چاہئے تو تمام رات آرتی نہ ہونی چاہئے لیکن یہ بات ایسی جگہ جہاں دونوں قومیں آباد ہوں کس طرح ہو سکتی ہے اور یہ مطالبہ کس طرح کیا جا سکتا ہے بہر صورت آپ کی نماز کیلئے کوئی وقت آرتی سے فارغ چھوڑ کر دوسروں کو اس وقت کے بعد آرتی کی اجازت دی جانے کی یہ دار الاسلام اور اسلامی سلطنت تو نہیں

(۱) یہ تو اس حکم کا نتیجہ نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ (۲) یہ بھی میری سمجھ میں نہیں آیا۔ محمد کفایت اللہ

ہے اور اسلامی سلطنت میں بھی ہندو آباد ہوں تو ان کو عبادت اور مراسم عبادت کے لئے بادشاہ اسلام مناسب موقع دے گا بہر حال تعیین وقت کو مذہب مداخلت قرار دے کر ایجی ٹیشن کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ تو ان کو مجال اختیار کرنا پڑے گا یہ دوسری بات ہے کہ وقت کو ۲۰ منٹ سے وسیع کرالیا جائے یہ سب اس صورت میں ہے کہ وہاں آرتی پہلے سے ہوتی چلی آتی ہو اور اگر پہلے نہیں ہوتی تھی تو دستور قدیم کو حال رکھنا اور نئی چیز جاری نہ کرنے کا مطالبہ کرنا آپ کا ایک معقول مطالبہ ہے اس کو قوت سے پیش کر سکتے ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی ۴ اجون ۱۹۴۰ء

نماز مغرب اور آرتی کے وقت پر باہمی سمجھوتے کا صحیح فارمولا......

(سوال) مخدوم و مطاع دام اللہ برکاتہ۔

گرامی نامہ شرف صدور لایا۔ ممنون فرمایا۔ جواباً عرض ہے کہ غالباً میں مقامی حالات اور اپنے مفہوم کو واضح کرنے سے قاصر رہا ہوں مقامی طور پر جو سیاسی پیچیدگیاں ہیں وہ میں عرض کر چکا ہوں فی الوقت یہ کیفیت ہے کہ نواب صاحب جو ریاست کے حقیقی حکمراں ہیں بے اختیار ہیں اور وزیر اعظم سیاہ و سفید کے مالک ہیں اور یہ صورت نماز اور آرتی کا تنازع اور دیگر فرقہ وارانہ تلخیاں پیدا کر کے نواب صاحب کو امن و انتظام بحال نہ رکھنے کے ناقابل قرار دے کر حاصل کی گئی تھی گویا موجودہ قوت حاکمہ کے اقتدار کا انحصار اس پر ہے کہ ہندو مسلم کشیدگی باقی رہے اور تیسری طاقت کی ضرورت ثابت ہو جس فریق کے خیالات کا میں ترجمان ہوں اسے سیاسی تبدیلیوں یا ریاست کے انتظامی معاملات سے کوئی براہ راست دلچسپی نہیں خواہ نواب صاحب بااقتدار ہوں یا وزیر اعظم گو میں ذاتی طور پر نواب صاحب کو مظلوم سمجھتا ہوں بہر حال چونکہ تنازعہ معلومہ حقیقی نہیں بلکہ ایک اصلیت تو یہ ہے کہ مندر ۱۸۸۱ء سے قبل کا تعمیر کردہ ہے اور مسجد جنگ عظیم کے بعد غالباً ۲۰ء یا ۲۱ء میں تعمیر ہوئی ہے اور اس سے قبل یہ جگہ محض ایک تکیہ تھا آرتی ہمیشہ ہوتی تھی لیکن ۲۳ء میں ایک باہمی سمجھوتہ کی بنا پر ہندوؤں نے خود ہی آرتی کو مؤخر کر دیا تھا لیکن کبھی آرتی اور اذان ساتھ ہو جائیں تو مسلمان بھی معترض نہ ہوتے تھے جب اقتدار کی کشمکش شروع ہوئی تو اول ایک اور مندر پر جھگڑا پیدا کیا گیا مگر وہاں مسجد اتنے زیادہ فاصلے پر تھی کہ جھگڑا پیدا نہ ہو سکا اس کے دو ہفتہ کے بعد موجودہ مسجد و مندر کو اس کام کے لئے منتخب کیا گیا چونکہ کمزور ضمیر کے آدمی ہر قوم میں ہوتے ہیں اس لئے ہر دو قوم کے کچھ افراد کو آلہ کار بنا کر یہ تنازعہ شروع کرا دیا گیا اور اس کے بعد ایک انگریز کو باہر سے بلا کر یہ فیصلہ کرا دیا گیا کہ آرتی نماز کے بعد ہو اور نماز مغرب جس میں اذان بھی شامل ہے اس کے لئے بیس (۲۰) منٹ دیئے جائیں گے جب کہ میں اس حکم مضرات اور مفاسد پر روشنی ڈال چکا ہوں نتیجہ یہی ہوا کہ ہندو مسلم کشیدگی کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا جس میں مجلسی سیاسی اور اقتصادی طور پر مسلمان بالکل تباہ و برباد کر دیا گیا تماشہ یہ کہ جس طاقت نے مسلمانوں کو آرتی کے خلاف ابھار کر کھڑا کیا اسی نے وقتی طور پر مندر جو

بالا حکم سے گو عارضی طور پر مسلمان کو خوش کر دیا مگر بعد میں چن چن کر مسلمانوں کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا اب کہ ہندوؤں نے مذہبی حقوق کیلئے تحریک شروع کی انہوں نے اپنے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کو دعوت اتحاد دی اور دے رہے ہیں میں ان کا ایک اعلان علیحدہ لفافہ میں ارسال خدمت کر رہا ہوں اس وقت عام فضا یہ ہے کہ باہمی مفاہمت کے لئے ہندو مسلم عوام تیار ہیں اور فارمولا یہ بنایا گیا ہے کہ مسلمان اعلان کر دیں کہ ہمیں آرتی پر کوئی اعتراض نہیں خواہ وہ کسی وقت بھی کی جائے اور ہندو اس کے بعد اپنی رواداری کا ثبوت دیکر اعلان کر دیں کہ ہم نماز کا احترام کرتے ہوئے آرتی کو مؤخر کر دیتے ہیں اور عملی پہلو سے یہ بہترین فیصلہ ہے اس کے بعد سرکاری فیصلہ خود بخود منسوخ ہو جاتا ہے بحالات موجودہ حکومت اپنے فیصلہ کے نفاذ اور تعمیل کرانے کی ذمہ دار ہے گو آپ نے مجھ سے اس میں اتفاق نہیں فرمایا کہ معینہ تیس منٹ کے بعد نماز پڑھنا جرم ہے لیکن ہندو تو تیس منٹ کے بعد آرتی شروع کر دے گا اگر کوئی مسلمان اوابین پڑھ رہا ہے اور تیس منٹ کا محدود وقت منقضی ہو چکا ہے تو آرتی اور نماز کا تصادم ہونا لازمی ہے یہ اور اسی قسم کے خطرات تو ذہنی ہیں مگر جہاں ایک طاقت محض لڑانے کے لئے بیٹھی ہو وہاں ہر وقت بد اعتمادی اور کشیدگی کی فضا باقی رہے گی۔

مذکورہ بالا فارمولا پر مسلم اور ہندو عوام متفق ہیں بلکہ ہندو تو عوام و خواص اس پر آمادہ ہیں مگر وہی تیسری طاقت مسلمانوں کو پھر کر اور لڑکے وہیں لے جارہی ہے اور انہیں مشتعل کر کے کہہ رہی ہے کہ موجودہ سرکاری فیصلے ہی میں تمہاری جیت اور کامیابی ہے ہمیں تیس منٹ یا اس سے کم و بیش پر ضد نہیں بلکہ ہم تو محض ہندو مسلم اعتماد اور باہم رواداری کی اسپرٹ کو پیدا کرنے کے لئے مسلمان کے سامنے یہ حقیقت لانا چاہتے ہیں کہ مذکورہ فیصلہ نتائج کے اعتبار سے ہی نہیں بلکہ یہ پابندی مذہباً بھی درست نہیں اس کو لڑانے والی طاقت کے جال سے نکالنا چاہتے ہیں میرا اپنا خیال تو یہ ہے کہ اگر مسلمان اس فارمولا کے پیش نظر کوئی باہم مفاہمت کر لیتے ہیں تو ادھر نماز سے یہ تعین وقت کی پابندی ٹوٹ جائے گی اور ممکن ہے کہ ہندو اپنی مرضی سے اس پابندی کو اپنے لئے زیادہ سخت کریں مسلمان کی اخلاقی فتح یہی ہے۔

مختصر یہ کہ جو فیصلہ تنقیح طلب ہے وہ ہندو مسلم فضا کو درست کرنے اور شر کی بنیاد کرانے کے لئے ہے نہ کہ ہندوؤں کی عداوت یا ضد کی وجہ سے چونکہ اس فیصلہ کی آڑ میں کئی مرتبہ ہندو مسلم عوام کو لڑایا جا چکا ہے اس لئے ہم حکومت وقت کے ہاتھ سے اس جزئی کو کھو دینا چاہتے ہیں اس میں صرف رائے عامہ کو بتانا مد نظر ہے مجھے امید ہے کہ میں اپنے نفس مدعا کو کافی واضح کر سکا ہوں گا۔ آنجناب کی تکلیف فرمائی کا شکریہ۔ بلا شبہ آپ کا بیش قیمت وقت لیا جا رہا ہے لیکن اگر یہ تصفیہ ہو گیا تو یہ بنی نوع انسان کی ایک بہت بڑی خدمت ہو گی۔ المستفتی نمبر ۲۶۲۰ وی کے صدیقی مالیر کوٹلہ اسٹیٹ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ م ۲۵ جون ۱۹۴۰ء

(جواب ۴۲۷) مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کی متعدد تحریروں سے میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ مالیر کوٹلہ میں ایک تیسری لڑانے والی طاقت نے ہندو مسلمانوں میں فساد کرانے کے

لئے اذان و آرتی کا جھگڑا پیدا کرایا اس جھگڑے کی صورت تو یہی ہوئی ہوگی کہ مغرب کی اذان و نماز کے ساتھ ساتھ ہندو آرتی کرتے ہوں گے مسلمان اس پر اعتراض کرتے ہوں گے کہ ہماری نماز میں آرتی کے شور و شغب سے نقصان آتا ہے اور ہندو اصرار کرتے ہوں گے کہ یہ آرتی ہماری عبادت ہے اور اس کا یہی وقت ہے لہذا ہمیں آزادی ہونی چاہئیے کہ ہم اپنے وقت پر اپنی عبادت بجالائیں اور آپس میں رواداری سے کوئی سمجھوتہ نہ ہوا اور تیسری طاقت کو فیصلہ دینے کا موقعہ ملا اس نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو پہلے بیس منٹ کا وقت دیا جائے کہ وہ اس میں اذان اور نماز ادا کرلیں اس کے بعد ہندو آرتی کریں۔

اس فیصلہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد ہندو فوراً آرتی نہیں کریں گے بیس منٹ کا وقت مسلمانوں کی اذان و نماز کے لئے فارغ رہے گا اس کے بعد ہندو آرتی کے لئے آزاد ہوں گے یعنی ہندوؤں پر یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ وہ بیس منٹ تک آرتی نہ کریں اگر وہ بیس منٹ کے اندر آرتی کریں گے تو مجرم ہوں گے اور قانون شکنی کے مرتکب ہو کر سزا کے مستحق ہوں گے۔

مگر اس فیصلہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیس منٹ کے بعد مسلمان نماز نہ پڑھ سکیں گے اور اگر پڑھیں گے تو مجرم قرار پائیں گے اور سزا کے مستحق ہوں گے اس فیصلے کے بعد بھی مسلمان آزاد ہیں کہ بیس منٹ کے بعد اذان کہیں نماز پڑھیں ان کے ذمہ کوئی قانونی جرم نہ ہوگا نہ کسی سزا کے مستحق ہوں گے البتہ بیس منٹ کے بعد کا وقت آرتی سے فارغ نہ ہوگا آرتی ہوتی رہے گی اور مسلمان فیصلہ مذکورہ کے تحت نماز اور آرتی کے تصادم کی شکایت کرنے کے مجاز نہ ہوں گے پس اس فیصلے سے درحقیقت مسلمانوں پر یعنی انکی اذان و نماز جماعت پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوئی یہ پابندی صرف آرتی سے فارغ وقت مقرر کرنے کے لئے ہے کہ آرتی سے فارغ وقت صرف بیس منٹ ملے گا البتہ ہندوؤں پر یہ پابندی ضرور ہو گئی کہ وہ بیس منٹ تک آرتی نہیں کر سکتے اگر کریں گے تو مجرم اور سزا کے مستحق قرار پائیں گے۔

پس ہندوؤں کے لئے یہ فیصلہ اس بنا پر کہ ان سے ایک معین وقت چھین لیا گیا اور اس میں ان کی عبادت کو جرم قرار دیا گیا وجہ ناراضگی اور موجب مخاصمت ہو سکتا ہے مسلمانوں کے لئے اگر اس میں ناراضگی کی کوئی صورت نکل سکتی ہے تو صرف یہ کہ وہ فارغ یعنی آرتی سے خالی وقت کی معینہ مقدار بیس منٹ کو اپنی اذان و جماعت نماز کے لئے ناکافی سمجھیں اس کے سوا اور کوئی وجہ ناراضگی اور مخاصمت کی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس فیصلے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیس منٹ کے بعد وہ اذان نہیں کہہ سکتے یا نماز نہیں پڑھ سکتے یا یہ چیزیں ان کے لئے قانونی جرم یا قانون شکنی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اس فیصلے کا چونکہ ہندوؤں پر ایک مخالفانہ اثر پڑا اور ان کی عبادت پر ایک ایسی پابندی عائد کردی گئی جس کی بنا پر ان کی عبادت آرتی بیس منٹ کے اندر ان کے لئے قانونی جرم بن گئی اس لئے وہ اس کو منسوخ کرانے کے لئے میدان میں نکل آئے اور اب انہوں نے تنسیخ فیصلہ کا آسان راستہ یہی دیکھا کہ باہمی سمجھوتہ کرکے اسے منسوخ کرائیں یہ صحیح ہے کہ باہمی سمجھوتہ سے بہتر اور کوئی سبیل اس قسم کے

جھگڑوں سے نجات نہیں ہو سکتی جیسا کہ میں نے اپنے دوسرے جواب میں لکھا تھا۔

لیکن باہمی سمجھوتے کے لئے فریقین کی طرف سے رواداری ضروری ہے یعنی اگر فرضاً ہندو غروب آفتاب کے بعد فوراً آرتی کرنے میں تو مسلمان اس سے اغماض کریں یہ نہ ہو کہ مسلمان لڑنے کے لئے آمادہ ہو جائیں اور اگر مسلمان معینہ وقت کے بعد اتفاق سے کبھی اذان و جماعت و نماز ادا کریں تو ہندو آرتی بند کر دیں اگر دونوں طرف ایک بڑے مقصد (یعنی اتفاق اور صلح سے زندگی بسر کرنے) کی خاطر اتنی رواداری پیدا ہو جاتی تو یہ جھگڑا تیسری طاقت کے سامنے جاتا ہی کیوں اور کیوں ایسا فیصلہ ہوتا جس کو ہندو آج اس سختی کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں۔

پس میری رائے یہ ہے کہ باہمی سمجھوتہ کا وہ فارمولا صحیح نہیں ہے جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس میں جھگڑے کا دروازہ بند نہیں ہوتا صرف مسلمانوں کے ہاتھ کٹ جاتے ہیں بلکہ فارمولا صحیح یہ ہے کہ دونوں قوموں کے زعماء یا ہندو سبھا اور مسلم جماعت کے ذمہ دار مل کر مشترکہ اعلان کریں آگے پیچھے نہ ہو مشترکہ اعلان کا مطلب یہ ہو کہ

"ہم دونوں فریق اس فیصلہ کی سختی اور اس کے برے نتائج کو محسوس کرتے ہیں جس کے ذریعہ سے تیس منٹ تک آرتی کو بند کر دیا اور قانونی جرم قرار دیا گیا ہے اور نماز جماعت کو تیس منٹ تک محدود کر دیا ہے اس لئے ہم دونوں فریق باہمی رضامندی سے باہمی فیصلہ کرتے ہیں جو ہماری باہمی رواداری اور حسن سلوک اور بھائی چارہ پر مبنی ہے کہ ہندوؤں کو آرتی کرنے اور مسلمانوں کو اذان و جماعت ادا کرنے کا مساوی حق ہے مگر چونکہ ایک وقت میں دونوں کے ساتھ ساتھ ہونے سے نماز میں خلل آتا ہے اس لئے ہم ہندو نماز کے احترام اور مسلمان بھائیوں سے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کی خاطر آرتی کو اذان و نماز سے مؤخر کرتے ہیں اور ہم مسلمان ہندو بھائیوں کے آرتی کے حق کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی رواداری کے شکر گزار ہیں تاخیر کا وقت معین کرنے کے لئے دونوں فریق کے تین تین ممبر مل کر بر موقع نزاع پر فیصلہ کر دیا کریں کہ غروب آفتاب سے تیس منٹ بعد آرتی شروع ہوا کرے یا کم و بیش۔ ہم فریقین کے اس باہمی فیصلے کے بعد سرکاری فیصلہ کالعدم ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔"

خط کشیدہ عبارت میں فیصلہ تحریر کیا جائے اور اس پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے دستخط ہوں تو یہ ٹھیک ہے ورنہ آپ نے جو فارمولا تحریر فرمایا ہے وہ صرف یہی نہیں کہ مفید نہیں بلکہ مضر ہو گا مجھے امید ہے کہ جناب اب اس معاملے کو اچھی طرح سمجھ جائیں گے اور آئندہ کارروائی بصیرت کے ساتھ کریں گے۔

ہندوؤں کی آرتی اور مسلمانوں کی نماز مغرب کے وقت کے تعین کے بارے میں ایک مشورہ

(سوال) شہر مالیر کوٹلہ میں عرصہ پانچ سال سے آرتی کتھا اور نماز کا ایک ناگوار تنازع چلا آرہا ہے اجمالاً اس کی کیفیت یہ ہے کہ مسجد بافندگان اور مندر چودھریان باہم متصل ہیں یہاں آرتی اور نماز مغرب میں تصادم پیدا ہو کر نزاع کی صورت اختیار کر گیا اور مسجد اوبا اس کے متعلق نماز عشا اور کتھا میں تصادم کی یہی صورت وقوع میں آگئی دربار ریاست نے وقتی طور پر ایک فیصلہ کے ذریعہ نماز مغرب کے وقت آرتی کو بیس منٹ مؤخر کر دیا اور نماز عشا کے وقت کتھا پر کوئی پابندی نہیں رکھی گئی گویا یہ فیصلہ بھی فریقین کے لئے ایک مستقل نزاع کا باعث بن گیا ہے

اب ہر دو اقوام باہمی رضامندی کے ساتھ مفاہمت کر رہی ہیں اور حسب ذیل فارمولا بنیاد مصالحت کے طور پر تحریر کیا گیا ہے جس میں مسلمانوں نے آرتی پر عائد کردہ قانونی پابندی رفع کرادی ہے اور ہندوؤں نے ازراہ رواداری نماز میں خلل نہ ڈالنے کا اطمینان دلا دیا ہے فارمولا مذکور استصواب رائے کے لئے ارسال خدمت ہے چونکہ اسی ہفتہ صلح کانفرنس ہو رہی ہے اور اس میں یہ مسودہ آخری بحث کے لئے پیش ہوگا براہ کرم بواپسی ڈاک اپنی رائے گرامی سے مطلع فرما کر مسلمانوں کی رہنمائی فرمائیں۔

”ہم اہل ہنود اور مسلمانان شہر مالیر کوٹلہ اس ناگوار نزاع کے تلخ اثرات کا خوبی احساس کرتے ہیں جو موتی بازار میں کتھا اور مندر چودھریان و مسجد بافندگان میں آرتی و نماز کے تصادم اوقات سے پیدا ہو گیا تھا اور جس پر دربار ریاست نے حکم　　ایک فیصلہ صادر فرمایا گیا لیکن یہ فیصلہ بھی فریقین کو مطمئن اور باہمی مناقشت کو رفع نہ کر سکا اندریں حالات ہم فریقین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہماری قومی و شہری زندگی کی آسائش کا تقاضا ہے کہ اس قسم کے حالات کا اعادہ نہ ہونے دیا جائے اور موجودہ جمود کو ختم کرنے کے لئے فریقین کی عبادات کے مساویانہ احترام کے پیش نظر آرتی اور نماز پر عائد کردہ پابندی رفع کردی جائے۔

بنا بریں ہم مسلمانان و اہل ہنود نے اپنے قدیم روابط اتحاد اور خوش اعتمادی کی روایات کو زندہ کرنے اور خوشگوار تعلقات کو بحال و برقرار رکھنے کی غرض سے باہمی رضامندی کے ساتھ یہ مفاہمت کرلی ہے کہ

”ہر دو اقوام کی باہمی رواداری اور فراخدلی کے پیش نظر ہم اہل اسلام اس پر رضامند ہیں کہ آرتی پر حکومت کی طرف سے عائد کردہ پابندی رفع کردی جائے اور ہم اہل ہنود آرتی و کتھا کی ادائیگی کا کوئی ایسا موقعہ نہ آنے دیں گے جس سے مسلمان بھائیوں کی عبادت شریفہ میں خلل پیدا ہونے کا احتمال ہو“

المستفتی نمبر ۲۶۵۳ بی سے صدیقی (مالیر کوٹلہ اسٹیٹ) ۵ شعبان ۱۳۵۹ھ م ۸ ستمبر ۱۹۴۰ء

(جواب ۴۲۸) جناب محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ میں نے باہمی مصالحت کا مسودہ دیکھا اس میں چند ضروری ترمیم کی ضرورت ہے اگر اس کے موافق ترمیم کردی جائے تو پھر میرے خیال میں اس پر مصالحت کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں تاہم احتیاطاً دوسرے اہل الرائے حضرات سے بھی مشورہ فرمالیں

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

"ستیارتھ پرکاش" نامی کتاب کا انسداد لازم ہے

(سوال) ڈاکٹر سید محمود صاحب ممبر ورکنگ کمیٹی آل انڈیا کانگریس کمیٹی جو مسلمان ہیں اور باوجود علمائے حق کے فتویٰ کے جو ستیارتھ پرکاش کے خلاف شائع ہو چکا ہے بیان دیتے ہیں کہ :

"حکومت سندھ نے ستیارتھ پرکاش پر پابندی لگا کر سخت غلطی کی ہے اور اس سے ہندو مسلم اتحاد میں رکاوٹ پڑے گی میں نے گاندھی جی سے ایک جلد ستیارتھ پرکاش کی حاصل کی اور میں چودھویں باب کا مطالعہ کر رہا ہوں میں نے اس سلسلے میں گاندھی جی سے بہت دیر تک بات چیت کی اور ان کو سندھ گورنمنٹ کے اس فعل سے بہت بڑا دکھ ہوا ہم پوری کوشش کر رہے ہیں کہ حکومت سندھ یہ حکم واپس لے لے"

منقول از اخبار تیج مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۴۴ء ص ۴

ڈاکٹر صاحب موصوف رسول کریم ﷺ کی توہین کے مقابلے میں ایک مشرک کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے اپنے ہم مذہبوں اور گورنمنٹ سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ ان تمام پابندیوں کو اس کتاب پر سے اٹھالے کیونکہ ایک مشرک کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے تو اس صورت میں ڈاکٹر محمود صاحب کا یہ فعل کس حد تک جائز ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۷۸۷

(جواب ۴۲۹) اول تو یہ بیان جو اخبارات میں ڈاکٹر سید محمود کی طرف منسوب کیا گیا ہے تصدیق طلب ہے کہ آیا یہ حرفاً حرفاً صحیح ہے یا کمی بیشی کے ساتھ شائع ہوا ہے - دوم اس میں تصریح ہے کہ انہوں نے ستیارتھ پرکاش دیکھنے سے پہلے بیان دیا ہے - سوم یہ بات بھی محقق نہیں کہ انہوں نے ستیارتھ پرکاش کے متعلق شائع شدہ فتویٰ دیکھا ہے یا نہیں ؟

لہذا ڈاکٹر سید محمود کی شخصیت اور ذات سے قطع نظر کرتے ہوئے ہمیں یہ بات ذہن نشین کرنی چاہئے کہ ستیارتھ پرکاش میں دوسرے مذاہب پر تنقید کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ دقیانوسیانہ غیر مہذب اور اشتعال انگیز ہے اور انسانیت و شرافت اور حفظ امن کی خاطر اس کی اشاعت کا انسداد لازم ہے چونکہ ہندوستان میں ہماری شامت اعمال اور بدقسمتی سے ایک غیر اسلامی حکومت مسلط ہے اس لئے توہین انبیاء علیہم السلام کے اسلامی قانون کا اجراء ہماری وسعت سے باہر ہے یہ یقینی ہے کہ یہ کیس ان کیسوں سے بدرجہا شدید ہے جن میں حکومت نے اپنے مفاد کے پیش نظر ملک معظم کی رعایا کے مختلف طبقات میں منافرت پھیلانے کی تعزیری دفعات کے ماتحت مقدمے چلائے ہیں -

اگر ڈاکٹر سید محمود صاحب یا اور کوئی مسلمان اس کتاب کو دیکھنے کے بعد بھی کتاب کی ضبطی یا انسداد اشاعت کے احکام کو غلط اور نامناسب قرار دیں تو یہ ان کی ذاتی رائے غلط ہوگی مسلمانوں کو علماء کے فتویٰ اور جمہور مسلمانان کے فیصلے کے موافق کام کرنا چاہئے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ہندوستان سے ہجرت واجب نہیں تاہم اگر کوئی ہندوؤں
کی دل آزاریوں کی وجہ سے اقدام کرے تو قابل منع ہے

(سوال) حکومت ہند جو ایک جمہوری حکومت ہونے کی دعویدار ہے قانوناً ہر مذہب کا احترام حکومت پر لازمی ہے لیکن آئے دن اکثریت کے افراد اسلام بانی اسلام اور قرآن پاک کے متعلق نہایت رکیک دل آزار اور شرمناک پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں مگر مسلمانوں کے احتجاج کے باوجود حکومت ان شر انگیز افراد کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتی چنانچہ ایک ہندو اخبار نے حال ہی میں آنحضرت ﷺ کی شان میں مندرجہ ذیل گستاخی کی (بعنوان ہم کچھ ریڈیو سے بول رہے ہیں) "عرب کی بندرگاہ عدن کے سماچار ہیں کہ نگرنواسیوں نے ایک کھجور کے درخت پر ایک گدھے کو نماز پڑھتے دیکھ کر لوگ حیرت میں پڑگئے اور ان کا خیال ہے کہ محمد دوبارہ دنیا میں گدھے کے روپ میں آئے ہیں"

فطرتاً اس تحریر کو پڑھ کر مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہوا اور انہوں نے حکومت اور ذمہ داران حکومت کو توجہ دلائی لیکن سوائے زبانی ہمدردی کے حکومت کوئی اقدام اس اخبار کے خلاف عملاً کرنے کو تیار نہیں ہے بلکہ کئی جگہ مسلمانوں کے جلسوں اور جلوسوں پر جو صرف اپنا اظہار ناراضگی کرنا چاہتے تھے لاٹھی چارج کیا گیا اور متعدد مسلمانوں کو گرفتار کرکے فوراً سزا دی گئی اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے اگر مسلمانان ہند کی کمزوری یا کسی دیگر شرعی وجوہ کی بنا پر جہاد کا حکم نہیں دیا جاسکتا تو کیا مسلمان کو ہجرت کرکے کسی ایسے ملک کو چلے جانا چاہئے جو نصرت کے لئے تیار ہو - المستفتی حاجی محمد یونس محمد ہارون اعجاز الدین وغیرہ اگست ۱۹۵۲ء

(جواب ۴۳۰) اخبار مذکور کا یہ مضمون مسلمانوں کے لئے انتہائی دل آزار ہے اور اس کے علاوہ بعض دوسرے مضامین بھی جو اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں دل آزار اور قابل نفرت ہیں مسلمان ہندوستان میں بحیثیت ایک اقلیت کے رہتے ہیں اور اکثریت کی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اقلیتوں کے مذہب اور مذہبی شعائر کا احترام کرے اور ان کے خلاف کسی بدباطن کو اس قسم کی تحریر یا تقریر کی اجازت نہ دے -

اگرچہ بہت سے نیک دل ہندوؤں نے بھی ان حرکات کو مذموم سمجھا اور ان کی مذمت کی تاہم یہ سلسلہ جاری ہے اور اس کی وجہ حکومت کی طرف سے اس کے انسداد میں کوتاہی ہے

بہر حال بعض بدباطن افراد کی اس قسم کی ناشائستہ حرکتوں سے مسلمانوں پر ہجرت فرض نہیں ہوتی وہ آئینی کارروائی کا مطالبہ کرتے رہیں اور حکومت کو اس خلاف قانون اور خلاف تہذیب اور خلاف انسانیت کارروائیوں کے خلاف قانونی کارروائی کرنے پر زور دیتے رہیں

بعض اخبارات سے معلوم ہوا کہ پتریکا کے اس مضمون پر اس سے مواخذہ کرنے کی حکومت نے تجویز منظور کرلی ہے اور اس پر مقدمہ قائم ہونے والا ہے اس لئے اس کا انتظار کرنا مناسب ہے اور کوئی مسلمان اگر خود ہو کر ہجرت کرجائے تو وہ قابل ستائش ہوگا - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال میں مذکور مظالم کے بعد ہجرت تو ایک ادنیٰ فعل ہے۔

(سوال) ریاست مالیر کوٹلہ ایک مسلمان فرماں روا کے ماتحت ہے فرمانروا کی طرف سے حکام ریاست ہر قوم اور مذہب کے مقرر ہیں عرصہ تین سال سے مسلمانان ریاست اہل ہنود اور حکومت کی طرف سے مظالم کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں جو واقعات ذیل سے ثابت ہیں یہ وہ واقعات ہیں جن کا ذکر اخباروں میں بھی آتا رہا ہے اور جن سے دنیا واقف ہے۔

(۱) ہندوؤں نے چند مسلمانوں کو شہید کیا مسلمان حکومت سے داد خواہ ہوئے لیکن ان کی دادرسی نہ کی گئی (۲) ایک ہندو کو کسی نے قتل کر دیا جس کی پاداش میں پانچ مسلمان گرفتار کئے گئے چند ماہ کی تکلیف کے بعد تین کو رہا کر دیا گیا اور دو کو پھانسی کی سزا اپیل پر سزا تبدیل کر کے حبس دوام کر دی گئی (۳) ایک ظالم ہندو نے ایک مسلمان کمسن بچی کو جب کہ وہ قرآن کریم لے کر پڑھنے جارہی تھی زبردستی پکڑ کر زنا بالجبر کیا اور بعد کو قتل کر کے اس کی لاش غائب کر دی مسلمانوں کے باربار احتجاج والی ریاست کی خدمت میں عرض داشت اور حکام کو توجہ دلانے کے باوجود مسلمانوں کی دادرسی نہ کی گئی اور نہ ظالم کو کیفر کردار تک پہنچایا گیا بلکہ مسلمانوں کو طفل تسلیاں دیتے ہوئے زائد از ایک سال کا عرصہ گزار دیا بالآخر خدائے قدوس کے منصف اور زبردست ہاتھ نے اس راز سربستہ کو آشکارا کیا یعنی ہندو کے گھر کی وہ دیوار جس کے ساتھ مظلومہ بچی کو مع قرآن کریم دفن کیا گیا تھا گر گئی اس کی تعمیر کے لئے ہندو نے معمار لگایا جس نے بنیاد کھودی اور دیوار کی بنیاد کو (جو پہلے ٹیڑھی تھی) درست کرنے کے لئے بنیاد سیدھی کی تو اس جگہ لڑکی کی لاش برآمد ہوئی جس کے سینے پر قرآن کریم رکھا ہوا تھا قرآن کریم پر لڑکی کا نام اور اس کے اندر لڑکی کے نام کی عیدیاں موجود تھیں حکام کو متوجہ کیا گیا لیکن پھر بھی ظالم کو سزا نہ دی گئی بلکہ اس کو فرار ہونے کا موقع دیدیا اور مظلومہ بچی کا خون بغیر بدلہ ہوئے رہ گیا (۴) ایک مسلمان بچے کو ایک ظالم ہندو نے اینٹوں سے کچل کچل کر شہید کر دیا مسلمانوں کی فریاد کے باوجود ظالم کو سزا نہ دی گئی بلکہ ظالم کو روپوش ہونے دیا گیا (۵) احتجاجی جلسے و جلوس کے وقت دو مسلمان عورتوں پر ہندوؤں نے اس قدر خشت باری کی کہ ایک شہید اور ایک کا حمل ساقط ہو گیا لیکن حکومت کی طرف سے باوجود توجہ دلانے کے ظالموں کو سزا نہیں دی گئی (۶) ایک مسلمان موچی کے بچے کی لاش ایک تالاب سے برآمد ہوئی جس کے قریب ہندو سادھو رہتا ہے ڈاکٹری معائنہ سے ثابت ہوا کہ گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے لیکن حکومت نے کوئی خاص تحقیقات نہ کی بلکہ مظلوم بچے کے ورثاء سے (مجبور کر کے) تحریر حاصل کر لی کہ ہمارا کوئی استغاثہ نہیں ہے۔ (۷) ہندوؤں نے دو مسجدوں کے قریب نماز مغرب و عشاء کے وقت شرارت سے گھنٹہ آرتی شروع کر دی مسلمانوں نے احتجاج کیا حکومت کو توجہ دلائی لیکن مسلمانوں کی کوئی شنوائی نہ ہوئی بلکہ اہل ہنود کی آرتی اور گھنٹہ پولیس اور فوج کی مدد سے کرائی گئی اور مسلمانوں کو مسجدوں میں نماز سے روک دیا حتیٰ کہ پچیس روز تک مسجدیں مقفل رہیں (۸) عید میلاد النبی ﷺ کے جلسے میں چند غنڈے شراب پی کر آئے اور فواحشات بکنے لگے (جن کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ

بعض حکام کے اشارے سے آئے تھے) ان کو روکا تو وہ آمادہ فساد ہوئے صبح کو ان کے خلاف استغاثہ دائر کیا گیا مگر مسلمانوں کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ بلکہ ان شریروں سے مسلمانوں پر مقدمہ دائر کرا کے مسلمانوں کی دھڑا دھڑ گرفتاریاں جاری کر دیں (۹) مسجد میں اجتماع تھا کہ پولیس انسپکٹر نے مع دیگر کانسٹبلوں کے جوتیوں سمیت مسجد میں داخل ہو کر لیڈروں کو گرفتار کیا اور مسجد کی بے حرمتی کی کچھ لیڈروں اور لیڈروں کو ان کے گھروں سے گرفتار کیا غرض چالیس پچاس گرفتاریاں عمل میں آئیں (۱۰) چند مسلمان بچے شارع عام پر نعرہ توحید لگا رہے تھے انگریز سپرنٹنڈ پولیس نے ان کو گلے سے پکڑ پکڑ کر دھکے دیئے اور مارا ایک مسلمان نوجوان نے عرض کیا کہ خدا کے واسطے معصوم بچوں پر ظلم نہ کرو اس پر اس مسلمان کو لاٹھیوں سے اس قدر مارا کہ بے ہوش ہو گیا اور کہا کہ بلاؤ اپنے خدا کو جس کے نعرے لگاتے ہو کہ آ کر مجھ سے چھڑا لے اور مسلمان بچوں کو گرفتار کر لیا گیا (۱۱) راستے میں متعدد جگہ مسلمان مردوں عورتوں بچوں پر بلا تخصیص لاٹھی چارج کیا گیا (۱۲) کوتوالی کے سامنے مسلمان گرفتار شدگان کو شارع عام پر مادر زاد ننگا کھڑا کیا اور ان کے ہاتھ باندھ دیئے ساتھ ہی ایک عورت کو بھی جو گرفتار کی گئی تھی اور ننگا مادر زاد کر کے ان کے پاس کھڑا کیا عورت نے شرم سے ہاتھ شرمگاہ پر رکھے تو اس کی ٹانگوں اور ہاتھوں پر بے دردی سے لاٹھیاں ماری گئیں سوا گھنٹے اسی طرح مظلوم مسلمانوں کو کھڑا رکھا گیا کسی کو پینے کا پانی تک نہ دیا گیا دھوپ سخت تھی پانی مانگنے پر کہا گیا کہ یہاں میری خدائی ہے اپنے خدا سے مانگو شام کو بارش ہوئی اس وقت بھی ان کو اسی طرح کھڑا رکھا گیا اگر کوئی بیٹھنا چاہتا تھا تو اس کو ضربات پہنچائی جاتی تھیں (۱۳) گرفتار شدگان کو قبلہ رو ہو کر نماز نہ پڑھنے دی بلکہ مجبور کیا کہ جس حالت میں جس طرف منہ کئے ہوئے ناپاک اور غلیظ جگہ کھڑے ہو اسی طرح نماز پڑھو (۱۴) گرفتار شدگان کو انگریز سپرنٹنڈنٹ نے مجبور کیا کہ تم کو اور ہمارے ماتحتوں کو سجدہ کرو تعمیل نہ کرنے پر سخت ضربات پہنچائیں اور زبردستی سر پکڑ کر رگڑوائے جس سے ناکیں اور ماتھے تک چھل گئے (۱۵) گرفتار شدگان کے سجدہ کرنے سے انکار پر سزا دی جاتی تھی اور کہا جاتا تھا کہ بلاؤ اپنے خدا کو کہ تم کو آ کر میرے عذاب سے چھڑائے آج میں خدا ہوں (۱۶) بلاؤ اپنے کملی والے کو جس کو کملی والا کملی والا کہہ کر پکارتے ہو (۱۷) سپرنٹنڈ کے کملی والے کی نسبت نمبر ۱۶ کے جواب میں پولیس والے کا کہنا کہ پیش کرنے کے قابل نہیں ہے۔ (نعوذ باللہ)

ان مظالم کے ہوتے ہوئے جب کہ والی ریاست نے بھی تدارک نہیں کیا مسلمان اپنی جان و مال و عزت و آبرو خواتین کی عصمتیں مساجد اللہ کی حرمتیں خدائے دو جہاں کی توحید حضور آقائے دو جہاں کی ذات والا صفات و ذات الہی کی عظمت ہر ایک چیز کو خطرے میں دیکھتے ہوئے سخت مشتعل ہو کر جہاد کا مطالبہ کرنے پر جس کی اجازت نہ ملی ہو ایسی ریاست سے جہاں اس قسم کے ظلم و ستم مسلمانوں پر توڑے جا رہے ہوں مسلمانوں کا ہجرت کرنا از روئے شرع شریف کیسا ہے؟ یعنی فرض یا واجب ہے کہ نہیں؟

المستفتی خاکسار بشیر احمد مولوی حسن محمد مولوی رشید احمد (منقول از پوسٹر شائع کردہ سکریٹری انجمن

مہاجرین مالیر کوٹلہ مطبوعہ احمدیہ پریس جالندھر شہر)

(جواب ۴۳۱) اگر یہ واقعات جو نمبر ۱ سے نمبر ۷ تک مفصل و شرح بیان کئے گئے ہیں تحقیق ہیں تو ان میں کوئی متنفس جس میں ذرہ بھر بھی انسانیت اور اسلامیت کا احساس موجود ہو اپنے ہوش و حواس اور توازن دماغی و قوت فہم نہیں رکھ سکتا ان میں سے بعض واقعات ایسے ہولناک ہیں کہ ان کے پیش آنے پر اپنی جان دیدینے اور جو کچھ اس وقت دماغ میں یا دل میں آجائے کر گزرنے پر بے اختیار اور مجبور ہو جاتا ہے ہجرت کرنے نہ کرنے کا یا ہجرت کے جائز یا فرض ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جن مسلمانوں نے ان واقعات پر صبر کیا اور صرف ہجرت کر گئے یہ ان کے انتہائی تحمل اور قوت برداشت کا نتیجہ تھا ورنہ ایسے ہولناک واقعات پر بے قابو اور از خود رفتہ ہو کر جو کچھ کر گزرتے وہ تعجب خیز نہ ہوتا اور اس بیکسی اور انتہائی مظلومیت کی حالت میں ان کا یہ اضطراری فعل موجب معذوری تھا آج بیسویں صدی میں اور اس تہذیب و تمدن کی روشنی میں بھی ایسے زہرہ گداز مظالم ہو رہے ہیں اور وہ بھی ایک مسلمان والی ریاست کی مسلم رعایا پر کہ خدا کی پناہ! مسلمانوں کی اسلامی غیرت اور مذہبی حمیت ایسے مواقع پر جانیں قربان کرنے پر مجبور کرتی ہے ہجرت کر جانا تو ایک ادنیٰ سے ادنیٰ فعل تھا جو انہوں نے کیا جان عزت عصمت مذہب کی بربادی خدا اور رسول اور دین کی توہین و تذلیل کے بعد بھی وہ مظلوم ہجرت نہ کرتے تو اس سے زیادہ وہ حرف بے غیرتی اور بے حمیتی بلکہ مذہبی موت کا اور کونسا موقع ہو سکتا تھا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

الجواب صحیح محمد علی مدرس مدرسہ خیر المدارس جالندھر محمد رسول عثمانی عفی عنہ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند۔ مسعود احمد عفی عنہ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔ ابو نصر محمد حبیب اللہ عفا عنہ صدر مدرس مدرسہ حیات العلوم تلون ضلع جالندھر۔ خیر محمد عفی عنہ مہتمم مدرسہ خیر المدارس جالندھر۔

فصل نہم

سلطان حجاز و نجد

سلطان ابن سعود اور ان کے صاحبزادوں کی تعریف کرنے والا امام

(سوال) امام زکریا مسجد مکی شیخ احمد یوسف نے بعد نماز جمعہ حجازی شہزادوں کے سامنے ان کی حکومت اور خود ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم امام احمد بن حنبل کے مقلد ہیں اس وقت میں ہمیں اپنے فروعی اختلافات کو ختم کر کے متحد ہو جانا چاہئیے اس کے بعد آپ نے آیت کریمہ قل یا اھل الکتاب الخ کی تلاوت کی علماء کرام اور مفتیان عظام سے گزارش ہے کہ :

(۱) کیا حکومت نجد کی سلطان ابن سعود اور اس کے شہزادوں کی تعریف کرنا اور ان کی تعظیم کرنا نیز فروعی اختلافات ختم کر کے متحد ہونے کی نصیحت کرنا گناہ ہے؟

(۲) اگر گناہ ہے تو امام مذکور شرعاً امامت کے اہل ہیں یا نہیں؟ نیز امام مذکور اپنی غلطی کا احساس کر کے توبہ کریں تو کیا توبہ کا اعلان ضروری ہے؟

(۳) اگر گناہ نہیں تو پھر جو لوگ اس فعل کو گناہ سے تعبیر کرتے ہیں اور امام مذکور پر کفر کا فتویٰ جاری کرتے ہیں ان کی شرعی کیا حیثیت ہے؟ **المستفتی** نمبر ۲۶۴۰ سیٹھ غلام حسین صاحب بمبئی نمبر ۳-۲۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ م ۳۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۴۳۲) (۱) سلطان ابن سعود اور ان کے صاحبزادوں یا ان کی حکومت کی واقعی خوبیوں کی تعریف کرنا -(۲) یا ان کی (شرعی حدود کے اندر) تعظیم و تکریم کرنا اور احترام کرنا (۳) یا فروعی اختلافات کو نظر انداز کر کے متحد ہو جانے کی نصیحت کرنا ان باتوں میں سے کوئی بات گناہ نہیں بلکہ حجاز مقدس میں امن کا قیام ابن سعود اور ان کی حکومت کا ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر شرفاء مکہ کی حکومت کے طویل زمانے میں نہیں ملتی۔ اس کی تعریف نہ کرنا کتمان حق اور ناشکری ہے اسی طرح سلطان ابن سعود اور ان کے صاحبزادوں کا شریعت کے احکام نماز روزہ وغیرہ کا پابند ہونا جماعت میں شریک ہونا محاکم شرعیہ کا قیام ایسی خوبیاں ہیں جن سے اکثر سلاطین و امراء اس زمانے میں خالی ہیں ان خوبیوں کا اعتراف کرنا اظہار حق ہے جو شرعاً ممنوع نہیں

اگر سلطان ابن سعود اور ان کے صاحبزادوں یا ان کی حکومت میں بعض کوتاہیاں بھی ہوں تو یہ انصاف کی بات نہیں ہے کہ بعض کوتاہیوں کی وجہ سے ان کی قابل قدر خوبیاں بھی کالعدم کر دی جائیں۔

(۲) امام مذکور کا کوئی گناہ ہی ثابت نہیں ہوا۔

(۳) جن لوگوں نے امام کو گناہ گار اور مجرم قرار دیا ہے اور یہ پوسٹر شائع کئے ہیں جو اس استفتا کے ساتھ ہم رشتہ ہیں انہوں نے سخت ظلم کیا ہے بلاوجہ شرعی نجدیوں اور امام کو کافر ٹھیرا کر **فقد باء به احدهما** کی وعید میں داخل ہوئے مسلمانوں کی تکفیر بڑا خطرناک اقدام ہے کافر کی تکریم بھی اگر بوجہ کفر نہ ہو تو وہ بھی موجب کفر نہیں چہ جائیکہ یہاں تکریم احترام ضعیف کے طور پر ہے تعجب ہے کہ یہ مفتی ان لوگوں پر کبھی کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے جو انگریزیا ہندو ڈپٹی کلکٹر ڈپٹی کمشنر کی اس سے زیادہ تعریف و تکریم کرتے ہیں جتنی امام نے سلطان ابن سعود کے شہزادوں کی کی۔ الغرض یہ پوسٹر اور تکفیر کا حکم قطعاً غلط اور ظلم عظیم ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

(۱) ولی عہد ابن سعود کا خیر مقدم کرنا

(۲) ولی عہد ابن سعود کا خیر مقدم کرنے والے خطیب پر اسی وجہ سے کفر کا فتویٰ لگانا ظلم اور بڑا گناہ ہے

(۳) غیر عالم کو فتویٰ دینے کا کوئی حق نہیں.

(سوال) ایک عالم باعمل صحیح العقائد اہل سنت والجماعۃ (مدینہ منورہ کے رہنے والے) جنکو سالہا سال سے

سب مسلمان پکا سنی جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں اور وہ ایک مسجد میں امام و خطیب ہیں وہی محمد امین بخوا سے آنے پر جب وہ اس مسجد میں آیا اور اس نے خطیب صاحب کے پیچھے نماز پڑھی تو نماز دعا اور فاتحہ (رسم بمبئی کے مطابق) پڑھنے کے بعد کھڑے ہو کر انہوں نے عام رواج کے ماتحت خیر مقدم کے طور پر چند اشعار پڑھے اگرچہ وہ اردو زبان سے بخوبی واقف نہیں تاہم ٹوٹی پھوٹی اردو میں باہمی اتحاد و اتفاق پر کچھ تقریر کی خطیب صاحب کا بیان ہے کہ میں نے رائی و رعیت کے تعلقات مد نظر رکھ کر یہ خیر مقدم کیا ورنہ میرے معتقدات سے اس کا کوئی تعلق نہیں اسی لئے میں نے ان کے مذہب کے متعلق اپنی طرف سے کوئی اظہار خیال نہیں کیا اس واقعہ کے بہت دن بعد انجمن تبلیغ صداقت کی طرف سے ایک طویل اشتہار شائع ہوا جس میں خطیب صاحب کے متعلق یہ ظاہر کیا گیا کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا اور ان سے سلام و کلام کرنا شرعاً قطعاً حرام ہے (اس انجمن میں کوئی عالم یا مفتی شریک و شامل نہیں ہے) سوال یہ ہے کہ کیا (۱) خیر مقدم کی یہ رسم ادا کرنے سے خطیب صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا اور سلام و کلام کرنا نصوص شرعیہ سے حرام ہے؟

(۲) ایک مقامی عالم یا مفتی خطیب صاحب کے خلاف کفر کا فتویٰ لکھنے کو بھی مستعد اور آمادہ ہیں تو کیا خطیب صاحب کا یہ خیر مقدم نصوص شرعیہ کے مطابق انکو کافر بنا سکتا ہے خطیب صاحب کی عربی اور اردو عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے اس کو ملاحظہ فرما کر بیان کیا جائے کہ خطیب صاحب کے کون سے کلمات ایسے ہیں جن پر کفر کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے اور اگر کفر کا فتویٰ لکھا جائے تو ایسا فتویٰ لکھنے والے کے لئے کیا حکم ہے؟

(خطیب صاحب کی تقریر)

اما بالعربية فلا اطول على سموا لا مير واخوانه فقد اختصر بثلاث كلمات فاقول:

اى التحيات تتلى عندنا لكم　　وسورة الفتح تتلى عند كم سحرا

يا طالع السعد كم للحب من عجب　　ادنى النفوس وادنى للسهى نظرا

ان قلت يوما هلموا للوغى سحرا　　ناتى فرادى و ناتى للعلا زمرا

بھائیو! عزیزو! باعث مسرت ہے کہ الحمد للہ کہ ہمارے امیر ہماری نماز میں شریک ہیں دیگر باعث خوشی یہ ہے کہ اس حکومت کے جھنڈے پر لا اله الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه لکھا ہوا ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم حنبلی المذہب ہیں امام احمد بن حنبل بھی ایک بڑا امام ہے میری یہ عرض ہے بھائیوں سے کہ کوئی بات کا خیال نہیں کرنا چاہئے اختلافات فروعات میں یا اور چیز میں آج کل نہیں کرنا چاہئے اتحاد و اتفاق کا مسلک اختیار کرے قل یا هل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا و بينكم اسی کلمہ کے ماتحت لا اله الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه کے ماتحت آنا چاہئے۔

(۳) کیا کسی غیر متشرع اور غیر متقی جماعت کو ایک عالم اور متقی کے خلاف ایسا فتویٰ دینے کا حق ہے جس میں نماز پڑھنے اور سلام و کلام کرنے سے روکا جائے اور کیا یہ اتہام بالدین اور علماء کی توہین نہیں ہے کہ غیر عالم

مناسب شرعی کے نام سے اعلان عام کرے اور علماء کی کوئی پرواہ نہ کرے حالانکہ اس مقام پر بکثرت علماء اہل سنت والجماعت موجود ہیں۔المستفتی نمبر ۲۶۴۱ وزیر احمد خجندی لال باغ بمبئی نمبر ۱۲، ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ م یکم اگست ۱۹۴۰ء

(جواب ۴۳۳) (۱) خیر مقدم کا یہ عمل جو خطیب صاحب نے کیا اور جو عبارت انہوں نے عربی اور اردو میں ادا کی اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس پر خطیب صاحب کے ساتھ سلام و کلام حرام ہونے کا حکم دیا جائے مہمان کی تکریم واحترام شریعت میں منع نہیں بلکہ اکرام ضعیف مندوب الیہ و مستحسن ہے۔ من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ جائزۃ الحدیث (رواہ ترمذی) یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ مہمان کی اس کے حق ضیافت بہتر خاطر مدارات کرے

(۲) خطیب صاحب کے اوپر کفر کا حکم لگانا سخت گناہ اور ظلم عظیم ہے ان کی تقریر منقولہ فی السوال میں تو کوئی لفظ ایسا نہیں جس پر تکفیر کی جاسکتی ہو شریعت مقدسہ اور فقہ حنفی کا حکم یہ ہے کہ کسی مسلمان کے کلام میں اگر ۹۹ وجوہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو اس کے کلام کو اس وجہ پر محمول کیا جائے جو اسلام کی ہو اور ہرگز تکفیر نہ کی جائے۔

واعلم انہ لا یفتی یکفر مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن او کان فی کفرہ خلاف ولو کان ذلک روایۃ ضعیفۃ کما حررہ فی البحر و عزاہ فی الاشباہ الی الصغری و فی الدرر وغیرھا اذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجب الکفر وواحد یمنعہ فعلی المفتی المیل لما یمنعہ

(در مختار علی حاشیہ رد المختار جلد ۳ باب المرتد ص ۳۱۴)

یعنی جب تک کسی مسلمان کے کلام کو کسی اچھے محمل پر حمل کرنا ممکن ہو یا اس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو ہرگز کفر کا فتویٰ نہ دیا جائے خواہ یہ اختلاف کسی ضعیف روایت پر ہی مبنی ہو جیسا کہ بحر میں اس کو صاف کردیا ہے اور اشباہ میں اس مضمون کی نسبت صغریٰ کی طرف ہے اور درر وغیرہ میں ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں بہت سی وجوہ موجب کفر ہوں اور صرف ایک وجہ کفر سے بچانے والی ہو تو مفتی کو اسی ایک وجہ مانع کفر کی طرف جھکنا (یعنی تکفیر سے باز رہنا) لازم ہے اور صورت مسئلہ میں تو خطیب صاحب کے کلام میں کفر کی ایک وجہ بھی نہیں ہے نہ ان کے عمل میں تکفیر کی کوئی وجہ پائی گئی ایسی حالت میں انکے اوپر کفر کا حکم لگانے والے اس حدیث شریف کے ماتحت ملزم ہیں جو مشکوٰۃ میں بخاری شریف سے منقول ہے وہ یہ ہے لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک ۔ یعنی جب کوئی شخص کسی کو فاسق ہے یا کافر ہے اور جس شخص کو کہا ہے وہ ایسا نہ ہو تو یہ کلمہ خود کہنے والے پر لوٹ آتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

(۳) کسی غیر عالم کو فتویٰ دینے کا کوئی حق نہیں اگر ایسا شخص جو علم دین سے واقف نہ ہو شرعی احکام اٹکل سے بتائے اور فتوے دے یہ مجازفت اور ممازحت فی الشرع ہے اور موجب تعزیر ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل دہم
متفرقات

دین و سیاست لازم ملزوم ہیں

(سوال) (۱) کیا مسلمانوں کا مذہب ان کی سیاست سے علیحدہ نہیں (۲) کیا مذہب اسلام مسلمانوں کی زندگی کے ہر ایک پہلو پر حاوی نہیں ہے - المستفتی نمبر ۲۱۹۶ محمد حنیف گندہ نالہ (دہلی) ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۳۴) انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام دین اور سیاست دونوں کے حامل ہوتے ہیں اور خود بھی سیاسی امور میں شریک اور عامل رہتے ہیں اسلام اس معاملہ میں خصوصی امتیاز رکھتا ہے اس کی ابتدائی منزل ہی سیاست سے شروع ہوتی ہے اور اس کی تعلیم مسلمانوں کی دینی اور سیاسی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی اور کفیل ہے

قرآن پاک میں جنگ و صلح کے قوانین و احکام موجود ہیں کتب احادیث و فقہ میں عبادات و معاملات کے پہلو بہ پہلو ملکی سیاست کے مستقل ابواب موجود ہیں دین کے ماہر شرعی سیاست کے بھی ماہر ہوتے ہیں - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مسلم لیگ کا صدر.
(۲) مشرقی کی تحریک خاکسار کے ہم عقیدہ لوگ خارج از اسلام ہیں

(سوال) (۱) مسٹر محمد علی جناح و قائد اعظم و قائد ملت لکھنا یا کہنا یا سمجھنا جائز ہے یا نہیں ؟
(۲) عنایت اللہ مشرقی کو اور خاکسار ان کو جو اس کی قائم کردہ پارٹی کے لوگ ہیں اہل سنت والجماعت مسلمان سمجھنا چاہئے یا نہیں - المستفتی نمبر ۲۵۲۸ نسیم احمد سکریٹری (مظفر نگر) ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ م ۷ اگست ۱۹۳۹ء

(جواب ۴۳۵) مسٹر محمد علی جناح مسلم لیگ کے صدر ہیں اور مسلم لیگ سیاسی جماعت ہے اگر مسلم لیگ کی سیاسی پالیسی صحیح ہو جائے تو اس کی صدارت کوئی شخص بھی ہو کر سکتا ہے مگر مشرقی کی تحریک مذہبی تحریک کے نام سے ہے اور ان کا اصول یہ ہے کہ امیر اور ادارہ علیہ کے ہر حکم کی اطاعت ہر خاکسار پر فرض ہے اور یہ کہ حقیقی اسلام وہی ہے جو مشرقی نے پیش کیا ہے اور مولویوں کا پیش کیا ہوا اسلام غلط ہے -

حالانکہ مشرقی صاحب نے جو اسلام تذکرہ میں ذکر کیا ہے وہ الحاد زندقہ ہے ڈاروِن تھیوری کے وہ قائل ہیں او اہل یورپ کو حقیقی مسلمان اور زمین کی بادشاہت کا مستحق اور صحیح وارث قرار دیتے ہیں ان کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم دیتے ہیں سنن نبویہ کا استہزا کرتے ہیں اس لئے مشرقی اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو خارج از اسلام اور ان کی جماعت کے ایسے لوگ جو مشرقی کے عقائد کے قائل نہ ہوں حلف بالا طاعۃ کی وجہ سے غلط کار اور علی خطر الارتداد سمجھنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) جیل میں اگر جابر حکام اذان کی اجازت نہ دیں تو ؟
(۲) جیل میں اگر پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم کرے
(۳) جیل میں اگر باجماعت نماز کی اجازت نہ ملے تو ؟
(۴) بھوک ہڑ تال کب تک جائز ہے ؟

(سوال) (۱) جیل میں اگر اذان سے روک دیا جائے تو پھر کیا کرنا چاہئے ؟ (۲) جیل میں اگر پانی نہ ملے یا جیل والے عمداً پانی نہ لینے دیں تو نماز کی ادائیگی کے لئے کیا کرنا چاہئے ؟ (۳) جیل میں اگر وہ باجماعت نماز نہ پڑھنے دیں تو کیا صورت ہوگی ؟ (۴) مقاطعہ جوعی بطور احتجاج بر خلاف بد سلوکی کے کیا جائے تو کیا حکم ہے ؟
المستفتی دفتر مجلس خلاف پنجاب (لاہور)

(جواب ٤٣٦) (۱) اذان دینے کی کوشش کرنی چاہئے اور جب کہ کسی طرح جابر حکام اجازت نہ دیں تو بغیر اذان نماز پڑھ لی جائے (۲) جیل میں اگر جابر حکام وضو کے لئے پانی نہ دیں اور کسی طرح پانی دستیاب نہ ہو یا اس کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمم سے نماز پڑھ لیں (۳) جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت کے لئے کوشش کی جائے اور اگر کسی طرح بھی اجازت نہ ملے تو فرداً فرداً نماز پڑھ لی جائے (۴) مقاطعہ جوعی اس حد تک کہ ہلاکت کا گمان غالب نہ ہو جائے جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

(۱) مسلمانوں کو مذہبی تعلیم سے روکنے کا مجاز غیر مسلم ریاست نہیں
(۲) جو مدرس ریاست کے اس حکم کو تسلیم کرے اسکی امامت جائز نہیں
(۳) مسلمانوں کو مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی قسم کی اجازت ضروری نہیں.
(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۲ء)

(سوال) (۱) کسی غیر مسلم سلطنت یا ریاست میں قرآن مجید اور مذہبی تعلیم دینے والوں کے مچلکے لئے جاویں کہ بلا اجازت سرکار وہ ہرگز تعلیم قرآن و تعلیم مذہبی نہ دیں اگر دیں گے تو مچلکے ضبط کر لئے جائیں گے ایسی حالت میں وہ ریاست دار الامن ہے یا دار الحرب ؟ اور ہاں نماز جمعہ ہو سکتی ہے یا نہیں (۲) کوئی معلم حکومت

سے خائف ہو کر یا مرعوب ہو کر تعلیم قرآن مجید دینے سے انکار کرے اور حکومت سے اقرار کرے کہ وہ آئندہ تعلیم قرآن و مذہب نہیں دے گا تو وہ شخص قابل امامت ہے یا نہیں (۳) جس سلطنت یا ریاست میں آزادی کے ساتھ تعلیم کلام مجید و دینیات جاری ہو اور اب حکم دیا جائے کہ تعلیم اجازت لیکر دی جائے تو وہاں کے مسلمانوں کو اجازت حاصل کرنا چاہئے یا کیا؟

(جواب ۴۳۷) (۱) تعلیم قرآن مجید و دینیات پر کوئی بندش برداشت نہیں کی جاسکتی غیر مسلم حکومت کو یہ مجاز نہیں کہ مسلمانوں کو مذہبی تعلیم سے روک سکے نماز جمعہ تو وہاں جائز ہے لیکن اس حکم کی تعمیل میں قرآن مجید اور دینیات کی تعلیم کو بند کردینا جائز نہیں۔

(۲) جو مدرس اس حکم کو تسلیم کرے اور اس کے خلاف اظہار ناراضگی نہ کرے وہ بھی مسلمانوں کی امامت اور قیادت کا اہل نہیں

(۳) اجازت مانگنا ادائے فرائض کے لئے بے اصول چیز ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کل کو نماز کے لئے بھی اجازت طلب کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

ستیارتھ پرکاش نامی کتاب بہتان طرازی تمسخر اور استہزا کا معجون مرکب ہے۔

(سوال) جناب کے ملاحظہ کے واسطے ایک کتاب "ستیارتھ پرکاش" ارسال ہے کیا اس کتاب کا چودھواں باب مسلمانوں کے مذہب پر بدترین حملہ نہیں ہے کیا اس سے مسلمانوں کی دل آزاری نہیں ہوتی ؟ کیا اس کے خلاف آواز اٹھانا مسلمانوں پر فرض نہیں ہے ؟ المستفتی سیٹھ احمد میمن ۱۵ دسمبر ۱۹۴۴ء

(جواب ۴۳۸) ستیارتھ پرکاش میں دوسرے مذاہب کے خلاف جو تنقید کی گئی ہے وہ علمی حدود سے قطعا باہر ہے وہ تو بازاری پھکڑ بازی بہتان طرازی تمسخر و استہزا تبدیل و تحریف کا معجون مرکب ہے وہ دل آزار و اشتعال انگیز ہونے میں محتاج کسی دلیل و ثبوت کی نہیں ہے اس کو ممنوع الاشاعت قرار دینے کے لئے جس قدر جدوجہد کی جائے حق بجانب ہے جو مسلمان اور دوسرے مذاہب والے اس میں سعی کریں گے وہ انسانیت تہذیب و شرافت کی خدمت کریں گے اور مذہبی حیثیت سے مسلمان انبیاء علیہم السلام کی توقیر و تکریم کی حفاظت کا اجر و ثواب پائیں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ الجواب صحیح محمد مظہر اللہ غفر لہ

مولوی عبدالکریم سورلی کے ایک طویل خط کے اقتباسات و تلخیص
اور حضرت مفتی اعظم کا جواب
(الجمعیۃ سہ روزہ مورخہ یکم نومبر ۱۹۳۳ء)

حضرت مخدوم محترم مجاہد الاسلام فخر ملت علامہ مفتی محمد کفایت صاحب دام فیضہم ۔ سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ حضور والا اور مولانا حافظ احمد سعید صاحب کے مضامین میں نے پڑھے جو اخبار

تیج دہلی مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں پنڈت دیانند سرسوتی کے متعلق شائع ہوئے ہیں ان مضامین میں ایک حرف بھی ایسا نہیں ہے جس سے کسی قسم کی مداہنت کی بو آتی ہو مگر بعض بندگان اغراض نے خصوصاً لاہور کے اخبار انقلاب نے ان مضامین کو اپنی اغراض مشئومہ کا آلہ کار بنالیا ہے آپ کے مضامین اس عام اصول صحافت پر لکھے گئے ہیں جس کے ماتحت مسلم اخبارات ورسائل کے خاص نمبروں میں غیر مسلم حضرات کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں جن میں وہ باہمی رواداری اور صلح وآشتی کی فضا پیدا کرنے کے لئے مسلم پیشواؤں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں آپ حضرات کے مضامین میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ پنڈت دیانند نے جو کچھ کیا ہندو دھرم کے لئے کیا اگر انقلاب کے ایڈیٹر کو آپ کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی بنا پر آپ سے بغض نہ ہوتا تو سب سے زیادہ وہی داد دیتا کیونکہ پنڈت دیانند کے متعلق اس سے زیادہ سلجھے ہوئے اور بہتر مضامین لکھنا محال ہے لہذا میری مخلصانہ گزارش ہے کہ میرے مندرجہ ذیل سوال کا جواب عنایت فرمائیں تاکہ میں اس کو عوام کے اطمینان کے لئے شائع کردوں۔

ستیارتھ پرکاش کا طرز بیان قابل مذمت ہے

(سوال) پنڈت دیانند سرسوتی نے ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب میں خدا تعالیٰ اور حضور خاتم المرسلین ﷺ اور قرآن مجید کے بارے میں جو دل آزار حملے کئے ہیں ان کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے ؟
بندہ عبدالکریم از سورت

برادر ! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ - آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا میرے بعض کرم فرما عرصہ سے میرے اور مولانا احمد سعید صاحب اور جمعیتہ علما کے خلاف ہر قسم کی زہر چکانی کررہے ہیں وہ مسلمانوں کو ہم سے بدظن کرنے کے لئے افترا اور بہتان طرازی سے بھی نہیں چوکتے میں ان تمام باتوں کو دیکھتا اور صبر کرکے معاملے کو خدا کے حوالے کردیتا ہوں آپ کے سوال کا جواب دینے میں مجھے تامل نہیں مگر کیا آپ یہ امید کررہے ہیں کہ اس جواب کی اشاعت سے ان کرم فرماؤں کے قلم ہمارے خلاف سرگرمی دکھانے سے رک جائیں گے میرا خیال یہ ہے کہ یہ حضرات جو کچھ ہمارے خلاف لکھتے ہیں وہ ان کے بھی ضمیر کے خلاف ہوتا ہے مگر وہ اپنے مشن (جمعیتہ کی مخالفت) کی تکمیل پر مجبور ہیں اور ان حالات میں ان سے قلم روکنے کی توقع نہیں کی جاسکتی ہاں جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ بعض مسلمان ان کی اشتعال انگیز اور جوشیلی تحریروں سے غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں ممکن ہے کہ ان کے لئے ہمارا جواب مفید ہو اس بنا پر آپ کے سوال کا جواب ارسال کررہا ہوں۔

(جواب ۴۳۹) ستیارتھ پرکاش میں خدائے برتر جل شانہ اور خاتم المرسلین رحمتہ للعالمین ﷺ اور قرآن مجید کے بارے میں جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ یقیناً سلامت روی اور رواداری کے خلاف اور سخت دلآزار اور اشتعال انگیز ہیں یہ طرز تحریر اور فحاشی نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام انصاف پسند انسانوں کے نزدیک

قابل مذمت ہے اسی قسم کے لٹریچر سے مختلف مذاہب کے درمیان آتش جنگ وفساد مشتعل ہوتی ہے اور اسی فحاشی کی بناپر ستیارتھ پرکاش کے مصنف سے مسلمان اور دوسرے اہل مذاہب ناراض ہیں مگر اس نجاست کی پوٹ کو جو تقریباً ساٹھ ستر برس سے ستیارتھ پرکاش کے حلقہ اشاعت میں محدود تھی بلاضرورت کرید کرا پنے ہاتھوں سے اچھالنااور اپنے اخباروں میں چھاپ کر ہزاروں کی تعداد میں شائع کرنااور ہزارہا مسلمانوں کی نظر وزبان کو اس گندگی سے ملوث کرنا نہ دانشمندی ہے نہ مذہبی خدمت - حق تعالیٰ مسلمانوں کو دینی بصیرت عطافرمائے اور موقع و محل کی شناخت نصیب کرے - آمین - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دوسرا باب
غیر مسلموں کے ساتھ معاملات

ماتھے پر چندن یا قشقہ لگانا

(سوال) جب کہ ایک جلوس متفقہ ہندو مسلمان کا گزر رہا تھا اور جس میں دونوں شریک تھے محض ہندو صاحب نے اہل جلوس کے ماتھے پر چندن لگایا جن کے ماتھے پر چندن لگایا گیا تھا ان میں بعض مسلمان بھی تھے آیا بحالت مندرجہ بالا وہ مسلمان جن کے ماتھے پر چندن لگا وہ کفر کے مرتکب ہوئے اور کیا ان کی عورتیں ان کے نکاح سے خارج ہو گئیں ؟

(جواب ٤٤٠) انسان کو کسی حالت میں خواہ وہ طبعی ہو یا اخلاقی یا قانونی یا مذہبی حد اعتدال سے تجاوز نہ کرنا چاہئیے اتفاق بہت اچھی چیز ہے اور اس کے ثمرات یقیناً خوشگوار ہیں لیکن اپنی وضع اپنی اخلاقی اسپرٹ اپنے قومی شعار اپنے مذہبی وقار کو تباہ کرنا اور اسے اتفاق سمجھنا حد اعتدال سے تجاوز ہے ماتھے پر قشقہ اور چندن لگانا اہل ہنود کا خاص قومی اور مذہبی شعار ہے اہل اسلام پر اس سے احتراز لازم تھا افراط و تفریط ہمیشہ مذموم ہے باقی جن مسلمانوں پر چندن ہندوؤں نے لگادیا ان کی تکفیر اور ارتداد اور انفساخ نکاح کا حکم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کی رضامندی یا شعار کفر پر خوش ہونے کا علم نہیں تاہم انہیں توبہ کرلینی چاہئیے اور آئندہ ایسے افعال سے احتراز کرنا چاہئیے -

ہندوؤں کے ساتھ معاملات کا حکم

(سوال) اہل ہنود کی مسلمہ کتب مذہبیہ سے یہ ثابت ہے کہ اشیائے خوردنی مثلاً مٹھائی - شربت - پانی وغیرہ ملیچھ (مسلمان) کے پرچھاویں سے اہل ہنود کے نزدیک ناپاک اور نجس ہو جاتی ہیں اس پرچھاویں سے محفوظ رکھنے اور ناپاک چیز کو پاک کرنے کے لئے ان اشیاپر گو موتر یعنی گائے کے پیشاب کے چھینٹے ڈالے جاتے ہیں پرچھاویں سے محفوظ رکھنے اور ناپاک کو پاک کرنے کے لئے اہل ہنود کے ہاں سوائے گائے موتر کے کوئی دوسری چیز نہیں ہے اگر کوئی ہندو کسی مسلمان کے گھر کا پکا ہوا کھانا کھالے تو وہ شخص اس وقت تک کبھی مشدہ

یعنی پاک نہیں ہو سکتا جب تک پنج گویعنی گائے کی پانچ چیزیں ملا کر نہ پی لے یعنی گوبر' پیشاب' گھی' دودھ' دہی' مشاہدہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ صبح کو جب اہل ہنود دکانیں کھولتے ہیں یا خوانچہ والے اشیائے خوردنی فروخت کرنے کے لئے لیکر گھر سے نکلتے ہیں یا برہمن پیاؤ پر پانی پلانے کے لئے بیٹھتا ہے تو لازمی ہوتا ہے کہ پہلے ہر چیز پر اور پانی کے منکوں میں گو موتر کے چھینٹے ڈال دے تاکہ ملیچھ کا پرچھاواں پڑ کر ناپاک نہ ہو جائے اس شکل میں ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا ان کی دکانوں سے مٹھائی وغیرہ خریدنا یا ان کے پیاؤ سے پانی پینا مسلمانوں کے لئے حرام ہے یا نہیں ؟

(جواب ٤٤١) اسلام ایک مستحکم اصول رکھنے والا دین ہے اس کے مسائل منصوصہ صاف اور روشن ہیں اس میں کسی کی خاطر یا کسی کی ضد سے حکم میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی اسلام کا صاف و صریح مسئلہ ہے کہ انسان کا بدن جب کہ اس پر کوئی نجاست نہ لگی ہوئی ہو وہ پاک ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر مرد ہو یا عورت - جنبی ہو یا حائضہ - اس کے ہاتھ کا چھوا ہوا پانی یا منہ کا جھوٹا پاک ہے پس عیسائی' یہودی' مجوسی ہندو اور تمام غیر مسلم افراد کا اس بارے میں ایک ہی حکم ہے اور ان میں سے کسی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا یا چھوئی ہوئی کوئی چیز ناپاک نہیں بشرطیکہ کسی نجاست کی آمیزش نہ ہونے کا ظن غالب ہو اور جب کہ نجاست کی آمیزش کا گمان غالب ہو تو وہ شے بوجہ آمیزش نجاست کے ناپاک سمجھی جائے گی نہ اس وجہ سے کہ وہ کسی خاص غیر مسلم کے ہاتھ کی چھوئی ہوئی ہے بلکہ اس حکم میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں ہے اگر مسلمان کی کسی چیز میں بھی آمیزش نجاست کا ظن غالب ہو جائے تو اس کی ناپاکی کا حکم دیا جائے گا ممکن ہے کہ ہندوؤں کا مذہبی حکم وہی ہو جو سوال میں بیان کیا گیا ہے لیکن کتنے ہندو اپنے مذہبی حکم پر عمل کرتے ہیں یہ بات محل نظر ہے اور بالخصوص بازار میں بیچنے والے جن سے مسلمان اور ہر مذہب کے لوگ چیزیں خریدتے ہیں وہ ایسا کرتے ہوں اس میں اور بھی زیادہ تامل ہے پس جب تک کہ یہ بات یقینی یا مظنون بظن غالب نہ ہو جائے اس وقت تک ناپاکی کا حکم دینا درست نہیں ہاں مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کا جو برتاؤ ہے کہ دور سے ان کے ہاتھ میں سودا ڈال دیتے ہیں اور ان کا ہاتھ تر اور کچی ہوئی چیزوں کو لگ جائے تو انہیں ناپاک سمجھتے ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان بھی اپنی قومی غیرت سے کام لیں اور اپنی خودداری کو محفوظ رکھنے اور اپنے نفس کو ایک ذلیل برتاؤ سے بچانے کے لئے ان کی دکان پر نہ جائیں اور اپنی قوم کو فائدہ پہنچانے کے ارادہ سے مسلمان ہی سے خریدیں اور ہر قسم کی تجارت میں گھس جائیں ورنہ علاوہ بے غیرتی اور ذلت کے قومی ہلاکت کے گڑھے میں جا پڑیں گے اور پھر کوئی چارہ کار نہ ہوگا - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مہورت اور مورتیوں کا جلوس

(سوال) کسولی میں ایک سناتن دھرمی ہندو صاحب مندر بنوا رہے ہیں جس کی تکمیل ابھی نہیں ہوئی مگر مہورت کے لحاظ سے مندر کے افتتاح کا دن اور ساعت ۱۰ ذی الحجہ مطابق ۱۲ جون ۱۹۲۷ء پڑ گئی اور ان کو

مجبوراً اس روز مورتیوں کا جلوس بازار میں سے گزار کر مندر میں پوجا کا کام شروع کر دینا تھا تاکہ مہورت کے مطابق رسم افتتاح ادا ہو جائے اگر اس روز رسم افتتاح نہ ہوتی تو پھر مہورت دو سال بعد پڑتا تھا حکام نے ان کو کہا کہ بقرہ عید کے بعد وہ کوئی تاریخ مقرر کریں مگر مہورت کی ساعت کی وجہ سے وہ مجبور تھے چنانچہ ہندو صاحب نے چند مسلمانوں کو اپنے مکان پر بلایا اور استدعا کی کہ آپ لوگ میری درخواست پر دستخط کر دیں کہ چونکہ یہاں ہندو مسلمانوں کے تعلقات خوشگوار ہیں فساد کا اندیشہ نہیں ہے ہمیں جلوس کے نکالے جانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے مسلمانوں نے اسلامی رواداری کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندو صاحب کی استدعا قبول کی اور دستخط کر دیئے اور اس امر کو ثابت کر دیا کہ اسلام ایک صلح کل مذہب ہے۔

جن مسلمانوں نے جلوس نکالنے پر اعتراض نہ کرتے ہوئے درخواست پر دستخط کئے تھے ان میں معززین اہل اسلام۔ متولی مسجد - صدر انجمن اسلامیہ -وائس پریزیڈنٹ انجمن اسلامیہ - سکریٹری انجمن اسلامیہ وغیرہ شامل تھے عید ۱۱ جون کی تھی مندر کا جلوس ۱۲ جون کی شام کو نکلنے والا تھا ایک شخص نے جو دستخط کرنے والوں میں سے نہ تھا مسلمانوں میں غلط فہمی پھیلانی شروع کر دی اور ایک دو دستخط کرنے والوں کو بھی ساتھ ملا لیا اور بجائے سب دستخط کرنے والوں کے ساتھ تبادلہ خیالات کرکے کوئی سمجھوتہ کرنے کے ایک علیحدہ فریق بنا کر حکام کو تاریں دیکر جلوس کے نکلنے میں مزاحمت کی حکام نے کافی انتظام کرنے کے بعد جلوس کی اجازت دے دی اور جلوس ۱۲ جون کی شام کو دو گھنٹے کے لئے سرکاری سڑک پر سے گزرا اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا دستخط کرنے والے مسلمانوں میں سے کوئی شخص جلوس میں شامل نہیں ہوا تاہم ان مسلمانوں کو عامۃ الناس میں مطعون کیا جاتا ہے انہیں مشرک اور گناہ گار کہا جاتا ہے کوئی کہتا ہے کہ یہ مسلمان آریہ ہو گئے کوئی ان سے مقاطعہ کرنے کے لئے فتویٰ منگوا رہا ہے کیا واقعی یہ مسلمان گردن زدنی ہیں؟ کیا ان دستخط کرنے والوں کا یہ صلح جویانہ فعل قابل اعتراض ہے؟ جو لوگ ان مسلمانوں کو مطعون کر رہے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

(جواب ۴۴۲) مہورت اور مورتیوں کا جلوس یہ سب مشرکانہ افعال و خیالات ہیں مسلمانوں کو کسی ایسے معاملے میں جس سے اسلام کی عزت پر دھبہ نہ آتا ہو سمجھوتہ کرنے یا دستخط کرنے کا اختیار ہے عام اس سے کہ مہورت ہوتی یا نہ ہوتی وہ باہمی صلح و آشتی کے طریقے اسلام اور مسلمانوں کی عزت بر قرار رکھتے ہوئے اختیار کر سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ دہلی

کسی غیر مسلم کی درازی عمر کی دعا مانگنا

(سوال) مسٹر گاندھی ۲۱ روز کا برت رکھتے ہیں تاکہ ہندو مسلم اتحاد ہو ان کے برت کے بخیر و خوبی اختتام پذیر ہونے پر ہندو تمام ہندوستان میں اظہار مسرت کے جلسے منعقد کرتے ہیں جس میں مسٹر گاندھی کی صحت و سلامتی اور درازی عمر کی دعائیں مانگی جاتی ہیں مسلمان شرکت سے محترز رہتے ہیں مگر کسولی کی واحد

مسجد کے پیش امام صاحب اس جلسے میں شریک ہوتے ہیں اس کی صدارت فرماتے ہیں اور جلسے کے مقاصد کی تکمیل فرماتے ہیں کیا امام صاحب کا یہ فعل کفر و شرک کی حمایت نہیں ہے ؟

(جواب ٤٤٣) کسی غیر مسلم کی درازی عمر کے لئے دعا مانگنا اس نیت سے کہ شاید خدا تعالیٰ اس کو ہدایت فرمادے اور وہ آئندہ عمر میں نور اسلام سے منور و مستنیر ہو جائے جائز ہے پس جلسہ مذکور کی شرکت و صدارت کے لئے ایک جائز محمل ہو سکتا ہے اور لوگوں کو زیبا نہیں کہ وہ اس بنا پر امام صاحب کو محل طعن و تشنیع بنائیں۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

اسلام کی توہین آمیز کلمات سے احتراز لازم ہے۔

(سوال) زید پر کیدو مطلق بے قید نے اپنی تقریر میں جو مسلم ہندو اتحاد پر کی تھی یہ الفاظ کہے کہ میں نے اپنی ذات سے ارادہ کر لیا ہے کہ میں کسی ہندو بھائی سے نہیں لڑوں گا چاہے وہ میری بزرگ ماں تک کو بے حرمت کرے میری بیٹی اور بہو کو بے حرمت کرے میرے قرآن شریف کو پھاڑ ڈالے میری مسجد کو شہید کر دے یہ میں نے اپنی والدہ سے مشورہ کرنے کے بعد ان کی عین اجازت کے بعد ارادہ کر لیا ہے۔ اب دریافت طلب یہ چار امر ہیں۔

(۱) زید نے جو قرآن عظیم کے لئے یہ بے ادبی کے الفاظ کہے اور لکھے ہیں اور قرآن عظیم کی توہین کو گوارا رکھا یہ کفر ہے یا نہیں ؟ (۲) اور زید کافر و مرتد ہوا یا نہیں ؟ (۳) کافر و مرتد کا کیا حکم ہے ؟ (۴) جو شخص زید کو باوجود ایسے کلمے بکنے کے مؤمن جانے وہ مومن رہا یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(جواب ٤٤٤) اول تو ان الفاظ کی تحقیق ضروری ہے کہ آیا یہی الفاظ ہیں جو سوال میں نقل کئے گئے ہیں یا نہیں ؟ دوم یہ بھی لحاظ رکھنا چاہئیے کہ ہندو مسلم اتحاد سے مقصود سیاسی اور معاشرتی اور اقتصادی اتحاد ہے نہ کہ مذہبی۔ کیونکہ مذہبی اتحاد ہندو اور مسلم میں ناممکن ہے سوم یہ بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئیے کہ حامیان اتحاد مسلمانوں کا مقصد اور مطمح نظر کیا ہے جہاں تک میرا خیال ہے ان کا مقصد مسلمانوں کی قلیل التعداد اور مالی و تعلیمی لحاظ سے کمزور قومیت کو نقصان سے بچانا اور ترقی کے لئے مواقع بہم پہنچانا اور ہندوستان کی ہندو مسلم متفق قوت سے ایک اجنبی جابر عیسائی طاقت کی چیرہ دستی کا مقابلہ کرنا اور مقامات مقدسہ اسلامیہ کے وقار و احترام کو قائم رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا ہے۔ چہارم یہ ضروری ہے کہ مسلمان کو ایسے الفاظ کا استعمال کرنا تحت مذموم ہے جن کے مفہوم ظاہر سے توہین شعائر اسلام کا شبہ بھی پیدا ہوتا ہو یا پیدا ہو سکے پنجم کسی مسلمان قائل کے کلام کو حتی الامکان ایسے معنوں پر محمول نہ کرنا چاہئیے جو موجب کفر ہوں بلکہ اگر کوئی صحیح معنی ہو سکتے ہوں تو ان پر حمل کرنا واجب ہے کیونکہ۔ **الاسلام یعلو ولا یعلی**۔

تمہید امور پنجگانہ کے بعد سوال کا جواب یہ ہے کہ کلام مذکور (اگر نقل صحیح ہے) اپنے ظاہر مفہوم کے لحاظ سے تحت مذموم ہے کیونکہ اس سے شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ قائل اپنی ماں بیٹی بہن کی بے حرمتی اور قرآن

مجید اور مساجد اللہ کی توہین گوارا کررہا ہے مگر قائل پر کفر کا حکم کردینا نہیں چاہئے کیونکہ توہین اور بے حرمتی کا مقصود نہ ہونا تو ظاہر ہے اور کلام کا بے حرمتی اور توہین گوارا کرنے پر دلالت کرنے کے لئے متعین ہونا لازم نہیں کیونکہ ماں بہن کی بے حرمتی کرنا قرآن شریف کو پھاڑنا مسجد کو شہید کرنا بطور اپنے فعل کے اس نے ذکر نہیں کیا بلکہ یہ افعال تو ہندو کے ذکر کئے کہ اگر ہندو یہ کام کرے اپنا جو فعل ذکر کیا ہے وہ نہ لڑنا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ جب کہ ماں بہن کا بے عزت ہونا اور قرآن پاک کا پھاڑا جانا اور مساجد کا شہید کیا جانا مشاہدہ کیا جائے اور پھر بھی قائل نہ لڑنے کا تہیہ ظاہر کرے تو اس تہیہ کا منشا کیا ہے ؟ آیا وہ ان افعال کو کچھ وقعت نہیں دیتا اور ماں بہن کی بے عزتی اور قرآن پاک و مساجد کی توہین کی اسے کچھ پرواہ نہیں یا یہ وہ تو ان باتوں کو سخت سے سخت جرائم سمجھتا ہے مگر نہ لڑنے کا تہیہ اس لئے ہے کہ مرتکب جرائم سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا یا نہ رکھنے کا اس کو خیال غالب ہے یا وہ دیکھ رہا ہے کہ ایک دوسرا قوی دشمن بجائے ایک شخص کی ماں بہن کے سینکڑوں فرزندان توحید کی ماں بہنوں کی بے عزتی کررہا ہے بجائے ایک قرآن مجید کے سینکڑوں قرآن پاک پھاڑ رہا اور جلا رہا ہے اور بجائے ایک مسجد کے سینکڑوں ہزاروں مسجدیں منہدم کررہا ہے بلکہ افضل المساجد حرم محترم کعبہ مکرمہ کی توہین کا مقصد رکھتا ہے اور اسے یہ خیال ہوا کہ اگر میں نے اس چھوٹی سی مصیبت پر صبر کرکے اس بڑے دشمن کی مدافعت کرلی تو کرسکوں گا اور نہ صرف اپنے کو یا ایک قرآن پاک کو یا ایک مسجد کو بلکہ ہزاروں عفت مآب خواتین کو اور سینکڑوں ہزاروں قرآن مجیدوں کو اور ہزاروں مسجدوں کو بچانے کی صورت کو ترجیح دیکر بحکم اذا ابتلی ببلیتین فلیختر اھو نھما اس نے لڑنے کا ارادہ ترک کردیا یہ تین احتمال ہیں جو نہ لڑنے کا تہیہ کرنے کی وجہ ہوسکتے ہیں اگر پہلا احتمال لیا جائے جب تو شبہ نہیں کہ قائل پر بے غیرتی بے حمیت ملحد ہونے کا حکم ہوگا اور اگر دوسرا احتمال لیا جائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ استطاعت شرعیہ لڑنے کے لئے شرط ہے اور ان جیسے امور پر مسلمانان ہند کا نہ صرف ارادہ بلکہ عملی نہ لڑنا واقعات سے ہویدا ہے بیسیوں مسجدیں ریلوے لائنوں سڑکوں سرکاری عمارتوں میں آگئیں اور منہدم کی گئیں اور آتی رہتی ہیں بہت سے واقعات قرآن مجید کی توہین کے پیش آئے اور مسلمان مجبوری اور کمزوری کی وجہ سے خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہورہے اور اگر تیسرا احتمال لیا جائے جب بھی قائل پر کوئی الزام توہین کا نہیں آتا کیونکہ شر عظیم کے دفعیہ کے لئے شر صغیر کو نظر انداز کردینا مذموم نہیں۔

احتمالات ثلثہ کے احکام شرعیہ یہ تھے اور جب کہ کلام مذکور کے دو محمل ایسے ہیں جن میں تکفیر نہیں ہوسکتی اور ایک محمل ایسا ہے جو موجب کفر ہے تو مفتی کا فرض ہے کہ وہ قائل کی تکفیر نہ کرے اور مسلمانوں پر بھی فرض ہے کہ وہ قائل کو کافر و مرتد نہ سمجھیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ قائل کا یہ کلام یا اسی قسم کا کوئی اور کلام قابل اعتراض بھی نہیں یہ کلام قابل اعتراض ضرور ہے اور اس سے توہین کا شبہ پیدا ہوسکتا ہے اس لئے ایسے کلمات و اقوال سے احتراز لازم ہے واللہ ولی التوفیق۔ کتبہ العاجز المفتقر الی

مولاہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ و کفاہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ۸ صفر ۱۳۴۳ھ

ہندوؤں کی ارتی کی رسم کو قانونی طریق سے روکنے کی کوشش کرنی چاہئیے

(سوال) آگرہ میں چند ہفتوں سے ہنود نے یہ مشغلہ نکالا ہے کہ جب نماز مغرب کی اذان ہوتی ہے تو بہت سے لوگ جمع ہو کر ناقوس و گھنٹہ اور بے کارے مسجد کے قریب ایسے زور و شور سے لگاتے اور بجاتے اور چلاتے ہیں کہ مسلمانوں کو نماز پڑھنا دشوار ہو جاتا ہے اور سوائے شور کے کچھ آواز نہیں آتی امام کو بھی اپنی آواز نہیں سنائی دیتی تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ یا مسجدوں میں نماز نہ پڑھی جائے؟ المستفتی نمبر ۳۸۸ فضل احمد (آگرہ) ۷ جمادی الاولی ۱۳۵۳ھ م ۱۹ اگست ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۴۵) نماز مسجدوں میں ضرور پڑھنی چاہئیے اور ہندوؤں کے اس فعل کو آئینی طریقے سے روکنے کی کوشش کی جائے مسلمان اپنی طرف سے جھگڑے کی ابتداء نہ کریں اور اپنے اسلامی فریضے کی ادائیگی اور معاملے کو آشتی سے سلجھانے کی کوشش کرتے رہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

مسلمان مسجد میں نماز ہرگز نہ چھوڑیں

(سوال) مثل بالا

(جواب ۴۴۶) (۳۹۰) ہنود کا یہ فعل کہ مسلمانوں کی نماز کے وقت مسجد کے قریب بلکہ اس کے دروازے پر اس قدر شور و شغب کریں کہ اپنی نماز ادا نہ کر سکیں اخلاقاً اور قانوناً اور معاشرۃً ہر طرح جرم ہے اور مسلمانوں کو اپنی نماز کی صحت و درستی اور عبادت کی سلامتی کے لئے اس حرکت کی مدافعت قانونی اور باہمی مفاہمت سے کرنی لازم ہے مساجد کو بند کر دینا جائز نہیں اور نہ اس سے کوئی معتدبہ فائدہ ہو سکتا ہے اگر مسجد کی نماز شور و شغب کی وجہ سے صحیح طور پر ادا نہ ہو سکے تو گھر میں جا کر نماز اعادہ کر لیں مگر مسجد نہ چھوڑیں اس حالت میں مسلمان مظلوم ہیں اور مظلوم کو مدافعت کا حق قانوناً و شرعاً و اخلاقاً حاصل ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۴۷) (۳۹۱) ایسی نماز یقیناً خراب ہوگی اور مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس کا اطمینان کی جگہ اعادہ کر لیا کریں مگر اس فتنہ کی وجہ سے مساجد میں نماز کی ترک نہ کریں مسجد میں باقاعدہ اذان و نماز جماعت قائم رکھیں۔

ہندوؤں کی اشتعال انگیزی سے صبر و سکون با تحمل سے نہ دیں اور تمام ممکن تدابیر اور آئینی ذرائع سے اس فتنہ کو رفع کرنے کی کوشش کرتے رہیں اپنی طرف سے جھگڑے کی ابتداء نہ کریں ہندوؤں کے ظالمانہ رویہ کی مدافعت میں مسلمان معذور ہوں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (۲۰ جمادی الاولی ۱۳۵۳ھ م یکم ستمبر ۱۹۳۴ء)

ہندوؤں کا مسلمانوں کی نماز میں شور و شغب کی وجہ سے خلل ڈالنا

(سوال) مشرکین عین نماز کے وقت شرارۃً گھنٹہ باجا ناقوس اور تھالی وغیرہ بجاتے ہیں ان کی عورتیں گاتی بجاتی ہیں اور بڑے زور سے جے کارے وغیرہ لگاتے ہیں جس سے ہماری نماز کا جو اصلی راز خشوع و خضوع ہے وہ جاتا رہتا ہے ایسی صورت میں ہماری نماز ہوگی یا نہیں ؟ بر تقدیر ثانی موجودہ حکومت سے استغاثہ غیر مفید ثابت ہو جائے تو مسلمانوں کو اس کے انسداد میں کیا کرنا چاہئے اور اس کی روک تھام میں اگر کوئی مسلمان مارا جائے گا تو وہ شہید ہو گا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۳۹۳ نذر محمد (آگرہ) ۲۳ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ م ۴ ستمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۴۸) ہندوؤں کا یہ فعل سخت مذموم اور اشتعال انگیزی اور بنیاد فساد ہے مسلمانوں کو آئینی طریقوں سے کام لینا چاہئے اور باہمی سمجھوتے سے اس فتنے کو رفع کرنے کی کوشش کریں اپنی طرف سے امن شکنی کی کوئی کارروائی نہ کریں باوجود اس کے اگر ہندو فساد کی ابتدا کر کے ان پر مظالم توڑیں تو پھر مظلوم ہونے کا نہیں مدافعت کا حق ہے اور اس میں وہ معذور ہے اور اگر کسی ظالم کی خوں آشامی کا شکار ہو کر مارا جائے تو یقیناً شہید ہو گا مگر یہ بات پوری طرح ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ خود اپنی طرف سے جھگڑا کھڑا نہ کیا جائے مسجدوں میں اذان و نماز ترک نہ کی جائے اگر اثنائے نماز میں ہندوؤں کے باجوں اور شور و شغب کی وجہ سے نماز خراب ہو جائے تو گھروں پر جا کر نماز کا اعادہ کر لیں لیکن مسجدوں کو ہرگز بند نہ کریں۔ محمد کفایت اللہ

تبلیغ کی خاطر غیر مسلم سے حسن سلوک ضروری ہے

(سوال) تبلیغ اسلام و تالیف قلوب کی نیت سے ہر مسلمان کو غیر مسلم پست اقوام کے ساتھ رواداری خیر طلبی اور جاذبانہ حسن سلوک کا کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۷۱۶ محمد زکریا صاحب ناظم جمعیۃ تبلیغ اسلام بمبئی ۲۵ شوال ۱۳۵۴ھ م ۲۱ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۴۹) نہایت مناسب بلکہ ضروری اور موجب اجر ہے کیونکہ حسن سلوک بھی ایک طرح سے فریضہ تبلیغ کی ادائیگی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بلا ضرورت غیر مسلم یہود و نصاریٰ سے تعلقات قائم رکھنا درست نہیں

(سوال) موجودہ یہود اور نصاریٰ کے ساتھ میل جول پیدا کرنا اور ان کے پاس خود جا کر بیٹھنا اور ساتھ مل کر کھانا کھانا اور دیگر مسلمانوں کو ترغیب دینا کہ ان کے ساتھ کھانا کھانا اور محبت کرنا جائز ہے اور ان کی صحبت کے اثر سے اسلام پر اعتراض کرنا کہ اسلام بزور تلوار پھیلا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۵۳۸ حکیم عبدالمجید صاحب (ضلع لائل پور) ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۶ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۵۰) یہود و نصاریٰ اہل کتاب تو ضرور ہیں مگر بلا ضرورت ان سے میل جول رکھنا اور ان کے

ساتھ کھانے پینے کے تعلقات قائم کرنا درست نہیں کہ اس سے دین کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے اتفاقاً کہیں ساتھ کھانے کا اتفاق ہو جائے تو مضائقہ نہیں اسلام پر یہ اعتراض کہ بزور شمشیر پھیلا ہے جہالت پر مبنی ہے اسلام اپنی تعلیمات کی صداقت اور نورانیت سے پھیلا ہے اور آج کل بھی کہ مسلمانوں کی تلوار کام نہیں کر رہی ہے پھیل رہا ہے۔　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سیدنا نہرو کہنا.

(سوال) ایک شخص مسلمان ہے اور کانگریسی خیال کا ہے اس نے پنڈت جواہر لال نہرو کو سیدنا کہا اس کا چرچا مسلمانوں میں ہوا کہ فلاں شخص جواہر لعل نہرو کو سیدنا کہتا ہے تو اس سے چند آدمیوں یعنی مسلمانوں نے جمع ہو کر دریافت کیا اس نے کہا کہ ہاں اور اگر پہلے نہیں کہا تو میں اب کہتا ہوں لہذا دریافت ہے کہ کسی مسلمان کا کسی غیر مسلم کو سیدنا کہنا جائز ہے؟ اور ایسا کہنے والے کے متعلق شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۱۶۸۵ سیٹھ احمد میمن (دہلی) ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۱ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۵۱) لفظ سیدنا کے معنی ہیں ہمارا سردار اور سردار دینی حیثیت کا ہو یا دنیاوی کا لغت عرب یعنی عربی زبان کی جہت سے اس پر سیدنا کا لفظ بولا جا سکتا ہے جیسے کہ صاحب نفحۃ الیمن نے اپنے یورپین پرنسپل عیسائی کے لئے لغوی معنی کے لحاظ سے لفظ علامہ شیخ ملجاء اہل الفضل اور لفظ غوث کا اطلاق کر دیا ہے پس اسی طرح اگر کسی مسلمان نے کسی غیر مسلم کو کسی دنیوی سرداری کے لحاظ سے سیدنا کہہ دیا تو لغت کے اور زبان عرب کے لحاظ سے کوئی غلطی نہیں ہے مگر چونکہ مسلمانوں میں لفظ سیدنا کا استعمال دینی سرداروں اور بزرگوں کے لئے معروف ہو گیا ہے اس لئے اس لفظ کو غیر مسلم کے لئے استعمال کرنے سے بچنا چاہئے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ہندوؤں کی ہاتھ کی روٹی کھانا مباح ہے.

(سوال) ہندوؤں کی روٹی کھانا اور ہندوؤں کی چیزیں مٹھائیاں وغیرہ کھانا کیسا ہے اور ہندوؤں سے دوستی وغیرہ رکھنا کیسا ہے میں اسکول میں نائب مدرس ہوں اسکول کا ہیڈ ماسٹر ہندو ہے وہ عموماً مجھے اپنی روٹی کھانے کو کہتا ہے میں ہر بار کترا جاتا ہوں دیوالی کے موقعہ پر اس نے مٹھائی دینی چاہی مگر میں نے ٹال دیا مفصل معلومات سے اطلاع بخشیں۔ المستفتی نمبر ۲۰۴۸ مولوی محمد بخش صاحب (ضلع ملتان) ۱۵ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۵۲) ہندوؤں کے ہاتھ کی روٹی اور مٹھائی کھانا مباح ہے ہاں ان کے مذہبی تہواروں کی تقریب میں ہدیہ لینا درست نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

غیر مسلم حکومت میں غیر مسلم سے مسلمان کا سود لینا

(سوال) سیلون جیسے ملک میں آیا ہندوؤں سے زمانہ کے مطابق سود لینا جائز ہے یا کہ ناجائز یہاں کئی عالموں نے جائز قرار رکھا ہے اور عام لوگوں کا حکم ہے کہ موجودہ زمانے میں ہندوؤں سے سود لے کر کھانا بالکل حلال ہے لیکن ہمارا ان عالموں کے حکم پر یقین نہیں آتا آپ صاحبان برائے نوازش اس مسئلے کے بارے میں جواب دیں تاکہ تسلی رہے کہ آیا آپ کے مطابق اس زمانہ حال میں ہندو دھرم لوگوں سے سود لینا جائز ہے یا کہ نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۲۱۱ ایم اے عبدالستار (سیلون) ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۲ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۵۳) سیلون میں حکومت اگر غیر مسلم ہے تو وہاں کے مسلمان غیر مسلموں سے سود لے سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کو یہ کاروبار اختیار کرنا مناسب نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) کسی ہندو پیشوا کا خیر مقدم کرنا
(۲) داڑھی یکمشت سے کم کرنا، سینما دیکھنا، فوٹو کھچوانا حرام ہے

(سوال) (۱) ہندوؤں کے مذہبی پیشوا (جگت گرو) کی آمد پر مسلمانوں کی جانب سے اخلاقاً اور بحیثیت اسلامی رواداری و وسعت قلبی اور کسی قوم کا لائق فرد ہونے کی وجہ سے ان کا خیر مقدم کرنا خوش آمدید کہنا اور انہیں پھولوں کا ہار پیش کرنا اسلامی نقطہ نظر سے آیا درست ہے یا نہیں؟

(۲) کیا مسلمانوں کا کسی قوم کے امیر سردار اور پیشوا کی اخلاقاً عزت کرنا مذہباً جرم ہے؟

(۳) کیا آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں حضور انور ﷺ نے کسی غیر مسلم پیشوا کا خیر مقدم فرمایا ہے یا غیر مسلم پیشواؤں کے ساتھ مسلمانوں کو کسی قسم کا برتاؤ کرنے کی اجازت دی گئی ہے؟

(۴) کیا خلفائے راشدین کے زمانہ میں کوئی ایسا واقعہ گزرا ہے؟

(۵) اگر چند مسلمان کسی غیر مسلم پیشوا کا اخلاقی حیثیت سے خیر مقدم کرتے خوش آمدید کہتے ہوئے انہیں پھولوں کا ہار پیش کریں تو کیا یہ مسلمان مشرک کافر ہندوؤں کے غلام اور دائرہ اسلام سے خارج ہو سکتے ہیں؟

(۶) اخلاقی حیثیت اور اسلامی رواداری کے ساتھ کسی غیر مسلم پیشوا کا خیر مقدم کرنے والے مسلمانوں کو مشرک کافر ریاکار بے ایمان قوم فروش بت پرست منافق وغیرہ خطابات سے موسوم کرنے والا شخص مذہباً کس سزا کا مستحق ہے اور مسلمان اس شخص کے ساتھ مذہباً کس قسم کا برتاؤ کریں۔

(۷) ایک شخص کسی مسجد کا امام و خطیب ہے علانیہ تھیٹر اور سینما جا کر تماشا دیکھتا ہے اور علانیہ پارٹی میں بیٹھ کر فرمان رسول کے برخلاف اپنا فوٹو کھنچواتا ہے اور شرائط امامت کے برخلاف داڑھی بجائے ایک مشت کے کم رکھ کر امامت کرتا رہتا ہے تو کیا ایسا شخص جو مسلمانوں کا مذہبی پیشوا اور امام ہے اس کے یہ افعال آیا مذہباً جائز ہیں یا ناجائز؟

(۸) ایسے شخص کے متعلق مذہبا کیا احکامات صادر ہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۴۸۰ حکیم نور الحق صاحب (میسور) ۲۴ صفر ۱۳۵۸ھ م ۱۵ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ٤٥٤) (اتا۶) کسی ہندو پیشوا کی آمد پر بتقاضائے رواداری اس کے خیر مقدم میں شریک ہونا اور اس کے گلے میں ہار ڈالنا کفر نہیں ہے۔

اگر ہندو مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرتے ہوں تو مسلمانوں کے لئے بھی مکافات کے طور پر ایسا کرنا مباح ہے اس میں کوئی شعائر شرک و کفر کا احترام نہیں ہے بلکہ مکارم اخلاق اور تہذیب کا مقتضا ہے۔

(۷) ڈاڑھی ایک مشت سے کم کرانا سینما میں جاکر تصویروں کا تماشا دیکھنا۔ فوٹو قصداً کھنچوانا ناجائز ہے۔

(۸) ان امور کا مرتکب امامت کے قابل نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

ہندوستان کے کفار کے ساتھ معاملات اور ان سے ملنا جلنا جائز ہے

(سوال) ایک پوسٹر میں قرآن مجید سے ثبوت دیا ہے کہ کافروں سے ملنا ناجائز ہے اور پوسٹر آپ کی خدمت میں ارسال ہے دریافت یہ ہے کہ قرآن شریف سے ثبوت کافروں سے ملنے کا ہے یا نہیں اگر ملنے کا ثبوت ہے تو آپ آیات قرآن مع ترجمہ کے تحریر فرمایئے کیونکہ ہم مسلمان کافروں سے لین دین شادی و غمی میں شریک رہتے ہیں اور ہم ان کے ہاتھ کی بنی ہوئی مٹھائی وغیرہ وغیرہ کھاتے پیتے ہیں فقط المستفتی نمبر ۲۵۴۰ احمد سعید سکریٹری ہندو مسلم مشترکہ بورڈ دریبہ کلاں دہلی ۳۰ اگست ۱۹۳۹ء م ۱۳ رجب ۱۳۵۸ھ

(جواب ٤٥٥) اشتہار میں جو آیات قرآنیہ لکھی ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو کفار سے محبت اور دوستی پیدا کرنا اور مسلمانوں کے خلاف کفار کے ساتھ میل جول محبت کرنا ناجائز اور حرام ہے ان آیات کریمہ کا یہ مطلب نہیں کہ مطلقاً کافروں سے معاملہ کرنا حرام ہے شریعت مقدسہ اسلامیہ کا یہ حکم نہیں ہے کہ کافر سے کوئی معاملہ نہ کرو بیع و شرا اور داد و ستد کفار کے ساتھ جائز ہے بلکہ کافر پڑوسی کو حق ہمسائیگی کے طور پر ہدیہ بھیجنا اور کافر کا ہدیہ قبول کرنا بھی جائز ہے آنحضرت ﷺ کے مکان میں ایک بکری ذبح کی گئی اور اس کا گوشت پڑوس میں تقسیم کیا گیا جب حضور ﷺ مکان میں تشریف لائے تو دریافت فرمایا اھدیتم لجارنا الیھودی اھدیتم لجارنا الیھودی یعنی گھر کے لوگوں سے پوچھا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کو ہدیہ بھیجا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کو ہدیہ بھیجا خود حضور ﷺ یہودی پڑوسی کی بیماری میں مزاج پرسی یعنی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تھے ذمی کافر تو دار الاسلام میں رہتے ہیں اور انکے قانونی حقوق مسلمانوں جیسے ہوتے ہیں حتی کہ ہمارے امام اعظم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسلمان اگر ذمی کافر کو قتل کردے تو مسلمان اس کے قصاص میں قتل کیا جائے گا آنحضرت ﷺ نے حربی کافر سے بھی بیع و شرا کی ہے حربی کفار کے ہدایا قبول فرمائے ہیں حربی کافروں کو صحابہ کرامؓ نے ہدایا دیئے ہیں حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے ایک

مشرک بھائی کو جو مکہ معظمہ میں تھا ہدیہ بھیجا حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے امیہ بن خلف کو اپنی مکہ کی جائیداد کا نگراں مقرر کیا اور اس کے عوض میں اس کی مدینہ کی جائیداد کی نگرانی اپنے ذمہ لی یہ تمام باتیں بخاری شریف و دیگر کتب احادیث میں موجود اور ثابت ہیں۔

بہر حال کفار کے ساتھ معاملات رکھنا ناجائز نہیں ہے نہ ممنوع ہے اور ہندوستان جیسے ملک میں رہ کر تو اس سے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہیں قرآن پاک میں بھی ہم کو حضرت حق جل شانہ نے اجازت عطا فرمائی ہے۔ **لا ینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین الخ** ۔یعنی اللہ تعالیٰ تم (مسلمانوں) کو اس سے منع نہیں کرتا کہ جو کافر تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ان کے ساتھ تم نیکی اور سلوک کا معاملہ اور انصاف کا برتاؤ کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے ساتھ ان کے مذہب کی پسندیدگی کے لحاظ سے دوستی اور محبت رکھنا تو حرام ہے اور محض یکجائی سکونت اور ہم سائیگی کے طور پر یا تمدنی اور معاشرتی ضرورتوں کی وجہ سے ان سے ملنا اور بات چیت کرنا ان کے ساتھ بیع و شرا کرنا ہدیہ دینا ہدیہ قبول کرنا یہ سب جائز اور مباح ہے باقی اور تہمتیں جو پوسٹر میں مذکور ہیں کہ مسلمانوں کو کافروں کی غلامی میں دے رہے ہیں یا ان کے دین کو اختیار کر رہے ہیں یا ان کے وظیفہ خوار اور تنخواہ دار ہیں اس کا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ ان تہمتوں کا فیصلہ رب العزت کے دربار میں قیامت کے دن ہو گا۔ **واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم**۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

بھنگی ، چمار وغیرہ کے ہاتھوں کا تیار کیا ہوا کھانا حلال ہے

(سوال) چند مسلمانوں نے ایک بھنگی کی تقریب میں جس کے یہاں سور کا فروخت کرنا اور اس کا کھانا حرام نہیں ہے اس کے ہاں ان مسلمان کانگریسیوں نے کہ جو گاندھی جی کی تعلیمی سیاسیات پر چلتے ہیں اور ان کو اپنا رہبر یا پیشوا سمجھ کر ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوں جیسا کہ آج کل چھوت چھات سے پرہیز نہ کرنا بھنگی اور چمار کو اپنا بھائی مثل برادری کے ان سے طریقہ عمل رکھ کر ان کی دعوت کو قبول کر کے بھنگیوں کے مکانوں پر جا کر ان کے بستروں پر بیٹھ کر ان کے ہاتھوں سے حلوائی کے یہاں کا پکا ہوا سامان بھنگیوں کے برتنوں میں کہ جو بھنگی ہمیشہ اپنے استعمال میں لایا کرتے تھے ان کے اندر کھانا اور بھنگیوں کا پانی پینا اس امر کی شہادت کے لئے چشم دید بہت سے نیک مسلمانوں اور بہت سے ہندو جو کہ ان کی ہمراہ دعوت کھانے گئے تھے اور خود بھنگی جنہوں نے کھانا کھلایا ہے وہ سب شاہد ہیں ایسے مسلمانوں کے ساتھ میل جول کھانے اور بیٹھنے لینے دینے کا کیا جائے کہ نہیں ایسے مسلمان جامع مسجد میں کھڑے ہو کر **قال اللہ قال الرسول** کی تعلیم دیتے ہوں یا یہ کہہ کر ہم تم کو سیاست کا سیدھا راستہ بتاتے ہیں تم سب ایک ہی آدم کی اولاد ہو ایک ہو ایک ہی جگہ بیٹھو اٹھو ایک ہی جگہ ایک دوسرے کے ہاتھ کا کھاؤ چمار چوڑھے سے کوئی پرہیز نہیں ایسے

اشخاص مساجد کے اندر کھڑے ہو کر لیکچر دیتے ہوں اور مہتمم مساجد اور مہتمم مدارس اسلامیہ ہوں امامت مسجد کی کرتے ہوں ان کے پیچھے نماز کا پڑھنا اور مہتمم مساجد رکھنا جائز ہے یا کہ نہیں اور وہ مسلمان کس حیثیت کے مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں۔ المستفتی نمبر ۲۵۹۷ جناب حکیم ضیاء الدین صاحب دہلوی سبزی منڈی (مظفر نگر (۲ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ م ۱۱ مئی ۱۹۴۰ء

(جواب ٤٥٦) اسلام کا اصول یہ ہے کہ آدمی کا بدن (جب کہ بیرونی ظاہری نجاست سے پاک صاف ہو) پاک ہے خواہ وہ آدمی مسلمان ہو یا کافر بھنگی ہو یا چمار اگر بھنگیوں کے ہاتھ پاک صاف ہوں اور پانی اور برتن پاک ہو اور بھنگی اپنے ہاتھ سے کھانا تیار کریں اور پاک و حلال اشیاء اس کھانے میں استعمال کی گئی ہوں تو یہ کھانا مسلمان کے لئے کھانا حلال ہے صرف اس وجہ سے کہ بھنگی کا ہاتھ لگا ہے ناپاک یا حرام نہیں ہو جاتیں کتب شرعیہ میں اس مسئلہ کو صراحۃ ذکر کیا گیا ہے کہ انسان کا جھوٹا پانی پاک ہے خواہ وہ مسلم ہو یا کافر جنبی ہو یا حائضہ۔

پس اگر ان دعوت کھانے والے مسلمانوں کو اس امر کا یقین تھا کہ جو کھانا ان کو کھلایا گیا وہ پاک اور حلال چیزوں سے تیار کیا گیا تھا اور پانی اور برتن بھی پاک تھا اور پکانے اور کھلانے والوں کے ہاتھ بھی بیرونی نجاست سے پاک تھے تو ان کا بھنگیوں کے یہاں دعوت کھانا جائز تھا اور اسلامی اصول سے انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔

اگرچہ عرف عام میں ان کا یہ فعل قابل اعتراض ہو مگر خدا اور رسول کے نزدیک یہ لوگ گناہ گار نہیں ہیں یہ مسلمانوں کی ناواقفیت ہے کہ وہ اس تعلیم کو گاندھی جی کی تعلیم قرار دیتے ہیں حالانکہ گاندھی جی ہندو ہیں اور چھوت چھات کا مسئلہ ہندو دھرم والوں کی خصوصی ایجاد ہے گاندھی جی نے ہندوؤں کے عقائد کے خلاف اسلامی تعلیم کو اختیار کر کے چھوت چھات کی مخالفت کی اور انسانی بدن کی پاکی اور صفائی کے قائل ہو گئے اور اسلامی تعلیم کو ہندوؤں میں پھیلا کر چھوت چھات کی بنیاد ڈھادینا چاہتے ہیں خواہ وہ اس میں کامیاب ہوں یا نہ ہوں مگر یہ کیا غضب ہے کہ خود مسلمان اس اسلامی تعلیم کو گاندھی جی کی تعلیم سمجھ کر اس کی مخالفت کرنے پر آمادہ ہو گئے یہ واضح رہے کہ بھنگیوں یا چماروں کے عام طور پر مستعمل برتنوں میں کھانے کا یا ان کے ایسے کھانوں کا جن کی پاکی اور حلت کا یقین نہ ہو کھالینے کا یہ حکم نہیں ہے اور اس میں کافر یا بھنگی کی تخصیص نہیں ہے اگر کوئی مسلمان بھی ایسا ہو کہ اس کے گھر حرام چیزیں مثلاً گردن مروڑی مرغیاں یا شراب عام طور پر مستعمل ہوں تو اس کے گھر کا کھانا بھی اس وقت تک حلال نہیں جب تک کھانے کی پاکی اور حلت برتنوں کی پاکی اور پکانے اور کھلانے والوں کے ہاتھوں کی پاکی کا یقین نہ ہو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ الجواب حق صحیح۔ فقیر محمد یوسف دہلوی مدرسہ امینیہ دہلی

مسلمان مقتول شہید ہے چاہے اس کا قاتل مسلمان ہو یا کافر

(سوال) جہانگیر کے توپخانہ کا افسر اعلیٰ راجہ بکر ماجیت تھا اور مرہٹوں کا توپخانہ مسلمانوں کے زیر کمان تھا حالانکہ احمد شاہ ابدالی سے لڑائی ہو رہی تھی احمد شاہ ابدالی نے ان کو اپنے ہاں بلایا تو انہوں نے جواب دیا کہ نمک حلالی کے خلاف ہے خطبہ صدارت مولانا حسین احمد مدنی باجلاس جمعیۃ العلماء ہند لاہور ۴۲-۳-۲۱ صفحہ ۳۵۔

(۱) مرہٹہ لشکر کے مسلمان توپچیوں کی نمک حلالی جس کا ذکر مولانا حسین احمد صاحب نے کیا ہے شریعت اسلامی کی رو سے جائز تھی یا ناجائز اور اس کی صحیح شرعی حیثیت کیا ہے (۲) احمد شاہ ابدالی کے اسلامی لشکر کے جو افراد ان مسلمان توپچیوں کے گولوں سے ہلاک ہوئے آیا ان کو شہید کہنا درست ہے یا نہیں اور ان مسلمان توپچیوں کا یہ فعل مومن کے قتل عمد کے تحت آتا ہے یا نہیں (۳) آیا ایسے مسلمان کے لئے جو کسی کافر مشرک یا غیر مسلم کا نوکر ہو جائز ہے؟ کہ وہ آقا کا نمک حلال کرنے کے لئے مسلمانوں کو قتل کرے۔

المستفتی نمبر ۲۱۷۳ قاضی محمد نور عالم صاحب ۱۲ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ م ۳۰ مارچ ۱۹۴۲ء

(جواب ۴۵۷) مولانا مدظلہ نے ایک تاریخی واقعہ ذکر کیا ہے اگر یہ واقعہ تاریخ میں ہے تو مولانا کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے مگر انہوں نے اس پر بھی تنقید کردی ہے کہ گزشتہ دور میں مسلمانوں کی رواداری بعض صورتوں میں شرعی حدود سے بھی متجاوز ہو جاتی تھی مگر وہ تاریخی واقعہ کی حیثیت سے اوراق تاریخ میں موجود ہے اس واقعہ میں صرف اتنا مذکور ہے کہ وہ مسلمان توپچی احمد شاہ ابدالی کے بلانے سے احمد شاہ کے لشکر میں نہیں آئے اور اس کو انہوں نے نمک حلالی کے خلاف سمجھا کہ احمد شاہ کی طرف ہو کر مرہٹوں پر گولہ باری کریں مولانا نے آگے یہ ذکر نہیں کیا کہ ان توپچیوں نے پھر کیا کیا تین احتمال ہیں اول یہ کہ خود اپنا لشکر اور توپخانہ چھوڑ کر روپوش ہو گئے ہوں۔ دوم یہ کہ مسلمانوں پر گولہ باری نہ کرنے کی کوئی صورت نکال لی ہو یعنی اپنے لشکر کے ساتھ رہتے ہوئے بھی قتل مومن سے بچنے کی کوئی راہ پیدا کرلی ہو سوم یہ کہ مسلمانوں پر گولہ باری کی ہو چونکہ تیسرا احتمال ضعیف اور کمزور ہے اس لئے کہ جو شخص اسلامی نقطہ نظر سے نمک حرامی کو برا سمجھتا ہو وہ مسلمانوں پر گولے برسانے کو کیسے گوارا کر سکتا ہے اس لئے ان کے متعلق قتل مومن کا فتویٰ اور ان کے مقتولین کے متعلق شہید ہونے کا استفسار کچھ برمحل نہیں ہے۔

ان توپچیوں سے قطع نظر کر کے اس حکم شرعی کے بیان کرنے میں مجھے کوئی تامل نہیں کہ جو مسلمان قتال فی سبیل اللہ کے معرکہ میں یا مظلومیت کی حالت میں قتل ہو جائے وہ یقیناً شہید ہے خواہ اس کا قاتل مسلم ہو یا غیر مسلم اور جو مسلمان کسی کافر کی حمایت میں مسلمان کو قتل کرے وہ یقیناً من قتل مؤمنا متعمداً الخ۔ کی وعید میں داخل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ہندو مسلم اتفاق کے لئے گوشت نہ کھانے کی شرط

(سوال) ہندو مسلم اتحاد کے سلسلہ میں بعض ہندو دوستوں سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان اگر گوشت کھانا چھوڑ دے تو ہم اس کو اپنے اتحاد میں رکاوٹ نہ جانا سمجھیں گے اور سوسائٹی کی چھوت سے ہندو مسلمان ایک ہو سکے گا اس پر چند آدمی ایک جماعت قائم کرنا چاہتے ہیں کیا اس صورت میں مسلمان بہ حیثیت مسلمان کے گوشت کو چھوڑ سکتا ہے کیا مسلم کلچر تمدن وغیرہ اس کی اجازت دے سکتا ہے ؟
المستفتی نمبر ۲۷۳۴ محمد عنایت اللہ ضلع حصار یکم رجب ۱۳۶۱ھ م ۱۶ جولائی ۱۹۴۲ء
(جواب ۴۵۸) ہندو مسلم اتفاق کے لئے یہ شرط نامعقول اور ناقابل عمل ہے مسلمان اس سمجھوتہ کو منظور نہیں کر سکتے۔　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ٬ دہلی

غیر مسلموں کے مذہبی اجتماعات میں شرکت اور مشرکانہ رسومات کا ارتکاب حرام ہے

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین سوالات ذیل کے بارے میں :
(۱) غیر مسلموں کے ان مذہبی اجتماعات مثلاً رام لیلا٬ دسہرہ٬ دیوالی٬ جنم دن گرو گوبند سنگھ٬ جنم دن گرو بابا نانک وغیرہ کے جلوس میں مسلمانوں کی شرکت کفار کے اجتماعات کی زینت بننے کے مترادف ہے یا نہیں ؟ ان اجتماعات میں مذہبی شعار متعلقہ اقوام کے انجام دیئے جاتے ہیں اگر کوئی مسلمان ان شعاروں میں سے کوئی انجام دے تو کیا یہ فعل جائز ہوگا اور کیا یہ فعل شرک فی العبادۃ میں داخل ہوگا یا نہیں ؟
(۲) کیا اس قسم کے اجتماعات میں شریک ہونے کے بعد "سرد پا" وغیرہ لینا جو ایک قسم کا معاوضہ یا عطیہ ہے مسلمانوں کے لئے جائز ہے ؟ اور اس کو اپنے صرف میں لانا جائز ہے ؟
(۳) پوجا پاٹ کی اس چیز کا کھانا یا حاصل کرنا جو غیر مسلم نے اپنے مذہبی اصول کے تحت چڑھاوا قرار دیا ہو اس کو لینا اور اپنے صرف میں لانا جائز ہے یا نہیں ؟
(۴) مختلف اقوام میں اتحاد عمل کرانا احسن فعل ہے لیکن کیا اس کا یہی طریقہ ہے کہ مسلمان اقوام متعلقہ کی خوش دلی کے لئے اس چیز پر پھول وغیرہ چڑھائیں جو غیر مسلم فرقہ کے نزدیک قابل عبادت ہو۔
(۵) مثال کے طور پر سکھ گورو گرنتھ صاحب کو جو ان کی مذہبی مقدس کتاب سجدہ تعظیمی ادا کرتے ہیں تو کسی مسلمان خصوصاً کسی عالم دین کے لئے یہ جائز ہے کہ اتحاد کے نام پر سکھوں کی طرح اس پر پھول چڑھائے پھولوں کا چڑھاوا حاصل کرے اور اس اجتماع میں شرکت کرنے کے لئے مسلمانوں کو آمادہ کرے ؟
(۶) اسلام نے دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کی عزت کرنے کا حکم دیا ہے کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کو اپنا پیشوا سمجھیں ؟ المستفتی نمبر ۲۷۳۸ سلیم الدین احمد کشمیری گیٹ دہلی معرفت خالد رشیدی ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ م ۸ دسمبر ۱۹۴۲ء
(جواب ۴۵۹) ان تمام سوالوں کے جواب میں ایک شرعی اصول ذکر کردیا جاتا ہے جس سے ان افعال کا

شرعی حکم معلوم ہو جانے کا دو یہ کہ شریعت مقدسہ نے مسلمانوں کو ایسے مجمع میں شریک ہونے اور بیٹھنے سے منع کیا ہے جہاں ایات اللہ (یعنی اسلامی احکام) کے ساتھ استہزا یا توہین یا ان کی تکذیب کی جاتی ہو قرآن پاک میں ہے - اذا سمعتم ایات اللہ یکفربھا و یستھزابھا فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم (سورہ نساء ع ۲۰) مجمع خواہ کافروں کا ہو یا برائے نام مسلمانوں کا -

اور یہ کہ کفار کے ان میلوں اور اجتماعات میں شرکت ناجائز ہے جو مشرکانہ رسوم پر مبنی ہوں اور ایسے افعال و اعمال جو مشرکانہ ہوں کرنا مسلمانوں کے لئے حرام ہے حدیث شریف میں ہے من کثر سواد قوم فھو منھم غیر اللہ کی پوجا کرنا شرک ہے غیر اللہ پر چڑھایا ہوا چڑھاوا حرام ہے -

لیکن غیر مسلموں کے ہر اجتماع کا یہ حکم نہیں ہے ان کی شادی بیاہ کی تقریب میں شرکت مباح ہے اسی طرح شادی بیاہ کی تقریبات میں دعوت کھانا یا ہدیہ قبول کرنا مباح ہے اسی طرح غیر مسلم اجتماعات میں انتظام و قیام امن کی غرض سے مسلم رضاکاروں کی شرکت بھی مباح ہے بشرطیکہ ان کی کسی مشرکانہ رسم میں شرکت نہ ہو گرنتھ صاحب کو سجدہ کرنا یا پھول چڑھانا مسلمانوں کے لئے حرام ہے -

اسلام نے دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کی توہین کرنے اور ان کو برا کہنے سے منع کیا ہے ان کی تعظیم کرنے کا حکم دیا خصوصاً ایسی تعظیم جو عبادت کے درجے تک پہنچتی ہو کسی طرح جائز اور مباح نہیں ہو سکتی -

مصالحت اور آشتی کے ساتھ زندگی گزارنا اور تجارت 'زراعت' صنعت' اور سیاست میں اشتراک عمل کرنا جائز اور بعض حالات میں واجب بھی ہو جاتا ہے خصوصاً ایسے مقامات میں جہاں مسلم اور غیر مسلم آبادی مشترک ہو یا غیر مسلم آبادی کی کثرت ہو بہر حال یہ لازم ہے کہ مسلمان اپنے مذہبی احکام کے پابند رہیں اور مذہبی شعائر کی عزت و حرمت محفوظ رہے ورنہ پھر مسلمان پر مذہب کے تحفظ اور اس کا احترام قائم رکھنے کے فرائض عائد ہوں گے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

علم کے بقدر تبلیغ کرنا جائز ہے

(سوال) ایک ذی علم آدمی مہینہ یا ہفتے میں مسلمانوں کے مجمع میں قال اللہ وقال الرسول کی تبلیغ کرے اور تبلیغ کے ضمن میں نازی قوم کی مذمت اور قباحت کنایۃً یا صراحۃً بیان کرے اس تقریر پر انگریزوں کی طرف سے تنخواہ بھی پائے تو یہ تنخواہ لینا کیسا ہے ؟ اور یہ تبلیغ کرنا کیسا ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۷۶۲ عثمان پیش امام مسجد نعمت اللہ موضع و ڈاکخانہ شہباز گڈھ ضلع مردان ۸ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ م ۲۵ مارچ ۱۹۴۳ء

(جواب ۴۶۰) دینی احکام کی تبلیغ بقدر علم کے جائز ہے اور تنخواہ لے کر کسی جماعت کی مذمت کرنا دینی تبلیغ نہیں ہے اگر نیت میں اخلاص ہو تو برائیوں کی برائی ظاہر کرنا خواہ کسی قوم کی ہوں نسبت کئے بغیر

درست ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ہندوؤں کے مذہبی تقریبات میں شرکت کا حکم

(سوال) اکثر مسلمان ہندوؤں کے مذہبی تہواروں اور میلوں اور رسمیات میں شریک ہوتے ہیں مثلاً ہولی' دیوالی' جنم اشٹمی' رام نومی' رام لیلا وغیرہ اور بعض جگہ بعض مسلمان پانی شربت پان وغیرہ کا اپنی طرف سے انتظام کرتے ہیں کہ جب ان کا مذہبی جلوس نکلے تو ان کی خاطر تواضع کی جائے آیا مسلمان کا یہ فعل شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ جو شرع شریف کا حکم ہو تحریر کیا جائے کیا ذیل کا یہ فتویٰ صحیح ہے ؟

"جس طرح مسلمان پر یہ واجب ہے کہ معلوم کرے کہ وہ کونسی چیزیں ہیں جن سے ایمان کا تعلق ہے اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ کون سی چیزیں کفر ہیں تاکہ ایمان کو کفر اور کفر کو ایمان نہ سمجھے اور ایمان کی حفاظت کے لئے کفر سے بچتا رہے بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو شریعت نے علامت کفر ٹھیرایا ہے یہ وہ چیزیں ہیں جو مذہب کا شعار یا علامتیں ہیں زنار پہننا' قشقہ لگانا' ہولی کے زمانے میں رنگ کھیلنا رنگ لگانا اور خوشی کے ساتھ رنگ لگوانا جن چیزوں کو علامت کفر بتایا گیا ہے ان کو برضا و رغبت اختیار کرنا کفر ہے اگرچہ لا الہ الا اللہ پڑھتا رہے زمانہ حال کے کفار نے اپنا مذہبی شعار ہولی دیوالی رام لیلا رام نومی جنم اشٹمی وغیرہ مقرر کرلیا ہے اور اس پر سختی سے قائم ہیں اگر کوئی مزاحمت کرے تو مرنے مارنے پر تیار ہوجاتے ہیں تو یہ سب چیزیں علامت کفر ہیں علمانے تصریح فرمائی ہے کہ جو علامت کفر اختیار کرے یا اس میں شریک ہو یا اس کا انتظام برضا و رغبت خود کرے وہ کافر ہے اسی طرح رام لیلا ہولی دیوالی وغیرہ کے جلوسوں اور میلوں میں اور رام لیلا کی براتوں میں شریک ہونا انتظام کرنا رونق دینا اور ان کے جلوس کے لئے جو ان کے مذہبی جلوس ہیں پان پانی شربت وغیرہ کا انتظام کرنا کفر ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ ان سب کفریات و لغویات سے پرہیز کریں اور کفر سے بچیں اگر اس نے ایسا کیا تو وہ کافر ہوجائے گا اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی۔ عالمگیری میں ہے یکفر بوضع قلنسوة المجوسی علی رأسه وهو الصحیح الا لضرورة دفع الحر والبرد وبشد الزنار فی وسطه الا اذا فعل ذلک خدیعة فی الحرب و طلیعة للمسلمین آگے فرمایا وبخروجه الی نیروز المجوس لموافقة لهم فیما یفعلون فی ذلک الیوم حکم بیان فرمایا ما کان فی کونه کفرا اختلاف فان قائله یؤمر بتجدید النکاح وبالتوبة والرجوع عن ذلک بطریق الاحتیاط ۱۲ – المستفتی نمبر ۹۸۷ عبدالرشید اکبر آبادی ۷ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ

(جواب ٤٦١) یہ جواب صاف اور منقح نہیں ہے اس سے شبہ ہوسکتا ہے کہ جو لوگ ان چیزوں میں شریک ہوجائیں جن کی شرکت کافروں جیسی شرکت ہے وہ کافر ہوجائیں گے حالانکہ شرکت کے اغراض متفاوت ہیں کبھی تو کسی کام میں شرکت اس لئے ہوتی ہے کہ شریک ہونے والے کے نزدیک اس کام کی عزت و

وقعت بڑھے اور وہ بھی اس کام کے پسند کرنے والوں میں شمار ہو یہ شرکت تو افعال کفر میں کفر اور افعال فسق میں فسق ہے اور کبھی شرکت اس لئے ہوتی ہے کہ نفس فعل خواہ اس کے نزدیک گناہ اور عبث ہو مگر شریک ہونے والا اس کام کے کرنے والوں سے دوسرے وجوہ سے ملاپ رکھنا چاہتا ہے تو وہ ایسے کام میں شریک ہو جاتا ہے حالانکہ اس کام کو غلط اور مہمل سمجھتا ہے تو ایسی شرکت اس کے لئے موجب کفر و فسق نہیں ہوتی اب اگر اس کی مصلحت مقدم اور اعلیٰ ہے تو شرکت مباح ہو جاتی ہے اور اگر یہ نہیں تو مکروہ رہتی ہے ہندوؤں کے مذہبی میلوں میں مسلمان اس طرح شریک ہوں کہ ان کے کاموں کو مقدس سمجھیں ایسی شرکت غیر متصور ہے ہاں ایسی شرکت کہ مسلمانوں کا ہندوؤں سے اختلاف نہ ثابت ہو دونوں ایک ملک کے رہنے والے ہیں ان کی باہمی لڑائی مضر ہے تو بشر طیکہ ان کے کسی مذہبی فعل کی طرفداری یا تعظیم نہ کریں مباح ہے اور بعض صورتوں میں جبکہ شریک کا مقصد کوئی اعلیٰ ہو اباحت سے بڑھ کر وہ مستحب بھی ہو سکتی ہے کسی جلوس کے راستے میں پان دینا یا پانی پلانا باہمی ارتباط کے لئے ہو تو مباح ہوگا اور اگر شعائر کفر کی تعظیم کے لئے ہو تو کفر ہے مگر کسی مسلمان سے یہ توقع نہیں کہ وہ یہ کام تعظیم شعائر کفر کی نیت سے کرے بہر حال جواب مذکور میں اس کی تفصیل اور تشریح نہیں کی گئی ہے۔

پس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا ہندوؤں کے مذہبی تہواروں میں سبیل لگانا یا پان وغیرہ تقسیم کرنا اگر ان کے تہواروں کی تعظیم و تکریم کے لئے ہو تو یہ کفر ہے اور قیام امن و باہمی رواداری کی نیت سے ہو اور ان کے مذہبی اعمال کی تحسین مقصود نہ ہو اور یہ کام ان کے خاص موقع سے علیحدہ راستے میں ہو تو مباح ہے اور اگر خاص موقع پر ہو تو مکروہ تحریمی یا حرام ہے مگر کفر نہیں ہے کفر تو اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ اسے اچھا سمجھیں اور ان کے طرز عمل سے ان اعمال کی تصدیق اور تحسین ہوتی ہو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ہندوستان میں ہندوؤں سے ترک معاملات واجب نہیں

(سوال) ہندوستان کے اکثر حصوں میں ہندو مسلمانوں میں قومی مجادلہ و مقاتلہ ہو رہا ہے اور ہم کو یہ خبر بھی پہنچی ہے کہ بڑے بڑے تجار ہنود نے مسلمانوں سے خرید و فروخت بند کر دیا اب اسی حالت میں جہاں مسلمانوں کی کثرت ہے وہاں کے مسلمانوں پر ہندوؤں سے ترک معاملات واجب ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

المستفتی نمبر ۲۸۰۵ مولوی سراج الاسلام نواکھالی ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ

(جواب ۴۶۲) ترک معاملات واجب نہیں اور ہندوستان میں یہ مفید بھی نہیں کیونکہ ایسے دیہات و مقامات کی کثرت ہے جہاں غیر مسلم آبادی زیادہ اور مسلم آبادی کم ہے مسلمانوں کو قومی مفاد و ضرر کا خیال رکھنا چاہئے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مجرم ہندو کے علاوہ کسی بے گناہ ہندو کو مارنا جائز نہیں

(سوال) موجودہ حالات میں ہندوستان جس میں غیر اسلامی حکومت ہے ہندو قوم کے افراد اگر نہتے اور پر امن مسلمانوں کو محض اس بنا پر کہ وہ مسلمان ہے قتل کردے اور قتل کرنے والوں کی گرفتاری بھی قوانین انگلشیہ کی وجہ سے یا پولیس اور ملٹری کے جانبدارانہ رویہ سے عمل میں نہ آسکے تو ایسی حالت میں جوابا مسلمان قوم کے افراد بھی اگر مجبوراً اپنے موقع کے مطابق نہتے ہندوؤں کو جہاں پائیں قتل کردیں تو ہندوؤں کو قتل کرنے میں ثواب یا گناہ کی کیا کیفیت ہوگی ؟ المستفتی نمبر ۲۸۰۶ فیروزالدین دہلی ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ

(جواب ۴۶۳) مجرموں کو گرفتار کرانا یا ان سے انتقام لینا تو صحیح ہے مگر اصل مجرم گرفتار نہ ہوسکیں تو ان کے عوض میں دوسرے بے گناہوں پر حملہ کرنا اور انہیں مارنا صحیح نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ہولی کے متعلق

(سوال) متعلقہ ہولی

(جواب ۴۶۴) یہ بات کہ ہندوؤں کی ہولی بی بی ہاجرہ کے واقعہ سے نکلی ہوئی ہے اس کا کوئی معتبر ثبوت نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا چندن لگانا ہندوؤں کا شعار ہے

(سوال) ایک جلوس چند مسلم لیڈروں کے اعزاز میں نکل رہا تھا اس میں ہندو مسلمان سب ہی شریک تھے ہندوؤں نے لوگوں کے ہاتھوں پر چندن وغیرہ لگایا مسلمانوں کے بھی لگایا بعض مسلمانوں نے تو انکار کردیا بعض نے لگوالیا مگر فوراً صاف کردیا بعض مسلمان لگائے رہے اور اپنے گھر واپس آنے تک صاف نہیں کیا مہاتما گاندھی کی جے کے نعرے جلوس میں لگائے جارہے تھے مسلمانوں نے بھی لگائے شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔ المستفتی حافظ رحیم بخش عفی عنہ از مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ

(جواب ۴۶۵) جلوس کی غرض مسلمان لیڈروں کی عزت و تکریم کا اظہار تھا تو نفس جلوس نکالنا اور اس میں شریک ہونا جائز ہے رہا یہ کہ جلوس میں جو باتیں ناجائز بھی تھیں اور حد اعتدال سے تجاوز بھی کیا گیا تھا تو وہ ناجائز باتیں اور حد اعتدال سے تجاوز یقیناً ممنوع اور ناجائز ہیں ان امور نامشروعہ کے مرتکب بھی گناہ گار ہیں لیکن تکفیر کرنی جب تک کہ موجب کفر وارتداد متحقق نہ ہو صحیح نہیں۔

جن لوگوں نے چندن لگوانے سے انکار کیا ان کے جلوس میں شرکت نفس جلوس کے لحاظ سے جائز اور اگر امور غیر مشروعہ کا ارتکاب ہو تو ناجائز جن لوگوں نے چندن لگوالیا مگر فوراً صاف کردیا وہ لگوانے کے گناہ گار ہیں لیکن ان کی تکفیر بھی نہیں کی جاسکتی کیونکہ ظاہر ہے کہ انہوں نے اس کو پسند نہیں کیا اور اس سے راضی نہ تھے جن لوگوں نے چندن لگوایا اور پھر اسے صاف بھی نہیں کیا لگائے رہے ان کی رضا ضرور سمجھی جاتی ہے لیکن چندن کا قشقہ لگانا اگرچہ ہندوؤں کا قومی اور مذہبی شعار ہے لیکن اس میں شبہ ضرور ہے کہ

آیا یہ فعل ان کا ایسا مذہبی شعار ہے جو مستلزم کفر ہو یا نہیں جو لوگ کہ اسے شعار کفر قرار دیں وہ ان لوگوں کی تکفیر کریں گے لیکن مجھے تامل ہے میرے خیال میں یہ شعار کفر نہیں اگرچہ کافروں کا شعار ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے مثلاً بائیں طرف گریبان بنانا یا انگریزی ٹوپی پہن لینا ہے کہ یہ قوم کفار کے قومی شعار ہیں لیکن شعار کفر نہیں ہیں اسی طرح میں چندن کو خیال کرتا ہوں ورنہ کم از کم اس میں شبہ ضرور ہے اور شبہ کی حالت میں تکفیر کی جرأت نہیں کر سکتا نیز لفظ بے کے معنی معلوم نہیں ہیں اس لئے میں کوئی حکم نہیں لگا سکتا۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی

نماز کے اوقات کے علاوہ غیر مسلموں کا مسجد کے سامنے باجہ بجانا

(سوال) گزشتہ ۷ جولائی کو یہاں ایک ہندو مسلم فساد ہو گیا عام مسلمان اور علماء پونے دو سو گرفتار ہو چکے ہیں اور گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہے جانبین سے متعدد مقدمات دائر ہیں مسجد کے سامنے باجا وغیرہ بجا کر جانے کے سلسلے میں یہ فساد ہوا ہے سلسلہ گفتگوئے صلح ہندوؤں نے ایک تحریر اس مضمون کی دستخط کر کے حکام کے سامنے پیش کی ہے کہ اگر شریعت اسلام اس کو منع کرے تو ہم چھوڑ دیں گے اب مع دلائل اور حوالجات کے ایک فتوے کی ضرورت ہے ورنہ کم از کم مسلمانوں کی عزت و آبرو خاک میں مل جائے گی ہندو غیر اوقات صلوۃ میں بجانا چاہتے ہیں اور مسلمان یہ کہتے ہیں کہ مسجد عبادت گاہ ہے اور کوئی وقت عبادت سے خالی نہیں ہے اس لئے کسی وقت بھی مسجد کے سامنے سے باجا بجا کر نہیں گزرنے دیں گے۔ المستفتی نمبر ۲۲۴۳ مولوی عبداللطیف مدرسہ اسلامیہ (ضلع چپارن) مورخہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۹ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۶۶) اوقات صلوۃ میں تو باجے وغیرہ سے نماز میں خلل واقع ہونے کی بناء پر باجے کو روکنا درست ہے لیکن غیر اوقات صلوۃ میں تو یہ وجہ نہیں اس میں تو صرف مسجد کا احترام پیش کیا جا سکتا ہے لیکن یہ احترام ایک اسلامی حکم ہے غیر مسلم اپنے مذہبی نقطہ نظر سے احترام کا پابند نہیں لہذا اس معاملے میں رواداری اور تعامل قدیم کو استدلال میں پیش کرنا قرین صواب ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کافر کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ یکم اپریل ۱۹۳۶ء)

(سوال) جب ہمارے بادشاہ کا انتقال ہو جائے اور وہ غیر مسلم ہو تو کیا ہم اس کے واسطے کچھ کلام الہی پڑھ کر اس کی روح کو ثواب پہنچا سکتے ہیں؟ کیا اس کے گناہوں کی معافی کے لئے دعا بھی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(جواب ۴۶۷) کافر کے لئے ایصال ثواب و دعائے مغفرت مفید اور جائز نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

غیر مسلم کو قرآن سنانا

(سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۲۰ جون ۱۹۳۳ء)

(سوال) مسٹر گاندھی کے ختم فاقہ کشی کے موقع پر اختتام پر جب مراسم تہنیت و بہجت ادا ہو رہے تھے

کتب مذہبی کے انتخابات بھی پڑھے گئے ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے قرآن پاک کی آیات کریمہ متعلق روزہ ماہ صیام تلاوت کیں جس کے بعد گانا شروع ہوا گاندھی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے عامتہ المسلمین نے اس سے نہایت خراب اثر لیا اور ان کے حسیات مذہبی کو صدمہ پہنچا یعنی یہ کہ معاذ اللہ ڈاکٹر انصاری نے گاندھی کے نیم فاقہ کشی یا مقاطعہ جوئی کو روزہ ماہ صیام کے برابر تصور کیا اور قرآن کریم کی بھی عزت ان کے خیال میں ایسی ہی ہے جیسی گیتا ژند اوستا وغیرہ کی ورنہ اس کی تلاوت ایک مشرک کے سامنے جب کہ وہ لیٹا ہوا ہو کیوں کرتے ہیں میں نے ڈاکٹر صاحب کے پاس بھی خط لکھا ہے اور آپ کی خدمت میں بھی عریضہ ارسال ہے کہ جناب اپنی مذہبی رائے سے اس بارے میں میری رہنمائی فرمائیں فقط - شاہ حفظ عالم جنیدی (دائرہ حضرت شاہ محمد اجمل الہ آباد) ۳جون ۱۹۲۳ء

(جواب ۴۶۸) گاندھی جی نے برت کھولنے کے وقت قرآن مجید انجیل وید ژند اوستا وغیرہ کے اقتباسات پڑھوائے ایک غیر مسلم کی طرف سے دوسری کتب مذہبیہ کے اقتباسات بغرض برکت حاصل کرنے کے پڑھوانے کی خواہش اگر سزاوار تحسین نہ سمجھی جائے تو محل اعتراض بھی نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یوں کہا جائے کہ وہ ابھی تک حق کو متعین کرنے میں یکسوئی حاصل نہیں کر سکا ہے اور تمام کتب مذہبیہ کو ایک درجے میں قابل تبرک سمجھتا ہے تو ایک غیر مسلم کی طرف سے یہ بات قابل گرفت نہیں ہے ڈاکٹر صاحب نے گاندھی جی کی درخواست کو قبول کر کے ایک رکوع تلاوت کرنے میں کوئی توہین کلام پاک نہیں کی بلکہ اگر ان کی نیت تبلیغ حق ہو تو وہ ماجور ہو سکتے ہیں کہ بجائے اکیس روزہ برت کے قرآن پاک کے احکام متعلق صیام پہنچا دیئے گاندھی کا لیٹے لیٹے سننا تو مجبوری و معذوری کی وجہ سے تھا جس میں کوئی شبہ اور خفا نہیں ہے بہر حال یہ واقعہ اپنی نوعیت و خصوصیت کے لحاظ سے قابل گرفت و مواخذہ نہیں ہے اگر کوئی غیر مسلم قرآن پاک کو اس کے احترام کے لحاظ سے اور برکت حاصل کرنے کے خیال سے سننا چاہے تو مسلمان کو سنانے میں باک نہ ہونا چاہئیے اور یہ بات قرآن پاک کی آیات تعویذوں میں لکھ کر غیر مسلموں کو دینے سے بدرجہا سالم تر ان لطاہے - محمد کفایت اللہ غفر لہ

اتحاد کانفرنس ۱۹۲۴ء میں

حضرت مفتی اعظمؒ کا اعلان حق

قتل مرتد کے بارے میں مولانا عبدالباری اور دوسرے اکابر کے چند خطوط

۱۹۲۲ء میں جب ایک مشہور کانگریسی لیڈر سوامی شردھانند نے شدھی کی تحریک جاری کی اور ہزاروں ملکانوں کو مرتد کرایا اور اس کے نتیجے میں تمام ہندوستان میں فرقہ وارانہ بلوے شروع ہوگئے تو ۱۷ ستمبر ۱۹۲۴ء کو گاندھی جی نے ہندو مسلم اتحاد کے لئے اکیس دن کا برت شروع کیا ۲۶ ستمبر ۱۹۲۴ء کو سنگم

تھیٹر (حال جگت ٹاکیز) مقابل ایڈورڈ پارک دہلی میں پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں ایک عظیم الشان اتحاد کانفرنس منعقد کی گئی مولانا محمد علی صدر استقبالیہ تھے اس میں مسلم زعما میں سے حضرت مفتی اعظم کے علاوہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد، مولانا سید سلیمان ندوی مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، حکیم محمد اجمل خان، مولانا احمد سعید بھی شریک تھے ہندو لیڈروں نے اپنی تقریروں میں اتحاد کی ضرورت ظاہر کرتے ہوئے مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ وہ اپنے مذہب میں سے سزائے مرتد اور تبلیغ کو نکال ڈالیں تاکہ امن واتحاد قائم ہو۔

قرارداد اتحاد کانفرنس منعقدہ دہلی

مورخہ ۲۶ ستمبر تا ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۴ء

مطبوعہ آئی ایم ایچ پریس دہلی

تحریک نمبر ۱

یہ کانفرنس مہاتما جی کے روزہ پر اپنی دلی تشویش اور فکر کا اظہار کرتی ہے یہ کانفرنس زور کے ساتھ اس خیال کا اظہار کرتی ہے کہ ضمیر اور مذہب کی پوری پوری آزادی از حد ضروری ہے یہ کانفرنس عبادت گاہوں کی بے حرمتی کو خواہ وہ کسی مذہب یا ملت کی کیوں نہ ہوں نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور کسی شخص کو اس کی تبدیلی مذہب پر سزا دینے یا تکلیف پہنچانے کو برا سمجھتی ہے یہ کانفرنس کسی مذہب کو جبرا تبدیل کرانے کی کوشش یا بغیر دوسروں کے حقوق کا خیال کرتے ہوئے اپنے مذہبی رسموں کو دوسرے کے حقوق کو پامال کرتے ہوئے برتنے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

کانفرنس کے ممبر مہاتما گاندھی کو یقین دلاتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ وہ اصول مذکورہ بالا کو عمل میں لانے کی حتی المقدور کوشش کریں گے اور اشتعال کی حالت میں بھی ان اصولوں سے ہٹنے کو برا سمجھیں گے یہ کانفرنس پریسیڈنٹ کو اختیار دیتی ہے کہ وہ خود جاکر مہاتما جی سے کانفرنس کی یہ دلی خواہش ظاہر کریں کہ مہاتما جی اپنا روزہ فورا ختم کردیں تاکہ یہ کانفرنس ان کی صلاح رہنمائی اور امداد سے فائدہ حاصل کرکے ان ذرائع کو طے کرسکے جس سے وہ برائی جو ملک میں تیزی سے بڑھ رہی ہے پورے

طریقہ پر روکی جاسکے۔

تحریک نمبر ۲

یہ کانفرنس ان جھگڑوں اور فسادوں پر جو ہندو اور مسلمانوں میں مختلف جگہوں پر ہندوستان میں ہو رہے ہیں اور جن میں جانیں ضائع ہوئی ہیں جائیداد تباہ کی گئی اور جلائی گئی ہے اور مندروں کی بے حرمتی ہوئی ہے افسوس ظاہر کرتی ہے کانفرنس کے خیال میں یہ حرکتیں وحشیانہ اور مذہب کے خلاف ہیں کانفرنس ان لوگوں سے جن کا ان فسادات میں نقصان ہوا ہے اظہار ہمدردی کرتی ہے اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ انتقام یا سزا کی غرض سے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا مذہب اور قانون کے خلاف ہے اس کانفرنس کی رائے ہے کہ تمام متنازعہ فیہ امور خواہ کسی قسم کے کیوں نہ ہوں پنچایت کے سامنے پیش کئے جائیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو عدالتوں کے ذریعہ سے ان کا فیصلہ کرایا جائے۔

تحریک نمبر ۳

یہ کانفرنس ایک مرکزی قومی پنچایت مقرر کرتی ہے جس کے ممبروں کی تعداد پندرہ آدمیوں سے زیادہ نہ ہوگی تاکہ وہ مختلف جگہوں پر مختلف اقوام کے مقامی نمائندوں کی صلاح سے لوکل پنچایت قائم کرے تمام جھگڑوں اور اختلافات کا مع ان جھگڑوں کے جو حال میں ہوئے ہیں اور جن کا تصفیہ پنچایت ضروری اور مناسب خیال کرتی ہے تحقیقات کے بعد تصفیہ کردے اس قومی پنچایت کو اس تحریک پر عمل در آمد کرنے کے لئے قواعد اور قوانین بنانے کا اختیار ہوگا۔

یہ کانفرنس حسب ذیل اصحاب کو مرکزی قومی پنچایت کا ممبر مقرر کرتی ہے اور انہیں اختیار دیتی ہے کہ ۱۵ ممبر کی تعداد پوری کرنے کے لئے اور ممبر اپنے میں شامل کرلیں یہ ممبر ان لوکل نمائندے بھی بطور ایڈیشنل ممبروں کے شامل کرسکتے ہیں۔

(۱) مہاتما گاندھی سر پنچ اعلیٰ (۲) حکیم اجمل خاں (۳) لالہ لاجپت رائے (۴) مسٹر جی، کے، نریمان (۵) ڈاکٹر ایس کے دت (۶) ماسٹر سندر سنگھ لائل پوری

تحریک نمبر ۴

ہندوستان کی مختلف قوموں کے درمیان بہتر تعلقات کو ترقی دینے کے عام اصولوں کو جن کا اعادہ تحریک نمبر ا میں کیا گیا ہے دائرہ عمل میں لانے کی غرض کو مد نظر رکھتے ہوئے اور تمام مذاہب اور عقائد و مذہبی رسومات میں باہمی رواداری پیدا کرنے کے لئے یہ کانفرنس اپنی یہ رائے ظاہر کرتی ہے۔

(۱) ہر ایک فرد و فرقہ کو پوری آزادی حاصل ہے کہ جس عقیدے کو چاہے اختیار کرے اور دوسروں کے احساسات و حقوق کا مناسب احترام کرتے ہوئے اپنے عقائد کا اظہار اور مذہبی رسوم کا اتباع کرے لیکن کسی

حالت میں کوئی فرد یا فرقہ کسی وجہ سے مذہب کے بانیوں یا مقدس ہستیوں یا مذہبی اصولوں کو برا کہنے کا مجاز نہ ہوگا۔

(ب) تمام معابدہ خواہ وہ کسی مذہب یا عقیدہ سے تعلق رکھتے ہوں متبرک اور ناقابل تخریب تصور کئے جائیں گے اور کسی وجہ سے خواہ وہ اشتعال یا اسی قسم کی مذہبی توہین کا بدلہ کیوں نہ ہوں ان پر حملہ یا ان کی توہین نہ کی جاسکے گی ہر ایک شہری کا خواہ وہ کسی مذہب یا عقیدہ سے تعلق رکھتا ہو فرض ہوگا کہ اس قسم کے حملہ یا توہین کو جہاں تک ہو سکے روکے اور جہاں اس قسم کا حملہ کیا جاچکا ہے یا معابدہ کی توہین ہو چکی ہے تو اس پر بلا تامل اظہار نفرت کرے۔

(ج)(۱) ہندوؤں کو یہ توقع نہ رکھنی چاہئیے کہ باہمی معاہدہ کے علاوہ مسلمانوں کو ان کے حق گاؤکشی کے استعمال سے جبراً یا مقامی بورڈوں کو قرار داد یا قانون جماعت ساز کے قانون یا عدالت کے حکم سے روکا جاسکتا ہے ہندوؤں کو اس کے لئے مسلمانوں کے نیک احساس اور دونوں قوموں میں بہتر تعلقات کے قائم ہو جانے پر بھروسہ کرنا چاہئیے جس کی وجہ سے ہندوؤں کے جذبات کا مسلمانوں کے دلوں میں زیادہ احترام پیدا ہوگا۔

(۲) مذکورہ بالا دفعہ میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ کسی مقامی رواج یا دونوں قوموں کے باہمی معاہدہ پر جو پہلے ہو چکا ہے کوئی اثر نہ ڈالے گا اور نہ اس کو مسترد کرے گا اور نہ اس کی وجہ سے کسی ایسی جگہ گاؤکشی کو اجازت ہوگی جہاں پہلے گاؤکشی نہیں ہوئی ہے اس بارے میں واقعات کے متعلق تمام جھگڑے قومی پنچایت جس کا ذکر تحریک نمبر ۳ میں ہو چکا ہے طے کرے گی۔

(۳) ذبیحہ گاؤ اس طرح ہوگا جس سے ہندوؤں کے مذہبی احساسات کو صدمہ نہ پہنچے۔

(۴) اس کانفرنس کے مسلمان ممبر ان اپنے ہم مذہبوں سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ گائے کے ذبیحہ کو کم کرنے کی حتی الوسع کوشش کریں۔

(د)(۱) مسلمانوں کو یہ توقع نہ رکھنی چاہئیے کہ باہمی معاہدہ کے علاوہ وہ مسجدوں کے قریب یا ان کے سامنے ہندوؤں کے باجہ بجانے کو جبراً یا عدالت کے حکم سے یا جماعت قانون ساز کے قانون سے یا مقامی بورڈوں کی تحریک سے روک سکتے ہیں مسلمانوں کو ہندوؤں کے نیک احساس پر بھروسہ کرنا چاہئیے کہ وہ ان کے جذبات کا اس معاملہ میں لحاظ رکھیں۔

(۲) مذکورہ بالا دفعہ میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ کسی مقامی رواج یا دونوں قوموں کے باہمی معاہدہ پر جو پہلے ہو چکا ہے کوئی اثر نہ ڈالے گا اور نہ اس کو مسترد کرے گا اور نہ اس کی وجہ سے کسی ایسی مسجد کے سامنے باجہ بجانے کا حق ہوگا جہاں اب تک باجا نہیں بجایا گیا ہے اس مؤخر الذکر مسئلہ کے بارے میں اگر کوئی واقعات سے متعلق جھگڑا ہوگا تو اس کا تصفیہ قومی پنچایت کرے گی جس کا ذکر تحریک نمبر ۳ میں گزر چکا ہے۔

(۳) اس کانفرنس کے ہندو ممبر ان اپنے مذہبوں سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ مسجدوں کے نزدیک اس طرح باجہ بجانے سے احتراز کریں جس سے جماعت کی نماز میں خلل واقع ہو۔

(ہ) (۱) مسلمانوں کو یہ توقع نہ رکھنی چاہئیے کہ باہمی رضامندی کے علاوہ وہ پوجا کے وقت یا دوسرے موقعوں پر ہندوؤں کو اپنے مکانوں یا مندروں یا دیگر عام جگہوں پر کسی وقت آرتی کرنے یا باجہ بجانے سے جس میں سنکھ کا بجانا شامل ہے جبراً یا عدالت کے حکم یا جماعت قانون ساز کے قانون یا مقامی بورڈوں کے قرارداد کے ذریعہ سے روک سکتے ہیں چاہے ایسا مکان مندر یا عام جگہ کسی مسجد کے نزدیک ہی کیوں نہ ہو بلکہ ان کو ہندوؤں کے نیک احساس پر بھروسہ رکھنا چاہئیے کہ وہ ان کے اوقات کا لحاظ رکھیں گے۔

(۲) مذکورہ بالا دفعہ میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ کسی مقامی رواج یا دونوں قوموں کے آپس کے معاہدہ پر جو پہلے ہو چکا ہے کوئی اثر نہ ڈالے گا اور نہ اس کو منسوخ کرے گا اگر اس بارے میں واقعات کے متعلق کسی قسم کا جھگڑا ہو تو اس کا تصفیہ قومی پنچایت متذکرہ دفعہ ۳ کرے گی۔

(و) مسلمانوں کو آزادی ہے کہ وہ اپنے مکانوں میں یا کسی مسجد میں یا کسی عام جگہ پر جو کہ قوم کے مذہبی رسوم کے واسطے مخصوص نہ کی گئی ہو اذان دے سکتے ہیں یا نماز ادا کر سکتے ہیں۔

(ز) (۱) جب کہ کسی جانور کے جان لینے اور اس کے گوشت فروخت کرنے کی اور اس بناء پر اجازت ہو تو اس کے جان لینے کے طریقہ پر خواہ جھٹکا ہو یا ذبح ہو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

(۲) جہاں کہیں کسی محلہ یا جگہ میں کسی قسم کے گوشت کے فروخت کرنے کے بارے میں کوئی جھگڑا ہو تو وہ جھگڑا اس قومی پنچایت کے ذریعے سے طے ہو گا جس کا ذکر تحریک نمبر ۳ میں ہو چکا ہے۔

(ح) ہر شخص کو اس امر کی آزادی ہے کہ وہ جو مذہب چاہے اختیار کرے اور جب چاہے اسے ترک کر دے ترک مذہب کی وجہ متروک مذہب کے ماننے والوں کو اس کی سزا دینے یا کسی طرح سے تکلیف پہنچانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہو گا۔

(ط) ہر شخص اور ہر گروہ کو آزادی ہے کہ وہ دوسرے کو دلائل یا سمجھانے سے اپنے مذہب میں داخل کرے یا اپنے مذہب سے دوسرے مذہب میں گئے ہوئے لوگوں کو پھر اپنے مذہب میں واپس لے لے لیکن اس کے لئے یہ جائز نہ ہو گا کہ ایسا کرنے یا اس کے روکنے کے لئے دغابازی یا ناجائز ذریعہ مثلاً مادی لالچ سے کام لے لڑکے یا لڑکیوں کو اپنے والدین جائز یا ولی کے ساتھ تبدیل مذہب کرنے کے علاوہ ۱۶ برس سے کم عمر کے لڑکے یا لڑکیوں کا مذہب تبدیل نہ کرایا جائے اگر غیر مذہب کا آدمی کسی ۱۶ برس سے کم عمر کے لڑکے یا لڑکی کو اپنے والدین یا ولی سے الگ بھٹکتا ہوا پاوے تو اسے فوراً اس کے ہم مذہبوں کے حوالے کر دے کسی مذہب کی تبدیلی یا سابق مذہب میں واپس لانے کے معاملہ میں کسی قسم کی خفیہ کارروائی سے کام نہیں لینا چاہئیے۔

(ی) کوئی قوم دوسری قوم کے کسی فرد کو اپنی زمین پر جو کہ اس کی ملکیت ہے کسی نئے عبادت گاہ کے بنانے سے بجبر نہ روکے گی لیکن یہ عبادت گاہ دوسری قوم کی موجودہ عبادت گاہ سے مناسب فاصلہ پر ہونی چاہئیے۔

تحریک نمبر ۵

اس کانفرنس کی رائے میں مبالغہ آمیز واقعات چھاپ کر ایک دوسرے کے مذہب کو برا بھلا کہہ کر اور ہر ایک طریقہ سے تعصب کو بڑھا کر مختلف قوموں میں کشیدگی زیادہ کرنے کی ذمہ داری ایک طبقہ اخبارات پر ہے جو بالخصوص شمالی ہند میں موجود ہیں یہ کانفرنس ایسی تحریروں پر اظہار نفرت کرتی ہے اور پبلک سے اپیل کرتی ہے کہ ایسے اخباروں اور پمفلٹوں کو مدد نہ دیں یہ کانفرنس مرکزی اور مقامی پنچایتوں کو صلاح دیتی ہے کہ ایسی تحریروں کی نگرانی کریں اور وقتاً فوقتاً صحیح خبریں بغرض اطلاع عام شائع کیا کریں۔

تحریک نمبر ۶

چونکہ اس کانفرنس کو بتایا گیا ہے کہ اکثر جگہوں پر مسجدوں کے متعلق نامناسب حرکتیں عمل میں آئی ہیں اس لئے اس کانفرنس کے ہندو ممبران ایسے افعال کو جہاں کہیں بھی وہ سرزد ہوئے ہوں بہ نظر نفرت دیکھتی ہے۔

تحریک نمبر ۷

اس کانفرنس کے ہندو اور مسلمان ممبران اپنے ہم مذہبوں سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ ہندوستان کی دوسری چھوٹی قوموں کے ساتھ پوری رواداری کا برتاؤ کریں اور قومی تعلقات کے ہر ایک سوال میں انصاف اور فیاضی سے کام لیں۔

تحریک نمبر ۸

اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ ایک قوم کے لوگوں کی طرف سے دوسری قوم کے لوگوں کا بائیکاٹ کرنا یا ان سے سوشل یا تجارتی تعلقات کا منقطع کر لینا جیسا کہ ملک کے چند حصوں میں ہوا ہے قابل ملامت ہے اور اس سے ہندوستان کی مختلف قوموں میں اچھے تعلقات کی ترقی پانے میں زبردست رکاوٹ ہوتی ہے یہ کانفرنس اس لئے تمام قوموں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اس قسم کے بائیکاٹ یا منافرت سے اجتناب کریں۔

تحریک نمبر ۹

یہ کانفرنس ہندوستان کی تمام قوموں کے مرد اور عورتوں سے درخواست کرتی ہے کہ وہ مہاتما گاندھی کے روزہ کے آخری نازک ہفتہ میں روزانہ دعا کریں اور ہر ایک گاؤں اور قصبہ میں ۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو عام جلسہ کر کے قوم کی طرف سے قادر مطلق کا شکریہ ادا کریں اور اس کی جناب میں دعا کریں کہ ہندوستان کی تمام قوموں میں محبت اور اخوت کے جذبات پیدا ہوں اور اتحاد پیدا ہو اور جن مکمل مذہبی آزادی اور باہمی محبت کے اصولوں کا اظہار اس کانفرنس میں کیا گیا ہے اس پر ہندوستان کی تمام قومیں کاربند ہوں۔

سیکریٹریان

جواہر لال نہرو ، شعیب قریشی

قتل مرتد کا مسئلہ اگرچہ غیر مسلموں کی نظر میں ہمیشہ کھٹکتا رہا ہے لیکن چونکہ افغانستان میں نعمت اللہ خاں کو جو قادیانی ہو گیا تھا سنگسار کیا جا چکا تھا اس وجہ سے ذہنوں پر پھر مسلط ہو گیا اور منظم تبلیغ اگرچہ شدھی کے جواب میں ارتداد کے سدباب کے طور پر تھی مگر ناگوار ہو رہی تھی۔
جب قرار داد کی پہلی تجویز حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کے علم میں آئی تو ان کا دل تڑپ اٹھا اور مولانا نے فوراً پے در پے مندرجہ ذیل مسلم اور غیر مسلم زعما کو تار اور خطوط بھیجے -(۱) مدیر اخبار شوکت بمبئی (۲) مہاتما گاندھی (۳) پنڈت موتی لال نہرو (۴) مولانا محمد علی مولانا کفایت اللہ مولانا شوکت علی مولانا حسین احمد مولانا حفیظ اللہ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء
یہ تمام مفصل خط و کتابت ایک رسالہ کی صورت میں بنام سراج الاصلاح منشی مظفر علی نے مرتب کر کے شائع کر دی تھی یہاں صرف چند خطوط درج کئے جاتے ہیں۔

خط از مولانا عبدالباریؒ بنام مولانا حسین احمدؒ (دہلی)

مکرمی دام مجدہ-السلام علیکم آپ کا تار آیا- مجھے تعجب ہے کہ میرا مقصد صاف و واضح غالباً آپ حضرات تک نہیں پہنچا میں ابھی تک یہ نہ سمجھ سکا کہ کس سبب سے مبحث عنہ تحریک مذہب کے خلاف نہیں ہے اگر اس کے الفاظ کا مفہوم غلط ہے تو یہ بات مانی جا سکتی ہے اگر شائع شدہ الفاظ صحیح ہیں تو کیا وجہ ہے کہ اس کو ہم مذہب کے احکام کے خلاف نہ سمجھیں۔
مولانا! نفس مسئلہ حکم قتل مرتد میں موجودہ حالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کلام نہیں ہے اگر کوئی سزا دے مرتد کو تو اس پر نفرت کی جائے یہ مابہ النزاع ہے اس میں تو تمام افعال و اقوال و احکام اگلے پچھلے اندرون ہند بیرون ہند سب داخل ہیں اور فرض کیا جائے کہ اندرون ہند اور وہ بھی برٹش انڈیا کے ساتھ تحریک مخصوص ہے تو اس میں بھی ایسی صورت داخل ہے کہ جس میں کسی کا لڑکا مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) اور وہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ اس کو چند دن اپنے گھر میں باندھ رکھے اور فہمائش کرے اس کو گمان غالب ہے کہ اگر ایسا کیا جائے وہ دین میں پھر واپس آ جائے گا جیسا کہ خود موتی لال صاحب کی لڑکی کے بارے میں گاندھی صاحب نے کیا تھا اب یہ صورت بھی اس ریزولیشن میں قابل نفرت و ملامت ہے لیکن اس پر خاک ڈالئے اور اس تاویل سے مان بھی لیجئے تو میں اس پر کد نہ کروں گا اگر قدمائے مقدسین کے افعال کو کسی طرح مستثنیٰ کر دیا جاتا مجھے بھائی محمد علی و شوکت علی صاحبان سے فروگذاشت پر تعجب نہیں ہے مگر آپ ایسے علمائے متبحرین سے اس فروگذاشت کو سخت قابل تعجب سمجھتا ہوں پھر اگر مان بھی لیا جائے کہ ہم قتل مرتد بلکہ کوئی سزا مرتد کو ہم نہیں دے سکتے غور فرمایئے کہ اگر کوئی ادنیٰ سزا دے اور سمجھے کہ اس سزا کو دینا

مرتد کی اصلاح کا باعث ہوگا تو اس پر بھی آپ کی نفرت و ملامت موجود ہے میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کسی نصرانی حربی مثل وھوبی کے قاتل پر اگر کسی نے نفرت کی حالانکہ ہندوستان میں اس قسم کے قتل کی فرضیت کا کوئی قائل نہیں اور اصول ترک موالات بلا تشدد و مجوزہ گاندھی جی کے بھی خلاف ہے اس پر اظہار نفرت کرنا برا ہوا اور اس قسم کی سزا مرتد کو دینا جس سے اصلاح کی امید ہے قابل نفرت سمجھا جائے بلکہ اس پر مجمع میں نفرت کی جائے صاف اور واضح بات کو چھوڑ کر کہ "ہم ہندوستان میں نہ قبل سوراج نہ بعد سوراج قتل مرتد کرنے کا حکم نہیں دیتے" ایسی لغو اور بے معنی عام تحریک کرنا کیا ضروری تھا اور اس سے کیا فائدہ ہوگا مانا کہ اس پر ریزولیشن سے فتنہ ارتداد دفع ہوتا ہے گو اس کی امید نہیں لیکن مقصود اس کا یہی سمجھا جائے تو بھی جملہ مابہ النزاع سے جو مذہبی خرابی اب پیش ہے اس سے تو فتنہ ارتداد بڑھا جاتا ہے۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گزشتی
گو مشت خاک ماہم برباد رفتہ باشد

ایک فتویٰ جو علمائے ندوہ نے آج بھیجا ہے اس کی نقل مرسل ہے۔

فقیر محمد عبدالباری - ۲ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

خط از مولانا شوکت علیؒ بنام مولانا عبدالباریؒ

دہلی یکم اکتوبر ۱۹۲۴ء - حضور والا - السلام علیکم کل ایک تار پنڈت موتی لال نہرو محمد علی اور مولانا کفایت اللہ صاحب کے نام آیا جب میں لکھنؤ حاضر ہوا تھا تو عرض کیا تھا کہ اس وقت لکھنؤ حاضر ہونے کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ موجودہ کانفرنس میں پیش ہونے والے مسائل کے بارے میں شرعی احکام کے متعلق حضور کی یا کم از کم مولوی عنایت اللہ صاحب کی اعانت حاصل کروں ابتدائے تحریک سے بار بار اور مسلسل عرض کرتا رہا ہوں کہ میں فقہ سے اور احکام شرعیہ کی باریکیوں سے واقف نہیں ہوں اس لئے ہمیشہ ہر مسئلے میں حضور کی رائے دریافت کرلیا کرتا ہوں یہ ایک نازک موقع تھا جس میں اکثر مذہبی امور پر بحث ہونے والی تھی اس لئے میں نے چاہا تھا کہ مولوی عنایت صاحب ضرور شریک ہوں مگر وہ تشریف نہیں لائے اب مجبوراً ہم کو یہاں ان علماء کی رائے پر اعتماد کرنا پڑا جو کانفرنس میں تشریف رکھتے ہیں مولانا کفایت اللہ صاحب مولانا حسین احمد صاحب مولانا احمد سعید صاحب وغیرہ اس لئے ہم لوگوں پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے جیسا علماء نے یہاں فتویٰ دیا اس پر عمل کرکے تحریک پیش کی گئی پاس کی گئی جس وقت یہ تحریک پیش کی گئی تو سب سے پہلے علماء کی رائے اس مسئلہ میں دریافت کی گئی مولانا کفایت اللہ صاحب نے بلا کسی شرط یا مشتبہ الفاظ کے صاف اور واضح طور پر بیان کیا کہ مرتد کی سزا یقیناً از روئے شرع شریف قتل ہے مگر اس سزا کا نفاذ ہندوستان میں اب یا بعد حصول سوراج نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اس کے نفاذ کے لئے سلطان کی موجودگی قانون اسلام کا نفاذ اور محکمہ قضاۃ و غیرہ وغیرہ کا موجود ہونا ضروری ہے جو یہاں نہ اب ہے اور نہ

آئندہ ہو سکتا ہے پھر ان سے سوال کیا گیا کہ کوئی سزا علاوہ قتل کے دی جا سکتی ہے یا نہیں اس کا بھی انہوں نے یہی جواب دیا کہ اب انہیں کے الفاظ رزولیشن میں رکھ دیئے گئے جہاں تک میں سمجھتا ہوں حضور کو شاید یہ غلط فہمی ہوئی کہ اس رزولیشن کا کسی طرح کا بھی تعلق اس قانون مرتد سے ہے جس کا اس وقت نفاذ ریاست بھوپال میں ہے اس کے متعلق شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ریاستوں میں سے ہم کو کوئی تعلق نہیں ہے ہمارے کسی ریزولیشن کا کوئی اثر ریاست کے قوانین پر نہ اب پڑ سکتا ہے اور نہ آئندہ کبھی پڑنے کا اندیشہ ہو سکتا ہے مثلاً اگر ریاستی نظام میں اس وقت چور کا ہاتھ کاٹنے یا مرتد کے قتل کا حکم جاری کر دیا جائے تو ہم کو اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا اسی طرح ریاست جیپور میں گاؤکشی پر پھانسی کی سزا کا حکم ہے مگر ہم کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی اس وقت مسئلے کی نوعیت صرف اس قدر ہے کہ ہندوؤں کی طرف سے ایک سوال قتل مرتد یا سزائے مرتد کے بارے میں کیا جاتا ہے ہم اس کے جواب میں جو صحیح حکم شریعت ہے اس کو بیان کر دیتے ہیں نہ ہندوؤں کو اس وقت اس سوال سے زائد کا حق تھا اور نہ ہم کو حق تھا کہ کوئی قانون بنائے کانفرنس کا کوئی فیصلہ ناطق نہیں ہے سزائے مرتد یا قتل مرتد کے بارے میں اگر کوئی سوال پیدا بھی ہو سکتا ہے تو بعد سوراج- مسلمانوں کو پورا حق ہے کہ جس وقت چاہیں گے پارلیمنٹ میں جو قانون چاہیں پاس کرائیں اس کانفرنس میں صاف صاف برابر اعلان کیا جاتا رہا ہے کہ اس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ موجودہ فسادات کے رفع کرنے اور ان کے اسباب کے دریافت پر غور کیا جائے ہندو مسلمانوں میں کوئی دوامی شرائط صلح نہیں طے کئے جارہے ہیں قتل مرتد کے بارے میں اس وقت ایک جماعت کو فکر تھی کہ اس کے متعلق مسئلے کو واضح کیا جائے میں نے عرض کیا تھا کہ لکھنؤ کی حاضری کا ایک سبب اس مسئلہ کو دریافت کرنا بھی ہے مجھ کو یاد ہے اور اسی بناء پر میں نے یہاں حضور کے مشورہ کا حوالہ دے کر اعلان کیا کہ مسئلہ یوں ہی ہے جس طرح مولانا کفایت اللہ صاحب نے بیان کیا آخر میں نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کروں گا کہ حضور اس وقت تک سکوت فرمائیں جب تک یہاں کے حالات مولانا کفایت اللہ صاحب اور دیگر حاضرین سے سن نہ لیں اور صحیح حالات معلوم نہ کر لیں دو چار روز کی تاخیر میں کوئی نقصان نہ ہوگا اور حضور ہم پر کم سے کم یہ تو بھروسہ کر لیں کہ ہم اپنی موجودگی میں شریعت کی تحقیر نہ ہونے دیں گے میں جانتا ہوں کہ حضور کو کس درجہ ہندو مسلمان کے اتحاد کا خیال ہے اس لئے ہم کو تو اس کے خلاف گمان کرنا بھی اب نادانی اور جہالت ہے واقعات صحیح آپ کو سب معلوم ہو جائیں گے اور اس وقت باقی ماندہ شکوک اور دقتیں باہمی حالت رواداری کے ساتھ فیصلہ پا جاویں گی از حد مصروف ہوں اور تھکا ہوا حضور کا خادم-

خادم کعبہ شوکت علی

خط مولانا حسین احمدؒ بنام مولانا عبدالباریؒ

شب تاریک و بیم موج و گرداب چنیں ہائل
کجا دانند حال ما سبکساراں ساحلہا

مولانا المحترم زیدت معالیکم - السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ - والا نامہ مع تار باعث سرفرازی ہوا مولانا! ایک دو امر ہوں تو ان کو ذکر کیا جائے - دل ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم - صنف علما کی خود پسندی تشتت خود رائی حب جاہ ومال خوف اغیار کی تاریک گھٹاؤں نے عرصہ دراز سے جو کچھ نہ دیکھا تھا وہ دکھا ہی رکھا تھا مگر اس زمانہ پر آشوب میں اس صنف کے استغنا اور غفلت نے تو اساس اسلام کے کھود ڈالنے کی تیاری کرلی ہے اس مؤتمر اتحاد نے ہر طبقے اور ہر صنف اور ہر فریق کے لوگوں کو دعوت دی قریب اور بعید کے تقریباً چار سو ستر یا زیادہ آدمیوں کو بلایا مگر اول تو مسلمان بہت کم آئے پھر ان میں علما کی جماعت اقل قلیل تھی علماء دیوبند کو متعدد تار گئے کوئی نہیں آیا علماء بدایوں میں سے کوئی نہیں آیا اور علی ہذا القیاس دوسرے مقامات سے بھی کوئی نہیں آیا فقط سید سلیمان ندوی تشریف لائے تھے جو فقط دو تین دن ٹھہر کر چلے گئے کوئی معتدبہ دلچسپی انہوں نے نہیں لی - مولانا! مجمع اغیار تھا - ہندو سکھ پارسی عیسائی مجتمع تھے مسلمانوں میں سے قادیانی روشن خیالی کے مدعی انگریزی خوان حضرات جو بزعم خود اپنے سامنے ابو حنیفہؒ اور شافعی ومالک واحمد حنبل وغیر ہم کو نہ صرف طفل مکتب بلکہ مضر للدین والاسلام سمجھتے اور کہتے ہیں موجود تھے ہر فریق نے اپنے چیدہ چیدہ متکلم اشخاص کو بھیجا اور جمع کیا تھا مگر کیا اسلام کے مذہبی اور علمی طبقے کو اس کی کوئی پرواہ ہوئی تھی اس کا جواب سوائے نفی کے اور کچھ نہیں -

مولانا! اس مجمع میں جو کچھ مشکلات ہم کو پیش آئیں اس کو ہم ہی اندازہ کر سکتے ہیں اور آپ اتنی دور بیٹھے ہوئے اندازہ نہیں کر سکتے ہر ہر لفظ اور ہر ہر مسئلے پر دشواریوں کے پہاڑ اڑ جاتے تھے جن کا اٹھانا بھی دشوار اور ہٹانا بھی دشوار تر ہوتا تھا نہ کوئی صحیح مشورہ دینے والا ہوتا تھا نہ کوئی ہمدردی اور اعانت کرنے والا خود ہمارے معزز لیڈروں کے بات بات پر حملے اور سخت حملے ہوتے رہے اگر مجمع اغیار میں ان کا جواب دیں تو اسلام مسلمانوں علماء کی توہین ہوتی ہے اور اگر چپ رہیں تو مداہنت کا دھبہ - عجب کشمکش کا عالم تھا شیر نری کا دعویٰ کرنے والے اغیار کے سامنے بزاخفش بنے ہوئے نظر آتے تھے آپ خود خیال فرما سکتے ہیں کہ مخالف فریق اور مدعیان اجتہاد وعلمیت پر جماعت کا جو اثر پڑ سکتا ہے وہ ایک دو کا نہیں ہو سکتا پھر چند دماغ جو چیز پیدا کر سکتے ہیں ان کے لئے ایک یا دو دماغ کافی نہیں ہو سکتے اور جب کہ اپنوں ہی میں ایسے حضرات ہوں جو کہ دوسروں کے سیلاب میں اپنے آپ اور اپنی قوم کو بہا دینے کے لئے تیار ہوں تو اس کا کیا حشر ہو گا -

قومی هم قتلوا امیم اخی فلئن رمیت یصیبنی سهمی
ولئن عفوت لا عفون جللا ولئن کسرت لا وهنن عظمی

مولانا المحترم - پہلے ہی دن فریق غیر کی طرف سے مجھ سے کہا گیا کہ یہ صلح کس طرح ہو سکتی ہے جب کہ تمہارے مذہب میں مرتد کے لئے سزا قتل ہے میں نے جواب دیا کہ بیشک یہ حکم مذہب کا ہے مگر ہم ہندوستان کے لئے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں بصورت برٹش راج یا سوراج اس مسئلے کا ہندوستان سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا کہا گیا کہ بصورت سوراج خالص اسلامی ریاستیں ممکن ہے کہ

اس پر عمل کریں میں نے جواب دیا کہ یہ ریاستیں غالباً اس وقت بھی اسی قسم کی خود مختار ہوں گی جیسی کہ اب ہیں یا جمہوریت کے اعضاء میں سے ہو کر خالص اسلامی خود مختار کامل نہ ہوں گی اس لئے وہ بھی ہمارے مسئلے سے خارج ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اجلاس شروع ہوا تمہیدی تقاریر شروع ہوئیں چند انگریزی تقریروں کے بعد پنڈت مالویہ جی نے تقریر کی اور اشتراک مذہب اتحاد و تحمل کی ضرورت اور فوائد وغیرہ بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ وہ اپنے مذہب میں سے سزائے مرتد اور تبلیغ کو نکال ڈالیں تاکہ امن و اتحاد قائم ہو یہ تقریر غالباً آدھ گھنٹے ہوئی تھی۔

مجھ کو کہا گیا کہ تو اس کے بعد تقریر کر۔ مگر مولانا کفایت اللہ کے موجود ہوتے ہوئے ان کی قوت تقریر و تحریر ذکاوت و فطانت علمی بلند پائیگی وغیرہ مجھ کو ہر طرح مجبور کرتی تھی کہ میں اس کی اپیل ان کی خدمت میں کروں چنانچہ مولانا نے موصوف کھڑے ہوئے اور نہایت واضح اور روشن طریقے پر ثابت کیا کہ مختلف المذاہب اور مختلف الاعتقاد اقوام و ادیان ایک سر زمین میں کس طرح بسر کر سکتے ہیں اور ان کے لئے طرز عمل کیا کیا اختیار کرنا ضروری ہے آخر میں مولانائے موصوف نے فرمایا کہ بے شک شریعت اسلامیہ میں یہ مسئلہ مسلم ہے کہ مرتد کو سزائے قتل دی جائے مگر اس کا تعلق ہندوستان سے نہیں اس سزا کا اختیار سلطان اسلام کو ہے وہ اپنی قلمرو میں اس کو جاری کر سکتا ہے موجودہ حالت میں اور بعد از سوراج ہندوستان اس سے خارج ہے اس بیان کو وضاحت کے ساتھ مولانا نے روشن فرمایا جس پر تمام حاضرین کی کامل توجہ منعطف تھی۔

اس پر پنڈت رام چندر نے یہ کہا کہ جہاں سلطان اسلام نہ ہو یا حکم نہ دے وہاں کوئی مسلمان فرد یا جماعت خود کسی مرتد کو قتل کر سکتے ہیں یا نہیں۔ مولانا نے فرمایا نہیں اس نے کہا کہ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کی کیا سزا ہے۔ مولانا نے کہا کہ یہ امر مفوض الی رای السلطان ہے یہ گفتگو جب ہو رہی تھی اس پر مالویہ جی اور دوسرے لیڈر ہندو بار بار یہ کہہ رہے تھے کہ اس کی تنقیح کی اب ہم کو ضرورت نہیں جب کہ ہم کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس مسئلے کا تعلق ہندوستان کی موجودہ اور مستقبلہ حالت سے نہیں تو ہم کو کافی ہے۔ مولانا کفایت اللہ نے اس وقت کہا بھی کہ اگر اس مسئلے کے متعلق اور کچھ کسی کو پوچھنا یا کہنا ہو تو پوچھے میں جواب کے لئے تیار ہوں اس پر ان کے عام لیڈروں نے خصوصاً بڑوں نے کہا کہ نہیں یہ قدر ہم کو کافی ہے مسئلہ تبلیغ کے متعلق مولانا نے فرمایا کہ مذہب اسلام ابتدا ہی سے تبلیغی مذہب ہے اور ہمیشہ سے وہ تبلیغ کا کام کرتا رہا اور یہی اس کی تعلیم ہے مگر نہایت حکیمانہ اور عادلانہ طریقے پر بلا اکراہ و اجبار وغیرہ۔

غرضیکہ اس مفصل تقریر پر سبھوں کو اطمینان ہوا اس میں مولانا آزاد نے فرمایا کہ مولانا! یہ تفصیل کر دیجئے کہ یہ حکم قضاء ہے یا تشریعاً۔ مگر مولانا موصوف کی گزشتہ تقریر پر سبھوں نے کہا کہ اب اس کی کوئی حاجت نہیں مولوی محمد علی صاحب بولے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس کے بعد مفتی محمد صادق

صاحب قادیانی کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی تقریر میں بھی یہ کہا کہ حقیقت میں مسئلہ مرتد ہندوستان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا یہاں کوئی سزا انہیں نہیں دی جا سکتی۔

بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ہندوستان کے باہر بھی اس کو کوئی سزا نہیں دی جا سکتی اور نہ سلطان اسلام کو اس کا اختیار ہے۔ اس پر میں نے چلا کر کہا کہ یہ محض آپ کی رائے ہے مذہب اسلام میں یہ نہیں ہے۔ سید سلیمان ندوی صاحب نے مجھے روکا اور یہ کہا کہ یہ بھی تو یہی کہہ رہے ہیں کہ میں کہتا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ ان مباحث پر جن میں یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ مذہب اسلام میں یہ سزا مقرر ہے مگر یہاں بوجہ مانع اس کا اجرا نہیں ہو سکتا تمام حضار جلسہ کو اطمینان ہو گیا اس کے بعد مختلف اشخاص کی تقریریں ہوئیں۔

صدر جلسہ اور دیگر مقررین نے بار بار اپنے الفاظ کہے کہ اس جلسے میں گزشتہ اعمال و افعال کی تحقیق و تفتیش کرنی مطلوب نہیں اور نہ ان کی نسبت کوئی فیصلہ ظاہر کرنا ہے بلکہ آئندہ کے متعلق ایک نظام عمل تیار کرنا ہے تاکہ وہ امور جن کی وجہ سے فضاء ہندوستان مکدر ہو گئی ہے ظاہر نہ ہوں اسی بناء پر متعدد اوقات میں جب کہ سوامی شردھانند نے اپنی کتاب اور اخبار لے کر جناب کے فتویٰ قتل مرتد پر اظہار رائے کرنا اور اسے چیلنج دینا چاہا صدر جلسہ نے روک دیا ہم سب تیار تھے کہ اگر سوامی جی نے تقریر کی تو انشاء اللہ پوری وضاحت کے ساتھ جواب دیں گے مگر چونکہ صدر جلسہ نے یہ بھی کہا تھا کہ عنقریب اس کے متعلق خاص طور سے رزولیشن آنے والا ہے اس وقت آپ کو جو کچھ فرمانا ہے فیصلہ کے بعد آپ فرمائیں تو ہم نے بھی یہ مناسب سمجھا کہ اب اس وقت ہم کو الجھنا نہ چاہئے ورنہ ہم بھی روک دیئے جائیں گے۔

اور ہم بعد ممانعت صدر گزشتہ امور پر تبصرہ کرنا بھی غیر ضروری خیال کرتے تھے اسی طرح جب کہ رزولیشن نمبر ۱ میں منادر کے متعلق اظہار افسوس کا جملہ آیا اور اس میں ترمیم زیادت لفظ مساجد یا بدال الفاظ معابد کی احقر نے پیش کی اور بحث جاری ہوئی تو میں نے مساجد بھرت پور کا ذکر کیا اس پر کہا گیا کہ وہ معاملہ اسٹیٹ کا ہے ہم اسٹیٹ کے افعال میں حسب اصول کانگریس کوئی مداخلت نہیں کر سکتے۔

الحاصل اس کانفرنس کے اصول و قواعد میں سے جن کا بار بار تذکرہ آچکا تھا یہ چند امور تھے امور استقبالیہ کے متعلق فیصلہ اور غور۔ جو امور باعث فساد و فتنہ ہیں ان کا تصفیہ - امور متعلقہ برٹش ہند پر اتفاق - گزشتہ امور پر نہ تبصرہ و تنقید تھی اور نہ ممالک خارجہ از ہند یا ریاستیں ان میں داخل ہیں اس لئے ذبیحہ گاؤ و دیگر حیوانات یا آرتی اور اذان وغیرہ کے متعلق تصفیہ جات ریاستوں سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتے جہاں پر کہ یہ اعمال جبراً روکے جاتے ہیں اور ریواں راج وغیرہ میں تبدیل مذاہب پر سزائیں مقرر ہیں۔"

مولانا نے محترم! رزولیشن نمبر ۴ کے تمہید کے ان الفاظ کو بھی مد نظر رکھیں جن کا تعلق خاص رزولیشن نمبر ۱ سے ہے اور وہ اس پر پوری روشنی ڈالتے ہیں" رزولیشن نمبر ۱ میں ہندوستان کی مختلف قوموں کے تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے جو عام اصول قرار دیئے گئے ہیں ان کو مد نظر رکھ کر اور تمام مذاہب عقائد

وامثال مذہبی کے لئے کامل رواداری حاصل کرنے کی غرض سے یہ کانفرنس اپنی یہ رائے قائم کرتی ہے کہ :“

مولانا المحترم! جب آں جناب ان الفاظ پر غور فرمائیں گے تو کسی طرح بھی زمانہ اسلاف کرام پر ریزولیشن نمبر ۱ کے الفاظ کو اگرچہ وہ کسی درجہ میں موہم یا صریح بھی ہوں صادق نہ فرما سکیں گے اور نہ بیرون ہند کسی کو اس کا مصداق بنا سکیں گے بلکہ اندرون ہند بھی ریاستیں بالاتفاق اس سے خارج ماننی پڑیں گی۔

مولانا المحترم! ہم نے حتی الوسع جہاں تک بھی ممکن ہوا اپنی پوری سعی اصلاح میں صرف کی ہے اور اس کی پوری رعایت کی ہے کہ اپنے حقوق شرعیہ اور ارکانات مذہبیہ محفوظ ہیں جس میں ہم کو احباب سے بہ نسبت اغیار زیادہ دقتوں کا سامنا کرنا پڑا خصوصاً مولانا کفایت اللہ نے اس میں نہایت زیادہ جانفشانی کی (فشکر اللہ مسعاہ) ہم یقیناً کہتے ہیں کہ اگر ان کی ذات اس میں سعی بلیغ نہ کرتی یا موجود نہ ہوتی تو خدا جانے کیا ہو جاتا۔

مولانا! ضروری ہے کہ علماء کرام ذرا توجہ کریں اور اسلام کے سنبھالنے کی کوشش اور اتحاد صحیح میں پورا اجتہاد صرف کریں ورنہ یہ ایک یادو باہمت حضرات بھی تھک کر بیٹھ جائیں گے کہاں تک گالیوں اور الزامات لایعنی کا بوجھ اٹھاویں گے گورنمنٹ کے نمک خوار علیحدہ انکے بدنام کرنے کی کوششیں عمل میں لارہے ہیں پبلک کے کج فہم کج رائے اشخاص علیحدہ ان پر بوچھاڑ کر رہے ہیں انگریزی تعلیم یافتہ حضرات علیحدہ طرح طرح کی لسانی تحریر عملی کارروائیاں پیش کر رہے ہیں پھر بھی ہمارا شیرازہ بکھرا ہوا ہے ایک دوسرے کی نہ رواداری کرتا ہے نہ ہمدردی اور خبر گیری کے لئے تیار ہے دشمن ہر طرح نور اسلام کو بجھانے پر تلا ہوا ہے اور ہم اپنے زاویہ میں آرام کر رہے ہیں اگر آپ جیسی مقدم ہستیاں جنھوں نے جمعیت کی بنیاد ڈالنے کی کوشش کی تھی وہ بالکل علیحدہ رہا کیں تو کیونکر نتیجہ نکل سکتا ہے اور اس کے قائم رکھنے کی کوشش کرنی نہیں ہے تو بند کر دیجئے اس کے کہ اغیار و احباب اس کی کونچیں کاٹ کر اس کو ہباءً منثوراً کر دیں۔ فان کنت ماکولا فکن خیر اٰکل – والا فادر کنی ولما امزق پھر میں عرض کرتا ہوں کہ ریزولیشنوں میں اس کا بھی بہت زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اقتصادی میں موجودہ کشاکش کو لحاظ رکھتے ہوئے کون سی صورت مفید ہو سکتی ہے اپنے فہم و تجربہ کے مقدار پر کوشش کی گئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء۔ والسلام خیر ختام۔

دستخط حسین احمد

جواب خط مذکور از مولانا عبد الباری بنام مولانا حسین احمد

مولانا المحترم! السلام علیکم مکرمت نامہ صادر ہوا میں تاسف کرتا ہوں کہ میرے پہلے تار کا جواب مختصر دینے کے بجائے تھوڑی بات طویل کر دی گئی یک جواب تھا اس کا جو بعد کو موتی لال صاحب نے اور

مولانا کفایت اللہ صاحب نے دیا ہے اب اطلاع جناب کے اس کی وضاحت کے بعد رزولیوشنوں میں تردید کی لیکن جس وقت صدر کا پیش کردہ رزولیوشن کا مذہبی صاحب کی فاقہ کشی کی استدعا میں شائع ہوا تھا اس وقت کسی قسم کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی تھی اور اس وقت تک وہ مباحث بھی نہیں ہوئے تھے جو بعد ہوئے اس وقت تو علماء کی موجودگی بھی شائع نہیں ہوئی تھی اس واسطے یہ تو خیال بھی نہیں آسکتا کہ آپ حضرات اس کے ذمہ دار ہوں گے میں مولانا کفایت اللہ صاحب کی مشکلات کو اچھی طرح احساس کرتا ہوں ان کو جیسا کہ میں نے لکھا ہے سمجھتا ہوں اس کے ظاہر کرنے میں مجھے کبھی کوئی تامل نہیں ہوا مجھے یقین ہے اور ایسا ہی مجھے صحیح اخبارات سے بھی معلوم ہوا کہ مولانا کفایت اللہ صاحب نے جو خدمات اسلام کی اس کانفرنس میں انجام دیئے وہ دہلی جماعت علماء کے مباہات وافتخار کا باعث ہے سوائے اس کے کہ ہم عرض کریں کہ اللہ انکو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کو ہمیشہ امت محمدی کی اعانت کے لئے زندہ سلامت رکھے انہیں کی ایک ذات جمعیۃ علمائے مرادآباد و متعلق ہے اور کیا کہا جائے۔

مولانا! جلسہ دہلی کی وہ وقعت جو اس کے بانیوں نے سمجھی تھی ہمارے ذہنوں میں نہ تھی اس میں ہمارے علماء نے اگر شرکت نہیں کی تو الزام کے قابل نہیں ہیں اور جو شریک ہوئے وہ خود اس شرکت سے دشواریوں میں گرفتار ہوئے اور امتحان ہو گیا کہ کون علماء بااثر ہیں۔

بہر حال معاملہ بہت تھوڑا تھا موتی لال صاحب نے تار میں تاخیر ہوئی بڑھ گیا مگر تار آجانے سے اطمینان ہو گیا مولانا کفایت اللہ صاحب نے قتل مرتد کے بارے میں جو کچھ خیال ظاہر فرمایا وہ بالکل صحیح ہے اس میں مجھے کوئی کلام نہیں مجھے اس عام اور بے قید رزولیوشن پر اعتراض تھا اور ان الفاظ کے ساتھ اب بھی میں قابل اعتراض سمجھتا ہوں لیکن وضاحت کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا والسلام

فقیر محمد عبدالباری عفاعنہ

خط از مولانا کفایت اللہ بنام مولانا عبدالباری فرنگی محلی

دہلی ۱۱ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

مولانا المحترم۔ دامت فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مجھے سخت ندامت اور افسوس ہے کہ میں مفصل طور پر جناب کے تاروں کا جواب اس سے قبل نہ دے سکا ایک اجمالی تار ارسال خدمت اقدس کر دیا تھا جناب کے تاروں سے جناب والا کا تیقظ اور اسلامی غیرت اس پایہ کا ثابت ہو گیا کہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

مولانا! واقعہ یہ ہے کہ پہلے دن کے اجلاس مؤتمر میں خاکسار اگرچہ شریک تھا مگر پہلا رزولیوشن انگریزی میں پڑھایا گیا اور اس کا اردو ترجمہ یا حاصل مطلب بیان کیا گیا مگر میں حلفاً عرض کرتا ہوں کہ مجھے اس فقرے کا جو سزائے ارتداد کے متعلق ہے اس وقت بالکل علم اور احساس نہیں ہوا واللہ اعلم کہ اردو میں وہ

بیان سے رہ گیا یا میں نے نہیں سنا تجویز پاس ہو گئی۔

دوسرے روز جناب کا تار ملا اس سے مجھے فوری خیال ہوا اور میں نے پہلی تجویز کو تلاش کر کے دیکھا تو اس میں وہ الفاظ موجود تھے سخت افسوس ہوا اگرچہ معاملہ سب کا سب ہندوستان کے متعلق تھا تاہم الفاظ میں عموم ضرور تھا میں سخت کشمکش میں پڑ گیا بالآخر سوائے اس کے کوئی تدبیر نہ کر سکا کہ رزولیوشن نمبر ۴ کی تمہید میں میں نے اپنی ترمیم بایں الفاظ پیش کی اور صدر صاحب کو معاملہ سمجھا کر اور ہاؤس اور اپنے بعض ہم خیالوں سے بحث مباحثہ کر کے یہ الفاظ بڑھوائے کہ "رزولیوشن نمبر ۱ میں ہندوستان کی مختلف قوموں کے تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے جو عام اصول قرار دیئے گئے ہیں الخ" اب رزولیوشن نمبر ۴ بتاتا ہے کہ رزولیوشن نمبر ۱ کا عموم مطلقاً نہیں ہے بلکہ وہ ہندوستان کے ساتھ مقید ہے اور ہندوستان سے بھی برٹش انڈیا مراد ہے ہندوستانی ریاستیں بھی اس میں داخل نہیں ہیں نیز جب کہ بعض ہندو مقررین کی طرف سے یہ مضمون بیان کیا گیا کہ جب تک مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ مرتد کو واجب القتل سمجھتے رہیں گے اور گویا قتل کرتے رہیں گے اس وقت تک ہندو مسلمانوں میں نباہ نہیں ہو سکتا میں نے بھرے مجمع میں اس کا جواب دیا کہ بیشک اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے اور ارتداد اسلام کے نزدیک ہولناک گناہ اور بدترین جرم ہے اور یہ اسلام کا ایک مسلمہ اور روشن اصول ہے میں اس کے ظاہر کرنے اور بیان کرنے میں کسی قسم کا تامل نہیں کرتا مگر یہ کہنا کہ ہندوستان کے فسادات اس عقیدے کے نتائج ہیں اور مسلمان اس لئے ہندوؤں سے لڑتے ہیں کہ ان کو ارتداد یا اشاعت ارتداد کی سزا دیں غلط ہے اس لئے کہ جیسا یہ اسلام کا مستحکم اصول ہے کہ ارتداد کی سزا قتل ہے اسی طرح یہ بھی اسلام کا اصول ہے کہ اس سزا کو جاری کرنے کا اختیار سلطان اسلام کو ہے پس موجودہ حالت میں ہندوستان میں مرتد کی سزا قتل ہونے سے کوئی تعلق نہیں جس طرح تمام حدود اور قصاص یہاں جاری نہیں اسی طرح مرتد کی سزا بھی جاری نہیں اور نہ مسلمان اس پر قادر ہیں۔

اس پر مولانا ابوالکلام صاحب نے فرمایا کہ مولانا یہ تو فرمایئے کہ بعد سوراج کیا ہو گا میں نے کہا کہ سوراج کے بعد واضعان قانون سے اختیارات کی جو نوعیت ہو اس کے مطابق فیصلہ ہو گا اگر سوراج کے بعد اسلامی قانون کی ترویج کا کوئی موقع ہوا تو یقیناً اس کے موافق احکام جاری ہوں گے اور نہ ہوا تو حالت جس کی مقتضی ہو گی وہ ہو گا۔

تبلیغ کے متعلق میں نے صاف کہہ دیا کہ اسلام کی بنیاد تبلیغ پر ہے اور اس کے خمیر میں تبلیغ داخل ہے وہ ایک کھلا ہوا تبلیغی مذہب ہے اس کا دروازہ تمام دنیا کے لئے کھلا ہوا ہے اور اس کے دامن کے نیچے تمام بنی آدم آ سکتے ہیں اس کو حق تبلیغ سے کوئی نہیں روک سکتا اور ہندوستان کی موجودہ فضاء میں مسلمانوں کو بھی یہ موقع نہیں کہ وہ کسی کو تبلیغ مذہب سے روک سکیں ہاں جس طرح اسلام کی تبلیغ جبر و اکراہ اطماع و خداع وغیرہ سے پاک ہے اسی طرح دوسرے بھی ان ذمائم سے علیحدہ رہ کر صرف تبلیغ کر سکتے ہیں یہ ذمائم درحقیقت تبلیغ مذہب کے لئے نہیں بلکہ اغراض نفسانی کے لئے کام میں لائے جاتے ہیں۔

ان مضامین کو میں نے بھرے مجمع میں پوری بلند آہنگی اور وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا تھا کہ سوامی شردھانند اور پنڈت مدن موہن مالویہ وغیرہ بڑے بڑے ہندوؤں نے بھی کہہ دیا کہ اب ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہاں پنڈت رام چندر جی نے کہا کہ کیوں صاحب اگر سلطان اسلام کے حکم کے بغیر کوئی مسلمان مرتد کو قتل کر دے تو اس کی کوئی سزا ہے ؟ میں نے کہا ہاں وہ افتیات علی السلطان کے جرم کا مرتکب ہے اور اس کی سزا بادشاہ کی رائے پر ہے۔

ہاں! مفتی محمد صادق قادیانی نے کہا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں ہے بلکہ اسلام ہر شخص کو ضمیر کی آزادی دیتا ہے تو اس پر مولانا حسین احمد صاحب نے نہایت بلند آہنگی سے اور میں نے بھی کہہ دیا کہ یہ آپ کی رائے ہے اسلامی اصول نہیں ہے اسلام میں بے شک مرتد کی سزا قتل ہے۔

مولانا! ایک ہفتہ تک رات دن معاملات کو سلجھانے اور حقوق اسلامیہ و قومیہ کی حفاظت کی کوشش سے کام کرنے میں جن دقتوں کا سامنا ہوا اس کا بیان مشکل ہے جن حضرات نے دیکھا ہے وہی اندازہ کر سکتے ہیں میں صرف اس قدر عرض کر سکتا ہوں کہ میری شرکت شخصی حیثیت سے تھی اور اس کی تصریح بھی کر دی گئی تھی اور میں نے اپنی عقل فاتر و فہم قاصر اور اپنی بساط کے موافق مذہبی اور قومی حقوق کی حفاظت میں کوئی فروگذاشت نہیں کی اپنوں سے بھی اور غیروں سے بھی پوری نبرد آزمائی ہوئی باوجود اس کے ہر طرح حقوق کی حفاظت کی مطمح نظر صرف یہ تھا کہ ہندوستان میں آپس کا اتفاق اور جنگ و جدل بند ہو اور ہر فریق اپنی جگہ اپنے فرائض مذہبی میں آزاد ہو اور دوسروں کے لئے رکاوٹ نہ ڈالے ہندوستان کی موجودہ حالت میں یہی ہماری پوزیشن ہے اور اسی کو پیش نظر رکھ کر تجاویز مرتب کی گئی ہیں باوجود اس کے اگر مجھ سے کوئی غلطی یا فروگذاشت ہوئی ہو تو میں اس کے اعتراف کے لئے تیار ہوں امید کہ جناب والا دعا سے فراموش نہ فرمائیں گے۔ خاکسار محمد کفایت اللہ غفرلہ

جواب خط از مولانا عبدالباری رحمتہ اللہ علیہ

مولانا المکرم - السلام علیکم - گرامی نامہ آیا کاش میرے تار کے جواب میں فوراً کوئی اطمینان بخش جواب آپ تار دے دیتے تو تین چار دن تک بے اطمینانی نہ رہتی اور مزید اصرار کی ضرورت نہ ہوتی اس میں شک نہیں کہ جناب نے پوری سعی فرمائی اور اپنے فرائض کو بہت خوبی سے انجام دیا یہ واقعات جو جناب نے تحریر فرمائے مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہو چکے ہیں میرے نزدیک کوئی ادنیٰ لغزش جناب سے نہیں ہوئی عالم الغیب اگر کسی غلطی سے واقف ہو تو اس کے رحم کا مقتضا ہے کہ معاف فرمائے مسلمانوں کو تو آپ کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے - والسلام - فقیر مولانا عبدالباری

تیسرا باب

سیاسیات ملکی وملی

نفلی قربانی یاترکی مجروحین اور یتیموں کی امداد

(سوال) اکثر مسلمان نفلی قربانیاں کرتے ہیں تو ان کو اپنی قربانی کی قیمت ترکی مجروحین بلقان کی اعانت میں دے دینا جائز ہے یا نہیں ؟ نیز فرض قربانی کی قیمت یا اس کی کھال اس مد میں دینا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتاز جانب طلبہ مدرسہ امینیہ دہلی مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۱۲ء

(جواب ۴۶۹) جن مسلمانوں پر قربانی واجب ہے ان کو تو قربانی ہی کرنا ضروری ہے قیمت دیدینا جائز نہیں مگر قربانی کی کھالیں اور نفلی قربانیوں کی قیمت وہ اس مصیبت زدہ قوم کی اعانت میں دے سکتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی عزت بچانے کے لئے اپنی جانیں دے رہے ہیں بلکہ بہتر یہی ہے کہ نفلی قربانیاں اس سال ملتوی کریں اور اس کی مقدار نقد ترکی مجروحین ویتامیٰ کے لئے بھیج دیں واضح ہو کہ مردہ عزیزوں کی طرف سے جس قدر قربانیاں بغیر وصیت کی جاتی ہیں وہ سب نفلی ہیں -واللہ اعلم بالصواب- کتبہ محمد کفایت اللہ عفاعنہ مولاہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی -الجواب صحیح بندہ ضیاء الحق عفی عنہ (دیوبندی) مدرس مدرسہ امینیہ دہلی -بندہ محمد امین الدین عفی عنہ مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی -احمد سعید واعظ دہلوی- حافظ عبداللہ محمد ابراہیم واعظ دہلوی- محمد ثناءاللہ امرتسری - محمد کرامت اللہ خان دہلوی' محمد عبدالوہاب ملتانی سیف الرحمن - محمد تجلات حسین (نواب مولانا) محمد ضمیر مرزا (دہلوی آف اوبارو)

حجاز مقدس کا سفر کس کمپنی کے جہاز میں کرے

(سوال) "حج لین" پر جو جہاز چلتے ہیں وہ سندھیا کمپنی کے ہیں یہ ایک ہندو کمپنی ہے اور اس نے جدہ میں اپنا دفتر قائم کیا ہے زمانہ حج میں اس کے دفتر مکہ مکرمہ اور منیٰ وغیرہ میں بھی ہوتے ہیں ہندوؤں کی اسلام دشمنی جس حد پر پہنچ چکی ہے وہ ظاہر ہے کہ انہیں مسلمانوں کی کسی تباہی پر بھی صبر نہیں اور وہ ہر دم مسلمانوں کو برباد کرنے کی سرگرم کوششوں میں مشغول ہیں ان کی زبانوں سے ان کے ناپاک ارادوں کا اظہار بھی ہو چکا ہے وہ یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ معاذ اللہ کعبہ معظمہ پر اوم کا جھنڈا گاڑیں گے اور اپنے دین باطل کی تبلیغ کریں گے "عدن" میں ہندو پہنچ چکے ہیں اور ان کی ساہو کاری وہاں کے مسلمانوں کا اسی طرح شکار کر رہی ہے جس طرح کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو برباد کر چکی ہے عراق میں بھی ہندو پہنچ گئے ہیں اور اپنے دین باطل کی تبلیغ کی دھن میں ہیں ان حالات میں اندیشہ ہے کہ اگر سندھیا کمپنی کے جہازوں میں حاجی سفر کرتے رہے اور جدہ ان کا مستقر بن گیا تو غریب عرب ان کی ساہو کاری سے بہت جلد تباہ ہو جائیں گے اور ان کی املاک واراضی اور بلاد مقدسہ کی زمین ان کے قبضہ میں آجائے گی اور جس طرح فلسطین میں یہودیوں کی آبادی عربوں کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی ہے اس سے بڑھ کر ہندو مصیبت حجاز پاک کی سرزمین میں رونما ہو ان خطرات کے پیش نظر مسلمانوں کو امدینہ والسندھ وغیرہ سندھیا کمپنی کے جہازوں میں سفر کرنے کا کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا

(جواب ۴۷۰) (از مولوی احمد یار خاں) بلاد عرب خصوصاً حجاز مقدس کی سرزمین پاک زادھا اللہ تعالٰی عزاو عظمۃ و صانھا من کل فتنۃ و حفظ اھلھا من شر کل ماکد و کائد بجاہ حبیبہ ﷺ کو کفارہ مشرکین سے محفوظ رکھنا اور ان کی دست برد سے بچانا اشد ضروری اور اہم واجبات میں سے ہے کہ مشرکین اور کفار نجس ہیں قرآن کریم میں ارشاد ہوا انما المشرکون نجس اور ملک عرب خصوصاً حجاز مقدس اور حرم کو ان کا مسکن ان نجس مشرکین کے خطرہ تسلط سے بچانا بہت اہم ہے نیز حضور اکرم ﷺ نے اپنے آخری عہد مبارک میں خطہ عرب کو کفارو مشرکین سے پاک کرنے کی وصیت فرمائی چنانچہ صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباسؓ سے روایت ہے لما اشتد برسول اللہ ﷺ وجعہ قال اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب اسحاق بن راہویہ نے اپنے مسند میں سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت کیا- ان النبی ﷺ قال فی مرضہ الذی مات فیہ لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب (فتح) اسی طرح سیدنا امام محمد نے اپنے موطا میں حضرت عمر ابن عبدالعزیز سے روایت کی بلغنی ان النبی ﷺ قال لا یبقی دینا ن بجزیرۃ العرب مسلم نے سیدنا عمر بن الخطاب سے روایت کی- انہ سمع رسول اللہ ﷺ یقول لاخرجن الیہود والنصاری من جزیرۃ العرب حتی لا ادع فیھا الامسلما- ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ نے کفار مشرکین سے جزیرہ عرب کو پاک کرنے کا تاکیدی حکم دیا اس فرمان عالی شان پر عمل کرتے ہوئے امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ نے بلاد عرب سے تمام کفار کو نکال دیا حتی کہ ملک عرب میں صرف مسلمان ہی رہے موطا امام محمد میں ہے فاخرج عمر من لم یکن مسلما من جزیرۃ العرب بھذا الحدیث- فتح القدیر میں ہے قال ابن شہاب ففحص عمر ذلک حتی اتاہ الیقین عن رسول اللہ ﷺ قال لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب فاجلی یہود خیبر واجلی یہود نجران وفدک یہاں تک کہ فاروق اعظمؓ نے کفار تاجرین کو بھی مدینہ منورہ میں تین رات سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہ دی اسی موطا میں سیدنا ابن عمرؓ سے روایت ہے- ان عمر حرز للنصاری والیہود والمجوس اقامۃ ثلث لیال یتسوقون و یقضون حوائجھم ولم یکن احدمنھم یقیم بعد ذلک درمختار میں ہے- و یمنعون من استیطان مکۃ والمدینۃ لا نھا من ارض العرب قال علیہ السلام لا یجتمع فی ارض العرب دینا ن ولو دخل تجارۃ جاز ولا یطیل رد المحتار میں ہے- افاد ان الحکم غیر مقصور علی مکۃ والمدینۃ بل جزیرۃ العرب کلھا کذلک بحر الرائق میں ہے- و فی ارض العرب یمنعون من ذلک فی امصارھا وقراھا لقولہ علیہ السلام لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب وشمل کلامہ المواضع کلھا الخ بحر میں ہے و فی التتارخانیۃ یمکنون من المقام فی دار الاسلام بہ روایۃ عامۃ الکتب الا ان یکون من امصار العرب وارض الحجاز- ان احادیث صحیحہ و عمل صحابہ کرامؓ و عبارات فقہائے کرام سے کالشمس والامس یقینی طور پر معلوم ہوا کہ ملک عرب کو کفارہ مشرکین سے محفوظ رکھنا شرعاً نہایت ضروری ہے اگر وہاں پہلے سے آباد ہوں تو ان کو نکالنا مسلمانوں پر لازم ہے چہ جائیکہ ان کے پہنچنے کے اسباب

کو تقویت دینا اور اس کا ذریعہ بننا اب چونکہ سندھیا کمپنی کے جہازات سے حاجیوں کے سفر کرنے میں وہ زبردست خطرات موجود ہیں جو مستفتی نے بیان کئے ہیں اس لئے مسلمانوں کو کسی طرح درست نہیں کہ اس میں سفر کرکے اس کمپنی کو تقویت دیں اور مشرکین کے عرب میں قدم جمانے اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے جال پھیلانے میں مددو معاون ثابت ہوں جب کہ ہم اپنی ذاتی جائیداد اور املاک کو ہر طرح خطرات سے محفوظ رکھتے ہیں اور اس کے لئے ہر ممکن کوشش عمل میں لاتے ہیں تو حجاز مقدس کی زمین پاک کی حفاظت اور اس کو خطرات سے بچانا نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل کے لئے ہمارے ذمہ اہم فرائض میں سے ہے اس میں کوتاہی کرنا اور تغافل برتنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے نہ قرین عقل و دانش ہے سندھیا کمپنی کے جہازات میں جس میں یہ خطرات ہوں سفر قطعاً ترک کردینا چاہئے اگر ان میں بہ نسبت اور جہازوں کے زیادہ آسائشیں بھی ہوں کیونکہ اس آسائش کی غرض سے سرزمین مقدس کے لئے خطرات کو گوارا نہیں کیا جاسکتا اگر مسلمانوں نے سندھیا کمپنی کے جہازات میں سفر ترک نہ کیا اور اس کو طاقت پہنچاتے رہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ انہوں نے خود سرزمین پاک میں ہندوؤں کے قدم جمائے اور انہیں تبلیغ کفر اور تخریب بقعہ پاک پر مدد دی اللہ پناہ میں رکھے ان حالات میں مناسب تو یہ ہے کہ مسلمان اپنی جہاز کمپنی قائم کرکے اس میں سفر کریں کہ اس عمل سے خطرات سے بھی امن ہوگی اور ایک مفید تجارت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے گی اور سمندر میں ان کا تجارتی وقار قائم ہوگا اور جس وقت تک اپنی کمپنی قائم نہ ہو اس وقت تک مغل لین سے سفر کریں تاکہ سندھیا کمپنی ناکام ہو اور ہندوؤں کے منصوبوں کو وجود میں آنے کا موقع نہ ملے مارسین کمپنی میں بھی اگرچہ غلبہ نصاریٰ کا ہے اور مسلمانوں کے حصے بہ نسبت ان کے کم ہیں لیکن یہ کمپنی مدت سے کام کررہی ہے اور ایک زمانے کے تجربے نے ثابت کردیا ہے کہ وہ اپنے تجارتی منافع کے علاوہ اس طرف نظر نہیں ڈالتی جو ہندوؤں کا مطمح نظر ہے اور جو خطرات اور اندیشے سندھیا کمپنی سے ہیں اس کے وجود مارسین کمپنی میں نہیں پائے جاتے لہٰذا بحکم اذا ابتلی بین بلیتین فلیختر اھونھما حالات موجودہ ترجیح مارسین کمپنی کے جہاز میں کیا جائے اور مسلمانوں کو سندھیا کمپنی کے جہازوں میں سفر کرنے سے بہ کوشش روکا جائے سندھیا کمپنی کے پروپیگنڈے بہت زبردست ہیں اور وہ اپنے کھانوں کی اور انتظام کی بہت تعریف کرتے ہیں اگر اس کو سچ بھی مان لیا جائے تو اچھے کھانے یا ایک روز جلد پہنچنے کے شوق میں بلاد اسلامیہ کے لئے خطرہ گوارا کرنا مسلمانوں کا کام نہیں اگر ارض مقدس کے لئے خطرہ ہرگز گوارا نہ کیا جائے کا تو یہ اس تقدیر پر تھا کہ فرض کرلیا جائے کہ سندھیا کا کھانا بہت عمدہ ہے اور اس کے جہاز بہت جلد جلد پہنچتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ جہازوں کی رفتاریں قریب قریب ملتی جلتی ہیں ایک آدھ روز کا فرق ہو تو کچھ قابل لحاظ نہیں کھانا تمام حالات میں کسی کمپنی کا یکساں نہیں رہتا کبھی اچھا رہتا ہے اور کبھی خراب ہو جاتا ہے یہ بات دونوں کمپنیوں میں پائی جاتی ہے جس مرتبہ کسی کمپنی میں اچھا انتظام ہوا اس مرتبہ کے سفر کرنے والے اس کمپنی کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کمپنی میں جس بار ناقص انتظام ہوا اس بار کے سفر کرنے والے

اس کی شکایت کرتے ہیں کہ کھانے کی قیمت دی جاتی ہے خراب کیوں مان لیا جائے ماریسن کمپنی میں اگر کھانے کا انتظام اچھا نہ ہو تو اس کی فوراً کپتان سے شکایت کی جانے اور جہاز سے اتر کر کمپنی کے صدر دفتر کو بھی شکایت لکھی جائے اور پہلے سے بھی تنبیہات کی جائیں کہ وہ کھانے کے متعلق جو شکایتیں ہوں انکو رفع کریں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ اس وجہ سے ہندوؤں کو قدم جمانے کا موقع دیا جائے یہ مسئلہ میں نے ارض مقدس کی حرمت و حمایت کا فرض ادا کرنے کے لئے لکھا ہے ہر مسلمان کے دل میں اس کا جذبہ ہونا چاہئے میں یہ جانتا ہوں کہ ملک میں ایسے مسلم ہندو نواز بھی موجود ہیں جو ہر بات میں ہندوؤں کے ہمنوا ہو جاتے ہیں اور ہندو پرستی کے جذبے میں مسلم کشی اور اسلام کشی کی حرکات ان سے ظہور میں آتی ہیں اور وہ ہر بیجا اور ظاہر البطلان بات پر بھی ہندوؤں کی تائید کے لئے تیز زبان رہتے ہیں ان کی زبانیں مسلمانوں کی بدگوئی کے لئے ان کے قلم مسلمانوں کے مخالفت کے لئے ان کے ہتھیار مسلمانوں کے خون کے لئے ہمیشہ تیز رہتے ہیں میری تحریر ان کے غصے کا باعث ہو اور مجھ پر ان کا غیظ و غضب جوش میں آئے تو کچھ تعجب نہیں ہے مگر میں اظہار حق اور حمایت اسلام و اماکن اسلامیہ کے معاملے میں اس کی پروا کرنے والا نہیں اور یقین ہے کہ عام مسلمان جو مقامات مقدسہ کی حرمت دل میں رکھتے ہیں وہ اپنی غرض کی کج بحثوں کی طرف نظر نہ ڈالیں گے اور میری اس مخلصانہ عرض پر توجہ اور عمل کریں گے اگر مسلمانوں نے سندھیا کمپنی کو ناکام کر دیا اور اس کے جہاز "المدینہ" اور "الہند" وغیرہ پر سفر کرنے سے پرہیز کیا تو ہندوؤں کو اسلامی حمیت کا ایک تجربہ ہو جائے گا اور اس کا ہمارے سب سے دینی معاملات پر اثر پڑے گا۔

وفقنا الله تعالی لحمایة دینه و صیانة ملته من کل مایسوء امین و صلی الله تعالی علی خیر خلقه سیدنا محمد و علی اله و اصحابه اجمعین کتبه العبد المفتقر الی الغنی احمد یار خان الحنفی کان الله له ۲۶ جمادی الآخر ۱۳۵۸ھ

(جواب دیگر) از مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب امام مسجد فتح پوری دہلی۔ ہوالموفق - جواب صحیح ہے سرزمین عرب کو غیر مسلم کے تسلط سے بچانا مسلمانوں کے واجبات میں سے ہے پس ان پر ہر اس شے سے احتراز لازمی ہے جو اس شے کا وسیلہ ہو سکے حالات مندرجہ فی السوال سے ظاہر ہے کہ ہنود کے جہازوں میں سفر ان کے جہازوں کے قیام و مضبوط کرنا ہے جو سرزمین عرب میں ان کے تسلط کا پیش خیمہ ہے لہذا مسلمانوں کے لئے اس سے احتراز ضروری ہے غیر مسلم سے اگرچہ معاملات میں کچھ گنجائش ہے مگر اس حد تک کہ اسلام کا ضرر اور شریعت حقہ کی مخالفت لازم نہ آئے اور اس میں ہمیں بجز اس کے ساتھ معاملہ کرنے کے کوئی چارہ نظر نہ آئے ورنہ احتراز لازمی ہے ہندوستان کے ہنود تو حربیوں کا حکم رکھتے ہیں فقہاء نے تو ذمیوں سے بھی فقط اسی معاملے کی اجازت دی جو لابدی ہیں چنانچہ عالمگیری میں ہے لا باس بان یکون بین المسلم و الذمی معاملة اذا کان مما لا بدمنه کذافی السراجیة۔ پس جب بالضرورت ذمی سے بھی معاملہ کی اجازت نہ دی گئی تو ایسے معاملے میں کہ اسلامی ضرر ہو حربیوں سے کیا گنجائش ہے

غرض صورت موجودہ میں یہی مناسب ہے کہ مسلمان خالص اپنے جہاز کے قیام کی فکر کریں اور تاوقتیکہ اس میں کامیاب نہ ہوں ایسے جہازوں میں سفر کریں جس میں عرب کی سرزمین پر غیر مسلم کے تسلط کا اندیشہ نہ کیا گیا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ امام مسجد جامع فتح پوری دہلی

(جواب ۴۷۱) از حضرت مفتی اعظمؒ۔ ھوالموفق اس وقت حاج کو لے جانے والی دو کمپنیاں ہیں ایک ٹرنر ماریسن کمپنی اور دوسری سندھیا نیویگیشن سٹیم کمپنی۔ اول الذکر کمپنی کے جہاز زیادہ ہیں اور ثانی الذکر کمپنی کے جہاز حج لائن پر چلنے والے کم ہیں اول الذکر کمپنی انگریزوں کی ہے اس کے شیئر ہولڈر انگریز ہیں اور سرمایہ غیر ملکی ہے اور ثانی الذکر کے شیئر ہولڈر ہندوستانی ہیں اور اس میں مسلمان بھی شریک ہیں انگریزوں کا اسلام اور مرکز اسلام کے خلاف معاندانہ رویہ اور جزیرۃ العرب کو چاروں طرف سے گھیر لینا اور خصوصاً جزیرۃ العرب کے بعض حصص مثلاً شام، فلسطین، شرق اردن، عقبہ و عراق پر بلاواسطہ یا بالواسطہ قابض ہونا اور وہاں کے باشندوں پر مظالم ڈھانا روز روشن کی طرح واضح ہے اور حدیث صریح اخرجوا الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب کا حاصل ہوا حکم یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے اس کے برخلاف فلسطین کو یہود کا قومی وطن قرار دینا اور ان کی حمایت میں اعراب فلسطین پر مصائب کے پہاڑ توڑنا اظہر من الشمس ہے ٹرنر ماریسن کمپنی اس کی مستحق ہے کہ اس کے جہازوں کا قطعی بائیکاٹ کیا جائے مگر افسوس کہ یہ بات اس لئے ممکن نہیں کہ دوسری کمپنی جو تمام حجاج کو لے جا سکے موجود نہیں سندھیا کمپنی کے صرف دو جہاز ہیں جو کسی طرح کافی نہیں تاہم اس کے جہازوں کی وجہ سے حجاج کو بڑا فائدہ ضرور پہنچا اس کے جہاز آرام دہ ہیں اور مقابلے کی وجہ سے کرایہ میں بھی بہت تخفیف ہو جاتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کمپنی کی ہمت افزائی کی جائے ٹرنر ماریسن کمپنی کی رات دن یہ کوشش ہے کہ وہ سندھیا کمپنی کو میدان مقابلہ سے ہٹا دے پھر حجاج کو لے جانے کی واحد اجارہ دار بنی رہے یہ فتویٰ اگر سندھیا کمپنی کے جہازوں میں سفر کرنے سے اس بنا پر روکتا ہے کہ اس کے شیئر ہولڈر ہندو ہیں تو اس سے بدرجہا زائد یہ فتویٰ ٹرنر ماریسن کمپنی کے متعلق عائد ہوتا ہے جس کے شیئر ہولڈر انگریز ہیں جن میں ایک جنگی لارڈ کا مقولہ تمام مسلمانوں نے سنا تھا کہ (نعوذ باللہ) مدینہ طیبہ کی پاک سرزمین کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالوں گا" اور ان کا جنگی جال حجاز کے چاروں طرف پھیلا ہوا موجود اور آنکھوں کے سامنے ہے اور ان کی نیتیں اور مقاصد اہل بصیرت سے مخفی نہیں ہیں۔ عرب کی سرزمین کے بہت سے حصوں پر جن لوگوں کا اقتدار اور قبضہ اس وقت موجود ہے ان کو نظر انداز کرنا اور دوسروں کے موہوم اقتدار کو سامنے لا کر اس پر حکم کرنا اپنی بصیرت فکر کا راز فاش کرنا ہے۔ واللہ یھدی وھو المرجع

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ مہر دارالافتاء مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی

مسلمان کا مسلمان سے لڑنا

(سوال) زید جو ایک عیسائی بادشاہ ہے وہ ایک ایسے ملک پر قابض ہو جاتا ہے جہاں مسلمان بھی کافی تعداد میں

آباد ہیں یہ عیسائی بادشاہ اپنی بعض سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر ایک جدید نظام ملکی اس جگہ نافذ کرتا ہے جس کو وہاں کے باشندے لفظ آزادی یا سوراج سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ عیسائی بادشاہ کی پابند شدہ سوراجی پارلیمنٹ ہر بالغ پر فوجی خدمت لازم کرتی ہے بدیں وجہ مسلمان کا بھی جبریہ فوج میں بھرتی ہونا لازم ہو جاتا ہے اس کے بعد اس عیسائی بادشاہ اور ایک مسلمان حکومت سے جنگ شروع ہو جاتی ہے یہ جنگ خواہ آزاد شدہ ملک کے محاذ پر ہو یا کسی دوسرے محاذ پر ہو تو کیا ایسی صورت میں محض لفظ آزادی کے حصول کے معاوضے میں عام طور سے فوج میں جبریہ بھرتی ہو کر مسلمانوں کا سوراجی و صلیبی جھنڈے کے نیچے عیسائی بادشاہ کی زیر قیادت مسلمان بادشاہ سے جنگ کرنا جائز ہوگا یا ناجائز ؟ بینوا توجروا المستفتی نمبر ۴۸ خالد صاحب حمیدی دہلی ۱۸ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۴۷۲) سوال صورت حال کے اظہار کے لئے کافی نہیں ہے یعنی اس سے جنگ کی نوعیت اور اس کے مقتضیات واحوال معلوم نہیں ہوتے نہ اس حکومت کی ہیئت کذائی متصور ہوتی ہے جس کو سوال میں سوراجی یا آزادی سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کوئی قطعی حکم دینا مشکل ہے مگر اتنی بات متیقن ہے کہ کسی مسلمان کو مسلمانوں سے ایسی جنگ کرنا جس کا نتیجہ غیر مسلم کو فائدہ پہنچانا ہو یا اس کی شوکت کو بڑھانا ہو قطعی حرام ہے اور کسی صورت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

میونسپلٹی کا ووٹ کس کو دیا جائے ؟

(سوال) موجودہ حکومت کے زمانے میں شہر کی میونسپل کمیٹی کے اندر شہری حقوق کو مد نظر رکھتے ہوئے شہر کے ہر علاقہ وارڈ سے ایک نمائندہ بغرض علاقہ کی نمائندگی کے علاقہ کی رائے عامہ سے منتخب کیا جاتا ہے اس نمائندہ پر علاقہ کی پوری ذمہ داری ہوتی ہے میونسپل کمیٹی میں منتخب ہو کر جانے کے بعد علاقہ میں وہ نمائندہ جو کمیٹی میں تین یا چھ سال بغرض نمائندگی رہ چکا ہے اور علاقہ کے کسی باشندے کو اس کی نمائندگی میں کسی طرح کا آرام یا حقوق کی حفاظت نہ ہوئی ہو ہر مرتبہ روپیہ خرچ کر کے نمائندہ بن جاتا ہے اب کے مرتبہ چار امیدوار کھڑے ہوئے ہیں ایک تو مذکورہ شخص ہے اور دوسرا وہ شخص ہے جو پہلے شخص سے کئی دفعہ شکست کھا چکا ہے تیسرا وہ شخص جس کو علاقہ والے جانتے بہت کم ہیں مگر لائق اور ذمہ دار شخص ہے جو اول مخالف شخص اول کے ہیں سوم پر اعتماد رکھتے ہیں چہارم وہ شخص جس کو علاقے والے بہت کم جانتے ہیں اور ذمہ دار شخص بھی نہیں ہے ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرمائیے کہ کس کو ووٹ دیا جائے المستفتی نمبر ۲۱۹ عبداللہ معرفت شیخ خدا بخش بانپ والے باڑہ ہندو راؤ دہلی ۹ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ م ۲۶ فروری ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۷۳) میونسپل الیکشن کے سلسلے میں ہر علاقہ کے سمجھدار لوگ خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کون لائق اور قابل اعتماد ہے اور کون نہیں علاقہ والوں کو خود ہی فیصلہ کرنا چاہئیے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جوبلی فنڈ میں شرکت وغیرہ

(سوال) جوبلی کا مقاطعہ کرنا چاہئیے یا نہیں ؟ جمعیۃ علمائے ہند کا ممبر کس طرح بن سکتا ہے ؟ کراچی کے واقعہ ہائلہ کے متعلق کیا خیال ہے - المستفتی نمبر ۴۵۸ مولانا فضل احمد صاحب حیدر آباد سندھ ۱۲ محرم ۱۳۵۴ھ م ۱۸ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ٤٧٤) جوبلی فنڈ میں مسلمانوں کیلئے شرکت مناسب نہیں جمعیۃ علمائے ہند کے رکن آپ فارم کی خانہ پری کر کے بن سکتے ہیں فارم دفتر سے مل سکتے ہیں شہدائے کراچی کے متعلق ضروری تبلیغ کی جارہی ہے آپ بھی دعا کریں کہ تحقیقات کے مسئلے میں خدا تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے -

ملک معظم کے سلور یا گولڈن جوبلی میں مسجد کے پیسوں سے چراغاں کرانا

(سوال) ملک معظم کی سلور جوبلی کے سلسلے میں مساجد کو بقعہ نور بنانا جس کا صرفہ خواہ مسجد کی رقوم موقوفہ سے ہو یا عامتہ المسلمین کے چندہ سے ہو یا کسی شخص کی جیب خاص سے ہو جائز ہے یا نہیں اگر ناجائز ہے تو مسجد کے جن متولیوں نے چراغاں کا انتظام کیا وہ شرعاً مجرم ہوئے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۴۸۷ احمد محمد اچھا (رنگون) یکم جون ۱۹۳۵ء ۲۸ صفر ۱۳۵۴ھ

(جواب ٤٧٥) سلور جوبلی یا گولڈن جوبلی یا کسی ایسی تقریب میں جس کا منشا اعلائے کلمہ توحید یا اظہار شوکت اسلام نہیں بلکہ کسی خاص شخص کے بقاء اقتدار وامتداد حکومت کی خوشی میں مظاہرہ کرنا ہو ایسی تقریبات میں مساجد کا روپیہ صرف کرنا جائز نہیں اور نہ مساجد اس قسم کے مظاہرات کے لئے موزوں متولیوں نے مساجد کو اس مظاہرے کے لئے استعمال کرنے میں غلطی کی اور روشنی کے مصارف کے بھی وہ خود ضامن ہوں گے -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عورت کا ووٹر بننا اور بطور امیدوار کھڑا ہونا

(سوال) موجودہ دور فتن میں مسلم عورتوں کا ووٹ دینا یا مسلم عورتوں کا کونسل واسمبلی ومیونسپلٹی میں بطور امیدوار کھڑا ہونا از روئے شریعت کیسا ہے ؟ المستفتی نمبر ۵۰۵ ملک محمد امین (جالندھر) ۲۷ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ م ۳۰ جون ۱۹۳۵ء

(جواب ٤٧٦) عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع نہیں ہے ہاں ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا اور بطور امیدوار کھڑا ہونا عورتوں کے لئے مستحسن نہیں کیونکہ اس میں ضروریات شرعیہ کی رعایت کے ساتھ کونسل یا اسمبلی کی شرکت عورتوں کے لئے متعذر ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ڈسٹرکٹ بورڈ میں حلف وفاداری کس طرح اٹھائیں؟

(سوال) بندہ ایک پرانا خدائی خدمت گار ہے اور سرخپوشوں کی تحریک میں دو سال قید بھی گزار چکا ہے اب چونکہ کانگریس نے کونسلوں میں شمولیت کرنے کی ٹھان لی ہے اسلئے ہم سرحدی بھی کونسلوں میں شمولیت کی تیاری کررہے ہیں ہمارے ضلع میں قریباً دو ماہ ہوئے کہ ڈسٹرکٹ بورڈ کا انتخاب ہوا جس میں ہمارے حلقے نے مجھے منتخب کیا چونکہ میں ایک مذہبی خیال کا آدمی ہوں اور تحریک کانگریس میں الجمعیۃ کو دیکھ کر شامل ہوا تھا اب میرے لئے حلف وفاداری اٹھانا بہت مشکل نظر آرہا ہے برائے خدا مطلع فرمائیں کہ میں کیا کروں تین سو روپے ضمانت بھی داخل کردیئے نام بھی میرا منتخب ہوگیا ہے لیکن حلف کرنا بہت مشکل نظر آرہا ہے آپ صاحب یہ خیال فرمائیں گے کہ یہ تو اس بیوقوف کو پہلے بھی معلوم ہوگا کہ حلف کرنی پڑے گی تو کیوں اپنا نام دیا تھا کسی نے مجبور تو نہیں کیا تھا تو حقیقت تو یہ ہے کہ اکثریت کے سوال نے مجھے مجبور کیا یعنی تحریک کے اکثر بھائیوں کا اور خاص کر ہمارے صوبہ کے صدر اور میرے دوست خان محمد رمضان خان وکیل ایم اے نے کھڑا ہونے کے لئے مجبور کیا اب اگر حلف نہیں کرتا تو ضمانت بھی ضبط ہوجائے گی برائے مہربانی حلف کے مسئلے پر روشنی ڈالیں مشکور ہوں گا آپ صاحب کو یہ بھی معلوم رہے کہ قید سے پہلے میں ۱۹۳۱ء میں ذیلدار و نمبردار و کرسی نشین و امیر تھا لیکن خان عبدالغفار خاں کا از حد مشکور ہوں کہ ان کی مہربانی اور دعا نے مجھے تمام چیزوں کے چھوڑنے پر آمادہ کیا اور خاص کر اخبار الجمعیۃ کے جناب مولانا احمد سعید صاحب کے مضامین نے بھی مجھے اغیار سے نفرت دلائی اور میری تمام مذکورہ بالا چیزوں سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جان چھوٹی آپ میری ضمانت کی پرواہ نہ کریں بلکہ آئندہ کے لئے صحیح راستہ بتائیں لوگ پھر مجھ سے کونسل کے لئے کہہ رہے ہیں اور خاص کر اپنے تحریکی بھائی مجھ سے آئندہ والے انتخاب کے لئے پھر کہہ رہے ہیں مگر میں انشاء اللہ آپ صاحب کے فتویٰ پر عمل کروں گا۔ المستفتی نمبر ۷۸۰ خان عبداللہ خان (ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان) ۲ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲۶ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۷۷) حلف وفاداری اس شرط اور نیت سے کہ جہاں تک خدا اور رسول اور شریعت کی نافرمانی نہ ہو میں وفاداری کروں گا اٹھالینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور ڈسٹرکٹ بورڈ اور کونسل میں جانے کی نیت بھی یہ ہو کہ میں اپنی قوم اور وطن کے حقوق کی حفاظت کرنے اور حکومت کے ظلم و تشدد کا انسداد کرنے کے لئے جارہا ہوں۔ محمد کفایت اللہ

مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے سے علیحدگی اختیار کرنا.

(سوال) (۱) یہاں کمیٹی میں مسلمان ممبروں کی تعداد چار اور اہل ہنود کی چھ تھی ایک سرکاری مسلمان ممبر کے انتقال کے بعد یہ جگہ بھی ہندوؤں کی متفقہ کوشش کے باعث ہندو کو ہی دی گئی گویا اب ان کی تعداد سات

اور مسلمانوں کی تعداد تین ہے اس کے علاوہ سکریٹری کی جگہ خالی ہونے کے بعد یہ جگہ بھی ہندو ہی کو مشورہ ممبران دی گئی بلکہ ایک اور جگہ ماتحت سکریٹری کی تجویز کردہ بھی ہندو ہی کے سپرد کی گئی تمام شملہ میں ایک ہی مسلمان ہے انجمن اسلامیہ کے توجہ مبذول کرانے پر انجمن نے اس اہم معاملے کو اپنے ذمہ لے کر کارروائی شروع کردی مسلمان ممبروں کی کوتاہی کے باعث اس میں کامیابی نہ ہوئی مسلمان ممبروں سے باز پرس کرنے پر ہر سہ ممبران نے ایک دوسرے پر الزام لگائے کوئی خاص نتیجہ ظاہر نہ کرسکے جس پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ ممبروں کا مخلوط انتخاب ہے لہذا ہندو ممبروں سے بھی باز پرس کی جائے انہوں نے باوجود مسلمان ممبران کی واقفیت ہونے کے کیوں کام نہ کیا اسی طرح افسران بالا سے بھی درخواست کی جائے کہ وہ مسلمان ممبروں کی جگہ مسلمان ممبر کا انتخاب کریں اور سکریٹری کی جگہ کے لئے بھی مسلمان حقدار ہیں اگر ہندو ممبران یا افسران انصاف سے کام نہ لیں اور بضد رہیں تو مسلمان ممبروں کو مستعفی ہو جانا چاہئیے دو ممبران اس رائے پر متفق ہوگئے اور تیسرا ممبر جو کہ متمول ہے اس نے انجمن اور تمام مسلمانوں کی متفقہ درخواست کو رد کرتے ہوئے قطعی طور پر انکار کردیا ممبر مذکور سے ہر امر کی نسبت مسلمانوں کو شکایت ہے کہ وہ مسلمان سے خواہ کوئی امر ہو مل جل کر باہمی مشورہ کرکے کسی کام میں رضامند نہیں ہوتے حالانکہ یہ بھی درخواست کی گئی کہ وہ پنچایتی فیصلہ کریں لیکن اس پر بھی وہ رضامند نہ ہوئے جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مخالف قوم کو بہ نسبت مسلمانوں کے ہر طرح فوقیت دینے کو تیار ہیں جس سے مسلمانوں کو ہر طرح نقصان پہنچنے کا احتمال ہو جو مسلمان کے ساتھ مل جل کر مشورہ کرنے پر کسی امر پر متفق نہ ہو حالانکہ اسکو ہر طرح موقع دیا جائے کہ وہ بذریعہ پنچایت وغیرہ اپنی اصلاح کرے لیکن وہ بضد کنارہ کشی کرکے قومی نقصان پہنچانے کی سعی کرے ایسے شخص کے ساتھ مسلمانوں کا ربط ضبط رکھنا' کھانا پینا' خوشی غمی' جنازہ میں شریک ہونا قبرستان میں ان کی میت دفنانا ان کو کسی قسم کی امداد دینا جائز ہے یا ناجائز اور جو شخص دیدہ و دانستہ یہ جانتے ہوئے کہ مذکورہ شخص سے قومی نقصان پہنچنے کا احتمال ہے امداد دیتا ہے اس کی نسبت کیا خیال ہے ؟ **المستفتی** نمبر ۱۰۱۷ محمد امیر (انبالہ) ۲۳ جون ۱۹۳۶ء م ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ

(**جواب ٤٧٨**) یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا اور اپنی قوم کے مقابلے پر دوسری قوم کو فائدہ پہنچانا اسلام اور قوم کی دشمنی ہے جس شخص کے حالات اور واقعات ایسے ہوں اس سے مسلمانوں کو علیحدگی کر لینی جائز ہے البتہ اتنا تشدد زیبا نہیں کہ اس کی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے دیں ہاں اس کو اپنی تقریبات میں شامل نہ کرنا اور اس کی تقریبات میں شامل نہ ہونا جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ووٹ کس کو دیں ؟

(**سوال**) ایک شخص نے اپنی عزت حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں سے ووٹ لے کر گورنمنٹ سے عہدہ حاصل کیا مگر وہ ایسا شخص ہے جو نصاریٰ و ہنود اور غیر اقوام کے ساتھ ربط و ضبط رکھتا ہے اور ان کو مدعو کرتا رہتا

ہے اور خلاف شرع کھانے پینے شراب و دیگر اشیاء محش کا استعمال خود بھی کرتا ہے اور مہمانوں کو بھی کراتا ہے پس ایسے شخص کو مسلمان ووٹ دیں تو عند الشرع جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۰۵۱ مولوی عبدالصمد صاحب (سورت) ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۴ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۷۹) اگر مسلمانوں کے ووٹ سے کسی سیاسی مجلس کا انتخاب کیا جائے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ امور سیاسیہ میں جو شخص ماہر اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور ان کے حقوق کی حفاظت کا اہل ہو اس کو ووٹ دیں ان اوصاف کے ساتھ اگر شریعت کا بھی پابند اور نیک صالح ہو تو وہی مستحق ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

مسلمانوں کا شرعی اور معاشرتی ضرورتوں کے لئے انجمن بنانا

(سوال) مسلمانوں کو چاہئے کہ ہر صوبہ و ہر ضلع اور شہر و گاؤں میں اور محلہ میں اصلاحی انجمن بنائیں - کما قال اللہ تعالی واعتصموا بحبل اللہ المستفتی نمبر ۱۱۷۵ اکرام خاں (صوبہ سرحد) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۸۰) مسلمانوں کو شرعی اور معاشرتی اور اصلاحی ضرورتوں کو رفع کرنے کے لئے انجمن بنانا اور اس میں مل کر خلوص کے ساتھ کام کرنا بہت اچھی بات ہے -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

روپے لیکر غیر مستحق کو ووٹ دینا حرام ہے .

(سوال) یہاں پر شہر کرنال میں ممبروں کا انتخاب ہو رہا ہے جو صاحب ممبر بننا چاہتے ہیں ان میں سے ایک صاحب دس روپیہ فی رائے دے رہا ہے اور دوسرا اس کے مقابلہ میں پندرہ روپے فی رائے دے رہا ہے اور ان رائے دہندگان میں سب قسم کے لوگ ہیں غریب بھی اور امیر بھی کیا یہ روپیہ لینا رشوت ہے اور جو لوگ ان میں صاحب نصاب ہیں ان کو یہ روپیہ کس جگہ خرچ کرنا چاہئے اور جو لوگ غریب ہیں ان کو کیا کرنا چاہئے ان غریبوں میں جو لوگ مقروض ہیں وہ اس روپیہ کو اپنے قرض میں دے سکتے ہیں یا نہیں نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ اس رشوت کا کیسا گناہ ہے صغیرہ یا کبیرہ ؟ المستفتی نمبر ۱۲۰۶ رشید احمد خاں و رفیق احمد خاں صاحبان (کرنال) ۱۱ رجب ۱۳۵۵ھ م ۲۸ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۸۱) ہندوستان کی حالت بہت نازک ہے انتخاب کا معاملہ بہت سخت ذمہ داری کا ہے رائے دینے والوں پر فرض ہے کہ وہ اس شخص کو رائے دیں جو نیک اور سمجھدار اور ملک و قوم کا خیر خواہ ہو روپیہ لیکر غیر مستحق کو رائے دینا حرام اور ملک و قوم کی خیانت و غداری ہے اور مستحق کو پیسہ لیکر رائے دینا رشوت ہے اگر مستحق کو رائے دینے والا خود پیسہ نہ مانگے اور وہ خود دیدے تو خیر مباح ہو سکتا ہے لیکن غیر مستحق کو رائے کسی طرح بھی حلال نہیں - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

ووٹ کس کو دیں ؟

(سوال) امارت شرعیہ صوبہ بہار کی انڈیپنڈنٹ پارٹی جس کے رکن ابوالمحاسن مولوی سجاد صاحب نائب امیر شریعت ہیں یونائیٹڈ پارٹی جس کے رکن آنریبل مسٹر عبدالعزیز بیرسٹر پٹنہ ہیں دونوں پارٹیوں کے کارکن ہم لوگوں کے پاس ووٹ لینے آئے اور ہر طرح کی بات کہتے ہیں مہربانی فرماکر ہم لوگوں کو بتایا جائے کہ کس پارٹی کو ووٹ دیکر ہم لوگ حق بجانب رہیں گے - المستفتی نمبر ۱۲۶۹ شفاعت حسین صاحب (ضلع مونگیر) ۱۳ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۹ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۸۲) امارت شرعیہ کی انڈیپنڈنٹ پارٹی یونائیٹڈ پارٹی سے بہتر ہے یونائیٹڈ پارٹی کے امیدواروں کو ووٹ دینا سرکار کی تائید کرنا ہے ان دونوں پارٹیوں کے امیدواروں کا مقابلہ ہو تو انڈیپنڈنٹ پارٹی کے امیدوار کو ووٹ دینا لازم ہے فقط - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

ایک استفتاء کی تنقیح

(سوال) (۱) زید نے سات مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ دیا ہے اور انکو اپنی تقریر میں کہا ہے کہ ان مسلمانوں کو ووٹ دینا کافروں کو ووٹ دینا ہے کیونکہ وہ سات مسلمان کافر ہیں کہ کافروں نے جس مجلس میں غازی عبدالقیوم پر اظہار نفرت کیا مگر وہ سات مسلمان چپ چاپ بیٹھے رہے ان کو کچھ بھی جواب نہیں دیا تو شرعاً فتویٰ کفر کا صحیح ہے یا نہیں اور شرعاً فتویٰ کفر کا دینے والا شخص کس قدر گناہ گار ہے اور اس شخص (زید) کے پیچھے نماز پنجگانہ جائز ہے یا نہیں -

(۲) زید نے بحیثیت امام کے ایک جماعتی کو کہا کہ کافر مرتد - خنزیر کا بیٹا میری مسجد سے باہر نکل جا تو کیا امام کو ایسا کہنا جائز ہے - المستفتی نمبر ۱۲۷۳ عبدالمجید خاں صاحب کانسٹیبل (سندھ) ۱۴ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۹ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۸۳) (۱) کفر کا فتویٰ دینے کی وجہ بیان نہیں کی گئی کہ یہ جانچ ممکن ہوتی کہ فتویٰ صحیح ہے یا غلط غازی عبدالقیوم پر اظہار نفرت کی تفصیل بھی مذکور نہیں کہ اظہار نفرت کس بناء پر کیا گیا تھا اور اظہار کا طریقہ کیا تھا اور الفاظ کیا تھے ان تفصیلات کے بغیر تصویب یا تصحیح کا حکم نہیں دیا جا سکتا -

(۲) کسی شخص کو کافر کہنا کسی صحیح وجہ پر مبنی ہو تو خیر ورنہ سخت گناہ کی بات ہے اس میں بھی وجہ بیان نہیں کی گئی - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

ووٹ کی قیمت لینا اور اس کو مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں

(سوال) زید نے ووٹ دینے کی عوض پیسہ لینا جائز کہا ہے اور اس سے مسجد کی مرمت کرنا بھی جائز بتایا ہے رشوت کو جائز سمجھنا کفر ہے یا نہیں - المستفتی نمبر ۱۲۷۳ عبدالمجید خاں کانسٹیبل (سندھ) ۱۴ شوال

۱۳۵۵ھ م ۲۹ دسمبر ۱۹۳۶ء
(جواب ٤٨٤) ووٹ کی قیمت وصول کرنا جائز نہیں اور ایسا روپیہ مسجد میں نہیں لگ سکتا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

(۱) کسی امیدوار کے ساتھ ووٹ کا دعویٰ کر کے پھر دوسرے کو ووٹ دینا؟
(۲) ووٹ کس کو دیں؟

(سوال) (۱) انتخاب کونسل میں ایک امیدوار نے ایک رائے دہندہ سے وعدہ لے لیا لیکن اس کے بعد دوسرا امیدوار اس رائے دہندہ کے سامنے آتا ہے تو کیا ایسی صورت میں وہ رائے دہندہ اپنے وعدہ کو توڑ کر دوسرے امیدوار کو رائے دے سکتا ہے یا نہیں۔
(۲) ہمارے حلقہ سے مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ نے اپنے کسی نمائندہ کو کھڑا نہیں کیا دو شخص زید اور بکر بطور خود کھڑے ہوئے ہیں ان دونوں میں سے زید ایک مذہبی و قومی خدمات کرنے والا اور مسلمانوں پر آئے دن مصائب میں اپنی جان اور مال قربان کرنے والا اور جمعیۃ العلماء ہند و مسلمانوں کی قومی و ملکی جماعتوں کے ساتھ ہمیشہ منسلک رہنے والا اور آئندہ کے واسطے بھی اس کا عہد کرتا ہے کہ وہ کونسل میں جا کر مسلمانوں کی جمعیۃ العلماء ہند کے احکام کے ماتحت پوری خدمات کرے گا۔
مگر ایک سرکاری خیالات رکھنے والا شخص اور مسلمانوں کی مذہبی و قومی جماعتوں کا ہمیشہ مخالف رہا ہے نہ اس کے اندر ایسی جرات یا قابلیت موجود ہے جو کونسل کے اندر مسلمانوں کی واقعی رہنمائی کر سکے لہذا مسلمانوں کو ان دونوں میں سے کس کی حمایت کرنی چاہئے۔ **المستفتی نمبر ۱۲۹۰** مولوی حبیب الرحمن صاحب سہوارہ (ضلع بجنور) ۲۳ شوال ۱۳۵۵ھ م ۷ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٨٥) یہ وعدہ کہ میں تمہارے حق میں بہر صورت ووٹ دوں گا شرعاً و عقلاً اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے کہ موعود لہ سے بہتر کوئی امیدوار موجود نہ ہو اور اسی صورت میں یہ وعدہ صحیح اور واجب الایفا بھی ہے لیکن اگر کسی بہتر نمائندے کے موجود ہوتے ہوئے اس سے ادون اور غیر مستحق کو رائے دینے کا وعدہ کر لیا جائے تو یہ قومی امانت میں خیانت کرنا ہے اور جو وعدہ ایسا ہو کہ خود وہ وعدہ اور اس کا ایفاء خیانت ہو وہ وعدہ ہی درست نہیں ہوا اور اس کا ایفاء بھی جائز نہیں اگر کوئی شخص اپنے دوست سے وعدہ کرے کہ میں تمہارے ساتھ مل کر عمر مظلوم بے گناہ کو ماروں گا تو یہ وعدہ بھی ناجائز اور اس کا ایفاء بھی ناجائز کونسل یا اسمبلی میں قوم کا نمائندہ بن کر جانا کسی ایسے شخص کا حق نہیں ہے جس کو قوم کے افراد اپنا نمائندہ بنا کر بھیجنا پسند نہ کریں اور ہر رائے دہندہ کو یہ حق ہے کہ اپنی رائے بہتر سے بہتر نمائندہ کی تائید میں دے اگر کسی بہتر نمائندہ کے ہوتے ہوئے کسی ووٹر نے غیر مستحق امیدوار کو رائے دینے کا کسی خوف یا طمع یا مروت کی بناء پر وعدہ کر لیا تو وہ اس وعدہ کرنے میں خیانت قومی کا مرتکب ہوا اور یہ وعدہ بھی درست نہیں ہوا اور اگر کوئی بہتر نمائندہ موجود نہ تھا اس وقت کسی امیدوار سے وعدہ کر لیا تو یہ وعدہ اگرچہ قومی خیانت نہیں

ہو لیکن واجب الایفاء بھی نہیں جب کہ کوئی ایسا امیدوار کھڑا ہو جائے جو ملک و قوم و ملت کے لئے مفید ہے تو ہر ووٹر کا فرض ہے کہ وہ بہتر اور مفید تر نمائندہ کو اپنا ووٹ دیں ایفاء وعدہ اور ایفاء عہد وقتی لازم اور واجب ہے کہ وہ وعدہ اور عہد بھی فی حد ذاتہ صحیح ہو ورنہ وعدہ اور عہد یا حلف اور یمین بھی اگر ناجائز امر پر کرے تو اس کا پورا کرنا اور حلف کا کفارہ دیدینا جائز بلکہ بعض صورتوں میں (جب کہ محلوف علیہ معصیت ہو) واجب ہے وقیل المراد منہ (ای من العہد) کل ما یلزمہ الانسان باختیارہ و یدخل فیہ الوعد ایضا لا والوعد من العہد وقیل العہد ھہنا الیمین قال القتیبی العہد یمین و کفارتہ کفارۃ یمین فعلی ھذا یجب الوفاء بہ اذا کان فیہ صلاح اما اذا لم یکن فیہ صلاح فلایجب الوفاء بہ لقولہ علیہ السلام من حلف یمینا ثم رای غیرھا خیرا منھا فلیات الذی ھو خیر ولیکفر عن یمینہ فیکون قولہ واوفوا بعھد اللہ من العلم الذی خصصتہ السنۃ انتھی (تفسیر خازن) الوفاء بالعھد عام فدخل تحتہ الیمین الا انہ تعالی خص الیمین بالذکر تنبیھا علی انہ اولی انواع العھد بوجوب الرعایۃ– انتھی بمعناہ – تفسیر کبیر۔

ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ وعدہ اور عہد اور قسم واجب الایفاء ہیں مگر جب کہ وعدہ اور عہد اور قسم ایسی چیز سے متعلق ہوں کہ ان کا ایفاء متضمن معصیت یا خیانت کو ہو تو ایفاء لازم نہیں بلکہ وہ کام کرنا واجب ہو جاتا ہے جو طاعت و مصلحت کے ماتحت اس پر لازم تھا۔

(۲) اگر اس حلقہ سے مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ نے اپنا نمائندہ کھڑا نہیں کیا تو تمام مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ زید کے حق میں ووٹ دیں اور بکر کو جو سرکاری آدمی ہے ہرگز رائے نہ دیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

ووٹ کا حق جمعیۃ علماء کے فیصلے کے مطابق استعمال کرنا چاہئے۔

(سوال) موجودہ وقت کے انتخاب کے موقعہ پر ہمارے ضلع پشاور میں بہت کشمکش ہے کوئی کہتا ہے کہ کانگریس کی تحریک ناجائز ہے ان کو ووٹ نہیں دینا چاہئے کیونکہ ان کے نمائندگان اکثر ہندو ہیں اور بعض مسلمان نمائندہ کانگریس جو ہے وہ بھی پیروکار ہندو ہیں چنانچہ اکثر قوانین مقتضاء طبع کے مطابق پاس کراتے ہیں مثلاً آریہ بل کے پاس کرانے پر ڈاکٹر خاں صاحب نے ہندو کی رائے کی تائید کی اور موقع بموقع خلاف شرع ہندوؤں کی متابعت کرتے ہیں نیز عبدالغفار خاں کے بعض اقوال و افعال بسبب اختلاط ہندو قوم خلاف شرع سنے جاتے ہیں میرے خیال میں آپ کو بخوبی اس کی صداقت و کذب معلوم ہوگی دیگر اعتراضات قسم قسم کے ان ہر دو نمائندگان پر پبلک کرتی ہے اور چونکہ ماتحت منتخب شدہ ممبران اسمبلی کانگریس ان سے وابستہ ہیں اس وجہ سے ووٹ کانگریس کو نہیں دینا چاہئے برائے کرم موجودہ وقت کے لئے فتویٰ دیجئے کہ ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہئے خاموشی یا امداد کانگریس یا مخالفت اور گزارش ہے کہ یکم فروری پر دونوں کا فیصلہ

ہو جائے گا اس سے قبل فتویٰ مدللہ سے ممنوع فرمائیں تاکہ ہم لوگ آپ کے فیصلہ پر عمل پیرا ہو جائیں۔
المستفتی نمبر ۱۳۰۹ مولوی عبدالغفور صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ م ۲۴ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۸۶) جمعیۃ علماء ہند نے الیکشن کے بارے میں مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے ساتھ اشتراک عمل کیا ہے اس لئے جمعیۃ کی طرف سے مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے امیدواروں کی حمایت کرنی جمعیۃ علماء کی صحیح پالیسی ہے اور جس حلقے میں مسلم پارلیمنٹری بورڈ کا امیدوار نہ ہو وہاں مسلم امیدواروں میں سے جو امیدوار کہ آزاد خیال ترقی پسند اور جمعیۃ علماء کے مسلک کا حامی ہو اور سرکاری اثر میں نہ ہو اس کی امداد کرنی چاہیے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ووٹ دینے نہ دینے کے فیصلے کے لئے دونوں مقابل امیدواروں کا سامنے آنا ضروری ہے

(سوال) زید اور اس کی بیوی ایک حد تک تعلیم یافتہ ہیں اب ہر دو کونسل میں جانے کے لئے کھڑے ہو رہے ہیں اور عامۃ المسلمین سے اپیل کی جا رہی ہے کہ ان کو ووٹ دیکر اسلام کی عزت برقرار رکھی جائے حالات حسب ذیل ہیں بیوی موسومہ قیصر ہند کا تمغہ حاصل کر چکی ہیں اور خود لاٹھ صاحب بہادر نے اس کو سینہ پر آویزاں فرمایا جس سے خود شوہر اور بیوی ہر دو مسرور ہی نہیں بلکہ فخریہ اس کا اظہار کرتے ہیں انگریزی پارٹی اور کلب میں موجودگی شوہر دونوں بلا روک ٹوک شریک ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں اور بیوی صاحبہ ان سے مصافحہ کرتی ہیں ان کے ساتھ کھیلتی ہیں مگر مسلمانوں سے پردہ کرتی ہیں اب کونسل میں جا کر بلا حجاب مردوں کے پہلو بہ پہلو ہر کام میں حصہ لیں گی اور تقریریں کریں گی اور یہ رہا سہا پردہ بھی ختم ہو جائے گا سوال یہ ہے کہ جو شوہر خود ان تمام امور پر راضی ہے اور اس کی کونسل کے لئے امیدواری اسلام کی عزت تصور کی جاتی ہے کیا واقعی ووٹ دینا تاکہ وہ کونسل میں جا کر مردوں کے پہلو بہ پہلو تقریر کر سکے اعانت فی الاسلام ہے شرعاً ایسے کو کیا کہا جائے گا اگر ایسا شوہر بھی امیدوار ہو تو کیا ایسے کو ووٹ دینا شرعاً جائز ہے؟ المستفتی نمبر ۱۴۱۴ عبدالکریم صاحب (ڈھاکہ) ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ م ۲۷ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۸۷) یہ تمام افعال و اعمال اسلام اور اسلامی غیرت کے خلاف ہیں اور انگریزی طرز معاشرت اور یورپین تہذیب کی اندھی تقلید کے نتائج ہیں اسلام کا دامن اس قسم کے حیا سوز اعمال سے پاک ہے مسلمان عورتوں کی یہ حرکتیں مسلمانوں کے لئے موجب حسرت ہیں نہ کہ موجب فخر و مسرت۔
رہا ووٹ دینے نہ دینے کا سوال وہ اور بھی بہت سے وجوہ اور اعتبارات پر مبنی ہے اس لئے ان امیدواروں کے مقابل امیدواروں کی پوزیشن کا بھی سامنے آنا اور پھر کونسل کے اندر ان کی وطنی خدمات کی نوعیت اور صلاحیت کو دیکھنا لازم اور اس پر حکم دینا مناسب ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا عورت پولنگ اسٹیشن پر ووٹ ڈالنے کے لئے جا سکتی ہے ؟

(سوال) دارالسبا میں ممبر ہونے والے ہیں اس میں مسلمانوں کی طرف سے تین امیدوار کھڑے ہوئے ہیں اس میں مسلمانوں کی ایک سیٹ ہے کھڑے ہونے والے کی طرف سے دوسرے کام کرنے والے لوگوں کو دبا کر مت لیتے ہیں ایسے وقت میں ہم مسلمانوں کی عورتوں کو ووٹ ڈالنے کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں اور بات ایسی ہے کہ جس جگہ ووٹ ڈالنے کے لئے جاتے ہیں وہاں دوسری قوم کے آدمی بھی موجود ہوتے ہیں مت دینے والوں کی ہاں دستخط کئے جاتے ہیں اور پھر ان کو ووٹ دیا جاتا ہے جو دستخط نہیں کر سکتے ان کا انگوٹھا لگا کر دیگر قوم کے آدمی لگاتے ہیں تو یہ بات شریعت سے جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۳۱۹ محمد امین صاحب (ضلع کھیڑا) ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ م ۳۰ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۸۸) اگر پولنگ اسٹیشن پر عورتوں کے لئے پردے کا انتظام ہو اور غیر محرم مرد منتظم نہ ہوں بلکہ چپڑ دینے لینے والی عورتیں کام کرتی ہوں تو عورتوں کو ووٹ دینے کے لئے جانا جائز ہے اور غیر محرم مرد ہوں تو عورتیں نہ جائیں بلکہ مطالبہ کریں کہ ان کے لئے زنانہ منتظم مقرر کئے جائیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ووٹ دینے اور نہ دینے کا معیار صلاحیت ولیاقت ہے ....

(سوال) زید اور بکر آپس میں رشتہ دار ہیں جن میں سے ایک دیوبندی عقائد رکھتا ہے اور دوسرا بریلوی عقائد رکھتا ہے اور یہی اشخاص ممبری یعنی میونسپل الیکشن کے لئے کھڑے ہوئے ہیں اور ایک تیسرا شخص جو ان ہر دو عقائد میں سے ایک عقیدہ رکھتا ہے اس نے ایک امیدوار سے وعدہ کر لیا ہے کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تیرا ساتھ دوں گا اور تیرے ممبر کرانے کی کوشش کروں گا لیکن دوسرا امیدوار اس پر زور ڈالتا ہے اور مجبور کرتا ہے اب اس شخص کو کیا کرنا چاہئے؟ المستفتی نمبر ۱۳۵۶ ممتاز الدین صاحب سبزی منڈی دہلی ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۵ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۸۹) ممبر کے لئے رائے دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اپنا نمائندہ بنا کر کمیٹی یا کونسل میں بھیجنے کمیٹی یا کونسل میں جا کر جس کام کی حاجت ہوتی ہے اس کی لیاقت اور صلاحیت ممبر میں ہونی لازم ہے اور اس لیاقت اور صلاحیت کو ووٹ دینے کا معیار قرار دینا چاہئے ووٹ کسی طمع یا خوف یا معاوضہ کی بنا پر دینا درست نہیں غیر مستحق اور ایسے شخص کو جس میں لیاقت اور صلاحیت نہیں ہے ووٹ دینا قومی خیانت ہے۔

وعدہ اگر مستحق اور اہل سے کیا گیا ہو تو اس کو پورا کرنا لازم ہے بلکہ وعدہ کے بغیر بھی مستحق اور اہل کو ووٹ دینا چاہئے لیکن اگر وعدہ غیر مستحق اور نااہل سے کر لیا گیا ہو تو ایسا وعدہ ہی صحیح وعدہ نہیں اور اس کو پورا کرنا ایسا ہے جیسا کسی سے شراب پلانے کا وعدہ کرے اس کو شراب پلانا اور اس کو وعدہ کا ایفا قرار دینا ہے خلاصہ یہ کہ ایفاء عہد اسی صورت میں لازم ہے کہ وہ عہد بھی جائز ہو - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی
کانگریس ہندوستانیوں کی جماعت ہے نہ کہ ہندوؤں کی!
(سوال) زید کہتا ہے کہ مشرک کے ساتھ شرکت عمل کسی طرح بھی ہو بالکل حرام اور کفر ہے خصوصاً موجودہ تحریک کانگریس جو کہ ہندوؤں کی جماعت ہے اس کے ساتھ شرکت کرنا خالص کفر ہے دلیل میں چند آیات اور حدیث پیش کرتا ہے جیسا کہ ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ۔ ومن یتولھم منکم فانہ منھم حدیث شریف انا لا نستعین بالمشرک۔ الی اخرہ
عمرو کہتا ہے کہ مطلقاً شرکت عمل حرام نہیں وقت اور مقام کا لحاظ ضروری ہے آنچہ مشرک سے مشرکین حرب مراد ہیں اور محبت سے محبت فی المذہب والدین مراد ہے وان جنحوا للسلم فاجنح لھا۔ نیز فان اعتزلو کم ولم یقاتلو کم اسی طرح بہت سی آیات اور احادیث سے اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ اور خلفائے راشدین کے طرز خلافت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً شرکت اور امداد حرام نہیں اب اسی سلسلہ میں تنقیہ فہ بذار زمین ہے آئین میں کرم ہے۔ المستفتی نمبر ۱۴۰۷ مولوی غلام حبیب صاحب (ضلع پشاور) ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۶ جون ۱۹۳۷ء
(جواب ۴۹۰) عمرو کا قول صحیح ہے اور دلائل شرعیہ کے موافق زید کا قول درست نہیں کانگریس کو ہندوؤں کی جماعت کہنا بھی اصولاً درست نہیں وہ ہندوستانیوں کی جماعت ہے اور ہندوستانیوں میں مسلمان بھی شامل ہیں اور ہندوؤں کی اس میں کثرت ضرور ہے اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی تعداد ہی زیادہ ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ مسلمان شرکت کانگریس میں غفلت اور کوتاہی کرتے ہیں بہر حال اپنے فائدے کے لئے کفار کے ساتھ اشتراک عمل کرنا جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ہندوستان کی تحریک آزادی میں ہر محب وطن کی شرکت لازمی ہے
(سوال) ہندوستان کی تحریک آزادی میں حصہ لینا اور موجودہ حکومت سے مخالفت کرنا شریعت کی رو سے کیسا ہے؟ المستفتی نمبر ۱۲۳۹ ابراہیم کاویہ پوسٹ بکس نمبر ۲۵ (جنوبی افریقہ) ۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۷ جولائی ۱۹۳۷ء
(جواب ۴۹۱) ہندوستان کی تحریک آزادی ایک وطنی تحریک ہے اس میں ہر محب وطن ہندوستانی کو شریک ہونا لازم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

نعرہ اللہ اکبر پر پابندی کا آرڈیننس تحکمانہ اور غیر معقول ہے
(سوال) ریاست مالیر کوٹلہ میں چیف منسٹر صاحب نے مسلمانان مالیر کوٹلہ کے خلاف یہ حکم جاری کیا ہے جو کہ آرڈیننس ا، کے ۱۹۳ء کے نام سے موسوم ہے۔

(۱) مسلمانان مالیر کوٹلہ بعد نماز عشاء کے اپنے محلوں کی مساجد میں اللہ اکبر کا ورد اپنی مصائب کی نجات کے لئے کرتے تھے اس پر چیف منسٹر صاحب مالیر کوٹلہ نے ایک حکم نافذ کیا ہے جو کہ آرڈیننس کے نام سے موسوم ہے جو نعرہ بازی شور و شر کے نام سے موسوم ہے گا اور یہ آرڈیننس سردست تین ماہ کے لئے شہر مالیر کوٹلہ کے اندر اور ۳۰ میل کے فاصلے تک وسعت پذیر رہے گا۔

(۲) ہر شخص جو نعرہ زنی مذکور کرتا ہوا یا امداد و اعانت کرتا ہوا پایا جاوے تو سزائے تازیانہ کا مستوجب ہوگا جس کی مقدار تیس تازیانہ تک ہوگی اور آرڈیننس کے خلاف اپیل نہ ہو سکے گی یہ آرڈیننس جاری کرکے مسلمانان مالیر کوٹلہ کو اللہ اکبر کا نعرہ لگانے سے منع کر دیا اور نعوذ باللہ من ذلک نعرہ اللہ اکبر کو نعرہ شور و شر کہا گیا ہے یہ آرڈیننس چیف منسٹر صاحب مالیر کوٹلہ نے اپنے حکم سے جاری کیا ہے اور باوجود اس کے کہ ریاست مذکور کا رئیس مسلمان ہے اس حالت میں مسلمانوں کے لئے کیا حکم ہے آیا کہ ان کو نعرہ اللہ اکبر چھوڑ دینا چاہئے یا کہ نہ اور ایسے شخص کے لئے جو کہ مسلمان ہوتے ہوئے اس قسم کا حکم نافذ کرے اور نعرہ اللہ اکبر کو نعرہ شور و شر کے نام سے موسوم کرے اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے۔

المستفتی نمبر ۱۸۴۲ آفتاب صاحب (لدھیانہ) ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۱ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۹۲) یہ آرڈیننس اگر نعرہ اللہ اکبر کے متعلق ہے تو نہایت تحکمانہ اور غیر معقول ہے اور اگر مسلمان چیف منسٹر کے اختیار اور ارادے سے صادر ہوا ہے تو انتہائی مذمت کا مستحق ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

حضرت مفتی صاحب جمعیۃ العلماء کے فتوے بلا معاوضہ لکھتے تھے

(سوال) محلہ میں چند بد معاش آدمی یہ مشہور کرتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب پچاس روپے ماہوار جمعیۃ العلماء ہند سے فتویٰ نویسی کی تنخواہ لے رہے ہیں اس پر میرا اور میرے ہم خیال لوگوں کا ان لوگوں سے قضیہ چل رہا ہے برائے مہربانی آپ تحریر فرمائیں کہ کیا یہ واقعہ صحیح ہے یا لوگ یونہی جھوٹ موٹ اڑاتے ہیں یہ بھی تحریر فرمائیں کہ اگر آپ کو نہیں تو کیا کسی اور مفتی کو جمعیۃ سے پچاس روپے ماہوار مل رہے ہیں کرم فرما کر صاف صاف تحریر فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۲۰۷۱ محمد جلیل کوچہ دکھنی رائے دہلی ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م یکم ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۹۳) اللہ تعالیٰ ان مہربانوں کو جو بے بنیاد باتیں کہتے ہیں اور مفت میں بدنام کرتے ہیں نیک راہ کی توفیق عطا فرمائے میں فتویٰ نویسی کی تنخواہ جمعیۃ علماء ہند سے ایک پیسہ بھی نہیں لیتا اور جمعیۃ العلماء کسی اور شخص کو بھی فتویٰ نویسی کی تنخواہ نہیں دیتی ہاں اس کو عرصے سے ایک مفتی کی تلاش ہے جس کو تنخواہ دے کر فتویٰ نویسی کے لئے مقرر کرے مگر ابھی تک کوئی لائق مفتی دستیاب نہیں ہوا فتویٰ نویسی کا تمام بوجھ مجھ جیسے ضعیف آدمی کی گردن پر ہے دفتر کے فتوے بھی میرے پاس بھیج دیئے جاتے ہیں اور میں بلا کسی

مواخذہ سے لکھ دیتا ہوں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

اخبار کے ایک کارٹون پر تبصرہ......

(سوال) زید اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے توحید و رسالت کا قائل ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو حق مانتا ہے کفر و شرک سے بیزاری کا اعلان کرتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کو بعض مسلمانوں سے سیاسی معاملات میں اختلاف ہے وہ انہیں منع کرتا ہے کہ اسلام کے مقدس نام سے ذاتی سیاسی اغراض حاصل نہ کی جائیں اور اسلام کے مقدس نام سے غیر مسلم طاقتوں کو ناجائز فائدہ نہ پہنچایا جائے۔

اپنے اسی نقطہ نظر سے زید اخبار میں ایک کارٹون نکالتا ہے زید اس کارٹون میں اپنی مخالف دوسری سیاسی جماعتوں کی طرح ان مسلمانوں کی ذہنیت بھی دکھاتا ہے جو اسلام کے پاک نام سے زید کے خیال میں ذاتی اغراض حاصل کرتے اور غیر مسلم طاقتوں کی ناجائز خدمت انجام دیتے ہیں چنانچہ اس ذہنیت والے لوگوں کے نعرہ "اسلام" کو وہ شیر کی تصویر پر (انور ندر کاماز) کے اندر لکھ دیتا ہے تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ اسلام کا مقدس نام ناجائز طریقہ پر استعمال کرتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ کلمہ گو اور مسلمان ہونے کے باوجود کیا زید محض اس کارٹون کی اشاعت کی وجہ سے کافر ملحد لامذہب سمجھا جائے گا اگر ایسا نہیں سمجھا جائے گا تو ان لوگوں کا شرعی حکم کیا ہے جو محض اس کارٹون کی وجہ سے کلمہ گو مسلمان زید کو کافر ملحد لامذہب کہیں۔ المستفتی نمبر ۲۴۴۷ ایڈیٹر صاحب۔ اخبار ہند جدید کلکتہ ۲ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۲ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۹۴) تصویر بنانے اور شائع کرنے کے عدم جواز کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کارٹون سے جو غرض ہے اس کا حکم یہ ہے کہ کارٹون بنانے والے نے یہ دکھانا چاہا ہے کہ برطانوی حکومت ہندوستان سے اپنا مفاد حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کی عیاریاں کرتی ہے اور قسم قسم کے حیلے تراشتی ہے جن کے ذریعہ سے خود ہندوستانیوں کو بے وقوف بناکر ان کی ہی زبان سے ایسی باتیں نکلواتی ہے جو بظاہر ہندوستانیوں کے لئے مفید ہوتی ہیں مگر درحقیقت ان سے برطانوی حکومت کو فائدہ پہنچتا ہے چنانچہ وہ ہندوستان کو آپس میں لڑانے کے لئے (جو درحقیقت برطانوی حکومت کے بقاء و استحکام کے لئے ضروری ہے) کسی فریق کو مذہب کے نام سے کسی کو صوبہ وارانہ پوزیشن کے لحاظ سے کسی کو روٹی کے بہانے سے ابھارتی ہے اور یہ آپس میں لڑ کر برطانوی حکومت کو فائدہ پہنچاتے ہیں پس کارٹون میں لفظ اسلام لکھنے سے صرف یہ مطلب ہے کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن کو درحقیقت مذہب کا کوئی درد نہیں ہوتا مگر وہ مذہب اور اسلام کا نام محض اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ سیدھے سادے مسلمان یہ سمجھ کر کہ انگریزی حکومت کے بقاء میں اسلام محفوظ اور انگریزی حکومت کے زوال سے اسلام خطرے میں ہے انگریزی حکومت کی حمایت کرنے لگیں تو یہ انگریزی حکومت کے ان ہتھکنڈوں میں جن کے ذریعہ سے وہ اپنا مفاد حاصل کرتی ہے اسلام کا نام استعمال کرانا بھی ہے پس اس غرض سے کارٹون میں اسلام کا لفظ لکھ دینا نہ کفر ہے نہ الحاد نہ لامذہبی کیونکہ اس سے

مراد ہی مصنوعی فرضی اور نام کا اسلام ہے جو برطانوی مدارس کے لئے روزی کا ذریعہ ہو سکے ورنہ ظاہر ہے کہ حقیقی اور معنوی صحیح اسلام برطانیہ کی روزی کے ذرائع میں داخل نہیں اور نہ کوئی مسلمان ایسا خیال کر سکتا ہے اور نہ حقیقی اسلام برطانوی حکومت کے وجود پر موقوف ہے - فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قومی نعرہ ہندوستان زندہ باد آزاد ہونا چاہئیے

(سوال) مسلمان بچوں کی ایک جماعت کانگریسی وردی پہن کر سہ رنگی جھنڈی لئے ہوئے شاہراہ اور گلی کوچہ میں ایک تعلیم یافتہ نوجوان کے زیر قیادت یہ صدا لگاتی ہے قومی نعرہ بندے ماترم یہ نعرہ لگانا کیسا ہے اور ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۷۵۶ حکیم عبدالغفور صاحب (ضلع بھاگلپور) ۸ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۴ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۹۵) قومی نعرہ ہندوستان زندہ باد ہندوستان آزاد ہونا چاہئیے - بندے ماترم کے معنی ہمیں معلوم نہیں ہیں - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسلمان جمعیۃ علماء ہند کی نگرانی میں وطنی آزادی اور مذہبی حفاظت کا فریضہ ادا کریں

(سوال) فی الحال جس قسم کی کشمکش عام مسلمین پر کار فرما ہے وہ آپ پر روشن و عیاں ہے ایک طرف لیگ اپنا کام کر رہی ہے تو ایک طرف کانگریس مسلمانوں کو دعوت دے رہی ہے جواہر لال احمد آباد آیا اس وقت بعض مسلمانوں نے اس کے واسطے ایک جلسہ منعقد کیا تھا اس میں ایک مسلمان نے اس کی تعریف کا لیکچر دیا اور مسلمانوں سے کانگریس میں داخل ہونے کی اپیل کی کئی اخبار میں جب میں نے یہ واقعہ پڑھا اور لیکچر دینے والے کا نام نظر سے گزرا تو اس کے ساتھ میری خط و کتابت پہلے سے ہو چکی تھی اب میں نے اس پر خط لکھا کہ تمہاری یہ حرکت میرے خیال سے ٹھیک نہیں ہے اور تم لیگ کی طرف آجاؤ میرا خط پڑھ کر اس نے ایک طویل خط جواب میں لکھا ہے اس میں وہ لکھتا ہے کہ مولانا کفایت اللہ صاحب بھی کانگریس میں داخل ہو چکے ہیں یہ جملہ پڑھنے کے بعد میں حیرت میں آگیا اور چونکہ میں ہمیشہ اخبارات کو پڑھا نہیں کرتا لہذا ممتنذ کر دیا !! جو میری نظر سے گزری اور اس شخص کی تحریر سے اس بات کا اظہار ہوا تو میں حیران و ششدر رہ گیا شاید یہ تحریر غلط ہو یا یا ہیں وجہ اس کی تحقیق لاحق ہوئی لہذا میں آپ سے باادب ملتجی ہوں کہ کیا آپ کانگریس میں داخل ہیں کیا آپ چاہتے ہیں کہ سب مسلمان کانگریس میں داخل ہو جائیں کیا بروئے شریعت کانگریس مسلمانوں کی سرپرست ہو سکتی ہے - میرا منشا صرف تحقیق ہے - المستفتی نمبر ۱۸۲۸ منشی آدم خانپور (بہار) ۲۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۹۶) ہندوستان میں ایک غیر ملکی حکومت (انگریزی حکومت) قائم ہے اور ہندوستانیوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً انگریزی حکومت نے بے حد نقصانات پہنچائے ہیں ہندوستان کے باشندے اس

غیر ملکی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں تو یہ فریضہ وطنیہ مسلمانوں پر بھی اسی طرح عائد ہوتا ہے جس طرح غیر مسلموں پر اور تحریک آزادی میں جب تک ہندوستان کی تمام اقوام داخل نہ ہوں کامیابی مشکل ہے اس لئے مسلمانوں کو سیاسی معاملات میں قومی مجلس کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل لازمی ہے اور جمعیۃ علماء نے آج تک اسی اصول کے موافق کام کیا ہے مگر اس کے ساتھ مسلمان قوم کی اپنی قومی اور مذہبی زندگی کے لئے اندرونی تنظیم اور اجتماعی قوت بھی لازمی ہے اس کے لئے جمعیۃ علماء ہند کا پلیٹ فارم ہے سب مسلمانوں کو مل کر جمعیۃ علماء ہند کی نگرانی میں وطنی آزادی اور مذہبی حفاظت کا فریضہ ادا کرنا لازم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

مسلم لیگ کے حق میں ایک مشورہ سے رجوع

(سوال) نہایت ادب سے گزارش ہے کہ پرچہ ہذا کے ساتھ جو اشتہار روانہ کیا جاتا ہے یہ فتویٰ آپ کا دیا ہوا ہے یا غلط ہے۔ المستفتی نمبر ۱۹۱۰ جناب سردار بیگ صاحب (بجنور) ۱۷ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۹۷) یہ فتویٰ نہیں ہے بلکہ مشورہ تھا جو گزشتہ الیکشن کے وقت مسلم لیگ کے ذمہ داروں کے حق میں اس بنا پر دیا گیا تھا کہ مسلم لیگ کے ذمہ دار عہدیداروں نے اطمینان دلایا تھا کہ لیگ کے نمائندے وہی ہوں گے جو ترقی پسند اور آزادی کی تحصیل میں کانگریس سے اشتراک عمل کریں گے لیکن جب لیگ نے خاص سرکاری آدمیوں کو ہی نمائندہ بنایا اور ترقی پسندی کی جگہ رجعت پسندی کا عملی ثبوت بہم پہنچایا تو اب اس مشورہ کو لیگ کے امیدواروں کے لئے کام میں لانا درست نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

مسلمان، مسلم لیگ یا کانگریس کس کی پیروی کریں؟

(سوال) اب جب کہ دونوں جماعت سے یعنی مسلم لیگ و کانگریس سے تعلق رکھنے والے علماء کرام مسلم عوام کے سامنے اپنی اپنی جماعت کی تعریف و توصیف کرتے ہیں اور محض اسی پر اکتفا نہیں بلکہ ایک جانب کے علماء کرام دوسری جانب کے علماء کرام کے خلاف نامہ اور الفاظ استعمال کرتے ہیں جس کا یہ نتیجہ ہے کہ سواد اعظم اسلام سے فرداً فرداً مسلمان گھٹتے جاتے ہیں مسلم وقار اور اتحاد بین المسلمین کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے ایسی ہیجانی حالت میں مسلم عوام عموماً اور جاہل دیہاتی مسلمان خصوصاً سخت پریشان ہیں کہ کیا طرز عمل اختیار کریں کس کی پیروی کریں کس کو حق بجانب سمجھیں۔ المستفتی نمبر ۱۹۶۲ محمد نیاز عزیز احمد۔ ظہور الحسن۔ عبدالعزیز (کانپور) ۲۶ شعبان ۱۳۵۶ھ م یکم نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۹۸) مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد میں شرکت تو سب کے نزدیک لازمی ہے مگر طریقہ عمل کے اختیار کرنے میں رائے مختلف ہے کچھ لوگ دیانتداری سے یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کی آزادی اقوام ہند کی مشترکہ جدوجہد سے حاصل ہو سکتی ہے اس لئے مشترک مجلس کانگریس میں شریک ہونا مفید اور لازم ہے

اس کے برخلاف دوسرے حلقہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو علیحدہ منظم ہو کر جدوجہد کرنی چاہئیے ان میں سے کون صحیح راستے پر ہے اور کون غلط پر اس کا فیصلہ میں ابھی کرنے سے قاصر ہوں مگر ایک فریق کا دوسرے فریق کو برا بھلا کہنا اور مخالف کے حق میں ناسزا اور نا ملائم الفاظ کہنا تو کسی حال میں بھی زیبا نہیں آپ اپنے لئے راہ عمل اختیار کرنے میں اس جماعت کے ساتھ رہیں جو ذاتی اغراض سے بالاتر ہو اور ایثار پیشہ اور قربانی پیش کرنے کے لئے تیار اور اس کے ساتھ اسلامی تعلیم سے باخبر اور عمل صالح سے آراستہ ہو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

مسلم لیگ یا کانگریس، کون سی جماعت مسلمانوں کی رہنمائی کر سکتی ہے؟

(سوال) سیاسی جماعتوں میں سے مسلم لیگ و کانگریس دونوں میں سے مسلمانوں کی رہنمائی کون سی جماعت کر سکتی ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۱۱۴ شیخ محمد شفیع صاحب (فیروز پور) ۱۱ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۵ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۹۹) نیت مذہب کی حفاظت اور ملک و وطن کی آزادی کی جدوجہد ہو تو کانگریس میں رہ کر بھی ایک پکا مسلمان صحیح خدمت کر سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

(۱) ہندوؤں کے ساتھ تحریک آزادی میں اشتراک عمل
(۲) مشرک سے امداد حاصل کرنا کب جائز ہے ؟
(۳) مذہب عین سیاست شرعیہ اور سیاست شرعیہ عین مذہب ہے
(۴) مسلمان کافر یا طاغوت نہیں
(۵) جنگ آزادی خود مسلمانوں پر فرض ہے
(۶) ایک مشترکہ فنڈ
(۷) تنہا مسلم لیگ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دیں یہ نظریہ غلط ہے

(سوال) (۱) قرآن شریف میں آتا ہے (سورہ نساء) بشر المنافقين بانّ لهم عذاباً اليماً الخ — اس کی تفسیر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے قرآن مجید مطبوعہ مدینہ پریس بجنور ص ۱۵۹ پر کی ہے تحریر کیا ہے کہ دنیاوی عزت حاصل کرنے کے لئے کافروں کو اپنا دوست مت بناؤ لہذا جب وزارت یا ممبری وغیرہ صاف معلوم ہے کہ اس میں دنیاوی عزت اور وجاہت ضرور ہے تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندو جماعت سے اس معاملے میں کیوں تعاون کیا جائے دوسرے یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ آزادی حاصل کرنے کے لئے جو جنگ موجودہ وقت میں جاری ہے یہ بھی اگر کامیاب ہوتی ہے تو بہت بڑی عزت ہے جو کہ ظاہر ہے کہ ہندوؤں کے تعاون سے ضروری ہے لہذا اس کے متعلق بھی صاف صاف فرمائیے گا کیا یہ کہاں تک

درست ہے۔

(۲) آنحضرت ﷺ نے غزوہ تبوک میں جو لڑائی لڑی ہے اس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مشرک سے امداد نہیں لینی چاہئے خواہ مالی ہو یا جسمانی ہو یا لسانی ہو اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے تحریر کیجئے گا کہ اہل ہنود کے ساتھ تعاون کیسا ہے ؟

(۳) مذہب عین سیاست ہے اور سیاست عین مذہب ہے اکثر علمائے دین نے زور کے الیکشن میں اعلان کیا ہے لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ مذہب تو سیاست ہو سکتا ہے لیکن سیاست مذہب نہیں بن سکتا چونکہ سیاست میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں مگر مذہب میں نہیں۔

(۴) فمن یکفر آیت الکرسی کے ختم سے اگلی آیت کے شروع میں درج ہے آیت مذکورہ کا مطلب یا ترجمہ کسی حالت میں مندرجہ ذیل ہو سکتا ہے یا نہیں - مسلمان اور ہندو دونوں کافر ہیں لیکن مسلمان بتوں سے کافر ہیں اور ہندو خداوند تعالیٰ سے کافر ہیں لیکن کافر دونوں ہیں کیا مسلمان کسی حالت میں کافر کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے یا نہیں اگر اس ترجمہ یا تفسیر کو کوئی محقق عالم پیش کرے تو کہاں تک درست ہو سکتا ہے اور یہ فعل اگر غلط ہے تو مولوی صاحب کی نسبت کیا حکم ہے ؟

(۵) اگر جنگ آزادی جہاد ہے تو یہ فرمائیے کہ ہندو جماعت کو جہاد میں شریک کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

(۶) اگر جنگ آزادی کا بیڑا ہندو جماعت نے اٹھا رکھا ہے۔ تو اس کے ساتھ تعاون کر کے اس جنگ میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں ؟

(۷) اگر ایک فنڈ میں بہت سا روپیہ جمع ہوتا ہے اور اس کے فنڈ میں سود اور رشوت وغیرہ کا روپیہ بھی شامل ہے اور وہ روپیہ بین الاقوامی ہے تو اس روپے میں سے ایک دیندار شخص کے لئے سفر خرچ لینا جائز ہے یا نہیں اور اس میں سے کھانا بھی چاہئے یا نہیں ؟

(۸) مسلم لیگ جماعت اگر ہمیں یہ اطمینان دلا دے کہ واقعی ہم آزادی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان و مال قربان کر دیں گے اور انگریز کو بہت جلد ہندوستان سے نکالنے کی کوشش کریں گے تو ایسی صورت میں ہم مسلم لیگ کے ممبر بن سکتے ہیں یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۱۱۹ محمد فضل الرحمن صاحب مائکی الوری (جیپور) ۱۲ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۶ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۰۰) (۱) آیت کے مفہوم کی تشریح جو جناب مولانا شبیر احمد صاحب نے کی ہے درست ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیاوی عزت حاصل کرنے کے مقصد کو پیش نظر رکھ کر کفار سے دوستی کرنا درست نہیں لیکن اگر مقصد دین کی حفاظت ہو اور وہ کفار سے اشتراک عمل کر کے (نہ کہ دوستی و محبت کر کے) حاصل ہو سکتی ہو تو ایسا اشتراک عمل اس آیت کے مفہوم کے ماتحت داخل نہیں ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس اشتراک عمل سے دنیاوی اقتدار تبعاً حاصل ہو جائے لیکن وہ مقصود بالذات نہ ہو تو وہ ممنوع و محظور نہیں۔

(۲) جب کہ مسلمان کی قوت دشمن کے مقابلے اور مدافعت کے لئے کافی ہو تو بیشک مشرک سے امداد حاصل کرنا درست نہیں لیکن جب کہ ایک کافر قوت مسلمان کو تباہ کررہی ہو اور مسلمان کسی غیر مسلم طاقت سے اشتراک عمل کر کے اپنے آپ کو بچاسکتے ہوں تو ایسے وقت میں یہ حکم شرعی نہیں ہے کہ اپنے آپ کو ہلاک اور برباد ہو جانے دو مگر غیر مسلم سے اشتراک عمل کر کے اپنی جان نہ بچاؤ۔

(۳) مذہب عین سیاست (شرعیہ) ہے اور سیاست (شرعیہ) عین مذہب ہے یہ مقولہ بالکل صحیح اور مفرد ہے جس قدر تبدیلی سیاست شرعیہ میں ہوتی رہے گی وہ مذہب کے ماتحت ہوگی یعنی اتنی تبدیلی کی مذہب اجازت دے گا جس کے اصول قرآن و حدیث میں موجود ہیں مثلاً آیت کریمہ **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان** اور **الا مااضطر رتم الیہ** اور **من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما**۔

(۴) یہ بات ایک تفنن پر مبنی ہے کہ مسلمان کو کافر بالصنم یا کافر بالطاغوت کہا جائے قرآن مجید میں مومن کو کافر بالطاغوت فرمایا گیا ہے اور اس اضافت کے ساتھ اطلاق کافر کا مومن پر نہ غلط ہے اور نہ ناجائز ہے تفنن کے طور پر تو بزرگوں کے کلام میں اس سے زیادہ اطلاق موجود ہیں مثلاً کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست ۔ ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست اور اسی ضمن میں یہ بھی ہے کہ رب اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا خاص نام ہے مگر اضافت کے ساتھ اس لفظ کا اطلاق غیر خدا پر جائز اور مستعمل ہے۔ مثلاً **رب المال**

(۵) جنگ آزادی **سعی تخلص من ید الظالم** ہے اور اس کے لئے غیر مسلم سے تعاون اور اشتراک عمل کرنے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے اگر گاؤں پر ڈاکو حملہ آور ہوں تو گاؤں کی مسلم و غیر مسلم آبادی باہم تعاون و اشتراک عمل کر کے ان کے حملے سے اپنے گاؤں اور اپنی جانوں کو بچاسکتی ہے اور مسلم آبادی پر ایسے وقت پر غیر مسلموں سے اشتراک کرنا کسی درجہ میں ناجائز اور مذموم نہیں ہے۔

(۶) اگر ہندوستان مسلمانوں کا بھی وطن ہے اور اس پر انگریزوں کا تسلط ان کے نزدیک بھی درست نہیں ہے تو جنگ آزادی ان کے ذمے جائے خود فرض ہے ہندوؤں کا اپنے وطن کو آزاد کرانے کے لئے جدوجہد کرنا اور مسلمانوں کا اپنے وطن کو مقبوضہ غیر رہنے دینا مسلمانوں کے لئے موجب غیرت و شرم ہونا چاہئے۔

(۷) ایسا مشترک فنڈ مختلف حیثیتوں کا ہوتا ہے اور مختلف احکام رکھتا ہے یہ واضح رہے کہ مسلمان اگر سود کا روپیہ حاصل کر کے کسی کو دے اس کا حکم اور ہے اور ہندو اگر سود کا روپیہ حاصل کر کے کسی کو دے اس کا حکم اور ہے اور یہ سوال لیگ کے فنڈ کے ساتھ بھی اسی طرح متعلق ہے جیسا کہ کانگریس کے فنڈ کے ساتھ۔

(۸) اگر لیگ کا بھی یہی مقصد ہے کہ ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے جان و مال کو قربان کر دے گی تو بہت درست اور صحیح مقصد ہے لیکن اگر اہل عقل اور اصحاب الرائے اس نظریے کو تسلیم کرلیں کہ تنہا لیگ اس مقصد کو حاصل کر سکتی ہے تو بیشک مسلمانوں کو لیگ کا ممبر بننا اور کانگریس سے تعاون نہ کرنا لازم ہے اور پھر یہ نظریہ بھی سامنے آجائے گا کہ اگر آٹھ کروڑ مسلمان جو دولت و تعلیم اور تعداد میں ہندوؤں سے کمزور ہیں اور ایک چوتھائی کی نسبت رکھتے ہیں تنہا انگریزوں کو نکال سکتے ہیں تو ۲۴ کروڑ ہندو جو مسلمانوں سے تعداد میں

دے گئے اور دولت و تعلیم میں اس سے بھی زیادہ طاقتور ہیں تنہا انگریزوں کو نکال کر ہندوستان پر کیوں قابض نہیں ہو سکتے۔
مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ نظریہ نہ آج تک تسلیم کیا گیا ہے اور نہ کوئی اہل الرائے اور ذی عقل اسے تسلیم کرنے کو تیار ہے کہ موجودہ حالات میں مسلمان تنہا انگریزوں کو ہندوستان سے نکال سکتے ہیں کیونکہ انقلاب تدریجی اور آئینی جمہوری اصول سے آرہا ہے اور اس میں جب تک اقوام ہند باہم اشتراک عمل نہ کریں انگریز کا پنجہ تسلط ڈھیلا نہیں ہو سکتا اور موجودہ دستور جدید مسلمانوں نے ہندوؤں سے گول میز کانفرنس میں تعاون کر کے خود مسلط کرایا ہے اور اپنے ہاتھوں ہندوستان کی مجارٹی کے ہاتھ میں حکومت دیدی ہیں اگر ہندوؤں کے ساتھ اشتراک عمل کرنا اور تعاون کرنا منظور نہ تھا یا ناجائز تھا تو گول میز کانفرنس کا بائیکاٹ کر دینا فرض تھا تاکہ ان کی شرکت کے بغیر یہ دستور جدید نہ بنتا اور نہ مجارٹی کے ہاتھ میں حکومت آتی بلکہ انگریز ہی قابض اور حکمراں رہتا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

" یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ "
کا نص قرآنی اور ہندوؤں کے ساتھ اشتراک عمل

(سوال) سیدی و مولائی۔ سلام مسنون یہ اشتہار جو اس احقر کے نامے کے ہمراہ چسپاں ہے اس میں ایک فتویٰ ہے جو مولانا اشرف علی صاحب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اگر یہ درست ہے جو مولانا نے تحریر فرمایا ہے تو ہم لوگ جو آپ اور مولانا حسین احمد مدنی جیسے بزرگوں کی وجہ سے کانگریس کی حمایت کرتے ہیں مورد الزام ہیں یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۱۲۹ میر مشتاق احمد صاحب عربک کالج دہلی ۱۰ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۹ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۰۱) آیت کریمہ میں کفار کے ساتھ موالات (اتخاذ بطانہ) یعنی دلی دوستی اور محبت کرنے کی ممانعت ہے نہ یہ کہ اس کے ماتحت کفار کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا بھی جائز نہیں یا کسی صحیح مقصد میں اشتراک عمل بھی جائز نہیں۔
اگر آیت کا مفہوم اس قدر عام کر لیا جائے کہ ہر ایک اشتراک عمل کو موالات (قلبی دوستی یا اتخاذ بطانہ) قرار دیا جائے اور آیت کریمہ کو اس پر بطور حجت پیش کر کے اس کو حرام کیا جائے تو تجارتی کمپنیوں میں اداروں کی ملازمت میں کونسلوں میں میونسپل بورڈوں میں ڈسٹرکٹ بورڈوں میں غیر مسلموں اور ہندوؤں کے ساتھ تعاون اور اشتراک عمل کو بھی حرام کہنا پڑے گا۔
ہندوستان کو غیر ملکی حکومت کے تسلط سے آزاد کرانا ہندوستانیوں کا فریضہ وطنی ہے یا نہیں اور مسلمانوں پر بھی یہ فریضہ عائد ہوتا ہے یا نہیں۔
اگر جواب اثبات میں ہے اور یقیناً ہے کیونکہ کوئی سمجھدار مسلمان یہ نہیں کہتا کہ ہم انگریزی

حکومت سے خوش ہیں اور اسی کو ہندوستان میں قائم اور مسلط رکھنا چاہتے ہیں اور مسلم لیگ بھی اپنے لکھنؤ کے اجلاس میں آزادی کامل کو اپنا نصب العین قرار دے چکی ہے۔

تو اس حالت میں مسلمانوں کا آزادی کے لئے جدوجہد کرنا خود اپنے نصب العین کے واسطے اور اپنے مقصد کے لئے جدوجہد کرنا ہے اور ہندوستان کی دوسری قومیں بھی ہندوستان کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے میں اپنا وطنی فریضہ ادا کر رہی ہیں اور یہ لازمی ہے کہ جب مقصد ایک ہے تو مختلف قومیں سب اس مقصد کے حصول کی سعی میں فطرتاً اور طبعاً شریک ہوں گی پس یہ ایک مقصد کے حصول میں اشتراک عمل ہے نہ وہ موالات جو آیۂ کریمہ میں ممنوع ہے اور جس کو اتخاذ بطانہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے یہ نظریہ بھی مسلم ہے کہ آزادی کامل کا حصول آئینی طور پر تمام اقوام کے اشتراک عمل کے بغیر غیر متصور ہے مسلمان یا مسلم لیگ اپنے نصب العین (کامل آزادی) کو تنہا حاصل نہیں کر سکتے اسی نظریے کے ماتحت انہوں نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ جدید کے بنانے میں گول میز کانفرنس میں شرکت کی حالانکہ یہ بات بدیہی تھی کہ جس اصول پر یہ ایکٹ بنایا جا رہا ہے اس کے مطابق حکومت مجارٹی کی ہوگی تو گویا انہوں نے گول میز کانفرنس اور اس کی کمیٹیوں میں شریک ہو کر خود حکومت کی باگیں ہندو مجارٹی کی تحویل میں دیدیں۔

اگر حصول حکومت کے بعد تاسیس اور قانون جدید کی ترتیب میں تعاون اور اشتراک عمل کو حرام کہتے ہیں تو اس گول میز کانفرنس کا مقاطعہ کرتے جس کے ذریعہ سے حکومت ہندوؤں کو دی جا رہی تھی اور آج بھی یہ فرض ہے کہ کونسلوں اور اسمبلیوں کا جن میں غیر مسلم مجارٹی ہے مقاطعہ کریں یہ بات عجیب ہے کہ قانون جدید جو مجارٹی کو حکومت دیتا ہے چلانے اور اس کو محکم کرنے کے لئے تو اسمبلیوں میں جائیں اور اشتراک عمل کریں اور اپنا واجبی حصہ حاصل کرنے کے وقت کھڑے ہو کر مخالفت اور عداوت کے مورچے قائم کرلیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

(۱) اقتصادیات وسیاسیات میں بامر مجبوری غیر مسلم قیادت تسلیم کرنا منع ہے
(۲) حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے یہودیوں کے ساتھ معاہدے کئے ہیں
(۳) ہندوستانی قوم کامل کر تحریک چلانا جائز ہے

(سوال) (۱) کیا مسلمانوں کو کسی غیر مسلم جماعت کی یا کسی غیر مسلم سردار کی سرداری قبول کرنا جائز ہے کیا مسلمانوں کو کسی غیر مسلم جماعت یا کسی غیر مسلم رہنما کے حکم پر عمل کرنا جائز ہے؟

(۲) کیا مسلمانوں نے کسی زمانے یعنی رسول اللہ ﷺ یا خلفائے اسلام یا شاہان اسلام جو پابند شرع تھے کے زمانے میں کسی غیر مسلم جماعت یا سردار کی سرداری میں جب کہ کوئی باعزت شرع شریف کی رو سے شرائط عہد نامہ نہ ہوا ہو کوئی مذہبی یا ملکی کام کیا ہے کسی تاریخ اسلام یا کسی صحیح احادیث نبوی میں کہیں ثبوت ہے کہ غیر مسلم کو غیر کسی عہد کے سردار منتخب کیا ہے اور اس کی ماتحتی میں کوئی مذہبی یا ملکی جنگ کی ہے۔

(۳) کیا مسلمانوں کو اسلام کی تاریخ اور احادیث نبوی سے کنارہ کش ہو کر اپنی ذاتی رائے سے کسی غیر مسلم جماعت میں یا کسی غیر مسلم کی سرداری میں غیر معاہدہ کے شریک ہونا جائز ہے اگر کوئی مسلمان ایسا کرے تو یا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۲۱۳۸ محمد حنیف صاحب معرفت حافظ عبدالوحید صاحب دہلی ۷ اشوال ۱۳۵۶ھ م ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۰۲) (۱) اسلامی امور میں غیر مسلم کی سرداری قبول کرنی درست نہیں ہے سیاسی امور یا اقتصادیات میں غیر مسلموں کی شرکت یا ان کی صدارت میں کام کرنا یا کسی مجبوری سے ان کی قیادت تسلیم کرنا منع نہیں جیسے میونسپلٹیوں میں غیر مسلم کی چیئرمینی یا کونسلوں میں غیر مسلم کی پریذیڈنٹی یا پولیس کی ملازمت میں غیر مسلم افسر کی قیادت یا فوج میں غیر مسلم افسر کی اطاعت یا دوکان میں غیر مسلم کی شرکت یا انگریزی حکومت اور اس کے قانون کی تعمیل کرنا یا غیر مسلم ڈاکٹر یا طبیب کی ہدایات پر عمل کرنا۔

(۲) آنحضرت ﷺ نے یہود سے ایک دوسرے کی اعانت کا معاہدہ کیا تھا صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں بھی معاہدات ہوئے شاہان اسلام کے زمانہ میں بہت سے غیر مسلم افسر اور عہدہ دار ہوتے رہتے ہیں۔

(۳) غیر مسلم حکومت کی قوت اور تسلط کو دفع کرنے اور عالم اسلامی کو ان نقصانات عظیمہ سے بچانے کے لئے جو انگریزی طاقت دول اسلامیہ اور اقوام مسلمہ کو پہنچا رہی ہے ہندوستانی قوم کا سیاسی طور پر مل کر کام کرنا من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما (حدیث) کے ماتحت جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسلم لیگ یا کانگریس؟

(سوال) آج کل ہندوستان میں کانگریس مسلم لیگ کو اور مسلم لیگ کانگریس کو برا بتاتی ہے میں حیران ہوں کہ کس زمرہ میں شامل ہو جاؤں کیونکہ دونوں میں علماء ہندوستان شرکت کئے ہوئے ہیں۔ المستفتی نمبر ۲۱۴۳ ایم اے قادر (مدراس) ۲۱ شوال ۱۳۵۶ھ م ۲۵ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۰۳) آپ اسلامی حقوق اور مفاد کی حفاظت کی غرض سے کانگریس میں بھی شریک ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ وطن کی فعال جماعت ہے اور غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مسلم لیگ کا حصول آزادی کے لئے کوئی عملی پروگرام نہیں

(۲) قادیانی کے ساتھ اشتراک عمل مذہبی اور سیاسی لحاظ سے مضر ہے

(سوال) (۱) مسلم لیگ کی موجودہ ہستی آزادی ہند کے لئے کہاں تک مفید ہے؟

(۲) جس مسلم لیگ میں مرزا قادیانی ممبری یا کارپردازی کی حیثیت سے شریک ہوں اس میں ہمارا شریک ہونا شرعی و سیاسی حیثیت سے کہاں تک درست ہے جمعیۃ علماء ہند کے نقطہ نظر سے جواب مرحمت ہو۔ المستفتی نمبر ۲۱۵۴ غلام محمد۔ تاج الاسلام صدر جمعیۃ علماء (پٹوہ) ۲۶ شوال ۱۳۵۶ھ م ۳۰ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۰۴) (۱) مسلم لیگ کا حصول آزادی کے لئے کوئی عملی پروگرام نہیں ہے۔

(۲) قادیانی پارٹی مذہبی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے اشتراک عمل کے لائق نہیں ہے اس کے ساتھ

اشتراک عمل کرنا مذہب کے لئے بھی مضر اور سیاسی مفاد کے لحاظ سے بھی خطرناک ہے۔ محمد کفایت اللہ

کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کے متعلق

(سوال) (۱) آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دستور اساسی اور ہندو مسلمانوں کے ملک میں تناسب آبادی کے پیش نظر آپس میں اور اس کی ورکنگ کمیٹی (مجلس عاملہ) میں مسلمان کبھی اکثریت یا برابری میں نہیں ہو سکتے چنانچہ حالات موجودہ صرف دو مسلمان اس کی ورکنگ کمیٹی میں ہیں۔

(۲) آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی ایسی جماعت جس میں غیر مسلموں کی بھاری اکثریت یقینی ہے اور جس کی کھلی ہوئی اعلان کردہ پالیسی سیاسیات میں مذہب سے قطعاً بے تعلقی اور کلیتہً علیحدگی ہے نیز جس میں شرکت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ تمام معاملات اور مسائل میں خواہ وہ مذہب سے متعلق ہوں یا معاشرتی و اقتصادی تمدنی ہوں اس کے لئے کانگریس کے فیصلوں کی پابندی کرنا ہو گی۔

(۳) آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے منتخبہ صدر کے احکامات اور ہدایات و فیصلوں کی پوری پوری پابندی کرنا اور اس کا اور اس کے فیصلوں کا احترام کرنا ہر کانگریسی پر واجب ہو گا۔

(۴) آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے صدر کبھی کبھی مسلمان ورنہ غیر مسلم ہوتے ہیں جیسے کہ آج کل پنڈت جواہر لال نہرو ایک ہندو اور بقول بعض جو کہ لامذہب انسان ہیں جن کی اسلام دشمنی ان کی خود نوشت سوانح عمری سے ظاہر ہے دیکھو بنام "میری کہانی"

(۵) آل انڈیا کانگریس کمیٹی مسلمانان ہند کے قومی وجود و ملی حیثیت سے منکر ہے مسلمانوں کو انفرادی حیثیت سے اپنے اندر جذب کرنا چاہتی ہے ان سے یعنی مسلمانوں سے بحیثیت ایک قوم کے ایک مستقل ملت کے اشتراک عمل کرنے اور اس اشتراک عمل کے لئے باہمی سمجھوتہ کرنے سے منکر ہے کیا آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے متذکرہ بالا صوت حالات کی موجودگی میں مسلمانان ہند کے لئے شرکت کرنا مذہباً و شرعاً جائز ہے اور ضروری ہے یا ناجائز اور ممنوع اور آیا ایسی جماعت کے فیصلے جیسی کہ کانگریس ہے مذہباً مسلمانوں کے لئے قابل قبول اور لائق پابندی ہو سکتے ہیں یا نہیں اور جب کہ مسلمانوں کی سیاسیات اقتصادیات اور معاشرت مذہب سے علیحدہ اور بے تعلق نہیں تو کسی غیر مسلم کی امارت قیادت اور سرداری قبول کرنا مسلمانوں کے لئے مذہباً جائز ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ **المستفتی نمبر ۲۱۵۹ محمد حنیف صاحب واچ میکر دہلی ۲۷ شوال ۱۳۵۶ھ م ۳۱ دسمبر ۱۹۳۷ء**

(جواب ۵۰۵) کانگریس ایک سیاسی جماعت ہے مذہبی ادارہ نہیں ہے اور ہندوستان میں جو آئین کہ نافذ ہے اور آئندہ بھی جو ترقی پیش نظر ہے وہ جمہوری اصول پر ہے اور ہو گی اور ہر قوم کو اس کی آبادی کے تناسب سے حصہ ملے گا اب یا تو مسلمان ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں شرکت نہ کریں اور اعلان کر دیں کہ ہمیں انگریزی حکومت کی ماتحتی یا غلامی منظور ہے یا خود مستقل حکومت اسلامی قائم کرنے کا اعلان کریں یا کانگریس میں بقدر حصہ شرکت اختیار کریں رہی یہ بات کہ شرکت انفرادی ہو یا بحیثیت جماعت کے تو یہ

دونوں صورتیں ممکن ہیں اور حیثیت جماعت کے ہو تو یہ اعلیٰ ہے بشرطیکہ تحریک آزادی میں دلی خلوص سے عملی حصہ لیا جائے یہ نہ ہو کہ عملی کام کے وقت تو علیحدہ بیٹھے رہیں اور حصہ مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلائیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا ترک موالات کے فتویٰ میں تبدیلی ہوئی ہے ؟

(سوال) ایک فتویٰ تحریک ترک موالات کے جواز میں جمعیتہ علماء کی طرف سے شائع ہوا تھا جس میں کونسلوں کا بائیکاٹ اور اسمبلیوں کی شرکت حرام قرار دی گئی تھی مجھے یاد نہیں کہ جمعیتہ العلماء ہند کی طرف سے متفقہ طور پر اس فتویٰ کو کبھی تنسیخ کیا گیا یا نہیں اگر یہ فتویٰ جمعیتہ علماء ہند کی جانب سے منسوخ قرار دیا جا چکا ہے تو از راہ نوازش اس کی ایک نقل روانہ فرمادیں مشکور ہوں گا اور اگر آج تک منسوخ نہیں ہوا تو بھی جواب سے مطلع فرمادیں (نوٹ) میرا مدعا یہ ہے کہ جس نوعیت سے ترک موالات کے جواز کا فتویٰ شائع ہوا تھا اسی طرح اس فتویٰ کو منسوخ کرنے کے لئے کوئی فتویٰ جمعیتہ العلماء کی طرف سے شائع ہو چکا ہے یا نہیں
المستفتی نمبر ۲۱۹۱ ایسٹرن کیمریکل سنڈیکیٹ (دہلی) ۵ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۸ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۰۶) ترک موالات کا فتویٰ جن حالات اور وجوہ کی بناء پر دیا گیا تھا ان میں جیسے جیسے تغیرات رونما ہوتے گئے ان کے ماتحت احکام بھی بدلتے رہے اور اس تمام نشیب و فراز میں اصلی شرعی یہ تھی من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما۔

اس متفقہ فتویٰ کے شائع ہونے کے بعد باقتضائے تغیر حالات جو احکام وقتاً فوقتاً بدلتے رہے ان کے لئے جمعیتہ العلماء کے ریزولیشن ہیں جن کے ماتحت کارکنان جمعیتہ علماء کام کرتے رہے ہیں کوئی ایسا فتویٰ طبع کرا کے شائع نہیں کرایا گیا ان متعدد ریزولیشنوں کی نقول آپ دفتر جمعیتہ علماء سے حاصل کر سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسلمان کانگریس یا مسلم لیگ. کس کا ساتھ دیں ؟

(سوال) موجودہ زمانہ میں دو جماعتیں مسلم لیگ اور کانگریس ہندوستان میں مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے اور اشتراک عمل کی دعوت دے رہی ہیں مسلمانوں کو کونسی جماعت کے ساتھ عملی اشتراک و اتحاد کن امور کے ہونے نہ ہونے کی وجہ سے جائز اور اولیٰ ہے اور کن امور کے ہونے نہ ہونے کی وجہ سے ناجائز و حرام ہوگا۔ المستفتی نمبر ۲۳۰۳ جناب حاجی سلیمان کریم محمد صاحب (بمبئی) ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۹ جون ۱۹۳۸ء

(جواب) از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی۔ ان دونوں جماعتوں میں سے جس جماعت کی کوشش کو آزادی وطن کے لئے زیادہ مفید بظن غالب جانے گا تو اسی جماعت میں شریک ہونا اس کے لئے افضل ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(جواب ۵۰۷) (از حضرت مفتی اعظمؒ) اپنے حقوق ملیہ کی حفاظت کے ساتھ برطانوی شہنشاہیت کے خلاف جنگ کرنے میں جو جماعت عملی اقدام کرتی ہو اس میں شرکت مفید اور مناسب ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

کانگریس منسٹری کی طرف سے مدح صحابہ اور چند دوسری پابندیاں

(سوال) (۱) کانگریس منسٹری نے صوبہ یوپی میں مدح صحابہ بند کر رکھا ہے نیز شارد ابل کو نافذ کر دیا ہے (۲) بہار میں متعدد مقامات پر گائے کی قربانی بند کر دی ہے (۳) صوبہ سرحد میں انجمن حمایت الاسلام لاہور کے خالص دینی رسالوں کی تعلیم موقوف کرادی ہے کیا یہ امور مداخلت فی الدین میں داخل ہیں یا نہیں اگر ہیں تو ایسی حکومت کو تقویت پہنچانا از روئے شریعت جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں کانگریس میں شریک ہونا اور اس کا ممبر بننا اور بنانا جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۴۴ محمد مسیح (اعظم گڑھ) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۷ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۰۸) اگر یہ واقعات صحیح ہوں تو کانگریس کی حکومت کی پوزیشن زیادہ سے زیادہ انگریزی حکومت کی ہوگی اور اس کی کونسلوں' اسمبلیوں میں شریک ہونے کا حکم وہی ہوگا جو انگریزی حکومت کی کونسلوں اسمبلیوں میں شریک ہونے کا تھا اور دیکھنا یہ پڑے گا کہ اس کے بالمقابل بہتر حکومت قائم کرنے کی عالم وجود میں کیا صورت ہے اور اس کے ذرائع ممکن الحصول ہیں یا نہیں۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

(۱) کیا شیعہ مسلمان ہیں؟
(۲) مسٹر محمد علی جناح کی سیاسی متابعت یا مہاتما گاندھی کی.

(سوال) (۱) شیعہ مسلمان ہیں یا نہیں؟ (۲) مسٹر محمد علی جناح کی سیاسی متابعت شرعاً مسلمان کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ (۳) مہاتما گاندھی کی سیاسی متابعت شرعاً مسلمان کے لئے جائز ہے یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۲۳۵۶ محمد ابراہیم صاحب (فورٹ بمبئی) ۵ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۴ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۰۹) (۱) شیعہ اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے لیکن اہل سنت والجماعت فرق ناجیہ ہے اور باقی تمام فرقے ناجیہ نہیں ہیں اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے موافق شیعوں کے کئی فرقے بااسلام سے خارج ہیں یہ فرقے فرقہ شیعہ کی ضمنی شاخیں ہیں باوجود اس کے ادعائی طور پر وہ فرقہ ہائے اسلام میں داخل سمجھے جاتے ہیں ان کا حکم اہل کتاب کی طرح ہے کہ وہ باوجود کفریہ عقائد کے (مثلاً الوہیت مسیح یا ابنیت مسیح کے) دوسرے غیر کتابی کفار سے جداگانہ حکم رکھتے ہیں۔

(۳٬۲) مسلمانوں کا سیاسی رہنما مسلمان متبع شریعت' احکام الٰہیہ کا پابند ہونا چاہئے لیکن اگر کوئی ایسا شخص بدقسمتی سے موجود نہ ہو یا مسلمان اپنی بدقسمتی سے اس کو پہچاننے اور مقتدا بنانے سے غافل ہوں تو پھر کسی

سیاسی مدبر کی سیاست میں اتباع کر لینا مباح ہو گا خواہ وہ جناح ہوں یا گاندھی بشر طیکہ ان کی سیاسی رہنمائی کی صحت اور افادیت کا یقین ہو اس کی اصل الضرورات تبیح المحظورات اور نظیر انگریزی حکومت کی متابعت ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

مسلم لیگ یا کانگریس .....

(سوال) اس وقت ہندوستان میں دو سیاسی جماعت ہیں ایک مسلم لیگ دوم کانگریس گو میں کسی جماعت میں شریک نہیں ہوں مگر میرے دوست احباب ہر دو جماعت میں شریک ہیں اور مجھ کو ہر دو جماعت کے فریق شرکت کی ترغیب دیتے ہیں لہذا میں تذبذب میں ہوں کہ شرعی نقطہ نگاہ سے مجھ کو کس جماعت میں شریک ہونا چاہئے۔ فقط المستفتی نمبر ۲۲۷۳ محمد شمیم صاحب (علی گڑھ) ۷ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ

(جواب ۵۱۰) کاش کہ مسلم لیگ سے کسی عمل مفید و موثر کی امید ہوتی تو یقیناً مسلم لیگ کی شرکت کا حتمی مشورہ دیا جاتا کانگریس ایک فعال جماعت ہے اور اس میں اگر مسلمانوں کی کافی نمائندگی ہو جائے تو اپنے حقوق کی حفاظت بھی کر سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

(۱) مجاہدین بیت المقدس کا جہاد .

(۲) بیت المقدس کا جہاد اور والدین کی اجازت.....اور دیگر سوالات

(سوال) (۱) مجاہدین بیت المقدس کا جہاد کرنا بر حق ہے یا نہیں ؟

(۲) زید برائے امداد مجاہدین بیت المقدس روانہ ہو گیا ہے اس کا امداد کے لئے جانا درست ہو گا یا نہیں جب کہ اس کی والدہ حیات ہے اور میں زید کے ہمراہ جا سکتا ہوں یا نہیں جب کہ میرے بیوی بچے ہیں اور میں صاحب مال بھی ہوں اور میرا بھائی بر سر کار ہے ؟

(۳) اس قت مسلمانوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں جب کہ قبلہ اول تاراج ہو رہا ہے اور مسجدیں ڈھائی جارہی ہیں اور مقامات مقدسہ کی بے حرمتی ہو رہی ہے۔

(۴) جہاد مسلمانوں پر کب فرض ہوتا ہے۔

(۵) آپ خدا سے ڈرتے ہیں یا برطانیہ سے یا دنیا کی کسی دوسری قوت سے ؟

(۶) آلات آتشین کی قوت زیادہ ہے یا خدا کی ؟

(۷) حضرت ﷺ کے زمانہ سے لے کر اب تک کون کون سی جنگ میں مسلمانوں کے پاس آلات حرب بہتر رہے ہیں اور کون کون سی جنگ میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ رہی ہے اور جس جنگ میں مسلمانوں کے پاس آلات حرب اچھے رہے ہیں اور تعداد زیادہ اس جنگ میں مسلمانوں نے فتح بھی پائی ہے یا نہیں ؟

(۸) حق کو چھپانے والے عالم کا کیا حشر ہو گا ؟

(۹) بدکار حکومت کی معاونت کرنا درست ہے یا نہیں ؟
(۱۰) جہاد جاہلوں ہی پر فرض ہے یا عالموں پر بھی ؟
(۱۱) التجا کرنا درست ہے یا نہیں ؟
(۱۲) کافروں کی امداد کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
(۱۳) کافروں سے امداد مانگنا جائز ہے یا نہیں ؟
(۱۴) اگر میں جہاد فی سبیل اللہ کروں تو خدا میری مدد کرے گا یا نہیں ؟
(۱۵) و کان حقا علینا نصر المؤمنین کی تفسیر ارشاد ہو
(۱۶) من تحت ظل السیوف کے معنی ارشاد ہوں

المستفتی نمبر ۲۳۸۰ شیخ محمد قاسم صاحب (بلند شہر) ۲۵ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۴ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۱۱) (۱) مجاہدین بیت المقدس کا جہاد آزادی ان کے لئے درست ہے۔
(۲) زید کا امداد کے لئے جانا درست ہے جو شخص کہ اس کے والدین حیات ہیں اس کو والدین کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔
(۳) مسلمان پر جب کہ فلسطین کے مسلمان عاجز ہو جائیں درجہ بدرجہ یعنی الاقرب فالاقرب کے قاعدہ سے دفاع حسب استطاعت لازم ہوگا۔
(۴) جب کہ کفار ہجوم کر کے قتل و غارت شروع کردیں۔
(۵) ہر شخص کو خدا سے ڈرنا فرض ہے۔
(۶) خدائی طاقت زیادہ کیا معنی صرف خدا کے لئے ہی ساری طاقت اور قوت مسلم ہے
(۷) آلات حرب آج کل یقیناً زیادہ ہیں مگر افسوس وہ اذعان و یقین جو حضور ﷺ کے زمانہ میں مٹھی بھر مسلمانوں کو حضور کی صحبت کی برکت سے حاصل تھا وہ مفقود یا بہت نادر ہے۔
(۸) جو عالم کہ ضرورت شرعیہ کے وقت حق بات کو چھپائے وہ قیامت کے دن سخت عذاب کا مستحق ہوگا
(۹) ظالم اور بدکار حکومت کی معاونت کرنا ناجائز ہے۔
(۱۰) جہاد جب فرض ہوتا ہے تو سب پر ہوتا ہے عالم اور جاہل کی تمیز نہیں ہوتی۔
(۱۱) التجا کرنے سے کیا مطلب ہے ؟
(۱۲) کافروں کی امداد امور کفریہ میں یا مسلمانوں کے مقابلہ میں کرنا حرام ہے۔
(۱۳) اس کے مواقع مختلف اور استعانت کے درجات مختلف ہیں بعض صورتیں حرام اور بعض مکروہ اور بعض مباح ہیں۔
(۱۴) ضرور کرے گا بشرطیکہ جہاد محض ایمان و اخلاص سے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہو۔
(۱۵) مومنین کاملین کی نصرت اور مدد کا وعدہ رب العزت نے فرمایا ہوا ہے۔

(۱٦) من تحت ظل السیوف - یہ الفاظ اس ترتیب سے کہاں ہیں؟ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) کانگریس کی سیاسی پالیسی اور عقائد.
(۲) کیا کانگریس اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے؟

(سوال) (۱) کیا کانگریس کی موجودہ سیاسی پالیسی و عقائد اور اسلامی سیاسیات و سیاسی پالیسی و عقائد میں کوئی فرق نہیں ہے؟
(۲) کیا وہ حکومت جو کانگریس اس ملک میں قائم کرنا چاہتی ہے اسلامی تعلیمات اور سیاست کے مطابق ہے؟
(۳) کیا موجودہ کانگریسی حکومتیں جو ہندوستان کے سات صوبہ جات میں قائم ہیں ان کی پالیسی اسلامی سیاست و تعلیمات کے مطابق ہے؟ المستفتی نمبر ۲۳۹۵ محمد حنیف صاحب دہلی ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ م ۱۱ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۱۲) (۱) کانگریس کے عقائد ظاہر ہے کہ اسلامی عقائد نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ خالص مسلمانوں کی جماعت نہیں ہے اس میں مختلف مذاہب اور مختلف عقائد کے لوگ شریک ہیں رہی پالیسی سیاسی تو وہ بھی مشترک پالیسی ہو سکتی ہے۔
(۲) کانگریس اسلامی حکومت تو قائم کرنا نہیں چاہتی نہ اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے اور نہ موجودہ حالات میں کوئی دوسری جماعت یہ مقصد پیش نظر رکھتی ہے۔
(۳) یہ نہیں کہا جا سکتا کہ موجودہ کانگریسی حکومتیں اسلامی سیاسیات و تعلیمات کے مطابق ہیں مگر یہ دیکھنا چاہئے کہ انگریزی حکومت کا اقتدار اسلام اور مسلمانوں کے حق میں بہتر ہے یا کانگریسی حکومت کا بشرطیکہ انگریزی طاقت کمزور ہو جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کانگریس میں شمولیت قرآنی آیت کے خلاف نہیں

(سوال) کیا کانگریس میں شمولیت بغیر شرط کر سکتا ہے یا نہیں اگر کر سکتا ہو تو اس کے لئے جا بجا قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے شرکت کفار کے ساتھ منع فرمائی۔ المستفتی نمبر ۲۴۳٦ غلام مصطفیٰ صاحب (صوبہ سرحد) ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ م ۱۲ جنوری ۱۹۳۹ء

(جواب ۵۱۳) کانگریس میں شامل ہو کر مسلم حقوق کی حفاظت اور تحصیل کرنے کا جو لوگ یقین رکھتے ہیں ان کی شرکت کانگریس آیات محولہ کے خلاف نہیں کیونکہ آیات میں موالات ممنوع ہے نہ مطلق شرکت ورنہ تو شرکت تجارت شرکت زراعت وغیرہ تمام شرکتیں ممنوع ہوتیں خصوصاً شرکت اسمبلی بدرجہ اولیٰ حرام ہو جاتی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) جمعیتہ العلماء ملک کی آزادی کی خاطر کانگریس کی شرکت ضروری سمجھتی ہے

(۲) کانگریس ایک مشترکہ جماعت ہے
(۳) جمعیۃ العلماء کا مسلم لیگ سے اختلاف کیوں ہے ؟
(۴) مسلم لیگ کو پاک کرنا تجربہ سے ناممکن ثابت ہوا ہے
(۵) مسلمانوں میں تشتت اور افتراق کی ذمہ دار مسلم لیگ ہے
(۶) کیا کانگریس اسلامی حکومت قائم کرے گی ؟
(۷) کانگریسی حکومت میں خلاف شرع قوانین کی حیثیت......
(۸) صدر کانگریس کی شخصی رائے کانگریس کو الزام دینا!
(۹) بندے ماترم کا گیت اور جھنڈے کو سلامی دینا
(۱۰) مسلمان اپنی سیاسی اور مذہبی حقوق کی حفاظت اپنی قوت سے کر سکتے ہیں
(۱۱) کیا جمعیۃ العلماء نے اچھوت قوموں میں تبلیغ کا کام کیا ہے ؟

(سوال) اخبار الامان مورخہ ۹ مئی ۱۹۳۸ء مسلم لیگ نمبر خاص میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کو جناب مولانا قاری محمد طاہر صاحب قاسمی دیوبندی نے بغرض اشاعت بھیجا ہے اس میں لکھا ہے کہ منجانب خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون موجودہ سیاسی فضا کے متعلق مسلم لیگ سے بارہ سوالات اور جمعیۃ العلماء سے گیارہ سوالات کئے گئے مسلم لیگ نے تسلی بخش جوابات دیئے مگر جمعیۃ علماء نے جوابات نہیں دیئے بلکہ سکوت اختیار کیا گیا اس کے بعد مسلم لیگ والوں کا تو یہ کہنا ہے بلکہ ہمارے یہاں (پیارم پیٹ) کے جمعیۃ علماء کے حامیوں میں ایک زبردست برہمی پیدا ہوگئی ہے کہ جمعیۃ علماء نے اگر اس میں صداقت ہے تو کیوں خانقاہ امدادیہ کے سوالات کے جوابات نہ دیئے اکثر حامیان جمعیۃ علماء اس کی اس پالیسی سے بدظن ہو کر مسلم لیگ کے جوابات پر تشفی ہونے کی وجہ سے مسلم لیگ کو حق پر سمجھ رہے ہیں اور یہاں کے متدین لوگوں میں خود شکوک و شبہات کا اظہار کیا جا رہا ہے مذکورہ بالا حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے فتنہ کا سدباب کرنے کے لئے حضرت استاذی جناب مولانا مولوی مفتی قاری بشیر الدین احمد صاحب مدظلہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ سے خط کے ذریعہ میں اس کی تحقیق کرلوں کہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کی طرف سے سوالات کئے گئے یا نہیں اگر کئے گئے تو جمعیۃ العلماء نے کیا جواب دیا اور اگر سوالات نہ بھی کئے گئے ہوں تو براہ کرم مندرجہ ذیل سوالات کا جواب عنایت فرمائیے گا تاکہ عوام کو سمجھانے کے لئے سہولت ہو کیونکہ خاص و عام میں از حد بدظنی پھیل گئی ہے جس کا تدارک ہم پر اور بالخصوص آپ پر بے حد ضروری ہے۔

سوالات از جمعیۃ العلماء ہند منجانب خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

حامداً و مصلیا و مسلماً۔ (۱) جمعیۃ علماء کے نزدیک مذہبی حیثیت سے کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کیوں ضروری ہے اور کانگریس سے علیحدگی میں کیا ضرر ہے ؟
(۲) کانگریس میں مسلمانوں کا داخلہ جس صورت سے انفرادی غیر منظم اور غیر مشروط طریقہ پر اس وقت

ہو رہا ہے اور مسلم نشستوں کے لئے کانگریس خود براہ راست امیدوار تجویز کرتی ہے کیا اس سے اسلام اور مسلمانان ہند کو خطرہ نہیں اگر ہے تو اس خطرہ سے بچنے کی کیا صورت ہے ؟

(۳) مسلم لیگ سے جمعیۃ العلماء کو کیوں اختلاف ہے جب کہ وہ مسلمانوں کو منظم کر رہی ہے اور اس کا مقصد بھی آزادی کامل کی تحصیل ہے جیسا کہ اس سال لکھنؤ کے اجلاس میں اس نے اعلان کر دیا ہے۔

(۴) اگر مسلم لیگ میں کچھ منکرات شرعیہ اور مفاسد موجود ہیں تو کیا یہ صورت ممکن نہیں کہ جمعیۃ العلماء مسلم لیگ میں شریک ہو کر اس کو مخلص اور نیک افعال لوگوں سے بھر دے اور مسلمانوں کی تنظیم مکمل اور مفاسد و منکرات سے پاک کر دے۔

(۵) کیا مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء کے تصادم سے مسلمانوں میں تشتت و افتراق پیدا نہیں ہوتا اور کیا یہ تشتت مضر نہیں ہے اگر ہے تو جمعیۃ علماء نے اس ضرر کے انسداد کے لئے کوئی صورت اختیار کی ہے یا نہیں۔

(۶) کانگریس کے ساتھ مل کر جو آزادی ہندوستان کو حاصل ہوگی اس کا انجام ایک حکومت مشترکہ ہے جس میں عنصر کفر غالب اور عنصر اسلام مغلوب ہوگا ایسی حکومت یقیناً اسلامی حکومت نہ ہوگی تو اس کے لئے جدوجہد کرنا مسلمانوں کے لئے کس دلیل سے واجب ہے نیز اس کی کیا ضمانت ہے کہ ہندو انگریزوں کو ہندوستان سے بے دخل کرنا چاہتے ہیں اور ان کے سایہ میں مسلمانوں پر حکومت کرنا نہیں چاہتے کانگریس کے اقتدار سے اس وقت ہندوؤں کے حوصلے جس قدر بڑھنے لگے اور مسلمانوں پر بازاروں میں دیہاتوں میں ملازمتوں اور سرکاری حکومتوں میں جو مظالم وہ برپا کرنے لگے ہیں جمعیۃ علماء نے اس کے انسداد کی کیا تدبیر سوچی ہے اور اس کے لئے کوئی عملی قدم اٹھایا ہے یا نہیں ؟

(۷) کانگریسی وزارتوں نے زمینداروں کی اراضی کاشتکاروں کی مملوک بنا دینے کی جو تجویز سوچی ہے یقیناً صریح ظلم ہے اور جو لوگ کانگریس میں شریک ہیں وہ سب کے سب اس ظلم میں شریک ہیں پھر اس سے بچنے کی جمعیۃ العلماء نے کیا تدبیر کی اور کون سا عملی قدم اٹھایا ہے ؟

(۸) کانگریس میں بندے ماترم کا گیت گایا جاتا ہے جو مضامین شرکیہ پر مشتمل ہے اور قومی جھنڈے کو سلامی دی جاتی ہے جو قریب بشرک ہے کانگریسی مسلمان بھی بندے ماترم کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں اور قومی جھنڈے کو سلامی دیتے ہیں کیا ان افعال میں شرکت کرنا گناہ نہیں ہے اگر ہے تو جمعیۃ العلماء نے مسلمانوں کو کیا ہدایت کی اور اس پر اس قسم کی دیگر منکرات پر صدائے احتجاج بلند کی یا نہیں ؟

(۹) صدر کانگریس اور اس کی ہم خیال جماعت جو اشتراکیت کی حامی اور مذہب اور خدا کی دشمن ہے ان کی تقریریں خدا اور مذہب کے خلاف شائع ہوتی رہتی ہیں جمعیۃ العلماء نے ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی یا نہیں اور مسلمانوں کو ایسے کافروں کی تعظیم سے روکا ہے یا نہیں ؟

(۱۰) کانگریس کے ساتھ مل کر جو آزادی حاصل ہوگی اس کی کیا ضمانت ہے کہ اس میں مسلمانوں کے مذہبی

اور سیاسی حقوق کی پوری حفاظت ہوگی جب کہ کانگریس اور اس کے ذمہ دار ارکان مذہب اور حقوق کا نام لینا بھی جرم سمجھتے ہیں اور اس کو فرقہ پرستی قرار دیتے ہیں نیز جمعیۃ العلماء نے کانگریس کے ساتھ تعاون کرکے مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی حقوق کے تحفظ میں اس وقت تک کیا کام کیا ہے ؟

(۱۱) جمعیۃ العلماء نے اچھوت قوموں میں تبلیغ اسلام کے لئے کوئی عملی قدم اٹھایا ہے یا نہیں جس کی مذہباً و سیاستہً سخت ضرورت ہے اور ان کے اسلام میں داخل ہو جانے کی بھی قوی امید ہے۔

محترمی یہی وہ سوالات ہیں جو خانقاہ امدادیہ کی جانب سے جمعیۃ العلماء سے کئے گئے جو الامان سہ روزہ کے خاص مسلم لیگ نمبر و میلاد نمبر مورخہ ۹ مئی ۱۹۳۸ء میں اشاعت پذیر ہو چکے ہیں جس کے سبب سے پیارم پیٹ میں ایک زبردست انقلاب جمعیۃ العلماء کے خلاف پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے لہذا ہمیں آپ سے قوی امید ہے کہ آپ مذکورہ بالا سوالات کا تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

المستفتی نمبر ۲۴۷۹ عبدالحق اشہر پیارم پیٹ ضلع نارتھ ارکاٹ ۲۲ صفر ۱۳۵۸ھ م ۱۳ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۵۱۴) (۱) نہ صرف جمعیۃ العلماء بلکہ ہندوستان کی تمام معتمد جماعتوں کا نصب العین یہ ہے کہ انگریزی حکومت سے ہندوستان کو آزاد اور خود مختار بنایا جائے اور اس کے لئے مسئلہ بھی متفق علیہ ہے کہ جب تک ہندوستان کی تمام قومیں متحد ہو کر انگریزی حکومت سے آزادی کا مطالبہ نہیں کریں گی بظاہر اسباب آزادی حاصل نہ ہوگی اس لئے جمعیۃ العلماء ملک کی آزادی کی خاطر کانگریس کی شرکت کو ضروری سمجھتی ہے اور چونکہ انگریزی حکومت سے مسلمانوں کے مذہبی مرکز اور اسلامی قومیت کو سخت ضرر پہنچ رہا ہے اور پہنچنے کا اندیشہ ہے اس لئے مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے کہ وہ انگریزی اقتدار کو جہاں تک ہو سکے کمزور کرنے کی سعی کریں۔

(۲) کانگریس ایک مشترک جماعت ہے مسلمان اپنے مذہب پر پختگی سے قائم رہتے ہوئے بھی کانگریس میں شریک ہو سکتے ہیں اسلام سے بے تعلقی غیر کانگریسی مسلمانوں میں جو مغربی تعلیم اور یورپین تہذیب کے دلدادہ ہیں بہت زیادہ ہے کانگریسی مسلمان کانگریسی ہونے کی جہت سے اس قدر بے تعلق نہیں ہیں جس قدر کہ یورپین تہذیب کے دلدادہ غیر کانگریسی مسلمان ہیں۔

(۳) اس لئے کہ مسلم لیگ کی اکثریت انگریزی حکومت کو خدا کی رحمت کا سایہ سمجھتی ہے اور انگریزوں کے دامن میں پناہ لینا چاہتی ہے اور انگریزی شہنشاہیت کی حمایت کرتی اور انگریزی اقتدار کی بنیادیں مضبوط کرتی ہے اور سرمایہ داری کی نہ صرف حامی ہے بلکہ سرمایہ دارانہ نظام کو مستحکم رکھنا چاہتی ہے قوم کے لئے کوئی ٹھوس کام نہیں کرتی بلکہ مسلم لیگ کی رکنیت اور عہدہ داری کو حصول مناصب جلیلہ کا ذریعہ سمجھتی ہے اور اس راستے سے حکومت کے بڑے بڑے عہدے حاصل کرتی ہے لکھنؤ میں آزادی کامل کا اعلان تو کر دیا اور یہ بھی اقرار ہے کہ تنہا مسلمان آزادی کامل حاصل نہیں کر سکتے اسکے باوجود آزادی کامل حاصل کرنے کے طریقہ یعنی اتحاد ہندو مسلم کو اختیار نہیں کرتی تو آزادی کامل کے محض زبانی اعلان کو ہم صرف لبالہ فریبی نہ

سمجھیں تو لیا سمجھیں۔
(۴) مسلم لیگ میں شریک ہو کر اس کو منکرات سے خالی کر دینا تجربہ سے ناممکن ثابت ہوا ہے اور اگر ممکن ہے تو بقول مسلم لیگ کے نوے فیصدی مسلمان مسلم لیگ میں شریک ہیں لیکن کیا وہ لیگ سے کسی ایک منکر کو بھی آج تک ہٹا سکے کہا جاتا ہے کہ علماء بھی اسی فیصدی لیگ میں شریک ہیں لیکن کیا اسی فیصدی علماء کا لیگ میں کچھ اثر ہے اگر ہے تو یہ کہ لیگ کے پلیٹ فارم سے علماء کے اثر کو برباد کرنے اور ان کو ذلیل و خوار کرنے کی پر زور تلقین ہو رہی ہے اور حاملین مذہب کو حاملین افرنجیت کی خالص تقلید اور اتباع اور پیروی کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔
(۵) ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے - مگر اس کی ذمہ داری کس پر ہے لیگ پر اور صرف لیگ پر کہ وہ علماء کے خلاف عموماً اور کانگریسی مسلمانوں کے خلاف خصوصاً عوام مسلمین کو بھڑکاتی اور طرح طرح کے فسادات اٹھاتی اور آپس میں لڑاتی رہتی ہے ابھی حال میں جمعیۃ العلماء کے جلسہ میں شرکت سے مسلم لیگیوں کو منع کرنے کے لئے مسٹر جناح کا بیان اخبارات میں شائع ہو چکا ہے اس سے آپ لیگ کے قائد اعظم کی ذہنیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ اتحاد و اتفاق بین المسلمین کی آڑ میں کس قدر تشتت و افتراق پیدا کر رہے ہیں۔
(۶) لیکن کیا مسلم لیگ خالص اسلامی حکومت قائم کرنے کی سعی کر رہی ہے ؟ وہ بھی تو اس مشترک حکومت کے اصول کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں گول میز کانفرنس میں تسلیم کر چکی ہے - اگر ہندو انگریز کو نکالنا نہیں چاہتے تو پھر جمعیۃ العلماء ان کے ساتھ کوئی اشتراک عمل نہیں کرے گی یہ اشتراک عمل تو صرف انگریزی قوت کو کمزور کرنے اور ہندوستان کو آزاد کرانے کے مقصد کے لئے ہے۔
(۷) جو قوانین کہ شریعت کے خلاف وضع کئے جائیں ان کی پوزیشن انگریزی موجودہ قوانین جیسی ہے حکومت کے موجودہ قوانین میں کس قدر قوانین شریعت کے خلاف ہیں اور آئے دن مجلس لیجسلیٹو اسمبلی میں قوانین غیر مشروعہ مسلم لیگ کی تائید و حمایت سے پاس ہو رہے ہیں ابھی آرمی بل کا معاملہ سامنے ہے جمعیۃ العلماء تو ہر خلاف شرع قانون کے خلاف انتہائی جدو جہد کرے گی اور کر چکی ہے اور کر رہی ہے اس کی ابھی حال کے جلسہ کی تجاویز پڑھیے اور دیکھیے کہ اس نے کانگریسی حکومتوں سے کس قدر سخت احتساب کیا ہے اور جمعیۃ کے محترم ارکان کا مدح صحابہؓ کے قضیہ میں طرز عمل سامنے رکھیئے تو آپ کو جمعیۃ کا مطمح نظر صاف معلوم ہو جائے گا اور پھر لیگ کے طرز عمل سے آپ اسے جانچ سکیں گے۔
(۸) بندے ماترم کا گیت بیشک قابل اعتراض تھا مگر کانگریس نے اس کے قابل اعتراض بند اس میں سے علیحدہ کر دینے کا فیصلہ کر دیا ہے جھنڈے کی سلامی مسلم لیگ بھی کرتی ہے اور اسلامی حکومتوں میں بھی ہوتی ہے وہ ایک قومی عمل ہے اس میں اصلاح ہو سکتی ہے مگر مطلقاً اس کو مشرکانہ فعل قرار دینا صحیح نہیں۔
(۹) صدر کانگریس کی شخصی رائے سے کانگریس کو الزام دینا معقول نہیں۔
(۱۰) مسلمان اپنے مذہبی و سیاسی حقوق کی حفاظت اپنی قوت اور قربانی سے کر سکتے ہیں نہ کانگریس کے

وعدوں سے نہ انگریزوں کے وعدوں سے۔
(۱۱) یہ سوال زیادہ تر اس جماعت سے کیا جانا چاہئیے جو نوے فیصدی مسلمانوں کی نمائندہ ہے اور اسی جماعت کے علماء سے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حضور اکرم ﷺ نے یہود کے ساتھ معاہدہ کیا تھا

(سوال) کیا نبی مقبول ﷺ نے غیر مسلموں کو شریک کر کے جنگ کی ہے۔المستفتی نمبر ۲۵۱۶ محمد حنیف صاحب صدر بازار دہلی ۱۹ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ م ۸ جولائی ۱۹۳۹ء

(جواب ۵۱۵) یہود کے ساتھ حضور ﷺ نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے اور در مختار میں ہے۔مفادہ جواز الاستعانۃ بالکافر عند الحاجۃ وقد استعان علیہ الصلوٰۃ والسلام بالیہود علی الیہود (درمختار علی ھامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۵۵)
یعنی عبارت ما قبل کا مفاد یہ ہے کہ کافر سے حاجت کے وقت جنگ میں مدد لینا جائز ہے اور آنحضرت ﷺ نے یہود کی ایک جماعت سے دوسری جماعت کے خلاف مدد لی اس کے بعد یہ ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ بدر میں تو کافر کی مدد لینے سے انکار فرمادیا تھا مگر اس کے بعد غزوہ خیبر میں یہود بنی قینقاع سے اور غزوہ حنین میں صفوان ابن امیہ مشرک سے مدد لی تو غزوہ بدر میں استعانت سے انکار فرمانا یا تو اس لئے تھا کہ مدد لینا نہ لینا دونوں باتیں جائز تھیں اور اس صورت میں غزوہ بدر اور غزوہ خیبر و حنین کے واقعات میں تعارض نہیں اور یا اس لئے کہ غزوہ بدر کے وقت مشرک سے مدد لینا جائز نہ تھا تو اس کے بعد غزوہ خیبر و حنین کے واقعات نے اس حکم کو منسوخ کر دیا نیز ہندوستان کی موجودہ صورت میں تو شریعت مقدسہ کے دوسرے اصول سے کفار کے ساتھ اشتراک عمل کا جواز معلوم ہوتا ہے وہ اذا ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما کا اصول ہے اور ظاہر ہے کہ اگر کافر کے اشتراک عمل سے انگریزی اقتدار ٹوٹتا یا کمزور ہوتا ہو تو یہ صورت یقیناً دوسری صورت سے جو اہون ہے کہ انگریزی اقتدار بڑھتا رہے اور تمام اسلامی حکومتوں اور مرکز اسلام کو کمزور کرتا بلکہ مٹاتا رہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) بدیشی کپڑے کا استعمال!
(۲) جمعیت کے کارکنوں کو بدیشی کپڑے کا استعمال......

(سوال) (۱) ایک شخص کا عقیدہ ہے کہ بدیشی کپڑا پہننا اور خریدنا مباح ہے اور وہ پہنتا بھی ہے تو یہ عقیدہ اور اس کا یہ فعل عند الشرع کیسا ہے اور جو حکم کپڑے کا ہے وہی حکم تمام اشیاء بدیشی کا ہے یا اس میں کوئی فرق ہے اگر فرق ہے تو کیوں؟
(۲) ایک شخص جمعیۃ العلماء سے ہمدردی رکھتا ہے لیکن وہ بدیشی کپڑوں کو خریدتا اور پہنتا ہے تو کیا وہ

جمعیۃ العلماء کے ممبران سے یا ارکان سے صرف اس وجہ سے خارج کردیا جائے گا یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۲۵۲۶ مولوی محمد صدیق صاحب دہلی ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ م ۲ اگست ۱۹۳۹ء

(جواب ۵۱۶) (۱) بدیشی کپڑا خریدنا اور پہننا فی حد ذاتہ مباح ہے اس حکم میں تو غالباً کوئی اہل علم اختلاف نہیں کرتا اور بدیشی کپڑے اور دیگر مباح الاستعمال اشیاء کا حکم بھی ایک ہے بدیشی کپڑا پہننے کی مخالفت اس نظریہ پر مبنی نہیں ہے کہ فی حد ذاتہ بدیشی کپڑا پہننا اور خریدنا حرام ہے بلکہ وہ جماعتی اور قومی و وطنی مصالح پر مبنی ایک جماعتی تحریک ہے اور جس جماعت کی وہ تحریک ہو اس جماعت کے ہر عضو ورکن کو اس کا احترام کرنا لازم ہے۔

(۲) جمعیۃ العلماء نے چونکہ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کیا کہ بدیشی کپڑا استعمال کرنے والا اس کا رکن نہیں ہو سکتا اس لئے اس کا کوئی رکن اس بناء پر اس کی رکنیت سے خارج نہیں کیا جائے گا مگر چونکہ جمعیۃ بدیشی کپڑے کو ترک کردینے کی شدت سے ترغیب دیتی ہے اس لئے جمعیۃ کے ارکان کو اس کی تحریک کا احترام کرنا لازم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مسٹر گاندھی کا سیاست کو مذہبی رنگ میں رنگنے کی کوشش
(۲) عدم تشدد کی پالیسی
(۳) گاندھی کا خدا سے ہمکلامی کا دعویٰ اس کا اپنا ذاتی فعل ہے
(۴) گاندھی کی قیادت قبول کرنا
(۵) اسلام کے بعد مسلمانوں کے نقطہ نظر سے اسلام کے سوا کوئی تحریک بروئے کار نہیں آسکتی.

(سوال) (۱) مسٹر گاندھی جب سے سیاست میں داخل ہوا ہے تب سے اس کی کوشش رہی ہے کہ سیاسیات پر ایک خاص قسم کی مذہبیت کا رنگ چڑھا دے۔

(۲) عدم تشدد کے نام سے اس نے ملک کے سامنے جو پروگرام رکھا ہے اس کے متعلق ابتدا سے اس کا دعویٰ رہا ہے کہ یہ پروگرام اخلاقی روحانی اور مذہبی ہے جس کے ذریعہ وہ بنی نوع انسان کو نجات کی راہ دکھانا چاہتا ہے چنانچہ اس کی اس تحریک کی یہ حیثیت اب واضح ہو گئی ہے۔

(۳) اس نے کئی دفعہ طویل فاقہ کشیاں کیں اور ساتھ ہی اس کا دعویٰ رہا ہے کہ وہ خدا کی آواز سے کام کر رہا ہے بعض دفعہ اس نے صاف لفظوں میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ مسلسل خاموشی (یہ شخص خاموشی کا روزہ رکھتا ہے) نے اسے خدا سے ہم کلام کردیا ہے۔

علماء کرام مندرجہ صدر واقعات کی روشنی میں حسب ذیل گزارشات کے جواب عنایت فرمائیں!

(الف) کیا مسلمان کے لئے ایسے دعوے رکھنے والے شخص کی قیادت قبول کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

(ب) کیا اسلام کے بعد کوئی نئی روحانی و مذہبی تحریک بروئے کار آسکتی ہے جو بنی نوع انسان کی فلاح کا موجب ہو سکے؟
(ج) کیا کسی ایسی ہی نوعیت کی تحریک میں مسلمان کے لئے شریک ہونا جائز ہے یا ناجائز؟
المستفتی نمبر ۲۵۴۳ منور الدین (کلکتہ) ۲ شعبان ۱۳۵۸ھ م ۱۷ ستمبر ۱۹۳۹ء
(جواب ۵۱۷) (۱) اپنے ہم مذہب گروہ کو اپنے مذہبی رنگ میں رنگنے کی کوشش کا تصور کیا جا سکتا ہے دوسرے ادعیان کے ماننے اور یقین رکھنے والے ایسی کوشش سے متاثر نہیں ہو سکتے۔
(۲) عدم تشدد بطور دینی حکم اور دینی عقیدے کے ایک سیکنڈ کے لئے بھی اہل اسلام کے نزدیک قابل پذیرائی نہیں اور نہ اس طرح مسلمانوں نے اسے تسلیم کیا البتہ موجودہ بے بسی کے زمانہ میں بطور وقتی پالیسی کے اس کو تسلیم کیا گیا تھا اور اس میں کوئی محذور شرعی نہیں ہے۔
(۳) فاقہ کشی اور خاموشی کا روزہ اور خدا سے ہم کلامی کا دعویٰ (اگر کیا ہو) گاندھی جی کے ذاتی افعال ہیں مسلمانوں کو ان افعال سے کوئی واسطہ نہیں۔
(الف) ایک غیر ملکی تسلط کو دفع کرنے کے مشترک مقصد میں اسی مقصد کے سیاسی حدود تک کسی ایسے شخص یا جماعت کے ساتھ اشتراک عمل کیا جا سکتا ہے جو اس مقصد کے حصول کی سیاسی تدبیروں سے واقف ہو بس اس سے زیادہ اور کوئی اہمیت اس کو حاصل نہیں۔
(ب) اسلام کے بعد اسلام کے سوا کوئی روحانی اور مذہبی تحریک مسلمانوں کے نقطہ نظر سے بروئے کار نہیں آسکتی۔
(ج) اور نہ مسلمانوں کے عقیدے کے بموجب کوئی اور تحریک بموجب فلاح آخرت ہو سکتی ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ارکان کانگریسی بھی اسلام کی حمایت کر سکتے ہیں

(سوال) فی الحال مسلم لیگ اور کانگریس ورکنگ کمیٹی ان میں اسلام کی حامی کونسی ہے؟
المستفتی نمبر ۲۵۴۶ حاتم احمد (بنگال) ۷ ۲ شعبان ۱۳۵۸ھ م ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء
(جواب ۵۱۸) حمایت اسلام تو ارکان کی نیت اور عمل پر موقوف ہے ارکان کانگریس بھی اسلام کی حمایت کر سکتے ہیں جس طرح مسلم لیگ کے ارکان کر سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تحریک آزادی میں شرکت موالات کفار اتخاذ بطانۃ نہیں ہے

(سوال) آج کل قوم ہنود آزادی حاصل کرنے میں بڑی سرگرم نظر آتی ہے اور اس نے فیصلہ کر لیا ہے کہ حکومت کی قانون شکنی کر کے اس کو مجبور کیا جائے تاکہ وہ ہم کو آزاد تسلیم کرے اگر قوم مسلمان ایسے موقع پر قوم ہنود سے اشتراک عمل کرلے تو جائز ہے یا نہیں صرف وطن کی آزادی کے لئے اگر اس خیال پر کچھ

ہمارے علماء دین سخت غلطی کا اظہار کریں کہ کوئی بھی جماعت شرکت مشرکین کی رائے دے وہ سخت غلطی میں ہے ایک نہیں دو نہیں بیسیوں میں اس کی حرمت ظاہر وباہر ہے اور وہ یہ آیت تلاوت کرتے ہیں۔ یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا بطانۃ الآیۃ۔ یعنی اے مسلمانو غیروں کو اپنا بھیدی نہ بناؤ وہ تمہاری خرابی میں کمی نہ کریں گے انہیں تمہارا تکلیف میں پڑنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

المستفتی نمبر ۲۵۸۹ انعام الٰہی صاحب (دہلی) ۹ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ م ۱۸ اپریل ۱۹۴۰ء

(جواب ۵۱۹) ہندوستان پر سے انگریزوں کے تسلط کو اٹھانا اور آزادی حاصل کرنا ہر مسلمان اور ہندوستانی کا وطنی اور قومی فرض ہے اگر ہندو اپنا وطنی اور قومی فرض ادا کریں اور مسلمان اپنا وطنی اور قومی فرض ادا کریں تو ظاہر ہے کہ دونوں میں اشتراک عمل ہوگا اور دونوں کے اجتماعی مطالبہ اور مظاہرہ کا جو اثر ہوگا وہ تنہا ایک جماعت کے مطالبہ اور مظاہرہ کا نہیں ہو سکتا اس لئے تحریک آزادی میں شرکت و موالات کفار وہ اتخاذ بطانۃ نہیں ہے جس کی ممانعت قرآن مجید میں آئی ہے جس طرح اسمبلی اور کونسل میں میونسپلٹی میں تجارت میں کاروبار میں رات دن کی ہندو مسلمانوں کی شرکت اس موالات اور اتخاذ بطانۃ کے ماتحت نہیں آتی جو ممنوع ہے تو تحریک آزادی جو سب سے زیادہ اہم ہے اس میں ہندو مسلمانوں کی شرکت کس طرح ممنوع ہو سکتی ہے انگریزوں کے مقابلے میں ہندو ہم وطنوں کے ساتھ اشتراک عمل کرنا بھیدی بنانا نہیں ہے بلکہ کسی محلے کے ہندو مسلمانوں کا مل کر چوروں کو مارنا یا پکڑنا ہے جس میں بھیدی بنانے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حکومت کافرہ متسلطہ کے لئے دعا کرنا غلبہ کفر کی دعا ہے' جو کسی مسلمان سے ممکن نہیں

(سوال) کسی کافر قوم نے فریب اور دھوکہ دیکر اسلامی حکومت غاصبانہ قبضہ کر لیا ہو اور اسلامی تہذیب و تمدن اور کلچر کو فنا کر دیا ہو ان کی آزادی سلب کر لی ہو صرف برائے نام آزادی دے رکھی ہو اگر ایسی ظالم قوم حسن اتفاق سے جنگ کے شعلوں میں لپٹ گئی ہو تو کیا ایسی ظالم حکومت کی کامیابی کے لئے مسلمانوں کو دعا کرنی ازروئے شرع جائز ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ ہمارے محسن ہیں اور محسن کے حق میں دعا کرنی چاہئے ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ جو مسلمان اس کی حکومت میں رہتے ہیں کیونکہ وہ ذمی ہیں اور ذمی اپنے آقا یعنی ولی نعمت کی فتح مندی کے لئے دعا کر سکتے ہیں بلکہ ان پر لازم ہے کیا مسلمان بھی ذمی ہو سکتے ہیں اور ان مولوی صاحب کا کہنا کہاں تک درست ہے۔ المستفتی نمبر ۲۶۱۹ مولوی محمد فاروق صاحب دہلی ۷ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ م ۲۴ جون ۱۹۴۰ء

(جواب ۵۲۰) حکومت کافرہ متسلطہ کی کامیابی کیلئے دعا کرنا در حقیقت غلبہ کفر کے لئے دعا ہے جو ظاہر ہے کہ مسلمان سے ناممکن ہے کسی حکومت کافرہ کیلئے فتح کی دعا اسی وقت جائز ہو سکتی ہے کہ اس کی فتح سے اسلام و مسلمین کو کوئی ضرر نہ پہنچے اور اس کی شکست سے مسلمان کسی بڑی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں اگر یہ بات نہ ہو تو پھر کفر کی فتح کے لئے دعا جائز نہیں ہو سکتی یہ دلیل کہ کافر حکومت ہماری محسن ہے اور ہم اس کے ذمی ہیں

وہی لوگ بیان کر سکتے ہیں جو اسلام کی تعلیم سے ناواقف اور ایمانی ذوق سے محروم ہیں- محمد کفایت اللہ، دہلی

جنگ اور جان خطرے میں ڈالنا صرف اسلام کے مفاد کے لئے جائز ہے!

(سوال) موجودہ جنگ میں مسلمانوں کا بھرتی ہونا کیسا ہے خصوصاً جب کہ کاروبار نہ ہونے کے باعث روٹی کا سوال بھی درپیش ہے اور مسلمانوں کی اکثریت بے روزگاری میں مبتلا ہے - **المستفتی** نمبر ۲۷۰۵ ملک محمد وقطب الدین (لدھیانہ) ۱۴ صفر ۱۳۶۱ھ م ۳ مارچ ۱۹۴۲ء

(جواب ۵۲۱) نیت پر مدار ہے صورت حالات ایسی الجھی ہوئی ہے کہ حکم کے لئے کسی ایک جانب کو متعین کرنا دشوار ہے یہ یقینی بات ہے کہ مسلمان کو صرف اسلام کے مفاد کے لئے جان خطرہ میں ڈالنا جائز ہے-

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

جنگی خطرات کے پیش نظر شہر سے محفوظ مقام کو منتقل ہونا

(سوال) (۱) آج کل جنگی خطرات دن بدن بڑھتے چلے جارہے ہیں دوسرے شہروں پر بمباری و آتش زنی ہورہی ہے جس کا قریبی خطرہ دہلی میں بھی ممکن نظر آرہا ہے ایسی حالت میں اہل شہر کے لئے کسی محفوظ جگہ جاکر خطرات سے بچنے کے لئے پناہ گزیں ہونا ازروئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں بعض اس کو طاعون پر قیاس کرکے کہتے ہیں کہ نکلنا جائز نہیں-

(۲) بعض لوگ قسمت پر صبر کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اگر موت آنی ہے تو ہر جگہ آئے گی اور یہاں بمباری سے اگر مر جائیں گے تو شہادت ملے گی لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ قسمت پر صبر کرکے خطرہ کی جگہ میں رہنا جائز ہے یا نہیں اور جو مسلمان بمباری سے مرے گا اس کو شہادت ملے گی یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۷۱۴ مولوی محمد ابراہیم صاحب دہلی ۶ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ م ۲۳ اپریل ۱۹۴۲ء

(جواب ۵۲۲) اگر کوئی جائے تو مباح ہے اور نہ جائے اور بمباری سے ہلاک ہوجائے تو وہ یقیناً شہید ہوگا جانے والے موت کے ڈر سے نہ بھاگیں بلکہ اس خطرہ کے پیش نظر کہ اگر وقت کے وقت حکومت نے شہر خالی کرنے کا حکم دیا تو کہاں جائیں گے اور کیا کریں گے کسی دوسری جگہ انتظام کرلیں تو یہ ایک احتیاطی تدبیر ہوگی اور یہ مباح ہے مگر ان کو استقلال اور ہمت سے شہر میں رہنا ہی بہتر ہے جب کہ مجبور نہ کئے جائیں-

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) کیا عدم تشدد کی پالیسی خودکشی کے مترادف ہے؟
(۲) کھدر پہننے کا حکم ملک و وطن کی بھلائی اور دشمن کو کمزور کرنے کی ایک تدبیر ہے
(۳) غیر محصول کے نمک بنانے سے مقصد انگریز حکومت کی قانون شکنی ہے

(سوال) (۱) ایک شخص غیر مسلم وغیرہ معاہد حکم کرتا ہے کہ قوانین مروجہ حکومت حاضرہ کی خلاف ورزی

اس کی قوم اور اس کے ہم وطن کریں جس سے رام راج حاصل ہوگا بصورت قانون شکنی بغیر استطاعت اندفاع و بغیر کوشش اندفاع برداشت کرنے کی حتی کہ گولی چلنے کے وقت گولی کو اپنے سینے پر لینے کی ہدایت کرتا ہے اگر کوئی مسلمان اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے تو شرعاً جائز ہے یا ناجائز ؟

(۲) اگر اس غیر مسلم کے حکم کی تعمیل میں کوئی مسلمان اس خطرے میں یہ جانتے ہوئے کہ گولی لگنے سے موت واقع ہو سکتی ہے اپنے آپ کو مبتلا کرے اور گولی لگنے سے مر جائے تو اس کی موت کیسی ہوگی ؟ آیا اس کو شہادت کہیں گے یا خودکشی ؟

(۳) ایک غیر مسلم کہتا ہے کہ کھدر پہنو اس کی تعمیل میں کوئی مسلمان کھدر پہنتا ہے اور فخر کرتا ہے کہ میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور اس حکم کو فرض قرار دیکر دوسرے مسلمانوں کو اس غیر مسلم کے حکم پر آمادہ کرتا ہے اور جو شخص کھدر نہ پہنے اس سے نفرت کرتا ہے ایسی صورت میں اس کا کھدر پہننا اور حکم غیر مسلم کی تعمیل کو فرض سمجھنا کھدر نہ پہننے والے مسلمان سے نفرت کرنا کیسا ہے ؟

(۴) حکومت حاضرہ کی طرف سے نمک بنانے پر عرصے سے محصول لیا جاتا ہے ایک غیر مسلم کہتا ہے کہ یہ محصول دیئے بغیر نمک بناؤ اور گرفتار ہو جاؤ اس پر ایک مسلمان کہتا ہے کہ اس نے باوجود غیر مسلم ہونے کے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی ہے اس لئے اس غیر مسلم کے حکم کی تعمیل ہر مسلم پر فرض ہے مسلم کا یہ کہنا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی سید ممتاز احمد سجادہ نشین خانقاہ اخوند جی فراشخانہ دہلی (۱۹۳۰ء)

(جواب ۵۲۳) غالباً یہ سوالات تحریک حاضرہ سے متعلق ہیں اگر ایسا ہے تو تحریر سوالات میں کسی قدر تلبیس سے کام لیا گیا ہے جو مناسب نہ تھا بلکہ چاہئیے یہ تھا کہ واقعہ صاف صاف ذکر کر کے اس کا حکم دریافت کیا جاتا مثلاً سوال اول یوں لکھنا چاہئیے تھا کہ ہندوستان پر ایک غیر ملکی حکومت کا جبریہ قبضہ ہے جس کو ہندوستان کے رہنے والے کسی طرح پسند نہیں کرتے ہندوستانیوں کی خواہش ہے کہ پردیسی قوم جو ہزاروں میل دور سے آکر ہمارے ملک و وطن پر قابض و متسلط ہے اور ہمارے تمام خزائن اور منافع کو ہمارے ہاتھوں سے چھین کر لے جا رہی ہے اور جس کی بدولت اہل ملک بھوکے اور محتاج ہو گئے ہیں جلد سے جلد ہمارا ملک خالی کر دے تاکہ اہل ملک خود اپنی مرضی کے موافق حکومت قائم کریں اور اپنے ملکی ذخائر سے خود متمتع ہوں لیکن وہ پردیسی حکومت کسی طرح ہندوستانیوں کی خواہش کا احترام کرنے کو تیار نہیں ہوتی اور اپنی مادی طاقت کے بل پر جبراً حکومت کر رہی ہے ہندوستانیوں کے پاس مادی قوت اور طاقت نہیں ہے کیونکہ تمام مادی طاقتیں اور قوتیں اس پردیسی قوم نے اپنے قبضے میں کر رکھی ہیں حتی کہ ہندوستانیوں کو اتنی بھی اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے بھی ہتھیار رکھ سکیں اس لئے ہندوستان کی ایک ملکی مجلس نے جس میں ہندوستانی تمام اقوام کے نمائندے شریک ہیں طے کیا ہے کہ اس غیر ملکی حکومت متسلطہ جابرہ سے آزادی حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ اس کے جبریہ قوانین کی خلاف ورزی کی جائے اور اس سلسلے میں جو تکالیف اور مصائب برداشت کرنے پڑیں ان کو برداشت کیا جائے اور اپنی

طرف سے تشدد پر ہرگز اقدام نہ کیا جائے تاکہ تحریک آزادی کی کامیابی کی امید ہو ورنہ بصورت تشدد حکومت کو تشدد کا بہانہ مل جائے گا اور پھر وہ اپنی مادی قوت سے قوم کو تباہ کردے گی خلاف ورزی قوانین کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ملک میں ایک شخص تیار ہوا جو غیر مسلم تھا اس مجلس مشترک نے اس کو اس مظلومانہ جنگ کی انجام دہی کے لائق سمجھ کر اس جنگ کی تکمیل کے اختیارات دیدیئے اب وہ غیر مسلم تمام ہندوستانیوں کو جنگ کے آداب بتارہا ہے اور قوم کو لڑا رہا ہے تو آیا اس کے حکم کی تعمیل جائز ہے یا نہیں؟ اور اس مظلومی کی جنگ میں اگر مطالبہ حق آزادی کی وجہ سے کسی کی جان تلف ہوجائے تو وہ شہید ہوگا یا نہیں؟ اور آیا حالات مذکورہ آزادی کا مطالبہ کرنا اور اپنے آپ کو ایسے خطرات میں مبتلا کرنا جس میں جان تلف ہوجانے کا خطرہ ہے جائز ہے یا نہیں؟ سوال کی صحیح شکل یہ ہے اب اس کا جواب یہ ہے کہ :

ہندوستان میں مسلم اور غیر مسلم دونوں قومیں آباد ہیں مسلمانوں کے مذہبی اصول سے مسلمانوں پر ایک غیر مسلم حکومت مسلط جابرہ سے اپنے ملک کو آزاد کرانا اولین فریضہ ہے مسلمان جو ان الْحُكْمُ اِلاَّ لِلّٰهِ اور لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا پر ایمان رکھتے ہیں وہ طوعاً کسی وقت کسی طرح بھی غیر خداوندی احکام کی اطاعت نہیں کر سکتے اگر اطاعت کرتے ہیں تو مجبوری اور اضطراری طور پر کرتے ہیں اور اگر اس مجبوری اور اضطرار کو دفع کرنے کی کوئی صورت بھی ممکن ہو تو ان پر لازم ہو جاتا ہے کہ اس جبری حکومت کے جوئے کو اپنی گردن سے اتار پھینکیں یہ وجہ تو ایسی ہے کہ اس میں غیر مسلم شریک نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے (جس میں ہندوستانی اقوام برابر کی شریک ہیں) کہ ایک اجنبی قوم کو جو ہزاروں میل پرے کی رہنے والی ہے کوئی حق نہیں کہ وہ ہمارے ملک پر ہماری مرضی کے خلاف جبراً حکومت کرے ہم اس کی حکومت کو ایک لمحے کے لئے بھی طوعاً برداشت کرنے کو تیار نہیں اور یہ ہمارا فطری عقلی عرفی بین الاقوامی حق ہے اور جس تدبیر اور جس طریقے سے ہم اپنا یہ حق حاصل کرسکیں اختیار کرنے اور عمل میں لانے میں حق بجانب ہوں گے چونکہ ہمارے پاس مادی طاقت نہیں ہے اس لئے ہم تشدد کا طریقہ اختیار کرنے سے معذور و مجبور ہیں مگر عدم تشدد کے ساتھ سول نافرمانی کی مظلومانہ جنگ یقیناً لڑ سکتے ہیں اور اگر ہمارے افراد اس کے لئے تیار ہیں کہ لاٹھیاں کھائیں سنگینیں برچھیاں، چھرے اور گولیاں اپنے سینوں پر لیں تو یقیناً ان کو اپنے حق آزادی کے مطالبہ کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا جائز ہے کیونکہ ان کا فعل فی حد ذاتہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنا حق طلب کرتے ہیں اور اس کے جواب میں اگر حکومت لاٹھیاں برسائے یا سنگینیں بھونکے یا چھرے اور گولیاں مارے تو یہ بربریت اور ظلم حکومت کا فعل ہے اس کی ذمہ داری حکومت پر ہے نہ ان مظلوموں پر جو اپنا حق مانگتے ہیں اور کسی ایسے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں جس کو وہ پہلے ناپسند کرتے تھے مگر مجبوراً اس کی تعمیل کیا کرتے تھے۔

رہی یہ بات کہ یہ جانتے ہوئے کہ حکومت بسا اوقات اپنی بربریت کے مظاہرہ کے لئے لاٹھیاں

چلاتی ہے گولیاں برساتی ہے کسی کو ایسے خطرے میں پڑنا جائز ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مطالبہ حقوق ہمیشہ خطرات سے پر ہوتا ہے مذہب و وطن کی آزادی کا مقصد چونکہ اعلیٰ ترین مقصد ہے اس لئے اس راستے کے خطرات بھی بہت بڑے اور ہیبت ناک ہیں مگر بغیر خطرے کے تو کوئی مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس کا نتیجہ حکومت کی جانب سے تشدد ہو اور اگر بغیر اس کے کہ ہماری طرف سے کوئی تشدد آمیز حرکت ہو حکومت بلاوجہ تشدد پر اتر آئے اور ہمیں مار مار کر زخمی یا شہید کردے تو اس کی ذمہ دار حکومت ہوگی مثلاً یہ قصد ہو کہ دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کریں اور پانچ سو اشخاص ایسے مہیا کئے جائیں جو جمع ہو کر جلسہ کریں اور حکام کے اس حکم سے کہ منتشر ہو جاؤ منتشر نہ ہوں اس قصد سے جلسہ شروع کیا گیا اور فرض کرو کہ صرف یہی پانچ سو اشخاص تھے اور یہ سب عدم تشدد کے پابند تھے اب حکام آئے اور انہوں نے حکم دیا کہ منتشر ہو جاؤ انہوں نے منتشر ہونے سے انکار کیا مگر کوئی اور حرکت نہیں کی تو اس صورت میں حکومت کا فرض یہ ہے کہ ان سب کو آدمیت کے ساتھ گرفتار کرے اور قانونی کاروائی کرے مگر بسا اوقات حکومت آئین اور انسانیت کے ساتھ ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے بجائے کبھی تو لاٹھیوں سے پٹوا کر منتشر کراتی ہے اور کبھی گولیاں چلوا کر بہیمیت اور بربریت کا انتہائی مظاہرہ کرتی ہے۔

اس ظالمانہ کاروائی کی وجہ سے مظلوموں کا وہ فعل ناجائز نہ ہو جائے گا جو عقل و انصاف اور مذہب کے خلاف نہ تھا اور جو لوگ اس بربریت اور بہیمیت کا شکار ہو کر شہید ہوں گے وہ یقیناً مظلومیت کی وجہ سے شہادت کا درجہ پائیں گے ان کو خودکشی کا مرتکب کہنا سخت جہالت اور ناواقفیت احکام شرعیہ کی دلیل ہے سول نافرمانی کی اس مظلومانہ جنگ میں جو اپنے مذہب اور وطن کو ایک غیر ملکی حکومت کے جابرانہ قوانین سے آزاد کرانے کے لئے اپنی وطنی مشترک مجلس کی طرف سے جاری کی گئی ہے شرعی احکام کے دائرے میں رہتے ہوئے غیر مسلم کے احکام کی اطاعت کرنا جائز ہے کیونکہ یہ کوئی مذہبی رہنمائی اور دینی ہدایت نہیں ہے محض جنگی رہنمائی ہے جو لوگ اسے ناجائز کہنے کی جرات کرتے ہیں اور اس جنگ میں زخمی ہونے والوں کو ملامت کرتے ہیں اور مر جانے والوں کو شہادت سے محروم کرتے ہیں وہ پہلے ان مسلمانوں کا حکم بتائیں جو کسی غیر مسلم جابر دشمن اسلام حکومت کی حمایت اور اس کی حرص ملک گیری کی خاطر اس کے مقرر کئے ہوئے غیر مسلم افسروں کی کمان میں رہ کر ان غیر مسلموں کے فوجی احکام کی اطاعت کرتے ہیں اور بسا اوقات غیر مسلم حکومت کی طرف سے اپنے مسلمان بھائیوں کو نشانہ بندوق بناتے ہیں یا خود گولی کھا کر مر جاتے ہیں ان مسلمانوں کا کیا حکم ہے ؟ یعنی کیا مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ وہ حکومت کے غیر مسلم افسروں کی ماتحتی میں کام کریں اور مسلمانوں پر گولیاں چلائیں اور کیا مسلمانوں کو جائز ہے کہ وہ غیر مسلم ججوں کے سامنے اپنے مقدمات لے جائیں اور ان سے خلاف شرع فیصلے کرائیں اور ان پر عمل کریں اور کیا مسلمانوں کو جائز ہے کہ وہ شرعی معاملات نکاح، طلاق، آمین بالجہر، رفع یدین وغیرہ نزاعات کے مقدمات غیر مسلم حکام کی

عدالتوں میں فیصلے کے لئے لے جائیں اگر ان تمام باتوں کا جواب نفی میں ہے توان حضرات کا پہلا فرض یہ تھا کہ وہ قوت ایمانی کا ثبوت دینے کے لئے پہلے ان امور کے متعلق فتویٰ شائع کرتے اور مسلمانوں کو ان ہلاکات سے بچانے کی کوشش کرتے جنہوں نے ان کے اسلام اور قومیت دونوں کو فنا کر دیا ہے۔

کھدر پہننے کا جو حکم اس غیر مسلم نے دیا ہے وہ اس نے اپنے مذہب کی بنا پر نہیں دیا ہے بلکہ ملک و وطن کی بھلائی اور دشمن کو کمزور کرنے کی ایک تدبیر سمجھ کر دیا ہے اور مسلمانوں کے لئے کھدر پہننا مذہبی احکام کے بموجب ناجائز نہیں ہے یہ حکم ان احکام سے بدرجہا زیادہ قابل تعمیل ہے جو انگریزی عدالتوں کے غیر مسلم حکام سے حاصل کئے جاتے ہیں اور ان پر عمل کیا جاتا ہے۔ بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے کھدر ہی بہترین لباس ہے اور جب کہ پہننے والوں کی نیت اپنے بھائیوں کی فائدہ رسانی بھی ہو تو ایک پنتھ دو کاج دوہرا ثواب ملے گا اس کو گاندھی پرست فرقہ کا شعار بتانا میری سمجھ سے باہر ہے اول تو کھدر پہننے والے مسلمانوں کو گاندھی پرست کہنا ہی ظلم عظیم ہے کیونکہ وہ مسلمان ہیں اور خدا پرستی کے سوا کسی کی پرستش ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتی وہ تو رسول پرست بننے سے بھی توبہ کرتے ہیں پھر ان کو گاندھی پرست کہنا کتنی بڑی جرأت و جسارت ہے۔

دوسرے یہ کہ وکیلوں کے گون اور اسی طرح بعض اداروں کے مخصوص لباسوں کے متعلق ان حضرات نے کبھی کوئی فتویٰ شائع کیا ہے یا نہیں اور اس کو حکومت پرستی یا ادارہ پرستی کی بنا پر ناجائز فرمایا ہے یا نہیں؟ نہیں کو تو کیوں نہیں؟

قانون نمک کی خلاف ورزی اس کی سہولت اور ہمہ گیری کے لحاظ سے اختیار کی گئی ہوئی اصل مقصد تو قانون شکنی ہے ابتداءً ایسا قانون اختیار کیا گیا جس کی خلاف ورزی ہر مقام پر ہر صوبے میں ہو سکے اور ہر شخص انفرادی طور پر کر سکے یہ دوسری بات ہے کہ اس قانون کو منتخب کرنے میں یہ فائدہ بھی ظاہر ہوا کہ شریعت اسلامیہ میں نمک کو اپنے فطری معادن میں آزاد رکھا گیا ہے اگر کسی مسلمان نے یہ کہہ دیا کہ اس قانون کی خلاف ورزی فی نفسہ بھی شریعت اسلامیہ کے موافق ہے تو اس نے کیا گناہ کیا؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے؟

اور میرے خیال میں یہ تو کسی نے بھی نہیں کہا کہ گاندھی جی نے اس قانون کی خلاف ورزی کا حکم شرعی احکام کی تعمیل کی نیت سے دیا ہے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ گاندھی جی غیر مسلم ہیں وہ اسلامی حکم کی تعمیل کی وجہ سے کوئی حکم دیں یہ بظاہر مستبعد ہے مگر یہ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ حکم اسلامی حکم کے خلاف نہیں ہے جیسے گاندھی جی شراب چھوڑنے کا حکم دے رہے ہیں تو یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ گاندھی جی نے یہ حکم شریعت اسلامیہ کی تعمیل کی نیت سے دیا ہے مگر یہ ہر مسلمان کہہ سکتا ہے کہ یہ حکم اسلامی حکم کے موافق ہے اسلام بھی شراب کو حرام قرار دیتا ہے اس لئے مسلمانوں کو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہئیے اور اس میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ'

مدح صحابہؓ کا جلوس نکالنا

(سوال) شہر لکھنؤ میں جو مدح صحابہ کا قضیہ درپیش ہے اس سے آنجناب بخوبی واقف ہیں بلکہ جہاں تک یاد ہے حضرات والا نے کمیشن کے سامنے شہادت بھی دی تھی اس سلسلے میں کانگریسی وزارت کے زمانے میں جو ایک دن کے لئے کیمونک دیا گیا تھا اس پر صرف دو سال عمل ہو کر پھر حکومت نے پابندی عائد کر دی چنانچہ اسی سلسلے میں پھر ایجی ٹیشن ہر سال کیا جاتا ہے۔

چند روز ہوئے مولوی عبدالماجد دریابادی نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا ایک فتویٰ شائع کیا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "چونکہ تحریک مدح صحابہ سے شیعہ تبرا کرتے ہیں لہذا اس کو ترک کیا جائے" اس کا جواب مولوی عبدالشکور مدظلہ نے تحریر کیا اس کے جواب میں مولوی حبیب احمد کانپوری نے ایک رسالہ کشف المغالطات تحریر کیا کشف المغالطات میں جو علمی اور فقہی بحث کی گئی ہے اس کا سمجھنا تو حضرات اہل علم کا کام ہے مگر ہم عوام نے ایک مطالعہ سے جو تکلیف اٹھائی وہ یہ کہ زبان بہت سخت استعمال کی گئی اور الفاظ نامناسب اور نامناسب تحریر میں لائے گئے زیادہ افسوس یہ ہے کہ لکھنے والا ایک عالم دین جو دینی درسگاہ کا صدر مدرس اور مخاطب جس کے لئے ثقیل الفاظ لکھے گئے ہیں زمانہ موجودہ کے نہایت معتبر و مستند عالم مانے جاتے ہیں اور ان کی دینی خدمات بہت زیادہ ہیں غالب گمان ہے کہ یہ سب رسالے حضور والا کے ملاحظے میں آئے ہوں گے۔

جلوس مدح صحابہؓ جسکو جلوس محرم سے تشبیہ دی جاتی ہے اور بدعت قرار دیا جاتا ہے ظاہری طور پر تو یہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے متعلق جو دوسرے حالات ہیں اور آنجناب ان سے واقف ہیں کہ خود حکام کے نزدیک جائز طور پر قومی و شہری حق ہے مگر اب شیعوں کی وجہ سے روکا جاتا ہے اور اہل سنت والجماعت کو اس جائز حق سے محروم کر کے ان پر سختی اور تشدد کیا جاتا ہے جس وقت ایجی ٹیشن شروع کیا گیا تھا حضرات علمائے کرام نے تائید فرمائی تھی اور اب منع کیا جاتا ہے حالانکہ ابھی اپنا وہ حق جس کے لئے اتنی قربانی کی جا چکی ہے نہیں حاصل ہوا لہذا حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں؟

(۱) آیا ان حالات کے تحت جلوس اٹھانا چاہئے یا نہیں؟ (۲) جلوس کی کوشش کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۳) جلوس نکلنے کی مخالفت کرنا اور مولانا عبدالشکور صاحب پر اعتراض کرنا کیسا ہے؟ (۴) جس طرح تعزیہ کو اگر کفار روکیں تو مسلمانوں کو تعزیہ دار کی اعانت کرنی چاہئے یا نہیں آیا اسی نوعیت کا حکم اس باب میں ہے یا نہیں؟ جب کہ جلوس شیعوں کی طرف سے رکوایا جا رہا ہے (۵) گائے کا گوشت کھانا اور گائے کی قربانی فی نفسہ مباح ہیں لیکن ہنود کی مزاحمت پر واجب ہو جاتی ہے کیا ایسا ہی حکم اس جلوس کے لئے بھی ہو سکتا ہے؟ (۶) آنجناب کی رائے میں مولانا عبدالشکور صاحب کا فتویٰ زیادہ صحیح ہے یا مولوی حبیب احمد صاحب کا؟ (۷) مولوی حبیب احمد صاحب نے جو زبان اپنی کتاب میں استعمال کی ہے وہ کس حد تک مناسب ہے؟ (۸) اگر جلوس کو ذریعہ تبلیغ قرار دیا جائے تو جائز ہو گا کیونکہ اس زمانے میں اسی قسم کے طریقوں سے اشاعت

ہوتی ہے۔ المستفتی نمبر ۲۷۷۰ منشی حسین قدوائی کھبونی ضلع بارہ بنکی - ۲۱ رجب ۱۳۶۲ھ م ۲۴ جولائی ۱۹۴۳ء

(جواب ۵۲۴) جلوس نکالنا اگر اس ضرورت سے جو بیان کی گئی ہے جائز بھی قرار پائے تو وہ بغیر جھنڈوں کے بھی ہو سکتا ہے یہ جھنڈوں کی نمائش اور اس میں بے کار روپے کا اسراف اور ریاو نمود کا مظاہرہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے نمبر ۴ سے مجھے اختلاف ہے کہ تعزیہ داری میں مدد کرنی جائز ہو جاتی ہے گائے کی قربانی واجب ہو جاتی ہے مگر قربانیوں کا جلوس بنانا اور ان کو سجا کر سڑکوں پر مظاہرہ کرنا تو واجب نہیں ہو جاتا میں نے مولانا عبدالشکور صاحب اور مولانا حبیب احمد صاحب کی محولہ بالا تحریریں نہیں دیکھیں نمبر آٹھ سے مجھے اختلاف ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مدح صحابہ کا جلوس نکالنا

(سوال) لکھنؤ میں حکومت نے سنیوں سے حق مدح صحابہ کو تسلیم کرنے کے بعد دو سال تک جلوس مدح صحابہ نکالنے کی اجازت دی اور جلوس مذکورہ بالا نکالا بھی گیا پھر روافض کے ایما سے حکومت نے نقض امن کے خطرے کا اظہار کر کے جلوس مروجہ مدح صحابہ کو روک دیا مروجہ مدح صحابہؓ کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ ایک مختلف قسم کے جھنڈے بنا کر (مثلاً موم کا جھنڈا سبزی کا جھنڈا زردوزی کا جھنڈا کاٹھ کا جھنڈا وغیرہ) حضرات صحابہ کرام کے نام سے منسوب کر کے اپنے اپنے محلے سے چل کر عید گاہ عیش باغ میں جمع ہو جاتے ہیں اور وہاں سے ایک جلوس کی شکل میں دس دس پانچ پانچ ٹولیاں بنا کر حضرات صحابہ کرام کی مدح و منقبت اور نعت پڑھتے ہوئے نکلتے ہیں مسلمان اس جلوس کو اپنے دین کی تبلیغ کا ذریعہ یقین کرتے ہوئے بڑے ذوق و شوق سے اس جلوس میں شرکت کرتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ کچھ نہ کچھ مسلمانوں کو ضرور حضرات صحابہ کرامؓ سے مزید محبت و انسیت ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی روافض سے بغض و عناد بھی ہوتا ہے روافض اپنے خباثت نفسانی کی وجہ سے حکومت کو سپر بنا کر حضرات صحابہؓ کرام پر تبرا کہتے ہیں۔

جلوس مدح صحابہؓ کو بعض مقتدر علمائے کرام جائز نہیں جانتے ہیں ان حضرات کا خیال ہے کہ اس جلوس سے مسلم قوم کو نقصان زیادہ پہنچتا ہے نیز یہ کہ مختلف اقسام کے جھنڈے نہیں نکالنے چاہئیں کہ اس میں کوئی تبلیغ دین نہیں ہے بلکہ ہر کاریگر اپنی صنعت کا مظاہرہ کرتا ہے اس میں بھی شک نہیں کہ اکثر جھنڈے والے اپنی صنعت کی داد جھنڈے کو دکھا کر چاہتے ہیں جھنڈوں پر سیدنا ابو بکر یا کسی دوسرے صحابی کا نام لکھا ہوتا ہے بعض جاہل لوگ جھنڈے کو ذریعہ قرب اور اپنے مقصد کے حصول کا ذریعہ جان کر جھنڈا بنانے کی منت بھی ماننے لگے ہیں۔

مانعین مدح صحابہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض وقت حق مدح صحابہ بطریق مذکور کے حصول کے لئے بعض عورتیں جو بر سر عام بالا پردہ تقریر کرتی ہیں یہ جائز نہیں ہے اور یہ کہ حق مدح صحابہ مل جانے کے بعد

دیگر ذریعہ سے بھی حق مدح صحابہ ادا کیا جا سکتا ہے مروجہ طور پر جب شیعوں کی ضد ہوتی ہے تو بیکار اپنے بزرگوں کو گالیاں سنوانے سے کیا فائدہ؟ تجربہ بھی اس پر شاہد ہے کہ جب ربیع الاول میں مروجہ جلوس سنی نکالتے ہیں تو اس کے جواب میں شیعہ جلوس تبرا نکالتے ہیں صورت معروضہ کے بعد چند باتیں دریافت طلب ہیں۔

(۱) کیا سنیوں کو اس طریقہ مروجہ پر جلوس مدح صحابہ نکالنا ضروری ہے کہ اس میں مختلف اقسام کے جھنڈے ہوں اور ٹولی بہ ٹولی مدح و نعت نظم میں ایک ساتھ پڑھتے ہوئے نکلیں؟
(۲) چند لوگوں کو ایک ساتھ کا ملا کر نظم پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو جو جماعتیں بعض شہروں میں مداح النبی اشاعت النبی کے نام سے قائم ہیں اور وہ سب مل کر حضور ﷺ کی نعت ایک ساتھ گاتے ہیں ان کا یہ فعل جائز ہوگا یا نہیں؟ (۳) مسئلہ مذکورہ کے متعلق مسلمان عورتوں کو بے پردہ تقریر کرنا کیسا ہے؟
(۴) شریعت مطہرہ میں طریق مروجہ پر تبلیغ دین کا کوئی طریقہ موجود ہے یا نہیں اگر نہیں تو جس طریق تبلیغ سے (جب کہ وہ طریقہ پہلے سے شریعت مطہرہ میں موجود نہ ہو) اپنے بزرگوں پر تبرا ہو تو اس طریقے کو چھوڑ دینا چاہئے یا نہیں؟
(۵) مروجہ مدح صحابہ میں مسلمانوں کو شریک ہونا ضروری ہے یا ان کی شرکت موجب نقصان ہے؟
المستفتی نمبر ۲۷۱۷ (مولانا) محمد شعیب کفیل مدرس اول مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم قصبہ رسولی ضلع بارہ بنکی ۲۲ رجب ۱۳۶۲ھ م ۲۵ جولائی ۱۹۴۳ء

(جواب ۵۲۵) جلوس مدح صحابہ بہیئت مصرحہ فی السوال نکالنا ضروری نہیں بلکہ موانع شرعیہ اس میں زیادہ ہیں اور اباحت کے مقتضیات کم ہیں طرح طرح کے جھنڈے بنانا صنعت کا مظاہرہ کرنا ہزاروں روپیہ اس پر خرچ کرنا عورتوں کا بے پردہ شریک جلوس ہونا اور برسر عام تقریر کرنا جھنڈے بنانے کی منت ماننا جھنڈے کی تعظیم کرنا یہ سب باتیں ناجائز ہیں اور جب کہ یہ جلوس لازمی طور پر تبرا اور سب و شتم صحابہ کا ذریعہ بن جاتا ہے یہ مزید براں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) انگریزی حکومت میں اسمبلی کا ممبر بننا
(۲) پاکستان کا مطالبہ تمام ہندوستان سے شوکت اسلام مٹا کر ایک قطع میں محدود کرنا ہے

(سوال) علمائے کرام و مشائخ عظام کو موجودہ وقت میں اسمبلیوں کے لئے ممبر بن کر جانا جائز ہے یا نہیں؟ بصورت جواز جو حلفیہ عہد وفاداری ان سے لیا جاتا ہے اس کا کیا حل ہو سکتا ہے کیا انگریزوں کے اس عہد نامے پر دستخط کر دینے سے مطمئن بالاسلام ہو کر کچھ حرج لازم نہیں آتا؟ مسلم لیگیوں کا مطالبہ پاکستان درست ہے یا غلط؟ المستفتی نمبر ۲۷۹۹ صاحبزادہ عبداللطیف سجادہ نشین خانقاہ زکوڑی ڈیرہ اسماعیل خان مورخہ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ

(جواب ۵۲۶) ہندوستان میں حکومت کا معاملہ بڑی نزاکت اختیار کر چکا ہے اس لئے اس کے متعلق احکام دینا بہت مشکل اور پیچیدہ ہو گیا ہے میرا خیال ہے کہ علما اور مشائخ اسمبلیوں میں ممبر بن کر جائیں تو بہتر ہے اس کے لئے جواز کا فتویٰ دیتا ہوں اسمبلی میں جس عہد نامے پر دستخط کئے جاتے ہیں اس میں اتباع شریعت کے پختہ عہد کے ساتھ دستخط کئے جا سکتے ہیں پاکستان کا مطالبہ ہمارے خیال میں مسلمانوں کے لئے مضر ہے کیونکہ حقیقی پاکستان نہ تو مانگا جاتا ہے نہ اس کے ملنے کی توقع جو پاکستان کہ مانگنے والے مانگتے ہیں وہ تمام ہندوستان سے اسلام کی شوکت مٹا کر ایک چھوٹے سے قطعے میں محدود کر دینا ہے اور اس میں بھی مخالف قومی پارٹی موجود ہے اور باقی ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کو مخالفین کے ہاتھوں میں بے دست و پا بنا کر چھوڑ دینا ہے یہ صورت مضر اور یقیناً مضر ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

(۱) قوی دشمن سے بچنے کے لئے کمزور دشمن سے تقویت حاصل کرنا
(۲) مسلمانوں پر واردھا کی حمایت کا الزام غلط ہے

(سوال) مسلمانان ہند کی آیا ایسی صفیں ہیں جن میں سے ایک کٹ کر دشمنان اسلام سے مل جائے اور ان سے مل کر مسلمانوں کے درپے آزار ہو تو وہ حشر کے دن مسلمانوں میں اٹھیں گے یا دشمنان اسلام میں ؟ ایک طرف واردھا ہے اور دوسری طرف خانہ کعبہ تو مسلمانوں کو کس طرف جانا چاہیئے ؟ اگر کسی مسلمان کو اس کے امام کے اوپر اعتماد نہ ہو تو اس کی نماز اس کے پیچھے ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۸۰۰ کرنل ارشاد علی دہلی ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ

(جواب ۵۲۷) یہ تو کھلی بات ہے کہ جو شخص دشمنان اسلام سے خلوص برتے گا وہ ان کا ساتھی ہوگا مگر اپنے مطلب اور غرض کے حاصل کرنے کے لئے اگر دشمنوں کے ساتھ کسی وقت مل جائے تو وہ اس میں شمار نہیں ہے نیز اگر دو دشمن ہیں اور ان میں سے قوی سے بچنے کے لئے کمزور سے تقویت حاصل کرے تو وہ بھی اس میں شمار نہیں ایک طرف واردھا اور دوسری طرف خانہ کعبہ ہو یہ مثال موجودہ تحریک میں درست نہیں ہے یہ غلط الزام ہے کہ مسلمان واردھا کی حمایت کر رہے ہیں وہ تو اپنے حقوق کے لئے لڑ رہے ہیں ایک طرف کے مسلمان طالب حقوق دوسری طالب حقوق جماعت سے تعاون کر کے کام کر رہے ہیں دوسری طرف کے مسلمان اپنے دعویٰ کے مطابق تنہا کام کر رہے ہیں کعبہ کو وہ بھی نہیں جا رہے ہیں دونوں کی منزل مقصود ایک ہی ہے راستے مختلف ہیں امام پر اعتماد نہ ہونے کے کیا معنی ؟ کس بات کا اعتماد نہیں ہے اس کو صاف کر کے دریافت کیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

(۱) غیر اللہ کی پرستش کرنے والے متعدد خدا ماننے والے مشرک ہیں
(۲) کسی مسلمان کا نام بگاڑ کر لینا اور لکھنا گناہ ہے

(۳) مسلمانوں کے برے کاموں کی برائی بیان کرنا

(۴) ہندو اور انگریز میں جس کی طاقت زیادہ ہے وہ اسلام کے لئے مضر ہے

(سوال) (۱) اہل ہنود مشرک ہیں یا نہیں ؟ (۲) کیا کسی مسلمان کا نام بگاڑ کر لینا جائز ہے یا نہیں ؟ (۳) مسلمانوں کو برا کہنے والا اور کفار کی تعریف کرنے والا خدا اور رسول ﷺ کے نزدیک کیسا ہے ؟ (۴) کیا ہندو یا انگریز میں سے کوئی مسلمانوں کے لئے مفید ہو سکتے ہیں ؟ (۵) شریعت کی رو سے مسلمان اکثریت کو مسلمان اقلیت کے ساتھ مل جانا چاہئیے یا مسلم اقلیت کو مسلم اکثریت کے ساتھ ؟ **المستفتی** نمبر ۲۸۰۱ محمد شفیق خاں قریشی دہلی ۱۱ محرم ۱۳۶۵ھ

(جواب ۵۲۸) (۱) ہاں جو لوگ غیر اللہ کی پرستش کریں یا متعدد خدا مانیں یا اولیاء میں خدائی طاقت کا یقین کریں وہ سب مشرک ہیں (۲) کسی مسلمان کا نام بگاڑ کر لینا یا لکھنا گناہ ہے (۳) مسلمانوں کے برے کاموں کی برائی بیان کرنا اور کفار کے اچھے کاموں کی تعریف کرنا تو جائز ہے لیکن مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان کے برا کہنا اور کافر کو کافر ہونے کی حیثیت سے اچھا سمجھنا اسلام کے احکام کے خلاف ہے (۴) دونوں مسلمانوں سے علیحدہ ہیں اور اسلام کا ان میں سے کوئی دوست نہیں ہے اور ان میں سے جس کی طاقت زیادہ ہے وہ مسلمانوں کے لئے زیادہ مضر ہے (۵) اکثریت اور اقلیت کا اعتبار قوت دلیل پر ہے اگر دنیا کی مخلوق میں مشرک زیادہ ہوں تو مسلمان موحدوں کو ان کے ساتھ مل جانا جائز نہ ہوگا اور مسلمانوں کی اکثریت بھی اگر حق کے خلاف ہو تو اقلیت جو حق پر ہو اسے حق پر قائم رہنا فرض ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

(۱) ووٹ کیسے آدمی کو دیں ؟

(۲) جنتی اور دوزخی کا حکم کن اعمال کی بناء پر لگ سکتا ہے ؟

(۳) مسلم لیگ کے ممبروں کو صحیح بات بتانا علماء پر فرض ہے

(۴) کاش کہ مسلم لیگ والے صحیح بات مان لیتے۔

(سوال) مسٹر آصف علی بیرسٹر ساکن دہلی صورت شکل سے مسلمان نہیں معلوم ہوتے نماز روزہ حج زکوۃ کے پابند نہیں ایک بے پردہ آزاد منش ہندو عورت مس ارونا کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کرتے ہیں ایسی صورت میں کیا مسٹر آصف علی کو اپنا ہمدرد لیڈر سمجھنا ان پر دینی و دنیوی معاملات میں اعتماد کرنا کہ وہ اسمبلی میں مسلمانوں کے حقوق کی صحیح معنوں میں اسلامی نقطہ نظر سے حفاظت کریں گے اور ان کو ووٹ دینا چاہئیے یا نہیں ؟

(۲) کیا قرآن کریم اور حدیث شریف میں ایسا حکم آیا ہے ؟ کہ دنیاوی یا دینی احکام کی خلاف ورزی یا تعمیل کرنے والے پر کافر یا مومن یعنی دوزخی اور جنتی ہونے کا حکم نہ لگاؤ کیونکہ خدا بہتر جانتا ہے۔

(۳) مسلم لیگ کے عام ابتدائی دو آنے والے ممبر جو چشناسٹ مسلمانوں کی بہ نسبت اکثریت میں ہیں زیادہ کافر ہیں ؟ ان کی رہنمائی کرنا کیا علماء پر ضروری نہیں ؟ ان سے کٹ کر مشرکوں کافروں سے معاہدہ کرنا

ٹھیک ہے؟ کیا نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں سے کٹ کر کافروں سے معاہدہ کیا تھا؟
(۴) ہم کو بتائیے خدا کے واسطے کہ ہم کیا کریں کس کا ساتھ دیں؟ ہم کو ہندوؤں پر قطعی اعتماد نہیں خواہ آپ کو ان پر اعتماد ہو مگر ہم آپ کی بھی رہنمائی چاہتے ہیں ایسی حالت میں ہم کافی پریشان ہیں کاش آپ یعنی علماء حضرات مسلم لیگ پر اپنا اثر ورسوخ قائم کر کے صحیح معنی میں دینی ودنیاوی رہبری کریں۔
المستفتی اے آئی جنرل مرچنٹ بند سے والا صدر بازار دہلی ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ
(جواب ۵۲۹) اگر آپ کو ان پر مسلمانوں کے متعلق صحیح رائے دینے کا یقین نہ ہو تو ان کو رائے نہ دیں جو لوگ اس بات کا یقین رکھتے ہوں کہ وہ مسلمانوں کے لئے مفید ہوں گے اور غیر مسلم متعصب رکن کے مقابلے میں وہ مسلمانوں کے حقوق کے محافظ ہوں گے وہ انہیں ووٹ دے سکتا ہے کیونکہ اسمبلی میں کسی معتبر نیک مسلمان کو بھیجنا اپنے اختیار کی بات نہیں وہاں تو جو لوگ ممبری کے امیدوار ہوں ان میں سے بہتر آدمی کو ووٹ دینا چاہئے اور اگر کسی کو ووٹ دینے کی مرضی نہ ہو تو نہ دیا جائے مگر یہ تو جائز نہیں کہ ایک امیدوار کے حق میں تو اسلامی ضروریات کی جانچ کی جائے اور دوسرے کو خواہ وہ متعصب غیر مسلم ہو ووٹ دیدیا جائے۔
(۲) دوزخی یا جنتی ہونے کا حکم انہیں افعال واعمال پر لگ سکتا ہے جو شرعی اور اسلامی حیثیت سے اس قابل ہوں۔
(۳) مسلم لیگ کے ممبروں کو صحیح بات بتانے کا فرض علماء پر عائد ہوتا ہے اور علماء یہ کام کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے مشرکوں سے ملنے کا مطلب مشرکوں کی امداد کرنا نہیں ہے بلکہ اپنا حق حاصل کرنا ہے۔
(۴) افسوس کہ اگر مسلم لیگ والے اس خیال کے ہوتے کہ صحیح بات مان لیں اور اس کو اختیار کریں تو یہ نوبت کیوں آتی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

جمعیۃ العلماء کے امیدواروں کو ووٹ دینا چاہئے

(سوال) اسمبلی کا الیکشن ہونے والا ہے اور اس میں چار جماعتیں مل کر مسلم لیگ سے مقابلہ کریں گی کانگریس، احرار، خاکسار، جمعیۃ علماء ان چار جماعتوں میں ہندو سکھ اور دیگر غیر مسلم قومیں شامل ہیں ایسی صورت میں اس جماعت کو ووٹ دینا چاہئے جن میں غیر مسلم بھی شامل ہیں یا اس جماعت کو جس کا کسی غیر مسلم جماعت سے کوئی تعلق نہ ہو اس میں شرع کا کیا حکم ہے؟ المستفتی زاہد حسین (آگرہ)
(جواب ۵۳۰) جمعیۃ علماء جس شخص کو کھڑا کرے اس کو ووٹ دینا چاہئے کیونکہ جمعیۃ علماء کا مقصد مسلمان قوم کی بہتری ہے ذاتی غرض پیش نظر نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

اگر جمعیۃ العلماء کا امیدوار نہ ہو تو ووٹ کس کو دیں ؟

(سوال) کوہ مری میں اکثر تعداد مسلمانوں کی ہے اور اکثر ہی مسلم لیگ میں ہیں اور قلیل تعداد مسلمان خاکسار تحریک میں ہیں اور کانگریس میں صرف ہندو اور سکھ ہیں کوئی مسلمان نہیں ہے اور کوئی تحریک کوہ مری میں نہیں ہے مثلاً احرار جمعیۃ علماء وغیرہ کہ جس کے ساتھ مل کر ہم اپنی سچائی کا ثبوت پیش کر سکیں وہ ٹیں تیار ہو چکی ہیں اور ہم چند آدمی صوبائی اسمبلی اور مرکزی اسمبلی میں ووٹ دینے کا حق رکھتے ہیں اب ہم اس پریشانی میں مبتلا ہیں کہ کونسی جماعت کو ووٹ دیں - المستفتی محمد مبارک عباسی (کوہ مری) ۱۳۶۴ھ

(جواب ۵۳۱) اگر آپ جمعیۃ علماء کے مقرر کئے ہوئے امیدوار کے حق میں ووٹ دیں تو یہ بہتر ہوگا اور اگر وہاں جمعیۃ کا کوئی امیدوار نہ ہو تو کانگریس امیدوار کو بشرطیکہ وہ آپ کے نزدیک معتبر ہو ورنہ ووٹ دینے کی کوشش نہ کریں - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسلمانوں کو جمعیۃ العلماء کا ساتھ دینا چاہئیے

(سوال) اس وقت مسلمان کو شرعی طور پر کون سی مسلم سیاسی جماعت میں شرکت کرنی جائز ہے اور کون سی سیاسی جماعت میں شرکت کرنا ناجائز ہے مسلم لیگ والوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج اور کوئی صحیح الخیال مسلم لیگ کا ممبر نہیں ہو سکتا کیا یہ درست ہے ؟ المستفتی ایم ایچ ظہیر علوی ایم اے (سیالکوٹ)

(جواب ۵۳۲) مسلمانوں کو اس وقت جمعیۃ العلماء کا ساتھ دینا لازم ہے مسلم لیگ کا نظریہ جمعیۃ العلماء کے نزدیک صحیح نہیں ہے اس لئے جمعیۃ العلماء بھی انتخاب میں حصہ لے رہی ہے اور امیدوار کھڑے کرے گی آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اس کی امداد کرنی چاہئیے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مسلمانوں کے لئے کانگریس مفید ہے یا مسلم لیگ ؟
(۲) جو کلمہ کا عربی تلفظ نہ جانتا ہو اور توحید اور رسالت کو مانتا ہو وہ مسلمان ہے
(۳) مولانا حسین احمد مدنی کا اتباع کیجئے

(سوال) (۱) مسلمان کے لئے کانگریس مفید ثابت ہو سکتی ہے یا مسلم لیگ ؟ (۲) ایک مسلمان کو یہ کہنا کہ وہ کلمہ نہیں جانتا وہ کافر اعظم ہے اس پر لعنت کی شریعت اجازت دیتی ہے ؟ (۳) مسٹر محمد علی جناح مولانا ابو الکلام آزاد حسین احمد مدنی ان میں کون صحیح راستے پر ہے مسلمانان ہند کے لئے ؟ (۴) حضور حبیب خدا محمد مصطفیٰ ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا ہے کہ کافر یا ہندو مسلمانوں میں مل کر کیسے ثابت ہوں گے ؟ المستفتی محمد حبیب اللہ خاں نیازی (امروہہ) ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ

(جواب ۵۳۳) (۱) اگر مسلم لیگ کا راستہ صحیح ہوتا تو وہ بیشک مفید ہوتی مگر افسوس کہ اس کا راستہ صحیح نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کو جمعیۃ علمائے ہند کی ہدایت پر عمل کرنا چاہئے (۲) کسی مسلمان کے متعلق ایسے الفاظ کہنا درست نہیں ہے کلمہ کا عربی تلفظ نہ جانتا ہو مگر خدا تعالیٰ کے وجود کا قائل ہو اور آنحضرت ﷺ کی رسالت مانتا ہو تو یہ اس کے مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے (۳) مولانا حسین احمد مدنی کا اتباع کیجئے وہ صحیح راستے کی ہدایت کریں گے۔ (۴) کا فریا ہندو مسلمانوں کے لئے مفید ہوں یا نہ ہوں مسلمانوں کو اپنی بھلائی کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) مسٹر جناح کا شیعہ فرقہ سے ہونا یقینی ہے
(۲) غیر مسلم اسلامی حقوق کا محافظ نہیں ہو سکتا
(۳) پہلے مسلمان بعد میں کانگریس یا مسلم لیگی

(سوال) (۱) مسٹر محمد علی جناح فرقہ شیعہ سے ہیں وہ مسلمان ہیں یا نہیں ؟ (۲) مسٹر محمد علی جناح مسلمان ہوتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق اسلامی کی اچھی طرح حفاظت کر سکتے ہیں ؟ یا مسٹر گاندھی یا صدر کانگریس یا کانگریسی ہندو جن کی مجاریٹی کانگریس ورکنگ کمیٹی میں ہے ؟ (۳) مسٹر محمد علی جناح یا کوئی اور مسلمان یہ کہے کہ میں پہلے مسلمان ہوں بعد میں ہندوستانی یہ صحیح ہے یا پہلے ہندوستانی بعد میں مسلمان ؟ (۴) مسٹر محمد علی جناح سیاسیات ہند اور قانون کے ماہر ہیں یا نہیں ؟

(جواب ۵۳۴) (۱) مجھے تو اس قدر معلوم ہے کہ مسٹر محمد علی جناح شیعہ ہیں اور شیعہ اسلامی فرقوں میں شامل ہیں (۲) کوئی غیر مسلم بمقابلہ مسلم کے اسلامی حقوق کا محافظ قرار نہیں دیا جا سکتا (۳) یہ صحیح ہے کہ مسلمان پہلے مسلمان ہے بعد میں ہندوستانی (۴) ہاں وہ سیاست اور قانون کے ماہر ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مذکورہ بالا سوالات کے جوابات آپ نے دیئے ہیں یا نہیں ؟ اور مجھ کو اور کل مسلمانوں کو مسلم لیگ کا ساتھ دینا چاہئے یا نہیں ؟ یا کانگریس کا ساتھ دینا چاہئے۔

جناب مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مجھے یاد نہیں کہ یہ سوالات میرے سامنے کبھی آئے تھے اور میں نے ان کے جوابات لکھے تھے اگر جواب لکھے ہوں گے تو غالباً جواب میں کسی قدر تفصیل ہوگی مسٹر جناح کے حقیقی خیالات تو فی الحقیقت مجھے معلوم نہیں مگر ان کے ظاہری طرز عمل کا اسلامی طرز عمل کے موافق نہ ہونا آفتاب سے زیادہ ظاہر ہے ان کا فرقہ شیعہ سے ہونا بھی یقینی ہے وہ ایک تعلیم یافتہ شخص ہیں ان کی تعلیم و تہذیب یورپ کی تعلیم و تہذیب ہے اسلامی تعلیم و تہذیب سے اس کا علیحدہ ہونا کھلی ہوئی روشن بات ہے۔

غیر مسلم کو اسلامی حقوق کا محافظ نہیں قرار دیا جا سکتا یہ صحیح ہے مگر کس مسلمان نے یہ کہا ہے کہ غیر مسلم اسلامی حقوق کے محافظ ہیں کانگریس میں مسلمان اپنے حقوق کی حفاظت خود کریں گے وہ ہندوؤں سے تو اسلامی حقوق کی حفاظت کی خواہش نہیں کرتے یہ صحیح ہے کہ مسلمان پہلے مسلمان ہے بعد میں کانگریسی یا مسلم لیگی یا کوئی اور مسٹر جناح قانون کے ماہر ہیں مگر انگریزی قانون کے نہ کہ اسلامی قانون کے -اور انگریزی سیاست کے نہ کہ اسلامی سیاست کے کیونکہ انہوں نے اسلامی قانون اور اسلامی سیاست کی مہارت تو در کنار ابتدائی درجہ بھی حاصل نہیں کیا- محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

حضرت مفتی اعظم کی ذاتی زندگی اور جمعیۃ العلماء کے موقف کے متعلق چند سوالات

(سوال) (۱) کیا حضرت والا حضرت مدنی کے مخالف ہیں اور جمعیۃ علمائے ہند سے الگ ہو گئے ہیں؟ (۲) کیا حضرت والا نے لیگ کی واحد نمائندگی کو تسلیم کر لیا ہے؟ (۳) کیا جمعیۃ علماء کے موجودہ صدر حضرت مدنی بانیان جمعیۃ کے وضع کردہ اصول سے ہٹ گئے ہیں اور امت مسلمہ سے کٹ کر گاندھی اور کانگریس کی پالیسی ہی کو اپنا نصب العین بنا لیا ہے؟ (۴) کیا آپ ممبر مجلس عاملہ جمعیۃ ہونے کے باوجود صدر کی مجلس میں مشورہ نہیں دیتے اور کیا جناب کا مشورہ حضرت مدنی کے سامنے بالکل قبول نہیں کیا جاتا؟ (۵) جناب والا مفتی اعظم ہند اس بارے میں شریعت کی رو سے کیا فرماتے ہیں کہ مسلمانان ہند فی الحال شیخ الاسلام مدنی کی قیادت میں رہیں یا مسٹر جناح جیسے ایک قابل ترین بیرسٹر کی قیادت میں؟ (۶) کیا حضرت والا جمعیت سے الگ ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ہیں؟ (۷) شرعی حدود میں رہ کر کانگریس میں شریک ہونا اور آج کل کی کانگریس میں شریک ہونا کیا حرام اور کفر ہے؟ (۸) کیا کانگریس میں شریک ہونے سے اسلام کا علم ذلیل ہو جائے گا؟ اور کیا موجودہ مسلم لیگ میں شریک ہونا واجب ہے؟ (۹) جمعیۃ علمائے اسلام کے نام سے جو جمعیۃ کلکتہ میں قائم ہوئی ہے اس کے بارے میں جناب والا کی کیا رائے ہے؟ (۱۰) قادیانی کو مسلمان سمجھنے والا اور غیر لیگی مسلمانوں کو اسلام سے خارج کہنے والا شخص کیسا ہے؟

المستفتی مولوی عبدالاحد ناظم جمعیۃ علماء (ڈھاکہ) ۷ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ م ۳ نومبر ۱۹۴۵ء

(جواب ۵۳۵) (۱) یہ بات غلط ہے میں نہ حضرت مدنی سلمہ کا مخالف ہوں نہ جمعیۃ علماء سے الگ ہوا ہوں میں حضرت مدنی سلمہ اور جمعیۃ علما کا ایک ادنیٰ خادم ہوں (۲) ہرگز نہیں -(۳) یہ بات غلط ہے حضرت مدنی اسلام اور مسلمانوں کے خادم ہیں اور ان کی بہتری کے لئے کام کرتے ہیں (۴) یہ بات بھی غلط ہے میری سمجھ میں جو بات آتی ہے وہ مجلس مشورہ میں عرض کر دیتا ہوں مجلس اسے قبول کر لے تو خیر ورنہ میں مجلس کے فیصلے کی پابندی کرتا ہوں (۵) حضرت مدنی کی قیادت شرعی اور موجودہ حالات کی بنا پر مسلمانوں کے لئے واجب الاطاعت ہے مسٹر جناح ایک اچھے بیرسٹر ہیں مگر مذہبی علوم سے ناواقف اور مذہبی اعمال سے کورے ہیں (۶) میں جمعیۃ العلماء کا ایک ادنیٰ خادم ہوں لیگ کی شرکت غیر واقعی اور لوگوں کی اڑائی

ہوئی ہے (۷) کانگریس کی تحریک آزادی ہند تو مسلمانوں کی بھی تحریک ہے اس میں شرکت درحقیقت کانگریس کے تمام مقاصد میں شرکت نہیں ہے پھر یہ ناجائز یا کفر کیسے ہوسکتی ہے (۸) یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں (۹) یہ جمعیۃ علمائے ہند قدیم کو فنا کرنے کے لئے اور مسلم لیگ کو قوت پہنچانے کے لئے قائم کی گئی ہے ورنہ جمعیۃ العلماء تو موجود تھی کوئی دوسری جمعیۃ قائم کرنے کی ضرورت نہ تھی (۱۰) قادیانیوں کو مسلمان سمجھنے والے اور غیر لیگی مسلمانوں کو اسلام سے خارج بتانے والے گمراہ ہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) جو مسلمان اپنی لامذہبیت کا اعلان کردے وہ مسلمانوں کا قائد نہیں ہوسکتا

(۲) جو شخص نائبان رسول کو تکالیف پہنچائے وہ فاسق اور ظالم ہے

(۳) لا تتخذوا الکٰفرین اولیاء من دون المؤمنین کا مفہوم اور مطلب

(۴) کیا ہندوستانی شیعہ کافر ہیں؟

(سوال) (۱) جو مسلم قوم حنفی المذہب کسی ایسے آدمی کو اپنا نمائندہ قائد یا وکیل اسلام تسلیم کریں جس نے اپنی لامذہبیت کا اعلان کردیا ہو اور وہ لیڈر شعائر اسلام کی علی الاعلان توہین قصداً و دانستہ کرتا ہو اس کی پیروی جائز ہے یا نہیں؟ (۲) جو مسلم نائب رسول اور اولاد رسول ﷺ کو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر سب و شتم کرے اور جسمانی تکالیف بھی پہنچائے اور کلمہ حق کے کہنے سے روکے اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ (۳) لا تتخذوا الکٰفرین اولیاء من دون المؤمنین اس آیت کا شان نزول کیا ہے اور کافروں سے کون سے کافر مراد ہیں؟ اور اولیاء سے کیا مراد ہے؟ (۴) ہمارے دیار کے شیعہ لوگ کافر ہیں یا مسلم اور جو ان کے کفر میں شک کرے وہ کیسا ہے؟ (۵) جو عالم دین اپنی عزت و عہدہ کی خاطر کلمہ حق نہ کہے اور دوسروں کو روکے تو ایسے عالم کے لئے کیا حکم ہے؟ المستفتی مولوی محمد زکی (خورجہ ضلع بلند شہر) ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ م ۴ نومبر ۱۹۴۵ء

(جواب ۵۳۶) (۱) جو مسلم اپنی لامذہبیت کا اعلان کردے اور شعائر اسلام کی توہین کرتا ہو وہ مسلمانوں کا قائد نہیں ہوسکتا (۲) جو شخص نائبان رسول ﷺ کو ذاتی مفاد کے لئے تکلیف پہنچائے اور کلمہ حق کہنے سے روکے وہ شریعت کی رو سے سخت فاسق اور ظالم ہے (۳) اس آیت سے یہ مراد ہے کہ کافروں کو اپنا دوست مت بناؤ یعنی کافروں سے دوستی اور محبت کرنا ناجائز اور حرام ہے باقی کسی کافر سے اپنے مفاد کی خاطر معاملہ کرنا وہ اس آیت سے علیحدہ ہے (۴) ہندوستان کے شیعہ مختلف طبقات کے ہیں بعض ان میں کفر کی حد تک نہیں پہنچتے مگر اکثر ایسے عقائد کے پابند ہیں جو کفر تک پہنچا دیتے ہیں (۵) جو عالم اپنی عزت اور آبرو کی خاطر کلمہ حق نہ کہے یہ بات اس کے لئے اچھی نہیں ہے تاہم خطرہ کے وقت سکوت مباح ہے مگر غلط بات کہہ دینی اور باطل کی فرمائش کرنی یہ مباح نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) جو شخص خلفائے راشدین اور قرآن کی گستاخی کرے اور تارک الصلوۃ ہو وہ مسلمان نہیں
(۲) علماء کی بے عزتی اور ان پر قاتلانہ حملوں کو یزید کے افعال سے تشبیہ دینا
(۳) مہاتما گاندھی سے متعلق ایک سوال

(سوال) (۱) جو شخص مذہباً خلفائے راشدین پر تبرا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہو اور قرآن شریف کو حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عمر فاروق کی بک کہتا ہو علاوہ ازیں وہ دائم الخمر اور تارک الصلوۃ ہو قرآن شریف کو پرانی کتاب کہتا ہو شریعت سے دور کا بھی واسطہ نہ رکھتا ہو وہ مسلمانان اہل سنت والجماعت کا قائد ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

حافظ بشیر احمد مولوی فاضل انبہٹوی نے فخریہ بیان کیا کہ جب قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کا جلوس کوئٹہ میں نکلا بے اندازہ مسلمانوں کا ہجوم تھا اور ایسے خلوص و عقیدت سے استقبال کر رہے تھے گویا سجدے میں گر رہے تھے جو کوٹھی قائد اعظم کے لئے سجائی گئی تھی اس میں ایک بلندی پر قرآن شریف بھی رکھا گیا تھا جب جناح صاحب میز کے قریب پہنچے تو بید کے اشارے سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے منتظمان نے کہا کہ قرآن شریف ہے جناح صاحب نے فرمایا کہ اس کا یہاں کیا کام چنانچہ اٹھالیا گیا پھر جب جناح صاحب مع ہمشیرہ کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو شراب نہیں تھی جناح صاحب کے ارشاد پر بازار سے بڑھیا شراب کی دو بوتلیں منگوائی گئیں جناح صاحب نے مع ہمشیرہ خود نوش فرمائی بعدہ ریاست قلات میں خان صاحب قلات نے دعوت کی وہاں پر بھی جناح صاحب نے ایسا ہی کیا اور ریاست کے توشہ خانے سے ایک چینی بوتلہائے شراب کی ساتھ لائے اس بارے میں مولوی سید نظیر حسین ساکن سہارنپور حال پرشین ٹیچر اسلامیہ ہائی اسکول کوئٹہ بلوچستان اور خان بہادر مولوی ڈپٹی منیر الدین صاحب سابق پرسنل اسسٹنٹ جناب گورنر بہادر کوئٹہ جو ریاست قلات میں وزیر بھی رہ چکے ہیں ہر دو حضرات سے دریافت کرنے پر تصدیق ہوئی یہ دونوں حضرات بھی کانگریس کے موافق نہیں ہیں۔

(۲) ایسی مسلم جماعت کو جو علمائے دین کی بے عزتی کریں ان پر قاتلانہ حملے کریں لشکر یزید سے تشبیہ دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) مہاتما گاندھی باوجود ہندو ہونے کے قرآن شریف کی عزت کرتا ہے اور الہامی کتاب مان کر اسے لکھتا پڑھتا بھی ہے اور گرفتاری میں اپنے ساتھ جیل میں بھی قرآن شریف لے گیا بحالات موجودہ مسٹر محمد علی جناح اور مہاتما گاندھی میں کیا فرق ہے ؟ **المستفتی** پیر ظہور احمد صاحب ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس دہلی ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ م ۴ نومبر ۱۹۴۵ء

(جواب ۵۳۷) (۱) مجھے مسٹر جناح کے عقائد کا ذاتی طور پر علم نہیں اس لئے ان کے متعلق کوئی حکم دینا مشکل ہے مگر جو لوگ حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروقؓ کی شان میں گستاخی کریں اور دائم الخمر اور تارک الصلوۃ ہوں اور قرآن مجید کو پرانی کتاب بتا کر اس پر عمل کرنے کو ناجائز بتائیں اور دعوتوں میں شراب

طلب کریں اور اسے نوش فرمائیں وہ مسلمانوں کے نزدیک مسلمان نہیں قرآن مجید خدا کی کتاب اور اسلام کا دائمی قانون ہے جس پر ایمان لانا اور عمل کرنا اسلام کا مقدس ترین فرض ہے اس کو مسلمان کے لئے مشعل ہدایت سمجھنا اور اس کی توقیر و تعظیم کرنا مسلمانوں کا اولین فرض ہے۔

مسلمانوں کی دینی قیادت کے لئے متشرع اور دینی تعلیمات کا ماہر مسلمان ضروری ہے اور ان کی قانونی و آئینی قیادت کے لئے بھی متشرع اور باوضع مسلمان بہتر ہے۔

(۲) مسلمان جو علماء کی بے عزتی کریں اور ان پر قاتلانہ حملے کریں اور دین کی عزت و توقیر کو خراب کریں فاسق و بے دین ہیں ایسے لوگوں کے افعال کو یزید کے افعال سے تشبیہ دینا صحیح ہے مگر پھر بھی یہ طریقہ اختیار کرنا بہتر نہیں ہے۔

(۳) مہاتما گاندھی جب تک اسلام قبول نہ کریں اس وقت تک دینی حیثیت سے وہ مسلمانوں کے نزدیک غیر مسلم ہی ہیں اخلاقی طور پر غیر مسلم ایک بد اخلاق مسلمان سے افضل اور بہتر ہو سکتا ہے مگر دینی حیثیت سے مسلم بہر حال غیر مسلم سے افضل ہے مگر یہ فضیلت قیادت کی ترجیح کے لئے کافی نہیں قیادت کے شرائط اور اوصاف بجائے خود اہم ہیں اور ان کے لحاظ سے جو اعلیٰ اور افضل ہو وہ قیادت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ‘ دہلی

(۱) مسٹر محمد علی جناح شیعہ ہیں

(۲) پہلے مسلمان بعد میں ہندوستانی

(۳) مسٹر محمد علی جناح انگریزی سیاست کے ماہر ہیں۔

(سوال) (۱) مسٹر محمد علی جناح فرقہ شیعہ سے ہیں وہ مسلمان ہیں یا نہیں ؟ (۲) مسٹر محمد علی جناح مسلمان ہوتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق اسلامی کی اچھی طرح حفاظت کر سکتے ہیں بحیثیت مسلمان کے یا مسٹر گاندھی یا صدر کانگریس جن کی مجاریٹی کانگریس ورکنگ کمیٹی میں ہے (۳) مسٹر جناح یا کوئی اور مسلمان یہ کہے کہ وہ پہلے مسلمان ہے بعد میں ہندوستانی یہ صحیح ہے یا یہ کہ پہلے ہندوستانی بعد میں مسلمان (۴) مسٹر محمد علی جناح سیاسیات ہند اور قانون ہند کے ماہر ہیں یا نہیں ؟ المستفتی محمد تاج الدین عاجز (لودھیانہ) مورخہ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ م ۵ نومبر ۱۹۴۵ء

(جواب ۵۳۸) (۱) مسٹر محمد علی جناح کے ذاتی خیالات اور عقائد تو مجھے معلوم نہیں مگر وہ فرقہ شیعہ سے ہیں اور شیعوں کے عقائد مختلف ہیں بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ وہ گمراہ اور خطاکار ہونے کے باوجود مسلمان کہے جا سکتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ ان کو مسلمان نہیں کہا جا سکتا مثلاً حضرت علیؓ کی الوہیت یا نبوت کے قائل یا قرآن مجید کو صحیح اور کامل نہ ماننے والے وغیرہ ہم کہ یہ مسلمان نہیں ہیں اگرچہ اسلامی گمراہ فرقوں میں شامل ہیں (۲) مسٹر محمد علی جناح چونکہ اسلامی حقوق سے واقف نہیں نیز بعض اسلامی اصولوں

کو وہ غلط اور مہمل قرار دیتے ہیں جیسے اسمبلی میں کئی مسودہ ہائے قانون میں یہ بات ظاہر ہو چکی ہے اس لئے ان کو حقوق اسلامی کا محافظ سمجھنا غلط ہے مسٹر گاندھی یا کوئی دوسرا غیر مسلم بھی مسلمانوں کے مذہبی حقوق کا محافظ قرار نہیں دیا جا سکتا مسلمان اپنے حقوق کی حفاظت خود کر سکتے ہیں اور کرنے کے ذمہ دار ہیں کانگریس اگرچہ ایک جماعت ہے جو اپنے شرکاء کے مذہبی حقوق کی رعایت اور حفاظت کی ذمہ دار ہے تاہم حفاظت کرنا اور حقوق کی نگرانی کرنا یہ مسلمانوں کا بھی کام ہے اور انہیں کا فرض ہے (۳) مسلمان پہلے مسلمان ہے بعد میں ہندوستانی یا عربی یا ایرانی - یعنی مسلمان پر اپنے مذہب کا خیال دوسرے تمام صحیح اور جائز خیالات سے مقدم رکھنا لازم ہے (۴) مسٹر محمد علی جناح انگریزی قانون اور انگریزی سیاست کے ماہر ہیں کیونکہ ان کو انہیں سے سابقہ پڑا ہے اور ان کا انہوں نے مطالعہ کیا ہے اسلامی قانون اور اسلامی سیاست ان سے مختلف ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

(۱) مسٹر جناح ایک شیعہ قبیلے کے آدمی ہیں
(۲) جمعیۃ علماء ہند کا ساتھ دینا چاہئیے
(۳) کانگریس کے ساتھ مل کر کام کرنا

(سوال) (۱) مسٹر محمد علی جناح صدر مسلم لیگ مسلمان ہیں یا نہیں اور مسلمانوں کو ان کی قیادت میں رہ کر اپنے حقوق کی حفاظت کرنی چاہئیے یا نہیں؟ (۲) آج کل سیاست کا جو خلفشار مچا ہوا ہے جمعیۃ علماء اور احرار اور کانگریس خاکسار جماعتیں جو کانگریس کی معاون ہیں کہتی ہیں کہ ہماری طرف آؤ اور مسلم لیگ کہتی ہے کہ ہماری طرف آؤ ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئیے اور کس جماعت کا ساتھ دینا چاہئیے (۳) قرآنی آیتوں سے استدلال کر کے مختلف اسلامی اخباروں میں جو یہ کہا جا رہا ہے کہ کافروں کا ساتھ مت دو ان کو دوست مت بناؤ اس صورت میں موجودہ اہل ہنود کے ساتھ رہ کر اسلام کی حفاظت کرنا ضروری ہے یا مسلم لیگ کے ساتھ رہ کر مسلمانوں کی حفاظت ہو سکتی ہے پس ان دونوں جماعتوں میں کون سی جماعت کو رائے دینی چاہئیے (۴) مسلم لیگ کی طرف سے جو مسلم امیدوار کھڑے کئے جاتے ہیں جن کی صورت و لباس وضع قطع پر اور انگریزی تعلیم یافتہ ہونے پر جمعیۃ علماء کی طرف سے اعتراض کیا جا رہا ہے کہ ان کو رائے مت دو کہ وہ پاکستان کے حامی اور کانگریس کے خلاف ہیں دوسرے امیدوار مسلمان جو جمعیۃ علماء کھڑے کر رہی ہے وہ بھی داڑھی منڈے یا نیم داڑھی والے انگریزی داں وکیل بیرسٹر مثل مسلم لیگی امیدوار کے جو وضع قطع لباس و صورت و تعلیم میں ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں ان میں نہ کوئی عالم ہے نہ کسی اسلامی ادارے کی سند رکھتا ہے اس قدر ضرور ہے کہ مسلم لیگ و پاکستان کا مخالف ہے مگر کانگریس و ہنود کا حامی ہے اور ہنود کے روپے اور امداد پر کھڑا ہوا ہے تو فرمائیے ان دونوں امیدواروں میں سے کس کو ووٹ دینا چاہئیے -
المستفتی محمد شریف سب انسپکٹر پولیس (میرٹھ) ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ م ۶ نومبر ۱۹۴۵ء

(جواب ۵۳۹) (۱) مسٹر جناح ایک شیعہ قبیلے کے آدمی ہیں شیعوں کے بعض فرقے تو اسلام میں داخل سمجھے جاتے ہیں مگر گمراہ قرار دیئے جاتے ہیں اور بعض فرقے اسلام سے خارج ہیں وہ صرف مسلمانوں کے فرقوں میں داخل ہونے کی وجہ سے مسلمان سمجھے جاتے ہیں ورنہ حقیقتہً مسلمانوں کے نزدیک ان کا اسلام معتبر نہیں مسٹر جناح کے حقیقی عقائد ہمیں معلوم نہیں اس لئے ان کے متعلق صحیح مذہبی حکم ہم نہیں دے سکتے کہ وہ ان دونوں میں سے کس میں داخل ہیں (۲) آپ کو جمعیۃ علمائے ہند کا ساتھ دینا چاہئیے۔ (۳) کافروں کا ساتھ دینا تو جب ہو کہ ان کے کفر میں انکی موافقت کی جائے مسلمان تو ہندوستان میں اپنی آزادی اور اپنے مذہب کی برتری چاہتے ہیں اور مخالفین (یعنی انگریزوں) سے وطن کو آزاد کرانا پسند کرتے ہیں اس میں کانگریس ان کی ہم خیال ہے اس لئے وہ کانگریس کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں (۴) جمعیۃ العلماء حتی الامکان متشرع آدمیوں کو چنے گی اور جہاں متشرع آدمی نہ مل سکیں گے وہاں ایسے غیر متشرع کو منظور کرے گی جو اصول سے متفق ہو اور جمعیۃ کے مقصد کے موافق کام کرنے کا وعدہ کرے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

(۱) محمد علی جناح اور سر آغاخان کی قیادت تسلیم کرنا
(۲) محمد علی جناح علی برادران اور سر آغاخان کی قیادت تسلیم کرنا
(۳) مشرکین کے ساتھ جہاد آزادی میں اشتراک عمل

(سوال) (۱) طبقہ انگریزی خواں مثلاً محمد علی جناح یا سر آغاخاں جو صورۃً اور سیرۃً غیر مذہبی ہیں مذہب اسلام اور اہل سنت اور اہل مذہب سے مستغنی ہیں نہ ان کی زندگی مذہبی ہے نہ ان بیچاروں نے مذہبی ہونے یا مذہبی قیادت کا دعویٰ کیا ہے مگر وہ بیرسٹر ہیں سیاست اور قانون کے ماہر ہیں اور سیاسی قیادت کے مدعی اور خواہش مند ہیں پھر سیاست بھی اس قسم کی جو یورپین اقوام کی ہے اسلامی سیاست سے نہ وہ واقف ہیں نہ مدعی مگر کلمہ گو ہیں اور مسلمان ہونے کے مدعی ہیں کیا ایسے اشخاص مسلمانوں کے سیاسی امام ہو سکتے ہیں اور ان کی زیر قیادت باوجود نصب العین جہاد آزادی اور لائحہ عمل کے اختلاف کے قومی اور ملکی خدمات انجام دینے کے لئے جہاد آزادی میں اشتراک عمل جائز ہے یا نہیں اگر ناجائز اور معصیت ہے تو اس کے مرتکب پر کیا حکم صادر ہوگا۔ مطلق قیادت یا مقید قیادت میں حکم یکساں رہے گا یا مختلف؟

(۲) وہ لوگ جو آزادی ہند کی تحریکات میں اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ میدان عمل میں کود پڑے تھے اور تحریک خلافت میں علی برادران یا مسلم کانفرنس میں سر آغاخان کی زیر قیادت شریک ہوگئے تھے یا محمد علی جناح کے صورۃً و سیرۃً غیر مذہبی ہونے کے باوجود انکے زیر قیادت قومی اور ملکی خدمات سر انجام دینے کے لئے تیار ہو گئے تھے ان کا فعل شرعاً کیسا تھا؟

(۳) غیر مسلم کی قیادت میں ان کے ساتھ جہاد آزادی جب کہ حکم شرک غالب ہو گیا ہے اگر اس کے

خلاف ہو تو کیسا ہے ؟ اور مشرکین کو قوت دینا یا قوت کا سبب بنا جب کہ حکم شرک غالب ہو اور ایک گروہ مشرکین کو مغلوب کرنے کے لئے دوسرے گروہ مشرکین کے ساتھ اشتراک عمل جہاد آزادی میں کرنا جب حکم شرک غالب ہو مسلمانوں کے لئے اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟ **المستفتی** نصیر احمد (آگرہ) ۳ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ م ۶ نومبر ۱۹۴۵ء

(**جواب ۵٤۰**) (۱) یہ صحیح ہے کہ انگریزی تعلیم یافتہ اور یورپین تہذیب کے دلدادہ لوگ جن کی وضع اور معاشرت بھی غیر اسلامی ہے اور جن سے مذہبی عقائد اور حقوق کی محافظت کی امید نہیں بلکہ موجودہ حالت میں بھی وہ لیجسلیٹو اسمبلی میں مسودہائے قانون کو خلاف شریعت کر دینے کے ذمہ دار ہیں نیز موجودہ حالات میں جو لوگ ان کی جدوجہد آزادی پر مطمئن نہیں ہیں اور ان کی طرف سے دل میں شبہات ہیں اور شبہات کے قرائن بھی موجود ہیں وہ اگر ان کے ساتھ اشتراک عمل نہ کریں تو ان کا یہ فعل صحیح ہے البتہ جو لوگ ان کو مخلص اور قومی فداکار سمجھتے ہیں وہ ان کے ساتھ کام کرنے میں معذور ہیں (۲) علی برادران یا محمد علی جناح یا سر آغاخان کے ساتھ کام کرنے والے جب تک ان کو مخلص سمجھتے تھے اور ان کے کاموں کو غلط نہیں جانتے تھے اس وقت تک وہ ان کے ساتھ کام کرتے رہے اور جس وقت سے یہ خیال ثابت ہو گیا کہ مسٹر جناح کا راستہ صحیح راستہ نہیں ان کے اندر وطن کے لئے قربانی دینے کی امید نہیں اس وقت سے جو لوگ انکے ساتھ اشتراک عمل نہیں کرتے ان کا خیال صحیح ہے۔

(۳) جب مسلمان کا اپنا خیال صحیح ہو اور تقویت دین کی سعی کر رہا ہو اس وقت اگر مجبوری مشرکین کے ساتھ بھی اشتراک عمل کر لے تاکہ شرک و کفر کی قوت قسلطہ کو مٹا دے یا کم کر دے تو یہ مباح ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کانگریس کی تائید صحیح ہے اور مسلم لیگ کی نہیں

(**سوال**) (۱) موجودہ حالات میں جب کہ کانگریس میں تنگ نظر متعصب مسلم کش ہندو کا اقتدار ہے مسلمانوں کو اس میں شریک ہو کر اس کی تائید و حمایت کرنی چاہئیے یا نہیں ؟ (۲) بصورت موجودہ جب کہ آل انڈیا مسلم لیگ میں مسلمانوں کی اکثریت شریک ہے اور مسلم لیگ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کے لئے کام کر رہی ہے اس جماعت کی تائید و حمایت کرنی چاہئیے یا نہیں ؟

المستفتی قاضی حافظ الدین احمد (ضلع بلند شہر)

(**جواب ۵٤۱**) ہندوستان میں ہندوؤں کی آبادی کی کثرت ایک بدیہی غیر اختیاری چیز ہے اس میں کسی کا اختیار نہیں ہے کانگریس کے اصول میں موقع ہے کہ اس کو انصاف کے موافق کرایا جائے غیر ملکی فرماں رواؤں سے اس کی امید نہیں ہے کہ ہندوستان کے فوائد کو مد نظر رکھیں انہیں تو اپنا فائدہ مد نظر ہے اور ہمیشہ رہے گا ہندوستانی مسلمانوں کے لئے تو یہی بہتر ہے کہ وہ ہندوستان کو آزاد کرا کے آپس میں سمجھوتہ کر کے رہیں اس لئے جمعیۃ العلماء کانگریس کے ساتھ مل کر ووٹ دینے کو پسند کرتی ہے لیگ نے نہ آج

تک کوئی کام کیا نہ آئندہ امید ہے کہ وہ سرکار سے ٹکرا کر کوئی کام کرے گی اس لئے اس کی تائید کرنی جمعیتہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) ووٹ کس کو دینا چاہئیے ؟
(۲) مسلم لیگ کو ووٹ دینے سے مسلمانوں کو نقصان ہو گا
(۳) مسلم لیگ کے حق میں حضرت مفتی صاحب کا کوئی فتویٰ نہیں

(سوال) (۱) ووٹ کس کو دینا چاہئیے مسلم لیگ کو یا حسین احمدؒ صاحب مدنی کو ؟(۲) ووٹ اگر مسلم لیگ کو دیا جائے تو ایمان مذہب اور براداران اسلام کو کوئی نقصان تو نہیں ہے ؟(۳) آپ کے چند فتوے لیگ کے موافق اور چند جمعیتہ علماء کے موافق ہیں - آیا کون سا فتویٰ ٹھیک ہے(۴) اگر ووٹ حسین احمد صاحب مدنی کو دیا جائے تو کوئی مذہبی یا قومی نقصان تو نہیں ہے ؟(۵) آپ کون سی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے خیال و مقاصد کیا ہیں ؟ المستفتی احسان اللہ ٹھیکیدار (ضلع میرٹھ) ۱۰ نومبر ۱۹۴۵ء

(جواب ۵۴۲) (۱) مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے فرمان کے موافق ووٹ دیجئے -(۲) مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا(۳) لیگ کے موافق کونسا فتویٰ ہے ؟(۴) مسلمانوں کا اس میں انشاء اللہ فائدہ ہو گا کہ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے ارشاد کے موافق ووٹ دیا جائے -(۵) میں جمعیتہ علمائے ہند میں شامل اور علماء کا ایک ادنیٰ خادم ہوں- محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مسلمانوں کو جمعیتہ العلماء ہند کی امداد کرنی چاہئیے

(سوال) (۱) کیا مسٹر محمد علی جناح باوجود شیعہ ہونے کے مسلمان ہیں ؟(۲) اس وقت مسلمان عجب کشمکش میں مبتلا ہیں کہ مسلم لیگ کی معاونت کریں یا جمعیتہ علماء کی ؟ آپ کے نزدیک کون حق پر ہے ؟(۳) کیا شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مد ظلہ العالی جن کے علم اور تقویٰ کو تمام ہندوستان تسلیم کئے ہوئے ہے حق پر نہیں ہیں ؟(۴) کیا مسلمان چندہ صدقات خیرات زکوۃ چرم قربانی سے مسلم لیگ کی یا جمعیتہ علماء کی امداد کر سکتے ہیں ؟ دونوں میں سے کس کی امداد بہتر ہے(۵) کیا آپ کی طرف سے جو فتاویٰ مسلم لیگی اخبارات میں مسلم لیگ کی حمایت میں شائع ہو رہے ہیں وہ صحیح ہیں ؟ المستفتی ارتضٰی حسن خورجہ ضلع بلند شہر ۷ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ م ۱۳ نومبر ۱۹۴۵ء

(جواب ۵۴۳) جمعیتہ علمائے ہند میرے نزدیک صحیح کام کر رہی ہے اس کے موافق عمل کرنا چاہئیے حضرت مولانا حسین صاحب مد ظلہ اسلام کے جاں نثار اور مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع ہیں مسلمانوں کو جمعیتہ العلماء کی امداد کرنی چاہئیے اخبارات میں آج کل فتاویٰ بکثرت شائع ہو رہے ہیں بعض صحیح ہیں مگر انتخاب سے غیر متعلق ہیں اور بعض غلط یا فرضی ہیں- محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کانگریس مشترکہ جماعت ہے اس میں سب ہندوستانیوں کی شرکت جائز اور بہتر ہے

(سوال) اخبار زمزم مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ میں کانگریس کا ممبر ہوں، فیس ممبری دیتا ہوں جلسوں میں شریک ہوتا ہوں اور میری خواہش اور تمنا ہے کہ تمام مسلمان کانگریس میں داخل ہو جائیں تو جناب سے دریافت ہے کہ جناب بھی مثل حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے ممبر کانگریس ہیں ؟ اور جمعیۃ علماء کے سب یا اکثر لوگ کانگریس کے ممبر ہیں یا نہیں ؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ ہم لوگ بھی بادائیگی فیس ممبر بن جائیں یا نہیں ؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ کانگریس میں شریک ہو کر کثرت رائے کی حمایت کرنا یا کثرت رائے کی تعمیل مسلمان کے لئے جائز ہے ؟ یا نہیں ؟ المستفتی حکیم محمد نصیر الدین محمد آباد ضلع اعظم گڑھ ۵ ا ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ م ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء

(جواب ۵۴۴) میں کانگریس کا ممبر نہیں ہوں مگر مسلمانوں کے لئے کانگریس کی شرکت اور ممبری جائز سمجھتا ہوں بہت سے جمعیۃ العلماء کے لوگ اس کے ممبر ہیں مولانا سید حسین احمد صاحب بھی کانگریس کے ممبر ہیں جو مسلمان کانگریس میں شریک ہو کر ممبر بن جائیں ان کے لئے یہ جائز اور بہتر ہے کانگریس ہندوستانیوں کی ایک مشترک قومی جماعت ہے اس میں سب ہندوستانیوں کو شریک ہونا جائز ہے اور کام کرنا مفید ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

(۱) کانگریس ایک سیاسی جماعت ہے
(۲) حضرت مفتی صاحب کا جمعیۃ العلماء سے تعلق
(۳) مسلم لیگ آزادی ہند کے لئے ایک زبردست رکاوٹ ہے

(سوال) (۱) جمعیۃ علما کیا چیز ہے اور اس میں شریک ہو کر کیا فائدہ ہے نیز جناب والا کون سی جماعت میں شریک ہیں اور ہمیں کون سی جماعت میں شریک ہونا چاہئیے ؟ (۲) کانگریس کیا چیز ہے یعنی کانگریس کا کیا مطلب ہے اور کانگریس میں کیا فائدہ اور کیا نقصان ہے نیز حضور والا اس میں شریک ہیں یا نہیں ؟ (۳) مسلم لیگ کی تعریف سمجھائیں مسلم عوام اس کو اچھا سمجھتے ہیں (۴) مسلم لیگ میں کیا نقصان ہے کہ جمعیۃ علماء اس کو اچھا نہیں سمجھتی اور حضور والا اس جماعت میں شریک ہیں یا نہیں ؟ المستفتی مظہر علی خاں (ضلع میرٹھ) ۷ ا ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

(جواب ۵۴۵) (۱) میں جمعیۃ العلماء میں شریک اور اس کا خادم ہوں اور آپ بھی اس میں شریک ہو جائیں (۲) کانگریس سیاسی جماعت ہے جو ہندوستان کی آزادی کے لئے کام کر رہی ہے ہر ہندوستانی خواہ مسلمان ہو یا ہندو یا سکھ اس کا ممبر ہو سکتا ہے (۳) مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے مگر اس کا نظام امیروں اور نوابوں کے قبضے میں ہے اور اس کا صدر آج کل شیعہ مذہب کا ہے مسلمان صرف نام سے دھوکا کھا کر اس کو اپنی ہمدرد جماعت سمجھ لیتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہندوستان کی آزادی کے لئے ایک زبردست رکاوٹ ہے (۴) میں

مسلم لیگ میں شریک نہیں ہوں جمعیۃ علماء کا خادم ہوں جمعیۃ علماء کانگریس کے ساتھ ہندوستان کی آزادی کے لئے کام کر رہی ہے مسلمانوں کو جمعیۃ علماء کا ساتھ دینا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) جمعیۃ العلماء ہند اور جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ میں سے جمعیۃ علماء ہند کی متابعت کرنی چاہئے
(۲) ہندوستان سے مسلم اور غیر مسلم مل کر ہی انگریز کو نکال سکتے ہیں

(سوال) (۱) جمعیۃ علمائے ہند جس کے صدر مولانا حسین احمد صاحب مدنی ہیں اور جمعیۃ علمائے اسلام ہند جس کا اجلاس پچھلے ماہ کلکتہ میں ہو چکا ہے کیا ان دونوں کی تشکیل شرعی نقطہ نگاہ سے احادیث نبوی متعلقہ مسئلہ امارت و جماعت کی روشنی میں ہوئی ہے ؟ (۲) مسلمانان ہند کو موجودہ سیاسی انقلاب کی انتخابی جدوجہد میں مذکورہ بالا کونسی جمعیۃ کی متابعت کرنی چاہئے اول الذکر کی یا آخر الذکر کی ؟ (۳) الف - الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ (سورہ نساء) (ب) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا (آل عمران) (ج) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ (نساء) (د) يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ - هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (الآیۃ) کیا مذکورہ آیات کی روشنی میں مسلمانان ہند کسی غیر مسلم قوم یا اقوام سے سیاسی دوستی یا ان پر بھروسہ و اعتماد کر سکتے ہیں یا نہیں ؟
المستفتی صوبیدار میجر سردار محمد خان (ضلع گوڑ گانوہ) ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

(جواب ٥٤٦) (۱) جمعیۃ علمائے ہند جس کے صدر حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی ہیں اصل جمعیۃ علماء ہے اور وہ ہندوستان کی آزادی کے لئے مدت سے جدوجہد کر رہی ہے اس کے افعال تمام ہندوستان کے لوگوں کے پیش نظر ہیں میں بھی اس کا ایک خادم ہوں جمعیۃ علمائے اسلام جو کلکتہ میں منعقد ہوئی ہے وہ غیر علماء کی کوشش سے جمعیۃ علمائے ہند کے خلاف اور مقابلے پر بنائی گئی ہے اس کا مقصد لیگ کو تقویت پہنچانا اور جمعیۃ علمائے ہند کی آواز کو کمزور کرنا ہے مسلمانوں کو دھوکو دیکر انگریزوں کی مدد کرانا ہے (۲) جمعیۃ علمائے ہند دہلی کی متابعت اور اس کے کام کو مضبوط کرنا اور اس میں شریک ہونا چاہئے (۳) مسلمانوں کو اپنی مذہبی مفاد کی خاطر کام کرنا چاہئے کسی کافر کی امداد کے لئے نہیں مگر ہندوستان کی سیاست اس قسم کی ہو گئی ہے کہ جب تک مسلم اور غیر مسلم مل کر کام نہ کریں اس کا حل مشکل ہے صرف مسلم جماعت انگریزوں کو نہیں ہٹا سکتی اور صرف غیر مسلم جماعت بھی ان کو بے دخل نہیں کر سکتی مسلم و غیر مسلم مل کر ہی ان کو مجبور کریں تو امید بندھتی ہے کہ کامیاب ہوں اور انگریزوں کی قوت کم ہونے میں مسلم جماعتوں اور درمیانی مسلم حکومتوں کا بڑا فائدہ ہے اس لئے مسلمانوں کو وہ راستہ اختیار کرنا چاہئے جو آزادی کی طرف لے جاتا ہو اس

میں ہندوؤں کا کوئی دباؤ اور ان کی کوئی خیر خواہی نہیں ہے مسلم مفاد اور اس کا جلد حاصل ہونا پیش نظر ہے۔
واللہ علی ما نقول شہید۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) فاسق و فاجر کو قائد اعظم کا خطاب دینا جائز نہیں
(۲) جو قرآنی آیت کو جنجال اور انصاف کے خلاف کہے وہ مسلمانوں کا قائد نہیں ہو سکتا

(سوال) (۱) قائد اعظم کے کیا معنی ہیں؟ کیا یہ لفظ فاروق اعظمؓ غوث اعظمؒ اور امام اعظمؒ کے مترادف ہے کیا پیغمبر خدا ﷺ کے سوا کسی کو قائد اعظم کہہ سکتے ہیں؟ (۲) کیا وہ شخص جو قرآنی احکام کو جنجال اور انصاف کے خلاف کہے یا ان احکام قرآنی کے خلاف قوانین پاس کرانا انصاف پر مبنی قرار دے اور پھر اس سے تائب نہ ہو مسلمانوں کا قائد ہو سکتا ہے؟ اور کیا اس کی اتباع مسلمانوں کے لئے جائز ہے (۳) اس امام کے پیچھے جو متبع شرع ہو مگر سیاسیات میں جمعیۃ علمائے ہند کے ساتھ ہو یا بالفاظ دیگر مسلم لیگ کے ساتھ نہ ہو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۴) مذہبی حدود میں رہ کر آزادی ملک کے لئے غیر مسلموں سے اشتراک عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہو تو حضرت شیخ الہند اور مولانا عبدالباری اور مولانا نثار احمد صاحب و دیگر علماء کا اشتراک عمل کیسا تھا؟ اور ایسا اشتراک عمل کرنے والے علماء کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو اپنی نمازوں کا اعادہ کرنا چاہئیے اور اگر جواب اثبات میں ہے تو اس امام کے خلاف شر پھیلانے والوں کے متعلق کیا حکم ہے جو مذہبی حدود میں رہ کر آزادی ملک کے لئے غیر مسلموں سے اشتراک عمل کرتا ہے؟ (۵) سواد اعظم سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے متبع شریعت لوگ مراد ہیں یا عوام؟ المستفتی سید محمد کاظم ترمذی (جھانسی)

(جواب ۵٤۷) (۱) قائد اعظم کے معنی ہیں بڑا رہنما یہ لفظ رسول اللہ ﷺ کیلئے تو حقیقی معنی میں استعمال ہوتا ہے اور مجازاً کسی دوسرے حقیقی رہنما کو قائد اعظم کہا جائے تو منع نہیں لیکن غیر متبع شریعت فاسق فاجر کو یہ خطاب دینا ناجائز ہے (۲) ایسا شخص ہرگز مسلمانوں کا رہنما نہیں ہو سکتا جو قرآنی احکام کو انصاف کے خلاف اور جنجال بتائے اور اسلام کے خلاف قوانین پاس کرائے (۳) جو امام متبع شریعت ہو سیاست میں جمعیۃ علماء کے ساتھ ہو وہ سچا امام ہے اس کی امامت بلاشبہ جائز ہے بلکہ وہ دوسرے اماموں سے اولیٰ و افضل ہے (۴) مذہبی حدود میں رہ کر وقتی ضرورت سے غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل سیاست میں جائز ہے تمام مسلمان ایسا کر چکے ہیں اور علمانے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور خود بھی شریک تحریک آزادی ہوئے جو لوگ کسی ایسے امام کے خلاف شر پھیلائیں وہ مفسد ہیں (۵) سواد اعظم سے مراد وہ جماعت ہے جس کی دلیل صحیح و قوی ہو زیادہ بھیڑ مراد نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسلمانوں کو کانگریس میں شامل ہو کر آزادی ہند کے لئے کام کرنا جائز ہے

(سوال) (۱) خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید کو ھدی للمتقین فرمایا نیز سورہ نساء میں ارشاد فرمایا بشر المنافقین بان لهم عذابا الیما اس سیاسی بحران میں یہ آیت کس جماعت پر صادق آتی ہے تحریر فرمائیں تاکہ مسلمان ایسی جماعت سے ہوشیار ہو جائیں (۲) وہ جماعت جائز ہے یا نہیں جو مسلمانوں کی الگ قومیت سے انکاری ہے اور کافروں سے غیر مشروط اشتراک سے حکومت حاصل کرنا چاہتی ہے جیسا کہ جمعیتہ علمائے ہند دہلی نیشنلسٹ مسلمان۔ (۳) وہ جماعت جائز ہے یا نہیں جو اپنی الگ قومیت منوانا چاہتی ہے اور اپنی حکومت قواعد اسلامی کے ماتحت بنانا چاہتی ہے جیسا کہ مسلم لیگ کا نصب العین ہے (۴) آیا کافرین سے مسلمانوں کے مفاد کی توقع ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ (۵) وہ عالم جو نودس سال قبل کسی جماعت میں شامل ہونے کے لئے فتویٰ دے چکا ہے اور اب اس کے برعکس فتویٰ دے رہا ہے اس عالم کے اوپر کیا تنقید کی جائے -
المستفتی محمد امین حزیں سمستی پور بہار - ۱۷ محرم ۱۳۶۵ھ

(جواب ۵۴۸) سیاسی معاملات بدلتے رہتے ہیں ان کے موافق فتویٰ بھی بدل جاتا ہے کوئی شخص غیر مسلم کے ساتھ مذہبی شرکت کے جواز کا فتویٰ نہیں دیتا دوسرے معاملات مثلاً تجارت 'زراعت' ملازمت میں مسلمان اور غیر مسلم بیشمار مقامات میں شریک ہیں اگر مسلم لیگ ہندوستان کی آزادی کے لئے کام کرے تو سب مسلمان اس کے ساتھ شریک ہو کر کام کر سکتے ہیں لیکن اگر وہ محض باتیں بنائے اور ہندوستان کی آزادی کے لئے کام نہ کرے تو مسلمانوں کو کانگریس میں شریک ہو کر ہندوستان کی آزادی کے لئے کام کرنا جائز بلکہ بہتر ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

کانگریس میں شرکت سے آزادی ہند کا خیال اقرب الی الفہم ہے

(سوال) حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ نیز ان کے جانشین مولانا ظفر احمد تھانوی اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب مدظلہ نے جو فتاویٰ دربارہ عدم جواز شرکت کانگریس جاری کئے ہیں جو عموماً لیگی اخبارات میں شائع ہوئے ہیں اور ممکن ہے کہ حضرت والا کی نظر سے بھی گزرے ہوں جن کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو کانگریس میں شریک نہیں ہونا چاہئے کیا یہ فتاوی ازروئے قرآن و حدیث درست تسلیم کئے جا سکتے ہیں ؟ کیا اس بات کا شرعاً امکان ہے کہ ان علمائے کرام نے غلط فتویٰ صادر فرمایا ہو ؟ کیا کسی غلط فہمی کی بنا پر علمائے کرام سے غلطی یا خطائے اجتہادی نہیں ہو سکتی ؟ کیا ان علماء کی مذہبی غلطی کا اظہار و اعلان مذہباً جرم قرار پا سکتا ہے ؟ المستفتی محشر حسینی (ضلع بلیا) ۲۰ محرم ۱۳۶۵ھ

(جواب ۵۴۹) یہ فتاوی ان حضرات کی رائے پر مبنی ہیں ان کی رائے میں کانگریس کی شرکت مضر ہے اس لئے وہ یہ فتویٰ دیتے ہیں اور جن علماء کی رائے میں کانگریس کی شرکت مفید ہے وہ کانگریس کی شرکت

ضروری سمجھتے ہیں ان فتووں سے مسلمانوں کو دھوکا نہ کھانا چاہئے کانگریس ایک مشترک جماعت ہے جس میں تمام ہندوستانی شریک ہیں اور اس کی شرکت کو وطن کی آزادی کے لئے مفید سمجھتے ہیں اور یہ خیال اقرب الی الفہم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سیاسی معاملہ میں مرشد کی رائے کے خلاف رائے دینا

(سوال) ایک شخص مولانا تھانویؒ سے بیعت ہے اور ان کی رحلت کے بعد اس نے ان کے ایک خلیفہ مجاز سے تجدید بیعت کر رکھی ہے ایسی صورت میں وہ اس بات کا بھی خواہش مند ہے کہ ان حضرات کے سیاسی عقیدہ کے خلاف کانگریس میں شریک ہو جانے اور کانگریس یا اس کی بعض دیگر ہم خیال و ہم نوا جماعتوں میں سے کسی کے امیدوار کو الیکشن میں ووٹ دے پس کیا ایسا کرنے سے بیعت فسخ ہو جائے گی۔

(جواب ۵۵۰) سیاسی معاملات سے علیحدہ ہے مرشد کے خلاف رائے دینے سے بیعت پر کوئی اثر نہیں پڑتا مگر جب کہ مرشد اس بات سے منع نہ کرے اور ناراض نہ ہو اور اگر وہ منع کرے اور ناراض ہو تو پھر اس کے خلاف کرنا مضر ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

(۱) خدا کے منکر اور ختم نبوت اور ثواب وعذاب کے منکر کو مسلمان سمجھنے والا خارج از اسلام ہے
(۲) سول میرج ایکٹ کے تحت نکاح کرنے والا
(۳) قرآنی احکام کو ترقی کے خلاف سمجھنا گمراہی ہے

(سوال)(۱) کیا جس جماعت میں خدا کے منکر کمیونسٹ ختم نبوت کے منکر مرزائی جنت دوزخ عذاب ثواب اور فرشتوں کے منکر نیچری بحیثیت مسلم شامل ہوں اس جماعت میں شامل ہونا اور اسے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت قرار دینا اور اس جماعت کے نمائندہ کو مسلمانوں کا نمائندہ سمجھ کر انتخاب میں کامیاب ہونے کی کوشش کرنا یا ووٹ دینا شرعاً حلال ہے یا حرام اور یہ تینوں گروہ مسلمان ہیں یا کافر؟ نیز ان تینوں گروہوں کے عقائد باطلہ سے واقف ہونے کے باوجود ان کو مسلمان قرار دینے والوں کا کیا حکم ہے؟(۲) کیا جو شخص سول میرج ایکٹ کو اپنا ذاتی عقیدہ قرار دے جس میں ہر مسلمان مرد اور عورت کا نکاح غیر مسلم عورت مرد سے جائز قرار دیا گیا ہو اور نکاح کے وقت فریقین کو اپنے مذہبی عقائد سے انکار کرنا پڑتا ہے اس شخص کا کیا حکم ہے؟ اور جو لوگ ایسے شخص کے اس قسم کے عقیدے سے واقف ہونے کے باوجود اسے مسلمان قرار دیں ان کا کیا حکم ہے؟(۳) کیا وہ شخص جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہو لیکن ایسے قرآنی احکام کو جو نص قرآنی سے ثابت ہیں جیسے عقد نکاح تقسیم وراثت وغیرہ کو موجودہ دور ترقی میں رکاوٹ سمجھتا ہو اور احکام قرآن کے خلاف جو قانون حکومت نے پاس کئے ہوں ان کی پیروی کی ترغیب دیتا ہو تاکہ مسلمان

مقتضیات زمانہ اور موجودہ ضروریات کا ساتھ دے سکیں۔ مسلمان ہے یا کافر؟ اور ایسے شخص کے اس قسم کے عقائد سے واقف ہونے کے باوجود اسے مسلمان قرار دینے والے کے متعلق کیا حکم ہے؟ (۴) کیا جو شخص قرآن کریم کے صریح احکام کی مخالفت کرنے والوں کو ترقی پذیر اور مبنی بر انصاف قرار دے جیسا کہ مسٹر محمد علی جناح صاحب نے سول میرج ایکٹ کی ترمیم پر تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے ایسا شخص مسلمان ہے یا کافر؟ اور ایسے شخص کے اس قسم کے عقائد سے واقف ہونے کے باوجود اسے مسلمان قرار دینے والوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ (۵) کیا جو شخص کلمہ گو ہونے کے باوجود مندرجہ بالا عقائد رکھتا ہو مسلمان ہے یا کافر؟ اور ایسے شخص کو مسلمان قرار دینے والوں کا کیا حکم ہے؟ **المستفتی** محمد یسین نعت خواں (لودھیانہ) مورخہ ۲۰ محرم ۱۳۶۵ھ

(جواب ۵۵۱) جو شخص خدا کے منکروں ختم نبوت کے منکروں عذاب و ثواب کے منکروں کو مسلمان سمجھے وہ خود بھی اسلام سے خارج ہے (۲) جو شخص سول میرج ایکٹ کے ماتحت نکاح کرے اور اپنے مذہب سے قطعی منکر ہو جائے وہ اسلام سے خارج ہے اور جب تک توبہ کر کے دوبارہ اسلام نہ لائے مسلمان نہیں (۳) قرآنی احکام کو موجودہ دور ترقی کے خلاف اور مانع ترقی سمجھنا صریح گمراہی ہے ایسا شخص اسلام کے خلاف ہے (۴) جو شخص قرآنی احکام کے خلاف کرنے والوں کو ترقی پذیر بتائے اور ان کے افعال کو مبنی بر انصاف سمجھے وہ مسلمان نہیں (۵) ایسا شخص جو مذکورہ بالا عقائد رکھتا ہو صرف نام کا مسلمان ہے ورنہ وہ اسلامی عقائد و احکام کا مخالف اور حقیقی اسلام سے خارج ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مسلم لیگ اور کانگریس کی حکومت میں فرق نہیں

(سوال) آج کل ہندوستان میں دو جماعتیں ہیں مسلم لیگ اور کانگریس۔ مسلم لیگ خالص مسلمانوں کی جماعت ہے اور کانگریس میں سب ہندو ہیں اور چند افراد مسلمان ہیں حکیم الامت مولانا اشرف علی کانگریس کی شرکت کو اپنے فتویٰ میں سخت منع و ناجائز فرماتے ہیں اور اپنے رسالہ نور میں لکھا ہے کہ میں مسلم لیگ کے لئے دعا کرتا ہوں اور مسلمان بھی دعا کریں کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو اور ایک مذہبی روایت لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسلمانوں کو کفار کا مقابلہ کرنا ہوا اور مسلمان کم تھے اس لئے خارجی جماعت میں شامل ہو کر مقابلہ کیا کیا مسلم لیگ خارجی مسلمانوں سے بھی خراب ہے؟ **المستفتی** معز الدین (ضلع رہتک) ۲۷ محرم ۱۳۶۵ھ

(جواب ۵۵۲) کانگریس کی شرکت صرف سیاسی ہے مذہب پر قائم رہتے ہوئے انگریزوں سے حکومت لینے میں کانگریس کی شرکت جائز ہے مسلم لیگ میں بھی بے دین لوگ جیسے قادیانی دہریے اور کمیونسٹ سب شریک ہیں پھر ان کا اصول حکومت بھی وہی ہے جو کانگریس نے بتایا ہے یعنی سب رعایا کی حکومت جس میں بے دین بھی شریک ہوں گے اسلامی حکومت تو وہ بھی نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) ہندوستان کے ہندوؤں سے مسلمانوں کا صنعت و تجارت میں الگ رہنا مشکل ہے
(۲) ہندو اور اہل کتاب دونوں کافر و مشرک ہیں

(سوال) (۱) کفار و مشرکین سے موالات کرنا جائز ہے یا نہیں ؟(۲) ہندو کافر و مشرک ہیں یا اہل کتاب ؟ (۳) مہاتما گاندھی و جواہر لال نہرو (جنہوں نے ڈاکٹر عالم کے مقدمے میں حلف کے وقت کہا تھا مجھ کو ایسا حلف دیا جائے جس میں خدا کا نام نہ آئے اس لئے کہ میں خدا کو نہیں مانتا) مدن موہن مالویہ ' سردار ولبھ بھائی پٹیل و پنڈت گووند بلبھ پنتھ و نریندر دیو اچاریہ و راجگوپال آچاریہ و سرت چندر بوس کافر و مشرک ہیں یا نہیں ؟
المستفتی مولوی محمد عیسیٰ (کانپور) ۲۷ محرم ۱۳۶۵ھ

(جواب ۵۵۳) ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھ تمام محکموں میں تجارت 'صنعت 'زراعت میں مسلمانوں کا علیحدہ رہنا مشکل ہے اس لئے ان لوگوں کے ساتھ اپنے دین کی حفاظت کے ساتھ شرکت مباح ہے ہندو اور اہل کتاب دونوں کافر و مشرک ہیں اور اہل کتاب زیادہ مضر ہیں کیونکہ آج کل مادی طاقتیں زیادہ تر ان کے ہاتھ میں ہے یہ لوگ جن کے نام آپ نے لکھے ہیں سب ہندو قوم کے افراد ہیں اسی طرح انگریزوں میں سے سینکڑوں ہزاروں نام لئے جاتے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی سلطنتوں کو تباہ کیا اور مسلمانوں کی شوکت و قوت مٹائی اور آج بھی مٹا رہے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

مسلم لیگ کی موجودہ پوزیشن اسلام کے لئے مضر ہے

(سوال) جو مسلمان اسلامی عقائد پر قائم اور ارکان اسلام کے پابند ہیں ان کو بعض لوگ مسلم لیگ میں شامل نہ ہونے اور اس کی امداد نہ کرنے کی بنا پر کافر کہہ دیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی مولوی حکیم محمد علی (ضلع رہتک) ۸ صفر ۱۳۶۵ھ

(جواب ۵۵۴) مسلم لیگ ایک سیاسی جماعت ہے اس کی شرکت اور امداد کسی مسلمان پر فرض نہیں جو لوگ اس کو صحیح سمجھیں وہ شریک ہوں اور جو اس کو غلط اور مسلمانوں کے لئے مضر سمجھیں وہ شریک نہ ہوں اس کو اسلامی فریضہ بنا دینا اور شریک نہ ہونے والے کو کافر بتانا جہالت اور حماقت ہے موجودہ پوزیشن اس کی مسلمانوں کی نظر میں اسلامی اصول کے خلاف ہے اس لئے اس کی شرکت بجائے مفید ہونے کے اسلام کے لئے مضر ہے اسلام کا درد رکھنے والے اس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

(جواب دیگر ۵۵۵) (المستفتی مولوی عبدالخالق ضلع بارہ بنکی) موجودہ حالات اور ہندوستان کے واقعات کا تقاضا ہے کہ کانگریس میں شریک ہو کر ہندوستان کی آزادی کی کوشش کی جائے۔ مسٹر محمد علی جناح مسلمان قوم میں تو شامل ہیں مگر فرقہ شیعہ میں سے ہونے اور یورپین تہذیب کے پابند ہونے کی وجہ سے ان کو مسلمان کہنا اور سمجھنا ایک رسمی بات ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(جواب دیگر ٥٥٦) المستفتی مولوی سعید احمد ضلع غازی پور - ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ -
پاکستان کا مطالبہ پورا ہونے والا نہیں ہے اور اگر کسی طرح پورا بھی ہو گیا تو وہ مسلمانوں کے لئے مفید نہ ہو گا
نیز پہلے تو انگریزوں سے ملک کو آزاد کرانا مقدم ہے اس کے بعد مسلم انڈیا اور غیر مسلم انڈیا کا سوال پیدا
ہو گا- محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کلکتہ میں جہاد یا فساد ؟

(سوال) کلکتہ کے فساد کو بعض لوگ جہاد سے تعبیر کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو بھڑ کا کر
اس سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں جناب سے درخواست ہے کہ مذہبی اور اخلاقی نقطہ خیال سے جہاد پر چند
سطور اپنے دست مبارک سے تحریر فرمائیں نیز اس بات پر روشنی ڈالیں کہ بچوں' عورتوں اور بوڑھوں ناتوانوں
کو بے خبری میں تلوار کے گھاٹ اتارنا کسی طرح بھی جائز ہے ؟ المستفتی میر مشتاق احمد دہلی ۲۲ اگست
۱۹۴۶ء

(جواب ٥٥٧) اس فساد کو جہاد بتانے والے کیا یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی ابتدا مسلمانوں نے بہ نیت جہاد
کی تھی ؟ اگر وہ تسلیم کرتے ہوں تو پھر ان مجاہدین کے امیر اور پیشوا پر یہ ذمہ داری عائد ہو گی کہ اس نے
عورتوں بوڑھوں بچوں پر کیوں تعدی کرنے دی کیونکہ جہاد میں عورتوں' بچوں بوڑھوں سے تعرض
نہیں کیا جاتا ہمیں تو ابھی تک فساد کی صحیح نوعیت معلوم نہیں ہو سکی ہاں اس کی شخصی صورت کہ عورتوں'
بوڑھوں بچوں کو قتل کیا جلا دیا یا ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے مکانوں کو جلا دیا یہ شرعی جہاد کی صورت نہیں ہے اسے تو
فساد ہی کہا جا سکتا ہے- محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(۱) تحریک خلافت میں ہر مسلمان کی شرکت لازمی ہے
(۲) تحریک آزادی میں حکام کی سختیوں سے مرنے والا شہید ہے

(سوال) (۱) جو مسلمان شخص خلافت سے خلاف اور ترک موالات سے منکر ہو خصوصاً ایسے وقت میں جب
کہ اسلام ایک غیر مسلم سے حق پر جدو جہد کر رہا ہو اس کے واسطے کیا حکم ہے ؟ (۲) موجودہ تحریک میں جو
شخص حصہ لے کر قید ہو جائے اور حکومت کے مظالم کی وجہ سے چند دن میں ہلاک ہو جائے اس کے واسطے
کیا حکم ہے - ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ

(جواب ٥٥٨) (۱) اس وقت خلافت کی تحریک میں شرکت اور اس کے لئے جدو جہد کرنی تمام مسلمانوں
کے ذمہ لازم ہے کیونکہ دشمنان دین کے ساتھ مقابلہ ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے مٹانے کی کوشش
کر رہے ہیں (۲) موجودہ تحریک میں جو مذہب اور وطن کی آزادی کے لئے ہے جو شخص قید ہو جائے اور حکام
جیل کی سختیوں کی وجہ سے مر جائے وہ شہید ہے- محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرس مدرسہ امینیہ' دہلی
احقر مظہر الدین غفر لہ'

انگریز حکومت کے اسکول میں مسلمان بچوں کو تعلیم دلانا حرام ہے

(سوال) جب کہ جمعیتہ علمائے ہند نے عدم تعاون پر عمل کرنا ضروری قرار دیا ہے تو ایک اسکول میں جس کا سرمایہ بالکل گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہے اور گورنمنٹ ہی کے نمائندے مثل ڈپٹی کمشنر و چیف کمشنر و خان بہادر مجلس منتظمہ کے ممبروں وغیرہ کے اسکول کے چلانے کے ذمہ دار ہیں اور گورنمنٹ کی امداد لینے سے بھی انکاری نہیں ہیں ایسے اسکول میں متذکرہ بالا فیصلے کو مد نظر رکھتے ہوئے مسلمان بچوں کے تعلیم پانے یا تعلیم دلانے کے لئے اسلام کہاں تک اجازت دیتا ہے- المستفتی بشارت اللہ مسلم بقلم خود

(جواب ۵۵۹) دشمنان خدا اور رسول اور دشمنان اسلام اور دشمنان مسلمین سے ترک موالات کرنا ایک مذہبی فریضہ ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں صاف وصریح احکام اور ناقابل تاویل نصوص و تصریحات موجود ہیں دوپہر کے وقت وجود آفتاب سے انکار ممکن لیکن قران و حدیث جاننے والے کو فریضہ ترک موالات سے انکار کرنا ممکن نہیں قرآن پاک میں نہ صرف ایک دو جگہ بلکہ متعدد مواقع میں اس عظیم الشان فرض کا ذکر فرمایا گیا اور اس کے اوپر عمل نہ کرنے والوں کو عذاب اور غضب کبریائی سے ڈرایا گیا ہے ایک جگہ ارشاد ہے - لاَ تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (مجادلہ) یعنی اے پیغمبر تم اس جماعت کو جو خدا تعالیٰ کی مقدس ہستی اور روز جزا پر یقین و ایمان رکھتی ہو دشمنان خدا و رسول سے موالات یعنی دوستی اور نصرت کے تعلقات رکھتے ہوئے نہ پاؤ گے گویا یوں فرمایا گیا کہ حضرت حق اور یوم آخرت پر ایمان اور دشمنان خدا اور مکذبین روز جزا سے موالات ایسی متبائن و متضاد باتیں ہیں کہ ایک دل میں ان کا جمع ہونا ممکن نہیں دوسری جگہ فرمایا-" يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ "(ممتحنہ) یعنی ایمان والو! ہمارے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ یعنی ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات نہ رکھو تیسری جگہ ارشاد ہوتا ہے -"انما ینھٰکم اللّٰہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظالمون" (ممتحنہ) یعنی جو لوگ تم سے مذہبی لڑائی لڑیں اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالیں اور نکالنے والوں کی مدد و معاونت کریں حضرت حق ایسے لوگوں کی موالات سے تم کو منع کرتے ہیں اور جو ان سے موالات کرے گا وہ ظالم ہے-

آج کل جن اعدائے اسلام کے ساتھ ترک موالات کا مسئلہ زیر بحث ہے ان میں یہ تینوں باتیں پورے طور پر موجود ہیں قتال فی الدین اخراج من الدیار اور مظاہرہ علی الاخراج تینوں کام انہوں نے کئے ہیں تو قرآن پاک کے اس صاف وصریح حکم کے بموجب ان اعدائے اسلام سے موالات حرام ہے اور موالات کرنے والے ظالم ہیں اور ظالموں کے لئے دوسری جگہ ارشاد ہے -الا لعنۃ اللّٰہ علی الظالمین- کہ خبردار ہو ظالموں پر خدا کی لعنت ہے اور موالات میں تمام وہ تعلقات شامل ہیں جن سے میل جول اور دوستانہ ربط و اتحاد ظاہر ہوتا ہو یا نصرت و اعانت پائی جاتی ہو پس ایسی گورنمنٹ کی تمام ملازمتیں اور ہر قسم کے تعلقات

نصرت اور گورنمنٹ کو تقویت پہنچانے والے روابط رکھنا حرام ہے محکمہ تعلیم سر تاپا گورنمنٹ کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات پیدا کرنے کا مرکز ہے اس لئے فریضہ ترک موالات میں اس کا مقاطعہ نہایت اہم ہے ۔ واللہ اعلم

انگریزی حکومت کے کونسل میں ممبر بننا جائز نہیں

(سوال) ایک مسلمان شخص جو بیرسٹر ایٹ لا ہیں انہوں نے اپنے آپکو سرکاری کونسل کی ممبری کے لئے نامزد کیا ہے اور وہ اپنا حلفیہ خیال اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ میں حقوق مسلمانان کی نگہداشت کی غرض سے کونسل کا ممبر بننا چاہتا ہوں لہذا علمائے کرام موجودہ زمانے کے حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے (یعنی جس کشمکش میں اہل اسلام مبتلا ہیں) جواب عنایت فرمائیں کہ مسلمان کو کونسل کی ممبری جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ٥٦٠) اس وقت مسلمانوں کی مجالس ملیہ و قومیہ نے گورنمنٹ کے ساتھ ترک موالات کی تجویز پاس کردی ہے یعنی مذہبی جماعت نے مذہبی احکام کے بموجب ایسی گورنمنٹ کے ساتھ اتحاد عمل اور تعاون کو حرام قرار دیا ہے جس نے اپنے صریح وعدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مقامات مقدسہ کو خلیفۃ المسلمین کی سلطنت و سیادت سے نکال کر غیر مسلم اثر واقتدار کے ماتحت کر دیا ہو جس نے اسلامی سلطنت اور خلیفۃ المسلمین کی طاقت کو پارہ پارہ کر کے اقتدار خلافت کو زائل کیا ہو جس نے خلیفۃ المسلمین کے غیر مفتوحہ علاقوں پر محض اپنی مادی طاقت کے دباؤ سے خود قبضہ کیا ہو یا کسی غیر مسلم طاقت کو قبضہ دلایا ہو یا اس کے قبضے کو جائز تسلیم کیا ہو جس نے شرائط صلح میں پریسیڈنٹ امریکہ کے اصول کے خلاف ترکی ممالک اور ترکی کی سلطنت پر غاصبانہ تسلط کر لیا ہو جس نے مستقر خلافت (قسطنطنیہ) پر فوجی قبضہ کر کے اسلامی شوکت کو تباہ و برباد کیا ہو۔

اسی طرح قومی وسیاسی مجلسوں نے خلافت کی اس دردناک حالت اور پنجاب کی دل ہلا دینے والی مصیبت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور کونسلوں میں غیر سرکاری ممبروں کی اکثری خوشامدانہ رفتار کا تجربہ کرتے ہوئے اور حق پرست آزاد خیال ممبروں کی بے دست وپائی اور بایں ہمہ حکومت کے وسیع اختیارات کا لحاظ کرتے ہوئے طے کر لیا ہے کہ ایسی کونسل میں جانا قومی مفاد کے خلاف ہے۔

پس جب کہ قومی و مذہبی جماعتوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے تو اب کسی مسلمان کو کونسل میں جانا جائز نہیں اور جب کہ مسلمان خود ہی اپنے حقوق کی نگہداشت کونسل میں اپنا قائم مقام بھیج کر کرانے پر تیار نہیں یا کونسل میں جانا نگہداشت حقوق کے لئے ان کی رائے میں مفید نہیں تو کسی جانے والے کا یہ عذر کہ میں حفاظت حقوق کے لئے جاتا ہوں اہل مذہب اور افراد قوم کے نزدیک مقبول نہیں ہو سکتا نیز جب کہ کونسل میں اسلامی احکام اور خدا ورسول کی صریح ہدایات کے خلاف قوانین پاس کئے جاتے ہیں تو اس مجلس میں کسی مسلمان کو ان مخالف احکام کے موافق رائے دینا یا سکوت کرنا یا مخالفت کا علم نہ ہو یعنی مذہبی واقفیت پوری حاصل نہ ہو تو شرکت ہی کرنا حرام ہے۔ واللہ اعلم

حضرت مفتی صاحب کا ایک خط

خط از مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب بنام............

مولانا المحترم دامت الطافکم ۔ نوازش نامہ پہنچا۔ رسالہ ترک قربانی گاؤ کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ دیکھا مجھے بھی اس رسالے کے مضامین متعلقہ حضرت مولانا تھانوی کے پڑھنے سے سخت رنج اور قلق ہوا ہے کیونکہ مضمون مذکور میں بہت سی باتیں خلاف واقع اور بہت سی خلاف شان اہل اللہ اور بہت سی دھوکہ دینے والی ہیں اور مجموعی طرز کلام توہین آمیز ہے نہ صرف مجھے بلکہ ساری جماعت کو اس کا رنج ہے اسی رنج کے ساتھ مجھے اس کا بھی بے حد قلق ہے کہ اس تمام کشمکش کی ابتدا رسالہ تحذیر المؤمنین سے ہوئی اور اس میں بلاوجہ مولانا عبدالباری اور خواجہ حسن نظامی کا نام لیکر انکے متعلق لکھا گیا جو لکھا گیا اظہار حق کا مضائقہ نہ تھا لیکن نام لینے اور لکھنے کی اور ذاتیات سے تعرض کرنے کی ضرورت نہ تھی اور مزید بر آں وہ رسالہ خانقاہ امدادیہ سے شائع ہوا جس کے متعلق لوگوں کو یہ علم ہے کہ یہاں کی تمام مطبوعات مولانا کی نظر سے گزرنے اور اجازت کے بعد شائع ہوتی ہیں اسی طرح مجھے اس کا بے حد قلق ہے کہ اسلام کی موجودہ مصیبت ایسی عظیم الشان مصیبت ہے کہ کسی شخص کو خدا کے سامنے خاموشی کا کوئی عذر نہ ہوگا بالخصوص اس حد تک کہ وہ زبان سے تغییر منکر پر قادر ہو پھر بھی جو علما اس وقت تک ساکت ہیں اور ان کی خاموشی اعدائے اسلام کو فائدہ پہنچا رہی ہے اس کا بھی بے حد قلق ہے۔

جناب کا یہ فرمانا کہ دہلی میں کسی نے خواجہ حسن نظامی کی تحریر کا رد لکھایا نہیں نہ لکھا گیا ہو تو میں جواب شائع کروں اس کے متعلق گزارش ہے کہ تھانہ بھون سے انہیں مولوی ظفر احمد نے مختصر سا رد تو رسالہ الامداد بابت ربیع الاول ۱۳۳۹ھ میں لکھ دیا ہے اور آئندہ مفصل رد لکھنے اور شائع کرنے کا اسی رسالہ میں وعدہ کیا گیا ہے رہا یہ کہ میں رد لکھوں تو اس کے جواب میں گزارش ہے کہ میں آج کل اس کام کو دشمنان اسلام کی اعانت سمجھتا ہوں جن کا مقصد یہی ہے کہ کسی طرح ہندوستان کا اتفاق ٹوٹے ہندو مسلمان لڑیں یا مسلمان مسلمان لڑیں ان کی قوت کمزور ہو اور گورنمنٹ کو اپنا الو سیدھا کرنے کا موقع ملے۔

بیشک حضرت حکیم الامتہ کی شان کے خلاف الفاظ استعمال کئے جانے سے مجھے صدمہ ہے لیکن یہ صدمہ ایک مسلمان کے لئے اس صدمے سے کم ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے محترم ذرات زمین کی کفار کے ناپاک بوٹوں اور جوتوں سے توہین ہو اور حرم محترم پر گولے گریں اور غلاف کعبہ جل جائے جدہ کے باب المکہ پر نصاری گولہ باری کریں اور قسطنطنیہ پر انگریزی قبضہ ہو سلطان اسلام شاہ شطرنج بنا کر بٹھا دیئے جائیں فوج سے ہتھیار رکھوا لئے جائیں سمرقند میں ہزاروں مسلمان خواتین کی عصمت دری ہو اور ہزاروں بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہوں اور ہم ابھی آپس کے قصوں میں ہی لڑتے جھگڑتے رہیں اور اپنی شخصیات کی مرتفع سر بفلک عمارتوں کو ساتویں آسمان تک پہنچانے کی کوشش جاری رکھیں میں نہیں سمجھتا کہ سینے اور چولی پر آگ لگ جانے کے بعد کون عقل مند عجلت کے ساتھ اس کو بجھانے کے واسطے جھکنے کو اس وجہ سے

ناجائز قرار دے گا کہ کہیں جھکنے کی وجہ سے سر کی ٹوپی گر کر عزت نہ جاتی رہے۔

میں پھر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تحذیر المؤمنین میں مولوی ظفر احمد صاحب نے میرا نام بھی لکھا اور مجھے توجہ دلائی کہ میں معاملات متنازعہ میں کچھ تحریربازی شروع کروں لیکن میں نے بالکل سکوت کیا اور کوئی تحریر جس میں باہمی منازعت کی جھلک ہو نہیں لکھی اسی وجہ سے میں باوجود اس کے کہ رسالہ ترک قربانی گاؤ سے مجھے بے حد صدمہ ہوا ہے اس کے متعلق کوئی تحریر لکھنی اور شائع کرنی اور ذاتیات سے تعرض کو پسند نہیں کرتا۔

خواجہ حسن نظامی کی بیہودگی سے (جیسا کہ آپ نے یہ لفظ لکھا ہے) ان اعدائے اسلام کی بیہودگی ہزاروں درجہ بڑھی ہوئی ہے جنہوں نے سیزدہ صد سالہ اسلامی شوکت کو تباہ کر دیا مسلمانوں کی عزت کو برباد کر دیا اماکن مقدسہ کا احترام ضائع کر دیا افسوس! صد افسوس! آسماں را حق بود گر خون ببارد بر زمیں - بر زوال ملک اسلام وضیاع مسلمین -

بہر حال یہ میری رائے ہے اگر جناب اور احباب کی رائے اس کے خلاف ہو تو باادب امید ہے کہ اس سے مجھے بھی مطلع فرما کر استفادہ کا موقعہ عنایت فرمائیں گے۔

(ایک اور خط)

(۵۶۲) خط دیگر از مولانا مفتی کفایت اللہ بنام

مولانا المکرم دامت معالیکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - نوازش نامہ پہنچا جناب نے رسالہ ترک قربانی گاؤ کے مضامین متعلقہ مولانا تھانوی پر جس صدمہ اور رنج کا اظہار فرمایا ہے اس میں یہ خاکسار بھی بوجہ ذیل شریک ہے۔

(۱) رسالہ مذکورہ میں بعض مضامین متعلقہ مولانا تھانوی بالکل غلط اور بے بنیاد ہیں۔

(۲) بعض مضامین علم اور علماء کی توہین کرتے ہیں۔

(۳) بعض مضامین شریعت کی کسوٹی پر کھوٹے ہیں۔

(۴) مجموعی طرز تحریر توہین آمیز اور زیر بحث امور سے ہٹ کر ذاتیات پر حملے کے قریب ہے اگرچہ مولوی ظفر احمد صاحب نے رسالہ الامداد بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ میں اس کا جواب دیا ہے اور آئندہ مفصل جواب دینے کا وعدہ کیا ہے لیکن اگر آپ یا کوئی صاحب جواب دینا چاہیں تو مضائقہ نہیں لیکن جو صاحب جواب دیں ان کو امور ذیل کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) جواب سے غرض محض للّٰہیت ہو عصبیت کو دخل نہ ہو۔

(۲) ذاتیات پر حملہ نہ ہو بلکہ نہایت ٹھنڈے دل سے مضامین کا جواب مہذب طریق سے ہو۔ اور اذا مروا باللغو مروا کراما سے تجاوز نہ کیا جائے۔

(۳) اس کا لحاظ رکھا جائے کہ اس ناگوار کشمکش کی ابتدا مولوی ظفر احمد صاحب کے رسالہ تحذیر المؤمنین سے

ہوئی ہے۔

(۴) زمانہ موجودہ کی اسلامی تباہی اور مسلمانوں کے مصائب اور اعدائے اسلام سے ترک موالات کا پہلو مرعی رہے تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ہو کہ کعبۃ اللہ کی بے حرمتی ہوئی روضۃ الرسول کی توہین کی گئی خلیفہ اسلام کی عزت خاک میں ملائی گئی سلطنت اسلامیہ تباہ کی گئی اور اس کے متعلق ایک لفظ نہ کہا گیا اور نہ لکھا گیا اور ان کے ایک عالم (مولانا تھانوی) کے متعلق ایک شخص نے گستاخانہ الفاظ لکھ دیئے تو اس قدر جوش آگیا تو گویا ان لوگوں کے نزدیک مولانا کی عزت روضہ رسول کعبۃ اللہ خلیفہ اسلام اسلامی سلطنت سے بھی زیادہ ہے۔

(۵) جمعیۃ علمائے ہند حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ کے فتوے اور تمام قومی مجلسوں کے فیصلے کے بموجب اعدائے اسلام (گورنمنٹ برطانیہ) کے ساتھ ترک موالات کا حکم دیدیا گیا ہے اور ترک موالات کی کامیابی ہندو مسلم اتحاد پر مبنی ہے حدود شرعیہ کے اندر رہ کر ہندو مسلمانوں کا اتفاق اور اسی طرح مسلمانوں کا باہمی اتفاق نہایت ضروری ہے اور تمام ایسے کام جو اتحاد میں رخنہ ڈالیں گورنمنٹ کی خوشنودی کا باعث ہیں اس لئے جواب لکھنے والے کو اس کا اہتمام ضروری ہے کہ وہ باہمی اتفاق کو توڑنے والا نہ بن جائے اور اپنی تحریر سے تفرقہ پیدا کرنے والا نہ سمجھا جائے ورنہ وہ گورنمنٹ کا آدمی اور اعدائے اسلام کا حامی سمجھا جائے گا اس کی تحریر بجائے مفید اثر پیدا کرنے کے مضر نتائج پیدا کرے گی۔

بہر حال میں نے نہایت دلسوزی کے ساتھ اور اس صدمے کی وجہ سے جو مجھ کو حالات حاضرہ اور مضامین متعلقہ مولانا تھانوی کی وجہ سے ہے یہ سطریں لکھ دی ہیں اور امید کرتا ہوں کہ اگر جناب کی رائے اس کے خلاف ہوگی تو اس سے مجھے مطلع فرما کر ممنون بنائیں گے مجھے بے حد مشغولی کی وجہ سے بالکل فرصت نہیں ہے کہ جواب لکھنے کا ارادہ کروں اور نہ اس قسم کی غیر مفید مجادلانہ بحث کو میں پسند کرتا ہوں۔

فقط ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

(۵۶۳) خط حضرت مفتی اعظم بنام مولانا اشرف علی تھانوی

۱۲ دسمبر ۱۹۲۰ء - جناب محترم دامت فیوضہم بعد سلام مسنون - عرض ہے کہ عرصے سے حاضری کا ارادہ تھا مگر بوجوہ پورا نہ ہو سکا اب تصمیم عزم کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ جناب والا سے اجازت حاصل کر لی جائے اس لئے یہ عریضہ ارسال خدمت ہے اگر اجازت ہو تو حاضر ہوں حاضری سے غرض جمعیۃ علمائے ہند اور مسائل حاضرہ کے متعلق کچھ عرض معروض کرنا ہے اس غرض کے لئے میں بلا شرکت غیر صرف جناب سے عرض کروں گا اگر چہ میرے ساتھ ایک اور صاحب بغرض زیارت حاضر ہوں گے مگر ان کو بھی اس گفتگو میں کوئی مداخلت و شرکت کا موقعہ نہ ہوگا۔ محمد کفایت اللہ

جواب خط مذکورہ بالا از حضرت مولانا تھانوی

مکرمی سلمہ - السلام علیکم ورحمتہ اللہ - الطاف نامہ نے ممنون فرمایا - بسر و چشم تشریف لا یئے مگر قبل تشریف آوری اتنا معلوم ہو جانے کہ جن امور میں آپ کچھ فرمانا چاہتے ہیں آیا صرف میرے سن لینے پر ہی کفالت فرمالیں گے یا میرے ذمہ جواب بھی ہوگا - والسلام

خاکسار اشرف علی از تھانہ بھون (۱۶ دسمبر ۱۹۲۰ء)

(۵۶۴) جواب الجواب خط مذکورہ بالا از حضرت مفتی اعظمؒ

۱۶ دسمبر ۱۹۲۰ء - مولانا المحترم مدامت فیوضہم - السلام علیکم ورحمتہ اللہ - میں جناب والا کی خدمت میں جن مسائل کو پیش کرنے کے لئے حاضر ہوتا ہوں ان میں جناب والا کی رائے اقدس معلوم کرنا مقصود ہے اگر میرے معروضات میں غلطیاں ہوں تو ان کی اصلاح کی توقع ہے اور اگر صحیح ہوں تو تصویب و تصدیق کی تمنا صرف میں سنادوں اور جناب کچھ نہ فرمائیں اس میں کچھ زیادہ فائدہ نہیں اس لئے براہ کرم اس صورت کی اجازت مرحمت فرمائیں -

جواب از حضرت مولانا تھانوی

مکرمی سلمہ - السلام علیکم ورحمتہ اللہ - الطاف نامہ کا حاصل دو امر ہیں ایک مسائل پیش کرنے پر احقر کی رائے معلوم ہو جانے کی غایت کا مرتب ہونا - دوسرا میرے کچھ عرض نہ کرنے پر کسی غایت کا مرتب نہ ہونا سو امر اول کے متعلق یہ عرض ہے کہ خود یہ غایت محتاج غایت ہے مجھ کو اس رائے معلوم کرنے کی کوئی غایت معلوم نہیں ہوتی نہ رفع تردد نہ عمل (اور استقراء سے معتد بہ غایت یہی ہے) کیونکہ اب تک بلاتردد اپنی رائے پر عمل فرمایا گیا ہے اور محض تخطیہ و تصویب کوئی معتد بہ غایت نہیں - علاوہ اس کے تخطیہ کی شق میں اگر میں نے اس پر دلیل قائم نہ کی یا قائم کی مگر آپ کا جواب نہ سنا گیا تو گویا آپ کو اپنی تقلید پر مجبور کرنا ہوا جو جائز نہیں اور اگر اس کی بھی نوبت آئی تو مناظرہ کا رنگ پیدا ہو جاوے گا جو اس وقت مضر ہے -

اور امر ثانی کے متعلق یہ عرض ہے کہ میرے کچھ نہ کہنے کی صورت میں کیا یہ فائدہ محتمل نہیں کہ میں سن کر بطور خود اس میں غور کروں اگر شرح صدر ہو جاوے اس پر عمل کروں ورنہ ردو قدح کے سوء ادب سے محفوظ رہوں - والسلام محتاج دعا اشرف علی از تھانہ بھون - ۷ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ

(۵۶۵) جواب از حضرت مفتی اعظمؒ

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ مخدوم محترم دام فیضہم - سلام مسنون نیاز مشحون کے بعد گزارش ہے کہ مکرمت نامہ موصول ہوا میں دو تین روز تک حیران رہا کہ اس کے جواب میں کیا عرض کروں یعنی میرے عریضہ سابق پر جو ردو قدح ہے اس کو تقلیداً تسلیم کرلوں یا اس کا نیاز مندانہ جواب لکھ کر (خدانخواستہ غیر

مفید) مناظرہ کا رنگ پیدا کروں بالآخر یہی مناسب معلوم ہوا کہ میں تو بنام خدا حاضری کا ارادہ مصمم کر لوں اور اپنی عرض معروض پر جواب دینا نہ دینا بالکل جناب والا کی خوشی پر چھوڑ دوں اگر رائے عالی میں مجھ جیسے ناکارہ کی تسکین مناسب ہو گی تو خود فرمادیں گے ورنہ اپنی محرومی پر صبر کروں گا۔ واللہ الموفق

کانگریس کی ممبری نہ کفر ہے اور نہ اس سے ایمان میں ضعف آتا ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) ایک مسلمان کانگریس کمیٹی کا ممبر ہے اور موجودہ تحریک کانگریس سے متفق ہے بعض مسلمانوں کے نزدیک اس کانگریس میں شرکت کرنے والا مسلمان کافر ہو جاتا ہے۔

(جواب ۵۶۶) نہ کانگریس کی ممبری کفر ہے اور نہ کانگریس کی ان تجویزوں سے جو ملک و وطن کے مفاد کے لئے ہوں اتفاق کرنا کفر ہے نہ اس سے ایمان میں ضعف آتا ہے نہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے جو لوگ کانگریس کی ممبری یا مفید وطن تجاویز سے جو اصول اسلامیہ کے خلاف نہ ہوں اتفاق کرنے کو کفر بتاتے ہیں وہ شریعت اسلامیہ سے ناواقف ہیں یا شریعت پر افتراء کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

(۱) عورتوں کا کونسل میں جانا
(۲) عورتوں کو ووٹ دینا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) (۱) کونسلوں اور اسمبلیوں میں جہاں مسلم عورتوں کی نشست محفوظ ہو عورتوں کا ممبر بننا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) میونسپل کمیٹی کی مسلم امیدوار عورتوں کو ووٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۵۶۷) (۱) عورتوں کا کونسل میں جانا کچھ زیادہ مفید نہ ہو گا لیکن اگر جائیں تو حجاب کے ساتھ جانا ضروری ہو گا۔

(۲) اگر اس کا اطمینان ہو کہ عورتیں حجاب شرعی کی رعایت رکھیں گی اور کسی نامشروع فعل کی مرتکب نہ ہوں گی تو ان کو ووٹ دینا مباح ہو گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ امارت شرعیہ بہار کے نمائندوں کو ووٹ دیں

(الجمعیۃ مورخہ ۹ جنوری ۱۹۳۷ء)

(سوال) ہندوستان میں ایک نیا قانون جاری ہونے والا ہے اور اسی کے ماتحت اب اسمبلی اور کونسل کے ممبروں کا چناؤ ہو رہا ہے اس قانون کے ذریعے اسمبلی اور کونسل کو مذہبی مسائل کے متعلق بھی قانون بنانے کا حق ہے چنانچہ اس نئے قانون میں اس کی تصریح موجود ہے کہ اسمبلی اور کونسل نکاح طلاق ترکہ وقف

وغیرہ کے متعلق بھی قانون بنانے کی اس وقت تک کا تجربہ یہ ہے کہ چونکہ مذہبی جماعتوں نے اسمبلی اور کونسل میں حصہ نہیں لیا اس لئے بہت سے قوانین پاس ہوگئے جو سراسر مذہب کے خلاف ہیں اس لئے امارت شرعیہ صوبہ بہار نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر کوئی پارٹی قائم ہوئی جو مذہبی امور میں امارت شرعیہ کے ماتحت کام کرنے کو تیار ہو تو اس کو امارت کی تائید و حمایت حاصل ہوگی چنانچہ بہار مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی نے مذہبی قیادت امارت شرعیہ صوبہ بہار کے سپرد کی اس لئے اس پارٹی کو امارت شرعیہ کی پوری تائید حاصل ہے چنانچہ انڈیپنڈنٹ پارٹی نے اسمبلی اور کونسل کے داخلے کے لئے مختلف سیٹوں پر اپنے نمائندے کھڑے کئے ہیں پس اس پارٹی کے خلاف دیگر امیدواروں کو ووٹ دینا یا دلانا کیسا ہے ؟

(جواب ۵۶۸) تمام رائے دہندگان کو لازم ہے کہ وہ امارت شرعیہ صوبہ بہار کے نمائندوں کو ووٹ دیں امارت شرعیہ جس جماعت کے نمائندوں کو اپنا نمائندہ قرار دے اس کو ووٹ دینا مذہبی تحفظ اور صحیح سیاست کے لئے ضروری ہے۔		محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جمعیۃ علمائے ہند کے قیام کا مقصد مسلمانوں کی رہنمائی اور ان کی اقتصادی اصلاح ہے
(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۳ء)

(سوال) (۱) میری سمجھ میں یہ بات اب تک نہیں آئی جو جمعیۃ علمائے ہند قائم ہوئی ہے اس کا فرض منصبی کیا ہے ؟ آیا کسی کام غیر شرعی و خلاف رسول میں امداد کرنا اور اتفاق کرنا یا اس کو روکنے کی کوشش کرنا (۲) فی زمانہ جو جہالت کی روشنی تمام دنیا پر چھا رہی ہے بالخصوص مسلمانان ہند جہالت کے راستے کو آمنا و صدقنا سمجھ کر اس کے بل گھسے چلے جاتے ہیں اس کی روک ٹوک کی کوئی صورت یا کوئی قاعدہ مقرر کیا گیا ہے یا نہیں ؟ (۳) جمعیۃ علمائے ہند کے اراکین جہاں جہاں تشریف فرما ہیں ان کے حلقے میں کیا کیا کام ان کے سپرد کئے ہیں ؟ آیا وہ کسی فعل قبیحہ اور افعال ناشائستہ کو روک ٹوک کرنے کا مجاز رکھتے ہیں یا نہیں ؟

(جواب ۵۶۹) جمعیۃ علمائے ہند کے قیام کا مقصد مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی رہنمائی اور ان کی اخلاقی ' معاشرتی ' اقتصادی اصلاح ہے (۲) جہاں تک تبلیغ و تذکیر کا تعلق ہے جمعیۃ علما اپنا فرض ادا کرتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کے ہاتھ میں قانون کی تنفیذ اور حکومت کی طاقت نہیں ہے (۳) جمعیۃ کے اراکین اپنے اپنے مقامات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اپنی استطاعت کے موافق ادا کرتے رہتے ہیں لیکن ان کی سعی تبلیغ و تذکیر کی حدود میں ہی رہ سکتی ہے کسی کو جبراً روکنا ان کی وسعت سے باہر ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جمعیۃ علماء ہند کے قیام کا مقصد اور اس سلسلہ میں پیش رفت

(سوال) ہندوستان اور عالم اسلام کے مسلمانوں پر جو کچھ گزر رہی ہے اس کے پیش نظر مخلص مسلمانوں کی

ہر حصہ ملک میں خواہش و تمنائے دلی ہے کہ جمعیۃ علمائے ہند احرار اسلام اور مسلم لیگ اتحاد و استقلال ملت اسلام کے لئے متحد و متفق ہو جائیں ایران میں جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے اور آئندہ عرب و ترکی میں جو کچھ ہونے والا ہے اس کا مطالبہ ہے کہ :

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کا شغر

حضرت مولانا! ہندو دنیائی سیاست اور برطانیہ کی سیاست میں جو انقلابات ہو رہے ہیں وہ آپ پر روشن ہیں اگر مخلصین کی جماعت تمام اختلافات سے بلند و بالا ہو کر محض ملت کے مفاد کے لئے متحد نہیں ہوتی تو پھر مسلمانوں کو کفار و مشرکین ضرور ہضم کرنے کی کوشش کریں گے اور ہماری کمزوری و نااتفاقی کے باعث کیا عجب کہ وہ کامیاب ہو جائیں کیا اس کا وقت اب نہیں آیا ہے کہ جمعیۃ علمائے ہند اور مسلم لیگ کے باہمی اختلافات ختم کر دیئے جائیں اور علمائے اسلام مسلم لیگ کی تنظیم کو اصلاح قوم و استقلال ملت کے کاموں کے لئے ہاتھ میں لیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ میری اس مخلصانہ و دردمندانہ درخواست پر آپ ضرور غور فرمائیں گے اور مسلم لیگ کے ساتھ اتحاد و عمل کی کوئی تدبیر سوچیں گے تاکہ علما کا وقار بھی قائم رہے ملت کے اتحاد و استقلال کا مقصد بھی پورا ہو اور دین کی تقویت و ترقی کا بھی سامان ہو اس وقت تو سیلاب انقلاب و الحاد کی زد میں علما اور ملت اور دین سب یکساں طور پر آگئے ہیں حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب قادری داناپوری مدظلہ صدر کلکتہ ضلع مسلم لیگ آپ سے اور حضرت مولانا احمد سعید و دیگر علمائے جمعیۃ سے اس معاملے میں بعد رمضان مل کر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۴۱ء کو دہلی میں کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس ہے مولانا داناپوری مدظلہ اور کلکتہ مسلم لیگ کے دوسرے مخلصین آپ حضرات سے اس موقعہ پر ملنا اور تبادلہ خیال کرنا چاہتے ہیں تاکہ دل کھول کر خلوص اور سچائی کے ساتھ محض ملت کے مفاد کے نقطہ نظر سے ہم مسلمانوں کے اتحاد و استقلال کے موضوع پر بات کر سکیں اور کسی مفید نتیجہ تک پہنچ سکیں امید ہے کہ آپ اور مولانا احمد سعید صاحب مدظلہ اور دوسرے ارکان جمعیۃ مہربانی فرما کر اس موقع پر ضرور دہلی میں رہیں گے اور ہم لوگوں کو ملاقات اور مذاکرات کا موقع عنایت فرمائیں گے حضرت مولانا احمد سعید صاحب کی خدمت میں سلام و نیاز عرض ہے میں یہ عریضہ ذاتی حیثیت سے لیکن صدر کلکتہ مسلم لیگ کے ایما سے لکھ رہا ہوں اس کو پرائیویٹ تصور فرمایا جائے یعنی اس کی اشاعت ابھی اخبار میں نہ ہو دعا ہے کہ اللہ مسلمانوں کے دلوں کو جوڑ دے اور دین و ملت کے لئے ان کو کاملاً متحد کر دے۔ آمین

نیاز مند راغب احسن

مسلم لیگ اور جمعیۃ کے اتحاد کے سلسلے میں ایک خط اور اس کا جواب

(جواب ۵۷۰) مکرمی محترمی راغب احسن صاحب ایم اے زاد مجدہم - السلام علیکم جناب کے کرم نامے کا شکریہ اور تاخیر جواب کی معذرت اس خادم کے دل میں تو ابتدا ہی سے یہ خیال موجزن ہے کہ فوز و فلاح اتفاق میں ہے اور ہلاکت افتراق و انشقاق میں اسی خیال سے میں نے زمانہ صدارت جمعیۃ میں کئی اہم مواقع پر مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کیا اور کئی خطرناک مواقع پر مسلم لیگ کی تائید کی اور اتحاد و عمل کی صورت نکالی مگر آخر الامر لیگ کی طرف سے ایسا رویہ اختیار کیا گیا کہ اتحاد و عمل کے تمام راستے بند ہو گئے جناب کو معلوم ہو گا کہ میں اب جمعیۃ العلماء کا صرف ایک رکن ہوں اور جمعیۃ العلماء کی طرف سے کوئی ذمہ داری کی بات نہیں کر سکتا مولانا السید حسین احمد المہاجر المدنی آج کل جمعیۃ العلماء کے صدر ہیں اور مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی ناظم اعلیٰ - یہ حضرات ذمہ داری سے گفتگو کر سکتے ہیں حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب قادری داناپوری سے ملاقات اور گفتگو کر کے میں بے حد مسرت اور افتخار محسوس کروں گا اور ۲۶ اکتوبر کو میں دہلی میں ہی رہوں گا - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۸ اکتوبر ۱۹۴۱ء

مقاطعہ جوعی
(بھوک ہڑتال)

کیا اسلام میں بھوک ہڑتال کی اجازت ہے؟

(سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۹ جون ۱۹۳۳ء)

(سوال) برقیہ عبدالقیوم صاحب ممبر لیجسلیٹو کونسل صوبہ سرحد بنام حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب پریسیڈنٹ جمعیۃ علمائے ہند حیات گل نے جو اتمان زئی کا ایک سیاسی قیدی ہے ہری پور جیل میں یکم مئی سے مکمل روزہ رکھا ہے مقصد نامعلوم ہے حالت نازک ہے تاریخ ۲۰ جون مقرر ہے بذریعہ تار اپنی ہدایات سے مطلع فرمائیے - عبدالقیوم - ایم ایل سی از مانسہرہ

(جواب ۵۷۱) (از حضرت مفتی اعظم) کوشش کیجئے کہ اس کا جائز مطالبہ پورا کر دیا جائے اور روزہ کھلوا دیا جائے اور حیات گل کو بتائیے کہ اسلام اپنے جائز حق کے مطالبہ کو تو جائز قرار دیتا ہے لیکن کسی ایسے فعل کی اجازت نہیں دیتا جس کا نتیجہ یقینی اور ارادی ہلاکت ہو -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ
۲ جون ۱۹۳۳ء

تم الجزء التاسع من كفايت المفتي و به تم هذا الكتاب

تاریخ تکمیل کفایت المفتی

اے مرے مولی مرے مالک مرے پروردگار
تیری خلاقی کے قرباں تیری قدرت کے نثار
وہ نوازش تونے فرمائی ہے میرے حال پر
جس سے دل بیحد ہے شاداں اور بیحد شرمسار
کار سازی سے تری یکجا مرتب ہوگئے
یہ فتاویٰ جن کا تھا ملت کو بے حد انتظار
راہ میں حائل تھے صحرا کیسے کیسے ہولناک
کیسی کیسی گھاٹیاں اور قلہ ہائے کوہسار
ہم عناں تھے کیسے کیسے مخلصان بدسگال
گھات میں تھے کیسے کیسے حاسدان ذی وقار
کس قدر رنگین مناظر تھے نظر کے سامنے
وہ عتاب آمیز تیور وہ غرور اقتدار
اک طرف ساری خدائی اک طرف اک بینوا
وہ تحکم وہ تصادم وہ مصائب کا منشاء
لائق تحسین نہ تھا میرا کوئی قول و عمل
میری دل سوزی تھی صدہا بدگمانی کا شکار
چوٹ جب لگتی ہے دل پر دل تڑپتا ہے ضرور
دل اگر تڑپے تو دل پر کیا کسی کو اختیار
جب صبا چلتی ہے تو پہلو میں ہوتی ہے کسک
بھولے بسرے کچھ تصور لے کے آتی ہے بہار
بڑھ ہی جاتا ہے گریباں کی طرف دست جنوں
چھوٹ ہی جاتا ہے آخر دامن صبر و قرار
تا کجا ضبط و تحمل تا بکے اخفائے غم
آہ کردم ہر زہ گفتم ناصحا! معذور دار
ہے زمانے کا یہی دستور اور انداز فکر

کیجئے کس کا گلہ اور کس کا کیجئے اعتبار
آگ خود گھر کو لگاتا ہے یہاں گھر کا چراغ
کاٹتی ہے اپنے ہی ساحل کو موج جوئبار
"داورس در عہد ماسنگ ست و مینا داد خواہ"
از تظلم دم مزن کشا زبانت زینہار
آفریں! برہمت تو شاد باش و شادزی
حسرت و اندوہ راہبر حریفاں واگذار
سرخروئی تیری رحمت سے ہوئی یا رب نصیب
خود لگایا ان تھپیڑوں نے ہی اس بیڑے کو پار
دستگیری ہے تری آسان یہ مشکل ہوئی
رائگاں تھی ورنہ میری زندگی مستعار
مفتی اعظم جو تھے فقہ و شریعت کے امام
پیکر صبر و قناعت علم کے روشن مینار
بانی و بر پاکن جمعیۃ علمائے ہند
معتمد اپنے بڑوں کے ہمسروں کے مستشار
مہتمم جو تھے امینیہ کے اور شیخ الحدیث
ان کو بخشے ان سے راضی ہو خدائے پروردگار
ہے یہ مجموعہ انہیں کی باقیات صالحات
پوری نو جلدوں میں ہے یہ اک کتاب باوقار
نسخہ رشد و ہدایت مستدل اہل علم
اہل افتا کے لئے ہے ایک ناطق مستشار
جلوتوں میں طالبان حق کا صادق رہنما
خلوتوں میں اہل دانش کا جلیس غمگسار
قلب واصف پر ہوا الہام سال عیسوی
مفتی اعظم کی ہے یہ ایک نامی یادگار

۱۹ ۶۹

خاتمۃ الطبع

بآں گروہ کہ از ساغر وفا مستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

سلام ان پاک روحوں پر جن کی زندگی کا ہر ایک لمحہ حرکت و عمل سے معمور اور جن کا دل ہر وقت بادۂ عرفان سے مسرور تھا سلام ان مقدس نفوس پر جو اس خرابۂ عبرت کو اپنے مجاہدانہ کارناموں سے سرسبز کر گئے اور اس غربت سرائے محن سے مسکراتے ہوئے گزر گئے ہزار بار رحمت ان مبارک بندوں پر جنہوں نے جادۂ حق و صداقت سے کبھی منہ نہ موڑا اور امت کے لئے ایک عظیم ورثہ چھوڑا۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ یہ تھے ہمارے اسلاف جنہوں نے اپنی ہستی کو نمایاں کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی نہایت خاموشی سے خدمت خلق میں مشغول رہے ان کی طرز حیات کی ہلکی سی جھلک مندرجہ ذیل رباعیوں میں شاید نظر آجائے۔

در راہ چناں رو کہ اشارت نکنند
در بزم چناں شو کہ زیارت نکنند
با خلق چناں زی کہ چو خسپی در خاک
بر مرقد پاک تو عمارت نکنند

محفل میں جو تو جائے تو مخدوم نہ ہو
اور آئے اگر اٹھ کے تو معلوم نہ ہو
یوں ہی کہ پس مرگ نہ پوچھیں تجھ کو
مرکز بشریت تری معدوم نہ ہو

(واصف)

تحدیث نعمت

غافل مباش از دل درد آشنائے ما
ایں قطرہ از گداز دو عالم چکیدہ است

آفتاب زندگی ڈھل چکا اور کاروان عمر منزل ہشتاد تک جا پہنچا آج جب کہ یہ نویں اور آخری جلد کفایت المفتی کی شائع ہو رہی ہے اس ناآشنائے کوئے نیک نامی اور آوارہ دشت ناکامی کی حیات گزراں کا سب سے زیادہ پر مسرت اور مبارک دن ہے قلم نے یکہ و تنہا جو سفر شروع کیا تھا وہ بتوفیق رفیق اعلیٰ پورا ہوا۔

ساتھی نہ کوئی رہنما تھا میرے ہمراہ
منزل پہ بھی تقدیر سے پہنچا ہوں اکیلا

تحریر مسودہ کے دوران بار بار ہمت جواب دے گئی لیکن جب کبھی ہمت پست ہوئی اور تعب طاری ہوا فوراً ہاتف غیبی پکارا۔

ہاں رہ عشق است نہ عشق ندارد باز گشت
جرم راایں جا عقوبت ہست استغفار نیست

جب کبھی شکستہ دلی نے ستایا فرشتہ امید نے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور تنبیہ فرمائی کہ یہ کام اگر پایہ تکمیل تک نہ پہنچا تو یہ ایک ایسا نقصان ہوگا جس کی تلافی ممکن نہیں اور ایسا جرم ہوگا جس کی معافی متوقع نہیں۔

اور خود منزل تک پہنچنے کی طاقت بھی کہاں تھی ؟ وہ کون تھا جو کشاں کشاں لے جا رہا تھا ؟

یہ حوادث کے تھپیڑوں کا کرم تھا ورنہ
کس کی طاقت کہ ترے نقش قدم تک پہنچے

غرضیکہ سالہا سال کی دل سوزی سے کام مکمل ہوا اور اس سبزہ بیگانہ و گیاہ پامال کو ایک مقدس اور لافانی گلدستہ کا بند حسن ہونے کا شرف حاصل ہوا ممکن ہے کہ نامہ اعمال کی سیاہی کچھ کم ہو جائے اور وہ جس نے عمر بھر پردہ پوشی فرمائی وہاں بھی چشم پوشی فرمائے۔

بے بضاعت مجھ سا اور دیدار تیرا ہو نصیب
اللہ اللہ کیا مقدر اور کیا اقبال ہے

اور مبارک و خوش نصیب ہے وہ عالی نظر بندہ جس نے اس گلدستے کی طباعت و اشاعت کے لئے بغیر کسی درخواست و تحریص کے قدم بڑھایا الحمد للہ کہ یہ مجموعہ عالی ہمت عالی جناب حاجی ابراہیم محمد ڈایا کی فراخدلانہ اعانت سے شائع ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ امین

اور مستحق تہنیت و تحسین ہیں وہ مخلص و درد مند بندے (مولانا اسماعیل احمد کاچھلیا وغیرہ) جو اس اہم معاونت کا ذریعہ و واسطہ بنے۔

محمد ان کا شفیع و حامی خدا کی ان پر رہے عنایت
سعید روحوں نے لوٹ لی ہے یہ دو جہاں کی اہم سعادت
بزرگ یقیناً وہی ہے واصف عطا ہو حق سے جسے کرامت

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ الطیبین الطاہرین والعاقبۃ للمتقین۔

احقر حفیظ الرحمان واصف غفر لہ ولوالدیہ ولجمیع المؤمنین
مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی (ابن حضرت مفتی اعظم)

تتمہ

کفایت المفتی کی سابقہ جلدوں کی طباعت کے بعد جو تحریریں یا فتاویٰ دستیاب ہوئے یا نوٹ لکھے گئے آئندہ طباعت کے موقع پر انشاء اللہ متعلقہ ابواب میں شامل کر دئے جائیں گے۔

نوٹ از واصف
متعلقہ کتاب العقائد پہلا باب فتوی نمبر ۵۴

اللہ تعالی کے لئے ذکر اور خطاب میں جمع کا صیغہ استعمال کرنا اسوہ قدیمہ متوارثہ کے خلاف ہے قرون اولی میں کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ بندوں نے اپنی دعاؤں میں یا ذکر میں معبود کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہو اگرچہ اللہ تعالی نے خود اپنے لئے جمع کا صیغہ بھی استعمال فرمایا ہے لیکن جتنی دعائیں انبیائے پیشین کی نقل فرمائی ہیں یا بندوں کے لئے بطور تعلیم ارشاد فرمائی ہیں نیز رسول اللہ ﷺ نے جتنی دعائیں اور کلمات ذکر امت کو سکھائے ہیں ان میں کہیں جمع کا صیغہ اس ذات واحد کے لئے استعمال نہیں فرمایا گیا اور اسی کے مطابق تمام صحابہ و تابعین و تبع تابعین وائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل رہا ہے باوجودیکہ قرآن مجید کی وہ تمام آیات ان کے پیش نظر تھیں مگر کسی نے ان آیات سے استدلال کر کے تعظیم کا یہ طریقہ اختیار نہیں کیا۔

افعال کے علاوہ اسماء میں بھی اللہ تعالی نے اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے مثلاً انا له لحافظون' انا لموفوهم' فلنعم المجيبون' ام نحن الزارعون' وغیرہ لیکن کسی نے اس پر قیاس کر کے هو ربنا کے بجائے هم اربابنا' انك انت السميع العليم کے بجائے انكم انتم السميعون العليمون نہیں کہا یہ قیاس صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ چونکہ اللہ تعالی نے اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے اس لئے ہمیں بھی استعمال کرنا چاہئے دیکھو اللہ تعالی نے بہت سی اشیاء کی قسمیں ذکر فرمائی ہیں والطور' والنجم' والشمس وغیرہ لیکن ہم کو غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں - وقال الله عزو جل يخادعون الله وهو خادعهم وقال عزو جل و مكروا ومكر الله ولا يقال ياخادع يا مكار (تفسیر مظہری اعراف) یعنی اللہ تعالی نے اپنے حق میں وهو خادعهم اور ومكر الله فرمایا ہے لیکن اس کو خادع اور مکار کہنا جائز نہیں۔

بندہ کے خطاب بصیغہ جمع کی صرف ایک مثال قرآن مجید میں پائی گئی ہے اگرچہ وہ ہمارے مبحث سے غیر متعلق ہے تاہم ازالہ شک کے واسطے عرض کیا جاتا ہے سورہ مؤمنون کی آخری رکوع میں اللہ تعالی نے مشرک کا قول نقل فرمایا ہے۔رب ارجعون لعلي اعمل صالحا۔ چونکہ یہ طرز خطاب عام محاورے کے خلاف تھا اس لئے مفسرین کو اس میں توجیہات کرنی پڑیں روح المعانی اور تفسیر مظہری وغیرہ میں بہت سی توجیہات مذکور ہیں۔

مفسرین نے ایک قول اور ضمير الجمع للتعظيم نقل کیا ہے یعنی قائل نے اللہ تعالی کو خطاب کرتے ہوئے جمع کا صیغہ تعظیم کے لئے استعمال کیا ہے راقم الحروف کو اس قول کے تسلیم کرنے میں چند وجوہ تامل ہے۔

(۱) اور د کا فاعل مشرک ہے۔انها كلمة هو قائلها مشرک کے بارے میں یہ تصور غیر مستند ہے کہ جمع

لئے تیئے ہے اس کی مراد تعظیم ہے نیز یہ طرز خطاب بغرض تعظیم اور کہیں نہیں پایا جاتا اور نہ علامہ ابن جریر جو تابعی ہیں اور مفسرین میں مقدم ہیں ضرور یہ توجیہ لکھتے الوا و للتعظیم ۔ کا قول بعد کے مفسرین کا ہے اور وہ بھی محض ذاتی رائے کے درجہ میں ہے۔

(۲) اگر ہم خود ہی یہ رائے قائم کرلیں کہ مشرک نے تعظیماً خطاب بصیغہ جمع کیا تو لفظ رب تو واحد ہے انحصار کے وقت کا قول اور پھر مشرک کا قول ؟ اللہ تعالیٰ نے تو جو کچھ اس کی زبان سے نکلا اس کی حکایت فرمادی ہے قائل کی مراد واقعی تعظیم تھی یا محض فرض کی وجہ سے ایک ہی جملے میں واحد و جمع کا اجتماع ہوگیا ؟ تعیین مفہوم کے لئے کوئی منصوص دلیل نہیں ہے۔

(۳) ایک مشرک کے قول کو اگر ہم تعظیم پر محمول کریں تو انبیاء و صلحاء اور اعیان امت کا استخفاف لازم آتا ہے کیونکہ تعظیماً یہ طرز خطاب کسی نے اختیار نہیں کیا اگر کوئی شاذ و نادر مثال دستیاب ہو جائے اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ مراد واقعی تعظیم ہی ہے تو وہ عام محاورہ اہل زبان اور عرف جمہور کے مقابلے میں قابل اتباع اور قابل استناد نہیں۔

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ آیہ مذکورہ میں صیغہ جمع سے مراد تکریر فعل ہے اس کی چند مثالیں تحریر فرماتے ہیں راقم کی فہم ناقص ان کے سمجھنے سے بھی قاصر ہے۔

الف- القیا فی جهنم میں الق الق مراد لینے کی کیا ضرورت ہے ؟ جب کہ مخاطب دو ہی ہیں (سائق اور شہید) وجاء ت کل نفس معها سائق و شهید۔

ب- قفا نبك من ذكرى حبيب و منزل - راقم الحروف نے جب اپنے والد ماجد سے سبعہ معلقہ پڑھی تھی تو خطاب بصیغہ تثنیہ کی تشریح میں انہوں نے فرمایا کہ عرب کے ریگستانوں میں جب کوئی سفر کا ارادہ کرتا تھا تو کم سے کم تین آدمی مل کر سفر کرتے تھے اور اس عدد کی پابندی بایں مصلحت تھی کہ اگر ایک آدمی اتفاقاً بیمار ہو جائے اور دوسرا اس کے واسطے دوا لینے جائے تو ایک آدمی اس کی حفاظت و نگرانی کرے شاعر جو اس وقت مسافر کی حیثیت سے شعر کہہ رہا ہے اپنے دو ہم سفر رفیقوں سے خطاب کر رہا ہے خواہ وہ فرضی ہی ہوں یہ خطاب ہی فرضی ہے مخاطب نہ دو موجود ہیں نہ ایک - تکریر فعل تو جب مراد لی جائے کہ کوئی مخاطب موجود ہو۔

ج- یا حرسی اضر با عنقه- نگہبانوں کو پکارتے ہیں دو پر نظر پڑی صیغہ تثنیہ ہوگیا- خواہ مخواہ تکریر فعل ہی کیوں مان لی جائے ندا جماعت کو فعل تثنیہ اور مراد صیغہ واحد ؟ بڑی عجیب بات ہے۔

د- قول الاخر - الا فارحمونی یا الله محمد - فان لم اکن اهلا فانت له اهل یہ الاخر معلوم نہیں کون صاحب ہیں اور ادب و شعر میں ان کا کیا درجہ ہے ؟ اگر فارحمو کا واؤ تعظیم کے لئے ہے تو دوسرے مصرع میں تعظیم کیوں نہیں ؟ اور اس واؤ کو ضرورت شعری میں داخل کر دیا جائے تو کیا حرج ہے ؟ صیغہ جمع قرار دیکر تعظیم یا تکریر فعل ہی پر کیوں محمول کیا جائے ارکان شعر میں زحاف واقع ہوتے ہیں انہیں میں ایک

اشباع بھی ہے یعنی حرکت کو اتنا کھینچنا کہ اس کے مناسب حرف علت پیدا ہو جائے مثلاً - من یظلم اللؤ ماء فی تکلیفھم - ان یصبحو ا وھم له اکفاء (متنبی ص ۹) ھمو کا واؤ اشباعی ہے اشباع کی وجہ سے کہیں واحد کا تثنیہ کہیں جمع اور کہیں مذکر کا مؤنث بن جاتا ہے اس کی مثالیں کلام عرب میں عام ہیں -

علیك سلام الله قیس بن عاصم ورحمته ما شاء ان یترحما
تحیة من غادر ته غرض الردی اذا زارعن شحط بلادك سلما
فما کان قیس ھلکه ھلك واحد ولکنه بنیان قوم تھدما

(حماسہ ص ۱۱۶) تینوں قافیے تثنیہ کے صیغے ہیں شک کو دور کرنے کے لئے محشی کو یہ لکھنا پڑتا ہے - الالف للاشباع یہ الف تکریر فعل کے لئے نہیں ہے -

وانا لتحفوا لضیف من غیر عسرة مخافة ان یضری بنا فیعود (حماسه ص ۳۱۷)

قافیہ میں واؤ اشباعی سے جمع کا صیغہ فیعودو بن گیا مگر مراد جمع یا تکریر فعل نہیں ہے -

وکیف تقوم علی راحة کان البحار لھا انمل (متنبی ص ۴۱۳)
انی حللت و کنت جد فروقة بلد ایسر به الشجاع فیفزع (حماسه ص ۱۲۲)

تقوموا' فیفزعوا جمع کے صیغے ہیں -

عن الدھر فاصفح انه غیر معتب وفی غیر من قدوارت الارض فاطمع

(حماسہ ص ۱۳۱) اطمعی مؤنث کا صیغہ ہے مگر یہاں مؤنث مراد نہیں - یاایھا النبی اذا طلقتموا النساء (سورہ طلاق) آیت میں خطاب بصیغہ جمع ہے لیکن مفسرین نے اس کو تکریر فعل یا احترام پر محمول نہیں کیا تھا۔

فارسی اور اردو میں ضمیر واحد جس طرح چھوٹوں کے لئے بولی جاتی ہے اسی طرح انتہائے تعظیم و محبت کے موقعہ پر بڑوں کے لیے بھی بولی جاتی ہے -

یاصاحب الجمال و یا سید البشر
من وجھك المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
حسن یوسف دم عیسی ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
مختار مہم زیر و بالا تو ہے
محبوب جناب حق تعالی تو ہے
گرداب بلا میں ڈوبتا ہے محسن
اس کشتی کا پار کرنے والا تو ہے -

اور جب کہ حق تعالی کی تمام صفات کمالیہ میں سے اس کی وحدانیت و یکتائی اولین صفت ہے اور

توحید کو دین کا اولین رکن قرار دیا گیا ہے تو اس کی سب سے بہتر تعظیم یہی ہے کہ اس کے لئے ایسا صیغہ اختیار کیا جائے جس میں تعدد کا شائبہ نہ ہو اور اسی طرز خطاب پر جماہیر امت کا عمل چلا آرہا ہے۔

اس کے خلاف جن حضرات کو اپنی رائے کی صحت پر اصرار ہے تو وہ مندرجہ بالا فتوے سے جواز کی سند تو پکڑ لیتے ہیں مگر اس پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں جس کو حضرت مفتی اعظمؒ نے اولیٰ وافضل فرمایا ہے۔ (اختر حنیفا الرحمان واصف)

کتاب العقائد پانچواں باب

قرآن چھونے کے لئے تیمم کیا تو اس سے نماز جائز نہیں

سوال: تعلیم الاسلام حصہ سوم کے صفحہ ۴۰ سطر ۲ پر جو لکھا ہوا ہے کہ اگر قرآن مجید پڑھنے یا چھونے یا مسجد میں جانے یا اذان کہنے یا سلام کا جواب دینے کی نیت سے تیمم کیا تو اس سے نماز جائز نہیں ہے اور دوسرے سوال میں لکھا ہے کہ نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت کی نیت سے تیمم کیا تو اس سے نماز جائز ہے یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا کیا قرآن مجید بھی بغیر وضو چھونا جائز ہے؟ جیسا کہ اذان پکارنی یا مسجد میں جانا یا اسلام کا جواب دینا یا بغیر ہاتھ لگائے قرآن پڑھنا بغیر وضو کے بھی جائز ہے؟ المستفتی محمد صغیر خاں میاں جی مقام او سیا ضلع غازی پور۔

(جواب) قرآن مجید چھونا بغیر تیمم جائز نہیں مگر یہ عبادت مقصودہ نہیں ہے قرآن مجید کے احترام کے لئے اس کو چھونا بغیر تیمم کے ناجائز ہے اس لئے اس تیمم سے نماز جو عبادت مقصودہ ہے جائز نہیں ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

تقریر دلپذیر

کتاب العقائد چودھواں باب

امام ابو حنیفہؒ کی تقلید رسول اللہ ﷺ کی تقلید ہے

حامی شریعت سالک مسالک طریقت قدوۃ الفقہا والمحدثین سند الموحدین الکاملین ماحیٔ شرک و بدعت ظل اللہ الواحد الاحد مولانا و مقتدانا المولوی رشید احمد الازالت شموس فیوضہ بازغۃ محدث گنگوہی دربارہ وجوب تقلید شخصی فی زماننا ہذا۔ و فریضہ تقلید مطلق۔

---

(۱) ولو تیمم لمس المصحف او لقراءۃ القرآن عند عدم الماء لا تجوز الصلاۃ بہ (حلبی کبیر ص ۷۲ ط سہیل اکیڈمی لاہور)

(تحریر کردہ) خادم الانام کفایت اللہ نام شاہجہانپوری ۲ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں اتباع اپنے رسول کا فرض فرمایا احادیث تمام اس پر دال ہیں اور یہ بات سب کے نزدیک ہے مگر فہم کی بات ہے کہ اتباع وہ کر سکتا ہے جس نے آپ کی زیارت کی ہو ورنہ بدون حضور آپ کے کیونکر ہو سکتا ہے لہذا فخر عالم ﷺ نے فرمایا ہے - اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم(۱) اور حق تعالیٰ نے فرمایا - فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (۲) تو پہلوں سے پچھلوں کو سیکھنا فرض فرمایا - صحابہؓ تابعینؒ نے پڑھا اور اقتدا ان کی کی علیٰ ہذا القیاس تابعین سے تبع تابعین نے پڑھا اور اقتدا کی اور آں حضور ﷺ نے فرمایا ہے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (۳) ان قرون کی تعریف سے بھی یہی مطلب ہے کہ تبع تابعین نے تابعین سے سیکھا اور تابعین نے صحابہ سے اور یہ ہر سہ قرون خیر امت ہیں ان سے میرا طریقہ لو کیونکہ ان کی افضلیت بہ سبب ان کے علم و عمل کے ہے اور جو علم و عمل میں اولیٰ ہوتا ہے وہی مقتدا ہوتا ہے پس اب تبعین سنت ہونے پر تحصیل دین محمدی صحابہ سے اور ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین سے فرض ہوئی علیٰ ہذا آج تک یونہیں قرن بقرن چلا آیا ہے اور حضور انور ﷺ نے فرمایا بلغوا عنی - (۴) سب عالموں کو خطاب فرمایا کہ تبلیغ دین کی کرو تو ہر زمانے میں بعبارت صریح قرآن و حدیث کے علماء سے دین کی تحقیق اور علم نبوی کا سیکھنا فرض ہوا کیونکہ بدون تقلید پہلوں کے پچھلوں کو ہرگز دین نہیں مل سکتا ہے مشتہر کو دین پہلوں سے معلوم ہوا ہے اس پر کوئی القا نہیں ہوا وحی بند ہو گئی ہے کسی کی بات ماننا اور اس کو صادق جان کر عمل کرنا یہی معنی تقلید کے ہیں اتنی بات مقلدین و غیر مقلدین سب تسلیم کرتے ہیں مگر غیر مقلدین صرف لفظوں کی تقلید کرتے ہیں کہ پہلوں سے صرف لفظ سن کر قبول کئے اور معانی جو آپ چاہے لگا لئے گو ذہن کے موافق ہوں یا مخالف - سبحان اللہ! صحابہ جو عربی داں تھے فصاحت اور نکات اپنی زبان کے خوب جانتے تھے قرآن و حدیث کے معانی کو حضرت رسول خدا ﷺ سے اور پھر دوسرے صحابہ سے تحقیق کرتے تھے اور مقصد معانی کے سیکھنے کی ضرورت جانتے تھے -

مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ نے دس برس میں سورہ بقرہ کو سیکھا آیا حضرت عمرؓ معانی پڑھتے تھے یا الفاظ ؟ الفاظ پڑھنے کی کیا ضرورت تھی ؟ تفسیر اور معانی قرآن و حدیث کے پڑھا کرتے تھے اور علی ہذا تابعین اور تبع تابعین اور سب علما کو معانی کی تقلید ضروری تھی مگر چند جہلا کو کچھ حاجت نہ رہی فقط پہلے لوگوں کے لفظ دیکھ کر اپنی رائے سے معانی جو چاہے گھڑ لئے -

احادیث میں موجود ہے کہ صحابہ اور تابعین قرآن مجید کے متعارض مضامین اور غریب لغات کو

---

(۱) رواہ رزین (مشکاۃ باب مناقب الصحابۃ : ۵/۵۵٤)
(۲) (سورۃ الانبیاء : آیت ۷)
(۳) (ترمذی' باب ماجاء فی فضل من رأی النبی ﷺ : ۲/۲۲۵ ط' سعید)
(٤) (مشکوۃ' کتاب العلم : ۱/۳۲)

خوب تحقیق کرتے تھے بہر حال تقلید لفظی اور معنی کی دونوں کی دین میں واجب ہے تو اب حسب ارشاد شارع علیہ السلام تقلید واجب ہوئی اور جو کوئی کسی عالم کی (تابعین سے لے کر آج تک) تقلید کرتا ہے تو تقلید صحابہ ورسول اللہ ﷺ ہے کیونکہ یہ سب وسائط ووسائل آپ کے ہیں سو تابعین اور تبع تابعین کی تقلید اور ان کے شاگردوں کی تقلید اور صحابہ کی تقلید خود رسالت مآب ﷺ کی تقلید ہے تو بالضرورت امام ابو حنیفہ کی تقلید رسول اللہ ﷺ کی تقلید ہوئی اور مقلد امام شافعی وغیرہ کا بھی مقلد حضور ﷺ کا ہوا باوجود اس بات کے کہ تقلید رسول اللہ ﷺ کی بدون صحابہ کے اور تقلید صحابہ کی بدون تابعین کے محال ہے اور قرآن وحدیث میں ان کی تقلید کا حکم مصرح مذکور ہو چکی تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ باری تعالیٰ ورسول اللہ ﷺ کی طرف سے حکم تقلید ائمہ اربعہ کے وجود کے کیا معنی ہیں آیا یہ مقصود ہے ؟ کہ قرآن مجید یا حدیث شریف میں خاص کر بنام ابو حنیفہ یا مثلاً امام شافعی کے حکم ہوتا کہ فلاں امام کی تقلید کرنا چاہئے اگر یہ مطلب ہے تو محض دھوکا مسلمانوں کو دینا ہے بخاری ومسلم کے الفاظ کی تقلید کو نسی مصرح حدیث یا قرآن کی آیت ہے ؟ یا صحابہ میں سوائے چند نام کے کس کے نام کی تصریح آئی ہے ! اور اگر صحابہ کے قرن میں عموم لفظ اصحابی کالنجوم پر قناعت ہے تو ثم الذین یلونھم اور لفظ اھل الذکر کے عموم میں کیا قباحت دیکھی جو یہاں پر تخصیص اسمی کی ضرورت پڑی ؟

اگر مشتہر ہم سے امام ابو حنیفہ یا امام شافعی کی تصریح اسم کی نص مانگتا ہے تو ہم بھی ہر واحد کی صراحت نام کی نص پوچھتے ہیں اور بخاری ومسلم وغیرہما تمام ائمہ حدیث کی تقلید لفظی کی نص صریح طلب کرتے ہیں الغرض یہ سب مغالطہ اور دھوکا ہے اصل بات یہ ہے کہ جیسے صحابہ نے حضرت ﷺ سے دین حاصل کیا ہے ویسے ہی تابعین نے صحابہ سے اور تبع تابعین نے تابعین سے اور جب صحابہؓ کی تقلید کا ارشاد ہوا تو سب ہی صحابہ کا نام لے لیا اور جب تابعین کا علم صحابہ کے علم پر موقوف ہے تو سب تابعین کی تقلید کو ضروری فرمادیا اور علیٰ ہذا القیاس بعد کے قرون میں اور امام ابو حنیفہ بھی تابعین میں سے ہیں چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ایک رسالہ اس باب میں لکھا ہے تو ان کی تقلید نص سے ثابت ہوئی کیونکہ تمام فقہ حدیث اور صحابہ کے اقوال اور افعال سے مستنبط ہے اور علیٰ ہذا القیاس امام شافعیؒ وغیرہ ائمہ بھی تبع تابعین کے شاگرد ہیں ان کا علم بھی صحابہ کے علم سے مستفاد ہے سو اب کس منہ سے ان کی تقلید کا انکار کیا جاسکتا ہے۔

ہاں البتہ ایک بات باقی رہی مشتہر کا اگر یہ مطلب ہے کہ تقلید سب صحابہ و تابعین کی درست ہے پھر خاص کر ایک کی تقلید کرنی کیا ضرور ہے اور وجوب تقلید ایک ہی شخص کا کس نص میں آیا ہے ؟ نص قرآن وحدیث تو علی العموم سب کی تقلید کا ارشاد فرماتے ہیں اور تابعین و تبع تابعین کی طرف سے بھی یہی ظاہر ہے کہ وہ کسی ایک شخص کے شاگرد نہیں بلکہ چند لوگوں سے ان کا علم حاصل ہے بیشک یہ بات قابل التفات ہے۔

اول غور سے یہ بات سنو کہ حدیث اصحابی کالنجوم کے یہ معنی ہیں کہ سارے صحابہ ہر واحد

مثل ستارے کے ہیں تم جس کسی ایک صحابی کی بھی اقتدا کرو گے تو ہدایت پاؤ گے تو مطلب حضور ﷺ کا یہ ہے کہ فقط ایک صحابی خواہ کوئی ہو ہدایت کے لئے کافی ہے یہ معنی نہیں کہ جب سب کی اقتدا کرو گے تو ہدایت پاؤ گے والا فلا مگر ہاں جب ایک کی اقتدا میں ہدایت ہوئی تو اگر چند صحابہ کی اقتدا کرے گا اور مسائل و مواقع متعددہ میں اصحاب متعددہ کی اقتدا ہو گی تو بھی ہدایت ہو گی پس اس حدیث میں آپ نے ایک صحابی کی تقلید کو فرمایا اور زیادہ کو منع نہیں فرمایا اور واقعی مسئلہ مختلفہ میں ایک وقت میں تو ایک ہی کی اقتدا ممکن ہے اوروں کی تقلید نہیں ہو سکتی۔

اور اوپر کی تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ تقلید صحابہؓ کی تقلید رسول اللہ ﷺ کی ہے اور تقلید تابعین کی تقلید صحابی کی ہے علیٰ ہذا یہ حکم جیسا صحابہ کی نسبت ہے ویسا ہی تابعین و تبع تابعین وغیرہم کی نسبت بھی یہی حکم ہے کہ ایک کی تقلید ضرور ہے اور زیادہ کو منع فرمایا تو بہر حال اتباع ایک عالم کا کرنا جس کا نام تقلید شخصی ہے جائز ہوا کہ اس کے کرنے سے دین حاصل ہوتا ہے اور لوگ ہدایت پاتے ہیں اور امر فاسئلوا (الایہ) کا امتثال پورا حاصل ہوتا ہے اور اصحابی کالنجوم الخ پر کامل عامل بنتا ہے اور اس تقلید میں کوئی کراہت اور ترک اولیٰ نہیں اور مطلق جو کہ مامور ہے یہ بھی ایک فرد ہے اگرچہ دوسرا فرد کہ چند علما کی تقلید کرنا ہے وہ بھی دراصل روا و جائز ہے مثلاً اس تقلید شخصی کے پس مقلد امام ابو حنیفہ و امام شافعی وغیرہما کا مقلد رسول اللہ ﷺ کا ہے ان میں سے کسی کا نام لے کر فرمانے کی ضرورت نہیں کیونکہ جزئیات اور عام کے افراد بحکم صراحت ہوتے ہیں۔

اگر مشتہر کا مذہب کلیہ میں صراحت ایسی ہے تو تمام کلیات اور عمومات واردہ نصوص لغو ہو جائیں گے سب زانی و سارق و غاصب اپنے نام کی تصریح مانگیں گے جیسا کہ کفار کہا کرتے ہیں کہ خاص ہمارے نام کا حکم نامہ دکھاؤ الحاصل یہ نہایت چرپوز مطالبہ اور واہی بات ہے اور محض دھوکا ہے۔

اور بعد اس کے دوسری بات یہ سنو کہ حق تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے ولا تفرقوا بینکم حکم اتفاق کا مسلمانوں کو دیتا ہے اور اجتماع اور عدم تنازع کو فرض فرماتا ہے اور جو امر تفریق ڈالنے والا ہو اس کو اہل اسلام پر حرام اور منع فرماتا ہے اگرچہ وہ امر مستحب ہو مثلاً جو امر کسی وقت میں مستحب تھا جب اس امر سے مابین مسلمانوں کے عین فساد ہونے لگا تو وہ امر حرام ہو جاتا ہے دیکھو کہ رسول اللہ ﷺ نے باندیشہ افتراق امت کے بیت اللہ کی دیوار کو اپنے موقع پر رہنے دیا اور خود آپ نے تطویل قراۃ فی الصلوۃ کو مستحب فرمایا تھا کہ عمدہ وہ نماز ہے جس میں قرآن شریف زیادہ پڑھا جاوے اور حضرت معاذؓ نے اس پر عمل کیا تو جب ایک صحابی نے شکایت کی کہ ہم زراعت کرنے والے ہیں معاذ کے طول قراءۃ سے ہم کو تکلیف ہوتی ہے تو حضرت ﷺ نے حضرت معاذ کو فتان فرمایا اور چھوٹی قراءۃ کو واجب کر دیا کیونکہ فرض ادا کرنے کو ادنیٰ درجہ کافی تھا اور یہ طریقہ موجب اتفاق کا تھا اور دوسرا طریقہ باوجودیکہ مستحسن تھا مگر وقت افتراق کے اس کو فتنہ فرمایا اور اس پر عمل کرنے والے کو فتنہ انگیز فرمایا پس یہ قاعدہ شرع کا ہے کہ اگر ادائے واجب کے دو طریقے

ہوں ایک میں فساد ہوتا ہو اور دوسرے میں اتفاق رہتا ہو تو وہ طریقہ جس میں فساد ہو اختیار کرنا حرام ہوتا ہے اور دوسرا طریقہ واجب ٹھہرایا جاتا ہے اگرچہ وہ طریقہ جس میں افتراق ہوتا ہے عمل میں عمدہ ہو مگر اس امر عارض سے حرام بنتا ہے۔

اب ان دونوں امر کے بعد جواب اس خدشے کا صاف نکلا کہ تقلید شخصی کرنے والے (اہل ہند مثلاً) اپنے فرض سے فارغ تھے اور امتثال امر خداوندی میں سرگرم اب اگر عدم تقلید شخصی کو کرایا جاتا ہے تو حکم مقدمہ ثانیہ معلوم ہوا کہ فتنہ وافتراق امت میں ڈالنا ہے لہذا امر ناجائز ہوا اور تقلید شخصی واجب ہوئی لہذا ہم کہتے ہیں کہ اب تقلید شخصی واجب بالغیر ہوئی اور عدم تقلید حرام بالغیر اور جو کچھ فتنہ ونزاع اور اختلاف باہمی اس عدم تقلید میں ہے سب کو نظر آتا ہے اب بفضلہ تعالیٰ وجوب تقلید شخصی بخوبی واضح ہو گیا اور تقلید ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی بالتعیین واجب و ثابت نص قرآنی واحادیث نبوی سے ہوئی کسی مسلمان کو تردد لائق نہیں اور یہ سوال مشتہر کا اصل سب سوالات میں ہے ہمارے جواب کو بہت غور سے دیکھنا چاہئے کہ بدفہم حجت کے بہت سے خدشے رفع ہو جاتے ہیں فقط۔ واللہ اعلم

الحمد للہ کہ بتاریخ ۳ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ کو تقریر موضح وجوب تقلید شخصی مولانا موصوف کی تمام ہوئی۔

(نوٹ از واصف) حضرت مولانا گنگوہی کی مندرجہ بالا تقریر مفتی کفایت اللہ نے اس زمانے میں قلم بند فرمائی جب کہ مفتی صاحب کا طالب علمی کا زمانہ تھا کیونکہ مفتی صاحب ۱۳۱۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے تھے۔

کتاب اللقیط واللقطه

مسجد سے کسی کی جوتی گم ہو گئی تو......؟

(سوال) زید کی جوتی مسجد میں سے کوئی بدل کر لے جاتا ہے نماز سے فارغ ہو کر جب زید اپنی جوتی تلاش کرتا ہے تو اس کی جوتی نہیں ملتی جس وقت تمام نمازی مسجد میں سے چلے جاتے ہیں تو زید کو ایک جوتی رکھی ہوئی ملتی ہے اور اس کا یہ گمان غالب ہوتا ہے کہ کوئی بدل کر لے گیا ہے کیا وہ جوتی زید لے سکتا ہے؟

(جواب ۳) جب اس جوتی کا کوئی مالک نہیں ہے تو زید اسے اس خیال پر کہ یہ اس کی جوتی کا بدل ہے لے سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کتاب اللقیط واللقطه

جس چیز کا اصل مالک معلوم نہ ہو اس کا کیا کیا جائے؟

(سوال) زید کی بساط خانے کی دکان ہے بیوپاری جو سودا خریدنے آتے ہیں کبھی اپنی لکھنے کی پنسل اور کبھی

ایک آدھ آنہ بھول جاتے ہیں اور پھر واپس آکر نہ تو وہ خود دریافت کرتے ہیں اور نہ زید کو یہ یاد رہتا ہے کہ کون کون سے بیوپاری اس کی دکان پر آئے تھے جن سے وہ دریافت کرے ان چیزوں کے متعلق زید کے لئے کیا حکم ہے ؟

(جواب ٤) ایسی چیزیں جن کے اصل مالک نہ معلوم ہوں اور نہ مل سکیں صدقہ کردی جائیں۔ (١)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کتاب الطہارۃ دوسرا باب فصل سوم

مسلمان کا جھوٹا پانی پینا افضل ہے

(سوال) زید اپنے پانی پینے کا برتن الگ رکھتا ہے اور دوسرے کے برتن سے پانی پینا بھی گوارا نہیں کرتا اور دوسرے کا پانی پینا پسند نہیں کرتا ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان سے کہاں تک پرہیز کرنا جائز ہے ؟
المستفتی مستری حافظ انعام الٰہی صاحب محلّہ فراشخانہ دہلی

(جواب ٥) یہ پرہیز کس خیال سے کیا جاتا ہے شریعت نے تو ایسے پرہیز کا حکم نہیں دیا ہے مسلمان کا جھوٹا پانی پینا افضل ہے (٢) ہاں اگر کوئی خاص وجہ ہو تو وہ ظاہر کی جائے تو اس کا حکم بتایا جائے۔ محمد کفایت اللہ

کتاب الطہارۃ دوسرا باب فصل چہارم

کیا آنکھ اور کان سے نکلنے والے پانی سے وضو ٹوٹتا ہے ؟

(سوال) رسالہ رکن دین میں بحوالہ غایۃ الاوطار لکھا ہے کہ درد کے ساتھ آنکھ ناک کان سے جو پانی برآمد ہو وہ ناقض وضو ہے اور فتاوی رشیدیہ حصہ دوم ص ١٥ میں ہے کہ آنکھ سے درد کے ساتھ جو ڈھیڈ نکلتی ہے وہ ناقض وضو نہیں ہے تو آیا ڈھیڈ کے معنی نجس پانی ہے یا کوئی اور چیز ؟ المستفتی محمد صغیر خاں میانجی مقام اوسیا ضلع غازی پور ٢٢-٥-١٩

(جواب ٦) آنکھ کان سے نکلنے والی چیز اگر پانی سے مختلف ہے یعنی پیپ یا کچلہو ہے تو بہر حال ناقض ہے خواہ درد ہو یا نہ ہو اور اگر پانی ہے اس میں کوئی رنگ یا بدبو نہیں ہے پانی کی طرح صاف شفاف ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ پانی بیماری سے نکلا یا درد کے ساتھ نکلا تو ناقض ہے اور اگر بیماری سے نہیں نکلا یا درد

---

(١) ندب رفعها لصاحبها ووجب عند خوف ضياعها فان اشهد عليه و عرف الى ان علم صاحبها لا يطلبها او انها تفسد ان بقيت كالا طعمة كانت امانة ... والا تصدق بها على فقير الخ (تنوير الابصار مع الدر المختار : ٤/٢٧٨)

(٢) سؤر الادمى وما يؤكل لحمه طاهر لان المختلط به اللعاب وقد تولد من لحم طاهر و يدخل فى هذا الجواب الجنب والحائض (هداية ١/٤٥ ' شركت علميه ملتان)

نہیں ہے تو ناقض نہیں ہے۔ (۱) محمد کفایت اللہ

کتاب الطہارۃ دوسرا باب فصل چہارم
قرآن چھونے کے لئے تیمم کیا تو اس سے نماز جائز نہیں

(سوال) تعلیم الاسلام حصہ سوم کے صفحہ ۴۰ سطر ۲ پر جو لکھا ہوا ہے کہ اگر قرآن مجید پڑھنے یا چھونے یا مسجد میں جانے یا اذان کہنے یا سلام کا جواب دینے کی نیت سے تیمم کیا تو اس سے نماز جائز نہیں ہے اور دوسرے سوال میں لکھا ہے کہ نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت کی نیت سے تیمم کیا تو اس سے نماز جائز ہے یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا کیا قرآن مجید بھی بغیر وضو چھونا جائز ہے؟ جیسا کہ اذان پکارنی یا مسجد میں جانا یا سلام کا جواب دینا یا بغیر ہاتھ لگائے قرآن مجید پڑھنا بغیر وضو کے بھی جائز ہے۔ المستفتی محمد صغیر خاں میانجی۔ مقام اوسیا ضلع غازی پور

(جواب ۷) قرآن مجید چھونا بغیر تیمم جائز نہیں مگر یہ عبادت مقصودہ نہیں ہے قرآن کریم کے احترام کے لئے اس کو چھونا بغیر تیمم کے ناجائز ہے اس لئے اس تیمم سے نماز جو عبادت مقصودہ ہے جائز نہیں ہے۔ (۲)
محمد کفایت اللہ

کتاب الطہارت دوسرا باب فصل چہارم
بیماری کی وجہ سے اگر جنابت کا غسل نہ کر سکا ...

(سوال) ایک شخص کو بخار کی حالت میں احتلام ہو جائے اور وہ کپڑا بدل کر استنجا کر کے غسل کے بدلے تیمم کر لے اور نماز کے وقت وضو کر کے نماز ادا کر لے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ یا تندرست ہو کر دوبارہ ادا کرنی ہوگی؟ المستفتی محمد صغیر خاں میانجی۔ مقام اوسیا ضلع غازی پور

(جواب ۸) اگر بیماری کی وجہ سے غسل کرنے میں مضرت کا اندیشہ ہو تو تیمم کر لے اور نماز کے وقت وضو کر کے نماز پڑھنا جائز ہے اور نماز ہو جائے گی۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) کما لا ینقض لو خرج من اذنه و نحو ها کعینه و ثدیه قیح و نحوه کصدید و ماء سرة و عین لا بوجع وان خرج به ای بوجع نقض لانه دلیل الجرح فدمع بعینه رمد او عمش ناقض فان استمر صار ذا عذر والناس عنه غافلون (الدر المختار مع الرد : ۱/۱۴۷–۱۴۸)

(۲) ولو تیمم لمس المصحف او لقراءة القرآن عند عدم الماء لا تجوز الصلاة به (حلبی کبیر : ۷۲ ط لاهور)

(۳) ولو کان المار یجد الماء الا انه مریض فخاف ان استعمل الماء اشتد مرضه تیمم ولو خاف الجنب ان اغتسل ان یقتله البرد او یمرضه تیمم بالصعید (هدایة باب التیمم ۱/۴۹ ط شرکت علمیه لاهور)

کتاب الطہارت پانچواں باب متفرقات

نجاست خفیفہ کیا ہے؟ چوتھائی عضو سے کیا مراد ہے؟

(سوال) نجاست خفیفہ کیا ہے اور کتنی مقدار تک معاف ہے؟ چوتھائی عضو سے کیا مراد ہے؟

المستفتی مستری حافظ انعام الٰہی صاحب محلہ قراشخانہ دہلی ۵۰-۱۱-۲۷

(جواب ۹) جیسے گائے بکری بھینس کا پیشاب دودھ پیتے لڑکے کا پیشاب جو سوائے دودھ کے اور کچھ کھانے نہ لگا ہو(۱) چوتھائی عضو سے مراد یہ ہے کہ ہاتھ کندھے تک اور پاؤں ران تک ایک عضو ہے اس کی چوتھائی تک معاف ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کتاب الطہارت پانچواں باب متفرقات

اگر کھانے پینے کی چیز میں چوہے کی مینگنیاں گر جائیں تو کیا کریں گے؟

(سوال) اگر کھانے یا پینے کی چیز میں چوہے کی مینگنیاں گر جائیں تو کھانے پینے کی چیز نجس تو نہیں ہوتی؟

المستفتی شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار دہلی

(جواب ۱۰) چوہے کی مینگنیاں بمقدار ایک تولہ کے ہوں تو اس چیز کو ناپاک کردیں گی اور دس پانچ مینگنیاں ناپاک نہیں کریں گی۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کتاب الصلوٰۃ پہلا باب

محلّہ کے قریب نماز کے لئے اذان کہنی جائز ہے

(سوال) جس جگہ کے لئے اذان محلّہ کی کفایت کرتی ہے اگر اس جگہ بھی اذان پکار کر نماز پڑھی جائے تو کیسا ہے؟ المستفتی محمد صغیر خاں میانجی - مقام اوسیا ضلع غازی پور

(جواب ۱۱) ایسی جگہ بھی اذان کہنی جائز ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) واما القسم الثاني وهي النجاسة الخفيفة فكبول الفرس وكذا بول كل ما يوكل لحمه من النعم الا هليه والو حشية الغنم والغزال و خرء طير لا يوكل (مراقي الفلاح على هامش حاشية ۹۱'۹۲ ط مصر) و عفي دون ربع جميع بدن وثوب ولو كبيرا هو المختار (قال في الشامية (اعلم انهم اختلفوا في كيفية اعتبار الربع على ثلاثة اقوال فقيل ربع طرف اصابته النجاسة كالذيل والكم والدخريص ان كان المصاب ثوبا و ربع العضو المصاب كاليد والرجل ان كان بدنا وصححه في التحفة والمحيط والمجتبى والسراج وفي الحقائق وعليه الفتوى (رد المحتار مع الدر ۱ /۳۲۱)

نوٹ: دودھ پیتے بچے کے پیشاب کو حضرت مفتی صاحب نے نجاست خفیفہ میں شمار کیا ہے جب کہ دوسرے فقہاء نے انسان کے پیشاب کو نجاست غلیظہ شمار کیا ہے خواہ دودھ پیتے بچے کا پیشاب ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) وطحن بعر الفارة مع الحنطة ولم يظهر اثره يعفى عنه للضرورة (رد المحتار مع الدر : ۱ /۳۱۹)

(۳) فان صلى في بيته في المصر يصلي باذان و اقامة ليكون الاداء على هيئة الجماعة وان تركها جاز لقول ابن مسعود اذان الحي يكفينا (هداية ۱ /۹۲ ' شركت علميه ملتان)

کتاب الصلوٰۃ دوسرا باب

(منقول از تعلیم الاسلام حصہ چہارم)

نماز کے اوقات مکروہہ ....

(سوال) نماز کس کس وقت پڑھنا مکروہ ہے؟

(جواب ۱۲) (۱) صبح صادق ہونے کے بعد فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ فرضوں سے پہلے نفل کی نماز مکروہ ہے (۲) فجر کے فرضوں کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے نفل نماز مکروہ ہے (۳) عصر کے فرضوں کے بعد آفتاب کے متغیر ہونے سے پہلے پہلے نفل نماز مکروہ ہے۔(۱)

لیکن مذکورہ تین وقتوں میں فرض نماز کی قضا اور واجب نماز کی قضا اور نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت بلا کراہت جائز ہے۔

(۴) اور آفتاب نکلنا شروع ہونے سے ایک نیزہ بلند ہونے تک (۵) اور ٹھیک دوپہر کے وقت (۶) اور آفتاب متغیر ہو جانے سے غروب ہونے تک ہر نماز مکروہ ہے۔(۲)

ہاں اگر اسی دن کی عصر کی نماز نہ پڑھی ہو تو اسے آفتاب متغیر ہونے اور غروب ہونے کی حالت میں بھی پڑھ لینا جائز ہے۔

(۷) خطبہ (جمعہ و عیدین) کے وقت سنت اور نفل نماز مکروہ ہے۔

آفتاب کے متغیر ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب آفتاب سرخ ٹکیہ کی طرح ہو جائے اور اس پر نظر ٹھہرنے لگے تو سمجھو کہ آفتاب متغیر ہو گیا۔

کتاب الصلوٰۃ دوسرا باب

(حصہ مولانا ریاست علی بجنوری مکتبہ رحمت دیوبند)

موسم گرما میں ظہر کی نماز کا وقت مستحب ..

(سوال) گرمیوں کے موسم میں ظہر کی نماز کا مستحب وقت کونسا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے موسم گرما میں کس وقت ظہر کی نماز پڑھی ہے؟ بینوا توجروا

(جواب ۱۳) واضح ہو کہ ظہر کی نماز گرمیوں میں ایسے وقت پڑھنا مستحب ہے کہ گرمی کی شدت کم

---

(۱) ویکرہ نفل قصداً ولو تحیۃ مسجد وکل ما کان واجبا لا لعینہ بل لغیرہ وھو ما یتوقف وجوبہ علی فعلہ کمنذور وركعتی طواف و سجدتی السھو والذی شرع فیہ ثم افسدہ ولو سنۃ الفجر بعد صلاۃ فجر و صلاۃ عصر لا یکرہ قضاء فائتۃ ولو وترا و سجدۃ تلاوۃ و صلاۃ جنازۃ وکذا الحکم من کراھۃ نفل و واجب بغیرہ لا فرض و واجب لعینہ بعد طلوع فجر سوی سنتہ لشغل الوقت بہ تقدیرا و عند خروجہ لخطبۃ الی تمام صلاتہ (الدر المختار مع الرد ۱: ۳۷۴، ۳۷۵)

(۲) ویکرہ تحریما ... صلاۃ مطلقا ولو قضاء او واجبۃ او نفلا او علی جنازۃ و سجدۃ تلاوۃ و سھو ... مع شروق واستواء ... وغروب الا عصر یومہ (الدر المختار مع الرد ۱: ۳۷۰، ۳۷۳)

ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ بھی ظہر کو گرمی میں مؤخر کر کے پڑھتے تھے اور آپ نے مؤخر کرنے کا حکم بھی فرمایا۔ بخاری میں ابو ہریرہ ولن عمرؓ سے روایت ہے۔ **عن رسول اللہ ﷺ انہ قال اذا اشتد الحرفا بردوا بالصلوٰۃ فان شدۃ الحرمن فیح جھنم** (۱) (ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب سخت گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹ ہے (یعنی اس لپٹ سے بچنا چاہئے) **وعن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ ابردوابا لظھر فان شدۃ الحرمن فیح جھنم** (رواہ البخاری) (۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظہر کو ٹھنڈا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹ ہے۔ **وعن ابی ذر قال اذن مؤذن النبی ﷺ الظھر فقال ابرد ابرد اوقال انتظر انتظر وقال شدۃ الحرمن فیح جھنم فاذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوۃ حتی رأینا فی التلول** (رواہ البخاری) (۳) ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن نے ظہر کی اذان کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا ٹھنڈا کر ٹھنڈا کر۔ یا فرمایا انتظار کر انتظار کر اور فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹ ہے تو جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈا کیا کرو حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ اسی طرح آپ نے اتنی تاخیر فرمائی کہ ہم نے ریگ کے تودوں کا سایہ دیکھ لیا۔ قسطلانی شرح بخاری میں ہے کہ تل اس کو کہتے ہیں کہ زمین پر ریگ مٹی وغیرہ جمع ہو جائے اور پھیلی ہوئی سی ہوتی ہے اکثر بلند نہیں ہوتی اور اس کا سایہ وقتیکہ ظہر کے وقت کا اکثر حصہ نہ گزر جائے نہیں ظاہر ہوتا۔

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز گرمی کی شدت کے زمانے میں مؤخر کر کے پڑھنا مستحب ہے امام بخاری نے بھی اسی لئے باب اس طرح منعقد کیا ہے۔ **باب الابراد بالظھر فی شدۃ الحر** اور پھر ان حدیثوں کو لا کر گویا ترجمہ کو اچھی طرح ثابت کر دیا اسی واسطے ہمارے فقہائے حنفیہ نے گرمی میں تاخیر کو مستحب کہا ہے مراقی الفلاح میں ہے **و یستحب الابراد بالظھر فی الصیف** (۴) در مختار میں ہے **والمستحب تاخیر ظھر الصیف** (۵) اسی طرح اور بھی کتب فقہ میں ہے اور تاخیر کی حد یہ ہے کہ ایک مثل سایہ ہونے سے پہلے پڑھ لی جائے جب تک ایک مثل سایہ نہ ہو تاخیر کا اختیار ہے اور بخاری کی روایت فی التلول اس کی مؤید ہے۔ کتبہ محمد کفایت اللہ غفاعنہ مولاہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ الجواب صحیح خادم حسن عفی عنہ مدرس مدرسہ عبد الرب۔ محمد وصیت علی مدرس مدرسہ عبد الرب دہلی۔ بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ محمد ابراہیم دہلوی (واعظ)

---

(۱) (الصحیح للامام البخاری ۱/ ۷۶ ط قدیمی)
(۲) (الصحیح للامام البخاری ۱/ ۷۷ ط قدیمی)
(۳) (الصحیح للامام البخاری ۱/ ۷۶، ۷۷ ط قدیمی)
(۴) (مراقی الفلاح علی ھامش حاشیہ ص ۱۰۷ ط مصر)
(۵) (الدر المختار مع الرد ۱/ ۳۶۶)

کتاب الصلوٰۃ تیسرا باب فصل دوم

(عطیہ مولانا ریاست علی بجنوری - مکتبہ رحمت دیوبند)

امام مسجد سے پہلے مسجد میں جماعت کرانے والا گنہگار ہو گا

(سوال) امام مسجد جب کہ وقت مستحب پر نماز پڑھتا ہو تو اس سے پہلے مسجد میں جماعت کر لینا کیسا ہے؟ اور جو امام مسجد سے پہلے نماز پڑھا دے اس کی امامت کیسی ہے؟

(جواب ١٤) امام مسجد سے پہلے جماعت کر لینا ناجائز ہے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف ہے حدیث شریف میں ہے ولا یؤم الرجل الرجل فی سلطانه شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں پس تقدم بکند بر والی تاتر تیبے کہ در روایت است مثل امام اعظم و خلفاء و حکام وے خصوصا در اعیاد و جمعہ و نہ بر امام حی و صاحب خانہ مگر باذن ایشاں - زیرا کہ ایں مقتضی میگردد بہ سست گردانیدن امر سلطنت و عزت و مؤدی می شود بہ تباغض و تقاطع و ظہور خلاف کہ شرعیت جماعت برائے دفع آن است انتہی - یعنی بادشاہ اور اس کے نائبوں اور امام مسجد اور صاحب خانہ کی امامت کے مواقع میں بغیر ان کی اجازت کے امامت ہرگز نہ کرنی چاہئے کیونکہ اس سے ہیبت سلطنت میں نقصان واقع ہو گا اور آپس میں بغض و نفاق پیدا ہو گا حالانکہ جماعت انہیں باتوں کو دفع کرنے کے لئے مشروع و مقرر ہوئی ہے - ترمذی شریف میں ہے لا یؤم الرجل فی سلطانه (الحدیث) ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے صاحب مجمع البحار لکھتے ہیں - فی سلطانه ای فی موضع یملکه او یتسلط علیه بالتصرف کصاحب المجلس وامام المسجد فانه احق به من غیره وان کان افقه انتهی اور صاحب منزل اور امام مسجد کی اجازت پر بھی بعض صحابہ امامت نہیں کرتے تھے مالک بن الحویرث کا قصہ ترمذی میں موجود ہے کہ باوجود اجازت کے انہوں نے نماز نہ پڑھائی اور حدیث متقدم کو دلیل میں پیش کیا پس بمقتضائے فرمان واجب الاذعان پیغمبر خدا ﷺ امام مسجد سے پہلے نماز پڑھنے والے گنہگار ہیں کیونکہ اس کی موجودگی میں جب ان کو نماز پڑھنا ممنوع ہے تو اس سے قبل اس کی جماعت کو متفرق کرنا اور اختلاف پیدا کر دینا تو سخت ممنوع ہونا چاہئے اسی واسطے فقہا نے لکھا ہے کہ امام راتب سے پہلے جماعت کرنے والوں کی جماعت مکروہ ہوگی کیونکہ اقامت جماعت کا حق اسی کو ہے واللہ اعلم بالصواب کتبہ محمد کفایت اللہ عفی عنہ مولاہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی - الجواب صحیح خادم حسن عفی عنہ مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی - محمد حبیب علی عفی عنہ مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی - محمد ابراہیم دہلوی (واعظ)

نوٹ از واصف
متعلقہ کتاب الصلوٰۃ چوتھا باب فصل دوازدہم

اقول و باللّٰہ التوفیق -واضح ہو کہ یہ رخصت جو دی گئی ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کو مغرب کی طرف رخ کر لینا کافی ہے یہ محض نماز پڑھنے والوں کے لئے ہے لیکن مسجد تعمیر کرنے والوں پر صحیح سمت قبلہ متعین کر کے مسجد کا رخ اس کے مطابق کرنا تاحد امکان ضروری ہے -

موجودہ ترقی یافتہ زمانے میں جبکہ سائنس ، ریاضی اور دیگر علوم و فنون معراج کمال پر پہنچے ہوئے ہیں ہر قسم کے لطیف ترین آلات ایجاد ہو چکے ہیں بہترین نقشے موجود ہیں بحر و بر کے گوشے گوشے کا سروے ہو چکا ہے سمندروں کی تہہ میں سوراخ کئے جا رہے ہیں ہوا کے طبقات کی پیمائش ہو چکی ہے قبلہ کی جہت متعین کرنا دشوار نہیں ہے ہوائی جہاز پانی کے جہاز بغیر سمتوں کی تعیین کے نہیں چل سکتے صرف پانچ چھ گھنٹے میں دہلی سے مکہ معظمہ تک آدمی بذریعہ طیارہ پہنچ سکتا ہے -

ایک طرف تو یہ حقیقت پیش کی جاتی ہے کہ مسلمان تمام عالم کے معلم ہیں - انہوں نے علوم و فنون کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں انہیں کی بنیاد پر آج دنیا بام ترقی پر پہنچی ہے اور دوسری طرف یہ منظر کس قدر حیرت انگیز ہے کہ جس عمارت کی تعمیر کے لئے اعلیٰ درجے کے انجینئر اور ماہر صناع بلائے جا سکتے ہیں اور نہ صرف تعمیر پر بلکہ اس کی تزئین پر ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کئے جا سکتے ہیں اس کی جہت قبلہ درست کرنا دشوار ہے -

لوگوں نے فقہا کے حکم رخصت کو سمجھنے میں غلطی کی اور ان کے دلوں میں تعیین سمت قبلہ کی اہمیت نہیں رہی سہل انگاری سے کام لیا ایک اہم اور بنیادی چیز کو جاہل معماروں کے سپرد کر کے مطمئن اور غافل ہو گئے اس کا لازمی اور افسوسناک نتیجہ یہ ہوا کہ بعض مسجدیں جہت قبلہ کے مطابق نہیں ہیں مثلاً دہلی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جامع مسجد جس کی سمت قبلہ صحیح نہیں ہے -

دہلی میں اسلامی عہد کی جو قدیم مساجد شاہجہانی عہد سے قبل کی تعمیر شدہ ہیں ان کی سمت قبلہ قطب نما کے مطابق ہے شاہجہانی جامع مسجد کی سمت قبلہ مساجد سے مختلف اور صحیح تر ہے شاہجہانی جامع مسجد کے بعد کی عام مساجد شاہجہانی جامع مسجد کے مطابق ہیں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی نو تعمیر جامع مسجد نہ شاہجہانی جامع مسجد کے مطابق ہے نہ قدیم مساجد کے مطابق -

کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ فداہ ابی و امی کا مدینہ منورہ کے متعلق یہ ارشاد ہے کہ -مابین المشرق والمغرب قبلۃ قواعد ریاضیہ کی تغلیط کرتا ہے اس سلسلے میں کتاب الخطط للمقریزی کی روایت پیش کی جاتی ہے کہ " امیر مصر احمد بن طولون نے جب مصر میں جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو چند ماہرین ہندسہ کو مدینہ طیبہ بھیج کر پہلے مسجد نبوی کی سمت قبلہ کو آلات رصدیہ کے ذریعے جانچا معلوم ہوا کہ آلات کے ذریعے نکالے ہوئے خط سمت قبلہ سے مسجد نبوی کی سمت دس درجہ مائل بجنوب ہے (بغیۃ الاریب ص ۸۲)

نیز روایت مذکورہ کی صحت میں شک ہے اول تو احمد بن طولون کو مصر میں مسجد بنانی تھی تو مسجد نبوی کی سمت معلوم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ دوسرے یہ کہ وہ کونسے آلات اور وہ کون سے ماہرین تھے جنہوں نے دس درجہ فرق نکال دیا حالانکہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں ایک ہی نصف النہار پر واقع ہیں صرف ایک دقیقہ یعنی ایک درجہ کا ساٹھواں حصہ فرق ہے مدینہ طیبہ کا طول البلد ۳۹ درجہ ۵۳ دقیقہ ہے اور مکہ معظمہ کا طول البلد ۳۹ درجہ ۵۴ دقیقہ ہے وقت میں صرف ۴ سیکنڈ کا فرق (یکم جنوری کو) ہے مدینہ طیبہ کا نصف النہار یکم جنوری کو چودہ بجکر ترپن منٹ اٹھائیس سیکنڈ پر ہے اور مکہ معظمہ کا نصف النہار چودہ بجکر ترپن منٹ چوبیس سیکنڈ پر ہے - آفتاب جب کہ ایک درجہ کو چار منٹ میں طے کرتا ہے تو ایک دقیقہ کو چار سیکنڈ میں طے کرے گا -

اور پھر جب مدینہ منورہ اور قاہرہ کے طول بلد و عرض بلد ایک نہیں ہیں تو اپنی مسجد کو بھی دس درجہ مائل بجنوب بنانے کے کیا معنی ہیں؟ **اقتداء منه بمحراب مسجد رسول الله** ﷺ کا کیا مطلب ہے؟

اب رہا صحت نماز کا مسئلہ تو اس سے ہمیں انکار نہیں مولانا تھانویؒ نے بحوالہ حاشیہ بحر ایک طرف چوبیس درجہ تک انحراف کی صورت میں صحت صلوٰۃ کا فتویٰ دیا ہے (فتاویٰ دار العلوم دیوبند مکمل مبوب جدید جلد اول و دوم ص ۸۶) لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کون بتائے گا کہ درجہ کیا چیز ہے؟ دقیقہ کیا ہے؟ اور پھر جب کہ اصطلاحات ریاضی اور آلات رصدیہ سے اس قدر بیزاری ہو تو وہ موٹے موٹے آثار و نشانات کیا ہیں جن کو عوام جانتے اور سمجھتے ہیں؟ رفتار شمس و قمر اور قطب وغیرہ مشہور ستاروں کو کتنے آدمی پہچانتے ہیں؟ کتنے آدمی ہیں جو طول بلد و عرض بلد کو جانتے ہیں؟ یہاں پھر وہی بات علم نجوم علم ہیئت اور علم ہندسہ کی آپڑتی ہے -

مقصد ہے ناز و غمزہ وے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر
ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

مابین المغربین

آفتاب خط استوا پر ۲۱ مارچ اور ۲۱ ستمبر کو گزرتا ہے ۲۱ مارچ کے بعد شمال کی طرف چل کر ۲۱ جون کو خط سرطان تک پہنچتا ہے پھر جنوب کی طرف چل کر ۲۱ ستمبر کو خط استوا پر اور ۲۱ دسمبر کو خط جدی پر پہنچتا ہے - خط سرطان اور خط جدی کے درمیان عرض کا فاصلہ ۴۷ درجے ہے (۴۸ نہیں) مابین المغربین سے یہی فاصلہ مراد ہے -

مکہ معظمہ کا عرض بلد ۲۱ درجہ ۲۵ دقیقہ شمالی ہے اور مدینہ طیبہ کا عرض بلد ۲۴ درجہ ۳۳ دقیقہ

شمالی ہے مغارب کا آخری نقطہ ۲۳½ درجہ تک ہے۔

رسائل الارکان کی عبارت جو فتاویٰ دارالعلوم میں ص ۸۳ پر منقول ہے وہ یہ ہے۔ ولهذا افتوا ان الانحراف المفسد ان يتجاوز المشارق والمغارب۔

اوپر انحراف کی گنجائش ۲۴ درجہ تک بتائی گئی ہے یہ ۲۴ درجے کہاں سے شمار کئے جائیں گے ؟ اگر شمال کی طرف مکہ معظمہ سے بقدر ۲۴ درجے انحراف مراد ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دہلی میں کوئی شخص ماسکو کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر ۲۴ درجے خط استوا سے شمار کئے جائیں تو دہلی کے مصلی کا رخ مدینہ طیبہ کی طرف ہونے کی صورت میں بھی نماز فاسد ہو جائے گی اور تجاوز عن المغارب تو ۲۳½ درجے سے بعد ہو جاتا ہے کیونکہ خط سرطان اور خط جدی کا درمیانی فاصلہ ۴۷ درجے ہے مدینہ منورہ خط سرطان سے ۳-۱ باہر ہے۔

جہت قبلہ کے معنی یہ بیان کئے گئے ہیں کہ "ایک خط جو کعبہ پر سے گزرتا ہوا جنوب و شمال پر منتہی ہو جائے اور نمازی کے وسط جبہ سے ایک خط مستقیم نکل کر اس پہلے خط سے اس طرح تقاطع کرے کہ اس سے موقع تقاطع پر دو زاویہ قائمہ پیدا ہو جائیں وہ قبلہ مستقیم ہے۔ اور اگر نمازی اتنا منحرف ہو کہ وسط جبہ سے نکلنے والا خط تقاطع کر کے زاویہ قائمہ پیدا نہ کرے بلکہ حادہ یا منفرجہ پیدا کرے لیکن وسط جبہ کو چھوڑ کر پیشانی کے اطراف میں کسی طرف سے نکلنے والا خط زاویہ قائمہ پیدا کر دے تو وہ انحراف قلیل ہے اس سے نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر پیشانی کے کسی طرف سے بھی ایسا خط نہ نکل سکے جو خط مذکور پر زاویہ قائمہ پیدا کر دے تو وہ انحراف کثیر ہے اس سے نماز نہ ہوگی اور علمائے ہیئت وریاضی نے انحراف قلیل و کثیر کی تعیین اس طرح کی ہے کہ ۴۵ درجے تک انحراف ہو تو قلیل اور اس سے زائد ہو تو کثیر ہے اور کثیر مفسد صلوۃ ہے (فتاویٰ دارالعلوم جدید اول و دوم ص ۸۷)

اللہ اکبر ! کس قدر دقائق ہیں عوام تو عوام خواص کو بھی ان کے سمجھنے کے لئے بڑی محنت اور جانفشانی کرنی پڑے گی دہلی سے مکہ معظمہ کے خط نصف النہار تک جانے والا خط مستقیم کسی طرح مکہ معظمہ پر زاویہ قائمہ پیدا نہیں کر سکتا بلکہ مکہ معظمہ سے بجانب شمال ۵ ۳-۲۸ عرض بلد پر تقاطع کر کے زاویہ قائمہ پیدا کرے گا اور مدینہ طیبہ کا عرض البلد ۳ ۳-۲۴ ہے گویا دہلی کا قبلہ مستقیم مدینہ منورہ سے بھی بقدر چار درجہ دو دقیقے بجانب شمال ہٹا ہوا ہے۔

اب یہاں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں (۱) انحراف قلیل و کثیر کی جو تعیین علمائے ہیئت وریاضی نے کی ہے کیا فتویٰ کی بنیاد ان کی تعیین پر ہے ؟ (۲) پیشانی دونوں کانوں کے درمیان پیمائش میں زیادہ سے زیادہ کتنی ہوتی ہے ؟ (۳) پیشانی کے اطراف سے خطوط مستقیم جو مکہ معظمہ کے نصف النہار پر تقاطع کر کے زاویہ قائمہ پیدا کریں اس انحراف کی مقدار کتنے درجوں تک ہے ؟ جس سے زائد انحراف مفسد صلوۃ ہے کیا دہلی کے نمازی کا اگر ماسکو کی طرف رخ ہو تو استقبال فوت نہیں ہوگا ؟ اور نماز صحیح ہو جائے گی ؟

احقر کا فہم ناقص ان نواحض کو سمجھنے سے قاصر ہے فقہا کی دی ہوئی رخصت سے فائدہ اٹھانا بھی کس قدر دشوار ہے بیشک جہاں دشواری پیش آئے وہاں رخصت سے فائدہ اٹھاؤ؟ لیکن مسجد جیسی دائمی و مؤبد عبادت گاہ کو غلط بنادینااور نمازیوں کو مجبور کردینا کہ وہ ہمیشہ رخصت ہی سے فائدہ اٹھاتے رہیں یہ سہل انگاری اور استخفاف نہیں تو کیا ہے ؟

اگر ۲۴ درجے تک کے انحراف سے ۲۴ درجے کے زاویہ تک کا انحراف مراد ہے تو دہلی سے مکہ معظمہ کے شمال کی طرف ۲۴ کے زاویہ کا جو خط کھینچا جائے وہ قبرص پر سے گزرے گا اور ۴۵ کے زاویہ کا خط پیرس سے گزرے گا اور جنوب کی طرف ۲۴ کے زاویہ کا خط بحر عرب پر سے گزرتا ہوا حبشہ پر سے گزرے گا اور ۴۵ کا خط موزنبیق سے بھی جنوب کی طرف ہٹا ہوا گزرے گا-

ادلہ ظاہرہ معتادہ

اس کی شرح یوں کی گئی ہے کہ " بلاد بعیدہ میں جہاں کہیں حضرات صحابہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں یا آپ کے بعد پہنچے ہیں وہاں نمازیں ادا کرنے اور مستقل قیام کی صورت میں مساجد بنانے میں ان حضرات سے کہیں منقول نہیں کہ آلات رصدیہ سے کام لے کر سمت قبلہ متعین کی ہو بلکہ موٹے موٹے آثار و نشانات اور شمس و قمر اور قطب وغیرہ مشہور و معروف ستاروں کی پہچان سے ایک اندازہ قائم کر کے محض تحری و تخمینہ سے سمت قبلہ متعین فرمائی ہے "(فتاوی دارالعلوم اول و دوم ص ۸۰)

مندرجہ بالا عبارت کا مطلب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ موٹے موٹے آثار و نشانات ہر ایک عامی شخص بھی جانتا ہے اور ان موٹے موٹے آثار و نشانات سے سمت قبلہ معلوم کرنا اتنا آسان ہے کہ کسی راہگیر کو راستے میں سے پکڑ لاؤ اور سمت قبلہ درست کرالو نہ آلات کی ضرورت نہ کچھ حساب لگانے کی ضرورت کیا واقعی تحری کی یہی تعریف ہے ؟

یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو شخص تحویل آفتاب' نقطہ ہائے مشارق و مغارب دائرہ عظیمہ و صغیرہ' قوس' زاویہ قائمہ حادہ منفرجہ اور نصف النہار وغیرہ فنی اصطلاحات سے واقف نہ ہو وہ کیا کرے گا ان موٹے موٹے آثار و نشانات کے سمجھنے کے لئے بھی بڑی دقت نظر اور دماغ سوزی کی ضرورت موٹے موٹے آثار و نشانات کے بجائے اگر قدرتی آثار و نشانات کہا جائے تو معاملہ واضح ہو جاتا ہے تمام علوم و فنون کی بنیاد انہیں قدرتی آثار و نشانات پر ہے صحابہ نے انہیں بنیادی چیزوں سے کام لیا لہٰذا ادلہ ظاہرہ و معتادہ کا ترجمہ

" موٹے موٹے آثار و نشانات " کرنے سے بڑی غلط فہمی پیدا ہو گئی-

تحری

کسی چیز کا منقول و مذکور نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہے لیکن اگر راویوں کی اس رائے کو صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نہ آلات سے کام لیا نہ کوئی حساب لگایا محض انکل سے مساجد کی سمت قبلہ متعین فرمادی تو روشن ضمیر بیدار مغز صحابہ جن کی آنکھیں براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے منور تھیں ان کی تحری کی طرح ہماری تحری نہیں ہو سکتی نیز یا سارية الجبل کا واقعہ یاد کرو (سیرۃ عمر بن الخطاب علامہ ابن جوزی مصری ص ۱۴۹) عرب کے ریگستانوں میں سفر کرنے والے عوام بھی ستاروں سے راستے اور سمتیں معلوم کرتے تھے یہاں شہروں کے باشندوں کو ستاروں کی پہچان نہیں ہے کسی پیش نظر ستارے کا نام بھی نہیں بتا سکتے۔

سمت قبلہ معلوم کرنے کا طریقہ

قبل اس کے کہ آپ اپنے شہر میں سمت قبلہ قائم کرنے کا ارادہ کریں ضروری ہے کہ پہلے جہات اربعہ معلوم کریں اس کے لئے بہترین اور قدرتی طریقہ دائرہ ہندیہ ہے جس سے جغرافیائی قطبین کے مطابق جہات اربعہ دریافت ہو سکتی ہیں قطب نما کا استعمال اس کے لئے معتبر نہیں کیونکہ مقناطیسی قطبین علیحدہ ہیں اور جغرافیائی قطبین اور ہیں یعنی یہ سمجھ لینا صحیح نہیں کہ قطب نما کی سوئی ہمیشہ قطب جنوبی کی جہت بتائے گی۔

دو سو بائیس برس کا عرصہ ہوا کہ لندن میں یہ مقناطیسی سوئی ٹھیک شمال اور جنوب کو بتلاتی تھی لیکن ۱۶۶۰ھ سے وہ سرا جو شمال کی جانب رہتا تھا وہ تھوڑا سا مغرب کی طرف مائل ہوا اور یہ میلان ۱۸۱۸ء تک برابر بڑھتا رہا اور جب اس کا انفراج ٹھیک خط شمالی سے اپنی غایت کی حد پر پہنچا تو پھر مراجعت شروع ہوئی پس یہ جو انفراج مقناطیسی سوئی کا خط شمالی و جنوبی سے ہوتا ہے اس کو انحراف اور جہازی محکمہ والے انقلاب کہتے ہیں۔

لندن میں یہ انحراف ۱۸۱۸ء میں تقریباً ۲۵ درجہ تھا اور ۱۸۷۷ء میں ۱۹ درجہ ۳۰ دقیقہ باقی ہے یعنی قطب نما کا وہ سرا جو ٹھیک شمال کی طرف ہوتا تھا بجائے اس کے وہ مغرب کی طرف بقدر ۱۹ درجہ ۳۰ دقیقہ کے مائل ہے پس جب اس انحراف کی مقدار معلوم ہو جائے تو اس کو حساب میں لگا کر کمپاس کے صحیح نقطے دریافت کر سکتے ہیں (جغرافیہ ریاضیہ منشی ذکاء اللہ مطبوعہ ۱۸۸۳ء)

۱۹۱۲ء کیو کی رصد گاہ میں دیکھا گیا تو انحراف مغرب کی طرف ۳۰-۴۶-۱۵ تھا۔

ایضاً کلکتہ میں مشرق کی طرف ۴۴-۰

ایضاً بمبئی میں مشرق کی طرف ۱۲-۵۱-۰

۱۵۸۰ء لندن میں انحراف بجانب مشرق ۱۵-۱۱

۱۶۵۹ء لندن میں انحراف بالکل نہیں
۱۸۲۰ء لندن میں انحراف بجانب مغرب ۳۰-۲۴
۱۹۴۵ء لندن میں انحراف بجانب مغرب ۱۵-۹
(انٹرمیڈیٹ فزکس ڈاکٹر جی ایل وتہ دہلی - مطبوعہ ۱۹۶۰ء)

پس اگر قطب نما سے کام لینا ہو تو پہلے محکمہ موسمیات سے (جس کا صدر دفتر دیرہ دون میں ہے) قطب نما کی سوئی کا انحراف معلوم کیجئے کہ اس وقت اس کا انحراف ہے یا نہیں؟ اور ہے تو کتنا ہے؟ اس کو حساب میں ملحوظ رکھیے ورنہ سیدھا قدرتی طریقہ تو دائرہ ہندیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ گرمی کے موسم میں جب کہ دن بڑا اور دھوپ تیز ہو اور فضا صاف ہو مثلاً ۲۲ ۲۳ جون کو زمین پر سطح ہموار کر کے ایک دائرہ کھینچیے اور اس کے مرکز میں ایک کیلی بالکل سیدھی گاڑ دیجئے زمین سے نکلی ہوئی کیلی کی لمبائی دائرہ کے نصف قطر کے برابر ہونی چاہئیے یعنی دائرہ کا قطر اگر چھ فٹ ہو تو کیلی تین فٹ سطح سے اوپر نکلی ہوئی ہو صبح کو جب سورج نکلے گا تو کیلی کا سایہ بہت لمبا پڑے گا جتنا سورج چڑھتا جائے گا سایہ چھوٹا ہوتا جائے گا جب کیلی کے سایہ کی نوک دائرے کے خط تک آجائے تو دائرے پر اسی جگہ نقطہ لگادیں یہ مدخل ظل ہے سایہ دائرے میں داخل ہونے کے بیچ میں آکر پھر مشرق کی طرف بڑھنا شروع ہوگا جب کیلی کے سایہ کی نوک دائرے پر پہنچے تو اس جگہ بھی نقطہ لگادیں اس کو مخرج ظل کہتے ہیں مختلف تاریخوں میں اس عمل کو کر کے خوب اچھی طرح جانچ کر نقطے صحیح کر لیجئے پھر ان دونوں نقطوں کے بیچ میں دائرے پر ایک نقطہ لگائیے اور اس سے ایک ایسا سیدھا خط کھینچیے جو مرکز دائرہ پر سے گزرتا ہوا دائرے کے دو برابر کے حصے کر دے یہی خط جغرافیائی جنوب و شمال کو بتائے گا اور یہی خط آپ کا خط نصف النہار ہے اور یہی خط کرہ پر کھینچا جائے تو کرہ کی تنصیف کرے گا اور اس کا نام دائرہ عظیمہ ہوگا۔

اس کے بعد جس جگہ کی سمت قبلہ معلوم کرنی ہو اول وہاں کا طول بلد معلوم کیجئے پھر اس میں سے مکہ معظمہ کے طول بلد کو تفریق کر دیجئے اور باقی کے دقیقے بنالیجئے دقیقوں کے گھنٹے اور منٹ بنالیجئے یہ فرق وقت ہوگا مقامی نصف النہار اور مکہ معظمہ کے نصف النہار میں۔

مثلاً دہلی کا طول بلد ۱۶-۷۷ ہے اور مکہ معظمہ کا طول بلد ۵۴-۳۹ ہے حاصل تفریق ۲۲-۳۷ ہوا آفتاب ایک درجہ کو ۴ منٹ میں طے کرتا ہے اور ایک دقیقہ کو ۴ سیکنڈ میں لہذا ۳۷ درجہ ۲۲ دقیقہ کو دو گھنٹہ ۲۹ منٹ ۲۸ سیکنڈ میں طے کرے گا یعنی مقامات نصف النہار اور مکہ معظمہ کے نصف النہار میں دو گھنٹے ۲۹ منٹ ۲۸ سیکنڈ کا فرق ہوا کیم جنوری کو دہلی کا نصف النہار ۱۲ بجکر ۲۳ منٹ ۵۶ سیکنڈ پر اور مکہ معظمہ کا نصف النہار ۲ بجکر ۵۳ منٹ ۲۴ سیکنڈ پر ہے۔

پھر آپ نہایت صحیح اور عمدہ گھڑی جو سیکنڈ بھی بتاتی ہو حاصل کیجئے اور دائرہ ہندیہ کی کیلی کا سایہ جب نصف النہار پر پہنچے تو گھڑی میں جو ٹائم ہو فرق وقت اس میں جوڑ کر (اور اگر آپ مکہ معظمہ سے مغرب

کی طرف ہیں تو تفریق کر کے)جو ٹائم بنے وہ نوٹ کر لیجئے پھر کیلی کی نوک کا سایہ اس نوٹ کردہ ٹائم پر جس جگہ پہنچے وہاں نقطہ لگا دیجئے اور اس نقطے سے مرکز دائرہ تک سیدھا خط کھینچے یہ آپ کی مسجد کی دائیں بائیں دیوار قبلہ رخ ہو گئی اس پر گنیا رکھ کر دیوار قبلہ قائم کر لیجئے۔

مذکورہ طریقہ ۲۷ مئی سے ۲۹ مئی تک یا ۱۴ جولائی سے ۱۷ جولائی تک کار آمد ہوتا ہے نیز مکہ معظمہ کے مشرق و مغرب میں نوے درجے تک کے مقامات میں کام دے سکتا ہے اس سے زیادہ فاصلے کے لئے اور طریقے ہیں۔

مثلاً دہلی کا نصف النہار اگر ۲۹ مئی کو ۱۲ بجکر ۱۸ منٹ ۳۲ سیکنڈ پر ہو تو اس میں فرق وقت ۲ گھنٹے ۲۹ منٹ ۲۸ سیکنڈ جوڑ یئے اس حساب سے ۲ بجکر ۴۸ منٹ پر جس جگہ کیلی کی نوک کا سایہ پہنچے وہاں نقطہ لگا یئے اور نقطہ سے مرکز دائرہ تک خط کھینچے اور اس خط پر مسجد کی دائیں بائیں دیوار قائم کر لیجئے (فتاویٰ دارالعلوم جلد اول و دوم ص ۸۷)

اگر حکومت حجاز ایسا انتظام کر دے کہ جس تاریخ کو اور جس وقت آفتاب کعبہ کے سمت الراس پر پہنچے اسی وقت ریڈیو پر اعلان کر دیا جائے کہ آفتاب کعبہ کے سمت الراس پر آ گیا ہے تو نصف روشن دنیا کو جہت قبلہ معلوم کرنا بہت آسان ہو جائے گا کیا اچھا ہو کہ موسیقی اور ڈراما کے پروگراموں کے ساتھ یہ اہم دینی خدمت بھی انجام دیدی جائے۔

واضح ہو کہ دہلی کو مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے ورنہ دہلی میں کسی قسم کی تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں دہلی کی شاہجہانی جامع مسجد کی سمت قبلہ معتبر ہے اس سے مطابقت کافی ہے۔

علاوہ ازیں اور بھی کئی طریقے سمت قبلہ معلوم کرنے کے بغیۃ الاریب شرح چغمینی تصریح وغیرہ میں لکھے ہیں اس فن کے ماہرین سے رجوع کیا جائے اور اپنی متعین کردہ سمت کو دیگر چند طریقوں سے بھی جانچ لیا جائے۔

یہ جو کچھ لکھا گیا اس سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ فقہا کی دی ہوئی رخصت سے ہمیں اختلاف ہے مقصد صرف یہ ہے کہ ایک قائم رہنے والی یادگار کی تعمیر و تزئین پر جب کہ ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں اور اس کے لئے سخت مشقت برداشت کی جاتی ہے تو کچھ رقم اور کچھ مشقت اس کی سمت صحیح کرنے کے لئے برداشت کر لینے میں کیا حرج اور کیا گناہ ہے؟ فقہا کی لکھی ہوئی رخصت کو سمجھنے کے لئے بھی حساب کی ضرورت ہے۔اگر نحن امة امية کہہ کر علم ہندسہ علم ہیئت وغیرہ کا پڑھنا پڑھانا ترک کر دیا جائے تو میراث زکوٰۃ اور اوقات صلوٰۃ کے اہم ابواب میں کیا کیا جائے گا؟

اصطلاحات

زمین کا حقیقی محیط شمالاً جنوباً ۲۴۸۱۹ میل ہے اور خط استوا کے گرد ۲۴۹۰۲ میل ہے محور قطبی یا طول انگریزی میلوں سے ۷۸۹۹٫۱۷ میل ہے اور اس کا استوائی قطر ۷۹۲۵٫۶۵ میل ہے پس ایک خط جو کرۂ ارض کے مرکز سے گزر کر خط استوا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچتا ہے تقریباً ۲۶٫۵ میل اس قطر سے بڑا ہے جو اس کے مرکز میں سے گزر کر قطبین کو ملاتا ہے یعنی پورے خط استوا پر کرۂ ارض بقدر ساڑھے ۱۳ میل تقریباً ابھرا ہوا ہے جس کے (۶۹۹۶۰) فٹ ہوتے ہیں (علم طبقات الارض)

خط استوا اور نصف النہار دونوں میں سے ہر ایک ۳۶۰ درجوں میں تقسیم ہوا ہے درجہ کی نشانی گول نقطہ ہے ایک درجہ ساٹھ دقیقہ کا اس کی نشانی ایک زبر ہے ایک دقیقہ ساٹھ ثانیہ کا اس کی نشانی دو زبر ہے مثلاً ۳۲ درجہ ۱۹ دقیقہ ۷ ثانیہ کو یوں لکھیں گے۔

۷ً-۱۹َ- ۳۲° درجہ کو ڈگری دقیقہ کو منٹ ثانیہ کو سیکنڈ بھی کہتے ہیں۔

خط استوا یا نصف النہار کے ایک درجہ کے ساٹھویں حصے یعنی ایک منٹ کو ایک میل کہتے ہیں مگر یہ وہ انگریزی میل نہیں ہوتا بلکہ جغرافیہ کا میل ہوتا ہے ان دونوں قسموں کے میلوں میں تمیز کرنے کے لئے جغرافیائی میل کو ناٹ کہتے ہیں جہاز رانی میں تمام حساب ناٹ پر ہوتا ہے وہ شاہی انگریزی میل سے لمبا ہوتا ہے یعنی ۲۰۲۸ گز کا اور شاہی انگریزی میل ۱۷۶۰ گز کا ہوتا ہے ان دونوں میں نسبت (۶۹) اور (۷۰) کی ہے۔

آفتاب ۳۶۰ کو ۲۴ گھنٹے میں طے کرتا ہے اور ایک درجہ کو ۴ منٹ میں۔ نصف النہار کے دس درجوں پر وقت میں چالیس منٹ کا فرق ہوتا ہے۔ (جغرافیہ ریاضیہ)

جدول جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرض بلد کے ہر پانچ درجہ پر طول بلد کے ایک درجہ کی لمبائی کتنے جغرافیائی میلوں میں ہوتی ہے۔

درجہ عرض	جغرافیائی میل	انگریزی میل	درجہ عرض	جغرافیائی میل	انگریزی میل
خط استوا پر	۶۰٫۰۰	۶۹٫۰۷	۴۵	۴۲٫۴۴	۴۸٫۰۸
۵	۵۹٫۷۷	۶۸٫۸۱	۵۰	۳۸٫۵۷	۴۴٫۳۵
۱۰	۵۹٫۰۹	۶۷٫۹۵	۵۵	۳۴٫۴۱	۳۹٫۵۸
۱۵	۵۷٫۹۶	۶۶٫۶۵	۶۰	۳۰٫۰۰	۳۴٫۵۳
۲۰	۵۶٫۳۸	۶۴٫۸۴	۶۵	۲۵٫۳۶	۲۹٫۱۵
۲۵	۵۴٫۳۸	۶۲٫۵۳	۷۰	۲۰٫۵۲	۲۳٫۶۰
۳۰	۵۱٫۹۶	۵۹٫۷۵	۷۵	۱۵٫۵۳	۱۷٫۸۶
۳۵	۴۹٫۱۵	۵۶٫۵۱	۸۰	۱۰٫۴۲	۱۱٫۹۸
۴۰	۴۵٫۹۶	۵۲٫۸۵	۸۵	۵٫۲۳	۶٫۰۰

مطلب یہ ہے کہ خط استوا سے جب ہم جنوب یا شمال کی طرف چلیں تو جتنے ہم خط استوا سے دور ہوتے جائیں گے طول بلد کے درجوں کی پیائش کم ہوتی جائے گی اس پیائش کی کمی بیشی کو اصطلاحاً قیمت کی کمی بیشی کا اثر طلوع و غروب پر تو پڑتا ہے یعنی ایک ہی نصف النہار پر واقع سب مقامات پر طلوع و غروب کا وقت یکساں نہیں ہوتا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تعیین قبلہ میں قیمت کی کمی بیشی کا حساب بھی لگایا جائے گا یا نہیں ؟ اس بارے میں ماہرین اور واقف کار حضرات سے رجوع کیا جائے - فقط واللہ اعلم بالصواب -

حفیظ الرحمان واصف عفی عنہ - شوال ۱۳۹۵ھ

کتاب الصلوٰۃ چوتھا باب فصل بستم - متفرق مسائل

(سوال) ایک مسجد زیر تعمیر ہے اس میں چار محرابیں یعنی چار در بنائے گئے ہیں کیا یہ صحیح ہے ؟ المستفتی محمد صغیر خاں میانجی - مقام اوسیا ضلع غازی پور

(جواب ۱۵) مسجد کے در قاعدہ سے تین یا پانچ یا سات ہونے چاہئیں چار در کی مسجد مناسب نہیں ہے امام بیچ میں ہو اور اس کے دائیں بائیں مساوی حیثیت سے لوگ کھڑے ہوں اس صورت میں طاق در ہی ہو سکتے ہیں -　　　　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فرضیت جمعہ کے متعلق ایک مضمون

کتاب الصلوٰۃ پانچواں باب

(از حضرت مفتی اعظمؒ)

ھو الموفق - اس امر میں اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کو مکہ معظمہ میں ہجرت سے پہلے جمعہ ادا کرنے کی نوبت نہیں آئی اور اس میں بھی اتفاق ہے کہ اسلام میں پہلا جمعہ جو ادا کیا گیا وہ ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں ادا کیا گیا اختلاف اس میں ہے کہ جمعہ کی فرضیت کہاں ہوئی ؟ آیا مکہ معظمہ میں یا ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ؟

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ " فرضیت جمعہ کے وقت کے بارے میں اختلاف ہے اکثر علماء کا خیال ہے کہ یہ مدینہ میں آیۃ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ کے نزول سے ہوئی " چنانچہ فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں - واختلف فی وقت فرضیتها فالا کثر علیٰ انها فرضت بالمدینة وهو مقتضی ما تقدم ان فرضیتها بالاٰیة المذکورة وهی مدنیة - انتهی - اور اس عبارت سے کچھ پہلے حافظ ابن حجرؒ نے تحریر فرمایا ہے - واستدلال البخاری بهذه الاٰیة علی فرضیة الجمعة سبقه الیه الشافعی فی الام وکذا حدیث ابی هریرةؓ ثم قال فالتنزیل ثم السنة یدلان علی ایجابها

اور علماء کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ جمعہ کی فرضیت ہجرت سے قبل مکہ معظمہ میں

نازل ہوئی جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے شیخ ابو حامدؒ سے نقل فرمایا ہے۔ وقال الشیخ ابو حامد فرضت بمکۃ وھو غریب (فتح الباری) اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اتقان میں اور شیخ ابن حجر مکیؒ نے شرح منہاج میں اسی قول کو ترجیح دی ہے (کذافی آثار السنن) اور قاضی شوکانیؒ نیل الاوطار میں فرماتے ہیں۔ وذالک ان الجمعۃ فرضت علی النبی ﷺ وھو بمکۃ قبل الحجرۃ کما اخرجہ الطبرانی عن ابن عباسؓ فلم یتمکن من اقامتھا ھنالک من اجل الکفار فلما ھاجر من ھاجر من اصحابہ الی المدینۃ کتب الیھم یامرھم ان یجمعوا فجمعوا۔ انتھی (نیل الاوطار) اور علامہ شہاب الدین قلیوبی شافعیؒ شرح منہاج الطالبین میں لکھتے ہیں۔ وفرضت بمکۃ ولم تقم بھا کما لم تقم بھا صلوۃ الجماعۃ لقلۃ المسلمین ولخفاء الاسلام واقامھا اسعد بن زرارۃؓ بالمدینۃ الشریفۃ قبل الھجرۃ بنقیع الخضمات (حاشیہ شرح منہاج جلال الدین محلیؒ)

قاضی شوکانیؒ نے ابن عباسؓ کی جس روایت کو طبرانی کی طرف منسوب کیا ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری و تلخیص الحبیر میں اس روایت کو دارقطنی کے حوالے سے ذکر کیا ہے ہم تلخیص سے اس کو نقل کرتے ہیں۔ روی الدار قطنی من طریق المغیرۃ بن عبدالرحمن عن مالک عن الزھری عن عبید اللہ عن ابن عباس قال اذن النبی ﷺ الجمعۃ قبل ان یھا جر ولم یستطع ان یجمع بمکۃ فکتب الی مصعب بن عمیر اما بعد فانظر الیوم الذی تجھر فیہ الیھود بالزبور فاجمعوا نساء کم و ابنائکم فاذا مال النھار عن شطرہ عند الزوال من یوم الجمعۃ فتقربو الی اللہ برکعتین قال فھو اول من جمع حتی تقدم النبی ﷺ المدینۃ فجمع عند الزوال من الظھر واظھر ذالک۔ انتھی (تلخیص) اسی طرح جلال الدین سیوطیؒ نے درمنثور میں اس حدیث کو بحوالہ دارقطنی نقل کیا ہے درمنثور کی روایت میں بجائے لفظ عند الزوال کے بعد الزوال ہے اورباقی تمام الفاظ یکساں ہیں اس حدیث میں لفظ اذن بمعنی اذن واجازت کے نہیں ہے بلکہ بمعنی علم و معرفت کے ہے اور صیغہ معروف ہے مجہول نہیں ہے جن لوگوں نے اس لفظ کو اذن بمعنی اجازت سے لے کر اور صیغہ مجہول قرار دے کر اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ حضور ﷺ کو مکہ میں جمعہ کی اجازت دی گئی یہ ترجمہ حدیث کے سیاق و سباق اور واقعات کے موافق نہیں ہے بلکہ حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جمعہ کو مکہ ہی میں ہجرت سے پہلے جان پہچان لیا تھا (یعنی یہ کہ جمعہ وہ دن ہے جس میں ہم کو مجتمع ہو کر عبادت کرنے کا حکم ہے یا جو ہمارے لئے خدا تعالیٰ نے فرض کیا ہے) مگر حضور ﷺ باوجود اس علم کے مکہ معظمہ میں جمعہ ادا نہ کر سکے تو آپ ﷺ نے مصعب بن عمیرؓ کو خط بھیجا (مصعب بن عمیرؓ کو حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں لوگوں کی تعلیم کے لئے پہلے بھیج دیا تھا) کہ دیکھو اس دن کا خیال رکھو جس دن یہود زبور کو پکار پکار کر پڑھتے ہیں تم اپنی عورتوں بچوں کو جمع کرو اور جب جمعہ کے دن زوال ہو جائے تو خدا کیلئے دو رکعتیں تقرباً ادا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پس مصعب بن عمیرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کے مدینہ میں آنے سے پہلے جمعہ ادا کیا یہ جمعہ انہوں نے زوال

کے بعد ظہر کے وقت میں پڑھااور کھلم کھلا پڑھا-انتہی-لفظ اذن کا جو ترجمہ ہم نے "علم و معرفت" کیا ہے یہی حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے انہوں نے فتح الباری میں فرمایا ہے **ولا يمنع ذالك ان يكون النبي ﷺ علمه بالوحي وهو بمكة فلم يتمكن من اقامتها ثم- فقد ورد فيه حديث ابن عباسؓ عند الدار قطني ولذالك جمع بهم اول ماقدم المدينة كما حكاه ابن اسحاقؒ وغيره - انتهى**- اس سے واضح ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے اذن النبی ﷺ کا ترجمہ علم النبی ﷺ کیا ہے اور یہی راجح اور اوفق باللغۃ وبالواقعات ہے-

اس کے بعد جان پہچان لینے سے مراد اس کی فرضیت جان لینا ہے یا اور کچھ ؟اس کے لئے یہ روایت کافی ہے-**عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ نحن الأخرون السابقون يوم القيٰمة بيدان كل امة او تيت الكتاب من قبلنا واوتيناه من بعدهم ثم هذا اليوم الذى كتبه الله علينا هدانا الله له الخ (رواه مسلم)** یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم دنیا میں آنے کے لحاظ سے تو پچھلے ہیں مگر قیامت میں ثواب کے لحاظ سے مقدم ہوں گے ہاں ہر امت کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور ہمیں سب کے بعد عنایت ہوئی پھر یہ (جمعہ کا) دن وہ ہے جو خدا نے ہمارے اوپر فرض کیا اور ہم کو اس کی ہدایت فرمادی-

امام بخاریؒ نے اسی حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے -**ثم هذا يومهم الذى فرض عليهم فاختلفوا فيه فهدانا الله له - انتهى**- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں-**و في الحديث دليل على فرضية الجمعة كما قال النووى لقوله فرض عليهم فهدانا الله له - فان التقدير فرض عليهم و علينا فضلوا وهدينا (فتح البارى)** خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے جو بخاری و مسلم کی حدیث ہے یہ ثابت ہو گیا کہ جمعہ کی مخصوص عبادت یہود و نصاریٰ پر بھی فرض تھی اور ہم پر بھی مگر جمعہ کا نام لے کر ان کو بتلایا نہ گیا(**وهذا على قول الراجح**) تعیین ان کے اجتہاد پر چھوڑ دی گئی تھی یہود نے اپنے اجتہاد سے یوم سبت کو اور نصاریٰ نے اپنے اجتہاد سے یوم احد کو اختیار کیا اور اصل دن یعنی یوم جمعہ سے جو مقصود تھا بھٹک کر اس کی فضیلت سے محروم رہ گئے اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس یوم مقصود کی ہدایت فرمائی ہم نے اسے معلوم کر لیا اور اس کے فضل و ثواب سے متمتع ہو گئے-

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ یہی یوم جمعہ وہ دن ہے جس کے اندر اجتماعی عبادت امم سابقہ پر بھی فرض کی گئی تھی یعنی حضرت حق تعالیٰ کی جانب سے فرضیت کا حکم اسی دن کے لئے مقصود تھا اور یہی دن امت محمدیہ کے لئے بھی متعین تھا یعنی جمعہ کی فرضیت علم خداوندی میں پہلے ہی سے تھی مگر حق تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے امتحان و ابتلا کے لئے اور امت محمدیہ کی تکریم کے واسطے امم سابقہ کو تعیین سے مطلع نہ فرمایا- بلکہ ان کے اجتہاد پر چھوڑ دیا اور وہ اجتہاد میں غلطی کر کے محروم رہ گئے اور امت محمدیہ کو اس کی تعیین کی ہدایت فرمادی- حدیث کے لفظ **فهدانا الله له** میں **هدىٰ** کا فاعل

اللہ تعالیٰ ہی ہے اور لفظ نا ضمیر جمع متکلم میں امت محمدیہ اور حضور ﷺ سب داخل ہیں اور اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے ہم کو اس دن کی تعیین کی ہدایت کر دی جو ہمارے لئے فرض کیا گیا تھا۔

اب ہدایت کی صورت کیا ہوئی؟ آیا یہ کہ صحابہ کرامؓ اور حضور انور ﷺ نے خود اپنے اجتہاد سے اسے معلوم کر لیا یا حضرت حق تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے بتادیا؟ ھدانا اللہ دونوں معنی کو محتمل ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں قولہ فھدانا اللہ لہ یحتمل ان یراد بان نص لنا علیہ' وان یراد الھدایۃ الیہ بالاجتھاد۔ یعنی ممکن ہے کہ حضور ﷺ کی مراد ہدایت سے یہ ہو کہ خدا تعالیٰ نے اس دن کی تصریح کر کے بتادیا کہ جمعہ کی عبادت تم پر فرض ہے اور ممکن ہے کہ ہدایت سے مطلب یہ ہو کہ صحابہ کرامؓ اور حضور ﷺ کے اجتہاد کو تعیین جمعہ تک پہنچادیا ہو۔

اس احتمال کی تائید میں حافظ ابن حجر نے یہ روایتیں ذکر فرمائی ہیں۔ روی عبد الرزاق باسناد صحیح عن محمد بن سیرین قال جمع اھل المدینۃ قبل ان یقدمھا رسول اللہ ﷺ و قبل ان تنزل الجمعۃ فقالت الانصار ان للیھود یوما یجتمعون فیہ کل سبعۃ ایام وللنصاری کذالک فھلم فلنجعل یوما نجتمع فیہ فنذکر اللہ تعالیٰ و نصلی و نشکرہ فجعلوہ یوم العروبۃ واجتمعو الیٰ اسعد بن زرارۃ فصلی بھم یومئذ وانزل اللہ تعالیٰ بعد ذالک اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ۔ (الآیۃ) فتح الباری ۔اس کے بعد اس کی تائید میں ایک دوسری روایت ذکر فرمائی اور اس کو حسن فرمایا ہے وہ یہ ہے۔اخرج احمدؒ و ابو داؤدؒ و ابن ماجۃؒ باسناد حسن و صححہ ابن خزیمۃ وغیرواحد من حدیث کعب بن مالکؓ قال کان اول من صلی بنا الجمعۃ قبل مقدم رسول اللہ ﷺ المدینۃ اسعد ابن زرارۃؓ (الحدیث) فتح الباری (۱) (ناتمام)

کتاب الصلوٰۃ پانچواں باب فصل سوم

جمعہ کے دن اذان ثانی کا جواب اور دعا

(سوال) جمعہ کے روز اذان ثانی کا جواب اور بعد اذان دعا مانگنی کیسی ہے؟

(جواب ۱۷) اذان ثانی جو خطیب کے سامنے ہوتی ہے اس کا جواب اور اس کے بعد دعا امام ابو حنیفہ کے نزدیک نہیں چاہئے یعنی زبان سے نہ جواب دے نہ دعا مانگے دل میں جواب دیدے یا دعا مانگ لے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ

---

(۱) اس تمام مضمون میں آخر حوالہ جات فتح الباری کی عبارت قریب مقامات سے لئے گئے ہیں لہذا الگ الگ جلد لکھنے کی ضرورت نہیں ہے (یعنی تمام ان مقامات کے نمبر لکھتے ہیں جن سے اس مضمون میں حوالہ جات نقل کئے گئے ہیں)
(فتح الباری : ۲ ۲۹۲ '۲۹۴ '۲۹۵)

(۲) قال و ینبغی ان لا یجیب بلسانہ اتفاقاً فی الاذان بین یدی الخطیب وان یجیب مقدمہ اتفاقاً فی الاذان الاول یوم الجمعۃ لوجوب السعی (رد المحتار مع الدر ۱ ۳۹۹)

کتاب الصلوٰۃ چھٹا باب

ایک مسجد میں عید کی نماز دو مرتبہ نہیں پڑھنی چاہئے

(سوال) بارش کی شدت کی وجہ سے بہت سے آدمی عید گاہ نہیں جا سکے انہوں نے مسجد میں عید کی نماز ادا کی پھر کچھ اور آدمی آئے انہوں نے اسی مسجد میں دوبارہ جماعت سے نماز عید پڑھی یہ کیسا ہے ؟

المستفتی محمد صغیر خاں میانجی - مقام و پوسٹ اوسیا ضلع غازی پور - جولائی ۱۹۵۰ء

(جواب ۱۸) بارش کے عذر سے مسجد میں عید کی نماز پڑھنی جائز ہے ایک مسجد میں دو مرتبہ عید کی نماز نہ پڑھی جائے اگر ایک مسجد میں عید کی نماز پڑھی اور کچھ لوگ رہ گئے تو وہ دوسری مسجد میں نماز پڑھ لیں -(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کتاب الصلوٰۃ ساتواں باب فصل دوم

نفل نماز کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے

(سوال) وقتی نماز کے نفل عموماً لوگ بیٹھ کر پڑھتے ہیں یہ طریقہ کیسا ہے ؟

المستفتی مستری حافظ انعام الٰہی محلہ فراش خانہ دہلی

(جواب ۱۹) نفل بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے(۲) فرض کے بعد کے نفل اور دیگر نوافل سب کا حکم ایک ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

کتاب الصلوٰۃ آٹھواں باب

خطبہ کی اذان، نماز جنازہ اور وتر کے بعد دعا کا حکم

(سوال) خطبہ کی اذان کے بعد اور نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا اور تراویح اور وتر کے بعد نفل پڑھ کر اجتماعی دعا مانگنا از روئے شریعت کیسا ہے ؟ المستفتی مستری حافظ انعام الٰہی محلہ فراش خانہ دہلی

(جواب ۲۰) خطبہ کے وقت جو اذان ہوتی ہے اس کے بعد امام کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے دل میں دعا کا تصور کرلے زبان سے دعا نہیں پڑھنی چاہئیے(۳) جنازے کی نماز خود دعا ہے اس کے بعد کوئی اجتماعی دعا ثابت نہیں تراویح ختم ہونے پر دعا مانگ لینا اور پھر وتر و نفل کے بعد انفرادی طور پر دعا مانگنا - یہ افضل ہے -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) تجب صلاتهما في الاصح على من تجب عليه الجمعة شرائطها المتقدمة سوى الخطبة (الدر المختار مع الرد ۲ / ۱۶۶)

(۲) و يتنفل مع قدرته على القيام قاعدا ابتداء و كذا بناء بعد الشروع بلا كراهة في الاصح كعكسه و فيه اجر غير النبي على النصف الا بعذر (الدر المختار مع الرد ۲ / ۳۶)

(۳) عن عبدالله قال : كفى لغوا اذا صعد الامام المنبران تقول لصاحبك انصت رواه ابن ابي شيبة (اعلاء السنن ۲ / ۸۹)

کتاب الصلوٰۃ نواں باب نماز قصر

سفر میں قصر کرنا ضروری ہے

(سوال) نماز قصر سفر میں ضروری ہے یا اپنی مرضی پر منحصر ہے ؟

(جواب ۲۱) نماز قصر سفر میں حنفیہ کے نزدیک ضروری ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کی روایت کے موجب سفر کی اصل نماز دو رکعت ہی ہے -(۱) واللہ اعلم - محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی

کتاب الصلوٰۃ دسواں باب

عصر اور فجر کے بعد قضاء نماز پڑھ سکتے ہیں

(سوال) ظہر کی نماز قضا عصر کے فوراً بعد اور عشاء کی قضا نماز فجر کے فوراً بعد ادا کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

المستفتی مستری حافظ انعام الہی محلہ فراش خانہ دہلی -۵۰-۱۱-۲۷

(جواب ۲۲) قضا نماز عصر اور فجر کے بعد ادا کر سکتے ہیں(۲) جب کہ عصر اور فجر کی نماز سے پہلے نہ ادا کی ہو ورنہ پہلے ادا کر لینا چاہئے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کتاب الصلوٰۃ بارھواں باب

ایک مسجد میں ایک جماعت ہونی چاہئے

(سوال) (۱) ایک مسجد میں ایک تراویح کی جماعت سے زیادہ جماعتیں قائم کرنا شرعاً کیسا ہے ؟

(۲) تراویح میں ایک حافظ اتنی بلند آواز سے قرآن پاک پڑھتا ہے کہ مسجد کے بالا خانوں اور صحنچیوں اور دیگر اطراف میں اس کی آواز پہنچتی ہے ایسی صورت میں دوسرے حافظ کا اس مسجد میں تراویح پڑھانا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار دہلی

(جواب ۲۳) (۱) ایک مسجد کے اندر ہی جماعت ہونی چاہئے ہاں اگر اوپر دوسری منزل ہو اور آواز ایک امام کی دوسری جماعت تک نہ پہنچے تو خیر -(۲) مکروہ ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کتاب الصلوٰۃ چودھواں باب

دو رکعت سنت کی نماز میں قعدہ کر کے بھولے سے چار پڑھ لیں تو نماز ہو گئی

(سوال) (۱) دو رکعت والی نماز کی نیت باندھی اور بھولے سے چار رکعت پڑھ لی ہے مثلاً ظہر کی دو رکعت

---

(۱) قال فی البدائع . وهذا التغليب على اصلنا خطاء لأن الركعتين فی حصته ليتا قصرا حقيقة عندنا بل هما تمام فرض المسافر والا كمال ليس رخصة فی حقه بل اساءة و مخالفة للسنة (رد المحتار مع الدر ۲:۱۲۴) وفی حديث عائشة فی الصحيحين قالت فرضت الصلاة ركعتين ركعتين فاقرت صلاة السفر و زيد فی صلاة الحضر . الخ (رد المحتار مع الدر . ۲/۱۲۴)

(۲) و جميع اوقات العمر وقت للقضاء الا الثلاثة المنهية (الدر المختار مع الرد . ۲:۶۶)

سنت کی چار رکعت پڑھ لیں (۲) فرض نماز ہے اور دو کی بجائے چار رکعت پڑھ لیں یا پانچویں میں اچھی طرح کھڑا ہو گیا ایسی صورت میں کیا کرنا ہے جس سے نماز صحیح ہو۔

(۳) امام نے دو رکعت فرض کے بجائے چار رکعت پڑھا دیں بھولے سے کیا اس کا اعادہ کرنا ہو گا؟

المستفتی مستری حافظ انعام الٰہی محلہ فراش خانہ' دہلی

(جواب ۲۴) (۱) دو رکعت والی سنتوں میں اگر بھولے سے دوسری رکعت میں قعدہ کر کے کھڑا ہو گیا اور چار پڑھ لیں تو نماز ہو گئی (۱) (۲) فرض نماز میں دوسری رکعت میں قعدہ کر کے کھڑا ہو گیا اور چار رکعتیں بجائے دو کے پڑھ لیں تو سجدہ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی (۲) (۳) امام نے بھولے سے دو رکعتوں کے بجائے چار رکعتیں پڑھا دیں تو اگر دوسری رکعت پر قعدہ نہیں کیا تو یہ نماز فرض نہیں ہوئی چاروں نفل ہو گئے اور اگر قعدہ کر لیا تھا تو سجدہ سہو کرنے سے نماز فرض ادا ہو گئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کتاب الصلوٰۃ چودھواں باب

ایک سورت شروع کر کے پھر دوسری سورت پڑھ لی تو سجدہ سہو لازم نہیں!

(سوال) نمازی نے نماز سنت میں پہلی رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے سورہ فلق پڑھا اور دوسری رکعت میں بھول کر سورہ فاتحہ کے بعد سورہ فلق سے ایک آیت پڑھ کر پھر یاد آنے پر سورہ فلق چھوڑ کر سورہ ناس پڑھا۔ آیا اس نماز میں سجدہ سہو واجب ہوا کہ نہیں؟ المستفتی محمد صغیر خاں میانجی۔ مقام اوسیا ضلع غازی پور

(جواب ۲۵) اس صورت میں سجدہ سہو واجب نہیں۔ نہ فرض نماز میں نہ سنت میں۔ (۳) محمد کفایت اللہ

کتاب الصلوٰۃ چودھواں باب

مقتدی کا واجب ترک کرنے سے امام پر سجدہ سہو واجب نہیں

(سوال) مقتدی کے واجب ترک سے امام پر سجدہ سہو لازم ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اگر سجدہ سہو لازم نہ آیا تو مقتدی کی نماز میں کچھ خرابی پہنچی یا نہیں؟

المستفتی محمد صغیر خاں میانجی مقام اوسیا ضلع غازی پور۔ ۳۰ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۶) مقتدی کے واجب ترک کرنے سے امام پر سجدہ سہو نہیں آتا مقتدی کی نماز میں نقصان آتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) وان صلی اربع رکعات بتسلیمة واحدة والحال انه لم یقعد علی رکعتین منها قدر التشهد تجزی الاربع عن تسلیمة واحدة ای عن رکعتین ولو قعد علی راس الرکعتین جازت عن تسلیمتین بالا تفاق (حلبی کبیر ص ۴۰۸ 'لاہور)

(۲) لوسها عن القعود الاخیر کله او بعضه اعاد مالم یقیدها بسجدة عامدا او ناسنا او مخطئا تحول فرضه نفلا ... وضم سادسة ولو فی العصر والفجر (قال المحقق) بناء علی ان المراد بالسادسة رکعة زائدة والا فهی فی الفجر رابعة (رد المحتار مع الدر ۸۵/۲)

(۳) افتتح سورة وقصد سورة اخری فلما قرء آیة او آیتین اراد ان یترك تلك السورة و یفتح التی ارادها یکره الخ (رد المحتار مع الدر ۵۴۷/۱)

کتاب الصلوۃ چودھواں باب
فاتحہ کے بعد تین تسبیحات کے بقدر ٹھہرنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے

(سوال) فرض نماز کی پہلی اور دوسری رکعت میں بعد سورہ فاتحہ وامین بقدر تین تسبیح ٹھہرا اس سوچ میں کہ کونسی سورۃ پڑھوں بعدہ کوئی سورۃ پڑھی آیا ایسی حالت میں سجدہ سہو لازم ہوا یا نہیں ؟ المستفتی محمد صغیر خاں میانجی موضع وپوسٹ اوسیا ضلع غازی پور۔

(جواب ۲۷) بعض فقہاء نے سجدہ سہو کا حکم دیا ہے کر لینا چاہئے۔ (۱) محمد کفایت اللہ

کتاب الصلوۃ سولھواں باب
اگر امام سے قبل مقتدی کوئی رکن ادا کرے تو مقتدی کا یہ رکن معتبر نہیں

(سوال) (۱) اگر امام سے قبل مقتدی کوئی رکن ادا کرے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ؟
(۲) بعض امام سجدہ سے سر اٹھاتے وقت تکبیر شروع کرتے ہیں اور نہایت اطمینان کے ساتھ کھڑے ہو کر تکبیر ختم کرتے ہیں اس سے قبل کہ امام اپنی تکبیر ختم کرے مقتدی تکبیر کہہ کر کھڑے ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں کیا حکم ہے ؟ المستفتی شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار دہلی

(جواب ۲۸) (۱) وہ رکن مقتدی کا غیر معتبر ہوگا (۲) مقتدی کو امام کا اتباع کرنا لازم ہے اس امام کے مقتدی بھی تکبیر دیر سے شروع کریں اور امام کے بعد ختم کریں۔ (۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کتاب الصلوۃ اٹھارھواں باب
نماز میں بلغم سے تنگ آکر بائیں طرف تھوکنا

(سوال) نماز کی حالت میں اگر بلغم آکر حلق میں رکاوٹ پیدا کردے پڑھنا مشکل ہو گیا اور تھوکنا بھی ممکن نہیں ہے بائیں طرف جلدی سے اگر اس طرف منہ کرکے تھوک دے تو نماز میں نقصان آئے گا یا نہیں ؟ وقت اخیر قعدہ کا ہے قرات بھی شروع نہیں کی ہے۔ المستفتی محمد صغیر خاں میانجی مقام اوسیا ضلع غازی پور

(جواب ۲۹) اگر بائیں طرف تھوکنے کا موقع ہے تو بے شک تھوک دے اس سے نماز میں نقصان نہیں آتا۔ (۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

---

(۱) اذا شغله ذلك الشك فتفكر قدر اداء الركن ولم يشتغل حالة الشك بقراءة ولا تسبيح وجب عليه سجود السهو (شرح التنوير ۲: ۹۳-۹۴)
(۲) قال في شرح المنية لا خلاف في لزوم المتابعة في الاركان الفعلية اذ هي موضوع الاقتداء واختلف في المتابعة في الركن القولي وهو القراءة فعندنا لا يتابع فيه بل يستمع وينصت ... يجب متابعته للامام في الواجبات فعلا ... لزم من فعله مخالفة الامام في الفعل ... (رد المحتار مع الدر ۱: ۴۷۰)
(۳) عن انس قال قال رسول الله ان المومن اذا كان في الصلاة فانما يناجي ربه فلا يبزقن بين يديه ولا عن يمينه ولكن عن يساره او تحت قدمه (الصحيح للامام البخاري ۱: ۵۹ ط قديمي)

کتاب الصلوٰۃ اٹھارھواں باب

امام بھول گیا اور مقتدی نے لقمہ دیا تو نماز فاسد نہیں ہوتی

(سوال) رسالہ رکن دین کے حوالہ در مختار لکھا ہوا ہے کہ سجدہ سہو سجدہ تلاوت و قعدہ اولیٰ و تکبیرات زائد عیدین اور دعائے قنوت اگر پیش امام ترک کردے تو مقتدی کے اوپر بھی ترک لازم آتا ہے اور دارالعلوم دیوبند کا ایک فتویٰ دیکھا گیا ہے کہ سجدہ سہو کے لئے امام کو لقمہ دیدو اگرچہ دونوں طرف سلام پھیر چکا ہو اب اگر قعدہ اولیٰ چھوڑ کر امام کھڑا ہو جائے اور مقتدی لقمہ دے کر قعدہ اولیٰ میں لوٹادے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ یا سلام پھیرنے سے قبل لقمہ دیکر امام سے سجدہ سہو کرایا تو نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟ **المستفتی** محمد صفیر خاں میانجی - مقام اوسیا ضلع غازی پور

(جواب ۳۰) اگر امام نے قعدہ اولیٰ ترک کیا اور مقتدی نے لقمہ دیا اور امام قعدہ کے لئے لوٹ آیا تو نماز فاسد نہیں ہوئی اسی طرح اگر امام سجدہ سہو بھول گیا اور مقتدی نے لقمہ دیکر سجدہ سہو کرایا تو نماز فاسد نہیں ہوئی۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

کتاب الصلوٰۃ اٹھارھواں باب

لہ ما فی السموات کی جگہ للہ پڑھا تو نماز ہو جائے گی

(سوال) نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ حشر کی قرأت میں آخری آیت کی لہ کو چھوڑ کر بجائے اس کے للہ ما فی السمٰوٰت پڑھ دیا تو نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟ **المستفتی** محمد صفیر خاں میانجی - مقام اوسیا ضلع غازی پور - ۳۰ اگست ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۱) لہ کی جگہ للہ پڑھ دیا تو نماز ہو گئی۔(۲) محمد کفایت اللہ

کتاب الصلوٰۃ اٹھارھواں باب

نماز کے دوران قمیض کو ٹھیک کرنے سے نماز میں کراہت آجاتی ہے

(سوال) زید کو یہ عادت ہے کہ حالت نماز میں قومہ میں کھڑے ہو کر اپنے دونوں ہاتھ اپنے کولہوں پر پیچھے تک بھی اپنی قمیص کو پیچھے سے ٹھیک کرتے ہیں اسی طرح تشہد میں بیٹھ کر اپنی قمیص اپنے زانوں پر کھینچتے ہیں کیا اس طریقے سے نماز صحیح ہو جاتی ہے؟ **المستفتی** شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار دہلی

(جواب ۳۲) یہ حرکت نماز میں کراہت پیدا کرتی ہے۔(۳) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) والحاصل ان الصحیح من المذهب ان الفتح علی امامه لا یوجب فساد صلوة احد لا الفاتح ولا الآخذ مطلقاً فی کل حال (البحر الرائق ۲ بیروت)

(۲) ومنها ذکر کلمة مکان کلمة علی وجه البدل ان کانت الکلمة التی قرأها مکان کلمة یقرب معناها وهی فی القرآن لا تفسد صلاته نحو ان قرأ مکان العلیم الحکیم (هندیة ۱ / ۸۰)

(۳) ویکره للمصلی ان یعبث بثوبه او بجسده لقوله علیه الصلاة والسلام ان الله کره لکم ثلاثاً وذکر منها العبث فی الصلاة ولان العبث خارج الصلاة حرام فما ظنک فی الصلاة (هدایة ۱ / [illegible])

کتاب الصلوٰۃ انیسواں باب

نماز میں اگر وضو ٹوٹ جائے تو کیا کرے؟

(سوال) جماعت میں ایک مقتدی کا وضو جاتا رہا صفوں سے باہر نکل کر وضو کیا تو پھر وہیں جا کر نماز تمام کرے یا جہاں جگہ ملے وہیں ادا کرے اور جس رکعت میں شامل ہوا تھا اسی سے رکعتیں شمار کی جائیں گی؟ اگر امام صاحب کا وضو جاتا رہا ہے تو امام اپنا قائم مقام کھڑا کر کے وضو کے بعد جماعت میں شامل ہو جائے تو سابقہ رکعتیں بھی شمار کی جائیں گی یا نہیں؟ المستفتی مستری حافظ انعام الٰہی محلہ فراش خانہ دہلی ۵۰-۱۱-۲۷

(جواب ۳۳) نماز میں امام یا مقتدی کا وضو جاتا رہے تو وہ وضو کرنے کے لئے جائے اور مسجد کے اندر وضو کرنے کی جگہ میں وضو کر کے پھر آکر جماعت میں شامل ہو جائے یہ بات ضروری نہیں ہے کہ جس جگہ پہلے کھڑا تھا وہیں کھڑا ہو اگر درمیان میں کوئی ایسا کام نہ کیا جس سے نماز فاسد ہو جائے تو پہلی نماز بھی معتبر ہوگی اور جہاں سے شریک ہوا ہے وہ بھی معتبر ہوگی درمیان میں جو رکعتیں جاتی رہی ہیں ان کو سلام امام کے بعد پورا کرلے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کتاب الصلوٰۃ اکیسواں باب

جہری نماز میں سراً قرأت شروع کر دی درمیان میں یاد آیا تو کیا کرے؟

(سوال) فرض نماز جہری میں امام ایک رکعت پڑھ کر دوسری رکعت میں جہر بھول گئے اور خاموشی ہی سورہ فاتحہ پڑھی سورت پڑھنے کے دوران میں جب کہ آدھی سورت سے زیادہ پڑھ لی یاد آنے پر بقایا سورت کو جہر سے پڑھا آیا نماز درست ہوئی یا نہیں؟ المستفتی مستری حافظ انعام الٰہی محلہ فراش خانہ دہلی ۱۸ اپریل ۱۹۵۱ء

(جواب ۳۴) اگر جہری نماز میں قراءۃ سراً پڑھ لی جائے تو سجدہ سہو کر لینے سے نماز درست ہو جاتی ہے اگر قراءۃ بھولے سے آہستہ پڑھنی شروع کر دی اور درمیان میں یاد آیا کہ نماز جہری ہے مگر باقی قراءۃ بھی آہستہ ہی پوری کرلی جب بھی سجدہ سہو سے نماز صحیح ہو جائے گی بشرطیکہ جتنی قراءۃ پڑھی تھی وہ جواز نماز کے لئے کافی ہو اور اسے یاد آنے پر جہر کرنا چاہئے مگر از سر نو فاتحہ اور سورت جہر سے پڑھے اور سجدہ سہو کرلے یہ نہ کرے کہ جہاں پر یاد آئے وہیں سے جہر شروع کر دے۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) واذا ساغ له البناء توضا فورا بكل سنة و بنى على مامضى بلا كراهة و يتم صلاته ثمه وهو اولى تقليلا للمشى او يعود الى مكانه ليتحد مكانها كمنفرد فانه مخير (الدر المختار مع الرد ۱/۶۰۵، ۶۰۶)

(۲) يجب بعد سلام واحد عن يمينه فقط سجدتان (الى قوله) والجهر فيما يخافت فيه للامام و عكسه لكل مصل فى الاصح والاصح تقديره بقدر ما تجوز به الصلاة فى الفصلين و قيل قائله قاضى خان و يجب السهو بهما بالجهر والمخافة مطلقا اى قل او كثر وهو ظاهر الرواية واعتمده الحلوانى (الدر المختار مع الرد : ۲/۸۱، ۸۲)

کتاب الصلوٰۃ بائیسواں باب

رفع یدین تکبیر تحریمہ کے علاوہ منسوخ ہے......

(سوال) (۱) رفع یدین آنحضرت ﷺ نے کس موقع پر کرنے کا حکم دیا تھا اور کب منع فرمایا تھا؟
(۲) آمین بالجہر کا کب حکم دیا تھا اور کب منع فرمایا تھا؟ المستفتی حکیم اللہ بخش - بگڑ ا بنگال ۲۹ جنوری ۱۹۲۸ء

(جواب ۳۵) (۱) رفع یدین ابتدا میں نماز شروع کرتے وقت اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھنے کے وقت اور دونوں سجدوں کے درمیان ہوتا تھا اور یہ سب صحیح روایتوں سے ثابت ہے پھر سجدوں کے درمیان اور رکوع میں جانے اور رکوع سے اٹھنے کے مواقع میں سے منسوخ ہو گیا نسخ کی تاریخیں معلوم نہیں لیکن صحابہؓ سے یہ ثابت ہو گیا کہ ان مواقع میں حضور ﷺ نے رفع یدین نہیں فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے کرتے تھے پھر چھوڑ دیا۔(۱)
(۲) آمین بالجہر کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے اس لئے حنفیہ آمین بالاخفا کو مستحب سمجھتے ہیں۔(۲) محمد کفایت اللہ غفر لہ،

کتاب الصلوٰۃ چوبیسواں باب

منبر کا صف کے درمیان میں ہونے سے نماز مکروہ نہیں ہوگی......

(سوال) درمیان اگلی صف کے منبر کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنی کیسی ہے آیا اگلی صف کی نماز مکروہ ہوگی یا نہیں ؟ بخیال انقطاع صف - المستفتی محمد صغیر خاں موضع و پوسٹ لوسیا ضلع غازی پور
(جواب ۳۶) نہیں مکروہ نہیں ہوگی۔ محمد کفایت اللہ

کتاب الصلوٰۃ چوبیسواں باب

منبر مسجد کے اندر کہاں بنانا چاہئیے ؟

(سوال) منبر مسجد محراب کے اندر ایک طرف ہونا افضل ہے یا باہر ؟ المستفتی محمد صغیر خان موضع و پوسٹ لوسیا ضلع غازی پور۔
(جواب ۳۷) محراب کے اندر ہو تو بہتر ہے اور باہر ہو تب بھی صف کو نہ توڑتا ہو اس طرح بنانا چاہئیے صف کو توڑے تو یہ بہتر نہیں۔ محمد کفایت اللہ

---

(۱) وقد حدثنی من لا احصی عن عبداللہ انہ رفع یدیہ فی بدء الصلاۃ فقط و حکاہ عن النبی ﷺ و عبد اللہ عالم بشرائع الاسلام وحدودہ متفقد لاحوال النبی ﷺ ملازم لہ فی الاقامۃ والسفر وقد صلی مع النبی ﷺ مالا یحصی فیکون الاخذ بہ عند التعارض اولی من افراد مقابلہ ومن القول بسنیۃ الامرین (شرح فتح القدیر ۱/۳۱۲) ط مصر
(۲) وامن الامام سرا کما موتم و منفرد ولو فی السریۃ اذا سمعہ ولو من مثلہ فی نحو جمعۃ و عید واما حدیث اذا امن الامام فامنوا فمن التعلیق بمعلوم الوجود فلا یتوقف علی سماعہ منہ بل یحصل بتمام الفاتحۃ بدلیل اذا قال الامام ولا الضالین فقولو آمین (الدر المختار مع الرد ۱ ۴۹۲)

کتاب الصلوٰۃ چوبیسواں باب

امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے صرف جماعت کی نماز میں کافی ہے نفلوں، سنن میں نہیں

(سوال) میدان میں نماز جماعت کے وقت سترہ امام ہر مقتدی کے واسطے کافی ہوتا ہے اور باقی سنت و نفل نماز جو ہر ایک کو اکیلا پڑھنی ہے آیا ہر ایک کا سترہ جدا ہونا چاہیے یا وہی سترہ امام کافی ہوگا۔
المستفتی محمد صغیر خاں موضع و پوست اوسیا ضلع غازی پور

(جواب ۳۸) فرض نماز میں امام کا سترہ مقتدی کیلئے کافی ہوتا ہے نوافل و سنن میں نہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ

کتاب الجنائز دوسرا باب فصل اول

میت کو کفنا کر شوہر اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے

(سوال) (۱) بیوی کے انتقال ہونے کے بعد کفنا کر اکثر عزیزوں کو صورت دکھاتے ہیں کیا اس کے خاوند کو بھی صورت دکھا سکتے ہیں؟ خاوند کندھا دے سکتا ہے (۲) عورت سے مہر معاف کرا سکتے ہیں؟ اگر ادا کرنا چاہے تو اس کے مہر کا کون مستحق ہوگا (۳) کیا یہ بات صحیح ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی بیوی کو آپ ہی غسل دیا تھا۔ المستفتی مستری حافظ انعام الٰہی محلہ فراش خانہ دہلی

(جواب ۳۹) (۱) بیوی کو کفنا کر اس کی صورت صرف عورتیں یا باپ بیٹا دیکھ سکتا ہے خاوند بھی اگر دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے خاوند کو ہاتھ لگانا یعنی اس کے بدن کو چھونا جائز نہیں جنازے کو اٹھا سکتا ہے (۲) (۲) مہر معاف نہیں کرایا تو اس کی ادائیگی ضروری ہے خاوند اپنا حصہ وضع کر کے باقی مہر اس کے اور وارثوں کو دیدے (۳) (۳) حضرت علی کا حضرت فاطمہؓ کو غسل دینا ثابت نہیں۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

کتاب الجنائز دوسرا باب فصل چہارم

محشر میں سب کی زبان عربی ہوگی

(سوال) سنتے ہیں کہ قبروں میں سے اٹھتے ہی ہر انسان کی عربی زبان ہو جائے گی۔ المستفتی مستری حافظ انعام الٰہی صاحب محلہ فراش خانہ دہلی

(جواب ۴۰) یہاں عربی زبان میں گفتگو اور سوال و جواب ہوگا سب کی زبان عربی ہوگی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

---

(۱) و کفت سترة الامام للکل ای للمقتدین به کلهم وظاهر التعمیم به شمول المسبوق و به صرح القهستانی (رد المحتار مع الدر ۱ / ۶۳۸)
(۲) و یمنع زوجها من غسلها و مسها لا من النظر الیها علی الاصح (شرح التنویر ۲ / ۱۹۸)
(۳) واذا مات الزوجان وقد سمی لها مهر فلورثتها ان یاخذوا ذالک من میراثه الا اذا علم انها ماتت اولا فیسقط نصیبه من ذالک (هدایة ۲ / ۳۳۷ ط ملتان)
(۴) قال فی شرح المجمع لمصنفه فاطمة غسلتها ام ایمن حاضنته ﷺ و رضی عنها فتحمل روایة الغسل لعلی علی معنی التهیئة والقیام باسبابه ولئن ثبتت الروایة فهو مختص به (رد المحتار مع الدر ۲ / ۱۹۸)

کتاب الجنائز چھٹا باب

نذر لغیر اللہ حرام ہے

(سوال) کسی مزار پر پھول چڑھانا چادر چڑھانا اگربتی جلانا پھول کو مزار سے اٹھا کر چومنا یا کھانا - یا ٹوپی یا رومال وغیرہ میں رکھنا اگر ان بری باتوں سے منع کریں تو ان حضرات کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مزار پر عذاب ہوتے ہوئے دیکھا اور ایک ٹہنی منگا کر سرہانے اور پائینتی کی طرف لگا دی اور فرمایا کہ یہ جب تک ہری رہے گی عذاب میں کمی رہے گی ہم تو اللہ کے پیارے سمجھ کر خوشبو والے پھول استعمال کر لیتے ہیں -
المستفتی مستری حافظ انعام الٰہی صاحب محلہ فراش خانہ دہلی

(جواب ٤١) مزار پر پھول یا چادر چڑھانے کا مطلب ان چیزوں کا نذر کرنا ہے اور نذر لغیر اللہ حرام ہے - کیونکہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت حرام ہے اور اگر بتی جلانا بطور نذر ہو تو اس کا حکم بھی وہی ہے - اور بطور نذر نہ ہو تو فعل عبث ہے اور اسراف ہے کیونکہ ان چیزوں سے میت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا - (۱) آں حضرت ﷺ نے دو قبروں میں عذاب کا ہونا نور نبوت سے معلوم فرمایا تھا تب حضور ﷺ نے ایک شاخ کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا ہر ایک قبر پر گاڑ دیا تھا یہ قبر پر کوئی چیز چڑھانا نہیں تھا بلکہ صاحب قبر کے عذاب کی تخفیف کی امید پر لگایا گیا تھا کہ گیلی شاخ کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچے حضور اکرم ﷺ کے اس فعل کی اقتدا کرنی ہو تو ایسے لوگوں کی قبروں پر جن کے گناہ گار ہونے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہونے کا خیال ہو گیلی شاخ قبر پر گاڑنے سے ہو سکتی ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

کتاب الجنائز دوسرا باب فصل چہارم

میت کو قبر میں رکھنے کے بعد مٹی پر جو آیت شریف پڑھتے ہیں اس کو مٹی پر نہ پھونکے

(سوال) قبر میں مردے کو لٹا کر تختہ وغیرہ رکھنے کے بعد جو مٹی ڈالی جاتی ہے اور اس وقت جو آیت شریفہ پڑھی جاتی ہے تو اس کو پڑھ کر مٹی پر پھونکے یا صرف پڑھ لینا ہی کافی ہے؟
المستفتی محمد صغیر خاں میانجی - مقام اوسیا ضلع غازی پور

(جواب ٤٢) مٹی پر پھونکے نہیں - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کتاب الجنائز تیسرا باب

نماز جنازہ خود دعا ہے اس کے بعد دعا نہیں

(سوال) نماز جنازہ پڑھنے کے بعد کسی قدر وقت لیکر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟
المستفتی محمد صغیر خاں میانجی - مقام اوسیا ضلع غازی پور - ۳۰ اگست ۱۹۴۶ء

(جواب ٤٣) نماز جنازہ خود دعا ہے اس کے بعد دعا کا رواج ڈالنا درست نہیں ہے - محمد کفایت اللہ

(۱) لا يجوز ما يفعله الجهال بقبور الاولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد اليها ومن الاجتماع بعد الحول كالا عياد و يسمونه عرسا (تفسير مظهرى : ۲ : ٦٥ كوئٹه)

کتاب الجنائز تیسرا باب

دریا میں ڈوب کر مرنے والا یا بلوۂ عام میں مارا ہوا
یا شہید جس کا نعش لاپتہ ہو ..... جنازے کا حکم

(سوال) جو لوگ دریا میں ڈوب کر مر گئے یا بلوہ عام میں مارے گئے اور نعش لاپتہ ہے یا دیوار سے دب کر مر گئے یا جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہو گئے لیکن نعش نہ مل سکی ایسی صورت میں نماز غائبانہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟ اگر کسی مذکورہ بالا شخص کی نعش کا نصف حصہ نیچے کا یا اوپر کا سینے تک مل جائے تو اس میت کا نام لے کر نماز پڑھی جائے ؟ اور حضور پاک ﷺ نے حبش کے بادشاہ کی نماز پڑھائی اس میں کیا خصوصیت تھی ؟
المستفتی مستری حافظ انعام الہی صاحب محلہ فراش خانہ دہلی

(جواب ٤٤) خواہ لوگ ڈوبے ہوں یا بلوہ عام میں مارے گئے ہوں یا دیوار کے نیچے دب کر مرے ہوں اور نعش نہ مل سکی ہو یا جہاد میں گئے اور شہید ہو گئے اور نعش نہ مل سکی ان تمام صورتوں میں ان کی نماز جنازہ اگر پڑھی گئی تو نماز غائبانہ ہو گی اور یہ حنفیہ کے نزدیک ثابت اور صحیح نہیں آں حضرت ﷺ نے نجاشیؓ کی نماز جنازہ پڑھی تو حنفیہ اس کو صلوٰۃ غائب نہیں سمجھتے بلکہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نجاشی کا جنازہ حضور ﷺ کے سامنے کر دیا تھا تو وہ نماز غائب نہ ہوئی ہاں ایسے لوگوں کو ایصال ثواب کے لئے صدقہ اور خیرات کر کے ان کو ثواب بخش سکتے ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔(۱)

اگر نصف جسم اوپر کا جس میں چہرہ موجود ہو مل جائے تو اس کی نماز جنازہ ہو سکتی ہے (۲) اور نصف حصہ نیچے کا ملے تو اس پر نماز نہیں ہے اس کو ایسے ہی دفن کر دیا جائے نماز میں میت کا نام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

کتاب الجنائز تیسرا باب

مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے

(سوال) نماز جنازہ مسجد میں یا صحن مسجد میں یا کچی مسجد میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟ کیونکہ آج کل قبرستان میں نہ کوئی چبوترہ ہے نہ کوئی جگہ ٹھیک ہے۔ المستفتی مستری حافظ انعام الہی محلہ فراش خانہ ٗ دہلی

(جواب ٤٥) نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے مگر مسجد سے وہ جگہ مراد ہے جو نماز کے لئے مخصوص ہو اور اگر شمالاً جنوباً اس میں کوئی عمارت ہو (۳) (جیسے مسجد فتح پوری میں ہے) یا مشرقی سمت میں مسجد سے علاوہ اور جگہ

---

(۱) وشرطها ستة اسلام الميت ووضعه وكونه هو اكثره امام المصلى و كونه للقبلة فلا تصح على غائب و محمول على نحو دابة و موضوع خلفه وصلاة النبى ﷺ على نجاشى لغوية او خصوصية (قال فى الشامية) اولا نه رفع سريره حتى راه عليه الصلاة والسلام بحضرته فتكون صلاة من خلفه على ميت يراه الامام ولحضرته دون المامومين وهذا غير مانع من الا قتداء (رد المحتار مع الدر : ۲ ۲۰۸)
(۲) فى مراقى الفلاح : والرابع حضوره او حضور اكثر بدنه او نصفه مع راسه (مراقى الفلاح ص ۳۵۳ ط مصر)
(۳) وكرهت تحريما و قيل تنزيها فى مسجد جماعة هواى الميت فيه وحده او مع القوم واختلف فى الخارجة عن المسجد وحده او مع بعض القوم والمختار الكراهة الخ (رد المحتار مع الدر : ۲/ ۲۲۴'۲۲۵)

ہو (جیسے مسجد فتح پوری میں حوض سے مشرقی سمت میں ہے) تو وہاں نماز جنازہ پڑھنے میں مضائقہ نہیں اور (جامع مسجد دہلی میں) حوض کی پٹڑی پر نماز جنازہ پڑھنی کہ امام اور ایک صف حوض کی پٹڑی پر ہو یہ بھی جائز ہے اگرچہ زائد نمازی فرش مسجد پر بھی کھڑے ہو جائیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

کتاب الصوم پہلا باب

ریڈیو پر رؤیت کا اعلان

(سوال) مراد آباد کے اس اجتماع میں جو جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس مورخہ ۱۴'۱۵ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ ۱۸'۱۹ اگست ۱۹۵۱ء کے سلسلہ میں ہوا تھا مسئلہ رؤیت کے متعلق ایک اطمینان بخش فیصلہ علماء کرام نے صادر فرمایا

(سوال)

ریڈیو کے ذریعہ سے جو اعلان کیا جاتا ہے اس کے متعلق یہ تو ظاہر ہے کہ اس کو شہادت کی حیثیت نہیں دی جاسکتی نہ اعلان کرنے والا اس کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہے اور نہ قانون شہادت کی رو سے شہادت کی شرطیں اس میں پائی جاتی ہیں۔

اس اطلاع کو اگر خبر کی حیثیت دی جائے تب بھی وہ موجودہ صورت میں قابل اعتماد نہیں کیونکہ خبر دینے والا خود ایک ایسا شخص ہوتا ہے جس کو نہ سننے والے جانتے ہیں اور نہ اس میں وہ شرطیں موجود ہوتی ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے ایسی خبروں کے لئے ضروری ہیں علاوہ ازیں وہ صرف ایک شخص کی خبر ہوتی ہے جس کی بناء پر کسی خاص صورت کے علاوہ عام طور پر رویت ہلال کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

البتہ ایک سوال یہ ہے کہ اگر ریڈیو کے اعلان کی شکل قابل اعتماد ہو جائے (مثلاً یہ طے ہو جائے کہ جب شرعی طور پر رویت ہلال کا باضابطہ فیصلہ کر دیا جائے تو کوئی قابل اعتماد مسلمان پوری ذمہ داری کے ساتھ ریڈیو اسٹیشن پر پہنچ کر یہ خبر نشر کرے) تو جب کہ عام طور پر اس قسم کے اعلانوں میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جاتا اور رویت ہلال کے بارے میں حقیقت یہ ہے کہ شرعی ثبوت کے بعد جب باضابطہ فیصلہ کر دیا جائے تو اعلان کی ایسی شکل کافی مانی جاتی ہے جو ظن غالب پیدا کر سکے چنانچہ اعلان کرنے والے کے لئے شہادت کی اہلیت شرط نہیں مانی جاتی اور دیہات والوں کے لئے توپ کے گولوں کی آواز اور روشنی جیسی چیزیں جو اس موقع پر معتاد ہوں کافی مانی جاتی ہیں (رد المحتار وغیرہ) اور اسی طرح آج کل اگر مثلاً کلکتہ میں جس کی آبادی تقریباً ساٹھ لاکھ ہے اور رقبہ ڈھائی سو میل مربع ہے وہاں اگر ریڈیو اسٹیشن سے اعلان کر دیا جائے تو پورے شہر کے لئے کافی مانا جاتا ہے تو سوال یہ ہے کہ ایسے اعلان کے لئے کچھ حدود مقرر ہیں یا ایسے تمام علاقہ کے لئے یہ اعلان کافی ہو سکتا ہے جہاں مطلع میں غیر معمولی اختلاف نہ ہو اور جہاں تک یہ روشنی یا آواز پہنچ سکے۔

ان حالات اور مقتضیات پر پوری طرح غور کرنے کے بعد اصول شریعت کی روشنی میں علماء

کرام نے جو فیصلہ صادر فرمایا اس کے الفاظ یہ ہیں :-

فیصلہ

مجلس نے بالاتفاق طے کیا ہے کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے وہاں کے علماء نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کر دیا ہے خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتمد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات میں بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے - اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعت اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جائے یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے -

اس فیصلہ پر جن حضرات نے دستخط فرمائے ان کے اسمائے گرامی ان کے مختصر تعارف کے ساتھ درج ہیں -

حضرت علامہ مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند و شیخ الحدیث و مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند و شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند ' حضرت الحاج مولانا محمد اعزاز علی صاحب شیخ الفقہ و مفتی اعظم دار العلوم دیوبند ' حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند - مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی ناظم اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی ' مولانا سید فخر الحسن صاحب استاد دار العلوم دیوبند ' حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب مہتمم مظاہر العلوم سہارنپور ' مولانا سعید احمد صاحب مفتی مظاہر العلوم سہارنپور مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت صوبہ بہار ' مولانا عثمان غنی صاحب مدیر "نقیب" امارت شرعیہ پھلواری شریف بہار ' مولانا مسعود علی صاحب ندوی ناظم دار المصنفین اعظم گڑھ ' حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی صدر المدرسین مدرسہ عالیہ کلکتہ ' حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب شیخ الحدیث و مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد ' مولانا عبد الحق صاحب مدنی مدیر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد ' مولانا قاضی سجاد حسین صاحب صدر المدرسین مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی ' مولانا محمد رفیع صاحب استاد مدرسہ عبد الرب دہلی ' مولانا ضیاء الحق صاحب مفتی دار الافتاء جمعیۃ علماء ہند دہلی ' مولانا حافظ قاری سید حامد میاں صاحب نائب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد ' مولانا سید حمید الدین صاحب مہتمم مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی ضلع بلند شہر - مولانا حشمت علی صاحب صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ بلند شہر ' مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی احمد آباد ' مولانا محمد تقی صاحب مفتی مالیگاؤں صوبہ بمبئی ' مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب میرٹھ ' مولانا سید منت اللہ صاحب سجادہ نشین خانقاہ رحمانیہ مونگیر صوبہ بہار ' حضرت مولانا ابو الوفا صاحب شاہ جہاں پور ' مولانا محمد قاسم صاحب شاہ جہانپور ' مولانا محمد امین صاحب دہلوی ' مولانا سید محمد ظہور صاحب صدر المدرسین مدرسہ

مبایسیہ پتھر ایوں ضلع مراد آباد' مولانا سید محمد اعلیٰ صاحب دیوبندی مہتمم مدرسہ اسلامیہ سلیم پور ضلع مراد آباد' مولانا اعجاز حسین صاحب مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ امروہہ' مولانا سید اختر اسلام صاحب استاد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد' مولانا اشفاق حسین صاحب مراد آباد' مفتی محمد شریف صاحب ٹونک' مولانا قاری فضل الرحمٰن صاحب پتھر ایوں' مولانا عبدالوہاب صاحب بستوی' مولانا عبدالحمید صاحب اعظمی۔

ان حضرات کے علاوہ مولانا علی اعلیٰ صاحب فاروقی جونپوری (اہل حدیث) کے دستخط بھی تحریر ہیں مگر آپ نے دستخط سے پہلے ایک ضروری بات کی طرف بھی توجہ دلادی ہے آپ کی تحریر کے بجنسہ الفاظ درج ہیں :-

"اس مسئلہ سے کلیتہ اتفاق ہے دعوت عمل میں جہاں "جماعت" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ ان مقامات کے لئے حاوی نہیں جہاں جماعت کے بجائے افراد ذمہ دار افتاء وفیصلہ ہیں جیسے ائمہ وغیرہ"

کتاب الصوم چھٹا باب

عذر شرعی کے بغیر روزہ نہیں چھوڑنا چاہیئے

(سوال) اگر کوئی روزہ چھوڑنا چاہے اور نیت یہی ہو کہ میں روزے رکھوں گا لیکن گرمی کی شدت کی وجہ سے مجبور ہو تو کیا کرے ؟ المستفتی مستری حافظ انعام الٰہی محلہ فراش خانہ' دہلی

(جواب ۴۶) روزہ چھوڑنا نہیں چاہیئے سوائے بیماری یا سفر یا ایسے عذر کے جو شرعاً معتبر ہو جیسے حمل یا رضاعت۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کتاب الصوم ساتواں باب

انجکشن لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا.

(سوال) روزہ کی حالت میں انجکشن لینے پر صرف روزہ کا قضا چاہیئے یا قضا و کفارہ دونوں ؟ المستفتی محمد صغیر خاں میانجی ۔مقام اوسیا ضلع غازی پور ۔ ۳۰ اگست ۱۹۴۶ء

(جواب ۴۷) روزہ میں انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور قضا یا کفارہ کچھ بھی لازم نہیں آتا۔ (۱) محمد کفایت اللہ

---

(۱) انجکشن کے ذریعے دوا چونکہ کسی منفذ سے معدہ میں نہیں پہنچتی بلکہ عروق اور مسامات کے ذریعہ پہنچتی ہے اس لئے انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ او اکتحل اوادھن او احتجم وان وجد طعمه في حلقه (وفي الشامية) لانه اثر داخل في المسام الذى هو خلل البدن والمفطر انما هو الداخل من المنافذ للا تفاق على ان من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه انه لا يفطر وانما كره الامام الدخول في الماء والتلفف بالثوب المبلول لما فيه من اظهار الضجر في اقامة العبارة لا لانه مفطر (ردالمحتار مع الدر)

کتاب الزکوۃ پہلا باب

زمین پر زکوۃ نہیں

(سوال) زید نے مبلغ پانچ سو روپے کی ایک زمین خرید لی اس رقم پر زکوۃ دینی چاہئے یا نہیں ؟ اب اس زمین کے لئے امپرومنٹ ٹرسٹ کا نوٹس موصول ہوا ہے کہ اس کو کسی غیر کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتے لہذا ایسی صورت میں منافع کی کوئی امید نہیں رہی۔ المستفتی شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار (دہلی)

(جواب ٤٨) زمین خرید لی تو زمین پر زکوۃ نہیں ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کتاب الزکوۃ چوتھا باب فصل اول

صاحب نصاب کو زکوۃ نہیں دی جا سکتی.

(سوال) کسی مستحق کو مد زکوۃ سے ایک وقت میں ۵۲ یا اس سے زیادہ دیئے جا سکتے ہیں یا نہیں ؟ اگر کسی شخص کے پاس ۵۲ ہوں اور اس کے اوپر کوئی قرضہ نہ ہو تو اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں یا نہیں ؟ المستفتی شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار دہلی

(جواب ٤٩) ایک وقت میں ۵۲ سے زیادہ بھی مسکین کو دیئے جا سکتے ہیں مگر جس کے پاس ۵۲ موجود ہوں اس کو زکوۃ نہیں دی جا سکتی۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کتاب الزکوۃ چوتھا باب فصل اول

کیا کرنسی نوٹ سے زکوۃ ادا ہو گی ؟

(سوال) (۱) کرنسی(۳) نوٹوں کے ذریعے سے زکوۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ (۲) مستحق کو دس روپے کا نوٹ مد زکوۃ سے ملا اس نے وہ نوٹ اپنے قرض خواہ کو دیدیا یا اس نوٹ کے ذریعے اپنی ضرورت کا کوئی سامان خرید لیا زکوۃ ادا ہو گئی یا نہیں ؟ (۳) اگر اپنے اعزا و اقربا کو زکوۃ کا روپیہ عیدی کا انعام وغیرہ ظاہر کر کے دیا جائے (تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو) تو زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟ المستفتی شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار دہلی

(جواب ٥٠) (۱) نوٹ دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی بلکہ نوٹ سے جب کوئی مال حاصل کر لیا جائے اس وقت زکوۃ ادا ہوتی ہے (۲) ہاں اپنا قرضہ ادا کر دیا یا کوئی سامان خرید لیا تو زکوۃ ادا ہو گئی (۳) ہاں زکوۃ ادا ہو جائے گی جب کہ وہ لوگ جن کو رقم دی ہے مستحق زکوۃ ہوں۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) و سببه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولي - و فارغ عن حاجته الاصلية نام ولو تقديرا ... الخ (الدر المختار مع الرد : ۲/۲۵۹)

(۲) لا يصرف الى بناء مسجد ولا الى كفن ميت ولا الى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الاصلية من اى مال كان (الدر المختار مع الرد :۲/۳٤٤-۳٤۷)

(۳) ملاحظہ: چونکہ شروع میں کرنسی کی حیثیت صرف قرض کی دستاویز اور ایک رسید کی تھی اس لئے اس وقت کے علماء نے کرنسی نوٹ دینے سے زکوۃ ادا نہ ہونے کا فتویٰ دیا تھا بلکہ فقیر جب اس کو خرچ کر لے یا کسی مصرف میں لگا دیتا تو زکوۃ ادا ہونے کا حکم دیتے تھے اب چونکہ کرنسی خود مال ہے جوں ہی فقیر کے قبضے میں آتا ہے تو زکوۃ ادا ہو گی زکوۃ کی ادائیگی اب فقیر کے استعمال میں لانے پر موقوف نہیں۔

(٤) دفع الزكاة الى صبيان اقاربه برسم عيد او الى مبشر او مهدى الباكورة جاز الا اذا نص على التعوين (قال في الشامية) قوله الى صبيان اقاربه اى العقلاء والا فلا يصح الا بالدفع الى ولي الصغير (رد المحتار مع الدر : ۲/۳۵٦)

کتاب الزکوۃ چوتھا باب فصل سوم

زکوۃ کی رقم مسجد میں لگانا جائز نہیں

(سوال) بوقت اشد ضرورت مسجد' مدرسہ' کنواں' یا مسافر خانے کی تعمیر میں زکوۃ کا روپیہ لگانا جب کہ اس کے سوا کوئی صورت نہ ہو کس طریقے سے جائز ہے؟ المستفتی شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار' دہلی

(جواب ۵۱) زکوۃ کی رقم حیلے سے بدل کر خرچ کی جائے تو خیر ورنہ زکوۃ مسجد میں لگانا جائز نہیں۔(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

کتاب الزکوۃ چھٹا باب

(سوال) صدقہ فطر میں پونے دو سیر گیہوں یا اس کی قیمت ادا کریں؟ بعض آدمی سوا دو سیر گیہوں بتاتے ہیں؟ المستفتی مستری حافظ انعام الٰہی محلہ فراش خانہ' دہلی

(جواب ۵۲) صدقہ فطر میں پونے دو سیر گیہوں دینا چاہئیے گیہوں نہ ملے تو قیمت دیدی جائے سوا دو سیر گیہوں بتانے والے غلطی پر ہیں۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کتاب الزکوۃ والصدقات چھٹا باب

(سوال) ہمارے یہاں ہر چیز پر کنٹرول ہے گیہوں چاول جو نہیں ہوتے پر پیسہ جو فطرہ میں دیں کنٹرول سے گیہوں چاول کا حساب کر کے یا عام بازاری ریٹ کے حساب سے کیونکہ ہر شخص کو کنٹرول حساب پر چیزیں نہیں ملتیں۔ ملا کر خریدنا پڑتا ہے۔ المستفتی محمد صغیر خاں موضع و پوسٹ اوسیا ضلع غازی پور

(جواب ۵۳) کنٹرول کے حساب سے گیہوں کی قیمت صدقہ فطر میں دے سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ

کتاب النکاح پانچواں باب

(سوال) حضور کے حکم کے مطابق ایجاب و قبول والا فتویٰ دار العلوم دیوبند کا روانہ خدمت کرنے سے مجبور ہوں کیونکہ منگانے والا دیتا نہیں مگر بایں جملہ سوال و جواب لکھتا ہوں۔

بوقت نکاح ایجاب و قبول دونوں ماضی کے صیغے سے ہونا ضروری ہے یا بوقت ایجاب قاضی نکاح خواں کا یہ کہنا کہ فلاں کی لڑکی فلانۃ کو بعوض اتنے مہر کے تمہارے نکاح میں دیتا ہوں کہنے سے بھی نکاح ہو جائے گا؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ "میں نے دیا" کی جگہ "میں دیتا ہوں" سے بھی نکاح ہو جائے گا۔

---

(۱) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحۃ کما مر لا یصرف الی بناء مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینہ (الدر المختار مع الرد : ۲/ ۳٤٤)

(۲) تجب نصف صاع من برأو دقیقہ او سویقۃ اوزبیب او صاع تمر وھوای الصاع المعتبر ما یسع الفا واربعین درھما من ماش او عدس ودفع القیمۃ افضل من دفع العین علی المذھب (شرح التنویر مع رد المحتار : ۳٦٤)

دار العلوم دیوبند کا جواب یہ ہے کہ "ایجاب و قبول دونوں کا صیغہ ماضی ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر ایک ماضی ہو اور دوسرا حال یا استقبال ہو تو بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور مولوی صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے و ینعقد ایضا بما وضع احدھما للماضی والا خر للاستقبال اولحال الخ (در مختار ص ۲۶۱ ج ۲) کتبہ محمد نور الدین سلہٹی متعلم دار العلوم دیوبند - الجواب صحیح سید مہدی حسن صدر مفتی ۲۱-۲-۱۳۷۱ھ

حضور کا جواب یہ ہے "دونوں (ایجاب و قبول) ماضی کے صیغے ہونے چاہئیں محمد کفایت اللہ - اب حضور اس مسئلے کی تطبیق کریں بندہ تحت الجھن میں ہے محمد صغیر خاں میانجی مقام اوسیا ضلع غازی پور -

(جواب ٥٤) ایجاب و قبول دونوں ماضی کے صیغے سے ہونے چاہئیں یہی افضل و بہتر ہے لیکن اگر بجائے صیغہ ماضی کے حال کا صیغہ استعمال کیا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے اور صیغہ استقبال جو حال و استقبال کے لئے مشترک ہے بولا جائے تب بھی نکاح ہو جائے گا - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(نوٹ از واصف) در مختار کی عبارت میں جو لفظ للاستقبال آیا ہے اس سے مراد فعل مضارع ہے اسی کو عربی میں فعل مستقبل بھی کہتے ہیں عربی میں فعل مضارع حال و استقبال کے لئے مشترک ہوتا ہے مثلاً فعل ماضی قبلتُ کے معنی ہیں "میں نے قبول کیا" اَقبَلُ فعل مضارع کے معنی ہیں "میں قبول کرتا ہوں" یا "قبول کروں گا" لیکن جب انشا کے موقع پر بولا جائے گا تو حال کے معنی متعین ہو جائیں گے کیونکہ محاورہ میں انشا کے موقع پر حال کا صیغہ تو انشا کا فائدہ دے سکتا ہے لیکن مستقبل کا صیغہ انشا کا فائدہ نہیں دے سکتا یہ تو تھا عربی زبان کا معاملہ اور مندرجہ بالا فتویٰ عربی زبان ہی سے تعلق رکھتا ہے لیکن اردو میں فعل مضارع جو حال اور استقبال میں مشترک ہے وہ عام طور پر شرط و جزا میں یا استفہام میں استعمال ہوتا ہے اور حال و استقبال کے لئے مستقل صیغے موجود ہیں اردو کا فعل مضارع ماضی کے موقع پر استعمال نہیں ہوتا یعنی عقود میں کار آمد نہیں ہوتا پس اگر ایجاب میں قاضی صیغہ ماضی استعمال کرے اور کہے کہ ہندہ کو میں نے تیرے نکاح میں دیا اور ناکح کہے کہ میں قبول کرتا ہوں تو وہ محاورے کی رو سے "میں نے قبول کیا" کا قائم مقام ہو سکتا ہے اور نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن اگر ناکح مضارع کا صیغہ بولے اور کہے کہ میں قبول کروں یا مستقبل کا صیغہ استعمال کرے اور کہے کہ میں قبول کروں گا تو یہ انشا کا فائدہ نہیں دے گا اور عقد صحیح نہ ہوگا قاضی ایجاب میں کہے کہ میں ہندہ کو تیرے نکاح میں دیتا ہوں اور ناکح کہے "میں نے قبول کیا" تو عقد صحیح ہے لیکن اگر قاضی کہے کہ میں ہندہ کو تیرے نکاح میں دوں یا دوں گا تو یہ ایجاب ہی صحیح نہیں پس قبول بھی غیر معتبر ہوگا -

واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم - حفیظ الرحمن واصف ۲ مئی ۱۹۷۵ء

کتاب الحظر والاباحۃ چھٹا باب

(سوال) گائے بھینس جو بچہ دیتی ہیں اور بعد بچہ دینے کے اس ۹ مہینے کے دودھ کو جو تھن میں ہوتا ہے کھایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ہماری طرف اس کو میٹھا ملا کر کھاتے ہیں - المستفتی محمد صغیر خاں میانجی مقام اوسیا ضلع غازی پور

(جواب ۵۵) نوزائیدہ بچے کے بعد جو دودھ تھن میں سے نکلتا ہے اور پکانے سے جم جاتا ہے اس کو پیوی اور کسی جگہ کھیس کہتے ہیں وہ حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے - محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مصر سے واپسی اور فوٹو کا مسئلہ

از حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی مہتمم مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد

کتاب الحظر والاباحۃ بیسواں باب

واپسی کے وقت کافی تعداد میں علماء عمائدین مصر جو پہنچانے کے لئے تشریف لائے تھے مصر کے عام قاعدے کے مطابق ان کی خواہش ہوئی کہ پارٹی کا فوٹو لیا جائے حضرت مفتی صاحب نے منع فرمادیا علمائے مصر کا ایک گروہ فوٹو کو جائز قرار دیتا ہے ان حضرات نے بحث شروع کردی بحث مختصر مگر بہت دلچسپ تھی سوال وجواب کے جملے اب تک ذہن میں ہیں جہاں تک حافظہ کام کررہا ہے سوال وجواب کے الفاظ یہ تھے-

علمائے مصر	ترجمہ
التصویر الممنوع انما هو الذی یکون بصنع الانسان و معالجة الایدی- وهذا لیس کذلك- انما هو عکس الصورة	ممنوع تو وہ تصویر ہے جو انسان کے عمل اور ہاتھوں کی کاریگری سے ہو فوٹو میں کچھ نہیں کرنا پڑتا یہ تو صورت کا عکس ہوتا ہے
حضرت مفتی صاحب	
کیف ینتقل هذا العکس من الزجاجة الی الورق؟	یہ عکس کیمرہ کے لینس سے کاغذ پر کس طرح منتقل ہو جاتا ہے؟
علمائے مصر	
بعد عمل کثیر-	بہت کچھ کاریگری کرنی پڑتی ہے
حضرت مفتی صاحب	
ای فرق بین معالجة الایدی و صنع الانسان والعمل الکثیر-	انسان کے عمل ہاتھوں کی کاریگری اور بہت کچھ کاریگری میں کیا فرق ہے؟
علمائے مصر	
نعم هو بشیء واحد-	کوئی فرق نہیں- سب کا ایک ہی مفہوم ہے-
حضرت مفتی صاحب	
اذا حکمها واحد-	لہذا حکم بھی سب کا ایک ہے-

علمائے مصر حضرت مفتی صاحب کی حاضر جوابی سے بے حد متاثر ہوئے اور کچھ ایسے خاموش ہوئے کہ جواب نہ دے سکے- (مفتی اعظم کی یاد ص ۱۴۶)